ابنِ صفی

جلد نمبر
1

جاسوسی دنیا

1- دلیر مجرم
2- خوفناک جنگل
3- عورت فروش کا قاتل
4- تجوری کا راز



جاسوسی دنیا

جلد نمبر 1



1 دلیر مجرم

2 خوفناک جنگل

3 عورت فروش کا قاتل

4 تجوری کا راز

ابن صفی

اسرار پبلی کیشنز

الکریم مارکیٹ، مین کبیر سٹریٹ

اردو بازار لاہور۔فون : 7321970 - 7357022

دیباچہ

''دلیر مجرم'' دوبارہ پیش کرتے وقت خیال ہوا کہ اس میں کچھ تبدیلیاں کی جائیں، لیکن میری علالت نے باز رکھا اور پھر میں نے یہ بھی سوچا کہ اس ناول میں آج تبدیلیاں کرنا جو ۵۲ء میں لکھا گیا ہو بالکل ایسا ہوگا جیسے کوئی بالغ آدمی اپنے بچپن کی تصویر میں ڈاڑھی اور مونچھوں کا اضافہ کردے۔

لہٰذا یہ ناول جوں کا توں اپنی اصلی حالت میں پیش کیا جارہا ہے۔ یہ اس زمانے کی کہانی ہے جب میاں حمید محبوباؤں کے لئے بڑی سنجیدگی سے دو چار آنسو بھی بہالیا کرتے تھے اور کسی حد تک افلاطونی عشق کے بھی قائل تھے۔ بہرحال وہ اتنے اسمارٹ نہیں تھے جتنے آج کل نظر آتے ہیں! فریدی کی شخصیت میں بھی تھوڑا کچا پن تھا لیکن اس کے باوجود بھی وہ آپ کو اس پوری کہانی پر چھایا ہوا نظر آئے گا۔

ابن صفی

عجیب وغریب قتل

''مجھے جانا ہی پڑے گا مامی''۔ ڈاکٹر شوکت نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اوور کوٹ کی دوسری آستین میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔

''ایشور تمہاری رکشا کرے اور اس کے سوا میں کہہ ہی کیا سکتی ہوں۔'' بوڑھی سیتا دیوی بولیں۔ ''لیکن سر میں اچھی طرح مفلر لپیٹ لو..... سردی بہت ہے۔''

''مامی.....!'' ڈاکٹر شوکت بچگانے انداز میں بولا۔ ''آپ تو مجھے بچہ ہی بنائے دے رہی ہیں..... مفلر سر میں لپیٹ لوں..... ہاہاہا.....!''

''اچھا بوڑھے میاں! جو تمہارا جی چاہے کرو۔'' سیتا دیوی منہ پھیلا کر بولیں۔ ''مگر میں کہتی ہوں یہ کیسا کام ہوگیا..... نہ دن چین نہ رات چین۔ آج آپریشن کل آپریشن۔''

''میں اپنی اچھی مامی کو کس طرح سمجھاؤں کہ ڈاکٹر خود آرام کرنے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ دوسروں کو آرام پہنچانے کے لئے ہوتا ہے۔''

''میں نے تو آج خاص طور سے تمہارے لئے میکرونی تیار کرائی تھی کیا رات کا کھانا بھی شہر ہی میں کھاؤ گے۔'' سیتا دیوی بولیں۔

''کیا کروں مجبوری ہے..... اس وقت سات بج رہے ہیں۔ نو بجے رات کو آپریشن ہوگا۔ کیس ذرا نازک ہے..... ابھی جا کر تیاری کرنی ہوگی..... اچھا خدا حافظ۔''

ڈاکٹر شوکت اپنی چھوٹی سی خوبصورت کار میں بیٹھ کر شہر کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہ سول ہسپتال میں اسسٹنٹ سرجن کی حیثیت سے کام کررہا تھا۔ دماغ کے آپریشن کا ماہر ہونے کی

حیثیت سے اس کی شہرت دور دور تک تھی۔ حالانکہ ابھی اس کی عمر کچھ ایسی نہ تھی وہ چوبیس پچیس برس کا ایک خوبصورت اور وجیہہ نوجوان تھا۔ اپنی عادات و اطوار اور سلیقہ مندی کی بناء پر وہ سوسائٹی میں عزت کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ قربانی کا جذبہ تو اس کی فطرت ثانیہ بن گیا تھا۔ آج کا آپریشن وہ کل پر بھی ٹال سکتا تھا لیکن اس کے ضمیر نے گوارہ نہ کیا۔

سیتا دیوی اکثر اس کی بھاگ دوڑ پر جھلا بھی جایا کرتی تھی۔ انہوں نے اسے اپنے بیٹے کی طرح پالا تھا۔ وہ ہندو دھرم کو ماننے والی ایک بلند کردار خاتون تھیں انہوں نے اپنی دم توڑتی ہوئی سہیلی جعفری خانم سے جو وعدہ کیا تھا اسے وہ آج تک نبھائے جارہی تھی۔ انہوں نے ان کے بیٹے کو ان کی وصیت کے مطابق ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم دلا کر اس قابل کردیا تھا۔ وہ آج سارے ملک میں اچھی خاصی شہرت رکھتا تھا۔ اگرچہ شوکت کی والدہ اس کی تعلیم کے لئے معقول رقم چھوڑ کر مری تھیں۔ لیکن کسی دوسرے کے بچے کو پالنا آسان کام نہیں اور پھر بچہ بھی ایسا جس کا تعلق غیر مذہب سے ہو۔ اگر وہ چاہتی تو اسے اپنے مذہب پر چلا سکتی تھیں لیکن ان کی نیک نیتی نے اسے گوارہ نہ کیا۔ دنیاوی تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ انہوں نے اس کی دینی تعلیم کا بھی معقول انتظام کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ نوجوان ہونے پر بھی شوکت علی ہی رہا۔ سیتا دیوی کے برادری کے لوگوں نے ایک مسلمان کے ساتھ رہنے کی بناء پر ان کا بائیکاٹ کر رکھا تھا مگر وہ اپنے مذہب کی پوری طرح پابند تھیں اور شوکت کو اس کے مذہبی احکام کی تعمیل کے لئے مجبور کرتی رہتی تھیں۔ وہ ڈاکٹر شوکت اور ایک ملازمہ کے ساتھ نشاط نگر نامی قصبہ میں رہ رہی تھیں۔ جو شہر سے پانچ میل کی دوری پر واقع تھا۔ یہ ان کی اپنی ذاتی کوٹھی تھی۔ وہ جوانی ہی میں بیوہ ہوگئی تھیں۔ ان کے شوہر اچھی خاصی جائیداد کے مالک تھے جو کسی قریبی عزیز کے نہ ہونے کی بناء پر پوری کی پوری انہیں کے حصے میں آئی تھی۔

ڈاکٹر شوکت کے چلے جانے کے بعد انہوں نے ملازمہ سے کہا۔ ''میرے کمرے میں قندیل مت جلانا۔ میں آج شوکت ہی کے کمرے میں سوؤں گی۔ وہ آج رات بھر تھکتا رہے گا۔ میں نہیں چاہتی کہ جب وہ صبح کو آئے تو اپنے بستر کو برف کی طرح ٹھنڈا اور یخ پائے۔ جاؤ

جا کر اس کا بستر بچھا دو۔''

نوجوان خادمہ انہیں حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ آج پہلی بار اس نے انہیں اس قسم کی گفتگو کرتے سنا تھا۔ جو پر معنی بھی تھی اور مضحکہ خیز بھی۔ وہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ پھر اسے ایک مامتا بھرے دل کی جھلک سمجھ کر خاموش ہو رہی۔

''کیا سوچ رہی ہو۔'' سیتا دیوی بولیں۔

''تو کیا آج رات ہم تنہا رہیں گے؟'' خادمہ اپنی آواز دھیمی کر کے بولی۔ ''وہ شخص آج پھر آیا تھا۔''

''کون شخص.....؟''

''میں نہیں جانتی کہ وہ کون ہے لیکن میں نے کل رات کو بھی اس کو باغ میں چھپ چھپ کر چلتے دیکھا تھا۔ کل تو میں سمجھتی تھی کہ شاید وہ کوئی راستہ بھولا ہوا راہگیر ہوگا۔ مگر آج چھ بجے کے قریب وہ پھر دکھائی دیا تھا۔''

''اچھا.....!'' سیتا دیوی سوچ کر بولیں۔ ''وہ شاید ہماری مرغیوں کی تاک میں ہے۔ میں صبح ہی تھانے کے دیوان سے کہوں گی۔''

سیتا دیوی نے یہ کہہ کر اس کو اطمینان دلا دیا۔ لیکن خود الجھن میں پڑ گئیں۔ آخر یہ پراسرار آدمی ان کی کوٹھی کے گرد کیوں منڈلاتا رہتا ہے۔ انہیں اپنے مذہبی ٹھیکیداروں کی دھمکی اچھی طرح یاد تھی۔ لیکن اتنے عرصے کے بعد ان کی طرف سے بھی کوئی خطرناک اقدام کوئی خاص معنی نہ رکھتا تھا۔ اس قسم کی نہ جانے کتنی گتھیاں ان کے ذہن میں رینگتی تھیں۔ آخر کار تھک ہار کر تسکین قلب کے لئے انہیں اپنے پہلے ہی خیال کی طرف لوٹ آنا پڑا۔ یعنی وہ شخص وہ کوئی معمولی چور تھا جسے ان کی مرغیاں پسند آ گئی تھیں۔ جیسے ہی تھانے کے گھنٹے نے دس بجائے وہ سونے کے لئے ڈاکٹر شوکت کے کمرے میں چلی گئیں، انہوں نے رات کھانا بھی نہیں کھایا۔

خادمہ ان کی افتادِ طبع سے واقف تھی۔ اس لئے اس نے زیادہ اصرار بھی نہیں کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بھی سونے کے کمرے میں چلی گئی۔ وہ لیٹنے ہی والی تھی کہ اس نے صدر دروازے

کو دھماکے کے ساتھ بند ہوتے سنا۔ اسے خیال پیدا ہوا کہ ڈاکٹر شوکت خلاف توقع واپس آ گیا ہے۔ وہ برآمدے میں نکل آئی۔ باغ میں سیتا دیوی کی غصیلی آواز سنائی دی۔ وہ کسی مرد سے تیز لہجے میں بات کر رہی تھیں۔ وہ حیرت سے سننے لگی۔ وہ ابھی باہر جانے کا ارادہ ہی کر رہی تھی کہ سیتا دیوی بڑبڑاتی ہوئی آتی دکھائی دیں۔

''تم.....!'' وہ بولیں۔ ''ارے لڑکی تو کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑی ہے۔ اس سردی میں بغیر کمبل اوڑھے باہر نکل آئی ہے..... نہ جانے کیسی ہیں آج کل کی لڑکیاں۔''

''کون تھا.....!'' خادمہ نے ان کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے پوچھا۔

''وہی آدمی تو نہیں تھا۔'' خادمہ نے خوفزدہ ہو کر پوچھا۔

''نہیں وہ نہیں تھا۔ سردی بہت ہے۔ صبح بتاؤں گی..... اچھا اب جاؤ۔''

خادمہ متحیر ہوتی ہوئی چلی گئی۔ ہر چند کہ اس واقعہ کی کوئی اہمیت نہ رہی ہو لیکن یہ اسے حد درجہ پراسرار معلوم ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ خراٹے لینے لگی۔

دوسرے دن صبح آٹھ بجے جب ڈاکٹر شوکت واپس آیا تو اس نے ملازمہ کو حد درجہ پریشانی اور سراسیمگی کی حالت میں پایا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ سیتا دیوی خلاف معمول ابھی سو رہی ہیں۔ حالانکہ ان کا روزانہ کا معمول تھا کہ صبح تقریباً پانچ ہی بجے سے اٹھ کر پوجا پاٹھ کے انتظام میں مشغول ہو جایا کرتی تھیں۔ شوکت کو بھی اس واقعہ سے تشویش ہوگئی۔ لیکن اس نے پھر سوچا کہ شاید رات میں زیادہ دیر تک جاگی ہوں گی۔ اس نے ملازمہ کو اطمینان دلا کر ناشتہ لانے کو کہا۔ نو بج گئے لیکن سیتا دیوی نہ اٹھیں۔ اب شوکت کی پریشانی حد سے زیادہ بڑھ گئی۔ اس نے دروازہ پیٹنا شروع کیا..... لیکن بے سود..... اندر سے کوئی جواب نہ ملا تھا۔ ہار کر اس نے ایک بڑھئی بلوایا۔

دروازہ ٹوٹتے ہی اس کی چیخ نکل گئی۔

سیتا دیوی سر سے پاؤں تک کمبل اوڑھے چت لیٹی ہوئی تھی اور ان کے سینے میں ایک خنجر اس طرح پیوست تھا کہ صرف ایک دستہ نظر آ رہا تھا۔ بستر خون سے تر تھا۔

ڈاکٹر شوکت ایک مضبوط دل کا آدمی ہوتے ہوئے بھی تھوڑی دیر کے لئے بیہوش سا ہوگیا۔ ہوش آتے ہی وہ بچوں کی طرح سسکیاں لیتا ہوا زمین پر گر پڑا۔

انسپکٹر فریدی

سارے گھر میں ایک عجیب سی ماتمی فضا طاری تھی۔ قصبہ کے تھانے پر اطلاع ہوگئی تھی اور اس وقت ایک سب انسپکٹر اور دو ہیڈ کانسٹیبل مقتولہ کے کمرے کے سامنے بیٹھے سرگوشیاں کر رہے تھے۔ خادمہ کے بیان پر انہوں نے اپنی تشویش کے گھوڑے دوڑانے شروع کر دیئے تھے۔ ان کے خیال میں وہی پراسرار آدمی قاتل تھا جو رات کو باغ میں ٹہلتا ہوا پایا گیا تھا اور سیتا دیوی رات میں اسی سے جھگڑا کر رہی تھیں۔ ڈاکٹر شوکت ان کی بحثوں سے قطعی غیر مطمئن تھا جیسے جیسے وہ اپنی تجربہ کاری کا اظہار کر رہے تھے اس کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔ ویسے بھی وہ اپنے قصبہ کی پولیس کو ناکارہ سمجھتا تھا۔ اسی لئے اس نے محکمہ سراغ رسانی کے انسپکٹر فریدی کو ایک نجی خط لکھ کر بلوایا تھا اور اس کا انتظار کر رہا تھا۔ فریدی ان چند انسپکٹروں میں تھا جو بہت ہی اہم کاموں کے لئے وقف تھے لیکن ذاتی تعلقات کی بناء پر ڈاکٹر شوکت کو پورا یقین تھا کہ اسے یہ کیس سرکاری طور پر نہ بھی سونپا گیا تو وہ نجی طور پر اسے اپنے ہاتھ میں لے لے گا۔

تقریباً دو گھنٹے کے بعد انسپکٹر فریدی بھی اپنے اسسٹنٹ سرجنٹ حمید کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ انسپکٹر فریدی تیس بتیس سال کا ایک قوی ہیکل جوان تھا۔ اس کی کشادہ پیشانی کے نیچے دو بڑی بڑی خواب آلود آنکھیں اس کی ذہانت اور تدبر کی آئینہ دار تھیں۔ اس کے لباس کے رکھ رکھاؤ اور تازہ شیو سے معلوم ہو رہا تھا وہ ایک بااصول اور سلیقہ مند آدمی ہے۔ سرجنٹ حمید کے خدوخال میں قدرے زنانہ پن کی جھلک تھی۔ اس کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بے جا ناز برداریوں اور اپنے حسن کی نمائش کا عادی ہے۔ اس نے کوئی بہت ہی تیز خوشبو والا پینٹ لگا

رکھا تھا۔ اس کی عمر چوبیس سال سے زیادہ نہ تھی لیکن اس چھوٹی سی عمر میں بھی وہ بلا کا ذہین تھا۔

اسی ذہانت کی بناء پر انسپکٹر فریدی کے تعلقات اس سے دوستانہ تھے۔ دونوں کی آپس کی گفتگو سے افسری یا ماتحتی کا پتہ لگانا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور تھا۔

تھانے کے سب انسپکٹر اور دیوان ان کی غیر متوقع آمد سے گھبرا سے گئے کیونکہ انہیں ان کے آنے کی اطلاع نہ تھی۔ انہیں ان کی غیر ضروری آمد کچھ ناگوار سی گذری۔

''ڈاکٹر شوکت.....!'' فریدی نے اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''اس نقصان کی تلافی ناممکن ہے البتہ رسمی طور پر میں اپنے غم کا اظہار ضرور کروں گا۔''

''انسپکٹر آج میری ماں مرگئی۔'' شوکت کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔

''صبر کرو..... تمہیں ایک مضبوط دل کا آدمی ہونا چاہئے۔'' فریدی نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے جواب دیا۔

''کہئے داروغہ جی کچھ سراغ ملا۔'' اس نے سب انسپکٹر کی طرف مڑ کر کہا۔

''ارے صاحب! ہم بیچارے بھلا سراغ لگانا کیا جانیں۔'' سب انسپکٹر طنزیہ انداز میں بولا۔

فریدی نے جواب کی تلخی محسوس ضرور کی لیکن وہ صرف مسکرا کر خاموش ہوگیا۔

''شوکت صاحب! یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ میں آج کل چھٹی پر ہوں۔'' فریدی بولا۔ ''اور پھر دوسری بات یہ کہ عموماً قتل کے کیس اس وقت ہمارے پاس آتے ہیں جب سول پولیس تفتیش میں ناکام رہتی ہے۔''

تھانے کے انسپکٹر کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔

انسپکٹر فریدی نے اس تغیر کو محسوس کرلیا اور اپنے مخصوص دل آزار اور شرارت آمیز لہجہ میں بولا۔ ''لیکن میں ذاتی تعلقات کی بناء پر نجی طور پر اس کیس کو اپنے ہاتھ میں لوں گا۔'' تھانے کے سب انسپکٹر کی آنکھوں کی چمک دفعتاً اس طرح غائب ہوگئی جیسے سورج کا چہرہ سیاہ بادل ڈھانپ لیتے ہیں۔ اس کا منہ لٹک گیا۔

فریدی نے واقعات سننے کے بعد خادمہ کا بیان لینے کی خواہش ظاہر کی۔ خادمہ نے

شروع سے آخر تک رات کے سارے واقعات دہرا دیئے۔

''کیا تم بتا سکتی ہو کہ رات میں تم نے ان واقعات کے بعد بھی کوئی آواز سنی تھی۔''

''جی نہیں..... سوائے اس کے کہ وہ دیوی جی کے بڑبڑانے کی آواز تھی۔ وہ اکثر سوتے وقت بڑبڑایا کرتی تھیں۔''

''ہوں..... کیا تم بتا سکتی ہو کہ وہ کیا بڑبڑا رہی تھیں۔''

''کچھ بے ربط باتیں تھیں۔ ٹھہریئے یاد کرکے بتاتی ہوں۔ ہاں ٹھیک یاد آیا..... وہ راج روپ نگر..... راج روپ نگر چلا رہی تھیں۔ میں نے اس پر کوئی دھیان نہیں دیا۔ کیونکہ میں ان کی عادت سے واقف تھی۔''

''راج روپ نگر.....!'' فریدی نے دھیرے سے دہرایا اور کچھ سوچنے لگا۔

''حمید..... تم نے اس سے پہلے بھی یہ نام سنا ہے؟''

حمید نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''ڈاکٹر شوکت تم نے۔''

''میں نے تو آج تک نہیں سنا۔''

''کیا سیتا دیوی نے بھی یہ نام کبھی نہیں لیا۔''

''میری یادداشت میں تو نہیں۔'' ڈاکٹر شوکت نے ذہن پر زور دیتے ہوئے جواب دیا۔

''ہوں..... اچھا.....!'' فریدی نے کہا۔ ''اب میں ذرا لاش کا معائنہ کرنا چاہتا ہوں۔''

وہ سب لوگ اس کمرے میں آئے جہاں لاش پڑی ہوئی تھی۔ چارپائی کے سرہانے والی کھڑکی کی کھلی ہوئی تھی۔ اس میں سلاخیں نہیں تھیں۔ انسپکٹر فریدی دیر تک لاش کا معائنہ کرتا رہا۔ پھر اس نے وہ چھرا سب انسپکٹر کی اجازت سے مقتولہ کے سینے سے کھینچ لیا اور اس کے دستوں پر انگلیوں کے نشانات ڈھونڈنے لگا۔

پھر کھڑکی کی طرف گیا اور جھک کر نیچے کی طرف دیکھنے لگا۔ کھڑکی سے تین فٹ نیچے تقریباً ایک فٹ چوڑی کارنس تھی جس سے ایک بانس کی سیڑھی ٹکی ہوئی تھی۔ کھڑکی پر پڑی ہوئی

گرد کی تہہ کئی جگہ سے صاف تھی اور ایک جگہ ہاتھ کی پانچوں انگلیوں کے نشان۔ ''یہ تو صاف ظاہر ہے کہ قاتل اس کھڑکی سے داخل ہوا۔'' فریدی نے کہا۔

''یہ تو اتنا صاف ہے کہ گھر کی خادمہ بھی یہی کہہ رہی تھی۔'' تھانے کے سب انسپکٹر نے مضحکہ اڑانے کے انداز میں کہا۔

فریدی نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر خاموشی سے خنجر کا جائزہ لینے لگا۔

''قاتل نے دستانے پہن رکھے تھے اور وہ ایک مشاق خنجر باز معلوم ہوتا ہے۔'' انسپکٹر فریدی بولا۔ ''اور وہ ایک غیر معمولی طاقتور انسان ہے..... داروغہ جی اس خنجر کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔''

''خنجر..... جی ہاں یہ بھی بہت مضبوط معلوم ہوتا ہے۔'' سب انسپکٹر مسکرا کر بولا۔

''جی نہیں میں اس کی ساخت کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔''

''اس کی ساخت کے بارے میں صرف لوہار ہی بتا سکتے ہیں۔''

''جی نہیں..... میں بھی بتا سکتا ہوں۔ اس قسم کے خنجر نیپال کے علاوہ اور کہیں نہیں بنتے۔''

''نیپال.....!'' ڈاکٹر شوکت تحیر آمیز لہجہ میں بولا اور بے تابانہ انداز میں ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

''کیوں..... کیا بات ہے۔'' فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

''کوئی بات نہیں۔'' شوکت نے خود پر قابو حاصل کرتے ہوئے کہا۔

''خیر ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ اس قسم کے خنجر سوائے نیپال کے اور کہیں نہیں بنائے جاتے اور ڈاکٹر میں تم سے کہوں گا کہ.....!'' ابھی وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ ایک کانسٹیبل نے آ کر اطلاع دی کہ اس شخص کا پتہ لگ گیا ہے جس سے کل رات سیتا دیوی کا جھگڑا ہوا تھا۔

سب لوگ بے تابانہ انداز میں دروازے کی طرف بڑھے۔ باہر ایک باوردی کانسٹیبل کھڑا تھا۔ آنے والے کانسٹیبل نے بتایا رات سیتا دیوی اسی سے جھگڑ رہی تھی۔ وہ رات اس طرف سے گزر رہا تھا کہ سیتا دیوی نے اسے پکارا۔ اسے جلدی تھی کیونکہ وہ گشت پر جا رہا تھا۔ لیکن وہ

پھر بھی چلا آیا۔ سیتا دیوی نے اسے بتایا کہ کوئی آدمی ان کی مرغیوں کی تاک میں ہے اور اس سے ادھر کا خیال رکھنے کی تاکید کی۔ اس نے جواب دیا کہ پولیس مرغیاں تاکنے کے لئے نہیں ہے اور پھر وہ دوسری چوکی کا کانسٹیبل ہے، اسی پر بات بڑھ گئی اور جھگڑا ہونے لگا۔

تھانے کا داروغہ اسے الگ لے جا کر اس سے پوچھ گچھ کرنے لگا اور فریدی نے بلند آواز میں کہنا شروع کیا۔ ''ہاں تو ڈاکٹر میں تم سے یہ کہہ رہا تھا کہ یہ خنجر دراصل تمہارے سینے میں ہونا چاہئے تھا۔ سیتا دیوی دھوکے میں قتل ہو گئیں اور جب قاتل کو اپنی غلطی کا علم ہو گا تو وہ پھر تمہارے پیچھے پڑ جائے گا۔ اب پھر اسی کمرے میں چل کر میں اس کی تشریح کروں گا۔''

اس انکشاف پر سب کے سب بوکھلا گئے۔ شوکت گھبراہٹ میں جلدی جلدی پلکیں جھپکا رہا تھا۔ داروغہ جی کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں اور سرجنٹ حمید انہیں مضحکہ خیز انداز میں گھور رہا تھا۔

سب لوگ پھر لاش والے کمرے میں واپس آئے۔ انسپکٹر فریدی کھڑکی کی کارنس پر اتر گیا اور اس لائن کے سارے کمروں کی کھڑکیوں کا جائزہ لیتا ہوا لوٹ آیا۔

اب معاملہ بالکل ہی صاف ہو گیا کہ سیتا دیوی ڈاکٹر ہی کے دھوکے میں قتل ہوئی ہیں۔ اگر قاتل سیتا دیوی کو قتل کرنا چاہتا تھا تو اسے یہ کیا معلوم کہ سیتا دیوی شوکت کے کمرے میں سوئی ہوئی تھی۔ اگر وہ تلاش کرتا ہوا اس کمرے تک پہنچا تھا تو دوسری کھڑکیوں پر بھی اس قسم کے نشانات ہو سکتے تھے جیسے کہ اس کھڑکی پر ملے ہیں اور پھر سیتا دیوی کے قتل کی صرف ایک ہی وجہ ہو سکتی تھی وہ ان کی جائیداد۔ اگر ان کا ترکہ ان کے کسی عزیز کو پہنچتا ہوتا تو وہ انہیں اب سے دس برس قبل ہی قتل کر دیتا یا کرا دیتا۔ جبکہ انہوں نے اپنی جائیداد دھرم شالہ کے نام وقف کرنے کا صرف ارادہ ہی کیا تھا۔ اب جبکہ دس سال گزر چکے ہیں اور جائیداد کے متعلق پوری قانونی وصیت محفوظ ہے ان کے قتل کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی اگر قاتل چوری کی نیت سے اتفاقاً اس کمرے میں داخل ہوا جس میں وہ سو رہی تھیں تو کیا وجہ ہے کہ کوئی چیز چوری نہیں کی گئی۔

''ممکن ہے کہ اس کمرے میں اس کے داخل ہوتے ہی مقتولہ جاگ اٹھی ہو اور وہ پکڑے

جانے کے خوف سے اسے قتل کر کے کچھ چرائے بغیر ہی بھاگ کھڑا ہوا۔'' داروغہ جی نے اپنی دانست میں بڑا تیر مارا۔

''مائی ڈیئر.....!'' فریدی جوش میں بولا۔ ''لیکن میں ثابت کرسکتا ہوں کہ قاتل حملہ کے بعد کافی دیر تک اس کمرے میں ٹھہرا ہے۔''

سب انسپکٹر کے چہرے پر تمسخر آمیز مسکراہٹ پھیل گئی اور سرجنٹ حمید اسے دانت پیس کر گھورنے لگا۔

انسپکٹر فریدی نے نہایت سکون کے ساتھ کہنا شروع کیا۔ ''جس وقت شوکت نے مقتولہ کو دیکھا وہ سر سے پیر تک کمبل اوڑھے ہوئی تھی ظاہر ہے کہ اس سے پہلے کوئی کمرے میں داخل بھی نہ ہوسکتا تھا کیونکہ دروازہ اندر سے بند تھا۔ لہٰذا لاش پر پہلے شوکت ہی کی نظر پڑی۔ اس لئے کسی اور کے منہ ڈھانکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اب ذرا لاش کے قریب آیئے..... داروغہ جی میں آپ سے کہہ رہا ہوں۔ یہ دیکھئے مقتولہ کا نچلا ہونٹ اس کے دانتوں میں دب کر رہ گیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قاتل نے ایک ہاتھ سے مقتولہ کا منہ دبایا تھا اور دوسرے ہاتھ سے وار کیا تھا۔ پھر فوراً ہی منہ دبائے ہوئے اس کے پیروں پر بیٹھ گیا تھا تاکہ وہ جنبش نہ کرسکے اور وہ اس حالت میں اس وقت تک رہا جب تک کہ مقتولہ نے دم نہ توڑ دیا۔ ہونٹ کا دانتوں میں دبا ہونا ظاہر کر رہا ہے کہ وہ تکلیف کی شدت میں صرف اتنا کرسکی کہ اس نے دانتوں میں ہونٹ لیا لیکن قاتل کے ہاتھ کے دباؤ کی وجہ سے ہونٹ پھر اپنی اصلی حالت پر نہ آسکا اور اسی حالت میں اش ٹھنڈی ہوگئی۔ قاتل کو اپنے مقصد کی کامیابی پر اتنا یقین تھا کہ اس نے کمبل الٹ کر اپنے شکار کا چہرہ تک دیکھنے کی زحمت گوارہ نہ کی۔ ممکن ہے کہ اس نے بعد میں منہ کھول کر دیکھا بھی ہو مگر نہیں اگر ایسا کرتا تو پھر دوبارہ ڈھانک دینے کی کوئی ایسی خاص وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔''

''کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ خودکشی کا کیس ہو۔'' سب انسپکٹر نے پھر اپنی قابلیت کا اظہار کیا۔

''جناب والا.....!'' سرجنٹ حمید بولا۔ ''اتنی عمر آئی لیکن کمبل اوڑھ کر آرام سے خنجر

گھونپ لینے والا ایک بھی نہ ملا کہ میں اس کی قدر کرسکتا۔''

سب انسپکٹر نے جھینپ کر سر جھکا لیا۔

انسپکٹر فریدی ان سب باتوں کو سنی ان سنی کر کے ڈاکٹر شوکت کو مخاطب کر کے بولا۔

''ڈاکٹر..... تمہاری جان خطرے میں ہے۔ ہر ممکن احتیاطی تدابیر کرو۔ یہ پلاٹ تمہارے ہی قتل کے لئے بنایا گیا تھا۔ سوچ کر بتاؤ کیا تمہارا کوئی ایسا دشمن ہے جو تمہاری جان تک لے لینے میں دریغ نہ کرے گا۔''

''میری دانست میں تو کوئی ایسا آدمی نہیں۔ آج تک میرے تعلقات کسی سے خراب نہیں رہے لیکن ٹھہریئے..... آپ کو یاد ہوگا کہ میں نیپالی خنجر کے تذکرے پر بے اختیار چونک پڑا تھا..... تقریباً پندرہ یوم کا تذکرہ ہے کہ ایک رات میں ایک بہت ہی خطرناک قسم کا آپریشن کرنے جارہا تھا کہ ایک اچھی حیثیت کا نیپالی میرے پاس آیا اور مجھ سے درخواست کی کہ میں اسی وقت ایک مریض کو دیکھ لوں۔ جس کی حالت خطرناک تھی۔ میں نے معذوری ظاہر کی۔ وہ رونے اور گڑگڑانے لگا۔ لیکن میں مجبور تھا۔ کیونکہ پہلے ہی سے ایک خطرناک کیس میرے پاس تھا۔ خطرہ تھا کہ اسی رات اس کا آپریشن نہ کیا گیا تو مریض کی موت واقع ہوجائے گی۔ آخر جب وہ نیپالی مایوس ہوگیا تو مجھے بُرا بھلا کہتے ہوئے واپس چلا گیا۔''

دوسرے دن صبح جب میں ہسپتال جارہا تھا تو چرچ روڈ کے چوراہے پر پٹرول لینے کے لئے رکا تو وہاں مجھے وہی نیپالی نظر آیا۔ مجھے دیکھ کر اس نے نفرت سے بُرا سا منہ بنایا اور اپنی زبان میں کچھ بڑبڑاتا ہوا پھر میری طرف مکا تان کر کہنے لگا۔

''شالا ..... ہمارا آدمی مرگیا۔ اب ہم تمہاری خبر لے لے گا۔'' میں نے ہنس کر موٹر اسٹارٹ کی۔

''ہوں اچھا.....!'' فریدی بولا۔ ''اس کی شکل وصورت کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہو۔''

''یہ ذرا مشکل ہے کیونکہ مجھے تو سارے نیپالی ایک ہی جیسی شکل وصورت کے لگتے ہیں۔'' ڈاکٹر شوکت نے جواب دیا۔

''خیر اپنی حفاظت کا خاص خیال رکھو..... اچھا داروغہ جی میرا کام ختم..... ڈاکٹر شوکت میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ اس کیس کو میں اپنے ہاتھ میں لوں گا لیکن مجھے افسوس ہے کہ بعض وجوہ کی بناء پر ایسا نہ کرسکوں گا۔ میرا خیال ہے کہ داروغہ جی بحسن وخوبی اس کام کو انجام دیں گے۔ اچھا اب اجازت چاہوں گا۔ ہاں ڈاکٹر ذرا کار تک چلو میں تمہارے تحفظ کے لئے تمہیں کچھ ہدایات دینا چاہتا ہوں..... اچھا داروغہ جی آداب عرض۔''

کار کے قریب پہنچ کر فریدی نے جیب سے ایک چھوٹا سا پستول نکالا اور ڈاکٹر شوکت کو تھما دیا۔ ''یہ لو حفاظت کے لئے میں تمہیں دیتا ہوں..... اور کل تک اس کا لائسنس بھی تم تک پہنچ جائے گا۔''

''جی نہیں..... شکریہ اس کی ضرورت نہیں.....!'' ڈاکٹر شوکت نے منہ پھلا کر جواب دیا۔

''احمق آدمی بگڑ گئے کیا.....؟ کیا سچ مچ تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اس واقعہ کی تفتیش نہ کروں گا۔ ہاں ان گدھوں کے سامنے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ نجی تفتیش سے انکار کردوں۔ یہ کم بخت صرف بڑے افسروں تک شکایت پہنچانے میں قابل ہوتے ہیں۔'' ڈاکٹر شوکت کے چہرے پر رونق آ گئی اور اس نے ریوالور لے کر جیب میں ڈال لیا۔

''دیکھو جب بھی کوئی ضرورت پیش آئے مجھے بلوا لینا۔ بہت ممکن ہے کہ میں دس بجے رات تک پھر آؤں۔ ہوشیاری سے رہنا..... اچھا خدا حافظ۔''

ڈرائیور نے کار اسٹارٹ کردی۔

سورج آہستہ آہستہ غروب ہو رہا تھا۔

قاتل کا قتل

''کیوں بھئی کہو کیسا کیس ہے۔'' فریدی نے سگار سلگا کر سارجنٹ حمید کی طرف جھکتے

ہوئے کہا۔ ''میرے خیال میں تو ایسا دلچسپ کیس بہت دنوں کے بعد ہاتھ آیا ہے۔''

''آپ تو دن رات کیسوں ہی کے خواب دیکھا کرتے ہیں۔ کچھ حسین دنیا کی طرف بھی نظر دوڑائیے۔'' حمید بیزاری سے بولا۔

''تو اسکا یہ مطلب کہ تم اس میں دلچسپی نہ لوگے۔ میں تو آج ہی تفتیش شروع کر رہا ہوں۔''

''بس مجھے تو معاف ہی رکھئے۔ میں نے تضیع اوقات کیلئے ایک ماہ کی چھٹی نہیں لی۔''

''بیکاری میں تمہارا دل نہ گھبرائے گا.....؟''

''بیکاری کیسی۔'' حمید جلدی سے بولا۔ ''کیا آپ کو معلوم نہیں کہ میں نے ابھی حال ہی میں ایک عدد عشق کیا ہے۔''

''ایک عدد.....!'' فریدی نے ہنس کر کہا۔ ''اگر اس تفتیش کے سلسلے میں کئی عدد اور ہوجائیں تو کیا مضائقہ ہے۔''

''شاید آپ کا اشارہ ڈاکٹر شوکت کی نوجوان خادمہ کی طرف ہے۔'' حمید منہ بنا کر بولا۔ ''معاف کیجئے گا..... میرا معیار اتنا گرا ہوا نہیں ہے۔''

''بڑے گدھے ہو تم..... مجھے اس کا خیال بھی نہ تھا۔'' فریدی نے سگار منہ سے نکال کر کہا۔ ''خیر ہٹاؤ..... کوئی اور بات کریں۔ ہاں بھئی سنا ہے کہ دو تین دن ہوئے ریلوے گراؤنڈ پر سرکس آیا ہوا ہے، بہت تعریف سنی ہے، چلو آج سرکس دیکھیں۔ صرف ساڑھے چار بجے ہیں۔ کھیل سات بجے شروع ہوگا۔ اتنی دیر میں ہم لوگ کھانا بھی کھالیں گے۔''

''ارے..... یہ کیا بدپرہیزی کرنے جا رہے ہیں۔ ارے لاحول ولا..... آپ اور لغویات..... یقین نہیں آتا کیا آپ نے سراغ رسانی سے توبہ کرلی۔'' حمید نے عجیب سا منہ بنا کر کہا۔

''تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ وہاں میں بے مطلب جا رہا ہوں۔ تم دیکھو گے کہ سراغ رسانی کیسے کی جاتی ہے۔'' فریدی نے جواب دیا۔

''معاف کیجئے گا..... اس وقت تو آپ کسی چھ پیسے والے جاسوسی ناول کے مشہور جاسوس

کی طرح بول رہے ہیں۔'' حمید بولا۔

''تم نے تو سرکس کا اشتہار دیکھا ہوگا۔ بھلا بتاؤ کس کھیل کی خصوصیت کیساتھ تعریف تھی۔''

''ایک نیپالی کا موت کے خنجر کا کھیل۔'' حمید نے جواب دیا۔ پھر اچھل کر کہنے لگا۔'' کیا مطلب.....!''

فریدی نے اس کے سوال کو ٹالتے ہوئے کہا۔'' اچھا اس کھیل میں ہے کیا.....تم تو ایک بار شائد دیکھ بھی آئے ہو۔''

''ہاں ایک لڑکی لکڑی کے تختے سے لگ کر کھڑی ہو جاتی ہے اور ایک نیپالی اس طرح خنجر پھینکتا ہے کہ وہ اس کے چاروں طرف لکڑی کے تختے میں چبھتے جاتے ہیں۔ آخر میں جب وہ ان خنجروں کے درمیان سے نکلتی ہے تو لکڑی کے تختے پر چبھے ہوئے خنجروں میں اس کا خاکہ سا بنا رہ جاتا ہے۔ بھئی واقعی کمال ہے، اگر خنجر ایک سوت بھی آگے بڑھ کر پڑے تو لڑکی کا قلع قمع ہو جائے۔''

''اچھا ان خنجروں کی لمبائی کیا ہوگی۔'' فریدی نے سگار کا کش لے کر کہا۔

''میرے خیال سے وہ خنجر ویسے ہی ہیں جیسا کہ آپ نے مقتولہ کے سینے سے نکالا تھا۔''

''بہت خوب.....!'' فریدی اطمینان سے بولا۔'' اچھا تو یہ بتاؤ کہ خنجر کا کتنا حصہ لکڑی کے تختے میں گھس جاتا ہوگا۔''

''میرے خیال میں چوتھائی۔''

''معمولی طاقت والے کے بس کا روگ نہیں۔'' فریدی نے حمید کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے جوش میں کہا۔'' اچھا میرے دوست آج سرکس ضرور دیکھا جائے گا۔''

''آخر آپ کا مطلب کیا ہے؟'' حمید بے چینی سے بولا۔

''ابھی فی الحال تو کوئی خاص مطلب نہیں۔ بقول تمہارے ابھی تو میری اسکیم کسی چھپے والے ناول کے سراغ رساں ہی کی اسکیم کی طرح معلوم ہو رہی ہے آگے اللہ مالک ہے۔''

''آخر کچھ بتایئے تو.....!''

''کیا یہ ممکن نہیں کہ سیتا دیوی کے قتل میں اسی نیپالی کا ہاتھ ہو۔''

''یوں تو اس کے قتل میں میرا بھی ہاتھ ہو سکتا ہے۔'' حمید ہنس کر بولا۔

''تم نہیں سمجھتے..... ایک لحیم شحیم عورت کی لاش کو پھڑکنے سے روک دینا کسی معمولی طاقت والے آدمی کا کام نہیں۔ ایک ذبح کئے ہوئے مرغ کو سنبھالنا دشوار ہو جاتا ہے۔ پھر جس شخص نے ڈاکٹر شوکت کو دھمکی دی تھی وہ بھی نیپالی ہی تھا۔ ایسی صورت میں کیوں نہ ہم اس شبہ سے فائدہ اٹھائیں۔ میں یہ وثوق کے ساتھ نہیں کہتا کہ قتل میں سرکس والے نیپالی ہی کا ہاتھ ہے۔ پھر بھی دیکھ لینے میں کیا مضائقہ ہے۔ اگر کوئی سراغ نہ مل سکا تو تفریح ہی ہو جائے گی۔''

''خیر میں سرکس دیکھنے سے انکار نہیں کر سکتا کیونکہ اس میں تقریباً دو درجن لڑکیاں کام کرتی ہیں۔ لیکن میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ وہاں کھیل کے دوران میں آپ بحث مباحثہ کر کے میرا مزہ کرکرا کریں۔''

''تم چلو تو سہی..... مجھے یہ بھی معلوم ہے۔'' فریدی نے بجھا ہوا سگار سلگا کر کہا۔

شہر پہنچ کر ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب انہوں نے ایوننگ نیوز میں نشاط نگر کے قتل کا حال پڑھا۔ اس پر انسپکٹر فریدی کے دلائل کا ایک ایک لفظ تحریر تھا اور یہ بھی لکھا تھا کہ انسپکٹر فریدی نے نجی طور پر موقعہ واردات کا معائنہ کیا تھا لیکن انہوں نے نجی تفتیش کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ انسپکٹر فریدی چھ ماہ کی رخصت پر ہیں۔ اس لئے خیال ہوتا ہے کہ شائد سرکاری طور پر بھی یہ کام ان کے سپرد نہ کیا جا سکے۔

''میرے خیال سے جس شخص کو ہم لوگ ڈاکٹر کا پڑوسی سمجھ رہے تھے وہ ایوننگ نیوز کا نامہ نگار تھا۔'' فریدی نے کہا۔'' اب تک تو حالات ہمارے ہی موافق ہیں۔ اس خبر کا آج ہی شائع ہو جانا بڑا اچھا ہوا۔ اگر واقعی سرکس والا نیپالی ہی قاتل ہے تو ہم باآسانی اس پر اس خبر کا ردعمل دیکھ سکیں گے۔''

''ہوں.....!'' حمید کچھ سوچتے ہوئے یوں ہی بے خیالی میں بولا۔

''کیا کوئی نئی بات سوجھی۔'' فریدی نے کہا۔

''میں کہتا ہوں آخر دردسری مول لینے سے فائدہ؟ کیوں نہ ہم لوگ اپنی چھٹیاں ہنسی خوشی گذاریں۔''

''اچھا بکواس بند۔'' فریدی جھلا کر بولا۔ ''اگر تم میرا ساتھ نہیں دینا چاہتے تو نہ دو۔ میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔''

''آپ تو خفا ہوگئے۔ میرا مطلب یہ تھا کہ اگر آپ بھی اس چھٹی میں ایک آدھ عشق کر لیتے تو اچھا تھا۔'' حمید نے منہ بنا کر کچھ اس انداز میں کہا کہ فریدی مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

''اچھا تو کھانا اس وقت میرے ہی ساتھ کھانا۔'' فریدی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''بسر و چشم.....!'' حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ ''بھلا میں اپنے آفیسر کا حکم کس طرح ٹال سکتا ہوں۔''

وہ سرکس شروع ہونے سے پندرہ منٹ قبل ہی ریلوے گراؤنڈ پہنچ گئے اور بکس کے ٹکٹ لے کر رنگ کے سب سے قریب والے صوفے پر جا بیٹھے۔ دو چار کھیلوں کے بعد اصل کھیل شروع ہوا۔ ایک ناٹے قد کا مضبوط نیپالی ایک خوبصورت لڑکی کیساتھ رنگ میں داخل ہوا۔

''غضب کی لونڈیا ہے۔'' حمید نے دھیرے سے کہا۔

''ہشت.....!'' فریدی نیپالی کو بغور دیکھ رہا تھا۔

''خواتین و حضرات.....!'' رنگ لیڈر کی آواز گونجی۔ ''اب دنیا کا خوفناک ترین کھیل شروع ہونے والا ہے۔ یہ لڑکی اس لکڑی کے تختے سے لگ کر کھڑی ہوجائے گی اور یہ نیپالی اپنے خنجر سے لڑکی کے گرد اس کا خاکہ بنائے گا۔ نیپالی کی ذرا سی غلطی یا لڑکی کی خفیف کی جنبش اسے موت کی آغوش میں پہنچا سکتی ہے لیکن دیکھئے کہ یہ لڑکی موت کا مقابلہ کس ہمت سے کرتی ہے اور اس نیپالی کا ہاتھ کتنا سدھا ہوا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔''

''کھٹ.....!'' ایک سنسناتا ہوا خنجر لڑکی کے سر کے بالوں کو چھوتا ہوا لکڑی کے تختے میں تین انچ دھنس گیا۔ لڑکی سر سے پیر تک لرز گئی۔ رنگ ماسٹر نے نیپالی کی طرف حیرت سے دیکھا

اور اس کے ہونٹ مضطربانہ انداز میں ہلنے لگے۔ دیکھنے والوں پر سناٹا چھا گیا۔

''کھٹ.....!'' دوسرا خنجر لڑکی کے کاندھے کے قریب فراک کے پف کو چھدتا ہوا تختے میں دھنس گیا..... لڑکی کا چہرہ دودھ کی طرح سفید نظر آنے لگا۔ رنگ لیڈر نے بے تابانہ رنگ کا چکر لگا ڈالا۔ نیپالی کھڑا دسمبر کی سردی میں اپنے چہرے سے پسینہ پونچھ رہا تھا۔

''کیا اس دن بھی یہ خنجر جسم کے اتنے قریب لگے تھے۔'' فریدی نے جھک کر حمید سے پوچھا۔

''ہرگز نہیں..... ہرگز نہیں۔'' حمید نے بیتابی سے کہا۔ ''ان کا فاصلہ تین یا چار انچ تھا۔!''

''کھٹ.....!'' اب کی بار لڑکی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اس کے بازو سے خون نکل رہا تھا۔ فریدی نے نیپالی کو شرابیوں کی طرح لڑکھڑاتے رنگ کے باہر جاتے دیکھا۔ فوراً ہی پانچ چھ جوکروں نے رنگ میں آ کر اچھل کود مچادی۔

''خواتین و حضرات.....'' رنگ ماسٹر کی آواز گونجی۔ ''مجھے اس واقعہ پر حیرت ہے۔ نیپالی پندرہ بیس برس سے ہمارے سرکس میں کام کر رہا ہے لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا۔ ضرور وہ کچھ بیمار ہے۔ جس کی اطلاع ہمیں نہ تھی۔ بہرحال ابھی بہت سے دلچسپ کھیل باقی ہیں۔''

''آؤ چلیں.....!'' فریدی نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر اٹھتے ہوئے کہا۔

متعدد خیموں کے درمیان سے گذرتے ہوئے وہ تھوڑی دیر بعد منیجر کی دفتر کے سامنے پہنچ گئے۔ فریدی نے چپڑاسی سے اپنا ملاقاتی کارڈ اندر بھجوادیا۔

منیجر اٹھ کر ہاتھ ملاتے ہوئے پرتپاک لہجے میں بولا۔ ''فرمایئے کیسے تکلیف فرمائی۔''

''میں خنجر والے نیپالی کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں۔''

''کیا عرض کروں انسپکٹر صاحب..... مجھے خود حیرت ہے۔ آج تک ایسا واقعہ نہیں ہوا۔ مجھے سخت شرمندگی ہے۔ کیا قانوناً مجھے اس کے لئے جواب دہ ہونا پڑے گا۔ کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ آج کئی دن سے اس کی حالت بہت ابتر ہے۔ وہ بے حد شراب پینے لگا ہے۔ ہر وقت نشے میں ڈینگیں مارتا رہتا ہے۔ ابھی کل ہی اپنے ایک ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ میں اب اتنا دولت مند ہوگیا ہوں۔ مجھے نوکری کی بھی پرواہ نہیں۔ اس نے اسے نوٹوں کی کئی گڈیاں بھی

دکھائی تھیں۔"

"اس کی یہ حالت کب سے ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ راج روپ نگر کے دوران قیام ہی میں اس کی حالت میں تبدیلی ا
ہونی شروع ہوگئی تھی۔"

"راج روپ نگر.....!" حمید نے چونک کر کہا۔ لیکن فریدی نے اسکے پیر پر اپنا پیر رکھ

"کیا راج روپ نگر میں بھی آپ کی کمپنی نے کھیل دکھائے تھے۔"

"جی نہیں..... وہاں کہاں..... وہ تو ایک قصبہ ہے۔ ہم لوگ وہاں ٹھہر کر اپنے دوم
قافلے کا انتظار کررہے تھے۔"

"راج روپ نگر..... وہی تو نہیں جو نواب وجاہت مرزا کی جاگیر ہے۔"

"جی ہاں..... جی ہاں وہی۔"

"کیا یہ نیپالی پڑھا لکھا ہے۔"

"جی ہاں..... میٹرک پاس ہے۔"

"میں اس سے بھی کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور ضرور..... میرے ساتھ چلئے۔ لیکن ذرا ہمارا بھی خیال رکھئے گا۔ میں نہیں چ
کہ کمپنی کا نام بدنام ہو۔"

"آپ مطمئن رہئے۔"

وہ تینوں خیموں کی قطاروں سے گزرتے ہوئے ایک خیمے کے سامنے رک گئے۔

"اندر چلئے.....!" منیجر بولا۔

"نہیں صرف آپ جایئے۔ آپ اس سے ہمارے بارے میں کہئے گا۔ اگر وہ انکا
کرے گا تو ہم لوگ ملیں گے ورنہ نہیں۔" فریدی نے کہا۔

منیجر پہلے تو کچھ دیر تک حیرت سے اسے دیکھتا رہا پھر اندر چلا گیا۔ فریدی نے
آنکھیں خیمے کی جالی سے لگادیں۔ نیپالی ابھی تک کھیل ہی کے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ وہ

پریشان نظر آرہا تھا۔ منیجر کے داخل ہوتے ہی وہ اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ لیکن پھر اس کے چہرے پر
قدرے اطمینان کے آثار نظر آنے لگے۔

"اوہ..... آپ ہیں۔ میں سمجھا..... جی کچھ نہیں۔ مجھے سخت شرمندگی ہے۔" وہ رک رک
کر بولا۔

"تو کیا تم کسی اور کا انتظار کررہے تھے۔" منیجر نے کہا۔

"جج جی.....!" وہ ہکلانے لگا۔ "نن نہیں..... بب بالکل نہیں۔"

باہر فریدی نے گہرا سانس لیا اور اسکی آنکھوں میں عجیب قسم کی وحشیانہ چمک پیدا ہوگئی۔

"میں معافی چاہتا ہوں..... مجھے افسوس ہے۔" نیپالی خود کو سنبھال کر بولا۔

"میں اس وقت اس معاملے پر گفتگو کرنے نہیں آیا ہوں۔" منیجر بولا۔ "بات دراصل یہ
ہے کہ ایک صاحب تم سے ملنا چاہتے ہیں۔"

نیپالی بُری طرح کانپنے لگا۔

"مجھ سے مل..... ملنا چاہتے ہیں۔" وہ بدحواس ہوکر بیٹھتے ہوئے ہکلایا۔ "مگر میں نہیں ملنا
چاہتا۔ وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔"

"میں یہی بتانے کے لئے ملنا چاہتا ہوں کہ میں کیوں ملنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے خیمے
میں داخل ہوکر کہا۔ اس کے پیچھے حمید بھی تھا۔

"میں آپ کو نہیں جانتا۔" اس نے خود کو سنبھال کر کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اس سے پہلے
میں آپ سے نہیں ملا۔"

"میں خفیہ پولیس کا انسپکٹر.....!" فریدی نے جلدی سے کہا۔

"خفیہ پولیس.....!" وہ اس طرح بولا جیسے کوئی خواب میں بڑبڑاتا ہے۔ "لیکن
کیوں..... آخر آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔"

"میں تمہیں پریشان کرنا نہیں چاہتا لیکن تم اگر میرے سوالات کا صحیح صحیح جواب دو گے تو
پھر تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ کیا تم کل رات نشاط نگر ڈاکٹر شوکت کی کوٹھی پر گئے تھے۔"

فریدی نے یہ جملہ نہایت سادگی اور اطمینان سے ادا کیا۔ لیکن اس کا اثر کسی بم کے دھماکے سے کم نہ تھا۔ نیپالی بے اختیار اچھل پڑا۔ فریدی کو اب پورا یقین ہو گیا۔

''نہیں نہیں.....!'' وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں چیخا۔ ''تم سفید جھوٹ بول رہے ہو..... میں وہاں کیوں جاتا..... نہیں..... یہ جھوٹ ہے..... پکا جھوٹ۔''

''اس سے کوئی فائدہ نہیں مسٹر.....!'' فریدی بولا۔ ''میں جانتا ہوں کہ کل رات تم ڈاکٹر شوکت کو قتل کرنے گئے اور اسکے دھوکے میں سیتا دیوی کو قتل کر آئے۔ اگر تم سچ سچ بتا دو گے تو ہم تمہیں بچانے کی کوشش کرونگا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تمہیں کسی دوسرے نے قتل پر آمادہ کیا تھا۔''

''آپ مجھے بچانے کی کوشش کریں گے۔'' وہ بے بسی سے بولا۔ ''اوہ میرے خدا..... میں نے بھیانک غلطی کی۔''

''شاباش، ہاں آگے کہو۔'' فریدی نرم لہجے میں بولا۔ سرکس کا منیجر انہیں حیرت اور خوف کی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

نیپالی انسپکٹر فریدی کے اس اچانک حملے سے پہلے ہی سراسیمہ ہو گیا تھا۔ اس نے ایک بے بس بچے کی طرح کہنا شروع کیا..... ''جی ہاں..... میں ضرور بتاؤں گا۔ مگر میں بے قصور ہوں۔ آپ نے کہا کہ میں تمہیں بچالوں گا۔ اس نے مجھے دس ہزار روپے پیشگی دیئے تھے اور قتل کے بعد دس ہزار روپے اور دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اف میں نے کیا کیا..... اس کا نام..... ہاں اس کا نام ہے..... اررر رہا..... اف.....!'' وہ چیخ کر آگے کی طرف جھک گیا۔

''وہ دیکھو.....!'' سرجنٹ حمید چیخا۔

کسی نے خیمے کے پیچھے سے نیپالی پر حملہ کیا تھا۔ خنجر خیمے کے کپڑے کی دیوار پھاڑتا ہوا اس کی پیٹھ میں گھس گیا تھا۔ وہ بکس پر بیٹھے بیٹھے دو تین بار تڑپا پھر خنجر کی گرفت سے آزاد ہو کر فرش پر آ رہا۔

''حمید..... باہر..... باہر..... دیکھو جانے نہ پائے۔'' انسپکٹر فریدی غصہ میں چلایا۔

چیخ کی آواز سن کر کچھ اور لوگ بھی آئے۔ سب نے مل کر قاتل کو تلاش کرنا شروع کیا

لیکن بے سود..... منیجر کو گھبراہٹ کی وجہ سے غش آ گیا۔

کوتوالی اطلاع پہنچا دی گئی..... تھوڑی دیر بعد کئی کانسٹیبل اور دو سب انسپکٹر موقع واردات پر پہنچ گئے۔ انسپکٹر فریدی کو وہاں دیکھ کر انہیں سخت حیرت ہوئی۔ فریدی نے انہیں مختصراً سارا حال بتایا۔ مقتول کے اقرار جرم کا گواہ منیجر تھا لہٰذا منیجر کا بیان ہو رہا تھا کہ انسپکٹر فریدی اور سرجنٹ حمید وہاں سے روانہ ہو گئے۔

ان کی کار تیزی سے نشاط نگر کی طرف جا رہی تھی۔

''کیوں بھئی رہا نہ وہی..... چھ پیسے والے جاسوسی ناول والا معاملہ۔'' فریدی نے ہنس کر کہا۔

''اب تو مجھے بھی دلچسپی ہو چلی ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''لیکن یہ تو بتایئے کہ آپ کو یقین کیونکر ہوا تھا کہ یہی قاتل ہے۔''

''یقین کہاں محض شبہ تھا لیکن منیجر سے گفتگو کرنے کے بعد کچھ کچھ یقین ہو چلا تھا کہ سازش میں کسی دوسرے کا ہاتھ ضرور تھا۔ میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ قتل کے سلسلے میں اپنی غلطی کا احساس ہو جانے کے بعد ہی سے اس کی حالت غیر ہو گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ کھیل کے وقت اس کا ہاتھ بہک رہا تھا اب اسے شاید اس شخص کا انتظار تھا جس نے اسے قتل کے لئے آمادہ کیا تھا۔ اس حماقت کی جوابدہی کے خیال نے اسے اور بھی پریشان کر رکھا تھا۔ انہیں سب چیزوں کو مدنظر رکھ کر میں نے خود پہلے اس کے خیمے میں جانا مناسب نہ سمجھا۔ منیجر کو اندر بھیج کر میں جالی سے اس کا ردعمل دیکھنے لگا۔ جالی سے تو تم بھی دیکھ رہے تھے۔''

''بہرحال آج سے میں آپ کا پورا پورا شاگرد ہو گیا۔'' حمید نے کہا۔

''کیا کہا آج سے..... کیا پہلے نہ تھے۔'' فریدی نے ہنس کر کہا۔

''نہیں پہلے بھی تھا۔'' حمید نے کہا اور دونوں خاموش ہو گئے۔ انسپکٹر فریدی آئندہ کے لئے پروگرام بنا رہا تھا۔

پھاٹک پر کار کی آواز سن کر ڈاکٹر شوکت باہر نکل آیا تھا۔ انسپکٹر فریدی نے سارے واقعات بالتفصیل اسے بتائے۔

''لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم اب مطمئن ہو جاؤ۔'' فریدی نے شوکت کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''تمہارا اصل دشمن اب بھی آزاد ہے اور وہ کسی وقت بھی تمہیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔ لہٰذا احتیاط کی ضرورت ہے۔ میں فکر میں ہوں اور کوشش کروں گا کہ اسے جلد از جلد گرفتار کر کے قانون کے حوالے کر دوں۔''

قاتل کی نئی چال

انسپکٹر فریدی کو افسوس تھا کہ سرکاری طور پر وہ اس کیس کا انچارج نہ ہو سکتا تھا۔ ابھی اس کی چھٹی ختم ہونے میں دو ماہ باقی تھے۔ اسے اس بات کا بھی خیال تھا کہ دوسرے قتل کے بعد سے اس معاملہ میں اس کی دست اندازی کا حال آفیسروں کو ضرور معلوم ہو جائے گا۔ جو اصولاً کسی طرح درست نہ تھا۔ لیکن اسے اس کی پرواہ نہ تھی۔ ملازمت کی پرواہ اسے کبھی تھی اور نہ اب۔ وہ خود بھی صاحب جائیداد اور شان سے زندگی بسر کرنے کا عادی تھا۔ اس ملازمت کی طرف اسے دراصل اس کی افتادِ طبع لائی تھی۔ ورنہ وہ اتنا دولت مند تھا کہ اس کے بغیر بھی امیروں کی سی زندگی بسر کرتا تھا۔

دوسری واردات کے دوسرے دن صبح جب وہ سو کر اٹھا تو اسے معلوم ہوا کہ چیف انسپکٹر صاحب کا اردلی عرصہ سے اس کا انتظار کر رہا ہے۔ دریافت حال پر پتہ چلا کہ چیف صاحب اپنے بنگلہ پر بے صبری سے اس کا انتظار کر رہے ہیں اور پولیس انسپکٹر صاحب بھی وہاں موجود ہیں۔ فریدی کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے لاپرواہی سے ناخوشگوار خیالات کو ذہن سے نکال پھینکا اور ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر چیف صاحب کے بنگلے کی طرف روانہ ہو گیا۔

''ہلو فریدی۔'' چیف صاحب نے اس کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا۔ ''ہم لوگ دیر سے تمہارے منتظر ہیں۔''

''مجھے ذرا دیر ہو گئی۔'' فریدی نے بے پروائی سے کہا۔

''اس وقت ایک اہم معاملے پر گفتگو کرنے کے لئے آپ کو تکلیف دی گئی ہے۔''

پولیس کمشنر نے اپنا سگار کیس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''شکریہ۔'' فریدی نے سگار لیتے ہوئے کہا۔ ''فرمایئے۔''

''مسٹر فریدی..... چوبیس گھنٹے کے اندر اس علاقے میں دو عدد وارداتیں ہوئی ہیں۔ ان سے آپ بخوبی واقف ہیں۔'' پولیس کمشنر صاحب نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ تبدیل ہو کر یہاں آئے ہوئے مجھے صرف دس دن ہوئے ہیں۔ ایسی صورت میں میری بہت بدنامی ہوگی۔ سول پولیس تو قطعی ناکارہ ہے اور معاملہ انتہائی پیچیدہ ہے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ اپنی بقیہ چھٹی فی الحال کینسل کرا لیں اور اس کا میں ذمہ لیتا ہوں کہ قاتل کا پتہ لگ جانے کے بعد میں آپ کو دو کے بجائے چار ماہ کی چھٹی دلا دوں گا۔ یہ میرا دوستانہ مشورہ ہے۔ اسے افسری اور ماتحتی سے کوئی تعلق نہیں۔''

''جی میں ہر وقت اور ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں۔'' فریدی نے اپنی آرزو پوری ہوتے دیکھ کر پرخلوص لہجے میں کہا۔

''بہت بہت شکریہ۔'' پولیس کمشنر صاحب اطمینان کا سانس لے کر بولے۔ ''کل رات آپ اپنا بیان دے کر چلے آئے تھے۔ اس کے بعد نیپالی کے خیمے کی تلاشی لینے پر سات ہزار روپے کے نوٹ برآمد ہوئے۔ جو کم از کم اس کی حیثیت سے زیادہ تھے۔ اس کے پس انداز ہونے کا خیال اسی لئے پیدا نہیں ہوتا کہ وہ اپنی آمدنی سے بڑھ کر خرچ کرنے والا آدمی تھا۔ ان روپوں کے علاوہ کوئی اور چیز ایسی نہ مل سکی جس سے اس کے قاتل کی شخصیت کا پتہ لگ سکتا۔ بہرحال سیتا دیوی کے قاتل کے سراغ کا سہرا تو آپ ہی کے سر ہے۔ لیکن اب اس کے قاتل کے قاتل کا پتہ لگانا بہت ضروری ہے اور یہ کام سوائے آپ کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ میں نے کل رات ہی یہ دونوں کیس محکمہ سراغ رسانی کے سپرد کر دیئے ہیں اب بقیہ ہدایات آپ کو چیف انسپکٹر سے ملیں گی۔''

''اور میں تم کو اس کیس کا انچارج بناتا ہوں۔'' چیف انسپکٹر صاحب نے کہا۔''اس کے کاغذات دس بجے تک تمہیں مل جائیں گے۔''

''یہ تو آپ جانتے ہیں کہ میں کیس کی تفتیش شروع ہی سے کر رہا ہوں اور میں نے اس سلسلے میں اپنا طریقہ کار بھی مکمل کر لیا ہے۔ لیکن آپ سے استدعا ہے کہ آپ یہی ظاہر ہونے دیں کہ میں چھٹی پر ہوں اور یہ معاملہ ابھی تک محکمہ سراغ رسانی تک نہیں پہنچا۔''

''تو اس کیس میں بھی تم اپنی پرانی عادت کے مطابق اکیلے ہی کام کرو گے۔'' چیف انسپکٹر پولیس نے کہا۔''یہ عادت خطرناک ہے۔''

''مجھے افسوس ہے کہ بعض وجوہ کی بناء پر جنہیں میں ابھی ظاہر نہیں کرنا چاہتا مجھے یہی طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔ اچھا اب اجازت چاہتا ہوں۔''

انسپکٹر فریدی کے گھر پر سرجنٹ حمید اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ رات بھر نہ سویا ہو۔ فریدی کے گھر پہنچتے ہی وہ بیتابی سے اس کی طرف بڑھا۔

''کہو..... خیریت تو ہے۔'' فریدی نے کہا۔''تم کچھ پریشان سے معلوم ہوتے ہو۔''

کچھ کیا..... میں بہت پریشان ہوں۔'' حمید نے کہا۔

''آخر بات کیا ہے۔''

''کل رات تقریباً ایک بجے میں آپ کے گھر سے روانہ ہوا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ میرا کوئی پیچھا کر رہا ہے۔ پہلے تو خیال ہوا کہ کوئی راہ گیر ہوگا لیکن جب میں نے اپنا شبہ رفع کرنے کے لئے یوں ہی بے مطلب پیچ در پیچ گلیوں میں گھسنا شروع کیا تو میرا شبہ یقین کی حد تک پہنچ گیا کیونکہ وہ اب بھی میرا پیچھا کر رہا تھا۔ خیر میں نے گھر پہنچ کر تالا کھولا اور کواڑ بند کر کے درز سے جھانکتا رہا۔ میرا تعاقب کرنے والا اب میرے مکان کے سامنے کھڑا دروازے کیطرف دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ آگے بڑھ گیا۔ میں دبے پاؤں باہر نکلا اور اب میں اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ اس قسم کا تعاقب کم از کم میرے لئے نیا تجربہ تھا کیونکہ تعاقب کرتے کرتے پانچ بج گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ یوں ہی بلا مقصد آوارہ گردی کرتا پھر رہا ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ میں اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا۔ کیونکہ اس نے اپنے چسٹر کا کالر کھڑا کر رکھا تھا اور اس کی نائٹ کیپ اس کے چہرے پر جھکی ہوئی تھی۔ تقریباً پانچ بجے وہ باٹم روڈ اور بیلی روڈ کے چوراہے پر رک گیا۔ وہاں ایک کار کھڑی تھی۔ وہ اس میں بیٹھ گیا اور کار تیزی سے شمال کی جانب روانہ ہوگئی۔ وہاں اس وقت مجھے کوئی سواری نہ مل سکی۔ لہٰذا تین میل پیدل چل کر آ رہا ہوں۔ شاید رات سے اب تک میں نے پندرہ میل کا چکر لگایا ہوگا۔''

''تمہاری نئی دریافت تو بہت دلچسپ رہی۔'' فریدی کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

وہ تھوڑی دیر تک تو چپ رہا۔ اسکی آنکھیں اسطرح دھندلا گئیں جیسے اسے نیند آ رہی ہو۔ پھر اچانک ان میں ایک طرح کی وحشیانہ چمک پیدا ہوگئی اور اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

''کیا کہا تم نے۔'' فریدی بولا۔''وہ باٹم روڈ کے چوراہے سے شمال کی جانب چلا گیا۔''

''جی ہاں۔''

''اور تمہیں شاید معلوم نہ ہوگا کہ اسی چوراہے پر سے اگر تم جنوب کی طرف چلو تو پندرہ میل چلنے کے بعد تم راج روپ نگر پہنچ جاؤ گے۔ اب مجھے یقین ہوگیا کہ مجرم کا سراغ راج روپ نگر ہی میں مل سکے گا۔ دیکھو اگر وہ سچ مچ تمہارا پیچھا کر رہا ہوتا تو تمہیں اس کا احساس تک نہ ہونے دیتا۔ اس نے دیدہ دانستہ ایسا کیا تا کہ تم اس کے پیچھے لگ جاؤ اور وہ اسی چوراہے سے جنوب کی طرف جانے کی بجائے شمال کی طرف جا کر میرے دل سے اس خیال کو نکال دے کہ اصل مجرم راج روپ نگر کا باشندہ ہے۔ اوہ میرے خدا تو اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ نیپالی کے قتل کے پہلے سے ہم لوگوں کے قریب ہی قریب رہا اور اس نے منیجر کے دفتر میں بھی ہماری گفتگو سنی وہیں راج روپ نگر کی گفتگو آئی تھی۔ اخبار میں تو اس کا کوئی حوالہ نہیں تھا..... مجرم معمولی ذہانت کا آدمی نہیں معلوم ہوتا۔ کیا تم اس کا حلیہ بتا سکتے ہو۔''

''یہ تو میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا۔'' حمید نے کچھ سوچ کر کہا۔ ''لیکن ٹھہریئے۔ اس میں ایک خاص بات تھی جس کی بناء پر وہ پہچانا جا سکتا ہے اس کی پیٹھ پر بڑا سا کوبڑ تھا۔''

''اماں چھوڑو بھی.....کو بڑتو کوٹ کے نیچے بہت سا کپڑا ٹھونس کر بھی بنایا جاسکتا ہے۔ اگر وہ سچ مچ کبڑا ہوتا تو تمہیں اپنے پیچھے آنے کی دعوت ہی نہ دیتا۔''

''واللہ.....آپ نے تو شرلاک ہومز کے بھی کان کاٹ کر کھالئے۔'' حمید ہنس کر بولا۔

''تم نے پھر وہی جاسوسی ناولوں کے جاسوسوں کے حوالے دینے شروع کر دیئے۔'' فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''بخدا میں مضحکہ نہیں اڑا رہا ہوں۔''

''خیر ہٹاؤ.....میں اس وقت تنہا راج روپ نگر جا رہا ہوں۔''

''یہ آپ نے بہت اچھا کیا کہ آپ تنہا راجروپ نگر جا رہے ہیں۔ میں رات بھر نہیں سویا۔''

''اگر تم سوتے بھی ہوتے تو بھی میں تمہیں اپنے ساتھ نہ لے جاتا کیونکہ تم چھٹی پر ہو اور میں نے اپنی چھٹیاں کینسل کرادی ہیں اور یہ کیس سرکاری طور پر میرے سپرد کیا گیا ہے۔''

''یہ کب.....!'' حمید نے متحیر ہو کر پوچھا۔

''ابھی.....!'' فریدی نے جواب دیا اور سارے واقعات بتا دیئے۔

''تو پھر واقعی آپ تنہا جائیں گے۔'' حمید نے کہا۔ ''اچھا یہ تو بتایئے کہ آپ نے اپنا طریقہ کار سوچ لیا ہے۔''

''قطعی.....!'' فریدی نے جواب دیا۔ ''کل رات میں نے تمہارے جانے کے بعد ہی راج روپ نگر کے متعلق بہت سی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ مثلاً یہی کہ راج روپ نگر نواب صاحب وجاہت مرزا کی جاگیر ہے اور نواب صاحب کسی شدید قسم کی ذہنی بیماری میں مبتلا ہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ تقریباً پندرہ روز سے دن رات سو رہے ہیں یا دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہئے کہ بے ہوش ہیں۔ ان کے فیملی ڈاکٹر کی رائے ہے کہ سرکا آپریشن کرایا جائے لیکن موجودہ معالج کرنل تیواری جو پولیس ہسپتال کے انچارج ہیں آپریشن کے خلاف ہیں۔ اس سلسلے میں دوسری بات معلوم ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ نواب صاحب لاولد ہیں ان کے ساتھ ان کا سوتیلا بھتیجا اور ان کی بیوہ بہن اپنی جوان لڑکی سمیت رہتی ہے۔ مجھے جہاں تک پتہ چلا ہے کہ

نواب صاحب نے اپنی جاگیر کے متعلق ابھی تک کسی قسم کا کوئی وصیت نامہ نہیں لکھا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ان کی بیوہ بہن یا سوتیلے بھتیجے میں سے کوئی بھی جائیداد کے لالچ میں یہ خواہش نہیں رکھ سکتا کہ نواب صاحب ہوش میں آنے سے پہلے ہی مر جائیں۔ بہت ممکن ہے کہ اسی مقصد کے تحت ذہنی بیماریوں کے مشہور ترین ڈاکٹر شوکت کو قتل کرا دینے کی کوشش کی گئی ہو محض اس ڈر سے کہ کہیں نواب صاحب اس کے زیر علاج نہ آجائیں کیونکہ ان کا فیملی ڈاکٹر آپریشن پر زور دے رہا تھا۔'' فریدی خاموش ہو گیا۔

''آپکے دلائل بہت وزنی معلوم ہوتے ہیں۔'' حمید بولا۔ ''لیکن آپکا تنہا جانا ٹھیک نہیں۔''

''تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو کہ طریقہ کار سمجھ میں آجانے کے بعد میں تنہا کام کرنے کا عادی ہوں۔'' فریدی نے ہنس کر کہا۔ ''اور پھر تم نے ابھی حال ہی میں ایک عدد عشق کیا ہے۔ میں تمہارے عشق میں گڑبڑ نہیں پیدا کرنا چاہتا۔ واپسی میں تمہاری محبوبہ کے لئے ایک عدد انگوٹھی ضرور لیتا آؤں گا۔ اچھا اب تم ناشتہ کر کے یہیں سو رہو اور میں چلا۔''

خوفناک بوڑھا

راج روپ نگر میں نواب وجاہت مرزا کی عالی شان کوٹھی بستی سے تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلے پر واقع تھی۔ نواب صاحب بہت شوقین آدمی تھے۔ اس لئے انہوں نے اس قصبے کو ننھا منا سا خوبصورت شہر بنا دیا تھا۔ بس صرف الیکٹرک لائٹ کی کسر رہ گئی تھی۔ لیکن انہوں نے اپنی کوٹھی میں ایک طاقتور ڈائمو لگا کر اس کمی کو پورا کر دیا تھا۔ البتہ قصبے والے بجلی کی روشنی سے محروم تھے۔ کوٹھی کے چاروں طرف چار فرلانگ کے رقبہ میں خوشنما باغات اور صاف و شفاف روشوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ نواب صاحب کی کوٹھی سے ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر ایک قدیم وضع کی عمارت تھی جس میں ایک چھوٹا سا مینار تھا۔ کسی زمانے میں اس مینار کا اوپری حصہ کھلا رہا ہوگا اور

نواب صاحب کے آباؤ اجداد اس پر بیٹھ کر تفریح کیا کرتے ہوں گے لیکن اب یہ بھی بند کرادیا گیا تھا۔ صرف دو کھڑکیاں کھلی رہ گئی تھیں۔ ایک کھڑکی میں ایک بڑی سی دوربین لگی ہوئی تھی جس کا قطر تقریباً ایک فٹ رہا ہوگا۔ اس عمارت میں مشہور ماہر فلکیات پروفیسر عمران رہتا تھا۔ نواب صاحب نے یہ پرانی عمارت اسے کرائے پر دے رکھی تھی۔ اس نے اس مینار کی بالائی منزل کو چاروں طرف سے بند کرا کے اس پر اپنی ستاروں کی رفتار کا جائزہ لینے والی بڑی دوربین فٹ کرالی تھی۔ قصبے والوں کے لئے وہ ایک پراسرار آدمی تھا۔

بہتوں کا خیال تھا کہ وہ پاگل ہے اسے آج تک کسی نے اس چار فرلانگ کے رقبے سے باہر نہ دیکھا تھا۔

انسپکٹر فریدی کوٹھی کے قریب پہنچ کر سوچنے لگا کہ کس طرح اندر جائے۔ دفعتاً ایک نوکر برآمدے میں آیا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر اس سے پوچھا۔ ''اب نواب صاحب کی کیسی طبیعت ہے۔''

''ابھی وہی حال ہے۔'' نوکر اسے گھورتا ہوا بولا۔ ''آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں۔''

''میں ''روزنامہ خبر'' کا نمائندہ ہوں اور کنور سلیم سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''یہاں اندر ہال میں تشریف لائیے میں انہیں خبر کرتا ہوں۔''

فریدی برآمدے سے گذر کر ہال میں داخل ہوا۔ ہال کی دیواروں پر چاروں طرف نواب صاحب کے آباؤ اجداد کی قد آدم تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ فریدی ان کا جائزہ لیتے لیتے چونک پڑا۔ اس کی نظریں ایک پرانی تصویر پر جمی ہوئی تھیں۔

اسے ایسا معلوم ہوا جیسے گھنی مونچھوں اور ڈاڑھی کے پیچھے کوئی جانا پہچانا چہرہ ہے۔

''ارے وہ مارا بیٹا فریدی۔'' وہ آپ ہی آپ بڑبڑایا۔

وہ قدموں کی آہٹ سے چونک پڑا۔ سامنے کے دروازے میں ایک لمبا تڑنگا نوجوان قیمتی سوٹ میں ملبوس کھڑا تھا۔ پہلے تو وہ فریدی کو دیکھ کر جھجکا پھر مسکراتا ہوا آگے بڑھا۔

''صاحب آپ نامہ نگاروں سے تو میں تنگ آ گیا ہوں۔'' وہ ہنس کر بولا۔ ''کہئے آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔''

''شاید میں کنور صاحب سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔'' فریدی نے ادب سے کہا۔

''جی ہاں..... مجھے کنور سلیم کہتے ہیں۔'' اس نے بے دلی سے کہا۔ ''جو کچھ پوچھنا ہو جلد پوچھئے۔ میں بہت مشغول آدمی ہوں۔''

''نواب صاحب کا اب کیا حال ہے۔''

''ابھی تک ہوش نہیں آیا..... اور کچھ.....!''

''کب سے بے ہوش ہیں؟''

''پندرہ دن سے..... فیملی ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ آپریشن کیا جائے۔ لیکن کرنل تیواری اس کے حق میں نہیں ہیں۔ اچھا بس اب مجھے اجازت دیجئے۔'' وہ پھر اسی دروازے کی طرف گھوم گیا جس طرف سے آیا تھا۔

فریدی کے لئے واپس جانے کے علاوہ اور چارہ ہی کیا تھا۔

جب وہ پرانی کوٹھی کے پاس سے گذر رہا تھا تو یک بیک اس کی ہیٹ اچھل کر اس کی گود میں آ رہی۔ ہیٹ میں بڑا سا چھید ہو گیا تھا۔ اس نے دل میں کہا ''بال بال بچے فریدی صاحب..... اب کبھی موٹر کی چھت گرا کر سفر نہ کرنا۔ ابھی تو اس بے آواز رائفل نے تمہاری جان ہی لے لی تھی۔'' تھوڑی دور چل کر اس نے کار روک لی اور پرانی کوٹھی کی طرف پیدل واپس لوٹا مہندی کی باڑھ کی آڑ سے اس نے دیکھا کہ پرانی کوٹھی کے باغ میں ایک عجیب الخلقت بوڑھا ایک چھوٹی نال والی نہایت طاقتور رائفل لئے گلہریوں کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔

فریدی مہندی کی باڑھ پھلانگ کر اندر پہنچ گیا۔ بوڑھا چونک کر اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔ بوڑھے کو دیکھ کر ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی مردہ قبر سے اٹھ کر آ گیا ہو یا پھر جیسے وہ کوئی بھوت ہو۔ اس کا رنگ ہلدی کی طرح پیلا تھا۔ بال کیا بھنویں تک سفید ہو گئی تھیں۔ چہرہ لمبا تھا اور گالوں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ ڈاڑھی مونچھ صاف..... ہونٹ اتنے پتلے تھے کہ ان کے درمیان صرف ایک باریک سی گہری لکیر نظر آ رہی تھی۔ لیکن آنکھوں میں بلا کی چمک اور جسم میں

حیرت انگیز پھرتیلا پن تھا۔ وہ اچھل کر فریدی کے قریب آ گیا۔

''مجھ سے ملئے..... میں پروفیسر عمران ہوں۔ ماہر فلکیات..... اور آپ.....؟''

''مجھے آپ کے نام سے دلچسپی نہیں۔'' فریدی اسے گھور کر بولا۔ ''میں تو اس خوفناک ہتھیار میں دلچسپی لے رہا ہوں جو آپ کے ہاتھ میں ہے۔''

''ہتھیار.....!'' بوڑھے نے خوفناک قہقہہ لگایا۔ ''یہ تو میری دوربین ہے۔''

''وہ دوربین ہی سہی لیکن ابھی اس نے مجھے دوسری دنیا میں پہنچا دیا ہوتا۔''

فریدی نے اپنی ہیٹ کا سوراخ اُسے دکھایا۔ بوڑھے کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔ اس نے ایک بار غور سے رائفل کی طرف دیکھا اور پھر ہنس کر کہنے لگا۔

''شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ یہ واقعی رائفل ہی ہے۔ میں گلہریوں کا شکار کر رہا تھا۔ معافی چاہتا ہوں اور اپنی دوستی کا ہاتھ آپ کی طرف بڑھاتا ہوں۔'' بوڑھے نے فریدی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس زور سے دبایا کہ اس کے ہاتھ کی ہڈیاں تک دکھنے لگیں۔ اس نحیف الجثہ بوڑھے میں اتنی طاقت دیکھ کر فریدی بوکھلا سا گیا۔

''آیئے..... اندر چلئے..... آپ ایک اچھے دوست ثابت ہو سکتے ہیں۔'' وہ فریدی کا ہاتھ پکڑے ہوئے پرانی کوٹھی میں داخل ہوا۔

''آج کل گلہریاں اور دوسرے چھوٹے جانور میرا خاص موضوع ہیں۔ آیئے میں آپ کو ان کے نمونے دکھاؤں۔'' وہ فریدی کو ایک تاریک کمرے میں لے جاتا ہوا بولا۔ کمرے میں عجیب و غریب طرح کی خوشگوار سی بو پھیلی ہوئی تھی۔ بوڑھے نے کئی موم بتیاں جلائیں کمرے میں چاروں طرف مردہ جانوروں کے ڈھانچے رکھے ہوئے تھے۔ بہت سے چھوٹے جانور کیلوں کی مدد سے لکڑی کے تختوں میں جکڑ دیئے گئے تھے۔ ان میں سے کئی خرگوش اور گلہریاں تو ابھی تک زندہ تھیں۔ جن کی تڑپ بہت ہی خوفناک منظر پیش کر رہی تھی۔ کبھی کبھی کوئی خرگوش درد کی تکلیف سے چیخ اٹھتا تھا۔ فریدی کو اختلاج سا ہونے لگا اور وہ گھبرا کر کمرے سے نکل آیا۔

''اب آیئے میں آپ کو اپنی آبزرویٹری دکھاؤں۔'' یہ کہہ کر وہ مینار کے زینوں پر چڑھنے لگا۔ فریدی بھی اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ مینار تقریباً پچیس فٹ چوڑا رہا ہوگا۔ آخر میں وہ ایک کمرے میں داخل ہوئے جو بالائی منزل پر تھا۔ وہیں ایک کھڑکی میں دوربین نصب تھی۔

''یہاں آیئے.....!'' وہ دوربین کے شیشے پر جھک کر بولا۔ ''میں اس وقت نواب صاحب کی خوابگاہ کا منظر اتنا صاف دیکھ رہا ہوں جیسے وہ یہاں سے صرف پانچ فٹ کے فاصلے پر ہوں۔ نواب صاحب چت لیٹے ہیں۔ انکے سرہانے انکی بھانجی بیٹھی ہے۔ یہ لیجئے دیکھئے۔''

فریدی نے اپنی آنکھ شیشے سے لگا دی۔ سامنے والی کوٹھی کی کشادہ کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور کمرے کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ کوئی شخص سر سے پیر تک مخمل کا لحاف اوڑھے لیٹا تھا اور ایک خوبصورت لڑکی سرہانے بیٹھی تھی۔

''میں سامنے والے کمرے کے بہت سے راز جانتا ہوں۔ لیکن تمہیں کیوں بتاؤں۔'' بوڑھا فریدی کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ ''بس کرو اب آؤ چلیں۔''

''مجھے کسی کے راز جاننے کی ضرورت ہی کیا ہے۔'' فریدی اپنے شانے اچھالتا ہوا بولا۔

بوڑھا قہقہہ لگا کر بولا۔ ''کیا مجھے احمق سمجھتے ہو۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ جملہ تم نے محض اسی لئے کہا ہے کہ میں سارے راز اگل دوں۔ تم خطرناک آدمی معلوم ہوتے ہو۔ اچھا اب پلٹو، تمہیں باہر جانے کا راستہ دکھا دوں۔''

وہ دونوں نیچے اُتر آئے۔ ابھی وہ ہال ہی میں تھے کہ دروازے پر کنور سلیم کی صورت دکھائی دی۔

''آپ یہاں کیسے؟'' اس نے فریدی سے پوچھا۔ ''کیا آپ پروفیسر کو جانتے ہیں۔''

''جی نہیں..... لیکن آج انہیں اس طرح جان گیا ہوں کہ زندگی بھر نہ بھلا سکوں گا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''آپ گلہریوں کا شکار کرتے کرتے آدمی کا شکار کرنے لگے تھے۔'' فریدی پروفیسر کے ہاتھ میں دبی ہوئی رائفل کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ''میری ہیٹ ملاحظہ فرمایئے۔''

''اوہ سمجھا.....!'' کنور سلیم تیز لہجے میں بولا۔''پروفیسر تم براہِ کرم ہماری کوٹھی خالی کردو ورنہ میں تمہیں پاگل خانے بھجوادوں گا.....سمجھے۔''

بوڑھے نے خوفزدہ نگاہوں سے کنور سلیم کی طرف دیکھا اور بے ساختہ بھاگ کر مینار کے زینوں پر چڑھتا چلا گیا۔

''معاف کیجئے گا.....یہ بوڑھا پاگل ہے۔خواہ مخواہ ہماری پریشانیاں بڑھ جائیں گی۔اچھا خدا حافظ۔''

گولیوں کی بوچھاڑ

فریدی نے اپنی کار کا رخ قصبے کی طرف پھیر دیا۔اب وہ نواب کے فیملی ڈاکٹر سے ملنا چاہتا تھا۔ڈاکٹر توصیف ایک معمر آدمی تھا۔اس سے قبل وہ سول سرجن تھا۔پنشن لینے کے بعد اس نے اپنے آبائی مکان میں رہنا شروع کردیا تھا جو راج روپ نگر میں واقع تھا۔اس کا شمار قصبہ کے ذی عزت اور دولت مند لوگوں میں ہوتا تھا۔فریدی کو اس کی جائے رہائش معلوم کرنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔

ڈاکٹر توصیف انسپکٹر فریدی کو شاید پہچانتا تھا اس لئے وہ اس کی غیر متوقع آمد سے کچھ گھبرا سا گیا۔

''مجھے فریدی کہتے ہیں۔''اس نے اپنا ملاقاتی کارڈ پیش کرتے ہوئے کہا۔

''میں آپ کو جانتا ہوں.....!''ڈاکٹر توصیف نے مضطربانہ انداز میں ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔''فرمایئے کیسے تکلیف فرمائی۔''

''ڈاکٹر صاحب میں ایک نہایت اہم معاملے میں آپ سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔''

''فرمایئے.....اچھا اندر تشریف لے چلئے۔''

''آپ ہی نواب صاحب کے فیملی ڈاکٹر ہیں۔''فریدی نے سگار لائٹر سے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں.....جی.....فرمایئے۔''ڈاکٹر نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

''کیا کرنل تیواری آپ کے مشورے سے نواب صاحب کا علاج کررہے ہیں۔''وہ اچانک پوچھ بیٹھا۔

ڈاکٹر توصیف چونک کر اسے گھورنے لگا۔

''لیکن آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں۔''

''ڈاکٹر صاحب! ذہنی بیماریوں کے علاج میں مجھے تھوڑا سا دخل ہے اور میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اس قسم کے امراض کا صرف ایک ہی علاج ہے اور وہ ہے آپریشن.....آخر یہ کرنل تیواری تضیع اوقات کیوں کررہے ہیں اور یہ چیز بھی ہمارے لئے باعث تشویش ہے کہ کرنل تیواری کو جسے کئی نوجوان ڈاکٹر امراض کے سلسلے میں کافی پیچھے چھوڑ چکے ہیں معالج کیوں مقرر کیا گیا ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ آپ ایک قطعی نجی معاملے میں داخل اندازی کررہے ہیں۔''ڈاکٹر توصیف نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''آپ سمجھے نہیں۔''فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔''میں نواب صاحب کی جان لینے کی ایک گہری سازش کا پتہ لگا رہا ہوں۔اس سلسلے میں آپ سے مدد لینی مناسب ہے۔''

''جی.....!''ڈاکٹر توصیف نے چونک کر کہا اور پھر مضمحل سا ہوگیا۔

''جی ہاں.....کیا آپ میری مدد کریں گے۔''فریدی نے سگار کا کش لے کر پراطمینان لہجے میں کہا۔

''بات دراصل یہ ہے انسپکٹر صاحب کہ میں خود بھی اس معاملے میں بہت پریشان ہوں۔لیکن کیا کروں.....خود نواب صاحب کی بھی یہی خواہش تھی۔انہیں دو ایک بار کرنل تیواری کے علاج سے فائدہ ہوچکا ہے۔''

"لیکن مجھے تو معلوم ہوا ہے کہ کرنل تیواری کو علاج کے لئے ان کے خاندان والوں نے منتخب کیا ہے۔"

"نہیں یہ بات نہیں۔ البتہ انہوں نے میری آپریشن والی تجویز نہیں مانی تھی۔ میں آپ کو وہ خط دکھاتا ہوں جو نواب صاحب نے دورہ پڑنے سے ایک دن قبل مجھے لکھا تھا۔"

"ڈاکٹر توصیف اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا اور فریدی سگار کے کش لیتا ہوا ادھ کھلی آنکھوں سے خلاء میں تاکتا رہا۔

"یہ دیکھئے نواب صاحب کا خط.....!" ڈاکٹر توصیف نے فریدی کی طرف خط بڑھاتے ہوئے کہا۔ فریدی خط کا جائزہ لینے لگا۔ خط نواب زادہ صاحب کے ذاتی پیڈ کے کاغذ پر لکھا گیا تھا جس کی پیشانی پر ان کا نام اور پتہ چھپا ہوا تھا۔

فریدی خط پڑھنے لگا۔

"ڈیئر ڈاکٹر.....

آج دو دن سے مجھے محسوس ہو رہا ہے جیسے مجھ پر دورہ پڑنے والا ہے۔ اگر آپ شام تک کرنل تیواری کو لے کر آ جائیں تو بہتر ہے پچھلی مرتبہ بھی ان کے علاج سے فائدہ ہوا تھا۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ کرنل تیواری آج کل بہت مشغول ہیں لیکن مجھے امید ہے کہ آپ انہیں لے کر ہی آئیں گے۔

آپ کا

وجاہت مرزا۔"

"ڈاکٹر صاحب کیا آپ کو یقین ہے کہ یہ خط نواب صاحب ہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔" فریدی نے خط پڑھ کر کہا۔

"اتنا ہی یقین ہے جتنا کہ اس پر اس وقت میں آپ سے گفتگو کر رہا ہوں۔ میں نواب صاحب کا اندازِ تحریر لاکھوں میں پہچان سکتا ہوں۔"

"ہوں.....!" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "لیکن ڈاکٹر صاحب ذرا اس پر غور کیجئے

کیا آپ نے کبھی اتنی چوڑائی رکھنے والے کاغذ کا اتنا چھوٹا پیڈ بھی دیکھا ہے۔ کسی قدر بے ڈھنگا معلوم ہو رہا ہے۔ اوہ..... یہ دیکھئے..... صاف معلوم ہوتا ہے کہ دستخط کے نیچے سے کسی نے کاغذ کا بقیہ ٹکڑا قینچی سے کاٹا ہے۔ ڈاکٹر کیا آپ کو یہ اسی حالت میں ملا تھا۔"

"جی ہاں.....!" ڈاکٹر نے متحیر ہو کر کہا۔ "لیکن میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"وہی عرض کرنے جا رہا ہوں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ نواب صاحب نے خط لکھا کر دستخط کر دینے کے بعد بھی نیچے لکھا ہو جسے کسی نے بعد میں قینچی سے کاٹ کر اسے برابر کرنے کی کوشش کی ہے۔ میرا خیال ہے کہ نواب صاحب فطرتاً اتنے کنجوس نہیں کہ باقی بچا ہوا کاغذ کاٹ کر دوسرے مصرف کے لئے رکھ لیں۔"

"اُف میرے خدا۔" ڈاکٹر نے سر پکڑ لیا۔ "یہاں تک میری نظر نہیں پہنچی تھی۔"

"بہرحال حالات کچھ ہی کیوں نہ ہوں کیا آپ بحیثیت فیملی ڈاکٹر اتنا نہیں کر سکتے کہ کرنل تیواری کی بجائے کسی اور معالج سے علاج کرائیں۔"

"میں اس معاملے میں بالکل بے بس ہوں فریدی صاحب۔ حالانکہ نواب صاحب نے کئی بار مجھ سے آپریشن کے متعلق گفتگو کی تھی..... اور ہاں کیا نام ہے اس کا اس سلسلے میں سول ہسپتال کے اسپیشلسٹ ڈاکٹر شوکت کا بھی تذکرہ آیا تھا۔"

"اب تو معاملہ بالکل صاف ہو گیا۔" فریدی نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "ممکن ہے خط لکھ چکنے کے بعد نواب صاحب نے یہ لکھا ہو کہ اگر کرنل تیواری نہ مل سکیں تو ڈاکٹر شوکت کو لیتے آیئے گا۔ اس حصے کو کسی نے غائب کر دیا۔"

"ہوں.....!" توصیف نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ ڈاکٹر شوکت سے ضرور رجوع کیجئے۔ کم از کم اس صوبے میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتا۔"

"میں اس کی تعریفیں اخبارات میں پڑھتا رہتا ہوں اور اس سے ایک بار مل بھی چکا ہوں۔ میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ نواب صاحب کا سو فیصدی کامیاب آپریشن کرے گا

لیکن فریدی صاحب میں کرنل تیواری کی موجودگی میں بالکل بے بس ہوں۔ ایسا جھکی آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔"

"کرنل تیواری کی آپ فکر نہ کریں، اس کا انتظام میں کرلوں گا۔ آپ جتنی جلد ممکن ہو سکے ڈاکٹر شوکت سے مل کر معاملات طے کر لیجئے۔"

"آپ کرنل تیواری کا کیا انتظام کریں گے۔"

"انتظام کرنا کیسا! وہ تو قریب قریب ہو چکا ہے۔" فریدی نے سگار جلاتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"تین دن کے بعد کرنل تیواری کا یہاں سے تبادلہ ہو جائے گا۔ اوپر سے حکم آ گیا ہے۔ مجھے باوثوق ذرائع سے اطلاع ملی ہے۔ لیکن خود کرنل تیواری کو ابھی تک اس کا علم نہیں۔ انہیں اتنی جلد جانا ہوگا کہ شاید وہ دھوبی کے یہاں سے اپنے کپڑے بھی نہ منگا سکیں۔ لیکن یہ راز کی بات ہے اسے اپنے تک محدود رکھئے گا۔"

"ارے یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔" ڈاکٹر توصیف نے کہا۔

"اچھا تو اب میں چلوں..... آپ کرنل تیواری کے تبادلے کی خبر سنتے ہی ڈاکٹر شوکت کو یہاں لے آیئے گا۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت پھر کسی کو اعتراض کی بھی گنجائش نہ رہ جائے گی۔ ہاں دیکھئے اس کا خیال رہے کہ میری ملاقات کا حال کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے۔ خصوصاً نواب صاحب کے خاندان کے کسی فرد اور اس خبطی بوڑھے پروفیسر کو اس کی اطلاع نہ ہونے پائے۔ صاحب مجھے تو وہ بوڑھا انتہائی خبیث معلوم ہوتا ہے۔"

"میں بھی اس کے بارے میں کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا.....!"

"وہ آخر ہے کون۔" فریدی نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"میرے خیال سے وہ نواب صاحب کا کوئی عزیز ہے لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ نواب صاحب نے میرے ہی سامنے اس سے پرانی کوٹھی کا کرایہ نامہ لکھوایا تھا۔ بلکہ میں نے اس کا گواہ کی حیثیت سے دستخط کئے تھے۔"

"خیر..... اچھا اب میں اجازت چاہوں گا۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "مجھے امید ہے کہ آپ جلد ہی ڈاکٹر شوکت سے ملاقات کریں گے۔"

فریدی کی کار تیزی سے شہر کی طرف جا رہی تھی۔ آج اس کا دماغ بے انتہا الجھا ہوا تھا۔ بہرحال وہ جو مقصد لے کر راج روپ نگر آیا تھا اس میں اگر بالکل نہیں تو تھوڑی بہت کامیابی ضرور ہوئی تھی۔ اب وہ آئندہ کے لئے پروگرام مرتب کر رہا تھا۔ جیسے جیسے وہ سوچتا تھا اسے اپنی کامیابی پر پورا یقین ہوتا جا رہا تھا۔

سڑک کے دونوں طرف دور دور تک چھیول کی گھنی جھاڑیاں تھیں۔ سڑک بالکل سنسان تھی۔ ایک جگہ اسے بیچ سڑک پر ایک خالی تانگہ کھڑا نظر آیا۔ وہ بھی اس طرح جیسے وہ خاص طور پر راستہ روکنے کے لئے کھڑا کیا گیا ہو۔ فریدی نے کار کی رفتار دھیمی کر کے ہارن دینا شروع کیا لیکن دور و نزدیک کوئی دکھائی نہ دیتا تھا۔ سڑک زیادہ چوڑی نہ تھی۔ لہٰذا فریدی کو کار روک کر اترنا پڑا۔ تانگہ کنارے لگا کر وہ گاڑی کی طرف لوٹ ہی رہا تھا کہ اسے دور جھاڑیوں میں ایک بھیانک چیخ سنائی دی۔ کوئی بھرائی ہوئی آواز میں چیخ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بار بار چیخنے والے کا منہ دبا لیا جاتا ہو اور وہ گرفت سے نکلنے کے بعد پھر چیخنے لگتا ہو۔ فریدی نے جیب سے ریوالور نکال کر آواز کی طرف دوڑنا شروع کیا۔ وہ قد آدم جھاڑیوں سے الجھتا ہوا گرتا پڑتا جنگل میں گھسا جا رہا تھا۔ دفعتاً ایک فائر ہوا اور ایک گولی سنسناتی ہوئی اس کے کانوں کے قریب سے نکل گئی۔ وہ پھرتی کے ساتھ زمین پر لیٹ گیا۔ لیٹے لیٹے رینگتا ہوا وہ ایک کھائی کی آڑ میں ہو گیا۔ اب پے در پے فائر ہونے شروع ہو گئے۔ اس نے بھی اپنا پستول خالی کرنا شروع کر دیا۔ دوسری طرف سے فائر ہونے بند ہو گئے۔ شاید گولیاں چلانے والا اپنے خالی پستول میں کارتوس چڑھا رہا تھا۔ فریدی نے کھائی کی آڑ سے سر ابھارا ہی تھا کہ فائر ہوا۔ اگر وہ تیزی سے پیچھے کی طرف نہ گر گیا ہوتا تو کھوپڑی اڑ ہی گئی تھی۔ دوسری طرف سے پھر اندھا دھند فائر ہونے لگے۔ فریدی نے بھی دو تین فائر کئے اور پھر چیختا کراہتا سڑک کی طرف بھاگا۔ دوسری طرف سے اب بھی فائر ہو رہے تھے۔ لیکن وہ گرتا پڑتا بھاگا جا رہا تھا۔ کار میں پہنچتے ہی وہ تیز

رفتاری سے شہر کی طرف روانہ ہوگیا۔

حیرت ناک سانحہ

شام کا اخبار شائع ہوتے ہی سارے شہر میں سنسنی پھیل گئی۔ اخبار والے گلی کوچوں میں چیختے پھر رہے تھے انسپکٹر فریدی کا قتل..... ایک ہفتہ کے اندر اندر آپ کے شہر میں تین قتل..... شام کا تازہ پرچہ پڑھیے۔ اخبار میں پورا واقعہ درج تھا۔

آج دو بجے دن انسپکٹر فریدی کی کار پولیس ہسپتال کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ انسپکٹر فریدی کار سے اترتے وقت لڑکھڑا کر گر پڑے۔ کسی نے ان کے داہنے بازو اور بائیں شانے کو گولیوں کا نشانہ بنا دیا تھا۔ فوراً ہی طبی امداد پہنچائی گئی لیکن فریدی صاحب جان بر نہ ہو سکے۔ تین گھنٹے موت و حیات کی کش مکش میں مبتلا رہ کر وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگئے۔ یقیناً یہ ملک و قوم کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے۔

انسپکٹر فریدی غالباً سیتا دیوی کے قتل کے سلسلے میں تفتیش کر رہے تھے لیکن انہوں نے اپنے سرکاری روزنامچے میں کسی کی کوئی خانہ پری نہیں کی۔ چیف انسپکٹر صاحب کو بھی اس بات کا علم نہیں کہ انہوں نے سراغ رسانی کا کون سا طریقہ اختیار کیا تھا۔ ابھی تک کوئی نہیں بتا سکتا کہ انسپکٹر فریدی آج صبح کہاں گئے تھے۔ بظاہر ان کی کار پر جمی ہوئی گرد اور پہیوں کی حالت بتاتی ہے کہ انہوں نے کافی لمبا سفر کیا تھا۔

''انسپکٹر فریدی کی عمر تیس سال تھی۔ وہ غیر شادی شدہ تھے۔ انہوں نے دو بنگلے اور ایک بڑی جائیداد چھوڑی ہے۔ ان کے کسی وارث کا پتہ نہیں چل سکا۔''

یہ خبر آگ کی طرح آناً فاناً سارے شہر میں پھیل گئی۔ محکمہ سراغ رسانی کے دفتر میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ انسپکٹر فریدی کے دوستوں نے لاش حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن انہیں لاش

دیکھنے تک کی اجازت نہ دی گئی اور کئی خبروں سے معلوم ہوا کہ پوسٹ مارٹم کرنے پر پانچ یا چھ زخم پائے گئے ہیں۔''

یہ سب کچھ ہو رہا تھا لیکن سرجنٹ حمید نہ جانے کیوں چپ تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ انسپکٹر فریدی راج روپ نگر گیا تھا لیکن اس نے اس کی کوئی اطلاع چیف انسپکٹر کو نہ دی۔ وہ نہایت اطمینان سے پولیس اور خفیہ پولیس کی بھاگ دوڑ کا جائزہ لے رہا تھا۔

دوسرے جاسوسوں اور بہتیرے لوگوں نے اس سے ہر طرح پوچھا لیکن اس نے ایک کو بھی کوئی تشفی بخش جواب نہ دیا۔ کسی سے کہتا کہ انہوں نے مجھے اپنا پروگرام نہیں بتایا تھا کسی سے کہتا انہوں نے مجھ سے یہ تک تو بتایا نہیں تھا کہ انہوں نے اپنی چھٹی کینسل کرادی ہے پھر سراغ رسانی کا پروگرام کیا بتاتے۔ کسی کو یہ جواب دیتا۔ کہ وہ اپنی اسکیموں میں کسی سے نہ مشورہ لیتے تھے اور نہ مل کر کام کرتے تھے۔

تقریباً دس بجے رات کو ایک اچھی حیثیت کا نیپالی چوروں کی طرح چھپتا چھپاتا سرجنٹ حمید کے گھر سے نکلا۔ بڑی دیر تک یوں ہی بے مصرف سڑکوں پر مارا مارا پھرتا رہا پھر ایک گھٹیا سے شراب خانے میں گھس گیا۔ جب وہ وہاں سے نکلا تو اسکے پیر بُری طرح ڈگمگا رہے تھے۔ آنکھوں سے معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کثرت سے پی گیا ہو۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا ٹیکسیوں کیطرف چل پڑا۔

''ول بھائی شاپ ہم دور جانا مانگتا ہے۔'' اس نے ایک ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔

''صاحب ہمیں فرصت نہیں.....!'' ٹیکسی ڈرائیور نے کہا۔

''او بابا پیسہ دے گا.....'' اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر پرس نکالتے ہوئے کہا۔

''نہیں..... نہیں صاحب..... مجھے فرصت نہیں۔'' ٹیکسی ڈرائیور نے دوسری طرف منہ پھیرتے ہوئے کہا۔

''ارے لو ہمارا باپ..... تم بھی شالا کیا یاد کرے گا۔'' اس نے دس دس کے تین نوٹ اس کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا۔ ''اب چلے گا ہمارا باپ۔''

''بیٹھئے کہاں چلنا ہوگا۔'' ٹیکسی ڈرائیور نے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

"جاؤ ہم نہیں جانا مانگتا..... ہم تم کو تیس روپیہ خیرات دیا۔" اس نے روٹھ کر زمین پر بیٹھ ہوئے کہا۔

"ارے نہیں صاحب اٹھئے چلئے..... جہاں آپ کہیں آپ کو پہنچا دوں۔ چاہے جہنم کیوں نہ ہو۔" ٹیکسی ڈرائیور نے اس کے نشے کی حالت سے لطف اٹھاتے ہوئے ہنس کر کہا۔

"جہنم لے چلے گا۔" نیپالی نے اٹھ کر پرمسرت لہجے میں کہا۔ "تم بڑا اچھا ہے۔ تم باپ ہے..... تم ہمارا بھائی ہے..... تم ہمارا ماں ہے..... تم ہمارا بی بی ہے..... تم ہمارا بی بی کا ہے..... تم ہمارا..... تم ہمارا..... تم ہمارا کیا ہے۔"

"صاحب ہم تمہارے سب کچھ ہے بولو کہاں چلے گا۔" ٹیکسی ڈرائیور نے اس کا اپنی گردن سے ہٹا کر ہنستے ہوئے کہا۔

"جدھر ہم بتلانا مانگتا۔ شالا تم نہیں جانتا کہ ہم بڑا لوگ ہے۔ ہم تم کو اور بخشیش دیگا مدہوش نیپالی نے پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "سیدھا چلو۔"

دوسرے موڑ پر پہنچ کر ٹیکسی راج روپ نگر کی طرف جا رہی تھی۔

کتے کی موت

ڈاکٹر شوکت انسپکٹر فریدی کی موت کی خبر سن کر ششدر رہ گیا۔ اسے حیرت تھی آخر یک بیک یہ کیا ہو گیا۔ لیکن وہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ اس کی موت سیتا دیوی قتل کی تفتیش کے سلسلے میں واقع ہوئی ہے۔ وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ فریدی کے کسی پرانے دشمن نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا ہوگا۔ محکمہ سراغ رسانی والوں کے لئے دشمنوں کی اچھی خاصی تعداد پیدا کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس پیشے کے کامیاب ترین آدمیوں کی موتیں عموماً اسی طرح واقع ہوتی ہیں۔"

سیتا دیوی کے قتل کے متعلق اس کی اب تک یہی رائے تھی کہ یہ کام ان کے کسی ہم مذہب کا ہے۔ جس نے مذہبی جذبات سے اندھا ہو کر آخر کار انہیں قتل ہی کر دیا۔ انسپکٹر فریدی کا یہ خیال کہ وہ حملہ دراصل اسی پر تھا رفتہ رفتہ اسکے ذہن سے ہٹتا جا رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب اسے راج روپ نگر سے ڈاکٹر توصیف کا خط ملا تو اس نے اس قصبے کے نام پر دھیان تک نہ دیا۔

دوسرے دن ڈاکٹر توصیف خود اس سے ملنے کے لئے آیا۔ اس نے نواب صاحب کے مرض کی ساری تفصیلات بتا کر اسے آپریشن کرنے پر آمادہ کر لیا۔

ڈاکٹر شوکت کی کار راج روپ نگر کی طرف جا رہی تھی۔ وہ اپنے اسسٹنٹ اور دو نرسوں کو ہدایت کر آیا تھا کہ وہ چار بجے تک آپریشن کا ضروری سامان لے کر راج روپ نگر پہنچ جائیں۔

نواب صاحب کے خاندان والے ابھی تک کرنل تیواری کے تبادلے اور توصیف کے نئے فیصلے سے ناواقف تھے۔ ڈاکٹر شوکت کی آمد سے وہ سب حیرت میں پڑ گئے۔ خصوصاً نواب صاحب کی بہن تو آپے سے باہر ہو گئیں۔

"ڈاکٹر صاحب.....!" وہ توصیف سے بولیں۔ "میں آپ کی اس حرکت کا مطلب نہیں سمجھ سکی۔"

"محترمہ مجھے افسوس ہے کہ مجھے آپ سے مشورے کی ضرورت نہیں۔" توصیف نے لاپروائی سے کہا۔

"کیا مطلب؟" نواب صاحب کی بہن نے حیرت اور غصہ کے ملے جلے انداز میں کہا۔

"مطلب یہ کہ اچانک کرنل تیواری کا تبادلہ ہو گیا ہے اور اب اس کے علاوہ کوئی اور صورت باقی نہیں رہ گئی۔"

"کرنل تیواری کا تبادلہ ہو گیا ہے۔"

"ان کا خط ملاحظہ فرمایئے۔" ڈاکٹر توصیف نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر ان کے سامنے ڈال دیا۔ وہ خط پڑھنے لگیں۔ کنور سلیم اور نواب صاحب کی بھانجی نجمہ بھی جھک کر دیکھنے لگیں۔

"لیکن میں آپریشن تو ہرگز نہ ہونے دونگی۔" بیگم صاحبہ نے خط واپس کرتے ہوئے کہا

"دیکھئے محترمہ..... یہاں آپ کی رائے کا کوئی سوال ہی نہیں رہ جاتا۔ نواب صاحب کے طبی مشیر ہونے کی حیثیت سے اس کی سو فیصدی ذمہ داری مجھ پر عاید ہوتی ہے۔ کرنل تیواری کی عدم موجودگی میں میں قانوناً اپنے حق کو استعمال کرسکتا ہوں۔"

"قطعی..... قطعی..... ڈاکٹر صاحب۔" کنور سلیم نے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر ڈاکٹر شوکت میرے چچا کو اس مہلک مرض سے نجات دلا دیں تو اس سے بڑھ کر اچھی بات کیا ہوسکتی ہے میرا بھی یہی خیال ہے کہ اب آپریشن کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا۔"

"سلیم.....!" نواب صاحب کی بہن نے گرج کر کہا۔

"پھوپھی صاحبہ..... میں سمجھتا ہوں کہ آپ ایک محبت کرنے والی بہن کا دل رکھتی ہیں لیکن ان کی صحت کی خاطر دل پر پتھر رکھنا ہی پڑے گا۔"

"کنور بھیا..... آپ اتنی جلد بدل گئے۔" نجمہ نے کہا۔

"کیا کروں نجمہ..... اگر کرنل تیواری موجود ہوتے تو میں کبھی آپریشن کے لئے تیار نہ ہوتا۔ لیکن ایسی صورت میں۔ تمہی بتاؤ چچا جان کب تک یونہی پڑے رہیں گے۔"

"کیوں صاحب کیا آپریشن کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں ہوسکتی؟" نواب صاحب کی بہن نے ڈاکٹر شوکت سے پوچھا۔

"یہ تو میں مریض کو دیکھنے کے بعد ہی بتا سکتا ہوں۔" ڈاکٹر شوکت نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں ہاں ممکن ہے کہ اس کی نوبت ہی نہ آئے۔" ڈاکٹر توصیف نے کہا۔

نواب صاحب جس کمرے میں تھے وہ اوپری منزل میں واقع تھا۔ سب لوگ نواب صاحب کے کمرے میں آئے۔ وہ کمبل اوڑھے چت لیٹے ہوئے تھے ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے گہری نیند میں ہوں۔

ڈاکٹر شوکت اپنے آلات کی مدد سے ان کا معائنہ کرتا رہا۔

"مجھے افسوس ہے بیگم صاحبہ کہ آپریشن کے بغیر کام نہ چلے گا۔" ڈاکٹر شوکت نے

آلات کو ہینڈ بیگ میں رکھتے ہوئے کہا۔

پھر سب لوگ نیچے واپس آ گئے۔

ڈاکٹر شوکت نے نواب صاحب کے خاندان والوں کو کافی اطمینان دلایا۔ ان کی تشفی کے لئے اس نے ان لوگوں کو اپنے بے شمار خطرناک کیسوں کے حالات سنا ڈالے۔ نواب صاحب کا آپریشن تو ان کے مقابلہ میں کوئی چیز نہ تھا۔

"پھوپھی صاحبہ آپ نہیں جانتیں۔" بیگم صاحبہ سے سلیم نے کہا۔ "ڈاکٹر شوکت صاحب کا ثانی پورے ہندوستان میں نہیں مل سکتا۔"

"میں کس قابل ہوں۔" ڈاکٹر شوکت نے خاکسارانہ انداز میں کہا۔ "سب خدا کی مہربانی اور اس کا احسان ہے۔"

"ہاں یہ تو بتایئے کہ آپریشن سے قبل کوئی دوا وغیرہ دی جائے گی۔" کنور سلیم نے پوچھا۔

"فی الحال ایک انجکشن دوں گا۔"

"اور آپریشن کب ہوگا۔" نواب صاحب کی بہن نے پوچھا۔

"آج ہی..... آٹھ بجے رات سے آپریشن شروع ہوجائے گا۔ چار بجے تک میرا اسسٹنٹ اور دو نرسیں یہاں آجائیں گی۔"

"میرا تو دل گھبرا رہا ہے۔" نواب صاحب کی بھانجی نے کہا۔

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔ "میں اپنی ساری کوششیں صرف کردوں گا۔ کیس کچھ ایسا خطرناک نہیں۔ خدا تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ آپریشن کامیاب ہوگا۔ آپ لوگ قطعی پریشان نہ ہوں۔"

"ڈاکٹر صاحب آپ اطمینان سے اپنی تیاری مکمل کیجئے۔" کنور سلیم ہنس کر بولا۔ "بیچاری عورتوں کے بس میں گھبرانے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔"

نواب صاحب کی بہن نے اسے تیز نظروں سے دیکھا اور نجمہ کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔

"میرا مطلب ہے پھوپھی صاحبہ کہ کہیں ڈاکٹر صاحب آپ لوگوں کی حالت دیکھ کر

بدل نہ ہو جائیں۔ اب چچا جان کو اچھا ہی ہو جانا چاہئے۔ کوئی حد ہے اٹھارہ دن ہو گئے ابھی تک بے ہوشی زائل نہیں ہوئی۔''

''تم اس طرح کہہ رہے ہو گویا ہم لوگ انہیں صحت مند دیکھنے کے خواہش مند نہیں ہیں!'' بیگم صاحبہ نے منہ بنا کر کہا۔

''خیر..... خیر.....!'' فیملی ڈاکٹر توصیف نے کہا۔ ''ہاں تو ڈاکٹر شوکت میرے خیال سے اب آپ انجکشن دے دیجئے۔''

ڈاکٹر شوکت، ڈاکٹر توصیف اور کنور سلیم بالائی منزل پر مریض کے کمرے میں چلے گئے اور دونوں ماں بیٹیاں ہال ہی میں رک کر آپس میں سرگوشیاں کرنے لگیں۔ نجمہ کچھ کہہ رہی تھی اور نواب صاحب کی بہن کے ماتھے پر شکنیں ابھر رہی تھیں۔ انہوں نے دو تین بار زینے کی طرف دیکھا اور باہر نکل گئیں۔

انجکشن سے فارغ ہو کر ڈاکٹر شوکت، کنور سلیم اور ڈاکٹر توصیف کے ہمراہ باہر آیا۔

''اچھا کنور صاحب اب ہم لوگ چلیں گے۔ چار بجے تک نرسیں اور میرا اسسٹنٹ آپ کے یہاں آ جائیں گے اور میں بھی ٹھیک چھ بجے یہاں پہنچ جاؤں گا۔'' ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

''تو یہیں قیام کیجئے نا.....!'' سلیم نے کہا۔

''نہیں..... ڈاکٹر توصیف کے یہاں ٹھیک رہے گا اور پھر قصبے میں مجھے کچھ کام بھی ہے۔ ہم لوگ چھ بجے تک یقیناً آ جائیں گے۔''

ڈاکٹر کار میں بیٹھ گئے لیکن ڈاکٹر شوکت کی پے در پے کوششوں کے باوجود بھی کار اسٹارٹ نہ ہوئی۔

''یہ تو بڑی مصیبت ہوئی۔'' ڈاکٹر شوکت نے کار سے اتر کر مشین کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''فکر مت کیجئے..... میں اپنی گاڑی نکال کر لاتا ہوں۔'' کنور سلیم نے کہا اور لمبے ڈگ بھرتا ہوا گیراج کی طرف چلا گیا۔ جو پرانی کوٹھی کے قریب واقع تھا۔

تھوڑی دیر بعد نواب صاحب کی بہن آ گئیں۔

''ڈاکٹر شوکت کی کار خراب ہو گئی۔ کنور صاحب کار کے لئے گئے ہیں۔'' ڈاکٹر توصیف نے ان سے کہا۔

''اوہ..... کار تو میں نے ہی شہر بھیج دی ہے اور بھائی جان والی کار عرصہ سے خراب ہے۔''

''اچھا تو پھر آیئے ڈاکٹر صاحب ہم لوگ پیدل ہی چلیں..... صرف ڈیڑھ میل تو چلنا ہے۔'' ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

''ڈاکٹر توصیف! مجھے آپ سے کچھ مشورہ کرنا ہے۔'' نواب صاحب کی بہن نے کہا۔ ''اگر آپ لوگ شام تک یہیں ٹھہریں تو کیا مضائقہ ہے۔''

''بات دراصل یہ ہے کہ مجھے چند ضروری تیاریاں کرنی ہیں۔'' ڈاکٹر شوکت نے کہا۔ ''ڈاکٹر صاحب کو آپ روک لیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔''

''آپ کچھ خیال نہ کیجئے.....!'' بیگم صاحبہ بولیں۔ ''اگر کار شام تک واپس آ گئی تو میں چھ بجے تک بھجوا دوں گی۔ ورنہ پھر کسی دوسری سواری کا انتظام کیا جائے گا۔''

''شام کو تو میں ہر صورت میں پیدل ہی آؤں گا۔ کیونکہ آپریشن کے وقت میں کافی چاق و چوبند رہنا چاہتا ہوں۔'' شوکت نے کہا اور قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔ راہ میں کنور سلیم ملا۔

''مجھے افسوس ہے ڈاکٹر کہ اس وقت کار موجود نہیں۔ آپ یہیں رہئے آخر اس میں حرج ہی کیا ہے۔''

''حرج تو کوئی نہیں لیکن مجھے تیاری کرنی ہے۔'' ڈاکٹر شوکت نے جواب دیا۔

''اچھا تو چلئے میں آپ کو چھوڑ آؤں۔''

''نہیں..... شکریہ..... راستہ میرا دیکھا ہوا ہے۔''

ڈاکٹر شوکت جیسے ہی پرانی کوٹھی کے قریب پہنچا اسے ایک عجیب قسم کا وحشیانہ قہقہہ سنائی دیا۔ عجیب الخلقت بوڑھا پروفیسر عمران قہقہے لگاتا ہوا اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''ہیلو ہیلو.....!'' بوڑھا چیخا۔ ''اپنے مکان کے قریب اجنبیوں کو دیکھ کر مجھے خوشی ہوتی ہے۔''

ڈاکٹر شوکت رک گیا۔ اسے محسوس ہوا جیسے اسکے جسم کے سارے روئیں کھڑے ہو گئے ہوں۔ اتنی خوفناک شکل کا آدمی آج تک اس کی نظروں سے نہ گذرا تھا۔

''مجھ سے ملئے..... میں پروفیسر عمران ہوں۔'' اس نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''اور آپ.....!''

''مجھے شوکت کہتے ہیں.....!'' شوکت نے بادل نخواستہ ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ لیکن اس نے محسوس کیا کہ ہاتھ ملاتے وقت بوڑھا کچھ سست پڑ گیا تھا۔ بوڑھے نے فوراً ہی اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور قہقہہ لگاتا، اچھلتا کودتا پھر پرانی کوٹھی میں واپس چلا گیا۔

ڈاکٹر شوکت متحیر کھڑا تھا۔ دفعتاً قریب کی جھاڑیوں سے ایک بڑا سا کتا اس پر جھپٹا۔ ڈاکٹر شوکت گھبرا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ کتے نے جست لگائی اور ایک بھیانک چیخ کے ساتھ زمین پر آ رہا۔ چند سیکنڈ تک وہ تڑپا اور پھر بے حس و حرکت ہو گیا۔ یہ سب اتنی جلدی ہوا کہ ڈاکٹر شوکت کو کچھ سوچنے سمجھنے کا موقعہ نہ مل سکا۔ اس کے بعد کچھ سمجھ ہی میں نہ آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

''ارے یہ میرے کتے کو کیا ہوا..... ٹائیگر ٹائیگر.....!'' ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ شوکت چونک پڑا۔ سامنے نواب صاحب کی بھانجی نجمہ کھڑی تھی۔

''مجھے خود حیرت ہے۔'' شوکت نے کہا۔

''میں نے اس کے غرانے کی آواز سنی تھی۔ کیا یہ آپ پر جھپٹا تھا لیکن اس کی سزا موت نہ ہو سکتی تھی۔'' وہ تیز لہجے میں بولی۔

''یقین فرمایئے محترمہ مجھے خود حیرت ہے کہ اسے یک بیک ہو کیا گیا..... اگر آپ کو شبہ ہے تو بھلا بتایئے میں نے اسے کیونکر مارا.....؟''

نجمہ کتے کی لاش پر جھکی اسے پکار رہی تھی۔ ''ٹائیگر ٹائیگر.....!''

''بے سود ہے محترمہ یہ ٹھنڈا ہو چکا ہے۔'' شوکت کتے کی لاش کو ہلاتے ہوئے بولا۔

''آخر اسے ہو کیا گیا۔'' نجمہ نے خوفزدہ انداز میں پوچھا۔

''میں خود یہی سوچ رہا ہوں۔ بظاہر کوئی زخم بھی نہیں نظر آیا۔''

''سخت حیرت ہے.....!''

دفعتاً ڈاکٹر شوکت کے ذہن میں ایک خیال پیدا ہوا۔ وہ اسکے پنجوں کا معائنہ کرنے لگا۔

''اوہ.....!'' اس کے منہ سے حیرت کی چیخ نکلی اور اس نے کتے کے پنجے میں چبھی ہوئی گراموفون کی ایک سوئی کھینچ لی اور حیرت سے اسے دیر تک دیکھتا رہا۔

''دیکھئے محترمہ غالباً یہ زہریلی سوئی ہی آپ کے کتے کی موت کا سبب بنی ہے۔''

''سوئی.....!'' نجمہ نے چونک کر کہا۔ ''گراموفون کی سوئی..... کیا مطلب.....!''

''مطلب تو میں بھی نہیں سمجھا لیکن یہ وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ سوئی خطرناک حد تک زہریلی ہے۔ مجھے انتہائی افسوس ہے کتا بہت عمدہ تھا۔''

''لیکن یہ سوئی یہاں کیسے آئی؟'' وہ پلکیں جھپکاتی ہوئی بولی۔

''کسی سے گر گئی ہو گی۔''

''عجیب بات ہے۔''

شوکت نے وہ سوئی احتیاط سے تھرمامیٹر رکھنے والی نالی میں رکھ لی اور بولا ''یہ ایک دلچسپ چیز ہے۔ میں اس کا کیمیاوی تجزیہ کروں گا۔ آپ کے کتے کی موت پر ایک بار پھر اظہار افسوس کرتا ہوں۔''

''اوہ..... ڈاکٹر میں آپ سے سچ کہتی ہوں کہ میں اس کتے کو بہت عزیز رکھتی تھی۔'' اس نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

''واقعی بہت اچھا کتا تھا۔ اس نسل کے گرے ہاؤنڈ کمیاب ہیں۔'' شوکت نے جواب دیا۔

''ہونے والی بات تھی..... افسوس تو ہوتا ہے مگر اب ہو ہی کیا سکتا ہے۔ مگر ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ سوئی یہاں آئی کیسے۔''

''میں خود یہی سوچ رہا ہوں۔'' ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

''ہو سکتا ہے کہ یہ سوئی اس خبطی بوڑھے کی ہو۔ اس کے پاس عجیب و غریب چیزیں

ہیں..... منحوس کہیں کا۔"

"کیا آپ انہیں صاحب کے بارے میں تو نہیں کہہ رہی ہیں جو ابھی اس کوٹھی سے نکلے تھے۔"

"جی ہاں..... وہی ہوگا.....!" نجمہ نے جواب دیا۔

"یہ کون صاحب ہیں۔ بہت ہی عجیب وغریب آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

"یہ ہمارا کرایہ دار ہے۔ پروفیسر عمران..... لوگ کہتے ہیں کہ ماہر فلکیات ہے۔ مجھے یقین نہیں آتا۔ وہ دیکھئے اس نے مینار پر ایک دوربین بھی لگا رکھی ہے۔"

"پروفیسر عمران ..... ماہر فلکیات..... یہ بہت مشہور آدمی ہیں۔ میں نے ان کی کئی کتابیں پڑھی ہیں۔ اگر وقت ملا تو میں ان سے ضرور ملوں گا۔"

"کیا کیجئے گا مل کر..... دیوانہ ہے۔ وہ ہوش ہی میں کب رہتا ہے۔ وہ جانور سے بھی بدتر ہے۔" نجمہ نے کہا۔ "خیر ہٹائیے ان باتوں کو..... ڈاکٹر صاحب آپریشن میں کوئی خطرہ تو نہیں؟"

"جی نہیں آپ مطمئن رہئے..... انشاء اللہ کوئی گڑبڑ نہ ہونے پائے گی۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔ "اچھا اب میں چلوں۔ مجھے آپریشن کی تیاری کرنا ہے۔"

ڈاکٹر شوکت قصبے کی طرف چل پڑا۔ ایک شخص کھائیوں اور جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا اس کا تعاقب کر رہا تھا۔

بال بال بچے

راستے بھر شوکت کا ذہن سوئی اور کتے کی موت میں الجھا رہا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ خلش بھی اس کے دل میں کچوکے لگا رہی تھی جو نجمہ سے گفتگو کرنے کے بعد پیدا ہوگئی تھی۔ اس کا

دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ وہ زندگی بھر کھڑا اس سے اسی طرح باتیں کئے جائے۔ عورتوں سے بات کرنا اس کے لئے نئی بات نہ تھی۔ وہ قریب قریب دن بھر نرسوں میں گھرا رہتا تھا اور پھر اسکے علاوہ اس کا پیشہ ایسا تھا کہ اور دوسری عورتوں سے بھی اس کا سابقہ پڑتا رہتا تھا۔ لیکن نجمہ میں نہ جانے کونسی ایسی بات تھی جو رہ رہ کر اسکا چہرہ اس کی نظروں کے سامنے پیش کر دیتی تھی۔

ڈاکٹر توصیف کے گھر پہنچتے ہی وہ سب کچھ بھول گیا کیونکہ اب وہ آپریشن کی سکیم مرتب کر رہا تھا۔ وہ ایک زندگی بچانے جا رہا تھا..... ایک ماہر فن کی طرح اس کا دل مطمئن تھا..... اسے اپنی کامیابی کا اسی طرح یقین تھا جس طرح اس کا کہ وہ گیارہ بجے کھانا کھائے گا۔"

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد ڈاکٹر توصیف بھی نواب صاحب کی کار پر آ گیا۔

"کہئے ڈاکٹر صاحب کوئی خاص بات۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں، البتہ کتے کی موت سے ہر شخص حیرت زدہ ہے۔ لائیے دیکھوں تو وہ سوئی۔" ڈاکٹر توصیف نے سوئی لینے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہ دیکھئے..... بڑی عجیب بات ہے۔ معلوم نہیں سوئی کس زہر میں بجھائی گئی ہے۔" ڈاکٹر شوکت تھرمامیٹر کی نلکی سے سوئی نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"دیکھتے ہی دیکھتے کتا ختم ہوگیا۔"

"گراموفون کی سوئی ہے۔" ڈاکٹر توصیف نے سوئی کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"معلوم نہیں کس زہر میں بجھائی گئی ہے۔"

"میرے خیال میں پوٹاشیم سایانائیڈ یا اس قبیل کا کوئی اور زہر ہے، ڈاکٹر شوکت نے سوئی کو لے کر پھر تھرمامیٹر کی نلکی میں رکھتے ہوئے کہا۔"

"مجھے تو یہ سوئی خبیث پروفیسر کی معلوم ہوتی ہے۔" ڈاکٹر توصیف نے کہا۔

"اس کی عجیب وغریب چیزیں اور حرکتیں دور تک مشہور ہیں۔"

"مجھے ابھی تک پروفیسر کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں معلوم۔ لیکن میں اس پراسرار شخصیت کے متعلق اپنی معلومات میں اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ ویسے تو میں یہ جانتا ہوں کہ وہ

ایک مشہور ماہر فلکیات ہے۔'' ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

''اس کی زندگی ابھی تک پردہ راز میں ہے۔'' ڈاکٹر توصیف نے کہا۔ ''لیکن اتنا میں جانتا ہوں کہ اب سے دو سال پیشتر وہ ایک صحیح الدماغ آدمی تھا۔ اس کے بعد اچانک اس کی عادات و اطوار میں تبدیلیاں ہونی شروع ہوگئیں اور اب تو سبھی کا یہ خیال ہے کہ اس کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔''

''میں نے تو صاحب اتنا بھیانک آدمی آج تک نہیں دیکھا۔'' ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی اس کے بعد ڈاکٹر توصیف بولا۔ ''ہاں تو آپ کا کیا پروگرام ہے۔ میرے خیال سے تو اب دوپہر کا کھانا کھالینا چاہئے۔''

کھانے کے دوران آپریشن اور دوسرے موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ اچانک ڈاکٹر شوکت کو کچھ یاد آ گیا۔

''ڈاکٹر صاحب میں جلدی میں اپنے اسسٹنٹ کو کچھ ضروری ہدایات دینا بھول گیا ہوں.... اگر آپ کوئی ایسا انتظام کرسکیں کہ میرا رقعہ اس تک پہنچا دیا جائے تو بہت اچھا ہو۔'' ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

''چلئے اب دو کام ہوجائیں گے۔'' ڈاکٹر توصیف نے کہا۔ ''میں دراصل شہر ہی جا رہا ہوں کے لئے نواب صاحب کی کار لایا تھا۔ آپ رقعہ دے دیجئے گا اور ہاں کیوں نہ آپ کے ساتھیوں کو اپنے ساتھ لیتا آؤں۔''

''اس سے بہتر کیا ہوسکتا ہے۔''

''اس رقعے کے علاوہ کوئی اور کام.....؟''

''جی نہیں شکریہ۔ میرے خیال سے آپ ان لوگوں کو اسی طرف سے کوٹھی لیتے جائیے۔''

''بہتر ہے..... چھ بجے آپ کے لئے کار بھجوا دی جائے گی۔''

''نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ میں پیدل ہی آؤں گا۔''

''کیوں.....؟''

''بات دراصل یہ ہے ڈاکٹر صاحب کہ آپریشن ذرا نازک ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپریشن سے قبل اتنی ورزش ہوجائے جس سے جسم میں چستی پیدا ہوسکے۔''

''ڈاکٹر شوکت میں آپ کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ درحقیقت ایک اچھے ڈاکٹر کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔''

ڈاکٹر توصیف کے چلے جانے کے بعد ڈاکٹر شوکت نے یکے بعد دیگرے وہ کتابیں پڑھنا شروع کیں جو وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ ایک کاغذ پر پنسل سے کچھ ڈائے گرام بنائے اور دیر تک انہیں دیکھتا رہا۔ پرانے ریکارڈوں کے کچھ فائل دیکھے۔ انہی مشغولیات میں دن ختم ہوگیا۔ تقریباً پانچ بجے اس نے کتابیں اور فائل ایک طرف رکھ دیئے۔ اسے ٹھیک چھ بجے یہاں سے روانہ ہونا تھا۔ دسمبر کا مہینہ تھا۔ شام کی کرنوں کی زردی پھیکی پھیکی سرخی میں تبدیل ہوتی جا رہی تھی۔ ڈاکٹر توصیف کا نوکر انڈے کی سینڈوچ اور کافی لے آیا۔ رات کا کھانا سلیم کی درخواست کے مطابق اُسے کوٹھی میں کھانا تھا۔ اس لئے اس نے صرف ایک سینڈوچ کھائی اور دو کپ کافی کے بعد سگریٹ سلگا کر ٹہلنے لگا۔ گھڑی نے چھ بجائے..... اس نے کپڑے پہنے اور چسٹر کاندھے پر ڈال کر روانہ ہوگیا۔ وہ آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا جا رہا تھا۔ چاروں طرف تاریکی پھیل گئی تھی۔ سڑک کے دونوں طرف گھنی جھاڑیاں اور درختوں کی قطاریں تھیں جن کی وجہ سے سڑک خصوصاً اور زیادہ تاریک ہوگئی تھی۔ لیکن ڈاکٹر شوکت آپریشن کے خیال میں مگن بے خوف چلا جا رہا تھا۔ اس سے تقریباً پچاس گز پیچھے ایک دوسرا آدمی جھاڑیوں سے لگا ہوا چل رہا تھا۔ شاید اس نے ربڑ سول کے جوتے پہن رکھے تھے جس کی وجہ سے ڈاکٹر شوکت اس کے قدموں کی آواز نہیں سن رہا تھا۔ ایک جگہ ڈاکٹر شوکت سگریٹ سلگانے کے لئے رکا ساتھ ہی وہ شخص بھی رک کر جھاڑیوں کی اوٹ میں چلا گیا۔ جیسے ہی شوکت نے چلنا شروع کیا وہ پھر جھاڑیوں سے نکل کر اسی طرح اس کا تعاقب کرنے لگا۔

سڑک زیادہ چلتی ہوئی نہ تھی۔ وجہ یہ تھی یہ سڑک محض کوٹھی کے لئے بنائی گئی تھی۔ اگر نواب صاحب نے اپنی کوٹھی بستی کے باہر نہ بنوائی ہوتی تو پھر اس سڑک کا وجود بھی نہ ہوتا۔

شوکت کے وزنی جوتوں کی آواز اس سنسان سڑک پر اس طرح گونج رہی تھی جیسے وہ جھاڑیوں میں دبک کر ٹیں ٹیں ریں ریں کرنے والے جھینگروں کو ڈانٹ رہی ہو..... شوکت چلتے چلتے ہلکے سروں میں سیٹی بجانے لگا۔ اسے اپنے جوتوں کی آواز سیٹی کی دھن پر تال دیتی معلوم ہو رہی تھی۔ کسی درخت پر ایک بڑے پرندے نے چونک کر اپنے پر پھڑپھڑائے اور اڑ کر دوسری طرف چلا گیا۔ جھاڑیوں کے پیچھے قریب ہی گیدڑوں نے چیخنا شروع کر دیا۔ جو شخص ڈاکٹر شوکت کا پیچھا کر رہا تھا اس کا اب کہیں پتہ نہ تھا۔ کچھ آگے بڑھ کر بہت زیادہ گھنے درختوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہاں پر دونوں طرف کے درختوں کی شاخیں آپس میں مل کر اس طرح گنجان ہو گئی تھیں کہ آسمان نہیں دکھائی دیتا تھا۔ ڈاکٹر شوکت دنیا، مافیہا سے بے خبر اپنی دھن میں چلا جا رہا تھا۔ اچانک اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔ اس کے گلے میں ایک موٹی سی رسی کا پھندا پڑا ہوا تھا۔ آہستہ آہستہ پھندے کی گرفت تنگ ہوتی گئی اور ساتھ ہی ساتھ وہ اوپر اٹھنے لگا۔ گلے کی رگیں پھول رہی تھیں۔ آنکھیں حلقوں سے ابلی پڑ رہی تھیں۔ اس نے چیخنا چاہا لیکن آواز نہ نکلی۔ اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کا دل کنپٹیوں اور آنکھوں میں دھڑک رہا ہو۔ آہستہ آہستہ اسے تاریکی گہری ہوتی ہوئی معلوم ہوئی۔ جھینگروں اور گیدڑوں کا شور دور خلا میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ پھر بالکل خاموشی چھا گئی۔ وہ زمین سے دو فٹ کی بلندی پر جھول رہا تھا۔ کوئی اسی درخت پر سے کود کر جھاڑیوں میں غائب ہو گیا۔ پھر ایک آدمی اس کی طرف دوڑ کر آتا دکھائی دیا۔ اس کے قریب پہنچ کر اس نے ہاتھ ملتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا..... دوسرے لمحے میں وہ پھرتی سے درخت پر چڑھ رہا تھا۔ ایک شاخ سے دوسری شاخ پر کودتا ہوا وہ اس شاخ پر پہنچ گیا جس سے رسی بندھی ہوئی تھی۔ اس نے رسی ڈھیلی کر کے آہستہ آہستہ ڈاکٹر شوکت کے پیر زمین پر ٹکا دیئے پھر رسی کو اسی طرح باندھ کر نیچے اتر آیا۔ اب اس نے جیب سے چاقو نکال کر رسی کاٹی اور شوکت کو ہاتھوں پر سنبھالے ہوئے سڑک پر لٹا دیا۔ پھندا ڈھیلا ہوتے ہی بے ہوش ڈاکٹر گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ پراسرار اجنبی نے دیا سلائی جلا کر اس کے چہرے پر نظر ڈالی۔ آنکھوں کے پپوٹوں میں جنبش پیدا ہو چکی تھی۔ ایسا

معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ دس پانچ منٹ کے بعد ہوش میں آ جائے گا۔ دو تین منٹ گزر جانے پر اس کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی اور اجنبی جلدی سے جھاڑیوں کے پیچھے چھپ گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک کراہ کے ساتھ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ آہستہ آہستہ کچھ دیر قبل کے واقعات اس کے ذہن میں گونج اٹھے..... بے اختیار اس کا ہاتھ گردن کی طرف گیا۔ لیکن اب وہاں رسی کا پھندا نہ تھا۔ البتہ گردن بڑی بُری طرح دکھ رہی تھی۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ وہ کس طرح بچ گیا۔ اب اسے فریدی مرحوم کے الفاظ بُری طرح یاد آ رہے تھے اور ساتھ ہی سیتا دیوی کی خواب کی بڑبڑاہٹ بھی یاد آ گئی تھی۔ ''راج روپ نگر'' اس کے سارے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ چھوٹ پڑا۔ وہ سوچنے لگا وہ بھی کتنا احمق تھا کہ اس نے فریدی کے الفاظ بھلا دیئے اور خوفناک جگہ پر اندھیری رات میں تنہا چلا آیا۔ اس کی جان لینے کی یہ دوسری کوشش تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس نیپالی کا نقشہ پھر گیا جس نے اسے دھمکی دی تھی۔ پھر اچانک وہ زہریلی سوئی یاد آئی اور پروفیسر کا بھیانک چہرہ ..... جو اس نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اور ٹھیک اسی جگہ کتا بھی اچھل کر گرا تھا۔ تو کیا پروفیسر..... پروفیسر..... لیکن آخر کیوں؟ یہ سب سوچتے سوچتے اسے اپنی موجودہ حالت کا خیال آیا اور وہ کپڑے جھاڑتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ چھڑی قریب ہی پڑا تھا۔ اس نے جلدی سے چھڑی اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور تیزی سے کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے سوچا کہ گھڑی میں وقت دیکھے لیکن پھر دیا سلائی جلا کر دیکھنے کی ہمت نہ پڑی۔

کوٹھی میں سب لوگ بے صبری سے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ اس نے سات بجے آنے کا وعدہ کیا تھا لیکن اب آٹھ بج رہے تھے۔

''شوکت بہت ہی بااصول آدمی معلوم ہوتا ہے۔ نہ جانے کیا بات ہے۔'' ڈاکٹر توصیف نے باغ میں ٹہلتے ہوئے کہا۔

نجمہ بار بار اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھ رہی تھی۔

''کیا بات ہو سکتی ہے۔'' کنور سلیم نے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے ہوئے پیشانی پر

ہاتھ رکھ کر اندھیرے میں گھورتے ہوئے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ وہ دیر میں گھر سے روانہ ہوا۔ میں تو کہہ رہا تھا کہ کار بھجوادوں گا۔ لیکن اس نے کہا کہ میں پیدل ہی آؤں گا۔ آں یہ کون آرہا ہے..... ہلو..... ڈاکٹر..... بھئی انتظار کرتے کرتے آنکھیں پتھرا گئیں۔''

ڈاکٹر شوکت برآمدے میں داخل ہو چکا تھا۔ وہ راستہ بھر اپنے چہرے سے پریشانی کے آثار مٹانے کی کوشش کرتا آیا تھا۔

''مجھے افسوس ہے۔'' ڈاکٹر شوکت نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اپنی حماقت کی وجہ سے چلتے وقت ٹارچ لانا بھول گیا..... نتیجہ یہ ہوا کہ راستہ بھول گیا۔''

''لیکن آپ کے سر میں یہ اتنے سارے تنکے کہاں سے آگئے..... جی وہاں نہیں۔ پیچھے کی طرف.....!'' نجمہ نے مسکرا کر کہا۔

''تنکے..... اوہ..... کچھ نہیں..... ہٹایئے بھی کوئی ایسی خاص بات نہیں۔'' ڈاکٹر شوکت نے کچھ بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''نہیں نہیں..... بتایئے نا..... آخر بات کیا ہے؟'' کنور سلیم نے سنجیدگی سے کہا۔

''ارے وہ تو ایک پاگل کتا تھا..... راہ میں اس نے مجھے دوڑایا۔ اندھیرا کافی تھا..... میں ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔ وہ تو کہیے ایک راہگیر ادھر آنکلا ورنہ.....!''

''آج کل دسمبر میں پاگل کتا۔'' نجمہ نے حیرت سے کہا۔ ''کتے تو عموماً گرمیوں میں پاگل ہوتے ہیں۔''

''نہیں..... یہ ضروری نہیں۔'' کنور سلیم نے جواب دیا۔ ''اکثر سردیوں میں بھی بعض کتوں کا دماغ خراب ہو جاتا ہے۔ خیر..... آپ خوش قسمت تھے ڈاکٹر شوکت..... پاگل کتوں کا زہر بہت خطرناک ہوتا ہے۔ آپ تو جانتے ہی ہوں گے۔''

''ہاں بھئی ڈاکٹر..... وہ آپ کے آدمیوں نے بیمار کے کمرے میں ساری تیاریاں مکمل کرلی ہیں۔''

''وہ لوگ اس وقت وہیں ہیں.....!'' ڈاکٹر توصیف نے کہا۔

''آپ کے انتظار میں شاید ان لوگوں نے بھی ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔'' نجمہ بولی۔

''میرا انتظار آپ لوگوں نے ناحق کیا۔ میں آپریشن سے قبل تھوڑا سا سوپ پیتا ہوں۔ کھانا کھالینے کے بعد دماغ کسی کام کا نہیں رہ جاتا.....!''

''جی ہاں! میں نے بھی اکثر کتابوں میں یہی پڑھا ہے اور جہاں تک میرا خیال ہے کہ دنیا کے بڑے آدمی نے یہ ضرور کہا ہوگا۔'' نجمہ نے شوخی سے کہا۔ ڈاکٹر شوکت نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ نجمہ سے نگاہیں ملتے ہی وہ زمین کی طرف دیکھنے لگا۔

''خیر صاحب..... وہ کچھ سہی میں تو دن بھر میں پانچ سیر سے کم نہیں کھاتا۔'' کنور سلیم نے ہنس کر کہا۔ ''کھانا دیر سے منتظر ہے۔ ہر تندرست آدمی کا فرض ہے کہ اسے انتظار کی زحمت سے بچائے۔''

سب لوگ کھانے کے کمرے میں چلے گئے۔

پرانی کوٹھی کے باہر

پرانی کوٹھی کے پائیں باغ میں پروفیسر عمران کسی سے گفتگو کر رہا تھا۔ کبھی کبھی دونوں کی آوازیں بلند ہو کر خلاء میں ڈوب جاتیں۔

پروفیسر کہہ رہا تھا۔ ''لیکن میں نہیں جاؤں گا۔''

''تو اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے میری جان۔'' دوسری آواز سنائی دی۔ ''نہ جانے میں تمہارا ہی نقصان ہے؟''

''میرا نقصان.....!'' پروفیسر کی آواز آئی۔ ''یونان اور روم کے دیوتاؤں کی قسم ہرگز نہ جاؤں گا۔''

''تمہیں چلنا پڑے گا۔'' کسی نے کہا۔

''سنو اسے ابابیل کے بچے..... تم میں اتنی ہمت نہیں کہ مجھے میری مرضی کے خلاف کہیں لے جاسکو۔'' پروفیسر چیخا۔

''خیر نہ جاؤ لیکن تمہیں اس کے لئے پچھتانا پڑے گا۔ دیکھنا ہے کہ تمہیں کل سے سفید کیسے ملتا ہے۔'' دوسرے آدمی نے کہا اور باغ سے نکلنے لگا۔

''ٹھہرو..... ٹھہرو..... تو ایسے بات کرو نا۔ تم نے پہلے ہی کیوں نہیں بتایا کہ تم بیر بہوٹی کے بچے ہو۔'' پروفیسر ہنس کر بولا۔

''بیر بہوٹی..... ہاں بیر بہوٹی..... مگر اس کے لئے تمہیں میرے ساتھ مالی کے جھونپڑے تک چلنا ہوگا۔''

''اچھا تو آؤ پھر چلیں۔'' پروفیسر نے کہا اور دونوں مالی کے جھونپڑے کی طرف چل پڑے۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد پروفیسر لنگڑاتا ہوا مالی کے جھونپڑے سے باہر نکلا۔ وہ اکیلا تھا اور اس کے کاندھے پر ایک وزنی گٹھڑی تھی۔ ایک جگہ رک کر اس نے ادھر اُدھر دیکھا، پھر مالی کے جھونپڑے کی طرف گھونسہ تان کر کہنے لگا۔

''ابے تو نے مجھے سمجھا کیا ہے۔ میں تجھے کتے کا گوشت کھلادوں گا۔ چھچھوندر کی اولاد نہیں تو..... مریخ، زحل، مشتری، عطارد سب کے سب تیری جان کے دشمن ہو جائیں گے۔ ابے میں وہ ہوں جس نے سکندر اعظم کا مرغا چرایا تھا۔ چمگادڑ مجھے سلام کرنے آتے ہیں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تو اپنے دادا کا نطفہ ہے۔ چلا ہے وہاں سے مکھیاں مارنے..... بڑا آیا کہیں کا تیس مارخاں۔ تیس مارخاں کی ایسی کی تیسی..... نہیں جانتا کہ میں بھوتوں کا سردار ہوں۔ آؤ اے غرفوس اسے کھا جاؤ۔ آؤ اسے ارسلانوس اسے چبا جاؤ۔ چڑیلوں کی حرافہ نانی اشقلونیا تو کہاں ہے۔ دیکھ میں ناچ رہا ہوں۔ میں تیرا بھتیجا ہوں..... آجا پیاری.....!'' یہ کہہ کر پروفیسر نے وہیں پر ناچنا شروع کر دیا۔ پھر وہ سینہ پر ہاتھ مار کر کہنے لگا۔ ''میں اس آگ کا پجاری ہوں

جو مریخ میں جل رہی ہے۔ ہزار ہا سال سے میں اس کی پوجا کرتا آرہا ہوں۔ میں پانچ ہزار سال سے انتظار کر رہا ہوں لیکن ستارہ کبھی نہ ٹوٹے گا۔ اے کہ میں نے تیرے لئے خرگوش پالے۔ اے کہ میں تجھے گلہریوں کے کباب کھلاتا ہوں..... میں تتلیوں کے پروں سے سگریٹ بنا کر تجھے پلاتا ہوں۔ اے پیارے ابلیس تو کہاں ہے۔ میں تجھے اپنا کان کاٹ کر کھلادوں گا.....!''

وہ اور نہ جانے کیا بڑبڑاتا اچھلتا کودتا ہوا پرانی کوٹھی کے باغ میں غائب ہوگیا۔

پروفیسر کی شرارت

مریض کے کمرے کا منظر حد درجہ متاثر کن تھا۔ نرس اور ڈاکٹر سب سفید کپڑوں میں ملبوس آہستہ آہستہ ادھر اُدھر آجا رہے تھے۔ آپریشن ٹیبل جو سول ہسپتال سے خاص اہتمام کے ساتھ یہاں لائی گئی تھی کمرے کے وسط میں پڑی تھی۔ مریض کو اس پر لٹایا جاچکا تھا۔ کمرے میں بہت زیادہ طاقت والے بلب روشن کر دیئے گئے تھے۔ سلائچیوں میں گرم و سرد پانی رکھا ہوا تھا۔ اسی کے قریب ایک دوسری میز پر عجیب و غریب قسم کے آپریشن کے اوزار اور ربڑ کے دستانے پڑے ہوئے تھے۔

ڈاکٹر شوکت کچھ دیر قبل پیش آئے ہوئے حادثے کو قطعی بھلا چکا تھا۔ اب اس کا دھیان صرف آپریشن کی طرف تھا۔ ایک آدمی کی زندگی خطرے میں تھی۔ تمام تر کوششیں صرف کر دینے کا تہیہ کرلیا تھا۔ نوجوان ماہر اسے بھی اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اگر اسے اس کیس میں کامیابی ہوگئی تو اس کی شخصیت کہیں کی کہیں جا پہنچے گی۔ کامیابی اسے ترقی کے زینوں پر لے جائے گی..... اور ناکامی! لیکن..... نہیں..... اس کے ذہن میں ناکامی کے خیال کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ وہ ایک مشاق ماہر فن کی طرح مطمئن نظر آرہا تھا۔ ڈاکٹر توصیف بھی کمرے میں موجود تھا۔ لیکن اس کی حیثیت ایک تماشائی جیسی تھی۔ وہ دیکھ رہا تھا اور متحیر تھا کہ یہ نوجوان لڑکا کس

طرح سکون و اطمینان کے ساتھ اپنی تیاریوں میں مصروف ہے۔ ایسے موقعوں پر اتنا اطمینان اس نے اچھے اچھے معمر اور تجربہ کار ڈاکٹروں کے چہروں پر بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ دل ہی دل میں اس کی تعریفیں کر رہا تھا۔

باہر برآمدے میں نواب صاحب کی بہن اور نجمہ بیٹھی تھیں۔ دونوں پریشان نظر آ رہی تھیں۔ کنور سلیم ٹہل ٹہل کر سگریٹ پی رہا تھا۔

''ممی کیا وہ کامیاب ہو جائے گا۔'' نجمہ نے بے تابی سے کہا۔ ''مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور کامیاب ہو جائے گا۔ لیکن کتنی دیر لگے گی.....؟''

''پریشان مت ہو بیٹی۔'' بیگم صاحبہ بولیں۔ ''میرا خیال ہے کہ کافی عرصہ لگے گا۔ ممکن ہے صبح ہو جائے۔ لہٰذا ہم لوگوں کا یہاں اس طرح بیٹھنا ٹھیک نہیں۔ کیوں نہ ہم ڈرائنگ روم میں چل کر بیٹھیں۔ غالباً کافی اب تیار ہو گئی ہو گی۔ سلیم کیا آج تم کافی نہ پیو گے۔''

''کافی کا کسے ہوش ہے پھوپھی صاحبہ۔'' سلیم نے سگریٹ کو برآمدے میں بچھے ہوئے قالین پر گرا کر پیر سے رگڑتے ہوئے کہا۔ ''میں نجمہ سے زیادہ پریشان ہوں۔ مجھے تعجب ہے کہ آپ ایسے وقت میں بھی کافی نہیں بھولیں۔''

''تم ساری قالینوں کا ستیاناس کر دو گے۔'' بیگم صاحبہ نے ناک بھوں سکوڑ کر کہا۔ ''کہا سگریٹ کو دوسری طرف نہیں پھینک سکتے۔''

''جہنم میں گئی قالین.....!'' وہ ناخوشگوار لہجے میں بولا۔ ''میرا دماغ اس وقت ٹھیک نہیں۔''

''عورت نہ بنو۔'' بیگم صاحبہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''ابھی کتنی دیر کی بات ہے کہ میری مخالفت کے باوجود بھی آپریشن کی حمایت کر رہے تھے۔ اپنی حالت کو سنبھالو۔ تمہیں تو ہم لوگوں کو دلاسا دینا چاہئے۔''

''میں کوشش کرتا ہوں کہ خود کو سنبھالوں لیکن یہ ممکن نہیں۔ مجھے کرنل تیواری کے الفاظ یاد آ رہے ہیں جس نے کہا تھا کہ بچنے کی امید نہیں۔ آخر احمق لڑکا کس امید پر آپریشن کر رہا ہے؟ میرا مطلب یہ ہے کہ وہ خطرے کو جلد سے جلد قریب لانے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''نہیں کنور صاحب.....!'' ڈاکٹر توصیف نے بیمار کے کمرے سے نکلتے ہوئے کہا۔

''مجھے یقین ہوتا جا رہا ہے کہ وہ جلد سے جلد نواب صاحب کو خطرات سے دور کر لیگا۔''

''میں آپکا مطلب نہیں سمجھا۔'' سلیم اسکی طرف گھوم کر بولا۔ ''کیا آپریشن شروع ہو گیا۔''

''نہیں..... ابھی وہ لوگ تیاری کر رہے ہیں اور میرا وہاں کوئی کام بھی نہیں۔ میں اس لئے یہاں چلا آیا کہ میں یہاں زیادہ کارآمد ثابت ہو سکوں گا۔'' ڈاکٹر توصیف نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''آپ بہت اچھے ہیں ڈاکٹر..... ممی تو کافی ضبط و تحمل والی ہیں لیکن شاید مجھے اور سلیم کو جلد از جلد طبی امداد کی ضرورت پیش آئے گی۔ مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ اس نوجوان ڈاکٹر کی کامیابی پر اس قدر یقین رکھتے ہیں۔ وہ کس قدر سنجیدہ اور مطمئن ہے۔''

''اور ساتھ ہی ساتھ کافی خوبصورت بھی۔'' سلیم نے کسی قدر تلخی سے کہا۔

''تم کیا بک رہے ہو سلیم۔'' بیگم صاحبہ تیزی سے بولیں اور نجمہ نے شرما کر سر جھکا لیا۔

''معاف کیجئے گا پھوپھی صاحبہ میں بہت پریشان ہوں۔'' سلیم یہ کہہ کر ٹہلتا ہوا برآمدے کے دوسرے کنارے تک چلا گیا۔

''کنور صاحب میرے خیال سے بجلی کا انتظام بالکل ٹھیک ہو گا۔ شاید ڈائنا مو کی دیکھ بھال آپ ہی کرتے ہیں۔'' ڈاکٹر توصیف نے کہا۔

''جی ہاں..... کیوں..... ڈائنا مو بالکل ٹھیک چل رہا ہے لیکن اسکے پوچھنے کا مطلب.....!'' سلیم نے ڈاکٹر کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

''مطلب صاف ہے۔'' ڈاکٹر توصیف نے کہا۔ ''اگر خدانخواستہ ڈائنا مو فیل ہو گیا تو اندھیرے میں آپریشن کس طرح ہو گا۔ ایک بڑے آپریشن کے لئے کافی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔''

''بظاہر تو ڈائنا مو فیل ہونے کا کوئی امکان نہیں لیکن اگر فیل ہی ہو گیا تو میں کیا کر سکوں گا۔ اُف یہ ایک خطرناک خیال ہے۔ اگر واقعی ایسا ہوا تو ڈاکٹر شوکت بڑی مصیبت میں

پڑ جائے گا۔ اوہ نہیں نہیں..... میرے خدا ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا.....!'' کنور سلیم کے چہرے پر ہ
چینی کے آثار پیدا ہو گئے۔

اتنے میں ایک نوکر داخل ہوا۔

''کیوں کیا ہے.....!'' سلیم نے اس سے پوچھا۔

''پروفیسر صاحب نیچے کھڑے ہیں۔ آپ کو بلا رہے ہیں۔'' نوکر نے کہا۔

''پروفیسر..... مجھے..... اس وقت۔'' سلیم نے حیرت سے کہا۔

''جاؤ بھئی..... نیچے جاؤ.....!'' بیگم صاحبہ بیزاری سے بولیں۔ ''کہیں وہ پاگل یہاں
چلا آئے۔''

''مجھے حیرت ہے کہ وہ اس وقت یہاں کس لئے آیا ہے۔'' سلیم نے نوکر سے کہا۔

''کیا تم نے اسے آپریشن کے متعلق نہیں بتایا.....؟'

''حضور میں نے انہیں ہر طرح سمجھایا..... لیکن وہ سنتے ہی نہیں۔''

''خیر چلو دیکھوں کیا بکتا ہے۔'' سلیم نے کہا۔ ''اس پاگل سے تو میں تنگ آ گیا ہوں۔''

سلیم نیچے آیا..... پروفیسر باہر کھڑا تھا۔ اس نے سردی سے بچنے کے لئے سر پر مفلر لپیٹ
رکھا تھا اور چسٹر کا کالر اس کے کانوں کے اوپر تک چڑھا تھا۔ ان سب باتوں کے باوجود
سردی کی وجہ سے سکڑا جا رہا تھا۔

''کیوں پروفیسر کیا بات ہے؟'' سلیم نے اس کے قریب پہنچ کر پوچھا۔

''ایک غیر معمولی چمکدار ستارہ جنوب کی طرف نکلا ہے۔'' پروفیسر نے اشتیاق آمیز لہ
میں کہا۔ ''اگر تم اپنی معلومات میں اضافہ کرنا چاہتے ہو تو میرے ساتھ چلو۔''

''جہنم میں گئی معلومات.....!'' سلیم نے جھنجھلا کر کہا۔ ''کیا اتنی سی بات کے لئے
دوڑے آئے ہو۔''

''بات تو کچھ دوسری ہے۔ میں تمہیں بہت ہی تعجب خیز چیز دکھانا چاہتا ہوں۔ ایسی چیز
نے کبھی نہ دیکھی ہوگی۔'' اس نے سلیم کا بازو پکڑ کر اسے پرانی کوٹھی کیطرف لے جاتے ہوئے کہا

سلیم چلنے لگا لیکن اس نے لوہے کی موٹی سلاخ کو نہ دیکھا جو پروفیسر اپنی آستین میں
چھپائے ہوئے تھا۔

''کھٹ.....!'' تھوڑی دور چلنے کے بعد پروفیسر نے وہ سلاخ سلیم کے سر پر دے
ماری۔ سلیم بغیر آواز نکالے چکرا کر دھم سے زمین پر آ رہا۔ پروفیسر حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ
جھکا اور بے ہوش سلیم کو اٹھا کر اپنے کاندھے پر ڈال لیا۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی ہلکے پھلکے
بچے کو اٹھا لیتا ہے۔ وہ تیزی سے پرانی کوٹھی کی طرف جا رہا تھا۔ یہ سب اتنی جلدی اور خاموشی
سے ہوا کہ وہ نوکر جو ہال میں سلیم کا انتظار کر رہا تھا وہ یہی سوچتا رہ گیا کہ اب سلیم پروفیسر کو اس
کی کوٹھی میں دھکیل کر واپس آ رہا ہوگا۔

پرانی کوٹھی میں پہنچ کر پروفیسر نے بیہوش سلیم کو ایک کرسی پر ڈال دیا اور جھک کر سر کے
اس حصے کو دیکھنے لگا جو چوٹ لگنے کی وجہ سے پھول گیا تھا۔ اس نے پراطمینان انداز میں اس
طرح سر ہلایا جیسے اسے یقین ہو کہ وہ ابھی کافی دیر تک بے ہوش رہے گا۔ پھر اس حیرت انگیز
بوڑھے نے سلیم کو پیٹھ پر لاد کر مینار پر چڑھنا شروع کیا۔ بالائی کمرے میں اندھیرا تھا۔ اس
نے ٹٹول کر سلیم کو ایک بڑے صوفے پر ڈالا اور موم بتی جلا کر طاق پر رکھ دی۔

ہلکی روشنی میں چسٹر کے کالر کے سائے کی وجہ سے اس کا چہرہ اور زیادہ خوفناک معلوم
ہونے لگا تھا۔ اس نے سلیم کو صوفے سے باندھ دیا پھر وہ دوربین کے قریب والی کرسی پر بیٹھ گیا
اور دوربین کے ذریعہ نواب صاحب کے کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ نواب صاحب کے کمرے کی
کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر اور نرسوں نے اپنے چہروں پر سفید نقاب لگائے تھے۔

ڈاکٹر شوکت کھولتے ہوئے پانی سے ربڑ کے دستانے نکال کر پہن رہا تھا۔ وہ سب
آپریشن کی میز کے گرد کھڑے ہوئے تھے۔ آپریشن شروع ہونے والا تھا۔

''بہت خوب.....!'' پروفیسر بڑبڑایا۔ ''میں ٹھیک وقت پر پہنچ گیا لیکن آخر اس سردی کے
باوجود بھی انہوں نے کھڑکیاں کیوں نہیں بند کیں۔''

نواب صاحب کی کوٹھی کے گرد و پیش عجیب طرح کی پراسرار خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

چھوٹے سے لے کر بڑے تک کو اچھی طرح معلوم تھا کہ بیمار کے کمرے میں کیا ہو رہا ہے۔ بڑے صاحبہ کا سخت حکم تھا کہ کسی قسم کا شور نہ ہونے پائے۔ لوگ اتنی خاموشی سے چل پھر رہے تھے جیسے وہ خواب میں چل رہے ہیں۔

کوٹھی میں نوکرانیاں پنجوں کے بل چل رہی تھیں۔ گھر کے سارے کتے باغ کے آخری کنارے پر ایک خالی جھونپڑے میں بند کر دیئے گئے تھے تاکہ وہ کوٹھی کے قریب شور نہ مچا سکیں۔

پروفیسر دوربین پر جھکا ہوا اپنے گردوپیش سے بے خبر بیمار کے کمرے کا منظر دیکھ رہا تھا۔ وہ اتنا محو تھا کہ اس نے سلیم کے جسم کی حرکت کو بھی نہ محسوس کیا۔ سلیم آہستہ آہستہ ہوش میں آ رہا تھا۔ ایک عجیب قسم کی سنسناہٹ اس کے جسم میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے بازوؤں پر رسّے کے تناؤ کو بھی نہ محسوس کیا۔ دو تین بار سر جھٹکنے کے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اسے چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی پھیلی نظر آ رہی تھی۔ پھر دور ایک ٹمٹماتا ہوا تارہ دکھائی دیا۔ تارے کے چاروں طرف ہلکی ہلکی روشنی تھی۔ آہستہ آہستہ روشنی پھیلتی گئی۔ موم بتی کی لو تھرا رہی تھی۔ پروفیسر دوربین پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔ مگر یہ کیا..... وہ بندھا کیوں ہے۔ رفتہ رفتہ کچھ دیر قبل کے واقعات اسے یاد آ گئے۔

''پروفیسر آخر یہ کیا حرکت ہے۔'' اس نے بھرائی ہوئی نحیف آواز میں قہقہہ لگا کر کہا۔ ''آخر اس مذاق کی کیا ضرورت تھی۔''

''اچھا تم جاگ گئے۔'' پروفیسر نے سر اٹھا کر کہا۔ ''کوئی گھبرانے کی بات نہیں۔ تم اس وقت اتنے ہی بے بس ہو جتنے کہ میرے دوسرے شکار..... تمہیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ میں اب گلہریوں، خرگوشوں اور مینڈکوں کے ساتھ ہی ساتھ آدمیوں کا بھی شکار کرنے لگا ہوں۔ کیوں ہے نہ دلچسپ خبر.....!''

پہلے تو سلیم نہ سمجھ سکا۔ لیکن دوسرے لمحے میں اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے جسم کا سارا خون منجمد ہو گیا ہو۔ وہ لرز گیا..... وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ بوڑھے نے اپنے دوسرے شکاروں کا حوالہ کیوں دیا ہے..... تو..... کیا..... تو..... کیا..... اب وہ اپنی خونی پیاس بجھانے کے لئے

جانوروں کے بجائے آدمیوں کا شکار کرنے لگا۔

ارے!

سلیم نے شدید گھبراہٹ کے باوجود بھی لاپروائی کا انداز پیدا کر کے قہقہہ لگانے کی کوشش کی۔

''بہت اچھے پروفیسر..... لیکن مذاق کا وقت اور موقع ہوتا ہے۔ چلو..... شاباش یہ رسیاں کھول دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں.....!''

''صبر..... صبر..... میرے اچھے لڑکے۔'' اس نے اس کی طرف جھک کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اب میری باری آئی ہاہاہا۔''

''تمہاری باری..... کیا مطلب.....!'' سلیم نے چونک کر کہا۔

''کیا تم نہیں جانتے۔'' پروفیسر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''کہو کہو میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔'' سلیم نے بے پروائی سے کہا۔

''میرا مقصد یہ تھا کہ نوجوان ڈاکٹر اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے۔'' پروفیسر نے پرسکون لہجے میں کہا۔ ''اور اسے میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم دوبارہ آزاد کر دیئے گئے تو ایسا نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ مجھے خوف ہے..... بہرحال میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ سکون و اطمینان کے ساتھ نواب صاحب کی جان بچا سکے۔ اسی لئے میں تمہیں یہاں لایا ہوں۔ میرے بھولے سلیم کیا سمجھے؟ میں..... کیا میں چالاک نہیں.....!''

''بہت چالاک ہو کیا کہنے.....!'' سلیم نے ہنس کر کہا۔

''تم یہاں بالکل بے بس ہو۔ یہاں میں تمہاری خبر گیری بھی کروں گا اور بیمار کے کمرے کا منظر بھی دیکھ سکوں گا۔'' پروفیسر نے دوربین کے شیشے میں آنکھ لگاتے ہوئے کہا۔ ''نہ تو میں احمق ہوں اور نہ میری دوربین..... محض مذاق ہے..... کیا سمجھے۔''

اچانک سلیم میں ایک حیرت انگیز تبدیلی پیدا ہوگئی۔ اس کی بھنویں تن گئیں۔ کچھ دیر قبل جو ہونٹ مسکرا رہے تھے بھینچ کر رہ گئے۔ آنکھوں کی شرارت آمیز شوخی ایک بہت ہی خوفناک قسم کی چمک میں تبدیل ہوگئی۔ وہ اب تک ہنس مکھ اور کھلنڈرا نوجوان رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے اس کے چہرے پر سے ایک گہری نقاب ہٹ گئی ہو۔ وہ ایک خونخوار بھیڑیئے کی طرح ہانپ رہا تھا۔

''ان رسیوں کو کھول دو سؤر کے بچے۔'' وہ چیخ کر بولا۔ ''ورنہ میں تمہارا سر پھوڑ دوں گا۔''

''دھیرج..... دھیرج..... میرے پیارے بچے۔'' پروفیسر نے مڑ کر پرسکون لہجے میں کہا۔ ''کل تک میں یقیناً تم سے خائف تھا۔ مجھے اس کا اعتراف ہے لیکن تم اس وقت میری گرفت میں ہو..... قاتل..... سازشی..... تم بہت خطرناک ہوتے جا رہے ہو۔ ایسی صورت میں تمہاری نگرانی کی ضرورت ہے۔''

''تم دیوانے ہو..... قطعی دیوانے۔'' سلیم نے تیزی سے کہا۔

''شاید ایسا ہی ہو.....!'' پروفیسر نے لاپروائی سے کہا۔ ''لیکن میں اتنا دیوانہ بھی نہیں کہ تمہاری سازشوں کو نہ سمجھ سکوں تم اب تک مجھے ایک بے جان مگر کارآمد اوزار کی طرح استعمال کرتے آئے ہو لیکن آج کی رات میری..... کیا سمجھے۔''

سلیم کے جسم سے پسینہ پھوٹ پڑا۔ غصے کی جگہ خوف نے لے لی۔ وہ اب تک پروفیسر کو پاگل سمجھتا تھا کہ وہ جدھر اسے لے جانا چاہتا ہے وہ بغیر سمجھے بوجھے چلا جاتا ہے لیکن پھر بھی وہ ہمیشہ محتاط رہا۔ اس نے آج تک اپنی اصلی سرگرمیوں کی بھنک بھی پروفیسر کے کان میں نہ پڑنے دی تھی۔ پھر اسے اسکی سرگرمیوں کا علم کیونکر ہوا۔ وہ خوفزدہ ضرور تھا لیکن ناامید نہیں۔ کیونکہ اسکی زندگی کے دوسرے پہلو کا علم پروفیسر کے علاوہ کسی اور کو نہ تھا۔ پروفیسر جو پاگل تھا۔''

''تم قتل کی بات کرتے ہو۔'' سلیم نے سکون کے ساتھ کہا۔ ''خدا کی قسم اگر تم نے یہ رسی فوراً ہی نہ کھول دی تو میں اپنی اس دھمکی کو پورا کر دکھاؤں گا۔ جو اکثر تمہیں دیتا رہا ہوں۔ میں پولیس کو اطلاع دے دوں گا کہ تم قاتل ہو۔ اپنے اسسٹنٹ کے قاتل.....!''

''میں.....!'' پروفیسر نے شرارت آمیز لہجے میں کہا۔ ''یہ میں آج ایک نئی اور دلچسپ خبر سن رہا ہوں۔ میں نے یہ قتل کب کیا تھا۔''

''کب کیا تھا.....!'' سلیم نے کہا۔ ''اتنی جلدی بھول گئے۔ کیا تم نے اپنے اسسٹنٹ نعیم کو اپنے بنائے ہوئے غبارے میں بٹھا کر نہیں اڑایا تھا۔ جس کا آج تک پتہ نہیں چل سکا۔''

پروفیسر خاموش ہوگیا۔ اس کے چہرے پر عجیب قسم کی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ ''اور ہاں اسی حادثے کے بعد سے میرا دماغ خراب ہوگیا اور تمہیں اس واقعہ کا علم ہوگیا تھا۔ لہٰذا تم نے مجھے بلیک میل کرنا شروع کر دیا مجھ سے ناجائز کاموں میں مدد لیتے رہے۔ مجھ سے روپیہ اینٹھتے رہے۔ لیکن برخوردار شاید تمہیں اس کا علم نہیں کہ میں حال ہی میں ایک سرکاری جاسوس سے مل چکا ہوں۔ تم خوفزدہ کیوں ہو رہے ہو۔ میں نے تمہارے متعلق اس سے کچھ نہیں کہا۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ نعیم میرے غبارے کے ٹوٹنے سے مرا نہیں۔ بلکہ وہ اس وقت بھی مدراس کے کسی گھٹیا سے شراب خانے میں نشے سے چور اوندھا پڑا ہوگا اور مجھے اس کا بھی علم ہے کہ اس نے جو خطوط مجھے لکھے تھے تم نے راستے ہی سے غائب کر دیئے۔ بہت عرصہ ہوا تمہیں اس کے زندہ ہونے کا ثبوت مل گیا تھا۔ لیکن تم مجھے پاگل سمجھ کر روپے اینٹھنے کے لئے اندھیرے ہی میں رکھنا چاہتے تھے۔ کہو میاں سلیم کیسی رہی۔ کیا اب میں تمہیں وہ باتیں بھی بتاؤں جو میں تمہارے متعلق بھی جانتا ہوں۔''

کنور سلیم سہم کر رہ گیا تھا۔ اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے پروفیسر کا پاگل پن کسی نئے موڑ پر پہنچ گیا ہے جسے وہ اب تک ایک بے ضرر کھیل سمجھتا رہا وہ آج پھن اٹھائے اس پر جھپٹنے کی کوشش کر رہا ہے۔

''خیر پروفیسر چھوڑو ان حماقت کی باتوں کو۔'' سلیم نے کوشش کر کے ہنستے ہوئے کہا۔ ''میری رسیاں کھول دو..... آدمی بنو۔ تم میری عزیز ترین دوست ہو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں اس سے بھی بڑی دوربین خرید دوں گا۔ اتنی بڑی کہ سچ مچ ایک شیشے کا گنبد معلوم ہوگی۔''

''ٹھہرو سلیم ٹھہرو.....!'' پروفیسر نے دوربین کے شیشے پر جھک کر کہا۔ ''میں ذرا بیمار کے

کمرے میں دیکھ لوں۔ ہوں تو ابھی آپریشن شروع نہیں ہوا۔ ایسے خطرناک آپریشنوں میں کا
تیاری کی ضرورت ہوتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ نوجوان ڈاکٹر نواب صاحب کی جان بچانے م
کامیاب ہوجائے گا۔ لیکن سلیم یہ تو بڑی بُری بات ہے۔ اگر نواب صاحب دس بیس برس ا
زندہ رہے تو کیا ہوگا۔ تو تمہاری وراثت تم تک جلد نہ پہنچ سکے گی۔"

"اس سے کیا ہوتا ہے۔" سلیم نے کہا۔ "میں بہرحال اُن کا وارث ہوں اور پھر مجھے ا
کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کیا میں کم دولت مند ہوں۔"

"خیر..... خیر..... تمہاری دولت کا حال تو میں اچھی طرح جانتا ہوں اسی لئے تو ایک
بس بوڑھے سے روپے اینٹھتے رہے سنو بیٹے میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تمہاری تنگدستی ا
نواب صاحب کی موت کی خواہاں ہے اسی لئے میں نے تمہیں اس وقت تکلیف دی ہے
امید ہے کہ تم ایک سعادت مند بچے کی طرح اس کا کچھ خیال نہ کرو گے کیا تم نے آج ڈا
توصیف کو اسی لئے شہر نہیں بھیج دیا کہ نوجوان ڈاکٹر سچ مچ پیدل آنے پر مجبور ہوجائے۔"

"کیا فضول بکواس ہے۔" سلیم نے دوسری طرف منہ پھیرتے ہوئے کہا۔

"اور پھر تم ایک رسی لے کر درخت پر چڑھ گئے۔" پروفیسر بولتا رہا۔

"کیا تم سمجھتے ہو کہ میں کچھ نہیں جانتا میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ڈاکٹر شوکت بچ کیسے گ
لیکن میں تمہیں نہیں بتاؤں گا۔ تم مجھے اندھیرے کی چمگادڑ سمجھتے ہو اور تمہارا خیال بھی درست
ہے۔ اندھیرا مجھ پر سورج کی طرح روشن رہتا ہے۔ میں اس سے بھی زیادہ جانتا ہوں۔ کیا
نہیں جانتا۔"

"تم کچھ نہیں جانتے۔" سلیم نے مردہ آواز میں کہا۔ "یہ محض تمہارا قیاس ہے"

"تم اسے قیاس کہہ رہے ہو لیکن یہ سو فیصد سچ ہے۔ دیکھو سلیم ہم دونوں ایک دوسرے
اچھی طرح جانتے ہیں۔ کیا میں یہ نہیں جانتا کہ ڈاکٹر شوکت کو قتل کر دینے کی ایک وجہ اور
ہے جس کا تعلق آپریشن سے نہیں۔"

"کیا.....!" سلیم بے اختیار چونک کر چیخا۔

"ٹھیک ٹھیک۔" پروفیسر نے سر ہلایا۔ "تمہاری چیخ ہی اقبال جرم ہے۔"

"کیا تم نے اس خنجر باز نیپالی کو روپیہ دے کر اس قتل پر آمادہ نہیں کیا تھا۔ اس احمق نے دھوکے میں ایک بے گناہ عورت کو قتل کر دیا۔"

"یہ جھوٹ ہے..... یہ جھوٹ ہے۔" سلیم بے صبری سے بولا۔ "لیکن تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا۔ یہ محض قیاس ہے..... بالکل قیاس.....!"

"مجھے یہ سب کیسے معلوم ہوا۔ کیونکہ دنیا میں تمہیں ایک بڑے چالاک ہو۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اس دن تم نے ایک رپورٹر پر گولی چلائی تھی اور وہ رائفل میرے ہاتھ میں دے کر خود بھاگ گئے تھے۔ محض اس لئے کہ مجھے پاگل تصور کرتے ہوئے اس واقعہ کو محض اتفاقیہ سمجھا جائے۔ اور کہو تو یہ بھی بتادوں گا کہ تم اس رپورٹر کو کیوں مارنا چاہتے ہو۔ تم اسے پہچان گئے تھے۔ تمہیں یقین ہوگیا تھا کہ اسے تمہاری حرکتوں کا علم ہوگیا ہے۔ اس وقت تو وہ بچ گیا تھا لیکن آخر کار اسے تمہاری ہی گولیوں سے ہلاک ہونا پڑا..... کیوں ہے نا سچ۔"

"نہ جانے تم کس کی باتیں کر رہے ہو۔" سلیم نے سنبھالا لے کر کہا۔

"اُنس ..... پک..... ٹر..... فری..... دی کی۔" پروفیسر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے رک رک کر کہا۔

سلیم کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ یک لخت ست پڑ گیا۔

"تمہاری دھمکیاں میرا اب کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ میں اب تمہارے گال پر اس طرح چانٹا مار سکتا ہوں۔" پروفیسر نے اٹھ کر اس کے گال پر ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے کہا۔ "کیوں نہ میں ان سب باتوں کی اطلاع نجمہ اور اس کی ماں کو دے دوں۔ پولیس کو تو میں اسی وقت مطلع کردوں گا لیکن تم یہ سوچتے ہوگے کہ پولیس میری باتوں کا اعتبار نہ کرے گی کیونکہ میں پاگل ہوں۔"

"نہیں، نہیں پروفیسر تم جیت گئے۔ تم مجھ سے زیادہ چالاک ہو۔" سلیم نے آخری پانسہ پھینکا۔ "اس رسی کو کاٹ دو۔ میں تمہارے لئے ایک بڑی شاندار آبزرویٹری بنوادوں گا۔"

''تمہارا ذہن کسی وقت بھی چالبازیوں سے باز نہیں آتا۔ اچھا میں تم سے صلح کرلوں اس شرط پر کہ تم اس مینار میں کسی راز کو راز نہ رکھو گے۔ اس کے بعد یہ یقین رکھو کہ تمہارا سب راز مرتے دم تک میرے سینے میں دفن رہیں گے میں اسی لئے تم سے یہ سب اگلوا رہا ہوں کہ تم نے مجھے بہت دنوں تک بلیک میل کیا ہے۔ اچھا پہلے یہ بتاؤ کہ واقعی تم نے اس نیپالی ڈاکٹر شوکت کو قتل کرانے کی سازش کی تھی۔''

''میرے خیال سے تم بھی اتنا ہی جانتے ہو جتنا میں..... ہاں میں نے اس کے روپیہ دیا تھا۔''

''پھر تمہی نے اسے قتل بھی کردیا۔ اس لئے کہ کہیں وہ نام نہ بتادے۔''

''ہاں..... لیکن ٹھہرو.....!''

''انسپکٹر فریدی پر قتل کی نیت سے تم نے ہی گولی یا گولیاں چلائی تھیں۔''

''ہاں..... لیکن تم تو اس طرح سوال کررہے ہو جیسے جیسے.....!''

''تم نے ڈاکٹر شوکت کے گلے میں رسی کا پھندا بھی ڈالا تھا۔'' پروفیسر نے ہاتھ اٹھا اسے بولنے سے روک دیا۔

''پھر تمہارا دماغ خراب ہوچلا۔'' سلیم نے کہا۔ ''ہاں میں نے پھندا تو ڈالا تھا۔'' پھر اس نے کہا۔ ''تم نے ابھی کہا ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ رسی کو کاٹ دے۔ میں تم سے قطعی خوف زدہ نہیں۔ اس لئے کہ اب ہم دونوں دوست ہیں۔''

''تمہارے ہوائی قلعے بہت زیادہ مضبوط معلوم نہیں ہوتے۔'' پروفیسر نے کہا۔ لیکن بار اس کی آواز بدلی ہوئی تھی۔ سلیم چونک پڑا..... سکڑا سکڑایا..... پروفیسر تن کر کھڑا ہوگیا نے اپنے سر پر بندھا ہوا مفلر کھول دیا۔ چشمے کے کالر نیچے گرادیئے اور موم بتی طاق پر کر اپنے چہرے کے قریب لاکر بولا۔

''لو بیٹھا دیکھ لو میں ہوں تمہارا باپ انسپکٹر فریدی۔''

''ارے.....!'' سلیم کے منہ سے بے اختیار نکلا اور اسے اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا

لیکن وہ فوراً ہی سنبھل گیا۔ اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ خود پر قابو پانے کی کوشش کررہا ہے۔

''تم کون ہو..... میں تمہیں نہیں جانتا اور اس حرکت کا کیا مطلب۔'' سلیم نے گرج کر کہا۔

''شور نہیں، شور نہیں۔'' فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''تم سے زیادہ مجھے کون پہچان سکتا ہے۔ جب کہ تم میرے جنازے میں بھی شریک تھے۔ اس کی تو میں تعریف کروں گا سلیم! تم بہت محتاط ہو۔ اگر میں اپنے مکان سے ایک عدد جنازہ نکلوانے کا انتظام نہ کرتا تو تمہیں میری موت کا ہرگز یقین نہ ہوتا۔ اخباروں میں میری موت کی خبر سن کر شاید تم رات ہی کو شہر آگئے تھے۔ میرے لئے ہسپتال سے ایک مردہ حاصل کرلینا کوئی مشکل کام نہ تھا اور شاید تم نے دوسرے دن قبرستان تک میری لاش کا پیچھا کیا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ تم ایک اچھے سازشی ضرور ہو لیکن اچھے جاسوس نہیں۔ تم نے یہ بھی نہ سوچا کہ پانچ گولیاں کھانے کے بعد باہوش وحواس پندرہ میل کی مسافت طے کرنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے اس رات تم نے سرجنٹ حمید کے گھر کے بھی چکر کاٹے تھے لیکن شاید اس وقت تم وہاں موجود نہ تھے جب وہ نیپالی کے بھیس میں راج روپ نگر اس لئے آیا تھا کہ ڈاکٹر توصیف کو اس بات کی اطلاع پولیس کو کرنے سے روک دے کہ میں اس سے مل چکا ہوں اور راج روپ نگر سے واپسی پر یہ حادثہ پیش آیا۔ میں نے ایک بار رپورٹر کے بھیس میں مل کر سخت غلطی کی تھی۔ اس لئے کہ تم مجھے پہچانتے تھے اور کیوں نہ پہچانتے جب کہ میرا کوئی بار پیچھا کرچکے تھے۔ اس رات بھی تم نے میرا پیچھا کیا تھا۔ جب میں ''نیپالی کے قتل'' کے بعد گھر واپس آرہا تھا..... پھر تم نے کبڑے کے بھیس میں سرجنٹ حمید کو غلط راہ پر لگانے کی کوشش کی۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ تمہیں شبہ ہوگیا کہ میں تمہیں مشتبہ سمجھتا ہوں لہٰذا واپسی میں تم نے مجھ پر گولی چلائی اور رائفل پروفیسر کے ہاتھ میں دے کر فرار ہوگئے۔ پروفیسر سے گفتگو کرتے وقت میں نے اچھی طرح اندازہ لگالیا تھا کہ گولی چلانا تو درکنار وہ اس رائفل کے استعمال تک سے ناواقف تھے۔ تم نے مجھے قصبے کی طرف مڑتے دیکھا، اس موقع کو غنیمت جان کر تم وہاں سے دو میل کے فاصلے پر جھاڑیوں میں جا چھپے اور تم

اسی تانگے پر گئے تھے جو سڑک پر کھڑا تھا۔ تم نے خود ہی مدد کے لئے چیخ کر مجھے اپنی طرف متوجہ کیا۔ پھر تم نے گولیاں چلانی شروع کر دیں۔ اسی وقت میرے ذہن میں یہ نئی تدبیر آئی جسکے نتیجے میں آج تم ایک چوہے دان میں پھنسے ہوئے چوہے کی طرح بے بس نظر آ رہے ہو۔"

انسپکٹر فریدی اتنا کہہ کر سگریٹ سلگانے کے لئے رک گیا۔

"نہ جانے تم کون ہو اور کیا بک رہے ہو.....!" سلیم نے جھنجھلا کر کہا۔ "خیریت اسی میں ہے کہ مجھے کھول دو.....ورنہ اچھا نہ ہوگا.....!"

"ابھی تک تو اچھا ہی ہو رہا ہے.....!" فریدی نے شانے ہلا کر کہا اور جھک کر دوربین میں دیکھنے لگا۔

قاتل فرار

"تو تم نہیں کھولو گے مجھے.....دیکھو میں کہے دیتا ہوں.....!"

"بس بس زیادہ شور مچانے کی ضرورت نہیں۔ مجھے ڈاکٹر شوکت کا کارنامہ دیکھنے دو.....!"

"دیکھو مسٹر.....!" سلیم تیزی سے بولا۔ "اول تو مجھے یقین نہیں کہ تم سرکاری جاسوس ہو اور اگر ہو بھی تو مجھے اس سے کیا سروکار۔ آخر تم نے مجھے کس قانون کے تحت یہاں باندھ رکھا ہے۔"

"اس لئے کہ تم ایک اقبالی مجرم ہو۔ ابھی ابھی تم نے اپنے جرموں کا اعتراف کیا ہے۔ کیا یہ تمہارے باندھ رکھنے کے لئے کافی نہیں۔"

"کیا احمقوں کی سی باتیں کرتے ہو۔" سلیم نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "کیا تم اسے سچ سمجھے ہو۔"

"جھوٹ سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں۔" فریدی نے دوربین پر جھکتے ہوئے کہا۔

"ہوش کے ناخن لو مسٹر سراغ رساں.....!" سلیم بولا۔ "کچھ دیر قبل میں ایک پاگل آدمی

سے گفتگو کر رہا تھا۔ اگر میں اس کی ہاں میں ہاں نہ ملاتا تو وہ میرے ساتھ نہ جانے کیا برتاؤ کرتا۔ میں اس کے ظالمانہ رجحانات سے اچھی طرح واقف ہوں۔ لہٰذا جان بچانے کے لئے اس کے علاوہ اور چارہ کیا تھا۔ واہ میری بھولے سراغ رساں واہ.....!"

فریدی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ سلیم کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"خیر جو ہوا سو ہوا.....مجھے فوراً کھول دو۔ انسان ہی سے غلطی ہوتی ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے افسروں سے تمہاری شکایت نہ کروں گا۔"

فریدی اسے بے بسی سے دیکھ رہا تھا اور سلیم کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"خیر خیر کوئی بات نہیں۔" فریدی سنبھل کر بولا۔ "لیکن آج تم نے ڈاکٹر شوکت کو قتل کرنے کی جو کوششیں کی ہیں وہ خود میں نے دیکھی ہیں۔ ڈاکٹر شوکت کی کار میں نے بگاڑی تھی۔ میں یہ پہلے سے جانتا تھا کہ اس وقت کوٹھی میں کوئی کار موجود نہیں تھی۔ میں دراصل اسے پیدل لے جانا چاہتا تھا۔ محض یہ دیکھنے کے لئے کہ حقیقتاً سازشی کون ہے۔ کیا تم کار کا بہانہ کر کے وہاں سے نہیں ٹل گئے تھے.....کیا تم نے پروفیسر کو زہریلی سوئی دے کر اسے شوکت سے ہاتھ ملانے کے بہانے چبھو دینے پر آمادہ نہیں کیا تھا۔ جب تم نے اس کے گلے میں رسی کا پھندا ڈالا تھا تب بھی میں تم سے تھوڑی ہی دور کے فاصلے پر موجود تھا اور میں نے ہی شوکت کو بچایا تھا۔"

"نہ جانے تم کون سی داستان امیر حمزہ بیان کر رہے ہو۔" سلیم نے اکتا کر کہا۔ "عقل مند آدمی ذرا سوچو تو آخر میں ڈاکٹر شوکت کی جان کیوں لینا چاہوں گا۔ جب کہ وہ میرے لئے قطعی اجنبی ہے۔ تم کہو گے کہ میں نے ایسا محض اس لئے کیا کہ چچا جان جانبر نہ ہو سکیں لیکن ایسا سوچنا حماقت ہوگی۔ اگر ایسا ہوتا تو میں پہلے ہی ان کا خاتمہ کر دیتا اور کسی کو خبر تک نہ ہوتی۔"

"کیا کہا شوکت تمہارے لئے اجنبی ہے۔" فریدی نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "تم اس کے لئے اجنبی ہو سکتے ہو لیکن وہ تمہارے لئے نہیں۔ کیا بتاؤں کہ تم اس کی جان کیوں

لینا چاہتے ہو۔"

فریدی کے الفاظ کا اثر حیرت انگیز تھا۔ سلیم پھر ست پڑ گیا۔ اس کی آنکھوں سے خوف اظہار ہو رہا تھا۔ اس کے ذہن میں خوف اور دلیری باہمی کش مکش میں مبتلا تھے۔ آخر کار نے خوف پر قابو پالیا۔

"آخر تم کیا چاہتے ہو.....؟" اس نے فریدی سے کہا۔

"تم کو قانون کے حوالے کرنا۔"

"لیکن کس قانون کی رو سے۔"

"تم نے ابھی ابھی اپنے جرموں کا اعتراف کیا ہے۔"

"اچھا چلو یہی سہی۔" وہ فریدی کی گھبراہٹ سے لطف اندوز ہوتا ہوا بولا۔ "لیکن تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ میں نے اقبال جرم کیا ہے۔ عدالت میں تم کسے گواہ کی حیثیت سے پیش کرو گے جب کہ یہاں میرے اور تمہارے سوا کوئی تیسرا نہیں ہے۔ دیکھو مسٹر فریدی مجھے جھانسا دینا آسان کام نہیں۔ تم اس طرح عدالت میں میرے خلاف مقدمہ چلا کر کامیاب نہیں ہو سکتے۔"

"تب تو مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔" فریدی نے ہاتھ ملتے ہوئے بے بسی سے کہا۔ "کاش میں سرجنٹ حمید کو بھی یہاں لایا ہوتا۔"

سلیم نے زور دار قہقہہ لگایا اور بولا۔ "ابھی کچے ہو مسٹر جاسوس۔"

"اُف میرے خدایا۔" فریدی نے بوکھلا کر کہنا شروع کیا۔ "لیکن تم نے ابھی میرے سامنے اقبال جرم کیا ہے کہ..... تم..... قتل..... قاتل ہو.....!"

"ہکلاؤ نہیں پیارے۔" سلیم بے ساختہ ہنستا ہوا بولا۔ "لو میں ایک بار پھر اقبال جرم کرتا ہوں کہ میں نے ہی شوکت کو قتل کرنے یا کرانے کی کوشش کی تھی۔ میں نے ہی نیپالی کو بھیجا تھا کیا تھا۔ میں نے تم پر بھی گولیاں برسائی تھیں۔ لیکن پھر کیا؟ تم میرا کیا کر سکتے ہو۔ میں خطاب یافتہ خاندان کا فرد ہوں۔ راج روپ نگر کا ہونے والا نواب..... تمہاری بکواس پر

یقین آئے گا۔"

"بہت اچھے برخوردار.....!" فریدی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "بہت عقل مند ہو لیکن واضح رہے کہ اب تم نے جو اقبال جرم کیا ہے وہ پاگل پروفیسر کے سامنے نہیں بلکہ محکمہ سراغ رسانی کے انسپکٹر فریدی کے سامنے کیا ہے۔"

"تو پھر اس سے کیا..... میں ہزار مرتبہ اقبال جرم کر سکتا ہوں۔ کیونکہ یہاں ہم دونوں کے سوا اور کون ہے۔ کہو تو ایک بار پھر دہرا دوں۔" سلیم نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"بس بس کافی ہے۔" فریدی نے جلی ہوئی سگریٹ کا ٹکڑا پھینکتے ہوئے کہا۔ "تم فریدی کو نہیں جانتے۔ ادھر دیکھو اس الماری میں..... لیکن نہیں تمہیں نہیں دکھائی دیتا۔ ٹھہرو میں موم بتی اٹھاتا ہوں۔ دیکھو بیٹا سلیم..... یہ ایک بہت زیادہ طاقت ور ٹرانسمیٹر ہے اور ابھی حال ہی کی ایجاد ہے۔ ایک مختصر سی بیٹری اُسے چلانے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ کیا سمجھے اس کے ذریعہ میری اور تمہاری آوازیں محکمہ سراغ رسانی کے دفتر تک پہنچ رہی ہوں گی اور ان کا باقاعدہ ریکارڈ لیا جا رہا ہے۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ تم معمولی ذہانت کے مجرم نہیں ہو۔ اس لئے میں نے پہلے ہی اس کا انتظام کر لیا تھا۔ اب کہو کون جیتا.....؟" فریدی نے قہقہہ لگایا اور سلیم نڈھال ہو کر رہ گیا۔ اس کے چہرے پر پسینے کی بوندیں تھیں۔ اسے اپنا دل سر کے اس حصے میں دھڑکتا محسوس ہو رہا تھا جہاں چوٹ لگی تھی۔ لیکن اس کے ذہن نے ابھی تک شکست قبول نہ کی تھی۔

سگریٹ کا جلتا ہوا ٹکڑا اس کے قریب ہی پڑا تھا۔ اس نے فریدی کی نظر بچا کر جو نہایت اطمینان سے دوربین پر جھکا ہوا تھا اسے پیر سے آہستہ آہستہ اپنی طرف کھسکانا شروع کیا۔ اب سگریٹ کا جلتا ہوا حصہ رسی کے ایک بل سے لگا ہوا اسے آہستہ آہستہ جلا رہا تھا۔ سلیم نے اپنے دونوں ہاتھ سمیٹ کر رسی کے سامنے کر لئے۔ رسی خشک تھی یا سلیم کی تقدیر یاور۔ آگ اپنا کام کر رہی تھی۔ فریدی بدستور دوربین پر جھکا ہوا تھا۔ دفعتاً سلیم صوفے سمیت دوسری طرف پلٹ گیا۔ فریدی چونک کر اس کی طرف جھپٹا۔ لیکن قبل اس کے کہ حیرت زدہ فریدی کچھ کر سکے سلیم رسی کے بلوں سے آزاد ہو چکا تھا۔

فریدی اس پر ٹوٹ پڑا لیکن سلیم کو زیر کرنا آسان کام نہ تھا..... تھوڑی دیر بعد دونوں گتھے ہوئے ہانپ رہے تھے۔ سلیم کو سست پا کر فریدی کو جیب سے پستول نکالنے کا موقع مل گیا۔ لیکن سلیم نے اس پھرتی کے ساتھ اس سے پستول چھین لیا جیسے وہ اس کا منتظر تھا۔ اسی کشمکش میں پستول چل گیا۔ فریدی نے چیخ ماری اور گرتے گرتے اس کا سر دوربین سے ٹکرا گیا۔ وہ بالکل بے حس و حرکت زمین پر اوندھا پڑا تھا۔

سلیم کھڑا ہانپ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ دفعتاً وہ ٹرانسمیٹر کے سامنے کھڑا ہو کر بُری طرح کھانسنے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس پر کھانسیوں کا دورہ ہو۔ پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولنے لگا۔

"میں انسپکٹر فریدی بول رہا ہوں۔ ابھی سلیم میری گرفت سے نکل گیا تھا۔ کافی جدوجہد کے بعد میں نے اس کے پیر میں گولی ماردی۔ اب وہ پھر میری قید میں ہے۔ میں اسے مقامی پولیس کے سپرد کرنے جا رہا ہوں۔ بقیہ رپورٹ کل آٹھ بجے صبح۔"

اب سلیم نے ٹرانسمیٹر کا تار بیٹری سے الگ کر دیا۔ اس کے پرزے پرزے ادھر اُدھر بکھر گئے۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں طے کرتا ہوا نیچے اتر رہا تھا۔

خوفناک لمحے

انسپکٹر فریدی نے اپنی موت کی خبر شائع کرانے میں بڑی احتیاط سے کام لیا تھا۔

راج روپ نگر کے جنگلوں میں دشمن سے مقابلہ کرتے وقت اچانک اس کے ذہن میں یہ تدبیر آئی تھی۔ وہ خواہ مخواہ اس طرح چیخ کر بھاگا تھا جیسے وہ زخمی ہو گیا ہو۔ وہ ہسپتال گیا اور وہاں چیف انسپکٹر کو بلوا کر اسے سارے حالات بتائے اور اس سے مدد مانگی۔ یہ چیز مشکل تھی۔ چیف انسپکٹر نے پولیس کمشنر سے مشورہ کر کے پولیس ہسپتال کے انچارج کرنل تیواری

سے سب معاملے طے کر لئے لیکن اسے یہ نہ بتایا گیا کہ ڈرامہ کھیلنے کا مقصد کیا ہے۔ سول ہسپتال سے خفیہ طریقہ پر ایک لاش حاصل کی گئی۔ پھر اس پر انسپکٹر فریدی کا میک اپ کیا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ سلیم آسانی سے دھوکا کھا گیا۔ ان سب باتوں سے فرصت پانے کے بعد انسپکٹر فریدی نے بھیس بدل کر اپنی سرگرمیاں شروع کر دیں۔

تیسرے دن اچانک کرنل تیواری کے تبادلے کا حکم آ گیا اور اسے صرف اتنی ہی مہلت مل سکی کہ اس نے ڈاکٹر توصیف کو ایک خط لکھ دیا انسپکٹر فریدی کو اب تک سلیم پر محض شبہ ہی شبہ تھا۔ اس کی تحقیقات کا رخ زیادہ تر پروفیسر ہی کی طرف رہا۔ اس سلسلے میں اسے اس بات کا علم ہوا کہ سلیم پروفیسر کو دھوکے میں رکھ کر اپنے آلہ کار بنائے ہوئے ہے۔ پروفیسر کے متعلق اس نے ایک بالکل ہی نئی بات معلوم کی جس کی اطلاع سلیم کو بھی نہ تھی۔ وہ یہ کہ پروفیسر ناجائز طور پر کوکین حاصل کیا کرتا تھا..... جس طریقہ سے کوکین اس تک پہنچا کرتی تھی وہ انتہائی دلچسپ تھا۔ اسے ایک ہفتہ کے استعمال کے لئے کوکین ملا کرتی تھی۔ کوکین فروشوں کے گروہ کا ایک آدمی ہر ہفتہ ایک پیکٹ کوکین اس کے لئے لا کر پرانی کوٹھی کے باغیچے میں چھپا دیا کرتا تھا۔ وہیں اس کے دام بھی رکھے ہوئے مل جاتے تھے۔ دو ایک بار اسے مالیوں نے ٹوکا بھی لیکن اس نے انہیں یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ دوا کے لئے بیر بہوٹی تلاش کر رہا ہے۔ فریدی نے فی الحال اس گروہ کو پکڑانے کی کوشش نہ کی کیونکہ اس کے سامنے اس سے بھی زیادہ اہم معاملہ تھا۔ ڈاکٹر شوکت کے راج روپ نگر جانے سے ایک دن قبل ہی اس نے کوٹھی کے ایک مالی کو بھاری رقم دے کر ملا لیا تھا۔ اس لئے کوٹھی کے افراد کے متعلق سب کچھ جان لینے میں کوئی خاص دقت نہ ہوئی۔ آپریشن والی رات کو سرجنٹ حمید بھی وہاں آ گیا..... فریدی نے اسے پروفیسر کو بہلا پھسلا کر مالی کے جھونپڑے تک لانے کے لئے تعینات کر دیا۔ اس کے لئے پوری اسکیم پہلے ہی مرتب ہو چکی تھی۔ حمید نے پروفیسر سے کوکین فروشوں کے گروہ کے ایک نمائندے کی حیثیت سے ملاقات کی اور اسے کوکین دینے کا لالچ دلا کر مالی کے جھونپڑے تک لایا۔ یہاں اسے کوکین میں کوئی تیز قسم کی منشی چیز دی گئی جس کے اثر سے پروفیسر بہت جلد بے ہوش ہو گیا۔

اس کے بعد انسپکٹر فریدی نے اس کے کپڑے خود پہن لئے اور ٹرانسمیٹر کو گٹھڑی میں باندھ کر جھونپڑے سے نکل گیا۔ جھونپڑے سے باہر جس نے اچھل کود مچائی تھی وہ انسپکٹر فریدی ہی تھا۔

جب فریدی کو گئے ہوئے کافی عرصہ ہوگیا تو حمید کا دل گھبرانے لگا۔ اس نے سوچا کہ کہیں کوئی حادثہ نہ پیش آ گیا ہو۔ ہر چند کہ فریدی نے اسے بے ہوش پروفیسر کو سوتا چھوڑ کر کہیں جانے کی اجازت نہ دی تھی لیکن اس کا دل نہ مانا۔ وہ پروفیسر کو سوتا چھوڑ کر پرانی کوٹھی کی طرف روانہ ہوگیا۔ مینار میں وہ اس وقت داخل ہوا جب سلیم جا چکا تھا۔ ٹرانسمیٹر چور چور ہو کر فرش پر بکھرا ہوا پڑا تھا اور فریدی ابھی تک اسی طرح پڑا تھا۔ حمید بدقت تمام اپنی چیخ روک سکا۔ اس نے دوڑ کر فریدی کو اٹھانے کی کوشش کی۔ وہ بے ہوش تھا..... بظاہر کہیں کوئی چوٹ نہ معلوم ہوتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد کراہ کر اس نے کروٹ بدلی۔ حمید اسے ہلانے لگا..... وہ چونک کر اٹھ بیٹھا۔

''تم.....!'' اس نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔ ''وہ مردود کہاں گیا.....؟''

''کون.....؟''

''وہی سلیم.....!'' فریدی نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ''افسوس ہاتھ آ کر نکل گیا۔'' پھر اس نے جلدی جلدی سارے واقعات بتا دیئے۔

''اس نے تو اپنی دانست میں مار ہی ڈالا تھا۔'' فریدی نے کہا۔ ''لیکن جیسے ہی اس نے گولی چلائی..... میں نے پھر ایک بار اسے دھوکہ دینے کی کوشش کی۔ لیکن بُرا ہوا اس دوربین کا کہ سب کیا دھرا خاک میں مل گیا۔ اگر میرا سر اس سے نہ ٹکرا جاتا تو پھر میں نے پالا مار لیا تھا۔ ارے اس ٹرانسمیٹر کو کیا ہوا..... توڑ دیا کم بخت نے۔ ایسا دلیر مجرم آج تک میری نظروں سے نہیں گذرا.....!''

''آیئے..... تو چلئے اُسے تلاش کریں۔'' حمید نے کہا۔

''پاگل ہوئے ہو..... اب تم اس کی گرد کو بھی نہیں پا سکتے۔ وہ معمولی ذہانت کا آدمی نہیں۔'' فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''دیکھوں تو آپریشن کا کیا رہا.....!''

اس نے دوربین کے شیشے سے آنکھ لگا دی۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہا۔

''ارے.....!'' وہ چونک کر بولا۔ ''یہ پائپ کے سہارے دیوار پر کون چڑھ رہا ہے۔''

''سلیم..... اس کا کیا مطلب..... ارے وہ تو کھڑکی کے قریب پہنچ گیا..... یہ اس نے جیب سے کیا چیز نکالی..... ہیں..... یہ نلکی کیسی..... ارے لو غضب وہ نلکی کو ہونٹوں میں دبا رہا ہے..... قتل قتل..... حمید اب ڈاکٹر شوکت اتنی خاموشی سے قتل ہو جائے گا کہ اس کے قریب کھڑی نرس کو بھی اس کی خبر نہ ہوگی۔ اُف کیا کیا جائے..... جتنی دیر میں ہم وہاں پہنچیں گے وہ اپنا کام کر چکا ہوگا۔ کم بخت پستول بھی تو اپنے ساتھ لیتا گیا۔''

''پستول میرے پاس ہے.....!'' حمید نے کہا۔

''لیکن بے کار..... اتنی دور سے پستول کس کام کا..... اوہ کیا کیا جائے۔ اس کی نلکی میں وہ زہریلی سوئی ہے۔ ابھی وہ ایک پھونک مارے گا اور سوئی نلکی سے نکل کر ڈاکٹر شوکت کے جا لگے گی۔ اُف میرے خدا..... اب کیا ہوگا۔ وہ شاید نشانہ لے رہا ہے۔ اوہ ٹھیک یاد آ گیا..... میں نے وہ رائفل نیچے دیکھی تھی۔ ٹھہرو..... میں ابھی آیا!'' فریدی یہ کہہ کر دوڑتا ہوا نیچے چلا گیا۔ واپسی پر اس کے ہاتھ میں وہی چھوٹی سی ہوائی رائفل تھی جو اس نے پروفیسر کے ہاتھ میں دیکھی تھی۔ اس نے اسے کھول کر دیکھا۔ اس کی میگزین میں کئی کارتوس باقی تھے۔

''ہٹو..... ہٹو..... کھڑکی سے جلدی ہٹو۔ اس نے کھڑکی سے نشانہ لیا۔ بیمار کے کمرے سے آتی ہوئی روشنی میں سلیم کا نشانہ صاف نظر آ رہا تھا۔ فریدی نے رائفل چلا دی۔ سلیم اچھل کر ایک دھماکے کے ساتھ زمین پر آ رہا.....!''

''وہ مارا.....!'' اس نے رائفل پھینک کر زینے کی طرف دوڑتے ہوئے کہا۔ حمید بھی اس کے پیچھے تھا۔ یہ لوگ اس وقت پہنچے جب بیگم صاحبہ، نجمہ، ڈاکٹر توصیف اور کئی ملازمین وہاں اکٹھے ہو چکے تھے۔ عورتوں کی چیخ و پکار سن کر ڈاکٹر شوکت بھی نیچے آ گیا تھا۔

فریدی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ ''کہو ڈاکٹر آپریشن کا کیا رہا.....'' شوکت چونک کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

''تم.....!'' اس نے منہ پھاڑے ہوئے حیرت سے کہا۔

''ہاں ہاں میں بھوت نہیں۔ بتاؤ آپریشن کا کیا رہا۔''

''کامیاب.....!'' شوکت نے بوکھلا کر کہا۔ ''لیکن.....لیکن.....!''

''میں محض تمہارے لئے مرا تھا..... میرے دوست اور یہ دیکھو آج جس نے تمہارے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈالا تھا تمہارے سامنے مردہ پڑا ہے۔''

اب سارے لوگ فریدی کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''آپ لوگ براہِ کرم لاش کے قریب سے ہٹ جایئے۔'' فریدی نے کہا۔ ''اور حمید ڈاکٹر شوکت کی کار پر تھانے چلے جاؤ۔''

''تم کون ہو.....!'' بیگم صاحبہ گرج کر بولیں۔

''محترمہ میں محکمہ سراغ رسانی کا انسپکٹر ہوں۔'' فریدی نے کہا۔ ''میں سرکس والے نیلو کے قاتل اور ڈاکٹر شوکت کی جان لینے کی کوشش کرنیوالے کی لاش تھانے میں لے جانا چاہتا ہوں۔''

''نہ جانے تم کیا بک رہے ہو۔'' نجمہ نے آنسو پونچھتے ہوئے تیزی سے کہا۔

''جو کچھ میں بک رہا ہوں اس کی وضاحت قانون کرے گا۔''

انکشاف

ایک ہفتے کے بعد نجمہ اور ڈاکٹر شوکت کوٹھی کے پائیں باغ میں چہل قدمی کر رہے تھے۔

''اُف فوہ کس قدر شریر ہو تم نجمہ.....!'' شوکت نے کہا۔ ''آخر بیچارے مالیوں کو تنگ کرنے سے کیا فائدہ؟ یہ کیاریاں جو تم نے بگاڑ دی ہیں۔ مالی اسکا غصہ کسی کے اوپر اتاریں گے۔''

''میں نے اس لئے بگاڑی ہیں یہ کیاریاں کہ میں تمہارا امتحان لینا چاہتی ہوں۔''

''کیا مطلب.....!'' ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

''یہی کہ تم ان کا آپریشن کر کے انہیں پھر ٹھیک کر دو گے۔'' نجمہ نے شوخی سے کہا۔

''انہیں تو نہیں..... لیکن شادی ہو جانے کے بعد تمہارا آپریشن کر کے تمہیں بندریا ضرور دوں گا۔''

''شادی.....بہت خوب.....غالباً تم یہ سمجھتے ہو کہ میں سچ مچ تم سے شادی کر لوں گی۔''

''تم کرو یا نہ کرو لیکن میں تو کر ہی لوں گا۔''

''تو مجھے بندریا بنانے سے کیا فائدہ..... کیوں نہ تمہارے لئے ایک بندریا پکڑ والی جائے۔ آپریشن کی زحمت سے بچ جاؤ گے۔''

''اچھا ٹھہرو بتاتا ہوں.....ہلو بھائی فریدی۔ آؤ آؤ ہم تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔''

فریدی اور حمید کار سے اتر رہے تھے۔

''نواب صاحب کا کیا حال ہے۔'' فریدی نے شوکت سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

''اچھے ہیں..... تمہیں یاد کر رہے تھے۔ آؤ چلو اندر چلیں۔''

نواب صاحب گاؤ تکیئے سے ٹیک لگائے انگور کھا رہے تھے۔ فریدی کو دیکھ کر بولے۔

''آؤ آؤ میاں فریدی..... میں آج تمہیں یاد ہی کر رہا تھا۔ میں نے اس وقت تمہیں دیکھا تھا جب مجھے بولنے کی اجازت نہ تھی۔ آج کل تو میرے بیٹے کا حکم مجھ پر چل رہا ہے۔''

نواب صاحب نے شوکت کی طرف پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ کو اچھا دیکھ کر مجھے انتہائی مسرت ہے۔'' فریدی نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد نواب صاحب نے کہا۔ ''فریدی میاں تمہیں اس بات کا علم کیونکر ہوا تھا کہ شوکت میرا بیٹا ہے۔''

''میں داستان کا بقیہ حصہ آپ کی زبانی سننا چاہتا تھا۔'' فریدی نے کہا۔

''نہیں بھئی..... پہلے تم بتاؤ۔'' نواب صاحب بولے۔

''میری کہانی زیادہ لمبی نہیں.....صرف دو لفظوں میں ختم ہو جائے گی۔ جب میں پہلی بار سلیم سے رپورٹر کے بھیس میں ملا تھا.....اس وقت میں نے آپ کے والد ماجد کی تصویر دیکھ کر

اندازہ لگالیا تھا کہ اس کوٹھی کا کوئی فرد ڈاکٹر شوکت کو کیوں قتل کرنا چاہتا ہے۔ شوکت کی شکل
بہو نواب صاحب مرحوم کے ملتی ہے لیکن مجھے حیرت ہے کہ جس بات کا علم ڈاکٹر شوکت کو نہیں
تھا اس کا علم سلیم کو کیونکر ہوا۔''

''غالباً میں بیہوشی کے دوران میں کچھ بک گیا ہوں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ سلیم زیادہ
میرے قریب ہی رہتا تھا۔ فریدی میاں یہ ایک بہت ہی پر درد داستان ہے۔ میں تمہیں شروع
سے سناتا ہوں۔ شوکت کی ماں ہمارے خاندان کی نہ تھی۔ لیکن وہ کسی نچلے طبقے سے بھی تعلق نہ
رکھتی تھی۔ ان میں صرف اتنی خرابی تھی کہ ان کے والدین ہماری طرح دولت مند نہ تھے۔ ہم
دونوں ایک دوسرے کو بے حد چاہتے تھے لیکن والد صاحب مرحوم کے ڈر سے کھلم کھلا شادی نہ
کر سکتے تھے۔ لہٰذا ہم نے چھپ کر شادی کر لی۔ ایک سال کے بعد شوکت پیدا ہوا لیکن اس کی
پیدائش کے چھ ماہ بعد ہی وہ ایک مہلک مرض میں مبتلا ہو گئیں۔ اسی حالت میں وہ دو سال تک
زندہ رہیں۔ ان کی خواہش تھی کہ وہ اپنے بیٹے کو جاگیردارانہ ماحول سے الگ رکھ کر اعلیٰ تعلیم
دلائیں۔ وہ ایک رحم دل خاتون تھیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ ان کا بیٹا ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کر کے
خدمت خلق کرے۔ یہ ان کا خیال تھا اور بالکل درست تھا۔ کہ جاگیردارانہ ماحول میں پلے
ہوئے بچے کے دل میں غریبوں کا درد قطعی نہیں ہو سکتا۔ جب وہ دم توڑ رہی تھی تو انہوں نے مجھ
سے وعدہ لے لیا تھا کہ اس وقت تک میں شوکت پر یہ بات ظاہر نہ کروں گا جب تک وہ ان کی
خواہش کے مطابق ایک اچھے کردار کا مالک نہ ہو جائے گا۔ پھر انہوں نے شوکت کو سیتا دیوی
کے سپرد کر دیا۔ میں خفیہ طور پر سیتا دیوی کی مدد کیا کرتا تھا۔ خدا جنت نصیب کرے اسے بڑی
خوبیوں کی مالک تھی۔ آخر کار اس نے شوکت کے لئے جان دے دی۔ شوکت کی ماں کے
انتقال کے بعد میرا دل ٹوٹ گیا اور پھر میں نے دوسری شادی نہیں کی اور دنیا یہی سمجھتی رہی کہ
میں ساری زندگی کنوارا ہی رہا۔''

نواب صاحب نے پھر شوکت اور نجمہ کی طرف پیار بھری نظروں سے دیکھ کر کہا۔ ''اب
میری زندگی میں پھر سے بہار آ گئی ہے..... اے خدا..... اے خدا.....!'' ان کی آواز گلوگیر ہو گئی

اور ان کی آنکھوں میں آنسو چھلک پڑے۔

''فریدی میاں.....!'' نواب صاحب بولے۔ ''اس سلسلے میں تمہیں جو پریشانیاں اٹھانی
پڑی ہیں ان کا حال مجھے معلوم ہے۔ بخدا میں تمہیں شوکت سے کم نہیں سمجھتا۔ تم بھی مجھے اتنے
ہی عزیز ہو جتنے کہ شوکت اور نجمہ.....!''

''بزرگانہ شفقت ہے آپ کی.....!'' فریدی نے سر جھکا کر آہستہ سے کہا۔

''ہاں بھئی..... وہ بیچارے پروفیسر کا کیا ہوا۔ کیا وہ کسی طرح رہا نہیں ہو سکتا۔'' نواب
صاحب بولے۔

''تاوقتیکہ کوکین فروشوں کا گروہ گرفتار نہ ہو جائے۔ ضمانت بھی نہیں ہو سکتی۔'' فریدی نے
کہا۔ ''لیکن میں اسے بچانے کی حتی الامکان کوشش کروں گا۔''

''اچھا بھئی اب تم لوگ جا کر چائے پیو۔ ارے ہاں ایک بات تو بھول ہی گیا۔ اگلے
مہینے شوکت اور نجمہ کی شادی ہو رہی ہے۔'' نواب صاحب نے نجمہ اور شوکت کو دیکھتے ہوئے
کہا۔ ''ابھی سے کہے دیتا ہوں فریدی میاں کہ تمہیں اور حمید صاحب کو شادی سے ایک ہفتہ قبل
ہی چھٹی لے کر یہاں آ جانا پڑے گا۔''

''ضرور ضرور.....!'' فریدی نے دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مبارک ہو.....!''
نجمہ اور شوکت نے شرما کر سر جھکا لیا۔

تھوڑی دیر کے بعد چاروں ڈرائنگ روم میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

''بھئی فریدی تم کب شادی کر رہے ہو؟'' ڈاکٹر شوکت نے چائے کا گھونٹ لے کر پیالی
میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

''کس کی شادی.....!'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''اپنی بھئی.....!''

''اوہ..... میری شادی.....!'' فریدی نے ہنس کر کہا۔ ''سنو میاں شوکت اگر میری شادی
ہوتی تو تمہاری شادی کی نوبت نہ آتی۔''

''وہ کیسے.....؟''

''سیدھی سی بات ہے۔ اگر میری شادی ہوگئی ہوتی تو میں بچوں کو دودھ پلاتا یا سرار رسانی کرتا۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ کوئی شادی شدہ شخص کامیاب جاسوس ہو ہی نہیں سکتا۔''

''تب تو مجھے ابھی سے استعفیٰ دینا چاہئے۔ میں شادی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔'' حمید نے اتنی معصومیت سے کہا کہ سب ہنسنے لگے۔

''تو پھر کیا تم ساری زندگی کنوارے ہی رہو گے۔'' شوکت نے کہا۔

''ارادہ تو یہی ہے۔'' فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

''بھئی تم بُری طرح سگار پیتے ہو۔ تمہارا پھیپھڑا بالکل سیاہ ہوگیا ہوگا۔'' ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

''اگر سگار بھی نہ پیوں تو پھر زندگی میں رہ ہی کیا جائے گا۔''

''تو یہ کہئے کہ سگار ہی شریک زندگی ہے۔'' نجمہ ہنس کر بولی۔

حمید قہقہہ مار کر ہنسنے لگا۔ بقیہ لوگ صرف مسکرا کر رہ گئے۔ حالانکہ یہ کوئی ایسا پر مذاق جملہ نہیں تھا۔ لیکن فریدی حمید کی عادت سے واقف تھا۔ وہ عورتوں کے پھوہڑ جملوں پر خوب محظوظ ہوا کرتا تھا۔

''ہاں بھئی فریدی یہ بتاؤ کہ تم مرے کس طرح تھے۔ مجھے یہ آج تک معلوم نہ ہو سکا۔'' ڈاکٹر شوکت نے پوچھا۔

''یہ ایک لمبی داستان ہے لیکن میں مختصراً بتاؤں گا۔ مجھے شروع ہی سے سلیم پر شبہ تھا لیکن میں نے شروع ہی میں ایک بنیادی غلطی کی تھی۔ جس کی بناء پر مجھے مرنا پڑا۔ حالانکہ میں پہلے سے جانتا تھا کہ نیپالی کا قاتل ہم لوگوں کا پیچھا کر رہا ہے اور وہ ہم لوگوں کو اچھی طرح پہچانتا ہے۔ اس سلسلے میں مجھ سے جو غلطی ہوئی وہ یہ تھی کہ میں سلیم سے رپورٹر کے بھیس میں ملا تھا۔ وہ مجھے پہچان گیا اور اس نے واپسی پر مجھ پر ہوائی رائفل سے فائر کیا۔ لیکن ناکام رہا۔ اس نے رائفل پروفیسر کے ہاتھ میں تھما دی اور خود غائب ہوگیا۔ پروفیسر کے متعلق تو تم جانتے ہو کہ وہ

کچھ خبطی سا واقع ہوا ہے۔ سلیم اسے اپنا آلہ کار بنائے ہوئے تھا۔ کئی سال کی بات ہے جب پروفیسر یہاں نہیں آیا تھا اچھا خاصا تھا وہ ان دنوں ایک تجربہ کر رہا تھا۔ اس نے چاند کا سفر کرنے کے لئے ایک غبارہ بنایا تھا۔ تجربہ کے لئے اس نے پہلی بار اپنے اسسٹنٹ نعیم کو اس غبارے میں بٹھا کر اڑایا، شاید نعیم غبارے کو اتارنے کی تدبیر بھول گیا تھا یا یہ کہ اس کی مشین خراب ہوگئی تھی۔ غبارہ پھر پروفیسر کی دانست میں زمین کی جانب نہ لوٹا حالانکہ اس کا خیال غلط تھا۔ نعیم غبارے سمیت مدراس کے ایک گاؤں میں گرا حالانکہ اسے کافی چوٹیں آئی تھیں لیکن گاؤں والوں کی تیمار داری اور دیکھ بھال کی بناء پر بچ گیا۔ اسی دوران اسے ایک بازاری لڑکی سے عشق ہوگیا اور وہ وہیں رہ گیا۔ پروفیسر ان سب باتوں سے ناواقف تھا۔ وہ خود کو مجرم سمجھ رہا تھا۔ اس پریشانی میں وہ قریب قریب پاگل ہوگیا۔ اس کے بعد اس نے شہر کی سکونت ترک کردی اور راج روپ نگر میں آ گیا۔ نعیم نے اسے خط لکھے جو اس کی پرانی قیام گاہ سے پھرتے پھراتے یہاں راج روپ نگر پہنچے۔ وہ خطوط کسی طرح سلیم کے ہاتھ لگ گئے اور اس طرح اسے ان واقعات کا علم ہوگیا۔ اب اس نے پروفیسر پر اپنی واقفیت کی دھونس جما کر بلیک میل کرنا شروع کیا۔ مجھے ان سب باتوں کا علم اس وقت ہوا جب میں ایک رات چوروں کی طرح اس کوٹھی میں داخل ہوا اور سلیم کے کمرے کی تلاشی لی۔ نعیم کے لکھے ہوئے خطوط اچانک مل گئے۔ اس طرح میں معاملات کی تہہ تک پہنچ گیا اور اسی وقت میں اس نتیجہ پر بھی پہنچا کہ مجھ پر گولی سلیم ہی نے چلائی تھی۔ کیونکہ پروفیسر تو اس رائفل کے استعمال سے ناواقف تھا۔

میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ ہاں تو بات ہو رہی تھی میرے مرنے کی تھی۔ جب میں سلیم اور ڈاکٹر توصیف سے مل کر واپس جا رہا تھا۔ سلیم نے راستے میں دھوکا دے کر مجھے روکا اور جھاڑیوں کی آڑ سے مجھ پر گولیاں چلانے لگا۔ میں نے بھی فائر کرنے شروع کر دیئے۔ اسی دوران میں اچانک مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور میں نے تہیہ کرلیا کہ مجھے کسی نہ کسی طرح یہ ثابت کرنا چاہئے کہ اب میرا وجود اس دنیا میں نہیں، ورنہ ہوشیار مجرم ہاتھ آنے سے رہا۔ لہٰذا میں نے ایک چیخ ماری اور بھاگ کر اپنی کار میں آیا اور شہر کی طرف چل پڑا۔ میں سیدھا ہسپتال پہنچا اور

وہاں کمپاؤنڈ میں موٹر سے اترتے وقت غش کھا کر گر پڑا۔ لوگوں نے مجھے اندر پہنچایا۔ میں
ڈاکٹر کو اپنی ساری اسکیم سے آگاہ کر دیا اور اپنے چیف کو بلوا بھیجا۔ اسے بھی میں نے سب
بتایا۔ پھر وہاں سے میرے جنازے کا انتظام شروع ہوا۔ قسمت میرے ساتھ تھی اس دن اتفا
سے ہسپتال میں ایک لاوارث مریض مر گیا تھا۔ میرے محکمہ کے لوگ اسے اسٹریچر پر ڈال
اچھی طرح ڈھانک کر میرے گھر لے آئے۔ پڑوسی اور دوسرے جاننے والے اسے میری لا
ہی سمجھے۔ میری موت کی خبر اسی دن شام کے اخبارات میں شائع ہوگئی تھی۔ پھر میں نے
رات حمید کو ایک نیپالی کے بھیس میں ڈاکٹر توصیف کے پاس بھیجا اور اسے تاکید کر دی کر
میری راج روپ نگر میں آمد کے بارے میں کسی سے کچھ نہ کہے۔ لہٰذا یہ بات چھپی ہی رہی
اس دن میں راج روپ نگر گیا تھا۔ اس طرح سلیم دھوکا کھا گیا۔ اسے اطمینان ہوگیا کہ اس
شبہ کرنیوالا اب اس دنیا سے چل بسا اور اب وہ نہایت آسانی کیساتھ اپنا کام انجام دے سکے گا

میں چاہتا تھا کہ تمہیں کسی طرح راج روپ نگر لے جاؤں۔ لہٰذا میں نے ڈاکٹر توصیف
سے دوبارہ کہلوا بھیجا کہ ذرا جلد از جلد تمہیں راج روپ نگر لے جائے۔ جب تم وہاں پہنچے
میں سائے کی طرح تمہارے پیچھے لگا رہا۔ تمہاری کار میں نے ہی خراب کی تھی۔ مجھے یہ پہلے
معلوم تھا کہ اس وقت کوٹھی میں کوئی کار موجود نہیں ہے لہٰذا میں نے یقین کر لیا کہ تم اس صورت
میں پیدل ہی جاؤ گے۔ مجھے یہ بھی یقین تھا کہ سلیم تمہیں نواب صاحب کے آپریشن سے پہلے
ہی ختم کرنے کی کوشش کرے گا لہٰذا میں نے اسے موقع واردات ہی پر گرفتار کرنے کے
تمہیں لے جانا چاہتا تھا لیکن اس کم بخت نے وہ حربہ استعمال کیا جس کا مجھے گمان تک نہ تھا
واقعی قسمت کے اچھے تھے کہ وہ سوئی پروفیسر کے ہاتھ سے گر گئی ورنہ تم ختم ہو جاتے اور مجھے
بھی نہ چلتا۔ اس کے بعد تم قصبے میں چلے گئے اور میں ایک مالی کے خالی جھونپڑے میں بیٹھ
پلان بناتا رہا۔ یہ تو مجھے تمہاری زبانی معلوم ہوگیا تھا کہ تم شام کو بھی پیدل ہی آؤ گے۔
دوران مجھے پروفیسر کے بارے میں کچھ اور باتیں بھی معلوم ہوئیں۔ مثلاً ایک تو یہی کہ وہ کوکین
کھانے کا عادی ہے اور غیر قانونی طریقہ پر اسے حاصل کرتا ہے لو بھلا دیکھو باتوں ہی باتوں

میں بہکتا چلا جا رہا ہوں۔ باقی حالات بتانے سے کیا فائدہ..... وہ تو تم جانتے ہی ہو گے۔
بہرحال یہ تھی میرے مرنے کی داستان۔"

"خدا تمہاری مغفرت کرے۔" ڈاکٹر شوکت نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تو فریدی بھائی..... اب تو آپ کی ترقی ہو جائے گی۔ دعوت میں ہمیں نہ بھولئے گا۔"
نجمہ نے مسکرا کر کہا۔

"میں ترقی کب چاہتا ہوں۔ اگر ترقی ہوگئی تب تو مجھے شادی کرنی پڑے گی۔ کیونکہ اس
صورت میں مجھے آفس ہی میں بیٹھ کر مکھیاں مارنی پڑیں گی۔ پھر دن بھر مکھیاں مارنے کے بعد گھر
پر تو مجھ سے مکھیاں نہ ماری جائیں گی اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ گھر پر مکھیاں مارنے کے لئے مجھے
ایک عدد بیوی کا انتظام کرنا ہی پڑے گا جو میرے بس کا روگ نہیں۔"

"نجمہ شاید تم یہ نہیں جانتیں کہ ہمارے فریدی صاحب سراغ رسانی کا شوق پورا کرنے
کے لئے اس محکمے میں آئے ہیں۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔ "ورنہ یہ خود کافی مالدار آدمی ہیں اور
اتنے کنجوس ہیں کہ خدا کی پناہ۔"

"اچھا..... یہ میں آج ایک نئی خبر سن رہا ہوں کہ میں کنجوس ہوں۔ کیوں بھائی میں کنجوس
کیسے ہوں۔"

"شادی نہ کرنا کنجوسی نہیں تو اور کیا ہے۔" نجمہ نے کہا۔

"اچھا بھائی حمید اب چلنا چاہئے ورنہ کہیں یہ لوگ سچ مچ میری شادی نہ کرا دیں۔"
فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ابھی بیٹھئے نا..... ایسی جلدی کیا ہے۔" نجمہ بولی۔

"نہیں بہن اب چلوں گا۔ کئی ضروری کام ابھی تک ادھورے پڑے ہیں۔"

نجمہ اور شوکت دونوں کو کار تک پہنچانے آئے۔ دونوں کے چلے جانے کے بعد شوکت
بولا۔ "ایسا حیرت انگیز آدمی میری نظروں سے نہیں گزرا۔ پتہ نہیں پتھر کا بنا ہے یا لوہے کا.....
میں نے آج تک اسے یہ کہتے نہیں سنا کہ آج میں بہت تھکا ہوا ہوں۔"

''اس کے برخلاف سرجنٹ حمید بالکل مرغی کا بچہ معلوم ہوتا ہے۔'' نجمہ ہنس کر بولی۔

''کیوں.....؟''

''نہ جانے کیوں مجھے اس کی ناک دیکھ کر مرغی کے بچے یاد آجاتے ہیں۔''

''بہرحال آدمی خوش مزاج ہے۔ اچھا آؤ اب اندر چلیں..... سردی تیز ہوتی جارہی ہے۔''

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 2

خوفناک جنگل

(مکمل ناول)

پیشرس

جاسوسی دنیا کا دوسرا ناول ''خوفناک جنگل'' ملاحظہ فرمایئے۔ جس کے اب تک بیسیوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

کہانی جنگل میں ایک عورت کی لاش سے شروع ہوتی ہے اور پھر محیر العقول سنسنی خیز واقعات کے جھرمٹ میں آگے بڑھتی ہوئی اپنے منطقی انجام کو پہنچتی ہے۔

یہ فریدی اور حمید کے ابتدائی دور کی کہانی ہے۔ جب انہیں موجودہ دور کی سہولتیں اور وسائل میسر نہ تھے۔ لیکن اس کے باوجود آپ فریدی کی ذہانت اور اس کی بھرپور شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔ وہ کس ہوشیاری اور نفسیاتی طریقے سے مجرم پر ہاتھ ڈالتا ہے اسے دیکھ کر آپ حیران رہ جائیں گے۔

تفریحی ادب میں ابن صفی کی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکے گا۔ ان کی تحریروں میں قانون کی بالا دستی مجرموں کی بیخ کنی اور ہلکے پھلکے طنز و مزاح کی چاشنی آپ کو ہر جگہ ملے گی۔ یہ بات بلا کسی خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ اردو میں ابن صفی سے زیادہ کوئی اور مصنف نہیں پڑھا گیا اور نہ ہی تعداد کے اعتبار سے ان کی تصانیف کے ہدف کو کوئی دوسرا عبور کر سکا ہے۔

اب ''خوفناک جنگل'' پڑھیے اور ابن صفی کے فن کو داد دیجیے۔

پبلشر

جنگل میں فائر

گرمیوں کی ایک تاریک رات تھی۔ کوتوالی انچارج انسپکٹر سدھیر گھنٹوں کروٹیں بدلنے کے بعد بمشکل آدھا گھنٹہ سوئے ہوں گے کہ ایک سب انسپکٹر نے آ کر جگا دیا۔

''کیا ہے بھئی، کیا آفت آ گئی۔'' وہ جھلاتے ہوئے بولے۔

''کیا بتاؤں صاحب عجیب مصیبت میں جان ہے۔ شاید پھر کوئی قتل ہو گیا ہے۔'' سب انسپکٹر نے کہا۔

''شاید قتل ہو گیا ہے.....؟ کیا مطلب.....؟''

''ایک آدمی دھرم پور کے جنگلوں میں ایک لاش دیکھ کر اطلاع دینے آیا ہے۔''

''اس وقت دھرم پور کے جنگلوں میں اس آدمی کو کیا کام، میرے خیال سے دو بج رہے ہوں گے۔'' انسپکٹر سدھیر نے شب خوابی کا لبادہ اتارتے ہوئے کہا۔

''میں نے اس سے سوالات نہیں کیے۔ سیدھا یہاں چلا آیا۔'' سب انسپکٹر نے جواب دیا۔

دونوں تیز قدموں سے چلتے ہوئے دفتر پہنچے۔ انسپکٹر سدھیر نے اطلاع لانے والے اجنبی کو گھور کر دیکھا۔ وہ ایک خوش پوش نوجوان تھا۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نظر آ رہے تھے۔ ٹائی کی گرہ ڈھیلی ہو کر کالر کے نیچے لٹک آئی تھی۔ بالوں پر جمی ہوئی گرد سے ظاہر ہو رہا تھا

کہ وہ بہت دور کا سفر کر کے آ رہا ہے۔ اس کی سانس ابھی تک پھول رہی تھی۔

''کیوں صاحب..... کیا بات ہے؟'' سدھیر نے کڑے لہجے میں پوچھا۔

''میں ابھی ابھی..... دھرم پور کے جنگل میں ایک عورت کی لاش دیکھ کر آ رہا ہوں'' نے پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

''لیکن آپ اس وقت دھرم پور کے جنگل میں کیا کر رہے تھے۔'' سدھیر نے کہا۔

''میں دراصل جلال پور سے واپس آ رہا تھا۔''

''جلال پور سے.....؟ جلال پور یہاں سے تقریباً بیس میل کے فاصلے پر ہے۔ آپ سواری پر آ رہے تھے؟''

''موٹر سائیکل پر..... جب میں جوزف روڈ سے پیٹر روڈ کی طرف مڑنے لگا تو میں سڑک کے کنارے ایک عورت کی لاش دیکھی۔ اس کا بلاؤز خون سے تر تھا۔ اُف میرے خدا..... کتنا بھیانک منظر تھا..... میں زندگی بھر نہ بھلا سکوں گا۔''

''تو آپ جلال پور میں رہتے ہیں۔''

''جی نہیں..... میں یہیں اسی شہر میں رہتا ہوں۔ ایک دوست سے ملنے جلال پور گیا

''تو اتنی رات گئے وہاں سے واپسی کی کیا ضرورت پیش آئی تھی۔''

''جناب والا! میں یہ قتل خود کر کے آپ کو اطلاع دینے نہیں آیا۔'' اجنبی نے قدر جھنجھلا کر کہا۔

''میں نے ایک لاش دیکھی اور ایک شہری ہونے کی حیثیت سے اپنا فرض سمجھا کہ پ کو اطلاع دے دوں۔''

''ناراض ہونے کی ضرورت نہیں.....!'' سدھیر نے سنجیدگی سے کہا۔ ''میں بھی اپنا ہی ادا کر رہا ہوں..... آپ کا کیا نام ہے؟''

''مجھے رندھیر سنگھ کہتے ہیں۔''

''آپ کیا کام کرتے ہیں؟''

''اُف میرے خدا! میں نے یہاں آ کر سخت غلطی کی۔'' اجنبی نے قدرے پریشانی کے لہجہ میں کہا۔ ''ارے صاحب میں آپ کے ساتھ ہی چلوں گا۔''

''چلنا تو پڑے گا ہی..... خیر اچھا آپ بہت زیادہ پریشان معلوم ہوتے ہیں، پھر سہی..... داروغہ جی ذرا جلدی سے تین کانسٹیبلوں کو تیار کر لیجئے اور اس وقت ڈیوٹی پر جو ڈرائیور ہو اسے بھی بلوا لیجئے۔''

تھوڑی دیر بعد پولیس کی لاری پیٹر روڈ پر دھرم پور کی طرف جا رہی تھی۔ رات حد درجہ تاریک تھی۔ سناٹے میں لاری کی آواز ایسی معلوم ہو رہی تھی جیسے بے شمار خبیث ارواح ایک ساتھ مل کر چیخ رہی ہوں۔ لاری کے برقی لیمپوں کی روشنی دور تک سڑک پر پھیل رہی تھی۔ سڑک کے موڑ سے تقریباً دو فرلانگ ادھر ہی ایک بڑا سا درخت سڑک پر گرا ہوا نظر آیا۔

''ارے یہ کیا.....؟'' اجنبی چونک کر بولا۔

لاری درخت کے پاس آ کر رک گئی۔

''میں آپ سے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ابھی آدھ گھنٹہ قبل جب میں ادھر سے گزرا ہوں تو یہ درخت یہاں نہیں تھا۔'' اجنبی نے پریشان لہجے میں کہا۔

سب لوگ لاری سے اتر آئے۔

''آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ آپ کی بات پر کسے یقین آئے گا۔ ظاہر ہے آج آندھی بھی نہیں آئی۔ یہ بھی صاف ہے کہ درخت کاٹا گیا ہے اور آدھ گھنٹے میں اتنے موٹے تنے والے درخت کا کاٹ ڈالنا آسان کام نہیں۔''

''اب میں آپ سے کیا عرض کروں۔'' اجنبی نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

''خیر یہ بعد میں سوچا جائے گا۔'' کوتوالی انچارج تیز لہجے میں بولا۔ ''اب وہ جگہ یہاں سے کتنی دور ہے؟''

''زیادہ سے زیادہ دو ڈھائی فرلانگ.....!'' اجنبی نے جواب دیا۔

لاری وہیں چھوڑ کر یہ پارٹی ٹارچ کی روشنی میں آگے بڑھی۔ تاریک سڑک پولیس وا
کے بھاری بھرکم جوتوں کی آواز سے گونج رہی تھی۔

''اُف میرے خدا.....!'' اجنبی نے چلتے چلتے رک کر کہا۔

''کیوں کیا بات ہے۔'' کوتوالی انچارج بولا۔

''کہیں میں پاگل نہ ہوجاؤں۔'' اجنبی نے بے چینی میں اپنی ناک رگڑتے ہوئے کہا

''اے مسٹر! تمہارا مطلب کیا ہے۔'' کوتوالی انچارج نے گرج کر کہا۔

''میں نے وہ لاش یہیں دیکھی تھی..... مگر..... مگر.....!''

''مگر مگر کیا کررہے ہو..... یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔''

''یہی تو حیرت ہے۔''

''سرکار یہاں بھوت پریت بھی بکثرت رہتے ہیں۔'' ایک کانسٹیبل منمنائی ہوئی آ
میں بولا۔

''بکومت!'' کوتوالی انچارج چیخ کر بولا۔ ''اسکا غصہ اپنی انتہائی منزلیں طے کررہا تھا۔

''میں تو بڑی مشکل میں پھنس گیا۔'' اجنبی گلوگیر آواز میں بولا۔

''ابھی کہاں..... اب پھنسیں گے آپ مشکل میں۔'' کوتوالی انچارج نے تلخ لہجے م
کہا۔ ''خواہ مخواہ پریشان کیا، کیا تم نے رک کر قریب سے لاش دیکھی تھی۔''

''جی ہاں..... اس کے سینے سے خون ابل رہا تھا۔''

''عجیب لاش تھی کہیں زمین پر خون کا دھبہ تک دکھائی نہیں دیتا۔'' کوتوالی انچارج
جھک کر ٹارچ کی روشنی میں زمین کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں قسم کھا کر.....!''

''بس بس..... رہنے دو۔ خواہ مخواہ وقت برباد کرایا۔'' کوتوالی انچارج نے اس کی با
کاٹتے ہوئے کہا۔

''میں کہتا ہوں سرکار بھوت.....!''

''ٹھائیں.....!'' اچانک فائر کی آواز نے سب کو بوکھلا دیا۔ کوتوالی انچارج کا ہاتھ پستول کے کیس ہی پر تھا کہ دوسرا فائر ہوا۔ پھر تیسرا..... چوتھا..... اب ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے بہت سے آدمی بیک وقت بندوقیں چلا رہے ہوں۔ کوتوالی انچارج اور سب انسپکٹر نے اپنے پستول نکال کر درختوں کی آڑ لے لی۔ لیکن انہیں جلدی وہاں سے بھاگنا پڑا کیونکہ ان کے پیچھے سے بھی فائر ہونے شروع ہوگئے تھے۔ دفعتاً ایک چیخ سنائی دی..... پھر دوسری اور ایک سپاہی لڑکھڑا کر گر پڑا۔ پھر اٹھ کر بھاگا۔ یہ لوگ بدقت تمام لاری تک پہنچ گئے۔ جس وقت ڈرائیور لاری بیک کررہا تھا قریب ہی سے دوبارہ فائر ہونے شروع ہوگئے۔

لاری تیز رفتاری سے شہر کی طرف جارہی تھی۔ فائر اب تک سنائی دے رہے تھے۔ ایک سپاہی کے بازو پر گولی لگی تھی۔ وہ سیٹ پر پڑا کراہ رہا تھا۔

''لیکن..... وہ..... وہ کہاں گیا۔'' سب انسپکٹر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''جہنم میں.....!'' کوتوالی انچارج نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''مجھ سے زیادہ احمق شاید روئے زمین پر نہ ملے۔ آخر میں اچھی طرح اطمینان کئے بغیر اس کے ساتھ چلا کیوں آیا۔ کم بخت کا پتہ بھی تو معلوم نہ ہوسکا۔ ہم لوگوں کی جان لینے کی ایک بہتری سازش تھی۔''

''مگر صاحب..... وہ کسی طرح بھی جھوٹا نہیں معلوم ہوتا تھا۔'' سب انسپکٹر نے کہا۔

''بائیس سال سے اس محکمے میں جھک نہیں مارتا رہا داروغہ جی۔'' کوتوالی انچارج نے خشک لہجے میں کہا۔ ''ابھی آپ کا تجربہ ہی کتنا ہے۔ میں ایک میل سے مجرم کی بو سونگھ لیتا ہوں۔ وہ شروع ہی سے مشکوک تھا۔ آخر وہی ہوا جس کا کھٹکا تھا۔ مگر یہ کسی بہت بڑے اور منظم گروہ کا کام معلوم ہوتا ہے۔''

''ارے اس کا تو مجھے خیال ہی نہ آیا تھا۔'' سب انسپکٹر جلدی سے بولا۔ ''واللہ بال بال بچ گئے۔''

''البتہ بیچارہ کرن سنگھ بُری طرح زخمی ہوگیا۔'' کوتوالی انچارج نے کہا۔ ''اب میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ میں سپرنٹنڈنٹ صاحب کو اپنی اس حماقت کا کیا جواب دوں گا۔''

تھوڑی دیر بعد وہ سب چپ ہو گئے۔ البتہ کرن سنگھ کی کراہیں اب تک جاری تھیں غنیمت یہی تھا کہ گولی ہڈی کو کوئی نقصان پہنچائے بغیر بازو کے گوشت کو چھیدتی ہوئی نکل گئی تھی۔

''کیوں نہ ہم لوگ پھر وہیں چلیں، اسطرح بھاگ نکلنا تو ٹھیک نہیں۔'' سب انسپکٹر نے

''پاگل ہوئے ہو۔'' انچارج بولا۔ ''ہمارے پاس دو پستولوں کے علاوہ اور ہے ہی ادھر نہ جانے کتنے ہوں۔ میرا خیال ہے کہ پندرہ بیس سے کم نہ ہوں گے۔''

''عجیب حماقت ہوئی۔'' سب انسپکٹر آہستہ سے بولا۔

سڑک پر جوتا

دوسرے دن صبح چھ بجے دھرم پورہ کا جنگل مسلح پولیس کے جوتوں کی آوازوں سے گ رہا تھا۔ قرب و جوار کے دیہاتوں سے تقریباً تین سو آدمی شبہے میں گرفتار کئے گئے جن پر کل میں بے تحاشہ لاٹھیاں اور جوتے برس رہے تھے۔ ان میں سے کئی تو اتنی شدت سے پٹے کہ انہیں غش آ گیا۔ لیکن نتیجہ صفر..... کوئی خاص سراغ نہ مل سکا۔ آخر چار پانچ گھنٹوں کی جانفشانی کے بعد معاملہ محکمہ سراغ رسانی کے سپرد کر دیا گیا۔

راج روپ نگر کیس کے شہرت یافتہ انسپکٹر فریدی اور سرجنٹ حمید کو توالی پہنچ چکے واقعات کا علم انہیں پہلے ہی سے تھا لیکن انہوں نے کوتوالی انچارج وغیرہ کے بیانات سنے اور ایک چکر دھرم پور کے جنگلوں کا بھی لگا آئے۔ دن بھر کی دوڑ دھوپ کے بعد جب کوتوالی واپس آئے تو کئی چہرے طنزیہ انداز میں ان پر مسکرا رہے تھے۔ فریدی تو اس قسم واقعات کو ہنس کر ٹال دیتا تھا۔ سرجنٹ حمید نے ناک بھوں چڑھائی۔ اسے امید تھی کہ فر جلد ہی کوئی سراغ لگا کر اس خفت سے پیچھا چھڑائے گا۔ خود اس کا ذہن بُری طر الجھا ہوا

سوچتے سوچتے دفعتاً اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

''انسپکٹر صاحب.....!'' اس نے فریدی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''ہم لوگ بھی کتنے بدھو ہیں۔''

''کیا مطلب ہے۔'' فریدی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''مطلب کیا؟ وہی مثل ہے..... بچہ بغل میں، ڈھنڈورا شہر میں۔ ارے لاحول ولا..... کہنے کا مطلب یہ کہ ملزم کا سراغ مل گیا۔'' حمید نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔

''کیا تمہیں مجھ پر شبہ ہے۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

''خیر وہ تو پرانی چیز ہے۔ میری پیٹھ ٹھوکیے..... کہیے تو بتاؤں۔''

''مجھے افسوس ہے کہ اس وقت ٹھوکنے کی کوئی چیز میرے ہاتھ میں نہیں خیر تم بتاؤ۔''

''موٹر سائیکل..... ملزم نے اپنی موٹر سائیکل رات یہیں چھوڑی تھی نا۔'' حمید نے کہا۔

''بہت دیر میں پہنچے..... مجھے صبح ہی کو خیال آیا تھا لیکن اس کی موٹر سائیکل قطعی ایسی نہیں ہو سکتی جو اس کا پتہ نشان بتا دے۔ فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔''

''پھر بھی دیکھ لینے میں کیا ہرج ہے۔'' حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

دونوں کوتوالی انچارج کے ہمراہ وہاں پہنچے جہاں رات ملزم نے اپنی موٹر سائیکل چھوڑی تھی۔ موٹر سائیکل ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔

''دیکھو..... میں نہ کہتا تھا۔'' فریدی نے کہا۔ ''نمبر کی پلیٹ نکال لی گئی ہے۔''

''لیکن کمپنی کا نمبر تو ضرور ہوگا۔'' حمید نے جھک کر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اور یہ بھی ریت دیا گیا ہے۔'' فریدی نے قہقہہ لگایا۔ حمید بھی کھسیانہ ہو کر ہنسنے لگا۔

''ہم لوگ نرے گھامڑ نہیں ہیں..... فریدی صاحب!'' کوتوالی انچارج نے ہنس کر کہا۔ ''پہلے ہی دیکھ کر اطمینان کر چکے ہیں۔''

''لیکن ٹھہریئے.....!'' فریدی نے زمین پر کچھ دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے ایک بات نہ دیکھی ہوگی۔''

''کیا.....؟''

''یہی کہ کمپنی کا نمبر یہیں کوتوالی میں اسی جگہ آج ہی کسی وقت صاف کیا گیا ہے۔''

''جی.....!'' کوتوالی انچارج نے حیرت سے دیدے پھاڑتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں..... یہ دیکھئے۔ کیا آپ زمین پر لوہے کی ریت نہیں دیکھ رہے ہیں۔''

''افوہ..... بڑی غفلت ہوئی۔'' کوتوالی انچارج نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

''انہیں باریکیوں کے لئے تو ہم خاکساروں کو تکلیف دی جاتی ہے۔'' سرجنٹ حمید نے تن کر سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

''لیکن اس سے کیا..... ملزم بہرحال ابھی تک پردہ راز ہی میں ہے۔'' کوتوالی انچارج نے جھنجھلا کر کہا۔

''جی نہیں بس یہ سمجھئے کہ اب وہ ہماری جیب میں رکھا ہوا ہے۔'' حمید نے مسکرا کر کہا۔

''خیر دیکھا جائے گا۔ نہ گھوڑا دور نہ میدان۔'' کوتوالی انچارج نے جانے کے لئے مڑتے ہوئے کہا۔

سرجنٹ حمید فاکس ٹراٹ کی دھن میں سیٹی بجانے لگا۔

فریدی کا ذہن مختلف قسم کی گتھیاں سلجھانے میں مصروف تھا۔ آخر کار وہ کوتوالی انچارج کو مخاطب کر کے بولا۔

''داروغہ جی..... اب یہ بات تو اچھی طرح واضح ہوگئی کہ ملزم یا ملزموں کا نشانہ آپ ہی تھے۔''

''کیوں..... میں ہی تھا۔'' کوتوال چونک کر بولا۔

''آپ کے بیان کے مطابق رات پانچ سب انسپکٹر اور چالیس سپاہی ڈیوٹی پر تھے۔ ان میں سے آپ کسی کو بھی منتخب کر سکتے تھے۔ اس لئے ان میں سے کسی ایک کو مار ڈالنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور ظاہر ہے کہ دھرم پور کوتوالی ہی کے حلقے میں ہے اس لئے قتل وغیرہ کے سلسلے میں موقع واردات پر آپ ہی کا پہنچنا یقینی ہو سکتا ہے۔''

''اوہ..... اس کا تو مجھے خیال ہی نہیں آیا تھا۔'' کوتوالی انچارج نے بے چینی سے کہا۔

''اب آپ یہ بتائیے کہ آپ کا شبہ کس پر ہے۔''

''بھلا میں کیسے بتاؤں..... شہر کا ہر بدمعاش میرا دشمن ہو سکتا ہے۔'' کوتوالی انچارج نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''بہرحال آپ ہمیں کوئی مدد نہیں دے سکتے۔'' حمید نے ہنس کر کہا۔

''حمید صاحب میں آپ سے استدعا کروں گا.....!''

''حمید تم چپ رہو۔'' انسپکٹر فریدی نے حمید کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''ہاں داروغہ جی کیا پیٹر روڈ کے چوراہے کے قریب کوئی بستی بھی ہے؟''

''ہاں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، لچھمن پور لیکن اسکا فاصلہ وہاں سے تقریباً چار فرلانگ ہوگا۔''

''میرا خیال ہے کہ میں اس وقت وہاں جا کر تفتیش کروں۔'' انسپکٹر فریدی نے کہا۔

''لیکن آپ کو وہاں اس وقت صرف عورتیں اور بچے ملیں گے۔ وہاں کے سارے مرد تو یہیں حوالات میں ہیں۔''

''تب تو اور بھی اچھا ہے۔'' حمید نے اپنا نچلا ہونٹ چاٹتے ہوئے کہا۔ فریدی نے اسے پھر گھور کر دیکھا اور وہ یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ لیکن یہ سنجیدگی اتنی مضحکہ خیز تھی کہ جھلایا ہوا کوتوالی انچارج بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ حمید کی بے وقت کی ظریفانہ حرکتیں فریدی کو اکثر بُری کھل جاتی تھیں۔ اس کی اسی عادت کی بناء پر فریدی عموماً کہا کرتا تھا کہ وہ زندگی بھر ایک اچھا جاسوس نہیں بن سکتا۔

فریدی کو اس کی اس وقت کی بے تکی باتوں پر سخت غصہ آ رہا تھا۔ لیکن چند لمحوں کے بعد اس کا ذہن پھر اصل مقصد کی طرف آ گیا۔

لچھمن پور کی طرف روانہ ہوتے وقت فریدی نے اس سب انسپکٹر کو بھی ساتھ لے لیا جو رات والے حادثے میں کوتوالی انچارج کے ساتھ تھا۔ آہستہ آہستہ تاریکی بڑھتی جا رہی تھی۔ انسپکٹر فریدی کی کار سڑک چھوڑ کر کچے راستے پر چلی جا رہی تھی۔

''انسپکٹر فریدی صاحب! ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ سب انسپکٹر بولا۔ ''خود آپ

بھی ہوتے تو اس کی حالت دیکھتے ہوئے اس کے بیان کی صداقت میں شبہ نہ کرتے۔"

"یہ سب کچھ درست ہے۔" فریدی نے بجھا ہوا سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں ا
کا صحیح پتہ نشان دریافت کئے بغیر ہرگز اس کے ساتھ نہ جاتا۔ حیرت تو اس بات پہ ہے کہ سدھیر
صاحب نے روانگی لکھنے کی بھی زحمت گوارا نہ کی۔"

"نہیں صاحب..... روانگی تو لکھی گئی تھی۔" سب انسپکٹر نے جلدی سے کہا۔

"داروغہ جی میں کوئی بچہ تو ہوں نہیں۔ کیا میں اتنا بھی نہیں سمجھ سکتا کہ روانگی حادثے کے
بعد لکھی گئی ہے۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"خیر یہ کوئی نئی بات نہیں۔ آپ ہی نہیں ..... آپ کا محکمہ یوں بھی ہم لوگوں کے متعلق
کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا۔ لیکن یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ روانگی حادثے کے بعد لکھی
گئی ہے اور اس کا کیا ثبوت ہے کہ روزنامچے میں اس نمبر کا کوئی کمرہ ہے ہی نہیں اور سرنا
ہوٹل کا ایک ایک چپہ پولیس کا دیکھا ہوا ہے اس جیسے بدنام ہوٹل کا نقشہ تو میرے خیال سے
معمولی سے معمولی کانسٹیبل کے ذہن میں بھی ہوگا کیونکہ پولیس متعدد بار اس پر چھاپہ مار چکی
ہے۔ اصل واقعہ مجھ سے سنئے۔ آپ لوگ بغیر پوچھ گچھ کئے ملزم کے ساتھ چل پڑے تھے۔ بعد
میں سدھیر صاحب کو اس غلطی کا احساس ہوا۔ واپسی پر جب وہ روانگی لکھنے بیٹھے تو گھبراہٹ میں
کمرے کا نمبر لکھ گئے۔ میں نے کیس ہاتھ میں لینے کے بعد سب سے پہلے روانگی ہی دیکھی
تھی۔ اس وقت سدھیر صاحب بھی موجود تھے۔ غالباً اسی وقت انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔
اس کے بعد ابھی تھوڑی دیر قبل ملزم کے حلیہ کے لئے مجھے دوبارہ روانگی دیکھنی پڑی۔ آپ کو
سن کر حیرت ہوگی کہ کمرے کا پہلا نمبر بلیڈ سے کھرچ کر اس کی جگہ دوسرا نمبر لکھ دیا گیا تھا
جس کی سیاہی کاغذ کھردرا ہوجانے کی وجہ سے پھیل گئی تھی۔" فریدی خاموش ہوگیا اور سر
حمید ہنسنے لگا۔

"صاحب یہ بات میری سمجھ میں تو آئی نہیں۔ واقعی آپ لوگ ہم لوگوں کے بارے میں
بہت بُرے خیالات رکھتے ہیں۔" سب انسپکٹر نے جھینپ مٹانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ہم لوگ آپ لوگوں کے بارے میں بُرے خیالات رکھنے پر مجبور ہیں۔ آخر کوئی حد
بھی ہے۔ کوتوالی میں رکھی ہوئی موٹر سائیکل کا نمبر کوئی ریت کر چلا جائے اور آپ لوگوں کو خبر
بھی نہ ہو۔"

"واقعی یہ چیز ضرور حیرت انگیز ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"اور اسی بناء پر میرا خیال ہے کہ کوتوالی کا کوئی فرد سدھیر صاحب کی جان کا دشمن ہے یا
پھر ان کے دشمنوں سے ملا ہے۔ کوئی باہر کا آدمی اتنی ہمت نہیں کرسکتا۔" فریدی نے کہا۔ "آپ
کا خیال درست ہے لیکن وہ کون ہوسکتا ہے۔"

"یہی تو دیکھنا ہے۔"

کار بچھن پور میں داخل ہو رہی تھی۔ وہاں تقریباً دو گھنٹے تک چھان بین کرنے کے بعد
بھی کوئی سراغ نہ مل سکا۔ البتہ اتنا ضرور معلوم ہوا کہ وہاں کے لوگوں نے فائروں کی آوازیں
سنی تھیں۔ لیکن یہ ان کے لئے کوئی نئی بات نہ تھی کیونکہ وہاں آئے دن شکاریوں کی بندوقیں چلا
ہی کرتی تھیں۔

واپسی میں سب انسپکٹر نے فریدی سے کہا۔

"انسپکٹر صاحب کیا بتاؤں..... واقعی ہم لوگوں نے سخت غلطی کی کہ ملزم کا پتہ معلوم کئے
بغیر اس کے ساتھ چلے گئے اور یہ بھی صحیح ہے کہ روانگی حادثے سے بعد لکھی گئی تھی۔"

"لیکن مجھے امید ہے کہ آپ لوگ یہ بات اپنے ہی تک رکھیں گے۔"

"مگر یہ کیسے ممکن ہے۔" حمید جلدی سے بولا۔

فریدی خاموش تھا۔ اس کی نگاہیں باہر اندھیرے میں بھٹک رہی تھیں۔ انگلیوں میں دبا
ہوا سگار بجھ چکا تھا۔ دن بھر کی دوڑ دھوپ کے باوجود بھی کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا۔ یہ
شاید پہلا موقع تھا کہ اس کی تفتیش کا ایک دن اس طرح ضائع ہو رہا تھا۔

"اگر میں نے اس کی کوئی خاص ضرورت نہ سمجھی تو اسے راز ہی رکھوں گا۔" فریدی نے
آہستہ سے کہا اور سگار سلگانے لگ گیا۔

''شکریہ.....!'' سب انسپکٹر نے اطمینان کا سانس لیا۔

پھر خاموشی چھا گئی۔

کار کی برقی روشنی تاریکی کا سینہ چیرتی ہوئی تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ یکلخت
کے بائیں کنارے کی جھاڑیوں سے تین چار گیدڑ نکل کر سڑک پار کرتے ہوئے دائیں کنا
کی جھاڑیوں میں گھس گئے۔ انہیں سے ایک کے منہ میں دبی ہوئی کوئی چیز سڑک پر گر پڑی
تیزی میں اسے روندتی ہوئی آگے نکلی جا رہی تھی کہ دفعتاً فریدی چیخا۔ ''حمید..... روکو.....
کار ایک جھٹکے سے رک گئی۔

''کیا بات ہے۔'' انسپکٹر حیرت زدہ لہجے میں بولا۔

''آیئے..... آیئے حمید ذرا مجھے ٹارچ دینا۔'' فریدی نے کار سے اترتے ہوئے کہا۔

ٹارچ کی روشنی سڑک پر پڑے ہوئے جوتے کے گرد دائرہ بنا رہی تھی۔

فریدی نے جوتے کو اٹھا کر ٹارچ کی روشنی میں دیکھنا شروع کیا۔

''جوتا تو نیا معلوم ہوتا ہے لیکن یہ یہاں کیسے آیا۔'' حمید نے کہا۔

''یہ انہیں گیدڑوں میں سے ایک کے منہ میں دبا ہوا تھا۔'' فریدی جوتے پر نظر
جمائے آہستہ سے بولا۔ اس کے ذہن میں خیالات کا تار سا بندھ کر رہ گیا تھا۔ اس تھو
سے وقفے میں یکے بعد دیگرے نہ جانے کتنے خیالات آئے تھے۔ ٹارچ کی روشنی
جھاڑیوں سے الجھتا ہوا وہ آگے بڑھ رہا تھا۔ حمید اور سب انسپکٹر بھی اس کے پیچھے پیچھے
رہے تھے۔ انہیں اس کے اس رویہ پر سخت حیرت تھی، لیکن وہ خاموش تھے۔

دفعتاً فریدی رک گیا۔ جھاڑیاں ہٹا کر وہ دوسری طرف کچھ دیکھ رہا تھا۔ سب انسپ
حمید بھی رک گئے۔ تھوڑی دیر بعد فریدی مڑ کر بولا۔ ''داروغہ جی آپ بھوتوں پر یقین رکھتے
یا نہیں؟''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔'' سب انسپکٹر نے کہا۔ لیکن نہ جانے کیوں اس پر
طاری ہوگئی۔

''مطلب یہ کہ اگر آپ اس وقت اس جنگل میں کسی جگہ ایک آدمی کی ٹانگ زمین کے اندر سے نکلی ہوئی دیکھ لیں تو آپ کا کیا حال ہو۔''

''غالباً روح قفس عنصری سے پرواز کر جائے۔'' حمید ہنس کر بولا۔

''اچھا تو پہلے تم ہی آؤ.....!'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

حمید آگے بڑھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اسے ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اسے پیچھے دھکیل دیا ہو۔ وہ بُری طرح کانپ رہا تھا۔

''مفض..... ضرور..... بھبھو..... ت.....!'' حمید ہکلانے لگا۔

''بس رخصت ہوگئی ساری شرارت.....!'' فریدی نے ہنس کر کہا۔ ''آیئے داروغہ جی آپ بھی دیکھئے۔''

''جی..... جی..... میں.....!'' داروغہ جی حمید کی حالت دیکھ کر آگے بڑھنے کی ہمت نہ کر سکے۔

''بھئی کمال کر دیا آپ لوگوں نے۔ آیئے میرے ساتھ۔'' فریدی کہتا ہوا جھاڑیوں میں گھس گیا۔ حمید اور سب انسپکٹر کو بھی طوعاً و کرہاً ساتھ دینا ہی پڑا۔ ایک جگہ تھوڑی کھدی ہوئی زمین سے ایک انسانی پیر باہر نکلا ہوا تھا۔ پتلون کا پائنچا کئی جگہ سے پھٹا ہوا تھا اور ننگے پاؤں میں لمبی لمبی خراشیں تھیں۔

''کیا سمجھے۔'' فریدی اپنے دونوں خوفزدہ ساتھیوں کی طرف مڑ کر بولا۔

دونوں خاموشی سے اس کا منہ تکتے رہے۔

''یہ جوتا اسی پیر کا ہے۔ گیدڑوں نے یہاں کی زمین کھودی ہے۔ وہ لاش کی ایک ٹانگ نکال پائے تھے کہ موٹر کے شور کی وجہ سے انہیں بھاگنا پڑا۔ غالباً وہ اس کی ٹانگ کھینچ کر باہر نکالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اسی جدوجہد میں اس کا جوتا اتر گیا اور ایک گیدڑ لے بھاگا۔''

''ارے بھئی..... یوں کھڑے میری صورت کیوں دیکھ رہے ہو۔''

''جو بتایئے وہ کیا جائے۔'' سب انسپکٹر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔

''آؤ مٹی ہٹا کر اسے نکالیں۔'' فریدی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''حمید تم ٹارچ دکھاؤ۔''

فریدی اور سب انسپکٹر نے مٹی ہٹانی شروع کی۔ ایک گھنٹے کی محنت کے بعد وہ لاش نکالنے میں کامیاب ہوگئے۔

''ارے.....!'' سب انسپکٹر چونک کر پیچھے ہٹ گیا۔

''کیا بات ہے؟'' فریدی نے پوچھا۔

''یہ وہی ہے، خدا کی قسم وہی ہے۔'' سب انسپکٹر بے اختیار چیخ اٹھا۔ ''وہی جو ہمیں کل رات یہاں لایا تھا۔''

''بہر حال.....!'' فریدی نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔ ''بعض اوقات میرے ہوائی قلعے بھی سچے ہو جاتے ہیں۔ مجھے شروع ہی سے اس کی اُمید تھی۔''

''بڑا عجیب واقعہ ہے۔ میری تو عقل چکر کھا رہی ہے۔'' سب انسپکٹر پریشانی کے لہجے میں بولا۔ تقریباً آدھ گھنٹے تک تینوں مختلف زاویوں سے لاش کے متعلق اظہار خیال کرتے رہے۔

''خیر اب یہاں اس طرح کھڑے رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ آیئے اسے اٹھا کر کار تک لے چلیں۔'' فریدی نے سگار ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔

پُراسرار ضلع دار

اس نئے انکشاف پر دوسرے دن سارے شہر میں ہلچل مچ گئی۔ اب معاملہ حد درجہ پیچیدہ ہوگیا تھا۔ وہ شخص جسے لوگ مجرم سمجھ رہے تھے خود کسی کا شکار ثابت ہوا۔ لاش ابھی تک کوتوالی ہی میں تھی۔ فریدی اور چند دوسرے جاسوس لاش کا معائنہ کر رہے تھے۔ مقتول ایک قبول صورت اور نوعمر آدمی تھا۔ لباس کی عمدگی سے صاف ظاہر تھا کہ وہ کوئی متمول آدمی ہے۔ لیکن اس کے پاس سے کوئی چیز برآمد نہ ہوئی جس سے اس کی شخصیت پر روشنی پڑ سکتی۔ موٹر سائیکل کا لائسنس

نمبر اور کمپنی کا نمبر..... دونوں پہلے ہی غائب ہو چکے تھے۔ فریدی سخت الجھن میں پڑ گیا تھا۔

''کیوں بھئی حمید کیا خیال ہے۔'' فریدی نے سرجنٹ حمید سے کہا۔

''ابھی تک تو خیال کا خیال بھی ندارد ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''لیکن یہ آپ کس طرح سمجھے کہ یہ آدمی مجرموں کا ساتھی نہیں تھا۔''

''تمہارے اس سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمہارا ذہن کسی خاص لائن پر کام کر رہا ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''کیا یہ ممکن نہیں کہ کوتوالی انچارج کے بچ نکلنے پر مجرموں نے اپنے ساتھی کو اس لئے موت کے گھاٹ اتار دیا ہو کہ کہیں وہ پولیس کے ہتھے چڑھ کر سارا راز بتا نہ دے۔'' سرجنٹ حمید نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

''یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔'' فریدی بولا۔ ''اندھیرے میں سہواً بھی گولی لگ جانے کا امکان ہے۔ ہاں یہ بھی درست ہو سکتا ہے لیکن یہ کیونکر مان لیا جائے کہ مجرموں کا ساتھی ہی تھا۔ محض اس لئے کہ ایسی صورت میں اسے دفن کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اگر انہیں اس بات کا اندیشہ ہوتا تو وہ اس کی وجہ سے پہچان لئے جائیں گے تو وہ اسے کبھی کوتوالی نہ بھیجتے اور اگر انہیں اس کا خدشہ نہیں تھا تو پھر لاش کے دفن کرنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ دیکھو ایک لاش کا دفن کرنا آسان کام نہیں۔ اس کے تمام انتظامات مکمل ہونے کے باوجود بھی اس کے لئے کم از کم ایک گھنٹہ چاہئے۔ اگر وہ ان کا ساتھی تھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ خود بھی اپنی جان دینا چاہتے تھے۔ یا بالکل ہی احمق تھے کیونکہ انہیں اس کا بھی خیال نہ آیا کہ اتنی دیر میں اگر پولیس والے کسی قریب کے گاؤں میں سے کچھ آدمی لے کر واپس آ گئے تو کیا ہوگا۔ اس کی لاش دفن کر دینا ان کے لئے یقیناً بچاؤ کی صورت رکھتا تھا۔ جبھی انہوں نے اتنا بڑا خطرہ مول لیا۔ جیسا کہ تمہارا خیال ہے کہ یہ حرکت کسی منظم گروہ کی ہے۔ تو یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ ایسا گروہ اپنے کسی پرانے یا آسانی سے پہچان لئے جانے والے آدمی کو ایسے کاموں کیلئے نہیں منتخب کرتا۔ اس کیلئے وہ ہمیشہ کسی نئے آدمی کو پھانستا ہے تاکہ اگر وہ پکڑ لیا جائے تو کسی قسم کا کوئی راز ظاہر نہ ہو سکے۔''

''چلئے میں نے مان لیا۔'' حمید نے کہا۔ ''لیکن اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر
خاص طور سے اسی آدمی کو قتل کرنا تھا تو آخر اس قدر ہنگامہ برپا کرنے کی کیا ضرورت
کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے پولیس کو باقاعدہ چیلنج کر کے ایک آدمی کو قتل کیا۔ اس طرح
نے باقاعدہ اپنے گلے ایک مصیبت ڈال لی۔ اگر اسے مارنا ہی مقصود تھا تو یوں ہی
کر دیتے۔''

''تمہاری ذہانت کا میں عرصہ سے قائل ہوں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''کیا یہ ممکن
اس طرح انہوں نے پولیس کو غلط راستے پر لگانے کی کوشش کی ہو۔ فرض کرو کہ میں تمہیں
چاہتا ہوں۔ اگر میں نے تمہیں قتل کر کے دفن کر بھی دیا تمہاری گمشدگی یقیناً کچھ دنوں
لوگوں کو تمہارے متعلق سوچنے پر مجبور کر دے گی اور میرے قتل کر دینے کی وجہ اگر ایسی
کچھ لوگ جانتے ہیں تو یہ قتل میرے لئے یقیناً بڑی مصیبت کا باعث ہو جائے گا۔ لیکن
میں ذرا سی بھی ذہانت ہے تو میں تمہیں چھپا کر قتل کرنے کی بجائے کھلم کھلا قتل کر دوں
اس کا طریقہ سنو۔ فرض کرو تم دو بجے رات کو دھرم پور کے جنگلوں سے گزر رہے ہو اور
سمجھ کر یقیناً پولیس کو اس کی اطلاع دینے جاؤ گے اور یہ بھی سمجھ رکھو کہ تمہاری قبر بھی
تیار کر رکھوں گا۔ جیسے ہی تم پولیس کو ساتھ لے کر آؤ گے تم لوگوں پر گولیوں کی بوچھاڑ
ہو جائے گی اور دوسروں کو بچاتے ہوئے صرف تم نشانہ بنا لئے جاؤ گے۔ گولیوں کی اندھا
سے کھدے ہوئے گڑھے میں دفن کر دوں گا۔ واپسی میں جب پولیس والے تمہیں
پائیں گے تو تمہارے متعلق ان کا شبہ یقین میں تبدیل ہو جائے گا اور وہ تمہیں مجرم سمجھ کر
تلاش شروع کر دیں گے۔ اس طرح ایک طرف تو میں تمہیں قتل بھی کر دوں گا اور تمہیں
بھی بنوا دوں گا اور خود مطمئن ہو کر مزے کروں گا۔ کیا سمجھے.....! اور پھر اگر میں زیادہ ذہین
تو پولیس کے شبہے کو مزید تقویت دینے کے لئے تمہاری موٹر سائیکل کے نمبر بھی غائب کر
گا۔ وہ بھی بیچ کوتوالی سے..... لیکن افسوس صد افسوس کہ میں ان کم بخت گیدڑوں کا کچھ

ں گا اور آخر کار انہی کی بدولت میری گرفتاری بھی عمل میں آ جائے گی۔''

''مگر صاحب! نہ جانے کیوں میرا دل کہہ رہا ہے کہ یہ شخص مجرموں کا ساتھی ہے۔'' حمید

''بھئی یہ ہے جاسوسی کا معاملہ..... عشق کا مسئلہ تو ہے نہیں کہ دل کے فرمان پر عمل کیا
ے۔ یہاں تو صرف دماغ کی باتیں تسلیم کی جاتی ہیں۔'' فریدی نے بجھے ہوئے سگار کو
تے ہوئے کہا۔

''خیر چلئے! اگر میں اسے مان بھی لوں گا تو درخت والا معاملہ سمجھ میں نہیں آتا۔ آدھے
ے میں اتنے تناور درخت کو کاٹ گرانا قطعی ناممکن ہے۔''

''تو میں کب کہتا ہوں کہ یہ ممکن ہے کہ درخت کے کاٹنے کا کام صبح ہی سے شروع کر دیا
ا ہو اور اس کا اتنا حصہ کاٹ کر چھوڑ دیا گیا ہو کہ بقیہ حصہ تھوڑی دیر کی محنت سے کاٹ کر
ذت گرایا جا سکے۔ تم نے شاید غور نہیں کیا..... اسی لائن کے کئی اور درخت بھی کاٹے گئے ہیں۔
یہ کام ڈسٹرکٹ بورڈ کی طرف سے ہو رہا ہے۔ حالانکہ مجھے اس میں شبہ ہے۔ بظاہر
پلٹرکٹ بورڈ کے علاوہ کوئی اور ان درختوں کو قانوناً کٹوا بھی نہیں سکتا اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ
ئی سرکاری ادارہ اپنی ذمہ داری پر اتنے بڑے درخت کو ایسی خطرناک حالت میں چھوڑ جائے
آدھے گھنٹے کی محنت سے گرایا جا سکے۔ کیونکہ اتنا بھاری بھرکم درخت ایسی حالت میں تیز ہوا کا
جھونکا بھی نہیں برداشت کر سکتا۔''

''واقعی مانتا ہوں۔'' حمید نے حیرت سے فریدی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''واللہ آپ کو تو
کاٹ لینڈ یارڈ میں ہونا چاہئے تھا۔ یہ تو میں کہوں گا کہ ماہروں کی کوئی قدر نہیں۔ اب اسی کو
لیجئے کہ آپ آج تک چیف انسپکٹر نہ ہو سکے۔''

''تو میں چیف انسپکٹر ہونا کب چاہتا ہوں۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''چیف انسپکٹر ہونے
بعد میری حیثیت ایک کلرک کی سی ہو جائے گی اور یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ میں اس لائن میں
ہم پیدا کرنے نہیں آیا اور نہ مجھے عہدوں ہی کا لالچ ہے۔ میرے پاس اتنا سرمایہ موجود ہے کہ

بیکار رہ کر بھی فارغ البالی کی زندگی بسر کرسکتا ہوں۔ اگر ہندوستان میں پرائیویٹ ہا
کے لئے قانوناً کوئی جگہ ہوتی تو مجھے اتنی دردسری مول لینے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ م
حیثیت سے اپنی کھوجی طبیعت کو تسکین دے لیتا۔''

''آپ کہیں گے میں چاپلوسی کر رہا ہوں۔'' حمید نے کہا۔ ''لیکن میں کہے بغیر نہیں
کہ آپ جیسا آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔ بعض اوقات تو میں یہ سو
ہوں کہ شاید آپ لوہے کے بنے ہیں۔''

''اور بہت سے لوگ مجھے لوہے کا چنا بھی سمجھتے ہیں۔'' فریدی نے ہنس کر کہا۔

''لیکن یہ آج تک میری سمجھ میں نہ آیا کہ آخر آپ عورتوں سے کیوں دور بھاگ
شادی کیوں نہیں کرتے.....؟''

''پھر وہی عورت.....!'' فریدی نے حمید کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''آخر تمہارے
عورت کیوں سوار ہے۔ کہیں سے بات شروع ہو، آپ کی تان ہمیشہ عورت ہی پر ٹوٹتی ہے
کیا حماقت ہے۔''

''آپ اسے حماقت کہتے ہیں۔'' حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

''اچھا بکومت.....ابھی بہت کام کرنا ہے۔ چلو ڈسٹرکٹ بورڈ کے دفتر چلیں۔''

ڈسٹرکٹ بورڈ کے دفتر میں ان دونوں کی آمد سے بھونچال سا آ گیا۔ معمولی کلرک
سے لے کر چیئرمین تک خود کو چور محسوس کرنے لگے۔ لوکل سیلفگورنمنٹ کے کسی بھی
دفتر میں کسی جاسوس کی غیر متوقع آمد وہاں کے کارکنوں کے لئے بڑی معنی خیز ہوتی ہے
کے سارے گزشتہ جرائم اور دھاندلی بازیاں ان کی آنکھوں کے سامنے ناچنے لگتی ہیں اور
غیر شعوری طور پر ہتھکڑیوں کے جوڑے کا انتظام کرنے لگتا ہے۔ لیکن یہاں فریدی کی
نوعیت ہی کچھ اور تھی۔ دفتر کے عملے کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ ان مزدوروں سے ملنا چاہتا
دھرم پور کے جنگلوں میں درخت کاٹ رہے تھے تو انکی جان میں جان آئی۔ دھرم پور کے
حادثہ کافی مشہور ہو چکا تھا۔ اسلئے وہ یہی سمجھے کہ یہ لوگ ضمنی تفتیش کے سلسلے میں آئے ہیں

وہاں کے مزدوروں میں سے صرف دو اس وقت موجود تھے۔ فریدی انہیں الگ لے گیا۔

''تم لوگوں نے ایک خطرناک غلطی کی ہے۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔

''دونوں کے چہرے فق ہو گئے اور وہ ایک دوسرے کیطرف معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگے۔''

''تم نے وہ درخت سڑک کی طرف کیوں گرایا تھا.....؟''

''صاحب! سڑک کیطرف تو ہم لوگوں نے کوئی درخت نہیں گرایا۔'' انمیں سے ایک بولا۔

''یاد کرو وہ پیپل کا درخت جو چوراہے سے کچھ دور ہٹ کر تھا۔''

''نہیں صاحب! ہم ایسی غلطی نہیں کر سکتے۔''

''خیر اگر تم نے گرایا نہیں تھا تو اسے ایسی حالت میں چھوڑ دیا تھا کہ درخت تیز ہوا چلنے پر خود بخود گر جائے۔''

''نہیں تو.....مگر صاحب۔''

''صاف صاف بتاؤ۔'' فریدی تیز لہجہ میں بولا۔

''مجھ سے سنئے صاحب.....!'' دوسرا بولا۔ ''اب تو غلطی ہو ہی گئی ہے۔ جو کچھ بھی پڑے گی بھگتنی ہی ہوگی۔''

''ہاں ہاں ڈرو نہیں.....ہمیں غریبوں کا خاص طور پر خیال رہتا ہے۔ مگر سچائی شرط ہے۔'' فریدی اس کا شانہ تھپکتے ہوئے بولا۔

''خدا آپ کو خوش رکھے.....ہم لوگ بالکل بے قصور ہیں۔ ہماری غلطی بس.....!''

''ہاں ہاں کہو۔''

''صاحب ہوا یہ کہ ہم چار آدمی اس درخت کو کاٹ رہے تھے۔ شام ہو گئی تھی اور درخت اتنا کٹ گیا تھا کہ اس کی ڈالوں سے رسی پھنسا کر اسے آسانی سے دوسری طرف گرایا جا سکتا تھا۔ ہم لوگ ستانے لگ گئے تھے اور ارادہ تھا کہ اب اسے دوسری طرف گرا دیں کہ اچانک کسی کے چیخنے کی آواز آئی۔ ہم لوگ چونک پڑے۔ ایک آدمی ہمیں اپنی طرف دوڑتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ ''ہائے مار ڈالا..... ہائے لوٹ لیا۔'' کہتا ہوا ہمارے قریب گر پڑا۔ ہم لوگوں کے پوچھنے پر

اس نے بتایا کہ وہ کوٹ آف وارڈ کا ضلع دار ہے۔ گاؤں سے روپیہ وصول کر کے لا رہا تھا
اچانک دو آدمیوں نے اسے مار پیٹ کر روپیہ چھین لیا۔ اس کے بیان کے مطابق حادثہ قر
ہی اسی وقت ہوا تھا۔ اس لئے ہم چاروں غل مچاتے ہوئے اس کے بتائے ہوئے راستے
دوڑنے لگے۔ وہ بھی ہمارے ساتھ تھا۔ ایک جگہ وہ رک گیا اور ایک جھاڑی سے ایک تھیلی
کر ہمیں دکھائی اور کہا کہ اسی تھیلی میں روپے ہیں۔ شاید گھبراہٹ میں یہ ان بدمعاشوں
ہاتھ سے گر گئی۔ اس نے وہ تھیلی زمین پر الٹ دی اور بیٹھ کر روپے گننے لگا۔ واقعی اس تھیلی
سینکڑوں روپے تھے۔ اس نے ہم لوگوں سے کہا کہ ہم اس کے ساتھ شہر چلیں کیونکہ وہ پولیس
میں رپورٹ کرنا چاہتا ہے اور اسے یہ ڈر تھا کہ کہیں راہ میں وہ بدمعاش پھر نہ مل جائیں۔
لوگوں نے انکار کیا لیکن اس نے ہمیں سو روپے دینے کا وعدہ کر کے راضی کر لیا۔ ہم لوٹ آ
اور کلہاڑے وغیرہ سنبھال کر شہر کی طرف چل پڑے۔ سو روپوں کے لالچ نے ہمیں یہ بھی
سوچنے دیا کہ درخت کو خطرناک حالت میں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ شہر پہنچ کر اس نے کہا کہ
پولیس میں رپورٹ کرنا بیکار ہی ہے۔ کیونکہ روپے تو مل گئے ہیں پھر وہ ہمیں ایک شراب خا
میں لے گیا۔ ہم لوگ کبھی کبھی دیسی شراب پی لیتے ہیں وہاں انگریزی شراب دیکھ کر ہمارے
منہ میں پانی بھر آیا۔ ہم میں ایک ایسا بھی تھا جو شراب نہیں پیتا تھا، لیکن اور دوسری کھانے پی
کی عمدہ چیزیں دیکھ کر وہ بھی پینے پر راضی ہو گیا۔ ہمیں کچھ اچھی طرح یاد نہیں کہ ہم نے کتنی پی
بہر حال جب ہمیں ہوش آیا تو ہم نے خود کو ایک ویران قبرستان میں پایا۔ غالباً اس وقت رات
کے تین بج رہے ہوں گے۔ یہ ہے سرکار ہماری رام کہانی۔ اب آپ جو سزا چاہیں دیں۔"

"بہر حال.....!" فریدی لمبی سانس لیکر بولا۔ "میں کوشش تو کروں گا کہ تم لوگوں پر کو
آنچ نہ آنے پائے۔ اچھا یہ تو بتایئے کہ تم نے اس ضلع دار کو اس سے پہلے بھی کبھی دیکھا تھا۔"

"جی نہیں..... ہم نے اس سے پہلے اسے کبھی نہیں دیکھا۔"

"اگر تم اسے دیکھو تو پہچان لو گے۔"

"اچھی طرح سرکار..... اچھی طرح۔" دونوں بیک وقت بولے۔

نمبر 1

"اچھا اس کا حلیہ تو بتاؤ۔"

"حلیہ کیا بتاؤں سرکار..... اچھا خاصا لمبا تڑنگا آدمی تھا۔ بڑی بڑی چڑھی ہوئی سیاہ
مونچھیں تھیں۔ آنکھوں پر نیلا چشمہ لگائے تھا۔ رنگ گورا تھا۔ انگریزی کپڑے پہنے ہوئے تھا۔
بات بات پر بچوں کی طرح ٹھٹھا مار کر ہنستا تھا۔ مگر صاحب اس کے دانت بڑے چمکیلے تھے۔
اس کے دانت بالکل بھیڑیئے کے دانتوں کی طرح معلوم ہو رہے تھے۔ ہنس مکھ آدمی ضرور
لیکن ان دانتوں کی وجہ سے اس کی ہنسی بھی بڑی خوفناک معلوم ہوتی تھی۔"

"تم اسے دیکھ کر پہچان لو گے۔"

"برابر سرکار.....!"

"اچھا دیکھو..... ابھی تم نے جو کچھ مجھے بتایا ہے اس کا تذکرہ کسی اور سے نہ کرنا ورنہ پھر
میں تمہیں نہ بچا سکوں گا۔ اپنے ان دونوں ساتھیوں کو سمجھا دینا کہ اس کے متعلق کسی سے کوئی
بات نہ کریں۔"

"مجال ہے سرکار کہ آپ کے حکم کے خلاف ہو جائے۔ ہم لوگ بالکل چپ رہیں گے۔"

اس کے بعد فریدی اور حمید وہاں سے روانہ ہو گئے۔

"کہو بھئی اب کیا خیال ہے۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"بھلا آپ سے غلطی ہو سکتی ہے۔" حمید بولا۔ "لیکن اب کیا کرنا چاہئے۔"

"بس دیکھتے رہو..... اب چٹکی بجاتے مجرم ہماری گرفت میں ہوں گے۔" فریدی نے
سگار کیس سے سگار نکالتے ہوئے کہا۔

"مگر یہ عورت کی لاش والا معاملہ ابھی تک سمجھ میں نہیں آیا.....!" حمید نے سر کھجاتے
ہوئے کہا۔

"یہ کوئی مشکل کام نہیں..... ایک عورت کی لاش تم نہایت آسانی سے تیار کر سکتے ہو۔ وہ
لاش یقیناً نقلی ہو گی۔"

"موٹر سائیکل کے نمبر والا معاملہ بھی عجیب ہے۔ خیر لائسنس کا نکال لینا تو مشکل کام نہیں۔

کمپنی کا نمبر ریتنے کے لئے کافی وقت درکار ہوتا ہے اور حیرت تو اس پر ہے کہ کسی نے ریت کی آواز بھی نہ سنی۔"

فریدی کچھ سوچتے سوچتے چونک پڑا۔

"حمید! میں دراصل اسی لئے تمہیں اپنے ساتھ رکھتا ہوں، تمہارے اس سوال نے یہ مسئلہ بھی حل کر دیا۔ لو سنو کیا تمہیں یاد نہیں کہ سپرنٹنڈنٹ صاحب کی کار بگڑ گئی تھی اور بار بار انجن اسٹارٹ کر رہا تھا۔ اس انجن کے شور میں بھلا ریتی کی آواز کیسے سنی جا سکتی تقریباً دو گھنٹے کے بعد کار بن سکی تھی۔ اب میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ موٹر سائیکل کار دوران میں ریتا گیا تھا لیکن ریتنے والا کون ہو سکتا ہے۔ کسی باہری آدمی کی ہمت نہیں پڑ سکتی۔"

"تو پھر آپ کا شک کس پر ہے۔"

"ابھی فی الحال یہ بتانا ذرا مشکل ہے۔" فریدی نے سگار منہ سے نکالتے ہوئے "کیوں نہ ہم لوگ دھرم پور کے جنگل کا ایک چکر اور لگا آئیں۔ مجھ سے ایک زبردست ہوئی ہے۔ مجھے اس گڑھے کا جس سے لاش برآمد ہوئی تھی بغور جائزہ لینا چاہئے تھا۔ پتہ تھا کہ کوئی کام کی بات معلوم ہو جاتی۔"

شرابی گیدڑ

لاش برآمد ہونے کے بعد ہی سے دھرم پور کے جنگل میں مسلح پولیس کے ایک دستے اپنے خیمے گاڑ دیئے تھے جس وقت انسپکٹر فریدی اور سرجنٹ حمید وہاں پہنچے تو انہوں نے جنگل میں گشت کرتے ہوئے پایا۔ ایک نے انہیں ٹوکا بھی لیکن دوسرا شاید ان دونوں کو پہچان اس نے انہیں سلام کیا۔

"کیوں بھئی کوئی خاص بات.....!" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں حضور ابھی تک کوئی ایسی بات نہیں ہوئی۔" کانسٹیبل نے جواب دیا۔

"اس گڑھے کی طرف کوئی دکھائی تو نہیں دیا تھا.....؟"

"گڑھا ملا ہی نہیں۔" کانسٹیبل نے گھبرا کر کہا۔

"کیا مطلب.....؟" فریدی نے اسے کڑی نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ "تمہیں کیا ہدایت دی گئی تھی۔"

"حضور! ہم سے ایک گڑھے کے بارے میں کہا ضرور گیا تھا لیکن یہاں پہنچنے پر ہمیں کوئی گڑھا نہیں دکھائی دیا۔"

فریدی اور حمید تیزی سے جھاڑیوں کی طرف بڑھے۔ واقعی وہاں گڑھے کا نام و نشان تک نہ تھا۔ کسی نے گڑھے کو پاٹ کر زمین برابر کر دی تھی۔

"لیجئے..... یہ دوسری رہی۔" فریدی ہاتھ ملتے ہوئے مضطربانہ انداز میں بولا۔ پھر وہ دونوں کانسٹیبلوں کی طرف مڑ کر بولا۔ "ذرا اپنے انچارج کو تو بلاؤ۔" دونوں چلے گئے۔

"مجرم حماقت پر حماقت کرتے چلے جا رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "بھلا اس کی کیا ضرورت تھی۔"

"جی نہیں..... وہ ہماری حماقتوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ کل رات ہم میں سے کسی ایک کو اس وقت تک یہاں موجود رہنا چاہئے تھا جب تک کہ مسلح پولیس یہاں نہ پہنچ جاتی۔" فریدی نے کہا۔ "جانتے ہو کہ گڑھا پاٹ دینے کا کیا مطلب ہے؟"

حمید نے سر ہلایا۔

"مجرم کسی ایسے نشان کو مٹا گئے جس سے سراغ لگ جانے کا اندیشہ تھا۔"

"تب تو بہت بُرا ہوا۔" حمید نے کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد پولیس کا انچارج آ گیا۔

"کیوں صاحب! آپکو کیا ہدایت دی گئی تھی۔" فریدی نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"جناب والا ہم رات سے اس گڑھے کو تلاش کر رہے ہیں۔"

''چیز ہی ایسی ہے کہ دھوکا کھانے کے امکانات پیدا ہوجاتے ہیں۔'' فریدی نے حمید کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔ ''سرسری طور پر دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے یہاں کوئی گڑھا تھا ہی نہیں۔ اس جگہ سوکھی گھاس اس خوش اسلوبی سے بچھائی گئی ہے کہ اچھے اچھے دھوکا کھا جائیں۔''

''اس گھاس کو پھیلاتے وقت وہ یہ بھول گئے تھے کہ اس طرح ان کی انگلیوں کے نشانات قطعی محفوظ ہوجائیں گے۔'' حمید نے کہا۔

''حمید صاحب اتنی جلدی خوش فہمیوں میں مبتلا نہ ہوں۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''کئی مرتبہ بہت ہی چالاک آدمیوں سے سابقہ پڑا ہے۔ ارے میاں ایسے موقعوں پر سڑا سے سڑا بھی دستانے استعمال کرتا ہے۔''

''بہرحال مجرم کی یہ دوسری حماقت اس کے سراغ کے لئے کافی ہوگی۔ اگر کافی نہ بھی تو کوئی نہ کوئی بات ضرور ہی معلوم ہوجائے گی۔'' حمید نے جھک کر دیکھتے ہوئے کہا۔

''سب سے پہلے یہ سوچنا چاہئے کہ لاش کا پتہ لگ جانے کے بعد گڑھے کو پاٹنے کی ضرورت ہوسکتی ہے۔'' فریدی نے سگار کا دھواں چھلوں کی شکل میں نکالتے ہوئے کہا۔ ''یہ بھی ممکن ہے کہ گڑھے میں کوئی ایسی چیز رہ گئی ہو جس سے مجرم کا سراغ مل جائے یا مقتول شخصیت پر روشنی پڑنے کا اندیشہ رہا ہو۔''

''لیکن ایسی صورت میں بھی گڑھے کو پاٹنے کی خاص وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ کام پولیس کے پہنچ جانے کے بعد ناممکن سا ہوجاتا ہے۔ غالباً ہم لوگوں کے چلے جانے کے بعد ہی حرکت کی گئی۔ اگر ایسا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ مجرم ہماری نگرانی کررہے ہیں۔''

''جی ہاں! ہم لوگوں کے آنے سے پہلے ہی یہ سب کچھ کیا گیا۔ ورنہ ہم لوگ تو.....!''

''جی ہاں..... ورنہ آپ لوگ تو کافی مستعد رہے۔'' فریدی نے انسپکٹر کی بات کاٹتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''اچھا اب اسے دوبارہ کھودنے کا انتظام کرنا چاہئے۔''

انسپکٹر نے تین چار کانسٹیبلوں کو بلا کر گڑھا کھودنے کے لئے کہا لیکن ان لوگوں کے

پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے زمین کھودی جاسکتی۔ آخرکار یہ طے پایا کہ پھٹن پور سے کچھ مزدور بلا لئے جائیں۔

''کیا اسے کھودنے کے لئے آپ لوگوں کی سنگینیں کافی نہیں۔'' حمید نے کہا۔

''بعض اوقات معمولی باتیں بھی دیر میں سوجھتی ہیں۔'' انسپکٹر نے کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

کانسٹیبلوں نے اپنی سنگینوں سے زمین کھودنی شروع کردی۔ تھوڑی دیر بعد ایک کانسٹیبل کی سنگین نے کسی چیز سے ٹکرا کر چھنا کا پیدا کیا۔

''ٹھہرو..... ٹھہرو.....!'' فریدی جھکتے ہوئے چیخا۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے جلدی جلدی مٹی ہٹانی شروع کردی۔

''یہ لیجئے..... کوئی اور نئی مصیبت.....!'' فریدی نے گڑھے میں سے ایک وزنی تھیلا باہر کھینچتے ہوئے کہا۔

''ارے یہ کیا.....!'' سب نے بیک وقت کہا۔

فریدی نے تھیلے کا منہ جو رسی سے بندھا ہوا تھا کھول کر اسے زمین پر الٹ دیا۔ ''یا مظہر العجائب.....!'' کہتا ہوا حمید اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

یہ ایک گیدڑ کی لاش تھی جس کے منہ میں تمباکو پینے کا پائپ دبا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ شراب کی دو خالی بوتلیں بھی برآمد ہوئیں جن میں سے ایک سنگین لگنے سے ٹوٹ گئی تھی۔ گیدڑ کے سینے پر ایک کاغذ بندھا ہوا تھا جس پر غالب کا یہ قطع لکھا تھا۔

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی

فریدی پر ہنسی کا دورہ پڑا۔ بقیہ لوگ حیرت سے کبھی اسے دیکھتے اور کبھی گیدڑ کی لاش کو۔ فریدی برابر ہنسے جارہا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کی ہنسی اتنی بھیانک معلوم ہونے لگی کہ کئی ضعیف الاعتقاد کانسٹیبل وہاں سے چپکے سے کھسک گئے۔ ان میں بہتیروں کا یہ خیال تھا بلکہ قرب و جوار میں مشہور بھی تھا کہ جنگل کا مخصوص حصہ بھوتوں کا اڈہ ہے۔ فریدی پر ایک طرح کی نشہ آور

کیفیت طاری تھی جسکے تحت وہ ہنسے ہی جارہا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کے قہقہے مضمحل ہوتے اور آخر کار وہ چکرا کر گر پڑا۔ حمید اور انچارج دوڑ کر اس کے قریب پہنچے۔ وہ بیہوش ہو چکا تھا۔

''ارے یہ معاملہ کیا ہے؟'' انچارج نے گھبراہٹ میں کہا۔

''نہ جانے کیا بات ہے۔ میں خود چکر میں ہوں۔'' حمید نے فریدی کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ ''لیکن فریدی کے چہرے پر ہوش کے کوئی آثار پیدا نہ ہوئے۔''

''اب کیا کیا جائے۔'' حمید نے انچارج کی طرف دیکھ کر کہا۔

''حمید صاحب! اب تو میرا بھی یہی خیال ہے کہ یہ ضرور کوئی شیطانی کارخانہ ہے۔'' انچارج نے لرزتے ہوئے کہا۔ ''گیدڑ کی لاش کا کیا مطلب اور پھر اسکے ساتھ شراب کی بوتل اور منہ میں دبا ہوا پائپ اور وہ شعر..... ایسی عجیب باتیں آج تک دیکھنے میں نہیں آئیں۔''

''وہ تو سب کچھ ہے لیکن یہ بتاؤ کہ انسپکٹر صاحب کو ہوش میں کس طرح لایا جائے۔'' حمید نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''سرکار یہ تو کوئی پھونک جھاڑ کرنے والا ہی کرسکتا ہے۔'' ایک کانسٹیبل بولا۔

''لغو.....!'' حمید نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ ''اچھا انچارج صاحب آپ دو آدمی میرے ساتھ کردیجئے۔ میں انہیں اسی حالت میں شہر لے جاؤں گا۔''

حمید نے گیدڑ کی لاش اور بقیہ دو چیزیں وہیں پڑی رہنے دیں اور بیہوش فریدی کو کار میں ڈال کر شہر کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہ خود کار ڈرائیو کررہا تھا۔ راستے میں ہی فریدی کو ہوش آگیا۔ وہ پچھلی سیٹ پر لیٹے ہی لیٹے بولا۔ ''حمید ہم کہاں جارہے ہیں۔''

''اوہ..... آپ ہوش میں آگئے۔'' حمید نے جلدی سے کار روکتے ہوئے مڑ کر کہا۔ فریدی اٹھ کر بیٹھ گیا اور طویل انگڑائی لیتے ہوئے بولا۔

''بڑا بھیانک پلاٹ تھا..... وہ گیدڑ اور بوتلیں کہاں۔''

''وہ تو میں وہیں چھوڑ آیا۔''

''ارے.....!'' فریدی سیٹ پر اچھلتے ہوئے بولا۔ ''بڑے احمق ہو تم۔ چلو فوراً کار واپس لے چلو، جلدی کرو۔''

کار دوبارہ واپس جارہی تھی۔

''کہو بھئی کچھ اس کا مطلب سمجھ میں آیا۔'' فریدی نے کہا۔

''سمجھ میں سب کچھ آ گیا، لیکن اگر کہوں گا تو خواہ مخواہ مجھے ہی احمق بننا پڑے گا۔''

''آخر کچھ تو۔''

''میرا خیال ہے کہ یہ جگہ ضرور بھوتوں سے بھری پڑی ہے۔''

''پھر وہی حماقت کی بات۔''

''میں نے پہلے ہی عرض کردیا تھا۔''

''تمہارا قصور نہیں ہر شخص یہی سمجھے گا۔ مجرم نے اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لئے یہ دوسری چال چلی تھی۔ مگر افسوس کہ وہ اپنے مقصد میں ناکام رہا۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''اپنی اس حرکت سے وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ حقیقتاً اس قتل میں بھوتوں کا ہاتھ ہے۔''

''لیکن آپ کے اس طرح قہقہے مار کر بیہوش ہوجانے کا کیا مطلب تھا۔''

''اسی چیز نے تو مجھے اس نتیجے پر پہنچنے میں مدد دی ہے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ جب سنگین نے بوتل سے ٹکرا کر چھناکا پیدا کیا تھا اس وقت سب سے پہلے میں ہی اسے دیکھنے کے لئے جھکا تھا۔ جیسے ہی میں جھکا، ایک تیز قسم کی بُو نے میرا دماغ پراگندہ کردیا۔ لیکن اس وقت میں نے اسے کوئی اہمیت نہ دی۔ لیکن اس کا اثر آہستہ آہستہ میرے دماغ پر ہورہا تھا۔ جیسے ہی گیدڑ کی لاش برآمد ہوئی میں نے اس کی ہیئت کذائی دیکھ کر ہنسنا شروع کردیا۔ مجھے سخت حیرت تھی کہ آخر میں ہنسی کیوں نہ روک سکا۔ جبکہ اور لوگ خاموش تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اپنے آپ کو بالکل بے بس محسوس کرنے لگا۔ انتہائی کوشش کے باوجود بھی میری ہنسی نہ رک سکی۔ اور اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ تم جانتے ہی ہو۔ ہاں تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان بوتلوں میں کسی قسم کی گیس تھی جس کے اثر سے میری یہ حالت ہوئی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ دوسری بوتل کے منہ پر

ایک مضبوط کارک لگا ہوا تھا۔خدا کرے ان احمقوں نے اسے کھولا نہ ہو۔ ورنہ ایک اہم چیز ضائع ہو جائے گی۔"

"اف میرے خدا۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"اور اب مجھے پورا یقین ہو گیا ہے کہ بدمعاشوں کا اڈہ یہیں کہیں قریب ہی ہے جلدی اتنا مکمل پلان بنا لینا آسان کام نہیں۔ بھئی ذرا کار کی رفتار اور تیز کرو۔ کہیں ان کوئی اس بوتل کو کھول نہ ڈالے۔"

حمید نے کار کی رفتار اور تیز کر دی۔

لیکن وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ان دونوں کی روانگی کے بعد ہی ایک کانسٹیبل نے بوتل اٹھالی اور اس کا کارک نکال کر سونگھنے لگا۔اچانک اس پر بھی ہنسی کا دورہ پڑا اور تھوڑی دیر بھی بے ہوش ہو کر گر پڑا۔فریدی اور حمید اس وقت وہاں پہنچے جب دوسرے کانسٹیبل اسے میں لانے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ سب بُری طرح خوفزدہ تھے۔ ان دونوں کو دیکھ انہوں نے بیک وقت جلدی جلدی سارا واقعہ بیان کرنا شروع کر دیا۔کئی نے تو یہاں تک کہ "چاہے نوکری رہے چاہے جائے..... وہ اب کسی قیمت پر وہاں نہ ٹھہریں گے۔"

"تم لوگ ڈرو نہیں۔" فریدی نے انہیں دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔"اگر یہ بوتل بند کبھی اس حال کو نہ پہنچتا۔اب تم میں سے کوئی بے ہوش نہ ہوگا۔لیکن اس کا افسوس ہے نے اپنی بیوقوفی سے میرا بہت نقصان کر دیا۔"

"میں کچھ سمجھا نہیں۔" انچارج نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

"ان بوتلوں میں کوئی نشہ آور اور ہنسانے والی گیس بند تھی۔" فریدی نے سنجیدگی

"ہنسانے والی گیس....." انچارج نے کہا۔"رلانے والی گیس تو میں نے دیکھی ہنسانے والی گیس کا آج تک نام بھی نہیں سنا۔"

"اگر رلانے والی گیس بن سکتی ہے تو ہنسانے والی گیس بنانے میں کیا دشواری ہے۔ یہ اور بات ہے کہ مجرم کے علاوہ اور کسی نے اب تک اس طرف دھیان نہ دیا ہو۔"

"مگر صاحب آپ کی یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔" انچارج نے کہا۔

"افسوس تو اس بات کا ہے کہ وہ چیز ضائع ہی ہو گئی ورنہ میں سمجھا دیتا۔"

گیدڑ کی لاش اب تک اسی حال میں پڑی ہوئی تھی۔فریدی نے آتشی شیشہ نکال کر بوتل کا جائزہ لینا شروع کیا۔

"افسوس کہ اس کانسٹیبل کی انگلیوں کے نشانات کے علاوہ کوئی اور نشان اس بوتل پر نہیں اور یہ ٹوٹی ہوئی بوتل کے ٹکڑے..... ان پر بھی کچھ نہیں.....!"

"مگر وہ شعر.....!" حمید جلدی سے بولا۔"کم از کم مجرم کی تحریر تو ہمارے ہاتھ آ گئی۔"

"بہت اچھے۔" فریدی اس کی طرف تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔"مگر حیرت ہے کہ مجرم اتنی احتیاط برتنے کے باوجود بھی یہاں کیسے چوک گیا۔ ذرا لپک کر وہ کاغذ کھولنا۔"

گیدڑ کی لاش سے وہ کاغذ کھول کر جب حمید پلٹا تو اس کا منہ بُری طرح لٹکا ہوا تھا۔

"اس پر تو میں نے دھیان ہی نہیں دیا۔" اس نے کہا۔

"کیا.....؟"

"یہ شعر کسی کتاب سے کاٹ کر اس کاغذ پر چپکا دیا گیا ہے۔"

"یہی تو میں نے کہا کہ اتنے چالاک آدمی نے بھلا ایسی حماقت کیسے کی۔" فریدی نے کہا۔"حمید صاحب اس مرتبہ اچھا خاصہ معمہ ہاتھ آیا ہے۔"

عجیب و غریب چڑیا

فریدی رومال بچھا کر زمین پر بیٹھ گیا۔ وہ سگار کے لمبے لمبے کش لے رہا تھا۔اس کی آنکھیں نیم خوابی کی سی حالت میں گیدڑ کی لاش پر جمی ہوئی تھیں۔ کانسٹیبل آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔حمید گڑھے کی بقیہ مٹی نکال نکال کر ایک طرف ڈھیر کر رہا تھا۔اسے اب بھی امید

تھی کہ جلد ہی کوئی چیز مل جائیگی۔ جس سے سراغ لگانے میں آسانی ہو۔ تھوڑی دیر بعد وہ تھکن اور پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگا۔ فریدی کی نگاہیں اب قرب و جوار کی زمین کا طواف کر رہی تھیں۔

دفعتاً وہ چونک پڑا اور اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ وہ اٹھ کر گڑھے کے پاس گیا اور وہاں جھک کر کچھ دیکھتے ہوئے مغرب کی طرف بڑھنے لگا۔ کچھ دور جا کر وہ سیدھا کھڑا ہوا اور بلند آواز میں بولا۔

''حمید..... حمید یہاں آؤ۔ تمہیں ایک دلچسپ چیز دکھاؤں۔''

حمید ہاتھ کی مٹی جھاڑتا ہوا اس کی طرف لپکا۔

''یہ دیکھو.....'' فریدی نے زمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''کیا.....! مجھے تو کچھ بھی نظر نہیں آتا۔''

''ارے بھئی۔'' فریدی نے زمین پر بیٹھتے ہوئے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا۔

''جی ہاں یہ کسی چڑیا کے پنجوں کے نشان ہیں۔''

''تو کیا یہ عجیب بات نہیں۔''

''عجیب بات۔'' حمید قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔ ''مجھے تو اس میں کوئی عجیب بات نظر نہیں آتی۔ بھلا کسی چڑیا کے پنجوں کے نشانات میں کیا عجیب بات ہو سکتی ہے۔''

''بھئی مان گیا۔'' فریدی ہنستے ہوئے بولا۔

''کیا.....؟''

''یہی کہ تم زندگی بھر ایک کامیاب جاسوس نہیں ہو سکتے۔''

''چلئے میں اسے مانے لیتا ہوں۔ لیکن آخر یہ تو بتایئے کہ ان نشانات میں عجیب بات کون سی ہے۔''

''زمین دیکھ رہے ہو کتنی سخت ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''ابھی تک بارش بھی نہیں ہوئی۔ ایسی صورت میں کسی معمولی چڑیا کے پنجے اتنے گہرے نشانات نہیں بنا سکتے۔ تو ہم اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کا وزن ڈھائی تین من سے کسی طرح کم نہ ہوگا اور اتنے وزن کی

چڑیا کے ساتھ اتنے چھوٹے چھوٹے پنجوں کا تصور انتہائی مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔ فوراً سوچو تو بالکل ایسا ہی لگتا ہے نا جیسے کسی اونٹ کو گوریا کے پنجے عطا کر دیئے گئے ہوں اور دوسری بات دیکھو، یہاں چار نشانوں کا درمیانی فاصلہ چار پانچ انگل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس جگہ چڑیا کے دو قدم پورے ہوئے۔ پہلی چیز یہ کہ اتنی وزن دار چڑیا اتنے چھوٹے پیر رکھتی ہے کہ وہ چار انگل سے زیادہ نہیں پھیل سکتے۔ یہ چار نشان یہاں ختم ہو گئے۔ اس کے بعد تقریباً ڈیڑھ فٹ کے فاصلے پر پھر ویسے ہی چار نشانات ملتے ہیں لہٰذا دوسری مضحکہ خیز بات یہ ہوئی کہ یہ چڑیا ہر دو قدم چلنے کے بعد ڈیڑھ فٹ کی جست لگاتی ہے آگے بڑھتے آؤ۔ یہ دیکھو کہیں بھی اس کے معمول میں فرق نہیں آیا۔ دو قدم چلنے کے بعد اس کے لئے ڈیڑھ فٹ اچھلنا ضروری ہے۔ کہو کبھی ایسی چڑیا خواب میں بھی دیکھی تھی۔ اب بتاؤ کیسی رہی۔''

''فریدی صاحب میں پھر کہتا ہوں کہ یہ بھوت.....!''

''لاحول ولا قوۃ.....!'' فریدی حمید کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ ''پھر وہی چغد پن کی باتیں۔''

''تو پھر اور کیا کیا جائے۔''

''ابھی کچھ کیا ہی کیوں جائے۔'' فریدی نے کہا۔ ''اور دوسری بات یہ دیکھو یہ چڑیا اس طرف سے آئی، گڑھے تک گئی اور پھر اسی طرف واپس چلی گئی۔''

''واقعی بڑی عجیب بات ہے۔'' حمید نے فریدی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''اور دلچسپ بھی۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''ایسی عجیب و غریب چڑیا کا شکار دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ کیا تم اپنا پستول ساتھ لائے ہو۔''

''پستول تو ہے میرے پاس..... مگر..... مگر.....!''

''گھبراؤ نہیں..... میری موجودگی میں یہاں کے بھوت تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ آؤ میرے ساتھ چلو۔'' فریدی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''کیا ان لوگوں کو ساتھ لے چلیے گا۔'' حمید نے کانسٹیبلوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''عجیب ڈرپوک آدمی ہو..... اتنے آدمی دیکھ کر اگر چڑیا اڑ گئی تو..... تمہیں تو کوئی

کہانیاں سنانے والی دادی اماں ہونا چاہئے تھا۔ مرد بنو برخوردار.....!''

''چلئے صاحب۔'' حمید مردہ سی آواز میں بولا۔

دونوں ان عجیب وغریب نشانات کو دیکھ کر آگے بڑھنے لگے۔ آگے چل کر پھر جھا
کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ جھاڑیوں کے درمیان ایک بل کھاتی ہوئی پگڈنڈی دور تک چلی گئی

''دیکھو میاں حمید یہ چڑیا ہم لوگوں کی طرح عقلمند معلوم ہوتی ہے کہ جھاڑیوں میں گ
بجائے پگڈنڈیوں ہی پر چلتی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ کافی پڑھی لکھی بھی ہو..... کیا خیال ہ

''میں کیا بتاؤں..... آپ روحانیت وغیرہ کے تو قائل ہی نہیں۔ خیر کبھی نہ کبھی تو
ہونا ہی پڑے گا۔ ممکن ہے کہ اسی کیس کے سلسلے میں آپکو اپنے خیالات تبدیل کرنے پڑیں

''بھئی تمہیں اس محکمے میں آنے کے لئے کس نے کہا تھا۔ تمہارے لئے تو کسی خانق
سجادہ نشینی ہی بہتر ہے۔ میں تمہیں تمہارے ساتھیوں میں سب سے زیادہ ذہین سمجھتا تھا۔ لیکن
نکلے نرے گاؤدی۔ لاحول ولاقوۃ۔''

''آپ جو چاہیں کہیں مگر مجھے پورا یقین ہے کہ یہ سب کسی انسان کا کام نہیں۔''

''اچھا چلو وہ بھوت ہی سہی۔ لیکن واضح رہے کہ میں اپنے علاقے میں ایسے نامعقو
بھوت کا وجود بھی برداشت نہیں کرسکتا۔''

''دیکھئے ایسا نہ کہئے.....!'' حمید جلدی سے بولا۔

''کیوں..... کیا بھوت تمہارے کوئی رشتہ دار ہیں۔ اگر ایسا ہے تو میں اپنے الفاظ وا
لیتا ہوں۔''

''آپ تو سمجھتے نہیں۔'' حمید بُرا مان کر بولا۔

''کیا نہیں سمجھتا.....؟''

''خیر ہوگا..... ہٹایئے..... مجھے کیا۔''

''آخر کچھ کہو بھی تو۔''

''اب زیادہ احمق نہیں بننا چاہتا۔''

''کیا تم بُرا مان گئے۔ ارے بھائی راستہ کٹنے کے لئے بھی تو کچھ ہونا چاہئے۔ معلوم نہیں
ابھی اور کتنی دور چلنا ہوگا۔''

''میرا خیال ہے کہ کیوں نہ اس کیس کو معمولی تفتیش کے بعد ٹال ہی دیا جائے۔ میں آپ
کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ کسی انسان کا کام نہیں۔'' حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

''بھئی بہت اچھے! کیا بات کہی آپ نے۔'' فریدی نے حمید کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے کہا۔
''لیکن حمید صاحب یہ پہلا کیس ہے جس میں مجھے صحیح معنوں میں لطف آرہا ہے۔''

یہ دونوں اب چڑیا کے پنجوں کے نشانات پر چلتے ہوئے تقریباً ایک میل نکل آئے تھے۔
یہاں آکر وہ پگڈنڈی ایک کچی سڑک سے مل گئی تھی۔ سڑک کے اس پار پھر گھنیری جھاڑیوں کا
سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ یہاں وہ نشانات بھی مٹ گئے تھے۔ سڑک کے دوسری طرف بھی
نشانات نہ ملے۔ فریدی کچھ دیر تک کھڑا سوچتا رہا پھر چٹکی بجا کر بولا۔

''تو حمید صاحب وہ چڑیا یہاں تک پیدل آئی۔ اس کے بعد پھر موٹر پر بیٹھ کر شمال کی
طرف روانہ ہوگئی۔''

حمید بے ساختہ ہنسنے لگا۔

''اس وقت مجھے اپنا بچپن یاد آرہا ہے۔'' حمید ہنسی روکتے ہوئے بولا۔

''تم شاید مذاق سمجھ رہے ہو۔'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ''یہ دیکھو موٹر کے پہیوں کے
نشانات جنوب کے طرف کہیں نظر نہ آتے۔ کوئی موٹر یہاں تک لے آیا۔ اس کے بعد پھر
جنوب کی طرف سے شمال کی طرف گھمایا گیا۔ یہیں سے چڑیا کے پنجوں کے نشانات بھی
غائب ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ چڑیا موٹر کی آواز سن کر اڑ گئی ہو۔''

''پھر وہی بچپنے کی باتیں۔ ارے میاں اگر وہ ڈھائی تین من کی چڑیا اڑ سکتی ہوتی تو اتنی
دور پیدل کیوں آتی۔''

''سٹھیا رہی ہے پری۔'' حمید قہقہہ لگا کر بولا

''خیر خدا کا شکر ہے کہ تم ہنسے تو۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''اچھا آؤ..... اب اس موٹر

کے پیچھے چلیں۔''

''تو گویا وہ سانپ نکل جانے کے بعد لکیر پیٹنے کی مثل صادق آیا چاہتی ہے۔'' زمین پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''اب تو چلا نہیں جاتا۔ پہلے آپ یہ تو بتایئے کہ آپ کس پلان پر کر رہے ہیں۔ تب ہی چل سکوں گا۔''

''بچے مت بنو..... چلو اٹھو..... گرمی کے مارے بُرا حال ہو رہا ہے۔ غنیمت یہی ہے آج لو نہیں چل رہی ہے۔''

''تو کیوں نہ ہم لوگ اپنی کار یہاں لے آئیں..... اور پھر.....!''

''اچھا بکو مت ہمیں پیدل ہی چلنا ہے۔'' فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔

''تو میں کب کہتا ہوں کہ پیدل نہ چلوں گا۔'' حمید نے ایسے معصومانہ لہجے میں کہا فریدی کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

دونوں پھر موٹر کے پہیوں کے نشانات دیکھتے ہوئے شمال کی طرف روانہ ہو گئے۔ آ چل کر جھاڑیوں کے سلسلے کم ہو گئے تھے۔ تقریباً چار فرلانگ چلنے کے بعد ایک چھوٹا سا گا دکھائی دیا۔ کچی سڑک اس گاؤں کے باہر سے ہوتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ دونوں رہے۔ ایک پختہ اور نئی وضع کی عمارت دور سے ہی دکھائی دے رہی تھی۔

''یہ غالباً اس گاؤں کے زمیندار کا مکان معلوم ہوتا ہے۔'' فریدی نے کہا۔

دونوں عمارت کے قریب پہنچ چکے تھے۔ یہ نئے طرز کی ایک بڑی عمارت تھی جس آگے چار دیواری میں گھرا ہوا پائیں باغ تھا۔

''دیکھئے یہ موٹر کے پہیوں کے نشانات میدان حشر میں لے جاتے ہیں یا.....!''

''ٹھہرو.....!'' فریدی حمید کی بات کاٹتا ہوا زمین پر جھک گیا۔

حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

''یہ دیکھو..... شاید وہ چڑیا یہیں پر موٹر سے اتری ہے۔ فریدی نے چڑیا کے پنجوں نشانات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جو کہیں کہیں نظر آ رہے تھے، فریدی نشانات کو

پائیں باغ کے پھاٹک کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ دونوں باغ میں داخل ہو گئے۔''

اچانک ایک بڑا کتا غراتا ہوا ان کی طرف جھپٹا۔

''جیک..... جیک.....!'' ایک نسوانی آواز آئی اور کتا دم ہلاتا ہوا لوٹ گیا۔

''آپ لوگ کون ہیں اور یہاں کیا کر رہے ہیں؟'' عورت قریب آ کر تیز لہجے میں بولی۔ یہ ایک قبول صورت جوان عورت تھی۔ لباس کا رکھ رکھاؤ اور انداز گفتگو ظاہر کر رہا تھا کہ وہ اس گھر کی مالکہ ہے۔ اس نے پیازی رنگ کی جارجٹ کی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں ایک عجیب قسم کی کشش تھی۔ سرجنٹ حمید ایک خوبصورت اور جوان عورت کو اپنے قریب دیکھ کر کچھ بوکھلا سا گیا۔ لیکن فریدی کے انداز میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہوئی۔ وہ نہایت پرسکون لہجے میں بولا۔ ''محترمہ! ہم لوگ محکمہ سراغرسانی سے تعلق رکھتے ہیں۔''

''خیر خدا کا شکر ہے کہ آپ لوگ چونکے تو۔'' اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔'' فریدی نے متحیر ہو کر کہا۔

''بہت خوب..... تو گویا آپ لوگ اس باغ میں بغرض تفریح تشریف لائے ہیں۔''

''جی نہیں..... ہم لوگ تو.....!''

''خیر چھوڑیئے ان باتوں کو..... کچھ سراغ ملا..... میں بہت پریشان ہوں۔'' وہ بولی۔

فریدی اور حمید حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

''محترمہ! بخدا میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔'' فریدی نے کہا۔

''تو... آپ لوگ یہاں کیا کرنے آئے ہیں۔'' وہ غصہ سے بولی۔

''دیکھئے صاف صاف بات کیجئے۔ ہم لوگ ایک قتل کی تفتیش کر رہے ہیں۔'' فریدی نے بے ساختہ کہا۔

''قتل.....!'' وہ چونک کر ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئی بولی۔ ''کس کا قتل.....!''

''ایک گمنام آدمی کا۔''

''دیکھئے صاحب بیکار وقت ضائع نہ کیجئے۔ آپ کو ایک عورت سے مذاق کرنے کی اچھی

خاصی سزا مل سکتی ہے۔"

"لیجئے ملاحظہ فرمایئے۔" فریدی نے اپنا ملاقاتی کارڈ دیتے ہوئے کہا۔

"انسپکٹر اے کے فریدی۔" عورت نے آہستہ سے کہا۔ "فریدی صاحب! معاف کیجئے! میں بہت پریشان ہوں۔ پرسوں رات سے میری سہیلی بملا غائب ہے۔ وہ دو ماہ کے لئے یہاں آئی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس کے والدین کو کیا جواب دوں گی۔ میں نے پولیس میں رپورٹ درج کرائی تھی۔ اس وقت سمجھی کہ شاید آپ لوگ اسی کے متعلق کوئی اطلاع دینے آئے ہیں۔"

"محترمہ ہمیں اس کا کوئی علم نہیں۔ ہم تو اس وقت ایک عجیب وغریب چڑیا کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں آئے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "ہمیں آپ کی سہیلی کے متعلق کوئی اطلاع نہیں۔"

"مجھے سخت تشویش ہے..... اگر شام کو یہاں کی پولیس نے کوئی خبر نہ دی تو میں یقیناً اس معاملے کو آگے بڑھا دوں گی۔"

"اگر آپ مجھے اس چڑیا کی تلاش میں مدد دے سکیں تو شکر گزار ہوں گا۔ آپ اطمینان رکھئے۔ میں آپ کی سہیلی کا پتہ لگانے کی کوشش کروں گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔"

"بھلا میں کیا بتا سکتی ہوں۔ اس باغ میں دن بھر بے شمار پرندے آتے ہوں گے۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"نہیں یہ پرندہ اپنی نوعیت کا ایک ہی معلوم ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"یہی کہ اس کا وزن دو ڈھائی من سے کسی طرح کم نہ ہوگا۔" حمید نے جلدی سے کہا۔

"آپ تو طلسم ہوشربا کی باتیں کر رہے ہیں۔" وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

"یہ سرجنٹ حمید ہیں۔" فریدی نے حمید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "بہت دلچسپ آدمی ہیں۔ آپ ان کی باتوں کا کچھ خیال نہ کیجئے گا۔"

"اوہ کوئی بات نہیں۔" عورت مسکرا کر بولی۔

فریدی کو اپنی حماقت پر افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے چڑیا کا راز اتنی جلدی کیوں اگل دیا۔ گرمیوں کی دوپہر میں اتنی مسافت پیدل طے کر کے ذہنی توازن برقرار رکھنا آسان کام نہیں۔ بہرحال اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی وہ فوراً سنبھل کر بولا۔

"محترمہ بات دراصل یہ ہے کہ ہم لوگ آپ ہی کے معاملے کی تحقیقات کر رہے ہیں۔ ابھی ابھی ہمیں معلوم ہوا ہے کہ یہاں سے تین میل کے فاصلے پر کسی گڑھے سے ایک لاش برآمد ہوئی ہے۔ لیکن وہ کسی مرد کی ہے آپ پریشان نہ ہوں۔"

"آپ کی تو کوئی بات ہی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔ ابھی تو آپ چڑیا.....!"

"ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے۔" وہ اس کی بات کاٹتا ہوا بولا۔ "ہم سراغ رسانوں کے کام کرنے کے طریقے عوام کی سمجھ میں نہیں آ سکتے۔ بہرحال اگر تکلیف نہ ہو تو پہلے ہمیں تھوڑا سا پانی پلایئے۔ اس کے بعد ہم لوگ کسی قاعدے کی بات کے قابل ہو سکیں گے۔ آپ دیکھتی ہیں کتنی سخت دھوپ ہے۔"

"ضرور..... ضرور..... اندر تشریف لے چلئے۔" وہ برآمدے کی طرف مڑتی ہوئی بولی۔

برآمدے میں پہنچ کر دونوں نے اپنے کوٹ اتار کر کرسیوں پر ڈال دیئے اور رومال سے چہروں کا پسینہ پونچھتے آرام کرسیوں پر گر گئے۔

"یہاں بھی کافی تپش ہے۔" عورت بولی۔ "میرے خیال سے اندر ٹھیک رہے گا۔"

لاش کی شناخت

ڈرائنگ روم میں پہنچ وہ کر صوفوں پر بیٹھ گئے۔ عورت نے ملازم کو بلا کر پانی لانے کو کہا۔ ڈرائنگ روم کو بہت ہی خوش سلیقگی کے ساتھ سجایا گیا تھا۔ فرش پر ایک دبیز اور قیمتی قالین بچھا ہوا تھا۔ صوفوں پر پھولدار ریشمی کپڑے کے غلاف چڑھے ہوئے تھے۔ دیواروں پر بڑے

فریموں میں آرٹ کے عمدہ نمونے نظر آ رہے تھے۔ فریدی اس دیہی علاقے میں یہ شوکت دیکھ کر متحیر ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ملازم شیشے کے جگ میں ٹھنڈا پانی لایا۔

"میرے خیال سے کچھ کھا بھی لیجئے۔" عورت بولی۔

"جی نہیں شکریہ۔" فریدی نے پانی کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

دونوں نے جی بھر کر پانی پیا۔ کچھ دیر تک ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔

"واقعی بملا دیوی کا اس طرح غائب ہو جانا حیرت انگیز ہے۔" فریدی بولا۔

حمید چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ یہ حضرت چڑیا دیوی تک کیوں کر جا پہنچے۔

"کیا بتاؤں انسپکٹر صاحب کہ مجھے کتنی پریشانی ہے۔"

"قدرتی بات ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔

"اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے والدین کو کیا جواب دوں گی۔"

"کیا آپ نے انہیں اس کی کوئی اطلاع دی۔"

"اب تک تو نہیں..... سمجھ میں نہیں آتا کہ انہیں کیا لکھوں۔"

"تو کیا وہ کہیں دور رہتے ہیں؟" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں..... کان پور میں..... اس کے والدین وہاں روئی کے بہت بڑے تاجر ہیں۔ شاید آپ نے نام سنا ہوگا۔ سیٹھ کرم چند۔"

"اوہ اچھا..... تو وہ یہاں اپنے شوہر سے لڑ کر آئی تھیں۔" فریدی بولا۔

"نہیں صاحب..... ابھی اس کی شادی نہیں ہوئی۔ وہ میری کلاس فیلو رہ چکی ہیں۔ تبدیلی آب و ہوا کے لئے یہاں آئی تھی۔ تقریباً ایک ماہ کی بات ہے۔"

"اور ابھی ایک ماہ اور رہنے کا ارادہ تھا۔"

"جی ہاں۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی وجہ سے آپ کو اطلاع دیئے بغیر کانپور چلی گئی ہوں۔"

"ایسی تو کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ وہ ننگے پیر بغیر سامان لئے یہاں سے چلی جائے۔"

"ننگے پیر..... کیا مطلب۔"

"جی ہاں..... سارے سینڈل اس کے کمرے میں موجود ہیں اور وہ سارا سامان بھی جو وہ اپنے ساتھ لائی تھی۔"

"حیرت کی بات ہے۔" فریدی حمید کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اچھا یہ بتایئے اس دوران میں ان کے پاس باہر سے کچھ خطوط بھی آئے تھے۔"

"جی ہاں..... یہ زیادہ تر ان کے والدین یا منگیتر کے ہوتے تھے۔"

"ہوں.....!" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ کو ان خطوط کے دیکھنے کا بھی اتفاق ہوا۔"

"جی نہیں۔"

"ان کے منگیتر کا کیا نام ہے؟"

"رندھیر سنگھ۔"

"رندھیر سنگھ.....!" فریدی تقریباً اچھلتے ہوئے بولا۔ "کیا آپ نے اسے دیکھا بھی ہے۔"

"کئی بار.....!"

"کیا وہ کبھی یہاں آیا تھا۔"

"نہیں میں اس سے کان پور میں مل چکی ہوں۔"

"تب آپ کو میرے ساتھ کوتوالی تک چلنے کی زحمت کرنی پڑے گی۔"

"کیوں.....!" عورت متحیر ہو کر بولی۔

"آج جس شخص کی لاش دھرم پور کے جنگل میں ملی ہے اس نے بھی اپنا نام رندھیر سنگھ بتایا تھا۔"

"ارے..... تو گویا..... تو گویا۔" عورت کانپنے لگی۔

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔" فریدی اٹھتے ہوئے بولا۔ "جلدی کیجئے۔"

دفعتاً دروازے پر کھٹ کھٹ کی آواز سنائی دی اور ایک ادھیڑ عمر کا مضبوط آدمی اندر داخل ہو کر کھڑا ہو گیا۔ وہ خلاء میں تاک رہا تھا۔

اس نے پتلون قمیض پہن رکھی تھی۔ بڑے سے لمبوترے چہرے پر اس کی بڑی ویران آنکھیں بہت ہی خوفناک معلوم ہو رہی تھیں۔ دہانہ کافی پھیلا ہوا تھا اور دونوں کانوں کے گھنے بالوں کی لکیریں تھیں چہرہ اس طرح صاف تھا جیسے اس نے ابھی ابھی شیو کیا ہو۔ کے ساتھ ساتھ اس کی پھولی ہوئی ناک کے نتھنے پھول پچک رہے تھے۔

بازوؤں کی ابھری مچھلیاں آستین کے اوپر سے صاف ظاہر ہو رہی تھیں۔

''یہاں کون ہے۔'' وہ گرج کر بولا۔

عورت گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

''جی یہ محکمہ سراغ رسانی کے انسپکٹر فریدی صاحب ہیں۔ بملا والے کیس کی تحقیقات سلسلے میں آئے ہیں۔'' وہ بولی۔

''اچھا.....!'' وہ چھڑی سے زمین ٹٹولتے ہوئے آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر ایک صو پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''کہئے انسپکٹر صاحب کچھ پتہ چلا۔''

''ابھی تک تو کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔'' فریدی نے کہا۔

''یہ مجھے اپنے ساتھ کوتوالی لے جانا چاہتے ہیں۔'' عورت بولی۔

''کیوں.....!'' اس نے تیز آواز میں کہا۔

''یہاں کہیں کوئی قتل ہو گیا ہے۔''

''تو پھر اس قتل سے تمہیں کیا سروکار۔'' بوڑھے کے لہجے میں حیرت تھی۔

''میرا خیال ہے کہ مقتول بملا دیوی کا منگیتر ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''چلئے یک نہ شد دو شد۔'' وہ جھنجھلا کر بولا۔ ''ابھی بملا ہی نے ناک میں دم کر رکھا اب ان کے منگیتر بھی اللہ کو پیارے ہو گئے..... لاحول ولا قوۃ..... جاؤ بھئی جاؤ..... لیکن لوٹ آنا۔ خبردار! اب تمہاری کوئی منحوس سہیلی اس گھر میں قدم نہ رکھنے پائے۔''

وہ تینوں اٹھ کر باہر آئے۔ عورت نے ڈرائیور سے کار لانے کو کہا اور تینوں شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

''محترمہ! ایک بات پوچھ سکتا ہوں۔'' فریدی نے کہا۔ ''یہ کون صاحب تھے؟''

''ٹھاکر دلبیر سنگھ..... میرے مرحوم شوہر کے بڑے بھائی۔''

''تو کیا یہ نابینا ہیں۔''

''جی ہاں..... دو برس ہوئے ان کی آنکھوں کی روشنی ختم ہو گئی۔''

''اگر کچھ ہرج نہ ہو تو اپنے خاندان کے متعلق بھی بتا دیجئے۔'' فریدی نے کہا۔

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔'' عورت فریدی کو گھورتے ہوئے بولی۔

''میں اپنی اطلاع کے لئے آپ کے خاندانی حالات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔''

''اوہ..... کیا آپ نے مشہور سائنسدان پرکاش بابو کا نام نہیں سنا۔ وہ میرے شوہر تھے، تین سال ہوئے ان کا انتقال ہو گیا۔''

''پرکاش بابو!'' فریدی نے آہستہ سے دہرایا۔ ''وہی تو نہیں جو جھیل میں ڈوب گئے تھے۔''

''جی ہاں وہی، ان کے بعد سے ان کے بڑے بھائی ٹھاکر دلبیر سنگھ میرے نگران ہیں۔ انہوں نے مجھے پتا جی کے گھر نہیں جانے دیا۔ میرے پتا ایک روشن خیال آدمی ہیں۔ وہ میری دوسری شادی کرنا چاہتے تھے۔ لیکن میں نے انکار کر دیا۔ مگر میں یہ سب کچھ کیوں کہہ رہی ہوں۔ آپ کو میرے خاندانی حالات سے کیا سروکار.....؟''

''اگر اس سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔''

''کوئی بات نہیں..... یہ تذکرہ میرے لئے بہت ہی اندوہناک ہوتا ہے۔''

کوتوالی پہنچ کر انسپکٹر فریدی اسے لاش والے کمرے میں لے گیا۔ لاش کو دیکھ کر عورت بُری طرح کانپنے لگی۔ وہ سچ مچ بملا کے منگیتر ہی کی لاش تھی۔ اس نئے انکشاف پر کوتوالی میں ہل چل مچ گئی۔ رندھیر سنگھ اور بملا کے والدین کو سرکاری طور پر تار دیئے گئے، عورت بُری طرح خائف تھی۔ آفیسروں کی گفتگو سے اس نے یہ اندازہ لگایا کہ شاید اسے حراست میں لے لیا جائے۔

"فریدی صاحب! میں تو بڑی پریشانی میں پھنس گئی۔" عورت پریشانی کے لہجے

"گھبرایئے نہیں! چلئے میں آپ کو آپ کے گھر چھوڑ آؤں۔"

فریدی حمید کو کوتوالی میں چھوڑ کر خود اس عورت کے ساتھ چلا گیا۔

دوسری لاش

فریدی جب اس عورت کو پہنچا کر واپس آیا تو کوتوالی میں سرجنٹ حمید کو اپنا منتظر پایا۔ اسے بُری طرح گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔

"کیوں بھئی..... اس طرح کیوں گھور رہے ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں آپکے ہونٹوں پر لپ اسٹک کے دھبے تلاش کر رہا تھا۔" حمید نے سادگی سے

"بڑے گندے خیالات ہیں تمہارے۔" فریدی منہ سکوڑ کر بولا۔

"جی نہیں..... میں انتہائی پاک و صاف خیالات کا آدمی ہوں۔ جبھی تو میں یہاں چھوڑ دیا گیا تھا۔"

"اوہ! تو یہ کہو تم اچھے خاصے گدھے ہو۔ اگر تم میرے ساتھ ہوتے تو میں کبھی اتنے باتیں نہ معلوم کر سکتا۔"

"جی ہاں..... ایسے موقعوں پر یہی ہوتا ہے۔" حمید بدستور اسی طرح منہ چلاتے ہوئے بولا

"بھئی خدا کے لئے اب تم جلدی سے شادی کر ڈالو ورنہ اپنے ساتھ مجھے بھی لے گے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"نہیں صاحب! آپ اطمینان رکھئے۔ میں اکیلا ہی ڈوبوں گا۔"

"اچھا بس چغد پن ختم کرو۔ مجھے ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔ ابھی تک رات کا کھانا نہیں کھایا۔ چلو اب گھر چلیں۔ وہیں باتیں ہوں گی۔ چلو تمہیں ایک دلچسپ خبر سناؤں گا۔"

"میں عجیب و غریب چڑیا کی ٹانگیں کاٹ لایا ہوں۔"

حمید حیرت سے اس کا منہ دیکھ رہا تھا۔

گھر پہنچ کر دونوں نے کھانا کھایا اور ایک ایک سگار سلگا کر آرام کرسیوں پر گر گئے۔

فریدی دو تین لمبے لمبے کش لینے کے بعد بولا۔ "بھئی وہ عورت....."

"کافی خوبصورت ہے۔" حمید نے اس کی بات کاٹ کر جملہ پورا کر دیا۔

"پھر وہی حماقت کی باتیں۔"

"آخر آپ اس موضوع سے کیوں بھاگتے ہیں۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"اس لئے کہ میری جنسیت عورت کی بجائے خطرات میں پڑنے سے تسکین پاتی ہے۔" فریدی نے جواب دیا۔

"یہ سب فلسفہ ہے..... یا پھر ممکن ہے کہ اللہ نے آپ کو کسی خاص موڈ میں بنایا ہو۔" حمید نے ہنس کر کہا۔

"خیر بھئی یہ باتیں پھر ہوں گی۔ میں یہ بتانے جا رہا تھا کہ اس عورت کا نام سروج ہے۔ وہ اپنے شوہر کے بڑے بھائی کے ساتھ اسی مکان میں رہتی ہے۔ وہ اندھا ٹھا کر دلبیر سنگھ بھی بڑی پراسرار شخصیت کا مالک معلوم ہوتا ہے۔ سروج کے شوہر کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہوئیں۔ یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ وہ ایک سائنسدان تھا۔ آج میں نے اس کی لیبارٹری بھی دیکھی۔ جو اب بہت خراب حالت میں ہے۔ اسے عجیب و غریب چیزیں جمع کرنے کا بھی شوق تھا۔ میں نے اس کے ترتیب ہوئے عجائب گھر کی بھی سیر کی۔ دنیا بھر کی عجیب و غریب چیزیں دیکھنے میں آئیں۔ بملا کے کمرے کی تلاشی لی وہاں کوئی خاص چیز نہیں مل سکی۔ اس کے دوران قیام میں اس کے پاس جو خطوط آئے تھے انہیں بھی دیکھا لیکن کوئی کام کی بات نہ معلوم ہو سکی۔ سروج اور دلبیر سنگھ پر سوالات کی بوچھاڑ کی لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ دلبیر سنگھ انتہائی ضدی اور چڑچڑا آدمی ہے۔ اس نے کسی بات کا بھی جواب شرافت اور سنجیدگی سے نہ دیا۔ میرا خیال ہے کہ یہ لوگ کافی دولت مند ہیں اور آمدنی کا ذریعہ ان کی جائیداد ہے۔ ان کا حلقہ احباب زیادہ وسیع

نہیں ہے۔ دو تین آدمی اکثر ان کے یہاں آ کر ٹھہرا کرتے ہیں اور بس..... ان میں ایک ڈاکٹر ہے۔ ایک تاجر اور ایک وکیل۔ یہ سب یہیں شہر میں رہتے ہیں۔ ان میں سے ایک زیادہ مشکوک چال چلن کا آدمی ہے۔ وہ ہے ڈاکٹر ستیش لیکن یہ میرا ذاتی خیال ہے۔ شہر تو اسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ویسے وہ میری بلیک لسٹ پر ہے اور شاید میرے علاوہ اور اس کے کارناموں سے واقف بھی نہ ہو۔"

"ابھی تک تو ان باتوں میں مجھے کوئی کام کی بات نظر نہیں آئی۔" حمید نے کہا۔ "ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔"

"کوئی بُرا خیال تو ابھی تک نہیں قائم کر سکا۔"

"لیکن مجھے تو وہ مشکوک نظر آتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"مشکوک تو میں بھی تھا۔ لیکن اب یہ خیال بدل دینا پڑا کیونکہ اس چڑیا کی تلاش میں نے مجھے مدد دی تھی۔"

"ہاں..... وہ چڑیا کی ٹانگوں کا قصہ کیا ہے۔"

"قصہ کچھ نہیں۔ جو خیال میں نے پہلے قائم کیا تھا وہ سچ نکلا۔ میں نے دوران گفتگو سروج سے چڑیا کے پنجوں کا تذکرہ کیا۔ سارے واقعات سن کر وہ کچھ سوچنے لگی۔ پھر اچانک چونک پڑی۔ میں نے اسے وہ نشانات دکھائے بھی۔ اس کا چہرہ اتر گیا۔ وہ مجھے اپنے شوہر کے عجائب گھر میں لے گئی اور کہنے لگی مجھے تعجب ہے کہ انہیں کس نے استعمال کیا۔ اس جوتے کے تلے میں لوہے کے بنے ہوئے چڑیا کے پنجے جڑے ہوئے تھے اس نے مجھے بتایا کہ اس کے شوہر نے یہ جوتے کسی سیاح سے خریدے تھے اور انہیں اپنے عجائبات میں اضافہ سمجھ کر رکھ دیا تھا۔ وہ سخت پریشان تھی۔ بار بار یہی کہتی تھی کہ آخر ان جوتوں کو کس نے استعمال کیا۔ میں ان جوتوں کو اپنے ہمراہ لیتا آیا ہوں اور اسی وقت انہیں فنگر پرنٹ ڈیپارٹمنٹ کے حوالے کر آیا ہوں۔ اگر مجرم نے موزے پہن رکھے ہوں گے تو اس میں اس کے پیروں کی انگلیوں کے نشانات ہونے ضروری ہیں۔" فریدی خاموش ہو گیا۔

حمید حیرت سے منہ پھاڑے سن رہا تھا۔ فریدی کے خاموش ہوتے ہی بولا۔ "لیکن اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ واقعی وہ عورت جوتوں کے استعمال کرنے والے سے ناواقف ہے۔"

"اگر ایسا ہوتا تو وہ مجھے جوتے دکھانے کی بجائے انہیں تلف کر دیتی۔"

"ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی نظروں میں چڑیا کے پنجوں کی اتنی اہمیت دیکھ کر اس نے یہی مناسب سمجھا کہ جوتے آپ کے حوالے کر کے آپ کا شبہ اس مکان کے رہنے والوں کی طرف سے دور کر دے۔ کیونکہ چڑیا کے پنجوں کے نشانات اس کے کمپاؤنڈ میں بھی پائے گئے تھے۔"

"بہرحال اس سے اس کی بے گناہی تو ثابت ہی ہو گئی۔ رہ گئے اس گھر کے دوسرے لوگ یا وہاں آنے جانے والے، تو ان کے علاوہ اور کون ان جوتوں کو پہن سکتا ہے۔"

"کچھ بھی ہو..... معاملہ بہت الجھا ہوا ہے۔ میرے خیال سے تو اس گھر بھر کے لوگوں کو حراست میں لے لینا چاہئے۔"

"لیکن میں اسے درست نہیں سمجھتا۔ میں نے سروج کو سمجھا دیا ہے کہ وہ ان جوتوں کے بارے میں کسی سے تذکرہ نہ کرے۔ حتیٰ کہ دلبیر سنگھ کو بھی یہ بات نہ معلوم ہونے پائے۔ ان لوگوں پر شبہ ظاہر کرنے سے قاتل بہت زیادہ محتاط ہو جائے گا۔"

"خیر بہرحال اب آپ نے کیا سوچا ہے۔" حمید نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

"میں گیارہ بجے کی گاڑی سے کان پور جا رہا ہوں۔"

"کیوں..... وہاں جانے کی کیا ضرورت ہے۔ بملا اور رندھیر کے والدین کو تار دے دیئے گئے ہیں۔"

"مجھے ان کے والدین سے کوئی غرض نہیں ہے۔ میں تو یہ جاننا چاہتا ہوں کہ رندھیر یہاں آیا کیوں تھا۔ بہرحال میں کل رات تک یہاں واپس آ جاؤں گا۔ سروج کے مکان کی نگرانی کے متعلق ہدایات دے چکا ہوں اور تم خاص طور پر سروج پر نظر رکھنا۔"

"عجیب معاملہ ہے۔" حمید اکتا کر بولا۔ "کبھی آپ یہ کہتے ہیں کہ میرا شبہ اس پر نہیں ہے اور کبھی اس کی نگرانی کا حکم صادر فرماتے ہیں۔"

"اگر اتنا ہی سمجھتے ہوتے تو میری جگہ پر ہوتے۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"بہرحال جو میں کہتا ہوں اس پر عمل کرنا اور ہاں نگرانی سے میرا یہ مطلب نہیں کہ آپ اس پر باقاعدہ عشق شروع کر دیں آپ کو تو بس موقع ملنا چاہئے۔"

"مطمئن رہئے۔ میں پرائی بہو بیٹیوں کو اپنی ہی سمجھتا ہوں۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"بہتر ہے کہ آپ انہیں پرائی ہی رہنے دیں۔ خیر مذاق چھوڑو۔ ہاں اس بات کا خاص خیال رکھنا کہ کسی پر یہ ظاہر نہ ہونے پائے کہ مکان کی نگرانی ہو رہی ہے۔"

"نگرانی کے لئے میں نے انور، کمار اور وحید کو مقرر کیا ہے اور تم ان کے انچارج ہو۔ ان سے جو اطلاعات ملیں ان کا باقاعدہ ریکارڈ رکھنا اور ہاں ڈاکٹر ستیش کی ڈسپنسری کے پاس ایک فقیر بیٹھا ہے۔ اس سے تمہیں ڈاکٹر ستیش کے متعلق اطلاعات ملیں گی۔ انہیں بھی محفوظ رکھنا۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ اس کے سگار کا گنجان دھواں فضا میں مرغولے بنا رہا تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ چپ رہا پھر آہستہ سے بولا۔ "ابھی تک فنگر پرنٹ ڈیپارٹمنٹ سے کوئی خبر نہیں آئی۔ مجھے تو امید نہیں ہے کہ جوتے میں کسی قسم کے نشانات مل سکیں۔ قاتل انتہائی چالاک ہے۔ اس نے ایسی حماقت نہ کی ہوگی۔"

"ایسا ممکن ہے۔" حمید نے کہا۔ "اس کے فرشتوں کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی کہ آپ کا ہاتھ ان جوتوں تک پہنچ سکے۔"

"بہرحال ابھی تھوڑی دیر میں معلوم ہو جائے گا۔"

پھر خاموشی چھا گئی۔

تھوڑی دیر بعد برآمدے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ ایک آدمی اندر داخل ہوا اور فریدی کے ہاتھ میں کاغذ دے کر خاموشی سے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

"لو دیکھو رپورٹ آ گئی۔" فریدی نے کاغذ حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "کسی قسم کے نشانات نہیں مل سکے۔ حالانکہ نشانات ہونے چاہئیں تھے۔ کیونکہ آج کل گرمیوں میں عموماً سب کے پیر کچھ نہ کچھ ضرور پسیجتے ہیں۔ خیر دیکھا جائے گا۔"

وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر آنے والے کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اب تم جا سکتے ہو۔"

"اچھا بھئی اب میں روانگی کی تیاری کروں۔ دیکھو بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ ذرا بھی چوکے نہیں کہ کام بگڑا۔"

"آپ اطمینان رکھئے۔ اب میں پوری پوری احتیاط کروں گا۔" حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اس وقت نو بجے ہیں لاش کی شناخت کے وقت سے لے کر گیارہ بجے تک کے وقفے میں ایک کے علاوہ اور کوئی ٹرین کانپور نہ جائے گی۔"

"میں آپکا مطلب سمجھ گیا لیکن دوسرا کوئی کار سے بھی جا سکتا ہے۔" حمید نے مڑ کر کہا۔

"بہت ممکن ہے کہ ایسا ہو بھی گیا ہو لیکن بے سود۔ رندھیر سنگھ کے مکان کے قریب پرندہ بھی پر نہ مار سکے گا۔ میں نے اس کا انتظام پہلے ہی کر لیا ہے۔ لاش کی شناخت کے بعد ہی میں نے کانپور کے محکمہ سراغ رسانی کو بذریعہ تار مطلع کر دیا تھا۔ اس وقت رندھیر سنگھ کے مکان کے ایک ایک کمرے میں پولیس کے آدمی متعین ہوں گے۔"

"تو پھر اب آپ کے جانے کی کیا ضرورت ہے۔" حمید نے کہا۔

"بھئی ہر ایک کے کام کرنے کا طریقہ الگ ہوتا ہے۔ اچھا اب میں ذرا اپنا سامان درست کر لوں۔" فریدی نے یہ کہہ کر مڑنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا۔

"وحید.....!" فریدی نے چونک کر کہا۔ "کیا بات ہے۔"

وحید کا سانس پھولا ہوا تھا۔ وہ رک کر دم لینے لگا۔ پھر رک رک کر بولا۔ "ایک ..... لاش.....اور.....!"

"کیا مطلب.....؟" حمید جلدی سے بولا۔

"میں انسپکٹر صاحب کی ہدایات کے مطابق اس مکان کی نگرانی کے لئے جا رہا تھا۔ جب میں اس جگہ پر پہنچا جہاں سے رندھیر کی لاش برآمد ہوئی تھی تو مجھے بہت سخت بدبو محسوس ہوئی۔ اندھیرا پھیل چکا تھا۔ میں نے ٹارچ کی روشنی میں ایک عورت کی لاش دیکھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کہیں سے کھود کر نکالی گئی ہو۔"

"تو پھر تم نے کیا کیا۔" فریدی نے جلدی سے کہا۔

"میں قریب کے دیہات سے چار پانچ آدمیوں کا انتظام کر کے لاش کو توالی اٹھوا کر لایا ہوں۔"

"یہ تم نے بہت اچھا کیا۔ حمید میرا جانا نہیں رک سکتا۔ یہ لاش دراصل میرے روکنے کے لئے ہی نکالی گئی ہے۔ اچھا بتاؤ یہ لاش کس کی ہو سکتی ہے۔"

"بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"یہ اسی عورت کی لاش ہے۔ جس کا تذکرہ رندھیر نے کوتوالی انچارج سے کیا تھا یعنی اس کی لاش۔"

"ارے.....!" حمید نے چونک کر پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔ "لیکن آپ وثوق کے ساتھ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔"

"ابھی تمہیں یقین آ جائے گا۔ تم سیدھے سروج کے یہاں چلے جاؤ اور اسے لے کر کوتوالی آؤ۔ دلیر سنگھ اگر اسے تنہا نہ آنے دے تو اسے بھی لیتے آنا اور ہاں دیکھو سب کام احتیاط سے کرنا۔ ممکن ہے کہ واپسی میں مجھ سے ملاقات نہ ہو سکے۔ اس لئے "گڈ نائٹ" فریدی یہ کہتا ہوا کمرے میں چلا گیا۔

دلچسپ سفر

دہلی ایکسپریس پوری رفتار سے چیختی چنگھاڑتی بھاگ رہی تھی۔ انسپکٹر فریدی ایک معمر آدمی کے بھیس میں فرسٹ کلاس میں سفر کر رہا تھا۔ گرمی کی وجہ سے اسے نیند نہیں آ رہی تھی اور اگر شاید اس وقت نیند آتی بھی تو نہ سوتا کیونکہ سامنے والی برتھ پر لیٹا ہوا سکھ اسکی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔

وہ دو تین اسٹیشن کے بعد سوار ہوا تھا اور اس وقت کوئی اخبار پڑھ رہا تھا۔ سب سے زیادہ دلچسپی چیز یہ تھی کہ اس نے اس وقت بھی سیاہ عینک پہن رکھی تھی۔ فریدی سوچنے لگا کہ اگر اس

کی آنکھیں خراب ہوتیں تو وہ اس وقت اخبار نہ پڑھتا اور اگر آنکھیں نہیں تو رات کے وقت سیاہ عینک لگا کر پڑھنا کسی ہوشمند آدمی کے لئے ناممکن ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ یا تو پاگل ہے یا پھر، ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ سکھ نے اس کی طرف کروٹ بدلی اور مسکرانے لگا۔

"کیوں صاحب کانپور کس وقت آئے گا۔" اس نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

"کانپور نہیں آئے گا بلکہ ہم لوگ چار بجے کانپور پہنچیں گے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"ایک ہی بات ہے۔" اس نے ہنس کر کہا اور پھر چونک کر اٹھ بیٹھا لیکن دوسرے ہی لمحے سنبھل کر اپنا جوتا تلاش کرنے لگا۔

جب وہ باتھ روم سے لوٹا تو فریدی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"فریدی صاحب آداب عرض ہے۔" اس نے مسکرا کر جھکتے ہوئے کہا۔

اگر فریدی کی جگہ پر کوئی اور ہوتا تو اس اچانک حملے پر ضرور بوکھلا جاتا لیکن فریدی اسی طرح پرسکون رہا۔ سکھ نے شاید یہ سمجھا تھا کہ اچانک پہچان لئے جانے پر فریدی ضرور پریشان ہو جائے گا۔ لیکن جب اس نے یہ دیکھا کہ فریدی کے اطمینان میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا تو وہ خود بُری طرح بوکھلا گیا۔

"آداب عرض۔" فریدی نے لیٹے ہی لیٹے کہا اور پھر کسی خیال میں ڈوب کر سگار کے کش لینے لگا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

سکھ شاید الجھن میں پڑ گیا تھا کہ اب کیا کہے۔ ماں کی حالت بالکل اس بچے جیسی ہو رہی تھی جس کی شرارت سے اچانک کوئی کار اسٹارٹ ہو جائے اور وہ بوکھلا کر یہ سوچ رہا ہو کہ اب مشین کس طرح بند کی جائے۔ وہ گھٹی گھٹی آواز میں کھانسنے لگا۔ فریدی کا انداز ایسا تھا جیسے اس کے علاوہ اس کمپارٹمنٹ میں کوئی اور نہ ہو۔

"فریدی صاحب کہئے کیسا پہچانا۔" وہ دوبارہ جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"اوں!" فریدی چونک کر بولا۔ "لیکن میری شرافت کی بھی داد دیجئے کہ میں نے آپ کو پہچان کر بھی خواہ مخواہ دخل در معقولات کی ضرورت نہیں سمجھی۔"

''آپ بھلا مجھے کیا جانیں۔'' وہ گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بولا۔

''کیوں سردار جی! کیا اب بھی یہ بتانے کی ضرورت رہ جاتی ہے کہ آپ کی ڈاڑھی اور کیس دونوں نقلی ہیں۔'' فریدی نے لیٹے ہی لیٹے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

سکھ چپ چاپ اپنی برتھ کی طرف لوٹ گیا۔ فریدی بدستور اسی طرح لیٹا چھت کی طرف دیکھ رہا تھا حالانکہ چلتی ہوئی ٹرین کے اندر ہوا کے جھراٹے آ رہے تھے اور پنکھا چل رہا تھا۔ پھر بھی سکھ کے ماتھے پر پسینے کی ننھی بوندیں پھوٹ آئی تھیں۔ اس نے سرہانے رکھے ہوئے چھوٹے سے اٹیچی سے ریوالور نکالا اور فریدی کی طرف تان کر کہنے لگا۔

''بس خبردار اٹھنے کی کوشش نہ کرنا۔''

''عجیب احمق آدمی ہو۔'' فریدی نے ہنس کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''تمہارے دل میں یہ خیال کیسے پیدا ہوا کہ خواہ مخواہ اٹھنے کی کوشش کروں گا۔''

''بکومت!'' سکھ گرج کر بولا۔

''دیکھو بھئی گفتگو کے دوران میں تہذیب شرط ہے۔ ورنہ مجھے کہیں سچ مچ نہ الجھ پڑے۔'' فریدی نے نہایت اطمینان اور سنجیدگی سے کہا۔ ''تم آخر چاہتے کیا ہو۔ سب سے پہلے تم نے مجھے فریدی کہہ کر مخاطب کیا۔ حالانکہ مجھے لوگ میجر سردار خاں کہتے ہیں۔ لیکن میں نے برا نہ مانا۔ پھر تم نے میرا مضحکہ اڑانے کی غرض سے یہ کہا کہ میں تمہیں پہچان گیا۔ لیکن میں نے یہ بھی ٹال گیا حالانکہ میں نے چوری نہیں کی ڈاکہ نہیں ڈالا کہ تم اس طرح مجھے کہتے ہو کہ میں پہچانا۔ میں تو تمہارے خواہ مخواہ مذاق پر کچھ نہ بولا۔ لیکن میں نے ذرا یہ کہہ دیا کہ تمہاری داڑھی اور کیس نقلی ہیں تو تم نے ریوالور نکال لیا۔ عجیب آدمی ہو۔ تمہیں اس تاریک رات میں سیاہ چشمہ لگا کر پڑھتے دیکھ کر پہلے ہی خیال ہوا تھا کہ ضرور تمہارا دماغ خراب ہے پتہ نہیں لوگ ایسے آدمیوں کو تنہا کیوں سفر کرنے دیتے ہیں۔ مانا کہ تم کسی اونچے خاندان سے تعلق رکھتے ہو۔ ایسا بھی کیا کہ مذاق کی باتوں پر ریوالور نکال لو اور پھر چھیڑ پہلے تمہاری ہی طرف سے ہوئی تھی۔ تم مجھ سے عمر میں چھوٹے ہو اسلئے بطور نصیحت یہ ضرور کہوں گا کہ اپنے اوپر [illegible] سیکھو۔

ہاں ریوالور کا رعب ہر ایک پر نہیں پڑا کرتا۔ میں سن چودہ کی جنگ میں ہزاروں کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہوں۔ یہ بالشت بھر کا ریوالور لاحول ولا قوۃ مجھے میجر سردار خاں کہتے ہیں۔ سردار جی۔''

سکھ کا ریوالور والا ہاتھ بُری طرح کانپ رہا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کا ہاتھ جھک گیا۔ اس کا چہرہ پسینے سے تر تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ چپ رہا پھر کھنکار کر کہنے لگا۔

''معاف کیجئے گا میجر صاحب مجھے دھوکا ہوا ہے۔ اب آپ سے کیا پردہ۔ آپ بھی سرکاری آدمی ہیں۔ میں دراصل سی آئی ڈی کا انسپکٹر ہوں۔ آج کئی دن سے میں بہت بڑے بدمعاش کے چکر میں ہوں۔ مجھے دراصل بڑا دھوکا ہوا ہے۔ کیا کیا جائے کہ آنکھیں اس کم بخت کی آنکھوں سے بہت ملتی جلتی ہیں۔ میں ایک بار پھر معافی چاہتا ہوں جناب میجر صاحب۔''

''کوئی بات نہیں۔'' فریدی نے ہنس کر کہا۔ ''اکثر دھوکا ہو ہی جاتا ہے۔ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں آپ؟''

''کان پور!''

''چلئے سفر مزے میں کٹے گا۔ میں بھی کانپور جا رہا ہوں۔''

''بڑی خوشی ہوئی۔''

''آپ آج کل کہاں تعینات ہیں۔'' فریدی نے پوچھا۔

''الہ آباد میں!''

''تب تو آپ بڑے مزے میں ہوں گے۔'' فریدی نے ہنس کر کہا۔

''کیوں مزے میں کیوں؟'' سکھ نے حیرت سے کہا۔

''خوب امرود کھاتے ہونگے۔'' فریدی نے کہہ کر ایک بھدا سا قہقہہ لگایا۔ سکھ بھی ہنسنے لگا۔

''آپ سگار پیتے ہیں۔'' فریدی نے سگار کیس بڑھاتے ہوئے کہا۔

''جی نہیں شکریہ۔''

''تو پھر کچھ باتیں کیجئے تاکہ راستہ کٹے۔ اب تو نیند آنے سے رہی۔ ریوالور دیکھتے ہی فرو چکر ہو گئی۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

''جی مجھے سخت شرمندگی ہے۔'' سکھ نے ہنس کر دانت نکال دیئے۔

''کوئی بات نہیں کوئی بات نہیں۔'' فریدی نے کہا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر سکھ بولا۔

''دیکھئے کب تک وہ بدمعاش ہاتھ آتا ہے۔''

''کون بدمعاش؟'' فریدی چونک کر بولا۔

''وہی فریدی!'' سکھ نے کہا۔ ''جس کے دھوکے میں خواہ مخواہ آپ کو پریشان کیا۔''

''دیکھئے اگر آپ اسی طرح دھوکا کھاتے رہے تو مشکل ہی سے اس پر ہاتھ پڑے۔'' فریدی نے ہنس کر کہا۔ ''ہاں یہ تو آپ نے بتایا ہی نہیں کہ اس کا جرم کیا ہے۔''

''ارے صاحب معمولی جرم نہیں۔'' سکھ بولا۔ ''آپ نے الہٰ آباد کے کینیڈا بک چوری کا حال ضرور سنا ہوگا۔ اس چوری میں اسی کا ہاتھ تھا۔ اس کے ساتھیوں نے ایک چوکیدار بھی جان سے مار ڈالا۔''

''تب وہ بڑا خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔'' فریدی نے کہا ''اور آپ اسے تنہا گرفتار کرنے نکلے ہیں۔''

''جی نہیں ہم کئی ہیں۔''

''اچھا!'' فریدی نے معنی خیز انداز میں کہا۔

''مجھے امید ہے کہ وہ جلد ہی گرفتار ہو جائے گا۔'' سکھ نے اپنا چشمہ اتارنے کی تیاری کرتے ہوئے کہا۔

فریدی اس کی آنکھیں دیکھتے ہی چونک پڑا اور پھر دل ہی دل ہنسنے لگا۔

''اچھا بھئی میجر صاحب اب تو نیند آ رہی ہے نمسکار!'' سکھ نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

''اچھا صاحب شب بخیر۔'' فریدی نے جلا ہوا سگار کھڑکی سے باہر پھینکتے ہوئے کہا۔

رات کے تقریباً تین بج رہے ہوں گے سکھ خراٹے لے رہا تھا۔ فریدی آہستہ آہستہ اور دفعتاً سوئے ہوئے سکھ پر ٹوٹ پڑا۔ سکھ نے گھبرا کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن وہ فریدی کی گرفت میں بُری طرح جکڑا ہوا تھا۔ کچھ نیند کا خمار، کچھ اس اچانک حملے سے پیدا شدہ بدحواسی اور کچھ بوکھلاہٹ۔ ان سب چیزوں نے اس میں جدوجہد کی قوت نہ رہنے دی۔ فریدی نے اس کی ٹائی سے اس کے دونوں ہاتھ اس کی پیٹھ پر جکڑ دیئے۔ اب وہ برتھ پر بے بس پڑا ہوا گالیاں بک رہا تھا۔ فریدی کھڑا مسکراتا رہا۔ وہ ہمیشہ ایسے موقعوں پر اپنے شکار کی پھڑپھڑاہٹ سے کافی محظوظ ہوا کرتا تھا۔

''اب میں اپنے پیارے سی آئی ڈی انسپکٹر کے درشن کرنا چاہتا ہوں۔'' فریدی نے جھک کر سکھ کی ڈاڑھی نوچتے ہوئے کہا۔ مٹھی میں بہت سے بال اکھڑ آئے اور اس کی منڈھی ہوئی شکل ٹھوڑی دکھائی دینے لگی۔ فریدی نے ڈاڑھی کے بال نوچ لئے اور اس کی پگڑی اتار دی۔

''آخاہ! ڈاکٹر ستیش تم سے اتنی جلدی ملنے کی امید نہ تھی۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

وہ برابر اردو اور انگریزی میں گالیاں بکے جا رہا تھا۔

''شور مت مچاؤ ستیش!'' فریدی گرج کر بولا۔ ''آج ہی تو تم میری گرفت میں آئے ہو۔ دیکھتا ہوں اب کیسے بچ نکلتے ہو۔ عرصہ سے میری نگاہیں تم پر تھیں۔ میں تمہارے جرائم سے بھی واقف تھا لیکن تم قانون کی گرفت سے ہمیشہ بچ نکلتے تھے۔''

''دیکھا جائے گا..... اس وقت تم نے کون سے قانون کے تحت مجھے باندھ رکھا ہے۔ تم میرا کچھ نہیں کر سکتے۔'' ستیش تیزی سے بولا۔

''بھیس بدل کر لوگوں کو دھوکا دینا۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''کم از کم چھ مہینے کے لئے تو ضرور جاؤ گے۔''

''تم مجھے کھول دو ورنہ اچھا نہ ہوگا۔'' ڈاکٹر ستیش نے چیخ کر کہا۔

''اور تمہیں کھول ہی دینے پر کیا اچھا ہوگا۔'' فریدی نے ہنس کر کہا۔ ''تمہیں کھول دوں تاکہ تم مجھے اپنے بغیر لائسنس کے ریوالور کا نشانہ بنا دو۔ کیوں ہے نا یہی بات۔''

''دیکھو میں پھر کہتا ہوں کہ مجھے کھول دو ورنہ کہیں تمہیں اپنی ملازمت سے نہ ہاتھ دھونے پڑیں۔''

''میں پانی سے ہاتھ دھونے کا عادی ہوں۔ اس کی آپ فکر نہ کریں۔''

''تو تم نہیں کھولو گے۔''

''ہرگز نہیں!''

''اچھا دیکھ لوں گا۔''

''جی بھر کر دیکھ لینا کہیں بعد میں پچھتانا پڑے بہت ممکن ہے کہ بملا اور رندھیر کو زور لگا کر تمہیں زیادہ دنوں کے لئے بھجوا دیں۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

بملا اور رندھیر کا نام سن کر ڈاکٹر ستیش کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ فر حیران آنکھوں سے گھور رہا تھا۔

''کیوں چپ ہوگئے۔'' فریدی نے اپنے شانے اچھالتے ہوئے کہا۔ ''کیا غلط ہوں؟ سچ سچ بتانا ڈاکٹر آخر اس بھیس میں تم کہاں اور کیا کرنے جا رہے تھے؟''

''اگر فرض کرو میں یہ نہ بتاؤں تو!'' ڈاکٹر ستیش نے تیزی سے کہا۔

''تمہاری مرضی..... میں کسی کو کسی بات پر مجبور کرنے کا عادی نہیں۔ لیکن اس وقت ڈرو جب سول پولیس کے رنگروٹ تمہاری پوزیشن کا خیال کئے بغیر تم سے ساری باتیں شروع کر دیں گے۔ اگر سیدھے سیدھے مجھے بتا دو گے تو اس عذاب سے تمہیں نجات مل گی..... ورنہ!''

فریدی تھوڑی دیر تک رک کر ڈاکٹر ستیش کے چہرے کے اُتار چڑھاؤ کو بغور دیکھتا اچانک بولا۔

''شام والی لاش بملا ہی کی تھی نا؟''

''ہاں آں کیا مطلب!'' ڈاکٹر ستیش چونک کر سنبھلتے ہوئے بولا۔ ''تم نہ جانے کیا سیدھی ہانک رہے ہو۔''

''خیر خیر میرا مقصد حل ہوگیا اور میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم آسانی سے کچھ نہ بتاؤ گے۔ خیر پھر سہی۔ اچھا اتنا تو بتا ہی دو کہ جب تم مجھے پہچان گئے تھے تو خواہ مخوا

چھیڑنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔''

ڈاکٹر ستیش مسکرانے لگا۔ دفعتاً اس کی آنکھیں چمکنے لگیں، اس نے ہنس کر کہا۔

''واہ فریدی صاحب آپ کیسے سراغ رساں ہیں کہ اتنا بھی نہیں سمجھے۔ بھئی آپ کو پس بچے رات اسٹیشن کی طرف آتے دیکھا تو مجھے مذاق سوجھا۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ آپ سے اس طرح تعارف حاصل کیا جائے۔ میں نے سکھ کا بھیس بدلا اور کار میں بیٹھ کر فوراً اگلے اسٹیشنوں کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہاں سے اتفاقاً مجھے اسی ڈبہ میں آنا پڑا جہاں آپ تھے۔ یہ اتفاق نہیں تو اور کیا ہے۔'' ڈاکٹر ستیش ہنسنے لگا۔

''بہت اچھے!'' فریدی نے ہنس کر کہا۔ ''میری چھری سے مجھے ہی ہلاک کر رہے ہو۔''

ڈاکٹر میرے لئے تمہاری یہ باتیں کسی چھ مہینے کے بچے کی ''غوغاں'' سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ ذرا یہ تو بتاؤ کہ تمہیں اس بات کا یقین کیسے آ گیا تھا کہ میں کانپور ہی کی طرف سفر کروں گا۔ جب کہ گیارہ بجے اور دوسری تین گاڑیاں مختلف سمتوں میں جاتی ہیں۔''

ڈاکٹر ستیش خاموش ہوگیا۔ اس کے چہرے پر پشیمانی کے آثار پیدا ہوگئے تھے۔ کچھ خجالت اور کچھ جھنجھلاہٹ نے اس کے چہرے کو بہت زیادہ مضحکہ خیز بنا دیا تھا۔

''خیر تو تم یہ بھی نہیں بتانا چاہتے کہ تم نے مجھے خواہ مخواہ کیوں چھیڑا تھا۔'' فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

''دیکھو میں پھر کہتا ہوں کہ میرے ہاتھ کھول دو۔'' ڈاکٹر ستیش نے ناخوشگوار لہجہ میں کہا۔

''اور میں تم سے استدعا کرتا ہوں کہ بار بار یہی ایک جملہ دہراتے جاؤ۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

''تم عجیب گدھے کے بچے ہو۔'' ڈاکٹر ستیش نے چیخ کر کہا۔

''ذرا اس بات کو صاف کر دو کہ میں گدھے کا بچہ ہونے کی وجہ سے عجیب ہوں یا عجیب ہونے کی وجہ سے گدھے کا بچہ ہوں..... یا..... پھر.....!'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

''تمہارا سر!'' ڈاکٹر زور سے چیخا۔

''ہاں ہاں میرا سر!'' فریدی نے گھبراہٹ میں اپنا سر ٹٹولتے ہوئے کہا۔ ''کیا ہوا میرے سر کو..... موجود تو ہے۔''

''چپ رہو اُلو کے پٹھے!'' ڈاکٹر ستیش زچ ہو کر زور سے چیخا۔

''اچھا چپ ہو گیا اُلو کا پٹھا!'' فریدی نے اسی انداز میں چیخ کر کہا اور چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

ڈاکٹر ستیش نے جھنجھلاہٹ میں اپنا سر دیوار سے ٹکرایا۔

''ارے ارے یہ کیا کر رہے ہو بھئی۔ اپنے ساتھ مجھے بھی پھنسواؤ گے کیا؟ اگر دیوار گر گئی تو!'' فریدی نے اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر ستیش نے جھنجھلاہٹ میں اس کے منہ پر تھوک دیا۔

''یہ اچھی علامت ہے۔'' فریدی نے رومال سے اپنا منہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

''خدا کے لئے میرا پیچھا چھوڑ دو۔'' ستیش نے تنگ آ کر کہا۔

''لیکن خدا ہی کا حکم ہے کہ میں تمہارا پیچھا نہ چھوڑوں۔''

''اوبیو بروٹ!'' ڈاکٹر ستیش اس بُری طرح چیخا کہ اس کی آواز بھرا گئی اور وہ بے تحا ہنسنے لگا۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔

''خوب دل کھول کر ہنس لو لیکن اتنا یاد رکھو کہ میں تمہیں زندہ نہ چھوڑوں گا۔'' ستیش غصہ سے ہانپتے ہوئے کہا۔

''کیا کروں ڈاکٹر جب سے اس بوتل والی گیس کا اثر دماغ پر ہوا ہے بعض اوقات بے وجہ بھی ہنسی آنے لگتی ہے۔'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

ڈاکٹر ستیش کا منہ پھر اتر گیا۔ وہ فریدی کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

''ڈاکٹر سچ سچ بتانا وہ کس کی ایجاد ہے۔ تم سے تو اسکی امید نہیں..... تم ٹھہرے گھامڑ آدمی''

''تم مجھے کیا سمجھے ہو۔'' ڈاکٹر ستیش نے فخریہ لہجے میں کہا لیکن پھر فوراً ہی سنبھل کر بولا۔

''تم نہ جانے کیا بک رہے ہو۔ کیسی گیس، کیسی ایجاد..... گھامڑ تم خود ہو گے۔''

''خیر یہ تو تمہارا دل ہی جانتا ہوگا کہ میں کتنا گھامڑ ہوں۔''

ڈاکٹر ستیش خاموش ہو گیا۔ اتنی دیر تک چیختے رہنے سے وہ نڈھال سا ہو گیا تھا۔ ایک ہارے ہوئے ناامید جواری کی طرح اس نے ہاتھ پیر ڈال دیئے۔

فریدی اب بھی اُسے چھیڑ رہا تھا۔ لیکن وہ بالکل خاموش تھا۔ نہ جانے وہ کیا سوچ رہا تھا۔ فریدی نے گھڑی دیکھی۔ گاڑی پندرہ منٹ کے بعد کانپور پہنچنے والی تھی۔

تیسرا شکار

دوسرے دن فریدی کانپور سے لوٹ آیا۔ اس کے ساتھ ڈاکٹر ستیش بھی تھا جس کی نگرانی کے لئے کانپور کے دو کانسٹیبل ساتھ آئے تھے۔ حمید فریدی کو لینے کے لئے اسٹیشن آیا تھا۔ وہ ڈاکٹر ستیش کو اس حال میں دیکھ کر متعجب تھا۔

''یہ حضرت کہاں؟'' اس نے فریدی سے کہا۔ ''میں یہاں خواہ مخواہ پریشان ہو رہا تھا کہ آخر یہ کہاں لاپتہ ہو گئے۔''

''بھئی میں ایسے دوستوں کو اپنے ساتھ ہی رکھتا ہوں۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

ڈاکٹر ستیش اسے قہر بھری نظروں سے گھورنے لگا۔

وہ لوگ اسٹیشن سے نکل کر باہر آئے۔ حمید فریدی کی کار لے کر آیا تھا۔ فریدی نے ڈاکٹر ستیش سے کار میں بیٹھنے کے لئے کہا۔ لیکن وہ بدستور کھڑا رہا۔ حتیٰ کہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ کانسٹیبلوں نے اسے زبردستی کار میں بٹھانا چاہا۔ اچانک ایک فائر ہوا اور ڈاکٹر ستیش چیخ کر زمین پر آ رہا۔ گولی سر کی ہڈیاں توڑتی ہوئی پیشانی سے نکل گئی تھی۔ فریدی اور حمید اس طرف جھپٹے جدھر سے فائر ہوا تھا۔ لوگ ادھر اُدھر بڑی بے ترتیبی سے بھاگنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایسی

بھگدڑ مچی جیسے عنقریب بمباری ہونے والی ہو۔ فریدی بُری طرح جھلایا ہوا تھا۔

''بالکل بیکار ہے حمید..... ان کم بختوں کی بدحوسی کی وجہ سے شکار ہاتھ سے نکل

اس نے رک کر پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

حمید نے سراسیمگی کے عالم میں کہا۔

''یہ آخر ہوا کیا؟''

''بہت بُرا ہوا اب از سرِ نو کام کرنا پڑے گا۔ ساری محنت برباد ہوگئی۔'' فریدی نے ملتے ہوئے کہا۔ ڈاکٹر ستیش کی لاش کوتوالی لائی گئی۔ تھوڑی دیر بعد اس حادثہ کی خبر سارے میں مشہور ہوگئی۔ فریدی سے بیان لیا گیا۔ اس نے ستیش کی گرفتاری سے لے کر موت تک سارے واقعات بتائے۔ لیکن اس نے اپنے اس شبہ کا اظہار نہ کیا کہ ڈاکٹر ستیش کا تعلق والے کیس سے بھی ہے۔ اخبارات نے اس نئے حادثے پر طرح طرح کی حاشیہ آرائیاں کیں

حمید پورے حالات جاننے کے لئے بُری طرح بے چین تھا۔ کوتوالی سے فرصت جب دونوں گھر آئے تو حمید سے صبر نہ ہوا۔ وہ پھر پوچھ بیٹھا۔ فریدی سفر کے سارے واقعہ بتانے کے بعد بولا۔

''ہاں بھئی یہ تو بتاؤ کہ وہ لاش بملا ہی کی تھی نا۔''

''جی ہاں بملا کی!'' حمید نے کہا۔ ''اور سروج حوالات میں ہے۔''

''کیا مطلب؟'' فریدی نے چونک کر کہا۔

''آپ کے جانے کے بعد میں سروج کو کوتوالی لایا۔ حالانکہ لاش خراب ہو چکی تھی۔ کا چہرہ بڑی حد تک بگڑ گیا تھا لیکن سروج نے اسے پہچان لیا۔ اس کا بیان دوبارہ لیا گیا۔ سنگھ کی ضمانت ہوگئی۔ لیکن سروج ابھی تک حوالات ہی میں ہے۔''

''یہ بہت بُرا ہوا۔ ان گدھوں کو کبھی عقل نہ آئے گی۔ سارا بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا کم نے۔ تم نے انہیں ایسا کرنے سے روکا کیوں نہیں۔''

''میں نے چیف انسپکٹر سے کہہ کر رکوانے کی کوشش کی تھی لیکن انہوں نے بھی کوئی دھ

نہ دیا۔''

''خیر اور کوئی خبر!''

''ڈاکٹر ستیش یہاں سے غائب ہی ہوگیا تھا۔ دلبیر سنگھ اور سروج کی گرفتاری کے بعد مکان کی نگرانی کا کوئی سوال ہی نہیں رہ گیا۔''

''حمید تم اتنے بدھو کیوں ہوتے جا رہے ہو۔'' فریدی نے اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ ''جنہیں یہ کیسے سوجھی کہ یہی دونوں مجرم ہیں۔ اس قسم کے کام اکیلے نہیں کئے جاتے ہیں۔ شروع ہی سے چیختا آرہا ہوں کہ اسمیں کسی گروہ کا ہاتھ ہے۔ پھر بھی تم نے ایسی حماقت کر ڈالی افسوس!''

''اب کیا بتاؤں ہو ہی گئی غلطی۔''

''بس قصہ ختم اُلو کہیں کے۔''

''کانپور میں کیا رہا۔'' حمید تھوڑی دیر خاموش ہو کر بولا۔

''کانپور میں میں نے یہ رائے قائم کی تھی کہ ڈاکٹر ستیش ہی اس گروہ کا سرغنہ ہے۔ لیکن یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کی موت اس طرح واقع نہ ہوتی۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس گروہ کے ایک معمولی ممبر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ خود اس نے کسی قسم کا بیان نہیں دیا لیکن میں نے اپنے طریقوں سے اس بات کا پتہ لگا لیا تھا کہ وہ اس گروہ سے تعلق ضرور رکھتا ہے۔ ایک بات صاف نہ ہو سکی کہ وہ اس وقت بھیس بدل کر کانپور کیوں جا رہا تھا۔ اگر اس کا مقصد رندھیر سنگھ کے گھر کی تلاشی لینا تھا تو اس نے مجھے ٹرین میں چھیڑا کیوں تھا۔ چپ چاپ نکل کیوں نہ گیا۔''

''ہاں واقعی یہ چیز عجیب و غریب۔'' حمید کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

''میں ایک نتیجے پر اور پہنچا ہوں وہ یہ کہ جس وقت بملا کے گولی لگی وہ رندھیر کے موٹر سائیکل کے کیریئر پر بیٹھی تھی۔ رندھیر نے یہ بیان غلط دیا تھا کہ وہ تنہا جلالپور سے آرہا تھا اور اس نے دھرم پور کے جنگل میں ایک عورت کی لاش دیکھی تھی۔ گولی لگتے ہی بملا گر گئی تھی۔ اس کے گرنے کے بعد رندھیر ہاں کچھ دیر رکا بھی تھا۔''

''یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''یہ دیکھو یہ خط مجھے کانپور میں رندھیر کے کمرے کی تلاشی لیتے وقت ملا تھا۔'' فریدی نے جیب سے خط نکال کر حمید کی طرف بڑھا دیا۔

حمید خط پڑھنے لگا۔

''رندھیر! میں ایک بہت بڑی مشکل میں گرفتار ہوگئی ہوں مجھے آ کر بچاؤ کسی طرح یہاں آ کر مجھے خاموشی سے نکال لے جاؤ۔ دیکھو یہ بات کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے ورنہ میری جان خطرے میں پڑ جائے گی۔ مجھے لکھو کہ تم کب آ رہے ہو لیکن اس طرح آنا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے۔ یہ میری زندگی کا سوال ہے اس خط کو پڑھ کر جلا دینا!

بملا''

''لیکن اس خط سے آپ نے ان سب باتوں کا اندازہ کیسے لگا لیا۔''

''نہایت آسانی سے۔'' فریدی نے کہا۔ ''اگر مجھے یہ خط نہ ملتا تو مجھے نہ جانے کتنا بھٹکنا پڑتا۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''یہ کوئی نئی بات نہیں۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''تم کبھی میرا مطلب نہیں سمجھتے۔ سنو! جب یہ خط رندھیر کو ملا ہوگا تو اس نے اس کے جواب میں بملا کو لکھا ہوگا کہ وہ اسے لے جانے کے لئے آ رہا ہے اور اس نے اس سے تمام واقعات بھی پوچھے ہوں گے۔ ممکن کہ یہ خط ان لوگوں کے ہاتھ لگ گیا ہو۔ جن کی گرفت سے وہ نکل جانے کی کوشش کر رہی تھی انہوں نے یہی مناسب سمجھا ہو کہ رندھیر کو یہاں آنے دیا جائے اور اس طرح بملا اور رندھیر دونوں کا خاتمہ کر دیا جائے کہ کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہو۔ رندھیر یہاں آیا اس نے موٹر سائیکل حاصل کی اور بملا کو اس پر سوار کر کے لے بھاگا۔ قاتلوں نے اپنا پلان پہلے ہی سے تیار کر رکھا تھا۔ پہلے انہوں نے بملا کو ختم کیا۔ جب رندھیر یہاں سے پولیس لے گیا تو انہوں

گولیاں چلا کر پولیس والوں کو تو بھگا دیا اور رندھیر کو وہیں ڈھیر کر کے دفن کر دیا۔ اس طرح انہوں نے رندھیر کو پولیس کی نگاہوں میں مجرم قرار دے کر بملا کے غائب ہو جانے کا ذمہ دار بھی بنا دیا۔''

''لیکن جب انہوں نے رندھیر کو دفن کر دیا تھا تو اس بات کا کیسے پتہ چلتا کہ وہ یعنی رندھیر بملا کا متلاشی تھا۔ آخر اس کا اظہار بھی تو ضروری تھا ورنہ بملا کے فرار کی ذمہ داری اس پر کیوں عائد ہوتی۔'' حمید نے کہا۔

''نہایت آسانی سے..... بملا نے رندھیر کو لکھ دیا تھا کہ وہ کسی سے اس بات کا تذکرہ نہ کرے۔ لہٰذا اس کی روانگی کی اطلاع کسی کو نہ ہو سکی۔ یہ لازمی بات ہے کہ رندھیر کے اچانک اس طرح غائب ہو جانے سے لوگوں کو یہی خیال ہوتا کہ وہ دونوں کہیں فرار ہو گئے ہیں۔ جب کہ لوگ پہلے سے جانتے ہی تھے کہ دونوں ایک دوسرے کے متلاشی ہیں۔''

''ہوں!'' حمید نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''پھر موٹر سائیکل کا نمبر مٹانے کی کیا ضرورت تھی؟''

''یہ تو بہت معمولی سی بات ہے۔ اگر موٹر سائیکل کا نمبر نہ مٹایا جاتا تو اس کے مالک کا پتہ نہایت آسانی سے چل جاتا اور رندھیر کی لاش کو دفن کر دینے کا مطلب ہی یہ تھا کہ پولیس ادھر اُدھر اندھیرے میں سر مارتی پھرے۔ وہ تو دُعا دو گیدڑوں کو کہ رندھیر کی لاش برآمد ہو گئی..... ورنہ ہنوز روزِ اول ہوتا۔''

''اب آپ نے کیا سوچا ہے۔'' حمید نے کہا۔

''ابھی کچھ نہیں سوچا۔ ابھی تو فی الحال مجھے سروج کو رہا کرا کے جلالپور پہنچانا ہے۔''

''ہے ہے..... عشقِ اول دردِ دل..... اہے دا!'' حمید نے بطرز قوالی جھومتے ہوئے کہا۔

''کیا بکتے ہو!'' فریدی بیزاری سے بولا۔

''ارے کیا پوچھتے ہیں حضور..... بس یہ سمجھ لیجئے کہ پرانے مصنفوں کے الفاظ میں وہ ملائک فریب، پری تمثال، رشک مہر و مہ و انجم، اعجبت جبیں، زہرہ جبیں، بہ لہبائے شکریں، سراپا

انتظار، مبتلائے کھانسی و بخار، انتظار کی گھڑیاں کبھی گنتی ہوگی اور کبھی رکھ دیتی ہوگی.....

''بس بس بکواس بند.....ورنہ!''

''ورنہ آپ میرے حق میں دستبردار ہو جائیں گے۔ بہت بہت شکریہ۔'' حمید نے ہ کہا۔

''تم ہو اچھے خاصے گدھے۔'' فریدی نے اکتا کر کہا اور آنکھیں بند کر کے آرام کر پشت سے ٹک گیا۔

خاندانی خبطی

فریدی حوالات میں سروج سے ملا۔ وہ اسے دیکھ کر رونے لگی۔ اس کی رہائی کا ا اس نے پہلے ہی کرلیا تھا۔ وہ اسے دم دلاسہ دیتا ہوا جلالپور لے آیا۔ ٹھاکر دلبیر سنگھ سروج آمد کے متعلق سن کر آپے سے باہر ہوگیا۔ اس کی بے نور آنکھوں میں خون اتر گیا۔ بھویں گئیں اور چیخ کر بولا۔

''اب یہاں کیا کرنے آئی ہو خاندانی عزت ملا تو دی خاک میں۔''

''بھیا جی، آخر اس میں میرا کیا قصور ہے۔'' سروج روتی ہوئی بولی۔

''کیوں بلایا تھا تم نے بملا کو۔ خود جان سے گئی اور ہماری گردن نالی میں رگڑ گئی اندھے دلبیر سنگھ نے چیخ کر کہا۔ ''اب یہاں تمہارا کوئی کام نہیں ٹھاکر امر سنگھ کے خاندان کی اور جیل میں جائے۔ تو بھی پرکاش ہی کے ساتھ کیوں نہ مرگئی۔''

''ٹھاکر صاحب بھلا اس میں ان کا کیا قصور ہے۔'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

''آپ چپ رہئے جناب۔ یہ میرے گھریلو معاملات ہیں۔'' دلبیر سنگھ چیخ کر بولا۔

''ٹھاکر صاحب مجھے شرمندگی ہے کہ آپ لوگوں کو تکلیف اٹھانی پڑی۔ اگر میں یہاں

تو اس کی نوبت نہ آنے پاتی۔'' فریدی پھر اسی انداز میں بولا۔

''تکلیف نہ اٹھانی پڑتی۔'' دلبیر سنگھ جھلا کر بولا۔ ''آپ کیا جانئے کہ خاندان کی عزت کیا چیز ہوتی ہے۔''

''میں جانتا ہوں لیکن اب جو ہوا سو ہوا۔ انہیں معاف کر دیجئے۔'' فریدی نے کہا۔

''اچھا تو آپ سفارش کرنے کے لئے آئے ہیں کیوں سروج اتنی جلدی اتنے جاں نثار پیدا کرلئے۔'' وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

سروج بے اختیار رونے لگی۔

''ٹھاکر صاحب ایسے بزرگ کو ایسی باتیں زیب نہیں دیتیں۔'' فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''براہ کرم آپ یہاں سے تشریف لے جایئے اور سروج تم بھی.....تمہارا اس گھر میں اب کوئی کام نہیں۔''

سروج نے دلبیر کے پاؤں پکڑ لئے۔ لیکن اس نے اسے بے دردی سے ہٹا دیا۔

''اب اس گھر سے میری لاش ہی نکلے گی بھیا جی۔'' سروج روتی ہوئی بولی۔

''تم یہاں سے چلی جاؤ ورنہ سچ مچ تمہاری لاش ہی نکلے گی۔'' دلبیر سنگھ چیخ کر بولا۔

''ٹھاکر صاحب آپ سروج کو دھمکی دے رہے ہیں۔ لہٰذا اب پولیس کو انہیں اپنی حفاظت میں لینا پڑے گا۔''

''پولیس!'' دلبیر سنگھ زہر خندہ کے ساتھ بولا۔ ''پولیس کی حفاظت میں تو یہ دو راتیں رہی ہے۔ کیا ابھی تم لوگوں کا جی اس سے نہیں بھرا!''

''کیا بک رہے ہو ٹھاکر ہوش میں آؤ تم فریدی سے گفتگو کر رہے ہو۔'' فریدی نے تیزی سے کہا۔

''ٹھاکر میں تمہارا منہ نوچ لوں گی۔'' سروج یک بیک بپھر کر بولی۔ ''میں بھی راجپوتنی ہوں۔''

''اچھا راجپوتنی کی بچی! تم جلدی سے یہاں سے اپنا منہ کالا کرو۔ خبردار کبھی اس گھر کی

طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھنا۔'' دلبیر سنگھ غصہ میں کانپتا ہوا بولا۔

فریدی سروج کو لے کر مکان کے باہر چلا آیا۔ اب وہ پھر شہر کی طرف جا رہا تھا۔

''مجھے سخت شرمندگی ہے۔ سروج بہن۔''

''لیکن آپ نے کیا کیا ہے۔'' سروج رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

''میں نے تمہیں پہلے ہی کیوں نہ اچھی طرح محفوظ کر دیا۔''

''قسمت کا لکھا پورا ہو کر رہتا ہے۔'' سروج سسکیاں لیتی ہوئی بولی۔ ''اب میں جاؤں۔ پتاجی سے جا کر کہوں گی کیا..... شاید وہ لوگ بھی مجھے پناہ دینے سے انکار کر دیں۔''

''تم اس کی فکر نہ کرو جب تک میں زندہ ہوں تمہیں کسی قسم کے تردد کی ضرورت نہیں ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''میں کسی کے لئے بار بننا نہیں چاہتی۔ میں محنت مزدوری کر کے پیٹ پال لوں گی۔''

''کیا تم ایک بھائی کی التجا ٹھکرا دو گی۔ انسانیت کے ناتے میں تم سے درخواست کرتا کہ جب تک تمہارا کوئی معقول انتظام نہ ہو جائے گا میری خدمت قبول کرو۔ میں ایک بھائی طرح تمہاری حفاظت کروں گا۔''

سروج خاموش ہو گئی۔ اس کی پلکیں زیادہ رونے کی وجہ سے سوج آئی تھیں اس نے کی کھڑکی پر سر رکھ کر اپنا منہ چھپا لیا۔

''یہ ڈاکٹر ستیش کے قتل کا کیا واقعہ ہے۔'' تھوڑی دیر بعد سروج نے بھرائی ہوئی آ میں کہا۔

فریدی نے اسے سب واقعات بتا دیئے۔ وہ بڑے غور سے سنتی رہی۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔'' سروج کار کی سیٹ کی پشت ٹیک لگاتی ہوئی بولی۔

''تو کیا تم ڈاکٹر ستیش کو اچھی طرح جانتی تھیں؟''

''جی ہاں! وہ تقریباً ہر ہفتہ ہمارے یہاں مہمان رہتے تھے۔''

''کیا دلبیر سنگھ سے اس کی دوستی تھی۔''

''نہیں وہ دراصل میرے شوہر کے دوست تھے۔ ان کی موت کے بعد بڑے ٹھاکر سے ان کی گہری چھننے لگی۔''

''بھلا سے وہ بے تکلف تھے یا نہیں؟''

''قطعی نہیں!''

''کبھی بھلا ان کے ساتھ باہر بھی جاتی تھی یا نہیں۔''

''کبھی نہیں!''

''کیا تم یہ بتا سکتی ہو کہ دلبیر سنگھ سے ان کی دوستی کی کیا وجہ تھی۔''

''یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔''

''اچھا تمہارے شوہر پرکاش بابو سے ان کی دوستی کی کیا وجہ تھی؟''

''میرے شوہر ایک مشہور سائنس داں تھے۔ وہ آئے دن نت نئے تجربات کیا کرتے تھے۔ ڈاکٹر ستیش کو بھی اس سے دلچسپی تھی۔ میرا خیال ہے کہ دونوں کی دوستی کی وجہ یہی تھی۔''

''تمہارے شوہر کس قسم کے تجربات کیا کرتے تھے۔ انکا کوئی نہ کوئی موضوع ضرور ہوگا۔''

''انہیں گیسوں کے تجربات کا زیادہ شوق تھا۔ اس سلسلے میں وہ کئی بار بہت سخت بیمار بھی پڑے تھے۔''

''بیمار کیسے پڑے تھے۔'' فریدی نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

''ایک بار تو بہت ہی عجیب و غریب واقعہ ہو گیا تھا۔ پرکاش بابو اپنی لیبارٹری میں کسی گیس کے متعلق تحقیقات کر رہے تھے کہ اچانک ان پر ہنسی کا دورہ پڑا۔ میں اتفاق سے اس طرف جا نکلی۔ پہلے تو میں یہ سمجھی کہ کسی بات پر ہنس رہے ہوں گے۔ اس لئے انہیں ہنستے دیکھ کر میں بھی یوں ہی ہنسنے لگی اور میں نے ان سے ہنسی کا سبب پوچھا لیکن جواب ندارد۔ وہ برابر ہنستے ہی جا رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کی آنکھیں سرخ ہو کر اپنے حلقوں سے ابلتی معلوم ہونے لگیں اور منہ سے جھاگ نکلنے لگا۔ دو تین منٹ تک یہی کیفیت رہی پھر اچانک وہ بے

ہوش ہو کر گر گئے۔"

"اچھا پھر ہوش میں آنے کے بعد تم نے اس کا سبب ان سے پوچھا تھا۔"

"میں نے بارہا دفعہ معلوم کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ہمیشہ ٹالتے رہے۔"

"اس واقعہ کا تمہارے علاوہ کسی اور کو علم تھا۔"

"جی ہاں بڑے ٹھاکر صاحب بھی وہاں آ گئے تھے۔ اس وقت ان کی آنکھیں ٹمگرا
اور ڈاکٹر ستیش کو بھی اس کا علم تھا۔ جہاں تک میرا اندازہ ہے ان دونوں اور گھر کے نوکروں
علاوہ اور کسی کو بھی اس واقعہ کی اطلاع نہیں ہوئی تھی۔"

"تم یہ وثوق کے ساتھ کیسے کہہ سکتی ہو۔"

"وثوق کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتی۔ البتہ یہ میرا اندازہ ہے کیونکہ پرکاش بابو نے ان
کو منع کر دیا تھا کہ وہ اس کے بارے میں کسی سے کچھ نہ کہیں۔"

"ہوں!" فریدی کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "اچھا یہ بتاؤ تمہارے خیال میں ان چ
پنجوں والے جوتوں کو کون استعمال کر سکتا ہے۔"

"نہیں ایسا ناممکن ہے کیونکہ وہ کمرہ جہاں وہ عجائبات رکھے ہیں ہمیشہ مقفل رہتا۔
اس کی کنجی یا تو میرے پس رہتی ہے یا ٹھاکر صاحب کے پاس۔"

"خیر!" فریدی نے کھانستے ہوئے کہا۔ "مگر بھئی تمہارے یہ ٹھاکر صاحب بڑ
آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

"نہیں یہ بات نہیں۔ میں نے پہلی بار انہیں اس قدر غصے میں دیکھا ہے۔ ان کی
سارے علاقہ میں مشہور ہے۔ وہ بھنگیوں تک کو بیٹا کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔ میری یاد
میں انہوں نے کبھی کسی سے تیز کلامی نہیں کی۔ آج ان کی زبان سے ایسے الفاظ نکلے
مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آتا۔"

فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں اپنے مخصوص انداز میں نیم وا ہوتی جا رہی
یکایک ان میں عجیب قسم کی وحشیانہ چمک پیدا ہو گئی۔

چوتھا حادثہ

چار بجے شام کو فریدی دن بھر کا تھکا ماندہ گھر آیا تھا۔ آج وہ دن بھر ٹھاکر دلبیر سنگھ کے
دستوں کو ٹٹولتا رہا تھا۔ ڈاکٹر ستیش کے گھر کی تلاشی تو اس نے اسی دن لے لی تھی جس دن اس
کا قتل ہوا تھا۔ معمولی ناشتہ کے بعد وہ اپنے کتوں کی دیکھ بھال میں لگ گیا۔ اس کے پاس
تقریباً ایک درجن کتے تھے اور ہر کتا اپنی مثال آپ تھا۔ کتوں کے شوق کا یہ عالم تھا کہ اس کے
بعض بے تکلف احباب اسے خواجہ سگ پرست کہنے لگے تھے۔ صرف کتوں پر ہی منحصر نہیں۔
اس کے شوق عجیب و غریب تھے۔ اسے عجائبات کے جمع کرنے کا بھی شوق تھا۔ اس کی کوٹھی کا
ایک کمرہ دنیا کی عجیب و غریب چیزوں کے لئے مخصوص تھا۔ ان میں سب سے زیادہ عجیب و
غریب چیز مختلف قسموں کے سانپ تھے۔ وہ ایک ماہر سپیرے کی طرح ان کی پرورش و پرداخت
کرتا تھا۔ ان میں سے کئی ایسے بھی تھے جن کے زہر کی تھیلیاں وہ خود نکالا کرتا تھا۔ اس کی ان
حرکتوں پر اس کے سارے ہم پیشہ اس کا مضحکہ اڑاتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اپنی شہرت
کے لئے اس قسم کی عجیب و غریب حرکتیں کیا کرتا ہے۔

کتوں کی دیکھ بھال سے فارغ ہو کر فریدی اپنے عجائب خانے کی طرف گیا۔ جیسے ہی وہ
دوسرے برآمدے کی طرف مڑا اسے سروج دکھائی دی جو عجائبات کے کمرے سے نکل رہی تھی۔

"تو آپ کو بھی اس کا شوق ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"کیوں کیا ہوا تم ڈریں تو نہیں۔ وہاں کئی بہت ہی خوفناک چیزیں بھی ہیں۔"

"آخر آپ نے اتنے سارے سانپ کیوں جمع کر رکھے ہیں۔"

"پتہ نہیں کیوں مجھے سانپوں سے عشق ہے۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن فریدی بھیا یہ شوق خطرناک بھی ہے۔"

"لیکن یہ میرے لئے میرے پالتو کتوں کی طرح بے ضرر ہیں۔"

"تو پھر آپ نے ان کا زہر نکال دیا ہوگا۔"

"نہیں ایسا تو نہیں..... ان میں سے بہتیرے ایسے بھی ہیں جن کا زہر آج تک نکالا نہیں گیا۔"

"انہیں کھلاتا پلاتا کون ہے۔"

"میں خود!" فریدی نے کہا۔ "آؤ تمہیں تماشا دکھاؤں۔"

دونوں کمرے میں داخل ہوئے، فریدی ایک الماری کے قریب پہنچ کر کھڑا ہو گیا۔ الماری کے دروازوں میں نیچے کی طرف بے شمار چھوٹے بڑے سوراخ تھے۔

فریدی نے ایک مخصوص انداز میں سیٹی بجائی۔ یک بیک پھنکاروں کی آوازیں آئیں اور الماری کے سوراخوں سے سانپ نکلنے لگے۔ سروج چیخ کر پیچھے ہٹ گئی۔

"ڈرو نہیں یہ کیچوؤں سی بھی بدتر ہیں ان میں زہر نہیں۔"

فریدی نے میز پر سے دودھ کا برتن اٹھا کر زمین پر رکھ دیا۔ سارے سانپ اس پر ٹوٹ پڑے۔ فریدی نے دوسرا برتن بھی اٹھا کر اسی کے قریب رکھ دیا۔ لیکن وہ سب پہلے برتن پر پڑ رہے تھے۔ وہ انہیں ہاتھ سے ہٹا ہٹا کر دوسرے برتن کے قریب لانے لگا۔ یہ دیکھ کر سروج پھر چیخ پڑی۔

فریدی ہنسنے لگا۔

"ڈرو نہیں سروج بہن یہ سب میرے دوست ہیں۔"

"مجھے یہ تماشا بالکل اچھا نہیں لگا۔ میں ڈرائنگ روم میں آپ کا انتظار کروں گی۔" سروج یہ کہہ کر باہر چلی گئی۔

دونوں برتن صاف کر لینے کے بعد سارے سانپ آہستہ آہستہ الماری کے سوراخوں میں چلے گئے۔ فریدی نے تھوڑی دیر ٹھہر کر چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور کچھ گنگناتا ہوا باہر نکل آیا۔

سرجنٹ حمید تیز قدموں سے عجائبات کے کمرے کی طرف آ رہا تھا۔ فریدی اسے دیکھ کر رک گیا۔

"کہو بھئی کیا خبر ہے۔"

"کوئی خاص خبر نہیں کوتوالی سے آ رہا ہوں۔ ابھی ابھی دلبیر سنگھ کا نوکر آپ کے نام یک خط دے گیا ہے۔"

فریدی خط پڑھنے لگا۔

"فریدی صاحب تسلیم!

مجھے اپنے کل کے رویے پر سخت افسوس ہے۔ کل شاید زندگی میں پہلی بار مجھے غصہ آیا تھا۔ سروج کو سمجھانے کی کوشش کیجئے گا۔ خدا کرے کہ وہ مجھے معاف کر دے۔ میں نے اس کی شان میں بہت ہی نازیبا الفاظ استعمال کئے ہیں جس کے لئے میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا ہے جب تک وہ یہاں نہ آ جائے گی مجھے سکون نہیں مل سکتا۔ خدا میرے حال پر رحم کرے۔

منجانب: ٹھاکر دلبیر سنگھ"

"تو ہوش آ گیا ٹھاکر صاحب کو۔" فریدی نے کہا۔

"اور یہ بہت بُرا ہوا۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"کیوں؟"

"میں یہ کیا جانوں۔ لیکن سروج سے اس خط کا تذکرہ نہ کیجئے گا؟"

"آخر کیوں۔" فریدی نے متعجبانہ انداز میں پوچھا۔

"ارے تو کیا واقعی آپ!" حمید ادھوری بات کر کے چپ ہو گیا۔

"عجیب آدمی ہو۔ صاف صاف کیوں نہیں کہتے۔ آخر بات کیا ہے۔"

"کیا آپ سچ مچ سروج کو واپس بھیج دیں گے۔"

"تو اسمیں تعجب کی کیا بات ہے۔" فریدی نے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"سنئے تو سہی!" حمید اسے روکتے ہوئے بولا۔ "کیا واقعی آپ سنجیدگی سے کہہ رہے ہیں۔"

"کہیں میں تمہاری پٹائی نہ کر دوں۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "خواہ مخواہ بھیجا چاٹے ہے ہو۔"

"صرف ایک بات اور پوچھوں گا۔"

"فرمایئے!" فریدی رکتے ہوئے ہنس کر بولا۔

"تو واقعی کیا آپ سروج.....!"

"بکواس بند!" فریدی جھلا کر بولا۔

سروج ڈرائنگ روم سے نکل آئی اور فریدی کچھ کہتے کہتے خاموش ہوگیا۔ حمید کو ہنسنے لگا۔

"کیا بات ہے۔" سروج نے دونوں کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔" فریدی کہتا ہوا اندر چلا گیا۔ سروج نے حمید پر ایک اچٹتی سی اور وہ بھی چلی گئی۔ حمید تھوڑی دیر تک کھڑا سر کھجاتا رہا۔ اچانک اس کے ہونٹوں پر شرارت مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھا اور چیخ مار کر دھڑام سے زمین پر گر گیا۔

چیخ کی آواز سن کر فریدی اور سروج برآمدے میں نکل آئے۔

"ارے ارے کیا ہوا۔" فریدی حمید کی طرف جھپٹتے ہوئے بولا۔

"حمید حمید.....!" وہ اسے جھنجھوڑ کر پکارنے لگا۔

"ابھی تو اچھے بھلے تھے۔" سروج نے کہا۔

"نہ جانے کیا ہوگیا۔" فریدی نے حمید کے چہرے پر جھکتے ہوئے کہا۔

"تو کیا آپ واقعی سروج.....!" حمید آہستہ سے بولا۔

فریدی نے جھنجھلا کر اسکا منہ دبا دیا۔ "چپ رہو۔" فریدی نے اسکا منہ دبائے ہو۔

"ارے ارے.....!" سروج کہتی ہوئی آگے بڑھی۔ "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"تم اسے نہیں جانتیں معلوم نہیں کون سا شیطان اس کے اندر حلول کر گیا ہے۔"

"صاحب آپ کی تو کوئی بات ہی میری سمجھ میں نہیں آتی۔" سروج نے کہا۔

"اور میری بات!" حمید اٹھتے ہوئے جلدی سے بولا۔

"ارے!" سروج گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔

"حمید اگر تم اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو اچھا نہ ہوگا۔" فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"آپ بہرحال میرے آفیسر ہیں۔"

"آخر بات کیا ہے۔" سروج نے کہا۔

"کچھ سرکاری معاملات ہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔

فریدی اسے اب تک گھور رہا تھا۔

"آؤ چلیں اس کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔" فریدی نے سروج سے کہا حمید باہر کھڑا رہا وہ دونوں چلے گئے۔

"آخر بات کیا ہے؟" سروج نے پھر پوچھا۔

"کچھ نہیں یونہی مجھے تنگ کر رہا ہے۔"

"اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ماتحتوں کو زیادہ سر نہ چڑھانا چاہئے۔" سروج نے کہا۔

"مشکل تو یہی ہے کہ اسے میں ماتحت سمجھتا ہی نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے ماتحتوں میں سب سے زیادہ باسلیقہ اور ذہین ہے۔ ہاں خیر چھوڑو.....لو یہ خط دلبیر سنگھ نے مجھے بھجوایا ہے۔"

سروج خط لے کر پڑھنے لگی۔

"تو پھر آپ کیا کہتے ہیں۔" سروج خط پڑھ کر بولی۔

"اُس کے متعلق بھلا میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"میں نے تو فیصلہ کرلیا ہے کہ اب اس گھر میں قدم نہ رکھوں گا۔"

"اور میں آپکے فیصلے کی قدر کرتا ہوں۔" حمید نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

فریدی نے جھلا کر میز پر رکھا ہوا رول اٹھالیا اور حمید سہم جانے کی ایکٹنگ کرتا ہوا خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد فریدی اور حمید میں کیس کے

متعلق بحثیں چھڑ گئیں اور سروج اکتا کر باہر چلی گئی۔

"یہ کیا حماقت تھی۔" فریدی سروج کے چلے جانے کے بعد بولا۔

"کیسی حماقت!"

"دیکھو سروج میری مہمان ہے۔ تمہیں اس قسم کی باتیں نہ کرنی چاہئیں کہ اسے دکھ

"تو یہ کہئے کہ آپ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ ارے یہ سب کچھ میں آپ ہی کیلئے کر رہا ہو

"میں سمجھا نہیں۔"

"محبت کرنے والوں کے پاس سمجھ ہوتی کہاں ہے۔"

"پھر وہی بکواس!" فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔ "میں تمہیں آخری بار سمجھاتا ہوں کہ

اس کے متعلق کبھی کچھ نہ کہنا۔ کیا تم اپنی طرح سب کو گدھا سمجھتے ہو۔"

"جی نہیں میں اپنے علاوہ سب کو سمجھتا ہوں۔"

"دیکھو میاں حمید! تمہاری بوکھلاہٹیں بہت زیادہ بڑھ گئی ہیں۔ میں عنقریب تمہارے

صاحب کو لکھنے والا ہوں کہ جلد از جلد تمہارا کوئی معقول انتظام کر دیں۔"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں پچھلے دو ماہ سے بالکل عاشق نہیں ہوا۔"

"اچھا بھئی اب ختم کرو یہ قصہ۔" فریدی نے کہا۔ "کوئی قاعدے کی بات کرو۔"

"میرے خیال سے سول میرج ہی زیادہ قاعدے کی بات رہے گی۔"

"تم زندگی بھر سنجیدہ نہیں ہو سکتے۔" فریدی نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"سچ مچ بتایئے گا آپ کا عشق کن منزلوں پر ہے۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"کسی پریشان حال عورت کو سہارا دینا بھی ستم ہو جاتا ہے۔ ہات تیری قسمت کی ایسی کی تیسی۔"

"آپ خواہ مخواہ پریشان ہیں۔ میں آپ کے لئے جان کی بازی لگا دوں گا۔" حمید

اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"اچھا میرے جاں نثار اب چپ ہو جاؤ۔ ورنہ میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔" فریدی

نے اکتا کر کہا۔

"تو اس طرح یہ اس شہر میں چوتھا قتل ہوگا۔" حمید اپنے چہرے پر اداسی پیدا کرتے

ہوئے بولا۔

اس کی مضحکہ خیز صورت دیکھ کر فریدی کو ہنسی آ گئی۔

اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھا لیا۔ "ہیلو!"

"اوہ فریدی صاحب! میں سدھیر بول رہا ہوں۔ دھرم پور کے جنگل میں پھر ایک حادثہ

ہو گیا ہے۔"

"کیا کہا حادثہ!"

"جی ہاں..... قتل..... ہم لوگ جا رہے ہیں۔ آپ اور حمید صاحب سیدھے وہیں پہنچ جایئے۔"

"لو بھئی..... چوتھا قتل بھی آخر ہو ہی گیا۔" فریدی نے ریسیور رکھتے ہوئے حمید کی طرف

دیکھ کر کہا۔

"کہاں؟"

"وہیں..... دھرم پور کے جنگل میں..... جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ ارے لو..... باتوں میں

دیر ہو گیا۔ اپنی ٹارچ ضرور لے لینا۔ جلدی کرو ورنہ کہیں لوگ کچھ گڑبڑ نہ کریں۔"

"اب تو جناب میرا دل چاہتا ہے کہ کوئی سچ مچ مجھے قتل کر دیتا تو اچھا تھا۔ یہ ملازمت کیا

ہے، آفت ہے لاحول ولا قوۃ!" حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

دونوں کمرے کے باہر نکل گئے۔

فریدی کی ناک

اچھی خاصی تاریکی پھیل گئی تھی۔ دھرم پور کی تاریک اور ویران سڑک پر انسپکٹر فریدی کی

ارتیز رفتاری کے ساتھ چلی جا رہی تھی۔

''بہت ممکن ہے کہ آج کی رات پھر خراب ہو۔'' حمید نے بے دلی سے کہا۔

''دیکھا جائے گا۔ ابھی سے کس بات کی پریشانی ہے۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔

''پریشانی آپ کو نہ ہوتی ہوگی۔ یہاں تو جان نکل کر رہ جاتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کون گدھا ہے جس نے قتل کے لئے ایسی غیر شاعرانہ جگہ منتخب کر رکھی ہے۔ ارے قتل کرنا ہے تو ہمارے گھر کے آس پاس کہیں کر دیا کرے۔'' حمید نے بیزاری سے کہا۔

''جی نہیں!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''یہ بھی ٹھیک نہیں۔ اسے چاہئے کہ قتل کرکے آپ کے گھر بھجوا دیا کرے۔''

''حمید ہنسنے لگا۔''

''کیا زندگی ہے ہماری بھی..... نہ دن چین نہ رات آرام..... اس سے بہتر تو کلرکی ہے صبح دس بجے آفس گئے اور شام کو چار بجے شان سے گھر چلے آرہے ہیں۔ اس کے بعد اپنی ہے۔'' حمید نے کہا۔

''کیا بوڑھی عورتوں کی سی باتیں کر رہے ہو۔''

''کاش میں بوڑھی عورت ہی ہوتا مگر سراغ رساں نہ ہوتا۔ ہر وقت زندگی ریوالور پر رکھی رہتی ہے۔ یا پھر سراغ رسانی ہوا انگریزی جاسوسی ناولوں کی طرز کی کہ جاسوس نے کسی کی خبر سنتے ہی ایک آنکھ بند کی، کاندھوں کو ذرا سی جنبش دی۔ دو چار بار کان ہلائے۔ ایک منہ بسورا اور اچانک مسکراتے ہوئے قاتل کا نام معہ ولدیت اور پتہ بتا کر اپنے فرض سے سبکدوش ہوگیا۔ ایک ہم ہیں کہ دن رات بھوتوں کی طرح.....!'' حمید رک کر کچھ سوچنے لگا۔

''کیا فضول بکواس لگا رکھی ہے۔'' فریدی نے اکتا کر کہا۔

''ارے باپ رے باپ۔ دیکھئے کتنا اندھیرا ہے۔ کیا آپ گیدڑ کی لاش بھول گئے ہیں۔ میں تو صاحب ہرگز نہیں جاؤں گا۔ جہنم میں گئی ملازمت..... میرے پھیپھڑوں میں اتنا دم نہیں ہے کہ خواہ مخواہ چیخ چیخ کر قہقہے لگاتا پھروں اور پھر بے ہوش ہو کر گر پڑوں۔''

''تم بھی عجیب آدمی ہو۔'' فریدی نے کہا۔ ''کیا ابھی تک تمہارے دل سے بھوت

کا خیال نہیں نکلا۔ ارے احمق آدمی۔ کتنی بار سمجھایا کہ وہ ان بوتلوں میں بھری ہوئی گیس کا اثر تھا۔''

''اگر یہ سچ ہے تو اس گیدڑ کی لاش کا کیا مطلب تھا۔ اس کے منہ میں دبے ہوئے پائپ کے کیا معنی تھے اور اس شعر کی کیا ضرورت تھی۔''

''اس کا مقصد محض یہی تھا کہ اسے دیکھ کر بے اختیار ہنسی آجائے اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اگر وہاں دوسرے آدمی موجود نہ ہوتے تو ہمارے اس مضحکہ خیز بیان پر کسی کو یقین نہ آتا۔ مجروں کا مقصد بھی یہی تھا کہ ہم لوگ اس واقعے کو شیطانی کام سمجھ لیں اور تھک ہار کر بیٹھ جائیں۔''

''صاحب آپ کی یہ منطق میرے حلق سے نہیں اترتی۔''

''اچھا اب خاموش رہئے۔ ورنہ میرا گھونسہ آپ کے حلق سے اتر جائے گا۔''

''بے بسی کی موت سے اسے بہتر سمجھوں گا۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ اس وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔'' حمید نے کہا۔ ''نہ جانے کیوں میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔''

''اور میرا دل نہ جانے کیوں اٹھ کر ٹہل رہا ہیں۔'' فریدی نے ہنس کر کہا۔ ''دل بیٹھا جا رہا ہے۔ بہت خوب۔ میں غلط نہیں کہتا کہ تمہارے اندر کسی بڑھیا کی روح حلول کر گئی ہے۔ برخوردار اس قسم کے محاورے کسی مرد کو زیب نہیں دیتے۔''

''آپ برخوردار..... اس قسم کے محاورے.....!'' حمید جلدی سے بولا۔

فریدی ہنسنے لگا۔ اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ موٹر کی آواز جنگل کے سناٹے میں گونج رہی تھی۔ کبھی کبھی ہیڈ لائٹ کی روشنی میں سڑک پر ایک آدھ گیدڑ یا جنگلی بلیاں بھاگتی دکھائی دے جاتی تھیں۔ ہوا قطعی بند تھی۔ آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ حمید نے سگریٹ سلگایا اور ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔ دفعتاً فریدی چونک کر کہنے لگا۔

''کیوں حمید.....! ٹیلی فون پر گفتگو کرنے کے بعد ہم لوگ کتنی دیر میں گھر سے روانہ ہوگئے ہوں گے۔''

''بمشکل تمام دس منٹ کے بعد۔''

"تعجب ہے کہ ابھی تک پولیس کی لاری دکھائی نہیں دی۔ آخر یہ لوگ کس راستے سے روانہ ہوئے ہوں گے۔"

"ہوسکتا ہے کہ وہ ہم لوگوں کے بعد روانہ ہوئے ہوں۔"

"تب بھی اب تک انہیں پہنچ جانا چاہئے تھا۔ سوچنے کا مقام ہے کہ سدھیر جلدی سے کوتوالی میں میرا انتظار نہیں کرسکتا تھا۔ اس لئے اس نے سیدھے یہیں آنے کے لئے اگر واقعی اتنی ہی جلدی تھی تو اس سست رفتاری کا کیا مطلب ہوسکتا ہے۔"

"تو کیا!" حمید سیٹ پر اچھلتے ہوئے بولا۔ "ہمیں کسی نے دھوکا دیا۔"

"بہت ممکن ہے۔ دراصل مجرم میری جان لینا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر ستیش بھی اسی سے میرے پیچھے لگا تھا۔"

"لیکن اگر وہ آپ کو قتل ہی کرنا چاہتا تھا تو خاموشی سے کیوں نہ کردیا۔ آخر چھپانے کی ضرورت تھی۔"

"جہاں تک میرا خیال ہے وہ مجھے ایک بوڑھے کے بھیس میں دیکھ کر شبہے میں پڑ گیا۔ لہٰذا شک رفع کرنے کیلئے اس نے یہ چال چلی اور پھر کچھ دیر بعد اس نے ریوالور نکال لیا تھا۔"

"اچھا تو کیا واقعی آپ نے اسے پہچان لیا تھا۔"

"بالکل نہیں..... البتہ اندھیری رات میں سیاہ عینک ضرور شبہے میں ڈال رہی تھی۔" فریدی نے کہا۔

"ارے یہ کیا!" حمید چونک کر بولا۔

"کیا بات ہے۔"

"ادھر بائیں طرف کی جھاڑیوں میں کوئی تھا۔" حمید نے اندھیرے میں گھورتے ہوئے کہا۔

"فریدی نے کار کی رفتار کم کردی۔"

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ رفتار تیز رکھئے۔" حمید جلدی سے بولا۔

"کیوں کیا مرنے کا ارادہ ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اگر کوئی تناور درخت احانک کار کے

سامنے آگرے تو ہم لوگ کہاں ہوں؟"

"ارے باپ رے باپ۔" حمید کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

"ذرا ہوش و حواس درست رکھئے۔ کوئی حادثہ پیش آیا ہی چاہتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ریوالور لائے یا نہیں۔"

"ار..... ریوالور.....!" حمید ہکلانے لگا۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"آپ ہنس..... ہنس..... ہنستے ہیں۔"

"تم بھی ہنسو نا!"

"مجھے کھانسی آرہی ہے۔" حمید نے زبردستی کھانستے ہوئے کہا۔

"ارے!" فریدی چونک کر بولا۔

ہیڈ لائٹ کی روشنی میں دور سڑک پر ایک آدمی اوندھا پڑا دکھائی دیا۔ فریدی نے کار کی رفتار دھیمی کردی۔ کار رک گئی۔ فریدی نے کار پیچھے کی طرف لوٹانی شروع کی۔

"کیوں یہ کیا!" حمید جلدی سے بولا۔

"خطرہ ہے، واپس چلیں گے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

دفعتاً کار کی کھڑکی سے گذرتی ہوئی کوئی چیز فریدی کی کنپٹی سے لگ کر رک گئی۔ یہی واقعہ حمید کے ساتھ بھی پیش آیا اور ایک گرجدار آواز سنائی دی۔

"نیچے اترو!"

دو عدد رائفلوں کی نالیں فریدی اور حمید کی کنپٹیوں سے لگی ہوئی تھیں۔ کھڑکیاں کھلیں اور دونوں نیچے اتار لئے گئے۔ وہ پانچ آدمی تھے ان کے چہرے سیاہ نقابوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ چار کے پاس رائفلیں تھیں اور پانچواں ریوالور لئے ہوئے تھا۔"

"لے چلو!" ریوالور والے نے کہا۔

دونوں کو دو دو آدمیوں نے پکڑ لیا اور وہ سب جھاڑیوں میں گھستے چلے گئے۔ حمید اور

فریدی خاموش تھے۔ ریوالور والے نقاب پوش کے ہاتھ میں ٹارچ تھی وہ آگے آگے راہ دکھاتا ہوا چل رہا تھا۔ دفعتاً فریدی بیٹھ گیا۔ جن آدمیوں نے اسے پکڑ رکھا تھا انہوں نے اسے اٹھانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

ریوالور والا پلٹ پڑا۔ اس نے فریدی کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ فریدی مسکرا رہا تھا۔

"کیوں مکار! کیا اب کوئی نئی حرامزدگی سوجھی۔" وہ گرج کر بولا۔

"میرا خیال ہے کہ میں آپ حضرات سے بے تکلف نہیں۔ لہٰذا تہذیب شرط ہے۔" فریدی منہ بنا کر بولا۔

"اگر ہم خاموشی کی بجائے گانا گاتے ہوئے چلیں تو کیسی رہے گی۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"چپ رہو چوہے کے بچے۔" ریوالور والا پیر پٹختے ہوئے بولا۔

"آپ بڑے بداخلاق معلوم ہوتے ہیں۔" حمید نے بھی زمین پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "لو اسے پھر اٹھا دیا گیا۔

"اٹھو!" ریوالور والے نے فریدی سے کہا۔

"رک جاؤ بھائی ذرا سستا لینے دو۔ اگر اجازت ہو تو میں ایک سگار بھی سلگا لوں۔" فریدی نے پراطمینان لہجے میں کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگوں کو یہیں پر ختم کر دینا ہوگا۔" ریوالور والے نے کہا۔

"نیک کام میں دیر نہ کرنی چاہئے۔ اگر ختم ہی کر دینا ہے تو یہاں کیا برائی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اٹھو.....!" ریوالور والا پھر چیخا۔

"نہیں اٹھوں گا۔" فریدی بھی اسی انداز میں چیخا۔

"اچھا ٹھہرو..... بتاتا ہوں تمہیں.....!" اس نے ریوالور جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

"ذرا اردو میں بتانا..... انہیں ہندی نہیں آتی۔" حمید نے چلا کر کہا۔

"چپ رہو!" وہ زور سے چیخ کر فریدی کی طرف بڑھا۔

فریدی کے ہاتھ ابھی تک ان دونوں آدمیوں نے جکڑ رکھے تھے۔ ریوالور والے نے فریدی کے بال پکڑ کر اٹھانے کی کوشش کی لیکن جنبش بھی نہ ہوئی۔

"تم یوں نہ مانو گے۔" ریوالور والا فریدی کی ناک پکڑ کر دباتے ہوئے بولا۔

فریدی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

یہ سب اتنی جلدی ہوا کہ وہ لوگ جو فریدی کو پکڑے ہوئے تھے سنبھل نہ سکے۔ فریدی ان کی گرفت سے آزاد ہو کر اچھلا اور حمید پر آ گرا۔ جنہوں نے حمید کو پکڑ رکھا تھا وہ بھی حمید سمیت زمین پر آ رہے۔ ریوالور والا چیخنے لگا۔

"خبردار..... خبردار..... گولی مار دوں گا۔"

اب بالکل اندھیرا تھا۔ غالباً اس کش مکش کے دوران میں ریوالور والے کے ہاتھ سے ٹارچ گر گئی تھی۔ ریوالور والے نے ہوائی فائر کرنے شروع کئے۔ شاید اسے ڈر تھا کہ اندھیرے میں اسی کے آدمی زخمی نہ ہو جائیں۔ تقریباً پندرہ بیس منٹ تک اندھیرے میں جدوجہد ہوتی رہی۔ ریوالور والے کی آواز برابر سنائی دے رہی تھی۔

فریدی اور حمید ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر پنجوں کے بل سڑک کی طرف بھاگ رہے تھے۔ کار وہیں کھڑی تھی۔ دونوں کار میں بیٹھ گئے۔ فریدی نے کار اسٹارٹ کر دی۔ جھاڑیوں کے اندر شور و غل کی آوازیں سنائی دینے لگیں جو رفتہ رفتہ قریب آتی جا رہی تھیں۔ فریدی نے کار گھمائی اور وہ دونوں بہت زیادہ تیز رفتاری سے شہر کی طرف چل پڑے۔ اب فائر ہونے شروع ہو گئے تھے۔ جن کی آوازیں دور تک سنائی دیتی رہیں۔

"کیوں میاں حمید..... ہو گئی نا اچھی خاصی مرمت!" فریدی نے کہا۔ "وہ تو کہو اس مردود کے ہاتھ سے ٹارچ گر گئی ورنہ اس وقت ہم کہیں اور ہوتے۔"

"بس اب مت بولئے..... چپ چلے چلئے۔" حمید نے کانپتے ہوئے کہا۔

"ارے واہ میرے شیر..... بس اتنے ہی میں ہانپنے لگا۔" فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"آپ ٹھہریئے جناب..... بھلا میں آپ کا مقابلہ کب کرسکتا ہوں۔" حمید نے
"دیکھئے میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ لوٹ چلئے۔"

"اگر میں لوٹ جاتا تو مجھے زندگی بھر افسوس رہتا۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں؟"

"اس لئے کہ یہاں آنے سے مجرموں کا کچھ کچھ سراغ مل گیا۔"

"وہ کیسے!"

"اس کا جواب یہ ٹارچ دے گی۔"

"ٹارچ!" حمید نے حیرت سے کہا۔ "وہ کب سے بولنے لگی۔"

"اسی وقت سے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "اس وقت یہ ٹارچ بہت قیمتی ہے۔"

"ذرا دیکھوں تو۔"

"ہوں ہوں، چھونا مت اسے۔" فریدی نے اسے ہٹاتے ہوئے کہا۔ "یہ بڑی مشکل سے دستیاب ہوئی ہے۔ اتنی کشتی لڑنے کے باوجود بھی میں نے اس کی کافی حفاظت کی ہے۔"

"آخر کیوں۔"

"اس پر مجرم کی انگلیوں کے نشانات محفوظ ہیں جن کا چربہ اسی وقت فنگر پرنٹ ڈیپارٹمنٹ میں اتارا جائے گا۔"

حمید حیرت سے فریدی کا منہ دیکھ رہا تھا۔

گلاس کی چوری

دوسرے دن صبح فریدی حمید اور سروج ڈرائنگ روم میں ناشتہ کر رہے تھے۔ فریدی نے رات والے واقعہ کی اطلاع کسی کو نہ دی لیکن حمید کے پیٹ میں چوہے کود رہے تھے۔ وہ اپنی

کارگزاریاں ایک حسین عورت کے سامنے دہرانے کے لئے بے چین تھا۔ دوران گفتگو میں کئی بار اس نے اس موضوع کی طرف آنے کی کوشش کی لیکن فریدی نے ہر بار اسے صاف اڑا دیا۔ آخر کار تھوڑی دیر کے بعد حمید بھی سمجھ گیا کہ فریدی رات والے واقعے کا تذکرہ سروج کے سامنے نہیں لانا چاہتا۔ وہ حسب معمول بے طرح چہک رہا تھا۔ بات بات پر لطیفے ہو رہے تھے۔

"واقعی حمید صاحب! آپ بہت زندہ دل انسان ہیں۔" سروج نے کہا۔

"مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ آپ کے خیال کی تردید کرسکوں۔" حمید نے جواب دیا۔

"لیکن مجھ میں اتنی ہمت ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ کی ہمت کا کیا کہنا..... بڑے بڑے آپ کا لوہا، تانبا، پیتل، گلٹ غرض کہ ہر قسم دھات مانتے ہیں۔"

سروج ہنسنے لگی اور فریدی صرف مسکرا کر رہ گیا۔

اتنے میں ایک نوکر ہاتھ میں ایک لفافہ لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

"ابھی ایک آدمی دے گیا ہے۔" نوکر نے لفافہ فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

یدی خط نکال کر پڑھنے لگا۔ پھر وہ کاغذ سروج کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ ٹھاکر دلبیر سنگھ کا خط ہے۔"

"فریدی صاحب تسلیم!

میں شام کو آپ کا انتظار کر رہا تھا لیکن شاید آپ بہت زیادہ مشغول تھے یا سروج یہاں آنے پر رضامند نہ ہوتی ہوگی۔ مجھے انتہائی افسوس ہے۔ میں سروج کو اپنی بیٹی کی طرح عزیز رکھتا ہوں۔ غصے میں میں نے اسے وہ سب کچھ کہہ ڈالا جو مجھے نہ کہنا چاہئے تھا۔ مجھے سخت ندامت ہے۔ اگر سروج بوڑھے ٹھاکر کے منہ پر طمانچہ مار کر بھی اس کی غلطی کو معاف نہ کرسکے تو اسے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ خدارا سروج کو لے کر جلد آیئے ورنہ میرے ضمیر کی ملامت میرا کام ہی تمام کردے گی۔

فقط..... نادم دلبیر سنگھ۔"

سروج کی آنکھوں میں آنسو جھلک آئے۔ٹھاکر کے خط نے اسکے دل پر گہرا اثر ڈالا

''میں ضرور جاؤں گی فریدی صاحب ٹھاکر صاحب واقعی پریشان ہوں گے۔ مجھے بیٹی کی طرح عزیز رکھتے ہیں۔'' سروج نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

''مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ چلئے میں آپ کو پہنچا آؤں۔ میں خود آج ٹھاکر سے ملنے کا ارادہ کررہا ہوں، واقعی بڑی خوبیوں کے بزرگ ہیں۔ان سے مل کر مجھے ایک کا قلبی سکون محسوس ہوتا ہے۔'' فریدی نے سگار سلگا کر کش لیتے ہوئے کہا۔

''میرا خیال تو یہ ہے!'' حمید نے کہا۔لیکن فریدی کی تیز نظروں سے گھبرا کر جملہ پورا کرسکا۔

''ہاں آپ کیا کہتے ہیں۔'' سروج نے حمید سے پوچھا۔

''میں.....یعنی کہ میں.....'' حمید نے فریدی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔''میرا خیال کہ آپ ضرور جایئے۔''

تھوڑی دیر کے بعد فریدی سروج اور حمید دھرم پور کی طرف جارہے تھے۔

جیسے ہی کار سروج کے مکان کے پھاٹک پر آکر رکی اس کا گرے ہاؤنڈ کتا دم ہلاتا دوڑ آیا۔

''جیک جیک!'' سروج اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر بولی۔

آواز سن کر ٹھاکر بھی چھڑی ٹیکتے ہوئے برآمدے میں نکل آیا۔اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔موٹے موٹے قطرے.....اس کا محبت بھرا دل امنڈ آیا تھا۔سروج اس سے سر لگا کر سسکیاں لینے لگی۔وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتا اور روتا جارہا تھا۔کچھ دیر تک روتے رہے پھر آنسو پونچھ ڈالے گئے اور ڈرائنگ روم دلچسپ تذکروں سے گونجنے لگا۔

''بھئی بہت تیز گرمی پڑرہی ہے۔میرے خیال سے تو کچھ پینا چاہئے۔'' ٹھاکر نے

''میں ابھی شربت بنوا کر لاتی ہوں۔'' سروج نے اٹھتے ہوئے کہا اور باہر چلی گئی لمحوں کے بعد ایک ملازم کشتی میں شیشے کے خالی گلاس لایا۔فریدی نے گلاس ہاتھ میں اٹھا

''کتنے خوبصورت گلاس ہیں۔'' فریدی گلاس کو اپنے رومال سے صاف کرتے ہوئے بولا۔''اب ایسی چیزیں کہاں۔''

اس پر ٹھاکر صاحب نے ان گلاسوں کا خاندانی شجرہ سنا کر رکھ دیا۔فریدی ان کی باتوں کو دلچسپی سے سن رہا تھا اور ساتھ ساتھ ان گلاسوں کو اٹھا اٹھا کر انہیں رومال سے صاف بھی کرتا جارہا تھا۔

''بس جی چاہتا ہے کہ انہیں دیکھا ہی کیجئے۔'' فریدی نے گلاسوں کو تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

ٹھاکر صاحب گلاسوں کی تعریف سن کر اور زیادہ خوش اخلاق ہوتے جارہے تھے۔سروج جگ میں شربت لے کر آئی اور سب کے گلاس بھر دیئے۔

شربت پینے کے دوران ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ٹھاکر صاحب نے دھرم پور کے جنگل کے کیس کے متعلق بھی کافی دیر تک باتیں کیں۔اس کے بعد فریدی اور حمید واپس جانے کیلئے تیار ہوگئے۔سروج اور ٹھاکر انکے ساتھ پھاٹک تک آئے۔فریدی نے کار اسٹارٹ کردی۔

''بھئی حمید مجھے وہ گلاس بے حد پسند آئے ہیں۔'' فریدی نے تھوڑی دور چل کر کار روکتے ہوئے کہا۔

''تو گاڑی کیوں روک دی۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔

''میں انمیں سے ایک چرانا چاہتا ہوں۔'' فریدی نے کہا اور کھڑکی کھول کر نیچے اتر گیا۔

''کیا مطلب!'' حمید کی آنکھیں اپنے حلقوں سے ابل پڑیں۔

''میں ابھی آیا!'' فریدی نے کہا۔

حمید کار میں بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگا۔اسے حیرت تھی کہ آخر فریدی کو ہوگیا ہے۔

تھوڑی دیر بعد فریدی لوٹ آیا۔اس کے ہاتھ میں ایک گلاس تھا۔

''کوئی خاص زحمت نہیں پیش آئی۔وہ لوگ گلاس وہیں چھوڑ گئے تھے۔'' فریدی نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

گود میں سانپ

دوسرے دن صبح فریدی اور حمید کوتوالی گئے۔ کوتوالی انچارج انسپکٹر سدھیر ان کا انتظار کر رہا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی ہاتھ پھیلا کر ان کی طرف بڑھا۔

''آیئے انسپکٹر صاحب! میں آپ ہی لوگوں کا انتظار کر رہا تھا۔'' سدھیر نے فریدی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ''کہیئے کوئی خاص بات۔''

''خاص بات صرف اتنی ہے کہ آپ آٹھ دس کانسٹیبل لے کر میرے ہمراہ چلیے۔'' فریدی نے کہا۔

''خیریت!'' سدھیر نے حیرت سے کہا۔

''جلدی کیجئے! آپ کا شکار میرے چوہے دان میں پھنس گیا ہے۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

''اس لئے ہم لوگ جلدی میں ناشتہ دان بھی ساتھ ہی لیتے آئے ہیں۔'' حمید جلدی سے بول اٹھا۔

''تو یہ کیوں نہیں کہتے کہ ابھی تک آپ لوگوں نے ناشتہ نہیں کیا۔'' سدھیر نے کہا۔

''کہیئے کچھ منگاؤں۔''

''نہیں شکریہ اس کی ضرورت نہیں۔'' فریدی نے کہا۔ ''آپ جلدی سے اپنے آدمیوں کو تیار کر لیجئے۔''

''جلال پور!''

''جلال پور!'' سدھیر نے حیرت سے کہا۔ ''تو آپ نے قاتلوں کا پتہ لگا لیا۔''

''قریب قریب.....!'' فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

سدھیر نے ایک دیوان کو بلا کر کچھ ہدایتیں دیں اور خود آفس کے اندر چلا گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد آٹھ مسلح کانسٹیبل آ گئے۔

پولیس کی لاری جس پر سدھیر، حمید، فریدی اور آٹھ کانسٹیبل بیٹھے تھے جلال پور کی طرف

تیزی سے بھاگی جا رہی تھی۔

''ذرا مجھے کچھ پہلے سے بتا دیجئے تاکہ میں اسی کے مطابق انتظام کر سکوں۔'' سدھیر نے کہا۔

''میرے خیال سے کچھ زیادہ پریشانی نہ اٹھانی پڑے گی۔'' فریدی نے جواب دیا۔

''پھر بھی!'' سدھیر نے کہا۔

''بس اتنا سمجھ لیجئے کہ قاتل کے دریافت ہو جانے پر آپ کو اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دینی ہوں گی۔''

''یہ تو ہو ہی جائے گا۔ یہ بتایئے کہ آخر قاتل ہے کون؟'' سدھیر نے بے چینی سے کہا۔

''گھبرایئے نہیں ابھی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔''

''ذرا ہوشیاری سے رہنا۔'' سدھیر نے اپنے سپاہیوں کی طرف دیکھ کر کڑی آواز میں کہا۔

''ہاں بھئی..... یہی وقت ہوشیاری کا ہے۔'' حمید نے ہنس کر کہا۔ ''اور ذرا ہم لوگوں کا خیال رکھنا۔''

''حمید صاحب کسی وقت تو ہم غریبوں کی خطائیں معاف کر دیا کیجئے۔'' سدھیر نے کہا۔

''اچھا میں اسی وقت اس پر غور کروں گا۔'' حمید نے کہا اور غور سے فریدی کی جیب کی طرف دیکھنے لگا جو خود بخود پھول کر پچک رہی تھی۔

''ارے!'' حمید نے اچھل کر کہا۔ ''انسپکٹر صاحب آپ کی جیب.....!''

فریدی نے حمید کا شانہ دبا دیا۔ حمید خاموش ہو گیا۔ انسپکٹر سدھیر بھی چونک پڑا۔

فریدی نے جلدی سے اپنی ہیٹ اس طرح اپنے پہلو میں رکھ دی کہ جیب چھپ گئی۔

''کیا بات ہے۔'' سدھیر نے حمید سے پوچھا۔

''کچھ نہیں..... یونہی ذرا.....!''

''دماغ کا ایک اسکرو ڈھیلا ہونے لگا تھا۔'' فریدی نے جملہ پورا کر دیا۔

دلبیر سنگھ کی کوٹھی کے سامنے پولیس کی لاری رکی، سروج اور دلبیر سنگھ برآمدے ہی میں بیٹھے تھے۔ فریدی کے ساتھ اتنے بہت سے کانسٹیبل دیکھ کر سروج نے آہستہ سے کچھ کہا۔ دلبیر

سنگھ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں یہ لوگ بھی برآمدے میں پہنچ گئے۔

''کہئے فریدی صاحب..... کوئی تازہ مصیبت.....'' ٹھاکر دلبیر سنگھ نے کہا۔

''کوئی خاص بات نہیں..... ادھر سے گزر رہا تھا۔ سوچا آپ سے بھی ملتا چلوں۔''

''خوب خوب!'' ٹھاکر دلبیر سنگھ نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''خوش قسمتی ہے کہ آپ جیسا بڑا آدمی مجھ سے اتنی انسیت رکھتا ہے۔ آپ لوگ تشریف ارے کوئی ہے ذرا کرسیاں لانا۔''

''گرمی بہت شدید ہے۔'' دلبیر سنگھ نے کہا۔ ''میرے خیال میں آپ لوگ کچھ شربت پئیں۔''

''جی نہیں شکریہ۔'' فریدی نے کہا۔ ''قطعی خواہش نہیں۔''

''کہئے کیا بملا والے کیس کی تحقیقات کے سلسلے میں کہیں تشریف لے گئے تھے۔'' سنگھ نے پوچھا۔

''جی ہاں..... کچھ کامیابی ہوئی تو ہے۔''

''کیا میں کچھ معلوم کر سکتا ہوں۔'' دلبیر سنگھ نے اشتیاق بھرے لہجے میں کہا۔

''کیوں نہیں!'' فریدی اپنے مخصوص سنجیدہ لہجے میں بولا۔ ''ایک تو یہی اطلاع آپ لئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ رندھیر بملا اور ڈاکٹر ستیش کا قتل ایک ہی آدمی کی ایماء پر ہوا ہے۔''

''اچھا!'' دلبیر سنگھ نے حیرت سے کہا۔ ''واقعی یہ خبر انتہائی دلچسپ اور ساتھ ہی حیرت انگیز بھی ہے۔''

''ٹھاکر صاحب۔'' فریدی بولا۔ ''کیا آپ مجھے بملا کا صحیح حلیہ بتا سکتے ہیں۔ مجھے لاش دیکھنے کا موقع بھی نہ مل سکا تھا۔''

''بہت خوب!'' ٹھاکر صاحب نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ''اگر کوئی اندھا کسی کا حلیہ بتا سکتا ضرور پوچھئے۔''

''تو کیا واقعی اب آپ کو آنکھوں سے بالکل دکھائی نہیں دیتا۔'' فریدی نے پوچھا۔ ٹھاکر دلبیر سنگھ کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں۔ شاید اسے فریدی کا یہ سوال ناگوار گذرا تھا۔

''فریدی صاحب میرا خیال ہے کہ میں آپ سے عمر میں بہت بڑا ہوں۔'' دلبیر سنگھ نے تلخ لہجہ میں کہا۔

''یقیناً!'' فریدی نے اعتراف میں سر ہلایا۔

''تو پھر آپ کو مجھ سے مذاق نہ کرنا چاہئے۔'' دلبیر سنگھ نے اپنے غصے کو دبانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ میں نے کوئی گستاخی نہیں کی۔'' فریدی نے ندامت آمیز لہجے میں کہا ''لیکن اگر آپ کو اس سے تکلیف پہنچی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔''

''خیر..... خیر!'' دلبیر سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''کوئی بات نہیں۔''

پھر تھوڑی دیر کے لئے خاموشی چھا گئی۔

''فریدی بھائی! مجرموں کے گرفتار ہو جانے کی کب تک امید ہے۔'' سروج نے کہا۔

''بہت جلد!'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''خدا کرے ایسا ہی ہو..... تاکہ ہم لوگوں کی طرف سے آپ کا شبہ رفع ہو۔'' سروج نے مغموم لہجے میں کہا۔

''آپ لوگوں پر شبہ..... ارے لاحول ولا قوۃ..... آپ بھی کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ توبہ توبہ!'' فریدی یہ کہہ کر اپنے مخصوص لہجے میں سیٹی بجانے لگا۔ وہ دلبیر سنگھ کے سامنے بیٹھا ہوا باغ کی طرف گردن موڑے کچھ دیکھ رہا تھا۔

''ارے سانپ.....!'' ٹھاکر دلبیر سنگھ بے اختیار اچھل کر بولا۔

فریدی کی جیب سے ایک کالا سانپ نکل کر اس کی گود میں رینگ رہا تھا۔ سب لوگ بدحواس ہو گئے۔

''سانپ دکھائی دیتے ہیں ٹھاکر صاحب۔'' فریدی نے ریوالور نکال کر ٹھاکر دلبیر سنگھ کی طرف تانتے ہوئے کہا۔ ''خبردار اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہ کرنا۔''

ٹھاکر دلبیر سنگھ کے ہاتھ سے اس کی چھڑی چھوٹ پڑی۔

''تم نے اٹھنے کی کوشش کی اور میں نے گولی چلائی۔'' فریدی نے تیز لہجے میں

''سدھیر صاحب ہتھکڑی۔''

ٹھاکر دلبیر سنگھ کے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگا دی گئی۔ اس کی بے رونق آنکھیں اور زیا نور ہو گئیں۔

''یہ آپ نے کیا کیا فریدی بھیا۔'' سروج بے اختیار چیخ پڑی۔

''ان کی آنکھوں کا علاج بغیر آپریشن..... اب انہیں اندھیرے میں رہنے کی ضر ہے۔'' حمید نے ہنس کر کہا۔ ''واللہ انسپکٹر صاحب آپ ماہر امراض چشم بھی ہیں۔''

''ارے ارے..... یہ کیا ہو رہا ہے۔'' سروج بے بسی سے بولی۔

''گھبراؤ نہیں..... سروج بہن شکر کرو کہ تم بچ گئیں ورنہ کچھ دن بعد تم بھی بملا کا دیتی نظر آتیں۔ اگر کچھ اور زیادہ جاننا چاہتی ہو تو کل شام کو مجھ سے ملنا۔ میں گھر پر ہی ہوں

ٹھاکر دلبیر سنگھ سر جھکائے بیٹھا تھا۔

''اٹھئے سرکار!'' سدھیر نے اُسے ٹھوکر لگاتے ہوئے کہا۔

دلبیر سنگھ جھلا کر کھڑا ہو گیا اور ہتھکڑی میں جکڑے ہوئے ہاتھ اٹھا کر اس زور سے کے سر پر مارے کہ سدھیر تیورا کر دیوار سے ٹکرا گیا۔ آٹھوں سپاہی دلبیر سنگھ پر ٹوٹ پڑے۔ سروج چیخنے لگی۔

ٹھاکر دلبیر سنگھ لاری میں بے سدھ پڑا ہوا تھا۔ اس کے کپڑے جگہ جگہ سے پھٹ تھے اور لاری شہر کی طرف بھاگی جا رہی تھی۔

اسی دن شام کو پولیس نے دلبیر سنگھ کے مکان پر چھاپہ مارا۔ کافی تلاش اور جستجو کے آخر کار فریدی اس تہہ خانے کا پتہ لگانے میں کامیاب ہو ہی گیا تھا جس میں دلبیر سنگھ نے کو

بنانے کا کارخانہ قائم کر رکھا تھا وہاں سے کافی مقدار میں کوکین برآمد ہوئی۔

اس کے علاوہ دوسرے کاموں سے فراغت پانے کے بعد وہ اور حمید ڈرائنگ روم میں بیٹھے۔ سروج پہلے ہی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔

''تم بہت زیادہ پریشان نظر آ رہی ہو۔'' فریدی نے سروج سے کہا۔ ''حالانکہ تمہیں خوش ہونا چاہئے کہ تم اس جال میں پھنسنے سے بچ گئیں اگر دلبیر سنگھ کو کبھی تم پر ذرا سا شبہ بھی ہو جاتا کہ تم اس کے راز سے واقف ہو تو تمہارا بھی وہی انجام ہوتا جو بملا کا ہوا۔''

''لیکن آپ کو ان سب باتوں کا علم کیسے ہوا۔'' سروج بولی۔

''جب مجرم میری گرفت میں آ جاتا ہے تو جس طرح چاہتا ہوں آسانی سے سب اگلوا لیتا ہوں۔ صرف دلبیر سنگھ ہی اس قید میں نہیں بلکہ اس کے بارہ ساتھی بھی اس کا ساتھ دے رہے ہیں۔ یہ سب شہر کے چھٹے ہوئے شریف قسم کے بدمعاش ہیں۔''

''آخر بملا ان لوگوں کے جال میں کیسے پھنس گئی۔'' سروج نے کہا۔

''اسی وقت سنو گی۔'' فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ ''خیر سنو ایک دن جب تم گھر نہیں تھیں بملا نے دلبیر سنگھ کو کچھ لکھتے دیکھ لیا۔ اسے حیرت ہوئی ہو گی اور حیرت کی بات بھی ہے کہ اندھے لکھا نہیں کرتے۔ دلبیر سنگھ کو اس کا احساس ہو گیا۔ اس وقت اس کی سمجھ میں یہی آیا کہ بملا کو لے جا کر تہہ خانے میں قید کر دے۔ تہہ خانے میں لے جا کر دلبیر سنگھ نے زبردستی اس سے ایک خط تمہارے نام لکھوایا کہ وہ اپنے کسی عزیز سے ملنے شہر جا رہی ہے اور معلوم نہیں کب تک اس کی واپسی ہو۔ دلبیر بملا کی تحریر لے کر اسے تہہ خانے میں بند کر کے چلا آیا۔ یہ ضروری کام اس نے اس لئے کیا تھا کہ اپنے دوسرے ساتھیوں سے رائے لینے کے بعد کوئی دوسری کارروائی کر سکے۔ تمہارے آنے پر اس نے بملا کا خط تمہیں دے دیا تھا اور تم مطمئن ہو گئی تھیں۔ کیوں ہے نا یہی بات۔ دلبیر سنگھ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا جن میں ڈاکٹر ستیش بھی شامل تھا۔ ڈاکٹر ستیش نے جو رائے دی اس پر سب راضی ہو گئے۔ لہٰذا وہیں تہہ خانے میں تیز روشنی کا انتظام کر کے بملا اور ستیش کی ایک تصویر کھینچی گئی۔ وہ تصویر بھی مجھے مل گئی

لیکن وہ ایسی نہیں کہ تمہیں دکھلا سکوں۔ بہرحال بملا سے کہا گیا کہ اس نے دلبیر کا راز کی
کیا تو وہ تصویر اس کے عزیزوں اور اس کے منگیتر کے پاس بھیج دی جائے گی۔ اتنا کچ
کے بعد بھی ان لوگوں کو اطمینان نہ ہوا۔ اسی دوران میں ان کے ہاتھ بملا کے منگیتر کا ایک
لگ گیا جس سے ظاہر ہوا کہ شاید ان دونوں کے والدین میں کچھ جھگڑا ہو گیا ہے اور وہ
شادی کرنے پر رضامند نہیں۔ اس خط کو دیکھتے ہی دلبیر سنگھ نے ایک اسکیم بنائی۔ وہ یہ تھی کہ
رندھیر اور بملا اس دوران غائب کر دیئے جائیں تو ان کے والدین یہی سمجھیں گے کہ
رندھیر بملا کو کہیں بھگا لے گیا۔ اس اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ڈاکٹر ستیش بملا کا
بن گیا۔ اس نے وہ تصویر اسی کے سامنے جلا دی اور اس سے کہا کہ تم رندھیر کو ایک خط لکھو
تمہیں یہاں سے آ کر نکال لے جائے۔ ڈاکٹر ستیش نے بملا کو اچھی طرح اطمینان دلایا
اس کی پوری پوری مدد کرے گا۔ رندھیر کا جواب آنے پر انہیں معلوم ہو گیا کہ وہ کب آ رہا
جہاں تک دونوں کو قتل کر دینے کی اسکیم کا تعلق ہے ان لوگوں نے بڑی چالاکی سے کام لیا
اور زیادہ پردہ پوشی کے لئے پولیس کو بھی اس میں الجھا دینے کی اسکیم بنا کر سخت دھوکا کھ
حالانکہ ان کی اسکیم بھی بڑی شاندار تھی۔ ان کا خیال تھا کہ بملا اور رندھیر کے اس طرح غا
ہو جانے سے بملا کے والدین ان دونوں کا حلیہ جاری کرائیں گے اور جب پولیس کو معلوم
کہ دھرم پور کے جنگل میں لاش دیکھنے والا رندھیر سنگھ ہی تھا تو پولیس اور زیادہ سرگرمی سے
کی تلاش شروع کر دے گی اور شاید ایسا ہوتا بھی۔ اگر عین وقت پر جنگلی گیدڑ ہماری مد
کر بیٹھتے۔ میں نے تمہیں گیدڑ کی لاش کا واقعہ بتایا تھا۔ وہ بھی دلبیر سنگھ کی حرکت تھی۔ ڈا
ستیش صاحب کانپور جا رہے تھے۔ رندھیر کے گھر کی تلاشی لینے تاکہ بملا کا خط ڈھونڈ کر اسے
سکیں۔ راستہ میں مجھ سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ وہ گرفتار ہو گیا۔ اس کے ساتھ اور آدمی بھی تھے جو
کے گرفتار ہونے کے بعد راستے ہی سے پلٹ آئے۔ اس نے اس کی خبر دلبیر سنگھ کو دی۔ دل
سنگھ نے سوچا کہ اب اسے بھی ٹھکانے لگا دینا چاہئے ورنہ ممکن ہے کہ پولیس اس سے اگلوا لے
پھر دلبیر سنگھ نے مجھ پر اور حمید پر بھی حملہ کیا تھا لیکن تم ابھی تک نہیں جانتیں کہ مجھے یہ کیسے معلو

ہوا کہ دلبیر سنگھ ہی مجرم ہے۔ جن لوگوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا ان میں سے ایک کی ٹارچ میرے
ہاتھ لگ گئی۔ اس کی انگلیوں کے نشانات اس ٹارچ پر باقی رہے جنہیں میں نے کاغذ پر اتروا
لیا۔ مجھے دلبیر سنگھ پر شروع ہی سے شبہ تھا۔ حالانکہ وہ ایک اندھے کا پارٹ بڑی خوش اسلوبی
سے انجام دے رہا تھا۔ لیکن..... ہاں تو جب میں تمہیں یہاں چھوڑنے آیا تھا تو تمہیں یاد ہوگا
کہ تم نے ہم لوگوں کو شربت پلایا تھا۔ میں نے وہ گلاس چرا لیا جس میں دلبیر سنگھ نے شربت پیا
تھا۔ اس پر دلبیر سنگھ کی انگلیوں کے نشانات تھے۔ اس گلاس کے نشانات اور اس ٹارچ کے
نشانات میں کوئی فرق نہ نکلا اور پھر آپ کے ٹھاکر صاحب آخر کار دھر لئے گئے۔"

"اچھا یہ بتایئے کہ میرا کیا حشر ہوگا۔" سرو پریشانی کے لہجے میں بولی۔

"کچھ بھی نہیں۔ تمہیں صرف سرکاری گواہ بننا پڑے گا۔ میں تم سے پہلے ہی وعدہ کر چکا
ہوں کہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔"

"اب تم اتنی بڑی جائیداد کی تنہا مالک ہو۔ دلبیر سنگھ تو پھانسی سے بچ نہیں سکتا۔"

"میں آپ کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔ اگر میرا کوئی سگا بھائی بھی ہوتا میرے
لئے اتنا نہ کر سکتا۔"

"اچھا تو مجھے سگا بھائی نہیں سمجھتیں۔" فریدی نے روٹھ جانے والے انداز میں کہا۔

"میرا بھیا۔" سرو نے کہا اور اس کی آنکھوں میں محبت کے آنسو امنڈ آئے۔

حمید نے ایک بھونڈا سا قہقہہ لگایا۔ جھینپا جھینپا سا قہقہہ.....

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 3

عورت فروش کا قاتل

(مکمل ناول)

پیشرس

جاسوسی دنیا کی تیسری کہانی ''عورت فروش کا قاتل'' پیش خدمت ہے۔کہانی بھی آپ کے الفاظ میں ''زور دار'' ہی ہے۔مگر محض تفریحی نہیں' سبق آموز بھی ہے۔آپ دیکھیں گے کہ بے جوڑ شادیاں کتنی تباہ کن اور معاشرے پر بُرا اثر ڈالنے والی ہوتی ہیں! لیڈی سیتا رام بھی ایک شریف عورت کی طرح زندگی بسر کرسکتی تھی۔ بشرطیکہ عمران کا تفاوت اس کی زندگی کی راہ میں نہ حائل ہوجاتا۔ بشرطیکہ وہ اپنے ہی طبقہ میں بیاہی جاتی..... اس کہانی میں آپ کو قہقہے بھی ملیں گے اور آنسو بھی۔

ابن صفی

یکم مئی ۱۹۵۷ھ

خونی ناچ

آج شام ہی سرجنٹ حمید نے کافی ہڑبونگ مچا رکھی تھی، لیکن بات محض اتنی ہی تھی کہ آ
اس نے نمائش جانے کا پروگرام بنایا تھا۔ کئی بار اس نے مختلف رنگوں کے سوٹ نکالے اور ان
قسم قسم کی ٹائیاں رکھ کر دیکھتا رہا۔ انسپکٹر فریدی اس کے بچپنے پر دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا
لیکن اس نے دخل دینا مناسب نہ سمجھا۔ آج وہ بھی نمائش جانے کے لئے تیار ہو گیا جس کی
سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ آج کل وہ قطعی بیکار تھا، ورنہ اس جیسے مشغول آدمی کو کھیل تماشوں
کی فرصت کہاں اور ویسے بھی اسے ان چیزوں سے دلچسپی نہ تھی۔ فرصت کے اوقات میں وہ
زیادہ تر اپنے پالتو جانوروں سے دل بہلایا کرتا تھا یا پھر حمید کے چٹکلوں سے لطف اندوز ہوا
کرتا تھا۔ دوسرے لفظوں میں اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ حمید بھی اسکے عجائب خانے کا
ایک جانور تھا۔ حیوان ظریف۔

حمید اس کا ماتحت ضرور تھا لیکن ان دونوں کے درمیان کسی قسم کا رسمی تکلف بھی نہیں تھا اور
یہی چیز اس کے دوسرے ماتحتوں کو بہت گراں گذرتی تھی۔ اکثر دبی زبان سے اپنی خفگی کا اظہار
بھی کر دیا کرتے تھے لیکن فریدی ہمیشہ ہنس کر ٹال دیتا تھا۔ بہتیروں نے اس بات کی کوشش بھی
کی کہ سرجنٹ حمید کا کسی دوسری جگہ کا تبادلہ کرا دیا جائے لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے
کیونکہ بڑے افسران کو بہرحال کوئی کام فریدی کی مرضی کے خلاف کرنے میں کچھ نہ کچھ ٹال
ضرور ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حمید کا تبادلہ کسی دوسری جگہ کا نہ ہو سکا ورنہ سرجنٹوں کے تبادلے تو
آئے دن ہوا کرتے تھے۔

انسپکٹر فریدی ایک جوہر شناس آدمی تھا اس نے پہلے ہی دن حمید کی صلاحیتوں کا اندازہ
یا تھا اور پھر دو تین معاملات میں اپنے ساتھ چانس دینے پر تو وہ اس کا گرویدہ ہو گیا تھا۔ رفتہ
ہ دونوں کے تعلقات بڑھتے گئے اور پھر ایک دن وہ آیا کہ حمید انسپکٹر فریدی کے ساتھ رہنے

اس وقت وہ اس کی کوٹھی میں بیٹھا اس کے نوکروں پر اسی طرح رعب جما رہا تھا جیسے وہ
داسی کے نوکر ہوں۔

"آپ کون سا سوٹ پہن رہے ہیں۔" حمید نے فریدی سے پوچھا۔

"کوئی سا پہن لیا جائے گا..... آخر ہیں آج کپڑوں کا خبط کیوں پیدا ہو گیا ہے۔"
یدی نے کہا۔

"کوئی ایسی خاص بات تو نہیں۔" حمید ہنس کر بولا۔

"نہیں! تم نے ضرور کوئی نئی حماقت کی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "میں مان نہیں سکتا۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ آج.....!" حمید رکتے ہوئے بولا۔ "بات یہ ہے کہ نمائش گاہ تو
ں بہانہ ہے۔ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ آج آرلکچو میں خاص پروگرام ہے۔ سچ کہتا ہوں بڑا
ف رہے گا۔"

"تو یہ کہئے۔" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔ "آپ ہی تشریف لے جائیے۔ میرے پاس
لغویات کے لئے وقت نہیں۔"

"خدا کی قسم مزا آ جائے گا..... آج آپ بھی ناچئے گا، شہناز کے ساتھ ..... اس کی
یک سہیلی بھی ہو گی۔"

"اچھا.....!" فریدی طنزیہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "یہ شہناز کیا بلا ہے۔"

"جی ہی ہی..... بات یہ ہے کہ..... وہ میری دوست ہے..... یعنی کہ بات یہ ہے.....
ہی ہی ہی۔"

"جی ہاں بات یہ ہے کہ آپ نے کوئی نیا عشق فرمایا ہے۔"

''جی ہاں..... جی ہاں..... آپ تو سمجھتے ہی ہیں، لیکن میں آپ سے کہتا ہو
اس بار سو فیصدی سچا عشق ہوا ہے۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ میں اس کے بغیر.....!''

''زندہ نہیں رہ سکتا۔'' فریدی نے طنزیہ انداز میں جملہ پورا کرتے ہوئے کہا۔

''اور اگر زندہ رہ سکتا ہوں تو اس گھر میں نہیں رہ سکتا اور اگر اس گھر میں رہ بھی گیا
رات بھوں بھوں رونے کے علاوہ اور کوئی کام نہ ہوگا۔''

حمید کھسیانی ہنسی ہنسنے لگا۔

''آپ چلئے تو..... اچھا آپ نہ ناچئے گا۔'' اُس نے کہا۔

''خیر چلا جاؤں گا کیونکہ میں بھی تھوڑی سی تفریح چاہتا ہوں، لیکن براہِ کرم وہاں میر
سے تعارف نہ کرانا۔''

''چلئے منظور.....!'' حمید نے مسکرا کر کہا۔ ''اچھا اب جلدی سے اپنا سوٹ نکلوا لیجئے
پہلے نمائش چلیں گے۔''

''تو کیا تمہیں ناچنا آتا ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''کیوں نہیں..... میں فاکس ٹراٹ ناچ سکتا ہوں..... والز ناچ سکتا ہوں اور!''

''بس بس.....!'' فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''ابھی امتحان ہوا جاتا ہے۔''

فریدی نے ریکارڈوں کے ڈبے میں سے ایک ریکارڈ نکال کر گراموفون پر چڑھا
ایک انگریزی طرز کا نغمہ کمرے میں گونجنے لگا۔

''اچھا بتاؤ..... کیا بج رہا ہے۔'' فریدی نے حمید کیطرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

حمید بوکھلا گیا۔ اپنی گھبراہٹ کو مسکراہٹ میں چھپاتے ہوئے بولا۔ ''ماڈرن فاکس
ٹراٹ.....!'' فریدی نے قہقہہ لگایا۔

''اسی بل بوتے پر ناچنے چلے تھے جناب۔''

''اچھا..... تو پھر آپ ہی بتایئے کہ کیا ہے۔'' حمید نے جھینپ مٹاتے ہوئے کہا۔

''والز.....!''

''میں مان نہیں سکتا۔''

''اچھا اگر فاکس ٹراٹ ہے تو ناچ کر دکھاؤ۔''

''کس کے ساتھ ناچوں۔''

''میرے ساتھ.....!''

''آپ ناچنا کیا جانیں۔''

''حضور تشریف تو لائیں۔''

فریدی نے بایاں ہاتھ حمید کی کمر میں ڈال دیا اور حمید کا بایاں ہاتھ اپنے کاندھوں پر رکھنے

''تو گویا آپ مجھے عورت سمجھ رہے ہیں۔ میں کاندھوں پر ہاتھ نہیں رکھوں گا۔'' حمید نے
پ کر پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

''گدھے ہو۔'' فریدی نے اُسے اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ ''آؤ تمہیں ناچنا
ادوں۔''

دونوں لپٹ کر ریکارڈ کے نغمے پر ناچنے لگے۔

فریدی ہدایتیں دے رہا تھا۔

''پیچھے ہٹو..... دایاں پاؤں..... بایاں پاؤں..... پیچھے..... پیچھے..... آگے آؤ.....
ا..... داہنا۔ برخوردار یہ والز ہے..... ہاں ہاں..... بایاں پاؤں..... فاکس ٹراٹ نہیں
ہے۔''

ریکارڈ ختم ہوجانے کے بعد دوسرا ریکارڈ لگایا گیا۔ وہ دونوں پھر ناچنے لگے۔ تھوڑی دیر
ا پسینے میں تر ہوگیا۔

''بس میرے شیر..... اتنے ہی میں بول گئے۔'' فریدی نے ہنس کر کہا۔

''خدا کی قسم..... آپ کا جواب نہیں۔'' حمید نے ہانپتے ہوئے کہا۔ ''میں تو آپ کو انتہائی
سا آدمی سمجھتا تھا..... آپ نے یہ سب کیسے سیکھ لیا۔''

''ایک سراغ رساں کو سب کچھ جاننا چاہئے۔''

''میں آپکا شکر گذار ہوں، ورنہ آج سخت شرمندگی اٹھانی پڑتی۔'' حمید نے کہا۔

''شرمندگی کس بات کی۔ کچھتر فیصدی لوگ عموماً غلط ناچتے ہیں۔ تم تو پھر بھی غنیمت رہے تھے۔''

''اچھا تو پھر آج آپ کو بھی ناچنا پڑے گا۔'' حمید نے کہا۔

''یہ غلط بات ہے۔ میں تمہارے ساتھ اسی شرط پر چل سکتا ہوں کہ مجھے ناچنے پر مجبور نہ کرنا۔''

''عجیب بات ہے..... اچھا خیر..... میں آپ کو مجبور نہ کروں گا۔''

دونوں کافی دیر تک نمائش کے چکر لگاتے رہے۔ حمید کی یہ کیفیت تھی کہ وہ ہر حسین لڑکی کو قریب سے گزرتے دیکھ کر فریدی کا ہاتھ دبا دینا ضروری سمجھتا تھا اس وقت فریدی کی جھنجھلاہٹ دیکھنے کے قابل ہوتی۔ جب وہ اس کی توجہ کسی دوسری طرف سے ہٹا کر کسی اور کو دکھلانے کی کوشش کرتا۔

''حمید آخر تم اتنے گدھے کیوں ہو؟'' فریدی نے چلتے چلتے رک کر کہا۔

''اکثر میں بھی یہی سوچا کرتا ہوں۔'' حمید ہنس کر بولا۔

''دیکھو میں تمہیں سنجیدگی سے سمجھاتا ہوں کہ اب تم اپنی شادی کر ڈالو۔''

''اگر کوئی شادی شدہ آدمی مجھے اس قسم کی نصیحت کرتا تو میں ضرور مان لیتا۔'' حمید مسکرا کر کہا۔

''اگر یہ ممکن نہیں تو پھر میری ہی طرح عورتوں کے معاملے میں پتھر ہو جاؤ۔''

''آپ تو خواہ مخواہ بات بڑھا دیتے ہیں۔'' حمید نے بُرا مان کر کہا۔ ''کیا کسی اچھی چیز کی تعریف کرنا بھی جرم ہے۔''

''جرم تو نہیں لیکن ہمارے پیشے کے اعتبار سے یہ رجحان خطرناک ضرور ہے۔''

حمید نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ اُس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے

وقت اس قسم کی نصیحتیں سننے کے لئے تیار نہیں ہے۔

تقریباً ایک گھنٹے تک نمائش کا چکر لگانے کے بعد وہ لوگ آرلکچو کی طرف روانہ ہو گئے۔ آرلکچو کا شمار شہر کے بڑے ہوٹلوں میں ہوتا تھا..... یہاں کا سارا کاروبار انگریزی طرز پر چلتا تھا۔ یہاں ناچ بھی ہوتا تھا جس میں شہر کے اونچے طبقے کے لوگ حصہ لیا کرتے تھے۔

دونوں نے آرلکچو پہنچ کر ٹکٹ خریدے اور ہال میں داخل ہو گئے۔ سارا ہال برقی قمقموں سے جگمگا رہا تھا اور موسیقی کی لہریں فضا میں منتشر ہو رہی تھیں۔ پہلا راؤنڈ شروع ہو گیا تھا بیشمار خوش پوش نوجوان جوڑے بغل گیر ہو کر ہال کے چوبی فرش پر تیر رہے تھے۔

حمید اور فریدی پہلا راؤنڈ ختم ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ حمید کی بے چین نگاہیں اس بھیڑ میں شہناز کو تلاش کر رہی تھیں۔

''ارے یہ شہناز کس کے ساتھ ناچ رہی ہے۔'' حمید نے ایک جوڑے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ فریدی اُدھر دیکھنے لگا۔ ایک خوبصورت لڑکی ریشمی شلوار اور فراک میں ملبوس ایک، جاذب نظر نوجوان کے ساتھ ناچ رہی تھی، فریدی اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ جب وہ دونوں ان کے قریب ہو کر گذرے تو شہناز نے مسکرا کر حمید کو کچھ اشارہ کیا۔ حمید نے منہ پھیر لیا اور فریدی مسکرانے لگا۔

''آخر ہو نا سودیشی۔'' فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''برخوردار اگر ان لغویات کا شوق ہے تو یہ سب بھی برداشت کرنا پڑے گا۔ وہ تمہاری بیوی تو نہیں کہ تم اس پر جھنجھلا رہے ہو اور پھر یہ تو مغربی تہذیب کا ایک اہم جزو ہے کوئی بھی عورت کسی مرد کے ساتھ ناچ سکتی ہے۔''

حمید اپنا نچلا ہونٹ چبا رہا تھا۔

''ناراضگی کی کوئی بات نہیں۔ اگلے راؤنڈ میں تم بھی ناچ لینا۔'' فریدی نے کہا۔

''نہیں میں اب نہیں ناچوں گا۔''

''کیوں.....؟''

''بس یونہی..... دل نہیں چاہتا۔ آیئے واپس چلیں۔'' حمید نے بے دلی سے کہا۔

''پھر آئے کیوں تھے..... عجیب آدمی ہو۔''

''یہاں ٹھہرنے کو دل نہیں چاہتا۔''

''بھئی میں تو ابھی نہیں جاسکتا۔'' فریدی نے کہا اور سگار سلگا کر لمبے لمبے کش لینے لگا

''خیر پھر مجبوری ہے.....!'' حمید آہستہ سے بولا۔

''گھبراؤ نہیں.....!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''مجھے تمہاری محبوبہ سے قطعی کوئی دلچسپی میں تو اس آدمی میں دلچسپی لے رہا ہوں جو کیا نام ہے اس کا..... ہاں..... شہناز کے سا رہا ہے۔''

حمید فریدی کو حیرت سے دیکھنے لگا۔

''کیا تم نے اُسے پہلے کبھی دیکھا ہے۔'' فریدی نے حمید سے پوچھا۔

''نہیں.....!''

''اس کا نام رام سنگھ ہے اور یہ ایک خطرناک آدمی ہے۔ خود کو کسی ریاست کا شہزاد کئے ہوئے ہے لیکن دراصل ایک خطرناک مجرم ہے۔'' فریدی نے سگار کا کش لے کر کہا۔

''یہ سب آپ کیسے جانتے ہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''عجیب حمقانہ سوال ہے، ارے میں ان حضرت کو نہ جانوں گا، تو پھر کون جانے گا۔

''میں عرصہ سے اس کی تاک میں ہوں۔ مجھے شبہ ہے کہ آج کل یہ لڑکیوں کا بیوپا ہے۔ ذرا یہ تو بتاؤ کہ شہناز کون ہے، کیا کرتی ہے اور اس کا تعلق کس خاندان سے ہے۔''

''یہ تو مجھے پتہ نہیں کہ کس خاندان سے تعلق رکھتی ہے لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں ماڈرن گرلز کالج میں لیکچرار ہے۔''

''تمہاری ملاقات اس سے کس طرح ہوئی۔''

''دو ماہ قبل جب میں دس دن کی چھٹیاں گذار کر گھر سے واپس آرہا تھا تو یہ مجھے ٹر ملی تھی، ہم دونوں کمپارٹمنٹ میں تنہا تھے۔ اس لئے ایک دوسرے سے شناسائی حاصل کر میں دقت نہ ہوئی۔ اس کے بعد سے اکثر ہم دونوں ایک دوسرے سے یہاں ملتے رہتے ہ

''کیا وہ یہ جانتی ہے کہ تمہارا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے ہے۔''

''نہیں میرے بہت کم جاننے والے اس سے واقف ہیں۔''

''یہ اچھی عادت ہے۔''

دونوں خاموش ہوگئے۔ شہناز اور رام سنگھ ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہوئے ناچ تھے۔ شہناز ہنس ہنس کر اس سے کچھ کہہ رہی تھی۔ وہ طرح طرح کے مضحکہ خیز منہ بنا کر تھا۔

پہلا راؤنڈ ختم ہوگیا کچھ لوگ سائیڈ میں بیٹھ کر سستانے لگے اور کچھ بار کی طرف چلے رام سنگھ اور شہناز بھی ایک طرف بیٹھ کر سستا رہے تھے، شہناز بار بار مڑ کر حمید کی طرف تھی۔ اسے شاید خیال تھا کہ حمید اس کے پاس آئے گا لیکن جب اس نے دیکھا کہ حمید سے ہلا بھی نہیں تو وہ خود اٹھ کر ان کی طرف بڑھی۔

''ہیلو حمید صاحب..... آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں۔ آیئے چل کر بیٹھیں، چلئے میں کور صاحب سے ملاؤں۔ ان سے ابھی اسی وقت ملاقات ہوئی ہے۔ بہت دلچسپ آدمی شہناز نے کہا۔

''وہ شاید ہم لوگوں سے ملنا پسند نہ کریں۔'' فریدی نے کہا۔

''واہ یہ کیسے ہوسکتا ہے.....!'' شہناز نے حمید کو مخاطب کر کے فریدی کی طرف دیکھتے کہا۔ ''آپ کی تعریف.....!''

''آپ ہیں میرے دوست احمد کمال اور آپ ہیں مس شہناز۔'' حمید نے تعارف کرایا۔

''آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔'' فریدی نے شہناز سے ہاتھ ملاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''مجھے بھی.....!'' شہناز نے اپنے خوبصورت دانتوں کی نمائش کی۔

اتنے میں دوسرا راؤنڈ شروع ہوگیا۔

''کیا میں آپ سے درخواست کرسکتا ہوں۔'' فریدی نے شہناز سے کہا۔

''اوہ بڑی خوشی سے۔'' شہناز نے داہنا ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا۔

فریدی نے داہنا ہاتھ پکڑ کر بایاں ہاتھ اس کی کمر میں ڈال دیا اور ہلکے ہلکے ہوا ناچنے والوں کی بھیڑ میں آ گیا۔

حمید کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ رام سنگھ اب کسی اور لڑکی کے رہا تھا۔ فریدی ایک مشاق ناچنے والے کی طرح اپنے فن کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ غالباً بھی آہستہ آہستہ ہدائتیں دیتا جا رہا تھا۔

حمید کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا، وہ کئی بار اٹھا اور بیٹھا..... پھر بار کی طرف ایک بوتل لیمن پی اور رومال سے منہ پونچھتا ہوا واپس آ گیا۔ فریدی اور شہناز ناچتے ہوئے کے پاس سے گذر رہے تھے، فریدی نے شہناز کی نظریں بچا کر مسکراتے ہوئے حمید کو اور حمید کو ایسا معلوم ہوا جیسے اس کے جسم پر سینکڑوں چیونٹیاں رینگنے لگی ہوں، اس سکوڑ کر دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ فریدی نے جھک کر شہناز کے کان میں کچھ کہا اور طرف دیکھ کر ہنسنے لگی۔ حمید کا غصہ اور تیز ہو گیا۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھا۔ قریب ہی بوڑھی اور بدشکل اینگلو انڈین کے قریب آیا اور اس سے ناچنے کی درخواست کی، پہلے کر بھنائی کہ شاید حمید اس کا مذاق اڑا رہا ہے، لیکن پھر اس کی قدرے سنجیدگی دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔ حمید اس سے بغل گیر ہو کر ناچنے لگا۔ ہال میں بے شمار قہقہے گونجنے لگے۔

فریدی اور شہناز اس بُری طرح ہنس رہے تھے کہ انہیں قدم سنبھالنا دشوار ہو گیا اتنی سنجیدگی سے ناچ رہا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔ البتہ بڑھیا بُری طرح شرما چند منٹ گذرنے کے بعد دونوں اس طرح گھل مل کر باتیں کر رہے تھے، جیسے برسوں ہوں۔

دوسرا راؤنڈ ختم ہو گیا۔

فریدی، حمید، شہناز اور اینگلو انڈین بڑھیا ایک میز کے گرد آ بیٹھے۔

''کمال صاحب..... واقعی آپ نے کمال ہی کر دیا۔'' شہناز بولی۔ ''حمید صا آپ کی ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے ایسے باکمال آدمی سے ملا دیا۔ مجھے آپ سے

ملنے لگی۔''

''ضرور..... ضرور.....!'' حمید نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''ابھی آپ نے دیکھا ہی کیا ہے، واقعی بڑے باکمال آدمی ہیں۔''

فریدی نے میز کے نیچے حمید کا پاؤں اپنے پاؤں سے دبا دیا۔

''آپ کا نام جاننا مانگتا۔'' بوڑھی اینگلو انڈین حمید سے مخاطب ہو کر بولی۔

''ہمارا نام.....!'' حمید مسکرا کر بولا۔ ''ہمارا نام اُلو کا پٹھا ہے۔''

''ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔'' بڑھیا بے تحاشہ ہنستی ہوئی بولی۔

''اچھا ہدہد کا پٹھا سہی۔'' حمید نے کہا۔

''نہیں..... ٹھیک بولو۔''

حمید نے جھک کر آہستہ سے اس کے کان میں کچھ کہا۔

''تم پاگل ہے۔'' وہ کھسیانی ہنسی ہنستی ہوئی بولی اور شرما کر سر جھکا لیا۔

''معلوم ہوتا ہے کنور صاحب چلے گئے۔'' شہناز نے گردن اونچی کر کے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ کنور صاحب کہاں رہتے ہیں۔'' فریدی نے پوچھا۔

''پتہ نہیں..... مجھ سے تو یہیں اسی وقت ملاقات ہوئی تھی، ویسے ہیں دلچسپ آدمی۔''

''صورت سے تو نرا ڈیوٹ جان پڑتا ہے۔'' حمید نے منہ بنا کر کہا۔

''نہیں واقعی بہت زندہ دل آدمی ہے۔'' شہناز بولی۔

''شہناز کا دوپٹہ بار بار شانوں سے ڈھلک رہا تھا۔ وہ ایک قبول صورت لڑکی تھی۔ عمر بائیس تیئیس سال سے زیادہ نہ رہی ہوگی، اس کے چہرے میں سب سے زیادہ حسین چیز اس کے ہونٹ تھے، اوپری ہونٹ نچلے کی مناسبت سے کافی پتلا تھا۔ نچلے ہونٹ کے درمیان کا ہلکا سا خم اس کی جنسی شدت پسندی کی غمازی کر رہا تھا۔ ہنستے وقت گالوں میں خفیف سے گڑھے پڑ جاتے تھے۔

حمید اس وقت اسے عجیب نظروں سے گھور رہا تھا۔ ایسی نظریں جن میں شکایت ناپسندیدگی کی جھلکیاں دکھائی دے رہی تھیں۔

''حمید صاحب آپ اس قدر خاموش کیوں ہیں؟''

''میں دراصل اس لئے خاموش ہوں۔'' حمید نے مسکرا کر کہا۔ ''کہ خاموش رہنے کھانا جلد ہضم ہو جاتا ہے۔''

''آپ انہیں کھانا ہضم کرنے دیجئے۔'' فریدی نے شہناز کا ہاتھ پکڑتے ہوئے ''آیئے ایک راؤنڈ اور ہو جائے۔''

تیسرے راؤنڈ کے لئے موسیقی شروع ہو گئی تھی۔

فریدی اور شہناز بھی ناچنے والوں کی بھیڑ میں آ گئے۔ حمید نے پھر اسی بڑھیا کے ناچنا شروع کر دیا۔

''آپ واقعی بہت اچھا ناچتے ہیں۔'' شہناز نے آہستہ سے کہا۔

''اور آپ..... آپ کس سے کم ہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''آپ کرتے کیا ہیں؟''

''بہت کچھ کرتا ہوں..... اور کچھ بھی نہیں کرتا۔''

''یعنی.....!''

''مٹر گشتی۔'' فریدی نے کہا اور پھر اچانک چونک کر بولا۔ ''یہ کیا.....؟''

''کیا بات ہے۔'' شہناز نے اپنی بوجھل پلکیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں اور ان میں سرخ سرخ ڈورے نظر آنے لگے تھے۔

''ایسا معلوم ہوا تھا جیسے کسی نے ریوالور چلایا ہو۔'' فریدی نے ایک طرف دیکھتے ہو کہا۔

''ریوالور..... یہاں ریوالور کا کیا کام..... میں نے تو نہیں سنا۔''

''ساز بہت اونچے سروں میں بج رہے ہیں۔''

شہناز نے اپنا سارا بوجھ فریدی کے کاندھوں پر ڈال دیا۔ وہ ایک نشے میں ڈوبی ہوئی کی طرح لہریں لے رہی تھی۔ تیسرا راؤنڈ ختم ہونے میں ابھی کافی دیر تھی لیکن اچانک۔ شرارک گیا۔ ناچنے والے حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

ہوٹل کا منیجر اوپر گیلری میں کھڑا چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

''خواتین و حضرات..... مجھے افسوس ہے کہ آج کا پروگرام اس سے آگے نہ بڑھ سکے

''کیوں کس لئے۔'' بہت سی غصیلی آوازیں بیک وقت سنائی دیں۔

''یہاں ایک آدمی نے ابھی ابھی خودکشی کر لی ہے۔''

ہال میں سناٹا چھا گیا۔ پھر بیک وقت مختلف قسم کی آوازوں کے ملنے سے ایک عجیب قسم بھنبھناہٹ سی گونجنے لگی۔ لوگ ایک ایک کر کے جانے لگے، حتیٰ کہ تھوڑی دیر بعد پورے میں صرف آٹھ دس آدمی رہ گئے، اُن میں حمید، فریدی اور شہناز کے علاوہ ہوٹل کے مین بھی شامل تھے۔

''تو ہم لوگ کس لئے رکے ہوئے ہیں۔'' شہناز نے کہا۔

''بدتمیزی ضرور ہے.....!'' فریدی بولا۔ ''لیکن شاید آپ کو تنہا واپس جانا پڑے، مجھے سے کچھ ضروری کام ہے۔ اس لئے مجھے اس کا انتظار کرنا پڑے گا۔''

''کوئی بات نہیں۔'' شہناز بولی۔ ''بھلا اس میں بدتمیزی کی کیا بات ہے، اچھا پھر کب مل ہے ہیں آپ..... یہ رہا میرا کارڈ.....!''

فریدی نے اس کا کارڈ لے لیا جس پر پتہ لکھا ہوا تھا۔

شہناز چلی گئی۔

''واہ استاد..... آپ نے تو کمال ہی کر دیا۔'' حمید شکایتی لہجے میں بولا۔ ''اگر اسی طرح ارادہ تبدیل کرنا تھا تو کسی اور پر نظر عنایت کی ہوتی۔''

''عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب۔'' فریدی نے گنگنا کر کہا۔

''خدا خیر کرے۔''

''چھوڑو آؤ دیکھیں کیا معاملہ ہے۔'' فریدی نے دروازے کی طرف بڑھتے ہو
برآمدے میں کافی بھیڑ تھی۔ کمرہ نمبر تین کے دروازے پر دو کانسٹیبل کھڑ
تھے۔ فریدی اور حمید کو دیکھ کر دونوں سلام کرتے ہوئے ایک طرف ہٹ گئے۔

قتل یا خودکشی

حمید اور فریدی کی نظر جیسے ہی لاش پر پڑی وہ چونک گئے۔ کمرے کا منظر حد درج
تھا۔ ایک آرام کرسی پر لاش اس طرح پڑی تھی جیسے مقتول بیٹھے بیٹھے ٹیک لگا کر کچھ دیر
اونگھ گیا ہو، اس کا داہنا ہاتھ جس میں پستول دبا ہوا تھا اس کی گود میں پڑا تھا۔ بایاں ہا
لٹک کر زمین پر ٹکا ہوا تھا۔ گردن بائیں طرف لڑھک گئی تھی۔ فریدی اور حمید نے ایک
کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔

''یہ تو وہی ہے جو شہناز کے ساتھ ناچ رہا تھا۔'' حمید نے آہستہ سے فریدی کے
کہا۔

فریدی نے اس کا ہاتھ دبا دیا۔ حمید خاموش ہوگیا۔

کمرے میں دو انسپکٹر اور ایک ہیڈ کانسٹیبل ہوٹل کے منیجر کا بیان لے رہے تھے۔

وہ تینوں اس طرح مشغول تھے کہ انہیں فریدی اور حمید کے آنے کی اطلاع
ہوٹل کا منیجر کہہ رہا تھا۔

''کنور صاحب تقریباً دو ماہ سے اس ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ میں ان
صرف اتنا ہی بتا سکتا ہوں کہ اُن کے احباب انہیں کنور صاحب کہہ کر مخاطب کرتے تھے
میں یہ کیوں کر بتا سکتا ہوں کہ انہوں نے خودکشی کیوں کی۔ لوگوں کا بیان ہے کہ وہ ا

ں بھی شامل تھا، دوسرے راؤنڈ تک انہیں وہاں دیکھا گیا ہے اور پھر یہ یہاں اپنے
ں میں چلے آئے تھے۔''

''کیا یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ کس کے ساتھ ناچ رہے تھے۔'' ایک سب انسپکٹر نے

''یہ شائد سوائے میرے اور کوئی نہ بتا سکے۔'' فریدی اچانک بول پڑا۔

سب لوگ بیک وقت پیچھے مڑ کر دیکھنے لگے۔

دونوں سب انسپکٹر گھبرا کر کھڑے ہوگئے۔

''آپ..... یہ تو بڑا اچھا ہوا انسپکٹر صاحب کہ آپ یہاں موجود ہیں۔'' ایک سب انسپکٹر
دی کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ یہ ایک نوجوان آدمی تھا، جو شاید حال ہی میں ٹریننگ
آیا تھا۔ اس کے دوسرے ساتھی سب انسپکٹر نے جو کافی معمر تھا بُرا سا منہ بنایا لیکن جلد ہی
پر قابو پانے میں کامیاب ہوگیا۔

''آیئے..... آیئے..... اب ہمیں زیادہ پریشان نہ ہونا پڑے گا۔'' دوسرا سب انسپکٹر

''نہیں صاحب میں تو محض تماشائی کی حیثیت رکھتا ہوں۔'' فریدی نے کہا۔

''جب تک کوئی کام سرکاری طور پر مجھے نہ سونپا جائے میں اس میں ہاتھ نہیں لگاتا اور پھر
پ کس سے کم ہیں۔''

''ارے صاحب..... ہم کیا اور ہماری بساط کیا۔'' بوڑھا سب انسپکٹر بولا۔

''خیر یہ تو آپ کا انکسار ہے، کہئے خودکشی کی وجہ بھی معلوم ہوئی یا نہیں۔'' فریدی نے

''ابھی تک تو کچھ بھی نہیں معلوم ہوسکا۔'' نوجوان سب انسپکٹر بولا۔

''اس کے متعلق بھی کچھ معلوم ہوا کہ یہ ہے کون۔''

''کسی ریاست کے کنور ہیں۔''

''کس ریاست کے؟''

سب انسپکٹروں نے ہوٹل کے منیجر کی طرف دیکھا۔

''یہ تو میں بھی نہیں بتا سکتا۔'' ہوٹل کے منیجر نے کہا۔

فریدی مسکرانے لگا۔

''بڑی عجیب بات ہے کہ جو شخص سوسائٹی میں اس قدر مقبول ہو، اس کے متعلق بھی نہ جان سکیں۔'' فریدی نے کہا۔

''یہی تو سوچنے کی بات ہے۔'' نوجوان سب انسپکٹر بولا۔

''بالکل اسی طرح جیسے آپ اپنے کو سپرنٹنڈنٹ پولیس ظاہر کریں اور یہ احتراز کریں کہ آپ کس شہر میں متعین ہیں۔'' فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

''بالکل ٹھیک کہتے ہیں آپ۔'' نوجوان سب انسپکٹر بے اختیار بول اٹھا۔

''خیر ہوگا.....!'' بوڑھے سب انسپکٹر نے کہا۔ ''اس سے کیا بحث ہمیں تو اس کی وجہ دریافت کرنی ہے۔''

''ہاں تو غالباً ابھی آپ نے یہ فرمایا تھا کہ آپ اس عورت سے واقف ہیں ساتھ یہ ناچ رہا تھا۔''

''میں جانتا ہوں مگر شاید وہ اس واقعہ پر کوئی روشنی نہ ڈال سکے کیونکہ نہ تو یہ کون یہ کیس خودکشی کا ہے۔'' فریدی نے کہا۔

بوڑھا سب انسپکٹر ہنسنے لگا۔

''تو گویا آپ میرے پچیس سالہ تجربے کو جھٹلا رہے ہیں۔'' سب انسپکٹر نے ہنس کر

''جی ہاں..... یہ بات میں اپنے صرف چھ سالہ تجربے کی بناء پر کہہ رہا ہوں۔ نے کہا۔

''اگر آپ کو یقین نہ ہو تو یہ دیکھئے۔''

فریدی نے مرنے والے کی گھنی مونچھیں اکھاڑ لیں..... کہیں کہیں ایک آدھ بال

گئے۔

''کہئے داروغہ جی اسے پہچانتے ہیں آپ.....؟'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

دونوں سب انسپکٹر حیرت سے منہ پھاڑے فریدی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ دونوں نے نفی میں سر ہلا دیا

''تو آپ نہیں جانتے کیا؟ آپ نے مشہور بدمعاش رام سنگھ کی تصویر نہیں دیکھی جو ابھی حال ہی میں آئی ہے۔'' فریدی نے کہا۔

بوڑھے سب انسپکٹر نے شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا۔

''اب یہ بتایئے کہ اسے قتل کس طرح کہا جا سکتا ہے جب کہ اس کے ہاتھ میں پستول دبا ہوا ہے۔'' نوجوان سب انسپکٹر بولا۔

''اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔'' فریدی لاش پر جھکتے ہوئے بولا۔ ''ایک تو یہی کہ اگر اس نے خودکشی کی ہوتی تو اس کی لاش اتنے سلیقے سے آرام کرسی پر نہ رکھی ہوتی اور نہ پستول والا ہاتھ اتنے اطمینان سے اس کی گود میں ہوتا۔ دوسری وجہ یہ کہ پستول اس کے داہنے ہاتھ میں ہے اور گولی کا زخم بائیں کنپٹی میں۔ یہ تو وہی گھما کر ناک پکڑنے والی شکل ہوئی۔ اگر آپ کے داہنے ہاتھ میں پستول ہے تو آپ خودکشی کے لئے داہنی ہی کنپٹی کو نشانہ بنایئے گا۔ کیونکہ یہی سیدھا پڑتا ہے، اب تیسری وجہ سنئے ذرا اور قریب آ جایئے اب اس زخم کو دیکھئے اگر یہ کیس خودکشی کا ہوتا تو زخم کے اردگرد کا حصہ بارود کے دھوئیں سے سیاہ ہو گیا ہوتا لیکن یہاں اس قسم کی کوئی چیز نہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ گولی کافی فاصلے سے چلائی گئی۔ رہی چوتھی وجہ تو وہ بالکل صاف ہے، ظاہر ہے کہ یہ ایک بہت زیادہ طاقت والا پستول ہے۔ اگر اس کی نالی کنپٹی پر رکھ کر گولی چلائی ہوتی تو وہ سر کے اندر نہ رہ جاتی۔ بلکہ دوسری طرف کی ہڈی بھی توڑ کر باہر نکل جاتی۔ اگر یہ چیز قانون کے خلاف نہ ہوتی تو میں ابھی آپ کو اس کا تجربہ کرا دیتا۔''

''وہ کس طرح.....!'' بوڑھے سب انسپکٹر نے کہا۔

''اس کی کنپٹی پر دوسرا فائر کر کے۔'' فریدی بولا۔

بوڑھا سب انسپکٹر خاموش ہوگیا۔

''واقعی انسپکٹر صاحب جیسا آپ کا نام سنا تھا آپ کو ویسا ہی پایا۔ سچ کہتا ہوں اس طرف ہم لوگوں کا دھیان ہی نہیں گیا۔'' نوجوان سب انسپکٹر بولا۔

''ایسا تو نہیں ہے میں بھی اس پر غور ہی کر رہا تھا۔'' بوڑھے سب انسپکٹر نے کہا۔

حمید اب تک بالکل خاموش تھا۔ یہ سن کر اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکا۔

''آپ سچ کہتے ہیں داروغہ جی۔'' حمید مسکرا کر بولا۔ ''کل تک آپ قاتل کو بھی گرفتار کرلیں گے۔''

''جی ہاں..... کر کے دکھادوں گا۔'' بوڑھا سب انسپکٹر جوش میں آ کر بولا۔

''حمید یہ کیا بکواس ہے۔'' فریدی نے اُسے گھور کر کہا۔ ''داروغہ جی! آپ کچھ خیال نہ کیجئے گا۔ یہ یونہی بے موقع بے تکی بولتا رہتا ہے۔''

''کوئی بات نہیں۔'' بوڑھا سب انسپکٹر بولا۔ ''میں انکی کافی تعریف سن چکا ہوں۔''

''اور اسوقت آپ مجھ سے مل کر خوش بھی ہوئے ہوں گے۔'' حمید نے بیساختہ کہا۔

بوڑھے سب انسپکٹر نے پھر بُرا سا منہ بنایا۔

''اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قاتل نے حملہ کس طرف سے کیا۔'' نوجوان سب انسپکٹر بولا۔

''اس روشندان سے۔'' فریدی نے بائیں جانب کی دیوار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''یہ غسل خانہ ہے۔'' ہوٹل کا منیجر بولا۔

''ٹھہریئے..... یہ معاملہ بھی صاف ہوا جاتا ہے۔'' فریدی نے غسل خانے کا دروازہ کھول کر اندر گھستے ہوئے کہا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ مسکراتا ہوا غسل خانے سے نکل آیا۔

''رام سنگھ ناچ سے تھک کر لوٹا۔'' فریدی نے کہنا شروع کیا۔ ''غالباً قاتل پہلے ہی سے تیار تھا۔ اُسے اس طرف آتے دیکھ کر چپکے سے غسل خانے میں گھس گیا۔ رام سنگھ اس آرام

کرسی پر آ کر لیٹ گیا۔ قاتل نے نہایت اطمینان سے روشن دان سے اس کی بائیں کنپٹی کا نشانہ لیا اور گولی چلادی۔ آرکسٹرا کی پرشور آواز میں گولی کی آواز کی طرف کسی نے دھیان بھی نہ دیا۔ لیکن میں نے گولی کی آواز سنی تھی۔ گولی لگتے ہی مقتول اچھل کر ادھر آ گرا۔ یہ دیکھئے یہاں خون کا دھبہ ہے، جو دوسرے بڑے دھبے سے بالکل علیحدہ ہے۔ قاتل اس وقت غسل خانے کے اندر رہا ہوگا جب تک رام سنگھ تم ہوا ہوگا۔ مگر نہیں اس نے ایسا نہ کیا ہوگا۔ کیونکہ اسے یہ پستول بھی تو اس کے ہاتھ میں دینا رہا ہوگا اور یہ کام لاش کے ٹھنڈے ہونے پر جب کہ جسم اکڑ جاتا ہے نہیں ہوسکتا۔ اس میں کچھ جان باقی رہی ہوگی۔ تب ہی اس نے اس کو اٹھا کر پھر کرسی پر ڈال دیا ہوگا اور پستول اس کے ہاتھ میں دے کر اس وقت تک اسے اپنے ہاتھوں سے دبائے رہا ہوگا جب تک کہ لاش بالکل سرد نہ ہوگئی ہو۔''

''یہ سب آپ کس بناء پر کہہ رہے ہیں۔'' بوڑھا انسپکٹر بولا۔

''میرے ساتھ آیئے میں بتاؤں۔ آپ بھی آیئے۔'' فریدی نے نوجوان سب انسپکٹر کو بھی اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ تینوں غسل خانے میں چلے گئے۔ انکے پیچھے حمید بھی تھا۔

''بھلا بتایئے تو۔'' فریدی نے غسل خانے میں داخل ہو کر کہا۔ ''اس کرسی کا یہاں کیا تک ہے اور اس پر پیروں کے نشانات کیسے ہیں۔ خود رام سنگھ یا ہوٹل کا ملازم اتنا بدتمیز نہیں ہوسکتا کہ مخمل کے گدے کی کرسی پر کیچڑ بھرے ہوئے جوتوں سمیت کھڑا ہو کر اس کے نفیس گدے کو خراب کردے۔ اب ذرا اسی کرسی پر کھڑے ہو کر اس روشندان کو سونگھئے..... آیئے آیئے اور چڑھ آیئے۔ ہاں ذرا ناک تو لگایئے اس روشن دان سے۔ کہئے بارود کی بدبو آ رہی ہے یا نہیں اور یہ دیکھئے دھوئیں کا نشان۔'' فریدی خاموش ہوگیا۔ بوڑھے سب انسپکٹر کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں، نوجوان سب انسپکٹر فریدی کو تحسین آمیز نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''آؤ بھئی حمید اب چلیں۔'' فریدی نے حمید کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ پھر بوڑھے سب انسپکٹر کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ ''داروغہ جی معاف کیجئے گا۔ میں نے خواہ مخواہ آپ کا وقت برباد کیا۔''

''ارے واہ صاحب۔'' نوجوان سب انسپکٹر نے کہا۔ ''اگر آپ نہ ہوتے تو ہم لوگ جانے کہاں بھٹکتے پھرتے۔ ہمیں تو آپ کا شکر گذار ہونا چاہئے۔''

بوڑھا سب انسپکٹر بھی جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگا۔ فریدی چلتے چلتے رک گیا۔ وہ پھر لوٹ کر لاش کے قریب آیا۔ تھوڑی دیر تک مقتول کے اس ہاتھ کا جائزہ لیتا رہا جس میں پستول دبا ہوا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ سیٹی بجانے لگا۔

اب وہ جھک کر کرسی کے نیچے دیکھ رہا تھا۔ اس نے لاش کے نیچے دبا ہوا ایک سفید ریشمی رومال کھینچ لیا اور اُسے بغور دیکھنے لگا۔ دفعتاً اسکے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''یہ لیجئے..... یہاں ایک عورت بھی تھی۔''

''جی.....!'' بوڑھے سب انسپکٹر نے چونک کر کہا۔

''جی ہاں..... یہ کسی عورت کا رومال ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔'' نوجوان سب انسپکٹر بولا۔

''نہایت آسانی سے..... یہ دھبے دیکھ رہے ہیں آپ۔'' فریدی نے رومال پر پڑے ہوئے سرخ رنگ کے دھبے دکھاتے ہوئے کہا۔ ''یہ ہونٹوں میں لگانے والی سرخی کے دھبے ہیں اور بالکل تازے ہیں۔''

''کمال کر دیا آپ نے۔'' نوجوان سب انسپکٹر نے فریدی کو حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''تو پھر اسکا یہ مطلب ہوا کہ یہی عورت قاتل بھی ہے۔'' بوڑھا سب انسپکٹر بولا۔

''جی نہیں..... کیا آپ نے کرسی کے گدے پر پڑے ہوئے جوتوں کے نشانات کا بغور جائزہ نہیں لیا۔ اگر کسی عورت کے اتنے بڑے پیر ہو سکتے ہیں تو آپ ہی کا کہنا سچ ہوگا۔''

''تو پھر وہ قتل کی سازش میں شریک رہی ہوگی۔'' بوڑھا سب انسپکٹر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔

''اسکے متعلق بھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' فریدی نے بجھا ہوا سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

اجنبی دوست

دوسرے دن صبح حمید اور فریدی ناشتہ کرنے کے بعد ڈرائنگ روم میں بیٹھے رات والے واقعے کے متعلق گفتگو کر رہے تھے کہ ملازم نے ایک ملاقاتی کارڈ لا کر میز پر رکھ دیا۔

حمید نے کارڈ اٹھا کر پڑھا۔ ''مس شہناز بیگم۔''

''ارے! یہ یہاں کیسے پہنچ گئی۔'' فریدی نے حمید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ضرور تم نے اسے بتا دیا..... آخر خواہ مخواہ مجھ سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔''

''میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اپنے یا آپ کے متعلق اسے کبھی یہ نہیں بتایا کہ آپکا سراغ رسانی سے تعلق رکھتے ہیں۔''

''بھیج دو.....!'' فریدی نے ملازم سے کہا۔

ملازم چلا گیا۔ دوسرے ہی لمحہ میں شہناز کمرے کے اندر تھی۔ فریدی اور حمید کو دیکھ کر وہ ٹھٹک پڑی۔

''ارے..... آپ لوگ یہاں۔'' اُس نے حیرت سے کہا۔

فریدی اور حمید مسکراتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔

''معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگ بھی میری ہی طرح پریشان کئے گئے ہیں۔'' شہناز ایک کرسی پر بیٹھتی ہوئی بولی۔ ''یہ بہت اچھا ہوا کہ آپ لوگ بھی یہاں موجود ہیں۔ اب میں اپنی بے گناہی کا ثبوت فریدی صاحب کو دے سکوں گی۔''

''آخر بات کیا ہے۔'' حمید بولا۔

''پولیس والوں نے تنگ کر رکھا ہے۔ وہ میں کل کنور کے ساتھ ناچ رہی تھی نا۔ بس اسی

لئے وہ لوگ مجھ پر شبہ کر رہے ہیں۔ کل رات سے اسی پریشانی میں مبتلا ہوں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔ میرے ایک دوست نے مجھے مشورہ دیا کہ میں فریدی صاحب سے مل لوں۔''

''لیکن فریدی اس سلسلہ میں آپ کی کیا مدد کر سکے گا۔'' فریدی نے کہا۔

''میں نے سنا ہے کہ وہ بے گناہوں کی مدد ضرور کرتے ہیں اور پھر خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ آپ لوگ بھی میرے ساتھ ہی تھے، میں اپنی بے گناہی اچھی طرح ثابت کر سکوں گی۔'' شہناز بولی۔ ''آپ کی گفتگو کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ فریدی صاحب سے کافی بے تکلف ہیں۔''

''کیا کہنے ہیں آپ کی بے تکلفی کے۔'' حمید ہنس کر بولا۔ ''بس یہ سمجھئے کہ فریدی کی بیوی ان کی بیوی ہے۔''

''بیوی.....!'' شہناز چونک کر بولی۔ ''میں نے سنا ہے کہ انہوں نے شادی ہی نہیں کی۔ میرے جس دوست نے ان کا پتہ بتایا تھا اُسی سے اُن کی بہتیری عجیب و غریب عادتوں کے متعلق بھی معلوم ہوا تھا۔''

فریدی مسکرانے لگا۔

''عجیب و غریب عادتوں سے آپ کا کیا مطلب ہے۔'' حمید بولا۔

''یہی کہ وہ عام آدمیوں سے بالکل الگ تھلگ ہیں۔'' شہناز نے کہا۔

''غالباً اس سے آپ کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ فریدی صاحب کے سر پر دو سینگ ہیں۔ ایک سونڈ ہے اور کان سرے سے ہیں ہی نہیں۔'' حمید ہنس کر بولا۔

''تعجب ہے کہ آپ انہیں کے گھر میں بیٹھ کر اس طرح ان کا مضحکہ اڑا رہے ہیں۔'' شہناز ترشروئی سے بولی اور فریدی مسکرانے لگا۔

''آپ فریدی سے کیا کہنا چاہتی ہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''آخر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔'' شہناز بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ ''میں نے تو آپ

ہرگز یہ نہیں پوچھا کہ آپ لوگ یہاں کیا کرنے آئے ہیں۔''

حمید نے پھر قہقہہ لگایا۔

''میں آپ لوگوں کو اتنا بداخلاق نہیں سمجھتی تھی۔'' شہناز بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''آپ لوگ نہیں سمجھ سکتے کہ میں کس قدر پریشان ہوں۔''

''آپ خواہ مخواہ پریشان ہیں، میں اس بات کی گواہی دوں گا کہ حادثے کے وقت آپ میرے ساتھ تھیں۔'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

''آپ کی گواہی کی کیا وقعت ہو سکتی ہے۔ یوں تو دو چار جھوٹے گواہ بھی بنائے جا سکتے ہیں۔'' شہناز نے بے بسی سے کہا۔

حمید پھر ہنسنے لگا۔ فریدی نے اسے گھور کر دیکھا۔

''اچھا چھوڑیئے ان باتوں کو..... کچھ چائے وغیرہ پیجئے۔'' فریدی نے کہا اور نوکر کو بلا کر چائے لانے کے لئے کہا۔

''کیا فریدی صاحب آپ کے کوئی عزیز ہیں۔'' شہناز متعجب ہو کر بولی۔ ''آپ کی بے تکلفی سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔''

''جی نہیں..... بلکہ میں خود فریدی ہوں۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

''ارے..... آپ.....!'' شہناز گھبرا کر کرسی سے اٹھتی ہوئی بولی۔

''ہاں..... ہاں..... آپ اٹھ کیوں گئیں..... بیٹھئے۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

''اور یہ سرجنٹ حمید ہیں..... میرے اسسٹنٹ اور بہترین دوست۔''

شہناز کبھی حمید کی طرف دیکھتی تھی اور کبھی فریدی کی طرف۔

''معافی چاہتی ہوں..... ابھی ابھی میں آپ کے ساتھ بڑی گستاخی سے پیش آئی تھی اور اس کی وجہ محض لاعلمی ہے۔'' شہناز شرمندگی کے لہجے میں بولی۔

''کوئی بات نہیں..... ہمارا پیشہ ہی ایسا ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''مجھے سخت شرمندگی ہے۔'' شہناز بولی۔ ''لیکن کل آپ نے اپنا کوئی اور نام بتایا تھا۔''

''میں نے غلط نہیں بتایا تھا۔ میرا پورا نام احمد کمال فریدی ہے لوگ صرف فریدی کے نام سے یاد کرتے ہیں اور حمید نے بھی اپنا نام غلط نہیں بتایا تھا۔''

''میں سمجھتی تھی کہ آپ بوڑھے نہیں تو ادھیڑ ضرور ہوں گے۔ مگر آپ تو.....!'' شہناز نے کہا۔

''آپ ٹھیک سمجھتی تھیں..... یہ اس وقت بھیس بدلے ہوئے ہیں۔'' حمید جلدی سے بولا۔ فریدی ہنسنے لگا۔

''کیا واقعی.....!'' شہناز حیرت سے بولی۔

فریدی مسکرا کر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھیں کہہ رہی تھیں میاں حمید مطمئن رہو تمہاری محبوبہ مجھے قطعی پسند نہیں آئی۔

اتنے میں چائے آ گئی۔ تینوں چائے پینے لگے۔

''میں کیا بتاؤں کہ اس وقت مجھے کتنی خوشی ہو رہی ہے، خدا نے اگر میرے اوپر مصیبت ڈالی تو اس سے بچاؤ کا انتظام بھی پہلے ہی کر دیا۔'' شہناز چائے کی پیالی رکھتی ہوئی بولی۔

''آپ مطمئن رہئے..... آپ کو کوئی کچھ نہ کہے گا۔'' حمید بولا۔

''ہاں..... ذرا یہ بتایئے..... لیکن ٹھیک بتایئے گا کہ رام سنگھ یعنی کنور صاحب کو کب سے جانتی ہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''بخدا میں آپ سے سچ کہتی ہوں کہ کل شام کے علاوہ میں نے اُسے کبھی نہیں دیکھا۔''

''اُس سے آپ کا تعارف کس نے کرایا تھا۔'' فریدی نے پوچھا۔

''لیڈی سیتا رام نے۔'' شہناز نے کہا۔ ''لیڈی سیتا رام مجھے اچھی طرح جانتی ہیں۔ میں ان کی چھوٹی بہن کا ٹیوشن کرتی تھی، جب میں کل شام کو آرلکچو پہنچی تو یہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔ لیڈی سیتا رام نے مجھے بھی اسی میز پر بلایا۔ وہیں اس سے تعارف ہوا۔ لیڈی سیتا رام کو تھوڑی دیر بعد اچانک کوئی کام یاد آ گیا اور جلد ہی واپس آ جانے کا وعدہ کر کے چلی گئیں۔ مجھے جمید صاحب کا انتظار کرنا تھا۔ کیونکہ انہوں نے مجھ سے آرلکچو میں ملنے کا وعدہ کیا تھا اس لئے میں

ہر
کنور صاحب کے پاس بیٹھی باتیں کرتی رہی پھر کچھ دیر بعد ناچ شروع ہو گیا۔ لیڈی سیتا
اس وقت تک نہیں لوٹی تھیں۔ ہمارے حمید صاحب بھی ندارد تھے، میں سوچ رہی تھی کیا
ں کہ کنور صاحب نے ناچنے کی درخواست کی۔ دل تو نہیں چاہتا تھا مگر اخلاقاً ناچنا ہی

''اچھا دوسرے راؤنڈ میں جو عورت اس کے ساتھ ناچ رہی تھی وہ کون تھی۔'' فریدی نے

''لیڈی سیتا رام..... وہ شاید پہلے ہی راؤنڈ کے درمیان واپس آ گئی تھیں۔'' شہناز نے

''اچھا تو وہی لیڈی سیتا رام تھی۔'' فریدی نے کہا۔ ''وہ تو بالکل جوان ہیں اور سیتا رام کی
اٹھ سے کسی طرح کم نہ ہوگی۔''

''یہ اُن کی دوسری بیوی ہیں۔ ابھی تین سال ہوئے ان کی شادی ہوئی ہے۔''

''جس لڑکی کو آپ پڑھاتی ہیں اس کی کیا عمر ہے؟''

''زیادہ سے زیادہ پندرہ سال۔''

''کیا وہ بھی یہیں رہتی ہے۔''

''جی ہاں! لیڈی سیتا رام اُسے اپنے ساتھ رکھتی ہیں۔''

''سر سیتا رام اور لیڈی سیتا رام کے تعلقات کیسے ہیں۔ میرے خیال سے تو آپس میں
نہ ہوگی۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔

''بظاہر تو ایسی کوئی بات نہیں معلوم ہوتی۔ تقریباً ایک سال تک میں اُن کے یہاں آتی
ا رہی ہوں۔''

''اب میں یہ سوچ رہا ہوں کہ پولیس کو اس کی اطلاع کیسے ملی کہ آپ اُس کے ساتھ ناچ
ا تھا۔ کیا آرلکچو میں کوئی اور بھی شناسا موجود تھا۔'' فریدی نے کہا۔

''میرے خیال سے تو آپ دونوں اور لیڈی سیتا رام کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا یا ممکن

ہے کوئی رہا بھی ہو لیکن مجھے اس کی اطلاع نہیں۔"

"آپ نے پولیس کو بیان دیتے وقت یہ بتایا تھا یا نہیں کہ لیڈی سیتا رام عرصہ کے ساتھ رہیں۔" فریدی نے کہا۔

"مقتول.....!" شہناز چونک کر بولی۔ "تو کیا کنور صاحب کو قتل کیا گیا اخبارات میں تو ان کی خودکشی کی خبر شائع ہوئی ہے۔"

"ممکن ہے ایسا ہی ہو۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "ہاں آپ نے میرے جواب نہیں دیا۔"

"میں دراصل پولیس کو یہ بتانا بھول گئی کہ لیڈی سیتا رام بھی کنور صاحب کے تھیں۔" شہناز نے کہا۔ "میں ابھی اس کی اطلاع پولیس کے دے دوں گی۔"

"نہیں اب اسکی ضرورت نہیں۔ اب آپ پولیس کو کوئی اور بیان نہ دیجئے گا۔ کوتوالی جا کر سب معاملات ٹھیک کرلوں گا۔ آپ قطعی محفوظ ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔" شہناز نے کہا۔

"شکریہ وغیرہ کی ضرورت نہیں۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔ "یہ اپنے ہی آدمی ہیں۔"

"کیا کہا آدمی.....!" فریدی نے بناوٹی غصہ سے کہا۔

"جی نہیں آفیسر.....!" حمید نے سنجیدگی اور گھبراہٹ کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔ ہنسنے لگی۔

شہناز غائب

شہناز کے چلے جانے کے بعد فریدی اور حمید دونوں کوتوالی کی طرف روانہ ہوگئے کی کار تیزی سے شہر کی سڑکیں طے کر رہی تھی۔

"کیوں بھئی حمید..... شہناز کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔" فریدی نے کہا۔

"یہ آپ کیوں پوچھ رہے ہیں اور کس حیثیت سے۔" حمید بولا۔

"عاشق کی حیثیت سے نہیں پوچھ رہا ہوں بلکہ سرجنٹ حمید کی حیثیت سے پوچھ رہا ہوں۔"

"تو میرا جواب یہ ہے کہ میں اس کیلئے کسی حالت میں بھی سرجنٹ حمید نہیں ہوسکتا۔"

"اور اگر رام سنگھ کے قتل میں اسی کا ہاتھ ہو تو.....!" فریدی نے کہا۔

"تب بھی میں صرف حمید رہوں گا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"شاباش..... اے مجنوں کے بھائی۔ خدا تم پر رحم کرے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "اگر یہی بات ہے تو مجبوراً مجھے تم کو اس کیس سے الگ ہی رکھنا پڑے گا۔" فریدی نے کہا۔

"تو آپ کو یہ کیس ملا ہی کب جاتا ہے۔ کوئی ایسا خاص کیس نہیں۔ رام سنگھ ایک عادی مجرم اور قاتل تھا جب بھی پولیس کے ہتھے چڑھتا اُسے پھانسی ضرور ہو جاتی۔ میرا خیال ہے کہ اس سلسلے میں کچھ زیادہ چھان بین ہی نہ کی جائے گی۔ لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اخبارات میں خودکشی کا واقعہ کیوں شائع ہوا ہے۔ جب کہ آپ پورے دلائل کے ساتھ اُسے قتل ثابت کر چکے تھے۔"

"یہ سب اُسی بوڑھے سب انسپکٹر کی شرارت ہے وہ دراصل اپنی کارگذاری دکھا کر ترقی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ دو تین دن کے بعد وہ اپنے طریقہ پر اس بات کو پبلک کے سامنے لائے گا کہ مرنے والا کسی ریاست کا راج کمار نہیں بلکہ مشہور بدمعاش رام سنگھ تھا اور اس نے خودکشی نہیں کی بلکہ اسے قتل کیا گیا ہے۔ خیر مجھے کیا..... اس طرح اس کا بھلا ہوتا ہے تو مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔"

"لیکن آپ نے جس وقت اپنے دلائل پیش کئے تھے وہاں ہوٹل کا منیجر بھی تو موجود تھا۔" حمید نے کہا۔

"تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ اس کا منہ نہایت آسانی سے بند کیا جاسکتا ہے، میرے خیال سے تو سب انسپکٹر کی صرف ایک ہی دھمکی کافی ہوئی ہوگی۔"

''خیر اگر ایسا ہے تو میں ان بوڑھے میاں سے سمجھ لوں گا۔'' حمید نے ہونٹ کا
ہوئے کہا۔

''اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا اور کوتوالی کے پچھلا
داخل ہونے کے لئے کار گھمائی۔

بوڑھا سب انسپکٹر سنہا کوتوالی میں موجود تھا اور وہ نوجوان سب انسپکٹر بھی جو واردا
رات میں انسپکٹر سنہا کے ساتھ تھا۔

''فریدی صاحب آپ کی رات والی بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔'' انسپکٹ
جھینپ مٹاتے ہوئے کہا۔ ''میں اسے خودکشی ہی سمجھتا ہوں۔''

''ممکن ہے آپ ہی کی رائے درست ہو..... مجھ سے غلطی بھی ہو سکتی ہے۔'' فریدی
خوش اخلاقی سے جواب دیا۔

''نہیں..... خیر میں یہ تو نہیں کہہ سکتا۔'' سنہا نے کہا۔

''لیکن آپ نے تحقیقات کے سلسلے میں غلط آدمی کو منتخب کیا ہے۔'' فریدی نے
سلگاتے ہوئے کہا۔

''میں سمجھا نہیں۔'' سنہا بولا۔

''جس وقت یہ واردات ہوئی شہناز میرے ساتھ ناچ رہی تھی اور آخیر تک میر
ساتھ رہی، پہلے راؤنڈ میں وہ ضرور رام سنگھ کے ساتھ ناچی تھی لیکن کنور ہی سمجھ کر..... ا
پہلے کبھی اس نے اُسے دیکھا بھی نہ تھا۔''

''تب تو واقعی مجھ سے غلطی ہوئی۔'' سنہا نے جواب دیا۔

''خیر کوئی بات نہیں وہ بیچاری بہت پریشان ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''ہاں یہ تو بتا
اس بات کا آپ کو کس طرح علم ہوا کہ شہناز رام سنگھ کے ساتھ ناچ رہی تھی اور اس کے
ناچنے والی دوسری عورت کون تھی۔''

''دوسری کے متعلق تو میں کچھ نہیں جانتا۔'' سنہا نے جواب دیا۔ ''اور بعض وجوہا

بھی نہیں بتا سکتا کہ شہناز کے متعلق اطلاع دینے والا کون ہے۔''

''خیر میں اس کے لئے آپ کو مجبور نہ کروں گا۔ میں تو اس وقت محض شہناز کی طرف
صفائی پیش کرنے کے لئے آیا تھا۔'' فریدی نے کہا۔

''اس کی طرف سے آپ مطمئن رہئے۔'' سنہا نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''میں اب معافی
چاہتا ہوں ایک ضروری کام سے مجھے باہر جانا ہے۔''

''ضرور ضرور.....!'' فریدی نے اٹھ کر اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

سنہا چلا گیا..... نوجوان سب انسپکٹر ابھی تک خاموش بیٹھا تھا۔ فریدی اس کی طرف
مخاطب ہوا۔

''کہئے داروغہ جی..... کیا آپ ابھی حال ہی میں یہاں آئے ہیں۔''

''جی ہاں..... ٹریننگ لے کر آئے ہوئے ابھی صرف چھ ماہ ہوئے ہیں۔ ابھی تو کام ہی
سیکھ رہا ہوں۔''

''آپ ترقی کریں گے۔ آپ کی بلند اور کشادہ پیشانی پکار پکار کر آپ کی ذہانت کا
اعلان کر رہی ہے۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''لیکن اس لائن میں ترقی کرنے کے لئے تھوڑی
سی چالبازی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اب سنہا صاحب ہی کو لے لیجئے۔ کتنی ہوشیاری اور
احتیاط سے کام لے رہے ہیں کہ ابھی تک اس بات کا بھی اعلان نہیں کیا کہ مقتول راج کمار
نہیں بلکہ مشہور بدمعاش رام سنگھ ہے۔ اگر یہ اس کیس میں کامیاب ہو گئے تو ان کا سرکل انسپکٹر
ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں۔''

''اگر آپ لوگوں کی عنایتیں ساتھ رہیں تو میرا ترقی کرنا مشکل نہ ہوگا۔'' نوجوان سب
انسپکٹر نہایت سعادت مندی سے بولا۔

''بھئی میرے لائق جو خدمت ہو اس کے لئے ہر وقت تیار ہوں۔ مجھے نہ جانے کیوں
آپ سے کچھ انسیت سی ہو گئی ہے۔ لیجئے سگار پیجئے۔'' فریدی نے سگار کا ڈبہ بڑھاتے ہوئے
کہا۔ نوجوان سب انسپکٹر نے سلام کر کے ایک سگار لیا اور سلگا کر ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔

"نہ جانے کیوں میرا دل چاہ رہا ہے کہ اس کیس کی نجی طور پر تفتیش کروں اور ہو جانے پر مشہور کردوں کہ اس کی کامیابی کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔"

نوجوان سب انسپکٹر کی باچھیں کھل گئیں اور اُسکے منہ سے صرف اتنا ہی نکل سکا۔

"ارے کیا.....!"

"نہیں واقعی نہ جانے کیوں میں آپ کو ترقی کرتا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں یہ جانتا کہ یہ کیس سنہا صاحب کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے محکمہ سراغ رسانی کے سپرد نہ کیا جائے میرا دل بھی چاہتا ہے کہ اس کی تفتیش کروں، لہٰذا اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ نجی تفتیش کے بو کسی نہ کسی کے سر اس کی کامیابی کا سہرا ضرور باندھنا پڑے گا۔ اس لئے میں یہ سوچتا ہوں آپ ہی کیوں نہ ہوں۔"

"ارے صاحب اگر ایسا ہو تو کیا کہنا میں خود کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان تصور گا۔" نوجوان انسپکٹر بولا۔

"لیکن اس کے لئے راز داری شرط ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور ابھی تک تو یہی پ چل سکا کہ شہناز کے متعلق کرنے والا کون ہے۔"

"آپ مطمئن رہئے میں کسی سے اس کا تذکرہ نہ کروں گا۔" نوجوان سب انسپکٹ کہا۔ "اور شہناز کے متعلق اطلاع دینے والی ایک عورت ہے۔"

"وہ کون عورت ہے.....؟" فریدی نے جلدی سے پوچھا۔

"لیڈی سیتا رام.....!" نوجوان سب انسپکٹر نے آہستہ سے کہا۔ "کل آپ کے جانے کے بعد وہ ہمیں آرکیچو میں ملی تھی۔"

"بہت خوب.....اچھا اس کا تذکرہ سنہا صاحب سے نہ کیجئے گا۔ میں اب چلوں فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں میں آپ کا نام پوچھنا تو بھول ہی گیا۔"

"مجھے جگدیش کمار کہتے ہیں۔" سب انسپکٹر نے اٹھ کر ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"اچھا جگدیش صاحب.....گھبرایئے نہیں..... پولیس کے بڑے عہدے آپ کا انتظار رہے ہیں۔" فریدی نے کہا اور حمید کو لے کر باہر چلا گیا۔

"کہو برخوردار کیسی رہی۔" فریدی نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

"بھئی آپ کو گھسنا بھی خوب آتا ہے۔" حمید ہنس کر بولا۔

فریدی ہنسنے لگا۔

"اب کہاں چل رہے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"سول سرجن کے یہاں۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں.....وہاں کیا کرنا ہے۔"

"رشوت دے کر اپنے لئے ایک ماہ کی چھٹی کے لئے میڈیکل سرٹیفکیٹ لوں گا۔" فریدی نے کہا۔

"یہ کیوں.....!" حمید نے حیرت سے کہا۔

"میں کتوں کی نمائش دیکھنے باہر جا رہا ہوں، اپنے کچھ عمدہ قسم کے کتے بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن آپ تو نجی طور پر اس کیس کی تفتیش کرنے جا رہے تھے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"میرے خیال سے تو اس کی کوئی ضرورت نہیں، اصلی مقصد تو شہناز کو بچانا تھا سو وہ پورا ہو گیا۔"

"تعجب ہے کہ آپ ایسا کہہ رہے ہیں۔ کیا آپ کو اس پر یقین ہے کہ سنہا سچ مچ شہناز کا پیچھا چھوڑ دے گا۔ اگر ایسا تھا تو اس نے لیڈی سیتا رام کا نام کیوں چھپایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صفائی دے دینے کے بعد بھی شہناز پر شبہ کر رہا ہے۔"

"بھئی کچھ بھی ہو.....میرا جانا ضروری ہے۔ میں نمائش کے منتظم سے وعدہ کر چکا ہوں۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ نمائش ختم ہوتے ہی فوراً واپس آ جاؤں۔" فریدی نے کہا۔

''خیر صاحب جایئے.....آپ بھلا میرے لئے کیوں تکلیف کرنے لگے۔ جا
کہ شہناز میری دوست ہے۔'' حمید نے منہ پھلا کر کہا۔

''بس بگڑ گئے۔'' فریدی نے کہا۔ ''تم تو ہو نرے گھامڑ.....آخر اتنی جلدی کون
آجائے گی۔ میرے جانے کے بعد سر سیتا رام کے گھر کی نگرانی کرتے رہنا۔ اچھا
شہناز کو بھی لگے ہاتھوں کچھ ہدائتیں دیتا چلوں۔''

''جی بس.....رہنے دیجئے۔ ہم لوگوں کی فکر نہ کیجئے۔ خدا آپ کے کتوں کو
رکھے۔'' حمید نے منہ بنا کر کہا۔

''آپ گدھے ہیں۔'' فریدی نے کہہ کر کار شہناز کی طرف موڑ دی۔

شہناز بیلی روڈ پر ایک چھوٹے سے انگریزی وضع کے خوبصورت مکان میں رہتی تھی
وقت وہاں نہ جانے کیوں اچھی خاصی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ شہناز کی بوڑھی ملازمہ ہاتھ نچا
لوگوں سے باتیں کر رہی تھی۔

''کیا بات ہے۔'' حمید نے کار سے اتر کر اس سے پوچھا۔

''ارے صاحب نہ جانے کیا ہو گیا۔'' وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

''کیا ہو گیا۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔

''ابھی مس صاحب یہاں کھڑی تھیں۔ میں وہاں برآمدے میں دیکھ رہی تھی، ا
ایک موٹر یہاں آ کر رکی۔ اُس پر سے دو آدمی اترے اور انہوں نے مس صاحبہ کو اٹھا کر موٹ
ڈال دیا اور موٹر یہ جا وہ جا.....نہ جانے کہاں غائب ہو گئی۔ ہائے اب کیا ہو گا۔'' ملازمہ
ہوئی بولی۔

''موٹر کدھر گئی۔'' فریدی نے جلدی سے کہا۔ ''اور کتنی دیر ہوئی، موٹر کا رنگ کیسا تھا۔''

''مشکل سے پندرہ بیس منٹ ہوئے ہوں گے۔'' ملازمہ نے دکھن کی طرف ہاتھ اٹھ
ہوئے کہا۔ ''موٹر اسطرف گئی ہے۔ موٹر کا رنگ کتھئی تھا۔ بالکل نئی معلوم ہوتی تھی۔''

''حمید جلدی کرو.....!'' فریدی نے کار میں بیٹھ کر اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

فریدی کی کار تیزی سے دکھن کی طرف جا رہی تھی۔

''یہ تو بہت بُرا ہوا۔'' فریدی نے کہا۔

حمید غصہ میں ہونٹ چبا رہا تھا۔ وہ دونوں گھنٹوں سڑکیں ناپتے پھرے لیکن کتھئی رنگ کی
کار کہیں نہ دکھائی دی۔

''صبر کرو میاں حمید، اس کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں۔'' فریدی نے اس کا شانہ تھپکتے
ہوئے کہا۔

''نمک چھڑکئے زخموں پر.....!'' حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''بس چہکنا بھول گئے۔ اب ہی تو آئے جناب چکر میں۔ اچھا اب سول سرجن کے
یہاں چلنا چاہئے۔'' فریدی نے کہا۔

''مجھے تو آپ یہیں اتار دیجئے۔ جب تک میں اس کار کو تلاش نہ کر لوں گا مجھے چین نہ
آئے گا۔'' حمید نے کہا۔

''احمق ہوئے ہو، اس شہر میں کتھئی رنگ کی درجنوں کاریں ہوں گی۔ کیا چیف انسپکٹر کی
کار کتھئی رنگ کی نہیں۔ اس طرح بھی کہیں سراغ ملا کرتا ہے۔''

''پھر بتایئے میں کیا کروں۔'' حمید نے بے بسی سے کہا۔

''مجھے فی الحال جانے دو اور خود سیتا رام کی کوٹھی کی نگرانی کرتے رہو مگر خبردار کوئی حماقت
نہ ہونے پائے۔ واپسی پر مجھے مکمل رپورٹ دینا اور سیتا رام کی کوٹھی کے اندر جانیکی کوشش نہ کرنا۔''

یلو ڈنگو

سر سیتا رام شہر کے معزز آدمیوں میں سے تھے اور بے پناہ دولت کے مالک تھے۔ ان کی
عمر پچپن یا ساٹھ کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ پچاس سال کی عمر میں ان کی بیوی کا انتقال ہو گیا تھا

وہ لاولد تھے۔ پہلی بیوی سے کوئی اولاد نہ تھی۔ بیوی کے مرنے کے کچھ دن بعد تک وہ یہ
کیے رہے کہ دوسری شادی کسی حال میں نہ کریں گے لیکن آخر کار ان کا دل ان کے ایک قر
خواہ کی جوان لڑکی پر آ ہی گیا اور انہوں نے اس کے ساتھ شادی کر لی، یہی لڑکی موجودہ لیڈ
سیتا رام تھی۔ اس کے ساتھ اس کی چھوٹی بہن کمودنی بھی رہ رہی تھی۔ سر سیتا رام اُسے اعلیٰ تعلیم
دلا رہے تھے۔ سر سیتا رام کے ساتھ ان کا بھتیجا سریندر کمار بھی رہتا تھا، جو تین سال قبل انگلینڈ
سے ایم۔اے کی ڈگری لے کر واپس آیا تھا۔ یہ ایک وجیہہ اور تندرست نوجوان تھا۔ سر سیتا رام
اسے بیٹوں کی طرح عزیز رکھتے تھے۔ عموماً دیکھا گیا ان کے پاس تقریباً ساٹھ ستر کتے رہتے
ہوں گے اور سب اپنی مثال آپ۔ دنیا کی کوئی مشہور نسل نہ رہی ہوگی جس کا ایک آدھ جوڑا ان
کے پاس نہ ہو۔ شہر میں وہ کتوں کے اسپیشلسٹ سمجھے جاتے تھے۔ اس لائن میں ان کی تجر
کاری کا یہ عالم تھا کہ محض کتوں کی آواز سن کر اس کی نسل کے بارے میں پورے پورے لکچر
دے ڈالتے تھے۔

حمید نے ان ساری باتوں کا پتہ لگا لیا تھا اسے رہ رہ کر فریدی پر غصہ آ رہا تھا۔ وہ اس کی
پریشانیوں کی پرواہ کیے بغیر کتوں کی نمائش میں حصہ لینے کے لئے بمبئی چلا گیا لیکن وہ کر ہی کیا
سکتا تھا۔ فریدی بہر حال اس کا آفیسر تھا۔ یہ اس کی شرافت اور نیک نفسی تھی کہ اس نے کبھی
اسے اپنا ماتحت نہیں سمجھا۔ حمید دن میں کئی بار سر سیتا رام کی کوٹھی کا چکر لگاتا لیکن بے سود۔ کسی
قسم کا کوئی سراغ نہ ملا۔ اُسے سب سے بڑی پریشانی شہناز کی وجہ سے تھی۔ ورنہ بھلا وہ کیوں
خواہ مخواہ اپنا وقت برباد کرتا۔ معلوم نہیں وہ کہاں اور کس حال میں ہوگی۔

اس دوران میں فریدی کی طرف سے میدان صاف دیکھ کر انسپکٹر سنہا نے بھی نئے نئے
گل کھلانے شروع کیے۔ ایک دن اخبارات میں خبر دیکھنے میں آئی کہ آرلکچو میں خودکشی کرنے
والا کوئی راج کمار نہیں بلکہ مشہور عورت فروش رام سنگھ تھا۔ پھر دوسرے دن اخبار والے چیخ رہے
تھے کہ رام سنگھ نے خودکشی نہیں کی تھی بلکہ اس کو کسی نے قتل کر دیا تھا اور ساری سراغ رسانی کا
سہرا انسپکٹر سنہا کے سر باندھا جا رہا تھا۔ اخبارات دل کھول کر اس کی تعریفوں کے پل باندھ

رہے تھے۔ یہ سب دیکھ کر حمید کا خون کھولنے لگا وہ کوتوالی پہنچا..... اتفاقاً انسپکٹر سنہا سے جلد ہی
بھیڑ ہوگئی۔

"کہیے حمید صاحب مزاج تو اچھے ہیں۔" انسپکٹر سنہا نے مسکرا کر کہا۔

"جی ہاں کافی اچھے۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔ "ہمارے مزاج اچھے نہ ہوتے تو یہ دن
دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔"

"آپ کچھ پریشان معلوم ہوتے ہیں۔" سنہا نے کہا۔ "بھئی کیا کروں مجبوراً شہناز کا
وارنٹ گرفتاری جاری کرنا پڑا۔"

"وارنٹ گرفتاری.....!" حمید چونک کر بولا۔ "کیا مطلب.....؟"

"جی ہاں..... وہ بہت عیار عورت معلوم ہوتی ہے۔"

"کیا بکواس ہے.....!" حمید نے جھلا کر کہا۔ "اسے تو کچھ لوگ زبردستی پکڑ لے گئے۔"

سنہا ہنسنے لگا۔

"ابھی آپ کی عمر ہی کیا ہے حمید میاں..... میں نے بال دھوپ میں سفید نہیں کیے۔"
سنہا نے کہا۔

"کیا مطلب.....؟" حمید نے کہا۔

"اچھا یہ بتایئے..... کیا آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ کچھ لوگ اُسے زبردستی
پکڑ لے گئے۔"

"نہیں..... لیکن ہم لوگ ٹھیک اُس وقت پہنچے تھے جب اس کی نوکرانی مکان کے سامنے
کھڑی شور مچا رہی تھی۔"

"تو پھر معاملہ صاف ہے۔" سنہا نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "شہناز نے بڑا عمدہ پلاٹ
بنایا۔ ایک طرف اس نے آپ لوگوں سے اپنی صفائی دلوائی اور دوسری طرف اپنی بیگناہی کا اور
زیادہ یقین دلانے کیلئے اس طرح غائب ہوگئی۔ بھئی بلا کی عیار عورت نکلی۔"

"تو اس طرح پھر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ میں اور فریدی صاحب بھی اس قتل میں شریک

ہیں کیونکہ وہ آخیر تک ہمارے ساتھ رہی تھی۔'' حمید نے غصہ سے کہا۔

''میں یہ نہیں کہتا کہ آپ کی گواہی غلط ہے۔ کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ اس نے آپ کو بھی دھوکہ دیا ہو۔'' سنہا نے کہا۔

''یہ قطعی ناممکن ہے۔''

''ہوسکتا ہے۔'' سنہا نے آہستہ سے کہا اور اپنی میز پر رکھے ہوئے کاغذات الٹنے لگا۔ حمید غصہ میں اپنے ہونٹ چبا رہا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک یونہی بیٹھا رہا پھر خاموشی سے اٹھ کر باہر نکل آیا۔ شام ہو رہی تھی، بازار میں کافی بھیڑ ہوگئی تھی۔ حمید بُری طرح الجھ رہا تھا۔ اس وقت سنہا سے گفتگو کرنے کے بعد سے اس کا موڈ بہت زیادہ خراب ہوگیا تھا۔ دل بہلانے کے لئے وہ ایک ریستوران میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر تک بیٹھا چائے پیتا رہا لیکن وہاں بھی دل نہ لگا۔ ریستوران سے نکل کر وہ فٹ پاتھ پر کھڑا ہوگیا اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ دفعتاً اس نے ایک ٹیکسی رکوائی اور اس پر بیٹھ کر سر سیتا رام کی کوٹھی کی طرف روانہ ہوگیا۔ آدھے سے ایک فرلانگ ادھر ہی اُس نے ٹیکسی رکوائی اور وہاں سے پیدل چلتا ہوا کتابوں کی ایک دوکان پر آیا۔ یہاں اس کے اور کوٹھی کے درمیان میں صرف سڑک حائل تھی، وہ بظاہر کاؤنٹر پر لگی ہوئی کتابیں الٹ پلٹ رہا تھا لیکن اس کی نگاہیں کوٹھی کے پائیں باغ کے پھاٹک کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد سر سیتا رام ایک کتھئی رنگ کے اسپینل کتے کی زنجیر تھامے کوٹھی سے برآمد ہوئے۔ یہ ان کی سیر کا وقت تھا۔ اُن کی عادت تھی کہ وہ روزانہ شام کو اپنے چہیتے کتے کو ہمراہ لے کر ہوا خوری کے لئے پیدل لارنس گارڈن تک جایا کرتے تھے۔ حمید انہیں جاتا ہوا دیکھتا رہا۔ اُس نے جلدی سے ایک کتاب خریدی اور سر سیتا رام کے پیچھے چل پڑا۔ سیتا رام بڑھاپے کی سرحدوں میں ضرور قدم رکھ چکے تھے لیکن اس کے قویٰ ابھی تک کافی مضبوط معلوم ہوتے تھے، چہرہ ڈاڑھی اور مونچھوں سے قطعی آزاد تھا۔ بھرے ہوئے چہرے پر پتلے پتلے ہونٹ کچھ عجیب سے معلوم ہوتے تھے۔ کنپٹی اور آنکھوں کے درمیان بے شمار جھریاں تھیں، نچلا جبڑا چہرے کے اوپری حصے کی بہ نسبت زیادہ بھاری تھا۔ ان کی چال میں ایک عجیب

قسم کی شان پائی جاتی تھی، جس میں غرور کی آمیزش زیادہ تھی یا پھر ان میں یہ انداز پچیس سال کی نوجی زندگی بسر کرنے کی وجہ سے پیدا ہوگیا ہو، ویسے وہ کافی خلیق اور ملنسار مشہور تھے۔

حمید انہیں کئی بار دیکھ چکا تھا۔ وہ انہیں ایک خطرناک آدمی سمجھنے لگا تھا۔ علم القیافہ کے ماہرین کی طرح وہ بھی اسی پر ایمان رکھتا تھا کہ بھاری جبڑوں کے لوگ عموماً ظالمانہ رجحانات کے مالک ہوتے ہیں، نہ جانے کیوں اس کا دل بار بار کہہ اٹھتا تھا کہ رام سنگھ والے معاملے میں ان حضرت کا ہاتھ ہے اور شہناز کو غائب کرادینے کے ذمہ دار بھی یہی ہیں۔

حمید برابر سر سیتا رام کا تعاقب کئے جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ لارنس گارڈن پہنچے۔ چند لمحے ٹہلتے رہنے کے بعد وہ ایک بنچ پر بیٹھ کر سستانے لگے۔ حمید بھی کچھ دور ہٹ کر ایک بنچ پر بیٹھ کر نئی خریدی ہوئی کتاب کے ورق الٹنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کس طرح سر سیتا رام سے جان پہچان پیدا کرے۔ اچانک غراہٹ کی آواز سنائی دی اور ایک پیلے رنگ کا خوفناک کتا مہندی کی باڑھ پھلانگتا ہوا سر سیتا رام کے کتے پر جھپٹ پڑا۔ اس نے ان کے کتے کو دو تین پٹخنیاں دیں اور اس کی گردن دبا کر بیٹھ گیا۔ سر سیتا رام کے کتے نے سہم کر آواز بھی نکالنی چھوڑ دی تھی۔ سر سیتا رام بنچ پر کھڑے ہوکر چیخ رہے تھے۔

''ارے ہٹو..... ہٹو..... ڈنگو کے بچے۔'' ایک آدمی مہندی کی باڑھ کی دوسری طرف سے چلاتا ہوا کودا۔ اُس نے جھپٹ کر پیلے کتے کے پٹے پر ہاتھ ڈال دیا۔ اس کی گرفت سے آزاد ہوتے ہی سر سیتا رام کا کتا بھاگ کر بنچ کے نیچے دبک گیا۔ نووارد ایک عجیب الخلقت آدمی معلوم ہوتا تھا۔ دیکھنے میں وہ کافی مہذب معلوم ہوتا تھا۔ لیکن چہرے سے بلا کی عیاری اور مکاری ٹپک رہی تھی۔ اُس کے سرخ و سپید چہرے پر گہرے سیاہ رنگ کی فرنچ کٹ ڈاڑھی بڑی بھیانک لگ رہی تھی۔ لیکن اس میں بے ڈھنگا پن نہیں تھا۔ آنکھوں پر بغیر فریم کا سبک سا چشمہ تھا جو کچھ کچھ باریک اور نوکیلی تھیں۔ جسم کی ساخت چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی کہ وہ کڑی محنت کا عادی ہے۔ اس نے سیاہ رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ مجموعی حیثیت سے وہ کسی اونچی سوسائٹی کا فرد معلوم ہوتا تھا۔

"جناب والا مجھے ندامت ہے۔" اس نے بپھرے ہوئے پیلے کتے کو اپنی طرف

ہوئے کہا۔

"مگر.....مگر.....اتنا خوفناک کتا آپ اسے اس طرح آزاد کیوں چھوڑ دیتے

سریتا رام نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "آپ ایک بھاری جرم کر رہے ہیں۔"

"جرم!" اجنبی نے چونک کر کہا۔ "بھلا اس میں جرم کی کیا بات ہے۔"

"ایسے خطرناک کتے کو آزاد چھوڑ دینا جرم نہیں تو اور کیا ہے۔" سریتا رام ترش

بولے۔ "یا پھر شاید آپ اس کی نسل سے ناواقف ہیں۔ یہ افریقی نسل کا بلو ڈنگو ہے

اوقات یہ شیر اور چیتے سے بھی ٹکر لے لیتا ہے، یہ آپ کو ملا کہاں سے اور یہاں کی آب

میں اب تک کیسے ہے۔"

اجنبی سریتا رام کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اس کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔

"واہ رے میری قسمت.....!" وہ تقریباً چیخ کر بولا۔ "سارے ملک میں آپ ہی

کتوں کے معاملے میں اتنے تجربہ کار نظر آئے ہیں، مجھے آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی

اور مجھے خود حیرت ہے کہ یہ کتا یہاں کی آب و ہوا میں کس کے پاس تھا اور یہاں زندہ

رہا۔"

"کیا مطلب.....؟" سریتا رام نے چونک کر کہا۔ "تو کیا یہ کتا آپ کا نہیں ہے۔"

"جی نہیں! یہ بہت ہی عجیب و غریب طریقے سے مجھ تک پہنچا ہے۔" اجنبی نے

پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔

سریتا رام توجہ اور دلچسپی کے ساتھ اجنبی کو دیکھ رہے تھے۔ حمید کا دل بڑی شدت

دھڑک رہا تھا۔ کیونکہ وہ اس کتے کو پہچانتا تھا۔

"تین چار دن کی بات ہے۔" اجنبی کہنے لگا۔ "میں شکار کھیل کر واپس آ رہا تھا میں

ایک چلتی ہوئی ٹرین کے جانوروں کے ڈبے سے اس کتے کو کود کر باہر آتے دیکھا۔ ٹرین گذ

اور یہ بھاگتا ہوا میری طرف آ رہا تھا۔ میں نے کار روک دی اور اتر کر اسے پکڑ لیا۔ تب

میرے پاس ہے۔"

"لیکن یہ اتنی جلدی آپ کے قابو میں کیسے آ گیا۔" سریتا رام پلکیں جھپکاتے ہوئے

بولے۔

"اوہ میرے لئے یہ کون سی بڑی بات ہے۔" اجنبی مسکرا کر بولا۔ "میں نے اپنی زندگی کا

بڑا حصہ افریقہ کے جنگلوں میں گزارا ہے۔ میں اس ذات کے کتوں کی نس نس سے واقف

ہوں۔" سریتا رام جلدی سے بولے۔

اجنبی نے اپنے کتے کے گلے میں زنجیر ڈال کر اسے ایک بنچ کے پائے سے باندھ دیا اور

سریتا رام کے کتے کو گود میں اٹھا کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"مجھے چھوٹی ذات کے اسپنیل بہت پسند ہیں۔" اجنبی بولا۔ "آپ بہت شوقین آدمی

معلوم ہوتے ہیں۔ کیا آپ کے پاس اور کتے بھی ہیں۔"

"جی ہاں.....!" سریتا رام مسکرا کر بولے۔ "تقریباً پانچ یا چھ درجن۔"

"پانچ چھ درجن۔" اجنبی چونک کر بولا۔ "تب تو آپ واقعی بالکل میرے ہم مذاق

ہیں۔"

"تو کیا آپ بھی۔" سریتا رام نے کہا۔

"جی ہاں.....!" اجنبی نے جواب دیا۔

"آپ کی تعریف.....!" سریتا رام نے کہا۔

اجنبی نے اپنا ملاقاتی کارڈ جیب سے نکال کر سریتا رام کے ہاتھ میں دے دیا۔ "کرنل

ولی پرکاش سی بی ای" سریتا رام نے بلند آواز سے کارڈ پڑھا۔

"اور آپ.....!" اجنبی نے کہا۔

"لوگ مجھے سریتا رام کے نام سے پکارتے ہیں۔"

"سریتا رام.....!" اجنبی نے خوشی کے لہجے میں چیخ کر اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر.....بھلا پھر کیوں نہ ہو.....آپ سے زیادہ کتوں کے

بارے میں کون جان سکتا ہے۔ یہی تو میں کہوں..... میں نے آپ کی تعریف ایک اہم دوست سے افریقہ میں سنی تھی، اس اچانک ملاقات سے مجھے کتنی خوشی ہوئی ہے۔ یہ میں بیان کرسکتا۔''

''آپ مجھے خواہ مخواہ شرمندہ کررہے ہیں، ارے آپ بھلا کس سے کم ہیں۔'' سریتا نے منکسرالمزاجی کے ساتھ کہا۔ ''کیا اس وقت میں افریقہ کے مشہور کروڑ پتی سے ہم کلام ہوں۔''

''یہ میری خوش نصیبی ہے کہ یہاں بھی لوگ مجھے جانتے ہیں۔'' اجنبی نے مسکرا کر کہا۔

''ایک بار میرا ارادہ ہوا تھا کہ افریقہ کی ایک ہیرے کی کان کا حصہ دار ہوجاؤں، اس دوران میں مجھے آپ کا نام معلوم ہوا تھا، واقعی میں بہت خوش قسمت ہوں کہ آج آپ سے اس طرح ملاقات ہوگئی۔''

اب دونوں گفتگو کرتے ہوئے بنچ پر بیٹھ گئے تھے۔ حمید کی نظریں کتے پر جمی ہوئی تھیں اس نے ان دونوں کی گفتگو صاف سنی تھی۔ یہ کرنل پرکاش اسے حد درجہ پراسرار معلوم ہورہا تھا بظاہر وہ کتاب پڑھ رہا تھا لیکن کنکھیوں سے بار بار ان کی طرف دیکھتا جارہا تھا۔ دفعتاً ایک خیال اس کے دل میں پیدا ہوا، اسے آج ہی اطلاع ملی تھی کہ مقتول رام سنگھ کے کچھ ساتھی اس کے قاتل کی تلاش میں سرگرداں ہیں تو کیا یہ اجنبی انہی میں سے کوئی ایک ہے؟ مگر یہ اسے کیسے گیا کہیں اس کی آنکھیں اسے دھوکا تو نہیں دے رہی ہیں، مگر نہیں، وہ اسے ہزار میں پہچان ہے۔

حمید ادھر ان گتھیوں میں الجھ رہا تھا اور وہ دونوں نہایت انہماک اور گرم جوشی کے سا گفتگو میں مشغول تھے، لیکن ان کی آواز اب زیادہ صاف نہیں سنائی دے رہی تھی، حمید الجھن میں پڑ گیا، ان دونوں میں ابھی ابھی ملاقات ہوئی تھی اور اتنی جلدی یہ راز داری کیسی سرگوشیاں کیسی..... ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے دونوں برسوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں۔

تھوڑی دیر تک دونوں آہستہ آہستہ باتیں کرتے رہے پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔

''اچھا کرنل صاحب اب چلنا چاہئے۔ واقعی آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔'' سریتا نے کرنل پرکاش سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

''تو پھر کل آپ آرہے ہیں نا.....!''

''ضرور ضرور، میرے لئے یہ خوش نصیبی کم نہیں کہ خلاف توقع یہاں اتنی اچھی سوسائٹی مل گئی۔'' کرنل پرکاش نے ہنستے ہوئے کہا۔

دونوں اٹھ کر باغ کے باہر آئے۔

حمید اب سیتا رام کے بجائے کرنل پرکاش کا تعاقب کررہا تھا۔

''اسے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ کرنل پرکاش آرلکچو ہوٹل کے انہیں کمروں میں ٹھہرا ہے جن میں مقتول رام سنگھ ٹھہرا ہوا تھا۔ اس کا شبہ یقین کی سرحدیں چھونے لگا۔ ضرور یہ رام سنگھ ہی کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے اسے رہ رہ کر فریدی پر غصہ آرہا تھا کہ ایسے وقت اسے تنہا چھوڑ کر خود سیر سپاٹے کرتا پھر رہا ہے۔ شہناز کی گمشدگی کا خیال اُسے بُری طرح پریشان کئے ہوئے تھا۔ یہ تو وہ کسی طرح سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ رام سنگھ کے قتل کی سازش میں بھی شریک رہی ہے، اُسے پورا پورا یقین تھا کہ وہ محض اسی لئے غائب کی گئی ہے کہ پولیس اسی کو مجرم تصور کرکے قاتل کی تلاش چھوڑ دے۔

دوسری الجھن

واپسی پر حمید کو فریدی کا خط ملا۔ اُس نے لکھا تھا۔

''ڈیئر حمید

کیا بتاؤں کس مصیبت میں پھنس گیا۔ یہاں آتے ہی ملیریا میں مبتلا ہونا پڑا۔ ابھی تک کمزور ہوں، فی الحال سفر کے لائق نہیں۔ دوسرا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ میرا افریقی نسل کا

یلو ڈنگو راستے میں کہیں ٹرین سے لاپتہ ہوگیا۔ یہاں آنے کا اصل مقصد یہی تھا کہ اس
میں شریک کروں۔ سخت پریشانی ہے۔ اسے تلاش کرانے کے لئے ہر ممکن طریقہ اختیار
ہے، تم بھی خیال رکھنا۔ شہناز کا سراغ ملا یا نہیں، مجھے اس کا خیال ہے، لیکن کیا کروں
مجبور ہوں۔ اب معلوم ہوا کہ میں نے یہاں آ کر بھاری غلطی کی..... فریدی۔"

حمید نے خط پڑھ کر بیزاری سے ایک طرف ڈال دیا۔ یلو ڈنگو کا معاملہ اب بالکل
ہو چکا تھا۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ آخر یہ کرنل پرکاش ہے کون۔ اتنی مکاری اور عیاری
آج تک کسی کے چہرے پر نہ دیکھی تھی، جتنی کہ اس کرنل پرکاش کے چہرے پر نظر آئی
وہ شرارت آمیز مسکراہٹ کتنی خطرناک تھی۔ اس کی مسکراہٹ اور اس بلی کی آنکھوں کی
چمک میں جس نے کوئی تازہ شکار پکڑا ہو، کوئی مشترک سی چیز محسوس ہوتی تھی اور وہ چیز
پیاس کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے۔ سوچتے سوچتے وہ اٹھ کر فریدی کی لائبریری میں آیا
طرف الماریاں ہی الماریاں کتابوں سے بھری نظر آ رہی تھیں۔ وہ ایک الماری کے قریب
رک گیا۔ کچھ دیر تک کتابوں کا جائزہ لیتا رہا پھر ایک کتاب نکالی جس کا نام "جنوبی افریقہ
کامیاب ہندوستانی" تھا کئی صفحات الٹنے کے بعد مطلب کی چیز مل گئی، وہ پڑھنے لگا۔

"کرنل جی پرکاش، سی بی ای۔ جنوبی افریقہ کا کروڑ پتی..... متعدد ہیروں کی کان
حصہ دار ۱۹۱۰ء میں پراسرار طریقہ پر اپنی تجارت کو فروغ دینے لگا۔ نڈر اور بے باک
ہے۔ کئی بار چیتوں کے شکار میں بُری طرح زخمی ہو چکا ہے۔ درندوں کے شکار کا شوق
حد رکھتا ہے۔ بہتیرے خونخوار قسم کے کتے پال رکھے ہیں۔ کتوں کے متعلق معلومات میں
رکھتا ہے۔ گرمیوں کا موسم عموماً سوئٹزرلینڈ میں گزارتا ہے۔ زمانہ جنگ کی خدمات
ہو کر سرکار انگلشیہ نے سی۔ بی۔ ای کے خطاب سے نوازا۔"

حمید نے معنی خیز انداز میں اپنا سر ہلا دیا اور صفحہ الٹ دیا۔ دوسرے صفحہ پر کرنل پرکاش
تصویر تھی۔ تصویر کا چہرہ بھی عیارانہ تاثرات سے عاری نظر نہیں آتا تھا۔ بہرحال حمید کا
بھی غلط ثابت ہوا کہ کرنل پرکاش رام سنگھ کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔ پھر بھی فریدی کا

ہی تھا یلو ڈنگو اس کی الجھن کا باعث بنا ہوا تھا۔ آخر وہ اس سے اتنی جلدی مانوس کیسے ہو گیا۔
اب وہ سوچ رہا تھا کہ اسے اس سے حاصل کس طرح کیا جائے، لیکن جلد ہی اس نے اس خیال
کو اپنے ذہن سے نکال پھینکا۔ جب فریدی نے شہناز کی زیادہ پرواہ نہ کی تو پھر وہ اس ذلیل
ے کی پرواہ کیوں کرے، اس کی قیمت شہناز سے زیادہ نہیں۔

حمید ان خیالات میں الجھا ہی ہوا تھا کہ نوکر نے انسپکٹر سنہا کی آمد کی اطلاع دی۔ وہ
ن متحیر ہوا۔ آخر ان حضرت نے آنے کی زحمت کیوں گوارا کی۔ وہ لائبریری سے ڈرائنگ
وم میں آیا۔ انسپکٹر سنہا اس کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا، اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"تشریف رکھئے.....!" حمید نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "فرمایئے میرے لائق کوئی
دمت.....!"

"بھئی دراصل میں آپ کی غلط فہمی دور کرنے آیا ہوں، اس وقت آپ ناراض ہو کر چلے
ئے تھے اور میں بھی ایک اشد ضروری کام میں مشغول تھا۔ اس لئے آپ کو مطمئن نہ کر سکا۔"

"مطمئن تو آپ مجھے زندگی بھر نہیں کر سکتے جبکہ میں شہناز کی بے گناہی سے اچھی طرح
اف ہوں۔" حمید نے انسپکٹر سنہا کی طرف سگار کا ڈبہ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"فریدی صاحب کہاں تشریف رکھتے ہیں۔"

"ایک ماہ کی چھٹی پر ہیں۔" حمید نے جواب دیا۔

"کیا کہیں باہر گئے ہوئے ہیں؟"

"جی ہاں..... کتوں کی عالمی نمائش دیکھنے گئے ہیں، وہاں بیمار ہو گئے ہیں۔"

"اس کے باوجود بھی آپ شہناز کی بے گناہی ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔" انسپکٹر
نہا نے کہا۔

"کیوں..... اس سے کیا۔"

"تعجب ہے کہ آپ اتنا بھی نہیں سمجھتے۔" سنہا نے ہنس کر کہا۔ "اگر فریدی صاحب شہناز
ے گناہ سمجھتے ہوتے تو اس طرح معاملے کو کھٹائی میں ڈال کر تفریح کرنے نہ چلے جاتے۔"

"یہ تو اپنی اپنی طبیعت کی بات ہے..... اب اسے کیا کہا جائے کہ انہیں آدھا
زیادہ کتے پسند ہیں۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"یہ بات نہیں حمید صاحب، میں فریدی صاحب کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ اگر
شہناز کی بے گناہی کا یقین آ جاتا تو وہ سر دھڑ کی بازی لگا دیتے۔"

"مجھ سے زیادہ آپ انہیں نہیں جانتے۔" حمید نے کہا۔

"اب ہٹ دھرمی کو کیا کہا جائے۔" انسپکٹر سنہا نے سگار کا کش لے کر کہا، بہرحال
اس سے بحث نہیں، میں اُسے مجرم سمجھتا ہوں، اسلئے میں اسی کے مطابق کام کر رہا ہوں، او
کچھ آپ سمجھتے ہیں اس کیلئے آپ کوشش کرتے رہئے۔ فیصلہ وقت کرے گا۔"

"آخر اُسے مجرم سمجھنے کی کوئی وجہ بھی تو ہو۔" حمید نے کہا۔ "اس کے لئے محض شہ
غائب ہو جانا ہی کافی نہیں۔ جیسا کہ پہلے کہہ چکا ہوں، ممکن ہے کہ مجرموں نے پولیس کو
راستے پر لگانے کے لئے اسے غائب کر دیا ہو۔"

"میں اس وقت آپ کو یہی بتانے کے لئے حاضر ہوا ہوں کہ میں اتنا بیوقوف نہیں
کے لئے میرے پاس بہت ہی پختہ قسم کے ثبوت ہیں، اتنا میں بھی سمجھتا ہوں کہ مجرم اس
چال چل سکتے ہیں۔"

"خیر صاحب..... وہ ثبوت بھی دیکھ لیتا ہوں۔"

"نہیں آپ مذاق نہ سمجھئے..... میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔" انسپکٹر سنہا نے جیب
ایک کاغذ کا ٹکڑا نکالتے ہوئے کہا۔ "اسے دیکھئے۔"

حمید نے کاغذ لے کر پڑھنا شروع کیا۔

"تم نے جس ہوشیاری سے اپنا کام انجام دیا ہے اس کی داد نہیں دی جا سکتی۔ تم
سے باقاعدہ گروہ میں شامل کر لی گئیں۔ لیکن اب بہت زیادہ ہوشیاری کی ضرورت ہے۔
کو تم پر شک ہو گیا ہے لہٰذا کچھ دنوں کے لئے یہاں سے ہٹ جاؤ۔ بی ون اور بی ٹو آج
بجے دن کتھئی رنگ کی کار پر تمہارے مکان کے سامنے سے گزریں گے، تم انہیں سڑک پ

کام وہ دونوں خود کر لیں گے، بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔"

پڑھتے پڑھتے حمید کی پیشانی پر پسینہ پھوٹ پڑا۔ اس کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔
ں کی دھمک اسے اپنے سر میں محسوس ہو رہی تھی۔ ہونٹ خشک ہو گئے تھے۔ اس نے ہونٹوں پر
بان پھیرتے ہوئے کاغذ سنہا کو وا

"بھئی یہ ثبوت بھی کچھ ایسا مستحکم نہیں معلوم ہوتا۔" حمید نے خود پر قابو پانے کی کوشش
رتے ہوئے کہا۔ "یہ بھی ممکن ہے کہ ایک طرف مجرموں نے اُسے غائب کر دیا ہو اور دوسری
رف پولیس کا شبہ اور زیادہ مضبوط کرنے کے لئے یہ خط بھی لکھ دیا، لیکن آپ کو یہ خط کہاں
ے ملا۔"

"یہ خط شہناز کے گھر کی تلاشی لیتے وقت اس کی لکھنے کی میز کے نیچے پڑا ملا تھا۔" سنہا
نے کہا۔ "اور رہ گئی امکانات کی بات تو یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ میں ہی اصل مجرم ہوں یا فریدی
ب محض اصل مجرم ہونے کی وجہ سے باہر چلے گئے ہوں یا پھر آپ..... امکانات کے تحت
ب ہی کچھ ہو سکتا ہے۔"

"خیر..... خیر.....!" حمید نے اکتا کر کہا۔ "ان سب باتوں سے کیا حاصل۔ اصل بات
ایک نہ ایک دن سامنے آ ہی جائے گی، بہرحال میں اپنے مشاہدات کی بناء پر شہناز کو بے
ناہ سمجھنے پر مجبور ہوں۔"

"آپ اس کے لئے قطعی آزاد ہیں۔" انسپکٹر سنہا ہنس کر بولا۔ "خیالات پر تو پابندی
ائی نہیں جا سکتی۔"

تھوڑی دیر کے بعد سنہا اٹھ کر چلا گیا۔ حمید ابھی تک خود کو مطمئن ظاہر کرنے کی کوشش
کر رہا تھا۔ لیکن سنہا کے جاتے ہی سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ تو کیا واقعی شہناز مجرم ہے..... مگر نہیں وہ
ایسا نہیں کر سکتی۔ اُسے بہرحال اپنے اور اپنے خاندان کی عزت کا بہت خیال تھا۔ مجرم دور سے
پکڑے جا سکتے ہیں۔ لیکن شہناز کو قریب سے دیکھ کر کبھی بھی اُس کے دل میں یہ خیال پیدا نہیں
ہوتا کہ شہناز جرم بھی کر سکتی ہے اور پھر ایسا بھیانک اور دل لرزا دینے والا جرم۔ اس کی فطرت

میں نسائیت کا رچاؤ..... اسے کسی ایسے بھیانک کام کی طرف بھی نہیں لے جاسکتا۔ پھر آخر بات کیا ہے۔ یہ سب آخر کیسے ہوا اور پھر یہ خط۔ سوچتے سوچتے حمید کا سر چکرانے لگا اور صوفے کی پشت پر سر ٹیک کر نڈھال سا ہوگیا۔

پُراسرار عورت

حمید کا دل بُری طرح الجھ رہا تھا۔ کبھی وہ سچ مچ شہناز پر شک کرنے لگتا اور کبھی یہ شک محبت کی لہر اپنے ساتھ بہا لے جاتی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر واقعی وہ خط شہناز کو ملا ہوتا تو وہ اسے اتنی بے احتیاطی سے میز کے نیچے نہ ڈال دیتی اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ پولیس کا شبہ رفع کرنے کے لئے روپوش ہوگئی۔ ایسی صورت میں تو اسے یہیں موجود رہنا چاہئے تھا تاکہ پولیس کے شکوک رفع ہوجائیں۔ مگر نہیں ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اس گروہ کے لوگوں نے اُسے محض اس لئے غائب کردیا ہے کہ کہیں پولیس اس پر جبر کرکے سارا راز اگلوا نہ لے، مگر ایسی صورت میں بھی شہناز وہ خط پڑھنے کے بعد ضرور جلا دیتی۔ پھر آخر کیا بات ہے۔ وہ اکتا کر فریدی کے خط کا جواب لکھنے بیٹھ گیا۔ مگر لکھے کیا۔ فریدی کی طرف سے ایک طرح کی نفرت اس کے دل میں پیدا ہوگئی تھی۔ کچھ نہ کچھ تو لکھنا ہی تھا کیونکہ بہرحال وہ اس کا ماتحت ٹھہرا۔ اس نے یونہی ایک رسمی سا خط لکھنا شروع کردیا لیکن یلو ڈنگو کا تذکرہ سوا اس کے کچھ اور نہ لکھا کہ اس کے کھو جانے پر اُسے افسوس ہے۔ شہناز کے متعلق بھی یہ لکھ دیا کہ وہ ابھی تک نہیں مل سکی۔ اس درمیان میں اس نے کیا کیا' اس کے متعلق اس نے کچھ لکھنا قطعی بیکار سمجھا۔ اس نے مکمل ارادہ کرلیا کہ اس مہم کو وہ اکیلے ہی سر کرنے کی کوشش کرے گا اور فریدی کو یہ دکھا دے گا کہ وہ نرا بدھو ہی نہیں ہے۔ آخر اسے بھی تو ترقی کرنی ہی ہے۔ کب تک فریدی کا سہارا لیتا رہے گا۔ اس طرح تو شاید اسے زندگی بھر ترقی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہو۔ رہ گیا فریدی تو وہ اچھا خاصا جھکی ہے۔ کتنی

انسپکٹری ملی۔ ٹھکرا دیا۔ نہ جانے کس قماش کا آدمی ہے۔ اس کی بات ہی سمجھ میں نہیں کبھی یہ حال ہوتا ہے چاہے کوئی واسطہ ہو یا نہ ہو خواہ مخواہ ہر معاملے میں ٹانگ اڑائی جاتی جب کوئی خاص موقع آتا ہے تو اتنی صفائی سے الگ ہوجاتا ہے جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ اور اس کے تعلقات برادرانہ تھے لیکن پھر بھی اس نے اس کی پرواہ نہیں کی اور یہاں چلا گیا۔ اگر شہناز سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوتا تو شاید آپ اپنی جان تک کی بازی لگا حمید جتنا سوچتا جارہا تھا اس کی طبیعت کی اکتاہٹ بڑھتی ہی گئی۔ دیوار پر لگی ہوئی گھڑی بجا رہی تھی۔ اس نے سوچا کیوں نہ آرلکچو ہی میں چل کر دل بہلایا جائے اور اس طرح کرنل پرکاش کے متعلق بھی کچھ معلوم ہوسکے۔ مگر اس کے متعلق کچھ معلوم کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ وہ تو قطعی غیر متعلق آدمی ہے۔ صورت سے خطرناک ضرور معلوم ہوتا ہے لیکن اس سے اس کا کیا تعلق ہے۔ اس کے پیچھے پڑنا خواہ مخواہ وقت برباد کرنا ہے۔

اس نے کپڑے پہنے، پہلے سوچا کہ فریدی کی کار نکال لے لیکن پھر کچھ سوچ کر پیدل ہی چل پڑا۔ آگے چل کر ایک ٹیکسی کی اور آرلکچو کی طرف روانہ ہوگیا۔

رقص گاہ میں کافی رونق تھی۔ ابھی ناچ شروع نہیں ہوا تھا۔ لوگ ادھر اُدھر بیٹھے کچھ کھا پی رہے تھے۔ شراب کے کاؤنٹر پر اچھی خاصی بھیڑ تھی۔ حمید نے چھٹتی سی نظر پورے مجمع پر ڈالی۔ میز پر کرنل پرکاش بیٹھا کچھ پی رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ کوئی اخبار بھی دیکھتا جارہا تھا۔ وہ میز پر تنہا ہی تھا۔ باقی تین کرسیاں خالی تھیں۔ اسی کے قریب ایک اور میز خالی تھا۔ حمید نے نہ جانے کیوں اپنے لئے وہی جگہ منتخب کی۔

کرنل پرکاش اپنے گردوپیش سے بے خبر پڑھنے میں مشغول تھا۔ اس وقت حمید کو اُسے اچھی طرح قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ وہ اُسے پہلے سے زیادہ خطرناک معلوم ہورہا تھا۔

حمید ادھر اُدھر بیٹھی ہوئی عورتوں کو عمداً اس طرح گھورنے لگا جیسے وہ ایک بہت اوباش قسم کا آدمی ہو۔ دفعتاً اس نے یونہی پیچھے مڑ کر دیکھا لیڈی سیتا رام ہال میں داخل ہورہی تھی۔ وہ سیدھا کرنل پرکاش کے پیچھے کھڑی ہوگئی۔ کرنل پرکاش بدستور پڑھنے میں مشغول رہا۔ لیڈی

سیتا رام ستائیس اٹھائیس سال کی ایک قبول صورت عورت تھی۔ اس کے ہونٹ بہت زیا
تھے، جن پر بہت شوخ رنگ کی لپ اسٹک لگائی گئی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے
ہونٹ بھینچ رکھے ہوں پیشانی پر پڑی ہوئی سلوٹیں بدنما نہیں معلوم ہوتی تھیں۔ وہ چند
طرح کرنل پرکاش کے پیچھے کھڑی رہی پھر آہستہ سے کچھ کہا اور واپس جانے کے لئے
کرنل پرکاش چونک کر پیچھے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر شرارت آمیز مسکراہٹ رقص
تھی۔ لیڈی سیتا رام اوپر گیلری میں جانے کے لئے زینے پر چڑھ رہی تھی۔ اس کے جا
تین چار منٹ بعد کرنل پرکاش بھی اٹھا۔ اب وہ بھی اسی زینے پر چڑھ رہا تھا۔ حمید حیر
پلکیں جھپکانے لگا۔ یہ بات اس کی سمجھ میں قطعی نہ آئی کہ لیڈی سیتا رام کرنل پرکاش
قسم کی واقفیت کیسے رکھتی ہے، جب کہ خود سیتا رام اس کے لئے قطعی اجنبی تھے، اور ان دو
کی پہلی ملاقات لارنس باغ میں خود اسی کے سامنے ہوئی تھی۔

آخر یہ ماجرا کیا ہے، حمید تھوڑی دیر تک سوچتا رہا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ وہ
لاپرواہی سے ٹہلتا ہوا خود بھی اسی زینے پر چڑھنے لگا۔ گیلری خالی پڑی تھی۔ اس نے بالکنی
جھانک کر دیکھا۔ وہ دونوں جنگلے پر جھکے کھڑے ہوئے باتیں کر رہے تھے، انہیں کے قریب
دو کھمبوں کے نیچے سے آتی ہوئی لتر پھیلی ہوئی تھی۔ اوپر آ کر لتر نے اتنا پھیلاؤ اختیار کیا تھا
بالکنی کا وہ حصہ بالکل بیکار ہو گیا تھا۔ سرجنٹ حمید دوسرے دروازے سے نکل کر لتر کی آڑ
چھپ گیا۔ اس طرف اندھیرا ہونے کے سبب سے ادھر والوں کی نگاہیں حمید تک پہنچنی
تھیں۔ بہر حال وہ ایک ایسی جگہ پہنچ چکا تھا جہاں سے ان کی گفتگو کا ایک ایک لفظ صاف سن
تھا۔

لیڈی سیتا رام کہہ رہی تھی۔

"کرنل..... تم شاید کوئی جادوگر ہو۔"

"کیوں..... کیوں خیریت تو ہے۔" کرنل پرکاش قہقہہ لگا کر بولا۔

"مجھے بتاؤ کہ میں اپنا زیادہ سے زیادہ وقت تمہارے ساتھ کیوں گزارنا چاہتی ہوں۔"

"یہ اپنے دل سے پوچھو۔" کرنل پرکاش بہت ہی رومانٹک انداز میں بولا۔

"کاش میں افریقہ میں پیدا ہوئی ہوتی۔"

"تب تم اتنی حسین نہ ہوتیں۔"

"تو کیا میں واقعی حسین ہوں۔"

"کاش میں تمہارے حسن کی تصویر الفاظ میں کھینچ سکتا۔"

"ہنہ بھی۔" لیڈی سیتا رام نے شرمیلے انداز میں کہا۔

"لیڈی سیتا رام میں سچ کہتا ہوں کہ.....!"

"دیکھو کرنل تم میرا نام جانتے ہو۔" وہ پرکاش کی بات کاٹ کر بولی۔ "مجھے اس منحوس نام سے مت یاد کیا کرو۔ مجھے تکلیف ہوتی ہے۔"

"اچھا چلو یہی سہی..... ہاں تو حسین ریکھا..... میں ایک سپاہی قسم کا اکھڑ آدمی ہوں۔ لیکن تمہاری پیاری پیاری سی شخصیت نے مجھے بالکل موم بنا دیا ہے۔"

"تم مجھے بیوقوف بنا رہے ہو۔" لیڈی سیتا رام ناز سے بولی۔

"نہیں ریکھا تم پہلی عورت ہو جس نے مجھے اتنا متاثر کیا ہے۔ میں ابھی تک کنوارا ہوں۔ بعض اوقات سوچتا ہوں کہ کاش تم میرے حصے میں آئی ہوتیں۔"

"میری ایسی قسمت کہاں تھی۔" لیڈی سیتا رام سرد آہ بھر کر بولی۔

"ہاں اور سنو.....!" کرنل پرکاش بولا۔ "آج شام اتفاقاً تمہارے کھوسٹ سے ملاقات ہو گئی۔ مجھ سے مل کر بہت خوش ہوا ہے اور کل شام کو چائے کی دعوت دی ہے۔ کتنا لطف رہے گا۔ جب وہ میرا تعارف تم سے ایک اجنبی کی حیثیت سے کرائے گا۔ مجھے تو سوچ سوچ کر ہنسی آ رہی ہے۔"

"بہت اچھا ہوا ڈیئر کرنل..... اب میں تم سے باقاعدہ مل سکوں گی۔ میں کتنی خوش قسمت ہوں۔"

"تم نہیں بلکہ میں خوش قسمت ہوں کہ مجھے یہاں ایک ایسے انمول ہیرے کا قرب

نصیب ہوا ہے جس کا ثانی دنیا میں نہیں۔''

''اور تم ٹھہرے ہیروں کے تاجر.....!'' لیڈی سیتا رام قہقہہ لگا کر بولی۔

کرنل پرکاش ہنسنے لگا۔

''آں یہ کون آرہا ہے۔'' لیڈی سیتا رام چونک کر بولی۔ ''میرا بھتیجا سریندر کمار..... اچھا کرنل صاحب..... اب تم نیچے جاؤ..... میں بھی ابھی آئی۔ سریندر کے سامنے ہمیں ایک دوسرے کے لئے قطعی اجنبی بننا پڑے گا۔''

''اچھا میں چلا..... لیکن یہ تو بتاؤ کہ اب کب ملیں گے۔''

''بہت جلد.....!'' لیڈی سیتا رام نے کہا اور ٹہلتی ہوئی بالکنی کے دوسرے کنارے تک چلی گئی۔

تقریباً دس پندرہ منٹ تک وہ وہاں ٹہلتی رہی پھر وہ بھی نیچے چلی گئی۔ حمید لٹر کی آڑ سے نکلا اور پوری بالکنی کا چکر لیتا ہوا دوسرے زینے سے نیچے اتر آیا۔ ناچ شروع ہو چکا تھا۔ کرنل پرکاش ایک نوعمر لڑکی کے ساتھ ناچ رہا تھا۔ لیڈی سیتا رام اور سریندر ایک کنارے بیٹھے ہوئے کچھ پی رہے تھے۔ حمید دونوں کو دیکھتا ہوا بار کی طرف چلا گیا۔ اس کی نگاہیں انہیں دونوں پر جمی ہوئی تھیں۔ سریندر ایک معمولی جسامت کا مگر خوبصورت نوجوان تھا۔ اس نے سیاہ رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا، جو اس پر بہت زیادہ کھل رہا تھا۔ دوسرا راؤنڈ شروع ہونے پر لیڈی سیتا رام اور سریندر اٹھ کر ٹہلتے ہوئے گیلری کے زینوں کی طرف گئے۔ دوسرے لمحے میں دونوں غائب تھے۔ کرنل پرکاش اب ایک دوسری عورت کے ساتھ ناچ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں حمید کا دل چاہا کہ ان دونوں کے پیچھے جائے، وہ ٹہلتا ہوا زینے کے قریب آیا لیکن یہ دیکھ کر ٹھٹک گیا کہ کرنل پرکاش کی نگاہیں ذرا ادھر اُدھر ہوں اور وہ زینے پر چڑھ جائے لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ کرنل پرکاش کے قدم کچھ مضمحل تھے۔ وہ اس طرح لڑکھڑا رہا تھا جیسے وہ بہت زیادہ پی گیا ہو۔ اُس کے ساتھ ناچنے والی عورت نے شاید اُسے محسوس کر لیا تھا لہٰذا وہ اس کی گرفت سے نکل جانے کی کوشش کر رہی تھی۔ یک بیک کرنل پرکاش نے خود اسے چھوڑ دیا اور لڑکھڑاتا

زینے کی طرف بڑھا۔

حمید متحیر تھا کہ آخر یہ بات کیا ہے۔ یہ اوپر کیوں جا رہا ہے، کیونکہ ابھی ابھی لیڈی سیتا نے اس سے کہا تھا کہ وہ سریندر کی موجودگی میں ایک دوسرے کے لئے بالکل اجنبی ہوں حمید ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ وہ کیا کرے کہ کرنل پرکاش لڑکھڑاتا ہوا نیچے اتر آیا۔ غصے سے نتھنے پھول رہے تھے، نچلا ہونٹ اس نے اپنے دانتوں میں دبا رکھا تھا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا طرف چلا گیا۔ حمید نے ادھر اُدھر دیکھا اور دبے پاؤں زینے پر چڑھتا چلا گیا۔

اب پھر وہ اسی لٹر کی آڑ میں چھپ گیا تھا۔ لیڈی سیتا رام اور سریندر ایک دوسرے کے میں ہاتھ ڈالے جنگلے پر جھکے ہوئے تھے۔

''سریندر ڈارلنگ، میں اب اسطرح زندہ رہنا نہیں چاہتی۔'' لیڈی سیتا رام بولی۔

''تو آخر اس میں پریشانی کی کون سی بات ہے۔ دنیا کی نظروں میں اگر ہم چچی بھتیجے رہ کر زندگی کا لطف اٹھائیں تو کیا حرج ہے۔'' سریندر نے کہا۔

''لیکن مجھے یہ پسند نہیں۔'' لیڈی سیتا رام نے کہا۔

''سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اس میں بُرائی کیا ہے۔'' سریندر بولا۔

''میں اس بوڑھے کھوسٹ کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔'' لیڈی سیتا رام نے کہا۔

''یہ ذرا دشوار چیز ہے لیکن تم جو کہو، میں کرنے کیلئے تیار ہوں۔'' سریندر بولا۔

''اُوہ ہم تم کہیں دور چلے جائیں، بہت دور..... جہاں ہم دونوں کے سوا اور کوئی نہ ہو۔''

''اررر نہیں..... وہاں ہمارا کھانا کون پکائے گا۔'' سریندر ہنس کر بولا۔

''گریٹ کہیں کے۔'' لیڈی سیتا رام نے کہا اور سریندر ''او او'' کرتا ہوا ایک طرف ہٹ

[illegible] لیڈی سیتا رام نے اس کے چٹکی کاٹ لی تھی۔

[illegible] نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا اور چپکے سے گیلری میں آ گیا۔

گیارہ بجے رات کو جب وہ گھر واپس آ رہا تھا تو اس کے ذہن میں عجیب قسم کا انتشار برپا

تھا۔ عجیب وغریب عورت ہے، ایک طرف تو بھتیجے کو پھانس رکھا ہے اور دوسری طرف کرنل پرکاش کو بیوقوف بنا رہی ہے۔ کرنل بڑے غصے میں نیچے اترا تھا، غالباً اس نے بھی ان کی گفتگو سنی ہوگی۔ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے۔ اس کا دماغ پھر الجھنے لگا، لیکن ان سب باتوں کا شہناز کے واقعے سے کیا تعلق۔ وہ آخر ان کے پیچھے کیوں لگا ہوا ہے۔ مگر پھر لیڈی سیتا رام ہی نے پولیس کو شہناز کی طرف سے شبہے میں مبتلا کیا تھا اور یہ بھی تو رام سنگھ کے ساتھ ناچتی تھی۔ وہ ایک فاحشہ عورت ہے اور رام سنگھ ایسی عورتوں کی تجارت کرتا تھا۔ یہاں تک تو کڑیاں ملتی ہیں لیکن پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لیڈی سیتا رام ایک دولت مند آدمی کی بیوی ہے۔ مفلس تو نہیں کہ عورت فروشوں سے اس کی رسم وراہ ہو۔ عجیب معمہ ہے۔ ایسی پراسرار عورت آج تک اس کی نظروں سے نہیں گزری تھی۔ کم بخت چہرہ اتنا پروقار ہے کہ کوئی بھی اس سے ذلیل حرکتوں کی توقع نہیں رکھ سکتا۔ یہی عورت جو سوسائٹی میں کافی عزت کی نظروں سے دیکھی جاتی ہے کس قدر گری ہوئی ہے۔ اُسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے شہناز بھی ایسی ہی ہو۔ وہ کافی آزاد خیال ہے۔ رقص گاہوں میں مردوں کے ساتھ ناچتی پھرتی ہے۔ اُسے اپنی محبت پر نفرت کی ہلکی سی تہہ چڑھتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔

سر سیتا رام

دوسرے دن حمید سخت الجھن میں تھا کہ کس طرح سر سیتا رام تک رسائی حاصل کرے۔ اسے اس دلچسپ ڈرامے کا اختتام دیکھنے کی آرزو تھی۔ اس سلسلے کے دلچسپ اور حیرت انگیز واقعات نے اس کی ساری توجہ منعطف کرالی تھی، وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ لیڈی سیتا رام اور کرنل پرکاش جو پہلے سے ایک دوسرے کے گہرے دوست ہیں سر سیتا رام کے سامنے اجنبیوں کی طرح کیسے ملتے ہیں، وہ دن بھر تمام تدبیریں سوچتا رہا کہ کس طرح اسی وقت سر سیتا رام کے

یہاں پہنچ جائے، جب کہ کرنل پرکاش بھی یہاں موجود ہو۔ آفس میں بھی اس کا دل نہ لگا اور آفس بند ہونے کے وقت سے پہلے ہی گھر لوٹ آیا، جیسے جیسے شام نزدیک آتی جارہی تھی اس کے اضطراب میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ وہ ڈرائنگ روم میں ایک صوفے پر لیٹا خیالات میں گم تھا کہ نوکر نے ایک ملاقاتی کارڈ لاکر اس کے سامنے رکھ دیا۔

"ڈاکٹر محمود.....!" حمید نے آہستہ سے کہا۔ "انہیں اندر بھیج دو۔" حمید اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"آداب عرض ہے حمید صاحب۔" ڈاکٹر محمود نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ یہ ایک ادھیڑ عمر کا جامہ زیب آدمی تھا۔ چہرہ ڈاڑھی اور مونچھوں سے صاف تھا۔ اس کے زیدی کے ساتھ تعلقات بہت اچھے تھے جس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ یہ جانوروں کے ہسپتال کا انچارج تھا اور کتوں کے امراض کا ماہر۔ وہ اپنی اسی خصوصیت کی بناء پر اونچی سوسائٹی میں خصوصی اہمیت رکھتا تھا۔ ویسے وہ خود متوسط طبقے سے تعلق رکھتا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ خودنمائی کی بُری عادت کا شکار ہوگیا تھا۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ ایسے لوگ اپنے طبقے کے لوگوں میں بیٹھ کر ہمیشہ لمبی چوڑی باتیں کیا کرتے ہیں۔ مقصد محض یہ جتانا ہوتا ہے کہ اونچی سوسائٹیوں میں ان کی خاص اہمیت ہے۔ اس کا ملاقاتی کارڈ دیکھتے ہی حمید کو الجھن ہونے لگی تھی۔ ایسے لوگوں سے گفتگو کرنا وہ محض تضیع اوقات سمجھتا تھا کیونکہ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ ان کی باتوں میں سے نوے فیصدی جھوٹ کی آمیزش ہوتی ہے۔ خصوصاً ڈاکٹر محمود تو بعض اوقات قدیم شاعری کے مبالغے کی سرحدوں سے ٹکرانے لگتا ہے۔ وہ زیادہ تر اونچے طبقے کی عورتوں کی باتیں کیا کرتا تھا، مثلاً فلاں جج کی بیوی نے اسے یوں مسکرا کر دیکھا، فلاں سیٹھ کی بیوی اس کے ساتھ بھاگ جانے پر آمادہ ہوگئی تھی۔ فلاں کرنل کی بیوہ بہن اس پر بُری طرح لٹو ہورہی ہے۔ فلاں لیڈ ڈیکٹ کی لڑکی تو اس کے لئے زہر تک کھا لینے کے لئے تیار بیٹھی ہے، لیکن وہ اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں کرتا کیونکہ خود اس کی بیوی کئی بچے جن چکنے کے باوجود بھی صرف تیرہ برس کی معلوم ہوتی تھی اور اس کے حسن کا تو یہ عالم ہے کہ شاید حوریں بھی اس کی قسم کھاتی ہوں گی۔

حمید ڈاکٹر محمود کو دیکھ کر زبردستی مسکراتا ہوا اٹھا۔ اس سے ہاتھ ملاتے وقت خواہ مخواہ گرم

جوشی کا مظاہرہ کرتا ہوا بیٹھ گیا۔

''کیا فریدی صاحب گھر پر موجود نہیں ہیں۔'' ڈاکٹر محمود نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''جی نہیں، وہ باہر تشریف لے گئے ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''بھئی حمید صاحب کیا بتاؤں..... معلوم نہیں آپ لوگوں سے اتنی محبت ہوگئی ہے، یہ ہے کہ اگر زیادہ دنوں تک آپ لوگوں سے نہ ملوں تو عجیب قسم کی الجھن ہونے لگتی ہے۔'' ڈاکٹر محمود نے کہا۔

''محبت ہے آپ کی.....!'' حمید مسکرا کر بولا۔ ''وہ دانستہ طور پر زیادہ بات چیت نہیں چاہتا تھا تاکہ جلد ہی پیچھا چھوٹ جائے۔''

''اس وقت سر سیتا رام کے یہاں ٹی پارٹی میں جا رہا تھا، سوچا لگے ہاتھ آپ لوگوں سے بھی ملتا چلوں، ویسے مجھے فرصت کہاں۔'' ڈاکٹر محمود نے کہا۔ ''بھئی کیا بتاؤں میں تو اس پارٹی کو محض تضیع اوقات سمجھتا ہوں۔ مگر کیا کروں یہ لوگ کسی طرح مانتے ہی نہیں۔ اب آج کا واقعہ لے لیجئے سر سیتا رام کا آدمی دعوت نامہ لے کر آیا۔ میں نے ٹالنے کے لئے جواب دیا کہ میں معافی چاہتا ہوں۔ کیونکہ میرے پاس ایک مہمان آ گئے ہیں، لیکن صاحب بھلا سر سیتا رام کہاں ماننے لگے، فوراً ہی کہلا بھیجا کہ مہمان سمیت آ جاؤ۔ مرتا کیا نہ کرتا جانا ہی پڑے جا کر کہوں گا کہ مہمان کی طبیعت کچھ خراب تھی، اس لئے وہ نہ آ سکے۔''

حمید کی آنکھیں چمکنے لگیں، اس نے سوچا کیوں نہ اس موقع سے فائدہ اٹھائے حالانکہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ یہ مہمان والی بات سو فیصدی غپ ہے، لیکن وہ پھر بھی کہہ ہی بیٹھا۔

''تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے، میں آپ کا مہمان بن کر چلا جاؤں گا۔''

''ارے آپ کہاں..... آپ مذاق کر رہے ہیں۔'' ڈاکٹر محمود نے جھینپی ہوئی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

''نہیں میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔'' حمید نے کہا۔

''اور اگر کسی نے پہچان لیا تو.....!'' ڈاکٹر محمود نے پیچھا چھڑانے کے لئے کہا۔

''پھر بڑی شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔''

''کمال کر دیا آپ نے.....!'' حمید نے ہنس کر کہا۔ ''ارے صاحب میں بھیس بدل کر چلوں گا۔''

''تب تو آپ واقعی مذاق کر رہے ہیں۔'' ڈاکٹر محمود نے قہقہہ لگا کر کہا۔

''بخدا میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔'' حمید نے کہا۔ ''بات یہ ہے کہ مجھے سر سیتا رام کے کتوں کو دیکھنے کا بے حد شوق ہے۔ میں نے کئی بار کوشش کی کہ وہاں تک پہنچوں مگر کوئی معقول بہانہ ہاتھ نہ آ سکا۔''

''اگر یہ بات ہے تو میں کسی موقع پر آپکو اُن سے ملاؤں گا۔'' ڈاکٹر محمود نے کہا۔

''آپ جانتے ہیں کہ ہم لوگوں کو اتنی فرصت کہاں..... آج کل خوش قسمتی سے کوئی کیس نہیں ہے۔ اس لئے فرصت ہی فرصت ہے، ورنہ معلوم نہیں کب اور کس وقت پھر مصروف ہونا پڑے۔''

''مگر.....!'' ڈاکٹر محمود نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''اگر مگر کچھ نہیں..... میں اس وقت آپ کے ساتھ ضرور چلوں گا۔'' حمید نے کہا۔ ''آخر آپ کو پریشانی کس بات کی ہے جب کہ سیتا رام آپ کو مہمان سمیت مدعو کر چکے ہیں۔''

''پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ سوچتا ہوں کہ اگر آپ بھیس بدلنے پر پہچان لئے گئے تو بڑی خرابی ہوگی۔'' ڈاکٹر محمود نے زچ ہو کر کہا۔

''اس کا ذمہ میں لیتا ہوں۔'' حمید نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔ ''اگر کوئی پہچان لے تو میں اُسے ایک ہزار روپیہ آپ کی خدمت میں پیش کروں گا، کہئے تو اس کے لئے تحریر دے دوں۔''

ڈاکٹر محمود سخت الجھن میں پڑ گیا۔ وہ ٹی پارٹی میں مدعو ضرور تھا، لیکن مہمان والی بات اس نے محض اپنی لاپروائی اور اونچے طبقے کی نظروں میں کوئی اہمیت نہ ہونے کے اظہار کے لئے یوں ہی کہہ دی تھی۔ اب اسے اپنی حماقت پر سخت افسوس ہو رہا تھا لیکن اب ہو ہی کیا سکتا تھا۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا..... مجبوراً اُسے حمید کی بات ماننی ہی پڑی۔ حمید اُسے ڈرائنگ روم میں

بٹھا کر خود چلنے کی تیاری کرنے کے لئے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ ڈاکٹر محمود بیٹھا دانت پیس رہا تھا۔ خواہ مخواہ کی بلا گلے لگ گئی۔ وہ ہمیشہ ایسی باتوں سے کتراتا تھا جن سے اونچی سوسائٹی میں اس کی سبکی ہو۔ کبھی بن بلائے مہمان کو اپنے ساتھ ایسی جگہ لے جانا سراسر تہذیب کے خلاف سمجھا جاتا ہے، متوسط طبقے کی زندگی میں تو خیر ہر چیز جائز ہے، لیکن اعلیٰ طبقے کے افراد باتوں کا خاص خیال رکھتے ہیں، محمود بیٹھا الجھ رہا تھا کہ ایک پرانے وضع کے مسلمان رئیس ڈرائنگ روم میں داخل ہو کر کہا۔ ''السلام علیکم۔''

ڈاکٹر محمود چونک کر کھڑا ہوگا۔ آنے والے کی ظاہری وجاہت اُسے بُری طرح مرعوب کر رہی تھی۔

''کیا فریدی صاحب تشریف رکھتے ہیں۔'' آنے والے نے بے تکلفی سے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''جی نہیں..... وہ تو باہر تشریف لے گئے ہیں۔'' ڈاکٹر محمود نے جلدی سے کہا۔

''آپ کی تعریف.....!'' اجنبی نے ڈاکٹر محمود کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے ڈاکٹر محمود کہتے ہیں، جانوروں کے ہسپتال کا انچارج ہوں۔''

''بہت خوب..... آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔'' اجنبی نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔

''آپ نے میری تعریف نہیں پوچھی، انتہائی بداخلاق معلوم ہوتے ہیں آپ۔'' اجنبی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

ڈاکٹر محمود گڑبڑا کر ہکلانے لگا۔

''گھبراؤ نہیں پیارے ڈاکٹر.....!'' اجنبی نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ''جب تم مجھے نہیں پہچان سکے تو پھر کون مائی کا لال پہچان سکے گا۔''

''ارے صاحب.....!'' ڈاکٹر نے اچھل کر کہا۔ ''خدا کی قسم کمال کر دیا۔''

''اچھا تو اب اچھی طرح سمجھ لیجئے میری تعریف یہ ہے۔'' حمید ہنس کر بولا۔ ''خان بہادر

نمبر 1 ...مرزا..... اودھ کا بہت بڑا تعلق دار..... کیا سمجھے اور کتوں کا شوقین۔''

''سمجھ گیا..... اچھی طرح سمجھ گیا۔ مجھے اب کوئی پریشانی نہیں۔'' ڈاکٹر محمود نے کہا۔

اور کار پر بیٹھ کر سیتا رام کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئے۔

کوٹھی کے پائیں باغ میں ایک بڑی سی میز بچھی ہوئی تھی، جس پر دعوت کا سامان سلیقے سے چنا ہوا تھا۔ سر سیتا رام، لیڈی سیتا رام، سریندر اور دو ایک دوسرے آدمی کرسیوں پر بیٹھے کسی گپوں میں مشغول تھے۔ کرنل پرکاش ابھی نہ آیا تھا۔ ڈاکٹر محمود اور حمید کے پہنچنے پر سب لوگ کھڑے ہو گئے۔ اس کے ساتھ ایک قدیم وضع کے اجنبی کو دیکھ کر لیڈی سیتا رام نے بُرا سا منہ بنایا۔ سر سیتا رام کا موڈ بھی کچھ خراب ہو گیا۔

''سر سیتا رام آپ سے ملئے۔'' ڈاکٹر محمود نے مسکرا کر کہا۔ ''آپ ہیں میرے دوست خان بہادر مجاہد مرزا اودھ کے بہت بڑے تعلق دار..... آپ کا سلسلہ نصب واجد علی شاہ مرحوم سے ملتا ہے۔''

''اوہ بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔'' سر سیتا رام نے اٹھ کر گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

''مجھے آپ سے ملنے کا بے حد اشتیاق تھا.....'' حمید نے کہا۔ ''حالانکہ مجھے اس وقت نہ آنا چاہئے تھا لیکن میں آج رات گاڑی سے لکھنؤ واپس جا رہا ہوں، محمود صاحب یہاں آ رہے تھے، میں نے سوچا لگے ہاتھ آپ سے بھی مل لوں۔''

''ارے خان بہادر صاحب..... یہ خانہ بے تکلف ہے۔'' سر سیتا رام نے کہا۔

''میری خوش قسمتی ہے کہ اس طرح آپ سے نیاز حاصل ہوا، مجھے خاندانی آدمیوں سے مل کر بے حد مسرت ہوتی ہے۔''

''خلوص ہے آپ کا۔'' حمید نے مسکرا کر کہا۔ ''دراصل مجھے جو چیز یہاں تک کھینچ کر لائی وہ آپ کے کتے ہیں۔ مجھے بھی کتوں کا شوق ہے۔''

''تب تو آپ سے مل کر اور بھی خوشی ہوئی۔'' سر سیتا رام نے بچوں کی طرح ہنستے ہوئے

کہا۔ لیڈی سیتا رام نے نفرت سے ہونٹ سکوڑ لئے۔ سر سیتا رام اور حمید میں کتوں کے
ایک لمبی بحث چھڑ گئی۔ دونوں ہی اپنی معلومات کا زیادہ سے زیادہ مظاہرہ کرنا چاہتے
طے پایا کہ چائے پینے کے بعد سر سیتا رام کے کتا خانہ کی سیر کی جائیگی۔

تھوڑی دیر کے بعد کرنل پرکاش بھی آ گیا اور وہ اس وقت پہلے سے زیادہ شاندار نظر
تھا۔ اُسے دیکھ کر سب لوگ کھڑے ہو گئے۔ سر سیتا رام زیادہ گرمجوشی کے ساتھ اس کا استقبال
کرنے کے لئے بڑھے۔

''آیئے آیئے کرنل صاحب..... ہم سب بے چینی سے آپکا انتظار کر رہے تھے۔''

''شکریہ، شکریہ۔'' کرنل پرکاش مسکراتا ہوا بولا۔

''ان سے ملئے۔'' سر سیتا رام نے تعارف کرانا شروع کیا۔ ''ریکھا میری بیوی۔''

''بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔'' کرنل پرکاش نے ہاتھ ملاتے وقت قدرے جھک
کہا۔

لیڈی سیتا رام کے ماتھے پر پسینے کی ہلکی ہلکی بوندیں پھوٹ آئیں تھیں۔ وہ ہاتھ ملا
زبردستی مسکرانے کی کوشش کرتی ہوئی خاموشی سے بیٹھ گئی۔ اس کے بعد فرداً فرداً سب
تعارف ہوا۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ کرنل پرکاش کی نظر بار بار اس پر پڑ رہی ہے۔ وہ کچھ گھبرا
گیا۔ لیکن فوراً ہی خود پر قابو پا کر مسکرا مسکرا کر باتیں کرنے لگا۔ لیڈی سیتا رام بدستور خاموش
تھی۔ غالباً سر سیتا رام نے بھی اسے محسوس کر لیا تھا۔ لہٰذا ایک موقع پر بے اختیار کہہ اٹھے۔

''کرنل صاحب ریکھا کو زیادہ باتیں کرنے کی عادت نہیں اور اجنبیوں سے وہ کچھ شرما
بھی ہے۔''

''خوب یہ تو اچھی عادت ہے۔'' کرنل پرکاش نے مسکرا کر کہا۔ ''کم از کم ہر شریف عورت
میں یہ صفت تو ہونی ہی چاہئے۔ کیا خیال ہے نواب صاحب!''

''بجا ارشاد ہوا.....!'' حمید نے کہا۔

چائے کا دور ختم ہو جانے کے بعد سر سیتا رام سب کو لے کر کتا خانے کی طرف چلے گئے

کرنل پرکاش اور حمید نے کتوں کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے شروع کئے۔
ایک کتے کی نسل کے بارے میں دونوں میں بحث ہو گئی۔ دونوں کسی طرح چپ ہونے کا نام
نہ لیتے تھے۔ حمید کو اپنی معلومات پر پورا بھروسہ تھا کیونکہ وہ بھی فریدی جیسے ماہر کا صحبت یافتہ
تھا۔ بحث کو طول پکڑتے دیکھ کر آخر کار سر سیتا رام کو بیچ بچاؤ کرانا پڑا۔

سب کتوں کو دیکھ لینے کے بعد وہ پھر باغ میں پڑی ہوئی کرسیوں پر آ بیٹھے۔

''اچھا سر سیتا رام..... اب میں اجازت چاہوں گا۔'' کرنل پرکاش نے کہا۔

''ایسی بھی کیا جلدی۔''

''ذرا مجھے تجارتی معاملات کے سلسلے میں ایک صاحب سے ملنا ہے۔''

''اب تو برابر ملاقات ہوتی رہے گی نا۔'' سر سیتا رام نے بھی اٹھتے ہوئے کہا۔

''جب تک یہاں مقیم ہوں آپ کا دم غنیمت ہے..... یہاں اور کوئی اچھی سوسائٹی ابھی
تک ملی ہی نہیں۔''

سر سیتا رام نے دانت نکال دیئے۔

کرنل پرکاش کے رخصت ہو جانے پر بقیہ لوگ بھی ایک ایک کر کے اٹھ گئے۔

''جب بھی یہاں تشریف لایئے گا غریب خانے کو نہ بھولئے گا۔'' سر سیتا رام نے حمید
سے کہا۔

''ضرور ضرور..... آپ کے اخلاق نے میرے دل پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ کبھی لکھنؤ تشریف
لایئے۔''

''کیا بتاؤں نہ جانے کیوں اب گھر چھوڑتے وقت کچھ الجھن سی محسوس ہوتی ہے۔''

حمید یوں ہی خواہ مخواہ ہنسنے لگا اور اس کی نگاہ لیڈی سیتا رام کی طرف اٹھ گئی، جو اُسے
بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔

بُرے پھنسے

حمید کو اپنی حماقت پر سخت افسوس ہوا کہ اس نے یہ کیوں کہہ دیا کہ وہ آج ہی رات کی گاڑی سے لکھنؤ واپس جا رہا ہے۔ اب اس طرح فی الحال وہ وہاں نہ جا سکے گا۔ اُسے فریدی کی ہدایت یاد آ گئی کہ کوٹھی کے اندر جانے کی کوشش نہ کرنا۔ معلوم نہیں اس نے یہ کیوں کہا تھا۔ حمید سوچنے لگا۔ کہا ہوگا اپنا اپنا طریقہ کار ہے، جب فریدی کو اس کیس سے کوئی دلچسپی ہی نہیں تو خواہ مخواہ کیوں اس کی ہدایتوں کے چکر میں پڑ کر اپنا کام خراب کرے۔ اب وہ پھر کرنل پرکاش کے پیچھے لگ گیا تھا۔ دو تین دن اسی قسم کے چکروں میں گزر گئے۔ لیکن کوئی کار آمد بات نہ معلوم ہو سکی۔ ان تین چار دنوں میں لیڈی سیتا رام اور کرنل پرکاش باقاعدہ طور پر کھلم کھلا ایک دوسرے سے ملنے لگے تھے۔ لیڈی سیتا رام اب آرلکچو میں سریندر کے سامنے بھی کرنل پرکاش کے ساتھ ناچ سکتی تھی۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ سریندر کو کرنل پرکاش اور لیڈی سیتا رام کی بے تکلفی قطعی پسند نہیں۔ حمید کو حیرت تو اس بات پر تھی کہ کرنل پرکاش لیڈی سیتا رام اور سریندر کے تعلقات کے بارے میں جانتے ہوئے بھی کیوں اس پر بُری طرح ریجھا ہوا ہے۔ بار بار اس کے دل میں خواہش پیدا ہوتی کہ کاش فریدی یہاں موجود ہوتا۔ اُسے اس درمیان فریدی سے تھوڑی سی چڑ ضرور ہو گئی تھی۔ لیکن وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اگر وہ یہاں موجود ہوتا تو کبھی کا سارا معمہ حل ہو گیا ہوتا۔ اس کو اب افسوس ہو رہا تھا کہ کیوں نہ اس نے فریدی کو سارے حالات لکھ دیئے اس طرح ممکن تھا کہ وہ ایسے عجیب و غریب معمے کو حل کرنے کے شوق میں بیماری ہی کی حالت میں چلا آتا۔

ان دنوں اسے شہناز کی یاد بُری طرح ستا رہی تھی۔ اسے اس کی بے گناہی کا پورا پورا

یقین تھا۔ ویسے کبھی کبھی وہ اس کی بڑھی ہوئی آزادی اور لیڈی سیتا رام کے عادات و اطوار کو سامنے رکھتے ہوئے اس سے بد دل ضرور ہو جاتا تھا لیکن یہ کیفیت بالکل عارضی ہوتی تھی۔ وہ پھر یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا تھا کہ دنیا کی ساری عورتیں یا سارے مرد ایک جیسے نہیں ہوتے، عشق و محبت کے معاملے میں وہ ایک کھلنڈرا اور بے پرواہ آدمی تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ قیس و فرہاد قسم کی محبت کا دنیا میں وجود ہی نہیں تھا۔ اس نے اب سے پہلے بھی کئی عشق کئے تھے لیکن وہ صرف فلمی گانوں اور بے تکی ہائے وائے ہی تک محدود رہے تھے اور ویسے وہ فریدی کو چڑانے کے لئے بھی اکثر ایک آدھ عشق کر بیٹھتا تھا۔ ایسی کہانیوں کے محبوب عموماً فرضی ہوا کرتے تھے۔ شہناز سے بھی اس کی محض دوستی تھی لیکن اس درمیان میں اسے اُس سے حد درجہ ہمدردی ہو گئی تھی۔ اور یہ ہمدردی آہستہ آہستہ دوسری شکل اختیار کرتی جا رہی تھی۔ لیکن ایسا بھی نہیں ہوا تھا کہ اس نے اپنی کوئی رات تارے گن گن کر گزاری ہو۔ یا محض آہیں بھرنا شعار بنا لیا ہو۔ دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھاتا تھا۔ آرلکچو میں جا کر ایک آدھ راؤنڈ ناچتا بھی تھا لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ ضرور تھا کہ شہناز کو حاصل کرنے کے لئے اپنی جان کی بھی بازی ضرور لگا سکتا تھا۔ اپنے خون کا آخری قطرہ بھی صرف کر سکتا تھا۔

آج شام کو جب وہ آفس سے واپس آیا تو اسے فریدی کا خط ملا۔ جس میں اس نے سب سے پہلے شہناز کے بارے میں پوچھا تھا۔ پھر ملیو ڈنگو کا نوحہ تھا اور آخر میں اپنی بیماری کا حال لکھا تھا۔ وہ ابھی تک بیمار تھا۔ نقاہت بہت زیادہ تھی اس لئے سفر کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ آخیر میں اس نے پھر تاکید لکھی تھی کہ اُسے تمام حالات سے مطلع کیا جائے۔ فریدی کا خط پڑھ کر حمید کے دل میں ہمدردی کے جذبات جاگ اٹھے۔ وہ محبت جاگ اٹھی جو اسے فریدی سے تھی، اسے فریدی سے اتنی ہی محبت تھی جتنی کہ اپنے بڑے بھائی سے ہو سکتی ہے۔ اگر فریدی نے اُسے یہ نہ لکھ دیا ہوتا کہ تم پریشان ہو کر یہاں آنے کی کوشش نہ کرنا بلکہ شہناز کے سلسلے میں تفتیش میں مشغول رہنا تو وہ ایک آدھ ہفتے کی چھٹی لے کر بمبئی ضرور جاتا اور جس طرح بھی بن پڑتا فریدی کو وہاں سے لانے کی کوشش کرتا۔

ناشتہ کرنے کے بعد حمید نے فریدی کو خط لکھنا شروع کیا۔ سارے حالات مفصل لکھے، یا ڈنگو کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا کہ محض اُس کی وجہ سے اسے اتنی باتیں معلوم ہوگئیں اور وہ بہت جلد اسے کرنل پرکاش سے قانونی طور پر چھین لے گا۔ خط ختم کر چکنے کے بعد وہ سو گیا۔

آج رات کو آرلکچو میں خاص پروگرام تھا۔ ٹکٹ کا دام اتنا بڑھا دیا گیا تھا کہ زیادہ تر صرف اعلیٰ طبقہ ہی کے لوگ اس میں حصہ لے سکتے تھے۔ کرنل پرکاش کی دریافت کے بعد سے حمید روزانہ آرلکچو جاتا تھا اس لئے رات کو سونے کا موقع کم ملتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آج کل دن میں سونا اس کے لئے ضروری ہو گیا تھا۔

تقریباً آٹھ بجے وہ سو کر اٹھا۔ ناوقت سونے سے طبیعت کچھ کسلمند ہوگئی تھی۔ لیکن کافی کے ایک پیالے نے اس کے جسم میں حرارت و توانائی پیدا کر دی تھی۔ کھانے سے فارغ ہو کر اس نے جلدی جلدی لباس تبدیل کیا اور آرلکچو کی طرف روانہ ہو گیا۔

آرلکچو کی رقص گاہ آج بالکل انوکھے انداز میں سجائی گئی تھی۔ چاروں طرف قمقموں کے فوارے اچھل رہے تھے۔ حمید کی نگاہیں کرنل پرکاش اور لیڈی سیتا رام کو ڈھونڈھ رہی تھیں لیکن وہ دونوں ابھی تک نہیں آئے تھے۔ حمید اوپر گیلری میں گیا۔ بالکنی بھی خالی تھی۔ پھر ٹہلتا ہوا کرنل پرکاش کے کمرے کی طرف گیا وہ بھی بند تھا۔ تھک ہار کر وہ ہال میں لوٹ آیا۔ ایک جگہ ایک میز خالی نظر آئی، قریب جانے پر معلوم ہوا کہ کرنل پرکاش کے لئے پہلے ہی سے "مخصوص" کر دی گئی ہے۔ ایک میز کے گرد دو اینگلو انڈین لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں، بقیہ دو کرسیاں خالی تھیں، وہ ان کے قریب گیا۔

"اگر کوئی ہرج نہ ہو تو میں یہاں بیٹھ جاؤں۔" حمید نے کہا۔

"ضرور ضرور.....!" دونوں بیک وقت بولیں۔

حمید ان کا شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔ وہ یوں بھی کافی حسین تھا اور اس وقت عمدہ قسم کے سیاہ سوٹ میں وہ کوئی ذی حیثیت اینگلو انڈین معلوم ہو رہا تھا۔ غالباً وہ دونوں بھی اُسے اینگلو انڈین سمجھی تھیں۔ حمید نے بیٹھتے ہی ان پر رعب ڈالنے کے لئے کچھ کھانے پینے کی چیزوں کا

آرڈر دیا۔

"آپ ہم لوگوں کے لئے تکلیف نہ کیجئے۔" لڑکیوں میں سے ایک بولی۔

"واہ یہ کیسے ممکن ہے۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"معاف کیجئے گا ہم لوگ ایسے لوگوں کی دعوت قبول نہیں کرتے، جنہیں ہم جانتے نہ

"تو اس میں ہرج ہی کیا ہے.....اب آپ مجھے جان جائیں گی۔ مجھے آرتھر کہتے ہیں، کے شہر میں نووارد ہوں۔"

دونوں لڑکیاں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسنے لگیں۔

"یہ جولیا ہے اور میں لزی.....ہم دونوں اسٹوڈنٹ ہیں۔"

"کتنے پیارے ہیں آپ دونوں کے نام.....جولیا.....لزی.....ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے نے کانوں میں شہد ٹپکا دیا ہو۔"

"تو آپ شاعر بھی ہیں۔" جولیا نے مسکرا کر کہا۔

"کاش میں شاعر ہوتا، جولیا..لزی..لزی...جولیا...!"

اتنے میں بیرا طلب کی ہوئی چیزیں لے کر آ گیا۔ تینوں کھانے پینے میں مشغول ہو گئے۔ کافی دیر کے بعد ناچ کے لئے موسیقی شروع ہو گئی۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں ناچ کے لئے کس سے درخواست کروں۔" حمید نے

"ہم دونوں باری باری سے ناچیں گے۔" جولیا نے کہا۔

اور لزی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ حمید نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور دونوں آہستہ آہستہ ناچ کرتے ہوئے ناچنے والوں کی بھیڑ میں آ گئے۔

"تم نے بہت زیادہ پی رکھی ہے۔" لزی مسکرا کر بولی۔

"میں نے.....نہیں ایک قطرہ بھی نہیں۔"

"کون سی پیتے ہو.....!"

"اسکاچ.....!" حمید نے جلدی سے کہا۔ "لیکن میں نے اتوار کے دن پینے کے لئے رکھی ہے۔"

"کیوں.....؟"

"میں تھوڑا سا مذہبی آدمی بھی ہوں۔"

"یہ بہت بُری بات ہے۔"

"اچھی ہو یا بُری.....اصول بہرحال اصول ہے۔" حمید نے کہا۔ "تم کونسی پیتی ہو؟"

"شیری.....!"

"اچھا تو میں تمہیں شیری ضرور پلاؤں گا۔"

"تم بہت حسین ہو۔"

"ایک بار ایک بڑھیا نے بھی مجھ سے یہی کہا تھا۔"

لڑی کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

"تم بہت دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہو۔"

"تم جیسی خوبصورت لڑکیوں کا قرب مجھے سب کچھ بنا دیتا ہے۔"

"باتیں خوب بنا لیتے ہو۔"

"میں روزانہ ایک درجن باتیں بناتا ہوں اور پھر انہیں پیک کر کے بکنے کے لئے میں بھیج دیتا ہوں۔"

"تم ضرور پئے ہوئے ہو۔"

"تمہاری ستاروں سے زیادہ چمکدار آنکھوں کی قسم میں نشے میں نہیں ہوں۔"

"خیر ہوگا.....تم بہت اچھا ناچ لیتے ہو۔"

دفعتاً حمید کی نظریں اس میز کی طرف اٹھ گئیں جو کرنل پرکاش کے لئے مخصوص تھی۔ کرنل پرکاش، لیڈی سیتا رام اور سریندر ابھی ابھی آ کر بیٹھے تھے۔ لیڈی سیتا رام ا

بہت زیادہ جچ رہی تھی۔ تھوڑی دیر ستانے کے بعد کرنل پرکاش اور لیڈی سیتا رام ناچنے کے لئے تیار ہو گئے۔

حمید اور لڑی کئی بار ناچتے ہوئے کرنل پرکاش اور لیڈی سیتا رام کے قریب سے گزرے۔ لیڈی سیتا رام شراب کے نشے میں بدمست تھی۔

رقص کی موسیقی رفتہ رفتہ تیز ہوتی جا رہی تھی کہ اچانک پورے ہال میں اندھیرا چھا گیا تھا۔ شاید فیوز اڑ گیا تھا۔ اندھیرے میں عجیب قسم کا ہیجان برپا ہو گیا۔ دفعتاً ایک عورت کی چیخ سنائی دی۔

"ارے ارے.....چھوڑو.....ارے چھوڑ.....میرا ہار.....میرا ہار.....!" وہ بُری طرح چیخ رہی تھی۔ اسی کے ساتھ اور بھی کئی تیز قسم کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ چند لمحوں کے بعد پھر روشنی ہو گئی۔ ایک جوان عورت جو لباس سے کافی دولت مند معلوم ہو رہی تھی "میرا ہار میرا ہار" ابھی تک چیخے جا رہی تھی۔ لوگ اس کے گرد اکٹھا ہو گئے۔

"کسی نے میرا ہیروں کا ہار اُتار لیا.....!" وہ چیخ کر بولی۔

اتنے میں منیجر بھی آ گیا۔ اس نے ہال کے سب دروازے مقفل کرا دیئے۔

"خواتین و حضرات!" وہ ایک میز پر کھڑا ہو کر بولا۔ "مجھے سخت افسوس ہے کسی بدمعاش نے لیڈی اقبال کا ہار چرا لیا۔ مجبوراً مجھے اس وقت تک کے لئے سب دروازے مقفل کرا دینے پڑے جب تک کہ پولیس آ کر کوئی کاروائی نہ شروع کر دے۔ اُمید ہے کہ آپ لوگ مجھے اس گستاخی پر معاف فرمائیں گے۔"

"بالکل ٹھیک ہے.....بالکل ٹھیک ہے۔" بہت سی آوازیں سنائی دیں۔

کچھ دیر بعد پولیس آ گئی۔ ایک سرے سے سب کی تلاشی شروع ہو گئی۔ تلاشی لینے والوں میں انسپکٹر جگدیش بھی تھا۔ جب وہ حمید کے قریب آیا تو حمید نے بھی اپنے ہاتھ اٹھا دیئے۔

"ارے آپ.....!" جگدیش ٹھٹک کر بولا۔ "کیوں مذاق کرتے ہیں۔"

وہ آگے بڑھنے لگا۔

"ٹھہرو..... میری تلاشی بھی لیتے جاؤ۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

جگدیش بھی ٹھٹک گیا۔

"جلدی کرو..... ہچکچاؤ نہیں..... مصلحت یہی ہے اور میرے لئے بالکل اجنبی بن رہو۔" جگدیش نے حمید کی بھی تلاشی لی اور آگے بڑھ گیا۔ حمید خود بھی اپنی تیز نظروں سے برابر کام لے رہا تھا۔ لیکن اسے اچھی طرح یقین ہوگیا تھا کہ چور اس وقت ہال میں موجود نہیں۔ کیونکہ عورت کے چیخنے کے دو تین منٹ بعد تک ہال میں اندھیرا رہا تھا۔ اس وقفہ میں چور نہایت آسانی سے باہر جاسکتا تھا۔ اس وقت کی تلاشی محض رسمی کاروائی سمجھ رہا تھا۔

تلاشی کا سلسلہ تقریباً تین گھنٹہ تک جاری رہا۔ لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ آخر تھک ہار کر پولیس والوں نے دروازے کھلوا دیئے۔ تھوڑی دیر بعد ہال میں بالکل سناٹا تھا۔ صرف وہی لوگ باقی رہ گئے تھے جو آرلکچو میں مستقل طور پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ لیڈی سیتا رام اور سریندر بھی ابھی موجود تھے۔ انہیں کے قریب کی ایک میز پر حمید بھی کافی پی رہا تھا۔ پولیس والے کچھ دیر بعد کر واپس چلے گئے۔ لیڈی اقبال ابھی تک منیجر سے الجھی ہوئی تھی۔ منیجر غریب بُری طرح بدحواس تھا کیونکہ اس کے ہوٹل میں یہ دوسرا حادثہ تھا اور اب کوئی چیز ہوٹل کو بدنامی سے نہیں بچا سکتی تھی۔

"اب چلنا چاہئے۔" لیڈی سیتا رام بولی۔

"ایسی بھی کیا جلدی۔" کرنل پرکاش نے کہا۔ "کچھ دیر چل کر میرے کمرے میں بیٹھئے پھر چلی جایئے گا..... کیوں سریندر صاحب۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" سریندر نے کہا۔

تینوں اٹھ کر زینوں کی طرف بڑھے۔

حمید ان کا پیچھا کرنے کی خواہش کو کسی طرح نہ دبا سکا۔ وہ اس وقت خاص طور پر کرنل پرکاش کا پیچھا کرنے کا عادی ہوگیا تھا جب لیڈی سیتا رام بھی اس کے ساتھ ہوتی تھی اور اس وقت تو سریندر بھی تھا۔ کرنل پرکاش کا رقیب۔ اس وقت ان کا پیچھا کرنے کی سب سے بڑی

وجہ کہ کرنل پرکاش نے ان دونوں کو اتنی رات گئے روکا کیوں ہے۔ حمید بھی اٹھا زینے طے کرکے وہ اوپر آیا۔ کرنل پرکاش کے کمروں کے سامنے ایک چھوٹا سا صحن تھا، جسے قد آدم دیوار نے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ اس طرح یہ حصہ ہوٹل کے بقیہ حصوں سے بالکل الگ ہوگیا تھا۔ کمرے کا دروازہ بند تھا۔ حمید دروازے سے لگ کر کھڑا ہوگیا۔ اسے اطمینان تھا کہ اس وقت ادھر کوئی نہیں آسکتا اس نے اپنی آنکھ دروازے کی کنجی کے سوراخ سے لگادی۔

سیتا رام اور سریندر صوفوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور کرنل پرکاش ٹہل رہا تھا۔

"میں اس وقت آپ لوگوں کو اپنا ایک کرتب دکھانا چاہتا ہوں۔" وہ ٹہلتے ٹہلتے رک کر

سریندر اور لیڈی سیتا رام اُسے تعجب سے دیکھنے لگے۔

"یہ دیکھئے..... یہ رہا..... لیڈی اقبال کا ہار.....!"

"ارے.....!" کہہ کر لیڈی سیتا رام اور سریندر کھڑے ہوگئے۔

کرنل پرکاش نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"میں آپ کو اتنا گرا ہوا نہیں سمجھتا تھا۔" سریندر نے تیز لہجہ میں کہا۔

"اوہ میرے شیر.....!" کرنل پرکاش طنزیہ ہنسی کیساتھ بولا۔ "تم کس سے کم ہو۔"

"کیا مطلب.....!" سریندر جلدی سے بولا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار پیدا ہوگئے۔

"مطلب صاف ہے، ذرا اسے ملاحظہ فرمایئے۔" کرنل پرکاش نے ایک کاغذ نکال کر سریندر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

سریندر کاغذ لیکر پڑھنے لگا۔ اسکی پیشانی سے پسینے کی بوندیں ڈھلکنے لگیں، اس نے کاغذ واپس کرنے کا ارادہ کیا لیکن دوسرے ہی لمحہ میں کرنل پرکاش کے ہاتھ میں پستول تھا۔

"خبردار..... ادھر لاؤ، ورنہ بھیجا اڑا دوں گا۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "تم غلط سمجھے۔ میں تمہارے سمجھوتہ کرنا چاہتا ہوں۔"

سریندر نے کاغذ لوٹا دیا۔ لیکن وہ بُری طرح کانپ رہا تھا۔ لیڈی سیتا رام کے ہو
ہوائیاں اڑ رہی تھیں، ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یک بیک وہ گونگی ہوگئی ہو۔ کبھی وہ سر
طرف دیکھتی اور کبھی کرنل پرکاش کی طرف۔

''میں اس کاغذ کی پوری کہانی سے اچھی طرح واقف ہوں۔'' کرنل پرکاش نے کہا

''نہ جانے آپ کیا کہہ رہے ہیں۔'' سریندر بدقت تمام بولا۔

''خیر تم ابھی بچے ہو..... مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔ ہاں اب آؤ کام کی بات کی طر
میں تم سے سمجھوتہ کرنا چاہتا ہوں۔''

''کس بات کا سمجھوتہ۔''

''ہاں اب آئے ہو سیدھی راہ پر۔'' کرنل پرکاش میز پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''جانتے ہو میں افریقہ سے یہاں کس لئے آیا ہوں، یہ تینوں ہار میرے ہی ہیں
دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ اس ہار کی اصلی قیمت سے لیڈی اقبال بھی واقف نہیں۔
یہ ہار میری تجوری سے چرائے گئے تھے۔ میں عرصہ تک ان کی تلاش میں سرگرداں رہا۔ آ
پتہ چلا کہ تینوں ہار اس ملک میں فروخت کئے گئے ہیں۔ میں یہاں آیا اور عرصہ تک ادھر
خاک چھانتا رہا۔ آخر کار مجھے معلوم ہو ہی گیا کہ تینوں ہار اسی شہر میں فروخت کئے گئے
ایک تو میں نے حاصل کر ہی لیا۔ باقی رہے دو ہار..... ان کے متعلق کوئی پتہ نہیں چل سکا
نے قبضے میں ہیں۔ بہرحال میں جس معاملے میں تم سے سمجھوتہ کرنا چاہتا ہوں وہ یہ
دونوں مجھے یہاں کے بڑے آدمیوں سے ملاؤ۔ میں اپنے ہار حاصل کر کے واپس چلا جا
اور ایک بہادر کی طرح وعدہ کرتا ہوں کہ تم لوگوں کا راز میرے سینے میں دفن رہے گا۔''

لیڈی سیتا رام اور سریندر کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ دونوں بے بسی سے ایک دوسر
طرف دیکھ رہے تھے۔

''میرا دوستی کا ہاتھ ہمیشہ تم لوگوں کی طرف بڑھا رہے گا۔'' کرنل پرکاش پھر بولا
جب بھی یہاں اپنے لئے خطرہ محسوس کرو، نہایت بے تکلفی کے ساتھ افریقہ آ سکتے ہو، میں

ہی اپنا ہی سمجھوں گا۔ تم لوگ ابھی مجھ سے واقف نہیں۔ میں تمہیں ایک رات میں کروڑ پتی
بنا سکتا ہوں..... بولو کیا کہتے ہو۔''

''منظور ہے.....!'' سریندر نے کہا۔

''شاباش..... مجھے تم سے یہی امید تھی..... بغیر ایک دوسرے کے کام آئے..... زندہ
رہنا بے کار ہے۔''

کرنل پرکاش خاموش ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے وہ کسی چیز پر غور کر رہا ہو۔ اچانک وہ
دروازے کی طرف جھپٹا..... اور دروازہ کھول دیا۔ حمید سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ کرنل پرکاش کا ہاتھ
اس کی گردن پر پڑا۔

''خبردار شور نہ کرنا..... ورنہ یہیں ڈھیر کر دوں گا۔'' کرنل پرکاش نے حمید کو کمرے کے
اندر دھکیل کر دروازہ اندر سے بند کر دیا۔

لیڈی سیتا رام اور سریندر گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔

''یہ کون ہے.....؟'' دونوں بے ساختہ بولے۔

حمید بے بسی سے فرش پر پڑا کرنل پرکاش کے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول کو دیکھ رہا تھا۔

''کون ہے ابے تو.....!'' کرنل پرکاش گرج کر بولا۔

''تمیز سے بات کرو۔'' حمید اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''اچھا جی..... سیدھی طرح بتاؤ نہیں تو.....!''

''اگر میں نہ بتاؤں تو۔''

''تیرا ایک کارتوس خواہ مخواہ خراب ہوگا.....'' کرنل پرکاش بولا۔ ''اس کے لہجے میں
اور درندگی محسوس ہو رہی تھی۔''

حمید لرز اٹھا۔

''جانتے ہو کرنل پرکاش کا راز معلوم کرنے والے کی سزا موت ہے۔'' کرنل نے کہا۔
''نہیں چاہتے ہو تو سیدھی طرح بتا دو کہ تم کون ہو۔''

"تم ذرا گولی چلا کر تو دیکھو۔" حمید جی کڑا کر کے بولا۔ "کرنل پرکاش تم نے شاید تک کسی برابر والے سے ٹکر نہیں لی۔"

"واہ رے میری مینڈکی۔" کرنل پرکاش نے کہا۔ "میرے پاس زیادہ وقت نہیں میں ابھی تم سے اگلوا لیتا..... خیر پھر سہی۔"

کرنل پرکاش نے میز پر رکھا ہوا رول اٹھا کر حمید کے سر پر دے مارا..... حمید تیو پڑا۔ اس نے دو تین رول اور رسید کیے۔ حمید بیہوش ہو چکا تھا۔

"دیکھا تم نے.....!" کرنل دونوں کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ "اس طرح لوگ پیچھے لگے ہوئے ہیں، معلوم نہیں یہ کون ہے۔ شکر ہے کہ میں نے بات کی رو میں تمہارا کوئی روشنی نہیں ڈالی۔ مگر یہ مشکوک ضرور ہو گیا ہوگا۔ یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ یہ کو ورنہ میں اس کو اسی وقت ٹھکانے لگا دیتا۔ مگر اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسے را جائے۔"

"اس کا انتظام میں کروں گی۔" لیڈی سیتا رام جلدی سے بولی۔ "لیکن اسے کس طرح لے جایا جائے گا۔"

"نہایت آسانی سے..... یہ میں کرلوں گا۔" کرنل پرکاش نے کہا اور حمید پر حمید کا سر پھٹ گیا تھا۔ زخم سے خون بہہ رہا تھا۔ کرنل پرکاش نے زخم صاف کر کے دی۔

"سریندر آؤ..... اسے پکڑ کر نیچے لے چلیں۔ کار تو تم لائے ہی ہو گے۔" کرنل۔

"تو کیا اسی طرح نیچے لے جایئے گا۔" لیڈی سیتا رام حیرت سے بولی۔

"ہاں..... اسی طرح..... تم گھبراؤ نہیں..... تم ابھی مجھے نہیں جانتیں۔"

حمید کو ایک طرف سے سریندر نے پکڑا اور دوسری طرف سے کرنل پرکاش۔ سہارا دیتے ہوئے لے چلے۔

نیچے اتر کر وہ ہال سے گزر رہے تھے کہ منیجر لپکتا ہوا ان کی طرف آیا۔

"کیوں..... کرنل صاحب کیا بات ہے۔"

"ارے صاحب کیا بتاؤں..... آج کل کے لونڈوں کے جسم میں سکت نہیں اور پینے پر ئیں گے تو قرابے کے قرابے صاف..... صاحبزادے نے وہ اچھل کود مچائی کہ سر ہی پھوڑ بیٹھے۔ اب انہیں ان کے گھر پھینکنے جا رہا ہوں۔ منع کر رہا تھا کہ زیادہ نہ پیو..... مگر کون تا ہے۔"

منیجر مسکرا کر سر ہلاتا ہوا واپس چلا گیا۔

"کیوں سریندر کیسی رہی۔" کرنل پرکاش کار میں بیٹھ کر بولا۔

"مانتا ہوں استاد.....!"

"میں آپ کو اتنا دلیر نہیں سمجھتی تھی۔" لیڈی سیتا رام بولی۔

"ابھی تم لوگوں نے دیکھا ہی کیا ہے..... مجھے کرنل پرکاش کہتے ہیں۔"

کار تاریک سڑکوں پر اپنی روشنی بکھیرتی ہوئی تیزی سے سر سیتا رام کی کوٹھی کی طرف رہی تھی۔

پریم کہانی

حمید کو ہوش آیا تو اسے اپنے چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی پھیلی ہوئی معلوم ہوئی، سر کی طرح دکھ رہا تھا۔ خون زیادہ بہ جانے کی وجہ سے نقاہت بہت بڑھ گئی تھی۔ اس نے لیٹے لیٹے ادھر اُدھر ہاتھ پیر چلائے۔ وہ ایک چٹائی پر پڑا تھا، تھوڑی دیر تک وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ تاریکی میں گھورتا رہا پھر آنکھیں بند کر لیں۔ آہستہ آہستہ سارے واقعات اس کے ذہن ماچنے لگے۔ معلوم نہیں وہ اس وقت کہاں پڑا ہوا ہے۔ اس کا تو اُسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ نکما پر قید ہے۔ اس نے کرنل پرکاش کا راز معلوم کر لیا تھا۔ لہٰذا وہ اُسے آزاد کیوں چھوڑنے

لگا۔ آخر لیڈی سیتا رام وغیرہ کا راز کیا تھا، جس کی طرف کرنل پرکاش نے اشارہ کیا تھا۔ کیا رام سنگھ کے قتل کی طرف تو اشارہ نہیں تھا۔ یہ کرنل پرکاش بھی انتہائی سفاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔

حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی اس کے سر پر ہتھوڑے چلا رہا ہو۔ اس پر آہستہ آہستہ غشی طاری ہوتی جا رہی تھی۔ نہ جانے کتنا وقت گزر گیا وہ سوتا رہا۔

اچانک اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی کی نرم و لطیف سانس اس کے چہرے کو چھو رہی ہو۔ کوئی اس پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی لیکن ایسا معلوم ہوا جیسے ان پر مرچیں بھر دی گئی ہوں۔ لاکھ کوشش کے باوجود بھی وہ آنکھیں نہ کھول سکا۔ اب کسی کی نرم انگلیاں اس کے بالوں پر آہستہ آہستہ رینگ رہی تھیں۔

''حمید صاحب۔'' کسی نے آہستہ سے پکارا۔

وہ چونک پڑا۔ آواز جانی پہچانی معلوم ہوئی۔ اس نے پھر پکارا۔ اب کی بار حمید نے تحاشہ آنکھیں کھول دیں اور انتہائی نقاہت کے باوجود بھی وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

''ارے تم..... شہناز.....!'' وہ خوشی اور تعجب کے ملے جلے لہجے میں چیخا۔

شہناز نے سر ہلا دیا۔ اس کا سرخ و سپید رنگ ہلدی کی مانند پیلا ہو گیا تھا۔ آنکھوں گرد حلقے پڑ گئے تھے۔ ہونٹوں پر سیاہی کی ہلکی سی تہہ جم گئی تھی۔ آنکھوں میں آنسو جھلک تھے۔

''یہ آپ کے سر میں کیا ہوا..... آپ کے کوٹ پر خون کے دھبے کیسے ہیں۔'' شہناز ہی سانس میں کہہ گئی۔

''یہ ایک لمبی داستان ہے.....'' حمید نے کہا۔ ''مجھ میں اتنی سکت نہیں کہ ابھی بتا سکو میں تمہارے متعلق معلومات کرنے کیلئے بیتاب ہوں۔ تم یہاں کس طرح پہنچیں۔''

''یہ میں بعد کو بتاؤں گی۔ آپ کی حالت مجھ سے نہیں دیکھی جاتی۔ میں کیا کروں۔''

''سچ.....!'' حمید نے ایک نقاہت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور پھر چٹائی پر لیٹ

بر 1

ز نے اپنا دوپٹہ تہہ کر کے اس کے سر کے نیچے رکھ دیا۔ اس کی آنکھوں میں رکے ہوئے گالوں پر ڈھلک آئے۔

''تم رو رہی ہو پگلی کہیں کی۔'' حمید آہستہ سے بولا۔ ''میں تمہیں پانے کے لئے جدوجہد ہا تھا..... پالیا..... اب میں نہایت سکون کے ساتھ مر سکتا ہوں۔''

شہناز ہچکیاں لے کر رونے لگی۔

''تم مجھے اپنا دوست سمجھتی ہو۔'' حمید نے پوچھا۔

شہناز نے سر ہلا دیا۔

''تو میں اسی دوستی کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ رو نہیں..... میں اپنے دل کو اس وقت زیادہ کمزور محسوس کر رہا ہوں۔''

شہناز نے آنسو پونچھ ڈالے اور اپنی ہچکیوں کو دبانے کی کوشش کرنے لگی۔

''تم بہت اچھی لڑکی ہو۔ میں شروع ہی سے تمہیں بے گناہ سمجھتا رہا ہوں..... جب تمہارا گرفتاری نکلا تھا تو میں انسپکٹر سنہا سے لڑ گیا تھا۔''

''وارنٹ گرفتاری.....!'' شہناز چونک کر بولی۔ ''وہ کس لئے۔''

''تمہارے غائب ہو جانے کے بعد تمہارے گھر سے ایک مشکوک خط برآمد ہوا جس کی گروہ کی طرف سے غائب ہو جانے کی ہدایت دی گئی تھی۔''

''میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ مجھے اس قسم کے کسی خط کا علم نہیں اور نہ میرا تعلق کسی سے ہے۔''

''اب قسم کھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' حمید نے کہا۔ ''تمہاری بے گناہی سورج کی روشن ہے۔''

''اچھا یہ بتا سکتی ہو کہ تم کس کی قید میں ہو۔''

''یہ مجھے آج تک نہ معلوم ہو سکا۔ البتہ مجھے قید کرنے والے مجھ پر مہربان ضرور ..... انہوں نے مجھے بھوکوں نہیں مارا۔''

''اچھا تو کیا کوئی کھانا لے کر آتا ہے۔''

''نہیں.....اس سامنے والی دیوار کی جڑ میں ایک دراڑ سی پیدا ہو جاتی ہے اور اس کھانا اندر کی طرف دھکیل دیا جاتا ہے اور جب میں برتن اس دراڑ سے باہر نکال دیتا دراڑ خود بخود بند ہو جاتی ہے۔''

اب حمید نے لیٹے ہی لیٹے اس جگہ کا جائزہ لینا شروع کیا۔ یہ ایک وسیع کمرہ طرف بڑی سی میز اور کچھ کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ کمرے کی ساخت بتا رہی تھی کہ ہے، چھت میں دو تین جگہ موٹے موٹے اور دھندلے شیشے لگے ہوئے تھے، جن کے تھوڑی بہت روشنی اندر آتی تھی۔ شیشے اس قدر دھندلے تھے کہ اس کے پار کی کوئی چ نہیں دیتی تھی۔ اس پورے کمرے میں باہر جانے کے لئے کوئی دروازہ نہیں تھا۔ صرف دروازہ نظر آ رہا تھا وہ بھی اس کمرے کے ایک کونے میں بنی ہوئی کوٹھڑی کا تھا۔

''کیا یہ دروازہ باہر جانے کا ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں غسل خانہ ہے۔''

''تو اس کا مطلب کہ یہ کمرہ نہیں ہمارا مقبرہ ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''ذرا ہاتھ پا کچھ طاقت آئے تو باہر نکلنے کی جدوجہد کی جائے۔''

اتنے میں سامنے والی دیوار کی جڑ میں ایک کھٹکے کے ساتھ دو بالشت چوڑی ہوگئی جس سے ایک کشتی جس میں ناشتہ تھا کمرے کے اندر کھسکا دی گئی۔ شہناز نے ٹ اٹھالی۔ حمید اس دراڑ کو بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس دراڑ کی باقاعدہ حفاظ ہوگی۔ حمید خیالات میں الجھتا رہا۔ اتنی دیر میں شہناز نے دو پیالیاں چائے کی تیار کیں قطعی بھوک نہیں تھی لیکن شہناز کے اصرار پر کچھ نہ کچھ کھانا ہی پڑا۔ شہناز نے برتن سے واپس کر دیئے۔

''کل تک میں بہت پریشان تھی، لیکن آج نہ جانے کیوں ایسا معلوم ہو رہا اپنے گھر ہی میں بیٹھی ہوں۔'' شہناز نے کہا۔

''خدا نے چاہا تو تم بہت جلد اپنے گھر میں ہوگی۔ میں نے اپنی زندگی میں ایک ہی کام لڑکی کا کیا ہے۔''

''وہ کیا.....؟''

''یہی کہ اس حادثے سے پہلے میں فریدی صاحب کو یہاں کے مفصل حالات لکھ دیئے تھے۔''

''تو کیا فریدی صاحب موجود نہیں تھے۔''

''نہیں.....وہ باہر گئے ہوئے ہیں۔'' حمید نے کہا اور اس کے بعد اس نے شروع سے لے کر آخیر تک شہناز کو سارے واقعات بتا دیئے۔

''تو پھر اس کا یہ مطلب ہوا کہ میں لیڈی سیتا رام کی قید میں ہوں۔'' شہناز نے حیرت سے کہا۔

''قطعی.....!''

''لیکن آخر کیوں.....؟ میں نے ان کا کیا بگاڑا ہے۔''

''وہ دراصل اپنا جرم کسی دوسرے کے سر تھوپنا چاہتی تھی۔ اتفاق سے تم ہی زد میں آ گئیں۔''

''تو کیا لیڈی سیتا رام ہی رام سنگھ کی قاتل ہیں۔''

''حالات تو یہی کہتے ہیں۔''

''اب مجھے یہاں سے بچ نکلنے کی کوئی امید نہیں۔''

''ایسا مت سوچو.....فریدی صاحب ضرور آئیں گے اور اگر وہ نہ بھی آئے تو میری موجودگی میں تمہیں پریشان ہونے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں۔''

''آپ بہت اچھے آدمی ہیں.....!'' شہناز نے کہا۔

''بس اتنی سی بات.....نہیں میں بہت بُرا آدمی ہوں۔''

''ہوں گے لیکن میرے لئے نہیں۔''

"تو کیا واقعی تم مجھ پر بھروسہ کرتی ہو۔"

"آخر کیوں نہ کروں۔"

"ایک بات پوچھوں..... یہ کہ تم نے لیڈی سیتا رام کے یہاں کا ٹیوشن کیوں چھوڑ دیا تھا۔"

"مجھے ناپسند تھا۔"

"آخر ناپسندیدگی کی وجہ۔"

"وہاں کئی بہت ہی آوارہ اور اوباش قسم کے لوگ آنے لگے تھے۔ اکثر وہ مجھے بھی اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہ چیز مجھے ناپسند تھی۔"

حمید کچھ اور پوچھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ شہناز نے اُسے روک دیا۔

"آپ زیادہ باتیں نہ کیجئے..... سر سے بہت زیادہ خون نکل گیا ہے..... کہیں پھر چکر آجائے۔"

"اتنے دنوں کے بعد تم ملی ہو..... دل چاہتا ہے بس باتیں کئے جاؤ۔"

"نہیں بس آنکھ بند کیجئے..... میں سر سہلاتی ہوں۔"

حمید نے آنکھیں بند کرلیں اور وہ ہولے ہولے اس کا سر سہلانے لگی۔ حمید کو اپنے میں ایک عجیب قسم کی غم آلود نرماہٹ پھیلتی معلوم ہونے لگی۔ وہ خلوص اور پیار جس کا ہر مرد عورت سے متمنی ہوتا ہے حمید کو آج تک نہ ملا تھا۔ حمید کو شہناز کے اس رویئے میں ایک لگاوٹ محسوس ہوئی جسے مامتا کے بعد درجہ دیا جاسکتا ہے۔ اس کی بند آنکھوں سے آنسو بہ نکلے۔

"ارے..... ارے آنسو کیوں؟"

"کچھ نہیں.....!" حمید نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔

"آپ کو میری قسم بتایئے کیا بات ہے۔"

"مجھ سے تمہاری یہ حالت نہیں دیکھی جاتی۔" حمید نے کہا۔

"فی الحال آپ اپنی حالت دیکھئے..... میری بعد میں دیکھئے گا۔"

"یہ آفت تم نے خود اپنے سر مول لی ہے۔" حمید نے کہا۔

"وہ کیسے.....؟"

"نہ تم اتنی سوشل ہوتیں اور نہ یہ دن دیکھنا نصیب ہوتا۔"

"اپنی اس حماقت پر تو عرصہ سے رو رہی ہوں۔" شہناز نے کہا۔ "اگر کبھی آسمان دیکھنا نصیب ہوا تو انشاء اللہ صحیح معنوں میں ایک شریف عورت کی طرح زندگی بسر کرنے کی کوشش کروں گی۔"

"جب تک کہ ہمارے سماج کا پورا ڈھانچہ ہی نہ بدل جائے عورتوں کی آزادی کوئی معنی نہیں رکھتی۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں..... اب یہ بات میری سمجھ میں بھی آگئی ہے۔"

"خیر چھوڑو ان باتوں کو..... اب یہاں سے نکلنے کی کوئی تدبیر کرنی چاہئے۔" حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"تو لیٹے رہئے نا.....!"

"نہیں یہ لیٹنے کا وقت نہیں۔ اب کسی لمحے بھی ہم موت سے دوچار ہوسکتے ہیں۔"

"وہ کیسے.....!"

"کرنل پرکاش محض یہ معلوم کرنے کے لئے یہاں لایا ہے کہ میں کون ہوں۔ میں نے اس کا راز معلوم کرلیا ہے..... لہٰذا وہ مجھے کبھی زندہ نہ چھوڑے گا۔"

"خدانخواستہ..... ایسی بات منہ سے نہ نکالئے۔"

"میں سچ کہہ رہا ہوں شہناز..... یہاں سے بچ کر نکلنے کے لئے جلدی ہی کچھ نہ کچھ کرنا چاہئے۔"

حمید اٹھ کر تہہ خانے کی دیواروں کا جائزہ لینے لگا۔ وہ بڑی محنت اور جانفشانی سے دیوار کا ایک ایک حصہ ٹھونک بجا کر دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پسینے پسینے ہوگیا لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

''معلوم ہوتا ہے شاید مرنے کا وقت سچ مچ قریب آ گیا ہے۔'' حمید نے بے

کہا۔

شہناز کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں، وہ نڈھال ہو کر چٹائی پر لیٹ گئی۔

''کیوں..... کیا بات ہے۔'' حمید نے کہا۔

''کچھ نہیں..... یونہی چکر سا آ گیا ہے۔''

''گھبراؤ نہیں..... ضرور کوئی نہ کوئی اچھی صورت پیدا ہوگی۔ میں اس پر یقین رکھتا ہو

بے گناہوں کا کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔'' حمید نے کہا۔

شہناز نے کوئی جواب نہ دیا۔ حمید بیٹھا سوچتا رہا۔ دفعتاً اس کا خیال دیوار کے اس حص

طرف گیا جہاں دراڑ پیدا ہوئی تھی۔ وہ جھک کر دیکھنے لگا۔ وہیں قریب ہی فرش کی ایک ا

اکھڑی ہوئی تھی اور خالی جگہ اتنی بھری ہوئی تھی کہ سطح فرش کے برابر ہوگئی تھی۔ حمید نے پ

اس کی طرف کوئی دھیان نہ دیا لیکن پھر سوچنے لگا کہ یہاں اس تہہ خانے میں اتنا گرد

کہاں سے آیا کہ خالی اینٹ کی جگہ خود بخود بھر گئی اور اگر اینٹ نکل جانے کے بعد اس ٹ

اس لئے بھری گئی ہے کہ فرش برابر ہو جائے تو یہ بات بالکل بے تکی سی لگتی ہے۔ کیونکہ جہا

جگہ دوسری اینٹ جڑی جا سکتی تھی مٹی سے اسے بھرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

حمید نے ادھر اُدھر دیکھا۔ میز پر ایک چمچہ پڑا ہوا تھا۔ وہ اس سے مٹی کھودنے لگا۔

مٹی نکل جانے کے بعد اچانک چمچہ کسی سخت چیز سے ٹکرایا۔ اس نے جلدی جلدی مٹی نکالنی

کی۔ یہ سخت چیز لوہے کا ایک لٹو تھا۔ اس نے اسے گھمانے کی کوشش کی، لیکن اس میں جنبش

نہ ہوئی۔ اس نے اب اسے دوسری طرف گھمانا شروع کیا۔ ذرا سی محنت کے بعد ہی لٹو گھو

اور جہاں پر دراڑ پیدا ہوئی تھی وہاں کی دیوار کا کچھ حصہ آہستہ آہستہ اوپر اٹھ رہا تھا۔

''شہناز یہ دیکھو.....!'' حمید خوشی میں چیخا۔

شہناز اور حمید کھڑے متحیر ہو کر دیکھ رہے تھے۔ سامنے کی دیوار میں ایک قد آدم د

نمودار ہو گیا تھا۔ چند گز کے فاصلے پر اوپر جانے کے لئے زینے تھے۔

دوسرا بھیانک ناچ

ابھی دونوں کی حیرت رفع نہ ہوئی تھی کہ زینوں پر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ کرنل

ش اور لیڈی سیتا رام نے زینے طے کرتے ہوئے نیچے کی طرف آ رہے تھے۔ حمید کو ایسا

وم ہوا جیسے کسی نے اُسے پہاڑ پر سے زمین کی طرف لڑھکا دیا ہو۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا

کہ اب کیا کرے۔ کرنل پرکاش نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

''بڑے چالاک ہو برخوردار.....'' اس نے جیب سے پستول نکالتے ہوئے کہا۔ ''پیچھے

''

شہناز اور حمید سہم کر پیچھے ہٹ گئے۔

''لو ریکھا اچھے وقت پر پہنچ گئے ورنہ یہ ابھی چوٹ ہی دے گیا تھا۔'' کرنل پرکاش نے

رے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''ڈارلنگ..... تم ہمیشہ ٹھیک وقت پر کام کی باتیں سوچتے ہو۔'' لیڈی سیتا رام اس کے

انے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

''تم لوگ وہاں کونے میں جا کر بیٹھو۔'' کرنل پرکاش نے حمید اور شہناز سے کہا۔

''اگر ذرہ برابر بھی شرارت کی تو یاد رکھنا یہ پستول بڑا خونی ہے۔''

حمید اور شہناز کونے میں جا کر بیٹھ گئے۔

''جانتی ہو ریکھا ڈارلنگ یہ کون ہے۔'' پرکاش نے کہا۔

''نہیں.....!''

''سرکاری سراغ رساں سارجنٹ حمید.....!''

''ارے.....!''

''ہاں.....یہ مجھے صبح کو معلوم ہوا۔ کہو بیٹا حمید صاحب اب تمہارا کیا حشر کیا جائے۔''

''کرنل پرکاش .....کان کھول کر سن لو.....اگر میرا ایک بال بھی بیکا ہوا تو میرا تمہیں زندہ نہ چھوڑے گا۔ چاہے تم پاتال ہی میں جا کر کیوں چھپو۔'' حمید نے کہا۔

''اچھا ریکھا.....ابھی میں ان دونوں کا خاتمہ کئے دیتا ہوں۔ تم یہ بتاؤ کہ افریقہ چلو کیا رہی۔ اگر تم تیار ہو جاؤ تو میں اپنے دونوں ہار لئے بغیر ہی چلا جاؤں گا۔ تم سے زیادہ ہاروں کی قیمت نہیں ہے۔''

''مگر یہ ابھی کیسے ممکن ہے۔'' لیڈی سیتا رام نے کہا۔

''جو چیز تمہیں روک رہی ہے میں اسے بھی سمجھتا ہوں۔ تم اطمینان رکھو.....سریندر سے سمجھوتہ کرنا ہی پڑے گا۔''

''کیا مطلب.....!'' لیڈی سیتا رام چونک کر بولی۔

''ارے تم اس کا مطلب نہیں سمجھیں۔ کیا وہ کل رات والا کاغذ یاد نہیں، جو میں نے سریندر کو دیا تھا۔ دیکھو.....میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تمہارے اور سریندر کے ناجائز تعلقات ہیں۔ رام سنگھ کے ہاتھ تمہارا ایک خط لگ گیا تھا، جو تم نے سریندر کو لکھا تھا، وہ آئے دن لوگوں کو اسی خط کا حوالہ دیتے ہوئے دھمکا کر تم سے روپیہ اینٹھتا تھا آخر ایک دن تنگ آ کر نے اسے قتل کر دینے کا پلاٹ بنایا اور اسے قتل بھی کر دیا۔ کرنل پرکاش سے کوئی بات چھپی نہیں ہے۔''

لیڈی سیتا رام کا چہرہ فق ہو گیا اور وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔

''لیکن میری ریکھا..... میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ میں تمہاری پچھلی سے کوئی سروکار نہ رکھوں گا۔ محبت اندھی ہوتی ہے۔ وہ اچھائی یا برائی کچھ نہیں دیکھتی۔''

''کرنل میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔ اتنی برائیوں کے باوجود بھی مجھ میں سچی جذبہ موجود ہے اور میں اسے صرف تمہارے ہی لئے وقف کر چکی ہوں۔ میں کیا بتاؤں

مجبوریوں کے تحت سریندر.....!''

''سریندر کے ساتھ عیاشی کرتی تھی۔'' دروازے کی طرف سے آواز آئی۔

سب کی نگاہیں اُدھر اٹھ گئیں۔ دروازے میں سریندر ہاتھ میں پستول لئے کھڑا تھا، جس کا رخ کرنل پرکاش کی طرف تھا

''تم دونوں یہ آرزو ہی لئے ہوئے دنیا سے چلے جاؤ گے۔'' وہ گرج کر بولا۔

کرنل پرکاش نے اٹھنا چاہا.....سریندر نے بیٹھ کر لٹو گھما دیا۔ دروازہ بند ہو چکا تھا۔

''خبردار.....اپنی جگہ سے ہلنا مت.....!'' سریندر نے چیخ کر کہا۔

کرنل پرکاش نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے قہقہہ لگایا۔

''پیچھے ہٹو.....پیچھے ہٹو.....نہیں تو گولی چلا دوں گا۔'' سریندر چیخا۔

''چلا بھی دو میری جان۔'' کرنل پرکاش رک کر بولا۔ ''مجھے تم سے بھی اتنی ہی محبت ہے جتنی کہ ریکھا سے ہے۔''

''چپ رہو.....سؤر کے بچے۔'' سریندر نے گرج کر کہا اور ٹریگر دبا دیا۔ مگر دھماکے کی آواز نہیں سنائی دی۔

کرنل پرکاش نے پھر قہقہہ لگایا۔ سریندر گھبرا کر پستول کی طرف دیکھنے لگا۔

''واہ برخوردار.....اسی کے بل بوتے پر بہادری دکھانے چلے تھے۔ سنو بیٹا.....میں ماتھے کی لکیروں میں دل کا حال پڑھ لیتا ہوں، میں نے اسی وقت تمہاری جیب میں پڑے ہوئے پستول کی گولیاں نکال لی تھیں جب تم اوپر مجھ سے بات کر رہے تھے۔ میں کل رات ہی سمجھ گیا تھا کہ تم کوئی چال ضرور چلو گے۔ تو گویا تم اس تہہ خانے کو ہم دونوں آدمیوں کا مقبرہ بنانا چاہتے تھے۔ خیر اب بھی یہاں تین ہی لاشیں ہوں گی۔''

کرنل پرکاش نے بڑھ کر سریندر کی گردن پکڑ لی۔ سریندر بچوں کی طرح چیخ رہا تھا۔ کرنل نے اسے ایک کرسی پر بٹھا دیا۔

''دیکھو سریندر میں اب تم سے سمجھوتہ ہی کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم مجھے ریکھا کو نکال

جانے میں مدد دینے کا وعدہ کرو تو تمہیں چھوڑ دوں۔"

"مجھے منظور ہے۔" سریندر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"یوں نہیں۔" کرنل ہنس کر بولا۔ "تم بہت بھیانک آدمی ہو۔ تمہیں اپنا فیصلہ تبدیل کرتے دیر نہیں لگتی۔ میں کوئی ایسی چیز چاہتا ہوں جس سے ہمیشہ تمہاری کور مجھ سے دبتی رہے تاکہ تم بعد میں کوئی شرارت نہ کر سکو۔"

"آخر تم چاہتے کیا ہو.....؟"

"تم مجھے یہ لکھ کر دے دو کہ تم رام سنگھ کے قاتل ہو۔ اس پر تمہارے اور ریکھا دونوں کے دستخط ہوں گے۔ تم گھبراؤ نہیں..... میں یہ صرف اپنے اطمینان کے لئے کر رہا ہوں۔"

سریندر کے سارے جسم سے پسینہ چھوٹ پڑا۔ کبھی وہ لیڈی سیتا رام کی طرف دیکھتا اور کبھی کرنل پرکاش کی طرف۔

"میں مسودہ تیار کئے دیتا ہوں۔ تم دونوں اپنے دستخط کر دو۔" کرنل پرکاش نے کہا۔

"میں کیوں دستخط کروں۔" ریکھا نے کہا۔

"ریکھا ڈارلنگ..... تم گھبرا کیوں گئی ہو۔ تمہارے دستخط سے یہ چیز اور مضبوط ہو جائے گی کیونکہ تم بطور گواہ اس پر دستخط کرو گی۔ تبھی ہم دونوں چین سے رہ سکیں گے، ورنہ حضرت۔"

کرنل پرکاش نے جلدی جلدی مسودہ تیار کیا اور دستخط کے لئے سریندر کی طرف بڑھا دیا۔ سریندر نے ماتھے کا پسینہ پونچھتے ہوئے دستخط کر دیئے۔ لیڈی سیتا رام نے بھی اس کی نقل کی، کرنل پرکاش نے کاغذ تہہ کر کے جیب میں رکھ لیا۔

"اب تم دونوں مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔" اس نے حمید اور شہناز کی طرف دیکھ کر کہا۔ پھر اچانک کرنل پرکاش نے جنگلیوں کی طرح اچھل اچھل کر ناچنا شروع کر دیا۔ ساتھ ساتھ وہ گاتا بھی جا رہا تھا لیکن مفہوم ان کی سمجھ سے باہر تھا۔ کیونکہ زبان غیر ملکی تھی۔

وہ وحشیوں سے بدتر ہوتا جا رہا تھا۔

"پرکاش ڈارلنگ..... پرکاش ڈارلنگ.....!" لیڈی سیتا رام چیخی۔

کرنل پرکاش اسی طرح ناچتا ہوا بولا۔ "بولومت..... بولومت..... چیں خیں چیں گیر لا۔ میں خوشی کا ناچ ناچ رہا ہوں۔ افریقہ کے جنگلیوں کا ناچ..... گیرولا چی پنی ٹمٹائیں گیرولا۔"

ناچتے ناچتے اس کا چشمہ اچھل کر دیوار سے جا ٹکرایا۔ مونچھ اور ڈاڑھی اکھڑ کر فرش پر آ رہی اور حمید بے اختیار چیخ پڑا۔ "فریدی صاحب۔"

فریدی کھڑا قہقہے لگا رہا تھا۔ لیڈی سیتا رام چیخ مار کر بیہوش ہو گئی۔ سریندر بیٹھا اس طرح کانپ رہا تھا جیسے اُسے جاڑا دے کر بخار آ گیا ہو۔

فریدی نے جیب سے ہتھکڑیاں نکال کر حمید کو دیں۔ حمید نے جلدی جلدی دونوں کو ہتھکڑیاں پہنا دیں۔

خوشگوار لمحے

فریدی اور حمید اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

"ابھی تک جگدیش نہیں آیا۔" فریدی نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو کیا واقعی اس کیس کی کامیابی کا ذمہ دار اسی کو بنائیں گے۔" حمید بولا۔

"میں اس سے وعدہ کر چکا ہوں۔ اگر اس نے لیڈی سیتا رام کے بارے میں مجھے نہ بتایا ہوتا تو میں زندگی بھر کامیاب نہیں ہو سکتا تھا اور میں نے یہ ساری دردسری محض شہناز کے لئے مول لی تھی۔"

"تو کیا آپ واقعی شہناز.....!" حمید بے اختیار بول پڑا۔ اس کا چہرہ اتر گیا تھا۔

"تم اچھے خاصے اُلو ہو۔ شہناز کی تلاش مجھے محض تمہارے خیال سے تھی، تم اتنی جلدی

بدگمان کیوں ہوجاتے ہو۔"

"معاف کیجئے گا..... میں سمجھا شائد۔"

"جی نہیں..... آپ براہِ کرم مجھ سے پوچھے بغیر کچھ نہ سمجھا کیجئے۔ میں اور عورت لاحول ولاقوۃ۔"

"اچھا صاحب..... لاحول ولاقوۃ.....!" حمید ہنس کر بولا۔

"آؤ شہناز آؤ.....!" فریدی دروازے کی طرف مڑتے ہوئے بولا۔

شہناز مسکراتی ہوئی کمرے کے اندر داخل ہو رہی تھی۔

"بولو! حمید اب کیا کہتے ہو..... کہہ دوں شہناز سے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

حمید بوکھلا گیا۔

"کیا بات ہے۔" شہناز بیٹھتی ہوئی بولی۔

"کچھ نہیں..... کچھ نہیں۔" حمید جلدی سے بولا۔

"خیر کہو شہناز کوئی نئی بات۔" فریدی نے کہا۔

"کوئی نئی بات نہیں..... نئی باتیں تو میں آپ سے سننے آئی ہوں۔"

"ہاں اب سارے حالات بتا جایئے، مجھے بھی بہت بے چینی ہے۔" حمید نے کہا۔

"حالات کوئی خاص نہیں، سوائے اس کے کہ میں نے بڑی بے دردی سے تمہارا سر دیا تھا۔"

"اس کی شکایت تو مجھے بھی ہے۔ اگر آپ ذرا سا اشارہ کردیتے تو میں خود ہی ہوجاتا۔"

"ضرور ضرور..... آپ سے یہی امید ہوتی تو اتنی قلابازیاں کھانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"اچھا یہ بتایئے کہ وہ کاغذ کیسا تھا، جو آپ نے سریندر کو دیا تھا اور ہار چرانے کی ضرورت تھی۔"

"اتنا ہی سمجھنے لگو تو پھر سرجنٹ کیوں....." فریدی ہنس کر بولا۔ "اچھا شروع سے

ں۔ جگدیش سے لیڈی سیتا رام کے متعلق معلوم کر لینے کے بعد بھی میرا ارادہ خواہ مخواہ اس لڑے میں پڑنے کا نہیں تھا لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ شہناز غائب کردی گئی ہے تو میں نے ی وقت پلاٹ تیار کرلیا، جب ہم لوگ ان کی تلاش میں سڑکیں ناپتے پھر رہے تھے۔ چھٹی ما نے سچ مچ اس لئے لینی چاہی تھی کہ کتوں کی نمائش میں حصہ لوں۔ لہٰذا شہناز کے غائب جانے کے بعد بھی میں اسی پر اڑا رہا کہ جاؤں گا۔ تم مجھے اسٹیشن چھوڑنے آئے تھے۔ مجھے ین پر سوار کرا کر تم واپس لوٹ گئے تھے۔ میں اگلے اسٹیشن پر اتر گیا۔ وہاں سے بھیس بدل کر واپس آیا۔ مجھے سر سیتا رام سے جان پہچان پیدا کرنی تھی، اس لئے میں نے کرنل پرکاش کا بھیس بدلا کیونکہ وہ بھی کتوں کا ایک مشہور شوقین تھا اور اپنے افریقی نسل کے بلو ڈنگو کی وجہ سے ے اور بھی آسانی ہوگئی۔ میں نے آرلکچو کا وہی کمرہ کرایہ پر لیا جس میں رام سنگھ ٹھہرا ہوا تھا۔ ں دن اچانک جب کمرے کی صفائی ہو رہی تھی مجھے قالین کے نیچے ایک خط مل گیا۔ یہ خط ری سیتا رام نے سریندر کو لکھا تھا۔ فوراً میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ شاید رام سنگھ دونوں کو خط سے بلیک میل کر رہا تھا اور ان لوگوں نے تنگ آ کر اُسے قتل کردیا۔ اب میں نے ادہ کام شروع کردیا۔ سب سے پہلے تو میں نے تمہیں نمائش گاہ سے خط بھجوانے کا انتظام کیا کہ تمہیں بالکل یقین ہوجائے کہ میں وہیں گیا ہوں اس دوران میں۔ میں نے یہیں آرلکچو لیڈی سیتا رام پر ڈورے ڈالنے شروع کئے۔ وہ بہت جلد قابو میں آ گئی۔ پھر میں سر سیتا رام ے پارک میں ملا اور جب واپس لوٹ رہا تھا تو تم میرا تعاقب کر رہے تھے اب میں دیدہ نستہ تمہیں تعاقب کا موقع دینے لگا۔ تمہاری موجودگی میں ہمیشہ میں کوئی نہ کوئی ایسی حرکت ضرور کر بیٹھتا جس سے تمہارا شبہ اور زیادہ پختہ ہوجائے۔ اس دن بالکنی میں بھی تم نے ہم دونوں کی باتیں سنی تھیں اور اس کے بعد سریندر اور ریکھا کی باتیں بھی سنی تھیں۔ مجھے پہلے ہی یقین تھا کہ سر سیتا رام کی کوٹھی میں کوئی تہہ خانہ ضرور ہے اور شہناز صاحبہ اسی میں بند ہیں اور یہ تو میں نے ہی اندازہ لگا چکا تھا کہ بے چارہ سر سیتا رام ان واقعات سے بالکل لاعلم ہے لہٰذا میں نے ائندہ مقام کا پتہ لگانے کے لئے ہار چرانے والا پلاٹ بنایا۔ یہ میں جانتا تھا کہ تم سایہ کی

طرح میرے پیچھے لگے رہتے ہو۔ لہٰذا تم آج بھی ہماری گفتگو سننے کی ضرور کوشش کرو گے اور ایسا ہی ہوا بھی۔ اگر تمہیں اس بات کا پہلے سے علم ہوتا تو واقعات میں اتنی بے ساختگی ہرگز پیدا ہو سکتی۔"

"وہ تو سب کچھ ہے لیکن مجھے چکر آنے لگے ہیں..... اس کا کیا علاج ہوگا۔" حمید نے کہا۔

"اوہ اس کا علاج تو.....!" فریدی اتنا کہہ کر شہناز کی طرف دیکھنے لگا اور شہناز نے شرما کر سر جھکا لیا۔

"ہاں بھئی..... اب تم نے کیا سوچا ہے۔ کیا کالج کی ملازمت جاری رکھو گی۔" فریدی نے شہناز سے کہا۔

"اب جیسی آپ رائے دیں۔ میرا اس دنیا میں کوئی نہیں جو مجھے کوئی معقول مشورہ دے سکے۔"

"میرے خیال سے اب ملازمت ترک کر دو۔ اس واقعے کے بعد سے تمہاری کافی بدنامی ہو چکی ہے۔ ہر چند کہ تم بے گناہ تھیں، لیکن اس قسم کی بدنامی کے اثرات مشکل ہی سے مٹتے ہیں۔"

"تو پھر بتایئے میں کیا کروں۔"

"میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم اور حمید ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو۔ میرا خیال تو..... کیوں حمید صاحب آپ کی کیا رائے ہے۔"

حمید شرمانے کی ایکٹنگ کرنے لگا اور شہناز جو سچ مچ شرما رہی تھی، ضبط کرنے کے باوجود بھی اپنی ہنسی نہ روک سکی۔

اتنے میں انسپکٹر جگدیش آ گیا۔ اس کے چہرے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔

"آؤ بھئی جگدیش صاحب، خوب وقت پر آئے۔" فریدی نے کہا۔ "حمید ذرا چائے کے لئے کہہ دو۔"

"میں آپکا شکریہ کس منہ سے ادا کروں انسپکٹر صاحب..... کہ آپ نے میرا کیریئر بنا

"شکریہ تو مجھے تمہارا ادا کرنا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔ "اگر تم میری مدد نہ کرتے تو بیچاری شہناز نہ جانے کہاں ہوتیں۔"

"میں نے تو صرف زبانی مدد کی تھی، لیکن آپ نے اتنی تکلیفوں کا سامنا کر کے میرے لئے ترقی کی راہ نکالی۔"

"اگر ایسا ہی ہے تو پھر شہناز کا شکریہ ادا کرو۔ نہ یہ اس طرح غائب ہوتیں اور نہ میں اس کیس میں ہاتھ ڈالتا۔"

"اچھا صاحب..... شہناز بہن کا بھی شکریہ۔" جگدیش نے سعادت مندانہ انداز میں کہا۔

"اچھا جگدیش..... لیڈی اقبال کا ہار بھی لیتے جانا، یہ کارنامہ بھی تمہارا ہی رہیگا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" جگدیش نے حیرت سے کہا۔

فریدی نے اُسے ہار کی چوری کے سارے واقعات بتائے۔ جگدیش کا منہ حیرت سے کھلا ہوا تھا۔

"لیکن میں لیڈی اقبال سے کہوں گا کیا۔"

"سیدھی سی بات ہے..... کہہ دینا کہ شاید بھاگتے وقت چور کے ہاتھ سے گر گیا تھا۔"

مجھے ایک نالی میں پڑا ملا۔

"آپ کے احسانات کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔" جگدیش نے کہا۔

"اچھا یہ تو بتاؤ کہ سنہا کا کیا حال ہے۔"

"منہ لٹکا رہتا ہے..... بات بات پر مجھ سے الجھ پڑتا ہے۔"

"خیر وہ تو ہونا ہی تھا.....!" حمید نے کہا۔

چاروں چائے پینے لگے۔ کبھی کبھی حمید اور شہناز نظریں چرا کر ایک دوسرے کو دیکھ لیتے اور عجیب قسم کی شرمیلی مسکراہٹ دونوں کے ہونٹوں پر رقص کرنے لگتی۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 4

تجوری کا راز

(مکمل ناول)

پیشرس

جاسوسی دنیا کا چوتھا ناول آپ کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔ اب یہ آپ کے لئے کوئی نئی چیز نہیں رہ گئی ہے۔ ہندو پاکستان کا تقریباً ہر اردو پڑھنے والا جاسوسی دنیا سے روشناس ہو چکا ہے اور ہر ایک کو اس کا اعتراف ہے کہ فی زمانہ دنیا کی کوئی زبان اتنا دلچسپ لٹریچر اتنی کم قیمت پر پیش نہیں کر رہی ہے۔

آپ اس ناول کو پلاٹ اور تکنیک کے اعتبار سے سابقہ ناولوں سے کہیں زیادہ دلچسپ پائیں گے، محیر العقول واقعات دل دہلا دینے والے مناظر، جرأت و ہمت سے لبریز کارنامے، سرجنٹ حمید کی دلچسپ حرکتیں اور آپ کے ہر دلعزیز انسپکٹر فریدی

کا عجیب وغریب رول، آپ کے پسندیدہ جاسوس آپ کو عجیب و غریب حرکتیں کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ میرا دعویٰ ہے کہ آپ ایک بار کتاب اٹھانے کے بعد اختتام پر پہنچے بغیر کتاب ہاتھ سے نہیں رکھ سکتے۔

اس ناول میں سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کوئی خون نہیں ہوا پھر بھی ایسے واقعات سے لبریز ہے کہ دلچسپی بڑھتی ہی جاتی ہے۔

بہرحال ناول آپ کے سامنے ہے آپ خود فیصلہ کیجئے کہ میں اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں۔

ابن صفی

حیرت انگیز ڈاکہ

تقریباً رات کے ساڑھے گیارہ بجے تھے۔ سارے شہر میں خاموشی طاری تھی۔ بازار میں ا دکا پان کی دوکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ شاید پان والوں کو ان گاہکوں کا انتظار تھا جو سیکنڈ شو دیکھ کر لوٹتے وقت پان خریدا کرتے ہیں۔ کبھی کبھار ایک آدھ ٹرک سناٹے کا سینہ چیرتا سنسان سڑکوں پر دوڑتا نظر آجاتا تھا۔ سردی اپنے پورے شباب پر تھی۔ سردی ہی کی وجہ سے شہر اتنی جلدی سناٹے سے ہم آغوش ہوگیا تھا ورنہ گرمیوں میں عموماً شاہراہوں پر تقریباً رات بھر آمدورفت رہتی ہے مگر اس وقت یہ عالم تھا کہ شہر کے مشہور سیٹھ اگروال کی کوٹھی شہر کے سب سے بارونق روڈ پر واقع ہونے کے باوجود بھی پراسرار آدمیوں کو اپنے اندر داخل ہونے سے نہ روک سکی۔

یہ دونوں ایک چھوٹی سی خوبصورت کار میں بیٹھ کر آئے تھے جسے وہ سڑک کے دوسرے کنارے پر چھوڑ کر کوٹھی کی دیوار سے آ لگے تھے۔ اس دیوار کے قریب بہت زیادہ اندھیرا تھا۔ ان دونوں نے چونکہ سیاہ رنگ کا لباس پہن رکھا تھا اس لئے وہ اس تاریکی میں اس طرح گم

ہو گئے تھے جیسے دودھ میں پانی۔ ان میں ایک زمین پر اکڑوں بیٹھ گیا اور دوسرا اس کے کاندھے پر چڑھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد بیٹھا ہوا آدمی آہستہ آہستہ اٹھنے لگا۔ اوپر والے نے بارہ تیرہ فٹ اونچے روشندان میں ہاتھ ڈال کر اسے مضبوطی سے پکڑ لیا۔ دوسرے لمحہ میں وہ روشندان کے اوپر تھا۔ اس نے روشندان کا شیشہ اٹھا کر اندر جھانکا۔ کمرے میں نیلے رنگ کا دھندلی روشنی والا بلب روشن تھا۔ شائد اس شخص کی قسمت یاور تھی کہ اسے ٹھیک روشندان کے نیچے لگی ہوئی ایک اونچی میز مل گئی، وہ آہستگی سے اس کے اوپر اتر گیا۔

اب باہر ایک آدمی رہ گیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ رینگتا ہوا صدر دروازے کے قریب پہنچا۔ صدر دروازے پر ایک بلب روشن تھا یہاں اس کی روشنی میں اس کا چھپنا محال تھا۔ لہٰذا وہ بیچ سڑک پر آ کھڑا ہوا۔ اس نے اپنے چسٹر کے کالر کانوں سے اونچے کر رکھے تھے اور فلٹ ہیٹ چہرے پر اس طرح جھکی ہوئی تھی کہ اس کے خدوخال تاریکی میں چھپ کر رہ گئے تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد دروازے میں ذرا سی درز ہوئی اور باہر کھڑا ہوا آدمی ادھر اُدھر دیکھ کر تیزی سے چلتا ہوا صدر دروازے کے قریب آیا۔ صدر دروازہ کھلا اور وہ بھی دیکھتے ہی دیکھتے کوٹھی کے اندر تھا۔

دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے تاریکی میں چھپتے چھپاتے آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہے تھے۔ چاروں طرف تاریکی پھیلی تھی۔ ایک جگہ انہیں اوپر کی منزل میں کسی کمرے کے دروازے کے دھندلے شیشوں میں روشنی دکھائی دی۔ یہ اندازہ لگانے کے لئے کہ وہ اس وقت کہاں ہیں انہوں نے ٹارچ روشن کی۔ یہ ایک بہت بڑا ہال تھا جس میں بے شمار صوفے پڑے ہوئے تھے۔ دیواروں پر قد آدم تصویریں تھیں اور فرش پر قیمتی قالین، اوپر جانے کے لئے ایک طرف سنگ مرمر کے زینے تھے، ہال میں سناٹا تھا۔ وہ دونوں آہستہ آہستہ زینوں پر چڑھنے لگے، انہوں نے اس کمرے میں جھانک کر دیکھا جس کے دروازوں کے شیشوں سے روشنی جھانک رہی تھی۔ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا ان میں سے ایک نے دروازے کو آہستہ سے کھولا۔ اگر وال دیوار کی طرف منہ کئے بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔ یہ دونوں اتنی آہستگی سے کمرے میں داخل

ہوئے کہ سیٹھ اگر وال کو خبر تک نہ ہوئی۔

"سیٹھ جی.....!" ایک نے آہستہ سے کہا۔

سیٹھ اگر وال چونک کر مڑا..... اس نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ ہلائے ہی تھے کہ ایک نے ریوالور نکال لیا۔

"منہ سے آواز نہ نکلے.....!" ریوالور والے نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

سیٹھ اگر وال کے چہرے کا رنگ اڑ گیا لیکن وہ جی کڑا کر کے بولا۔

"تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو۔"

"ڈرو نہیں..... اگر خاموشی سے بیٹھے رہے تو ہم تمہیں قتل نہیں کریں گے۔" دوسرے نے کہا۔

"تم لوگوں نے یہاں آ کر غلطی کی.....!" سیٹھ اگر وال نے کہا۔ "یہاں تمہیں کچھ زیادہ نہیں مل سکے گا میں سب کچھ بینک میں رکھتا ہوں۔"

دونوں ہنسنے لگے۔

"ہم لوگ معمولی چور یا ڈاکو نہیں.....!" دوسرا آدمی بولا۔ پھر اس نے اپنے ساتھی کی طرف مڑ کر کہا۔ "تم یہیں ٹھہرو۔"

وہ ایک چھوٹے سے دروازہ کی طرف بڑھا۔

"ادھر کہاں جاتے ہو....." اگر وال نے کہا۔ "وہ میرے سونے کا کمرہ ہے۔"

"اور وہیں تم نے اپنی تجوری رکھ چھوڑی ہے۔" دوسرے نے کہا۔

"لیکن اس کی کنجی نیچے ہے۔" اگر وال بولا۔

"مجھے کنجی نہیں چاہئے.....!" دوسرے نے کہا اور دروازہ کھول کر کمرے میں چلا گیا۔

ایک آدمی ریوالور لئے ہوئے بدستور سیٹھ اگر وال کے پاس کھڑا رہا۔

سیٹھ اگر وال نے کئی بار اسے دھوکہ دے کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن ہر بار پستول کی نال اس کی کنپٹی سے ٹکرائی۔

"دیکھو سیٹھ صاحب! اگر تم نے زیادہ گڑبڑ کی تو تمہیں یہیں ختم کر دیا جائے گا۔ تم یہ نہ

سمجھنا کہ یہ محض دھمکی ہے۔ یہ ریوالور بغیر آواز کا ہے کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی، اور ہم تمہیں مار کر چلتے بنیں گے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن تم لوگ خواہ مخواہ جھک مار رہے ہو!" سیٹھ اگر وال نے کہا "تجوری میں دو تین ہزار سے زیادہ تمہیں نہ مل سکے گا۔"

"خیر..... یہ ہمارا اپنا سودا ہے، تمہیں اس سے کیا۔"

سیٹھ اگر وال خاموش ہوگیا لیکن اس کی آنکھیں اپنے سونے کے کمرے کے دروازے کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ گھنٹہ گھر کی گھڑی نے بارہ بجائے، دوسرا آدمی ابھی تک اگر وال کے کمرے ہی میں تھا۔ سڑک پر سیکنڈ شو دیکھ کر لوٹنے والوں کی آمد و رفت شروع ہو تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد دوسرا آدمی کمرے سے نکل آیا۔

"کہئے استاد کیا رہا۔" پہلا آدمی بولا۔

"ٹھیک ہے.....!" دوسرے نے کہا۔ "لاؤ پستول اب مجھے دو اور تم سیٹھ جی کو کرسی سے باندھ دو اور انکے منہ میں کپڑا ٹھونس دو۔ تاکہ یہ ہمارے جاتے ہی شور نہ مچانا شروع کردیں۔"

پہلے آدمی نے دوسرے کے ہاتھ میں پستول دے دیا اور خود ریشم کی پتلی ڈور سے اگر وال کو کرسی میں جکڑنے لگا۔

"میرے منہ میں کپڑا مت ٹھونسو میں وعدہ کرتا ہوں کہ نہیں چیخوں گا۔" سیٹھ اگر وال نے کہا۔

"سیٹھ جی..... اگر تم اتنے ہی ایماندار ہوتے تو ہمیں تکلیف کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔" دوسرے آدمی نے کہا۔

پہلے آدمی نے اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔

دونوں ابھی ہال میں پہنچے ہی تھے کہ بچاؤ بچاؤ، دوڑو دوڑو کی آوازیں آنی شروع ہوگئیں۔ شاید اگر وال نے کسی طرح سے اپنے منہ سے کپڑا نکال لیا تھا اور اب وہ چیخ رہا تھا۔ دفعتاً اندھیرے میں دو تین آدمی دوڑتے ہوئے معلوم ہوئے۔

"شاید سیٹھ جی کے کمرے سے آواز آرہی ہے۔" ایک آواز سنائی دی۔

"ہاں چلو اوپر چلیں.....!" دوسری آواز آئی اور زینہ پر قدموں کی آہٹ معلوم ہونے لگیں۔

"استاد اب کیا کیا جائے۔" ایک نے کہا۔

"چلو جلدی کرو..... صدر دروازہ کی طرف۔"

"مگر شاید باہر بھی آدمی جمع ہوگئے ہیں۔"

"ڈرو نہیں..... آگے بڑھو..... میں سب ٹھیک کرلوں گا۔"

دونوں تیزی سے صدر دروازہ پر پہنچے جو اندر سے بند تھا۔ باہر بھی شور سنائی دے رہا تھا۔

"شاید لوگ دروازہ کھلنے کا انتظار کررہے ہیں۔"

استاد نے دروازہ پر پہنچ کر چیخنا شروع کردیا۔

"ہائے مار ڈالا..... مار ڈالا..... مار ڈالا..... بچاؤ..... بچاؤ.....!"

لوگ باہر سے دروازہ پیٹنے لگے۔

استاد نے چیختے ہوئے دروازہ کھول دیا اب پہلے آدمی نے بھی اپنے استاد کی تقلید شروع کردی تھی اور وہ بھی چیخ رہا تھا۔

لوگ "کیا ہے..... کیا ہے" کہتے ہوئے اندر گھسنے لگے اور یہ دونوں بچاؤ بچاؤ چیختے ہوئے باہر نکل گئے۔

سڑک کے دوسرے کنارے پر پہنچ کر دونوں کار میں بیٹھ گئے۔

"ارے وہ کار میں بیٹھ گئے..... پکڑو..... پکڑو..... وہی تو ہیں.....!" سیٹھ اگر وال اوپر کی کھڑکی سے سر نکالے چیخ رہا تھا۔

جیسے ہی لوگ کار کی طرف جھپٹے استاد نے نوٹوں کا بنڈل کھول کر مجمع پر پھینک دیا۔ فضا میں سینکڑوں نوٹ اڑ رہے تھے۔ مجمع بے تحاشہ نوٹوں کی طرف جھک پڑا اور کار جواب اسٹارٹ ہوچکی تھی یہ جا وہ جا۔ نظروں سے غائب ہوگئی۔

نئی الجھنیں

دوسرے دن صبح جب سارجنٹ حمید اور انسپکٹر فریدی سیر کے لئے جانے کی تیاری کر
تھے نوکر نے سب انسپکٹر جگدیش کا ملاقاتی کارڈ لا کر دیا۔

''مجھے افسوس ہے انسپکٹر صاحب کہ میں ناوقت مخل ہوا۔'' جگدیش نے اندر داخل ہو

''آؤ..... آؤ بھی کوئی بات نہیں۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

''خیریت تو ہے آپ کچھ بدحواس سے نظر آ رہے ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''خیریت کہاں حمید بھائی.....!'' جگدیش نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''انسپکٹر صاحب کی
سے میرے افسر مجھے بہت زیادہ سمجھنے لگے ہیں اور یہ چیز میرے لئے وبال جان بن گئی۔

فریدی ہنسنے لگا۔

''آخر کہو تو کیا بات ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''کیا عرض کروں ..... رات ایک عجیب و غریب واردات ہوگئی۔ جس کی تفتیش
ذمہ ڈالی گئی ہے اور میں جو کچھ ہوں میں ہی بہتر جانتا ہوں۔ ابھی مجھ میں اتنی صلاحیت
ہے کہ کسی معمولی چوری کا سراغ لگا سکوں۔''

''خیر..... چلو آگے کہو۔''

''کل رات سیٹھ اگروال کے یہاں دو آدمی گھس آئے اُن میں سے ایک سیٹھ
کے سر پر پستول تانے کھڑا رہا اور دوسرا ان کے سونے کے کمرے میں گھس گیا جہاں تج
ہوئی تھی۔ کچھ عرصہ کے بعد وہاں سے واپس آ گیا۔ دونوں نے اگروال کو کرسی میں
کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔ وہ دونوں کمرے سے نکل کر تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ
نے منہ سے کسی طرح کپڑا نکال لیا اور چیخنے لگا۔ اس وقت ساڑھے بارہ بجے ہوں
ختم ہوئے تھے اس لئے سڑک پر بھی کافی آمد و رفت ہوگئی تھی۔ اگروال کے چیخنے پر
تو ان کے گھر والے بیدار ہو گئے اور دوسری طرف سڑک پر ان کے صدر دروازے
لگ گئی۔ دونوں آدمیوں نے جب یہ دیکھا تو وہ بھی چور، چور چلاتے ہوئے دروازے کی طرف
بھاگے۔ اسی حالت میں انہوں نے صدر دروازہ کھولا اور باہر نکل گئے۔ باہر نکلتے وقت انہوں
نے چیخنا شروع کر دیا۔ ارے مار ڈالا، ارے مار ڈالا..... لوگ سمجھے کہ شائد وہ بھی اسی کوٹھی کے
رہنے والے ہیں لیکن اگروال کے چلانے پر انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اور وہ بدمعاشوں کی
موٹر کی طرف بڑھے ہی تھے کہ ان دونوں نے دو تین ہزار روپوں کے نوٹ مجمع کی طرف پھینک
دیئے، لوگ نوٹوں کی طرف پلٹے اور وہ دونوں کار اسٹارٹ کر کے چلتے ۔ ۔''

''بھئی بہت خوب.....!'' فریدی بے تحاشہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''وہ چاہے جو کچھ بھی رہے
ہوں لیکن میں ان کی ذہانت کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا بھئی کمال کر دیا۔''

''یہی نہیں اور سنئے .....!'' جگدیش نے کہا۔ ''ادھر وہ لوگ فرار ہوئے اور ادھر کسی نے
پیچھے سے اگروال پر پستول سے حملہ کر دیا۔ فائر گھر کے اندر سے ہوا تھا، گولی داہنے بازو کو چھید
گئی۔ خیریت یہ ہوئی کہ ہڈی پر کوئی ضرب نہیں آئی وہ اس وقت ہسپتال میں ہیں۔''

''تو یہ فائر ان دونوں کے فرار ہو جانے کے بعد ہوا تھا۔''

''جی ہاں.....!''

''اچھا تجوری تو بالکل صاف ہوگئی ہوگی سیٹھ صاحب کی۔''

''یہی تو تعجب کی بات ہے کہ ان لوگوں نے تجوری میں ہاتھ بھی نہیں لگایا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''سیٹھ اگروال کا بیان ہے کہ تجوری کی ساری چیزیں جوں کی توں موجود ہیں اور کمرے
سے کوئی اور چیز بھی چوری نہیں ہوئی۔''

''تب تو یہ کیس واقعی دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔''

''بہت دلچسپ.....!'' جگدیش نے کہا۔

''خیر بھئی اب تو چائے کا وقت بھی ہوگیا۔'' فریدی نے کہا۔ ''حمید چائے منگواؤ..... تو
پھر تم نے کیا کیا۔'' فریدی نے جگدیش سے پوچھا۔

"کرتا ہی کیا..... مجھے آتا ہی کیا ہے۔ خواہ مخواہ لوگوں پر رعب ڈالنے کے لئے شیشہ سے مجرم کی انگلیوں کے نشانات تلاش کرتا رہا۔ دو چار الٹے سیدھے سوالات سیٹھ صاحب کے گھر والوں سے کئے۔ خود سیٹھ کا بیان لیا اور بس۔"

"خیر کوئی پریشانی کی بات نہیں..... کام کرنے ہی سے آتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"وہ تو میں بھی سمجھتا ہوں..... مگر.....!"

"اوہ..... مگر کیا..... سب ٹھیک ہو جائے گا۔" فریدی نے کہا۔ "لو چائے پیو..... رات بھر جاگے ہو۔ ناشتہ کر کے یہیں سو رہو اور اب تو تم اپنے حلقہ کے آفیسر انچارج ہو۔ تمہیں اتنی محنت نہ کرنی چاہئے۔ اتنی جلدی ڈی۔ ایس۔ پی یا ایس۔ پی بننے کے خواب نہ دیکھو۔"

"اگر آپ اسی طرح مجھ پر مہربان رہے تو اس دن کو بھی دور نہیں سمجھتا۔" جگدیش نے کہا۔

"جگدیش صاحب..... آپ خواہ مخواہ غلط فہمی میں پڑے ہوئے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "شخص خود آج تک چیف انسپکٹر نہ ہو سکا وہ کیا کسی کو ترقی دلا سکے گا۔"

"شاید تم اس لئے کہہ رہے ہو کہ آج تک سارجنٹ ہی رہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں آپ کے اس خیال کی تردید نہیں کر سکتا.....!" حمید نے جواب دیا۔

"حمید تم آج انسپکٹر ہو سکتے ہو لیکن یہ سمجھ لو کہ پھر ہم تم ایک جگہ نہ رہ سکیں گے۔" فریدی نے کہا۔ "اچھا یہ بتاؤ تمہیں انسپکٹری عزیز ہے یا فریدی۔"

"اب میں کیا عرض کروں..... خود ہی سمجھ لیجئے۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ میں حد درجہ چاپلوس واقع ہوا ہوں۔"

فریدی اور جگدیش ہنسنے لگے۔

"اچھا تو پھر انسپکٹر بنوا ہی دیا جائے۔"

"نہیں معاف رکھئے۔ رات میں جو تین چار گھنٹے سو لیتا ہوں اس سے بھی جاؤں۔ خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے۔"

یہاں آتے وقت جگدیش راستہ بھر یہ سوچتا آیا تھا کہ فریدی ایسا عجیب و غریب کیس

کر اچھل پڑے گا۔ واردات کے متعلق سوالات کی بوچھاڑ کر دے گا کچھ دیر تک ناک بھوں پر زور دے گا اور پھر اٹھ کر ٹہلے گا۔ لیکن ان سب باتوں کے خلاف اس وقت فریدی کا رویہ دیکھ کر اسے سخت حیرت ہوئی۔ اصل موضوع کو چھوڑ کر وہ نہ جانے کہاں کے بکھیڑے نکال بیٹھا تھا اور اب حمید اور فریدی میں بالکل نجی قسم کی باتیں چھڑ گئی تھیں۔ فریدی اسے چڑا رہا تھا اور وہ جھلا جھلا کر جواب دے رہا تھا۔ جگدیش نے پھر اصل موضوع کی طرف آنے کی کوشش کی۔

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔" جگدیش نے چائے کی پیالی رکھتے ہوئے کہا۔ "آخر مجرم آئے کس نیت سے تھے۔ کیا انہوں نے محض اس لئے اتنا بڑا خطرہ مول لیا تھا کہ مکان میں صرف ٹہل کر واپس چلے جائیں۔"

"اتنی معمولی سی بات بھی آپ کی سمجھ میں نہیں آئی۔" حمید نے کہا۔ "مقصد اصل میں سیٹھ اگروال کو قتل کرنا تھا، مجرم یقیناً دو سے زیادہ رہے ہوں گے۔ دو نے بھاگ دوڑ کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا اور تیسرے نے سیٹھ پر گولی چلائی اور اسی ہنگامہ میں وہ بھی نکل بھاگا۔"

فریدی مسکرانے لگا۔

"کیا بچپنے کی باتیں کر رہے ہو۔" فریدی نے سگار کا کش لے کر کہا۔ "اگر قتل ہی کرنا تھا تو اتنا شور مچانے کی کیا ضرورت تھی ان دونوں نے جس طرح خاموشی سے سیٹھ اگروال کو کرسی سے باندھ کر اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا تھا اسی طرح اس کا گلا گھونٹ کر اسے مار بھی سکتے تھے۔ وہ لوگ جو اتنی ذہانت کا ثبوت دے کر نکل بھاگے ہوں اتنے لغو پلاٹ نہیں بنا سکتے۔"

"یہ تو آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" جگدیش جلدی سے بولا۔

"اصل میں جو چیز زیادہ حیرت انگیز ہے وہ یہ کہ اتنے چالاک آدمیوں نے سیٹھ کو اتنی بداحتیاطی کے ساتھ کیوں بے بس کیا کہ وہ ان کے پیٹھ پھیرتے ہی آزار ہو کر چیخنے لگا۔ جو لوگ اتنے ذہین ہوں کہ تعاقب کرنے والوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے ان پر نوٹ برسا دیں ایسی حماقت نہیں کر سکتے۔"

"واقعی یہ بات بھی سوچنے والی ہے۔" جگدیش نے کہا۔

''یہاں کون سی ایسی بات ہے جو سوچنے والی نہیں ہے۔'' حمید بولا۔

''ہاں یہ تو بتاؤ۔'' فریدی نے جگدیش سے کہا۔ ''مجرموں نے جو نوٹ پھینکے تھے ان
سے کوئی نوٹ تمہیں بھی دستیاب ہوا۔''

''جی ہاں..... ایک سو روپے کا نوٹ ہے!'' جگدیش نے جیب سے ایک تہہ کیا ہوا
نکالتے ہوئے کہا۔ ''یہ نوٹ ایک پان والے کو ملا تھا جس کی دوکان سیٹھ اگر وال کی کوٹھی
قریب ہی ہے۔''

فریدی نوٹ لے کر دیکھتا رہا۔

''اس پر امپیریل بینک کی مہر پڑی ہوئی ہے۔'' فریدی بولا۔

''میرا ارادہ ہو رہا ہے کہ اس نوٹ کو لے کر امپیریل بینک جاؤں۔'' جگدیش نے کہا

''بہت ممکن ہے کہ یہ اب سے ایک سال قبل وہاں سے ایشو کیا گیا ہو۔ اس طرح
چلنا محال ہے۔''

''پھر آخر بتایئے کہ میں کیا کروں۔'' جگدیش نے کہا۔

''دھیرج دھیرج.....!'' فریدی ہنس کر بولا۔ ''آخر اتنی جلدی کیوں ہے۔ اس
معمولی قسم کی وارداتوں میں مہینوں خاک چھاننی پڑتی ہے۔''

''تم ایک ہی دن میں تاج محل کیوں تعمیر کر ڈالنا چاہتے ہو۔''

''اچھا تو صاحب..... اب میں جا کر سوتا ہوں۔ یہ کیس میرے بس کا روگ نہیں
یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ اپنی نااہلی کا ثبوت دوں، اگر آپ نے مجھے حلقہ کا آفیسر انچارج بنوا
جنجال میں پھنسوایا ہے تو آپ ہی اسے بھی سنبھالئے۔''

''بھئی میں تمہاری مدد کے لئے ہر وقت تیار ہوں.....!'' فریدی نے کہا۔ ''لیکن
کیا صورت ہوگی۔ رام سنگھ والے کیس کی اور بات تھی معاملہ کسی نہ کسی طرح نبھ ہی گیا
دشواریاں پیش آسکتی ہیں اور پھر اگر کسی طرح بھانڈا پھوٹ گیا تو تمہاری بڑی بھد ہوگی
میں تمہیں ہر قسم کے مشورے دینے کے لئے تیار ہوں۔''

''خیر کچھ سہی..... آپ کی مدد کے بغیر یہ گاڑی چلتی نظر نہیں آتی۔''

''میں پہلے ہی کہہ چکا کہ تمہاری مدد ضرور کروں گا۔ مگر اس سلسلہ میں کوئی ایسا اقدام نہیں
سکتا جس سے تمہاری اس شہرت کو دھکا لگے جو تم نے رام سنگھ والے کیس میں حاصل کی ہے۔''

''اچھا تو پھر اب میں چلوں۔'' جگدیش نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ذرا اس نوٹ کا نمبر تو مجھے لکھوا دو۔'' فریدی نے الماری پر سے نوٹ بک اٹھاتے
ئے کہا۔ جگدیش نے نوٹ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ نمبر لکھ کر فریدی نے وہ نوٹ اسے پھر
کہتے ہوئے واپس کر دیا کہ تم بینک مت جانا، ورنہ خواہ مخواہ اپنی ناتجربہ کاری کی وجہ سے کام
اب کر دو گے۔ جگدیش کے چلے جانے کے بعد وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

''کہئے کیا خیال ہے۔'' حمید نے مسکرا کر کہا۔

فریدی بھی بے اختیار مسکرا پڑا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر گولی کس نے چلائی۔'' فریدی نے کہا۔

''یہی تو سوچنے کی بات ہے۔'' حمید بولا۔ ''لیکن آخر یہ آپ کو سوجھی کیا تھی۔''

''ہر بات اگر تمہاری سمجھ میں آنے لگے تو بات ہی کیا رہ گئی۔'' فریدی نے کہا۔

''آپ نے یہ بھی نہ سوچا کہ اگر پکڑ لئے گئے تو کیا حشر ہوگا۔''

''برخوردار دو ہزار روپے کا خون اس لئے نہیں کیا تھا کہ پکڑ لئے جائیں۔''

مگر عین وقت پر آپ کو سوجھی خوب..... میرے تو ہاتھ پیر پھول گئے تھے۔

''عین وقت پر نہیں سوجھی..... میں اس کے لئے پہلے ہی سے تیار ہو کر گیا تھا۔ ورنہ یونہی
خواہ مخواہ دو ہزار کے بنڈل جیب میں لئے پھرنے کی کیا تک ہے۔''

''بہرحال خدا کا شکر ہے کہ بخیر و خوبی نکل آئے۔'' حمید نے کہا۔

''اور یہ سارا ہلڑ محض تمہاری وجہ سے ہوا، میں نے تو تم سے اسے باندھنے کیلئے کہہ کر سخت
غلطی کی تھی، یہ کام مجھے ہی کرنا چاہئے تھا۔ ورنہ وہ کیا اس کا باپ بھی آواز نہیں نکال سکتا تھا۔''

''اس کا باپ تو واقعی آواز نہ نکالتا۔ لیکن خدارا یہ بتایئے کہ آخر آپ نے یہ سب کس

لئے کیا تھا۔"

"ابھی نہیں..... جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ اگر وال پر گولی کس نے چلائی تھی، میں کچھ نہ بتاؤں گا۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اس وقت تک اختلاج میں مبتلا رہوں۔" حمید نے کہا۔

"نہیں، تم اس دوران میں خمیرہ مروارید اور عرق مشک استعمال کر سکتے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"اچھا یہی بتا دیجئے کہ آپ نے اس تجوری سے کیا چیز نکالی تھی جسکا اسے بھی علم نہیں۔"

"کمال کیا تم نے، اسے علم کیوں نہیں..... وہ اچھی طرح جانتا ہے۔ لیکن بتانے کی ہمت نہیں کر سکتا۔"

"چلئے اب تو آپ نے اور بھی الجھا دیا۔" حمید نے کہا۔ "آخر آپ مجھ سے یہ راز کیوں چھپا رہے ہیں جبکہ میں آپ کا شریک کار بھی ہوں۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ اگر میں تمہیں بتا دوں تو اس معاملہ میں تمہاری ساری دلچسپی ختم ہو جائے گی اور تم اچھی طرح کام نہ کر سکو گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی دلچسپی ختم نہ ہونے دوں گا۔" حمید نے کہا۔

"دلچسپی لینا یا نہ لینا اپنے بس کی بات نہیں۔ جتنی زیادہ جو چیز ہماری نظروں سے پوشیدہ رہتی ہے اتنا ہی ہم اسے بے نقاب کرنے کے خواہش مند رہتے ہیں اور اس کے ظاہر ہو جانے کے بعد خود بخود ہماری دلچسپی ختم ہو جاتی ہے۔"

"بہر حال تو آپ نہیں بتائیں گے۔" حمید نے بے دلی سے کہا۔

"ارادہ تو یہی ہے اور ساتھ ہی یہ امید بھی ہے کہ تم بُرا نہ مانو گے۔"

"اس پر غور کروں گا کہ برا مانوں یا نہ مانوں.....!" حمید نے کہا۔ "اچھا یہی بتا دیجئے آخر آپ نے جگدیش سے نوٹ کا نمبر کیوں لیا ہے۔"

"ہاں یہ بتا سکتا ہوں، مجھ سے ایک بڑی حماقت ہوئی۔ وہ یہ کہ میں نے ان بنڈلوں

سو روپے کے نوٹ بھی رہنے دیئے تھے حالانکہ مجھے یہ نہ کرنا چاہئے تھا۔ بینک سے سو روپے کے نوٹ نمبر لکھے بغیر ایشو نہیں کئے جاتے۔ اگر جگدیش نے اس کے متعلق چھان بین شروع کر دی ہوتی تو بڑی مشکل آ پڑتی۔ میں نے پرسوں ہی بینک سے یہ روپے منگوائے تھے۔

امید ہے کہ میری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے وہ خود بینک نہ جائے گا۔"

"اگر یہی بات تھی تو پھر آپ نے وہ نوٹ اسے واپس کیوں کر دیا۔"

"گھبراؤ نہیں..... وہ پھر میرے پاس واپس آ جائے گا۔" فریدی نے کہا۔

"وہ کیسے.....؟"

"نہایت آسانی سے..... میں نے جو پروگرام اس وقت بنایا ہے اس پر عمل کئے بغیر کام چلے گا لیکن اس کے لئے خصوصاً تمہیں ہمت سے کام لینا پڑے گا۔"

"آپ پھر گول مول باتیں کرنے لگے۔"

"اچھا تو خیر سنو..... اب ہمیں متواتر کئی دنوں تک مختلف مقامات پر اپنی رات والی ت دہرانی پڑے گی۔"

"ارے واہ..... ارے واہ..... واہ.....!"

"بس نکل گئی جان.....!" فریدی نے کہا۔ "اس کا ذمہ میں لیتا ہوں کہ تم پکڑے نہ لو گے۔"

"میں کہتا ہوں آخر آپ کو ہو کیا گیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"بھئی تمہیں اس سے کیا بحث..... اگر میرا ساتھ دے سکتے ہو تو خیر، میں زبردستی مجبور نہ ال گا۔"

"میری جان عجیب مصیبت میں پڑ گئی۔" حمید بولا۔

"نہیں اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ اگر تم انکار کرنا چاہو تو بخوشی کر سکتے ہو۔ مجھے کا کوئی ملال نہ ہوگا۔"

"خیر جہاں آپ وہاں میں..... لیکن اتنا تو بتا دیجئے کہ آپ کے بیان کے مطابق جب

کل رات آپ کو کامیابی ہوگئی تو پھر اب ادھر اُدھر ہڑبونگ مچانے سے آپ کا کیا مقصد ہے؟"

"اب تم نے کی ہے قاعدے کی بات..... اچھا سنو..... اب یہ چیز ضروری ہوگئی ہے کہ کسی نہ کسی طرح وہ نوٹ جگدیش کے قبضہ سے نکالنا ہی ہے ورنہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہم لوگ کسی مشکل میں پھنس جائیں۔"

"لیکن اس طرح وہ نوٹ ہمیں کیسے مل سکے گا۔"

"جب ہم لوگ اسی طرح کی دو تین عجیب وغریب وارداتیں اور کر گذریں گے تو یہ کم خواہ مخواہ سول پولیس کے ہاتھ سے نکل کر ہم تک آئے گا۔ کیا یہ عجیب بات نہ ہوگی کہ دو ڈاکو مقصد لوگوں کے گھروں میں گھس گھس کر تجوریوں کا جائزہ لیتے پھرتے ہیں۔"

"سوچا تو آپ نے خوب ہے۔ لیکن.....!"

"دیکھو میاں صاف بات..... لیکن ویکن کا میں قائل نہیں۔ جو کچھ میں کرنے جارہا ہو اسکے متعلق میں نے پہلے ہی سے بہت کچھ سوچ رکھا ہے اور اب تو صرف ہمت کی بات ہے۔"

"خیر صاحب! جیسا بھی کچھ ہوگا دیکھا جائے گا لیکن اتنا تو آپ بھی سمجھتے ہوں گے شور وغل ہوجانے کے بعد بھاگ نکلنے والی ترکیب تو اب کام نہ دے گی کیونکہ اس وقت اس کی شہرت سارے شہر میں ہوگئی ہوگی۔ اس لئے اب لوگوں کو چکر نہ دیا جاسکے گا۔"

"یہ ضروری نہیں کہ میں وہی پرانی لکیر پیٹتا رہوں۔" فریدی نے کہا۔ "اول تو اب ہونے کے امکانات ہی نہ ہونے دوں گا اور اگر اتفاق سے ایسا ہو بھی گیا تو اسی وقت کوئی تدبیر کرلی جائے گی اور یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ میرا ذہن ہمیشہ خطرات میں پڑنے کے بعد تیزی سے کام شروع کردیتا ہے۔"

"بھلا اس حقیقت سے کس کافر کو انکار ہوسکتا ہے۔ لیکن.....!"

"پھر وہی لیکن.....!" فریدی نے جھلا کر کہا۔ "آخر تمہیں لیکن کا خبط کیوں ہوگیا۔ میں تو بار بار تم سے کہہ رہا ہوں کہ اگر تمہاری ہمت نہ پڑتی ہو تو صاف انکار کردو۔ میں اکیلا یہ کام کرلوں گا۔"

"آپ پھر غلط سمجھے ہیں۔ میں بہرحال آپ کے ساتھ ہوں گا چاہے آپ وہ کام غلط رہے ہوں یا صحیح۔ کہنا تو صرف اتنا ہے کہ جب قانون کے محافظ ہی قانون شکنی پر آمادہ جائیں تو پھر اوروں کا اللہ ہی مالک ہے۔"

اس بات کو میں شائد تم سے زیادہ سمجھتا ہوں۔ فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "لیکن تم پر اس کام کی اہمیت ظاہر ہوگی تو تم بھی قانون کے خلاف جرم کی مدد کرنے پر آمادہ جاؤ گے۔ لیکن میں ابھی تمہیں اس راز سے آگاہ نہیں کرسکتا۔"

شہر میں ہلچل

تین دن سے شہر کی پولیس بُری طرح پریشان تھی۔ سیٹھ اگروال کے واقعہ کے بعد سے تک اسی طرح کی دو اور وارداتیں ہوچکی تھیں، شہر کے مشہور دولت مندوں کی تجوریاں کھولی یں لیکن کوئی چیز غائب نہ ہو اور تجوریوں کو کھولنے والے صاف بچ کر نکل جائیں۔ اور یہ بھی ب بات تھی کہ یہ ساری کی ساری وارداتیں جگدیش کے ہی حلقہ میں ہو رہی تھیں۔ جگدیش کئی زیدی سے مل کر اس سے مدد کا خواہاں ہوا۔ مگر ہر بار اس نے دم دلاسہ دے کر رخصت لایا۔ آج بھی وہ دیر سے بیٹھا فریدی کا دماغ چاٹ رہا تھا۔

اب آپ ہی بتایئے کہ میں کیا کروں۔ بڑی بدنامی ہو رہی ہے میری۔" جگدیش نے کہا۔

"اچھا بھئی تم پریشان کیوں ہوتے ہو۔ آج میرا ارادہ ہے کہ رات میں تمہارے حلقہ کا ت کروں، مگر یہ بات کسی سے کہنا نہیں۔"

"ارے نہیں صاحب! کبھی زبان پر بھی نہ لاؤں گا۔ آپ کچھ کیجئے تو.....!" جگدیش نے ا "تو کیا آپ ہم لوگوں کے ساتھ گشت کیجئے گا۔"

"تم لوگوں کے ساتھ گشت کرنے سے کیا فائدہ..... تم لوگوں کا طریقہ اگر کارآمد ہوتا تو

اتنے دنوں تک خاک کیوں چھاننی پڑتی۔ میں تنہا گشت کروں گا۔ میں نے ان بھاگنے والو
نقشہ اپنے ذہن میں مرتب کرلیا ہے۔"

"تو اچھی بات ہے۔ میں اب مطمئن ہوگیا ہوں..... ممکن ہے رات میں کہیں آپ
ملاقات ہوجائے کیونکہ آج کل میں بھی رات بھر مارا مارا پھرتا ہوں۔" جگدیش نے کہا۔

"بات ہی ایسی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور یہ عجیب بات ہے کہ یہ ساری وارد
تمہارے ہی حلقہ میں ہو رہی ہیں۔"

"یہی تو بڑی حیرت کی بات ہے۔" جگدیش نے کہا۔ "نہ جانے ان دونوں کو مج
کیوں اتنی پرخاش ہوگئی ہے۔ کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ کہیں یہ ہمارے ہی محکمہ کے کسی آ
شرارت نہ ہو۔ کیونکہ میرا اتنا جلد ترقی کر جانا ہر ایک کو کھٹک رہا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ
میں سے کوئی میری بدنامی کے لئے کوشاں ہو۔"

"تم نے بات تو بہت معقول سوچی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "بہت ممکن ہے کہ یہی
ہو، میں بھی اس چیز کو عرصہ سے محسوس کر رہا ہوں کہ تمہارے بعض ساتھی تم سے بُری طر
لگے ہیں۔"

"جی ہاں یہی تو بات ہے اور یہی وجہ ہے کہ انکا ہاتھ لگنا کچھ دشوار سا معلوم ہو رہا
"فکر مت کرو.....! ہاتھ تو وہ اس طرح لگیں گے کہ بس دیکھتے ہی رہ جاؤ گے گ
بار پھر کہے دیتا ہوں کہ راز داری شرط ہے۔"

"ارے آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ میں کوئی بچہ تو ہوں نہیں کہ معاملات کو نہیں
آپ مطمئن رہئے کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے گی، اچھا تو اب میں اجازت چاہو
جگدیش کے چلے جانے کے بعد فریدی بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

"خوب بیوقوف بنا رہے ہیں آپ بیچارے کو.....!" حمید نے کہا۔

"بیوقوف نہیں بنا رہا ہوں بلکہ میں اُس کے لئے ترقی کے دروازے کھولنے کی
کر رہا ہوں۔"

"آپ کی باتیں آپ جانیں..... یا جانے خدا..... میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا۔"

"اپنی بساط کے مطابق کافی سمجھ لیتے ہو لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ میرے بعد تم ہی
میری جگہ لو گے۔"

"اچھا تو اب مجھے بھی گھسنا شروع کر دیا۔" حمید نے ہنس کر کہا۔

"خیر چھوڑو ان باتوں کو۔" فریدی نے کہا۔ "یہ بتاؤ آج کہاں ہاتھ مارا جائے گا۔"

"للہ اب پیچھا بھی چھوڑیئے۔"

"پیچھا تو اس وقت تک نہیں چھوٹ سکتا جب تک کہ یہ کیس میرے ہاتھ میں نہ آجائے۔"

"اس بار شاید ان گدھوں نے بھی قسم کھا رکھی ہے کہ معاملہ ہم تک نہ پہنچنے دیں گے۔"
حمید نے کہا۔

"کب تک..... کسی دن کوئی ایسی حرکت کر بیٹھوں گا کہ معاملہ خود بخود ٹہلتا ہوا ہم تک چلا
آئے گا۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"تو کیا کوئی نیا گل کھلانے کا ارادہ ہے۔"

"یقیناً..... اگر دو دن کے اندر اندر یہ کیس میرے سپرد نہیں ہوتا تو مجبوراً مجھے کلکٹر
صاحب کے بنگلہ میں بھی گھسنا پڑے گا۔"

"اس دن مجھے معاف ہی رکھئے گا۔" حمید جلدی سے بولا۔

"واہ بیٹا..... بڑے اچھے رہے۔ جب امتحان کا وقت آیا تو جان نکل گئی۔ تبھی تو دیکھی
جائے گی تمہاری بہادری۔"

"لاحول ولا قوۃ.....!" حمید نے کہا۔ "کتنی بار آپ کو یقین دلا چکا ہوں کہ میں انتہائی
بزدل ہوں مگر آپ کچھ سماعت نہیں کرتے۔"

"میں جانتا ہوں کہ تم مذاق کرتے ہو۔"

"جی نہیں..... آپ اس طرح مت جان لیا کیجئے۔ میں انتہائی بزدل واقع ہوا ہوں۔"

"اچھا بکواس بند، آج سیٹھ کرم چند کے یہاں..... کیا سمجھے۔"

"مار ڈالا.....!" حمید بوکھلا کر بولا۔ "آج یقیناً پکڑیں جائیں گے۔ ارے اس کی لاش تو کوتوالی کے قریب ہی ہے۔"

"ہوگی.....!" فریدی نے کہا۔ "اس سے کیا ہوتا ہے۔"

"اس سے کچھ ہوتا ہی نہیں..... ارے اس سے یہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات گولی لگ جانے کا خطرہ ہوتا ہے، پکڑ کر بند کر دیئے جانے کا احتمال رہتا ہے.....اور.....!"

"اچھا اچھا رہنے دیجئے.....آج میں اکیلے ہی جاؤں گا۔"

"خدا آپ کو ہمیشہ خوش رکھے.....!" حمید نے کہا۔

"اچھا تو کیا واقعی آپ اسے سچ سمجھے..... برخوردار اس پھیر میں نہ رہنا۔ تم تو کیا تمہاری مکھیاں بھی چلیں گی۔"

"آپ شوق سے میری مکھیوں کو اپنے ہمراہ لے جا سکتے ہیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ لیکن مجھے معاف ہی کر دیجئے تو زیادہ بہتر ہے۔"

"بہت اچھا..... دیکھا جائے گا۔" فریدی نے جھنجھلا کر کہا اور آنکھیں بند کر کے آرام کرسی پر لیٹ گیا۔

حمید بھی کچھ سوچ رہا تھا۔ دفعتاً وہ مسکرانے لگا اس کے چہرے پر شرارت کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔

"میرے خیال سے تو آج بھی وہیں چلنا چاہئے جہاں کل گئے تھے۔" حمید بولا۔

"یہ نیا خیال آپ کے ذہن میں کیسے پیدا ہوا۔" فریدی نے بدستور آنکھیں بند کئے ہوئے کہا۔

"وہ جو وہاں سو رہی تھی کیا چیز تھی.....خدا کی قسم.....!" حمید نے کہا۔

"اچھا جی.....!" فریدی نے آنکھیں کھول دیں۔

"کیوں.....کیا آپ کو پسند نہیں آئی۔"

"تو کیا میں وہاں اسی کو پسند کرنے گیا تھا۔"

"تو اور کیا.....اسطرح لوگوں کے گھروں میں گھستے پھرنے کا اور کیا مقصد ہو سکتا ہے۔"

"بہت خوب..... یہ نئی دریافت ہے۔ کیا کہنا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ چاہے جتنا بنائیں مجھے تو اب یقین آ گیا ہے کہ یہ آپ کی کچلی ہوئی جنسی زندگی ہی کی ایجاد ہے۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔

"دیکھو میاں حمید تم ابھی صاحب زادے ہو۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "تم اس طرح کی گفتگو کر کے مجھ سے میرا راز نہیں اگلوا سکتے۔ یہ ساری باتیں تمہیں اسی وقت معلوم ہو سکیں گی جب میں چاہوں گا۔"

حمید جھینپ کر خاموش ہو گیا۔

"اور اگر تم اس راز کو معلوم کرنے کے لئے اتنے ہی بے چین ہو تو پھر تمہیں وہی کرنا چاہئے جو میں کہوں۔"

"ارے صاحب تو میں نے انکار کب کیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"نہیں.....تم شائد سمجھنے لگے ہو کہ تمہارے بغیر میرا کام نہ چل سکے گا۔ تمہارا یہ خیال غلط ہے۔" فریدی نے کہا۔

"لیجئے.....آپ تو پھر ناراض ہو گئے۔ میں کب کہتا ہوں کہ میں آپکا ساتھ نہ دوں گا۔"

"اچھی بات ہے تو اسی بات پر اب تیاری شروع کر دو۔ اس وقت پانچ بجے ہیں۔ ٹھیک ایک بجے ہم لوگ یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ چھوٹی کار کے نمبر کی پلیٹ بدل دو اور ہاں اس کے اوپر دوسرا پالش تو ہو ہی گیا ہوگا۔"

"جی ہاں..... ہرے رنگ کا پالش کر دیا ہے۔"

"بہت خوب.....! نوکروں سے تو مدد نہیں لی تھی۔"

"آپ شائد مجھے نرا گھامڑ ہی سمجھتے ہیں۔"

"نرا تو نہیں.....البتہ کچھ ضرور سمجھتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "آؤ ذرا چل کر اسے دیکھ لیں۔"

فریدی اور حمید کمرے سے نکل کر گیراج کی طرف آئے۔ حمید نے گیراج کا تالا کھولا۔ یہ

گیراج ہمیشہ بند رہتا تھا۔ اس میں ایک چھوٹی سی کار تھی جسے فریدی مخصوص موقعوں پر استعمال کرتا تھا۔ اس کے بہت سے ملنے والوں کو بھی اس کا علم نہیں تھا کہ فریدی کے پاس دو کاریں ہیں۔ ملازمین میں سے صرف ڈرائیور کو اس کا علم تھا لیکن اسے بھی آج تک اس کار کو چلانے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ شہر میں ہونے والی وارداتوں کے سلسلہ میں آج کل فریدی اور حمید اسی کار کو استعمال کر رہے تھے۔ روزانہ اس کے اوپر ایک نیا رنگ پھیر دیا جایا کرتا تھا۔ یہ خدمت حمید کے سپرد تھی۔ وہ کسی نہ کسی طرح اسے الٹا سیدھا لیپ پوت کر رکھ دیا کرتا تھا۔

دونوں نے گیراج میں جا کر کار کا جائزہ لیا اور باہر نکل آئے۔

"ارے یہ اس وقت..... یہ محترمہ کہاں سے ٹپک پڑیں۔" فریدی نے پھاٹک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

حمید نے بھی پلٹ کر دیکھا، شہناز بیرونی پھاٹک سے اندر آ رہی تھی۔

"کیوں کیا آپ کو اس کا آنا گراں گزرتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"نہیں بھئی۔ اس وقت کی بات ہے، معلوم نہیں کتنی دیر تک بیٹھے، ساڑھے نو تو ہو ہی چکے ہیں۔" فریدی بولا۔

"خیر شکر ہے کہ آپ لوگ ملے تو.....!" شہناز قریب آ کر بولی۔ "میں کل بھی آئی تھی۔"

"کیا بتائیں آج کل ہم لوگ بہت بُری طرح مشغول رہتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"چلو اندر چلو۔"

وہ تینوں ڈرائینگ روم میں آ کر بیٹھ گئے۔

"میں اس لئے آئی ہوں کہ آج سہاگ رات کا آخری دن ہے۔"

"کیا مطلب.....؟" فریدی شرارت آمیز ہنسی کے ساتھ بولا۔

شہناز اپنے جملہ کی حماقت پر جھینپ گئی۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ کل پلازا میں دوسری فلم لگ جائے گی۔" شہناز جھینپے ہوئے انداز میں بولی۔

"اوہ تو یہ کہو کہ تم آج فلم سہاگ رات دیکھنا چاہتی ہو۔" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں.....!"

"تو جا کر دیکھ آؤ، اچھی فلم ہے۔"

"اکیلے دیکھ آؤں، کیا آپ لوگ نہ چلیں گے۔"

"نہیں بھائی..... ابھی دو تین دن تک ہم لوگ بہت زیادہ مشغول رہیں گے۔" فریدی ہنسا۔ "اچھا میں ابھی آتا ہوں۔"

فریدی باہر چلا گیا۔

شہناز اس طرح منہ پھلائے بیٹھی ہوئی تھی جیسے وہ حمید سے روٹھی ہوئی ہو۔

"کیوں کیا بات ہے، کیا مجھ سے ناراض ہو۔" حمید نے کہا۔

"میں کون ہوتی ہوں ناراض ہونیوالی، بھلا اپنے محسنوں سے کوئی ناراض بھی ہوتا ہے۔"

"پھر وہی بات، آخر تم مجھے اتنا ستاتی کیوں ہو۔"

"یہ لیجئے..... یہ دوسری رہی، میں ہوتی کون ہوں ستانے والی۔"

"آخر میں نے کیا کیا ہے جو اس طرح کی باتیں کر رہی ہو۔"

"میری باتیں اسی طرح بُری لگتی ہیں آپ کو، اچھا لیجئے چلی جاتی ہوں۔"

"ارے بھئی بیٹھو..... ارے میں نے کیا کہہ دیا جو اس طرح ناراض ہوتی ہو۔ ارے سنو تو سہی۔"

"نہیں صاحب..... میں واقعی بڑی بے حیا ہوں کہ خواہ مخواہ آپ کے پیچھے لگتی ہوں۔"

"خدا کے لئے بتاؤ تو سہی کہ میرا کیا قصور ہے۔ خواہ مخواہ اس طرح سے بگڑنے کی کیا بات ہے۔"

"میری تو ہر بات اسی طرح خواہ مخواہ کی ہوتی ہے۔"

"دیکھو میں اپنا سر پھوڑ لوں گا۔"

"نہیں ایسا کرنے کی ضرورت نہیں، میں انشاء اللہ کبھی آپ سے نہ ملوں گی۔"

"آخر کیوں.....؟"

"مجھے کیا پڑی ہے کہ خواہ مخواہ آپ سے باتیں کر کے آپ کا سر پھوڑ دا ڈالوں۔"

"خدا کی قسم میں ہار گیا، لو بولتا ہوں..... ککڑوں کوں، ککڑوں کوں، ککڑوں .....!"

"ارے ارے چپ رہئے۔ فریدی صاحب کیا کہیں گے۔" شہناز عجلت سے بولی۔

"نہیں صاحب..... میں تو بولوں گا..... ککڑوں کوں.....!"

"خدا کے لئے چپ رہئے، یہ آپ کیا کرنے لگے۔"

"فریدی صاحب پوچھیں گے تو کہہ دوں گا کہ تم اس وقت مجھ سے صرف مرغے کی بولی سننے کے لئے آئی تھیں.. ...ککڑوں کوں..... ککڑوں کوں.....!"

"خدا کے لئے چپ رہئے..... یہ آپ کیا کرنے لگے۔"

"اچھا وعدہ کرو کہ اب میٹھی میٹھی باتیں کرو گی۔ ورنہ میں یونہی چیخے جاؤں گا۔"

"اچھا بابا..... میں ہار گئی لیکن یہ بتایئے کہ آپ دو تین دن سے آئے کیوں نہیں، آ میرے ساتھ فلم دیکھنے کے لئے کیوں نہیں چلتے۔"

"ہاں یوں بات کرو، بات یہ ہے کہ آجکل ایک خاص مسئلہ درپیش ہے۔ شہر میں جو وارد ہو رہی ہیں انکے متعلق تو تم سن ہی چکی ہوگی، آج کل رات بھر ہم لوگوں کو گشت کرنا پڑتا ہے

"واقعی یہ وارداتیں عجیب ہیں، سارے شہر میں ہلچل مچی ہوئی ہے۔ میں نے تو آج اس قسم کی وارداتیں نہیں سنیں، سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ ڈاکو گھروں میں کیوں گھستے پھرتے جب کہ وہ وہاں سے کوئی چیز لے نہیں جاتے۔"

"یہی تو حیرت کی بات ہے.....!" حمید پلکیں جھپکاتے ہوئے بولا۔ "اس معاملہ فریدی صاحب جیسا مشاق جاسوس بھی حیران ہے۔"

"لوگوں کا خیال ہے کہ ڈاکوؤں کو کسی خاص چیز کی تلاش ہے۔" شہناز بولی۔

"ہم لوگ بھی یہی سوچ رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ یہ ڈاکو نہ تو کسی پر حملہ کرتے ہیں اور نہ اس سے

ہیں کہ کہیں وہ پکڑ نہ لئے جائیں، سیٹھ اگروال کے یہاں جب وہ گھسے تھے تو بہت سے نوٹ انٹ کر چلے گئے، عجیب و غریب لوگ ہیں۔"

"لوگ انہیں بُرا بھلا تو ضرور کہتے ہوں گے۔" حمید بولا۔

"نہیں یہ بات نہیں، لوگ تو ان کی دلیری کی تعریف کرتے ہیں۔"

یہ بھی عجیب بات ہے۔" حمید نے کہا۔ "اگر کبھی ہم لوگوں کے ہتھے چڑھ گئے تو ہم بے دریغ گولی چلا دیں گے۔"

"آخر یہ کیوں..... انہوں نے کسی کو کوئی نقصان تو پہنچایا نہیں۔"

"یہی کیا کم نقصان ہے کہ آج کل لوگ رات رات بھر سوتے نہیں۔" فریدی نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"اچھا ان لوگوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔" شہناز نے فریدی سے پوچھا۔

"یہی کہ وہ لوگ پولیس کو اس چکر میں ڈال کر کوئی بڑی واردات کرنا چاہتے ہیں۔" فریدی نے بتایا۔

"آپ کا خیال ٹھیک معلوم ہوتا ہے، بہت سے لوگوں کا یہی خیال ہے۔" شہناز نے تائید کی۔

"واقعی مجھے افسوس ہے کہ ہم لوگ تمہارے ساتھ فلم دیکھنے نہ جا سکیں گے۔" فریدی نے ذرا افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "خیر پھر سہی لیکن تم آج جا کر سہاگ رات دیکھ آؤ۔"

جھاڑیوں میں

رات تاریک تھی۔ فضا میں سیاہیاں اڑ رہی تھیں۔ وقت کا دیوتا شائد اس وقت کرہ زمہریر سے دنیا کی طرف جھانک رہا تھا۔ سردی ہڈیوں میں گھستی معلوم ہو رہی تھی۔ شاید اس وقت سونے والوں کے خواب تک منجمد ہو کر رہ گئے ہوں گے۔

گھنٹہ گھر نے دو بجائے اور سیٹھ کرم چند کے پائیں باغ کے پھاٹک کے سامنے ایک چھوٹی سی ہرے رنگ کی کار آ کر رکی۔ فریدی اور حمید سیاہ رنگ کے کپڑوں میں ملبوس نقابوں سے اپنے چہرے چھپائے اتر کر پھاٹک کے اندر داخل ہوئے۔ دفعتاً غراہٹ کی آواز سنائی دی اور ایک بڑا سا کتا ان پر جھپٹ پڑا۔ لیکن دوسرے ہی لمحہ فریدی کے سائیلنسر لگے ہوئے پستول کی دو گولیوں نے اسے ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا۔ کتے کی غراہٹ کی وجہ سے شائد کوٹھی کا چوکیدار اونگھتے اونگھتے چونک پڑا تھا۔

''ٹائیگر، ٹائیگر.....!'' اس نے کتے کو آواز دی۔

بھونکنے کی آواز نہ پا کر وہ کھانستا کھنکھارتا پھاٹک کی طرف بڑھا۔

''میرے خیال سے اب بھاگنا چاہئے۔'' حمید نے چپکے سے کہا۔

''ہشت.....میرے پیچھے آؤ۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا اور مالتی کی گھنی جھاڑیوں میں چھپ گیا۔ حمید اس کے پیچھے تھا۔

چوکیدار نے ٹارچ روشن کی اور ادھر اُدھر دیکھنا شروع کیا۔

''ارے یہ ٹائیگر کو کیا ہو گیا۔'' وہ خود ہی بڑبڑایا۔ ''ارے خون! اسے کس نے مارا۔'' اب وہ شاید کوٹھی کے ملازموں کے نام لے لے کر چیخ رہا تھا۔ پھر وہ چیختا ہوا کوٹھی کی طرف بھاگا۔

''اب بھی غنیمت ہے کہ نکل چلئے، ورنہ بڑی مصیبت میں پھنس جائیں گے۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔

''یہی تو بہترین موقع ہے گھر میں داخل ہونے کا۔'' فریدی نے کہا۔

''آج شاید پکڑے ہی جائیں گے۔'' حمید بولا۔

''بکومت.....!''

اتنے میں تاریک برآمدے کے سارے بلب روشن ہو گئے اور باغ میں کافی اجالا ہو گیا۔ کچھ لوگ دوڑ کر پھاٹک کے قریب آئے اور کتے کی لاش کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ اب ایک اچھا خاصا شور وغل شروع ہو گیا تھا۔ دفعتاً گشتی پولیس کی لاری پھاٹک کے سامنے آ کر رکی۔

''کیا بات ہے.....!'' لاری سے کسی نے اونچی آواز میں پوچھا۔

دو تین آدمی دوڑ کر لاری کے قریب گئے اور کچھ کہتے رہے۔

لاری سے آٹھ دس سپاہی اور ایک سب انسپکٹر اتر پڑے۔

سب انسپکٹر پھاٹک میں کھڑے ہو کر سپاہیوں سے بولا۔ ''وہ دیکھو وہاں کار کیسی کھڑی ہے۔ کیا یہ سیٹھ صاحب کی تو نہیں۔''

''جی نہیں سرکار.....ہماری سب گاڑیاں گیراج میں ہیں۔''

انسپکٹر نے ٹارچ کی روشنی میں کار کا جائزہ لینا شروع کیا۔

''مگر یہ تو ہرے رنگ کی ہے۔ ڈاکوؤں کی کار تو سیاہ رنگ کی سنی جاتی ہے۔ رحیم خان تم ذرا اس کا نمبر تو دیکھو۔''

''یہ جگدیش معلوم ہوتا ہے، بُرے پھنسے۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔

''خاموش رہو.....!'' فریدی بولا۔

جگدیش کتے کی لاش پر جھکا ہوا تھا۔

''ابھی ابھی کسی نے اس پر گولی چلائی ہے۔'' جگدیش نے پاس کھڑے ہوئے آدمیوں کی طرف مڑ کر کہا۔ ''تعجب ہے کہ تم لوگوں نے گولی چلنے کی آواز نہیں سنی۔''

''نہیں سرکار.....!'' چوکیدار بولا۔ ''میں یہیں برآمدے میں بیٹھا جاگ رہا تھا میں نے کتے کے غرانے کی آواز سنی تھی لیکن گولی کی آواز مجھے نہیں سنائی دی۔''

''داروغہ جی.....گاڑی کا نمبر وہ معلوم نہیں ہوتا.....!'' اس آدمی نے لوٹ کر کہا جو گاڑی کا نمبر دیکھنے گیا تھا۔

جگدیش نے کانسٹیبلوں کو باغ کے اندر بلا لیا۔

''ضرور کوئی نہ کوئی یہیں چھپا ہوا ہے۔ آؤ تلاش کریں اور تم رحیم خاں جا کر اس کار کی تلاشی کرو۔''

''یہ بہت بُرا ہوا.....!'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ''اچھا آؤ.....اب چہار دیواری کو

پھلانگنا کوئی مشکل کام نہیں۔ قبل اس کے کہ رحیم خان کار تک پہنچے ہمیں اس پر پہنچ جانا چاہئے۔"

چار دیواری مالتی کی باڑ سے بالکل ملی ہوئی تھی اور جھاڑیوں سے نیچی تھی۔ اس لئے دونوں بغیر کسی کی نظر پڑے ہوئے باہر نکل گئے۔

رحیم خاں کار کا دروازہ کھول کر اندر قدم رکھنا ہی چاہتا تھا کہ فریدی کا زوردار گھونسہ اس کی بائیں کنپٹی پر پڑا۔ رحیم خاں کے منہ سے چیخ نکل گئی اور وہ اچھل کر سڑک کے کنارے جا گرا۔ دوسرے لمحہ میں کار اسٹارٹ ہو چکی تھی۔ جگدیش وغیرہ رحیم خاں کی چیخ سن کر چونکے تھے کہ کار اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ وہ سب شور مچاتے ہوئے دوڑے مگر کار اتنی میں سینکڑوں گز آگے جا چکی تھی۔

"چلو چلو..... جلدی لاری میں بیٹھو۔" جگدیش چیختا ہوا لاری کی طرف جھپٹا۔ بدحواسی لوگوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ ان کا ایک ساتھی سڑک کے کنارے بیہوش پڑا ہے۔ پولیس لاری کار کا تعاقب کر رہی تھی۔

"دیکھا آپ نے..... میں نہ کہتا تھا۔" حمید نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"تم تو اچھے خاصے چغد ہو، یہ نہیں دیکھتے کہ مزہ کتنا آیا۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"گھبرائیے نہیں، ابھی اور آئے گا مزہ..... آج خدا ہی عزت رکھے تو معلوم ہو، پولیس کی لاری برابر پیچھا کئے جا رہی ہے۔"

"ڈرو نہیں بیٹا..... وہ لوگ ہماری گرد کو بھی نہ پا سکیں گے.....!" فریدی نے کہا۔

"دیکھتے نہیں کہ وہ ہم سے کسی قدر پیچھے ہیں۔ بس تم رفتار بڑھاتے رہو۔"

"اور جو ایکسیڈنٹ ہو جائے تو۔" حمید نے کہا۔

"اس کی پرواہ تم مت کرو۔ اس وقت ایکسیڈنٹ کا کوئی امکان نہیں اور پھر ہم تو جنگل کی طرف جا رہے ہیں۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم لوگ اسی طرح اندھا دھند بھاگتے رہیں گے اور وہ ہمارا پیچھا کرتے رہیں گے۔ جب ہماری گاڑی کا پٹرول ختم ہو جائے گا تو ہم دھر لئے جا

"حمید نے کہا۔

"کون جانے انہیں کی لاری کا پٹرول پہلے ختم ہو جائے۔" فریدی نے کہا۔

"اگر آپ اسی بھروسہ پر بیٹھے ہیں تب تو ہو چکا۔" حمید کی آواز میں بیزاری سی تھی۔

"اچھا ٹھہرو! میں اس لونڈے کو بیوقوف بناتا ہوں۔ اگلے موڑ پر کار آہستہ کر دینا میں اتر جاؤں گا اور پھر تم تیزی سے آگے بڑھ جانا۔"

"اس سے کیا ہوگا۔" حمید نے کہا۔

"میں پولیس کی لاری روک کر تمہیں نکل جانے کا موقع دوں گا۔ راستہ تو تم نے دیکھا ہی ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

حمید خاموش رہا۔

"رفتار دھیمی کرو.....!" فریدی نے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "لاری نظر نہیں آ رہی ہے جلدی کرو۔"

حمید نے کار کی رفتار دھیمی کر دی۔

فریدی آہستہ سے اتر گیا اور کار پھر فراٹے بھرنے لگی۔ فریدی سڑک کے کنارے اونچی نیچی جھاڑیوں کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ جیسے ہی پولیس کی لاری دکھائی دی اس نے اپنے رومال سے اسی طرف فائر کرنے شروع کر دیئے جدھر حمید کی کار گئی تھی۔

جگدیش نے فائروں کی آواز سن لاری رکوا دی۔ فریدی بدستور فائر کئے جا رہا تھا۔ پولیس والے اس کی طرف دوڑے، دفعتاً کسی نے جھاڑیوں کے پیچھے سے فریدی کو اندر کھینچ لیا۔ فریدی جھاڑیوں میں الجھ کر گر پڑا، ساتھ ہی دو تین آدمی اس پر ٹوٹ پڑے۔

"جگدیش جگدیش.....!" فریدی چیخا۔ "دوڑو..... ورنہ یہ۔" وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ کسی نے اس کا منہ دبا لیا۔

پولیس والے جھاڑیوں کے اندر گھس پڑے۔ جھاڑیوں میں عجیب قسم کا خلفشار برپا تھا۔ تاریکی میں ریوالوروں کی چنگاریاں چمکنے لگیں۔

پولیس پارٹی نے بھی فائروں کا جواب دینا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد مخالف سمت سے فائر ہونے بند ہو گئے۔ اب پولیس والے آہستہ آہستہ آگے کی طرف رینگ رہے تھے۔

دفعتاً موٹر اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ پولیس والے اٹھ کر سڑک کی طرف بھاگے۔ پولیس کی لاری اندھیری سڑک پر روشنی بکھیرتی ہوئی آگے کی طرف بھاگی جا رہی تھی۔

"لو یہ نئی مصیبت آئی۔" جگدیش جھلا کر ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ "کمبخت ہ زبردست چوٹ دے گئے۔ اب تم سب لوگ اپنی اپنی نوکریوں کو رو پیٹ لو..... لاری گئی۔"

"تو سرکار اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ کسی ایک کی ڈیوٹی موٹر پر لگا دی ہوتی۔" کانسٹیبل نے کہا۔

"ہاں ہاں اب مجھی پر تو سارا الزام آئے گا۔" جگدیش نے کہا۔ "مگر آخر فریدی صا کیا ہو گئے۔ میں نے ان کی آواز صاف پہچانی تھی، آؤ انہیں تلاش کریں۔"

"اور صاحب لاری کا کیا ہوگا۔" ایک کانسٹیبل بولا۔

"ہوگا کیا..... اور اب ہو ہی کیا سکتا ہے۔ تن بہ تقدیر بیٹھو، جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔"

وہ سب دوبارہ ٹارچوں کی روشنی میں جھاڑیوں میں گھس پڑے۔ قرب و جوار کا چپہ چپہ چھان مارا مگر کسی کا کوئی سراغ نہ ملا۔ جہاں فریدی کھڑا تھا وہاں انہیں ایک فلٹ ہیٹ زمین پر پڑی ہوئی ملی جس پر تازہ خون کے دھبے تھے۔ جگدیش الٹ پلٹ غور سے دیکھنے لگا۔

"چلو یہ ایک کام کی چیز ملی..... شاید اسی سے کوئی سراغ ملے۔" جگدیش نے کہا۔ "بڑی حیرت کی بات ہے کہ آخر فریدی صاحب کیا ہو گئے۔ میں نے انکی صاف آواز پہچانی تھی۔"

"حضور آپ کو دھوکا ہوا ہوگا.....!" ایک کانسٹیبل بولا۔

"ناممکن..... میرے کان مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکو انہیں لے گئے، معلوم نہیں بے چارے پر کیا افتاد پڑی۔"

"ہوگا سرکار..... مجھے تو لاری کی فکر کھائے جا رہی ہے۔ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے۔" کانسٹیبل نے کہا۔

"بھئی اب اس کا تذکرہ مت کرو۔ جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔ تم میں سے کسی سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ گولی چلا کر لاری کا ایک آدھ ٹائر ہی برسٹ کر دیتا۔" جگدیش نے کہا۔

حیرت

دوسرے دن صبح کوتوالی میں ایس پی کے کمرے میں چیف انسپکٹر سی آئی ڈی، سارجنٹ حمید، ایس پی اور انسپکٹر جگدیش بیٹھے تبادلہ خیال کر رہے تھے، میز پر وہی رات والی خون آلود فلٹ ہیٹ رکھی ہوئی تھی۔

"حمید تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ یہ فلٹ ہیٹ فریدی کی ہے۔" چیف انسپکٹر نے کہا۔

"ارے صاحب! مجھ سے زیادہ اسے کون پہچانے گا۔ دیکھئے اس کے اندر جو سانپ کا سر بنا ہوا ہے یہ فریدی صاحب نے میرے ہی سامنے فاؤنٹین پن سے بنایا تھا۔"

"آخر انہوں نے یہ بنایا ہی کیوں تھا۔" ایس۔ پی بولا۔

"یونہی بیٹھے باتیں کر رہے تھے فاؤنٹین پن ہاتھ میں تھا۔ ٹوپی گود میں رکھی تھی، باتیں کرتے جاتے تھے اور تصویر بناتے جاتے تھے۔"

"کیا بتاؤں.....!" چیف انسپکٹر نے کہا۔ "میں نے سینکڑوں بار سمجھایا کہ خواہ مخواہ ہر معاملے میں ٹانگ مت اڑایا کرو، مگر اسے تو جیسے خبط ہو گیا تھا۔ نچلا بیٹھنا تو جانتا ہی نہ تھا، معلوم نہیں کیا حشر ہو۔"

"ارے صاحب کیا بتاؤں ساری غلطی میری اپنی ہے۔ نہ میں ان سے دوستانہ طور پر مدد کا طالب ہوتا اور نہ وہ اس مصیبت میں مبتلا ہوتے۔" جگدیش نے گلوگیر آواز میں کہا۔

حمید کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

"اور صاحب ایسے ڈاکو تو آج تک میری نظروں سے نہیں گزرے۔" ایس پی بولا۔

"ابھی تک یہ سمجھ میں نہیں آسکا کہ آخر وہ چاہتے کیا ہیں۔ حیرت تو اس پر ہے کہ وہ لاری بھی یہاں چھوڑ گئے، بلا کے دلیر واقع ہوئے ہیں۔"

"اسی چیز نے تو فریدی کو نچلا نہ بیٹھنے دیا، بھلا اس سے اتنا صبر کہاں ہوسکتا تھا کہ وہ باقاعدہ طور پر یہ کیس اپنے ہاتھ میں آنے کا انتظار کرتا۔" چیف انسپکٹر نے کہا۔

"کچھ بھی ہو، مجھے تو بڑا دکھ ہو رہا ہے.....!" ایس پی بولا۔ "وہ سارے صوبہ میں تو کیا تمام ہندوستان میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ اگر خدانخواستہ اسے کچھ ہوگیا تو یہ سارے ہندوستان کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان ہوگا۔"

"اب میں کیا بتاؤں۔" چیف انسپکٹر نے کہا۔ "میرا تو داہنا بازو ٹوٹ گیا۔ یقین مانئے مجھے سچ بات کہنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں۔ میرے محکمہ کا بھرم اسی کے دم سے قائم تھا۔"

"اس میں کیا شک ہے۔" ایس پی بولا۔ "اچھا صاحب تو یہ کیس اب میں آپ کے محکمہ کے سپرد کرتا ہوں اب یہ ہمارے بس کا روگ نہیں رہا۔"

"خیر اب میں چلوں گا، میرا وقت میرا موڈ ٹھیک نہیں۔" چیف انسپکٹر اٹھتے ہوئے بولا۔ "آپ کیس کے سارے کاغذات سارجنٹ حمید کے حوالے کر دیجئے۔ بہت جلد تفتیش شروع کرادوں گا۔ یا بہت ممکن ہے کہ خود میں اس کیس کو اپنے ہاتھ میں لوں۔ کیونکہ فریدی کا اس طرح غائب ہوجانا میرے لئے بہت تکلیف دہ ہے۔"

چیف انسپکٹر کے چلے جانے کے بعد حمید نے کاغذات لئے اور دفتر جانے کی بجائے سیدھا گھر آیا۔ سب سے پہلے اسے وہ کام انجام دینا تھا جس کے لئے اتنی دردسری مول لی گئی تھی۔ سو روپے کا نوٹ انہی کاغذات میں نتھی تھا اس نے وہ نوٹ نکال کر اس کی جگہ دوسرا نوٹ نتھی کر دیا۔ لیکن اب زحمت یہ آپڑی تھی کہ نوٹ کا وہ نمبر کس طرح مٹایا جائے جو جگدیش نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا۔ حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر اس طرح چونکا جیسے اسے کچھ یاد آگیا ہو۔ وہ اٹھا اور فریدی کے عجائبات کے کمرے سے ایک شیشی نکال لایا، جس میں سنہلے رنگ کی کوئی سیال شے تھی۔ یہ ایک سیاہی اڑانے کا نادر و نایاب لوشن تھا، جسے فریدی نے ایک

نمبر 1
ی سیاح سے بنوایا تھا۔ لوشن لگاتے ہی نوٹ کا نمبر کاغذ سے اس طرح غائب ہوگیا جیسے وہاں
ی کچھ لکھا ہی نہ گیا تھا۔ کاغذ خشک ہوجانے کے بعد حمید نے اسی جگہ اپنے لگے ہوئے نوٹ
نمبر لکھ دیئے۔ اس کام سے فارغ ہوکر وہ آنکھیں بند کر کے آرام کرسی پر لیٹ گیا۔ اس کا
غ بالکل منجمد ہوکر رہ گیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اب کیا کرے، پتہ نہیں وہ لوگ
ی کو پکڑ لے گئے یا انہوں نے ان کو قتل کر ڈالا۔ فلٹ ہیٹ پر خون کے دھبے کوئی اچھا
ن نہیں۔ کبھی وہ سوچتا ممکن ہے کہ فریدی مصلحتاً غائب ہوگیا ہو۔ اس سے قبل بھی وہ کئی بار
ب ہوچکا تھا۔ مگر اس بار تو اس کی کچھ سمجھ میں نہ آیا تھا۔ آخر یہ لوگوں کے گھروں میں گھستے
ہا کیا معنی رکھتا ہے۔ وہ کونسی چیز ہے جسے فریدی سیٹھ اگروال کی تجوری سے نکال کر لایا تھا۔
ہ وہ چیز انتہائی حیرت انگیز ہوگی جس کی چوری پر اس کا مالک بھی منہ نہیں کھول سکتا۔ عجیب قسم
ورکھ دھندا تھا۔ آخر سیٹھ اگروال نے پولیس کو دھوکے میں کیوں رکھا ہے۔ جبکہ حقیقتاً کوئی
اس کی تجوری سے چرائی گئی ہے لیکن وہ پولیس کو بتاتا کیوں نہیں۔"

آفس کا وقت ہوگیا تھا۔ حمید نے کھانا کھا کر کپڑے بدلے اور کاغذات جیب میں رکھ کر
ں جانے کے لئے باہر نکلا۔ فریدی کی بڑی کار کئی دن سے خراب تھی۔ اس لئے آج کل بس
ھ کر آفس جانا پڑتا تھا۔ وہ چوراہے تک پیدل آیا اور انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد
آئی اور وہ اس پر بیٹھ گیا۔ بس میں بھیڑ بہت زیادہ تھی اس لئے اسے کھڑے رہنا پڑا۔

آفس پہنچ کر وہ سیدھا چیف انسپکٹر کے کمرے میں گیا۔ وہ کچھ لکھ رہا تھا۔ حمید کو دیکھ کر
ے کا اشارہ کر کے پھر لکھنے لگا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا بات ہے۔" چیف انسپکٹر قلم رکھ کر کرسی کی پشت سے ٹیک
ے ہوئے بولا۔

"کیا عرض کروں.....!" حمید نے کہا۔

"کیا تم اس سے پہلے سے واقف تھے کہ فریدی جگدیش کے کہنے پر اس کیس کی تفتیش
ا تھا۔" چیف انسپکٹر نے کہا۔

"جی نہیں..... میرے خیال سے تو انہوں نے اسے ٹالنے کے کچھ یونہی سے پیسے دیئے تھے۔"

مگر جگدیش تو کہتا ہے کہ فریدی نے اسے موقع واردات پر آواز دی تھی۔

"ممکن ہے ایسا ہی ہوا ہو لیکن یہ بات میرے علم میں نہیں۔"

"اچھا وہ کاغذات لائے ہو۔"

"جی ہاں.....!" حمید نے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ لیکن یک بیک اس کے چہرے پر مردنی چھا گئی۔ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ یکے بعد دیگرے وہ اپنی ساری جیبوں کی تلاشی لے رہا تھا۔ اس کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں ابھر آئیں۔

"کیوں کیا بات ہے۔" چیف انسپکٹر نے حیرت سے پوچھا۔

"مم..... مم..... معلوم..... ہوتا ہے کہ..... کسی نے جیب سے نکال لیا۔"

"کیا مطلب.....؟"

"جی ہاں! میں نے اسی جیب میں رکھے تھے۔"

"کمال کیا تم نے..... یہ جیب کبھی اس طرح کے کاموں میں استعمال ہوتی ہے میں تو کوئی بچہ بھی چیز نہایت آسانی سے نکال سکتا ہے۔"

"جی کیا بتاؤں..... مگر..... مگر.....!"

"اب مگر مگر کیا کر رہے ہو۔ جاؤ تلاش کرو.....!" چیف انسپکٹر تیز لہجہ میں بولا۔

حمید بوکھلا کر کمرے سے نکل آیا۔

وہ تیزی سے روڈ پر بس کے اگلے اسٹیشن کی طرف جا رہا تھا۔ راہ میں اس نے ایک ٹیکسی اور بس کی تلاش میں روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے چوراہے کے سپاہی سے اس بس کی تفصیلات پوچھیں اور ٹیکسی پھر چل پڑی۔ تھوڑے دیر میں اس نے بس کو جالیا۔ بس قریب قریب خالی ہو چکی تھی صرف دو چار مسافر رہ گئے تھے۔ حمید سیٹوں کے نیچے کاغذات تلاش کرنے لگا۔

"آپ کیا ڈھونڈ رہے ہیں۔" بس کنڈیکٹر نے پوچھا۔

"بھئی میری جیب میں کچھ کاغذات تھے جو غالباً اسی بس میں نکل گئے۔"

"کیا کوئی لفافہ تھا۔"

"جی ہاں..... سرخ رنگ کا بڑا لفافہ۔"

"یہ لیجئے.....!" بس کنڈیکٹر نے اپنے چمڑے کے تھیلے سے ایک لفافہ نکالتے ہوئے "ایک صاحب نے مجھے دیا تھا۔"

حمید نے سب سے پہلے کاغذات نکال کر دیکھے پھر یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ سب کاغذات موجود ہیں، اس نے بس کنڈیکٹر سے اس آدمی کے متعلق دریافت کیا جس نے اسے لفافہ دیا تھا۔

"اس کی شکل صورت تو مجھے یاد نہیں البتہ اتنا کہہ سکتا ہوں کہ کسی اچھی سوسائٹی کا آدمی تھا۔"

"اس نے کیا کہہ کر یہ لفافہ آپ کو دیا تھا۔"

"یہی کہ شاید کسی کا گر گیا ہے، آپ اسے احتیاطاً اپنے پاس رکھئے!" کنڈیکٹر نے کہا۔

خوفناک دھماکے

کاغذات لے کر آفس کی طرف لوٹتے ہوئے حمید سوچ رہا تھا کہ وہ چیف انسپکٹر سے بہانہ کر کے دراصل کاغذات گھر بھول آیا تھا۔ لیکن ایک نیا خیال اس کے ذہن میں آہستہ آہستہ روشنی کی طرف رینگنے لگا۔ نہیں وہ چیف انسپکٹر کو ٹھیک ٹھیک بتا دے گا کہ اسے یہ کاغذات بس کنڈیکٹر سے ملے اسی طرح وہ دوسرا نوٹ لگانے اور نمبروں کے غلط اندراج کے الزام سے بچ سکے گا۔ بہت ممکن ہے کہ کبھی یہ راز کھل ہی جائے تو وہ نہایت آسانی سے کہہ سکے گا کہ کسی نے کاغذات اسی لئے اس کی جیب سے نکالے تھے کہ نوٹ بدل دیا جائے، اس نئے خیال پر اس کا ملال بہت کچھ دور ہو گیا۔

آفس پہنچ کر اس نے کاغذات چیف انسپکٹر کے حوالہ کر دیئے اور خود اپنی میز پر آ بیٹھا۔ تھوڑی دیر بعد چیف انسپکٹر کے کمرے میں اس کی طلبی ہوئی۔

''کہو بھئی..... پھر تم نے اب کیا سوچا۔'' چیف انسپکٹر نے کہا۔

''کیا عرض کروں، میری تو عقل ہی جواب دے چکی ہے۔''

''بات ہی ایسی ہے۔'' چیف انسپکٹر نے کہا۔ ''میرے خیال سے تو چلو پہلے موقعہ واردات تک ہو آئیں اس کے بعد سیٹھ اگر وال کے یہاں چلیں گے۔''

''بہتر ہے.....!''

چیف انسپکٹر نے جگدیش کو فون کیا اور اس کا انتظار کرنے لگا۔ پندرہ بیس منٹ بعد جگدیش پہنچ گیا اور پھر تینوں موقعہ واردات کی طرف روانہ ہو گئے۔

''جی ہاں، کار رکوایئے..... بس یہی وہ مقام ہے۔'' جگدیش نے کہا۔

کار رکی اور تینوں جھاڑیوں کے قریب اتر پڑے، چیف انسپکٹر بہت غور سے زمین کا ایک ایک حصہ کا جائزہ لے رہا تھا۔

''ارے یہ جوتا کیسا.....!'' چیف انسپکٹر نے جھاڑیوں میں سے ایک جوتا نکالتے ہوئے کہا۔ حمید چونک پڑا۔

''یہ بھی فریدی صاحب کا ہے۔'' حمید نے بے ساختہ کہا۔

''عجیب معاملہ ہے۔ اس پر بھی خون کے دھبے ہیں، خدا خیر کرے۔'' چیف انسپکٹر پریشانی کے لہجہ میں کہا۔

''صاحب میرا خیال تو ہے کہ شاید وہ مصلحتاً غائب ہو گئے ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''جب وہ کوئی زیادہ خطرناک کام کرتے ہیں تو اسی طرح غائب ہو جاتے ہیں، خدا ہے کہ مجھے بھی اس کی اطلاع نہیں ہونے پاتی۔''

''خدا کرے ایسا ہی ہو۔'' چیف انسپکٹر نے کہا۔ ''میں اسے اپنے بیٹوں کی طرح رکھتا ہوں۔''

حمید نے جوتے کو ایک اخبار کے ٹکڑے میں لپیٹ کر کار میں رکھ دیا۔

''میرے خیال سے تو یہاں کسی قسم کا سراغ ملنا مشکل ہی ہے۔'' حمید نے کہا۔

''تو پھر اب کیا کیا جائے۔'' جگدیش بولا۔

''سیٹھ اگر وال اور وہ دوسرے لوگ جن کے یہاں وارداتیں ہو چکی ہیں ان سے ملنا ہے۔'' چیف انسپکٹر نے کہا۔

تینوں دن بھر ادھر اُدھر مارے مارے پھرتے رہے لیکن کوئی خاص بات نہ معلوم ہو سکی۔

اگر وال کی تجوری کا حمید نے خاص طور سے جائزہ لیا اس نے سیٹھ اگر وال سے بہت سے سوالات کئے۔

''کیوں سیٹھ صاحب ڈاکوؤں کے فرار ہونے کے بعد آپ نے اپنی تجوری اچھی طرح لگائی۔'' حمید نے پوچھا۔ ''تجوری آپ نے بند پائی تھی یا کھلی۔''

''کھلی.....!''

''لیکن کوئی چیز گئی نہیں تھی۔''

''جی نہیں۔''

''سخت حیرت کی بات ہے۔'' چیف نے کہا۔

''اچھا یہ بتایئے کہ ڈاکوؤں نے تجوری کی کنجی آپ سے حاصل کی تھی۔''

''جی نہیں۔''

''تالا توڑا تھا۔''

''یہ بھی نہیں۔''

''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے آپ کی تجوری کنجی سے کھولی تھی۔''

''اب اس کے متعلق میں کیا کہہ سکتا ہوں۔''

''بہت ممکن ہے۔'' حمید نے چیف انسپکٹر سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''ڈاکوؤں نے کوئی ایسی چیز پائی ہو جس کا اظہار خود سیٹھ صاحب کے لئے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔''

اگروال اس جملہ پر بوکھلا گیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اس کے چہرے کی ساری رونق چھین لی ہو۔

''یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔'' سیٹھ اگروال نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''کیا شہر میں جتنی وارداتیں ہوئی ہیں سب اسی قسم کی ہیں۔ شہر میں اور لوگ بھی تو ایسے ہیں جن کے ہاں ڈاکو گھسے، تجوریاں کھولیں اور جوں کی توں کھلی چھوڑ کر چلے گئے۔ ان میں سے کسی نے بھی نہیں کہا کہ ان کے یہاں سے کوئی چیز چوری ہوگئی ہے۔''

''یہ بات تو بالکل ٹھیک ہے۔'' چیف نے کہا۔

حمید دل ہی دل میں فریدی کی ذہانت کی داد دینے لگا۔

''شام کو تقریباً ساڑھے چھ بجے وہ گھر واپس آیا۔ اندھیرا پھیل چکا تھا، اسے یہ دیکھ کر نوکروں پر سخت غصہ آیا کہ انہوں نے ابھی تک برآمدے کی بجلی نہیں جلائی تھی۔ وہ جھلاتا ہوا برآمدے میں داخل ہوا۔ پہلا ہی پیر اندر رکھا تھا کہ دھماکے کی آواز سنائی دی، حمید اچھل کر ایک طرف ہوگیا۔ دوسرا پیر زمین پر پڑا تھا کہ بیک وقت دو دھماکے سنائی دیئے۔ حمید پھر اچھلا..... پھر دھماکہ ہوا..... جیسے جیسے وہ برآمدے میں اچھلتا پھر رہا تھا دھماکوں کی رفتار بڑھتی جارہی تھی۔ سارے نوکر بھاگ کر ادھر ہی چلے آئے تھے اور سب حیرت سے اسے اچھلتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ ہر دھماکے کے ساتھ حمید کے پیروں سے چنگاریاں نکلتی معلوم ہوتی تھیں، آخر کار وہ بوکھلا کر برآمدے کے نیچے کود آیا۔ سارے نوکر اس کے گرد اکٹھے ہوگئے۔

''ابے گدھو..... تم نے برآمدے کی بجلی کیوں نہیں جلائی۔'' وہ گرج کر بولا۔

''سرکار..... ابھی ابھی یہاں روشنی کر کے گیا ہوں!'' ایک نوکر نے سہمی ہوئی آواز میں بتایا۔

''اچھا چلو جا کر بجلی جلاؤ۔'' حمید نے کہا۔

وہ ڈرتے ڈرتے برآمدے میں گیا وہ سوئچ کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ اس کے پیروں کے نیچے دھماکہ ہوا اور وہ چیخ کر نیچے آیا۔

سارے نوکر گھبرا کر بھاگ کھڑے ہوئے، حمید چیختا ہی رہ گیا لیکن کسی نے پلٹ کر دیکھا

حمید ایک لمحہ تک کھڑا سوچتا رہا پھر جیب سے دیا سلائی نکال کر ایک تیلی جلائی اور اس روشنی میں برآمدے میں داخل ہوا۔

''ارے.....!'' اس کے منہ سے بے اختیار نکلا اور وہ اس طرح چلنے لگا جیسے کسی چیز کو بچا کر قدم رکھ رہا ہو، سوئچ بورڈ نزدیک ہی تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر بجلی جلادی، وہ حیرت سے برآمدے کے فرش کو گھور رہا تھا۔ فرش پر بے شمار چھوٹی چھوٹی گولیاں بکھری ہوئی تھیں۔ حمید نے ان میں سے کسی پر پیر رکھ دیا۔ پیر رکھتے ہی پھر دھماکہ ہوا۔ دفعتاً ایک خیال سرعت سے اس کے ذہن میں ٹکرایا، وہ دوڑتا ہوا اس کمرے کی طرف جارہا تھا جہاں تجوری رکھی ہوئی تھی۔ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا، اس کا دل دھڑکنے لگا۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ اس نے دیا سلائی جلائی تو تجوری کھلی ہوئی نظر آئی۔ دیا سلائی پھینک کر اس نے جلدی سے بجلی جلائی اور تجوری پر جھپٹا۔ اس کی دانست میں جتنی چیزیں پہلے تھیں اتنی ہی اب بھی موجود تھیں۔ وہ پریشانی میں ہاتھ مارنے لگا۔ دفعتاً اسے نوٹوں کے بنڈل پر ایک کاغذ رکھا ہوا نظر آیا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا جب صبح اس نے سرکاری کاغذات والا نوٹ بدلنے کے لئے تجوری کھولی تھی اس وقت یہ کاغذ وہاں موجود نہیں تھا۔ اس نے کاغذ اٹھالیا اس پر انگریزی میں ٹائپ کی ہوئی تحریر تھی۔

''جاسوس کے بچے

تیرے استاد نے مجھے بہت پریشان کیا ہے۔ اس وقت وہ میری قید میں ہے۔ جو چیز وہ اگروال کے یہاں سے اڑا کر لایا تھا میں لئے جارہا ہوں۔ اگر تم اپنے خیریت چاہتے ہو تو میرا تعاقب کرنے کی کوشش مت کرنا۔

میرے پیچھے لگنے کی سزا موت ہے۔''

حمید نے اس کاغذ کو احتیاط سے ایک طرف رکھ دیا اور تجوری کا ڈھکن بند کر کے تیزی سے باہر نکل گیا۔ ابھی وہ برآمدے ہی میں تھا کہ سڑک پر ایک کار اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ وہ بھاگ کر پھاٹک پر آیا، کار مغرب کی طرف تیزی سے چلی جارہی تھی۔ اندھیرے میں جھلاہٹ میں اپنے ہاتھ میں کاٹ لیا۔ فریدی کی کار بھی بگڑی پڑی تھی، چھوٹی کار

نکالنے کی ہمت نہ پڑی کیونکہ اس پر ابھی تک ہرا ہی رنگ چڑھا ہوا تھا۔ آخر بوکھلاہٹ میں
نے اسی طرف دوڑنا شروع کر دیا جدھر وہ کار گئی تھی۔ خوش قسمتی سے تھوڑی ہی دور پر ایک
ٹیکسی کھڑی ہوئی مل گئی۔ حمید دروازہ کھول کر اس میں بیٹھ گیا۔

''کہاں چلئے گا.....!'' ڈرائیور نے کہا۔

''ادھر کوئی چاکلیٹی رنگ کی کار گئی ہے۔''

''جی ہاں ابھی ابھی گذری ہے۔''

''اس کا پیچھا کرو۔''

ڈرائیور نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر ٹیکسی اسٹارٹ کر دی۔

تھوڑی دیر چلنے کے بعد ایک چاکلیٹی رنگ کی کار دکھائی دی۔ اس کی رفتار بتدریج
ہوتی جا رہی تھی۔ حمید نے بھی ٹیکسی کی رفتار فاصلہ کی مناسبت سے کم کرا دی۔ کار اچانک ایک
میں گھوم گئی۔ حمید کی ٹیکسی جیسے ہی گلی کے سامنے پہنچی اس نے چاکلیٹی رنگ کی کار سے
عجیب الخلقت آدمی کو اترتے دیکھا۔ حمید نے آگے بڑھ کر ٹیکسی کو رکوایا اور کرایہ دے کر اتر
گلی میں میونسپلٹی کی لالٹینوں کی دھندلی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ کار ابھی تک وہیں کھڑی
اور اس میں سے اترنے والا آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہوا آگے کی طرف جا رہا تھا۔ حمید
چھپاتا اس کا تعاقب کر رہا تھا اور ابھی مشکل سے سات بجے ہوں گے لیکن گلی بالکل سنسان
تھی۔ کار سے اترنے والا پُر پیچ گلیوں سے گذرتا ہوا نہ جانے کہاں جا رہا تھا۔ پھر دوسری سڑک
پر آ گیا، یہاں بجلی کے قمقموں کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اب حمید نے غور سے دیکھا، اتنی خوفناک
شکل آج تک اس کی نظروں سے نہ گذری تھی۔

بھیانک چہرہ

اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے سارے جسم میں سنسناہٹ دوڑ گئی ہو۔ نہ جانے
اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ واپس لوٹ جائے۔ ابھی وہ اسی تذبذب میں پڑا ہوا تھا کہ خود

آدمی ایک ہوٹل میں گھس گیا۔ حمید شش و پنج میں پڑ گیا کہ وہ اندر جائے یا نہ جائے۔ پھر دفعتاً
اسے اپنی اس کمزوری پر غصہ آنے لگا۔ یہ کیا حماقت ہے۔ آخر خوف کی کیا وجہ ہے اور پھر اس کا
پیشہ ہی ایسا ہے کہ کسی وقت بھی جان خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ حمید بھی ہوٹل میں داخل ہو گیا۔
شراب اور تمباکو کے دھوئیں کی ملی جلی بو سارے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں زیادہ تر متوسط
طبقہ کے اوباش لوگوں کا مجمع نظر آیا کرتا تھا شہر کے بدنام ہوٹلوں میں سے یہ بھی ایک تھا۔
یہاں آئے دن نت نئی وارداتیں ہوا کرتی تھیں۔ لیکن [illegible] پولیس نے اس کی
طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں۔

بات دراصل یہ تھی کہ اس کا مالک سنتوش ایک ذی اثر آدمی تھا۔ آئے دن بڑے بڑے
افسروں کی دعوتیں کیا کرتا تھا۔ اونچی سوسائٹی میں اسے کافی مقبولیت حاصل تھی۔ حمید ہوٹل کے
اندر چلا تو گیا لیکن اسے یہ سوچ کر الجھن ہونے لگی کہ وہ یہاں کرے گا کیا۔ کیونکہ یہاں آنے
والے زیادہ تر شرابی تھے۔ کوئی شریف آدمی مشکل ہی سے ادھر کا رخ کرتا تھا۔

حمید شراب نہیں پیتا تھا۔ لیکن اب تو آ ہی گیا تھا اور اسے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا۔ وہ ایک
خالی میز پر جا بیٹھا۔ بھیانک چہرے والا آدمی ٹھیک اس کے سامنے بیٹھے ہوا تھا۔ ایک بار اس کی
اور حمید کی نظریں مل گئیں۔ حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے جسم سے برقی تار مس کر دیا
ہو۔ اس کا چہرہ انتہائی خوفناک تھا۔ موٹی سی ناک درمیان میں دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ نتھنے
کافی چوڑے تھے جن کے گرد گھنی مونچھیں بہت زیادہ ڈراؤنی معلوم ہوتی تھیں۔ مونچھیں اتنی
گھنی تھیں کہ دہانہ صاف نہیں دکھائی دیتا تھا۔ سر پر بڑے بڑے گھنگھریالے بال تھے، گھنے
ابروؤں کے نیچے انگاروں کی طرح دہکتی ہوئی آنکھیں کسی تاریک قبرستان میں جلتے ہوئے
چراغوں سے کم خوفناک نہ تھیں۔ سانس لیتے وقت اس کے نتھنے پھولتے پچکتے ہوئے معلوم
ہوتے تھے۔ رخساروں پر کئی گہرے زخموں کے نشانات تھے۔ اس نے بیرے کو آواز دے کر
شراب منگوائی اور پوری بوتل اتنی جلدی ختم کر دی جیسے اس نے شراب کی بجائے پانی پیا ہو۔ اس
نے شراب اتنے بھونڈے پن کے ساتھ پی تھی کہ ابھی تک اس کی ٹھوڑی سے قطرے ٹپک

رہے تھے۔ اس نے انتہائی لاپروائی کے ساتھ ہاتھ سے منہ پونچھا اور کرسی سے ٹیک لگا کر اپنا بھدا سا پائپ سلگانے لگا۔ حمید سوچ رہا تھا۔

.....تو یہی حضرت تھے جنہوں نے فریدی کی تجوری کھولی تھی۔ انتہائی چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اس نے برآمدے میں اس لئے پٹاخے ڈال دیئے تھے کہ آنے والوں کی آہٹ مل سکے۔ بلا کا مکار معلوم ہوتا ہے۔ اب حمید اسی فکر میں تھا کہ اس سے وہ چیز کس طرح حاصل کی جائے جو اس نے فریدی کی تجوری سے نکال لی تھی۔ لیکن صبح تو اسے تجوری میں کوئی چیز نہیں دکھائی دی تھی۔ پھر آخر اس نے اس میں سے کیا نکالا۔

دفعتاً حمید چونک پڑا۔ ایک بیرا نہایت خاموشی سے اس کی میز کے قریب آ گیا تھا۔

''بیئر اور مٹن چاپ۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔ بیرا اسے کوئی اناڑی پینے والا سمجھ کر مسکراتا ہوا چلا گیا۔

چند لمحوں کے بعد وہ ایک کشتی میں گولڈن ایگل کی ایک بوتل اور کچھ مٹن چاپ لے کر واپس آیا۔ ''صاحب اگر کاک ٹیل پئیں تو لاؤں، ٹماٹر کی ہے، اور ابھی تیار ہوئی ہے۔'' بیرے نے میز پر کشتی رکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

''نہیں.....!'' حمید نے کہا اور بوتل اٹھا کر دیکھنے لگا۔ بیرے نے بوتل اس کے ہاتھ سے لے کر کاک نکالی اور میز پر رکھ کر گلاس آگے سرکا دیا۔

''کچھ اور صاحب.....!'' اس نے جھک کر مودبانہ کہا۔

''نہیں.....!'' حمید نے کہا اور گلاس میں بیئر انڈیلنے لگا۔ اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ اس نیلگھیوں سے اس خوفناک آدمی کی طرف دیکھا جو آنکھیں بند کئے کرسی پر نیم دراز تھا، حمید اپنا گلاس بھر کر اس میں ناچتے ہوئے بلبلوں کو بغور دیکھنے لگا۔ وہ آہستہ آہستہ مٹن چاپ کھانے لگا۔ گلاس جوں کا توں بھرا ہوا رکھا تھا۔ پینے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد بیرا پھر ادھر سے گذرا۔

''اے بیرا.....بل لاؤ۔'' حمید نے اسے روک کر کہا۔

''کیوں صاحب کیا قصور ہوا۔''

''نہیں بھائی.....اس میں قصور کی کیا بات ہے۔''

''ابھی تو آپ کی سب چیزیں رکھی ہوئی ہیں۔''

''تمہیں اس سے کیا۔''

''بہت بہتر حضور۔''

بیرا بل لے کر واپس آیا۔ حمید نے پلیٹ میں کچھ نوٹ رکھ دیئے۔ بیرا سلام کر کے چلا گیا۔ حمید نے سگریٹ سلگائی اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر منہ سے دھوئیں کے دائرے نکالنے کی کوشش کرنے لگا۔

بھیانک چہرے والا ایک بیک چونک کر کاؤنٹر کی طرف دیکھنے لگا جہاں ایک خوش پوش آدمی کھڑا بارمین سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ بھی اٹھ کر اس کی طرف چلا گیا۔ خوش پوش آدمی کے قریب کھڑے ہو کر اس نے گرجدار آواز میں کہا.....''بل.....!''

بارمین نے ایک بیرے کو آواز دی۔

''صاحب کا کتنا ہوا۔'' اس نے بیرے سے پوچھا۔

''ساڑھے بارہ.....!'' بیرے نے کہا۔

خوفناک چہرے والا دس دس کے دو نوٹ کاؤنٹر پر رکھ کر واپس ہونے کے لئے مڑا۔

''صاحب بقیہ روپے تو لیتے جایئے۔'' بارمین بولا۔

''بقیہ تمہارا بخشش.....!'' خوفناک چہرے والے نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

ابھی وہ ہوٹل کے باہر قدم نہ نکالنے پایا تھا کہ ایک قوی ہیکل آدمی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ خوفناک چہرے والے نے اسے اس طرح گھورا جیسے کچا کھا جائے گا۔ قوی ہیکل آدمی مسکرایا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر لاؤنج کی طرف جانے لگا۔ بھیانک چہرے والا نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ جا رہا تھا۔ حمید بھی اٹھ کر ان کے پیچھے چلا جب انہیں اندر داخل ہوئے پانچ منٹ گذر گئے تو وہ بھی لڑکھڑاتا اور ہچکیاں لیتا ہوا لاؤنج میں داخل ہو گیا۔ وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے

ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔ حمید نے ایک بھونڈا سا گانا گانا شروع کر دیا۔ قوی ہیکل آدمی نے آ کر اس کی گردن دبوچ لی۔

''کیوں ہلڑ مچاتا ہے۔'' اس نے کہا۔

''ہم گانا گاتی ہے بھائی، ہم تم کو بھی سنائے گی'' حمید نے ہچکی لی اور شرابی کا پارٹ ادا کرنا شروع کیا۔

''معلوم ہوتا ہے بہت چڑھ گئی ہے۔'' اس نے کہا۔

''کہاں چڑھ گئی ہے۔'' حمید نے نیچے سے اوپر تک اپنا جسم ٹٹولتے ہوئے کہا۔

''واہ بیٹا.....!'' قوی ہیکل آدمی بے اختیار ہنس پڑا اور حمید بے سدھ ہو کر ایک صوفے پر گر گیا، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ بالکل بے ہوش ہو گیا ہو۔ لیکن ہچکیاں بدستور جاری تھیں۔

قوی ہیکل آدمی پھر بھیانک چہرے والے کے پاس جا بیٹھا۔

''تم نے اس کا منی بیگ اڑایا تو بہت صفائی سے مگر استادوں کی نظروں سے کہاں چھپ سکتے ہو۔'' اس نے کہا۔

''اچھا جی.....!'' بھیانک چہرے والا بولا۔

''آدمی تاؤ باز معلوم ہوتے ہو۔''

''تو پھر.....!''

''نکالو.....آدھے آدھے کی رہی۔'' قوی ہیکل آدمی نے کہا۔

بھیانک چہرے والا ہنسنے لگا۔

''تو نہ جانے کیسی بات کر رہا ہے، تلاشی لے لے مرے یار، تجھے دھوکا ہوا ہے۔'' بھیانک چہرے والے نے کہا۔

دوسرے آدمی نے اچھی طرح اس کی جامہ تلاشی لی۔ وہ کھڑا مسکراتا رہا۔

''سچ مچ مجھے دھوکا ہوا۔'' اس نے بیٹھ کر شرمندگی کے لہجہ میں کہا۔

''اچھا اب دیکھ..... یہ رہا منی بیگ۔!'' بھیانک چہرے والے نے نہ جانے کہاں

منی بیگ نکال کر اس کے چہرے کے سامنے نچاتے ہوئے کہا۔

اچانک قوی ہیکل آدمی نے پستول نکال لیا۔

''خبردار..... منی بیگ میرے حوالے کر دو۔ میں جاسوس ہوں۔''

''ابے جا، تیرے جیسے بہت سے جاسوس دیکھے ہیں، ابھی ابھی ایک جاسوس کے پٹھے کو الو بنا کر آ رہا ہوں۔ ابے پہلے اپنی صورت تو دیکھ۔'' بھیانک چہرے والے نے اس کا پستول والا ہاتھ پکڑ کر اس کی کنپٹی پر اس زور کا گھونسہ رسید کیا کہ پستول اس کے ہاتھ میں آ گیا اور قوی ہیکل آدمی ایک تنکے کی طرح اچھل کر دور جا گرا۔ بھیانک چہرے والے نے قہقہہ لگایا، پھر وہ آہستہ آہستہ اسکی طرف بڑھا۔ قوی ہیکل آدمی ابھی تک چاروں شانے چت فرش پر پڑا ہوا تھا۔

''اٹھ میرے لال!'' بھیانک چہرے والا چمکارتا ہوا بولا۔ ''چل تجھے دودھ پلا لاؤں۔''

قوی ہیکل آدمی بھیگی بلی کی طرح چپ چاپ اٹھ بیٹھا۔

''میں نے ابھی تک یہ بھی نہیں دیکھا کہ اس میں ہے کتنا۔'' بھیانک چہرے والے نے منی بیگ کھولتے ہوئے کہا۔ ''چہ چہ.....صرف دو سو روپے..... کوئی غریب آدمی معلوم ہوتا ہے۔ بیچارے کا منی بیگ پھر اس کی جیب میں رکھ دینا چاہئے۔''

''کیوں.....واپس کیوں کرو گے۔'' قوی ہیکل آدمی بولا۔

''ابے میں کوئی معمولی چور اچکا یا گرہ کٹ نہیں ہوں۔ اتنی چھوٹی چھوٹی رقمیں تو میں محلہ کے لونڈوں کو بانٹ دیتا ہوں۔''

''یار تم تو بڑے کام کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ چلو تمہیں اپنے استاد سے ملاؤں۔''

''وہ بھی تیری ہی طرح لونڈا ہوگا۔''

''ہے تو لونڈا ہی، پر بڑا بھیانک ہے۔''

''ابے جا، کچھ تو ہے کچھ تیرا استاد ہوگا۔ اچھا چل.....اب اس کا روپیہ اس کی جیب میں ڈال دیں، ورنہ بیچارا مفت میں پریشان ہوگا۔''

''واقعی تم عجیب آدمی ہو۔''

''اچھا اب باتیں مت بناؤ۔'' اس نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ وہ دیوار کے قریب رک گیا اور اسے ایک ٹھوکر مارتے ہوئے بولا۔ ''دیکھ لیا میرا نمونہ، چیونٹی کی طرح مسل کر رکھ دوں گا۔'' کہہ کر وہ لاؤنج کے باہر چلا گیا۔ قوی ہیکل آدمی بھی اس کے ساتھ تھا۔

تنبیہہ

حمید تھوڑی دیر تک اسی طرح بے سدھ پڑا رہا۔ اس کا دل بڑی شدت سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے ایک اچھی خاصی حماقت کی تھی۔ تجوری میں اس نے جو تحریر پائی تھی اس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ تجوری کھولنے والا اسے اچھی طرح جانتا ہے۔ ایسی صورت میں اسے بغیر بھیس بدلے اس کے سامنے ہرگز نہ آنا چاہئے تھا۔

ایسی غیر معمولی قوت رکھنے والا آدمی آج تک اس کی نظروں سے نہ گذرا تھا۔ اس نے گھونسہ تھا یا بجلی کے کرنٹ کا دھچکا۔ جس نے اتنے لحیم شحیم آدمی کو اتنی دور اچھال دیا تھا۔ خود اس کی پنڈلی میں جہاں اس نے ٹھوکر ماری تھی اس طرح کا درد ہو رہا تھا جیسے ہڈی ٹوٹ گئی ہو۔ اس نے کئی بار اٹھنا چاہا لیکن ہمت نہ پڑی۔ خوف محسوس ہو رہا تھا کہ کہیں پھر اس سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے۔ آج سے قبل اس کے دل میں کبھی اتنی بزدلی کے خیالات نہ پیدا ہوئے تھے۔

تقریباً آدھ گھنٹے کے بعد وہ ہمت کر کے اٹھا، آہستہ آہستہ شرابیوں کی طرح لڑکھڑاتا باہر نکلا۔ پنڈلی کی چوٹ لنگڑانے پر مجبور کر رہی تھی۔ بہرحال اس وقت حمید کی حالت کسی پھو قسم کے شرابی کی سی ہو رہی تھی۔ وہ دونوں وہاں نہیں تھے۔ حمید سڑک پر آ گیا اور ٹیکسی کر کے گھ پہنچا۔ سب سے پہلے وہ تجوری والے کمرے میں گیا۔ ایک چیز ابھی تک اس کے ذہن میں خلش پیدا کئے ہوئے تھی اور وہ یہ کہ آخر تجوری میں سے کیا چیز غائب ہوئی۔

اس نے تجوری کا جائزہ لینا شروع کیا۔ نچلے خانے میں غور سے دیکھنے پر اسے ایک

ایک پتلی سی دراز نظر آئی۔ وہیں قریب ایک کیل ابھری ہوئی تھی جس کا وہاں پر موجود ہونا بظاہر کوئی معنی نہ رکھتا تھا۔ حمید اس پر ہلکی ہلکی انگلی پھیرنے لگا۔ بے خیالی میں شائد اس کیل پر دباؤ پڑ گیا۔ دفعتاً ایک کھٹکا ہوا اور وہ دراز پھیلنے لگی۔ یہ ایک پوشیدہ خانہ تھا۔ حمید نے اس میں ہاتھ ڈال دیا، وہ خالی تھا۔ حمید سوچنے لگا۔ ضرور اسی خانہ سے وہ کوئی چیز لے گیا ہے۔ فریدی نے آج تک اسے اس خانہ کے متعلق نہ بتایا تھا۔ حالانکہ تجوری کی چابی عموماً اسی کے پاس رہا کرتی تھی۔ حمید نے تجوری بند کر دی۔ اس کے بعد کمرے کو مقفل کر کے کھانے کے کمرے میں آیا۔

فریدی کے اچانک غائب ہو جانے کی وجہ سے سارے ملازم پریشان نظر آ رہے تھے۔ گھر پر ایک عجیب سا ماتمی سناٹا چھایا ہوا تھا۔ کبھی کبھی کتوں کے بھونکنے کی آوازیں کمپاؤنڈ میں گونج اٹھتی تھیں۔

حمید کھانا کھانے جا ہی رہا تھا کہ شہناز آ گئی۔

''کہئے حمید صاحب، خیریت تو ہے۔ یہ فریدی بھائی کا کیا معاملہ ہے۔ مجھے ابھی ابھی معلوم ہوا ہے۔'' شہناز نے پوچھا۔

''معاملہ اتنا مختصر نہیں کہ چند جملوں میں بتا سکوں۔ بیٹھو کھانا کھاؤ..... سب کچھ بتاتا ہوں۔'' حمید نے کہا۔

''کھانا کھا کر آئی ہوں۔'' شہناز نے کہا۔

''تھوڑا اور سہی۔''

''نہیں.....!''

''تمہاری خوشی۔''

''آپ تو ذرا ذرا سی بات پر منہ پھلا لیتے ہیں۔'' شہناز تنک کر بولی۔

''تم غلط سمجھیں..... میں ذرا بڑے نوالے کھانے کا عادی ہوں اسلئے منہ کا پھولنا یقینی ہے۔''

''تو آخر آپ اس طرح منہ بگاڑ کر کیوں باتیں کر رہے ہیں۔''

''کیا آج لڑنے کا ارادہ کر کے آئی ہو۔''

''لیجئے صاحب چلی جاتی ہوں۔'' شہناز اٹھتے ہوئے بولی۔

''ار.....ارے.....نہیں بھائی۔'' حمید نے اٹھ کر اس کا بازو پکڑلیا۔

''نہیں میں عرصہ سے دیکھ رہی ہوں کہ آپ کو میری صورت دیکھ کر کچھ جھنجھلاہٹ سی محسوس ہوتی ہے۔''

''تو میں نے کیا کہہ دیا بابا.....!'' حمید اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔

''کچھ نہیں.....آپ تو بڑے بھولے ہیں۔''

''نہیں.....میں اُلو کا پٹھا ہوں۔''

''کیوں اپنے منہ میاں مٹھو بن رہے ہو۔'' شہناز بے اختیار ہنستے ہوئے بولی۔

''خیر تمہیں ہنسی تو آئی۔'' حمید نے کہا۔

''کھانا کھا چکنے کے بعد حمید نے پوری داستان کہہ سنائی۔ لیکن اپنے اور فریدی کے ڈاکہ ڈالنے کے واقعات نہیں بتائے۔''

''میں کیا بتاؤں.....میں نے آج تک اتنا بھیانک چہرہ نہیں دیکھا۔'' حمید بولا۔

''کہیں وہ فریدی صاحب ہی نہ ہوں۔ کیا آپ کرنل پرکاش والا واقعہ بھول گئے۔'' شہناز نے کہا۔

''خیال تو مجھے بھی آیا تھا، لیکن یہ ناممکن ہے۔ فریدی صاحب بھیس ضرور بدل سکتے ہیں لیکن وہ اتنی طاقت کہاں سے لائیں گے۔ سوچ کر حیرت ہوتی ہے بھئی اس کا مدمقابل گھونسہ پڑتے ہی اس بُری طرح اچھلا تھا جیسے ربڑ کی گیند۔''

''واقعی تعجب کی بات ہے۔''

''اور تو اور یہ دیکھو.....!'' حمید نے اپنی پتلون کا ایک پائینچا سمیٹتے ہوئے کہا۔ ''ظالم۔ ایک ٹھوکر مجھے بھی رسید کی تھی۔ یہ دیکھو پنڈلی میں ورم آ گیا ہے۔''

''بھئی خدا کے لئے آپ اس کے پیچھے مت لگئے۔''

''جو کچھ ہوا میری حماقت سے ہوا۔ جب میں یہ جانتا تھا کہ وہ مجھے پہچانتا ہے تو مجھے

بدلے اس کے پیچھے جانا ہی نہیں چاہئے تھا۔''

''تو اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ اس کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔''

''ارادہ تو یہی ہے۔'' حمید نے ہکا۔

''آخر کیوں.....؟''

''اس لئے کہ فریدی صاحب کو اسی نے غائب کیا ہے۔''

''بھئی میرا دل تو کہتا ہے کہ وہ فریدی صاحب ہیں۔'' شہناز بولی۔

''یہ بھی ناممکن ہے.....!'' حمید نے کہا۔ ''مجھ سے زیادہ فریدی صاحب کو کون جانتا ہے۔ وہ اتنے طاقت ور ہرگز نہیں۔''

''اچھا خیر چھوڑیئے ان باتوں کو.....آپ کے اوپر تو ہر وقت سراغ رسانی کا بھوت سوار رہتا ہے۔'' شہناز بولی۔

''اچھا تو آؤ پیار کی باتیں کریں۔'' حمید نے کہا۔

''اچھا بس بس رہنے دیجئے۔'' شہناز نے کھسیانی ہنسی کیساتھ کہا۔ ''میں نے یہ کب کہا تھا۔''

''تم کہو یا نہ کہو، ہر عورت مرد سے ہر وقت صرف اپنے متعلق کچھ سننا چاہتی ہے۔'' حمید نے کہا۔

''آخر آپ اتنے فلسفی کیوں ہو گئے ہیں۔'' شہناز بولی۔

''فریدی کی صحبت نے مجھے نہ جانے کیا کیا بنا دیا ہے۔''

''اچھا چھوڑیئے ان باتوں کو۔'' شہناز بولی۔ ''آخر فریدی صاحب شادی کیوں نہیں کرتے۔''

''انہیں عورت سے زیادہ اپنا فن عزیز ہے۔ یہ کچھ فریدی ہی پر منحصر نہیں، ہر فنکار شادی سے گھبراتا ہے۔ وہ عورتوں سے دوستی تو کر سکتا ہے لیکن مستقل طور پر کسی عورت کا پابند ہونا پسند نہیں کرتا۔''

''آخر اس کی وجہ.....!'' شہناز بولی۔

''بھئی آٹے دال کا چکر.....اور کیا۔'' حمید نے زنانہ لہجہ میں کہنا شروع کیا۔ ''آج

ساری نہیں ہے۔ کل بلاؤز کم ہوگئے۔ یہ لپ اسٹک اچھی نہیں۔ میں تو کٹی کیورا پاؤڈر [illegible] کروں گی، ننھے میاں کے جوتے پھٹ گئے۔ منے میاں کو زکام ہوگیا۔ منی کو چھینکیں آرہی ہیں۔"

شہناز ہنسنے لگی۔

"غالباً آپ کو بھی اپنا فن بہت زیادہ عزیز ہوگا۔" شہناز بولی۔

"مجھے..... نہیں تو، میں اس محکمہ میں فن کے لئے جھک نہیں مار رہا ہوں۔ اس [illegible] نما قنتیں فریدی جیسے لوگ ہی کرتے ہیں۔"

"پھر آخر آپ کس لئے اس محکمہ میں آئے ہیں۔"

"عورت کے لئے.....!" حمید نے کہا۔

"کیا مطلب۔" شہناز تیز لہجہ میں بولی۔

"کوئی خاص مطلب نہیں۔ کسی بیکار آدمی کو تو کوئی اپنی بیٹی دیتا نہیں۔"

"اوہ.....!"

"اور تم کیا سمجھی تھیں۔"

"کچھ نہیں۔"

"خیر..... بہرحال..... ہاں تو پھر میں اپنی شادی کب کر رہا ہوں۔"

"میں کیا جانوں۔"

"ارے تو کیا تم میرے ساتھ شادی نہ کروگی۔"

"دیکھئے فضول باتیں نہ کیا کیجئے۔ اگر میرا بیٹھنا ناگوار ہو تو صاف صاف کہہ دیجئے"

"اچھا جی..... یہ باتیں فضول کب سے ہوگئیں۔"

"جب سے آپ نے اپنا رویہ بدل دیا۔"

"کیا تمہیں کوئی میرے خلاف بہکایا کرتا ہے۔"

"ہاں.....!"

"کون ہے وہ اُلو کا پٹھا۔"

"میرا دل۔"

"تب تو وہ آدمی کا پٹھا ہے.....!" حمید نے جلدی سے کہا۔ "آخر کیوں۔"

"اس لئے کہ آپ مجھ سے کافی کھنچے کھنچے رہتے ہیں۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک نوکر ہاتھ میں ایک لفافہ لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

"ابھی ابھی ایک آدمی دے گیا ہے۔" نوکر نے لفافہ حمید کو دیتے ہوئے کہا۔

لفافے پر اس کا نام لکھا ہوا تھا۔ حمید نے خط جو انگریزی میں ٹائپ کیا ہوا تھا لفافے سے [illegible] کر پڑھنا شروع کیا۔

"میں دوسری مرتبہ تمہیں متنبہ کر رہا ہوں کہ میرے پیچھے مت لگو، ورنہ انجام کے ذمہ دار [illegible] ہوگے۔ تم مجھے گرفتار نہیں کر سکتے۔ کیونکہ میرے خلاف تمہارے پاس کسی قسم کا کوئی ثبوت [illegible]۔ تمہارے استاد بخیریت ہیں، میرا جو مقصد تھا حل ہوگیا۔ مجھے تم سے یا ان سے کوئی دشمنی [illegible]۔ میں انہیں جلد چھوڑ دوں گا۔ انہیں میرے خلاف کوئی شکایت نہیں۔ اگر میں انہیں اس [illegible] غائب نہ کر دیتا تو وہ حضرت قتل کر دیئے جاتے۔ تم دونوں کے کرتوت سے میں اچھی طرح [illegible] ہوں۔ تمہارے استاد کا قاتل وہی تھا جس نے سیٹھ اگروال پر گولی چلائی تھی۔ وہ آج [illegible] ریڈی کی تلاش میں ہے۔ اگر تم میں تھوڑی سی بھی عقل ہو تو اب میرا پیچھا مت کرنا۔ میں [illegible] ماسٹر نہیں ہوں اس سے زیادہ مجھے اب کچھ نہیں کہنا۔"

حمید نے خط پڑھ کر شہناز کی طرف بڑھا دیا۔ خط پڑھتے ہی شہناز کے چہرے پر [illegible] الجھن کے آثار پیدا ہوگئے۔

"تو پھر اب آپ کا کیا ارادہ ہے۔" شہناز بولی۔

"ارے ایسے ایسے بہت دیکھے ہیں۔ شیر طاقت سے مارتا ہے اور گیدڑ مکاری سے۔ ایسا [illegible] بیٹا کو کہ عمر بھر یاد کریں۔"

"تو آپ اس کا پیچھا کریں گے۔"

"یقیناً.....!"

"اور میرا کہنا بھی نہ مانیں گے۔"

"بس اسی لئے تو فریدی صاحب شادی نہیں کرتے۔ عورت مرد کی سب سے کمزوری ہے۔"

"خیر..... جو آپ کا دل چاہے کہئے۔" شہناز نے سنجیدہ ہو کر کہا۔ "اگر آپ نے کہنا نہ مانا تو اچھا نہ ہوگا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی اس سے ملی ہوئی ہو۔"

"دیکھئے مذاق میں مت ٹالئے۔" شہناز نے کہا۔ "اب مجھے بھی زبردستی کرنی پڑے گی۔"

"وہ زبردستی کس قسم کی ہوگی۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"وہ بھی دیکھ لیجئے گا۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نہیں چاہتیں کہ میری جان خطرے میں پڑے۔"

سر ہلا دیا۔

"آخر کیوں.....؟"

"بس یونہی.....!"

"کوئی وجہ.....!"

"نہیں بتاتی وجہ۔"

"تو ہم بھی نہیں باز آتے۔"

"اگر نہیں باز آتے تو میں زہر کھالوں گی۔"

"تو کیا واقعی تم مجھے اتنا ہی چاہتی ہو۔"

"یہ میں نے کب کہا ہے۔"

"خیر تم اپنی زبان سے کبھی نہ کہو گی۔"

شہناز کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

"اوہ..... گیارہ بج گئے۔" شہناز نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اب چلنا چا

"وہ تو ٹھیک ہے، مگر کیا پیدل جاؤ گی۔ اب اس وقت شائد قریب کوئی سواری بھی نہ مل

زیدی صاحب کی کار بگڑی پڑی ہے۔ کل اسے ورکشاپ بھجوا دوں گا۔"

"تو کیا ہوا.....!" شہناز نے کہا۔ "ٹہلتی ہوئی چلی جاؤں گی۔"

"میں اسے ٹھیک نہیں سمجھتا۔ چلو میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔"

"نیکی اور پوچھ پوچھ!" شہناز نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "تو کیا اسی طرح چلئے گا۔ جی نہیں

ہیں لیجئے بہت سردی ہے۔"

"اچھا بھئی۔"

دونوں آہستہ آہستہ بیلی روڈ کی طرف چل دیئے۔ سڑک پر بالکل سناٹا تھا۔ تھوڑی ہی دور

دل گے کہ پیچھے سے ایک ٹیکسی آ گئی۔ حمید نے آواز دے کر اسے رکوا دیا۔

"واقعی تم بڑی خوش قسمت ہو کہ اس وقت ٹیکسی مل گئی۔"

"بیلی روڈ!" شہناز نے ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے کہا اور پھر کھڑکی سے سر نکال کر بولی۔

ئے جو کچھ میں نے کہا اس کے خلاف نہ ہونے پائے۔"

"اچھا.....!" حمید نے کہا۔ "شب بخیر۔"

"شب بخیر۔"

ٹیکسی چل پڑی۔ بیلی روڈ پر پہنچ کر ڈرائیور نے پوچھا "کدھر.....!"

"پندرہ سو تیس.....!" شہناز نے بتایا۔

ٹیکسی شہناز کے مکان کے سامنے رک گئی۔ ڈرائیور نے اتر کر دروازہ کھولا اور شہناز

ے باہر آئی۔

"یہ لو.....!" شہناز نے پرس سے ایک نوٹ نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔

"میں کرایہ نہیں لیتا۔"

شہناز چونک پڑی۔ اس نے نیچے سے اوپر تک اسے دیکھا۔ یہ ایک لمبا تڑنگا آدمی تھا۔

نے اپنے السٹر کے کالر کان کے اوپر تک کھڑے کر رکھے تھے اور نائٹ کیپ چہرے پر جھکا

رکھی تھی۔

''میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی۔'' شہناز نے اسے گھورتے ہوئے تیز لہجہ میں کہا۔

''میری اجرت صرف اتنی ہے کہ آپ سارجنٹ حمید کو میرا پیچھا کرنے سے کسی طرح روک دیجئے، ورنہ مفت میں اس کی جان جائے گی۔''

''تو کیا آپ..... تو کیا آپ.....!'' شہناز نے لرزتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں..... میں وہی ہوں جس کا تذکرہ آپ سے سارجنٹ حمید نے کیا تھا۔'' وہ بولا۔ ''مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میں بلاوجہ کسی کو پریشان نہیں کرتا۔ لیکن اپنے راستہ میں آئے ہوئے آدمیوں کو معاف کر دینا میرے بس سے باہر ہوتا ہے۔ اچھا اب جائیے۔ حمید کو اچھی طرح سمجھا دیجئے گا..... شب بخیر۔''

اس نے کار اسٹارٹ کر دی۔ شہناز متحیر کھڑی تیزی سے دوڑتی ہوئی کار کو دیکھ رہی تھی۔

کچھ نئی باتیں

دوسرے دن حمید ذرا دیر سے آفس پہنچا۔ ابھی وہ بیٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ چیف انسپکٹر کی یہاں طلبی ہو گئی۔

''آج تم دیر میں آئے۔''

''جی ہاں دیر ہو گئی بات یہ ہے کہ کل کافی رات گئے تک ایک مشتبہ آدمی کے پیچھے رہا۔''

''کس کیس کے سلسلہ میں۔''

''انہیں عجیب و غریب ڈاکوؤں کے کیس کے سلسلہ میں؟''

''میرے خیال سے تو ابھی میں نے یہ کیس کسی کے سپرد نہیں کیا۔''

''کیا عرض کروں۔ فریدی صاحب کا اس طرح غائب ہو جانا میرے لئے بہت

ہ ہے۔''

''اور کہیں تمہارا بھی غائب ہو جانا ہم سب کے لئے تکلیف دہ نہ ہو جائے۔'' چیف انسپکٹر بولا۔ ''تم لوگوں کا اس طرح بغیر کچھ کہے سنے کوئی کام شروع کر دینا مجھے قطعی ناپسند ہے اور ی کو تو جیسے اس کا خبط ہو گیا ہے..... خیر یہ دیکھئے۔''

چیف نے ایک کاغذ حمید کی طرف بڑھا دیا جس کے اوپر کسی کی انگلیوں کے نشانات

یا تم نہیں پہچان سکتے ہو۔ چیف نے پوچھا۔

حمید تھوڑی دیر تک ان نشانات کو دیکھتا رہا پھر نفی میں سر ہلا کر چیف کی طرف سوالیہ ں سے دیکھنے لگا۔

چیف نے گھنٹی بجائی۔ ایک سارجنٹ کمرے میں داخل ہوا۔

''الف دو سو سات۔''

سارجنٹ چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ایک چمڑے کا تھیلا لا کر میز پر رکھا۔ چیف نے کھول کر میز پر الٹ دیا۔ بہت سے کاغذات میز پر بکھر گئے اس نے ان میں سے ایک کاغذ اس پر انگلیوں کے نشانات تھے۔ اس نے وہ کاغذ بھی حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ وں کو ملاؤ۔''

''دونوں ایک ہی آدمی کی انگلیوں کے نشانات معلوم ہوتے ہیں۔'' حمید نے غور کرتے ے جواب دیا۔

''جانتے ہو کس کی انگلیوں کے نشانات ہیں۔'' چیف نے کہا۔

حمید کا دل شدت سے دھڑکنے لگا۔ منہ فق ہو گیا۔ وہ سوچنے لگا کہیں یہ نشانات تجوری پر نہ تو نہیں حاصل کئے گئے؟ اگر ایسا ہے تو بُرے پھنسے، اس نے چیف کے چہرے کو بغور یکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے دماغ پر گھونسہ رسید کر دیا۔ نا اس کے چہرے کی بدلتی ہوئی رنگت دیکھ کر بولا۔

''گھبراؤ نہیں..... سب خیریت ہے۔ فریدی زندہ ہے۔'' چیف نے کہا۔

''خدا کرے ایسا ہی ہو۔''

''دیکھو فریدی کی عرضی ایک ماہ کے لئے رخصت کے لئے آئی ہے۔'' چیف نے ا
کاغذ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''یہ نشانات میں نے اس غرض سے حاصل کئے ہ
عرضی چونکہ ٹائپ کی ہوئی ہے اور اس پر فریدی کے دستخط بھی نہیں ہیں اس لئے مجھے خیال
ہوا کہ شاید یہ بھی بدمعاشوں کی کوئی چال ہے۔ اس لئے اس پر انگلیوں کے نشانات دیکھ
ضرورت پیش آئی۔ میرا خیال ہے کہ فریدی پوشیدہ طور پر تفتیش کر رہا ہے اور یہ معاملہ ہی
ہے کہ وہ پتہ لگائے بغیر نچلا نہیں بیٹھ سکتا۔''

حمید کے ذہن میں وہ بھیانک چہرہ ناچنے لگا۔ وہ سوچنے لگا کہ یہ بھی اس کی چال
ہوتی ہے۔ ورنہ فریدی صاحب تو غائب ہونے کے بعد اپنی پرچھائیں تک سے بھڑکتے
ایسی صورت میں ان کا باہر سے چھٹی کی درخوست دے کر جتانا کہ میں یہاں موجود ہوں
معنی نہیں رکھتا۔ عرضی میں یہ بھی نہیں لکھا تھا کہ وہ بھیجی کہاں سے گئی ہے۔ اگر خود فر
صاحب کا ارادہ روپوشی کا ہوتا تو وہ کبھی چھٹی کی درخواست نہ دیتے کیونکہ انہوں نے ایسا
نہیں کیا تھا۔

''بہرحال حالات ناسازگار ہیں۔'' چیف نے کہا۔

''جی ہاں.....!''

''اچھا کل رات تم پیچھا کس کا کر رہے تھے۔''

''ایک بہت ہی بھیانک آدمی کا جسے میں نے ناولٹی میں دیکھا تھا۔''

''ناولٹی.....وہی جس کا مالک سنتوش ہے۔''

''جی ہاں.....!''

''اس پر تو عرصہ سے ہم لوگوں کی نظریں ہیں لیکن کبھی ایسا بہانہ ہاتھ نہیں آتا کہ ا
قلع قمع کیا جاسکے۔ وہ عیاشی کا ایک کھلا ہوا اڈہ ہے۔ لیکن کوئی ایسا ثبوت نہیں ملتا جس کی
کوئی کاروائی کی جاسکے۔''

''دراصل یہی چیز مجھے وہاں لے گئی تھی۔ مجھے شبہ ہے کہ اس ہوٹل میں عیاشی سے بھی
زیادہ بھیانک کوئی کام ہوتا ہے میرے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں لیکن میرا دل کہتا ہے کہ ان
وارداتوں کے سلسلے میں اس ہوٹل کا بھی کوئی نہ کوئی حصہ ضرور ہے۔'' حمید نے کہا۔

''ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ فریدی کے غائب ہوتے ہی اچانک یہ وارداتیں
ہونی کیوں رک گئیں۔ جب کہ متواتر یہ سلسلہ جاری تھا۔'' چیف نے کہا۔

حمید پھر بوکھلا گیا۔

''میرے خیال سے تو اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے۔ فریدی کے غائب ہوتے ہی
معاملہ خفیہ پولیس کے سپرد کر دیا گیا ہے۔''

''اچھا ایک اور چیز میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔'' چیف نے کہا ''کہ آخر فریدی کی عرضی پر
اس کے دستخط کیوں نہیں ہیں۔ ایک جاہل سے جاہل آدمی بھی یہ جانتا ہے کہ ٹائپ کی ہوئی بغیر
دستخط کی عرضیاں منظور نہیں ہوا کرتیں۔ میرا خیال ہے کہ اس عرضی کے سلسلہ میں اس کے ساتھ
کوئی زبردستی کی گئی ہے۔ فریدی نے عملاً اس پر دستخط نہیں کئے تاکہ ہماری توجہ خاص طور پر اس
کی جانب مبذول ہو۔ میرا دل کہتا ہے کہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہے۔''

''یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔'' حمید نے کہا۔

''صرف سوچنے سے کام نہ چلے گا۔ ہمیں اس کے لئے کچھ کرنا چاہئے۔ ابھی تک جو کچھ
بھی ہوا ہے میں اس سے مطمئن نہیں ہوں اور یہ طریقہ اختیار کر کے ہم آگے بڑھ ہی نہیں
سکتے۔ ابھی تک اس سلسلہ میں صرف اتنا ہی معلوم ہوا ہے کہ واردات والی رات کو پولیس کی وہ
لاری اسٹیشن کے پھاٹک پر دیکھی گئی تھی جسے ڈاکو اڑا لے گئے تھے جو شخص اس لاری کو چلا رہا تھا
اس کے متعلق سننے میں آیا ہے کہ وہ اس تصویر سے بہت ملتا جلتا ہے۔'' چیف نے میز کی دراز
سے ایک تصویر نکال کر حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''ارے یہ تو وہی ہے۔'' حمید کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

''کون.....!''

''رات جس کا میں پیچھا کر رہا تھا۔''

''بہت اچھے۔'' چیف انسپکٹر خوشی سے چیخا۔ ''تو کیا وہ تمہیں ناولٹی میں ملا تھا؟''

''جی ہاں۔''

''تو یہ کہو کہ سچ مچ ناولٹی آج کل بدمعاشوں کا زور ہو رہا ہے۔'' چیف نے کہا۔

''جانتے ہو، یہ کون ہے۔''

حمید نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''دلاور خان مشہور پشاوری قاتل، اس نے بہت سے خون کئے ہیں۔ دس سال ہوئے یہ افغانستان بھاگ گیا تھا۔ اس کے بعد سے قطعی لاپتہ رہا۔ اچانک پھر دکھائی دیا۔ یہ بتاؤ کہ تم نے اس کی رہائش گاہ کا بھی پتہ لگایا یا نہیں۔

''اس کی نوبت ہی نہیں آنے پائی۔ وہ شاید مجھے پہچانتا تھا۔''

اس کے بعد حمید نے ہوٹل کی ساری داستان بیان کر دی۔

''بھئی وہ بے پناہ طاقت کا آدمی ہے۔ ایک بار اس نے صرف ایک گھونسہ میں ایک آدمی کی جان لی تھی۔ خیر اگر واقعی وہ اس شہر میں موجود ہے اور اس واردات میں اس کا بھی ہاتھ ہے تو بچ کر نہیں جا سکتا۔''

چیف نے گھنٹی بجائی۔ ایک آدمی اندر آیا۔

''انسپکٹر بیز جی کو سلام دو۔'' چیف نے کہا۔

انسپکٹر بیز جی کو آتا دیکھ کر حمید کھڑا ہو گیا۔

آج آپ کو دہلی ایکسپریس دیکھنا ہے۔'' چیف نے سب انسپکٹر بیز جی سے کہا۔

''جی ہاں..... میں جا ہی رہا تھا۔'' سب انسپکٹر بیز جی انگریزی میں بولا۔ ''لیکن صاحب مجھے کوئی ایسا آدمی دیجئے جو واقعی کام کا ہو۔''

''حمید کو لے جایئے۔''

''بہتر ہے۔'' سب انسپکٹر نے حمید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

دہلی ایکسپریس کے آنے میں ابھی کافی دیر تھی۔ حمید اور انسپکٹر بیز جی پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگے۔ دفعتاً حمید ایک آدمی کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ وہ کوئی مارواڑی سیٹھ تھا۔ اس کا سامان پلیٹ فارم پر رکھا ہوا تھا۔ غالباً وہ بھی دہلی ایکسپریس کے انتظار میں تھا۔ حمید کو اچھی طرح یاد تھا کہ اس نے اسے گذشتہ رات کو ناولٹی میں دیکھا تھا۔ اسے دیکھتے ہی حمید کے ذہن میں فوراً خیال گونجنے لگا تھا کہ وہ کیوں نہ آج اس مہارواڑی کے بھیس میں ہوٹل جائے۔ انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ مارواڑی اس ہوٹل کا کوئی مستقل گاہک ہے کیونکہ پچھلی رات وہ کافی دیر تک ہوٹل کے منیجر سے باتیں کرتا رہا تھا اور دونوں کا لہجہ کچھ اس قسم کا تھا جس سے بے تکلفی کی بو آتی تھی۔ حمید سوچنے لگا کہ ضرور یہ کوئی لمبا سفر کرنے جا رہا ہے۔ تبھی تو اس کے ساتھ اتنا سامان ہے۔ مگر یہ کیسے سمجھ لیا جائے کہ وہ خود سفر کرے گا۔ بہت ممکن ہے۔ کہ وہ کسی کو رخصت کرنے آیا ہو۔

حمید کی نظریں اس مارواڑی سیٹھ پر تھیں اس کا سامان ایک فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں رکھا جا رہا تھا۔ پورا کمپارٹمنٹ ریزرو تھا۔ حمید نے ریزرویشن کارڈ پڑھا ڈبہ بمبئی تک کے لئے ریزرو ہوا تھا۔ مارواڑی کو اس ڈبہ میں تنہا بیٹھے دیکھ کر حمید کی جان میں جان آئی۔ وہ رات کے لئے پروگرام بنانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد انجن نے سیٹی دی اور گاڑی آہستہ آہستہ چلنے لگی۔

''کہئے صاحب سب ٹھیک تھا۔'' حمید نے انسپکٹر سے پوچھا۔

''ٹھیک ہی تھا کیونکہ ہمارا لوگ کا ڈیوٹی لگایا جاتا ہے۔'' انسپکٹر بیر جی نے کہا۔

آج حمید کے لئے اس وقت اسٹیشن آنا بہت ہی کارآمد ثابت ہوا۔

ہنگامہ

حمید شام کو جب گھر لوٹا تو شہناز کو اپنے انتظار میں پایا۔ حمید کو دیکھتے ہی وہ اچھل پڑی۔

رات کا واقعہ اتنے سہمے ہوئے لہجے میں بتانے لگی جیسے اسے ڈر ہو کہ کہیں وہ خوفناک چہرے والا یہیں آس پاس چھپا ہوا اس کی گفتگو نہ سن رہا ہو۔

''میں نے خود ہی اپنا فیصلہ بدل دیا ہے کون خواہ مخواہ اپنی جان خطرے میں ڈالے۔'' حمید نے کہا۔

''مجھے یقین کامل ہے کہ فریدی صاحب بخیریت ہیں اور پوشیدہ طور پر اپنا کام کر رہے ہیں۔'' شہناز نے کہا۔

''میں تو اب تنگ آ گیا ہوں۔ خود بلاوجہ خطرے میں پھاند پڑتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ مجھے بھی لپیٹتے ہیں۔'' حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا ''اور پھر بعد میں شکایت کرتے ہیں کہ تم نے میری ذرہ برابر بھی پرواہ نہ کی۔ میں تو بہت جلد اس خدمت سے استعفیٰ دے دوں گا۔ میرے پاس اتنا روپیہ اکٹھا ہو گیا ہے کہ بآسانی کوئی تجارت کر سکتا ہوں۔''

''بس بنانے لگے ہوائی قلعے۔'' شہناز ہنس کر بولی۔ ''کتنا سرمایہ اکٹھا کر لیا ہے آپ نے۔ آپ کی تنخواہ ہے ہی کتنی۔''

''میرے پاس بیس ہزار روپیہ ہے۔''

''بیس ہزار..... کہاں ڈاکہ مارا تھا۔''

''ایک مرتبہ ایک کیس کے سلسلہ میں میں نے اور فریدی صاحب نے سادھو بن کر چالیس ہزار روپیہ کمایا تھا۔''

''تو اس میں سے بیس ہزار روپے آپ کو ملے تھے۔''

''نہیں پورے چالیس ہزار، فریدی صاحب اس قسم کی رقمیں نہیں رکھتے اور پھر انہیں کی کس بات کی ہے۔ لکھنؤ کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، لاکھوں روپے کی جائیداد ہے۔''

''تو بقیہ بیس ہزار کیا ہوئے؟''

''بیس ہزار تو الگ ہیں۔ ان کو تو میں ہاتھ تک نہیں لگاتا۔ بقیہ بیس ہزار میں سے صرف دس ہزار رہ گئے ہیں۔''

''دس ہزار..... باقی کیا ہوئے۔''

''کمال کر دیا..... ارے بھئی وہ خرچ ہو گئے۔ بھلا کوئی ہندوستانی جاسوس صرف تنخواہ کے بل پر اتنی نوابی کر سکتا ہے۔''

''تو یہ کہئے کہ آپ خیرات کے پیسوں سے مزہ کر رہے ہیں۔''

''خیرات کے کیوں۔''

''خیرات نہیں تو اور کیا۔ سادھو اور فقیروں کو خیرات نہیں دی جاتی تو اور کیا؟ بیچارے غریبوں کی گاڑھے پسینے کی کمائی کو آپ لوگوں نے دھوکہ دے کر لوٹ لیا۔''

''ایسا تو نہیں۔'' حمید نے کہا۔ ''یہ مہارانی صاحبہ کا عطیہ ہے۔ چار سال ہوئے ہم لوگ ایک قاتل کی تلاش میں بنارس گئے وہاں پتہ چلا کہ وہ ایک بہت بڑے گروہ کا سرغنہ ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے ساتھی اور وہ خود عموماً سادھوؤں کے بھیس میں رہتا ہے۔ لہٰذا ہم لوگوں نے اپنا جال پھیلانا شروع کر دیا۔ فریدی کی شعبدہ بازیوں کی وجہ سے ہم لوگ بہت جلد مشہور ہو گئے۔ ایک بار فریدی نے کمال کر دیا۔ رات کا وقت تھا۔ فریدی کے دربار میں معتقدین کا جمگھٹ تھا۔ دفعتاً زور کی آندھی چلی، سارے چراغ گل ہو گئے لیکن فریدی صاحب کا چہرہ اندھیرے میں جگمگا رہا تھا۔ بس پھر کیا تھا نعرے گونجنے لگے۔ آندھی ختم ہو جانے کے بعد چراغ دوبارہ جلائے گئے۔ اب ان کا چہرہ اپنی اصلی حالت پر آ گیا تھا۔ اس دن کے بعد سے سارا بنارس الٹ پڑا۔ دور دور سے لوگ درشن کے لئے آنے لگے۔ روزانہ ہزاروں روپے کی بھینٹ چڑھتی تھی، لیکن فریدی صاحب سب کو واپس کر دیتے تھے۔ ایک دن مہارانی صاحبہ ان کے درشن کو آئیں۔ یہ بیچاری اس وقت حاملہ تھیں کہ قدم اٹھانا دوبھر ہو رہا تھا۔ ان کے ساتھ ایک ٹریجڈی تھی اور وہ یہ کہ ان کا ہر بچہ مردہ پیدا ہوتا تھا۔ فریدی صاحب نے انہیں بہت زیادہ ڈانٹ کر دعا دی۔ جاتے وقت انہوں نے کچھ نذر کرنا چاہا مگر چونکہ میں فریدی صاحب کی عادت سے واقف تھا اس لئے میں نے ان کے بولنے سے قبل ہی رانی صاحبہ سے کہہ دیا کہ اس کا نام بھی نہ لیجئے گا ورنہ مہاتما جی ناراض ہو جائیں گے۔ مہارانی صاحبہ لوٹ گئیں۔ ان کے

جانے کے بعد فریدی صاحب نے مجھے خوب ڈانٹا اور کہا کہ ایسی موٹی اسامیوں کا مال جائز ہے۔ مہارانی صاحبہ اپنے حمل کے دن پورے کر رہی تھیں۔ تین چار دن کے بعد ان کے بچہ ہوا لیکن اس بار وہ سچ مچ زندہ رہا۔ ایک ہفتہ کے بعد مہاراجہ بہ نفس نفیس تشریف لائے اور ہمارے مہاتما کو ڈنڈوت کر کے ایک کونے میں چپ چاپ بیٹھ رہے۔ میرے شیر کے رعب کا یہ عالم تھا کہ مہاراجہ صاحب تھر تھر کانپ رہے تھے۔ آخر ڈرتے ہوئے انہوں نے ہزار ہزار کی چالیس گڈیاں مہاتما کے چرنوں میں رکھ دیں۔ مہاتما نے ایک ٹھوکر رسید کی لیکن میں نے بہت احتیاط سے انہیں اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیا۔ مہاراجہ صاحب نے التجا کی کہ ہم لوگ بنارس چھوڑ کر انہی کی ریاست میں رہیں۔ لیکن مہاتما جی نے وہ ڈانٹ پلائی کہ اوسان خطا ہو گئے۔ یہ ہے ان روپیوں کی کہانی۔"

شہناز بڑی توجہ کے ساتھ سن رہی تھی۔

"آخر ان کا چہرہ چمکنے کیسے لگا تھا۔" شہناز بولی۔

"خود فریدی کے تیار کردہ ایک نسخہ کی کرامت تھی۔"

"بھئی کمال کرتے ہیں آپ لوگ بھی۔" شہناز نے کہا۔ "اچھا پھر اُس ڈاکو کا کیا ہوا۔"

"دھر لیا گیا!" حمید نے کہا۔ "بھلا فریدی کسی کام میں ہاتھ ڈالے اور وہ ادھورا رہ جائے۔"

"تو بہر حال آپ لوگ اس طرح اچھی خاصی دولت پیدا کر لیتے ہیں۔" شہناز نے کہا۔

"اور اس پر بھی آپ استعفیٰ دینے پر تلے ہوئے ہیں۔"

"کیا کیا جائے..... سکون نہیں ملتا۔" حمید بولا۔ "اب یہی دیکھ لو کہ ابھی ابھی دفتر سے آ رہا ہوں۔ اب ایک گھنٹہ کے اندر مجھے چیف کے بنگلہ پر پہنچنا ہے۔ اب تم ہی بتاؤ ایسی حالت میں کوئی شریف آدمی اس قسم کی ملازمت کیسے گوارا کر سکتا ہے۔"

"کیوں اب کہیں جانا ہے۔" شہناز نے کہا۔

"کچھ نہیں معلوم..... بس حکم ملا ہے۔"

"واہ یہ اچھی رہی۔" شہناز نے کہا اور پھر کچھ اِدھر اُدھر کی باتیں چھیڑ دیں۔ حمید سمجھ رہا تھا

کہ شہناز یہ سن کر کہ ابھی اسے پھر چیف انسپکٹر کے یہاں جانا ہے چلی جائے گی اور وہ اطمینان سے آج رات کے پروگرام پر غور کرے گا۔ لیکن شہناز ٹس سے مس نہ ہوئی۔ حمید کو اختلاج ہونے لگا۔ آخر کس طرح اس سے چھٹکارا حاصل کرے۔ اگر اسے ذرا سا بھی شبہ ہو گیا کہ وہ پھر دلاور خاں کے چکر میں جا رہا ہے تو وہ اس کا ناطقہ بند کر دے گی۔ شہناز کی زبردستیوں پر اکثر اسے غصہ آنے لگا تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ فریدی واقعی بڑا عقلمند ہے جب محبوب کے ہاتھوں یہ حال ہو جاتا ہے تو بیوی کتنی خطرناک ثابت ہوتی ہوگی۔

"ارے بھئی ذرا جلدی کھانا تیار کرو۔" حمید نے نوکر کو آواز دے کر کہا۔ "مجھے جلد ہی جانا ہوگا۔"

"ایسی بھی کیا جلدی۔" شہناز بولی۔ "ڈیوٹی تو پوری ہی کر آئے ہیں اب ذرا دیر ہی سہی۔"

"ہم لوگ چوبیس گھنٹے ڈیوٹی پر رہتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"سب کہنے کی باتیں ہیں۔"

"نہیں کرنے کی باتیں ہیں۔"

"آپ سے زیادہ ڈرپوک آدمی میں نے آج تک دیکھا ہی نہیں۔" شہناز طنزیہ لہجہ میں بولی۔

"مجھے افسوس ہے کہ تم نے اپنی اتنی عمر مفت ضائع کی۔" حمید نے کہا۔

"کیوں.....؟"

"اس لئے کہ تم نے اب تک کوئی ڈرپوک آدمی نہیں دیکھا۔"

"دیکھ تو رہی ہوں۔"

اتنے میں کھانا آ گیا۔ دونوں نے کھانا کرنے کے بعد پھر لڑنا شروع کر دیا۔

"اچھا بھئی ..... اب چلنا چاہئے۔" حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "چلو تم کو تمہارے گھر چھوڑ کر میں چیف کے یہاں چلا جاؤں گا۔ آج گاڑی بن گئی ہے۔"

حمید نے کار نکالی اور شہناز کو لے کر اس کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے گھر چھوڑ کر وہ یونہی بلا مقصد بڑی دیر تک سڑکوں کے چکر کاٹتا رہا۔ تقریباً آٹھ بجے وہ گھر لوٹا اور سیدھا

ڈریسنگ روم میں گھس گیا۔ ایک گھنٹہ کے بعد جب وہ وہاں سے نکلا تو برآمدے کی روشنی گل کر کے اندھیرے میں چھپتا چھپاتا نوکروں کی نظروں سے بچتا ہوا سڑک پر آ گیا۔ وہ اسی دوپہر والے مارواڑی سیٹھ کے بھیس میں تھا۔ تھوڑی دور پیدل جانے کے بعد اس نے ٹیکسی کی اور ناولٹی جا پہنچا۔ حسب دستور یہاں کافی چہل پہل تھی۔ اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں لیکن دلاور خان کہیں نہ دکھائی دیا۔ منیجر نے اسے دور ہی سے سلام کیا۔ حمید دانت نکال کر سلام کا جواب دیتے ہوئے ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کی نظریں ہال میں نصب کئے ہوئے اس عورت کے بت پر پڑیں جس کے جسم کے گرد آج دوسری ساری لپیٹی گئی تھی۔ یہاں یہ بت بھی عجیب وغریب چیز تھا۔ دور سے بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سچ مچ کوئی انتہائی حسین عورت کھڑی ہو۔ روزانہ اس کے کپڑے تبدیل کر دیئے جاتے تھے۔ بت ایک چار پانچ فٹ کے دائرہ نما چبوترے پر نصب تھا۔" حمید دیر تک اسے گھورتا رہا۔

اس نے بیرے سے بیئر لانے کو کہا اور اونگھنے لگا۔

ابھی بیرا واپس نہیں آیا تھا کہ اسے کل والا وہی قوی ہیکل آدمی دکھائی دیا جو کل دلاور خاں کے ہاتھ پٹ گیا تھا۔ وہ سیدھا اسی کی طرف آ رہا تھا۔ حمید نے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ریوالور کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ اس کا اندازہ تو اس نے کل ہی لگا لیا تھا کہ وہ بھی کوئی بدمعاش ہے۔ اس نے قریب آ کر مؤدبانہ انداز میں حمید کو سلام کیا اور اسکے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"کیوں سیٹھ جی آج کیا بات ہے۔ بہت کھوئے کھوئے نظر آ رہے ہو۔"

"کوئی بات نہیں.....!" حمید نے مسکرا کر کہا اور کھانسنے لگا۔ "کیا بتاؤں سکھت جھکام ہم کو ہو گیا ہے۔"

"یہ تو آپ کی آواز ہی بتا رہی ہے۔" وہ بولا۔ "موسم ہی ایسا ہے۔"

"موسم سالا حرامی ہے۔" حمید نے کہا۔ "آج اسی لئے بیئر پی رہا ہوں، تم کیا پیو گے۔"

"جو پلا دے میرا سیٹھ۔"

"تم اسکاچ پیو.....!"

اس آدمی نے دانت نکال دیئے۔

اس کا تو حمید نے پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ آدمی مارواڑی سیٹھ سے کافی بے تکلف معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے اس نے احتیاط سے کام لینا شروع کر دیا تھا۔

"اے بیرا ایک بڑا اسکاچ اور سوڈا بھی لاؤ۔"

بیرا جلد ہی اسکاچ اور سوڈا لے آیا۔ دونوں پینے لگے، آج حمید جی کڑا کر کے زندگی میں پہلی بار پی رہا تھا۔

"کیوں سیٹھ آج کھیل نہ ہو گا۔" وہ آدمی اسکاچ کی چسکی لے کر بولا۔

"نہیں بھائی، آج طبیعت ٹھیک نہیں۔"

"آج ایک بڑی عمدہ چیز آئی ہے۔" وہ آدمی بولا۔ "میں آپ کا انتظار ہی کر رہا تھا۔"

"اچھا.....!" حمید مسکرا کر معنی خیز انداز میں بولا۔ "اب وہ معاملہ کی تہہ تک پہنچ چکا تھا۔"

"ہاں سیٹھ.....بس سمجھ لو پکا آم ہے۔"

حمید ندیدوں کیطرح ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ دونوں نے جلدی جلدی شراب ختم کی۔

"آؤ چلیں.....!" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

حمید اس کے پیچھے ہو لیا۔ ہال سے گذر کر انہیں کئی اور کمروں اور گلیاروں سے گزرنا پڑا۔ بک کمرے میں پہنچ کر اس آدمی نے ایک الماری سے ربڑ کا توبڑا نکالا اور حمید کو پکڑا دیا۔ حمید سخت حیرت میں تھا کہ آخر اس کا کیا مطلب ہے۔

"کیا سوچ رہے ہو سیٹھ۔" وہ حمید کو شش و پنج میں دیکھ کر بولا۔

دفعتاً ایک خیال بجلی کی طرح حمید کے ذہن میں کوند گیا۔

"روز روز وہی پٹی، آج گھر تم ہمارا اعتبار کیوں نہیں کرتا۔" حمید نے وہ توبڑا اپنی آنکھوں پر چڑھاتے ہوئے کہا۔ "توبڑا اس کی آنکھوں پر اس طرح فٹ ہو گیا کہ روشنی کی ہلکی سی لکیر بھی سے نہیں دکھائی دیتی تھی۔ اب اس آدمی نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر چلنے لگا۔ وہ بچوں کی طرح اس کے ساتھ جا رہا تھا۔ اس نے کئی بار سوچا کہ توبڑے کو ذرا سا کھسکا کر کم از کم

راستہ ہی دیکھ لے لیکن ہمت نہ پڑی اور اگر ہمت پڑ بھی جاتی تو وہ ایسا کر ہی کیسے سکتا تھا جبکہ اس آدمی نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ رکھے تھے۔

تھوڑی دیر بعد اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کسی زینہ سے نیچے اتر رہا ہے۔ وہ سوچنے لگا کہ اب وہ کسی تہہ خانہ میں جا رہا ہے۔ زینہ طے کرنیکے بعد اسے تھوڑی دور اور اسی طرح چلنا پڑا۔ پھر اسکے دونوں ہاتھ چھوڑ دیئے گئے۔ اس نے جلدی سے تو بڑا اتار کر اپنے ساتھی کو پکڑا دیا۔

اس وقت وہ ایک بہت لمبے چوڑے تہہ خانہ میں تھا جہاں بے شمار میزیں اور کرسیاں پڑی تھیں اور لوگ بیٹھے جوا کھیل رہے تھے۔ ایک طرف کچھ لوگ زمین پر اوندھے پڑے چانڈو پی رہے تھے۔ حمید کا ساتھی اسے اپنے ساتھ لئے ہوئے ایک کمرے میں آیا۔ یہاں ایک عورت نیم عریاں حالت میں بیٹھی شراب پی رہی تھی۔ حمید اسے دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔ یہ شہر کے مشہور لکھ پتی کی نوجوان بیوی تھی۔

''کیا تمہیں اس گندے مارواڑی کے علاوہ کوئی اور نہیں ملا۔'' وہ کرسی سے اٹھ کر تیز لہجہ میں بولی۔ ''دور ہو جاؤ یہاں سے۔''

''سنئے تو سہی۔'' وہ بولا۔

''میں کچھ نہیں سنتی، تم اچھے خاصے گدھے ہو۔'' وہ چیخ کر بولی۔ ''نکالو اسے یہاں سے..... اگر کوئی اور نہیں تو تم خود کس سے کم ہو۔''

حمید کا ساتھی اسے پھر بڑے کمرے میں لے آیا۔ جہاں لوگ جوا کھیل رہے تھے۔

''سیٹھ تم یہاں بیٹھو، میں ابھی آیا، پھر دو دو ہاتھ ہوں گے۔'' اس نے کہا اور اسی کمرے میں واپس چلا گیا۔

اب حمید کی سمجھ میں اچھی طرح آ گیا تھا کہ یہاں کیا ہوتا ہے۔ اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ دفعتاً وہ چونک پڑا، ایک میز پر دلاور خاں بھی جوا کھیل رہا تھا۔ ایک طرف آدمی بوتل شراب اور گلاس رکھے تھے۔ ہونٹوں میں موٹا سا سگار دبا ہوا تھا۔ حمید نے پھر ایک بیرے کو بلا کر بیئر کا آرڈر دیا۔ وہ اس میز پر بالکل تنہا تھا۔ جیسے ہی بیرا شراب لے کر آیا کسی طرف سے

ایک آدمی اور آ کر میز پر بیٹھ گئے۔

''کیوں سیٹھ کیا ارادہ ہے۔'' ایک نے کہا۔ ''کیا آج کھیلو گے نہیں۔''

''ہوگا کھیل..... مگر زیادہ لمبا نہیں۔'' حمید نے اپنے مصنوعی غلیظ دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے کہا۔

''آؤ تو ہو جائے۔'' دوسرا بولا۔

اتنے میں وہ شخص بھی آ گیا جو حمید کو اپنے ساتھ لایا تھا۔

''کہو استاد کیسی رہی.....!'' وہ کھسیانی ہنسی ہنستا ہوا بیٹھ گیا۔

''چیز تو بڑھیا ہے۔'' حمید نے پھوہڑ پنے کے ساتھ کہا۔

''ہوگی پر اپنے کام کی نہیں۔'' وہ بولا۔

پتے بانٹ دیئے گئے اور وہ چاروں بھی کھیلنے لگے۔ حمید برابر ہارے جا رہا تھا۔ اس نے محسوس کر لیا کہ پتے لگائے جا رہے ہیں اس لئے اس نے احتیاط سے کھیلنا شروع کر دیا۔ وہ برابر پتے پھینکتا جا رہا تھا۔

''آج چال نہیں چل رہے ہو سیٹھ کیا بات ہے۔'' ایک بولا۔

''آج پیسہ کم ہے۔'' حمید نے ہکا۔

''ارے تم اس کی پرواہ کیوں کرتے ہو۔ ادھار لے لو۔ اپنے ہی آدمی ہو کوئی غیر نہیں۔''

دفعتاً ایک دھماکہ کی آواز سنائی دی۔ سب چونک پڑے۔ دلاور خاں نے میز الٹ دی تھی اور اب کھڑا ہاتھ میں خالی بوتل لئے ہوئے تول رہا تھا۔ اس کے ساتھ کے تینوں کھلاڑی زمین پر پڑے ہوئے تھے۔

''پتے لگاتے ہو۔'' وہ گرج کر بولا۔

پھر ایک ریوالور چلنے کی آواز سنائی دی۔ لوگ اس طرف متوجہ ہو گئے۔ ایک قد آور آدمی اپنا چہرہ سیاہ نقاب میں چھپا رکھا تھا ایک ہاتھ اٹھائے کھڑا تھا۔ سارے تہہ خانہ میں سناٹا چھا گیا۔ کھیل بند ہو گیا، سب لوگ اپنی اپنی جگہ دم بخود کھڑے تھے۔ نقاب پوش آہستہ

آہستہ چلتا ہوا دلاور کے قریب آیا اور اسکے ہاتھ سے خالی بوتل چھین کر ایک طرف ڈال دی۔

دلاور خاں چپ چاپ کھڑا تھا۔

''کون ہو تم.....!'' نقاب پوش گرج کر بولا۔

دلاور خاں چپ چاپ کھڑا رہا۔

''اسے یہاں کون لایا ہے۔'' نقاب پوش مجمع کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''میں.....!'' حمید کا ساتھی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''یہ وہی ہے جس سے کل میری لڑائی ہوئی تھی۔''

''اچھا تو یہ وہی ذات شریف ہیں۔'' نقاب پوش دلاور کیطرف دیکھ کر سر ہلاتے ہوئے بولا۔

دلاور خاں مسکرانے لگا۔

''تم نے یہاں ہڑبونگ کیوں مچائی۔'' نقاب پوش تیز لہجہ میں بولا۔

''تمہارے کھلاڑی بے ایمانی کرتے ہیں۔'' دلاور خاں نے پرسکون لہجہ میں کہا۔

''بکواس ہے۔'' نقاب پوش نے کہا۔ ''تمہارے پاس کیا ثبوت ہے۔''

''یہ دو ہرے تاش.....!'' دلاور اسے تاش کی دو گڈیاں دکھاتے ہوئے بولا۔ ''شریفوں کی جیب پر ڈاکہ ڈالو تو ایک بات بھی ہے ہم جیسے تو تم جیسوں کے لئے جیب میں ریوالور بھی موجود رکھتے ہیں۔''

''بڑے تیس مار خاں ہو!'' نقاب پوش طنزیہ لہجہ میں بولا۔

''میں تیس دونا ساٹھ مار خاں ہوں بیٹا۔'' دلاور خاں سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔

نقاب پوش نے دلاور خاں کے منہ پر ایک گھونسہ مار دیا، دلاور لڑکھڑا گیا۔ شاید وہ اس کیلئے تیار نہ تھا۔ وہ جلد ہی سنبھل گیا۔ نقاب پوش نے دوسرا گھونسہ مارا۔ پھر تیسرا اور پھر اس۔ گھونسوں کی بوچھاڑ کردی۔ دلاور خاموشی سے پٹ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد نقاب پوش ہانپنے لگا۔

''اچھا اب ایک میرا بھی سنبھالو۔'' دلاور نے اسے ست ہوتا دیکھ کر کہا۔ دلاور کا ہاتھ پڑتے ہی نقاب پوش ڈھیر ہوگیا۔ اس کے منہ سے خون نکل رہا تھا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش لیکن اب کی دلاور نے اس کی ٹھوڑی پر ایک لات رسید کی، نقاب پوش بلبلا اٹھا۔

یہ دیکھ کر حمید کے ساتھی نے پستول نکال لیا، نہ جانے کس اچانک خیال کے تحت حمید نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اوپر اٹھا دیا، گولی چل چکی تھی۔ بجلی کا بلب نشانہ ہوگیا اور سارے قحبہ خانہ میں اندھیرا چھا گیا۔ اندھیرے میں اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہوگیا۔ لوگ ادھر اُدھر ایک دوسرے سے ٹکراتے پھر رہے تھے۔ کسی نے حمید کی کنپٹی پر ایک گھونسہ رسید کیا، وہ چکرا کر گرنے لگا۔ فوراً کسی نے اسے سنبھال لیا اور اپنی پیٹھ پر لاد کر لے بھاگا۔ وہ اوپر چڑھ رہا تھا۔ اوپر سیڑھی پر پہنچ کر اس نے حمید کو اتار دیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف آہستہ آہستہ رینگنے لگا۔

''چپ چپ چلے آؤ۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔ حمید کا سر چھت سے ٹکرا رہا تھا۔ دونوں نے چھت ٹٹولنا شروع کی لیکن باہر جانے کا کوئی راستہ نہ ملا۔ چھت سے تقریباً ایک فٹ نیچے حمید کو چھت اور دیوار کے درمیان اتنی جگہ محسوس ہوئی جس میں ایک آدمی لیٹ کر بآسانی رینگ سکتا تھا۔ غالباً اس کے ساتھی نے بھی اسے محسوس کرلیا تھا۔

''ادھر چڑھ چلو.....!'' اس نے آہستہ سے کہا۔

دونوں اس دراز میں لمبے لمبے لیٹ گئے۔

''اب یہاں لیٹ کر کسی آنے والے کا انتظار کرنا چاہئے، یہاں دروازہ ضرور ہوگا ورنہ یہ زینوں کی کیا ضرورت تھی۔'' وہ آہستہ سے بولا۔

''مگر اس طرح ہم لوگ دیکھ لئے جائیں گے۔'' حمید نے ہکا۔

''اچھا تو آگے کی طرف کھسکنا شروع کرو، دیکھیں ادھر کیا ہے۔'' وہ بولا۔ دونوں لیٹے لیٹے رینگنے لگے۔ تھوڑی دور سرکنے کے بعد حمید نے عجیب قسم کی بدبو محسوس کی اور ساتھ ہی پانی بہنے کی ہلکی ہلکی آواز سنائی دینے لگی۔

دلاور آگے تھا۔ دفعتاً وہ رک گیا۔ اس نے جیب سے ایک چھوٹی سی ٹارچ نکال کر روشن کی۔ آگے دو فٹ چوڑا اور تقریباً چار فٹ لمبا ایک گڑھا تھا۔ حمید اپنے ساتھی کو بغور دیکھ رہا تھا۔

''نیچے کوئی گندہ تالاب بہہ رہا ہے۔'' اس نے حمید کی طرف مڑ کر کہا۔ ''مگر بدبو بہت ہے۔ اب چلو ایک تدبیر سمجھ میں آتی ہے کہ ہم لوگ اس میں کود پڑیں کہیں نہ کہیں تو جا کر

نکلیں گے۔"

اور اگر کبھی یہ نالا آگے چل کر نالی ہو گیا تو کیا ہو گا۔" حمید بولا۔

"اچھا، اور اگر یہاں پکڑے گئے تو کیسی خاطر ہو گی۔ یہ بھی سوچ لو میری جان۔ بچانے کے صلہ میں وہ تمہیں کافی کڑی سزا دیں گے۔ میرے خیال میں تو اس نالے میں گھٹ کر مرجانا کوئی اچھا نہ ہو گا۔"

"جیسی تمہاری مرضی.....!" حمید نے بے بسی سے کہا۔

"اچھا تو پہلے میں کودتا ہوں۔" یہ کہہ کر دلاور اس گڑھے میں اتر گیا۔ نیچے سے اس نے ٹارچ دکھائی اور حمید بھی کود پڑا۔ تقریباً چار پانچ فٹ چوڑا قد آدم نالا تھا۔ سارے شہر کا گندا پانی اس میں بہا کرتا تھا۔ حمید نے اپنی ناک مضبوطی سے دبا رکھی تھی۔ دونوں آہستہ آہستہ بڑھنے لگے۔ پانی حمید کی کمر تک تھا۔

"میرا تو دم گھٹ رہا ہے۔" حمید نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں..... یہ نالا ہرگز نالی نہیں ہو سکتا ہے۔"

"لیکن ہم کب تک اس طرح چلتے رہیں گے۔ باہر نکلنے کی کیا صورت ہو گی۔" حمید نے کہا۔

"تم نے سڑکوں پر بعض جگہ لوہے کی جھنجھریاں لگی ہوئی دیکھی ہوں گی۔ ان کا تعلق نالے سے ہے گھبراؤ نہیں۔"

تھوڑی دیر چلنے کے بعد پانی کی سطح پر روشنی کے کئی لہریئے دکھائی دیئے۔

چلو جھنجھری بھی آ گئی۔" حمید نے کہا۔

"پاگل ہوئے ہو، اس جگہ کافی آمد و رفت معلوم ہوتی ہے۔ اگر یہاں اوپر نکلے تو ہم خاصی حجامت بن جائے گی۔ تم تو خیر بچ ہی جاؤ گے لیکن میرے سلسلہ میں کافی چھان بین جائے گی اور نتیجہ یہ ہو گا کہ میں جیل میں نظر آؤں گا۔"

"بھلا میں کیسے بچ جاؤں گا۔" حمید نے کہا۔

"حمید میاں، تم مارواڑی کے بھیس میں مجھ سے نہ چھپ سکو گے۔" دلاور خاں ہنسا

"خیر چلو..... میں نے تمہیں معاف کر دیا۔ اگر آج تم میرے پیچھے نہ لگتے تو میں دوسری دنیا میں ہوتا۔"

"کیا واقعی تمہارا تعلق ان لوگوں سے نہیں۔" حمید نے کہا۔

"ہرگز نہیں..... میں ان لوگوں سے بدلہ لئے بغیر نہ چھوڑوں گا۔"

"آخر یہ لوگ ہیں کون۔" حمید نے پوچھا۔ "اور وہ نقاب پوش کون تھا۔"

"ناولٹی کا مالک سنتوش.....!" دلاور نے کہا۔ "یہ لوگ صرف یہیں تک محدود نہیں، انہوں نے اپنا جال دور دور تک پھیلا رکھا ہے۔"

"اگر یہ بات ہے تو کل ہی....."

"جی ہاں کل ہی آپ انہیں گرفتار کر لیں گے۔" دلاور نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "ان کے خلاف ثبوت کیسے مہیا کرو گے۔"

"تہہ خانہ اور اس کی غیر قانونی حرکتیں۔" حمید نے کہا۔

"تو کیا تم اس تہہ خانہ میں دوبارہ پہنچ جانے کی امید رکھتے ہو۔" دلاور نے کہا۔ "کیا تمہاری آنکھوں پر پٹی نہیں باندھی گئی تھی۔"

"ہم لوگ اسی نالے کی راہ سے حملہ کریں گے۔" حمید نے کہا۔

"بہت خوب.....!" دلاور نے ہنس کر کہا۔ "وہ گڑھا اسی وقت پاٹ دیا جائے گا اور کل تمہیں اس کا نشان تک نہ ملے گا۔"

"خیر چھوڑو.....!" حمید نے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ تم نے فریدی صاحب کو کیوں گرفتار کر رکھا ہے۔"

"فریدی کو آج چھوڑ دیا ہے۔" دلاور نے کہا۔ "کیا وہ گھر نہیں پہنچا۔"

"نہیں.....!" حمید نے کہا۔

"تو پھر مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ سنتوش کے ہتھے نہ چڑھ گیا ہو۔"

"نہیں.....!" حمید نے کہا۔

"میری تو خاک سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر خراب کیا ہو رہا ہے۔" حمید نے بے بسی سے کہا۔

''چیز ہی ایسی ہے کہ اسے سیٹھ اگروال، فریدی، سنتوش اور میرے علاوہ کوئی اور جان بھی نہیں سکتا۔''

''اچھا تم نے فریدی کی تجوری سے کیا چیز غائب کی تھی۔'' حمید نے پوچھا۔

''یہی تو ہمارا راز ہے، جو بتایا نہیں جا سکتا۔'' دلاور نے کہا۔ ''آخر فریدی نے تم سے کیوں چھپایا تھا۔''

''یہی تو سمجھ میں نہیں آتا۔'' حمید نے کہا۔

''اچھا دیکھو وہ روشنی دکھائی دے رہی ہے۔ یہ جگہ سنسان معلوم ہوتی ہے۔'' دلاور نے کہا۔

حمید نے اوپر سر اٹھا کر دیکھا۔ جھنجھری سے دھندلی دھندلی روشنی آتی دکھائی دے رہی تھی۔ سڑک کا یہ حصہ کافی ویران معلوم ہوتا تھا۔ حمید نے دونوں ہاتھ اٹھا کر جھنجھری میں ٹکا دیئے اور زور لگانے لگا لیکن جھنجھری میں جنبش بھی نہ ہوئی۔ دلاور ہنسنے لگا۔ اس نے حمید کو ایک طرف ہٹا دیا۔

چند منٹوں کی جدوجہد کے بعد وہ جھنجھری کو اس کی جگہ سے ہٹانے میں کامیاب ہو گیا۔ دونوں اچھل کر باہر آئے۔ جھنجھری پھر وہیں فٹ کر دی گئی۔ حمید سردی کی وجہ سے بُری طرح کانپ رہا تھا۔ لیکن دلاور پر کوئی خاص اثر نہ معلوم ہوتا تھا۔

''اچھا شکریہ!'' دلاور نے حمید سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ ''تم نے میری جان بچائی ہے۔''

''اور تم نے میری.....!'' حمید نے کہا۔ ''دونوں برابر ہو گئے۔''

''مطلب.....!'' دلاور ہنس کر بولا۔

''یہی کہ اگر آسانی سے کبھی میرے ہتھے چڑھ گئے تو چھوڑوں گا نہیں۔'' حمید نے کہا۔

''لونڈے ہو حمید میاں، چالیس سال سے آزاد پھر رہا ہوں ابھی تک تو کوئی مائی کا لال ایسا پیدا نہیں ہوا جو مجھے پکڑ سکے۔''

''آخر دیکھا جائے گا۔'' حمید بولا۔ ''اس کا فیصلہ وقت کرے گا۔''

ہینڈز اپ

حمید نے دوسرے دن ساری روئیداد چیف انسپکٹر کو سنائی۔ وہ سناٹے میں آ گیا۔

''واقعی فریدی کی صحبت نے تم پر گہرا اثر ڈالا ہے۔'' چیف نے کہا۔ ''اُس وقت کوئی انسپکٹر تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔''

''ذرہ نوازی ہے آپ کی۔''

''اور مجھے حیرت ہے کہ آخر فریدی تمہاری ترقی کی راہ میں رکاوٹیں کیوں ڈالتا رہتا ہے۔''

''دراصل وہ یہ نہیں چاہتے کہ میں اُن سے الگ رہوں۔'' حمید نے کہا۔

''اچھی سنک ہے۔'' چیف نے کہا۔ ''اچھا یہ بتاؤ کہ تم نے دلاور خاں کو کیوں نکل جانے دیا۔''

''اس وقت میں کر ہی کیا سکتا تھا۔''

''دیکھو یہ بہت اچھا موقع ہے۔ جب دو بدمعاشوں میں کھٹ پٹ ہو جائے تو ہمیں اس پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہئے۔ غالباً تم میرا مطلب سمجھ گئے ہو گے۔''

''بہت اچھی طرح۔''

''تو آج رات کو ہم لوگ ناولٹی چل رہے ہیں۔'' چیف نے کہا۔ ''تہہ خانہ میں پہنچنا تو بائیں ہاتھ کا کام ہے کیونکہ وہ لوگ اب کافی محتاط ہو گئے ہوں گے۔''

''یہ تو ہے۔''

''جب تک ہمارے پاس مکمل ثبوت نہ ہو ہم ان لوگوں کو گرفتار نہیں کر سکتے۔'' چیف نے کہا۔ ''دلاور خاں پر بھی کسی نہ کسی طرح ہاتھ پڑنا ہی چاہئے۔''

''محال ہے۔''

''کیوں.....؟''

''بہت چالاک آدمی ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''مجھے تو اس بات پر حیرت ہے کہ وہ اس طرح آزادانہ کس طرح گھومتا پھرتا ہے۔''

''یہاں اسے کوئی پہچانتا نہیں۔'' چیف نے کہا۔

''ایک صورت سے ہمیں اس سے بڑی مدد مل سکتی ہے۔'' حمید نے کہا۔

''وہ کیسے؟''

''فی الحال ہم لوگ اسے اپنے ساتھ ملالیں وہ بھی ان لوگوں کا جانی دشمن ہو رہا ہے۔'' حمید نے کہا۔

''لیکن یہ ہوگا کیسے.....!'' چیف نے کہا۔

''یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے۔''

اسی دن ناولٹی ہوٹل کے ایک کمرے میں دلاور بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ یہ ایک بہترین طرز پر سجایا ہوا چھوٹا سا کمرہ تھا۔ دلاور نے طویل انگڑائی لیتے ہوئے گھڑی دیکھی اور سگار سلگا کر ہونٹوں میں دباتے ہوئے صوفے کے تکیہ سے لگ گیا۔ دفعتاً ایک آدمی کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ دلاور نے پلٹ کر دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہ کی۔ آنے والا کچھ دیر تک اس کے پیچھے کھڑا اسے گھورتا رہا۔

''فرمایئے کیسے تکلیف کی۔ میرے لائق کوئی خدمت.....!'' وہ آدمی بولا۔ دلاور نے ایک خاص انداز میں مسکرا کر پلٹا۔ وہ اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

''غالباً میں سنتوش بابو سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔'' دلاور نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''تشریف رکھئے۔'' سنتوش نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''فرمایئے۔''

''تکلف برطرف۔'' دلاور تیز لہجہ میں بولا۔ ''میں اپنے کل رات کو ہارے ہوئے روپے واپس لینے آیا ہوں۔''

''ہارے ہوئے روپے!'' سنتوش نے متحیر ہو کر کہا۔ ''شاید آپ بھول رہے ہیں، ہمارے یہاں جوا نہیں ہوتا۔ آپ کہیں اور ہارے ہوں گے۔''

''اور آپ کا دانت بھی کہیں اور ٹوٹا ہوگا۔'' دلاور نے طنزیہ لہجے میں کہا ''اور آپ کی ٹھوڑی پر ٹھوکر بھی کہیں اور پڑی ہوگی۔''

''آپ نہ جانے کیسی باتیں کر رہے ہیں۔'' سنتوش نے کہا۔ ''شاید آپ زیادہ پی گئے ہیں۔''

''ممکن ہے۔'' دلاور نے کہا۔ ''لیکن اتنا یاد رکھنا کہ دلاور خاں پشاوری سے ٹکر لینا آسان کام نہیں۔'' دلاور نے اٹھتے ہوئے کہا۔

سنتوش آنکھیں پھاڑے ہوئے اُسے گھور رہا تھا۔

''تو استاد پہلے ہی کیوں نہ بتا دیا تھا۔'' سنتوش نے آہستہ سے کہا اور اسکا ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا۔

''تم نے پوچھا کب تھا.....!'' دلاور نے لاپروائی سے کہا۔

''تو آپ ادھر کب سے آئے۔''

''حال ہی میں آیا ہوں اور تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ میں سیٹھ اگروال کیلئے کام کر رہا ہوں۔''

''سمجھا.....لیکن آپ کو اس سے کیا فائدہ ہوگا، جب کہ میرے علاوہ اور کوئی دوسرا اس چیز کے راز سے واقف نہیں۔''

''تو وہ چیز تمہیں نے اڑائی تھی۔''

''نہیں.....مجھ سے پہلے ہی کوئی اڑا لے گیا اور اسی رات کو جب میں نے بھی اس کے لئے کوشش کی تھی۔''

''اور پھر تم نے اسی جھلاہٹ میں اگروال پر گولی چلا دی۔''

''یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا۔'' سنتوش بے ساختہ بولا۔

''مجھ سے اس شہر کے کسی بدمعاش کی کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔''

''تو پھر آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ وہ چیز کون لے گیا۔''

''ابھی تو نہیں لیکن میں اس کا پتہ جلد لگالوں گا۔''

''آپ وہ چیز اس سے حاصل کر کے سیٹھ اگروال کو دے دیں گے۔''

''ہاں.....!''

''اگر آپ اس چیز کے راز کو جانتے ہوتے تو کبھی ایسی بات نہ کہتے۔'' سنتوش نے کہا۔ ''خیر سیٹھ اگروال اسے دوبارہ پاجانے پر بھی کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا۔''

''میں اسے سمجھ سکتا ہوں لیکن مجھے اس سے کیا۔ میں اسے اس کے حوالے کر کے اس سے مناسب معاوضہ وصول کرلوں گا۔''

''کوئی اس کی قیمت لگا ہی نہیں سکتا۔''

''میں یہ بھی جانتا ہوں۔'' دلاور نے کہا۔

''اگر آپ یہ بھی جانتے ہیں تو پھر اسے حاصل کر کے میرے حوالے کر دیجئے۔''

''آدھے آدھے کی رہی۔''

''چلو منظور۔'' دلاور نے کہا۔ ''لیکن پہلے مجھے وہ تعویز دکھادو۔''

''ارے.....!'' سنتوش چونک کر بولا۔ ''تو کیا آپ یہ بھی جانتے ہیں۔''

''میں کیا نہیں جانتا۔'' دلاور بولا۔ ''لاؤ اسے جلدی لاؤ، ورنہ سب معاملہ عنقریب گڑبڑ ہوجائے گا۔''

سنتوش کچھ سوچنے لگا۔

''میں جانتا ہوں کہ پٹھان بات کے پکے ہوتے ہیں۔'' سنتوش نے کہا۔ ''میں آپ کو وہ تعویز دکھا تو دوں لیکن میری ساتھ دغا نہ کیجئے گا۔''

''دغا تو میں سیٹھ اگروال کے ساتھ بھی نہ کروں گا۔''

''کیا مطلب.....؟'' سنتوش چونک کر بولا۔

''یہی کہ میں نے اس چیز کی واپسی کا وعدہ کیا ہے، وہ چیز اسے واپس کی جائے گی۔ یہ

بات ہے کہ گودا ہمارا ہوا اور چھلکا اُس کا۔''

سنتوش نے قہقہہ لگایا۔

''مانتا ہوں استاد.....!'' یہ کہہ کر وہ اٹھا اور باہر جانے لگا۔

''ٹھہرو.....!'' دلاور نے کہا۔ ''یہ بھی سن لو کہ میں صرف ایمانداروں کے ساتھ ایمانداری برت سکتا ہوں۔''

''اس سے آپ مطمئن رہئے۔ میری بات بھی پکی ہی ہوتی ہے۔''

سنتوش چلا گیا۔ دلاور نے بجھا ہوا سگار سلگایا اور آنکھیں بند کر کے صوفہ پر نیم دراز ہوگیا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد سنتوش لوٹا۔ اس کے ہاتھ میں چمڑے کی ایک تھیلی تھی۔

''یہ لیجئے۔'' سنتوش نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

دلاور نے تھیلی کھول کر اس میں سے ایک چھوٹا سا کاغذ نکالا اور اسے بغور دیکھتا رہا۔

پھر سنتوش کو واپس کرتے ہوئے بولا۔ ''میرے خیال سے اسے جلا دو۔''

''کیوں.....؟''

''اسلئے کہ جو شخص وہ چیز اگروال کے یہاں سے لے گیا ہے وہ اس کی فکر میں بھی ہوگا۔''

''ارے تو اب ایسا کوئی نہیں کہ سنتوش کے قبضہ سے اسے نکال لے جائے۔'' سنتوش نے اکڑ کر کہا۔

''کرنے لگے وہی بچپنے کی باتیں۔'' دلاور نے کہا۔ ''فرض کرو کہ میں نے ہی اس چیز کو چرایا ہو اور اس وقت میں نے تمہیں دھوکہ دے کر اس کی دوسری کڑی بھی معلوم کرلی۔''

سنتوش نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔

''اچھا میں آپ کے کہنے پر عمل کروں گا۔'' سنتوش نے کہا۔

''تو اب میں چلتا ہوں، رات کو کسی وقت آؤں گا اور ہاں ذرا ہوشیار رہنا۔ یہاں کے باسوں کی تم پر کڑی نظر ہے۔ کل تو ایک تمہارے تہہ خانہ میں بھی پہنچ گیا تھا۔'' دلاور نے کہا۔

''مجھے سب معلوم ہے۔ تہہ خانہ کا راستہ ان کے باپ کو بھی نہیں معلوم ہوسکتا اور یہاں

اوپر کوئی ایسی چیز نہیں جسکی بناء پر وہ مجھے ہاتھ لگا سکیں، ان سے تو میں اچھی طرح نپٹ لوں گا۔"

دلاور سنتوش سے ہاتھ ملا کر باہر چلا آیا۔

اسی رات کو حمید اور چیف ناولٹی ہوٹل کی طرف جا رہے تھے۔ چیف کا بنگلہ شہر کے باہر واقع تھا۔ اس لئے شہر جانے کے لئے انہیں سڑک کا ایک بہت بڑا ویران حصہ طے کرنا پڑتا تھا۔ رات کو تقریباً آٹھ بجے تھے۔ ٹیکسی کی روشنی تاریک رات کا سینہ چیرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ آج انہیں ایک ٹیکسی اس غیر آباد علاقہ میں مل گئی، ورنہ انہیں پیدل ہی آنا پڑتا۔ فریدی کی کار جو حمید کے استعمال میں رہتی تھی وہ آج پھر خراب ہو گئی تھی۔

ابھی وہ تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ انہیں بیچ سڑک پر ایک آدمی ہاتھ اٹھائے ہوئے کھڑا دکھائی دیا۔ اس نے اپنے چہرے کے گرد کالر کھڑے کر رکھے تھے اور نائٹ کیپ آگے کی طرف اس طرح جھکا رکھی تھی کہ چہرہ صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔

ڈرائیور نے اسکے قریب پہنچ کر ٹیکسی روک دی۔ وہ شخص کھڑکی کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔

"ہینڈز اپ.....!" اس نے ریوالور نکال کر ٹیکسی کے اندر بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہا۔

"تم دونوں نیچے اتر آؤ....." پراسرار اجنبی نے حمید اور چیف انسپکٹر سے تحکمانہ لہجہ میں کہا۔

دونوں خاموشی سے ہاتھ اٹھائے ہوئے نیچے اتر آئے۔

"جاؤ بیٹا۔" پراسرار اجنبی نے ڈرائیور سے کہا۔ "اپنے استاد سے کہہ دینا کہ میرے شکار پر ہاتھ نہ ڈالا کرے ورنہ اچھا نہ ہوگا"

ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ اجنبی نے دو تین ہوائی فائر کئے اور ٹیکسی نظروں سے غائب ہو گئی۔ اب وہ اجنبی ان دونوں سے مخاطب ہوا۔

"ناولٹی ہوٹل اچھی جگہ نہیں..... خصوصاً شرفاء کے لئے۔" اس نے کہا۔

"تم کون ہو۔" حمید گرج کر بولا۔ "خیریت اسی میں ہے کہ ریوالور جیب میں رکھ لو۔"

"ناراض ہونے کی ضرورت نہیں سرکار..... یہ لیجئے۔" اجنبی نے ریوالور جیب میں ڈال لیا۔

"آخر تم ہو کون.....؟" چیف نے پوچھا۔

"دوست" یہ کہہ کر اجنبی نے سگریٹ سلگانے کی دیا سلائی جلائی اور حمید کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"فریدی صاحب.....؟"

"فریدی.....!" چیف نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ "یہ کیا.....؟"

"بس چپ چاپ گھر کی طرف چلے چلئے۔ اگر میں وقت پر نہ پہنچ جاتا تو آپ لوگ گئے ہاتھ سے۔"

وہ تینوں واپس جانے کے لئے مڑے۔

"آخر بات کیا ہے۔"

"اس سنسان راستہ پر کبھی اور بھی آپ کو کوئی ٹیکسی ملتی تھی۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں..... لیکن اس سے کیا بحث۔"

"یہی تو خاص چیز ہے۔ آپ لوگوں کو غائب کرانے کا پروگرام بنایا گیا تھا، بدمعاشوں کو ی طرح اطلاع مل گئی تھی کہ آج آپ لوگ ناولٹی میں آنے والے ہیں۔ اس لئے انہوں نے لی سے آپ کی سواری کا انتظام کر دیا تھا۔"

"تمہیں ان سب باتوں کی اطلاع کیسے ہوئی۔" چیف نے کہا۔

"ظاہر ہے کہ میں اتنے دنوں تک محض جھک نہیں مار رہا تھا۔"

"وہ کچھ سہی..... لیکن تم کسی نہ کسی دن اپنی جان خطرے میں ضرور ڈال لو گے۔ آخر اس ح کام کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"اپنا اپنا طریقہ کار ہے اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ مجھے خطروں سے کتنا پیار ہے۔" ی بولا۔

"مگر مجھے تمہارا یہ طریقہ پسند نہیں۔" چیف نے کہا۔

''میں جانتا ہوں کہ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ لیکن کیا کروں میں اپنی طبیعت سے مجبور ہوں۔ بعض کیس ہی ایسے ہوتے ہیں کہ مجھے تنہا کام کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔''

''خیر بھئی..... تم جانو، سمجھانا میرا کام ہے۔'' چیف نے کہا۔ ''اچھا یہ تو بتاؤ کہ تم نے اس ڈرائیور کو یونہی کیوں نکل جانے دیا۔''

''ابھی فی الحال اسے گرفتار کر لینا ٹھیک نہیں تھا۔''

''کیوں.....؟''

''میں نے اس وقت اس سے ایک ڈاکو کی حیثیت سے بات کی تھی۔'' فریدی نے کہا۔ ''معاملات حد درجہ دلچسپ ہو گئے ہیں۔ بدمعاشوں کی دو پارٹیوں میں ٹھن گئی ہے۔ ان میں سے ایک پارٹی سنتوش کی ہے اور دوسری ان لوگوں کی ہے جنہوں نے سیٹھ اگروال کے یہاں ڈاکہ ڈالا تھا۔ جس دن یہ واردات ہوئی تھی اس دن سنتوش اور ان کے ساتھیوں نے بھی سیٹھ اگروال کے گھر میں گھسنے کا پروگرام بنایا تھا۔ یہ لوگ ان دونوں کے بعد آئے تھے اور سنتوش ہی کی گولی سے سیٹھ اگروال زخمی بھی ہوا تھا۔''

''لیکن یہ آج تک میری سمجھ میں نہ آ سکا کہ ان لوگوں کا مقصد کیا تھا۔'' چیف انسپکٹر نے کہا۔

''یہ تو ابھی تک مجھے بھی نہیں معلوم ہو سکا لیکن سنتوش کو قانون کی زد میں لانے کے لیے میرے پاس بہت سے ثبوت ہیں۔''

''اور ایک دلچسپ بات اور سنو.....!'' چیف نے کہا۔ ''آج کل دلاور خاں پھر دکھائی دے رہا ہے اور جس وقت تمہارے ساتھ حادثہ پیش آیا تھا وہ پولیس کی غائب کی ہوئی لاری دیکھا گیا تھا۔''

''جی ہاں ..... وہی تو ساری مصیبتوں کی جڑ ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''اس سے تو خاص طور پر نپٹنا ہے۔ لیکن ابھی نہیں، سنتوش کی گرفتاری کے بعد اس سے بھی سمجھ لوں گا۔ فی الحال اس سے الجھنا نہیں چاہئے، اس میں بھی ایک راز ہے۔''

''بھئی اپنی باتیں تم ہی سمجھو.....!'' چیف نے اکتا کر کہا۔

''پرسوں رات کو نو بجے کم از کم پچیس جوان سادے لباس میں لے کر ناولٹی پہنچ جایئے گا وہاں اگر دلاور سے مڈبھیڑ ہو جائے تو اسے فی الحال نظر انداز کرنے کی کوشش کیجئے گا ورنہ سب معاملہ گڑبڑ ہو جائے گا۔ اچھا تو اب میں چلا۔ اب سنتوش کی گرفتاری کے بعد ہی ملاقات ہوگی۔''

چیف کا بنگلہ قریب تھا۔ فریدی واپس لوٹنے کے لئے مڑا۔

''سنئے تو سہی۔'' حمید نے بے قراری سے کہا۔

''نہیں اس وقت نہیں..... تمہیں کافی احتیاط کی ضرورت ہے۔ میرے بتائے ہوئے وقت سے پہلے ناولٹی کے قریب بھی جانے کی ضرورت نہیں۔'' فریدی نے کہا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا تاریکی میں غائب ہو گیا۔

عجیب و غریب عشق

فریدی کے بتائے ہوئے پلان کو شام ہی سے ایک ایک دو دو کر کے پولیس کے مسلح مگر سادے لباس میں ملبوس جوان ناولٹی میں اڈہ جمانے لگے۔ فریدی کی ہدایت کے مطابق وقت سے پہلے کسی نے کوئی ایسی حرکت نہ کی جس سے ناولٹی والوں کو ہوشیار ہو جانے کا اشارہ ملتا۔ نو بجے رات تک جوانوں کی مقررہ تعداد ناولٹی میں پہنچ گئی۔ چیف اور حمید بھی بھیس بدلے ہوئے وہاں موجود تھے۔

ہر شخص اپنی جگہ پر کسی چیز کا منتظر تھا۔ لیکن کوئی یہ نہیں جانتا تھا کہ اگلے لمحے میں کیا ہونے والا ہے۔ چیف اور حمید کی نگاہیں فریدی کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ لیکن وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔

''فریدی تو دکھائی نہیں دے رہا ہے۔'' چیف نے آہستہ سے کہا۔

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔'' حمید نے کہا۔ ''نہ جانے آئندہ ان کی اسکیم کیا ہے۔''

''کہیں مفت کی دردسری نہ ہو۔'' چیف بولا۔

"یہ ناممکن ہے۔" حمید نے کہا۔ "فریدی بے بنیاد چیزوں پر کبھی کوئی قدم نہیں اٹھاتا۔"

"خیر اب تو آ ہی گئے ہیں، جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔"

"ہاں..... دیکھئے۔" حمید نے کہا۔

"یہ بات بھی عجیب وغریب ہے۔" چیف نے کہا۔ "دور سے بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سچ مچ کوئی عورت کھڑی ہو۔"

"عجیب قسم کا رنگ وروغن ہے اس کے چہرے پر۔" حمید نے کہا۔

ابھی ان دونوں میں یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ دفعتاً کوئی آدمی نہایت بھدی اور بے ہنگم آواز میں گانے لگا۔ ہر فرد اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔ دلاور خاں نشہ میں دھت ہاتھ میں ایک خالی بوتل لئے لڑکھڑاتا اور گاتا ہوا ہال میں داخل ہو رہا تھا۔ اس نے دروازے پر رک کر چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور ایک قہقہہ لگا۔ کر پھر گانے لگا۔ وہ اپنی مادری زبان پشتو میں کوئی گیت گا رہا تھا۔

ہوٹل کا منیجر گھبرا کر اس کی طرف دوڑا۔ وہ اس سے آہستہ آہستہ کچھ کہنے لگا۔

"میں تو گاؤں گا.....!" دلاور خاں چیخ کر بولا۔ "دیکھتا ہوں میرا کوئی کیا کرتا ہے۔ میں تمہارے مالک سنتوش بابو کا دوست ہوں۔"

"گانے دو بھائی گانے دو.....!" کئی مدہوش شرابی چیخے۔

"جیو میرے ساتھیو..... جیو۔" دلاور خان نے جھومتے ہوئے کہا۔ "ہم ہی جیسوں کے دم سے دنیا قائم ہے ورنہ کبھی کی قیامت آ گئی ہوتی۔"

چند شرابیوں نے زور سے قہقہہ لگایا۔

"میرے پیارے بھائیو.....!" دلاور خان بت کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "میں اس عورت پر مرتا ہوں یہ میری محبوبہ ہے۔ کیا آپ کو کوئی اعتراض ہے۔"

"ہرگز نہیں..... ہرگز نہیں۔" بیک وقت بہت سی آوازیں آئیں۔

"معلوم ہوتا ہے بہت زیادہ پی لی ہے۔" چیف انسپکٹر نے حمید کی طرف جھک کر آہستہ سے کہا۔

"جی ہاں، بُری طرح ڈاؤن ہے۔" حمید بولا۔

"مگر فریدی اب تک نہیں آیا۔" چیف نے کہا۔

"معلوم نہیں کیا بات ہے۔" حمید نے کہا۔

"ہاں تو پیارے بھائیو۔" دلاور پھر چیخا۔ "میں جادوگر ہوں، کالا جادوگر..... میں ایک منٹ میں مرغی سے انڈا اور انڈے سے مرغی بنا سکتا ہوں۔ خرگوش میں سے ہیٹ نکال سکتا ہوں۔"

"خرگوش میں سے ہیٹ۔" ایک آدمی ہنستا ہوا چیخا۔

"نہیں، ہیٹ میں سے خرگوش.....!" دلاور چیخا۔ "دیکھئے میرا کمال، یہ دیکھئے یہ ایک انڈا ہے، بتائیے اسے کیا بنا دوں۔"

"ہاتھی.....!" ایک آواز آئی۔

"نہیں..... خرگوش.....!" دوسری آواز سنائی دی۔

"نہیں بھائی اود بلا۔" تیسرا چیخا۔

"اچھا تو میں اسے توڑ کر پی لیتا ہوں۔" دلاور نے انڈا توڑ کر حلق میں انڈیلتے ہوئے کہا۔ "اب یہ تھوڑی دیر کے بعد ہضم ہو جائے گا، کہئے ہے نا کمال۔"

سارا ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔

"ہاں تو بھائیو.....!" وہ اسی چبوترے پر بیٹھتے ہوئے بولا جس پر بت نصب تھا۔ "میں اس عورت پر عاشق ہوں، لیکن یہ بڑی سنگدل ہے۔ میری قطعی پرواہ نہیں کرتی۔ میں سچ کہتا ہوں کہ میں اس کے عشق میں گھل گھل کر مر جاؤں گا۔"

اس نے بت کے پیروں سے لپٹ کر بلند آواز میں رونا شروع کر دیا۔ سارے لوگ ہنسی کے مارے بے حال ہوئے جا رہے تھے۔

"آپ لوگ ہنستے ہیں۔" وہ رونی آواز میں بولا۔ "خدا کرے آپ کو بھی کسی سنگدل سے محبت ہو جائے۔ میرا دادا اس کے عشق میں مر گیا، میرا باپ اسکے عشق میں مر گیا اور اب میں بھی

اس کے عشق میں مرجاؤں گا۔ وہ پھر اسکے پیروں سے لپٹ کر اسکے جسم پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

دفعتاً ایک کھٹکا ہوا اور وہ بت کھسک کر ایک طرف ہوگیا جس جگہ وہ نصب تھا۔ وہاں ایک غار پیدا ہوگیا اور دلاور خاں اسی غار میں گر کر غائب ہو چکا تھا۔ حمید نے سیٹی بجائی۔ سارے جوانوں نے اپنے اپنے پستول نکال لئے۔

''خبردار کوئی اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہ کرے۔'' ایک سب انسپکٹر چیخا۔

''بیز جی تم پانچ جوانوں کے ساتھ یہیں ٹھہرو.....!'' چیف انسپکٹر بت کی طرف بڑھا۔ ''سب دروازے بند کرالو کوئی باہر نہ جانے پائے اور بقیہ لوگ میرے ساتھ آئیں۔''

یہ غار ایک تہہ خانے کا راستہ تھا۔ وہ سب تہہ خانہ میں اتر گئے۔ تہہ خانہ میں حسب دستور جوا ہو رہا تھا۔ ناجائز شراب، افیون، چانڈو اور کوکین فروخت ہو رہی تھی۔ شہر کی عیاش طبع متمول عورتیں عیش کر رہی تھیں پولیس والے آہستہ آہستہ سارے تہہ خانے میں پھیل گئے۔ دلاور خاں کا کہیں پتہ نہ تھا۔

سنتوش کو بہت جلد اس کی اطلاع ہوگئی۔ اس نے بھی مورچہ سنبھال لیا۔ تقریباً آدھ گھنٹہ تک دونوں طرف سے گولیاں چلتی رہیں۔ آہستہ آہستہ سنتوش کی پارٹی سست ہوتی جا رہی تھی اس دوران میں سنتوش بری طرح زخمی ہوگیا۔ آخر کار فتح پولیس کی ہوئی اور سارے بدمعاش پکڑ لئے گئے۔ لیکن سنتوش غائب تھا۔ اس کی تلاش برابر جاری تھی۔ دفعتاً ایک کمرے سے گولی چلنے کی آواز آئی۔ حمید کمرے کی طرف لپکا لیکن فوراً ہی وہ باہر نکل آیا۔

''کیا بات ہے۔'' چیف نے پوچھا۔

''سنتوش نے خودکشی کرلی۔'' حمید نے بتایا۔

ڈاکو پولیس کی لاری میں بھر کر کوتوالی کی طرف لے جائے جا رہے تھے۔ ایک کار میں حمید، چیف اور بیز جی بیٹھے تھے۔

''دلاور خاں نہ جانے کہاں غائب ہوگیا۔'' چیف نے بکا۔

''معلوم نہیں اسے زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔'' حمید نے کہا۔ ''میں نے تو اتنا پرا

اور بھیانک آدمی آج تک نہیں دیکھا۔''

''خیر وہ اگر یہاں رہ گیا تو بچ کر نہ جا سکے گا۔'' چیف نے کہا۔

اسی رات کو چیف اور حمید فریدی کی کوٹھی میں بیٹھے ہوئے کافی پی رہے تھے۔

''فریدی کا کچھ پتہ نہیں۔'' چیف نے کہا۔

''کہیں وہ دلاور خاں کے پیچھے نہ لگ گئے ہوں۔'' حمید نے کہا۔

''کون جانے۔'' چیف بولا۔

''دیکھئے کب واپس ہوتے ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''آج سے دس سال قبل دلاور خاں کے لئے حکومت نے دس ہزار روپے کا انعام رکھا تھا۔ جو آج بھی بدستور قائم ہے۔ فریدی اسے حاصل کرنے کی ضرور کوشش کریگا۔'' چیف نے بتایا۔

''جی ہاں ضرور.....!'' کمرے کے باہر سے آواز آئی اور پھر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

حمید اور چیف کے سامنے دلاور کھڑا تھا۔

''ہینڈز اپ.....!'' حمید نے پستول نکال کر کہا۔

دلاور خاں ہنسنے لگا۔

''شاباش میرے لال.....!'' دلاور طنزیہ انداز میں بولا۔ ''سچ پوچھو تو میں تمہاری ہی گولی کا نشانہ بننے کی امید پر اب تک جی رہا ہوں۔''

چیف اور حمید حیرت سے منہ کھولے کھڑے تھے۔ ان میں اتنی ہمت بھی نہ رہ گئی تھی کہ منہ سے آواز تک نکال سکتے۔

''کیوں حمید..... میرے احسان کا یہی بدلہ ہے۔'' دلاور مسکرا کر بولا۔ ''اگر میں آج تمہاری رہنمائی نہ کرتا تو تمہارے فرشتوں کو بھی تہہ خانہ کا راستہ نہ معلوم ہو سکتا۔''

''تو اس کا مطلب ہے کہ اس احسان کے بدلے میں ایک بھیانک خونی کو چھوڑ دیا

جائے۔'' چیف نے کہا۔

''اچھا تو لیجئے خادم حاضر ہے۔'' دلاور زمین پر اکڑوں بیٹھتے ہوئے بولا۔

اس نے اپنا منہ گھٹنوں میں چھپا لیا تھا۔

حمید نے بڑھ کر اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگا دیں۔ وہ بدستور اسی طرح بے حرکت بیٹھا رہا۔

''آپ یہیں ٹھہریئے میں پولیس کو فون کرتا ہوں۔'' حمید نے کہا۔

''ارے.....ارے۔'' دلاور خاں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''فریدی.....!'' چیف حیرت سے بولا۔

''ارے آپ.....!'' حمید بھونچکا رہ گیا۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔ گھنی مونچھیں اس کے پیروں کے پاس پڑی ہوئی تھیں۔

''بھئی خدا کی قسم کمال کر دیا تم نے۔'' چیف نے اس کی پیٹھ ٹھوکتے ہوئے کہا۔

''سب محبت ہے آپ کی۔''

''تو کیا شروع ہی سے دلاور خاں کا رول ادا کر رہے تھے۔'' چیف انسپکٹر نے پوچھا۔

''جی ہاں.....اگر یہ نہ کرتا تو اس تہہ خانہ تک رسائی ناممکن تھی۔'' فریدی نے کہا۔

''میں کئی راتوں سے نہیں سو سکا، سخت نیند لگ رہی ہے۔ انشاء اللہ کل ساری داستان سناؤں گا۔''

چیف انسپکٹر تھوڑی دیر بیٹھ کر چلا گیا۔

تجوری کا راز

حمید نے دوسرے دن صبح ہی صبح فریدی کے کان کھانے شروع کر دیئے۔ وہ سارے واقعات جاننے کے لئے بُری طرح بے تاب تھا۔

''ارے بھئی تم تو جان کو آ گئے۔'' فریدی نے کہا۔ ''یہ ایک لمبی داستان ہے۔ کہاں تک سناؤں گا۔ بہر حال سنو! مگر یہ بتاؤ پہلے تجوری کا راز بیان کروں یا اس مرتبہ کے طریقہ سراغ رسانی پر روشنی ڈالوں۔''

''نہیں..... پہلے میں اس چیز کے متعلق سنوں گا جس کی بدولت یہ سب کچھ ہوا ہے۔'' حمید نے کہا۔

''اچھا سنو.....شاید تم نے نام سنا ہو۔ یہاں ایک بہت بڑے تاجر رام کمار جی تھے۔ میں ان کا نام اتنے ادب سے اس لئے لے رہا ہوں کہ وہ میرے والد صاحب مرحوم کے گہرے دوستوں میں سے تھے۔ ۱۹۴۰ء میں اچانک ان کا دیوالہ نکل گیا۔ یہ چیز بڑی حیرت انگیز تھی۔ وہ شخص جس کے ایک اشارے پر لاکھوں کے وارے نیارے ہوتے تھے بظاہر کوڑی کوڑی کو محتاج ہو گیا۔ یہ سیٹھ اگروال جو آج سارے شہر کا رئیس التجار بنا بیٹھا ہے ان کے یہاں منیم تھا۔ ان کے دیوالہ نکالنے میں اس کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ اس نے چپکے ہی چپکے اپنا گھر بھر لیا۔ جس وقت رام کمار جی کا دیوالہ نکلا ان کے بسر اوقات کے لئے صرف تھوڑی سی جائیداد باقی بچی جو ان کی بیوی کے نام تھی۔ اس سے ان کی بسر اوقات ہونے لگی۔ ان کا ایک سالہ بچہ بھی تھا۔ دیوالیہ ہو جانے کے صدمہ کی وجہ سے وہ زیادہ دن تک زندہ نہ رہ سکے۔ مرتے وقت انہوں نے ایک وصیت نامہ مرتب کر کے اپنے قانونی مشیر کے یہاں رکھوا دیا اور یہ ہدایت کر دی کہ یہ وصیت نامہ اس وقت ان کے بچے کے حوالے کیا جائے جب وہ بالغ ہو جائے۔ اور اگر وہ مر گیا تو وصیت نامہ اس کی بیوی کو دیا جائے۔ اگر اس کی حیات بھی وفا نہ کرے تو پھر یہ وصیت نامہ ان کے بھتیجے سنتوش کے حوالہ کر دیا جائے۔ یہی سنتوش جس نے کل رات خودکشی کی ہے۔ یہ رام کمار جی کا بھتیجا تھا۔ بچپن ہی سے بُری صحبتوں میں پڑ جانے کی وجہ سے وہ بڑا ہو کر اچھا خاصا ڈاکو بن گیا۔

رام کمار جی کے انتقال کے بعد ان کی بیوی اور بچے کی پرورش اسی جائیداد سے ہوتی رہی اور ہاں یہ تو بتانا بھول ہی گیا کہ رام کمار جی ایک تعویز اپنے بچے کے گلے میں ڈال گئے تھے

جس کے متعلق انہوں نے اپنی بیوی کو ہدایت کردی تھی کہ وہ اسے اس وقت کھول کر دیکھے
جب بچہ جوان ہوجائے۔

دو تین سال کے بعد دفعتاً ایک دن رام کمار جی کے قانونی مشیر نے ان کی بیوی کو اطلاع
دی کہ اس کے یہاں چوری ہوگئی۔ چوری ہونے والی چیزوں میں رام کمار جی کا وصیت نامہ بھی
تھا۔ ان کی بیوی کو سخت پریشانی ہوئی۔ وہ وصیت نامہ ان کے لئے ایک معمہ سے کم نہ تھا۔ کیونکہ
بظاہر رام کمار جی کے پاس کوئی ایسی چیز باقی نہ تھی جس کیلئے وہ کوئی وصیت نامہ مرتب کرتے۔
جائیداد خود ان کے نام تھی۔ اس لئے اس کے سلسلہ میں کسی قسم کی وصیت کا سوال ہی
نہیں رہ جاتا تھا۔ اس الجھن کے تحت انہوں نے بچے کے گلے میں پڑا ہوا پراسرار تعویز قبل از
وقت ہی کھول ڈالا۔ اس تعویز کے ذریعہ انہیں پتہ چلا کہ وصیت نامہ میں کسی خزانے کا ذکر
تھا۔ لیکن تعویز میں لکھی ہوئی ہدایت کے مطابق وصیت نامہ کو پڑھے بغیر خزانہ کا پتہ چلانا مشکل
تھا۔ انہیں ایک گونہ اطمینان ہوگیا کہ بغیر اس کے وصیت نامے کا چرانے والا اپنے مقصد میں
کامیاب نہ ہوسکے گا۔ انہوں نے تعویز بچے کے گلے سے کھول کر احتیاط سے رکھ دیا۔ چار سال
قبل کی بات ہے کہ اچانک ایک دن کسی نے ان کے بکس کا تالا توڑ کر تعویز نکال لیا۔ اس
پریشانیوں کی حد نہ رہی۔ وہ مجھے جانتی تھیں۔ ایک دن انہوں نے مجھے بلوا بھیجا اور سارا واقعہ
کر طالب امداد ہوئیں۔ رام کمار جی کی ساری شفقتیں یاد آگئیں۔ وہ مجھے بھی اپنے بچہ کی
طرح پیار کرتے تھے۔ میں نے ان کی بیوی سے وعدہ کیا میں حتی الامکان کوشش کروں گا۔
اسی دن سے میں نے تحقیقات شروع کردیں۔ کئی دنوں کے بعد پتہ چلا کہ وصیت نامہ
اگروال نے رام کمار جی کے قانونی مشیر کے یہاں سے چوری کروایا تھا۔ میں نے سوچا کہ
باضابطہ کاروائی کرکے اُسے حاصل کرنے کی کوشش کی تو کامیاب نہ ہوسکوں گا اس لئے میں نے
وہ طریقہ کار اختیار کیا۔ چونکہ چیز چوری کی تھی اس لئے سیٹھ اگروال نے بھی پولیس کو یہ
کہ اس کی کوئی چیز چوری نہیں کی گئی ہے۔

اس کے بعد سے مجھے اس چیز کی بہت زیادہ تشویش ہوگئی تھی کہ آخر اس پر گولی کس

چلائی۔ اسی دوران میں جب میں جگدیش کو بیوقوف بنانے کے لئے کار سے اتر گیا تھا مجھے چند
نامعلوم لوگوں سے دو دو ہاتھ کرنے پڑے۔ میں نے انہیں اور پولیس کو لڑنے میں الجھا دیا اور
خود پولیس کی لاری لے کر فرار ہوگیا۔ مجھے لوگوں کی نظروں سے چھپ کر کام کرنے کا اچھا موقع
مل گیا تھا۔

مجھے سب سے زیادہ فکر اس چیز کے پتہ لگانے کی تھی کہ آخر سیٹھ اگروال کے علاوہ اور
کون ہوسکتا ہے جو اس وصیت نامہ میں اتنی دلچسپی لے رہا ہے۔ رفتہ رفتہ مجھے اس کا احساس
ہونے لگا کہ یہ سنتوش کی حرکت ہے اور اسی نے وہ تعویز بھی چرایا ہے۔ لیکن وصیت نامہ ہاتھ نہ
لگنے کی وجہ سے بالکل بے بس ہے چونکہ اس سے اس چیز کو اگلوانا تھا۔ اس لئے میں نے دلاور
خاں کا بھیس بدلا اور سب سے پہلے جو کام کیا وہ یہ تھا کہ وصیت نامہ اپنی تجوری سے نکال لے
گیا۔ اس دن مجھے تم پر بہت ہنسی آئی تھی جب تم برآمدے میں پھیلے ہوئے پٹاخوں پر اچھل کود
رہے تھے۔ وہ میں نے دراصل اسلئے ڈالے تھے کہ جس وقت میں وصیت نامہ نکالنے میں مشغول
ہوں تو مجھے آنے جانیوالوں کی آہٹ مل سکے۔ سب سے پہلے تم ہی ان پٹاخوں کا شکار ہوئے۔
بعد کے واقعات سے تو تم واقف ہی ہو۔ ایک دن میں نے سنتوش کو بلا کر وہ تعویز دیکھ
ہی لیا۔ اس کا نقشہ میرے ذہن میں موجود تھا۔ اس کے مطابق وہ خزانہ اسی مکان میں ایک جگہ
دفن ہے جہاں رام کمار جی کی بیوی رہتی ہے۔ اب ذرا تھکن دور ہوجائے تو میں جاکر وہ خزانہ
کھدوانے میں ان کی مدد کروں گا۔ اب تم ہی بتاؤ کہ میں نے وہ وصیت نامہ چرا کر اگر اس کے
حقداروں کے پاس پہنچا دیا تو کون سا جرم کیا۔ اگر یہ جرم ہے بھی تو میں اسے جائز سمجھتا ہوں۔"

"اچھا یہ تو بتایئے فریدی صاحب کہ آپ اتنے طاقتور کب سے ہوگئے ہیں۔" حمید بولا۔

"ارے میاں اسے پوچھ کر کیا کروگے۔ یہ سب راز کی باتیں ہیں۔ ایک اچھے سراغ
رساں میں یہ ساری خصوصیات ہونی چاہئیں۔"

"سنتوش نے تو خودکشی کرلی۔ اب اس کیس میں کیا ہوگا۔" حمید نے دریافت کیا۔

"کچھ ہو یا نہ ہو، لیکن میرے پاس اس بات کا مکمل ثبوت ہے کہ سیٹھ اگروال پر سنتوش

ہی نے گولی چلائی تھی اور اب سے تین سال قبل اس نے ایک خون بھی کیا تھا۔" فریدی نے انکشاف کیا۔

"اچھا تو کیا آپ اس وصیت نامہ کا بھی تذکرہ کریں گے۔"

"کیا احمقوں کی سی باتیں کرتے ہو۔ اب جبکہ سنتوش مر چکا ہے اس کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ سیٹھ اگر وال میں اتنی ہمت نہیں کہ اب وہ اس کیس پر از سر نو روشنی ڈالے کیونکہ اس نے وصیت نامہ قطعی غیر قانونی طور پر حاصل کیا تھا۔ لہٰذا اب اس کی طرف سے کوئی کھٹکا نہیں رہ جاتا..... اچھا بھئی اب بس.....! کیا اب تک چائے نہیں بنی.....؟"

تمام شد

جلد نمبر
2

ابنِ صفی

جاسوسی دنیا

5- فریدی اور لیونارڈ

6- پُراسرار کنواں

7- خطرناک بوڑھا

8- مصنوعی ناک



جاسوسی دنیا

جلد نمبر 2

5 فریدی اور لیونارڈ

6 پُراسرار کنواں

7 خطرناک بوڑھا

8 مصنوعی ناک

ابن صفی

اسرار پبلی کیشنز

الکریم مارکیٹ، مین کبیر سٹریٹ

اردو بازار لاہور۔ فون : 7321970 - 7357022

پیشرس

جب بھی میں جاسوسی دنیا کا کوئی ابتدائی ناول دوبارہ چھاپنے لگتا ہوں تو بے اختیار یہی دل چاہتا ہے کہ اس میں کچھ تبدیلیاں کی جائیں، لیکن یہ سوچ کر باز ہی رہنا پڑتا ہے کہ ایسا کرنے سے میرے پڑھنے والوں کو فریدی اور حمید کے کرداروں میں تدریجی ارتقاء کا اندازہ کرنا دشوار ہو جائے گا۔

ہو سکتا ہے کہ آپ آج کے مقابلے میں ان دونوں کے کرداروں کو اس کتاب میں کچھ زیادہ اسمارٹ نہ پائیں، ان میں وہ رچاؤ نہ ملے جو آج ملتا ہے، لیکن یہ ناممکن ہے کہ آج کی جھلکیاں ان میں نہ ملیں، کیونکہ ماضی ہی سے مستقبل بنتا ہے۔

غالباً ان دونوں کرداروں کی مقبولیت کی بھی یہی وجہ ہے کہ پڑھنے والوں کے ذہن ارتقاء کے ساتھ ہی ساتھ ان میں تبدیلیاں ہوتی گئی ہیں۔

حمید صاحب کے متعلق اب یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ سنجیدہ ہوتے جا رہے ہیں لیکن آپ آخر یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ فریدی میں بھی تو بہتیری تبدیلیاں ہو گئی ہیں۔ یہ کہنا غلط ہو گا کہ حمید میں بہت زیادہ سنجیدگی آ گئی ہے۔ وہ اب بھی عموماً غیر سنجیدہ ہی رہتا ہے۔ مگر اس کے مزاج میں اب پھکڑ پن نہیں رہ گیا۔ اب وہ بہت جچی تلی بات کہتا ہے اور موقع بے موقع ہنسانے کی بھی کوشش نہیں کرتا۔ پہلے صرف باتیں بناتا تھا اب کام بھی کرنے لگا ہے۔ بہر حال میں اسے کسی طرح تسلیم نہیں کر سکتا کہ وہ اب سنجیدہ ہو گیا ہے۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ فریدی کے تئیں سنجیدگی کا کیا معیار ہے۔ لیکن کیا حمید اس معیار پر پورا اترتا ہے؟

ابن صفی

۱۴ ستمبر ۵۷ھ

ایک دلچسپ اطلاع

محکمہ سراغرسانی کی پُراسرار عمارت صبح کے کہر میں ڈوبی کچھ عجیب سی لگ رہی تھی۔ آج کئی دن سے سردی شباب پر تھی۔ شمالی ہند میں یونہی سردیوں میں سخت سردی پڑتی ہے۔ لیکن اس دوران میں ژالہ باری ہو جانے کی وجہ سے سردی اپنی انتہائی منزلیں طے کر رہی تھی۔ محکمہ سراغ رسانی کی عمارت کی دیواریں جو بڑے بڑے چوکور پتھروں کو جوڑ کر بنائی گئی تھی، اپنے استحکام کا اعلان کر رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ موسم کی شر انگیزیوں سے بے نیاز کہر کی گہری چادر پر طنزیہ ہنسی ہنستی ہوئی کہہ رہی ہوں کہ ہمیں کیا پرواہ ہے، ہم میں تو ایک رخنہ بھی نہیں جس سے اس سردی کی ٹھنڈی لہریں ہمارے اندر پہنچ سکیں۔ ہمارے قلب میں ایسے ایسے راز دفن ہیں جن کی ہوا بھی دنیا کو نہیں لگی۔ دنیا کے سینکڑوں راز ہمارے سینے میں دفن ہونے کے لئے آتے ہیں اور ہم تک محدود ہو کر رہ جاتے ہیں۔

اسی عمارت کے کمپاؤنڈ میں کئی شاندار بنگلے کھڑے اپنے مکینوں کی بڑائی کی تفسیر بیان کر رہے تھے۔ انہیں بنگلوں میں سے ایک کے برآمدے میں ایک قبول صورت انگریز عورت کھڑی شائد کسی کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے شب خوابی کے لباس پر اونی لبادہ پہن رکھا تھا۔ اس کی نگاہیں بار بار برآمدے میں لگے ہوئے کلاک کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک کار کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ انگریز عورت بے تابی کے ساتھ برآمدے سے اتر کر آگے بڑھی۔

ایک ادھیڑ عمر کا توانا تندرست انگریز کار سے اترا۔ اس نے آگے بڑھ کر عورت کی کمر میں

ہاتھ ڈال دیا۔

"اوہ جیکسن ڈارلنگ.....!" وہ عورت انگریزی میں بولی۔ "خدا کا شکر ہے کہ میں تمہیں پھر توانا و تندرست دیکھ رہی ہوں۔"

انگریز نے جھک کر عورت کی پیشانی چوم لی۔ پھر دونوں بنگلے میں داخل ہو گئے۔ یہ پی ایل جیکسن خفیہ پولیس کا سپرنٹنڈنٹ تھا۔ تقریباً دو ماہ سے ایک سخت تکلیف دہ مرض میں مبتلا تھا۔ اس کی زبان کی جڑ میں ایک پھوڑا نکل آیا تھا جس کی وجہ سے وہ تقریباً گونگا ہو کر رہ گیا۔ کھانے پینے میں بھی دقت محسوس ہوتی تھی، جب تک اس میں قوت برداشت رہی وہ مرض کی طرف سے لاپروائی برتتا رہا تھا، لیکن جب تکلیف ناقابل برداشت ہو گئی تو اسے ہسپتال داخل ہونا پڑا..... جہاں اُس کے پھوڑے کا آپریشن کر دیا گیا۔

آج دو ماہ بعد وہ مکمل طور پر صحت یاب ہو کر گھر واپس آیا تھا، جو عورت اس کا انتظار کر رہی تھی اس کی بیوی تھی۔

اسی دن دوپہر کی بات ہے کہ دفتر میں حمید فریدی کے کمرے میں ہنستا ہوا داخل ہوا۔ فریدی اخبار دیکھنے میں مشغول تھا۔ اس نے چونک کر حمید کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"شائد آپریشن کے سلسلے میں مسٹر جیکسن کے دماغ کی بھی کوئی رگ کٹ گئی ہے۔" حمید نے کہا۔

"کیا مطلب.....؟"

"چپراسیوں سے لے کر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ تک کو فرداً فرداً اپنے کمرے میں طلب کر چکے ہیں۔ اسٹاف کی حاضری کا رجسٹر سامنے کھلا رکھا ہے۔"

"کیوں.....؟"

"پتہ نہیں۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔ "آپ کو سلام دیا ہے۔"

"ہوں..... فریدی نے اٹھ کر سگار کا جلا ہوا ٹکڑا ایش ٹرے میں ڈالتے ہوئے کہا۔ اخبار موڑ کر اس نے جیب میں رکھ لیا اور پنجوں کے بل چلتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ یہ اس کی عجیب و غریب عادت تھی کہ وہ دفتر میں عموماً پنجوں کے بل چلا کرتا تھا۔ غالباً اس کا مقصد یہ تھا کہ جوتوں کی آواز سے کسی کے کام میں خلل نہ پڑے۔ وہ پردہ اٹھا کر مسٹر جیکسن کے کمرے میں داخل ہو گیا۔

"ہیلو مسٹر فریدی..... آپ اچھے تو ہیں؟" سپرنٹنڈنٹ نے پوچھا۔

"مہربانی۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "میں آپ کو آپ کی صحت یابی کی مبارک باد دیتا ہوں۔"

"شکریہ.....!" جیکسن نے کہا۔ "بیٹھئے۔"

فریدی بیٹھ گیا۔

"میں کیا بتاؤں کہ مجھے اپنے سٹاف سے کتنی محبت ہے۔" جیکسن مسکرا کر بولا۔ "میں نے آفس آ کر سب سے پہلا کام یہی کیا ہے کہ فرداً فرداً سب کو بلا کر ملاقات کی۔"

"ہم سب آپ کی محبت کی قدر کرتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"اُف..... اس دوران میں میں نے کتنی تکلیف اٹھائی ہے۔" جیکسن بولا۔

"تکلیف کی چیز ہی تھی۔" فریدی نے کہا۔ "میں آپ کی آواز میں بڑی حد تک تبدیلی محسوس کر رہا ہوں۔"

"ہاں بھئی..... یہ آپریشن ہے ہی ایسی چیز گلے اور زبان کا آپریشن ہوا تھا۔ ایسی صورت میں آواز ہی قائم رہ گئی ہے۔ اس کو ہی غنیمت سمجھتا ہوں۔"

"واقعی خدا نے بڑا فضل کیا۔" فریدی نے یہ جملہ یونہی رسماً بڑے جبر و اکراہ کے ساتھ ادا کیا۔ اُسے رسمی گفتگو سے سخت نفرت تھی۔ وہ ایک منہ پھٹ اور بے دھڑک حقیقت کا اظہار کر دینے والا آدمی تھا۔

"اس وقت میں نے خاص طور پر ایک اہم معاملے میں مشورہ کرنے کے لئے بلایا ہے۔"

"فرمائیے۔"

"کل رات ہسپتال میں مجھے انسپکٹر جنرل کی طرف سے ایک اطلاع ملی ہے، جو ہم سب کے لئے انتہائی تشویش ناک ہے۔ تم نے یورپ کے مشہور بلیک میلر لیونارڈ کا نام ضرور سنا ہو گا۔ وہ اپنے چند ساتھیوں سمیت ہندوستان آیا ہے اور اُس نے اپنا ہیڈ کوارٹر ہمارے ہی شہر میں قائم کیا ہے۔"

"خبر تو انتہائی دلچسپ ہے۔" فریدی نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے تم سے یہی امید تھی کہ تم اس میں ضرور دلچسپی لو گے۔" جیکسن نے ہنس کر کہا۔ "تم تو ایسے موقعوں کی تلاش ہی میں رہا کرتے ہو۔ اب مجھے سو فیصدی یقین ہو گیا ہے کہ تم سچ مچ فن سراغرسانی کے دلدادہ ہو۔"

"ہاں.....وہ لیونارڈ.....!" فریدی نے جیکسن کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"ہاں تو لیونارڈ خوفناک شخص ہے۔ جس نے سارے یورپ کو ہلا رکھا تھا۔ حد یہ ہے کہ اسکاٹ لینڈ کے نامور سراغ رساں بھی اسے نہ پکڑ سکے۔"

"جی ہاں..... میں جانتا ہوں کہ وہ ایک بین الاقوامی بلیک میلر ہے۔ یورپ کے بڑے بڑے گھرانے اس کے نام سے کانپتے ہیں۔ اس نے ایک بار اسکاٹ لینڈ یارڈ کے نامور جاسوس پیٹرسن کی اچھی خاصی درگت بنائی تھی۔"

"تم ٹھیک سمجھے۔ میں اسی لیونارڈ کی بات کر رہا ہوں۔" جیکسن نے کہا۔ "مگر ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ آخر وہ ہندوستان کیوں آیا ہے۔"

"یہاں کے راجوں اور نوابوں کو بلیک میل کرنے کے لئے۔" فریدی نے کہا۔

"تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا..... کیا تم اُس کی موجودگی سے پہلے ہی واقف ہو۔"

"جی ہاں۔"

"وہ کس طرح.....!" جیکسن نے کہا۔

فریدی نے جیب سے اخبار نکال کر سپرنٹنڈنٹ کے سامنے میز پر پھیلا کر ایک اشتہار کی طرف اشارہ کیا۔

سپرنٹنڈنٹ پڑھنے لگا۔

"یہاں کا وہ نواب متوجہ ہو، جو آج سے تین سال قبل محض عیاشی کی غرض سے ایک معمولی سیاح کے بھیس میں انگلینڈ گیا تھا۔ وہاں اُس نے ایک کسان کی حسین لڑکی پر ڈورے ڈالے تھے، لیکن اس طرح کامیاب نہ ہونے پر اُس سے شادی کر لی تھی۔ پھر کچھ دن اُس کے ساتھ رہ کر وہ چپکے سے ہندوستان واپس چلا آیا تھا۔ اُس نواب کو معلوم ہونا چاہئے کہ اب اس کی ریاست کا ایک جائز وارث اور پیدا ہو گیا ہے۔ میرے پاس سارے ثبوت شادی کے سرٹیفکیٹ سمیت موجود ہیں، جن کی قیمت پچھتر لاکھ روپیہ ہے۔ اگر وہ نواب اُن ساری چیزوں کو حاصل کرنا چاہے تو اس اخبار کے ذریعے اپنی رضامندی ظاہر کر سکتا ہے، ورنہ یہ سارے ثبوت اس کے نئے وارث کے حق میں استعمال کئے جائیں گے۔"

"دیکھا آپ نے.....!" فریدی نے کہا۔

جیکسن نے کچھ سوچتے ہوئے سر ہلا دیا۔

"مگر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ لیونارڈ کی حرکت ہے۔"

"میں تقریباً ایک ماہ سے اس قسم کے اشتہارات کے تراشے جمع کر رہا ہوں۔" فریدی نے کہا "اور یہ سب یورپ ہی کے واقعات سے تعلق رکھتے ہیں اور ان میں سے مجھے کوئی بھی اشتہار ایسا نظر نہیں آیا، جو کسی موٹی آسامی سے متعلق نہ ہو۔"

جیکسن نے پھر سر ہلایا۔

"مسٹر فریدی۔" جیکسن بولا۔ "میں اسی لئے تمہاری قدر کرتا ہوں کہ تمہاری نظریں بہت تیز ہیں۔ میں نے ابھی تقریباً سارے آفیسروں سے اس معاملے کے متعلق گفتگو کی ہے لیکن کسی نے بھی ان اشتہاروں کا حوالہ نہ دیا۔"

"ارے اس میں کون سی خاص بات ہے۔" فریدی بولا۔ "یہ تو ایسی چیز ہے جس نے معمولی سے معمولی دماغ والے آدمی کو بھی اپنی طرف متوجہ کر لیا ہوگا۔"

"تم نے ابھی اس قسم کے اور اشتہاروں کا تذکرہ کیا تھا۔" جیکسن نے کہا۔ "کیا ان کے تراشے تمہارے پاس موجود ہیں۔"

"جی ہاں..... دو تین یہیں آفس میں موجود ہیں۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "ٹھہریئے! میں ابھی آپ کو دکھاتا ہوں۔"

فریدی انگریزی اخبار کے دو تین تراشے اٹھا لایا اور باری باری انہیں پڑھنے لگا۔

"وہ مہارانی صاحبہ متوجہ ہوں، جو عیاشی کے لئے ہر سال پیرس جاتی ہیں۔ ان کے وہ خطوط میرے پاس موجود ہیں جو انہوں نے اپنے عاشقوں کو لکھے تھے۔ ان خطوط کی قیمت سولہ لاکھ روپیہ ہے۔ عدم ادائیگی کی صورت میں یہ خطوط شائع کر دیئے جائیں گے۔ سودا اسی اخبار کے ذریعے طے کیا جا سکتا ہے۔"

دوسرا اشتہار یہ ہے

"وہ حسین و جمیل نواب زادی متوجہ ہو، جو پچھلے سال اپنے ایک عاشق کو ساتھ لے کر سوئیٹزرلینڈ گئی تھی۔ بظاہر وہ اس کا پرائیویٹ سیکریٹری تھا۔ میرے پاس ان دونوں کی کچھ تصاویر ہیں، جن کا شائع کر دینا انتہائی دلچسپ ثابت ہو سکتا ہے۔ ان تصویروں کی قیمت بیس لاکھ روپیہ

ہے۔ اس سلسلے میں اسی قیمت کے زیورات یا جواہرات قبول کئے جاسکتے ہیں۔ عدم ادائیگی کی صورت میں یہ تصاویر چھپوا کر مفت تقسیم کردی جائیں گی۔ اس اخبار کے ذریعہ رضامندی ظاہر کی جاسکتی ہے۔"

"اسی طرح کے اور بھی اشتہارات ہیں، لیجئے خود آپ ہی پڑھ لیجئے۔" فریدی نے تراشے جیکسن کی طرف بڑھادیئے۔

"تعجب ہے کہ پولیس ابھی تک اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئی۔" جیکسن نے کہا۔ "یہ تو کھلا ہوا جرم ہے۔ یہ اخبار گویا بلیک میلنگ کی ہمت افزائی کررہا ہے، اسے تو فوراً ضبط کرکے اس پر مقدمہ چلانا چاہئے۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"لیونارڈ یا اس کے شریک کار معمولی آدمی نہیں ہیں۔ وہ اتنی آسانی سے گرفت میں نہیں آسکتے۔" فریدی نے کہا۔

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"ذرا آج کے اخبار کا ایڈیٹوریل کا یہ حصہ ملاحظہ فرمایئے۔" فریدی نے اخبار جیکسن کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

جیکسن پڑھنے لگا۔

"ہم نے اپنے قارئین کی دلچسپی کے لئے ایسے اشتہارات کے نمونے چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے، جو یورپ میں بلیک میلنگ کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ آج کے اخبار میں بھی آپ کو ایسا ہی اشتہار ملے گا۔ ہم آئندہ بھی آپ کی دلچسپی کیلئے ان کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔"

جیکسن پڑھ چکنے کے بعد فریدی کی طرف حیرت سے دیکھنے لگا۔

"مگر یہ تو بتاؤ کہ تم نے آج تک کسی کا جواب بھی اخبار میں دیکھا یا نہیں۔" جیکسن نے کہا۔

"ایسی صورت میں جبکہ خود اخبار والے ملے ہوئے ہوں جواب شائع کرنے کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن یہ وثوق سے کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اخبار والے ملے ہوئے ہیں۔"

"ان خطوط کے بارے میں ایڈیٹوریل نوٹ پڑھ کر قطعی کہا جاسکتا ہے۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ مسٹر فریدی کہ تم باتوں کو بہت ہی گھما پھرا کر سوچنے کے عادی ہو۔" جیکسن نے کہا۔ "بہت ممکن ہے کہ اس قسم کے خطوط دلچسپی ہی کے لئے شائع کئے جاتے ہوں۔"

"لیکن مجھے تو اس میں کوئی بھی دلچسپی کی بات نظر نہیں آتی۔" فریدی نے کہا۔ "اور اگر دلچسپی ہی کے لئے ان کا سلسلہ شروع کیا گیا ہوتا تو دو ایک اشتہارات کافی تھے یا پھر ہر اشتہار میں کوئی نئی بات ہونی چاہئے تھی۔ اب تک تقریباً پندرہ اشتہارات شائع ہو چکے ہیں، لیکن سب ایک جیسے۔ ہر ایک میں ایک نئے ڈھنگ سے روپیوں کا مطالبہ کیا گیا ہے۔"

"خیر بھئی یہی ہوگا۔" جیکسن نے اکتا کر کہا۔ "مجھے دراصل تمہیں یہ اطلاع دینی تھی کہ لیونارڈ کا پتہ لگانے کے لئے چھ جاسوسوں کی ایک کمیٹی بنائی گئی ہے، جس میں تمہارا نام ہے۔"

"تو کیا سب کو ایک ہی طریقہ کار پر عمل کرنا پڑے گا۔" فریدی نے پوچھا۔

"قطعی.....!" جیکسن نے میز پر جھکتے ہوئے کہا۔ "یہ لازمی ہے۔"

"لیکن میں اس کا عادی نہیں۔"

"مجبوری ہے۔ یہ تو کرنا ہی پڑے گا۔ تمہیں روزانہ رپورٹ دینی پڑے گی۔"

"آپ جانتے ہیں کہ میں اس پر کبھی کاربند نہیں رہا۔" فریدی نے کہا۔

"اس بار تو تمہیں اس پر عمل کرنا ہی پڑے گا۔ کیونکہ احکامات اوپر سے آئے ہیں۔" جیکسن بولا۔

"اور اگر میں انکار کردوں۔" فریدی نے کہا۔

"کیا بچپنے کی باتیں کررہے ہو۔" جیکسن نے ترش روئی سے کہا۔ "یہاں رہ کر تمہیں احکامات کا پابند ہونا پڑے گا۔"

"اور اگر فرض کیجئے کہ میں استعفیٰ دے دوں تو۔"

"میں تمہیں اس کی رائے نہ دوں گا۔" جیکسن لاپروائی سے بولا۔

"لیکن میں اپنے اصول کے خلاف ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔"

"آخر اس میں تمہارا نقصان ہی کیا ہے۔" جیکسن جھنجھلا کر بولا۔ "تمہارے جیسا ضدی آدمی تو میری نظروں سے گزرا ہی نہیں مجھے ڈر ہے کہ تم کہیں اپنی جان نہ گنوا بیٹھو۔ اگر

ہمیں تمہاری اسکیموں کی خبر نہ ہوگی تو ہم تمہاری حفاظت کیسے کریں گے۔"

"آپ کا فرمانا درست ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ میں اس محکمے میں روٹیوں کے لئے نہیں آیا۔ میری خطر پسند طبیعت نے اسی پیشے میں تسکین سامان دیکھ کر مجھے اس طرف آنے پر مجبور کیا ہے۔ میرا اس کام میں دل ہی نہیں لگتا جس میں قدم قدم پر موت کا خطرہ نہ ہو۔"

"ذاتی طور پر یہ چیز تمہارے لئے ٹھیک ہو سکتی ہے لیکن محکمے کے حق میں نقصان دہ ہے۔"

"لیکن اس سے پہلے تو مجھے اس بات پر کبھی مجبور نہیں کیا گیا۔" فریدی نے کہا۔

"بھئی پہلے کی بات اور ہے۔ پہلے تمہارا تعلق صرف مجھ سے تھا لیکن اس بار براہِ راست انسپکٹر جنرل کا معاملہ ہے۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔" فریدی نے کہا۔ "میں کوشش کروں گا کہ ان کی ہدایات پر عمل کروں۔"

"آج شام تک بقیہ پانچ جاسوس بھی یہاں پہنچ جائیں گے۔ میں کل اُن سے تمہارا تعارف کرا دوں گا۔ یہ سب مختلف صوبوں کے بہترین دماغ ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد فریدی وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا آیا۔

پُراسرار آدمی

مشہور اخبار نیو اسٹار کے دفتر کی عمارت برقی قمقموں کی روشنی میں نہائی ہوئی کھڑی تھی۔ رات کے تقریباً دس بجے ہوں گے۔ سردی کی زیادتی کی وجہ سے سڑکوں پر لوگوں کی آمد و رفت کم ہو گئی تھی۔ رات کے سناٹے میں اخبار چھاپنے والی مشینوں کی گھڑگھڑاہٹ عجیب انتشار برپا کئے ہوئے تھی۔ اس کے ساتھ ہی کبھی کبھی کتوں کے بھونکنے کی آوازیں بھی فضا میں گونج اٹھتی تھیں۔

نیو اسٹار کے دفتر اور چھاپے خانے میں لوگ تندہی سے اپنے فرائض انجام دے رہے تھے۔

فعتاً ایڈیٹر کے کمرے میں شور ہونے لگا۔ قریب کے لوگ اپنا کام کاج چھوڑ کر کمرے کے دروازے پر اکٹھا ہو گئے۔

ایڈیٹر اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑا مجمع سے کہہ رہا تھا۔ "جاؤ..... تم لوگ یہاں کیوں اکٹھا ہو گئے۔ جاؤ..... اپنا کام کرو۔"

لوگ آہستہ آہستہ اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ ایڈیٹر کمرے میں لوٹ آیا۔ یہاں ایک آدمی آرام کرسی پر بیہوش پڑا تھا۔ اسسٹنٹ ایڈیٹر اس کے کپڑوں کے بٹن کھول رہا تھا۔

"دوڑو..... جلدی کرو..... ڈاکٹر.....!" ایڈیٹر نے سب ایڈیٹر سے کہا۔

سب ایڈیٹر بیہوش آدمی کو اسی حالت میں چھوڑ کر باہر چلا گیا۔

ایڈیٹر نے بیٹھ کر ایک سگریٹ سلگایا اور ایک مضحکہ خیز مسکراہٹ کے ساتھ بیہوش آدمی کی طرف دیکھنے لگا۔ بیہوش آدمی نے آرام کرسی پر بدستور لیٹے ہی لیٹے آدھی کھلی آنکھوں سے کمرے کا جائزہ لیا اور ایک ہاتھ السٹر کی اندرونی جیب میں ڈال کر نوٹوں کا ایک بنڈل نکالا اور فرش پر گرا دیا۔ ایڈیٹر نے جھک کر بنڈل اٹھایا اور اپنے جیب میں ڈال لیا۔ اس کے بعد بیہوش آدمی کی کرسی سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ گرا۔ ایڈیٹر نے اسے بھی اٹھا کر میز کی دراز میں رکھ لیا۔ پھر وہ اٹھ کر کمرے کے دروازے پر آیا اور چق اٹھا کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ آس پاس کوئی موجود نہ تھا۔ وہ باہر نکل کر برآمدے میں کھڑا ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد اسسٹنٹ ایڈیٹر ڈاکٹر کو لے کر آ گیا۔ اُن دونوں کے پیچھے ایک آدمی اور تھا۔ اُس نے اُن کے قریب پہنچ کر اپنی فلٹ ہیٹ اتاری اور اپنا ملاقاتی کارڈ گھبرائے ہوئے ایڈیٹر کی طرف بڑھا دیا۔ ایڈیٹر ڈاکٹر سے کہہ رہا تھا۔ "ڈاکٹر صاحب..... ذرا دیکھ لیجئے۔ میں تو سخت پریشان ہوں۔ معلوم نہیں بے چارہ کس کام کے لئے آیا تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی بیہوش ہو کر گر پڑا۔"

"اچھا میں دیکھتا ہوں۔" یہ کہہ کر ڈاکٹر اسسٹنٹ ایڈیٹر کے ساتھ کمرے میں چلا آیا۔ ڈاکٹر وہیں کھڑا آنے والے کے ملاقاتی کارڈ کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"فریدی صاحب۔" ایڈیٹر نے آنے والے کو گھورتے ہوئے کہا۔ "فرمایئے کیسے تکلیف کی۔"

"کوئی خاص بات نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "پہلے آپ اپنے مریض کو دیکھئے پھر بعد میں

باتیں ہوتی رہیں گی۔"

ایڈیٹر کمرے کی طرف بڑھا..... اُس کے پیچھے فریدی بھی۔

"کہئے ڈاکٹر صاحب کیا بات ہے۔" ایڈیٹر نے کہا۔

"کوئی خاص بات نہیں..... مجھے یہ بیہوشی بہت زیادہ تھکن کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "یہ جلد ہی ہوش میں آجائیں گے۔"

فریدی نے بیہوش آدمی کی طرف دیکھا اور چونک پڑا۔

"تشریف رکھئے۔" ایڈیٹر نے فریدی سے کہا۔ اُس کے لہجے میں عجیب طرح کا اضطراب تھا۔ جسے خوف ہی کا نتیجہ کہا جاسکتا ہے۔

فریدی خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کمزور اعصاب کے لوگوں پر عموماً سردیوں میں اس قسم کے دورے پڑ جاتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"آپ کا خیال درست ہے۔" ڈاکٹر بولا۔

"یہ ہیں کون صاحب۔" فریدی نے کہا۔

"معلوم نہیں۔" ایڈیٹر نے کہا۔ "انہوں نے چپڑاسی سے اپنا ملاقاتی کارڈ بھجوایا تھا..... اس کے بعد خود اندر آئے اور بیہوش ہو کر گر پڑے۔ میں اور میرا اسسٹنٹ دونوں یہاں موجود تھے..... ہم نے انہیں اٹھا کر کرسی پر ڈال دیا اور اسسٹنٹ ڈاکٹر کو لینے چلا گیا۔"

فریدی نے میز پر سے اجنبی کا ملاقاتی کارڈ اٹھا کر دیکھا جس پر لکھا ہوا تھا۔

"پرنس عدنان آف عراق.....!"

فریدی نے معنی خیز انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ میں صورت ہی دیکھ کر سمجھ گیا تھا کہ کوئی بڑا آدمی ہے۔"

"جی ہاں..... میری پریشانی کا باعث دراصل یہی چیز تھی۔" ایڈیٹر سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔ "لیجئے شوق فرمایئے۔" اُس نے سگریٹ کیس فریدی کی طرف بڑھایا۔

"جی شکریہ..... میں صرف سگار پیتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"عجیب مصیبت ہے۔" ایڈیٹر نے بیہوش آدمی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر اس قسم کا

خطرناک مرض لاحق ہوتا ہے تو یہ لوگ وقت بے وقت گھر ہی سے کیوں نکلتے ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد اجنبی کو ہوش آگیا۔ وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اُس نے چندھیائی ہوئی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھا اور خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ انگریزی میں بولا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ لوگوں کو پریشانی اٹھانی پڑی۔"

"کوئی بات نہیں....." ایڈیٹر نے مسکرا کر کہا۔ "فرمایئے کیسے تکلیف کی تھی۔"

"مجھے پانچ منٹ کی مہلت دیجئے۔" اجنبی بولا۔ "مجھے سوچنا پڑے گا کہ میں کیوں آیا تھا۔ اس قسم کے دوروں کے بعد عموماً میں تھوڑی دیر کے لئے اپنی یادداشت کھو بیٹھتا ہوں۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔" فریدی معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"جی ہاں..... یورپ کے تقریباً ہر ملک میں میں نے اپنے اس مرض کا شافی علاج کرانا چاہا لیکن بیکار.....!" اجنبی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ ہندوستان میں آپ کے اس مرض کا خاطر خواہ علاج ہو جائے گا۔" فریدی نے کہا۔

اجنبی اس کے جملے پر چونک پڑا۔

"جی ہاں.....!" وہ مسکرا کر بولا۔ "میں نے بھی یہاں کے معالجوں کے طریقہ علاج کی بہت تعریف سنی ہے۔"

"کہئے کچھ یاد آیا۔" ایڈیٹر نے ہنس کر کہا۔

"جی ہاں.....!" اجنبی بولا "میں دراصل آپ کے اخبار میں ایک اشتہار دینے کے لئے آیا تھا۔"

"ہاں ہاں..... شوق سے۔" ایڈیٹر نے کہا۔

"مجھے ایک ڈرائیور کی ضرورت ہے۔"

"اگر یہ بات ہے تو انگریزی اخبار آپ کے لئے بیکار ثابت ہوگا۔" فریدی نے کہا۔ "کیونکہ ہندوستان میں شاید ہی کوئی انگریزی پڑھا ہوا پیشہ ور ڈرائیور مل سکے۔"

"لیکن مجھے تو انگریزی ہی جاننے والا چاہئے کیونکہ میں ہندوستانی زبان نہیں سمجھ پاتا۔" اجنبی نے کہا۔

"خیر کوشش کیجئے۔ شاید کوئی مل ہی جائے۔" فریدی بولا۔

"آپ اپنا پتہ مجھے دے دیجئے..... میں اشتہار شائع کردوں گا۔" ایڈیٹر نے اجنبی سے کہا۔

تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر کی گفتگو کرنے کے بعد اجنبی کھڑا ہو گیا۔ اُس نے وہاں سے بیٹھے ہوئے سب آدمیوں سے مصافحہ کیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

"ہاں تو فرمایئے..... میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔" ایڈیٹر نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"جناب پہلے یہ فرمایئے کہ کیا آپ کا کمرہ آسیب زدہ ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں..... کیا بات ہے۔" ایڈیٹر نے کہا۔

"مجھے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے، جیسے میں بھی تھوڑی دیر بعد بیہوش ہو جاؤں گا۔" فریدی نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔

"ارے.....!" ایڈیٹر حیرت سے آنکھیں پھاڑتا ہوا بولا۔

"جی ہاں..... ذرا جلدی سے..... ڈاکٹر شائد ابھی تھوڑی ہی دور گیا ہوگا۔" فریدی یہ کہتے کہتے کرسی پر ایک طرف لٹک گیا۔ اس کا بایاں ہاتھ زمین پر جھول رہا تھا۔

ایڈیٹر گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ اُسے آوازیں دے رہا تھا لیکن بے سود۔ فریدی بے ہوش ہو چکا تھا۔ بجائے اُس کے کہ وہ گھنٹی بجا کر کسی کو بلاتا خود باہر کی طرف بھاگا۔ شاید وہ ڈاکٹر کو بلانے جا رہا تھا۔ اُس نے اُسے عمارت کے پھاٹک پر ہی جالیا۔

"ڈاکٹر..... ڈاکٹر..... فوراً واپس چلو..... دوسرے صاحب بھی بے ہوش ہو گئے۔"

دوسرے دن فریدی اور حمید میں گفتگو ہو رہی تھی۔ نیو اسٹار کا تازہ پرچہ میز پر کھلا ہوا

تھا۔

"دیکھو آج اُن دلچسپ اشتہارات کا سلسلہ نہیں شائع ہوا۔" فریدی نے کہا۔

"ایڈیٹر نے معذرت بھی کی ہے۔" حمید بولا۔ "یہ دیکھئے لکھتا ہے ہمیں افسوس ہے کہ آج کی اشاعت میں اچانک مسودہ کھو جانے کی بناء پر بلیک میلنگ کا دلچسپ اشتہار شائع نہ ہو سکا۔"

"یہ بات تو اس نے بالکل سچ لکھی ہے۔" فریدی بولا۔ "مسودہ سچ مچ کھو گیا تھا اور غالباً تم یہ بھی جانتے ہو کہ آج کل شہر میں کھوئی ہوئی چیزیں میری جیب سے برآمد ہوتی ہیں۔"

"کیا مطلب.....؟" حمید نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یعنی یہ کہ وہ مسودہ اس وقت میری جیب میں موجود ہے۔" فریدی نے جیب سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکالتے ہوئے کہا۔ "پڑھو۔"

حمید پڑھنے لگا۔

"لندن کی حسین رات کون بھول سکتا ہے، جب پرنس..... نے اپنی کنواری چچازاد بہن کو ایک رات کے لئے اپنی بیوی بنایا تھا۔ لندن کے جیفرز ہوٹل کا کمرہ نمبر ۱۱۵ سہاگ رات کی رنگینیوں سے معمور تھا۔ پرنس کی چچازاد بہن دوسرے ہی دن ہندوستان کے لئے روانہ ہو گئی۔ واپسی پر تین دن کے اندر ہی اندر اُس نے ایک جاگیردار سے شادی کر لی۔ میرے پاس اس کا کافی ثبوت موجود ہے کہ وہ جس بچے کی ماں بننے والی ہے وہ جاگیردار کا نہیں ہے۔ میں اس پرنس اور اس کی چچازاد بہن سے پندرہ لاکھ روپے کا مطالبہ کرتا ہوں، عدم ادائیگی کی صورت میں یہ راز اُس جاگیردار کو معہ ثبوت بتایا جائے گا۔ خط و کتابت اسی اخبار کی معرفت ہونی چاہئے۔"

"لیکن یہ آپ کو ملا کیسے۔" حمید نے کہا۔

فریدی نے اُس رات کے سارے حالات بتاتے ہوئے کہا۔ "میرے بیہوش ہوتے ہی ایڈیٹر گھبرا کر ڈاکٹر کو بلانے کے لئے کمرے سے باہر نکل گیا اور میں نے جلدی جلدی اس کمرے کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ سب سے پہلے میں نے میز کی درازوں کو کھولا۔ اتفاق سے یہ کاغذ اوپر ہی رکھا ہوا مل گیا۔ اتنا کافی تھا۔ میں نے جلدی سے اُسے جیب میں ڈالا اور پھر بن کر لیٹ گیا۔ اس کاغذ پر دو آدمیوں کی انگلیوں کے نشانات ملے ہیں اور دوسرے نشانات کے بارے میں ابھی کچھ کہہ نہیں سکتا۔ لیکن مجھے جس پر شبہ ہے اس کے پیچھے تمہیں لگانا چاہتا ہوں۔ تم بہ آسانی اس کی

انگلیوں کے نشانات لے سکو گے۔"

"وہ کون ہے۔" حمید نے بے تابی سے پوچھا۔

"وہی شخص جو رات ایڈیٹر کے کمرے میں بیہوش ہو گیا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "اس کے لئے تمہیں اس کا موٹر ڈرائیور بننا پڑے گا۔"

"میں سمجھ گیا..... ہاں تدبیر تو اچھی خاصی ہے۔" حمید بولا۔ "لیکن یہ تو بتایئے کہ آپ نے ہوش میں آنے کے بعد ایڈیٹر کو کیا بتایا تھا کہ آپ اس سے کیوں ملنے گئے تھے۔"

"ارے یہ بھی کوئی خاص بات ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں نے کل کی اشاعت کے ایک مضمون کے متعلق اس سے گفتگو شروع کر دی تھی جو کچھ حکومت کی مخالفت میں تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ نیوسٹار مجھے بہت پسند ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ حکومت اس پر کسی قسم کی پابندی لگا دے۔ لہٰذا اس قسم کے مضامین نہ چھاپے جائیں۔"

"بہت خوب.....!" حمید نے کہا۔ "اور اس شخص کی اچانک بے ہوشی کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ شخص یہ اشتہار ایڈیٹر کو دینے کے لئے آیا ہو گا اور موقع نہ دیکھ کر اس نے یہ چال چلی۔ اسے بیہوش ہوتے دیکھ کر ایڈیٹر نے اپنے اسسٹنٹ کو ڈاکٹر کے لئے دوڑا دیا۔ اس نے اس دوران میں وہ اشتہار ایڈیٹر کو دیا ہو گا۔ جب وہ ہوش میں آیا اس وقت میں وہاں موجود تھا۔ میرے علاوہ ڈاکٹر بھی تھا۔ ہم لوگوں کی موجودگی میں اُس نے یہی ظاہر کرنا مناسب سمجھا کہ وہ ایک موٹر ڈرائیور کے لئے اخبار میں اشتہار دینا چاہتا ہے۔"

حمید نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔

"اس اخبار میں پرنس عدنان کی طرف سے ایک موٹر ڈرائیور کے لئے اشتہار شائع ہوا ہے۔ لیکن اب اسے دھوکا دینا مشکل ہو جائے گا۔" حمید نے کہا۔

"تم ٹھیک سمجھے! ایڈیٹر نے اسے رات ہی میں مطلع کر دیا ہو گا کہ مسودہ گم ہو گیا ہے اور وہ بھی سمجھ گیا ہو گا کہ یہ کام میرا ہی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اب پرنس عدنان کافی احتیاط سے کام لے گا۔"

"آپ یہ سب اتنے وثوق کے ساتھ کہہ رہے ہیں، جیسے آپ کو مکمل یقین ہو کہ پرنس

عدنان ہی اصل مجرم ہے۔" حمید نے کہا۔

"اصل مجرم وہ نہیں بلکہ لیونارڈ ہے۔ وہ تو اس کا ایک ایجنٹ معلوم ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"لیجئے یک نہ شد دو شد۔" حمید نے کہا۔ "میں تو پرنس عدنان ہی کو لیونارڈ سمجھ رہا تھا۔"

"تم غلط سمجھ رہے تھے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیونارڈ انگریز ہے اور پرنس عدنان ہندوستانی۔"

"ہندوستانی یا عراقی.....؟" حمید نے کہا۔

"سو فیصدی ہندوستانی۔"

"وہ کیسے؟"

"پہلے تم اُسے ایک بار دیکھ آؤ..... پھر بتاؤں گا۔" فریدی نے کہا۔

"تو میں کس طرح جاؤں۔" حمید نے کہا۔

"پیدل.....!"

"اونہہ! میرا یہ مطلب نہیں۔" حمید نے قدرے جھنجھلا کر کہا۔ "میں اُس سے کس حیثیت سے ملوں۔"

"ایک ملازمت کے خواہاں موٹر ڈرائیور کی حیثیت سے۔"

"مگر وہ اب کافی ہوشیار ہو گیا ہو گا۔"

"تب تو مجھے اور بھی زیادہ آسانی ہو جائے گی۔" فریدی نے کہا۔ "ہمیشہ یاد رکھو کہ مجرم اُس وقت بہت آسانی سے گرفت میں آجاتا ہے جب وہ حد سے زیادہ محتاط ہو جائے۔ میں تو یہ چاہتا ہی ہوں کہ تمہارے جانے پر اُسے کسی طرح شبہ ہو جائے کہ مقامی جاسوس اس کے پیچھے لگ گئے ہیں۔"

حمید نے پھر معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔

"لیکن ایک بات کا خاص خیال رکھنا۔" فریدی نے کہا۔ "اُس پر یہ نہ ظاہر ہونے پائے کہ تم انگریزی کافی جانتے ہو۔ گفتگو ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کرنا۔ حتی الامکان اس بات کی کوشش کرنا کہ اُسے شبہ نہ ہونے پائے۔ اگر شبہ ہو ہی گیا تو اس کی فکر نہیں، کیونکہ اس صورت میں بھی کوئی نہ کوئی راستہ نکال ہی لوں گا۔"

"میں اچھی طرح سمجھ گیا۔" حمید نے کہا۔ "اچھا تو میں کس طرح جاؤں..... کیا بھیس بدلنے کی بھی ضرورت ہو گی۔"

"قطعی..... بغیر بھیس بدلے اس کے سامنے جانا بھی مت۔ ورنہ سارا کھیل بگڑ جائے گا۔ آج تین بجے تم اس کے یہاں ضرور پہنچ جانا..... اور ہاں میں ابھی تمہیں ایک تجربہ کار ملٹری ڈرائیور کا سرٹیفکیٹ بھی دے دوں گا۔"

نوک جھونک

خفیہ پولیس کے دفتر میں مسٹر جیکسن کے کمرے میں ملک کے چھ سربرآوردہ جاسوسوں کی میٹنگ ہو رہی تھی۔ فریدی کے علاوہ ہر ایک اپنی رپورٹ مسٹر جیکسن کے سامنے پیش کر چکا تھا۔

"کیوں مسٹر فریدی آپ کیا سوچ رہے ہیں۔" جیکسن نے کہا۔

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ ایک ایسے شخص کا پتہ لگانا کتنا دشوار ہے جسے آج تک کسی نے نہ دیکھا ہو۔ جس کی تصویر محکمہ سراغ رسانی کے دفتر میں موجود نہ ہو۔ اسکاٹ لینڈ یارڈ والے محض اسی بناء پر اُسے پکڑ نہ سکے کہ اُن کے پاس نہ تو تصویر تھی اور نہ دوسرے ایسے نشانات جن سے وہ پکڑا جا سکے۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں ناامید ہو جانا چاہئے۔" جیکسن نے کہا۔

"میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ ہماری طرف میں آ ہی جائے، لیکن ایسے لوگوں کا پکڑا جانا محض اتفاق پر مبنی ہوتا ہے۔ کسی خاص طریقہ کار پر عمل کر کے ایسوں کو گرفتار کر لینا قطعی ناممکن ہے۔"

"بہر حال اس بحث سے کوئی فائدہ نہیں۔" جیکسن نے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ تم نے اب تک کیا کیا۔"

"میں نے آپ سے اپنے جس شبہ کا اظہار کیا تھا اس کے تحت میں اخبار کے دفتر میں گیا تھا لیکن وہاں تحقیقات کرنے پر مجھے پتہ چلا کہ میں غلطی پر تھا۔ ایڈیٹر نے مجھے بتایا کہ وہ لوگوں کی دلچسپی کے لئے اسی قسم کے دوسرے سلسلے بھی شروع کرنے والا ہے۔"

"وہ تو میں پہلے ہی کہہ رہا تھا۔" مسٹر جیکسن نے مسکرا کر کہا۔

"ارے پھر کہاں آپ کہاں میں۔" فریدی نے انتہائی خاکسارانہ انداز میں کہا۔ "آپ بہر حال ہم سب کے استاد ہیں۔"

جیکسن ہنسنے لگا۔

"تو پھر اب تمہارا کیا ارادہ ہے۔" جیکسن بولا۔

"میں کسی خاص لائن پر کام نہیں کر رہا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"تو پھر ان جاسوسوں کے بنائے ہوئے پلان میں اُن کے شریک کار ہو جاؤ۔" جیکسن نے کہا۔

"میں اسے وقت برباد کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھتا۔" فریدی نے کہا۔

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔" ایک جاسوس تیز لہجے میں بولا۔ بقیہ جاسوسوں کے چہروں سے بھی یہی ظاہر ہو رہا تھا کہ انہوں نے فریدی کے اس جملے کا بُرا مانا ہے۔

"دیکھئے، جناب یہ شیر کا شکار تو ہے نہیں کہ آپ نے ہانکا کرا دیا اور اس کا انتظار کرنے لگے اور ابھی شیر خود بخود سامنے آ جائے گا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "یہ ایک ایسے آدمی کا معاملہ ہے جسے آج تک کسی نے دیکھا ہی نہیں، اور پھر اس نے یہاں کوئی واردات بھی نہیں کی کہ اس کے سہارے کسی خاص نتیجے پر پہنچا جا سکے۔"

"تو اس کا صریحاً یہ مطلب ہے کہ اُسے گرفتار کیا ہی نہیں جا سکتا۔" دوسرا جاسوس بولا۔

"تاوقتیکہ اس کا کچھ پتہ نشان نہ ملے۔ میں تو ایسا ہی سمجھتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"میرا تو خیال یہ ہے کہ جب تک وہ خود ہمارے سامنے آ کر یہ نہ کہہ دے کہ وہی لیونارڈ ہے اس کا پکڑا جانا محال ہے۔" ایک جاسوس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"بے شک حالات تو ایسے ہی ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "اور پھر نہ گھوڑا دوڑا نہ میدان ہر ایک کے جوہر کھل جائیں گے۔"

"بھئی آخر اس نوک جھونک سے کیا فائدہ۔" جیکسن نے کہا۔

"بہر حال صاحب، ہم لوگوں نے جو پلان تیار کیا ہے اسی کے مطابق کام کریں گے۔" ایک جاسوس بولا۔ "آپ کو اختیار ہے چاہے آپ ہمارا ساتھ دیں یا نہ دیں۔"

"آپ کا خیال بالکل ٹھیک ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر معاملے میں میری رائے ٹھیک ہی اترے، لیکن ممکن ہے آپ کا بنایا ہوا پلان ہی مفید ثابت ہو۔ بہر حال مجھ

سے آپ جس وقت جو کام لینا چاہیں لے سکتے ہیں۔"

"آپ کا بہت بہت شکریہ۔" ایک بوڑھے جاسوس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ لوگ یہ کام مل جل کر کریں۔" جیکسن نے کہا "کیونکہ مقابلہ ایک انتہائی پراسرار آدمی سے ہے۔"

"قریب قریب ہم سب بھی یہی چاہتے ہیں۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ سب مسٹر جیکسن کے کمرے سے اٹھ کر چلے گئے۔ فریدی اپنے کمرے میں آکر بیٹھ گیا۔ اُس نے انگلیوں کے وہ نشانات نکالے جو اُس نے اخبار کے دفتر سے چرائے ہوئے کاغذ پر سے حاصل کئے تھے۔ تھوڑی دیر تک انہیں بغور دیکھتا رہا پھر اٹھ کر ریکارڈ روم میں چلا گیا۔ وہاں اس نے دو تین فائل نکالے اور انہیں الٹتا پلٹتا رہا۔ دفعتاً وہ چونک پڑا.....

فائل میں ایک جگہ کسی آدمی کی انگلیوں کے نشانات تھے۔ وہ اپنے حاصل کئے ہوئے نشانات سے اُن کا موازنہ کرنے لگا اور پھر ایک تصویر پر اس کی نظر پڑی۔ اچانک اس کی اونگھتی ہوئی آنکھوں میں عجیب قسم کی چمک پیدا ہو گئی۔ وہ دیر تک اس فائل کے کاغذات کو الٹتا پلٹتا رہا۔ اتنے میں کلاک نے چار بجائے اور اس نے فائل الماری میں رکھ دیا اور اپنے کمرے میں آکر گھر جانے کی تیاری کرنے لگا۔

تقریباً آٹھ بجے رات کو حمید لوٹ آیا اور آتے ہی ایک صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔

"خیریت.....!" فریدی نے کہا۔

"میں نے یہ لفظ آج تک نہیں سنا۔"

فریدی سمجھ گیا کہ ضروری کوئی خاص بات ہوئی ہے۔

"کیوں بھئی.....!" آخر اتنی بدحواسی کیوں۔

"تھکا تھکا کر مار ڈالا حرام زادے نے۔" حمید نے کہا "اور آخر بعد میں کہہ دیا تم اس کار کی حفاظت نہ کر سکو گے۔ کیونکہ تم ہمیشہ ملٹری لاریاں چلاتے رہے ہو۔"

"بہت خوب.....!" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "تو اس نے تمہارے سرٹیفکیٹ دیکھے تھے۔"

"جی ہاں..... کافی دیر تک۔" حمید بولا۔ "اور پھر اُس نے مجھ سے کہا کہ میں تمہارا ٹرائیل لینا چاہتا ہوں..... یہ کہہ کر جو اُس نے مجھے اپنی کار میں جوتا ہے تو اب فرصت ملی ہے۔ کافی گھوم

پھر لینے کے بعد اُس نے مجھے پانچ کا نوٹ ٹکایا اور ٹھنڈے ٹھنڈے رخصت کر دیا۔

"خیر کچھ پرواہ نہیں..... میرا مقصد اتنے ہی میں حل ہو گیا۔" فریدی نے کہا۔ "لاؤ وہ سرٹیفکیٹ واپس کر دو۔"

"کیسے سرٹیفکیٹ....." حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "وہ تو اُسی کے پاس رہ گئے۔"

"کیا کہا.....! اُس کے پاس رہ گئے۔ اُس کے پاس کیوں رہ گئے۔"

"تو کیا مجھے واپس لے لینا چاہئے تھے۔" حمید نے بھولے پن سے کہا۔

"عجیب گدھے آدمی ہو۔" فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔

"یہ قطعی ناممکن ہے۔" حمید نے کہا۔ "میں یا تو گدھا ہو سکتا ہوں یا آدمی۔ بیک وقت گدھا اور آدمی ہونا میرے بس کی بات نہیں۔ چاہے پھر نوکری رہے یا جائے۔"

"سیدھی طرح نکالتے ہو سرٹیفکیٹ یا دوں ایک گھونسا۔" فریدی نے کہا۔

"شوق سے دیجئے میں اُسے نہایت احتیاط سے اپنے بکس میں رکھ دوں گا۔"

"کیا بکواس ہے۔"

"حضور یہ بکواس نہیں فلسفہ ہے۔"

"جہنم میں جاؤ تم اور تمہارا فلسفہ دونوں۔" فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔ "لاؤ..... لاؤ سرٹیفکیٹ لاؤ۔"

"لیجئے جناب..... آخر اس قدر ناراض کیوں ہوتے ہیں۔" حمید نے جیب سے سرٹیفکیٹ نکال کر فریدی کو دے دیا اور منہ پھلائے ہوئے کمرے سے باہر چلا گیا۔

"عجیب گدھا ہے..... نہ موقع دیکھتا ہے اور نہ وقت۔" فریدی بڑبڑاتا ہوا عجائبات کے کمرے میں گھس گیا۔

دلچسپ دھمکی

"کیوں بھئی تمہارا منہ سیدھا ہوا یا نہیں۔" فریدی نے حمید سے کہا جو ایک صوفے پر لیٹا

کوئی کتاب دیکھ رہا تھا۔

"تو میرا منہ ٹیڑھا کب تھا۔" حمید نے کتاب پر سے نظر ہٹائے بغیر کہا۔

"کتاب بند کرو۔"

"لیجئے.....!" حمید نے کتاب بند کر کے ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

"اٹھ کر بیٹھ جاؤ۔"

"اگر میں لیٹے ہی لیٹے بیٹھا رہوں تو کیا ہرج ہے۔"

"اگر تم دو منٹ کے اندر سنجیدہ نہ ہوئے تو میں تمہارے دونوں کان اکھاڑ لوں گا۔" فریدی نے کہا۔

"ارے حضور! آپ میری ناک بھی اکھاڑ سکتے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "آپ کا ماتحت جو ٹھہرا۔"

"اچھا بکواس بند.....!"

"لیجئے.....بالکل بند۔"

"جانتے ہو میں نے سرٹیفکیٹ میں کیا پایا۔" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں جانتا ہوں۔"

"کیا....."

"سینما کے ٹکٹ.....!" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"پھر وہی حرکت۔"

"کون سی۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

"تو پھر اسی بات پر مجھے تین چار ماہ کی چھٹی دلوا دیجئے۔"

"اچھا.....!" فریدی نے غصے میں کہا اور پھر کمرے سے جانے لگا۔

حمید نے اٹھ کر اُسے پکڑ لیا۔

"آخر آج کل آپ اتنے چڑچڑے کیوں ہو گئے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"اس وقت ہٹ جاؤ.....میں اب تھوڑی دیر بعد تم سے گفتگو کرنے کے قابل ہوں گا۔"

"اور اگر آپ تھوڑی دیر بعد بھی اس قابل نہ ہوئے تو؟" حمید نے معصومیت سے کہا۔

"او فریدی کے باپ! میں نے اُس سرٹیفکیٹ میں اپنی تصویر ایک بوڑھی عورت کے ساتھ بوس کنار کرتے ہوئے پائی ہے۔" فریدی زور سے چیخا۔

"کیا مطلب.....!" حمید نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

فریدی نے تہہ کئے ہوئے سرٹیفکیٹوں کے درمیان میں سے ایک تصویر نکال کر حمید کی طرف بڑھا دی۔

حمید دیکھ کر بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

"میں آپ کو اتنا بذوق نہیں سمجھتا تھا۔" حمید نے ہنسی روکتے ہوئے کہا۔ "یہ تو وہی مثل ہوئی....ع توبہ ٹوٹی بھی ٹوٹی ہوئے پیمانے سے۔"

"پھر وہی بکواس۔" فریدی نے چیخ کر کہا۔ "میں تمہیں اتنا بدتمیز نہیں سمجھتا تھا۔" فریدی کو سچ مچ غصہ آ گیا تھا۔

"میں نے کیا بدتمیزی کی۔" حمید نے سہم کر کہا۔

"یہ تصویر کہاں سے آئی۔"

"خدا کی قسم میں نہیں جانتا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "مجھے جس حالت میں اُس نے سرٹیفکیٹ دیئے میں نے جیب میں ڈال لئے تھے اور بالکل ویسے ہی آپ کو واپس کر دیئے تھے۔"

فریدی کچھ سوچنے لگا۔

"سمجھا.....!" اس نے تھوڑی دیر بعد معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا۔

"کیا.....!"

"جانتے ہو یہ عورت کون ہے؟" فریدی نے کہا۔

"نہیں.....!"

"ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مسٹر رابرٹ کی بیوی۔"

"تو کیا واقعی آپ.....!"

"کیا فضول بکتے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"پھر آخر.....!"

"یہ لیونارڈ کی طرف سے میرے لئے ایک خاموش دھمکی ہے۔"

"مگر یہ تصویر ہاتھ کی بنائی ہوئی ہے نہیں۔" حمید نے کہا۔

"تمہیں اتنی ہی عقل ہوتی تو پھر رونا کس بات کا تھا۔"

"کچھ بتایئے بھی تو.....!"

"ارے میاں الگ فلموں پر دو تصویریں لے کر انہیں ملا دینا کوئی مشکل کام نہیں۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ..... بھئی مان گیا۔ واقعی لیونارڈ کو جیسا سنا تھا ویسا ہی پایا۔" حمید نے کہا۔

"میں نے تمہیں یہ سرٹیفکیٹ محض اس لئے دیئے تھے کہ ان کے ذریعہ میں پرنس عدنان کی انگلیوں کے نشانات حاصل کر سکوں گا۔ مگر بے سود، جو شخص اتنا عیار ہو ایسی فاش غلطی نہیں کر سکتا۔"

"اوہ..... ٹھیک یاد آیا۔" حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اُس نے سرٹیفکیٹ لیتے وقت دستانے پہن لئے تھے۔"

فریدی پھر کچھ سوچنے لگا۔

"اُس نے مجھے دھمکی دی ہے کہ اگر میں نے اس کا پیچھا کیا تو وہ اس قسم کی دوسری تصویر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ تک پہنچا دے گا۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" حمید نے کہا۔ "کیا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی بیوی سے آپ کی جان پہچان ہے۔"

"بالکل نہیں.....!"

"واقعی بہت بُرے پھنسے۔" حمید نے کہا۔

"اوہ..... دیکھا جائے گا۔" فریدی نے بھنویں سکوڑ کر کہا۔ "اب سب سے پہلے پرنس عدنان کو ٹھکانے لگانا چاہئے۔"

"وہ کس طرح۔"

"ابھی میں اس کے متعلق کوئی واضح اسکیم نہیں بنا سکا۔ لیکن یہ طے کر لیا ہے کہ اُسے کسی طرح جکڑ لوں۔"

"مگر یہ چیز خطرناک ہو گی۔"

"کیوں.....!"

"اس لئے کہ اگر آپ کے کہنے کے مطابق وہ خود لیونارڈ نہیں تو آپ خطرے میں پڑ جائیں گے۔ لیونارڈ اس تصویر کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے حوالے کر دے گا۔"

فریدی پھر کچھ سوچنے لگا۔

اجنبی حسینہ

رات انتہائی سرد تھی، آسمان میں سیاہ بادل منڈلا رہے تھے۔ ہوا تیز تھی۔ کبھی کبھی دل ہلا دینے والی گرج اور چمک سے بڑی بڑی عمارتوں میں ایک عجیب قسم کی جھنکار سی پیدا ہو جاتی تھی۔ ایک بج گیا تھا، لیکن فریدی ابھی تک اپنی خواب گاہ میں ٹہل ٹہل کر سگار پر سگار پھونک رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بارش ہونے لگی۔ فریدی نے کھڑکیاں بند کر دیں۔

ابھی وہ لیٹنے کے ارادے سے پلنگ پر بیٹھا ہی تھا کہ کتوں کے بھونکنے کی آواز سنائی دی اور ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی برآمدے میں گر پڑا ہو۔ وہ تیزی سے برآمدے کی طرف لپکا۔ پورٹیکو میں اس کے کتے کھڑے بھونک رہے تھے۔ فریدی نے انہیں ڈانٹتے ہوئے برآمدے کی بجلی روشن کر دی۔

"ارے.....!" وہ چونک کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

برآمدے میں ایک عورت اوندھی پڑی ہوئی تھی۔ اُس کی نفیس اور قیمتی ساڑھی پنڈلیوں تک سرک آئی تھی۔ وہ ایک گرم اور خوشنما لبادے میں ملبوس تھی۔ کپڑے قریب قریب بالکل بھیگ چکے تھے۔

فریدی اس کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ ہمت کر کے اُس نے اُسے سیدھا کیا۔ یہ ایک نوجوان عورت تھی۔ اس کی گھنی اور لانبی پلکیں غمازی کر رہی تھیں۔ اُن کے آغوش میں دو جھیل کی طرح اتھاہ گہرائیاں رکھنے والی خوبصورت آنکھیں

سو رہی تھیں۔ سرخ و سپید چہرہ کسلمندی اور اضمحلال کی وجہ سے کچھ اور زیادہ حسین نظر آنے لگا تھا۔ وہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ اُس کے حسین اور صحت مند جسم میں ہاتھ لگاتے وقت فریدی جیسا خشک آدمی بھی ایک بار سر سے پیر تک کانپ اٹھا تھا۔

آخر وہ ہمت کر کے اس بیہوش لڑکی کو ہاتھوں پر اٹھا کر اپنی خواب گاہ میں لے آیا اور پلنگ پر لٹا دیا۔

اب وہ ایک دوسری الجھن میں پڑ گیا تھا۔ اُس کے بھیگے ہوئے کپڑے کس طرح تبدیل کرائے۔ یہ مسئلہ انتہائی دشوار تھا۔ آخر اُس نے اُسے جوں کا توں رہنے دیا۔ صرف اتنا کیا کہ اسے کمبلوں سے چاروں طرف سے ڈھک دیا اور سنٹرل ہیٹنگ سے کمرہ گرم کرنے کا انتظام کرنے لگا۔ اس نے سوچا کہ حمید کو بھی جگا دے۔ لیکن اس کی شوخ طبیعت اور غیر سنجیدگی کا خیال آتے ہی اس ارادے سے باز رہا۔ اُس نے اس کے جوتے اتار دیئے تھے اور اب اُس کے سبک اور نازک پیروں کو دیکھ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس کی گھنیری پلکوں کے نیچے آنکھوں میں خفیف سی جنبش ہوئی۔ فریدی اس پر جھک گیا۔ وہ آہستہ آہستہ ہوش میں آ رہی تھی۔ آنکھیں ذرا سی کھلیں اور پھر بند ہو گئیں۔ پھر اُس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ اچانک وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ بیٹھی۔

"آپ اطمینان رکھئے۔ آپ قطعی محفوظ ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن میں کہاں ہوں۔" لڑکی بولی۔

"گھبرائیے نہیں..... آپ بُرے لوگوں میں نہیں۔" فریدی نے کہا۔

لڑکی سر جھکائے سوچنے لگی۔

"آپ ابھی لیٹی ہی رہئے تو بہتر ہے۔" فریدی بولا۔

لڑکی اُسے خوفزدہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

"آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہیں۔ اطمینان رکھئے آپ قطعی محفوظ ہیں۔"

فریدی نے اُسے پھر دلاسا دیا۔ لڑکی پھر لیٹ گئی۔

"آپ کے کپڑے بھیگے ہوئے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے

لئے زنانہ کپڑوں کا انتظام نہ کر سکوں گا۔ اگر آپ کچھ خیال نہ کریں تو اس وقت تک کے لئے مردانے ہی کپڑے پہن لیں جب تک کہ آپ کا لباس خشک نہ ہو جائے۔"

لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا۔

"بھیگے کپڑے آپ کو نقصان پہنچا سکتے ہیں..... میرے خیال سے تو آپ کو اس میں کوئی اعتراض نہ ہونا چاہئے۔"

لڑکی بدستور خاموش رہی۔

جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھوں میں اُس کا شب خوابی کا لباس تھا۔

"لیجئے کپڑے بدل ڈالئے۔" فریدی نے کہا۔ "میں جب تک چائے کا انتظام کرتا ہوں۔"

"نہیں..... آپ کو بہت تکلیف ہو رہی ہے۔" لڑکی جلدی سے بولی۔

"نہیں تکلیف کی کوئی بات نہیں، اس وقت چائے آپ کے لئے ضروری ہے۔" فریدی نے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔

لڑکی نے اٹھ کر اپنے بھیگے ہوئے کپڑے اتارے اور فریدی کے کپڑے پہن لئے۔ اُس ڈھیلے ڈھالے لباس میں وہ انتہائی مضحکہ خیز معلوم ہونے لگی تھی۔ کپڑے تبدیل کر چکنے کے بعد اُس نے سنٹرل ہیٹنگ کا پلگ نکال دیا۔ پھر پلنگ پر اچھی طرح کمبل اوڑھ کر بیٹھ گئی۔

تھوڑی دیر بعد فریدی کشتی میں چائے لے کر آ گیا۔ اُس نے اس وقت ملازموں کو جگانا مناسب نہ سمجھا تھا۔ اس لئے اُس نے چائے خود ہی بنالی تھی۔

"مجھے سخت شرمندگی ہے۔" لڑکی بولی۔

"شرمندگی کس بات کی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"خواہ مخواہ آپ کو تکلیف ہو رہی ہے۔" لڑکی بولی۔

"بھئی اس میں تکلیف کی کیا بات ہے۔" فریدی نے اس کی طرف چائے کی پیالی بڑھاتے ہوئے کہا۔

"شکریہ.....!" لڑکی نے کہا۔ چائے لیتے وقت اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔

فریدی ایک آرام کرسی پر لیٹ کر سگار سلگانے لگا۔

"سگار کے دھوئیں سے آپ کو تکلیف تو نہ ہوگی۔" فریدی نے کہا۔

"جی نہیں..... بالکل نہیں۔" لڑکی مسکرا کر بولی۔

"میرے خیال سے آپ ایک کپ اور پیجئے۔"

"جی نہیں بس..... شکریہ۔"

"آپ تکلف کر رہی ہیں۔" فریدی نے ہنس کر کہا اور اس کے کپ میں چائے انڈیلنے لگا۔

"تو آپ بھی پیجئے.....!" لڑکی نے کہا۔

"میرے لئے بالکل ناوقت ہو جائے گی۔" فریدی نے کہا۔

لڑکی چائے پی چکی تھی۔ اس کے چہرے سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ کہنا چاہتی ہو۔

فریدی آنکھیں بند کئے خاموشی سے سگار پی رہا تھا۔

"مگر..... مگر....." لڑکی نے کہا۔ "مجھے حیرت ہے کہ آپ نے ابھی تک میرے بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔"

فریدی آنکھیں کھول کر مسکرایا۔

"اگر آپ ضروری سمجھیں گی تو خود بخود بتا دیں گی۔" فریدی نے کہا۔

لڑکی اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔

"کیا یہ فریدی صاحب کا مکان نہیں ہے۔" لڑکی نے پوچھا۔

"سو فیصدی انہیں کا ہے۔" فریدی نے کہا اور سگار کے ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔

"کیا فریدی صاحب اس وقت موجود ہیں۔" لڑکی نے کہا۔

"جی ہاں۔"

"غالباً سو رہے ہوں گے....." لڑکی نے کہا۔ "اگر انہیں اس وقت جگایا جائے تو وہ برا تو نہ مانیں گے۔"

"قطعی نہیں.....!" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "انہوں نے بالکل برا نہیں مانا۔"

"تو کیا آپ نے انہیں میرے متعلق بتا دیا ہے۔" لڑکی بولی۔

"بتانا کیسا..... وہ دیر سے آپ کو دیکھ رہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ..... تو کیا وہ قریب ہی کے کمرے میں ہیں۔" لڑکی بے تابی سے بولی۔ "خدارا مجھے اُن کے پاس لے چلئے۔"

"آخر کیوں.....؟"

"یہ میں انہیں سے بتاؤں گی۔" لڑکی نے کہا۔ "معاف کیجئے گا..... بات ہی کچھ ایسی ہے۔"

"تو بیان کرنا شروع کر دیجئے۔"

"میں نے عرض کیا نا کہ میں یہ بات صرف انہیں کو بتا سکتی ہوں۔" لڑکی نے قدرے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"برا ماننے کی بات نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "میں آپ سے کب کہتا ہوں کہ آپ کسی دوسرے کو بتائیں۔"

"تو کیا..... تو کیا..... آپ ہی فریدی صاحب ہیں۔"

"جی.....!"

"اوہ..... تب معاف کیجئے گا۔ مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔ میں آپ کو بوڑھا سمجھتی تھی۔"

"آپ اب بھی مجھے بوڑھا ہی سمجھئے۔" فریدی نے کہا۔ "فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

لڑکی کچھ سوچنے لگی۔ اس کا چہرہ بار بار شرم سے سرخ ہو جاتا تھا۔ فریدی اس کے چہرے کی تبدیلیوں کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"میں دراصل اس لئے حاضر ہوئی.....!" لڑکی اس سے زیادہ نہ کہہ سکی۔ شرم سے اس کے چہرے پر پسینہ آ گیا تھا۔

"کہئے کہئے..... میرا سینہ رازوں کا مقبرہ ہے۔ آپ اطمینان رکھئے۔" فریدی نے کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیسے کہوں۔" لڑکی نے کہا۔

"یہ تو ذرا مشکل چیز ہے..... بھلا میں کیسے بتا سکتا ہوں کہ آپ کیسے کہیں۔"

لڑکی پھر سوچنے لگی۔

"آپ میرے اوپر پورا پورا اعتماد کر سکتی ہیں۔" فریدی نے کہا۔

لڑکی اس کی طرف بغور دیکھنے لگی۔

"آپ..... روزنامہ اسٹار پڑھتے ہیں۔" لڑکی اچانک بولی۔

فریدی چونک پڑا، لیکن اُس نے فوراً ہی اپنی حالت پر قابو پاتے ہوئے کچھ ایسا انداز اختیار

کر لیا جیسے اس نے کوئی خاص بات نہ پوچھی ہو۔ اس کے دل میں شبہ جاگ اٹھا کہیں یہ لڑکی لیونارڈ کے گروہ سے تو تعلق نہیں رکھتی۔ کہیں وہ اُسے بدنام کرنے کے لئے کوئی دوسری چال تو نہیں چل رہا ہے۔

"پڑھتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "ہمارے صوبے میں اس کے علاوہ دوسرا اخبار ہے ہی کون سا جو پڑھے جانے کے قابل ہو۔"

"آپ نے اس میں وہ اشتہار نما دھمکیاں بھی پڑھی ہوں گی، جو آئے دن چند نامعلوم ہستیوں کے بارے میں شائع ہوا کرتی ہیں۔"

"اشتہار نما دھمکیاں۔" فریدی نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"ارے وہی بلیک میلنگ کے اشتہارات کے نمونے۔" لڑکی بولی۔

"اچھا وہ.....!" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "ہاں پڑھے تو ہیں۔"

"ان کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔"

"خیال.....ہاں دلچسپی کے لئے اچھا خاصا سلسلہ ہے۔"

"دلچسپی۔" لڑکی جوش سے بولی۔ "مگر میں ثابت کر سکتی ہوں کہ ان کے ذریعہ سو فیصد بلیک میلنگ ہو رہی ہے۔"

"اچھا....." فریدی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔"

"لیکن کیسے.....؟"

"اسی اخبار کا یہ تراشہ ملاحظہ فرمایئے۔" لڑکی نے اس کی طرف کاغذ کا ایک ٹکڑا بڑھاتے ہوئے کہا۔

فریدی اُسے پڑھ کر اس کی طرف استفہامیہ انداز میں دیکھنے لگا۔

"وہ بدنصیب نواب زادی میں ہی ہوں۔" لڑکی گلوگیر آواز میں بولی۔

"اچھا.....!" فریدی نے حیرت سے کہا۔ "لیکن یہ آپ وثوق کے ساتھ کیسے کہہ سکتی ہیں۔"

"اس لئے کہ بالکل اسی قسم کا خط مجھے سوئٹزرلینڈ میں بھی موصول ہوا تھا اور اسی کے ساتھ

ہی ساتھ ایک تصویر بھی تھی۔"

"تو کیا یہ پرائیویٹ سیکریٹری والا معاملہ سچ ہے۔" فریدی نے کہا۔ "مگر..... نہیں، میں کیوں یہ پوچھ رہا ہوں۔ معاف کیجئے گا۔"

"آپ قطعی پوچھ سکتے ہیں، بلکہ میں آپ کو وہ تصویر بھی دکھا سکتی ہوں۔"

لڑکی جوش میں بولی۔ "جب کر نہیں تو ڈر نہیں۔ میرا ضمیر اس پر مجھے ملامت نہیں کرتا۔"

لڑکی نے ایک تصویر فریدی کی طرف بڑھا دی۔

اس تصویر میں ایک نوجوان آدمی اُسے آغوش میں اٹھائے کھڑا تھا۔

"کیا کہا آپ نے کہ آپ کا ضمیر آپ کو ملامت نہیں کر رہا ہے۔" فریدی نے تعجب اور طنز آمیز لہجے میں کہا۔

"جی ہاں.....!" لڑکی تیز لہجے میں بولی۔ "سوئٹزرلینڈ کی ایک تفریح گاہ میں میں سر میں چوٹ لگنے کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی تھی۔ میرا پرائیویٹ سیکریٹری بھی میرے ہمراہ تھا..... وہ مجھے اٹھا کر ہسپتال لے جانے کے لئے گاڑی کی طرف لے جا رہا تھا کہ اسی دوران میں کسی نے ہمارا فوٹو لے لیا.....اور بس۔"

"اوہ سمجھا.....!" فریدی نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "پھر آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں۔"

"میں بیس لاکھ کہاں سے لاؤں گی۔ خود مختار تو ہوں نہیں۔" لڑکی نے کہا۔

"تو پھر میں اس سلسلے میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"کسی طرح سے مجھے اس مصیبت سے نجات دلوایئے۔" لڑکی نے بے بسی سے کہا۔ "اگر واقعی یہ تصویر شائع ہو گئی تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جاؤں گی۔ ایسی صورت میں میرے ضمیر کی صفائی بھی میری مدد نہ کر سکے گی۔ دنیا کی زبان کو کون روک سکتا ہے۔ تو پھر ابا جان تو مجھے زندہ ہی دفن کر دیں گے۔"

"اچھا..... آپ نے اس اخبار کے دفتر والوں سے اس سلسلہ میں کوئی خط و کتابت بھی کی۔" فریدی نے کہا۔

"ابھی نہیں۔" لڑکی نے کہا۔ "سب سے پہلے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ آپ سے ملوں۔ ایک دن راجروپ نگر کے نواب وجاہت مرزا ابا جان سے آپ کی بہت تعریف کر رہے

تھے۔ میں نے باتوں ہی باتوں میں اُن سے آپ کا پتہ پوچھا اور یہاں چلی آئی۔"

''کیوں.....؟ آپ کے پیچھے آدمی لگ گئے ہوتے.....'' فریدی آگے جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"اچھا.....!"

"جی ہاں۔" فریدی نے کہا۔ "آپ یہاں کہاں رہتی ہیں۔"

"میں اس شہر میں نہیں رہتی۔" لڑکی بولی۔

"یہ آپ نے بہت اچھا کیا۔ اگر آپ نے اس سے پہلے کچھ خط و کتابت کی ہوتی تو اتنی آزادی سے یہاں تک نہیں پہنچ سکتی تھیں۔"

"نہ میں فی الحال آپ کو اپنا نام بتاؤں گی اور نہ گھر کا پتہ۔"

"میں اس کے لئے آپ کو مجبور نہ کروں گا۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن میں کس طرح یقین کرلوں کہ آپ وہی نواب زادی ہیں ممکن ہے کہ آپ اُسی گروہ سے تعلق رکھتی ہوں، جس کے خلاف آپ شکایت لے کر آئی ہیں۔"

"آپ کا اعتراض حق بجانب ہے۔" لڑکی نے کہا۔ "واقعی ایسی صورت میں اس کا ثبوت مہیا نہیں کر سکتی۔"

فریدی کچھ سوچنے لگا۔ لڑکی کی صاف گوئی اور سادگی کا انداز اُسے اس بات پر مجبور کر رہا تھا کہ اس کے بیان کو صحیح تسلیم کرلے۔ اُس کی حسین آنکھوں میں اُسے مکاری کی ذرہ برابر جھلک بھی نہ دکھائی دی۔

"دیکھئے..... مجھے مایوس نہ کیجئے گا۔" لڑکی بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"آخر آپ کو اپنے متعلق وضاحت کے ساتھ بتانے میں کیا نقصان نظر آتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"میں اپنے خاندان کی بدنامی نہیں چاہتی....." لڑکی بولی۔ "اس سے بہتر تو یہی ہوگا کہ میں خودکشی کرلوں۔"

"آپ اطمینان رکھئے کہ یہ چیز مجھ تک ہی محدود رہے گی۔" فریدی نے کہا۔

لڑکی سوچ میں پڑ گئی۔

"آپ نے نواب رشید الزماں کا نام سنا ہے۔" لڑکی آہستہ سے بولی۔

"اوہ..... تو کہئے آپ غزالہ خانم ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ کو کیسے معلوم ہوا۔" لڑکی دفعتاً چونک کر بولی۔

"میں نے آپ کے بارے میں نواب وجاہت مرزا کے لڑکے ڈاکٹر شوکت سے سنا تھا۔"

"تو کیا آپ اُن لوگوں کو جانتے ہیں۔"

"اچھی طرح۔"

"خیر چھوڑیئے..... ان باتوں کو۔" لڑکی بولی۔ "اب بتایئے آپ میرے لئے کچھ کریں گے یا نہیں۔"

"آخر آپ کیا چاہتی ہیں۔"

"میں یہ چاہتی ہوں کہ کسی طرح وہ تصویر نگیٹو سمیت مجھے مل جائے۔"

"میں کوشش کروں گا۔ لیکن آپ کو اس وقت تک یہاں ٹھہرنا پڑے گا جب تک کہ آپ کو تصویر واپس نہ مل جائے۔"

"میں تیار ہوں۔"

"دوسری بات یہ کہ کل ہی آپ اس نامعلوم آدمی کو اسی اخبار کی معرفت ایک خط لکھئے اور اس میں اس سے پوچھئے کہ اُسے اس مطلوبہ رقم کو کس طرح دیا جائے۔ آپ اتنا کر لیجئے بقیہ میں دیکھ لوں گا۔ خط کا جواب آئے تو اُسے میرے پاس بھجوا دیجئے گا۔ میرا آدمی آرلکچو میں آپ سے ملتا رہے گا۔ اب آپ یہاں نہ آئیے گا اور نہ کسی پر یہ ظاہر ہونے دیجئے گا کہ آپ مجھ سے مل چکی ہیں۔"

"میں اس سلسلے میں حتی الامکان احتیاط برتوں گی۔" لڑکی متشکرانہ انداز میں بولی۔ "میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہ بھولوں گی۔"

"خیر یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "چلئے میں آپ کو آرلکچو تک چھوڑ آؤں۔"

"اس تکلیف کا بہت بہت شکریہ۔" لڑکی اٹھتی ہوئی بولی۔

"ابھی آپ کے کپڑے خشک نہیں ہوئے۔" فریدی نے کہا۔ "میرے خیال سے آپ انہیں کپڑوں پر میرا اوور کوٹ پہن لیجئے۔ حالانکہ آپ مضحکہ خیز ضرور لگیں گی، مگر کیا کیا جائے۔"

"مجھے اس کی پرواہ نہیں۔" لڑکی بولی۔ "خود نمائی سے زیادہ مجھے اپنے آرام و تکلیف کا خیال رہتا ہے۔"

"یہی ہونا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔ "اچھا آپ اس کوٹ کو پہننے میں جا کر گیرج سے گاڑی نکالتا ہوں۔"

راہ میں لڑکی نے محسوس کیا کہ فریدی کے بجائے کوئی اور ڈرائیو کر رہا ہے۔ وہ ٹھٹکی ہی تھی کہ آواز آئی۔

"گھبرائیے نہیں..... میں نے اپنی اصلی شکل و صورت میں آپ کے ساتھ جانا مناسب نہ سمجھا۔"

لڑکی خاموشی سے سیٹ کی پشت پر ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

آسمان پر ابھی تک کالے کالے بادل منڈلا رہے تھے۔ بارش کچھ کم ہو گئی تھی۔

دھوکا

رات دیر تک جاگتے رہنے کی وجہ سے فریدی دن چڑھے تک سوتا رہا۔ اگر حمید آ کر جگا نہ دیتا تو شاید وہ ابھی تک سوتا رہتا۔ فریدی نے لیٹے ہی لیٹے ایک طویل انگڑائی لی اور حمید سے سگار کا ڈبہ اٹھانے کے لئے کہا۔

"میں اس طرف نہیں جا سکتا۔" حمید نے بے ساختہ کہا۔

"ادھر کسی نامحرم عورت کے کپڑے رکھے ہیں..... مجھے شرم آتی ہے۔" حمید نے زنانے انداز میں ناک پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

فریدی مسکرانے لگا۔

"اٹھاتے ہو یا اٹھ کر مرمت کر دوں تمہاری۔"

"معاف کیجئے گا..... افسری اور ماتحتی دنیا ہی تک ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "جہنم

کی آگ آپ کے غصے سے زیادہ بھیانک ہو گی۔"

"اچھا مولانائے محترم دفان ہو جاؤ یہاں سے ورنہ.....!" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"تو اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے..... لیجئے نا سگار۔" حمید نے سگار کا ڈبہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"دیکھو اگر وہ ساری خشک ہو گئی ہو تو اُسے تہہ کر کے رکھ دو۔" فریدی بولا۔

"جی.....!" حمید زور سے چیخا۔ "قسم ہے اُس خدا کی جس نے مجھے مرد اور آپ کو عورت بنایا..... ارے لاحول ولا..... دونوں کو مرد بنایا..... میں اسے برداشت نہیں کر سکتا۔"

"کیا بکتے ہو۔"

"اب میں یہاں نہیں رہ سکتا۔" حمید نے کہا۔

"کیوں.....!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اس لئے کہ اب یہاں عیاشی ہونے لگی ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر والد صاحب کو خبر ہو گئی تو وہ مجھے قتل ہی کر دیں گے۔"

"کیا فضول بک بک لگا رکھی ہے۔"

"سب فضول تو ہے ہی..... رات والی تصویر لیونارڈ کی دھمکی تھی۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔ "اور یہ ساڑھی..... یہ بلاؤز..... یہ لیڈیز کوٹ..... یہ سب ہی غالباً دھمکی ہے ہے..... توبہ توبہ..... ارے اللہ میاں آخر قیامت کب آئے گی۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"ارے بھئی تو کیا میں آدمی نہیں ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"آپ آدمی کب سے ہو گئے۔" حمید بولا۔ "آپ تو کہا کرتے تھے کہ میں جاسوس ہوں۔"

"گدھے جاسوس نہیں ہوا کرتے۔"

"یہ بات آج ہی سمجھ میں آئی ہے۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ حمید کو رات کا واقعہ بتائے یا نہ بتائے۔ آخر اس نے یہی فیصلہ کیا کہ حمید کو بھی اس سے آگاہ کر دے کیونکہ اُسے اس سے بہت ہی اہم کام لینے تھے۔

حمید ساری داستان سنا چکنے کے بعد کرسی پر سے بلاؤز اٹھا کر سونگھنے لگا۔

"یہ کیا حرکت ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"سونگھ رہا ہوں کہ اس کی عمر کیا ہو سکتی ہے۔" حمید نے کہا۔ "رات والی تصویر دیکھنے کے بعد سے میں آپ کی طرف سے قدرے بے اطمینان ہو گیا ہوں۔"

"ابے گدھے کسی وقت تو سنجیدہ ہو جایا کر۔" فریدی نے تیزی سے کہا۔

"اگر میں گدھا ہوں تو میری سنجیدگی میں آپ کو شبہ نہ کرنا چاہئے۔"

"اچھا اب بکواس بند کرتے ہو یا تمہارا گلا دبا دوں۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"بس خدا کی قسم ایک جھلک مجھے بھی دکھا دیجئے۔" حمید نے ہنس کر کہا۔

"کیوں آپ کیا کریں گے دیکھ کر۔"

"توبہ کروں گا..... کان پکڑوں گا۔ اس کے نہیں بلکہ اپنے۔" حمید نے کہا۔

"توبہ اس لئے کروں گا کہ ابھی تک میں آپ کو بالکل غلط سمجھتا رہا ہوں۔"

"عنقریب تمہارا دماغ خراب ہونے والا ہے۔"

"کھری بات کہنے والے ہمیشہ پاگل سمجھے جاتے ہیں۔"

"اچھا برخوردار..... میرا پیچھا چھوڑو..... تم تو ناشتہ کر چکے ہو گے۔ یہاں بھوک کے مارے بُرا حال ہو رہا ہے۔"

"لیکن میں نے سنا ہے کہ عاشقوں کو بھوک لگتی ہی نہیں۔" حمید نے کہا۔

"اچھا اب بکواس بند کرو..... ورنہ.....!"

"آج ہی شادی کر لوں گا....." حمید نے فریدی کا جملہ پورا کر دیا۔

فریدی بڑبڑاتا ہوا کمرے سے چلا گیا۔

حمید ساڑھی، بلاؤز اور کوٹ کو بڑی دیر تک الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ دفعتاً اُس کی آنکھوں میں ایک شرارت آمیز چمک پیدا ہو گئی۔ وہ ہنستا ہوا برآمدے میں نکل آیا۔ فریدی برآمدے میں بیٹھا شیو کر رہا تھا۔

"کسی نے ٹھیک ہے کہا ہے۔" حمید نے بلند آواز میں کہا۔

"کیا ہے بھئی..... کیوں خواہ مخواہ گلا پھاڑ رہے ہو۔" فریدی نے تیز لہجے میں کہا۔

"کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ ڈاکو اور جاسوس ہمیشہ عورتوں ہی کے پھیر میں پڑ کر مارے

جاتے ہیں۔"

"کیا بکواس لگا رکھی ہے۔"

"بکواس نہیں سرکار! آخر آپ بھی عورت ہی کے پھیر میں پڑ کر برباد ہوئے۔"

فریدی نے بُرا سا منہ بنایا اور کوئی جواب دیئے بغیر شیو کرتا رہا۔

"آپ شاید مذاق سمجھ رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"شاید تم ہوا سے باتیں کر رہے ہو۔" فریدی بولا۔

"میں بھی کوئی حاتم طائی کا گھوڑا ہوں..... جو ہوا سے باتیں کروں گا۔"

"نہیں تم والٹر اسکاٹ کے گدھے ہو۔"

''آپ مذاق میں ٹال رہے ہیں، بخدا میں اس وقت سو فیصدی سنجیدہ ہوں، غزالہ آپ کو بیوقوف بنا گئی۔''

"کیا مطلب.....؟" فریدی نے چونک کر کہا۔

"ملاحظہ فرمایئے۔" حمید نے اس کی طرف کاغذ کا ایک ٹکڑا بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آپ کی غزالہ کی اندرونی جیب سے برآمد ہوا ہے۔"

فریدی کاغذ کو پڑھنے لگا۔

"آج رات کو فریدی کے گھر جا کر معلومات بہم پہنچاؤ.....

ل"

فریدی کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ لیکن اُس نے جلد ہی اپنی حالت پر قابو پا لیا۔

"اس "ل" سے غالباً لیونارڈ مراد ہے۔" حمید نے کہا۔

"لیکن ایک بات تو سوچو کہ اگر واقعی وہ مجھے دھوکا دینے ہی آئی تھی تو پھر اُس نے اتنی بداحتیاطی سے کیوں کام لیا۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اگر اس کی نیت میں فتور ہوتا تو وہ اس کاغذ کو جیب میں ہرگز نہ چھوڑ جاتی۔"

"کیا وہ لڑکی بہت خوبصورت تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"ہاں..... ایسی لڑکیاں کم دیکھنے میں آتی ہیں۔" فریدی نے جواب دیا۔

"تبھی آپ اسے بے گناہ سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا ذرا جلدی سے کار نکالو۔" فریدی نے تولئے سے چہرہ صاف کرتے ہوئے کہا۔ "لڑکی خطرے میں معلوم ہوتی ہے۔"

"کیا مطلب.....!"

"آخر بات کیا ہے۔"

"یہ پرزہ اس کے جانے کے بعد رات میں کسی وقت کوٹ کی جیب میں رکھا گیا۔" فریدی نے کہا۔

"ناممکن۔" حمید نے کہا۔ "رات میں یہاں کون آنے کی ہمت کر سکتا ہے۔ ہمارے کتے کسی کو زندہ بچ کر نہیں جانے دے سکتے۔"

"یہی تو غلطی کی تھی کہ غزالہ کے آنے کے بعد میں نے سارے کتوں کو بند کر دیا تھا..... اور پھر اس کے بعد انہیں کھولنا بھول گیا تھا۔"

"اوہ..... تب تو پھر آپ ہی کا کہنا درست ہوگا۔" حمید نے برآمدے سے اتر کر گیراج کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

چند لمحوں کے بعد فریدی کی کار تیزی سے آر لکچو ہوٹل کی طرف اڑی جا رہی تھی۔ وہاں پہنچ کر فریدی کو ایک بیرے کی زبانی معلوم ہوا کہ غزالہ اپنے کمرے میں موجود ہے اور ابھی ابھی سو کر اٹھی ہے، فریدی سیدھا اُس کے کمرے میں چلا گیا۔ وہ اُسے دیکھ کر اٹھ بیٹھی۔ اس کی آنکھیں دیر تک سوتے رہنے کی وجہ سے ابھی تک خمار آلود تھیں اور جن میں پڑے ہوئے لال ڈوروں نے اُس کے حسن میں اضافہ کر دیا تھا۔ زلفیں بے ترتیبی سے پیشانی پر بکھری ہوئی تھیں۔ چہرے کے سرخ و سپید رنگ میں کچھ کچھ سلوناپن آ گیا تھا۔

"آپ.....؟" وہ متحیر ہو کر بولی۔ "آپ نے تو کہا تھا کہ اب ہم لوگ ایک دوسرے سے نہ ملیں گے۔"

"خیال تو یہی تھا..... لیکن اب میں نے اپنی سکیم بدل دی ہے۔" فریدی نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔

غزالہ نے اُسے اپنی طرف اس طرح گھورتے دیکھ کر شرما کر سر جھکا لیا اور اپنی ساڑھی کا آنچل ٹھیک کرنے لگی۔

فریدی شش و پنج میں پڑ گیا کہ اُسے کیا کہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر واقعی وہ اُسے دھوکا ہی دینے کی غرض سے گئی تھی تو اُسے غائب ہو جانا چاہئے تھا اور اگر لیونارڈ نے اس کی طرف سے اُسے مشکوک کرنے کی کوشش کی تھی تو اس کو شک اور زیادہ مضبوط کرنے کے لئے خود اُسے ہی غزالہ کو غائب کر دینا چاہئے تھا۔ مگر نہیں..... شائد وہ غزالہ کو اسی طرح سزا دینا چاہتا تھا کہ پولیس والے اس پر شبہ کر کے اُسے گرفتار کر لیں۔ بہر حال یہ تو اس پر اچھی طرح واضح ہو گیا تھا کہ لیونارڈ اس کے منصوبوں سے اچھی طرح آگاہ ہو گیا ہے۔

"تو پھر فرمائیے کیسے تکلیف کی۔" غزالہ نے کہا۔

"آپ سے اس بات کا مکمل ثبوت لینے کے لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ نواب رشید الزماں کی صاحبزادی ہیں۔"

غزالہ چونک پڑی۔ وہ اُسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

"لیکن رات تو آپ مطمئن ہو گئے تھے۔"

"میں نے دھوکا کھایا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کو کس طرح یقین دلاؤں۔" غزالہ نے بے بسی سے کہا۔

"آخر یک بیک آپ کے دل میں یہ خیال کیسے پیدا ہوا کہ میں آپ کو دھوکا دینے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

"بات ہی ایسی ہو گئی ہے۔ اگر آپ یہ نہ ثابت کر سکیں تو مجبوراً مجھے آپ کو حراست میں لینا پڑے گا۔"

حراست کا نام سن کر غزالہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ آنکھیں غصہ سے سرخ ہو گئیں۔ ہونٹ کپکپانے لگے۔

"کیا کہا حراست.....!" وہ گرج کر بولی۔ "آپ کی اوقات ہی کیا ہے۔ ایک معمولی انسپکٹر..... بدتمیز کہیں کے۔"

فریدی مسکرانے لگا۔

"شہزادی صاحبہ..... میری اوقات تو اسی وقت آپ کو معلوم ہو گی جب آپ حوالات کی سلاخوں کے پیچھے نظر آئیں گی۔" فریدی نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "ذرا یہ کاغذ ملاحظہ فرمائیے۔"

"اس کا کیا مطلب؟" غزالہ کاغذ کے ٹکڑے پر لکھی ہوئی عبارت پڑھ کر بولی۔

"یہ ٹکڑا شہزادی صاحبہ کے کوٹ کی جیب سے برآمد ہوا ہے۔" فریدی نے کہا۔ اچانک غزالہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

"لیکن لیکن.....!" وہ ہکلانے لگی..... "مجھ..... خدا کی قسم..... مم..... میں نہیں جانتی کہ یہ کاغذ کیسا ہے۔"

"آپ نہیں جانتیں؟" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہ اور بھی عجیب بات ہے۔"

"میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں۔" غزالہ بے بسی سے بولی۔

"میری اوقات ہی کیا ہے کہ آپ مجھے یقین دلانے کی کوشش کر رہی ہیں۔" فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

غزالہ خاموش ہو گئی۔ اس کے چہرے سے اچانک ایسا ظاہر ہونے لگا تھا جیسے وہ برسوں کی بیمار ہے۔

"اب آپ مجھے صرف ایک ہی طرح اطمینان دلا سکتی ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"وہ کیسے.....!" غزالہ جلدی سے بولی۔

"ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ راجروپ نگر چلئے..... اگر وہاں نواب وجاہت مرزا یا اُن کے لڑکے شوکت نے آپ کو پہچان لیا تو کیا کہنا ورنہ پھر میں جو مناسب سمجھوں گا کروں گا۔"

"منظور.....!" غزالہ مسرت آمیز لہجے میں چیخی۔

"اچھا تو جلدی سے تیار ہو جایئے۔"

"لیکن ایک شرط پر..... وہ یہ کہ آپ اُن پر یہ بات نہ ظاہر ہونے دیجئے گا کہ آپ کا مقصد کیا ہے۔"

"اس کے متعلق بعد کو دیکھا جائے گا۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

غزالہ نے لباس تبدیل کیا اور دونوں کار میں بیٹھ کر راج روپ نگر کی طرف روانہ ہو گئے۔

"میں نے ابھی ناشتہ نہیں کیا۔" غزالہ بولی۔

"یہی حال میرا بھی ہے۔ جیسے ہی یہ کاغذ مجھے ملا میں سیدھا آپ ہی کے پاس چلا آیا۔

"اگر آپ وہیں بتا دیتے تو ہم لوگ ناشتہ کر کے روانہ ہوتے۔" غزالہ نے کہا۔

"خیر..... کوئی بات نہیں۔ پیٹر روڈ پر ایک اچھا ہوٹل ہے ہم لوگ وہیں ناشتہ کر لیں گے۔"

"میں بھی عجیب مصیبت میں پڑ گئی۔" غزالہ بولی۔ "گئی تھی آپ سے مدد لینے الٹا مجرم خود ہی بن بیٹھی۔"

"گھبرایئے نہیں..... اگر آپ سچی ہیں تو آپ کو بچانے کے لئے میں اپنی جان تک دے دینے کا وعدہ کرتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"خیر وہ سب بعد کی باتیں ہیں ابھی تو میں پریشانیوں میں مبتلا ہو ہی گئی ہوں۔"

"لیکن اس کے علاوہ کوئی اور چارہ بھی نہ تھا۔"

دونوں خاموش ہو گئے۔

پیٹر روڈ پر پہنچ کر فریدی نے کار کی رفتار کم کر دی۔ ماڈھیا ہوٹل کی شاندار عمارت کے سامنے پہنچ کر دونوں کار سے اتر گئے۔

فریدی نے ناشتے کا آرڈر دیا۔ ناشتہ کر چکنے کے بعد فریدی نے سگار سلگایا اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر لمبے لمبے کش لینے لگا۔

"اے بیرا.....!" غزالہ نے قریب سے گزرتے ہوئے ایک بیرے کو آواز دی۔

"جی جناب.....!"

"غسل خانہ کدھر ہے۔"

"اوپر صاحب..... زینے پر داہنے ہاتھ۔" بیرے نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

"میں ابھی آئی۔" غزالہ نے فریدی سے کہا اور اٹھ کر چلی گئی۔

فریدی بدستور ادھ کھلی آنکھوں سے چھت کی طرف دیکھتا ہوا سگار کے کش لے رہا تھا۔

پانچ منٹ گزرے..... دس منٹ گزرے..... پندرہ، بیس، اور فریدی یک بیک اچھل پڑا۔ غسل خانے..... اور اتنی دیر..... وہ بے تحاشہ زینے کی طرف جھپٹا۔ غسل خانہ خالی تھا۔ اُس نے ہوٹل کے سارے غسل خانے دیکھ ڈالے لیکن غزالہ کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اُس نے اُسے ڈھونڈ نکالنے کا ہر ممکن طریقہ اختیار کیا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ آخر تھک ہار کر وہ آرلکچو واپس آ گیا۔ یہاں اس نے غزالہ کے کمرے کی تلاشی لی لیکن کوئی مشکوک چیز ہاتھ نہ لگی۔

گھر پر حمید اس کا انتظار کر رہا تھا۔ فریدی نے واپسی پر اُسے سارا حال بتایا۔

"دیکھئے میرا خیال کبھی غلط ثابت نہیں ہوتا۔" حمید چہک کر بولا۔

"کیا کہنے ہیں آپ کے.....!" فریدی نے جل کر کہا۔

"ایک ڈاکو یا جاسوس ہمیشہ عورت ہی کے چکر میں پڑ کر مارا جاتا ہے۔"

"تمہیں باتیں بنانے کے سوا کچھ اور بھی آتا ہے۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"فرمایئے..... میرے لائق کوئی خدمت۔" حمید نے کہا۔

"آپ کے لائق سب سے بڑی خدمت یہی ہے کہ آپ ایسے موقعوں پر خاموش رہ کر مجھے سوچنے دیا کیجئے۔"

"بہت بہتر.....!" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر کسی مقام پر آپ سوچتے سوچتے ٹھہر جائیں تو مجھے یاد فرمالیجئے گا۔"

"بہت اچھا..... اب آپ تشریف لے جایئے۔"

حمید مسکراتا رہ گیا۔ فریدی اُسے قہر آلود نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اُس نے تہیہ کر لیا تھا کہ اب وہ اپنے منصوبوں سے کسی کو بھی آگاہ نہ کرے گا۔ اُسے سخت حیرت تھی کہ آخر اس کی بنائی ہوئی اسکیموں سے لیونارڈ کس طرح واقف ہو جاتا ہے۔

نئی اسکیم

حمید فریدی کی عادات واطوار سے اچھی طرح واقف تھا۔ اُسے گہری سوچ میں ڈوبا ہوا دیکھ کر اُس نے اور زیادہ چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ فریدی پر اس قسم کی سوچ کے دورے شاذ و نادر ہی پڑا کرتے تھے اور اس کے بعد وہ ایسے ایسے بھیانک کام کر ڈالتا تھا کہ جن کے تصور ہی سے اچھے اچھوں کو اختلاج ہونے لگے۔

کھانے کے دوران میں بھی اُن دونوں میں کوئی گفتگو نہ ہوئی۔ کھانا کھا چکنے کے بعد تھوڑی

دیر آرام کر کے دونوں دفتر روانہ ہو گئے۔

ابھی فریدی اچھی طرح بیٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ جیکسن کے یہاں طلبی ہوئی۔

"کیوں بھئی خیریت تو ہے آج تمہارا چہرہ بہت اترا ہوا ہے۔" جیکسن نے کہا۔

"کیا بتاؤں..... آج بڑی گہری چوٹ ہو گئی۔" فریدی نے مضمحل آواز میں کہا۔ اس کے بعد اُس نے سارے واقعات جیکسن کو بتا دیئے۔

"تم نے بہت سخت غلطی کی۔" جیکسن نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "تمہیں اس لڑکی کو فوراً ہی حراست میں لے لینا چاہئے تھا۔ افسوس بہت اچھا شکار ہاتھ سے نکل گیا۔ اگر وہ گرفتار ہو جاتی تو شاید لیونارڈ بھی نہ بچ سکتا۔"

"میں آپ سے ایک بار پھر عرض کروں گا کہ لیونارڈ کا گرفتار کر لینا ہنسی کھیل نہیں۔"

"خیر میں دنیا میں کسی بات کو بھی ناممکن نہیں سمجھتا۔" جیکسن نے کہا۔

"لیکن صاحب مجھے تو اس کی گرفتاری ناممکن ہی نظر آ رہی ہے۔" فریدی مایوسانہ انداز میں بولا۔

"مجھے حیرت ہے۔" جیکسن نے تعجبانہ انداز میں کہا۔ "میں نے کبھی تمہاری منہ سے اتنے مایوسانہ انداز کے جملے نہیں سنے۔"

"پہلے کبھی اتنے بھیانک آدمی سے مقابلہ بھی نہیں ہوا۔"

"وہ کچھ ہی سہی۔" جیکسن نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ "لیکن کم از کم تمہارے منہ سے اس قسم کے جملے کچھ اچھے معلوم نہیں ہوتے۔"

"یہ آپ کی محبت ہے کہ آپ مجھے اس قابل سمجھتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن میں اسی میں اپنی عاقبت سمجھتا ہوں کہ خاموشی سے بیٹھ رہوں۔"

"کیا مطلب.....!" جیکسن نے چونک کر کہا۔ "کیا تم اس کیس سے ہاتھ اٹھانا چاہتے ہو۔"

"جی ہاں۔" فریدی نے کہا۔ "اگر اس پر میرے افسران راضی نہ ہوئے تو مجبوراً مجھے استعفیٰ دینا پڑے گا۔"

"بھئی آج تمہارے منہ سے بڑی عجیب عجیب باتیں سن رہا ہوں۔" جیکسن نے اُسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "آخر تمہیں خوف کس بات کا ہے۔"

"ذرا یہ تصویر ملاحظہ فرمایئے۔" فریدی نے اس کی طرف ایک تصویر بڑھادی۔

جیکسن تصویر دیکھتے ہی اچھل پڑا۔ کبھی وہ فریدی کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی تصویر کی طرف۔

"یہ تو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی بیوی ہے..... تو کیا تم.....!"

"جی ہاں مجھے پاگل کتے نے کاٹا ہے کہ اس بوڑھی عورت کے ساتھ۔"

"تو پھر اس کا مطلب کیا ہے۔" جیکسن نے حیرت سے کہا۔

"اس کا یہ مطلب ہے کہ اگر میں نے اس کیس سے ہاتھ نہ اٹھایا تو لیونارڈ اس تصویر کی ایک کاپی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے پاس بھجوادے گا۔"

"یہ تمہیں ملی کیسے!" جیکسن نے پوچھا۔

فریدی نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ پرنس عدنان کو مشکوک سمجھ کر حراست میں لے لینا چاہئے۔"

"یہ کام آسان نہیں..... ہمارے پاس اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ وہ عراق کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔"

"کہیں وہی لیونارڈ نہ ہو۔" جیکسن جلدی سے بولا۔

"خدا بہتر جانتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اس کے متعلق کچھ کہا نہیں جاسکتا۔"

"اچھا کیوں نہ ان اخبار والوں کو پکڑ لیا جائے۔" جیکسن بولا۔

"ان کے خلاف بھی ہمارے پاس کوئی واضح ثبوت نہیں۔"

"واقعی یہ معاملہ بہت ہی پیچیدہ ہے۔"

"اور اسی لئے میں معافی چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"تم عجیب آدمی ہو۔" جیکسن نے کہا۔ "بس اس ایک تصویر سے ڈر گئے۔ ارے میاں ایسے معجزے تو ہر اچھا فوٹو گرافر دکھا سکتا ہے۔"

"لیکن ایک شوہر اسے ماننے کے لئے تیار نہ ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

"خیر انگریز شوہر اتنے تنگ نظر نہیں ہوتے۔" جیکسن نے فخریہ انداز میں کہا۔

"نہ ہوتے ہوں لیکن اگر اسی طرح کسی ہندوستانی شوہر سے واسطہ پڑ گیا تو پھر میں کہیں کا نہ

رہوں گا۔"

"آخر تم ڈرتے کیوں ہو۔" جیکسن بولا۔ "میں تو موجود ہوں۔"

"نہیں صاحب..... بات دراصل یہ ہے کہ اب میں اپنی ملازمت سے کچھ تنگ آگیا ہوں۔"

"یہ اور بات ہے۔" جیکسن نے کہا۔ "لیکن میں تمہیں کسی طرح اس کی رائے نہ دوں گا کہ تم اس معاملے کو ادھورا ہی چھوڑ کر الگ ہو جاؤ۔ اس سے تمہارے سابقہ کارناموں پر بھی خاک پڑ جائے گی۔"

"صاحب کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔" فریدی نے زچ ہو کر کہا۔

"اپنی تفتیش جاری رکھو۔ اگر تم نے یہ معرکہ سر کیا تو ساری دنیا میں تمہارا نام ہو جائے گا۔"

"یہ لالچ میرے لئے کم نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "خیر میں کوشش کروں گا۔ ویسے مجھے کامیابی کی ایک فیصدی بھی امید نہیں۔"

"تم نواب رشید الزماں سے مل کر اس چیز کی تصدیق کیوں نہیں کرتے کہ کیا تمہیں دھوکا دینے والی درحقیقت اس کی لڑکی ہی تھی۔"

"میرے خیال سے تو یہ بالکل بے سود ہوگا کیونکہ اس قسم کی کوئی بھی لڑکی اپنا صحیح پتہ و نشان نہیں بتا سکتی۔"

"تمہارا یہ خیال بھی صحیح معلوم ہوتا ہے۔" جیکسن نے کہا۔ "پھر آخر اب کیا کرو گے۔"

"نیو اسٹار کے دفتر کی نگرانی۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "یہ بات اب پایہ تکمیل کو پہنچ گئی ہے کہ لیونارڈ اسی اخبار کے ذریعہ اپنا جال پھیلا رہا ہے۔"

"پہلے میں بھی اسے تمہارا شبہ سمجھا تھا۔" جیکسن بولا۔ "لیکن اب مجھے بھی کچھ کچھ یقین آچلا ہے۔"

"لیکن میں ایک بار پھر عرض کروں گا کہ اس طرح بھی ہم لیونارڈ کو نہ پا سکیں گے۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے کچھ ایجنٹ گرفتار ہو جائیں۔ وہ خود معلوم نہیں کس تہہ خانے میں بیٹھا اپنا کام کیا کرتا ہے۔"

"بہرحال کچھ بھی ہو تمہیں ہمت نہ ہارنی چاہئے۔" جیکسن نے کہا۔

"سچ پوچھئے تو میں آپ ہی کے ہمت دلانے پر اب تک ڈٹا ہوا ہوں۔ ورنہ کبھی کا الگ ہو گیا ہوتا۔"

"بات یہ ہے کہ میں تمہیں ساری دنیا میں مشہور دیکھنا چاہتا ہوں۔" جیکسن نے کہا۔

"شکریہ.....!" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں ایک بات اور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اب میں تین چار دن تک آفس نہ آسکوں گا۔"

"کیوں.....!" جیکسن نے چونک کر کہا۔

"میں نیو اسٹار کے دفتر کے کونے کونے سے واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔" فریدی بولا۔

"لیکن تم وہاں کس حیثیت سے رہو گے۔" جیکسن نے کہا۔ "یہ بھی بتا دو تاکہ وہاں تمہاری حفاظت کی جا سکے۔"

"میں وہاں معمولی مزدور کے بھیس میں رہوں گا۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "گھنی سفید ڈاڑھی..... پھولی ہوئی ناک اور ماتھے پر گہرے زخم کا نشان۔"

جیکسن نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا اور فریدی اٹھ کر چلا گیا۔

اُسی دن.... رات کو فریدی گھر پر سرجنٹ حمید کو ہدایت دے رہا تھا۔

"میرے بتائے ہوئے حلئے کے بوڑھے کے بھیس میں تمہیں نیو اسٹار کے دفتر میں رہنا ہو گا اور اس وقت تک تم وہاں موجود رہو گے جب تک کہ تمہیں وہاں سے ہلایا نہ جائے۔" فریدی نے کہا۔

اس نے حمید کو اپنی اسکیم کی ساری تفصیلات سے آگاہ کر دیا تھا۔

"لیکن میں وہاں کھپوں گا کیسے۔" حمید نے کہا۔ "اگر اس شکل کا وہاں کوئی اور ہو تو۔"

"اگر وہاں اس شکل کا کوئی اور آدمی نہ ہوتا تو میں یہ پروگرام ہی نہ بناتا۔" فریدی نے کہا۔

"تو پھر اُس آدمی کو وہاں جانے سے کیسے روکئے گا۔" حمید نے کہا۔

"ارے بھئی..... وہ سب میں کر لوں گا۔ اچھا تم فوراً تیار ہو جاؤ۔ میں تمہیں اس شخص سے ملانا چاہتا ہوں تاکہ تم اچھی طرح اس کی صورت ذہن نشین کر لو۔"

تھوڑی دیر کے بعد دونوں شہر کے ایک گھٹیا سے شراب خانے میں داخل ہو رہے تھے۔ یہ شراب خانہ بھی تھا اور ہوٹل بھی۔ باہر سے آئے ہوئے کم حیثیت مسافروں کے لئے یہاں سستے

کمرے بھی مل جاتے تھے۔

فریدی اور حمید کو دیکھتے ہی ہوٹل کا منیجر لپک کر اُن کے قریب آ گیا۔

"کہئے حضور خیریت تو ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"میرے کمرے کی کنجی.....!" فریدی نے کہا۔ "اور ہاں فضلو کو بھیج دینا۔"

منیجر نے فریدی کو ایک کنجی لا کر دی۔ فریدی اور حمید زینے طے کر کے ایک بند کمرے کے سامنے آ کر رک گئے۔ فریدی نے تالا کھولا اور دونوں اندر داخل ہو گئے۔ فریدی نے دیا سلائی جلا کر ایک طاق پر رکھی ہوئی موم بتی روشن کر دی۔

"یہ آپ کا کمرہ ہے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ہاں ایسے بہتیرے کمرے میں نے شہر کے مختلف حصوں میں لے رکھے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"اور مجھے ان کا علم نہیں۔" حمید نے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔

"ہاں..... یونہی موقع پڑنے پر تمہیں بھی رفتہ رفتہ ان کا علم ہو جائے گا۔" فریدی نے کہا۔ "جانتے ہو ہوٹل کا منیجر کون ہے۔"

"نہیں.....!"

"ایک بدمعاش..... اور نمبر دس کا آدمی۔ مگر ہے بڑے کام کا۔" فریدی نے کہا۔

زینے پر آہٹ سنائی دی اور چند ہی لمحوں کے بعد ایک بوڑھا کمرے میں داخل ہوا اور سلام کر کے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

"فضلو تم نیو اسٹار ہی کے پریس میں کام کرتے ہو نا۔" فریدی نے کہا۔

"جی حضور.....!"

"اچھا دیکھو تمہیں کچھ دن تک اسی کمرے میں رہنا ہو گا..... اور یہ تمہارے بھیس میں تمہارا کام کریں گے۔"

"ارے حضور کوئی خاص کام ہو تو مجھے ہی بتائیے۔" بوڑھا بولا۔

"نہیں تم نہ کر سکو گے۔"

"جیسی حضور کی مرضی۔" بوڑھے نے کہا۔ "ایک گھنٹے کے بعد مجھے کام پر جانا ہو گا۔ آج کل نائٹ ڈیوٹی میں ہوں۔"

"اچھا حمید تم تیار ہو جاؤ..... میں ابھی تمہیں فضلو بنائے دیتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور کمرے میں رکھے ہوئے ایک بڑے صندوق کو کھول کر اس میں بھیس بدلنے کا سامان نکالنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد اس کمرے میں ایک ہی شکل کے دو بوڑھے کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں ایک بوڑھا باہر چلا گیا اور دوسرا وہیں کھڑا رہا۔

"ہاں تو فضلو جب تک تمہیں میری طرف سے کوئی اطلاع نہ ملے تم یہیں اس کمرے میں رہنا۔ میں نے مناسب انتظام کر دیا ہے۔ تمہاری ضروریات کی ساری چیزیں یہیں پہنچتی رہیں گی۔"

اب فریدی نے بھی بھیس بدلنا شروع کیا۔ تقریباً آدھ گھنٹے کے بعد اس کی جگہ پر ایک ادھیڑ عمر کا ملٹری آفیسر کھڑا سگار پی رہا تھا۔

فضلو اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"فضلو مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم نے پھر کوکین کا کاروبار شروع کر دیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اب سرکار سے کیا پردہ۔" فضلو نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔ "پریس کی نوکری میں اتنا نہیں ملتا جس سے پیٹ پل سکے۔ مہینے میں سو روپیہ تو صرف بال بچوں کے لئے گاؤں بھیج دینا پڑتا ہے۔"

"خیر لیکن..... اس بات کا خیال رکھنا کہ معاملہ میرے ہاتھ تک نہ پہنچنے پائے ورنہ میں مجبور ہو جاؤں گا۔" فریدی نے کہا۔

"ارے نہیں سرکار..... زیادہ نہیں، بس دھیلے دمڑی کا روزگار ہو جاتا ہے۔" فضلو نے سر ہلا کر کہا۔

"خیر تم لوگوں کا دھیلا دمڑی میں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔" فریدی نے سر ہلا کر کہا۔

فضلو دانت نکال کر ہنسنے لگا۔

"اچھا اب میں چلا..... دیکھو جو کچھ سمجھا دیا ہے اس کے خلاف نہ ہونے پائے۔"

"مجال ہے سرکار..... اس کے خلاف ہو جائے۔ آپ کے لئے جان بھی جائے تو حاضر ہے۔" فضلو نے کہا۔

فریدی ملٹری آفیسر کے بھیس میں ہاتھ میں ایک سوٹ کیس لٹکائے باہر آیا اور ٹیکسی کر کے ریلوے اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا۔

چڑچڑا نواب

دو گھنٹے کا سفر طے کر کے فریدی داراب نگر کے اسٹیشن پر اترا۔ رات کے تقریباً دس بج چکے تھے۔ اسٹیشن پر اسے ایک پھٹیچر سی ٹیکسی دکھائی دی وہ اس میں بیٹھا اور نواب رشید الزماں کے محل کی طرف روانہ ہو گیا۔

نواب صاحب ایک بہت بڑے جاگیر دار تھے اور پرلے سرے کے کنجوس۔ ان کی بے شمار دولت کی کہانیاں دور دور تک مشہور تھیں۔ بہتیروں کا یہاں تک خیال تھا کہ نواب صاحب نے اتنی دولت جو کی روٹیاں کھا کھا کر جمع کی ہے۔ ان کے اور لواحقین تو شاہانہ زندگی بسر کرتے تھے، مگر خود انتہائی سادہ زندگی بسر کرنے کے عادی تھے۔ آج وہ ابھی تک نہیں سوئے تھے۔ آج دوپہر ہی سے وہ کسی خاص الجھن میں مبتلا تھے۔ بات بات پر لوگوں سے الجھ جاتے تھے۔ اس وقت وہ بے چینی کے ساتھ دیوان خانے میں ٹہل رہے تھے۔

اچانک ایک ملازم طشتری میں کسی کا ملاقاتی کارڈ لایا اور میز پر رکھ کر خاموشی سے کھڑا ہو گیا۔

"ہوں.....!" نواب صاحب نے کارڈ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "کرنل ای۔ ایم خان لاحول ولا قوۃ..... یہ بھی کوئی ملنے کا وقت ہے۔ جاؤ بھیج دو۔"

چند لمحوں کے بعد فریدی کرنل خان کے بھیس میں دیوان خانے میں داخل ہوا۔

نواب صاحب نے زبردستی چہرے پر مسکراہٹ پیدا کر کے خوش اخلاق بننے کی کوشش کی۔

"فرمائیے کیسے تکلیف کی۔" نواب صاحب نے کہا۔ "تشریف رکھئے۔"

"میں ایک بہت ہی خاص کام کے سلسلے میں حاضر ہوا ہوں۔"

"فرمائیے۔" نواب صاحب نے چونک کر کہا۔

"میں بہت دور سے آیا ہوں..... ذرا دم لے لوں تو عرض کروں۔" فریدی نے آرام کرسی پر تقریباً لیٹتے ہوئے کہا۔

نواب صاحب کی بھنویں تن گئیں۔ لیکن انہوں نے پھر فوراً ہی اپنے چہرے پر ملائمیت کے آثار پیدا کر لئے۔ انہوں نے گھنٹی بجائی۔ ایک نوکر آیا۔

"کچھ پیجئے گا۔" نواب صاحب نے فریدی سے پوچھا۔

"صرف پانی.....!" فریدی نے جواب دیا اور نوکر چلا گیا۔

پانی پی چکنے کے بعد فریدی نے سگار سلگایا۔

"ہاں اب فرمایئے۔" نواب صاحب بے تابی سے بولے۔

"انہیں پہچانتے ہیں آپ.....!" فریدی نے جیب سے ایک تصویر نکال کر نواب صاحب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

نواب صاحب نے جیسے ہی تصویر ہاتھ میں لی اُن کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ وہ فریدی کو گھورنے لگا۔

"آپ ٹھہریئے..... میں ابھی آکر اس کا جواب دیتا ہوں۔" نواب صاحب نے کہا اور دیوان خانے سے چلے گئے۔ فریدی سگار کا کش لیتا ہوا دیوان خانے کی دیواروں پر لگی ہوئی تصویروں کا جائزہ لینے لگا۔

تھوڑی دیر بعد نواب صاحب واپس آئے۔ ان کے ہاتھ میں ایک پستول تھا۔ فریدی چونک پڑا۔ لیکن اس نے اپنے اطمینان میں فرق نہ آنے دیا۔

"ہاں میں اسے پہچانتا ہوں۔" نواب صاحب گرج کر بولے۔ "اور تم جیسے بدمعاشوں کو بھی اچھی طرح جانتا ہوں۔ تمہاری موت تمہیں یہاں لائی ہے۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"تم ہنس رہے ہو..... لیکن یاد رکھو اس کے لئے تمہارے گھر والوں کو رونا پڑے گا۔" نواب صاحب نے اسی انداز میں کہا۔

"معلوم نہیں آپ کیا سمجھ رہے ہیں۔" فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"میں سب کچھ سمجھ رہا ہوں۔" نواب صاحب نے کہا۔ "تم اس طرح مجھ سے روپیہ نہیں اینٹھ سکتے۔"

"اوہ سمجھا.....!" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "تو معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے۔ بہت اچھا ہوا کہ میں بالکل ٹھیک وقت پر پہنچ گیا۔"

"اچھا اب کوئی دوسری چال چلنے والے ہو۔" نواب صاحب چیخ کر بولے۔ "دیکھو یہاں

بڑے بڑے سرکشوں کی لاشیں دفن ہیں۔"

"چلئے یہ دوسری بات معلوم ہوئی۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"اب کی تم ہنسے اور میں نے گولی چلائی۔" نواب صاحب نے جھلا کر کہا۔

"اور پھر کل اس عمارت کا چپہ چپہ پولیس سے بھرا ہوگا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"یہ گیدڑ بھبکی کسی اور کو دینا مجھے رشید الزماں کہتے ہیں۔"

"اور میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ مجھے کرنل خان نہیں کہتے۔" فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"وہ تو میں پہلے ہی سے جانتا ہوں۔" نواب صاحب نے تند لہجے میں کہا۔

"لیکن آپ کچھ نہیں جانتے۔" فریدی نے اپنی جیب سے دوسرا کارڈ نکال کر نواب صاحب کو دیتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا.....؟"

"میرا دوسرا ملاقاتی کارڈ.....!"

"بس بس رکھے رہو۔" نواب صاحب نے کہا۔ "تم اس وقت تک میری قید میں رہو گے جب تک میری لڑکی مجھے واپس نہ مل جائے۔"

"تو کیا آپ کو اطلاع مل گئی۔" فریدی نے کہا۔

"بکو مت.....!" نواب صاحب چیخے۔

فریدی سخت الجھن میں پڑ گیا تھا کہ اس سرپھرے کو کس طرح راہِ راست پر لائے۔ نواب صاحب کا غصہ دیکھ کر اُسے الجھن ہو رہی تھی کہ کہیں سچ مچ گولی نہ چلا دے۔ اچانک وہ لیٹے ہی لیٹے اچھلا اور دوسرے لمحے میں نواب صاحب کا ریوالور اسکے ہاتھ میں تھا اور خود نواب صاحب زمین پر۔

"اگر ذرا بھی آواز نکالی تو خاتمہ ہی سمجھو۔" فریدی نے دبی آواز میں کہا۔ "میں خفیہ پولیس کا انسپکٹر فریدی ہوں۔"

"یہ جھوٹ ہے..... سراسر جھوٹ۔" نواب صاحب نے کہا۔

"دیکھئے میں آپ سے پھر کہتا ہوں کہ آہستہ بولئے۔" فریدی نے کہا۔

نواب صاحب خاموش ہو گئے۔ وہ ابھی تک زمین پر پڑے فریدی کے ہاتھ میں دبے ہوئے

ریوالور کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"اٹھ کر بیٹھ جایئے۔" فریدی نے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

نواب صاحب خاموشی سے اٹھ کر بیٹھ گئے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ اب بدمعاشوں نے آپ کو دھمکی دی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "غزالہ بیچاری پہلے میرے ہی پاس مدد کے لئے گئی تھی۔ بدمعاشوں کو اس کا علم ہو گیا اور انہوں نے اسے غائب کر دیا۔"

"میں کیسے یقین کر لوں کہ تم فریدی ہو۔" نواب صاحب نے مضمحل آواز میں کہا۔

"آپ یقین کریں یا نہ کریں مجھے تو اپنا کام کرنا ہی ہے۔" فریدی نے کہا "اور یہ بھی آپ کو بتا دوں کہ خفیہ پولیس کو آپ کی لڑکی پر شبہ ہو گیا ہے کہ وہ مجھے دھوکا دینے آئی تھی۔"

"بھلا وہ کیوں تمہیں دھوکا دینے لگی۔" نواب صاحب نے کہا۔

فریدی نے مختصراً انہیں سارا واقعہ بتا دیا۔

"اچھا ہے وہ کم بخت انہیں کی قید میں مر جائے۔ اس نے خاندان کی عزت پر بٹہ لگا دیا۔" نواب صاحب بولے۔

"اول تو وہ بے قصور ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور اگر اس معاملے کی تہہ میں واقعی کوئی بات ہے تو اس کے سو فیصدی ذمہ دار آپ ہیں۔ آپ نے اُسے کیوں اتنی آزادی دی تھی کہ وہ ایک نوجوان پرائیویٹ سیکریٹری کے ساتھ سوئٹزرلینڈ گئی؟"

"ہاں میرا ہی قصور ہے۔" نواب صاحب نے مضمحل آواز میں کہا۔ "لیکن تم یہ کس طرح کہہ رہے ہو کہ وہ بے قصور ہے۔"

"وہ تصویر محض روپیہ اینٹھنے کے لئے کھینچی گئی ہے۔ غزالہ ایک تفریح گاہ میں کسی وجہ سے بیہوش ہو گئی تھی۔ پرائیویٹ سیکریٹری اُسے اٹھا کر گاڑی کی طرف لا رہا تھا کہ کسی نے اسی حالت میں دونوں کی تصویر لے لی۔"

"خدا کرے تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" نواب صاحب بے ساختہ بولے۔

"آپ نے یورپ کے مشہور بلیک میلر لیونارڈ کا نام سنا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ہاں اس دوران میں اُس کے واقعات اخبار میں دیکھا کرتا تھا۔"

"تو یہ حرکت اسی کی ہے۔ آج کل وہ ہندوستان آیا ہوا ہے اور ہم لوگ اُسے گرفتار کر لینے کی فکر میں ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن مجھے اب بھی یقین نہیں آتا کہ تم فریدی ہو۔" نواب صاحب نے کہا۔ "کیونکہ میں نواب وجاہت مرزا کی زبانی سن چکا ہوں کہ فریدی جوان آدمی ہے اور شاید میں نے آپ کی تصویر بھی ڈاکٹر شوکت کے البم میں دیکھی تھی۔"

"یہ بات ہے تو مجھے بہت ہی پوشیدہ مقام پر لے چلئے..... میں آپ کو اپنی شکل بھی دکھا دوں۔" فریدی نے ہنس کر کہا اور ریوالور نواب صاحب کو واپس کر دیا۔

نواب صاحب اُسے حیرت سے دیکھنے لگے۔

"اچھا آؤ میرے ساتھ۔" نواب صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا۔

فریدی ان کے پیچھے چل پڑا۔

ایک چھوٹے سے خوبصورت اور عمدگی کے ساتھ سجائے ہوئے کمرے میں پہنچ کر نواب صاحب نے دروازہ بند کر لیا۔

"ذرا تھوڑا سا پانی منگوایئے۔" فریدی نے کہا۔

"پینے کے لئے۔" نواب صاحب نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

نواب صاحب خود باہر چلے گئے اتنی دیر میں فریدی نے اپنا میک اپ بگاڑ دیا۔

واپسی پر نواب صاحب دروازے ہی پر ٹھٹک کر کھڑے ہو گئے۔

"ارے.....!" ان کی زبان سے نکلا اور فریدی نے بڑھ کر پانی کا گلاس ان کے ہاتھ سے لے لیا۔

"وہی..... بالکل وہی۔" نواب صاحب بڑبڑائے۔ "میں نے تمہاری تصویر غور سے دیکھی تھی۔ واقعی تم فریدی ہو..... بیٹھو..... بیٹھو۔"

فریدی مسکراتا ہوا بیٹھ گیا۔

"بھئی معاف کرنا میں نے تمہیں نادانستگی میں کافی بُرا بھلا کہا ہے۔" نواب صاحب نے معذرت کی۔

"اور میں نے بھی تو محض جان جانے کے ڈر سے آپ کی شان میں گستاخی کی ہے، جس کی معافی چاہتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں..... کوئی بات نہیں۔ اب میں بالکل مطمئن ہوں۔" نواب صاحب نے کہا۔ "جس وقت مجھے بدمعاشوں کا خط اور غزالہ کی تصویر ملی تھی میرے دل میں سب سے پہلے تمہارا ہی خیال آیا تھا کہ کیوں نہ تم سے مدد لوں۔"

"بہر حال میں حاضر ہوں۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"مگر واقعی تم بہت دلیر ہو..... جیسا سنا تھا ویسا ہی پایا۔"

"سب آپ بزرگوں کی دُعائیں ہیں۔"

"مجھے وہاہت مرزا کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ تم نواب عابد علی خاں مرحوم کے لڑکے ہو۔" نواب صاحب نے کہا۔ "مرحوم میرے کلاس فیلو تھے اور میرے دور کے عزیز بھی ہوتے تھے۔ ارے بھئی تم اپنے ہی بچے ہو۔"

"اس رشتے پر مجھے مزید خوشی ہوئی۔" فریدی نے سعادت مندانہ انداز میں کہا۔

"مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تم محض شوق کی بناء پر اس محکمے میں کام کر رہے ہو۔ تمہارے والد مرحوم کو بھی سراغ رسانی کا بڑا شوق تھا..... آخر کیوں نہ ہوا نہیں کے تو لڑکے ہو۔"

فریدی کو خوف معلوم ہوا کہ کہیں اب نواب صاحب والد مرحوم کی سراغ رسانی کا کوئی واقعہ نہ سنانے لگیں، اس لئے وہ جلدی سے بولا۔

"ہاں تو ذرا وہ خط مجھے بھی دکھایئے۔" فریدی نے کہا۔

"میں ابھی لایا۔" کہہ کر نواب صاحب کمرے سے چلے گئے۔

چند منٹ بعد وہ واپس آئے اور انہوں نے ایک لفافہ فریدی کی طرف بڑھا دیا۔ اُس میں ایک ٹائپ کیا ہوا خط تھا اور ایک تصویر ویسی ہی تھی جیسی غزالہ نے فریدی کو دکھائی تھی۔

فریدی خط پڑھنے لگا۔

"نواب صاحب!

اپنی بیٹی کے کرتوت ملاحظہ فرمایئے۔ بے شمار تصویروں میں سے ایک روانہ ہے۔ آپ غالباً اس آدمی کو بھی پہچانتے ہوں گے۔ یہ تصویریں سوئٹزر لینڈ میں لی گئی تھیں۔ میں نے ان

تصویروں کی قیمت بیس لاکھ روپیہ رکھی تھی۔ آپ کی صاحب زادی بجائے اس کے آپ سے مشورہ کرتیں، خفیہ پولیس کے پاس جا پہنچیں۔ حالانکہ انہیں اس معاملے میں کافی محتاط رہنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ مجبوراً ہمیں انہیں گرفتار کر لینا پڑا۔ اگر آپ اپنی بیٹی کی واپسی ان تصویروں سمیت چاہتے ہیں تو کل رات کے نو بجے مطلوبہ رقم کے ساتھ شہر آیئے اور وکٹوریہ پارک میں وکٹوریہ کے بت کے پیچھے ملئے۔ آپ کو تصاویر مع نگیٹو واپس مل جائیں گی اور آپ کی صاحبزادی بھی رہا کر دی جائیں گی۔ مگر واضح رہے کہ اگر آپ نے بھی کوئی چال چلنے کی کوشش کی تو پھر نتیجے کے آپ خود ذمہ دار ہوں گے۔ اس سلسلے میں آپ کی جان بھی جا سکتی ہے اور آپ کی صاحب زادی کی عزت بھی۔ روپیہ ہمیں کل ملنا چاہئے، ورنہ دیر ہونے کی صورت میں پھر آپ کو موجودہ رقم کا ڈیڑھ گنا ادا کرنا پڑے گا۔ جب آپ مطلوبہ رقم لے کر آئیں تو آپ کو تنہا ہونا چاہئے۔ ایک بار پھر متنبہ کیا جاتا ہے کہ کافی احتیاط سے کام لیا جائے۔"

فریدی خط پڑھ کر کچھ دیر تک خیالات سے الجھا رہا پھر دفعتاً بولا۔

"سب سے پہلے تو میں آپ کو آپ کی صاحب زادی کی بے گناہی پر مبارک باد دیتا ہوں۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔" نواب صاحب نے کہا۔

"بدمعاشوں کے پاس اس تصویر کے علاوہ اور کوئی دوسری تصویر نہیں۔"

"میں اب بھی نہیں سمجھا۔"

"یہی تصویر مجھے غزالہ خانم نے بھی دکھائی تھی اور یہی تصویر انہیں سوئٹزر لینڈ میں بھی ملی تھی۔ اس کا مطلب یہ کہ بدمعاشوں کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی تصویر نہیں اور اس کا سو فیصدی مطلب یہی ہے کہ اس تصویر کے بارے میں غزالہ خانم کا بیان صحیح ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔" نواب صاحب نے کہا۔ "مجھے بھی یقین نہیں آیا تھا۔ غزالہ لاکھ آزاد خیال سہی، مگر وہ اتنا نہیں گر سکتی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر گلو خلاصی کس طرح ہو۔ بیس لاکھ روپیہ کم از کم میرے بس کی بات نہیں۔"

"کوشش تو یہی کی جائے گی کہ یونہی کام چل جائے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن میں نے بھی یہ خط دیکھ کر جو اسکیم بنائی ہے اس کے تحت آپ کو کافی محتاط رہنا پڑے گا۔"

"وہ کس طرح۔" وہ بے چینی سے بولے۔

"میں آپ کا بھیس بدل کر جاؤں گا..... اور آپ کو یہاں اس وقت تک بند رہنا پڑے گا جب تک کہ میری طرف سے آپ کو کوئی اطلاع نہ ملے۔ آپ کو یہاں اس طرح چھپے رہنا پڑے گا کہ محل کے کسی فرد کو بھی آپ کی موجودگی کا علم نہ ہو سکے۔ غالباً آپ سمجھ گئے ہوں گے۔"

"اچھی طرح سمجھ گیا..... لیکن اگر بدمعاشوں کو اس کا علم ہو گیا تو کیا ہو گا۔ وہ لوگ کافی چالاک معلوم ہوتے ہیں۔"

"اول تو انہیں علم ہی نہ ہونے پائے گا کیونکہ میں اس کے لئے شہر میں اچھا خاصا جال بچھا کر آیا ہوں۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اور اگر انہیں علم ہو بھی گیا تو کوئی اور صورت نکال جائے گی۔"

"بہر حال بھئی اب تم جانو..... میں تو کافی مطمئن ہو گیا ہوں۔"

"اچھا یہ بتایئے کہ آپ جب شہر جاتے ہیں تو کس ہوٹل میں ٹھہرتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"گرین میں۔" نواب صاحب نے جواب دیا۔

فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"تو غزالہ کب تک یہاں پہنچ جائے گی۔" نواب صاحب بولے۔

"اس کے متعلق میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن جب آپ کو مبارک باد کا کوئی تار ملے تو سمجھ لیجئے گا کہ غزالہ محفوظ ہے اور میں خود اس کی حفاظت کر رہا ہوں۔ اس عرصے میں آپ کو قطعی خاموش رہنا پڑے گا۔ آپ شہر آ کر مجھ سے ملنے کی بھی کوشش نہ کیجئے گا۔"

"بہت اچھا..... جیسا تم کہہ رہے ہو ویسا ہی کروں گا۔" نواب صاحب نے کہا۔

"تو کیا تم صبح ہی جاؤ گے۔"

"جی ہاں.....!" فریدی بولا۔ "اور اس وقت میں ساری تیاریاں مکمل کر لوں گا۔ فی الحال آپ مجھے اپنے لباس کے چند وہ جوڑے عنایت فرمایئے جنہیں آپ عام طور پر پہنا کرتے ہیں اور دو بڑے سوٹ کیس بھی۔ ایک میں کپڑے رکھوا دیجئے اور دوسرا خالی رہنے دیجئے۔"

"بہت اچھا..... میں ابھی جا کر انتظام کرتا ہوں۔" نواب صاحب جانے کے لئے مڑے۔

"ٹھہریئے..... ان انتظامات کی بھنک بھی کسی کے کان میں نہ پڑنے پائے۔"

"ہرگز نہیں..... تم اطمینان رکھو۔"

نواب صاحب چلے گئے اور فریدی نے صوفے پر گر کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا دماغ بہت تیزی سے سوچ رہا تھا۔

شکار

دوسرے دن صبح فریدی نواب رشید الزماں کے بھیس میں محل سے نکلا اور کار میں بیٹھ کر اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا۔

شہر پہنچ کر اس نے ٹیکسی کی اور گرین ہوٹل پہنچ گیا۔ ہوٹل کا منیجر شاید نواب رشید الزماں سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس لئے اس نے اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور اس بار اس طرح تنہا آنے پر اظہار تعجب کرتے ہوئے ادھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں۔

دن بھر فریدی ادھر اُدھر مارا مارا پھرتا رہا۔ شام ہوتے ہی وہ پھر ہوٹل واپس آ گیا۔ اس دوران میں اس نے کئی بار محسوس کیا کہ ایک آدمی اس کے پیچھے لگا ہوا ہے اور یہ شخص ڈگلس عدنان تھا۔ فریدی دل ہی دل میں مسکراتا رہا۔ اس چیز سے اس نے یہ اندازہ بھی لگا لیا کہ لیونارڈ کے پاس اس خاص کام کے لئے شاید یہی ایک آدمی ہے۔ اُس نے اس معاملے میں زیادہ رازدار نہیں بنائے۔ اس خیال کے آتے ہی اُسے اپنی کامیابی اور زیادہ یقینی معلوم ہونے لگی۔

تقریباً آٹھ بجے وہ ایک سوٹ کیس ہاتھ میں لٹکائے ہوئے ہوٹل کے باہر آیا اور ٹیکسی کر کے وکٹوریہ پارک کی طرف روانہ ہو گیا۔

پارک میں بالکل سناٹا تھا۔ سردی اتنی پڑ رہی تھی کہ پارک میں اس وقت رکنے کی ہمت کرنا آسان کام نہ تھا۔ فریدی ایک کنج میں گھرے ہوئے وکٹوریہ کے بت کے پیچھے جا کر بیٹھ گیا اور ایک سگریٹ سلگا کر لمبے لمبے کش لینے لگا۔ تقریباً نو بجے اسے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دیا اور وہ

سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ آنے والے نے اپنے کوٹ کے کالر سے اپنا چہرہ چھپا رکھا تھا۔ لیکن فریدی نے اس کے انداز سے پتہ لگالیا کہ وہ پرنس عدنان ہے۔ فریدی یونہی لاپرواہی سے سگریٹ پیتا رہا۔

پرنس عدنان اس کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ وہ آہستہ آہستہ بڑبڑا رہا تھا۔

"لوگوں نے اس پارک کو بھی عیاشی کا اڈہ بنالیا ہے۔ بھلا کوئی تک ہے اتنی رات گئے یہاں۔"

اس نے یہ سب اس انداز میں کہا جیسے وہ کوئی پولیس آفیسر ہے۔

"کہئے جناب آپ کون ہیں..... اور اس وقت یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہیں۔" اس نے فریدی سے پوچھا۔

"آپ کون ہوتے ہیں پوچھنے والے۔" فریدی نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔

"میں ابھی بتاتا ہوں کہ میں کون ہوں؟" عدنان نے کہا۔ "یہ اسی وقت تمہاری سمجھ میں آئے گا جب تمہارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہوں گی۔ ابھی کل ہی یہاں پر ایک نوجوان لڑکی بے ہوش پائی گئی ہے..... کم بختوں نے عیاشی کا اڈہ بنالیا ہے اس پارک کو۔"

"مم..... میں.....!" فریدی ہکلانے لگا۔ "میں..... مم..... مسافر ہوں۔"

"مسافر ہو تو کسی ہوٹل وغیرہ میں جاؤ..... یہاں بیٹھے کیوں جھک مار رہے ہو۔" پرنس عدنان نے کہا۔

"کیا بتاؤں صاحب..... اسٹیشن پر جیب کٹ گئی۔" فریدی نے رو دینے والے انداز میں کہا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ اب اس وقت کہاں جاؤں۔"

پرنس عدنان ہنسنے لگا۔

"بہت اچھے نواب رشید الزماں صاحب۔" وہ ہنستا ہوا بولا۔ "آپ اپنی لڑکی سے زیادہ سمجھ دار ہیں۔"

"کہئے رقم لائے ہیں۔"

"میری بیٹی کہاں ہے۔" فریدی بے اختیار بولا۔

"گھبرائیے نہیں..... وہ آپ تک بحفاظت تمام پہنچ جائے گی۔ تصویریں نگیٹو سمیت میں اپنے ساتھ ہی لیتا آیا ہوں..... لڑکی آپ کو اس وقت ملے گی جب ہم لوگ روپیہ گن کر

اطمینان کر لیں گے۔"

"اگر میری لڑکی کو ذرہ برابر بھی ضرر پہنچا تو یاد رکھنا کہ بیس لاکھ کے بجائے تم لوگوں سے چالیس لاکھ وصول کر لوں گا۔ ابھی تم لوگ مجھے نہیں جانتے۔"

فریدی نے کہا اور سوٹ کیس اس کی طرف بڑھا دیا۔ پرنس عدنان نے سوٹ کیس ہاتھ میں لے کر تولا اور پھر زمین پر رکھ دیا۔

"اس میں ہزار ہزار کے نوٹ ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"خیر دیکھا جائے گا..... یہ لیجئے تصویریں.....!" پرنس عدنان نے فریدی کے ہاتھ میں ایک لفافہ دے دیا۔ فریدی نے تصویریں نکال کر دیکھیں ان میں نگیٹو بھی موجود تھا۔ اس نے لفافہ جیب میں رکھ لیا۔

"میں کس طرح یقین کر لوں کہ تم نے ساری تصویریں دے دیں ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"آپ یقین کیجئے کہ ہم لوگ معاملے کے پکے ہیں۔" پرنس عدنان نے سوٹ کیس اٹھاتے ہوئے کہا۔ "لیکن ہم لوگ کس طرح یقین کر لیں کہ اس سوٹ کیس میں پوری رقم ہے۔"

"اس کا تو تمہیں یقین ہونا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔ "ایسی صورت میں جب کہ میری لڑکی تم لوگوں کی قید میں ہے میں تمہیں کس طرح دھوکا دے سکتا ہوں۔"

"ہاں یہ بات قاعدے کی ہے۔" پرنس عدنان نے کہا۔ "اچھا کل شام تک آپ کی لڑکی بحفاظت تمام آپ تک پہنچ جائے گی۔"

پرنس عدنان جانے کے لئے مڑا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی نے اچھل کر اُسے دبوچ لیا۔ پرنس عدنان نے اس کی گرفت سے نکل جانے کی کوشش کی لیکن فریدی نے دو تین بار اس کا سر سنگ مرمر کے اس چبوترے سے ٹکرا دیا جس پر وکٹوریہ کا بت نصب تھا۔

پرنس عدنان بیہوش ہو گیا۔

دو گھنٹے کے بعد فریدی اُسی شراب خانے کے ایک تہہ خانے میں نظر آیا۔ جہاں وہ داراب نگر کے لئے روانہ ہوا تھا۔ وہ شراب خانے کے مینجر کی مدد سے بے ہوش پرنس عدنان کو ایک ستون میں باندھ رہا تھا۔

"انسپکٹر صاحب..... واقعی آپ بھی بلا کے آدمی ہیں۔" شراب خانے کا مینجر بولا۔

"اگر میں بلا کا آدمی نہ ہوتا تو شاید تمہارے ہاتھوں مجھے قبر میں سونا پڑتا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"اس میں شک نہیں۔" منیجر نے کہا۔ "اگر آپ کی بجائے کوئی اور ہوتا تو اس کا یہی انجام ہوتا مگر آپ کو تو استاد کہہ ہی چکا ہوں۔"

"اچھا میرے شاگرد..... لیکن تم نے اب بہت بے دردی سے ناجائز شراب بیچنی شروع کر دی ہے۔ ذرا احتیاط سے۔"

"میرا دعویٰ ہے کہ سوائے آپ کے اور کوئی ایسا نہیں کہہ سکتا۔" منیجر نے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"یہی مطلب تھا۔" فریدی نے کہا اور پرنس عدنان کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔

"آخر یہ معاملہ کیا ہے۔" منیجر نے کہا۔

"معاملہ بہت الجھا ہوا ہے۔ سلجھ جانے کے بعد بتاؤں گا..... لیکن تم اس کی اچھی طرح حفاظت کرنا یہ نکل کر نہ جانے پائے ورنہ نتیجہ کے تم ذمہ دار ہو گے۔"

"ارے بھلا ایسی کیا بات ہے..... یہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔" منیجر نے کہا۔

پرنس عدنان ہوش میں آ گیا تھا۔ وہ گھبرائی ہوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

فریدی اس کی طرف مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔

"نواب رشید الزماں نے مجھے دھوکا دیا۔" پرنس عدنان انگریزی میں بڑبڑایا۔

"تم بالکل ٹھیک سمجھے۔" فریدی نے اردو میں کہا۔

"میں تمہاری زبان نہیں سمجھتا..... کیا تم انگریزی میں بات نہیں کر سکتے۔" عدنان نے کہا۔

"میری زبان تو تم ایسی سمجھتے ہو جیسے کہ چاہئے۔" فریدی نے کہا۔ "اگر تم کہو تو تمہاری مادری زبان گجراتی میں گفتگو کروں۔"

پرنس عدنان چونک پڑا۔

"چونکو نہیں مسٹر جمشید..... تم دوسروں کی آنکھ میں دھول جھونک سکتے ہو میری آنکھ میں نہیں۔"

"میں کچھ نہیں سمجھ رہا کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔" عدنان غصے میں بولا۔ "تم عراق کے ایک شہزادے کی توہین کر رہے ہو۔ تمہاری حکومت کو اس کے لئے جوابدہ ہونا پڑے گا۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو مسٹر جمشید۔" فریدی انگریزی میں بولا۔ "ہماری حکومت عرصہ سے تمہاری تاک میں ہے۔"

"کیا بکواس ہے..... کون جمشید..... کیسا جمشید..... تمہیں کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"جناب..... مجھے تو عموماً غلط فہمی ہی ہوا کرتی ہے۔ تم سمجھے تھے کہ شاید میں تمہاری اس تصویر والی دھمکی سے ڈر کر تمہارا پیچھا چھوڑ دوں گا۔"

"کیا فضول بکواس لگا رکھی ہے۔ مجھے فوراً کھول دو، ورنہ اچھا نہ ہوگا۔" عدنان چیخ کر بولا۔

"اگر میں تمہیں یہاں سے رہا بھی کر دوں تو شبے کے تحت تمہیں حوالات میں رہنا پڑے گا۔ تم کیا سمجھتے ہو..... میرے پاس تمہارے سیاہ کارناموں کا پورا ریکارڈ موجود ہے اور تمہاری انگلیوں کے نشانات بھی جو میں نے اس کاغذ سے حاصل کئے تھے، جو تم چھپنے کے لئے نیو اسٹار کے دفتر میں دے آئے تھے۔"

عدنان کے چہرے پر پسینہ پھوٹ آیا۔

"سب بکواس ہے۔" وہ پھر چیخا۔

"خیر بکواس ہی سہی۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "یہ بتاؤ لیونارڈ کہاں ہے۔"

لیونارڈ کے نام پر پرنس عدنان بُری طرح چونک پڑا اور حیرت سے فریدی کو گھورنے لگا۔

"اس طرح گھورنے سے کام نہ چلے گا۔ یہ تو تمہیں بتانا ہی پڑے گا۔" فریدی نے کہا۔ "اس وقت تم حکومت کی حراست میں نہیں بلکہ ذاتی طور پر براہِ راست میری حراست میں ہو۔ میں اس راز کو اگلوانے کے سلسلے میں تمہیں قتل کر دینے سے بھی گریز نہ کروں گا۔"

فریدی کے چہرے پر عجیب قسم کے سفاکانہ آثار پیدا ہو گئے۔ جنہیں دیکھ کر شراب خانے کا منیجر کانپ گیا۔

"انگیٹھی میں کوئلے دہکاؤ۔" فریدی نے منیجر کی طرف دیکھ کر تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"بہت بہتر۔" کہہ کر منیجر چلا گیا۔

"میں لوہا سرخ کر کے تمہارے جسم پر اتنے داغ ڈالوں گا کہ سیاہ ہو کر رہ جاؤ گے۔" فریدی

نے کہا۔

"لیکن آخر کیوں..... میری حکومت.....!"

"چپ رہو حکومت کے بچے۔" فریدی گرج کر بولا۔ "جو میں پوچھتا ہوں اس کا صحیح جواب دو، ورنہ ابھی ساری حقیقت معلوم ہو جائے گی۔"

"میں نہیں جانتا۔" عدنان نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔

اتنی دیر میں منیجر دہکتی ہوئی انگیٹھی لے کر آ گیا۔

"اس میں سرخ ہونے کے لئے لوہے کی ایک سلاخ ڈال دو۔" فریدی نے منیجر سے کہا۔

عدنان سر سے پیر تک کانپ اٹھا۔

فریدی سرخ ہوتی ہوئی سلاخ کو بغور دیکھ رہا تھا۔ سلاخ کے سرخ ہو جانے پر فریدی اُسے انگیٹھی سے نکال کر آہستہ آہستہ عدنان کی طرف بڑھنے لگا۔

"میں مجرم ہوں..... مگر تمہیں اس کا حق حاصل نہیں۔" عدنان خوف زدہ آواز میں چیخا۔

"یہاں اس تہہ خانے میں مجھے ہر طرح کا حق حاصل ہے۔" فریدی نے بے دردی سے اور جلتی ہوئی سلاخ اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔ عدنان بلبلا اٹھا اور شراب خانے کا منیجر منہ پھیر کر دوسری طرف ہٹ گیا۔

"میں تمہیں اسی طرح داغ داغ کر دوں گا۔"

"لیکن تمہاری یہ حرکت بے ضابطہ ہے۔" عدنان اپنی مادری زبان گجراتی میں چیخا۔

"شاباش میرے بیٹے۔ آخر تم عدنان سے جمشید ہو ہی گئے۔ اب جلدی سے یہ بھی بتا دو کہ لیونارڈ کہاں ہے۔" فریدی نے سلاخ کو دوبارہ انگیٹھی میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"مجھے نہیں معلوم.....!"

"پھر وہی.....!"

"مقدس آگ کی قسم میں نے اُسے آج تک نہیں دیکھا۔"

"تم جھوٹے ہو۔"

"اب میں تمہیں کسی طرح یقین نہیں دلا سکتا۔" عدنان نے جلے ہوئے نشان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا اس کے احکامات تم تک کیسے پہنچتے ہیں۔"

"ٹرانسمیٹر کے ذریعے۔"

"ٹھیک..... اچھا یہ بتاؤ کہ جس عمارت میں تم رہتے ہو، اس میں ٹرانسمیٹر کہاں لگا ہوا ہے۔"

"میرے سونے کے کمرے میں۔"

"تمہارے ملازمین کو تمہاری حرکات کی اطلاع ہے یا نہیں۔"

"صرف ایک کو۔"

"اس کا نام کیا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"راجو.....!"

"تم لوگوں کا اس مکان پر کب سے قبضہ ہے۔"

"تقریباً دس سال سے۔"

"لیونارڈ کے پروگرام سے تمہارے علاوہ کوئی اور بھی واقف ہے۔"

"نہیں.....!"

"غزالہ کہاں قید ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم.....!"

"تم جھوٹ بکتے ہو۔"

"مجھے نہیں معلوم کہ لیونارڈ نے اُسے کس طرح غائب کیا ہے اور کہاں رکھا ہے۔"

اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ فریدی نے محسوس کیا کہ عدنان بار بار اپنا ہاتھ سینے کی طرف لے جانے کی کوشش کر رہا ہے

فریدی نے جھپٹ کر اس کے چسٹر کے گریبان میں ہاتھ ڈال دیا۔ اس کے سینے پر کوئی سخت سی چیز بندھی معلوم ہوئی۔ فریدی نے اسے کھینچ کر باہر نکال لیا یہ ایک چپٹا سا ٹرانسمیٹر تھا۔

"اوہ تو یہ کہئے آپ اپنی گرفتاری کی اطلاع لیونارڈ کو دینے جا رہے تھے۔"

فریدی نے ٹرانسمیٹر کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ بالکل ویسا ہی ہے جیسا جرمنی کے جاسوس دوران جنگ استعمال کیا کرتے تھے۔"

عدنان کے چہرے سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اب اُسے اپنی زندگی کی کوئی امید نہ رہ گئی ہو۔

"اچھا شاگرد صاحب۔" فریدی نے ہوٹل کے منیجر کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اب میں چلتا ہوں..... اس پر کڑی نظر رکھنا۔"

فریدی اور منیجر عدنان کو تہہ خانے میں چھوڑ کر اوپر آ گئے۔

پُر اِسرار مکان

تھوڑی دیر بعد فریدی کمرے سے نکلا اور اس نے اپنا چہرہ چمڑے کے کالر میں چھپا رکھا تھا۔ شراب خانے کے باہر آ کر اس نے چمڑے کے کالر گرا دیئے۔ وہ پرنس عدنان کے روپ میں تھا۔ اس نے فٹ پاتھ پر چند منٹ کھڑے ہو کر کچھ سوچا اور پھر ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر پرنس عدنان کے مکان کی طرف روانہ ہو گیا۔

پرنس عدنان جس مکان میں رہ رہا تھا وہ ایک بہت پرانی عمارت تھی، اس کے متعلق عام طور پر مشہور تھا کہ وہاں بدروحوں کا سایہ ہے۔ اس سے قبل یہاں ایک بہت ہی مالدار آدمی رہتا تھا۔ وہ بالکل اکیلا تھا۔ اس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ اس مکان میں رہنے والے بھوتوں ہی کی مدد سے مالدار ہو گیا ہے۔ یہ عمارت دراصل شاہی وقتوں کی تھی اور شہر کے ایک نواب خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ کسی وجہ سے اس خاندان والوں نے اُسے فروخت کر دیا تھا۔ وجہ خواہ کچھ رہی ہو لیکن عوام میں یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ اس کی فروختگی کا باعث دراصل بھوتوں ہی والا معاملہ تھا۔ جس شخص نے اسے خریدا تھا اس نے اسے کرائے پر اٹھا دیا۔ کرایہ دار جو مکان میں چند نوکروں کے ساتھ تنہا رہتا تھا ایک دن صبح اپنے کمرے میں مردہ پایا گیا۔ اس واقعے سے اس مکان کے بھوتوں کی شہرت میں اور اضافہ ہو گا۔

پھر اس مکان کو پرنس عدنان نے کرائے پر لیا اور وہیں رہنے لگا۔ مکان یوں بھی اپنی قدامت کی وجہ سے کچھ پراسرار سا لگتا تھا۔ پھر بھوتوں والے معاملے نے اُسے اور بھی خوفناک بنا دیا۔ پرنس عدنان جب اسے کرائے پر لے رہا تھا تو قرب و جوار کے لوگوں نے اُسے روکنے کی

کوشش کی تھی لیکن اس نے ہنس کر ٹال دیا تھا۔

فریدی اس عمارت کے سامنے پہنچ کر تھوڑی دیر کے لئے رکا۔ صدر دروازہ پر ایک بہت زیادہ پاور کا بلب روشن تھا۔ ایک طرف ایک چوکیدار بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ فریدی کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر آگے بڑھا۔ اس کے قدم ایک ایسے شرابی کی طرح لڑکھڑا رہے تھے جو بہت زیادہ پی گیا ہو۔ اس نے چوکیدار کے پاس پہنچ کر اُسے ٹھوکر رسید کر دی وہ ہڑبڑا کر کھڑا ہو گیا۔

"سور کا بچہ سوتا ہے۔" فریدی بگڑے ہوئے ہندوستانی لہجے میں چیخا۔

"نہیں تو حضور.....!" چوکیدار نے سہم کر جواب دیا۔

"حضور کا بچہ..... اُلو کا پٹھا۔" فریدی بڑبڑاتا ہوا اندر داخل ہوا۔

اب اس نے بھدی اور بے ہنگم آواز میں ایک انگریزی گانا شروع کر دیا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کی آواز سے ساری عمارت گونج رہی ہو۔ شور سن کر دو توانا اور تندرست آدمی اس کے قریب آ کر کھڑے ہو گئے۔

"کیا بات ہے سردار.....!" ایک آدمی نے گجراتی زبان میں پوچھا۔

"تمہارا سر.....!" فریدی نے بھی گجراتی زبان میں جھلا کر کہا۔

"آیئے..... میں آپ کو آپ کے سونے کے کمرے میں پہنچا دوں۔" پہلا آدمی بولا۔

"ابے او گدھے تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا۔" فریدی جھومتا ہوا بولا۔ "میں مرغی کا بچہ ہوں کیا سمجھا..... مجھے میرے ڈربے میں پہنچا دے۔"

دونوں آدمیوں نے مسکرا کر سر جھکا لیا۔

اچھا تم دونوں مسکراتے ہو۔ فریدی نے جیب سے پستول نکال کر کہا۔ "ہینڈز اپ"

دونوں گڑگڑاتے ہوئے اس کے قدموں پر گر پڑے۔

فریدی نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور پستول جیب میں رکھ لیا۔

"اٹھو.....!" وہ گرج کر بولا۔ "تم دونوں میرے باپ ہو۔"

وہ دونوں کھڑے ہو کر کانپنے لگے۔

"جاؤ..... راجو کو بلا لاؤ۔" فریدی نے کہا۔

"راجو.....!" دونوں نے بیک وقت کہا اور حیرت سے ایک دوسرے کی طرف

دیکھنے لگے۔

"ہاں..... ہاں..... راجو.....!" فریدی جھومتا ہوا بولا۔

"کون راجو.....!" ایک نے کہا۔

"تم راجو کو نہیں جانتے..... تب تم کالی بلی کی اولاد معلوم ہوتے ہو، جاؤ اُسے فوراً بلالاؤ..... ورنہ میں تم دونوں کو ختم کردوں گا۔"

"سردار..... ہم نہیں جانتے راجو کون ہے۔" ایک بولا۔

فریدی سوچ میں پڑ گیا کہ پرنس عدنان نے صرف راجو والی بات جھوٹ کہی تھی۔ اگر وہ شرابی کا رول نہ کر رہا ہوتا تو اس وقت شامت ہی آگئی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ کہیں ٹرانسمیٹر والی بات بھی غلط نہ ہو۔

"تم لوگ بالکل گدھے ہو، جو زاجو کو نہیں جانتے۔" فریدی نے کہا۔ "راجو میری جان میری محبوبہ ہے۔ ابھی وہ آرلکچو میں میرے ساتھ شراب پی رہی تھی۔"

"یہ بات ہے۔" ایک مسکرا کر بولا۔ "آپ ہمیں اس کے گھر کا پتہ بتایئے..... ہم ابھی اُسے اٹھالاتے ہیں۔"

"وہ جنت میں رہتی ہے۔" فریدی نے لڑکھڑا کر آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ گر پڑا۔

"سردار..... سردار.....!" دونوں اس پر جھکتے ہوئے بیک وقت چیخے۔

"بیہوش ہوگئے۔" ایک نے کہا۔

"کبھی اتنی نہیں پیتے تھے..... معلوم نہیں کیا بات ہے۔" دوسرا بولا۔

"کوئی عورت ساتھ تھی نا۔" پہلا مسکرا کر بولا۔ "چلو انہیں اٹھا کر ان کے سونے کے کمرے میں ڈال آئیں۔"

دونوں فریدی کو اٹھا کر سونے کے کمرے میں لائے اور کوچ پر لٹادیا۔ ان کے چلے جانے کے بعد تھوڑی دیر یونہی لیٹے رہنے کے بعد فریدی اٹھا اور کمرہ اندر سے بند کرلیا۔ یہ ایک مغربی طرز پر آراستہ کیا ہوا کمرہ تھا۔ سونے کے پلنگ کے قریب ایک چھوٹی سی میز پر ایک ریڈیو رکھا ہوا تھا۔ فریدی کو ٹرانسمیٹر کی تلاش تھی۔ اس نے کمرے کا کونہ کونہ چھان مارا مگر ٹرانسمیٹر کا کہیں پتہ نہ

چلا۔ وہ سوچنے لگا..... خیر کچھ پرواہ نہیں۔ اب تو پرنس عدنان اس کی قید ہی میں ہے۔ اگر وہ آج سیدھی طرح نہیں بتا سکا تو کیا ہوا کل اس کی کھال کھینچ لی جائے گی۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ یک بیک میز پر رکھے ہوئے ریڈیو میں ہلکی ہلکی سی کھرکھراہٹ پیدا ہونے لگی۔ وہ چونک پڑا۔ ریڈیو خود بخود کیسے چلنے لگا۔ وہ جھپٹ کر ریڈیو کے قریب پہنچا۔ اب ریڈیو میں سے کسی آدمی کی آواز بھی سنائی دینے لگی۔ بولنے والا انگریزی میں کہہ رہا تھا۔

"تم نے ابھی تک مطلع نہیں کیا..... تیسری بار تمہیں مخاطب کر رہا ہوں..... جواب دو..... کہ کیا ہوا..... دوپہر کو تم نے اطلاع دی تھی کہ وہ آگیا ہے۔"

فریدی غور سے ریڈیو کا جائزہ لینے لگا۔ اچانک اس کا ہاتھ ایک جگہ پڑا اور ایک کھٹکے کے ساتھ ریڈیو میں ایک خانہ سا کھل گیا جہاں فریدی کا ہاتھ لگا تھا۔ وہاں ایک چھوٹا سا اور سرسری طور پر دیکھنے پر نظر نہ آنے والا ایک سوئچ لگا ہوا تھا۔ فریدی نے سوئچ دبایا اور خانہ پھر بند ہوگیا۔ اس نے خانے کو پھر کھولا اور منہ لگا کر کہنے لگا۔

"میں نے زبردست دھوکا کھایا..... کم بخت نے سادے کاغذوں کے اوپر کچھ نوٹ جما رکھے تھے..... نوٹوں کی گڈیوں میں اوپر نیچے نوٹ اور درمیان میں سادہ کاغذ تھا۔"

"تصویروں کا کیا ہوا.....!" ریڈیو سے آواز آئی۔

"نگیٹو سمیت لے گیا۔" فریدی نے کہا۔

"تم نرے احمق معلوم ہوتے ہو۔" ریڈیو سے آواز آئی۔ "کیا لڑکی بھی واپس کردی۔"

"نہیں.....!" فریدی نے کہا۔ "یہ میری پہلی غلطی ہے امید ہے کہ آپ مجھے معاف کردیں گے۔"

"خیر جانے دو.....!" ریڈیو سے آواز آئی۔ "لڑکی کو احتیاط سے رکھنا اور اگر ممکن ہو تو اس گدھے کو بھی اڑالاؤ..... اور ہاں فریدی سے ہوشیار رہنا۔"

"وہ بُری طرح میرے پیچھے پڑ گیا ہے..... اگر حکم ہو تو اُسے قتل کردیا جائے۔" فریدی نے کہا۔

"تم اس کی فکر مت کرو..... میں اس کا معقول انتظام کر رہا ہوں۔" ریڈیو سے آواز آئی۔

فریدی نے مسکرا کر سر ہلایا اور بولا..... "کل دن میں آپ سے گفتگو نہ کرسکوں

گا..... میرا ارادہ ہے کہ اس نواب کے بچے کو ایک اچھا سبق پڑھاؤں۔"

"اسے سبق دینے کا سب سے آسان طریقہ تمہیں بتاتا ہوں۔ ریڈیو سے آواز آئی۔ لڑکی تمہارے قبضے میں ہے ہی، کسی کے ساتھ اس کی تصویر کھینچ کر اسے رہا کر دو اور تصویر کی ایک ایک کاپی اس کے ہر عزیز کے پاس بھجوا دو۔"

فریدی الجھن میں پڑ گیا۔ عدنان نے کہا تھا کہ اُسے لڑکی کے اغواء کے متعلق کچھ معلوم ہی نہیں۔ لیونارڈ نے براہِ راست اُسے غائب کر دیا تھا اور اسی نے اسے کہیں رکھا بھی تھا۔

"آپ کی یہ تدبیر بہت عمدہ ہے۔ ایسا ہی کیا جائے گا۔" فریدی نے کہا۔ "اور کوئی حکم۔"

"نہیں اب بس کل رات کو پھر گفتگو ہو گی۔" ریڈیو سے آواز آئی اور کمرے میں مکمل خاموشی چھا گئی۔ فریدی نے خانہ بند کر دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر غزالہ کا پتہ کیسے لگائے۔ اگر وہ اسی مکان میں کسی جگہ قید ہے تب تو آسانی سے پتہ چل جائے گا اور اگر یہاں نہ ہوئی تو اس کے لئے اسے دوبارہ عدنان کے ساتھ سختی کرنی پڑے گی۔ اس نے عدنان کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا تھا وہ اسے قطعی پسند نہ تھا لیکن اس کے علاوہ کوئی اور چارہ بھی تو نہ تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس قسم کے لوگ تشدد ہی کے ذریعہ قابو میں آتے ہیں اور بعض اوقات تو تشدد بھی انہیں راہ راست پر لانے کے لئے بیکار ثابت ہوتا ہے۔

فریدی رات بھر جاگتا رہا۔ جب مکان کے سارے لوگ سو گئے تو وہ اٹھا اور مکان کا کونہ کونہ چھان مارا۔ مگر غزالہ کا سراغ نہ ملا۔

فریدی پاگل ہو گیا

دوسرے دن صبح فریدی اپنے گھر پہنچا۔ اُس نے حمید کو پہلے ہی اطلاع بھجوا دی تھی اور اب اس کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔ حمید کی عدم موجودگی میں گھر اُسے کچھ اچھا نہ لگ رہا تھا۔ ناشتے کی میز پر پہنچ کر بھی اس نے حمید کی کمی شدت سے محسوس کی۔

"کیوں بھئی..... یہ بنگالی رس گلے کہاں سے آئے تھے۔" فریدی نے میز کی قریب

کھڑے ہوئے نوکر سے پوچھا۔ اُسے بنگالی رس گلے بے حد مرغوب تھے۔

"چیف صاحب نے آپ کے لئے بھجوائے ہیں۔" نوکر نے جواب دیا۔

فریدی نے رس گلا اٹھایا۔ لیکن پھر فوراً ہی رکھ دیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ ٹرانسمیٹر پر بولنے والے کے الفاظ اب تک اس کے کانوں میں گونج رہے تھے اور پھر آج سے پہلے کبھی چیف انسپکٹر صاحب نے اتنی مہربانی نہ کی تھی۔ فریدی نے ایک رس گلا اٹھا کر قریب بیٹھے ہوئے کتے کے آگے ڈال دیا۔ کتا اسے کھا کر دوبارہ فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ فریدی نے ایک اور ڈال دیا۔ رفتہ رفتہ اس نے سارے رس گلے اُسے کھلا دیئے۔ تھوڑی دیر بعد کتا اونگھنے لگا۔ فریدی چائے کے گھونٹ لے لے کر بغور اسے دیکھتا رہا۔ کچھ دیر بعد دفعتاً کتا چونکا اور قد آدم آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر اس پر جھپٹا..... وہ آئینے کے سامنے اس طرح اچھل کود رہا تھا جیسے کسی دوسرے کتے سے لڑ رہا ہو۔ فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پیدا ہوئی۔ وہ اٹھا اور کمرے سے نکل آیا۔ دو نوکروں نے کتے کے شور کے متعلق اس سے پوچھا۔ لیکن اس نے انہیں یہ کہہ کر ٹال دیا کہ اس نے ایک چوہا پکڑ لیا ہے۔ اس نے دوسرے کمرے میں جا کر پستول نکالا اور پھر کمرے میں لوٹ آیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کتا پاگل ہو گیا ہو۔ فریدی نے پستول چلا دیا۔ کتے نے ایک جست لگائی اور زمین پر آ رہا۔ گولی چلنے کی آواز سن کر کئی نوکر کمرے کی طرف دوڑ آئے۔ فریدی کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ سرخ سرخ آنکھیں اپنے حلقوں سے ابلی پڑ رہی تھیں۔ اس نے نوکروں کی طرف دیکھ کر ایک وحشیانہ قہقہہ لگایا اور انہیں بھی گولی مار دینے کی دھمکیاں دینے لگا۔

سارے نوکر خوفزدہ ہو کر اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ فریدی طرح طرح کی آوازیں نکالتا ہوا اچھل کود کر رہا تھا۔

اتنے میں حمید آ گیا، فریدی کو اس حالت میں دیکھ کر اُسے بیساختہ ہنسی آ گئی۔

"کیوں بے اُلو کے پٹھے تو ہنس کیوں رہا ہے۔" فریدی نے چیخ کر کہا۔

حمید یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ فریدی نے آج تک اس سے ایسے لہجے میں گفتگو نہ کی تھی۔

"لے بولتا کیوں نہیں۔" فریدی پھر چیخا۔

اس بار حمید سر سے پیر تک لرز گیا۔ اس نے فریدی کی آنکھوں میں ایک بہت ہی بھیانک قسم کی چمک دیکھی۔

"ابے بول.....!" فریدی پھر گرجا۔

"کیا بولوں.....!" حمید نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"ابے وہی بول جو تجھے شیطان کی خالہ نے سکھایا ہے۔" فریدی چیخا۔ "ابے بول بندر کی اولاد کوڑیالے سانپ کے بھانجے۔"

حمید کو پھر ہنسی آگئی اور فریدی نے جیب سے پستول نکال کر فائر کر دیا۔ گولی حمید کے داہنے کان کے قریب سے نکل گئی۔

حمید بدحواس ہو کر بھاگا..... فریدی اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ حمید نے غسل خانے میں گھس کر دروازہ بند کر لیا۔ فریدی دروازہ پیٹنے لگا۔

"ابے او ٹماٹر کے خالو..... دروازہ کھولو..... ورنہ کچا کھا جاؤں گا۔" فریدی چیخا۔

گھر کے سارے ملازمین اس کی یہ حالت دیکھ کر ادھر اُدھر چھپتے پھر رہے تھے۔

"اچھا بیٹا..... نہ کھولو..... دفتر سے لوٹ کر تمہاری مرمت کروں گا۔" فریدی نے کہا اور وہاں سے ہٹ گیا۔

اس نے پائجامہ اور قمیض پر ٹائی باندھی، ایک پیر میں کالا جوتا پہنا اور دوسرے میں کتھئی اور سر پر گاندھی کیپ رکھ کر دفتر کی طرف پیدل ہی چل دیا۔

راستے بھر لوگ اُسے دیکھ دیکھ کر ہنستے رہے..... اور وہ انہیں منہ چڑھاتا رہا۔

دفتر میں گھستے ہی اس نے ہلڑ مچانا شروع کر دیا۔

"آئی ایم دی مانرک آف آل آئی سروے۔" وہ چیخ چیخ کر گا رہا تھا۔

دفتر کا سارا عملہ اس کے گرد اکٹھا ہو گیا تھا۔ گاتے گاتے اس نے ایک ہاتھ کمر پر رکھا اور دوسرا سر پر اور انگریزی گانا گاتا ہوا ہندوستانی انداز میں ٹھمک ٹھمک کر ناچنے لگا۔

لوگ کھڑے ہنس رہے تھے۔ بہتیروں کے ذہن میں یہ بات آئی کہ شاید اس نے سراغ رسانی کے سلسلے میں کوئی نیا بہروپ بھرا ہے۔

یہ سلسلہ جاری تھا کہ حمید بھی دفتر پہنچ گیا۔ لوگ اس سے پوچھنے لگے۔

"نہیں قطعی نہیں..... یہ بہروپ ہرگز نہیں ہو سکتا۔" حمید نے کہا۔ "ابھی ابھی انہوں نے مجھ پر پستول سے وار کیا تھا..... اگر میں ایک طرف نہ ہو جاتا تو کھوپڑی صاف ہو گئی تھی۔"

یہ سن کر بہتیرے لوگ ڈر کر فریدی کے پاس سے اٹھ گئے۔

"تم آگئے میرے بیٹے۔" فریدی حمید کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ "بھائیو میرے پہلے شوہر کی اولاد ہے۔"

پھر ایک قہقہہ پڑا اور حمید جھینپ کر وہاں سے ہٹ گیا۔

آخر کار یہ ہلڑ اس قدر بڑھا کہ مسٹر جیکسن کو اپنے کمرے سے باہر نکل آنا پڑا۔

لوگ اسے دیکھ کر ادھر اُدھر منتشر ہو گئے۔

"ول مسٹر فریدی کیا بات ہے۔" جیکسن نے اسے اس ہیئت کذائی میں دیکھ کر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"دل میری جان تمہارے عشق میں یہ حال ہو گیا ہے۔" فریدی نے اس کی طرف بڑھ کر اُسے لپٹانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"کیا بدتمیزی ہے۔" جیکسن اُسے ہٹاتے ہوئے گرج کر بولا۔

"مار ڈالو مری جان بس اسی ادا پر جان جاتی ہے۔" فریدی نے اپنے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"ارے اسے کیا ہو گیا۔" جیکسن نے بے بسی سے کہا۔

"عشق ہو گیا ہے عشق....." فریدی اتنے زور سے چیخا کہ اس کی آواز بھرا گئی۔

جیکسن نے لوگوں کو پکارا..... وہاں پھر مجمع لگ گیا۔

"شاید اس نے بہت زیادہ پی لی ہے۔" جیکسن نے کہا۔

"نہیں صاحب..... شاید ان کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" ایک آدمی بولا۔

"اچانک دماغ کیسے خراب ہو گیا۔" جیکسن نے پوچھا۔

"مجھے نوکروں کی زبانی معلوم ہوا کہ صبح ناشتے کے وقت اچانک ان پر اس قسم کا دورہ پڑ گیا۔" حمید نے کہا۔ "پہلے انہوں نے ایک کتے کو ہلاک کر دیا اور پھر مجھ پر بھی گولی چلائی۔"

"ارے.....!" جیکسن نے کہا اور خوفزدہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

فریدی اب بھی کھڑا وحشیانہ انداز میں قہقہے لگا رہا تھا۔

جیکسن نے لوگوں کو اشارہ کیا۔ دو تین لوگ فریدی پر ٹوٹ پڑے اور تھوڑی دیر بعد اُسے بے بس کر دیا اور پھر اسے ایک کرسی میں باندھ دیا گیا۔

فریدی کو جتنی بھی زبانیں آتی تھیں وہ ان میں یکے بعد دیگرے بے تحاشہ گالیاں بک رہا تھا۔

"کچھ یہ بھی بتا سکتے ہو کہ انہوں نے ناشتے میں کھایا کیا تھا۔" جیکسن نے کچھ سوچتے ہوئے حمید سے کہا۔

"میں نے اس کے بارے میں نوکروں سے پوچھا تھا۔" حمید بولا۔ "ٹوسٹ، انڈے، جیلی مکھن اور کچھ خشک میوے..... اور ہاں بنگالی رس گلے جو چیف انسپکٹر صاحب نے بھجوائے تھے۔"

"میں نے.....!" چیف انسپکٹر نے حیرت سے کہا۔ "میں نے تو نہیں بھجوائے تھے۔"

"جی.....!" حمید نے چونک کر کہا۔

"ہاں بھئی میں نے نہیں بھجوائے تھے۔"

"اچھا تو یہ بات ہے..... یہ سب انہیں رس گلوں کی کرامت ہے۔ یہ ضرور ان کے کسی دشمن کی حرکت ہے۔" حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"کیا ان رس گلوں میں سے کچھ بچا بھی ہے۔" جیکسن نے کہا۔

"میرے خیال سے تو نہیں۔"

"انہیں فوراً ہسپتال لے چلنا چاہئے۔" جیکسن نے کہا۔

اس دوران میں فریدی بیہوش ہو چکا تھا۔

لوگوں نے اسے کرسی سے کھولا اور اسٹریچر پر ڈال کر ہسپتال کی طرف لے چلے۔ چونکہ ہسپتال نزدیک ہی تھا اس لئے ان لوگوں نے پیدل ہی جانا مناسب سمجھا۔ ابھی تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ فریدی اسٹریچر پر سے کود کر بھاگا..... لوگوں نے اس کا پیچھا کرنا چاہا لیکن اس نے انہیں پیچ در پیچ گلیوں میں ایسے ایسے چکر دیئے کہ انہیں تھک ہار کر لوٹ ہی جانا پڑا۔

نئی دریافت

فریدی دن بھر ادھر اُدھر چھپتا پھرا۔ اندھیرا ہوتے ہی وہ اسی شراب خانے میں پھر جا پہنچا۔ اس نے انتہائی کوشش کی کہ کسی طرح پرنس عدنان سے غزالہ کا پتہ معلوم ہو جائے لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ تھک ہار کر اس نے اپنے مقبوضہ کمرے کا رخ کیا۔ وہاں اس نے پرنس عدنان کا بھیس بدلا اور اس کے مکان کی طرف روانہ ہو گیا۔ آج اس نے شرابیوں کی نقل نہیں کی۔ پھاٹک ہی پر اُسے وہی دونوں آدمی دکھائی دیئے، جو اسے گذشتہ رات اٹھا کر لے گئے تھے۔

"سردار.....!" ان میں سے ایک آگے بڑھ کر بولا۔ "اس لڑکی نے تو ناک میں دم کر رکھا ہے۔ صبح سے کچھ نہیں کھایا اور شام کو دیوار سے اپنا سر ٹکرا کر زخمی ہو گئی۔"

لڑکی کا تذکرہ سن کر فریدی کے کان کھڑے ہو گئے۔

"اچھا چلو.....! چل کر دیکھتا ہوں۔" فریدی نے گھر کے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

وہ تھوڑی دور چلتا رہا پھر اچانک چیخ مار کر گر پڑا۔ دونوں اس کی طرف لپکے۔

"کیا ہوا سردار.....!"

"چلتے وقت پیر مڑ گیا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ذرا پیر کھینچو..... شاید کوئی رگ چڑھ گئی ہے۔"

ایک نے اس کا پیر پکڑ کر دو تین جھٹکے دیئے..... فریدی بدقت تمام کھڑا ہوا اور لنگڑا لنگڑا کر چلنے لگا۔

"ارے آگے چلو..... بھئی تم کب تک میرے پیچھے رینگتے رہو گے۔" فریدی نے جھلا کر کہا۔

"میرے خیال سے تو اس وقت آرام کیجئے، صبح دیکھی جائے گی۔" ایک نے جھلا کر کہا۔

"فضول مت بکو۔" فریدی نے کہا۔ "چلو چل کر اسے دیکھیں کہیں وہ خودکشی نہ کر بیٹھے کہ بنا بنایا کھیل بگڑ جائے۔"

وہ دونوں آگے آگے چل رہے تھے اور فریدی ان کے پیچھے لنگڑاتا جا رہا تھا۔

ایک کمرے میں پہنچ کر دونوں نے فرش پر بچھی ہوئی قالین ہٹائی اور اس جگہ پر جڑے ہوئے تختے کو اٹھانے لگے۔ تختہ ہٹتے ہی ایک تہہ خانے کا راستہ نظر آیا..... دونوں سیڑھیوں کے ذریعہ نیچے اترنے لگے۔ فریدی بھی آہستہ آہستہ کراہتا ہوا ان کا ساتھ دے رہا تھا۔ زینے طے کر کے وہ ایک بہت بڑے کمرے میں پہنچے، جہاں چاروں طرف بہت سے چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے تھے۔ دونوں میں ایک نے بڑھ کر ایک کمرے کا دروازہ کھولا۔ کمرے میں بجلی کا بلب روشن تھا۔ دونوں دروازے کے دونوں طرف کھڑے ہو گئے اور پرنس عدنان لنگڑاتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ ایک عورت زانوؤں میں سر دیئے زمین پر بیٹھی تھی۔ اس نے آہٹ سن کر اپنا سر اٹھانے کی زحمت بھی گوارا نہ کی۔ فریدی پھر دروازے کی طرف واپس لوٹا اور ان دونوں کو باہر جانے کا اشارہ کر کے پھر واپس آ گیا۔ اس نے آہستہ سے عورت کے سر پر ہاتھ رکھا اور وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ یہ غزالہ تھی۔

"خبردار مجھے ہاتھ مت لگانا۔" وہ بپھر کر بولی۔ "اس کی پیشانی کے زخم پر خون جم گیا تھا۔ بال الجھے ہوئے ..... چہرہ ویران تھا۔ آنکھیں کسی خوفزدہ ہرنی کی آنکھوں کی طرح معلوم ہو رہی تھیں۔"

"یہ تم نے اپنا سر کیوں پھوڑ لیا۔" فریدی نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"تجھ سے مطلب.....!" وہ گرج کر بولی۔

"کھانا کیوں نہیں کھایا۔"

"میری خوشی.....!"

"آخر اس طرح بگڑ کیوں رہی ہو۔" فریدی نے کہا۔

"جاؤ جا کر اپنا کام کرو..... میں بیکار باتیں نہیں کرنا چاہتی۔"

"اُف کیا تم نہیں جانتیں کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔"

"اچھا یہ کب سے۔" غزالہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

"جس دن سے تمہیں دیکھا ہے۔"

"اچھا تو کان کھول کر سن لو..... اگر اب تم نے اس قسم کی گفتگو کی تو خودکشی کر لوں گی

تمہارا گلا گھونٹ دوں گی۔"

"حسن غصے میں بڑا بھلا معلوم ہوتا ہے۔"

"دور ہو جاؤ..... یہاں سے کمینے کتے کہیں کے۔" وہ گرج کر بولی۔

"دیکھو..... میرا کہنا مان لو..... میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔"

"ایسی آزادی پر میں موت کو ترجیح دیتی ہوں۔"

"تمہارے اس خیال سے مجھے خوشی ہوئی۔" فریدی نے کہا۔ "گھبراؤ نہیں..... تم بہت جلد رہا ہو جاؤ گی۔"

غزالہ حیرت سے اُس کا منہ دیکھنے لگی۔ یہ چیز اس کی سمجھ سے باہر تھی کہ پرنس عدنان میں یک بیک تبدیلی کیسے ہو گئی۔

"میں عدنان نہیں فریدی ہوں۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "عدنان میری قید میں ہے۔"

"اوہ تو اب تم یہ دوسری چال چل رہے ہو۔" غزالہ تلخ لہجے میں بولی۔ "لیکن اتنا یاد رکھو کہ تم مجھ پر کسی طرح فتح نہیں پا سکتے۔"

فریدی ہنسنے لگا۔ اس نے اسے مختصر ساری داستان سنا دی۔ وہ حیرت سے منہ کھولے سن رہی تھی۔

"یہ تو بہت بُرا ہوا کہ ان کم بختوں نے والد صاحب کو بھی اس سے مطلع کر دیا.....!" غزالہ بولی۔

"لیکن تم اطمینان رکھو..... میں نے انہیں تمہاری پاک دامنی کا اچھی طرح یقین دلا دیا ہے۔"

"مگر میں کس طرح یقین کر لوں کہ آپ پرنس عدنان نہیں ہیں۔" غزالہ بے اعتباری سے بولی۔

"یہ لو وہ تصویریں جو میں نے پرنس عدنان سے حاصل کی ہیں۔" فریدی نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر غزالہ کی طرف بڑھا دیا۔

وہ لفافے سے تصویریں نکال کر دیکھنے لگی۔

"اب لاؤ..... میں انہیں جلا دوں۔" فریدی نے اس کے ہاتھ سے تصاویر لے کر جلا دیں۔

"کہو اب یقین آیا۔"

غزالہ نے سر ہلا دیا۔

"تو پھر مجھے یہاں سے چھٹکارا کب ملے گا۔" وہ بولی۔

"بہت جلد..... ذرا وہ شخص قبضے میں آجائے، جو اس سارے گورکھ دھندے کا خالق ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ہاں یہ تو بتاؤ کہ تم اس دن ہوٹل سے یک بیک غائب کس طرح ہو گئی تھیں۔"

"یہ بھی ایک عجیب و غریب داستان ہے۔ جیسے ہی غسل خانے سے نکلی مجھے والد صاحب دکھائی دیئے، میں پریشان ہو گئی۔ میں دراصل ان سے یہ کہہ کر آئی تھی کہ میں خالہ جان کے یہاں دہلی جا رہی ہوں۔ انہوں نے وہاں میری موجودگی کا سبب پوچھا جس کا میں کوئی تشفی بخش جواب نہ دے سکی۔ انہوں نے مجھ سے واپس چلنے کے لئے کہا اور میں ان کے ساتھ ہو لی۔ ٹیکسی کھڑی تھی۔ ہم دونوں اس پر بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ وہ مجھے اپنے دوست کے یہاں لئے جا رہے ہیں اور پھر مجھے کچھ اچھی طرح یاد نہیں کہ میں اس قید خانے میں کس طرح پہنچی۔"

غزالہ خاموش ہو گئی۔

"اور یہی وجہ ہے کہ اب جلدی سے کسی بات پر یقین کر لینے کو دل نہیں چاہتا۔" غزالہ بولی۔

"لیکن میری باتوں پر یقین نہ کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔" فریدی نے کہا۔ "اپنا میک اپ بگاڑنا نہیں چاہتا، ورنہ ابھی اپنی اصلی صورت بھی دکھا دیتا۔"

غزالہ بدستور خاموش رہی۔ سر سے زیادہ خون نکل جانے اور دن بھر بھوکی رہنے کی بنا پر اسے نقاہت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

"آؤ میں تمہارا زخم دھو کر پٹی باندھ دوں۔" فریدی نے کہا۔

غزالہ کچھ نہیں بولی۔ فریدی نے اسٹول پر رکھا ہوا پانی کا جگ اٹھایا اور اپنا رومال تر کر کے زخم دھونے لگا۔ غزالہ آنکھیں بند کئے بیٹھی رہی۔ دو موٹے موٹے آنسو اس کی آنکھوں سے نکل کر رخساروں پر بہہ چلے۔

"ارے..... تو تم روتی کیوں ہو۔" فریدی نے کہا۔ "گھبراؤ نہیں..... تمہیں صرف دو ایک دن اور رہنا پڑے گا۔"

غزالہ پھر بھی کچھ نہ بولی۔

"ٹھہرو..... میں پٹیاں اور فنگچر آئیوڈین لیتا آؤں۔" فریدی نے کہا اور کمرے سے نکل آیا۔ ابھی وہ چند ہی قدم چلا تھا کہ دفعتاً اسے ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی انگریزی میں کچھ کہہ رہا ہو۔ وہ پلٹ پڑا..... جس کمرے سے آواز آ رہی تھی اس نے دروازے کے شیشوں سے جھانک کر دیکھا ایک شخص اس کی طرف پیٹھ کئے بیٹھا کچھ پڑھ رہا تھا۔ فریدی نے دروازہ کھولنا چاہا مگر باہر سے تالا بند تھا۔ فریدی نے اتنا اندازہ ضرور لگا لیا کہ وہ کوئی انگریز ہے۔

فریدی تہہ خانہ سے نکل کر ان دونوں آدمیوں کو تلاش کرنے لگا۔ دونوں ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے شراب پی رہے تھے۔

فریدی کو دیکھتے ہی دونوں گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔ ان کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے فریدی غیر متوقع طور پر کمرے میں پہنچ گیا ہو۔

"آج جی بھر کر پیو میرے شیرو..... آج میں بہت خوش ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن پہلے ذرا ایک کام کر دو۔"

"کہئے.....!" ایک بولا۔

"فرسٹ ایڈ بکس لاؤ"۔ فریدی نے کہا۔ "نمبر بازہ کی کنجی۔"

ان میں سے ایک باہر چلا گیا اور دوسرے نے ایک کنجی نکال کر فریدی کو دی۔ فریدی ایک کرسی پر بیٹھ کر گئے ہوئے آدمی کا انتظار کرنے لگا۔

چند منٹوں کے بعد وہ واپس آیا۔ اس کے ہاتھ میں مرہم پٹی کا سامان رکھنے والا ایک بکس تھا۔ فریدی بکس لے کر تہہ خانہ کی طرف چلا گیا اور دونوں پھر بیٹھ کر شراب پینے لگے۔

فریدی نے غزالہ کی مرہم پٹی کی اور دوسرے کمرے کی طرف روانہ ہو گیا۔

جیسے ہی وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اس کے منہ سے حیرت کی چیخ نکل گئی اور اس کا چہرہ مسرت سے چمکنے لگا۔

اندر بیٹھا انگریز جیکسن تھا۔ وہ حد درجہ دبلا اور کمزور نظر آ رہا تھا۔

فریدی کو دیکھ کر اس نے نفرت سے منہ سکوڑ لیا۔

"تو میرا شبہ صحیح نکلا.....!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کہئے مسٹر جیکسن کیسے مزاج ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"ٹھیک ہوں۔" جیکسن نے مردہ دلی سے کہا۔

جیکسن اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"آپ یہاں کس طرح آئے۔" فریدی نے بے ساختہ پوچھا۔ وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ اس وقت پرنس عدنان کے بھیس میں تھا۔

"کیا مطلب.....!" جیکسن نے تلخ لہجے میں کہا۔ "کیوں میرا مذاق اڑانے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"میں فریدی ہوں۔" فریدی نے جھک کر آہستہ سے کہا۔

"ارے.....!" جیکسن اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"جی ہاں۔"

"مگر تم..... مگر تم.....!"

"جی ہاں..... میں پرنس عدنان کے بھیس میں ہوں اور وہ میری قید میں ہے۔" جیکسن بے اختیار فریدی سے لپٹ گیا۔

"میں سچ کہتا ہوں مسٹر فریدی کہ خدا کے بعد مجھے صرف تمہاری ذات سے اس کی امید تھی۔" جیکسن گلوگیر آواز میں بولا۔

"لیکن آپ یہاں کس طرح۔" فریدی نے کہا۔

"ہسپتال سے رخصت ہونے میں کچھ ہی دن باقی تھے کہ اچانک ایک دن میں نے خود کو یہاں اس کوٹھری میں پایا اور اس کے علاوہ میں کچھ اور نہیں جانتا۔"

"آپ کچھ بتا سکتے ہیں کہ آپ کس کی قید میں ہیں۔"

"نہیں..... بالکل نہیں۔" جیکسن نے کہا۔

"آپ لیونارڈ کی قید میں ہیں۔"

"لیونارڈ.....!" جیکسن اچھل کر بولا۔ "وہ یہاں کہاں۔"

"وہ یہاں کے نوابوں اور راجاؤں کو بلیک میل کرنے کے لئے یہاں آیا ہے اور آج کل کارول بحسن و خوبی انجام دے رہا ہے۔"

"کیا مطلب.....!"

"وہ آپ کے بھیس میں محکمہ سراغ رسانی کے سپرنٹنڈنٹ کے فرائض انجام دے رہا ہے۔"

جیکسن حیرت سے فریدی کا منہ تکنے لگا۔

"مسٹر فریدی اگر تم نے اُسے گرفتار کر لیا تو تم نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری برٹش امپائر کے بہت بڑے آدمی ہو گے۔" جیکسن نے فریدی کا ہاتھ دباتے ہوئے پرخلوص لہجے میں کہا۔

"اچھا اب تھوڑی دیر ٹھہریئے۔" فریدی نے کہا۔ "میں اسی وقت آپ کو لے چلوں گا..... اور آج ہی رات کو لیونارڈ کو گرفتار کرنے کی کوشش کروں گا، ورنہ معلوم نہیں کل کیا ہو۔ وہ انتہائی چالاک آدمی ہے۔"

فریدی تہہ خانے سے نکل کر سیدھا پرنس عدنان کی خواب گاہ میں گیا اور ٹرانسمیٹر کھول کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"کہو کیا بات ہے۔" ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔

"سب ٹھیک ہے۔" فریدی بولا۔ "لڑکی کی دوسری تصویریں لے لی گئی ہیں..... آج وہ دیوار سے سر ٹکرا کر کافی زخمی ہو گئی ہے۔"

"ان سب باتوں کی پرواہ نہ کرو....." ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔ "یہ بتاؤ کسی اور نے بھی خط و کتابت کی یا نہیں۔"

"ابھی تک نہیں۔" فریدی بولا۔

"اچھا کل میں تمہیں ایک تدبیر بتاؤں گا....." ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔ "اور ہاں ایک نئی خوشخبری سنو..... فریدی پاگل ہو گیا۔"

"واقعی.....!" فریدی چہک کر بولا۔

"ہاں..... میری اسکیم کامیاب ہو گئی..... اب یہاں تمہیں کسی سے خوف نہ کھانا چاہئے۔"

"یہ بہت اچھا ہوا۔" فریدی نے کہا۔

"کل رات کو ٹھیک نو بجے آپ کمرے میں موجود رہنا۔" ٹرانسمیٹر سے آواز آئی اور پھر بند ہو گئی۔ فریدی ٹرانسمیٹر بند کر کے اس کمرے میں آیا جہاں دونوں شراب پی رہے تھے۔ وہ دونوں زمین پر اوندھے پڑے تھے اور قریب ہی تین چار خالی بوتلیں پڑی ہوئی تھیں۔

فریدی جیکسن اور غزالہ کو لے کر سیدھا کلکٹر کے بنگلے پر پہنچا۔ رات کے تقریباً گیارہ بج گئے تھے۔ کلکٹر سو چکا تھا لیکن فریدی کے کہنے پر نوکروں نے اسے جگا دیا۔

فریدی اور جیکسن کی داستان سن کر کلکٹر اچھل پڑا۔

اسی وقت ایک گھنٹے کے اندر اندر مسٹر جیکسن کے بنگلے پر چھاپہ مارنے کا انتظام کیا گیا۔ لیونارڈ پر اچانک اس وقت پولیس ٹوٹ پڑی جب وہ جیکسن کے بھیس میں اس کی خواب گاہ میں پڑا خراٹے لے رہا تھا۔ اسی وقت فریدی سے پرنس عدنان کو بھی شراب خانے سے لائے جانے کا انتظام کیا۔ پھر دونوں حوالات میں بند کر دیئے گئے۔

فریدی نے اُسی رات کو نواب رشید الزماں کو تار دلوایا۔ دوسرے دن صبح وہ بھی پہنچ گئے۔ غزالہ شرمندگی کی وجہ سے سر نہیں اٹھا رہی تھی۔ رشید الزماں اُس سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"مگر جناب۔" حمید فریدی کو مخاطب کر کے بولا۔ "اگر اُس دن کہیں میں آپ کے پستول کی نذر ہو گیا ہوتا تو اس وقت آپ کی کامیابی پر تالیاں کون بجاتا۔"

"اچھا تو کیا آپ مجھے اتنا اناڑی نشانہ باز سمجھتے ہیں۔" فریدی بولا۔

"لیکن میں آپ سے سچ کہتا ہوں، میں نے پاگل پن کا اتنا عمدہ مظاہرہ آج تک نہیں دیکھا۔" حمید نے کہا۔

"ارے تم نے ابھی دیکھا ہی کیا ہے۔"

"ذرا کان ادھر لائیے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

فریدی سر جھکا کر سننے لگا۔

"غزالہ کے متعلق کیا خیال ہے۔" حمید نے آہستہ سے اس کے کان میں کہا اور فریدی نے اس کی پیٹھ پر ایک گھونسا جڑ دیا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 6

پُراسرار کنواں

(مکمل ناول)

پیشرس

پراسرار کنواں پیش خدمت ہے۔ اس کہانی میں آپ کو کئی دلچسپ کردار ملیں گے۔ طارق جس کی آنکھیں خطرناک تھیں جس کے پاس ایک عجیب و غریب نیولا تھا، جو پل بھر میں بڑے بڑے شہتیر کاٹ کر پھینک دیتا تھا۔ پرویز ہے ایک چالیس سال کا بچہ جو گھٹنوں کے بل چلتا تھا۔ فیڈر سے دودھ پیتا تھا اور ملازمین اسے گود میں اٹھائے پھرتے تھے۔ غزالہ ہے جو حالات سے پریشان ہو کر فریدی سے مدد طلب کرتی ہے۔

وہ عمارت جس کی دیواروں سے درندوں کی آوازیں آتی تھیں اور پوری عمارت کسی جنگل کی طرح گونجنے لگتی تھی اور ایک کنواں جس سے انگاروں کی بوچھاڑیں نکلتی ہیں۔

بہر حال میرے ابتدائی ناولوں میں یہ ناول بھی بے حد پسند کیا گیا ہے اور آج بھی آپ ہی کے بے حد اصرار پر دوبارہ شائع کیا جارہا ہے۔

ابن صفی

انگاروں کی بارش

موسم گرما کی ایک خوشگوار رات تھی۔ تقریباً گیارہ بجے تھے۔ نواب رشید الزمان نے اپنے نو آمدہ مہمان کے ساتھ ہی باغ میں کھانا کھایا تھا اور کھانے کے بعد سے اب تک بیٹھے اس کے سفر کی داستانیں سن رہے تھے۔ ان کا مہمان طارق ادھیڑ عمر کا ایک تندرست آدمی تھا۔ اس نے سفید پتلون اور آدھی آستینوں کی سفید قمیض پہن رکھی تھی۔ گٹھے ہوئے بازوؤں کی ابھری ہوئی مچھلیاں چیخ چیخ کر اعلان کر رہی تھیں کہ وہ ایک مشقت پسند آدمی ہے۔ سرخ و سفید چہرے پر گھنی اور اوپر کو چڑھی ہوئی مونچھیں اس کی شخصیت میں ایک بارعب اضافہ تھیں۔ آنکھیں چھوٹی اور غیر معمولی طور پر چمکدار تھیں۔ آج ہی نواب صاحب کے یہاں کے بہتیرے افراد نے اندازہ لگالیا تھا کہ اس سے آنکھیں ملا کر بات کرنا آسان کام نہیں۔ وہ خود زیادہ تر اپنی نظریں نیچی ہی رکھتا تھا۔ وہ ایک سیاح تھا اور سیاحی کی وجہ ہمیشہ پردہ راز میں ہی رہی تھی۔ وہ نواب صاحب کا جگری دوست تھا لیکن انہیں بھی اس کی سیاحی کی وجہ معلوم نہ ہو سکی تھی۔ اس موضوع پر جب بھی کوئی بات آتی وہ ہمیشہ بات کاٹ کر کوئی اور تذکرہ چھیڑ دیا کرتا تھا۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ قدیم خزانوں کی تلاش میں ادھر ادھر مارا مارا پھرتا ہے۔ وہ اچھے خاصے دولت مند کی طرح زندگی بسر کرتا تھا۔ لیکن اس کا ذریعہ آمدنی کسی کو معلوم نہ تھا۔

نواب صاحب سے اس کی پہلی ملاقات بھی عجیب و غریب حالات میں ہوئی تھی۔ سات آٹھ سال قبل نواب صاحب مشرقی ممالک کی سیر کے لئے تقریباً دو سال کا پروگرام بنا کر نکلے تھے۔ ایران کی سرزمین انہیں اتنی پسند آئی کہ تقریباً چھ ماہ تک انہوں نے وہاں قیام کیا۔ ایران کی

پر فضا پہاڑیاں سرسبز اور حسین مرغزاران کے پیروں میں بیڑیاں بن کر رہ گئے تھے۔ ایران کے آثار قدیمہ نے بھی ان کو بڑی حد تک اپنی طرف متوجہ کیا۔ زمانہ قدیم کی یادگاروں سے انہیں پہلے بھی انس تھا وہ جہاں جہاں بھی گئے وہاں انہوں نے تہذیب حاضرہ ہی کے کارناموں سے دل نہ بہلایا تھا بلکہ پرانے انسانوں کی محنت اور ان کی کاری گری کے نمونوں میں بھی اپنا بہتیرا وقت صرف کیا تھا۔ ایران کے آثار قدیمہ تو پھر انہیں کے اسلاف کی یادگار تھے۔

ایک شام جب وہ ایران کے ایک پرانے بادشاہ کے محلات کے کھنڈروں سے واپس آرہے تھے انہیں ایک جگہ پتھروں کے ڈھیر سے ایک انسانی ہاتھ نکلا ہوا نظر آیا۔ انہوں نے گھبراہٹ میں چاروں طرف نظر دوڑائی لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ وہ سوچ میں پڑ گئے کہ کیا کیا جائے۔ آخر کافی غور و فکر کے بعد انہوں نے پتھر ہٹانے شروع کئے۔ تھوڑی ہی دیر کی محنت کے بعد ان کے سامنے ایک بیہوش آدمی پڑا گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ قریب ہی ایک پہاڑی نالہ بہہ رہا تھا۔ وہ بیہوش آدمی کو اٹھا کر اس کے کنارے لے گئے۔

اور پھر تقریباً آدھ گھنٹہ کی جان فشانیوں کے بعد اسے ہوش آگیا۔ یہ طارق تھا۔ اس نے بتایا کہ اچانک ایک پرانی دیوار کے گر جانے کی وجہ سے وہ دب گیا تھا وہ نواب صاحب کو اپنی جائے رہائش پر لے گیا۔ نواب صاحب کو اس کی شخصیت میں ایک عجیب طرح کی کشش محسوس ہوئی اور وہ اس سے قریب ہوتے گئے۔ نواب صاحب ایران سے ترکی جانے لگے تو طارق بھی ان کے ساتھ تھا۔ اس کے بعد دونوں ساتھ سیاحت کرتے رہے۔

طارق کی شخصیت بہت ہی عجیب و غریب تھی۔ وہ نسلاً عرب تھا۔ لیکن دنیا کی کوئی شائد ہی ایسی زبان ہو جو وہ نہ جانتا ہو۔ کئی زبانوں پر تو وہ اتنی قدرت رکھتا تھا کہ اس زبان کے بولنے والے بھی اس کے لہجے میں اجنبیت کا ذرا بھی شائبہ نہیں پاتے تھے۔ جب وہ نواب صاحب سے اردو میں گفتگو کرنے لگتا تو وہ یہی محسوس کرتے تھے وہ یوپی کا باشندہ ہو۔ دو سال کے عرصے میں نواب صاحب اس کے بہت زیادہ گرویدہ ہو گئے تھے۔ ہندوستان آتے وقت انہوں نے اس سے کہا کہ وہ کسی موقع پر ہندوستان آکر کچھ دن نواب صاحب کے ساتھ ضرور گذارے گا۔

اور اس وقت وہ ان کے پائیں باغ میں بیٹھا انہیں اپنے سفر کی داستانیں سنا رہا تھا۔ اس کی گود میں ایک نیولا بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ ایسا عجیب و غریب نیولا کم از کم نواب صاحب اور ان کے متعلقین کی

نظروں سے آج تک نہ گذرا تھا۔ وہ قد اور لمبائی میں ہندوستانی بلی سے کسی طرح کم نہیں تھا۔ اس کا رنگ سیاہ تھا اور پیٹھ پر تین چار لمبی لمبی دھاریاں تھیں۔ بڑی سی گنجان دم کرسی سے لٹک رہی تھی۔ نواب صاحب کی لڑکی غزالہ بہت دیر سے بے چین نظر آرہی تھی۔ وہ اس نیولے کے بارے میں اس سے کچھ پوچھنا چاہتی تھی لیکن اس کی باتوں کا سلسلہ کسی طرح ختم نہیں ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد غزالہ نے محسوس کیا کہ جیسے وہ بولتے بولتے تھک گیا ہو۔ اسے خاموش پاتے ہی وہ جھٹ سے بول پڑی۔ "میں اس نیولے کے بارے میں کچھ جاننا چاہتی ہوں۔"

"ہاں.....ہاں.....!" طارق مسکرا کر بولا

"میں نے آج تک اتنا خوفناک نیولا نہیں دیکھا۔"

"ہاں یہ کم یاب ہے.....اور ایشیا میں تو اس کا وجود ہی نہیں۔ میں نے اسے برازیل کے جنگلوں میں پکڑا تھا۔ یہ اس وقت بچہ تھا۔"

"تو کیا برازیل میں اس قسم کے نیولے ہوتے ہیں۔"

"نہیں ایسا تو نہیں..... یہ وہاں بھی کمیاب ہے۔" طارق نے نیولے کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "اس میں ایک بہت بڑی صفت ہے۔"

"وہ کیا.....!"

"اسے کوئی چیز سنگھا کر اگر تم پاتال میں چھپا آؤ تو یہ اسے ڈھونڈ نکالے گا۔"

"اچھا تو پھر ہمیں یہ تماشہ آپ کب دکھائیں گے۔" غزالہ نے کہا۔

"جب کہو۔"

"تو لیجئے میرا رومال اسے سنگھایئے.....میں اسے کہیں چھپا آؤں۔"

طارق نے ہنس کر رومال لے لیا اور نیولے کی ناک پر رکھ کر پھر غزالہ ہی کو واپس کر دیا۔ غزالہ کوٹھی کے اندر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آئی۔

"اچھی طرح چھپا دیا ہے نا.....!" طارق ہنس کر بولا۔

"خوب اچھی طرح.....!"

طارق نے نیولے کو زمین پر اتار دیا اور اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ "جا رشی۔"

نیولا دوڑتا ہوا کوٹھی کی طرف چلا گیا۔ سب لوگ متحیر ہو کر کوٹھی کی طرف دیکھ رہے تھے۔

چند منٹوں کے بعد وہ لوٹا۔ اس کے منہ میں غزالہ کا رومال تھا۔

"ارے.....!" سب کے منہ سے بیک وقت نکلا۔ طارق ہنسنے لگا۔ غزالہ کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔

"میں اس رومال کو اپنی کتابوں کی الماری میں بند کر کے تالا لگا آئی تھی۔" وہ حیرت سے بولی۔

"تالا اس کے لئے کوئی وقعت نہیں رکھتا۔" طارق نے کہا۔ "لیکن اس نے تمہاری خوبصورت الماری برباد کر دی۔"

"وہ کیسے۔"

"اس میں کم از کم اتنا بڑا سوراخ ضرور ہو گیا ہو گا جس میں سے یہ آسانی سے گذر سکے۔"

"اتنی جلدی اتنا بڑا سوراخ کر دینا ناممکن سا معلوم ہوتا ہے۔" نواب صاحب بولے۔

"الماری کے تختے زیادہ سے زیادہ ایک ڈیڑھ انچ موٹے ہوں گے۔" طارق بولا۔ "یہ تو اچھے خاصے شہتیر منٹوں میں کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔"

"آپ کی ہر چیز عجیب و غریب ہے۔" غزالہ نے حیرت سے کہا۔

طارق مسکرا کر خاموش ہو گیا۔

وہ لوگ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ سارے باغ میں روشنی ہو گئی۔ غزالہ نے پلٹ کر دیکھا اور چیخ مار کر اچھل پڑی۔

پرانے اندھے کنوئیں سے انگاروں کا فوارہ سا چھوٹ پڑا تھا۔ شعلے کافی بلندی تک اٹھ رہے تھے۔ ایک عجیب قسم کی زناٹے دار آواز سے سارا باغ گونج رہا تھا۔

"یہ کیا تھا۔" طارق جلدی سے بولا اور اس کے نیولے نے بھی اتنی بھیانک چیخ ماری کہ سب کے جسموں پر لرزہ طاری ہو گیا۔ وہ سب کے سب پتھر کے بتوں کی طرح خاموش تھے۔

آہستہ آہستہ انگاروں کی بوچھاڑ کم ہوتی گئی اور تھوڑی دیر کے بعد پھر باغ کی فضا پر پہلا سا سکوت طاری ہو گیا۔

"یہ کیا تماشہ تھا۔" طارق نے سکوت توڑا۔

غزالہ مشکوک نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"میں خود یہی سوچ رہا ہوں۔" نواب صاحب مردہ آواز میں بولے۔ "معلوم ہوتا ہے کہ ہم

پر کوئی مصیبت آنے والی ہے۔"

"کیا مطلب.....!" طارق چونک کر بولا۔

"میں نے والد صاحب مرحوم کی زبانی سنا تھا کہ ایک بار دادا مرحوم کے زمانے میں بھی اس کنوئیں سے انگارے نکلے تھے اور پھر خاندان میں پے در پے موتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔"

"عجیب بات ہے۔" طارق اٹھتے ہوئے بولا۔ "میں جا کر دیکھتا ہوں۔"

"نہیں نہیں۔" نواب صاحب نے اٹھ کر اُسے کر روکتے ہوئے کہا۔ "ادھر مت جاؤ۔"

"کیوں.....!"

"معلوم نہیں کیا ہو۔"

طارق ہنس کر آگے بڑھ گیا۔ اس کا نیولا ایک پالتو کتے کی طرح اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔

"ذرا ایک ٹارچ تو منگواؤ۔" اس نے کنوئیں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"بھئی میں کہتا ہوں لوٹ آؤ۔" نواب صاحب چیخے۔

"ٹارچ۔" طارق چیخا..... اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

نواب صاحب نے ایک نوکر سے ٹارچ منگوائی۔

"رشیدہ الزماں..... یہاں آؤ۔" طارق ٹارچ کی روشنی کنوئیں میں ڈالتے ہوئے بولا۔

رشید الزمان بادل خواستہ آگے بڑھے۔ غزالہ نے بھی ان کے ساتھ جانا چاہا لیکن انہوں نے اسے روک دیا۔

"وہ دیکھو..... کیا ہے۔" طارق نے انہیں کنوئیں میں جھانکنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

رشید الزمان چیخ مار کر پیچھے ہٹ گئے۔ ان کے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ چھوٹ رہا تھا۔

"کیا ہے ابا جان۔" غزالہ ان کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

"جاؤ جاؤ....!" نواب رشید الزمان پلٹ کر چیخے۔ "تم اندر جاؤ..... جاؤ..... چلی جاؤ۔"

خوفناک آوازیں

نواب صاحب کا لہجہ اتنا ڈراؤنا تھا کہ غزالہ بے اختیار کوٹھی کی طرف مڑ گئی۔

"اب کیا کیا جائے۔" طارق بے چینی سے ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

"میرے تو ہوش ٹھکانے نہیں۔" نواب صاحب کنوئیں کی جگہ کے قریب زمین پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

"آخر معاملہ کیا ہے۔"

"خدا ہی بہتر جانتا ہے۔"

"تو کیا آپ کی یادداشت میں اس کنوئیں سے کبھی چنگاریاں نہیں نکلیں۔"

"نہیں.....!" نواب صاحب بولے۔ "یہ والد صاحب کے بچپن کی بات ہے۔"

"تو آپ نے اپنی زندگی میں پہلی بار یہ واقعہ دیکھا ہے۔"

"ہاں.....!" نواب صاحب کے لہجے میں ناخوشگواری تھی۔ وہ اس وقت کسی قسم کے سوال وجواب کے موڈ میں نہ تھے۔

دفعتاً کوٹھی کے اندر ایک عجیب وغریب قسم کے شور کی آواز سنائی دی۔

"ارے یہ کیا.....!" طارق چونک کر بولا۔

نواب صاحب بھی متحیر ہو کر کوٹھی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ شور لحظہ بہ لحظہ بڑھتا ہی جارہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے بے شمار گیدڑ کتے اُلو اور نہ معلوم کون کون سے جانور بیک وقت چیخ رہے تھے، ساتھ ہی ساتھ آدمیوں کا شور بھی سنائی دے رہا تھا۔ دونوں بے تحاشہ کوٹھی کی طرف لپکے۔ اندر قدم رکھتے ہی انہیں ایسا محسوس ہونے لگا جیسے وہ آوازیں در و دیوار سے نکل رہی ہوں۔ اس قدر شور تھا کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ کوٹھی کے سارے افراد کمروں میں بند ہو کر طرح طرح کی خوفزدہ آوازیں نکال رہے تھے۔

"یہ اتنے جانور یہاں کیسے گھس آئے۔" طارق نے کہا۔ اس کا نیولا اچھل کر اس کے سینے سے چمٹ گیا تھا۔

نواب صاحب اس طرح کانپ رہے تھے جیسے انہیں رعشے کی بیماری ہو گئی ہو۔

"نہ..... نہ..... جج ..... جانے ..... کیا بات ہے۔" نواب صاحب ہکلاتے ہوئے بولے۔

طارق ایک ایک کونہ تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ لیکن چیخنے والے جانوروں کا کہیں پتہ نہیں چل

ہا تھا۔

دفعتاً نواب صاحب کا عجیب الخلقت سوتیلا بھائی اچھلتا کودتا ہوا آ گیا۔ وہ ان آوازوں کو سن کر وحشت ناک قہقہے لگا رہا تھا۔ اس کی عمر چالیس سے کسی طرح کم نہ رہی ہو گی لیکن اس نے اپنی وضع قطع بالکل شیر خوار بچوں کی سی بنا رکھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں دودھ پینے کی شیشی تھی۔ جب وہ اچھل کود کر تھک جاتا تو شیشی کا دودھ چوسنے لگتا۔ اس کے گلے میں ایک پیڈ بندھا ہوا تھا بالکل ویسا ہی جیسا اکثر صفائی پسند مائیں اپنے بچوں کے گلے میں اس لئے باندھ دیتی ہیں تاکہ ان کے کپڑے منہ سے بہنے والی رال سے محفوظ رہ سکیں۔

"بھائی صاحب تماشہ ہو لہا ہے۔" وہ تالیاں بجاتا ہوا تتلا تتلا کر بولا۔

"چپ رہو.....!" نواب صاحب چیخ کر بولے۔ "بھاگ جاؤ یہاں سے۔"

وہ پھر شیر خوار بچے کی طرح سہم کر گھٹنوں کے بل چلتا ہوا ایک کمرہ میں گھس گیا۔

آہستہ آہستہ شور کم ہوتا جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد بالکل سکوت چھا گیا۔ طارق اور نواب صاحب حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے۔ حالانکہ وہ پراسرار شور اب ختم ہو چکا تھا لیکن کمروں میں چھپے ہوئے لوگوں میں اب بھی اتنی ہمت نہیں تھی کہ باہر نکل آتے۔

"کیوں بھائی طارق تمہیں کچھ بتاؤ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" نواب صاحب بولے۔

"تو کیا شور بھی پہلے پہل.....!"

"ہاں ہاں۔" نواب صاحب نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "بالکل پہلے پہل۔ کسی خاندانی روایت سے بھی پتہ نہیں چلتا کہ اس سے پہلے بھی کبھی اس قسم کا حادثہ پیش آیا ہو۔"

"تب تو واقعی حیرت کی بات ہے۔"

"مگر اب کرنا کیا چاہئے۔" نواب صاحب نے انتہائی پریشان کن لہجے میں کہا۔

"کر ہی کیا سکتے ہو۔" طارق بولا۔ "مجھے تو یہ آسیبی خلل معلوم ہوتا ہے۔"

"مگر وہ کنواں۔" نواب صاحب نے دبی زبان سے کہا۔

"ایسے معاملات میں سب کچھ ممکن ہے۔"

"تو پھر پولیس کو اطلاع کرنی چاہئے۔" نواب صاحب ہاتھ ملتے ہوئے بولے۔

"پولیس اس معاملہ میں کیا کر سکتی ہے۔" غزالہ نے بیٹھی ہوئی آواز میں کہا۔ شور ختم ہونے

کے چند لمحوں کے بعد وہ انہیں دونوں کے پاس آکر کھڑی ہو گئی تھی۔

"جاؤ..... جاؤ..... تم سو جاؤ۔" نواب صاحب مضطربانہ انداز میں بولے۔

"کیا آج کی رات کسی کو نیند آسکتی ہے۔" غزالہ نے کہا۔

"کیوں نہیں..... کیوں نہیں۔" طارق نے پراطمینان لہجے میں کہا۔ "کوئی ایسی خاص بات نہیں۔"

"اچھا تو تم یہیں غزالہ کے پاس ٹھہرو۔" نواب صاحب نے طارق سے کہا۔ "میں تھانے جاتا ہوں۔"

"نہیں آپ کسی اور کو بھیج دیجئے میں آپ کو نہیں جانے دوں گی۔" غزالہ نے کہا۔ "آپ بیکار تھانے جا رہے ہیں۔ پولیس اس معاملے میں کچھ نہ کر سکے گی۔"

"طارق ہیں تو تمہارے پاس..... ڈرنے کی کوئی بات نہیں، میں ابھی فوراً واپس آتا ہوں۔"

"تو کسی اور کو بھیج دیجئے نا۔"

"اوہ تم نہیں سمجھتیں میرے گئے بغیر کام نہیں بنے گا۔" نواب صاحب نے کہا اور باہر نکل گئے۔

تھوڑی دیر بعد کار اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔

"آخر آپ بتاتے کیوں نہیں کہ ابا جان تھانے کس لئے گئے ہیں۔" غزالہ نے طارق سے کہا

"کوئی بات نہیں تم جا کر سو جاؤ۔" طارق نے کہا۔

"اگر کل بھی یہی ہوا تو کیا ہو گا۔"

"کچھ نہیں ہو گا..... سب ٹھیک ہو جائے گا۔ چلو تم اپنے کمرے میں چلو۔"

وہ غزالہ کا بازو پکڑ کر اسے اس کے کمرے کی طرف لے جانے لگا۔

اس کا نیولا اب اس کے کاندھے پر بیٹھا اپنی چمکیلی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

"اب تم لیٹ کر سو جاؤ..... میں یہیں بیٹھا ہوں۔" طارق اسے اس کے پلنگ پر بٹھا کر خود ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"نیند نہیں آئے گی۔" غزالہ نے کہا۔

"آئے گی کیسے نہیں..... میں ابھی تمہیں سلائے دیتا ہوں۔"

غزالہ نے خوف زدہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ڈرو نہیں۔" طارق ہنس کر بولا۔ "میں تمہیں ہپناٹزم کے ذریعے سلا دوں گا۔"

"اوہ تو کیا آپ ہپناٹائز کر سکتے ہیں۔"

"ہاں..... لیٹ جاؤ ہاں اس طرح ٹھیک۔ میری طرف دیکھو، میری آنکھوں میں دیکھو سو جاؤ..... تم سوتی جا رہی ہو، تمہیں نیند آ رہی ہے۔ تمہاری آنکھیں بند ہو رہی ہیں۔"

غزالہ کو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے طارق کی آنکھوں سے برقی لہریں نکل کر اس کے جسم میں سرایت کرتی جا رہی ہیں۔ ذہن سست ہوتا جا رہا ہے..... پلکیں بوجھل..... تاریکی..... اور اب اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے طارق کی آواز بہت دور سے آ رہی ہو۔ "تمہاری نیند گہری آتی جا رہی ہے۔ تمہاری نیند گہری ہوتی جا رہی ہے۔" اور آہستہ آہستہ آواز آنی بند ہو گئی۔ چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ وہ گہری نیند سو گئی تھی۔

طارق تھوڑی دیر تک بیٹھا اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اٹھ کر باہر چلا آیا۔ اس کے ماتھے کی رگیں ابھری ہوئی تھیں آنکھوں کی کوروں کے قریب کنپٹیوں پر پڑی ہوئی شکنیں کہہ رہی تھیں کہ وہ کسی گہری سوچ میں ہے۔

کمروں میں گھسے ہوئے لوگ اس طرح سرگوشیاں کر رہے تھے جیسے وہ تہہ خانوں میں دبکے ہوئے متوقع بمباری کا انتظار کر رہے ہوں۔ طارق پھر پائیں باغ میں آ گیا۔ وہ تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا کنوئیں کے قریب آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں دبی ہوئی ٹارچ کی روشنی کنوئیں میں پڑ رہی تھی۔ دفعتاً اس کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ پھر کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد نواب صاحب ایک سب انسپکٹر اور دو کانسٹیبلوں کے ساتھ واپس لوٹے۔ کنوئیں میں کئی ٹارچوں کی روشنی بیک وقت پڑی اور نواب صاحب کے منہ سے حیرت سے چیخ نکل گئی۔ سب انسپکٹر نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

"تو کیا سچ مچ میں پاگل ہو جاؤں گا۔" نواب صاحب اس طرح بولے جیسے وہ خواب میں بڑبڑا رہے ہوں۔

"آپ نے تو کہا تھا۔" سب انسپکٹر بولا۔

"ہاں میں نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔" نواب صاحب بے چارگی کے ساتھ بولے۔ "اور آپ جو کچھ دیکھ رہے ہیں وہ بھی ٹھیک ہے۔"

سب انسپکٹر ہنسنے لگا اور نواب صاحب کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار پیدا ہو گئے۔

"آپ نے تو فرمایا تھا عورت کی لاش.....!" سب انسپکٹر نے کہا۔

"میں نے غلط نہیں کہا تھا۔" نواب صاحب بولے۔ "صرف میں نے ہی نہیں بلکہ میرے ایک مہمان نے بھی دیکھی تھی۔"

اتنی دیر میں دو تین نوکر بھی آ گئے تھے، لاش کا تذکرہ سن کر بُری طرح کانپنے لگے۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر انہیں کئی عجیب و غریب باتوں سے واسطہ پڑا تھا۔

"ذرا طارق صاحب کو بلاؤ۔" نواب صاحب نے ایک نوکر کی طرف دیکھ کر کہا۔

طارق کو دیکھ کر سب انسپکٹر نے عجیب سا منہ بنایا۔ طارق سے زیادہ وہ اس کے سیاہ نیولے کو گھور رہا تھا جو ابھی تک طارق کے کاندھے پر بیٹھا ہوا تھا۔

"آپ نے بھی عورت کی لاش دیکھی تھی۔" نواب صاحب نے طارق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اور اب میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آپ کو کیا بیان دوں۔" طارق نے سب انسپکٹر سے کہا۔

"کیوں.....!"

"اس لئے کہ میں نے نواب صاحب کے جانے کے بعد ایک بار پھر اس کنوئیں میں جھانکا تھا اس بار میں نے عورت کے بجائے مرد کی لاش دیکھی۔"

"ارے.....!" نواب صاحب کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"جی ہاں۔"

"اور اب وہاں کچھ بھی نہیں۔" نواب صاحب نے بے تابی سے کنوئیں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا.....!" طارق نے کہا اور کنوئیں کی طرف بڑھا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس کی ٹارچ کی روشنی کنوئیں میں پڑ رہی تھی۔

طارق نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا اور سب لوگ حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔

"غزالہ تمہیں پہلے ہی منع کر رہی تھی۔" طارق بولا۔ "بھلا آسیبی معاملات میں پولیس کیا کر سکتی ہے۔"

کیا اسی کنوئیں سے چنگاریاں بھی نکلیں تھیں۔" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"ہاں.....!"

"تب تو یہ کھلا ہوا معاملہ ہے۔ ہم لوگ بھلا اس میں کیا کر سکیں گے۔ اور کچھ آواز کا بھی تو آپ نے تذکرہ کیا تھا۔"

"جی ہاں.....وہ کوٹھی کے اندر سنائی دی تھیں۔" طارق بولا۔

"شاید میں آپ سے پہلی بار شرف ملاقات حاصل کر رہا ہوں۔" سب انسپکٹر نے اس کی بات پر دھیان نہ دیتے ہوئے کہا۔

"میں پہلی بار یہاں آیا ہوں۔"

سب انسپکٹر اب تک نیولے کو گھورے جا رہا تھا۔

"یہ میرا پالتو نیولا ہے۔"

"بہت ہی عجیب و غریب ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ "اچھا تو نواب صاحب اب اجازت چاہوں گا۔"

"کیا بتاؤں بھئی میں نے خواہ مخواہ تکلیف دی۔" نواب صاحب نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ میں تو آپ کا خادم ہوں، البتہ اس بات کا ضرور افسوس ہے کہ میں اس معاملے میں آپ کی کوئی خدمت نہ کر سکوں گا۔"

پولیس والے نواب صاحب کی کار پر رخصت کر دیئے گئے۔

نواب صاحب، طارق اور چند نوکر ابھی تک کنوئیں کے پاس کھڑے ہوئے تھے چونکہ لاش کے متعلق باتیں نوکروں کے سامنے ہوئی تھیں۔ اس لئے چند ہی لمحوں میں یہ خبر ساری کوٹھی میں پھیل گئی۔

"بھائی طارق..... میری عقل کام نہیں کرتی۔" نواب صاحب نے کہا۔

"میں خود حیرت میں ہوں۔" طارق نے کہا۔ اس کی آنکھوں کی پراسرار چمک دفعتاً پہلے سے زیادہ بڑھ گئی۔

"ایک بار میں بھی مصر میں ایسے ہی حادثات سے دوچار ہوا ہوں۔" طارق پھر بولا۔

"اگر واقعی یہ آسیبی ہی معاملہ ہے تو اس سے کس طرح گلو خلاصی حاصل ہو سکے گی۔"

"نہایت آسانی سے۔" طارق بولا۔ "کیا آپ کو کوئی ایسا آدمی نہیں مل سکتا، جو بدارواح کو بھگانے کا عمل جانتا ہو۔"

نواب صاحب کچھ سوچنے لگے۔

"سخت الجھن میں ہوں۔" نواب صاحب بولے۔ "بھئی بات دراصل یہ ہے کہ میں ان چیزوں کا قائل نہیں مگر واقعات ایسے پیش آئے ہیں کہ کچھ کہنے سننے نہیں بن پڑتی۔"

"نہیں آپ کو ان چیزوں کا قائل ہونا چاہئے کیونکہ بدارواح کا وجود ہے۔" طارق نے اپنے نیولے کو کاندھے سے اتارتے ہوئے کہا۔

چالیس سال کا بچہ

اس رات کے بعد سے نواب صاحب کی کوٹھی میں روزانہ نئی وارداتیں ہونے لگیں۔ تقریباً ہر رات کو کنوئیں سے چنگاریاں نکلا کرتی تھیں اور جانوروں کی بھیانک آوازوں سے کوٹھی کا چپہ چپہ گونج اٹھتا تھا۔ نواب صاحب کے سوتیلے بھائی پرویز کی حالت اس وقت قابل دید ہوتی تھی جب ہی جانوروں کی آوازیں سنائی دیتیں وہ اچھل کود مچا دیتا۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا کہ وہ بھی ان چیخنے والے جانوروں میں سے کوئی ایک ہے۔ طارق کا خیال تھا کہ پرویز پر بھی کسی بہت بڑے جن کا سایہ ہے۔ بعض اوقات تو وہ یہاں تک کہہ دیتا تھا کہ خود پرویز ہی ان ساری مصیبتوں کی وجہ ہے۔ لیکن نواب صاحب اس طرف دھیان ہی نہ دیتے تھے۔ ہر چند کہ پرویز ان کا سوتیلا بھائی تھا لیکن وہ اسے بہت عزیز رکھتے تھے۔ واقعی انہیں کا دل گردہ تھا کہ وہ ایک پاگل آدمی کی جا بیجا خواہشات کا بھی احترام کرنے سے گریز نہ کرتے تھے۔ انہوں نے اسے اس کی مرضی پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ جس طرح چاہے زندگی بسر کرے۔ اس کے لئے تین پہلوان ملازم رکھے گئے تھے جو اسے گود میں اٹھائے پھر

کرتے تھے۔ وہ شروع ہی سے ایسا نہ تھا بلکہ آج سے آٹھ سال قبل اس کی یہ حالت ہو گئی تھی۔ ایک بار وہ چھت سے گر پڑا..... سر میں کچھ ایسی چوٹ آئی کہ اچھے ہو جانے پر بھی دماغی توازن ٹھیک نہ ہو سکا۔ صحت یاب ہو جانے کے بعد ایک عرصہ تک وہ بولا ہی نہیں، بس کبھی کبھی نوزائیدہ بچے کی طرح صرف غوں غاں کر لیا کرتا تھا۔ جس طرح بچے آہستہ آہستہ بولنا سیکھتے ہیں اسی طرح پھر سے وہ بھی بولنا سیکھ رہا تھا۔ اب تقریباً آٹھ سال گذر جانے کے بعد وہ اس قابل ہوا تھا کہ ٹوٹی پھوٹی زبان میں تتلا تتلا کر دوسروں کو اپنی باتیں سمجھا سکتا تھا۔ نواب رشید الزماں نے اس کے علاج میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا تھا لیکن اس کی دماغی حالت ٹھیک نہ ہوئی۔

پہلے حادثات کے بعد ہی دن بھر پرویز رات کی باتیں رٹتا رہتا تھا۔ وہ ہر کس و ناکس کا ہاتھ پکڑ کر بچوں کی طرح ان واقعات کو دہراتا۔ دوسری رات جب اس نے کنوئیں سے چنگاریاں نکلتے دیکھیں اس وقت اس کی وہی کیفیت ہوئی جو کسی بچے کی آتش بازی دیکھ کر ہوتی ہے اور پھر تو وہ ان تماشوں کے انتظار میں کافی رات گئے تک جاگتا رہتا تھا۔ اس کے سلسلے میں ایک بات اور قابل ذکر تھی وہ یہ کہ وہ طارق اور اس کے نیولے سے بُری طرح خائف رہا کرتا تھا۔ طارق کے سامنے وہ اسی طرح دم سادھ لیتا تھا جیسے کوئی نٹ کھٹ بچہ کسی بہت ہی غصہ ور بزرگ کے سامنے بھیگی بلی بن جاتا ہے۔ اس کے اس رویہ کو بہت ہی تعجب کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ محض اسی بناء پر گھر کے بہتیرے نوکروں کا خیال تھا کہ طارق ہی ان سب مصیبتوں کا باعث ہے۔ کیونکہ اس کے اپنے خیال کے مطابق پاگل اور شیر خوار بچوں کو بھوت پریت دکھائی دیتے ہیں اور یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت تھی کہ ان واقعات کا ظہور اسی دن سے ہونا شروع ہوا تھا جس دن سے طارق نے کوٹھی میں قدم رکھا تھا۔ وہ طارق کو ایک بہت ہی ناپاک قسم کا جادوگر سمجھنے لگے تھے جس کے قبضے میں بد روحیں تھیں۔ وہ سب کے سب طارق سے بُری طرح خائف تھے اور اس سے نفرت کرنے لگے تھے لیکن کوئی بھی کھل کر اپنی نفرت کا اظہار نہ کرپاتا تھا کہ وہ نواب صاحب کا معزز مہمان تھا۔ کس میں ہمت تھی کہ وہ ایک لفظ بھی منہ سے نکالتا۔ کوٹھی میں ظہور پذیر ہونے والے واقعات کے متعلق قرب و جوار میں کافی شہرت ہو گئی تھی اور نواب صاحب کا نو آمدہ مہمان بھی لوگوں کا خاص موضوع بحث بن کر رہ گیا تھا۔

بہتیرے لوگوں نے نواب صاحب کو رائے دی کہ وہ فی الحال کوٹھی چھوڑ کر کہیں اور

سکونت اختیار کرلیں، لیکن انہوں نے منظور نہ کیا۔ ان کی مضبوطی کی وجہ سے دوسرے لوگ بھی ابھی تک جمے ہوئے تھے۔ لیکن دوسروں کا استقلال زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکا۔ ہوا یہ کہ اچانک ایک دن اصطبل میں نواب صاحب کا ایک بیش قیمت گھوڑا مردہ پایا گیا۔ دوسرے دن ایک اچھی نسل کا کتا تیسرے دن ایک گائے مر گئی اور پھر تو اس کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ تقریباً روزانہ کسی نہ کسی طرح کے پالتو جانور کی لاش ملتی۔ ان واقعات کے بعد کئی نوکر چپ چاپ وہاں سے کھسک گئے۔ انہیں غالباً یہ ڈر تھا کہ کہیں جانوروں کے بعد آدمیوں کا نمبر نہ آجائے۔ لیکن نواب صاحب کا استقلال ابھی تک قائم تھا اب انہیں بھی قریب قریب یقین ہو گیا تھا کہ یہ ضرور کوئی آسیبی معاملہ ہے۔ کنوئیں کے اندر پائی جانے والی لاش کے متعلق انہوں نے بعد میں یہ سوچ کر تسلی دے لی تھی کہ شاید وہ نظر کا دھوکا ہو لیکن جانوروں کی سلسلہ وار موتیں کسی طرح نظر انداز نہ کی جاسکیں۔ اس دوران میں بہتیرے عاملوں اور سادھو مہاتماؤں کی خدمات حاصل کی گئیں کہ وہ کسی طرح کوٹھی پر قبضہ کر لینے والی بدارواح کو بھگائیں، لیکن ان میں سے کوئی بھی کامیاب نہ ہو سکا۔

طارق ابھی تک ان کا مہمان تھا۔ اس کی پراسرار شخصیت کی بناء پر نواب صاحب کو بھی اس پر کچھ کچھ شبہ ہونے لگا تھا لیکن وہ اس سے کچھ کہہ نہ سکتے تھے۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ وہ کسی طرح چلا جائے لیکن وہ ٹلنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ اکثر وہ نواب صاحب سے کہا کرتا تھا کہ وہ اس وقت تک نہیں جائے جب تک کہ نواب صاحب ان مصیبتوں سے گلو خلاصی نہ حاصل کرلیں گے۔ نواب صاحب نے دو ایک بار دبی زبان سے کہا بھی تھا کہ محض اس کی وجہ سے وہ تکلیف نہ اٹھائے لیکن طارق پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔

شروع میں غزالہ کا بھی یہی خیال تھا کہ یہ کوئی آسیبی معاملہ ہے۔ لیکن عاملوں اور سادھوؤں کے تھک ہار جانے کے بعد اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ انسانی سازش کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اس نے نواب صاحب سے بھی اس کا تذکرہ کیا اور بہت دیر تک اس کے امکانات پر بحث کرتی رہی لیکن نواب صاحب نے اس کی باتیں ہنسی میں اڑا دیں۔

"آخر یہ چیزیں انسانی سازش کا نتیجہ کیسے ہو سکتی ہیں۔" نواب صاحب بولے۔

"ایسے بہتیرے واقعات دیکھنے میں آئے ہیں کہ جنہیں مافوق الفطرت سمجھا گیا لیکن بعد کو ان میں انسانی ہاتھ نظر آیا۔"

"وہ اور واقعات ہوں گے..... بھلا کوئی انسان در و دیوار سے جانوروں کی آوازیں کس طرح پیدا کر سکتا ہے۔"

"فی الحال میں اس کا کوئی اطمینان بخش جواب نہیں دے سکتی۔ لیکن میرا دعویٰ ہے کہ اس میں کسی آدمی کا ہاتھ ہے۔"

"کیا تمہارا اشارہ طارق کی طرف ہے۔" نواب صاحب بولے۔

"میرا اشارہ اس کی طرف نہیں۔" غزالہ نے کہا۔ "لیکن کیا ممکن نہیں کہ وہی اس ساری مصیبتوں کا باعث ہو۔ ہمیں تو یہ تک نہیں معلوم کہ وہ رہنے والا کہاں کا ہے۔ اس کا ذریعہ معاش کیا ہے اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ کئی غیر معمولی صلاحیتیں رکھتا ہے۔ میں نے اس کا ہپناٹزم والا واقعہ آپ سے بتایا تھا۔"

"کسی کی طرف سے خواہ مخواہ بدگمان ہونا درست نہیں۔" نواب صاحب بولے۔

"آپ بدگمانی کہہ رہے ہیں۔" غزالہ بولی۔ "مجھے سو فیصدی یقین ہے۔"

نواب صاحب خاموش ہو گئے۔

"میں سوچ رہی ہوں کیوں نہ اس معاملہ میں فریدی صاحب کی مدد حاصل کی جائے۔"

نواب صاحب کے کمہلائے ہوئے چہرے پر یک بیک شگفتگی آگئی۔

لیکن پھر فوراً ہی اس پر ناامیدی کی گرد آلود تہیں چڑھ گئیں۔

"بھلا فریدی اس معاملہ میں کیا کر سکے گا۔" نواب صاحب نے کہا۔

"خواہ مخواہ اسے بلانے سے کیا فائدہ۔"

"اگر وہ کچھ نہ کر سکے تو کم از کم کوئی معقول رائے ہی دے سکیں گے۔"

"مگر وہ آئے ہی کیوں لگا۔"

"آئیں گے کیوں نہیں..... میں نے سنا ہے کہ آجکل وہ اور ان کا اسسٹنٹ تین ماہ کی چھٹی پر ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر میں ان سے استدعا کروں گی تو وہ انکار نہیں کریں گے۔"

"خیر کوشش کرو اگر آجائے تو اچھا ہی ہے۔ لیکن میں یہی کہوں گا کہ وہ اس معاملہ میں کوئی مدد نہ کر سکے گا۔"

"خیر اگر کچھ نہ ہو سکا تو کم از کم اتنا ہی ہو جائے گا کہ اگر اس میں کسی آدمی کا ہاتھ ہے تو وہ کچھ

دنوں کے لئے اپنی حرکتیں شاید چھوڑ ہی دے۔"

"آدمی کا ہاتھ۔" نواب صاحب تنگ آکر بولے۔ "بھلا کوئی آدمی در و دیوار سے جانوروں کی آوازیں کیسے نکال سکتا ہے..... اور پھر یہ کہ آئے دن جانوروں کی موت کیا معنی رکھتی ہے۔"

"کچھ بھی ہو لیکن مجھے سو فیصدی امید ہے کہ فریدی صاحب اس معاملہ پر کچھ نہ کچھ روشنی ضرور ڈالیں گے۔"

نواب صاحب خاموش ہو گئے۔

تاریک رات اپنے سیاہ پر پھیلائے آہستہ آہستہ مغرب سے مشرق کی طرف تیر رہی تھی۔ تقریباً دو بج چکے تھے۔ آج بھی حسب دستور کنوئیں سے چنگاریاں نکلیں تھیں اور جانوروں کی آوازیں بھی سنائی دی تھیں لیکن اس کوٹھی کے لوگ کچھ اس طرح ان چیزوں کے عادی ہو گئے تھے جیسے یہ ان کے لئے کوئی بات ہی نہ ہو، ویسے ان کے دلوں کو ایک کھٹکا لگا ہوا تھا کہ دیکھیں صبح کسی جانور کی لاش سے سابقہ پڑتا ہے یا آدمی کی لاش سے۔

نواب صاحب غزالہ کے کمرے سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ غزالہ نے سونے کی کوشش کی لیکن نیند نہ آسکی۔ آخر کار وہ تھک ہار کر کھڑکی کے قریب آکر بیٹھ گئی۔ اس کے کمرے میں نیلے رنگ کا بلب روشن تھا۔ کمرے کی خاموش فضا میں نیلے رنگ کی بوجھل روشنی کچھ عجیب سی معلوم ہو رہی تھی۔ غزالہ جس کھڑکی کے قریب بیٹھی تھی اس کا رخ باغ کی طرف تھا۔ وہ بیٹھے بیٹھے دفعتاً چونک پڑی۔ ایک تاریک سایہ آہستہ آہستہ کنوئیں کی طرف رینگ رہا تھا۔ غزالہ کا دل دھڑکنے لگا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ شور کر کے گھر والوں کو جگا دے۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر خاموش ہی رہی۔ وہ انسانی سایہ کنوئیں کے قریب جا کر رک گیا۔ اس نے اپنے کاندھے سے کوئی چیز اتاری اور کنوئیں کی جگت کے قریب جا کر رک گیا۔

کنوئیں کی جگت کے قریب اُگے ہوئے درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے کوئی چیز کنوئیں میں پھینکی۔ اب وہ کنوئیں میں سر لٹکائے کچھ دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً ٹارچ کی روشنی میں وہ کچھ دیکھنے لگا۔ قریب تھا کہ غزالہ کے منہ سے چیخ نکل جائے لیکن اس نے بڑے ضبط سے کام لیا۔ ٹارچ کی روشنی میں اُسے اس پراسرار آدمی کے چہرے کی ہلکی سی جھلک دکھائی دی۔ یہ طارق کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ وہ شاید درخت کے تنے سے رسی باندھ کر اسی کے سہارے کنوئیں میں

اترنے جا رہا تھا۔ غزالہ بُری طرح کانپ رہی تھی۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا حلق بند ہو گیا ہو، اور اب وہ کبھی نہ بول سکے گی۔ طارق کنوئیں میں اتر گیا۔ غزالہ محسوس کر رہی تھی جیسے اس پر آہستہ آہستہ غشی طاری ہو رہی ہے۔ اسے طارق کی خوفناک آنکھیں یاد آگئیں اور اس وقت وہ کتنی بھیانک ہو گئی تھیں جب وہ اسے عمل تنویم کے ذریعہ سلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ غزالہ کی آنکھیں بوجھل ہونے لگیں۔ ایک عجیب طرح کی سنسناہٹ اسے اپنے سارے جسم میں دوڑتی محسوس ہونے لگی، جسم میں جنبش کرنے کی بھی سکت نہ رہ گئی تھی۔ وہ وہیں کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر گہری نیند سو گئی۔ نہ جانے وہ کب تک اسی حال میں سوتی رہی۔ دفعتاً شور کی آواز سن کر وہ جاگ اٹھی۔ صبح ہو گئی تھی، لیکن سورج ابھی تک نہیں نکلا تھا۔ مشرقی افق میں سرخیاں پھوٹ چلی تھیں۔ شور کی آواز باغ کی طرف سے آرہی تھی۔ اس نے کھڑکی سے دیکھا۔ کنوئیں کے گرد لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ غزالہ جھپٹ کر باہر نکلی۔ ابھی وہ چند ہی قدم گئی ہو گی کہ اس نے دیکھا دو نوکر پرویز کو اٹھائے ہوئے کوٹھی کی طرف لا رہے تھے ان کے پیچھے نواب صاحب اور طارق تھے۔

"کیا ہوا.....؟" غزالہ بے اختیار بولی۔

"نہ جانے کب سے کنوئیں کے قریب بے ہوش پڑا تھا.....!" نواب صاحب گھبراہٹ کے لہجے میں بولے۔

دفعتاً غزالہ کو رات کی باتیں یاد آگئیں۔ اس نے طارق کی طرف دیکھا۔ وہ بے اختیاری میں کچھ کہنے والی تھی کہ طارق نے اپنی جھکی ہوئی آنکھیں اوپر اٹھائیں۔ غزالہ لرز گئی۔ طارق سے آنکھیں ملتے ہی ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اس کی زبان پکڑ لی ہو۔ اس کے سارے جسم میں تھرتھری سی پیدا ہو گئی۔ اس کی بدلتی ہوئی حالت کا احساس قریب قریب سب کو ہو گیا۔

گھبراؤ نہیں..... ابھی یہ ہوش میں آجائے گا۔ کوئی خطرے کی بات نہیں۔'' طارق اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

یک بیک اس کے جسم کی تھرتھری ہٹ گئی اور اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ایک پتھر کے بت کی طرح ساکت ہو گئی ہو۔ حتیٰ کہ اسے اپنے دل کی دھڑکن پر بھی شبہ ہونے لگا کہ کہیں اچانک بند تو نہیں ہو گئی۔ وہ شانہ جس پر طارق نے ہاتھ رکھا تھا بالکل سن ہو کر رہ گیا تھا

طارق کے کاندھے پر اس کا عجیب و غریب نولا بیٹھا ایک اخروٹ کتر رہا تھا۔

پرویز کو ایک صوفے پر لٹا دیا گیا۔ وہ گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ وہ ہوش میں ضرور آ گیا تھا لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی زبان بند ہو گئی ہو۔ فوراً ہی ایک ڈاکٹر کو بلایا گیا جس نے اطمینان دلایا کہ کوئی گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ چند معمولی تدابیر اختیار کرنے پر وہ بولنے کے قابل ہو گیا۔

"پرویز میاں.....!" نواب صاحب بولے۔ "تم کنوئیں کے پاس کیوں گئے تھے۔"

"تتلی پکڑنے.....!" پرویز تتلا کر بولا۔ "اس کے پلو میں چاند ستارے ٹکے ہوئے تھے۔"

"یا اللہ! اس کے حال پر رحم کر۔" نواب صاحب آبدیدہ ہو کر بولے۔

"منگا دیجئے بھائی جان میلی تتلی۔" پرویز بچوں کی طرح ٹھنک کر بولا۔

"ہاں ہاں منگا دیں گے۔" طارق مسکرا کر بولا۔ "تم چپ چاپ لیٹے رہو۔"

طارق کی آواز سن کر غزالہ نے نفرت سے ہونٹ سکوڑ لئے۔ لیکن اس کی آنکھوں سے نفرت کی بجائے خوف جھانک رہا تھا۔ اس نے انتہائی کوشش کی کہ وہ رات کا واقعہ بیان کر دے لیکن ہمت نہ پڑی۔ معلوم نہیں کہ وہ کون سی پراسرار طاقت تھی جو ہر بار اس کی زبان روک دیتی تھی۔

ابھی تک سب پرویز کے صوفے کے گرد کھڑے تھے۔

''میلی دودھ پینے کی چھی چھی۔'' پرویز اچانک اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"ابھی منگوائے دیتا ہوں۔" نواب صاحب بولے۔

پرویز کی دودھ پینے کی شیشی کنوئیں کی جگت کے قریب ٹوٹی ہوئی پڑی تھی۔

"تم کس وقت وہاں گئے تھے۔" طارق نے پرویز سے پوچھا۔

''جب تالی بلی پر اونٹ بیٹھا پانی پی لہا تھا۔'' پرویز نے جواب دیا۔

"معلوم ہوتا ہے رات انہیں خبیث ارواح نے گھیرا تھا۔" طارق کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"اے گجالا اسے یہاں سے ہٹا دو۔" پرویز نے اپنی آنکھیں بند کرتے ہوئے غزالہ سے کہا۔

"نہیں تو یہ مال ڈالے گا۔"

غزالہ کے رہے سہے شبہات بھی پرویز کے اس جملے پر رفع ہو گئے اور اسے پورا یقین ہو گیا

کہ ان شیطانی حرکتوں میں طارق کا ہاتھ ہے۔ جس طرح وہ ایک ان جانے خوف کے ماتحت اس کے خلاف کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اسی طرح شاید پرویز بھی ڈرتا ہے۔

اسی دن شام کو غزالہ کچھ ایسے انتظامات میں مشغول نظر آئی جیسے اسے سفر کرنا ہے۔ نواب صاحب کے استفسار پر اس نے بتایا کہ وہ اپنے ماموں کے یہاں شہر جا رہی ہے۔ نواب صاحب نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ پہلے ہی سے چاہتے تھے کہ وہ کچھ دن کے لئے کسی عزیز کے یہاں چلی جائے، انہوں نے اس سے کہا بھی تھا لیکن وہ اس پر تیار نہ تھی۔

غزالہ سات بجے شام کی گاڑی سے شہر روانہ ہو گئی۔

روانگی

غزالہ اسٹیشن سے ٹیکسی کر کے فریدی کے گھر پہنچی۔ فریدی گھر پر موجود نہیں تھا۔ سرجنٹ حمید ریڈیو پر پکے گانے سن رہا تھا۔ غزالہ کو دیکھ کر اس نے ریڈیو بند کر دیا اور گھبراہٹ میں اس نے اس سے بیٹھنے کو بھی نہ کہا۔ آخر وہ خود ہی ایک آرام کرسی پر بیٹھ گئی۔

"کیا فریدی صاحب تشریف نہیں رکھتے۔" غزالہ نے پوچھا۔

"کہیں گئے ہیں۔"

"شہر سے باہر۔"

"جی نہیں۔"

"کب تک لوٹیں گے۔"

"یہ بتانا ذرا دشوار ہے۔"

"خیر میں ان کا انتظار کروں گی۔"

اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔

"آپ نے ریڈیو کیوں بند کر دیا۔" غزالہ مسکرا کر بولی۔ "آپ کو پکے گانوں سے بڑی دلچسپی

معلوم ہوتی ہے۔"

"ہاں کچھ یوں ہی سی۔" حمید نے دوبارہ ریڈیو کی سوئی گھماتے ہوئے کہا۔

"کیا فریدی صاحب آج کل چھٹی پر ہیں۔"

"جی ہاں.....!"

"اور آپ بھی۔"

"جی.....!"

پھر خاموشی چھا گئی۔ تھوڑی دیر بعد حمید اٹھا۔

"تو آپ بھی کہیں جا رہے ہیں۔"

"ذرا چائے کے لئے کہہ دوں۔"

"اوہ تکلیف نہ کیجئے۔"

"تکلیف کی کوئی بات نہیں۔"

حمید کے چلے جانے کے بعد غزالہ نے میز پر رکھی ہوئی کتابیں الٹنی پلٹنی شروع کر دیں۔ وہ اس وقت فریدی کی لائبریری میں بیٹھی ہوئی تھی۔ یہاں چاروں طرف کتابوں سے بھری ہوئی الماریاں لگی ہوئی تھیں۔ لائبریری کا کمرہ فریدی کے عجائبات کے کمرے سے ملا ہوا تھا۔ دونوں کے درمیان صرف ایک دیوار حائل تھی۔ غزالہ جس میز کی کتابیں دیکھ رہی تھی وہ اسی دیوار سے ملی ہوئی تھی جیسے ہی اس نے ریک میں لگی ہوئی کتابوں سے ایک کتاب اٹھائی اسے دیوار میں ایک بڑا سا سوراخ دکھائی دیا اور ساتھ ہی سانپ کے پھنکارنے کی آواز آئی۔ وہ گھبرا کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ آواز پھر سنائی دی۔ اب اس کی سمجھ میں آیا کہ یہ آواز دوسرے کمرے سے اس سوراخ کے ذریعے آ رہی ہے۔ اس نے کتابیں ہٹا کر بے اختیار اپنی آنکھیں سوراخ سے لگا دیں۔ دوسرے کمرے میں ایک بہت زیادہ طاقت والا بلب روشن تھا۔ پھنکار کی آواز سنائی دی اور غزالہ بے اختیار چیخ مار کر پیچھے ہٹ گئی۔ ایک بڑا سا کالا سانپ زمین پر بچھے ہوئے قالین پر رینگ رہا تھا۔

"حمید صاحب، حمید صاحب۔" وہ بے اختیار چیخنے لگی۔

"کیا بات ہے۔" حمید کمرے میں بے تحاشہ داخل ہو کر بولا۔

"وہ.....وہ..... کمرے میں سانپ" غزالہ ہانپتی ہوئی بولی۔

حمید ہنسنے لگا۔

"میں قسم کھا کر کہتی ہوں۔ آپ خود دیکھ لیجئے۔" غزالہ سوراخ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"تو میں کب کہہ رہا ہوں کہ آپ جھوٹ کہہ رہی ہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔

غزالہ اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔

"وہاں ایک نہیں سینکڑوں ہیں۔"

"جی.....!" غزالہ کی حیرت اور بڑھ گئی۔

"جی ہاں، وہ فریدی صاحب کا عجائب خانہ ہے۔ اتفاق سے اس وقت اس کمرے کی کنجی انہیں کے پاس ہے ورنہ میں آپ کو وہاں کی سیر کراتا۔"

"کیا انہوں نے سانپ بھی پال رکھے ہیں۔"

"جی ہاں سینکڑوں کی تعداد میں۔"

غزالہ خاموش ہو گئی۔ فریدی کی شخصیت اسے طارق کی شخصیت سے بھی عجیب معلوم ہونے لگی۔ جو اپنے کاندھے پر نیولا اٹھائے پھرتا ہے۔

"فریدی صاحب ساڑھے نو بجے تک واپس آ جائیں گے کیونکہ یہ ان سانپوں کے دودھ پینے کا وقت ہوتا ہے۔"

"دودھ کون پلاتا ہے انہیں۔" غزالہ نے پوچھا۔

"خود فریدی صاحب۔"

غزالہ اسے پھر پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھنے لگی۔

"آیئے دوسرے کمرے میں چل کر بیٹھیں، جیسے جیسے ان کے کھانے کا وقت قریب آتا جائے گا ویسے ویسے ان کی دھما چوکڑی بڑھتی جائے گی۔" حمید نے دیوار کے سوراخ کو کتابوں سے ڈھانکتے ہوئے کہا۔

دونوں لائبریری سے اٹھ کر ڈرائنگ روم میں چلے آئے۔

تھوڑی دیر کے بعد چائے آ گئی۔

"آپ نے خواہ مخواہ تکلیف کی۔" غزالہ بولی۔

"تکلیف.....!" حمید مسکرا کر بولا۔ "آپ بھی کمال کرتی ہیں۔"

اس نے چائے بنا کر غزالہ کے آگے بڑھا دی۔

برآمدے میں قدموں کی آواز سنائی دی اور پھر سناٹا چھا گیا۔ حمید نے پلٹ کر دیکھا اس کی محبوبہ شہناز دروازہ میں کھڑی غزالہ کو گھور رہی تھی۔ حمید بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

"آؤ..... آؤ۔"

شہناز اندر آ کر بیٹھ گی۔

"چائے.....!" حمید نے اس کی طرف پیالی بڑھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں میں پی کر آئی ہوں۔" شہناز نے خشک لہجہ میں کہا۔

"آپ سے ملئے آپ غزالہ خانم ہیں۔ آپ شہناز بانو۔"

شہناز اور غزالہ نے ہاتھ ملاتے ہوئے دو چار رسمی جملے دہرائے اور پھر خاموشی سے ایک دوسری کو دیکھنے لگیں۔

"بھئی چائے تو ہر وقت پی جا سکتی ہے۔" حمید نے شہناز سے کہا۔

"ضروری نہیں کہ میں بھی آپ کے اصول پر عمل کروں.....!" شہناز نے اس انداز میں کہا کہ حمید جھینپ گیا۔ اب اس نے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔ اس نے محسوس کر لیا کہ اگر شہناز غزالہ کو دیکھ کر کسی شبہ میں مبتلا ہو گئی ہے ایسی صورت میں اسے چھیڑنا یقیناً خطرناک بات تھی۔

"آپ فریدی صاحب سے ملنے آئی ہیں۔" حمید نے کہا۔

"ہوں.....!"

حمید کے اس فضول جملے پر غزالہ سمجھ گئی کہ حمید شہناز کو مطمئن کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا وہ خود بھی فریدی کے متعلق گفتگو کرنے لگی۔

"معلوم نہیں فریدی صاحب کب آئیں گے۔ ان سے میرا ملنا ضروری ہے۔" غزالہ بولی۔

شہناز اسے مشکوک نظروں سے دیکھنے لگی۔

ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ برآمدے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی اور فریدی انگریزی سروں میں سیٹی بجاتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

"ارے غزالہ خانم خیریت۔" فریدی نے دروازے میں رک کر کہا۔

سب لوگ کھڑے ہو گئے۔

"کب آئیں۔" فریدی نے غزالہ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"تقریباً ایک گھنٹہ سے آپکا انتظار کر رہی ہوں۔ اسٹیشن سے اتر کر سیدھی ادھر ہی آئی ہوں۔"

"اور حمید صاحب آپ کو محض چائے پر ٹال رہے ہیں۔ بیٹھئے بیٹھئے۔"

پھر حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "ارے بھئی کھانے کے لئے کہو۔"

"نہیں نہیں میں کھانا نہیں کھاؤں گی۔ ابھی مجھے اپنے ایک عزیز کے یہاں جانا ہے۔"

"عزیز تو میں بھی ہوں۔ کیا نواب صاحب نے آپ کو نہیں بتایا۔" فریدی نے کہا۔

"بتایا تھا..... لیکن.....!"

"لیکن ویکن کچھ نہیں.....!" فریدی نے پھر حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ "حمید.....!"

"خیر کھالوں گی..... لیکن پہلے وہ کام ہونا چاہئے جس کے لئے میں آئی ہوں۔"

"کیا بات ہے کوئی خاص پریشانی.....!"

"جی ہاں۔"

"بیان کیجئے۔"

"میں..... ہاں..... جی..... ابھی آپ کہیں سے تھکے ہوئے آ رہے ہیں..... ذرا آرام کر لیجئے۔"

فریدی سمجھ گیا کہ وہ شہناز کی موجودگی میں کچھ کہتے ہوئے ہچکچاتی ہے۔

"آیئے میں آپ کو اپنا گھر دکھاؤں.....!" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

غزالہ بھی کھڑی ہو گئی۔

"انہیں عجائب خانہ ضرور دکھایئے گا..... ابھی آپ کی لائبریری سے ایک سانپ دیکھ کر ڈر گئی تھیں۔" حمید نے کہا۔

"اچھا.....!" فریدی نے کہا۔ "خیر آیئے۔"

دونوں ڈرائنگ روم سے چلے گئے۔

"تم کچھ ناراض معلوم ہوتی ہو۔" حمید نے شہناز سے کہا۔

"نہیں تو.....!"

"پھر چائے کیوں نہیں پی۔"

"واہ یہ اچھی رہی۔"

"یقیناً چائے اچھی ہے تم پی کر تو دیکھو۔"

"چھوڑیئے..... آپ تو خواہ مخواہ جملوں کو توڑنے مروڑنے لگتے ہیں۔" شہناز نے تنگ آکر کہا۔

"لیکن آج تک کسی جملے نے مجھ سے اس کی شکایت نہیں کی۔"

"بس اب چل پڑا چرخہ.....!" شہناز منہ بنا کر بولی۔

حمید ہنسنے لگا۔

"اچھا یہ بتایئے کہ آپ وعدہ کرنے کے باوجود بھی کل کیوں نہیں آئے۔" شہناز نے کہا۔

"یہ فریدی صاحب سے پوچھو، ان کے چکر میں پڑنے کے بعد اس سے نکلنا مشکل ہوتا ہے۔"

"آج کل کون سا چکر..... چھٹی پر ہیں نا.....!"

"جس پر ہر وقت کام کرنے کا بھوت سوار رہتا ہو اس کے لئے کیسی چھٹی اور کیسی مشغولیت، غزالہ کا اس وقت آنا مجھے پریشان کر رہا ہے۔"

"کیوں.....!"

"کوئی غیر معمولی بات۔"

"تو آپ کو کس بات کی پریشانی ہے۔"

"پریشانی یوں ہے کہ کہیں یہ چھٹیوں کا زمانہ یوں ہی برباد نہ ہو جائے۔ اگر وہ کسی معاملے میں فریدی صاحب سے مدد لینے آئی ہے تو پھر چھٹیوں کا اللہ ہی مالک ہے۔"

"یہ غزالہ کون ہے۔"

"داراب نگر کے جاگیر دار نواب رشید الزماں کی لڑکی۔"

پھر خاموشی چھا گئی۔

"دراصل میں یہ کہنے آئی ہوں کہ پرسوں میری سالگرہ ہے۔"

"تو کیا کھلاؤ گی مجھے۔"

"لیمن ڈراپس.....!" شہناز نے کہا اور ہنسنے لگی۔

"نہیں ہم تو.....!" وہ شہناز کے گال کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"آپ شیطان ہیں۔" شہناز نے آہستہ سے کہا اور شرما کر سر جھکا لیا۔

"اچھا جی ہم شیطان ہیں۔"

"شہناز نے سر ہلا دیا۔" اس کے ہونٹوں پر شرمیلی مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

"جاؤ نہیں بولتے۔" حمید نے روٹھ جانے کی ایکٹنگ کی۔

"اس کے علاوہ اور کچھ بھی آتا ہے آپ کو۔" شہناز بولی۔

"گانا آتا ہے..... بجانا آتا ہے..... مگر شرط یہ ہے ہاتھ میرے سر دوسرے کا ہو۔ تیرنا آتا ہے فن شہسواری کا ماہر ہوں۔ بچپن میں خود ہی گھوڑا بن جاتا تھا۔ کھانا پکا نہیں سکتا لیکن کھانا آتا ہے۔ والد بزرگوار اکثر فرماتے ہیں کہ.....!"

"بس بس.....!" شہناز ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "پھر چل پڑا چرخہ۔"

"اچھا اسے جانے دو....." حمید سنجیدہ ہو کر بولا۔ "تم پھولوں سے زیادہ حسین ہو۔ کنول سے زیادہ نازک، تمہاری آواز نہیں شہد کی بوند ہے جب تم مسکراتی ہو تو کلیاں کھل جاتی ہیں، جب چلتی ہو تو قیامت اپنے گریبان میں منہ ڈال کر کھڑی کی کھڑی رہ جاتی ہے اور جب نہیں چلتی ہو تو قیامت اپنا ارادہ بدل کر..... اوہ وہ..... بدل کر..... کیا کرنے لگتی ہے..... جانتی ہو..... تم نہیں جانتیں۔ اچھا میری آنکھوں میں دیکھو..... کیا دکھائی دیتا ہے۔"

"کلیوں کا تبسم، پھولوں کا نکھار" شہناز حمید کے لہجے کی نقل کرتی ہوئی بولی۔

"پتوں کی جوانی، بجلی کی چمک، بادلوں کی گرج وغیرہ وغیرہ۔"

"تب تو تم ضرور اپنی آنکھوں کا علاج کراؤ۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "میری آنکھوں میں صرف دیدے ہیں..... دیدے..... کیا سمجھیں۔"

"اپنا سر!" شہناز جھینپ کر بولی۔

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک نوکر نے کھانے کی اطلاع دی۔

"انسپکٹر صاحب اور مہمان کھانے کی میز پر آپ لوگوں کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"میں تو چلی.....!" شہناز نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"واہ چائے نہیں پی تو کھانا بھی نہ کھاؤ گی۔" حمید نے کہا۔

کھانے کی میز پر زیادہ تر خاموشی ہی رہی، فریدی کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اسے اس حال میں دیکھ کر حمید کا ماتھا ٹھنکا۔ فریدی کا اس طرح سوچ میں ڈوب جانا خاص ہی خاص موقعوں پر دکھائی دیتا تھا۔

کھانا کھا چکنے کے بعد تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر غزالہ اٹھتی ہوئی بولی۔

"اچھا تو میں چلتی ہوں..... اسٹیشن پر تین بجے آپ لوگوں کا انتظار کروں گی۔"

"بہت اچھا.....!" فریدی نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا اور بیٹھ گیا۔ وہ اس طرح سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ غزالہ کو رخصت کرنے کے لئے برآمدے تک بھی نہ گیا۔

حمید اور شہناز اسے پھاٹک تک پہنچا کر لوٹ آئے۔

"تو کیا آپ لوگ کہیں جا رہے ہیں۔" شہناز نے فریدی سے پوچھا۔

"ہاں ایک ضروری کام ہے۔"

"پرسوں میری سالگرہ ہے..... میں آپ لوگوں کو مدعو کرنے آئی تھی۔"

"مگر تم نے اس وقت مدعو کیا جب میں نے ایک دوسرے سے وعدہ کر لیا۔ پہلے ہی کیوں نہ بتا دیا۔"

"موقع ہی کہاں مل سکا۔" شہناز نے کہا اور حمید کی طرف دیکھنے لگی۔

"یہ بھی میرے ساتھ جا رہے ہیں۔" فریدی بولا۔

"واپسی کب تک ہو گی۔"

"یہ ابھی نہیں بتا سکتا۔"

شہناز تھوڑی دیر منہ لٹکائے بیٹھی رہی پھر اٹھ کر باہر چلی گئی۔

حمید کو فریدی پر سخت غصہ آ رہا تھا۔ وہ شہناز کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

"بھئی بتاؤ اب میں کیا کروں۔" حمید نے شہناز سے کہا۔

شہناز کوئی جواب دیئے بغیر سڑک پر ہو لی اور حمید لوٹ آیا۔

"ایک بہت دلچسپ کیس.....!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"مجھے چھٹیوں میں اس قسم کی دلچسپیوں سے نفرت ہو جاتی ہے۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"بکو نہیں، تمہیں میرے ساتھ چلنا پڑے گا۔" فریدی نے کہا۔

"حکم حاکم مرگ مفاجات۔" حمید بے دلی سے بولا۔

"یہ بات نہیں پیارے..... چلو بس مزہ آ جائے گا۔" فریدی اس کا شانہ تھپکتے ہوئے بولا۔

حمید خاموش رہا۔

"بھئی تمہارے عشق سے تو میں تنگ آ گیا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"خدا کرے کہ آپ کو بھی کسی سے ہو جائے۔" حمید جل کر بولا۔

"اسی دن خودکشی کر لوں گا بر خوردار۔" فریدی اپنے سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔

"تو تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لیجئے کہ آپ کو عشق ہو گیا۔"

"اف فوہ اس قدر عاجز آ گئے ہو مجھ سے۔" فریدی نے کہا۔ "خیر خیر جا کر اپنا سامان درست کرو۔ ہمیں تین بجے کی گاڑی سے داراب نگر جانا ہے"

حمید خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف چلا گیا اور فریدی نے سگار سلگا کر ٹہلنا شروع کر دیا۔

لائبریری میں لاش

غزالہ دونوں کا اسٹیشن پر انتظار کر رہی تھی۔ فریدی اور حمید وقت پر پہنچ گئے۔ ان کا سامان ایک فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں رکھ دیا گیا۔

ٹرین پر غزالہ نے پھر وہی گفتگو چھیڑ دی۔ حمید کو اس بارے میں ابھی تک کچھ بھی معلوم نہیں تھا چونکہ اس کو طوعاً و کرہاً جانا پڑ رہا تھا اس لئے اس نے اپنی بے تعلقی ظاہر کرنے کے لئے فریدی سے یہ بھی پوچھنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی کہ آخر داراب نگر جانے کی وجہ کیا ہے۔ لیکن ٹرین پر جب اس کا تذکرہ ہونے لگا تو اس کی دلچسپی بھی بڑھ گئی اور وہ خلاف عادت بشاش نظر آنے لگا۔ اس کی فطرت بھی عجیب تھی۔ کام کے موقعوں پر وہ ہمیشہ ایسی گفتگو کرنے لگتا تھا جیسے وہ انتہائی نکما اور کام چور قسم کا آدمی ہے لیکن حقیقتاً ایسا نہیں تھا۔ جب وہ کسی کام میں لگ جاتا تھا تو اسے پوری پوری ذمہ داری کے ساتھ انجام دیتا تھا۔ خطرناک موقعوں پر بظاہر وہ ایک ڈرپوک قسم کا

مسخرہ نظر آتا تھا لیکن خود اس کی دل کی گہرائیوں میں خوف کی ایک ننھی سی لہر بھی نہ ہوتی تھی۔

فریدی اس کی فطرت سے اچھی طرح واقف تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ اس سے کس طرح کام لیا جا سکتا ہے۔

غزالہ نے طارق اور اس کے عجیب و غریب نیولے کا ذکر چھیڑ رکھا تھا۔ معلوم نہیں کیوں فریدی کی موجودگی میں اسے طارق کی خوفناک آنکھیں نہیں یاد آئیں۔

"میں نے بھی ایسا نیولا آج تک نہیں دیکھا۔" حمید نے کہا۔

"یقیناً وہ ایک نایاب چیز ہے اور بہتیری غیر معمولی خصوصیات کا حامل بھی۔ برازیل کے قدیم باشندے اسے شاکی کہتے ہیں اور بہت ادب سے اس کا نام لیتے ہیں کیونکہ وہ ان کا ایک دیوتا ہے۔ ایک خاص تہوار کے موقع پر وہ اس کی پوجا کرتے ہیں۔ یقیناً طارق کو اسے حاصل کرنے میں بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ فریدی سگار کا کش لے کر خاموش ہو گیا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ اس کے بارے میں طارق سے بھی زیادہ جانتے ہیں۔" غزالہ نے کہا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بدستور اپنے خیالات میں کھویا ہوا تھا۔ دفعتاً چونک کر کہنے لگا۔

"کیا یہ وہی طارق تو نہیں، جو دنیا کی بہت سی زبانیں جانتا ہے۔"

"ہاں..... لیکن کیا آپ اسے جانتے ہیں۔"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی آنکھیں بدستور ٹرین کے باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں گھور رہی تھیں۔

حمید اچھی طرح جانتا تھا کہ فریدی ایسے موقعوں پر گفتگو کرنا پسند نہیں کرتا جب وہ کسی گہری سوچ میں ہو۔ اس لئے اس نے غزالہ کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

وہ اس سے واقعات کی تفصیل پوچھتا رہا۔

فریدی پھر چونکا۔

"حمید کیا تمہیں دھرم پور کے جنگلوں کے بھوت یاد نہیں۔"

"یاد ہیں، لیکن یہ معاملہ اس سے مختلف معلوم ہوتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"کیوں.....!"

"اس لئے کہ ہم یہ سارے واقعات شاید اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔ بھلا در و دیوار

جانوروں کی آوازیں آنا کیا معنی رکھتا ہے اور پھر جانوروں کی موتیں۔ کنوئیں سے چنگاریوں کا نکلنا تو خیر کوئی ایسی بات نہیں۔"

"سب کچھ ممکن ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

"جانوروں کے بعد اب آدمی کا نمبر آیا ہی چاہتا ہے۔" فریدی نے سگار کا ایک طویل کش لے کر کہا۔

غزالہ بے اختیار چونک پڑی۔

"کیا مطلب.....!"

"گھبرائیے نہیں..... آپ بالکل ٹھیک وقت پر میرے پاس پہنچیں۔" فریدی نے کہا۔

"نواب صاحب پرانے خیالات کے آدمی ہیں۔ ان کا ذہن بھوتوں سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ وہ کیا جانیں کہ سائنسی دور میں ایک معمولی آدمی بھی اس قسم کے معجزے دکھا سکتا ہے۔"

"خیر یہ تو میں بھی کہہ سکتی ہوں کہ یہ سائنس کا کرشمہ ہے۔ البتہ یہ ضرور یقین رکھتی ہوں کہ اس میں کسی آدمی کا ہاتھ ہے، جو اپنی پراسرار قوتوں سے کام لے رہا ہے۔"

"غالباً آپ کا اشارہ طارق کی طرف ہے۔" فریدی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

غزالہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

اس گفتگو کے بعد پھر خاموشی چھا گئی اور فریدی خلاء میں گھورنے لگا۔ کچھ ملگجا سا سماں تھا۔ ٹھنڈی ہوا کے فرحت انگیز جھونکے صبح کی آمد کا پیام دے رہے تھے۔ حمید اونگھنے لگا تھا۔ غزالہ کی خوبصورت آنکھیں بھی نیند کے دباؤ سے بوجھل ہوتی جا رہی تھیں۔ فریدی کے چہرے پر بس تازگی نظر آ رہی تھی۔ جیسے وہ رات بھر سوتے رہنے کے بعد سورج نکلنے سے قبل اٹھ گیا ہو۔ تھکن کی ایک شکن بھی اس کی پیشانی پر نہ تھی۔ البتہ اس کی آنکھیں گہرے تفکر کا پتہ دے رہی تھیں۔

تقریباً چھ بجے وہ لوگ داراب نگر پہنچ گئے۔ کوٹھی کے پھاٹک میں داخل ہوتے ہی غزالہ کا دل بُری طرح دھڑکنے لگا۔ پورٹیکو میں دو تین کانسٹیبل کھڑے تھے اور کچھ اس قسم کی پریشان کن آوازیں سنائی دے رہی تھیں جیسے کوئی حادثہ ہو گیا ہو۔

غزالہ فریدی اور حمید کو پیچھے چھوڑ کر بے تحاشہ بھاگی۔

وہ دونوں ٹیکسی پر سے سامان اتروا ہی رہے تھے کہ غزالہ دوڑی ہوئی واپس آئی۔

"لاش، لائبریری میں لاش۔" وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

"کس کی لاش.....!" فریدی نے پرسکون لہجے میں پوچھا۔

"ابا جان کے پرائیویٹ سیکریٹری کی۔"

"اور آخر وہی ہوا..... جس کا کھٹکا تھا۔" فریدی نے سامان وہیں چھوڑ کر آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ غزالہ اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تیز قدموں سے کوٹھی کی طرف جا رہی تھی۔

متعدد کمروں سے گذرتے ہوئے وہ لائبریری کے برآمدے میں پہنچے۔

یہاں گھر کے سارے نوکر اکٹھا تھے اور دونوں کو آتا دیکھ کر وہ ادھر اُدھر ہٹ گئے۔

لائبریری میں دو سب انسپکٹر ایک ہیڈ کانسٹیبل، طارق اور نواب صاحب کھڑے تھے۔ کھڑکی کے قریب رکھی ہوئی کرسی کے پاس ایک آدمی اس طرح پڑا تھا جیسے وہ اسی کرسی پر بیٹھے بیٹھے زمین پر لڑھک گیا ہو۔ اس کا ایک ہاتھ ابھی تک کرسی ہی پر تھا۔

"ارے فریدی میاں.....!" نواب صاحب بے ساختہ اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔ "بھئی ٹھیک وقت پر آئے۔"

"یہ واقعہ کب ہوا۔"

"معلوم نہیں..... لیکن صبح مجھے ایک نوکر نے آکر اس کی اطلاع دی۔"

"ہوں.....!" فریدی نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔

"میں کیا بتاؤں کہ میں کن مصیبتوں میں پھنس گیا۔" نواب صاحب نے کہا۔

"مجھے غزالہ صاحبہ کی زبانی سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔"

"تو کیا غزالہ تمہارے ہی پاس گئی تھی۔" نواب صاحب بولے۔ "اس نے بڑی دانش مندی سے کام لیا۔ میری تو عقل ہی ماری گئی تھی۔"

"آپ کی تعریف.....!" ایک سب انسپکٹر نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

"ارے آپ انہیں نہیں جانتے۔" نواب صاحب نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "یہ محکمہ سراغ رسانی کے انسپکٹر فریدی ہیں۔"

"اوہ.....!" سب انسپکٹر نے فریدی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "تب تو پھر ہم لوگوں کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی۔"

"آپ لوگ خواہ مخواہ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔" فریدی نے کہا اور لاش کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"کوئی زخم نہیں..... کوئی نشان نہیں۔ گردن بھی ہم نے بغور دیکھی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ موت کیسے واقع ہوئی ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"ذرا میں بھی دیکھ لوں۔" فریدی نے لاش کے قریب جھکتے ہوئے کہا، وہ بڑی دیر تک اپنے محدب شیشے سے لاش کا معائنہ کرتا رہا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" فریدی نے سب انسپکٹر کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

"کوئی نشان نہیں، آپ نے ابھی تک کسی ڈاکٹر کو نہیں بلوایا۔"

"آ ہی رہا ہو گا۔" سب انسپکٹر بولا۔

"کیا یہ رات میں باہر بیٹھا کرتا تھا۔" فریدی نے نواب صاحب سے پوچھا۔

"نہیں..... کل ہی میں نے اسے ایک کتاب تلاش کرنے کے لئے یہاں بھیجا تھا اور مطمئن ہو گیا تھا کہ وہ کتاب تلاش کر کے اپنے کمرے میں آ گیا ہو گا۔"

"غالباً وہ اس کرسی پر بیٹھ کر کچھ پڑھنے لگا ہو گا۔" فریدی نے کہا۔

"اور اچانک کوئی خوفناک چیز دیکھ کر دل کی حرکت بند ہو گئی۔" طارق نے کہا۔

فریدی اسے گھورنے لگا۔

"اور وہ خوفناک چیز کیا ہو سکتی ہے.....!" فریدی نے ایسے لہجے میں کہا کہ طارق گڑبڑا گیا۔

"ابھی آپ ہی نے فرمایا ہے کہ آپ کو سب حالات معلوم ہو چکے ہیں۔" طارق نے اپنے نیولے کو کاندھے سے اتار کر گود میں لیتے ہوئے کہا۔

"یہ شاکی آپ کو کہاں سے ملا۔" فریدی نے بے ساختہ پوچھا۔

"اوہ.....!" طارق نے چونک کر کہا۔ "تو آپ اس کا نام جانتے ہیں۔"

"ان دیوتا مہاراج کو کون نہ جانے گا۔"

طارق فریدی کو حیرت سے دیکھنے لگا۔

اتنے میں ڈاکٹر آ گیا۔

"آپ معائنہ کر سکتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "ہم لوگ دیکھ بھال کر چکے ہیں۔"

ڈاکٹر کافی دیر تک لاش کا معائنہ کرتا رہا۔

"موت واقع ہوئے تقریباً چار یا پانچ گھنٹے ہو چکے ہیں۔" ڈاکٹر نے سر اٹھا کر کہا۔

"موت کی وجہ.....!" فریدی نے پوچھا۔

"اچانک قلب کی حرکت بند ہو گئی۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"دیکھا آپ نے.....!" طارق بے ساختہ بولا۔

"کیا دل کی کسی بیماری میں مبتلا تھا۔" فریدی نے طارق کی بات کو نظر انداز کر کے نواب صاحب سے پوچھا۔

"ہاں.....اسے عرصہ سے اختلاج قلب کی تکلیف تھی۔"

"تب تو میرے خیال سے ہمیں واپس ہی چلنا چاہئے۔" سب انسپکٹر بولا۔

"ٹھہریئے۔ ابھی شبہات رفع نہیں ہوئے۔" فریدی کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا۔

وہ کھڑکی کے قریب کھڑا ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"نواب صاحب..... کیا یہاں روز رات کو کوئی بیٹھا کرتا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں خود بلاناغہ دو تین گھنٹے یہاں بیٹھ کر پڑھتا ہوں۔"

"ٹھیک.....!" فریدی نے میز پر پڑی ہوئی کشتی نما ٹوپی اٹھاتے ہوئے کہا۔

"یہ غالباً اسی کی ٹوپی ہے۔"

"نہیں میری ہے۔"

"آپ کی.....!" وہ کھڑکی کے باہر دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہاں.....اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔" نواب صاحب حیرت سے بولے۔

"آپ کون سا تیل استعمال کرتے ہیں۔" فریدی نے اچانک پوچھا۔

"کوئی نہیں۔" نواب صاحب اپنے گنجے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جھینپتے ہوئے بولے۔

"معاف کیجئے گا....ایک بہت ضروری سوال تھا۔" فریدی نے میز پر ٹوپی رکھتے ہوئے کہا۔

وہ بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے دوسروں کی موجودگی کو قطعی فراموش کر دیا ہو۔

حیرت انگیز انکشافات

فریدی کی آنکھیں دبے ہوئے جوش کا اظہار کر رہی تھیں۔ ایک بار رک کر اس نے سگار سلگایا اور دو تین لمبے لمبے کش لینے کے بعد پھر ٹہلنے لگا۔ کھڑکی کے قریب جا کر اس نے ادھر اُدھر دیکھا اور نواب رشید الزماں کے سامنے کھڑا ہو کر انہیں گھورنے لگا۔

"ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ اتنی رات گئے تک کتاب کیوں ڈھونڈھتا رہا۔ کیا اس کے بارے میں آپ کا کوئی سخت حکم تھا۔"

"بالکل نہیں۔" نواب صاحب بولے۔ "میں نے اس سے شام کو کہا تھا کہ کسی وقت کتاب ڈھونڈھ لے گا۔ میں نے اس سے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ رات ہی کو ڈھونڈھ لے۔"

"کیا آپ کل حسب دستور یہاں آئے تھے۔"

"نہیں.....جب سے یہ واقعات رونما ہونے شروع ہوئے ہیں میں نے رات میں یہاں بیٹھنا قریب قریب ترک کر دیا ہے۔ اگر کبھی آتا بھی ہوں تو دس بجے سے پہلے پہلے اٹھ جاتا ہوں۔"

"کل رات آئے تھے یا نہیں۔"

"کل شام ہی سے میری طبیعت بھاری تھی.....اسلئے میں نے پڑھنا مناسب نہیں سمجھا۔"

"ٹھیک.....!" فریدی نے کہا اور ٹہلنے لگا۔

"آپ بے کار پریشان ہو رہے ہیں، یہ کھلا ہوا آسیبی معاملہ ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

فریدی نے اسے ہاتھ اٹھا کر چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

پولیس والے مسکرا کر رہ گئے۔ صرف حمید اور غزالہ خاموشی کے ساتھ فریدی کی لحظہ بہ لحظہ بدلتی ہوئی حالت کا جائزہ لے رہے تھے۔ طارق کے ہونٹوں پر اس کی پراسرار مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

فریدی کھڑکی کے پاس کھڑا ہو کر کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر نواب صاحب کی طرف مڑ کر بولا۔

"آپ اسی کرسی پر بیٹھ کر پڑھتے ہیں۔"

"ہاں.....!"

"قریب قریب ہمیشہ۔"

نواب صاحب نے سر ہلا دیا۔ وہ فریدی کے الٹے سیدھے سوالات سے کچھ اکتائے ہوئے سے نظر آ رہے تھے۔

"ایک بات اور..... کیا آپ پڑھتے وقت ایک بار پانی پینے کے عادی ہیں۔"

"ہاں.....!" نواب صاحب حیرت سے بولے۔ "لیکن تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا۔"

"ابھی بتاتا ہوں۔" فریدی نے ایک بار پھر کھڑکی کے قریب جاتے ہوئے کہا۔

اس نے کھڑکی سے باہر سر نکال کر ادھر اُدھر دیکھا اور نواب صاحب کے پاس لوٹ آیا۔

"آپ کو ایک تکلیف دینا چاہتا ہوں۔"

"ہاں ہاں کہو۔"

"ذرا دو منٹ کے لئے اس کرسی پر بیٹھ جایئے۔" فریدی نے اس لاش کے قریب والی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

نواب صاحب حیرت سے اس کا منہ تکنے لگے۔

"امید ہے آپ بُرا نہ مانیں گے۔ لیکن یہ ضروری ہے۔"

نواب صاحب کرسی پر بیٹھ گئے۔

"اور اب یہ ٹوپی پہن لیجئے۔" فریدی نے میز پر پڑی ہوئی ٹوپی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

سب انسپکٹر ہنسنے لگا۔ نواب صاحب بھی خفیف ہوئے لیکن فریدی کی کڑی نظروں نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے چہروں پر ایک بار پھر سنجیدگی پھیلا دی۔

نواب صاحب نے ٹوپی پہن لی۔

"میں ایک منٹ آیا۔" فریدی نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر اسے باہر لے جاتے ہوئے کہا۔

دونوں لائبریری کی پشت پر آ کر کھڑے ہو گئے۔

"دیکھ رہے ہو حمید۔" فریدی نے کہا۔ "کھڑکی سے صرف نواب صاحب کی ٹوپی دکھائی دے رہی ہے اور ان کی پیٹھ ہماری طرف ہے اور اس کھڑکی کی اونچائی بھی تم دیکھ رہے ہو۔"

"تو کیا.....!" حمید کی آنکھوں سے حیرت کی جھلکیاں دکھائی دیں۔

"تم یہیں ٹھہرو..... اور ان کا خیال رکھنا۔" فریدی نے کھڑکی کے نیچے پڑے ہوئے ایک

ٹوٹی ہوئی صراحی کے ٹھیکروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

حمید اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

"ان پر کڑی نظر رکھنا کوئی انہیں چھونے نہ پائے۔" فریدی نے کہا اور لائبریری میں چلا گیا۔ نواب صاحب اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"اب اٹھ جایئے..... یہاں کا کام ختم۔" فریدی نے کہا۔

نواب صاحب اٹھ گئے۔ ہر ایک کی حیرت زدہ نگاہیں فریدی کے چہرے پر لگی ہوئی تھیں۔

"اب اگر آپ لوگ ایک دلچسپ تماشہ دیکھنا چاہیں تو میرے ساتھ آیئے۔" فریدی ہیڈ کانسٹیبل کی طرف مڑ کر بولا۔ "دیوان جی آپ یہیں لاش کے پاس ٹھہریئے۔"

ہیڈ کانسٹیبل کے علاوہ اور سب لوگ فریدی کے ساتھ لائبریری کی پشت پر آ گئے۔ حمید ابھی تک کھڑا ٹھیکروں کی نگرانی کر رہا تھا۔ فریدی نے ادھر اُدھر دیکھا۔ ایک کمرے کی کھڑکی میں لٹکے ہوئے پیتل کے بڑے سے حلقے میں ایک سفید رنگ کا بھاری بھرکم طوطا بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ اس کے ایک پیر میں سنہرے رنگ کی ایک سبک سی زنجیر پڑی ہوئی تھی۔ زنجیر کا دوسرا سرا حلقے میں لٹکا ہوا تھا۔

"بہت خوبصورت طوطا ہے۔" فریدی نے اسے تعریفی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

نواب صاحب اس کا منہ دیکھنے لگے۔

"کیا آپ اسے یہاں منگوا سکتے ہیں۔" فریدی نے نواب صاحب سے کہا۔

"کیوں نہیں۔" نواب صاحب نے کہا۔ لیکن ان کی نظروں میں حقارت کی جھلکیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ فریدی نے اسے محسوس کیا لیکن صرف مسکرا کر رہ گیا۔

نواب صاحب کے اشارے پر ایک نوکر طوطے کو کھڑکی سے اتار لایا۔

فریدی کھڑکی کے نیچے پڑے ہوئے ٹھیکروں کی طرف بڑھا۔ ایک بڑا سا ٹھیکرا جس میں تھوڑا سا پانی تھا اٹھا کر طوطے سے قریب لایا اور اس کی چونچ سے لگا دیا۔ طوطا پانی پینے لگا۔ ابھی وہ پانی پی ہی رہا تھا کہ طارق کا نیولا اچھل کر فریدی کے ہاتھ پر آ رہا۔ ٹھیکرا اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

فریدی نے مسکرا کر طارق کی طرف دیکھا۔

"مجھے افسوس ہے جناب۔" طارق نے معذرت کرتے ہوئے نیولے کو پکڑ لیا۔

"کھیل واقعی بڑا دلچسپ ہے۔" نواب صاحب طنزیہ انداز میں بولے۔

"دیکھتے جایئے، اصل کھیل تو ابھی شروع ہی نہیں ہوا۔" فریدی نے مسکرا کر جواب دیا۔

"اچھا.....!" نواب صاحب کا طنزیہ انداز بدستور قائم رہا۔

"ذرا ایک خالی بوتل منگوایئے۔" فریدی نے نواب صاحب سے کہا۔

فریدی نے طوطے کا حلقہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اس کی تیز نگاہیں طوطے کا گہرا جائزہ لے رہی تھیں۔

"حمید! بقیہ ٹھیکروں کا پانی احتیاط سے اس بوتل میں ڈال لو۔" فریدی نے بوتل نوکر کے ہاتھ سے لے کر حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

ہر چند کہ معاملات بہتوں کی سمجھ بں نہیں آرہے تھے۔ لیکن ہر ایک کی نظر طوطے کی طرف لگی ہوئی تھی۔ یک بیک طوطے نے پر پھڑ پھڑانے شروع کیے اور دیکھتے ہی دیکھتے حلقے سے لڑھک کر زنجیر میں جھول گیا۔

"ارے.....!" نواب صاحب کے منہ سے بے اختیار نکلا اور انہوں نے جھپٹ کر حلقہ فریدی کے ہاتھ سے لے لیا۔

"ارے یہ تو مر گیا۔" نواب صاحب کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔

فریدی ان کی بات سنی ان سنی کر کے سب انسپکٹر پولیس کی طرف مڑا۔

"داروغہ جی..... آپ سیکریٹری کی لاش پوسٹ مارٹم کے لئے بھجوا سکتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ..... یہ مردہ طوطا بھی۔"

"تو کیا..... تو کیا.....!" سب انسپکٹر اس کے آگے نہ کہہ سکا۔

"جی ہاں..... جس زہر نے طوطے کی جان لی، وہی سیکریٹری کی موت کا بھی باعث ہے۔" فریدی نے پر سکون لہجے میں کہا۔

"زہر.....!" نواب صاحب کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"جناب والا.....!" فریدی نے قدرتے جھکتے ہوئے کہا۔ "اور یہ بھی واضح رہے کہ زہر دینے والے کا نشانہ خود آپ تھے وہ تو یہ کہئے سیکریٹری کی قضا آئی تھی۔"

"میں.....!" نواب صاحب چونک کر بولے۔

"جی ہاں.....!"

"مگر کیسے۔"

"بہت ہی معمولی بات ہے۔ آیئے لائبریری میں چل کر آپ کو سمجھاؤں۔"

فریدی نے طارق کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا۔

سب لوگ پھر لائبریری میں چلے آئے۔ فریدی کی گفتگو سن کر غزالہ کی حالت غیر ہو رہی تھی۔

"سیکریٹری کی موت کا باعث غالباً آپ کی ٹوپی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"تم پہیلیاں بجھوا رہے ہو، جو کچھ کہنا ہو صاف صاف کہو۔" نواب صاحب نے اکتا کر کہا۔

"میں اختلاج قلب کا مریض ہوں۔"

"ٹھہریئے..... ابھی آپ نے مجھے بتایا ہے کہ آپ کوئی تیل استعمال نہیں کرتے، لیکن ذرا اس ٹوپی کا اندرونی حصہ سونگھئے۔" فریدی نے ٹوپی نواب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

نواب صاحب نے ٹوپی کو لے کر سونگھا اور سر ہلانے لگے۔

"ایسی ہی خوشبو اس کے سر میں بھی موجود ہے۔" فریدی نے لاش کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "رات پڑھتے وقت شاید اس نے آپ کی ٹوپی پہن لی تھی۔ میں نے آپ کو یہ ٹوپی پہن کر اس کرسی پر بیٹھنے کے لئے کہا تھا۔ باہر جا کر دیکھا تو ادھر سے صرف آپ کا سر نظر آرہا تھا اور پشت میری طرف تھی۔ زہر دینے والا سمجھا شاید آپ ہی لائبریری میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے آپ سے پڑھتے وقت بار بار پانی کے متعلق پوچھا تھا..... میرا خیال صحیح نکلا۔ میں اس کھڑکی پر بے شمار دائرے دیکھ کر اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ یہاں صراحی رکھی جاتی ہے اور یہ دائرے اس کی بھیگی ہوئی پیندی کے نشانات کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہو سکتے۔ قاتل شاید آپ کی اس عادت سے واقف تھا۔ اس نے پیچھے ہی سے ہاتھ بڑھا کر یہاں رکھی ہوئی صراحی میں زہر ڈال دیا۔ یہ تو آپ نے دیکھا ہی ہے زہر کتنا زود اثر ثابت ہوا ہے۔ صرف دو منٹ میں طوطے کی جان نکل گئی۔ آپ کا سیکریٹری بھی غالباً کثرت سے سگریٹ پیتا تھا۔ جیسا کہ میز پر رکھے ہوئے ایش ٹرے سے ظاہر ہوتا ہے اور گرمیوں میں سگریٹ پینے کے بعد پیاس ضرور معلوم ہوتی ہے۔ مرحوم نے صراحی کا پانی پیا اور..... پھر تو آپ جانتے ہی ہیں..... قاتل بعد میں اپنی اس حرکت کا نتیجہ دیکھنے آیا اور

جلدی میں صراحی کو ہاتھ مار کر نیچے گرادیا۔ اس کی یہ جلدی اور بوکھلاہٹ کسی غلطی کے اچانک احساس ہی کا نتیجہ ہو سکتی ہے۔ اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ صراحی کے ٹوٹنے کی آواز سن کر گھر کے لوگ جاگ بھی سکتے ہیں۔"

فریدی رک کر سگار سلگانے لگا۔

"لیکن یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ مرنے والا اس وقت بھی یہ ٹوپی پہنے ہوئے تھا جب زہر دینے والے نے باہر سے دیکھا۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"اس کے متعلق وثوق سے میں نہیں کہہ سکتا۔" فریدی نے کہا۔ "یہ میرا اندازہ ہے جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔"

"بہر حال نواب صاحب کو احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ ایک سیکریٹری کی جان لینے کے لئے اتنی اودھم مچانے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔"

"اودھم سے کیا مطلب.....!" نواب صاحب بولے۔

"جانوروں کی موتیں، وحشی درندوں کی آوازیں اور آگ اگلتا ہوا کنواں۔" فریدی نے کہا اور سامنے کی دیوار پر نظریں گاڑ دیں۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

طارق اپنے نیولے کو کاندھے پر بٹھائے بے تابانہ ٹہل رہا تھا۔

غزالہ کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ عنقریب بیہوش ہونے والی ہے۔

"داروغہ جی.....اس بوتل کو سیل کر دیجئے۔" فریدی نے بوتل حمید کے ہاتھ سے لے کر سب انسپکٹر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اسی بوتل میں حمید نے ٹوٹی ہوئی صراحی کے ٹھیکروں کا پانی جمع کیا تھا۔"

فریدی نواب صاحب کی طرف مڑا۔

"ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آخر اتنی رات گئے تک وہ لائبریری میں بیٹھا کیا کر رہا تھا۔ ڈاکٹر کی رپورٹ کے مطابق تقریباً دو ڈھائی بجے اس کی موت واقع ہوئی۔ کیا وہ آپ کے گھر میں پیش آنے والے واقعات سے خائف نہیں تھا۔ میرا خیال ہے کہ یہاں رات کو تو کوئی اپنے پلنگ سے اٹھنے کی ہمت بھی نہیں کر سکتا ہوگا۔"

"تمہارا خیال قطعی درست ہے۔" نواب صاحب بولے۔

فریدی پھر خیالات میں ڈوب گیا۔

غزالہ کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ بتادے کہ اس نے ایک آدمی کو ایک رات کنوئیں میں اترتے دیکھا تھا۔ لیکن طارق سامنے ہی کھڑا تھا۔ اس سے آنکھیں ملتے ہی اسے اپنا خون رگوں میں منجمد ہوتا محسوس ہونے لگا۔ اس نے یہ بات فریدی کو بھی نہ بتائی تھی۔ نہ جانے کیوں اس کا خیال آتے ہی وہ خوف سے لرزنے لگتی تھی۔ اس نے اس وقت طارق کے نیولے کو فریدی کے ہاتھ سے ٹھیکر اگراتے بھی دیکھا تھا۔ اس چیز نے اس کے شبہات کو اور زیادہ تقویت دے دی۔

فریدی خیالات میں ڈوبا ہوا ٹہل رہا تھا۔ دفعتاً سب انسپکٹر کی طرف مڑ کر بولا۔

"داروغہ جی میرے خیال سے اب لاش اٹھوانے کا انتظام کیا جائے۔ بہر حال اب آپ کو دوسری رپورٹ لکھنی پڑے گی۔"

"فریدی صاحب در حقیقت آپ جادوگر ہیں۔" سب انسپکٹر بولا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔

سب انسپکٹر لاش اٹھوانے کا انتظام کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد لائبریری میں صرف حمید، فریدی اور غزالہ نواب صاحب اور طارق رہ گئے۔ فریدی ابھی تک خیالات میں کھویا ہوا تھا۔ ٹہلتے ٹہلتے وہ کتابوں کی الماریوں کا جائزہ لینے لگا۔

"آپ کی لائبریری بہت شاندار ہے۔" وہ نواب صاحب کی طرف مڑ کر بولا۔

"وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن آپ ناشتہ کب کریں گے۔" غزالہ نے کہا۔

"ہاں بھئی لو نو بج گئے۔" نواب صاحب نے چونک کر کہا۔

"اگر ناشتہ یہیں منگوالیں تو بہتر ہے۔" فریدی نے کہا۔

غزالہ اٹھ کر باہر چلی گئی۔

فریدی ٹہلتا ہوا پھر کھڑکی کے پاس آگیا۔

"یہ کیا تماشہ ہے۔" وہ باہر دیکھتے ہوئے چونک کر بولا۔

نواب صاحب اور حمید کھڑکی کے قریب آگئے۔ نواب صاحب کا سوتیلا بھائی پرویز ایک پہلوان کی گود میں چڑھا ہوا دودھ دانی سے دودھ پی رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ تتلا تتلا کر کچھ کہتا بھی

جارہا تھا۔

"یہ تماشہ نہیں میری بد نصیبی ہے۔" نواب صاحب سرد آہ بھر کر بولے۔

"کیا مطلب.....!"

"میرا چھوٹا بھائی پرویز..... تقریباً آٹھ سال ہوئے سر میں چوٹ لگنے کی وجہ سے اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ کبھی مجھے اس پر فخر تھا۔ آج بھی جب میں اس کی لائبریری میں جاتا ہوں تو بے اختیار آنسو نکل آتے ہیں۔ اتنا قابل اور پڑھا لکھا اور اس کا یہ انجام۔ برلن یونیورسٹی سے اس نے فلسفے میں ڈاکٹریٹ لی تھی۔ اب بالکل بچوں کی طرح زندگی بسر کرتا ہے۔"

فریدی بڑی توجہ سے سن رہا تھا۔ اچانک حمید بے اختیار ہنسنے لگا۔ پرویز پہلوان کی گود سے اتر کر ایک تتلی کے پیچھے گھٹنوں کے بل دوڑنے لگا تھا۔

حمید کے اس ہنسنے پر فریدی نے اسے گھور کر دیکھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ نواب صاحب کی دل شکنی ہو۔

"آپ نے انہیں کسی سائیکو اینیلیسٹ کو بھی دکھایا۔" فریدی نے نواب صاحب سے پوچھا۔

"سب کچھ کر کے تھک ہار گیا ہوں۔"

"واقعی بڑی افسوس ناک بات ہے۔" فریدی نے کہا اور اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔

تھوڑی دیر بعد ناشتے کا سامان آ گیا۔ سب لوگ ایک بڑی میز کے گرد بیٹھ گئے۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ زہر کس نے دیا۔" نواب صاحب بولے۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن احتیاط ضروری ہے۔ آپ اور غزالہ کافی محتاط رہئے..... مجھے سو فیصدی یقین ہے کہ یہ حملہ آپ ہی پر ہوا تھا۔"

"آخر کیوں..... اور وہ کون ہو سکتا ہے۔" نواب صاحب بے چینی سے بولے۔

"وہی جس نے یہ سب سوانگ رچایا ہے۔ اس خیال میں نہ رہئے کہ یہ کوئی آسیبی خلل ہے۔ غزالہ نے جس وقت جانوروں کی موت کے متعلق بتایا تھا اسی وقت میں نے کہہ دیا تھا کہ اب کسی آدمی کا نمبر آنے والا ہے۔"

نواب صاحب حیرت زدہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگے۔

"جناب والا آپ کا نیولا مجھے بہت پسند ہے۔" فریدی طارق سے بولا۔

"شکریہ.....!" طارق مسکرا کر بولا۔

"جس وقت یہ اچھلا تھا مجھے یقین ہو گیا تھا کہ ضرور اس پانی میں زہر ملا ہوا ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" طارق چونک کر بولا۔

"اس کی اسی خصوصیت پر شداگا قبیلے کے لوگ اسے دیوتا سمجھتے ہیں۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "اس قسم کے خطرات کی بو سونگھ لینا اس کی ایک ادنیٰ خصوصیت ہے۔"

"کیا آپ کبھی برازیل گئے ہیں۔" طارق بولا۔

"ہاں..... ایک زمانے میں مجھے پرانے دفینوں کی تلاش کا خبط تھا۔" فریدی نے کہا۔

"اچھا.....!" طارق دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے بولا۔

"اسی سلسلے میں برازیل بھی جانا ہوا تھا۔" فریدی لاپروائی کے ساتھ بولا۔

"لیکن افسوس ہے کہ ماناؤز سے سو میل بھی آگے نہ جا سکا۔"

"ماناؤز..... ماناؤز.....!" طارق بے چینی سے بڑبڑاتا ہوا کرسی پر پہلو بدلنے لگا۔

"ماناؤز سے سو میل کے فاصلے پر مغرب کی طرف..... دریائے آمیزن کے اتری کنارے پر سیاہ پہاڑیوں کا سلسلہ..... جہاں.....؟ مگر یہ سب کیوں بک رہا ہوں۔"

"کوئی ہرج نہیں..... میں کافی دلچسپی لے رہا ہوں۔" طارق نے نیولے کو کاندھے سے اتار کر گود میں بٹھاتے ہوئے کہا۔

"پھر کسی وقت تفصیل سے بتاؤں گا..... کیا آپ کو بھی دفینوں سے دلچسپی ہے۔"

"نہیں کوئی ایسی خاص دلچسپی تو نہیں..... البتہ مجھے سیاحت کا ضرور شوق ہے۔" طارق نے کہا۔

"خیر یہ شوق بھی بُرا نہیں۔" فریدی نے نواب صاحب کی طرف اچانک مڑتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کے مرحوم سیکریٹری کے متعلق کچھ معلومات بہم پہنچانا چاہتا ہوں۔"

"کس قسم کی معلومات.....!" نواب صاحب نے پوچھا۔

"پہلی بات یہ کہ وہ آپ کے یہاں کتنے دن سے ملازم تھا۔"

"اس کی پرورش ہی اس گھر میں ہوئی تھی۔"

"اس کا کوئی عزیز.....!"

"کوئی نہیں.... قحط کے زمانے میں خریدا گیا تھا۔ اس وقت اسکی عمر دو سال سے زیادہ نہ تھی۔"

"ہوں.....!" فریدی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اس کا کوئی دشمن۔"

"میرا خیال ہے کہ کوئی نہیں کیونکہ وہ ایک انتہائی خوش اخلاق اور بے ضرر آدمی تھا۔"

"کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ کس قسم کی کتابیں پڑھا کرتا تھا۔"

"یہ بتانا دشوار ہے۔"

"آپ نے کونسی کتاب ڈھونڈھنے کے لئے اسے بھیجا تھا۔"

"ایک قلمی نسخہ جو اسی عمارت کے متعلق تھا۔"

فریدی یک بیک اچھل پڑا۔

"اس عمارت کے متعلق..... کیا آپ نے اسے پڑھا تھا۔"

"ہاں ایک بار دو ایک صفحات پڑھنے کا اتفاق ہوا تھا۔"

"کوئی خاص بات تھی اس میں۔"

"ظاہر ہے کہ اگر کوئی خاص بات ہوتی تو دو ہی ایک صفحے پڑھ کر کیوں رہ جاتا۔"

"اوہ..... خاص بات ضرور تھی..... مگر خیر..... یہ بتایئے کہ اچانک آپ کو اسے تلاش کرانے کی کونسی ضرورت پیش آگئی۔" فریدی نے کہا۔

نواب صاحب پھر کچھ اکتائے ہوئے سے نظر آنے لگے۔

"ان سوالات کا حادثے سے کیا تعلق۔" نواب صاحب نے کہا۔

"بہت بڑا تعلق ہے..... بظاہر میرے سوالات آپ کو قطعی بے ربط اور غیر متعلق معلوم ہو رہے ہیں لیکن میرا طریقہ کار کچھ اسی قسم کا ہے۔"

"میں نے اس کتاب کا تذکرہ طارق سے یونہی دوران گفتگو میں کیا تھا۔ انہوں نے اسے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔"

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ اُسے کیوں دیکھنا چاہتے تھے۔" فریدی اچانک طارق کی طرف مڑ کر بولا۔

"بات یہ ہے کہ مجھے پرانی عمارتوں سے دلچسپی ہے۔" طارق نے جواب دیا۔ "میں نے سوچا ممکن ہے اس میں کوئی بات میری معلومات میں اضافہ کرنے والی ہو۔"

"وہ کتنی پرانی رہی ہوگی۔" فریدی نے کہا۔

"ٹھہرو..... میں ابھی دکھاتا ہوں۔" نواب صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"بیکار...!" فریدی نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہ اب یہاں موجود نہیں۔"

"کیا مطلب.....!"

"میرا خیال غلط تھا۔" فریدی نے کہا۔ "دراصل وہ کتاب ہی آپ کے سیکریٹری کی موت کا باعث بنی ہے۔"

فریدی طارق کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ فریدی کو گھور رہا تھا۔ آنکھیں ملتے ہی وہ دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"آپ کہہ رہے تھے کہ وہ کتاب اسی عمارت کے متعلق تھی۔" فریدی نے نواب صاحب کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ اندازاً ابھی اس کی تاریخ مجھے نہیں بتا سکتے۔"

"وہ کتاب تین سو سال سے کسی طرح کم پرانی نہ رہی ہوگی۔" نواب صاحب بولے۔

"تین سو سال.....!" فریدی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "مگر یہ عمارت تو جدید طرز کی ہے۔"

"جس حصے میں آپ بیٹھے ہوئے ہیں اسے بنے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گذرا۔ پرانی عمارت تو کبھی کی ختم ہو چکی۔ اس کے کچھ کھنڈرات ابھی تک پچھلے حصے میں باقی ہیں۔"

"اوہ..... تب تو میں سو فیصدی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ سیکریٹری کی موت کتاب ہی کی وجہ سے واقع ہوئی ہے۔"

"مگر کیسے.....؟" نواب صاحب بے چینی سے بولے۔

"اس کتاب میں اس عمارت کے متعلق کوئی گہرا راز تحریر تھا۔" فریدی نے کہا۔ "یہی وجہ ہے کہ وہ نڈر ہو کر رات کے اس حصے میں بھی لائبریری میں بیٹھا رہا جب کہ دوسرے اپنے کمروں سے نکلنے کی بھی ہمت نہیں کر سکتے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اس وقت اور کون کون موجود تھا جب آپ نے اسے کتاب تلاش کرنے کی ہدایت دی تھی۔"

"غالباً میرے اور طارق کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں تھا۔"

"ہوں.....!" فریدی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"مگر وہ راز کیا ہو سکتا ہے۔"

"وہ راز.....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اگر وہ راز آپ کو معلوم ہو جاتا تو آپ کے گھر میں ہونے والے واقعات آپ کی نظروں میں کھیل کود سے زیادہ حیثیت نہ رکھتے۔"

"یعنی.....!"

"ابھی فی الحال میں اس چیز پر زیادہ روشنی نہیں ڈال سکتا۔ لیکن آپ اطمینان رکھئے یہ سب حقیقتاً کھیل تماشے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔"

نواب صاحب خاموش ہو گئے۔ لیکن ان کی بے چینی آنکھوں سے ظاہر ہو رہی تھی۔

"چلئے! میں آپ لوگوں کو آپ کے کمرے دکھا دوں۔" غزالہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کیا کروں۔" نواب صاحب بھی اٹھتے ہوئے بولے۔

"اب یہ سب آپ مجھے سمجھنے دیجئے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"مجھے تمہاری ذات سے ایسی ہی امید ہے..... خدا ہماری پریشانیاں دور کرے۔"

نواب صاحب نے کہا اور باہر چلے گئے۔

خون کی بوچھاڑ

سیکریٹری کی موت کی وجہ سے ساری کوٹھی پر ایک عجیب قسم کا ماتمی سکوت طاری تھا لوگ اس طرح چل پھر رہے تھے جیسے انہیں کسی کے جاگ اٹھنے کا خوف ہو۔ البتہ کبھی کبھی پرو کے بچکانے قہقہے اس سکوت کو توڑ دیتے تھے۔

نواب صاحب دن بھر لائبریری کی کتابیں الٹتے پلٹتے رہے لیکن گمشدہ کتاب نہ ملی۔ فرید کے دلائل کی بناء پر وہ مان گئے تھے کہ سیکریٹری کو زہر دے کر ہلاک کیا گیا ہے لیکن آسیبی خلل کا خیال بدستور ان کے ذہن میں جما ہوا تھا۔ وہ سوچ رہے تھے کہ شاید بھوتوں کی آڑ لے کر کو

سیکریٹری پر ہاتھ صاف کر گیا۔ اس کی موت کی وجہ سے انہیں پریشانی ضرور تھی ایک تو یہ کہ وہ ان کے گھر کا پالک تھا اور پریشانی کی دوسری وجہ یہ تھی کہ پولیس والے اب آئے دن خواہ مخواہ آ کر ان کا دماغ چاٹیں گے۔

لائبریری سے واپس آنے کے بعد فریدی اور حمید نے اپنے اپنے کمروں میں جا کر لباس تبدیل کئے۔ غزالہ نے ہر چند فریدی سے آرام کرنے کو کہا لیکن اس نے ٹال دیا اور اس کے ساتھ پرانی عمارت کے کھنڈرات دیکھنے کے لئے چلا گیا تھا۔ حمید بھی اس کے ساتھ تھا۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک دونوں وہاں رہے لیکن کوئی خاص بات معلوم نہ ہو سکی۔ وہاں سے لوٹ کر وہ آگ اگلنے والے پراسرار کنوئیں کی طرف آئے۔ فریدی بڑی دیر تک آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کنوئیں کی گہرائی میں دیکھتا رہا لیکن دن کے وقت بھی اس میں اتنی تاریکی تھی کہ تہہ نہیں دکھائی دے رہی تھی۔

"کیوں بھئی حمید کیا خیال ہے۔" فریدی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "اس میں پانی تو نہیں معلوم ہوتا۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔"

"جی ہاں، اس میں پانی نہیں۔" غزالہ بولی۔

"اور اس کے اندر چھائی ہوئی تاریکی سے پتہ چلتا ہے کہ یہ غیر معمولی طور پر گہرا ہے۔"

"اس کی گہرائی کا اندازہ آج تک نہیں لگایا جا سکا۔" غزالہ بولی۔

"لیکن میں نے.....!"

"ہاں کہئے رک کیوں گئیں.....!" فریدی نے کہا۔

"کچھ نہیں.....!"

"لیکن آپ نے کسی کو اس میں اترتے دیکھا ہے۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا۔" غزالہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔

"آپ کے جملے کے انداز اور آپ کی گھبراہٹ سے میں نے اندازہ لگایا کہ آپ نے کسی کو اترتے دیکھا ہے۔ لیکن کسی وجہ سے بتانا نہیں چاہتیں۔"

"آپ ٹھیک سمجھے، مجھے خود اپنی اس کمزوری پر بار بار غصہ آتا ہے لیکن کیا کروں۔"

"تو آپ کسی وجہ سے خائف ہیں۔"

"اور وہ وجہ مجھے خود بھی نہیں معلوم۔"

"عجیب بات ہے۔"

"مجھے دراصل اس کی آنکھوں سے خوف معلوم ہوتا ہے.... کیوں؟ یہ میں نہیں بتا سکتی۔"

"اوہ تو شاید آپ کا اشارہ طارق کی طرف ہے۔"

"تو کیا آپ کو بھی اس کی آنکھیں خوفناک معلوم ہوتی ہیں۔"

"قطعی نہیں..... میں جانتا ہوں کہ وہ سانپ کا زہر بطور نشہ استعمال کرتا ہے۔"

"سانپ کا زہر بطور نشہ.....!" غزالہ حیرت سے بولی۔

"ہاں ہاں..... یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں۔ چینیوں میں اس کا عام رواج ہے۔"

"تو کیا اسی وجہ سے اس کی آنکھیں اتنی خوفناک ہیں۔"

"جی ہاں.....!" فریدی نے گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔ "ہاں تو آپ نے اسے کب اس کنوئیں میں اترتے دیکھا ہے۔"

غزالہ نے اس رات کا واقعہ وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا۔

"آیئے واپس چلیں۔" فریدی نے لوٹنے کے لئے مڑتے ہوئے کہا۔ "اس کی آنکھیں پھر گہری سوچ کا پتہ دے رہی تھیں۔ ابھی وہ چند ہی قدم گئے ہوں گے کہ پرویز اچھلتا کودتا ہوا آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں دودھ پینے کی شیشی تھی اور دوسرے میں لکڑی کی ایک بندوق۔"

فریدی کو دیکھ کر دودھ کی شیشی اس نے زمین پر پھینک دی اور بندوق تان کر کھڑا ہو گیا۔

''بتاؤ تم نے میلا طوطا کیا کیا..... میلا طوطا منگوا دو نہیں تو گولی..... مار دوں گا۔''

"اوہ چچا جان خدا کیلئے آپ اپنے کمرے سے باہر نہ نکلا کیجئے۔" غزالہ شرمندہ لہجے میں بولی۔

"تو کیوں بولتی ہے۔"

غزالہ خاموش ہو گئی۔

پرویز ابھی تک فریدی کے سامنے اپنی لکڑی کی بندوق تانے کھڑا تھا۔ حمید ہنسی کے مارے بے حال ہو رہا تھا۔ لیکن فریدی قطعی سنجیدہ تھا۔

"اوہ مجھے افسوس ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن میں آپ کو دوسرا منگوا دوں گا۔"

"اچھا لیکن ویسا ہی ہو۔" پرویز بندوق نیچی کرتے ہوئے بولا۔

"بہت بہتر.....!"

"نہیں ویسا نہیں ہم لال طوطا لیں گے۔"

"جیسا آپ کہیں گے..... ویسا ہی منگوا دیا جائے گا۔"

"اچھا اب اندر چلئے.....!" غزالہ پرویز کا ہاتھ پکڑ کر اسے اس کے کمرے کی طرف لے جاتی ہوئی بولی۔

فریدی اور حمید اپنے اپنے کمروں کی طرف آئے، راستہ میں طارق ملا۔

"کہئے انسپکٹر صاحب..... کوئی خاص بات۔" طارق بولا۔

"ابھی تک تو خاص بات نہیں ہوئی لیکن جلد ہی کسی خاص بات کا ظہور ہونے والا ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"اس کنوئیں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔" فریدی نے اس کی بات اڑاتے ہوئے دفعتاً پوچھا۔

"کنواں.....!" طارق چونک کر بولا۔ لیکن پھر سنبھل کر کہنے لگا۔ "یقیناً یہ ایک بہت پرانا کنواں ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس کنوئیں میں کوئی دفینہ ہے۔" فریدی آنکھ مار کر آہستہ سے بولا۔

"ہو سکتا ہے۔" طارق لاپروائی سے بولا۔

"مگر اس میں اترنا یقیناً خطرے سے خالی نہیں۔" فریدی نے کہا۔

طارق اسے گھور رہا تھا۔ دفعتاً اس کی آنکھوں میں عجیب قسم کی چمک پیدا ہو گئی۔

"اوہ تو آپ اس میں اترنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں آپ کو کبھی اس کی رائے نہ دوں گا۔"

"کیوں.....!" فریدی نے پوچھا۔

"اس لئے کہ خود میں ایک بار ایسی حماقت کر چکا ہوں۔" طارق نے کہا اور اپنے نیولے کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"بھلا اس میں حماقت کی کیا بات ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں بتاتا ہوں..... ایک رات میں نے اس کنوئیں میں اترنے کی کوشش کی تھی اور.....!"

"لیکن.....!" فریدی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "آپ تو کہتے ہیں کہ یہ آسیبی معاملہ ہے۔ پھر آپ کے دل میں کنوئیں میں اترنے کا خیال کیسے پیدا ہوا۔"

"یوں ہی محض اپنے تجربات میں اضافہ کرنے کے لئے.....!"

"خیر ہاں تو پھر.....!"

"میں زیادہ دور نہیں جاسکا۔"

"کیوں.....!"

"اس میں بے شمار سانپ رہتے ہیں۔"

"خیر یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں۔"

"اوہ یہ عجیب بات ہے کہ ان کے سوراخ کنوئیں کی دیواروں میں ہیں۔"

"اوہ تب تو ان سوراخوں میں پیر رکھ کر نہایت آسانی سے تہہ تک پہنچا جاسکتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

طارق اس طرح مسکرایا جیسے کوئی بوڑھا آدمی کسی بچے کی بے تکی بات پر مسکراتا ہے۔

"میں نے آپ کی دلیری کی کافی تعریف سنی ہے۔" طارق نے کہا۔ "لیکن یہ چیز اتنی آسان نہیں۔"

"میں تو آپ کو کبھی اس کنوئیں میں اترنے نہ دوں گا۔" حمید بولا۔

"آخر تم مجھے اتنا احمق کیوں سمجھتے ہو۔" فریدی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

"یہی تو میں نے کہا آپ جیسا سمجھدار ایسی حماقت کیسے کر سکتا ہے۔" طارق نے کہا۔

"خیر دیکھا جائے گا۔" فریدی نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

فریدی کمرے کے دروازے پر رک کر سگار سلگانے لگا۔ حمید اندر داخل ہو چکا تھا۔

دفعتاً فریدی کو حمید کی چیخ سنائی دی اور سگار اس کی انگلیوں سے پھسل گیا۔ وہ جھپٹ کر کمرے میں داخل ہوا۔ حمید دیوار کا سہارا لئے حیران آنکھوں سے کمرے میں چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ سر سے پیر تک خون میں نہایا ہوا تھا۔

"ارے یہ کیا.....؟" فریدی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

حمید خاموش تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے سکتہ ہو گیا ہو۔ دفعتاً وہ چیخ کر کمرے سے باہر

بھاگا۔ فریدی بھی اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ کوٹھی کے سارے لوگ حمید اور فریدی کو اس حال میں دیکھ کر چیخنے لگے۔ فریدی نے حمید کو پھاٹک کے قریب پکڑ لیا۔

"آخر بات کیا ہے کچھ بتاؤ تو سہی۔" فریدی نے کہا۔

"میں ایک منٹ کیلئے.... بھی.... یہاں نہیں ٹھہر سکتا۔" حمید نے کانپتے ہوئے کہا۔

"آخر کیوں.....؟"

"دیکھئے..... یہ خون..... کی بوچھاڑ.....!"

"تمہارے چوٹ تو نہیں آئی۔"

حمید نے جس کی سانس پھول رہی تھی نفی میں سر ہلا دیا۔

"پھر کیا ہوا۔"

"میں جیسے.... ہی کمرے میں.... داخل ہوا.... میرے سر پر خون کی تیز بوچھاڑ۔"

"ابے واہ بے گدھے تو اس طرح بھاگنے کی کیا ضرورت تھی۔" فریدی نے اپنے تھیلے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"جناب والا میں بزدل ہی سہی۔" حمید بولا۔ "لیکن ایک جاسوس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ بھوتوں سے کشتی لڑے۔"

"احمق ہوا چھے خاصے۔" فریدی نے کوٹھی کی طرف بھاگتے ہوئے کہا۔

راستے میں غزالہ ملی..... اس نے بھاگ دوڑ کی وجہ پوچھنی شروع کی۔

"اوپر جانے کا راستہ..... جلدی کیجئے۔"

غزالہ بھی اس کے ساتھ دوڑنے لگی۔ اس نے زینے کی طرف اشارہ کیا اور فریدی دوڑتا ہوا زینے طے کرنے لگا۔

"ذرا جلدی کیجئے..... میرے کمرے کی چھت.....!"

"ادھر آیئے....." غزالہ ہانپتی ہوئی بولی۔ "وہ اُدھر..... اس دیوار کے قریب سے شروع ہوتی ہے۔"

فریدی گھٹنوں کے بل بیٹھ کر چھت کا جائزہ لینے لگا۔ کچھ دور ہٹ کر شیشے کے روشندان کے قریب اسے خون کی چھینٹیں دکھائی دیں۔

فریدی بے تابی سے کھڑا ہاتھ مل رہا تھا۔

"آخر بتایئے بھی تو کیا بات ہے۔" غزالہ بے چینی کے ساتھ بولی۔

فریدی نے مختصر الفاظ میں اسے سارا واقعہ بتایا۔

"افسوس کہ حمید کی حماقت سے وہ بھوت نکل گیا.....ورنہ.....!"

"کیا مطلب.....!"

"ذرا یہ خون کی چھینٹیں دیکھئے۔" فریدی نے روشندان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس شیشے کو اٹھا کر پچکاری کے ذریعے خون پھینک دینا کونسی بڑی بات ہے۔"

"اوہ.....!" غزالہ اسے حیرت سے دیکھتی ہوئی بولی۔ "شروع ہی سے میں ان سب حرکتوں کو کسی آدمی کی جدت سمجھ رہی ہوں۔"

"اور وہ آدمی.....!" فریدی نے پوچھا۔

"میں اپنے شبہے کا اظہار پہلے ہی کر چکی ہوں۔"

"فریدی کسی سوچ میں ڈوب گیا۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔"

دونوں نیچے اتر آئے۔ حمید ابھی تک اسی حالت میں لوگوں کے مجمع میں گھرا ہوا کھڑا تھا۔

"جاؤ جا کر غسل خانہ میں کپڑے تبدیل کرو۔" فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

حمید نے کچھ کہنا چاہا مگر خاموش ہو گیا۔

آوازوں کا راز

حمید والے واقعے کے بعد فریدی اپنے کمرے میں کھڑکی کے قریب ایک کرسی پر بیٹھا کسی خیال میں مشغول تھا۔ انگلیوں میں دبا ہوا سگار نہ جانے کب کا بجھ گیا تھا۔ سگار میں لگی ہوئی راکھ اس بات پر دلالت کر رہی تھی کہ دیر سے اس نے لٹکے ہوئے ہاتھ کو جنبش بھی نہیں دی ورنہ راکھ

ضرور گر گئی ہوتی۔

وہ دفعتاً چونک پڑا۔ کسی نے پیچھے سے اسکے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔

غزالہ کھڑی مسکرا رہی تھی۔ اس نے اس وقت سفید ساری باندھ رکھی تھی۔ اس سادگی میں اس کے چہرے کے شوخ خدوخال کچھ اور زیادہ ابھر آئے تھے۔ بڑی بڑی سحر کار آنکھوں میں پے در پے صبحیں طلوع ہو رہی تھیں اور گھنیری پلکوں کی چھاؤں میں خوشگوار سی شامیں رینگتی محسوس ہو رہی تھیں۔

"کچھ چائے وغیرہ کا بھی ہوش ہے۔" غزالہ کی مترنم آواز کمرے کی خاموش فضا میں گونج اٹھی۔ اس کے لہجے میں نہ جانے کیا چیز تھی جس نے فریدی کی رگوں میں نشہ سا دوڑا دیا۔ اس کے لہجے میں کیا تھا۔ مامتا تھی۔ شکایت تھی.... تقاضہ تھا.... سپردگی تھی.... اور نہ جانے کیا کیا۔

فریدی غیر شعوری طور پر مسکرا پڑا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ان دہکتے ہوئے رخساروں کی آنچ میں گل گیا ہو۔ اسے اپنی ہستی ایک لہریں لیتی ہوئی جھیل معلوم ہونے لگی۔ ایسی جھیل جس میں صبح اولین کی شعاعیں رنگین تانے بانے بن رہی ہوں۔ دفعتاً فریدی کو خود میں اس تبدیلی کا احساس ہوا اور اس کے منطقی شعور نے جھپٹ کر ذہن کے اس گوشے پر سیاہ چادر ڈال دی جہاں سے محبت کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔

وہ یک بیک ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہو گیا۔ غزالہ نے بھی شاید یہ تبدیلی محسوس کر لی۔ اس کے چہرے پر افسردگی دوڑ گئی۔

"کہئے تو چائے یہیں بھجوا دوں۔" غزالہ نے مردہ سی آواز میں کہا۔ "ابا جان وغیرہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"اس وقت میری طرف سے معافی مانگ لیجئے گا۔"

"اچھا تو پھر میں یہیں بھجوا دوں گی۔" غزالہ نے کہا اور چند لمحوں تک کھڑی اسے دیکھتی رہی۔

فریدی کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا۔

غزالہ کے چلے جانے کے بعد اس نے انگلیوں میں دبا ہوا سگار باہر پھینک کر دوسرا سلگایا اور ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔

"ابا میاں.....!" کسی نے پیچھے سے پکارا۔

فریدی پلٹ کر دیکھنے لگا۔ دروازے میں پرویز کھڑا دودھ کی شیشی میں منہ لگائے دودھ چوس رہا تھا۔

"تم ہمارے ابا میاں ہو؟" پرویز فریدی کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر الرالا۔

فریدی اس کے اس اچانک سوال پر بوکھلا گیا۔ لیکن پھر بے اختیار ہنسنے لگا۔

"ابا میاں ہنستے ہیں..... ابا میاں ہنستے ہیں۔" پرویز دودھ کی شیشی بغل میں دبا کر تالیاں بجاتا ہوا اچھلنے کودنے لگا۔

اتنے میں حمید بھی آ گیا۔

"اور بیٹا چچا جان کو بھول گئے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

فریدی اسے گھورنے لگا مگر حمید کے چہرے پر بدستور شرارت آمیز مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

"کہئے جناب..... اتنی بوڑھی اولادیں لئے پھرتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں کہ مجھے ان لغویات سے کوئی سروکار نہیں۔" حمید بولا۔

"کیا بکتے ہو۔" فریدی نے اپنی ہنسی روک کر سنجیدہ بننے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ہاہا.....!" پرویز اچھل اچھل کر ہنستا ہوا بولا۔ "ابا میاں نے چچا جان کو ڈانٹ دیا..... آہاہاہا۔"

حمید ایک کرسی پر بیٹھ کر شرارت آمیز نظروں سے پرویز کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہم گود میں بیٹھیں گے۔" پرویز حمید کے نزدیک آ کر ٹھنک کر بولا۔

"جی.....!" حمید تحیر آمیز لہجے میں چیخا۔ "یہ آپ کیا فرما رہے ہیں..... ذرا اس نحیف و نزار جسم کو ملاحظہ فرمایئے۔"

پرویز اچھل کر اس کی گود میں بیٹھ گیا اور حمید کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی رانوں کی ہڈیاں کڑ کڑا کر ٹوٹ جائیں گی۔ فریدی بے اختیار ہنس پڑا۔

"ارے جناب والا..... اتریئے بھی..... ورنہ میری ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی۔" حمید کراہ کر بولا۔

"ہم خلگوش کا بچہ لیں گے۔" پرویز حمید کی گود میں مچلتا ہوا بولا۔

"ارے مرا.....!" حمید چیخا۔ "خرگوش کا بچہ نہیں بلکہ میں آپ کو گدھے کا بچہ منگوا دوں

گا۔ اللہ میری جان چھوڑیئے۔"

"نائیں..... نائیں..... خلگوش کا بچہ۔" پرویز اور زیادہ مچلنے لگا۔

"اللہ میری جان بچایئے۔" حمید نے فریدی سے کہا۔

"میں کیا جانوں۔" فریدی نے کہا اور دوسری طرف منہ پھیر کر سگار پینے لگا۔

"خلگوش کا بچہ..... خلگوش کا بچہ۔"

"ہے بھاگ بھوتنی کے۔" حمید نے جھلا کر پرویز کو دھکیل دیا۔ پرویز کے گرتے ہی دودھ کی شیشی ٹوٹ گئی اور سارا دودھ فرش پر پھیل گیا۔

پرویز فرش پر پڑا ہچکیاں لے لے کر رو رہا تھا۔

"تم نے کیا کیا۔" فریدی نے گھبرا کر اٹھتے ہوئے کہا۔

اتنے میں غزالہ نوکر کے ساتھ چائے لے کر آ گئی۔

"یہ کیا.....؟" پرویز کو اس حال میں دیکھ کر بولی۔

"مجھے افسوس ہے۔" فریدی نے کھڑے ہو کر کہا۔

"آخر ہوا کیا.....؟"

"حمید کو تو آپ دیکھ ہی رہی ہیں..... بیچارہ دبلا پتلا آدمی ہے۔ پرویز صاحب اس کی گود میں چڑھ کر بیٹھ گئے تھے اور کسی طرح اترنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔"

"اوہ.....!" غزالہ پرویز کو زمین سے اٹھانے کے لئے جھکی۔

"اٹھئے چچا جان..... دیکھئے یہ لوگ کیا کہیں گے۔"

"نائیں اٹھیں گے..... ہم کو دھکیل دیا..... آں....." پرویز روتا ہوا بولا۔

اس کی یہ حالت دیکھ کر غزالہ کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ فریدی اور حمید بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

بہ ہزار دشواری غزالہ اسے بہلا پھسلا کر باہر لے گئی۔

"تم نے بہت برا کیا۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"تو کیا اپنی ہڈیاں تڑوا ڈالتا۔" حمید نے کہا اور چائے بنانے لگا۔

"اسی دن..... رات کی بات ہے۔ فریدی، حمید، غزالہ، طارق اور نواب صاحب برآمدے

میں بیٹھے کنوئیں سے چنگاریاں نکلنے کا انتظار کر رہے تھے۔ غزالہ کی آنکھیں فریدی کے چہرے پر لگی ہوئی تھیں۔

"گیارہ تو بج گئے۔" نواب صاحب نے بے چینی سے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"مجرم اب آج تیسری حماقت نہ کرے گا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"تو کیا تمہیں پورا یقین ہے کہ یہ کسی آدمی کی حرکت ہے۔" نواب صاحب نے کہا۔

"سو فیصدی۔" فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ دفعتاً ایک تیز قسم کی سرسراہٹ کی آواز سنائی دی۔

"یہ لو آوازیں شروع ہوئیں۔"

"اوہ.....!" فریدی کے منہ سے بے اختیار نکلا اور وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ساتھ ہی اس نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر نظر ڈالی۔

جانوروں کی آوازوں سے کوٹھی گونج رہی تھی۔ فریدی اٹھ کر اندر چلا گیا۔ وہ متعدد کمروں میں گھوم گھوم کر آوازیں سنتا پھر رہا تھا۔ پھر وہ برآمدے میں لوٹ آیا۔ یہاں بھی ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یہ آوازیں دیوار کے ایک حصے سے نکل رہی ہوں۔ آوازوں کا سارا سلسلہ ختم ہوتے ہی اس نے پھر اپنی گھڑی پر نظر ڈالی۔

"اوہ.....!" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا اور پھر وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

"سیڑھی.....بانس کی سیڑھی۔" وہ دفعتاً چیخا۔

"کیا مطلب.....!" نواب صاحب چونک کر بولے۔

"ایک سیڑھی منگوایئے۔" فریدی نے کہا اور بجھے ہوئے سگار کو سلگا کر بے تابی سے برآمدے میں ٹہلنے لگا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آنکھوں میں عجیب قسم کی پراسرار چمک پیدا ہو گئی تھی۔ حمید اچھی طرح جانتا تھا کہ اس پر ایسی کیفیت ایسے ہی موقعوں پر طاری ہوتی تھی جب اسے یقین ہو جاتا تھا کہ اس کا شکار اس کے پھندے میں آ گیا ہے۔

"خدا خیر کرے کچھ ہونے ہی والا ہے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"کیا.....!" غزالہ جو قریب ہی کھڑی تھی چونک کر بولی۔

"کوئی نئی بات ہونے والی ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"ابھی سمجھ میں آ جائے گا۔"

اتنے میں دو نوکر سیڑھی لے کر آ گئے۔

"اوہ یہ تو بہت چھوٹی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "خیر کچھ پروا نہیں.....ذرا وہ میز ادھر گھسیٹ کر دیوار سے لگا دو اور یہ سیڑھی اس پر رکھ کر دیوار سے ٹکا دو۔"

اس کی ہدایت کے مطابق سیڑھی لگا دی گئی۔

"ایک بات.....!" فریدی نواب صاحب کی طرف مڑ کر بولا۔ "کیا ان آوازوں سے پہلے ہمیشہ اسی قسم کی سرسراہٹ کی آواز سنائی دیتی ہے۔"

"اسی بناء پر تو میں نے یہ کہا تھا کہ اب جانوروں کی آوازیں شروع ہونے والی ہیں۔"

فریدی معنی خیز انداز میں سر ہلاتا ہوا سیڑھی پر چڑھ گیا۔

اوپر پہنچ کر وہ تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر دیوار کو انگلیوں سے کھٹکھٹاتا رہا پھر یک بیک اس کا قہقہہ سن کر لوگ چونک پڑے۔

"کیا بات ہے بھئی۔" نواب صاحب خوفزدہ آواز میں بولے۔

"کوئی خاص بات نہیں.....لیکن دلچسپ ضرور ہے۔"

"کچھ بتاؤ بھی۔"

"کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ دیوار کس چیز کی بنی ہوئی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا بچپنے کا سوال ہے۔" نواب صاحب مُرا سا منہ بناتے ہوئے بولے۔

"ناراض ہونے کی ضرورت نہیں.....یہ سوال بہت ضروری ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ارے بھائی پتھر کی ہے اور کس چیز کی ہوتی۔"

"کیا پوری.....!"

"لاحول ولا قوۃ.....!" نواب صاحب جانے کے لئے مڑے۔

"ذرا ٹھہریئے.....میں ایک ذمہ دار آدمی کی حیثیت سے آپ سے یہ سوالات کر رہا ہوں۔" فریدی نے دیوار کے ایک حصے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"کیا یہاں بھی پتھر ہی ہے۔"

"ہاں بھئی.....!" نواب صاحب نے کہا۔ لیکن اس کے لہجے سے معلوم ہو رہا تھا جیسے انہوں نے طوعاً و کرہاً جواب دیا ہو۔

"ذرا دیکھئے..... یہ پتھر کتنا لچکدار ہے۔" فریدی نے اس حصے کو ہاتھ سے دباتے ہوئے کہا۔

"ارے یہ کیا.....!" نواب صاحب حیرت سے چیخے۔

فریدی ہنسنے لگا۔

"بھئی بتاؤ یہ کیا معاملہ ہے..... مجھے اختلاج ہو رہا ہے۔"

"تو سنئے جناب..... ابھی تک آپ لوگ ایک بہت ہی دلچسپ ریکارڈ سنتے رہے ہیں۔ یہاں اس جگہ لاؤڈ اسپیکر کا ہارن لگا ہوا ہے۔"

"ارے.....!" نواب صاحب اچھل پڑے۔

"اور تعریف کرنی پڑتی ہے اس آرٹسٹ کی جس نے اس جالی کو رنگ و روغن کے ذریعے پتھروں میں ملا دیا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کیا تماشہ ہے..... آخر یہ سب کیا ہے۔" نواب صاحب اپنی پیشانی رگڑتے ہوئے بولے۔

"یہی میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"میں کیا بتاؤں۔"

"تعجب کی بات ہے کہ آپ اس مکان کے مالک ہوتے ہوئے بھی اس کا جواب نہیں دے سکتے۔"

"خدا گواہ ہے کہ میں کچھ نہیں جانتا۔"

"بھلا اس بات پر کیسے یقین آئے گا۔" فریدی نے سیڑھی سے اترتے ہوئے کہا۔ "اندر بھی کئی مقامات پر ایسے ہی ہارن فٹ ہیں۔"

"ہوں گے بھئی..... مگر میں قسم کھا کر.....!"

"کوئی بات نہیں..... میرا کام ختم..... چلو بھئی حمید..... سامان وغیرہ ٹھیک کرو..... اسی وقت چلیں گے۔ ایک بجے والی گاڑی مل ہی جائے گی۔"

"مگر..... مگر.....!" نواب صاحب رک رک کر بولے۔ "کام..... ختم..... کہاں..... ہم لوگوں کی زندگی خطرے میں معلوم ہوتی ہے۔"

"بھلا میں اس کے لئے کیا کر سکتا ہوں..... کم از کم یہ معاملہ میرے بس کا نہیں۔"

"آخر آپ اس طرح کیوں جا رہے ہیں۔" غزالہ آگے بڑھ کر بولی۔ "اتنی کامیابی تو آپ نے حاصل کر لی ہے اور اس کا پتہ لگانا بھی کوئی معمولی بات نہ تھی۔"

"خیر اس کا پتہ تو آپ لوگوں کو بھی تھا۔"

"تم جانے کیسی باتیں کر رہے ہو۔ کیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں۔" نواب صاحب بولے۔

"طارق صاحب بھلا آپ خود فیصلہ کیجئے۔" فریدی نے کہا۔ "اس بات پر کسے یقین آئے گا اس طرح دیواروں میں لاؤڈ سپیکر فٹ کر دینا کوئی گھڑی دو گھڑی کا کام تو ہے نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس میں عرصہ لگا ہوگا..... پھر میں یہ کیسے سمجھ لوں کہ اس گھر کے رہنے والوں کو اس کی اطلاع نہ ہوئی۔ فرض کیجئے کہ یہ حرکت گھر ہی کے کسی آدمی کی ہے تو ایسی حالت میں بھی اس کا علم کسی اور کو بھی ہونا چاہئے تھا..... کیا خیال ہے۔"

"صاحب اس کے متعلق میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" طارق نے جواب دیا۔

"جالی..... لاؤڈ اسپیکر....." نواب صاحب خود بخود بڑبڑائے۔

"شائد آپ کو یقین نہیں آیا۔" فریدی نے پتلون کی جیب سے بڑا سا چاقو نکال کر حمید کو دیتے ہوئے کہا۔

"جاؤ بھئی ذرا چڑھ کر اس معاملے کو صاف ہی کر دو۔"

حمید چاقو لے کر سیڑھی پر چڑھ گیا۔ تھوڑی دیر کی محنت کے بعد اتنی جالی کٹ گئی کہ لاؤڈ اسپیکر کا ہارن صاف دکھائی دینے لگا۔

"ایسے ہی اور بھی بہتیرے لاؤڈ اسپیکر یہاں کی دیواروں میں لگے ہوئے ہیں۔" فریدی بولا۔

"میں کیا کروں۔" نواب صاحب بے بسی سے بولے۔ ان کے سارے چہرے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں ابھر آئی تھیں۔

"اس عمارت کے کمروں میں سفیدی کب سے نہیں ہوئی؟" فریدی نے پوچھا۔

"پچھلے سال ہوئی تھی۔" نواب صاحب بولے۔

"تو یہ سب کام اس کے بعد ہی ہوا ہے۔ ورنہ سفیدی کرنے والوں میں ضرور سراسیمگی پھیلتی۔"

"اُف میرے خدا۔" نواب صاحب اپنا چہرہ رومال سے صاف کرتے ہوئے بولے۔ "تو یہ سب کام اس وقت ہوا جب میں اور غزالہ چھ ماہ کے لئے باہر چلے گئے تھے۔"

"اس وقت غالباً لاؤڈ سپیکر کے ہارن فٹ کئے گئے تھے کیونکہ یہ کوئی ایسا مشکل کام نہیں۔ ایک رات میں بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن ان دیواروں میں تار دوڑانے کا انتظام اسی وقت کر لیا گیا ہو جب یہ عمارت زیر تعمیر رہی ہو گی۔"

نواب صاحب حیرت سے فریدی کو دیکھ رہے تھے۔

"یہ عمارت کس کی نگرانی میں تیار ہوئی تھی۔" دفعتاً فریدی نے پوچھا۔

"میرے مرحوم پرائیویٹ سیکریٹری کی نگرانی میں۔" نواب صاحب بولے۔

"میں اس زمانہ میں مستقل طور پر لکھنؤ میں مقیم تھا۔"

"تو یہ وجہ ہے ان حضرت کی موت کی۔" فریدی بے تحاشہ بولا۔

"کیا مطلب.....!"

"یقیناً وہ حضرت اس نامعلوم آدمی سے ملے ہوئے تھے، جو آپ کو تنگ کر رہا ہے اور آخر اس نے انہیں بھی اپنے راستے سے ہٹا دیا۔"

"آخر وہ کون ہو سکتا ہے۔" نواب صاحب بے اختیار بولے۔

"آپ کا کوئی دشمن۔"

نواب صاحب سوچ میں پڑ گئے۔

"مگر میرا کوئی دشمن اتنا ذہین نہیں۔" نواب صاحب نے جواب دیا۔

"خیر بھئی..... حمید چل کر سامان اکٹھا کرو۔" فریدی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

"آپ ہمیں اس حال میں چھوڑ کر ہرگز نہیں جا سکتے۔" غزالہ نے آگے بڑھ کر کہا۔

"لیکن میں کر ہی کیا سکتا ہوں۔"

"یہ سب کچھ میں نہیں جانتی..... آپ کو ٹھہرنا پڑے گا۔"

"اور اب تو آپ اس کا پتہ ہی لگا سکتے ہیں کہ اس ہارن کا سلسلہ کہاں سے شروع ہوتا ہے۔" طارق بولا۔

"ہاں کوئی ایسی مشکل بات نہیں..... صرف پوری عمارت کھدوانا پڑے گی۔" فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"وہ کچھ بھی سہی..... لیکن آپ یہاں سے جا نہیں سکتے۔" غزالہ بولی۔

"چلئے اب چل کر آرام کیجئے۔"

حملہ

رات حد درجہ تاریک تھی۔ آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ گرج اور چمک کہہ رہی تھی کہ بس بارش ہوا ہی چاہتی ہے۔ فریدی نے اپنا پلنگ برآمدے میں نکلوا لیا تھا۔ اس وقت خنکی بڑھ جانے کی وجہ سے اس نے چادر اوڑھ لی تھی۔ سوتے وقت اس نے برآمدے کی بجلی بجھوا دی تھی۔ ساری کوٹھی پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ دفعتاً ایک طرف ایک تاریک سایہ متحرک نظر آیا۔ وہ آہستہ آہستہ فریدی کے پلنگ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ پلنگ کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اس کا ایک ہاتھ بلند ہوا اور بڑا سا خنجر سونے والے کے جسم میں پیوست ہو گیا۔ ساتھ ہی کسی طرف سے ایک دوسرا سایہ جھپٹ کر پہلے سائے پر آرہا۔ دونوں گتھ گئے۔ اس کشمکش اور جدوجہد میں دونوں کے منہ سے ہلکی ہلکی چیخیں نکل جاتی تھیں۔ دفعتاً ایک سایہ دوسرے کی گرفت سے نکل کر بھاگا۔ دوسرا سایہ اس کا پیچھا کرنے لگا اور پھیلی ہوئی تاریکی نے دونوں کو اپنے دامن میں چھپا لیا۔

شور و غل سن کر لوگ جاگ اٹھے۔ کمروں اور برآمدوں کے بلب روشن ہونے لگے۔ حمید بھی جاگ اٹھا تھا۔ وہ بھاگ کر فریدی کے کمرے کی طرف آیا۔ اسے معلوم تھا کہ فریدی برآمدے ہی میں سویا ہے۔ جیسے ہی اس نے ٹارچ جلائی اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ فریدی نے ماتھے تک چادر اوڑھ رکھی تھی اور اس کے سیاہ بال تکیے پر بکھرے ہوئے تھے اور سینے پر ایک خنجر جس کا صرف دستہ نظر آرہا تھا۔ حمید بے تحاشہ چیخنے لگا۔

"دوڑو..... دوڑو..... قتل قتل.....!"

نیند سے چونکے ہوئے لوگ، جو معاملے کی نوعیت کو اچھی طرح سمجھ نہ پائے تھے بے تحاشہ اس برآمدے کی طرف دوڑے۔ ان میں سے ایک نے برآمدے کا بلب روشن کر دیا۔

"کیا ہوا.....!" غزالہ آگے بڑھ کر بولی۔ "ارے یہ کیا۔"

"فریدی صاحب۔"

"اُف میرے خدا..... یہ کیا ہوا..... ابا جان..... ابا جان۔"

"اوہ شاید سو رہے ہیں۔" کسی نے کہا۔

"جاؤ..... جا کر جگا دو.....!"

"اُف میرے خدا.... میں نے انہیں کیوں روک لیا تھا۔" غزالہ سسکیاں لے کر رونے لگی۔ اس دوران میں بارش بھی ہونے لگی تھی اور اتنی تیز ہو رہی تھی کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔

دفعتاً کسی نے قہقہہ لگایا۔ سب لوگ چونک پڑے۔ فریدی پانی میں شرابور لڑکھڑاتا ہوا برآمدے میں داخل ہوا۔

"ارے آپ.....!" سب کی زبان سے بیک وقت نکلا۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔" غزالہ بے اختیار بول اٹھی۔ اس کی آنکھوں سے ابھی تک آنسو ابل پڑ رہے تھے۔

"ارے آپ کیوں رو رہی ہیں۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"پہلے یہ بتائیے کہ یہ کون ہے۔" حمید نے لاش کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"چادر الٹ کر دیکھو۔"

"جیسے ہی حمید نے چادر الٹی اس کے منہ سے حیرت کی چیخ نکل گئی۔

چادر کے نیچے تین چار تکیے رکھے ہوئے تھے اور سرہانے کے تکیے پر دفتی کا بنا ہوا ایک سر رکھا ہوا تھا۔ جس پر سیاہ رنگ کے بڑے بڑے بال چپکے ہوئے تھے۔

"مجھے پہلے ہی سے معلوم تھا کہ آج رات کو مجھ پر ضرور حملہ ہوگا۔ اسی لئے میں یہاں سے چلا جانا چاہتا تھا۔ لیکن غزالہ خانم کی ضد کے آگے ایک نہ چلی اور مجبوراً مجھے یہ انتظام کرنا پڑا۔"

"مجھے شرمندگی ہے۔" غزالہ نے کہا۔

"اس کی قطعی ضرورت نہیں۔ اگر میں آج چلا گیا ہوتا تو مجھے زندگی بھر افسوس رہتا۔"

"حضور بڑے سرکار کمرے میں نہیں ہیں۔" اس نوکر نے لوٹ کر کہا، جو نواب صاحب کو بلانے کے لئے گیا تھا۔

"کیا کہا کمرے میں نہیں۔" غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔

"کون.....؟" فریدی نے پوچھا۔

"ابا جان.....!" غزالہ پریشان لہجے میں بولی۔

"اوہ.....!" فریدی تیزی سے نواب صاحب کے کمرے کی طرف روانہ ہو گیا۔ بقیہ لوگ بھی اس کے پیچھے تھے۔

نواب صاحب کا کمرہ خالی تھا۔ بستر بچھا ہوا تھا۔ بستر کی شکنیں کہہ رہی تھیں کہ کوئی اس پر سویا ضرور ہے کوٹھی کا کونہ کونہ چھان ڈالا گیا۔ نواب صاحب کا کہیں پتہ نہ تھا۔ غزالہ بُری طرح پریشان تھی۔ فریدی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ طارق آہستہ آہستہ حمید سے باتیں کر رہا تھا۔

"تو آخر اس میں پریشانی کی کون سی بات ہے۔ آپ لوگ جا کر آرام کیجئے۔" فریدی نے کہا۔ "نواب صاحب جہاں گئے ہوں گے واپس آ جائیں گے۔"

"آخر اس وقت کہاں گئے۔" غزالہ بے چینی سے بولی۔

"ممکن ہے روزانہ اس وقت وہ کہیں جاتے ہوں۔ آپ ان کے پیچھے پیچھے تو گھومتی نہیں ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"ارے یہ آپ کے ماتھے سے خون کیسا نکل رہا ہے۔" غزالہ فریدی کی طرف دیکھ کر بولی۔

"بھاگ دوڑ میں کہیں چوٹ لگ گئی ہوگی۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ وہ کم بخت بچ کر نکل گیا۔"

اور وہ کنواں

دوسرے دن صبح نواب صاحب کی کوٹھی میں کہرام مچا ہوا تھا۔ نواب صاحب ابھی تک نہیں لوٹے تھے۔ سب سے زیادہ غزالہ پریشان تھی اور سب زیادہ خاموش فریدی تھا۔ گہرے تفکر کی وجہ سے اس کی پیشانی پر سلوٹیں ابھری ہوئی تھیں۔

"جناب من.....!" طارق نے اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "رات سے میرا نیولا غائب ہے۔"

"ارے جناب یہاں آدمی غائب ہوئے جا رہے ہیں اور آپ کو نیولے ہی کی پڑی ہے۔"

"آپ غلط سمجھے مسٹر فریدی۔" طارق بولا۔ "نواب کی وجہ سے مجھے خود بھی پریشانی ہے..... مگر وہ نیولا۔"

"بہت قیمتی تھا۔" فریدی نے اس کا جملہ پورا کر دیا۔

"جی ہاں.....!"

"ارے صاحب جانور ہے..... کہیں بھاگ واگ گیا ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

"بھاگ تو وہ سکتا ہی نہیں..... ضرور اسے کسی نے پکڑ لیا۔"

"کہئے ہندوستان آپ کو پسند آیا۔" فریدی اچانک پوچھ بیٹھا۔

طارق چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

"جی ہاں..... کیوں نہیں..... مگر میرا نیولا۔"

"چھوڑیئے بھی مل ہی جائے گا..... آپ اس سے قبل بھی کبھی ہندوستان آئے تھے۔"

"جی نہیں..... لیکن نیولا.....!"

"میرے خیال سے نیولا محض اسی لئے غائب کیا گیا ہے کہ کہیں وہ نواب صاحب کو ڈھونڈ نہ نکالے۔" فریدی نے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"مطلب سمجھ کر کیا کیجئے گا..... بہر حال میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کا قیمتی نیولا ڈھونڈنے کی کوشش کروں گا۔"

"شکریہ..... شکریہ....." طارق نے کہا۔ "معاف کیجئے گا میں مخل ہوا..... مگر میں کیا کروں..... میرا نیولا۔"

"آپ اطمینان رکھئے..... جا کر ناشتہ کیجئے..... سب ٹھیک ہو جائے گا۔" فریدی نے کہا۔

طارق چلا گیا۔

دیر بعد غزالہ آ گئی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔" وہ کرسی پر بیٹھتی ہوئی بولی۔

"گھبرائیے نہیں..... سب ٹھیک ہو جائے گا۔" فریدی نے کہا۔ "جب تک کہ یہ معاملہ صاف نہ ہو جائے گا میں یہیں مقیم رہوں گا۔"

"کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔"

"کسی زبان سے نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "آخر آپ اتنی اداس کیوں ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ نواب صاحب جہاں کہیں بھی ہیں بخیریت ہیں۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔"

"انشاءاللہ..... ایسا ہی ہوگا۔" فریدی نے کہا۔ "آپ نے ناشتہ کیا یا نہیں۔"

"ارے..... ایسے میں ناشتے کی کسے سوجھتی ہے۔"

"پھر وہی بات میں کہتا ہوں آخر اس سے فائدہ ہی کیا۔"

"اب میں اپنے دل کو کیا کروں۔"

"سنبھالئے..... آپ پڑھی لکھی اور سمجھدار ہیں۔"

"کوشش تو کرتی ہوں۔"

"اچھا جایئے..... ناشتہ کر ڈالئے۔"

"اور آپ.....!"

"میں ابھی نہیں کروں گا..... ضرورتاً ایسا کہہ رہا ہوں۔"

غزالہ چلی گئی۔

فریدی کا معمول تھا کہ جب اُسے کسی اہم معاملے پر غور و خوض کرنا ہوتا تھا تو وہ عموماً خالی پیٹ ہی رہا کرتا تھا..... اس لئے آج بھی اس نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا تھا..... وہ خود پر حملہ ہونے کے بعد سے اب تک بیٹھا ہوا سوچ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے کمرے سے نکل کر حمید کے کمرے کی طرف گیا۔ حمید شاید ابھی ابھی سو کر اٹھا تھا..... اس کے بال الجھے ہوئے تھے اور آنکھوں کی کوریں سوجی ہوئی تھیں۔

"تم جیسا سونے والا بھی آج تک میری نظروں سے نہیں گذرا۔" فریدی نے کہا۔

"آپ کی نظروں میں ابھی گذرا ہی کیا ہے۔" حمید نے کہا۔ "نواب صاحب ملے یا نہیں۔"

"ابھی تک کچھ پتہ نہیں چل سکا۔"

"تو یقیناً میرا شبہ درست ہے۔" حمید نے کہا۔

"اوہ آپ بھی شبہ کرنے لگے ہیں۔ ذرا مجھ سے بھی فرمائیے شاید آپ ہی صحیح راہ پر ہوں۔"

"نواب رشید الزماں خود ہی مجرم ہیں۔" حمید نے کہا۔

"وہ کیسے.....؟" فریدی ایک آرام کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"یہ میں نہیں جانتا..... میرے پاس اس کا بہت ہی معمولی ثبوت ہے اور وہ یہ کہ نواب رشید الزماں آپ پر حملے کے بعد ہی کیوں غائب ہو گئے۔ آپ نے حملہ کرنے والے سے دو دو ہاتھ بھی کئے تھے۔ ممکن ہے نواب صاحب کو خیال پیدا ہوا ہو کہ کہیں آپ نے حملہ کرنے والے کو پہچان نہ لیا ہو۔"

"بہت اچھے! لیکن یہ تو سوچو کہ آخر ان کی روپوشی کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ حملہ آور بچ کر نکل گیا تھا اور پھر میں اس کا ثبوت کس طرح بہم پہنچاتا کہ اس میں رشید الزماں ہی کا ہاتھ ہے۔"

"ہر شخص اتنا نہیں سوچ سکتا تھا جتنا کہ آپ سوچتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"خیر بہر حال..... ذرا اپنی کرسی قریب لے آؤ۔" فریدی نے کہا۔

"خیریت کوئی خاص بات۔" حمید نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اپنی کرسی فریدی کے قریب کر لی۔

"سنو.....!" فریدی آہستہ سے بولا۔ "آج رات کو میں اس کنوئیں میں اتروں گا۔"

"میں آپ کو ہرگز نہ اترنے دوں گا۔"

"کیوں.....!"

"میں مناسب نہیں سمجھتا۔"

"نہیں بھئی..... اب اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔"

"تو گویا آپ پر حسن کا جادو اس بُری طرح چل گیا ہے۔"

"کیا مطلب.....؟"

"میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ غزالہ دنیا کی حسین ترین لڑکی ہے۔"

"پھر وہی گدھے پن کی باتیں۔"

"یہ کوئی نئی بات نہیں..... میں نے شاید اپنی زندگی میں کبھی گھوڑے پن کی باتیں نہیں کیں۔"

"ہٹاؤ بھی..... یہ فضول باتیں..... تفریح کے لئے پھر بہت وقت ملتا رہے گا۔"

حمید خاموش ہو گیا۔

"میرا خیال ہے کہ رات کو اس کنوئیں کی نگرانی ضرور کی جاتی ہو گی۔"

"نگرانی..... نگرانی کون کرتا ہو گا۔"

"مجرم.....!"

"مجرم تو غائب ہے۔"

"بھئی فی الحال یہی فرض کر لو کہ نواب رشید الزماں مجرم نہیں ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"بہر حال..... ہاں تو آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"تم شام ہی سے باغ پر نظر رکھنا۔"

"بہتر ہے..... لیکن میں کسی طرح یہ مناسب نہیں سمجھتا کہ آپ کنوئیں میں اتریں۔"

"بس دیکھتے رہو..... میرے لئے کسی قسم کا خطرہ نہیں۔"

اسی دن رات کو حمید دوڑا ہوا فریدی کے پاس آیا۔

"آپ کا خیال صحیح تھا۔" وہ ہانپتا ہوا بولا۔ "میں نے ابھی ابھی ایک آدمی کو کنوئیں کی پیچھے والی جھاڑی میں چھپتے ہوئے دیکھا ہے۔"

فریدی پہلے ہی سے تیار بیٹھا تھا۔ اس نے ضروری سامان ساتھ لیا اور حمید کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

پھاٹک کے باہر نکل کر دونوں چہار دیواریوں کے نیچے چلنے لگے۔ ایک جگہ فریدی رک گیا۔

"میرا خیال ہے کہ یہی وہ جگہ ہو سکتی ہے جہاں وہ چھپا ہو گا....." فریدی نے آہستہ سے حمید کے کان میں کہا۔

حمید نے سر ہلایا اور دیکھتے ہی دیکھتے فریدی دیوار پر چڑھ گیا اوپر سے اس نے حمید کو بھی چڑھ آنے کا اشارہ کیا۔

دونوں بہ آہستگی تمام دوسری طرف اترنے لگے۔

"وہ دیکھئے کنوئیں کی جگت کے پاس جھاڑیوں میں۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

فریدی نے سر ہلایا۔ وہاں کوئی چھپا ہوا تھا۔ فریدی اپنے پستول کی نال پکڑ کر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ جھاڑیوں کے قریب پہنچ کر اس کا پستول والا ہاتھ اوپر اٹھا اور ساتھ ہی کسی کے گرنے کی آواز آئی۔

"حمید..... حمید..... جلدی کرو..... رسی۔" فریدی نے کہا۔

وہ ایک قوی ہیکل آدمی کو دبوچے بیٹھا تھا۔ آدمی سر میں چوٹ لگنے کی وجہ سے بیہوش ہو چکا تھا۔ دونوں نے مل کر اسے ایک درخت کے تنے سے جکڑ دیا۔

"تمہارا پستول بھرا ہوا ہے نا.....!" فریدی نے پوچھا۔

حمید نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"دیکھو اسکی اچھی طرح نگرانی کرتے رہنا۔ اگر کوئی بات ہو تو بے دریغ پستول استعمال کرنا۔"

یہ کہہ کر فریدی جھاڑیوں میں گھس گیا۔ چند لمحوں کے بعد جب وہ وہاں سے نکلا تو اس کے ہاتھ میں ایک پنجرہ تھا۔

"یہ کیا.....!" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"طارق کا نیولا.....!"

"ارے.....!"

"اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔"

"تو اسے آپ ہی نے غائب کیا تھا۔"

"ہاں..... اس کنویں میں بکثرت سانپ ہیں۔ لیکن وہ اس نیولے کی بو پاتے ہی اپنے بلوں میں جا چھپیں گے۔"

"اوہ..... سمجھا.....!"

فریدی نے پنجرہ زمین پر رکھ دیا اور ریشم کی ایک مضبوط ڈوری کے سرے میں ایک پتھر باندھ کر اسے کنویں میں پھینک دیا اور ڈور کا دوسرا سرا قریب کے ایک درخت کے تنے سے باندھ کر پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگا۔

"اچھا بھئی..... حمید خدا حافظ..... میں چلا..... بہت ہوشیاری سے رہنا..... اگر کوئی خطرہ درپیش ہو تو بے تکلف گولی چلا دینا..... فریدی نے کہا اور نیولے کا پنجرہ اپنے گرد لپٹی

ہوئی چمڑے کی پٹی میں لٹکا لیا۔ پھر ٹارچ کی روشنی میں دیر تک کنویں کے اندر دیکھتا رہا۔ اچھی طرح اطمینان کر لینے کے بعد اس نے ٹارچ پتلون کی جیب میں ڈالی اور ریشم کی ڈور کے سہارے کنویں میں اترنے لگا۔ ریشم کی ڈور کے سہارے اترنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ تھوڑی دور جا کر ڈور پسینے کی وجہ سے ہاتھ سے پھسلنے لگی۔

کنوئیں میں بلا کی تاریکی تھی۔ اسے اپنے آس پاس سانپوں کی پھپھکاریں سنائی دے رہی تھیں۔

حیرت

فریدی کی کمر سے لٹکے ہوئے پنجرے سے بھی عجیب قسم کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ شاید نیولا سانپوں کی پھپھکاریں سن کر اپنے غصے کا اظہار کر رہا تھا۔ فریدی کے بازو شل ہو گئے تھے۔ ہر بار اسے یہ محسوس ہو رہا تھا جیسے اب رسی اس کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ اس نے ایک چوڑی کگار پر کھڑے ہو کر جیب سے ٹارچ نکالی اور اس کی روشنی میں نیچے کی طرف دیکھنے لگا۔ ابھی اس نے صرف آدھی مسافت طے کی تھی۔ گرمی کی وجہ سے اس کا دم گھٹا جا رہا تھا۔ اس نے منہ اوپر کر کے دو تین گہرے گہرے سانس لئے اور پھر نیچے اترنے لگا۔ بہر حال بہزار دقت وہ کنوئیں کی تہہ تک پہنچا۔ اس کے سارے کپڑے پسینے میں اس طرح ڈوبے ہوئے تھے جیسے وہ کافی دیر تک بارش میں بھیگتا رہا ہو۔ ٹارچ کی روشنی میں وہ کنوئیں کی تہہ کا جائزہ لینے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کی محنت بیکار گئی ہو۔ کنوئیں میں زیادہ دیر تک ٹھہرنا گویا موت کو دعوت دینا تھا۔ سانپوں کی طرف سے تو خیر اس نیولے کی موجودگی کی وجہ سے اسے اطمینان تھا لیکن گرمی خدا کی پناہ..... فریدی کی جگہ اگر کوئی کمزور دل و دماغ کا آدمی ہوتا تو اب تک کبھی کا بیہوش ہو گیا ہوتا۔

تھک ہار کر اس نے اوپر چڑھنے کا ارادہ کیا۔ رسی پکڑ کر جیسے ہی اس نے اپنا پیر اٹھایا دوسرا پیر کنوئیں کی دیوار سے ٹکرا گیا اور ایک عجیب قسم کی آواز پیدا ہوئی۔ فریدی چونک کر پھر نیچے اتر گیا۔ جہاں پیر لگا تھا اس جگہ کو بغور دیکھنے لگا۔ پھر اسے انگلیوں سے آہستہ آہستہ کھٹکھٹایا۔

"اوہ میرے خدا.....!" اس کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

دیوار کا یہ حصہ ٹین کا بنا ہوا تھا۔ لیکن اسے اس طرح بنایا گیا تھا کہ دیکھنے میں اینٹوں کی جڑائی معلوم ہو رہی تھی۔ فریدی نے جیب سے چاقو نکالا۔

تھوڑی دیر میں اس نے ٹین کا وہ ٹکڑا وہاں سے نکال پھینکا۔ ہوا کا ایک فرحت انگیز جھونکا اس کے جسم سے ٹکرایا اور اس کی رگوں میں توانائی دوڑ گئی۔ اس کے سامنے دیوار کا اتنا بڑا حصہ کھل گیا تھا جس سے ایک آدمی بیٹھ کر بآسانی گذر سکتا تھا۔ فریدی ٹارچ کی روشنی میں رینگتا ہوا آگے بڑھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ٹارچ تھی اور دوسرے میں نیولے کا پنجرہ۔ اب وہ ایک اچھے خاصے کمرے میں چل رہا تھا۔ دفعتاً وہ ٹھٹک گیا۔ سامنے ایک عورت اور ایک مرد کھڑے ہوئے تھے۔

فریدی نے بے ساختہ پنجرہ زمین پر پھینک کر ریوالور نکال لیا۔ لیکن وہ دونوں دیوار سے ٹیک لگائے جوں کے توں کھڑے ہوئے تھے۔

"لاحول ولا قوۃ۔" فریدی کے منہ سے آہستہ سے نکلا۔ اس نے قریب جا کر دونوں کو ٹٹولا۔ وہ ربر کے بنے ہوئے تھے۔ فوراً فریدی کو خیال آیا کہ یہ وہی موریتاں ہیں جنہیں پہلے دن نواب صاحب وغیرہ نے لاش سمجھا تھا۔ فریدی آگے بڑھا۔ سامنے ایک دروازہ تھا جس کی درزوں سے روشنی چھن چھن کر اس کمرے میں آ رہی تھی۔ فریدی نے اس کمرے میں داخل ہوتے ہی بارود کی بو محسوس کی تھی۔ دوسرے کمرے میں کسی کے بولنے کی آواز آ رہی تھی۔ فریدی نے کواڑوں کی درز سے آنکھیں لگا دیں۔ دفعتاً وہ چونک پڑا۔ دوسرے کمرے میں ایک آدمی کی لاش پڑی ہوئی تھی جس کے سینے سے تازہ تازہ خون ابل رہا تھا۔ ایک کرسی پر نواب رشید الزماں بیٹھے تھے۔ لیکن وہ رسیوں سے جکڑے ہوئے تھے۔ فریدی نے دروازہ کھولنا چاہا لیکن پھر رک گیا۔ البتہ اس نے محسوس کر لیا کہ دروازہ دوسری طرف سے بند نہیں ہے اور کسی وقت بھی آسانی سے کھولا جا سکتا ہے۔

اچانک ایک آدمی دروازے ہی کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔

یہ پرویز تھا۔ پرویز جو پاگل تھا۔ پرویز جو بچوں کی طرح تتلا تتلا کر بولتا تھا۔ پرویز جو گھٹنوں کے بل چلتا تھا..... وہ پرویز اس وقت سیدھا کھڑا تھا۔ اسکے ہاتھ میں دودھ کی شیشی کے بجائے پستول تھا اور آنکھوں میں معصومیت کے بجائے سفاکی۔ درندگی اور وحشیانہ پن رقص کر رہا تھا۔

"دیکھا آپ نے اس نمک حرام کا انجام.....!" پرویز نے لاش کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "یہ مجھے دھمکی دے رہا تھا کہہ رہا تھا کہ جاسوسوں کو میرے متعلق بتا دے گا..... ہونہہ۔"

فریدی کے سارے جسم میں سنسناہٹ پھیل گئی کیونکہ پرویز اس وقت تتلا کر نہیں بول رہا تھا۔

"ہاں تو بھائی صاحب اب..... آپ بھی مرنے کے لئے تیار ہو جایئے۔" پرویز بولا۔

"میں نے تمہیں ہمیشہ سگے بھائی کی طرح عزیز رکھا ہے۔ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔" نواب صاحب گڑگڑا کر بولے۔

"کچھ بھی ہو..... لیکن میں اسے کسی طرح گوارا نہیں کر سکتا کہ اپنے باپ کے ترکے سے اس لئے محروم کر دیا جاؤں کہ اس نے میری ماں کے ساتھ نکاح نہیں کیا تھا۔"

"کیا میں نے تمہیں کبھی یہ چیز محسوس ہونے دی۔" نواب صاحب بولے۔

"میں ان فضولیات میں نہیں پڑتا..... میں تمہیں قتل کروں گا۔ جاسوسوں کو پہلے ہی سے تم پر شبہ تھا۔ تمہارا غائب ہو جانا اس شبہے کو یقین میں تبدیل کر دے گا۔ تمہاری روپوشی کے بعد تمہاری چیزوں کا میں پورا پورا مالک ہوں گا۔ غزالہ کے علاوہ اور تمہارا ہے ہی کون، جو مجھ سے نمٹنے کے لئے آئے گا..... اور رہ گیا غزالہ کا معاملہ تو میں اسے اسی طرح رکھوں گا جس طرح تمہارے باپ نے میری ماں کو رکھا تھا۔"

"کیا بکتا ہے..... بدنصیب.....!" نواب صاحب گرج کر بولے۔ "وہ تیری بھتیجی ہے۔"

"ہو گی.....!" پرویز نے لاپرواہی سے کہا۔ "میری ماں آوارہ تھی اس لئے تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ میں تمہارے باپ ہی کی اولاد ہوں۔ بہر حال میں حرامی ہوں۔ اس لئے حرامی پن کی حد کر دینا چاہتا ہوں۔"

"چپ رہ مردود.....!" نواب صاحب چیخے اور فریدی نے دروازے کو زور سے دھکا دیا۔ کواڑوں کی جھپٹ میں آ کر پرویز اوندھے منہ گر پڑا۔

فریدی اچھل کر اس پر آ رہا۔ دونوں آپس میں گتھ گئے۔ فریدی محسوس کر رہا تھا کہ اسے ایک فولاد کے بنے ہوئے آدمی سے مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے۔ دونوں کے ہاتھوں میں پستول دبے ہوئے تھے۔ دفعتاً پرویز فریدی کی گرفت سے نکل کر پھرتی سے ایک صوفے کی آڑ میں ہو گیا۔ فریدی اس کا مطلب سمجھتا تھا۔ اس نے جھپٹ کر ایک میز گرائی اور اس کی اوٹ لے لی۔ دونوں طرف سے

گولیاں چلنی شروع ہو گئیں۔ دفعتاً فریدی نے چیخ ماری اور گر پڑا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر پرویز کھڑا ہو گیا۔ وہ آہستہ آہستہ میز کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اچانک ایک فائر ہوا اور پرویز چیخ مار کر گر پڑا۔ فریدی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ پرویز کو تڑپتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ گولی ٹھیک اس کے ماتھے پر لگی تھی۔

"فریدی بیٹا.....!" نواب صاحب چیخے اور بیہوش ہو گئے۔

دوسرے دن شام کو نواب صاحب، غزالہ، طارق، فریدی، حمید اور دو سب انسپکٹر ایک ساتھ چائے پی رہے تھے۔

"ایسی تاریک رات میں اس کنوئیں میں اترنا فریدی ہی کا کام تھا۔" نواب صاحب بولے۔

"مجھ سے دراصل ذرا سی غلطی ہو گئی۔ ورنہ اتنی پریشانی نہ اٹھانی پڑتی۔ کھنڈروں والا راستہ زیادہ سیدھا اور آسان تھا۔ صرف ذرا سا دماغ پر زور ڈالنا پڑتا۔ اب سوچتا ہوں کہ میں نے اپنا زیادہ وقت کھنڈروں پر ہی کیوں نہ صرف کیا۔"

"خیر جو کچھ بھی ہوا اچھا ہی ہوا۔" طارق بولا۔

"مجھے حیرت ہے کہ وہ لوگ مجھے سوتے سے کس طرح اٹھا لے گئے کہ مجھے خبر تک نہ ہوئی۔" نواب صاحب نے کہا۔

"کلوروفارم.....!" فریدی بولا۔

"ان تینوں بدمعاشوں میں سے ایک لاپتہ ہے معلوم نہیں اس کا کیا ہوا۔" حمید بولا۔

"اس کا بھی انتظام ہو جائے گا۔" فریدی۔ "بھلا کون کہہ سکتا تھا پرویز اتنا خطرناک آدمی ہے اور وہ تینوں جو اسے گود میں اٹھائے پھرتے تھے وہ اس کے گرگے ہیں۔"

"خیر اب چھوڑیے.....ان باتوں کو.....!" غزالہ بولی۔ "مجھے الجھن ہو رہی ہے۔"

"اور ہاں طارق صاحب ایک صاحب کو آپ پر بھی شبہ تھا۔" فریدی نے شرارت آمیز

مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

غزالہ اُسے غصے اور پیار بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔

"مجھ پر.....!" طارق نے قہقہہ لگایا۔ "نہ جانے کیوں لوگ عموماً میری طرف سے مشکوک رہا کرتے ہیں۔"

"آپ کے نیولے کی وجہ سے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"اوہ.....اس نے سینکڑوں بار میری جان بچائی ہے۔" طارق نے اپنے نیولے کی پیٹھ پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "اگر یہ نہ ہوتا تو فریدی صاحب کنوئیں کے قریب جانے کی بھی ہمت نہ کر سکتے۔"

"اس میں تو شبہ نہیں۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

وہ آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا اپنے کمرے میں آیا اور کھڑکی کے قریب کھڑے ہو کر باغ میں بکھری ہوئی ہریالی سے آنکھوں کی تھکاوٹ دور کرنے لگا۔

دفعتاً کسی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ مڑا.... غزالہ کی خوبصورت آنکھوں نے اس کی نگاہوں کا استقبال کیا۔ غزالہ کے نرم اور نازک ہونٹوں پر ایک لطیف سا تبسم بکھرا ہوا تھا۔

فولاد کے بنے ہوئے فریدی کے جسم کا ایک ایک حصہ موم کی طرح پگھلنے لگا۔ اس نے بے اختیار غزالہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

"آپ..... آپ اس وقت بہت اچھی لگ رہی ہیں۔" فریدی نے بچوں کی طرح کہا اور غزالہ نے شرما کر سر جھکا لیا۔ اس کے ہونٹوں پر عجیب قسم کی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی جس کا صریحاً یہ مطلب تھا کہ کچھ اور بھی کہو..... مگر..... فریدی..... اس معاملے میں قریب قریب بالکل بدھو تھا۔ اس نے کسی رومانی ناول کا کوئی اچھا سا جملہ یاد کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا۔

"آپ ہمیشہ اچھی لگتی ہیں۔" وہ بدقت تمام بولا۔

اچانک ایک دھماکہ سنائی دیا۔ دونوں چونک پڑے..... دروازے کے قریب حمید گر پڑا تھا۔ اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ جیسے وہ کچھ کہہ رہا ہو۔ دونوں دوڑ کر اس کے قریب آئے۔

فریدی نے سر ہلایا اور غزالہ کو جانے کا اشارہ کر کے خود حمید پر جھک گیا۔ غزالہ دونوں کو

حیرت سے دیکھتی ہوئی چلی گئی۔

"حمید..... حمید.....!" فریدی نے اس کا سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"آپ..... آپ..... ہم..... ہم..... ہمیشہ..... اچھ..... اچھی..... لل..... لگتی ہیں۔" حمید لیٹے لیٹے بڑبڑایا۔ "ارے..... باپ رے..... بھوت..... بھوت.....!"

فریدی نے اسے گریبان سے پکڑ کر کھڑا کر دیا۔

"یہ کیا حرکت.....؟"

"حرکت..... ارے رے..... حرکت..... ہائے..... آپ پر بھی..... آسیب کا سایہ ہو گیا۔"

"کیا بکتے ہو؟"

"ارے باپ رے..... آپ ہمیشہ اچھی لگتی ہیں..... ارے بہت بڑا کافر مسلمان ہو گیا۔ شکر ہے خدا تیرا..... ارے میں خوشی کے مارے بیہوش ہو گیا تھا..... تھوڑا پانی..... نقاہت محسوس ہو رہی ہے۔"

فریدی حمید کی پیٹھ پر ایک گھونسہ جڑ کر کمرے میں چلا گیا۔ اس کے چہرے کے ایک ایک حصے سے مسکراہٹ پھوٹی پڑ رہی تھی۔ جھینپی جھینپی سی مسکراہٹ۔

"میرے سرکار آخر خفگی کس بات کی....." حمید فریدی کے پیچھے آ کر بولا۔ "اب تو مزہ ہی مزہ ہے۔"

فریدی جھلا کر مڑا۔

"عجیب احمق ہو..... اگر اس نے سن لیا تو۔"

"تو ہرج ہی کیا ہے..... محبت میں سب کچھ جائز ہے۔"

"محبت...!" فریدی اسکا گریبان پکڑے ہوئے بولا۔ "کس بات میں دیکھی ہے تم نے محبت۔"

"آپ ہمیشہ اچھی لگتی ہیں۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"تو کیا کسی کے حسن کی تعریف کرنا محبت ہے۔"

"قطعی.....!"

"تو ادھر دیکھو.....!" فریدی نے اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "جسے تم محبت کہتے ہو اس کے لئے اس پتھر میں کوئی گنجائش نہیں۔"

"کبھی کبھی پتھر بھی اپنی ہی آنچ سے پگھل جاتا ہے....." حمید اکڑ کر بولا۔

"شاباش..... برخوردار..... کس ناول سے رٹا تھا یہ جملہ۔" فریدی اس کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے بولا۔

"خیر ہو گا مجھے کیا۔" حمید نے کہا۔ "آپ نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ کنویں سے آگ کس طرح نکلتی تھی۔"

"تم بھی رہے وہی ڈیوٹ کے ڈیوٹ۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ارے میاں آتشبازی تھی۔ کیا تم نے مٹی کے وہ بڑے بڑے انار نہیں دیکھے تھے جو تہہ خانے سے برآمد ہوئے ہیں۔"

"اوہ واقعی اچھا خاصہ بچوں کا کھیل تھا..... مگر خطرناک۔" حمید نے کہا اور سیٹی بجاتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 7

خطرناک بوڑھا

(مکمل ناول)

بے معنی اچھل کود

میٹرو ہوٹل کی عظیم الشان عمارت روشنی میں نہائی ہوئی شہر کے سب سے زیادہ بارونق حصے میں اس طرح کھڑی تھی جیسے کوئی دولت مند اپنی کوٹھی کے پھاٹک پر کھڑا ہو کر اپنے مہمانوں کا بے چینی سے انتظار کرتا ہے تاکہ انہیں جلد سے جلد اپنی شان امارت دکھا سکے۔

فٹ پاتھ پر بے شمار موٹریں کھڑی تھیں۔۔۔۔۔اس ہوٹل میں زیادہ تر دولت مند طبقے کے لوگ آتے ہیں۔ شام ہوتے ہی یہاں کاروں کی قطاریں نظر آنے لگتی ہیں۔

ہوٹل کے اندر کافی بھیڑ تھی، ہال میں قریب قریب ساری میزیں بھر چکی تھیں۔ آج یہاں ایک اسپینی رقاصہ کا ناچ بھی تھا۔ اس لئے معمول سے زیادہ بھیڑ ہو گئی تھی۔ ناچ ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔ اسٹیج پر ریشمی پردہ لہریں لے رہا تھا اور قریب قریب سب کی نگاہیں ادھر ہی لگی ہوئی تھیں۔ دفعتاً ایک خوش پوش اور وجیہہ نوجوان ہال میں داخل ہوا۔ اس نے ادھر اُدھر نظریں دوڑائیں۔ شاید وہ کسی کو ڈھونڈ رہا تھا۔ اسٹیج کے قریب لگی ہوئی ایک میز پر سے ایک لڑکی نے ہاتھ اٹھا کر اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ نوجوان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا اس میز کے قریب پہنچ گیا۔ وہ لڑکی اور اس میز پر بیٹھے ہوئے دو مرد شاید نوجوان کے استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے تھے۔

لڑکی نے اپنے ساتھیوں سے نوجوان کا تعارف کرانا شروع کیا۔

"مسٹر شاہد جن کا ہم لوگ انتظار کر رہے تھے۔" لڑکی مسکراتی ہوئی بولی۔ "اور یہ میرے چچا نصیر..... میرے بھائی ارشد.....!"

نوجوان دونوں سے ہاتھ ملا کر بیٹھ گیا۔

لڑکی نے بیرے کو بلا کر آرڈر دیا اور وہ لوگ گفتگو میں مشغول ہو گئے۔ لڑکی کی شخصیت اتنی دلکش تھی کہ قریب کی میزوں پر بیٹھے ہوئے لوگ اسے بُری طرح گھور رہے تھے۔ اس نے بہت ہی چست قسم کا لباس پہن رکھا تھا جس سے اس کے جسم کی رعنائیاں پھوٹی پڑ رہی تھیں۔

"شاہد صاحب مجھے رقیہ سے معلوم ہوا ہے کہ آپ سیام کے قدیم باشندوں کے طرز معاشرت پر تحقیق کر رہے ہیں۔" لڑکی کا چچا نصیر بولا۔

"جی ہاں کوشش کر رہا ہوں۔" شاہد نے جواب دیا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ مجھے بھی ایسے موضوعات سے خاصی دلچسپی ہے۔ خاص طور پر سیامی اور چینی لٹریچر کا بہت زیادہ دلدادہ ہوں۔"

"اوہ تب تو آپ سے مجھے بہت مدد ملے گی۔" شاہد مسرت آمیز لہجے میں بولا۔

"میں نے خصوصاً آپ سے اسی لئے ملنا چاہا تھا کہ مجھے اپنے ہم مذاق لوگوں کی تلاش رہتی ہے۔ آپکو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ میں نے محض پڑھنے کی خاطر اس ہوٹل میں ایک کمرہ لے رکھا ہے۔"

"بہت خوب.....!" شاہد اسے تعریفی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"واقعی سیام ایک بہت ہی پراسرار ملک ہے۔" نصیر چائے کا گھونٹ لے کر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اور وہاں کی قدیم تاریخ اتنی مشکوک ہے کہ کسی خاص راستے کا تعین کر کے چھان بین سے کوئی خاص نتیجہ اخذ کرنا بہت ہی مشکل کام ہے۔"

شاہد کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔

"بخدا آج آپ پہلے آدمی ملے ہیں جس نے سیامی تاریخ کے متعلق اتنی سچی بات کہی ہے۔"

نصیر مسکرانے لگا۔ اس مسکراہٹ میں احساس برتری، آسودگی بے پرواہی سبھی کچھ شامل تھا۔

"میں اپنی انتہائی خوش نصیبی سمجھوں گا اگر اس سلسلے میں میری رہنمائی کریں۔" شاہد دوبارہ بولا۔

"شوق سے۔" نصیر نے کہا۔ "میں ہر وقت حاضر ہوں..... میں نے اپنی زندگی کا کافی

حصہ چین اور سیام میں گذارا ہے۔"

"تب تو آپ میری سچی رہنمائی کر سکیں گے۔"

نصیر کچھ سوچنے لگا۔

"سیام کے جنگل بھی بڑے عجیب ہیں۔" نصیر بولا۔

شاہد توجہ کے ساتھ سننے لگا۔ لیکن نصیر پھر کچھ سوچنے لگا۔

اتنے میں اسپینی رقاصہ کا ناچ شروع ہو گیا۔

نصیر نے بُرا سا منہ بنایا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ کو بھی ان لغویات سے دلچسپی نہ ہوگی۔" نصیر بولا۔

"جی نہیں.....!" شاہد نے جواب دیا۔

"تو آیئے چل کر کمرے میں گفتگو کریں گے۔" نصیر نے اٹھتے ہوئے کہا۔

اُسی کے ساتھ رقیہ کا بھائی بھی اٹھا..... شاہد بھی اٹھ گیا۔

"آپ لوگ جایئے میں تو ناچ دیکھوں گی۔" رقیہ بولی۔

شاہد ہنسنے لگا۔

"دنیا کی ساری عورتیں کھیل تماشوں کی دلدادہ ہوتی ہیں۔" نصیر فلسفیانہ انداز میں بولا۔

"تینوں زینے طے کرتے ہوئے تیسری منزل پر پہنچے۔ اس وقت قریب قریب سارے کمرے مقفل تھے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ اسپینی ایکٹریس کا رقص تھی۔

یہ لوگ تیسری منزل کے ایک کمرے میں جا کر بیٹھ گئے۔ یہاں ایک بڑی میز تھی جس پر بہت سی کتابیں بے ترتیبی سے پھیلی ہوئی تھیں اور ایک طرف لمبا پلنگ بھی پڑا ہوا تھا۔ میز کے گرد دو تین کرسیاں تھیں۔

"شاید رقیہ سے آپ کی ملاقات کو زیادہ عرصہ نہیں گذرا.....!" نصیر نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں.....!" شاہد نے جواب دیا۔

"لیکن وہ آپ کا تذکرہ اس انداز میں کرتی ہے، جیسے آپ دونوں برسوں کے ساتھی ہوں۔"

شاہد نے شرمیلے انداز میں سر جھکا لیا۔

"شرمانے کی ضرورت نہیں، میں محبت کو بُرا نہیں سمجھتا۔ فلسفے نے مجھے بہت زبردست روشنی بخشی ہے۔ میں انسانیت کو خون کے رشتوں سے بالاتر سمجھتا ہوں۔ ارشد میرا بھتیجا ہے لیکن ہم دونوں اکثر ایک ساتھ بیٹھ کر شراب پیتے ہیں۔ اگر آپ بھی پیتے ہوں تو مجھے آپ سے بھی تکلف نہیں۔"

"میں عادی نہیں ہوں۔" شاہد بولا۔ "اکثر تفریحاً پی لیتا ہوں۔"

"خیر بھئی ارشد ذرا گلاس وغیرہ نکال لینا....." نصیر نے کہا۔

ارشد نے الماری سے تین گلاس نکال کر میز پر رکھ دیئے اور بوتل نکال لایا۔

"اوہ اس میں تو بہت تھوڑی سی رہ گئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ شاید ایک ہی آدمی کیلئے کافی ہو۔" نصیر بولا۔ "شاہد صاحب یہ بہترین قسم کی پرتگالی شراب ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ زیادہ نہیں۔"

نصیر نے ساری شراب شاہد کے آگے رکھے ہوئے گلاس میں انڈیل دی۔

"ہم لوگ فی الحال وہسکی ہی پر قناعت کرلیں گے۔" ارشد بولا۔

"جی نہیں..... لیجئے..... لیجئے۔" شاہد نے گلاس آگے بڑھادیا۔

"یہاں تکلف کی ضرورت نہیں۔" نصیر نے گلاس پھر شاہد کی طرف کھسکادیا۔

ارشد نے الماری سے وہائٹ ہارس کی بوتل نکالی اور خالی گلاسوں میں تھوڑی تھوڑی ڈال کر سوڈا ملانے لگا۔ تینوں نے گلاس ہاتھوں میں لے کر ایک دوسرے سے ٹکرائے اور ہلکی ہلکی چسکیاں لے کر انہیں پھر میز پر رکھ دیا۔

"بات یہ ہے شاہد صاحب۔" نصیر بولا۔ "مجھے ایک زمانے میں سیامی ناچوں سے بڑی دلچسپی رہی ہے۔"

"اچھا.....!" شاہد عجیبانہ انداز میں بولا۔

"ہاں..... اور اس سلسلے میں اچھی خاصی ریسرچ کرڈالی تھی۔"

"خوب.....!" شاہد پر آہستہ آہستہ پرتگال کی سالہا سال پرانی شراب کا اثر ہوتا جارہا تھا۔

"سگریٹ.....!" نصیر نے شاہد کی طرف سگریٹ کیس بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میں سیام کے سارے ناچ بہت اچھی طرح ناچ سکتا ہوں۔"

"میں نے ایک فلم میں سیام کے ناچ دیکھے تھے۔" شاہد بولا۔

"کہئے آپ کو شراب پسند آئی۔" ارشد نے کہا۔

"بہت..... خدا کی قسم میں نے اتنی نفیس شراب پہلے کبھی نہیں پی۔"

شاہد جھومتا ہوا بولا۔ اس نے سگریٹ کیس سے ایک سگریٹ لے کر سلگایا اور گہرے گہرے کش لینے لگا۔

تینوں نے گلاس خالی کردیئے۔ شاہد کا سر بھاری ہوا جارہا تھا۔ اسے ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے وہ اس کا سر نہیں بلکہ ایک بوجھ ہے جو بے ڈھنگے پن کے ساتھ اس کے کاندھے پر رکھ دیا گیا ہو اور ذرا سی جنبش میں اس کا لڑھک جانا یقینی ہے۔ اس نے اپنا سر میز پر اوندھا لیا۔

"شاہد صاحب.....!" نصیر نے اس کا سر اٹھاتے ہوئے کہا۔ "دیکھئے میں آپ کو سیام کا ایک بہاریہ رقص دکھانے جارہا ہوں۔"

"دکھا..... یئے.....!" شاہد رک رک کر بولا۔

اچانک نصیر نے اٹھ کر ایک بے ہنگم قسم کی اچھل کود شروع کردی۔ ساتھ ہی ساتھ وہ کسی غیر ملکی زبان کے الفاظ بھی دہراتا جارہا تھا۔ اس نے ارشد کو اشارہ کیا وہ بھی اس کے ساتھ اچھلنے کودنے لگا۔

"آپ بھی ناچئے شاہد صاحب..... یہ سیام کا بہت ہی متبرک ناچ ہے۔" نصیر نے بدستور اچھلتے کودتے ہوئے کہا۔

شاہد لڑکھڑاتا ہوا اٹھا اور وہ بھی انہیں کی طرح اچھلنے کی کوشش کرنے لگا۔ تینوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑے اور ایک دائرے کی شکل میں اچھل اچھل کر ناچنے لگے۔ شاہد کے قدم سست تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ تھک کر گر پڑا۔ اس کے منہ سے جھاگ بہہ رہا تھا۔

"ارے بس اتنے ہی میں بول گئے۔" ارشد ہنستا ہوا بولا۔ "بڑے نامرد ہو۔"

"میں..... نامرد..... تم خود نامرد۔" شاہد اٹھتا ہوا بولا۔

وہ تینوں پھر ناچنے لگے۔ تھوڑی دیر تک اس اچھل کود کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر دفعتاً شاہد کو ایک بڑی سی قے ہوئی اور وہ وہیں فرش پر ڈھیر ہوگیا۔

"ختم ہوگیا۔" نصیر نے ارشد سے کہا۔ دونوں کرسیوں پر بیٹھ کر ہانپنے لگے۔

"تم لوگ نیچے چلے جاؤ۔" برابر کے کمرے سے ایک بھاری بھرکم آواز آئی۔

دونوں اٹھ کر کھڑے ہوگئے اور اس دروازے کی طرف منہ کر کے قدرے جھکے جو دوسرے کمرے میں کھلتا تھا۔

دونوں اس طرح جھکے کھڑے تھے جیسے وہ کسی کی پیشوائی کر رہے ہوں۔

"اسپینی رقاصہ سے ملنا جو کچھ وہ دے اُسے نمبر سات کو دینا..... بس جاؤ۔" وہی آواز پھر سنائی دی۔ دونوں کمرے سے باہر نکل گئے۔

دوسرے کمرے کا دروازہ کھلا..... اور ایک اور قد آور آدمی جس نے اپنا چہرہ ایک سیاہ رنگ کے نقاب میں چھپا رکھا تھا کمرے میں داخل ہوا۔

اس نے شاہد کے جسم کو دو تین بار ہلایا۔ وہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ ٹہلتا رہا۔ پھر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ چند لمحوں بعد وہ ایک رسی لئے ہوئے آیا اور شاہد کے ہاتھ پیر سمیٹ کر باندھے اور اس کی لاش کو ایک ہاتھ میں لٹکا کر اس کمرے میں لئے چلا گیا۔

پھاٹک پر لاش

صبح کا دھندلکا پھیل چکا تھا۔ سردی کی شدت کی وجہ سے لوگ ابھی تک لحافوں میں منہ چھپائے پڑے تھے۔ فریدی کسی کیس کی تیاری کے سلسلہ میں رات بھر جاگتا رہا تھا۔ تقریباً چار بجے اس کی آنکھ لگ گئی۔ ابھی تھوڑی ہی دیر سویا ہوگا کہ حمید نے آکر جگا دیا۔

"یا وحشت.....!" فریدی نے ہڑبڑا کر اٹھتے ہوئے کہا۔ "آخر جنگلی پن کی کوئی حد بھی ہے..... اسی طرح جگاتے ہیں۔"

"اس وقت لکھنوی تکلفات کا موقع نہیں تھا۔" حمید نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "ذرا جلدی کیجئے ایک نئی مصیبت نازل ہوئی ہے۔"

"آخر کچھ کہو بھی تو۔" فریدی نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"پھاٹک پر لاش.....!"

"کیا مطلب.....؟"

"مطلب یہ کہ ہمارے پھاٹک پر ایک لاش پڑی ہوئی ہے۔"

"پھاٹک پر.....!" فریدی نے جلدی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ارے.....!" فریدی برآمدے میں پہنچ کر ٹھٹک گیا۔ پھر تیزی سے چلتا ہوا پھاٹک پر آیا۔ لاش پھاٹک سے ملی ہوئی باہر کی طرف پڑی تھی۔ فریدی نے جلدی سے پھاٹک کو کھولا۔ یہ ایک نوجوان کی لاش تھی۔ اس نے نیلی سرج کا نہایت نفیس قسم کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ فریدی لاش پر جھک گیا۔ اس نے اُسے ہلانا چاہا۔

"معلوم نہیں موت کو کتنی دیر ہوئی، جسم اکڑ گیا ہے۔" فریدی حمید کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ "کوئی زخم نہیں موت کس طرح واقع ہوئی۔ ذرا جلدی سے میرا محدب شیشہ تو لے آؤ۔"

حمید دوڑتا ہوا چلا گیا۔

فریدی بہت انہماک کے ساتھ لاش کا جائزہ لے رہا تھا۔ حمید شیشہ لے کر آگیا۔ تقریباً پندرہ بیس منٹ کے بعد فریدی نے سر اٹھایا۔

"بظاہر کوئی مشکوک بات دکھائی نہیں دیتی۔ یہ کوئی مفلوک الحال آدمی بھی نہیں معلوم ہوتا جس سے یہ خیال پیدا ہو کہ سردی سے اکڑ کر مر گیا۔"

"میرا خیال ہے کہ اُسے کوئی دیدہ دانستہ ڈال گیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"تمہارا خیال صحیح ہے۔" فریدی نے کہا۔ "جاؤ جا کر کوتوالی میں فون کر دو۔"

حمید پھر اندر چلا گیا اور فریدی لاش کے قریب کھڑا رہا۔

ہلکی ہلکی دھوپ نکل آئی تھی اور اب سڑک پر آمد و رفت بھی شروع ہو گئی تھی۔ لوگوں نے بھیڑ لگانی چاہی لیکن فریدی نے انہیں سختی سے منع کر دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد پولیس کی لاری آگئی۔ کوتوال شہر اور دو ایک سب انسپکٹر چند کانسٹیبلوں کے ہمراہ اس پر سے اترے۔

فریدی نے کوتوال سے سب کچھ کہہ سنایا۔

"بڑی حیرت کی بات ہے..... آخر اسے یہاں ڈال جانے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔" کوتوال نے کہا۔

"مجھے یقین کامل ہے کہ یہ یہاں نہیں مرا۔" فریدی نے کہا۔

"یہ تو صاف ظاہر ہے۔" ایک سب انسپکٹر بولا۔

"بڑی مصیبت کا سامنا ہے، آئے دن ایک نہ ایک آفت.....!" کوتوال پریشانی کے لہجے میں بولا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہمارا شہر مجرموں کی زیارت گاہ بن گیا ہے۔"

"میرے خیال سے اب آپ اُسے اٹھوالے جائیے۔ پوسٹ مارٹم کرانے کی کوشش جلدی کیجئے گا۔" فریدی نے کہا۔ "مجھے تو یہ اپنے لئے ایک قسم کا چیلنج معلوم ہوتا ہے۔"

"خدا ہی بہتر جانے.....!" کوتوال نے ناخوشگوار لہجے میں کہا اور لاش اٹھوا کر لاری پر رکھوانے لگا۔

وہاں سے فرصت پاکر فریدی اور حمید اندر آئے۔

"پہلے زندہ فریادی آپ کے پاس آیا کرتے تھے اب مردوں نے بھی راستہ دیکھ لیا۔ خدا خیر کرے۔" حمید نے کہا۔

"مجھے تو یہ معاملہ بہت ٹیڑھا نظر آرہا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"چاہے ٹیڑھا ہو چاہے سیدھا..... بے اطمینانی تو اپنی تقدیر میں لکھ دی گئی ہے۔" حمید بولا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی الجھن میں مبتلا ہے۔

ناشتہ آیا۔ وہ خاموش بیٹھا رہا۔ حمید نے کئی بار اسے مخاطب کرنے کی کوشش کی لیکن وہ متوجہ نہیں ہوا۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے عمل تنویم کے ذریعہ اسے بے حس کر دیا ہو۔ حمید اس کی عادتوں سے بخوبی واقف تھا اس لئے اس نے چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔

تقریباً تین بجے شام کو نوکر نے آکر اطلاع دی کہ انسپکٹر جگدیش آیا ہے۔

فریدی نے اسے فوراً ہی بلوالیا۔ اس سے قبل وہ کئی ملنے والوں کو علالت کا بہانہ کر کے ٹال چکا تھا۔

"کہو جگدیش کیسے آئے۔" فریدی نے اٹھ کر ٹہلتے ہوئے پوچھا۔

"ارے صاحب کیا بتاؤں..... اس لاش کے متعلق تحقیقات میرے ہی سپرد کی گئی ہے۔"

"ہوں.....!"

"پوسٹ مارٹم کے ذریعہ پتہ چلا ہے کہ مرنے والا مرگی کا مریض تھا اور مرگی کے دورے ہی کی حالت میں اچانک اس کے قلب کی حرکت بند ہو گئی۔"

"ہوں.....!"

"تب تو ساری الجھن رفع ہو جاتی ہے۔" حمید بولا۔ "وہ رات میں کسی وقت گذرا..... یکایک یہاں پہنچ کر مرگی کا دورہ پڑا اور گر پڑا اور پھر اسکے قلب کی حرکت بند ہو گئی۔ اللہ اللہ خیر سلا۔"

"شاباش.....!" فریدی طنزیہ انداز میں بولا۔ "میرا دماغ تو اس طرف پہنچا ہی نہیں تھا۔ واقعی تم ایک بڑے کار آمد آدمی ہو۔"

حمید اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہاں تو پھر تفتیش کیسی؟" فریدی جگدیش کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔

"یہی کہ وہ کون تھا..... کہاں رہتا تھا..... نام..... پتہ نشان وغیرہ وغیرہ۔ اس کے پاس سے کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی جس کی بناء پر اس سے کچھ معلوم ہو سکتا۔"

"تو یہ کونسی بڑی بات ہے۔ شام کے اخبار میں اس کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور چھپے گا جسے دیکھ کر اس کا کوئی نہ کوئی وارث، دوست یا جان پہچان والا کوتوالی ضرور پہنچے گا۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں..... دیکھئے..... اگر کوئی پردیسی نہ ہوا تو.....!" جگدیش نے کہا۔

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" فریدی نے آرام کرسی پر نیم دراز ہوتے ہوئے کہا۔ وہ سگار کے ہلکے ہلکے کش لے کر فضاء میں دھوئیں کے لچکیلے لہریئے بکھیر رہا تھا۔

"واقعی یہ مرض بڑا خطرناک ہے۔" جگدیش نے کہا۔

"کون سا مرض.....!" فریدی نے چونک کر کہا۔

"یہی مرگی۔"

"تو کیا تم واقعی اسے مرگی ہی کا کیس سمجھتے ہو۔"

"میں کیا..... ڈاکٹروں کی یہی رائے ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس کے کوٹ میں سے درزی کا لیبل کیوں نوچا گیا ہے۔"

"لیجئے..... جگدیش صاحب الجھ گیا معاملہ۔" حمید نے کہا۔

"واقعی یہ بات قابل غور ہے۔" جگدیش بولا۔

"کیا یہ ممکن نہیں کہ خود مرنے والے نے اسے کسی وجہ سے نکال دیا ہو۔" حمید نے کہا۔

فریدی نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر بجھا ہوا سگار سلگانے لگا..... تھوڑی دیر خاموش رہ کر وہ پھر بولا۔

"پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں کچھ اور بھی ہے۔"

"اور تو کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی۔" جگدیش کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اوہ ٹھیک یاد آیا..... ڈاکٹر کی رائے ہے کہ مرنے سے قبل شاید اسے قے بھی ہوئی تھی۔"

"قے.....!" فریدی چونک کر بولا۔

وہ کچھ بے چین سا نظر آنے لگا۔

"مرگی..... قے..... ہارٹ فیل.....!" وہ بڑبڑاتا ہوا اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

اس کے منہ سے کسی غیر ملکی زبان کے الفاظ نکل رہے تھے، جو کم از کم حمید اور جگدیش کے لئے نئے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ دفعتاً وہ مڑا اور کمرے سے نکل کر لائبریری میں چلا گیا۔

حمید اور جگدیش حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

دونوں کافی دیر تک بیٹھے اسی مسئلہ پر گفتگو کرتے رہے۔ دفعتاً انہیں فریدی کا قہقہہ سنائی دیا۔ دونوں چونک پڑے۔ چند لمحوں بعد فریدی مسکراتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

"کوئی نئی بات۔" حمید نے پوچھا۔

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر آنکھیں بند کر کے آرام کرسی پر لیٹ گیا۔

دوسری لاش

لاش کے متعلق کسی کو کچھ بھی نہ معلوم ہو سکا اور آخر کار وہ سپرد خاک کر دی گئی۔ ڈاکٹروں کی رائے کے آگے بھلا فریدی کی کیا چلتی۔ اس نے بھی یہ ضروری نہ سمجھا کہ حکام کو اپنے شکوک سے آگاہ کرے۔ کیونکہ قریب قریب سب کو اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ اس کی موت معمولی حالات میں واقع ہوئی تھی۔ پولیس والوں نے بھی سوچا کہ چلو ایک جھنجھٹ سے نجات ملی۔ اگر کہیں زہر خورانی یا قتل وغیرہ کا کیس ثابت ہوتا تو خواہ مخواہ مصیبت میں مبتلا ہونا پڑتا۔ لیکن ان کا یہ سکون زیادہ وقفے تک برقرار نہ رہ سکا۔ تیسرے دن پھر ایک لاش فریدی کے پھاٹک پر پائی گئی اور پولیس والوں کو الجھن میں مبتلا ہونا پڑا۔ یہ لاش بھی ایک نوجوان ہی کی تھی۔

"لیجئے جناب..... اس پر بھی مرگی کا دورہ میرے ہی پھاٹک پر پڑا۔" فریدی ڈی ایس پی سے کہہ رہا تھا۔

"واقعی یہ بڑی حیرت کی بات ہے۔" ڈی۔ ایس۔ پی بولا۔

"لیکن یہ ابھی کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اس پر بھی مرگی کا دورہ ہی پڑا۔" ایک سب انسپکٹر نے کہا۔

"نہ گھوڑا دور نہ میدان، اس کے متعلق بھی ڈاکٹروں کی رپورٹ دیکھ لیجئے گا۔ میرا دعویٰ ہے کہ اس کی موت بھی انہیں حالات میں ہوئی ہے، جن میں پہلے ہوئی تھی۔" فریدی نے کہا۔

پولیس والے طنزیہ انداز میں مسکرانے لگے۔

"خیر صاحب دیکھا جائے گا۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

فریدی اور حمید لوٹ آئے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ آپ مجھے بھی چین نہ لینے دیں گے۔" حمید نے میز پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اچھا..... اچھا..... نیچے کرسی پر تشریف رکھئے۔ پتہ نہیں تمہیں کب سلیقہ آئے گا۔" فریدی نے کہا۔

حمید میز سے اتر کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ہاں تو فرمایئے میں آپ کو کیوں چین نہ لینے دوں گا۔" فریدی نے پوچھا۔

"آخر خواہ مخواہ ان لوگوں کو شبہات میں مبتلا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" حمید نے کہا۔

"شبہ کیوں..... یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ان دونوں کی موتیں غیر معمولی حالات میں ہوئی ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"صرف آپ کے نزدیک! ورنہ وہ لوگ تو اسے قتل سمجھنے کے لئے تیار ہی نہیں۔ اب انہیں بھی خواہ مخواہ اس معاملے میں ہوشیار ہونا پڑے گا اور آئی گئی اپنے سر جائے گی۔"

"لیکن میں خود اس کیس میں دلچسپی لے رہا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ کی دلچسپی..... آپ تو ہر معاملے میں کود پڑتے ہیں۔"

"اچھا..... اچھا..... بے کار باتیں نہیں۔" فریدی نے اکتا کر کہا۔

"اچھا صاحب میں اب کچھ نہیں کہوں گا۔ آپ کی قسمت ہی میں در در کی ٹھوکریں لکھی ہوئی ہیں۔"

"اس وقت تو تم کسی شوہر پرست اور چڑچڑی قسم کی بیوی کی طرح باتیں کر رہے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"زبان پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا.....!" حمید نے گنگنا کر کہا۔

"ہونٹ چاٹو..... ہونٹ برخوردار..... احمق کہیں کے۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنایا۔

"غزالہ آپ کے لئے ایک اچھی بیوی ثابت ہو سکے گی۔" حمید نے گفتگو کا موضوع بدلنے کی کوشش کی، لیکن فریدی سنی ان سنی کر کے بولا۔

"ہاں تو دیکھو تم بڑے ہسپتال چلے جاؤ اور جیسے ہی ڈاکٹر کی رپورٹ تیار ہو جائے اس کے متعلق پتہ لگا کر سیدھے آفس چلے آنا۔" حمید ہنسنے لگا۔

"اس میں ہنسی کی کیا بات۔" فریدی اسے گھور کر بولا۔

"کچھ بھی نہیں، بہر حال آپ غزالہ کا تذکرہ میری زبان سے نہیں سننا چاہتے۔"

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

"بخدا بہت حسین ہے۔"

"ہو گی۔"

"میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ.....!"

"لیکن میں آپ کا سچ نہیں سننا چاہتا۔" فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "آپ براہِ کرم ناشتہ کر کے سیدھے ہسپتال چلے جایئے..... میرے پاس فضول باتوں کے لئے وقت نہیں۔"

حمید ناشتہ کر کے ہسپتال چلا گیا اور فریدی لائبریری میں بیٹھ کر ایک کتاب الٹنے پلٹنے لگا۔ تقریباً ایک گھنٹے تک وہ مطالعہ کرتا رہا۔ وہ ایک کے بعد دوسری کتاب اٹھاتا اور پڑھ کر رکھ دیتا۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ایک ہی موضوع پر متعدد کتابیں دیکھ رہا ہو۔ اس کے چہرے پر بے اطمینانی پھیلی ہوئی تھی۔ دفعتاً وہ پڑھتے پڑھتے اچھل پڑا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب قسم کی وحشیانہ چمک پیدا ہو گئی اور چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے ایک سگار سلگایا اور ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔

دس بج رہے تھے، اس نے لائبریری سے ڈرائنگ روم میں جا کر کچھ کھانا کھایا اور آفس چلا گیا۔ وہ بے چینی سے حمید کا انتظار کر رہا تھا۔ تقریباً تین بجے حمید واپس آیا۔

"کہو بھئی کیا خبر لائے۔" فریدی نے بے چینی سے پوچھا۔

"آپ کا خیال قطعی درست ثابت ہوا۔ دوسری لاش کے متعلق بھی حرف بحرف وہی رپورٹ ہے جو پہلی لاش کے متعلق تھی۔" حمید نے کہا۔

"ہوں.....!" فریدی نے آہستہ سے کہا اور سگار ہونٹوں میں دبا کر سامنے رکھے ہوئے فائل پر نگاہیں جما دیں۔

"اس رپورٹ سے پولیس والوں میں کافی ہیجان پھیل گیا ہے۔" حمید نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ معاملہ جلد ہی ہم لوگوں کے ہاتھوں تک پہنچ جائے گا۔"

"ہوں.....!"

فریدی اٹھ کر برآمدے میں چلا گیا۔ ابھی اسے یہاں آئے ہوئے چند ہی منٹ گذرے تھے کہ چپراسی نے آ کر جیکسن صاحب کا سلام دیا۔

فریدی آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا جیکسن کے کمرے کی طرف بڑھا۔ "آیئے..... آیئے..... مسٹر فریدی۔" جیکسن نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فریدی سے کہا۔ فریدی بیٹھ گیا۔

"میں نے سنا ہے کہ آج پھر آپ کے پھاٹک پر کوئی لاش پائی گئی ہے۔"

"جی ہاں اور پوسٹ مارٹم کے بعد ڈاکٹروں نے بالکل وہی رپورٹ دی ہے، جو پہلی لاش کے

متعلق تھی۔"

"ارے.....!" جیکسن چونک کر بولا۔

"جی ہاں.....!"

"بڑی عجیب بات ہے۔" جیکسن کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "دونوں لاشیں آپ ہی کے پھاٹک پر پائی گئیں اور دونوں کے متعلق ایک ہی رپورٹ..... بڑا پیچیدہ معاملہ ہے۔"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ جیکسن تھوڑی دیر ٹھہر کر بولا۔ "کہئے کوئی کلیو۔"

"فی الحال کوئی نہیں..... کوئی ایسی چیز ہی نہیں مل سکی جس کی بناء پر کوئی خاص رائے قائم کی جاتی۔" فریدی بولا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ سول پولیس کے بس کا کیس نہیں۔" جیکسن بولا۔

"دیکھئے..... کیا ہوتا ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"ہوگا کیا..... ہمارے ہی سر مصیبت آئے گی۔" جیکسن نے کہا۔ "لیکن میں نے جمع کا صیغہ غلط استعمال کیا ہے۔ تنہا آپ کے سر مصیبت آنے والی ہے۔"

"اور میں اس قسم کی مصیبتوں کی تلاش میں رہتا ہوں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"واقعی آپ ہی کا کام ہے۔"

فریدی خاموش رہا۔

"اگر آپ کو کوئی ضروری کام ہو۔"

"جی ہاں.....!" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

وہ پھر اپنے کمرے میں آکر بیٹھ گیا۔

"کہئے کیا پولیس نے کاغذات یہاں بھیج دیئے۔" حمید نے فریدی سے پوچھا۔

"ابھی نہیں۔" فریدی نے کہا اور کاغذات الٹنے پلٹنے لگا۔

"اگر واقعی یہ کیس ہمارے سپرد کر دیا گیا تو پریشانی ہوگی۔" حمید بولا۔

"ظاہر ہے۔"

حمید نے فریدی کے مختصر جوابات سے اندازہ لگا لیا کہ وہ اس وقت باتیں نہیں کرنا چاہتا۔ اس لئے وہ وہاں سے ہٹ گیا۔

ایک اجنبی

سول پولیس کے تھک ہار جانے کے بعد یہ معاملہ محکمہ سراغ رسانی کے سپرد کر دیا گیا۔ بیس پیچیدہ تھا اس لئے حکام نے اس کیلئے فریدی کو منتخب کیا۔ اگر کیس کسی دوسرے کو دیا بھی جاتا تو فریدی کوشش کر کے اس کا چارج خود لیتا کیونکہ وہ اسے اپنے لئے ایک قسم کا چیلنج سمجھ رہا تھا۔

فریدی اس کیس کا انچارج بن تو گیا تھا لیکن ابھی تک وہ کسی راستے کا تعین نہیں کر سکا تھا۔ ں بار اسے بالکل اندھیرے میں تیر پھینکنا پڑا تھا۔ ابھی تک کوئی ایسی چیز نہ مل سکی جس کے ہارے وہ مجرم تک پہنچ سکتا۔ اس کی عادت تھی کہ وہ ایسے مواقع پر یونہی بے مقصد شہر کے چکر لگایا کرتا تھا۔ آج بھی وہ دستور کے مطابق شہر کی گلیاں اور سڑکیں ناپ رہا تھا۔ اچانک وہ ایک چھوٹے سے خوبصورت کیفے کے سامنے رک گیا۔ اندر اُسے ایک جانی پہچانی شکل نظر آئی وہ سوچنے لگا کہ اس نے اسے کب اور کہاں دیکھا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک فٹ پاتھ پر کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر کیفے میں داخل ہو گیا۔ وہ شخص جسے دیکھ کر وہ رکا تھا ایک خالی میز پر بیٹھا اخبار دیکھ رہا تھا۔ یہ ایک ادھیڑ عمر کا فیشن ایبل آدمی تھا۔ اس نے کتھئی رنگ کے سرج کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ آنکھوں پر روی طرز کا بھاری بھرکم فریم والا چشمہ تھا اور انگلیوں میں نہایت سبک اور عمدہ قسم کی انگوٹھیاں تھیں۔ سرخ و سپید چہرے پر بھورے رنگ کی گھنی ڈاڑھی اس کی وجاہت میں اضافہ کر رہی تھی۔

"اگر کوئی حرج نہ ہو تو میں یہاں بیٹھ جاؤں۔" فریدی نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔

"جی.....!" اس نے سر اٹھا کر فریدی کو حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ یہاں کی میزیں بالکل خالی ہیں۔"

اس کی آواز سن کر فریدی کے ماتھے کی شکنیں ابھر آئیں، لیکن پھر فوراً ہی چہرے پر مسکراہٹ کی لہریں پھیلتی نظر آئیں۔

"نہیں یار شنکر میں تو یہیں بیٹھوں گا" فریدی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

وہ فریدی کا ہاتھ جھٹک کر کھڑا ہو گیا۔

"گھبراؤ نہیں..... میں تمہیں گرفتار کرنے نہیں آیا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "خاموشی

سے بیٹھ جاؤ، ورنہ اس طرح اچھل کود دوسروں کو مشکوک کر رہی ہے، وہ دیکھو لوگ ہمیں گھورنے لگے۔"

اس آدمی نے حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ اپنا روپ یکسر بدل دیا اب وہ نہایت گرم جوشی کے ساتھ ہاتھ ملا رہا تھا۔ دونوں ہنستے ہوئے بیٹھ گئے۔ فریدی نے بیرے کو بلا کر آرڈر دیا۔

"کہو..... کلکتے سے کب آئے۔" فریدی نے پوچھا۔

"کئی دن ہوئے۔" اجنبی نے جواب دیا۔

"مجھے چائنا بینک کے ڈاکے کا حال معلوم ہے۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن تم مطمئن رہو معمولی قسم کی چوروں یا ڈاکوؤں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔"

اجنبی خاموش بیٹھا سنتا رہا۔

"کیا تم اسی وجہ سے وہاں سے چلے آئے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں..... وہاں کسی میں اتنی ہمت نہیں کہ مجھ پر ہاتھ اٹھا سکے۔" اجنبی جوش میں بولا۔

"آدمی دلیر ہو..... یہ تو میں مانتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

اتنے میں بیرا طلب کی ہوئی چیز لے کر آ گیا۔

"لو بھئی چائے پیو.....!" فریدی نے اس کے کپ میں چائے انڈیلتے ہوئے کہا۔

"شکریہ.....!" اجنبی مسکرا کر بولا۔ "لیکن اس عنایت کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔"

"سنو یار! میں بھی آدمی ہوں..... مجھ پر ہر وقت سراغ رسانی کا بھوت نہیں سوار رہتا اور پھر تم ویسے ہی مجھے جانتے ہی ہو کہ میں کتنا سوشل آدمی ہوں۔"

"بہت اچھی طرح.....!" اجنبی طنزیہ انداز میں بولا۔

"تمہارے لہجے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک تمہاری بدگمانی دور نہیں ہوئی۔" فریدی نے کہا۔

"یہ حقیقت ہے.....!" اجنبی نے کہا اور چائے پینے لگا۔

"پیسٹری.....!" فریدی نے پیسٹری کی پلیٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تم غلط فہمی میں مبتلا ہو۔"

"ہو سکتا ہے۔"

"دیکھو شنکر اس حقیقت سے تمہیں انکار نہ ہونا چاہئے کہ اس وقت تم میرے قبضہ میں ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ باہر کافی تعداد میں پولیس کے جوان موجود ہوں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

اجنبی سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"لیکن ایسی کوئی بات نہیں۔" فریدی ہنسنے لگا۔

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔" اجنبی الجھ کر بولا۔

"کچھ بھی نہیں..... صرف دوستانہ بات چیت..... یہ تو سوچو کہ ہم تقریباً پانچ سال بعد ملے ہیں۔"

"اور جیسے آپ نے یہ پانچ سال کا عرصہ میرے لئے تڑپ تڑپ کر گزارا.....!" اجنبی ہنس کر بولا۔

فریدی بھی ہنسنے لگا۔

"بس تمہاری گفتگو کا یہی انداز مجھے پسند ہے۔" فریدی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"شکریہ۔" اجنبی نے مسکرا کر کہا۔ "میں آپ کی ان چکنی چپڑی باتوں کو اچھی طرح سمجھتا ہوں، لیکن میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ میرا ان لاشوں سے قطعی کوئی تعلق نہیں، جو آپ کے بھائک پر پائی گئی تھیں۔"

"بخدا تم بڑے ذہین ہو..... اچھا تمہارا ان لاشوں کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"وہی جو آپ کا ہے۔"

"یعنی.....!"

"اس معاملے میں کسی بہت ہی گہرے قسم کے بزرگوار کا ہاتھ ہے۔" اجنبی بولا۔

"بہت اچھے۔" فریدی نے اس کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے کہا۔ "وہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ بتاؤ کہ تم یہاں بھیس بدلے ہوئے کیوں گھوم رہے ہو اور یہاں آنے کا مقصد۔"

"آپ جانتے ہی ہیں کہ میں یہاں سے کیوں بھاگا تھا۔ ایسی صورت میں بھیس بدلے بغیر کہاں کیسے آ سکتا تھا۔"

"مگر اس لڑکی کا کیا ہوا جسے تم لے بھاگے تھے۔" فریدی نے کہا۔

"دیکھئے آپ پھر غلط قسم کے سوالات کر رہے ہیں۔" اجنبی جلدی سے بولا۔ "میں اسے

نہیں لے بھاگا تھا بلکہ وہ خود مجھے بھگا لے گئی تھی۔"

"چلو یہی سہی۔" فریدی نے کہا۔ "غالباً وہ تمہارے ہی ساتھ ہو گی۔"

"نہیں.....!" اجنبی نے مسکرا کر کہا۔ "کلکتے سے وہ ایک دوسرے آدمی کو بھگا لے گئی دراصل اس نے وقتی طور پر اپنے بوڑھے اور دولت مند شوہر سے پیچھا چھڑانے کے لئے مجھے آلہ کار بنایا تھا۔"

"بہر حال بیچارے رائے بہادر مفت میں مارے گئے۔"

"ذرا آہستہ بولئے۔" اجنبی نے آہستہ سے کہا۔

"اوہ معاف کرنا۔" فریدی نے کہا۔ "ہاں تم نے اپنے یہاں آنے کی وجہ نہیں بتائی۔"

"کیا کیجئے گا سن کر..... آپ کو ہنسی آئے گی۔"

"اچھا.....!" فریدی نے تعجبانہ لہجے میں کہا۔ "بھلا ہنسی کیوں آئے گی۔"

"بات ہی ایسی ہے۔"

"پھر بھی.....!"

"آپ نے سنا ہو گا کہ آج کل میٹرو میں ایک اسپینی رقاصہ آئی ہوئی ہے۔" اجنبی قدرے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"ہاں سنا تو ہے..... پھر.....!" فریدی اس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"میں کلکتے سے اس کا پیچھا کرتا ہوا آرہا ہوں۔" اجنبی نے کہا۔

"کیا بہت زیادہ مالدار ہے۔" فریدی نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"آپ پھر غلط سمجھے۔" اجنبی جلدی سے بولا۔ "میں دراصل.....!"

"اوہ سمجھا.....!" فریدی ہنس کر بولا۔ "شاید اس پر عاشق ہو گئے ہو۔"

"چلئے یہی سمجھ لیجئے۔" اجنبی بھی ہنسنے لگا۔

تھوڑی دیر کے لئے دونوں خاموش ہو گئے۔ پھر اچانک اجنبی بولا۔

"میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ آخر آپ کا مطلب کیا ہے۔"

"ابھی شاید تمہارا اطمینان نہیں ہوا۔" فریدی نے کہا۔

"بھلا کیسے ہو سکتا ہے..... جب کہ آج کل میرا وارنٹ جاری ہے۔"

"پھر مجھے اس سے کیا۔" فریدی نے کہا۔ "تم جانتے ہو کہ میں معمولی معاملات میں قطعی دلچسپی نہیں لیتا۔"

"میں یہ بھی جانتا ہوں..... لیکن.....!"

"میرا اس طرح پیش آنا مصلحت سے خالی نہیں۔" فریدی نے جملہ پورا کر دیا۔

"جی ہاں.....!" اجنبی نے سر ہلاتے ہوئے جلدی سے کہا۔

"فرض کرو..... میں تم سے کوئی کام لینا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"بسر و چشم..... میں اپنے لئے باعث فخر سمجھوں گا۔ بشرطیکہ اس میں کوئی چال نہ ہو۔" اجنبی نے کہا۔

"خیر جب تمہیں اطمینان نہیں ہوتا تو جانے دو۔" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

"اس کام کی نوعیت.....؟" اجنبی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"یہ ابھی نہیں بتا سکتا۔" فریدی بولا۔ "تو تم بھی وہیں میٹرو میں ٹھہرے ہو گے۔"

"ظاہر ہے.....!" اجنبی مسکرا کر بولا۔

"اچھا تو پھر میں آج شام کو میٹرو آؤں گا..... ذرا میں بھی تو دیکھوں کہ تمہاری پسند کیسی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ضرور ضرور..... میں آپ کا انتظار کروں گا۔ اکیلے ہی آئیے گا۔"

"نہیں..... میرے ساتھ میرا اسسٹنٹ حمید بھی ہو گا۔"

"اچھا تو میں ایک میز پہلے ہی مخصوص کرا لوں گا... کیونکہ آج کل بھیڑ زیادہ رہتی ہے۔"

"بہت اچھا.....!" فریدی نے کہا اور کاؤنٹر پر بل ادا کر کے باہر نکل گیا۔

اجنبی بھی اٹھا اور فٹ پاتھ پر کھڑا ہو کر جاتے ہوئے فریدی کو حیرت سے دیکھنے لگا۔ اچانک فریدی لوٹ پڑا۔

"ایک بات تو بھول ہی گیا۔" فریدی اس کے قریب آکر بولا۔

"فرمائیے۔"

"تمہارا موجودہ نام کیا ہے۔"

"لوگ مجھے پروفیسر جاوید کہتے ہیں۔"

"بہت خوب..... اچھا تو پھر آٹھ بجے ملاقات ہو گی۔"

"ضرور.....!"

فریدی اس سے ہاتھ ملا کر چل پڑا۔

ایک تصویر ایک خط

میٹرو ہوٹل کا وسیع ہال شہر کے فیشن ایبل اور ذی حیثیت طبقہ کے افراد سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ آج اسپینی رقاصہ کا اسپیشل پروگرام تھا۔ کچھ میزیں خالی نظر آ رہی تھیں، لیکن بہتیرے لوگوں کی واپسی ظاہر کر رہی تھی کہ وہ پہلے ہی سے "مخصوص" کرائی جا چکی ہیں۔

فریدی اور حمید بہترین سوٹوں میں ملبوس میٹرو ہوٹل کے ہال میں داخل ہوئے، فریدی کی نگاہیں شنکر کو تلاش کر رہی تھیں۔ دفعتاً ایک جگہ اس کی نظریں رک گئیں۔ شنکر ہاتھ اٹھائے انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا، دونوں جلدی جلدی قدم اٹھاتے ہوئے اس کی میز پر پہنچے۔

"پروفیسر جاوید اور سرجنٹ حمید.....!" فریدی نے شنکر اور حمید کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ دونوں نے ہاتھ ملاتے ہوئے

چند رسمی جملے کہے اور بیٹھ گئے، شنکر نے بیرے کو بلا کر آرڈر دیا۔

حمید کی نگاہیں بار بار اسٹیج کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ اُسے حیرت تھی کہ آخر آج فریدی کو یک بیک تفریح کی کیوں سوجھی اور تفریح بھی کیسی ایک خوبصورت عورت کا ناچ۔ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ پروفیسر جاوید کون ہے کہاں سے آیا ہے اور فریدی کا کس قسم کا دوست ہے۔ کیونکہ اس نے فریدی کی زبان سے اس کا تذکرہ کبھی نہیں سنا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد سارا ہال آرکسٹرا کی آواز سے گونج اٹھا۔ گو کہ موسیقی غیر ملکی تھی لیکن انواع و اقسام کے سازوں کی ہم آہنگی نے ایک ایسی فضا پیدا کر دی تھی جو کم از کم مغربی طرز کے ہندوستانیوں کے لئے نئی نہ تھی۔ اسپینی رقاصہ اپنے ڈھیلے ڈھالے ریشمی لباس میں ہلکورے لیتی

ہوئی اسٹیج پر نمودار ہوئی۔ یہ لوگ جس میز پر تھے وہ اسٹیج سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھی۔ رقاصہ کے دل آویز خدوخال یہاں سے صاف نظر آ رہے تھے۔ فریدی کافی دلچسپی لے رہا تھا۔

"کوسائی کی طرز جدید.....!" وہ زیر لب بڑبڑایا۔

"جی.....!" شنکر چونک پڑا۔

"اسپین کا دہقانی رقص کچھ نئی تبدیلیوں کے ساتھ۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "میں تمہارے انتخاب کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

حمید ان دونوں کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"شکریہ.....!" شنکر بولا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد پردہ گرا دیا گیا..... سارا ہال تالیوں سے گونج رہا تھا۔ اسی شور میں فریدی کو کسی کی آواز سنائی دی، جو بُری طرح چیخ رہا تھا۔

"سرخ..... سرخ..... سب کچھ سرخ..... یہ کیسی سرخی ہے۔"

فریدی چونک پڑا..... ایک آدمی چیختا چلاتا ہوا صدر دروازے کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔

"شاید زیادہ پی گیا ہے۔" کئی میزوں سے آوازیں آئیں۔

فریدی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اسے اب تک "سرخ سرخ" کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔

"حمید جلدی کرو۔" فریدی کہتا ہوا اس آدمی کے پیچھے لپکا۔ اس نے ایک اور شخص کو بھی اس کے پیچھے جاتے ہوئے دیکھا، حمید اور شنکر دونوں اٹھ کر آگے بڑھے۔

باہر نکل کر دوسرے آدمی نے چیخنے والے کو پکڑ لیا اور اسے لے جانے کے لئے کھینچنے لگا۔

"کیا بات ہے.....!" فریدی نے دونوں کے قریب پہنچ کر کہا۔

"آپ سے مطلب.....!" دوسرا آدمی درشت لہجے میں بولا۔

مدہوش آدمی قہقہہ لگا کر بولا۔ "تم بھی سرخ ہو..... میں بھی سرخ ہوں، سب کچھ سرخ ہے۔"

"دیکھو مسٹر سیدھی طرح بات کرو۔" فریدی گرج کر بولا۔

"تم کون ہوتے ہو ہمارے معاملات میں دخل دینے والے۔" اس نے کہا۔

"ابھی بتاتا ہوں۔" یہ کہہ کر فریدی نے گردن پکڑ لی۔

وہ گردن چھڑانے کے لئے جدوجہد کرنے لگا۔ اس سلسلے میں اس نے فریدی کے دو تین مکے بھی رسید کئے لیکن فریدی کی گرفت سے نکل جانا آسان کام نہ تھا۔

"تم دونوں اسے کار میں لے کر فوراً گھر جاؤ..... میں ابھی آتا ہوں۔"

دونوں نے مدہوش آدمی کو زبردستی کار میں بٹھایا اور فریدی کے مکان کی طرف روانہ ہو گئے۔

فریدی اس آدمی کو گردن سے پکڑے ہوئے قریب کے تھانے کی طرف لے چلا۔

سب انسپکٹر اسے اس حال میں دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"رشید اسے بند کر دو..... مجھے جلدی ہے ابھی آتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے گردن پکڑے ہوئے آدمی کو فرش پر دھکیل دیا۔

"کب تک کے لئے۔" رشید نے پوچھا۔

"جب تک میں واپس نہ آؤں۔" فریدی نے دروازے سے نکلتے ہوئے کہا۔

اس نے بہت سے لیموں خریدے اور ایک ٹیکسی کر کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

مدہوش آدمی صوفے پر پڑا گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ حمید اور شنکر اس پر جھکے ہوئے تھے۔

"اسے قے تو نہیں ہوئی۔" فریدی نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں.....!"

حمید نے قے کا نام سن کر چونک پڑا۔

"قے..... کیا مطلب.....!"

"ابھی بتاتا ہوں....." فریدی نے کہا۔ "اس کا منہ چیرو..... جلدی کرو۔"

حمید نے منہ کھولنے کی کوشش کی لیکن اس کے دانت ایک دوسرے پر جم کر رہ گئے۔ بہزار دقت وہ منہ کھولنے میں کامیاب ہوا۔ فریدی نے سارے لیموں کاٹ کاٹ کر اس کے حلق میں نچوڑ دیئے اور ایک کرسی گھسیٹ کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ شنکر اور حمید سمجھ رہے تھے کہ شاید فریدی نے اس کا نشہ کم کرنے کے لئے ایسا کیا ہے۔ وہ دونوں خاموشی سے اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ دفعتاً اس کے منہ اور ناک سے ہرے رنگ کا پانی بہنے لگا۔

"اوہ.....!" فریدی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "میرا خیال صحیح نکلا۔"

"یعنی.....!" حمید جلدی سے بولا۔

"ابھی بتاتا ہوں.....!" فریدی نے کہا اور بے ہوش آدمی کی طرف دیکھنے لگا۔

"مگر سب لاحاصل۔" وہ تھوڑی دیر کے بعد بولا۔ "اس کی جان تو بچ گئی لیکن ہمارے لئے بے سود۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" حمید نے کہا۔

"گھبراتے کیوں ہو..... بتاتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "بس یہ سمجھ لو کہ اگر اتفاق سے یہ ہمارے ہاتھ نہ لگ جاتا تو ہمیں اس کی لاش بھی اپنے پھاٹک پر دیکھنی پڑتی۔"

حمید اور شنکر اپنی اپنی جگہوں پر اچھل پڑے۔

"وہ کیسے.....!" حمید تیزی سے بولا۔

"ٹھہرو.....!" فریدی سکوت کے ساتھ بولا۔

اس نے اٹھ کر اس کی جیبوں کی تلاشی لینی شروع کی۔

چند کاغذات اور کچھ سکے نکال کر اس نے میز پر ڈال دیئے اور ایک ایک کر کے کاغذات کا مطالعہ کرنے لگا۔ دفعتاً وہ چونک پڑا۔

"لو بھئی..... شاید یہ صاحبزادے عشق بھی فرماتے تھے۔" فریدی نے ایک چھوٹی سی تصویر اور ایک کاغذ کا ٹکڑا حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

شنکر بھی دیکھنے کے لئے جھک پڑا۔ دفعتاً اس کے منہ سے متعجبانہ انداز میں ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

"ارے یہ تو..... وہ ہے.....!" شنکر کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"کون.....!" فریدی چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"پروفیسر نصیر کی بھتیجی..... رقیہ.....!"

"پروفیسر نصیر..... کون پروفیسر نصیر.....!"

"وہیں میٹرو میں رہتا ہے..... اس نے محض مطالعہ کرنے کی غرض سے وہاں ایک کمرہ لے رکھا ہے۔"

"اوہ.....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "پروفیسر نصیر..... کیا تمہاری اس سے جان پہچان ہے۔"

"بہت معمولی سی۔" شنکر بولا۔

"کیا لڑکی بھی اس کے ساتھ رہتی ہے۔"

"نہیں.....!"

فریدی نے کاغذ کا ٹکڑا اور تصویر حمید کے ہاتھ سے لے لی۔

"یہ خط ہے.....بہت دلچسپ۔" فریدی نے کہا اور خط پڑھنے لگا۔

"ڈیئر سعید.....!

آج شام کو میٹرو میں ملو، اور ہاں میری وہ تصویر بھی لیتے آنا، جو میں نے تمہیں دی تھی۔ میری ایک سہیلی اسے دیکھنا چاہتی ہے۔ میں اسے دکھا کر تمہیں پھر واپس کر دوں گی۔ چچا جان تمہیں بہت یاد کرتے ہیں۔ فقط"

فریدی خاموش ہو گیا۔

"ایک دلچسپ جال.....!" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "محبت کی پینگیں بڑھانے کے لئے اس نے اسے اپنی تصویر دی اور پھر نہایت خوبصورتی کے ساتھ واپس لینا چاہتی ہے تاکہ اس کے مر جانے کے بعد اس کے یہاں سے کوئی ایسی چیز نہ دستیاب ہو سکے، جس کے ذریعہ مجرموں کا سراغ ملنے کا امکان ہو..... مگر افسوس کہ کسی وجہ سے پلاٹ ناکام رہا۔"

"آخر آپ پہیلیاں کیوں بجھوا رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"ابھی فی الحال وضاحت کے لئے وقت نہیں۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "تم یہیں اس کے پاس ٹھہرو..... نوکروں کو بھی یہیں بلوالو۔ کیونکہ یہ ہوش میں آنے کے بعد بھی ہوش میں نہ رہے گا۔ نہیں سمجھے! اس کا دماغی توازن ٹھیک نہیں ہوگا۔ لیکن خیال رہے کہ یہ نکل کر جانے نہ پائے.....اور تم شنکر.....اوہ.....جاوید میرے ساتھ آؤ۔"

فریدی شنکر کو ساتھ لے کر باہر نکل گیا۔

چند لمحوں بعد فریدی کی کار میٹرو کی طرف جا رہی تھی۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں.....؟" شنکر نے پوچھا۔

"میٹرو.....!"

"کیوں.....؟"

"پروفیسر نصیر اور اس کی بھتیجی۔"

"اوہ.....!"

پھر خاموشی چھا گئی۔ کار شہر کی پر رونق سڑکوں سے گذر رہی تھی۔

"ارے یہ کیا.....؟" دفعتاً شنکر چیخا۔

"کیا.....!"

"شنکر نے میٹرو ہوٹل کے ایک حصے کی طرف اشارہ کیا جہاں سے شعلے نکل رہے تھے۔"

"آگ.....!" فریدی جلدی سے بولا۔ "یہ آگ کیوں۔"

اس نے فٹ پاتھ پر کار کھڑی کر دی۔ لوگ میٹرو سے نکل نکل کر بھاگ رہے تھے۔ باہر کھڑے ہوئے آدمی بُری طرح چیخ رہے تھے۔ پولیس بھی آ گئی تھی۔

فریدی اور شنکر اندر گھسنے لگے۔

"کیا ہے.....کون ہو تم لوگ۔" ایک سب انسپکٹر ان کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

فریدی نے اپنے چہرے پر جھکے ہوئے فلٹ ہیٹ کا گوشہ اٹھا دیا۔

"اوہ آپ.....!" سب انسپکٹر ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔

وہ دونوں تیزی سے اندر گھس گئے۔

"نصیر کا کمرہ.....!" فریدی نے کہا۔

"ادھر.....!" شنکر بولا۔ اور دونوں ایک طرف کے زینوں پر چڑھنے لگے۔

"اوہ.....!" شنکر رک گیا۔

"کیا.....!"

"اسی کے کمرے میں آگ لگی ہے۔"

"پٹرول کی بو.....!" فریدی بولا۔ "آگ دیدہ دانستہ لگائی گئی ہے، مگر کیوں۔"

دونوں نے آگے بڑھنا چاہا لیکن آگ کی لپٹیں اتنی تیز تھیں کہ قدم بڑھانا محال معلوم ہو رہا تھا۔ یہاں اس جگہ بھی کافی مجمع ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد آگ بجھانے والے انجن آ گئے اور کچھ دیر کی جدوجہد کے بعد آگ پر قابو پالیا گیا۔ فریدی اور شنکر آگے بڑھے۔ کمرے کے دروازے اور کھڑکیاں جل کر کوئلہ ہو چکی

تھیں..... اندر کا سارا سامان بھی انگاروں کے ڈھیر میں تبدیل ہو گیا تھا۔

"بے کار بے سود۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "وہ لوگ صاف نکل گئے۔"

"جی.....!" شنکر چونک کر بولا۔

"خیر کوئی پرواہ نہیں، ابھی ایک کڑی ہمارے ہاتھ میں ہے۔" فریدی نے کہا اور زینوں سے نیچے اترنے لگا۔ "آؤ شنکر تھانے چلیں۔"

سب انسپکٹر انہیں دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"کہئے کوئی اور خدمت.....!" وہ فریدی کی طرف دیکھ کر بولا۔

"ذرا اُسے لاؤ.....!" فریدی نے کہا۔

"کسے.....!" سب انسپکٹر متعجبانہ انداز میں بولا۔

"یہی جسے میں تمہارے سپرد کر گیا تھا۔"

سب انسپکٹر ہنسنے لگا۔

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔" فریدی اُسے گھور کر بولا۔

سب انسپکٹر اور زور سے ہنسنے لگا۔

"کیا لغویت ہے۔" فریدی تقریباً چیخ کر بولا۔

سب انسپکٹر خاموش ہو گیا۔ وہ حیرت سے فریدی کو دیکھ رہا تھا۔

"آخر بولتے کیوں نہیں۔" فریدی پھر بولا۔

"میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ آخر میں اسے کیا سمجھوں۔" سب انسپکٹر الجھے ہوئے انداز میں بولا۔

"عجیب آدمی ہو تم..... آخر سیدھی طرح بات کیوں نہیں کرتے۔" فریدی بگڑ کر بولا۔

"جناب والا..... ابھی ابھی آپ خود ہی تو اسے لے گئے ہیں۔" سب انسپکٹر بھی کچھ گرم لہجے میں بولا۔

"میں.....!" فریدی اچھل پڑا۔

"جی ہاں.....!" سب انسپکٹر نے کہا اور ناخوشگوار انداز میں دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

"تب تمہیں دھوکا دیا گیا ہے۔" فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"دھوکا..... کیا مطلب۔" سب انسپکٹر چونکا۔

"میرے بھیس میں کوئی اور اسے اڑا لے گیا۔"

"آپ مذاق کر رہے ہیں۔" سب انسپکٹر گھبرا کر بولا۔

"کیا اُسے لے جانے والا تنہا تھا۔"

"جی ہاں..... مگر..... مگر..... آپ.....!"

"ہاں بھئی یقین کرو کہ تمہیں دھوکا دیا گیا ہے۔"

تھوڑی دیر بعد فریدی اور شنکر بے نیل و مرام گھر کی طرف لوٹ رہے تھے۔

لاشوں کا راز

فریدی اور شنکر گھر پہنچے۔ وہ آدمی بیدار ضرور ہو گیا تھا لیکن اس کی حالت ایسی نہیں تھی کہ اسے ہوش میں کہا جا سکتا۔ اس کے بیدار ہوتے ہی حمید کو بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اگر چند نوکر بھی اس کے ساتھ نہ ہوتے تو وہ اسے کسی طرح نہ روک پاتا کیونکہ اس نے اٹھ اٹھ کر بھاگنا شروع کر دیا تھا۔ آخر تنگ آکر حمید نے نوکروں کی مدد سے اُسے صوفے میں جکڑ دیا تھا۔

جس وقت فریدی اور شنکر گھر میں داخل ہوئے وہ بُری طرح چیخ رہا تھا۔

"میں ناچ سکتا ہوں.....!" وہ وحشیانہ انداز میں قہقہہ لگاتا ہوا بولا۔

"اسپینی رقاصہ کی طرح..... میں نے سیکھ لیا ہے..... چچا نے مجھے سب کچھ سکھا دیا..... ہاہاہا۔"

"تم نے دیکھا.....!" فریدی شنکر کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ "تم کہہ رہے تھے کہ اس سے سب کچھ معلوم ہو جائے گا..... اور میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ ہوش میں آنے کے بعد بھی ہوش میں نہ ہو گا۔"

"آخر یہ سب ہے کیا۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "خواہ مخواہ ایک خبطی آدمی کو پکڑ لائے اور

میرے سر منڈھ دیا۔"

"دھیرج..... دھیرج..... برخوردار.....!" فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ پھر شنکر سے بولا۔ "میٹرو میں آگ لگانے کا مقصد میری سمجھ میں آ گیا۔"

شنکر اس کی طرف استفہامیہ انداز میں دیکھنے لگا۔

"وہ لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ ہم ابھی دوبارہ میٹرو میں واپس آئیں گے کیونکہ وہ اس کی جیب سے تصویر اور خط نہیں نکال پائے تھے۔ انہوں نے تم کو بھی ہمارے ساتھ دیکھا اور یقین کر لیا کہ تم اس تصویر کو دیکھ کر ہم لوگوں کے متعلق ضرور بتاؤ گے۔ یا پھر ممکن ہے کہ انہوں نے تمہیں بھی جاسوس سمجھا ہو۔ ہاں تو انہوں نے میٹرو میں اس لئے آگ لگائی کہ ہمیں اس میں الجھا کر اپنے اس آدمی کو نکال لے جائیں جسے ہم نے تھانے میں بند کروا دیا تھا اور وہ اس میں کامیاب ہو گئے۔

"مگر..... مگر....." شنکر بے صبری سے صوفے میں بندھے ہوئے آدمی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "یہ کون ہے۔"

"ایک مظلوم.....!" فریدی نے جواب دیا۔ "اگر یہ ہمارے ہاتھ اتفاق سے نہ لگ جاتا تو کل اس کی لاش کی پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی ہمیں مرگی اور ہارٹ فیل وغیرہ کی کہانی سناتی۔"

"اوہ..... لیکن آپ نے اس کا اندازہ کیسے لگایا۔" حمید جلدی سے بولا

"اپنی معلومات کی بناء پر۔" فریدی بولا۔ "اچھا بتاؤ یہ ہوٹل میں چیخ چیخ کر کیا کہہ رہا تھا۔"

حمید سوچنے لگا۔ صوفے میں بندھا ہوا آدمی کافی دیر تک چیختے رہنے کے بعد نڈھال ہو کر اونگھنے لگا تھا۔

"میرے خیال میں یہ سرخ سرخ کی رٹ لگائے ہوئے تھا۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"ٹھیک.....!" فریدی بولا۔ "اس زہر کی سب سے بڑی پہچان یہی ہے کہ اس کے شکار کو جب تک وہ زندہ رہتا ہے ہر چیز سرخ دکھائی دیتی ہے۔"

"زہر.....!" حمید تقریباً اچھل کر بولا۔

"ہاں زہر..... اور یہ اپنی قسم کا واحد زہر ہے۔ تم نے دوسرے زہروں کے متعلق سنا ہو گا کہ اگر زہر کھائے ہوئے آدمی کو فوراً قے ہو جائے تو اس کے بچ جانے کے امکانات پیدا ہو جاتے

ہیں، لیکن اس زہر کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ قے ہوتے ہی آدمی مر جاتا ہے اور اگر کسی طرح قے روک دی جائے تو پھر نہیں مرتا۔ لیکن زندگی بے کار ہو جاتی ہے، کیونکہ ایسی صورت میں اس کا پاگل ہو جانا یقینی ہے۔"

"مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے الف لیلیٰ میں ایک کہانی اس قسم کی پڑھی تھی۔" حمید ہنس کر بولا۔

"تم احمق ہو۔" فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔

"میں ابھی آیا.....!" فریدی نے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔ چند لمحوں کے بعد جب وہ لوٹ کر آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی جس کی چمڑے کی کرم خوردہ جلد بتا رہی تھی کہ وہ بہت پرانی ہے۔ فریدی ایک کرسی پر بیٹھ کر بہت احتیاط سے اس کے ورق الٹنے لگا۔

"اس کتاب کا نام ہے..... 'افریقہ کے کچھ راز' یہ دراصل گلبرٹ نامی ایک پادری کی ڈائری ہے جو اٹھارویں صدی میں افریقہ کی سیاحت کر رہا تھا۔" فریدی نے کتاب کے کچھ مخصوص صفحات پر روشنائی سے نشانات لگائے ہوئے تھے کھولتے ہوئے کہا۔

شنکر اور حمید خاموشی سے سن رہے تھے۔

فریدی نے پڑھنا شروع کر دیا۔

"وہ جس نے مریم کے جسد میں اپنی روح پھونک دی، وہ جس نے اپنے بیٹے کو ظالموں سے رہائی دلا کر اپنے پاس آسمان پر بلا لیا۔ وہ جو حشر کے دن ہماری پیشانیوں پر اپنے بیٹے کی غلامی کا داغ دیکھے گا..... اس کی عظمت..... اور اس کی بزرگی کا احساس افریقہ کے پُر اسرار جنگلوں میں ہوتا ہے..... ہم دشوار گذار راستے طے کر کے ایسی جگہ پہنچے ہیں جہاں زولو قوم بستی ہے۔ ہمارے پاس کوساسی کی نشانی تھی۔ کوساسی..... موبوٹو قبیلے کا سردار ہے۔ میں نے اسے کالے بخار سے نجات دلائی تھی۔ اس نے خوش ہو کر مجھے اپنی نشانی دی تھی اور نشانی کا احترام کرنے والے مجھے اس علاقے میں ہر جگہ نظر آئے، ان لوگوں کا خیال ہے کہ کوساسی ان کے سب سے بڑے دیوتا سرخ بندر کی اولاد ہے۔ وہ اس سے اس طرح خوف کھاتے ہیں جیسے اپنے دیوتا سے۔ ہم لوگ زولو قوم کے افراد میں اس وقت پہنچے جب وہ اپنا سب سے بڑا تہوار منانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

ہمیں بھی اس میں شرکت کرنے کی دعوت دی گئی، ہم اس جگہ پہنچے جہاں تہوار منایا جانے والا تھا۔ یہاں ایک بہت بڑا بت رکھا ہوا تھا جس کے پیروں کے پاس تقریباً پندرہ گز کے رقبے میں آگ روشن تھی۔

بہت سے نیم عریاں مرد اور عورتیں دائرہ بنا کر اس کے گرد اچھل کود رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد قوم کا سردار ایک تخت پر نمودار ہوا۔ جسے کچھ لوگ اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے تھے۔ سردار کے سامنے تخت پر ایک آدمی رسیوں سے جکڑا ہوا پڑا تھا۔ یہ اس قوم کا نہیں معلوم ہوتا تھا۔ غالباً یہ کوئی قیدی تھا۔ آگ کے گرد خاموشی سے اچھلنے کودنے والوں میں سے ایک نے بلند آواز میں کچھ کہا اور وہ لوگ چیخ چیخ کر گانے لگے۔ بقیہ لوگ سجدوں میں گر گئے۔ ڈھول بُری طرح پیٹے جا رہے تھے۔ ناچنے والوں میں وحشیانہ پن آچلا تھا۔ دفعتاً سردار نے اپنے سامنے رکھا ہوا ایک سینگ اٹھا کر ہونٹوں میں دبایا اور اُسے پوری طاقت کے ساتھ پھونکنے لگا۔ اس سینگ سے نکلنے والی آواز کسی بدروح کی آواز سے مشابہ تھی۔ یہ آواز سنتے ہی سناٹا چھا گیا۔ سجدوں میں پڑے ہوئے لوگ اٹھ کر دوزانو ہو گئے۔ آگ کے گرد ناچنے والے دائرے بنا کر کھڑے ہو گئے۔ ناچنے والوں میں ایک آدمی جو شاید پروہت تھا آگے بڑھا اور اس نے بت کے قدموں کے پاس سے ایک کلہاڑی اٹھائی اور اسے بوسہ دیا اور دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر سردار کے سامنے لایا۔ سردار تخت سے اترا اور پروہت کے سامنے ایک گھٹنا ٹیک کر کلہاڑی کو بوسہ دینے لگا اور پھر وہ کلہاڑی پروہت سے لے کر اس طرح تن کر کھڑا ہو گیا جیسے وہ کسی پر حملہ کرنا چاہتا ہو۔ پروہت نے سجدے میں گر کر سردار کے دونوں پیر چومے اور پھر آگ کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔

سردار تھوڑی دیر تک کلہاڑی تانے اور آنکھیں بند کئے کھڑا رہا..... پھر دفعتاً اس نے ایک بھیانک چیخ ماری اور کلہاڑی کو نچا نچا کر اچھلنے کودنے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ کچھ گاتا بھی جا رہا تھا۔ رفتہ رفتہ وہ لوگ بھی اس کے قریب آ گئے..... جو آگ کے پاس کھڑے ہوئے تھے۔ وہ سردار کے گرد دائرہ بنا کر ناچنے لگے، سردار رک رک کر کچھ کہتا جا رہا تھا جسے یہ ناچنے والے دہراتے تھے۔

اسی دوران میں چند آدمی اس بندھے ہوئے آدمی کو جو تخت پر پڑا تھا لکڑی کے ایک پیالے میں بھری ہوئی کوئی چیز پلانے کی کوشش کرنے لگے۔ اس آدمی کے رویے سے معلوم ہو رہا تھا

جیسے وہ اُسے نہیں پینا چاہتا۔ آخر ان لوگوں نے اسے بالکل بے بس کر کے زبردستی وہ سیال شے اس کے حلق میں انڈیلنی شروع کی۔

پھر اس کی رسیاں کھول دی گئیں اور وہ بیٹھ کر جھومنے لگا۔ دو تین آدمی اسے اٹھا کر اس جگہ لائے جہاں سردار کے گرد ناچ ہو رہا تھا۔ ان لوگوں نے اسے بھی انہیں کی بھیڑ میں دھکیل دیا۔ ناچنے والوں کی چیخیں پہلے سے بھی زیادہ ہو گئیں وہ شخص بھی انہیں کے ساتھ مل کر اچھلنے کودنے لگا۔ ناچ کی رفتار لحظہ بہ لحظہ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ دفعتاً قیدی کو ایک بڑی سی قے ہوئی اور وہ گر پڑا۔ ناچنے والوں نے اچھل اچھل کر قہقہے لگانے شروع کر دیئے۔ گرنے والا تھوڑی دیر تک تڑپتا رہا پھر ایک جھٹکے کے ساتھ اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔

چند آدمیوں نے اس کی لاش اٹھائی اور دیوتا کے گرد چکر لگانے لگے اور..... پھر (خدا ان پر اپنا قہر نازل کرے) انہوں نے اسے دہکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا۔ میں نے اور میرے سفید فام ساتھیوں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

ہم لوگ وہاں سے اپنی قیام گاہ پر لوٹ آئے۔

ہمارے سیاہ فام رہبر پوپی نے جس کے سیاہ سینے میں ایک نورانی دل ہے جس پر خدا کے بیٹے نے اپنی رحمتیں نازل کی ہیں ٹوٹی پھوٹی عربی زبان میں ہمیں بتایا کہ اب وہ لوگ اُسے بھون کر کھا جائیں گے۔

اس نے یہ بھی بتایا کہ اسے ایک طرح کا زہر پلایا گیا تھا۔ اس کی اس نے جو خاصیت بتائی وہ عجیب و غریب تھی۔ یہ شمیتی جو ایک قسم کی گھاس ہے، سے نکالا جاتا ہے، زہر نکالنے کا طریقہ اس نے قریب قریب وہی بتایا جو ہمارے یہاں کسی چیز کی شراب کشید کرنے کے سلسلے میں اختیار کیا جاتا ہے۔ اسے پی کر آدمی مدہوش ہو جاتا ہے اور اس وقت جس چیز کی طرف بھی اس کا ذہن مائل ہو جاتا ہے، وہی کرنے لگتا ہے، اور اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ اسے قے نہیں ہو جاتی۔ اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اسے اچھلنے کودنے پر مجبور کیا جائے۔

اور ایک بات جو اس نے بتائی..... وہ یہ تھی کہ قے ہو جانے کے بعد اس زہر کا ذرہ برابر اثر جسم میں نہیں رہ جاتا اور یہ وحشی لوگ بغیر کسی خوف کے اس کا گوشت کھا جاتے ہیں۔ یہ ان کے یہاں کی ایک مذہبی رسم ہے جس کے لئے وہ ہمیشہ کسی دوسری قوم کے آدمی کو پکڑتے ہیں۔

بعض اوقات ایسے آدمیوں کو کچھ دیر کے لئے مرنے سے روک بھی دیتے ہیں۔ یہ عموماً ایسے ہی موقعوں پر ہوتا ہے جب انہیں یہ یقین ہو جاتا ہے کہ وہ اس ضمن کی کسی رسم کو ٹھیک طرح پر ادا نہیں کر پائے، وہ اسے لیموں کا عرق پلا کرتے کرنے سے روک دیتے ہیں اور اس رسم کو باقاعدہ طور پر دہرانے کے بعد اسے پھر زہر پلایا جاتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ ان کا شکار لیموں کا عرق پی چکنے کے بعد ان کے ہاتھ سے نکل گیا ہے، لیکن پھر وہ زندگی بھر صحیح الدماغ نہیں ہو سکا۔

اس سلسلے میں ایک اور بات کا تذکرہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا وہ یہ کہ اس زہر کے پینے والے کو ہر چیز سرخ دکھائی دیتی ہے۔

"اف میرے خدا۔" حمید نے کہا اور صوفے میں بندھے ہوئے آدمی کی طرف دیکھنے لگا، جو شاید نقاہت کی وجہ سے سو گیا تھا۔

"لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ ان لاشوں کو میرے پھاٹک پر ڈلوا دینے کا کیا مقصد تھا۔" فریدی نے کہا۔ "جو لوگ زہر دینے میں اتنی احتیاط برت رہے ہیں وہ مجھے خواہ مخواہ کیوں چیلنج کرنے لگے۔ اگر واقعی یہ چیلنج ہے تو بڑی عجیب بات ہے کیونکہ میں نے آج تک یہ نہیں سنا کہ کبھی کسی مجرم نے کسی سراغ رساں کو چیلنج کیا ہو۔

"واقعی عجیب بات ہے۔" شنکر بولا۔

"بہر حال یہ لوگ بچ نہیں سکتے۔ اس لڑکی کی تصویر ہمارے ہاتھ لگ جانا ان کے لئے موت کا پیغام ثابت ہوگا۔" حمید نے کہا۔

"ایسا نہ سوچو میاں حمید۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "اس بار بڑے خطرناک لوگوں سے واسطہ پڑا ہے۔"

"اور مجھے بھی کہنے دیجئے کہ وہ لوگ بھی بڑے خطرناک آدمی کے جال میں پھنس گئے ہیں۔ کیوں حمید صاحب کیا خیال ہے۔" شنکر ہنس کر بولا۔

"نہیں.... میں کوئی ایسا خطرناک آدمی تو نہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا اور شنکر ہنسنے لگا۔

"اور پروفیسر جاوید صاحب۔" فریدی شنکر کو مخاطب کر کے بولا۔ "مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ کی محبوبہ بھی اس گروہ میں شامل نہ ہو۔"

"کیوں.....!"

"مجھے خیال پڑتا ہے کہ کسی سلسلے میں اس کی تصویر میری نظروں سے گذر چکی ہے۔"

"للہ کرم کیجئے گا..... اس غریب کے حال پر....." شنکر نے کہا۔

"یہ کس محبوبہ کا تذکرہ ہے۔" حمید نے بے صبری سے پوچھا۔

"آپ سے مطلب.....!" فریدی نے کہا۔

"میں سمجھ گیا..... غالباً یہ اس رقاصہ کا تذکرہ ہے۔" حمید نے کہا۔

"تو پھر.....!"

"کچھ نہیں..... صاحب آخر اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے۔" حمید بولا۔

"گھبراؤ نہیں..... اس بار خود میں تمہیں عشق کرنے پر مجبور کروں گا۔"

"کس سے.....!" حمید جلدی سے بولا۔

فریدی نے لڑکی کی تصویر حمید کی طرف بڑھا دی۔

"بس معاف رکھئے جناب..... میری جان فالتو نہیں ہے۔" حمید نے گھبرا کر کہا۔

شنکر اور فریدی ہنسنے لگے۔

"تو میں اب چلوں۔" شنکر نے کہا۔

"کہاں.....؟"

"ہوٹل.....!"

"ایسی حماقت بھی نہ کرنا۔ وہ لوگ تمہیں زندہ نہ چھوڑیں گے۔" فریدی نے کہا۔

"خیر..... میرے کئی اور بھی ٹھکانے ہیں۔" شنکر نے کہا اور دونوں سے ہاتھ ملا کر رخصت ہو گیا۔

"اب اس کے لئے کیا کیا جائے۔" حمید نے سوتے ہوئے آدمی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"تہہ خانہ.....!" فریدی نے کہا۔ اگر یہ ہاتھ سے نکل گیا تو پھر بڑی دشواری ہوگی۔

"مگر آپ اس سے کیا معلوم کر سکیں گے۔ جب کہ اس کا دماغ ہمیشہ کیلئے خراب ہو چکا ہے۔"

"ابھی ایک امید باقی ہے۔"

"کیا.....؟"

"ذہنی امراض کا ماہر ڈاکٹر شوکت۔"

"اوہ ٹھیک.....!" حمید کچھ دیر رک کر بولا۔ "مگر مجھے تو امید نہیں۔"

"خیر دیکھا جائے گا..... فی الحال اسے تہہ خانہ میں منتقل کر دینا چاہئے۔ صبح اٹھ کر نوکروں کے سامنے اس طرح کی بدحواسی ظاہر کریں گے جیسے وہ رات ہی میں کسی طرح آزاد ہو کر بھاگ گیا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اس میں گہری رازداری کی ضرورت ہے۔ جس طرح وہ لوگ تھانے سے اپنے آدمی کو نکال لے گئے اسی طرح اس کا نکال لے جانا بھی ان کے لئے ناممکن نہیں ہو سکتا کہ وہ نوکروں کو کسی طرح دھوکہ دے کر اسے اڑا لے جائیں۔ اس لئے نوکروں کو اس سے لاعلم ہی رکھنا زیادہ بہتر ہے۔"

حمید نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔

دونوں نے مل کر سوئے ہوئے آدمی کو جو اب جاگ پڑا تھا تہہ خانے میں لے جا کر بند کر دیا۔ اس نے چیخنے چلانے کی کوشش کی، لیکن فریدی نے اس کا منہ بڑے بے دردی سے بند کر دیا۔

حمید نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کار پر بیٹھ کر کہیں چلا گیا۔

ایک دلچسپ حادثہ

دوسرے دن صبح سات بجے کے قریب فریدی گھر واپس آیا۔ حمید بستر پر پڑا اخبار دیکھ رہا تھا۔ فریدی کو دیکھتے ہی اچھل پڑا۔

"لیجئے جناب..... اب ہم لوگ بھی اُلو بنائے جانے لگے۔" حمید نے اخبار بڑھاتے ہوئے کہا۔ "فی الحال اس خبر کو ملاحظہ فرمائیے۔"

شہر کی پولیس سو رہی ہے

"۳ر دسمبر اطلاع ملی ہے کہ شہر کا مشہور بدمعاش شنکر جو رائے بہادر کالی چرن کی بیوی کو بھگا لے گیا اور چانا بینک آف کلکتہ کی ڈکیتی میں بھی جس کا ہاتھ تھا آج کل شہر میں پروفیسر جاوید

کے بھیس میں آزادی سے گھومتا پھر رہا ہے، یہاں کی پولیس میں اتنی ہمت نہیں کہ اسے پکڑ سکے۔ اس میں شک نہیں کہ اگر یہاں کا محکمہ سراغ رسانی اچھی طرح کام نہ کر رہا ہو تو اس شہر کے باشندوں کی زندگی اجیرن ہو جاتی۔"

اس خبر کے نیچے پروفیسر جاوید کا پورا پورا حلیہ لکھا ہوا تھا اور یہ خبر کراؤن نیوز ایجنسی کی تھی۔

"دیکھا جناب..... ہم لوگ کتنی آسانی سے دھوکہ کھا گئے۔" حمید طنزیہ انداز میں بولا۔ "آپ سے اس کی جان پہچان کب سے تھی۔"

"بکو مت.....!" فریدی درشت لہجے میں بولا۔ "ایک بڑے کام کا آدمی ہاتھ سے نکل گیا۔ یہ بھی بدمعاشوں کی ایک چال ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میں جانتا تھا کہ وہ شنکر ہے۔"

"اور یہ بھی جانتے تھے کہ وہ قاتلوں کی ٹولی سے تعلق رکھتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"یہ غلط ہے..... اس کا اس کیس سے کوئی تعلق نہیں۔" فریدی نے جواب دیا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"تم کبھی نہیں سمجھو گے۔" فریدی نے کہا اور الٹے پاؤں واپس چلا گیا۔

اس کی کار کراؤن نیوز ایجنسی کے دفتر کی طرف تیزی سے بھاگی جا رہی تھی۔

وہ سیدھا نمائندے کے کمرے میں چلا گیا۔ یہاں پولیس کے دو تین آفیسر پہلے ہی سے موجود تھے۔ فریدی کو دیکھ کر انہوں نے بُرا سا منہ بنایا۔

"میں جانتا ہوں کہ یہ خبر آپ کو کہاں سے ملی۔" فریدی نے نیوز ایجنسی کے نمائندے کی طرف اخبار بڑھاتے ہوئے کہا۔

"جناب والا میں تنگ آ گیا ہوں اس سوال کا جواب دیتے دیتے..... ایک بار پھر عرض کرتا ہوں کہ یہ خبر ہمارے یہاں سے ہرگز نہیں گئی۔"

"تو کیا ہوا..... آخر آپ کو کیوں پریشانی ہے۔" ایک سرکل انسپکٹر فریدی سے بولا۔ "اس میں تو آپ کے محکمے کی کافی تعریف ہے۔"

فریدی نے اس کے جملے میں طنز کی تلخی محسوس کی لیکن کچھ نہیں بولا۔

"بہر حال آپ کو اس کے لئے ثبوت بہم پہنچانا پڑے گا کہ یہ خبر آپ کے یہاں سے نہیں گئی۔" فریدی نے کہا۔

"مجھ سے کہا گیا ہے کہ پولیس میری ایجنسی پر توہین کا مقدمہ چلائے گی، لہٰذا میں عدالت میں ہی ثبوت وغیرہ پیش کروں گا۔" نمائندے نے کہا اور قلم اٹھا کر کچھ لکھنے لگا۔

فریدی وہاں سے مارننگ اسٹار کے دفتر کے لئے روانہ ہو گیا۔

ایڈیٹر نے اُسے بتایا کہ اسے کراؤن نیوز ایجنسی کے نمائندے کے دفتر سے یہ خبر ملی اور اس نے چھاپ دی۔ فریدی نے لاکھ کوشش کی کہ خبر دینے والے کے متعلق معلوم کر سکے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ وہ تھک ہار کر واپس چلا آیا۔ اسے افسوس تھا کہ ایک ایسا شخص ہاتھ سے نکل گیا کہ جو قاتلوں کو پہچانتا تھا۔ اس کی ساری اسکیم فیل ہو کر رہ گئی تھی۔

گھر پہنچ کر وہ بہت دیر تک غور فکر میں مبتلا رہا۔ آخر کار اس نے یہی طے کیا کہ سب سے پہلے شنکر کو تلاش کرے۔

اس نے ایک ایک کر کے سارے مقامات چھان مارے جہاں شنکر کے ملنے کے امکانات تھے لیکن مایوسی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ آخر کار اس نے کار کارخ شہر کی طرف موڑ دیا۔ اس وقت شہر کے باہر ایک سنسان سڑک سے گذرتے ہوئے وہ اپنی کار کے پیچھے ایک موٹر سائیکل کی آواز سن رہا تھا۔ اس نے گھوم کر دیکھا..... کار کے پیچھے کافی فاصلے پر ایک شخص اپنی آنکھوں پر بڑے شیشوں کا سیاہ چشمہ لگائے موٹر سائیکل پر چلا آ رہا تھا۔ فریدی کا اس طرح مڑنا محض اتفاقیہ تھا۔ اس نے اُسے کوئی اہمیت نہ دی اور خیالات میں ڈوب گیا۔ موٹر سائیکل اور کار کا فاصلہ آہستہ آہستہ کم ہوتا جا رہا تھا۔ دفعتاً موٹر سائیکل والے نے جیب سے ریوالور نکال کر کار کے پچھلے پہیوں پر فائر کرنا شروع کر دیئے۔ فریدی نے کار روک دی۔ دونوں پہیے بے کار ہو چکے تھے۔ اتنے میں موٹر سائیکل والا ریوالور تانے ہوئے کار کے برابر پہنچ گیا۔ قبل اس کے کہ فریدی اپنا ریوالور نکالتا نووارد نے اپنے ریوالور کی نال اس کی کنپٹی سے لگا دی۔

"خبردار..... ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" نووارد گرج کر بولا۔

"اوہ شنکر.....!" فریدی ہاتھ اوپر اٹھاتے ہوئے پر اطمینان لہجے میں بولا۔ "مجھے تم سے اسی کی توقع تھی۔"

"بکو مت..... تم نے میرے ساتھ دغابازی کی ہے اور میں بھی کتنا احمق تھا کہ تمہارے فریب میں آ گیا..... مگر..... خیر.....!"

"میں اسی لئے تمہیں ڈھونڈ رہا تھا کہ تمہاری غلط فہمی دور کر دوں۔" فریدی نے کہا۔

"بہت اچھے....." شنکر نے قہقہہ لگایا۔ "تم سمجھتے ہو کہ میں پھر تمہارے دھوکے میں آ جاؤں گا"

"مجھے کچھ کہنے بھی تو دو۔"

"کہو گے کیا..... مجھے اس کا افسوس ہے کہ آج مجھ سے پہلا قتل سرزد ہوا جا رہا ہے۔"

فریدی مسکرانے لگا۔

"خیر مرنے سے پہلے مجھے کم از کم ایک سگار تو سلگا ہی لینے دو۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"بس..... بس..... ہاتھ اوپر ہی رکھو ورنہ۔"

"ورنہ کیا کر لو گے تم.....!" فریدی نے دفعتاً اسے اتنے زور سے چیخ کر کہا کہ شنکر جھجک پڑا اور دوسرے ہی لمحے میں اس کا ریوالور والا ہاتھ فریدی کی آہنی گرفت میں تھا۔ شنکر نے فائر کرنے شروع کئے ..... ایک ..... دو..... اور کار کی کھڑکیوں کے دو شیشے چکنا چور ہو گئے۔ تیسرا فائر لیکن بقیہ کارتوس تو وہ کار کے پہیوں پر پہلے ہی ضائع کر چکا تھا۔ شنکر کے سرخ و سپید چہرے پر سیاہی دوڑ گئی۔ فریدی اسے دھکا دے کر کار سے نکل آیا۔ اس نے اس کا ریوالور چھین لیا تھا۔ شنکر کے چہرے پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئی تھیں۔ اسکی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔

"یہ لو.....!" فریدی نے خالی ریوالور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اس میں دوسری گولیاں بھر کر پھر سے کوشش کرو۔ احمق کہیں کے..... تم نے یہ نہ سوچا کہ اگر مجھے تمہیں گرفتار ہی کرانا مقصود تھا تو یہ سب کچھ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ میں کسی وقت بھی تمہیں پکڑ سکتا تھا۔ شاید تمہیں بھی خبر کے اس حصے کو پڑھ کر غلط فہمی ہوئی ہے، جہاں محکمہ سراغ رسانی کو سراہا گیا ہے۔"

شنکر خاموش ہی رہا۔

"یہ بھی مجرموں کی ایک چال تھی۔" فریدی پھر بولا۔ "وہ اس طرح مجھے اور تمہیں الجھا کر خود اطمینان سے اپنا کام کرنا چاہتے ہیں اور اگر میں تمہیں گرفتار ہی کرانا چاہتا ہوں تو اس وقت بھی

تم میرے قابو میں ہو۔"

فریدی نے ریوالور شنکر کی جیب میں ڈال دیا۔

"مگر..... مگر.....!" شنکر ہکلایا۔

"مگر یہ کہ تم نے خواہ مخواہ میری کار کا ستیاناس کر دیا۔"

"میں کچھ نہیں سمجھ سکتا۔" شنکر نے مضطربانہ انداز میں اپنی پیشانی رگڑتے ہوئے کہا۔

"تم سب کچھ سمجھ سکتے ہو بشرطیکہ شبہہ کرنا چھوڑ دو۔" فریدی نے کہا۔ "اگر تم نے احتیاط سے کام نہ لیا تو کسی بڑی مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ گے۔"

"تو کیا میں یہاں سے چلا جاؤں۔"

"قطعی نہیں..... تم میرے مہمان بن کر میرے ساتھ رہ سکتے ہو۔"

"اگر کوئی فتنہ اٹھ کھڑا ہوا۔"

"یہ مجھ پر چھوڑ دو.....!"

"لیکن یہ سب آخر کیوں۔"

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں تم سے کوئی کام لینا چاہتا ہوں۔"

شنکر خاموش ہو گیا۔

"اس کے بعد جہاں دل چاہے چلے جانا۔"

"ہوں.....!" شنکر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"اور تم یہ اطمینان رکھو کہ فی الحال تمہارا کیس پولیس ہی کے ہاتھ میں رہے گا۔ کیونکہ اس خبر نے محکمہ پولیس کو خاص طور پر محکمہ سراغ رسانی کی طرف سے ضد دلادی ہے اور میرا دعویٰ ہے کہ پولیس تمہیں گرفتار نہیں کر سکتی۔"

"میں نے فی الحال اپنے رہنے کا انتظام کر لیا ہے۔" شنکر نے کہا۔ "لیکن آپ یہ بتائیے کہ مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہیں۔"

"پروفیسر نصیر اور اس کی بھتیجی کا سراغ.....!" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"پروفیسر نصیر میٹرو ہی میں مقیم ہے۔" شنکر نے کہا۔

"میٹرو میں۔" فریدی متعجبانہ انداز میں بولا۔

تین جھوٹے

فریدی نے شنکر کی مدد سے اپنی کار کے پہیے تبدیل کئے اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے مجرموں کی دیدہ دلیری پر حیرت ہو رہی تھی کہ وہ ابھی تک میٹرو ہی میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس بار واقعی بہت ہی دلیر قسم کے مجرموں سے اس کا واسطہ پڑا تھا۔ وہ طرح طرح کے خیالات میں ڈوبا ہوا گھر پہنچا۔ ابھی اس نے برآمدے ہی میں قدم رکھا تھا کہ اسے ڈرائنگ روم میں کسی عورت کا قہقہہ سنائی دیا۔ جو اس کے لئے بالکل نیا تھا۔ فریدی ڈرائنگ روم کی طرف لپکا۔

وہ دروازے ہی میں ٹھٹک کر رہ گیا۔ یہ تو وہی تھی۔ تصویر والی پراسرار لڑکی اور اس کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر کا مرد بھی تھا۔ دونوں اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔

"کیا میں فریدی صاحب سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔" مرد بولا۔

"جی ہاں..... فرمائیے۔"

مرد نے بڑے تپاک سے مصافحہ کیا۔

"تشریف رکھئے.....!" فریدی نے کہا۔

دونوں بیٹھ گئے۔

"فرمائیے کیسے تکلیف کی۔" فریدی مرد سے کہہ کر لڑکی کو گھورنے لگا۔ لڑکی نے شرما کر سر جھکا لیا۔

"ایک لمبی کہانی ہے۔" مرد نے کہا۔ لوگ مجھے پروفیسر نصیر کہتے ہیں اور یہ میری بھتیجی رقیہ ہے۔

"اب دوسرا پروفیسر.....!" فریدی زیر لب بڑبڑایا۔

"جی.....!" نصیر چونک کر بولا۔ "کیا میرا آنا ناگوار گذرا ہے آپ کو۔"

"قطعی نہیں.....!" فریدی نے خوش اخلاق بننے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "معاف کیجئے گا..... میں ایک دوسری بات سوچ رہا تھا۔"

"خیر.....!" نصیر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "میں ایک مصیبت میں پھنس گیا ہوں، کیا آپ میری مدد کریں گے۔"

"اس مصیبت کی نوعیت معلوم کئے بغیر میں بھلا کیونکر وعدہ کر سکتا ہوں۔"

"کوئی نامعلوم شخص بُری طرح میرے پیچھے پڑ گیا ہے۔ کل رات اس نے میرے کمرے میں جو میں نے میٹرو میں لے رکھا ہے، آگ لگا دی..... میں آپ سے کیا عرض کروں کہ میرا کتنا نقصان ہوا۔"

"یہ تو بالکل سیدھا سادا معاملہ ہے..... آپ نے کوتوالی میں اس کی رپورٹ کی یا نہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں کر تو دی ہے، لیکن میں یہاں کی پولیس کے بارے میں کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا۔" نصیر نے کہا۔

"میرے خیال سے آپ غلطی پر ہیں۔" فریدی بولا۔

"ہو سکتا ہے.....!" نصیر نے کہا۔ "تو کیا آپ میری مدد نہ کریں گے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں آپ کی مدد کیسے کر سکتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن آپ لوگ ضرور مجھے ایک معاملے میں مدد دے سکتے ہیں۔"

"ہم لوگ.....!" نصیر چونک کر بولا۔ "بھلا وہ کیسے۔"

"کل رات ایک آدمی نے میرے سرکاری کاغذات کا فائل پھاڑ ڈالا اور ایک سونے کی گھڑی چرا لے گیا..... اسے رقیہ صاحبہ اچھی طرح جانتی ہیں۔"

"میں.....!" رقیہ تقریباً اچھلتے ہوئے بولی۔

"جی ہاں.....!" فریدی نے جیب سے تصویر اور خط نکالتے ہوئے کہا۔ "اس کے ثبوت میں میرے پاس یہ چیزیں ہیں۔"

فریدی نے تصویر اور خط رقیہ کی طرف بڑھا دیئے۔

رقیہ کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"یہ خط میں نے ساجد کو لکھا تھا اور تصویر بھی اسی کے پاس تھی۔ یہ آپ تک کیسے پہنچی۔ کل میں نے اُسے ہوٹل میں بلایا تھا لیکن پھر کسی وجہ سے میں اس کا انتظار نہ کر سکی اور اس کے نام ایک معذرت نامہ لکھ کر منیجر کے پاس چھوڑ گئی تھی۔"

"جی ہاں..... ہم لوگوں کو ایک ضروری کام یاد آ گیا تھا اور ہمیں اسی سلسلہ میں ہوٹل

سے باہر آنا پڑا..... اور واپسی پر میں نے اپنے کمرے کو خاک کا ڈھیر پایا۔"

"کیا آپ براہ مہربانی یہ بتائیں گے کہ یہ تصویر اور خط آپ تک کس طرح پہنچے۔" لڑکی بے چینی سے بولی۔

"جی ہاں.....!" فریدی بولا۔ "کل رات کو میں اپنے چند دوستوں کے ساتھ میٹرو میں کھانا کھا رہا تھا دفعتاً ایک شریف صورت نوجوان نشے میں لڑکھڑاتا ہوا نظر آیا۔ ایک دوسرا شخص اس کے ساتھ زیادتیاں کر رہا تھا۔ میں نے تعرض کیا تو وہ مجھ سے اکڑ گیا۔ میں نے اسے پولیس کے حوالے کیا اور از راہ ہمدردی اس نوجوان کو اپنے ساتھ گھر لیتا آیا کیونکہ وہ بُری طرح مدہوش تھا۔ میں نے سوچا کہ ہوش میں آنے کے بعد اس سے اس کے گھر کا پتہ معلوم کر کے بھجوا دوں گا۔ وہ صورت سے بے حد شریف معلوم ہوتا تھا اور شاید اس نے پہلی بار پی تھی۔"

"ساجد..... ساجد تو کبھی نہیں پیتا تھا۔" لڑکی نے کہا۔ "آپکا خیال درست معلوم ہوتا ہے۔"

"میں نے گھر لا کر اسے احتیاط سے لٹا دیا کیونکہ وہ راستے ہی میں بالکل بیہوش ہو گیا تھا۔ ہم لوگ اسے کمرے میں چھوڑ کر دوسرے کمرے میں جا بیٹھے کیونکہ اس کی حالت سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ صبح سے پہلے ہوش میں نہیں آ سکتا۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد مجھے یاد آیا کہ میں اپنی گھڑی اسی کمرے میں چھوڑ آیا ہوں۔ مجھے وقت دیکھنا تھا اس لئے میں اس کمرے میں گیا۔ لیکن میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے کمرے کو خالی پایا۔ میرے بہت سے سرکاری کاغذات کے ٹکڑے فرش پر بکھرے ہوئے تھے اور گھڑی میز سے غائب تھی۔ ہم نے اسے تلاش کرنا شروع کیا لیکن بے سود۔ گھڑی کی تو خیر کوئی ایسی پریشانی نہ تھی، لیکن سرکاری کاغذات..... اس نے مجھے بڑی مشکل میں پھنسا دیا۔ ہاں تو تھوڑی دیر بعد جب عقل ٹھکانے آئی تو میں نے محسوس کیا کہ وہ اپنا کوٹ لے جانا بھی بھول گیا ہے اور اس کے جوتے بھی وہیں پڑے ہوئے تھے۔ اسی کوٹ کی اندرونی جیب میں آپ کی تصویر اور خط بھی برآمد ہوئے۔ اتفاق سے اس وقت میرے ایک دوست پروفیسر جاوید جنہیں اب دشمن ہی کہنا مناسب ہوگا موجود تھے۔ انہوں نے تصویر دیکھتے ہی آپ دونوں کا نام لیا۔ ہم لوگ فوراً ہی آپ سے ملنے کے لئے روانہ ہو گئے اور اس وقت پہنچے جب کہ آپ کا کمرہ شعلوں میں گھرا ہوا تھا۔ ہمیں وہاں تھوڑی دیر لگ گئی۔ اس کے بعد ہم نے سوچا کہ اس آدمی سے چل کر سوالات کئے جائیں جسے ہم نے پولیس کے حوالے کر دیا تھا۔ لیکن

وہاں جاکر معلوم ہوا کہ کوئی شخص میرے بھیس میں اُسے بھی نکال لے گیا۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ رقیہ اور نصیر حیرت بھری نگاہوں سے اُسے دیکھ رہے تھے۔

"مجھے اس کا صرف ایک مقصد معلوم ہوتا ہے۔" فریدی بولا۔ "میرے کاغذات کا پھاڑنا جن کی عدم موجودگی میں میں مصیبتوں میں پھنس سکتا ہوں۔ یہ ایک اچھی خاصی سوچی سمجھی اسکیم معلوم ہوتی ہے۔ وہ شخص جو اسے تنگ کر رہا تھا اسی کا آدمی تھا، وہ اس طرح اسے میرے گھر پہنچانا چاہتا تھا۔ وہ شخص کاغذات پھاڑنے کی بعد دیدہ و دانستہ اپنا کوٹ چھوڑ گیا۔ تاکہ ہم لوگ اس میں سے تصویر اور خط پانے کے بعد آپ لوگوں سے ملنے جائیں اور پھر بدمعاشوں نے آپ کے کمرے میں آگ لگادی تاکہ ہم لوگ وہاں کچھ دیر اور ٹھہریں اور وہ اپنے ہی آدمی کو آسانی سے رہا کرا سکیں، جسے ہم نے پولیس کے حوالے کر دیا تھا اور ان کا ایک گرگا پروفیسر جاوید شروع سے آخیر تک ہی ہمیں دھوکا دیتا رہا۔"

"پروفیسر جاوید۔" لڑکی نے حیرت سے کہا۔ "مگر ابھی تو آپ ان کا تذکرہ اپنے دوست کی حیثیت سے کر چکے ہیں۔"

"جی ہاں..... میری اور اس کی ملاقات کل دن میں ہوئی تھی۔ ہم دونوں چند ہی گھنٹوں میں گہرے دوست بن گئے اور اسی نے مجھے اور میرے اسسٹنٹ کو میٹرو میں مدعو کیا تھا۔"

"لیکن آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ بھی بدمعاشوں کا ساتھی ہے۔" نصیر نے کہا۔

"ارے آپ ساتھی کہتے ہیں، وہ خود ایک بہت بڑا بدمعاش ثابت ہوا۔ کیا آپ نے آج کا اخبار نہیں پڑھا۔ جس میں یہاں کی پولیس کی نااہلی کی ایک داستان چھپی تھی۔"

"اوہ.....!" نصیر اچھل کر بولا۔ "ارے وہی پروفیسر جاوید..... اور اس کا اصلی نام کیا تھا۔ میں بھول گیا..... مادھو..... یا کیا.....؟"

"جی نہیں شنکر.....!" فریدی بولا۔

"شنکر..... شنکر.....!" نصیر نے کہا اور اپنی بھتیجی کو کڑی اور تیکھی نظروں سے گھورنے لگا۔

"اگر آپ میری تھوڑی سی مدد کر دیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ وہ شخص بھی گرفتار ہو جائے گا جس نے آپ کا کمرہ جلایا تھا۔"

"دیکھا تم نے اپنی حماقت کا انجام۔" نصیر اپنی بھتیجی کو مخاطب کر کے ناخوشگوار لہجے میں

بولا۔ "میں تم سے پہلے ہی کہتا تھا کہ ساجد اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا۔ لوگوں کی ظاہری صورت پر نہ جانا چاہئے۔ میری ہزاروں روپے کی کتابیں جل کر رہ گئیں، محض تمہاری حماقت کی وجہ سے۔"

رقیہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

"ارے..... ارے۔" فریدی بولا۔ "رہنے بھی دیجئے پروفیسر صاحب۔ آدمی ہی سے غلطی ہوتی ہے۔ اب رونا فضول ہے، جو ہونا تھا ہو چکا۔ ان سب باتوں سے آپ کے نقصانات کی تلافی نہیں ہو سکتی۔"

فریدی نے رقیہ کی طرف اپنا رومال بڑھا دیا۔ رقیہ رومال لے کر آنسو پونچھنے لگی۔

"اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں آپ سے کچھ سوالات کرنا چاہتا تھا۔" فریدی نے رقیہ سے کہا۔

"فرمائیے۔" رقیہ گھٹی ہوئی آواز میں بولی۔

"ساجد کون ہے۔"

"میرا ایک دوست ہے۔"

"آپ کب سے اسے جانتی ہیں۔"

"ایک ماہ کا عرصہ ہوا..... وہ مجھے میٹرو میں ہی ملا تھا۔"

"اس کے گھر کا پتہ آپ کو معلوم ہے۔"

"جی ہاں..... نمبر ۳۰۳ پیٹر روڈ۔"

"اس کے ساتھ اور کون رہتا ہے۔"

"میں نے اُسے وہاں تنہا ہی دیکھا تھا۔"

"وہ کرتا کیا ہے۔"

"مصور ہے۔"

"میرا مطلب ذریعہ آمدنی سے ہے۔"

"مصوری۔"

"تب تو یقیناً وہ غربت ہی میں زندگی بسر کرتا ہوگا۔"

"نہیں ایسا تو نہیں، اس کا بنگلہ نہایت شاندار ہے۔"

"تعجب ہے..... یہاں کے آرٹسٹوں کو تو میں نے بھوکوں ہی مرتے دیکھا ہے۔"

"بہر حال وہ کسی طرح بھی غریب نہیں معلوم ہوتا۔"

"آپ کتنی بار اس کے گھر گئی ہیں۔"

"صرف ایک بار۔"

"اس کے چال چلن کے بارے میں آپ کچھ بتا سکتی ہیں۔"

"مجھے تو انتہائی شریف معلوم ہوتا ہے۔"

"اچھا اب اگر وہ کہیں دکھائی دے تو براہِ کرم مجھے بذریعہ فون اطلاع دیجئے گا۔ حالانکہ اس کے امکانات کم ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"اچھا تو اب ہم لوگ اجازت چاہیں گے۔" نصیر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "آپ نے ہماری ایک بڑی الجھن رفع کر دی۔ اگر مجھے ساجد دکھائی دیا تو فوراً آپ کو مطلع کروں گا۔"

رقیہ بھی کھڑی ہو گئی۔ فریدی انہیں برآمدے تک چھوڑنے آیا۔ ابھی اس کی کار لان ہی پر کھڑی تھی۔

"آیئے آپ لوگوں کو ایک تماشہ اور دکھاؤں۔" فریدی نے ان کو کار کی طرف لے جاتے ہوئے کہا۔

"آج مجھے قتل کر دینے کی کوشش کی گئی تھی۔ یہ ٹوٹے ہوئے شیشے دیکھئے اور یہ پہیے۔ وہ تو کہئے کہ میں ہمیشہ اپنے ساتھ دو عدد فالتو پہیے رکھتا ہوں ورنہ گھر تک پہنچنا مشکل ہو جاتا۔"

"یہ سب کیسے ہوا۔" رقیہ بے ساختہ بولی۔

"شنکر نے آج موٹر سائیکل پر میرا پیچھا کیا تھا۔ یہ سب اس کے ریوالور کی گولیوں کا کارنامہ ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ اس وقت میرے پاس ریوالور نہیں تھا ورنہ وہ بچ کر نہیں جا سکتا تھا۔"

"آپ کو تو ہر وقت اپنے پاس ریوالور رکھنا چاہئے۔" نصیر بولا۔

"اب تو رکھنا ہی پڑے گا۔" فریدی نے کہا۔

ابھی وہ لوگ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ حمید پھاٹک میں داخل ہوا۔ رقیہ کو دیکھ کر وہ کچھ جھجکا، لیکن قبل اس کے کہ وہ فریدی سے کچھ کہے، فریدی بول پڑا۔

"آؤ..... آؤ..... بھئی حمید تمہیں چند دوستوں سے ملاؤں، سارا معمہ حل ہو گیا۔ آپ لوگ دراصل میرے لئے فرشتہ رحمت ثابت ہوئے ہیں..... آپ ہیں پروفیسر نصیر اور

مس رقیہ..... میرے ساتھی سارجنٹ حمید۔"

ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد فریدی ساری داستان سنا کر بولا۔ "بس یہ سمجھ لو کہ وہ مجھ رہے تھے اور میں انہیں گھس رہا تھا۔"

"مگر آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ وہ لوگ آپ کی باتوں کو سچ ہی سمجھتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"تو یہ کب کہہ رہا ہوں۔" فریدی بولا۔ "وہ دونوں مجھے بیوقوف ضرور سمجھ رہے تھے۔"

"کیوں.....!"

"کیونکہ میں نے ایک بالکل ہی الٹا پلاٹ ان کے سامنے رکھنے کی کوشش کی تھی، ظاہر ہے وہ اپنی جگہ پر قطعی مطمئن ہیں کہ اگر وہ نہیں مرا تب بھی ہمارے کسی کام نہیں آ سکتا کیونکہ بچ جانے کی صورت میں اس کا پاگل ہو جانا یقینی ہے اور میں نے کاغذات پھاڑنے اور جوتے اور کوٹ پھاڑ کر بھاگ جانے کا فرضی واقعہ بتا کر انہیں اس کا اور بھی یقین دلا دیا۔ بس یہ سمجھ لو کہ جس چیز کو میں نے ان کے سامنے سازش بنا کر پیش کیا ہے اسے وہ اس کے پاگل پن پر محمول کریں گے اور اس کا اس طرح بے باکی سے یہاں چلا آنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انہیں میرے دھوکہ کھانے کا یقین پہلے ہی سے تھا اور اب میری گفتگو نے اس یقین کو اور زیادہ مستحکم کر دیا۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو..... مجھے یقین تو نہیں آتا۔" حمید نے کہا۔

"خیر چھوڑو یہ بتاؤ کہ تم اس لڑکی سے عشق کرو گے یا میں ہی شروع کر دوں۔"

"بس مجھے تو معاف ہی رکھئے..... ابھی مرنے کو دل نہیں چاہتا۔" حمید بولا۔

"بزدل.....!"

"چلئے یہی سہی..... لیکن عورتوں کے چکر میں پھنس کر مرنے کو بہتر نہیں سمجھتا۔"

"تم آ کہاں سے رہے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"میں ابھی نہیں بتا سکتا۔" حمید نے فریدی کے لہجے کی نقل اتارتے ہوئے کہا۔ "اپنا طریقہ متعین کر لینے کے بعد میں اکیلے ہی کام کرنا زیادہ بہتر سمجھتا ہوں۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"خیر..... خیر..... مجھے معلوم ہے آپ بہت بڑا تیر ماریں گے۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "مگر آپ کے کاموں میں قطعی دخل نہ دوں گا..... فی الحال میرے ساتھ پیٹر روڈ چلئے۔"

"پیٹر روڈ.....!"

"ہاں نمبر ۳۰۳، پیٹر روڈ.....!"

"کیا ملے گا آپ کو وہاں۔ آپ بھی ان لوگوں کی باتوں میں آ گئے۔" حمید نے کہا۔

"میں دراصل انہیں اس کا یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میں ان کے جال میں اچھی طرح پھنس گیا ہوں۔"

"چلئے صاحب! لیکن میں یہ اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ یہ محض دھوکا ہے۔ آپ سچ مچ اس لڑکی سے عشق کرنے لگے ہیں۔"

"چلو یہی سمجھ لو..... چار بج رہے ہیں۔ آؤ پہلے چائے پی لیں۔"

دو فائر ایک چیخ

فریدی کی کار تیزی سے پیٹر روڈ کی طرف جا رہی تھی۔ انہیں ۳۰۳ نمبر کا بنگلہ ڈھونڈھ نکالنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ یہ ایک چھوٹا سا خوبصورت بنگلہ تھا، جس کے سامنے ایک مختصر سا پائیں باغ تھا۔ حمید اور فریدی باغ سے گذر کر برآمدے میں پہنچے۔ یہاں ایک بوڑھی عورت نے جو ملازمہ معلوم ہوتی تھی ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا۔ "صاحب گھر پر موجود نہیں۔"

"کیا یہ ساجد صاحب کا بنگلہ ہے۔"

"جی ہاں..... لیکن وہ کل شام سے گھر نہیں آئے۔" ملازمہ بولی۔

"کیا کہیں باہر گئے ہیں۔"

"اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

"کیا پہلے بھی اس طرح بغیر بتائے غائب رہے ہیں۔"

"اکثر ایسا ہو جاتا ہے۔" بڑھیا اکتا کر بولی۔

"ساجد صاحب کرتے کیا ہیں۔"

فریدی کے اس سوال پر بڑھیا انہیں حیرت سے گھورنے لگی۔

"اگر آپ ان کے ملنے والوں میں سے ہیں تو.....!"

"نہیں ہمارا تعلق پولیس سے ہے۔" فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"پولیس.....!" وہ چونک کر بولی۔

"ہاں ہم اس مکان کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"تلاشی.....!" بڑھیا تقریباً اچھل کر بولی۔ "مگر کیوں۔"

"پولیس کو ساجد صاحب پر کچھ شبہ ہے۔"

"اوہ..... مگر کس بات کا شبہ۔"

"ہم زیادہ باتیں نہیں کرنا چاہتے۔"

بڑھیا سہم گئی۔

"آؤ..... ہمارے ساتھ آؤ۔" فریدی نے ایک کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"یہاں اور کون رہتا ہے۔"

"صرف میں اور صاحب۔"

"ہوں.....!"

یہ غالباً ساجد کا اسٹوڈیو تھا، دیواروں پر چاروں طرف بڑی بڑی تصویریں لگی ہوئی تھیں اور ایک نامکمل تصویریں ایزلوں پر بھی تھیں۔

"تو ساجد صاحب تصویریں بناتے ہیں۔" فریدی نے بڑھیا سے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"اور کوئی کام نہیں کرتے۔"

"جی نہیں۔"

"شاید کوئی اور آیا ہے۔" بڑھیا نے باہر جاتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی آئی۔"

"دیکھ رہے ہو حمید ان تصویروں کو یہ سب رے فیل..... ڈاؤنچی اور رے برن وغیرہ کی گھٹیا تصویروں کے چربے ہیں اور یہ تصویریں اتنی عام ہیں کہ کوئی ان کی زیادہ قیمت نہیں دے سکتا۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ ایسی تصویروں کا بنانے والا اتنے ٹھاٹھ کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا، خاموشی سے تصویریں دیکھ رہا تھا۔

"اب دوسرا کمرہ دیکھنا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن وہ بڑھیا ابھی تک واپس نہیں آئی..... ذرا باہر جا کر دیکھو۔"

حمید باہر چلا گیا اور فریدی میزوں پر رکھے ہوئے کاغذات الٹنے پلٹنے لگا۔ تقریباً پندرہ بیس منٹ بعد حمید لوٹ کر آیا۔

"اس کا تو کہیں پتہ نہیں چلا۔" حمید بولا۔

"شاید ڈر کر کہیں بھاگ گئی۔" فریدی نے کہا اور اسٹوڈیو سے ملے ہوئے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ شاید ساجد کی خواب گاہ تھی۔ فریدی یہاں کی چیزوں کا جائزہ لینے لگا۔ دفعتاً وہ کسی چیز کی طرف لپکا۔

"اوہ.....!" فریدی کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

حمید چونک کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ فریدی کے ہاتھ میں دفتی کا ایک ڈبہ تھا۔

"یہ کیا.....!" حمید بولا۔

"کوکین.....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس میز کی دراز سے برآمد ہوئی ہے۔ یہاں بھی کئی ڈبے اور ہیں۔"

"حمید نے سارے ڈبے نکال کر فرش پر رکھ دیئے۔

"یہ کوئی بہت ہی منظم گروہ معلوم ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"دوسرے کمرے میں کسی کی آہٹ معلوم ہو رہی ہے۔" حمید نے کہا۔

"بکو مت..... میں جانتا ہوں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ پھر بلند آواز میں کہنے لگا۔ "اتنی مقدار میں کوکین کا برآمد ہونا واقعی خطرناک بات ہے۔ اب میں سمجھا کہ یہ لوگ کیوں میری جان لینا چاہتے ہیں۔ مجھے راستے سے ہٹا دینے کے بعد وہ بہت اطمینان سے کوکین کی ناجائز تجارت کر سکیں گے۔ اوہ..... ٹھیک یاد آیا۔ میرے ان کاغذات میں ایک کوکین فروش کی انگلیوں کے نشانات بھی تھے..... اُف میرے خدا۔"

"مگر وہ یہ سب چیزیں یہاں کیوں چھوڑ گئے۔ اس طرح تو انہوں نے اپنے خلاف بہت سے ثبوت مہیا کر دیئے۔"

"بہت ممکن ہے۔" فریدی بولا۔ "وہ یہ سمجھے ہوں کہ رقیہ ہمیں رات ہی کو مل گئی ہو اور پولیس نے ہماری اطلاع پر بنگلے کی نگرانی شروع کر دی ہو۔ بالکل ٹھیک ہے۔ اسی خوف سے وہ لوگ یہاں آ کر ایسی چیزیں ہٹا نہ سکے۔"

"اوہ.....!" حمید بولا۔ "ہم سے زبردست غلطی ہوئی کہ ہم اکیلے یہاں چلے آئے..... اگر وہ لوگ ہمیں یہاں گھیر کر مار لیں تو۔"

فریدی حیرت سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ بڑی زبردست غلطی ہوئی۔ آؤ چپکے سے نکل چلیں۔ یہ ڈبے اٹھا لو۔"

حمید ڈبے اٹھانے کے لئے جھکا ہی تھا کہ ایک فائر ہوا اگر فریدی اتفاقیہ طور پر ذرا سا نہ ہل گیا ہوتا تو کھوپڑی اڑ گئی تھی۔ اب وہ سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ دوسرا فائر ہوا اور اسٹوڈیو میں ایک چیخ سنائی دی۔ ساتھ ہی ساتھ کسی کے بھاگنے کی آواز آئی۔

فریدی اور حمید اپنے اپنے ریوالور نکال کر دروازے کی طرف جھپٹے۔

وہ اسٹوڈیو میں جانے کے بجائے دوسرے دروازے کے برآمدے میں نکل آئے۔

برآمدے میں سناٹا تھا۔ دونوں آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے اسٹوڈیو کے دروازے پر آئے اور اندر کی طرف بھاگنے لگے۔ اسٹوڈیو میں سناٹا تھا۔

"اوہ یہ کیا.....!" فریدی نے کہا اور تیزی سے اندر چلا گیا۔

ایک خوبصورت ساریوالور جس کا دستہ ہاتھی دانت کا تھا فرش پر پڑا ہوا تھا۔

"ارے..... یہ ریوالور یہاں کیسے آیا۔" حمید بے ساختہ بولا۔ "وہی بالکل وہی۔"

"کیا مطلب.....؟"

"اطمینان سے بتاؤں گا.....!" حمید نے دروازے کی طرف جھپٹتے ہوئے کہا۔

"ٹھہرو.....!" فریدی نے کہا اور زمین پر پڑے ہوئے ریوالور کی نال کو چٹکی سے پکڑ کر رومال میں لپیٹ لیا۔

فرش پر خون کی بوندیں نظر آ رہی تھیں۔ وہ انہیں دیکھتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

برآمدے میں پہنچ کر پھر کہیں خون نہ دکھائی دیا۔ فریدی اور حمید ہاتھوں میں ریوالور لئے بنگلے کا چپہ چپہ تلاش کرتے پھر رہے تھے۔

"مشکل ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ہم نے بہت دیر کر دی۔ مگر وہ دوسرا کون تھا..... جس نے ہم پر فائر کرنے والے پر پیچھے سے حملہ کیا۔"

"دوسرا.....!" حمید متعجبانہ انداز میں بولا۔

"ہاں.....!" فریدی نے کہا۔ تم نے چیخ کی آواز نہیں سنی تھی اور پھر وہ خون کی بوندیں اور دوسرا فائر آواز کے اعتبار سے پہلے سے نسبتاً دور کا معلوم ہوا تھا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی نے ہم پر وار کرنے والے پر پیچھے سے حملہ کیا۔

"اور پھر دونوں غائب ہو گئے۔" حمید بولا۔ "عجیب معاملہ ہے سب کے سب غائب، وہ کم بخت بڑھیا بھی غائب۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ سچ مچ ہم سے ڈر کر غائب ہو گئی۔" فریدی نے کہا۔

"آؤ چلیں..... مگر اس دوسرے فائر کرنیوالے نے مجھے بہت زیادہ الجھن میں ڈال دیا ہے۔"

فریدی نے کوکین کے ڈبے اپنے قبضے میں کئے اور دونوں کار پر بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔

"ہاں تم ریوالور کے متعلق کچھ کہہ رہے تھے۔" فریدی بولا۔

"آج میں نے یہ ریوالور ایک جگہ دیکھا تھا۔"

"کہاں.....؟"

"آج صبح جب آپ شنکر کی تلاش میں نکل گئے تھے، میں میٹرو کی طرف چلا گیا۔ مجھے یہ یقین تھا کہ اب وہاں پروفیسر اور رقیہ کی صورت نہ دکھائی دے گی، لیکن میں نے سوچا کہ احتیاطاً دیکھ ہی لینا چاہئے اور وہاں پہنچ کر جب میں نے انہیں وہیں پایا تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ میں ان کی نگاہوں سے چھپ کر ان کی نگرانی کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد رقیہ ہوٹل سے نکل کر سڑک پر آئی اور ایک ٹیکسی کر کے ایک طرف روانہ ہو گئی۔ میں دوسری ٹیکسی پر اس کا تعاقب کرنے لگا۔ وہ جیکب روڈ پر اتر کر والٹر روڈ کی طرف مڑ گئی۔ مجھے حیرت تھی کہ وہ اس سنسان سڑک پر کیا کرنے آئی ہے۔ اس پوری سڑک پر بمشکل تمام دو یا تین کوٹھیاں ہیں وہ انہیں میں سے ایک میں گھس گئی۔ اس کوٹھی کی ظاہری حالت دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے جیسے یہاں بہت ہی اعلیٰ قسم کے لوگ رہتے ہیں۔ اس کا پائیں باغ کیا ہے اچھا خاصا جنگل ہے، چہار دیواری کے اندر جھاڑیاں ہی جھاڑیاں نظر آتی ہیں۔ میں کوٹھی کی پشت سے احاطے میں داخل ہوا اور جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا ایک

کمرے کی کھڑکی تک پہنچ گیا۔ وہ کمرہ خالی تھا۔ اسی کمرے میں میں نے ایک میز پر ایسا ہی ریوالور پڑا ہوا دیکھا تھا اور آپ جانتے ہیں کہ اس قسم کے خوبصورت ریوالور ہمیشہ خاص طور پر آرڈر دے کر بنوائے جاتے ہیں۔ میں بڑی دیر تک کوشش کرتا رہا کہ اس کے آگے بھی کچھ معلوم کروں، لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ دن کا وقت تھا اس لئے خوف بھی معلوم ہو رہا تھا کہ کہیں کوئی دیکھ نہ لے۔ مجبوراً میں وہاں سے یہ سوچ کر چلا آیا کہ رات میں آ کر کچھ اور معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"تم نے بڑی عقل مندی سے کام لیا۔ تمہاری جگہ اگر میں ہوتا تو میں بھی یہی کرتا۔ اچھا آج رات کو دیکھا جائے گا۔"

"کیوں نہ اُن لوگوں کو گرفتار کر لیا جائے۔"

"ابھی ہمارے پاس ان کے خلاف کوئی معقول ثبوت نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اگر ساجد ہوش میں ہوتا تو یہ اتنی دشوار چیز نہ تھی۔ میرا ارادہ ہے کہ کل اسے کسی طرح راج روپ نگر ڈاکٹر شوکت کے پاس پہنچا دوں۔ اگر وہ کسی طرح اس کی دماغی حالت ٹھیک کرنے میں کامیاب ہو گیا تو ساری مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔"

"بہر حال ہمیں بہت احتیاط سے رہنے کی ضرورت ہے۔" حمید بولا۔

"عجیب الجھا ہوا معاملہ ہے۔ ابھی تک مجرموں کا اصلی مقصد نہ معلوم ہو سکا..... اور پھر آج اس دوسرے فائر نے مجھے اور زیادہ چکر میں ڈال دیا ہے۔ آخر یہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔ اس کی اس حرکت کی وجہ سے قریب قریب میرا سارا پلان چوپٹ ہو کر رہ گیا۔"

"کمال کیا آپ نے۔" حمید نے کہا۔ "ایک تو اس بیچارے کی وجہ سے جان بچ گئی اور وہی بُرا کہا جا رہا ہے۔"

"جان تو بچ گئی لیکن کام جو بگڑ گیا۔" فریدی بولا۔

"وہ کیسے۔"

"یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ ہم لوگوں پر فائر نصیر ہی کی ٹولی کی طرف سے کیا گیا تھا اور ان لوگوں نے یہ اسکیم محض اس لئے بنائی تھی کہ اگر گولی نشانہ پر بیٹھی تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مجھ سے چھٹکارا ہی مل جائے گا اور اگر کامیابی نہ ہوئی تو ساجد کی طرف سے میرا شبہ اور زیادہ پختہ ہو جائے گا۔ لیکن اب اس دوسرے فائر کی وجہ سے ان لوگوں کا خیال بدل جائے گا۔ وہ یہی سمجھیں گے کہ

میرے ہی کسی آدمی نے ان کے آدمی پر گولی چلائی اور وہ بہت زیادہ محتاط ہو جائیں گے۔ میں نے انہیں دھوکا دینے کے لئے جو پلاٹ گھڑا تھا بیکار ہو گیا۔"

حمید کچھ سوچنے لگا۔

"ادھر کہاں جا رہے ہیں۔" دفعتاً حمید بولا۔

"ٹھہرو..... آج کھانا وہیں کھائیں گے۔" فریدی نے جواب دیا۔

تھوڑی دیر بعد ان کی کار میٹرو کے پھاٹک پر پہنچ گئی۔

رقیہ اور نصیر ایک میز پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ فریدی اور حمید کو دیکھ کر دونوں چونک پڑے۔

"آیئے انسپکٹر صاحب۔" نصیر نے اٹھ کر فریدی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

فریدی اور حمید بھی وہیں بیٹھ گئے۔

"آخر اسپینی رقاصہ کے کمال نے آپ کو بھی کھینچ ہی لیا۔" رقیہ فریدی سے بولی۔ "میں نے سنا ہے کہ آپ بہت خشک آدمی ہیں۔"

"نہیں ایسا تو نہیں۔" فریدی نے ایسے رومانٹک انداز میں مسکرا کر جواب دیا کہ حمید کو حیرت ہوئی۔

رقیہ فریدی کی نظروں کی تاب نہ لا کر ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔

فریدی کچھ اور کہنے ہی والا تھا کہ بیرے نے آکر نصیر سے کہا کہ اسے کوئی ٹیلی فون پر بلا رہا ہے۔ نصیر اٹھ کر چلا گیا۔

"آج سردی بہت زیادہ ہے۔" فریدی نے رقیہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"جی ہاں..... ہے تو.....!" رقیہ بولی۔

"غالباً آپ کے پاس بھی ساجد کی تصویر ضرور ہو گی۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں ہے تو۔"

"آپ براہِ مہربانی مجھے عنایت فرمائیں گی۔"

رقیہ اداس ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے جنہیں وہ منہ دوسری طرف پھیر کر پونچھنے لگی۔

فریدی نے حمید کو اشارہ کیا اور وہ کسی بہانے سے اٹھ کر وہاں سے ہٹ گیا۔

"مجھے افسوس ہے۔" فریدی بولا۔ "کہ میں نے پھر اس تذکرے کو چھیڑ کر آپ کو دکھ پہنچایا۔ مگر کیا کروں مجبوری ہے..... خیر آپ کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ آپ وقت سے پہلے آگاہ ہو گئیں۔ اُف میرے خدا ایک شریف اور عالی خاندان کی لڑکی ایک بدمعاش کے چنگل میں..... آپ کو اسے قطعی بھول جانا چاہئے۔"

فریدی بولتا رہا اور رقیہ یہ خیال کئے بغیر کہ وہ اس وقت مجمع میں بیٹھی ہوئی ہے آنکھوں پر رومال رکھے سسکیاں لیتی رہی۔

اتنے میں نصیر آ گیا۔

"ہائیں کیا بات ہے۔" نصیر فریدی کو گھورتا ہوا بولا۔

"مجھ سے غلطی ہوئی..... معافی چاہتا ہوں..... مگر اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔" فریدی نے کہا۔

"آخر بات کیا ہے؟" نصیر تیز لہجے میں بولا۔

"مجھے ساجد کی تصویر کی ضرورت ہے۔ میں نے مس رقیہ سے پوچھا وہ رونے لگیں۔"

"آپکو مجھ سے کہنا چاہئے تھا..... آپ بھی کمال کرتے ہیں۔" نصیر ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

"میں ایک بار پھر اظہارِ افسوس کرتا ہوں۔"

"تصویر آپ کو مل جائے گی۔" نصیر بدستور بُرا سا منہ بنائے ہوئے بولا۔

"بُرا ماننے کی بات نہیں نصیر صاحب..... پانی اب سر سے اونچا ہو چکا ہے۔ مجرموں کو گرفتار کرنے کے لئے مجھے سخت سے سخت قدم اٹھانا پڑے گا۔"

"کیا مطلب.....!" نصیر چونک کر بولا۔

"آج زندگی تھی جو ہم لوگ بچ گئے۔"

"آخر بات کیا ہے؟"

"آج میں نے زندگی میں شاید پہلی بار ایسی حماقت کی تھی۔" فریدی نے کہا۔

"کچھ بتایئے بھی..... خواہ مخواہ الجھن میں مبتلا کر رہے ہیں آپ.....!"

"آج ہم لوگ کوئی احتیاطی تدبیر کئے بغیر آپ لوگوں کے بتائے ہوئے پتے پر ساجد کے بنگلے کی تلاشی لینے چلے گئے۔ ہمیں چاہئے تھا کہ ہم سب سے پہلے پولیس سے مدد لے کر بنگلے کا

محاصرہ کرا دیتے۔"

"لیکن ہوا کیا.....؟" نصیر بے صبری سے بولا۔

"جب ہم ایک کمرے سے کوکین کے ڈبے برآمد کر رہے تھے کسی نے پیچھے سے ہم پر گولی چلائی اور تو اور لطف یہ ہے کہ اس گولی چلانے والے پر بھی کسی نے دوسرا فائر کیا۔ جب ہم لوگ اُدھر گئے جدھر سے فائر ہوئے تھے تو ہمیں کوئی بھی نظر نہ آیا۔ حتیٰ کہ ساجد کی بوڑھی ملازمہ بھی غائب تھی۔"

"بڑے تعجب کی بات ہے۔"

"اور سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ مجرم پر بھی کسی نے وار کیا۔" فریدی بولا۔

"آپ کا کوئی دوست ہی ہو سکتا ہے۔" نصیر نے کہا۔

"ناممکن.....اس معاملے کو فی الحال میرے اور حمید کے علاوہ کوئی اور نہیں جانتا.....یا پھر آپ لوگ.....!"

"حیرت ہے۔"

"بہرحال جس نے بھی مجرم پر وار کیا بُرا ہوا..... اس سے وہ لوگ اور زیادہ محتاط ہو جائیں گے اور نتیجے کے طور پر مجھے بہت زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"آپ کا خیال درست ہے۔" نصیر بولا۔

"آپ جانتے ہی ہوں گے کہ میرے ہاتھ میں بڑے بڑے کیس آئے لیکن مجھے کبھی اتنی پریشانی نہیں اٹھانی پڑی۔" فریدی بولا۔

"میں آپ کو ہر ممکن مدد دینے کے لئے تیار ہوں۔ تصویر آپ کو مل جائے گی۔ کم بخت نہ جانے کیوں ہم لوگوں کے پیچھے بھی پڑ گئے ہیں۔"

فریدی اور حمید کھانا کھا کر واپس آ گئے۔

عشق

فریدی نے دوسرے ہی دن ساجد کو ایک بند گاڑی میں سوار کرا کے راج روپ نگر پہنچا دیا۔ ڈاکٹر شوکت کے لئے اس قسم کا کیس بالکل نیا تھا۔ لیکن اس نے فریدی سے اچھے تعلقات ہونے کی بناء پر اس کا علاج کرنا منظور کر لیا لیکن اس نے یہ وعدہ نہیں کیا کہ وہ کتنے عرصے میں اسے ٹھیک کر سکے گا۔

اسی دن شام سے فریدی نے محسوس کرنا شروع کیا کہ اس کا پیچھا کیا جا رہا ہے.....وہ جب بھی باہر نکلتا کسی نہ کسی آدمی کو اپنے تعاقب میں ضرور پاتا۔

اس کیس میں سچ مچ اسے دانتوں پسینہ آ گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مجرموں کو کس طرح قابو میں لائے۔ حملہ آور کا پستول اس نے محفوظ کر لیا تھا لیکن اس کے دستے پر بھی اسے کسی قسم کے نشانات نہ مل سکے۔ اس اندھیرے میں اسے امید کی صرف ایک ہی کرن دکھائی دیتی تھی اور وہ ساجد کی ذات تھی، لیکن کبھی کبھی وہ اس طرف سے بھی مایوس ہو جاتا تھا کیونکہ یہ ضروری نہیں تھا کہ اس کی دماغی حالت درست ہی ہو جائے۔

ایک مجرم کا ریوالور بھی اسے دستیاب ہو گیا تھا اور یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ وہ کہاں دیکھا گیا تھا۔ اس نے کئی بار سوچا کہ مجرموں کو گرفتار کرا دے، لیکن پھر خیال آیا کہ ان کے خلاف ثبوت کہاں سے مہیا کرے گا۔ بہرحال وہ سخت الجھن میں تھا کہ کیا کرے۔

سب سے زیادہ حیرت اُسے مجرموں کی دیدہ دلیری پر تھی۔ بعض اوقات تو اسے محسوس ہونے لگتا تھا کہ جیسے اس نے قطعی غلط قدم اٹھایا ہو۔ جنہیں وہ مجرم سمجھ رہا ہے، وہ مجرم نہیں ہیں لیکن ہاتھی دانت کے دستے والا ریوالور اسے پھر اپنے پہلے ہی خیال پر لوٹ آنے کے لئے مجبور کر دیتا تھا۔

دوسری چیز جو اس کیلئے بالکل معمہ بن کر رہ گئی تھی مجرم پر فائر کرنے والے کی شخصیت تھی۔

اس بازی میں وہ اپنے جس مہرے پر بھی نظر ڈالتا اس کی پوزیشن کمزور ہی نظر آتی تھی۔

دفعتاً اس کے ذہن میں ایک نیا خیال پیدا ہوا۔ وہ خیال جو مزاح کی خاطر کئی بار حمید کے سامنے

دہرا چکا تھا یعنی رقیہ پر ڈورے ڈالنا۔ اگر وہ کسی طرح قابو میں آ گئی تو پھر بس کام بن گیا۔

اس معاملے پر پہلے سے زیادہ غور کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اس سے بہتر اور کوئی طریقہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اس نے باقاعدہ رقیہ سے ملنا شروع کر دیا۔ لیکن وہ بھی پرلے سرے کی گھاگ تھی۔ کیا مجال کہ کہیں سے لغزش ہو جائے۔ فریدی کو اس معاملے میں بھی سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا..... لیکن وہ ہمت نہیں ہارا۔ دونوں میں کافی بے تکلفی ہو گئی تھی۔ مگر وہ مطلب کی باتوں پر صاف اڑ جاتی تھی۔

آج وہ فریدی سے ملنے کے لئے اس کے گھر آئی تھی، لیکن وہ گھر پر موجود نہ تھا اور حمید کہیں جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر اس نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔

کچھ دیر تک دونوں میں رسمی باتیں ہوتی رہیں پھر فریدی کے متعلق گفتگو چھڑ گئی۔ حمید نے محسوس کیا کہ فریدی کا نام لیتے وقت رقیہ کی آواز میں ایک عجیب قسم کا رسیلا پن پیدا ہو جاتا ہے۔

"ایک ایسا شخص جو دن رات محنت کرتا ہو، کافی دیکھ بھال چاہتا ہے۔" رقیہ بولی۔

"جی ہاں..... میں ان کی کافی دیکھ بھال کرتا ہوں۔" حمید بولا۔

"آپ.....!" رقیہ بے اختیار ہنس پڑی۔

"کیوں..... اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔"

"کچھ نہیں..... ویسے آپ بھی خاصے عورت معلوم ہوتے ہیں۔" رقیہ قہقہہ لگا کر بولی اور حمید جھینپ گیا۔

"ممکن ہے آپ ٹھیک کہتی ہوں۔" حمید جھینپے ہوئے لہجے میں بولا۔ "مگر اس بات کا مجھے یقین ہے کہ اگر میں ذرہ برابر بھی عورت معلوم ہوتا تو فریدی صاحب ایک منٹ کے لئے بھی مجھے اپنے قرب و جوار میں برداشت نہ کر سکتے۔"

"اوہ تو کیا انہیں عورتوں سے نفرت ہے۔" رقیہ بولی۔

"کبھی تھی لیکن شاید اب نہیں۔"

"کیا مطلب.....؟"

"میں نے آج تک ان کی زبانی کبھی عورتوں کا تذکرہ نہیں سنا لیکن آج کل وہ دن رات ایک عورت کی شان میں قصیدے پڑھا کرتے ہیں۔"

"اچھا..... کون ہے وہ عورت.....!"

"یہ نہ بتا سکوں گا..... اگر فریدی صاحب کو خبر ہو گئی تو شاید مجھے زندہ ہی دفن کر دیں۔"

"انہیں معلوم ہی کیسے ہو گا۔"

"مجھے سخت حیرت ہے۔" حمید اس کی بات سنی ان سنی کر کے بولا۔ "وہ شخص جو محض فن سراغ رسانی کی تکمیل کے لئے شادی تک سے گریز کرتا رہا ہو، وہ شخص جس کے سر پر ہر وقت سراغ رسانی کا بھوت سوار رہتا ہو۔ وہ جسے اپنے فن کے علاوہ اور کسی چیز کی پرواہ نہ رہی ہو۔ ایک عورت کے خیال میں اس طرح غرق ہو جائے کہ ایک معمولی سے مجرم کو بھی نہ پکڑ سکے، وہ شخص جس نے لیونارڈ جیسے عالم گیر شہرت رکھنے والے آدمی کو چوہے کی طرح پھانس لیا۔ ساجد جیسے گمنام آدمی کا پتہ نہ لگا سکے، مجھے اس کی حالت پر رحم آتا ہے۔ واقعی عورت بڑی خطرناک چیز ہے۔"

حمید خاموش ہو گیا۔

"لیکن آخر وہ عورت ہے کون، جس نے ایسے پتھر کو موم کر دیا۔" رقیہ بے تابی سے بولی۔

"کل رات..... میں ان کی حالت دیکھ رہا تھا..... وہ پاگلوں کی طرح سارے گھر میں گھومتے پھر رہے تھے اور پھر میں نے انہیں بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر روتے دیکھا، اف میرے خدا کتنا دردناک منظر تھا۔ وہ شخص جو افلاطون کو سبق دینے کا دعویٰ رکھتا ہو، اس طرح بے بس ہو جائے۔ بچوں سے بھی بدتر..... اف! اگر قانون کا ڈر نہ ہوتا تو میں اس عورت کو گولی مار دیتا۔" حمید کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ آنکھیں حلقوں سے باہر ابلی پڑ رہی تھیں۔ وہ اس طرح ٹہلنے لگا جیسے خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہا ہو۔

"خدارا بتا بھی دیجئے کہ وہ کون ہے۔" رقیہ بے صبری سے بولی۔

"آپ نہ سن سکیں گی..... مگر نہیں آپ کو سننا ہی پڑے گا۔ وہ آپ ہیں..... صرف آپ۔ آپ نے ان کی زندگی برباد کر دی۔ آپ ان کی شہرت کو پستیوں میں پھینکنے والی ہیں..... خدارا ان کے راستے سے ہٹ جائیے۔ میں ان کی نفسیات سے اچھی طرح واقف ہوں۔ ان کی زندگی میں کسی عورت کا داخل ہونا ان کے لئے انتہائی خطرناک ہے۔ وہ کسی کام کے نہ رہ جائیں گے اور اس سے ملک اور قوم کو جو نقصان ہو گا وہ ظاہر ہے۔ میں آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ ان کے راستے سے ہٹ جائیے۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ رقیہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ دفعتاً وہ مردہ آواز میں بولی۔

"میں کیا کر سکتی ہوں۔"

"ان سے ملنا چھوڑ دیجئے..... میں انہیں آپ کی بے وفائی کا یقین دلا کر کسی نہ کسی طرح راہ پر لے آؤں گا۔"

رقیہ خاموش رہی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے اندر دو متضاد قسم کے جذبوں میں جنگ جاری ہے۔ حمید اس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ ایک بار دونوں کی نظریں ملیں اور رقیہ نے سر جھکا لیا۔ وہ ناخن سے کرسی کا گدہ کرید رہی تھی۔ اس کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئی تھیں۔

دفعتاً قدموں کی آہٹ سنائی دی اور فریدی خون میں نہایا ہوا آکر ایک صوفے پر گر گیا۔ رقیہ کے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔

"یہ کیا ہوا.....!" حمید بے اختیار چیخا۔

فریدی نے آنکھیں بند کئے ہوئے ایک ہاتھ اٹھا دیا۔ اس کی سانس تیزی سے چل رہی تھی۔ اس نے آنکھیں کھولیں جن سے نقاہت ظاہر ہو رہی تھی۔

"پانی.....!" وہ اپنے پٹی سے بندھے ہوئے سر پر ہاتھ رکھ کر نقیہہ آواز میں بولا۔

حمید پانی لینے چلا گیا۔

"یہ کیا ہوا۔" رقیہ صوفے کے قریب زمین پر دوزانو بیٹھتے ہوئے بولی۔ اس کے دونوں ہاتھ فریدی کے رخساروں پر تھے۔

فریدی کے چہرے پر نقاہت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ اس کی انگلیوں کو آہستہ آہستہ سہلانے لگا۔ رقیہ کی آنکھوں میں آنسو جھلک آئے۔ جنہیں وہ منہ پھیر کر پی جانے کی کوشش کرنے لگی۔

"کئی آدمیوں نے گھیر لیا تھا۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

اتنے میں حمید پانی لے کر آ گیا۔

"آدمیوں نے گھیر لیا تھا۔" حمید نے چونک کر فریدی کا جملہ استفہامیہ انداز میں دہرایا۔

"مجھے افسوس ہے کہ..... میں ان کی شکل نہ دیکھ سکا۔" فریدی رک رک کر بولا۔

"انہوں نے سیاہ نقاب پہن رکھے تھے، لیکن مجھے یقین ہے کہ ان میں ساجد ضرور تھا۔"

"ساجد.....!" رقیہ حیرت سے بولی۔ لیکن پھر فوراً ہی سنبھل کر کہنے لگی۔ "بہت ممکن ہے کہ وہ رہا ہو۔"

"لیکن یہ حادثہ کہاں ہوا۔" حمید بولا۔

"والٹر روڈ پر.....!"

"والٹر روڈ پر.....!" رقیہ پھر چونک کر بولی۔

"حمید تم فوراً کوتوالی جا کر پتہ لگاؤ کہ کسی حادثے کی اطلاع تو نہیں آئی، لیکن میرے متعلق کسی سے کچھ نہ کہنا۔" فریدی نے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔

حمید تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ فریدی نے پھر آنکھیں کھولیں۔

"تم ابھی تک نہیں گئے۔" وہ بولا۔

"میں آپ کو اس حال میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔"

"تم جاؤ رقیہ ہیں تو میرے پاس۔" فریدی نے کہا۔ رقیہ کہتے وقت اس کے لہجے میں بلا کا پیار آ گیا تھا۔ جسے رقیہ بھی محسوس کئے بغیر نہ رہ سکی۔

حمید چلا گیا۔

"آپ یہاں سے کہیں اور چلے جایئے۔" رقیہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"کیوں.....؟"

"یونہی آپ پر یہ دوسرا حملہ ہے۔"

"ہوگا..... میں اتنا بزدل نہیں ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ میں کچھ دنوں سے خود کو احمق محسوس کرنے لگا ہوں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میری ذہانت کسی ویرانے کی دلدل میں پھنس کر آخری ہچکیاں لے رہی ہے۔"

"یہ کیوں.....؟"

"میں نہیں جانتا۔" فریدی نے رقیہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور پھر نظریں جھکا کر ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

رقیہ کا چہرہ تمتما اٹھا تھا اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ پورا جسم کانپ رہا تھا۔ اس کی

آنکھوں سے دو موٹے موٹے قطرے ڈھلک کر رخساروں پر بہ چلے۔

"تم رو رہی ہو۔" فریدی اس کا ہاتھ دباتے ہوئے پیار بھرے لہجے میں بولا۔

"مجھے افسوس ہے..... لیکن میں ساجد کو کسی طرح قانون کی گرفت سے نہ بچا سکوں گا۔ معاملہ میرے ہاتھوں سے بہت دور جا چکا ہے۔"

"ساجد.....!" وہ اس طرح بولی جیسے خود سے باتیں کر رہی ہو۔ "جہنم میں گیا ساجد۔ میں مجبور تھی..... میں ان غلاظتوں سے تنگ آ گئی ہوں۔ میں اب اس گندگی میں نہیں رہ سکتی۔ موت صرف موت مجھے سکون دے سکے گی۔ چوتھا خون اُف میرے خدا..... چوتھا خون۔"

"کیا مطلب.....؟" فریدی اٹھتے ہوئے بولا۔

رقیہ نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے پھر لٹا دیا۔

"تمہارا خون..... لیکن اب مجھ سے نہ ہو سکے گا۔ ہرگز نہ ہو سکے گا۔ تم سنتے ہو۔" رقیہ فریدی کے سینے پر سر رکھ کر بے اختیار پھوٹ پڑی۔

"ڈرو نہیں..... صاف صاف بتاؤ..... کیا بات ہے..... جب تک میں زندہ ہوں کوئی تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔"

"میں موت سے نہیں ڈرتی..... مجھے تو اب مر ہی جانا چاہئے۔ لیکن میں اب یہ کسی طرح گوارا نہیں کر سکتی کہ چوتھی موت کا ذریعہ بنوں۔ میں اب اپنے ضمیر کو دھوکہ نہیں دے سکتی۔ حالانکہ اسے میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ اس کی سزا موت ہوگی۔"

"شاید تم بہت زیادہ پریشان ہو۔" فریدی بولا۔ "تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔"

"میں بالکل ٹھیک ہوں..... شاید آپ اسے ہذیان سمجھ رہے ہیں..... میں قطعی ہوش میں ہوں۔"

"نہیں ساجد کی حرکت نے تمہارے ذہن پر بہت بُرا اثر ڈالا ہے۔"

"ساجد.....!" وہ چونک کر بولی۔ "اوروں کی طرح اس کی بھی ہڈیاں تک گل گئی ہوں گی۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"ساجد سے پہلے بھی دو آدمیوں کو موت کے دروازے تک پہنچا چکی ہوں۔"

"غالباً تمہارا اشارہ ان دونوں کی طرف ہے جن کی لاشیں میرے پھاٹک پر پائی گئی ہیں۔"

"ہاں..... اور یہ بات آج تک میری سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ لاشیں آپ کے پھاٹک پر کیوں پھینکوائی گئیں۔"

"مگر ان کی موتیں تو قدرتی حالات میں ہوئی تھیں۔" فریدی بولا۔

"بالکل غلط..... میں اس پر یقین نہیں کر سکتی۔ لیکن یہ بھی وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتی کہ ان کا خاتمہ کس طرح کیا گیا۔"

"مگر وہ تھے کون۔"

"میں یہ نہیں جانتی..... ایک بار وہ تینوں اکٹھا کھائے گئے تھے..... اور کہا گیا تھا کہ میں ان تینوں کو الگ الگ اس طرح پھانسوں کہ ایک دوسرے کو اس کی خبر نہ ہونے پائے۔"

"پھر.....!"

"میں نے انہیں پھانس کر باری باری موت کے دروازے تک پہنچا دیا۔ میرا بس اتنا ہی کام تھا کہ ان کے متعلق اچھی طرح واقفیت بہم پہنچا کر انہیں نصیر تک پہنچا دوں۔"

"نصیر.....!" فریدی حیرت سے بولا۔ "کیا تم اپنے چچا کو نام لے کر مخاطب کرتی ہو۔"

"چچا.....!" رقیہ ایک زہریلی ہنسی کے ساتھ بولی۔ "چچا..... ہاں وہ میرا ایسا چچا ہے کہ اکثر شراب کے نشے میں مجھے ننگی ہو کر ناچنے کو کہتا ہے۔"

"اوہ.....!"

"میں ان سب کی محبوبہ ہوں۔" رقیہ بے باکی سے بولی۔ "ان کے چکر میں پھنسی ہوئی ایک مجبور عورت۔"

"تو کیا وہ کئی ہیں۔"

"آٹھ.....!"

"اور نصیر ان کا سردار ہے۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں وہ بھی انہیں میں سے ایک ہے۔" رقیہ بولی۔ "سردار وہ ایک بہت بھیانک آدمی ہے۔ ایک خطرناک بوڑھا جو ہمیشہ اپنا چہرہ نقاب سے چھپائے رہتا ہے اور شاید صرف میں ہی یہ جانتی ہوں کہ وہ ایسا کیوں کرتا ہے۔ ایک بار میں نے اسے اتفاقاً بے نقاب دیکھ لیا تھا..... اف میرے خدا کتنا بھیانک چہرہ تھا۔ اس کے چہرے پر ناک کی جگہ پر ایک بڑا غار ہے..... اس غار سے

اس کا حلق تک دکھائی دیتا ہے۔"

"اوہ.....!" فریدی اچھل کر بولا۔

"صرف سن کر ہی آپ خوفزدہ ہو گئے۔ میرا خیال ہے کہ اگر دیکھ لیں تو.....!"

"اور وہ والٹر روڈ کی کوٹھی نمبر تین میں رہتا ہے۔" فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"آپ کو کیسے معلوم ہوا۔" وہ حیرت سے بولی۔

"مجھے سب کچھ معلوم ہے۔"

"تو پھر آپ ساجد.....!"

"تم لوگ مجھے دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے تھے اور میں تمہیں۔"

"تو یہ سب محبت.....!"

"ہاں ہاں..... یہ بالکل ٹھیک ہے۔" فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "میں پہلی ہی نظر میں پہچان گیا تھا کہ تم کوئی شریف لڑکی ہو اور ان کے چنگل میں پھنس گئی ہو۔ مجھے تم سے اتنی ہمدردی اور محبت ہے جتنی کہ ایک بھائی کو ایک بہن سے ہو سکتی ہے۔ میں اس عرصے میں تمہاری لئے بہت زیادہ پریشان رہا۔"

رقیہ حیرت سے اس کا منہ دیکھ رہی تھی۔

"خیر مجھ جیسی آبرو باختہ کسی شریف آدمی کی بہن بننے کے لائق نہیں۔"

"کیوں نہیں..... کیوں نہیں۔ تم میری بہن ہو..... اور میں تمہیں بچانے کے لئے ہر ممکن طریقہ اختیار کروں گا۔"

"مجھے اب زندگی کی ضرورت نہیں..... مجھے زندگی کے نام سے بھی نفرت ہو چکی ہے۔" رقیہ بولی۔

"نہیں تمہیں جینا چاہئے..... ہمت ہارنا بزدلی ہے۔" فریدی بولا۔ "ہاں یہ تو بتاؤ کہ ساجد کے گھر میں مجھ پر گولی کس نے چلائی تھی اور اس کی نوکرانی کا کیا ہوا۔"

"آپ پر گولی چلانے والا انہیں میں سے ایک تھا اور نوکرانی کے متعلق میں کچھ نہیں جانتی۔"

"اور وہ شخص جس نے مجھ پر فائر کرنے والے پر گولی چلائی تھی۔"

"اس کے متعلق بھی میں کچھ نہیں جانتی۔"

"وہ تین آدمی کس قصور پر مارے گئے۔"

"مجھے اس کی بھی اطلاع نہیں۔"

"شنکر کے بارے میں بھی تمہیں کچھ معلوم ہے۔"

"ہاں..... اس کی اور آپ کی جنگ کا پروگرام نصیر ہی کا بنایا ہوا تھا۔"

"کیوں.....؟"

"تاکہ آپ دونوں الجھ کر رہ جائیں اور وہ اطمینان سے اپنا کام کر سکیں۔"

"اور وہ کام کیا ہے۔"

"یہ مجھے نہیں معلوم۔" رقیہ بولی۔ "لیکن اتنا جانتی ہوں کہ وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ انہوں نے آپ کو غلط راستے پر ڈال دیا ہے اور مجھے حکم ملا ہے کہ آپ کو اپنے حسن کے جال میں پھنساؤں۔ شاید وہ ان تینوں کی طرح آپ کی بھی جان لینا چاہتے ہیں۔ لیکن اب مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا۔"

"خیر اب وہ میرے ہاتھ سے بچ نہیں سکتے۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" رقیہ بولی۔ "آج رات والٹر روڈ کی کوٹھی میں وہ سب کسی خاص مسئلے پر غور کرنے کے لئے اکٹھا ہوں گے۔"

"کیا تم بھی وہاں ہو گی۔"

"نہیں..... میرا بلاوا نہیں! میں ہوٹل میٹرو ہی میں ہوں گی۔"

"ہاں اسپینی رقاصہ کے متعلق بھی کچھ جانتی ہو۔"

"اس کا تعلق بھی گروہ سے ہے، لیکن یہ نہیں جانتی کہ تعلق کی نوعیت کیا ہے۔"

"وہ سب وہاں کس وقت اکٹھا ہوں گے۔"

"گیارہ بجے رات کو۔"

"ہوں..... اچھا تو اگر تم سرکاری گواہ بن گئیں تو میں تمہاری جان صاف بچالوں گا۔"

"دیکھا جائے گا۔" رقیہ بے دلی سے بولی۔

"اچھا وہاں..... وہ خطرناک بوڑھا بھی ہو گا۔"

"ہاں.....!" رقیہ بولی۔ "ان کا پروگرام اب یہاں سے کہیں اور جانے کا ہے۔ معلوم نہیں کیوں اب تک رکے ہوئے ہیں۔"

"کوٹھی میں نوکر کتنے ہیں اور رات میں ان کے کہاں کہاں ہونے کے امکانات ہو سکتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"وہ سب مل کر آٹھ ہیں.... وہی دن میں معمولی نوکروں کے فرائض انجام دیتے ہیں۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ سب گیارہ بجے ایک جگہ پر ہوں گے۔"

"ہاں..... اس قسم کی نشستیں عموماً ہال میں ہوتی ہیں۔"

"ہال کی سچویشن.....؟" فریدی نے پوچھا۔

"عمارت کے وسط میں واقع ہے۔"

"کتے تو نہیں۔"

"ایک بہت ہی خطرناک قسم کا خرگیز ہاؤنڈ ہے جو رات میں عموماً کمپاؤنڈ میں کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے۔"

"خیر اس کے لئے بارہ سنگھے کے گوشت کا ایک ٹکڑا کافی ہوگا۔" فریدی بولا۔

"کیا مطلب.....؟"

"اس نسل کا کتا بارہ سنگھے کے گوشت کی بو ایک میل سے سونگھ کر اس پر آتا ہے۔"

"تو کیا آج رات کو.....!"

"ہاں.....!"

"سردار بہت خطرناک آدمی ہے۔"

"میں جانتا ہوں مجھے اس کی سات پشت سے واقفیت ہے۔"

"فرض کیجئے کہ میں نے اس وقت بھی آپ کو دھوکہ دے کر آپ کی اسکیم معلوم کر لی ہو۔" رقیہ مسکرا کر بولی۔

"مجھے اطمینان ہے۔" فریدی نے کہا۔ "میں اس وقت تمہاری آنکھوں میں فرشتوں کی سی معصومیت دیکھ رہا ہوں۔"

"خیر اب آپ آرام کیجئے۔" رقیہ اٹھتی ہوئی بولی۔ "شکار کرنے آئی تھی اور شکار ہو کر جا رہی ہوں..... مگر مجھے..... یہ سودا مہنگا نہیں پڑا۔ میرا ضمیر مطمئن ہے۔"

رقیہ تھوڑی دیر کھڑی کچھ سوچتی رہی اور پھر باہر چلی گئی۔ فریدی نے اسے واپس بلانا چاہا لیکن وہ پھاٹک سے نکل چکی تھی۔

کچھ دیر بعد حمید واپس آ گیا۔ اس دوران میں فریدی نہا کر کپڑے تبدیل کر چکا تھا۔

"ارے.....!" وہ فریدی کو دیکھ کر اچھل پڑا۔

"خیریت..... خیریت.....!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ کے سر کی پٹی.....!"

"اوہ.....!" فریدی اپنے اچھے خاصے سر پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

"اور وہ زخم.....!" حمید پھر بولا۔

"الف لیلیٰ کی داستان۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "صرف دو مرغوں کا خون کافی ہو گیا تھا اور رات کے کھانے پر ہمارے دستر خوان پر دو عدد مرغ مسلم ہوں گے۔"

"کیا مطلب.....؟" حمید چونک کر بولا۔

"آج میں تم سے بہت خوش ہوں..... تم ایک اچھے اداکار بھی ثابت ہو سکتے ہو۔ آج تو تم نے کمال ہی کر دیا۔" فریدی نے کہا۔

"ذرہ نوازی ہے جناب والا کی..... ورنہ بندہ کس لائق ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"مگر للہ بتائیے یہ کیا اسرار ہے۔ عقل کو سخت پیچ و تاب ہے۔ بندہ ہمہ تن اضطراب ہے۔ پردہ اس راز سے اٹھائیے کہ غنچہ دل کھلکھلائے اور گلشن حیات باصوت ہزاراں مثل باغ بہشت کے گلزار بے خزاں ہو۔"

"بس بس..... بکواس بند اے..... آغا حشر کے شاگرد رشید۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"خاکسار تو صرف حضور والا کے دامن تلمند سے وابستہ ہے۔" حمید بولا۔

"بھئی ختم کرو یہ سب.... بس آج آخری معرکہ اور سر کرنا ہے.... اس کے بعد....!"

"اس کے بعد آپ رقیہ سے شادی کر لیں گے۔" حمید ہنس کر بولا۔ "لیکن یہ تو بتائیے کہ آپ نے یہ کیا سوانگ رچا رکھا تھا۔"

"جب میں نے دیکھا کہ تم نے لوہے کو کافی تپا دیا ہے تو میرے لئے فوراً ہی ضرب لگا دینے کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں رہ گیا۔"

"تو کیا آپ ہماری گفتگو سن رہے تھے۔" حمید بولا۔

"عجیب اتفاق ہے کہ میں ٹھیک اسی وقت یہاں پہنچا جب تم اسے میرے عشق کی داستان سنا

رہے تھے۔"

"وہ تو ویسے ہی کچھ کچھ راہ پر آچلی تھی۔ آخر یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" حمید بولا۔

"تم ابھی بالکل بدھو ہو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "دن رات عورت عورت چلانا اور چیز ہے اور عورت کی فطرت کا مطالعہ اور چیز۔"

"بجا ارشاد ہوا۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔

"نہ ماننے کی بات نہیں، عورت سے قریب رہ کر تم ہرگز عورت کو نہیں پہچان سکتے۔ کیونکہ تمہاری جذباتیت جو عورت کے قرب کی وجہ سے جاگتی ہے تمہیں اس کی فطرت کا مطالعہ نہیں کرنے دیتی۔ وہ اس کی کمزوریوں کو حسن اور آرٹ کا رنگ دے کر ان کی پردہ پوشی کرنے لگتی ہے۔ مثلاً کسی کا شعر ہے۔

معشوق کی چال میں جو لنگڑاپن ہے
دل لینے کا یہ بھی ایک چلن ہے

مگر خیر..... لاحول ولا قوۃ..... میں شاعری پر کیوں اتر آیا۔ ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا۔"

کہاں.... کچھ بھی تو نہیں آپ تقریباً ایک گھنٹے سے بالکل خاموش ہیں۔ حمید ہنس کر بولا۔

"خیر چلو یہی سہی..... ہاں یاد آیا تو..... دیکھو ہر عورت کی فطرت میں مامتا کا کچھ نہ کچھ جزو ضرور ہوتا ہے اور یہ مامتا اس وقت بڑی شدت سے جاگ اٹھتی ہے جب وہ کسی ایسے مرد کو تکلیف میں مبتلا دیکھتی ہے جس کا اس سے کچھ تعلق ہو۔ جب میں نے دیکھا کہ تم اسے میری محبت کا یقین دلانے کی کوشش کر رہے ہو اور وہ کچھ کچھ پسیج بھی رہی ہے تو میں نے دو مرغوں کا خون کیا..... اور پھر..... تو تم جانتے ہی ہو..... اس کا ردعمل توقعات سے بڑھ کر نکلا۔ یقین رکھو کہ وہ مجرموں کے خلاف سرکاری گواہ کی حیثیت سے پیش ہوگی۔"

"اور پھر اس کے بعد.....!" حمید دفعتاً بولا۔

"اور پھر وہ یہیں آکر میرے پاس رہے گی۔"

"اوہ تو یہ کہئے آپ سچ مچ.....!" حمید جلدی سے بولا۔

"ہاں..... وہ سچ مچ مجھے اپنا بھائی سمجھے گی۔" فریدی چہک کر بولا۔

"لاحول ولا قوۃ.....!" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"کیا مطلب.....؟"

"میں کچھ اور ہی سمجھا تھا۔"

"غلط سمجھے تھے آپ.....!" فریدی نے کہا۔ "اور ابھی تھوڑی دیر قبل آپ ہی نے رقیہ سے فرمایا تھا کہ میں فریدی کے آرٹ کا خون ہوتے نہ دیکھ سکوں گا۔ تم نے میری فطرت کے بارے میں اس سے بالکل ٹھیک کہا تھا۔ واقعی اگر کوئی عورت میری زندگی میں داخل ہوگئی تو میں بالکل بدھو ہو کر رہ جاؤں گا۔ یہ میری سب سے بڑی کمزوری ہے۔"

"آپ ایک بار تجربہ کر کے دیکھئے۔"

"خیر چھوڑو فضول باتوں کو۔" فریدی بولا۔ "آج رات کو والٹر روڈ والی کوٹھی پر چھاپہ مارنا ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے..... لیکن ابھی سے آپ نے اپنی پٹیاں ناحق کھول دیں۔" حمید نے کہا۔

"کیوں.....؟"

"اگر نصیر آگیا تو..... رقیہ نے آپ کے زخمی ہونے کا حال اسے ضرور بتایا ہوگا۔"

"ہرگز نہیں..... گفتگو کے اختتام تک رقیہ کو غالباً پورا پورا یقین ہوگیا ہوگا کہ یہ سب سوانگ ہے۔"

"یہ کیسے.....؟"

"اس لئے کہ خود اسی نے اس بات کا اقبال کر لیا کہ ساجد خود مظلوم تھا۔"

"اوہ..... لیکن..... شنکر..... اس کے متعلق تو وہ لوگ ابھی تک یہی سمجھے ہوئے ہوں گے کہ وہ آپ کا دشمن ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اسے شنکر ہی کی حرکت سمجھا ہو۔"

"بہت دور کی کوڑی لاتے ہو۔ واقعی مجھ سے غلطی ہوگئی۔ لاؤ پھر سے پٹیاں کس لوں۔ ہاں ایک بات تو بھول ہی گیا۔ تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ اس گروہ کا سرغنہ ایک ایسا آدمی ہے جو تفریحاً خون کیا کرتا ہے۔"

"وہ جون ۴۰ء میں یہاں سے بھاگ کر جرمنی چلا گیا تھا اور محض اپنی خونی پیاس بجھانے کے لئے جرمنوں کے ساتھ اتحادیوں سے لڑ رہا تھا۔"

"آپ کا اشارہ جابر کی طرف تو نہیں ہے۔"

"بالکل اسی کی طرف ہے۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا۔"

"رقیہ سے دوران گفتگو میں..... کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اس کی ناک کی جگہ ایک بہت بڑا غار ہے۔"

"ہاں..... میں نے اس کے متعلق دفتر میں کچھ کاغذات دیکھے تھے۔ مگر اس کے جرمنی سے واپس آنے کی ہمیں کوئی اطلاع نہیں ملی۔"

"وہ بڑا گھاگ ہے..... اور انتہائی خطرناک بھی۔"

"خطرناک کہاں۔" حمید ہنس کر بولا۔ "وہ اب صرف "خطر" ہے..... اس کی "ناک" تو آتشک کھا گئی۔"

"خیر..... خیر..... الفاظ سے کھیلنے کا وقت نہیں، ہمیں ابھی بہت کچھ کرنا ہے۔"

"یعنی.....!"

"کم از کم سو عدد مسلح آدمی درکار ہوں گے۔ تم میرا خط لے کر ایس۔ پی کے پاس چلے جاؤ۔"

"سو آدمی، کیا اُن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔"

"نہیں وہ صرف آٹھ ہیں۔"

"صرف آٹھ عدد کے لئے سو آدمی۔"

"ان پر تو اکیلا جابر ہی بھاری ہوگا۔" فریدی بولا۔ "تم اسے نہیں جانتے۔ وہ کئی بار ہزاروں کے مجمع میں گھر جانے کے باوجود بھی بچ نکلا ہے۔"

تھوڑی دیر بعد حمید پھر کوتوالی کی طرف روانہ ہو گیا اور فریدی اپنے عجائبات کے کمرے میں جا گھسا۔

حملہ

رات حد درجہ تاریک تھی، سردی کی شدت سے والٹر روڈ پر آہستہ آہستہ رینگنے والے

کانسٹیبلوں کے دانت بجنے لگے تھے۔ جب کوٹھی تھوڑی دور رہ گئی تو وہ سب فریدی کے اشارے پر دو دو تین تین کی ٹولیوں میں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد آگے بڑھنے لگے۔ فریدی آہستہ آہستہ چلتا ہوا کوٹھی کے پھاٹک کے قریب آیا۔ وہ تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر اپنے کاندھے پر لٹکے ہوئے تھیلے میں سے گوشت کا ایک بڑا سا ٹکڑا نکال کر پھاٹک کے اندر ڈال دیا۔

دو منٹ، تین منٹ، پانچ، دس لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا اور وہ وہاں سے واپس لوٹ آیا۔

"شاید آج انہوں نے کتے کو بند کر رکھا ہے۔ ورنہ اتنی دیر نہ لگتی۔" اس نے حمید سے کہا۔

اتنی دیر میں پولیس کے سپاہی کوٹھی کے گرد حلقہ بنا کر آہستہ آہستہ سمٹنے لگے تھے۔ فریدی چہار دیواری کے اندر داخل ہو گیا۔ کوٹھی کی بعض کھڑکیوں سے روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے باہر سے کوٹھی کا چکر لگا ڈالا لیکن کسی قسم کی آہٹ سے بھی وہاں کی خاموشی نہ ٹوٹی۔ آخر اس نے سپاہیوں کو اشارہ کیا اور وہ سب بھی چہار دیواری کے اندر آ گئے۔

کوٹھی کے اندر بھی بالکل سناٹا تھا..... پولیس کے سپاہی ہال کے گرد متعدد کمروں میں منتشر ہو گئے تھے۔

غالباً وہ سب ہال ہی میں ہیں۔" فریدی نے آہستہ سے حمید کے کان میں کہا۔

اور پھر اچانک وہ سب ہال میں گھس پڑے۔

مگر..... ان میں سے کئی کے منہ سے بے اختیار چیخیں نکل گئیں۔ ایک بہت بڑی میز پر جس کے گرد بہت سی کرسیاں پڑی تھیں..... تین لاشیں نظر آئیں۔

"اُف میرے خدا.....!" فریدی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "نکل گئے کم بخت۔"

"ارے رقیہ..... اور ساجد کی نوکرانی۔" حمید چیخا۔

دو تین سب انسپکٹر کچھ سپاہیوں کو لے کر کمپاؤنڈ میں پھیل گئے۔ پائیں باغ اور کوٹھی کا چپہ چپہ چھان ڈالا گیا لیکن مجرموں میں سے ایک کا بھی سراغ نہ مل سکا۔

ادھر ہال میں فریدی اور حمید چند سپاہیوں اور سب انسپکٹروں کے ساتھ لاشوں کا جائزہ لے رہے تھے۔

دفعتاً فریدی چیخا۔ "اس میں ابھی کچھ کچھ جان باقی ہے۔"

"مگر یہ ہے کون۔" حمید نے پوچھا۔

"شنکر.....!" فریدی بولا۔ "جلدی کرو..... اسے کسی طرح ہسپتال تک لے چلو۔"

حمید رقیہ کی لاش کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے سینے سے خون ابل کر کپڑوں میں جم گیا تھا۔ آنکھیں بند تھیں۔ چہرے پر زندگی کے آخری لمحات کے تشنج کے آثار باقی رہ گئے تھے اور خفیف سے کھلے ہوئے ہونٹوں سے موتی جیسے ننھے ننھے دانتوں کی جھلکیاں بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی انتہائی کرب کے عالم میں مسکرانے کی کوشش کر رہا ہو..... حمید لرز اٹھا۔

پولیس کے سپاہی زخمی شنکر کو اٹھا کر باہر لے جا رہے تھے۔ لیکن فضول، برآمدے میں پہنچتے پہنچتے ہی اس نے دم توڑ دیا۔

تین لاشیں پولیس کی لاری میں لے جائی جا رہی تھیں۔ رقیہ شنکر اور ساجد کی بوڑھی خادمہ کی لاشیں۔

فریدی خاموش تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے سکتہ ہو گیا ہو۔

رات کے تین بج گئے تھے، لیکن وہ ابھی تک اپنی لائبریری میں ٹہل رہا تھا۔ حمید ایک صوفے پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ دفعتاً وہ بولا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ شنکر ان لوگوں کے ہاتھ کس طرح لگ گیا۔"

"اوں.....!" فریدی چونک کر بولا اور حمید کی طرف غور سے دیکھنے لگا۔ اس کے اس انداز سے معلوم ہو رہا تھا جیسے اس وقت وہ قطعی خالی الذہن ہو۔

"سنو.....!" وہ بولا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ عرصہ سے ان لوگوں کی قید میں تھا۔ اس دن ساجد کے بنگلے میں شنکر ہی نے حملہ آوروں پر گولی چلائی تھی۔ اس کے بعد ان لوگوں نے اسے پکڑ لیا اور اگر وہ ان لوگوں کی قید میں نہ ہوتا تو آج میرے ہاتھ سے بچ کر جا بھی نہیں سکتے تھے۔"

"وہ کس طرح.....!"

"غالباً رقیہ نے نصیر سے میرے زخمی ہو جانے کا حال بتا دیا تھا۔ اسے اس پر شبہ ہوا ہوگا کیونکہ شنکر بھی انہیں لوگوں کی قید میں تھا۔ اگر وہ ان کی قید میں نہ ہوتا تو وہ یہی سمجھتے کہ شاید شنکر ہی نے اپنا بدلہ لینے کے لئے مجھ پر حملہ کیا ہو..... اور پھر تم نہیں جانتے کہ! جابر کتنا چالاک آدمی ہے۔ خصوصاً عورتوں کی تو رگ رگ سے واقف ہے۔ اس نے ساری باتیں رقیہ سے زبردستی اگلوالی ہوں گی۔ لیکن ایک بات اب تک سمجھ میں نہیں آئی کہ شنکر کو گرفتار کر لینے کے بعد بھی وہ

ان لوگ ہماری لاعلمی کا دھوکہ کس طرح کھاتے رہے کیونکہ یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ شنکر نے ہماری حمایت میں ان کے آدمیوں پر گولی چلائی تھی ان کا مشکوک ہو جانا لازمی تھا۔"

"بہت ممکن ہے کہ شنکر نے یہ یقین دلانے کی کوشش کی ہو کہ اس کا نشانہ خود آپ تھے۔" حمید بولا۔

"ہو سکتا ہے، بہر حال اب کیا کیا جائے۔ اُف میرے خدا۔" فریدی اس طرح بڑبڑایا جیسے خود سے باتیں کر رہا ہو۔ "میں اس لڑکی کی موت کبھی نہ بھلا سکوں گا۔"

"ہم نے بہت دیر کر دی۔ اگر ہم سر شام ہی کوشش کرتے تو شاید اس کی جان بچ جاتی۔" حمید بولا۔

"اس صورت میں بھی شاید وہ ہمیں زندہ نہ ملتی..... اور ہمیں ایک خودکشی کے کیس سے دوچار ہونا پڑتا۔"

"کیا مطلب.....؟"

"تمہیں کوتوالی میں چھوڑ کر میں سیدھا میٹرو گیا تھا۔ وہاں سے میں نے ان تین کمروں کی تلاشی لی جو نصیر نے کرائے پر لے رکھے تھے۔ ایک کمرے کی تلاشی لیتے وقت مجھے ایک خط ملا جو رقیہ نے میرے نام لکھا تھا" فریدی خاموش ہو گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی شدت غم سے بھرائی ہوئی آواز کو درست کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"یہ لو.....!" فریدی نے جیب سے خط نکال کر حمید کی طرف بڑھا دیا۔

حمید خط پڑھنے لگا۔

"میں جانتی ہوں کہ تم انہیں ٹھکانے لگانے کے بعد میری تلاش میں ضرور آؤ گے، مگر میں دور بہت دور جا چکی ہوں۔ میرا طرز تخاطب تمہیں بُرا ضرور لگے گا مگر جب کہ میں مرنے جا رہی ہوں نہ جانے کیوں میرا دل چاہ رہا ہے کہ تمہیں "تم" کہہ کر مخاطب کروں، میں گنہگار اور بدکار ہوں، لیکن میں میں ہوں اور میری انفرادیت سے تمہیں کیا سروکار۔ میں تمہیں اپنا سمجھتی ہوں۔ یہ میرا فعل ہے۔ رقیہ کا فعل..... جو ان سب آلودگیوں کے باوجود بھی رقیہ ہی ہے۔ ہاں تو میں تمہیں اپنا سمجھتی ہوں، نہ جانے کیوں میرا دل چاہتا ہے کہ سارے خط میں صرف یہی جملہ بار بار دہراتی رہوں۔"

اس خط کو ختم کرنے کے بعد میں زہر پی لوں گی۔ حالانکہ تم نے مجھے بچا لینے کا وعدہ کیا ہے لیکن میں اس کی ہمت نہیں پاتی کہ اپنے اصلی روپ میں دنیا کے سامنے آسکوں۔

"تو کیا تم میری لاش پر آنسو بہاؤ گے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ تم میری لاش کو دیکھ کر آبدیدہ ہو جاؤ کیوں؟ یہ میں نہیں جانتی..... عجیب فضول سی خواہش ہے، کیا میں مرنے کے بعد تمہیں اپنے لئے آنسو بہاتا ہوا دیکھ سکوں گی؟

میں اچھی طرح سمجھتی ہوں کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو فریب دینے کے لئے اتنے قریب ہو گئے تھے، لیکن اس وقت جب میں اپنے دل کو ٹٹولتی ہوں تو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں اب تک خود کو فریب دیتی رہی ہوں۔ میں تمہیں کبھی شاہد، سمیع اور ساجد کی طرح موت کا دروازہ نہ دکھا سکتی۔ گناہوں کی زندگی میں پڑنے کے بعد میرا دل پتھر ہو گیا تھا۔ اس میں کسی کے لئے خلوص کا شائبہ بھی نہ تھا لیکن نہ جانے کیوں تم سے ملتے ہی میں نے اپنا دل دوبارہ واپس پالیا۔ مجھے میرا عورت پن واپس مل گیا۔ انسانیت واپس مل گئی اور پھر اب تمہیں بتاؤ کہ میں تمہیں اپنا کیوں نہ کہوں۔

میں مرنے جا رہی ہوں مجھے ذرہ برابر بھی اس کا افسوس نہیں۔ مجھے موت سے ڈر محسوس نہیں ہو رہا ہے۔ خودکشی! یہ میرا آخری گناہ ہے۔ ایسا گناہ جو پچھلے سارے گناہوں کے نقوش مٹا دے گا۔ میں مجبور ہوں۔ وہ رقیہ جو تمہیں اپنا سمجھتی ہے۔"

حمید کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے تھے۔

"اور پھر شاید وہ لوگ رقیہ کو کسی بہانے سے والٹر روڈ والی کوٹھی میں لے گئے۔" فریدی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "میں زندگی بھر ان کا پیچھا کرتا رہوں گا جب تک ان میں سے ایک ایک پھانسی کے تختے پر نہ پہنچ جائے گا۔ مجھے چین نہیں آسکتا۔"

فریدی بے تابانہ انداز میں ٹہلنے لگا۔

"مگر اس خط میں کوئی ایسی بات نہیں جو مجرموں کے کارناموں پر روشنی ڈال سکے۔" حمید بولا۔

"اوہ چھوڑو..... بھی..... میں اس وقت اس کے موڈ میں نہیں ہوں۔" فریدی اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔

دیوانہ بولتا ہے

دوسرے دن صبح ہی صبح فریدی گھر سے نکل گیا۔ حمید نے اسے جاتے دیکھا۔ اس کے کوٹ کے کالر میں ایک بڑا سا تر و تازہ گہرے سرخ رنگ کا گلاب لگا ہوا تھا۔ حمید کے الفاظ میں اس نے شاید اپنی زندگی میں پہلی بار اس قسم کی "بد پرہیزی" کی تھی۔ حمید کے ہونٹوں پر ایک المناک مسکراہٹ پھیل گئی۔ آج اس کا موڈ بھی بہت زیادہ خراب تھا۔ مرنے والی کا خط پڑھنے کے بعد اسے صحیح معنوں میں اس کے لئے مغموم ہونا پڑا تھا۔ اُسے سچ مچ ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے کسی قریبی عزیز کی موت ہو گئی ہو۔

تقریباً دو بجے فریدی واپس آیا۔ اسکے چہرے پر ابھی تک فکرمندی کے آثار نظر آرہے تھے۔

"حمید..... فوراً چلو.....!" فریدی بولا۔

"کہاں.....!"

"راج روپ نگر.....!"

"ڈاکٹر شوکت کے یہاں۔"

"خیریت.....!"

"زیادہ گفتگو کا موقع نہیں جلدی کرو۔"

دونوں کار میں بیٹھ کر راج روپ نگر کی طرف روانہ ہو گئے۔

"ابھی تھوڑی دیر قبل مجھے ڈاکٹر شوکت کا پیغام موصول ہوا ہے۔" فریدی بولا۔ "غالباً ساجد کی حالت کچھ سدھر گئی ہے۔"

"اوہ.....!"

"اب وہی ایک آخری کڑی ہمارے ہاتھ میں رہ گئی ہے۔"

"آپ نے کھانا کھایا۔"

"نہیں.....!"

"میں نے آپ کو اتنا پریشان کبھی نہیں دیکھا۔" حمید بولا۔

"میرے سینے میں بھی دل ہے حمید۔ پتھر نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔ "رقیہ اگر خودکشی کرنے میں کامیاب ہو گئی ہوتی تو مجھے اتنا افسوس نہ ہوتا۔ اُف وہ اپنی مرضی سے مر بھی نہ سکی۔ معلوم نہیں کب سے وہ ان کے اشاروں پر ناچتی چلی آ رہی تھی اور اس کی موت بھی انہیں کی مرضی کی پابند رہی۔ کیا یہ معمولی ٹریجڈی ہے۔ سنو حمید میں محض سراغ رسانی کی مشین نہیں ہوں، میری نظر انسانی کمزوریوں اور مجبوریوں پر بھی رہتی ہے۔ میں جب بھی کسی مجرم کو قانون کے حوالے کرنے لگتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ کیا اب ہمیں مجرموں سے پناہ مل جائے گی۔ کیا مجرموں کو سزا دینے سے وہ بُرائی مٹ جائے گی جس میں مبتلا ہو کر یہ پھانسی کے تختے کی طرف آتے ہیں۔ اب تک کروڑوں قاتل سزائے موت پا چکے ہیں لیکن کیا اب قتل نہیں ہوتے۔ کیا مجرموں کی تعداد کم ہو گئی۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔

"اس کا نہ تو ابھی تک کوئی حل دریافت ہوا ہے نہ ہونے کی امید ہے۔" حمید بولا۔

"اس کا حل شروع ہی سے موجود تھا، لیکن اس کی طرف کسی نے دھیان ہی نہیں دیا۔ یا اگر دھیان دیا بھی گیا تو محض تفریح طبع کے لئے۔ ذہنی برتری ظاہر کرنے کے لئے۔ یہ حل محض کاغذوں اور تقریروں کی زینت رہا۔

"تو آخر اس کا حل ہے کیا۔"

"بُروں سے زیادہ بُرائی کی طرف دھیان دیا جائے۔ یہ سوچا جائے کہ آخر جرم کئے ہی کیوں جاتے ہیں۔ کیوں نہ سماجی زندگی کو اس معیار پر لایا جائے جہاں جرم کا سوال ہی نہ رہ جائے۔"

"مگر یہ کس طرح ممکن ہے۔" حمید بولا۔

"ہم جو کچھ بھی کرتے ہیں اپنی آسودگی کے لئے کرتے ہیں۔ اگر سوسائٹی میں ایسے حالات پیدا کئے جائیں جن کے تحت ہم اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے آسانی سے جائز طریقے اختیار کر سکیں تو پھر ہمیں انہیں خواہشات کو آسودہ کرنے کے لئے ناجائز راستوں پر جانے کی ضرورت نہ پڑے گی۔"

"یہاں..... میں آپ سے متفق ہوں، لیکن ان حالات کا پیدا کرنا امر محال ہے۔"

"دنیا میں کوئی چیز ناممکن نہیں..... صرف عزم اور ہمت چاہئے۔" فریدی بولا۔

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ دراصل خواہ مخواہ اور بات کو بڑھانا بھی نہیں چاہتا تھا کیونکہ آج اس کا موڈ بھی کچھ اچھا نہ تھا۔ بہر حال بقیہ راستہ خاموشی ہی سے کٹ گیا۔

ڈاکٹر شوکت اور اس کی بیوی نجمہ ان کے منتظر تھے۔ وہاں پہنچ کر تھوڑی دیر تک رسمی باتیں ہوتی رہیں اس کے بعد فریدی اصل موضوع پر آ گیا۔

"اب وہ قطعی ہوش میں ہے۔" ڈاکٹر شوکت بولا۔

"کیا وہ اس قابل ہو گیا ہے کہ اس سے کچھ باتیں کی جا سکیں۔" فریدی نے کہا۔

"ہاں ہاں، لیکن ابھی فی الحال اسے باہر نہیں نکال سکتا۔ کیونکہ ابھی تک اس کی صحیح بینائی واپس نہیں آئی، لیکن مجھے امید ہے کہ وہ جلد ہی صحت یاب ہو جائے گا۔"

"چائے کا وقت ہو گیا ہے۔" نجمہ بولی۔ "میرے خیال سے آپ پہلے چائے پی لیجئے پھر بقیہ کام بعد میں بھی ہوتے رہیں گے۔"

"تو بھئی جو کچھ بھی کرنا ہے جلدی کرو۔" فریدی بولا۔ "میں بہت زیادہ الجھن میں ہوں۔"

"کیوں..... کیا کوئی خاص بات۔" شوکت نے پوچھا۔

فریدی نے اسے مختصر آسارے حالات بتا دیئے۔

"اوہ..... تو معاملہ بہت زیادہ سنگین ہو گیا ہے۔" شوکت بولا۔

"بھئی یہ خطہ بھی عجیب ہے۔" نجمہ نے کہا۔ "آئے دن قتل کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں۔"

چائے کے دوران میں اسی کیس کے متعلق مختلف قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔

"ہاں تو بھئی اب مجھے اس سے گفتگو کرنی چاہئے۔" چائے کے خاتمے پر فریدی بولا۔

یہ سب لوگ اٹھ کر ایک کمرے میں آئے، جو قریب قریب چاروں طرف سے بند تھا۔ کھڑکیوں پر سیاہ رنگ کے پردے پڑے تھے۔ ڈاکٹر شوکت نے احتیاط سے دروازہ کھولا تھا جیسے وہ سورج کی روشنی کی ایک مدھم سی جھلک سے بھی کمرے کی تاریکی کو محفوظ رکھنا چاہتا ہو۔ یہاں گہرے سبز رنگ کا ایک بلب روشن تھا۔ ساجد ایک صوفے پر نیم دراز تھا۔ انہیں آتا دیکھ کر اٹھنے لگا۔

"آپ بیٹھئے..... کسی قسم کے تکلف کی ضرورت نہیں۔" ڈاکٹر شوکت نے کہا۔

ساجد بہت غور سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"فریدی صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں۔" شوکت نے کہا۔

"میں کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔"

"شکریئے کی ضرورت نہیں۔" فریدی بولا۔ "یہ تو میرا فرض تھا۔"

"اگر آپ نہ ہوتے تو شاید میرا بھی وہی حشر ہوتا، جو میرے دوسرے ساتھیوں کا ہوا۔"

"آپ کے ساتھی..... ہاں مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ بھی آپ کے ساتھ ہی تھے۔"

"جب ہمیں شاہد کی لاش ملی تھی تو ہم سخت الجھن میں پڑ گئے تھے کہ کیا کریں..... آخر ہم نے فیصلہ کیا کہ اسے آپ کے پھاٹک پر ڈال دیں۔"

"اوہ.....!" فریدی اچھل کر بولا۔ "تو کیا وہ لاش آپ لوگوں نے وہاں ڈالی تھی۔"

"جی ہاں.....!" ساجد کچھ دیر رک کر بولا۔ "اس کی بھی ایک خاص وجہ تھی۔"

"وہ کیا.....؟" فریدی نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہم نے سوچا کہ اگر ہم نے یہ معاملہ پولیس کے سپرد کر دیا تو ہمیں باقاعدہ طور پر پبلک کے سامنے آنا پڑے گا اور اس میں ہمیں اپنی جان کا خطرہ تھا۔ لہٰذا ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ ہم لاش کو آپ کے مکان کے سامنے ڈال دیں۔"

"لیکن سوال یہ ہے کہ آپ خود کو ظاہر کیوں نہیں کرنا چاہتے تھے۔" فریدی بولا۔

"اس لئے کہ ہمیں اپنی جان کا خوف تھا۔"

"یعنی.....!" فریدی بولا۔

"بہتر یہی ہوگا کہ میں آپ کو شروع سے بتاؤں۔" ساجد نے کہا اور تھوڑی دیر تک کچھ سوچنے کے بعد پھر بولا۔ "یہ بتایئے کہ اگر آپ کے سامنے کسی مردہ آدمی کی زندہ نقل آجائے تو آپ پر اس کا کیا اثر ہوگا۔"

ساجد خاموش ہو کر سوالیہ نگاہوں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"کہتے چلئے۔" فریدی بولا۔

"میں شاہد اور سمیع بمبئی کی بندرگاہ پر اترے تو ہم نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جو برلن میں ہمارے سامنے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا تھا۔"

"تو کیا آپ لوگ جرمنی میں تھے۔" فریدی بولا۔

"جی ہاں..... ہم لوگ وہاں فن مصوری کے بارے میں ریسرچ کر رہے تھے کہ جنگ

شروع ہو گئی اور ہم لوگ وہاں خود کو ایسی پوزیشن میں محسوس کرنے لگے، جو ایک ایسے چوہے کی ہو سکتی ہے جسے چوہے دان میں پھنس جانا پڑا ہو۔ وہاں بہت سے ہندوستانی تھے۔ سب کی حالت ابتر ہو رہی تھی۔ انہیں میں رنجیت نگر کا ولی عہد سنگرام سنگھ بھی تھا۔ ایک وقت آیا کہ وہ مفلسوں جیسی زندگی بسر کرنے لگا اور اسی مفلسی کے عالم میں ہماری اور اس کی ملاقات ہوئی۔ ہم لوگ آرٹسٹ تھے، اس لئے ہمارے اخراجات کسی نہ کسی طرح چل ہی جاتے تھے۔ اس سلسلے میں ہم نے ایسی ایسی حرکتیں کی ہیں کہ اب مجھے سوچ کر شرم محسوس ہوتی ہیں۔ ہم لوگوں نے ہندوستان کے مغل شہنشاہوں کے لباس میں ہٹلر کی ایک تصویر بنائی تھی اور اس کے نیچے "شہنشاہ ہند" لکھ دیا تھا۔ ہم سے اس کی بے شمار کاپیاں بنوائی گئیں اور ہمیں ان کا اچھا خاصا معاوضہ ملا۔ انہیں کے سہارے ہم اپنے اخراجات چلاتے رہے۔"

ساجد پھر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"ہاں تو آپ رنجیت نگر کے ولی عہد کا تذکرہ کر رہے تھے۔" فریدی بولا۔

"جی ہاں۔" ساجد نے پھر بولنا شروع کیا۔ "ان دنوں ہم لوگ ایک گاؤں میں مقیم تھے، سنگرام سنگھ ہمیں وہیں ملا تھا۔ وہ ایک خوبصورت نوجوان تھا۔ شائد اسی بناء پر ایک جرمن طوائف نے اسے اپنے یہاں پناہ دے دی تھی، لیکن وہاں وہ خوش نہیں تھا۔ اسے کئی قسم کی خطرناک جنسی بیماریاں لاحق ہو گئیں۔ ایک ماہ کے اندر ہی اندر اس کا سارا جسم سڑ گیا اور آخر ایک دن اس نے ہمارے سامنے ہی دم توڑ دیا۔ وہاں ہمارے اور اس جرمن طوائف کے علاوہ ایک اور آدمی بھی تھا۔ وہ بھی ہندوستانی ہی تھا۔ لیکن اس کی شکل یاد کر کے آج بھی میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اُف کتنی بھیانک شکل تھی، وہ اکثر سنگرام سنگھ کی زندگی میں بھی اس سے ملنے کے لئے آیا کرتا تھا۔ معلوم نہیں وہ دونوں دوست کس طرح بن گئے تھے۔ میرا خیال ہے کہ اگر کوئی مجھے ساری دنیا کی دولت دے کر بھی اس سے دوستی کرنے کے لئے کہتا تو میں تیار نہ ہوتا۔ اوہ..... میں شائد پھر بہک رہا ہوں..... ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا۔"

"نہیں آپ قطعی نہیں بہک رہے ہیں۔" فریدی بولا۔ "ہاں تو اس کی شکل کیسی تھی کہ آپ اس قدر نفرت کا اظہار کر رہے ہیں۔"

"اوہ..... فریدی صاحب..... میں آپ سے کیا بتاؤں۔" ساجد بولا۔ "اس کی ناک کی

جگہ ایک بہت ہی بھیانک قسم کا غار تھا جس سے اس کا حلق تک صاف دکھائی دیتا تھا۔ ایک بار اس کا چہرہ دیکھ کر پھر دوبارہ دیکھنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ اس کے بعد ہم لوگ ادھر اُدھر مارے مارے پھرتے رہے۔

"اور وہ بھیانک چہرے والا.....!" فریدی نے کہا۔

"اس کے بعد سے میں نے پھر آج تک اسے نہیں دیکھا۔" ساجد بولا۔

"ہاں تو کیا آپ نے بمبئی کے بندرگاہ پر سنگرام کو دیکھا تھا۔" فریدی بولا۔

"جی ہاں..... اس کی شکل سنگرام سنگھ سے بہت ملتی جلتی تھی، البتہ اس کے ماتھے پر کچھ اس قسم کے نشانات تھے، جیسے وہ کبھی کسی حادثے میں شدید طور پر زخمی ہو گیا ہو۔ ہم لوگ اسے دیکھ کر چونک ضرور پڑے تھے لیکن ہم نے اس لئے اس چیز کو کچھ زیادہ اہمیت نہ دی تھی کہ دنیا میں ایک ہی شکل کے دو آدمیوں کو ہونا کوئی تعجب خیز بات نہیں، لیکن ہماری یہ لاپروائی زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی کیونکہ ہم نے اتفاقاً اس کے سامان کے بنڈلوں پر اس کے نام کی چٹیں دیکھ لیں جن پر "کنور سنگرام سنگھ آف رنجیت نگر.....!" لکھا ہوا تھا۔ اب ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، معاً ہمارے دل میں یہی خیال پیدا ہوا کہ یہ کوئی بدمعاش ہے۔ جو رنجیت نگر والوں کو دھوکہ دینے جا رہا ہے۔ اس کے ساتھ کئی اور آدمی بھی تھے، جو اس کے مصاحب یا نوکر معلوم ہوتے تھے۔ ہم لوگوں نے تہیہ کر لیا کہ اس راز کو ضرور معلوم کریں گے، بندرگاہ سے وہ لوگ سیدھے ایک شاندار ہوٹل میں پہنچے۔ ہم لوگوں نے بھی اسی ہوٹل کا رخ کیا۔ وہاں ہمیں ایک کمرہ مل گیا۔ لیکن ہمیں وہاں سے بہت جلد ہی بھاگنا پڑا کیونکہ ایک بار کسی نے ہم لوگوں کی جان لینے کی کوشش کی۔ ہمیں ہوش آ گیا تھا۔ ہم سمجھ گئے کہ یہ انہیں لوگوں کی حرکت ہے۔ شاید انہیں ہم لوگوں پر شبہ ہو گیا تھا۔ ہم نے سوچا کہ خواہ مخواہ زندگی کو خطرے میں ڈالنے سے کیا فائدہ۔ پھر ہم لوگ یہاں آپ کے شہر میں چلے آئے۔ ہم لوگوں کو یہاں آئے ہوئے مشکل سے تین روز ہی ہوئے تھے کہ ایک دن میٹرو میں میری ملاقات رقیہ سے ہو گئی۔ اس کے حسن کا جادو مجھ پر پہلی ہی ملاقات میں چل گیا تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے روزانہ ملنے لگے۔ چند ہی دنوں میں اس نے مجھے اپنا سب کچھ سونپ دیا۔ اس نے مجھے قسم دی تھی کہ میں اس کا تذکرہ اپنے انتہائی دوست سے بھی نہ کروں۔ میں نے حقیقتاً ایسا ہی کیا۔ شاہد اور سمیع کو اس کا علم نہ ہو سکا۔ حالانکہ ہمیں یہاں سے سیدھے اپنے گھروں کو پہنچنا

چاہئے تھا۔ لیکن میں نے قطعی ارادہ کر لیا تھا کہ فی الحال یہاں سے کہیں اور نہ جاؤں گا۔ جب میں نے اپنا ارادہ اپنے اور ساتھیوں پر ظاہر کیا تو انہوں نے بھی اس پر صاد کیا۔ مجھے حیرت تھی کہ آخر وہ دونوں اپنے گھروں کو کیوں نہیں چلے جاتے، بہرحال ہم لوگوں نے اپنے اپنے لئے کرائے کے مکان حاصل کر لئے۔ ابھی تک ہم لوگ ساتھ ہی رہتے آ رہے تھے، لیکن یہ عجیب بات تھی کہ اب ہم میں سے ہر ایک الگ مکان لینے پر مصر نظر آ رہا تھا۔ مجھے تو اس پر خوشی ہوئی تھی کہ وہ میرے کسی دوست کے سامنے آنا نہیں چاہتی تھی۔ خیر مجھے اس سے کیا مجھے تو صرف اس سے مطلب تھا۔ اس کے حسن سے مطلب تھا۔ اس کی جوانی سے مطلب تھا۔

لیکن ایک دن سارے سرور و کیف کا خاتمہ ہو گیا۔ کیونکہ میں نے ان بدمعاشوں میں سے ایک آدمی کو اپنے گھر کے گرد و نواح میں چکر لگاتے دیکھ لیا۔ میں نے اپنے دوستوں سے بھی اس کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ بالکل یہی واقعہ ان کے ساتھ بھی پیش آیا ہے۔ میں نے سوچا کہ اب یہاں سے بھی بھاگنا چاہئے۔ لیکن رقیہ کی محبت مانع ہوئی اور حیرت تو اس بات پر ہے کہ شاہد اور سمیع نے بھی کسی قسم کا خوف ظاہر نہ کیا۔

"ایک رات میں اور سمیع شاہد کے گھر گئے گھر میں بالکل سناٹا تھا۔ ہم سمجھے کہ شاید وہ سو رہا ہے، لیکن اس کی حماقت پر بھی غصہ آیا کہ اس طرح گھر کھلا چھوڑ کر سونے کا کیا مطلب، لیکن اف میرے خدا جب ہم اس کے سونے کے کمرے میں پہنچے تو ہم نے وہاں اس کی لاش دیکھی۔

اسی شام کو ہم نے اُسے اچھا بھلا دیکھا تھا اور پھر ہمارے لئے سب سے زیادہ تعجب خیز بات یہ تھی کہ ہم نے اُسے شام کو جس سوٹ میں دیکھا تھا وہی اس وقت بھی اس کے جسم پر موجود تھا۔ اس نے جوتے بھی نہیں اتارے تھے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں، ہم دونوں کا یہی خیال تھا کہ وہ قدرتی موت نہیں ہے، پھر دفعتاً ایک نیا خیال پیدا ہوا۔ کہیں یہ انہیں لوگوں کی شرارت تو نہیں ہے جو ایک نقلی ولی عہد کو لئے پھرتے ہیں، ہم عرصے سے یہ بات محسوس کر رہے تھے کہ شاید وہ یہ جان گئے ہیں کہ ہم اس راز سے واقف ہیں، لہٰذا وہ ہمیں اپنے راستے سے ہٹا دینے کی کوشش کرنے لگے ہیں، ایسی صورت میں ہمیں اپنے لئے یہی مناسب معلوم ہوا کہ ہم خود کو چھپانے کی کوشش کریں۔" ساجد خاموش ہو گیا۔

"آپ کو فوراً پولیس کو اطلاع دینی چاہئے تھی۔" فریدی بولا۔

"مگر دشواری تو یہ تھی کہ ہم ان کے ٹھکانے سے ناواقف تھے۔"

"اوہ..... ٹھکانا دریافت کرنا ہمارا کام ہوتا..... خیر.....!"

"بہر حال ہم نے فیصلہ کیا کہ ہم اس لاش کو کسی طرح آپ کے پھاٹک تک پہنچا کر روپوش ہو جائیں۔ ہاں میں یہ بتانا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ میں یہ تو چاہتا تھا کہ کسی طرح مجرموں کو سزا ملے لیکن خود اس معاملے میں پڑ کر اپنے رنگین اوقات کا خون نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جو رقیہ کے ساتھ بسر ہو رہے تھے۔ یہ تجویز میری ہی تھی کہ لاش کو آپ کے مکان کے سامنے ڈال دیا جائے۔ سمیع نے بھی اس کی مخالفت نہ کی۔ شاید میری ہی طرح وہ بھی ان الجھنوں سے بچنا چاہتا تھا۔ مگر کیوں یہ مجھے معلوم نہیں، دوسری وجہ سامنے نہ آنے کی یہ بھی تھی کہ ہم اس طرح خود کو چھپا کر ان لوگوں کی دستبرد سے بھی محفوظ رہ سکتے تھے۔

بہر حال اس وقت یہی تدبیر سمجھ میں آئی۔ لیکن مجھے اس کا احساس ہو رہا ہے کہ ایسا کرنا انتہائی حماقت تھی۔ اس طرح نہ صرف ہم غیر محفوظ ہو گئے تھے بلکہ قانون کی نظروں میں بھی ایک بھاری جرم کیا تھا۔"

"اس میں کوئی شک نہیں۔" فریدی بولا۔

"اس حادثے کے بعد ہم نے پھر اپنے مکانات تبدیل کر دیئے۔ رقیہ سے برابر ملاقاتیں ہوتی رہیں، لیکن سمیع کو اس کی اطلاع نہ ہونے پائی اور پھر ایک دن وہ بھی آیا کہ مجھے سمیع کی لاش بھی دیکھنی پڑی اور میں نے اُسے بھی کسی نہ کسی طرح آپ کے پھاٹک تک پہنچا دیا۔ اب رہا سہا شک بھی جاتا رہا۔ میری جگہ اگر کوئی اور آدمی ہوتا تو کبھی کا اس شہر کو چھوڑ چکا ہوتا۔ مگر رقیہ کی محبت نے ایک تیز و تند شراب کی طرح میرے دماغ کو ماؤف کر دیا تھا۔ اب مجھے اس کا بھی خوف نہ رہ گیا تھا کہ میری اور رقیہ کی محبت کا راز میرے کسی دوست کو معلوم ہو سکے گا۔ لہٰذا اب میں اسے انتہائی بے تکلفی کے ساتھ اپنے گھر بلانے لگا تھا۔ اکثر وہ رات رات بھر میرے ساتھ رہ جایا کرتی تھی اور اس کا جواز وہ اس طرح پیش کرتی کہ اس کا چچا نصیر ایک فلاسفر قسم کا آزاد خیال آدمی ہے..... وہ اس کی آزادانہ روش پر اسے کچھ نہ کہتا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ وہ کسی دن مجھے اپنے چچا سے ملائے گی۔

ایک شام اس نے مجھے میٹرو میں اسپینی رقاصہ کا ناچ دیکھنے کی دعوت دی اور یہ بھی کہا کہ وہ

مجھے اپنے چچا سے ملائے گی۔

"غالباً اس نے آپ کو اس کے لئے خط بھی لکھا تھا۔"

"جی ہاں.....!"

"اس خط میں کوئی اور خاص بات بھی تحریر تھی۔"

"میرے خیال سے کوئی قابل ذکر بات نہیں تھی۔"

"اور وہ تصویر.....!"

ساجد سوچنے لگا۔

"ہاں اس نے مجھے اپنی ایک تصویر دی تھی۔ اس نے اس خط میں اسی تصویر کے متعلق بھی لکھا تھا کہ میں اسے اپنے ساتھ لیتا آؤں۔ میں وہاں گیا۔ اس کا چچا مجھے اپنے ساتھ کمرے میں لے گیا اور شراب پیش کی۔ میں اس کی دعوت کو رد نہ کر سکا اور..... اور پھر مجھے کچھ بھی معلوم نہیں۔ بقیہ حالات میں نے ڈاکٹر صاحب کی زبانی سنے ہیں۔"

ساجد خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ رقیہ نے دیدہ و دانستہ مجھے اس عذاب میں مبتلا کرنا چاہا یا محض اتفاق تھا۔"

"جی نہیں..... یہ ایک بہت ہی سوچا سمجھا ہوا پلاٹ تھا۔ اس طرح مجرم آپ تینوں سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے تھے۔"

"تو کیا آپ نے انہیں گرفتار کر لیا۔" ساجد بول پڑا۔ "غالباً انہیں کے ساتھ رقیہ بھی ہو گی۔"

"اُسے آپ بھول جائیے۔" فریدی بولا۔ "انہوں نے اس کا بھی خاتمہ کر دیا اور خود کسی طرف فرار ہو گئے اور اب یہ معاملہ سمجھ میں آیا کہ وہ سب لوگ یہاں کیوں رکے ہوئے تھے، غالباً وہ اپنی تشفی کر لینا چاہتے تھے کہ آپ زندہ ہیں یا مر گئے۔"

"اوہ.....!"

"کیا آپ اس بات کا کوئی ثبوت عدالت میں پیش کر سکیں گے کہ اصلی سنگرام سنگھ مر چکا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں..... جرمنی سے اس کی موت کا سرٹیفکیٹ منگوایا جا سکتا ہے، جہاں سے وہ مل سکے

گاوہاں کا پتہ مجھے معلوم ہے۔"

"بہت خوب.....!" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اب آپ آرام کیجئے۔"

پھر وہ ڈاکٹر شوکت کی طرف مڑ کر بولا۔ "یہاں ان کی موجودگی کا حال کسی کو نہ معلوم ہونے پائے۔"

"تمہاری ہی ہدایت کے مطابق یہ بات میں نے نوکروں تک سے چھپائی ہے ان کا کام میں اور خود نجمہ کرتی ہیں۔" شوکت نے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہ بھولوں گا۔" ساجد نے گلوگیر آواز میں کہا۔

اس کے بعد فریدی اور حمید شہر واپس آگئے۔

انجام

تین دن بعد فریدی حمید اور چیف انسپکٹر محکمہ سراغ رسانی کے دفتر میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

"واقعی آپ کا یہ کیس بھی جرائم کی تفتیش کی تاریخ میں یادگار رہے گا۔" چیف انسپکٹر نے کہا۔

"مگر افسوس اس کا ہے کہ وہ کم بخت جابر ہاتھ سے نکل گیا۔ خیر دیکھا جائے گا۔ میں نے اپنا جال چاروں طرف بچھا دیا ہے۔ امید تو ہے کہ جلد ہی اس سے پھر دو دو ہاتھ کرنے پڑیں گے۔"

"بہر حال خود ان موتوں کا راز معلوم کرنا اپنی جگہ پر ایک ناممکن امر تھا۔ ہاں تم نے یہ نہیں بتایا کہ ان کے فرار ہو جانے کے بعد تم نے ان کا صحیح پتہ کیسے معلوم کیا۔"

"ساجد سے گفتگو کرنے کے بعد میں اس فیصلے پر پہنچ گیا تھا کہ وہ لوگ رنجیت نگر ہی گئے ہیں۔ غالباً انہیں ساجد کی موت یا اس کے دماغ کی خرابی کا اچھی طرح یقین ہو گیا تھا اور شاید وہ یہاں اسی لئے رکے بھی ہوئے تھے کہ ان تینوں کو راستے سے ہٹانے کے بعد اپنا نقلی راج کمار

ریاست میں پہنچا کر مزے اڑائیں گے۔

"ایسی صورت میں انہیں گرفتار کرنے میں بڑی دشواری ہوئی ہو گی۔" چیف انسپکٹر نے کہا۔

"کوئی ایسی خاص بات نہیں ہوئی۔ کیونکہ انہوں نے ابھی تک راج کمار صاحب کو محل میں نہیں پہنچایا تھا۔ غالباً وہ اس کی تیاری میں مصروف تھے اور تو اور ریاست کے دو آفیسر بھی اس سازش میں شریک تھے۔ دراصل مجھ سے غلطی ہوئی میرا خیال تھا کہ جس جگہ یہ لوگ ٹھہرے ہوئے ہیں وہیں جابر بھی ہو گا، ورنہ میں انہیں گرفتار کرنے میں جلدی نہ کرتا۔ بہر حال اس جلد بازی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جابر ہاتھ سے نکل گیا اور ہاں ان لوگوں نے نقلی راج کمار کو فوراً ہی محل میں اس لئے نہیں پہنچایا تھا کہ وہ اسے انہیں دونوں مکار آفیسروں کے ذریعہ آداب شاہی کی تعلیم دلا رہے تھے کہ نقلی اور اصلی میں کوئی فرق نہ رہ جائے۔"

"ہاں تو یہ بتاؤ کہ انہیں تمہاری اسکیم کا کیسے علم ہو گیا تھا۔" چیف انسپکٹر نے پوچھا۔

"دراصل شنکر ان کی قید میں تھا اور میں اس سے لاعلم تھا۔ اس سے قبل میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا کہ شنکر ہی اصل مجرم ہے۔ اس پر وہ لوگ مطمئن تھے، لیکن جب میں نے رقیہ کے سامنے ایک زخمی کا سوانگ رچایا تو سارا بھانڈا پھوٹ گیا۔ وہ خود بھی شنکر کی گرفتاری سے ناواقف تھی۔ اس نے نصیر سے میرے زخمی ہونے کا حال بتا دیا اور پھر ان لوگوں کو شبہ ہو گیا کہ ہم انہیں دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس پر انہوں نے ہمارے پیچھے آدمی لگا دیئے۔ میں اس وقت سے کہیں باہر نہیں نکلا تھا۔ غالباً کوئی شخص حمید کے پیچھے اس وقت سے لگا ہوا تھا جب وہ کوتوالی سے امداد لینے جا رہا تھا۔ بہر حال میں نے بلا سوچے سمجھے زخمی کا سوانگ رچا کر غلطی کی تھی، ورنہ جابر بھی یہیں گرفتار ہو گیا ہوتا..... خیر..... یار زندہ صحبت باقی..... نقلی راج کمار اور بقیہ لوگ تو گرفتار ہو ہی گئے ہیں۔"

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 8

مصنوعی ناک

(دوسرا حصہ)

پیشرس

یہ ناول ایک چیلنج کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ اس کا مرکزی کردار جابر صرف ڈاکو نہیں ہے، بلیک میلر، خونی اور ساتھ ہی ساتھ ایک بڑا مفکر اور سائنس داں بھی۔

قدم قدم پر آپ کو ایسی باتیں ملیں گی، کہ آپ کانپ کانپ اٹھیں گے۔ ننگی لاشوں کا چھت سے ٹپکنا، پانچ ہزار کبوتروں کا خون۔

نواب رشید الزماں کی فریدی سے دشمنی اور پراسرار کنواں کا عجیب و غریب بوڑھا "طارق" یہ سب آپ کو اسی ناول میں ملے گا۔ ایک اور بڑے مزے دار آدمی کنور ظفر علی خاں جو ہمیشہ پراسرار بنا رہا ہے۔

اور جابر کا انجام..... وہ کون تھا..... کیا کرتا تھا..... کیوں کرتا تھا؟ ان سب کا جواب مصنوعی ناک دے گی۔

اور آخر میں..... آپ کا ہر دلعزیز انسپکٹر فریدی اس بار آپ کو بے انتہا مصائب میں گرفتار نظر آئے گا۔ غالباً یہ پہلی بار ہوگا کہ اتنے زبردست سراغ رساں کو جابر لڑکوں کی طرح کھلاتا رہا ہے۔

اس ناول کے بعد بھی آپ کے خطوط کا انتظار رہے گا تاکہ آئندہ ناول بھی اسی چیلنج کے ساتھ لکھ سکوں۔

ابن صفی

سفر

گرمیوں کا زمانہ تھا۔ میدانوں کے رہنے والے ذی حیثیت لوگ گرمی سے تنگ آکر رام گڑھ کی شاداب پہاڑیوں میں پناہ ڈھونڈھنے جا رہے تھے۔ ان میں غیر ملکی سیاح بھی تھے، جنہیں رام گڈھ کے آثار قدیمہ دیکھنے کی خواہش کھینچ لائی تھی۔

اس وقت پہاڑیوں کے پیچ و خم کھائے ہوئے اونچے نیچے راستوں پر ٹٹوؤں اور خچروں کی قطاریں آہستہ آہستہ رینگتی ہوئی نظر آ رہی تھیں، حالانکہ یہاں بس سروس بھی ہے، لیکن بہتیرے مسافر محض مناظر فطرت سے لطف اندوز ہونے کے لئے ٹٹوؤں یا خچروں پر سفر کرتے ہیں، لیکن فریدی کے متعلق یہ وثوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے تفریحاً یہ راستہ اختیار کیا تھا یا پھر حمید کو تنگ کرنا مقصود تھا۔ وہ راستہ بھر اس کی جھلاہٹوں سے لطف اندوز ہوتا آیا تھا۔ اس وقت بھی وہ اسے بات بات پر چھیڑ رہا تھا۔ ایک جگہ چلتے چلتے دفعتاً حمید کے خچر نے ٹھوکر کھائی اور گرتے گرتے بچا۔ حمید گھبرا کر کود پڑا۔ فریدی کو بھی اپنا خچر روک دینا پڑا۔

"ارے ارے یہ کیا بھئی۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"جی کچھ نہیں بیچارہ تھک گیا ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "اب یہ مجھ پر سوار ہو کر بقیہ راستہ طے کرے گا۔ میں کہتا ہوں آخر..... آپ کو یہ سوجھی کیا تھی۔"

"بھئی میں نے محض تمہاری تفریح کی خاطر یہ دردسری مول لی تھی، ورنہ مجھے پاگل کتے نے نہیں کاٹا تھا۔"

"تفریح..... جہنم میں گئی تفریح۔" حمید نے خچر کی لگام پکڑ کر پیدل چلتے ہوئے کہا۔

"ارے یہ کیا۔" فریدی مصنوعی حیرت کے ساتھ بولا۔ "تو کیا پیدل ہی چلو گے۔"

"جی ہاں.....!" حمید جھنجلے دار لہجہ میں بولا۔

"چہ چہ..... لاحول ولا قوۃ..... عجیب احمق ہو..... دیکھو وہ اینگلو انڈین لڑکی تمہیں اس حالت میں دیکھ کر شائد اپنے ساتھیوں میں تمہارا مضحکہ اڑا رہی ہے۔"

حمید نے مڑ کر دیکھا تو واقعی چند اینگلو انڈین مسافر اس کی طرف دیکھ کر طنزیہ انداز میں مسکرا رہے تھے۔ اُن میں اتفاق سے ایک لڑکی تھی۔ حمید پر بوکھلاہٹ کا دورہ پڑا۔ اس نے رسی کی رکاب پر پیر رکھا اور اچھل کر خچر پر بیٹھ گیا اور بیٹھا بھی تو اس شان سے جیسے نپولین اپنے قد آور گھوڑے پر سوار آلپس کے دشوار گذار راستے طے کر رہا ہو۔

"شاباش میرے شیر.....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تمہیں راہ پر لانے کے لئے ہمیشہ ایک عورت کی ضرورت پیش آتی ہے۔"

"جی ہاں میری پیدائش کے سلسلے میں ایک عورت کی ضرورت پیش آئی تھی۔" حمید جل کر بولا۔

"ارے تم تو فلسفہ بولنے لگے..... بھئی میں دراصل اسی لئے تمہاری اتنی قدر کرتا ہوں۔"

"قدر دانی کا شکریہ۔" حمید نے کہا۔ "اس وقت تو آپ بھی فلسفی ہی معلوم ہو رہے ہیں۔"

"کیوں.....؟"

"ایں سعادت بزور خچر نیست.....!"

"شاباش..... میں نے سنا ہے کہ حضرت عیسیٰ کا گدھا لاطینی بولتا تھا مگر تم خچر پر بیٹھ کر اچھی خاصی فارسی بول رہے ہو۔"

حمید کے خچر نے پھر ٹھوکر کھائی اور حمید گرتے گرتے بچا۔

پیچھے سے پھر قہقہے بلند ہوئے اور حمید دانت پیس کر رہ گیا۔ اُسے سچ مچ فریدی پر غصہ آ رہا تھا۔ اگر بس ہی سے سفر کیا جاتا تو کون سی مصیبت آ جاتی۔ کوئی تک ہے کہ سامان اور ملازمین تو بس پر جائیں اور خود خچروں پر۔ فریدی کی ایسی ہی عجیب و غریب حرکتوں پر حمید کبھی کبھی اتنی شدت سے بیزار ہو جاتا تھا کہ اس کی صورت تک سے نفرت معلوم ہونے لگتی تھی۔ ایسے موقعوں پر وہ بغیر یہ سوچے سمجھے ہوئے کہ فریدی اس کا آفیسر ہے، جو کچھ منہ میں آتا اُسے کہہ ڈالتا اور فریدی..... وہ اس کی چڑچڑاہٹ سے لطف اندوز ہوا کرتا تھا۔ وہ اس وقت بھی حمید کی جھلائی

ہوئی حرکتوں سے لطف لے رہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ اب تم اس خچر کو کاندھے پر اٹھالو۔" فریدی پھر بولا۔

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے چہرے سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے فریدی کے اس جملے پر اس کے ذہن میں کوئی ایسا جملہ گونجا ہو جسے نہ کہنا ہی بہتر تھا۔

"اماں تو اس طرح بُرے بُرے منہ کیوں بنا رہے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"تو میرا منہ اچھا ہی کب تھا۔" حمید جل کر بولا۔

"میرے خیال سے تو اچھا خاصا تھا۔"

حمید پھر چپ ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی پھر بولا۔

"حمید.....!"

"جی.....!"

"ذرا ان سرسبز پہاڑیوں کی طرف دیکھو.....!"

"دیکھ رہا ہوں۔"

"کیا محسوس ہوتا ہے۔"

"ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں پرلے سرے کا گدھا ہوں۔"

"اور خچر پر سوار ہو۔"

حمید نے پھر کوئی جواب نہ دیا۔

"حمید.....!"

"فرمایئے.....!"

"ادھر اس چٹان کے پاس دیکھ رہے ہو.....وہ پہاڑی لڑکی۔" فریدی بولا۔

"مجھے فی الحال اس سے کوئی دلچسپی نہیں.....کیونکہ یہ پہاڑی خچر.....!"

"اماں ختم بھی کرو۔"

"ابھی یہ کم بخت مجھے ہی ختم کر دے گا۔" حمید نے جھلا کر خچر کو ایک قمچی رسید کرتے ہوئے کہا۔

خچر ایک ڈھلوان چٹان سے گذر رہا تھا۔ قمچی پڑتے ہی اچھل پڑا۔ اگر حمید فوراً ہی اُس کی

گردن سے نہ لپٹ جاتا تو گر جانا یقینی تھا۔

حمید نے نیچے اُتر کر اُسے دو چار قمچیاں رسید کر کے لگام چھوڑ دی.....خچر ڈھلوان میں دور تک چلا گیا۔

"اے صاب اے صاب۔" خچر والا پیچھے سے چلایا اور وہ اینگلو انڈین لڑکی اپنے ساتھیوں سمیت قہقہے لگانے لگی۔ حمید کو اس کی سریلی آواز زہر معلوم ہونے لگی۔ اس نے پلٹ کر قہر آلود نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ فریدی بھی اپنے خچر پر سے اُتر پڑا تھا۔

خچر والا حمید کے خچر کو پکڑنے کے لئے دوڑا جا رہا تھا۔

"کیوں بھئی یہ کیا کیا تم نے۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"اب بہتر یہی ہے کہ آپ مجھے کسی اونچی چٹان سے نیچے دھکیل دیں۔" حمید ہانپتا ہوا بولا۔

"نہیں میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔" فریدی نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"میں نے بہت بُرا کیا کہ آپ کے ساتھ چلا آیا۔" حمید بولا۔

"لیکن اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہ تھا۔"

"میں اپنی مرضی کا مالک ہوں۔"

"غلط....میں باندھ کر لاتا۔" فریدی نے کہا۔ "بھلا تمہارے بغیر خاک لطف آتا۔"

"آخر آپ میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔"

"بہت پرانے بدلے چکا رہا ہوں۔"

"تو اس کے لئے اتنا لمبا سفر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"ایڈونچر.....!"

اتنی دیر میں خچر والا خچر کو واپس لے کر وہیں آ گیا۔

"چلو بیٹھو.....!" فریدی بولا۔

"ہرگز نہیں۔"

"عجیب احمق آدمی ہو۔"

"کچھ بھی سہی۔"

"بیٹھو بیٹھو.....!" فریدی نے دوبارہ اصرار کیا۔

"میں اس سے زیادہ ایڈونچر چاہتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"یعنی.....!"

"پیدل چلوں گا....." حمید نے کہا۔ "اور آپ کو بھی اس کی نصیحت کرتا ہوں پیدل چلنا صحت کے لئے مفید ہے۔"

"پاگل ہوئے ہو.....ابھی چھ میل چلنا ہے۔"

"تو کیا ہوا.....!"

"ارے بھئی یہ پہاڑی راستہ ہے۔ ایک ہی میل چلنے میں کام تمام ہو جائے گا۔"

"یہی تو میں چاہتا ہوں۔" حمید لاپروائی سے بولا۔

"عجیب احمق سے واسطہ پڑا ہے۔"

"خدا کا شکر ہے کہ احمق کے خچر سے واسطہ نہیں پڑا۔" حمید نے کہا۔

"ارے بھئی بیٹھو بھی۔"

"قطعی نہیں.....میں اپنے ایڈونچر کا خون نہیں کر سکتا۔" حمید بولا۔

"جہنم میں جاؤ.....!" فریدی نے کہا اور اپنے خچر پر سوار ہو کر آگے بڑھ گیا۔

خچر والا خچر کی لگام پکڑے ہوئے حمید کے ساتھ ہی ساتھ پیدل چل رہا تھا۔ تھوڑی دور جا کر فریدی بھی لوٹ آیا۔

"لے بھائی سنبھال اسے۔" فریدی اپنے خچر کی لگام بھی خچر والے کو تھماتے ہوئے بولا اور حمید کے ساتھ پیدل چلنے لگا۔

"ذرا ان سرسبز پہاڑیوں کی طرف دیکھئے.....کیا محسوس ہوتا ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ابھی تمہاری شامت آنے والی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"آئے شوق سے آئے.....آخر شامت بھی مؤنث ہی تو ہے۔"

"یوں تو موت بھی مؤنث ہے میاں صاحبزادے۔"

"لیکن بہت بوڑھی ہو چکی ہے اس لئے مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"خیر.....شکر ہے کہ تم مسکرائے تو۔"

"تو میں روکب رہا تھا۔"

دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔

"آخر آپ کو یک بیک رام گڈھ کی کیوں سوجھی۔" حمید بولا۔

"جابر.....!"

"اوہ.....تو آپ اس کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔"

"میں قسم کھا چکا ہوں۔"

"کیا آپ کو اس کی موجودگی کی کوئی باقاعدہ اطلاع ملی ہے۔"

"نہیں.....!"

"یعنی.....!"

"یہاں کچھ واقعات ایسے ہوئے ہیں جن کی بناء پر میں سوچنے پر مجبور ہوا ہوں۔"

"میرے خیال سے یہ ضروری نہیں کہ ان کا تعلق جابر ہی سے ہو۔" حمید بولا۔

"یہ تم محض اس لئے کہہ رہے ہو کہ اس کے طریقوں سے واقف نہیں ہو۔" فریدی نے کہا۔ "کیا تم نے آج تک کسی کبوتر کے پنجوں کے زہریلے ہونے کے متعلق بھی سنا ہے۔"

"نہیں.....!"

"اگر کسی شخص کی موت کبوتر کے ناخن لگنے کی وجہ سے ہو جائے تو تم اُسے کیا کہو گے۔"

"ایک حیرت انگیز واقعہ اور ناقابل یقین بھی۔"

"اتنا ہی ناقابل یقین جتنا زہر خورانی کے کیس کا مرگی کے عارضے میں تبدیل ہو جانا۔"

"اوہ.....!"

"رام گڈھ کے نوجوان کبوتر باز رئیس کی موت اس طرح واقع ہوئی۔ وہ ایک کبوتر پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اتفاقاً کبوتر کا پنجہ لگ گیا اور ایک گھنٹے کے اندر وہ مر گیا۔ بعد میں کبوتر کے پنجوں کا معائنہ کرنے پر پتہ چلا کہ اس کے ایک ناخن پر کسی دھات کا ایک ہلکا سا خول چڑھا ہوا تھا۔ بہر حال بادی النظر میں وہ ناخن ہی معلوم ہوتا تھا اور وہ خول زہریلا تھا۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ کسی معمولی آدمی کا کام ہے، جابر زہروں کا ماہر ہے۔"

"خیر یہ بھی سہی۔" حمید بولا۔ "لیکن آپ اُسے کہاں کہاں ڈھونڈھتے پھریں گے۔ ممکن ہے کہ وہ آپ کی آمد کی اطلاع سن کر کہیں اور چلا جائے۔"

"دیکھا جائے گا۔"

"ہم ٹھہریں گے کہاں۔"

"دلکشا میں.....!"

"یہ کیا ہے۔"

"ایک عمارت کا نام.....بڑی پر فضا جگہ پر آباد ہے۔"

"اچھا اس کبوتر والے معاملے کو کتنا عرصہ ہوا۔"

"تقریباً ایک ہفتہ۔"

"ایسے عجیب و غریب حادثے کے متعلق تو اخبارات میں بھی آنا چاہئے تھا۔"

"ہاں اس بات کی تشہیر نہیں کی گئی۔ واقعہ دراصل یہ ہے کہ مرنے والے میں وہ ساری علامات موجود تھیں جو زہر کھا لینے پر ظاہر ہوتی ہیں، اس لئے لوگوں نے یہی سمجھا کہ اُسے کسی نے زہر کھلایا ہے۔ رام گڈھ کے ایس۔ پی نے تحقیقات کے دوران میں پتہ لگایا کہ اُس نے مرنے سے ایک گھنٹہ قبل کوئی کبوتر پکڑا تھا۔ اُس نے یونہی بلا مقصد کبوتر کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ جس وقت وہ اُسے ہاتھ میں اٹھائے دیکھ رہا تھا اس نے پنجے چلانے شروع کر دیئے۔ اتفاق سے اس کا ایک ناخن ایس پی کے کوٹ کے بٹن میں پھنس گیا۔ اس نے جھٹکے کے ساتھ اُسے نکالنے کی کوشش کی.....ناخن تو نکل آیا لیکن اس پر چڑھا ہوا خول کوٹ ہی میں اٹکا رہ گیا۔ یہ ایک تعجب خیز چیز تھی۔ اس نے خول نکال کر احتیاط سے رکھ لیا اور کبوتر کو بھی اپنے ہمراہ لیتا آیا۔ اس نے تجربے کے لئے اس نوکیلے خول کو ایک بلی کے چبھو کر دیکھا۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد وہ بلی تڑپ تڑپ کر مر گئی۔ معاملہ حد درجہ پیچیدہ ہو گیا تھا۔ اس لئے اس نے اس کا تذکرہ اپنی رپورٹ میں نہیں کیا۔ پہلے تو وہ خود ہی پوشیدہ طور پر کبوتر کے متعلق چھان بین کرتا رہا لیکن جب کامیابی نہ ہوئی تو اس نے مجھے لکھا۔ وہ میرا کلاس فیلو رہ چکا ہے۔ اسی لئے میں اس کی درخواست کو رد نہ کر سکا۔"

"تو آپ نے اس کا تذکرہ مجھ سے کیوں نہیں کیا۔" حمید بولا۔

"اگر میں پہلے سے اس کا تذکرہ کر دیتا تو تم یہاں آنے کے لئے کبھی چھٹی نہ لیتے۔"

"تو اس کا یہ مطلب کہ آپ مجھے دھوکا دے کر یہاں لائے ہیں۔"

"یہی سمجھ لو.....!"

"اب میں بہت جلد یہ ملازمت چھوڑ دوں گا۔" حمید نے کہا۔

"لیکن کیا تم مجھے چھوڑ سکو گے؟" فریدی نے پوچھا۔

"یہی تو سب سے بڑی مصیبت ہے۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ وہ چلتے چلتے تھک گیا تھا۔

"کیوں بھئی کیا واقعی پیدل ہی چلو گے۔" فریدی بولا۔

"ارادہ تو یہی تھا.....مگر خیر.....!" حمید نے کہا اور خچر والے کے ہاتھ سے لگام لے کر خچر پر سوار ہو گیا۔

فریدی نے بھی اس کی تقلید کی۔

"فی الحال ہم لوگ ماتھر کے یہاں چلیں گے۔"

"ماتھر کون.....!"

"یہاں کا ایس۔ پی جس نے ہمیں بلایا ہے۔"

دوسرا کبوتر

فریدی اور حمید رام گڈھ کے ایس۔ پی کے بنگلے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ ایس۔ پی اُن سے کیس کی تفصیلات بیان کر رہا تھا۔

"بس یہ سمجھ لو کہ بلی کی موت کے بعد سے میری تحقیقات کی گاڑی ٹھپ ہو جاتی ہے۔" ایس پی بولا۔

"مرنے والے کی سوشل پوزیشن کیا تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"نواب زادہ شاکر ایک انتہائی با اخلاق آدمی تھا اور سوسائٹی میں عزت کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ وہ تھا تو نوجوان ہی لیکن بوڑھوں سے زیادہ عقل مند تھا۔ غیر شادی شدہ تھا۔ وہ اپنا زیادہ تر وقت کبوتروں یا کتابوں پر صرف کرتا تھا۔ عجیب بات تھی کہ وہ گوشہ نشین ہوتے ہوئے بھی

انتہائی سوشل آدمی تھا۔ اس سے ملنے والے اُسے تنہائی پسند نہیں سمجھتے تھے، حالانکہ وہ سو فیصدی تنہائی پسند تھا۔ یہ اُس کے کردار کا ایک عجیب و غریب پہلو تھا۔ کسی نے آج تک اُسے کسی سے لڑتے جھگڑتے نہیں دیکھا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اس کا کوئی دشمن ہی نہیں تھا۔"

"تھوڑا بہت عیاش تو ضرور رہا ہوگا۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں نے اس کے متعلق کبھی کوئی ایسی بات نہیں سنی جس سے اس کا عیاش ہونا ثابت ہوتا اور یہاں کوئی ایسا رئیس نہیں جس کے رگ و ریشے سے میں واقف نہ ہوں۔"

"یہاں اُس کے ساتھ کون کون رہتا تھا۔"

"صرف چند نوکر..... اس کا کوئی عزیز قریب اُس کے ساتھ نہیں رہتا تھا۔"

"کوئی ایسا عزیز جو اُس کی موت کے بعد اس کی جائیداد کا مالک ہو سکے۔"

ایس پی کچھ سوچنے لگا۔

"ہاں..... ایک صاحبہ ہیں..... نواب اختر الزماں کی بیوہ۔"

"مرنے والی سے اس کا رشتہ.....!"

"چچازاد بہن۔"

"عمر.....!"

"یہی کوئی چوبیس پچیس سال..... ایک سات آٹھ سال کی بچی بھی ہے۔"

"مرنے والے سے اس کے تعلقات کیسے تھے۔"

"اچھے ہی تھے..... ویسے کچھ زیادہ ربط و ضبط بھی نہ تھا۔"

"تم نے اُس سے اس کیس کے متعلق گفتگو ضرور کی ہوگی۔"

"ہاں وہ بہت مغموم تھی۔"

"میرا مطلب یہ نہیں..... تم نے اُس سے گفتگو کرنے کے بعد کیا نتیجہ اخذ کیا۔"

"یہی کہ اس پر کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جا سکتا۔"

"شبہ نہ کرنے کی وجہ۔"

"وہ ایک بہت ہی شریف عورت ہے۔"

"یہ تو کوئی وجہ نہ ہوئی۔ آخر تم اُسے شریف کس بناء پر سمجھتے ہو۔"

"اس کا اندازہ تو تم اسے دیکھ کر ہی لگا سکو گے۔"

"یعنی اس کا یہ مطلب کہ وہ صورت سے شریف معلوم ہوتی ہے۔"

"نہیں بھئی یہ بات نہیں۔" ایس پی زچ ہو کر بولا۔

"خیر اسے ہٹاؤ۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اس کے خاص خاص دوستوں میں کوئی ایسا آدمی ہے جس پر شبہ کیا جا سکے۔"

"میں نے ہر ایک کو اچھی طرح ٹٹول کر دیکھ لیا ہے۔ اُن میں سے بھی کوئی ایسا نہیں جس پر شبہ کیا جا سکے۔" ایس۔ پی نے جواب دیا۔

"اس کے دوستوں میں کوئی کبوتر باز ہے۔"

"ہاں..... ہیں تو سہی ایک صاحب۔" ایس۔ پی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "صدیق احمد صاحب ریٹائرڈ جج۔"

"کیسے آدمی ہیں۔"

"اچھے آدمی ہیں۔"

"میں ذرا اُس کبوتر اور اس کے ناخن پر چڑھے ہوئے خول کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

ایس۔ پی نے کبوتر منگوایا جو ایک پنجرے میں بند تھا۔

"کبوتر تو اچھی نسل کا معلوم ہوتا ہے..... شیرازی ہے۔"

"میں کبوتروں کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔" ایس۔ پی بولا۔

حمید اُس کے ناخن پر چڑھے ہوئے خول کو دیر تک دیکھتا رہا۔

"واقعی مجرم بڑا ذہین معلوم ہوتا ہے۔" فریدی بولا۔

"اس میں شک نہیں۔"

"اچھا تھوڑا سادہ کاغذ تو دو۔"

ایس پی نے میز پر سے پیڈ اٹھا دیا۔ فریدی لکھنے لگا۔

دس ہزار روپیہ انعام

"اُس شخص کو دیا جائے گا، جو ہندوستان کے مشہور ڈاکو راہل کو مردہ یا زندہ لائے گا۔ ہم

یہاں اُس کی تصویر چھاپ رہے ہیں تاکہ پبلک اُس سے ہوشیار رہے۔ راہل ان لوگوں میں سے ہے جو ذرا ذرا سی بات پر قتل کر دیتا ہے۔ آج کل اُس نے رام گڈھ میں اڈہ بنا رکھا ہے۔ پبلک کو ہوشیار رہنا چاہئے۔"

فریدی نے جیب سے ایک تصویر نکال کر اُس تحریر کے ساتھ ایس۔ پی کو دے دی۔

"یہ اشتہار جتنی جلد ممکن ہو سکے چھپوا کر بٹوا دو۔" فریدی نے کہا۔

ایس۔ پی نے اُسے پڑھا اور حیرت آمیز نظروں سے فریدی کو دیکھنے لگا۔

"میں اس کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میرے کام کرنے کے طریقے دوسروں سے کچھ الگ واقع ہوئے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"مگر میں حکام بالا کو اس کا کیا جواب دوں گا۔" ایس۔ پی بولا۔

"کہہ دینا کہ اس میں ایک مصلحت پوشیدہ ہے۔"

"مگر یہ راہل ہے کیا بلا اور اس کیس سے اس کا کیا تعلق۔"

"ابھی میں اس کا جواب نہیں دے سکتا۔" فریدی نے کہا۔ "اور ہاں دیکھو! اس کے علاوہ زبانی افواہیں اڑانے کی کوشش کرو کہ نواب زادہ شاکر کی موت میں بھی اسی راہل کا ہاتھ ہے۔"

"بھئی میرے تو کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا۔" ایس۔ پی بے بسی سے بولا۔

"فی الحال کچھ زیادہ سمجھنے کی کوشش مت کرو۔" فریدی نے کہا۔ "یہ اس کیس کی تفتیش کے سلسلے میں میرا پہلا قدم ہے۔"

ایس۔ پی خاموشی سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

"اچھا تو اب ہم چلیں۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "ہاں مجھے اختر الزماں کی بیوی اور صدیق احمد کے پتے بھی دو۔"

ایس۔ پی نے ایک کاغذ پر دونوں کے پتے لکھ کر فریدی کو دے دیئے۔

دلکشا کی طرف واپس جاتے وقت حمید نے فریدی سے کہا۔

"آخر یہ راہل والی بات کیا تھی۔"

"اتنے دن سے میرے ساتھ ہو مگر ابھی تک عقل نہ آئی۔" فریدی نے کہا۔ "ارے میاں صاحبزادے اگر یہ نہ کرتا تو جابر سے ہاتھ دھو لینے پڑتے۔ تم جانتے ہو کہ میں ہمیشہ مجرموں کو

دھوکے میں مبتلا کر کے کام کرتا ہوں۔"

"تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ جابر اس مرتبہ بھی دھوکہ کھا جائے گا۔" حمید نے کہا۔

"ضروری نہیں۔"

"پھر اس سے کیا فائدہ۔"

"تو اس کا یہ مطلب کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہوں۔" فریدی نے کہا۔ "اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بلا کا ذہین ہے لیکن شاید قابو میں آ ہی جائے۔"

"آپ کے لہجے میں مایوسی ہے۔" حمید بولا۔

"ہاں..... جابر کو پکڑنا آسان کام نہیں۔ یقین جانو میں خود کو اس کے سامنے طفل مکتب سمجھتا ہوں۔ بھیس بدلنے کے معاملے میں وہ تو اپنا جواب نہیں رکھتا۔"

"تب تو اللہ ہی مالک ہے۔" حمید نے کہا۔ "ہمیں اپنی جان کا بھی خطرہ ہے۔ معلوم نہیں وہ کب وار کر بیٹھے اور ہمیں اطلاع تک نہ ہو۔"

"خیر اس کی تو کچھ پرواہ نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "کیونکہ ایک سراغ رساں کو ہر وقت مرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔"

"میں آپ سے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے آج تک خود کو سراغ رساں سمجھا ہی نہیں۔"

"نہیں تم بہت اچھے سراغ رساں ہو۔"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"خیر..... ہاں..... کیوں نہ لگے ہاتھ صدیق احمد صاحب سے بھی ملتے چلیں۔" فریدی نے کہا۔

دلکشا جانے کے بجائے دونوں البرٹ روڈ کے چوراہے پر مشرق کی طرف مڑ گئے۔ صدیق احمد کا بنگلہ ایک پر فضا مقام پر واقع تھا۔ بنگلے کے سامنے ایک خوبصورت سا پائیں باغ تھا جس میں جا بجا کبوتر خانے بنے ہوئے تھے۔ ایک ادھیڑ عمر کا وجیہہ آدمی سفید قمیض پہنے کھڑا ایک کبوتر کے پنجے دیکھ رہا تھا۔

"کیا جج صاحب تشریف رکھتے ہیں۔" فریدی نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔

"اوں.....!" کہہ کر وہ اس طرح چونکا کہ کبوتر ہاتھ سے نکل کر اڑ گیا۔

وہ فریدی اور حمید کو سوالیہ نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

"ہم لوگ جج صاحب سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"لیکن کیوں ملنا چاہتے ہیں۔" وہ بارعب آواز میں بولا۔ پھر فوراً ہی سنبھل کر کہنے لگا۔ "فرمایئے۔"

"اوہ..... تو آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔" فریدی نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"خوشی تو مجھے بھی ہوئی۔ مگر آپ ہیں کون۔" صدیق احمد بادل ناخواستہ ہاتھ ملاتا ہوا بولا۔

"مجھے احمد کمال کہتے ہیں۔" فریدی قدرے جھک کر بولا۔ "اور یہ ہیں میرے دوست حمید احمد..... ہم دونوں بغرض سیاحی آئے ہوئے ہیں۔"

"کیا مجھ سے کوئی کام ہے۔"

"جی نہیں..... بات یہ ہے کہ مجھے بھی کبوتروں سے تھوڑی بہت دلچسپی ہے۔"

"ضرور ہوگی۔" جج صاحب لاپروائی سے بولے۔

"میرے ایک دوست نے آپ کا تذکرہ کیا تھا۔"

"کیا ہوگا.....!"

"آپ کے یہاں شیرازی پاموز بکثرت ہیں۔" فریدی نے جالی کے بنے ہوئے کبوتر خانوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں..... ہیں تو.....!"

"اور میرا خیال ہے کہ ایسے پاموز شاید ہی یہاں کسی کے پاس ہوں۔"

"چاپلوسی بند۔" جج صاحب نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "میرے پاس برباد کرنے کے لئے فالتو وقت نہیں۔ میں اپنے ملنے والوں کو باقاعدہ وقت دیا کرتا ہوں۔"

"بہت بہتر.....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تو پھر ہم لوگ کب حاضر ہوں۔"

"میرے پاس وقت نہیں ہے۔"

"کوئی ایسی جلدی نہیں..... ہم یہاں گرمیوں بھر قیام کریں گے۔"

"مجھے گرمیوں بھر فرصت نہیں رہے گی۔" جج صاحب جھنجھلا کر بولے۔

"تو پھر ہمیں مجبوراً جاڑوں میں بھی یہیں قیام کرنا پڑے گا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"عجیب آدمی ہیں آپ۔"

"بہرحال..... میرے ایک دوست نے ایک صاحب کا پتہ اور دیا تھا غالباً اُن کے پاس آپ کے کبوتروں سے بہتر کبوتر ہیں۔" فریدی نے واپس ہونے کے لئے مڑتے ہوئے کہا۔

"کون صاحب ہیں وہ۔"

"نواب زادہ شاکر صاحب۔"

"شاکر.....!" جج صاحب مسکرا کر بولے۔ "آپ لوگ یہاں کب آئے ہیں۔"

"کل.....!"

"اسی لئے شاکر سے ملنے جا رہے ہیں۔" جج صاحب نے جیب سے ریوالور نکالتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں تم لوگوں کو اس کے پاس پہنچا سکتا ہوں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"تم کیوں سمجھنے لگے..... سمجھو گے اس وقت جب ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑی ہوں گی۔"

"یعنی.....!"

"چور کہیں کے۔" جج صاحب گرجے۔

"ذرا تمیز سے بات کیجئے۔" حمید آپے سے باہر ہو کر بولا۔

"خاموش رہو بھائی..... جج صاحب غصے میں معلوم ہوتے ہیں۔" فریدی حمید کا شانہ تھپکتے ہوئے بولا۔

"تم لوگوں کی دیدہ دلیری اور سینہ زوری تمہیں ہرگز نہ بچا سکے گی۔"

"میرے کاسنی پاموز کی مادہ جس کے سر پر سفید چوٹی ہے تمہیں لے گئے ہو اور اب شاید جوڑا پورا کرنا چاہتے ہو۔ انتباہ رکھو کہ میں پولیس کے حوالے کئے بغیر نہ مانوں گا۔" جج صاحب نے بدستور پستول تانے ہوئے کہا۔ "یا تو پھر اُسے واپس کر دو۔"

فریدی نے مسکرا کر حمید کی طرف دیکھا جو کھڑا پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

"شاید آپ کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

"نہیں حمید..... جج صاحب بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ کیا تم نے ابھی تھوڑی دیر قبل ایک سفید چوٹی دار کاسنی پاموز نہیں دیکھا تھا۔" فریدی نے حمید سے پھر کہا۔ پھر جج صاحب کی طرف دیکھ کر بولا۔ "لیکن جج صاحب مجھے افسوس ہے کہ اس وقت آپ کا وہ کبوتر سپرنٹنڈنٹ

پولیس مسٹر ماتھر کے پاس ہے۔"

"فضول بکواس کے لئے میری پاس وقت نہیں۔" جج صاحب گرج کر بولے۔ "میں کہتا ہوں سیدھی طرح بتادو..... ورنہ کیا فائدہ۔"

"اگر آپ کو یقین نہیں آتا تو میرے ساتھ ان کے بنگلے تک چلئے۔" فریدی نے کہا۔

"یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ ایک چور مجھے ایس۔ پی کے بنگلے پر لے جارہا ہے۔"

"آپ چل کو تو دیکھئے۔"

"خیر میں جھوٹے کو اس کے گھر تک پہنچانے کا عادی ہوں۔" جج صاحب نے کہہ کر نوکر کو آواز دی۔

"ذرا ڈرائیور سے کہنا کہ اسٹیشن ویگن تو نکالے۔"

جج صاحب نے فریدی اور حمید کو اسٹیشن ویگن میں بٹھایا۔ تین نوکر ساتھ لئے اور مسٹر ماتھر کے بنگلے کی طرف روانہ ہوگئے۔

ماتھر صاحب شاید آفس جانے کے لئے تیار تھے۔ وہ برآمدے ہی میں تھے کہ یہ لوگ پہنچ گئے۔ فریدی اور حمید کو اس حالت میں دیکھ کر کہ جج صاحب ان کے پیچھے پیچھے ریوالور تانے چل رہے تھے ماتھر صاحب حیرت سے اچھل پڑے۔

"ارے اس کا کیا مطلب.....!" ماتھر صاحب بولے۔

"یہ دونوں چور مجھے آپ کے پاس لائے ہیں۔" جج صاحب بولے۔

"چور.....!" ماتھر صاحب کی حیرت اور بڑھ گئی۔

"ہاں..... انہوں نے میرا ایک کبوتر چرایا ہے اور مجھے یہ کہہ کر یہاں لائے ہیں کہ وہ آپ کے پاس ہے۔"

"نہ جانے آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" ماتھر صاحب بولے۔ "یہ دونوں میرے دوست ہیں۔"

"دوست.....!" جج صاحب چونک کر بولے۔

"جی ہاں.... یہ ہیں ملک کے نامور جاسوس انسپکٹر فریدی اور یہ ان کے اسسٹنٹ مسٹر حمید۔"

"ارے.....!" جج صاحب اچھل پڑے۔ "تب تو بڑی غلطی ہوئی۔"

"کوئی بات نہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ پھر ماتھر صاحب سے بولا۔ "ذرا وہ کبوتر تو منگواؤ۔"

کبوتر کا پنجرہ دیکھتے ہی جج صاحب اچھل پڑے۔

"یہی ہے بالکل یہی ہے۔" وہ بیساختہ بولے۔

"لیکن ابھی آپکی خوشی خوف میں تبدیل ہو جائے گی۔" فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب.....؟"

"اس کبوتر کو ایک شخص کی جان لینے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔"

"ہائیں.....!" جج صاحب اچھل کر بولے۔

فریدی نے شروع سے آخیر تک سارے واقعات بتانے شروع کئے۔

جج صاحب کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ مجھے ان واقعات کا کوئی علم نہیں۔ رام گڈھ کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ میں شروع سے ایماندار زندگی بسر کر رہا ہوں اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ آخر اسکی موت سے مجھے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔" جج صاحب نے کہا۔

"یہی تو سوچنے کی بات ہے۔" فریدی نے کہا۔ "کیا اُس کے اعزہ میں کوئی ایسا ہے جس کو اس کی موت سے کوئی فائدہ پہنچ سکے۔"

"ہے تو.....!" جج صاحب کچھ سوچتے ہوئے بولے۔ "لیکن اس کے متعلق کسی قسم کی بدگمانی کرنا کم از کم میرے امکان میں تو نہیں۔"

"کون ہے۔"

"اس کی چچازاد بہن..... نواب اختر الزماں کی بیوہ۔"

"تو اس پر شبہہ نہ کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔"

"یہ تو آپ اُس سے مل کر ہی محسوس کر سکیں گے۔"

"خیر..... دیکھا جائے گا..... یہ بتایئے کہ یہ کبوتر آپ کو ملا کہاں سے تھا۔"

"میں نے ایک شخص سے پورا جوڑا خریدا تھا۔"

"تو کیا دوسرا بھی آپ کے پاس موجود ہے۔"

"جی ہاں۔"

"میں اُسے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

جج صاحب نے یہ سنتے ہی نوکروں کو دوسرا کبوتر لانے کے لئے بھیج دیا۔

"وہ شخص کہاں رہتا ہے جس سے آپ نے کبوتر خریدے تھے۔" فریدی نے جج صاحب سے پوچھا۔

"یہ میں نہیں جانتا..... وہ کبوتر لے کر میرے پاس آیا تھا..... کبوتر اتنے اچھے تھے کہ میں نے اس سے زیادہ بات چیت نہیں کی۔"

"اس کا حلیہ یاد ہے آپ کو۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں..... ایک ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔ لیکن کافی توانا تندرست اور قد آور تھا۔ مفلوک الحال معلوم ہوتا تھا۔ لیکن انداز گفتگو سے پڑھا لکھا اور شریف معلوم ہوتا تھا گھنی مونچھیں اور فرنچ کٹ ڈاڑھی تھی اور ناک کے پاس ایک بڑا سا ابھرا ہوا تل تھا۔ بولنے میں کچھ ہکلاتا بھی تھا۔"

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ جج صاحب کے نوکر کبوتر لے کر آ گئے۔ فریدی نے جیب سے چمڑے کے دستانے نکالے اور انہیں پہن کر کبوتر کے پنجوں کا جائزہ لینے لگا۔

"اس کے پنجوں میں کچھ نہیں۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

فریدی نے جج صاحب سے اور بھی بہتیرے سوالات کر ڈالے۔ لیکن وہ کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچ سکا، البتہ اتنا ضرور ہوا کہ اس نے جج صاحب کو بھی مشکوک لوگوں کی فہرست میں داخل کر لیا اور انہیں کبوتروں کے متعلق زبان بند رکھنے کی ہدایت کر کے رخصت کر دیا۔

جان پہچان والے

اُسی دن شام کو فریدی اور حمید نواب اختر الزماں کی کوٹھی میں موجود تھے۔ خدمت گار نے ان کا استقبال کر کے انہیں ملاقاتی کمرے میں پہنچا دیا تھا اور اب وہ وہاں بیٹھے بیگم صاحب کی تشریف آوری کا انتظار کر رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد ایک دروازے میں لٹکے ہوئے ریشمی پردے کو جنبش ہوئی اور ایک نازک اندام نوجوان عورت اُن کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی چمپئی رنگت پر ریشم کی سفید ساری

بہت زیادہ کھل رہی تھی۔ بڑی بڑی نشیلی آنکھیں باریک اور گہرے سیاہ ابروؤں کے نیچے جادو سا جگاتی معلوم ہو رہی تھیں۔ اوپری ہونٹ میں اوپر کی طرف ہلکا سا گھماؤ تھا۔ کانوں کی لوؤں کے قریب رخساروں کا سلگا سلگا سا اُبھار بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے ابھی وہاں سے لذتوں کے سوتے اُبل پڑیں گے۔ دونوں اُسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔

"تشریف رکھئے۔" اُس نے مترنم آواز میں کہا۔

فریدی اور حمید بیٹھ گئے۔ فریدی محسوس کر رہا تھا کہ وہ حد درجہ شرمیلی تھی۔ فریدی سے آنکھ ملتے ہی اُس کے چہرے پر گہری سرخی دوڑ گئی تھی۔ وہ گفتگو کرتے وقت اپنی نظریں زیادہ تر نیچی ہی رکھتی تھی۔

"میں ایک بہت ہی غمناک واقعے کی یاد دلانے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

عورت نے سر اٹھا کر سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور پھر نظریں جھکا لیں۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ میں نواب زادہ صاحب کی افسوس ناک موت.....!"

"تو کیا آپ اُن کے کوئی دوست ہیں۔" عورت بولی۔

"جی نہیں..... ہمارا تعلق محکمہ پولیس سے ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ میں کئی بار پولیس والوں کو بیان دے چکی ہوں۔" عورت کچھ ناخوشگوار لہجے میں بولی۔

"آپ میرا مطلب غلط سمجھیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں آپ کو کسی قسم کی تکلیف دینے کے لئے حاضر نہیں ہوا۔ میں تو آپ سے ان کے چند نجی معاملات کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ بشرطیکہ آپ خوشی سے اس کے لئے تیار ہوں۔"

"بھلا میں اُن کے نجی معاملات کے بارے میں کیا بتا سکوں گی۔"

"مجھے تو اطلاع ملی ہے کہ آپ اُن کی سگی چچازاد بہن ہیں۔"

"آپ کو صحیح اطلاع ملی ہے۔" عورت بولی۔ "اور میں بار بار اُن کے غم کو تازہ نہیں کرنا چاہتی۔" عورت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"میں واقعی آپ کو تکلیف دے رہا ہوں..... مگر کیا کروں مجبوری ہے۔"

"جو کچھ پوچھنا ہو پوچھئے..... اگر مجھے علم ہو گا تو ضرور جواب دینے کی کوشش کروں گی۔"

"کیا اس دوران میں مرحوم نے اپنی شادی کی کوشش کی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

عورت چونک پڑی۔

"شادی.....!" وہ فریدی کو غور سے دیکھتی ہوئی بولی۔ "مجھے اس کا کوئی علم نہیں۔"

"کیا آپ دونوں کے تعلقات خوشگوار نہ تھے۔"

"اگر مجھے اس کا علم نہ ہو تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میرے اور ان کے تعلقات خوشگوار نہیں تھے۔"

"اگر آپ کو اس سوال سے تکلیف پہنچی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔"

"مجھے یہ خیال دراصل اس لئے پیدا ہوا کہ یہاں آپ کے علاوہ اُن کا اور قریبی عزیز نہیں تھا۔ ایسی صورت میں یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں کہ انہوں نے آپ سے مشورہ لیا ہو۔"

"اگر اُن کا ایسا خیال تھا تو مجھے خود حیرت ہے۔ وہ مجھ سے اس کا تذکرہ ضرور کرتے۔"

"مجھے باوثوق ذرائع سے اطلاع ملی ہے کہ وہ اپنی شادی کی فکر میں تھے۔"

"ممکن ہے رہے ہوں۔"

"اور میرا ذاتی خیال ہے کہ انہوں نے خودکشی کی۔"

"خودکشی.....!" عورت چونک کر بولی۔

"جی ہاں.....!"

"مگر خودکشی کی وجہ۔"

"محبت میں ناکامی.....!"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"جس لڑکی سے وہ شادی کرنا چاہتے تھے شائد اس نے انکار کر دیا تھا۔"

"اوہ.....!"

فریدی خاموش ہو گیا۔ وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔

"مجھے سخت حیرت ہے کہ مجھے اس کی اطلاع نہ ہو سکی، ورنہ ان کی ہر ممکن مدد کرنے کی کوشش کرتی۔"

"یہ دل کا معاملہ ہے بیگم صاحبہ..... وہ لڑکی ان کے ساتھ شادی کرنا نہیں چاہتی تھی تو آپ بھی کیا کر سکتی تھیں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" عورت بولی۔ "میں اس لڑکی کا نام اور پتہ جاننا چاہتی ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ مجھے خود ابھی تک اس کا نام اور پتہ نہیں معلوم ہو سکا۔"

"تب تو یہ مجھے افواہ ہی معلوم ہوتی ہے۔" عورت بولی۔ "شاکر صاحب خودکشی نہیں کر سکتے اور وہ بھی ایک عورت کے لئے۔ میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔"

"اسی پر تو مجھے بھی حیرت ہے کیونکہ میں نے اُن کے متعلق سنا ہے کہ وہ ایک فلسفی قسم کے آدمی تھے۔" فریدی نے کہا اور اس کے بعد پھر خاموشی چھا گئی۔

"آپ کے علاوہ ان کا کوئی اور بھی قریبی عزیز ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی نہیں۔"

"تب تو اُن کی جائیداد بھی.....!"

"جی ہاں مجھے ہی ملے گی۔" عورت اُس کی بات کاٹتی ہوئی بولی۔ "اور یہی سب سے بڑی مصیبت ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو شاید مجھ سے اتنی مرتبہ سوالات نہ کئے جاتے۔"

"آپ پھر میرا مطلب غلط سمجھیں۔" فریدی نے کہا۔ "میں نے یہ بات یونہی کہہ دی تھی ورنہ اس کا تعلق مجھ سے نہیں۔"

"کچھ آپ ہی پر منحصر نہیں..... بہتیرے یہی سمجھتے ہیں کہ میں نے اُن کی جائیداد کے لالچ میں انہیں زہر دلوا دیا ہے۔"

"میں آپ سے پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ یہ خودکشی کا کیس ہے۔" فریدی جلدی سے بولا۔

"لیکن میں اس پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں۔"

"پھر آخر آپ کا کیا خیال ہے؟"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا خیال قائم کروں۔"

"اُن کا کوئی دشمن۔"

"وہ ایسے آدمی ہی نہیں تھے کہ کوئی ان کا دشمن ہو سکے۔"

"خیر بہر حال یہ خودکشی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔" فریدی نے کہا۔

"میں کافی سوچ بچار کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں۔"

ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ بر آمدے میں کسی بھاری بھر کم قدموں کی آواز سنائی دی۔

"بیگم صاحبہ ہیں۔" کسی نے بر آمدے میں پوچھا۔

اور پھر کمرے کے دروازے پر ایک قد آور صحت مند آدمی دکھائی دیا۔ چہرے کے خطوط کافی حد تک دلآویز تھے۔ باریک ترشی ہوئی گہری سیاہ مونچھیں اُس کے سرخ و سپید چہرے پر ایک دلکش اضافہ تھیں۔ اس کی عمر چالیس سال کے لگ بھگ رہی ہو گی، لیکن ظاہری صحت کے اعتبار سے وہ اصل عمر سے کچھ کم ہی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے سرمئی رنگ کے ہلکے سرج کا سوٹ پہن رکھا تھا، جو مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے نہایت موزوں تھا۔ بہر حال وہ لباس کے معاملے میں کافی خوش سلیقہ معلوم ہوتا تھا۔

عورت اُسے دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔ فریدی اور حمید کو بھی اس کی تقلید کرنی پڑی۔

"آیئے آیئے..... کنور صاحب۔" عورت بولی۔

"آپ لوگ تشریف رکھئے۔" نووارد نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

فریدی نے ایسا محسوس کیا جیسے وہ دیدہ دانستہ ان کی طرف سے لاپروائی برتنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"کچھ اور پوچھنا ہے آپ لوگوں کو۔" عورت بولی۔

فریدی اس کا مطلب سمجھ گیا۔

"جی نہیں.... تکلیف دہی کی ایک بار پھر معافی چاہتا ہوں۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگوں کی تعریف.....!" نووارد بولا۔

"پولیس سے تعلق رکھتے ہیں۔" عورت نے کہا۔

"اوہ.....!" اس نے اس انداز میں کہا جیسے اس کی کوئی اہمیت نہ ہو۔

حمید فریدی بر آمدے میں نکل آئے۔ وہ پھاٹک کے قریب پہنچے ہی تھے کہ ایک کار کمپاؤنڈ کے اندر داخل ہوئی۔ فریدی اور حمید ایک طرف ہو گئے۔

"ارے..... فریدی۔" کسی نے کار کے اندر سے کہا اور فریدی چلتے چلتے رک گیا۔

آواز کچھ جانی پہچانی سی تھی۔

"ارے آپ.....!" فریدی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

کار سے نواب رشید الزماں اور غزالہ اتر رہے تھے۔

"آپ یہاں کہاں۔" غزالہ اپنی زندگی سے بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"یہ بھی عجیب اتفاق ہے۔" فریدی نے کہا۔

"شاکر کی موت کی خبر سنی تھی، کیا بتاؤں بہت نیک لڑکا تھا۔ سعیدہ غزالہ کی سہیلی ہے۔ غزالہ نے مجبور کیا کہ ماتم پرسی کے لئے چلنا چاہئے۔ ویسے یوں بھی اس بار میرا ارادہ رام گڈھ آنے کا تھا، لیکن تم یہاں کیسے؟"

"شاکر کی موت کی بارے میں کچھ اطلاعات بہم پہنچانے آیا تھا۔" فریدی بولا۔

"تو کیا تم اس کام کے لئے خاص طور پر بلائے گئے ہو۔"

"جی نہیں..... اپنے ایک دوست کے لئے کام کر رہا ہوں۔"

"کچھ پتہ چلا۔"

"جی نہیں..... معاملہ بہت ٹیڑھا نظر آتا ہے۔"

"یہ بھی عجیب حادثہ ہوا ہے۔" غزالہ بولی۔

ابھی یہ لوگ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ بر آمدے میں سعیدہ کھڑی ہوئی دکھائی دی۔ پہلے تو وہ کچھ دیر تک انہیں گھورتی رہی پھر تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی اُن کے قریب آئی۔

"جناب والا..... غالباً میرے مہمانوں کو ان معاملات سے کوئی سروکار نہیں۔" وہ فریدی کو مخاطب کر کے تیز لہجے میں بولی۔

"ارے..... ارے بھئی۔" نواب صاحب بولے۔ "یہ تو اپنا فریدی ہے۔"

"فریدی..... کیا مطلب.....!" سعیدہ چونک کر بولی۔

"احمد کمال فریدی.... میرے ایک مرحوم دوست کی نشانی اور ایشیا کا مشہور ترین سراغ رساں۔"

سعیدہ تھوڑی دیر تک فریدی کو حیرت آمیز نظروں سے دیکھتی رہی پھر دفعتاً سنبھل کر بولی۔

"مجھے اپنے رویہ پر ندامت ہے..... بھلا میں کیسے جان سکتی تھی کہ آپ کون ہیں جب کہ آپ لوگوں نے اپنا مکمل تعارف ہی نہیں کرایا تھا۔"

"کوئی بات نہیں..... میں نے آپ سے شکایت تو کی نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"غزالہ سے میں نے آپ کی کافی تعریف سنی ہے..... اور آپ واقعی میں بھی تعریف کے قابل ہیں۔" سعیدہ نے کہا۔

فریدی خاموش رہا۔ اس کی نظریں سعیدہ کی طرف برابر لگی رہیں۔ سعیدہ کے چہرے پر کسی قسم کے کوئی آثار نہ تھے۔ نواب رشید الزماں اس گہرے سکوت سے تنگ آکر بولے۔

"اچھا میاں اب تم جاؤ..... مگر شام کا کھانا ساتھ ہی رہے گا۔ کیوں بیٹی سعیدہ۔"

"جی ہاں..... مجھے معلوم نہ تھا کہ فریدی صاحب اور آپ لوگوں کے تعلقات ایسے ہیں..... ورنہ میں خود ہی پیش قدمی کرتی۔" سعیدہ کے الفاظ میں خوشگواری اور مصنوعی اخلاق کے ملے جلے جذبات نمایاں تھے۔ مگر فریدی نے اُن کا کوئی اثر نہ لیا۔

برآمدے میں کنور صاحب کو دیکھ کر سعیدہ نے غزالہ سے کہا۔

"آؤ بہن چلیں..... اطمینان سے باتیں ہوں گی۔"

"تو پھر..... فریدی صاحب آپ ضرور آرہے ہیں۔" غزالہ نے مڑتے ہوئے کہا۔

"ہاں..... فریدی صاحب تو ضرور آئیں گے..... یہ ہیچمندان نہ حاضر ہو سکے گا۔"

حمید نے کچھ اس طرح منہ بنا کر کہا کہ سعیدہ بھی بے اختیار ہنس پڑی۔ ہنستے ہنستے اس کی نگاہ کنور صاحب پر پڑی۔ وہ ٹھٹکی اور پھر تیزی سے قدم بڑھاتی ہوئی آگے بڑھی، غزالہ کے ٹہوکے پر اُس نے منمناتے ہوئے کہا۔ "ابھی بتاتی ہوں، مری کیوں جارہی ہے۔"

نواب رشید الزماں بھی برآمدے کے قریب آچکے تھے۔ انہوں نے مڑ کر دیکھا، فریدی اور حمید دروازے سے باہر جاچکے تھے۔

کنور ظفر علی خاں

ادھر اُدھر کی بات چیت کے بعد غزالہ پوچھ ہی بیٹھی۔

"مگر تم نے یہ نہیں بتایا کہ کنور صاحب کون ہیں۔ میرا جہاں تک خیال ہے اس سے پیشتر

میں نے کبھی ان کو تمہارے یہاں نہیں دیکھا اور نہ اختر بھائی کے دوستوں میں ایسے کوئی کنور صاحب تھے۔"

سعیدہ سنتی رہی اور تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولی۔

"یہ تمہارے اُن کے بہت پرانے دوستوں میں سے ہیں۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ اتنی جلد تم سے انہیں ملادوں۔ وہ کچھ جھکی آدمی ہیں۔ شائد تم ان سے مل کر خوش بھی نہ ہو سکو۔ شاکر بھائی مرحوم اور کنور صاحب سے ایک معمولی سی کتاب پر جھگڑا ہو گیا تھا۔"

آخری جملہ کہتے کہتے اُسے احساس ہوا جیسے وہ کوئی ایسی بات کہہ گئی ہو جو اُسے نہ کہنا چاہئے تھی۔

اپنے ساتھ غزالہ کو لئے ہوئے وہ بڑھی۔ نوکر سے معلوم ہوا کہ کنور صاحب اس کی آٹھ سالہ بچی ریحانہ کے ساتھ پائیں باغ میں کھیل رہے ہیں۔

غزالہ اور سعیدہ جب پائیں باغ میں پہنچیں..... کنور صاحب ریحانہ کو گود میں اٹھائے ہوئے ناچ رہے تھے۔ انہوں نے بے شمار تتلیاں اور بھونرے پکڑ رکھے تھے اور اُن سب کو ڈورے سے باندھ رکھا تھا اور سب ڈوروں کا آخری سرا اُن کی گردن سے بندھا ہوا تھا۔ اُن کے ناچنے کے ساتھ ساتھ تتلیاں بھی ادھر اُدھر گھوم رہی تھیں۔ معصوم ریحانہ اس کھیل سے بہت خوش تھی۔

سعیدہ اب تک خاموش تھی۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ "غزالہ..... آؤ تمہیں کنور صاحب سے ملادوں۔"

"ہاں کنور صاحب..... آپ سے ملئے۔ آپ میری عزیز ترین سہیلی غزالہ خانم اور آپ ہیں کنور ظفر علی خاں۔ اُن کے قدیم جگری دوست اور میرے بہت بڑے ہمدرد اور سہارا۔" کہتے کہتے اُس کی آنکھیں چھلک اٹھیں۔

کنور صاحب نے سعیدہ اور غزالہ کی طرف دیکھا اور قدرے خشک اور دکھے لہجے میں بولے۔ "چلئے گھر میں چل کر بیٹھیں۔ شام کو آپ کے کچھ مہمان بھی شاید آئیں گے۔"

شام کے کھانے پر حمید اور فریدی مدعو تھے۔ قاعدے کے مطابق انہیں رات سات بجے پہنچ جانا چاہئے تھا۔ مگر ساڑھے آٹھ ہو چکے تھے اور ان کا کہیں پتہ نہ تھا۔ مجبوراً نواب رشید الزماں نے سعیدہ سے کہا۔ "اب انتظار فضول ہے..... کھانا لگوادو..... خود اپنے ہاتھ سے مرغ پکایا تھا۔ مگر اُن سبھوں کی قسمت ہی میں نہ تھا۔ پھنس گئے کہیں۔"

کھانا میز پر لگا دیا گیا تھا۔ نواب رشید الزماں..... مرغ کی ٹانگ کاٹ کر علیحدہ ہی کرنا چاہتے تھے کہ جھناک کی آواز کے ساتھ کمرے کے سب بلب ٹوٹ کر زمین پر آ رہے۔ ایک بلب نواب صاحب کی بے حد مرغوب ڈش شاہ پسند دال میں گرا اور گرم گرم دال ان کے چہرے پر پڑی۔

فائر کی پہلی چھ آوازوں کے بعد ایک سیکنڈ کے لئے بالکل سناٹا ہو گیا۔ نواب صاحب نے دیکھا کہ دو شخصوں نے سعیدہ اور غزالہ کے منہ بند کر رکھے تھے اور انہیں اٹھائے لئے جا رہے تھے۔ وہ چیخے مگر چیخ نکلنے سے پہلے ہی اتنے زور کا وار اُن کے اوپر پڑا کہ وہ تیورا کر گر پڑے۔ ہلکی ہلکی دھندلی دھندلی شکلیں اُن کے سامنے سے گذریں۔ اُن میں سے ایک فریدی بھی تھا۔ اُن کا ہاتھ اٹھا اور پھر گر پڑا۔

کنور صاحب اس حادثہ کے لئے بالکل تیار نہ تھے۔ روشنی گل ہوتے ہی وہ بڑبڑا کر اٹھے اور قبل اس کے وہ کچھ کر سکیں ان کے سینہ پر پستول لگا ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہیں سامنے والے آدمی نے کہا۔ "خبردار اگر ایک لفظ بھی منہ سے نکالا..... چپ چاپ کھڑے رہو۔"

آواز انہیں کچھ مانوس سی معلوم ہوئی۔ انہوں نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ صبح والا انسپکٹر فریدی انہیں گھور رہا تھا۔

اتنے میں ان کے ساتھی نے آ کر کہا۔ "استاد کام ہو گیا۔ اب چلنا چاہئے۔"

"اچھا..... کنور صاحب ایسے ہی کھڑے رہئے۔ اگر ذرا بھی جنبش ہوئی تو نہ صرف آپ ختم ہو جائیں گے بلکہ یہ لڑکی بھی اس دنیا میں نہ رہے گی۔" فریدی نے ریحانہ کی گردن پکڑ رکھی تھی۔ معصوم لڑکی کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اُس کا بھولا چہرہ اس اندھیرے میں بھی روشن تھا۔ اُس آدمی نے آہستہ سے کہا۔ "کنور صاحب اپنی اندر کی جیب میں رکھا ہوا کاغذ مجھے دے دیجئے۔ نوابزادہ شاکر کی موت کے سلسلے میں یہ کاغذ خاصی اہمیت رکھتا ہے۔ اگر آپ یہ کاغذ مجھے دے دیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ کیمیا بنانے والی کتاب نوابزادہ کی قبر سے نکال لاؤں گا۔ آپ غریب نوابزادہ کے قاتل ہیں۔ آپ نے اُن کے خون سے ہاتھ رنگے ہیں۔ بہتر ہے کہ یہ کاغذ مجھے دے دیں یہ سب راز میرے سینے میں دفن رہیں گے۔"

"وہ کاغذ میرے پاس نہیں ہے۔" کنور صاحب نے ہکلا کر جواب دیا۔

"اچھی بات ہے..... میں خود ہی نکالے لیتا ہوں۔" وہ اپنے ساتھی کی طرف اشارہ کرتے

ہوئے بڑھا۔ کنور صاحب کی جیب سے ایک سنہری دستہ کا چاقو ایک رومال اور ایک ربر کی بلی نکلی۔ کاغذ کا پتہ نہ تھا۔ مایوسی ظاہر کرتے ہوئے اس نے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا۔ وہ غائب ہو گیا۔ اُس نے آخری بار کہا۔

"کنور صاحب..... نواب زادہ شاکر کے سوتیلے بھائی..... لیفٹیننٹ باقر آ گئے ہیں۔ آپ کی سعیدہ ایک حبہ نہ پا سکے گی۔ خیر فی الحال وہ میرے ساتھ جا رہی ہے۔ میرے اسسٹنٹ حمید نے اُسے پسند کر لیا ہے۔ آپ خود ہی سمجھ دار ہیں۔ مگر آگاہ کرنا فرض ہے۔ اگر میرا یا حمید کا نام کبھی آپ کی زبان پر آیا یا میرے آج کے واقعہ کا ذکر چھڑا..... تو کیمیا کی کتاب کی ذفتی پر لکھی ہوئی عبارت عدالت میں پیش کر دی جائیں گی اور خودکشی کا یہ کیس قتل کا مقدمہ بن جائے گا..... خدا حافظ۔"

وہ جا چکا تھا۔ کمرے میں اب بالکل سناٹا تھا۔ کنور صاحب نیم بے ہوشی کے عالم میں تھے۔ کافی دیر کے بعد انہوں نے ہاتھ آگے بڑھایا۔ اس کا کہیں پتہ نہ تھا اور بھیانک پستول سامنے سے ہٹ چکا تھا۔ ریحانہ بیہوش پڑی ہوئی تھی۔ کمرے میں اندھیرا بدستور تھا۔ انہوں نے نوکروں کو آوازیں دیں، مگر اُن میں سے کوئی نہ بولا۔ وہ دو قدم آگے بڑھے اور دھائیں..... ٹھٹھک کر کے انہوں نے دوسری طرف قدم بڑھایا اور پھر ویسی ہی آواز سنائی دی۔

"معلوم ہوتا ہے پٹاخے بچھا گئے ہیں۔" وہ بڑبڑائے۔ پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے کسی طرح وہ دروازے تک پہنچے۔ دروازہ اندر سے بند تھا..... چٹخنی کھول کر وہ باہر آئے۔ روشنی میں آتے ہی انہوں نے چیخ کر نوکروں کو بلایا۔ مگر کوئی نہ بولا..... تنگ آ کر وہ اُن کے کمروں کی طرف گئے۔ ہر ایک میٹھی نیند کے مزے لے رہا تھا۔ لاکھ جگانے پر بھی وہ نہ جاگ سکے۔ مجبوراً انہیں نوکروں کا خیال ترک کرنا پڑا۔ اُن کا خیال تھا کہ غالباً کنکشن کاٹ دیا گیا ہے۔ پھر بھی انہوں نے برآمدے کا سوئچ دبایا برآمدے میں روشنی پھیل گئی۔ اسی روشنی کے سہارے وہ کمرے میں پھر آئے۔ نواب صاحب اور ریحانہ کو وہاں سے اٹھانے کے بعد انہوں نے فون اٹھایا۔

پولیس دفتر میں سب انسپکٹر نے پوچھا۔ "ہیلو کون ہے۔"

کنور صاحب نے کہا۔ "میں کنور ظفر علی خاں ہوں، اختر لاج سے بول رہا ہوں۔ فوراً آئیے ماتھر صاحب ہیں۔" جواب ملا۔ "نہیں....." "اچھا سنئے اگر فریدی صاحب اور حمید صاحب ہوں

تو انہیں بھی لیتے آیئے گا۔"

مگر وہ لوگ سات بجے سے غائب ہیں۔ "ہوں" کہہ کر انہوں نے فون رکھ دیا۔

پولیس انسپکٹر بمل مکرجی کے آنے تک کنور صاحب اپنی ذہنی الجھنوں پر قابو پا چکے تھے۔ وہ بار بار یہ سوچ رہے تھے کہ کہیں انہوں نے دھوکا تو نہیں کھایا۔ مگر وہ شکل بالکل انسپکٹر فریدی کی تھی۔ اور اگر مان بھی لیا جائے کہ وہ انسپکٹر فریدی نہیں تھا تو آخر مجھے وہ منع کیوں کر گیا..... اگر فریدی نہ ہوتا تو..... وہ مجھے منع نہ کرتا..... وہ اگر فریدی تھا تو اس نے ایسا کیوں کیا..... انسپکٹر فریدی ایشیا کا مشہور اور ہر دلعزیز سراغ رساں اور..... لٹیرا.....؟ یہ نہیں ہو سکتا۔"

آخر کار انہوں نے یہ طے کر لیا کہ وہ سب انسپکٹر کو یہ بتا دیں کہ اس شخص کی شکل بالکل فریدی سے ملتی تھی۔

مسٹر مکرجی کو پورا بیان لکھوانے کے بعد انہوں نے کہا۔ "میں نے اُسے دیکھا تھا۔ اُن کا حلیہ اور شباہت....." اُن کا فقرہ پورا بھی نہ ہوا تھا کہ گولی چلنے کی آواز سنائی دی اور سامنے کی کارنس پر سے ایک کبوتر پھڑ پھڑا کر گرا اور مر گیا۔ کنور صاحب رک گئے۔ اُن کے لئے یہ خطرہ کا سگنل تھا۔

"ابھی تک وہ موجود ہے۔" دل ہی میں انہوں نے فریدی کو ایک موٹی سی گالی دی۔ سامنے تڑپ کر مرنے والے کبوتر میں انہیں خطرہ کی جھلک نظر آئی۔ انسپکٹر مکرجی گولی کی آواز ہی کے ساتھ سپاہی بھیج چکا تھا اور جب سپاہیوں نے آکر یہ رپورٹ دی کہ کوئی نہیں ہے تو انہوں نے سپاہی چاروں طرف پھیلا دیئے اور پھر کنور صاحب کی طرف مخاطب ہوئے۔ "آپ بیان جاری رکھیں..... مگر ٹھہریئے..... یہ کبوتر.....؟ مگر یہ پالتو نہیں جنگلی ہیں۔"

"جی ہاں..... ان کبوتروں کو "شگون" کے خیال سے رہنے دیا تھا۔" کنور صاحب بولے۔

انسپکٹر مکرجی نے پھر کہا۔ "ہاں وہ بیان لکھا رہے تھے۔ اُس آدمی کا حلیہ.....!" انہوں نے قلم اٹھایا۔ "جی وہ لمبا سا تندرست آدمی تھا۔ بھیانک اور ناک کے پاس ایک تل تھا۔" غیر شعوری طور پر کنور صاحب کے منہ سے نکل گیا۔

انسپکٹر نے بیان نوٹ کیا۔ حفاظت کے لئے سپاہی چھوڑ کر وہ سعیدہ اور غزالہ کی واپسی کا یقین دلاتے ہوئے باہر نکل گیا۔

مصنوعی بیوی

سعیدہ کے گھر سے واپسی پر ہی حمید کے پیٹ میں چوہے کودنے لگے تھے کہ آخر وہ کنور صاحب کون تھے؟ سعیدہ کی اکھڑی اکھڑی گفتگو نے اُسے یقین کرنے پر مجبور کر دیا تھا کہ بہر حال شاکر کے قتل میں کہیں نہ کہیں سعیدہ کا ہاتھ ضرور ہے، اس کے باوجود بھی اس کے ذہن میں سعیدہ کی تصویر ناچنے لگتی تھی، مگر پھر بھی اس میں بے پناہ جنسی کشش تھی۔ اس کے کان کی لویں..... اس کے تمتماتے ہوئے رخسار..... اور سب سے بڑھ کر سڈول کندنی کلائیاں..... وہ گم ہو گیا۔ خاموشی سے اکتا کر اس نے فریدی سے پوچھا۔ "سعیدہ کے بارے میں کیا خیال ہے۔"

"غنیمت ہے تمہارے لئے.....!" فریدی طنزیہ بولا۔

"نہیں..... نہیں..... کس خچر کے پٹھے کا خیال بھی اس طرف گیا ہو۔ میں تو شاکر کے قتل کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔" حمید کچھ جھینپتے ہوئے بولا۔

"تم نے کچھ کچھ تو ٹھیک ہی سوچا ہے..... بہر حال شاکر کے گھر چل رہے ہیں، شاید کوئی کام کی بات نکل آئے۔"

شاکر کی کوٹھی پر پولیس کا سخت پہرہ تھا۔ پوچھ گچھ پر معلوم ہوا کہ کوئی صاحب لیفٹیننٹ باقر تشریف لائے تھے اور اپنے کو سوتیلا بھائی بتا گئے ہیں۔ آج رات میں وہ بمبئی جا رہے ہیں اور پرسوں تک واپس آجائیں گے۔ عدالت سے وہ حکم امتناعی شاکر کی وراثت کے سلسلے میں نکلوا چکے ہیں۔ اس کی اطلاع شاید سعیدہ خاتون کو مل چکی ہو گی۔

اتنی باتیں جاننے کے بعد فریدی گھر میں داخل ہوا۔ لائبریری میں دو ہزار کے قریب کتابیں تھیں۔ ان میں سے تھوڑی سی تعداد انگریزی اور اردو کے شعراء پر مشتمل تھی، بقیہ علم

الجیوانات، نباتات جمادات، کیمیا، سیمیا، فلسفہ قدیم و جدید پر کتابیں مشتمل تھیں۔ کبوتروں کی پہچان، کبوتروں کے فوائد پر ایک بڑا سا قلمی نسخہ تھا۔ کتابیں کچھ جرمن، کچھ فرنچ کچھ لاطینی زبان میں تھیں۔ سامنے ایک بڑا سا سیف تھا میز پر روح اور اس کی ماہیت کے عنوان سے ایک کتاب پڑی تھی۔ کتاب کی جلد پر "کنور ظفر علی خاں" کا نام درج تھا۔ اندر کا ایک صفحہ پھٹا ہوا تھا۔

فریدی چونکا اور چشم زدن میں وہ اس کی جیب کے اندر تھا۔ حمید خاموشی سے اپنے استاد کا طریق کار دیکھ رہا تھا۔ اُسے الجھن ہو رہی تھی کہ آخر اس الٹ پلٹ کا مطلب کیا ہے اور اس سے کیا نتیجہ بر آمد ہو سکتا ہے۔

فریدی سے جھلا کر اس نے کہا۔ "میرے خیال میں یہ کتابیں خونی ہیں۔"

"اوں..... ہوں..... ہاں بالکل ٹھیک کہتے ہو۔" فریدی نے اپنی الٹ پلٹ جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں..... دیکھئے..... اُس موٹی سی کتاب نے اپنے پنجوں سے شاکر کا گلا گھونٹ دیا۔ وہ مر گیا..... مگر..... مگر..... یہ کیا.....!" جھلاہٹ میں ایک موٹی سی کتاب اٹھاتے ہوئے حمید نے یہ جملے کہے تھے۔ مگر وہ کتاب بالکل سادی تھی۔ البتہ بیچ بیچ میں قلمی خاکے اور تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ ایک جگہ خونی پنجہ تھا اور اس کے نیچے کچھ لکھا ہوا تھا، جسے حمید نہ پڑھ سکا۔ اُس نے کتاب اٹھاتے ہوئے فریدی سے کہا۔ "یہ بھوت خانے کا نادر نسخہ دیکھئے....."

فریدی اُسے دیکھتے ہی مبہوت رہ گیا۔ اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے اُسے کسی سانپ نے کاٹ لیا ہو۔ وہ چیخا۔ "حمید فوراً آؤ۔"

"میں نہیں آتا.....!" بھاگتے ہوئے فریدی کے پیچھے اس نے دوڑتے ہوئے کہا۔

فریدی باہر نکلا۔ اُس نے سپاہیوں کو ہدایت کی کہ کسی شخص کو اندر نہ گھسنے دیا جائے اور پھر تیزی سے پیدل اسٹیشن کی طرف بھاگنے لگا۔

اس تمام کھوج اور تفتیش میں رات کے دس بج چکے تھے۔ کافی رات ہو جانے کی وجہ سے رام گڈھ کا پہاڑی علاقہ سنسان پڑا تھا۔ سڑک پر سوائے حمید اور فریدی کے دوڑنے کی اور کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ اچانک اُن کی رفتار سست ہو گئی۔ سامنے دونوں طرف کے درختوں سے ملا کر رسی باندھ دی گئی تھی۔ کنارے سے بچ کر فریدی نکلا اور ہانپتے ہوئے حمید سے بولا۔

"دشمن کو منہ کی کھانا پڑی..... خدا کے لئے تیز چلو..... اگر بمبئی ایکسپریس چھوٹ گئی تو مصیبت ہی آ جائے گی۔"

"دونوں تیزی سے بھاگ رہے تھے۔ سٹیشن صرف آدھا میل رہ گیا۔ فریدی نے سڑک کے کنارے سے لگے ہوئے کھمبے کی روشنی میں دیکھا۔ گھڑی میں گیارہ بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ ایکسپریس گیارہ بج کر پانچ منٹ پر چھوٹتی تھی۔ اُس نے رفتار تھوڑی دھیمی کر دی۔ حمید بیچارہ ہانپ گیا تھا۔ اس کے قدم جواب دے رہے تھے کہ یکایک اس کا سر کسی چیز سے ٹکرایا اور وہ بیٹھ گیا اور چیخا۔

فریدی مڑا..... قدرتاً احتیاط پسند ہونے کی وجہ سے وہ بیچ سڑک پر تھا تاکہ درختوں کی اوٹ یا سہارا لے کر اُس پر حملہ نہ کیا جا سکے۔ حمید اس کا خیال نہ کر سکا۔ سڑک کے کنارے ایک درخت کی ڈال سے چارپائی باندھ دی گئی تھی اور چارپائی سے دو انسانی صورتیں بندھی ہوئی تھیں۔

فریدی نے ٹارچ روشن کر لی۔

"افوہ.....!" اس کے منہ سے نکلا اور اُس نے حمید سے کہا۔ "میں انہیں اتارتا ہوں ..... تم ٹھہرو۔"

چارپائی ایک جھولے کی طرح لٹکا دی گئی تھی اور سعیدہ و غزالہ دونوں اس چارپائی پر رسیوں سے باندھ دی گئی تھیں۔ اتارنے کے بعد اس نے کوشش کی کہ انہیں ہوش آ جائے، مگر انہیں بُری طرح بے ہوش کیا گیا تھا۔ گیارہ بج چکے تھے۔ فریدی نے غزالہ اور حمید نے سعیدہ کو لادا اور چلنا شروع کیا۔ وہ دوڑ ختم ہو چکی تھی۔ سعیدہ حمید کے اوپر لدی ہوئی تھی۔ اس کا بس چلتا تو وہ سعیدہ کو پٹخ دیتا مگر فریدی..... دبے لہجے میں اس نے پھر پوچھا۔ "یہ کیا قصہ ہے۔"

"ٹرین میں بتاؤں گا..... یہ سمجھ لو..... ابھی تک ہم بازی نہیں ہارے۔"

اسٹیشن کی عمارت نظر آنے لگی تھی۔ گاڑی کا ابھی پتہ نہیں تھا۔ مگر سگنل گر چکا تھا.....

فریدی نے خوش ہو کر حمید سے کہا۔ "ہم جیت گئے۔ پانچ منٹ بعد دشمن ہمارے ہاتھ میں ہو گا۔"

"ٹھہرو..... پہلے مجھ سے فیصلہ کر لو۔" ایک بارعب اور گرجدار آواز سنائی دی۔

فریدی نے دیکھا..... بغل سے کنور ظفر علی خاں پستول لئے..... چلے آ رہے تھے۔ اُن کا چہرہ غصہ سے لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔ انہوں نے پھر کہا۔ "انہیں رکھ دو۔"

حمید نے چاہا کہ کم از کم فریدی کی طرف گردن گھما کر دیکھ سکے..... مگر کنور صاحب نے دیکھ لیا۔

"تم سب بدمعاش ہو..... میں آج تمہیں شوٹ کر دوں گا..... فریدی صاحب..... اب وہ اکڑ کہاں گئی۔"

فریدی خاموشی سے کنور صاحب کی طرف دیکھتا رہا۔ "بدمعاش۔" کا لفظ سنتے ہی حمید نے جھلا کر چاہا کہ بڑھ کر کنور صاحب کا گلا گھونٹ دے مگر کنور صاحب نے ارادہ بھانپتے ہوئے کہا۔ "ذرا سی حرکت ہوئی تو فریدی اس دنیا میں نہ ہوں گے۔"

"پھر اُس نے فریدی کو مخاطب کیا اور کہا۔ "ہاں فریدی صاحب..... تو کل آپ پولیس سے کہہ دیں گے کہ شاکر کا قاتل میں ہوں۔ آپ میری وہ تحریر بھی پیش کر دیں گے، جس میں اُسے دھمکی دی گئی تھی کہ اگر وہ کتاب مجھے نہ دے گا تو میں اُسے مار ڈالوں گا.....؟ لیکن قبل اس کے کہ آپ کچھ کہہ سکیں میں آپ کی زبان ہمیشہ کے لئے بند کر دوں گا۔"

اچانک گاڑی کی سیٹی سنائی دی۔ اپنی پوری گھڑگھڑاہٹ اور شور کے ساتھ گاڑی آ رہی تھی۔ ریل کی پٹریاں دور سے چمکتی ہوئی صاف دکھائی دے رہی تھیں۔

فریدی کے منہ سے ایک خوفناک آواز نکلی اور کنور صاحب بے ساختہ پیچھے ہٹ گئے۔ آنکھ جھپکتے ہی پستول فریدی کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے جلدی سے کہا۔ "آپ نے میرا بہت وقت ضائع کیا..... ان لڑکیوں کو لے جایئے۔ آپ کسی بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ حمید جلدی کرو" کہتے ہوئے فریدی نے پھر دوڑنا شروع کر دیا۔ اسٹیشن کے سیدھے دروازے کی بجائے اب اس کا رخ ریلوے لائن کی طرف تھا..... گاڑی نے پلیٹ فارم سے حرکت کی۔ ریلوے لائن اور فریدی میں صرف پچاس گز کا فاصلہ رہ گیا تھا۔

گاڑی پلیٹ فارم چھوڑ چکی تھی..... فاصلہ دس گز..... گاڑی اپنی متوسط رفتار پر تھی..... فاصلہ پانچ گز..... گاڑی فریدی کی بغل سے گزر رہی تھی۔ یک بیک وہ اچھلا اور سامنے سے گذرنے والے اندھیرے ڈبے کے پائیدان پر کھڑا ہو گیا۔ حمید سے اس نے چیخ کر کہا۔ "فوراً کسی ڈبہ میں گھس جاؤ....." اور خود اسی ڈبہ میں کود پڑا۔

حمید جس ڈبہ پر کھڑا تھا اس کی چٹخنیاں اندر سے بند تھیں۔ اس نے گردن اٹھا کر

دیکھا..... ڈبہ کے اوپر بنی ہوئی دو لکیریں ظاہر کر رہی تھیں کہ یہ دوسرا درجہ ہے۔ اُس نے زور زور سے دروازہ پیٹنا شروع کیا۔ سامنے پل آ رہا تھا اور دریائے گھاگھرا کے کناروں کے ٹوٹنے کی پر شور آوازوں کا زور بڑھتا جا رہا تھا۔ بھیانک سنسان رات..... اُسے ڈر محسوس ہونے لگا۔ فریدی کے اوپر اُسے غصہ آ رہا تھا۔ خود تو مزے سے ہوں گے..... میری بھلا انہیں کیا پرواہ؟ عجیب سنکی آدمی ہے..... دوڑا ڈالا..... بیٹھے بٹھائے مصیبت..... بلاوجہ....."

جھلاہٹ میں اس نے کھڑکی پر اتنے مکے برسائے کہ کھڑکی کا ایک خانہ ٹوٹ گیا۔ اندر سے بڑبڑانے کی آواز سنائی دی اور کسی نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ ڈبہ میں داخل ہو کر اس نے دیکھا..... صرف چار برتھ تھیں۔

ایک طرف ایک موٹی سی عورت جس کی عمر بیس سال سے زائد نہ رہی ہو گی لیٹی ہوئی تھی۔ سامنے ایک صاحب سو رہے تھے۔ ان کے اوپر والی برتھ پر سر سے پیر تک چادر تانے کوئی پڑا تھا۔

البتہ عورت کی اوپری برتھ خالی تھی۔ کمپارٹمنٹ میں اندھیرا تھا۔ مگر لیوٹری کے اندر کی مدھم روشنی غالباً اسی خیال سے گل نہیں کی گئی تھی کہ اندھیرا نہ رہے۔ حمید نے چاروں طرف دیکھا اور اوپر والی برتھ پر چڑھ گیا۔ تمام راستہ کی تھکان دوڑ اور محنت نے سیکنڈ کلاس کے گدے پر نیند کو آواز دی اور وہ سو گیا۔

اس کی آنکھ کھلی تو دن اچھا خاصا نکل آیا تھا..... گاڑی وندھیاچل کی خوبصورت پہاڑی سلسلے کے درمیان سے گذر رہی تھی۔ اُس نے جھانک کر دیکھا۔ وہ عورت اٹھ چکی تھی۔ رات کی اتنی موٹی سی عورت نے نظر اٹھائی اور اُسے مسکراتے دیکھ کر کھل کھلا کر ہنس پڑی اور عجیب انداز میں بولی۔ "اب نیچے آؤ نا.....؟" حمید کو بھلا کہاں برداشت.....؟ اتنی مدت کے بعد ایک شکار ملا تھا؟ کیا وہ اسے بھی چھوڑ دے گا۔ وہ فوراً کود پڑا۔

جیسے ہی اُس نے چاہا کہ بیٹھے..... عورت نے کہا۔ "نا..... نا..... پہلے منہ دھو کر چائے پی لو تب پھر باتیں کرنا۔" حمید اس کی اس بے تکلفی پر کچھ کھٹکا۔ مگر سامنے بیٹھے ہوئے بنگالی کو مسکراتے دیکھ کر اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی مسکراہٹ کہہ رہی ہو۔ "کیوں بے چغد ڈر گیا نا آخر..... بدھو....." ڈرپوک" اور وہ جھٹ سے باتھ روم میں داخل ہو گیا۔ منہ دھو کر جب وہ

باہر نکلا..... عورت تھرماس میں سے چائے نکال رہی تھی۔ رس بھری کی جیلی اور ٹوسٹ ایک طشتری میں رکھے ہوئے تھے۔ بھنے ہوئے آلوؤں کے قتلے دوسری طشتری میں ایک پلیٹ میں سیب کی کچھ قاشیں اور انگور کے دانے پڑے تھے۔ حمید کے منہ میں پانی بھر آیا۔ شام کو لائبریری میں دو ابلے ہوئے انڈوں اور ایک پیالی چائے کے علاوہ اُسے کچھ نہ مل سکا تھا۔ بیٹھ کر اس نے کھاتے ہوئے کہا کہ۔

"آپ کہاں سے.....!"

لیکن جملہ پورا ہونے سے قبل ہی ٹکٹ چیکر کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

"ٹکٹ پلیز.....!" وہ ٹکٹ نہ لے سکا تھا۔ سوائے چارج دینے کے اور چارہ ہی کیا تھا۔ پھر جب چارج ہی دینا ہے تو جلدی کیا ہے۔ کھا کر دے دیں گے، اس نے سوچا اور ٹی ٹی سے کہا۔ "ابھی دیتا ہوں۔"

عورت کی طرف بڑھ کر جب چیکر نے ہاتھ بڑھایا تو اس نے حمید کی طرف اشارہ کر دیا، جسے حمید نہ دیکھ سکا۔ خوب پیٹ بھر کھانے کے بعد اس نے ٹی ٹی سے کہا۔ "پچھلے جنکشن سے چارج کر لیجئے۔ جلدی میں ٹکٹ نہ خرید سکا۔" چارج شیٹ بنانے کے بعد ٹی ٹی نے کہا۔ "ایک سو سر سٹھ روپے بارہ آنے۔"

"کتنے.....!" حمید نے اچھل کر کہا۔ "ذرا دیکھوں کہاں سے چارج کر رہے ہیں آپ...!"

"جی..... جبلپور سے..... دو آدمی..... سیکنڈ کلاس.....!" ٹی ٹی بولا۔

"دو کون.....!" حمید غرایا۔

"آپ اور آپ کی..... یعنی کون ہیں یہ آپ کی.....!" ٹی ٹی نے کہا۔

"دھرم پتنی....." عورت کچھ جھینپتے ہوئے بولی۔ پھر حمید کی طرف دیکھ کر کہنے لگی۔ "ارے ٹی ٹی صاحب کو پان پتہ کے لئے کچھ دے دو..... اتنا نہ لیں گے۔"

حمید کو جیسے ہزاروں بچھوؤں نے ڈنک مار دیا۔ بٹوے میں صرف ایک سو پانچ روپے اور زبردستی کی بلا الگ سر پر۔

اُس نے بپھرتے ہوئے کہا۔ "یہ عورت جھوٹی ہے..... میرا اس سے کوئی ناطہ نہیں۔"

بنگالی بابو جوش میں کھڑے ہو گئے۔ "شرم نہیں آتا..... اپنی استری چھوڑتا ہے.....

چھی تھو.....!"

اوپر والا آدمی وہیں سے لیٹے لیٹے بولا۔ "اگر بیوی نہیں تو پھر کون ہے..... ابھی تو ساتھ بیٹھ کر کھا رہا تھا..... کہتا ہے کوئی ناطہ نہیں..... چار سو بیس۔" گاڑی اب اسٹیشن پر پہنچ رہی تھی۔ ٹی ٹی نے ڈانٹ کر عورت سے پوچھا۔ "سچ سچ بتا تیرا یہ کون ہے۔"

"ہائے..... ہائے..... ٹی ٹی صاحب..... میرے پتی ہیں۔ پرسوں ہمارا.....!" وہ کچھ روتے ہوئے بولی۔ "لو میرے پیر دیکھ لو۔" اس کے رنگے ہوئے پیر اور چاندی کے چھلے گواہی دے رہے تھے کہ ابھی ابھی اس کی شادی ہوئی ہے۔

اس نے پھر حمید کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ "روپے کے ڈر سے کنگن بھی چھپا دیئے۔"

"ہاں..... ہائے میری تقدیر پھوٹ گئے۔" کہتے ہوئے اس نے زور زور سے چلا کر رونا شروع کر دیا۔ گاڑی اسٹیشن پر کھڑی ہو گئی تھی۔ اچھی خاصی ایک بھیڑ جمع ہو چکی تھی۔ حمید کی جان عجیب مخمصے میں تھی..... اس کی تلاشی پر جیب سے ایک بٹوہ جس میں ایک سو پانچ روپے ایک کنگنا اور چار پانچ وزیٹنگ کارڈ ملے جس پر لکھا تھا۔ "دھرم داس بی اے کمرشل آرٹسٹ" عورت سے جب نام پوچھا گیا تو اس نے کہا۔ "میں ان کا نام نہیں لے سکتی۔" بڑی مشکل سے اس نے ایک پرچہ پر وہی نام لکھ دیا جس نام کے وزیٹنگ کارڈز تھے۔ حمید چکرا گیا تھا۔ چاروں طرف سے لوگ ٹوٹے پڑ رہے تھے اور اُسے لعنت ملامت کر رہے تھے۔ حمید کی نگاہیں فریدی کو ڈھونڈ رہی تھیں، اُس نے کئی بہانے کر کے سپاہیوں کے ساتھ ٹرین کے کئی چکر لگا ڈالے مگر فریدی نہ ملا۔ ادھر ٹرین نے سیٹی دی، حمید نے لاکھ چاہا کہ اُسے پھر گاڑی میں بیٹھنے دیا جائے، مگر ٹکٹ چیکر کسی حالت میں نہ مانا..... وہ بار بار کہے جا رہا تھا..... پورا چارج دیجئے..... اور بیٹھئے۔"

گاڑی آہستہ آہستہ رینگنے لگی۔ حمید نے آخری بار کوشش کی کہ وہ بیٹھ سکے مگر ناکام رہا اور گاڑی روانہ ہو گئی۔ مجمع چھٹ چکا تھا اور وہ عورت غائب تھی۔

اس نے مڑ کر ٹی ٹی سے کہا۔ "چارج لیجئے..... مگر وہ میری بیوی ڈھونڈ لائیے۔"

ٹی ٹی حیرت زدہ رہ گیا۔ ابھی ایک سیکنڈ پہلے وہ اس کی نرم نرم ہتھیلیوں سے لطف اندوز ہوتا حمید سے بحث میں الجھا ہوا تھا..... "وہ عورت کہاں گئی۔"

شرمندہ ہو کر اُس نے حمید سے کہا۔ "مجھ سے غلطی ہوئی۔"

حمید نے جیب سے اپنا کارڈ جب نکالنا چاہا تو وہ غائب تھا۔

ایک کاغذ پر البتہ لکھا ہوا تھا۔ "پہلی اور ہلکی سی چوٹ اپنے حمید کے لئے..... استاد کی بھی خبر لینا۔"

حمید بوکھلا گیا تھا، جیسے خواب کی لہریں..... سینما کی تصویریں یا پوری ریل گاڑی اس کے سر سے گذر گئی ہو۔ وہ سر تھام کر بیٹھ گیا..... اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے کہ اتنے میں اسی ٹکٹ چیکر نے اُسے آکر کہا۔ "آپ کا ٹرنک کال آیا ہے حمید صاحب۔" اُس نے ریسیور سے سنا۔ فریدی کہہ رہا تھا۔ "رام گڈھ لوٹ آؤ۔"

لیفٹیننٹ باقر

دوسرے روز صبح چائے پر باتیں کرتے ہوئے فریدی نے کہا۔

"حمید میاں! میں نے زندگی میں کبھی ہار نہیں مانی..... مگر میں اقرار کرتا ہوں کہ میں اس کے سامنے طفلِ مکتب ہوں..... غضب کا دماغ ہے ظالم کا۔"

کہتے کہتے فریدی ٹھہر گیا۔ حمید واقعات جاننے کے لئے بے تاب تھا، اس نے منہ کھولا ہی تھا کہ فریدی نے اشارے سے روک دیا اور کہنا شروع کیا۔

"مجھے پورا یقین تھا کہ شاکر کے کیس میں جابر کا ہاتھ ہے۔ اس روز صبح کی ڈاک سے مجھے اطلاع ملی تھی کہ سیٹھ گنومل چھیدی لال بمبئی کے مشہور تاجر کے یہاں ڈاکے کا نوٹس مل چکا تھا۔ ادھر نواب زادہ شاکر کی جائیداد کے ایک وارث اور کھڑے ہو چکے تھے۔ وہ بھی اُس گاڑی سے بمبئی جارہے تھے۔ جابر کی یہ ترکیب میری سمجھ میں آگئی۔ میں نے بمبئی پولیس کو تار دے دیا تھا کہ وہ لوگ اسٹیشن پر موجود رہیں اور میرے ساتھ جسے دیکھیں گرفتار کرلیں۔ یا راستہ ہی میں کہیں اُسے دھر لینا۔ صرف اس لئے کہ میرے کام میں رکاوٹ ہو اور کنور صاحب میرے دشمن ہو جائیں۔

اس نے میرا بھیس بھرا..... دوسری طرف اُسے یقین ہو گیا تھا کہ میں ضرور اس کا پیچھا کروں گا۔ موٹر کا راستہ روکنے کے لئے اس نے ٹائم سوئچ بم لگائے اور راستہ میں رسیاں باندھ کر دیر کرادی..... اور جب اس میں ناکام رہا تو اتفاقات نے ہمیں کنور صاحب کی نظر میں گرادیا۔ اس طرح راستہ میں روڑے اٹکاتا..... وہ لیفٹیننٹ باقر کے ڈبے میں بیٹھنے میں کامیاب ہوا۔ آج کا اخبار دیکھو "سیٹھ گنومل چھیدی لال بُری طرح لٹ گئے..... اور لیفٹیننٹ باقر اور ان کے لڑکے ذاکر پر قاتلانہ حملہ کیا گیا..... وہ بچ تو گئے مگر ان کی تمام قیمتی دستاویزیں اور نقد روپیہ لوٹ لیا گیا۔"

"تو پھر آپ واپس کیوں لوٹ آئے۔" حمید نے بے تابانہ پوچھا۔

"یہ میری شکست اور جابر کی فتح کی کہانی ہے۔ میں جس ڈبہ میں داخل ہوا تھا اس میں بالکل اندھیرا تھا..... میں نے ٹارچ جلا کر پورے ڈبہ میں دیکھا۔ ڈبہ خالی تھا..... میں اُسی ڈبہ میں لیٹا رہا۔ پتہ نہیں کب میری آنکھ لگ گئی..... اور جب میری آنکھ کھلی تو میں برانچ لائن کے ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر تھا..... وہ ڈبہ جس میں میں تھا اگلے جنکشن پر کاٹ دیا گیا تھا۔

میں نے دیکھا حریف کام کر چکا ہے۔ سوائے لوٹ آنے کے کوئی چارہ کار نہ تھا۔ رام گڈھ اسٹیشن ماسٹر کو میں نے تمہارے متعلق اطلاع دے دی تھی..... تمہارے لئے یہاں سے اُسے ٹرنک کال کیا گیا..... میں آیا اور آگے تو تم جانتے ہی ہو..... مگر تمہاری بیوی کیا ہوئی۔" فریدی نے ایک زوردار قہقہہ لگایا..... اور حمید نے جھینپ مٹاتے ہوئے کہا۔ "وہ شاکر کی لائبریری والی کتاب میں کیا تھا..... اس کے متعلق آپ نے کچھ نہیں بتایا۔"

فریدی کا چہرہ یک لخت سنجیدہ ہو گیا..... اس نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔ "وہ میرے ترکش کا آخری تیر ہو گا۔"

اتنے میں نوکر نے میز پر ملاقاتی کارڈ لا کر رکھا۔

"لیفٹیننٹ باقر..... او..... بی۔ ای۔"

"بلالو.....!" حمید نے کہا۔

ایک متوسط عمر کا آدمی..... بائیں گال پر چھوٹا سا تل۔ چھوٹی دھنسی ہوئی آنکھیں..... لمبوترہ چہرا..... اور ستواں سرخ ناک۔ یہ تھے لیفٹیننٹ باقر..... ان کے ساتھ پچیس چھبیس سال کا ایک نوجوان اور تھا جس کا تعارف لیفٹیننٹ صاحب نے "میرا لڑکا..... گریجویٹ

ہے..... مقابلہ کے امتحان کی تیاری کر رہا ہے۔" ان الفاظ سے کرایا۔ ذاکر دبلا..... پتلا زرد رنگ..... بڑی بڑی آنکھیں..... چہرہ سے معلوم ہوتا تھا کہ کم سخن سنجیدہ اور متین ہے۔

رسمی تعارف کے بعد لیفٹیننٹ صاحب نے کہا۔ "فریدی صاحب مجھے آپ ہی بچا سکتے ہیں۔ میرا جوان بھائی مر گیا.....!" کہتے کہتے وہ زار و قطار رونے لگا۔ جذبات پر قابو پاتے ہوئے انہوں نے کہا۔ "میری بہن سعیدہ لالچی ہے۔ کنور ظفر علی خاں اُسے بہکا رہے ہیں۔ مجھے جائیداد نہ چاہئے۔ مگر باپ دادا کی ڈیوڑھی میں یوں نہیں چھوڑ سکتا۔" اور پھر ان کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ ذاکر نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "ابا جان..... صبر سے کام لیجئے۔" باقر صاحب ٹھہر گئے اور رک رک کر بولے۔ "مشہور ڈاکو راہل میرے پیچھے الگ پڑا ہوا ہے۔ اس نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ میرے کاغذات دلوا دیجئے اس سے..... فریدی صاحب میں تا زندگی آپ کا احسان مانوں گا۔"

فریدی باقر صاحب کی گفتگو سنتا رہا۔ درمیان میں حمید نے کئی بار کوشش کی کہ اُن سے سوالات کرے، مگر فریدی کا اشارہ پا کر وہ بھی خاموش رہا۔

فریدی کافی دیر تک سوچتا رہا۔ رہ رہ کر اس کی آنکھیں چمک اٹھتیں۔ اس نے باقر صاحب کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں جیسے ان کے چہرے میں کچھ تلاش کر رہا ہو اور ایک طویل عرصہ کی خاموشی کے بعد بولا۔

"میں آپ کو کچھ بتا دینا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ یہاں کے معاملات سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں صرف اپنے دوست کی خاطر یہاں ٹھہرا ہوا ہوں۔ آپ سے جو کچھ بتایا گیا ہے وہ سچائی پر مبنی نہیں۔ راہل سے میں بخوبی واقف ہوں اور اسی لئے فی الحال میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ راہل ہی آپ کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ بہر حال آپ مجھے معاف فرمادیں۔"

ایک جہاندیدہ آدمی کی طرح لیفٹیننٹ باقر فریدی کی باتیں سنتے رہے۔ ان کے چہرے پر ہلکی سی زردی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ انہوں نے پھر کہا۔

"فریدی صاحب..... میں آپ سے انسانی حقوق اور رشتے کی بناء پر کہہ رہا ہوں..... آپ میرا ساتھ دیجئے۔ خدا آپ کی مدد کرے گا۔ میں اپنے حالات آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ میری بدقسمت حالت پر اگر آپ کو ترس آجائے تو اس کام میں ہاتھ ڈالئے ورنہ آپ کو اختیار ہے۔"

"میرے والد نواب زائر علی خاں تھے، ان کی پہلی شادی راجہ سید پور کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ شادی کے تین سال بعد میری والدہ کا انتقال ہو گیا۔ بارہ سال تک والد نے شادی نہ کی۔ لیکن آخر کار انہیں شادی کرنا ہی پڑی۔ اپنی دوسری ماں کے سلوک سے تنگ آکر میں بھاگ نکلا..... بمبئی کے ایک کارخانے میں نوکری کر کے تعلیم حاصل کی اور پھر اس عہدے تک پہنچا۔ اب باقاعدہ پنشن مل رہی ہے۔ مجھے ہمیشہ شرم آتی تھی کہ والد مرحوم کے انتقال کے بعد اگر گھر جاؤں گا تو شاکر سوچے گا کہ جائیداد میں حصہ بٹانے آپہنچے۔ لیکن مرحوم کو خود میرا خیال تھا۔ مرنے سے ایک ہفتہ قبل اُن کا خط مجھے ملا تھا جس میں انہوں نے مجھے بلایا تھا اور اب جب میں آیا ہوں تو وہ مرحوم.....!" باقر صاحب جتنی دیر تک باتیں کرتے رہے روتے رہے اور آخری جملے پر پہنچ کر اُن کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

حمید بُری طرح اُن سے متاثر ہوا تھا۔ اُن کی ضعیفی اور اُن کی حالت پر اُسے رحم آرہا تھا۔ فریدی یہ پوری بات غیر متعلق انداز میں سنتا رہا۔ نوابزدہ شاکر کا خط دیکھنے کے بعد وہ کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے اُسے باقر کو واپس کرتے ہوئے کہا۔

"مگر سعیدہ کا بیان ہے کہ نوابزدہ شاکر کا کوئی رشتہ دار نہیں تھا۔"

"ہو سکتا ہے وہ مجھے نہ پہچانے مگر اُسے یہ علم ہے کہ شاکر کا ایک بڑا بھائی بھی تھا۔ خاندان میں یہ بات مشہور کر دی گئی تھی کہ باقر مر گیا۔ اس میں شاکر کے ننھیال والوں کا ہاتھ تھا..... مگر وہ سب مر گئے۔"

"سب.....!" حمید کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"جی ہاں..... چند سال قبل طاعون کی بیماری میں۔"

"بہر حال ..... میں وکیل نہیں لیکن بظاہر آپ کا مقدمہ کافی مضبوط ہے۔ عدالت میں آپ درخواست دے چکے ہیں۔ وہاں کا فیصلہ جج کے اختیار میں ہے۔ رہ گیا آپ کی حفاظت کا سوال..... تو میں اتنا کر سکتا ہوں کہ پولیس کا معقول انتظام کرا دوں۔ اب اگر اجازت دیں تو بہتر ہے۔" فریدی نے قدرے رکھائی سے یہ جملے ادا کئے۔ مگر لیفٹیننٹ صاحب کا چہرہ ویسے ہی متین اور سنجیدہ رہا..... وہ خاموشی سے اٹھے اور ایک بار پھر فریدی کے چہرے کو غور سے دیکھا پھر ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے اپنے لڑکے سے بولے۔ "آؤ بیٹا..... چلیں۔"

دروازے پر پہنچ کر انہوں نے مڑ کر فریدی کو دیکھا اور دھیمی آواز میں بولے۔

"زحمت کا شکریہ۔" اور چلے گئے۔

آگ خون اور گولے

فریدی اور حمید شہر کے نزدیک پہنچ رہے تھے۔ شہر کی چہل پہل شروع ہو گئی۔ ایک لمبی سانس کھینچتے ہوئے حمید نے کہا۔

"کیا مصیبت تھی۔"

"ہوں.....!" فریدی نے کہا اور چپ رہا۔

"میں سمجھتا ہوں ہمیں اب رام گڈھ چھوڑ ہی دینا پڑے گا۔" حمید کے لہجے میں مایوسی تھی۔

فریدی خاموش رہا۔ "تمہیں ابھی شہر میں بھی آگ ملے گی۔" فریدی کچھ دیر رک کر بولا۔

"آؤ جلدی کریں۔"

سامنے ریستوران کھلا ہوا تھا۔ حمید سے نہ رہا گیا۔

"صرف ایک پیالی چائے۔" حمید نے گھگھیا کر کہا۔

اور دونوں ہوٹل میں داخل ہو گئے۔

ایک خوبصورت سا نوجوان سامنے بیٹھا ہوا چائے پی رہا تھا۔

ایک نظر میں فریدی نے اسے پہچان لیا..... اس نے غالباً ابھی ابھی سگریٹ جلائی تھی۔ سگریٹ کا ہلکا ہلکا دھواں اٹھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نمایاں تھے۔ وہ فریدی کو دیکھ کر اٹھا اور سگریٹ کا کش کھینچتے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔

فریدی کے پاس پہنچتے ہی وہ زمین پر بیٹھ گیا اور زور زور سے گلا دبانے لگا۔ "ارے..... ارے..... یہ تو رخصت ہوئے۔" کہتا ہوا فریدی اٹھا۔ اس کی آنکھوں سے شرارے ابلنے لگے

"بیچارہ ذاکر" فریدی کے منہ سے نکلا۔

حمید نے پانی کا گلاس اٹھا کر جلدی جلدی چھینٹے دینے شروع کر دیئے۔ ہوٹل میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا تھا۔ لوگ جگہیں چھوڑ کر وہاں کھڑے ہو گئے تھے۔ کسی نے فریدی کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔ "یہ ختم ہو گئے..... انہیں سگریٹ میں زہر دیا گیا ہے۔" کہتے ہوئے وہ پیچھے مڑا۔ "طارق صاحب..... ارے آپ؟"

"فریدی صاحب..... فوراً چلئے..... غزالہ کی حالت نازک ہے۔"

فون کرنے کے بعد لاش کو پولیس کے حوالے کر کے اور حمید کو ہدایات دے کر فریدی طارق کے ساتھ چلا۔

"وہ لوگ کہاں ہیں۔"

"سعیدہ کے گھر میں آگ لگا دی گئی۔ اس کے یہاں کے سارے کبوتر غائب ہیں اور صرف غزالہ زخمی ہے۔ وہ لوگ ابھی ابھی یہاں آئے ہیں۔"

"مگر باقر اور ظفر کے تعلقات.....!"

فریدی نے پوچھا۔

"آپ کو شاید حالات کا علم نہیں۔ باقر صاحب اور سعیدہ میں سمجھوتہ ہو گیا۔ عدالت نے باقر کو شاکر کا بھائی تسلیم کر لیا۔ لیکن انہوں نے اپنی طرف سے جائیداد سعیدہ کے نام ہبہ کر دی ہے۔ صرف گھر اُن کے قبضہ میں ہے۔ چنانچہ جس وقت آگ لگی ہے باقر صاحب وہیں موجود تھے۔ بڑی مشکل سے انہوں نے سب کو نکالا۔"

فریدی سنتا رہا..... اور تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔

"میں نواب اور کنور صاحب سے مل بھی نہ سکا۔ بہت سی باتیں معلوم کرنا تھیں۔ میرا مقابلہ ایسے آدمی سے ہے، جس کے کام کرنے کا طریقہ سب سے الگ ہے۔ وہ پے در پے تابڑ توڑ ایسے حملے کرتا جاتا ہے کہ مخالف کو سوچنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔ ہاں..... غزالہ کو کیا ہوا۔"

"میں بتا رہا تھا..... وہ لوگ کچھ آپ سے کشیدہ معلوم ہوتے ہیں۔ خصوصاً کنور صاحب..... جس وقت آگ لگی ہے ہمیں ایسا معلوم ہوا جیسے جلتی ہوئی شہتیروں کے درمیان آپ بچ نکلنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ ہم سب بڑھے اور غزالہ بھی۔ مگر اس سے پہلے کہ ہم میں سے کوئی ہمت کر سکے وہ آگ میں داخل ہو چکی تھی۔ جلتی ہوئی آگ میں سے بہزار دقت اُسے

نکالا گیا..... وہاں سے آنے کے بعد باقر صاحب نے مجھے اس ہوٹل میں ذاکر کو بلانے کے لئے بھیجا اور یہاں آپ مل گئے..... بیچارے باقر صاحب.... ان کا یہی ایک لڑکا تھا۔"

فریدی اور طارق نوابزادہ شاکر کے مکان پر جب پہنچے ہیں وہاں بھی آگ لگ چکی تھی۔ آگ مکان کے پچھلے حصہ کی طرف سے لگائی گئی تھی اور بیرونی حصہ تک پہنچنے سے پہلے اُسے بجھانے کی کوشش کافی حد تک کامیاب ہو چکی تھی۔ مکان کے سامنے باقر صاحب چیخ چیخ کر رو رہے تھے۔ غالباً ذاکر کے مرنے کی اطلاع انہیں مل چکی تھی۔ غزالہ باہر ہی ایک پلنگ پر لٹائی گئی تھی۔ صرف ذرا سی خراش اور پیر کا نچلا حصہ جلا تھا۔

"بلاوجہ طارق نے پریشان کر دیا۔" فریدی منمنایا اور پھر پلٹ کر نواب صاحب کی طرف مڑا۔ نواب رشید الزماں بالکل گم سم تھے اور سعیدہ غزالہ کے پاس بیٹھی ہوئی پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ کنور ظفر علی خاں کا کہیں پتہ نہ تھا۔

"جج صدیق احمد کے یہاں چوری ہو گئی..... مگر ان کے کبوتروں کے علاوہ اُن کی سب چیزیں محفوظ ہیں۔" ایک سپاہی نے اطلاع دی..... اور باقر صاحب کے گھر پر تعینات انسپکٹر نے فریدی سے کہا۔ "آگ لگانے کا مقصد میری سمجھ سے باہر ہے۔ نواب زادہ شاکر کے تمام پرانے کبوتروں کے علاوہ گھر کی ہر چیز محفوظ ہے۔"

"مگر آگ لگانے والوں میں سے کسی کو آپ دیکھ سکے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ایک شخص گرفتار ہوا ہے..... اُسے بھاگتے ہوئے دیکھ کر گولی چلائی گئی تھی۔ اُس کے بائیں شانے پر گولی لگی ہے۔ وہ لیجئے اُسے یہ لوگ لے بھی آئے۔"

وہ آدمی بے ہوش تھا..... فریدی نے روشنی اٹھا کر اس کے چہرے کو بغور دیکھا اور چونک کر پیچھے ہٹ گیا۔

"کنور ظفر علی خاں۔"

اُس کے منہ سے نکلا۔ باقر صاحب کنور کو دیکھتے ہی چیخنے لگے۔

"بہن سعیدہ دیکھا تم نے..... اسی نے میرے بھائی کی جان لی۔ اسی نے گھر میں آگ لگائی۔ اسی نے میرے بیٹے کو مارا..... اور اب یہ مجھے بھی مارنا چاہتا ہے۔ اگر یہ مجھ سے کہہ دیتا تو میں اسے یوں ہی کبوتر دے دیتا۔" ان کی آواز میں عورتوں کا درد جھلک رہا تھا۔ وہ بے تحاشہ چیخ

رہے تھے۔ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔

"انہیں ہسپتال بھجوا دیجئے..... دشمن ہم سب کو غلط فہمی میں مبتلا کر تا رہا ہے..... میں جا رہا ہوں۔" فریدی کہتا ہوا نواب صاحب کے پاس رکا.....! "آپ ماتھر صاحب کے یہاں سعیدہ غزالہ اور طارق کے ہمراہ چلے جائیے..... مگر دیکھئے کل رات تک وہاں سے کہیں اور نہ جائیے گا.....!" کہتا ہوا فریدی غائب ہو گیا۔

نواب صاحب فریدی کی ہدایت کے مطابق چلے تو گئے۔ مگر دوسرے روز شام کو غزالہ کی طبیعت سنبھلنے پر باقر صاحب کے اصرار پر اُن کے گھر چلے آئے۔ سعیدہ اپنے مکان پر لوٹ آئی تھی اور کنور ظفر علی خاں پر نواب زادہ شاکر کے قتل اور اُن کے بھائی لیفٹیننٹ باقر کے گھر میں آگ لگانے اور چوری کے الزام میں لیفٹیننٹ باقر کی طرف سے مقدمہ چلا دیا گیا تھا۔ وہ ضمانت پر چھوڑ دیئے گئے تھے..... اور ہسپتال میں تھے۔

فریدی گرفتار

اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا فریدی دو کتابوں میں منہمک تھا۔ قلمی خاکے والی کتاب پر کچھ نشانات نوابزادہ شاکر نے لگا رکھے تھے۔ دوسری کتاب پڑھتے ہوئے اس نے کچھ نوٹ لکھے..... دفتی والا کاغذ پھٹا ہوا تھا..... اس نے کچھ سوچا اور پھر دونوں کتابیں اٹھائیں اور انہیں اپنی الماری میں بند کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے الماری کھولی کتابیں الماری میں نہیں تھیں۔

"ٹھیک ہے.....!" وہ بڑبڑایا۔ "میں جانتا تھا جابر کہ تم یہاں آؤ گے..... ان کتابوں کے لئے..... تمہیں میری سخت ضرورت ہے اور یہ کتابیں اب نہ مل سکیں گی..... یہ بہت دور چلی گئی ہیں۔"

جیب سے ایک تصویر نکال کر اُس نے غور سے دیکھا اور پھر اُسے جیب میں رکھتے ہوئے باہر نکل آیا۔

شام ہو چکی تھی۔ حمید کا کہیں پتہ نہ تھا۔ فریدی نے اُسے لیفٹیننٹ باقر کے گھر پر نگرانی کے لئے مقرر کیا تھا۔ اس کے خیال سے اُسے اب واپس آجانا چاہئے تھا..... وہ ہوٹل کے برآمدے میں انتظار کرتا رہا اور آخر تنگ آکر لیفٹیننٹ باقر کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

لیفٹیننٹ باقر کے گھر پر بالکل سناٹا تھا۔ پولیس کے دو سپاہی بیٹھے ہوئے اونگھ رہے تھے۔ لائبریری میں روشنی شیشے کے خانوں سے چھن چھن کر آرہی تھی۔ فریدی نے جھانک کر دیکھا لیفٹیننٹ صاحب کمرے میں کتابوں میں محو تھے..... تھوڑی دیر تک وہ کتابیں دیکھتے رہے پھر انہوں نے دراز سے پستول نکال کر اپنی جیب میں رکھا اور دروازے کی طرف بڑھے۔ فریدی نے فوراً اپنے کو چھپالیا..... لیفٹیننٹ صاحب جیسے ہی باہر نکلے وہ کچھ عجیب طریقے سے کھانسے..... انہوں نے جیب سے رومال نکالا اور اپنے منہ کو ایک بار پھر پونچھا..... کمرے کا دروازہ بند کیا۔ تالا لگایا اور سپاہیوں کو دیکھتے ہوئے باہر چلے گئے۔

فریدی اُن کے جاتے ہی لپکا۔ جس جگہ زک تھے وہاں پر پڑے ہوئے کاغذ کے ٹکڑے کو اس نے اٹھایا اور لائبریری کے دروازے کے نچلے پٹ پر اس نے اپنے ڈبے سے سفوف نکالا اور چھڑک دیا..... دیکھتے ہی دیکھتے لکڑی کا وہ ٹکڑا گلنے لگا۔ جلدی سے فریدی نے اپنی انگلیاں رومال سے باندھ کر انہیں اندر کی طرف دبانا شروع کیا۔ لکڑی کا تختہ ایک ہلکی آواز کے ساتھ نیچے آرہا اور فریدی اسی راستہ سے اندر داخل ہو گیا۔ ہلکی ہلکی مدھم سی آوازیں بات چیت کرنے کی آرہی تھیں۔ فریدی نے کان لگا کر سنا "طارق اپنی سیاحی کے قصے سنا رہا تھا..... کبھی کبھی نواب رشید الزماں کے بولنے کی آواز بھی آجاتی۔ غزالہ کے قہقہے کی آواز اس نے صاف پہچان لی۔

اس نے سوچا کہ اُن لوگوں کو یہاں سے ہٹا دے مگر ایک جانی پہچانی آواز پھر اُسے سنائی دی۔ ماتھر صاحب بول رہے تھے۔ "یہ بھی یہیں ہیں تب ٹھیک ہے۔"

کاغذ جیب سے نکال کر فریدی نے ایک بار پڑھا اور پھر اُسے جیب میں رکھ لیا۔ الماری کے بغل میں رکھے ہوئے اسٹول پر ایک مجسمہ رکھا ہوا تھا۔ فریدی کی انگلیاں اُس مجسمے پر کچھ تلاش کرتی رہیں۔ اچانک اس کا ہاتھ مجسمے کے پچھلے حصہ پر پڑا اور خفیف سی آواز کے ساتھ مجسمہ کا سر بیچ سے کھل گیا۔ اندر ایک چھوٹے سے صندوقچہ میں بہت سے خطوط رکھے تھے۔ فریدی نے انہیں نکالا اور دیکھتا رہا۔ ایک تصویر دیکھتے ہی اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ "میں اتنا نہیں سمجھا تھا..... اتنی

شاندار اداکاری اور ایسا بھیس۔" فریدی دل ہی دل میں بولا۔

خطوط جمع کرنے کے بعد اس نے انہیں الماری کے بالکل اوپر رکھ دیا..... سامنے ایک کتاب کھلی ہوئی تھی..... ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ابھی اس پر کوئی شخص کچھ لکھ رہا تھا اور پھر ادھورا چھوڑ کر اٹھ گیا ہے۔

کتاب کے بہت سے اوراق سادہ تھے۔ سرسری طور پر فریدی نے ورق الٹے..... جسم کی بناوٹ..... مختلف اعضاء جسمانی حرکات و افعال روح کی ماہیئت کے متعلق ایک بالتفصیل مضمون تھا۔ آخر اُسے وہ چیز دکھائی دے ہی گئی۔ میز کے نیچے کبوتروں کے پنجے میں ڈالے جانے والے تین چھلے احتیاط اور حفاظت سے ایک چھوٹے سے بکس میں رکھے تھے۔ بکس پر گرد جمی ہوئی تھی۔ مگر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس بکس کو غیر اہم بنانے کے لئے گرد ڈالی گئی ہے۔ بکس کے اوپر دو جوتے اور سامنے بہت سی چپلیں رکھی ہوئی تھیں۔ بغل میں ایک ڈبہ اسی حالت میں تھا۔ سگریٹ کی تمباکو اس میں بھری ہوئی تھی..... فریدی نے چٹکی سے تمباکو سونگھا..... "ارے" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

تمباکو اور چھلے والے خطوط لے کر وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ اس کی آنکھوں میں غیر معمولی چمک تھی۔

اچانک اُسے محسوس ہوا کہ وہ آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اس نے جھک کر دیکھا..... پیروں سے تار سے زیادہ باریک شے جکڑی ہوئی تھی..... اس نے چاہا چیخے..... مگر گردن میں بھی ایسی ہی ایک مصیبت تھی..... سامنے جابر کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"پھنس گئے نا آخر..... تم نے مجھے پھنسانا چاہا اور خود دام میں آگئے..... شاید اگر مجھے پانچ منٹ کی بھی دیر ہوتی تو تم نے تو مجھے ختم کر دیا تھا....." وہ کچھ دھیمے لہجے میں بولا۔ فریدی نے ہاتھ سے پستول نکالنے کی کوشش کی مگر پستول نکالنے سے پہلے ہاتھوں کی طاقت ختم ہو گئی..... جابر ہنسا۔

"یہ اناڑی پن چھوڑو..... میں اتنا گدھا نہیں ہوں کہ تمہیں پستول نکالنے کا بھی موقع دوں..... یہ تار دیکھو..... بڑی محنت سے تیار کئے ہیں میں نے..... ان کے ذریعہ انسانی جسم کی طاقت سلب ہو جاتی ہے۔ تم دیکھ سکتے ہو سوچ سکتے ہو..... مگر نہ بول سکتے ہو اور نہ

حرکت کر سکتے ہو..... اس تار کا نسخہ جرمنی میں ڈاکٹر وان ریچ سے حاصل کیا گیا تھا۔"

وہ بولتا رہا..... غصہ سے اس کی بھویں تن گئی تھیں..... اس نے اپنی ناک اٹھائی اور اپنا منہ فریدی کے بالکل سامنے لے آیا۔ فریدی کی آنکھیں خوف سے بند ہو گئیں..... منہ کے اندر اس نے ایک تھیلی لٹکا رکھی تھی۔

"فریدی بیٹے۔" وہ چمکارتے ہوئے بولا۔ "دو چار سے بھڑ گئے اور اپنے کو تمیں مار خاں تصور کر لیا..... یہ تھیلی دیکھتے ہو میں اسے نکال لوں تو میری آواز سنتے ہی تم بیہوش ہو جاؤ..... اس میں ایک گولی چھوڑو..... آواز کرخت ہو گی..... دو..... اوسط..... تین..... نرم..... چار..... کرخت زنانی..... پانچ..... سریلی زنانی آواز..... سمجھے۔"

"مگر دیکھو..... تم بیہوش ہونے کا ارادہ کر رہے ہو..... یہ بڑی بُری بات ہے..... خیر..... یہ بتاؤ..... کتابیں مجھے دو گے یا کتے کی موت مرنا چاہتے ہو؟ بولو..... اچھا لو..... میں تمہیں تمہارے ایک ہاتھ کی طاقت واپس دیتا ہوں۔"

جابر نے ایک ہاتھ کا تار نکال لینے سے پہلے پستول اور خطوط اپنے پاس رکھ لئے..... اور پھر فریدی کی طرف مخاطب ہوا۔

"اشارہ سے بتادو..... کتابیں دو گے یا نہیں۔"

فریدی نے اشارے سے اُسے اپنے پاس بلایا۔

"بالکل گھامڑ سمجھتے ہو..... میں تمہارے پاس آؤں..... تم مار ہی دو..... کون جانے؟ ضدی تو ہو، کتاب دو گے۔"

فریدی نے انکار کیا..... تین بار اُس نے پوچھا اور فریدی انکار ہی کرتا رہا۔

"خیر..... تم ذہین آدمی ہو..... اور ہندوستان میں ایسے آدمیوں کی کمی ہے اس لئے تمہیں مارنا نہیں چاہتا..... کیا فائدہ..... بتادو..... اچھا چلو میں تمہیں جابر کے ایک ہم شکل کی لاش دوں گا..... شاید چیف کمشنر بنا دیئے جاؤ..... اس لئے کہ تمہاری حکومت کی کچھ تجارتی دستاویز بھی میرے پاس ہیں۔"

"بڑا نام ہو گا تمہارا..... میں وعدہ کرتا ہوں کہ پھر ہندوستان نہیں آؤں گا..... اب دیتے ہو۔"

فریدی نے پھر انکار کیا۔

"دیکھو ضد نہ کرو..... تم مجھ سے بہت پیچھے ہو..... میں ہزاروں سال زندہ رہنے کا تجربہ کر رہا ہوں۔"

"اس کتاب سے مجھے بڑی مدد ملے گی۔ انسانی خون کی جتنی مجھے ضرورت تھی وہ مجھے مل چکا ہے۔ مجھے بتادو..... میں تمہارا اعتبار کرتا ہوں۔ میں تمہیں چھوڑ دوں گا..... میرے پاس وقت نہیں ہے۔ ابھی اسی کمرے میں پہلے طارق آئے گا..... پھر تمہارے دوست ماتھر آئیں گے..... پھر جج صدیق احمد آئیں گے۔ پھر نواب رشید الزماں آئیں گے اور وہ حسین چھوکری غزالہ آئے گی اور تمہارے حمید آئیں گے۔ اس چھوکرے کو اچھی تربیت دے رہے ہو۔ خیر..... اگر کتاب نہ دو گے تو یہ سب مر جائیں گے۔"

فریدی نے پھر انکار کیا۔

"تب تم ایک بیوقوف آدمی ہو اور بیوقوف کے لئے یہی جگہ ہو سکتی ہے۔" جابر نے ایک ٹھوکر ماری اور لائبریری کے بیچ کا حصہ پھٹا..... اور فریدی اندر دھنستا چلا گیا۔ اس نے تختہ رکھا اور قالین بچھا دیا۔ کمرے میں بے ہوشی کی گیس بھر رہی تھی۔

ننگی لاشیں

فریدی کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے کو ایک الماری نما خانے میں بند پایا..... اس کے ہاتھ اور پیروں میں قوت لوٹ آئی تھی۔ وہ بول بھی سکتا تھا..... لیکن اس کے منہ پر پٹی باندھ دی گئی تھی اور سارا بدن رسیوں سے جکڑ دیا گیا تھا۔

کمرے کا عجیب ہیولیٰ تھا..... چاروں طرف انسانی پنجر رکھے ہوئے تھے۔ بڑے بڑے مرتبانوں میں عجیب و غریب طرح کی چیزیں بھری ہوئی تھیں۔ کمرے میں سیلن اور بو تھی۔

سامنے لگے ہوئے چارٹ پر نمبر پڑے ہوئے تھے۔ اس کے اوپر جرمن زبان میں لکھا ہوا تھا۔

"جابر کبھی بھی بلاوجہ کسی کو دعوت نہیں دیتا۔ اب تک اس چارٹ پر جتنوں کے نام لکھے گئے ہیں، وہ سب اس کے مہمان رہ چکے ہیں اور ان سے وہ بہت کچھ حاصل بھی کر چکا ہے۔"

الماری کے بالکل سامنے ہی وہ چارٹ تھا..... چارٹ کے نیچے عجیب و غریب شکلیں بنی ہوئی تھیں۔ دیواریں بہت بوسیدہ معلوم ہوتی تھیں۔ پورا ماحول بھیانک تھا۔

جابر اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ کمرہ چاروں طرف سے بند تھا۔ لیمپ کی مدھم روشنی میں وہ اپنی میز کے سامنے پڑی تین ننگی لاشوں کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنا چہرہ چھپا رکھا تھا۔ مگر اس کی خوفناک چھوٹی چھوٹی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ وہ اپنی کرسی سے اٹھا اور لاشوں پر جھک کر غور سے دیکھنے لگا۔ میز پر سے ایک آلہ اٹھانے کے بعد اس نے لاش کے سینے کا معائنہ شروع کیا۔ ابھی اس کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ ایک دھماکے کے ساتھ ایک چوتھی لاش اس کے کمرے میں گری۔ "مجھے تمہارا ہی انتظار تھا۔" وہ بڑبڑایا اور اس کے کپڑے اتار کر اس نے اسے بھی بالکل ننگا کر دیا اور ان تینوں کے بغل میں اس کو لٹا دیا۔ پھر کمرے میں لگے ہوئے ایک بڑے سے چارٹ پر اس نے لکھا نمبر ۴ اور کرسی پر بیٹھ کر دراز میں سے کچھ کاغذات نکال کر اسے دیکھنے لگا کہ ایک دوسرا دھماکہ ہوا اور اب پانچویں لاش اس کمرے میں پڑی تھی۔

یہ لاش ایک خوبصورت سی نوجوان عورت کی تھی۔ وہ کچھ چونک سا پڑا۔ "آخر تم بھی آ گئیں، اچھا ہوا....." وہ پھر کچھ بڑبڑایا اور ایک بڑی سی الماری کے پاس جا کر رک گیا۔ اس کی آنکھوں کی چمک تیز ہو گئی تھی اور پھر..... وہ کمرے میں ٹہلنے لگا۔ "لاش کے قریب آ کر اس نے عورت کی لاش کو بھی ان لاشوں کے برابر ڈال دیا اور چارٹ پر نمبر ۵ لکھ کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔ ابھی ایک خانہ خالی تھا۔ وہ اپنی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا اور لیمپ کی مدھم روشنی میں وہ چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ یہ چھت بالکل سپاٹ معلوم ہوتی تھی، جسے دیکھ کر کوئی بھی یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ اس میں کوئی جوڑ ہے اور یہ ذرا سا بٹن دبانے سے کھل سکتی ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ "پرانی

چھت اس کے لئے کتنی کار آمد ثابت ہوئی ہے۔" گرمی سے پریشان ہو کر وہ ٹہلنے لگا۔ اسی طرح کا ایک دھماکہ ہوا..... چھت کھلی اور لاش اندر گر پڑی۔

"تم نے کافی انتظار دکھایا، خیر اب مجھے کسی کا انتظار نہ کرنا پڑے گا۔"

وہ پھر بڑبڑایا اور اس کو بھی بالکل ننگا کر کے ان لاشوں کے بغل میں لٹا دیا۔ چارٹ کا وہ خانہ جو خالی تھا ۶ نمبر سے بھر چکا تھا۔

اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور دیوار سے لگی ہوئی بڑی سی الماری کا پردہ ہٹایا۔ ایک شخص رسیوں میں جکڑا ہوا کھڑا تھا۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا۔ "دیکھو تمہارے مہمان آئے ہوئے ہیں۔" اس نے لاشوں کی طرف اشارہ کیا۔ بندھے ہوئے شخص کی آنکھیں غصہ سے سرخ ہو گئیں۔ اس نے رسیوں سے آزاد ہو جانے کے لئے بھرپور طاقت سے اپنے بازوؤں کو ہلایا لیکن رسی ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"کیوں....." وہ شخص زور سے ہنسا۔ "میرا نام جانتے ہو..... میرے کاموں میں رخنہ ڈالنے کا نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔ میں نے تم سے کئی بار کہا کہ تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ..... لیکن تم جانتے نہیں خیر یہ دیکھو..... انہیں پہچانو..... "غزالہ" اس نے لاشوں کی طرف اشارہ کیا "اور یہ ہیں مسٹر حمید۔ ان سے مل کر تم کو ضرور خوشی ہوئی ہو گی اور یہ بیچارے جج صاحب ہیں۔ نواب رشید الزماں سے تو مل لو..... اس نے بندھے ہوئے شخص کا شانہ ہلایا اور وہ دیکھو ماتھر صاحب بیچارے کے چہرے پر روشنی ذرا کم پڑ رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے انہوں نے ملزموں پر بہت ظلم کئے ہیں، کیوں کیا خیال ہے تمہارا.....!" اس نے پھر چھیڑا۔

"شاید تمہیں ان مہمانوں سے مل کر خوشی نہ ہوئی ہو۔" وہ بولا۔ اور پھر سب سے آخری لاش پر جا کر کھڑا ہو گیا، "ادھر دیکھئے سرکار! یہ آپ کے خاص قدر دانوں میں سے ہیں مسٹر طارق..... لیکن ان کا نیولا اس وقت ان کے کاندھوں پر نہیں ہے۔" یہ کہہ کر پھر اس نے الماری پر پردہ ڈال دیا اور حمید کی لاش اٹھا کر کمرے کے باہر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے ہاتھ میں ایک سفید سی شیشی لئے ہوئے واپس آیا..... اور شیشی میں سے تھوڑا سا سفوف نکال کر اس نے طارق کی ناک میں ڈال دیا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس نے کمرے کی روشنی کم کر دی اور طارق کی لاش پر جھک گیا۔ تھوڑی دیر بعد لاش کو ایک چھینک آئی وہ

جلدی سے ہٹ گیا اور جیب سے ایک دوسری شیشی نکال کر اس کو سنگھایا۔ طارق کے جسم میں حرکت پیدا ہو چکی تھی۔

"میں..... میں کہاں ہوں.....!" طارق کمرے کے چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولا اور جب اس کی نظر اپنے برہنہ جسم پر پڑی تو وہ بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

"ڈرو نہیں۔"

اس نے طارق کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"لیکن..... تم..... تم..... ہو کون..... اور مے..... میرے..... ک.....ک..... کپڑے۔" طارق نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

"یہ لو اپنے کپڑے، گھبراؤ نہیں..... ابھی تم کو معلوم ہو جائے گا کہ میں کون ہوں۔"

طارق جلدی جلدی اپنے کپڑے پہننے لگا۔ جب وہ پورے پہن چکا تو اس نے اپنے چہرے پر سے نقاب ہٹایا۔ "فریدی" طارق زور سے چیخا۔ "کیا میں خواب دیکھ رہا ہوں۔"

"نہیں آپ خواب نہیں دیکھ رہے ہیں۔ میں ہوں انسپکٹر احمد کمال فریدی۔"

"لیکن یہ سب کیا تماشا گل تو نہیں ہو گئے ہو۔" طارق بولا۔

"ابھی بتاتا ہوں" وہ بولا اور بقیہ لاشوں کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔ نواب رشید الزماں اور غزالہ کے علاوہ سب کو ہوش آ چکا تھا۔ وہ ان سب کے کپڑے دیتے ہوئے بولا۔

"گھبرائیے نہیں..... ابھی آپ لوگوں کو سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔" اور وہ نواب صاحب اور غزالہ کے منہ پر پانی کے چھینٹے دینے لگا۔

سب لوگ حیرت سے اس کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ فریدی یہاں کس طرح پہنچا اور ہم لوگوں کو کس نے گرفتار کیا۔ وہ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ نواب صاحب اٹھ بیٹھے اور اس نے انہیں بھی کپڑے پہننے کو دے دیئے۔ نواب صاحب کی نظر جیسے ہی غزالہ پر پڑی وہ بڑے زور سے چیخے "فریدی۔"

"نواب صاحب پریشان نہ ہوں..... اس نے ہمدردی کے لہجہ میں کہا۔ شکر ہے کہ میں وقت پر پہنچ گیا..... ورنہ آپ لوگوں کا نہ جانے کیا حشر ہوتا۔"

"میری بچی۔" نواب صاحب کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے تھے۔

"گھبرائیے نہیں..... ابھی ان کو بھی ہوش آ جائے گا۔" اس نے تسلی دی۔

"مسٹر فریدی کچھ بتائیے کہ واقعہ کیا ہے۔" ماتھر نے پوچھا۔

"واقعہ تو کوئی خاص نہیں ہے۔" وہ جیب سے پستول نکال کر اچھالتا ہوا بولا۔

"انہیں آپ دیکھ رہے ہیں۔ نواب رشید الزماں ایک بزرگ ہستی جن سے کبھی اس بات کی امید نہیں رکھی جا سکتی کہ نواب زادہ شاکر علی کے قتل میں ان کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔" اس نے پستول سے کھیلتے ہوئے کہا۔

"کیا بکتے ہو۔" نواب صاحب غصہ میں کھڑے ہو گئے۔

"میں تمہیں اتنا ذلیل نہیں سمجھتا تھا..... میں نے تمہیں آج تک اپنے بیٹے کی طرح سمجھا۔ لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ تمہاری رگوں میں رزالت کا خون دوڑ رہا ہے..... کمینے ذلیل۔"

"بس..... بس..... نواب صاحب۔ آپ کے منہ سے گالیاں کچھ بھلی نہیں معلوم ہوتیں۔" وہ مسکرایا۔

"لیکن تم کو اپنے ہاتھوں میں قانون نہیں لینا چاہئے تھا۔" ماتھر افسرانہ انداز میں بولا "اور اگر تمہارے پاس اس کا ثبوت تھا کہ نواب رشید الزماں نواب زادہ شاکر علی کے قاتل ہیں یا ان کا اس قتل میں ہاتھ ہے تو تمہیں قانونی طور پر انہیں گرفتار کرنا چاہئے اور ہم لوگوں کا ہاتھ کس قتل میں ہے، جو اس طرح سے یہاں لائے گئے؟"

"ماتھر صاحب چونکہ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ نواب زادہ شاکر علی کے قتل میں نواب صاحب کا ہاتھ ہے اور میرے پاس کوئی قانونی ثبوت نہیں ہے اس لئے مجھے ایسا کرنا پڑا اور چونکہ آپ پولیس کے ایک ذمہ دار آفیسر ہیں اس لئے آپ کے سامنے ان کا بیان ہو گا۔"

"فریدی خدا کے لئے ہوش میں آؤ..... آج تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ یہ سب کیا تماشہ ہے۔ اگر تمہیں یہ کرنا ہی تھا تو کپڑے اتار کر ہم لوگوں کو ذلیل کرنے سے تم کیا کیا فائدہ پہنچا۔"

"فائدہ..... جج صاحب آپ ہمیشہ فائدے ہی کی سوچتے ہیں۔" اس نے جج صاحب کو جواب دیا۔ "آپ لوگوں کا اصلی روپ یہی ہے۔ آپ سب ذلیل ہیں، جو شرافت کا مصنوعی لباس پہن کر لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ خود جرم کر کے دوسروں کے سر تھوپ دیتے ہیں۔ آپکے ان ناپاک جسموں کو ننگا ہی رہنا چاہئے۔ بالکل ننگا۔ ایک کتے کی طرح تاکہ آپ کسی کو دھوکہ نہ دے سکیں۔"

وہ غصے میں بکے جارہا تھا اور جج صاحب بیچارے سہم کر چپ ہو گئے تھے۔ غزالہ کو ہوش آرہا تھا۔ نواب صاحب آہستہ آہستہ اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہے تھے۔ غزالہ نے آنکھیں کھول دیں اور اپنے باپ کو اپنے پاس دیکھ کر اُسے کچھ اطمینان ہوا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور فریدی کی گفتگو غور سے سننے لگی۔

"بہر حال نواب صاحب کو یہ اقرار کرنا پڑے گا کہ شاکر علی کے قتل میں ان کا ہاتھ ہے۔" اُس نے کنکھیوں سے غزالہ کی طرف دیکھا۔

"یہ جھوٹ ہے..... یہ سب جھوٹ ہے.....!" غزالہ چلائی۔

"کیا آپ کو بھی اس سے انکار ہے۔" اس نے نواب صاحب سے دریافت کیا۔

"آخر تم چاہتے کیا ہو....." نواب صاحب عاجز ہو کر بولے۔

"یہی کہ آپ یہ لکھ کر دیجئے کہ نواب زادہ شاکر علی کے قتل میں آپ کا ہاتھ ہے۔"

"یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔" نواب صاحب غصے میں بولے۔

"ہو سکتا ہے.....!" اس نے پستول دکھایا۔

"ٹھہرو.....!" ماتھر کرسی سے اٹھتا ہوا بولا۔ "تم بہت آگے بڑھ رہے ہو۔"

"اوہ..... سپرنٹنڈنٹ صاحب آپ کو غصہ آ گیا۔ کرسی پر بیٹھ جایئے۔"

"لیکن تم یہ سب کیا کر رہے ہو۔"

"میں کچھ نہیں کر رہا ہوں..... یہ کاغذ حاضر ہے..... اس پر لکھ دیجئے میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے جلدی کیجئے۔"

"لیکن.....!"

"لیکن ویکن کچھ نہیں جلدی کیجئے..... اور سپرنٹنڈنٹ صاحب آپ کو گواہی دینا ہو گی۔" اس نے پستول قریب کرتے ہوئے کہا۔

نواب صاحب مجبوراً قلم اٹھاتے ہوئے بولے۔ "کیا لکھوں؟"

"ہاں لکھئے.....!

میں آج انسپکٹر فریدی اور ماتھر صاحب سپرنٹنڈنٹ کے سامنے اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ نواب زادہ شاکر علی کے قتل میں میری بھی سازش تھی۔

نواب رشید الزماں بقلم خود۔"

"لیجئے ماتھر صاحب اب آپ بھی گواہی کر دیجئے.....!" وہ مسکراتا ہوا بولا۔

"ہوں.....!" ماتھر نے اس کو گھورا اور پھر اس کاغذ پر اپنے دستخط کر دیئے۔

اس نے کاغذ اپنی جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ "آپ لوگوں کو بے حد تکلیف ہوئی جس کی میں معافی چاہتا ہوں....." غزالہ نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔

"اچھا اب آپ لوگ جا سکتے ہیں۔" اس نے تالی بجائی اور فوراً آٹھ نقاب پوش کمرے میں داخل ہوئے۔

"آپ لوگوں کو آرام سے چھوڑ آؤ۔" اس نے اشارہ کیا۔

اور نقاب پوش ان لوگوں کو لے کر کمرے سے باہر چلے گئے۔

کبوتروں کا خون

"انتہائی بدمذاقی کا ثبوت ہے۔ اگر قیدی کرنا ہی تھا تو یہ ایک سرے سے ننگا کرنے کی کون سی ضرورت تھی۔" حمید نقاب پوش کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

"میں کیا جانوں یہ تو فریدی صاحب بتا سکتے ہیں۔" نقاب پوش نے جواب دیا۔

"فریدی صاحب..... کیا مطلب.....!"

"جی ہاں..... آپ انہیں کے قیدی ہیں۔" نقاب پوش بولا۔

"کیا بکتے ہو..... اماں اتنے بڑے ہو گئے اور تمہیں جھوٹ بولنا بھی نہیں آیا اور یہ پستول تانے کیوں کھڑے ہو۔ ہٹاؤ اس کو میں بھاگا تھوڑی جا رہا ہوں۔"

"لیجئے آپ کو یقین نہیں آ رہا تھا تو خود دیکھ لیجئے۔" فریدی صاحب خود آ رہے ہیں۔" نقاب پوش نے اشارہ کیا۔ اتنے میں وہ کمرے میں داخل ہوا۔

"آپ.....؟" حمید کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔

"اس کے دونوں ہاتھ پیچھے سے اچھی طرح باندھ دو۔" اس نے نقاب پوش کو حکم دیا۔

"حمید نے غور سے اس کو دیکھا..... اوہ..... تم.....!" اس کے منہ سے نکلا۔

"اگر تم نے ذرا بھی حرکت کی تو۔"

"تو تم گولی چلادو گے۔" حمید نے جملہ پورا کیا۔

"لو باندھ لو.....!" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

اور جب وہ آدمی حمید کے دونوں ہاتھ باندھ چکا تو اس نے نقاب پوش سے کہا۔ "ان کو کبوتر خانے میں لے جاؤ۔ میں روشنی لے کر آتا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد وہ روشنی لے کر کبوتر خانے میں آگیا، جہاں حمید اس آدمی کے ساتھ پہلے ہی سے کھڑا تھا۔ کمرے میں ہزاروں کبوتر پڑے ہوئے تھے جن کے پیٹ چاک کر دیئے گئے تھے۔

"دیکھا.....!" اس نے حمید سے پوچھا۔

"ہاں دیکھ لیا.....!" حمید نے بے دلی سے جواب دیا۔

"نہیں ادھر دیکھو.....!"

اس نے اپنی ناک کو پکڑ کر ایک جھٹکا دیا۔ حمید نے دیکھا کہ اس کی مصنوعی ناک غائب ہے اور اسکی جگہ پر ایک بڑا سا گہرا غار ہے۔ حمید نے فوراً آنکھیں بند کر لیں۔ "جابر" اس کے منہ سے نکلا۔

جابر نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور اپنی ناک لگاتے ہوئے بولا۔ "دیکھا یہ میرا ایک معمولی سا کرشمہ ہے۔ تمہارا استاد بھلا میرا مقابلہ کیا کر سکتا ہے۔"

"جابر میں یہ مانتا ہوں کہ بھیس بدلنے میں تم استاد ہو۔ فریدی کا بھیس اس صفائی سے بدلا ہے کہ کوئی تمہیں پہچان نہیں سکتا۔ میں خود تھوڑی دیر کے لئے دھوکا کھا گیا تھا، لیکن یہ یاد رکھو کہ صورت سے فریدی بن سکتے ہو لیکن اس کی ذہانت نہیں پا سکتے۔" حمید نے جواب دیا۔

"خیر چھوڑو..... آؤ میں تمہیں اپنے کبوتر دکھاؤں۔"

"یہ دیکھو جج صدیق احمد صاحب کا عزیز ترین کبوتر قمری۔ یہ بالکل اصل نسل کا ہے۔" جابر حمید کو لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔

"اور یہ نواب زادہ شاکر علی کا وہ افریقی "شیرازی" ہے جس کی مجھے عرصہ سے تلاش تھی۔ ان کی نسل بہت کم ہے۔ یہ صرف افریقہ کے جنگلات میں پائے جاتے ہیں۔ ان کی سب سے بڑی

خصوصیت یہ ہے کہ ان کے خون میں کچھ مٹھاس ہوتی ہے، جو انسان کے قلب کی ماہیت بدل دینے میں کار آمد ثابت ہوتے ہیں۔ اتفاقاً مجھے یہ کبوتر شاکر علی کے یہاں نظر آئے اور جس کے حاصل کرنے کے لئے مجھے ایک خون کرنا پڑا۔" جابر لال دھاگے سے بندھے ہوئے ایک کبوتر کو اٹھاتے ہوئے بولا۔ حمید کا..... بدبو کی وجہ سے دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ اس نے عاجز ہو کر کہا۔

"ہاں..... ہاں میں نے سب دیکھ لیا۔"

"واہ..... لم پٹ لکھی تو تم نے دیکھا ہی نہیں۔" جابر نے ایک کبوتر کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ کبوتر ظفر علی صاحب کے ایک دوست ان کے لئے عرب سے لائے تھے۔"

"اس کی ہڈیاں بڑی کار آمد ہوتی ہیں۔ اس کے سفوف سے چہرے کا رنگ بدل دینے کا ایسا پاؤڈر تیار ہوتا ہے جو بغیر دواؤں کی مدد سے نہیں چھوٹتا۔ سوئٹزرلینڈ میں تین سال تک اس پاؤڈر کی مدد سے اپنا رنگ بدلے ہوئے تھا اور یہ چاندنا ہے، یہ جوگی بیر، یہ غنوری، یہ لٹھما یہ گرہ باز....." جابر نے مختلف کبوتروں کی طرف اشارہ کیا۔

"اچھا اب تم چلو آرام کرو..... مجھے تمہارے استاد سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔"

جابر نے حمید کو ایک نقاب پوش کے حوالہ کیا اور خود اپنے کمرے کی طرف روانہ ہو گیا۔

کمرے میں پہنچ کر اس نے الماری کا پردہ ہٹایا۔ "کہئے فریدی صاحب جابر کی طاقت کا آپ کو اندازہ ہو گیا۔ اب بھی بہتر ہے کہ تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ....." جابر نے فریدی کا منہ کھولتے ہوئے کہا۔ فریدی نے تھک کر اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔

"اچھا اب تم الماری میں سے نکل آؤ۔"

جابر نے فریدی کے ارد گرد لپٹی ہوئی رسیوں کو کھول دیا لیکن اسکے ہاتھ بندھے رہنے دیئے۔ رسی کھلتے ہی فریدی فرش پر گر کر بے ہوش ہو گیا۔ جابر اس کو ہوش میں لانے کے لئے اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے دینے لگا۔ تھوڑی دیر بعد فریدی کو ہوش آگیا۔

"فریدی تمہاری ذہانت کا مجھے اقرار ہے اور میں نہیں چاہتا کہ تمہارے خون سے اپنے ہاتھ رنگوں، بہتر ہے تم مجھے وہ دونوں کتابیں "روح اور اس کی ماہیت" اور "قلمی خاکے" واپس کر کے میرا پیچھا چھوڑ دو۔ ان کتابوں کو حاصل کرنے کے لئے مجھے کیا کیا کرنا پڑا ہے۔ یہ میں جانتا ہوں۔"

"جابر اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اس وقت تمہارے بس میں ہوں اور ڈر کے مارے میں اپنے

فرض سے سبکدوش ہو جاؤں گا۔ تو تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ میں تم جیسے لوگوں کو جو ایک خطرناک زہر کی طرح سے انسانوں کی زندگیاں تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہوں، ختم کر دینا چاہتا ہوں۔ میں اگر موت سے ڈرتا تو یہ پیشہ اختیار ہی نہ کرتا۔ تمہارے ہاتھ میں پستول ہے تم مجھے ختم کر سکتے ہو..... لیکن وہ کتابیں..... جن سے تم اور تمہاری برادری غلط فائدہ اٹھاتی رہے گی میں کبھی تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔"

"فریدی.....!" جابر نے غصہ سے کہا۔ "بہتر ہے کہ تم اپنے فیصلہ پر پھر ایک بار غور کرو۔ تم نے اب تک مجھے کافی نقصان پہنچایا ہے اور میں ٹالتا رہا۔ لیکن اس بار میں اتنے بڑے نقصان کو برداشت نہیں کر سکتا۔"

"نقصان..... اور تمہارا، جیسے وہ کتابیں تمہارے باپ دادا کی ملکیت ہیں۔"

"حد سے مت بڑھو فریدی، تم بھول رہے ہو کہ اس وقت تم جابر سے باتیں کر رہے ہو۔"

"اور جابر تم بھی یہ نہ بھولو کہ آج تم نے نواب رشید الزماں وغیرہ کے ساتھ جو ذلیل برتاؤ کیا ہے، اس سے میرا خون کھول رہا ہے۔"

"ابھی کیا کیا ہے۔" اگر تم نے میری بات نہیں مانی تو اس سے بھی بُرا نتیجہ ہوگا..... خیر..... اس وقت رات کے گیارہ بجے ہیں، میں کل بارہ بجے رات تک تم کو موقع دیتا ہوں، کیونکہ کل رات مجھے سیٹھ چنی لال کی لڑکی کے گلے سے ہیرے کا ہار اور ہرن نرائن اینڈ سنس کی تجوری سے صرف پچاس ہزار لینے ہیں اور لگے ہاتھوں رشید الزماں سے بھی ملاقات کروں گا..... دوبارہ مل کر وہ ضرور خوش ہوں گے اور اس تحیر کے ذریعہ کچھ روپے بھی مل جائیں گے۔" جابر ہنسا۔ "جانتے ہو، فریدی مجھے تمہارا بھیس اور آواز بدلنے کے لئے کافی عرصہ تک محنت کرنی پڑی ہے اور اب میں اتنا کامیاب ہو گیا ہوں کہ نواب رشید الزماں، غزالہ اور ماتھر کوئی بھی مجھے نہیں پہچان سکا۔ مزے کی بات تو یہ ہے کہ حمید بھی تھوڑی دیر کے لئے دھوکا کھا گیا تھا۔"

"حمید کیا میں خود تمہیں ایک نظر میں نہیں پہچان سکا تھا۔ لیکن جابر یاد رکھو کہ تم زیادہ عرصہ تک لوگوں کو دھوکا نہیں دے سکتے۔ ایک فریدی مر سکتا ہے، لیکن یہ نہ بھولو کہ ہزاروں فریدی پیدا ہو سکتے ہیں۔" فریدی بولا۔

"مجھے پرواہ نہیں..... میں اپنے راستے میں آئے ہوئے لوگوں کو ایک معمولی پتھر کے

ٹکڑے کی طرح اپنی ٹھوکر سے ہٹا دیتا ہوں۔"

"اچھا اب میں چلا..... ٹھیک بارہ بجے یہاں پہنچ جاؤں گا..... تم اپنا فیصلہ سوچ رکھنا۔"

جابر یہ کہتا ہوا باہر نکل گیا اور فریدی کو کمرے میں بند کر دیا۔

بچ گیا

رات بھر جاگنے کی وجہ سے نواب رشید الزماں کی آنکھیں اس وقت کھلیں جب غزالہ کنور ظفر علی خاں سے رات کے گذرے ہوئے واقعات بیان کر رہی تھی۔

"پھر آپ لوگ یہاں تک کس طرح پہنچیں۔" کنور ظفر علی نے سوال کیا۔

"ہم لوگوں کو آنکھوں پر پٹی باندھ کر ایک موٹر پر بٹھا دیا گیا اور تین چار گھنٹہ تک چلنے کے بعد ہم ایک سنسان جگہ پر اتار دیئے گئے۔ ہمارے ہاتھوں کی رسیاں کھول دی گئیں اور ہم لوگ کافی عرصہ تک ادھر اُدھر بھٹکتے رہے پھر ماتھر صاحب کو راستہ یاد آ گیا اور ہم لوگ یہاں پہنچ گئے۔"

"لیکن اس فعل سے فریدی کا کیا مقصد تھا....." کنور ظفر علی کچھ سوچتے ہوئے بولے۔

"کنور صاحب اب اس کا نام نہ لیجئے۔ اس دنیا میں اب کسی پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔" غزالہ غمگین آواز میں بولی۔

"کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ تم لوگوں نے دھوکہ کھایا ہو اور فریدی کے بجائے وہ کوئی دوسرا شخص رہا ہو۔"

"نہیں کنور صاحب وہ فریدی ہی تھے۔ وہی صورت وہی لب و لہجہ۔" غزالہ نے تردید کی۔

"اور سارجنٹ حمید کہاں ہیں۔" کنور نے سوال کیا۔

"ان کا کچھ پتہ نہیں۔" غزالہ بولی۔

"اچھا اب تم آرام کرو، بہت تھکی ہوئی معلوم ہوتی ہو۔ میں ذرا ماتھر صاحب کے یہاں جا رہا ہوں..... فریدی پر مجھے پہلے ہی سے شبہ تھا۔"

"بہر حال اب معاملہ خطرناک صورت اختیار کر رہا ہے۔"

کنور ظفر علی غزالہ سے رخصت ہو کر سیدھے ماتھر صاحب کے بنگلہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ کنور صاحب ابھی تھوڑی ہی دور چلے ہوں گے کہ ایک موٹر تیزی سے ان کے قریب ہی ایک کاغذ کا ٹکڑا گراتی ہوئی گذر گئی۔ انہوں نے اُسے اٹھا کر پڑھا، لکھا تھا۔

"سنتا ہوں کہ میں فریدی صاحب کا قیدی ہوں، لیکن یقین نہیں آتا، آج رات کو یہ لوگ رائے بہادر بشمبھر سنگھ کی کوٹھی پر چھاپہ مارنے والے ہیں۔

حمید۔"

کنور ظفر علی خاں نے وہ پرزہ اپنی جیب میں رکھا اور تیز تیز قدم بڑھاتا ہوا ماتھر صاحب کے بنگلہ پر پہنچ گیا۔

ماتھر صاحب ابھی ابھی سو کر اٹھے تھے۔ کنور صاحب کی آمد کی اطلاع سن کر وہ فوراً باہر آ گئے۔

"کیا بتاؤں کنور صاحب رات.....!"۔

"مجھے غزالہ سے سب کچھ معلوم ہو گیا ہے۔ واقعی یہ نہایت حیرت انگیز واقعہ ہے۔"

"آپ کس نتیجہ پر پہنچے۔" کنور ظفر نے سوال کیا۔

"بھئی ابھی تک تو کچھ بھی سوچنے اور سمجھنے کا موقع نہیں ملا۔" ماتھر صاحب نے سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے کہا۔

"ہاں..... ابھی جب میں آپ کے یہاں آ رہا تھا تو ایک نیا واقعہ پیش آیا۔" کنور ظفر علی نے وہ پرزہ دکھایا جو موٹر سے گرایا گیا تھا۔

ماتھر نے وہ پرزہ پڑھتے ہی جلدی سے سوال کیا۔ "آپ نے موٹر کا نمبر دیکھا تھا۔"

"جب تک میں پرزہ اٹھاؤں، موٹر بہت دور نکل چکی تھی اور پہلے سے اس بات کا علم تو تھا نہیں کہ فوراً نمبر نوٹ کر لیتا۔" کنور نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

اتنے میں نوکر چائے لے کر آ گیا۔

"اچھا آیئے کنور صاحب..... اب چائے پی لی جائے۔" ماتھر پیالی میں چائے انڈیلتے ہوئے بولے۔

"حمید کی اس تحریر پر کیا کاروائی کیجئے گا۔" کنور نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"مجھے یہ تحریر فرضی معلوم ہوتی ہے۔" ماتھر نے کہا۔

"بہر حال آپ جیسا مناسب سمجھئے..... لیکن نواب صاحب کی اس تحریر کے متعلق کیا ہو گا، جسے فریدی نے زبردستی لکھوایا ہے اور اس پر آپ کے بھی دستخط ہیں۔"

"ہاں یہ معاملہ قانونی طور پر ذرا اہم ہے، بہر حال آج میں انسپکٹر جنرل کو فون کر کے تمام واقعات ان سے بیان کرتا ہوں۔ آپ ذرا تکلیف کر کے نواب صاحب اور مسٹر طارق سے کہہ دیجئے کہ وہ مجھ سے دفتر میں ضرور مل لیں۔"

"اچھی بات ہے..... تو اب مجھے اجازت دیجئے۔ ذرا نواب صاحب کا خیال رکھئے..... غزالہ بے حد پریشان ہے۔"

"ہاں..... میں اپنی پوری کوشش کروں گا، زیادہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔" ماتھر نے تسلی دی۔

کنور ظفر وہاں سے رخصت ہو کر سیدھا گھر پہنچا۔ نواب رشید الزماں اور طارق کو ماتھر صاحب کے یہاں بھیج کر وہ سعیدہ اور غزالہ کی باتیں سننے لگا۔

"مجھے سخت تعجب ہے کہ فریدی نے کنور ظفر کو کیسے چھوڑ دیا۔ کیونکہ ظفر صاحب ان کے خلاف رہتے ہیں اور ایک مرتبہ وہ ان کو پستول کا نشانہ بھی بنانے جا رہے تھے۔"

"مجھے خود اس بات سے حیرت ہے۔" کنور ظفر بولے۔

"خیر..... ہو گا تم لوگ باتیں کرو، میں کھانا کھانے جا رہا ہوں۔ بہت بھوک لگ رہی ہے۔" کنور کھانا کھا کر کافی دیر تک کتاب پڑھتے رہے اور کتاب پڑھتے پڑھتے سو گئے۔

ان کی آنکھیں اس وقت کھلیں جب ریحانہ انہیں جگا رہی تھی۔ شام ہو چکی تھی۔ وہ جلدی سے اٹھے اور منہ ہاتھ دھو کر برآمدے میں نکل آئے جہاں نواب رشید الزماں اور طارق بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔

"کہئے ماتھر صاحب نے کیا کہا۔" کنور ظفر نے سوال کیا۔

"کچھ نہیں..... وہ اس وقت مشغول تھے۔ حمید کے اس خط پر جو تم کو ملا تھا انہوں نے احتیاطاً وہاں پولیس تعینات کر دی ہے اور اس سلسلے میں انہوں نے ضروری احکامات صادر کر دیئے۔ آج رات کو وہ خود یہاں آئیں گے۔ اس وقت مفصل باتیں ہوں گی۔"

نواب رشید الزماں طارق اور کنور صاحب میں کافی دیر تک اسی موضوع پر گفتگو ہوتی رہی کہ کھانے کا وقت آ گیا۔ نواب صاحب اور طارق کھانا کھانے چلے گئے۔ کنور کو بھوک نہیں تھی۔ اس لئے انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا اور وہ سعیدہ سے ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔

کھانے سے فراغت پانے کے بعد وہ لوگ پھر آ کر دالان میں بیٹھ گئے۔

"ابھی تک ماتھر صاحب نہیں آئے۔" نواب رشید الزماں صاحب بولے۔

"ہاں ان سے یہ ضرور کہہ دیجئے گا کہ وہ پولیس یہاں تعینات کر دیں کیونکہ غزالہ بے حد خوف زدہ ہے۔" سعیدہ نے نواب صاحب سے کہا۔

اتنے میں کچھ آہٹ سنائی دی۔ طارق نے کہا۔ "لو شاید ماتھر صاحب آ گئے۔"

سب کی نظریں اٹھ گئیں۔ لیکن وہاں کوئی بھی نہیں تھا کہ یکایک ٹارچ کی چار پانچ تیز روشنیاں ان کے چہروں پر پڑنے لگیں جس سے سب کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ دوسرے لمحہ روشنی بجھ چکی تھی اور ایک آدمی سیاہ نقاب ڈالے پستول لئے ہوئے کھڑا تھا۔ پیچھے تین نقاب پوش اور کھڑے تھے۔

سعیدہ کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ کنور ظفر علی اور نواب صاحب چلانا ہی چاہتے تھے کہ اس نے پستول سامنے کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے راہول ڈاکو کہتے ہیں۔" نقاب پوش بولا۔ "لیکن نواب صاحب مجھے آپ کے ساتھ ہمدردی ہے اور ہمدردی صرف اس لئے ہے کہ اس میں میرا فائدہ ہے۔ میں نے آپ کی وہ تحریر حاصل کر لی ہے جسے آپ فریدی کو لکھ کر دے آئے تھے۔" اس نے نواب کی تحریر جیب سے نکالتے ہوئے دکھایا۔

نواب صاحب نے ہاتھ بڑھایا۔

"ٹھہریئے۔" وہ بولا۔ "اس تحریر کے لئے آپ کو صرف پندرہ ہزار روپے دینے پڑیں گے۔ جلدی کیجئے۔"

"لیکن.....!"

"کچھ نہیں اگر آپ کے پاس روپے نہ ہوں تو اپنی یہ ہیرے کی انگوٹھی اتار یئے۔ بہت جلد..... میرے پاس وقت نہیں۔ میں زبان کا پکا ہوں..... انگوٹھی ملتے ہی یہ تحریر آپ کو

مل جائے گی۔"

نواب صاحب نے مجبوراً اپنی انگوٹھی اتار کر اس کے حوالے کر دی۔

"یہ لیجئے اپنی تحریر۔" اس نے کاغذ نواب صاحب کی طرف پھینکا اور پستول دکھاتا ہوا پیچھے ہٹنے لگا۔ کچھ فاصلہ پر پہنچ کر اس نے کوئی چیز ان لوگوں کی طرف فرش پر پھینکی جس کے گرنے سے سب لوگوں کی آنکھوں میں دھواں بھر گیا اور پانی بہنا شروع ہوا۔

تھوڑی دیر بعد جب گیس کا اثر زائل ہو گیا تو کنور صاحب بولے "معاملہ سر سے اونچا ہوتا جا رہا ہے۔"

"ہاں یہ سب پولیس کی غفلت کا نتیجہ ہے۔" طارق نے تائید میں کہا۔

"بھئی میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ اس ضعیفی کے عالم میں سب مجھے ہی نشانہ بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ آخر میں نے ان لوگوں کا کیا بگاڑا ہے۔" نواب رشید الزماں نے روندھے ہوئے لہجے میں کہا۔

غزالہ خاموش بیٹھی ہوئی تھی، اس کے سوچنے کی طاقت جواب دے چکی تھی۔ وہ فریدی جس کے لئے اس نے اپنی جان تک کی پرواہ نہیں کی تھی اس نے کیسا بُرا سلوک کیا ہے۔ پھر دوسروں سے کیا امید رکھی جا سکتی ہے۔

"بیٹی زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، اب میں نواب صاحب کو یہی رائے دوں گا کہ وہ جلد سے جلد واپس لوٹ چلیں۔" طارق نے غزالہ کو تسلی دی۔

ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ فریدی ہانپتا ہوا آتا دکھائی دیا۔ اس کے کپڑے مٹی سے بھرے ہوئے تھے اور منہ پر جابجا خراشیں پڑی ہوئی تھیں۔

کنور ظفر علی فریدی کو دیکھتے ہی اس کی طرف غصہ سے بڑھے۔ نواب رشید الزماں اور طارق بھی کھڑے ہو گئے۔

"ٹھہریئے۔" فریدی بولا۔ "آپ لوگوں کو بہت زبردست دھوکا دیا گیا ہے۔"

"دھوکا..... بے ایمان کہیں کا۔" کنور ظفر علی نے بڑھ کر فریدی کا گریبان پکڑا۔ "میں کہتا ہوں خدا کے لئے میری بات سن لیجئے۔ صرف دو منٹ کے لئے ورنہ دشمن ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اگر مجھے آپ لوگوں کو دھوکا دینا ہوتا تو میں خالی ہاتھ یہاں کبھی نہ آتا۔ وہ جابر تھا جس نے

میرے بھیس میں آپ لوگوں کو گرفتار کیا۔ وہ یہاں بھی آنے والا ہے، آپ کی تحریر دکھا کر آپ کو بلیک میل کرے گا۔ میں خود اس کی قید میں تھا۔ بڑی مشکلوں سے چھٹکارا حاصل کیا۔ یہ دیکھئے میرے ہاتھ جل گئے ہیں۔" فریدی ایک ہی سانس میں سب کہہ گیا اور اس نے اپنے ہاتھ دکھائے جو بُرے طرح جل گئے تھے۔

کنور کی گرفت ڈھیلی ہو گئی اور وہ فریدی کو چھوڑ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ نواب رشید الزماں اور طارق بھی غور سے اس کو دیکھنے لگے۔

"نہیں بیٹا واقعی ہم لوگوں کو بہت زبردست دھوکا دیا گیا ہے۔ مجھے تو خود حیرت تھی کہ تم کیا کر رہے ہو۔ بس پہچان نہیں سکے۔"

"ہاں..... اور اس نے چالاکی یہ کی تھی کہ آپ لوگوں کو ہوش میں لانے سے پہلے لیمپ کی روشنی بھی کم کر دی گئی تھی کہ چہرے کے خدوخال صاف طور سے نظر نہ آئیں۔ اچھا یہ سب باتیں بعد میں ہوں گی۔"

"وہ یہاں آتا ہی ہوگا..... اس لئے ہم لوگوں کو تیار ہو جانا چاہئے۔ میں نے حمید کو ماتھر صاحب کے بنگلہ پر روانہ کر دیا ہے۔ وہ آتے ہی ہوں گے۔" فریدی بولا۔

"لیکن ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ چار نقاب پوش آئے تھے، جس میں سے ایک اپنے کو راہول بتاتا تھا، اور وہ نواب صاحب کو یہ تحریر دے کر ان کی ہیرے کی انگوٹھی لے گیا۔"

"لے گیا.....!" فریدی نے اس طرح کہا جیسے اسے اس کا پہلے سے یقین رہا ہو۔

اتنے میں ماتھر صاحب بھی آ گئے اور نواب رشید الزماں نے "راہول" کی تازہ واردات کی تفصیل بیان کرنا شروع کر دی۔

"اوہ..... فریدی..... اگر حمید مجھ سے تمام واقعات نہ بیان کرتا تو میں دھوکے میں تمہیں ضرور گرفتار کر لیتا.....!" ماتھر صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔

"اچھا ماتھر صاحب وقت بہت کم ہے۔ جلدی کیجئے ورنہ دشمن پھر ہاتھ سے نکل جائے گا۔ غالباً آپ نے چنی لال اور ہری نرائن اینڈ سنز کے یہاں پولیس کا مکمل انتظام کر دیا ہوگا۔" فریدی بولا۔

"ہاں..... میں نے وہاں کے لئے تمام انتظامات مکمل کر دیئے اور کل رات کے حادثہ کی اطلاع میں نے فون کے ذریعہ انسپکٹر جنرل کو کر دی تھی۔ وہاں سے بہت سخت احکامات ملے ہیں۔ وہ

پرسوں خود یہاں پہنچ رہے ہیں۔"

"اچھا..... خیر..... اب جلدی کرنا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔

لیکن ابھی تک حمید نہیں آئے۔" ماتھر بولے۔

"وہ آ جائیں گے، میں نے انہیں پتہ بتا دیا ہے، اب چلئے..... احتیاطاً آٹھ دس کانسٹیبلوں کو یہاں چھوڑ دیجئے اور آپ لوگ اطمینان سے سوئیے۔ پولیس آپ لوگوں کی حفاظت کے لئے ہے۔ کوئی ڈرنے کی بات نہیں۔" فریدی نواب رشید الزماں سے مخاطب ہو کر بولا۔

فریدی اور ماتھر سپاہیوں کو لے کر نواب زادہ شاکر کے کتب خانے کی طرف روانہ ہو گئے۔

وہاں پہنچ کر فریدی کی ہدایت کے مطابق پولیس نے لائبریری کا اچھی طرح محاصرہ کر لیا اور خود فریدی، ماتھر اور دو انسپکٹر پولیس لائبریری کے دروازے کے سامنے کچھ فاصلہ پر چھپ کر بیٹھ گئے۔

"آپ کی گھڑی میں کیا بجا ہے؟" فریدی نے ماتھر سے دریافت کیا۔

"گیارہ بج کر پندرہ منٹ.....!"

"بس وہ آیا ہی چاہتا ہے، کیونکہ بارہ بجے تک اس کو یہاں ضرور پہنچ جانا چاہئے۔"

اتنے میں کوئی شخص تیزی سے لائبریری کی طرف آتا ہوا دکھائی دیا۔

"وہ دیکھئے کوئی آ رہا ہے۔" ایک انسپکٹر نے اشارہ کیا۔

ماتھر نے پستول سنبھالا۔

"ٹھہریئے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "یہ حمید ہے۔"

حمید فریدی کے قریب آ کر بولا۔ "ابھی تک دونوں جگہوں پر کوئی واردات نہیں ہوئی۔"

"ہائیں.....!" فریدی نے تعجب سے کہا۔

"جی ہاں..... بہرحال پولیس وہاں موجود ہے۔"

"اچھا..... خیر تم بیٹھ جاؤ۔" اور فریدی کچھ سوچنے لگا۔

بیٹھے بیٹھے جب کافی عرصہ ہو گیا تو فریدی نے پھر وقت پوچھا۔ "اب ٹھیک بارہ بجے ہیں.....!" ماتھر نے جواب دیا۔

فریدی تشویش بھرے لہجے میں بولا۔ "اب قید خانے کے اندر چلنا چاہئے۔"

"لیکن وہاں پھر کوئی نئی مصیبت نہ پیش آجائے۔" حمید بولا۔

"جو کچھ بھی ہو لیکن اب ہم لوگوں کو اندر چلنا ہی پڑے گا کیونکہ مجھے یقین ہو رہا ہے کہ وہ کچھ بھانپ گیا ہے۔"

"چلئے، معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو "کبوتر خانہ" بہت پسند آگیا۔" حمید اٹھتے ہوئے بولا۔

فریدی، حمید، ماتھر اور وہ دونوں سب انسپکٹر لائبریری کی طرف روانہ ہوئے۔ لائبریری میں پہنچ کر فریدی نے قالین ہٹایا اور ایک چھوٹا بٹن جو فرش میں لگا ہوا تھا۔ اس کو دبایا۔ تختہ ہٹ گیا جس سے اندر کا کمرہ صاف نظر آنے لگا۔ فریدی پستول لئے ہوئے آہستہ سے اس میں کودا، پھر حمید، ماتھر اور انسپکٹر بھی کمرے میں کود پڑے۔ اندر بالکل اندھیرا تھا۔ فریدی نے ٹارچ جلائی۔ کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ البتہ تمام چیزیں بکھری ہوئی پڑی تھیں اور کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔

"کمرے کا دروازہ کیسے کھلا، یہ تو باہر سے بند تھا۔" فریدی بولا۔

"اچھا حمید تم پچھلے دروازے سے جدھر سے میں تمہارے پاس آیا تھا کچھ سپاہیوں کو لے کر داخل ہو جاؤ۔ ذرا ہوشیار رہنا۔"

حمید چھت پکڑ کر اوپر چڑھ گیا اور فریدی اس کمرے سے باہر نکلا۔ ٹارچ کی روشنی میں اس نے دیکھا کہ چار آدمی زمین پر مردہ پڑے ہوئے ہیں۔

"دیکھا آپ نے..... مجھے پہلے ہی سے یقین تھا کہ وہ بھاگ گیا۔" فریدی ماتھر سے مخاطب ہوا۔

"لیکن اس میں بھی اس کی کوئی چال نہ ہو۔" ماتھر بولا۔

اتنے میں حمید بھی سپاہیوں کو لے کر دوسرے دروازے سے داخل ہوا۔ تہہ خانے کا کونہ کونہ دیکھا گیا، لیکن وہاں کوئی نہ تھا سوائے اس کے کہ "کبوتر خانے" پر ان لوگوں کو دو لاشیں اور ملیں۔

فریدی یک بیک کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"ماتھر صاحب جلدی سے ایک موٹر کا انتظام کیجئے۔ وہ یہاں سے بچ کر نکل گیا۔ لیکن ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ جاتے ہوئے وہ اپنے ان ساتھیوں کو مار گیا ہے۔"

سب لوگ جلدی سے تہہ خانے سے نکل آئے اور فوراً ایک سپاہی کو موٹر لانے کے لئے

بھیجا۔ فریدی بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں ایک خاص طرح کی چمک پیدا ہو گئی تھی۔

"حمید ذرا میرے ساتھ آؤ۔" فریدی حمید کو لئے ہوئے پھر تہہ خانے میں داخل ہوا اور باہر کے کمرے کا اچھی طرح جائزہ لینے لگا۔ وہ میز کی دراز کو کھول کر کچھ ڈھونڈنے لگا جس میں چند غیر ضروری کاغذات کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ پھر اس نے ادھر اُدھر کچھ تلاش کیا لیکن کوئی ایسی چیز نہیں ملی جو اس کے لئے کار آمد ثابت ہوتی..... البتہ اس نے الماری میں سے چند خطوط اور کچھ کاغذات نکال کر اپنی جیب میں رکھے اور حمید سے بولا۔ "جلدی چلو۔"

دونوں جیسے ہی باہر نکلے ویسے ہی موٹر آگئی۔ ماتھر نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ سب لاشوں کو اٹھا کر کوتوالی لے جائیں اور کچھ سپاہی یہاں رہ جائیں۔

موٹر پر ماتھر اور دونوں انسپکٹر پولیس اور چند سپاہی بیٹھ گئے۔

"حمید تم بھی بیٹھ جاؤ۔" فریدی کہتا ہوا ڈرائیور کی بغل میں بیٹھ گیا۔ "اختر لاج" جلدی چلو۔ فریدی نے ڈرائیور سے کہا۔

تھوڑی دیر بعد موٹر اختر لاج کے سامنے کھڑی تھی۔ فریدی کود کر اترا اور سیدھا سعیدہ کے کمرے کی طرف بڑھا۔ سعیدہ کے کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ فریدی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

"کون.....!" سعیدہ نے پوچھا۔

"میں ہوں فریدی۔"

سعیدہ نے دروازہ کھولتے ہوئے پوچھا۔ "کہئے خیریت تو ہے؟"

"ہاں سب ٹھیک ہے، پہلے یہ بتاؤ کہ لیفٹیننٹ باقر کی تم سے کب ملاقات ہوئی تھی؟"

"تین روز پیشتر..... مگر آپ اس قدر گھبرا کر بھیا کو کیوں پوچھ رہے ہیں۔" سعیدہ نے سوال کیا۔

"کچھ نہیں تم پریشان نہ ہو..... یہ میں بعد میں بتا دوں گا۔"

"انہوں نے تم سے کچھ بتایا تھا.....؟" فریدی نے سوال کیا۔

"ہاں..... وہ یہ کہہ رہے تھے کہ میں ایک کام سے کلکتہ جانے والا ہوں۔" سعیدہ نے جواب دیا۔

"ہوں....." اور کچھ کہہ رہے تھے۔"

"نہیں۔"

"اچھا اب میں جارہا ہوں، وقت بالکل نہیں، پھر تمام واقعات بتاؤں گا۔ نواب صاحب وغیرہ سے کہہ دینا کہ جابر بچ کر نکل گیا۔ ہم لوگ اس کا پیچھا کرنے جارہے ہیں۔" فریدی یہ کہتا ہوا تیزی سے نکلا اور موٹر میں آکر بیٹھ گیا۔

سمندری لڑائی

رات کے دو بجے تھے، موٹر تیزی سے سڑک کو پیچھے چھوڑتی ہوئی بھاگی جارہی تھی۔ فریدی ڈرائیور سے اور تیز چلنے کو کہہ رہا تھا۔

"لیکن مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"کیوں.....!" فریدی نے دریافت کیا۔

"اس لئے کہ ابھی ملک الموت اس آدمی کی روح قبض کرنے کے لئے تشریف لائیں گے اور کہیں وہ بھولے سے ہم لوگوں کی طرف گھوم پڑے تب.....؟" حمید نے اس طرح معصومانہ انداز میں کہا کہ سب کو ہنسی آگئی۔

"تم اپنی حرکت سے باز نہیں آؤ گے حمید.....!" فریدی بولا۔

"اور یہی شکایت مجھے آپ سے ہے، بیٹھے بٹھائے ایک مصیبت مول لی ہے۔ نہ معلوم بیچاری "شہناز" کا کیا حال ہے۔" حمید نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"اچھا آپ اپنی بکواس ختم کیجئے۔"

"لیکن میں پھر آپ سے کہتا ہوں جیسا کہ میں نے اس کی گفتگو سنی ہے، اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ہنڈیاں جو اس نے حاصل کی ہیں وہ ۲۰ تاریخ کے بعد بیکار ہو جائیں گی۔ آج پندرہ تاریخ ہے اس لئے میرا خیال ہے کہ وہ کلکتہ میں بالکل قیام نہیں کرے گا بلکہ سیدھا جنیوا جائے گا

اس لئے ہم لوگوں کو کلکتہ پہنچنے کے بعد فوراً ہوائی اڈے پر پہنچنا چاہئے۔" حمید نے کہا۔

"تم بالکل ٹھیک کہتے ہو..... ہم لوگوں کو سیدھا ہوائی اور بحری اڈے پر پہنچنا چاہئے۔" فریدی بولا۔

راستے بھر فریدی ڈرائیور سے موٹر کی رفتار تیز کرنے کی تاکید کرتا رہا۔ سنسان سڑک پر موٹر اپنی پوری رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ لیکن فریدی چاہتا تھا کہ کسی طرح اڑ کر جلدی سے کلکتہ پہنچ جائے۔

"ڈرائیور.....اور تیز.....!" فریدی نے کہا۔

"حضور موٹر اپنی پوری رفتار میں ہے....." اس نے جواب دیا۔

فریدی "اچھا" کہہ کر چپ ہو گیا اور وہ کلکتہ پہنچنے کے بعد کے پروگرام سوچنے لگا۔

دن کافی چڑھ چکا تھا۔ حمید کا مارے بھوک کے بُرا حال تھا۔ کیونکہ آج کئی روز سے اُسے قاعدے سے کھانا نہیں ملا تھا۔ لیکن فریدی کے ڈر سے بالکل خاموش تھا۔

کلکتہ قریب آگیا تھا کیونکہ آبادی کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد موٹر شہر میں داخل ہوئی۔

ہوائی اڈے پر پہنچ کر فریدی کو معلوم ہوا کہ کل رات سے اس وقت تک کوئی جہاز جنیوا نہیں گیا۔ اب فریدی نے ڈرائیور سے بحری اڈے پر چلنے کو کہا۔

وہاں جاکر وہ بحری آفیسر سے ملا اور اپنا "آئی ڈنٹی کارڈ" دکھاتے ہوئے بولا۔ "ہم لوگ رام گڈھ سے ایک بہت بڑے مجرم کا پیچھا کرتے ہوئے آرہے ہیں، جس نے اب تک مختلف مقامات پر ہزاروں خون ڈاکے اور بلیک میل کی وارداتیں کی ہیں۔ وہ بھیس بدلنے کا ماہر ہے۔ اس کا پکڑا جانا بیحد ضروری ہے۔ کیا کوئی ایسی صورت ہو سکتی ہے کہ وہ جنیوا اترنے سے پہلے ہی گرفتار کر لیا جائے۔"

"یہاں سے وائرلیس کیا جاسکتا ہے، لیکن جب وہ بھیس بدلنے کا ماہر ہے تو وہ کیسے پہچانا جاسکتا ہے۔" بحری آفیسر نے جواب دیا۔

"نہیں وائرلیس سے کام نہیں چل سکتا کیا "یو بوٹ" کے ذریعہ ہم لوگ جہاز کا پیچھا نہیں کر سکتے؟"

"لیکن یو بوٹ کے لئے آپ کو انسپکٹر جنرل پولیس اور کمانڈنٹ چیف آفیسر آف ایسٹرن کمانڈ سے اجازت لانا ہو گی۔" بحری آفیسر نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔" فریدی یہ کہتا ہوا سب لوگوں کو لے کر انسپکٹر جنرل کے بنگلہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

جیسے ہی ماتھر نے اپنا کارڈ بھیجا آئی جی نے فوراً ان لوگوں کو بلوالیا، وہ ماتھر کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں تو خود کل آپ کے یہاں آرہا تھا..... وہ انٹر نیشنل ڈاکو ہے اور اس نے گورنمنٹ کے کچھ تجارتی کاغذات بھی حاصل کر لئے ہیں۔ اس کا گرفتار ہونا بے حد ضروری ہے۔"

فریدی اور ماتھر نے مختصراً تمام حالات بیان کئے، جسے سن کر آئی جی نے فریدی سے کہا۔

"مسٹر فریدی ہم آپ کے بے حد مشکور ہیں کہ آپ نے اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ لیکن کیا آپ کو اس کا یقین ہے کہ وہ اسی جہاز سے جنیوا گیا ہو گا اور اس نے اپنا حلیہ بھی بدل دیا ہو گا۔ آپ اسے کیسے پہچان سکتے ہیں؟" آئی۔ جی نے پوچھا۔

"یہ سب آپ میرے اوپر چھوڑ دیجئے۔ لیکن اگر ذرا بھی دیر کی گئی اور جہاز جنیوا پہنچ گیا تو پھر وہ ہاتھ نہیں لگ سکتا۔" فریدی بولا۔

"اچھا تو میں ابھی کمانڈنٹ ان چیف صاحب سے مل کر آتا ہوں، آپ لوگ میرا یہیں انتظار کیجئے۔" وہ بولے۔

"میں تھوڑی دیر کے لئے بازار جاؤں گا کیونکہ اگر جہاز پر اس نے ہم لوگوں کو اصلی حالت میں دیکھ لیا تو مشکل ہو جائے گی۔" فریدی نے کہا۔

آئی۔ جی صاحب تو کمانڈنٹ چیف کے یہاں روانہ ہو گئے، اور فریدی حمید کو لے کر بازار چلا گیا۔ ماتھر اور انسپکٹر وہیں ان لوگوں کے انتظار میں بیٹھ گئے۔

فریدی بازار سے کچھ سامان خرید کر جب لوٹا تو معلوم ہوا کہ ابھی آئی جی صاحب نہیں تشریف لائے اور یہ سب لوگ چپڑاسی کے ساتھ باتھ روم میں چلے گئے۔

تھوڑی دیر بعد فریدی مارواڑی، ماتھر صاحب، پروفیسر اور انسپکٹر سیٹھ اور حمید جہاز کے خلاصی بنے ہوئے باتھ روم سے باہر نکلے۔

آئی جی نے موٹر سے اترتے ہوئے جب ان لوگوں کو دیکھا پھر مسکرا کر بولے۔ "آپ لوگوں نے خوب بھیس بدلا ہے۔"

"اچھا یہ آرڈر لیجئے اور آپ لوگوں کو کسی چیز کی ضرورت ہے؟" آئی جی نے سوال کیا۔

"جی نہیں..... اب بقیہ کام ہم لوگ انجام دے لیں گے۔" فریدی نے کہا اور سب لوگوں کو لے کر موٹر کے ذریعہ بحری اڈے کی طرف روانہ ہو گیا۔

آئی جی نے بحری آفیسر کو فون کر دیا تھا "یو بوٹ" بالکل تیار کھڑی تھی۔

فریدی نے بحری افسر کو "حکم نامہ" دیتے ہوئے کہا۔ "غالباً آپ نے جہاز کے کپتان کو وائرلیس کر دیا ہو گا۔"

"ہاں میں نے اس کو ضروری ہدایات دے دی ہیں اور جہاز کی رفتار کم کر دینے کو بھی کہہ دیا ہے۔" آفیسر نے جواب دیا۔

"بس ٹھیک ہے..... حمید جلدی سے بیٹھو۔" فریدی "یو بوٹ" کے پاس آکر بولا اور سب لوگ جلدی جلدی اس میں سوار ہو گئے اور یو بوٹ تیزی سے پانی کے اندر روانہ ہو گئی۔

"باپ رے باپ..... کتنا خطرناک سفر ہے۔" حمید ڈر کر بولا۔

فریدی نے اس کی بات پر کوئی دھیان نہیں دیا اور وقت دیکھتے ہوئے بولا۔ "اس وقت گیارہ بجے ہیں۔ ہم لوگ اس سے صرف پانچ گھنٹہ پیچھے ہیں۔"

فریدی کے چہرے پر عجیب قسم کے تاثرات پیدا ہو گئے تھے۔ جسے صرف حمید ہی سمجھ سکتا تھا۔ اس لئے اس نے اس وقت فریدی کو چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ یو بوٹ تیزی سے سمندر کی گہرائیوں میں بھاگ رہی تھی۔

شام ہو چکی تھی، فریدی کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ اس نے کپتان سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ صرف ایک گھنٹہ کا فاصلہ اور رہ گیا ہے۔ فریدی حمید وغیرہ کو ضروری ہدایات دینے لگا۔

ایک گھنٹہ بعد جہاز کا سگنل دکھائی دیا اور تھوڑی دیر بعد یو بوٹ جہاز کے بالکل قریب تھی۔ جہاز دو منٹ کے لئے رکا اور یہ لوگ جلدی جلدی جہاز کے بالکل نچلے حصے میں داخل ہو گئے، جہاز پھر روانہ ہو گیا۔

کپتان نے ان لوگوں کو پوشیدہ طور پر دوسرے درجے کے ایک کیبن میں پہنچادیا اور یہ لوگ ایک مسافر کی حیثیت سے سفر کرنے لگے۔

کھانے کا وقت ہو گیا تھا۔ یہ لوگ کھانے کے میز پر آکر بیٹھ گئے۔ جہاں دوسرے مسافر پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے۔ حمید نے خلاصی کے بھیس میں آکر میز صاف کی، جس پر کھانا چن دیا گیا۔ لوگ کھانے میں مصروف ہو گئے۔ فریدی کھانا کھاتا جاتا تھا اور مسافروں کو غور سے دیکھتا بھی جاتا تھا۔ لیکن کسی نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا۔

کھانا کھانے کے بعد سب لوگ اپنے کیبن میں لوٹ آئے۔ تھوڑی دیر بعد حمید داخل ہوا۔

"کچھ پتہ چلا.....!" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں..... میں قریب قریب پورا جہاز گھوم آیا۔" حمید نے جواب دیا۔

"اچھا اب تم جاکر سو رہو..... اب صبح دیکھا جائے گا۔ اس وقت ممکن ہے کسی کو ہم لوگوں پر شبہ ہو جائے۔" فریدی نے کہا۔

حمید چلا گیا۔ فریدی ماتھر اور دونوں انسپکٹر اپنے اپنے بستروں پر لیٹ رہے۔ دن بھر کی دوڑ دھوپ اور رات بھر جاگنے کی وجہ سے یہ لوگ فوراً سو گئے۔

صبح سویرے ہی فریدی کی آنکھ کھلی وہ اپنا لباس وغیرہ درست کر کے کیبن سے باہر نکلا۔ قریب قریب تمام مسافر جاگ چکے تھے، اوپر ڈیک پر کچھ لوگ کھڑے ہوئے صبح کے سہانے منظر اور سمندر کی ٹھنڈی ہواؤں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ فریدی بھی ڈیک پر چڑھ گیا اور سمندر کی طرف دیکھنے لگا کہ یک بیک اس کی نگاہ ایک انگریز پر پڑی جو چمڑے کے ایک بٹوے سے تمباکو نکال کر سگریٹ بنا رہا تھا۔ فریدی نے غور سے بٹوے کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں، اور وہ آہستہ آہستہ ڈیک سے اترنے لگا۔

ڈیک سے اترتے ہی وہ فوراً اپنے کیبن میں آ گیا۔ ماتھر اور دونوں انسپکٹر بھی جاگ چکے تھے۔

"آپ لوگ جلدی سے تیار ہو جائیے۔ دشمن مل گیا۔" فریدی نے ماتھر سے کہا۔

"کہاں.!" ماتھر نے تعجب سے پوچھا۔

"انگریز کا بھیس بدلے ہوئے ڈیک پر کھڑا ہے۔ آپ لوگ ابھی اپنے اپنے پستول جیب میں

رکھ کر ڈیک پر فوراً پہنچ جائیے۔ لیکن اس کو ذرا بھی شبہ نہ ہونے پائے۔ میں کپتان کے پاس جا رہا ہوں تاکہ حمید کو آگاہ کر دوں۔"

فریدی یہ کہتا ہوا جلدی سے کپتان کے کیبن کی طرف روانہ ہو گیا اور حمید کو ہدایات دے کر وہ فوراً ڈیک پر پہنچ گیا۔

انگریز اطمینان سے سگریٹ کے لمبے لمبے کش کھینچ رہا تھا۔

"جابر اگر تم اپنی جگہ سے ذرا بھی ہلے تو گولی تمہارے سینے کے پار ہو گی۔"

اس نے پلٹ کر دیکھا تو ایک مارواڑی سامنے پستول تانے کھڑا تھا۔

انگریز کے چہرے پر پریشانی پھیل گئی..... لیکن فوراً ہی مسکراہٹ پیدا کرتا ہوا بولا۔

"مسٹر آپ کو کچھ غلط فہمی ہوئی ہے..... میں وہ.....!"

اتنے میں ایک فائر کی آواز سنائی دی..... اور انگریز تیورا کر زمین پر گر پڑا..... ماتھر اور وہ دونوں انسپکٹر اس پر جھپٹے۔

فریدی چلایا..... لیکن وہ لوگ بالکل قریب پہنچ چکے تھے اور اب ماتھر کا پستول اس انگریز کے ہاتھ میں تھا۔

فضا میں دو فائروں کی آوازیں گونجیں..... انگریز کے ہاتھ سے خون بہہ رہا تھا اور پستول زمین پر پڑا تھا..... اب انگریز ماتھر اور انسپکٹر کی گرفت میں تھا۔

"آپ لوگوں نے تو کمال ہی کر دیا تھا۔" فریدی نے ماتھر سے کہا۔

"لیکن بھئی ابھی تک میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ پہلا فائر کیسا تھا۔" ماتھر بولا۔

"وہ دیکھئے.....!" فریدی نے ڈیک کے کنارے اشارہ کیا..... جہاں ایک آدمی خون میں لت پت پڑا تھا..... "یہ جابر کا ساتھی ہے، جو پیچھے سے میرے اوپر حملہ کرنا چاہتا تھا..... اور حمید نے اس پر فائر کر دیا۔ فائر کی آواز سے اس نے یہ فائدہ اٹھایا جسے آپ لوگ نہ سمجھ سکے اور یہ دوسرا فائر آپ پر کرنا ہی چاہتا تھا کہ میں نے گولی چلا دی۔"

جابر کو گرفتار کر کے فریدی نے اس کے منہ پر کپڑا بندھوا دیا تھا اور اب یہ لوگ اسی "یو بوٹ" کے ذریعہ جابر کو لے کر واپس ہو رہے تھے۔

راستے میں حمید اور ماتھر نے فریدی سے بہت سوالات کئے لیکن اس نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ

"اب عدالت ہی میں میرا بیان سننا۔"

ماجرا سنئے

نواب زادہ شاکر کے قتل..... شہر میں آتش زدگی..... خون..... سرکاری تجارتی تمسکات کی چوری اور دوسرے دیگر الزامات کے سلسلے میں جابر کا مقدمہ آج عدالت میں پیش ہونے والا تھا۔ نوابزادہ شاکر کے قتل کے سلسلے میں کنور ظفر علی خاں پر دو مقدمے تھے۔ کمرہ عدالت میں ملزمان کے کٹہرے میں انہیں بھی دیکھا جاسکتا تھا۔ کنور ظفر کی آنکھیں آج پہلی بار چھلک رہی تھیں انہوں نے فریدی کی جانب کئی بار دیکھا اور اشاروں ہی اشاروں میں رحم کی درخواست کی۔

جابر تنہا کھڑا تھا۔ تماشائیوں کا ٹھٹ کا ٹھٹ ایسے بھیانک آدمی کو دیکھنے کے لئے بے تاب تھا۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ایک آدمی ایسی باتیں کس طرح کہہ سکتا ہے، جو ان کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ بذات خود حمید بھی جابر کے حالات سے زیادہ واقف نہ تھا۔ صرف یہی ایک معاملہ ایسا روکھا پھیکا ہوا تھا جس میں اسے کوئی عورت نہ مل سکی تھی اور اگر ملی بھی تو زبردستی بیوی بن کر چرکہ دے گئی۔

آخر وہ عورت کون تھی؟

غزالہ اور نواب رشید الزماں بہت خوش تھے..... ان کا محبوب فریدی جابر کو پکڑ لایا تھا۔ کیسی کیسی بدگمانیوں کو انہوں نے اپنے دل میں جگہ دی تھی۔

بیچارہ طارق "شکاکی" کے افسوس میں تھا۔ مگر پھر بھی افسردہ نہ تھا۔

اداس صرف سعیدہ تھی۔ اس کا دل دعائیں مانگ رہا تھا کہ کنور صاحب بے گناہ ثابت ہوں۔

اس عدالت میں لیفٹیننٹ باقر کی عدم موجودگی بُری طرح کھٹک رہی تھی۔ لوگوں کا خیال

تھا کہ شاید وہ عین وقت پر آئیں۔

غرضیکہ ہر شخص انسپکٹر فریدی کا بیان سننے کے لئے بے تاب تھا..... واقعات کچھ اس طرح ظہور میں آئے تھے کہ گرہیں جب تک نہ کھلیں جابر کا گرفتار ہونا ہی کافی نہ تھا۔

ٹھیک دس بجے مقدمہ کی کاروائی شروع ہوئی۔ پولیس کے مقامی افسران کے رسمی بیان کے بعد انسپکٹر فریدی کا بیان شروع ہوا۔

"میرے بیان کے تمام کاغذی ثبوت مسل میں شامل ہیں۔" فریدی نے اپنا بیان دیتے ہوئے کہا۔

"میں سب سے پہلے یہ غلط فہمی دور کر دینا چاہتا ہوں کہ لیفٹیننٹ باقر اور جابر دو علیحدہ شخصیتیں نہیں..... دراصل..... باقر اور جابر ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں..... جابر کون ہے؟ اس پر تھوڑی سی روشنی ڈالنا ضروری ہے۔ تعلیم کا غلط استعمال اور انسانی خواہشات کا حد اعتدال سے آگے بڑھنا کسی حد تک انسان کو گمراہ کر سکتا ہے۔ اس کی زندہ مثال جابر کی گذشتہ زندگی کے واقعات ہیں۔ مجرموں کے کٹہرہ میں کھڑا ہوا یہ ہیبت ناک اور بھیانک شخص آکسفورڈ یونیورسٹی لندن کا فلسفہ میں ڈگری یافتہ ہے اور جرمنی کے زیورچ کالج سے شعبہ سائنس کا ایم۔اے ہے۔ اچھے خاصے عرصہ تک یہ پروفیسر بھی رہا ہے۔ اس کی ماں جرمن خاتون تھی اور باپ ہندوستانی۔ اس کی پیدائش ہندوستان میں ہوئی۔ حالات کی بدقسمتی کہ اس نے بچپن میں اپنے ہندوستانی ساتھیوں کے ہاتھوں کافی ذلت اٹھائی اور اس وقت سے اس کے دل میں ہندوستانیوں کے خلاف نفرت کا جذبہ پیدا ہوا۔ زمانہ شباب میں یہ لندن پہنچا۔ وہاں سے فلسفہ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد یہ جرمنی گیا۔ وہیں سائینس کے تجربات اور نازیت کی بڑھتی ہوئی طاقت نے اس کا دماغ دوسرے راستوں پر ڈال دیا۔ ڈاکٹر گوئبلز کے محکمہ جاسوسی میں رہ کر اپنا بھیس بدلنے، آواز تبدیل کرنے کا طریقہ سیکھا اور اس سلسلے میں خود بھی اس نے کچھ ایجادات کیں۔"

لڑائی کے زمانے میں ایک تباہ کن گیس بناتے وقت اس کی ناک پر کچھ بھاپ آگئی اور وہ گل گئی۔ یہ اس کی زندگی کا سب سے بڑا حادثہ تھا۔

جرمنی کی ہار کے بعد اس کی مالی حالت گرنے لگی۔ اُسے کیمیا بنانے کا شوق ہوا، اور اسی شوق کی بناء پر اس کی ملاقات رنجیت نگر کے والی سنگرام سنگھ سے ہوئی اور اسی شوق نے موصوف کی جان

لی۔ موصوف کی جنسی بیماریاں محض ایک افسانہ ہیں۔ جابر کے زہر نے انہیں مارا۔ ان سے وہ نسخہ تو اسے نہ مل سکا لیکن رنجیت نگر کے راج کمار بننے کا شوق اسے ہندوستان کھینچ لایا۔ اس کے پہچاننے والوں میں سے دو اس کا شکار ہو گئے اور ایک اس وقت ساجد کے روپ میں گواہ ہے۔

بمبئی ہی میں اسے پتہ لگا کہ نواب زادہ شاکر رام گڑھ کا مشہور نواب سونا بنانے کا نسخہ رکھتا ہے۔ اس کے پاس کچھ ایسی کتابیں ہیں جن کے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل کر کے انسان ہزار ہا سال تک زندہ رہ سکتا ہے۔ جابر نے نواب زادہ شاکر سے خط و کتابت کی۔ مگر اس میں اسے ناکامیابی ہوئی۔

وہ رام گڑھ آیا۔

نواب زادہ شاکر کے شریک کار کنور ظفر علی خان بھی تھے۔ سونا تیار ہو جانے کے بعد نواب زادہ شاکر نے کنور صاحب کو حصہ دینے سے انکار کیا۔ اپنی ایک کتاب پر کنور صاحب نے نواب زادہ کو دھمکی دی کہ اگر انہوں نے اس کا حصہ نہ دیا تو وہ اسے جان سے مار ڈالیں گے اور اس کے بعد رات میں وہ پھر نواب زادہ سے ملے۔ انہوں نے اپنے حصے کا مطالبہ بھی کیا اور اپنی تحریر بھی واپس مانگی۔ جابر کے علم میں یہ باتیں تھیں۔ اس نے جج صدیق احمد کے بہترین خوب صورت شیرازی پاموز کبوتر کے جوڑے میں سے ایک کبوتر چرا کر اور اسے زہریلا چھلا پہنا کر نواب زادہ کے برآمدے میں چھوڑ دیا۔ نواب زادہ کبوتروں کے رسیا تھے۔ مگر وہ کبوتر اٹھاتے ہی چھلا منہ سے لگا اور زہر سرائیت کرنے لگا۔ ٹھیک اسی وقت کنور ظفر علی خاں ان کے پاس آئے۔ نواب زادہ کو مردہ دیکھ کر ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے اپنی تحریر پھاڑی اور بھاگ گئے۔ جابر کا آدمی ان کی اس حالت کی تصویر حاصل کر چکا تھا۔ غالباً لیفٹیننٹ باقر کی طرف سے دائر کردہ مقدمہ میں ان کے خلاف یہی ثبوت پیش کیا جاتا۔

کنور ظفر علی بے گناہ ہیں۔ غصہ اور جھنجھلاہٹ کی اس تحریر پر انہیں پشیمانی بھی تھی اور انہوں نے نواب زادہ کے نام ایک معذرت نامہ بھی لکھا تھا، جو مسل میں شامل ہے۔"

اتنا بیان پڑھ کر فریدی رکا..... سامعین پر بالکل خاموشی طاری تھی۔ سعیدہ کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد فریدی نے اپنا بیان پھر شروع کیا۔

"جابر نے ظفر..... نواب رشید الزماں وغیرہ کو میرے خلاف کرنے اور میرے راستے

میں روڑا اٹکانے کے لئے میرا بھیس بدل کر ان کے گھر پر ڈاکہ ڈالا اور ان کے گھر سے ان کی کتاب (جو دراصل نواب زادہ شاکر کی ملکیت تھی) لے اڑا۔ ادھر نواب زادہ شاکر کی لائبریری میں اتفاقاً میرے ہاتھ وہ کتابیں لگیں جن کی جابر کو تلاش تھی۔ لیفٹیننٹ باقر کا قصہ سننے کے بعد ہی میرا ماتھا ٹھنکا تھا۔ بمبئی کے مشہور سیٹھوں کے یہاں جواہرات کی چوری کے اطلاع نامے بھی میرے پاس تھے۔ لائبریری ہی میں مجھے وہ پرچہ ملا جس میں نواب زادہ شاکر کے سوتیلے بھائی کے کچھ حالات تھے، لیفٹیننٹ باقر اور جابر کا ایک ہی دن بمبئی جانا مجھے اور کھٹکا۔ جابر کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ میں اس کا پیچھا ضرور کروں گا۔ اس نے میرے روکنے کے تمام انتظامات کئے۔ مگر وہ ناکام رہا۔ لیکن حالات نے ہمارا ساتھ نہ دیا۔ میں اتفاق کے ہاتھوں ریلوے کی انتظامی کاروائی یعنی ڈبہ کٹ جانے کی وجہ سے اس کا پیچھا نہ کر سکا اور حمید کو اس کی ایک پٹھو نے چرکا دیا۔

بمبئی سے واپسی پر وہ شاکر کے سوتیلے بھائی کے مفصل حالات معلوم کر چکا تھا۔ ان کی ایک تصویر اور قدیم خاندانی حالات حاصل کر کے وہ یہاں آیا۔ فرضی ثبوت اور دلائل..... خاندان میں سعیدہ کے علاوہ اور کسی رشتہ دار کا عدم وجود اس کو کامیاب بنا گیا۔

اس نے اپنے آپ کو سچ مچ باقر ثابت کرنے کے لئے بڑے پاپڑ بیلے۔ افسران کی دعوتیں کر کے اس نے انہیں یہ بھی موقع نہ دیا کہ وہ اس کے بارے میں کچھ سوچ سکیں۔ سعیدہ کے نام جائیداد ہبہ کر کے اس نے اس کا بھی منہ بند کر دیا۔

اپنے ساتھ لائے ہوئے ایک بیکار نوجوان کو اپنا لڑکا مشہور کر کے اور پھر خود ہی اسے سگریٹ میں زہر دے کر اور اس کی موت پر فرضی آنسو بہا کر اس نے سب کا دماغ ماؤف کر دیا۔ کسی شخص کا خیال بھی اس طرف نہ جا سکا لیکن کنور ظفر علی خاں مجھ سے بھی اور اس سے بھی دونوں سے مشکوک تھے۔ آگ لگنے سے پہلے وہ نواب زادہ شاکر کے مکان کے پچھلے حصے کی طرف گئے۔ کئی روز پیشتر انہوں نے کچھ لوگوں کو مشکوک حالتوں میں ادھر گھومتے دیکھا تھا۔ یہی کرید انہیں اس طرف لے گئی۔ اس وقت آگ لگی..... وہ بھاگے جابر کے آدمی نے گولی چلائی اور وہ زخمی ہو گئے۔ یہ غلط ہے کہ وہ پولیس کی گولی سے زخمی ہوئے۔ ہسپتال میں آپریشن کے بعد نکالی گئی گولی اس کا ثبوت ہے۔

مجھے اسی وقت شبہ ہوا تھا اور اسی لئے میں نے نواب رشید الزماں وغیرہ کو ماتھر صاحب کے گھر جانے کی ہدایت کی تھی۔ یہ لوگ گئے مگر لوٹ آئے۔

مجھے اپنے ہوٹل کے کمرے میں گذشتہ روز کی آگ اور قتل کے واقعات سے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ میرے اوپر بھی حملہ ہو گا۔ اس درمیان میں طارق کے ذریعہ مجھے اطلاع ملی کہ لیفٹیننٹ باقر مجھ سے تنہائی میں باتیں کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں نے احتیاطاً وہ دونوں کتابیں جن کی جابر کو تلاش تھی محفوظ کر دیں اور خود باقر کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ ان کے جانے کے بعد ہی مجھے لائبریری میں جابر اور نواب زادہ شاکر کے خطوط ملے۔ مجھے ایسے کاغذات بھی ملے جن کی بناء پر جابر باقر بنا پھرتا تھا۔ میں نے اس کی وہ کتاب بھی دیکھی تھی جو وہ انسانی اعضاء کی ساخت پر لکھ رہا تھا۔ اس کی تحریر کی تازگی یہ بتا رہی تھی کہ یہ ابھی لکھا گیا ہے۔

دوسری طرف میرے ذہن میں جابر کی تحریر بھی تھی۔ چنانچہ مجھے یقین ہو گیا کہ جابر اور باقر ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ جابر کی اسی وقت آمد اور مجھے تہہ خانے میں قید کرنا اور میرے لئے یقین کا باعث بن گیا۔

مجھے قید کرنے کے بعد اس نے میرا بھیس بدل کر ایک طرف مجھے مرعوب کر کے کتابیں حاصل کرنا چاہیں دوسری طرف حمید کو قید کر کے ایک کانٹا راہ سے ہٹایا۔ تیسری طرف نواب صاحب وغیرہ سے زبردستی تحریر لکھوا کر ان سے روپیہ بھی اینٹھا اور انہیں میرا دشمن بھی بنا دیا۔"

بیان کی طوالت کے باوجود ہر شخص ہمہ تن گوش تھا۔ فریدی پھر رکا اور حمید کی طرف مسکراتے ہوئے اس نے اپنا بیان شروع کیا۔

میں کس طرح چھوٹا..... یہ محض اتفاق تھا۔ جابر نے مجھے چوبیس گھنٹے کی مہلت دی تھی۔ ۱۸ گھنٹے گذرنے کے بعد شام کو جابر کا نوکر جب تہہ خانے میں لیمپ رکھنے آیا تو بجلی کی طرح میرے ذہن میں ایک خیال کوندا۔ میں نے ملازم کے جاتے ہی اپنے بندھے ہوئے ہاتھوں سے لیمپ توڑ ڈالا اور لیمپ کی بتی کی آگ سے اپنے ہاتھ میں بندھی ہوئی رسی کو جلاتا رہا۔ ہاتھ کھلنے کے بعد میں آزاد تھا۔ دوسرے ہی کمرے میں حمید بند تھا اور اسے چھڑانے کے بعد میں نکلا۔ حمید نے جابر کی گفتگو سنی تھی اور اس کا خیال تھا کہ وہ کلکتہ جائے گا۔ اس لئے کہ کچھ سرکاری تجارتی تمسکات

کی ہنڈیاں اس کے ہاتھ لگ گئی تھیں جنہیں وہ جنیوا میں بھنانا چاہتا تھا۔ سعیدہ کے بیان نے اس کی تصدیق کر دی اور ہمیں کلکتہ اور پھر کلکتہ سے بحری سفر کے ذریعہ جابر کو گرفتار کرنا پڑا۔ میرا بیان ختم ہو رہا ہے لیکن اب چیز تشنہ تکمیل رہی جاتی ہے اور وہ ہے کیمیا کا نسخہ..... جابر اس کی تلاش میں تھا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ اسے حاصل کر سکا یا نہیں۔ بہر حال مجھے وہ نہ مل سکا۔"

فریدی بیٹھ گیا۔ کمرہ عدالت میں سناٹا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے طوفان اپنی ہیبت ناک آواز کے بعد ٹھہر گیا ہو کہ اچانک زنجیریں کھڑکھڑائیں اور جابر نے اشارہ کیا۔ جج صاحب کے حکم پر اس کا منہ کھول دیا گیا۔ اس نے کہا۔

"میرے بارے میں فریدی صاحب نے جو بیان دیا ہے وہ حرف بحرف صحیح ہے۔ میری سوانح عمری جس مشکل سے جرمن زبان میں لکھے ہوئے خطوط سے انہوں نے مرتب کی ہے وہ لائق تعریف ہے۔ مجھے اپنے جرائم کا اقبال ہے لیکن میری داستان ابھی تشنہ تکمیل ہے۔ میری ایک آرزو ہے کہ میرے ہاتھ کھول دیئے جائیں، میں وعدہ کرتا ہوں کہ کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا..... بلکہ ایک چھپے ہوئے راز کا انکشاف بھی ہو جائے گا۔ فریدی صاحب جانتے ہیں کہ میں جھوٹ نہیں بولتا۔"

لوگوں میں کھسر پھسر اور طرح طرح کی چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں کہ اتنے میں جج صاحب کے حکم سے چار سپاہیوں کے علاوہ مزید دو سپاہی سنگینیں لے کر اس کے گرد کھڑے ہو گئے۔ حمید کا ہاتھ اپنے پستول پر جا لگا اور جابر کی ہتھکڑیاں کھول دی گئیں۔

اس نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"فریدی صاحب! کیمیا کا نسخہ اور آپ کی دانست میں محفوظ جگہ پر رکھی ہوئی کتابیں میں نے حاصل کر لی تھیں۔ کتابیں سمندر میں ڈوب گئیں لیکن نسخہ میرے پاس ہے۔ میں جو چاہتا ہوں اُسے حاصل کر لیتا ہوں۔" کہتے ہوئے اس نے اپنے چہرے سے مصنوعی ناک اٹھائی۔

دہشت اور خوف سے غزالہ اور سعیدہ کی چیخیں نکل گئیں۔ بھیانک چہرہ اور بھیانک ہو گیا تھا۔

جابر نے قہقہہ لگایا۔ اپنی ناک کے اندر سے اس نے کاغذ کی پڑیا نکالی۔ "یہ ہے وہ نسخہ فریدی صاحب..... میں اعضاء جسمانی کی ساخت کا ماہر ہوں۔ یہ ناک بڑی کار آمد ہے۔" فریدی نسخہ

لینے کے لئے آگے بڑھا۔

"مگر ٹھہریئے..... اس میں زہر ہے..... سونا حاصل کرنے کی کوشش کا نتیجہ زہر ہی ہوتا ہے۔ کہتے ہوئے اس نے وہ پڑیا منہ کے اندر رکھ لی..... آدھا سیکنڈ بھی نہ گذرا تھا کہ وہ تیورا کر گرا اور ناک اس کے ہاتھ سے فوراً چھوٹ گئی۔"

تھوڑی دیر کا ہنگامہ سکوت میں بدل گیا۔ جابر کی لاش سے شدت کی بو پھیل رہی تھی اور عجیب طرح کا نیلا پانی اس کے منہ سے نکل رہا تھا۔

کمرے میں گہرا سناٹا ہلکورے لے رہا تھا۔

ختم شد

وقار عظیم
پاکستان پوائنٹ
ڈاٹ کام

ابنِ صفی

جلد نمبر
3

جاسوسی دنیا

9- پُراسرار اجنبی

10- احمقوں کا چکر

11- پہاڑوں کی ملکہ



پیشرس

''پراسرار اجنبی'' اپنے الجھے ہوئے واقعات کی بناء پر ایک انتہائی دلچسپ ناول ہے۔ آپ اس میں دیکھیں گے کہ

جرائم کسی خاص طبقے تک محدود نہیں۔ مصلح بھی مجرم ہوسکتا ہے۔

ایک ادیب بھی جرم کرسکتا ہے۔

مجرم وہ لوگ بھی ہوسکتے ہیں جنہیں لوگ مصنف سمجھتے ہیں،

ہمارے آپ کے درمیان ایسے لوگ بھی موجود ہیں جنہیں سوسائٹی قطعی بے ضرر سمجھتی ہے لیکن ان کے سیاہ کارناموں پر سے پردہ اٹھتے ہی دنیا انگشت بدنداں رہ جاتی ہے۔ ایک انتہائی چالاک عورت جس کی ایک ہی جنبشِ ابرو پر بڑے بڑے مجرموں کے دل دہل جاتے ہیں۔ اپنی جنسی خواہشات کے طوفان میں گھر کر کس طرح بے بس اور مجبور ہوجاتی ہے۔

اور پھر.....

ایک خوبصورت نوجوان کی دلآویز مسکراہٹ اس کے جلال و جبروت کے طلسم کو فنا کردیتی ہے۔ وہ عورت جس نے قاتلوں کے چھکے چھڑا رکھے ہوں.....وہ.....ایک حسین نوجوان کے قدموں میں بے دست و پا پڑی تھی۔

اور.....وہ نوجوان.....؟

فریدی اور حمید اس ناول میں کیا کررہے ہیں؟ اس کا جواب اس ناول کے دلچسپ مطالعہ سے ملے گا۔

پبلشر

پُراسرار اجنبی

دلاور پور تھا تو اچھا خاصا بڑا قصبہ، لیکن پھر بھی اس کے مغربی سرے پر ایک چھوٹی سی انگریزی طرز کی خوبصورت عمارت کا وجود واقعی تعجب انگیز تھا۔ دلاور پور ایک بہت پرانی بستی تھی۔ یہاں سے شہر تقریباً دس میل کی دوری پر تھا۔ یہاں زیادہ تر زمیندار آباد تھے، جن کے بڑے بڑے مکان جو پشت ہا پشت سے بطور میراث منتقل ہوتے چلے آئے تھے آج بھی اپنی اصلی یا کچھ شکستہ حالت میں موجود تھے۔ ان عمارتوں میں ایک انگریزی وضع کی عمارت کا وجود کچھ عجیب سا لگتا تھا اور اس میں رہنے والے مرد و زن لوگوں کی نظروں میں اس عمارت سے بھی عجیب تھے۔

یہاں سعید اور اس کی بیوی رہتے تھے۔ سعید ایک خوبصورت اور خوش وضع انسان تھا۔ اس کے باپ کا شمار یہاں کے بڑے زمینداروں میں ہوتا تھا۔ اس نے سعید کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے انگلینڈ بھیج دیا تھا جہاں وہ تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ تجارت اور صنعت و حرفت میں دلچسپی لیتا رہا۔ صنعت و حرف میں اس کا خاص موضوع کاغذ بنانا تھا، تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ وہ مختلف قسم کے کاغذ بنانے کی ٹریننگ بھی لے رہا تھا۔ اس کے والد کو توقع تھی کہ وہ انگلینڈ سے واپس آنے کے بعد کوئی بہت بڑی سرکاری ملازمت پاجائے گا۔ لیکن اس کی واپسی پر انہیں اپنی آرزوؤں کا خون ہوتا دکھائی دیا۔ سعید نے ملازمت کرنے سے انکار کردیا۔ اس کے بجائے اس نے شہر میں کاغذ بنانے کا ایک چھوٹا سا کارخانہ کھول دیا۔ حالانکہ اس کے باپ کو یہ بات بہت

ناگوار گزری لیکن وہ اس پر اس کی مخالفت میں کچھ زور بھی نہ ڈال سکے کیونکہ وہ ان کا اکلوتا بیٹا تھا اور دنیا میں اس کے علاوہ ان کا تھا ہی کون۔ تیرہ اولادوں میں صرف وہی ایک بچا تھا۔ بیوی پہلے ہی مر چکی تھی اور اب خاندان میں صرف یہی دو باپ بیٹے رہ گئے تھے۔

شروع شروع میں کارخانہ اچھا خاصا چلتا رہا۔ پھر اچانک نقصان ہونا شروع ہو گیا۔ ادھر سعید کا باپ بھی بیمار پڑ گیا۔ اس کی علالت کے سلسلے میں وہ کاروبار کی طرف کچھ دھیان نہ دے سکا۔ کارخانہ کی حالت روز بروز ابتر ہوتی جا رہی تھی۔ ادھر ان کی بیماری نے خطرناک صورت اختیار کر لی، جس دن کارخانے میں تالا پڑا اس کے دوسرے ہی دن اس کے باپ کا انتقال ہو گیا۔

باپ کے مرنے کے بعد وہ بالکل تنہا رہ گیا۔ زمینداری کا سارا بار بھی اس پر آ پڑا۔ گو آدمی تھا ذہین، طبیعت نہ لگنے کے باوجود بھی اس نے کام میں بہت جلد مہارت حاصل کر لی۔ کچھ دنوں کے بعد اس کی جدت پسند طبیعت نے اسے ٹھوکے دینے شروع کئے اور اس کے دل میں کاشت کاری کرنے کا بھوت سوار ہو گیا۔ ایک ٹریکر خریدا گیا۔ چھوٹے چھوٹے کھیتوں کو یکجا کر کے ان کی چک بندی کی گئی۔ عمدہ عمدہ بیج حاصل کئے گئے اور پھر سعید نے باقاعدہ کھیتی باڑی شروع کر دی۔ وہ خود ٹریکٹر چلاتا۔ کھیتوں کی سینچائی اور نرائی بھی خود ہی کرتا اور گاؤں والے اسے حیرت بھری نظروں سے دیکھتے۔ جس وقت وہ سوٹ پہنے منہ میں پائپ دبائے ٹریکٹر پر بیٹھ کر راستوں سے گزرتا تو لوگ اس کا مضحکہ اڑاتے۔ ہم چشم آوازے کستے لیکن وہ بُرا نہ مانتا۔ رفتہ رفتہ وہ اس کے عادی ہو گئے۔

سعید ایک با اخلاق اور سیدھا سادا آدمی تھا۔ شروع شروع میں لوگ اس کی طرف بدظن ضرور تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ اس کی شرافت اور اخلاق نے سب کو اپنا گرویدہ بنا لیا اور پھر اس کی شہرت کی سب سے بڑی وجہ ماحول سے بغاوت تھی۔ ہندوستان کی فضا میں وہ مغربی کسان کی طرح زندگی بسر کر رہا تھا۔ یہ چیز عوام کے لئے عجوبہ تھی اور ہر عجیب چیز بہت جلد مشہور ہو جاتی ہے۔ بعض بے تکلف لوگ اسے مذاقاً کسان صاحب کہا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ وہ اسی نام سے مشہور ہو گیا۔ قصبے میں جب بھی کسی کو گفتگو کے دوران میں اس کا حوالہ دینا پڑتا تھا تو وہ اسے

کسان صاحب ہی کے نام سے یاد کرتا، اس میں طنز اور مذاق کا شائبہ بھی نہ ہوتا۔

کچھ دنوں بعد سعید نے گاؤں کے مغربی سرے پر شہر سے آنے والی سڑک سے کچھ دور ہٹ کر اس انگریزی طرز کی عمارت کی بنیاد ڈالی۔ اس عمارت کے نزدیک ہی اس نے ایک بہت بڑا اناج گھر بنوایا۔ ان دونوں عمارتوں کے گرد ایک بہت لمبا چوڑا میدان تھا۔ جہاں اور بھی کئی چھوٹی چھوٹی عمارتیں بنائی گئی تھیں جن میں مرغیاں اور دودھ دینے والے جانوروں کے رکھے جانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ سڑک سے تھوڑی ہی دور پر پیال کے بنڈلوں کے ڈھیر دکھائی دیتے تھے۔ یہ دراصل اس کا کھلیان تھا۔ یہاں پودوں سے اناج الگ کرنے کے بعد ان کے بنڈل بنا کر سلیقے سے اوپر تلے چن دیئے جاتے تھے۔

اس نئے مکان کی تعمیر کے بعد سعید نے اپنے آبائی مکان کو چھوڑ دیا اور مستقل طور پر یہیں آ کر رہنے لگا۔ اس دوران میں اس نے شہر کی ایک تعلیم یافتہ لڑکی سے شادی کر لی اور اس کی بیوی بھی اتفاق سے بالکل اسی کی طرح جدت پسند واقع ہوئی تھی۔

شادی کے سلسلے میں ایک بار پھر اُسے مخالفت کے طوفان کا مقابلہ کرنا پڑا۔ بھلا کسی خاندانی آدمی کی شادی کسی ایسے خاندان میں ہو، گاؤں کے لوگ کس طرح پسند کر لیتے، جس کے حسب و نسب ہی کا پتہ نہ ہو اور پھر اس پر ستم یہ تھا کہ سعید اپنی بیوی کو بھی بے پردہ رکھتا تھا۔

آہستہ آہستہ یہ طوفان بھی دب گیا۔ یہاں بھی سعید کی شرافت کام آئی۔ وہ بُرا بھلا کہہ جانے کے باوجود بھی لوگوں سے اسی طرح ملتا رہا۔ ان کے دکھ سکھ میں شریک ہوتا رہا۔ کچھ دنوں بعد اُسے بُرا بھلا کہنے والوں کی گردنیں پھر جھک گئیں۔

اب دونوں میاں بیوی نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے۔ اس وقت رات کی تاریکی میں سفید عمارت کچھ عجیب سی لگ رہی تھی۔ دسمبر کا مہینہ تھا۔ سردی اپنے شباب پر تھی حالانکہ ابھی صرف آٹھ ہی بجے تھے، لیکن سارے گاؤں پر کچھ اس طرح کا سکوت طاری تھا جیسے رات گزر گئی ہو۔ کبھی کبھی کتوں کے بھونکنے یا بھینسوں کے ڈکرانے کی آوازیں سکوت کا سینہ چیرتی ہوئی دور تک لہراتی چلی جاتیں اور پھر ان کی بازگشت سنائی دیتی۔

دفعتاً شہر سے آنے والی سڑک پر کسی کار کی ہیڈ لائیٹس کی روشنی نظر آئی۔ کار تیزی سے

سڑک سے اتر کر سعید کے مکان کی طرف بڑھنے لگی اور پھر وہ پیال کے بنڈلوں کے ایک ڈھیر سے اس طرح ٹکرائی کہ اس کا اگلا حصہ اس میں دھنستا چلا گیا۔ مشین بند کر دی گئی۔ ایک بھاری بھرکم آدمی کار سے اترا اور پیال کے بنڈل اٹھا اٹھا کر کار پر پھینکنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پوری گاڑی اس میں چھپ کر رہ گئی۔ اس کام سے فراغت پا کر اس نے پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ کچھ دور پر اسے کسی دوسری کار کی روشنی دکھائی دی۔ وہ جھپٹ کر پیال کے ڈھیر کے پیچھے چلا گیا۔ وہ آہستہ آہستہ دوڑتا ہوا سعید کے بنگلے کی طرف جا رہا تھا۔

آج سنیچر کی رات تھی، اس لئے سعید نے معمول کے مطابق سارے نوکروں کو چھٹی دے دی تھی تاکہ وہ اپنے اپنے گھروں میں جا کر رات بسر کریں۔ سنیچر کی رات کو وہ ان نوکروں کو بھی چھٹی دے دیا کرتا تھا جو رات وہیں بنگلے ہی میں بسر کرتے تھے۔ حتیٰ کہ باورچی بھی سنیچر کی شام کو رخصت کر دیا جاتا تھا۔ اس رات کا کھانا سعید کی بیوی خود تیار کیا کرتی تھی۔ آٹھ بج رہے تھے، لیکن ابھی تک کھانا نہیں پک چکا تھا۔ سعید کھانے کے کمرے ہی میں اپنے حساب کتاب کے کاغذات اٹھا لایا کرتا تھا تاکہ وہاں بیٹھے بیٹھے اپنی بیوی سے گپ بھی لڑا سکے، جو باورچی خانہ میں روٹیاں پکا چکنے کے بعد سالن کی دیگچیوں کی دیکھ بھال کر رہی تھی۔

''بھئی یہ گوشت تو گلنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ آپ کو بھوک لگ رہی ہوگی۔'' سعید کی بیوی نے باورچی خانے سے کہا۔

''پرواہ نہ کرو۔'' سعید نے حساب جوڑتے جوڑتے سر اٹھا کر کہا۔ ''چائے کا پانی رکھ دو تو بہتر ہے، سردی بہت ہے۔''

''اچھا.....!''

اور پھر برآمدے میں بھاری بھاری قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ سعید چونک پڑا۔ آواز لحظہ بہ لحظہ قریب آتی جا رہی تھی۔ سعید سمجھا شائد اس کا کوئی رشتہ دار ہوگا۔

دفعتاً ایک اجنبی کمرے میں داخل ہوا۔ سعید کھڑا ہو گیا۔ وہ اسے غصہ اور حیرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ آنے والا ایک ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔ اس نے ایک بہت عمدہ قسم کے کتھئی سرج کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ انداز سے کوئی متمول اور باوقار آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اس کی شخصیت

میں سب سے عجیب چیز یہ تھی کہ وہ موٹا نہ ہونے کے باوجود بھی کافی بھاری بھرکم معلوم ہو رہا تھا۔

''میں اس بے وقت تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔'' اس نے نرم لہجے میں کہا۔

''لیکن آپ کا اس طرح بغیر اجازت کسی کے گھر میں گھس آنا کوئی اچھی بات نہیں۔'' سعید نے تلخی سے کہا۔

''مجبوری بھی کوئی چیز ہے۔'' اجنبی بیٹھ کر ہانپتے ہوئے بولا۔

''آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''پناہ.....صرف ایک رات کے لئے۔'' اجنبی بولا۔

اتنے میں سعید کی بیوی بھی آ گئی۔ وہ بھی اسے حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ لیکن شائد اجنبی اس کی موجودگی سے ناواقف تھا۔ وہ سعید کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''میں آپ کو جانتا نہیں۔'' سعید نے کہا۔ ''معلوم نہیں آپ کون ہیں کیسے ہیں؟''

''اس وقت میرے پاس اپنی شرافت کا کوئی ثبوت نہیں۔'' اجنبی نے کہا اور پھر اپنی جیب سے نوٹوں کا ایک بڑا سا بنڈل نکال کر سعید کے سامنے میز پر ڈالتے ہوئے کہا۔ ''لیکن میں ایک رات آپ کی چھت کے نیچے رہنے کی یہ قیمت ادا کر سکتا ہوں۔''

سعید کبھی اسے دیکھتا تھا اور کبھی نوٹوں کے بنڈل کو۔

''کیا کوئی آپ کا تعاقب کر رہا تھا.....؟'' سعید نے پوچھا۔

''یہی سمجھ لیجئے۔''

''پولیس.....؟'' سعید نے سوال کیا۔

''تو کیا آپ مجھے بدمعاش ہی سمجھتے ہیں؟'' اجنبی مسکرا کر بولا۔ وہ خود کو بہت زیادہ مطمئن اور پرسکون ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن اس کا بار بار مڑ مڑ کر برآمدے کی طرف دیکھنا اس کے خوفزدہ ہونے کا اعلان کر رہا تھا۔

سعید نے اس کے سوال کا کوئی جواب نہ دیا اور بدستور اسے گھورتا رہا۔

''بولئے کیا کہتے ہیں آپ.....؟'' اجنبی بولا۔

''مجبوری ہے۔'' سعید نے جواب دیا۔

"تو پھر میں بھی مجبور ہوں۔" اجنبی جیب سے پستول نکال کر سعید کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

سعید کی بیوی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اجنبی چونک کر اس کی طرف مڑا۔

"اوہ..... مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہاں کوئی خاتون بھی تشریف رکھتی ہیں۔" اجنبی نے کہا اور جلدی سے پستول جیب میں رکھ لیا۔

"خواتین کی موجودگی میں اس قسم کی حرکت غیر شریفانہ ہے۔" اجنبی ندامت آمیز لہجے میں بولا۔ "خیر اگر آپ یہی چاہتے ہیں کہ میں ہلاک کر دیا جاؤں تو میں جا رہا ہوں۔" اجنبی اپنے نوٹوں کا بنڈل وہیں چھوڑ کر باہر جانے کے لئے واپس مڑا۔

سعید عجیب قسم کی ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا۔ اسے جاتے دیکھ کر بولا۔ "ٹھہریئے۔"

اجنبی رک گیا۔

"آپ آخر بتاتے کیوں نہیں کہ آپ کون ہیں۔" اس نے اکتائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"یہ میں نہیں بتا سکتا۔" اجنبی نے کہا۔ "لیکن جو لوگ میرا پیچھا کر رہے ہیں وہ اچھے آدمی نہیں ہیں۔"

"تو آپ چاہتے کیا ہیں؟"

"اُن کی نگاہوں سے چھپنا ...صرف آج رات کے لئے۔" اجنبی بولا۔

اتنے میں باہر موٹر کے رکنے کی آواز آئی۔

سعید گھبراہٹ میں ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"وہ کیا ہے.....؟" اجنبی نے ایک چھوٹے سے دروازے کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ برآمدے میں کئی قدموں کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔

"کوئلے کی کوٹھری۔" سعید نے جواب دیا۔

قدموں کی آہٹ قریب سے قریب تر ہوتی جا رہی تھی۔

"اس میں باہر جانے کا کوئی راستہ ہے؟"

"ایک چھوٹی سی کھڑکی جو پشت پر میدان میں کھلتی ہے۔" سعید نے جواب دیا۔

"ٹھیک.....!" اجنبی نے کہا اور دوڑ کر کوئلے کی کوٹھری میں گھس گیا۔

سعید نے نوٹوں کے بنڈل پر اپنی ہیٹ رکھ دی اور اپنی بیوی کو بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود بھی بیٹھ کر کچھ لکھنے لگا۔

دفعتاً پانچ آدمی کمرے میں داخل ہوئے۔

جو سب سے آگے کھڑا تھا، صورت شکل کے اعتبار سے عجیب تھا۔ قد لمبا، جسم اکہرا، آنکھیں چھوٹی چھوٹی، ناک طوطے کی چونچ سے مشابہ، پیشانی چہرے کے تناسب کے اعتبار سے کافی اونچی، آنکھوں کے کونے کے قریب کنپٹیوں پر شکنیں ابھری ہوئی تھیں۔ پتلے پتلے بھنچے ہوئے ہونٹوں سے سفاکی ٹپک رہی تھی۔ بقیہ چار آدمی دروازے کے قریب کھڑے ادھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔

سعید انہیں دیکھتے ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"آپ لوگ کون ہیں اور بغیر اجازت یہاں کیسے گھس آئے۔" سعید تیز آواز میں بولا۔

"ہمیں ایک آدمی کی تلاش ہے۔" لمبا آدمی پرسکون لہجے میں بولا۔ اس کی تیز اور چمکیلی آنکھیں کمرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"مگر بغیر اجازت.....!"

"مجھے اس کے لئے افسوس ہے۔" اس نے سعید کی بات کاٹتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ اس کی آنکھیں بدستور ادھر اُدھر دوڑ رہی تھیں۔

"اگر وہ میرے نوکروں میں سے ہے تو نہیں مل سکتا کیونکہ میں سنیچر کی رات کو اپنے نوکروں کو چھٹی دے دیتا ہوں۔" سعید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"کیا یہاں ابھی کوئی آدمی آیا تھا؟" اس نے سعید کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں.....لیکن اس طرح بغیر اجازت.....!"

"میں پھر معافی چاہتا ہوں۔" اس نے کہا اور تھوڑی دیر خاموشی سے کھڑا رہنے کے بعد اپنے ساتھیوں کو واپس چلنے کا اشارہ کیا۔

دور تک قدموں کی آواز سنائی دیتی رہی۔ پھر سکوت چھا گیا اور دفعتاً کار کے اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔

سعید اور اس کی بیوی نے اطمینان کا سانس لیا۔ دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کی صورت دیکھ رہے تھے۔ تقریباً پندرہ منٹ گزر گئے۔

کوئلے کی کوٹھڑی کا دروازہ کھلا اور وہ اجنبی ماتھے سے پسینہ پونچھتا ہوا باہر نکل آیا۔ سعید کی بیوی نے بنگلے کے دروازے بند کر دیئے۔ کمرے میں مکمل سکوت تھا۔ باورچی خانے سے بھنے ہوئے گوشت کی اشتہا انگیز خوشبو اٹھ رہی تھی۔ اجنبی نے دو چار گہرے گہرے سانس لئے اور کرسی کی پشت پر ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے سے تھکن کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔

سعید کی بیوی باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔ واپسی پر اس کے ہاتھوں میں چائے کی ٹرے تھی۔ اس نے ایک پیالی چائے بنا کر اجنبی کی طرف بڑھا دی، جو آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا۔ وہ چونک پڑا۔ آنکھوں میں احسان مندی کی جھلک تھی۔

''بیٹی! میں تم لوگوں کا احسان کبھی نہ بھولوں گا۔ اگر آج رات کو میں بچ گیا تو ان سبھوں کو دیکھ لوں گا۔'' اجنبی نے چائے کی پیالی اٹھاتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد کھانا تیار ہو گیا۔

تینوں نے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا..... پھر سعید نے اسے ایک طرف چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ زینے طے کرتے ہوئے اوپری منزل پر جا رہے تھے۔

''آپ یہاں اس کمرے میں سوئیں گے۔'' سعید نے اس سے کہا۔

''شکریہ.....!'' اجنبی بولا۔ ''مجھے افسوس ہے کہ میں اپنے متعلق ابھی آپ کو کچھ نہیں بتا سکتا۔ آپ مجھ پر اعتماد کریں، میں بھی ایک ذی عزت آدمی ہوں۔''

''خیر..... خیر..... آپ آرام کیجئے۔'' سعید نے کہا۔ ''آپ اپنے نوٹوں کا بنڈل نیچے چھوڑ آئے ہیں۔ مجھے کسی قسم کے معاوضے کی ضرورت نہیں۔ خدا نے مجھے کافی دیا ہے۔'' سعید نیچے چلا آیا۔

وہ اور اس کی بیوی کافی دیر تک اجنبی اور اس کا تعاقب کرنے والوں کے متعلق گفتگو کرتے رہے۔ سعید کی بیوی بہت زیادہ خوفزدہ تھی۔ ڈر تو سعید بھی رہا تھا لیکن اپنی بیوی کی تسکین کے لئے وہ اس طرح کی باتیں کر رہا تھا جیسے ان واقعات کی کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔

سعید باتیں کرتے کرتے دفعتاً چونک پڑا۔ اوپر چڑچڑاہٹ کی آواز سنائی دی اور پھر ایسا

معلوم ہوا جیسے کوئی وزنی چیز دھپ سے چھت پر آ رہی ہو۔

کچھ قدموں کی آوازیں بھی سنائی دیں اور پھر سناٹا چھا گیا۔ سعید اور اس کی بیوی ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد سعید اٹھ گیا اس کی بیوی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''کہاں.....؟''

''اوپر.....!''

''میں بھی چلوں گی۔''

''تم یہاں اکیلے ڈرو گی؟''

''نہیں یہ بات نہیں..... میں آپ کو تنہا نہ جانے دوں گی۔''

دونوں دبے پاؤں زینے طے کرنے لگے۔ اوپر سناٹا تھا۔ وہاں دونوں چند لمحے خاموش کھڑے رہے۔ پھر آہستہ سے کمرے میں داخل ہو گئے اور دفعتاً اس کی بیوی چیخ کر اس سے لپٹ گئی۔

سامنے زمین پر ایک آدمی اوندھا پڑا تھا اور اس کی پشت میں ایک بڑا سا چاقو پیوست تھا۔ زمین پر خون کی ایک پتلی سی لکیر نظر آ رہی تھی۔ لیکن وہ اجنبی نہیں تھا۔ یہ تو وہی تھا جو اس کا تعاقب کر رہا تھا طوطے کی چونچ جیسی ناک والا..... اور..... اجنبی غائب تھا۔ سعید کی بیوی ابھی تک اس سے لپٹی کھڑی تھی۔ آہستہ آہستہ اس کی گرفت ڈھیلی ہو رہی تھی۔ سعید نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ سعید اسے اٹھا کر نیچے لے آیا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ نوکروں کو پہلے ہی چھٹی دے چکا تھا۔ گاؤں تقریباً تین فرلانگ کی دوری پر تھا۔ وہ بیوی کو بے ہوشی کی حالت میں چھوڑ کر کہیں ہٹنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے سوچا کہ پن چکی پر رہنے والے جھکی آرٹسٹ کو آواز دے۔ لیکن ضروری نہیں تھا کہ وہ اس کے آواز دینے پر چلا ہی آئے۔ سعید ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ دفعتاً اس کے سر پر کسی نے کوئی وزنی چیز دے ماری۔ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا اور دوسرے ہی لمحے میں تین چار آدمی اس پر ٹوٹ پڑے۔

بنک میں گڑبڑ

اسی رات دلاور پور سے دس میل کی دوری پر شہر میں نیشنل بنک کی عمارت کے سامنے پولیس کی لاری کھڑی ہوئی تھی۔ پولیس انسپکٹر جگدیش بنک کے کھلے ہوئے صدر دروازے کے قریب کھڑا بنک کے منیجر مسٹر گنگولی سے باتیں کر رہا تھا۔

''تو یہ دروازہ کھلا ہوا پایا گیا۔'' انسپکٹر جگدیش نے پوچھا۔

''جی ہاں.....!'' گنگولی نے جواب دیا۔

''آپ کو اس کی اطلاع کیسے ہوئی؟''

''میں اوپر کی منزل میں رہتا ہوں۔''

''اوہ.....!'' جگدیش نے عمارت پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔ نچلی منزل میں بنک تھا..... اس کے اوپر ایک منزل اور تھی اور اس کے اوپر سپاٹ چھت۔

''آپ ہی نے مجھے فون کیا تھا۔'' جگدیش نے پوچھا۔

''نہیں، میں آپ کو فون کرنے ہی جا رہا تھا کہ آپ پہنچ گئے۔''

''آپ کا نام.....!''

''پی ایس گنگولی۔''

''جی.....'' جگدیش نے حیرت سے کہا۔ ''آپ نے مجھے فون نہیں کیا تھا۔''

''نہیں.....!''

''لیکن فون کرنے والے نے بھی یہی نام لیا تھا۔''

''ارے.....!'' گنگولی چونک کر بولا۔

''عجیب بات ہے۔'' جگدیش نے کھلے ہوئے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''چلئے۔''

وہ دونوں اور ایک کانسٹیبل بنک کے اندر داخل ہوئے۔

''اور خزانہ.....!''

''ٹھہریئے۔'' گنگولی نے ایک دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

اس نے جیب سے کنجیوں کا لچھا نکال کر دروازہ کھولا اور اندر کا بلب روشن کر دیا۔ یہاں کئی تجوریاں رکھی ہوئی تھیں اس نے ایک ایک کر کے سب تجوریاں کھولیں اور پلٹ کر تحیر آمیز نظروں سے جگدیش کی طرف دیکھنے لگا۔

''کہئے۔''

''میرے خیال سے تجوریوں کی چیزیں بھی موجود ہیں۔''

''تو اس کا یہ مطلب کہ دروازہ دھوکے سے کھلا رہ گیا۔'' جگدیش نے کہا۔ ''صدر دروازے کی کنجی کس کے پاس رہتی ہے۔''

''ایک میرے پاس اور ایک صفائی کرنے والے کے پاس۔ لیکن وہ بہت ہی معتبر آدمی ہے۔''

''کیا آج یہ دروازہ اسی نے بند کیا تھا۔''

''نہیں..... میں نے۔'' گنگولی نے کہا۔ ''لیکن صبح کو روزانہ وہی کھولتا ہے۔''

''غالباً صفائی کرنے کے لئے۔'' جدیش نے پوچھا۔

''جی ہاں.....!''

''تو آپ کو قطعی اطمینان ہے کہ کوئی چیز گئی نہیں۔''

''ٹھہریئے! میری دانست میں تو سارا کیش موجود ہے۔ لیکن میں فون کر کے خزانچی کو بلائے لیتا ہوں۔'' گنگولی نے کہا اور بڑھ کر فون کرنے لگا۔

جگدیش کھڑا سوچ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں بے چینی سے کمرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

''یہ صفائی کرنے والا کون ہے۔'' جگدیش نے اچانک پوچھا۔

''سلیم.....!''

''کہاں رہتا ہے۔''

''یہ تو مجھے معلوم نہیں۔'' گنگولی نے ماتھے سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

''جی.....!'' جگدیش نے حیرت سے کہا۔ ''اور آپ نے اس کے پاس چابی کیوں رہنے دی۔''

''وہ کافی معتبر آدمی ہے۔''

''معلوم نہیں آپ کی نظروں میں معتبر ہونے کا کیا معیار ہے۔'' جگدیش طنزیہ انداز میں بولا۔

''میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ بہت معتبر آدمی ہے۔''

''آپ تو اوپر رہے ہوں گے پھر آپ کو دروازہ کھلنے کا علم کس طرح ہوا؟''

''الارم.....!'' گنگولی نے خزانے کی طرف اشارہ کیا۔ ''بنک بند کرتے وقت میں اس میں الارم لگا دیتا ہوں جس کی گھنٹی میں نے اوپر لگا رکھی ہے۔''

''تو اس کا یہ مطلب کہ کسی نے یہاں داخل ہو کر خزانے کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔''

''جی ہاں.....!''

''لیکن کھولنے میں کامیاب نہیں ہوا۔''

''یہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔'' گنگولی نے پریشانی کے لہجے میں کہا۔ ''کیونکہ اس کا دروازہ بند کرنے پر خود بخود تالا لگ جاتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ کھولنے والے نے کھول کر بند بھی کیا ہو۔''

''تب تو ہمیں خزانچی کا انتظار کرنا پڑے گا۔'' جگدیش نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''الارم سن کر یہاں تک آنے میں آپ کو کتنا عرصہ لگا ہوگا۔''

''تقریباً پندرہ منٹ.....!'' گنگولی نے جواب دیا۔

''پندرہ منٹ.....!'' جگدیش نے حیرت سے کہا۔ ''پندرہ منٹ تو بہت ہوتے ہیں۔ خطرے کا الارم سن کر بھی اتنی دیر کر دی آپ نے۔''

''اسکی بھی وجہ ہے۔'' گنگولی نے مسکرا کر کہا۔ ''اکثر چوہوں کی عنایت سے بھی ایسا ہو جایا کرتا ہے اور پھر میں نے سوچا کہ سرِشام چلتی ہوئی سڑکوں پر کون اس کی ہمت کر سکے گا۔ اسی خیال سے میں ٹال گیا۔ لیکن پھر طبیعت نہ مانی اور تھوڑی دیر بعد جب میں نیچے اترا تو دروازہ کھلا ہوا تھا۔''

''ہوں.....!'' جگدیش نے گنگولی کو مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

گنگولی خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں سے شدید قسم کی بے چینی ظاہر ہو رہی تھی۔

''کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ اسی کی حرکت ہو۔'' جگدیش نے کہا۔

''میں اس پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں۔''

''آخر اس یقین کی وجہ؟''

''میں اسے عرصہ سے جانتا ہوں۔''

''اور تعجب ہے کہ آپ اس کے گھر کے پتے سے واقف نہیں۔'' جگدیش نے کہا۔

گنگولی خاموش ہو گیا۔ اس کے تیور سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس کے متعلق ذکر کرنا پسند نہیں کرتا۔

تھوڑی دیر بعد خزانچی آ گیا۔ اس نے کیش دیکھنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر بعد یہ کام بھی ختم ہو گیا۔

''کیش پورا ہے..... کوئی کمی نہیں اور دوسری چیزیں بھی موجود ہیں۔'' خزانچی نے کہا۔

''خیر..... یہ بھی اچھا ہوا۔'' جگدیش نے کہا۔ ''لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آپ کے نام سے مجھے فون کس نے کیا اور اس کا مقصد کیا تھا۔''

ابھی گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ باہر شور سنائی دیا اور ساتھ ہی ایک ایسے دھماکہ کی آواز آئی جیسے کوئی بہت وزنی چیز کافی اونچائی سے نیچے پھینکی گئی ہو۔

سارے لوگ گھبرا کر بنک سے سڑک پر نکل آئے۔

''کون ہے..... کون گرا.....!'' ایک طرف سے آواز آئی۔

مجمع بڑھتا جا رہا تھا۔ جگدیش بھیڑ کو چیرتا ہوا آگے بڑھا۔ ایک بے جان آدمی سڑک پر اوندھا پڑا تھا۔

''کہاں سے گرا.....!'' جگدیش نے بے اختیارانہ انداز میں پوچھا۔

''اوپر سے.....!'' کئی آدمیوں نے بنک کی عمارت کی سپاٹ چھت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

جگدیش کی ٹارچ کی روشنی گرنے والے کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ جگدیش نے نیچے جھک کر دیکھا۔

''ختم ہو گیا۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''ارے یہ تو سلیم ہے۔'' دفعتاً گنگولی کی آواز سنائی دی۔

''سلیم.....کون سلیم۔'' جگدیش چونک کر بولا۔ ''وہی جو صفائی کرتا تھا۔''

''جی ہاں.....!'' گنگولی گھبرائے ہوئے لہجہ میں بولا۔ ''مگر یہ اس وقت یہاں کہاں۔''

گنگولی حیرت سے چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

''ارے یہ اوپر روشنی کیسی۔ وہ کون ہے؟'' گنگولی بے اختیارانہ انداز میں چیخا۔

چھت پر کوئی ٹارچ کی روشنی میں سر جھکائے کچھ دیکھ رہا تھا۔ گنگولی کی چیخ سنتے ہی اس نے ٹارچ بجھا دی اور اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ اوپر تاریکی تھی لیکن ستاروں کی چھاؤں میں ایک دھندلا دھندلا سا بے حس وحرکت مجسمہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔

''خبردار.....اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہ کرنا۔'' جگدیش نے ریوالور نکالتے ہوئے چیخ کر کہا۔

''بہت بہتر حضور والا.....!'' اوپر سے آواز آئی۔

جگدیش آواز سن کر چونک پڑا۔ آواز کچھ جانی پہچانی سی تھی۔ لیکن اس نے سوچا شاید وہم ہوا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ یہ کیسا نڈر آدمی ہے۔

جگدیش نے سپاہیوں کو اوپر جانے کا اشارہ کیا اور خود ریوالور تانے کھڑا رہا۔ سپاہی آگے بڑھے۔

''انہیں تکلیف نہ دیجئے گا.....میں خود حاضر ہو رہا ہوں۔'' اوپر سے آواز آئی۔

''ارے.....!'' جگدیش تقریباً اچھلتے ہوئے چیخا۔ ''تو کیا سچ مچ آپ ہی ہیں۔''

دوسرے لمحے میں زینے پر ٹارچ کی روشنی دکھائی دی اور ایک آدمی نیچے آیا۔

یہ محکمہ سراغ رسانی کا انسپکٹر فریدی تھا۔

جگدیش جھپٹ کر اس کے قریب آیا۔

''آپ یہاں کہاں.....؟'' اس نے متعجبانہ لہجے میں پوچھا۔

''وہ کون ہے کچھ پتہ چلا؟'' فریدی نے جگدیش کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

''سلیم.....یہاں بنک میں صفائی کرنے پر ملازم تھا۔'' جگدیش نے کہا۔

''سلیم.....!'' فریدی چونک کر بولا۔

''جی ہاں.....!''

فریدی تیزی سے لاش کے قریب آیا اور جھک کر ٹارچ کی روشنی میں اسے دیکھنے لگا۔

''تو اس کا یہ مطلب کہ اس میں گرنے سے پہلے کچھ کچھ جان باقی تھی۔'' فریدی بولا۔

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔'' جگدیش نے کہا۔

''چھت پر پڑے ہوئے خون کی حالت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کافی دیر ہوئی نکلا ہے۔ کسی نے شاید اسے زخمی کر کے اوپر ڈال دیا تھا۔ کچھ ہوش آنے پر شاید اس نے کروٹ لی اور نیچے لڑھک آیا۔''

''ارے.....!''

''اور سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ اسی نے فون کر کے مجھے یہاں بلایا تھا.....اور اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ یہ یہاں اس بنک میں صفائی کرنے پر ملازم تھا۔''

پولیس والوں نے مجمع ہٹا دیا تھا۔ جگدیش اور فریدی تنہا کھڑے باتیں کر رہے تھے۔

''میرا خیال ہے کہ اس نے خطرے سے واقف ہو کر آپ کو فون کر دیا تھا اور بعد میں مجرم یا مجرموں کے ہاتھوں مارا گیا۔'' جگدیش نے کہا۔

''تو کیا مجرم کامیاب ہوگئے۔'' جگدیش نے پوچھا۔

''نہیں.....بنک میں سب کچھ جوں کا توں موجود ہے۔ غالباً ہنگامہ ہوجانے پر وہ لوگ نکل بھاگے۔'' جگدیش نے کہا۔ ''اس نے فریدی کو شروع سے آخر تک سب حالات بتا دیئے۔''

''اور گنگولی کہتا ہے کہ اس نے تم کو فون نہیں کیا تھا۔'' فریدی نے پوچھا۔

''جی ہاں.....!''

''ہوں.....!'' فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''آخر اس نے یہ نہیں بتایا کہ سلیم پر اس قدر اعتماد کی کیا وجہ تھی؟''

''جی نہیں۔'' جگدیش نے کہا۔ ''لیکن وہ کہتا ہے کہ وہ اسے عرصہ سے جانتا تھا اور میرے خیال میں اعتماد کر لینے کی یہ کوئی معقول وجہ نہیں معلوم ہوتی جب کہ اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ سلیم رہتا کہاں تھا۔''

فریدی مسکرانے لگا۔ جگدیش کو اس کی یہ بے موقع مسکراہٹ کچھ عجیب سی معلوم ہوئی۔

''اچھا اب لاش کو لاری پر رکھا دو۔'' فریدی نے کہا۔ ''گنگولی کہاں ہے؟''

''غالباً بنک میں..... آیئے چلیں۔'' جگدیش نے کہا اور کانسٹیبلوں کو ہدایت دیتا ہوا فریدی کے ساتھ بنک کے اندر چلا گیا۔ خزانچی اور گنگولی اندر بیٹھے ہوئے تھے۔ دونوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

فریدی اور جگدیش کو دیکھ کر دونوں کھڑے ہو گئے۔

''تشریف رکھئے۔'' فریدی نے کہا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

''سلیم آپ کے یہاں کتنے دنوں سے ملازم تھا۔'' اس نے گنگولی سے پوچھا۔

''تین ماہ سے۔''

''اور اتنے قلیل عرصہ میں آپ کو اس پر اتنا اعتماد پیدا ہو گیا تھا اور آپ کو اس کے مکان کا پتہ بھی نہیں معلوم۔''

گنگولی خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی ذہنی کشمکش میں مبتلا ہے۔

''میرا خیال ہے کہ آپ نے قریب قریب اس کے سب ناول پڑھے ہوں گے۔'' فریدی نے پرسکون لہجے میں پوچھا۔

''تو آپ بھی اسے جانتے تھے۔'' گنگولی بے اختیار بولا۔

جگدیش حیرت سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''آپ کی اور اس کی پرانی دوستی تھی۔'' فریدی نے پوچھا۔

''جی ہاں.....!''

''تو پھر آپ نے یہ بات جگدیش سے کیوں چھپائی تھی۔''

''اب جب کہ وہ مر چکا ہے مجھے جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ۔''

''تو گویا اس نے آپ کو منع کر دیا تھا کہ آپ اس کی اصلیت سے کسی کو آگاہ نہ کریں۔''

''جی ہاں۔''

''اس قدر مالدار ہونے کے باوجود بھی اس نے ایسی ذلیل ملازمت کیوں کی تھی؟''

''وہ کہتا تھا کہ وہ ذاتی طور پر بنک کے کاروبار سے واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہے تاکہ اپنے ناولوں میں اس کے متعلق ٹھیک ٹھیک لکھ سکے۔''

''اس کے متعلق تو وہ آپ سے بھی معلومات بہم پہنچا سکتا تھا۔ آخر یہاں نوکری کرنے کی کیا ضرورت تھی۔''

''اب میں اس کے متعلق کیا عرض کروں۔ یہ بھی اس کی ایک جھک تھی۔ میرے یہاں ملازمت کرنے سے پہلے وہ عجائب گھر میں ملازم تھا۔''

''عجائب گھر میں۔'' فریدی نے چونک کر پوچھا۔ ''کس عجائب گھر میں؟''

''پرانی یادگار کے عجائب گھر میں۔'' گنگولی نے جواب دیا۔

''اور وہ باوقار تنخواہ لیا کرتا تھا۔''

''جی ہاں۔''

''عجیب بات ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''وہ خود بھی کافی مالدار تھا۔''

''وہ میرا دوست ضرور تھا لیکن کہنے والی بات کہنی ہی پڑتی ہے۔'' گنگولی بولا۔ ''اسے دولت کی ہوس تھی اور وہ ایک ایک پیسہ دانت سے پکڑتا تھا۔''

''اوہ.....!''

تھوڑی دیر کے لئے خاموشی چھا گئی۔ کیونکہ ہر شخص اپنی جگہ پر کچھ نہ کچھ سوچ ہی رہا تھا۔

''کیا آپ اس پر روشنی ڈال سکتے ہیں کہ آخر اس کے اس وقت یہاں موجود ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''یہی سوال تو مجھے بھی الجھن میں ڈالے ہوئے ہے۔'' گنگولی نے جواب دیا۔

''جب سے اس نے میرے یہاں ملازمت کی تھی ڈیوٹی کے وقت کے علاوہ کبھی اس طرف کا رخ بھی نہیں کرتا تھا۔''

''میرا خیال ہے۔'' جگدیش بولا۔ ''شاید مجرم دم دلاسہ دے کر اسے یہاں تک لائے اور اس سے یہاں کی کنجی لے کر زخمی کر کے اسے اوپر ڈال گئے۔''

''لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ ہر وقت یہاں کی کنجی اپنی جیب ہی میں رکھتا رہا ہو۔'' فریدی نے کہا۔

''لیکن آپ نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ وہ کون تھا؟'' جگدیش نے پوچھا۔

''تم نے کبھی شکیل ساجد کے جاسوسی ناول پڑھے ہیں۔''

''جی ہاں.....!''

''یہ شکیل ساجد ہی تھا۔''

''ارے.....!''

''اس کا اصلی نام تو سلیم ہی تھا لیکن یہ کتابیں شکیل ساجد کے نام سے لکھا کرتا تھا۔''

''یہ تو بڑا مشہور مصنف تھا۔ میں نے اس کی تقریباً پچاس ساٹھ کتابیں پڑھی ہوں۔'' جگدیش بولا۔

''تو آپکو پورا یقین ہے کہ یہاں سے کوئی چیز چرائی نہیں گئی۔'' فریدی نے گنگولی سے پوچھا۔

''جی ہاں۔''

''بہتر۔'' فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''ممکن ہے آپ کو پھر تکلیف دی جائے۔''

لاش پہلے ہی کوتوالی روانہ کی جا چکی تھی۔ فریدی اور جگدیش بھی واپس آ گئے۔ دونوں اس وقت کوتوالی کے ایک کمرے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

''تو آپ چھت پر کیسے پہنچ گئے تھے۔'' جگدیش نے پوچھا۔

''سلیم نے مجھ سے فون پر استدعا کی تھی کہ میں جلد سے جلد بنک پہنچ جاؤں، اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بہت پریشان ہے۔ لہٰذا میں وہاں پہنچا ہی تھا کہ وہ چھت سے نیچے آ رہا۔ میں بغیر یہ معلوم کئے ہی کہ وہ کون ہے چھت کی طرف لپکا۔ وہاں بالکل سناٹا تھا کئی جگہ خون کے دھبے جمے دکھائی دے رہے تھے، جن کی سرخی کچھ کچھ سیاہی میں تبدیل ہو چکی تھی اسی سے میں نے اندازہ لگایا کہ اسے حادثہ پیش آئے ہوئے کچھ عرصہ گزر چکا ہے۔''

''شاید کسی نے اوپر سے اسے پھینک دیا ہو۔'' جگدیش بولا۔

''ناممکن۔'' فریدی نے کہا۔ ''اتنی جلدی وہاں سے نیچے آ جانا ممکن ہی نہیں اور وہاں کوئی

چھپنے کی جگہ بھی نہیں۔''

''آپ نے کوئی نظریہ قائم کیا۔''

''فی الحال کسی خاص نتیجہ پر نہیں پہنچ سکا۔''

''میرا خیال ہے کہ مجرموں نے سلیم سے کنجی حاصل کر کے اپنی دانست میں اسے قتل کر دیا۔''

''اور لاش بنک کی چھت پر ڈال گئے۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''کیا بچوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔ اگر انہیں کنجی کے لئے اسے قتل کرنا ہوتا تو اس کے لئے وہ کوئی ویرانہ منتخب کرتے۔ اگر یہ کہا جائے کہ جب وہ بنک سے گھر واپس جا رہا تھا، اسی وقت کوئی بہلا پھسلا کر اسے چھت پر لے گیا اور وہیں اسے زخمی کر کے اس سے کنجی حاصل کر لی تو یہ بھی کچھ ناممکن ہی سا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اول تو اس وقت کافی دن رہا ہوگا اور وہ چھت کھلی ہوئی ہے۔ ایسی صورت میں ان کے دیکھ لئے جانے کا بھی امکان رہا ہوگا۔ دوسری بات یہ کہ اس کے ٹیلی فون کرنے اور میرے وہاں پہنچنے کا وقفہ بمشکل تمام بیس منٹ رہا ہوگا اور چھت پر پڑے ہوئے خون سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ ایک گھنٹہ قبل کا ہے۔''

''پھر آخر اسے کیا سمجھا جائے۔'' جگدیش نے اکتا کر کہا۔

''یہی سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔'' فریدی نے کہا۔ ''دوسری چیز یہ بھی کم حیرت انگیز نہیں کہ گنگولی اس سے انکار کر رہا ہے کہ اس نے تمہیں فون کیا ہے۔''

''بہرحال میں یہ سب کچھ نہیں جانتا۔'' جگدیش نے کہا۔ ''اگر آپ اس معاملے کو الجھا رہے ہیں تو اسے خود ہی سلجھائیے گا بھی۔''

''میں اس کیس میں خود بھی کچھ دلچسپی محسوس کر رہا ہوں۔'' فریدی نے جانے کے لئے اٹھتے ہوئے کہا۔

ایک اور لاش

فریدی آفس میں بیٹھا پرانے کاغذات الٹ پلٹ رہا تھا کہ سرجنٹ حمید آ گیا۔

''آج طبیعت کچھ بیزاری سی ہے۔'' حمید نے کہا۔

''کیوں.....؟'' فریدی نے بدستور سر جھکائے ہوئے پوچھا۔

''بیکاری.....دن بھر ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہو۔''

''تو یہ کون سی خاص بات ہے۔تم ایک ہاتھ سر پر اور دوسرا کمر پر رکھے کھڑے رہا کرو۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

حمید جھینپ گیا

''گھبراؤ نہیں.....میں نے کام ڈھونڈ لیا ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''وہی بنک والا معاملہ.....؟'' حمید نے پوچھا۔

''ہاں.....!''

''آپ بھی خواہ مخواہ دردسری مول لیتے پھرتے ہیں۔''

''عجیب آدمی ہو.....ابھی بیکاری سے اکتا رہے تھے اور جو کام بتایا تو جان نکل گئی۔''

''میرا مطلب کچھ اور تھا۔''

''اور تو کیا شہناز آج کل یہاں موجود نہیں.....؟'' فریدی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

حمید نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''تب تو خدا تمہیں غریق رحمت کرے۔'' فریدی نے کہا اور پھر کاغذات الٹنے پلٹنے لگا۔

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔فریدی نے ریسیور اٹھا لیا۔

''ہیلو.....کون جگدیش..... ہاں ہاں فرصت ہی ہے.....ایک اور لاش؟ کہاں.....دلاور پور.....اچھا.....ہاں.....ہاں.....وہ لوگ غائب ہیں.....نہیں.....نہیں.....فرصت ہے.....میں ابھی آیا۔''

''لیجئے جناب حمید صاحب۔'' فریدی نے ریسیور رکھتے ہوئے کہا۔

''ایک کام اور دستیاب ہو گیا۔''

''جی ہاں.....ایک اور لاش.....سمجھ میں نہیں آتا کہ اس ملک میں لاشوں کی پیداوار کیوں بڑھتی جا رہی ہے۔'' حمید بیزاری سے بولا۔

''آؤ چلیں۔''

''بس مجھے معاف ہی رکھئے۔''

''کبھی دلاور پور گئے ہو.....؟''

''نہیں!''

''اسی لئے ایسا کہہ رہے ہو۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''خیر میں تمہیں لے جانا مناسب بھی نہیں سمجھتا۔''

''کچھ کہئے گا بھی یا یونہی پہیلیاں بجھواتے رہئے گا۔''

''ارے چھوڑو بھئی.....جا کر اپنا کام کرو۔'' فریدی اکتائے ہوئے لہجہ میں بولا اور اٹھ کر دروازے کی طرف چلنے لگا۔

فریدی کار اسٹارٹ کرنے جا ہی رہا تھا کہ حمید بھی آ کر بیٹھ گیا۔

''بہر حال تم نہیں مانو گے۔'' فریدی نے مسکراتے ہوئے کہا اور کار اسٹارٹ کر دی۔

کوتوالی میں جگدیش اس کا انتظار کر رہا تھا۔

''کہو بھئی کیا معاملہ ہے؟'' فریدی نے جگدیش سے پوچھا۔

''ارے صاحب ایک معاملہ صاف نہیں ہوا تھا کہ دوسرا پیدا ہو گیا۔'' جگدیش نے کہا۔

''دلاور پور کے سعید کا نام تو آپ نے سنا ہو گا۔''

''وہی انگلینڈ ریٹرن کسان.....؟'' فریدی نے پوچھا۔

''جی ہاں.....!'' جگدیش نے کہا۔''دلاور نگر چوکی کے چوکیدار نے اطلاع دی ہے کہ سعید کے گھر میں ایک لاش ملی ہے اور وہ دونوں میاں بیوی غائب ہیں۔آج صبح جب گھر نوکر آئے تو انہوں نے گھر کھلا ہوا پایا۔وہ دونوں غائب تھے اور چھت پر ایک لاش ملی۔''

''کھلی چھت پر.....؟'' فریدی نے استفہامیہ لہجے میں پوچھا۔

''نہیں.....شاید اوپری منزل کے ایک کمرے میں۔''

''غالباً مکان پر وہاں کی چوکی کے ہیڈ کانسٹیبل نے پہرہ لگوا دیا ہو گا۔''

''جی ہاں.....!''

''ٹھیک.....!'' فریدی نے کہا۔ ''تو اب کیا ارادہ ہے۔''

''آپ ہی کے انتظار میں رکا ہوا تھا۔'' جگدیش نے کہا۔ ''میں آپ کو بہت تکلیف دیتا ہوں۔''

''خیر تکلفات کی ضرورت نہیں۔'' فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''آؤ چلیں۔''

فریدی حمید اور جگدیش کار میں بیٹھ کر دلاور پور کی طرف روانہ ہو گئے۔

سعید کے مکان کے سامنے پہرہ لگا ہوا تھا۔ وہ لوگ کھلیان سے گزرتے ہوئے مکان کے اندر داخل ہوئے۔ ان کے ساتھ دلاور پور کی چوکی کا ہیڈ کانسٹیبل بھی تھا۔

''لاش کہاں ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''میرے ساتھ آیئے۔'' ہیڈ کانسٹیبل زینے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

اوپر کمرے میں پہنچ کر فریدی نے سگار سلگایا۔ اس کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کمرے میں اس لاش کی موجودگی اس کی نظروں میں کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتی۔ اس نے مکان کی پشت پر کھلنے والی کھڑکی کی طرف غور سے دیکھا، جو اس وقت بھی کھلی ہوئی تھی۔

''تم جب یہاں داخل ہوئے تو یہ کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔'' فریدی نے ہیڈ کانسٹیبل سے پوچھا۔

''جی ہاں.....!''

اب فریدی لاش کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کی پشت میں ابھی تک چاقو لگا ہوا تھا۔ فریدی نے جیب سے محدب شیشہ نکالا اور چاقو کے دستے کا جائزہ لینے لگا۔

''انگلیوں کے نشانات تھے تو ضرور۔'' فریدی نے تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر کہا۔ ''لیکن کسی نے انہیں صاف کر دیا۔ کہیں اب بھی ایک آدھ نشان موجود ہے مگر مکمل نہیں۔''

پھر وہ ہیڈ کانسٹیبل سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''کسی نے لاش کو چھوا تو نہیں؟''

''جی نہیں۔''

''یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟'' فریدی نے کہا۔ ''ممکن ہے کہ تمہارے پہنچنے سے قبل ہی کسی نوکر نے اسے چھوا ہو۔''

''نوکروں کا تو یہی بیان ہے کہ کسی نے اس کمرے میں داخل ہونے کی ہمت نہیں کی۔''

''ہوں.....!'' فریدی نے پھر جھک کر لاش کا جائزہ لینا شروع کیا۔

''قتل یہاں اس کمرے میں نہیں ہوا۔'' فریدی نے سر اٹھا کر کہا۔

''پھر.....؟'' جگدیش نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یہ میں نہیں بتا سکتا.....لیکن قتل اس کمرے میں نہیں ہوا۔''

''آخر کیسے؟''

''یہاں پر بہے ہوئے خون کی مقدار.....!'' فریدی پرسکون لہجے میں بولا۔ ''اتنا کم خون۔''

حمید اور جگدیش سوچ میں پڑ گئے۔

فریدی لاش کے پاس سے ہٹ کر کھڑکی کے قریب آ گیا۔ وہ باہر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مکان کے پیچھے چھوٹا سا میدان تھا اور اس کے بعد ہی زمین ڈھلوان ہو گئی تھی۔

''کیا یہ کوئی ندی ہے.....؟'' فریدی نے ہیڈ کانسٹیبل سے پوچھا۔

''جی ہاں.....دریائے گھاگھرا کی ایک شاخ۔''

''یہاں سے کتنا فاصلہ ہو گا.....؟''

''تقریباً ایک فرلانگ.....!''

''لیکن یہاں سے پانی نہیں دکھائی دیتا۔''

''یہ جگہ کافی اونچائی پر ہے۔''

''اوہ.....!'' فریدی نے نیچے جھک کر کچھ دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا بات ہے؟'' جگدیش نے پوچھا۔

''کچھ نہیں.....آؤ نیچے چلیں۔'' اس نے ہیڈ کانسٹیبل کی طرف مڑ کر کہا۔ ''اور ہاں وہ سامنے چھوٹی سی عمارت کیسی ہے؟''

''پن چکی ہے.....کبھی چلتی تھی۔ تقریباً ایک سال سے بند پڑی ہے۔''

''تو وہ عمارت خالی ہے۔''

''جی نہیں.....وہاں ایک پاگل سا آدمی رہتا ہے۔ خود کو آرٹسٹ کہتا ہے اکثر تصویریں بنا کر بکنے کے لئے شہر بھیجتا رہتا ہے۔''

''ہوں.....!'' فریدی نے زینے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

سب لوگ نیچے اتر آئے۔ فریدی ایک ایک کمرے کا جائزہ لیتا پھر رہا تھا۔

''یہ شاید ان دونوں کے سونے کا کمرہ ہے۔'' فریدی نے کہا۔ اس کی تیز نظریں کونے کونے میں پہنچ رہی تھیں۔

''یہ دیوار پر خون کی چھینٹیں کیسی؟'' دفعتاً فریدی چونک کر بولا۔

''اوہ.....!'' جگدیش دیوار کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''تو کیا..... تو کیا..... اسے یہیں قتل کیا گیا۔''

''لیکن یہاں قتل کر کے اوپر لے جانے کا کیا مطلب.....؟''

''بہت ممکن ہے کہ انہوں نے اسے یہیں قتل کیا ہو اور تاک میں رہے ہوں کہ موقع پا کر لاش کو کہیں ٹھکانے لگا دیں۔'' جگدیش بولا اور پھر کسی وجہ سے انہیں اس کا موقع نہ مل سکا ہو۔ بہت ممکن ہے کہ کوئی ملنے والا آ گیا ہو اور انہوں نے جلد ہی لاش کو اوپر پہنچا دیا ہو اور پھر اسے وہاں سے اتار کر ادھر ادھر نہ کر سکنے کی بناء پر صبح ہو جانے کے خوف سے فرار ہو گئے ہیں۔''

''اور اتنی دیر تک وہ اس کے زخم میں برتن لگا کر اس میں اس کا خون اکٹھا کرتے رہے۔'' حمید ہنس کر بولا۔

''کیا فضول بکتے ہو۔'' فریدی نے کہا۔

''اگر انہوں نے ایسا نہیں کیا تو یہاں فرش پر بھی خون کا ایک آدھ دھبہ ہونا چاہئے تھا۔'' فریدی اسے گھورنے لگا۔

''یہ سینڈل غالباً سعید کی بیوی کی ہے۔'' فریدی نے ایک سینڈل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''لیکن دوسرا کیا ہوا۔''

''میں ابھی تلاش کرتا ہوں۔'' حمید نے بڑی مستعدی کے ساتھ کہا اور سینڈل اٹھا کر کمرے کے باہر جانے لگا۔

''ارے تم اسے کہاں لئے جا رہے ہو۔''

''جوڑ ملانے کے لئے..... ممکن ہے دوسرا ڈھونڈ لاؤں۔'' حمید نے کہا اور چلا گیا۔

''عجیب لونڈا ہے۔'' فریدی نے کہا اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

''ایک بستر صاف ہے اور دوسرے پر شکنیں۔'' فریدی نے جھک کر پرشکن آلود بستر پر کچھ دیکھتے ہوئے کہا۔ ''غالباً سینڈل کے تلے کا نشان ہے۔ سعید کی بیوی بڑی بدتمیز تھی کہ ایسے شفاف بستر پر سینڈل سمیت چڑھ جاتی تھی۔ مگر دوسرا نشان نہیں ہے۔ سینڈل کے ساتھ ہی ساتھ دوسرا نشان بھی غائب ہو گیا۔ نشان داہنے سینڈل کا ہے اور داہنے پیر کا سینڈل بھی یہاں نہیں ہے کیوں جگدیش صاحب..... کیا یہ دلچسپ بات نہیں۔''

''صاحب مجھے تو ابھی تک ہر چیز دلچسپ ہی نظر آ رہی ہے۔'' جگدیش بولا۔

اتنے میں حمید آ گیا۔ سینڈل اس کے ہاتھ میں تھا۔

''سینڈل تو نہیں ملا..... لیکن ایک دلچسپ چیز ملاحظہ ہو۔'' حمید نے سو سو روپے کے دو نوٹ فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یہ کیا.....؟''

''لاش والے کمرے میں سینڈل تلاش کرنے کے لئے میں نے صوفہ ہٹایا تھا، اس کے پیچھے مجھے یہ دو نوٹ پڑے ہوئے ملے۔''

''ہوں.....!'' فریدی نے نوٹوں کو ہاتھ میں لے کر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''بالکل نئے ہیں، یہاں تک کہ ایک آدھ بار موڑے بھی نہیں گئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی بنڈل میں سے سرک کر نکل گئے ہوں۔'' پھر اس نے ہیڈ کانسٹیبل کو مخاطب کر کے پوچھا۔

''کیا سعید کوئی لاپرواہ آدمی تھا؟''

''قطعی نہیں..... میں نے اس جیسا بااصول آدمی آج تک دیکھا ہی نہیں۔ شائد وہ پائی پائی کا حساب رکھتا تھا۔'' ہیڈ کانسٹیبل نے جواب دیا۔

''اوپر کوئی تجوری بھی نہیں..... کوئی صندوق بھی نہیں نظر آیا اور شاید اس بڑے صوفے کی طرف کپڑے وغیرہ لٹکانے کے لئے کھونٹیاں بھی نہیں ہیں کہ یہ خیال کیا جائے کہ کپڑے لٹکاتے وقت شاید جیب سے گر گئے ہوں۔'' فریدی کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ دفعتاً وہ چونک پڑا۔

''کل رات بنک میں کوئی گھسا..... کل رات ہی کو یہاں بھی ایک واردات ہوئی اور یہ نئے نوٹ۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔

''چلے آ گئی شامت..... نیشنل بنک اور سعید منزل الجھ گئے۔'' حمید مسکرا کر بولا۔

فریدی اسے قہر آلود نظروں سے گھورنے لگا۔

جگدیش خاموش ہو گیا تھا۔ وہ لوگ کمرے سے نکل آئے۔ فریدی پھر سوچ میں ڈوب گیا۔

سب لوگ مکان سے نکل کر پچھواڑے کی طرف جا رہے تھے۔

فریدی عین کھڑکی کے نیچے رک کر زمین کی طرف دیکھنے لگا اور پھر آہستہ آہستہ اس کی نگاہیں دیوار کی طرف اٹھنے لگیں۔ دفعتاً وہ مسکراتا ہوا جگدیش وغیرہ کی طرف مڑ گیا۔

''اب ہمیں یہیں کہیں بانس کی ایک سیڑھی تلاش کرنی چاہئے۔'' فریدی نے کہا۔

سب اسے حیرت سے دیکھنے لگے۔ فریدی آگے بڑھ کر میدان میں چاروں طرف نظریں دوڑا رہا تھا۔ دفعتاً ایک طرف چلنے لگا اور پھر کانٹے دار جھاڑیوں کی قطار کے قریب جا کر رک گیا۔ چند لمحوں کے بعد اس نے حمید کو آواز دی۔

سب لوگ تیزی سے اس کے قریب پہنچے۔

''لو وہ سیڑھی بھی مل گئی۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

جھاڑیاں ہٹا کر سیڑھی نکالی گئی۔ سیڑھی پر کئی جگہ خون کی چھینٹیں تھیں سب لوگ استفہامیہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگے۔

''سارا کام بہت جلدی میں کیا گیا۔'' فریدی بولا۔ ''سیڑھی یہاں تک لانے والا تو اتنا بوکھلایا ہوا تھا کہ اس نے یہ بھی خیال نہ کیا کہ سیڑھی کا ایک پایہ زمین پر گھسٹتا ہوا جا رہا ہے۔ اگر اس پائے کے بنائے ہوئے نشان میری رہبری نہ کرتے تو ذہن اتنی جلدی ان جھاڑیوں کے قریب نہیں پہنچ سکتا تھا۔''

''اور سیڑھی کا خیال آپ کو آیا کیسے؟'' حمید نے پوچھا۔

''ٹھیک کھڑکی کے نیچے زمین پر دو عدد گول اور گہرے نشانات دیکھ کر.....'' فریدی نے کھڑکی کی طرف لوٹتے ہوئے کہا۔ ''اور دیوار پر کھڑکی کے قریب خون کی چھینٹیں بھی ہیں۔ دیکھو یہ رہے سیڑھی کے نشانات۔ یہاں زمین کافی سخت ہے اور نشانات خاصے گہرے ہیں۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔'' جگدیش نے کہا۔

''سیڑھی یہاں منگواؤ۔'' فریدی نے کہا۔

ہیڈ کانسٹیبل دوڑ کر سیڑھی اٹھا لایا۔

''اسے دیوار سے لگا دو۔'' فریدی نے کہا۔ ''اور اب جگدیش تم اس پر چڑھو۔ ہاں ٹھیک اب اتر آؤ..... دیکھو یہ نشانات اتنے گہرے نہیں ہیں۔ اب تم اگر حمید کو اپنے کاندھے پر لاد کر چڑھ سکتے ہو تو صرف دو تین ڈنڈوں تک چڑھنے کی کوشش کرو۔''

حمید ہنسنے لگا۔ جگدیش بھی کچھ مسکرایا لیکن فریدی کو ضرورت سے زیادہ سنجیدہ دیکھ کر دونوں سنبھل گئے۔ جگدیش نے حمید کو کاندھے پر لاد کر سیڑھی پر چڑھنا شروع کیا۔

''ٹھیک ٹھیک، بس اب نیچے اتر آؤ۔ دیکھو سنبھل کر..... ڈرو نہیں..... میں سیڑھی سنبھالے ہوئے ہوں..... ٹھیک ..... اب ان نشانات کو دیکھو..... قریب قریب یہ نشانات اتنے ہی گہرے ہیں جتنے کہ کھڑکی کے نیچے والے۔''

''کیا مطلب.....؟'' حمید نے چونک کر کہا۔

''تم ہمیشہ گدھے ہی رہو گے۔'' فریدی نے کہا۔ ''مطلب یہ کہ لاش اسی طرف سے اوپر لے جائی گئی۔''

''بہت خوب..... خون سونے کے کمرے میں کیا گیا جیسا کہ وہاں کی دیوار پر پڑی ہوئی چھینٹوں سے ظاہر ہے اور اسی طرف کے زینے سے اوپر لے جانے کے بجائے اس نے اتنا چکر لگایا اور بانس کی سیڑھی لگا کر لاش کو اس طرف سے اوپر لے گیا۔ گویا اچھا خاصا احمق تھا۔''

''جی نہیں۔'' فریدی طنزیہ انداز میں بولا۔ ''وہ اس سے بھی زیادہ احمق تھا کیونکہ لاش کو قریب کے دریا میں پھینک دینے کے بجائے اوپر لے جا کر بحفاظت رکھ دیا اور خود بیوی سمیت دعوت کھانے چلا گیا اس نے ایسا اس لئے کیا کہ اس کی عدم موجودگی میں پولیس والوں کو زیادہ پریشان نہ ہونا پڑے۔''

جگدیش ہنسنے لگا اور حمید نے جھینپ کر بغلیں جھانکنے شروع کر دیں۔

''میرا خیال ہے کہ سونے کے کمرے میں خود انہیں کوئی حادثہ پیش آیا۔ ایک سینڈل کا ندارد ہونا اسی شبہے کی طرف لے جاتا ہے۔''

''اور لاش.....؟'' حمید جلدی سے بولا۔

''کسی دوسرے نے پھنسانے کے لئے یہاں رکھ دی۔'' فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔

''لیکن اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟'' جگدیش پریشانی کے لہجے میں بولا۔

''سعید اور اس کی بیوی کے وارنٹ گرفتاری جاری کردو۔'' فریدی نے کہا۔

''لیکن آپ تو انہیں بے گناہ ثابت کررہے تھے۔''

''اگر تمہیں میرے مشورے کی ضرورت ہے تو جو میں کہوں وہ کرو..... بقیہ معاملات مجھ پر چھوڑ دو۔'' فریدی نے کہا۔

''بہت بہتر.....!'' جگدیش نے کہا۔

''خیر یہ مسئلہ تو طے ہوا۔'' فریدی نے کہا۔ ''اب یہ دیکھنا ہے کہ مقتول ہے کون؟''

''اور یہی مسئلہ سب سے ٹیڑھا ہے۔'' حمید نے کہا۔

''ٹیڑھا کیوں..... کیا تم اسے نہیں پہچانتے؟'' فریدی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''جی ہاں..... میں تو اس کی سات پشت کو پہچانتا ہوں۔'' حمید ہنس کر بولا۔

''نہیں..... مذاق نہیں..... تم ابھی اسے پہچان لوگے۔'' فریدی پھر مکان کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

یہ لوگ پھر لاش والے کمرے میں لوٹ آئے۔ فریدی نے مقتول کی پشت سے چاقو کھینچ کر اسے سیدھا کیا۔

''دیکھو غور سے دیکھو..... کیا تم نے اسے کہیں دیکھا ہے۔'' فریدی نے حمید سے کہا۔

''کمال کیا آپ نے۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔ ''کیوں آپ پیچھے پڑ گئے ہیں۔''

''تو تم اسے نہیں پہچانتے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''ہرگز نہیں پہچانتا.....!'' حمید نے کہا۔ ''ویسے کچھ کچھ خیال پڑتا ہے کہ کہیں اسے دیکھا ضرور ہے۔''

''ٹھیک.....!'' فریدی بولا۔ ''میں یہی جاننا چاہتا تھا۔''

حمید اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

''چھ سات ماہ قبل کی بات ہے تم نے مجھے اخبار میں ایک مضحکہ خیز تصویر دکھائی تھی..... یاد کرو..... طوطے کی چونچ جیسی ناک..... اور تم نے اس کے ماتھے پر پھبتی کسی تھی..... چھپر کھٹ..... کچھ یاد آیا۔''

''اوہ.....!'' حمید تقریباً اچھل کر بولا۔ ''وہی..... خدا کی قسم بالکل وہی ہے۔''

''اس کا نام یاد ہے۔''

''نہیں..... نام تو نہیں یاد۔''

''یہ تو یاد ہی ہوگا کہ تصویر کس سلسلے میں چھپی تھی۔''

''شاید کوئی مقدمہ تھا۔''

''ٹھیک.....!'' فریدی نے پوچھا۔ ''مقدمے کی تفصیلات یاد ہیں؟''

''نہیں.....!''

''ہاں بھئی سنو جگدیش۔'' فریدی بولا۔ ''مقتول کا نام صفدر مرزا ہے۔ کنور شمشیر بہادر مرحوم کا چچازاد بھائی۔ تم نے یہ بھی سنا ہوگا کہ پچھلے سال کنور شمشیر بہادر رنگون میں مچھلیوں کا شکار کھیلتے وقت دریا میں ڈوب گئے تھے اور تم یہ بھی جانتے ہوگے کہ ان کے آگے پیچھے کوئی نہیں تھا۔''

''وہی کنور شمشیر بہادر تو نہیں، شہر میں جن کی حویلی کا شانۂ شمشیر کے نام سے مشہور ہے۔'' جگدیش نے پوچھا۔

''بالکل وہی۔'' فریدی نے کہا۔ ''اور جس کے لئے شاید یہ بھی مشہور ہے کہ وہاں اب بھوتوں نے قبضہ جمالیا ہے۔ ہاں تو یہ شمشیر مرزا قریب قریب بالکل دیوالئے ہوکر رنگون چلے گئے تھے۔ وہاں ان کو یہ حادثہ پیش آیا۔ پھر رنگون ہی سے ان کے ایک وارث اور ان کی جائیداد کے دعویدار نمودار ہوئے۔ وہ یہی صفدر ہیں لیکن جب بیچارے کو یہ معلوم ہوا کہ شمشیر بہادر کے پاس اس حویلی کے علاوہ کچھ اور نہیں رہ گیا تو اس کا دل ٹوٹ گیا اور پھر اس کے بعد سے اس کے متعلق کچھ بھی نہیں سنا گیا اور اب معلوم نہیں کس نے اسے بھی مار ڈالا۔''

فریدی خاموش ہوگیا۔ جگدیش وغیرہ اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

''اب بھلا بتایئے۔'' جگدیش بولا۔ ''اگر میں آپ کو ساتھ نہ لاتا تو یہ ساری باتیں کیسے

معلوم ہوتیں۔"

"لیکن ایک چیز ہمیشہ مجھے متحیر کرتی رہی۔" فریدی جگدیش کی بات کو نظر انداز کر ہوئے بولا۔ "رنگون میں شمشیر بہادر ڈوب کر مرے اور رنگون ہی سے صفدر مرزا ان کا وارث کر آیا..... جب کہ وہ ہمیشہ یہی ظاہر کرتے تھے کہ ان کا کوئی وارث ہی نہیں۔"

خبطی مصور

تین بجے کے قریب جگدیش لاش کو لے کر شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ فریدی اور حمید تحقیقات کے لئے وہیں رک گئے۔

"مجھے یہ دونوں نوٹ بہت زیادہ الجھن میں ڈالے ہوئے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"آخر آپ بنک والے معاملہ کو اس واقعہ سے الجھانے پر کیوں تلے ہوئے ہیں۔" حمید

"میں نے ابھی تک یہ تو نہیں کہا کہ ان دونوں میں کوئی تعلق ہے۔"

"آپ کی باتوں سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔"

"تو پھر ممکن ہے کہ ان دونوں میں کوئی تعلق پیدا ہی ہو جائے۔" فریدی نے لاپروائی سے

"خدا وہ وقت نہ لائے تو بہتر ہے۔"

"کیوں.....؟" فریدی نے حمید کو تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

"میں خواہ مخواہ دوڑ دھوپ کرنے کو ناپسند کرتا ہوں۔"

"پھر کیوں دوڑے چلے آئے۔"

"اپنی شرافت کا ثبوت دینے کیلئے۔" حمید نے کہا۔ "مگر افسوس مجھے اس کا موقع نہ مل

فریدی بے ساختہ ہنسنے لگا۔

"آپ یہ سمجھتے ہوں گے کہ اچھا بے وقوف بنا کر لے آیا۔" حمید نے جھینپی ہوئی ہنسی ساتھ کہا۔ "حالانکہ یہ غلط ہے۔ میں خود ہی آنا چاہتا تھا کیونکہ میں نے عرصے سے کوئی با قاعدہ کا قتل نہیں دیکھا تھا۔"

"تب تو بڑا اچھا ہوا کہ تمہیں شرافت دکھانے کا موقعہ نہیں ملا۔ ورنہ تمہیں اس کا بڑا

تجربہ ہو جاتا۔"

حمید اس کے جواب میں کچھ کہنا چاہتا تھا مگر رک گیا۔ دن بھر کی تھکن کی وجہ سے اس کا دل ہی بولنے کو نہ چاہتا تھا۔ فریدی اور وہ قصبے کے اندر آئے اور تفتیش کا سلسلہ شروع کر دیا۔ لیکن سعید کے عادات و اطوار کے متعلق معلومات کے علاوہ کوئی اور کام کی بات نہ معلوم ہو سکی۔

"معاملہ کافی الجھا ہوا ہے۔" فریدی نے قصبے سے لوٹتے وقت کہا۔

"ہوں.....!" حمید نے بے دلی سے جواب دیا۔

"اوہ.....!" فریدی دفعتاً چونک کر بولا۔ "پن چکی تو رہ ہی گئی۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔

وہ دونوں پن چکی کے دروازے پر آ کر رک گئے، جو اندر سے بند تھا۔

فریدی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ جواب ندارد..... وہ بدستور دروازہ کھٹکھٹاتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد قدموں کی آواز سنائی دی۔

"بھاگ جاؤ.....!" اندر سے بھرائی ہوئی آواز آئی۔ "اس وقت یہاں جنوں کے بادشاہ استخدوس اعظم تشریف فرما ہیں۔"

"دروازہ کھولو.....!" فریدی تند لہجے میں بولا۔

"خیریت چاہتے ہو تو چپ چاپ چلے جاؤ۔" اندر سے آواز آئی۔

"دروازہ کھول دو..... ورنہ توڑ دیا جائے گا۔" فریدی نے کہا۔

"توڑ دیا جائے گا.....؟" اندر سے آواز آئی۔ "دیکھ لوں گا۔"

"ہم پولیس کے آدمی ہیں۔" حمید نے کہا۔

"اچھا.....!" اندر سے آواز آئی۔ "بڑی خوشی ہوئی تم لوگوں سے مل کر..... لیکن میں دروازہ نہیں کھول سکتا۔"

"توڑ دو دروازہ.....!" فریدی نے حمید سے تکلسانہ لہجے میں کہا۔ حمید نے دروازے پر دو تین لاتیں رسید کیں۔

"ارے ارے۔" اندر سے آواز آئی۔

حمید اور تیزی سے دروازے کو ہلانے لگا۔

''ارے ارے..... یہ کیا کر رہے ہو بھائی۔'' اندر سے پھر آواز آئی۔

''دروازہ توڑ رہے ہیں۔'' حمید بولا۔

''اچھا ٹھہرو..... کھولتا ہوں۔''

دروازہ کھل گیا۔ ایک میلا کچیلا آدمی اندر کھڑا دونوں کو گھور رہا تھا۔

وہ مضبوط ہاتھ پیر کا ضرور تھا، لیکن انداز سے معلوم ہو رہا تھا کہ حد درجہ کاہل واقع ہوا ہے۔ اس کی آنکھوں سے عجیب قسم کا وحشیانہ پن ظاہر ہو رہا تھا۔

''آخر تم دونوں مجھے کیوں پریشان کر رہے ہو۔ مگر تم اس قصبے کے نہیں معلوم ہوتے۔'' اس نے کہا۔

فریدی اسے ایک طرف ہٹاتا ہوا اندر گھس گیا۔

''ارے ارے یہ کیا۔'' اس نے احتجاجاً کہا۔

''بکو مت.....!'' فریدی بولا اور متجسسانہ نظروں سے ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

یہ ایک کافی لمبا چوڑا کمرہ تھا..... ایک طرف ایک پرانی چکی نصب تھی۔ دو ایک ٹوٹے پھوٹے صندوق، ایک میلی سی صراحی، ایک انگیٹھی اور کچھ برتن ایک کونے میں کچھ برش رنگوں کے ڈبے اور ایک ایزل پڑے ہوئے تھے۔ پشت پر دریا کی جانب ایک کھڑکی تھی جس میں سلاخیں نہیں تھیں۔

فریدی اس آدمی کی طرف متوجہ ہوا، جو متحیر اور قہر آلود نگاہوں سے دونوں کو گھور رہا تھا۔

''تم یہاں تنہا رہتے ہو.....؟'' فریدی نے اس سے پوچھا۔

''نہیں..... میرے ساتھ جنوں کی شہزادی بھی رہتی ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''کوئی آدمی بھی رہتا ہے؟''

''نہیں..... لیکن تم مجھ سے یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو۔ خیریت چاہتے ہو تو چپ چاپ چلے جاؤ..... ورنہ اچھا نہ ہوگا۔''

''تم کیا کام کرتے ہو.....؟'' فریدی نے پوچھا۔

''جھک مارتا ہوں..... تم سے مطلب.....؟'' اس نے اس انداز میں کہا کہ حمید کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

فریدی بدستور سنجیدہ تھا۔

''جھک مارنے کی رفتار کیا ہے؟'' حمید نے پوچھا۔

فریدی نے اسے گھور کر دیکھا۔ حمید سنجیدہ ہو گیا۔

''سنو..... تم بہت اچھے آرٹسٹ ہو۔'' فریدی اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ ''میں تم سے ایک تصویر بنوانا چاہتا ہوں..... معقول معاوضہ دوں گا۔''

''مجھے فرصت نہیں۔'' اس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''ہر بڑا آدمی یہی کہتا ہے۔''

''نہیں نہیں، سچ کہتا ہوں۔'' اس نے کچھ ملائم پڑتے ہوئے کہا۔

''چلو بھی یار سچ کہتا ہوں..... خوش کر دوں گا۔'' فریدی نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

''تو تم بنا رہے ہو میرے لئے تصویر۔'' فریدی نے پھر کہا۔

''کیا بنواؤ گے.....؟''

''ایک عورت کی تصویر جو اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہو۔'' فریدی نے کہا۔ ''ایک سگریٹ ہوگی تمہارے پاس۔''

''میں سگریٹ نہیں پیتا۔''

''بالکل نہیں.....؟''

''نہیں مجھے منہ سے دھواں نکالنا پسند نہیں۔'' اس نے کہا۔ ''اور نہ میں اپنے قریب کسی آدمی کا وجود برداشت کر سکتا ہوں۔''

''کل رات یہاں کون آیا تھا۔'' فریدی نے اچانک پوچھا۔

وہ چونک پڑا لیکن دوسرے ہی لمحے میں مسکرانے لگا۔

''پریاں آئی تھیں..... وہ رات بھر لوریاں دے دے کر مجھے سلاتی رہتی ہیں۔''

''میں پوچھتا ہوں کل رات کو یہاں کون آیا تھا۔'' فریدی نے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔

''میں بتا تو رہا ہوں۔''

اچانک فریدی نے اسے اس زور کا چانٹا رسید کیا کہ وہ لڑکھڑا گیا۔

''کون آیا تھا..... یہاں کل رات کو۔'' فریدی پھر گرجا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

''کون آیا تھا۔'' فریدی مکا تانتے ہوئے دانت پیس کر بولا۔

''بتاتا ہوں۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

فریدی نے اپنے دونوں ہاتھ پتلون کی جیب میں ڈال لئے اور اسے تیز نظروں سے گھورنے لگا۔

''اس نے مجھے دس روپے دیئے تھے۔'' اس نے جیب سے دس روپے کا ایک نوٹ نکال کر فریدی کو دکھاتے ہوئے کہا۔

''وہ کون تھا.....؟''

''یہ میں نہیں جانتا..... اس نے یہاں ایک رات بسر کرنے کے لئے مجھے دس روپے دیئے تھے۔''

''اس کے ساتھ کے دوسرے آدمیوں نے کہاں رات گزاری تھی۔''

''اس کے ساتھ میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔''

''اس کا نام پوچھا تھا تم نے۔''

''اس نے نہیں بتایا۔''

''اس سے پہلے تم نے اسے کہاں دیکھا تھا۔''

''کہیں نہیں۔''

''وہ کیسا تھا۔''

''ادھیڑ عمر کا ایک بھاری بھرکم آدمی۔''

''کیا بہت موٹا تھا۔''

''بالکل نہیں..... وہ موٹا نہیں تھا..... پھر بھی بھاری بھرکم معلوم ہو رہا تھا۔''

''کیا کوئی بڑا آدمی معلوم ہوتا تھا۔''

''ہاں.....!''

''تو اس نے رات یہیں گزاری تھی۔''

''نہیں تھوڑی دیر بعد وہ چلا گیا تھا۔''

''تو پھر اس نے تمہیں دس روپے کس بات کے دیئے تھے۔''

''اس لئے کہ کم از کم رات بھر میں اپنا منہ بند رکھوں۔''

''یعنی.....؟''

''رات بھر اس کے متعلق کسی سے کچھ نہ کہوں۔''

''اوہ.....!'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''سعید کے متعلق تم نے سنا۔''

''ہاں.....!'' اس نے جواب دیا اور اس کے چہرے سے اضمحلال ظاہر ہونے لگا۔

''تمہارے اس کے تعلقات کیسے تھے۔''

''میں امیر آدمیوں سے کسی قسم کا تعلق رکھنا پسند نہیں کرتا۔''

''کیا وہ ایسا آدمی تھا کہ کسی کو قتل کر دے۔''

''میں اس کے متعلق بھی کچھ نہیں بتا سکتا۔''

''تمہارا ذریعہ معاش۔''

''مصوری۔''

''بسر اوقات مشکل سے ہوتی ہوگی۔''

''یہ میرا نجی معاملہ ہے۔''

''کل رات تم نے یہاں قریب ہی کوئی چیخ سنی تھی۔''

''نہیں.....!''

''اچھا یہ لو دس روپے۔ تصویر بنا دینا کسی دن آ کر لے جاؤں گا۔ بقیہ بیس روپے پھر دوں گا۔'' فریدی نے نوٹ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا اور دونوں باہر چلے گئے۔

''اس خبطی مصور کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''آدمی مشکوک معلوم ہوتا ہے۔''

''کیا آپ کو اس کی کہانی پر یقین آ گیا ہے۔''

''اس کے متعلق ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

''آپ تو سگریٹ پیتے نہیں پھر آپ نے اس سے سگریٹ کیوں مانگا تھا۔''

''محض یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ سگریٹ پیتا ہے یا نہیں۔''

''اسے معلوم کرنے کی کیا ضرورت تھی۔''

''یہ معلوم کئے بغیر میں یہ اندازہ لگا ہی نہیں سکتا تھا کہ آیا کے یہاں رات کوئی آیا تھا یا نہیں۔''

حمید اس طرح ہنسنے لگا جیسے فریدی نے کوئی بہت ہی بے تکی بات کہہ دی ہو۔

''اس طرح مت ہنسو پیارے..... میں نے وہاں'' ''کاروان اے'' سگریٹ کے دو جلے ہوئے ٹکڑے دیکھے تھے۔ میرے خیال سے اس قصبہ میں تو کوئی اس سگریٹ سے شوق نہ ہوگا۔'' حمید سنجیدہ ہو گیا۔

''حد ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔ ''آپ اتنی سی چیزوں پر نظر رکھتے ہیں۔''

بھوت

سعید کو ہوش آیا تو اس نے خود کو ایک تاریک کمرے میں پایا جس کی ساری کھڑکیاں اور دروازے بند تھے۔ سر کے پچھلے حصے میں کچھ ایسی تکلیف محسوس ہو رہی تھی جیسے کوئی وہاں ہتھوڑے مار رہا ہو۔ اس کا ہاتھ بے اختیار سر پر گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ سر پر پٹی بندھی ہے۔ دفعتاً اسے سارے واقعات یاد آ گئے۔ اس کے سر پر کوئی وزنی چیز گری تھی۔ وہ لاش

بیوی کی بے ہوشی، آخر وہ ہے کہاں، اس نے لیٹے ہی لیٹے ادھر اُدھر ہاتھ چلائے۔ وہ ایک سنگین فرش پر پڑا ہوا تھا۔ اٹھنے کی کوشش کی۔ داہنی کہنی زمین پر ٹیک کر اس نے سر اٹھایا ہی تھا کہ اسے دور قدموں کی آہٹ سنائی دی، جو لحظہ بہ لحظہ قریب ہوتی جا رہی تھی۔ پھر اسی کمرے کا ایک دروازہ کھول کر کوئی اندر داخل ہوا۔ تاریکی میں ایک متحرک سایہ نظر آ رہا تھا۔ وہ سعید کے قریب آ کر رک گیا۔

''کیا تمہیں ہوش آ گیا تھا۔'' ایک آواز آئی۔

''ہاں.....!'' سعید نے جلدی سے کہا۔ ''لیکن تم کون ہو؟ میں کہاں ہوں۔''

''تم جہاں بھی ہو خیریت سے ہو گے۔ کوئی گھبرانے کی بات نہیں۔''

''میں یہاں کیوں لایا گیا ہوں۔'' سعید نے پوچھا۔

''کسی بُری نیت سے نہیں۔ ایک خاص مقصد کے تحت جس کے پورا ہوتے ہی تم چھوڑ دیئے جاؤ گے۔''

''لیکن تم ایک جرم کر رہے ہو۔ کسی شہری کو اس طرح بند کر کے رکھنا قانوناً جرم ہے۔''

''میں جانتا ہوں..... لیکن تمہارا قانون میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔'' آواز آئی۔

''تم مجھے چھوڑ دو بہتر یہی ہے۔''

''مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا۔ اگر تم بھاگنے کی کوشش کرو گے ..... ذرا اوپر نظر اٹھاؤ..... وہ روشندان دیکھ رہے وہ جس سے کچھ کچھ روشنی آ رہی ہے۔ وہاں ایک آدمی رائفل لئے تمہاری نگرانی کر رہا ہے۔ تم ہلے اور اس نے گولی چلائی۔ کیا سمجھے!''

''تم آخر ہو کون.....؟'' سعید نے پوچھا۔

غالباً اس کے جواب میں ایک عجیب طرح کی کھنکھاہٹ سنائی دی اور پھر آہستہ آہستہ وہی کھنکھناہٹ ایک وحشت ناک قہقہے میں تبدیل ہو گئی۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ سعید کے جسم کے سارے رونگھٹے کھڑے ہو گئے۔ ایسی بھیانک آواز والا اور اتنا پراسرار قہقہہ اس نے آج تک نہ سنا تھا۔

آنے والے نے دفعتاً دیا سلائی جلائی اور سگریٹ سلگانے لگا۔

سعید کے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔ وہ بُری طرح لرز رہا تھا۔

"مگر تم..... تم.....!" سعید ہکلایا۔ "تم..... میرے مکان میں تمہاری لاش.....!"

"تو کیا یہ دلچسپ بات نہیں۔" آواز آئی۔

سعید کو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے وہ کمرہ ہل رہا ہو۔

"اسی سے تم اندازہ لگا سکتے ہو..... کہ تم کہاں ہو۔" آواز پھر سنائی دی۔

"تم کاشانہ شمشیر میں ہو..... نام سنا ہے کبھی کاشانہ شمشیر کا۔"

"کاشانہ شمشیر....." سعید سوچنے لگا۔ "کاشانہ شمشیر، کنور شمشیر بہادر کی حویلی..... جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہاں بھوت رہتے ہیں۔" سعید کے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ چھوٹ پڑا..... اور کمرہ اور زور سے ہلنے لگا۔ اس کا سر چکرا رہا تھا۔ پھر ایسا محسوس ہوا جیسے کمرہ آہستہ آہستہ ہوا میں اٹھ رہا ہو۔ ہچکولے لیتا ہوا سعید بے ہوش ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر ہوش میں آ گیا۔ کمرے میں خاموشی تھی۔ خود اپنی سانس کی آواز اسے ایسی معلوم ہو رہی تھی جیسے بپھرا ہوا سمندر چٹانوں سے ٹکرا رہا ہو۔

کافی عرصے تک وہ بے حس و حرکت پڑا رہا۔ روشندان جس سے کچھ دیر قبل دھندلی دھندلی سی روشنی آ رہی تھی اب بالکل تاریک ہو چکا تھا۔ سعید آہستہ آہستہ دروازے کی طرف رینگنے لگا۔ تھوڑی دور چل کر وہ رک گیا لیکن کہیں کسی قسم کی کوئی آہٹ سنائی نہ دی۔ اس نے دروازے کو پکڑ کر آہستہ سے اپنی طرف کھینچا۔ اس کا دل شدت سے دھڑکنے لگا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے دروازے میں تھوڑی سی درز کی اور باہر جھانکنے لگا۔ برآمدہ بالکل تاریک تھا اور چاروں طرف سناٹا۔ وہ آہستہ آہستہ پیٹ کے بل رینگتا ہوا برآمدے میں آیا۔

اور اب وہ مہندی کی باڑھ کی اوٹ لے کر جھکا ہوا حتی الامکان تیزی سے پھاٹک کی طرف دوڑ رہا تھا۔ ایک آدھ بار بچپن میں وہ اپنے باپ کے ساتھ یہاں آ چکا تھا اس لئے اسے پھاٹک تک پہنچنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ پھاٹک پر پہنچ کر اس نے ایک بار پھر پلٹ کر دیکھا۔ پوری عمارت سنسان پڑی تھی۔ قدم قدم پر اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ دہشت ناک قہقہہ کہیں دور فضا میں گونج رہا ہو۔ پھاٹک سے نکلتے ہی اس نے اپنی پوری قوت سے دوڑنا شروع کر دیا۔ آبادی کے قریب پہنچتے پہنچتے اس کا دم پھول گیا۔

کچھ دیر بعد وہ شہر کی پررونق سڑک پر آ گیا۔ کلاک ٹاور نے نو بجائے۔ سردی کے مارے اس کا برا حال ہو رہا تھا۔ اس نے ایک ٹیکسی کی اور دلاور پور کی طرف روانہ ہو گیا۔ تمام راستہ وہ سوچتا رہا کہ اس کی بیوی اسے دیکھتے ہی رونا شروع کر دے گی۔ یقیناً وہ بہت زیادہ پریشان ہو گی اور اس لاش کا خیال آتے ہی وہ لرز اٹھا۔ کہیں پولیس نے اس کی بیوی کو پریشان نہ کیا ہو۔ بہت ممکن ہے کہ وہ اس کی عدم موجودگی میں حوالات میں بند کر دی گئی ہو۔ مگر وہ تو وہاں موجود تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ لاش محض دھوکا ہو..... تو پھر اسے بند کر رکھنے کا کیا مقصد تھا اور وہ پراسرار اجنبی کہاں غائب ہو گیا۔ کیا اس آدمی کو اسی نے قتل کیا تھا۔ مگر وہ تو شمشیر بہادر کی حویلی میں دکھائی دیا تھا۔ کیا سچ مچ بھوت..... اور وہ انہی خیالات میں الجھا ہوا اپنے مکان کے سامنے پہنچ گیا۔ ڈرائیور کو رکنے کے لئے کہہ کر وہ کمپاؤنڈ میں داخل ہو گیا۔

"کون ہے.....؟" برآمدے سے ایک گرجدار آواز سنائی دی۔

"میں ہوں.....؟" سعید نے جواب دیا۔

"کون کسان صاحب۔" دوسرے لمحے میں ایک باوردی پولیس مین اس کے سامنے کھڑا اسے نیچے سے اوپر تک دیکھ رہا تھا۔

"میری بیوی کہاں ہے؟" اس نے بے اختیار پوچھا۔

"لاپتہ..... آپ دونوں کا وارنٹ جاری ہو چکا ہے۔"

"وارنٹ.....؟" سعید چونک کر بولا۔

"جی ہاں..... کیا بیگم صاحبہ آپ کے ساتھ نہیں؟" پولیس مین نے پوچھا۔

"نہیں.....!" سعید کا دل بڑی شدت سے دھڑکنے لگا۔

"آپ مہربانی کر کے میرے ساتھ چوکی تک چلئے۔"

"چلو بھئی چلو..... خدا کے لئے جلدی کرو..... آخر رضیہ کہاں گئی۔" سعید نے کہا۔

ٹیکسی چوکی کی طرف جا رہی تھی۔

سعید کو دیکھتے ہی ہیڈ کانسٹیبل اچھل پڑا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سے کیا کہے۔ سعید اتنا ہر دلعزیز تھا کہ اس پر ایسے سنگین جرم کا الزام ہوتے ہوئے بھی پولیس والوں کے دل

میں اس کی عزت تھی۔

''میں نے قتل نہیں کیا۔'' سعید بے ساختہ بولا۔

''ہمیں اس کا یقین ہے۔'' ہیڈ کانسٹیبل نے تاسف آمیز لہجے میں کہا۔

''میری بیوی کہاں ہے؟''

''اوہ تو کیا وہ آپ کے ساتھ نہیں تھیں؟''

''نہیں.....!'' سعید نے کہا اور جلدی جلدی سارے واقعات دہرا دیئے۔

ہیڈ کانسٹیبل کے چہرے سے اس کی ذہنی الجھن صاف ظاہر ہو رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سعید کی داستان کا کون سا حصہ صحیح ہے اور کون سا غلط۔

''آپ کو میرے ساتھ شہر چلنا ہوگا۔'' ہیڈ کانسٹیبل بولا۔

''بھئی مجھے سردی لگ رہی ہے۔ ذرا گھر سے اوور کوٹ تو لے لوں۔''

''گھر میں آنریری مجسٹریٹ صاحب کے سامنے تالا لگ چکا ہے۔'' ہیڈ کانسٹیبل نے کہا۔

''میں اپنا کوٹ لے آتا ہوں۔''

سعید کی الجھن اور بڑھ گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد ٹیکسی شہر کی طرف جا رہی تھی۔

کوتوالی کے ایک کمرے میں جگدیش فریدی اور سرجنٹ حمید بیٹھے آج کے واقعات پر تبصرہ کر رہے تھے کہ اچانک ہیڈ کانسٹیبل سعید کو لے کر اندر داخل ہوا۔

''مجھے اس کی فکر نہیں کہ میں کس جرم میں ماخوذ کیا گیا ہوں۔ اس کا فیصلہ تو بعد کو ہوتا رہے گا۔'' سعید نے کہا۔ ''مجھے سب سے زیادہ پریشانی اپنی بیوی کی ہے۔''

''وہ کہاں ہے؟'' جگدیش نے پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم۔'' سعید نے کہا اور ایک بار پھر اسے پوری داستان دہرانی پڑی۔

''کیا وہ اجنبی کافی بھاری بھرکم معلوم ہو رہا تھا۔'' فریدی نے پوچھا۔

''جی ہاں۔'' سعیدی جلدی سے بولا۔ ''اس کی شخصیت میں یہی چیز سب سے زیادہ عجیب تھی کہ وہ موٹا نہ ہونے کے باوجود بھی کافی بھاری بھرکم معلوم ہو رہا تھا۔''

''عمر.....؟''

''میرے خیال سے پچاس اور ساٹھ کے درمیان.....لیکن تندرستی بہت اچھی تھی۔''

''آنکھوں کا رنگ.....!''

''شاید بھورا تھا۔''

''خیر آگے چلئے۔''

سعید بقیہ واقعات بتانے لگا۔ فریدی بغور اس کے چہرہ کا جائزہ لے رہا تھا۔ جگدیش کے چہرے سے ایسا ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ ایک لغو اور من گھڑت کہانی سن رہا ہو۔ کبھی کبھی اس کے چہرے پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہو جاتی تھی۔ لیکن فریدی قطعی سنجیدہ تھا۔

جب سعید داستان کے اس حصے پر پہنچا جہاں کاشانہ شمشیر کے بھوت کا تذکرہ تھا تو بے اختیار جگدیش کو ہنسی آ گئی۔ سعید نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا جن میں بے چارگی نفرت اور غصہ سبھی کچھ تھا۔

''ہاں ہاں.....آپ بیان جاری رکھئے۔'' فریدی نے جگدیش کو گھورتے ہوئے کہا۔

سعید نے مختصر الفاظ میں داستان کا بقیہ حصہ بھی ختم کر دیا۔

''آپ کو یقین کامل ہے کہ وہ وہی شخص تھا جس کی لاش آپ نے اپنے کمرے میں دیکھی تھی۔'' فریدی نے پوچھا۔

''اس پر مجھے اتنا ہی یقین ہے جتنا اس بات پر کہ اس وقت آپ لوگوں کے پاس بیٹھا ہوں۔'' سعید نے کہا۔

''تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔'' جگدیش نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''اس عمارت کے متعلق عام طور پر مشہور ہے کہ وہ آسیب زدہ ہے۔''

''میں یہ نہیں ثابت کرنا چاہتا۔'' سعید نے بے صبری سے کہا۔ ''میرا یقین ان لغویات پر نہیں۔ مجھے جو حادثہ پیش آیا میں نے بیان کر دیا اور نہ مجھے اپنے اوپر لگائے گئے الزام کی پرواہ ہے۔ اگر میں خدا کی نظروں میں بے قصور ہوں تو کوئی میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ لیکن مجھے اپنی بیوی کی گمشدگی کی وجہ سے پریشانی ہے۔ کہیں وہ بھی ان بدمعاشوں کے چنگل میں نہ پھنس گئی ہو۔''

''تو آپ کا شبہ اسی بھاری بھرکم اجنبی پر ہے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''حالات کچھ ایسے پیش آئے جن کی بناء پر میں یہ سوچنے پر مجبور ہوں۔'' سعید نے جواب دیا۔

''ہمیں سو سو روپے کے دو نوٹ آپ کے یہاں پڑے ہوئے ملے تھے۔'' فریدی نے کہا۔

''پڑے ہوئے ملے تھے۔'' سعید نے کہا۔ ''کم از کم وہ میرے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ میں بنک سے سو روپے کے نوٹ لیتا ہی نہیں اور اس دوران میں تو خاص طور پر میں نے سو کے نوٹ کسی سے لئے ہی نہیں۔ لیکن ٹھہریئے..... کیا آپ کو ڈرائنگ روم میں وہ نوٹ ملے تھے۔''

''نہیں اسی کمرے میں صوفے کے پیچھے جہاں لاش پڑی ہوئی تھی۔''

سعید کچھ سوچنے لگا۔

''جی نہیں..... وہ نوٹ میرے نہیں ہو سکتے۔'' سعید نے آہستہ سے کہا۔

''لیکن آپ نے ڈرائنگ روم کا حوالہ کیوں دیا۔''

''اس اجنبی نے مجھے وہاں اپنے یہاں ایک رات بسر کرنے کے لئے نوٹوں کا ایک بنڈل دیا تھا جسے میں نے وہیں یہ کہہ کر ڈال دیا تھا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔''

''نوٹوں کا بنڈل.....!'' فریدی چونک کر بولا۔

''جی ہاں۔''

''لیکن وہاں ہمیں کوئی بنڈل نہیں ملا۔'' فریدی نے کہا۔

''ممکن ہے وہ جاتے وقت اپنے ساتھ لیتا گیا ہو۔'' سعید نے جواب دیا۔

تھوڑی دیر بعد سعید کو حوالات میں بند کر دیا گیا۔

''پھر وہی نوٹوں کا قصہ.....!'' فریدی کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ''بنک میں کچھ گڑبڑ ضرور ہوئی ہے۔''

''کمال کر رہے ہیں آپ بھی۔'' حمید نے کہا۔ ''بنک والے کہتے ہیں کہ بفضلہٖ سب خیریت ہے اور آپ ہیں کہ خواہ مخواہ۔''

''تم ابھی صاحب زادے ہو۔'' فریدی نے کہا۔

''اور میں انشاء اللہ ہمیشہ صاحبزادہ ہی رہوں گا۔'' حمید مسکرا کر بولا۔ ''کیونکہ غیر صاحبزادہ

ہونا کچھ اچھی بات نہیں۔''

''تمہاری ڈفلی ہمیشہ الگ ہی ہوتی ہے۔'' فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''ڈفلی کے علاوہ میں کبھی کبھی سارنگی اور ہارمونیم سے بھی شوق کر لیا کرتا ہوں۔'' حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

''اچھا فضول بکو نہیں۔''

فریدی یہ کہہ کر دوسری طرف دیکھنے لگا اور چند لمحوں بعد وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

حمید اور جگدیش چپکے سے اٹھ کر باہر چلے گئے۔

تھوڑی دیر بعد ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور فریدی چونک پڑا۔

''ہیلو.....!'' اس نے ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''ہاں..... ہاں..... فریدی ..... اچھا..... اچھا..... کیا کہا زمرد محل میں..... نہیں نہیں دھوکا ہوا ہوگا..... کیا اس نے خرید لیا تھا.....؟ مجھے اس کی اطلاع نہیں..... وہاں کرایہ دار بھی ہیں..... اچھا ان پر کڑی نظریں رکھنا..... وحید اور کرن سنگھ کو بھی ابھی بھیجتا ہوں..... انہیں سب کچھ سمجھا کر تم واپس آ جانا..... اور کوئی بات.....؟ وحید اور کرن سے کہہ دینا کہ اگر کوئی اور بات ہو تو مجھے گھر پر فون کر دیں..... اچھا.....!'' فریدی نے ریسیور رکھ دیا اور کچھ بے چین سا نظر آنے لگا۔ تقریباً پانچ منٹ ٹھہر کر اس نے پھر فون پر کسی کو کچھ ہدایتیں دیں اور کمرے میں بے چینی سے ٹہلنے لگا۔

اتنے میں حمید اور جگدیش واپس آ گئے۔ فریدی بدستور ٹہلتا رہا۔

''تو تم لوگ چائے پی آئے۔'' فریدی نے کہا۔

''آپ کے لئے بھی کہہ آیا ہوں آ ہی رہی ہوگی۔'' جگدیش نے کہا۔

''جگدیش ذرا یہ تو بتاؤ کہ تم نے سلیم کے متعلق بھی کچھ تحقیقات کی یا نہیں؟''

''کچھ پتہ نہیں چل سکا۔''

''پتہ لگانے کا کون سا طریقہ اختیار کیا تھا۔''

''طریقہ؟ بات دراصل یہ ہے کہ گنگولی نے بھی نہیں بتایا اور پھر اِدھر اُدھر دلاور پور.....!''

''معلوم نہیں تمہیں کب عقل آئے گی..... سب سے زیادہ ضروری چیز یہی تھی۔''

"غلطی ہوگئی۔"

"خیر.....وہ زمرد محل میں رہتا تھا۔"

"زمرد محل میں؟"

"ہاں.....اس نے اسے حال ہی میں خریدا تھا۔"

"خریدا تھا.....؟" جگدیش پھر متعجبانہ انداز میں بولا۔

"اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟"

"کیا وہ واقعی بہت مالدار آدمی تھا.....؟"

"ہاں.....اور پرلے سرے کا کنجوس.....اور اسکے ساتھ اس کی ایک بیوہ بہن بھی رہتی تھی۔"

"بال بچے.....؟"

"کوئی نہیں.....اس نے شادی ہی نہیں کی تھی۔"

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ جگدیش نے ریسیور اٹھالیا۔ پھر فریدی کی طرف بڑھ کر بولا۔ "آپ کا ہے۔"

"ہیلو..... ہاں.....ابھی وحید وغیرہ نہیں پہنچے.....اچھا.....اور کوئی خبر ..... ہاں..... ہاں.....!"

کوئی لمبی داستان تھی جسے فریدی بڑی توجہ کے ساتھ سن رہا تھا۔ بار بار اس کے چہرے پر تعجب کا اظہار ہونے لگتا تھا۔ آخر اس نے ریسیور رکھ دیا۔

"دیکھو جگدیش.....!" فریدی بولا۔ "یہ سب کچھ دراصل تمہیں کرنا چاہئے تھا۔"

"میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ میں خواہ مخواہ اس محکمے میں پھنس گیا.....مجھے تو کسی فلم کمپنی میں ہونا چاہئے تھا۔"

"خیر.....خیر.....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ابھی ابھی سلیم کے متعلق کچھ اور بھی دلچسپ باتیں معلوم ہوئی ہیں۔ اس کی کنجوسی کے متعلق پہلے ہی بتا چکا تھا۔ محض کرایہ وصول کرنے کے لئے اس نے زمرد محل جیسی شاندار عمارت کا ستیاناس کردیا۔ جتنے حصوں میں اسے بانٹ سکتا تھا بانٹ کر انہیں کرائے پر اٹھائے ہوئے تھا۔ خیر یہ تو معمولی بات ہے، حد ہوگئی کنجوسی کی کہ اس

کی بہن اس کے گھر میں رہتے ہوئے کرایہ داروں کے لئے کھانا پکا کر بسر اوقات کرتی تھی اور وہ کرایہ دار ایسے ہیں جن کے ساتھ ان کی بیویاں نہیں ہیں وہ اسی سے کھانا پکواتے ہیں۔"

"تو میرے خیال سے مجھے اسی وقت زمرد محل میں جانا چاہئے۔" جگدیش نے کہا۔

"یقیناً.....!" فریدی بولا۔ "اس وقت سارے کرایہ دار بھی موجود ہوں گے۔ ان سے سلیم کے کچھ اور حالات بھی معلوم ہوں گے۔"

فریدی میدان عمل میں

فریدی اور حمید دوپہر کا کھانا کھا رہے تھے۔ دفعتاً ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو..... ہاں..... ہاں.....میں ہوں فریدی.....کیوں بھئی کیا معاملہ ہے.....کیا..... کون غائب ہوگیا.....کیا کہا.....گنگولی؟.....کب.....دیکھو.....جگدیش معاملہ کافی بگڑتا جارہا ہے.....اور تم کوئی خاص دھیان نہیں دے رہے ہو۔ زمرد محل کی انکوائری کا کیا رہا.....کچھ نہیں.....بہت خوب.....تب تو خدا ہی مالک ہے.....میں ابھی فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتا..... بہرحال اب تو میں نے اس معاملہ کو ہاتھ میں لے ہی لیا ہے.....اچھا بھئی.....کھانا کھا رہا ہوں.....!" فریدی نے ریسیور رکھ دیا۔

"سنا حمید.....!" فریدی نے ریسیور رکھ دیا۔

"خدا نے چاہا تو دو چار گھنٹے بعد اس کی لاش بھی کہیں نہ کہیں دستیاب ہوجائے گی۔" حمید نے کہا۔

"کیوں.....؟" فریدی نے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''جہاں آپ نے کسی کیس میں ہاتھ لگایا.....لاشوں میں برکت ہونی شروع ہو جاتی ہے۔''

''کیا فضول بک رہے ہو۔''

''خیر نہ گھوڑا دور، نہ میدان۔''

''فضول وقت نہ ضائع کرو۔ میں عجائب خانے جا رہا ہوں اور تمہارا اس وقت زمرد محل میں بہت ضروری ہے۔ لیکن اس بات کا خیال رہے کہ وہاں کے رہنے والوں کو کسی قسم کا شبہ نہ ہو پائے۔''

''ذرا اور وضاحت کے ساتھ کہئے۔'' حمید نے کہا۔

''مطلب یہ کہ وہاں سرجنٹ حمید ہی کی حیثیت سے جانا.....زیادہ ہوشیاری کی ضرورت نہیں۔ مجھے وہاں کے کچھ کرایہ داروں پر شبہ ہے۔''

حمید کو کچھ اور ہدایتیں دے کر فریدی عجائب خانے کی طرف روانہ ہو گیا۔ عجائب خانے کے منتظم فریدی کی آمد پر کچھ بوکھلا سا گیا تھا۔

''میں نے آپ کو بے وقت تکلیف دی۔'' فریدی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''کوئی بات نہیں.....فرمایئے میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔''

''یہاں کوئی آدمی سلیم نامی ملازم تھا.....؟''

''سلیم.....!'' منتظم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''سلیم.....اوہ ناولسٹ تو نہیں؟''

''جی ہاں.....!'' فریدی نے کہا۔ ''کیا اس نے یہ ظاہر کر دیا تھا کہ وہ ناولسٹ ہے؟''

''جی ہاں.....کچھ عجیب ہی شخصیت کا آدمی تھا۔''

''یہاں اس کے سپرد کیا کام تھا.....؟''

''شعبہ کاغذات کی دیکھ بھال.....!''

''شعبہ کاغذات سے آپ کی کیا مراد ہے؟''

''ہمارے یہاں ایک سیکشن کاغذات کے نمونوں کا بھی ہے جہاں زمانہ قدیم سے لے کر اب تک کے کاغذات کے نمونے موجود ہیں۔''

''اوہ.....!'' فریدی کسی گہری سوچ میں پڑ گیا۔

اچانک ایک چاقو بڑی تیزی سے اس کے کاندھے کو مس کرتا ہوا اس کی پشت کی طرف ایک الماری کے شیشے سے جا ٹکرایا۔ فریدی اچھل کر اس کھڑکی کی طرف دوڑا جدھر سے چاقو آیا تھا۔ باہر راہداری بالکل سنسان پڑی تھی اور اسے کوئی متنفس نظر نہ آیا.....اس نے واپس آ کر چاقو دیکھا۔

منتظم کا رنگ زرد پڑ چکا تھا۔

''مجھے افسوس ہے کہ آپ کی یہاں موجودگی کے دوران ایسا حادثہ پیش آیا۔'' منتظم نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''یہ میرے لئے کوئی نئی بات نہیں۔ آپ فکر نہ کیجئے۔'' فریدی نے مسکرا کر اور رومال کو چاقو میں لپیٹ کر جیب میں رکھتے ہوئے باہر نکل آیا۔

گھر پر حمید اس کا انتظار کر رہا تھا۔

''کہو بھئی ہو آئے.....؟'' فریدی نے پوچھا۔

''جی ہاں کئی کام کی باتیں معلوم ہوئیں۔''

''خیر وہ پھر سنوں گا۔'' فریدی نے الماری کھول کر اس میں سے ایک چاقو نکالا اور محدب شیشے کے ذریعے اس کے دستے کو غور سے دیکھنے لگا۔

''کیوں حمید.....کیا یہ دونوں چاقو ایک ہی طرح کے نہیں ہیں۔''

''ہیں تو.....؟''

''ان میں سے ایک تو وہ ہے جو سعید منزل والی لاش سے نکالا گیا تھا اور دوسرا وہ جس سے آج مجھ پر حملہ کیا گیا۔''

''آپ پر.....؟'' حمید نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں.....!'' فریدی نے کہا اور اپنی عجائب خانے کی تفتیش کے متعلق بتانے لگا۔

''تو یہ کہئے آپ نے بنک اور سعید منزل کو ایک رشتہ میں منسلک کر ہی دیا۔'' حمید نے کہا۔

''اب ہمیں جیل میں چل کر سعید سے ملنا چاہئے۔'' فریدی نے کہا۔

دونوں کار میں بیٹھ کر جیل کی طرف روانہ ہو گئے۔

''کیا رہا تمہاری تفتیش کا.....؟'' فریدی نے راستے میں پوچھا۔

''سلیم کی بیوہ بہن سے ملاقات ہوئی۔ عمر تقریباً اٹھائیس سال رنگ گورا، آنکھ خصوصیت سے قابل ذکر..... ہنستے وقت گالوں میں گڑھے پڑ جاتے ہیں۔ پیروں کی بناوٹ اس قسم کی ہے کہ دل میں بے اختیار گدگدی ہونے لگتی ہے۔ چال میں خفیف سی لچک ہے۔ سفید سلک کا غرارہ پہنے ہوئے تھی..... بس آپ سے کیا عرض کروں۔''

''کیا میں نے تمہیں وہاں اسی لئے بھیجا تھا۔'' فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''پھر.....؟'' حمید نے بھولے پن کی ایکٹنگ کرتے ہوئے پوچھا۔

''بکومت.....!'' فریدی نے کہا۔ ''ہر وقت مذاق اچھا نہیں لگتا۔''

''خیر سنئے.....!'' حمید سنجیدگی سے بولا۔ ''عورت مشتبہ ہے۔ اس کے چہرے سے معلوم ہوا ہے کہ اس پر اس کے بھائی کی موت کا کوئی اثر نہیں۔ اس کا تذکرہ آنے پر وہ دو چار ٹھنڈی سانسیں ضرور بھرتی ہے لیکن بناوٹ کا چھپنا محال ہے۔''

''خیر یہ بالکل قدرتی امر ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''بھائی کے ہوتے ہوئے بھی اسے خود محنت کر کے اپنا پیٹ پالنا پڑتا تھا اور دوسری بات یہ کہ وہ اپنے بھائی کی دولت کی تنہا وارث ہے۔ ایسی صورت میں اگر وہ مغموم نہیں دکھائی دیتی تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔''

''خیر دوسری بات ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''وہاں مجھے ایک ایسا صندوق نظر آیا جس پر رنگون کی ایک جہاز ران کمپنی کی سلپ چپکی ہوئی تھی۔''

''رنگون.....!'' فریدی چونک کر بولا۔ ''یہ بات تم نے کام کی بتائی۔''

''تیسری بات ملاحظہ ہو۔'' حمید فخریہ انداز میں مسکرا کر بولا۔ ''مجھے صرف ایک کرایہ دار مشتبہ معلوم ہوتا ہے۔ وہ صبح چار بجے گھر سے چلا جاتا ہے اور بارہ بجے رات کو واپس آتا ہے۔''

''مجھے اس کی اطلاع ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''خیر..... اس سے متعلق کیا معلوم کیا.....؟''

''یہاں سے کلکتے مچھلیاں بھیجتا ہے..... دلاور پور میں اس نے کئی گھاٹ لے رکھے ہیں جہاں اس کے آدمی مچھلیاں پکڑتے ہیں اور وہ بھی غالباً دن بھر وہیں رہتا ہے اور اس کا نام ہے سجاد۔ شاہ جہاں پور کا رہنے والا ہے۔ اس کے پاس ایک کار بھی ہے۔ اس کے آنے اور جانے

کے اوقات ایسے ہیں کہ سلیم کی بہن نے بھی آج تک اسے دیکھا ہی نہیں۔ وہ سرے کرایہ داروں سے معلوم ہوا کہ وہ بھی اس کی صورت آشنا نہیں ہیں۔''

''یہ بھی مجھے معلوم ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''جب آپکو سب معلوم ہی تھا تو آخر مجھے دوڑانے کی کیا ضرورت تھی۔'' حمید نے جھلا کر کہا۔

''نہیں تم ایک کام کی بات معلوم کر کے آئے ہو، جس کی اطلاع مجھے نہ تھی۔'' فریدی نے کہا۔

حمید اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

''صندوق والی بات ہے۔'' فریدی نے کہا۔

حمید خاموش ہو گیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

''آخر صندوق والی بات آپ کو کیوں کام کی معلوم ہوئی۔'' حمید نے پوچھا۔

''اس لئے کہ تمہارا حافظہ بہت کمزور ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''کیا تمہیں نہیں معلوم کہ صفدر مرزا رنگون سے آیا تھا۔''

''تو شاید آپ کا یہ مطلب ہے کہ وہ بھی سلیم ہی کے یہاں ٹھہرا تھا۔''

''میں یہ تو نہیں کہتا۔'' فریدی نے جواب دیا۔

پھر دونوں خیالات میں ڈوب گئے اور بقیہ راستہ خاموشی سے گزر گیا۔

سعید بہت زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔ فریدی کو دیکھتے ہی اس نے اپنی بیوی کے متعلق پوچھا۔

''گھبرائیے نہیں..... وہ بہت جلد مل جائیں گی۔'' فریدی نے کہا۔

''مجھے اپنی کوئی پرواہ نہیں۔'' سعید نے کہا۔

''میں سمجھتا ہوں.....!'' فریدی نے کہا۔ ''میں ایک بات آپ سے پوچھنے کیلئے آیا ہوں۔''

''فرمائیے۔''

''آپ سلیم کو جانتے ہیں؟''

''کون سلیم.....؟''

''وہی جس سے ملنے کے لئے اکثر آپ عجائب خانے جایا کرتے تھے۔''

''اوہ..... ہاں..... میں اسے جانتا ہوں۔''

''اس سے جان پہچان کی نوعیت کیا تھی؟''

''میرے خیال سے تو اسے محض کاروباری ہی سمجھنا چاہئے۔'' سعید نے کہا۔

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''وہ مجھ سے مختلف قسم کے کاغذ بنانے کی تدبیریں پوچھا کرتا تھا۔'' سعید نے کہا۔

''کیا وہ اس کاروبار کو کرنا چاہتا تھا.....؟'' فریدی نے پوچھا۔

''نہیں..... وہ دراصل ایک ناول نویس تھا۔ شاید اپنے کسی ناول میں کاغذ اور کاغذ کارخانوں کے متعلق کچھ لکھنا چاہتا تھا۔''

''اوہ.....!'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''کیا وہ کبھی دلاور پور بھی جاتا تھا۔''

''اکثر.....!''

''آپ ہی سے ملنے یا کسی اور کے پاس۔''

''کسی دوسرے کے متعلق میں کچھ نہیں بتا سکتا۔''

فریدی پھر کسی گہری سوچ میں پڑ گیا۔

''اچھا تو خاص طور پر کس قسم کے کاغذ کے متعلق جاننا چاہتا تھا۔'' فریدی نے اچانک پوچھا۔

''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے وہ نوٹ بنانے والے کاغذ پر زیادہ وقت صرف کرتا تھا۔''

''اوہ.....!'' فریدی نے کہا اور دفعتاً اسکی آنکھوں میں ایک عجیب قسم کی چمک پیدا ہوگئی۔ حمید اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ اس قسم کی چمک اس کی آنکھوں میں کن موقعوں پر پیدا ہوتی ہے۔

''اچھا.....!'' فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''دیکھئے..... میں ایک بار پھر آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ میری بیوی کا خیال رکھئے گا۔'' سعید بولا۔

''آپ مطمئن رہئے۔''

فریدی اور حمید جیلر کے دفتر میں آئے۔ راستے بھر فریدی قطعی خاموش رہا۔ دفتر میں آ کر

فریدی نے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھایا۔

''ہیلو..... جگدیش صاحب ہیں..... ذرا فون پر بلا دیجئے..... ہیلو جگدیش ..... میں فریدی بول رہا ہوں..... ہاں دیکھو بھئی..... مجھے شبہ ہے کہ نیشنل بنک میں کچھ نہ کچھ ہوا ضرور ہے..... آخر تم ہنس کیوں رہے ہو..... کیا یہ ممکن نہیں کہ وہاں کے نوٹ ہٹا کر ان کی جگہ پر انہی نمبروں کے جعلی نوٹ رکھ دیئے گئے ہوں..... تم بنک ضرور جاؤ..... اور اپنے ساتھ ایک ایکسپرٹ کو بھی لیتے جانا..... اچھا فرض کرو اگر یہ نہ بھی ہوا تو تمہارا اس میں نقصان ہی کیا ہوگا..... تم محض شبہے کی بناء پر سرکاری طور پر ایسا کر سکتے ہو..... گنگولی کا یک بیک غائب ہو جانا مجھے اور زیادہ شبہے میں ڈال رہا ہے..... اچھا..... میں تھوڑی دیر بعد کوتوالی پہنچ جاؤں گا۔''

فریدی نے ریسیور رکھ دیا اور تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا اور پھر حمید کو سر کے اشارے سے باہر چلنے کے لئے کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

چنانچہ چند ہی سیکنڈ کے توقف کے بعد حمید بھی باہر آ گیا۔ دونوں گاڑی میں بیٹھ کر سیدھے کوتوالی پہنچ گئے۔

راستہ بھر فریدی نے سارجنٹ حمید سے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ گہری سوچوں میں ڈوبا ہوا ہو اور اس کا ذہن تازہ ترین انکشافات کی کڑیاں گذشتہ واقعات سے ملانے میں مصروف ہو۔

حمید نے کئی بار اسے مخاطب کیا لیکن فریدی ''ہوں ہوں'' میں ٹالتا رہا۔ کوتوالی کے دفتر میں پہنچ کر فریدی نے اپنے مخصوص انداز میں حمید کو مخاطب کیا۔

''کیا تم تازہ انکشاف کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچ سکے ہو۔ حالات اگرچہ بظاہر بہت پیچیدہ معلوم ہوتے ہیں لیکن ایک سمجھ دار جاسوس کے لئے ان حالات کی کڑیاں ملانا کوئی مشکل امر نہیں..... کیا خیال ہے تمہارا۔'' فریدی نے سگار سلگایا اور حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

''کیا مطلب.....؟'' حمید بولا۔ ''آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ نے بنک اور سعید منزل کے باہمی پُراسرار تعلق کا راز سمجھ لیا ہے اور آپ مجرم کو کسی وقت بھی گرفتار کر سکتے ہیں۔''

''ہاں..... اور میرا خیال ہے کہ گنگولی اور سلیم کی سازشی اسکیم پراسرار ہوتے ہوئے بھی

اب اتنی پراسرار نہیں رہی..... جعلی نوٹوں کے بارے میں میرا شک اب یقین کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ یقیناً بنک میں سلیم کی ملازمت کی اصل وجہ جعلی نوٹ ہی ہو سکتی ہے۔"

حمید فریدی کی اس بات پر چونکتے ہوئے بولا۔ "لیکن میرا خیال ہے اور جیسا کہ سعید کی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے سعید اس سازش میں برابر کا شریک اور مجرم ہے۔"

"تم رہے احمق کے احمق۔" فریدی نے کہا۔

لیکن حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔

"اگر تمہارا مطلب یہ ہو کہ سعید بھی اس سازش میں شریک تھا تو یہ ناممکن ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ نوٹ کے کاغذ کا تذکرہ خصوصیت سے نہ کرتا۔"

"لیکن یہ دونوں نوٹ اسی کے گھر میں ملے تھے۔" حمید نے کہا۔

"ایسی حالت میں تو اسے اور زیادہ محتاط رہنا چاہئے تھا۔" فریدی نے کہا۔ "کیونکہ اس نوٹوں کا تذکرہ میں پہلے ہی کر چکا تھا۔"

"بہرحال یہ ایک اچھا خاصہ معمہ ہے۔" حمید نے کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں۔" فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد جگدیش اور ایکسپرٹ بھی کوتوالی پہنچ گئے۔

"آپ نے جو دو نمبر بولے تھے ان کا مطلب میں نہیں سمجھا۔" جگدیش نے کہا۔

"یہ ان دونوں نوٹوں کے نمبر تھے، جو ہم نے سعید منزل میں پائے تھے۔" فریدی نے کہا۔

"ارے.....!" جگدیش چونک پڑا۔

فریدی نے دونوں نوٹ ایکسپرٹ کی طرف بڑھا دیئے۔

ایکسپرٹ کافی دیر تک نوٹوں کی طرف دیکھتا رہا پھر آہستہ سے سر اٹھا کر حیرت آمیز نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں نے آج تک اتنی شاندار نقل نہیں دیکھی۔" وہ بولا۔ "لیکن بنانے والا واٹر مارک میں دھوکا کھا گیا۔"

"ہوں.....!" فریدی نے اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"لیکن اصل و نقل کا سمجھ لینا کسی عام آدمی کا کام نہیں۔" ایکسپرٹ نے کہا۔ "واٹر مارک صاف پانی کا نہیں ہے..... اس میں قدرے میلا پن آ گیا ہے..... یہ پانی..... یہ پانی۔"

"دریائے گھاگھرا کا ہو سکتا ہے۔" فریدی نے جملہ پورا کر دیا۔

"ٹھیک..... بالکل ٹھیک۔" ایکسپرٹ نے اچھل کر کہا۔

"میں یہ دونوں نوٹ اپنے ساتھ لئے جا رہا ہوں۔" ایکسپرٹ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اس کی باقاعدہ رپورٹ آپ کو دوں گا۔"

ایکسپرٹ کے جانے کے بعد فریدی بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"آؤ حمید..... جلدی کرو..... مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔ لیکن شاید کامیابی ہو ہی جائے، حالانکہ اب اس کی امید بہت کم رہ گئی ہے۔"

حمید نے استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"چلو دیر نہ کرو۔" فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"کیا میں بھی چلوں۔" جگدیش نے کہا۔

"نہیں کوئی ایسی خاص ضرورت نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "تم گنگولی کو تلاش کرنے کی کوشش کرو۔"

"اس کے غائب ہو جانے سے بنک میں سنسنی پھیل گئی ہے۔" جگدیش نے کہا۔

"قدرتی بات ہے۔" فریدی بولا۔

فریدی کی کار تیز رفتاری کے ساتھ دلاور پور والی سڑک پر جا رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے اچانک گاڑی روک دی۔ حمید اس غیر متوقع جھٹکے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس کا سر ٹکرا گیا۔

"کیوں جناب..... کیا میری جان فالتو ہے۔" حمید کار سے اتر کر جھلائے ہوئے انداز میں بولا۔

"تو بھئی..... پھر میرا مذاق تو کچھ اسی قسم کا ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

وہ دونوں دلاور پور میں پن چکی کے دروازے کے سامنے کھڑے تھے۔ دروازہ بند تھا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر دھکا دیا، دروازہ کھل گیا اندر کوئی نہیں تھا۔ حمید ابھی تک باہر ہی کھڑا تھا۔

فریدی کے اشارے پر وہ بھی بادل نخواستہ اندر چلا آیا۔

''وہ جھکی غائب ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''ہوں.....!''

''عجیب آدمی ہو تم بھی..... یہ بھی کوئی بگڑنے روٹھنے کا وقت ہے۔''

''تو میں کیا کہہ رہا ہوں۔'' حمید نے اکتا کر کہا۔

''جھکی غائب ہو گیا ہے۔ اب ہم شاید ہی اسے پا سکیں۔'' فریدی بولا۔

''کہیں چلا گیا ہوگا..... غائب کیوں ہونے لگا۔'' حمید نے کہا۔

فریدی نے دریا کی طرف والی کھڑکی کھول دی۔

''دریا کبھی اس عمارت کی دیوار سے ٹکراتا ہوا بہتا رہا ہوگا۔'' فریدی بولا۔

''اور شاید یہاں سے پانی ہٹ جانے ہی کی وجہ سے چکی بند ہو گئی۔''

''بہت ممکن ہے کہ چکی رک جانے کی وجہ سے ہی پانی ہٹ گیا ہو۔'' حمید مسکرا کر بولا۔

''خیر شکر ہے کہ تم میں زندگی تو پیدا ہوئی۔'' فریدی نے کہا۔

وہ اس خبطی کے صندوق کی تلاشی لینے لگا لیکن کوئی قابل گرفت چیز نہ ملی۔

''آخر آپ یہاں آئے کیوں ہیں؟''

''جعلی نوٹ بنانے کے اوزاروں کی تلاش میں۔''

''یہاں.....!'' حمید حیرت سے بولا۔

''ہاں..... نہایت پرسکون جگہ ہے۔ سلیم جیسا سازشی، ایک ماہر فن مصور اور انگریور..... سعید جیسا تربیت یافتہ کاغذ بنانے والا..... پھر اور کیا چاہئے۔''

''تو آپ نے سعید کے متعلق اپنی رائے بدل دی؟'' حمید نے کہا۔

''ایسا تو نہیں..... اس کے متعلق میں نے شروع میں جو رائے قائم کی تھی اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہو سکی۔''

''اپنی باتیں آپ خود ہی سمجھ سکتے ہیں۔''

''یہ کوئی ایسا الجھا ہوا معاملہ نہیں، فرض کرو میں کاغذ بنانا جانتا ہوں، تم مجھ سے یونہی دوستی

کر بیٹھتے ہو، تمہارے ماتھے پر تو یہ لکھا نہیں کہ تم نے مجھ سے دوستی کیوں کی ہے۔ کچھ دنوں کے بعد تم باتوں ہی باتوں میں مجھ سے کاغذ بنانے کا طریقہ پوچھ لیتے ہو اور میری معلومات سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے لئے نوٹ کا کاغذ بنا کر باقاعدہ جعلی نوٹ چھاپنے شروع کر دیتے ہو، بھلا مجھے کیا خبر ہو سکتی ہے کہ تم کیا کر رہے ہو۔''

''لیکن جعلی نوٹ صرف سعید ہی کے یہاں کیوں ملے۔ سلیم کے گھر کا بھی تو کونا کونا چھان ڈالا گیا ہے اور یہاں اس مصور کے سامان میں بھی کوئی چیز ایسی نہیں مل سکی جو قابل گرفت ہو۔''

فریدی کچھ سوچنے لگا۔

''اگر تھوڑی دیر کے لئے آپ کا خیال صحیح مان بھی لیا جائے تو خود سعید کا بیان ہی اسے مشتبہ بنا دیتا ہے۔''

''کون سا بیان.....؟'' فریدی نے پوچھا۔

''وہی بھوت والا..... بھلا کسے یقین آئے گا۔''

''بہت ممکن ہے کہ اس نے پہچاننے میں غلطی کی ہو۔ وہ کوئی اور آدمی رہا ہو۔ بہرحال مجھے اس پر یقین ہے کہ وہ کسی گہری سازش کا شکار ہو گیا ہے۔''

''اگر آپ اس بناء پر اس کی معصومیت پر ایمان لائے ہیں کہ اس نے سلیم سے اپنے تعلقات کا اعتراف کر لیا تو آپ غلطی کر رہے ہیں۔ یہ بھی اس کی ایک چال ہے میں یہ نہیں کہتا کہ سلیم بے گناہ تھا۔ میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ وہ جعلی نوٹ بناتا تھا لیکن اسی کے ساتھ ساتھ مجھے یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ سعید سلیم کا بھی قاتل ہے۔''

''بھلا وہ کیسے.....؟'' فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

''حصہ بانٹ میں جھگڑا ہو گیا ہوگا۔''

''تو اسے بنک کی چھت پر قتل کرنے کا کیا مقصد تھا اور پھر اس نے ایک اور دوسرے آدمی کو اپنے گھر میں قتل کر کے یہ آفت کیوں مول لی۔''

''اونہہ ہوگا..... ماریئے گولی..... آپ نے خواہ مخواہ یہ بلا اپنے گلے لگا لی۔'' حمید اکتا کر بولا۔

''میں.....!'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''حمید صاحب بہت دنوں کے بعد اس قسم کی دلچسپ بلا نصیب ہوئی ہے۔''

حمید ایک اسٹول پر خاموشی سے بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے سے بیزاری ظاہر ہو رہی تھی۔

فریدی پھر کھڑکی کے قریب آ گیا۔ اس کی نگاہیں کچھ دور پر بہتے ہوئے دریا کی لہروں پر جمی ہوئی تھیں۔ دفعتاً وہ چونک پڑا۔

''حمید ذرا یہاں تو آنا۔''

''کہئے.....!'' حمید بے دلی سے اٹھ کر کھڑکی کے پاس چلا گیا۔

''اُدھر آؤ..... یہ نیچے دیکھو، کیا تم نے اس قسم کی جھاڑیاں اس علاقے میں کہیں اور بھی دیکھی ہیں؟'' فریدی نے دیوار کی جڑ میں اُگی ہوئی گھنی جھاڑیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

یہ جھاڑیاں اتنی اونچی تھیں کہ انہوں نے تقریباً آدھی دیوار کو ڈھک رکھا تھا۔

''اس علاقے کے متعلق میری معلومات محدود ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''لیکن میں یہاں کے چپے چپے سے اچھی طرح واقف ہوں۔'' فریدی بولا۔ ''میں نے یہاں اس قسم کی جھاڑیاں کہیں اور نہیں دیکھیں۔''

''نہ دیکھی ہوں گی۔'' حمید [illegible] سے بولا۔ ''آخر آپ انہیں اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہیں۔''

''اس لئے کہ یہ دیدہ و دانستہ لگائی گئی ہیں۔''

''لگائی گئی ہوں گی۔ پھر آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔''

''یہاں ان کے لگانے کا مقصد.....!'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

''دیوار کو پانی کے ٹکراؤ سے محفوظ رکھنے کے لئے۔''

''بہت خوب..... اس وقت تم نے کافی ذہانت کا ثبوت دیا ہے۔'' فریدی ہنس کر بولا۔ ''لیکن پھر پن چکی کی چرخی کہاں لگائی گئی ہوگی۔''

''لگائی گئی ہوگی کہیں۔'' حمید اکتا کر بولا۔ ''آخر آپ اس کے پیچھے کیوں پڑ گئے۔''

''آؤ میرے ساتھ..... ابھی بتاتا ہوں۔'' فریدی نے کہا اور حمید کا ہاتھ پکڑ کر اسے باہر

لے آیا۔

دونوں گھوم کر عمارت کی پشت پر پہنچے۔

''اوہ یہی نہیں۔'' فریدی نے کہا۔ ''بلکہ یہاں ببول کی کانٹے دار ٹہنیاں بھی رکھی ہوئی ہیں اور کچھ ہٹائی بھی گئی ہیں۔ ذرا آہستہ آہستہ انہیں جھاڑیوں سے الگ تو کرو۔''

دونوں ببول کی ٹہنیوں کو کھینچ کر جھاڑیوں سے الگ کرنے لگے۔

حمید ضرورت سے زیادہ بیزار نظر آ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی مخبوط الحواس کے چکر میں پھنس کر ڈر رہا ہو۔

دونوں جھاڑیاں ہٹا رہے تھے کہ دفعتاً حمید ''ارے'' کہہ کر اچھل پڑا۔ دیوار کی جڑ میں جھاڑیوں کی باڑھ کے پیچھے ایک چھوٹی سی کھڑکی نظر آئی۔ ایسی کھڑکی جس سے آدمی بیٹھ کر بہ آسانی گزر سکتا ہے۔ فریدی نے کواڑوں کو دھکا دیا۔ دونوں پٹ کھل گئے۔ اندر سے سیلن اور چمگادڑوں کی بیٹ کی بدبو آ رہی تھی۔ فریدی نے جیب سے ٹارچ نکال کر اندھیرے میں روشنی ڈالی اور دوسرے لمحے میں وہ اس تہہ خانے کے اندر تھا۔ حمید نے بھی آنا چاہا لیکن فریدی نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

کچھ دیر بعد وہ پھر کھڑکی میں آیا۔

''اب آ جاؤ.....!'' اس نے کہا۔

حمید کھڑکی سے گزر کر ایسی جگہ آیا جہاں زینے تھے اور کافی گہرائی تک ان کا سلسلہ چلا گیا تھا۔

''اب یہاں کچھ نہیں۔'' فریدی نے کہا۔ ''وہ سب کچھ لے گئے۔''

''یعنی.....؟''

''کسی قسم کی مشین۔''

''مشین..... وہ کیسے معلوم ہوا۔''

''ان گڑھوں کی طرف دیکھو۔'' فریدی نے فرش کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''یہاں کسی مشین کے چار پائے نصب تھے۔''

''کسی اور چیز کے بھی چار پائے ہو سکتے ہیں۔ مشین ہی کیوں۔''

''ایسا سوچنے پر مجبور ہوجانا پڑا ہے۔'' فریدی نے جھک کر زمین پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔ ''یہ دیکھو تیل کے دھبے..... گاڑھے اور سیاہ تیل کے دھبے۔ غالباً یہ تیل مشین میں استعمال کیا جاتا رہا ہوگا۔''

''اوہ.....!'' حمید بولا۔ ''تو اس کا یہ مطلب کہ یہاں ان لوگوں کا نوٹ چھاپنے کا پریس تھا۔''

''تم صحیح سمجھے۔'' فریدی نے کہا۔ ''آؤ چلیں..... وہ ہم سے زیادہ ہوشیار ثابت ہوئے۔ عجائب خانے میں مجھے قتل کردینے میں ناکام رہنے کے بعد غالباً انہوں نے سب سے پہلے یہی کام کیا ہے کہ مشین یہاں سے ہٹادی۔''

وہ دونوں باہر آگئے۔

''چلو بنک کا معاملہ تو صاف ہوگیا۔'' فریدی نے کہا۔

''کیا.....؟''

''سلیم وہاں ملازم تھا اور اس نے اپنی اصلی حیثیت ظاہر کردی تھی اس لئے سب کو اس پر اعتماد تھا اس نے اس اعتماد سے فائدہ اٹھا کر وہاں کے نوٹوں کے نمبر حاصل کئے اور انہی نمبروں کے جعلی نوٹ بنائے۔ اُس کا ثبوت ان دونوں نوٹوں سے ملتا ہے جو مجھے سعید منزل میں ملے تھے۔ پھر غالباً اس نے یہ پروگرام بنایا کہ بنک کے اصلی نوٹ نکال کر ان کی جگہ نقلی نوٹ رکھ دیئے تھے، کتنی شاندار سازش تھی..... ذرا سوچو تو کہ ایک بنک کے ذریعہ جعلی نوٹ تقسیم ہوتے۔ بہرحال کوئی حادثہ پیش آجانے کی وجہ سے سلیم اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا۔''

''مگر..... مگر بنک میں گڑبڑ کی اطلاع تو آپ کو سلیم ہی نے دی تھی۔''

''مجھے اس میں شبہ ہے کیونکہ چھت پر میں نے جو خون کے دھبے دیکھے تھے وہ ایک یا ڈیڑھ گھنٹہ قبل کے معلوم ہوتے تھے اور سلیم کا پیغام وہاں پہنچنے سے بیس منٹ پہلے مجھے موصول ہوا تھا۔''

''بہرحال بہت زیادہ الجھے ہوئے حالات ہیں۔'' حمید بولا۔ ''بنک کا معاملہ صاف ہوجانے پر بھی سلیم اور صفدر مرزا کے قتل باقی رہ جاتے ہیں۔ سعید کو آپ بے گناہوں میں شمار کرتے ہیں حالانکہ یہ ممکن ہے کہ سعید نے دیدہ و دانستہ ایسے حالات پیدا کئے ہوں جن سے اس کی بے گناہی ثابت ہو۔''

''لیکن یہ بھی تو سوچو.....!'' فریدی نے کہا۔ ''جو شخص اتنا ذہین ہوسکتا ہے کہ اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے اتنا اچھا پلاٹ بنا سکے وہ اتنا بیوقوف بھی نہیں ہوسکتا کہ صفدر مرزا کی لاش کو قریب کے دریا میں پھینک دینے کی بجائے اتنی دور دوسری مول لے۔ اگر وہ اسے دریا میں پھینک دیتا تو کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوتی۔''

''اپنا تو دماغ خراب ہوجاتا ہے اس معاملہ میں غور کرتے وقت۔'' حمید نے کہا۔

''آیئے..... چلیں..... میں تو آج رات کو تھوڑی سی تفریح کرنا چاہتا ہوں۔''

''ضرور..... ضرور..... میں بھی تمہارا ساتھ دوں گا۔'' فریدی نے کہا۔

فریدی اور حمید کوتوالی لوٹ آئے۔ اس انکشاف سے سنسنی پھیل گئی اور جگدیش کو بھی یقین کامل ہوگیا تھا کہ اس سازش میں سعید کا ہاتھ ضرور ہے اس کے گھر میں جعلی نوٹوں کا پایا جانا اس کے حق میں خطرناک ثابت ہوا تھا۔ بہرحال ان سب میں ایک آدمی ضرور ایسا تھا جسے اب تک اس کی بے گناہی کا یقین تھا۔ یہ فریدی تھا اس نے شروع میں جو نظریہ قائم کیا تھا اسی پر آج بھی اڑا ہوا تھا۔ اس وقت حمید اور جگدیش ایک طرف ہوکر اس سے سعید کے خلاف بحث کررہے تھے۔ دفعتاً ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ جگدیش نے ریسیور اٹھالیا۔ پھر فریدی کی طرف بڑھ کر بولا۔

''آپ کے گھر سے کوئی بول رہا ہے۔''

''ہیلو..... ہاں..... اچھا..... تار آیا ہے..... اچھا احتیاط سے رکھو۔ میں ابھی آیا۔'' فریدی نے ریسیور رکھ کر اپنی فلٹ ہیٹ اٹھائی۔

''بھئی میں چلا۔ حمید تم مجھے سات بجے آرلکچو میں ملنا۔ رات کا کھانا وہیں کھائیں گے۔'' فریدی نے کہا اور کوتوالی سے نکل کر گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔

گھر پر ایک لمبا چوڑا تار اس کا منتظر تھا۔ فریدی نے تار لے کر پڑھنا شروع کیا۔ وہ پڑھنے میں اس قدر منہمک تھا جیسے اس نے تار کے علاوہ اپنے گردوپیش کی ہر چیز کو بھلا دیا ہو۔ کاغذ کو تہہ کرکے جیب میں رکھتے وقت اس نے ایک لمبا سانس لیا اور اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ اس کے ماتھے کی رگیں ابھری ہوئی تھیں، غالباً کوئی خاص الجھن تھی۔ وہ ٹہلتا رہا۔ انگلیوں میں دبا ہوا سگار نہ جانے کب کا بجھ چکا تھا جسے وہ بار بار بے خیالی میں ہونٹوں سے ہٹالیتا تھا۔ آہستہ آہستہ تاریکی پھیلتی

جارہی تھی۔ وہ ابھی تک بدستور ٹہل رہا تھا۔ کلاک نے چھ بجائے اور وہ چونک پڑا۔ کمرہ بالکل تاریک ہو چکا تھا۔ اس نے سوئچ بورڈ کے قریب جا کر بجلی جلا دی۔

میز کی دراز سے دو پستول نکال کر فریدی نے جیب میں رکھے۔ چمڑا کاندھے پر ڈالا فلاپ ہیٹ کا گوشہ پیشانی پر جھکاتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔

بھوت اور فریدی

فریدی کی کار تیزی سے شہر کے غیر آباد حصے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ خاموشی سے اکتا کر حمید نے پوچھا۔

''کچھ بتائیے گا بھی یا یونہی کہیں لے جا کر جھونک دینے کا ارادہ ہے۔''

''آج ایک بھوت کو دو بھوتوں سے نپٹنا پڑے گا۔''

آہستہ آہستہ فریدی کار کی رفتار کم کرتا جا رہا تھا۔ شہر کا یہ حصہ قریب قریب بالکل ویران اور تاریک تھا۔ کار سڑک سے ہٹ کر کچی زمین کے نشیب و فراز میں ہچکولے لیتی چلی جا رہی تھی۔

کچھ دور پر سامنے ایک بڑی سی عمارت دکھائی دی، جس کی چہار دیواری کافی رقبہ میں پھیلی ہوئی تھی۔ فریدی نے کار کھڑی کر دی اور حمید کو اترنے کا اشارہ کر کے خود بھی نیچے اتر گیا۔ دونوں قد آدم چہار دیواری کے نیچے آہستہ آہستہ چلنے لگے۔ چہار دیواری کے موڑ پر سلاخ دار پھاٹک تھا جس میں ایک بڑا سا تالا لٹک رہا تھا۔ فریدی نے تالے کو ٹٹولا اور چند لمحوں تک کھڑا سوچتا رہا۔ پھر زمین پر بیٹھ کر ایک فٹ اٹھے ہوئے پھاٹک کے درمیانی خلاء کا اندازہ کرنے کے بعد بنے کے بل رینگتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔

حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔

اندر چاروں طرف موت کی سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ستاروں کی دھندلی سی روشنی میں کاشانہ شمشیر کی طویل و عریض عمارت کچھ عجیب سی لگ رہی تھی۔ حمید کے جسم پر کپکپاہٹ طاری ہو گئی۔

''کیا بات ہے؟'' فریدی نے آہستہ سے پوچھا۔

''سس..... سس..... سردی.....!''

''ٹھہرو..... ادھر سے آؤ۔'' وہ مہندی کی باڑھ جو صدر دروازے کے قریب جا کر ختم ہو گئی تھی دونوں اس کی اوٹ میں آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے آگے بڑھے۔

دوسرے لمحے میں فریدی کی ٹارچ کی روشنی صدر دروازے کے اندر پڑ رہی تھی۔ فریدی کو صدر دروازے کے غیر مقفل ہونے پر قطعی حیرت نہ ہوئی۔ البتہ حمید ضرور چوکنا ہو گیا۔ اس نے اپنے جیب میں پڑے ہوئے ریوالور کے دستے کو بہت مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ وہ دونوں دیوار کا سہارا لئے اندھیرے میں بڑھ رہے تھے۔ مختلف کمروں اور برآمدوں کا چکر لگاتے ہوئے وہ ایک زینے کے قریب پہنچے۔ دفعتاً اوپر کے کمروں میں سے ایک میں روشنی دکھائی دی اور پھر فوراً ہی اندھیرا ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اندھیرے میں سگریٹ سلگا کر دیا سلائی بجھا دی ہو۔

''ہوشیار.....!'' فریدی نے حمید کے کان میں کہا اور دونوں کے پستول ان کی جیبوں سے نکل آئے۔

اچانک زینے پر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ فریدی اور حمید ایک طرف کونے میں دبک گئے۔ کوئی ہلکے سروں میں سیٹی بجاتا ہوا نیچے اتر رہا تھا۔ دفعتاً فریدی نے اپنے پستول کا دستہ دیوار پر مارا۔ کھٹکا کے کی آواز خالی عمارت میں گونج اٹھی اور اترنے والا یک بیک رک گیا۔ سیٹی کی آواز بند ہو گئی ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ رک کر اس آواز کے متعلق سوچ رہا ہو۔ تھوڑی دیر کے بعد زینے پر پھر قدموں کی آواز معلوم ہوئی۔ فریدی نے چند لمحے ٹھہر کر دوبارہ ریوالور کا دستہ دیوار پر مارا۔ اترنے والا پھر رک گیا..... ایک طویل خاموشی..... فریدی حمید کے دل کی دھڑکن صاف سن رہا تھا۔

دو تین زینے طے کرنے کے بعد ایک تاریک سایہ نیچے آ گیا۔ چند لمحے کھڑا وہ ادھر ادھر دیکھتا رہا، لیکن جیسے ہی اس نے آگے بڑھنا چاہا فریدی نے پھر وہی حرکت کی۔ آنے والے نے اپنی انگلیوں میں دبے ہوئے سگریٹ کو فرش پر گرا کر پیر سے مسل دیا۔

''صفدر مرزا.....!'' دفعتاً فریدی نے تیز قسم کی سرگوشی کی۔

تاریک سایہ اچھل پڑا۔

''صفدر مرزا.....!'' فریدی نے پھر اسی انداز میں کہا۔

سائے نے مڑ کر آہستہ آہستہ ان دونوں کی طرف بڑھنا شروع کیا۔

''تم کون ہو بھائی.....!'' سایہ نرم لہجے میں آہستہ سے بولا۔

''میں کوئی بھی ہوں لیکن تمہارا بھائی انور مرزا تم سے ملنے کے لئے بہت بے چین ہے'' فریدی نے اسی انداز میں جواب دیا اور اس کی سرگوشی اندھیرے میں دور تک گونجتی چلی گئی سرگوشی کچھ اتنی بھیانک تھی کہ خود حمید کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اسے بالکل ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی روح بول رہی ہو۔

سایہ ایک بار پھر اچھل پڑا۔

''تم کون ہو بھائی۔'' سائے نے پھر اپنا جملہ دہرایا۔ اس کی آواز میں بیچارگی تھی۔

''کنور شمشیر بہادر.....!'' فریدی نے بے ساختہ کہا۔

دفعتاً سایہ لڑکھڑا کر برآمدے کے ستون سے ٹک گیا۔

''کیوں کیا ڈر گئے۔'' فریدی بولا۔

''تو تم زندہ ہو۔'' وہ ایسے لہجے میں بولا جیسے خواب میں بول رہا ہو۔

فریدی نے ایک زور دار قہقہہ لگایا۔ کتنا بھیانک تھا وہ قہقہہ۔ حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے در و دیوار اس قہقہے کو دہرا رہے ہوں۔ فریدی خاموش ہو گیا۔ شاید وہ اس پر اپنے قہقہے کا ردِ عمل محسوس کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''نہیں تم جھوٹ کہتے ہو۔'' سایہ بولا۔ ''میرا نشانہ کبھی خطا.....!''

''نہیں کرتا.....!'' فریدی نے جملہ پورا کر دیا۔

دفعتاً سایہ ادھر اُدھر جھومنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بے ہوش ہو کر گرنے والا ہے اور پھر وہ صحن کی طرف لڑھک گیا۔

فریدی اور حمید جھپٹے۔

لیکن دوسرے ہی لمحہ میں اس کے منہ سے حیرت کی چیخ نکل گئی۔ جس جگہ سایہ گرا تھا وہاں سناٹا چھایا ہوا تھا۔

''ارے..... یہ کدھر غائب ہو گیا۔'' فریدی گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''اندھیرے میں آخر وہ کہیں گولی نہ چلا دے۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔

فریدی نے ٹارچ کی روشنی میں ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''صفدر مرزا..... صاف نکل گیا۔''

''صفدر..... صفدر مرزا..... مگر وہ تو.....!''

''مرا نہیں.....!'' فریدی نے جملہ پورا کر دیا۔

''مجھے شبہ ہے کہ سعید کی بیوی یہیں اسی عمارت میں کہیں قید ہے۔''

''مگر صفدر مرزا.....!''

''چھوڑو بھی..... پھر کبھی اطمینان سے بتاؤں گا۔ باتوں میں وقت خراب کرنے کا موقع نہیں۔ نیچے کے سارے حصے تو ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں۔ اب اوپر چلنا چاہئے۔'' فریدی نے اسی زینے پر چڑھتے ہوئے کہا جس پر سے صفدر مرزا اترا تھا۔ ''یہاں اس سنسان عمارت میں اس کی موجودگی خالی از علت نہیں۔ بہت ممکن ہے کہ سعید کی بیوی بھی یہیں کہیں بند ہو۔''

حمید نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے زینے طے کر رہا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس نے فریدی کے بازو کو بُری طرح جکڑ لیا۔

''کیا ہے.....؟'' فریدی نے پلٹ کر کہا۔

''آہٹ..... اوپر کوئی ہے۔''

''میں سن رہا ہوں۔''

''تو پھر اس طرح..... کیا اندھیرے میں جان دینے گا..... یہ ضروری نہیں کہ وہ اس عمارت میں تنہا ہی رہا ہو۔'' حمید نے کہا۔

''چھوڑو بھی..... محض تمہاری احتیاط کے چکر میں میں نے صفدر مرزا کو ہاتھ سے کھو دیا۔''

''خیر چلئے..... اگر آپ کے ساتھ ہی مرنا قسمت میں لکھا ہے تو پورا ہو کر رہے گا۔''

اوپر ایک ہی قطار میں متعدد کمرے تھے۔ فریدی نے ہر کمرے کے سامنے رک رک کر آہٹ لینی شروع کی۔ ایک کمرے سے دبی دبی سسکیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ یہ کمرہ باہر سے مقفل تھا۔ فریدی نے جیب سے ریوالور نکالا اور اس کی نال کو تالے کے کنڈے میں پھنسا کر

اینٹھنا شروع کر دیا تھا۔ تھوڑی سی جدوجہد کے بعد تالا کھل گیا۔

''تم زینے کے دروازے کے پاس جاؤ۔'' فریدی نے آہستہ سے حمید سے کہا۔

''اگر کوئی اوپر آنے کی کوشش کرے تو بے دریغ فائر کر دینا۔''

حمید چلا گیا۔ فریدی نے آہستہ سے کمرے کا دروازہ کھول کر ٹارچ کی روشنی اندر ڈالی۔ سامنے پلنگ پر ایک عورت لیٹی سر اٹھائے خوفزدہ نظروں سے ٹارچ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''گھبراؤ نہیں..... اب تم محفوظ ہو۔'' فریدی نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔

عورت گھبرائے ہوئے انداز میں اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''کیا تم سعید کی بیوی ہو.....؟''

''آخر تم لوگ مجھ بے گناہ کو کیوں تنگ کر رہے ہو.....؟'' عورت بولی۔

''آپ غلط سمجھیں محترمہ۔'' فریدی نے کہا۔ ''میرا تعلق محکمہ پولیس سے ہے۔''

''اوہ.....!'' عورت کے منہ سے خوشی کی چیخ نکلی اور وہ بے تحاشہ کھڑی ہو گئی۔

''آپ سعید کی بیوی ہیں نا۔''

''جی ہاں۔''

''آیئے..... میرے ساتھ۔''

فریدی اسے ساتھ لے کر زینے کے دروازے کے پاس آیا جہاں حمید کھڑا تھا۔ پھر تینوں سرنگ کے ذریعہ عمارت سے باہر نکل آئے۔

فریدی سعید کی بیوی کو اپنے گھر لے آیا۔ وہ ان دونوں کے ساتھ چلی تو آئی تھی لیکن اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ان دونوں کی طرف سے مشکوک ہے۔

''آپ اس عمارت میں کب سے تھیں؟'' فریدی نے اس سے پوچھا۔

''کل سے.....!''

''کل سے.....؟'' فریدی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے اس سے کہا۔ ''مگر آپ تو کئی دن سے غائب تھیں۔''

''پہلے دوسرے مکان میں تھی۔''

''کیا آپ اس کا کچھ پتہ نشان دے سکتی ہیں؟''

''مجھے افسوس ہے کہ میں بے ہوشی کی حالت میں وہاں لے جائی گئی تھی۔''

''بے ہوشی کی حالت میں؟''

''جی ہاں.....!'' اس نے کہا اور فریدی کے استفسار پر اس نے اپنے بے ہوش ہونے تک کے واقعات بتا دیئے۔

''اور پھر میں نے اس شخص کو زندہ دیکھا جس کی لاش میں اپنے گھر میں دیکھ چکی تھی۔''

''ہوں.....!'' فریدی نے حمید کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔ ''اس بھاری بھرکم اجنبی کی شخصیت ابھی تک معمہ بنی ہوئی ہے۔ آخر وہ کون تھا اور اس کا مقصد کیا تھا۔''

''اور یہ کیا معمہ نہیں کہ جس شخص کی لاش ہم لوگوں نے دیکھی اسے یہ لوگ زندہ بتاتے ہیں۔'' حمید نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''صرف یہی لوگ زندہ نہیں بتاتے بلکہ ہم لوگ بھی ابھی اس سے دھوکا کھا چکے ہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''یعنی.....؟''

''صفدر مرزا.....!''

''کمال کر رہے ہیں آپ بھی۔'' حمید نے اکتا کر کہا۔ ''پھر وہ مرنے والا کون تھا.....؟''

''اس کا بھائی۔''

''بھائی.....؟'' حمید تقریباً اچھل کر بولا۔

''ہاں اس کا جڑواں بھائی انور مرزا۔''

''یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا.....؟''

''میں نے رنگون میں انکوائری کرائی تھی۔ آج وہاں کے محکمہ جاسوسی کے چیف کا مفصل تار آیا ہے، انور مرزا اور صفدر مرزا جڑواں بھائی ہیں۔ دونوں میں اس درجہ مشابہت پائی جاتی تھی کہ ان کے ملنے جلنے والے بھی اکثر گڑبڑا جاتے تھے۔ دونوں میں صرف ایک معمولی سا فرق تھا۔ انور مرزا کے بائیں نتھنے کے نیچے ایک ابھرا ہوا سیاہ تل تھا۔ ہاں تو وہاں کی انکوائری کے مطابق

دونوں چھٹے ہوئے بدمعاش تھے۔ صفدر مرزا تو کئی بار جیل بھی جاچکا ہے۔ صفدر مرزا
ہندوستان چلا آیا تھا اور انور مرزا بعد کو آیا۔"

"لیکن اسے قتل کس نے کردیا.....؟" حمید نے پوچھا۔

"مجھے تو اس میں صفدر مرزا ہی کا ہاتھ معلوم ہوتا ہے۔"

"وہ کیسے.....؟"

"لاش ملنے کے بعد صفدر مرزا کے قتل کی خبر اخبارات میں شائع ہوئی تھی اور اس کی تم
بھی چھپی تھی۔ اگر صفدر مرزا کا ہاتھ اس قتل میں نہیں تھا تو اس نے پولیس کو مطلع کیوں نہیں کیا
وہ زندہ ہے اور مقتول اس کا بھائی تھا۔ اس کے بجائے اس نے سعید کو پھنسانے کی کوشش کی
اسے اس بات کا یقین دلا کر کہ وہ بھوت تھا۔ وہاں سے نکل بھاگنے کا موقع جان بوجھ کر دیا تا
وہ وہاں سے نکل کر اس کی رپورٹ پولیس کو دے اور دھر لیا جائے۔ بھلا پولیس ان لغویات
کیوں یقین کرنے لگی۔ سعید کی بیوی کو اس نے اپنے قبضہ ہی میں رکھا تا کہ پولیس سعید کو قطعی
مجرم سمجھ لے اور اس پر یقین کرلے کہ خود اس نے اپنی بیوی کو کہیں چھپا دیا ہے اور اب اپنے
چھٹکارے کے لئے ایک داستان تصنیف کرلایا ہے۔"

"تو کیا وہ قید کر لئے گئے؟" سعید کی بیوی گھبرا کر بولی۔

"جی ہاں۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن گھبرانے کی بات نہیں۔ وہ بہت جلد چھوٹ جائیں
گے۔ ان کے خلاف سازش کرنے والوں کا پتہ میں نے لگا لیا ہے۔"

"مجھے ان سے ملا دیجئے۔" وہ ملتجیانہ انداز میں بولی۔

"میں فی الحال اسے مناسب نہیں سمجھتا۔ ایسی صورت میں آپ بھی قید کرلی جائیں گی
مجرم بھی ہاتھ سے نکل جائے گا۔"

"پھر میں کیا کروں؟" وہ بے بسی سے بولی۔

"جب تک کہ اصلی مجرم گرفتار نہ ہوجائے.....غریب خانے ہی کو گھر سمجھئے۔ یہاں آپ
کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ اگر آپ نے اس گھر سے باہر قدم نکالا تو پھر میں سعید اور آپ کے
کچھ نہ کرسکوں گا۔ اچھا اب چل کر آرام کیجئے۔ چلئے میں آپ کو آپ کا کمرہ دکھادوں"

فریدی اسے ایک کمرے میں پہنچا کر لوٹ آیا۔ حمید خاموش بیٹھا خیالات میں کھویا ہوا تھا۔

"آخر آپ نے یہ کیوں کہا کہ اس کے ظاہر ہوتے ہی مجرم فرار ہوجائے گا۔ کیا اس کے
فرار ہونے کے لئے آج کا حادثہ کم ہے؟" حمید نے کہا۔

"یہی تو تم نہیں سمجھے۔ آج کی بھاگ دوڑ میں ایک نئی بات اور معلوم ہوئی۔ وہ یہ کہ صفدر
مرزا شمشیر بہادر کا بھی قاتل ہے۔ کیا تم نے میری اور اس کی گفتگو دھیان سے نہیں سنی تھی۔ میں
اس معاملے میں بھی شروع ہی سے مشکوک تھا اور شاید میں نے اپنے شبہے کا اظہار بھی کیا تھا کہ
رنگون ہی میں شمشیر بہادر کا انتقال ہوا اور وہیں سے صفدر مرزا بھی ہندوستان آیا۔ لیکن یہ محض شبہ
ہی تھا۔ میں نے وہاں اسے شمشیر بہادر کا حوالہ اس خیال سے قطعی نہیں دیا تھا۔ میں نے سوچا کہ
جب اس نے خود کو بھوت بنا کر پیش کیا تھا تو کیوں نہ میں بھی شمشیر بہادر کا بھوت بن کر اسے
ہیجان میں مبتلا کروں۔ لیکن وہاں تو معاملہ ہی کچھ اور تھا.....بہرحال وہ میرے فقرے کو حقیقت
سمجھا تھا۔ وہ کل تک واقعات کی نئی کروٹ کا انتظار ضرور کرے گا۔ اگر سعید کی بیوی حاضر نہ ہوئی
تو وہ یہی نتیجہ نکالے گا کہ وہ ابھی تک شمشیر بہادر ہی کے قبضہ میں ہے۔ شمشیر بہادر جو اس سے
انتقام لینے کی تاک میں ہے وہ اس لئے شہر نہیں چھوڑے گا کہ وہ کسی طرح موقع پا کر شمشیر بہادر
کو ٹھکانے لگا دے گا اور اگر سعید کی بیوی حاضر نہ ہوئی تو وہ اسے پولیس والوں کی چال سمجھ کر فرار
ہوجائے گا کیونکہ ایسی صورت میں سعید کی بیوی کے ساتھ ہی ساتھ شمشیر بہادر کا ہونا بھی ضروری
ہے اور شمشیر بہادر مر چکا ہے کیا سمجھے؟"

"بالکل سمجھ گیا.....!" حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "آپ کا دماغ ہے یا.....!"

"بھٹیار خانہ.....!" فریدی نے جملہ پورا کردیا۔

"خیر یہ آپ کی نیک نفسی ہے.....کہ آپ اپنے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔" حمید نے
ہنس کر کہا۔

"اونہہ.....پھر تم نے اپنے سستے قسم کے مذاق کا مظاہرہ شروع کردیا۔" فریدی نے منہ بنا
کر کہا۔ "ایک چیز مجھے اب بھی الجھن میں ڈالے ہوئے ہے کہ آخر وہ بھاری بھرکم اجنبی کون
تھا۔ حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی صفدر مرزا ہی کا شکار تھا اور صفدر مرزا اس کا پیچھا کیوں

کر رہا تھا۔ وہ دونوں جعلی نوٹ اسی بنڈل کے تو تھے جو اس نے سعید کو دیا تھا۔ کیا سلیم اور
مرزا کی موت کا کچھ تعلق اس کی ذات سے بھی ہے۔ خیر انور مرزا کا معاملہ تو یہ بھی ہو سکتا ہے
اجنبی کا پیچھا کرنے والوں میں وہ بھی رہا ہو اور اجنبی ہی کے دھوکے میں صفدر مرزا کے ہاتھ
مارا گیا ہو۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" حمید نے کہا۔

"فرض کرو اجنبی آگے بھاگ رہا ہے اس کے پیچھے انور مرزا ہے اور اس کے پیچھے صفدر
مرزا..... اچانک صفدر چاقو نکال کر اجنبی کو کھینچ مارتا ہے اور انور مرزا اسی دوران میں بحالت
خبری درمیان میں آ جاتا ہے، چاقو اجنبی کے لگنے کے بجائے اسے ہی لگ جاتا ہے۔"

"اس طرح تو ممکن ہے۔" حمید نے کہا۔

"صفدر مرزا چاقو پھینکنے میں بہت مشاق معلوم ہوتا ہے کیونکہ عجائب گھر میں اسی نے مجھ
حملہ کیا تھا۔ چاقوؤں کی ایک جیسی ساخت اس کا بہترین ثبوت ہے۔"

"لیکن پھر سلیم کا معاملہ بالکل الگ جا پڑتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"یہی تو ایک ایسی گرہ ہے۔" فریدی نے کہا۔ "بس سلیم کی موت اور اس اجنبی کی شخصیت
کا حال ظاہر ہو جائے تو کیس صاف ہے۔"

"تو پھر اس کے لئے آپ کون سا طریقہ کار اختیار کریں گے۔" حمید نے پوچھا۔

"ابھی اس پر بہت کچھ سوچنا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن محض شبہے کی بناء پر میں نے
فی الحال جو طریقہ کار اختیار کیا ہے ابھی اس پر کاربند رہنے کا ارادہ ہے۔"

"کیا مطلب.....؟"

"سلیم کے گھر کی نگرانی۔" فریدی نے کہا۔ "اسکی بہن کی شخصیت بھی کچھ کم پراسرار نہیں۔"

"امید ہے کہ اب میری ضرورت آپ کو پیش نہ آئے گی۔"

"جی نہیں..... ایسے کاموں کے لئے دوسرے قسم کے مہرے رکھتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔
"اچھا اب آپ آرام فرمائیے..... بندہ رخصت ہوتا ہے۔"

مردہ محل میں

سلیم کی بہن بے چینی سے ادھر اُدھر ٹہل رہی تھی۔ اس نے اس وقت سفید سلک کا غرارہ
اور سفید جمپر پہن رکھا تھا۔ سیاہ دوپٹے میں سفید کپڑوں کے ساتھ اس کی رخصت ہوتی ہوئی جوانی
نے گویا سنبھالا لے لیا تھا۔ بھرے ہوئے سلونے رخساروں پر دو بل کھائی ننھی ننھی لٹیں اس کے
چہرے کی سنجیدگی میں ہلکی سی شوخی کا اضافہ کر رہی تھیں اور سنجیدگی و شوخی کے اس حسین امتزاج نے
اس کی شخصیت کو کافی حد تک پرکشش بنا دیا تھا۔

دفعتاً ایک کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک آدمی اندر داخل ہوا لمبوترے چہرے اور طوطے جیسی
ناک والا۔ یہ صفدر مرزا تھا۔ وہ آتے ہی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ سلیم کی بہن نے مڑ کر اس کی طرف
سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ صفدر مرزا بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ سلیم کی بہن سے نظر ملتے ہی وہ بے
اختیار مسکرا پڑا لیکن اس نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

"سلیمہ..... آخر تم مجھ سے اس قدر بیزار کیوں رہتی ہو۔"

"کیا فضول اور لغو گفتگو چھیڑ دی۔" اس نے بیزاری سے کہا۔

"آخر اتنی پریشان کیوں نظر آ رہی ہو۔"

"اور تم اس بُری طرح ہانپ کیوں رہی ہو۔" وہ طنز آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"ایک نئی مصیبت میں پھنس گیا۔"

"وہ کیا.....؟" عورت چونک کر بولی۔

"میرا چچا زاد بھائی شمشیر بہادر زندہ ہے۔ معلوم نہیں کس طرح بچ گیا۔ کاشانہ شمشیر میں
ابھی اس سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ میرے جیب میں پستول بھی نہیں تھا۔ مجبوراً بھاگنا پڑا۔ وہ سعید کی
بیوی کو بھی نکال لے گیا ہوگا۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں اگر وہ اسے لے کر کوتوالی پہنچ گیا تو
مجبوراً مجھے بھاگنا ہی پڑے گا۔ اگر بنک والے معاملے کا پتہ لگانے کی کوشش کروں گا تو گردن ہی

نپ جائے گی۔''

''تو تمہیں روکا کس نے ہے۔'' سلیمہ بے رخی سے بولی۔

''بڑی بے مروت ہو تم۔''

''بات یہ ہے کہ مجھے قاتلوں سے نفرت ہے۔''

''آخر ہو نا عورت۔''

''تم جو چاہو کہہ سکتے ہو۔ میں نے بھائی صاحب سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ تمہیں اس کام میں شریک نہ کریں۔''

''تو میری وجہ سے کیا نقصان ہوا۔''

''نقصان.....!'' سلیمہ گرج کر بولی۔ ''انہیں کس نے قتل کیا؟''

''تو کیا.....تو کیا.....!'' صفدر مرزا رک رک کر بولا۔ ''تمہیں مجھ پر شبہ ہے۔''

''اس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔''

''غلط فہمی میں پڑ کر آپس کے تعلقات مت خراب کرو۔ اس وقت ہم سب مصیبت میں مبتلا ہیں۔''

''تم مبتلا ہو گے مصیبت میں۔'' سلیمہ تیز لہجہ میں بولی۔ ''میں ہر طرح مطمئن ہوں۔''

''اگر میں وہ مشین دلاور پور سے نہ لاتا تو دیکھتا تمہارا اطمینان۔''

''مشین.....کیا تم وہ مشین وہاں سے لے آئے۔''

''ہاں.....؟''

''اس لئے کہ جاسوس فریدی نوٹوں کے معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا ہے۔''

''وہ کیسے.....؟''

''وہ عجائب گھر گیا تھا۔ وہاں سے اس نے سلیم کے متعلق معلومات بہم پہنچائیں۔ وہیں اسے سعید اور سلیم کی جان پہچان کا بھی علم ہوا۔ میں اسے ختم کر ہی دیتا مگر وہ بچ گیا۔ زندگی میں پہلی بار میرے چاقو کا وار خالی گیا ہے۔''

''بڑا زبردست کارنامہ سرانجام دیا تم نے۔'' سلیمہ زہر خند کے ساتھ بولی۔ ''اس طرح تم

اسے خواہ مخواہ چھیڑ کر واقعی ہم لوگوں کے لئے مصیبت کا باعث بنو گے اور میں کہتی ہوں کہ اس مشین کو وہاں سے لانے کی کیا ضرورت تھی اس کے فرشتے بھی وہاں نہیں پہنچ سکتے تھے۔''

''میں نے جو مناسب سمجھا وہ کیا۔''

''تمہیں مجھ سے پوچھنا چاہئے تھا۔''

''میں نے ضروری نہیں سمجھا.....میں عورتوں کے حکم کا منتظر رہنے کا عادی نہیں۔''

''اچھا یہ بات ہے.....یہ نہ سمجھنا کہ سلیم مر گیا۔'' سلیمہ کڑے لہجہ میں بولی۔

''تم تو خواہ مخواہ ناراض ہو رہی ہو۔'' صفدر مرزا نرم لہجے میں بولا۔ ''اچھا بھئی.....مجھ سے غلطی ہوئی معافی چاہتا ہوں۔''

سلیمہ بے چینی سے ادھر اُدھر ٹہلنے لگی۔ شاید وہ اپنے غصہ پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ نرم لہجے میں بولی۔ ''اب شمشیر بہادر کے معاملے میں کیا ہوگا۔''

''یہی تو سوچ رہا ہوں، مجھے امید ہے کہ وہ خود کو ظاہر کرے گا کیونکہ شاید وہ شروع ہی سے میرے پیچھے لگا ہوگا اگر اسے کوئی قانونی کاروائی کرنی ہوتی تو کبھی کا کر چکا ہوتا۔ مجھے تو کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بنک کی گڑبڑ میں اسی کا ہاتھ ہے۔''

''تب تو یہ بات بڑی بُری ہے۔''

''گھبراؤ نہیں.....اگر اس نے کل تک سعید کی بیوی کو حاضر نہ کیا تو اس کا بھی صفایا ہو جائے گا ورنہ پھر مجھے ہی بھاگنا پڑے گا۔''

''خیر دیکھا جائے گا۔ مجھے سب سے زیادہ فکر اس کرایہ دار کی ہے، معلوم نہیں کیوں بھائی صاحب نے اسے کرایہ پر کمرے دے دیئے تھے، آج دو دن سے غائب ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ دراصل ہے کون۔''

''میں نے بھی آج تک اسے نہیں دیکھا۔'' صفدر مرزا بولا۔

''اس کا پتہ لگانا ضروری ہے۔'' سلیمہ بولی۔ ''اگر کہیں سرکاری جاسوس ہوا تو.....شامت ہی آجائے گی۔''

''خیر اسے بھی دیکھ لیا جائے گا۔'' صفدر مرزا نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

''خفیہ پولیس نے نوٹوں کا حال معلوم کرلیا ہے لیکن شاید ابھی تک اسے سلیم کے حالات کا علم نہیں۔ ورنہ یہ مکان کبھی کا گھر گیا ہوتا۔''

''نہیں.....اس مسئلے کو لاپروائی سے نہ ٹالو.....تم نے فریدی کو چھیڑ کر اچھا نہیں کیا۔ وہ خطرناک آدمی ہے جس نے جابر اور لیونارڈ ایسے بین الاقوامی مجرموں کے چھکے چھڑا دیئے وہ ہم جیسوں کو کب خاطر میں لائے گا۔''

''اور تم بھی خواہ مخواہ ڈر رہی ہو جس دن چاقو پڑ گیا خاک و خون میں لوٹتا نظر آئے گا ایسے ایسے بہت دیکھے ہیں۔''

''خیر.....بہرحال ہمیں کافی محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔'' سلیمہ بولی۔

پھر خاموشی چھا گئی اور صفدر مرزا سلیمہ کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔

سلیم کا گُرگا

ابھی سورج نہیں نکلا تھا۔ کہرے کی چادر ہر شے پر محیط تھی۔ سلیمہ نے ایک طویل انگڑائی لی اور اٹھ بیٹھی۔ دفعتاً باہر سے کسی نے دروازے پر دستک دی۔ سلیمہ نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھول دیا۔

ایک اجنبی اس کے سامنے کھڑا تھا۔ گھنی سیاہ رنگ کی داڑھی میں اس کا خوش رنگ چہرہ کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ اس کے جسم پر ایک نہایت نفیس قسم کا سوٹ تھا جس پر اس نے اوورکوٹ پہن رکھا تھا۔ سر پر عمدہ فیلٹ تھی۔

''شاید آپ بانو سلیمہ ہیں۔'' اس نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

''جی ہاں کہئے۔''

''تکلفات کا وقت نہیں۔'' اس نے پیچھے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مجھے اندر آنے دیجئے۔''

سلیمہ متحیر انداز میں پیچھے ہٹ گئی۔ اجنبی اندر چلا گیا۔ سلیمہ بدستور اسے متحیرانہ انداز میں گھورے جا رہی تھی۔

''گھبرائیے نہیں بانو۔'' اجنبی بولا۔ ''میں دوست ہی ہوں.....مجھے تنویر کہتے ہیں۔''

''تنویر.....!'' سلیمہ نے حیرت سے ہا۔ ''میں یہ نام آج ہی سن رہی ہوں۔''

''لیکن آپ مجھے صورت سے ضرور پہچانتی ہوں گی۔'' اجنبی نے کہا اور اپنے چہرے سے مصنوعی ڈاڑھی ہٹا دی۔ سلیمہ کی آنکھیں چندھیا اٹھیں۔ کتنا بارعب اور حسین چہرہ تھا۔ وہ دل ہی دل میں اس کے حسن کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکی۔

''میں.....میں.....!'' سلیمہ ہکلائی۔ ''مم.....مجھے افسوس ہے کہ میں نے اب بھی نہیں پہچانا۔''

''تو شاید آپ نے استاد مرحوم کے البم میں میری تصویر بھی نہیں دیکھی۔ میں نے آپ کی تصویر دیکھی تھی۔ اسی لئے آپ کو پہچاننے میں دشواری نہیں ہوئی۔''

''آپ وضاحت سے اپنے متعلق بتایئے۔'' سلیمہ نے آہستہ سے کہا۔

''میں بمبئی سے آ رہا ہوں.....میں وہاں استاد کے حکم کے مطابق نوٹوں کا انتظام کر رہا تھا کہ دفعتاً ان کی موت کی خبر ملی۔ اس سے ساری تنظیم میں ہلچل پڑ گئی۔ میں نے کل رات ہی کو آنے کی کوشش کی تھی لیکن آپ تو جانتی ہی ہیں۔''

''کیا.....؟'' سلیمہ چونک کر بولی۔ ''میں کچھ نہیں جانتی۔''

''آپ نہیں جانتیں۔'' تنویر نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''اس مکان کی نگرانی کی جا رہی ہے۔ کل رات بھر یہاں کا مشہور جاسوس فریدی ایک دیوانے کے بھیس میں سامنے والی چائے کی دوکان کے نیچے پڑا رہا۔''

''ارے ہمیں اس کا کوئی علم نہیں۔'' سلیمہ خوفزدہ آواز میں بولی۔

''اور اس وقت بھی کوئی نہ کوئی موجود ضرور ہوگا۔ اسی لئے مجھے ڈاڑھی لگا کر آنا پڑا۔''

''آپ نے یہ بہت ہی کارآمد اطلاع دی۔ شکریہ۔''

''میں استاد کی موت کے متعلق تحقیقات کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں.....اوہ.....اب میں اجازت چاہتا ہوں۔''

''چائے تو پی لیجئے۔''

''نہیں..... آپ کو تھوڑی تکلیف دوں گا۔ آج شام مجھ سے آرلکچو میں ملئے۔ چند ضروری باتیں کرنا ہیں۔ یہاں میز ازیادہ دیر ٹھہرنا مناسب نہیں اور ہاں ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں آپ کے رکھ رکھاؤ سے یہ نہ ظاہر ہونے پائے کہ آپ خفیہ پولیس والوں کی مصروفیات سے واقف ہیں۔ اگر میں نے حالات دگرگوں دیکھے تو آپ کو نکال لے چلوں گا۔ ایک بات اور یہ کہ بقیہ ساتھیوں کو ابھی میرے متعلق علم نہ ہونے پائے۔ شام کو گفتگو کرنے کے بعد اگر اس کی ضرورت سمجھی گئی تو انہیں مطلع کر دیا جائے گا..... ورنہ نہیں۔'' تنویر خاموش ہو گیا۔ پھر مصنوعی ڈاڑھی چہرے پر لگائی اور ہیٹ لیتا ہوا بولا۔ ''بھولئے گا نہیں..... شام سات بجے آرلکچو میں۔''

''بہت اچھا..... میں ضرور آؤں گی۔''

وہ باہر نکل گیا۔ سلیمہ کھڑکی سے اسے دیکھتی رہی۔ چلنے کا انداز کتنا پروقار تھا۔ اس نے سوچا اور دیکھا کہ دفعتاً ایک دبلا پتلا آدمی ایک کیفے سے نکلا اور تنویر کا پیچھا کرنے لگا۔ سلیمہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ لیکن تنویر..... وہ سڑک کے کنارے ادھر اُدھر بھٹکتا پھر رہا تھا۔ سلیمہ بے اختیار مسکرا پڑی۔ ''کتنا چالاک ہے'' سلیمہ نے آہستہ سے کہا اور کھڑکی کا پردہ گرا دیا۔ غسل خانہ سے واپس آ کر اس نے چوکیدار کو بلوایا۔

''ارے..... وہ چار نمبر والا رات کو آیا یا نہیں؟'' اس نے چوکیدار سے پوچھا۔

''ہاں بی بی جی..... وہ دو بجے رات آیا تھا..... اور چار بجے واپس چلا گیا۔''

''ہونہہ..... اچھا تم جاؤ۔'' سلیمہ نے کہا۔

چوکیدار چلا گیا اور وہ سوچ میں پڑ گئی۔ آخر یہ کرایہ دار کون ہے۔ اتنی پراسرار حرکتوں کا مطلب..... آخر کس طرح اس کا پتہ لگایا جائے۔ جب اس کے انتظار میں رات بھر جاگتی رہتی ہے تو وہ آتا ہی نہیں۔ کیا کیا جائے.....؟ سلیمہ نے ناشتہ کیا اور دیر تک اس عجیب و غریب کرایہ دار کے متعلق سوچتی رہی۔ آخر وہ کون ہے کیا اس نے بھاری جرم کیا ہے کیا وہی تو اس کے بھائی کا قاتل نہیں۔ پھر اسے تنویر کا خیال آیا..... کس صفائی سے اس نے بھیس بدل رکھا تھا اور کتنا چالاک تھا۔ وہ اس چھوٹی سی عمر میں اتنا تجربہ کار..... اس نے اس کی موجودگی میں ایک سکون

محسوس کیا تھا۔ اسے ایسا معلوم ہوا تھا جیسے اچانک ایک سہارا مل گیا ہو۔ کلاک نے بارہ بجائے۔ اس کی بیچینی بڑھ گئی۔ ابھی پورے سات گھنٹے ہیں۔ اسے ایک ایک منٹ پہاڑ معلوم ہونے لگا۔ تنویر کی دلآویز مسکراہٹ، لہجے کی نرماہٹ، تہذیب یافتہ اطوار، وہ سوچنے لگی کہ تنویر ضرور کسی اونچی سوسائٹی کا فرد ہے۔ مگر وہ اس گروہ کے چکر میں کیسے پھنس گیا۔ وہ ضرور اس کے ساتھ بمبئی چلی جائے گی۔ اس دوران میں اس نے نہ جانے کتنے ہوائی قلعے بنا ڈالے۔ پھر اسے صفدر مرزا یاد آیا۔ جو کچھ دنوں سے اس میں دلچسپی لینے لگا تھا۔ ذلیل، قاتل، اس کی ناک پر تنفر آمیز شکنیں ابھر آئیں جب سے وہ اس گروہ میں شامل ہوا تھا، پے در پے مصیبتیں نازل ہو رہی تھیں۔ پندرہ سال سے ہر کام خوش اسلوبی سے انجام پا رہا تھا۔ مگر پہلے کام کی نوعیت ہی دوسری تھی۔ اس نوٹ بنانے والے جھنجھٹ میں اس کے بھائی کو پھنسانے والا یہی تھا۔ لیکن بھائی صاحب نے آج تک یہ نہیں بتایا تھا کہ ان کا گروہ اتنا منظم ہے اور ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیلا ہوا ہے۔ بمبئی کے کچھ لوگوں کا تذکرہ ضرور ہوا تھا لیکن انہیں وہ معمولی قسم کے بدمعاش سمجھی ہوئی تھی۔ اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ ان میں تنویر جیسے ذہین اور پڑھے لکھے آدمی بھی موجود ہیں۔ وہ دن بھر پلنگ پر پڑی اونگھتی رہی۔ غنودگی کے کیف آور دھندلکے میں بار بار تنویر کا چہرہ ابھرتا۔ اس کی لوچدار مگر مردانہ وقار کی حامل آواز بار بار کانوں میں گونج اٹھتی۔ سورج آہستہ آہستہ مغرب کی طرف جھکنے لگا۔ وہ اٹھی اور اپنی بہترین پوشاک نکال کر آئینے کے سامنے پہنچ گئی اور پھر ساڑھے چھ بجے وہ گھر سے روانہ ہو گئی۔ آرلکچو کے ہال میں داخل ہو کر وہ ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔ ایک بیرا اسے اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔

''میم صاحب اس طرف.....!'' اس نے اشارہ کرتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

سلیمہ اس کے ساتھ چلنے لگی۔ وہ ایک کیبن کی طرف اشارہ کر کے آگے بڑھ گیا۔ سلیمہ پردہ ہٹا کر اندر داخل ہو گئی۔ تنویر بیٹھا ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا۔

''مجھے شاید کچھ دیر ہو گئی۔''

''نہیں تو۔'' سلیم نے مسکرا کر کہا۔ ''ٹھیک سات بجے ہیں۔''

سلیمہ بیٹھ گئی۔ تنویر نے باہر کھڑے ہوئے بیرے کو بلا کر کھانے کا آرڈر دیا۔ سلیمہ اسے

بہت غور سے دیکھ رہی تھی، تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد تنویر نے پوچھا۔ ''میں بڑ
کے حادثے کے متعلق تفصیل کے ساتھ سننا چاہتا ہوں۔ مجھے اپنی معلومات سے آپ کے بیان
مقابلہ کرنا ہے۔''

''بھائی صاحب نے بنک کا دروازہ کھول دیا۔'' سلیمہ نے دھیمی آواز میں کہنا شروع کیا
''صفدر مرزا اور دوسرے آدمی جعلی نوٹوں سے بھری ہوئی کار لے کر پہنچے۔ لیکن اس وقت آمد
رفت زیادہ ہونے کی وجہ سے موقع نہیں تھا لہٰذا وہ کار ایک طرف کھڑی کر کے ادھر اُدھر منتشر
ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد دفعتاً ایک آدمی اس کار کو لے بھاگا۔ صفدر اور اس کے ساتھی گھبرا گئے
بمشکل تمام وہ لوگ ایک دوسری کار حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے اور انہوں نے اس کا پیچھا
کرنا شروع کر دیا۔ دلاور پورتک وہ اس کا تعاقب کرتے رہے۔ پھر اچانک معلوم نہیں اس کار کو
زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔ صفدر وغیرہ اس آدمی کو ڈھونڈتے ہوئے سعید نامی ایک زمیندار
کے یہاں گھس گئے۔ وہاں انہیں کچھ شبہ ہوا اور وہ معمولی پوچھ گچھ کر کے لوٹ آئے۔ چونکہ
انہیں شبہ ہو چکا تھا اس لئے گھات میں لگے رہے۔ وہ آدمی دراصل وہیں تھا۔ جب یہ لوگ دوبارہ
اس گھر میں گئے تو وہ نکل کر بھاگا۔ یہ سب اتنی خاموشی سے ہوا کہ سعید اور اس کی بیوی کو خبر تک
نہ ہو سکی۔ وہ بھاگ رہا تھا اور یہ لوگ اس کا تعاقب کر رہے تھے۔ صفدر مرزا کے ہمراہیوں میں ان
کا جڑواں بھائی انور مرزا بھی تھا۔ اگر آپ دونوں کو ایک جگہ دیکھ لیتے تو آپ یہ اندازہ نہ لگا سکتے
کہ کون صفدر ہے اور کون انور۔ کچھ ایسی مشابہت تھی دونوں میں۔ انور مرزا دوڑتے وقت اپنے
ہمراہیوں سے کچھ آگے نکل گیا۔ دفعتاً صفدر مرزا نے اس بھاگتے ہوئے آدمی کو چاقو کھینچ مارا۔
اتفاقاً انور مرزا درمیان میں آ گیا۔ اس کے گرتے ہی ان لوگوں کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ یہ اسے
دیکھنے میں لگ گئے اور وہ آدمی غائب ہو گیا۔''

''اسکی بعد کے حالات مجھے معلوم ہو چکے ہیں۔'' تنویر بولا۔ ''صفدر نے سعید کو چھوڑ کر ایک
بھاری غلطی کی۔ پولیس تو یوں بھی اس کی تلاش میں تھی، اسے تو ٹھکانے ہی لگا دینا چاہئے تھا۔''

''یعنی وہ ایک اور قتل کرتا۔'' سلیمہ نے کراہت سے کہا۔

''قتل و غارت گری تو مجھے بھی پسند نہیں لیکن اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔ خیر

تو وہ کار آج تک نہ مل سکی۔'' تنویر نے کہا۔

''نہ معلوم وہ آدمی کون تھا اور اس کار کو کہاں لے گیا۔''

''ساری مصیبتیں محض صفدر مرزا کی وجہ سے نازل ہوئیں۔ استاد کو اسے گروہ میں شامل نہ
کرنا چاہئے تھا۔''

''کیوں..... اس کی وجہ سے کیوں.....؟''

''اس لئے کہ ایک آدمی رنگون ہی سے اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔'' تنویر نے کہا۔

''کون.....؟'' سلیمہ چونک کر بولی۔

''وہی آپ کا پراسرار کرایہ دار۔'' تنویر نے کہا۔

سلیمہ اچھل پڑی۔

''لیکن گھبرائیے نہیں۔'' تنویر نے کہا۔ ''اب اس کا وقت قریب آ گیا ہے۔''

''وہ..... آخر ہے کون؟''

''ابھی بتاتا ہوں..... ہاں وہ گنگولی کا معاملہ کیا تھا.....؟''

''ارے آپ آخر کیا کیا جانتے ہیں۔'' سلیمہ حیرت سے بولی۔

''محض انہی معلومات اور اسی صلاحیت کی بناء پر فریدی سے ٹکرانے کا ارادہ کیا ہے۔'' تنویر
مسکرا کر بولا۔

''گنگولی کا معاملہ بھی ایک معمہ ہے۔ وہ بھائی صاحب کی کمرے میں گیا اور پھر واپس نہیں لوٹا۔''
تنویر مسکرانے لگا۔

''یہ بھی آپ کے کرایہ دار ہی کی ایک معمولی سی بازی گری تھی۔''

''یعنی..... آخر آپ بتاتے کیوں نہیں کہ وہ ہے کون؟''

''وہی جو نوٹوں سے بھری ہوئی کار لے اڑا..... وہی جو کاشانہ شمشیر سے سعید کی بیوی کو
نکال لے گیا۔''

''یعنی کہ..... وہ..... وہ.....!'' سلیمہ ہکلائی۔

''جی ہاں..... کنور شمشیر بہادر۔'' تنویر [illegible] ''صفدر سے اپنا انتقام لینے پر تلا ہوا ہے۔''

''تو کیا..... سچ مچ وہ بچ گیا تھا۔''

''جی ہاں۔''

سلیمہ خاموش ہوگئی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

''تو وہ کسی وقت بھی پولیس کو اس کی اطلاع دے سکتا ہے۔''

''آپ گھبرائیے نہیں..... جب تک صفدر بالکل اس کے قابو میں نہ آ جائے گا وہ یہ کرے گا۔ شاید اسے ڈر ہے کہ پھر صفدر اسے دھوکہ دے کر کہیں اور فرار نہ ہو جائے۔''

''مگر آپ کی معلومات کی داد دینی پڑتی ہے ایک ہی دن میں.....!'' سلیمہ نے کہا۔

''ابھی کیا دیکھا ہے آپ نے..... شاید فریدی کی موت مجھے یہاں لے آئی ہے۔''

''مگر میں تمہیں..... ارر..... آپ کو خون نہ کرنے دوں گی۔''

''نہیں..... آپ مجھے تم ہی کہہ کر مخاطب کریں، نجانے کیوں بڑا اچھا معلوم ہوتا ہے۔''

سلیمہ شرما گئی۔ تنویر اسے ایسی نظروں سے دیکھنے لگا جیسے قربان ہو جانے کا ارادہ رکھتا ہو۔

''آپ ان سب معاملات کو چھوڑیئے مجھے کسی طرح ان خطرات سے نکال لے چلئے۔ بہت پریشان ہوں۔''

''وہ تو آپ چلیں ہی گی میرے ساتھ۔ لیکن میں ان نوٹوں کو پولیس کے قبضے میں ہرگز جانے دوں گا۔ میں انہیں شمشیر سے اگلوا کر ہی رہوں گا۔''

''اچھا تو آج رات کو صفدر مرزا کو بلوا لیجئے گا۔ میں تقریباً ایک بجے آؤں گا۔ آج ہی شمشیر کا فیصلہ کرنا ہے۔''

''تو کیا قتل.....؟'' سلیمہ خوفزدہ آواز میں بولی۔

''نہیں..... وہ آپ کی جوتیوں کے طفیل بچ جائے گا۔''

''تو پھر کیا کیجئے گا.....؟''

''اس سے سارے نوٹ حاصل کر کے اسے کہیں قید کر دیں گے اور ہم لوگ نکل چلیں گے۔''

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔''

''صفدر کو بلوا لیجئے گا۔'' تنویر نے کہا۔ ''لیکن ہاں اسے میرے متعلق تو بتا دیجئے گا۔''

شمشیر کا تذکرہ اس وقت تک نہ آنے پائے جب تک کہ میں وہاں پہنچ جاؤں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ جلد بازی سے کام لے اور سارا کھیل بگڑ جائے وہ کچھ بیوقوف قسم کا آدمی ہے۔''

''بہت اچھا..... تو پھر میں ایک بجے آپ کا انتظار کروں گی۔ لیکن دیکھئے اپنے وعدے سے پھریئے گا نہیں۔ اب مجھ میں لاشیں دیکھنے کی تاب نہیں رہ گئی۔''

اندھیرا.... اجالا

تنویر، صفدر اور سلیمہ آہستہ آہستہ کمرہ نمبر ۴ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ کرایہ دار ابھی تک لوٹ کر نہیں آیا تھا۔ تنویر نے کنجیوں کا ایک لچھا نکالا اور یکے بعد دیگرے کنجیاں لگانے لگا۔ ایک کنجی سے تالا کھل گیا۔

''دیکھئے.....!' تنویر نے سلیمہ کو مخاطب کر کے کہا۔ ''ہم لوگ اندر جاتے ہیں۔ آپ تالا لگا کر اپنے کمرے میں چلی جائیے۔''

''نہیں..... میں بھی اندر ہی چلوں گی۔''

''تو پھر کام ہو چکا۔'' تنویر نے جھلا کر کہا۔ ''وہ تالا کھلا دیکھ کر الٹے ہی پیر واپس چلا جائے گا۔''

''تنویر ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' صفدر بولا۔

''اگر کچھ گڑبڑ ہوئی تو.....؟''

''تو آپ کی موجودگی اس گڑبڑ کو روک دے گی؟'' تنویر ہنس کر بولا۔

''دیکھئے..... یہ نہیں۔'' سلیمہ مچل کر بولی۔

''میں جو کہہ رہا ہوں وہ کیجئے۔'' تنویر نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

وہ دونوں اندر چلے گئے اور سلیمہ باہر سے تالا لگا کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اندر اندھیرا

تھا۔تنویر نے ٹارچ جلائی۔

''میرا خیال ہے کہ ہم اس پلنگ کے نیچے چھپ جائیں۔'' تنویر نے کہا۔''اس کے چار
طرف لٹکی ہوئی چادر ہمیں اچھی طرح چھپالے گی۔''

دونوں پلنگ کے نیچے چھپ گئے۔

کلاک نے دو بجائے اور تھوڑی دیر بعد برآمدے میں پیروں کی آہٹ ہوئی۔تالے
کنجی گھومنے کی آواز سنائی دی۔دروازہ کھولا گیا۔پھر بند کر کے چٹخنی چڑھا دی گئی اور پھر کمر
بلب روشن ہوگیا۔صفدر نے چارپائی کی چادر ذرا سی کھسکائی۔ایک بھاری بھرکم آدمی ان کی طر
پشت کئے کھڑا تھا۔تنویر آہستہ سے پلنگ کے نیچے سے نکلا اور پستول کی نال اس کی گردن
لگادی۔وہ چونک پڑا۔

''خبردار جنبش نہ ہو۔ورنہ لبلبی دب جائے گی۔'' تنویر آہستہ سے بولا۔صفدر مرزا بھی
اس کے سامنے کھڑا ہوگیا۔اس آدمی کے جسم پر خوف کی وجہ سے لرزہ طاری ہوگیا۔

''صفدر یہ لو۔'' تنویر نے ایک پتلی اور مضبوط رسی جیب سے نکال کر صفدر کی
بڑھاتے ہوئے کہا۔''شمشیر بہادر کو نہایت احتیاط سے جکڑ دو اور تم شمشیر بہادر چپ چاپ
کرسی پر بیٹھ جاؤ.....چلو.....!''

شمشیر بہادر کو کرسی سے جکڑ دیا گیا۔

''وہ کار کہاں ہے شمشیر جی۔'' تنویر نے پوچھا۔

''میں نہیں جانتا۔''

''بتاؤ۔''

''میں نہیں جانتا کون سی کار۔''

''یہ ایسے نہیں بتائے گا۔'' تنویر نے جیب سے ہتھکڑیوں کا جوڑا نکالتے ہوئے کہا
میاں صفدر اسے اپنے ہاتھوں میں پہن لو۔''

''کیا مطلب.....؟'' صفدر چونک کر بولا۔

''جلدی کرو.....میرے پاس وقت نہیں ہے۔'' تنویر نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''نہ جانے تم کیا کہہ رہے ہو.....؟'' صفدر تیز لہجے میں بولا۔

''فریدی پر چاقو سے حملہ کر کے بچ نکلنا آسان کام نہیں ہے صفدر صاحب۔'' تنویر نے
پستول کا رخ صفدر کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

''دھوکا.....دھوکا۔'' صفدر غصے میں چیخا۔''کمینی سلیمہ نے غداری کی۔''

''نہیں.....وہ غریب خود بھی دھوکا کھا گئی۔وہ اس وقت سرجنٹ حمید اور جگدیش کے قبضے
میں ہوگی اور تمہارے سارے گرگے، جو اس عمارت میں موجود ہیں تمہاری ہی طرح حیرت سے
ایک ایک کا منہ تک رہے ہوں گے۔''

شمشیر بہادر نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

فریدی نے اپنے ہونٹ اور ناک پر چپکے ہوئے پلاسٹک کے ٹکڑے نوچنے شروع کر دیئے۔
نویر کا میک اپ ختم ہو چکا تھا اور فریدی اپنی صحیح شکل وصورت میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔دفعتاً
دروازے پر دستک ہوئی۔فریدی پستول کی نال صفدر کی طرف کئے ہوئے دروازے کے قریب
آیا اور چٹخنی گرادی۔جگدیش اور حمید سلیمہ کو پکڑے ہوئے اندر داخل ہوئے۔

''حمید صفدر مرزا کے ہتھکڑیاں لگادو۔'' فریدی نے کہا۔

حمید نے آگے بڑھ کر صفدر مرزا کے ہتھکڑیاں لگا دیں۔

''سلیمہ تمہیں حیرت ہو رہی ہوگی۔'' فریدی مسکرایا۔

''آج زندگی میں میں نے پہلی بار دوہرا بھیس بدلا۔جو توقع سے زیادہ کامیاب رہا۔اگر
ں تمہیں دھوکا نہ دیتا تو صفدر میاں پر ہاتھ پڑنا ہی مشکل تھا اور صفدر مرزا تم سنو.....کل رات
اثانہ شمشیر میں شمشیر بہادر نہیں، میں ہی تھا۔گھبراہٹ میں تم نے وہیں اقبال جرم کرلیا اور کل
ارات کو میں نے صدر دروازے کے سامنے والی چائے کی دکان کے نیچے پڑے پڑے شمشیر
ادر کو بھی دیکھا تھا اور سلیمہ تم ڈرو نہیں۔میں نے تنویر کے بھیس میں جو وعدہ تم سے کیا تھا اسے
رور پورا کروں گا۔تم بچالی جاؤ گی۔لیکن اس کے لئے تمہیں گواہ بننا پڑے گا اور تم شمشیر بہادر،
اسنے تو یہ مشہور کر رکھا تھا کہ تمہارا کوئی وارث ہی نہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' شمشیر نے کہا۔''اس وقت واقعی مجھے معلوم نہیں تھا۔یہ تو اچانک مجھے معلوم

ہوا کہ میرے ایک سوتیلے چچا بچپن ہی میں ناراض ہوکر گھر سے چلے گئے تھے۔ میں نے پتہ
شروع کردیا تو معلوم ہوا کہ وہ مر چکے ہیں لیکن ان کے دولڑکے صفدر مرزا اور انور مرزا اب
رنگون میں موجود ہیں۔ رنگون پہنچا۔ خفیہ طور پر ان کا پتہ لگایا۔ صفدر سے دوستی کر کے اس کے چا
چلن کا پتہ لگانا شروع کیا۔ کسی طرح اس کو میری اصلیت معلوم ہوگئی۔ اس نے جلد سے جلد
ریاست کا مالک بن جانے کے لالچ میں مجھے قتل کرنا چاہا۔ مجھے مچھلی کا شکار کھلانے کے بہا
لے گیا اور کشتی پر مجھے گولی کا نشانہ بنایا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں نے خود کو دریا کے کنار
ایک گاؤں میں پڑا پایا۔ گولی میرے بازو میں لگی تھی، زندگی تھی، جو ڈوب کر نہیں مرا میں
صفدر سے انتقام لینے کی ٹھان لی۔ اپنی موت کی خبر میں نے ہی اخباروں میں شائع کرائی تھی
صفدر کا پیچھا کرتا ہوا میں ہندوستان آیا..... یہاں آ کر اس نے سلیم سے ساز باز کی اور جعلی نو
بنانے لگا۔"

"اس کے آگے مجھے معلوم ہے۔" فریدی نے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ سلیم کیسے مرا.....؟"

"سلیم بنک کا دروازہ کھول چکا تھا۔ نوٹوں والی کار بھی آ چکی تھی۔ اتفاق سے میں شرو
ہی سے پیچھے لگا ہوا تھا۔ میں نے سوچا کہ کہیں یہ لوگ کامیاب نہ ہو جائیں۔ لہٰذا میں نے جگد
صاحب کو گنگولی کی طرف سے فون کیا اور آپ کو سلیم کی طرف سے۔ اور خطرے کا الارم بجا
گھبراہٹ میں سلیم کو کھینچتا ہوا اوپر لے گیا۔ راستے میں اس کا سر دیوار سے ٹکرا کر زخمی ہوگیا
تھوڑی دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ وہ بے ہوش ہوگیا ہے۔ میں نے جلدی میں اسے وہیں
چھت پر لٹا دیا اور خود نیچے بھاگا۔ دیر ہوتی جارہی تھی۔ نہ تو الارم سن کر گنگولی ہی نیچے آیا تھا اور
پولیس کا ہی پتہ تھا۔ میں نے یہی مناسب سمجھا کہ کار لے کر فرار ہو جاؤں۔ کار اب بھی دلاور
میں محفوظ ہے..... پھر میں.....!"

"گنگولی کو کیا ہوا.....؟" فریدی نے پوچھا۔

"میں نے اسے چھپا رکھا ہے۔"

"کیوں.....؟"

"میں نے مجبوراً ایسا کیا تھا۔ گنگولی سلیم کی موت کے بعد اس کے کمرے کی تلاشی

آیا۔ یہاں ایک کاغذ پر بے شمار نوٹوں کے نمبر لکھے ہوئے ملے۔ وہ سمجھ گیا کہ سلیم نے کس مقصد
سے بنک میں نوکری کی تھی۔ مجھے خوف ہوا کہ کہیں یہ اپنا شبہ ظاہر کر کے اس کی پبلسٹی نہ کرے۔
اگر ایسا ہوتا تو صفدر مرزا جو چھپ کر نوٹوں والی کار تلاش کر رہا تھا اس شہر ہی سے فرار ہو جاتا اور
میں اس سے انتقام نہ لے پاتا اور گنگولی دلاور پور کے ایک ماہی گیر کے جھونپڑے میں اب بھی
موجود ہے۔"

"تو تم نے اسے بند کر رکھا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں وہ اپنی خوشی سے وہاں مقیم ہے، لیکن میں نے اسے اس بات کا یقین دلا دیا تھا کہ
پولیس کو اس پر شبہ ہے اور اس کا وارنٹ گرفتاری بھی جاری ہو چکا ہے۔"

"بہرحال تمہیں بھی اپنے کو قیدی ہی سمجھنا چاہئے۔ یہ اور بات ہے کہ تم عدالت سے بری
ہو جاؤ۔ تم پر پہلا چارج تو یہ ہے کہ تم نے سلیم کو بیہوشی کی حالت میں سپاٹ چھت پر چھوڑ دیا اور
ایک ہی کروٹ اسے نیچے لے آئی۔ دوسرا چارج یہ کہ تم نے جعلی نوٹوں کو فوراً ہی پولیس کے
حوالے کر دینے کی بجائے اتنے دنوں تک اپنے قبضے میں رکھا۔ تیسرا چارج یہ کہ تم نے ایک بے
گناہ شہری کو دھوکہ دے کر اتنے عرصہ تک نظر بند رکھا۔"

شمشیر بہادر خاموش تھا۔

"میاں حمید اور بھائی جگدیش۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "دیکھا تم نے آخر سعید اور اس کی
بیوی بے داغ چھوٹ گئے۔"

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 10

احمقوں کا چکر

(مکمل ناول)

پکنک

صبح کی نم اور خنک چادر فضا پر محیط تھی۔ سورج ابھی نہیں نکلا تھا۔ سرسبز پتیوں پر اوس کی جھلملاتی ہوئی بوندیں لرز رہی تھیں۔ آسمان صاف تھا۔ نیلا بے کراں آسمان اور افق میں گہرے رنگوں کی چمک دار دھاریاں۔

فریدی کے پائیں باغ میں سرجنٹ حمید ایک کتاب کی مدد سے قدیم ہندو تہذیب کی مختلف ورزشوں کی مشق کر رہا تھا۔ کبھی ایک ٹانگ پر کھڑا ہو کر گہرے گہرے سانس لیتا اور کبھی پالتھی مار کر بیٹھ جاتا۔ پھر کتاب میں ترکیبیں دیکھ کر طرح طرح کے منہ بناتا اور پیٹ چپکانے کی مشق کرتا۔ فریدی برآمدے میں بیٹھا شیو کر رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ اس کی حماقتوں کو دیکھ کر مسکرا دیتا۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے حمید سر کے بل کھڑا ہو گیا۔ لیکن توازن قائم نہ رکھ سکنے کی بناء پر پھر گر پڑا۔ وہ اپنی گردن سہلانے لگا۔ شاید کوئی رگ چک گئی تھی۔ پھر اس نے دوبارہ سر کے بل کھڑے ہونے کی کوشش کرنے کی بجائے کتاب کے ورق الٹنے شروع کر دیئے۔ اب وہ پھر پالتھی مار کر بیٹھ گیا اور اپنی ٹانگیں اٹھا کر گردن پر رکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ ایک ٹانگ تو اس نے کسی نہ کسی طرح رکھ ہی لی لیکن دوسری ٹانگ رکھتے ہی وہ بُری طرح چیخ کر لڑھک گیا۔ دونوں ٹانگیں گردن میں پھنسی ہوئی تھیں اور وہ خود چت پڑا بُری طرح چیخ رہا تھا۔ فریدی شیو کر کے اٹھا۔ حمید کو اس حال میں دیکھ کر چند لمحے مسکراتا رہا پھر اندر چلا گیا۔ حمید دراصل چیخ چیخ کر اسے مدد کے لئے بلا رہا تھا

لیکن اس کی بے رخی دیکھ کر اسے تاؤ آ گیا اور دو تین جھلائے ہوئے جھٹکوں نے اُسے اس کی نجات دلادی۔ وہ سیدھا اندر چلا گیا۔ واپسی پر اس کے ہاتھ میں بندوق تھی۔ اس نے ورزش کی کتاب ایک طرف رکھی۔ بندوق میں کارتوس چڑھایا اور نشانہ لے کر فائر کر دیا۔ کتاب کے پرخچے اڑ گئے۔

''کیا اودھم مچا رکھی ہے۔'' فریدی نے برآمدے میں آ کر کہا۔

''آپ سے مطلب۔'' حمید نے کہا اور منہ بنائے ہوئے اندر چلا گیا۔

''آخر تمہارا پچپنا کب رخصت ہوگا۔'' فریدی نے کہا۔

''جب جوانی آئے گی۔''

''اچھا.....اچھا.....جلدی کیجئے.....وہ لوگ آ رہے ہوں گے۔''

''میں کہیں نہ جاؤں گا۔''

''کیا کہا.....!'' فریدی اسے گھور کر بولا۔ ''پھر تم نے شہناز وغیرہ سے وعدہ کیوں کر لیا تھا۔''

''کر لیا ہوگا۔''

''خیر میں تو بہر حال جاؤں گا۔ پکنک ہو کر رہے گی۔ اچھا ہے تم نہ جاؤ.....تمہاری وجہ سے بڑی بے لطفی ہو جائے گی۔''

''جی ہاں.....بہتر ہے.....شہناز بھی نہ جائے گی۔'' حمید نے کہا۔

''یہ تم سے کس احمق نے کہہ دیا۔ میں اسے کھینچ کر لے جاؤں گا۔'' فریدی نے کہا۔ ''آج یہی دیکھنا ہے کہ وہ تمہارا کہنا مانتی ہے یا میرا۔''

''خیر دیکھا جائے گا۔'' حمید نے کہا اور غسل خانے میں گھس گیا۔

فریدی لباس تبدیل کر کے باورچی کو کچھ ہدایات دینے چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد کمپاؤنڈ میں ایک کار آ کر رکی۔ شہناز اور اس کی دو سہیلیاں شیلا ثریا اور اشرف ثریا کا بھائی کار سے اتر کر کوٹھی میں داخل ہوئے۔

''آیئے.....آیئے میں انتظار ہی کر رہا تھا۔'' فریدی نے ان کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

''ہمیں دیر تو نہیں ہوئی۔'' شہناز بولی۔

''آپ تو ٹھیک وقت پر پہنچیں لیکن شاید ہمیں دیر ہو جائے۔''

''کیوں.....؟'' شہناز نے پوچھا۔

''حمید کا اسکریو پھر کچھ ڈھیلا ہو گیا ہے۔'' فریدی نے اپنی کنپٹی پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

''ارے یہ کوئی نئی بات نہیں۔'' شہناز ہنس کر بولی۔ اور اُس کی دونوں سہیلیاں اسے شرارت آمیز نظروں سے گھورنے لگیں۔

فریدی انہیں لے کر کھانے کے کمرے میں آیا جہاں بڑی میز پر ناشتہ چنا ہوا تھا۔

''ارے اس کی کیوں تکلیف کی۔'' اشرف نے کہا۔

''تکلیف.....ابھی تک تو کوئی خاص تکلیف نہیں ہوئی۔'' فریدی نے ہنس کر کہا۔

''اور حمید صاحب۔'' ثریا بولی۔

''ابھی وہ غسل خانے ہی میں تشریف فرما ہیں۔'' فریدی نے کہا۔ ''ہم لوگ شروع کرتے ہیں وہ آ ہی جائیں گے۔''

''پھر بھی انتظار کر لینے میں کیا ہرج ہے۔'' شہناز بولی۔

''تو آپ کیجئے انتظار.....ہم لوگ تو شروع کر رہے ہیں۔'' فریدی نے کہا۔ سب لوگ ہنسنے لگے اور شہناز نے شرما کر سر جھکا لیا۔

''میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ وہ ایسی ہی حالت میں سیدھا رہتا ہے جب اس کے ساتھ لاپروائی برتی جائے۔'' فریدی نے کہا۔ ''ورنہ دوسری صورت میں تو مزاج ہی نہیں ملتے۔''

''بہر حال شہناز.....آپ کے مشورہ پر عمل نہ کر سکیں گی۔'' ثریا بولی۔

''خیر تو آپ زچ ہوں گی مجھے کیا کرنا ہے۔'' فریدی نے کہا اور ناشتہ شروع کر دیا۔

وہ لوگ ناشتہ کر ہی رہے تھے کہ کمپاؤنڈ میں کار اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔

''لیجئے نکل گیا ہاتھ سے۔'' فریدی نے چونک کر کہا۔ ''عجیب خبطی آدمی ہے۔ بعض اوقات مجھے سچ مچ اس پر غصہ آنے لگتا ہے۔''

شہناز کرسی سے اٹھ کر کھڑکی کے قریب آئی۔ حمید فریدی کی کار پھاٹک کے باہر لے جا چکا تھا۔ وہ کچھ مضمحل سی ہو کر واپس آ گئی۔

''دیکھا آپ نے۔'' فریدی نے اس کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھ کر کہا۔

''تو میں کیا کروں۔'' شہناز تیوری چڑھا کر بولی۔

''اسے آدمی بنایئے..... میں تو تھک کر ہار چکا ہوں۔''

اس پر ایک قہقہہ پڑا اور شہناز جھینپ گئی۔

''تو اس کا مطلب یہ کہ پکنک نہ ہو سکے گی۔'' شیلا نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

''نہیں صاحب یہ کیسے ہو سکتا ہے۔'' فریدی بولا۔

''شاید شہناز نہ جائیں۔'' ثریا نے کہا۔

''کیوں.....!'' شہناز ثریا کو گھور کر تیز لہجے میں بولی۔ ''میں کیوں نہ جاؤں گی۔''

''ارے بھئی..... اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے۔'' شیلا ہنس کر بولی۔

ناشتہ کر چکنے کے بعد فریدی نے اپنی رائفل اٹھائی اور ان لوگوں کے ہمراہ برآمدے میں آیا۔

''کیا بتاؤں کار لے کر چلا گیا۔'' فریدی بولا۔

''کرنا کیا ہے۔'' اشرف نے کہا۔ ''کار ہے تو۔''

سب اشرف کی کار میں بیٹھ کر روانہ ہوئے۔

''میں شاید دو سال بعد جھریا' کی طرف جا رہا ہوں۔'' فریدی نے کہا۔

''اب تو وہاں دو ایک عمارات بھی بن گئی ہیں۔'' اشرف بولا۔

''عمارتیں.....!'' فریدی چونک کر بولا۔ ''وہ تو ایک بالکل ہی ویران مقام ہے۔''

''ٹھیک جھیل کے سامنے دو ڈاکٹروں نے اپنی تجربہ گاہ بنا رکھی ہے۔ بہت بڑی اور شاندار عمارت ہے۔ اس سے تقریباً ایک میل کی دوری پر ایک کارخانہ ہے جہاں خیموں اور چھولداریوں کے لئے بانس کے ستون بنائے جاتے ہیں۔''

''تجربہ گاہ کس قسم کی ہے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''بہت ہی دلچسپ اور عجیب۔'' اشرف بولا۔ ''انہوں نے بے شمار وحشی درندے پال رکھے ہیں۔''

''وحشی درندے۔'' فریدی نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے تو ابھی کہا تھا کہ وہ ڈاکٹر ہیں۔ بھلا ڈاکٹروں کا وحشی درندوں سے کیا کام۔''

''وہ ڈاکٹر بھی عجیب ہیں۔'' اشرف نے کہا۔ ''میں نے سنا ہے کہ وہ کوئی بالکل نئے قسم کے تجربات کر رہے ہیں۔''

''کس سلسلے میں.....؟'' فریدی نے پوچھا۔

''وضاحت کے ساتھ تو مجھے معلوم نہیں، لیکن اتنا سنا ہے کہ وہ آدمی کی کایا پلٹ کر دیتے ہیں۔''

''چیز بڑی دلچسپ ہے۔'' فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''اور اس سے بھی زیادہ دلچسپ ان کے سائن بورڈ ہیں۔'' اشرف ہنستا ہوا بولا۔

''ایک سائن بورڈ پر لکھا ہے بزدلوں کو شیر بنانے کا کارخانہ، خیر یہ تو کوئی ایسی بات نہیں۔ لیکن دوسرا سائن بورڈ تو بالکل ہی احمقانہ ہے۔ اس پر لکھا ہے یہاں ٹوٹے پھوٹے آدمیوں کی مرمت کی جاتی ہے۔''

سب لوگ بے ساختہ ہنس پڑے لیکن فریدی ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہو گیا۔

''آپ لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔'' فریدی تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔

''خود چل کر دیکھ لیجئے گا۔'' اشرف نے کہا۔

''ایسے موقع پر حمید صاحب کی کمی بہت شدت سے محسوس ہوگی۔'' ثریا بولی۔

''مجھے امید ہے کہ اس سے جھریا لی پر ضرور ملاقات ہوگی۔'' فریدی نے کہا۔

''کیا کہہ کر گئے ہیں۔'' شہناز نے پوچھا۔

''کہہ کر تو نہیں گیا..... لیکن انداز سے یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ مچھلیوں کے شکار کا سامان گھر پر موجود نہیں تھا۔''

''تب تو وہ یقیناً وہیں گئے ہیں۔ لیکن اس طرح جانے کی کیا ضرورت تھی۔''

''ضرورت تو وہی جانے۔ اسے دوسروں کو تنگ کرنے میں لطف آتا ہے۔ وہ محض اسی لئے کار لے کر چلا گیا کہ میں تھوڑی دیر تک جھنجھلاہٹوں کا شکار رہوں۔'' فریدی نے کہا۔

''عجیب آدمی ہیں۔'' ثریا بولی۔

''میرا ہی جگرا ہے کہ اس کے نخرے سنبھالتا ہوں۔'' فریدی شہناز کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''ہر ایک کے بس کا روگ نہیں۔''

''تو یہ آپ شہناز کو کیوں سنا رہے ہیں۔'' ثریا ہنس کر بولی۔

شہناز نے اُسے گھور کر دیکھا اور فریدی مسکرانے لگا۔

''میں نہیں اس لئے سنا رہا ہوں کہ اب بھی اپنا فیصلہ بدل دیں۔'' فریدی بولا اور شہ
جھینپ گئی۔

''اب زیادہ نہ چھیڑیئے، ورنہ یہ اس کی کسر یہ صاحب سے نکال لیں گی۔'' شیلا نے کہا

تقریباً دو گھنٹے بعد وہ لوگ جھریالی پہنچ گئے۔ یہ ایک پرفضا مقام ہے بلکہ اگر اسے شکار
کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ تقریباً دو میل کے رقبے میں ایک خوبصورت جھیل پھیلی ہوئی ہے، ج
کے چاروں طرف سرسبز جنگل ہیں جو زیادہ گھنے نہیں دراصل اسی جھیل ہی کا نام جھریالی ہے۔ ا
کے ساتھ ہی ساتھ اس کے قرب و جوار کا علاقہ بھی اسی نام سے پکارا جانے لگا ہے۔ یہاں ہ
اور بارہ سنگھوں کا بہت اچھا شکار ہوتا ہے۔ کبھی کبھار وحشی درندے بھی مل جاتے ہیں جن
تیندوا تو بہت ہی عام ہے جھیل میں مچھلیوں کا اچھا خاصا شکار ہوتا ہے۔''

تھوڑی دور پر فریدی کو اس کی کار کھڑی دکھائی دی۔

''لیکن حمید کہاں گیا۔'' فریدی نے کہا۔

''کہیں ہوں گے۔'' شہناز لاپرواہی سے بولی۔

دفعتاً قریب کی جھاڑیوں میں جنبش ہوئی۔ حمید نے سر نکال کر باہر دیکھا اور پھر اسی طر
پیچھے ہٹ گیا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

سب لوگ جھاڑیوں میں گھس گئے۔ حمید نے مچھلی پھنسانے کی ڈوریں جگہ جگہ لگا رکھی تھ
اور ایک پتھر سے ٹیک لگائے بیٹھا پائپ پی رہا تھا۔

ان لوگوں کے وہاں پہنچ جانے پر بھی اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔

''منانے والوں کو دیکھ کر لوگ روٹھا ہی کرتے ہیں۔'' ثریا ہنس کر بولی۔

''کیا مطلب.....؟'' شیلا بولی۔

''فریدی صاحب اور شہناز جیسے قدر دانوں کی موجودگی بھلا کسے نصیب ہوگی۔''

حمید کے رویہ سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بہرا ہو گیا ہو۔ دفعتاً اس نے ایک ڈو

چرخی چلانی شروع کی اور ایک بڑی سی مچھلی کو پانی سے کھینچ کر باہر نکال لیا۔

''بہت اچھے..... بہت اچھے۔'' ثریا اور شیلا تالیاں بجاتی ہوئی چیخیں۔

''اور وہ تجربہ گاہ۔'' فریدی اشرف کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

''ان درختوں کے پیچھے۔'' اشرف نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا تو آپ لوگوں کا کیا پروگرام ہے۔'' فریدی نے بلند آواز میں پوچھا۔

''ہم سب پہلے اس عجیب و غریب تجربہ گاہ کو دیکھیں گے۔'' عورتوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

''ضرور دیکھئے۔'' حمید اچانک بولا۔ ''قریب قریب آپ سبھی کافی ٹوٹے پھوٹے ہیں۔''

''تو کیا تم اسے دیکھ آئے ہو۔'' فریدی نے پوچھا۔

''دیکھنا کیسا..... میں نے تو اپنا نام بھی رجسٹر میں درج کرا دیا ہے۔ ایک ماہ بعد میرا نمبر آئے گا۔''

''کیا مطلب.....؟'' فریدی نے پوچھا۔

''شیر بننے کا ارادہ ہے۔'' حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

''یعنی.....؟''

''دلچسپی کا مشغلہ ہاتھ آ گیا ہے دونوں پرلے سرے کے احمق ہیں۔''

''انہیں ڈاکٹروں کا تذکرہ کر رہے ہو۔''

''جی ہاں..... ایک انگلینڈ ریٹرن ہے اور دوسرا جرمنی سے ڈگری لے کر آیا ہے۔''

''خیر وہ تو سب ہے لیکن آپ وہاں سے اس طرح بھاگے کیوں؟'' شہناز نے تیوری چڑھا کر کہا۔

''تاکہ آپ لوگوں کے کھانے پینے کا معقول انتظام کر سکوں۔ میرے خیال سے اب آپ اس مچھلی کو ادھیڑنا شروع کر دیجئے۔'' حمید نے کہا۔

''مچھلی تو بعد میں ادھیڑ لی جائے گی۔'' ثریا بولی۔ ''شہناز کا خیال پہلے آپ ہی کو ادھیڑنے کا ہے۔''

حمید نے شہناز کی طرف ایسی بے بسی اور مسکینیت سے دیکھا کہ اسے بیساختہ ہنسی آ گئی۔

''آپ کا خیال غلط ہے۔'' حمید نے ثریا سے کہا۔ ''آپ خواہ مخواہ لوگوں کو بہکاتی پھرتی ہیں۔''

''اچھا تو کون کون چل رہا ہے۔'' فریدی نے کہا۔

سب کے سب تیار ہو گئے۔

''کہاں بیکار وقت برباد کرنے جاؤ گی۔'' حمید نے آہستہ سے شہناز سے کہا۔

''آپ سے مطلب.....!'' شہناز نے کہا اور فریدی کے ساتھ ہو لی۔

حمید بدستور بیٹھا چرخیاں گھماتا رہا۔

اشرف فریدی وغیرہ کی رہنمائی کر رہا تھا۔ درختوں کے جھنڈ سے گزرتے ہوئے وہ لوگ ایک عمارت کی چار دیواری کے قریب پہنچے۔ پھاٹک پر ایک نیپالی پہرے دار بیڑی پی رہا تھا۔ ان لوگوں کو پھاٹک کی طرف آتا دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا۔

''کدھر جانا مانگتا۔'' وہ بولا۔

''اندر.....ڈاکٹر صاحب سے ملنا ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''اچھا ٹھہرو.....ہم جا کر بولتا۔'' پہرے دار نے کہا اور اندر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد لوٹا۔

''چلو.....!''

''فرمایئے.....میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''ہمیں آپ کا سائن بورڈ یہاں تک کھینچ لایا ہے۔''

''اوہ.....!'' ڈاکٹر ہنستا ہوا بولا۔ ''یہ ہندوستان ہے اگر ہم اس طرح کی حرکت نہ کریں تو کوئی ہماری طرف دھیان ہی نہ دے۔''

''مگر یہاں اس ویرانے میں تو بہت کم لوگ آتے ہوں گے۔'' فریدی نے کہا۔

''آپ کا خیال درست ہے۔'' ڈاکٹر بولا۔ ''لیکن ابھی ہم زیادہ بھیڑ چاہتے بھی نہیں ہیں۔''

''ایسی صورت میں یہاں اس قسم کے سائن بورڈ لگانے کی کیا ضرورت تھی۔'' فریدی نے کہا۔

کر بولا۔ ''ظاہر ہے کہ آپ نے یہ محض لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے لگائے ہیں۔''

''ان بورڈوں کا صرف یہی مقصد نہیں ہے۔'' ڈاکٹر مسکرا کر بولا۔ ''یہ بھی طبی دنیا میں ایک نئے قسم کا تجربہ ہے۔''

''تجربہ.....'' فریدی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں۔'' ڈاکٹر پرسکون لہجے میں بولا۔ ''اگر آپ کو جلدی نہ ہو تو میں وضاحت کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کروں گا۔''

''مجھے خوشی ہوگی۔'' فریدی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ اس کے ساتھی بھی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

''یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ امراض کی صحیح تشخیص کرنا بہت ہی مشکل کام ہے۔''

''جی ہاں.....!'' فریدی نے جواب دیا۔

''ہماری تھیوری یہ ہے کہ اگر جسم کے سارے اعضاء تھوڑی دیر کے لئے ڈھیلے ہو جائیں یعنی ان پر کسی قسم کا زور نہ پڑے تو ایسی حالت میں مرض کی تشخیص میں کوئی خاص دقت نہیں ہوتی۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسی حالت پیدا کس طرح کی جائے۔ ہم لوگ انسانی فطرت اور اس کی جذباتی زندگی کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ صرف خوشی ہی کا جذبہ ایسا ہے جو انسان کے جسم اور ذہن کو ایسی حالت میں لے آتا ہے جسے ہم سکون تو نہیں کہہ سکتے البتہ اس سے ایک ملتی جلتی حالت ہے۔ جسم میں اعضاء ایک قسم کا ڈھیلا پن محسوس کرتے ہیں یعنی ان پر کسی قسم کا دباؤ نہیں پڑتا۔ لہٰذا ہم مریضوں کا طبی معائنہ کرنے سے قبل انہیں خیالات کے تحت ہنسنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہمارا سائن بورڈ دیکھتے ہی آپ کو ہنسی آئی ہوگی۔ لوگوں کو ہنسانے کے اور بھی بہتیرے طریقے ہم لوگ استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً کارٹوں دکھانا مذاحیہ ریکارڈ سنانا، مسخروں کی نقلیں دکھانا وغیرہ وغیرہ۔ ہم ان سے اس طرح کے بے ڈھنگے سوالات کرتے ہیں کہ انہیں بے ساختہ ہنسی آئے۔ مثلاً میں آپ سے یہ پوچھوں کہ جب آپ بکری کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے تو اس وقت آپ کی کیا عمر تھی تو آپ کو بے ساختہ ہنسی آجائے گی۔''

''لیکن مجھے افسوس ہے کہ مجھے قطعی ہنسی نہیں آئی۔'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا اور سب لوگ ہنسنے لگے۔

''محض اس لئے کہ میں نے آپ کو سب کچھ بتا دیا ہے لیکن اگر میں انتہائی سنجیدگی کے عالم میں طبی معائنہ کرتے وقت آپ سے یہی سوال کرتا تو آپ اپنی ہنسی کسی صورت سے نہ روک

سکتے۔"

"ہاں یہ ممکن ہے۔" فریدی نے کہا۔

"آپ لوگ کہاں سے تشریف لائے ہیں۔" ڈاکٹر نے تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد

"ہم لوگ شہر سے شکار کھیلنے کی غرض سے آئے ہیں لیکن آپ کا سائن بورڈ دیکھ کر کچھ بھول گئے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ پھر سنجیدگی سے بولا۔ "آپ لوگوں کا کارنامہ واقعی ستائش ہے۔ طبی دنیا میں آپ کی یہ تھیوری یقیناً ایک بہت بڑا انقلاب پیدا کردے گی۔"

"شکریہ.....!" ڈاکٹر نے کہا۔ "لیکن ابھی آپ ہمارے طریقہ علاج سے واقف نہیں

"اگر اس سے بھی مستفید ہوسکوں تو اپنی خوش قسمتی سمجھوں گا۔" فریدی نے کہا۔

"ضرور.....ضرور.....!" ڈاکٹر نے کہا۔ "آیئے میرے ساتھ۔"

ڈاکٹر اٹھا اسی کے ساتھ فریدی کے ساتھی بھی اٹھ گئے۔ وہ انہیں متعدد کمروں اور برآ سے گھماتا ہوا ایک دوسری عمارت میں لایا۔ فریدی محسوس کررہا تھا کہ اس عمارت کے بنوا ہزاروں روپے صرف ہوئے ہوں گے۔ جب وہ اس ڈاکٹر کی حماقت آمیز اور بے سروپا غور کرتا تو اسے حیرت ہونے لگتی۔ آخر یہ کیا تماشہ ہے یہ لوگ یونہی بے مصرف تو اتنا پیسہ نہیں کررہے ہیں۔ ان حماقتوں کے پردے میں کوئی بہت ہی خطرناک قسم کی سنجیدگی کام ہے۔ وہ لوگ ایک بہت بڑے کمرے میں آئے یہاں سائنسی تجربات کرنے کے بہت آلات رکھے ہوئے تھے۔ ایک طرف ایک زندہ چیتا پڑا ہوا تھا جس کے چاروں پیر رسیوں جکڑے ہوئے تھے۔ اس کے جبڑوں کے گرد ایک تار لپیٹ دیا گیا تھا تاکہ وہ اپنا منہ نہ سکے۔ دوسرا ڈاکٹر ایک آلے کی مدد سے اس کے جسم سے خون نکال کر ایک برتن میں اکٹھا تھا۔ اس سے کچھ دور ہٹ کر چند لوگ کھڑے تجربے کو حیرت کی نظروں سے دیکھ رہے تھے کے حلق سے درد و کرب کی وجہ سے عجیب قسم کی گھٹی گھٹی سی آوازیں نکل رہی تھیں۔ وہ ہونے کے لئے زور مار رہا تھا۔ لیکن بندش اتنی سخت تھی کہ جنبش کرنا بھی دشوار معلوم ہو فریدی اپنے ہمراہی ڈاکٹر سے اس کے متعلق کچھ پوچھنے کا ارادہ کررہا تھا کہ دفعتاً چیتے کے چڑھا ہوا تار کھسک کر زمین پر آرہا اور چیتے نے ایک چیخ ماری۔ مگر چیتے کی چیخ تھی یا بکر

آواز۔ وہاں پر کھڑے ہوئے سارے لوگ بوکھلا گئے۔ چیتا بدستور بکرے کی آواز میں چیخے جارہا تھا۔ دوسرے ڈاکٹر کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اس نے فریدی کے ساتھی ڈاکٹر کی طرف گھبرا کر دیکھا۔ فریدی کو بیساختہ ہنسی آگئی۔ اس کے ساتھ والے ڈاکٹر نے بھی قہقہہ لگایا۔

"دیکھا آپ نے۔" اس نے فریدی کی طرف مخاطب ہوکر کہا۔ "ہم لوگ اپنے مریضوں کو نانے کے لئے ایسے طریقے اختیار کرتے ہیں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" فریدی نے کہا۔

"یہ سچ مچ بکرا ہے۔"

"بکرا.....!" فریدی نے متحیر ہوکر دہرایا۔

"جی ہاں ہم نے اس پر چیتے کی کھال چڑھا دی تھی۔"

"بہت خوب۔" فریدی اسے تعریفی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ "واقعی آپ لوگوں نے ہت ہی نفسیاتی قسم کے طریقے ایجاد کررکھے ہیں۔"

"اور آپ نے ابھی ہمارا طریقہ علاج تو دیکھا ہی نہیں۔" ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا۔

"اگر آپ اس پر بھی کچھ روشنی ڈال سکیں تو ممنون ہوں گا۔" فریدی بولا۔

"ضرور ضرور، اس طرف تشریف لایئے۔" ڈاکٹر نے ایک دروازے میں داخل ہوکر کہا۔

اس کمرے میں چاروں طرف چھوٹے بڑے کٹہرے لگے ہوئے تھے جن میں انواع و سام کے جنگلی جانور بند تھے۔ ان لوگوں کے داخل ہوتے ہی ایک چھوٹا سا سرخ رنگ کا بندر تیز رپتلی آواز میں چیخا بالکل ایسا معلوم ہوا جیسے کسی ریلوے انجن نے سیٹی دی ہو۔ شہناز وغیرہ سہم گئیں۔

"ڈریئے نہیں۔" ڈاکٹر عورتوں کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اول تو ان میں کوئی درندہ نہیں۔ سرے یہ کہ ان سب کے کٹہرے مقفل ہیں۔"

"ہاں تو آپ اس کٹہرے میں ایک کتا بھی دیکھ رہے ہیں۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"وہ ایئر ڈیل ٹیریئر ہے نا.....!" فریدی نے کہا۔

"غالباً آپ کو کتوں سے خاصی دلچسپی ہے۔" ڈاکٹر نے کہا۔

''کچھ یونہی سی۔'' فریدی بولا۔

''خیر تو اگر میں اس آیئر ڈیل ٹیریئر کو اس لومڑی کے کٹہرے کے قریب چھوڑ دوں ہوگا۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''لومڑی سہم جائے گی۔'' اشرف بولا۔

''ٹھیک.....!'' ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا۔ ''لیکن ٹھہریئے میں آپ کو ایک دلچسپ تماشہ دکھاتا ہ

وہ کمرے سے چلا گیا۔ فریدی وغیرہ کٹہروں کے جانور دیکھنے لگے۔

تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر واپس آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں انجکشن لگانے والی سرنج تھی۔ اس نے کتے کو کٹہرے سے نکال کر لومڑی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ کٹہرے پر جھپٹ پڑا۔ خوفزدہ آوازیں نکالتی ہوئی ایک طرف سمٹ گئی۔ ڈاکٹر نے کتے کو پکڑ کر دوبارہ کٹہرے میں کر دیا اور پھر لومڑی کی ایک ٹانگ پکڑ کر سلاخوں کے باہر کھینچتے ہوئے اس میں انجکشن دے لومڑی نے چیخ مار کر ٹانگ اندر کھینچ لی۔

لومڑی تھوڑی دیر تک بیٹھی کانپتی رہی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسے سردی لگ رہی ہ اچانک اس نے آہستہ آہستہ غرانا شروع کر دیا۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی کتا اپنے کسی حر دیکھ کر غراتا ہے۔ ڈاکٹر نے کتے کو دوبارہ کٹہرے سے نکالا۔ لومڑی کی غراہٹ اور تیز ہ اس بار اس کے کٹہرے پر جھپٹنے کے بجائے دور کھڑا لومڑی کی طرف گھور رہا تھا۔ ایسا معلو تھا جیسے وہ کسی شبے میں پڑ گیا ہو۔ دفعتاً ڈاکٹر نے لومڑی کا کٹہرہ کھول دیا اور وہ کتے پ پڑی۔ کتا شائد اس غیر متوقع حملے کے لئے تیار نہیں تھا۔ وہ اچھل کر ایک طرف ہو گیا۔ لومڑ اس پر پھر حملہ کیا اس ہنگامے میں ٹریا وغیرہ کے منہ سے چیخیں نکل گئیں۔ ڈاکٹر نے ہنستے لومڑی کو پکڑا اور اسے پھر کٹہرے میں دھکیل کر کھڑکی بند کر دی۔ لومڑی بدستور غرائے جا رہی کتا چپ چاپ کٹہرے میں چلا گیا۔

''دیکھا آپ نے.....!'' ڈاکٹر فریدی کی طرف دیکھ کر بولا۔

فریدی نے سر ہلا دیا۔ وہ بالکل خاموش تھا اور ضرورت سے زیادہ سنجیدہ۔ اسکے ہونٹ ہوئے تھے۔ آنکھوں کے حلقے اس طرح تنگ ہو گئے تھے جیسے وہ حال کی چکا چوند سے نظر

کر مستقبل میں جھانکنے کی کوشش کر رہا ہو۔

''لومڑی پر اس انجکشن کا اثر عارضی ہے۔'' ڈاکٹر بولا۔ ''تھوڑی دیر بعد وہ ہوش میں جائے گی۔ یہ وہ نسخہ ہے جو نازی ڈاکٹر نے ایجاد کیا تھا۔ پچھلی جنگ عظیم میں اسے بڑی شدت سے استعمال کیا گیا۔ قریب قریب ہر لڑنے والے نازی کو اس قسم کے انجکشن دیئے جاتے تھے۔''

''اوہ.....!'' فریدی کے منہ سے حیرت زدہ آواز نکلی۔

''لیکن ہم نے اس میں بہت سی تبدیلیاں کر دی ہیں۔ ہم اس انجکشن کے ذریعہ بزدلوں کو ت والا بنا سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم کئی ایک تجربے اور کر رہے ہیں۔ اس انجکشن کو ذرا کچھ تیز کر دیا جائے تو تپ دق کے مریض اس سے اچھے ہو سکتے ہیں۔''

''آپ لوگوں کے کارنامے قابل قدر ہیں۔'' فریدی نے کہا۔ ''میں کبھی آپ لوگوں سے تفصیلی ملاقات کروں گا۔''

''یہ میرا کارڈ اور یہ میرے ساتھی کا۔'' ڈاکٹر نے دو ملاقاتی کارڈ فریدی کی طرف بڑھاتے وئے کہا۔ ''غالباً اب آپ لوگ شکار کھیلیں گے۔ لیکن کوئی درندہ شاید ہی آپ کو مل سکے۔''

''کیوں.....؟'' فریدی نے حیرت سے پوچھا۔ ''تیندوے تو یہاں بکثرت ملتے ہیں۔''

''کبھی تھے لیکن اب نہیں۔'' ڈاکٹر بولا۔ ''ان سب کو ہم نے اپنی تجرباتی مہم میں کھپا دیا۔''

''تجرباتی مہم۔'' فریدی نے متعجبانہ انداز میں دہرایا۔

''جی ہاں..... بعض اوقات ہم وحشی درندوں کا خون انسان کے جسم میں ڈال کر اس کی نقص خامیاں دور کرتے ہیں۔''

''اوہ.....!'' فریدی نے کہا۔ ''اچھا ڈاکٹر..... اس تکلیف کا بہت بہت شکریہ۔ آپ لوگوں سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ میں کوئی فرصت کا موقع نکال کر آپ سے ضرور ملوں گا۔''

فریدی وغیرہ ڈاکٹر سے مصافحہ کر کے کمپاؤنڈ سے باہر چلے آئے۔ پھاٹک سے گزرتے وقت فریدی نے نیپالی چوکیدار کے ہاتھ میں ایک پانچ روپے کا نوٹ رکھ دیا۔

''میرے خیال سے تو اس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔'' شہناز نے راستے میں فریدی سے کہا۔

''اس قسم کی ضرورتیں میں ہی سمجھتا ہوں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

یہ لوگ وہاں پہنچے جہاں سرجنٹ حمید مچھلیوں کا شکار کھیل رہا تھا۔ اس نے دو تین کافی قسم کی مچھلیاں شکار کر لی تھیں اور اب گھنی جھاڑیوں کی چھاؤں میں اوندھا لیٹا پائپ پی رہا فریدی کو دیکھتے ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

''فرمایئے..... کوئی نئی شرارت۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

''جی نہیں..... آپ کیلئے دل چسپی کا مشغلہ اور اپنے لئے ایک مستقل آفت۔'' حمید نے

''کیا مطلب.....؟'' فریدی نے کہا۔

''ابھی بتاتا ہوں۔'' حمید نے آہستہ سے کہا اور پھر عورتوں سے مخاطب ہو کر بولا۔'' لوگوں کے لئے یہ جگہ سب سے بہتر رہے گی۔ یہاں کافی سایہ ہے اور صاف و شفاف زمین مچھلیاں بھی کافی ہیں۔ آپ لوگ اسٹوپ وغیرہ تو ساتھ لائی ہی ہوں گی اور اس کے بعد سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ بھوک لگ رہی ہے۔''

ثریا اپنی کار سے ضروری سامان نکال لائی۔ شیلا مچھلیاں ادھیڑنے لگی، اشرف گھاس لیٹ کر ایک کتاب دیکھنے لگا۔ ثریا اور شہناز اسٹوپ ٹھیک کرنے میں مشغول ہو گئیں۔

''اگر دو چار ریچھ بھی مل جائیں تو کیا کہنا۔'' فریدی نے بندوق اٹھاتے ہوئے کہا۔'' گھوم پھر کر دیکھتا ہوں۔''

حمید بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔

''کیوں! کیا کہہ رہے تھے۔'' فریدی نے تھوڑی دور چلنے کے بعد پوچھا۔

حمید نے پتلون کی جیب سے ایک ہار نکال کر فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

''یہ کیا۔'' فریدی ہار کو ہاتھ میں لے کر دیکھتے ہوئے بولا۔''ارے یہ تو ہیروں کا نہایت عمدہ قسم کے ہیرے..... تمہیں کہاں سے ملا۔''

''یہ بعد کو بتاؤں گا۔'' حمید نے کہا۔''آپ یہ بتایئے کہ آپ اس ہار کے بارے میں جانتے ہیں۔''

''عجیب احمق آدمی ہو۔'' فریدی نے کہا۔''ہار تمہارے پاس ہے اور اس کے متعلق میں بتاؤں۔''

''خیر تو پھر میں ہی بتاؤں۔'' حمید بولا۔''آپ نے پرسوں کے اخبار میں کرنل سعید کی آ

لہ بچی کی گم شدگی کا حال پڑھا تھا۔''

''نہیں.....!'' فریدی نے جواب دیا۔

''خیر..... میں نے پڑھا تھا۔ میں ان لوگوں میں سے ہوں جو خبریں پڑھ چکنے کے بعد نہار تک چاٹ ڈالتے ہیں۔''

''آگے کہو۔'' فریدی بولا۔

''یہ ہار وہ لڑکی پہنے ہوئے تھی۔''

''تمہیں کیسے معلوم ہوا۔''

''اخبار میں یہ بھی تھا۔''

''لیکن اس کا کیا ثبوت کہ یہ وہی ہار ہے۔''

''ثبوت ابھی پیش کرتا ہوں۔'' حمید نے کہا اور ہار کے سب کے بڑے پھول کے پشت پر لگے ہوئے سونے کے ڈھکن کو اٹھا کر فریدی کے سامنے پیش کر دیا ڈھکن میں اندر کی جانب ایک ہوئی سی تصویر فٹ تھی۔ کسی خوبصورت اور نوجوان عورت کی تصویر۔

''کیا تم اس عورت کو پہچانتے ہو۔'' فریدی نے پوچھا۔

''نہیں.....!'' حمید نے جواب دیا۔

''پھر یہ ثبوت کیسا.....!''

''اخبار میں اس تصویر کا تذکرہ تھا۔''

''تمہیں یہ ہار ملا کہاں سے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''ایک مچھلی کے جبڑوں میں اٹکا ہوا تھا۔''

''کیا.....!'' فریدی نے حیرت سے کہا۔

''جی ہاں۔''

''اچھا تمہیں پھر اس لڑکی کے بارے میں کچھ معلوم ہوا تھا یا نہیں۔''

''نہیں.....!''

''ہوں.....!'' فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

''ان دونوں ڈاکٹروں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔'' وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

''کام تو قاعدے کا کر رہے ہیں مگر طریقہ کار بالکل احمقانہ ہے۔''

''کیا تم نے بھی کوئی احمقانہ حرکت دیکھی۔''

''جی ہاں ایک زندہ چیتے کے ہاتھ پیر باندھ کر اس کے جسم سے خون نکال رہے تھے۔''

''لیکن.....وہ چیتا نہیں بلکہ بکرا تھا۔''

''بکرا.....!'' حمید قہقہہ لگاتا ہوا بولا۔ ''چلئے آپ نے اور بھی بتا دیا۔''

''درحقیقت وہ بکرا ہی تھا۔'' فریدی نے کہا اور مختصر الفاظ میں سارے واقعات حمید کو سنا دیئے۔ حمید ہوا بولا۔ ''صرف ایک چیز مجھے ان کے خلاف شبہے میں مبتلا کر رہی ہے۔''

''وہ کیا.....!''

''بکرے کے بول پڑنے پر ڈاکٹر آصف کا بوکھلا جانا اور دفعتاً میرے ساتھ والے وحید کا قہقہہ لگا کر اس کا جواز پیش کرنا۔ اگر درحقیقت اس حرکت سے ان کی وہی مراد تھی جو انہوں نے مجھے بتائی تو ڈاکٹر آصف کے گھبرا جانے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے بہرحال یہاں حماقت کے پردے میں کوئی بہت ہی بھیانک ڈرامہ کھیلا جا رہا ہے۔''

''مجھے بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''ورنہ اس ویران مقام پر تجربہ گاہ قائم کرنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔''

''خیر اس کیلئے تو وہ نہایت عمدہ بہانہ تراش سکتے ہیں۔'' فریدی بولا۔ ''چونکہ ان کے تجربے وحشی درندوں سے متعلق ہیں۔ اس لئے انہوں نے اس کے لئے ایک ویران جگہ منتخب کی۔''

حمید خاموش ہو گیا۔

''اس ہار کو احتیاط سے جیب میں رکھ لو۔'' فریدی نے کہا۔ ''ان لوگوں کے سامنے اس کا تذکرہ نہ کر کے تم نے عقل مندی سے کام لیا۔''

''تو اس سلسلے میں کیا کرنا چاہئے۔'' حمید نے کہا۔

''کرنل سعید سے ملے بغیر کچھ نہیں کیا جا سکتا۔'' فریدی نے کہا۔ ''ممکن ہے بچی مل گئی ہو۔''

''لیکن یہ ہار یہاں جھیل میں کیسے پہنچا۔''

''بھئی تم بھی کمال کرتے ہو۔ ابھی یہی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ وہی ہار ہے۔ محض تصویر کی بناء پر اس کے متعلق کوئی رائے قائم کر لینا درست نہیں سمجھتا۔''

حمید پھر خاموش ہو گیا۔ فریدی کچھ سوچنے لگا تھا۔ سیخ پروں کا جھنڈ شور مچاتا ہوا ان کے اوپر سے گزر گیا۔ دونوں رک گئے۔ انہیں توقع تھی کہ یہ جھنڈ دو تین چکر لگانے کے بعد یہیں جھیل میں گرے گا۔ وہ تھوڑی دیر تک انتظار کرتے رہے۔ لیکن ان کا خیال غلط نکلا۔ سیخ پروں نے دو چکر لگائے اور پھر مشرق کی طرف اڑتے چلے گئے۔

''غالباً یہ اگلے تالاب میں گریں گے۔'' فریدی نے کہا۔

''کون سا تالاب.....!'' حمید نے پوچھا۔

دونوں اسی طرف روانہ ہو گئے جدھر سیخ پروں کا جھنڈ گیا تھا۔ کھیتوں اور جھاڑیوں سے نکل کر وہ ایک کچی اور کشادہ سڑک پر آ گئے۔ مطلع ابر آلود تھا۔ کبھی کبھی سورج بادلوں سے نکل کر اپنی تیز کرنیں پھیلانے لگتا۔ جہاں یہ لوگ چل رہے تھے سڑک کے دونوں طرف کھائیاں تھیں جن پر سرکنڈے کی گھنی جھاڑیاں تھیں۔

''شاید کوئی موٹر آ رہی ہے۔'' فریدی نے پیچھے کی طرف مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔

''موٹر کہاں.....!'' حمید بولا۔ ''مجھے تو دکھائی نہیں دیتا۔''

''آواز تو سنائی دے رہی ہے لیکن شاید ابھی دور ہے۔ آؤ کھائیوں کے ادھر نکل چلیں ورنہ گرد کے ایک طوفان سے مقابلہ کرنا پڑے گا۔''

دونوں داہنی طرف کی کھائیوں پر چڑھ کر دوسری طرف اتر گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد سڑک پر موٹر کی آواز آئی اور پھر دفعتاً مشین بند کر دی گئی۔ حالانکہ یہ کوئی ایسی خاص بات نہ تھی پھر بھی فریدی کی کھوجی طبیعت بے چین ہو گئی۔ وہ رک گیا۔ کھائی کے قریب آ کر اس نے سرکنڈے کی جھاڑیوں سے سڑک کی طرف جھانکا۔ ایک ٹرک سڑک پر کھڑا ہوا تھا۔ ڈرائیور نے نیچے اتر کر ادھر اُدھر دیکھا اور پھر اتنے میں حمید بھی فریدی کے قریب آ گیا۔

موٹر ڈرائیور موٹر کے نمبروں کی تختی تبدیل کر رہا تھا۔ اس نے پہلی تختی نکال لی اور اس کی جگہ دوسرے نمبروں کی تختی لگا دی۔ تھوڑی دیر تک کھڑا ادھر اُدھر دیکھتا رہا پھر ٹرک پر بیٹھ کر انجن

اسٹارٹ کر دیا اور ٹرک چل دیا۔

حمید نے سوالیہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھا جس کے ماتھے پر بے شمار سلوٹیں ابھر آئیں تھیں۔

دوسری عمارت

''یہ معاملہ کیا ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''آج سارے کے سارے واقعات انتہائی پراسرار نظر آرہے ہیں۔''

''اور اس کی شروعات تم ہی سے ہوئی۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''کیا مطلب.....؟''

''یہ آج صبح ہی صبح تمہارا دماغ کیوں خراب ہو گیا تھا۔'' فریدی نے کہا۔

''ہٹایئے ان باتوں کو۔'' حمید بولا۔ ''آخر اس نے ٹرک کے نمبر کیوں بدلے؟''

''بدلے ہوں گے بھئی۔'' فریدی اکتا کر بولا۔ ''وہ سنو! سیخ پروں کا شور سنائی دے رہا ہے۔ شاید ہم تالاب کے قریب پہنچ گئے ہیں۔''

وہ دونوں پھر چل پڑے۔ فضا بدستور خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔ تالاب نزدیک ہی تھا۔ سڑک سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر اونچے نیچے ٹیلوں کے درمیان تالاب کا پرسکون پانی سورج کی کرنوں کے لہریوں سے کھیل رہا تھا۔ مشرق کی سمت سے کچھ سیخ پر اور آئے اور چند لمحے پانی پر منڈلانے کے بعد نیچے گر گئے۔ حمید اور فریدی آہستہ آہستہ بڑھتے ہوئے ٹیلوں کے پار آئے۔ فریدی نے اپنی دونالی بندوق اٹھائی۔ فائر ہوا۔ پرندے شور مچاتے ہوئے اڑے۔ دوم فائر ہوا اور دو تین اڑنے والوں میں سے بھی پانی میں گرے۔

''بہت خوب.....!'' حمید چیخا۔ ''دونالی بندوق کا صحیح استعمال صرف آپ جانتے ہیں۔''

''حمید تالاب میں اتر گیا۔'' اس نے بدقت تمام چار پرندے نکالے دو سیخ پر جن کے بازو زخمی ہو گئے تھے کسی طرح ہاتھ نہ آئے۔

''میرے خیال سے تو اتنے ہی کافی ہوں گے۔'' حمید بولا۔

''اگر تمہاری نیت بخیر رہی تو یقیناً ایسا ہی ہوگا۔'' فریدی نے کہا۔

دونوں واپس ہونے کے ارادے سے کھائیوں کی طرف روانہ ہو گئے۔ آسمان پر پھیلے ہوئے بادل پھٹ کر ادھر اُدھر ٹکڑوں کی شکل میں بکھر گئے اور دھوپ تیزی سے چمکنے لگی تھی۔ کھائیوں کے قریب پہنچتے پہنچتے انہیں شدت سے پیاس لگ گئی۔ جیسے ہی وہ سرکنڈے کی جھاڑیاں ہٹاتے ہوئے اوپر چڑھے انہیں سامنے سڑک کے اس پار ایک عمارت دکھائی دی۔

''غالباً یہ وہی عمارت ہے جس کا تذکرہ اشرف نے کیا تھا۔'' فریدی نے کہا۔

''آؤ چلیں شائد وہاں پانی مل سکے۔''

دونوں عمارت کی طرف بڑھے۔ قریب پہنچ کر انہیں مشینوں کے چلنے کی آواز سنائی دی۔ فریدی عمارت کے پھاٹک پر لگا ہوا بورڈ پڑھنے لگا۔ ''یہاں خیموں کے ستون تیار کئے جاتے ہیں۔'' پھاٹک کے اندر قدم رکھتے ہی سب سے پہلے ان کی نظر ایک ٹرک پر پڑی فریدی چونک پڑا۔ یہ وہی ٹرک تھا جس کے نمبر سڑک پر بدلے گئے تھے۔ حمید کچھ بولنے ہی والا تھا کہ فریدی نے اسے گھور کر دیکھا۔

کمپاؤنڈ میں کئی چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے تھے۔ تین چار بڑے بڑے شیڈ تھے یہاں بانس اور لکڑی کے ڈھیر لگے تھے، ایک آدھ جگہ لکڑی کے برادے کے بڑے بڑے انبار بھی نظر آرہے تھے۔ ایک چھوٹے سے کمرے کے دروازے پر ایک تختی لگی ہوئی تھی جس پر لکھا تھا ''منیجر۔''

فریدی چق اٹھا کر اندر داخل ہو گیا۔ سامنے کرسی پر ایک دبلا پتلا معمر آدمی بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔ فریدی اور حمید کو اس نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''مجھے افسوس ہے کہ میں کسی تجارتی مقصد کے تحت نہیں آیا۔'' فریدی نے کہا۔

''تشریف رکھئے۔'' منیجر مسکرا کر بولا۔ وہ ابھی تک انہیں استعجاب آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''بات دراصل یہ ہے کہ ہم لوگ پیاسے ہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''اوہ.....!'' وہ مسکرا کر بولا۔ ''تشریف رکھئے۔'' اور پھر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اس نے گھنٹی بجائی اور ایک آدمی اندر داخل ہوا۔''

''آپ ان لوگوں کو پانی پلاؤ۔'' اس نے کہا۔ نوکر کے چلے جانے کے بعد وہ پھر فریدی کی طرف مخاطب ہوا۔ ''شاید آپ لوگ ادھر شکار کھیلنے کی غرض سے آئے تھے۔''

''جی ہاں.....!''

''اس سے پہلے بھی کبھی آ چکے ہیں۔''

''اب سے تقریباً دو سال قبل۔'' فریدی نے کہا۔ ''اس وقت آپ کا کارخانہ یہاں نہیں تھا۔''

''جی ہاں..... ابھی حال میں یہاں کاروبار شروع کیا ہے۔ اس علاقے میں بانس بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے یہاں شہر سے اتنی دور آنا پڑا۔''

''بہرحال یہ دیکھ کر خوشی ہوئی ہے کہ ہمارے یہاں بھی مغربی ممالک کے تاجروں کی طرح لوگ ترقی کی دھن میں لگے ہوئے ہیں۔'' فریدی نے کہا۔

پانی پینے کی بعد دونوں اٹھ گئے اور منیجر پھر کام میں مشغول ہو گیا۔

سڑک کے قریب سے گزرتے وقت فریدی نے اس کے نمبروں کو غور سے دیکھنا شروع کیا جیسے انہیں وہ زبانی یاد کر لینا چاہتا ہو۔

''کیوں بھئی کیا خیال ہے۔'' فریدی نے کہا۔ دونوں اب سڑک پر پہنچ چکے تھے۔

''کوئی سازش، کوئی جرم۔'' حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔

''یہ تو ظاہر ہی ہے، تم نے کوئی نئی بات نہیں کہی۔'' فریدی نے کہا۔ ''بہرحال ہمیں ایک نئی دردسری کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔''

''وہ تو ظاہر ہی ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''بعض اوقات مجھے ہنسی آنے لگتی ہے۔ کیا اس قسم کے سارے واقعات اور حادثات ہمارا ہی انتظار کیا کرتے ہیں اس بار کو شاید میرا ہی انتظار تھا۔ اس موٹر ڈرائیور کو سڑک ہی پر نمبر تبدیل کرنا تھا ارے یہی کرنا تھا تو اس عمارت کے اندر پہنچ جانے پر یہ حرکت کی ہوتی۔ کیا یہ ضروری تھا کہ فریدی صاحب اسے دیکھ ہی لیں۔''

فریدی ہنسنے لگا۔

''اسی قسم کے اتفاقات مجرموں کی گرفت کا باعث ہوتے ہیں ورنہ سراغ رساں کوئی دلی اللہ یا دھرماتما تو ہوتا نہیں کہ پاتال کی خبریں لے آئے۔ مجرموں کی ذرا سی لغزش سراغ رساں کی

کامیابی بن جاتی ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''خیر ذرا جلدی قدم بڑھائیے۔ بھوک کے مارے بُرا حال ہو رہا ہے۔'' حمید بولا۔

شہناز اسٹوپ پر مچھلی کے قتلے تل رہی تھی۔ اشرف نے دوبارہ مچھلیاں پکڑنے کے لئے کانٹے تالاب میں پھینک دیئے تھے اور ایک ڈور ہاتھ میں لئے بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ شیلا اور ثریا گھاس پر کہنیوں کے بل لیٹی ہوئی انگریزی کے ایک رسالے میں تصویریں دیکھ رہی تھیں۔

''اس وقت شہناز کتنی اچھی لگ رہی ہے۔'' حمید نے کہا۔

''مچھلیاں تل رہی ہیں نا۔'' فریدی ہنس کر بولا۔ ''پیٹو قسم کے عاشق اپنی محبوباؤں کو کھانا پکاتے دیکھ کر کافی محظوظ ہوتے ہیں۔''

''بہرحال خدا نے آپ کو اس نعمت سے محروم رکھا ہے۔'' حمید جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔

''خدا ہر شریف آدمی کو اس نعمت سے محروم رکھے۔'' فریدی نے کہا۔

''انگور کھٹے ہیں۔''

''اچھا ٹھہرو..... ابھی بتاتا ہوں کہ انگور کھٹے ہیں یا میٹھے ہیں۔'' فریدی نے کہا اور شہناز کے قریب پہنچ کر پھر بلند آواز میں بولا۔ ''میاں اگر عورت کھانا نہ پکائے تو مرد بھوکوں مرے اور سارا رومان رکھا رہ جائے۔''

''کیا بات ہے؟'' شہناز نے فریدی سے پوچھا۔

''حمید صاحب فرماتے ہیں کہ انہیں کھانا پکاتی ہوئی عورت انتہائی لچر معلوم ہوتی ہے۔'' فریدی سنجیدگی سے بولا۔

قبل اس کے کہ حمید کچھ کہتا شہناز نے اسٹوپ پر رکھا ہوا فرائی پین زمین پر الٹ دیا اور مچھلی کے قتلے ادھر اُدھر گھاس پر بکھر گئے اور شہناز منہ پھلا کر دور جا بیٹھی۔

''ارے ارے..... میں نے کب کہا تھا۔'' حمید بوکھلا کر بولا۔ فریدی نے قہقہہ لگایا۔ ثریا، شیلا اور اشرف بھی ان کے قریب آ گئے۔

''ارے یہ کیا ہوا۔'' ثریا حیرت سے شہناز کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''کچھ نہیں۔'' فریدی ہنس کر بولا۔ ''میاں حمید اب میٹھے انگور کھا کر پیٹ بھریں گے.....

کیوں حمید۔"

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا جواب دے۔ جھنجھلاہٹ اور ندامت نے اسے کچھ بولنے ہی نہ دیا۔

"تو کیا پھر یہ دونوں لڑ گئے۔" شیلا نے کہا۔ "عجیب مصیبت ہے۔ ارے بھئی ہم لوگوں نے کیا قصور کیا تھا..... بھوک کے مارے بُرا حال ہو رہا ہے۔"

شہناز نے کوئی جواب نہ دیا۔ بدستور منہ پھلائے بیٹھی رہی۔ ثریا نے پھر سے فرائی پان اسٹوپ پر رکھا اور بچے ہوئے قتلے تلنے لگی۔ شیلا اور اشرف سیخ پروں کے پر نوچنے لگے۔

"آپ خواہ مخواہ.....!" حمید فریدی کی طرف دیکھ کر بولا۔

"اچھا جی..... مجھ سے کیا مطلب۔"

"آپ نے خواہ مخواہ جھوٹ۔"

"انگور کھٹے ہیں نا۔"

"بہرحال آپ کا مذاق بھی خطرناک ہوتا ہے۔" حمید منہ لٹکا کر بولا۔

"میں یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ انگور کھٹے نہیں ہیں۔ بلکہ اس قسم کے فضول نخرے برداشت کرنے کے لئے میرے پاس وقت نہیں۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "عورت بات بات پر روٹھتی ہے اور متوقع رہتی ہے کہ اسے کوئی منائے گا اور اگر اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہوتی تو اسے اپنی زندگی ویران نظر آنے لگتی ہے۔ وہ یہ سمجھنے لگتی ہے کہ دنیا میں اس کا کوئی ہمدرد نہیں۔ اس کا وہ طور پر روٹھ جانا ایسی صورت میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا جب کہ کوئی اسے منائے۔ لیکن اگر اس کی یہ توقع پوری نہ ہوئی تو یہی حالت ایک مستقل مظلومیت بن جاتی ہے اور یہ بھی سمجھ لو کہ کسی عورت کو مظلومیت کا خبط ہو گیا تو مرد کے لئے ایک مستقل عذاب بن جاتی ہے کیا سمجھے۔"

"جی ہاں بہت کچھ سمجھ گیا۔" حمید نے کہا۔ "دراصل آپ کا علم آپ کے لئے عذاب ہو گیا ہے۔ آپ کبھی باقاعدہ قسم کی زندگی نہیں بسر کر سکتے۔ ایک سیدھا سادا سا مسئلہ عورت، میاں اور بیوی آخر اسے اس قدر الجھانے کی کیا ضرورت ہے، ذہن انسانی کی ایک ایک رگ کریدنے سے فائدہ؟ آپ انڈا کھانے کے بجائے اس کی مایئت پر غور کرنے لگتے ہیں۔ نتیجہ

ہوتا ہے کہ آپ کے ہاتھ مایئت ہی مایئت رہ جاتی ہے اور انڈا دوسرے چٹ کر جاتے ہیں اور پھر آپ کیا جانیں کہ اس روٹھنے اور منانے میں کتنا لطف ہے۔"

"تشریف لے جایئے نا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "میں نے آپ کے لئے وہ پرلطف موقع مہیا کر دیا۔ لیکن ذرا خیال رہے ابھی راستے میں جو واقعہ پیش آیا ہے اسے اپنے ہی تک محدود رکھئے گا اور وہ ہار والا معاملہ بھی۔"

حمید شہناز کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔ ثریا اور شیلا ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائیں۔ اشرف نے فریدی کو آنکھ ماری اور فریدی جھیل میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں پھینک کر چھوٹے چھوٹے دائروں کا بننا بگڑنا دیکھتا رہا۔ چند لمحوں کے بعد وہ خیالات میں ڈوب گیا۔ اس سے چند گز کے فاصلے پر اشرف بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ دفعتاً وہ فریدی کی ہنسی کی آواز سن کر چونک پڑا۔ فریدی خود بخود ہنس کر اس طرح سنجیدہ ہو گیا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ اشرف اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔ اتفاقاً فریدی کی اور اس کی نظریں ملیں اور فریدی کو پھر ہنسی آ گئی۔

"کیا بات ہے۔" اشرف نے متعجبانہ لہجے میں پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔ ایک احمق کا ایک مضحکہ انگیز قول یاد آ گیا۔"

"مضحکہ انگیز قول۔"

"ہاں وہ کہتا تھا کہ تم بڑے بدقسمت ہو اگر یہ نہیں جانتے کہ تمہارے شہر میں کتنے کرنل رہتے ہیں۔"

"واقعی مضحکہ خیز ہے۔ بھلا شہر بھر کے کرنلوں کو کون گنتا پھرے گا۔"

"میرے خیال میں تو ہمارے شہر میں ایک بھی نہ ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں ایسا تو نہیں، میرے ہی پڑوس میں ایک کرنل صاحب رہتے ہیں..... کرنل سعید۔"

"غالباً ریٹائر ہو گئے ہوں گے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں.....!"

"بھئی یہ فوجی بھی عجیب ہوتے ہیں۔ انتہائی شائستہ قسم کا فوجی بھی تھوڑا بہت ..... ضرور ہوتا ہے۔"

''اس میں تو کوئی شک نہیں۔'' اشرف بولا۔ ''اب کرنل سعید ہی کو لے لیجئے وہ چوبیس گھنٹے فوجی بنا رہتا ہے۔ حد ہوگئی کہ تین چار دن ہوئے کہ اس کی اکلوتی خورد سال لڑکی غائب ہوگئی اور اس کے سکون واطمینان میں کسی قسم کا کچھ بھی فرق نہیں آیا۔''

''اکلوتی خورد سال بچی۔'' فریدی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ ''ابھی تو آپ نے کہا کہ وہ ریٹائر ہو چکا ہے، اس کا مطلب کہ سانی معمر ہوگا اور صرف ایک چھوٹی سی بچی۔''

''اس نے بہت دیر میں شادی کی تھی۔ بچی کے پیدائش کے سلسلے میں بیوی کا انتقال ہوگیا تھا۔ پھر اس نے پانچ چھ سال تک شادی نہیں کی۔ تقریباً دو سال کا عرصہ ہوا اس نے ایک کنواری لڑکی سے دوسری شادی کرلی اور اب بیچارہ دن رات دواؤں کے اشتہارات پڑھا کرتا ہے اور ایک دلچسپ بات..... وہ بھی ان احمق ڈاکٹروں کے چکر میں پھنسا ہوا ہے۔ میں نے کئی بار ڈاکٹر وحید کو اس کے یہاں جاتے دیکھا ہے، آج سے پہلے مجھے یہ بات نہیں معلوم تھی۔ یہ سمجھتا تھا کہ وحید جس کا پہلے میں نام بھی نہیں جانتا تھا، اس کا کوئی ملنے والا ہے۔''

''تو یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ کرنل سعید ان سے اپنا علاج کرا رہا ہے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''محض قیاس کی بناء پر..... یہ لوگ بوڑھوں کو جوان اور بزدلوں کو شیر بناتے ہیں نا۔ کرنل سعید کو اپنی جوان بیوی کی موجودگی میں جوان بننے کی سخت آرزو ہے۔''

''اوہ.....!'' فریدی نے کہا اور پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''اور اس غریب بچی کا کیا ہوا۔''

''کچھ پتہ نہیں چل سکا۔''

''غائب کس طرح ہوئی تھی۔''

''گھر سے غائب ہوگئی۔''

''کیا گھر میں تنہا تھی۔''

''اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ البتہ اتنا جانتا ہوں کہ اس دوران میں کرنل شہر میں موجود نہیں تھا۔''

''کہیں باہر گیا تھا۔''

''جی ہاں۔''

''بیوی گھر ہی میں رہی ہوگی۔''

''ہاں.....!''

''وہ کیا کہتی ہے۔''

''اس کے متعلق مجھے علم نہیں۔ غالباً اس نے پولیس کو اپنا بیان ضرور دیا ہوگا۔''

''کرنل اس پر بگڑا تو بہت ہوگا۔''

''ہوسکتا ہے..... وہ اپنی بیٹی کو چاہتا بہت تھا۔''

''میرا خیال ہے کہ کسی نے اسے زیور وغیرہ کی لالچ میں قتل کردیا۔'' فریدی نے کہا۔ ''کیا زیورات پہنتی تھی۔''

''آپ ہی کا نہیں بہتوں کا یہی خیال ہے وہ ہیروں کا ایک ہار پہنے ہوئے تھی۔''

''ہیروں کا ہار اور آٹھ سال کی بچی۔'' فریدی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''میں نے عرض کیا نا کہ کرنل اسے بہت عزیز رکھتا تھا۔''

''تو اس کا مطلب کہ کرنل کافی مالدار آدمی ہے۔''

''خاندانی رئیس ہے۔''

''پھر بھی کمسن بچیوں کو اتنے قیمتی زیورات پہنا کر چھوڑ دینا کہاں کی عقل مندی ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''ہے تو حماقت ہی۔''

''سوتیلی ماں کا برتاؤ اس کے ساتھ کیسا تھا۔''

''میرے خیال سے بُرا نہیں تھا۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے وہ بھی اسے بے حد چاہتی تھی۔ ثریا کا بیان ہے کہ وہ اکثر اسے اپنے پلنگ پر ہی سلا لیا کرتی تھی۔''

''ہوں.....!''

اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ فریدی سگار سلگا کر لمبے لمبے کش لینے لگا اور اشرف پھر مچھلی کے کی ڈور کی طرف متوجہ ہوگیا۔

ثریا اور شیلا مچھلیاں تل چکنے کے بعد مسلم سیخ پر بھوننے کے لئے لکڑیاں اکٹھا کر رہی تھیں۔

حمید شہناز کو منانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''ارے بھائی میں قسم کھانے کے لئے تیار ہوں۔'' حمید بولا۔

''لیکن میں آپ کی قسم کی ضرورت نہیں محسوس کرتی۔''

''بھئی میں کس طرح سمجھاؤں۔''

''میں کب کہتی ہوں کہ مجھے سمجھایئے۔''

''عجیب آدمی ہو۔''

''دیکھئے میں خواہ مخواہ بات نہیں بڑھانا چاہتی۔'' شہناز تنک کر بولی۔

''تو میں کب چاہتا ہوں۔''

شہناز نے کوئی جواب نہ دیا۔

''بعض اوقات فریدی صاحب کا مذاق حد سے بڑھ جاتا ہے۔'' حمید نے کہا۔

شہناز پھر کچھ نہ بولی۔

''خواہ مخواہ ایک بے تکی بات بول کر خود الگ ہو گئے۔''

''تو آپ ہی پر کون سی مصیبت ٹوٹ پڑی۔'' شہناز بولی۔

''کیا یہ کم مصیبت ہے کہ تم خواہ مخواہ بدگمان ہو گئیں۔''

''ہاں صاحب میں تو مصیبت ہی ہوں۔''

''ارے لاحول ولا قوۃ..... میں نے یہ کب کہا۔ چھوڑو'' حمید بولا۔ ''میں نے بدگمانی کو مصیبت کہا تھا۔''

''تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔'' شہناز منہ پھلا کر بولی۔

''فرق..... ارے بھائی بہت بڑا فرق پڑ جاتا ہے۔''

''تو آپ جایئے نا یہاں سے۔''

''نہیں جاؤں گا۔''

''تو میں خود اٹھی جاتی ہوں۔''

''نہیں اٹھنے دوں گا۔''

''واہ اچھی زبردستی ہے۔''

''اب زبردستی ہی کرنی پڑے گی۔''

''بھئی آپ خواہ مخواہ بات بڑھا رہے ہیں۔''

''اچھا میں دفان ہوا جا رہا ہوں۔'' حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

شہناز کچھ نہ بولی۔

حمید پیر پٹختا ہوا فریدی کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

فریدی مسکرا کر بولا۔ ''فرمایئے۔''

''واقعی آپ ٹھیک کہتے ہیں۔'' حمید بولا۔ ''میں آج سے کان پکڑتا ہوں۔''

''اپنے یا شہناز کے۔'' فریدی ہنس کر بولا۔

''خدارا اس کا نام ذرا آہستہ سے لیجئے۔ اگر سن لیا تو قیامت ہی آ جائے گی۔''

''لاحول ولا قوۃ..... تم نے پھر شوہروں جیسی باتیں شروع کر دیں۔ ارے میاں وہ تمہاری ہے کون۔ ابھی شادی بھی نہیں ہوئی اور ابھی سے تمہارے جان نکلی جا رہی ہے۔ احمق کہیں کے۔''

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ سنجیدگی سے کسی مسئلے پر غور کر رہا تھا۔

''حمید.....!'' فریدی تھوڑی دیر چپ رہ کر بولا۔

''جی..... فرمایئے۔''

''کیا واقعی تم اسے بہت چاہتے ہو۔''

''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔''

''تو میں تمہیں ایک نیک مشورہ دیتا ہوں۔''

''فرمایئے۔''

''کسی دوسرے کے حق میں دستبردار ہو کر بچی فقیری لے لو اور بقیہ عمر خدا کی یاد میں گزار دو۔''

''پیر و مرشد۔'' حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ ''آپ نے وہ مشورہ دیا ہے کہ میری پشت ہا پشت آپ کی احسان مند رہیں گی۔ لیکن اے طبیب روحانی والے رحمت یزدانی یہ دنیا سرائے

فانی ہے۔ آج مرے کل دوسرا دن پرسوں تیسرا۔ ترسوں چوتھا دن۔ غرضیکہ اسی طرح دن گزر جائیں گے وغیرہ وغیرہ۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس منصب عاشقی کے لائق مجھے اپنے علاوہ دوسرا نظر نہیں آتا۔"

"مذاق چھوڑو.....!" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں تمہیں ایک کامیاب جاسوس بنانا چاہتا ہوں۔"

"ضرور دیکھئے۔" حمید نے کہا۔ "میں آپ کو منع نہیں کرتا۔ لیکن میں اس کی اتنی بھاری قیمت ادا نہیں کر سکتا۔"

"لیکن تم تو ابھی کان پکڑ رہے تھے۔"

"تو آپ اس سے کیا سمجھے۔"

"یہی کہ اب تم عشق سے باز آجاؤ گے۔"

"آپ غلط سمجھے۔" حمید نے کہا۔ "میرا مطلب یہ تھا کہ اب میں آپ کو موقع بے موقع تاؤ نہ دلایا کروں گا۔"

"قول واقعہ..... یہی تو میں کہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"آپ نے آج کا سارا رومانس کرکرا کر دیا۔"

"مجھے افسوس ہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن رومانی اعتبار سے میرا دن بڑا حسین رہا۔"

"رومانی اعتبار سے۔" حمید نے متعجبانہ انداز میں دہرایا۔

"ہاں..... یہی میرا رومان ہے۔ جب کوئی حادثہ پیش آتا ہے جب کوئی پراسرار چیز میرے سامنے آتی ہے۔ تو مجھے کم و بیش وہی لذت محسوس ہوتی ہے، وہی بے چینی مجھ میں پیدا ہو سکتی ہے پھر جیسے جیسے میرے قدم کامیابی کی طرف اٹھتے ہیں میرا جنون تیز سے تیز تر ہوتا جاتا ہے۔ کیا سمجھے.....!"

"خدا کرے میں کبھی کچھ نہ سمجھوں۔" حمید نے کہا۔

"خیر چھوڑو تم کرنل سعید کے بارے میں کیا جانتے ہو۔" فریدی نے دفعتاً بات کا رخ موڑتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے اس کے متعلق کوئی علم نہیں۔"

"کیا یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ تمہارے دوست اشرف کے بنگلے کے قریب ہی رہتا ہے۔"

"نہیں مجھے اس کا علم نہیں۔"

"خیر..... مجھے اس کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہوگئی ہیں۔ یہ معاملہ مجھے دلچسپی لینے پر مجبور کر رہا ہے۔ ہاں دیکھو..... اس ہار کا تذکرہ اس وقت تک کسی سے نہ کرنا جب تک میں اجازت نہ دوں۔"

"تو پھر اس ہار کا کیا کیا جائے۔" حمید نے پوچھا۔

"یہ دوران تفتیش میں میری تجوری میں رہے گا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"آخر یہ اس کی پشت پر تصویر کس کی ہے۔"

"غالباً لڑکی کی ماں کی تصویر ہے۔" فریدی نے کہا۔ "کیا اخبار میں اس تصویر کے متعلق کچھ نہیں تھا۔"

"نہیں۔" حمید نے کہا۔ "اس سلسلے میں اشرف سے معلومات بہم پہنچائی جا سکتی ہیں۔"

"لیکن براہ کرم آپ اس سے باز رہئے گا۔ مجھے جو کچھ معلوم کرنا تھا معلوم کر چکا۔ اک ذرا ثریا سے اور گفتگو کرنی ہے۔"

"کیا اسے یہاں بلا لوں۔" حمید نے پوچھا۔

"جی نہیں.....!" فریدی نے کہا۔ "ہمیں یہ کام نہایت ہی خاموشی سے کرنا ہے۔"

حمید کچھ سوچنے لگا۔ فریدی بھی خاموش ہو گیا۔

"بھئی اب تو بُری طرح بھوک لگ رہی ہے۔"

"اب ایسی باتیں نہ کیجئے کہ میں اپنا انگوٹھا چوسنے لگوں۔" حمید ہنس کر بولا۔

"کاش تم یہی کر سکتے۔"

"کیوں کیا اس طرح بھی ایک کامیاب جاسوس بننے کے امکانات ہیں۔"

"کیوں نہیں..... کیا تم غزالہ کے چچا پرویز[1] کو بھول گئے۔ وہ کتنی صفائی سے انگوٹھا چوستا

---

[1] جاسوسی دنیا کا چھٹا ناول "پراسرار کنواں" جلد نمبر 2 ملاحظہ فرمائیے۔

تھا۔''

''لیکن وہ جاسوس کب تھا۔''

''اگر مجرم نہ ہوتا تو یقیناً ایک کامیاب جاسوس ثابت ہوتا۔''

تھوڑی دیر بعد ثریا وغیرہ نے دستر خوان لگا دیا۔

''لیکن اس دستر خوان پر صرف چار آدمی بیٹھ سکیں گے۔ میں ثریا، اشرف بھائی اور فریدی صاحب۔ بقیہ لوگوں کے لئے الگ کوئی انتظام کرنا پڑے گا۔'' شیلا نے کہا۔

''بقیہ لوگوں میں مجھے قطعی بھوک نہیں ہے۔'' شہناز چڑ کر بولی۔

''اور..... بقیہ..... لوگوں میں..... میں بھوکا..... قطعی بھوکا نہیں ہوں۔'' حمید اس طرح رک رک کر گھبرائی ہوئی آواز میں بولا کہ شہناز کے علاوہ سب لوگ ہنس پڑے۔

''تو بہتر ہے آپ لوگ کہیں دور جا کر ہوا کھایئے۔'' ثریا چہک کر بولی۔

''ذرا کچھ خالی پلیٹیں عنایت فرمایئے۔'' حمید نے کہا۔

''کیوں.....؟'' شیلا نے پوچھا۔

''ہوا کھانے کے لئے۔''

''بات کچھ جچی نہیں۔'' فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ ''میں تو یہ سمجھتا تھا کہ تم کوئی ایسی بات کہو گے کہ سب بے ساختہ ہنس پڑیں گے۔''

''اب اگر آپ اس جملہ کی گہرائی تک نہ پہنچ سکیں تو میں کیا کروں۔'' حمید نے جھینپ کر کہا۔

تھوڑی سی تفریح

پکنک سے واپسی کے بعد فریدی نے لباس تبدیل کیا اور سیدھا کوتوالی چلا گیا۔ حمید شہناز کو مناتا ہوا اس کے گھر تک چلا گیا تھا۔

فریدی شاذ و نادر ہی کوتوالی کی طرف جاتا تھا۔ اس لئے وہاں اس کی موجودگی دوسروں کی نظر میں خاصی اہمیت رکھتی تھی۔ آج بھی اسے وہاں دیکھ کر لوگ یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین

ہو گئے کہ وہ کس لئے آیا ہے لیکن کسی کی تشفی نہ ہوئی۔

جگدیش آج کل کوتوالی انچارج تھا۔ فریدی کی امداد نے اسے اتنی جلدی ترقی کے ان دارج تک پہنچا دیا تھا۔ پرانے اور تجربہ کار سب انسپکٹر منہ ہی دیکھتے رہ گئے اور جگدیش کوتوالی انچارج ہو گیا۔

اس وقت وہ آفس میں بیٹھا پرانے فائل دیکھ رہا تھا۔ فریدی کو دیکھ کر بیساختہ کھڑا ہو گیا۔

''آیئے..... آیئے ..... انسپکٹر صاحب میں کئی دن سے ارادہ کر رہا تھا کہ آپ سے لوں۔'' جگدیش بولا۔

''تم دو ہی تو آئے ہو میرے حصے میں۔ ایک حمید دوسرے تم بہانے بازی کے ماہر۔'' فریدی نے ہنس کر کہا۔

''نہیں آپ سے سچ کہہ رہا ہوں۔''

''خیر خیر.....!'' فریدی بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''کیا کوئی ضروری کام کر رہے ہو۔''

''نہیں تو.....!''

''آؤ کہیں ٹہلیں گے۔''

''چلئے۔'' جگدیش نے کہا۔

ٹیکسی کر کے دونوں وکٹوریہ پارک پہنچے۔

''آج کل بیکاری کی وجہ سے طبیعت اکتایا کرتی ہے۔'' فریدی بولا۔

''یہاں تو دم مارنے کی بھی فرصت نہیں رہتی۔'' جگدیش نے کہا۔

''کیا آج کل کام زیادہ ہے۔''

''آج کل کیا..... ہمیشہ کام زیادہ رہتا ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ اس دوران میں کوئی خاص قسم کا حادثہ نہیں ہوا۔'' فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

''بعض اوقات بہت ہی عام قسم کے حادثے خاص سے بھی زیادہ بن جاتے ہیں۔''

''میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔''

''ارے ابھی پرسوں ہی کی بات ہے کہ کرنل سعید کی آٹھ سالہ بچی کھو گئی جس کے
میں ایک بیش قیمت ہیروں کا ہار تھا۔''

''تو کیا ہوا.....مل ہی گئی ہوگی۔''

''یہی تو مصیبت ہے کہ آج تک اس کا پتہ نہیں لگ سکا۔''

''اتنا بیش قیمت ہار پہنا کر اسے اکیلے گھر سے نکالا ہی کیوں گیا۔''

''اکیلے کہاں.....وہ معاملہ ہی عجیب ہے۔''

''یعنی.....!''

''لڑکی اپنے سونے کے کمرے سے غائب ہوگئی۔''

''سونے کے کمرے سے.....تو کیا رات میں کسی وقت۔''

''جی ہاں.....اس کی اطلاع گھر والوں کو دوسرے دن صبح ہوئی۔''

''بہت خوب.....معاملہ دلچسپ ہے۔'' فریدی سوچتا ہوا بولا۔''اور ہار کے متعلق
معلوم ہوا۔ کیا لڑکی ہار پہن کر سوئی تھی؟''

''کرنل کی بیوی تو یہی کہتی ہے۔ وہ دراصل اس کی سوتیلی ماں ہے۔''

''عجیب وغریب لوگ ہیں۔ میں نے انتہائی دولت مند گھرانوں میں بھی یہ نہیں دیکھ
اتنے قیمتی زیورات کی طرف سے اتنی لاپرواہی برتی جائے۔''

''کرنل کافی دولت مند آدمی ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ اس کی سوتیلی ماں کی حرکت ہے۔'' فریدی بولا۔

''خیال تو میرا بھی یہی تھا لیکن کرنل اسے تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ پڑوس کے لوگ
سے بھی یہی معلوم ہوا ہے کہ وہ اسے بے حد چاہتی تھی۔''

''ہوں.....!'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔''کیا وہ پردے میں رہتی ہے۔''

''نہیں صاحب.....ترقی یافتہ لوگ ہیں.....میرا خیال ہے کہ اس وقت دونوں میاں بیوی
کسی ہوٹل میں بیٹھے چائے پی رہے ہوں گے۔''

''تو یہ سارے حالات تمہیں اس کی زبانی معلوم ہوئے ہوں گے۔''

''جی ہاں.....کرنل سعید تو یہاں تھا ہی نہیں۔ وہ کل کہیں باہر سے آیا ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ کسی نے کرنل سے معقول رقم وصول کرنے کے لئے ایسا کیا ہے۔''
فریدی بولا۔

''ہوسکتا ہے۔'' جگدیش نے کہا اور سگریٹ سلگانے لگا۔

''خیر ہوگا.....!'' فریدی نے کہا''ہاں بھئی تم سے ایک ضروری بات پوچھنی تھی۔''

''پوچھئے۔''

''کبھی جھریالی کی طرف گئے ہو۔''

''اکثر شکار کے سلسلے میں جانے کا اتفاق ہوا ہے۔''

''اس درمیان کب گئے تھے۔''

''تقریباً دو تین ماہ کا عرصہ ہوا۔'' جگدیش نے کہا۔

''وہاں دو ڈاکٹروں کی تجربہ گاہ بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا یا نہیں۔''

جگدیش کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

''ہاں ہاں بظاہر ان کی حرکتیں احمقانہ ہیں۔'' جگدیش بولا۔''لیکن کارنامے قابل تعریف۔''

''کیا کوئی خاص کارنامہ تمہاری نظروں سے بھی گزرا ہے۔''

''ان کے کارناموں کا اعتراف خود حکومت کو ہے۔ جنگ کے نہ جانے کتنے ہی زخمیوں کو
ہوں نے بالکل نئی زندگی بخش دی۔ ان کے لئے تجربات کے سلسلے میں خود حکومت ان کی مدد
کر رہی ہے۔ ابھی حال ہی میں انہوں نے کچھ نئے آلات حکومت کے توسط سے منگوائے ہیں۔''

''اور میں اتنا غافل ہوں کہ مجھے ان کے بارے میں آج تک کچھ نہیں معلوم ہوا۔'' فریدی
نے تشویش ناک لہجے میں کہا۔

''کیوں.....کیا کوئی خاص بات۔'' جگدیش چونک کر بولا۔

''نہیں.....کوئی خاص بات نہیں۔ مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ اتنے دلچسپ اور قابل
آدمیوں سے اتنے دنوں کے بعد ملاقات کر سکا۔'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

''نہیں کوئی بات ضرور ہے۔''

''کچھ نہیں بھئی..... کیا یہ ضروری ہے کہ میں جو کچھ پوچھوں اس کے پیچھے کوئی خاص بات ہی ہو۔''

جگدیش خاموش ہوگیا۔ لیکن اس کے چہرے سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ فریدی کے جواب سے مطمئن نہیں ہوا۔

''بھائی حمید کے کیا حال ہیں۔'' جگدیش تھوڑی دیر بعد بولا۔

''وہی پرانا مرض۔''

''یعنی.....!''

''عشق بازی۔''

جگدیش ہنسنے لگا۔

''آخر آپ کو اس سے اتنی نفرت کیوں ہے۔'' جگدیش نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''نفرت نہیں بھئی۔'' فریدی نے کہا۔ ''میں عشق کا قائل ضرور ہوں مگر اسی صورت میں جب بالکل بیکاری ہو۔ بیکاری سے یہ مطلب نہیں کہ کوئی کام نہ ہو بلکہ بیکاری سے مراد بڑھاپا ہے یعنی جب بالکل ہاتھ پیر تھک جائیں اس وقت عشق کرنا چاہئے۔''

''آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ بھلا اس وقت عشق کہاں ہوتا ہے۔''

''اگر نہیں ہوتا تو عشق سے زیادہ لغو چیز دنیا میں ہے ہی نہیں۔''

جگدیش مسکرا کر خاموش ہوگیا۔

فریدی سوچ میں ڈوبا ہوا سگار کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا۔ دفعتاً جگدیش کی طرف مڑ کر بولا

''اس ہار کے متعلق بھی کچھ معلوم ہے..... کس قسم کا تھا۔''

''سونے کی ہشت پہل ٹیکیوں پر ہیرے جڑے ہوئے تھے..... درمیانی ٹکیہ کی پشت لڑکی کی ماں کی تصویر تھی۔''

''ہوں.....!'' فریدی نے آہستہ سے سر ہلایا۔ پھر آہستہ سے پوچھا۔ ''کرنل کے یہاں کون کون رہتا ہے۔''

''وہ اور اس کی بیوی۔ تین نوکر، ایک باورچی اور ایک خادمہ۔ پائیں باغ میں ایک

ہے اور ایک چوکیدار جو پھاٹک کے قریب بنی ہوئی ایک کوٹھری میں رہتا ہے۔''

''ان لوگوں کے بیانات لئے۔''

''ہاں..... لیکن فضول کوئی ایسی بات نہیں معلوم ہوسکی جس سے اصل معاملے پر کچھ روشنی پڑتی۔''

''ان میں سے کسی کو مشتبہ بھی قرار دیا یا نہیں۔''

''یوں تو سبھی پر شبہ کیا جاسکتا ہے۔''

''لیکن تمہیں کسی پر شبہ نہیں۔''

''شبہے کی کوئی وجہ بھی ہوتی ہے۔''

''تمہیں کوئی وجہ نہیں مل سکی۔'' فریدی طنزیہ انداز میں بولا۔ ''آخر تمہیں کب سلیقہ آئے گا۔ تم کہتے ہو کہ وہاں ایک چوکیدار بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ رات بھر جاگتا رہتا ہوگا۔ دوسری طرف تم یہ بھی کہتے ہو کہ لڑکی رات کو کسی وقت غائب ہوئی ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ساری ذمہ داری چوکیدار پر آپڑتی ہے۔''

''اوہ..... یہی تو مصیبت ہے۔'' جگدیش نے کہا۔ ''وہ غریب تو یقیناً ایک ہفتہ سے بیمار پڑا ہے۔''

''سنی سنائی کہہ رہے ہو یا تم نے خود دیکھا ہے۔''

''جس وقت میں نے اسے دیکھا وہ اس وقت بھی غشی کی حالت میں تھا۔''

''مالی رات کو بھی وہیں رہتا ہے۔''

''جی ہاں۔''

''بقیہ نوکر.....!''

''سب وہیں رہتے ہیں۔''

''تم نے لڑکی کے سونے کا کمرہ بھی دیکھا۔''

''کوئی خاص بات۔''

''کچھ نہیں۔''

''کاش میں اس وقت وہاں موجود ہوتا''

''اوہ.....!'' جگدیش چونک کر بولا۔ ''تو کیا آپ اس کیس میں دلچسپی لے رہے ہیں؟''

''نہیں.....لیکن کیس دلچسپ ضرور ہے۔'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''کیا تم مجھے کے گھر کسی طرح لے چل سکتے ہو۔''

''کسی طرح کیا.....ابھی چلئے۔''

''نہیں.....میں وہاں انسپکٹر فریدی کی حیثیت سے نہیں جاؤں گا۔''

جگدیش اس کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

''اس وقت چھ بجے ہیں۔'' فریدی اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھ کر ا

''تم ابھی کرنل کے یہاں اسی کیس کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کے سلسلے میں جاؤ۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد ایک باوردی سب انسپکٹر پولیس تمہیں تلاش کرتا ہوا وہاں پہنچ جائے

''میں کچھ نہیں سمجھا۔'' جگدیش بے بسی سے بولا۔

''عجیب احمق آدمی ہو۔ کیا اتنے دنوں سے بھاڑ ہی جھونک رہے ہو۔ ارے بھئی وہ انسپکٹر میں ہی ہوں گا۔''

''اوہ.....!'' جگدیش چہک کر بولا۔ ''تو گویا آپ سچ مچ اس کیس میں دلچسپی لے رہے ہیں

''یوں ہی سمجھ لو۔''

''تب تو یہ کوئی معمولی کیس نہیں معلوم ہوتا۔''

''بہت ممکن ہے ایسا ہی ہو۔'' فریدی نے کہا۔ ''تمہیں کوئی ضروری کام تو نہیں کرنا۔''

''نہیں.....!''

''تب تم فوراً کرنل کے یہاں چلے جاؤ۔'' فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

جگدیش ایک ٹیکسی پر کوتوالی کی طرف روانہ ہوگیا اور فریدی سڑک پار کرتا ہوا گھر کے بجائے ایک پتلی سی گلی میں مڑ گیا۔ اس نے شہر کے متعدد چھوٹے موٹے ہوٹلوں میں کم کرائے پر لے رکھے تھے جنہیں وہ اکثر کسی نہ کسی خاص مقصد کے لئے استعمال کرتا رہتا تھا تین تنگ گلیاں طے کرنے کے بعد وہ ایک بوسیدہ سی قدیم طرز کی عمارت کے سامنے پہنچ کر

گیا۔ یہ ایک گندہ سا ہوٹل تھا جہاں کم حیثیت کے لوگ آ کر قیام کیا کرتے تھے۔ ان میں زیادہ تر دیہی علاقوں کے مقدمہ باز زمیندار ہوا کرتے تھے۔ اس کا مالک شہر کے مشہور بدمعاشوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ فریدی کو دیکھتے ہی وہ گھبرا کر کھڑا ہوگیا۔

''ڈرو نہیں.....چل کر میرا کمرہ کھول دو۔''

اس نے میز کی دراز سے کنجیوں کا لچھا نکالا اور ایک طرف چلنے لگا۔

''تمہارے اس نئے دھندے سے میں خوش نہیں ہوں۔'' فریدی نے کہا۔

''جی کون سا دھندہ۔''

''دیکھو مجھ سے اڑنے کی کوشش نہ کرو۔''

''سچ مچ میں نہیں سمجھا۔''

''کمرہ نمبر دس میں کون ہے؟''

''وہ دراصل.....!''

''دیکھو پولیس کو اطلاع مل چکی ہے کہ تمہارے آدمی دیہاتوں سے بھولی بھالی لڑکیوں کو بھگا لاتے ہیں اور تم ان سے پیشہ کراتے ہو۔ میں نے کئی بار تمہیں سمجھایا کہ اپنی حرکتوں سے باز آجاؤ۔ کیا یہ ہوٹل تمہارے اخراجات کے لئے کافی نہیں۔''

''میں.....میں مگر۔''

''فضول باتیں چھوڑو.....میرے سامنے تمہارا کوئی جھوٹ نہیں چل سکتا۔''

''جی بات یہ ہے کہ.....!''

''کوئی بات نہیں ہے۔'' فریدی کڑے لہجے میں بولا۔ ''ان لڑکیوں کو آج ہی یہاں سے ہٹا کر ان کے گھروں کو بھجوا دو۔ ورنہ کل تمہارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہوں گی۔ پولیس کسی مناسب موقع کی منتظر ہے۔''

''جی بہت اچھا۔''

کمرہ کھول کر ہوٹل والا واپس چلا گیا۔ یہ تنگ و تاریک کمرہ تھا جس میں سیلن کی بدبو گونج رہی تھی۔ فریدی نے جیب سے ایک دیا سلائی نکال کر طاق پر رکھی ہوئی موم بتی روشن کر دی۔

تھوڑی دیر کے بعد فریدی ایک ادھیڑ عمر کے سب انسپکٹر کے بھیس میں کمرے سے
ہوا۔اس نے ایک ٹیکسی رکوائی اور کرنل سعید کے بنگلے کی طرف روانہ ہوگیا۔ آہستہ آہستہ
پھیلتی جارہی تھی۔سڑک کے کنارے لگے ہوئے بجلی کے کھمبوں کے بلب روشن ہوگئے تھے
کی چہل پہل بڑھ گئی تھی۔ہوٹل کے سامنے کار
تھوں کے جمگھٹے تھے۔

فریدی سوچ میں ڈوبا ہوا کرنل سعید کے بنگلے کی طرف جارہا تھا۔تقریباً پندرہ منٹ
کے بعد اس نے ٹیکسی ایک جگہ رکوائی اور کرایہ ادا کرکے پیدل چل پڑا۔

چند لمحوں کے بعد وہ کرنل سعید کے بنگلے کی کمپاؤنڈ میں داخل ہورہا تھا۔نوکر سے اطلاع
کرانے پر وہ ڈرائینگ روم میں بلوالیا گیا۔جگدیش ایک نوجوان اور خوبصورت عورت سے باتیں
کررہا تھا۔

''واہ انسپکٹر صاحب.....میں آپ کا انتظار ہی کرتا رہ گیا۔'' فریدی نے جگدیش سے کہا۔

''آیئے آیئے۔'' جگدیش ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔''ایک ضروری
کام سے مجھے یہاں آنا پڑا۔بہرحال میں آپ کے لئے کوتوالی میں کہہ آیا تھا۔کہئے آپ
علاقے میں سب خیریت ہے نا۔''

''جی ہاں.....کوئی خاص بات نہیں۔''

فریدی کی نظریں دیوار پر لگی ہوئی ایک تصویر پر جم گئیں۔یہ تصویر اسی عورت کی تھی جسے
نے ہیروں والے ہار میں دیکھا۔فریدی نے اطمینان کا سانس لیا۔جگدیش اسے کرنل صاحب
لڑکی کی گمشدگی کا حال بتانے لگا۔فریدی دلچسپی اور توجہ سے سنتا رہا۔درمیان درمیان وہ بول
پڑتا تھا۔عورت خاموش تھی۔کبھی کبھی ایک آدھ ٹھنڈی سانس لے کر وہ بے چینی سے صوفے
کسمسانے لگتی۔

''اور ابھی بیگم صاحبہ کی زبانی معلوم ہوا کہ۔'' جگدیش عورت کی طرف اشارہ کرکے بولا
''اس صدمے کی وجہ سے کرنل صاحب کے دماغ پر بُرا اثر پڑا ہے۔''

''یعنی.....!'' فریدی نے پوچھا۔

''دماغی حالت درست نہیں۔اکثر وہ اپنے کتے کو دیکھ کر بھونکنے لگتے ہیں۔''

جگدیش نے یہ جملہ کچھ ایسے احمقانہ انداز میں کہا کہ فریدی کو ایک بے ساختہ قسم کا قہقہہ
ضبط کرنا پڑا۔

''اچھا.....!'' فریدی عورت کی طرف دیکھ کر بولا۔

''جی ہاں.....بہت ہی تشویش ناک حالت ہے۔'' عورت نے کہا۔

فریدی نے اس کی آواز میں ایک عجیب طرح کی کشش محسوس کی۔ایسا محسوس ہوا جیسے
دور کہیں ویرانے میں دفعتاً گھنٹیاں سی بج اٹھی ہوں۔

''واقعی یہ حادثہ بہت ہی افسوس ناک ہے۔'' فریدی بولا۔''کیا رات کو یہاں کوئی باہری
آدمی آیا تھا۔''

عورت دفعتاً چونک پڑی۔

''جی نہیں.....نہیں تو۔'' وہ جلدی سے بولی۔

''اکثر مہمان تو آتے ہوں گے۔''

''جی ہاں.....کبھی کبھی۔''

''اور کرنل صاحب کے ملنے والے بھی۔''

''جی ہاں۔''

''اس دن کون کون آیا تھا۔''

''جہاں تک مجھے یاد ہے کوئی نہیں۔''

''اس وقت کرنل صاحب کہاں ہیں؟''

''میں نے بتایا کہ ان کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں۔انہیں نوکروں کی نگرانی میں ایک الگ
کمرے میں رکھا گیا ہے۔''

''اوہ.....!'' فریدی بولا۔''اتنی خراب حالت ہے۔''

تھوڑی دیر بعد رسمی گفتگو کرتے رہنے کے بعد جگدیش اور فریدی اٹھ گئے۔فریدی کا ایک
مقصد تو حل ہوگیا تھا۔کرنل سعید کے ڈرائینگ روم میں لگی ہوئی تصویر نے اس بات کی تصدیق
کردی تھی کہ جھرمائی سے نکلنے والا ہار وہی تھا جو کرنل کی لڑکی پہنے ہوئے تھی۔جگدیش اور فریدی

ادھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے چوراہے تک آئے۔ جگدیش نے ایک ٹیکسی کروائی لیکن فریدی نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ وہ گھر واپس جانے کی بجائے حمید کے الفاظ میں مٹر گشتی کرنا چاہتا تھا۔ اس کی یہ مٹر گشتی خاص ہی خاص موقعوں پر ظاہر ہوتی تھی جب کوئی خطرناک کام انجام دینا ہوتا جب کوئی الجھا ہوا معاملہ درپیش ہوتا تو فریدی عموماً شہر کی سڑکوں کے چکر لگایا کرتا تھا۔

کرنل سعید

دوسرے دن صبح حمید اور فریدی کرنل سعید کے متعلق ناشتہ کرتے وقت گفتگو کر رہے تھے۔

''آخر آپ اسے یہاں کیوں اٹھا لائے ہیں۔'' حمید بولا۔

''اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہ تھا۔''

''کیسا چارہ..... آخر معاملہ کیا ہے۔ میں تو ابھی تک نہیں سمجھ سکا۔'' حمید اکتا کر بولا۔

''میں خود ابھی تک کچھ نہیں سمجھ سکا۔'' فریدی نے کہا۔

''تو پھر اسے یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی۔'' حمید بولا۔ ''خواہ مخواہ ہلٹر مچے گا۔''

''اس کی زندگی خطرے میں تھی۔''

''کیوں.....؟''

''چند مشاہدات کی بناء پر میں ایسا کہہ رہا ہوں۔''

''جلدی کہہ بھی ڈالئے۔'' حمید مضطربانہ انداز میں بولا۔

''ذرا سوچو تو جب اس کی دماغی حالت اتنی خراب تھی تو اسے اس طرح کیوں رکھا گیا کہ وہ آزادانہ باہر نکل آیا۔ دوسرے یہ کہ اس کے کتے کسی کوٹھری وغیرہ میں بند کرنے کی بجائے باغ میں کیوں باندھے گئے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ وہ کتوں سے لڑنے پر آمادہ رہتا تھا۔ کتوں کو گھر سے ہٹا دینا چاہئے تھا۔''

فریدی خاموش ہو گیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

''غالباً آپ کا مطلب یہ ہے کہ کرنل کی بیوی اس بچی کو اپنی راہ سے ہٹانے کے بعد خود کرنل کا خاتمہ کر دینا چاہتی ہے۔'' حمید نے کہا۔

نمبر 3

''میں اتنی جلدی نتائج نکال لینے کا قائل نہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''پھر آپ کا کیا خیال ہے۔''

''ابھی تک کسی خاص نتیجہ پر نہیں پہنچ سکا۔''

''کرنل سعید کی بیوی کو تو آپ نے دیکھا ہوگا۔'' حمید نے کہا۔

''ہاں.....!''

''اشرف کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ کافی حسین ہے۔''

''ہاں بے حد حسین۔''

''اگر میں اس سے عشق شروع کر دوں تو کیسی رہے۔''

''ہر جگہ یہ تدبیر کام نہیں آ سکتی۔'' فریدی نے کہا۔ ''ایسی حماقت نہ کرنا۔ ہماری ان حرکتوں یہاں کے سارے جرائم پیشہ واقف ہو چکے ہیں۔ اب کوئی عورت دھوکا نہیں کھا سکتی۔''

''یہی تو سب سے بڑی بدنصیبی ہے۔'' حمید اپنے چہرے پر اداسی طاری کرتا ہوا بولا۔ ''حال آپ نے اس کی بیوی کے متعلق کیا اندازہ لگایا ہے۔''

''صورت سے تو کسی طرح بھی مجرم نہیں معلوم ہوتی۔'' فریدی نے کہا۔ ''یہ نظریہ بھی ہر جگہ مدنہیں ہوتا''

''پھر آخر کار آمد ہوتا کیا ہے۔''

''ٹھنڈے دل سے ہر معاملے پر غور کرنا۔'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

''اونہہ ہوگا۔'' حمید بیزاری سے بولا۔

''خیر..... ذرا اٹھ کر کھڑکیاں اور دروازے بند کر دو۔ نوکروں سے کہہ دو اگر کوئی ملنے کے لئے تو کہہ دیں کہ ہم لوگ گھر پر موجود نہیں ہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''کیوں.....؟''

''عجیب احمق ہو..... ارے بھئی کرنل سعید۔''

''اوہ.....!'' حمید اٹھتا ہوا بولا اور باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آ کر اس نے کمرے کے سارے دروازے اور کھڑکیاں بند کر لیں۔

فریدی اٹھا۔ اس نے فرش پر بچھے ہوئے قالین کا ایک کونا ہٹایا اور پھر فرش کے بڑے چوکور پتھروں میں سے ایک ہٹا دیا گیا۔ نیچی سیڑھیاں تھیں۔ فریدی اور حمید نیچے اتر لگے۔ سیڑھیوں کے اختتام پر ایک دروازہ تھا۔ حمید نے بڑھ کر ہینڈل گھمایا اور دروازہ کھل گیا ایک زمین دوز کمرہ تھا۔ صاف ستھرا۔ زمین پر قالین تھا۔ ایک طرف ایک صوفہ سیٹ قرینے رکھا ہوا تھا اور دوسری طرف ایک مسہری تھی۔ جیسے ہی یہ لوگ اندر داخل ہوئے کرنل سعید ہوگیا۔ اس کے چہرے پر شدید غصے کے آثار نظر آ رہے تھے۔ ان دونوں کو دیکھتے ہی وہ جھپٹ پڑا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی نے اسے مسہری پر دھکیل دیا۔

"تم لوگ کون ہو اور مجھے یہاں کیوں بند کر رکھا ہے۔" کرنل سعید گرج کر بولا۔

"محض تمہاری حفاظت کے خیال سے۔" فریدی پراطمینان لہجے میں بولا۔

"کیا فضول بکواس ہے۔"

"تو گویا تم اس وقت ہوش میں ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اگر خیریت چاہتے ہو تو مجھے چھوڑ دو۔" سعید پھر گرجا۔

"لیکن آپ اسی طرح بخیریت رہ سکتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"پھر وہی بکواس..... تم جانتے ہو میں کون ہوں۔"

"اچھی طرح۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کرنل سعید جو پہلی جنگ عظیم میں جرمنوں کے لڑا تھا اور اب اپنے کتوں سے لڑتا ہے۔"

اچانک کرنل سعید پر گھبراہٹ طاری ہوگئی۔ غصے میں تپتے ہوئے چہرے پر سپیدی اور چمکتی ہوئی آنکھوں سے ایک عجیب قسم کا غم انگیز اضمحلال جھانکنے لگا۔ اس نے سر جھکا لیا۔

تھوڑی دیر کی ذہنی کشمکش کے بعد اس نے خود پر قابو پا لیا۔

"لیکن تم نے مجھے یہاں بند کیوں کر رکھا ہے اور تم کون ہو۔" کرنل سعید آہستہ سے

"محکمہ سراغ رسانی کا انسپکٹر فریدی۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "اگر میں تمہیں یہا لے آتا تو تمہارے خوفناک کتے تمہیں چیر پھاڑ کر رکھ دیتے۔"

"اوہ.....!" سعید چیخ کر بولا۔ "تم کون ہوتے ہو میرے نجی معاملات میں دخل دینے وا

"قانون کا محافظ۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "کیا تم بتا سکتے ہو کہ تمہاری لڑکی کہاں گئی۔"

"اچھا تو کیا میری لڑکی کو تلاش کرنے کا یہی ایک طریقہ ہو سکتا تھا۔" کرنل سعید طنزیہ لہجے میں بولا۔ "کس اُلو کے پٹھے نے تمہیں محکمہ سراغ رسانی کا انسپکٹر بنایا ہے۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"دیکھو میں کہتا ہوں مجھے چھوڑ دو۔"

"کیا تم ڈاکٹر وحید کو جانتے ہو؟" فریدی نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

کرنل سعید چونک پڑا۔ وہ غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"جسے تم نجی سمجھ رہے ہو وہ قانون کی نظروں میں بہت بڑا جرم ہے۔"

"کیا مطلب.....!" کرنل سعید چونک کر بولا۔

"لڑکی کو غائب کر کے تم نے پاگل پن کا ڈھونگ رچایا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"یہ جھوٹ ہے، سفید جھوٹ ہے۔" کرنل سعید چیخ اٹھا۔

"تو پھر تم پاگل پن کا ڈھونگ کیوں رچاتے ہو۔"

"میں ڈھونگ نہیں رچاتا..... میں..... لیکن میں کیوں بتاؤں..... تم میرا کچھ نہیں کر سکتے۔" کرنل سعید چیخ کر بولا۔

"وہ تمہیں بتانا ہی پڑے گا۔"

"دنیا کی کوئی طاقت مجھے اس پر مجبور نہیں کر سکتی۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔" فریدی نے بے پروائی سے کہا۔ "ابھی کوئی ایسی جلدی نہیں۔ میں تمہیں اس پر غور کرنے کے لئے وقت دیتا ہوں۔"

"مگر تم یہ اپنے حق میں اچھا نہیں کر رہے ہو۔" کرنل سعید نے کہا۔ "کسی شخص کو اس طرح نظر بند کر دینا بھی قانوناً جرم ہے۔ تمہیں ایک دن اس کے لئے پچھتانا پڑے گا۔"

"ایک دن کیا.....!" حمید ہنس کر بولا۔ "میں اسی وقت پچھتانے کے لئے تیار ہوں۔"

فریدی نے اسے گھور کر دیکھا اور وہ خاموش ہوگیا۔

"جاؤ کرنل کے لئے ناشتہ لاؤ۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

حمید چلا گیا۔

''دیکھو کرنل۔'' فریدی بولا۔ ''میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں تمہاری ہی بہتری کے لئے۔''

''جی عنایت کا شکریہ۔ آپ مجھے احسان مند نہ بنائیں تو زیادہ بہتر ہے۔''

''خیر تمہاری مرضی..... لیکن تم یہاں سے نکل نہیں سکتے۔'' فریدی بولا۔

پولیس کی حیرانی

تہہ خانے سے واپس آنے کے بعد فریدی گہری سوچ میں ڈوب گیا اور حمید کچھ اکتایا ادھر اُدھر ٹہلنے لگا۔

''تم نے کیا اندازہ لگایا۔'' دفعتاً فریدی بولا۔

''کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔''

''کیا واقعی اس نے پاگل پن کا ڈھونگ رچا رکھا تھا۔''

''بات تو کچھ ایسی ہی معلوم ہوتی ہے۔''

''آدمی سخت قسم کا ہے۔ ذرا مشکل ہی سے کچھ اگلے گا۔'' فریدی بولا۔

''لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔'' حمید نے کہا۔ ''اگر وہ بنا ہوا پاگل تھا تو اسے اپنے پاگل پن کا اظہار اس وقت کرنا چاہئے تھا جب کہ اسے دیکھنے والے موجود ہوں۔ رات کے سناٹے میں جب غالباً گھر کے سارے افراد سو رہے تھے اس نے یہ حرکت کیوں کی۔ بالکل کتوں جیسی حرکتیں تھیں۔ رات کو اس نے ایک ٹانگ اٹھا کر کتوں کی طرح پیشاب بھی کیا تھا۔ اس کی ان ساری حرکتوں میں اتنی بے ساختگی تھی کہ کیا کہوں اور پھر دوسری بات یہ کہ اس کے کتے بھی اس سے لڑنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔''

''میں تمہیں انہی الجھاؤں کی طرف لانا چاہتا تھا۔'' فریدی بولا۔

''لیکن اس وقت وہ بالکل ہوش میں ہے۔'' حمید بولا۔

''اس کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ خاص خاص اوقات میں اس پر یہ حالت طاری ہوتی ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''اوہ وہ اپنی اس کیفیت سے واقف بھی معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے اس نے اپنے نجی معاملات میں دخل اندازی پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔''

''یہ اور زیادہ حیرت انگیز بات ہے۔''

''اتنی ہی حیرت انگیز جتنی اس لومڑی اور خوفناک کتے کی لڑائی تھی۔'' فریدی نے کہا۔ ''ڈاکٹر وحید نے یہ بھی کہا تھا کہ اس انجکشن کا اثر وقتی تھا۔''

''بہرحال اس وقت ہم لوگ تین احمقوں کے چکر میں پھنس گئے ہیں۔'' حمید ہنس کر بولا۔ ''ابھی دیکھئے اور کتنوں کا دیدار نصیب ہوتا ہے۔ اگر کہیں کرنل کی بیوی بھی ایسی نکلی تو مزہ ہی آجائے گا۔''

''اب دیکھو پولیس پر اس کا کیا ردعمل ہوتا ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''میرا خیال ہے کہ اب تک پولیس کو اس کی گمشدگی کی اطلاع ہو چکی ہوگی۔'' حمید نے کہا۔ ''لیکن اسے بند کر رکھنے سے کیا فائدہ۔''

''ان لوگوں کو حیرت زدہ کرنا جنہوں نے اس کی لڑکی کو غائب کیا ہے۔'' فریدی بولا۔

''مگر آپ تو اس سے ایسی باتیں کر رہے تھے جیسے اسی نے یہ حرکت کی ہو۔'' حمید نے کہا۔

''بھئی بات دراصل یہ ہے کہ ابھی میں بھی کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔''

''ابھی آپ نے لومڑی اور اس عارضی اثر رکھنے والے انجکشن کے بارے میں کہا تھا۔ آپ کا یہ خیال ہے کہ کل رات کو ان ڈاکٹروں میں سے کوئی کرنل سعید کے یہاں آیا تھا۔''

''بہت ممکن ہے۔'' فریدی بولا۔ ''یہ ساری کڑیاں ایک ہی سلسلے کی معلوم ہوتی ہیں بس انہیں ملانا ہے۔''

''بس ملائیے جائیے کڑیاں۔'' حمید ہنس کر بولا۔ ''اللہ نے آپ کی قسمت میں یہی لکھ دیا ہے۔''

ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ کوتوالی انچارج انسپکٹر جگدیش کی آمد کی اطلاع ملی۔

''لیجئے۔'' حمید بولا۔ ''آ گئے برخوردار بلند اقبال کرنل سعید کی گمشدگی کی اطلاع لے کر۔''

''آؤ بھئی آؤ۔'' فریدی جگدیش کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر بولا۔

جگدیش دونوں سے مصافحہ کر کے بیٹھ گیا۔

''میں نے ابھی تک ناشتہ بھی نہیں کیا۔'' جگدیش بولا۔

''تو اب کر لو۔'' فریدی بولا اور نوکر کو آواز دے کر ناشتہ لانے کو کہا۔

''ایک نئی مصیبت۔'' جگدیش بولا۔

''کیا کرنل سعید نے اپنے کتے کو کاٹ کھایا۔'' حمید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

جگدیش بے ساختہ ہنس پڑا۔

''اماں کیا حمید بھائی تم بعض اوقات بے موقع ہنسا دیتے ہو۔'' جگدیش نے کہا۔

''کیا بات ہے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''کرنل سعید غائب ہو گیا۔''

''غائب ہو گیا۔'' فریدی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں۔''

''وہ کیسے.....؟''

''یہ تو مجھے معلوم نہیں لیکن وہ گھر پر موجود نہیں۔''

''عجیب احمق آدمی ہو۔'' فریدی نے کہا۔ ''ارے بھئی کہیں چلا گیا ہوگا۔ کوئی دودھ ہے کہ غائب ہو گیا۔''

''ارے نہیں صاحب.....اس کی بیوی نے رپورٹ کی ہے۔ وہ رات اپنے کمرے میں سویا ہوا تھا۔''

''اوہ.....!'' فریدی نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''اس کا ایک جوتا باغ میں ملا اور دوسرا غائب ہے۔'' جگدیش نے کہا۔

''لاحول ولا قوۃ۔'' حمید ہنس کر بولا۔ ''یہ کیوں نہیں کہتے کہ اس کا ایک جوتا غائب۔''

خواہ کرنل سعید کو غائب کر دیا۔''

''نہیں بھائی.....میرا مطلب یہ ہے کہ اس کی کسی سے باغ میں جدوجہد ہوئی جس کے نتیجے میں اس کا ایک جوتا باغ میں رہ گیا۔''

''تو کون سی مصیبت آ گئی.....وہ جوتا باغ سے اٹھا کر پھر بنگلے کے اندر لے جایا جا سکتا ہے۔''

''ارے یار مذاق چھوڑو۔'' جگدیش بولا۔ پھر فریدی کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ ''میرا خیال ہے کہ اُسے کوئی زبردستی اٹھا کر لے گیا۔''

''بڑا نادر خیال ہے۔'' حمید بولا۔

''چپ رہو بھئی۔'' فریدی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ پھر جگدیش سے بولا۔

''وہ باغ میں کس طرح پہنچا۔ اس کی بیوی کے بیان سے تو یہ معلوم ہوا تھا کہ وہ کڑی نگرانی میں رکھا جاتا ہے۔''

''لیکن اس کی بیوی نے آج یہ بھی بتایا کہ اس پر وہ مجنونانہ کیفیت ہر وقت طاری نہیں رہتی تھی۔ خصوصاً رات کے وقت اس پر اس قسم کا دورہ پڑتا تھا لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ رات کے کس حصے میں اس کی یہ حالت ہوگی۔''

''بہرحال اس کے گھر والوں کو چاہئے تھا کہ کم از کم رات ہی کو اس کی نگرانی کرتے۔'' فریدی بولا۔

''وہ تو ایک الگ سی بات ہے کہ کیا ہوا اور کیا نہیں ہوا۔ اب یہ نئی مصیبت کون سنبھالے گا۔'' جگدیش نے کہا۔

''جس کے سر پڑے۔'' حمید مسکرا کر بولا۔

''پھر وہی۔'' فریدی نے اسے ڈانٹا۔

''بھائی حمید ہیں بھلا ان کی زبان کون روک سکتا ہے۔'' جگدیش نے ہنس کر کہا۔

''تو پھر تمہارا کیا ارادہ ہے۔'' فریدی نے جگدیش سے پوچھا۔

''یہی پوچھنے کے لئے تو حاضر ہوا ہوں کہ کیا ارادہ کروں۔''

''فی الحال یہ ارادہ کر لو کہ تم کچھ نہ پوچھو گے۔'' حمید بولا۔

''خیر چلو.....!'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ اس نے کپڑے پہنے اور جگدیش کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہوگیا۔ ابھی وہ دونوں برآمدے ہی میں تھے کہ حمید بھی تیار ہوکر آ گیا۔

''تم کہاں چلے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''جہاں آپ.....!''

''ہم تو کرنل سعید کے یہاں جارہے ہیں۔'' جگدیش نے کہا۔

''کرنل سعید کی بیوی میری رشتہ دار ہوتی ہے۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔

''میں تمہاری رشتہ داریاں خوب سمجھتا ہوں۔'' جگدیش ہنس کر بولا۔

فریدی کی کار کرنل سعید کے بنگلے کی طرف روانہ ہوگئی۔

کرنل سعید کے پائیں باغ میں دو سب انسپکٹر اور تین چار کانسٹیبل بیٹھے نوکروں کے بیانات لے رہے تھے انہیں دیکھ کر وہ کھڑے ہوگئے۔

''کوئی خاص بات۔'' جگدیش نے ایک سب انسپکٹر سے پوچھا۔

''ابھی تک تو کوئی کام کی بات نہیں معلوم ہوسکی۔'' سب انسپکٹر نے کہا۔

یہ تینوں انہیں وہیں چھوڑ کر برآمدے میں آئے جہاں کرنل سعید کی بیوی بیٹھی کرنل کے چند دوستوں کو اس کی گمشدگی کے متعلق بتا رہی تھی۔

''معاف کیجئے گا۔'' جگدیش نے کہا۔ ''ہم ایک بار پھر آپ کو تکلیف دینا چاہتے ہیں۔''

''فرمایئے۔'' کرنل کی بیوی اٹھتی ہوئی بولی۔

''ہم کرنل صاحب کے سونے کا کمرہ دیکھنا چاہتے ہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''ضرور.....!'' کرنل کی بیوی نے کہا پھر اپنے مہمانوں سے معذرت کرنے فریدی وغیرہ کے ساتھ ہولی۔

یہ لوگ کرنل کے سونے کے کمرے میں آئے جو بہت ہی فراخ دلی کے ساتھ سجایا دیواروں پر زیادہ تر نیم عریاں تصاویر لگی ہوئی تھیں۔ ایک آدھ جگہ جنسی معلومات چارٹ بھی لٹکے ہوئے تھے۔ فریدی متجسس نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر وہ مسہ قریب آیا۔

''اوہ.....!'' اس کے منہ سے بے اختیار نکلا اور اس نے سرہانے رکھی ہوئی ایک سرنج اٹھالی۔ پھر کرنل کی بیوی کی طرف اس طرح دیکھنے لگا جیسے کچھ کہنے کے لئے سوچ رہا ہو۔

''کیا اس سرنج کے متعلق کچھ پوچھ سکتا ہوں؟''

''ہاں وہ اکثر اپنے ہاتھ سے خود ہی انجکشن لیا کرتے تھے۔'' کرنل کی بیوی نے کہا۔

''کس قسم کے انجکشن.....!''

''درد گردہ کے۔''

اس دوران میں فریدی سرہانے رکھا ہوا تکیہ ہٹا چکا تھا۔ دوسرے لمحے میں اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی شیشی تھی، جس میں کوئی سفید سی سیال شے بھری ہوئی تھی۔

''یہ کیا ہے؟'' فریدی نے اس سے پوچھا۔

''مجھے علم نہیں۔''

فریدی سوچنے لگا۔

''کیا وہ کسی کے زیر علاج تھے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''نہیں۔''

''ان کا کوئی ڈاکٹر دوست تھا۔''

''کوئی نہیں۔''

''کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا کوئی ایسا دوست ان سے ملنے کیلئے آتا تھا جو ڈاکٹر ہو۔''

کرنل سعید کی بیوی چونک پڑی۔ لیکن اس نے فوراً ہی اپنی بدلتی ہوئی حالت پر قابو پالیا۔

''میرے خیال سے تو کوئی ایسا آدمی نہیں۔'' وہ بولی۔

''تو کیا کرنل صاحب کسی ڈاکٹر سے مشورہ لئے بغیر ہی انجکشن لے لیا کرتے تھے۔''

''نہیں آج سے دو سال قبل کسی ڈاکٹر نے انہیں مشورہ دیا تھا۔''

''کل رات یہاں کون کون آیا تھا۔''

''ایک تو انسپکٹر صاحب۔'' وہ جگدیش کی طرف اشارہ کرکے بولی۔ ''اور ایک صاحب انہیں ڈھونڈتے ہوئے یہاں پہنچ گئے تھے۔''

''ان کے علاوہ۔''

''ان کے علاوہ کوئی باہری آدمی یہاں آیا ہی نہیں۔''

''ان کا دماغ کب سے خراب تھا۔''

''میرا خیال ہے کہ بچی کے غائب ہونے کے بعد ہی ان کی یہ حالت ہوگئی تھی۔''

''آدمیوں کو بھی تنگ کرتے رہے ہوں گے۔''

''ہرگز نہیں۔'' کرنل کی بیوی بولی۔ ''میں نے اکثر رات میں انہیں صرف کتوں پر جھ دیکھا ہے۔''

''رات کے کس حصے میں۔''

''ایک رات تقریباً تین بجے اتفاقاً میری آنکھ کھل گئی۔ پائیں باغ میں شور سن کر میں کھڑکی سے جھانکا، باہر اندھیرا تھا۔ لیکن پھر بھی مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے دو کتے لڑ رہے ہیں ہمارے کتے آپس میں کبھی نہیں لڑتے، میں سمجھی شاید کوئی باہری کتا آ گیا ہے۔ میں نے ٹا اٹھا کر باہر روشنی ڈالی، لیکن میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب میں نے یہ دیکھا کہ ایک ہمارا کتا تھا اور دوسرے خود کرنل صاحب، وہ گھٹنوں اور ہاتھوں کے بل اچھل اچھل کر کتے پر حم کر رہے تھے اور ساتھ ساتھ بالکل کتے جیسی آواز میں بھونکے جا رہے تھے۔ میں نے نوکروں جگایا۔ وہ کسی نہ کسی طرح انہیں اندر لائے۔ وہ اس وقت ہوش میں نہ تھے۔ بہرحال میں اس دن سے ان کی کافی نگرانی شروع کر دی تھی۔ لیکن وہ رات کو کسی نہ کسی طرح کمرے سے نکل ہی جاتے تھے۔ کل رات بھی شاید وہ باہر نکل گئے۔ پھر معلوم نہیں کیا حادثہ پیش آیا۔''

''آپ کی دانست میں ان کا کوئی دشمن تھا۔'' فریدی نے پوچھا۔

''اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ فوجیوں کو تو آپ جانتے ہی ہیں۔ کرنل صاحب بہت اکھڑ آدمی ہیں۔ اس لئے اگر انہوں نے کچھ دشمن پیدا کر لئے ہیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ لیکن میں یہ نہ بتا سکوں گی کہ ان کا دشمن کون ہے ایسے تو جتنے بھی ان کے ملنے کے آتے ہیں سبھی ان کے جگری دوست معلوم ہوتے ہیں۔''

فریدی کے استفسار پر کرنل کی بیوی نے کئی ایسے لوگوں کے نام اور پتے لکھوائے جو

کے گھر آیا کرتے تھے۔ لیکن ان میں ڈاکٹر وحید کا نام نہیں تھا۔ فریدی کچھ سوچنے لگا۔ حمید غور سے کرنل کی بیوی کو دیکھ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس کی دلی کیفیات کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا ہو۔

فریدی اس سے چند اور سوالات کرنے کے بعد واپس جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ سرنج اور شیشی کرنل کی بیوی کی اجازت سے اس نے اپنی جیب میں ڈال لی تھیں۔

جگدیش وہیں رہ گیا۔ حمید اور فریدی کار میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔

''مجھے تو اس عورت پر شبہ ہے۔'' حمید بولا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

''آوارہ معلوم ہوتی ہے۔'' حمید پھر بولا۔

''کیوں؟ آوارہ کیوں معلوم ہوتی ہے۔''

''اس لئے کہ اس کے بائیں پیر کی چھوٹی انگلی کے پاس والی انگلی تناسب کے اعتبار سے چھوٹی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ بقیہ انگلیوں کی سطح سے کچھ اونچی ہو۔''

''کیا فضول بکواس ہے۔'' فریدی کچھ اکتا کر بولا۔

''صدیوں کے تجربات کا نچوڑ پیش کر رہا ہوں۔''

''بکو مت.....!''

''اور جب وہ خاموش ہوتی ہے تو اس کے ہونٹ کھل جاتے ہیں اور دانت دکھائی دینے لگتے ہیں۔''

''تو پھر اس سے کیا۔''

''اور مسکراتے وقت اس کے گالوں میں گڑھے پڑ جاتے ہیں۔'' حمید بولا۔ ''آسکر وائلڈ نے لکھا ہے کہ یہ نطفہ ناتحقیق ہونے کی علامت ہے۔''

فریدی بے اختیار ہنس پڑا۔

''ابھی تک تو وہ خود آوارہ تھی اور اب تم اس کی ماں کی آوارگی ثابت کرنے بیٹھ گئے۔ فضول بکواس کر کے میرا دماغ مت خراب کرو۔''

''ایسی باتوں سے دماغ روشن ہوتا ہے۔''

''پھر وہی۔''

''تندرستی اچھی رہتی ہے۔ آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں نہیں اڑتیں۔ سر نہیں چکراتا، آنکھوں کی کھوئی ہوئی روشنی واپس آجاتی ہے۔ دانت مضبوط اور چمک دار ہوجاتے ہیں خواب صاف دکھائی دیتے ہیں، آدمی بھوت پریت کے سائے سے محروم رہتا ہے..... اور اور.....!''

''ارے بابا بند کرو..... یہ بکواس۔'' فریدی اکتا کر بولا۔

پھر احمقوں میں

حمید خاموش ہوگیا۔ کار تیزی سے چلی جارہی تھی۔ سڑک کے پررونق بازار چھوڑتی ہوئی ایک سنسان سڑک پر مڑ گئی۔

''ہم کہاں جارہے ہیں۔'' حمید چونک کر بولا۔

''جھریالی.....!''

''کیوں؟''

''ڈاکٹروں سے ملنے۔''

''لاحول ولاقوۃ خواہ مخواہ وقت برباد کریں گے آپ.....!''

''فضول بکواس مت کرو۔'' فریدی بولا۔

''تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کرنل سعید کو پاگل بنانے میں انہیں کا ہاتھ ہے۔''

''یہ میں اس وقت سمجھ سکتا تھا جب سعید قطعی پاگل ہوتا ہے۔''

''تو کیا آپ کو اس کے قطعی پاگل ہونے میں شبہ ہے۔''

''قطعی پاگل ہونے سے میری مراد ہر وقت کی بیہوشی ہے۔'' فریدی بولا۔ ''صرف اسی کو وہ کیوں پاگل ہوجاتا ہے۔''

''بہت ممکن ہے کہ خود انہوں نے اسے کوئی ایسی دوا دی ہو جس کا وقتی اثر یہ ہوتا ہے۔'' حمید بولا۔

''یہی سب دیکھنے کے لئے تو چل رہا ہوں۔'' فریدی نے کہا۔ ''آخر وقتی طور پر اسے پاگل بنا دینے کا کیا مطلب ہے۔''

''کچھ عجیب اتفاق ہے کہ معاملہ لڑکی کی تلاش سے شروع ہوکر باپ کے پاگل پن پر ختم ہوگیا۔'' حمید نے کہا۔

''نہیں معاملہ ختم کہاں ہوا۔ وہ تو اب شروع ہوا ہے۔''

''وہ انشاء اللہ زندگی بھر اسی طرح شروع ہوتا رہے گا۔''

''تم احمق ہو، جہاں ذرا سی محنت پڑی جان نکلنے لگی۔'' فریدی نے کہا۔

''اسے آپ ذرا سی محنت کہتے ہیں۔''

''دیکھو خواہ مخواہ بک بک کرتے رہنے کی عادت اچھی نہیں۔''

''معاف کیجئے گا..... میری یہی بک بک آپ کی کامیابیوں کی ذمہ دار ہے۔'' حمید بولا۔

''بہت اچھے! بڑی شاندار بکواس ہوتی ہے آپ کی۔ کاہل اور کام چور عورتوں کی سی باتیں کرتے ہو۔''

''عورتوں..... ہائے..... عورتوں..... ذرا ایک بار پھر کہئے۔'' حمید سینے پر ہاتھ مارتا ہوا بولا۔ ''اگر اسی طرح عورت افزائی کرتے رہے تو کیوں مجھے اکتانا پڑے۔''

''پھر وہی عورت۔'' فریدی جل کر بولا۔ ''اگر یہی عالم رہا تو ایک دن تم خود عورت ہوجاؤ گے۔''

''اور آپ اس وقت کہاں ہوں گے؟'' حمید نے پوچھا۔

''جہنم میں۔''

''تو گویا نعوذ باللہ۔''

''خاموش رہو..... ورنہ میں تمہارا سر اسٹیئرنگ سے لڑا دوں گا۔'' فریدی جھنجھلا کر بولا۔

''اچھا پھر اس کے بعد آپ کہاں ہوں گے۔''

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس وقت اسے سچ مچ حمید کی بے تکی بکواس بہت کھل رہی تھی۔

حمید بھی شاید سمجھ گیا تھا اس لئے اس نے بالکل خاموشی اختیار کر لی۔ فریدی کار کی رفتار بہ لحہ تیز کرتا جا رہا تھا۔

جھریالی پہنچ کر فریدی نے کار کچے راستے پر اتار دی۔ تجربہ گاہ کے سامنے پہنچ کر کار رک گئی۔ کل ہی والا پہرے دار آج بھی پھاٹک پر بیٹھا ہوا تھا۔ فریدی کو کار سے اترتے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

''سلام صاحب۔''

''سلام! ذرا یہ کارڈ اندر بھجوا دو۔'' فریدی نے اپنا ملاقاتی کارڈ جیب سے نکال کر دیتے ہوئے کہا۔

پہرے دار نے کسی کو آواز دی۔ ایک آدمی اندر سے آیا اور اس نے کارڈ اسے دے دیا فریدی اندر بلا لیا گیا۔

دونوں ڈاکٹر لیبارٹری میں کوئی تجربہ کر رہے تھے۔ انہوں نے فریدی کو وہیں بلا لیا۔

جیسے ہی وہ دروازے کے قریب پہنچے اندر سے کسی شیر خوار بچے کے رونے کی آواز آئی اندر پہنچ کر ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب انہوں نے یہ دیکھا کہ یہ آواز ایک خرگوش منہ سے نکل رہی تھی جسے ڈاکٹروں نے ایک مشین میں لگے ہوئے پنجرے میں بند کر رکھا تھا۔

حمید کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔

''اوہ آپ۔'' وحید نے چونک کر کہا۔ ''شاید کل بھی تو آپ آئے تھے، لیکن آپ نہیں بتایا تھا کہ آپ کون ہیں۔''

''اس قسم کا کوئی موقع ہی نہیں آیا تھا۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

''فرمایئے میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔''

''میں ایک تکلیف دینے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔''

''فرمایئے۔''

فریدی نے وہی شیشی نکالی جو اس نے کرنل سعید کے بستر پر پائی تھی۔

''میں اس سیال کا تجزیہ چاہتا ہوں۔''

''بس اتنی معمولی سی بات، میں تو سمجھا تھا کہ شاید آپ کوئی بڑی خدمت مجھ سے لینے والے ہیں۔'' ڈاکٹر وحید نے مسکرا کر کہا۔

فریدی نے شیشی اسے دے دی اور اس کے حرکات و سکنات کا بغور جائزہ لینے لگا۔

ڈاکٹر وحید کے چہرے پر کسی قسم کی گھبراہٹ یا پریشانی کے آثار نہ تھے۔ اس نے نہایت اطمینان سے شیشی کا عرق ایک ٹسٹ ٹیوب میں انڈیلا اور اس میں کچھ دوسری چیزیں ملا کر اسپرٹ لیمپ پر گرم کرنے لگا۔

دفعتاً تھوڑی دیر بعد اس کے منہ سے عجیب قسم کی آواز نکلی اور وہ گھوم کر تحیر آمیز انداز سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

''یہ چیز آپ کو کہاں سے ملی۔'' اس نے فریدی سے پوچھا۔

''یہ کیا ہے۔'' فریدی نے سوال کیا۔

''میرا دعویٰ تھا کہ اس کا راز صرف میں ہی جانتا ہوں مگر.....!'' وہ پریشانی کے لہجے میں بولا۔

''یعنی.....!''

''آپ کو یہ کہاں سے ملا.....؟''

''کرنل سعید کے یہاں.....!''

''کرنل سعید کے یہاں۔'' ڈاکٹر وحید نے اچھل کر کہا۔

''جی ہاں۔''

''تو وہ حضرت اسے یہیں سے چرا کر لے گئے ہیں۔'' ڈاکٹر وحید بے ساختہ بولا۔

''آپ اسے جانتے ہیں۔'' فریدی نے پوچھا۔

''اچھی طرح.....وہ میرے زیر علاج ہے۔''

''کس چیز کا علاج کر رہے ہیں آپ۔''

''جنسی کمزوری کا۔''

''اوہ لیکن اس شیشی میں کیا چیز تھی۔''

''ہمارا ایک نامکمل تجربہ۔'' ڈاکٹر وحید نے کہا۔ ''یہ بھی جنسی کمزوری ہی کی ایک دوا ہے

لیکن ابھی اس قابل نہیں کہ اسے کسی آدمی پر استعمال کیا جا سکے۔''

''شاید آپ کو یہ سن کر تعجب ہو کہ اسے ایک آدمی استعمال کرتا رہا ہے۔''

''کون.....!''

''کرنل سعید۔''

''ارے..... مجھے اس کا علم ہی نہیں۔ تو پھر اس کا نتیجہ کیا ہوا.....؟''

''نتیجے ہی کے سلسلے میں مجھے یہاں آنا پڑا ہے۔'' فریدی نے کہا اور کرنل سعید کے پاگل پن کی داستان دہرادی۔ ڈاکٹر وحید کی آنکھوں میں عجیب قسم کی چمک پیدا ہوگئی۔

''اوہ..... تب تو میرا تجربہ سو فیصدی کامیاب رہا۔'' ڈاکٹر وحید مسرت آمیز لہجے میں بولا۔

''مگر یہ ہے کیا بلا۔'' فریدی نے پوچھا۔

''آپ کتوں کی جنسیت کے بارے میں تو جانتے ہی ہوں گے۔'' ڈاکٹر وحید بولا۔

''اسی نظریئے کو سامنے رکھ کر ہم کتے کے غدود کے انجکشن کے سلسلے میں تجربہ کر رہے تھے۔ ہم نے دوا تو تیار کر لی تھی لیکن ابھی تک اطمینان نہیں ہوا تھا۔ کرنل سعید نے ہماری یہ مشکل بھی دور کر دی۔ اگر وہ پندرہ دن تک متواتر اسے استعمال کرتا رہا تو آپ جانتے ہیں کیا ہوگا.....'' پھر سے، جوان ہی نہیں بلکہ نوجوان ہو جائے گا۔''

''بشرطیکہ اس دوران میں اس کی ملک الموت سے ملاقات نہ ہوگئی ہو۔'' حمید بے ساختہ بولا۔

''کیا مطلب.....؟''

''وہ اسی پاگل پن کے عالم میں کل رات کہیں غائب ہوگیا۔'' فریدی نے کہا۔

''غائب ہوگیا۔'' وحید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''خیر فکر کی بات نہیں..... یہ پاگل پن عارضی ہوتا ہے، اسے جب بھی ہوش آئے گا وہ واپس آ جائے گا۔''

''لیکن اسے یہ دوا ملی کیسے؟''

''میری حماقت کی وجہ سے۔'' وحید بولا۔ ''میں نے دراصل اسے اپنے اس تجربے کے متعلق بتا دیا تھا اور یہ دوا بھی دکھا دی تھی جو ایک بوتل میں رکھی ہوئی تھی۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ میں نے اسے یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ ابھی قابل اطمینان نہیں ہے۔ لیکن آپ تو جانتے ہی ہیں کہ

بڑھاپے میں کسی جوان عورت سے شادی کر لینا کتنا خطرناک ہوتا ہے۔ کرنل کی بے صبری نے اسے یہ دن دکھایا۔ اس نے مجھ سے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ میں اس کا تجربہ اسی پر کروں لیکن میں خواہ مخواہ کا خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہ تھا، آخر وہ اسے چرا ہی لے گیا۔''

''آپ اکثر و بیشتر اس کے گھر بھی جاتے رہے ہوں گے۔''

''ہاں اکثر اتفاق ہوا ہے، جب کبھی شہر جاتا ہوں اگر وقت ہوتا ہے تو اس سے ضرور مل لیتا ہوں۔ آدمی دلچسپ ہے۔''

''اس کی لڑکی کے متعلق تو آپ کو معلوم ہی ہوگا۔''

''ہاں میں نے اخبار میں پڑھا تھا۔ واقعی افسوس ناک حادثہ ہے۔''

''اور اب وہ خود بھی غائب ہوگیا۔'' فریدی نے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ اس کا کوئی عزیز اس کی دولت کے لالچ میں ایسا کر رہا ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ اس کی بیوی کی جان بھی خطرے میں ہے۔''

''بہت ممکن ہے، اس قسم کے سینکڑوں واقعات سننے میں آتے ہیں۔'' وحید بولا۔

''کل میں آپ کی تجربہ گاہ کے سب شعبے نہیں دیکھ سکا۔'' فریدی نے کہا۔

''تو آج ہی دیکھ لیجئے..... ہمیں خوشی ہوگی۔'' ڈاکٹر وحید بولا۔

''پہلے بچوں کی طرح رونے والے اس خرگوش کا ماجرا بیان کیجئے۔'' حمید نے کہا۔

''یہ بھی بالکل نیا تجربہ ہے۔'' ڈاکٹر وحید مسکرا کر بولا۔ ''ہمارا خیال ہے کہ آدمیوں کی عمر بدلی جا سکتی ہے اس سلسلے میں ابھی ہم جانوروں پر تجربہ کر رہے ہیں۔''

''صاحب واقعی ہمارے ملک میں آپ لوگوں کا دم غنیمت ہے۔ یقیناً آپ سائنس کی دنیا میں ہمارا سر اونچا کریں گے۔'' فریدی بولا۔

''آیئے..... میں آپ کو بقیہ شعبے دکھاؤں۔'' ڈاکٹر وحید نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

''یہ دیکھئے..... یہ ہمارا ننھا سا بجلی گھر ہے جس سے ہم اپنی ضرورت کے مطابق بجلی پیدا کر سکتے ہیں۔ یہاں اس کمرے میں ادویات رکھی جاتی ہیں اور آیئے ادھر تشریف لایئے۔ جی

ہاں یہ نباتات کا کمرہ ہے۔ یہاں دنیا کے سارے ممالک کی کارآمد نباتات کے نمونے ہیں۔"

"کیا آپ نے شیر بھی پال رکھے ہیں۔" دفعتاً حمید نے چونک کر پوچھا۔ اسے ابھی ایک خوفناک گرج سنائی دی تھی۔

"جی ہاں..... اس سامنے والی عمارت میں درندے ہیں۔"

"تو کیوں نہ لگے ہاں ان کو بھی دیکھ لیں۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن مجھے افسوس ہے کہ آپ انہیں قریب سے نہ دیکھ سکیں گے۔ کیونکہ ابھی تک وہاں کا انتظام نہیں ہوسکا۔ درندے کمروں میں بند ہیں۔ خود ہم لوگ بھی ادھر بہت کم جاتے ہیں۔"

"یہ چیز تو خطرناک ہے۔"

"کیا کیا جائے..... حکومت نے کٹہروں کا وعدہ تو کیا ہے، دیکھئے کب تک ملتے ہیں۔" ڈاکٹر وحید بولا۔

"گھبرائیے نہیں آپ کو بہت جلد کٹہرے بھی مل جائیں گے۔" فریدی نے کہا۔

"وہ کیسے۔"

"میں ایک رپورٹ پیش کردوں گا کہ موجودہ حالت میں درندوں کا رکھنا خطرناک ہے۔" فریدی بولا۔

"ہم آپ کے انتہائی ممنون ہوں گے۔"

"لیکن یہ تو بتائیے کہ آپ شیر رکھتے ہی کیوں ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"ان سے ہم بزدلوں کو شیر بنانے میں مدد لیتے ہیں۔" ڈاکٹر وحید نے کہا۔

"یعنی.....!"

"شیر کے غدود کے انجکشن.....!"

"ہاں صاحب..... اگر آپ کسی کو گدھے کے غدود کے انجکشن دیں تو کیا ہو۔" حمید مسکرا کر پوچھا۔

"تو وہ آپ کی طرح فضول بکواس کرنے لگے گا۔" فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔

ڈاکٹر وحید ہنسنے لگا۔

"اچھا ڈاکٹر اس تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔" فریدی نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ارے اس میں تکلیف کی کیا بات ہے۔" وحید نے کہا۔ "مجھے خوشی ہے کہ آپ نے ہمیں اس قابل سمجھا۔"

فریدی اور حمید کار پر بیٹھ کر شہر کی طرف روانہ ہوگئے۔

"کیوں حمید کیا خیال ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ان لوگوں پر کسی قسم کا شبہ کرنے کو دل نہیں چاہتا۔" حمید بولا۔

"کیوں.....؟"

"بے چارے نے سب کچھ صحیح صحیح تو بتا دیا۔"

"خیر اس کا علم تو مجھے کرنل سعید سے گفتگو کرنے کے بعد ہی ہوگیا تھا کہ وہ اپنی ان حرکتوں کا ذمہ دار خود ہے۔"

"تو پھر یہاں تک دوڑے آنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"محض اپنے اطمینان کیلئے۔" فریدی نے کہا۔ "کوئی اور خاص بات تم نے مارک کی۔"

"کوئی نہیں..... مجھے تو کوئی خاص بات نہیں دکھائی دی۔"

"اس لئے تو کہتا ہوں کہ تم کبھی ایک کامیاب جاسوس نہیں ہوسکتے۔" فریدی نے کہا۔ "کیا تم نے یہ چیز نوٹ نہیں کی کہ ڈاکٹر وحید کو تو کرنل سعید کے گھر جانے کا اقرار ہے لیکن کرنل کی بیٹی اس سے انکار کرتی ہے۔"

"اوہ..... تو پھر..... آپ اس سے کیا نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔"

"ابھی سوچ رہا ہوں کہ کیا نتیجہ اخذ کروں۔"

"بہرحال یہ چیز تو ظاہر ہوگئی کہ کرنل کے پاگل پن اور اس کی بیٹی کی گمشدگی میں کوئی تعلق نہیں۔ اب یہ بتائیے کہ کرنل کا کیا ہوگا۔"

"جب تک اس کی لڑکی کے متعلق نہ معلوم ہو جائے اسے تہہ خانے ہی میں رکھوں گا۔"

"مگر یہ چیز ہے خطرناک.....!" حمید نے کہا۔ "فرض کیجئے اگر اس کے متعلق آپ کو کچھ

نہ معلوم ہو سکا تو کیا ہوگا۔"

"وہ تو اب معلوم ہو کر ہی رہے گا۔" فریدی نے پراطمینان لہجے میں کہا۔

حمید کچھ سوچنے لگا۔ دفعتاً اس کا چہرہ چمک اٹھا۔ شاید اس کے ذہن میں کوئی نیا خیال ہوا تھا جسے وہ ایک ناتجربہ کار بچے کی طرح فوراً ہی اگل دینے کے لئے بے تاب ہو گیا تھا۔

"کرنل سعید کی بیوی کی غلط بانی کی ایک وجہ اور بھی ہو سکتی ہے۔" حمید بولا۔ "وہ کیا۔"

"نسوانی شرم..... کرنل سعید اپنی جنسی کمزوری کا علاج کرا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ ڈاکٹر سے پوچھ گچھ کی جاتی۔ اس لئے اس نے اس کا نام لینا مناسب نہ سمجھا ہوگا۔"

"کوڑی تو تم بہت دور کی لے آئے ہو۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن اس چیز کو بھی پیش رکھو کہ کرنل کے پاگل پن کی اطلاع خود اسی نے پولیس کو دی تھی اگر وہ چاہتی تو اسے چھپا لیتی۔ کیونکہ کرنل اس دوا کو اسی وقت استعمال کرتا تھا جب اسے یقین ہو جاتا تھا کہ گھر سب لوگ سو رہے ہیں۔"

"آپ شاید یہ بھول رہے ہیں کہ کرنل نے دوا چرائی تھی۔ ممکن ہے اس کی بیوی کو بھی کا علم نہ رہا ہو۔ اسی لئے اس نے کرنل کی حرکتوں کو پاگل پن ہی سمجھا ہو۔" حمید نے کہا۔

"بھئی تم آج بہت عقل مندی کی باتیں کر رہے ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"پیٹھ ٹھونکئے اس بات پر۔"

فریدی نے ایک گھونسہ حمید کی پیٹھ پر جڑ دیا۔

"کار سنبھالئے..... کار.....!" حمید چیخا۔

کار سچ مچ اس دفعہ ایک تناور درخت کی طرف گھوم گئی تھی۔ لیکن فریدی نے بڑی پھرتی سے اسٹیئرنگ گھما کر کار کو سڑک پر لگا دیا۔

دفعتاً ایک ٹرک کار کے پیچھے سے آگے کی طرف بڑھ گیا۔ ٹرک کافی تیز رفتاری کے ساتھ جا رہی تھا۔

"حمید.....!" فریدی چونک کر بولا۔

"یہ تو وہی ٹرک ہے۔"

"لون سا۔"

"وہی جو کل دیکھا تھا جس کے ڈرائیور نے نمبروں کی تختی بدل لی تھی۔" فریدی نے کہا اور کار کی رفتار کچھ تیز کر دی۔

ٹرک پر بانس کے گٹھے لدے ہوئے تھے۔ فریدی کی کار اس کا پیچھا کر رہی تھی۔

"نکال لے چلئے۔" حمید بولا۔

"عجیب احمق ہو..... اتنا اچھا موقع ہاتھ سے نکل جانے دوں۔"

"ابھی مسئلہ حل نہیں ہوا اور دوسرے میں ٹانگ اڑا دی گئی۔"

"جتنے زیادہ معاملات ہوں اتنا ہی اچھا ہوتا ہے۔"

"آپ کی مرضی۔"

"دیکھنا یہ ہے کہ ٹرک جاتا کہاں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اور اس کے بعد ٹھنڈے ٹھنڈے لوٹ آئیں گے۔" حمید بولا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ ٹرک اور کار کا فاصلہ برابر رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ ٹرک کا ڈرائیور آہستہ آہستہ ٹرک کی رفتار تیز کرتا جا رہا ہے۔ سڑک بالکل سنسان تھی۔ اس لئے اسے کوئی خاص دقت بھی پیش نہیں آ رہی تھی۔

مزدوروں میں تکرار

ٹرک کے پیچھے کے حصے میں جہاں خیموں کے ستون رکھے ہوئے تھے دو قوی ہیکل گورکھے بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ ٹرک کے جھٹکوں سے ادھر اُدھر ہل جانے والے ستونوں کو سنبھالتے جا رہے تھے۔ فریدی غور سے ان کی یہ حرکت دیکھتا رہا۔ پھر دفعتاً وہ حمید سے بولا۔

"کچھ دیکھ رہے ہو۔"

"کیا.....!"

"ان ستونوں کے سلسلے میں اتنی احتیاط کی کیا ضرورت ہے۔" فریدی بولا۔

"ٹرک کی دیواریں کافی اونچی ہیں اور ستون ان کی سطح سے نیچے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ نہیں

گر سکتے۔ پھر یہ احتیاط۔''

''ہاں..... یہ چیز واقعی غور طلب ہے۔'' حمید بولا۔

''کیا خیال ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''اس انبار کے نیچے کچھ معلوم ہوتا ہے۔''

''بہت ممکن ہے۔'' حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''کیوں نہ انہیں روک کر تلاشی لی جائے۔''

''احمق ہوئے ہو۔'' فریدی نے کہا۔ ''ہمیں اس کا حق کب پہنچتا ہے۔ اس قسم کی دھا
میں اسی صورت میں کرتا ہوں جب سارے جائز ذرائع ختم ہو جاتے ہیں۔ دیکھو شروع سے
خیال ہے کہ ڈاکٹروں کی تجربہ گاہ اور ستونوں کے کارخانے میں کوئی نہ کوئی تعلق ہے۔''

''اس کی وجہ۔''

''اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ ان دونوں عمارتوں میں بظاہر کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا

''یعنی.....!''

''آٹھ دس میل کے رقبے میں ان دونوں عمارتوں کے علاوہ اور آبادی نہیں ہے۔'' فر
نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''ایسی صورت میں دونوں عمارتوں کے مکینوں کے ایک دوسرے
کچھ نہ کچھ تعلقات تو ہونے ہی چاہئیں۔''

''ضروری نہیں۔'' حمید نے کہا۔

''انسانی فطرت کے لئے قطعی ضروری ہے۔''

''تو آپ مفروضات پر اپنی منطق کی دیوار کھڑی کرنی چاہتے ہیں۔''

''ہر قسم کی تحقیق مفروضات اور تشکیک ہی سے شروع ہوا کرتی ہے۔'' فریدی نے کہ
''میں نے اپنے ایک خیال کا اظہار کیا ہے اور یہ دیکھنا تو بعد کی بات ہے کہ اس میں سچائی کہا
تک ہے۔''

''خیر صاحب معلوم ہو گیا کہ مہینوں سر مارنا پڑے گا۔'' حمید بے دلی سے بولا۔

''ہو سکتا ہے کہ ایک ہی گھنٹے میں ساری گتھیاں سلجھ جائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک سا
میں بھی کچھ نہ ہو سکے۔ سراغ رسانی کا انحصار تو محض اتفاقات پر ہے۔''

''اچھا اچھا ذرا کار کی رفتار کم کیجئے۔'' حمید بولا۔ ''ٹرک شائد اگلے موڑ پر گھومے گا، اس کی

رفتار کم ہو گئی ہے۔''

فریدی نے کار کی رفتار کم کر دی۔ حمید کا کہنا سچ نکلا۔ ٹرک اسی طرف مڑ گیا لیکن اس کی
رفتار کم ہی رہی۔ پہلے کی نسبت اب وہ سڑک کے کنارے جا رہا تھا۔ کار کو راستہ دینے کے لئے۔

''دیکھا شائد انہیں شبہ ہو گیا ہے۔ بہر حال ہمیں اب گاڑی آگے نکال لے جانی چاہئے۔''
فریدی نے کہا۔ ''تم پچھلی سیٹ پر چلے جانا۔ ابھی نہیں، مجھے گاڑی آگے نکال لے جانے دو۔
ٹرک پر نگاہ رکھنا۔''

فریدی اپنی کار ٹرک کے قریب سے نکال لے گا۔ حمید پچھلی سیٹ پر پہنچ چکا تھا۔ پشت پر
لگے ہوئے شیشے سے وہ ٹرک کو دیکھ رہا تھا۔ ٹرک رک گیا۔

''ٹرک رک گئی۔'' حمید بولا۔

''وہ تو میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ انہیں ہم پر شبہ ہو گیا ہے۔'' فریدی نے کہا اور کار کی
رفتار تیز کر دی۔ چند لمحوں کے بعد ٹرک حمید کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

''یہ ٹرک کہاں جا سکتا ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''میں کیا جانوں۔''

''میرا خیال ہے کہ یہ شہر میں کسی بیوپاری کے یہاں جائے گا۔''

''ممکن ہے۔'' حمید بولا۔

''کیفے ڈی فرانس کے سامنے ایک فرم ہے۔ بہت ممکن ہے یہ ستون وہیں جا رہے ہوں۔
بہر حال اگر ہم کیفے ڈی فرانس میں لنچ کھائیں تو کیا حرج ہے۔''

''بھلا کھانے پینے میں کہاں ہرج ہو سکتا ہے۔'' حمید جلدی سے بولا۔

''مجھے کوئی امید نہیں۔ لیکن خیر ممکن ہے میرا قیاس صحیح نکلے۔'' فریدی نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ کیفے ڈی فرانس کے سامنے پہنچ گئے۔ فریدی نے اپنی کار ایک فرلانگ
پیچھے ہی فٹ پاتھ سے لگا دی۔ کیفے میں وہ ایک کھڑکی کے پاس والی میز پر بیٹھے۔ یہاں سے وہ
باہر کی طرف بہ آسانی دیکھ سکتے تھے۔ سامنے ہی میسرز جی۔ ایم اسٹھانا خیموں کے تاجر کا گودام
تھا۔ گودام کے احاطے میں جا بجا بانسوں اور بلیوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔

فریدی نے لنچ کا آرڈر دیا۔ تقریباً آدھ گھنٹے کے بعد حمید کے چہرے پر اکتاہٹ آثار پائے جانے لگے۔

''شہر میں اور بھی بیوپاری ہوں گے۔'' حمید نے کہا۔ ''کیا یہ ضروری ہے کہ وہ آئے۔ قطعی ضروری نہیں۔ میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اس کے متعلق مجھے یقین ہے۔ ہم تو دراصل یہاں محض لنچ کھانے آئے ہیں۔ اگر اس سلسلے میں کوئی کام کی بات ہو ہوجائے تو کیا کہنا۔''

''ارے.....!'' حمید جو سڑک کی طرف دیکھ رہا تھا چونک کر بولا۔ ''سچ مچ وہ رہا ٹرک احاطے کے اندر داخل ہو رہا تھا۔

''اب فرمایئے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

ٹرک جیسے ہی احاطے میں داخل ہوا دو تین مزدور اِدھر اُدھر سے دوڑ پڑے۔ فریدی اور لنچ ختم کر چکے تھے۔ فریدی نے بل ادا کیا اور دونوں کیفے سے نکل آئے۔ گودام کے احاطے قریب ایک پان والے کی دکان تھی۔ حمید وہاں سے سگریٹ خریدنے لگا۔

مزدوروں میں اچھی خاصی تکرار شروع ہوگئی تھی۔ وہ مزدور جو ٹرک کا مال اتارنے کے دوڑے تھے اس بات پر مصر تھے کہ وہ ہی ان ستونوں کو ٹرک پر سے اتاریں گے۔ لیکن ڈرا انہیں اس بات سے روک رہا تھا۔ ان کے بجائے ٹرک پر بیٹھے ہوئے گورکھوں نے ستون اٹھ کر گودام کے اندر لے جانے شروع کر دیئے تھے۔

''واہ بھیا..... یہ بھی کوئی بات ہے۔ سارا دن تو مال ہم نے ڈھویا۔'' ایک مزدور ڈرا سے کہہ رہا تھا۔ ''اور اب اس وقت تم اپنے مزدور لائے ہو۔''

''مالک کا یہی حکم ہے۔ میں کیا کروں۔'' ڈرائیور بولا۔

''اچھا حکم ہے۔'' مزدور نے کہا۔ ''اگر یہی بات ہے تو اب ہم کسی مال میں ہاتھ نہ لگائیں گے

''تو یہ سب تم مجھ سے کیوں کہہ رہے ہو۔'' ڈرائیور بولا۔ ''منیجر سے جا کر کہو نا۔''

''اس سے پہلے جو مال لائے تھے اسے آخر ہم نے ہی تو اتارا تھا۔'' ایک مزدور نے

''اتارا ہوگا پھر میں کیا کروں۔'' ڈرائیور نے جواب دیا۔

بالآخر تکرار اتنی بڑھی کہ خود منیجر کو آفس سے نکل کر آنا پڑا۔ اس نے ڈانٹ ڈپٹ کر مزدوروں کو الگ کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد ٹرک خالی ہوگیا۔

''اس میں تو کچھ بھی نہ تھا۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔

''آؤ اب یہاں سے ہٹ چلیں۔'' فریدی نے کہا۔

دونوں اپنی کار میں آ کر بیٹھ گئے۔ فریدی نے کار اسٹارٹ کر دی۔

''خواہ مخواہ بھاگ دوڑ کرتے رہے۔'' حمید نے کہا۔

''خواہ مخواہ کیوں؟''

''کیا نکلا ٹرک میں۔''

''یہ تو اور دلچسپ بات ہے۔''

''اپنی دلچسپیاں بس آپ ہی سمجھ سکتے ہیں۔'' حمید نے کہا۔ ''خاکسار کے تو خاک بھی سمجھ میں نہیں آتا۔''

''مزدوروں کی تکرار سے تم نے کیا اندازہ لگایا۔''

''بس تکرار تھی۔''

''لیکن لایعنی نہیں۔'' فریدی نے کہا۔ ''وہ اس سے پہلے بھی اس ٹرک کا مال اتار چکے تھے آخر اس بار انہیں اس سے کیوں محروم رکھا گیا۔''

''اچھا اب گھر چلئے.....!'' حمید نے اکتا کر کہا۔

گھر پہنچ کر فریدی کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا اور کبھی کبھی وہ بے چینی سے ادھر اُدھر ٹہلنے لگتا۔ اسی دن دس بجے رات کو وہ کہیں جانے کے لئے تیار ہوگیا۔ اس نے کار نکالی اور ایک طرف چل پڑا۔ وہ یوں ہی بلا مقصد شہر کی سڑکوں کے چکر کاٹتا پھر رہا تھا۔ تقریباً بارہ بجے وہ کرنل سعید کے بنگلے کے پاس سے گزرا۔

آگے لے جا کر کار کھڑی کر دی۔ پھر تین بار انجن کھولا اور بند کیا۔ غالباً یہ کسی قسم کا اشارہ تھا۔ جس پر ایک آدمی تاریکی سے نکل کر آہستہ آہستہ چلتا ہوا کار کے پاس آیا۔

''انسپکٹر صاحب۔'' آنے والے نے آہستہ سے کہا۔

''آؤ بیٹھ جاؤ.....!''

وہ فریدی کے برابر بیٹھ گیا اور کار چل پڑی۔

''کوئی خبر.....!''

''گیارہ بجے رات وہ کہیں گئی ہے۔''

''اکیلے.....!''

''نہیں۔''

''کون تھا اس کے ساتھ۔''

''ایک آدمی۔'' اس نے کہا۔ ''لیکن میں اسے پہچانتا نہیں۔''

فریدی نے اپنی جیب سے دو تین تصویریں نکال کر اسے دیں۔

''ان میں سے کوئی تھا۔'' فریدی نے کہا۔

وہ آدمی ٹارچ کی روشنی میں تصویر دیکھنے لگا۔

''یہ تھا.....سو فیصدی یہی تھا۔'' اس نے ایک تصویر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''ہوں.....!'' فریدی نے کہا اور تصویریں لے کر جیب میں رکھ لیں۔

''کوئی اور بات۔'' فریدی نے پوچھا۔

''اور کچھ نہیں۔''

''کرنل کی بیوی پر کسی خاص پریشانی کے اثرات۔''

''میں اسے زیادہ قریب سے نہیں دیکھ سکا۔''

''اچھا.....!'' فریدی نے کار کو پھر کرنل سعید کے بنگلے کی طرف موڑتے ہوئے کہا۔

''ابھی تمہارا کام ختم نہیں ہوا.....تمہیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ وہ کب اور کس حالت میں گھر واپس آتی ہے۔''

''بہت اچھا۔''

''یہ لو۔'' فریدی نے اسکے ہاتھ پر دس روپے کا نوٹ رکھتے ہوئے کہا۔ ''رات کا خرچ۔''

ایک عجیب اتفاق

حمید بے خبر سو رہا تھا۔ فریدی نے اسے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگا دیا۔

''خیریت.....خیریت۔'' حمید نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ پھر اس کی نظر گھڑی کی طرف گئی۔

''اف فوہ.....ابھی تو تین ہی بجے ہیں۔'' حمید نے فریدی کو گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کون سی آفت آ گئی۔''

''کچھ نہیں.....چوہے کے بل سے جو ہاتھی نکلا ہے تمہیں دکھانا چاہتا ہوں اور اسی وقت ہیں اس کا مہاوت بھی بناؤں گا۔'' فریدی ہنس کر بولا۔

''یعنی.....!''

''آؤ میرے ساتھ۔'' فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں دوسرے کمرے میں گئے۔ انہیں ستونوں میں سے ایک جو انہوں نے ٹرک پر دیکھے تھے فرش پر پڑا ہوا تھا۔

''کیا خیال ہے۔'' فریدی حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔

''خواہ مخواہ میری نیند خراب کی۔'' حمید بڑبڑایا۔

''کیا تم مجھے اتنا احمق سمجھتے ہو کہ میں خواہ مخواہ اسے لاد کر یہاں لاؤں گا۔'' فریدی نے کہا۔

''تو کچھ بولئے بھی نا۔'' حمید نے اکتا کر کہا۔

''تم سنتے کب ہو۔''

''اچھا سن رہا ہوں۔''

''کیا تم اسے بانس کا بنا ہوا سمجھتے ہو۔'' فریدی نے ستون کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''جی نہیں.....میرا خیال ہے کہ یہ خالص سونے کا بنا ہوا ہے۔'' حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔

''میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ''ذرا اسے قریب سے دیکھو.....مالکی مصنوعی گانٹھوں پر نہ جاؤ.....'' حمید جھک کر اسے دیکھنے لگا۔

''واقعی کمال کردیا۔'' حمید اٹھ کر بولا۔ ''لیکن آخر اس میں پریشانی کی کیا بات ہے، اس صنعت گری کو جرم کیسے قرار دیا جاسکتا ہے۔ اگر شیشم کی لکڑی کا ستون ایسا بنایا گیا جو باہر معلوم ہو تو کون سی مصیبت آ گئی۔ واقعی کاریگر نے کمال کردیا ہے۔''

''لیکن یہ کمال دکھانے کی ضرورت..... ظاہر ہے کہ انہیں نمائش میں تو جانا نہیں ہے'' فریدی نے کہا۔

''ہوگا صاحب کچھ۔'' حمید نے اکتا کر کہا۔ ''آپ تو خواہ مخواہ ہر چیز کے پیچھے پڑ جاتے ہیں''

''اچھا اب اگر واقعی تم اس کمال کو دیکھنا چاہتے ہو تو وہ گلاس اٹھاؤ۔'' فریدی نے کہا

ستون کو اٹھا کر زمین پر بیٹھتے ہوئے اسے اپنے زانوں پر رکھ لیا۔ سرے پر لوہے کے رنگ چڑھے ہوئے تھے۔ فریدی نے انہیں گھمانا شروع کردیا، دوسرے ہی لمحے میں رنگ ایک ڈھکن سا ستون سے الگ ہوگئے اور کوئی سیال شے ستون سے ٹپکنے لگی۔

''ارے.....!'' حمید اچھل کر بولا۔

''گلاس لگاؤ.....'' فریدی نے کہا اور ستون کو جھکا دیا۔ گلاس بھر گیا۔ حمید حیرت سے اس منہ دیکھ رہا تھا۔

''کیوں قبلہ حمید صاحب کتنی نفیس شراب ہے۔'' فریدی ہنس کر بولا۔ ''اگر کوئی ہرج نہ تھوڑی سی چکھ کر دیکھئے۔''

حمید نے گلاس منہ میں لگا کر ہلکی سی چسکی لی۔ فریدی نے ڈھکن بند کر کے ستون کو کونے میں کھڑا کر دیا۔

''واقعی بہت عمدہ ہے۔'' حمید بولا۔ ''مگر یہ دیسی تو نہیں معلوم ہوتی۔''

''سو فیصدی دیسی ہے.....!'' فریدی نے کہا۔ ''کہئے چوہے کے بل سے ہاتھی نکلا یا نہیں''

''مانتا ہوں استاد۔'' حمید نے کہا۔ ''اب مجھے اس کیس میں کچھ کچھ دلچسپی پیدا ہوئی ہے یہ آپ کو مل کیسے گیا۔''

''کافی پاپڑ بیلنے پڑے ہیں۔'' فریدی نے کہا۔ ''یہ مجھے سو روپے میں ملا ہے اور جو خطرا مول لینے پڑے ہیں وہ الگ ہیں۔''

''یعنی.....!'' حمید نے کہا۔

''چوکیدار کو سو روپیہ رشوت دینی پڑی۔ میں نے اس سے کہا کہ مجھے ایک ستون کی سخت ضرورت ہے۔ اس نے کہا کہ صبح کو وہاں سے خریدا جاسکتا ہے۔ میں نے سو روپیہ کا نوٹ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی میری حماقت پر، کہ میں ایک ستون کے لئے اسے سو روپے دے رہا ہوں غالباً اسے کچھ شبہ ہوگیا تھا۔ ابھی ہم لوگ اس گفتگو میں مشغول ہی تھے کہ وہاں ایک ٹرک آ کر رکا، میں جلدی سے چھپ گیا۔ اس پر سے دو آدمی اترے۔ چوکیدار نے انہیں سلام کیا اور وہ اندر چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد میں نے دیکھا کہ وہ ستون ڈھو رہے ہیں۔ انہوں نے چوکیدار کو بھی مدد کے لئے بلالیا۔ چوکیدار کو میں نوٹ دے چکا تھا۔ میں نے واقعی یہ ایک زبردست حماقت کی تھی۔ لیکن یہ دیکھ کر اطمینان ہوگیا کہ نہ تو اس نے میرے غائب ہی جانے پر کسی قسم کی حیرت کا اظہار کیا اور نہ ان لوگوں سے میرے متعلق کچھ کہا۔ وہ لوگ بدستور اپنے کام میں مشغول رہے۔ چوکیدار نے مجھے چھپتے دیکھ لیا تھا، تھوڑی دیر بعد وہ میرے پاس آکر آہستہ سے بولا ''کہ میں ان لوگوں کو باتوں میں لگاتا ہوں تم ٹرک میں سے ایک ستون اٹھا لے جاؤ۔ اس طرح میں اسے حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔''

''اب کیا ارادہ ہے۔'' حمید بولا۔

''گھسیارہ بننے کا۔'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

حمید ہنسنے لگا۔

''میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔'' فریدی نے کہا۔ ''ہم لوگ گھسیاروں کے بھیس میں جھریالی چلیں گے۔''

''آخر اس کی ضرورت۔ ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ ستون بنانے والے کارخانے میں دراصل شراب بنتی ہے۔ اگر ہم نے انہیں دھوکے میں ڈال کر چھاپا مارا تو وہاں سے کوئی چیز ہٹا بھی نہ سکیں گے۔ لہٰذا خود مخواہ گھاس چھیلنے سے کیا فائدہ۔''

''میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ مجھے دونوں عمارتوں کا تعلق دریافت کرنا ہے۔ اگر ہم نے اس سے قبل چھاپہ مارا تو ہمارا یہ حملہ ادھورا ہوگا اور شاید ناکام بھی۔''

دوسرے دن صبح جھریالی میں ستونوں کی فیکٹری اور ڈاکٹروں کی تجربہ گاہ کے درمیان پڑ
دو گھسیارے گھاس چھیل رہے تھے۔ قریب ہی ایک ٹوٹی پھوٹی سی گھوڑا گاڑی کھڑی تھی جسے
وہ گھاس لادنے کے لئے لائے تھے۔ یہ دونوں حمید اور فریدی تھے۔

''ٹھیک ہی کہا تھا اس نجومی نے۔'' حمید نے گھاس چھیلتے چھیلتے سر اٹھا کر کہا۔

''کیا کہا تھا.....!'' فریدی نے پوچھا۔

''یہی کہ تم بی اے پاس کر کے گھاس چھیلو گے۔'' حمید نے کہا۔ ''آج میں اس کا معتقد ہو گیا۔''

''اور میں شروع سے معتقد تھا۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''آپ کو کیا معلوم۔''

''تم نے اس محکمے میں گھاس چھیلنے کے علاوہ آج تک اور کیا ہی کیا ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''یہ میرا عظیم ترین کارنامہ ہے کہ میری وجہ سے آپ اتنے مشہور ہو گئے۔ دنیا سمجھتی ہے کہ
یہ سارے کارنامے آپ کے ہیں۔ لیکن اب سے سو سال کے بعد کوئی نہ کوئی نیک نفس اس
حقیقت پر سے پردہ ضرور اٹھا دے گا جس طرح شیکسپیئر کے ڈراموں کی حقیقت واضح ہو گئی ہے
ڈرامے لکھے بے چارے فرانسس بیکن نے اور نام شیکسپیئر کا ہوا۔ اب ایک امریکن صاحبزادے
نے نیا انکشاف کیا ہے وہ کہتا ہے کہ بیکن نے نہیں بلکہ مارلو نے لکھے ہیں۔ اسی طرح سو سال
کے بعد میرا نام ہو گا اس کے بعد کوئی اللہ کا بندہ یہ ثابت کر دے گا کہ فریدی کے کارنامے حمید کے
نہیں بلکہ انسپکٹر جگدیش کے رہین منت ہیں۔''

''گھاس چھیلو میاں گھاس۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''اوقات پر رہو۔ شیکسپیئر بیکن اور مارلو کا
تذکرہ کرنے سے کیا فائدہ۔ میں جانتا ہوں کہ تم ان لوگوں کے بارے میں بہت کچھ واقفیت
رکھتے ہو یا پھر شاید تم اسی گھوڑے پر رعب ڈالنے کی کوشش کر رہے ہو کہ تم دراصل گھسیارے نہیں
بلکہ گریجویٹ ہو۔''

''عزت افزائی کا شکریہ۔'' حمید نے کہا۔

''خیر.....خیر.....چھوڑو ان باتوں کو اب کیا دن بھر گھاس ہی چھیلتے رہیں گے۔''
فریدی نے کہا۔ ''تم فیکٹری کی طرف بڑھو اور میں تجربہ گاہ کی سمت لیتا ہوں۔''

دونوں نے اپنے اپنے منہ پھیر لئے۔ حمید پر رہ رہ کر جھلاہٹ سوار ہو رہی تھی۔ آخر اس
حماقت کی کیا ضرورت تھی۔ مگر وہ بول ہی کیا سکتا تھا۔ کیونکہ بعد میں اسی کو احمق بننا پڑتا تھا۔ خیمے
کے ستون ہی کے معاملے میں اسے کافی خفت اٹھانی پڑی تھی۔ اس لئے فریدی کی اس اسکیم میں
زیادہ دخل در معقولات کرنے کی ہمت نہ پڑی۔ آہستہ آہستہ دھوپ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ یہ لوگ
اپنے ساتھ کھانے پینے کا کافی سامان لائے تھے۔ فریدی نے یہ طے کیا تھا کہ اگر دن میں کوئی
خاص بات نہ معلوم ہو سکی تو وہ حمید کو گھوڑے گاڑی پر گھاس کے گٹھروں کے ساتھ شہر روانہ کر دے
گا اور خود رات کو وہیں رہ کر کھوج لگانے کی کوشش کرے گا۔

دن آہستہ آہستہ ڈھل رہا تھا۔ حمید بُری طرح تھک گیا تھا۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی
سیاہی دوڑ گئی تھی اور آنکھوں کے گرد مٹیالے رنگ کے حلقے نظر آنے لگے تھے۔ اس کے برخلاف
فریدی کے چہرے کی تازگی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ دفعتاً اس نے حمید کو آواز دی۔ حمید بے دلی
سے تقریباً گھسٹتا ہوا اس تک پہنچا۔

''کیا آج ختم ہی کر دینے کا ارادہ ہے۔'' حمید ہانپتا ہوا بولا۔

''گھبراؤ نہیں.....شاید اللہ تم پر بہت زیادہ مہربان ہے۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

''ہوگا صاحب.....یہ بتایئے کہ آپ نے مجھے بلایا کیوں ہے۔''

''ادھر دیکھو۔'' فریدی نے ایک گڑھے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''یہ گڑھا شاید برساتی
پانی کے ریلے کا نتیجہ ہے۔''

''دیکھ لیا۔'' حمید نے جواب دیا۔

''کیا دیکھا.....؟''

''اللہ کی رحمت! فرشتے نظر آ رہے ہیں۔ اس چھوٹے سے گڑھے میں دنیا آباد ہے۔
ظلمت کا اژدھام ہے۔ کہیں مٹھائی والوں کی دکانیں ہیں، کہیں کٹورے کھنک رہے ہیں، لکھنؤ
کے بانکے ہتھیار لگائے آئینہ بند ادھر اُدھر خرمستیاں کرتے پھر رہے ہیں، مدک چرس اور گانجے کی
دکانوں پر کافی بھیڑ ہے، ذرا بڑھ کر دیکھئے تو کہیں یہ کم بخت بغیر لائسنس کی چرس تو نہیں فروخت
کر رہا ہے۔

فریدی خاموشی سے سنتا رہا۔ حمید کے چپ ہوتے ہی اس نے پوچھا۔

''بک چکے۔''

''ابھی کہاں۔'' حمید نے کہا۔ ''ابھی تو تمہید تھی۔ اب شروع کرتا ہوں۔ جانا صاحب قرار زمان کا طرف شہر بیسراں کے اور مارنا عنقویل دیو پرور کا اور زخمی ہونا لندھور بن سعدان کا ہا سے پیر زادہ عبدالاوج بن عشق سلمہٗ کے اور عشق: مانا.....!''

فریدی نے اٹھ کر حمید کی گردن پکڑ لی۔

''اب ایک لفظ بھی تمہاری زبان سے نکلا اور میں نے تمہارا سر زمین پر مارا۔'' فریدی کہا اور اس کا منہ دبا لیا۔

''اچھا چپ ہو گیا۔'' حمید نے فریدی کی گرفت سے نکل کر کہا۔ ''بتایئے کیا بات ہے۔''

''اس گڑھے میں ایک موٹا سا پائپ گزرا ہے۔''

''پائپ.....!'' حمید نے گڑھے میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ ''ہاں..... ہاں..... ہے تو

''اس کا مطلب.....!'' فریدی نے استفہامیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''بھلا پائپ کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔'' حمید ہنس کر بولا۔ لیکن فوراً ہی سنجیدہ ہو کر کہنے لگا ''واقعی یہاں اس ویرانے میں پائپ کا کیا مطلب۔''

''میونسپلٹی کی پائپ لائنوں کا نقشہ میرے ذہن میں ہے۔'' فریدی نے کہا ''اور پھر جھر شہر سے تقریباً بارہ میل کے فاصلے پر ہے۔ یہاں ان دونوں عمارتوں کے لئے تو میونسپلٹی پائ دینے سے رہی۔''

''پھر.....؟''

''کچھ نہیں..... ان دونوں عمارتوں کا تعلق ظاہر ہو گیا۔''

''یعنی.....!''

''ڈاکٹروں کی تجربہ گاہ میں شراب تیار ہوتی ہے اور پھر اسے اسی پائپ لائن کے ذر فیکٹری میں پہنچایا جاتا ہے۔''

''ارے.....!'' حمید چونک کر بولا۔ ''مگر اس کا ثبوت کیسے بہم پہنچائیں گی۔''

''اسی کے لئے میں آج رات کو یہیں ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔'' فریدی نے کہا۔

حملہ

دوسرے دن فریدی گھر پہنچا اس کے بازوؤں اور ہاتھوں پر گہری گہری خراشوں کے نشان تھے۔ کپڑے پھٹ گئے تھے۔ سر کے بال گرد میں اٹے ہوئے تھے۔ حمید اسے اس حال میں دیکھ کر گھبرا گیا۔

''یہ کیا ہوا۔'' وہ بے ساختہ بولا۔

''کچھ نہ پوچھو، دو خطرناک کتوں سے بڑی سخت جنگ کرنی پڑی۔'' فریدی نے جواب دیا۔

''تو کیا آپ تجربہ گاہ میں گھس گئے تھے۔''

''اس کا موقع ہی کہاں ملا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ لوگ اپنے کچھ کتے باہر بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ رات بھر جھریالی کے سنسان علاقے میں گھومتے پھرتے ہیں۔ رات ہوتے ہی میں ٹیلوں کے درمیان چھپ گیا تھا۔ خیال تھا کہ بارہ بجے کے بعد عمارت میں گھسنے کی کوشش کروں گا، مگر کم بختوں نے وہیں آ لیا، انہیں مار بھی نہیں سکتا ورنہ پستول تو تھا میرے پاس۔ گولی چلنے کی آواز یقیناً انہیں ہوشیار کر دیتی۔''

''خیر اب آپ آدمی بنئے..... اس کے بعد اس کے متعلق کچھ سوچا جائے گا۔'' حمید نے کہا۔

فریدی نے غسل کر کے لباس تبدیل کر لیا۔ حمید نے زخموں کی مرہم پٹی کی۔ ناشتہ کرنے کے بعد دونوں لائبریری میں آ بیٹھے۔

''اب کیا ارادہ ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''اب چھاپہ مارنے کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں رہ گیا۔ رات کو چھپ چھپ کر تو وہاں جانا بظاہر ناممکن ہے۔ کیونکہ ان کے کتے بہت خطرناک ہیں۔ چھاپہ مارنے کی صورت میں بھی ہمیں کافی احتیاط سے کام لینا پڑے گا، اگر انہوں نے وحشی درندوں کو کھول دیا تو بڑی مشکل کا سامنا ہوگا۔ کم از کم ایک سو مسلح سپاہیوں کی ضرورت پیش آئے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ فیکٹری اور

تجربہ گاہ دونوں پر بیک وقت چھاپہ مارا جائے۔"

"واقعی وحشی درندوں کا مقابلہ بڑا خطرناک ہے۔" حمید نے کہا۔ "اگر وہ آزاد ہو قیامت ہی آجائے گی۔ وہاں شیر بھی ہیں۔ میں نے اس دن بھی شیروں کے دھاڑنے کی سنی تھی۔"

"لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ اس نے ہمیں اس عمارت کی طرف سے روک کیوں دیا تھا؟ وہاں سے شیروں کے دھاڑنے کی آواز ضرور آئی تھی۔ لیکن یہ تو سو انہیں ان کمروں میں کھانا وغیرہ کس طرح دیا جاتا ہوگا۔ دروازے یقیناً کھولنے پڑتے ہوں اور یہ چیز کھانا دینے والوں کے لئے انتہائی خطرناک ہے۔ میری سمجھ میں تو یہ چیز قطعی نہیں آ

"واقعی یہ بات قابل غور ہے۔" حمید نے کہا۔ "بند کمروں میں شیروں کو رکھنا ناممکن پھر کیا بات ہے۔"

"جو بات بھی ہے عنقریب ظاہر ہو جائے گی۔" فریدی نے کہا۔ "بہرحال ہمیں اس با خیال رکھنا پڑے گا کہ اندر پہنچتے ہی کسی طرح شیروں والی عمارت پر قبضہ کرلیں۔"

"جگدیش سے گفتگو کی جائے۔" حمید بولا۔ "پہلے یہ تو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ اتنا کر سکے گا یا نہیں۔"

فریدی اور حمید کو تو الی جانے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ خود جگدیش وہاں آ گیا۔

"کہئے جناب کیا کوئی نئی مصیبت۔" جگدیش نے کہا۔ "آج ایس۔ پی صاحب زیادہ برہم ہیں۔"

"کیوں.....؟" فریدی نے پوچھا۔

"ارے صاحب نہ جانے کیوں آج کل یہاں وارداتوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔"

"کوئی نئی واردات ہوئی کیا۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں.....کل رات کو کلائیو روڈ پر ایک ٹرک الٹ گیا۔"

"تو اس میں ایس پی صاحب کے بگڑنے کی کیا بات ہے۔" حمید نے کہا۔

"ٹرک الٹنے کی ذمہ دار پولیس تو ہو نہیں سکتی۔"

"یہ نہیں صاحب.....اس کی تو کوئی بات ہی نہیں۔" جگدیش نے کہا۔ "اس پر لکڑی کے ڈبے لدے ہوئے تھے جن میں شراب بھری تھی۔ ٹرک الٹنے سے کئی گھٹے ٹوٹ گئے، اور شراب چلی۔"

"ٹرک پر کتنے آدمی تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"صرف ڈرائیور تھا، وہ اسی وقت مر گیا۔"

"ٹرک کس کا تھا۔"

"یہ ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا۔"

"کیوں، کیا نمبر کے ذریعے پتہ نہیں لگ سکا۔"

"اس نمبر کا کوئی ٹرک اس شہر میں آج تک رجسٹر ہی نہیں ہوا۔"

"ڈرائیور کے متعلق معلوم ہو سکا کہ وہ کون ہے۔"

"نہیں.....یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا۔"

"اس کا حلیہ یاد ہے۔"

"جی ہاں۔"

"پھولی ہوئی ناک تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں.....لیکن.....کیا آپ نے دیکھا ہے۔"

"گھنی اور چڑھی ہوئی مونچھیں.....ایک کا اوپری حصہ تھوڑا سا کٹا ہوا، بائیں گال پر ایک سا ابھرا ہوا تل۔"

"بالکل یہی.....سو فیصدی یہی.....!" جگدیش بے صبری سے بولا۔

"میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "اور یہ بھی جانتا ہوں کہ شراب کہاں بنتی ہے، اور کہاں سے تقسیم ہوتی ہے۔"

"اوہ.....!"

"تو کیا تم انہیں پکڑنا چاہتے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔" جگدیش چہک کر بولا۔

''بھلا بھائی جگدیش صاحب ڈی۔ایس۔پی بننے کی فکر نہ کریں گے۔'' حمید نے ہنس کر کہا۔

''نہیں بھائی ابھی اس کی اہلیت مجھ میں نہیں پیدا ہوئی۔'' جگدیش نے کہا۔

فریدی نے سارا ماجرا جگدیش سے بیان کر دیا اور اسے اپنی اسکیم بھی بتائی۔ جگدیش اسی کے خیال کے مطابق انتظامات کرنے کا وعدہ کیا۔

جگدیش کو رخصت کرنے کے بعد فریدی تہہ خانے میں آیا۔ کرنل سعید بہت زیادہ نڈھال نظر آ رہا تھا۔

فریدی کو دیکھ کر اس نے بُرا سا منہ بنایا۔

''کیا مجھے عمر قید کی سزا دی گئی ہے۔'' وہ غرا کر بولا۔

''گھبرائیے نہیں کرنل صاحب، آپ بہت جلد چھوڑ دیئے جائیں گے۔'' فریدی نے کہا۔ ''اس وقت میں آپ سے ایک بات دریافت کرنے آیا ہوں۔''

کرنل سعید کچھ بولنے کے بجائے فریدی کو گھورتا رہا۔

''میں ڈاکٹر وحید کی تجربہ گاہ کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔'' فریدی نے کہا۔

''میں کچھ نہیں جانتا۔''

''دیکھئے کرنل صاحب ناراض ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر کہئے تو میں آپ کو وہ انجکشن والی دوا لا دوں..... مگر یہاں آپ کے لئے کتا نہ مہیا کر سکوں گا۔''

کرنل سعید چونک پڑا۔ وہ گھبرائی ہوئی نظروں سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''ڈاکٹر وحید کا وہ تجربہ بہت کامیاب رہا۔ اب آپ پھر سے جوان ہو سکیں گے۔ لیکن دیکھئے اب کوئی دوا چرائیے گا نہیں۔''

''تم آخر چاہتے کیا ہو۔'' کرنل عاجز آ کر بولا۔

''ڈاکٹر وحید کی تجربہ گاہ کے متعلق کچھ معلومات بہم پہنچانا چاہتا ہوں۔''

''کیا.....!''

''وہاں کتنے وحشی درندے ہیں۔''

''دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ البتہ شیروں کی گرج ضرور سنی ہے۔'' کرنل سعید نے کہا۔

''کیا ڈاکٹر وحید آپ کے گھر بھی آتا تھا۔''

''ہاں..... آتا تھا''

''کیا اسے اس بات کی اطلاع تھی کہ آپ کہیں باہر جانے والے ہیں۔''

''کب کی بات پوچھ رہے ہو۔'' کرنل سعید نے کہا۔

''آپ کی لڑکی کی گمشدگی کے زمانے کے قریب کی۔''

''ہاں، اس دن یاد آیا، وہ آیا تھا۔ شاید میں نے اس سے تذکرہ بھی کیا تھا کہ میں باہر جا رہا ہوں۔ لیکن تم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو۔''

''بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔'' فریدی نے کہا۔ ''آپ کب سے اس کے زیر علاج تھے۔''

''تقریباً چھ ماہ قبل سے۔''

''اچھا شکریہ۔'' فریدی نے کہا۔ ''معاف کیجئے گا..... میں نے آپ کو یہاں لا کر تکلیف دی۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو آپ اپنے ہی کسی کتے کا شکار ہو جاتے اور اپنی ہوس کا شکار تو آپ ہی ہو گئے۔ کیوں جناب جب آپ اس قابل ہی نہیں تھے تو کسی جوان عورت سے شادی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔''

''میں بیہودگی پسند نہیں کرتا۔'' کرنل سعید گرج کر بولا۔

''لیکن شاید آپ یہ نہیں جانتے کہ ابھی آپ کو ایک ایسی بیہودگی کا سامنا کرنا پڑے گا کہ آپ زندگی پر موت کو ترجیح دینے لگیں گے۔'' فریدی نے کہا اور تہہ خانے سے چلا آیا۔

اسی دن شام کو جگدیش نے چاپہ مارنے کے سارے انتظامات مکمل کر لئے۔ احتیاطاً ایک مشین گن بھی لے لی گئی تاکہ ضرورت پڑنے پر وحشی درندوں کا حملہ روکنے کے کام آئے۔ اندھیرا ہوتے ہی پولیس کی لاریاں جھریالی کی طرف روانہ ہو گئیں۔ تجربہ گاہ سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر لاریاں روک دی گئیں۔ پولیس کے جوان تاریکی میں آہستہ آہستہ دونوں عمارتوں کی طرف بڑھنے لگے۔ پولیس والے دو ٹولیوں میں تقسیم ہو گئے تھے ایک ٹولی کا رخ فیکٹری کی طرف تھا اور دوسری کا تجربہ گاہ کی طرف۔ تجربہ گاہ کی طرف جانے والی ٹولی کی قیادت فریدی کر رہا تھا اور دوسری عمارت کی طرف بڑھنے والے حمید کی رہنمائی میں آگے بڑھ رہے تھے۔

تجربہ گاہ کی دیواروں کے قریب پہنچے ہی کچھ سپاہیوں نے عمارت کا محاصرہ کرلیا اور
فریدی اور کچھ جگدیش کے ساتھ صدر دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔ صدر دروازہ ابھی کھلا
تھا۔ چوکیدار بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ فریدی پیچھے سے اس پر ٹوٹ پڑا۔ اس کے منہ سے آواز تک نہ نکل
سکی، اس سے فرصت پانے کے بعد فریدی دوڑتا ہوا اندر گھس گیا۔ اسی کے ساتھ پولیس وا
بھی گھسے۔ اندر پہنچتے ہی انہوں نے بے تحاشہ فائر کرنے شروع کردیئے۔ فریدی نے جلد سے
اس عمارت کی طرف پہنچ جانا مناسب سمجھا جہاں وحشی درندے تھے۔ وہ جلد ہی اپنے مقصد
کامیاب ہوگیا۔ عمارت کے مکین اس غیر متوقع حملے کے لئے تیار نہ تھے۔ پہلے تو وہ یقیناً گھبرا
لیکن پھر انہوں نے بھی جوابی فائر کرنے شروع کردیئے۔ دو ایک نے دیواروں پر چڑھ کر نیچے
کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن باہر کھڑے ہوئے جوانوں نے انہیں باندھ لیا۔ ڈاکٹروں
آدمیوں نے باقاعدہ مورچے بنالئے تھے۔ وہ کمروں سے فائر کررہے تھے۔ دفعتاً ساری عمار
کی روشنیاں گل ہوگئیں۔ فریدی کو پہلے ہی سے اس کی توقع تھی اس لئے اس نے صدر دروا
پر کچھ آدمی چھوڑ دیئے تھے۔ روشنی گل ہوتے ہی وہ ہوشیار ہوگئے۔ فریدی آہستہ آہستہ رینگتا
اس کمرے کی طرف جارہا تھا جہاں بجلی پیدا کرنے کی مشینیں لگی ہوئی تھیں۔ اندھیرے میں
آدمی گھبرائی ہوئی سرگوشیوں میں باتیں کررہے تھے۔

''لیکن اب ہو ہی کیا سکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس سے ہمارے آدمیوں کو
نقصان پہنچے گا۔ لیکن خو، کو بھی بچانا ضروری ہے۔'' ایک بولا۔

''مگر وہاں تک پہنچنا دشوار ہے۔'' دوسرے نے کہا۔

''ادھر سے جاؤ..... بغل والے کمرے کی کھڑکی سے دوسری طرف کود جاؤ۔ اس کھڑکی
دو سلاخیں نکلی ہوئی ہیں، تم آسانی سے گزر جاؤ گے کمرے میں ادھر ہی وہ گیس رکھی ہے
ڈھکن کھول کر چلے جاؤ۔ تم نے یہ بڑی عقلمندی کی کہ دو گیس مارک لیتے آئے..... اچھا جاؤ گیس
ماسک نکالو۔ میں بھی لگائے لیتا ہوں جلدی کرو جلدی جاؤ۔''

فریدی کے لئے یہ بہت ہی خطرناک لمحہ تھا۔ اسے فوراً ہی کچھ کرنا تھا۔ اگر وہ گیس بے
منتشر کرنے جارہا تھا کوئی تباہ کن گیس ہوئی تو کیا ہوگا۔ جیسے ہی دوسرا آدمی الگ ہٹا، فریدی

ہتول سے شعلہ نکلا اور وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ دوسرے ہی لمحے میں فریدی دوسرے آدمی پر تھا جو
اپنے ساتھی کو گرتے دیکھ کر بھاگنے کی کوشش کررہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر کی جدوجہد کے بعد فریدی
نے اسے قابو میں کرلیا۔ فریدی نے اس کی کنپٹیوں پر اتنے گھونسے مارے کہ وہ بے ہوش ہوگیا۔
اسے وہیں چھوڑ کر وہ مشینوں والے کمرے میں آیا جیب سے ٹارچ نکال کر روشنی کی۔ مشین
بدستور چل رہی تھی۔ کسی نے مین سوئچ آف کردیا تھا جس کی وجہ سے پوری عمارت کی روشنی گل
ہوگئی تھی۔ فریدی نے سوئچ آن کردیا۔ عمارت پھر جگمگانے لگی۔ عمارت کے مختلف حصوں سے گولی
چلنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ فریدی نے برآمدے میں آکر بیہوش آدمی کو دیکھا۔ یہ ڈاکٹر وحید تھا
وہ شخص جو اس کے ریوالور سے زخمی ہوکر گرا تھا، اس کا ساتھی ڈاکٹر آصف تھا۔

تھوڑی دیر بعد ڈاکٹروں کے آدمیوں نے خود کو پولیس کے حوالے کردیا۔ ادھر حمید والی
پولیس نے فیکٹری پر قبضہ کرلیا تھا۔ وہاں بھی کچھ آدمی تھے جنہیں گرفتار کرلیا گیا۔

ایک فاحشہ

دوسرے دن شام کو انسپکٹر فریدی، سرجنٹ حمید اور کوتوالی انچارج جگدیش آرلکچو میں بیٹھے
چائے پی رہے تھے۔

''ہاں یہ تو بتایئے۔'' جگدیش نے فریدی سے کہا۔ ''کرنل سعید کی بیوی کا کیا قصہ ہے۔''

''بہت معمولی..... کوئی حیرت انگیز واقعہ نہیں۔ ایسی حالت میں عموماً جوان عورتیں جو کچھ
کرتی ہیں وہی اس نے بھی کیا۔ کرنل سعید ڈاکٹر وحید کے زیرِ علاج تھا۔ اس دوران میں ان
دونوں میں کافی بے تکلفی بڑھ گئی۔ ڈاکٹر وحید کرنل سعید کے یہاں آنے جانے لگا۔ ڈاکٹر وحید
جوان اور خوبصورت تھا کرنل سعید بوڑھا کھوسٹ۔ اس کی بیوی اور ڈاکٹر وحید میں ناجائز تعلق

ہوگیا۔ کرنل سعید اس سے ناواقف تھا۔ ڈاکٹر نے اسے احمق بنا رکھا تھا۔ وہ روز بروز اسے
دوائیں دیتا رہا جس سے اس کی جنسیت قریب قریب بالکل مردہ ہوگئی۔ اب اسے دوبارہ
بننے کا خبط ہوگیا۔ کرنل سعید کا دوا چرانے والا واقعہ تو بتا ہی چکا ہوں۔ اس کے بعد کرنل کو
جانے کا اتفاق ہوا۔ اس کا علم ڈاکٹر وحید کو بھی ہوگیا، وہ اسی رات کو جھریالی سے کرنل سعید
یہاں آیا..... شامت اعمال کہ کرنل کی لڑکی نے انہیں دادعیش دیتے دیکھ لیا..... یہ چیز ان دو
کے لئے بڑی خطرناک تھی۔ ڈاکٹر وحید نے لڑکی کو پکڑا اور پھر اس نے اس کا گلا گھونٹ کر
مار ڈالا۔ کرنل سعید کی بیوی اس پر گھبرا گئی، بڑی دیر تک دونوں سوچتے رہے کہ کیا کیا جائے۔
کرنل کی بیوی کو ایک تدبیر سوجھی، اس نے مردہ لڑکی کو ہیروں والا ہار پہنا کر ایک بورے میں
کر دیا۔ ڈاکٹر وحید واپسی میں اس بورے کو کار میں رکھ کر اپنے ساتھ جھریالی لے گیا اور
بورے کو جھیل میں پھینک کر مطمئن ہوگیا۔ دوسرے دن کرنل کی بیوی نے مشہور کر دیا کہ
ہیروں کے ہار سمیت غائب ہوگئی تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ کسی نے ہار کے لالچ میں اسے کہیں
ڈال دیا ہوگا۔

''تو اس نے ان سب باتوں کا اقرار کیا ہے۔'' جگدیش نے پوچھا۔

''ہاں..... جیسے ہی میں نے جیب سے وہ ہار نکال کر اسے دکھایا، وہ غش کھا کر گر پڑی
پھر ہوش میں آنے کے بعد اس نے اقبال جرم کر لیا۔''

''سمجھ میں نہیں آتا کہ کرنل سعید کو کیا ہوگیا۔'' جگدیش نے کہا۔

''یہ معمہ تو میری سمجھ سے بھی باہر ہے۔'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

''شیروں والا معمہ بھی ابھی تک حل نہیں ہوا۔ وہ عمارت تو بالکل خالی تھی جس کے
آپ لوگوں نے کہا تھا کہ وہاں وحشی درندے ہیں۔''

''بہرحال یہ تو تم نے دیکھ ہی لیا کہ شراب کشید کرنے کا کارخانہ اس عمارت میں نکلا
لوگوں کے چلے آنے کے بعد میں نے شیروں کی گرج کا راز بھی دریافت کر لیا تھا۔ ان لوگ
کے پاس کوئی وحشی درندہ نہیں تھا۔ اس کا اندازہ میں نے اسی وقت لگا لیا تھا جب میں نے ان
یہاں بکرے کو چیتے کے بھیس میں دیکھا تھا اور اس کا راز ظاہر ہوتے ہی ڈاکٹر آصف بوکھلا گیا

اور وحید جو اس سے زیادہ چالاک ہے اس کی بھونڈی سی وجہ بتا کر صاف ٹال گیا تھا، وہ دراصل
اس قسم کی حرکتوں سے پبلک پر رعب ڈالا کرتے تھے کیونکہ اس عمارت میں انہوں نے شراب کا
کارخانہ بنا رکھا تھا۔ اس لئے انہوں نے ضروری سمجھا کہ وہ اس عمارت کی طرف کسی کو نہ جانے
دیں۔ لہٰذا انہوں نے وہاں سے لوگوں کو شیروں کی گرج سنانی شروع کی اور یہ کہنے لگے کہ ابھی
ادھر جانا خطرناک ہے کیونکہ وہاں کٹہروں کا انتظام نہیں ہے۔''

''لیکن یہ گرج تو سچ مچ شیروں کی گرج معلوم ہوتی تھی۔'' حمید بولا۔

''ٹھیک ہے..... لیکن وہ شیر اس وقت کہاں مر گئے تھے جب گولیاں چل رہی تھیں۔ اس
ہنگامے میں تو انہیں ضرور دھاڑنا چاہئے تھا۔ لیکن اگر ڈاکٹروں کو ذرا سا بھی موقع مل جاتا تو یقین
جانو شیر ضرور گرجتے۔'' فریدی نے ہنس کر کہا۔

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔'' جگدیش نے کہا۔

''ارے بھئی وہ شیروں کی گرج کا ریکارڈ تھا، جو مائیکروفون کے ذریعہ اتنا ہولناک ہو جاتا
تھا۔ انہوں نے دوسری عمارت میں کئی ہارن فٹ کر رکھے تھے۔''

''کمال کر دیا۔'' جگدیش بولا۔

''مگر یہ میرے لئے کوئی نئی بات نہ تھی۔ میں ایک بار اور بھی ایسے ہی ایک واقعے سے
دوچار ہو چکا ہوں۔'' فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''نواب رشید الزماں کے گھر والا واقعہ تو
تمہیں یاد ہی ہوگا۔''

''ہاں ہاں..... وہاں بھی تو دیواروں سے جنگلی جانوروں کی آوازیں آتی تھیں۔''

''جنگلی جانوروں کی۔'' جگدیش نے کہا۔

''ہاں..... وہاں دیواروں کے اندر لاؤڈ سپیکر کے ہارن لگے ہوئے تھے اور جنگلی جانوروں
کی آوازوں کا ریکارڈ ایک تہہ خانے سے بجایا جاتا تھا، بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے آوازیں
دیوار سے نکل رہی ہوں۔''

''کمال ہے بھئی۔'' جگدیش نے کہا۔

''لیکن آپ کو کرنل کی بیوی پر شبہ کیسے ہوا۔'' حمید نے پوچھا۔

''پہلے تو ڈاکٹر وحید کے متعلق اس کی غلط بیانی پر.....پھر میرے ایک مخبر نے مجھے اس
اطلاع دی کہ کرنل سعید کے غائب ہوجانے کے بعد وحید اسے ایک رات جھریالی لے گیا تھا۔''

تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر جگدیش اٹھ کر چلا گیا۔

''اب کرنل سعید کا کیا ہوگا۔'' حمید نے پوچھا۔

''میں نے اسے سب کچھ بتا دیا ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''وہ اپنی لڑکی کی موت سے بہ
دل شکستہ ہوگیا ہے اور اتنی بڑی بدنامی کے بعد وہ نہیں چاہتا کہ اب اس شہر میں کسی کو اپنا
دکھائے۔ اس نے مجھ سے استدعا کی ہے کہ میں اس کے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتاؤں۔
یہاں سے کہیں اور جانا چاہتا ہے جہاں اس کا کوئی شناسا نہ ہو۔ میں آج ہی رات کو اسے شہر
نکال دوں گا، اور اس کا راز ہم دونوں کے علاوہ کسی تیسرے کو نہ معلوم ہونے پائے گا۔ مجھے ا
ہے کہ تم بھی میرے وعدے کا احترام کرو گے۔'' فریدی نے کہا اور بیرے کو بل کے پیسے دے
کھڑا ہوگیا

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 11

پہاڑوں کی ملکہ

(مکمل ناول)

پیتل کی مورتی

ایشیا کا نامور جواں سال سراغ رساں انسپکٹر فریدی صبح کا ناشتہ کر چکنے کے بعد ڈرا
روم میں بیٹھا اپنی رائفلوں کا معائنہ کر رہا تھا سرجنٹ حمید اخبار پڑھنے میں مشغول تھا۔ دفع
نے قہقہہ لگایا اور فریدی چونک پڑا۔

''بڑی دلچسپ خبر ہے۔'' حمید نے کہا۔

''کیا.....؟''

''تبت کے ایک باشندے کے پیٹ میں سے ایک پیتل کی مورتی برآمد ہوئی۔''

''کیا فضول بکواس لگا رکھی ہے۔'' فریدی نے کہا اور ایک آنکھ دبا کر رائفل کی
جائزہ لینے لگا۔

''آپ مذاق سمجھ رہے ہیں؟''

''مت بکو.....!'' فریدی اکتا کر بولا۔ ''ہر وقت ٹائیں ٹائیں اچھی نہیں معلوم ہوتی۔''

''اچھا تو سنئے۔'' حمید اخبار پڑھنے لگا۔ ''رام گڑھ ۱۲ جون چوبی پل کے نیچے صبح ہی صبح
تبتی کی لاش ملی ہے۔ پوسٹ مارٹم سے معلوم ہوا ہے کہ متوفی کے معدے سے تین انچ لم

ایک انچ چوڑی ایک پیتل کی مورتی برآمد ہوئی۔ ڈاکٹر کا خیال ہے کہ موت اسی مورتی کے نگل
جانے کی وجہ سے واقع ہوئی ہے۔ ابھی تک لاش کا کوئی وارث نہیں مل سکا۔ یہ مورتی آثار قدیمہ
سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے موضوع بحث بنی ہوئی ہے۔ اکثر کا خیال ہے کہ یہ چندر گپت
موریہ کے زمانے سے تعلق رکھتی ہے۔ فی الحال یہ مورتی پولیس کے قبضے میں ہے۔ یہ معمہ کسی
طرح حل نہیں ہو سکا کہ متوفی نے اسے کیوں نگلا.....؟''

فریدی نے انتہائی سنجیدگی سے اس خبر کو سنا۔ اس کی نگاہیں ابھی تک حمید کے چہرے پر جمی
ہوئی تھیں، جو دوسری خبریں پڑھنے کے لئے اخبار کو الٹ پلٹ رہا تھا۔

''یہ لیجئے میگزین سیکشن میں اس مورتی کی تصویر بھی ہے۔'' حمید نے سر اٹھا کر کہا۔ لیکن
فریدی کی حالت دیکھتے ہی اسے بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

''کہئے جناب۔'' وہ ہنس کر بولا۔ ''کیا آپ کی رگ جاسوسی پھڑکنے لگی؟''

''لاؤ دیکھوں وہ تصویر۔'' فریدی نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ حمید نے اخبار اسے دے دیا۔
فریدی تصویر کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اس کے ماتھے پر شکنیں ابھر آئیں اور نچلا ہونٹ
دانتوں میں دب کر رہ گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

حمید اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے فریدی کو اس حالت میں دیکھ کر بُرا سا منہ بنایا۔
کیونکہ اسی طرح جیسے کوئی کاہل اور کام چور لڑکا اپنے کسی بزرگ سے کسی غیر متوقع حکم کے خیال
سے فی الفور ہی ناک بھوں سکوڑنے لگتا ہے۔

فریدی نے اخبار صوفے پر رکھ کر کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔

''یارب العالمین۔'' حمید آہستہ آہستہ بڑبڑایا۔ ''اس گنہگار کو ہر قسم کے آفات سے محفوظ رکھیو۔''

''حمید.....!'' فریدی نے کہا۔ ''کیا تمہیں یاد ہے، براؤن نے ایک مورتی کا تذکرہ کیا تھا۔''

''کون براؤن۔''

''وہی جو پچھلے سال اسکاٹ لینڈ سے یہاں آیا تھا۔''

''اوہ..... وہ سراغ رساں چیف انسپکٹر براؤن۔'' حمید نے کہا۔ ''لیکن میرے سامنے کسی
مورتی کا تذکرہ نہیں آیا تھا۔''

''اس نے ایک عجیب وغریب پیتل کی مورتی کا تذکرہ کیا تھا، جس کی وجہ سے لندن کافی ہیجان برپا ہوگیا تھا۔''

''ہیجان۔'' حمید نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''مورتی کی وجہ سے۔''

''وہ مورتی لندن کے ماہر آثار قدیمہ جارج فنلے کی ملکیت تھی۔ اسے کسی نے چرالیا اور عجیب وغریب وارداتوں کے سلسلے شروع ہوگئے۔''

''بھلا یہ کیونکر معلوم ہوا کہ وہ وارداتیں اسی مورتی کی وجہ سے ہوئی تھیں۔'' حمید نے

''اس لئے کہ ایک بار وہ مورتی ایک قتل کے سلسلے میں پولیس کے قبضہ میں آ گئی تھی کسی نے اسے اسکاٹ لینڈ یارڈ سے پھر اڑا لیا۔''

''واقعی عجیب بات ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''اسکاٹ لینڈ یارڈ میں چوری کرنا آسان کام نہیں

''اس مورتی کے ماتھے پر بھی ایک سینگ ہے۔'' فریدی نے اخبار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''براؤن نے جس مورتی کے بارے میں بتایا تھا، اس کے ماتھے پر بھی ایک سینگ

''لیکن وہ ہے کیا بلا۔ اس کے لئے قتل کیوں ہوئے۔'' حمید نے کہا۔

''یہ ابھی تک نہیں معلوم ہوا۔'' فریدی نے کہا۔ ''جارج فنلے نے بھی اس کے متعلق نہیں بتایا لیکن براؤن کا خیال ہے کہ اس نے دیدہ دانستہ اسکے راز کو چھپانے کی کوشش کی تھی

''اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''میں خواہ مخواہ قیاس آرائی کرنے کا قائل نہیں۔''

''خیر ہوگا۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا اور اخبار اٹھا کر پڑھنے لگا۔

فریدی اور حمید آج کل تین ماہ کی چھٹی پر تھے۔ انہوں نے ارادہ کیا تھا کہ گرمیاں شملہ بسر کریں۔ قریباً سارے انتظامات مکمل ہو چکے تھے۔ وہ شاید آج ہی شملہ کے لئے روانہ ہوتے لیکن اس درزی کی علالت کی وجہ سے جوان کے کپڑے سی رہا تھا، انہیں دو ایک دن کا توقف کرنا پڑا۔

''حمید.....!'' فریدی کہتے کہتے اچانک رک کر بولا۔

''جی.....!''

''ہم لوگ شملہ نہیں جائیں گے۔''

''کیوں.....؟'' حمید نے متعجبانہ انداز میں پوچھا۔

''ہمیں آج ہی رات کی گاڑی سے رام گڑھ چلنا ہے۔''

''آخر کیوں.....؟''

''ضروری کپڑے تو ہمارے پاس کافی سے زیادہ ہیں۔ ہم درزی کی صحت یابی کا انتظار نہ کریں گے۔''

''وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن اس کی وجہ۔''

''پیتل کی مورتی۔''

''لاحول ولاقوۃ۔'' حمید بولا۔ ''کیا آپ اسے تبتی کے جرم میں گرفتار کرلیں گے۔''

''حمید زیادہ بکواس اچھی نہیں ہوتی۔''

''میں ہرگز ہرگز رام گڈھ نہ جاؤں گا۔'' حمید جھنجھلا کر بولا۔

''تمہیں چلنا پڑے گا۔'' فریدی اس کی طرف مڑ کر بولا۔

''قیامت تک نہیں جاؤں گا۔'' حمید نے کہا۔ ''واہ یہ بھی اچھی رہی، ہزار دقت تو چھٹی ملی ہے۔ نہیں نہیں..... مجھ میں اب اتنی سکت نہیں رہ گئی کہ خواہ مخواہ آپ کے ساتھ دوڑتا پھروں۔''

''کاہل..... کام چور۔''

''مجھے قطعی چوٹ نہیں لگی۔'' حمید نے کہا۔ ''میں سو بار کاہل..... ہزار بار کام چور پھر۔''

''تمہارا سر.....!'' فریدی نے کہا۔

''مجھے اس سے بھی انکار نہیں۔'' حمید بولا۔

''دیکھتا ہوں تم کیسے نہیں چلتے۔'' فریدی نے کہا۔

''میں آج رات کی گاڑی سے گھر چلا جاؤں گا۔'' حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

''جہنم میں جاؤ۔'' فریدی نے کہا اور لائبریری میں چلا گیا اس کے چہرے سے معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی شدید الجھن میں مبتلا ہے۔

ایک گھنٹے کے اندر اندر اس نے میز پر کتابوں کا اچھا خاصا ڈھیر لگا لیا۔

یہ کتابیں ایشیائی فن بت تراشی سے متعلق تھیں۔ تھوڑی دیر بعد حمید بھی تنہائی سے اکتا
لائبریری ہی میں چلا آیا۔ فریدی کو کتابوں میں ڈوبا ہوا دیکھ کر اسے بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ فر
نے اسے گھور کر دیکھا۔

''آپ نے بھی اپنی زندگی برباد کرلی۔'' حمید نے کہا۔

''تم یہاں کیوں آئے۔'' فریدی نے کہا۔

اتنی دیر میں حمید اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔

''اوہ.....تو یہ اسی مورتی کے سلسلے میں چھان بین ہو رہی ہے۔'' حمید نے جھک کر فر
کے سامنے کھلی ہوئی کتاب میں دیکھتے ہوئے کہا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ اچھل پڑا۔

''ارے یہ تو بالکل اسی تصویر سے مشابہ ہے..... بالکل وہی..... ہو بہو..... وہی۔''
حیرت سے بولا۔

فریدی نے کتاب بند کردی اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔ بالکل
طرح جیسے کوئی اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہے۔

''ہمیں رام گڑھ چلنا ہی پڑے گا۔'' وہ اس طرح بولا جیسے کوئی خواب میں بڑبڑاتا ہے۔

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔

''سنا تم نے میں کہہ رہا ہوں کہ رام گڑھ چلنا ضروری ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''اور اگر
جاؤ گے تو میں تنہا جاؤں گا۔''

''لیکن آپ یہ کیوں نہیں بتاتے کہ آپ کی اس بے تابی کی وجہ کیا ہے۔'' حمید نے کہا۔

''تمہیں شاید معلوم نہیں کہ ایک بار یہ مورتی میرے والد مرحوم کے قبضے میں آ کر نکل
تھی۔'' فریدی نے کہا۔

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔'' حمید نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''والد صاحب کے بارے میں تو تمہیں پہلے ہی سے بہت کچھ معلوم ہے۔ وہ بھی میری
طرح کارناموں کی تلاش میں رہا کرتے تھے۔ ایک بار یہ مورتی ان کے ہاتھ بھی لگی تھی لیکن
پراسرار طریقے سے غائب ہوگئی۔ یہ مجھے ابھی ابھی اس کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوا۔ انہوا

کتاب میں چھپی ہوئی تصویر کے نیچے پیتل کی مورتی کے متعلق لکھا ہے۔'' فریدی نے کتاب کو
دوبارہ کھول کر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ دیکھو۔''

حمید فریدی کے ہاتھ سے کتاب لے کر دیکھنے لگا۔

۲۰ جنوری ۱۸۹۳ء آج جب میں نے اس کتاب کا یہ صفحہ دیکھا تو مجھے دس سال قبل کا ایک
واقعہ یاد آ گیا۔ اسی تصویر سے بالکل ملتی جلتی ایک چھوٹی سی پیتل کی مورتی مجھے ملی تھی لیکن وہ جس
پراسرار انگیز طریقے سے مجھ تک پہنچی تھی اسی تحیر خیز طریقے پر غائب بھی ہوگئی۔ ایک رات گرمیوں
کے زمانے میں میں اپنے پائیں باغ میں سو رہا تھا کہ دفعتاً کوئی میرے پلنگ پر آ کر گرا۔ میری
آنکھ کھلی میں نے دیکھا ایک آدمی زخمی ہو کر مجھ پر پڑا بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ میں نے اُسے ہٹانا
چاہا لیکن دوسرے ہی لمحے مجھے محسوس ہوا کہ وہ بے ہوش ہے۔ میں اُسے اٹھا کر اندر لے گیا وہ
انگریز تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُسے ہوش آ گیا۔ وہ وہاں سے جانے کے لئے ضد کر رہا تھا۔ میں
نے اسے بہت پوچھا کہ وہ کون ہے اور کس طرح زخمی ہوگیا لیکن اس نے اس کے متعلق بتانے
سے انکار کر دیا۔ البتہ اس نے مجھے ایک پیتل کی مورتی نکال کر دی اور کہا کہ میں اسے اپنے پاس
امانت رکھوں جسے وہ کسی موقعے سے آ کر لے جائے گا۔ پھر اس واقعے کے تیسرے دن بعد اس
کی لاش ایک نالے میں پڑی پائی گئی۔

وہ مورتی میرے پاس تقریباً ایک ہفتہ رہی پھر ایک دن غائب ہوگئی۔ میں نے اس معمے کو
حل کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن مایوسی کے سوا اور کچھ ہاتھ نہ آیا۔

حمید نے کتاب بند کر کے فریدی کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''یہ سملی قوم کے سی جی لا کے دیوتا کی تصویر ہے، سملی قوم رام گڑھ سے ڈیڑھ سو میل
شمال پر کچنار کے پہاڑی جنگلوں میں آباد ہے۔ سملی قوم کے لوگ اب سے کئی ہزار سال پیشتر
تبت کے پوربی علاقے میں رہتے تھے۔ اس وقت بھی وہ اسی دیوتا کی پوجا کرتے تھے۔ کسی
حادثے کی بناء پر وہ لوگ تبت سے آ کر کچنار کے جنگلوں میں آباد ہوگئے۔ آج سے تین سو سال
پہلے ایک انگریز سیاح نے انکشاف کیا تھا کہ اس قوم پر ایک انگریز عورت حکومت کرتی ہے۔ جسے
یہ لوگ دیوی سمجھ کر پوجتے ہیں اور اس سے بھی دلچسپ ایک بات اور بھی ہے وہ یہ کہ یہ دیوی ان پر

تین سو سال سے حکومت کر رہی ہے۔

''کیا مطلب.....!'' حمید نے تحیر کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ بھلا وہ تین سو سال تک زندہ کیسے ہے؟''

''اس کے لئے انہوں نے ایک خوفناک طریقہ اختیار کیا ہے۔'' فریدی کچھ سوچتا ہوا

''اس ملکہ کے لئے وہ کسی گوری نسل کے نوجوان مرد کو پکڑ لاتے ہیں ملکہ کے ساتھ اس کی شا کردی جاتی ہے، اگر اس کے مرنے سے پہلے ملکہ مر گئی تو وہ اسے بھی قتل کر کے ملکہ کے ساتھ دفن کر دیتے ہیں، ملکہ کی ایک لڑکی جو سب سے زیادہ خوبصورت ہوتی ہے اس کی جگہ ملکہ بن جاتی ہے اور اس کی بقیہ اولادیں دیوتا پر قربان کر دی جاتی ہیں۔ اسی طرح وہ اس ملکہ کی سنہ کو برقرار رکھتے ہیں۔''

''واقعی بہت وحشیانہ طریقہ ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''آج کی مہذب دنیا اس وحشی قوم کا کس طرح برداشت کر رہی ہے؟''

''مجبوری ہے۔'' فریدی بولا۔ ''وہاں تک پہنچنا بہت دشوار ہے۔ انگریزوں نے سنہ کے ان مظلوموں کو بچانے کے لئے کافی جدوجہد کی ہے۔ لیکن کامیاب نہیں ہو سکے۔''

''لیکن یہ راز دنیا کو کس طرح معلوم ہوا۔''

''اسی سیاح کے ذریعے جس نے اس قوم کے حالات لکھے ہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''اسے وحشیوں نے پکڑ لیا تھا اور اس کی شادی ملکہ وقت کے ساتھ کر دی تھی لیکن اسے اپنے انجام کے متعلق معلوم ہوا تو وہ کسی طرح وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔''

حمید کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

''لیکن آخر رام گڑھ جانے کی کیا ضرورت ہے؟'' حمید نے پوچھا۔

''اس مورتی کو دیکھنے کے لئے جس کے لئے عرصہ دراز سے لوگ جدوجہد کرتے آ رہے ہیں۔''

''تو کیا آپ کو اس کی امید ہے کہ آپ اسے دیکھ سکیں گے۔''

''کیوں نہیں؟''

''جس چیز کے لئے وہ لوگ اپنی جانوں پر کھیلتے چلے آئے ہیں کیا اسے انہوں نے پولیس کے قبضے میں رہنے دیا ہوگا۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ پولیس اس کے متعلق خاص علم نہ بھی ہو۔ اس نے اسے احتیاط سے بھی نہ رکھا ہوگا۔''

''میں جانتا ہوں۔'' فریدی نے کہا۔ ''وہ یقیناً پولیس کے قبضے سے نکل گئی ہوگی۔''

''پھر.....؟'' حمید نے فریدی کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''لیکن میں اس مورتی کے متعلق معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ کیوں لوگوں کی دلچسپیوں کا مرکز بنی ہوئی ہے؟''

''ارے چھوڑیئے بھی ہوگا کچھ خزانے وزانے کا چکر، میں نے اس قسم کے بہتیرے ناول پڑھے ہیں۔ وہ مورتی یقیناً کسی زمین دوز خزانے کا حال بتاتی ہوگی۔''

''ہو سکتا ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''لیکن یہ تو سوچو.....اس میں لطف کتنا آئے گا۔''

''لطف کیا آئے گا۔'' حمید نے کہا۔ ''اگر آپ نے ان لوگوں کا سراغ لگا بھی لیا جو اس کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں تو اس سے فائدہ! ظاہر ہے کہ وہ لوگ اس جدوجہد کا مقصد کسی طرح بھی ظاہر نہ ہونے دیں گے۔''

''خیر چھوڑو.....ان باتوں کو۔'' فریدی نے کہا۔ ''تین ماہ کی چھٹی میں نے محض تفریح کی خاطر لی ہے اور رام گڑھ ایک بہترین تفریح گاہ بھی ہے۔''

''لیکن میں تو اسے تفریح گاہ ہرگز نہیں سمجھتا۔''

''بھئی تم مت چلنا میرے ساتھ۔'' فریدی نے اکتا کر کہا۔ ''خواہ مخواہ بکواس کرنے سے کیا فائدہ۔''

''تو کیا میں یہاں اکیلے رہ کر مکھیاں ماروں گا۔''

''نہیں باقاعدہ ان کی پرورش کرنا۔'' فریدی نے کہا۔

''عجیب مصیبت میں جان ہے۔'' حمید جھنجھلا کر بولا۔

''پھر وہی فضول باتیں! ارے میاں اب کون سی مصیبت ہے۔''

''کیا یہ کم مصیبت ہے کہ میں اتنے دنوں تک آپ سے دور رہوں گا۔'' حمید نے کہا۔

''تو پھر چلو.....!''

''یہ مشکل ہے۔''

''تو جہنم میں جاؤ۔''

''لیکن وہاں بھی اکیلے دل نہ لگے گا۔'' حمید نے ہنس کر کہا۔

''اچھا فی الحال لائبریری سے نکل جاؤ۔'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

''لیکن جاؤں کہاں؟''

''ارے تو میری کھوپڑی کیوں چاٹ رہے ہو بھائی۔'' فریدی نے عاجز آ کر اٹھتے ہو کہا۔ ''لو میں ہی چلا جاتا ہوں۔''

''تو میں بھی چلتا ہوں آپ ہی کے ساتھ۔''

''بھئی مجھے پریشان مت کیا کرو۔'' فریدی بے دلی سے بولا۔

''تو آپ کب چل رہے ہیں رام گڑھ۔''

''تم سے مطلب.....!''

''بغیر مطلب نہیں پوچھ رہا ہوں۔''

''میں تمہیں نہیں لے جاؤں گا۔'' فریدی نے کہا۔

''تو میں آپ کے کاندھے پر تو چڑھ کر جاؤں گا نہیں۔''

''نہیں بھئی.....تم اس بار میرا ساتھ نہ دے سکو گے۔'' فریدی نے تنگ آ کر کہا۔

''کیوں.....؟''

''ہوسکتا ہے کہ یہ میرا آخری کارنامہ ہو۔''

''معلوم نہیں آپ ایسا کیوں سوچ رہے ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''مجھے کچھ ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے۔''

''تب تو میں آپ کا ساتھ کسی طرح نہیں چھوڑ سکتا۔''

''اماں تم تو جان کو آ جاتے ہو۔''

''کچھ بھی ہو مجھے تو اب چلنا ہی پڑے گا۔''

''اچھا اچھا بابا.....اب جاؤ بھی۔ مجھے کچھ ضروری چیزیں دیکھنی ہیں۔'' فریدی نے کہا اور پھر کتابوں کا ڈھیر الٹنے پلٹنے لگا۔

مڈبھیڑ

آخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ رام گڑھ پہنچنے پر فریدی کو معلوم ہوا کہ وہ مورتی پولیس کے قبضے سے بھی نکل گئی ہے۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس مسٹر ماتھر کو فریدی کے استفسار پر حیرت ضرور ہوئی۔ لیکن پھر فریدی نے اسے مطمئن کر دیا کہ اس نے یونہی بلا مقصد اس مورتی کا تذکرہ کیا تھا۔ ماتھر نے اُسے بتایا کہ وہ مورتی اسی کے پاس تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ اسے عجائب خانے کے منتظم کے حوالے کر دے گا لیکن وہ کہیں گم ہوگئی ہے اور ماتھر نے اسے کوئی زیادہ اہمیت بھی نہیں دی بلکہ اسے تو ان ماہرین آثار قدیمہ پر ہنسی آ رہی تھی جنہوں نے اس مورتی کے متعلق زمین و آسمان کے قلابے ملا کر رکھ دیئے تھے۔ ہوگی بھئی چندر گپت کے زمانے کی۔ لیکن اس سے آج کی دنیا کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔''

حمید کو ہنسنے کا موقع مل گیا تھا۔ وہ ہر وقت فریدی کو چھیڑتا رہتا۔ اٹھتے بیٹھتے پیتل کی مورتی کا تذکرہ چھیڑ کر اس کے سراغ رسانی کے جنون کا مضحکہ اڑاتا.....آج بھی وہ صبح سے اسے بُری طرح تنگ کر رہا تھا۔ اس وقت شام کو جب دونوں ٹہلنے کے لئے نکلے تو حمید نے اسے پھر چھیڑنا شروع کر دیا۔

''ارے وہ کیا.....!'' حمید نے کہا۔

''کہاں.....؟'' فریدی نے پوچھا۔

''وہ اُدھر.....!''

''کچھ بھی تو نہیں۔''

''میں سمجھا شائد پستول کی مورتی پڑی ہے۔''

''آخر تم میرا مضحکہ اڑانے پر کیوں اتر آئے ہو۔'' فریدی نے کہا۔

''آپ نے کام ہی ایسا کیا ہے۔''

''بھئی تم عجیب آدمی ہو..... آخر تم میرے ساتھ آئے ہی کیوں؟''

''اس لئے کہ اب آپ کو یہاں سے واپس لے جاؤں۔'' حمید نے کہا۔

''قطعی غلط.....!'' فریدی بولا۔ ''میں چھٹیاں یہیں گزاروں گا۔''

''وہ مجھے پہلے ہی سے معلوم تھا۔'' حمید نے کہا۔ ''واقعی بزرگوں کے اقوال کا قائل ہونا ہی پڑتا ہے۔''

''کیسے اقوال.....!''

''یہی کہ بیوی دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے۔''

''لاحول ولا قوۃ۔''

حمید خاموش ہو گیا۔ شاید اسے کوئی معقول جملہ نہیں سوجھ سکا تھا۔

''پوپی..... پوپی۔'' فریدی نے اپنے ننھے منھے کتے کو پکارا جو سڑک پار کر کے دوسری طرف بھاگنے لگا تھا۔

''بھلا بتایئے ان پوپیوں سوپیوں کو یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی۔'' حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''اگر بیوی ہوتی تو ان کے بجائے اسے لے آتا۔'' فریدی ہنس کر بولا۔

''میں کہتا ہوں آپ اپنی زندگی فضول برباد کر رہے ہیں۔''

''بس آپ ہی کو خانہ آبادی مبارک رہے۔ خاکسار کو تلقین کی ضرورت نہیں۔'' فریدی بولا۔

''اچھا تو کب تک یونہی سڑکیں ناپتے رہیں گے۔ چلئے سامنے والے پارک میں چل کر بیٹھیں۔''

''میرا خیال ہے کہ ایک فرلانگ بھی نہیں چلے۔'' فریدی نے کہا۔ ''اوہ اچھا تو یہ بات۔ وہاں وہ نیلی پیلی ساریاں جو لہرا رہی ہیں۔ خیر جناب چلئے۔''

یہ دونوں پارک میں آئے۔ پوپی اپنی ننھی منھی گنجان بالوں والی دم لہراتا ہوا ان کے آگے آگے چل رہا تھا۔ دفعتاً ایک السیشین کتا اس پر جھپٹا۔ قبل اس کے کہ فریدی آگے بڑھ کر اسے چھڑاتا۔ السیشین کتے نے اسے دو تین پٹخنیاں دے دیں۔ ایک طرف سے ایک خوبصورت انگریز لڑکی چیختی ہوئی کتے کی طرف دوڑی اور پوپی کو اس سے چھین کر گود میں اٹھالیا جس پر بنچ سے وہ لڑکی آئی تھی اس پر ایک انگریز مرد بھی بیٹھا تھا۔ فریدی جھلاہٹ میں اس کی طرف بڑھا۔

''کیوں جناب یہ کتا آپ کا ہے؟'' فریدی نے اس سے پوچھا۔

''کیوں.....!'' اس نے فریدی کو تیکھی نظروں سے گھور کر پوچھا۔

''وہ اس لئے کہ اس نے میرے کتے کو قریب قریب ختم ہی کر دیا ہے۔''

''تو میں کیا کروں۔'' وہ لاپروائی سے بولا۔

''اس قسم کے وحشی کتے آزاد رکھے جاتے ہیں۔'' فریدی نے تیز لہجے میں کہا۔

انگریز نے کوئی جواب دینے کے بجائے نفرت سے منہ پھیر لیا۔

''مسٹر مجھے افسوس ہے۔'' لڑکی نے فریدی کے قریب آ کر کہا۔ پھر اپنے ساتھی انگریز سے مخاطب ہو کر بولی۔

''ٹام تم بعض اوقات ضرورت سے زیادہ احمق ہو جاتے ہو۔''

''تو اب میں کیا کروں..... کتا ہی تو ہے۔'' انگریز بولا۔

''اگر یہی بات ہے تو ٹھہرو میں بھی ایک منگاتا ہوں۔'' فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔

''جاؤ جاؤ مت دماغ چاٹو۔'' انگریز گرج کر بولا۔

''اچھا تو اگر تم اپنے باپ کے بیٹے ہو تو اس وقت تک یہاں ٹھہرنا جب تک کہ میرا کتا بھی یہاں نہ آ جائے۔''

لڑکی اپنے ساتھی کو پھر بُرا بھلا کہنے لگی۔ لیکن شاید اس پر جھگڑا کرنے کا جنون سا طاری ہو گیا تھا۔ اس نے فریدی کا چیلنج منظور کر لیا۔

''حمید.....!'' فریدی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ ''یلو ڈنگو.....!''

حمید زخمی پوپی کو گود میں اٹھا کر پارک سے باہر نکل گیا۔ فریدی نے جو کتا منگوایا تھا وہ دنیا

کی خطرناک ترین افریقی نسل سے تھا۔

بات کافی بڑھ گئی تھی۔ لڑکی کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بُری طرح گھبرا ہوئی ہے۔ اس کے برخلاف اس کے ساتھی کی آنکھوں سے نفرت اور حقارت جھلک رہی تھی۔ ایک جوان العمر اور تندرست آدمی تھا۔ اس کے بھاری اور غیر متناسب جبڑے اس کی سفاک طبیعت کا اظہار کر رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد حمید ایک سرکش کتے کی زنجیر تھامے پارک میں داخل ہوا۔ السیشین انگر کے پیروں کے پاس پڑا اونگھ رہا تھا۔ فریدی کے کتے یلو ڈنگو کی آمد پر دفعتاً چونک کر بیٹھ گیا فریدی نے اپنے کتے کے پٹے سے زنجیر الگ کر لی۔ یلو ڈنگو کو دیکھ کر انگریز کے کتے نے غ شروع کیا۔ ڈنگو پہلے تو اسے خاموشی سے گھورتا رہا پھر یکایک اس پر جھپٹ پڑا۔ لڑکی چیخ کر پیچ کھڑی ہوگئی۔ انگریز بھی ایک طرف ہٹ گیا۔ چند ہی لمحوں کے بعد السیشن نے ایک خوفناک ماری اور زمین پر ڈھیر ہوگیا۔ یلو ڈنگو نے اس کا گلا پھاڑ دیا تھا۔ زمین پر خون کی چادر سی پھیل تھی۔ انگریز نے اپنا پستول نکال لیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں فائر ہوا اور انگریز کا پستول اچھل دور جا گرا۔ فریدی کے ریوالور کی نالی سے دھوئیں کی پتلی سی لکیر نکل کر فضا میں بل کھا تھی۔ فائر کی آواز سن کر بہت سے لوگ اکٹھا ہوگئے تھے۔

فریدی نے اپنا ریوالور جیب میں ڈال لیا۔ انگریز جیسے ہی پستول اٹھانے کی لئے جھ پولیس کانسٹیبل آ کر اس کے سامنے کھڑے ہوگئے۔ حمید نے یلو ڈنگو کے زنجیر ڈال دی اور فر کا اشارہ پاتے ہی وہ پارک سے کتے سمیت روانہ ہوگیا۔ کچھ لوگ دور بیٹھے ہوئے کتوں کی لڑ ضرور دیکھ رہے تھے لیکن انہوں نے صرف انگریز کو پستول نکالتے ہوئے دیکھا تھا۔ فریدی طرف وہ اس وقت متوجہ ہوئے جب وہ اپنا ریوالور جیب میں رکھ چکا تھا۔ یہ سب کچھ اتنی جلد ہوا کہ کسی کو کچھ سمجھنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ انگریز کے گرد بھیڑ اکٹھی ہو رہی تھی اور فریدی وہا سے جا چکا تھا۔

انگریز چند پڑھے لکھے آدمیوں کی مدد سے پولیس کو سارا واقعہ بتانے کی کوشش کر رہا اس کے باوجود بھی اسے قریب کے تھانے میں جانا ہی پڑا۔

ادھر حمید بوکھلایا ہوا اپنی جائے قیام پر پہنچا۔ اسے رہ رہ کر فریدی کی اس حرکت پر غصہ آ رہا تھا۔ بھلا یہ کیا حماقت کی۔ بیٹھے بٹھائے ایک نئی مصیبت۔ اگر وہ انگریز فریدی کی گولی سے زخمی ہوگیا ہوتو۔ وہ انہیں خیالات میں دیر تک الجھا رہا۔ تقریباً دو گھنٹے گذر گئے لیکن فریدی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اس دوران میں اس نے کوتوالی کے دو چکر لگائے لیکن نہ معلوم ہوسکا کہ فریدی کہاں ہے۔ البتہ پارک کے حادثے کے متعلق کئی دلچسپ باتیں سننے میں آئیں۔ یہ سب ایک پراسرار آدمی کے متعلق تھیں، جس کے کتے نے ایک انتہائی توانا اور تندرست السیشین کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور اس کے نشانے کی تعریفوں کے پل باندھے جا رہے تھے کہ اس کی گولی انگریز کے پستول پر لگی اور وہ ہاتھ سے نکل گیا..... خیر حمید کو یہ معلوم کر کے اطمینان ہوا کہ انگریز زخمی نہیں ہوا، خود اسے تعجب ہونے لگا کہ اتنی جلدی میں فریدی اتنا کامیاب نشانہ کیسے لے سکا۔ لیکن اسے یہ سوچ کر الجھن ہو رہی تھی کہ پولیس اس معاملے کی تحقیقات ضرور کرے گی اور اگر یہ چیز ظاہر ہوگئی تو بڑی سبکی ہوگی۔ وہ فریدی کی نیک نامی پر ایک ہلکا سا دھبہ بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ چہ جائیکہ اس پر قانون شکنی کا الزام عائد ہو وہ سوچ رہا تھا کہ اس انگریز اور اس کی ساتھی لڑکی نے ہم لوگوں کو اچھی طرح پہچان لیا ہوگا۔ اب اگر کہیں اور مڈبھیڑ ہوگئی تو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ فریدی کے آتے ہی وہ اُسے واپس چلنے کا مشورہ دے گا۔ لیکن اسے اس کی ایک فیصد بھی توقع نہیں تھی کہ فریدی اس کے مشورے پر عمل کرے گا۔ وہ اس کی ضدی طبیعت سے اچھی طرح واقف تھا جب تک کہ وہ کم بخت پیتل کی مورتی مل نہ جائے گی اور فریدی اس کے راز کو دریافت نہ کرے گا اس کا یہاں سے ہلنا ناممکن ہے۔

دس بج گئے تھے لیکن فریدی نہ لوٹا۔ رات حد درجہ تاریک تھی۔ آسمان میں غبار ہونے کی وجہ سے ستارے بھی مدھم پڑ گئے تھے۔ رام گڑھ کی حسین پہاڑیاں تاریکی کی چادر اوڑھے خاموش کھڑی تھیں۔ پہاڑی جھینگروں کی تیز آوازوں نے ماحول میں ایک عجیب قسم کی ویران یکسانیت پیدا کر رکھی تھی۔ کبھی کبھی بھٹکے ہوئے تیتر کی صدا سناٹے میں لہرا کر رہ جاتی۔ حمید برآمدے میں بیٹھا فریدی کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے ابھی تک کھانا بھی نہ کھایا تھا۔ حمید کی تشویش بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں فریدی کسی مصیبت میں نہ پھنس گیا ہو۔

دفعتاً اسے کچھ دور اندھیرے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ دوسرے لمحے میں فریدی اس کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

''اور اب آپ اس طرح مسکرا رہے ہیں جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔'' حمید نے جھلا کر کہا۔

''بگڑو مت پیارے۔'' فریدی چہک کر بولا۔ ''مہینوں کی منزل گھنٹوں میں طے کر کے آرہا ہوں۔''

''خواہ مخواہ اتنی دیر پریشان کر ڈالا۔'' حمید نے بیزاری سے کہا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ اب شوہر پرست بیوی کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کرو گے۔'' فریدی ہنس کر بولا۔

''بس بس رہنے دیجئے۔'' حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ ''ابھی بتاؤں گا تو حواس گم ہو جائیں گے۔''

''کیوں؟ کیا ہوا۔'' فریدی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''وہ انگریز بُری طرح زخمی ہو گیا ہے۔''

''بہت اچھے۔'' فریدی قہقہہ لگا کر بولا۔ ''شاید تم افیونیوں کی محفل سے اٹھ کر آئے ہو۔''

''خیر مجھے کیا ابھی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔''

''جی مجھے سب کچھ معلوم ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''میں اتنا اناڑی نشانہ باز نہیں ہوں۔''

''خیر دیکھا جائے گا۔'' حمید نے کہا۔ ''لیکن آپ کو یہ کیا سوجھی تھی۔''

''بھئی کیا بتاؤں غصہ ہی تو ہے آ گیا۔'' فریدی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''پولیس نے اس کی رپورٹ درج کر لی ہے۔''

''کر لی ہوگی۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

''دیکھئے جناب۔'' حمید نے کہا۔ ''ہر جگہ یہ لاٹ صاحبی کام نہیں آ سکتی۔ اگر ہم لوگ اس معاملے میں پھنس گئے تو بڑی بے عزتی ہوگی۔''

''اچھا جی.....!'' فریدی ہنس کر بولا۔ ''آج کل بڑے عاقبت اندیش ہو رہے ہو؟''

''خیر ماریئے گولی مجھے کیا۔'' حمید اٹھتے ہوئے منہ پھلا کر بولا۔ ''بھوک کے مارے بُرا حال ہو گیا۔''

''واقعی تم میں ایک سعادت مند بیوی بننے کی صلاحیتیں پائی جاتی ہیں۔''

حمید کوئی جواب دیئے بغیر سیدھا ڈائننگ روم کی طرف چلا گیا۔ کھانے کی میز پر تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ پھر فریدی نے گفتگو کا سلسلہ شروع کر دیا۔

''مجھے ہرگز توقع نہیں تھی کہ اتنی جلدی اور اتنے ڈرامائی انداز میں کامیابی ہوگی۔ اسے محض اتفاق سمجھنا چاہئے کہ میں انہیں لوگوں سے الجھ پڑا جن کی تلاش تھی۔''

''کیا مطلب.....؟'' حمید چونک کر بولا۔

''پیتل کی مورتی۔'' فریدی جھک کر حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''لاحول ولا قوۃ.....!'' حمید نوالا پلیٹ میں رکھ کر کھڑا ہو گیا۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔

''بھلا کھانے پر غصہ اتارنے سے کیا فائدہ؟'' فریدی نے کہا۔ ''بیٹھو بیٹھو۔'' حمید بیٹھ گیا۔ لیکن اس کے چہرے پر بیزاری کے آثار نظر آ رہے تھے۔

''بھئی تم سن کر اچھل پڑو گے۔'' فریدی نے کہا۔

''جی نہیں کوئی ایسی بات نہیں سننا چاہتا جس سے مجھے خواہ مخواہ اچھلنا کودنا پڑے۔''

''وہ لڑکی تھی نا۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''خیر چھوڑو ہٹاؤ.....!''

''اوہ.....اسے تو میں بھول ہی گیا تھا۔'' حمید نے جلدی سے پوچھا۔

''کافی خوبصورت ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''واقعی ایسی لڑکیاں کم دیکھنے میں آتی ہیں۔'' حمید بولا۔ ''غضب کی ہے۔''

''میں وہ انتظام کر رہا ہوں کہ تمہیں کچھ دن اس کے ساتھ رہنا پڑے گا۔'' فریدی سنجیدگی سے بولا۔

حمید کی رال باقاعدہ طور پر ٹپکنے لگی۔

''کیا تم اس کے ساتھ رہنا پسند کرو گے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''شاید آپ کوئی بہت ہی خطرناک قسم کا مذاق کرنے والے ہیں۔'' حمید بولا۔

''نہیں میں بالکل سنجیدہ ہوں۔''

حمید خاموش ہوگیا۔

''جانتے ہو وہ کون ہے؟'' فریدی نے پوچھا۔

''بھلا میں کیا جانوں۔''

''جارج فنلے کی لڑکی جولیا۔''

''جارج فنلے۔'' حمید چونک کر بولا۔ ''یہ نام کہیں سنا تو ہے۔''

''میری ہی زبانی سنا ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''وہ کون ہے؟''

''لندن کا ایک ماہر آثار قدیمہ۔''

حمید کچھ سوچنے لگا۔ پھر یکایک اس کے چہرے پر نفرت کے آثار پیدا ہوگئے۔ اس فریدی کو گھور کر دیکھا جو قاب سے شوربہ نکال کر اپنی پلیٹ میں ڈال رہا تھا۔

''پھر وہی پیتل کی مورتی..... خدا اسے غارت کرے۔'' حمید جھلا کر بولا

''تو تمہیں جولیا پسند نہیں آئی۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

''جہنم میں گئی جولیا۔'' حمید منہ سکوڑ کر بولا۔

''پھر تو میں ہی اس سے عشق کروں گا۔''

''آپ کی مرضی۔''

تھوڑی دیر کے لئے پھر خاموشی چھا گئی۔ فریدی کھانا کھا چکا تھا۔ حمید خیالات میں ڈو آہستہ آہستہ منہ چلا رہا تھا۔ فریدی اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

''لیکن جارج فنلے یہاں کہاں؟''

''یہی چیز قابل غور ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''بہت ممکن ہے کہ اس نے بھی اخبارات میں مورتی کے متعلق پڑھا ہو۔'' حمید نے کہا

''نہیں..... وہ اس واقعے کے پہلے سے یہاں موجود ہے۔''

''اوہ.....!'' حمید نے کہا۔ ''لیکن یک بیک آپ کو اس کی اطلاع کیسے ہوئی۔''

''محض اتفاق.....!'' فریدی نے کہا۔ ''آج کے واقعے کی رپورٹ انہوں نے تھانے

رج کرادی ہے۔ اسی رپورٹ کے ذریعے مجھے معلوم ہوا جارج فنلے اس کی لڑکی جولیا اور وہ سر را انگریز کیپٹن آرتھر یہاں تقریباً ایک ماہ سے مقیم ہیں۔''

''وجہ.....؟''

''سیاحت.....!''

''ہوں..... تو اب مجھے کچھ کچھ عقل آ رہی ہے۔'' حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔

''خیر بہت اچھا ہوا۔'' فریدی نے کہا۔ ''لیکن عقل کے ساتھ ہی ساتھ تھوڑی ہمت بھی کار ہے۔''

''تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس وقت وہ پیتل کی مورتی انہیں لوگوں کے قبضے میں ہے۔''

''قطعی.....!''

''اور آپ کا ارادہ ہے کہ آپ اُسے ان کے پاس سے اڑا دیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں..... بھئی بھلا اس سے کیا فائدہ۔''

''تو پھر آپ میرے لئے باہمت ہونے کی دعائیں کیوں مانگ رہے ہیں۔''

''اس کی بھی ایک وجہ ہے۔''

''کیا.....!''

''ایک لمبی داستان۔''

''یعنی.....!''

''جارج فنلے کی پارٹی عنقریب مشرق کی طرف سفر کرنے والی ہے۔''

''بڑی خوشی ہوئی۔ میری دعائیں اس کے ساتھ ہیں۔'' حمید سنجیدگی سے بولا۔

''اور یہ بھی جانتے ہو۔'' فریدی نے اس کی بات سنی ان سنی کر کے کہا۔ ''کچنار کا جنگل ال کملی قوم آباد ہے مشرق ہی کی طرف ہے۔''

''اوہ.....!'' حمید غور سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

''جارج فنلے کا ساتھی کیپٹن آرتھر ایک زمانے میں یہاں محکمہ جنگلات کا آفیسر تھا۔ غالباً وہ ارج فنلے کی رہنمائی کرے گا۔''

''مگر یہ جارج فنلے صاحب اس خطرناک مہم پر اپنی صاحبزادی کو کیوں لے جا رہے ہیں۔''

''محض اسی لئے کہ میاں حمید اسی بہانے اپنے دوست اور بھائی فریدی کا ساتھ دے سکیں۔''

''یعنی تو کیا آپ بھی اس پارٹی کے ساتھ سفر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔'' حمید جلدی سے بولا

''قطعی.....!''

''بھلا اس سے فائدہ۔''

''دونوں اپنی اپنی لیاقت کے مطابق تفریح کر سکیں گے۔ میں اس سفر سے لطف اٹھاؤں اور تم اس لڑکی کی گہری نیلی آنکھوں میں گیتوں کے جزیرے تلاش کرنا۔''

''تو کیا واقعی آپ جان دینے پر تلے ہوئے ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''تمہیں یہ خیال کیسے پیدا ہوا.....؟''

''ظاہر ہے کہ آرتھر اور جولیا ہم لوگوں کو دیکھتے ہی پہچان لیں گے۔''

''اوہ.....!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''تم اس کی فکر نہ کرو۔''

''میں نہایت سنجیدگی سے عرض کر رہا ہوں کہ میں اس سفر کے لئے تیار نہیں۔'' حمید نے کہا

''میں نہایت صدق دل سے کہتا ہوں کہ تمہیں اس کے لئے مجبور نہیں کروں گا۔'' فریدی نے کہا اور سگار سلگا کر ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔

''لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ آپ اکیلے سفر کریں۔''

''پھر تم چاہتے کیا ہو۔''

''یہی کہ آپ اپنا ارادہ قطعی ترک کر دیجئے۔''

''یہ ناممکن ہے۔''

''نپولین کا قول ہے کہ دنیا میں کوئی چیز ناممکن نہیں۔'' حمید نے مسکرا کر کہا۔

فریدی کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ وہ دفعتاً چونک پڑا۔ حمید کو چپ رہنے کا اشارہ کر کے آہستہ سے بولا۔ ''یہ غراہٹ کیسی تھی؟''

''اونہہ ہوگا کوئی کتا۔ ممکن ہے اپنا ہی کتا ہو۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔

''نہیں یہ اپنے کتے کی آواز نہیں۔'' فریدی نے کہا اور اٹھ کر کھڑکی کے قریب چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد غراہٹ کی آواز پھر سنائی دی۔ فریدی کی نگاہیں باہر اندھیرے میں بھٹک رہی تھیں۔ دفعتاً کچھ دور ٹارچ کی روشنی میں اسے ایک بڑا سا کتا دکھائی دی۔ ٹارچ کسی آدمی کے ہاتھ میں تھی جس کی روشنی میں صرف اس کے پیر دکھائی دے رہے تھے۔ کتا زمین پر سونگھ کر غرا رہا تھا۔ فریدی نے کمرے کی روشنی گل کر دی۔

''یہ کیا کیا آپ نے۔'' حمید جلدی سے بولا۔

''خاموش.....!'' فریدی نے آہستہ سے کہا اور تیزی سے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

تھوڑی دیر میں پوری عمارت تاریک ہوگئی۔ حمید اب تک کھڑکی کے قریب کھڑا حیرت سے اس کتے کو دیکھ رہا تھا۔ کتا اسی جگہ گویا جم کر رہ گیا۔ وہ بار بار زمین سونگھتا اور پھر سر اٹھا کر غرانے لگتا۔ اس کے پاس کھڑا ہوا آدمی ادھر اُدھر ٹارچ کی روشنی ڈال رہا تھا۔ چاروں طرف سناٹا تھا۔ نشیب و جوار کی عمارتیں بھی تاریک تھیں۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ معاملہ کیا ہے۔ فریدی نے مکان کی روشنی کیوں گل کر دی اور وہ کہاں چلا گیا۔

اس آدمی کی ٹارچ کی روشنی ادھر اُدھر کی عمارتوں پر رینگتی ہوئی پھر کتے پر آ کر جم گئی۔ دفعتاً کسی طرف سے ایک فائر ہوا اور کتا اچھل کر دور جا گرا۔ شاید یہ کتے کی آخری ہچکیاں تھیں۔ اندھیرے میں کوئی دور تک دوڑتا چلا گیا۔ پتھریلی زمین پر قدموں کی آواز آہستہ آہستہ دور ہوتی جا رہی تھی۔ چند لمحوں کے بعد سکوت چھا گیا۔

فریدی کی عجیب حرکت

حمید کی الجھن لحظہ بہ لحظہ بڑھتی جا رہی تھی۔ اندھیرے میں اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ فائر کی آواز اور مرتے ہوئے کتے کے شور کی وجہ سے پاس کی کئی عمارتوں میں روشنی نظر آنے لگی تھی۔ کچھ لوگ

باہر بھی نکل آئے تھے۔ حمید نے بھی غیر ارادی طور پر کمرے میں روشنی کردی اور باہر نکل آیا۔ چار پانچ آدمی جن کے ہاتھوں میں ٹارچیں تھیں کتے کی لاش کو دیکھ رہے تھے۔ یہ ایک کافی قوی اور خوفناک کتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد کچھ ایسی مضحکہ خیز قسم کی قیاس آرائیاں شروع ہوگئیں کہ حمید کو الٹے پاؤں واپس آنا پڑا۔ اُسے ڈر تھا کہ کہیں وہ بے تحاشہ ہنسنا نہ شروع کردے۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے دیکھا فریدی ایک آرام کرسی پر دراز سگار کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا۔ اس کی رائفل کرسی کے بازو سے ٹکی ہوئی تھی۔ حمید کو دیکھ کر مسکرایا۔

''آخر آپ نے یہ سب کیا اودھم مچا رکھی ہے۔'' حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

''خیر یہ بعد میں بتاؤں گا..... تم یہ بتاؤ کہ ڈنگو کو گھر تک کس طرح لائے تھے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''مطلب یہ کہ وہ اپنے پیروں سے چل کر یہاں تک پہنچا تھا یا کسی اور طرح۔''

''آخر آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔''

''تم میرے سوال کا جواب دو۔'' فریدی نے اکتا کر کہا۔

''کچھ دور تک مجھے اس کو گود میں لانا پڑا تھا۔''

''کیا اسی جگہ سے نہیں جہاں ہم نے ابھی اس کتے کو دیکھا تھا۔'' فریدی نے پوچھا۔

''بہت ممکن ہے وہی جگہ ہی ہو۔'' حمید نے کہا۔ ''وہاں پہنچ کر وہ کسی طرح آگے بڑھ نہیں رہا تھا۔ مجبوراً مجھے اسے گود میں اٹھانا پڑا۔''

''اوہ..... تو یہی وجہ تھی۔'' فریدی بے ساختہ بولا۔

''آخر آپ کچھ بتاتے کیوں نہیں۔'' حمید نے بے صبری کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''ابھی تم جس کتے کی لاش دیکھ آئے ہو اسے میں نے ہی مارا ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''لیکن کیوں.....!'' حمید بے تابی سے بولا۔ ''آخر آج کتوں کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں''

''اگر میں اسے ٹھکانے نہ لگا دیتا تو اچھی خاصی مصیبت آجاتی اور میری بنائی ہوئی اسکیم خاک میں مل جاتی۔'' فریدی نے بجھا ہوا سگار ایش ٹرے میں ڈالتے ہوئے کہا۔

''اب ختم بھی کیجئے یہ پہیلیاں.....!'' حمید اکتا کر بولا۔

''یہ کتا بھی آرتھر ہی کا تھا۔ بہت خطرناک قسم کا بلڈ ہاؤنڈ۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ اپنے شکار کی بو پا جانے پر اسے پاتال میں بھی نہیں چھوڑتا۔ آرتھر نے شاید اسے لیشین کی لاش سنگھا کر یلو ڈنگو کے راستے پر لگا دیا تھا۔ لہٰذا جہاں تک ڈنگو اپنے پیروں سے چل کر آیا تھا اس نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا، لیکن یہاں آکر وہ مجبور ہوگیا۔ کیونکہ تم ڈنگو کو یہاں سے گود میں لائے تھے۔ یہ بھی ایک اتفاق تھا جس کی وجہ سے اس وقت بچ گئے، ورنہ دوسری صورت میں وہ سیدھا یہیں آتا اور نت نئی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا۔''

''تو یہ کہئے۔'' حمید نے مسکرا کر کہا۔ ''میں تو سمجھا تھا شاید خدانخواستہ۔''

''دماغ خراب ہوگیا ہے۔'' فریدی نے جملہ پورا کردیا۔

''بھلا میں یہ کیسے کہہ سکتا ہوں۔'' حمید ہنس کر بولا۔

''خیر..... خیر..... ختم کرو یہ باتیں..... اپنا ضروری سامان ٹھیک کرلو..... ہمیں اسی وقت یہ مکان چھوڑنا ہے۔''

''جی.....!'' حمید چونک کر بولا۔ ''کیا مطلب.....؟''

''کسی ہوٹل میں چل کر رہیں گے۔''

''آخر کیوں؟''

''بھئی عجیب گھامڑ آدمی ہو۔'' فریدی بولا۔ ''اس علاقے میں اس کتے پر گولی چلانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ یہیں کہیں رہتے ہیں۔''

''تعجب ہے کہ اس انگریز سے اس بُری طرح خائف ہوگئے۔'' حمید نے کہا۔

''تم غلط سمجھے! بات یہ نہیں۔'' فریدی نے کہا۔ ''آرتھر سے خائف ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ڈر اس بات کا ہے کہ اگر دوبارہ اس کا سامنا ہوگیا تو میں اپنی اسکیموں کو عملی جامہ نہ پہنا سکوں گا۔''

''آخر وہ اسکیمیں معلوم تو ہوں۔'' حمید نے اکتا کر کہا۔

''اطمینان سے بتاؤں گا۔'' فریدی نے کہا۔ ''ابھی جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو۔''

پھر دونوں بادل نخواستہ اٹھ کر ضروریات کی چیزیں اکٹھی کیں اور ایک سوٹ کیس میں رکھیں۔

فریدی بھی انتظام میں مشغول ہوگیا۔ اس نے نوکروں کو ضروری ہدایات دیں اور انہیں ایک کمرہ دے کر اس وقت تک رام گڑھ میں مقیم رہنے کے لئے کہا جب تک وہ واپس نہ آ جائے۔ ان نوکروں کو وہ اپنے ہمراہ لایا تھا اور یہ سب معتبر اور پرانے نوکر تھے۔

فریدی اور حمید نے ایک ایک سوٹ کیس اور ہولڈال اٹھالئے اور گھر سے نکل کر باہر پھیلی ہوئی تاریکی میں گم ہوگئے۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد وہ ایک متوسط درجے کے صاف ستھرے ہوٹل میں بحیثیت مسافر داخل ہو رہے تھے۔ انہیں رہائش کے کمرے مل گئے۔

''کہئے حضور والا آپ کو اطمینان میسر ہوا یا نہیں۔'' حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

''ہاں آں.....!'' فریدی چارپائی پر لیٹ کر حمید کی طرف کروٹ لیتا ہوا بولا۔ ''کیا پوچھ چاہتے ہو۔''

''ان سب بوکھلاہٹوں کا مطلب.....!''

''تم اسے بوکھلاہٹ کہہ رہے ہو پیارے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''جی نہیں..... بہت بڑا کارنامہ انجام دے رہے ہیں آپ۔'' حمید طنزیہ انداز میں بولا

''خیر..... کارنامہ میں انجام دے رہا ہوں۔ اس میں تم میرے برابر کے شریک رہو گے۔''

''میں تو اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا ہوں۔'' حمید بے زاری سے بولا۔

''اس بار تمہیں پاؤں دھونے کا بھی موقع مل جائے گا۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔

''میں نے وہ اسکیم بنائی ہے کہ تم سن کر اچھل پڑو گے۔'' فریدی نے کہا۔

''ارشاد.....!''

''جارج فٹلے سفر کے نئے ساتھی مہیا کر رہا ہے۔ آج بھی اس نے دس پہاڑیوں کی خدمات حاصل کی ہیں۔ تقریباً پچاس آدمی اس کے ساتھ جائیں گے۔ وہ جدھر جانے کا ارادہ رکھتا ہے ادھر کوئی باقاعدہ راستہ نہیں ہے..... اس لئے سفر پیدل یا خچروں پر کیا جائے گا۔''

''تو پھر آپ کا کیا ارادہ ہے؟''

''ہم دونوں بھی پہاڑی مزدوروں کی حیثیت سے اس پارٹی میں شامل ہو جائیں گے۔'' فریدی نے کہا۔

''بہت خوب اور ڈیڑھ سو میل پیدل چل کر آخیر میں اللہ کو پیارے ہو جائیں گے۔'' حمید نے کہا۔

''تم ہمیشہ ہر چیز کا تاریک پہلو ہی دیکھتے ہو۔'' فریدی نے کہا۔

''یہ عادت اچھی نہیں..... تمہیں تو عورت ہونا چاہئے تھا۔''

''یہی تو میری بدنصیبی ہے۔'' حمید بولا۔ ''خیر آپ اپنا بیان جاری رکھئے۔''

''کل ہم دونوں پہاڑی مزدوروں کے بھیس میں جارج فٹلے سے ملیں گے۔''

''لیکن اس سے فائدہ..... ہمارا پول جلد ہی کھل جائے گا۔ اس لئے کہ ہم پہاڑی زبان نہیں جانتے۔'' حمید نے کہا۔

''تم صرف اپنے متعلق کہہ سکتے ہو۔'' فریدی بولا۔ ''میں ادھر کی زبان بخوبی بول سکتا ہوں۔''

''لیکن میں کیا کروں گا۔'' حمید اکتا کر بولا۔

''تم گونگے بن جانا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''تمہارے متعلق پہاڑیوں میں یہ مشہور کردوں گا کہ تم گونگے ہو۔'' فریدی نے کہا۔

''بس بس معاف رکھئے خاکسار کو۔'' حمید نے کہا۔ ''میں زندگی بھر ایسا نہیں کر سکتا۔''

''تو پھر کل تم گھر واپس چلے جاؤ۔'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

''خیر دیکھا جائے گا۔'' حمید نے کہا۔ ''آپ اپنا پروگرام بتایئے۔''

''بس صرف اتنی سی بات کہ ہمیں ان لوگوں کے ساتھ چلنا ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''محض اس مورتی کا راز جاننے کے لئے۔''

''ہاں.....؟''

''لیکن یہ کوئی عقل مندی کی حرکت نہ ہوگی۔'' حمید نے کہا۔ ''یہ تو وہی مثل ہوئی کہ شکاری ڈھونڈیں اور بے وقوف ساتھ پھریں۔''

''فی الحال اسے بے وقوفی ہی سمجھ لیں۔'' فریدی نے کہا۔ ''میں مکمل ارادہ کر چکا ہوں۔''

''اور اگر راستے میں آرتھر یا جولیا نے ہمیں پہچان لیا تو شامت ہی آ جائے گی۔''

''تم مطمئن رہو..... اس کی نوبت نہ آنے پائے گی۔'' فریدی نے کہا۔

''میں تو پانچ سال سے مطمئن بیٹھا ہوں۔''

''اماں تم عجیب آدمی ہو۔'' فریدی جھلا کر بولا۔ ''میں تمہیں مجبور کب کرتا ہوں کہ میرے ساتھ چلو۔''

''تو میں کب کہہ رہا ہوں کہ میں ساتھ نہ چلوں گا۔ لیکن چلنے کا جو طریقہ آپ اختیار کرنے والے ہیں وہ انتہائی تکلیف دہ ہوگا ہر قسم کی دقتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ نہ تو ہمارے پاس قاعدے کے کپڑے ہوں گے اور نہ جوتے۔''

''یار تم واقعی بڑے عیاش ہو۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''ذرا اس زندگی میں بھی تو آ کر دیکھو کہ یہ کتنی پر لطف ہے۔''

''خیر صاحب..... چھوڑیئے۔'' حمید نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔ اب نیند آ رہی ہے۔

''شب بخیر۔''

روانگی

فریدی اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ حمید اور وہ جارج قافلے کے بار برداروں کی ٹولی میں شامل کر لئے گئے۔ فریدی نے دو خچر خرید لئے تھے اگر وہ ایسا نہ کرتا تو شاید حمید کی ہمت نہ پڑتی ڈیڑھ سو میل کا پیدل سفر آسان کام نہیں اور پھر ایسے لوگوں کے لئے جن کی زندگی میں مشقت سے دور گزری ہو۔

تیسرے دن یہ کارواں جو پچپن آدمیوں پر مشتمل تھا مشرق کی طرف روانہ ہو گیا۔ ان کے ساتھ بیس خچر بھی تھے جن پر چھوٹے چھوٹے خیمے اور دوسرا سامان لدا ہوا تھا۔ فریدی اور حمید کے خچروں پر بہت تھوڑا سامان تھا اس لئے وہ کبھی کبھی بیٹھ بھی لیتے تھے۔ حمید کو فریدی پر حیرت ہو رہی تھی کہ اس نے کتنی آسانی سے پہاڑی مزدوروں کی زندگی بسر کرنی شروع کر دی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کی پرورش اسی ماحول میں ہوئی ہو۔ وہی چال ڈھال..... وہی وحشیانہ انداز گفتگو۔ ویسی ہی جفاکشی۔ وہ ہمیشہ نہایت عمدہ اور آرام دہ جوتے استعمال کرتا تھا اس وقت اتنی آسانی کے ساتھ پتھریلی زمین پر ننگے پیر چل رہا تھا جیسے اس نے کبھی جوتے پہنے ہی نہ ہوں۔

حمید کا دم گھٹ رہا تھا کیونکہ اس کی قینچی کی طرح چلنے والی زبان روک دی گئی تھی۔ فریدی کی اسکیم کے مطابق وہ ایک گونگے کی حیثیت سے پارٹی میں شامل ہوا تھا۔ فریدی جب اس سے اشاروں میں بات کرتا تو اسے بے ساختہ ہنسی آ جاتی اور فریدی اسے بُری طرح گھورنے لگتا۔

فریدی نے کچھ اتنا گھناؤنا بھیس بدلا تھا کہ بعض اوقات تو حمید کا جی مالش ہونے لگتا۔ وہ بک ادھیڑ عمر کے پہاڑی مزدور کے بھیس میں تھا۔ اس کے منہ سے ہر وقت رال بہہ بہہ کر ٹھوڑی سے ٹپکتی رہتی تھی۔ جسے وہ نہایت لاپروائی سے پھٹی ہوئی قمیض کی آستینوں سے پونچھ لیتا تھا۔

اس وقت وہ ایک خچر کی باگ ڈور تھامے ایک موٹے سے بانس کا ڈنڈا ٹیکتا لنگڑاتا ہوا ہموار راستے طے کر رہا تھا۔ قافلے کی رفتار آہستہ آہستہ سست ہوتی جا رہی تھی۔ قافلے کا راہبر کیپٹن آرتھر ڈیرا ڈالنے کے لئے کسی مناسب جگہ کی تلاش میں تھا۔ غالباً وہ سورج غروب ہونے سے پہلے ہی خیمے نصب کرا دینا چاہتا تھا۔

شام کی سرد ہوتی ہوئی سرخی مائل دھوپ پہاڑیوں پر پھیلی ہوئی تھی۔ ہر طرف ایک پراسرار سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ایسا سناٹا جو پتھریلی زمین پر خچروں کی ٹاپوں کی آواز کے باوجود بھی برقرار تھا۔ کبھی کسی پہاڑی عقاب کی تیز آواز دور تک لہراتی چلی جاتی۔

آرتھر جولیا اور جارج قافلے اپنے اپنے خچروں سے اتر پڑے۔ کارواں رک گیا۔ ایک گھنٹہ کے بعد ویران چٹانوں کے درمیان کافی چہل پہل نظر آنے لگی۔ خیمے نصب کر دیئے گئے۔ جا بجا

آگ جلادی گئی۔ دھندلکا تاریکی میں تبدیل ہو چکا تھا۔ مغربی افق میں شوخ رنگوں کے لہریئے سیاہی کے غبار میں دب کر آہستہ آہستہ دھندلے ہوتے جا رہے تھے۔

آرتھر مزدوروں کو رات کے کھانے کے لئے چاول اور خشک مچھلیاں بانٹتا پھر رہا تھا۔ کسی جگہ رک کر مزدوروں کو کچھ ہدایات بھی دینے لگتا تھا۔ وہ پہاڑی زبان بخوبی بول سکتا تھا۔ اس نے شاید ادھر کی زبانیں اسی وقت سیکھی تھیں جب وہ پہاڑی جنگلات کا افسر تھا۔ اس کے برخلاف جارج فنلے اور جولیا مشرقی زبانوں سے بالکل ناواقف تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ انہوں نے آرتھر کو اپنا راہبر بنایا تھا۔

آرتھر جب فریدی کو اتنے ہی چاول دینے لگا جتنے کہ اس نے دوسروں کو دیئے تھے تو فریدی اس سے الجھ پڑا۔

''بھلا صاحب اتنے میں میرا کیا ہوگا۔'' فریدی نے کہا۔

''کیا یہ کم ہے۔'' آرتھر تیز لہجے میں بولا۔

''بہت کم.....!''

''اتنے ہی میں نے سب کو دیئے ہیں۔'' آرتھر نے کہا۔

''صاحب میں ان سب سے زیادہ کام کر سکتا ہوں۔'' فریدی بولا۔

''کیا کام کر سکتے ہو۔''

''بڑی بڑی چٹانیں لڑھکا سکتا ہوں۔ جنگلی جانوروں سے لڑ سکتا ہوں۔ ہاتھیوں کے سونڈ اکھاڑ سکتا ہوں۔ میں شیر کا بیٹا ہوں۔'' فریدی نے اپنی چھاتی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا اور پھر دوسرے مزدوروں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ''ان جوانوں میں سے مجھے کوئی نہیں اٹھا سکتا۔ ان میں سے ہر ایک کو اپنے ایک ہاتھ پر اٹھا کر کم از کم ایک میل تک لے جا سکتا ہوں۔''

''اوہو بڑے بہادر ہو تم.....''

''جی صاحب۔''

فریدی کے قریب ہی ایک قوی ہیکل نوجوان پہاڑی مزدور کھڑا اس کی ڈینگیں سن رہا تھا۔ اسے بے اختیار ہنسی آ گئی۔

''تو کیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں میرے بیٹے۔'' فریدی اس کی طرف مڑ کر آستین سے اپنی رال پونچھتا ہوا بولا۔

''نہیں تم بالکل سچ کہہ رہے ہو۔'' وہ ہنس کر بولا۔ ''صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ ہم لوگوں سے زیادہ پیٹو ہو۔''

''دیکھو میرے بچے تم ابھی مجھے نہیں جانتے۔'' فریدی نے کہا۔ ''تمہیں شاید اپنے تن و نوش پر گھمنڈ ہے۔ ذرا میرا پنجہ ہی موڑ دو۔'' فریدی نے اپنا پنجہ اس کی طرف بڑھا دیا۔ آرتھر دونوں کو دلچسپی سے دیکھنے لگا۔

نوجوان نے فریدی کی انگلیوں میں اپنی انگلیاں پھنسائیں اور زور کرنے لگا۔ لیکن موڑنا تو درکنار فریدی کے ہاتھ میں جنبش تک نہ ہوئی۔

''بس کر میرے بچے۔'' فریدی نے تھوڑے دیر کے بعد کہا۔ ''مجھے تیری طاقت کا اعتراف ہے، لیکن یہ پنجہ لوہے کا ہے۔''

نوجوان مزدور نے اپنا ہاتھ چھوڑ دیا اور کھسیانی ہنسی ہنستا ہوا دوسری طرف چلا گیا۔

''واقعی تم کافی طاقت ور ہو۔'' آرتھر نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔ ''اچھا یہ لو اپنے چاول اور.....اب تو خوش ہو۔''

''خدا صاحب کا بھلا کرے۔''

''گونگا تمہارا لڑکا ہے۔'' آرتھر نے پوچھا۔

''میرا بھائی ہے صاحب۔''

''اس کا چاول اسے دیا جائے گا۔''

''ہاں صاحب۔''

آرتھر آگے بڑھ گیا۔

حمید لکڑیاں سلگا رہا تھا۔ آگ پھونکتے پھونکتے اس کے آنسو بہہ چلے تھے۔ آگ تھی کہ جلنے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔ فریدی مسکراتا ہوا اس کے پاس پہنچا۔

''کیوں میاں حمید، خیریت تو ہے۔'' فریدی اس کے پاس بیٹھ کر آہستہ سے بولا۔

''دیکھئے آپ خواہ مخواہ مجھے تاؤ نہ دلایئے۔'' حمید نے جواب دیا۔

''یار تم بہت کمزور دل کے آدمی ہو۔''

''اب اس سفر میں میرا زندہ رہنا محال ہے۔'' حمید بولا۔

''کیوں.....؟''

''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔'' حمید نے بے بسی سے کہا ''کہاں ہماری زندگی اور کہاں یہ پتھریلی چٹانیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر مجھے چائے نصیب نہ ہوئی تو میرا مرجانا یقینی ہے۔ درد سے سر پھٹا جارہا ہے۔''

''گھبراتے کیوں ہو پیارے۔ بہت جلد تمہاری چائے کا بھی انتظام ہوجائے گا۔'' فریدی نے کہا۔ ''بہت جلد یہ لوگ مجھ میں دلچسپی لینے پر مجبور ہوجائیں گے۔''

''بس بیٹھے ہوائی قلعے بنایا کیجئے۔'' حمید جل کر بولا۔

''سن رہے ہو..... بخدا جولیا کی آواز میں بڑی مٹھاس ہے۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

''ہوگی سالی۔'' حمید جھنجھلا کر بولا۔

''تمہاری جمالیاتی حس کہاں مرگئی حمید؟''

''دیکھئے میں اس وقت باتیں کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔''

''خیر خدا کا شکر ہے کہ میں نے زندگی میں ایک بار تمہارے منہ سے یہ جملہ سن لیا۔ فریدی نے ہنس کر کہا۔ ''خدا تمہاری قینچی کی طرح چلنے والی زبان کی مغفرت کرے۔ آمین۔''

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے فریدی کے اور اپنے چاول ایک بڑے سے تسلے میں ڈال کر آگ پر چڑھا دیئے تھے۔

''یار اس طرح ہمت نہ ہارو، دیکھو بہت جلد ہم لوگ اس پارٹی میں کوئی نمایاں جگہ حاصل کرلیں گے۔''

''اتنی نمایاں کہ شاید انہیں ہم کو اپنے کاندھوں پر اٹھانا پڑے۔''

''پھر وہی عورتوں کی سی باتیں۔''

ابھی ان دونوں میں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک قوی ہیکل مزدور ان کے پاس آکر کھڑا

ہوگیا۔

''سنا ہے..... بڑے طاقتور ہو.....!'' وہ فریدی کی طرف دیکھ کر طنزیہ انداز میں بولا۔

''جا بھائی جا اپنا کام کر..... مجھے چاول ابالنے ہیں۔'' فریدی لاپروائی سے بولا۔

''مجھ سے کشتی لڑو گے۔'' پہاڑی مزدور اکڑ کر بولا۔

''نہیں بھائی میں بہت کمزور ہوں، جا میرا دماغ نہ چاٹ۔'' فریدی نے کہا اور جلتی ہوئی لکڑیوں کو ہلانے جلانے لگا۔

''لے یار تو تو بڑا بودا نکلا۔'' پہاڑی ہنس کر بولا۔

''آخر تو چاہتا کیا ہے۔'' فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''کشتی.....!''

''اچھا چل پہلے صاحب سے پوچھ لیں، لیکن پھر تجھے لڑنا ہی پڑے گا۔'' فریدی نے کہا۔

دونوں آرتھر کے خیمے کے سامنے آئے، خیمے میں جولیا، آرتھر اور جارج فنلے بیٹھے ہوئے پائے پی رہے تھے۔

''کیا ہے؟'' آرتھر فریدی کو خیمے کے سامنے کھڑا دیکھ کر بولا۔

''صاحب میں اجازت لینے آیا ہوں۔''

''کس بات کی۔''

''یہ مجھ سے کشتی لڑنا چاہتا ہے۔'' فریدی نے مزدور کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

آرتھر ہنسنے لگا پھر اس نے جارج فنلے کو فریدی کی شیخیوں کے متعلق بتانا شروع کیا۔

''لیکن بہت گندا آدمی ہے۔'' جولیا ہونٹ سکوڑ کر بولی۔ ''دیکھو رال کس بُری طرح بہہ رہی ہے۔ لیکن میں ان کی لڑائی دیکھنا چاہتی ہوں۔''

آرتھر نے انہیں اجازت دے دی۔ جولیا اور جارج فنلے بھی خیمے سے باہر نکل آئے۔

فریدی اور مزدور ایک دوسرے پر پل پڑے۔ تھوڑی دیر بعد مزدور ہانپنے لگا۔

''دیکھ بیٹا۔'' فریدی نے کہا۔ ''تو ابھی تک مجھے نہیں اکھاڑ پایا ہے..... اب سنبھل میں تجھے اکھاڑتا ہوں۔'' فریدی نے کہا۔ فریدی نے زور کرکے اٹھایا اور اپنے سر سے بلند کرکے

بولا۔ ''بول کدھر پھینکوں۔'' لیکن پھر آہستہ سے سامنے زمین پر کھڑا کر دیا۔

''جا بھاگ جا.....جا کر اپنے چاول ابال بڑے بوڑھوں کے منہ نہیں لگا کرتے شاباش.....!'' فریدی نے کہا۔

دور کھڑے ہوئے مزدوروں نے ہنسنا شروع کر دیا اور شکست خوردہ مزدور خود ہی کھسیانی ہنسی ہنستا ہوا بولا۔ ''مان گیا بابا واقعی تو استاد ہے'' اور پھر وہ ماتھے سے پسینہ پونچھتا ہوا اپنی ٹولی میں جا ملا۔

''واقعی بہت طاقت ور ہے۔'' جارج فنلے نے آرتھر سے کہا۔

''مگر بہت گندا مجھے تو بہت گھن آتی ہے۔'' جولیا بولی اور فریدی دل ہی دل میں مسکرانے لگا۔

''صاحب بولتے ہیں تم بہت طاقت ور ہو'' آرتھر نے فریدی سے کہا۔ ''لیکن میم صاحب تم کو گندا کہتی ہیں۔ تمہارے منہ سے رال بہتی ہے۔''

''صاحب میرے منہ میں چھالے ہیں، جب وہ اچھے ہو جائیں گے تو رال خود بخود بند ہو جائے گی۔''

''اوہ.....اچھا ہم تمہیں چھالوں کی دوا دیں گے۔'' آرتھر نے کہا۔

''لیکن صاحب اب میری طاقت بہت گھٹ جائے گی اور شاید میرا بھائی تو مر ہی جائے۔''

''کیوں.....؟'' آرتھر نے پوچھا۔

''ہم دونوں چائے کے عادی ہیں۔ بھلا ہمیں چائے یہاں کہاں سے ملے گی۔'' فریدی نے کہا۔

''ہم تمہیں چائے دیں گے، جاؤ اپنا برتن لاؤ۔'' آرتھر نے کہا۔

''صاحب کا بہت بہت شکریہ۔'' فریدی نے کہا۔ ''آپ بھی نکولس صاحب کی طرح نیک اور رحم دل آدمی ہیں۔''

''کون نکولس صاحب۔'' آرتھر نے پوچھا۔

''ارے آپ نے نکولس صاحب کا نام نہیں سنا۔'' فریدی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''میجر یو ایم نکولس افریقہ کے مشہور شکاری۔''

''تم انہیں کیا جانو.....!'' آرتھر نے متعجبانہ لہجے میں پوچھا۔

''ارے بھلا مجھ سے زیادہ انہیں کون جانے گا۔'' فریدی نے کہا۔ ''میں نے تین سال تک ان کے ساتھ افریقہ کے کالے جنگلوں کی خاک چھانی ہے۔''

آرتھر ہنسنے لگا جارج فنلے نے اس سے ہنسی کی وجہ پوچھی۔ ''یہ کہہ رہا ہے کہ میجر نکولس کے ساتھ افریقہ میں رہ چکا ہے۔''

''ممکن ہے۔'' جارج فنلے نے کہا۔

''مجھے اب اس پر کچھ شبہ ہو چلا ہے۔'' آرتھر نے کہا۔

''کیوں.....!'' جارج فنلے نے چونک کر پوچھا۔

''کہیں یہ بھی انہیں دیسیوں میں سے نہ ہو جنہوں نے مورتی حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔''

''اوہ.....!'' جارج فنلے نے کہا اور فریدی کو گھورنے لگا۔

''خیر میں اس کا امتحان کئے لیتا ہوں۔'' آرتھر نے کہا اور پھر فریدی کی طرف مڑ کر بولا۔

''نکولس کا مستقل قیام افریقہ میں کہاں تھا۔''

''موموباسہ میں۔'' فریدی نے جواب دیا۔

وہ اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

''افریقہ کی سب سے زیادہ خطرناک چیز کیا ہے؟'' آرتھر نے پوچھا۔

''زہریلی مکھی، سی سی فلائی، جس کے حملے کی خبر تک نہیں ہوتی۔'' فریدی نے کہا۔ ''شاید آپ کو مجھ پر کچھ شبہ ہوا ہے۔ شاید آپ نہیں جانتے ہیں کہ میں اپنے آقاؤں کے لئے جان تک کی بازی لگا دیتا ہوں۔ جھوٹ کبھی نہیں بولتا۔ مگر صاحب اب وہ قدر داں کہاں، نکولس صاحب مجھے اپنے برابر بٹھاتے تھے۔''

''بھلا میں تم پر کس بات کا شبہ کر سکتا ہوں۔'' آرتھر نے اچانک پوچھا۔

''یہی کہ میں آپ کو اپنے جھوٹے کارناموں کے قصے سنا کر آپ کا اعتماد حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ محض اس لئے کہ کسی دن موقعہ پا کر آپ لوگوں کو لوٹ لوں۔'' فریدی نے کہا۔

''تم غلط سمجھے۔'' آرتھر ہنس کر بولا۔ ''میں صرف اتنا جاننا چاہتا تھا کہ تم واقعی کام کے آدمی

ہو یا نہیں۔"

"خیر صاحب یہ تو وقت پر ہی معلوم ہو سکے گا۔" فریدی نے کہا۔

"تم اس سے پہلے بھی کبھی مشرق کی طرف سفر کر چکے ہو۔" آرتھر نے پوچھا۔

"صرف ایک بار۔" فریدی نے کہا۔ "اور وہ واقعہ بھی بڑا دلچسپ ہے کہ ایک بار آپ ہی کی طرح ایک صاحب نے رام گڑھ میں بہت سے مزدوروں کو اکٹھا کیا تھا اور وہ بھی اسی طرف آئے تھے، لیکن کچھ دور چلنے کے بعد وہ اچانک لوٹ پڑے تھے۔ ان کی کوئی چیز چوری ہو گئی تھی۔ اس کا انہیں اتنا دکھ ہوا کہ وہ آگے نہ جا سکے۔"

"کیا چیز چوری ہو گئی تھی۔"

"یہ انہوں نے نہیں بتایا۔"

"ہوں.....!" آرتھر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "وہ کہاں جانا چاہتے تھے۔"

"دریائے تامتی کے کنارے۔" فریدی نے کہا۔ "وہ دوسرے کنارے پر جانا چاہتے تھے لیکن ارادہ تھا کہ وہ مزدوروں کو ادھر ہی سے رخصت کر دیں گے۔"

"اوہ.....!"

آرتھر جارج فنلے کی طرف مڑا اور اپنی اور فریدی کی گفتگو کے متعلق انگریزی میں بتانے لگا۔

"ان باتوں سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ مورتی کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔" جولیا بولی۔ "اگر ایسا ہوتا تو وہ اس کا تذکرہ ہی نہ کرتا۔"

"ہاں میرا بھی یہی خیال ہے۔" آرتھر نے کہا۔ پھر وہ فریدی کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر پہاڑی زبان میں بولا۔ "جاؤ جاؤ اپنا برتن لاؤ..... تم ہر وقت یہاں سے چائے لے سکتے ہو اور رات کو سوتے وقت میرے پاس آنا میں تمہارے چھالوں میں دوا لگا دوں گا۔"

تھوڑی دیر بعد حمید اور فریدی آگ کے پاس بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

"کیوں برخوردار.....!" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "کہو کیسی رہی۔"

"بہت اچھی۔" حمید بے زاری سے بولا اور چاول کے تسلے کو آگ پر سے اتارنے لگا۔

"ابھی کیا ہے میں اس سے بھی زیادہ آرام پہنچانے کی کوشش ..... اور کہو تو جولیا سے

تمہاری شادی کرا دوں۔"

"بس جناب کی عنایت کا شکریہ۔" حمید نے کہا۔ "اس وقت تو مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے میرے باپ کی بھی کبھی شادی نہ ہوئی ہو۔"

حمید کی شامت

سورج طلوع ہوتے ہی پھر سفر شروع ہو گیا۔ خیمے اکھاڑ کر خچروں پر بار کر دیئے گئے۔ جن مزدوروں کے پاس خچر تھے وہ ان پر سامان لادنے کے بعد خود بھی بیٹھ گئے۔ بقیہ لوگ اپنے سروں پر کچھ نہ کچھ اٹھائے ہوئے پیدل چل رہے تھے، جولیا اور جارج فنلے خچروں پر سوار آگے آگے چل رہے تھے۔

اس وقت قافلہ بلندی سے ایک پرفضا وادی میں اتر رہا تھا۔ خشک پہاڑوں کا سلسلہ ختم ہو چکا تھا۔ چاروں طرف ہری بھری پہاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ نیچے وادی میں چھوٹی سی پہاڑی ندی ننھے ننھے قطرے اچھالتی ہوئی تیز رفتاری سے بہہ رہی تھی۔ سناٹے میں پانی کی آواز ایسی معلوم ہو رہی تھی جیسے خوفناک دھندلکوں میں ستار کی مدہم سی جھنکار..... حمید کی رومان پسند طبیعت گنگنانے کے لئے بے قرار ہو گئی۔ لیکن وہ تو گونگا تھا۔ وہ جھنجھلا گیا۔ اس کا دل چاہا اپنے خچر کے دونوں کان اکھاڑ ڈالے۔ فریدی دور تھا ورنہ وہ اسے ایک آدھ بار کھا جانے والی نظروں سے ضرور گھورتا۔ اس کا خچر جولیا کے پیچھے تھا۔ جولیا کے سنہرے بالوں کے نیچے سرخ و سپید گردن جس کے درمیان میں ایک لطیف سی سلوٹ تھی۔ حمید کے دل میں گدگدیاں پیدا کر رہی تھی۔ کاش وہ بول سکتا جولیا کافی خوب صورت تھی۔ اس کی گہری نیلی آنکھیں دو پہاڑیوں کے درمیان خلاء سے دکھائی دینے والے آسمان کی طرح پرکشش اور روح کو ایک انجانی دنیا میں کھینچ لے جانے والی

تھیں۔ آنکھوں اور چہروں میں دوسری دلآویز چیز اوپری ہونٹ کی ہلکی سنہری روئیدگی تھی اور جب اس میں پسینے کی ننھی ننھی بوندیں بھی شامل ہو جاتیں تو وہ اور زیادہ حسین دکھائی دینے لگتی۔ دن بھر کی مسافت طے کرنے کے بعد جب وہ چائے کا پہلا گھونٹ لیتی تو اس کی آنکھوں میں نشہ سا جھلکنے لگتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سارے جسم کی تھکن اس کے چہرے پر ایک غم آلود نرماہٹ بن کر پھیل گئی ہو۔ حمید غیر ارادی طور پر اس کے فریب رہنے کی کوشش کرتا تھا۔ وہ سوچتا کاش وہ اس حالت میں رہنے پر مجبور نہ ہوتا۔ کاش وہ بول سکتا۔

کارواں وادی میں اتر آیا تھا، آگے بڑھنے سے پہلے ندی پار کرنی ضروری تھی۔

''ندی زیادہ گہری نہیں ہے۔'' آرتھر نے جارج فنلے سے کہا۔ ''ہم لوگ آسانی سے گزر جائیں گے۔ میں اس علاقے میں کچھ دن رہ چکا ہوں۔''

جارج فنلے نے بھی اپنا خچر پانی میں اتار دیا۔

تھوڑی دیر بعد پورا قافلہ ندی پار کر گیا۔ سامنے دور تک ہرا بھرا میدان پھیلا ہوا تھا۔

''دوسری چڑھائی ذرا تکلیف دہ ہوگی۔'' آرتھر نے جارج فنلے سے کہا۔

''کیوں.....؟''

''وہاں ہمیں خود ہی راستے بنانے پڑیں گے لیکن یہ دقت زیادہ دور تک قائم نہیں رہے گی۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ ہمیں اس کے لئے دو تین دن پہلے ہی اپنی پچھلی تھکن دور کرنی پڑے گی۔''

''ہوں.....!'' جارج فنلے نے کہا اور سگریٹ سلگانے لگا۔

''آگے ایک گاؤں ہے وہاں ہم دو تین دن ٹھہر جائیں گے لیکن ہم لوگوں کو کافی محتاط رہنا پڑے گا کیونکہ اب ہمیں ایسے لوگوں سے دوچار ہونا ہے جو قطعی وحشی ہیں۔''

''اگر انہوں نے ہمیں گاؤں میں داخل نہ ہونے دیا تو.....!'' جارج فنلے نے کہا۔

''ایسا نہیں ہو سکتا۔ جنگلیوں کا سردار مجھے اچھی طرح جانتا ہے۔ میں نے ایک حادثے میں اس کی جان بچائی تھی۔'' آرتھر نے کہا۔ ''یہ بھی یاد رکھئے کہ یہ جنگلی احسان فراموش نہیں ہوتے۔''

''مجھے تو انہیں دیکھ کر خوف آئے گا۔'' جولیا اٹھلا کر بولی اور حمید ہزار جان سے قربان ہوتے ہوئے بچا کیونکہ اچانک اس کے خچر نے ٹھوکر کھائی اور وہ سنبھل نہ جاتا تو سر کے بل زمین

پر آ رہا تھا۔

قافلہ جیسے ہی گاؤں میں داخل ہوا جنگلی اپنے اپنے جھونپڑوں سے نکل آئے۔ ان کے ہاتھ میں بڑے بڑے نیزے تھے ان کی ڈراؤنی شکلیں دیکھ کر جولیا کی چیخیں نکل گئیں۔

''کوئی ان سے بولے نہیں۔'' آرتھر نے پلٹ کر پہاڑی مزدوروں سے کہا۔

''کارواں رک گیا۔ ہر آدمی کے سر پر دو دو جنگلی مسلط تھے۔

آرتھر نے چیخ کر جنگلیوں سے کچھ کہا۔ ان میں ایک آدمی آگے بڑھا اور اس نے آرتھر کا بازو پکڑ کر اسے بقیہ لوگوں سے الگ کر لیا وہ دونوں ایک طرف چلنے لگے۔

''گھبرانے کی بات نہیں، میں ان کے سردار کے پاس جا رہا ہوں۔''

آرتھر نے جارج فنلے سے کہا۔ وہ جنگلی آرتھر کو ایک بڑے جھونپڑے کے باہر چھوڑ کر خود اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا اس کے ساتھ ایک آدمی اور تھا جس نے بے شمار بھدے زیورات پہن رکھے تھے اور اس کا منڈا ہوا سر پیلے رنگ سے رنگا ہوا تھا۔ آرتھر کو دیکھتے ہی وہ ہنس پڑا۔ آرتھر نے اس کے قریب پہنچ کر مکا تانا جسے وہ بوسہ دے کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ پھر اس نے مکا تانا اور آرتھر اسے بوسہ دے کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

پھر دونوں نے زمین پر دوزانو بیٹھ کر آہستہ آہستہ تین بار اپنے سر ایک دوسرے سے ٹکرائے۔ غالباً یہ ان کا معانقہ تھا۔ وہ شخص جو آرتھر کو لایا تھا سردار کا اشارہ پا کر آرتھر کے سامنے اچھلنے کودنے لگا۔ اس نے آرتھر کے گرد تین چکر لگائے اور اس کا داہنا ہاتھ چوم کر زمین پر بیٹھ گیا۔

پھر سردار نے اس سے کچھ کہا اور وہ اٹھ کر اس طرف چلا گیا جدھر جارج فنلے وغیرہ کھڑے تھے۔

تھوڑی دیر بعد خچروں پر سے سامان اتارا جانے لگا۔ پرانی شناسائی کی بناء پر جنگلیوں کے سردار نے آرتھر کو وہاں قیام کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ جولیا بُری طرح خائف تھی۔ اگر کسی جنگلی سے اس کی آنکھیں چار ہو جاتیں تو وہ خوف سے لرزنے لگتی تھی، ایک بار خیمے میں جانے کے بعد وہ پھر باہر نہیں نکلی۔ فریدی اور حمید ایک خیمے کی رسیاں تان رہے تھے۔ حمید پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔

''کیوں حمید صاحب..... ان جنگلی عورتوں میں سے کوئی پسند آئی۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔

''ارے یہ عورتیں ہیں۔ اگر یہ عورتیں ہیں تو میں لفظ عورت پر سو بار لعنت بھیجتا ہوں۔''

''لیکن گھبراؤ نہیں صاحب زادے..... بہت جلد ان میں سے کوئی ایک تمہارے لئے سوہان روح بننے والی ہے۔'' فریدی نے ہنس کر کہا۔

''کیا مطلب.....؟'' حمید چونک کر بولا۔

''تم اس قوم کی عجیب وغریب مہمان نوازی سے واقف نہیں ہو۔'' فریدی نے کہا۔ ''آج رات تمہیں کسی نہ کسی عورت کے ساتھ ناچنا پڑے گا۔''

''دیکھئے میں خودکشی کرلوں گا۔'' حمید نے جھلا کر کہا۔

''میرے خیال میں خودکشی سے زیادہ آسان تو وہ ناچ رہے گا۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

''دیکھئے..... میں آپ سے.....!''

''چپ چپ۔ آرتھر آرہا ہے۔'' فریدی نے کہا۔

آرتھر ان کے پاس آکر کھڑا ہوگیا۔

''کہو تم ان جنگلیوں سے خائف تو نہیں ہو۔'' آرتھر نے فریدی سے ہنس کر پوچھا۔

''بالکل نہیں..... بھلا ان میں خوف زدہ کرنے والی کیا بات ہے۔'' فریدی نے جواب دیا۔

''کیا تمہارا وہ انگریز شکاری ادھر ہی سے گزرا تھا.....؟''

''نہیں..... دوسری طرف سے۔'' فریدی نے کہا۔ ''ہمیں وہ پہاڑی ندی نہیں پار کرنی پڑی تھی۔''

''اس قبیلے کا سردار میرا دوست ہے۔'' آرتھر نے کہا۔

''لیکن گوٹا قوم قابل اعتبار نہیں ہے۔'' فریدی بولا۔

''تمہیں کیا معلوم.....!'' آرتھر چونک کر بولا۔ ''تم شاید ادھر کبھی آئے ہی نہیں۔''

''یہ میں نے اپنے باپ کی زبانی سنا تھا۔'' فریدی نے جواب دیا۔

''نہیں..... ایسا نہیں ہے۔''

''بتا دینا میرا کام تھا آگے آپ کو اختیار ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''خصوصاً ایسی صورت میں کہ آپ کے ساتھ ایک جوان لڑکی ہے۔ آپ کا محتاط رہنا ضروری ہے۔''

''بکواس ہے۔'' آرتھر نے ناخوشگوار لہجہ میں کہا اور آگے بڑھ گیا۔

فریدی پھر خیمہ درست کرنے میں مشغول ہوگیا۔

خیمے نصب ہو چکے تھے۔ جارج فنلے وغیرہ آرام کرنے لگے۔ مزدوروں نے کھانا پکانا شروع کردیا۔ جنگلیوں کے ننگ دھڑنگ بچے کھانے کے لالچ میں مزدوروں کے گرد اکٹھا ہوگئے۔ آرتھر سردار کے جھونپڑے میں چلا گیا۔ کثیف اور میلی عورتیں پہاڑی مزدوروں کو گھور گھور کر دیکھ رہی تھیں۔ فریدی اور حمید ایک جگہ بیٹھے اپنے چاول ابال رہے تھے۔ فریدی آرتھر سے کچھ ڈبل روٹیاں مانگ لایا تھا جنہیں وہ ایک بڑے سے تسلے میں بھگوئے ہوئے تھا۔

حمید جنگلی عورتوں میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لے رہا تھا۔ ان میں کئی جوان تھیں جنہیں اپنے تصور میں نہلا دھلا کر جدید طرز کے کپڑے پہنا رہا تھا۔

''اس لڑکی کو دیکھ رہے ہیں آپ۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔

''کیوں کیا ارادہ ہے۔''

''کچھ نہیں..... میں نے کہا اگر اسے قاعدے کے کپڑے پہنا دیئے جائیں تو کیسی لگے۔'' حمید نے کہا۔

''ذرا ہوش میں آیئے..... مزدور ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ عورتوں کو دیکھ کر یہ نہ بھول جایئے کہ آپ گونگے ہیں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

حمید خاموش ہوگیا لیکن اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا۔

دفعتاً عورتوں اور بچوں نے شور مچانا شروع کردیا۔ حمید اور فریدی چونک پڑے۔ سامنے قوی الجثہ اور سیاہ فام عورت کھڑی بچوں کو منہ چڑا رہی تھی۔ کبھی کبھی وہ قہقہہ مار کر ہنسنے بھی لگتی تھی۔ وہ ایک خارش زدہ کتیا کو گود میں اٹھائے پاگلوں کی طرح اچھلنے کودنے لگی۔ بچوں نے اس پر جھپٹنے شروع کردیئے۔ بچوں کی مائیں جھونپڑوں سے نکل آئیں اور اپنے اپنے بچوں کو الگ کرنے لگیں۔ شاید یہ عورت پاگل تھی۔ بچوں کے جاتے ہی وہ زمین پر بیٹھ کر خارش زدہ کتے کو

پیار کرنے لگی۔ حمید ہنس رہا تھا۔ وہ دونوں پہاڑی مزدوروں کی ٹولی سے کافی فاصلے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ فریدی یوں بھی حمید کے مصنوعی گونگے پن کی وجہ سے ان لوگوں سے دور ہی رہتا تھا اور اس دوری کی دوسری وجہ یہ تھی کہ پہاڑی مزدور فریدی سے جلنے لگے تھے، کیونکہ اسے آقاؤں کی طرف سے خاص مراعات حاصل تھیں۔

پاگل عورت حمید کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ دفعتاً اس نے کتے کو پیار کرتے ہوئے اٹھا کر دور پھینک دیا۔ کتا چیں چیں کر کے بھاگا اور وہ عورت دانت نکال نکال کر اسے مکہ دکھانے لگی۔ حمید زور سے ہنس پڑا۔ عورت چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوگئی اور اس نے بھی جوابی قہقہہ لگایا۔ پھر وہ وہاں سے اٹھ کر فریدی اور حمید کے پاس آ بیٹھی۔ حمید گھبرا کر کھڑا ہوگیا۔

''کیوں حمید صاحب کیا یہ عورت نہیں ہے۔ تشریف رکھئے۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔ عورت حمید کی طرف دیکھ کر ہنسے جارہی تھی اور اب اس نے کچھ بھونڈے قسم کے اشارے کرنے شروع کردیئے تھے۔

''یہ کیا مصیبت آ گئی۔'' حمید جھنجھنایا۔

''مصیبت کیوں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ تم پر ہزار جان سے عاشق ہوگئی ہے۔ چلو تمہاری یہ شکایت تو رفع ہوگئی کہ عورتیں تم پر بہت کم عاشق ہوتی ہیں۔''

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خوفزدہ نظروں سے پاگل عورت کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''اچھا شاید تم تنہائی چاہتے ہو۔'' فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ارے ارے'' کہہ کر حمید نے فریدی کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''بھئی میں تمہارے عشق میں مخل نہیں ہونا چاہتا۔'' فریدی نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

عورت نہ جانے کیا سمجھی ..... پہلے تو وہ کھڑی کچھ دیر تک ان کی کھینچا تانی دیکھتی رہی پھر اچانک حمید پر ٹوٹ پڑی۔

''ارے ارے.....!'' حمید بے بسی سے بولا۔ وہ حمید کو زمین پر گرا کر دبوچ بیٹھی۔ حمید بُری طرح چیخ رہا تھا۔ ایک خوفزدہ پرندے کی طرح جسے کسی عقاب نے دبالیا ہو۔ فریدی اسے

اٹھانے کی کوشش کرنے لگا لیکن اس نے فریدی کے ہاتھ میں کئی جگہ دانت سے کاٹ لیا۔ اپنے تیز اور نوکیلے ناخنوں سے اس کا منہ نوچ لیا۔ حمید بدستور چیخے جارہا تھا۔ پہاڑی مزدور دور کھڑے ہنس رہے تھے۔ بدقت تمام فریدی نے اس عورت کو الگ ہٹایا اور حمید اٹھ کر بھاگا اب وہ حمید کو چھوڑ کر فریدی کی طرف پلٹ پڑی تھی۔ شور سن کر دو تین جنگلی آ گئے۔ انہوں نے اس عورت کو بازوؤں کی انیاں چبھا کر وہاں سے بھگا دیا۔

حمید ناک کی سیدھ میں بے تحاشہ دوڑا جارہا تھا۔ فریدی بھی اس کے پیچھے دوڑنے لگا۔ بڑی مشکل تمام وہ اسے پکڑنے میں کامیاب ہوگیا۔

''میں سمجھا..... سمجھا..... شش..... شاید..... وہ ہے۔'' حمید ہانپتا ہوا بولا۔

فریدی نے اسے زمین پر بٹھا دیا..... وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

''میں اب..... میں اب..... خودکشی کرلوں گا۔'' حمید نے فریدی کو گھورتے ہوئے کہا۔

''ناکامی کے بعد یہی ہوتا ہے۔'' فریدی ہنس کر بولا۔ ''گھبراؤ نہیں..... میں تمہیں کوئی تمہاری دوا منگوا دوں گا۔''

''دیکھئے بس..... میں کسی کا لحاظ نہیں کروں گا۔'' حمید غصے سے بولا۔ اس کی آنکھوں میں بے بسی کے آنسو چھلک آئے تھے۔ فریدی نے اسے زیادہ چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ اسے تسلی دلاسہ دیتا ہوا واپس لے آیا۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ پہاڑی مزدوروں کے سامنے اس کی کافی بے عزتی ہوئی تھی۔ اب وہ اس پر ہنسا کریں گے۔ وہ ان پر کسی قسم کا اظہار بھی نہیں کرسکے گا۔ کیونکہ وہ گونگا تھا۔ لیکن فریدی کو اس کی عقلمندی پر حیرت ہو رہی تھی کہ اس نے بے تحاشہ چیخنے چلانے میں اپنا گونگا پن برقرار رکھا تھا۔

ناچ اور جنگ

فریدی کھانا کھا کر جارج فنلے کے خیمے کی طرف چلا گیا۔ وہاں کئی جنگلی کھڑے تھے۔ ان میں جنگلیوں کا سردار بھی تھا۔ آرتھر اور جارج فنلے اپنے اسلحے لا لا کر ان کے سامنے ڈھیر کر رہے تھے جنہیں ایک قوی ہیکل جوان اکٹھا کر رہا تھا۔ اس نے شیر کی کھال پہن رکھی تھی اور ساتھیوں میں سب سے زیادہ طاقت ور اور تندرست معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے سردار سے کچھ کہا۔ اس کے جواب میں سردار نے سر ہلایا اور آرتھر اسے کچھ کہنے لگا۔ آرتھر نے خیمے کی طرف اشارہ کیا۔ دو تین جنگلی خیمے میں گھس گئے اور بقیہ پہاڑی مزدوروں کے سامان کی تلاشی لینے لگے۔ فریدی متحیر تھا۔ وہ جنگلیوں کی زبان قطعی نہیں سمجھ پایا تھا۔ اس نے آرتھر سے پوچھا۔

''تم بھی انہیں اپنا سامان دکھا دو۔'' آرتھر نے کہا۔ ''بقیہ باتیں اطمینان سے بتاؤں گا۔''

فریدی اپنی بڑی سی گٹھڑی اٹھا لایا جسے وہ راستہ بھر اپنی پیٹھ پر باندھے رہا تھا۔

اس میں کچھ پھٹے پرانے کپڑے تھے اور تمباکو کے پتوں کا ایک بڑا سا بنڈل۔ ایک چھوٹی سی چلم اور دوسری کچھ چھوٹی موٹی چیزیں تھیں۔

تلاشی ختم ہونے کے بعد جنگلیوں نے سارا اسلحہ اٹھایا اور ایک طرف چلے گئے۔ جنگلی سردار آرتھر کو کچھ سمجھا رہا تھا۔

جب وہ چلا گیا تو جولیا آرتھر پر برسنے لگی۔

''تم نے اس پر اعتبار کیوں کر لیا۔'' اس نے کہا۔

''اس لئے کہ ان لوگوں سے اچھی طرح واقف ہوں۔'' آرتھر نے کہا۔

''اگر عقل مندی کا یہی حال رہا تو پہنچ چکے۔'' جولیا بولی۔

''بھئی تم ان معاملات کو نہیں سمجھ سکتیں۔'' آرتھر نے اکتا کر کہا۔

جارج فنلے بھی اپنی بیٹی کو سمجھانے لگا۔

فریدی نے وہاں ٹھہر کر معاملے کی نوعیت سمجھنے کے بجائے یہی مناسب سمجھا کہ اسلحہ لے

جانے والوں کا پیچھا کرے۔

انہوں نے رائفلیں پستول اور کارتوس ایک جھونپڑے میں لے جا کر رکھ دیئے۔ تھوڑی دیر بعد ان میں سے ایک آدمی تھوڑا تھوڑا سامان لے کر چٹانوں کے پیچھے غائب ہونے لگا۔ فریدی چٹانوں میں چھپتا چھپاتا ان کے نزدیک پہنچ گیا۔ وہ چٹانوں کے منہ پر ایک بڑا سا پتھر رکھ کر بیٹھ گئے۔ شیر کی کھال میں ملبوس قوی ہیکل جنگلی شاید انہیں کچھ ہدایات دے رہا تھا۔ تھوڑی دیر رک کر اس نے پھر کچھ کہا اور اس کے ساتھی وحشیانہ انداز میں قہقہے لگانے لگے پھر وہ سب وہاں سے چلے گئے۔ فریدی چٹانوں کی اوٹ سے جھانک جھانک کر انہیں دیکھتا رہا جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے تو فریدی اس غار کے نزدیک آیا اور پتھر ہٹا کر سارا اسلحہ ایک دوسرے غار میں منتقل کر دیا۔ یہ غار بادی النظر میں غار نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کافی اونچی چٹانوں پر چڑھ کر دیکھنے سے تو البتہ اس کا دہانہ نظر آ سکتا تھا لیکن ایسا کوئی کرنے ہی کیوں لگا۔

آرتھر سے استفسار حال پر فریدی کو معلوم ہوا کہ سردار نے مجبوراً ان کے اسلحہ جات لے لئے تھے اور وعدہ کیا تھا کہ ان کی روانگی کے وقت انہیں واپس کر دیئے جائیں گے۔ آرتھر نے سردار کی مجبوری کی ایک لمبی چوڑی داستان سنائی۔ وہ نوجوان جو شیر کی کھال پہنے ہوئے تھا ان سب سے زیادہ طاقت ور تھا۔ وہ ہمیشہ اس تاک میں رہتا تھا کہ کسی طرح قبیلے والوں کو سردار کے خلاف اکسا کر خود سردار بن جائے چنانچہ ان لوگوں کے پہنچتے ہی اس نے قبیلے والوں میں سردار کے خلاف غلط فہمیاں پیدا کرنی شروع کر دیں۔ اس نے لوگوں سے کہا کہ سردار نے انہیں قتل کرا دینے کے لئے سفید آدمیوں کو بلایا ہے۔ جب اس کی خبر سردار کو ہوئی تو اس نے لوگوں کو سمجھانا شروع کر دیا کہ وہ لوگ یہاں مہمان کی حیثیت سے قیام کریں گے اور پھر شیر کی کھال والے نوجوان نے اسلحہ لے لینے کی تجویز پیش کی اور وعدہ کیا کہ ان کی روانگی کے وقت اسلحہ واپس کر دیا جائے گا۔ آرتھر نے بتایا کہ سردار اس نوجوان سے بہت خائف رہتا ہے۔ اس نے قبیلے کے زیادہ تر نوجوانوں کو اپنا ہم خیال بنا لیا ہے، وہ اس کی پشت پناہی میں من مانی حرکتیں کیا کرتے ہیں۔ سردار نے ان سے قسم لے لی ہے کہ وہ اسلحہ واپس کر دیں گے۔''

''مگر صاحب یہ کچھ اچھا نہیں ہوا۔'' فریدی نے کہا۔ ''خدا خیر کرے۔''

''فکر مت کرو سردار ہمیں دھوکا نہیں دے سکتا۔'' آرتھر نے جواب دیا۔

''اگر خود ہی بے چارہ دھوکا کھا گیا ہوتو کیا ہوگا۔'' فریدی نے کہا۔

''ہوگا بھئی جو کچھ دیکھا جائے گا۔'' آرتھر نے اکتا کر کہا۔ اس کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ خود بھی مطمئن نہیں ہے لیکن اس کے علاوہ اب چارہ ہی کیا تھا کہ خاموشی سے بیٹھا جائے۔ خصوصاً جولیا بہت زیادہ خائف تھی اس نے بات بات پر الزامات عائد کرنے شروع کر دیئے تھے۔ آرتھر ان بوچھاڑوں سے گھبرایا ہوا تھا۔

دن گذر گیا تاریکی پھیلتے ہی فریدی ان چٹانوں کے درمیان پہنچ گیا جہاں اس نے غار میں رائفلیں اور دوسرے اسلحہ جات چھپا دیئے تھے۔ ادھر ایک بڑے میدان میں جنگلیوں کا سردار مہمانوں کی ضیافت کا انتظام کر رہا تھا۔ بڑی بڑی مشعلیں روشن تھیں جن میں ۔ینڈی کا تیل جل رہا تھا۔ جس کی سڑاند ہ فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔ جا بجا الاؤ جل رہے تھے جن پر مسلم ہرن بھونے جا رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد آرتھر جولیا اور جارج فنلے بھی اپنے مزدوروں سمیت وہاں پہنچ گئے۔ جولیا خوفزدہ نظر آ رہی تھی۔ اگر آرتھر ضد نہ کرتا تو شاید وہ کبھی اس جگہ نہ جاتی۔

سب وہاں پہنچ گئے تھے لیکن فریدی لاپتہ تھا۔

شام کے کھانے سے فارغ ہو کر ڈھول پیٹے جانے لگے اور پھر قبیلے کی جوان لڑکیاں دائرہ بنا کر ڈھول کی آواز پر ناچنے لگیں۔ جنگلی چیخ چیخ کر گا رہے تھے۔ سردار کے قریب ہی شیر کی کھال والا جوان بیٹھا اپنے بازوؤں کی مچھلیاں اکڑا اکڑا کر دیکھ رہا تھا۔ اکثر وہ جولیا کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ لیتا تھا۔ جولیا بُری طرح لرز رہی تھی۔ دفعتاً وہ جانے کے لئے اٹھی۔ شیر کی کھال والے نے چیخ کر کچھ کہا۔ اس کی آواز سنتے ہی کئی نوجوان ناچتی ہوئی لڑکیوں پر ٹوٹ پڑے اور انہوں نے ان کو پکڑ کر اچھلنا شروع کر دیا۔ جولیا جانے کے لئے مڑی ہی تھی کہ شیر کی کھال والے نے اسے پکڑ لیا اور کھینچ کر ناچنے والوں کی بھیڑ میں لے آیا۔ جولیا کی چیخیں نکل گئیں۔ آرتھر اور جارج فنلے اسے چھڑانے کے لئے آگے بڑھے لیکن ان کے سینوں کے سامنے کئی جنگلی نیزے لے کر آ گئے۔

سردار چیخنے لگا۔ شاید وہ اس حرکت پر اپنی ناراضگی کا اظہار کر رہا تھا۔ شیر کی کھال والے

سردار پر اپنا نیزہ تان لیا..... دونوں میں بہت ہی تیز قسم کی گفتگو ہو رہی تھی۔ ادھر جارج فنلے آرتھر کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔

دفعتاً فریدی بھیڑ کو چیرتا ہوا آرتھر کے قریب پہنچا۔ آرتھر بُری طرح گھبرایا ہوا تھا۔

''کیوں صاحب کیا معاملہ ہے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''تم ٹھیک کہتے تھے، ہمیں دھوکا دیا گیا۔ اس شیطان نے اسی لئے ہمارا اسلحہ لے لینے کی بک شروع کی تھی۔''

''اور سردار کیا کہتا ہے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''وہ بیچارہ بے قصور ہے۔ اس وقت پورا قبیلہ اس شیطان کا طرف دار ہو گیا ہے۔''

''سردار انتہائی کوشش کر رہا ہے کہ وہ جولیا کو چھوڑ دے لیکن وہ لڑنے مرنے پر آمادہ ہے۔''

''وہ آخر کہتا کیا ہے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''ہماری کمزوری سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ ہم لوگ نیزوں اور روں سے نہیں لڑ سکتے اس لئے وہ کہتا ہے کہ جولیا اسی وقت واپس ہو سکتی ہے جب وہ مار ڈالا ے۔ کاش ہمارے پاس رائفلیں ہوتیں۔''

''تو کیا وہ ہم میں سے ایک سے لڑنا چاہتا ہے۔ یا سب کو للکار رہا ہے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''یہ مجھے معلوم نہیں۔''

''سردار سے پوچھئے۔'' فریدی نے کہا۔ ''اگر وہ تنہا لڑ کر اس کا فیصلہ کرنا چاہتا ہو تو میں ہوں۔''

آرتھر سردار سے گفتگو کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد فریدی کی طرف مڑ کر بولا۔

''وہ کہتا ہے کہ اس کی زندگی میں جولیا نہیں واپس ہو سکتی چاہے کوئی اس سے تنہا جنگ ے چاہے مجموعی حیثیت سے۔''

''اچھا اس سے کہہ دیجئے کہ ہمارا ایک آدمی اس سے لڑے گا اور ہاں آپ اپنے خیمے میں ئیے۔ آپ کا سارا اسلحہ وہاں موجود ہے اگر ہماری لڑائی کے دوران میں کوئی دوسرا دخل دے تو ب بے دریغ فائر کرنا شروع کر دیجئے گا۔''

''ہمارا اسلحہ خیمے میں کیسے پہنچا؟'' آرتھر حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

''میں ابھی کچھ نہیں بتا سکتا۔'' فریدی نے کہا۔ ''جلدی کیجئے..... میں اس سے نپٹتا ہوں۔''

آرتھر نے جلدی سے جارج فنلے کو سب کچھ بتا دیا اور پھر سردار کی طرف مخاطب ہوا۔ جولیا اس دوران میں بے ہوش ہوگئی تھی۔ جسے شیر کی کھال والے نے اپنے کاندھے پر ڈال لیا تھا۔ آرتھر سردار سے گفتگو کرنے کے بعد خیمے کی طرف چلا گیا۔ سردار نے ایک نیزہ اور ڈھال فریدی کے سامنے ڈال دی۔

شیر کی کھال والے نے جولیا کو کاندھے سے اتار کر اپنے ساتھیوں کے حوالے کر دیا۔

چند لمحوں کے بعد فریدی اور وہ ایک دوسرے کے سامنے نیزہ تانے کھڑے تھے اور جنگلی بُری طرح کانپ رہا تھا۔ فریدی بھوکے شیر کی طرح اپنے مقابل کو گھور رہا تھا۔ دفعتاً جنگلی نے نیزہ مارا، فریدی نے ڈھال سامنے کر دی اور پینترہ بدل کر جنگلی پر حملہ آور ہوا لیکن اس نے ہوا پھرتی سے وار خالی کر دیا۔ نیزوں کی انیاں ڈھالوں سے ٹکرا ٹکرا کر چھناکے پیدا کر رہی تھیں۔ پندرہ بیس منٹ گزر گئے، لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ آرتھر واپس آ گیا۔ جولیا بھی ہوش میں آ گئی تھی۔ جنگلی کے حملوں کی رفتار سست ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے نوجوان ساتھی چیخ چیخ کر شاید اسے ہمت دلا رہے تھے۔ جنگلیوں کا سردار بڑی توجہ اور دلچسپی سے اس جنگ کو دیکھ رہا تھا۔ جیسے جیسے شیر کی کھال والے کی سستی بڑھتی جا رہی تھی سردار کے چہرے پر تازگی کے آثار گہرے ہوتے جا رہے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ فریدی کی کامیابی کا متمنی ہو۔ دفعتاً شیر کی کھال والے نے جھلا کر نیزہ فریدی کو دے مارا۔ فریدی پھرتی سے بیٹھ گیا اور نیزہ سنسناتا ہوا اس پر سے نکل گیا۔ اچانک ایک چیخ سنائی دی نیزہ دوسری طرف کھڑے ہوئے ایک جنگلی کے سینے میں پیوست ہو گیا تھا۔ فریدی ابھی سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ شیر کی کھال والا اچھل کر اس پر آ رہا لیکن دوسرے ہی لمحے اس کے منہ سے بھی ایک چیخ نکلی اور وہ وہیں پر ڈھیر ہو گیا۔ فریدی نے اپنا نیزہ اٹھا لیا تھا۔ جنگلی اپنے ہی زور ہی میں اٹھے ہوئے نیزے کا شکار ہو گیا۔ جنگلی جوان کے ساتھیوں نے آگے بڑھنا چاہا لیکن اس پر سردار خود نیزہ لے کر میدان میں کود پڑا۔ جنگلی سہم کر پیچھے ہٹ گئے کیونکہ ان کا ساتھی مارا جا چکا تھا۔ جارج فنلے کے مزدوروں نے گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخنا شروع کر دیا۔ وہ سب

فریدی کو گود میں اٹھائے سارے میدان میں دوڑتے پھر رہے تھے۔

اسی رات کو جولیا، آرتھر، جارج اور فریدی خیمے میں بیٹھے ہوئے آج کے واقعات پر تبصرہ کر رہے تھے۔

''واقعی تم بہت کام کے آدمی نکلے۔'' آرتھر نے فریدی سے کہا۔ ''صاحب اور میم صاحب دونوں تم سے بہت خوش ہیں۔ بولو کیا انعام چاہتے ہو؟''

''گرما گرم چائے کا صرف ایک کپ کیونکہ میں سرِ شام سے محنت کر رہا ہوں۔'' فریدی نے کہا۔

''بس ایک کپ چائے۔'' آرتھر نے حیرت سے پوچھا۔

''بس اور مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ ہاں ویسے آپ کا جی چاہے تو دو ایک سگار بھی دے دیجئے گا۔''

آرتھر نے جارج فنلے کو اپنی اور فریدی کی گفتگو کا ماحصل بتایا۔ جولیا اٹھ کر اسٹوو گرم کرنے لگی۔

''صاحب کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے تم جیسا بہادر اور شیر چشم آدمی آج تک نہیں دیکھا۔'' آرتھر نے فریدی سے کہا۔

''صاحب کی مہربانی ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''میں نکولس صاحب جیسے انگریزوں کے ساتھ رہ چکا ہوں۔''

''آج ہمیں اس کا یقین ہو گیا ہے۔'' آرتھر ہنس کر بولا۔

''اس جنگلی کی موت کا قبیلے پر کیسا اثر پڑا ہے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''اس کے ساتھی بُری طرح خوفزدہ ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ اب سردار انہیں زندہ نہ چھوڑے گا۔ سردار اس کی موت پر بہت زیادہ خوشی کا اظہار کر رہا ہے۔ اس نے بھی تمہارے پھرتیلے پن کی کافی تعریف کی ہے۔''

''میرے خیال سے تو اب ہمیں کوچ کر دینا چاہئے۔'' فریدی نے کہا۔ ''ہمارے ساتھ کے پہاڑی اس سفر سے کچھ بیزار سے نظر آ رہے ہیں۔''

''مجھے بھی ڈر ہے کہ کہیں وہ واپس نہ ہو جائیں۔'' آرتھر نے کہا۔

''دیکھئے کیا ہوتا ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''رام گڑھ کے پہاڑوں کے متعلق ایک کہاوت مشہور ہے کہ وہ ناک کی سیدھ میں دوڑنے والے جنگلی سُور ہیں۔ معلوم نہیں کتنی دور تک دوڑنے

کے بعد پلٹ پڑیں۔"

"تو کیا ان کے واپس لوٹ جانے کے امکانات ہیں۔" آرتھر نے پوچھا۔

"میں نے کہا نا کہ ان کے متعلق کچھ وثوق سے نہیں کہا جاسکتا۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔" آرتھر کچھ سوچنے لگا۔ ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ جولیا چائے لے آئی۔ آج وہ اس گندے پہاڑی کے لئے اپنے ہی برتن میں چائے لائی تھی۔

فریدی چائے پینے لگا۔

رات بھر جاگتا رہا کیونکہ وہ جنگلیوں کی طرف سے مطمئن نہیں تھا، اس نے پہاڑیوں میں پستول اور رائفلیں تقسیم کردی تھیں وہ سب رات بھر باری باری سے پہرہ دیتے رہے۔

آپس میں جھگڑا

دوسرے دن صبح خیمے اکھاڑ دیئے گئے۔ اس وقت کارواں جنگلیوں کی دو رویہ قطاروں کے درمیان سے گزر رہا تھا۔ ان کی آنکھوں میں نفرت تھی، غصہ تھا، حقارت تھی، اگر ان کا بس چلتا تو وہ اس قافلے کے ایک خچر تک کو زندہ نہ چھوڑتے، جنگلیوں کا سردار قافلے کے آگے چل رہا تھا۔ وہ اور اس کے کچھ ساتھی قافلے کو اگلی چڑھائی تک چھوڑ کر واپس چلے گئے۔

سرسبز وادی سورج کی سنہری کرنوں میں نہا کر نکھر آئی تھی۔ ہری بھری گھاس سے ایک عجیب قسم کی دلآویز خوشبو اٹھ رہی تھی۔ خچروں کی گردنوں میں بندھی ہوئی گھنٹیاں فضا میں گونج رہی تھیں۔ قافلہ میدان سے گزر کر پہاڑیوں پر چڑھ رہا تھا۔ ان پہاڑیوں سے جنگلوں کے کچھ کچھ آثار شروع ہوگئے تھے۔

تازہ دم پہاڑی مزدوروں نے ایک گیت شروع کردیا۔ ان کی تیز آواز چٹانوں سے ٹکرا کر

ایک عجیب طرح کی گونج پیدا کر رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ذہن کی لامحدود وسعتوں میں پندرنگین یادیں رینگ رہی ہوں۔

حمید کی نگاہیں جولیا کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں جواب ایک خوفزدہ ہرنی کی طرح کبھی کبھی پلٹ کر پیچھے دیکھنے لگتی تھی۔ حمید کے ذہن میں فریدی جاگ اٹھا وہ سوچنے لگا کہ کاش فریدی نے اپنا یہ کارنامہ اپنی صحیح شکل وصورت میں انجام دیا ہوتا۔

فریدی کا خچر سب سے پیچھے تھا۔ حسب دستور وہ اس وقت بھی اپنے خچر کی باگ تھامے موٹا سا ڈنڈا ٹیکتا ہوا پیدل چل رہا تھا۔ اس کی گٹھڑی اس کی پیٹھ پر بندھی ہوئی تھی۔

حمید نے دفعتاً اپنے خچر کی رفتار میں کمی کردی۔ آہستہ آہستہ وہ فریدی کے برابر آ گیا۔

"آپ دنیا میں کچھ نہیں کرسکتے۔" حمید نے کہا۔

"میں نے کبھی اس کا دعویٰ نہیں کیا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"نہیں.....واقعی آپ.....!"

"بالکل احمق ہیں۔" فریدی نے جملہ پورا کردیا۔

"بھلا بتایئے آپ کے رات والے کارنامے سے آپ کو کیا فائدہ پہنچا۔" حمید نے کہا۔

"اچھا حمید صاحب آپ یہی فرما دیجئے کہ میرے کس کارنامے سے مجھے فائدہ پہنچا ہے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"کسی سے نہیں۔"

"تو پھر تم نے خصوصیت سے رات والے کارنامے کا حوالہ کیوں دیا۔"

"اونہہ مجھے کہنا کچھ تھا اور کہہ کچھ گیا۔" حمید نے کہا۔

"تو فرمایئے نا.....!"

"مطلب یہ کہ اگر آپ نے اصلی صورت میں کارنامہ سرانجام دیا ہوتا تو۔"

"تو کیا ہوتا۔"

"مطلب یہ کہ.....!"

"کہو کہو.....رک کیوں گئے۔" فریدی نے کہا۔

''بات یہ ہے کہ جولیا.....!'' حمید جملہ پورا نہ کر سکا۔

''اوہ سمجھا.....!'' فریدی ہنس کر بولا۔ ''جولیا مجھ پر عاشق ہو جاتی اور میں اٹھارویں صدی کے کسی ناول کے ہیرو کی طرح ایک بار اور اپنی جان پر کھیل جانے کی کوشش کرتا۔ بہر حال لیکن تمہیں اس سے کیا فائدہ ہوتا۔''

''فائدہ.....ارے میں دیکھ کر خوش ہوتا۔'' حمید چہک کر بولا۔

''ضرور.....لیکن کل تم نے مجھے خوش ہونے کا موقعہ کیوں نہ دیا تھا۔'' فریدی نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''جی.....میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''آخر تم بھاگے کیوں تھے؟'' فریدی نے پوچھا۔

''اور نہیں تو کیا جان دیتا۔'' حمید جل کر بولا۔

''تم نے اس کا دل توڑ دیا۔'' فریدی سنجیدگی سے بولا۔

''میں دراصل آپ کے لئے میدان خالی چھوڑ دینا چاہتا تھا۔'' حمید نے ہنس کر کہا ''آپ کی اور اس کی جوڑی مناسب رہتی۔ ذرا اپنی شکل ملاحظہ فرمایئے، اور ہاں یہ آپ کی رال ٹپکنی کیوں بند ہوگئی۔''

''آرتھر نے چھالوں میں دوا لگا دی ہے۔'' فریدی نے ہنس کر جواب دیا۔

''آخر آپ نے اتنا گندا بھیس بدلنے میں کیا اچھائی دیکھی تھی۔''

''کچھ نہیں.....محض تفریحاً.....کیا اس سلسلے میں یہ تجربہ کم قیمتی ہے کہ لوگ مجھ سے متنفر ہونے کے باوجود بھی میری قدر کر سکتے ہیں۔'' فریدی ہنس کر بولا۔

''بس انہی تجربات میں آپ اپنی زندگی کا بہترین حصہ گزار دیجئے گا۔ میں کہتا ہوں آپ کی اس افتادگی طبع کی کوئی انتہا بھی ہے۔''

''اس کی انتہا اس وقت ہوگی جب میرے اعضاء پر بڑھاپے کا حملہ ہوگا اور اسی وقت اس کے فوائد بھی معلوم ہوں گے۔ میں اپنی بقیہ زندگی.....!''

''خیر چھوڑیئے۔ ہٹایئے.....اگر بات زیادہ بڑھی تو ابھی آپ فلسفہ بولنے لگیں گے

حمید نے منہ بنا کر کہا۔ ''یہ بتایئے کہ اس مورتی کے بارے میں کیا رہا۔''

''ابھی تک کوئی خاص بات معلوم نہیں ہوئی.....یوں تو میرا ابھی خیال ہے کہ یہ لوگ کسی خزانے کے چکر میں ہیں۔ آرتھر اور جارج کبھی کبھی اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ جارج کے پاس کوئی نقشہ بھی ہے جو غالباً کچنار کے جنگل تک پہنچنے کے راستوں سے متعلق ہے۔''

''آخر ہمیں ابھی کتنا اور چلنا ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''ابھی تو آدھا راستہ ہی طے ہوا ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''دریائے نامتی پار کرنے کے بعد ہم کچنار کے جنگلوں میں داخل ہوں گے۔''

''تو دریائے نامتی.....!'' حمید نے کہا اور پھر رک کر کچھ سوچتا ہوا بولا۔

''میں اسی ندی کو دریائے نامتی سمجھا تھا۔''

''ارے وہ تو کوئی گم نام سی پہاڑی ندی ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''دیکھئے ابھی اور کتنی ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں۔'' حمید نے کہا۔ ''اور کتنے جنگلیوں آدم خوروں سے شرف ملاقات حاصل ہوتا ہے۔''

''بس تو اب یہ دعا مانگو کہ کسی جنگلی عورت سے تمہاری ملاقات نہ ہو۔ ورنہ تمہاری مردانگی اور عشق بازی دھری رہ جائے گی۔'' فریدی نے ہنس کر کہا۔

''نہیں دیکھئے مذاق نہیں.....میں اس سفر سے تنگ آ گیا ہوں۔''

''تو واپس چلے جاؤ.....!'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ ''تم اس لڑکی جولیا سے بھی گئے گزرے ہو۔''

''آپ بھی لڑکیوں کی بات لے بیٹھے۔'' حمید نے کہا۔ ''ارے وہ جنگلی اسے پکڑ ہی لے جاتا تو کون سی مصیبت آ جاتی۔ شادی کرتا اور گھر میں ڈال لیتا، بھلا میں کس مصرف کا ہوں۔''

فریدی ہنس کر بولا۔ ''کیوں اپنا دل چھوٹا کرتے ہو۔ تمہارا مصرف تو کوئی مجھ سے پوچھے۔''

''جی ہاں.....جہاں چاہا اٹھا کر پھینک دیا۔ حمید تو اُلو کا پٹھا ہے۔''

''خیر یہ تمہاری لیاقت ہے کہ اپنے منہ میاں اُلو بن رہے ہو۔'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

حمید خاموش ہو گیا۔ فریدی نے سر اٹھا کر سامنے دیکھا۔ کارواں دور نکل گیا تھا، پہاڑی

مزدور شاید گاتے گاتے تھک گئے تھے، فریدی تیزی سے قدم اٹھانے لگا۔

''آخر آپ پیدل کیوں چل رہے ہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''بارہ بجے کے بعد میں خچر پر بیٹھوں گا۔'' فریدی نے کہا۔

''کیوں.....؟''

''اس لئے کہ سب لوگ اس وقت خچروں پر بیٹھے بیٹھے اکتا جائیں گے اور انہیں بھی اترنا پڑے گا لیکن پھر ان سے پیدل بھی نہ چلا جائے گا۔ میں دن کے بہترین حصے میں پیدل چل کر اپنی تھکن کا بوجھ خچر پر ڈال دوں گا اور پھر جب شام کو اتروں گا تو بالکل تازہ دم ہوں گا۔''

حمید نے اپنے خچر کو قافلے میں جانے کی کوشش کرنے لگا۔ فریدی بدستور پیدل چل رہا تھا۔

آفتاب آہستہ آہستہ بلند ہوتا جارہا تھا۔ دھوپ میں کافی حرارت پیدا ہوگئی تھی۔ آرتھر اور جارج وغیرہ نے اپنے کوٹ اتار دیئے تھے۔ وہ سب پسینے میں تر تھے، جولیا کے شفاف چہرے پر پسینے کی بوندیں ایسی معلوم ہو رہی تھیں جیسے کسی تالاب میں کھلے ہوئے کنول کی پنکھڑیوں پر شبنم کے قطر بکھر گئے ہوں۔ دو ایک ہلکی ہلکی لٹیں بھیگ کر ماتھے پر چپک گئی تھیں۔ تھکاوٹ نے اس کی آنکھوں میں ایک عجیب طرح کی رعنائی پیدا کردی تھی۔ حمید اس کے قریب پہنچ کر جمالیاتی حس کی تسکین کرنے لگا۔ وہ دراصل اسی کے سہارے سفر کی تکالیف کو بھلا دینا چاہتا تھا۔

قافلہ دن بھر چلتا رہا۔ اس دوران میں فریدی نے ایک بار بھی قافلے سے ملنے کی کوشش نہ کی۔ وہ بدستور پیچھے چلتا رہا۔ کئی بار آرتھر نے ٹوکا بھی لیکن اس نے اس کی پرواہ نہ کی۔ دراصل وہ ان جنگلیوں کی طرف سے مطمئن نہ تھا جن کی آنکھوں میں اس نے نفرت اور انتقام کی چنگاریاں دیکھی تھیں۔

شام ہوتے ہی پھر ایک مناسب جگہ پر خیمے نصب کردیئے گئے۔ جابجا آگ روشن ہوگئی۔ فریدی اپنا برتن لے کر چائے لینے کے لئے آرتھر وغیرہ کے خیمے کی طرف چل پڑا۔ خیمے کی پشت پر پہنچ کر وہ ٹھٹک گیا۔ اندر جارج اور آرتھر میں بہت تیز قسم کی گفتگو ہو رہی تھی۔

''آخر تم مجھے مورتی کا راز کیوں نہیں بتاتے۔'' آرتھر بولا۔

''میں تمہاری بے صبری کی وجہ جاننا چاہتا ہوں۔'' جارج فنلے نے کہا۔

''عجیب بات ہے تو پھر تم نے مجھے راز دار بنایا ہی کیوں تھا کیا تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں۔''

''اعتبار نہ ہوتا تو تمہیں اپنے ساتھ لاتا ہی کیوں۔'' جارج فنلے نے کہا۔ ''میں تم سے وعدہ کرچکا ہوں کہ تم آدھے کے حق دار ہوگے۔ پھر اس پریشانی اور بے صبری کی وجہ۔''

''مجھے تمہاری نیت پر شک ہے۔'' آرتھر بولا۔

''تمہیں ایسا نہ کہنا چاہئے۔'' جولیا بولی۔

''یہ کاروباری معاملہ ہے، میں اس میں کسی قسم کے تکلف یا اخلاق کی ضرورت نہیں محسوس کرتا۔''

''تم آخر کیا چاہتے ہو۔'' جارج گرم ہوکر بولا۔

''مورتی کا مکمل راز.....!''

''ناممکن ہے..... میں ابھی نہیں بتا سکتا۔'' جارج بولا۔

''آخر کیوں.....؟''

''میری مرضی.....!''

''تو اس کا مطلب ہے کہ میں یہیں سے واپس ہوجاؤں۔'' آرتھر نے کہا۔

''تمہاری مرضی۔''

''لیکن اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔'' آرتھر نے کہا۔

''پاپا..... آپ آخر بتا کیوں نہیں دیتے..... یہاں بیچ راستے میں جھگڑا کرنے سے کیا فائدہ۔'' جولیا بولی۔

''تم ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتیں۔'' جارج نے تیز لہجے میں کہا۔ جولیا خاموش ہوگئی۔

''خیر دیکھا جائے گا.....!'' آرتھر نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''تو کیا تم واقعی واپس چلے جاؤ گے۔'' جولیا نے خوف زدہ لہجہ میں کہا۔

''ہاں.....!''

''تب تو ہمیں بھی لوٹ جانا پڑے گا۔'' جولیا مایوسانہ انداز میں بولی۔

''نہیں ہم اپنا سفر جاری رکھیں گے۔'' جارج کڑے لہجہ میں بولا۔ ''نقشہ میں اچھی طرح

سمجھ چکا ہوں.....اب مجھے راستہ پانے میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔"

اس پر آرتھر طنزیہ انداز میں ہنس پڑا۔

"نقشے پر بھروسہ مت کرو جارج.....!" آرتھر اپنے مخصوص طنزیہ لہجے میں بولا۔ "ان راہوں میں اچھے اچھے بھٹک جاتے ہیں۔"

"پرواہ مت کرو.....!" جارج لاپروائی سے بولا۔

"میں کہتی ہوں، آخر جھگڑے سے کیا فائدہ۔" جولیا گھبرائے ہوئے لہجہ میں بولی۔

"یہ اپنے باپ ہی سے پوچھو۔" آرتھر نے شانے ہلا کر کہا۔

"پاپا.....!" جولیا بولی۔

"تم آخر پریشان کیوں ہوتی ہو۔" جارج بولا۔ "آرتھر کو شاید یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ میں اس کے بغیر آگے نہ بڑھ سکوں گا۔"

"آگے کیا تم آگے سے بھی بڑھ سکو گے.....مگر.....؟"

"مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا۔" جارج آرتھر کی بات کاٹ کر بولا۔ "اگر مجھ پر اعتماد کر سکتے ہو تو کرو، ورنہ میں تمہاری واپسی کا انتظام کر سکتا ہوں۔"

"جی شکریہ.....مجھے کسی انتظام کی ضرورت نہیں۔ میں واپس چلا جاؤں گا۔" آرتھر نے کہا اور خیمے سے نکل گیا۔ فریدی آگے بڑھ گیا۔

"چائے.....؟" آرتھر نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔ "تمہیں اب یہاں سے چائے نہیں ملے گی۔"

"کیوں صاحب۔"

"یہ دونوں بہت بد دماغ ہیں، انہوں نے کہہ دیا ہے کہ کوئی گندا پہاڑی ان کے خیمے کے قریب نہ آنے پائے۔" آرتھر نے کہا۔

فریدی اس کی چال بازی پر دل ہی دل میں ہنس پڑا۔

"اچھا صاحب.....!" اس نے مردہ آواز میں کہا۔

"لیکن میں تمہیں چائے کا سامان دوں گا۔" آرتھر نے کہا۔ "چلو میرے خیمے میں، میں

بہادروں کا قدرداں ہوں۔"

آرتھر اپنے خیمے میں داخل ہوتے ہوئے فریدی کی طرف مڑا۔

"کیا تم جانتے ہو کہ تم لوگ کہاں جا رہے ہو۔" اس نے فریدی سے پوچھا۔

"نہیں صاحب۔"

"پھر تم کیوں چل پڑے تھے۔" آرتھر نے پوچھا۔ "اگر ہم تمہیں کسی مصیبت میں پھنسا دیں تو۔"

"مصیبت۔ کرتو ہم کیڑے ہیں صاحب۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "ہمیں معقول اجرت ملنی چاہئے۔ پھر ہمیں آپ جہنم ہی میں کیوں نہ جھونک دیں۔"

"کبھی کچنار کے جنگلوں کا نام سنا ہے۔" آرتھر نے پوچھا۔

"ہاں صاحب.....!"

"ہم لوگ وہیں جا رہے ہیں۔"

"ارے.....!" فریدی اچھل پڑا۔ پھر وہ حیرت آمیز نظروں سے آرتھر کو گھورنے لگا۔

"شاید آپ اس علاقہ کے حالات سے واقف نہیں۔" فریدی پھر بولا۔

"ہم سب کچھ اچھی طرح جانتے ہیں۔" آرتھر نے کہا۔

"پھر مجھے کہنا پڑے گا کہ آپ جان بوجھ کر موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

آرتھر ہنسنے لگا۔

"آپ شاید مذاق سمجھ رہے ہیں۔"

"نہیں میں سب کچھ جانتا ہوں۔" آرتھر بولا۔

"پھر.....؟" فریدی نے استفہامیہ انداز میں کہا۔

"تم خود سوچو۔" آرتھر نے ہنس کر کہا۔ "وہ کون سی ایسی چیز ہو سکتی ہے جس کے لئے آدمی جان کی بازی لگا سکتا ہے۔"

"بھلا میں کیا جانوں۔" فریدی نے کہا۔ "آپ کی قوم کے لوگ تو محض نام کی خاطر برفیلی چوٹیوں پر جان دے دیتے ہیں۔"

آرتھر ہنسنے لگا۔

"یہاں یہ بات نہیں۔" آرتھر نے سنجیدگی سے کہا۔ "ہم لوگ ایک خزانہ کی تلاش میں نکلے ہیں۔"

"اوہ.....!" فریدی نے اس طرح کہا جیسے اس کی نظروں میں اس کی کوئی وقعت ہی نہ ہو۔ "ہاں افریقہ میں بھی میں نے کئی انگریزوں کو دیکھا ہے، جو فرضی خزانوں کے چکر میں خاک چھانا کرتے تھے۔"

"لیکن کچنار کے جنگلوں میں حقیقتاً ایک بڑا خزانہ ہے۔" آرتھر بولا۔

"ہوگا صاحب..... ہمیں اس سے کیا، ہمیں تو اپنی اجرت سے کام ہے۔ مگر معاملہ ہے خطرناک، اگر مزدوروں کو معلوم ہوگیا تو وہ یہیں سے لوٹ جائیں گے۔ وہ لوگ تو یہی سمجھے بیٹھے ہیں کہ آپ ادھر محض سیر و شکار کے لئے آئے ہیں۔"

"لیکن میں انہیں دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا۔" آرتھر نے کہا۔ "ایسا کرنا انسانیت کا خون کرنا ہوگا۔"

"آپ جانئے، جو بات تھی میں نے بتا دی۔"

"میرے ساتھی کی نیت خراب ہوگئی ہے۔" آرتھر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "شاید وہ تمہیں تمہاری پوری اجرت بھی نہ دے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" فریدی نے کہا۔

"اس کا ارادہ ہے کہ وہ تمہیں دریائے نامتی کے اسی پار چھوڑ دے، کھانے کا سامان کم ہوتا جا رہا ہے۔ فرض کرو اگر اس نے تمہیں معقول اجرت دے بھی دی تو کیا تم ان پہاڑیوں میں روپیہ چباؤ گے، وہ تمہیں اناج کا ایک دانہ بھی نہ دے گا۔"

"یہ تو بہت بُری بات ہے صاحب۔" فریدی نے کہا۔

"میں بھی اس کی اس کمینی حرکت سے خوش نہیں ہوں۔" آرتھر نے کہا۔ "خیر میں اسے ایسی سزا دوں گا کہ وہ عمر بھر یاد رکھے گا۔"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ آرتھر کی چالوں پر غور کر رہا تھا۔

"دریائے نامتی پار کرتے ہی وہ مجھے قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔" آرتھر بولا۔

"کیوں.....!" فریدی نے چونک کر پوچھا۔

"تاکہ پورا خزانہ ہضم کر سکے۔"

"لیکن یہ آپ کو معلوم کیسے ہوا.....؟"

"باپ بیٹی میں اس کے متعلق مشورہ ہو رہا تھا۔" آرتھر نے جواب دیا۔

"تب تو واقعی آپ کو ہوشیار رہنا چاہئے۔" فریدی بولا۔

"سنو میں نے ایک تدبیر سوچی ہے۔" آرتھر نے کہا۔

"کیا.....!"

"ہم لوگ کھانے پینے کا ضروری سامان لے کر رات ہی کو یہاں سے چل دیں۔"

"ان دونوں کو یہاں تنہا چھوڑ دیا جائے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں.....!"

"اور مزدور.....؟"

"انہیں میں ٹھیک کرلوں گا۔" آرتھر نے کہا۔

"مگر صاحب۔"

"کچھ نہیں..... میں یہ طے کر چکا ہوں۔" آرتھر بولا۔ "بے ایمانوں کو بے ایمانی سے پہلے ہی چکھا دینا زیادہ اچھا ہے..... اگر تم میرے ساتھ چلو گے تو مالا مال کر دوں گا۔"

فریدی کچھ دیر تک چپ رہا۔

"یہ تو آپ نے دیکھ لیا کہ میں اپنے سر دھڑ کی بازی لگا دیتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "آپ آئیے معاملہ کی بات کی طرف..... مجھے آپ کیا دیں گے۔"

"جو تم مانگو.....!" آرتھر بولا۔

"خزانے کا چوتھائی.....!" فریدی نے کہا۔

"منظور۔"

"بہت اچھا اور اگر آپ نے دھوکا دیا تو نتیجے کے آپ خود ذمہ دار ہوں گے۔"

"تم مطمئن رہو..... میں ایماندار آدمی ہوں۔" آرتھر نے کہا۔ "اچھا اب میں جا کر

مزدوروں سے معاملہ طے کرتا ہوں۔"

آرتھر چلا گیا اور فریدی چائے کا سامان لے کر حمید کے پاس آیا۔ اس نے سارا واقعہ حمید سے بتا دیا۔

"تو پھر اب آپ کا کیا ارادہ ہے۔"

"مجھے بوڑھے جارج سے ہمدردی ہے۔"

"اور اس کی لڑکی سے؟" حمید نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"بکو مت..... بہت جلد ہمیں کچھ کرنا ہے۔" فریدی نے بے تابانہ انداز میں کہا۔

"تو بتایئے نا کرنا کیا ہے؟"

"جیسے ہی تم یہ سمجھو کہ سب سو گئے ہیں اپنا ضروری سامان لے کر یہاں سے چل دینا، ابھی میں تمہیں وہ جگہ بتا دوں گا جہاں تمہیں چھپنا ہے۔"

"اور آپ.....!"

"میں مناسب وقت پر تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔"

وقت گذرتا گیا۔ آہستہ آہستہ چاروں طرف خاموشی چھا گئی۔ حمید اپنا اور فریدی کا سامان لے کر بتائے ہوئے ٹھکانے پر پہنچ گیا۔ یہ ایک غار تھا جس پر کئی چٹانیں سایہ کئے ہوئے تھیں۔ حمید سمٹا سمٹایا بیٹھا رہا۔ تقریباً دو تین گھنٹے کے بعد اسے آہٹ سنائی دی۔ اس نے جھانک کر دیکھا۔ قریب ہی سے قافلہ گزر رہا تھا۔ یہ سب بہت احتیاط سے جا رہے تھے۔ شاید انہوں نے اپنے جوتے اتار دیئے تھے اور خچروں کے سموں پر کپڑے لپیٹ دیئے تھے تاکہ آواز نہ پیدا ہو سکے۔ تھوڑی دیر کے بعد سناٹا چھا گیا۔ حمید کی پلکیں بوجھل ہوتی جا رہی تھیں۔ جلد ہی اس پر نیند نے غلبہ پا لیا۔

اس کی آنکھ اس وقت کھلی جب فریدی نے اسے جھنجھوڑ کر جگایا۔ سورج نکل آیا تھا، بھیگی بھیگی سی سرخ شعاعیں چٹانوں پر پھیلی ہوئی تھیں۔

"آرتھر سب مزدوروں کو ساتھ لے گیا۔" فریدی نے کہا۔

"اور وہ دونوں.....!" حمید نے جلدی سے کہا۔

"حیران حیران چاروں طرف دیکھ رہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "آؤ چل کر انہیں دلاسا دیں۔"

جارج اور جولیا اپنے خیمے میں اس طرح اداس اور پریشان بیٹھے تھے جیسے اپنے کسی عزیز کو دفن کر کے آئے ہوں..... حمید اور فریدی کو اپنی طرف آتے دیکھ کر دونوں اچھل پڑے۔

"ہوشیار ہو جاؤ..... جولیا۔" جارج بولا۔ "مجھے اس میں بھی آرتھر کی کوئی چال معلوم ہوتی ہے۔"

"مگر ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔" جولیا نے کہا۔ "اس کمینے نے تو ہمارے پاس ایک پستول بھی نہیں رہنے دیا۔"

فریدی اور حمید خیمے میں داخل ہو چکے تھے۔ جارج کھڑا ہو گیا۔ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ان دونوں کے حملے کا منتظر ہو۔ فریدی نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور جارج لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ فریدی نے جیب سے پیتل کی مورتی اور راستے کا نقشہ نکال کر جارج کی طرف بڑھا دیا۔ باپ اور بیٹی حیرت زدہ نظروں سے دونوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جارج نے کپکپاتے ہوئے ہاتھوں سے مورتی پکڑ لی۔

"جولیا..... یہ واقعی سچا بہادر ہے۔" جارج بے اختیار بولا۔ "کاش یہ ہماری زبان سمجھ سکتا۔"

تھوڑی دیر بعد فریدی جارج کو ان چٹانوں کے درمیان لے گیا جہاں اس نے کھانے پینے کا کثیر سامان اور کچھ اسلحہ چھپا کر رکھ دیا تھا۔ اس نے یہ کام اسی وقت شروع کر دیا تھا جب آرتھر اسے سمجھا بجھا کر دوسرے مزدوروں کو ورغلانے چلا گیا تھا اور اس کے بعد سے وہ سائے کی طرح آرتھر کے پیچھے لگا رہا تھا۔ جب آرتھر مورتی اور راستے کا نقشہ چرانے کے لئے جارج کے خیمے میں گھسا تھا اس وقت بھی فریدی تھوڑے ہی فاصلے پر چھپا ہوا تھا اور اس کی نگرانی کر رہا تھا۔ آرتھر نے مورتی چرائی اور اپنے خیمے میں لے آیا اور اسے اپنے سوٹ کیس میں رکھ کر پھر مزدوروں کی طرف چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی نے وہ مورتی اور نقشہ اس کے سوٹ کیس سے اڑا دیا..... اس نے جارج کو سارے واقعات اشاروں میں سمجھانے کی کوشش کی اور وہ اس میں کامیاب بھی ہو گیا۔

اور پھر اس ویرانے میں ان کے درمیان سے رنگ و نسل کی دیوار ہٹ گئی۔ تھوڑی دیر بعد جولیا اپنے کیمپوں میں چائے پیش کر رہی تھی۔

فریدی نے اشاروں ہی اشاروں میں جارج کو سمجھایا کہ اس حادثے سے دل شکستہ ہو کر اسے پیچھے نہ لوٹ جانا چاہئے اس نے اسے اطمینان دلایا کہ وہ آخیر وقت تک اس کا ساتھ دے رہے گا۔ اس پر جارج نے جولیا سے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ آرتھر نے اسے سب کچھ بتا دیا ہے۔''

''ہوسکتا ہے.....!'' جولیا بولی۔ ''لیکن یہ آرتھر سے زیادہ قابل اعتماد ہے۔''

''کاش یہ ہماری زبان سمجھ سکتا۔'' جارج ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

قریب تھا کہ حمید کچھ بول پڑے.....فریدی نے اسے گھور کر دیکھا۔

پہاڑوں کی ملکہ

سفر جاری رہا۔ فریدی کو راستے میں آرتھر سے مڈبھیڑ ہوجانے کی توقع تھی۔ اس لئے ا نے راستہ ہی بدل دیا تھا۔ وہ سیدھا جانے کی بجائے پہاڑی علاقے میں داخل ہوگیا اور دریا میں چھوٹے چھوٹے گاؤں سے گزرتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ وہ دراصل دریائے نامتی کی ایک چھوٹی سی شاخ ستیل ندی تک پہنچنا چاہتا تھا۔ تقریباً پینتالیس میل کی مسافت طے کرنے کے بعد وہ لوگ ستیل ندی کے کنارے پہنچ گئے۔ یہاں سے انہوں نے کنارے ہی کنارے مغرب کی طرف بڑھنا شروع کردیا۔ ادھر انہیں بعض اوقات بہت ہی دشوار گزار راستوں سے گزرنا پڑتا تھا۔ کبھی کبھی تو ایسا ہی ہوتا کہ جولیا تھک کر بیٹھ جاتی۔ فریدی کو اسے اپنی پیٹھ پر اٹھانا پڑتا حمید دیکھتا اور دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ جاتا۔ ان راستوں کے لئے خچر قطعی بے کار ثابت ہوئے تھے۔ اس لئے انہیں راستے ہی میں چھوڑ دینا پڑا۔ خچروں کے ساتھ ہی بہت سا سامان جس میں خیمے بھی شامل تھے ایک غار میں ڈال دیا گیا۔ خورد و نوش کا تھوڑا بہت سامان اور رائفلیں وغیرہ وہ لوگ اپنے کاندھوں پر لاد کر چل رہے تھے۔ سب کچھ چھوڑ دیا گیا۔ لیکن فرید

کے تبا کو کا گٹھڑ اب تک اس کی پیٹھ پر بندھا ہوا تھا۔

رفتہ رفتہ خورد و نوش کا سامان بھی ختم ہوگیا۔ لیکن انہیں اس کی پرواہ نہ تھی کیونکہ وہ اب جس خطے سے گزر رہے تھے وہاں بکثرت آبی پرندے اور جنگلی پھل ملتے تھے۔ جولیا بہت نڈھال ہوگئی تھی اس کے سرخ سپید چہرے پر ہلکی سی نیلاہٹ دوڑ گئی تھی۔ کبھی کبھی وہ اپنی زندگی سے ناامید ہوجاتی اور جارج اسے ہمت دلانے لگتا۔ اس نے اسے شروع ہی سے اس سفر سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن سیر و تفریح کے لالچ میں جولیا نے اس کا کہنا نہ مانا۔ وہ دراصل رائیڈر ہیگرڈ کے ناولوں اور کارناموں سے بھرپور فلموں کی ماری ہوئی تھی اور خزانے سے زیادہ رومان کی تلاش میں آئی تھی۔

آرتھر کے جانے کے ٹھیک بیسویں دن بعد وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں ستیل ندی دریائے نامتی سے مل گئی تھی۔ اب انہوں نے مشرق کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ راستے میں اسے وہ پہاڑی مزدور دکھائی دیئے جو آرتھر کے ساتھ چپکے سے چلے آئے تھے۔ فریدی نے جارج وغیرہ کو چھپ جانے کا اشارہ کیا اور خود اونچی نیچی چٹانوں کی آڑ لیتا ہوا آگے بڑھا۔ تقریباً سو فٹ کی گہرائی میں ایک ننھی سی وادی تھی جس میں انہوں نے خیمے گاڑ دیئے تھے۔ فریدی چٹانوں کی آڑ لے کر نیچے اترنے لگا۔

بہرحال اس کی چھان بین کا خلاصہ یہ ہے کہ آرتھر ان پہاڑیوں میں نہیں تھا۔ فریدی وہیں چھپا بیٹھا رہا۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ آہستہ آہستہ تاریکی کی چادر حد نظر تک پھیلی ہوئی پہاڑیوں پر پھیلتی جارہی تھی۔ دفعتاً ایک مزدور اس کی طرف آ نکلا جہاں فریدی چھپا ہوا تھا۔ وہ اچانک اس پر ٹوٹ پڑا۔ فریدی دراصل یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آرتھر کہاں ہے وہ مزدوروں کو لے کر دریا کے پار گیا تھا پھر واپس نہیں آیا۔

اندھیرے کی وجہ سے وہ مزدور فریدی کو پہچان نہ سکا۔ فریدی نے اس سے کہا کہ وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر واپس چلا جائے ورنہ کسی نہ کسی حادثہ کا شکار ہوجانے کے امکانات ہیں۔ مزدور کو چھوڑ کر فریدی جارج وغیرہ کے پاس واپس آ گیا اور پھر ان لوگوں نے تاریکی میں دریا کے کنارے کنارے چلنا شروع کیا۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ وہ جارج کو آرتھر کی گمشدگی کا حال کس

طرح بتائے، اب خود اسے اپنے گونگے پن سے الجھن ہونے لگتی تھی۔

بہر حال ایک جگہ رک کر فریدی نے دریا کی طرف اشارہ کیا کہ اب ہمیں پار چلنا چاہئے۔ جارج نے ایک تہہ کی ہوئی ربڑ کی کشتی نکالی اور اس میں سائیکل کے پمپ سے ہوا بھرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد کشتی پانی میں تیرنے کے قابل ہوگئی۔ یہ اتنی بڑی تھی کہ اس پر دس آدمی نہایت آسانی سے بیٹھ سکتے تھے۔

کشتی میں بیٹھتے وقت حمید کا دل زور سے دھڑکا۔ وہ راستے بھر فریدی سے کچنار کے جنگلوں میں بسنے والی قوم کی درندگی کے واقعات سنتا آیا تھا۔ فریدی نے پتوار ہاتھ میں لئے کشتی کھینے لگا۔

رات حد درجہ تاریک تھی۔ آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ابھی تھوڑی دیر میں بارش ہو جائے گی۔ فریدی جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگا۔

ایک گھنٹے کی مشقت کے بعد وہ دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔ دریا کا پاٹ دو میل سے کم طرح کم نہ رہا ہوگا۔ کنارے پر پہنچ کر جارج نے کشتی کی ہوا نکالی۔ پھر اسے تہہ کر کے کاندھے ڈال لیا۔

رات گزارنے کے لئے انہوں نے ایک ایسی جگہ کا انتخاب کیا جو چاروں طرف چٹانوں سے گھری ہوئی تھی اور ان چٹانوں پر کانٹے دار جھاڑیاں تھیں۔ فریدی نے پروگرام بنایا تھا سب باری باری سوتے جاگتے رہیں گے، لیکن ایسا نہ ہوسکا۔ دن بھر کے تھکے ماندے جب لیٹے تو کوئی بھی اپنی بند ہوتی ہوئی آنکھوں کو نہ روک سکا۔

اور پھر جب صبح ان کی آنکھ کھلی تو ان کے سینوں پر جنگلیوں کے نیزوں کی انیاں رکھی ہوئی تھیں۔ جولیا تو بے ہوش ہوگئی۔ یہ سب انتہائی کریہہ المنظر تھے اور انہوں نے اپنی گردنوں میں انسانی کھوپڑیوں کی مالائیں لٹکا رکھی تھیں۔ ان کے ساتھ ایک دراز قد آدمی تھا۔ جو ان کے مقابلے میں کچھ مہذب معلوم ہوتا تھا۔ اس نے ریشمی کپڑے کی ایک رنگین قبا پہن رکھی تھی۔ اس کی آنکھوں میں وحشیانہ پن بھی نہیں تھا، جو اس کے دوسرے مسلح ساتھیوں کی آنکھوں میں تھا۔ اس کی وضع قطع دیکھ کر فریدی کو تبت کے بدھ فقیر یاد آ گئے۔ اس نے فریدی وغیرہ کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔

یہ سب ایک طرف چل پڑے۔ جنگلیوں نے انہیں حلقے میں لے لیا۔ گویا وہ قیدی تھے۔

سورج سر پر آ گیا تھا۔ وہ چلتے رہے۔ جولیا کی حالت غیر تھی۔ وہ قدم قدم پر لڑکھڑا جاتی ی۔ آخر فریدی نے اسے پیٹھ پر لاد لیا۔ وہ اپنا ڈنڈا ٹیک کر لنگڑاتا ہوا چل رہا تھا۔

خدا خدا کر کے وہ تقریباً دو بجے ایک بستی میں پہنچے۔ یہاں بے شمار جھونپڑے تھے۔ لیکن ی تعمیر میں ایک خاص سلیقے کو دخل تھا۔ یہاں کے رہنے والے اگر مہذب نہیں تو نیم مہذب ور تھے۔ عورتیں رنگین اور خوشنما لبادوں میں ملبوس نظر آئی تھیں اور مزدوروں کا لباس قریب ب وہی تھا جو فریدی وغیرہ کو گرفتار کرنے والوں کے پیشرو کا تھا۔ بستی کے اندر صاف ستھری یں تھیں یہ لوگ جدھر سے گزرتے لوگوں کی بھیڑ لگ جاتی لیکن اس حالت میں بھی ان کی ف سے کسی قسم کے وحشیانہ پن کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔ وہ خاموشی اور حیرت سے اپنی سرزمین ں داخل ہونے والے اجنبیوں کو دیکھتے اور ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرنے لگتے۔ ان لوگوں رنگ گندمی تھا اور چہروں کی بناوٹ قریب قریب ویسی ہی تھی جیسے تبت کے باشندوں کے رے کی ہوتی ہے۔ ان کی آنکھوں میں ایک عجیب طرح کی اداسی تھی، جو شائد انسانیت اور وحشی ی کی آویزش کا نتیجہ تھی۔

متعدد راستوں سے گزرتے ہوئے یہ لوگ ایک بڑے سے احاطے میں داخل ہوئے جس ا دیواریں مٹی کی تھیں لیکن انہیں بھی مختلف رنگوں کی گل کاریوں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ یہاں ب طرف بہت بڑے بڑے بت نصب تھے جو تعداد میں اٹھارہ تھے۔ دفعتاً فریدی چونک پڑا اور ی حالت جارج فنلے کی بھی ہوئی۔ ان میں سے ایک بت بالکل اسی پیتل کی مورتی سے مشابہ تھا۔

''سی جی لا.....!'' فریدی نے آہستہ سے کہا اور جارج فنلے چونک کر اس کی طرف دیکھنے لا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

احاطے کی دیوار کے نیچے تین طرف مسلح آدمی کھڑے تھے۔ یہ لوگ بھی وحشی معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے بھی اپنی گردنوں میں کھوپڑی کی ہڈیوں کی مالائیں لٹکا رکھی تھیں۔ سامنے ایک بہت بڑا سائبان تھا جس کے نیچے ایک کافی بلند چبوترے پر چھوٹے چھوٹے کرسی نما تخت پڑے ہوئے تھے۔

ان لوگوں کے داخل ہوتے ہی ہتھیار بند وحشیوں نے شور مچانا شروع کر دیا تھا۔ ان میں

سے ایک آگے بڑھا اور سنکھ پھونکنے لگا جس کی آواز سے جولیا ایک بار پھر چکرا گئی۔ اگر فریدی اُسے سہارا نہ دیتا تو وہ یقیناً گر گئی ہوتی۔

ان لوگوں کو ایک طرف کھڑا کر دیا گیا۔ شور بدستور جاری رہا۔ دفعتاً سائبان کے نیچے سے دو آدمی ہرے رنگ کے لبادے پہنے ہوئے نمودار ہوئے۔ انہوں نے ہاتھ اٹھا کر کچھ کہا اور مجمع سناٹا چھا گیا۔ فریدی وغیرہ کے گرفتار کرنے والوں کا پیشرو آگے بڑھا اور اس نے ان دونوں سے کچھ کہا وہ دونوں چبوترے سے اتر کر ان کے پاس آئے اور فریدی کو گھورنا شروع کیا۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر انہیں گھور رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ان کی آنکھیں پتھر کی ہوں۔

پھر ان دونوں نے جارج فنلے کی رائفلوں اور پستولوں پر قبضہ کر لیا اور اس وقت تک ا لوگوں کی جامہ تلاشی لیتے رہے جب تک کہ ایک ایک کارتوس دستیاب نہیں ہو گیا۔ فریدی گٹھری بھی ٹٹولی گئی لیکن اس میں تمباکو کے بنڈل اور ایک چھوٹی سی چلم کے علاوہ اور تھا ہی کیا۔

بندوقیں وغیرہ چھن جانے پر جولیا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ جارج اسے دلاسہ دینے کوشش کرنے لگا۔ لیکن خود اس کی حالت غیر ہو رہی تھی اور حمید کے چہرے پر تو زلزلہ سا آ تھا۔ کبھی اس کے ناک کے نتھنے پھڑکنے لگتے تھے کبھی ہونٹ کانپنے لگتے۔ اس وقت اس نے فری کو قہر آلود نگاہوں سے نہیں دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں اس وقت ایک عجیب قسم کی بے بسی تھی۔

دفعتاً بہت سی گھنٹیاں بجنے لگیں اور ترہیان پھونکی جانے لگیں۔ دیوار کے قریب کھڑے ہوئے مسلح وحشی سجدے میں گر گئے۔ سائبان کے پیچھے ایک جلوس دکھائی دے رہا تھا۔ رنگ برنگ کی قبائیں لہرا رہی تھیں۔ سب سے پہلے ایک مرد اور ایک عورت سائبان کے نیچے آئے۔ آرتھر تھا جس نے اپنے قومی لباس کے بجائے ایک چمکیلا لبادہ پہن رکھا تھا جس میں جابجا رنگ اور قیمتی پتھر لٹکے ہوئے تھے۔ عورت غالباً یہاں کی سفید فام ملکہ تھی۔ یہ ایک خوبصورت جوان العمر عورت تھی۔ اس کے سر پر سیاہ رنگ کی لکڑی کا ایک تاج تھا جس کی چوٹی پر ایک بڑا ہیرا نصب تھا۔ وہ دونوں بیٹھ گئے۔ ان کے ساتھ کے لوگ جو شاید درباری تھے ان کے پیچھے بچھی ہوئی چوکیوں پر بیٹھ گئے۔

''اوہ جارج فنلے۔'' آرتھر طنزیہ انداز میں بولا۔ ''مجھے تمہارا ہی انتظار تھا۔'' پھر وہ فریدی طرف مخاطب ہو کر پہاڑی زبان میں بولا۔

''اور تم دغا باز تم سے تو اچھی طرح سمجھوں گا۔''

''لیکن بزدلوں کی طرح نہیں۔ میں تمہیں بہادر سمجھتا ہوں۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

''جارج ..... میں یہاں کی ملکہ کا شوہر ہوں۔ کل ہی ہماری شادی ہوئی ہے۔'' آرتھر نے ہنس کر کہا۔

''اور کل ہی تم اس کے ساتھ دفن کر دیئے جاؤ گے۔'' جارج طنزیہ انداز میں بولا۔

''اور کل کا حال کون جانے، ممکن ہے کل میں قدرتی موت مر جاؤں۔'' آرتھر ہنس کر بولا۔ ''مجھے خوشی ہے کہ دنیا کی حسین ترین عورت میری بیوی ہے۔ یہ جنگلی پھول جس میں خوشبو بھی ہے اور رنگ بھی۔''

''کیا یہ انگریزی بول سکتی ہے۔'' جولیا نے بے ساختہ پوچھا۔

''نہیں ..... لیکن اتنی لاطینی جانتی ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو بہ آسانی سمجھ سکتے ہیں۔ یہ زبان شاید شروع سے یہاں کی ملکائیں ایک دوسری کو سکھاتی آئی ہیں۔'' آرتھر نے کہا۔

فریدی کو یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ وہ لاطینی زبان جانتی ہے۔ فریدی نے سوچا کہ اب بولنا ہی چاہئے ورنہ مفت میں جان جائے گی۔ لاطینی، فرانسیسی اور جرمن زبانوں میں وہ اچھا خاصا دخل رکھتا تھا۔

''اے دنیا کی طاقت ور ترین ملکہ۔'' فریدی نے قدرے جھک کر سیدھے کھڑے ہوتے ہوئے لاطینی زبان میں کہا۔ ''کیا مہمانوں کے ساتھ یہی برتاؤ کیا جاتا ہے؟''

آرتھر، جولیا اور جارج فنلے بیک وقت چونک پڑے۔ ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''اے سیاہ فام اجنبی۔'' ملکہ بولی۔ ''ہمیں افسوس ہے کہ ہمارا شوہر ربہ ارسلاشیہ کا بیٹا ہم سے تمہیں پہلے ہی مانگ چکا ہے۔''

''خیر اگر سی۔ جی لادیوتا کی بیٹی چاہتی ہے کہ ہم اس پر قربان ہو جائیں تو ہمیں کوئی افسوس نہیں۔ ہم اس کے لئے بھی تیار ہیں۔'' فریدی نے کہا۔

قبل اس کے کہ ملکہ کچھ کہتی آرتھر چیخ پڑا۔

''ارے میری حسین ترین ملکہ..... یہ مکار ہے.....غدار ہے.....ان کی باتوں میں نہ آنا۔''

''میں تم سے وعدہ کر چکی ہوں۔ پورا کروں گی۔'' ملکہ نے مسکرا کر کہا۔ پھر اس نے سپا
وحشیوں سے کچھ کہا اور آرتھر سے لاطینی زبان میں بولی۔

''یہ ہمارے دیوتا میمون اعظم کی بھینٹ ہیں۔''

آرتھر نے قہقہہ لگایا۔

''لو سنو سر جارج.....تم ان لوگوں کے دیوتا بن مانس کی نذر کئے جاؤ گے۔ تم نے ا
خوفناک گوریلا کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ وہ دریا کے ایک چھوٹے سے جزیرے میں رہتا ہے۔ بڑے
افسوس ہے کہ اب میں یہاں کے خزانے کا تنہا مالک ہوں۔''

جارج نے کوئی جواب نہ دیا۔

''اتنے بے درد نہ بنو۔'' جولیا بولی۔

''تمہارے باپ نے مجھے اس پر مجبور کیا ہے۔ اگر وہ مجھ پر اعتبار کر کے خزانے کا راز
دیتا تو یہ نوبت نہ آتی۔''

جولیا لاکھ روئی اور گڑگڑائی لیکن آرتھر پر کچھ اثر نہ ہوا۔ ملکہ نے سپاہیوں کو اشارہ کیا
ان لوگوں کی ایک بار پھر تلاشی لی گئی۔

دریا میں ایک بڑی سی کشتی ان کا انتظار کر رہی تھی۔ کھانے پینے کے سامان کے علاوہ ا
سے سب کچھ چھین لیا گیا۔ فالتو چیزوں میں فریدی کی تمباکو کا بنڈل بھی بچ گیا تھا۔

''اف میرے خدا۔'' جارج کشتی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''اب..... سچ مچ ہماری موت
آ گئی ہے۔''

''آپ آخر اتنا مایوس کیوں ہو گئے ہیں۔'' جولیا بولی۔

''سر ہنری نے اپنے سفرنامے میں اس گوریلے کے متعلق بھی لکھا ہے۔'' جارج بولا۔

''وہ انتہائی خوفناک اور خونخوار ہے اور ہمارے پاس کوئی ایسی چیز بھی نہیں جس سے اپ
حفاظت کر سکیں گے۔''

ناؤ چل پڑی.....آگے چل کر دریائے نامتی ایک جگہ دو شاخوں میں بٹ گیا اور درمیا

ں زمین کا ایک حصہ ایک جزیرے کی شکل میں ابھر آیا تھا۔ اس کا طول و عرض تقریباً دو میل رہا ہوگا۔

وہ چاروں اس جزیرے میں چھوڑ دیئے گئے۔ کشتی واپس جا چکی تھی۔ یہاں چاروں طرف
گھنے جنگل تھے۔ فریدی نے سب کو دریا کے اونچے کنارے سے نشیب میں اتار دیا۔ پھر وہ سب
ایک جگہ بیٹھ کر موت کا انتظار کرنے لگے۔

فریدی نے اپنی پیٹھ پر بندھا ہوا تمباکو کا گٹھڑ اتارا۔ دو تین پتے مل کر چلم میں رکھے اور
تمباکو جلا کر اطمینان سے کش لینے لگا۔

گوریلا

اس شخص کا اطمینان دیکھ کر مجھے حیرت ہوتی ہے۔'' جارج نے جولیا سے کہا۔

''ہاں.....لیکن.....کیا یہ اس درندے کا مقابلہ کر سکے گا۔'' جولیا نے کہا۔

''ارادہ تو یہی ہے مس جولیا۔'' فریدی مسکرا کر انگریزی میں بولا۔

جارج اور جولیا دونوں اچھل پڑے۔

''اوہ تم انگریزی بول سکتے ہو۔'' جارج متحیر ہو کر بولا۔ ''تو پھر تم اتنے دنوں تک گونگے
کیوں بنے رہے۔''

''مصلحت.....!'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''اگر میں ایسا نہ کرتا تو یہاں تک پہنچ بھی نہیں
سکتا تھا۔''

''تو گویا تم شروع ہی سے ہمارے مقصد سے واقف تھے۔'' جولیا نے پوچھا۔

''ہاں۔''

''لیکن تم کون ہو.....؟'' جارج نے پوچھا۔

''ایک مشرقی آدمی۔'' فریدی نے جواب دیا۔

''تو کیا تم انہیں لوگوں میں سے ہو جو ایک عرصے سے اس مورتی کو حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔''

''نہیں.....! آخر تم پریشان کیوں ہوگئے ہو۔'' فریدی نے کہا۔ ''میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔ مجھے تو اب آرتھر سے سمجھنا ہے۔''

''تو کیا ہم اس جزیرے سے زندہ واپس جاسکیں گے۔'' جولیا نے یاس آمیز لہجے میں کہا۔

''خدا کی ذات سے تو یہی امید ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''مس جولیا.....اس کی باتوں میں نہ آنا۔ دنیا میں اس سے بڑا مکار ملنا مشکل ہے۔'' حمید بے ساختہ بولا۔

''ارے.....!'' جولیا اچھل کر بولی۔ ''اب اس گونگے نے بھی انگریزی بولنی شروع کردی۔''

''ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے؟'' حمید بولا۔

''جولیا اب ہمیں سچ مچ مرنے کے لئے تیار ہوجانا چاہئے۔'' جارج نے کہا۔

''تم خواہ مخواہ ڈر رہے ہو سر جارج۔'' فریدی بولا۔ ''میری صرف آرتھر سے دشمنی ہے۔ اس نے میرے سب سے خوبصورت کتے کو اپنے السیشین سے مروا ڈالا تھا۔''

''ارے تو تم وہی ہو۔'' جولیا ایک بار پھر اچھل پڑی۔ ''مگر نہیں۔ جھوٹ کہتے ہو۔ وہ ایک مہذب آدمی تھا، جوان اور خوبصورت۔''

''میں وہی ہوں، ابھی تھوڑی دیر میں تم مجھے پہچان لوگی۔''

''خیر چھوڑو ان باتوں کو۔'' جارج بولا۔ ''اگر تم واقعی میرے دوست ہو تو اس درندے سے جان بچانے کی کوئی تدبیر کرو۔''

''میں اسے اپنی رائفل کا نشانہ بنانے کی کوشش کروں گا۔'' فریدی نے کہا۔

''رائفل.....!'' جارج متحیر ہوکر بولا۔ ''اب تمہارے پاس کون سی رائفل ہے۔ شاید موت کے خوف سے تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔''

حمید کو بھی حیرت ہو رہی تھی کہ آخر یہ رائفل کہاں سے ٹپک پڑی۔

رائفل کوئی بالشت بھر کی چیز تو نہیں ہوتی کہ فریدی نے اسے اپنے گھیر دار خاکی شلوار کے نیفے میں اڑس لیا ہو۔

''نہیں سر جارج میں قطعی صحیح الدماغ ہوں۔'' فریدی نے کہا اور اپنے بانس کے موٹے ڈنڈے کو بیچ سے پھاڑ دیا۔ رائفل کی ایک پتلی سی نال ڈنڈے کے اندر سے نکل کر زمین پر گر پڑی۔

حمید نے قہقہہ لگایا۔ جولیا اور سر جارج حیرت سے فریدی کی صورت دیکھ رہے تھے۔

اب فریدی نے تمباکو کا بنڈل کھولنا شروع کیا۔ اس میں سے رائفل کا کندہ اور بے شمار گولیوں کا پیکٹ برآمد ہوا۔ اس نے دیکھتے ہی دیکھتے رائفل فٹ کرلی۔

''یہ دیکھو سر جارج..... یہ ایک انتہائی طاقتور اور بے آواز رائفل ہے۔ اس سے میں ایک مکھی کا بھیجا آسانی سے پھاڑ سکتا ہوں۔'' فریدی نے رائفل جارج کے ہاتھوں میں دیتے ہوئے کہا۔

''آدمی ہو یا بھوت۔'' جارج ہنس کر بولا۔ ''میں نے تم جیسا دلیر اور عقل مند آدمی آج تک نہیں دیکھا۔''

گرفتار ہونے کے بعد پہلی بار سر جارج کے ہونٹوں پر ہنسی آئی تھی۔

''کیا تم سچ مچ وہی ہو جس نے اپنے نشانہ سے آرتھر کا پستول اڑا دیا تھا۔'' جولیا بے ساختہ بولی۔

''جی ہاں..... یہ وہی ہے۔'' حمید نے بے دلی سے کہا۔ ''آخر مجھ سے بھی تو کچھ پوچھو۔''

جولیا نے اس طرح کہا کہ جولیا بے ساختہ ہنس پڑی۔

''اچھا تم ہی بتاؤ۔''

''میں سرجنٹ حمید ہوں.....اور.....!''

''سرجنٹ.....!'' جارج چونک کر بولا۔ ''کیا مطلب.....؟''

''یعنی کہ میں اس نالائق آدمی کا لائق اسسٹنٹ ہوں۔'' حمید نے فریدی کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

''صاف صاف بتاؤ آخر مجھے پریشان کرنے سے کیا فائدہ۔'' جارج نے زچ ہوکر کہا۔

''تو سنو مسٹر جارج..... یہ وہ آدمی ہے جسے تمہارے اسکاٹ لینڈ یارڈ کا جاسوس چیف

انسپکٹر براؤن اپنا استاد مانتا ہے۔ یہ وہ شخص ہے جس نے تمہارے ملک کے بین الاقوامی بلیک میلر لیونارڈ کو چٹکی بجاتے پکڑ لیا تھا..... کیا سمجھے۔"

"اوہ..... تو یہ..... وہ فراڈی ہے۔"

"فراڈی نہیں..... فریدی۔" حمید نے جلدی سے کہا۔

"ہاں..... ہاں..... فریدی۔" سر جارج ... کا اظہار کرتا ہوا بولا۔ اور پھر فریدی کا ہاتھ دبا کر کہنے لگا۔ "مسٹر فریدی مجھے خوشی ہے کہ تم سے ان حالات میں ملاقات ہوئی..... سنو جولیا ایشیا کا سب سے بڑا کم سن جاسوس انسپکٹر فریدی ہے۔ لیکن تم میرے ساتھ آئے کیوں۔"

"مورتی کا راز معلوم کرنے کے لئے۔ میں نے اپنے دوست انسپکٹر براؤن سے اس کے متعلق سنا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن افسوس کہ ان کم بختوں نے مورتی مجھ سے چھین لی۔" سر جارج نے غم آلود لہجے میں کہا۔

"پرواہ نہ کرو۔" فریدی نے کہا۔ "میں نے اسی رات کو مورتی کا معمہ حل کر لیا تھا جب آرتھر نے اسے چرایا تھا۔"

"یعنی.....!" سر جارج نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"پہلے تم بتاؤ کہ یہ مورتی تمہیں کہاں ملی تھی۔" فریدی نے کہا۔

سر جارج کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک بہت ہی خوفناک چیخ سنائی دی۔ جولیا سہم کر جارج سے لپٹ گئی۔

"یہ وہی درندہ معلوم ہوتا ہے۔" سر جارج آہستہ سے بولا۔

"ہم لوگوں کی بو پا کر آ رہا ہے۔" فریدی نے کہا اور رائفل کی میگزین میں کارتوس ڈالنے لگا۔ وہ غار کے دہانے پر آ کر باہر کی طرف دیکھنے لگا۔ باہر سناٹا تھا۔ سورج آہستہ آہستہ مغرب کی طرف جھک رہا تھا۔ شام کی زرد شعاعیں ہرے بھرے درختوں کی چوٹیوں پر لرز رہی تھیں۔ پرندے لوگ بھی غار کے دہانے پر آ گئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد وہی چیخ پھر سنائی دی۔ لیکن اس بار آواز کہیں دور سے آئی تھی اور اس

بعد وہ لحظہ بہ لحظہ دور ہی ہوتی گئی پھر سکوت چھا گیا۔

"ہاں تو پھر جارج وہ مورتی۔" فریدی نے کہا۔

"وہ مورتی میرے خاندان کے ایک بزرگ سر ہنری کی ملکیت تھی۔ اب سے تین سو برس پیشتر وہ اس جنگل میں اسی قوم کے چکر میں پھنس گئے تھے اور ملکہ وقت کے ساتھ ان کی شادی بھی کر دی گئی تھی۔ تقریباً چھ ماہ تک سر ہنری یہاں ملکہ کے ساتھ رہے۔ میرا خیال ہے کہ موجودہ ملکہ انہیں کی اولاد میں سے ہے۔"

"تو تم سر ہنری کے خاندان سے واقف ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں.....!" سر جارج بولا۔ "وہ اس مورتی کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ انہیں کی زندگی میں اس کی کافی شہرت ہو گئی تھی اور انہیں کی زندگی میں ایک بار چرائی بھی گئی تھی۔ متعدد بار میرے قبضے سے بھی نکل چکی ہے۔ کئی بار لوگوں نے اس کا معمہ حل کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب رہے۔ خود میں بھی برسوں اسے حل کرنے میں پریشان رہا اور آخر مجھے سر ہنری کی ایک تحریر سے مدد ملی۔"

"ٹھہریئے.....!" فریدی بولا۔ "اب مجھے کہنے دیجئے..... دیکھئے میں جس نتیجہ پر پہنچا ہوں وہ ٹھیک ہے یا نہیں۔"

"ہاں ہاں کہو۔" سر جارج مسکرا کر بولا۔

"سینگ.....!" فریدی نے کہا۔ "صرف سینگ..... اس بت کے ماتھے پر نکلے ہوئے سینگ کو توڑنا ہے، لیکن مجھے کسی خزانے کی توقع نہیں ہے۔"

"تمہیں اس کا پتہ کیسے لگا۔" سر جارج نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"نہایت آسانی سے..... یہ کوئی ایسی مشکل چیز نہ تھی۔" فریدی نے کہا۔

"مورتی کے مختلف حصوں پر کچھ حروف کندہ تھے، جو بظاہر ان کے اعضاء کے ناموں کے پہلے حروف معلوم ہوتے تھے، لیکن اُن حروف کے کندہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ جب کہ ایک بچہ بھی کسی مورتی یا تصویر کے اعضاء کے نام بتا سکتا ہے۔ ایسی صورت میں سوائے اس کے اور کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ حروف کندہ کرنے کا مقصد کچھ اور تھا لہٰذا میں نے ان حروف کو ترتیب دی کر

ایک بامعنی لفظ ہارن (سینگ) بنایا۔ ان حروف سے اس کے علاوہ اور بامعنی لفظ بنتا ہی نہیں۔"

"تم ٹھیک سمجھے..... خدا کی قسم بالکل ٹھیک سمجھے۔" سر جارج نے چیخ کر کہا۔ "لیکن تم نے یہ کیسے کہا کہ خزانہ کی توقع نہیں۔"

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ دفعتاً جولیا چیخ پڑی۔ فریدی چونکا۔ ایک سیاہ رنگ کا چھ فٹ اونچا بن مانس ان کی طرف چلا آ رہا تھا۔ فریدی نے سر جارج وغیرہ کو غار کے اندر دھکیل دیا اور خود رائفل سیدھی کر کے نشانہ لینے لگا۔ رائفل چلی بن مانس کے داہنے شانے پر سے بال اڑ گئے، اس نے لڑکھڑا کر ایک خوفناک چیخ ماری پھر فریدی کی طرف جھپٹا۔

فریدی نے پھر فائر کیا اس بار گولی ٹھیک اس کی پیشانی پر پڑی تھی۔ وہ گر پڑا۔ اس نے دوبارہ اٹھنے کی کوشش کی، لیکن کھڑا نہ ہو سکا۔ وہ بیٹھ کر مٹی اڑانے لگا۔ اس کی چیخیں بہت زیادہ خوفناک ہوتی جا رہی تھیں۔ فریدی نے پے در پے دو تین فائر کئے اور وہ با آخر ڈھیر ہو گیا۔

عجیب خانہ

تقریباً ایک گھنٹہ کے بعد جولیا کو ہوش آیا اور پھر وہ سب مردہ بن مانس کے گرد اکٹھے ہو گئے۔

"میں نے آج تک اتنا خوفناک گوریلا نہیں دیکھا۔" سر جارج نے کہا۔

"اور اتنا احمق شکاری بھی تم نے نہ دیکھا تھا۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"جو خواہ مخواہ اپنی زندگی خطرے میں ڈالتا ہے۔"

"ہم تم لوگوں کے احسان مند ہیں۔" جولیا بولی۔

"اب ہمیں یہاں سے نکلنے کی کوئی تدبیر کرنی چاہئے۔" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا

فضا اس کی آنکھیں جگمگا اٹھیں۔ حمید سمجھ گیا کہ اسے کوئی معقول تدبیر سوجھ گئی۔

"آج رات کو ہمیں بہت کچھ کرنا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"یعنی.....!" حمید نے پوچھا۔

"بتاؤں.....!" فریدی نے کہا اور بن مانس کی لاش کو کھینچتا ہوا ایک طرف لے چلا۔

"کیا میں بھی آؤں۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں.....!"

تقریباً آدھ گھنٹہ کے بعد فریدی واپس آیا۔ وہ بن مانس کی لاش کو کہیں دور پھینک آیا تھا۔

"دریا کے اس پار میں نے کچھ کشتیاں دیکھی ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "آج رات کو ان میں سے ایک کسی طرح اس کنارے پر لانی ہے۔"

"یہ ایک خطرناک کام ہے۔" حمید بولا۔ "اول تو اس کنارے تک پہنچنا ہی مشکل ہے اور اگر کسی طرح پہنچ بھی گئے تو واپسی ناممکن ہے کیونکہ وہاں باقاعدہ پہرہ ہے۔"

"میں دیکھ آیا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "وہاں صرف تین آدمی ہیں اور پھر میری یہ بے آواز رائفل کس دن کام آئے گی۔"

"تو کیا تم تیر کر اس کنارے تک جاؤ گے۔" جولیا نے پوچھا۔

"ہاں.....!"

"نہیں، یہ خطرناک کام ہے۔ معلوم نہیں دریا کتنا دور ہو اور پھر خوفناک جنگلی جانوروں کا خطرہ۔"

"کیا پھر اس جزیرے میں سسک سسک کر جان دینے کا ارادہ ہے۔" فریدی نے کہا۔

"مس جولیا..... یہ خاکی جانور کسی کی بات نہیں سنتا۔ بہتر یہی ہے جو کچھ یہ کرے کرنے دو۔" حمید نے ہنس کر کہا۔

تاریکی پھیل گئی تھی۔ حمید اور جارج نے خشک لکڑیاں اکٹھا کر لیں اور غار میں آگ جلا دی گئی۔ فریدی دو تین مرغابیاں شکار کر لایا تھا، جنہیں جولیا ادھیڑ رہی تھی۔ اس دوران میں فریدی غائب رہا۔ صرف ایک بار کھانا کھانے کے لئے آیا اور پھر چلا گیا۔ آہستہ آہستہ رات گذرتی جا رہی تھی۔ جولیا سر جارج اور حمید غار میں بیٹھے جاگ رہے تھے۔ فریدی کے نہ ہونے کی وجہ

سے کسی کو نیند نہیں آئی۔ جارج بار بار جلتی ہوئی لکڑیوں کی روشنی میں گھڑی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ تین بج گئے لیکن فریدی کا کہیں پتہ نہ تھا۔

ساڑھے تین بجے باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

''کام ہوگیا۔'' فریدی نے غار میں گھستے ہوئے کہا۔ اس کے کپڑے بھیگے ہوئے تھے۔

''کشتی لے آئے۔'' جولیا نے پوچھا۔

''ہاں.....!'' فریدی نے آگ کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''کچھ زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ اس وقت صرف ایک آدمی کشتی کی نگہبانی کر رہا تھا جسے میں نے رائفل کا کندہ مار کر بے ہوش کر دیا اور کشتی لے آیا۔''

''اوہ.....تم نے اسے مار کیوں نہیں ڈالا۔ وہ ہوش میں آنے کے بعد ضرور شور مچائے گا۔''

''میں بے گناہوں کے خون سے ہاتھ رنگنے کا عادی نہیں۔'' فریدی نے کہا۔ ''وہ صبح تک ہوش میں نہیں آسکتا اور اگر آ بھی گیا تو کیا ہوگا.....اب وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔''

''بھلا تمہاری ایک رائفل کسے کے سنبھال سکے گی۔'' جارج نے کہا۔

''اب شاید رائفل چلانے کی نوبت ہی نہ آئے۔'' فریدی بولا۔

''وہ کیسے.....؟'' جولیا بولی۔

''بس دیکھتی جاؤ۔'' فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ پھر چونک کر بولا۔ ''ہم سورج نکلنے ہی پار پہنچ جائیں گے۔''

''معلوم ہوتا ہے کہ واقعی تمہارا دماغ خراب ہو چلا ہے۔''

''مجھ پر اعتماد کرو اور خدا پر بھروسہ رکھو۔'' فریدی نے کہا۔ ''ہم روز روشن میں ان کے درمیان پہنچیں گے۔''

''آخر آپ کی اسکیم کیا ہے۔'' حمید نے بے تابی سے پوچھا۔

''تم جانتے ہو کہ میں پہلے سے اپنی اسکیم نہیں بتاتا۔''

''ارے اس موت کے جزیرے میں تو اپنے اصول سے ہٹ جایئے۔'' حمید نے کہا۔

''شاید موت کے جبڑوں میں بھی ایسا نہ کرسکوں۔''

فریدی نے اپنے کپڑے سکھائے اور پھر باہر نکل گیا۔ وہ ان سے کہہ گیا کہ سورج نکلنے سے پہلے ہی ان کے پاس پہنچ جائے گا۔

فریدی کے چلے جانے کے بعد حمید جولیا اور جارج کو فریدی کے کارناموں کی داستانیں سناتا رہا۔ وہ انہیں سمجھانے کی کوشش کرتا رہا کہ فریدی نے آج تک کوئی غلط قدم اٹھایا ہی نہیں اور وہ اتنا خوش قسمت ہے کہ بعض اوقات اس کی حماقتیں بھی اس کی کامیابی کی وجہ بن گئیں۔ حمید نے انہیں یہ بھی بتایا کہ اسے محض سراغ رسانی کا شوق اس محکمے میں لایا ہے، ورنہ وہ خود ایک کافی مالدار آدمی ہے۔

''اس کی بیوی اس کی وجہ سے بہت پریشان رہتی ہوگی۔'' جولیا بولی۔

''میرے شیر نے یہ روگ ہی نہیں پالا۔'' حمید نے کہا۔

''کیوں.....؟''

''محض اسی لئے کہ وہ اسے گھریلو آدمی بنانے کی کوشش کرے گی۔'' حمید نے کہا۔

تاریکی آہستہ آہستہ غائب ہوتی جارہی تھی۔ آسمان میں ننداسے ستارے چھپکیاں سی لیتے معلوم ہو رہے تھے۔ ہر طرف ایک پراسرار روح کی گہرائیوں میں اتر جانے والا سناٹا تھا۔ دور تک پھیلے ہوئے جنگل بے کراں آسمان کی وسعتوں سے سرگوشیاں کرتے معلوم ہو رہے تھے۔

دفعتاً ایک خوفناک بن مانس خاموشی سے غار میں داخل ہوا۔ حمید کی پشت غار کے دہانے کی طرف تھی۔ جولیا اور جارج اونگھنے لگے تھے۔ بن مانس کے داخل ہونے کی کسی کو خبر تک نہ ہوئی۔ اس نے حمید کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ حمید چونک کر مڑا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ چیخ کر جارج پر گر پڑا۔ جولیا اور جارج جاگ پڑے۔ دونوں کی گھگھی بندھ گئی۔ دفعتاً بن مانس انسانوں کی طرح قہقہہ مار کر ہنسا۔

''ڈرو نہیں..... میں فریدی ہوں۔'' بن مانس نے کہا۔ ''میں نے اس بن مانس کی کھال اتار کر اپنے جسم پر فٹ کر لی ہے، حمید تم دیکھ کر بتاؤ کہیں سے کوئی کمی تو نہیں رہ گئی۔''

تینوں ہنسنے لگے، لیکن ان کی ہنسی میں اب تک خوف شامل تھا۔ حمید ایک جلتی ہوئی لکڑی اٹھا کر نیچے سے اوپر تک فریدی کا جائزہ لینے لگا۔

''سو فیصدی خالص بن مانس۔'' حمید ہنس کر بولا۔ ''لیکن اس حماقت کی ضرورت؟''

''تمہیں پھر سے مہذب دنیا کی روشنی دکھانے کے لئے۔'' فریدی نے کہا۔ ''اب میں سملی قوم کا ایک زندہ دیوتا ہوں اور تم لوگ میری پناہ میں ہو۔ کیا وہ اب ہمیں اپنی سرزمین میں نہ داخل ہونے دیں گے، مگر اس کھال کی بدبو سے میرا دماغ پھٹا جا رہا ہے۔ سورج نکلنے ہی والا ہے۔ جلدی کرو، کشتی کنارے پر تیار ہے اور ہاں اب یہ بھی سن لو۔ اب میں اس وقت تک خاموشی اختیار کرلوں گا جب تک ہم اس سرزمین سے نکل نہ جائیں۔ جارج تم اس بات کا خیال رکھنا کہ آرتھر اور اس کی سفید ملکہ یہاں سے نکل کر کسی طرف جانے نہ پائیں۔ ہم انہیں واپس لے چلیں گے۔''

چاروں جا کر کشتی پر بیٹھ گئے۔ حمید کشتی کھینے لگا۔ سر جارج رائفل لئے بیٹھا تھا۔ دوسرے کنارے پر کوئی نہیں تھا۔ صرف دو تین کشتیاں کھڑی تھیں۔ وہ بآسانی پار اتر گئے۔

بن مانس جولیا کا ہاتھ پکڑے تھا۔ حمید اور جارج ان کے پیچھے چل رہے تھے۔ بن مانس کو دیکھ کر جنگلیوں نے ادھر اُدھر بھاگنا شروع کر دیا۔ جب وہ لوگ بستی میں آئے تو عورتیں اور بچے ڈر ڈر کر اپنے جھونپڑوں میں گھس گئے۔ ہر طرف شور برپا تھا۔ لوگ بستی چھوڑ چھوڑ کر جنگل کی طرف بھاگ رہے تھے۔ بہتیرے عبادت گاہوں میں گر کر چیخیں مار مار کر رو رہے تھے۔ پھر یہ لوگ اس احاطے میں پہنچے جہاں انہوں نے ملکہ اور آرتھر کو دیکھا تھا اور جہاں بڑے بڑے بت نصب تھے، جیسے ہی ان لوگوں نے بن مانس کو دیکھا بھگدڑ مچ گئی۔ وہاں بھی بہتیرے سجدے میں گر گئے تھے۔ فریدی بن مانسوں کی طرح شور مچاتا ہوا اچھل کر چبوترے پر چڑھ گیا۔ آرتھر نے بھاگنا چاہا لیکن دوسرے ہی لمحے میں سر جارج کے ہاتھ میں دبی ہوئی رائفل کی نال اس کے سینے پر تھی۔ ملکہ چیخ مار کر بے ہوش ہوگئی۔ فریدی نے اسے اٹھا کر اپنے کندھے پر ڈال لیا۔ تھوڑی دیر بعد اس احاطے میں ان کے علاوہ ایک متنفس بھی باقی نہ تھا۔ حمید نے آرتھر کے ہاتھ پیر رسی سے جکڑ کر ایک طرف ڈال دیا اور پھر چاروں طرف سناٹا چھا گیا۔ بھاگتے ہوئے جنگلیوں کا شور کہیں دور سنائی دے رہا تھا۔ لوگ اپنے اپنے جھونپڑے چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ یہ شاید ان کی زندگی میں پہلا واقعہ تھا کہ ان کے دیوتا بن مانس نے ان کی بستی میں آ کر انہیں درشن دیا تھا۔

سر جارج سی جی لا دیوتا کی سینگ توڑنے میں مشغول ہوگیا۔ حمید اور جولیا کھانے پینے کا سامان اکٹھا کرنے لگے۔ بے ہوش ملکہ ابھی تک فریدی کے کاندھے پر پڑی تھی۔

چند گھنٹوں کے بعد وہ ایک بڑی کشتی میں بیٹھے دریائے نامتی پار کر رہے تھے۔ فریدی نے بحر کو راستے کے متعلق پہلے ہی سمجھا دیا تھا۔ وہ دریائے نامتی پار کر کے جارج والے نقشے کے مطابق سفر کرنے کے بجائے دریائے نامتی کی شاخ ستیل ندی سے گذرتا ہوا آبی سفر جاری رکھنا چاہتا تھا۔ اس طرح وہ کشتی پر بیٹھے ہی بیٹھے رام گڑھ کے قریب پہنچ سکتے تھے۔ جارج والا نقشہ کم سے کم تین سو برس پرانا تھا جسے سر ہنری نے ترتیب دیا تھا، اور فریدی نے یہ اقدام اپنی جغرافیائی معلومات کی بناء پر کیا تھا، اس طرح سفر جاری رکھنے کی ایک وجہ اور یہ بھی تھی کہ انہیں سواری کے لئے اور کوئی دوسری چیز مل بھی نہیں سکتی۔ خچروں کو آرتھر کے ورغلائے ہوئے دیوتاؤں سمیت وہ پہلے ہی بھگا چکا تھا۔

حمید اور سر جارج کشتی کھے رہے تھے، آرتھر بندھا ہوا پڑا تھا۔ ملکہ ہوش میں آ چکی تھی۔ وہ خاموش اور سہمی ہوئی ایک طرف بیٹھی تھی۔ فریدی اب تک بن مانس کی کھال پہنے ہوئے تھا۔ اسے خوف تھا کہ سملی قوم کے لوگ حملہ نہ کر بیٹھیں۔ اس لئے اس نے یہی مناسب سمجھا کہ کھال کو اس وقت تک پہنے رہے جب تک کہ اس علاقے میں سے گزر نہ جائے۔ گرمی اور کھال کی بدبو کی وجہ سے اس کا سر چکرانے لگا۔

''خزانے کا کیا ہوا سر جارج۔'' آرتھر نے پڑے پڑے پوچھا۔ ''اور اس وحشی جانور کو تم نے کس طرح قابو میں کیا۔''

''وحشی جانور کی ایک لمبی داستان ہے۔ وہ پھر کبھی سناؤں گا۔'' سر جارج پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ''لیکن خزانہ..... خزانے پر تم پہلے ہی قبضہ پا چکے ہو اور اس کے تنہا مالک ہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔''

''کیا مطلب.....؟'' آرتھر چونک کر بولا۔ ''میں قسم کھانے کے لئے تیار ہوں کہ مجھے خزانہ نہیں مل سکا۔''

''تم جھوٹے ہو۔'' جارج ہنس کر بولا۔ ''وہ خزانہ اس وقت بھی تمہارے پاس ہے اور تم

اس کے تنہا مالک ہو۔"

"اوہ..... سر جارج میں جانتا ہوں کہ تم دھوکہ دہی کے سلسلے میں مجھے قانون کے حوالے کردو گے۔ لیکن مجھے اس طرح زچ مت کرو، میں سب کچھ بھگتنے کے لئے تیار ہوں۔ خزانہ تمہیں مبارک رہے۔ تم جیتے میں ہار گیا۔ لیکن میری درخواست ہے کہ میرا مضحکہ مت اڑاؤ۔"

"آرتھر مجھے تم سے ہمدردی ہے۔" سر جارج نے کہا۔ "تم نے مجھے دھوکا ضرور دیا تھا لیکن میں نے تمہیں معاف کردیا۔ محض اس لئے کہ اب تم اس خزانہ پر قابض ہو چکے ہو اور اگر ایسا نہ ہوا ہوتا تو میں کبھی تمہیں معاف نہ کرتا۔"

"سر جارج مجھے پریشان نہ کرو۔" آرتھر نے ایک بچے کی طرح بے بسی سے کہا۔

"بخدا میں تمہیں پریشان نہیں کر رہا ہوں۔" جارج نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "یہ لو میں تمہارے ہاتھ پیر بھی کھولے دیتا ہوں۔"

جارج نے بن مانس کی طرف دیکھا۔ اس کا اشارہ پاتے ہی سر جارج نے آرتھر کے ہاتھ پیر کھول دیئے۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ حیرت کی وجہ سے اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نکل نہ سکا۔ البتہ ملکہ کے چہرے پر بشاشت دوڑ گئی۔

"تو کیا اب یہ لوگ ہمیں قتل نہ کریں گے۔" ملکہ نے لاطینی زبان میں آرتھر سے پوچھا۔

"نہیں.....!" آرتھر نے جواب دیا۔ "لیکن میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

پھر وہ جارج کی طرف مخاطب ہوا اور حمید کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"اس گونگے کا ساتھی کہاں گیا.....؟"

"اسے بن مانس نے مار ڈالا۔" سر جارج نے سنجیدگی سے کہا۔

"مجھے افسوس ہے۔" آرتھر بولا۔ "وہ ایک بہادر اور وفادار آدمی تھا اور میں اس کے مقابلہ میں ایک ذلیل آدمی ہوں۔"

"تم اس خزانے کے لئے بے تاب ہو۔" سر جارج نے کہا۔ "لو یہ رہا خزانہ۔ یہ سی جی لا دیوتا کی سینگ کے اندر سے نکلا ہے۔"

سر جارج نے ایک بہت پرانا تہہ کیا ہوا کاغذ آرتھر کی طرف بڑھایا۔ آرتھر اسے لے کر بلند

آواز میں پڑھنے لگا۔

"تم خزانے کی تلاش میں آئے ہو۔ خوش آمدید! میں سچ مچ ایک بہت بڑا خزانہ تمہیں سونپ رہا ہوں۔ کیا تمہارے لئے یہ خزانہ کم ہے کہ تم ایک سفید فام عورت یا اس کے بچوں کو وحشی درندوں کے پنجوں سے آزاد کرا کے اپنے ساتھ لئے جا رہے ہو۔ کیا یہ کم ہے کہ تمہارے اس کارنامے پر تمہاری آنے والی نسلیں فخر کر سکیں گی۔ میں سر ہنری فنلے اپنی سفید فام بیوی (جو ان وحشیوں کی ملکہ ہے) کے بطن میں اپنی یادگار چھوڑے جا رہا ہوں۔ میں جا رہا ہوں ورنہ میں بھی ان کی درندگی کا شکار ہو جاؤں گا۔ اپنے ملک میں پہنچ کر اس بات کی کوشش کروں گا کہ اپنے ساتھ یہاں تک ایک مہم لے آؤں اور اپنی بیوی کو یہاں سے لے جاؤں، لیکن مجھے اس کی امید نہیں۔ میری قوم صرف ایک عورت کے لئے اتنا بڑا خطرہ مول نہ لے گی۔ خیر میں انتہائی کوشش کروں گا۔ اور اگر اس میں کامیابی نہ ہوئی تو میں اپنی لالچی قوم کو دوسری طرح راضی کروں گا۔ میں سی جی لا دیوتا کی ایک پیتل کی مورتی بنا کر اسے انتہائی پراسرار طریقے پر شہرت دوں گا۔ ان دنوں میرے ملک میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو خزانوں کی تلاش میں مشرق کا سفر کرتے ہیں۔ دولت کے لالچ میں اپنی زندگی کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ میں انہیں اسی طرح کچنار کے جنگلوں میں بھیجوں گا۔ کاش یہ میرا مشن کامیاب ہو سکے۔ بہت ممکن ہے کہ میری اولاد ہی میں سے کوئی اس کی کوشش کرے۔ بہر حال میں خدا اور اس کے بیٹے کی رحمتوں کا منتظر ہوں۔ اگر میں اس مشن میں کامیابی سے پہلے مر بھی گیا تو اس وقت تک میری روح بے قرار رہے گی جب تک میرے سفید فام بچے اپنے مہذب ملک میں نہ پہنچ جائیں۔ تم پر خدا اور اسکے بیٹے کی برکتیں نازل ہوں۔

سر ہنری فنلے

یکم اپریل ۱۷۱۳ء"

آرتھر نے قہقہہ لگایا اور وہ پرچہ واپس کر دیا۔ حمید اور جولیا حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے۔

"کیا بات ہے۔" ملکہ نے آرتھر سے پوچھا۔

"ہم لوگ خزانے کی تلاش میں آئے تھے۔" آرتھر نے کہا۔ "اور میں نے وہ خزانہ پالیا

اور اس کا تنہا مالک ہوں۔'' اور پھر آرتھر نے اسے سب کچھ سمجھا دیا۔ وہ کچھ بولی نہیں۔ اس کے چہرے سے بہرحال یہ معلوم ہو رہا تھا کہ اسے اپنی حکومت چھوڑنے کا غم ہے۔

دن گزرتا جا رہا تھا۔ سورج آہستہ آہستہ مغرب کی طرف جھک رہا تھا۔ وہ کچنار کے علاقے سے نکل کر ستیل ندی کے دہانے میں داخل ہو رہے تھے۔ فریدی بدستور خاموش بیٹھا تھا۔ ملکہ کبھی کبھی خوف زدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ لیتی تھی۔ آرتھر بھی مطمئن نہیں تھا۔

''لیکن ان لوگوں پر ہمارا دیوتا میمون اعظم کیسے مہربان ہو گیا۔'' ملکہ نے طویل خاموشی کے بعد آرتھر سے لاطینی زبان میں کہا۔

''اے ملکہ میں نے مناسب سمجھا کہ تجھے تیری نسل کے دو آدمیوں میں بھجوا دوں۔'' بن مانس لاطینی زبان میں بولا۔ آرتھر اچھل پڑا اور ملکہ..... سجدے میں گر گئی۔

''ارے ملکہ سجدے سے اٹھ۔ تو خوش قسمت ہے کہ اس وقت تیری نسل کے لوگ تیرے پاس موجود ہیں۔ یہ بوڑھا تیرا عزیز ہے اور یہ لڑکی شاید رشتے میں تیری بہن لگتی ہے۔ اٹھ اور ان دونوں کو بوسہ دے۔'' میمون اعظم نے گرج کر کہا۔

ملکہ نے اٹھ کر سر جارج اور جولیا کی پیشانیاں چوم لیں..... انہوں نے بھی اسے بوسہ دیا۔

''اور بیٹا آرتھر.....!'' بن مانس انگریزی میں بولا۔ ''آج سے عہد کر لو کہ کبھی اپنے ساتھیوں کو دھوکہ نہ دو گے۔''

''ارے سر جارج یہ تو انگریزی بھی جانتا ہے۔'' آرتھر سہمی ہوئی آواز میں بولا۔

''میں دیوتا ہوں..... آرتھر۔'' بن مانس نے حمید کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''میں حکم دوں تو یہ گونگا بھی انگریزی بولنے لگے۔ ہاں گونگے آرتھر سے انگریزی میں بات کر۔''

''کیپٹن آرتھر..... دیوتا سچ کہتا ہے۔'' حمید نے مسکرا کر انگریزی میں کہا۔ آرتھر بوکھلا گیا۔

''جارج یہ کیا معاملہ ہے۔'' آرتھر نے خوفزدہ آواز میں کہا۔

''میں کیا جانوں۔'' جارج اٹھتا ہوا بولا۔ ''میں بہت تھک گیا ہوں۔ اب ذرا تم پتوار پکڑ لو۔''

آرتھر خاموشی سی پتوار کھینے لگا۔

''اچھا اے گونگے اب تو بھی اٹھ تیری جگہ میں بیٹھوں گا۔ تو بھی تھک گیا ہوگا۔'' بن مانس

نے اٹھتے ہوئے کہا۔

حمید ہٹ گیا، اس کی جگہ بن مانس کشتی کھینے لگا۔

''مسٹر فریدی..... اب آرتھر کو زیادہ پریشان نہ کرو۔'' جولیا بولی۔

''مجھے بھی بہت گرمی لگ رہی ہے۔'' فریدی نے کہا اور پتوار رکھ کر اپنی کھال اتارنے لگا۔

آرتھر کے منہ سے حیرت کی چیخ نکل گئی۔ فریدی اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہو گیا تھا۔ اس نے پہاڑی مزدور والا میک اپ بھی بگاڑ دیا تھا۔

''تم یہاں کہاں۔'' آرتھر چیخ کر بولا۔ ''تم وہی ہو جس نے میرے دو عمدہ قسم کے کتوں کا خون کر دیا تھا۔''

''ہاں میں وہی ہوں۔'' فریدی نے کہا اور خاموش ہو گیا۔

جولیا نے سارا واقعہ آرتھر کو بتایا۔

''مسٹر فریدی تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔'' آرتھر نے فریدی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ 'مجھے اسی وقت تم پر شبہ ہو گیا تھا جب تم نے افریقہ کے حوالے دینے شروع کر دیئے تھے۔ لیکن تم نے بہت خوبصورتی سے مجھے یقین دلا دیا تھا۔''

''کیوں سر جارج.....!'' فریدی نے کہا۔ ''کیسا خزانہ ملا۔ تمہاری زبانی سر ہنری کی داستان سنتے ہی میں شبہے میں پڑ گیا تھا۔ محض اس لئے کہ اگر واقعی وہ کسی ایسے خزانے سے واقف تھا تو اس نے خود ہی اُسے شہرت کیوں دی۔ وہ اس مورتی کو دکھا دکھا کر چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔''

''ہاں تم نے پہلے ہی خزانے کی طرف سے ناامیدی ظاہر کر دی تھی۔'' سر جارج نے کہا۔

ان تیزی سے پیش آنے والے واقعات کو ملکہ حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے اس کے متعلق آرتھر سے پوچھا۔ آرتھر نے شروع سے آخیر تک ساری داستان سنا دی۔

''کاش میں اپنی قوم کے لوگوں کو یہاں سے پکار سکتی۔'' ملکہ قہر آلود آواز میں بولی۔ اس کا رہ غصہ سے سرخ ہو گیا تھا۔ وہ فریدی کو اس طرح گھور رہی تھی جیسے موقع ملتے ہی اسے قتل کر دے ما۔ پھر اس نے دریا میں چھلانگ لگانے کی کوشش کی۔ فریدی نے جھپٹ کر اُسے پکڑ لیا۔

''آرتھر بہتر یہی ہے کہ اسے باندھ کر ایک طرف ڈال دو، ورنہ یہ خودکشی کرے گی۔

صدیوں کا جنگلی پن آسانی سے نہیں جائے گا۔ اسے مہذب بنانے کے لئے تمہیں سالہا سال محنت کرنی پڑے گی۔''

''میں اس کے لئے سب کچھ کروں گا مسٹر فریدی۔ میں اسے بے حد چاہتا ہوں۔ اس کے جنگلی پن میں بھی ایک اتھاہ محبت کی دولت ملی ہے۔'' آرتھر نے کہا اور ملکہ کے ہاتھ پیر باندھ کر اُسے ایک طرف ڈال دیا۔ وہ رو رو کر آرتھر سے منت کر رہی تھی کہ اسے مرجانے دیا جائے۔ تھوڑی دیر بعد وہ خاموش ہوگئی۔

''فریدی تم کبھی انگلینڈ بھی آؤ گے؟'' جولیا نے کہا۔

''میں بھی یہی کہنے والا تھا۔'' جارج نے کہا۔

''آؤں گا۔'' فریدی نے کہا اور خاموشی سے کشتی کھیتا رہا۔

''تم نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔'' حمید نے جولیا سے کہا۔

''تم بھی آنا۔'' جولیا ہنس کر بولی۔

''نہیں ابھی میرا باپ زندہ ہے۔ وہ مجھے کبھی انگلینڈ نہ جانے دے گا۔'' حمید نے ایسی مسکینیت سے کہا کہ سب ہنس پڑے۔

رات کے بے کراں سناٹے میں چپوؤں کی ''شپا شپ'' ایک عجیب سا نغمہ چھیڑے ہوئے تھی۔ سر پر تاروں بھرا لامحدود آسمان ..... آسمان صدیوں پرانی کہانی دہرا رہا تھا..... اور نیچے لہروں کی ''ترل رل رل'' ایک غیر فانی گیت گا رہی تھی۔

فریدی ماضی کے دھندلکوں میں ڈوب گیا۔

ختم شد

ابنِ صفی

جلد نمبر 4

جاسوسی دنیا

12- موت کی آندھی

13- ہیرے کی کان

14- تجوری کا گیت



عجیب حادثے

اس وقت دلکشا ہوٹل کے عظیم الشان ہال میں بے شمار آدمی قہقہوں مسکراہٹوں اور سرگوشیوں کے طوفان میں بہے جا رہے تھے۔ سردی اپنے شباب پر تھی۔ حالانکہ ابھی صرف سات بجے تھے لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کافی رات گذر گئی ہو۔ ہال کے اسٹیج پر ایک مصری رقاصہ تھرک رہی تھی۔ ناچ کوئی خاص نہ تھا۔ یوں ہی معمولی سا۔ رقاصہ بھی کچھ زیادہ حسین نہ تھی۔ وہ ابھی حال ہی میں اس شہر میں وارد ہوئی تھی اور اس نے دو ماہ کے لئے دلکشا والوں سے کنٹریکٹ کر لیا تھا۔ وہ رہتی بھی وہیں تھی۔ دو خوبصورت اور کافی بڑے کمرے اُس نے کرائے پر لے رکھے تھے۔ وہ ناچتی رہی آرکسٹرا کی مغموم موسیقی سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کوئی المناک رقص ہے۔ بہر حال وہ اس طرف کے لوگوں کے لئے قطعی ناقابل فہم تھا۔ ہال میں بیٹھے ہوئے لوگ تو محض اس کے گداز جسم کی نمائش میں دلچسپی لے رہے تھے۔ رقاصہ خوبصورت تو نہ تھی لیکن جوان ضرور تھی۔ اُس کا کھلتا ہوا گندمی رنگ چند بیقرار بجلیوں پر چڑھا ہوا ایک غلاف معلوم ہوتا تھا اور دوران رقص میں تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے غلاف پھٹ جائے گا اور سارے اسٹیج پر بجلیاں کوندنے لگیں گی۔ اس نے اس وقت سفید ساٹن کی چمکدار اور ڈھیلی ڈھالی شلوار پہن رکھی تھی جس کے پائینچے ٹخنوں کے قریب پہنچ کر بالکل تنگ ہو گئے تھے۔ گلے میں ایک مختصر سی جیکٹ

تھی جس پر چمکدار تاروں سے کشیدہ کاری کی گئی تھی جب وہ دائرہ بنا کر جھومتی ہوئی رقص کرتی تو کئی ٹھنڈی سانسیں لے کر کرسیوں کی پشت سے ٹک جاتے۔

اس پورے مجمع میں صرف ایک نوجوان بہت زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔ اس نے جدید طرز کا ایک نفیس اور قیمتی سوٹ پہن رکھا تھا لیکن اس کے بے اطمینانی اور بے چینی سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس قسم کے لباس کا عادی نہیں ہے۔ وہ اپنی ٹائی کی گرہ کو بار بار اس طرح چھونے لگتا تھا جیسے اس کی گردن میں درد ہو رہا ہو۔ وہ ایک چھوٹی سی میز پر تنہا بیٹھا تھا۔ سامنے بیر کی بوتل اور ایک گلاس رکھا ہوا تھا۔

رقاصہ ناچتے ناچتے پردے کے پیچھے چلی گئی اور ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ اس نوجوان نے اپنے ماتھے پر سے پسینے کی بوندیں پونچھیں اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ وہ بار بار اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ گھبرائی ہوئی نظروں سے اپنے قریب بیٹھے ہوئے لوگوں کو بھی دیکھ لیتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد آرکسٹرا کی دھنیں پھر گونجنے لگیں اور رقاصہ اس بار اپنے ہاتھ میں خنجر لئے گھونگھروؤں کی آواز فضا میں بکھیرتی ہوئی اسٹیج پر نمودار ہوئی اس بار اُس کے رقص میں غم انگیز اضمحلال کی بجائے ایک وحشیانہ پھرتی اور موسیقی خیز جنگلی پن تھا۔ طبلے کی تھاپ پر اُسکے سارے جسم میں عجیب قسم کی جھٹکے دار لرزش پیدا ہو جاتی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ناچ ناچ کر اپنے خیالی دشمنوں کے سینوں پر پوری قوت سے وار کر رہی ہو۔

مضطرب نوجوان کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور وہ میز پر کہنیاں ٹیک کر آگے کی طرف جھک گیا۔ اُس کے ماتھے پر پھر ننھی ننھی بوندیں پھوٹ آئیں تھیں۔ وقت گذرتا جا رہا تھا۔ ہال آہستہ آہستہ خالی ہونے لگا۔ گیارہ بجے تک بہت تھوڑے آدمی رہ گئے۔ وہ نوجوان ابھی تک وہیں بیٹھا تھا۔

پھر رقص ختم ہو گیا۔ آرکسٹرا کی دھنیں خاموشیوں میں کھو گئیں۔ رقاصہ اوپری منزل میں اپنے کمرے میں چلی آئی۔ اُس کے وہاں سے آنے کے بعد وہ نوجوان بھی لڑکھڑاتا ہوا زینے طے کر رہا تھا۔ اس کی یہ لڑکھڑاہٹ نشہ سے زیادہ گھبراہٹ اور بے چینی کا نتیجہ تھی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اُس پر خوف طاری ہے۔

رقاصہ کا نام حسینہ تھا اپنے کمرے میں آکر قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ تھوڑی

دیر تک وہ خاموش کھڑی رہی پھر اُس نے میز کی دراز سے ایک شیشی نکالی ایک گلاس میں پانی لیا اور شیشی سے کوئی سیال شے پانی میں انڈیل کر پی گئی.... چند لمحوں کے بعد ایسا معلوم ہونے لگا جیسے اُس کی آنکھیں نشے سے بوجھل ہوئی جارہی ہوں.... وہ پھر آئینے کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ اس نے اپنا جیکٹ اتار پھینکا۔ بال بکھیر دیئے وہ نیم عریاں حالت میں وحشیانہ قہقہے لگا رہی تھی.... آئینے میں دیکھ دیکھ کر وہ بُرے بُرے منہ بناتی رہی.... پھر اُس نے چند سیکنڈ مٹھی میں دبا کر ہوا میں اچھالے اور فرش پر دوزانو بیٹھ کر انہیں دیکھنے لگی.... "سب پٹ" وہ بڑبڑائی۔ "ایک بھی چت نہیں.... تو ابھی وقت نہیں آیا۔ خیر میں انتظار کروں گی۔" پھر وہ تھوڑی دیر تک بیٹھی جھومتی رہی۔ پھر اُس نے اپنی شلوار کے نیفے میں اُڑسا ہوا ایک سفید رومال نکالا اور اُسے بوسہ دے کر کہنے لگی "اے مقدس امانت میں نے ابھی تک تیری حفاظت کی ہے۔ میں وادیٔ نیل کی بیٹی انتقام لے کر رہوں گی.... وہ خون جو سمندر کی ریت پر بہایا گیا.... وہ خون جس کا ایک قطرہ میں بھی ہوں.... وہ خون اپنا قصاص چاہتا ہے۔" اس کی آواز رفتہ رفتہ دردناک ہوتی جارہی تھی۔ "وہ خون مجھے پکار رہا ہے.... خونِ ناحق.... میں کتنا روئی تھی.... میں نے ذلت کی زندگی اختیار کی.... مجھے عصمت فروشی پر مجبور ہونا پڑا.... کاش جلد ہی وہ موقع آجاتا کہ میں آگ کے قریب اس مقدس امانت کو لے جاتی.... ہیہات.... میری روح بے دین ہے انتقام انتقام....!"

وہ گھبرایا ہوا نوجوان دبے پاؤں اُس کے کمرے میں داخل ہوا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک چمکتا ہوا خنجر تھا.... وہ اتنی آہستگی سے رقاصہ کے پیچھے پہنچ گیا کہ اُسے خبر تک نہ ہوئی لیکن نوجوان پر لرزہ طاری تھا اُس نے ایک ہاتھ سے تو رقاصہ کا رومال چھینا اور دوسرے ہاتھ سے اس پر خنجر کا وار کیا.... رقاصہ چیخ کر پلٹی لیکن وہ دوسرے لمحے میں کمرے سے باہر تھا۔

"میرا رومال....!" قاصہ چیخی وہ خوف زدہ نظروں سے سامنے پڑے ہوئے خنجر کو دیکھ رہی تھی۔ گھبراہٹ میں اجنبی کا وار خالی گیا تھا۔ وہ چند لمحوں تک سکتے کے عالم میں بیٹھی رہی پھر اچانک چیختی ہوئی دروازے کی طرف جھپٹی.... تھوڑی دیر بعد وہ نیم برہنہ حالت میں پورے ہال میں چیختی پھر رہی تھی۔ "میرا رومال.... میرا رومال" لوگ کرسیوں سے اٹھ اٹھ کر اس کے گرد اکٹھا ہونے لگے۔

"شائد کافی چڑھ گئی ہے۔" ایک آدمی ہنس کر بولا۔

"معلوم یہی ہوتا ہے۔" دوسرے نے کہا۔

دفعتاً باہر فٹ پاتھ پر پستول چلنے کی آواز سنائی دی.... اور پھر ایک چیخ.... لوگ رقاصہ کو چھوڑ کر اُس کی طرف متوجہ ہوگئے۔ فٹ پاتھ پر بھیڑ لگ گئی تھی۔ وہی نوجوان جو رقاصہ کا رومال لے کر بھاگا تھا خون میں لتھڑا پڑا تھا.... رقاصہ بھی بھیڑ کو چیرتی ہوئی اس کے پاس پہنچ گئی۔

"یہی تھا.... یہی تھا۔" وہ چیخی۔ "مگر میرا رومال۔"

"اوہ تم اسی حالت میں یہاں بھی چلی آئیں۔" ہوٹل کے منیجر نے کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا اندر لے جانے لگا.... وہ برابر چیخ جارہی تھی۔ "میرا رومال میرا رومال" منیجر نے اسے اس کے کمرے میں لے جاکر بند کر دیا۔

باہر فٹ پاتھ پر بھیڑ بڑھتی جارہی تھی۔ زخمی نوجوان گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ گولی سینے پر لگی تھی۔ قبل اس کے کہ اُسے ہسپتال لے جانے کا انتظام کیا جاتا زخمی نے دم توڑ دیا۔ سڑک کی ڈیوٹی والے دو تین کانسٹیبل بھی وہاں آگئے تھے۔ ان میں سے ایک کوتوالی فون کرنے چلا گیا اور بقیہ کانسٹیبل لاش کے قریب سے بھیڑ ہٹانے لگے۔

تھوڑی دیر بعد پولیس آگئی۔ کوتوالی انچارج انسپکٹر جگدیش کار سے اُترا۔ لوگ لاش کے پاس سے ہٹ گئے۔

راہگیروں نے واقعات بتانے شروع کئے اور پھر کسی نے نیم برہنہ رقاصہ کا بھی حوالہ دیا۔ جگدیش لاش کو دو سب انسپکٹروں کی حفاظت میں چھوڑ کر ہوٹل کے منیجر کے پاس آیا۔

"جی ہاں.... بٹلر کا بیان ہے کہ وہ یہیں سے نکلا تھا۔" ہوٹل کے منیجر نے جگدیش سے کہا۔

"اور وہ عورت....!" جگدیش نے پوچھا۔

"وہ شاید زیادہ پی گئی ہے۔" منیجر نے کہا۔ "میں نے اُسے اُس کے کمرے میں بند کر دیا ہے۔"

"کیا اس سے پہلے بھی وہ کبھی اس حالت میں باہر نکل آئی تھی۔" جگدیش نے پوچھا۔

"کبھی نہیں۔" منیجر نے جواب دیا۔

"ہوں" جگدیش نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "میں اُسے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

وہ منیجر کے ساتھ مصری رقاصہ کے کمرے میں پہنچا.... وہ نیم برہنگی کے عالم میں زمین پر چت پڑی تھی۔ غالباً وہ بیہوش ہوگئی تھی۔ جگدیش نے جسم پر چادر ڈال دی اور پھر اُس کی نگاہیں

کمرے کا جائزہ لینے لگیں۔ زمین پر کچھ پیسے پڑے ہوئے تھے قریب ہی ایک چمکدار خنجر اور ایک خالی شیشی پڑی تھی۔ جگدیش نے شیشی کو رومال سے پکڑ کر اٹھایا اور اُسے اپنی ناک کے قریب لے گیا۔

"برومائیڈ....!" وہ شیشی کا لیبل پڑھتا ہوا بولا۔ "تو اس نے برومائیڈ پیا ہے۔"

پھر وہ منیجر کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔

"کیا آپ جانتے تھے کہ وہ برومائیڈ استعمال کرتی تھی۔"

"بھلا میں اس کے متعلق کیا جان سکتا تھا۔" منیجر نے کہا۔

"یہ یہاں کتنے دنوں سے مقیم ہے۔"

"ایک ہفتہ سے۔"

"اس دوران میں اس سے قبل بھی اس کا کوئی رویہ مشکوک نظر آیا تھا۔" جگدیش نے کہا۔

"اس کے متعلق میں کچھ زیادہ نہیں جانتا۔" منیجر نے کہا۔

"وہ آدمی کبھی اس کے ساتھ دکھائی دیا تھا جس کی لاش آپ ابھی دیکھ چکے ہیں۔" جگدیش نے پوچھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ اس کے متعلق میری معلومات محدود ہیں۔" منیجر نے کہا۔ "لیکن ٹھہریئے میں اُس ویٹر کو بلاتا ہوں جو ان کمروں پر مامور ہے۔"

تھوڑی دیر بعد ویٹر آ گیا۔

"تمہارا نام....!" جگدیش نے ویٹر کی طرف کڑی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

"نسیم....!"

"یہاں کب سے کام کرتے ہو۔"

"تقریباً ایک سال سے۔"

"تم نے اُس آدمی کی لاش دیکھی۔"

"جی ہاں۔"

"کیا وہ یہاں کا مستقل گاہک تھا۔"

"جی نہیں۔ میں نے اُسے آج پہلے پہل یہاں دیکھا تھا۔"

"یہ تم نے کیسے کہا۔ ممکن ہے وہ اس سے پہلے بھی یہاں آیا ہو۔" جگدیش نے کہا۔

"ہو سکتا ہے لیکن میں نے اُسے پہلی بار دیکھا تھا۔"

"یہ تم وثوق کے ساتھ کیسے کہہ سکتے ہو، یہ ایک بڑا ہوٹل ہے۔ دن بھر میں سینکڑوں آدمی یہاں آتے ہوں گے کیا تم اُن میں سے کسی کو ایک بار یہاں دیکھ کر پھر کسی موقع پر یہ کہہ سکتے ہو کہ وہ یہاں اس سے پہلے بھی آ چکا ہے۔"

"جی نہیں.... یہ ایک بہت مشکل کام ہے۔" ویٹر نے کہا۔

"پھر آخر اس آدمی کے سلسلے میں تم اتنے وثوق کے ساتھ کیوں کہہ رہے ہو۔" جگدیش نے پوچھا۔

"صاحب بات دراصل یہ ہے کہ میں عرصہ دراز سے ہوٹلوں میں ویٹری کر رہا ہوں۔ میری اتنی عمر آئی میں نے آج تک ایسا آدمی نہیں دیکھا جو بیئر میں سوڈا ملا کر پیتا ہو۔"

"کیا مطلب....!" جگدیش نے چونک کر پوچھا۔

"وہ بیئر میں سوڈا ملا کر پی رہا تھا اور اس کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا جیسے اُس نے زندگی میں پہلی بار کسی بڑے ہوٹل میں قدم رکھا ہو۔" ویٹر نے کہا۔

"اوہ....!" جگدیش نے اُس کی طرف متحیرانہ نظروں سے دیکھا۔

"میں ہی اس کی میز پر تھا۔" ویٹر نے کہا۔ "اُس نے ہکلا ہکلا کر بیئر اور سوڈے کا آرڈر دیا تھا.... انداز گفتگو سے بھی وہ کوئی پڑھا لکھا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔"

"کیا تم نے کبھی اُسے اس کے ساتھ دیکھا تھا۔" جگدیش نے بیہوش رقاصہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"جی نہیں۔"

"کبھی وہ یہاں اس کے کمرے میں بھی دکھائی دیا تھا۔"

"جی نہیں مجھے تو کبھی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔"

"ہُوں....!" جگدیش کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اس رقاصہ کے بارے میں تم کیا جانتے ہو۔"

ویٹر اُس کی طرف اس طرح دیکھنے لگا جیسے وہ اس کے سوال کو سمجھا نہ ہو۔

"کیا تم انہیں کمروں کی دیکھ بھال پر مامور تھے۔"

"جی ہاں۔"

"یہاں ان کمروں میں کوئی اُس سے ملنے آتا تھا۔"

"بہتیرے آتے تھے لیکن یہ کسی سے ملتی نہیں تھی۔"

"اس کی کوئی ایسی حرکت جو تمہاری نظروں میں مشکوک ہو۔" جگدیش نے اُس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

ویٹر کچھ سوچنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی چیز کا فیصلہ کرنے کے سلسلے میں ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو۔

"حالانکہ یہ ایک ویٹر کے لئے بہت ہی معیوب اور قابل اعتراض بات ہے۔" وہ ندامت آمیز لہجے میں بولا۔ "لیکن میں بعض اوقات اس سے کمرے میں....!"

ویٹر نے رک کر منیجر کی طرف گھبرائی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

"کہو کہو.... رک کیوں گئے۔" منیجر بولا۔

"بہتر یہ ہے کہ آپ اسے تنہائی میں مجھ سے گفتگو کرنے کا موقع دیں۔" جگدیش نے منیجر سے انگریزی میں کہا۔ "ممکن ہے کہ میں ابھی پھر آپ کو تکلیف دوں۔"

"بہتر ہے۔" منیجر نے کہا اور نیچے چلا گیا۔

"ہاں اب کہو۔" جگدیش نے ویٹر سے نرم لہجے میں کہا۔

"منیجر صاحب کے سامنے میری زبان رک گئی تھی اور یہ قدرتی بات ہے۔ بھلا میں یہ کیسے کہہ سکتا تھا کہ میں کرایہ داروں کے کمروں میں جھانکا کرتا ہوں۔" ویٹر نے کہا۔

"خیر خیر آگے کہو۔" جگدیش بے چینی سے بولا۔

"بعض اوقات وہ ایسی حرکتیں کرتی تھی کہ میں اُس کے کمرے میں جھانکنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ اُس کا دستور تھا کہ وہ روز رات کو "ناچ" کے بعد اپنے کمرے میں آکر کوئی چیز پیتی تھی پھر یا تو بالکل برہنہ ہو جاتی تھی یا صرف شلوار پہنے رہتی تھی۔ اس کے بعد وہ کچھ پیسے ہوا میں اچھال کر زمین پر بیٹھ جاتی تھی اور پھر ایک رومال نکال کر کچھ دیر اُسے چومتی چاٹتی رہتی تھی اور ساتھ ہی ساتھ کچھ بڑبڑایا بھی کرتی تھی۔ اکثر پاگلوں کی طرح قہقہے لگا کر اپنا جسم نوچنے لگتی تھی۔"

ویٹر خاموش ہو گیا۔

"کیا وہ اس حالت میں کبھی خنجر بھی نکالا کرتی تھی۔" جگدیش نے پوچھا۔

"مجھے تو کوئی ایسا موقعہ یاد نہیں۔" ویٹر نے کہا۔

"اچھا اب تم جا سکتے ہو۔" جگدیش نے ویٹر سے کہا اور پھر اپنے قریب کھڑے ہوئے سب انسپکٹر سے کہا۔ "عجیب معاملہ ہے.... رومال کا تذکرہ اس نے بھی کیا ہے اور رومال رومال چیختی ہوئی وہ بھی اپنے کمرے سے نکل کر بھاگی تھی۔ تو کیا وہ دراصل اس کا رومال چھین کر بھاگا تھا۔ اول تو یہی چیز مضحکہ خیز ہے کہ وہ بیئر میں سوڈا ملا کر پی رہا تھا دوسرے یہ کہ وہ اس کا رومال چھین کر بھاگا اور پھر کسی نے اُسے قتل بھی کر دیا بھئی میرے تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

"معاملہ واقعی عجیب ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"اچھا تم یہیں کمرے میں ٹھہرو۔ یہاں کی کوئی چیز اپنی جگہ سے ہلنے نہ پائے اور اگر اس دوران میں یہ ہوش میں آجائے تو اسے یہیں روکے رکھنا۔" جگدیش سب انسپکٹر کو ہدایات دے کر نیچے چلا گیا۔

سب انسپکٹر حیرت سے کمرے میں پھیلی ہوئی چیزوں کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس کی نگاہیں بیہوش رقاصہ کے جوان چہرے پر جم گئیں۔ دفعتاً اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے برابر والے کمرے میں کوئی عورت چیخ رہی ہو۔ "مجھے چھوڑ دو.... چھوڑ دو.... ورنہ میں زور سے چیخ دوں گی۔"

پھر ایسا معلوم ہوا جیسے دو آدمی ہاتھا پائی کر رہے ہوں۔ عورت کی آواز پھر سنائی دی لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُسکی آواز اس طرح گھٹ کر رہ گئی جیسے کسی نے اُسکے منہ پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔

سب انسپکٹر جھپٹ کر کمرے سے باہر نکلا لیکن آواز کدھر سے آئی.... کیونکہ برابر والے دونوں کمرے باہر سے مقفل تھے۔ وہ آگے بڑھتا چلا گیا.... پورا برآمدہ سنسان تھا۔ کمروں کے رہنے والے شائد قتل کے حادثے کے متعلق معلومات بہم پہنچانے کے لئے نیچے چلے گئے۔ سب انسپکٹر لوٹنے ہی والا تھا کہ اُسے ایک عورت کی تیز چیخ سنائی دی۔ یہ آواز اسی رقاصہ کے کمرے سے آئی تھی۔ سب انسپکٹر دوڑتا ہوا کمرے میں آیا اور پھر اُس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہی خنجر وہ جسے زمین پر چھوڑ گیا تھا رقاصہ کے سینے میں پیوست تھا اور وہ تڑپ رہی تھی۔ اس نے دو تین بار آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سب انسپکٹر کی طرف دیکھا اور پھر گردن ایک طرف ڈال دی.... وہ مر چکی تھی.... سب انسپکٹر دوڑتا ہوا نیچے گیا۔

انسپکٹر جگدیش بوکھلا گیا.... وہ سب انسپکٹر پر برس پڑا۔ آخر وہ اُسے چھوڑ کر باہر گیا ہی کیوں

تھا۔ اُس نے ہوٹل کے سارے دروازے بند کرادیئے اور ایک ایک کونہ چھان مارا لیکن کوئی ایسا آدمی نہ مل سکا جسے شک کی بناء پر گرفتار کیا جاسکتا۔ اوپر کے کمروں میں اُس رقاصہ کے علاوہ کوئی دوسری عورت تھی ہی نہیں.... پھر آواز کہاں سے آئی تھی.... جگدیش کو اختلاج سا ہونے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے.... آخر کار اُس کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ رہ گیا کہ ایشیاء کے جوان سال اور مشہور جاسوس انسپکٹر فریدی کو فون کرے۔ لیکن اس وقت ایک بج رہا تھا.... کیا فریدی اپنا آرام چھوڑ کر اس وقت چلا آئے گا۔ اس نے سوچا.... لیکن پھر کرتا ہی کیا.... اُس نے فریدی کو فون کردیا۔

سر بنتھال

صبح کے سات بجے تھے۔ سردی شدید تھی۔ انسپکٹر فریدی اپنے کمرے میں آتشدان کے پاس بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ پچھلی رات وہ سونے ہی جارہا تھا کہ اسے ٹیلی فون پر جگدیش کا پیغام ملا تھا اور پھر اس نے باقی رات دلکشا ہوٹل ہی میں گذار دی۔ اس کے لئے یہ پہلا موقع نہ تھا کہ جائے واردات پر وہ کسی خاص نتیجے پر پہنچ سکا تھا۔ حالات کی پیچیدگی اور انوکھے پن کی وجہ سے اُس کا ذہن کام نہیں کررہا تھا۔ یہ چیز اُس کے لئے بہت ہی عجیب تھی کہ ایک رومال کے سلسلے میں دو قتل ہوگئے اور پھر اُس مصری رقاصہ کا عجیب و غریب رویہ؟ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ تفتیش کا رُخ کدھر موڑے۔ کیس حد درجہ دلچسپ تھا۔

حمید ابھی تک گھر واپس نہیں آیا تھا۔ وہ رات ہی سے غائب تھا۔ ادھر کچھ دنوں سے اُس کچھ عجب حال تھا۔ وہ کافی رات گئے واپس آیا کرتا تھا اور کبھی تو ایسا بھی ہوتا کہ صبح ہی کو اس کی صورت دکھائی دیتی۔ فریدی کا خیال تھا کہ شاید اس دوران میں اس کی رگ معاشقہ پھر پھڑکنے لگی ہے۔ اس نے کئی بار اُس سے اِس آوارگی کی وجہ بھی پوچھی لیکن اُس نے کوئی تشفی بخش جواب نہیں دیا۔

اس وقت فریدی سوچ رہا تھا کہ اگر حمید اُس کے ساتھ ہوتا تو کل رات ہی کو کسی نہ کسی طرح وہ معاملے کی تہہ تک ضرور پہنچ جاتا کیونکہ بعض اوقات اس کی احمقانہ حرکتیں اُسے کسی

نتیجے پر پہنچنے میں مدد دیتی تھیں۔

وہ آتش دان کے سامنے بیٹھا اونگھتا رہا۔ اس دوران میں نوکر نے آکر آگ میں کچھ اور ایندھن ڈالا اور چلا گیا لیکن اُسے خبر تک نہ ہوئی۔ وہ صرف سوچ رہا تھا اور اس سوچ نے اُسے اپنے گردوپیش کی فضا سے بالکل بے نیاز کردیا تھا۔ دفعتاً برآمدے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی اور حمید مسکراتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ فریدی اب بھی اُسی طرح اونگھ رہا تھا حمید اُس کے قریب گیا اور جھک کر اُس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔

فریدی نے آنکھیں کھول دیں.... اور حمید بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔ فریدی کی آنکھیں سرخ تھیں۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے دو دہکتے ہوئے انگارے ہوں۔

"اِدھر آؤ....؟" فریدی تحکمانہ لہجے میں بولا۔ "کرسی اِدھر کھینچ لاؤ۔"

حمید کرسی کھینچ کر خاموشی سے اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"کہاں تھے۔"

"کہیں نہیں.... یونہی ذرا...."

"یونہی ذرا۔" فریدی نے گھور کر کہا۔ "ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔"

"کیا آج موڈ کچھ خراب ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"جو میں پوچھ رہا ہوں اُس کا جواب دو۔" فریدی نے کہا۔

"اگر میں جواب دینے سے صاف انکار کردوں تو۔"

"میں فضول بکواس نہیں پسند کرتا۔" فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔

"تو اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے۔ رفتہ رفتہ اس کے بھی عادی ہوجائیں گے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

فریدی اُسے گھورتا رہا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں رات آپ کے ساتھ نہ ہوا۔" حمید نے کہا۔

"تو تمہیں اس کی اطلاع ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اچھی طرح۔" حمید نے کہا۔ "کیا آپ نے آج کا اخبار ابھی تک نہیں دیکھا۔"

"نہیں ابھی نہیں۔"

"خبر میں یہ بھی ہے کہ انسپکٹر فریدی اس کیس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔"

"میں تو عاجز آگیا ہوں ان اخبار نویسوں سے۔" فریدی نے کہا۔

"آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ میں بھی رومالوں کے چکر میں پھنسا ہوا ہوں۔" حمید بولا۔

"کیا مطلب....!" فریدی نے چونک کر کہا۔ "تم رات تھے کہاں۔"

"ہائی سرکل نائٹ کلب میں....!" حمید نے جواب دیا۔

"مگر وہ رومالوں کا چکر کیسا....!" فریدی نے پوچھا۔

"وہی بتانے جارہا تھا۔" حمید بولا۔ "میں چار دن سے ایک ایسے آدمی کے پیچھے لگا ہوں جو عورتوں کے رومال چرایا کرتا ہے اور آپکو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ وہ کوئی معمولی آدمی نہیں لیکن وہ ایک معمولی چور یا جیب کترے کی طرح فیشن ایبل عورتوں کے دستی رومال اڑالیا کرتا ہے۔"

"آخر وہ ہے کون....؟" فریدی نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

"ایک معزز انگریز سر بتھال ہیور تھ....!"

"سر بتھال.... سر بتھا....!" فریدی کہتا ہوا کھڑا ہوگیا۔ اُس کے چہرے پر دبی ہوئی چینی کے آثار تھے۔

"سر بتھال....!" فریدی نے ایک بار پھر دہرایا اور حمید سے پلٹ کر بولا۔ "تم نے کر اُسے رومال چراتے دیکھا تھا۔"

"کہہ تو رہا ہوں کہ کئی دنوں سے۔ اُس نے کلب ہی میں درجنوں عورتوں کے رو چرائے ہوں گے۔"

"اور تم برابر اُس کا پیچھا کرتے رہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"یہ ایک قدرتی امر تھا۔ کسی بڑے آدمی کو اتنی ذلیل حرکت کرتے دیکھ کر یقیناً حیرت اور پھر رومال کی حیثیت ہی کیا.... ایک خطاب یافتہ امیر آدمی اگر ایسی حرکتیں کرنے لگے تو مخواہ اُس کی وجہ دریافت کرنے کو دل چاہے گا۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں اس کی وجہ نہ دریا کر سکا۔"

"کل رات بھی تم اُس کے پیچھے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں....!"

"کس وقت تک۔"

"دو بجے تک....!" حمید بولا۔ "وہ تقریباً دو بجے کلب سے اٹھ کر گیا تھا۔"

"وہ اس وقت تک وہاں کرتا کیا رہا۔" فریدی نے پوچھا۔

"برج کھیل رہا تھا.... لیکن کل رات کو اس نے کسی کا رومال غائب نہیں کیا حالانکہ اُسے اس کے بہت سے مواقع نصیب ہوئے۔"

"وہ کلب میں کس وقت سے تھا۔"

"نو بجے سے۔"

"اور اس دوران میں وہ کہیں باہر نہیں گیا۔"

"نہیں....!"

فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔ وہ مضطربانہ انداز میں کمرے میں ٹہل رہا تھا۔

"تم جانتے ہو سر بتھال کون ہے؟" فریدی نے دفعتاً پلٹ کر حمید سے پوچھا۔

"میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ ایک خطاب یافتہ آدمی ہے اور بغرض سیاحی یہاں آیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"اس نے مصری آثار قدیمہ پر ایک کتاب بھی لکھی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"لکھی ہوگی۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "مجھے تو اس کی اس عجیب و غریب حرکت سے دلچسپی ہے۔"

"اور وہ صحیح النسل انگریز بھی نہیں.... وہ دراصل جرمن ہے اُسے اپنے نانا کا خطاب مع جائیداد ورثے میں ملا ہے اس کا نانا انگریز تھا۔"

"تو کیا وہ صحیح النسل انگریز نہ ہونے کی بناء پر رومال چراتا ہے۔" حمید نے ہنس کر پوچھا۔

"یہ بات اتنی اہم نہیں ہے جتنی کہ اس کی مصری آثار قدیمہ والی کتاب۔"

"بھلا ان دونوں میں کیا ربط۔"

"وہی ربط جو ایک مصری رقاصہ کے رومال اور اس رومال چرانے والے میں ہو سکتا ہے۔"

"اوہ....!" حمید اچھل کر بولا۔ "تو آپ اتنی دور پہنچ گئے۔ میں کہتا ہوں کہ اس شہر میں اچانک رومال بازی کیوں شروع ہوگئی۔"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر کچھ سوچنے لگا تھا۔

"رومال کا واقعہ محض مضحکہ خیز یا نشے کی جھک نہیں معلوم ہوتا۔" فریدی بڑبڑایا۔ "اس کی اہمیت کچھ نہ کچھ ضرور ہے۔"

"اہمیت ہو یا نہ ہو لیکن بیچارے سارجنٹ کی شامت ضرور ہے۔" حمید بولا۔

"میں جانتا ہوں" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اگر وہ عورتوں کے رومال نہ چراتا ہوتا تو شائد تم اُس کی طرف دھیان نہ دیتے۔ ہے نا یہی بات۔"

"حضور والا سو فیصدی یہی.... مجھے دراصل یہی چیز اتنی راتوں تک جگاتی رہی کہ آخر وہ صرف عورتوں ہی کے رومال کیوں چراتا ہے۔"

"لیکن تمہاری اس حماقت نے مجھے ایک راستہ دکھادیا۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"اور یہ بھی واضح رہے کہ اب میں اپنے فرض سے سبکدوش ہو گیا۔ اس راستے پر چلنے کی سکت مجھ میں نہیں۔"

"خیر آج رات کو کلب تک تو مجھے لے ہی چلو گے۔" فریدی نے کہا۔

"آگئی مصیبت....!"

"کل تک مصیبت نہیں تھی۔" فریدی نے کہا۔ "خود سے ساری ساری رات مارے پھرو اگر میرا ساتھ ہو گیا تو جان نکلنے لگتی ہے۔"

"خیر فی الحال تو بھوک لگ رہی ہے۔" حمید نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔ فریدی بھی برآمدے میں آگیا۔ شیو وغیرہ کرنے کے بعد ناشتہ کرنے چلا گیا۔

آفس میں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ملی۔ حسینہ کی موت برومائیڈ کی زیادہ مقدار پی جانے کی وجہ سے واقع ہوئی تھی اور مقتول نوجوان کا معاملہ تو ظاہر تھا۔ دو بجے کے قریب جگدیش نے فریدی کو فون پر بتایا کہ وہ نوجوان ایک اَن پڑھ تھا۔ اُس کے ساتھیوں سے استفسار پر معلوم ہوا تھا کہ حادثے کی شام کو ایک اچھی حیثیت کا آدمی اُسے اس کے مکان سے بلا کر لے گیا تھا۔ لیکن وہ اُس آدمی کا حلیہ نہیں بتا سکے۔

فریدی نے اس نئی اطلاع پر کسی قسم کی حیرت کا اظہار نہیں کیا۔ اس کا اندازہ تو اُس نے ویٹر کے بیان ہی سے لگالیا تھا کہ مقتول ایک اناڑی آدمی تھا اور خاص مقصد کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔

اس مقصد کے حصول پر اُسے اس لئے قتل کر دیا گیا کہ کہیں اصل مجرم یا مجرموں کا راز فاش نہ ہو جائے.... حسینہ کا قتل بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی معلوم ہوتا تھا.... اُسے تو دراصل اُس رومال نے الجھا رکھا تھا جس کی وجہ سے دو جانیں چلی گئیں.... آخر وہ رومال کیسا تھا۔

فریدی دن بھر اسی گتھی کو سلجھانے میں مشغول رہا۔

شام کو تقریباً سات بجے وہ حمید کو لے کر گھر سے نکلا۔ نو بجے تک دونوں اِدھر اُدھر گھومتے رہے پھر انہوں نے ہائی سرکل نائٹ کلب کا رخ کیا۔ اس کلب میں زیادہ تر اونچے طبقے کے لوگ آتے تھے۔ ان میں سرکاری افسروں سے لے کر تاجر تک ہوا کرتے تھے۔ اس میں قانون کے وہ محافظ بھی آکر داد عیش دیا کرتے تھے، جو پرائی عورتوں پر ڈاکے ڈالنے کو قانون شکنی سمجھتے تھے۔ شہر کے اونچے گھرانوں کی عورتیں یہاں آکر رنگ رلیاں منایا کرتی تھیں۔ یہاں دنیا کا ہر بُرا کام ہوتا تھا لیکن قانون کی اجازت سے۔

فریدی اور حمید ایک خالی میز کے گرد بیٹھ گئے۔ ویٹر اُن کے پاس آیا۔ فریدی نے اُسے کچھ کھانے پینے کی چیزوں اور تاش کے پتوں کا آرڈر دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں بیٹھے فلش کھیل رہے تھے۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد ایک جوان جوڑا بھی آکر اُن کے کھیل میں شریک ہو گیا۔ گیارہ بج گئے لیکن سر بتھال کا کہیں پتہ نہ تھا۔

فریدی کی اکتاہٹ بڑھتی گئی آخر کار اُس نے کھیل ختم کر دیا۔ وہ دراصل کسی طرح اُس نوجوان جوڑے سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ کھیل کے اختتام پر وہ دونوں اٹھ کر ایک دوسری میز پر چلے گئے اور فریدی سگار سلگا کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ حمید اٹھ کر تمباکو نوشی کے کمرے اور دوسرے ملحقہ کمروں میں چکر لگانے لگا۔ جب وہ واپس آیا تو فریدی اپنی جگہ پر نہیں تھا۔ حمید بیٹھ کر اُس کا انتظار کرنے لگا۔

"آپ کے ساتھی کہہ گئے ہیں کہ آپ اُن کا انتظار نہ کریں۔" ایک ویٹر نے آکر حمید سے کہا اور حمید جھلا اٹھا۔ آخر اس کا مطلب۔ اب وہ احمقوں کی طرح چپ چاپ گھر لوٹ جائے اور وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اسے پیدل ہی گھر نہ واپس جانا پڑے بھلا فریدی نے کار کیوں چھوڑی ہو گی۔ آخر اُس نے یہی فیصلہ کیا کہ وہ گھر جائے گا ہی نہیں۔

وہ پھر ایک میز پر جا کر فلش میں جم گیا۔ حالانکہ وہ کبھی فلش کھیلتا نہیں تھا لیکن وقت گذاری

کے لئے بھی کچھ ہونا چاہئے۔ آخر وہ گھر جا کر بھی کیا کرتا۔ ادھر کچھ دنوں سے رات میں جاگنے کی عادت بھی پڑ گئی تھی۔

تقریباً بارہ بجے سر بتھال کلب میں داخل ہوا۔ اُس نے سیاہ رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا اور سر پر نیلی فلٹ ہیٹ تھی۔ سر بتھال متوسط قد کا ایک قوی الجثہ آدمی تھا۔ عمر چالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہوگی۔ اُس کے ساتھ ایک انگریز اور تھا۔ دونوں ایک خالی میز کے قریب بیٹھے۔ سر بتھال نے چاروں طرف ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور پاس کھڑے ہوئے ویٹر سے کچھ کہنے لگا۔ پھر سنبھل کر بیٹھ گیا.... چند لمحوں کے بعد ویٹر ایک کشتی میں شراب کی بوتل اور گلاس لے کر آیا۔ دونوں نے گلاس بھرے اور انہیں ہولے ہولے تین بار ٹکرانے کے بعد ہونٹوں سے لگالیا۔

دونوں شراب پیتے رہے۔ آہستہ آہستہ وہ کچھ باتیں بھی کرتے جا رہے تھے۔

بوتل خالی ہو جانے کے بعد سر بتھال نے کاؤنٹر پر جا کر قیمت ادا کی اور پھر دونوں لڑکھڑاتے ہوئے باہر جانے کے لئے آگے بڑھے اس دوران میں حمید اپنی میز سے اٹھ کر دوسری طرف جا چکا تھا۔ جیسے ہی وہ باہر نکلے وہ سائے کی طرح اُن کے پیچھے لگ گیا۔

حمید سمجھا تھا کہ شاید وہ کار لائے ہوں گے لیکن اس کا خیال غلط نکلا کیونکہ وہ پیدل جا رہے تھے۔ سر بتھال کے ساتھی کی حالت نشے کی وجہ سے دگرگوں ہو رہی تھی۔ سر بتھال نے اُسے سہارا دے رکھا تھا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو شاید اس کا ساتھی ایک قدم بھی آگے نہ چل سکتا۔ اُس کا ساتھی کچھ عجیب شکل و صورت کا آدمی تھا۔ وہ تھا تو انگریز لیکن اس کی ڈاڑھی بالکل ہندوستانی سادھوؤں جیسی تھی۔ گھنی اور بد وضع جیسے اُس پر کبھی قینچی نہ چلی ہو۔ حمید کے لئے اُس کی ڈاڑھی خاص طور پر معمہ بنی ہوئی تھی۔ اُس نے بہتیرے انگریزوں کو ڈاڑھی رکھے ہوئے دیکھا لیکن اُن میں سے کوئی بھی ڈاڑھی کی طرف سے اتنا لاپرواہ نہیں نظر آیا تھا۔

حمید اُن کا تعاقب کر رہا تھا جب تک وہ لوگ شارع عام پر چلتے رہے حمید کو دقتوں کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ سڑک کے کنارے لگے ہوئے بجلی کے کھمبے اُسے بہت زیادہ محتاط رہنے پر مجبور کر رہے تھے۔ اچانک اُن لوگوں نے سڑک چھوڑی اور بائیں طرف مڑ گئے۔ یہ ایک پتلی سی تاریک گلی تھی۔ دو رویہ اونچی اونچی عمارتیں تھیں۔ یہاں اتنی تاریکی تھی کہ آگے جانے والے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ حمید صرف قدموں کی چاپ سن رہا تھا۔ وہ قدموں کی آہٹ کا

تعاقب کرتا رہا.... لیکن تھوڑی دیر بعد اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔ گلی کے اختتام پر تاروں کی چھاؤں میں اُسے صرف ایک آدمی دکھائی دیا۔ سر بتھال لیکن اُس کا دوسرا ساتھی.... وہ کہاں گیا۔ سر بتھال نے اُسے کہاں چھوڑا۔ قدموں کی آواز تو ایک سیکنڈ کے لئے بھی نہیں تھمی تھی۔ آخر اُس نے اُسے کہاں اور کس طرح چھوڑا۔ حمید کوئی فیصلہ نہ کر سکا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے.... لیکن وہ غیر ارادی طور پر سر بتھال کا تعاقب کرتا ہی رہا۔ اب وہ پھر ایک سڑک پر چل رہا تھا۔ یہاں کوئی ایسی جگہ بھی نہ تھی کہ جس کے سہارے چھپ کر وہ تعاقب جاری رکھ سکتا۔ بجلی کے کھمبوں کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ اس لئے وہ قصداً سر بتھال سے کافی فاصلے پر چل رہا تھا۔ دفعتاً ایک کار اس کے قریب سے گذری اور سر بتھال کے قریب پہنچ کر رک گئی۔ سر بتھال اُس پر بیٹھ گیا اور کار پھر چل پڑی۔ سڑک پر پھر سناٹا چھا گیا۔ حمید چند لمحے کھڑا سوچتا رہا پھر اُسی تاریک گلی میں داخل ہو گیا جہاں سے وہ سر بتھال اور اس کے ساتھی کا پیچھا کرتا ہوا گذرا تھا۔ اُس نے جیب سے ایک چھوٹی سی ٹارچ نکالی اور اس کی روشنی میں راستہ دیکھتا ہوا چلنے لگا۔ ابھی اُس نے آدھی ہی گلی طے کی تھی کہ دفعتاً اُسے رک جانا پڑا۔ اس کی ٹارچ کی روشنی ایک اوندھے پڑے ہوئے آدمی کے گرد دائرہ بنا رہی تھی۔ حمید جھپٹ کر اُس کے قریب پہنچا۔ اُس کے ذہن میں ایک خیال پیدا ہوا.... کیا سر بتھال نے اُسے یہاں ڈال دیا....؟ وہ اُسے سیدھا کرنے کی کوشش کرنے لگا.... اور دوسرے ہی لمحے میں اُس کے منہ سے حیرت کی چیخ نکل گئی۔ یہ سر بتھال کا ساتھی نہیں بلکہ کوئی اور انگریز تھا۔ اُس کے سر سے تازہ تازہ خون بہہ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ سر میں گہری چوٹ کھانے کے بعد بیہوش ہو گیا ہو۔

حمید اِدھر اُدھر روشنی ڈالنے لگا۔ اس علاقے میں زیادہ تر تجارت پیشہ انگریز اور پارسی رہتے تھے۔ تمام دروازے بند تھے سوائے ایک مکان کے جس کے سامنے وہ انگریز پڑا تھا۔ حمید نے دروازے کے اندر روشنی ڈالی ایک جگہ سوئچ بورڈ لگا ہوا نظر آیا جس میں گھنٹی لگی ہوئی تھی۔ حمید نے اندر جا کر گھنٹی کا بٹن دبایا اور اندر کہیں دور گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔ حمید کو تقریباً پندرہ منٹ تک کھڑے ہو کر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کئی بار گھنٹی بجانی پڑی.... اور پھر قدموں کی آہٹ سنائی دی اندر کے کمرے میں کسی نے بجلی جلائی اور دروازہ کھلا حمید کے سامنے دروازے میں ایک متوسط عمر کی انگریز عورت شب خوابی کا لبادہ پہنے کھڑی تھی۔

"کیا بات ہے۔" اُس نے ایک ہندوستانی کو اتنی رات گئے اپنے سامنے کھڑا دیکھ کر حیرت سے کہا۔

"تمہارے مکان کے سامنے ایک زخمی آدمی بیہوش پڑا ہے۔" حمید نے اس سے کہا۔

"تو میں کیا کروں۔" وہ جھلا کر بولی۔

"بات یہ ہے کہ وہ بھی ایک انگریز معلوم ہوتا ہے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"اوہ.... کہاں....!" وہ آگے بڑھ کر حیرت سے بولی۔

"حمید نے ٹارچ کی روشنی بیہوش آدمی پر ڈالی اور عورت چیخ پڑی۔

"اوہ.... ٹیوی.... یہ اسے کیا ہوا۔" وہ اُس پر جھپٹی۔

"کیا تم اسے پہچانتی ہو۔" حمید نے پوچھا۔

"پہچانتا کیسا....!" عورت چیخ کر بولی۔ "یہ میرا شوہر ہے.... مگر یہ یہاں کہاں۔"

"کیوں؟ کیا اسے کہیں اور ہونا چاہئے تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"تت.... تم میری مدد کرو.... ہم اسے اندر لے جائیں گے۔" عورت نے ملتجانہ انداز میں حمید سے کہا۔

دونوں اُسے اٹھا کر اندر لے آئے۔ حمید نے اسے صوفے پر ڈال دیا۔

عورت اُسے ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگی۔

"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔" حمید نے پوچھا۔

"میں بہت پریشان ہوں۔" عورت بولی۔ "فی الحال کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتی.... تمہارا بہت بہت شکریہ کہ تم نے مجھے جگانے اور اسے یہاں لانے کی تکلیف گوارا کی۔"

اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اب وہاں حمید کی موجودگی پسند نہیں کرتی۔

"مادام مجھے افسوس ہے کہ میں اس کے متعلق ضروری معلومات بہم پہنچائے بغیر واپس نہیں جاسکتا۔" حمید نے کہا۔

"کیوں....!" وہ تیز لہجے میں بولی۔

"کیونکہ اس قسم کے واقعات کی اطلاع پولیس کو دینا میرا فرض ہے۔"

"مگر میں اسے ضروری نہیں سمجھتی۔" عورت گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"تعجب کی بات ہے کہ تمہارا شوہر اتنے پُراسرار طریقے پر زخمی ہو گیا اور تم اس کی اطلاع پولیس کو دینا ضروری نہیں سمجھتیں۔"

"تمہیں اس سے کیا۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔ پھر دفعتاً سنبھل کر کہنے لگی۔ "میرا دماغ اس وقت ٹھیک نہیں مجھے تم سے ایسے لہجے میں گفتگو نہ کرنی چاہئے.... میں پولیس کو اس کی اطلاع دینا اس لئے غیر ضروری سمجھتی ہوں کہ....!"

"ہاں ہاں کہو....!" حمید بولا۔

"ہو سکتا ہے کہ یہ اندھیرے میں ٹھوکر کھا کر گر پڑا ہو اور سر میں چوٹ لگنے کی وجہ سے بیہوشی آگئی ہو۔" عورت بولی۔

"چوٹ سر کے پچھلے حصے میں لگی ہے۔" حمید نے کہا۔ "اور میں نے اسے زمین پر اوندھا پڑا ہوا پایا تھا۔ لہٰذا اگر گرنے کی وجہ سے چوٹ آئی ہے تو اُسے پیشانی یا سر کے اگلے حصے پر ہونا چاہئے تھا۔"

"تم عجیب آدمی ہو۔" عورت جھنجھلا کر بولی۔ "تمہیں ان سب باتوں سے کیا مطلب....!"

"سمجھا....!" حمید نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "شاید تم اس سے طلاق لینے کا کوئی معقول بہانا نہیں پیدا کر سکیں۔"

"کیا مطلب....!" عورت چیخ کر بولی۔

"یورپ کی عورتیں... خصوصاً انگریز... جب اپنے شوہروں سے عاجز آجاتی ہیں تو کسی وجہ سے طلاق نہ لے سکنے کی بناء پر اکثر انہیں قتل ہی کرا دیتی ہیں۔" حمید نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"مت بکو۔" عورت بے ساختہ چیخی۔ "میں تمہیں گولی مار دوں گی۔"

"اس طرح تم دوسرا جرم کرو گی۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"اوہ....!" عورت جھلاہٹ میں سر پیٹنے لگی۔ پھر تیزی سے بولی۔ "یہاں سے چلے جاؤ۔"

"میں تمہارے شوہر کی بیہوشی کی معقول وجہ جانے بغیر یہاں سے نہیں جاسکتا۔"

"نکلو....!" وہ حمید پر جھپٹی۔ "فوراً نکلو یہاں سے۔"

وہ حمید کو دھکیلتی ہوئی دروازے تک لائی۔

"اس سے کام نہیں چلے گا۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔ "میں پولیس کا آدمی ہوں۔"

"پولیس....!" وہ چونک کر پیچھے ہٹی۔ لیکن پھر سنبھل کر بولی۔ "کیوں میری پریشانیوں میں

اضافہ کر رہے ہو.... تم نہیں دیکھتے کہ میرے شوہر کی کیسی حالت ہے۔"

"میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"کیا مدد کرنے کا یہی طریقہ ہے۔" عورت تیزی سے بولی۔

"برانڈی....!" حمید گلا صاف کرتے ہوئے بولا۔ "اُسے تھوڑی برانڈی دو۔"

"میں سب کچھ کرلوں گی تم جاسکتے ہو۔" عورت نے بیزاری سے کہا۔

"خیر میں جارہا ہوں۔" حمید دروازے کی طرف مڑتا ہوا بولا۔ "لیکن پولیس تمہیں پریشان ضرور کرے گی۔"

"ٹھہرو....!" عورت نے کہا۔

حمید رک کر اس کی طرف مڑا۔

"اسے اسکے کمرے تک پہنچانا ہے۔ میں اکیلے نہ لے جاسکوں گی۔" حمید مسکرا کر آگے بڑھا۔

دونوں نے اُسے پھر اٹھایا اور ایک چھوٹے سے کمرے میں لے آئے۔ یہ کمرہ اوپری منزل میں واقع تھا۔ اُسے ایک مسہری پر لٹادیا گیا۔

"تم یہیں ٹھہرو.... میں برانڈی لے کر آتی ہوں۔" عورت نے کہا اور کمرے سے چلی گئی۔

حمید ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ دفعتاً ایک خیال اُس کے ذہن میں پیدا ہوا اور اُس کے جسم میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ جسم کے سارے روئیں کھڑے ہوتے معلوم ہوئے وہ اٹھ کر تیزی سے کھڑکی کے قریب آیا۔ دوسری طرف چھجا تھا.... وہ پھر مڑا اس طرف جانا خطرے سے خالی نہیں۔ وہ سوچنے لگا.... کمرے کے باہر کئی قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور حمید لوہے کی مسہری کے نیچے گھس گیا جس کے چاروں طرف چادر لٹک رہی تھی۔

"ارے کہاں گیا۔" عورت کی آواز سنائی دی۔

"نکل گیا....!" کوئی مرد بولا۔

"اوہ.... میں نیچے کا دروازہ کھلا چھوڑ آئی تھی۔"

"وہ ضرور کوئی چور تھا۔" مرد اس طرح چیخ کر بولا جیسے آس پاس کے کمروں تک اپنی آواز پہنچانا چاہتا ہو۔

"نیچے کا دروازہ بند کر آؤ۔" دوسرا مرد بولا۔

یہ دونوں تندرست اور قد آور تھے۔ ان میں سے ایک کوئی ملٹری آفیسر معلوم ہوتا تھا۔ وہ اتنی رات گئے تک اپنی فوجی وردی ہی میں تھا۔ اُس نے دوسرے آدمی کی طرف گھور کر دیکھا اور وہ کمرے سے چلا گیا۔

"ٹیوی نے احتیاط سے کام نہیں لیا۔" اس نے بیہوش انگریز کی طرف اشارہ کر کے عورت سے کہا۔

"مگر وہ اس وقت باہر کہاں گیا تھا۔" عورت بولی۔ "میں سمجھی تھی کہ وہ اپنے کمرے میں سو رہا ہوگا۔"

"تمہیں یہ سمجھنے کی ضرورت نہیں۔" ملٹری آفیسر بولا۔

"لیکن وہ آدمی کہاں گیا؟" عورت نے کہا۔

"نکل گیا۔" ملٹری آفیسر نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ تم سے ہمدردی جتا کر کچھ روپیہ اینٹھنا چاہتا تھا۔"

"اُس نے تو کہا تھا کہ وہ پولیس کا آدمی ہے۔"

"تم ان مشرقیوں کو نہیں جانتیں۔" ملٹری آفیسر نے کہا۔ "مگر.... مگر.... ٹیوی کو زخمی کس نے کیا۔"

"تم آخر بتاتے کیوں نہیں۔" عورت بولی۔ "یہ سب کیا ہو رہا ہے۔"

"تمہیں ان باتوں سے کوئی غرض نہ ہونی چاہئے۔" ملٹری آفیسر نے کہا۔

"کیوں نہ ہونی چاہئے۔" عورت جھلا کر بولی۔ "تم لوگ کوئی خطرناک کام کر رہے ہو۔"

"اوہ تم غلط سمجھیں۔" ملٹری آفیسر نرم لہجے میں بولا۔ "تم جانتی ہو کہ یہاں کے کئی دیسی تاجر ٹیوی کے دشمن ہو رہے ہیں۔"

"لیکن وہ اس وقت کہاں گیا تھا.... اور تم لوگ اس وقت تک کیوں جاگ رہے ہو۔ تم نے اپنا لباس کیوں نہیں تبدیل کیا۔ تم نے ابھی یہ کیوں کہا تھا کہ ٹیوی نے احتیاط سے کام نہیں لیا۔" عورت ایک سانس میں سب کچھ کہہ گئی۔

"تم بھی بعض اوقات بہت مضحکہ خیز ہو جاتی ہو۔" ملٹری آفیسر ہنس کر بولا۔

"مذاق میں ٹالنے کی کوشش نہ کرو۔" عورت تیز لہجے میں بولی۔

"ہمیں ٹیوی کے لئے کچھ کرنا چاہئے۔" یہ باتیں پھر ہوتی رہیں گی۔ ملٹری آفیسر نے منہ پھیر کر کہا اور مسہری کے قریب آگیا۔

اتنے میں وہ دوسرا آدمی بھی آگیا، جو دروازہ بند کرنے گیا تھا۔

"میں نے مکان کا کونا کونا دیکھ ڈالا۔" اُس نے کہا۔

"برانڈی لاؤ۔" ملٹری آفیسر بولا جو ٹیوی کے اوپر جھکا ہوا تھا۔

"میں پوچھتی ہوں آخر یہ سب ہے کیا۔" عورت مضطربانہ انداز میں بولی۔

"بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں۔" ملٹری آفیسر جھنجھلا کر بولا۔ "میں تو اپنے کمرے....!"

"سو رہے تھے۔" عورت طنزیہ انداز میں اُس کی بات کاٹ کر بولی۔ "تمہیں صبح میدان جنگ میں جانا ہے نا اس لئے تم وردی پہن کر سوئے تھے.... اور اتنی احتیاط سے لیٹے تھے کہ کپڑوں میں ایک شکن بھی نہیں دکھائی دیتی۔"

ملٹری آفیسر ہنس پڑا۔

"تم لوگوں نے میرا دماغ خراب کر دیا۔" عورت جھلا کر بولی۔ "ایک گھنٹہ گذر گیا لیکن ابھی تک اسے ہوش نہیں آیا۔ معلوم نہیں باہر کتنی دیر تک بیہوش پڑا رہا... کسی ڈاکٹر کو کیوں نہیں لاتے۔"

تھوڑی دیر بعد ٹیوی کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی اور اُسے ہوش آگیا۔ عورت نے کچھ بولنا چاہا لیکن ملٹری آفیسر نے اشارے سے منع کر دیا۔

"میں کہاں ہوں۔" ٹیوی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"اپنے کمرے میں۔" عورت جلدی سے بولی۔ "تم گلی میں بیہوش پڑے تھے۔" ٹیوی کچھ سوچنے لگا پھر اُس نے اٹھ کر بیٹھنا چاہا۔

"تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔" عورت آگے بڑھ کر بولی۔

"فون....!" ٹیوی جلدی سے بولا۔ "مجھے فون کرنا ہے مجھے آفس میں لے چلو۔"

"کیا پولیس کو....!" عورت نے پوچھا۔

"نہیں....!" ٹیوی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"تم اس وقت کہاں گئے تھے؟" عورت بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔

"پھر وہی....!" ملٹری آفیسر نے کہا۔ "یہ پھر پوچھ لینا۔ ٹیوی کی دماغی حالت اس وقت

ٹھیک نہیں۔"

"تم مجھے آفس میں لے چلو۔" ٹیوی نے ملٹری آفیسر کی طرف دیکھ کر کہا۔ پھر اپنی بیوی سے بولا۔ "تم یہیں ٹھہرو۔"

"آخر یہ سب کیا ہے۔" عورت اکتا کر بولی۔

"تمہیں اس سے غرض نہیں۔" ٹیوی تیز لہجے میں بولا۔

اور پھر وہ تینوں کمرے سے باہر چلے گئے۔ عورت سسکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔

حمید مسہری کے نیچے پڑا سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ یہاں سے نکل بھاگنا ضروری تھا۔ خطرے کی بو اُس نے پہلے ہی سونگھ لی تھی اور پھر ان لوگوں کی گفتگو سے اُس نے اچھی طرح اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ کوئی ایسا کام کر رہے ہیں جو قانون کی نظروں میں جرم ہے۔

ابھی حمید یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ملٹری آفیسر نے کمرے میں آکر عورت سے کہا۔

"ٹیوی تمہیں آفس میں بلا رہا ہے۔"

عورت اٹھ کر اُس کے ساتھ چلی گئی۔

حمید نے اندازہ لگا لیا کہ وہ ابھی جلد ہی اس کمرے میں واپس نہ آسکیں گے۔ کیونکہ شائد وہ ٹیوی کی بیوی کو اپنی عجیب و غریب حرکات کا الٹا سیدھا مطلب سمجھا کر اُسے مطمئن کرنے کی کوشش کریں گے۔ وہ مسہری کے نیچے سے نکلا اور میز پر رکھا ہوا بجلی کا لیمپ بجھا دیا۔ پھر وہ سوچنے لگا کہ اگر نیچے روشنی ہوئی تو اس کا پکڑا جانا ضروری ہے۔ معلوم نہیں وہ کمرہ کدھر ہو جسے وہ لوگ آفس کہہ رہے تھے۔ حمید چند لمحے کھڑا رہا پھر اُس نے جیب سے ایک اکنی نکالی لیمپ سے بلب نکالا اور ہولڈر میں اکنی رکھی پھر اس پر سے بلب لگا کر سوئچ آف کر دیا... پوری عمارت تاریک ہو گئی۔

حمید کمرے سے نکل کر تیزی سے زینے کی طرف بڑھا....

"شائد فیوز اڑ گیا۔" کسی نے کہا اور حمید دوسرے لمحے گلی میں تھا۔

گونگا بولتا ہے

سردی بہت شدت سے پڑ رہی تھی۔ حمید گلی سے نکل کر سیدھا ہائی سرکل نائٹ کلب کی

طرف ہولیا۔ اس نے گھڑی دیکھی تین بج رہے تھے۔ کلب پہنچتے پہنچتے اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کے جسم کے کھلے ہوئے حصے بالکل سن ہوگئے ہوں۔

کلب میں اب کچھ بے رونقی سی آگئی تھی۔ زیادہ تر لوگ جا چکے تھے کچھ میزوں پر صرف وہی لوگ نظر آرہے تھے جو بہت لمبا کھیل کھیلتے تھے یا پھر وہ جو اپنے پچھلے خسارے پورے کررہے تھے۔ حمید ایک خالی میز کے قریب بیٹھ گیا اور کافی منگائی....

اُس کا ذہن تیزی سے سوچ رہا تھا.... وہ لوگ کون تھے اور ان کا پُراسرار رویہ.... کیا اس کا تعلق کسی اہم واقعے سے ہو سکتا ہے اور پھر اچانک اُسے سر بنھال یاد آگیا۔ آخر اس کا ساتھی کہاں گیا۔ اُسے زمین نگل گئی یا آسمان۔ اس گلی میں کوئی اور راستہ بھی تو نہیں تھا۔

کافی ختم کرچکنے کے بعد اس نے سوچا کہ اب گھر چلنا چاہئے۔ اس وقت ٹیکسی تو ملنے سے رہی۔ پیدل ہی جانا پڑے گا اور یہ خون منجمد کردینے والی سردی.... اس نے اپنے اوور کوٹ کے کالر کھڑے کئے اور فلٹ ہیٹ کا گوشہ چہرے پر جھکاتا ہوا کلب سے نکل آیا.... گھر پہنچتے پہنچتے ساڑھے چار بج گئے۔ فریدی کے سونے کے کمرے میں اندھیرا تھا۔ شاید وہ سو رہا تھا یا وہاں تھا ہی نہیں۔ نیند سے حمید کی آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ وہ سیدھا اپنے کمرے میں آیا اور کپڑے اتار کر مسہری میں گھس گیا۔

اور پھر اُسی وقت اس کی آنکھ کھلی جب فریدی نے اُسے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگایا۔ "ارے صاحب کون سی آفت آگئی۔ وہ لحاف سے منہ نکال کر میز پر رکھی ہوئی ٹائم پیس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "ابھی تو نو ہی بجے ہیں۔"

اُس نے پھر منہ اندر کرلیا اور فریدی نے لحاف کھینچ کر الگ ڈال دیا۔

"لاحول ولا قوۃ....!" حمید اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"تم کہاں تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جہاں سے ابھی آپ نے اٹھایا ہے۔"

"میں پوچھتا ہوں رات تم کہاں رہے۔"

"اس کیلئے مجھے سوچنا پڑے گا۔" حمید نے کہا اور کمرے سے نکل کر غسل خانے میں چلا گیا۔

فریدی لائبریری کی طرف گھوم گیا وہ خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔

حمید ناشتہ کرنے کے بعد پائپ پیتا ہوا ٹیلی فون کے قریب آیا۔ فریدی کسی کتاب کے مطالعے میں غرق تھا۔ حمید ریسیور اٹھا کر بولنے لگا۔ "ہیلو.... کوتوالی.... ذرا جگدیش.... میں حمید بول رہا ہوں.... کل رات یا آج صبح کسی انگریز نے کوئی رپورٹ تو نہیں درج کرائی.... اوہ.... کیا نام بتایا تم نے راشر ٹیوی ہاں.... ہاں.... کیا.... بہت خوب.... اچھا شکریہ.... نہیں کوئی خاص بات نہیں.... شام کو آرہے ہو.... اچھا....!" حمید نے ریسیور رکھ دیا۔

اس دوران میں فریدی اُسے گھور گھور کر دیکھتا رہا۔

"کوئی نئی حماقت....؟" فریدی نے طنزیہ انداز میں مسکرا کر پوچھا۔

"جی ہاں میری تو ہر حرکت حماقت ہے۔" حمید نے کہا۔ "میں ایک نئے معاملے کی تحقیقات کررہا ہوں۔"

"بہت اچھے!"

"تو گویا آپ مذاق سمجھتے ہیں۔"

"جی نہیں۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ آپ سر بنھال کا تعاقب کرتے کرتے ایک دوسرے معاملے میں ٹانگ اڑا بیٹھے۔"

"جی....!" حمید نے چونک کر کہا۔ "آپ کو کیا معلوم۔"

"خیر اُسے چھوڑو۔ اس مکان کا نمبر کیا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"پہلے آپ یہ بتائیے کہ آپ کو معلوم کیسے ہوا۔"

"بکواس چھوڑ جو میں پوچھتا ہوں اس کا جواب دو۔" فریدی نے کہا۔

"۲/۱۳ اہارلے اسٹریٹ....!"

"تم کچھ اور بھی کہنا چاہتے ہو۔" فریدی حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔ "کہو....!"

"کچھ نہیں....!"

"میں اس نئے معاملے کے متعلق جاننا چاہتا ہوں جس کی تم تحقیقات کررہے ہو۔"

"آپ کو شاید نہیں معلوم کہ میں نے اپنا طریقہ کار بدل دیا ہے۔" حمید نے فریدی کے لہجے کی نقل کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا جی۔"

"جی ہاں....!"

"خیر جانے دو مجھے کیا....!" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "شاید تم ابھی فون پر جگدیش سے باتیں کر رہے تھے۔ کیا جگدیش نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ ٹیوی کے یہاں ایک بدمعاش بھی گھس گیا تھا، جو بعد میں ان کے یہاں کی لائٹ فیوز کر کے نکل بھاگا.... اور اس کا حلیہ.... اُس نے حلیہ بھی درج کرادیا ہے.... میری رائے تو یہ ہے کہ تم اُس وقت تک گھر سے باہر نہ نکلنا جب تک تمہارے چہرے پر کافی گھنی ڈاڑھی نہ نکل آئے۔"

حمید خاموشی سے فریدی کی طرف دیکھتا رہا۔ اُس کی حالت اس وقت کسی ایسے بچے کی سی ہو رہی تھی جسے کسی غلطی پر ٹوک دیا گیا ہو۔

"تمہارا طریقہ کار واقعی بہت دلچسپ ہے۔" فریدی ہنس کر بولا۔

حمید نے کوئی جواب دینے کی بجائے جھینپ کر ایک کتاب اٹھالی۔

"ہاں اب کہہ چلو۔" فریدی نے کہا۔ "میں یہ نہیں کہتا کہ تم نے غلطی کی۔"

چند لمحوں کی ہچکچاہٹ کے بعد حمید نے رات کے سارے واقعات دہرا دیئے۔

"لیکن آپ کو اس کا علم کیسے ہوا۔" حمید نے پوچھا۔

"کچھ میں پہلے ہی سے جانتا تھا بقیہ باتیں تم نے بتائیں اور انجام کی اطلاع جگدیش سے ملی۔ اس نے آج صبح مجھے ٹیوی کے متعلق فون کیا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"پہلے سے آپ کچھ جانتے تھے وہ کس طرح آپ کو معلوم ہوا۔" حمید نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

"ابھی بتاؤں گا۔" فریدی نے کہا۔ "تمہاری داستان کا یہ حصہ دلچسپ ہے کہ ٹیوی کے مکان میں کوئی وردی پہن کر سویا تھا اور اس پر ٹیوی کی بیوی کو حیرت تھی۔"

"بس یہیں سے میرے شکوک اور زیادہ بڑھ گئے تھے۔" حمید نے کہا۔

"بہرحال" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اس سے تم کس نتیجے پر پہنچے ہو۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ کس نتیجے پر پہنچوں۔ میں سر بنجھال اور اُس کے عجیب الخلقت ساتھی کا تعاقب کر رہا تھا۔ دونوں ایک گلی میں داخل ہوئے تھے دونوں کے قدموں کی آوازیں سنتا رہا اور جب سر بنجھال گلی کے دوسرے سرے پر پہنچا تو وہ بالکل تنہا تھا۔ اگر ایک سیکنڈ کیلئے بھی اسکے قدم

رکے ہوتے تو میں کہتا کہ اس نے وہیں کہیں اُسے ڈال دیا ہوگا یا کسی کے حوالے کر دیا ہوگا۔"

"اور واپسی میں تم نے ٹیوی کو گلی میں پڑا دیکھا۔" فریدی نے کہا۔

"اور اسی لئے میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کی ٹیوی ہی سر بنجھال کے ساتھ تھا۔ اُس کی سادھوں جیسی ڈاڑھی سے میں نے پہلے ہی اندازہ لگالیا تھا کہ وہ نقلی ہے۔"

"اچھا تو تم یہ سمجھ رہے ہو کہ سر بنجھال نے اُسے شراب پلائی اور گلی میں لے جاکر اُس کی ڈاڑھی نوچ لی پھر زخمی کر کے وہیں ڈال دیا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"پھر اس کے علاوہ اور سمجھا ہی کیا جاسکتا ہے۔"

"فرض کرو اگر ایسا ہی ہے تو تم اس حرکت کو کیا معنی پہناؤ گے؟"

حمید خاموش ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا۔

"بظاہر یہ حرکت قطعی بے معنی معلوم ہوتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"مگر....!"

"مگر یہ کہ میں غیب دان نہیں ہوں۔" حمید جھلا کر بولا۔

فریدی ہنسنے لگا....

"خیر....!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "میں سمجھتا ہوں....!"

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں تہہ خانے کی سیڑھیاں طے کر رہے تھے۔

اور پھر وہ لمحہ بھی عجیب تھا جب حمید کے منہ سے حیرت کی چیخ نکل گئی تھی۔

سر بنجھال کا عجیب الخلقت ساتھی۔ فریدی کے تہہ خانے میں بیٹھا! نہیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔

"یہاں تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔" فریدی نے اس سے انگریزی میں کہا۔ "تمہیں اس گھنی ڈاڑھی کی وجہ سے گرمی لگ رہی ہوگی اسے اب اپنے چہرے سے ہٹا ہی دو تو بہتر ہے۔"

حمید اُس کے چہرے پر فریدی کے الفاظ کا ردعمل دیکھ رہا تھا.... سر بنجھال کا ساتھی اس طرح فریدی کی طرف دیکھنے لگا جیسے اُس نے کچھ سنا ہی نہ ہو۔

"میرے خیال سے یہ گونگا ہے۔" فریدی نے حمید کی طرف مڑ کر انگریزی میں کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" حمید بولا۔

"ٹھہرو! میں اس کی ڈاڑھی الگ کئے دیتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور آگے بڑھ کر اُس
ڈاڑھی نوچ لی۔ وہ خوفزدہ نظر آنے لگا۔ لیکن زبان سے کچھ نہ بولا۔ اُس کے چہرے سے مصنو
ڈاڑھی الگ ہو چکی تھی۔

فریدی اُس کے قریب بیٹھ گیا اور حمید کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر فریدی نے ایسی گفت
چھیڑ دی جس کا ان معاملات سے کوئی تعلق ہی نہ تھا۔ حمید کو حیرت ہو رہی تھی کہ آخر اس
فریدی کا کیا مطلب ہے۔

"ارے خدا غارت کرے۔" سر بتھال کے ساتھی نے یک بیک اچھل کر عربی زبان میں کہ
حمید گھبرا کر اس کی طرف دیکھنے لگا اور فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"تو کیا تم انگریزی زبان بالکل نہیں جانتے۔" فریدی نے عربی میں پوچھا۔

"جانتا ہوں۔" وہ جھلا کر بولا۔

"بہر حال تمہاری مادری زبان عربی معلوم ہوتی ہے۔"

"ہاں میں حسینہ کا بھائی ہوں۔" وہ چیخ کر بولا۔ "جس طرح تم لوگوں نے اُسے قتل کیا
مجھے بھی مار ڈالو.... میں اب زندہ نہیں رہنا چاہتا۔"

حمید کو حیرت ہو رہی تھی کہ آخر یک بیک یہ گونگا بول کیسے پڑا۔ وہ عربی زبان سے ناواقف
تھا لیکن اتنا ضرور سمجھ گیا تھا کہ سر بتھال کا ساتھی اور فریدی عربی میں گفتگو کر رہے ہیں۔

"اوہ تو تم حسینہ کے بھائی ہو۔" فریدی نے کہا۔

"ہاں ہاں.... لیکن اب دیر کس بات کی ہے۔ مجھے بھی قتل کر دو نا۔" اس نے جواب دیا

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں.... ہم تمہیں قتل کرنے کے لئے نہیں لائے۔"

"پھر مجھے یہاں تہہ خانے میں کیوں رکھا گیا ہے۔"

"کل رات تم کس کے ساتھ تھے اور تم نے بھیس کیوں بدل رکھا تھا۔" فریدی نے اس
سوال کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

"اور بھیس بدلنے کے باوجود بھی میں نہ بچ سکا۔"

"تم قطعی بچ گئے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن سر بتھال کو ایک مصری
دلچسپی ہو سکتی ہے۔"

"وہ میرے مرحوم باپ کا دوست اور میرا ہمدرد ہے۔"

"کیا وہ حسینہ کو پہچانتا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں....!"

"اور تمہیں....!"

"ہاں وہ مجھے پہچانتا ہے.... لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم اُسے بھی ختم کر دو۔"

"تم اس شہر میں کب آئے ہو۔"

"کل دوپہر کو۔"

"سر بتھال سے تمہاری ملاقات کس طرح ہوئی۔"

"میں اسی کے ہاں ٹھہرا تھا۔"

"تمہیں کل ہی حسینہ کے قتل کے متعلق معلوم ہو گیا تھا۔"

"ہاں....!"

"تو پھر تم نے اپنے متعلق پولیس کو کیوں اطلاع نہیں دی۔"

"تمہیں ان سب باتوں سے کیا مطلب....!" وہ جھلا کر بولا۔

"مطلب یہ ہے کہ میں یہاں کے محکمہ سر آغر سانی کا انسپکٹر ہوں۔"

سر بتھال کا ساتھی حیرت سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تمہارا نام....؟" فریدی نے پوچھا۔

"فضیل.... محمد فضیل....!"

"تم نے ایک بہت بڑا جرم کیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"میں نے....؟" وہ متحیرانہ انداز میں بولا۔

"ہاں تم نے.... تمہیں اپنے متعلق پولیس کو ضرور مطلع کرنا چاہئے تھا۔"

"مجھے سر بتھال نے روک دیا تھا۔"

"کیوں....؟"

"اُسے ڈر تھا کہ کہیں میں بھی نہ قتل کر دیا جاؤں۔"

"آخر اس ڈر کی وجہ....؟" فریدی نے پوچھا۔

"اس لئے کہ اب اپنے خاندان میں صرف میں ہی باقی رہ گیا ہوں۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میرے علاوہ میرے خاندان کا ایک ایک فرد قتل کیا جا چکا ہے۔"

"آخر کیوں....؟ کوئی وجہ....!"

"وجہ تو مجھے بھی آج تک نہیں معلوم ہو سکی۔ پہلے میرا باپ قتل ہوا۔ پھر بڑا بھائی، پھر بہن اور شاید اب میری باری ہے۔"

"میں اُس رومال کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں جس کے لئے تمہاری بہن قتل کی گئی۔"

"اوہ وہ منحوس رومال....!"

"ہاں ہاں کہو۔"

"وہ رومال میرے باپ نے اپنے قتل سے ایک روز قبل میرے بڑے بھائی کو دیا تھا۔"

"آخر وہ رومال تھا کیسا....!"

"معمولی جیسے کہ سب رومال ہوتے ہیں۔"

"تمہارے باپ کے قاتلوں کا کچھ پتہ چلا تھا۔"

"نہیں.... لیکن میرا خیال ہے کہ وہ کسی آدمی کا کام نہیں تھا۔"

"یعنی....!"

"یہ کام اُن سے کئی ہزار گنی طاقت والے کا تھا۔"

"میں پھر نہیں سمجھا۔" فریدی نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"اب میں کس طرح بتاؤں۔" وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "بس اسی طرح سمجھ لو کہ اگر تم ننھی منی چڑیا کی ٹانگیں پکڑ کر زور آزمائی کرو تو اس کا کیا حشر ہوگا۔"

"اوہ....!" فریدی کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ "تم قاہرہ کے فوجی سراغ رساں فضیل کے لڑکے تو نہیں ہو۔"

"ہاں میں اُسی مظلوم باپ کا بیٹا ہوں۔" وہ گلوگیر آواز میں بولا۔

"شاید اب سے تین سال قبل ہمیں اس دردناک قتل کی اطلاع ملی تھی۔" فریدی نے کہا۔

"اور پھر ٹھیک اسی کے تیسرے دن میرے بھائی کو کسی نے گولی کا نشانہ بنا دیا۔"

"اور وہ رومال....!" فریدی نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

"میں اُس رومال کو بھول جانا چاہتا ہوں۔"

"لیکن یہ نہ بھولو کہ تمہیں ان تینوں کے قاتلوں سے انتقام لینے کے لئے زندہ رہنا ہے۔"

"انتقام....!" وہ حسرت آمیز لہجے میں بولا۔ "کسی ان دیکھی قوت سے انتقام نہیں لیا جا سکتا۔ سر بتھال کا خیال ہے کہ یہ کسی آدمی ہی کا کام ہے لیکن میں اسے ماننے کیلئے تیار نہیں۔"

"آخر کیوں۔"

"میرے باپ کی پُراسرار موت۔"

"لیکن تمہارا بھائی تو کسی کی گولی سے ہلاک ہوا۔ تمہاری بہن کو کسی نے خنجر مارا۔" فریدی نے کہا۔

"یہ سب اُسی رومال کی نحوست ہے۔" وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "یقیناً وہ رومال آسیب زدہ ہے اس کا تعلق کسی خبیث روح سے ہے۔"

"لیکن وہ رومال تمہاری بہن تک کیسے پہنچا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں اُس دوران میں وہاں موجود نہیں تھا۔ بھائی اور باپ دونوں کی موت کی اطلاع مجھے ایک ساتھ ملی۔ جب میں قاہرہ واپس آیا تو میرے ماموں نے مجھے سب حالات بتائے اپنی موت سے ایک روز قبل میرے بھائی نے وہ رومال حسینہ کو دے کر احتیاط سے رکھنے کی ہدایت کی تھی اور پھر بھائی کی موت کے بعد حسینہ پُراسرار طور پر غائب ہو گئی.... میں اُسے ڈھونڈتا رہا.... مجھے اطلاع ملی وہ تمہارے ملک میں آئی ہے.... میں برابر اُسے ڈھونڈتا رہا اور پھر جب یہاں پہنچا تو اخبار میں اس کی تصویر دیکھی اور موت کی خبر.... کاش میں بھی.... اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔"

"سر بتھال سے تم پہلی بار کب اور کہاں ملے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"باپ اور بھائی کی موت کے بعد وہ ہمارے یہاں آیا تھا۔"

"حسینہ اُس وقت موجود تھی....؟" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں وہ لاپتہ ہو چکی تھی۔"

"تم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہو کہ سر بتھال نے اُسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔"

"مجھے یقین ہے کہ وہ اُسے نہیں پہچانتا تھا۔"

"سر بتھال کے سامنے کبھی اُس رومال کا تذکرہ بھی آیا تھا....؟" فریدی نے پوچھا۔

"کل کے علاوہ کبھی نہیں۔"

"کیا تمہیں اپنے حافظے پر بھروسہ ہے۔"

"قطعی....!"

"تمہیں اس بات پر کس طرح یقین آگیا تھا کہ سر بتھال تمہارے باپ کا دوست تھا۔"

"مجھے یہ سر بتھال ہی کی زبانی معلوم ہوا تھا۔"

"کبھی تمہارے باپ نے بھی اس کا تذکرہ کیا تھا۔"

"کبھی نہیں۔"

"ہوں....!" فریدی کچھ سوچنے لگا۔

"لیکن میں کس طرح یقین کرلوں...." وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں سچ مچ ایک سرکاری جاسوس ہوں اور تمہاری بہن کے قتل کے سلسلے میں تحقیقات کر رہا ہوں اور تمہاری حفاظت بھی میرے ذمے آپڑی ہے۔"

فضیل خاموشی سے زمین کی طرف دیکھنے لگا۔

"مجھے یہاں کب تک رہنا پڑے گا۔" اس نے تھوڑی دیر بعد فریدی سے پوچھا۔

"زیادہ دن نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ میں جلد ہی اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں گا۔"

تھوڑی دیر کے لئے پھر خاموشی چھا گئی۔ حمید کے چہرے سے اضطراب ظاہر ہو رہا تھا۔

"سر بتھال نے کل رات تمہیں اتنی زیادہ کیوں پلادی تھی۔" فریدی نے اچانک پوچھا۔

"یہ میں نہیں جانتا۔" فضیل نے کہا۔

"تمہارا بھیس اُسی نے بدلا تھا۔"

"ہاں....!"

"کیا تمہیں سر بتھال پر اعتماد ہے۔"

"ہاں....!"

"آخر اُس کی وجہ....!"

"میں نے بتایا نا کہ وہ میرے باپ کا دوست ہے۔"

"لیکن تمہارے پاس اس کے لئے کوئی دلیل نہیں۔" فریدی نے کہا۔

"پھر بھلا خواہ مخواہ اُسے خود کو اُن کا دوست ظاہر کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔"

"ممکن ہے کہ اُس رومال کو حاصل کرنے کے لئے اُس نے ایسا کیا ہو۔" فریدی نے کہا۔

فضیل کچھ سوچنے لگا۔

"یہ سب کچھ میری سمجھ میں نہیں آتا....!" وہ تھوڑی دیر بعد اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"بہر حال یہ تو مجھے دیکھنا ہے۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔"

حمید اور فریدی تہہ خانے سے واپس آگئے۔

حمید کا رقیب

"یکایک وہ گونگا بول کیسے پڑا تھا۔" حمید نے فریدی سے پوچھا۔

"میں نے اس کے پن چبھا دیا تھا۔" فریدی نے جواب دیا۔

"کمال کیا آپ نے.... اگر آپ ایسا نہ کرتے تو شاید وہ گونگا ہی بنا رہتا۔"

"شاید آپ لوگ عربی میں گفتگو کر رہے تھے۔"

"اور اگر تم اُس گفتگو کا ماحصل سن لو تو اچھل ہی پڑو گے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کچھ بتائیے بھی تو....!" حمید بے صبری سے بولا۔

فریدی نے مختصر الفاظ میں اُسے اپنی اور فضیل کی گفتگو کا مطلب بتایا۔

"تو کیا یہ واقعہ آپ کو کسی خاص راستے کی طرف لے جائے گا۔" حمید نے پوچھا۔

"راستے کی طرف نہیں البتہ یہ پگڈنڈی کی طرف اشارہ ضرور کرتا ہے.... اور وہ پگڈنڈی ایک تیرہ و تار جنگل کی طرف جاتی ہے جہاں پہنچ کر راستے کا تعین خود ہمیں کرنا پڑے گا۔"

"غالباً آپ کا اشارہ سر بتھال کی طرف ہے۔" حمید نے کہا۔

"تمہارا خیال درست ہے۔" فریدی نے سوچتے ہوئے کہا۔

"علی فضیل کا قتل کسی ایسی جگہ ہوا تھا جس کے متعلق مقامی باشندوں کا خیال ہے کہ
بدارواح کا مسکن ہے۔ محمد فضیل کا بیان بھی اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے.... مجھے اس مقام کا
نہیں یاد رہا لیکن اتنا یاد ہے کہ یہ واقعہ مصر کے کسی ساحلی دیہی علاقے میں پیش آیا تھا.... لیکن
سر بتھال.... اس کی شخصیت کا اس واقعے سے کیا تعلق ہو سکتا ہے.... تم نے مجھے بتایا تھا کہ وہ
دنوں تک فیشن ایبل نوجوان عورتوں کے رومال چراتا رہا۔ اس سے اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے
کہ وہ حسینہ کو نہیں پہچانتا تھا۔"

فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر آہستہ آہستہ بولا۔

"سر بتھال محمد فضیل کو بھی ٹھکانے لگا دینا چاہتا تھا.... لیکن آخر کیوں.... وہ رومال کیا
ہے جس کے لئے تین قتل ہو گئے۔"

"ارے ہو گا کوئی خزانے وزانے کا چکر.... اور پھر مصر تو بڑا پُر اسرار ملک ہے.... کیا آپ
وہ پیتل کی مورتی بھول گئے۔" حمید نے کہا۔

"مصر قطعی پُر اسرار نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "بعض انگریزوں کی بیمار ذہنیت نے اُسے
پُر اسرار بنا دیا ہے۔ ہم لوگ عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ انگریزوں میں ضعیف الاعتقاد نہیں ہیں
حالانکہ پینتالیس فیصدی انگریز اتنے ضعیف الاعتقاد واقع ہوئے ہیں کہ اُن سے ہماری نانیاں اور
دادیاں بھی پناہ مانگ جائیں۔"

"بہر حال یہ کوئی ایسا ہی معاملہ ہے۔" حمید نے کہا۔

"لیکن تمہیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ علی فضیل ایک فوجی جاسوس تھا اور دوسری جنگ عظیم
میں اس نے اطالویوں کے کئی مورچے تڑوا دیئے تھے۔"

"اس سے کیا ہوتا ہے۔" حمید نے کہا۔ "کیا وہ کسی خزانے کے چکر میں نہیں پڑ سکتا۔"

"دیکھو بیسویں صدی کے لوگ اتنے احمق نہیں ہوتے۔" فریدی نے کہا۔

"تو پھر آپ کیوں سر جارج کے ساتھ کچنار کے جنگلوں تک دوڑتے چلے گئے تھے۔"

"محض اُس مورتی کا راز جاننے کے لئے مجھے خزانے کی توقع پہلے ہی سے نہیں تھی۔"

"تو پھر اس طرح سمجھ بیٹھئے کہ اُس رومال کا راز جاننے کے لئے کسی نے تین آدمیوں کو قتل

---

[1] جاسوسی دنیا کی جلد نمبر 3 میں "پہاڑوں کی ملکہ" ملاحظہ فرمائیں۔

کر دیا۔" حمید نے کہا۔

"اچھا چلو یہی سہی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ذرا یہ تو بتاؤ....!"

"نہیں میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔" حمید نے اکتا کر کہا۔ "آپ یہ بتائیے کہ وہ آپ کے ہاتھ
کیسے لگ گیا۔"

"بہت ہی حیرت انگیز طریقے پر....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "رات میں کلب سے اٹھ کر
سر بتھال کی طرف نکل گیا تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں سر بتھال کے بنگلے میں گھس کر اس کی تلاشی
لوں کہ دفعتاً مجھے سر بتھال اور فضیل بنگلے سے نکلتے ہوئے دکھائی دیئے۔ میں نے ارادہ ترک
کر دیا۔ حالانکہ تلاشی لینے کے لئے وہ بہترین موقع تھا۔ لیکن میں فضیل کو دیکھ کر پہلی ہی نظر میں
بھانپ گیا کہ وہ مصنوعی ڈاڑھی لگائے ہوئے ہے۔ میں نے سوچا کہ ان کا تعاقب کرنا چاہئے اور
میں کلب تک ان کے ساتھ گیا۔ تم نے مجھے نہیں دیکھا۔ میں صدر دروازے کے قریب رکھے
ہوئے بڑے گلدان کی اوٹ میں بیٹھ گیا تھا.... اور پھر جب تم اُن کا تعاقب کر رہے تھے میں تم
سے پچاس قدم کے فاصلے پر چل رہا تھا.... گلی میں تم سر بتھال کے جوتوں کی آواز پر آگے بڑھ
گئے اور مجھے ٹیوی سے الجھنا پڑا.... سر بتھال چلتے وقت فضیل کو اُس کے حوالے کر کے خود آگے
بڑھ گیا تھا۔ تمہاری طرح میں بھی دھوکا کھا جاتا لیکن ٹیوی کی ٹارچ نے اُس کا راز افشا کر دیا۔ وہ
سمجھا تھا کہ شاید گلی بالکل سنسان ہے اس لئے اس نے نہایت اطمینان سے اپنی ٹارچ استعمال کی۔
وہ فضیل کو کاندھے پر اٹھائے ہوئے اپنے مکان میں داخل ہی ہو رہا تھا کہ میں اُس پر ٹوٹ پڑا۔
ایک ہاتھ سے میں نے فضیل کو سنبھالا اور دوسرے ہاتھ سے ٹیوی کا منہ دبا کر سر دیوار سے ٹکرا
دیا۔ اس طرح وہ آواز نکالے بغیر وہیں ڈھیر ہو گیا.... اور پھر.... اور پھر تو تم جانتے ہی ہو کہ
میرے تہہ خانے میں کتنی کہانیاں جنم لے چکی ہیں۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ اس کی آنکھیں میز پر رکھے ہوئے ایش ٹرے پر جمی ہوئی تھیں۔

حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔

"تو پھر اب ہمارا دوسرا اقدم کیا ہو گا۔" حمید نے فریدی سے پوچھا۔

"آخر بات کیا ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "تم اس کیس میں بہت دلچسپی لے رہے ہو۔"

"وجہ یہ ہے کہ آجکل میں اپنی زندگی سے کچھ بیزار سا ہو رہا ہوں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"اچھا.... خیریت تو ہے۔"

"کچھ نہیں کوئی خاص بات نہیں۔" حمید نے گلوگیر آواز میں کہا۔ اس کی آنکھوں میں نمی آگئی تھی۔

فریدی حیرت سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ آج سے پہلے کبھی اُس نے حمید کو اس موڈ میں نہیں دیکھا۔ پہلے تو وہ سمجھا کہ یہ بھی اس کی کوئی نئی مکاری ہے اور اُسے کئی نئی شرارت سوجھی ہے۔ لیکن پھر اُس نے اپنا خیال بدل دیا۔

حمید قطعی سنجیدہ تھا۔

"آخر بات کیا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"کچھ نہیں....!" حمید بیزاری سے بولا۔ "لیکن میں اُن دونوں کو کسی مصیبت میں پھنسادوں گا۔"

"کن دونوں کو....!"

"کیا آپ کو نہیں معلوم کہ شہناز آج کل ایک کیپٹن کے ساتھ دیکھی جارہی ہے۔" بسور کر بولا۔

"اوہ بڑی خوشی ہوئی۔ خدا اس کیپٹن کی مغفرت کرے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ میرا مضحکہ اڑا رہے ہیں۔" حمید بگڑ کر بولا۔

"تم وہ کیپٹن تو نہیں۔"

"آپ کو مجھ سے ہمدردی ہونی چاہئے۔"

"خدا کا شکر ہے کہ تم ایک بہت بڑے وبال سے بچ گئے۔" فریدی نے کہا۔

"خدا کی قسم میں دونوں سے سمجھ لوں گا۔"

"بیکار باتیں مت کرو۔" فریدی نے کہا۔ "تمہیں صرف ایک عورت چاہئے خواہ اس کا نام شہناز ہو خواہ کچھ اور۔"

"نہیں اب مجھے کوئی عورت نہ چاہئے۔" حمید بھنا کر بولا۔

"الحمد للہ....!"

"اسی لئے میں اس کیس میں دلچسپی لے رہا ہوں۔" حمید بولا۔ "اب میں.... اب میں۔"

"ٹھہرو.... ٹھہرو.... میرے دیوداس۔ کہیں کوئی بڑی سی قسم نہ کھا بیٹھنا....!" فریدی

نے کہا۔ "آخر وہ کیپٹن ہے کون۔"

"کیپٹن خاور....!"

"کیپٹن خاور....!" فریدی اچھل کر بولا۔ "وہی تو نہیں جو مون اسٹریٹ میں رہتا ہے۔"

"وہی.... وہی....!"

"اوہ....!" فریدی نے کہا اور اس کی پلکیں بھنچ گئیں اور پھر وہ میز پر ایک زوردار گھونسا مار کر کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو.... ہاں میں بول رہا ہوں.... فریدی.... ہاں.... ہاں.... کیا کہا.... اوہ.... ٹیوی جہاں جاتا ہے اُسے جانے دو.... لیکن تم ان دونوں پر کڑی نظر رکھنا.... بہت اچھا....!"

فریدی ریسیور رکھ کر حمید کی طرف مڑا۔

"لو بھئی ان دونوں میں سے ایک تو خود بخود مصیبت میں پھنس گیا۔" فریدی نے کہا۔

"کیا مطلب!" حمید چونک کر بولا۔

"کیپٹن خاور....!"

"میں کچھ نہیں سمجھا۔" حمید مضطربانہ انداز میں بولا۔

"کیپٹن خاور ایک انگریز ملٹری آفیسر کے ساتھ ٹیوی کے مکان سے نکلتا دیکھا گیا ہے۔ میں اس سے پہلے بھی دو ایک بار اُسے سر بنتھال کے ساتھ دیکھ چکا ہوں.... کیپٹن خاور اور شہناز اور حمید.... حمید اور فریدی.... خدا کی قسم سر بنتھال نے بڑا بھیانک جال بچھایا ہے۔"

"تو آپ کا یہ مطلب ہے کہ سر بنتھال نے ہم لوگوں پر نظر رکھنے کے لئے یہ چال چلی ہے۔" حمید نے بیساختہ کہا۔

"میں یہی سمجھنے پر مجبور ہوں۔ اُس نے اِس واردات سے پہلے ہی ہم لوگوں کا انتظام کر لیا ہے۔"

حمید کچھ سوچنے لگا۔

"شہناز کو تم خاور کے ساتھ کب سے دیکھ رہے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"دو تین دن سے۔" حمید نے کہا۔ "وہ دونوں کل رات بھی ہائی سرکل کلب میں آئے تھے۔ شہناز نے شائد مجھے نہیں دیکھا تھا یا پھر نظر انداز کر گئی تھی۔"

"کیا سر بنتھال حسینہ کے قتل اور رومال کے حصول کے علاوہ بھی کوئی اور حرکت کرنیوالا تھا۔"

"کیوں....؟"

"اگر اُس نے خاور کو حسینہ کے قتل سے پہلے ہی شہناز کے پیچھے لگادیا تھا تو اُس کا یہی مطلب ہوا کہ وہ حسینہ کو پہچانتا تھا۔"

"اور اگر ایسا تھا تو وہ پھر اوروں کے رومال کیوں چراتا رہا۔"

فریدی پھر خاموش ہو گیا.... تھوڑی دیر کے بعد وہ حمید سے بولا۔

"تم آج شہناز سے ملو۔"

"میں ہرگز نہ ملوں گا۔"

"کیا بچوں کی سی باتیں کر رہے ہو.... میرا خیال شاذ و نادر ہی غلط نکلتا ہے۔"

"میں اُس سے مل کر کروں گا کیا۔"

"محض یہ مارک کرنا کہ میرا خیال کہاں تک صحیح ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور ہاں خود سے نہ ظاہر ہونے دینا کہ تم خاور کو اس کے ساتھ دیکھ چکے ہو۔"

"لیکن کیا وہ حقیقتاً ہمیں دھوکا دے گی۔" حمید نے بے تابی سے کہا۔

"نادانستہ طور پر وہ ہمیں ضرور دھوکا دے سکتی ہے۔"

"یعنی....!"

"تمہارے ذریعہ۔"

"کہنے کا مطلب یہ کہ شہناز کو کسی اہم معاملے کے متعلق کچھ نہ بتانا۔" فریدی نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ باتوں ہی باتوں میں کچھ اگل دے۔"

"میں نے کبھی اُس سے کوئی ایسی بات نہیں کی۔" حمید نے کہا۔ "اور اب تو اس کا کوئی سوال ہی نہیں رہ گیا۔"

"خیر یہ ایک اچھی بات ہے۔" فریدی نے کہا۔ "تم اُس وقت تک کام کے آدمی نہیں ہو سکتے جب تک کہ جنسی بیچارگی میں مبتلا نہ ہو جاؤ.... اگر شہناز ایسی نہیں بھی ہے تو تم یہ سوچنے کی عادت ڈالو کہ وہ تمہیں دھوکا دے رہی ہے.... اس طرح تم ایک قسم کی جھلاہٹ میں مبتلا ہو جاؤ گے.... اور یہ جھلاہٹ تمہیں خطرپسندی کی طرف لے جائے گی.... پھر جہاں تم اس حد تک پہنچے.... سارا کام بن جائے گا.... کیا سمجھے۔"

حمید کوئی جواب دیئے بغیر اٹھ گیا۔ لیکن اُس کے انداز میں ناگواری کا شائبہ تک نہ تھا۔

تہہ خانے میں دھماکہ

حمید کے جانے کے بعد فریدی نے فون پر کسی کو کچھ ہدایات دیں اور کپڑے پہن کر باہر چلا گیا اس کی کار شہر کی بارونق سڑکوں پر دوڑتی پھر رہی تھی اور خود وہ خیالات میں کھویا ہوا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اُس نے کار آفس کی طرف گھمادی۔

ابھی وہ اپنی میز پر بیٹھنے بھی نہیں پایا تھا کہ سپرنٹنڈنٹ کے چپراسی نے صاحب کا "سلام دیا" فریدی اس کے کمرے میں پہنچا۔ سپرنٹنڈنٹ کچھ مضطرب سا نظر آرہا تھا۔ فریدی کو دیکھتے ہی اُس نے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"تمہارے اسسٹنٹ کی وجہ سے محکمے کی بڑی بدنامی ہو رہی ہے۔" سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"وہ ٹیوی کے مکان میں کیوں گھسا تھا۔"

"میں نے بھیجا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن آخر کیوں۔" سپرنٹنڈنٹ جھنجھلا کر بولا۔

"دلکشا ہوٹل کے حادثات کے سلسلے میں میرا یہ ایک طریق کار تھا۔"

"لیکن ابھی وہ کیس باضابطہ طور پر ہمارے پاس نہیں آیا۔"

"ایک نہ ایک دن تو اسے آنا ہی ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہ سول پولیس کے بس کا روگ نہیں۔"

"تو تم نے یہ کیسے فرض کر لیا کہ اس کی تفتیش کا کام تمہارے ہی سپرد کیا جائے گا۔"

"اس لئے کہ عموماً یہاں کا یہی رواج ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"تو اسکا یہ مطلب ہے کہ یہاں تمہارے علاوہ اور سب گدھے ہیں۔" سپرنٹنڈنٹ جھلا کر بولا۔

فریدی نے ایک تیز نظر سپرنٹنڈنٹ پر ڈالی اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"دوسرا چارج تمہارے اسسٹنٹ کے خلاف یہ ہے کہ وہ شہر کی شریف لڑکیوں کو پریشان

کرتا ہے۔"

"جی....!" فریدی نے چونک کر کہا۔

"ابھی ایک آدمی نے فون پر اس کی شکایت کی ہے۔"

"کون ہے وہ....!" فریدی نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"کیپٹن خاور....!" سپرنٹنڈنٹ نے کہا وہ بہت غصے میں تھا۔ "اس نے بتایا کہ حمید اس منگیتر.... کیا نام ہے اس کا.... میں نام بھول گیا۔"

"شہناز....!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"ہاں ہاں تو تمہیں اس کا علم ہے۔" سپرنٹنڈنٹ نے تیز لہجے میں کہا۔

"جی ہاں....!" فریدی نے کہا۔ "لیکن آپ ذرا اپنے لہجے میں نرمی پیدا کرنے کی کوشش کیجئے.... وہ کچھ دن پہلے حمید کی بھی منگیتر رہ چکی ہے۔"

"میں یہ سب نہیں جانتا۔" سپرنٹنڈنٹ بگڑ کر بولا۔ "لیکن میں اپنے محکمے کی بدنامی نہیں برداشت کر سکتا۔"

"تو اس سلسلے آپ پھر کیا کریں گے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

سپرنٹنڈنٹ جو ابھی حال میں یہاں آیا تھا فریدی کے اس انداز گفتگو پر چڑ سا گیا۔

"تم یہ بھی نہیں جانتے کہ آفیسروں سے کس طرح بات کی جاتی ہے۔"

"میں اچھی طرح جانتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"میں تمہاری رپورٹ کروں گا۔"

"بہتر ہے.... آپ کے اوپر والے مجھے آپ سے زیادہ جانتے ہیں۔" فریدی نے کہا اور کمرے سے نکل آیا۔

فریدی اپنی میز پر آکر فائلوں کی دیکھ بھال میں مشغول ہو گیا۔ چڑچڑے آفیسر کی گفتگو سے اس کی طبیعت بدمزہ ہو گئی تھی۔ وہ ان چیزوں کا عادی نہیں تھا۔

جس محکمے کا انسپکٹر جنرل تک اس کی عزت کرتا ہو اس کے سپرنٹنڈنٹ کی بھلا اس کی نظر میں کیا وقعت ہو سکتی تھی۔

تقریباً دو گھنٹے کے بعد ڈی۔ آئی۔ جی کا اردلی اس کی میز کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔

ڈی۔ آئی۔ جی نے اُسے اپنے کمرے میں طلب کیا تھا۔

اور ڈی۔ آئی۔ جی نے حسب سابق اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔

"مسٹر فریدی میرا خیال ہے کہ آج کل کچھ زیادہ مصروف نہیں ہو۔"

"آپ کا خیال درست ہے۔"

"بھئی وہ دلکشا ہوٹل والا کیس ہمارے پاس آگیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی تفتیش تم کرو معاملہ بہت زیادہ الجھا ہوا ہے۔"

"جیسا آپ فرمائیں۔" فریدی نے کہا۔ "کیا آپ براہِ راست مجھے یہ کیس دے رہے ہیں۔"

"ہاں میں نے سپرنٹنڈنٹ کے توسط سے دینا مناسب نہیں سمجھا۔"

فریدی مسکرا کر خاموش ہو گیا۔

"دیکھو بھئی.... سپرنٹنڈنٹ یہاں نوارد ہے.... اور سول پولیس سے اس محکمے میں آیا ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ تم خود سمجھدار اور تجربہ کار ہو۔"

"مجھے کوئی شکایت نہیں....!" فریدی نے کہا۔

دفتر کی گھڑی نے چار بجائے اور فریدی گھر واپس آگیا۔ حمید اس کا انتظار کر رہا تھا۔

"کہو بھئی کیا خبر لائے۔" فریدی نے پوچھا۔

"کیپٹن خاور خواہ مخواہ اس کے گلے پڑ گیا۔" حمید نے کہا۔

"یعنی....!"

"کچھ دن قبل دونوں اتفاقیہ طور پر مل گئے تھے۔ تب سے خاور اس کے پیچھے پڑ گیا ہے۔ وہ طرح طرح کے بہانے تراش کر اس سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہے لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔"

"ہوں....؟" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "آثار کچھ اچھے نہیں۔"

اور پھر اُس نے اپنی اور سپرنٹنڈنٹ کی گفتگو کے متعلق حمید کو بتایا۔

حمید حیرت سے ہنستا رہا۔

"اس کا مطلب سمجھتے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں.... میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔"

"کیپٹن خاور کا بھی وہی حشر ہونے والا ہے جو لڑکی سے رومال چھیننے والے مزدور کا ہوا۔"

"یہ کیوں....!"

"کوئی اُسے بیوقوف بنا کر اپنا کام نکال رہا ہے۔"

"اوہ سمجھا۔" حمید نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا۔

"مگر تمہاری پوزیشن اس سے خطرے میں پڑ جائے گی۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں ...؟"

"خاور تمہیں بدنام کرتا پھر رہا ہے۔ اگر وہ مارا گیا تو لامحالہ تمہارا نام ضرور لیا جائے گا۔" فریدی نے کہا۔

"مگر شہناز تو اس کی تردید کرے گی۔" حمید نے جلدی سے کہا۔

"اور اگر اسے بھی غائب کر دیا گیا تو۔" فریدی نے کہا۔ "یہ مت سمجھو کہ مجرم دھوکے میں ہیں۔"

"قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں ہماری مشغولیات کا علم ہو گیا ہے۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" حمید نے کہا۔ "ہم لوگ چوہے دان میں پھنس گئے۔"

"ہشت....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں ایسا نہیں سمجھتا۔"

حمید نے کوئی جواب نہیں دیا وہ کسی گہری سوچ میں پڑ گیا تھا۔

"واقعی میری پوزیشن خطرے میں پڑ گئی ہے۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "کیوں نہ شہناز کو کہیں ہٹا دیا جائے۔"

"ناممکن....؟" فریدی نے کہا۔ "میں نے اپنا ایک خیال ظاہر کیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ صحیح کہاں تک ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میرا خیال غلط ہو....!"

"آپ کا خیال کبھی غلط نہیں ثابت ہوا کرتا۔" حمید نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"خیر چھوڑو ان باتوں کو.... آج رات کو ہمیں سر بنتھال کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا چاہئے۔"

"جو کہئے وہ کیا جائے۔" حمید بولا۔

"سر بنتھال کے گھر کی تلاشی لینا ضروری ہے۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن اُس نے گھر میں کوئی ایسی چیز چھوڑی ہی کیوں ہو گی۔" حمید نے کہا۔

"مجھے اُن رومال کی جستجو نہیں ہے۔" فریدی بولا۔

"پھر....؟"

"کوئی ایسی چیز جس سے میں اُسے قانونی شکنجے میں جکڑ سکوں۔"

"تو وہ رومال کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے۔"

"رومال....!" فریدی نے کہا۔ "عجیب آدمی ہو۔ کیا تم مقتولہ کا رومال پہچانتے ہو۔"

"نہیں....!"

"پھر....!"

"میں شدید قسم کے انتشار میں مبتلا ہوں۔"

"کیوں....!"

"ارے یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔" حمید جھلا کر بولا۔

"بگڑو نہیں، برخوردار....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ذہنی انتشار بلاوجہ ہے۔ میں تمہیں اتنا کمزور نہیں سمجھتا تھا۔"

"مجھے اپنی پرواہ نہیں.... مگر....!"

"شہناز....!" فریدی تضحیک آمیز انداز میں مسکرایا۔

حمید خاموش ہو گیا۔

باہر اندھیرا پھیل گیا تھا.... یہ دونوں گفتگو میں اس درجہ مشغول تھے کہ انہیں کمرے میں روشنی کرنے کا بھی خیال نہ رہا۔ فریدی کرسی سے اٹھا۔ وہ سوئچ بورڈ کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ دفعتاً پوری عمارت ایک عجیب قسم کی گونج سے گونج اٹھی.... اور پھر ایک جھٹکا سا محسوس ہوا اور در و دیوار جھنجھنا اٹھے۔ فریدی نے جلدی سے کمرے میں روشنی کر دی اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

حمید احمقوں کی طرح اس کا منہ تک رہا تھا۔ برآمدے میں نوکروں کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ ایک پل کے لئے فریدی سناٹے میں آ گیا۔ لیکن جلد ہی اس کی حالت میں عجیب و غریب تغیر پیدا ہو گیا۔ وہ زخمی بھیڑیئے کی طرح غرا کر تہہ خانے کی طرف جھپٹا۔ حمید اس کے پیچھے تھا۔ برآمدے میں سارے نوکر کھڑے ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے۔ فریدی اور حمید کو اس حال میں دیکھ کر ان کی حیرت اور بڑھ گئی۔ لیکن اُن میں سے کوئی اُس جگہ سے ہلا نہیں۔ حمید اور فریدی تہہ خانے والے کمرے میں آئے۔ فریدی نے فرش پر بچھی ہوئی قالین الٹ دی اور دوسرے ہی لمحے میں چونک کر پیچھے ہٹ گیا۔ تہہ خانے کے ڈھکن کی درزوں سے دھوئیں کی پتلی

پتلی لکیریں رُک کر کمرے کی فضا میں منتشر ہو رہی تھیں۔

فریدی نے حمید کو کمرے سے نکل جانے کا اشارہ کیا اور تہہ خانے کا ڈھکن کھول کر خود بھی کمرے سے باہر نکل آیا۔ پھر دھوئیں کا ایک امنڈتا ہوا بادل دروازے کی طرف جھپٹا۔

حمید اس کا مطلب سمجھ چکا تھا.... اُس نے اپنا پستول نکال کر اُس کی نال دروازے کی طرف گھما دی۔

"بے سود.... قطعی بے سود....!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "ہم دھوکا کھا گئے....!"

تھوڑی دیر کے بعد دھواں ختم ہو گیا.... فریدی اور حمید پھر کمرے میں داخل ہوئے۔ کمرے میں بارود کی بدبو پھیلی ہوئی تھی۔

اور پھر وہ تہہ خانے میں آئے، جو بالکل خالی تھا.... میز پر ایک کاغذ پڑا ہوا تھا۔ اس پر عربی زبان میں کچھ تحریر تھا۔ فریدی اُسے پڑھنے لگا.... اور ایک بار پھر وہ کسی زخمی درندے کی طرح پیچ و تاب کھانے لگا۔

"اچھا.... اچھا.... دیکھا جائے گا.... فریدی لونڈا نہیں۔" وہ آہستہ سے بولا۔

حمید حیرت سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

"نکل گیا....!" حمید نے کہا۔

فریدی کوئی جواب دینے کے بجائے لپک کر کمرے کا فرش دیکھنے لگا۔

"اوہ....!" اسکے منہ سے بے اختیار نکلا اور پھر وہ سیدھا کھڑا ہو کر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"مجھ سے بڑا احمق آج تک نہ پیدا ہوا ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

حمید نے کوئی جواب نہ دیا وہ استفہامیہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"آؤ چلیں....!" فریدی نے کہا۔

دونوں تہہ خانے سے چلے آئے۔

"اس کاغذ پر کیا لکھا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"فریدی پڑھ کر اُسے سمجھانے لگا....!"

"محترم سراغ رساں!

تم خواہ مخواہ بیچ میں آ ٹپکے... میں تو سر بتھال کو ایک شاندار سبق دینے جا رہا تھا۔

ہر وہ شخص جو اس رومال کا راز جاننے کی کوشش کرے گا اس کا یہی حشر ہوگا۔

میں نے محض اس لئے تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچایا کہ تم بھی سر بتھال کے پیچھے پڑے ہوئے ہو۔ اس رومال کو اپنے پاس رکھنے والے کی سزا موت ہے اور اس کا راز جاننے کی کوشش کرنے والے کو بھی تھوڑی بہت سزا ضرور دی جاتی ہے۔ تمہارے لئے فی الحال یہی صدمہ کافی ہے کہ تم دھوکا کھا سکے۔ سر بتھال کو اس سے زیادہ بھگتنا پڑے گا.... دیکھ لو دھواں بن کر تمہارے تہہ خانے سے جا رہا ہوں.... خیر تھوڑی سی ہسٹری اُس رومال کی بھی سن لو۔ علی فضیل نے ایک پرانے مقبرے سے وہ رومال کھود کر نکالا تھا.... دو ہزار سال پرانے مقبرے سے.... فرعون سوئم کی بیٹی لامیا کے مقبرے سے.... فرعون کی وہ بیٹی جو سانپ پالتی تھی.... فرعون کی وہ بیٹی جو زہریلے سانپوں کے منہ میں اپنی زبان ڈال دیتی تھی.... فرعون کی وہ بیٹی جس کا سارا جسم سانپ چاٹتے تھے.... اور جب علی فضیل نے اُس کا رومال کھود نکالا تو ایک بہت بڑا اژدھا اُس کے پیچھے لگ گیا اور پھر ایک دن اُس نے اسے اس طرح چیر کر پھینک دیا جیسے کوئی شریر بچہ کسی ننھی سی چڑیا کی ٹانگیں نوچ ڈالتا ہے.... رومال مصر قدیم کے بعض اہم رازوں سے تعلق رکھتا ہے اس لئے اس کے پیچھے پڑنے والے کی سزا موت ہے.... خوفناک روحیں اس کی محافظ ہیں۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ حمید سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"لغویت اور بکواس....!" فریدی خلاء میں گھورتا ہوا بڑبڑایا۔

"میں بھی ضعیف الاعتقاد نہیں.... مگر...." حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"تہہ خانے سے دھواں بن کر نکل جانے والی کوئی بدروح تھی۔" فریدی نے طنزیہ انداز میں حمید کا جملہ پورا کر دیا۔

"پھر اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"روحیں نقلی ڈاڑھیاں نہیں لگاتیں.... روحیں کسی مزدور کو سوٹ پہنا کر اُسے پستول کی گولی کا نشانہ نہیں بناتیں....!"

"مگر.... مگر.... دھواں....!" حمید ہکلایا۔

"ایک چھوٹا سا ٹائم بم جو اُس نے کہیں چھپا رکھا تھا۔"

"ہم لوگوں کی عدم موجودگی میں کسی طرح تہہ خانے سے نکل گیا اور ٹائم بم ڈالتا گیا.... وقت معینہ پر بم پھٹ گیا.... چونکہ وہ ایک بند جگہ میں پھٹا تھا اس لئے دھماکے کے بجائے صرف ہلکی سی گونج اور گھر گھراہٹ سنائی دی۔ بم زیادہ طاقتور نہیں تھا ورنہ کمرے کا فرش بیٹھ جاتا۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ سر بتھال کے علاوہ کوئی اور بھی اس رومال میں دلچسپی ہی نہیں لے رہا بلکہ حقیقتاً اس رومال پر قابض بھی ہے۔" حمید نے کہا۔

"یہ ایک نیا معمہ پیدا ہو گیا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن سر بتھال کی پوزیشن میرے ذہن میں صاف نہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ اُس نے اسی مقصد کے تحت اس آدمی کو ٹیوی کے حوالے کیا تھا۔ اُس سے وہ رومال زبردستی حاصل کر لے۔" حمید بولا۔

"یہ تو ظاہری بات ہے۔" فریدی بولا۔ "لیکن میں اس سے مطمئن نہیں۔"

"اس لئے کہ تمہارے بیان کے مطابق اُس رات کو سر بتھال نے کسی کا رومال غائب نہیں کیا تھا جس رات وہ رومال حسینہ سے چھینا گیا۔"

حمید کچھ سوچنے لگا۔ دفعتاً اُس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"کیا یہ ممکن نہیں۔ وہ مزدور سر بتھال کا آدمی رہا ہو جو رومال چھین کر بھاگا تھا اور پھر کسی دوسرے آدمی نے ہلاک کر کے رومال اس سے حاصل کر لیا ہو.... اس طرح سر بتھال کوششوں کے باوجود بھی محروم رہ گیا ہو۔"

"یہ بھی ہو سکتا ہے۔" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ پھر چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔

"لیکن تمہیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ سر بتھال ہم لوگوں سے بے خبر نہیں تھا۔"

"کیوں....؟"

"اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اتنے موٹے شکار کو دوسروں پر چھوڑ کر خود وہاں سے چلا نہ جاتا۔" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ دفعتاً اُس کی آنکھوں میں دبے ہوئے جوش کی جھلکیاں نظر آنے لگیں اور وہ اٹھ کر کھڑا ہوا۔

"لیکن ٹھہرو!" اس نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ٹیوی اس وقت وہاں کیا کر رہا تھا۔"

اس کا مطلب یہ کہ وہ ایک سوچی سمجھی ہوئی اسکیم تھی.... اوہ.... حمید.... ہم لوگ بالکل گدھے ہیں.... پرلے سرے کے احمق.... لیکن اتنا یاد رکھو کہ کیپٹن خاور چند گھنٹوں کا مہمان ہے۔"

"معلوم نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" حمید اکتا کر بولا۔ "سر بتھال سے آپ کیپٹن خاور پر آ گئے۔"

"ٹھہرو...." فریدی نے ٹیلی فون کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "اُس نے ریسیور اٹھا کر ڈائل گھماتے ہوئے کہا۔ "انکوائری.... مصری سفارت خانہ.... شرف العزیز.... یہیں ہیں.... ان کے بنگلے کا فون نمبر کیا ہے۔"

"اوہ.... اچھا شکریہ۔" فریدی نے ڈس کنکٹ کر کے دوبارہ نمبر ملائے "ہیلو.... کیا شرف العزیز ہیں.... میں انسپکٹر فریدی بول رہا ہوں.... وعلیکم السلام.... میں تھوڑی سی تکلیف دینا چاہتا ہوں.... اس دوران میں کسی نے مصر جانے کے لئے ویزا کی درخواست تو نہیں دی.... ہوں.... اور کوئی ذرا ٹھہرو.... میں نوٹ کروں گا.... کیا نام بتایا تھا.... ہاں.... اچھا اچھا.... اور.... اور.... بہت خوب.... اچھا شکریہ.... کل ہم لوگ دلکشا میں چائے بھی پئیں گے اور کھانا بھی کھائیں گے۔ بہت دنوں سے تم سے ملاقات نہیں ہوئی.... میڈ موزیل ثریا فیروزاں کو بھی میری طرف سے کہہ دینا.... اچھا.... والسلام....!"

فریدی ریسیور رکھ کر مڑا.... اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

"اور سنا تم نے" وہ حمید سے بولا۔ "سر بتھال مصر جا رہا ہے۔ اُس نے مصری سفارت خانے میں ویزا کے لئے درخواست دی ہے۔"

"دی ہو گی۔" حمید جھلا کر بولا۔ "مجھے تو کیپٹن خاور کی ہونیوالی موت کا غم کھائے جا رہا ہے۔"

"کیوں....؟" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "اپنے رقیب سے اتنی محبت کرتے ہو۔"

"محبت نہیں بلکہ خواہ مخواہ کی پھانسی سے ڈرتا ہوں۔" حمید نے اکتا کر کہا۔ "کس جنجال میں پھنس گیا۔"

"ڈرو، نہیں پیارے تم خواہ مخواہ کیوں مرے جا رہے ہو.... یہ سب مجھ پر چھوڑ کر اپنے کام میں لگ جاؤ۔"

"کام....! اب کیا کام ہے؟"

"شہناز کو کہیں غائب کر دو۔" فریدی نے کہا۔

"غائب کہاں کر دوں.... یہیں لا کر تہہ خانے میں۔"

"جی نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "تہہ خانے کا راز افشاء ہو چکا ہے۔"

"پھر....!"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دفعتاً ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو.... فریدی بول رہا ہے.... اوہ آپ.... جی.... کیا.... ہاں ہاں.... حمید یہاں وقت میرے پاس موجود ہے.... اوہ.... تو میرا خیال صحیح نکلا.... خیر خیر یہ ثابت کرنا تو میرا ہے.... آپ مطمئن رہیں.... اُس کی یا میری ملازمت پر ذرہ برابر بھی آنچ نہیں آسکتی.... خیر....!"

فریدی ریسیور رکھ کر مڑا۔ وہ قدرے متفکر نظر آرہا تھا۔

"کون تھا....؟" حمید نے پوچھا۔

"ہمارے سپرنٹنڈنٹ صاحب۔" فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔ "شہناز غائب ہو گئی ہے کے خالہ زاد بھائی کیپٹن خاور نے مشکوک لوگوں میں تمہارا اور میرا نام بھی لکھادیا ہے۔"

"مگر وہ تو کہتی تھی کہ وہ اس کا کوئی بھی نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"پولیس کو اس سے کیا غرض اُس نے پولیس کو تو اس قسم کا کوئی بیان نہیں دیا۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا....!" حمید۔

"بہت بُرا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اتنا بُرا کہ شائد اب جلد ہی تمہیں کیپٹن خاور کی تجہیز و تکفین کا انتظام کرنا پڑے گا۔"

ایک لٹیرا

"جہنم میں گیا خاور۔" حمید بے چینی سے بولا۔ "شہناز کے لئے کیا کیا جائے۔"

"گھبراؤ نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "سب ٹھیک ہو جائے گا.... سر بتھال کو مصر جانے لئے اُس وقت تک ویزا نہیں مل سکتا جب تک میں نہ چاہوں۔"

"تو کیا یہ سر بتھال ہی کی حرکت ہے۔"

"میں یہی سمجھتا ہوں۔"

"لیکن وہ تہہ خانے والا۔"

"فی الحال اُسے بھول جاؤ۔"

"لیکن آخر سر بتھال ہمیں کیوں پھنسانا چاہتا ہے۔" حمید نے اکتا کر پوچھا۔

فریدی کچھ سوچنے لگا۔

"لیکن آخر یہ سپرنٹنڈنٹ کا پٹھا ہم لوگوں کے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"خیر.... اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "خیر دیکھا جائے گا۔"

"آٹھ بج رہے ہیں.... چلو کھانا کھائیں۔"

کھانے کے دوران میں حمید خاموش رہا.... فریدی بھی کچھ نہیں بولا۔

"تم اتنے خاموش خاموش کیوں ہو۔" فریدی کھانا کھا چکنے کے بعد بولا۔

"بھئی شہناز کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو.... ابھی کل ہی کی بات ہے کہ تم نے عشق سے توبہ کی تھی۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔

"اور یہ تو بڑا اچھا ہوا.... اب تم بھی کچھ ہاتھ پیر سیدھے کر سکو گے.... ایک بار تم شہناز کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا چکے ہو[1] اس بار پھر سہی۔"

"مجھے اسکا افسوس ہے کہ میری بدولت اُسے مصیبت جھیلنی پڑے گی۔" حمید بے بسی سے بولا۔

"ارے عشق میں چنے کے لوہے ارے.... لاحول.... لوہے کے چنے چبانے پڑتے ہیں.... اگر وہ تمہارے لئے اتنی سی مصیبت جھیل ہی لے جائے گی تو کیا ہو جائے گا۔"

"آپ خواہ مخواہ میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔" حمید بُرا مان کر بولا۔ "آپ پر کبھی گذری ہوتی تو معلوم ہوتا۔"

"اُف.... کیا بات کہہ دی ہے تم نے۔" فریدی سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "اس دل پر تو ایسی گذری ہے کہ خدا دشمن کو ضرور نصیب کرے۔"

حمید احتجاجاً اٹھ کر وہاں سے جانے لگا۔

---

[1] جاسوسی دنیا کا تیسرا ناول "عورت فروش کا قاتل" جلد نمبر 1 ملاحظہ فرمائیں۔

"ٹھہرو....!" فریدی سخت لہجے میں بولا۔ "تم بعض اوقات اتنے احمق کیوں ہو جاتے ہو.... میں نے شہناز کا انتظام پہلے ہی کر لیا ہے۔"

حمید رک کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں نے کچھ آدمیوں کو اُس کے مکان کی نگرانی کے لئے مقرر کر دیا تھا۔ آج دفتر میں سپرنٹنڈنٹ سے گفتگو کرنے کے بعد ہی میں نے یہ اقدام کیا تھا۔ وہ جہاں بھی لی جائی گئی ہو گی مجھے اس کی اطلاع مل جائے گی۔"

"اگر اُسے بھی ختم کر دیا گیا تو....!" حمید نے کہا۔

"تو پھر میں تم دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کرا دوں گا۔" فریدی نے بیزاری سے کہا اور اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔

حمید خاموشی سے ایک طرف کرسی پر بیٹھ گیا۔

"جاؤ نا جا کر کیپٹن خاور کے گریبان میں ہاتھ ڈال دو....!" فریدی اس کی طرف مڑ کر ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

"آپ تو خواہ مخواہ ناراض ہو جاتے ہیں۔"

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک نوکر کمرے میں داخل ہوا۔

"ایک برقعہ پوش عورت آپ سے ملنا چاہتی ہے۔" اس نے کہا۔

"برقعہ پوش عورت....!" فریدی چونک کر بولا۔ "اچھا اسے ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔" نوکر چلا گیا۔

"یہ برقعہ پوش عورت کون ہے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

اس نے حمید کو ساتھ آنے کے لئے اشارہ کیا اور ڈرائنگ روم کی طرف روانہ ہو گیا۔

ایک عورت جس نے خود کو سر سے پیر تک سیاہ برقعے میں چھپا رکھا تھا۔ ڈرائنگ روم کے دروازے بند کر رہی تھی۔ فریدی اور حمید اس کی اس حرکت پر متحیر ہوئے بغیر نہ رہ سکے انہوں نے اتنی لمبی تڑنگی عورت آج تک نہ دیکھی تھی اور پھر آخر ڈرائنگ روم کے دروازے بند کرنے کا کیا مطلب تھا۔

فریدی کا ہاتھ بے اختیار اپنی کوٹ کی اس جیب میں چلا گیا جس میں پستول تھا.... عورت

نے بالآخر دروازہ بھی بند کر دیا جس سے وہ لوگ کمرے میں داخل ہوئے تھے.... اور پھر اس نے نقاب الٹ دی۔

"اوہ" فریدی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "کون جبار خان۔"

"جی ہاں....!" اُس نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب....!" فریدی نے کڑے لہجے میں پوچھا۔

"میں جانتا ہوں کہ جیل کی تنگ و تاریک کوٹھری میرا انتظار کر رہی ہے.... لیکن وہ موت سے بہتر ہے۔ میں اسی لئے آپ کے پاس آیا ہوں.... میں مرنا نہیں چاہتا۔"

"آخر بات کیا ہے۔" فریدی نے بیٹھتے ہوئے نرم لہجے میں پوچھا۔

"صرف آپ ہی مجھے اس مصیبت سے نجات دلا سکتے ہیں۔"

"کچھ کہو بھی....!" حمید اکتا کر بولا۔

"حسینہ کے قتل کا بھی کچھ تھوڑا بہت ذمہ دار ہوں۔"

"کون حسینہ....!" فریدی نے لاپروائی سے پوچھا۔

"وہی جو دلکشا ہوٹل میں قتل کر دی گئی تھی؟"

"اچھا.... ہوں تو گویا تم اقبال جرم کر کے خود کو قانون کے حوالے کرنے آئے ہو.... بہتر یہ ہو گا کہ تم کوتوالی جا کر اپنا بیان دے دو.... بھلا میرے پاس آنے سے کیا فائدہ۔"

"اس طرح تو آپ سچ مچ مجھے موت ہی کے منہ میں دھکیل رہے ہیں۔" جبار خان نے گھبرا کر کہا۔

"تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں ایک ایسے آدمی کو اپنے یہاں سے صحیح و سلامت نکل جانے دوں گا جسے پولیس چار سال سے تلاش کر رہی ہو۔" فریدی نے کہا۔

"آپ میرا مطلب نہیں سمجھے۔" جبار خان نے کہا۔ "میں تو چاہتا ہوں کہ حراست میں لے لیا جاؤں کیونکہ اسی طرح میری جان بچ سکتی ہے۔"

"اسی لئے تو کہتا ہوں کہ کوتوالی چلے جاؤ۔"

"اور اگر راستے ہی میں کسی نے مجھے ٹھکانے لگا دیا تو.... ڈرتا ڈرتا تو میں یہاں تک آیا ہوں۔" جبار خان نے کہا۔ فریدی اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

"تم اب تک کہاں رہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"اسی شہر میں۔" جبار خان بولا۔ "نام تبدیل کر کے یتیم خانے میں ملازمت کر لی تھی۔"

"لیکن ایسا کیا تم پولیس کو اپنے متعلق بتانا چاہتے ہو۔"

"یہی بتانے کے لئے آپ کے پاس آیا ہوں۔"

"تو بتاؤنا....!" فریدی جماہی لیتا ہوا لاپروائی سے بولا۔

"کئی دن ہوئے مجھے ایک لفافہ بذریعہ ڈاک ملا جس میں سو روپے کا ایک نوٹ تھا۔"

"بڑے خوش قسمت ہو تم....!" فریدی اُس کی بات کاٹ کر بولا۔

"جی نہیں اُسی نوٹ سے میری بد قسمتی شروع ہوئی۔" جبار خان بولا۔

"چلو یہی سہی.... آگے کہو۔" فریدی اکتاہٹ کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔

"اُسی نوٹ کے ساتھ ایک خط بھی تھا جس میں کسی نے مجھے بارہ بجے رات کو ایک سنسان سڑک پر جانے کے لئے لکھا تھا۔ اُس میں یہ بھی تھا کہ مجھ سے جو کام لیا جانے والا ہے اس کے عویض مجھے تین ہزار روپے ملیں گے جس میں سے ڈیڑھ ہزار تو اسی وقت مل جائیں گے۔ جب میں شرائط مان جاؤں گا اور ڈیڑھ ہزار کام ہو جانے پر....!"

"کیا وہ خط تمہارے اصلی نام سے آیا تھا۔"

"جی نہیں.... لفافے پر وہی نام درج تھا جو میں نے بعد میں اختیار کیا تھا.... سعید احمد۔"

"ہوں....!"

"پہلے تو میں سمجھا کہ شاید پولیس کو میرے متعلق معلوم ہو گیا ہے.... لیکن پھر سوچا کہ اگر پولیس کو معلوم ہو گیا ہوتا تو وہ اتنی دردسری کیوں مول لیتی.... سو روپے کا خون کرتی۔"

"داستان کو مختصر کرو.... میں بہت مشغول آدمی ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"بہر حال میں کافی سوچ و بچار کے بعد سرکلر روڈ پر بارہ بجے رات کو پہنچ ہی گیا.... کنوئیں کے پاس والے پیپل کے درخت کے نیچے آنے کو لکھا گیا تھا.... چاروں طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ایک کار آکر وہاں رکی اور کسی نے میرا اصلی نام لے کر پکارا۔ میں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ موٹر کے قریب پہنچا.... کار میں اندھیرا تھا۔ میں اس کی صورت نہ دیکھ سکا.... اور شاید اب اس کی آواز نہ پہچان سکوں.... کیونکہ وہ اپنی آواز کو دبا کر باتیں کر رہا

تھا۔ اُس نے مجھے ایک ایسے آدمی کو حسینہ کو قتل کر دینے کے لئے تلاش کرنے کو کہا جسے آسانی سے پہچانا نہ جا سکے.... آپ جانتے ہوں گے کہ میں نے آج تک قتل وغیرہ کے معاملے میں ہاتھ نہیں لگایا لیکن ان دنوں روپیوں سے تنگ تھا۔ سوچا مجھے تو قتل کرنا نہیں ہے۔ لہٰذا میں اس پر راضی ہو گیا.... اور معاملہ بھی عجیب دلچسپ تھا۔ وہ محض ایک رومال کی خاطر قتل کی جا رہی تھی۔ موٹر والے نے مجھے بتایا کہ حسینہ سے رومال لینے کے بعد اُسے قتل کر دیا جائے گا۔ میں راضی ہو گیا۔ مجھے ڈیڑھ ہزار روپے اُسی وقت مل گئے اور ایک کاغذ بھی ملا جس پر اُس قتل کے متعلق ساری احتیاطی تدبیریں درج تھیں.... وہ کاغذ اس وقت بھی میرے پاس موجود ہے.. ہاں تو میں نے اُس سے دوسرے دن ملنے کا وعدہ کیا.... لیکن وہ یہ سارا کام دوسری ہی رات کو کر ڈالنا چاہتا تھا.... اُس نے مجھ سے کہا کہ جو اُسے قتل کر کے رومال لے آئے گا اس کے لئے ایک ہزار روپے الگ سے دیئے جائیں گے.... میں نے دوسری ہی رات کو یہ کام سرانجام دے ڈالنے کا وعدہ کیا.... میرے ذہن میں ایک آدمی تھا.... وہی جو اسی رات کو دلکشا ہوٹل کے باہر قتل کر دیا گیا۔ میں نے اُسے تیار کیا۔ وہ ایک معمولی مزدور تھا.... میں نے موٹر والے کی اسکیم کے تحت اُسے نفیس قسم کا سوٹ پہنا کر دلکشا ہوٹل میں بھیج دیا.... اور پھر جب وہ ہوٹل سے باہر نکلا تو کسی نے اس کو قتل کر دیا۔"

جبار خان خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"کیا تم اس وقت وہیں موجود تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں.... میں آگے بڑھ کر ایک چائے خانے میں بیٹھ گیا تھا۔ میں نے اُسے سمجھا دیا تھا کہ وہ اُس رومال کو لے کر سیدھا وہیں آئے.... لیکن کسی نے اُسے....!"

"تمہیں بقیہ روپے تو مل گئے ہوں گے۔"

"آج بارہ بجے رات کو ملیں گے۔" جبار خان نے کہا۔ "مجھے آج پھر ایک خط ملا ہے جس میں لکھا ہے کہ میں آج بارہ بجے رات کو اُسی پیپل کے درخت کے نیچے پہنچ جاؤں۔"

"وہ خط اور وہ کاغذ جس پر قتل کی اسکیم لکھی ہوئی ہے مجھے دو" فریدی نے کہا۔

جبار خان نے کاغذات جیب سے نکال کر فریدی کو دے دیئے۔ فریدی انکا بغور مطالعہ کرتا رہا۔

"تو پھر تم یہاں کیوں دوڑے آئے۔" فریدی نے اُس سے پوچھا۔

"میں جانتا ہوں کہ اگر میں وہاں گیا تو صبح تک میری لاش سردی سے اکڑ جائے گی۔" خان نے کہا۔

"کیوں....؟" فریدی نے اُسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"اس لئے کہ وہ شخص انتہا کی رازداری سے کام لے رہا ہے.... اُس نے اُس مزدور کو قتل کر دیا؟ رومال حاصل کر لینے کے بعد اُسے ایسا نہ کرنا چاہئے تھا.... میں بھی اسی بساط کا ایک مہرہ ہوں جسے شہہ سے بچنے کے لئے پٹوا دیا جائے۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اگر میں رو کے لالچ میں وہاں دوڑا گیا تو میرا بھی وہی حشر ہوگا جو اُس مزدور کا ہوا.... اب صرف آپ میری جان بچا سکتے ہیں۔"

"ہوں....؟" فریدی کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "تم یہ کس طرح کہتے ہو کہ تمہارا بھی حشر ہوگا۔"

"میرا دل کہہ رہا ہے۔" جبار بولا۔ "یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ ہم جرائم پیشہ لوگ حس بھی رکھتے ہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ جو لوگ شارع عام پر کسی کو گولی مار سکتے ہیں کیا وہ خو حسینہ کو قتل کر کے وہ رومال نہیں حاصل کر سکتے تھے۔ انہوں نے کسی مجبوری ہی کی بناء پر مجھے معاملے میں شریک کیا اور پھر محض رازداری کے خیال سے اس مزدور کو قتل کر دیا.... تو پھر وہ مجھے کیوں زندہ رہنے دیں گے.... مجھے منطق نہیں آتی ورنہ میں اس سے بھی زیادہ زو دلائل پیش کرتا ویسے میرا دل کہہ رہا ہے کہ میرا بھی وہی حشر ہونیوالا ہے، جو اُس مزدور کا ہوا

جبار خاموش ہو کر رحم طلب نگاہوں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"وہ شخص جو تم سے سرکلر روڈ پر ملا تھا کوئی انگریز تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"انگریز تو کسی طرح نہیں ہو سکتا.... کیونکہ وہ اردو میں گفتگو کر رہا تھا۔" جبار نے کہا۔

"بہتیرے انگریز اچھی خاصی اردو بولتے ہی ہیں۔" فریدی بولا۔

"لیکن لہجہ۔" جبار مضطربانہ انداز میں بولا۔ "میں نے آج تک کوئی انگریز نہیں دیکھا لہجہ ہندوستانی ہو۔"

"اوہ....!" فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔

"میں نے اخبار میں پڑھا تھا کہ آپ بھی کیس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔" جبار نے کہا

"کون سا کیس....!"

"وہی حسینہ والا....!"

"میں اتفاقاً وہاں پہنچ گیا تھا.... اور یہ رومال والا معاملہ تو کسی طرح میرے حلق سے نہیں اترتا.... بھلا رومال.... لاحول ولا قوۃ کسی احمق کو بھی اس پر یقین نہیں آسکتا۔"

"میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ مجھے یہی بتایا گیا تھا۔ اس کاغذ میں بھی وہی تحریر ہے.... اب اس کی تہہ میں کیا راز ہے یہ میں نہیں جانتا۔"

"تو اب تم کیا چاہتے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"کتنی بار کہوں۔" جبار جھلا کر بولا۔

"تم نے ایک بار بھی نہیں کہا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"میں نے یہاں آکر سخت غلطی کی۔" جبار آہستہ سے بولا۔ اس کی آنکھوں سے بے اعتباری مترشح ہو رہی تھی۔ "میں تو سمجھا تھا کہ میری اس اطلاع پر آپ اچھل پڑیں گے۔"

"مگر تمہاری اطلاع میں کوئی ایسی بات نہیں جسے سن کر اچھلنا پڑے۔" فریدی نے کہا۔

"تو میں ناامید ہو جاؤں۔"

"میں یہ بھی نہیں کہتا۔"

"پھر آخر آپ کہتے کیا ہیں۔"

"پولیس کو فون کر کے تمہیں احتیاط سے جیل بھجوا دوں۔"

"تو کیا وہ مجھے جیل میں زندہ رہنے دیں گے۔"

"زندہ تو تم کہیں بھی نہیں رہ سکتے.... تمہارا مرنا اتنا ہی یقینی ہے جتنا کہ اُس آدمی کا جو تمہیں سرکلر روڈ پر ملا تھا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"مطلب سمجھ کر تم کیا کرو گے۔" فریدی نے کہا۔ "خیر تم یہیں ٹھہرو، مگر اس طرح نہیں تمہیں یہاں پولیس والوں کی نگرانی میں رہنا پڑے گا۔"

"مجھے منظور ہے۔" جبار نے کہا۔

فریدی نے ریسیور رکھ کر انسپکٹر جگدیش کو فون کیا۔ تھوڑی دیر بعد جگدیش دو مسلح سپاہیوں

کے ساتھ فریدی کی کوٹھی پر پہنچ گیا۔

جبار خان کو دیکھ کر وہ چونک پڑا۔

"ہاں یہ جبار خان ہے۔" فریدی نے کہا۔ "خود کو پولیس کے حوالے کرنے آیا ہے۔"

"اوہ....!" جگدیش نے کہا اور جبار کو گھورنے لگا۔

"لیکن یہ نہیں بتانا چاہتا کہ اُس نے ایسا کیوں کیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"میں اُگلوالوں گا۔" جگدیش نے کڑے لہجے میں کہا۔

"جی نہیں.... داروغہ جی صاحب.... اس کی ضرورت نہیں۔" فریدی طنزیہ لہجے میں بولا۔ "آپ اس کے لئے مجبور نہ کیجئے گا۔"

"اوہ....!" جگدیش معنی خیز نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"آپ اُس وقت تک یہاں ٹھہر کر اس کی نگرانی کریں گے جب تک کہ میں واپس نہ آجاؤں۔" فریدی نے کہا۔

"حوالات میں کیوں نہ رکھا جائے۔" جگدیش نے کہا۔

"بھئی میں جو کہہ رہا ہوں وہ کرو....؟" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

"بہت اچھا.... بہت اچھا۔" جگدیش نے جلدی سے کہا۔

"اپنے ان دونوں سپاہیوں کو بھی کمرے سے باہر نہ جانے دینا۔"

"اچھا.... لیکن....!"

"لیکن کیا....!" فریدی اسے آنکھ مار کر بولا۔ "میں آج رات بھر جبار خان کو اپنا ہی مہمان رکھنا چاہتا ہوں۔"

"اوہ....!"

"باہر کسی کو اس کی اطلاع نہ ہونے پائے۔" فریدی نے سپاہیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ورنہ میری طرف سے انعام کے مستحق ہوں گے۔"

"نہیں سرکار بھلا ایسی بات ہو سکتی ہے۔" ایک سپاہی بولا۔

انہیں ڈرائنگ روم میں چھوڑ کر فریدی اور حمید باہر چلے آئے۔

"اپنا سیاہ سوٹ پہن لو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"کیوں....؟"

"ہم بھی بتاتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور اپنے سونے کے کمرے میں چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ سیاہ سوٹ میں ملبوس کمرے سے نکلا.... حمید نے بھی اُس کی ہدایت کے مطابق سیاہ سوٹ پہن لیا تھا۔ فریدی اپنے جیب میں پڑے ہوئے پستول کو ٹٹولتا ہوا بولا۔ "ریوالور بھی لیتے چلو۔"

کار میں لاش

رات تاریک اور انتہائی سرد تھی۔ ستارے اس طرح کپکپا رہے تھے جیسے وہ برف کے طوفان میں پھنس کر آخری جدوجہد کر رہے ہوں۔ چاروں طرف ایک لامتناہی سناٹا چھایا ہوا تھا.... کبھی کبھی جھینگروں کی "جھائیں جھائیں" اچانک رک جاتی اور ایسا معلوم ہونے لگتا جیسے سناٹے کا تسلسل ٹوٹ گیا ہو۔

سرکلر روڈ پر جو شہر میں روشنی کی بوچھاڑوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ شہر کے باہر کے ویران حصے میں آکر تاریکی کی آغوش میں سو گئی تھی اور اس وقت قدموں کی آہٹیں بھی اُس کے سینے میں دھڑکنیں نہیں پیدا کر رہی تھیں اس کے دونوں کناروں پر بڑے بڑے درخت اور کہیں کہیں گھنی جھاڑیاں تھیں۔ دفعتاً اس کے سیاہ سینے پر روشنی کی لمبی لمبی لکیریں نظر آنے لگیں اور دور کسی کار کی ہیڈ لائیٹس دکھائی دیں۔ کار تیزی سے آرہی تھی.... پیپل کے پرانے درخت کے قریب آکر اُس کی رفتار کم ہو گئی اور پھر کچھ دور چلنے کے بعد رک سی گئی لیکن مشین نہیں روکی گئی۔ انجن کی ہلکی ہلکی آواز فضا میں منتشر ہو رہی تھی۔ ہیڈ لائٹس بجھا دی گئیں.... کسی نے کھڑکی سے سر نکال کر پیپل کے درخت کی طرف دیکھا.... وہاں ایک تاریک سایہ متحرک نظر آرہا تھا۔

"جبار خان" کار والے نے آہستہ سے آواز دی۔ "قریب آؤ....!" یہ آہستہ آہستہ کار کی طرف بڑھنے لگا۔ ساتھ ہی کار والے کا ہاتھ جیب میں گیا۔ اُس نے پستول نکال کر اس کی نال کار کی کھڑکی پر رکھ دی۔ لیکن کار کی طرف بڑھنے والا سایہ شائد اس سے بے خبر تھا۔ وہ کار سے ڈیڑھ فٹ کے فاصلے پر کھڑا ہو گا.... کار والے نے پستول مضبوطی سے پکڑ لیا.... لیکن دوسرے ہی

لمحے میں کار کی دوسری کھڑکی سے ایک ہاتھ اس کی گردن کی طرف بڑھا۔ کار والے کو اس کی تک نہ آئی۔

"خبردار....!" پیچھے سے آواز آئی۔ "اپنا پستول سڑک پر گرادو۔"

کار والے کی گردن میں ٹھنڈے لوہے کا ننھا سا دائرہ چبھنے لگا....

"پستول سڑک پر گرادو....!" پیچھے سے پھر آواز آئی۔ "اگر تم نے ذرہ برابر بھی جنبش کی کھوپڑی اڑ جائے گی۔"

کار والے کا پستول سڑک پر آگرا۔ اس کے سامنے کھڑا ہوا آدمی خاموش کھڑا تھا۔

"کیپٹن خاور نیچے اتر آؤ۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔

"تم کون ہو۔" کار والے نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

"انسپکٹر فریدی۔" سامنے کھڑے ہوئے آدمی نے کہا۔

"شہناز کہاں ہے۔" پیچھے سے سرجنٹ حمید نے پوچھا۔ اُس کے پستول کی نال کار والے کی گردن میں چبھی جا رہی تھی۔

"میں نہیں جانتا۔" کار والے نے کہا۔

"نیچے اُتر آؤ۔" آخر فریدی نے کہا اور کار کا دروازہ کھول دیا۔

کار کے انجن کی آواز سناٹے میں گونج رہی تھی۔ کار والے نے ایک پیر پائیدان پر رکھ دیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے ہو نیچے اُتر رہا ہو۔ لیکن اندھیرے میں فریدی یہ نہ دیکھ سکا کہ کار والے ہاتھ گیئر پر رینگ رہا ہے۔ دفعتاً فریدی کو اپنی بنیادی غلطی کا احساس ہوا۔ اُس نے ہاتھ بڑھا مشین بند کرنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ کار ایک جھٹکے کے ساتھ چل پڑی.... سرجنٹ حمید دو طرف سڑک کے کنارے لڑھک گیا.... اور فریدی کھڑا ہاتھ ملتا رہ گیا۔ حمید نے پے در پے کرنے شروع کر دیئے۔ لیکن کار گولیوں کی دسترس سے دور جا چکی تھی۔

"کیوں فضول کارتوس خراب کر رہے ہو۔" فریدی جھلا کر بولا۔ "تم سے بھی اتنا نہ ہو ہاتھ بڑھا کر انجن بند کر دیتے۔"

"میں.... کیا.... میں کیا....!" حمید ہانپتا ہوا بولا۔

"ہاں تم کیا کر سکتے تھے۔" فریدی طنزیہ انداز میں بولا۔ "کیپٹن خاور کا نام سنتے ہی شہناز کی

تو پڑ گئی تھی۔"

"شائد میرے سر میں چوٹ آگئی ہے۔" حمید جھینپ کر بولا۔

فریدی نے جھک کر سڑک پر سے کیپٹن خاور کا پستول اٹھالیا۔

دونوں ایک طرف چلنے لگے۔

"کیا آپ ناراض ہو گئے۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ "مجھے خود اس کا خیال رکھنا چاہئے تھا۔"

"خیر کوئی پرواہ نہیں.... اب یہ لوگ بچ نہیں سکتے۔"

ایک کار تیزی سے اُن کے قریب سے گذر گئی۔

"ہمیں کار پر آنا چاہئے تھا۔" حمید نے کہا۔

"مگر اس کار پر کون تھا۔" فریدی نے کہا۔ "اس نے ہیڈ لائٹس بھی نہیں جلائی تھیں۔"

"ہوگا کوئی یہ کیا یہاں ویرانے میں چالان کا ڈر ہے۔" حمید بولا۔

فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔

"لیکن تھی کوئی نہایت نفیس قسم کی کار۔" فریدی نے کہا۔ "ذرہ برابر بھی آواز نہیں معلوم ہوئی۔"

وہ پھر کچھ سوچنے لگا۔

"حمید....!" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "کہیں اس کار پر اس گروہ کا سرغنہ رہا ہو.... کون جانے کہ وہ کیپٹن خاور کو ختم کر دینے کے لئے اُدھر آیا ہو۔"

"کیا مطلب....!"

"کیپٹن خاور جبار کو قتل کرتا اور وہ کیپٹن خاور کو....!"

"اوہ....!"

"بہرحال اس معاملے میں بھی خاصی چوٹ رہی۔" فریدی نے کہا۔ "جابر[1] کے بعد یہ دوسری ہستی ملی ہے جس سے مقابلہ کرنے میں دانتوں پسینہ آرہا ہے۔"

"میرے دانتوں میں تو درد ہو گیا ہے۔" حمید ہنس کر بولا۔

"خیر خیر جلدی چلو۔" فریدی نے کہا۔ "میرے خیال سے ڈیڑھ بج گئے ہوں گے۔ اب اس

---

[1] جاسوسی دنیا کا ساتھواں، آٹھواں ناول (جلد نمبر 2) ملاحظہ کیجئے۔

وقت کوئی سواری بھی نہ ملے گی۔"

دونوں نے تیز تیز قدم اٹھانے شروع کر دیئے۔

"آخر وہ کون تھا جو ہمارے تہہ خانے سے نکل بھاگا۔" حمید نے کہا۔

"سر بتھال....!"

"جی....!" حمید چلتے چلتے رک کر بولا۔

"چلتے رہو چلتے رہو.... یہ کوئی ایسی حیرت انگیز بات نہیں۔" فریدی نے کہا۔

"معلوم نہیں آپ اس وقت کس موڈ میں ہیں۔" حمید ہنس کر بولا۔ "شاید اس وقت ناکامی نے آپ کے ذہن پر کوئی بُرا اثر ڈالا ہے۔"

"یعنی میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں یہ نہیں کہتا.... اگر وہ سر بتھال تھا تو شائد وہ جس نے اُسے شراب پلائی تھی اُس کا ہمزاد تھا۔"

"ہمزاد نہیں بلکہ ہمشکل کہو۔" فریدی نے کہا۔ "میں تمہیں میک اپ کر کے سر بتھال بنا سکتا ہوں اور خود فضیل بن سکتا ہوں.... کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں فضیل کی گفتگو سے مطمئن ہو گیا تھا.... ہرگز نہیں.... میں صرف اس بات پر مطمئن تھا کہ وہ میرے تہہ خانے سے نکل کر کہیں جا نہیں سکتا۔"

"لیکن آپ نے اس وقت اپنے شبہے کا اظہار نہیں کیا تھا۔" حمید نے کہا۔

"ضروری نہیں سمجھا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "وہ عربی ضرور بولتا تھا لیکن اس کا لہجہ اس کے اہل زبان ہونے پر دلالت نہیں کرتا تھا....!"

"آخر سر بتھال کی اس حرکت کا مطلب کیا تھا۔"

"محض یہی کہ میری توجہ اپنی طرف سے ہٹا کر یہاں سے نکل جائے.... اگر وہ اس کے حصول کے لئے کوشش کر رہا تھا تو پھر مصر جانے کے لئے ویزا کی درخواست کیوں دی؟ اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ رومال اس کے پاس ہے.... شاید اُسے اس بات کا علم ہو کہ تم اس کی حرکت کو بغور دیکھ رہے ہو۔ لہٰذا اس نے ہمیں بیوقوف بنانے کے لئے یہ پلان حیرت ہوتی ہے اس کی ذہانت پر۔ میرے پن چبھانے پر وہ اس طرح عربی میں چیخا تھا جیسے اس

لئے پہلے ہی سے تیار رہا ہو۔ کتنا مصنوعی نفسیاتی ردعمل تھا اُس وقت یقیناً میں اپنی اس تدبیر پر خود ہی جھوم اٹھا تھا.... لیکن آج اپنے سے زیادہ احمق کسی اور کو سمجھ ہی نہیں سکتا.... اور اس کے باوجود بھی میں مشکوک تھا۔"

"تو کیا اُسی وقت آپ نے اس کا اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ سر بتھال تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں.... میں مشکوک ضرور تھا لیکن اُس وقت اس کا وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ وہ خود سر بتھال ہے۔"

"اور حقیقت تو یہ ہے کہ اب بھی یہ بات میرے حلق سے نہیں اترتی۔" حمید نے کہا۔

"خیر دیکھا جائے گا۔" فریدی نے کہا۔ "اس راز سے بھی کبھی نہ کبھی پردہ اٹھے ہی گا.... میں تم سے یہ کب کہتا ہوں کہ بے چوں وچرا ہر بات پر ایمان لے آیا کرو۔"

وہ دونوں تقریباً چار بجے گھر پہنچے ڈرائنگ روم میں سناٹا تھا.... "لو بھئی کوئی دوسری چوٹ" فریدی بوکھلا کر بولا۔ "یہ لوگ کہاں گئے۔ کیا اُن احمقوں نے اُسے حوالات پہنچا دیا۔"

"نوکروں کو جگا کر پوچھئے۔" حمید بولا۔

"ٹھہرو....!" فریدی فون کی طرف بڑھتا ہوا بولا.... اُس نے ریسیور اٹھایا.... "ہیلو.... کوتوالی ڈیوٹی پر کون ہے.... اوہ.... ذرا جگدیش کو بلاؤ۔" فریدی نے ریسیور میز پر ڈال دیا اور حمید کی طرف دیکھنے لگا.... تھوڑی دیر بعد اُس نے پھر ریسیور اٹھایا۔ "ہیلو.... جگدیش.... فریدی بول رہا ہے.... کیا چوٹ.... کیسی چوٹ.... گھاس تو نہیں کھا گئے.... ارے.... چہرہ خون میں ڈوبا ہوا تھا.... تمہیں کب عقل آئے گی۔ سب ستیاناس کر دیا تم نے.... لاحول ولا قوۃ.... میں نے تمہیں بلا کر غلطی کی تھی.... میں سمجھا تھا کہ تمہیں کچھ کچھ عقل آ گئی ہو گی.... خیر آئندہ احتیاط برتوں گا...." فریدی نے ایک جھٹکے سے ریسیور رکھ دیا اور بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ غصے سے اُس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اُس نے ایک بار رک کر میز پر ایک زوردار مکا مارا اور پلٹ کر حمید کو گھورنے لگا۔

"کیا ہوا....!" حمید نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"شکست....!" فریدی زخمی بھیڑیئے کی طرح غرایا۔ "جبار کو وہ لوگ نکال لے گئے۔"

"نکال لے گئے؟" حمید نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"ہاں.... جگدیش کو دھوکہ دیا گیا.... لیکن اب پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے۔" فریدی صوفے پر گر کر آنکھیں بند کر لیں۔

"جگدیش کس طرح دھوکا کھا گیا۔" حمید نے کہا۔

"جب میں دھوکے کھا رہا ہوں تو جگدیش کی کیا حقیقت ہے۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنایا۔

"آخر ہوا کیا....؟"

"جگدیش کا بیان ہے کہ تین بجے کے قریب تم خون میں نہائے ہوئے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔"

"میں....!" حمید اچھل کر بولا۔

"ہاں.... تمہارا چہرہ خون میں ڈوبا ہوا تھا۔"

حمید گھبرا کر اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ لیکن پھر اپنی اس حماقت کا احساس ہوتے ہی ہاتھ نیچے گرا دیا۔

"تم نے اس سے کہا کہ فریدی صاحب جبار کو بلا رہے ہیں.... تم اتنی جلدی میں تھے کہ تم نے جگدیش کو یہ بھی نہ بتایا کہ تم خون میں کیوں نہائے ہوئے ہو۔"

"مگر میں تو....!"

"میرے ساتھ تھے۔" فریدی طنزیہ انداز میں بولا۔ "تم اتنے احمق کیوں ہو جاتے ہو.... میں یہ کب کہتا ہوں کہ ہوں کہ تم میرے ساتھ نہیں تھے.... اُس گروہ کا کوئی آدمی تمہاری شکل میں آیا اور جبار کو لے اڑا.... مجھے اس کی توقع نہیں تھی۔"

"اب کیا کیا جائے۔" حمید بے بسی سے بولا۔

"سوچنا پڑے گا.... سوچنا پڑے گا....!" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"میں نے آج تک ایسا مجرم نہیں دیکھا جو دلیر بھی ہو کھل کر بھی سامنے نہ آتا ہو۔"

"کیوں نہ سر بتھال کو گرفتار کر لیا جائے۔" حمید نے کہا۔

"کیا احمقوں کی سی باتیں کر رہے ہو۔" فریدی نے کہا۔ "اُس کے خلاف ثبوت کہاں سے کریں گے۔ یہ تو اسی وقت ہو سکتا تھا جب ہم کیپٹن خاور کو گرفتار کر لیتے....!"

"کیپٹن خاور....!" حمید اپنی مٹھیاں بھینچ کر آہستہ سے بولا۔

"جاؤ جا کر سو جاؤ۔" فریدی نے کہا۔ "ابھی بہت کچھ کرنا ہے...."

"اب نیند نہیں آئے گی۔" حمید نے کہا۔

فریدی خاموش ہو گیا۔

"اچھا اس آتش دان میں کوئلے ہی ڈال دو۔" فریدی نے کہا اور آنکھیں بند کر کے کچھ سوچنے لگا۔

حمید نے اٹھ کر آتش دان میں کوئلے سلگا دیئے۔

فریدی جو صوفے میں بیٹھا اونگھ رہا تھا دفعتاً کھڑا ہو گیا۔

"تھوڑی دوڑ دھوپ کی ہمت کر سکو گے۔" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"ابھی اس وقت....؟" حمید اپنے چہرے پر کاہلی کے آثار پیدا کرتا ہوا بولا۔

"اور نہیں تو کیا ایک سال کے بعد۔" فریدی نے کہا اور اپنا اوور کوٹ پہننے لگا۔

حمید بھی طوعاً و کرہاً اٹھا۔ آج کافی تھک گیا تھا۔ تھکن کا یہ عالم تھا کہ اُسے بولنے میں بھی کاہلی محسوس ہو رہی تھی۔

گھڑی ساڑھے پانچ بجا رہی تھی۔ وہ دونوں برآمدے سے نکل کر پائیں باغ میں آئے۔

فریدی گیراج کھول کر اپنی کار باہر نکال ہی رہا تھا کہ ایک کار احاطے کے پھاٹک پر آ کر رکی پھر کوئی پھاٹک کو پکڑ کر ہلانے لگا۔

"کون ہے؟" حمید چیخا۔

"پھاٹک کھولو....!"

"اوہ آپ....؟" حمید پھاٹک کی طرف بڑھتا ہوا بولا اور فریدی سے مخاطب ہو کر کہا۔ "سپرنٹنڈنٹ صاحب" حمید نے پھاٹک کھول دیا۔ سپرنٹنڈنٹ اندر آ گیا.... فریدی بھی گیراج سے باہر نکل آیا۔

"تم لوگ کہاں سے آ رہے ہو۔" سپرنٹنڈنٹ نے اُن سے پوچھا۔

"ہم لوگ کہیں جا رہے ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "مگر اب نہ جائیں گے ہماری خوش نصیبی ہے کہ آپ نے غریب خانے پر قدم رنجہ فرمایا.... اندر تشریف لے چلئے۔"

"نہیں....!" سپرنٹنڈنٹ نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "میں یہ بتانے کے لئے آیا ہوں کہ

کیپٹن خاور سرکلر روڈ کے موڑ پر اپنی ٹوٹی ہوئی کار میں مردہ پایا گیا ہے.... اس کی داہنی کنپٹی پر
لگی....!"

"اوہ....!" حمید اچھل کر بولا۔ اُس کی نظریں بے اختیار فریدی کی طرف اٹھ گئیں۔

"تو میرا خیال سچ نکلا....!" سپرنٹنڈنٹ نے کڑے لہجے میں کہا۔

"اگر آپ اپنے خیال سے مطلع فرمائیں تو اپنی خوش نصیبی سمجھوں گا۔" فریدی نے مسکرا
کہا۔

"حمید اس خبر کو سن کر گھبرا کیوں گیا۔" سپرنٹنڈنٹ نے تلخ لہجے میں کہا۔

"اس لئے کہ اُسے کیپٹن خاور کا انجام معلوم تھا۔" فریدی نے کہا۔

"یعنی....؟"

"یہی کہ جو ایک قاتل کا انجام ہونا چاہئے۔"

"کون قاتل....!"

"کیپٹن خاور....!"

"نہ جانے تم کہاں کی باتیں کر رہے ہو۔" سپرنٹنڈنٹ جھلا کر بولا۔

"شاید آپ کو نہیں معلوم کہ وہ رومال والا کیس میرے سپرد کر دیا گیا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" سپرنٹنڈنٹ تلخ لہجے میں بولا۔

"تو پھر بس کیپٹن خاور کا قتل اُسی سلسلے کی ایک کڑی ہے.... حسینہ سے رومال مزدور
چھینا.... مزدور کو کیپٹن خاور نے ختم کیا اور ہو سکتا ہے کہ وہی حسینہ کا بھی قاتل ہو.... اور
کیپٹن خاور کو اس کے اوپر والوں نے ختم کر دیا۔"

"ثبوت....!"

"بھلا میں آپ کو ثبوت کیوں کر دے سکتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "اس کیس میں
تعلق براہِ راست ڈی۔ آئی۔ جی۔ سے ہے۔"

"ہوں.... اچھا....!" سپرنٹنڈنٹ نے حمید کی طرف مڑ کر پوچھا۔ "شہناز کہاں ہے۔"

"بھلا وہ بیچارہ کیا بتائے گا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "وہ بیچارہ تو اُس کے لئے بُری طرح
رہا ہے۔ یہ میں جانتا ہوں کہ شہناز کہاں ہے۔"

"کہاں ہے۔" سپرنٹنڈنٹ نے بگڑ کر پوچھا۔ فریدی کے طنز آمیز طرز گفتگو نے اس کا موڈ
بگاڑ دیا تھا۔

"یہ میں نہیں بتا سکتا۔" فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔ "میری مصلحت اسکی اجازت نہیں دیتی۔"

"میں تمہارا آفیسر ہوں" سپرنٹنڈنٹ نے ڈانٹ کر کہا۔

"یہ کوئی خاص بات نہیں۔ ایک بار یورپ کا مشہور ڈاکو لیونارڈ[1] بھی کافی عرصے تک میرا
آفیسر رہ چکا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"تم میری توہین کر رہے ہو۔" سپرنٹنڈنٹ گرج کر بولا۔

"آپ خواہ مخواہ دل برداشتہ ہو رہے ہیں۔ یہ محکمہ ہی ایسا ہے.... یہاں سب کچھ سہنا پڑتا ہے۔"

"کچھ نہیں یہ اوپر والوں کی غلط پالیسی کا نتیجہ ہے۔" سپرنٹنڈنٹ جھلا کر بولا۔

"میں خدا کے علاوہ اور کسی کو اوپر والا نہیں سمجھتا۔" فریدی نے کہا۔

"خیر چھوڑیئے ان باتوں میں.... اگر کوئی حرج نہ ہو تو اس وقت میرے ہی ساتھ ناشتہ
کر لیجئے۔"

"میں سورج طلوع ہونے سے قبل ناشتہ نہیں کرتا۔" سپرنٹنڈنٹ نے کہا اور پیر پٹختا ہوا باہر
چلا گیا۔

"یا وحشت....!" حمید مسکرا کر بولا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی اور حمید بھی جائے وقوعہ پر پہنچ گئے۔ سرکلر روڈ کے چوراہے پر
مڑتے وقت کیپٹن خاور کی کار ایک درخت سے ٹکرا کر الٹ گئی تھی.... بمشکل تمام اُس کی لاش
اُس کے اندر سے نکالی جا سکی تھی۔ دو تین سب انسپکٹر اور محکمہ سراغرسانی کا سپرنٹنڈنٹ لاش کے
گرد کھڑے تھے۔ فریدی اور حمید کے پہنچتے ہی سپرنٹنڈنٹ نے بُرا سا منہ بنایا۔

"میں نہیں سمجھتا کہ تم لوگوں کی دخل اندازی ضروری ہے۔" سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

فریدی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ سول پولیس والوں کے سامنے بات
بڑھے اور سپرنٹنڈنٹ صاحب اس میں اپنی توہین محسوس کریں۔

---

[1] جاسوسی دنیا جلد نمبر 2 کا ناول "فریدی اور لیونارڈ" ملاحظہ فرمائیے۔

لیکن یہ واقعہ سول پولیس والوں کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیپٹن خاور گولی لگنے کی وجہ سے مرا یا کار الٹنے کی وجہ سے۔ سپرنٹنڈنٹ نے اپنے خیال کا اظہار شروع کیا۔ اس نے فریدی اور حمید پر ایک اچٹتی ہوئی سی نگاہ ڈالی اور کہنے لگا۔ "جس وقت یہ یہاں کار موڑ رہا تھا کسی نے اس پر گولی چلائی اور کار درخت سے ٹکرا کر الٹ گئی۔"

فریدی کے ہونٹوں پر طنز آمیز مسکراہٹ پھیلنے لگی۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

تھوڑی دیر بعد سول پولیس والے لاش وہاں سے اٹھالے گئے.... سپرنٹنڈنٹ وہیں رہ گیا۔

"اب فرمائیے آپ لوگ....!" سپرنٹنڈنٹ طنزیہ لہجے میں بولا۔

"میں آپ سے متفق نہیں ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"بھلا آپ لوگ کیوں متفق ہونے لگے۔" سپرنٹنڈنٹ معنی خیز انداز میں سر ہلا کر بولا۔

"آپ غلط لائنوں پر سوچ رہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"مسٹر فریدی خود کو عقل مند سمجھنے والا عموماً بیوقوف ہوتا ہے۔"

"میں بہت عرصے سے یہی سوچ رہا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"رات تم دونوں کہاں تھے۔" سپرنٹنڈنٹ نے پوچھا۔

"کیپٹن خاور کے تعاقب میں....!" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا مطلب....!" سپرنٹنڈنٹ اچھل کر بولا۔

"مطلب ہم لوگ فی الحال اپنے ہی تک محدود رکھنا چاہتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"تم اس جرم کو اپنی مصنوعی دلیری کے پردے میں نہیں چھپا سکتے۔ تم لوگوں کے خلاف کیپٹن خاور کی رپورٹ محفوظ ہے۔"

"اور اس غریب کو ملک الموت نے اپنی حفاظت میں لے لیا۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"تم پھر میرا مذاق اڑانے کی کوشش کر رہے ہو۔" سپرنٹنڈنٹ گرج کر بولا۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں آج ہی شہر بھر کے بدمعاشوں سے آپ کے خلاف لاتعداد رپورٹس لکھوا سکتا ہوں۔"

"یعنی....!"

"یعنی یہ کہ ہمیں اپنے راستے سے تھوڑی دیر کیلئے ہٹا دینے کو مجرموں نے یہ چال چلی۔"

"اور اب تم یہ دوسری چال چل رہے ہو۔"

"تو آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کیپٹن خاور کے قتل میں ہمارا ہاتھ ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"چہ چہ ہم لوگ اتنے احمق نہیں کہ کسی مردے پر گولی چلائیں۔"

"مردے پر....!" سپرنٹنڈنٹ چونک کر بولا۔

"جی ہاں....!" فریدی نے کہا۔ "موٹر الٹنے سے پہلے اس پر گولی نہیں چلائی گئی۔"

"یہ تم کس طرح کہہ سکتے ہو۔"

"زخم کے گرد جمی ہوئی بارود کی کھرنڈ.... ریوالور کی نال اس کی کنپٹی پر رکھ کر چلائی گئی ہے.... ورنہ اتنی گہری کھرنڈ جمنی ناممکن تھی اور چلتی ہوئی کار پر اتنے قریب سے گولی چلانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا.... زخم سے خون بھی نہیں نکلا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لاش ٹھنڈی ہو جانے کے بعد اُس پر گولی چلائی گئی۔"

"بڑی پیاری دلیل پیش کی ہے تم نے۔" سپرنٹنڈنٹ طنزیہ انداز میں مسکرا کر بولا۔

"خیر.... خیر.... پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی آجانے دیجئے۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن تم یہ بتاؤ کہ کیپٹن خاور کا تعاقب کیوں کر رہے تھے۔" سپرنٹنڈنٹ نے پوچھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں اس پر کوئی روشنی نہ ڈال سکوں گا۔"

"اوہ تو مجھے تمہارے خلاف تحقیقات کرانی پڑے گی۔" سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

"شوق سے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن کم از کم یہاں تو مجھے کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو میرے خلاف تحقیقات کر کے کوئی کام کی بات معلوم کر سکے۔"

"مسٹر فریدی تم بہت مغرور ہو گئے ہو۔"

"آپ کا خیال درست نہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"خیر دیکھا جائے گا۔" سپرنٹنڈنٹ نے کہا اور اپنی کار میں بیٹھ کر وہاں سے چل دیا۔

"تو آیئے حمید صاحب۔" فریدی الٹی ہوئی کار کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"احمقوں نے اگر ذرا سی بھی عقلمندی کا ثبوت دیا ہوتا تو ہمیں مجرم ثابت کر دینے میں ذرہ برابر بھی تکلیف نہ ہوتی.... یہ دیکھو اس ہینڈل پر میری انگلیوں کے نشانات موجود ہیں اور دوسری طرف کی کھڑکی پر یقیناً تمہاری انگلیوں کے بھی نشانات ہوں گے۔"

فریدی نے جیب سے رومال نکال کر ہینڈل صاف کر دیا اور دوسری طرف کی کھڑکی پر رومال پھیرنے لگا۔

"آخر سپرنٹنڈنٹ صاحب ہمارے دشمن کیوں ہو رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"بعض لوگ عادتاً ایسے ہوتے ہیں.... میں اسے کوئی اہمیت نہیں دیتا۔" فریدی نے کہا۔ بغور کار کے ٹوٹے ہوئے حصوں کا جائزہ لے رہا تھا۔

"کچھ نہیں کوئی کام کی بات نہیں معلوم ہو سکتی۔" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ "آؤ چلیں"

"شہناز نہ جانے کہاں ہو گی۔" حمید بولا۔

"سر بتھال کے یہاں۔" فریدی بولا۔

"مگر.... وہ تو....!"

"کچھ نہیں اب کھل کر سامنے آئے بغیر کام نہیں چلے گا۔"

دو دو باتیں

سر بتھال اپنے بنگلے میں موجود نہیں تھا۔ فریدی اور حمید ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگے۔ سر بتھال کے نوکروں نے انہیں ٹالنا چاہا لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ حمید کو بھی حیرت ہو رہی تھی کہ آخر فریدی سر بتھال کی عدم موجودگی میں اس کے گھر میں کر کیا کرے گا۔

ڈرائنگ روم عمدہ فرنیچر اور اعلیٰ تصاویر سے مزین تھا۔ ان میں زیادہ تر نامور مصوروں کے شاہکار تھے۔ فرش پر ایران اور کشمیر کے بیش قیمت قالین تھے۔ فریدی یہاں کی ایک ایک چیز کا جائزہ لے رہا تھا۔ دفعتاً وہ چونک پڑا۔

"حمید ذرا پلٹ کر دیکھنا کیا پیچھے روشن دان میں بلی ہے۔" فریدی نے کہا۔

حمید مڑ کر دیکھنے لگا اور پھر اُسے ہنسی آ گئی۔

"کمال کیا آپ نے...." وہ ہنس کر بولا۔ "کیا آپ کی گردن میں بھی آنکھیں ہیں۔ آپ سامنے دیکھ رہے تھے پھر آپ کو بلی کیسے نظر آ گئی۔"

"صرف بلی ہی نہیں دکھائی دی بلکہ اس کا خاصا ثبوت مل گیا کہ اس رات سر بتھال اس سے بے خبر نہیں تھا کہ میں اس کا پیچھا کر رہا ہوں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" حمید نے کہا۔

"بھلا بتاؤ تو چھت کے قریب آئینے کیوں لگائے گئے ہیں.... اور پھر ہر روشندان کے سامنے ایک آئینہ ہے۔ اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔"

حمید نے اب خیال کیا۔ واقعی ہر روشندان کے سامنے چھت کے قریب ایک ایک آئینہ نصب تھا۔

"ہاں ہے تو بے تکی چیز....!"

"بے تکی نہیں کار آمد کہو۔"

"کیوں....!"

"اُس رات میں نے چھت پر چڑھ کر انہیں روشندانوں میں سے کسی ایک سے جھانک کر اس کمرے میں دیکھا تھا۔ ظاہر ہے کہ کسی نہ کسی آئینے میں میری صورت ضرور دکھائی دی ہو گی۔ سر بتھال اپنے ساتھی کے ساتھ یہیں موجود تھا.... میں نے اُن دونوں کو بولتے سنا تھا.... ان کی صورتیں نہیں دکھائی دی تھیں۔"

"آپ کا یہ خیال غلط بھی ہو سکتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن اس کے علاوہ ان آئینوں کا کوئی اور مقصد ہو بھی نہیں سکتا۔"

حمید نے کوئی جواب نہیں دیا۔ فریدی بھی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا....

اتفاقاً ڈرائنگ روم سے ایک نوکر گذر کر دوسرے کمرے میں جانے لگا۔ فریدی نے اُسے بلا کر پانی مانگا۔ جب وہ پانی لے کر واپس آیا تو فریدی نے ایک طویل انگڑائی لی اور پانی کا گلاس ہاتھ میں لے کر تعریفی نظروں سے ڈرائنگ روم کا جائزہ لینے لگا۔

"آج کل ایسے آئینے یہاں نہیں ملتے۔" فریدی نے کہا۔ "نوکر نے کوئی جواب نہیں دیا۔"

"میں نے پہلے کبھی انہیں یہاں نہیں دیکھا.... کیا ابھی یہ حال ہی میں یہاں لگائے گئے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں....!" نوکر نے کہا اور گلاس لے کر چلا گیا۔

"کیوں بھئی اب کیا کہتے ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"مان گیا۔"

"دیکھیں وہ کب آتا ہے۔"

"میرے خیال سے تو چلئے۔"

"نہیں.... ہمیں بیٹھنا ہے۔" فریدی نے کہا اور سامنے والی تصویر پر نظریں گاڑ دیں۔

وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ دفعتاً برآمدے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی اور سر بنتھال ڈرائنگ میں داخل ہوا۔ فریدی اور حمید کو دیکھ کر وہ بے ساختہ بولا۔

"اوہ.... فون ٹھیک کرنے آئے ہو.... تمہیں میرا انتظار کرنا پڑا.... مگر کیوں....! تے نوکروں سے کہہ کر ٹیلی فون بنا کیوں نہیں دیا.... رات سے بگڑا پڑا ہے.... اچھا میرے ساتھ آؤ۔"

فریدی مسکرا کر اٹھا.... وہ اور حمید سر بنتھال کے ساتھ چلنے لگے۔ متعدد کمروں سے گذرتے ہوئے وہ لائبریری میں آئے.... سر بنتھال نے میز پر رکھے ہوئے فون کی طرف اشارہ کیا.... اور خود ایک الماری کھول کر کتابیں دیکھنے لگا۔

"یہ ٹیلی فون بارہ بجے رات کے بعد تو نہیں خراب ہوا۔" فریدی نے پوچھا۔

سر بنتھال چونک کر اس کی طرف مڑا۔

"کیا مطلب....!"

"ہم لوگ یہ پوچھنے کے لئے آئے ہیں کہ کل رات تم نے کس کس کو فون کیا تھا۔"

"تم سے اس سے کیا مطلب....!" سر بنتھال بگڑ کر بولا۔

فریدی نے اپنا ملاقاتی کارڈ اس سے سامنے رکھ دیا۔

"اوہ.... لیکن ایک سراغ رساں کا یہاں کیا کام....!"

"کیا کیپٹن خاور تمہارا دوست تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں.... لیکن تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو۔"

"کل رات اُسے کسی نے قتل کر دیا۔"

"قتل کر دیا....!" سر بنتھال نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں....!"

"مجھے افسوس ہے.... وہ بلیرڈ کا ایک اچھا کھلاڑی تھا۔"

"اُس کے بارے میں اور کیا جانتے ہو۔"

"کچھ زیادہ نہیں.... کیونکہ پندرہ دن قبل اس سے کلب میں ملاقات ہوئی تھی۔"

"وہ ایک اچھا نشانہ باز بھی تھا۔" فریدی نے کہا۔

"رہا ہوگا.... مجھے اس کا کوئی علم نہیں۔"

"اس سے آخری بار کب ملاقات ہوئی تھی۔"

"پرسوں رات کو کلب میں.... ہم دونوں دوپہر تک بلیرڈ کھیلتے رہے۔"

"وہ کیسا آدمی تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہندوستانیوں میں ایسے خوبصورت آدمی کم دکھائی دیتے ہیں۔" سر بنتھال بولا۔

"خوب....!" فریدی مسکرا کر حمید کو آنکھ مارتا ہوا بولا۔ "اسکی محبوبہ کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"محبوبہ....!" سر بنتھال غرایا۔ "تم لوگ آخر چاہتے کیا ہو۔"

"ہمیں اس کی محبوبہ کی تلاش ہے۔"

"تو کیا میں اس کی محبوبہ ہوں۔" سر بنتھال گرج کر بولا۔

"ہمیں تو یہی اطلاع ملی ہے۔" حمید بے ساختہ بولا اور فریدی ہنس پڑا۔

سر بنتھال ٹیلی فون کی طرف بڑھا۔

"لیکن ہم نے ابھی اس کی مرمت کہاں کی ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور سر بنتھال پلٹ پڑا۔

"دیکھو میں کہتا ہوں کہ چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔"

"خیر میں جاتا ہوں.... اب مجھے علی فضیل مصری کی روح سے گفتگو کرنی پڑے گی۔"

فریدی دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

سر بنتھال خاموش ہو گیا.... فریدی اور حمید دروازے کے قریب پہنچ چکے تھے۔

"ٹھہرو....!" سر بنتھال نے کہا۔

فریدی مڑا.... سر بنتھال کے چہرے پر غصے کے بجائے گھبراہٹ کے آثار تھے۔

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔" سر بنتھال نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہو کہا۔

فریدی نے اپنی جیب سے ایک رومال نکال کر دو تین بار اُسے فضا میں اچھالا اور سر بنتھال طرف معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگا۔

دفعتاً دور کسی کمرے میں قہقہے کی آواز سنائی دی جو بتدریج قریب ہوتی جارہی تھی۔ سر بنتھال دیوانہ وار آواز کی طرف دوڑا اور سامنے والی دیوار سے اس طرح ٹکرا گیا جیسے وہ اسے کو ہوا دروازہ سمجھا ہو۔

پھر اس نے وحشیانہ انداز میں جیب سے ریوالور نکالا اور پیچھے ہٹ کر دیوار پر فائر کر شروع کر دیئے۔

فریدی اور حمید تحیر آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگے.... ریوالور کی گولیاں خ ہو جانے کے بعد سر بنتھال ایک صوفے پر گر گیا.... اُس کا چہرہ پسینے میں ڈوب گیا تھا.... وہ بُر طرح ہانپ رہا تھا.... اُس نے ایک بار فریدی اور حمید کی طرف خوفزدہ نظروں سے دیکھا اور اپ چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھک لیا۔

فریدی اور حمید بھی ایک صوفے پر بیٹھ کر سر بنتھال کی بدلتی ہوئی حالت کو دیکھتے رہے۔

تھوڑی دیر بعد سر بنتھال سیدھا بیٹھ گیا... اُسکے چہرے پر عجیب قسم کی بے بسی کے آثار تھے۔

"تم کچھ کہنا چاہتے ہو۔" فریدی بولا۔

"سر بنتھال خاموش ہو گیا.... اُس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی ذہنی کشمکش میں مبتلا ہے۔"

"تمہاری اس حرکت کا کیا مطلب تھا.... میں تمہارے گھر کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں....؟ وارنٹ دکھاؤ۔" سر بنتھال بے چینی سے بولا۔

"میں ابھی فون پر اجازت حاصل کئے لیتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"تم شائد قہقہہ لگانے والے کو تلاش کرو گے۔" سر بنتھال ہاتھ ملتا ہوا بولا "لیکن بیسود...

وہ چھلاوہ ہے.... اُف میرے خدا...." سر بنتھال نے پھر اپنا چہرہ چھپالیا۔

فریدی نے حمید کو بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا اور کمرے سے نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد سر بنتھال نے سر اٹھا کر حمید کی طرف دیکھا۔

"تمہارا ساتھی تلاشی لینے گیا ہے۔" وہ مغموم آواز میں بولا۔ "مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن وہ مجھے اس مصیبت سے نہیں بچا سکتا۔"

"کیسی مصیبت....!"

"میں کچھ نہیں بتا سکتا.... نہیں بتا سکتا۔" سر بنتھال مضطربانہ انداز میں بولا۔

"تم نے اس دوران میں کیپٹن خاور کے ساتھ کوئی لڑکی دیکھی تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"جہنم میں گیا کیپٹن خاور میں کچھ نہیں جانتا۔" سر بنتھال نے بے چینی سے کہا۔

"اور وہ لڑکی....!"

"اوہ....!" سر بنتھال مکا تان کر غراتا ہوا اٹھنے لگا۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر بیٹھ گیا۔

"تم پر....!" حمید کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ فریدی کمرے میں داخل ہوا۔

سر بنتھال استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہوں...." فریدی جھٹکے کے ساتھ صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "علی فضیل کے بارے میں کیا جانتے ہو۔"

"میں کچھ نہیں.... کچھ نہیں جانتا۔" سر بنتھال کی آواز بھرا گئی اور وہ خوفزدہ نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"بہت اچھے....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ایکٹنگ اچھی کر لیتے ہو۔"

"کیا مطلب....؟" سر بنتھال غصے سے بولا۔

"میں علی فضیل کے بارے میں کچھ جاننا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"کون علی فضیل....!"

"مصری سراغ رساں۔"

"میں اُس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"تم اُس رات جس ڈاڑھی والے کو کلب میں شراب پلا رہے تھے کون تھا۔"

"اوہ....!" سر بتھال چونک کر بولا۔ "وہ.... وہ....!"

"ٹھیک ٹھیک بتاؤ....؟"

"پادری جیرالڈ....!"

"اور تم یہ جانتے تھے کہ وہ سچ مچ پادری جیرالڈ ہے۔"

سر بتھال پھر چونک پڑا.... وہ حیرت زدہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟" سر بتھال نے پوچھا۔

"میں تم سے سوالات کر رہا ہوں۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔ "میرے سوال کا جواب دو۔"

"ہاں مجھے شبہ تھا کہ وہ جیرالڈ نہیں ہے۔"

"پھر تم اُسے اپنے ساتھ لئے کیوں پھرتے رہے۔"

"محض یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ دراصل کون ہے۔"

"اور اسی لئے تم اُسے ٹیوی کے حوالے کر کے خود وہاں سے چل دیئے۔"

سر بتھال پھر چونک پڑا.... وہ فریدی کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

"تم سب کچھ جانتے ہو.... اوہ.... اوہ....!" سر بتھال اٹھ کر بے چینی سے ٹہلنے لگا۔

فریدی بغور اُس کا جائزہ لیتا رہا۔

"ہاں میں اُسے ٹیوی کے حوالے کر کے چلا گیا تھا۔" سر بتھال نے اچانک مڑ کر کہا۔ "کیونکہ میرا تعاقب کر رہا تھا۔"

"کون....؟"

"میں نہیں جانتا۔" سر بتھال نے کہا۔ "ممکن ہے تم ہی رہے ہو۔"

"پادری جیرالڈ حقیقتاً کون ہے۔"

"میرا ایک دوست۔" لیکن مجھے حیرت تھی کہ وہ یک بیک یہاں کیسے پہنچ گیا۔

"وہ کہاں رہتا ہے۔"

"سوئیز کے علاقے میں۔"

"اوہ تو اس کا تعلق بھی مصر ہی سے ہے۔" حمید بے ساختہ بولا۔

"علی فضیل کے لڑکے محمد فضیل کو جانتے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"غلط بکواس.... علی فضیل کا کوئی بیٹا نہیں۔" سر بتھال چیخ کر بولا۔

"مگر تم تو علی فضیل کو جانتے ہی نہیں تھے.... اب اس کے خاندان بھر سے واقف نظر آ رہے ہو۔"

"اوہ.... اوہ....!" سر بتھال بے بسی سے ایک صوفے پر گر گیا.... لیکن تھوڑی ہی دیر بعد پھر سنبھل گیا۔

"میں کہتا ہوں.... تم لوگ یہاں سے نکل جاؤ۔" وہ چیخ کر بولا۔

"لیکن یہ بات مت بھولو کہ علی فضیل کی لڑکی ایک رومال کے لئے دلکشا میں قتل کر دی گئی تھی۔" فریدی سر بتھال کو گھورتا ہوا بولا۔

"کر دی گئی ہو گی۔" سر بتھال لاپروائی سے بولا۔

"تو تم اُسے جانتے تھے۔"

"ہاں....!"

"تم نے پولیس کو اس کی اطلاع کیوں نہیں دی۔"

"میری مرضی....!"

"تم جانتے ہو کہ یہ جرم ہے۔"

"ہوگا....!"

"میں تمہیں شبہے میں گرفتار کر سکتا ہوں۔"

"کون تم....!" سر بتھال حقارت آمیز لہجے میں بولا۔

"ہاں.... میں....!"

"میں ایک غیر ملکی ہوں.... تم براہِ راست ایسا نہیں کر سکتے۔"

"لیکن میں براہِ راست تمہاری ہڈیاں ضرور توڑ سکتا ہوں۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم برطانیہ کے ایک معزز اور خطاب یافتہ شہری کی توہین کر رہے ہو۔" سر بتھال چیخ کر بولا۔ "تمہاری حکومت کو اس کے لئے جواب دہ ہونا پڑے گا۔"

"حکومت جواب دے لے گی.... تم بے فکر رہو۔"

"نکل جاؤ یہاں سے... نکلو۔" سر بتھا تیزی سے اٹھ کر دروازے کیطرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔

بُرے پھنسے

"بہت اچھا سر بنتھال" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "تمہیں بہت جلد بولنے پر مجبور ہونا پڑے"

فریدی اور حمید سر بنتھال کے بنگلے سے نکل آئے انکی کار تیزی سے ایک طرف جا رہی

"آپ نے بہت بُرا کیا۔" حمید نے کہا۔

"کیوں....!"

"اگر آپ نے اُسے چھیڑا تھا تو اس طرح چھوڑ کر نہ آنا چاہئے تھا۔"

"اس کے علاوہ اب کوئی اور چارہ نہیں رہ گیا۔"

"اگر وہ کہیں نکل بھاگا تو....!" حمید نے کہا۔

"مطمئن رہو۔" فریدی نے کہا۔ "اس کے بنگلے کی نگرانی کی جا رہی ہے۔"

"اگر بھیس بدل کر نکل گیا تو۔"

"سنو! سر بنتھال ایک مشہور آدمی ہے وہ اس قسم کی حرکت کر کے بچ نہیں سکتا۔ وہ مطمئن کئے بغیر اس قسم کا اقدام ہرگز نہ کرے گا۔ اس نے مصر کے لئے ویزا کی درخواست ہے۔ جو اسے میری مرضی کے بغیر نہ مل سکے گا۔"

"بہر حال آپ اس سے گفتگو کرنے کے بعد کس نتیجے پر پہنچے ہیں۔"

"وہ ایک اول درجے کا مکار ہے.... اُس کی اس وقت کی اداکاری قابل داد تھی لیکن وہ آنکھوں میں دھول نہیں جھونک سکتا؟"

"اُسے گرفتار ہی کیوں نہ کیا جائے۔" حمید نے کہا۔

"خیال احمقانہ ہے.... تم اس کے خلاف ثبوت نہیں پیش کر سکتے۔"

"آپ غالباً وہاں سے اٹھ کر دوسرے کمروں میں گئے تھے۔" پھر حمید نے پوچھا۔

"ہاں لیکن کوئی کام کی بات نہیں معلوم ہوئی۔"

"آخر وہ قہقہہ کیسا تھا....؟"

"رہا ہوگا.... میں ایسی لغویات کی طرف دھیان نہیں دیتا۔"

"لغویات!" حمید حیرت کا اظہار کرتا ہوا بولا۔ "ارے میں نے اُسے اپنے کانوں سے سنا

"لیکن میرے کانوں سے نہیں سنا تھا۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔

"یعنی....!"

"ارے بھائی رہا ہوگا کچھ....!" فریدی نے کہا۔ "لیکن وہ اس قابل نہیں کہ میں اُسے خاص پر نوٹ کروں۔"

"اور سر بنتھال کا وہ دیوانہ پن....!"

"ایک عمدہ قسم کی اداکاری....!"

"تو آپ ابھی تک اسی خیال میں ہیں کہ سر بنتھال آپ کو غلط راستے پر لگانا چاہتا ہے۔"

"قطعی....!"

"لیکن آپ کا خیال غلط ہے۔"

"بہت اچھے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں تمہارے اس جذبے کی قدر کرتا ہوں۔"

حمید خاموش ہو گیا.... وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

"اب ہمیں کہاں جانا ہے۔" اس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"کیپٹن خاور کے یہاں۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ.... وہاں تو ہمیں پہلے ہی جانا چاہئے تھا۔" حمید نے کہا۔

"آج کل بڑے عقلمند ہو رہے ہو۔" فریدی نے کہا۔ "کیوں نہ ہو شہناز کا معاملہ آپھنسا ہے نا۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔

"اوہ....!" فریدی چونک کر بولا۔ "تو شاید یہ لوگ وہیں سے واپس آ رہے ہیں۔"

سامنے پولیس کی لاری آ رہی تھی۔ ڈرائیور کے قریب اگلی سیٹ پر انسپکٹر جگدیش بیٹھا تھا۔

فریدی نے کار کی رفتار کم کر دی تھی۔ پولیس کی لاری رک گئی۔

"کیا تم خاور کے یہاں سے آ رہے ہو۔" فریدی نے جگدیش سے پوچھا۔ جگدیش لاری سے اتر کر قریب آ گیا۔

"جی ہاں.... لیکن کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی جو اس کے قتل پر روشنی ڈال سکتی۔"

"کار کے حادثے پر تو میں بھی روشنی ڈال سکتا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیکن قتل پر پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ہی روشنی ڈال سکے گی۔"

"آخر یہ آپ کا سپرنٹنڈنٹ کیوں آپ کے پیچھے پڑ گیا ہے۔" جگدیش نے کہا۔

"سنو....! بعض کتے سردیوں میں بھی پاگل ہو جاتے ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ کے لئے ایک آنچ اور ہلکی سی چوٹ کی ضرورت ہے۔"

"خواہ مخواہ کو توالی آکر وہ رپورٹیں دیکھ رہا تھا جو کیپٹن خاور نے آپ لوگوں کے لکھوائی تھیں۔" جگدیش نے کہا۔

"ہونہہ.... دیکھنے دو بھائی.... تمہارا کیا نقصان ہوتا ہے۔"

"میں نے پہلے تو صاف انکار کر دیا تھا مگر بیچ میں ہمارے ایس۔ پی صاحب آکودے۔"

"خیر چھوڑو....!" فریدی نے کہا۔ "کیپٹن خاور کے یہاں کون کون ہے۔"

"کوئی نہیں ہم نے تالا توڑ کر تلاشی لی تھی۔"

"پھر.... کیا دوسرا تالا بند کر آئے ہو۔"

"ہاں.... اب کسی مجسٹریٹ کی موجودگی میں تالے کو سیل کرا دوں گا۔"

"جلدی مت کرو.... میں بھی ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں.... میرا خیال ہے کہ یہ حادثہ بھی اُسی رومال والے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔"

"اوہ....!" جگدیش چونک پڑا۔

جگدیش نے تالے کی کنجی فریدی کے حوالے کر دی۔

"اگر تمہیں میرا اعتبار نہ ہو تو تم بھی ساتھ چلو۔" فریدی نے کہا۔

"کمال کیا آپ نے....!" جگدیش نے کہا اور لاری کی طرف چلا گیا۔

فریدی نے کار اسٹارٹ کر دی.... تھوڑی دیر بعد وہ کیپٹن خاور کے مکان کے سا گئے۔ فریدی نے تالا کھولا اور دونوں مکان میں داخل ہو گئے۔

وہ متعدد کمروں میں گھومتے پھرے.... دفعتاً حمید ایک میز کی طرف جھپٹا.... دوسر میں اس کے ہاتھ میں سفید رنگ کا ایک رومال بھی تھا.... اُس نے اٹھا کر اُسے سونگھا اور ا منہ سے چیخ نکل گئی۔ فریدی چونک کر اُس کی طرف پلٹا۔

"خدا کی قسم کی شہناز کا ہے۔" حمید چیخا۔

فریدی اس کی طرف لپکا۔

د نمبر4

"شہناز کا کیسے ہو سکتا ہے۔"

"یہ رومال میں نے اُسے دیا تھا۔ یہ دیکھئے اس کونے پر میرے دستخط.... اور شہناز یہی خوشبو ستعمال کرتی تھی۔" حمید نے رومال کو سونگھتے ہوئے کہا۔

"اوہ....!"

"اور یہ.... اور یہ....!" حمید زمین کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "یہ چوڑیوں کے ٹکڑے.... ی چوڑیاں شہناز پہنے ہوئے تھی.... مجھے اچھی طرح یاد ہے.... ارے وہ سینڈل.... خدا کی قسم بھی شہناز کا ہے.... اور.... وہ....!"

"اب خاموش رہو۔" فریدی اس کے قریب آکر آہستہ سے بولا۔ "ریوالور ہے تمہارے یب میں۔"

"نہیں.... کیوں....؟" حمید چونک کر بولا۔

"میرے پاس بھی نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔ "یہاں ان چیزوں کی موجودگی میں مجھے خطرہ سوس ہو رہا ہے۔ یہ سب چیزیں یہاں پولیس کی واپسی کے بعد ڈالی گئی ہیں۔"

"یہ آپ کس طرح کہہ رہے ہیں۔"

"فریدی صاحب سچ کہہ رہے ہیں سرجنٹ حمید۔" پیچھے سے کسی نے کہا۔

فریدی اور حمید چونک کر پلٹے.... دروازے میں وہی آدمی کھڑا مسکرا رہا تھا جو فریدی کے تہہ خانے سے نکل بھاگا تھا.... اُس کے دونوں ہاتھوں میں پستول تھے اور اُن کی نالیں فریدی اور حمید کی طرف تھیں اور وہ اس وقت نہایت فصیح اردو بول رہا تھا۔

"اس کا مطلب....!" فریدی نے درشت لہجے میں پوچھا۔

"کچھ نہیں تمہاری عقل مندی اور ذہانت کو تھوڑا سا مزہ چکھاؤں گا۔"

"خیر.... خیر....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تم نے اپنا نام شاید محمد فضیل بتایا تھا.... اور تم اپنی بہن کے قاتل ہو۔"

"فضول بکواس مت کرو۔"

"اور تم میرے والد کے دوست علی فضیل کے لڑکے ہو۔"

"ہاں ہاں ٹھیک ہے اس طرح تم میرے بھائی ہوئے۔" اُس نے کہا۔ "اپنے منہ پھیر کر

کھڑے ہو جاؤ ورنہ گولی مار دوں گا اور لوگ یہی سمجھیں گے تم شہناز کو غائب کر کے اور جان سے مار کر کہیں فرار ہو گئے۔"

"جلدی کرو.... میرے پاس وقت نہیں۔"

حمید اور فریدی نے اپنے منہ پھیر لئے۔

"اب آگے بڑھو.... اگر پلٹ کر دیکھا تو یہیں ڈھیر کر دوں گا۔"

فریدی اور حمید چلنے لگے انہیں متعدد کمروں سے گذرنا پڑا.... "دیکھا تم نے۔" فرید سے بلند آواز میں بولا۔ "ہمیں راستے بھر چوڑیوں کے ٹکڑے ملے ہیں.... اور ان کا سلسلہ کسی تہہ خانے کے قریب گیا ہو گا۔"

فضیل نے قہقہہ لگایا۔

"بہر حال میں نے جو جال بچھایا تھا اس میں کامیاب ہو گیا.... تمہیں کسی قسم کی تا ہونے پائے۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں بھی تمہیں ایک تہہ خانے میں مہمان ر ہوں لیکن تم اس میں سے نکل نہ سکو گے۔"

"بھلا میں کسی بدروح کا مقابلہ کیسے کر سکتا ہوں.... میں اپنے ساتھ ٹائم بم تو لے نہیں....!" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"آدمی دلیر ہو.... لیکن اتنے دلیر بھی نہیں کہ مصر کے قدیم رازوں کو دریافت کر فضیل بولا۔ "جلدی چلو.... میرے ساتھ کسی قسم کی مکاری کر کے کامیاب نہیں ہو سکتے۔

"اے میرے والد کے دوست کے بیٹے تم اتنی بے مروتی سے کیوں پیش آرہے فریدی مڑ کر بولا.... اور فضیل نے فائر کر دیا۔ اگر فریدی بیٹھ نہ جاتا تو سر اڑ ہی گیا ہوتا۔

"اٹھو....!" فضیل گرج کر بولا۔ "میں اب زیادہ خون نہیں کرنا چاہتا.... میرا کوٹا قریب پورا ہو چکا ہے۔"

فریدی کھڑا ہو گیا۔

"اپنا منہ دروازے کی طرف پھیر لو۔" فضیل نے کہا۔

فریدی پھر دروازے کی طرف مڑ گیا۔

"لیکن اگر مجبور کرو گے تو تمہیں جہنم تک کیپٹن خاور کا تعاقب کرنا پڑے گا۔" فضیل نے

"میرا محکمہ مجھے اس کی اجازت نہ دے گا۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"لیکن ہم تمہیں جہنم تک ضرور پہنچا دیں گے۔" حمید نے کہا۔

"شش شش تم مت بولو۔" فریدی نے کہا۔ "بزرگوں کا ادب کرنا سیکھو.... فضیل عمر میں اسے بڑا معلوم ہوتا ہے۔"

"اچھا بکواس بند....." فضیل غصے میں چیخا۔ "اب رک جاؤ.... اس قالین کو الٹو....!"

وہ لوگ ایک ایسے کمرے میں پہنچے جہاں فرنیچری نہیں تھا۔ فرش پر ایک خوبصورت قالین بچھا ہوا تھا اور چاروں طرف بڑے بڑے تکیے رکھے ہوئے تھے۔

فریدی قالین الٹنے کے لئے جھکا.... اور قالین کا کنارا دونوں ہاتھوں میں مضبوط پکڑ کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"آگے کی طرف الٹ دو....!" فضیل تحکمانہ لہجے میں بولا۔

"فریدی نے ایک بار قالین کو پوری قوت سے تولا اور اپنے سر پر سے اچھال کر پیچھے کی طرف پھینک دیا۔

فضیل اس سے بے خبر تھا۔ پوری قالین اس پر آرہی اور خود فریدی اور حمید بھی اس کی لپیٹ سے محفوظ نہ رہ سکے۔ وہ تینوں زمین پر گر گئے تھے اور فریدی قالین کے نیچے فضیل سے گتھا ہوا تھا.... پستول پہلے ہی فضیل کے ہاتھوں سے نکل گئے تھے۔

"حمید پستول....!" فریدی چیخا۔ "پستول تلاش کرو۔"

"دیکھو....! میں اب تمہیں زندہ نہ چھوڑوں گا۔" فضیل ہانپتا ہوا بولا۔ اس نے فریدی کے ہاتھوں میں کئی جگہ دانت کاٹے تھے۔

دفعتاً پستول چلنے کی آواز آئی اور حمید چیخ پڑا۔ فریدی کی گرفت ڈھیلی ہو گئی اور فضیل ایک ہی جھٹکے میں فریدی کے شکنجے سے آزاد ہو گیا.... وہ بڑی پھرتی سے قالین کے نیچے سے نکلا اور دوسرے ہی لمحے میں کمرے کے باہر تھا.... فریدی نے قالین الٹ دی ایک پستول اس کے ہاتھ میں تھا.... وہ بھی باہر کی طرف جھپٹا.... حمید بھی اٹھا.... وہ گھبرائی ہوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا.... اُس نے فرش پر پڑا ہوا دوسرا پستول اٹھالیا اور اُسے قہر بھری نظروں سے گھورنے لگا۔

"گولی تو نہیں لگی۔" فریدی نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔ "وہ نکل گیا۔"

"میں کیا بتاؤں.... مگر میں نے غلطی کی.... میں قالین کے نیچے پستول ڈھونڈنے لگا اور وہ کمبخت میرا ہاتھ پڑتے ہی چل گیا....!"

"اوہ تو یہ کہو.... احمق کہیں کے اگر اُس کا رخ تمہاری یا میری طرف ہوتا تو ہم لوگ ہوتے؟"

"اب کیا کیا جائے....!" حمید بے بسی سے بولا۔

"کچھ پرواہ نہیں.... کب تک بچے گا...." فریدی نے کہا۔ "یہاں سے جلدی چلو.... یہ مکان خطرناک معلوم ہوتا ہے۔"

دونوں صدر دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔

"یوں نہیں....!" فریدی بولا۔ "ہم دونوں اپنی پیٹھ ملا کر چلیں۔"

"وہ کیوں....؟"

"اگر پیچھے سے کسی نے حملہ کیا تو....؟" فریدی نے کہا۔

"مگر میں الٹا نہ چل پاؤں گا۔" حمید بے بسی سے بولا۔

"تم سے کون کہتا ہے۔" فریدی بولا۔ "میں الٹا چلوں گا۔"

دونوں پشت ملا کر چلنے لگے۔ حمید کو ہنسی آگئی۔ وہ سیدھا چل رہا تھا۔ اور فریدی اُس سے ملائے ہوئے الٹا چل رہا تھا۔ دونوں آہستہ آہستہ صدر دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"ہنسو نہیں پیارے۔" فریدی بولا۔ "زندگی میں بعض مواقع ایسے بھی آتے ہیں جب سے بھی زیادہ مضحکہ خیز بننا پڑتا ہے۔"

"دونوں اپنے دائیں بائیں نظریں ڈالتے ہوئے آہستہ آہستہ بڑھ رہے تھے۔

"تم بہت جلدی کر رہے ہو۔" فریدی بولا۔ "کیا مجھے گرانے کا ارادہ ہے۔"

حمید نے رفتار دھیمی کر دی۔

"ڈرو نہیں.... اس طرح ہم محفوظ ہیں۔" فریدی نے کہا۔

لیکن وہ دونوں چھت کی طرف سے بے خبر تھے.... دفعتاً چھت کا ایک روشن دان کھلا ایک بڑا سا جال فریدی اور حمید پر آگرا.... قبل اس کے کہ وہ سنبھلتے جال کے سرے پر لگی

سی کھینچ لی گئی.... دونوں پھنس کر رہ گئے۔

"خبردار فائر مت کرنا۔" اوپر سے آواز آئی۔ "یہ کمرہ سڑک کے قریب ہے.... فائر کی آواز سن کر راہ گیر اکٹھا ہو جائیں گے۔ لیکن اُن کے یہاں تک پہنچتے پہنچتے تم دونوں ختم کر دیئے جاؤ گے۔"

"ٹھہرو....!" فریدی نے کہا۔ "تم آخر چاہتے کیا ہو۔"

"اپنے پستول جال سے نکال کر دور پھینک دو۔" اوپر سے آواز آئی۔

"ارے میرے والد کے دوست کے بیٹے تو واقعی بڑا ستم ظریف ہے۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"کمبخت...." اوپر سے آواز آئی۔ "پستول پھینکتے ہو یا میں اپنا کام کر کے چلتا بنوں۔"

"لے بھئی تو بھی کیا یاد کرے گا۔" فریدی نے دونوں پستول اوپر پھینک دیئے۔

"ٹھیک.... اب خاموشی سے پڑے رہو.... میں ابھی آیا۔" اوپر سے آواز آئی۔

چند لمحوں کے بعد فضیل کمرے میں داخل ہوا اور اس نے پستول اٹھا لئے۔

"ارے میرے والد کے دوست کے....!"

"خاموش رہو....!" فضیل غرا کر بولا۔

"تم اردو بہت اچھی بول لیتے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"میں دس زبانوں کا ماہر ہوں۔" فضیل مسکرا کر بولا۔

"لیکن سر بتھال اردو نہیں جانتا۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ سر بتھال۔" فضیل نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر معنی خیز انداز میں بولا۔ "میں اُسے عنقریب اردو سکھاؤں گا۔"

"اچھا اب ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکلے.... ورنہ....!"

"ہمیں قتل کر دو گے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

فضیل نے جال کی رسی کو پکڑ کر جھٹکا دیا اور وہ دونوں زمین پر گر پڑے.... فضیل جال کو کھینچتے ہوئے لے چلا۔

فریدی زخمی شیر کی طرح پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

"خدا کی قسم ایسی ذلت کبھی نہیں ہوئی۔" وہ ہانپتا ہوا آہستہ سے بولا۔

فضیل جال کو کھینچتا ہوا اس کمرے میں لے آیا جہاں قالین الٹی گئی تھی۔

"اب تم تہہ خانے میں جا رہے ہو۔" فضیل بولا۔ "یہ چیز مجھ پر تمہاری طرف سے ا
تھی.... لیکن گھبراؤ نہیں تم نے مجھ سے کوئی بُرا سلوک نہیں کیا تھا۔ یہاں تمہیں کوئی تکلیف
ہو گی۔"

اس نے تہہ خانے کا ڈھکن اٹھایا اور جال کو کھینچ کر نیچے دھکیل دیا۔ فریدی اور حمید جال
الجھے ہوئے سیڑھیوں سے لڑھکتے ہوئے فرش پر آگرے.... اوپر ڈھکن بند کر دیا گیا۔ تہہ خا
میں بالکل اندھیرا تھا۔ چند لمحوں کے بعد جب اُن کی آنکھیں اندھیرے کی عادی ہو گئیں تو ا
دو شکلیں دکھائی دیں۔

"شہناز....!" حمید چیخا۔

"مقصود تم بھی آ پھنسے۔" فریدی نے کہا۔ "کھڑے دیکھتے کیا ہو اس جال کا منہ کھولو۔"

"ارے انسپکٹر صاحب آپ۔" مقصود تحیر آمیز لہجے میں چیخ کر آگے بڑھا۔ دوسرے
میں فریدی اور حمید جال کے باہر تھے۔

"اس گدھے کی بدولت مجھے یہ دن دیکھنا پڑا۔" فریدی نے حمید کی طرف اشارہ کر کے
سے کہا۔

"اب کیا کروں.... وہ کمبخت چل ہی گیا۔" حمید جھلا کر بولا۔

"خیر خیر بکو نہیں۔" فریدی نے کہا اور مقصود کیطرف مخاطب ہو کر بولا۔ "تم یہاں کیسے پہنچ

"میں آپ کے حکم کے مطابق شہناز صاحبہ کے مکان کی نگرانی کر رہا تھا کل شام کیپٹن
انہیں اپنے ساتھ کلب لے گیا.... میں ان کے پیچھے لگا ہوا تھا.... پھر وہ انہیں یہاں اپنے گھر
میں پلٹ کر آپ کو فون کرنے ہی والا تھا کہ کسی نے پیچھے سے میرے سر پر کوئی وزنی چیز ماری
بیہوش ہو گیا.... اور پھر جب آنکھ کھلی تو میں شہناز صاحبہ سمیت اس تہہ خانے میں تھا۔"

"تم اُس کے ساتھ کلب کیوں گئیں تھیں۔" حمید شہناز کی طرف مڑ کر تیز لہجے میں بولا

"اچھا بس بس فضول بکواس نہیں۔" فریدی حمید کو گھور کر بولا۔

"مجھے دھوکا دیا گیا تھا۔" شہناز بولی۔

"مجھے یقین ہے۔" فریدی نے کہا۔ "میں نے پہلے ہی اس کی پیشین گوئی کر دی تھی اور ا

لئے تمہاری حفاظت کے لئے مقصود کو بھیجا گیا تھا۔"

"لیکن تمہیں دھوکا کیسے دیا گیا۔" حمید نے پوچھا۔

"تم پھر بولے۔" فریدی نے کہا اور شہناز سے بولا۔ "تم نے کیپٹن خاور کے لئے کچھ ایسال
اب بھی کیا یا نہیں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"وہ بیچارا پچھلی رات شیطان کو پیارا ہو گیا۔"

"اوہ.... کیسے....!"

"کار الٹ گئی.... کنپٹی میں گولی لگ گئی۔"

"ارے....!" مقصود اچھل کر بولا۔

"اس نے مجھ سے کہا تھا کہ فریدی صاحب تمہیں کلب میں بلا رہے ہیں.... میں اس کے
ساتھ کلب گئی.... وہاں ایک بیرے نے اُسے ایک چٹ دی.... وہ آپ کی طرف سے تھی۔
اُس میں آپ نے لکھا تھا کہ میں تمہارے گھر جا رہا ہوں تم شہناز کو لے کر وہاں آؤ۔"

"اوہ....!" فریدی جیب سے سگار نکال کر سلگاتا ہوا بولا۔ "بہر حال وہ اپنی سزا کو پہنچ گیا۔
میں نے تمہیں ہرگز نہیں بلایا تھا۔"

"لیکن کیا ہم اب یہاں چوہوں کی طرح بند رہیں گے۔" حمید نے کہا۔

"آدمیوں کیطرح۔" فریدی نے منہ اور ناک سے دھوئیں کے گنجان لہریئے نکالتے ہوئے کہا۔

"اب آپ کس کے قتل کی پیشین گوئی کرتے ہیں۔" حمید نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"جبار کے....!" فریدی نے کہا اور سگار کا کونا چبانے لگا۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا
تھا.... ماتھے پر شکنیں تھیں اور آنکھیں ادھ کھلی.... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے نیند آ رہی ہو۔

"آپ تو اتنے اطمینان سے بیٹھے ہیں جیسے اپنا ہی گھر ہو۔" حمید نے کہا۔

"ہوں....!" فریدی چونک کر بولا۔ "میں نے سنا نہیں۔"

"میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ آخر کب تک یہاں بند پڑے رہیں گے۔"

"ابھی دیر ہی کتنی ہوئی ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور بجھا ہوا سگار ایک کونے میں
پھینک کر ٹہلنے لگا۔

پھر وہ تہہ خانوں کے زینوں پر چڑھا اور تھوڑی دیر بعد پھر وہیں واپس آ گیا۔

"میرا خیال ہے کہ تختہ کیلوں سے جڑ دیا گیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" حمید بے بسی سے بولا۔

"بلکہ بہت بُرے سے بھی بُرا ہوا۔" فریدی نے داہنے شانے کو جنبش دے کر کہا۔

"اب کیا ہوگا؟" حمید بے تابی سے بولا۔

"ہوگا یہ کہ تم تھوڑی دیر بعد فضیل کو بوڑھی کی طرح کلکلا کلکلا کر کوسنا شروع کر دو گے۔"

سر بتھال کی لاش

فریدی پر خاموشی کا دورہ پڑ گیا۔ شہناز حمید اور مقصود سرگوشیاں کرتے رہے۔ فریدی کبھی کبھی ٹہلنے لگتا اور کبھی بیٹھ جاتا۔ اس نے کئی بار تہہ خانے کا ڈھکن ہٹانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔

"آخر اس نے ہمیں کیوں اس چوہے دان میں بند کر دیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"تاکہ من مانی حرکتیں کر سکے۔" فریدی نے کہا۔ "ہمارے خلاف کیپٹن خاور کی رپورٹ تقویت دینے کے لئے ہمارے اس طرح غائب ہو جانے پر آفیسروں کا شبہ بھی یقین میں بدل جائے گا اور وہ کیپٹن خاور کے صحیح قاتل کا پیچھا چھوڑ کر ہماری تلاش شروع کر دیں گے۔"

"کیا کیپٹن خاور کی کوئی رپورٹ آپ کے خلاف ہے۔" شہناز نے پوچھا۔

"ہاں اس کا تعلق تمہاری ذات سے ہے۔ اس نے یہ رپورٹ کی تھی کہ تم اس کی خالہ زاد بہن اور منگیتر ہو اور ہم لوگ تمہیں پریشان کرتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"اُف میرے خدا اس کتے نے میری نادانستگی میں کیا کیا کر ڈالا۔" شہناز دانت پیس کر بولی۔

"تم آخر اس کے ساتھ رہتی ہی کیوں تھیں۔" حمید جھلا کر بولا۔

"پھر تم نے بکواس کی۔" فریدی نے حمید کو گھور کر دیکھا۔

"بھلا میں کیا کر سکتی تھی۔"

"ٹھیک ہے۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

پھر خاموشی چھا گئی....

فریدی اٹھ کر زینوں کی طرف چلا گیا۔ اس کا خیال تھا کہ ایک بار پولیس اس کی تلاش میں بھی وہاں ضرور آئے گی۔ وہ اوپر کے آخری زینے پر بیٹھ گیا.... گھڑی نے چھ بجائے اور وہ مایوس ہو کر لوٹ آیا.... تہہ خانے میں بالکل اندھیرا چھا گیا۔ فریدی نے دیا سلائی جلائی۔ طاق پر ایک موم بتی رکھی تھی اس نے اسے روشن کر دیا۔

"رات بھی ہو گئی۔" حمید مایوسی سے بولا۔

"اور صبح بھی ہو جائے گی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ کو تو ہر وقت مذاق سوجھتا ہے۔"

"اب یہاں اس حالت میں مذاق کے علاوہ اور چارہ ہی کیا رہ جاتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"تو آپ کو کوئی پریشانی نہیں۔" شہناز نے پوچھا۔

"پریشانی کس بات کی۔" فریدی نے کہا۔ "یہاں فرش پر سونے میں تھوڑی سی تکلیف ضرور ہوگی.... اور شاید حمید کو بھوک بھی ستائے۔"

"ہم نے کل رات سے کھانا نہیں کھایا ہے....!" مقصود بولا۔

"یہ چیز تکلیف دہ ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ کسی نہ کسی وقت پولیس یہاں ضرور آئے گی۔

"تہہ خانے میں....!" حمید نے چونک کر پوچھا۔

"ٹھہرو مجھے کچھ آہٹ معلوم ہو رہی ہے۔" فریدی نے ہاتھ اٹھا کر انہیں چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر وہ اٹھ کر آہستہ آہستہ تہہ خانے کے زینوں پر چڑھنے لگا۔

اوپر کمرے میں کئی قدموں کی آہٹ معلوم ہو رہی تھی۔ حمید بھی فریدی کے پیچھے پیچھے چلا آیا تھا۔

"کون ہو سکتا ہے۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"کوئی بھی ہو۔" فریدی نے کہا۔ "میں یہ ڈھکن پیٹنے جا رہا ہوں اگر پولیس ہوگی تو ضرور اس طرف متوجہ ہو جائے گی اور اگر مجرم ہوئے تو خیر....!"

فریدی نے تہہ خانے کے ڈھکن کو دونوں ہاتھوں سے پیٹنا شروع کر دیا۔ قدموں کی آہٹ رک گئی.... وہ بدستور اس تختے کو پیٹتا رہا.... تھوڑی دیر کے بعد اسے ایسا معلوم ہوا جیسے اوپر سے بھی کوئی اسے پیٹ رہا ہو۔

"شاید مجرموں نے اس تختے میں کیلیں جڑ دی تھیں پولیس جنہیں اکھاڑ رہی ہے یا پھر کیلیں جڑنا بھول گئے تھے۔ اب جڑ رہے ہیں۔ بہر حال جو کچھ بھی ہو ہمیں کسی خاص بات کے منتظر رہنا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔

وہ دونوں نیچے اتر آئے۔ بدستور ہتھوڑے چل رہے تھے اور پھر چڑچڑاہٹ کی آواز آئی اچھل پڑا۔ زینوں پر کئی قدموں کی آہٹ سنائی دی اور انسپکٹر جگدیش کا چہرہ دکھائی دیا۔

"اوہ میرے باپ۔" جگدیش چیخ کر بولا۔ "یہاں تو جانی پہچانی صورتیں نظر آ رہی ہیں۔"

فریدی آہستہ سے اٹھ کر آگے بڑھا۔

"ارے آپ بھی ہیں۔" جگدیش آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"جی....!" فریدی نے ہونٹ بھینچ کر کہا اور جگدیش کو اس طرح گھورنے لگا جیسے ا حملہ کر بیٹھے گا۔ جگدیش لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گیا۔

"تم نے پہلی بار کس طرح تلاشی لی تھی۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"اچھی طرح....!"

"اسی طرح....!" فریدی نے شہناز اور مقصود کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"لیکن آپ لوگ یہاں پہنچے کیسے؟" جگدیش نے پوچھا۔

"اوپر چلو....!" فریدی نے کہا اور زینے کی طرف بڑھ گیا۔

کمرے میں پہنچتے ہی سب سے پہلے اس کی مڈبھیڑ اپنے محکمے کے سپرنٹنڈنٹ سے

"کہئے صاحب پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کا کیا رہا۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"تمہارا خیال صحیح تھا۔" سپرنٹنڈنٹ نے منہ سکوڑ کر کہا۔ "لیکن تم یہاں کیا کر رہے تھے

"مکھیاں مار رہا تھا۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "دفتر میں چونکہ کافی صفائی رہتی ہے ا وہاں زیادہ تعداد میں مکھیاں دستیاب نہیں ہوتیں۔"

فریدی آگے بڑھا لیکن دوسرے ہی لمحہ میں اُسے لوٹنا پڑا۔ دوسرے کمرے میں اس کے ڈی۔ آئی۔ جی اور سول پولیس کے کچھ اعلیٰ افسر بھی موجود تھے۔

"اس کا مطلب....!" فریدی نے اس کمرے کی طرف اشارہ کر کے جگدیش سے پوچھا

"اوہ.... یہاں ایک لاش بھی ہے۔"

"لاش کس کی لاش....!"

"ایک خطاب یافتہ اور معزز انگریز سر بنتھال کی۔" جگدیش نے کہا۔

"اوہ....!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ اس کی آواز میں مایوسی تھی۔

وہ سب دوسرے کمرے میں پہنچے۔

"ہیلو فریدی....!" ڈی۔ آئی۔ جی اس کی طرف بڑھا۔

"میں نے جو رپورٹ آپ کو دی تھی اس کے مطابق سب کچھ ہوا۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن تم اس وقت یہاں کہاں۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"یہی میں آپ سے پوچھنے والا تھا۔"

"سر بنتھال کی لاش یہاں پائی گئی ہے۔"

"کہاں ہے۔"

"دوسرے کمرے میں۔"

"وہاں سے سب کو ہٹا دیجئے۔" فریدی نے کہا۔ "اور مجھے تنہا وہاں جانے دیجئے یا آپ بھی میرے ساتھ چلئے۔ آپ سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔"

وہ دونوں اس کمرے کی طرف چلے گئے۔

جگدیش شہناز کا بیان لکھ رہا تھا۔ حمید اور مقصود نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ سپرنٹنڈنٹ نے انہیں کریدنے کی کوشش کی لیکن اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی منہ لٹکائے ہوئے کمرے سے واپس آیا۔ اس کے چہرے پر مایوسی اور ناکامی کے بادل چھائے ہوئے تھے۔

"کیا بات ہے۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"کچھ نہیں کوئی خاص بات نہیں۔" فریدی بے دلی سے بولا۔

"دیکھئے آخر میرا ہی خیال سچ نکلا نا....!" حمید چہک کر بولا۔

"شاگرد کس کے ہو۔" فریدی کھسیانی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "اگر استاد نے شکست کھائی تو کیا ہوا۔"

تھوڑی دیر بعد سر بنتھال کی لاش وہاں سے ہٹا دی گئی۔

وہاں ضروری کاروائی کے بعد یہ پارٹی سر بنتھال کے بنگلے کی طرف روانہ ہو گئی.... شہناز گھر

بھیج دی گئی۔

فریدی سر بنتھال کی ایک ایک چیز کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ ایک گھنٹے کے بعد وہ بھی ہ کر سر بنتھال کے ڈرائنگ روم میں آ بیٹھا۔

"دو تین دن کے دوران شہر میں چار قتل ہوگئے۔" ایس پی بولا۔ "ہم ابھی تک کر سکے۔"

فریدی سمجھ گیا کہ روئے سخن کس کی طرف ہے۔ لیکن وہ خاموش ہی رہا۔

"لیکن سر بنتھال یہاں کس لئے مقیم تھا۔" محکمہ سراغ رسانی کے ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا

"وہ ہمارے ملک کے آثار قدیمہ کے متعلق ایک کتاب لکھ رہا تھا۔" فریدی بولا۔ آپ کی نظروں سے اس کی کتاب Ruins of Egypt گذری ہو.... مصری آثار قدیمہ سے اچھی کتاب شاید ہی کسی نے لکھی ہو۔"

"اوہ.... ٹھیک ہے میں نے اس کتاب کی شہرت سنی ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

اور پھر کچھ دیر کی کارروائی کے بعد وہ لوگ وہاں سے رخصت ہوگئے۔

فریدی راستے بھر خاموش رہا۔ حمید بھی خاموش تھا۔ اسے سب سے زیادہ کار کے ہو جانے کا غم تھا۔ شاید فضیل ہی انہیں تہہ خانے میں بند کر کے ان کی کار بھی اڑا لے گیا تھا وقت وہ ٹیکسی کر کے گھر جا رہے تھے۔ سردی کی شدت سے ان کے دانت بج رہے تھے۔ گ گئے تھے۔ شہر آہستہ آہستہ سنسان ہوتا جا رہا تھا۔

جیسے ہی ٹیکسی کی ہیڈ لائٹ کی روشنی فریدی کی کوٹھی کے پھاٹک پر پڑی حمید اچھل فریدی کی کار سڑک کے کنارے کھڑی تھی۔

دونوں ٹیکسی سے اتر آئے.... فریدی نے کار میں ہاتھ ڈال کر ہارن دیا اور چوکیدا پھاٹک کھول دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ڈرائنگ روم میں بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔

"فضیل کی دلیری پر حیرت ہوتی ہے۔" حمید بولا۔ "غالباً ہماری کار وہی یہاں چھوڑ گ اور یہ خط بھی دیکھو! جو اگلی سیٹ پر پڑا ملا ہے۔" فریدی نے ایک لفافہ حمید کی طرف ہوئے کہا۔

حمید خط نکال کر بلند آواز سے پڑھنے لگا۔

"پیارے فریدی....

مجھے امید ہے کہ تم ہوش میں آگئے ہو گے۔ یاد رکھو کہ میرے پیچھے پڑنے کا نتیجہ موت ہے۔ میں بہادروں کی قدر ضرور کرتا ہوں لیکن ایک حد تک.... جہاں کسی دلیر نے کم از کم میرے معاملے میں ان حدود سے قدم نکالا میں اسے معاف کرنا چھوڑ دیتا ہوں.... سر بنتھال کا حشر دیکھو اور عبرت پکڑو۔ اسے تو میں کسی حالت میں بھی معاف کر ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ اسے رومال کا راز معلوم تھا اور وہ اسے حاصل کرنے کی کوشش بھی کر رہا تھا۔ میں تمہارے ملک سے جا رہا ہوں۔ بالکل اسی طرح یہاں سے نکل جاؤں گا جس طرح تمہارے مستحکم ترین تہہ خانہ سے نکل گیا تھا۔ اگر تمہیں میری قید میں کچھ تکلیف ہوئی ہو تو معاف کرنا.... مجھے افسوس ہے کہ تمہیں وہاں دن بھر بھوکا رہنا پڑا۔

"فضیل" (یا جو کچھ بھی تم سمجھو)

نوٹ: واضح رہے کہ مصر کے جاسوس علی فضیل سے میرا کوئی تعلق نہیں۔"

حمید خط ختم کرنے کے بعد تحیر آمیز نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ چوٹ زندگی بھر یاد رہے گی۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"آخر یہ فضیل ہے کون۔" حمید نے پوچھا۔

"خدا جانے.... لیکن ہے دلیر آدمی.... لیونارڈ اور جابر کے بعد یہ دوسرا آدمی ملا ہے جس نے مجھے اتنی ذہنی اور جسمانی ورزش پر مجبور کیا۔" فریدی نے کہا اور اٹھ کر ٹیلی فون کے نمبر نے لگا۔

"ہیلو.... کون بول رہا ہے.... اچھا.... جگدیش.... میں ہوں.... فریدی.... دیکھو ی اور اس کے لواحقین کو سر بنتھال کے قتل کی خبر شائع ہونے سے پہلے ہی حراست میں لینے کی شش کرو۔ ان سے سر بنتھال کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہو سکیں گی.... اوہ.... اچھا اگر ا وقت انہیں پکڑ سکو تو بہتر ہے.... میں صبح آؤں گا.... کم از کم انہیں رات بھر حوالات میں رور رکھو.... اچھا شب بخیر۔" فریدی نے ریسیور رکھ دیا۔

"بھئی اب تو سونا چاہئے۔" فریدی جمائی لیتا ہوا بولا۔

"دوسرے دن صبح ہی صبح فریدی اور حمید کو توالی پہنچے۔ ٹیوی اور اس کی بیوی حوالات میں تھے۔

"کیا ان کے علاوہ کوئی اور نہیں ملا۔" فریدی نے جگدیش سے پوچھا۔

"گھر میں یہی دونوں تھے۔" جگدیش نے جواب دیا۔ فریدی ٹیوی اور اس کی بیوی کی طرف متوجہ ہوا۔ ٹیوی کی بیوی حمید کو گھور رہی تھی۔

"کیا یہی وہ آدمی ہے جو اس رات تمہارے گھر کی لائٹ فیوز کر کے نکل بھاگا تھا۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"ہاں یہی تھا۔" عورت بولی۔

"تم سر بنتھال کو جانتے تھے۔" فریدی نے ٹیوی سے پوچھا۔

"ہاں....!"

"وہ کون تھا۔"

"میں نہیں جانتا۔"

"کیا سر بنتھال نے تمہیں اس کے متعلق کوئی اطلاع دی تھی۔"

"ہاں....!"

"کس وقت....؟"

"دوپہر کو....!"

"اس رات تمہارے گھر میں وہ دوسرے آدمی کون تھے.... اور وہ اب کہاں ہیں۔"

"لیفٹیننٹ مارگن اور کیپٹن خاور.... لیفٹیننٹ مارگن کل انگلینڈ گیا۔"

"کس وقت....!"

"شام کو....!"

"لیفٹیننٹ مارگن سر بنتھال کو جانتا تھا۔"

"ہاں....!"

"تمہارا سر بنتھال اور ان دونوں سے کیا تعلق....؟"

"ہم تینوں دوست تھے۔"

"تمہارے دو دوستوں کا تو خاتمہ ہو گیا۔" فریدی نے کہا۔ "کیپٹن خاور سے تم لوگوں کی دوستی کتنی پرانی تھی۔"

"زیادہ پرانی نہیں۔" ٹیوی بولا۔ "شاید آج سے ایک ہفتہ قبل سر بنتھال نے کلب میں اس سے میرا تعارف کرایا تھا۔"

"سر بنتھال نے تمہیں یہ بھی بتایا تھا کہ وہ اس بیہوش آدمی کو تمہارے سپرد کیوں کرنا چاہتا تھا۔"

"ہاں اس نے کہا تھا کہ وہ اپنے ایک دشمن کو لائے گا جسے مجھے حراست میں رکھنا پڑے گا۔"

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ جرم ہے تم نے ایسی حرکت کا ارادہ کیوں کیا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"میں جرم کی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوں۔" ٹیوی بیزاری سے بولا۔

"تم کیا کرتے ہو۔"

"انڈر سن اینڈ انڈر سن میں منیجر ہوں۔"

"تمہاری بیوی کو تمہاری اس حرکت کی اطلاع تھی۔"

"نہیں....!"

"کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ سر بنتھال کے قتل میں کس کا ہاتھ ہو سکتا ہے؟"

"میں بھلا اس کے متعلق کیا بتا سکتا ہوں۔"

"اس کا کوئی دشمن....!"

"میں یہ بھی نہیں جانتا۔"

"لیکن ابھی تم نے اس کے کسی دشمن کا تذکرہ کیا تھا۔"

"ہاں! لیکن میں نے پہلے ہی کہہ دیا کہ سر بنتھال نے مجھے اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا۔"

"مگر تم نے ابھی اس کا اقرار کیا ہے کہ تم اسے کاندھے پر لاد کر گھر میں لے جا رہے تھے۔"

"لیکن میں اس کی صورت نہیں دیکھ سکا تھا۔"

"اوہ....!"

"لیفٹیننٹ مارگن یہاں کب سے مقیم تھا۔"

"ایک ماہ سے۔"

"کیوں آیا تھا۔"

"مجھ سے ملنے.... اور شکار کھیلنے۔"

"کیپٹن خاور اور لیفٹیننٹ مارگن کو سر بتھال کی اس رات والی حرکت کی اطلاع تھی۔"

"صرف لیفٹیننٹ مارگن جانتا تھا۔"

"کیپٹن خاور اس وقت تمہارے یہاں کیا کر رہا تھا۔"

"ہم تینوں فلش کھیل رہے تھے۔"

"تم ایک دوسرے جرم کا اعتراف کر رہے ہو۔" فریدی مسکرا کر آنکھ مارتا ہوا بولا۔

خاموش ہو گیا۔

پھر فریدی اس کی بیوی کو الگ لے گیا اور کافی دیر تک اس سے گفتگو کرتا رہا۔ جب وہ پھر ٹیوی کی طرف آیا تو ٹیوی نے پوچھا۔

"ہمیں حوالات میں کیوں رکھا گیا ہے؟"

"محض اس لئے کہ تم لوگ سازش کر کے ایک آدمی کو اپنے گھر میں بند رکھنا چاہتے فریدی نے کہا اور کوتوالی سے چل دیا۔ حمید کو حیرت تھی کہ آخر وہ اسے اپنے ساتھ کیوں لے گیا۔ دس بجے حمید دفتر چلا گیا۔ وہاں بھی فریدی سے ملاقات نہ ہوئی۔ حمید کی سمجھ میں آرہا تھا کہ فریدی اب کیا کر رہا ہے۔

شہر کے سارے اخبارات میں سر بتھال کے حیرت انگیز قتل کی داستانیں شائع ہوئی بعض اخباروں نے رومال کا بھی حوالہ دیا تھا اور لکھا تھا کہ دلکشا ہوٹل سے لے کر سر بتھ جتنے بھی قتل ہوئے ان کے پیچھے ایک منظم سازش کام کر رہی تھی۔ پولیس دو افراد کی تلا ہے۔ ایک جبار اور دوسرا ایک غیر ملکی جس کا صحیح نام پولیس کو بھی نہیں معلوم ہو اخباروں نے محکمہ سراغ رسانی پر بھی ہلکی پھلکی چوٹیں کی تھیں۔

سپرنٹنڈنٹ صاحب کافی بشاش نظر آرہے تھے۔ انہوں نے ڈی۔ آئی۔ جی سے مشور یہ کیس دوسرے انسپکٹر کے سپرد کر دیا۔

حمید نے یہ چیز شدت سے محسوس کی۔ مگر وہ خاموش رہا۔ کر ہی کیا سکتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اسے سپرنٹنڈنٹ نے بلوایا۔

"فریدی کہاں ہے۔" سپرنٹنڈنٹ نے پوچھا۔

"مجھے علم نہیں۔"

"تم جانتے ہو۔"

"اب میں کس طرح عرض کروں۔"

"اس کیس کے چند ضروری کاغذات اس کے پاس ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ تفتیش ہی کے سلسلے میں کہیں گئے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"لیکن میں نے یہ کیس دوسروں کے سپرد کر دیا ہے۔"

"لیکن فریدی صاحب کو اس کا کیا علم....!"

"اب ہو جائے گا علم۔" سپرنٹنڈنٹ ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "جاؤ جا کر اپنا کام کرو۔"

تقریباً دو بجے فریدی آفس پہنچا۔ وہ ابھی بیٹھنے بھی نہیں پایا تھا کہ سپرنٹنڈنٹ نے اسے اپنے لرے میں طلب کر لیا۔

"اس کیس کے کاغذات داخل کر دو۔" سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

"میں آپ سے کئی بار عرض کر چکا کہ...."

"بس بس....!" سپرنٹنڈنٹ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں ڈی۔ آئی۔ جی کے حکم کے مطابق ایسا لر رہا ہوں۔ یہ لو.... ان کی تحریر۔"

سپرنٹنڈنٹ نے ایک کاغذ فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

"اوہ....!" فریدی اُسے پڑھ چکنے کے بعد سپرنٹنڈنٹ کی طرف دیکھنے لگا۔

سپرنٹنڈنٹ طنزیہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"یہ لیجئے۔" فریدی نے کچھ کاغذات جیب سے نکال کر میز پر ڈال دیئے۔

سپرنٹنڈنٹ انہیں بغور دیکھنے لگا۔

فریدی جانے کے لئے اٹھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" سپرنٹنڈنٹ بولا۔ "اب تک کی تفتیش کی رپورٹ کہاں ہے۔"

"انہیں کاغذات میں ہے۔"

"یہ رپورٹس تو نہیں۔" سپرنٹنڈنٹ ایک کاغذ فریدی کی طرف بڑھا کر بولا۔ "مختصر ہیں۔"

"یہی میرا طریقہ کار ہے۔" فریدی لاپروائی سے بولا۔ "میں کسی کیس کو ختم کرنے کے ہی مکمل رپورٹ لکھا کرتا ہوں۔"

"اب تک کی روئیداد لکھ دو۔" سپرنٹنڈنٹ بولا۔

فریدی نے اپنے لکھے ہوئے نوٹ والا کاغذ اٹھا کر جیب میں رکھ لیا اور ایک سادے کاغذ لکھنے لگا۔

"مکمل رپورٹ یہ ہے کہ اس کیس میں بُری طرح ناکامیاب رہا.... کوئی ایسا واقعہ پیش آیا جسے پے در پے قتل کے واقعات سے کوئی نسبت دی جاسکے.... مجرم نے مجھے اور سارجنٹ حمید کو تہہ خانہ میں بند کردیا تھا.... اس سلسلے میں ایک مشکوک آدمی جبار خان کی مجھے تلاش تھی.... اور مجرم جس نے مجھے تہہ خانہ میں بند کیا تھا کوئی غیر ملکی معلوم ہوتا تھا۔"

فریدی نے رپورٹ لکھ کر سپرنٹنڈنٹ کی طرف بڑھادی۔

"بس....!" سپرنٹنڈنٹ نے طنز آمیز انداز میں اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"جی....!"

"میں مفصل رپورٹ چاہتا ہوں۔"

"میں نے سب کچھ لکھ دیا ہے۔"

"تفصیل نہیں ہے۔"

"اور زیادہ کاغذ خراب کرنے سے کیا فائدہ۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "کہئے تو یہ لکھ دوں کہ اس تفتیش کے دوران مجھے دو بار زکام ہوا.... ایک دن کھانا نہیں کھایا.... ایک دن بھر کھانستا رہا۔"

"اوہ....!" سپرنٹنڈنٹ میز پر پیپر ویٹ پٹخ کر چیخا۔ "میں بدتمیزی برداشت نہیں کرسکتا۔"

"تو یہ میرا استعفیٰ حاضر ہے۔" فریدی نے جیب سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکال کر میز پر ڈال دیا اور مسکراتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

"حمید...." وہ حمید کی میز کے قریب جاکر بولا۔ "اپنا استعفیٰ لکھو۔"

"ارے کیوں....؟" حمید اچھل کر بولا۔

"ہم اب اس محکمے میں کام نہیں کریں گے۔"

"پھر....!"

"پرانے کوٹوں کی تجارت کریں گے۔" فریدی نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

دفتر کے لوگ اس کے گرد اکٹھے ہوگئے مگر وہ اوٹ پٹانگ باتیں کرتا رہا۔

حمید کی الجھن

حمید الجھن میں مبتلا ہوگیا۔ لیکن فریدی کے مجبور کرنے پر اُسے استعفیٰ لکھنا ہی پڑا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی اس وقت وجہ نہ بتا سکے گا اور جب وہ استعفیٰ لے کر سپرنٹنڈنٹ کے کمرے میں گیا تو اس نے دیکھا کہ وہ اپنی کرسی پر بیٹھا بُری طرح ہانپ رہا ہے۔

"کیا ہے۔" اس نے گرج کر پوچھا۔

"استعفیٰ....!" حمید نے کاغذ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"گٹ آؤٹ....!" وہ حلق کے بل چیخا۔

حمید چپ چاپ کمرے سے نکل آیا۔

دفتر کے سب لوگ متحیر تھے کہ معاملہ کیا ہے۔ انسپکٹر جو فریدی سے حسد رکھتے تھے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرا رہے تھے۔

فریدی اور حمید وہاں سے روانہ ہوگئے۔ راستے میں حمید نے پوچھا۔

"آخر آپ نے کیا کیا....؟"

"چپ رہو....!" فریدی بگڑ کر بولا۔ "جو میں نے مناسب سمجھا کیا۔"

حمید خاموش ہوگیا۔

"دیکھو برخوردار....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہ دنیا سرائے فانی ہے۔"

حمید حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں اب ان لغویات سے تنگ آگیا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "کچھ آرام بھی کرنا چاہئے۔

بسر اوقات کے لئے پھٹے پرانے کوٹوں کی تجارت کافی معقول رہے گی۔"

"میں.... میں....!" حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"خیر معلوم ہوا کہ تم بکریوں کی تجارت کرنا چاہتے ہو۔" فریدی نے کہا اور کار کو کے سامنے کھڑی کر دی۔

"آؤ کافی پئیں گے۔" فریدی نے کار سے اترتے ہوئے کہا۔

حمید بُری طرح جھلایا ہوا تھا۔ لیکن اس نے اپنی جھلاہٹ کا اظہار کرنا مناسب نہ سمجھ نے سوچا کہ کہیں فریدی یہ نہ سمجھے کہ اس نے اسے استعفیٰ دینے پر مجبور کر کے بور کر حمید کو اس کی پرواہ نہیں تھی کہ اس نے استعفیٰ دے دیا بلکہ الجھن اس بات کی تھی کہ آخ دیا کیوں گیا وہ اس کی وجہ جاننا چاہتا تھا۔ مگر فریدی کے رویے سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس روشنی نہ ڈالے گا.... آخر کیوں....؟

دونوں نے ہوٹل میں کافی پی۔ کچھ پیسٹریاں کھائیں اور دیر تک بیٹھے اِدھر اُدھر کرتے رہے۔ حمید نے بھی تھوڑی دیر بعد یہ ظاہر کرنا شروع کر دیا جیسے آج کوئی اہم بات نہ ہو۔

"آج میں نے ایک ہاتھی کو دیکھا جو ایک بوتل میں گھسنے کی کوشش کر رہا تھا۔" وہ بولا۔

"اچھا تم نے بھی دیکھا تھا۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "میں تو سمجھا تھا کہ صرف میں راز سے واقف ہوں۔"

"اگر مہاوت کود کر الگ نہ ہو گیا ہوتا تو وہ بیچارہ بھی بوتل میں پہنچ جاتا۔" حمید۔

"اچھا۔" فریدی نے اپنے چہرے سے تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "دیکھیں بین ا سیاست پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے۔"

شاید قطب شمالی میں ہندو مسلم اتحاد ہو جائے۔ حمید نے آہستہ سے کہا۔

فریدی اُسے آنکھ مار کر مسکرایا اور حمید نے کسی عصمت مآب عورت کی طرح سر جھکا لیا....

دونوں کافی دیر تک بیٹھے بے سروپا باتیں کرتے رہے۔

گھر پہنچ کر حمید اپنا سامان اکٹھا کرنے لگا۔

"کیوں بھئی یہ کیا کر رہے ہو....؟" فریدی نے پوچھا۔

"گھر جا رہا ہوں جو کچھ پس انداز کیا ہے اس سے چند بھینسیں خرید کر دودھ کا کاروبار کرونگا۔"

"چہ چہ.... تمہارے یہ نرم و نازک ہاتھ بھینسوں کا گوبر نہ صاف کر سکیں گے۔" فریدی کہا۔ "مجھے ایک پرائیویٹ سیکریٹری کی ضرورت ہو گی۔"

"کتنی تنخواہ دیں گے آپ....؟"

"سب کچھ تمہارا ہے پیارے۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "میں واقعی سنجیدہ ہوں.... میں نے کی سیاحت کا پروگرام بنا لیا ہے ایسی صورت میں مجھے ایک پرائیویٹ سیکریٹری کی ضرورت ہو گی۔"

حمید چونک کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"دنیا کی سیاحت۔" حمید نے آہستہ سے دہرایا۔

"ہاں.... سب سے پہلے ہم مصر چلیں گے۔" فریدی اِدھر اُدھر دیکھ کر آہستہ سے بولا۔

"اوہ.... تو یہ کہئے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن کس طرح۔"

"بحری راستے سے۔"

"لیکن اگر وہ ہوائی جہاز سے چلا گیا تو۔"

"وہ اتنا احمق نہیں ہے۔"

"کیوں اس میں حماقت کی کیا بات ہے۔ ممکن ہے وہ یہاں سے جائے ہی نہیں۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ اب میں نے اس کا خیال ہی چھوڑ دیا ہے۔"

"پھر....؟"

"مجھے یہ دیکھنا ہے کہ علی فضیل کی موت کن حالات میں ہوئی تھی۔"

"لیکن علی فضیل کے متعلق بھی آپ کو اسی سے معلوم ہوا تھا۔" حمید نے کہا۔ "کون جانے نے یہ بات بھی غلط کہی ہو۔"

"نہیں مجھے اس میں شبہ نہیں۔ حسینہ علی فضیل ہی کی لڑکی تھی۔ آج ہی مصر سے میرے ار کا جواب آیا ہے اور اسی سے معلوم ہوا ہے کہ علی فضیل کے ایک ہی لڑکا تھا، جو اُس کے قتل کے کچھ ہی دن بعد قتل کر دیا گیا تھا۔"

"تو پھر استعفیٰ دینے کی کیا ضرورت تھی۔"

"مصلحت....!" فریدی نے کہا۔ "مجرم خطرناک ہے آسانی سے دھوکا نہیں کھا سکتا۔"

"تو کیا سپرنٹنڈنٹ سے آپ کی لڑائی محض دکھاوا تھی۔"

"وہ بیچارہ تو یہی سمجھا ہے کہ وہ سو فیصدی حقیقت ہے۔"

"بہر حال اب تو آپ استعفیٰ دے ہی چکے۔" حمید بولا۔

"اس میں کسی شبہے کی گنجائش نہیں۔" فریدی نے کہا۔

"تو پھر اب آپ یہ سب دردسری کیوں مول لے رہے ہیں۔"

فریدی جواب دینے ہی والا تھا کہ نوکر ایک کارڈ لے کر اندر آیا۔

"اوہ....!" فریدی کارڈ دیکھ کر بولا۔ "بھیج دو۔"

تھوڑی دیر بعد ایک وجیہہ آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ اُس کے سنہرے ملائم اور خشک پیشانی پر اڑ رہے تھے۔ لباس اس نے اچھا پہن رکھا تھا۔ لیکن اس کی بے ترتیبی سے ظاہر ہو رہا کہ وہ حد درجہ لاپرواہ واقع ہوا ہے۔ اس کے ہونٹوں پر ایک قسم کی مسکراہٹ تھی۔ ایسی مسکراہ جسے زہر خند ہی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ حمید نے اُسے دیکھ کر نفرت سے منہ سکوڑ لیا۔ اس برخلاف فریدی کے لہجے میں تپاک تھا۔

"آؤ.... آؤ.... انور.... مجھے توقع تھی کہ تم ضرور آؤ گے۔"

انور ہنس کر ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

"غالباً تم استعفیٰ دینے کی وجہ پوچھنے آئے ہو۔"

"اور آپ صحیح وجہ کبھی نہ بتائیں گے۔" انور ہنس کر بولا۔ "لیکن تم اس طرح بھی صحیح وجہ معلوم کر سکو گے۔"

انور ہنسنے لگا۔

"بہر حال تم ٹھیک موقع پر آئے۔" فریدی بولا۔ "میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے اخبار میں میری ناکامی کی ایک لمبی چوڑی داستان چھاپ دو۔"

"بس بس میں سمجھ گیا۔" انور نے کہا۔

"اسی لئے میں کہتا ہوں کہ تم بہت ذہین ہو۔" فریدی بولا۔

"مگر ایک چیز....!" انور بولا۔ "یہ جبار کہاں سے آگودا۔"

فریدی نے جبار والا واقعہ بھی اُسے بتادیا۔

"اس کیس کے متعلق میں نے پوری داستان خود ہی مکمل کی ہے۔"

انور جیب سے کچھ تہہ کئے ہوئے کاغذات نکال کر بولا۔ "آپ دیکھئے کہ میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں۔"

فریدی کاغذات کو پڑھتا رہا۔ درمیان درمیان وہ سر اٹھا کر حیرت زدہ نظروں سے انور کی طرف دیکھ لیتا تھا۔

"واقعی تم ایک کامیاب کرائم رپورٹر ہو۔" فریدی نے کہا۔ "اس میں بعض جگہ تم نے محض قیاس سے کام لینے کی کوشش کی ہے۔ خیر میں ٹھیک کئے دیتا ہوں۔"

فریدی ایک سادے کاغذ پر کچھ لکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے وہ کاغذ اسکی طرف بڑھادیا۔

"اوہ تو اس کا یہ مطلب کہ میری رپورٹ میں کچھ بھی نہیں تھا۔ تو آپ کو اُسی غیر ملکی مجرم نے تہہ خانے میں بند کیا تھا۔"

"ہاں....!"

"اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔"

"چھلاوہ ہے۔" فریدی بولا۔ "اس قسم کے کردار صرف جاسوسی ناولوں ہی میں نظر آیا کرتے تھے۔"

"اور آپ کیا فرماتے رہے ہیں۔" انور نے طنزیہ انداز میں مسکرا کر حمید کی طرف اشارہ کیا۔

"دیکھو تم مجھ سے نہ الجھنا.... ورنہ....!"

"ورنہ آپ رو دیں گے۔" انور نے جملہ پورا کر دیا۔

فریدی ہنسنے لگا۔

"خیر خیر اگر کبھی میری گرفت میں آگئے تو بوٹیاں اڑادوں گا۔" حمید جھلا کر بولا۔

"تم پر ہی کیا منحصر ہے۔" انور ہنس کر بولا۔ "اس شہر کی پولیس کے سارے ناکارہ آفیسر مجھے اس قسم کی دھمکیاں دیتے رہتے ہیں۔ لیکن آج تک کوئی میرا کچھ نہ بگاڑ سکا۔"

"چھوڑو.... چھوڑو.... ان فضول باتوں کو۔" فریدی اکتا کر بولا۔ "کام کی بات کرو۔ دیکھو اپنے مضمون میں میری جتنی بھی توہین ممکن ہو اس سے باز نہ آنا۔"

"یہ مجھ سے نہ ہو سکے گا۔" انور جلدی سے بولا۔ "میرے دل میں آپ کیلئے بڑا احترام ہے"

"لیکن یہ تم میری اجازت سے کرو گے۔" فریدی نے مسکرا کر آنکھ مارتے ہوئے کہا۔ "ایک واقعی ضرورت ہے۔"

"خیر جیسا آپ کہیں۔" انور نے کہا۔ تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر کی گفتگو کرتے رہنے کے بعد انور چلا گیا۔

"آخر آپ نے اسے اس قدر منہ کیوں لگا رکھا ہے۔" حمید جھلا کر بولا۔

"بہت کام کا آدمی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "بلا کا ذہین ہے۔ اسے ایک بہترین جاسوس بنانے کے لئے تھوڑی سی ٹریننگ کافی ہو گی۔"

"میں اسے اچھا نہیں سمجھتا۔" حمید نے کہا۔

"کیا اس لئے کہ وہ پولیس والوں سے اپنا حق وصول کرتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کسی نہ کسی دن گردن نپ جائے گی۔" حمید نے کہا۔

"اور مشکل یہی ہے۔ یہاں کے سارے آفیسروں کی دکھتی ہوئی رگوں پر اس کا ہاتھ ہے.... شائد ہی کوئی اُسے چھیڑنے کی ہمت کر سکے۔"

"مجھے اس نے کبھی چیلنج نہیں کیا۔ ورنہ میں مزا چکھا دیتا۔" حمید نے کہا۔

"خیر خیر چھوڑو بھی کہاں کی باتیں نکال بیٹھے۔" فریدی نے کہا۔ "وہ تمہیں چھیڑنے کیوں لگا۔"

"کیا آپ نے اُس وقت اس کا انداز نہیں دیکھا۔" حمید نے کہا۔

"بھئی وہ ہے ہی اس قسم کا.... بڑی زہریلی باتیں کرتا ہے.... میں اس کی پچھلی زندگی سے واقف ہوں.... اُسے بہت ستایا گیا ہے۔ تم نہیں جانتے جب کوئی ذہین اور تعلیم یافتہ آدمی مسلسل ناکامیوں سے تنگ آجاتا ہے تو اُس کی ساری شخصیت صبر کی تلخیوں میں ڈوب جاتی ہے۔"

"خیر چھوڑیئے۔" حمید اکتا کر بولا۔ "ہمارا دوسرا قدم....!"

"حالات پر منحصر ہو گا۔" فریدی نے کہا اور سگار سلگا کر کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

شام تک فریدی کے گھر پر اچھا خاصا مجمع اکٹھا ہو گیا.... اس میں سرکاری اور غیر سرکاری قسم کے لوگ تھے۔ وہ فریدی کے استعفےٰ دینے کی معقول وجہ جاننا چاہتے تھے.... فریدی انہیں ٹا

چاہتا تھا۔ مگر بہتیرے لوگ جو اس سے بے تکلف تھے کسی طرح ٹلنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ آخر حمید کو بولنا پڑا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ فریدی صاحب کو اپنے سپرنٹنڈنٹ کا رویہ ناپسند تھا۔ وہ کسی قسم کی دھونس سہنے کے عادی نہیں۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ فریدی صاحب اس محکمہ میں محض شوق کی بناء پر آئے تھے۔ پہلے انہوں نے بہت چاہا کہ کسی طرح سپرنٹنڈنٹ صاحب سے مصالحت ہو جائے لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ آخر کار انہیں استعفیٰ ہی دینا پڑا.... اور میں نے کیوں استعفیٰ دیا یہ ایک دکھ بھری داستان ہے۔"

"کیوں تم نے کیوں استعفیٰ دیا۔" جگدیش نے پوچھا۔

"میں اب شادی کرنا چاہتا تھا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"تو اس سے استعفیٰ دینے سے کیا مطلب۔" جگدیش نے پوچھا۔

"میری منگیتر ملازمت کو بُرا سمجھتی ہے۔" حمید بولا۔ "وہ چاہتی ہے کہ میں دودھ کی تجارت کروں۔"

"تو کیا وہ دودھ والی ہے۔" ایک صاحب نے پوچھا۔

"جی نہیں میرے بچوں کو دودھ پلانے والی ہے۔"

اس پر قہقہہ پڑا.... اور حمید انگوٹھا چوسنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد یہ مجمع بھی برخواست ہو گیا۔

"اب کیا کرنا چاہئے۔" حمید نے کہا۔

"تم آخر اس طرح الجھ کیوں رہے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"کمال کیا آپ نے؟" حمید جھلا کر بولا۔ "الجھن کی بات ہی ہے۔"

"قطعی الجھن کی بات نہیں۔" فریدی نے کہا اور اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور فریدی کسی سے گفتگو کرنے لگا۔ تقریباً دس بجے رات تک تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد فریدی نامعلوم اشخاص کو فون کرتا رہا۔ حمید نے کچھ پوچھنا چاہا لیکن فریدی کے رویے نے اسے باز رکھا۔ وہ اس کی سرشت سے اچھی طرح واقف تھا۔ جب وہ کچھ بتانا چاہتا تو خود ہی اگل دیتا۔ ویسے لاکھ سر پٹخئے دیواریں قبول سکتیں تھیں لیکن فریدی

نہیں۔ وہ ساری رات حمید نے الجھنوں میں گذاری۔ بظاہر وہ سارا دن ہنستا رہا تھا لیکن اس کا ذہن جانے کتنی جھلاہٹوں کا شکار تھا۔ سراغ رسانی کا یہ طریقہ کم از کم اُس کے لئے بالکل نیا تھا۔ بھلا میں استعفیٰ دینے کی کیا ضرورت تھی۔

دوسرے دن وہ دن بھر گھر ہی پر رہا اور فریدی نہ جانے کہاں کہاں مارا مارا پھرا۔ گھر آکر اس نے کوئی معقول بات نہیں کی۔ حمید کے کسی سوال کا کوئی تشفی بخش جواب نہیں دیا۔ معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ خود بھی کسی شدید قسم کے ذہنی اضطراب میں مبتلا ہو اور بعض اوقات محسوس ہوتا کہ وہ بالکل خالی الذہن ہے.... دو دن اسی طرح گزر گئے۔ اس دوران میں اگر ملنے کے لئے آجاتا تو اس سے کہلوا دیتا کہ فریدی گھر پر موجود نہیں ہے۔ حمید سب کچھ دیکھ رہا اور الجھ رہا تھا۔ فریدی کا موڈ اتنا خراب تھا کہ کچھ پوچھنے کی ہمت ہی نہیں پڑتی تھی۔ آخر حمید تقدیر پر ہو کر بیٹھ رہا اور اس کے علاوہ چارہ ہی کیا تھا۔

چرمی ہینڈ بیگ

اچانک ایک رات فریدی نے سامان اکٹھا کرنا شروع کیا۔ چار پانچ بڑے بڑے سوٹ کیس میں کپڑے رکھے گئے۔ اس میں حمید کے بھی کپڑے شامل تھے۔ نئے نئے ہولڈال نکالے گئے۔ کے علاوہ اور بھی بہتیرا قیمتی سامان اُس پر رکھا گیا اور گاڑی چلی گئی۔ حمید نے کچھ پوچھنا چاہا لیکن جواب ندارد۔

تقریباً ایک بجے رات کو کسی نے حمید کو جگایا اور حمید اتنی رات گئے اپنے کمرے میں ایک غیر ملکی اجنبی کو دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔

"ڈرو نہیں میں پروفیسر لاسلکی ہوں۔" اس نے کہا اور حمید اس کی آواز پہچان گیا۔

"اُف میں کیا کروں۔" حمید اپنے زانو پر ہاتھ مار کر بولا۔

"جلدی کرو! تمہارے میک اپ میں بھی تقریباً ایک گھنٹہ لگے گا۔"

"مگر.... پھر کیا ہوگا؟"

"تمہارا سر!" فریدی جھلا کر بولا۔ "تم پروفیسر لاسلکی کے اسسٹنٹ بنو گے۔"

"اور اس کے بعد۔"

"تمہاری پوجا کی جائے گی۔ آرتی اتاری جائے گی۔ پھول چڑھائے جائیں گے۔ فریدی دانت بھینچ کر بولا۔ حمید ناک بھوں سکیڑ کر اٹھا۔

اور تھوڑی دیر بعد اس کے منہ سے ہلکی ہلکی چیخیں نکلنے لگیں۔ فریدی اس کے رخساروں کو اسی طرح کھرچ رہا تھا۔

"عجیب نکمے آدمی ہو۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "میں ذرا خوبصورت قسم کا میک اپ کرنا چاہتا ہوں اور تم مرے جا رہے ہو۔ تمہیں شائد نہیں معلوم کہ میرے گالوں سے تقریباً ایک مٹانک خون نکل چکا ہے۔"

حمید خاموش ہو گیا اور جب وہ آئینے کے سامنے گیا تو اپنی صورت دیکھ کر جھجک پڑا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر کا انگریز معلوم ہو رہا تھا۔

"لیکن تم انگریز نہیں ہو۔" فریدی نے کہا۔

"جنوبی امریکہ کے باشندے ہو.... ریوڈی جینرو کے رہنے والے۔"

"نہیں میں ریوڈی ڈان کیچاٹ کیہاٹ کا رہنے والا ہوں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "اور آپ پروفیسر ہیر الڈ لاسکی۔"

"ایسی حماقت نہ کرنا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "رابرٹ لاسکی۔"

"اور حضور کا پیشہ۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"ایک ایسا ریڈیو سٹ ایجاد کرنے کا چکر جس میں مریخ کے باشندوں کی آوازیں سنی جا سکیں۔" فریدی بولا۔

"کن بلنگر....!"

"حضور کوئی سیدھا سا.... میں خود یہ نام بھول جاؤں گا۔"

"مسکارنس....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"زبان کونسی بولنی پڑے گی۔"

"انگریزی....!"

"لہجہ کہاں سے لاؤں گا۔"

"ہکلا کر بولنا۔" فریدی نے کہا۔ "اور پھر تمہیں زیادہ بولنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔"

"لیکن ایک دوسری دشواری۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"کیا....!"

"میں سوتے وقت اردو میں بڑبڑانے کا عادی ہوں۔"

"اور میں ایسے موقعوں پر تمہارا گلا گھونٹ دینے کے امکانات پر غور کرنے لگتا ہوں۔" فریدی جھلا کر بولا۔

"چلنا کہاں ہوگا۔"

"جہنم میں۔" فریدی نے کہا۔

"خیر چلئے دروازے تک آپ کو پہنچا کر لوٹ آؤں گا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہمارا جہاز....! صبح آٹھ بجے روانہ ہو جائے گا۔" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔

"جہاز....!" حمید اچھل کر بولا۔

"ہاں ہم مصر جا رہے ہیں۔"

"اور آپ نے اب بتایا ہے۔" حمید جھلا کر بولا۔

"کیوں کیا شہر بھر سے گلے مل کر رخصت ہونے کا ارادہ تھا۔" فریدی طنزیہ انداز میں بولا۔

"مگر یہ بھی.... کوئی....!"

"بکو مت....!"

"میں یہ کہہ رہا تھا کہ پاسپورٹ وغیرہ۔"

"اس کا میں انتظام کر چکا ہوں۔"

"کہاں سے انتظام کر لیا ہے.... پاسپورٹ پر تصویریں بھی تو لگائی جاتی ہیں۔"

"کیا یہ مکلارنس کی تصویر نہیں ہے۔" فریدی نے جیب سے ایک تصویر نکال کر میز پر ڈال دی۔

حمید نے تصویر اٹھالی اور آئینے کے قریب جا کر اُس سے اپنے خدوخال کا موازنہ کرنے لگا۔

"آپ بھی بس معجزے دکھایا کرتے ہیں۔" حمید نے پلٹ کر کہا.... لیکن فریدی کمرے میں نہیں تھا۔

حمید ایک کرسی پر بیٹھ کر پائپ سلگانے لگا۔

اتنے میں فریدی اندر آیا۔

"سنو! ہمارے مکان کی نگرانی ہو رہی ہے۔" فریدی بولا۔

"لیکن کس کی طرف سے۔"

"یہ میں نہیں جانتا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ممکن ہے کوئی سرکاری جاسوس ہو۔"

"سرکاری جاسوس....!" حمید نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں.... ہمارے سپرنٹنڈنٹ سے کچھ بعید نہیں۔" فریدی بولا۔ "اتنا احمق آدمی میں نے آج تک نہیں دیکھا۔"

"تو پھر اب کیا کیجئے گا۔"

"میں نے ابھی پھاٹک کے سامنے ایک آدمی دیکھا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں نہ ہم کسی کتے کو اس کے پیچھے لگا دیں۔" حمید نے کہا۔

"میں یہ نہیں چاہتا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "سپرنٹنڈنٹ کی یہ حرکت ہمارے حق میں بُری نہیں اور پھر ممکن ہے کہ وہ مجرموں ہی کا آدمی ہو۔"

"پھر کس طرح باہر چلئے گا۔" حمید بولا۔

"بتاتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "میں نے نوکروں کو ہدایت کر دی ہے کہ وہ ہماری عدم موجودگی میں ہمارے متعلق کسی کو کوئی تشفی بخش جواب نہ دیں۔"

"اس سے فائدہ۔"

"اس سے یہ فائدہ ہے کہ مجرم ہمارے متعلق کسی خاص سمت میں گھوڑے نہ دوڑا سکیں گے۔" فریدی نے کہا۔ "اچھا آؤ جلدی کرو۔ ہم باغ کے پشت والی بدرو کے ذریعے باہر نکلیں گے۔"

"لاحول ولا قوۃ۔ یہ مجھ سے نہ ہوگا۔"

"ہوگا کیسے نہیں۔" فریدی نے حمید کی گردن پکڑ کر کہا۔

"تھوڑی دیر بعد دونوں باغ کی دیوار کی ڈیڑھ فٹ اونچی بدرو سے باہر نکل رہے تھے۔ جیسے ہی فریدی نے باہر سر نکالا ایک سایہ سامنے سے ہٹ کر دیوار کی آڑ میں ہو گیا۔

"میں پہچان گیا....!" فریدی نے باہر نکل کر کہا۔ "چھپنے کی ضرورت نہیں۔"

حمید بھی باہر نکل آیا.... فریدی ایک آدمی کے پیچھے دوڑ رہا تھا.... حمید نے ریوالور نکال

لیا۔ چند لمحوں میں فریدی نے اسے جالیا۔

"انور تم اتنے چالاک نہیں ہو کہ مجھے دھوکا دے سکو۔" فریدی نے بھاگنے والے کو روک کر

"آپ نے اندھیرے میں مجھے کیسے پہچان لیا۔" انور بولا۔

"پہچان لیا کسی طرح۔" فریدی نے کہا۔ "پھاٹک کی طرف کون ہے۔"

"کوئی ہے.... میں نہیں جانتا۔ میں سمجھتا تھا کہ اس کی موجودگی میں آپ یہی راستہ اختیار کریں گے۔" انور نے کہا۔

"خیر یاد رکھو کہ اس کے متعلق اگر تمہارے اخبار میں ایک لفظ بھی چھپا تو اچھا نہ ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

"یہ میں اخبار کے لئے نہیں بلکہ اپنی معلومات کے لئے کر رہا ہوں۔" انور نے کہا۔

خیر.... مگر مجھ سے یہ مت پوچھنا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔" فریدی بولا۔

"میں جانتا ہوں۔" انور نے کہا۔

"جو کچھ بھی جانتے ہو اپنے ہی تک محدود رکھنا۔" فریدی نے کہا۔

"اور اگر ہو سکے تو میری عدم موجودگی میں اپنے اخبار کے ذریعہ مجرموں کو غلط راستے لگانے کی کوشش کرنا۔"

"اور اس کی قیمت....!"

"واپسی پر ادا کروں گا۔" فریدی نے کہا۔

"بہت اچھا.... گڈ نائٹ۔" انور نے فلٹ ہیٹ کا گوشہ چہرے پر جھکایا اور تھوڑی دور جا اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

"کہیں یہ کمبخت گڑبڑ نہ کرے۔" حمید نے کہا۔

"نہیں میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتا۔" فریدی نے کہا اور چلنے لگا۔

چاروں طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ سردی ہڈیوں میں گھستی محسوس ہو رہی تھی۔ دونوں نے اوور کوٹ کے کالر کھڑے کر لئے، فلٹ ہیٹوں کے گوشے چہروں پر جھکا لئے۔ سنسان سڑک پر اُن کے قدموں کی آواز دور تک پھیلتی معلوم ہو رہی تھی۔ دونوں اس وقت بندرگاہ پر پہنچے۔ جہاز کی روانگی میں صرف پندرہ منٹ رہ گئے تھے۔ انہیں اپنے کیبن تلاش کرنے میں زیادہ دقت

ہوئی۔ سامان پہلے ہی پہنچ چکا تھا۔ بہر حال حمید کی اچھی خاصی شامت تھی۔ اُسے یہ بات ہر وقت ذہن میں رکھنی پڑتی تھی کہ وہ جنوبی امریکہ کا باشندہ ہے اور اس کی مادری زبان انگریزی ہے۔ دوران سفر فریدی اپنا زیادہ تر وقت عرشے پر یا ریسٹوران میں گذارتا تھا۔ اکثر وہ خیالی شراب پی کر بے تکی حرکتیں بھی کر بیٹھتا تھا۔ اس نے یہاں کئی دوست پیدا کر لئے تھے جن میں زیادہ تر عورتیں تھیں۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ وہ ایک بوڑھے انگریز تاجر کی طرف زیادہ جھک رہا ہے۔ اکثر رات کو وہ اس کے کیبن میں جھانکا بھی کرتا تھا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ کافی رات گئے تک اس سے گپ لڑاتا رہتا۔ وہ بوڑھا بھی بڑا دلچسپ خصوصاً نشے کی حالت میں تو وہ بجائے خود ایک اچھا خاصا مضحکہ بن کر رہ جاتا۔ لڑکیاں اُس میں کافی دلچسپی لیتی تھیں۔

اُس بوڑھے کے کیبن سے ملا ہوا ایک دوسرا کیبن تھا جس میں ایک ادھیڑ عمر کا سنجیدہ انگریز تھا۔ وہ ریسٹوران میں بہت کم بیٹھتا تھا۔ اکثر عرشے پر ہی دکھائی دیتا تھا۔ لیکن کسی کے ساتھ نہیں یا تو وہ سمندر کی لہروں پر اڑتے ہوئے سفید سفید جھاگ کی طرف تاکتا رہتا تھا یا پھر اس کے ہاتھ میں کوئی کتاب ہوتی تھی۔ دو ایک بار فریدی کو اُس سے گفتگو کرنے کا اتفاق ہوا تھا لیکن وہ موسم کی کیفیت سے آگے نہیں بڑھی تھی.... حمید اسے مشکوک نظروں سے دیکھتا تھا۔ سب سے زیادہ الجھن کا باعث اس کا چرمی ہینڈ بیگ تھا۔ جسے وہ ہر وقت بغل میں دبائے رہتا تھا اور حمید کو اس کی آنکھوں کی نرماہٹ کے پیچھے چھپی ہوئی درندگی صاف نظر آنے لگتی تھی۔ ایک دن حمید نے فریدی سے اس کے متعلق پوچھا کہ وہ کون ہے۔

"کولمبیا یونیورسٹی کا ایک پروفیسر....!" فریدی نے جواب دیا اور پھر تھوڑی دیر بعد پوچھا۔ "تم نے خصوصیت سے اسی کے متعلق کیوں پوچھا.... اور غالباً اب تم مجھ سے اس کے چرمی ہینڈ بیگ کے متعلق پوچھو گے۔"

حمید حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"جو چیز تمہیں شبہے میں ڈال سکتی ہے۔ وہی مجھے بھی۔" فریدی نے سگار کا کش لے کر دھواں چھوڑتے ہوئے کہا۔

"تو پھر آپ اس بوڑھے انگریز میں کیوں دلچسپی لے رہے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"محض تمہارے لئے۔"

"میرے لئے کیوں۔"

"بات یہ ہے کہ اس میں کچھ نوجوان لڑکیاں بھی دلچسپی لیتی ہیں۔"

"ٹھیک فرمایا آپ نے۔" حمید جل کر بولا۔ "آپ مجھے اس قابل رہنے ہی کب دیتے کبھی گونگا بنادیا اور کبھی ہکلا۔"

فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"تمہارے لئے یہی بہتر ہوتا ہے۔ ورنہ تم سارا بھانڈا پھوڑ دو۔" اس نے کہا۔ اسی فریدی حمید اور وہ بوڑھا انگریز ریسٹوران میں بیٹھے برج کھیل رہے تھے۔ کولمبیا یونیورسٹی کا قریب ہی کی ایک میز پر بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ اُس کے سامنے ایک کاغذ پڑا تھا۔ جسے وہ تھوڑے وقفے کے بعد ہاتھ میں اٹھا کر دیکھنے لگتا تھا۔

"مسٹر مارٹن....!" وہ بوڑھے انگریز کو مخاطب کر کے بولا۔ "ایک دلچسپ خبر۔ کیوں پروفیسر....!"

فریدی سر ہلانے لگا۔

"اگر تمہارے ریڈیو سیٹ میں کچھ عجیب و غریب اشارے پیدا ہونے لگیں تو تم اُسے گے۔" کولمبیا یونیورسٹی کے پروفیسر نے کہا۔

"ہمبگ....!" بوڑھے نے پتہ پھینک کر فریدی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوہ....!" فریدی چونک کر بولا۔ "ریڈیو سیٹ پر عجیب و غریب اشارے.... کیا مطلب

"میرے ایک دوست نے اطلاع دی ہے۔" کولمبیا والے پروفیسر نے کہا اور رک سوچنے لگا۔

فریدی بے چینی سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کچھ کہو بھی پروفیسر.... تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔" فریدی مضطربانہ انداز میں

"کیا تمہیں اس قسم کی چیزوں سے دلچسپی ہے۔" اُس نے پوچھا۔

"پروفیسر فضول وقت مت برباد کرو۔" بوڑھا جھلا کر بولا۔ "یہ خود بھی ایک نئے قسم کا ایجاد کرنے کی فکر میں ہے۔"

"اوہ.... اچھا.... تو تم اس کے متعلق زیادہ بہتر بتا سکو گے۔"

پروفیسر نے کہا۔ "سنو.... میرا ایک دوست ریڈیو میں کچھ نئے تجربے کر رہا ہے۔ اچانک کل اسے اپنی بنائی ہوئی مشین پر کچھ عجیب قسم کے اشارے موصول ہوئے ہیں۔ اس کا خیال ہے کہ وہ اشارے مریخ سے آرہے ہیں۔"

"اوہ سچ....!" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "میں سمجھا تھا شائد کوئی خاص بات ہو گی۔"

"خاص بات....!" پروفیسر نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "یہ کوئی خاص بات ہی نہیں۔"

"بالکل نہیں....!" فریدی نے پتہ پھینکتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔ "کوئی تمہارے دوست کو بیوقوف بنا رہا ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"ارے جناب۔" فریدی نے میز پر پتے رکھ دیئے اور پروفیسر کی طرف مڑ کر بولا۔ "میں نے اپنی عمر جھک مارنے میں نہیں گذاری۔"

"میں یہ نہیں کہہ رہا۔" پروفیسر مسکرا کر بولا۔

"کیا آپ کا دوست کسی اونچی جگہ رہتا ہے۔"

"ہاں وہ میکسیکو میں رہتا ہے۔"

"نہیں تو وہ کسی کی منتشر کی ہوئی ریڈیائی لہروں سے بیوقوف بن رہا ہے۔"

"لیکن اس کے بیان کے مطابق وہ لہریں اوپر کی ہیں۔"

"یقیناً اوپر کی ہوں گی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اسے مطلع کر دو کہ ابھی نئے تجربوں کے چکر میں نہ پڑے۔ وہ ابھی شائد کچھ نہیں جانتا.... اس کی قیام گاہ سے تیس یا چالیس میل کی دوری پر اگر کوئی ناقابل انتشار اور مجوزہ سمت میں چلنے والی شعاعیں اوپر کی طرف پھینکے تو وہ اُس کے سیٹ پر پچھتر ڈگری کے زاویئے سے گر سکتی ہیں اور وہ یہ سمجھ سکتا ہے کہ اسے اوپر سے کوئی اشارہ موصول ہوا ہے۔ مریخ والے اتنے چغد نہیں کہ اناڑیوں کو اشارے کیا کریں۔"

"اوہ....!" پروفیسر مسکرا کر بولا۔ "میں اس سائنس سے ناواقف ہوں.... کیا تم میرے لئے اپنی دلیل لکھ سکتے ہو۔"

"لکھو.... میں بولتا ہوں۔" فریدی نے پتے سمیٹتے ہوئے کہا۔

"اوہ.... قلم.... میں اپنا قلم بھول آیا ہوں۔"

"خیر کوئی بات نہیں۔ لو قلم یہ رہا۔" فریدی نے اپنا فاؤنٹین پن اس کی طرف بڑھادیا۔

اس نے قلم لے کر اپنا چرمی ہینڈ بیگ کھولا اور اس میں سے کاغذ نکالنے لگا۔ فریدی گہری نگاہ سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اس نے ایک گہری سانس لی اور پتہ پھینک کر بوڑھے مارٹن کی طرف دیکھنے لگا۔

فریدی بولتا رہا اور کولمبیا یونیورسٹی کا پروفیسر لکھتا رہا۔

"شکریہ۔" اس نے فریدی کا قلم واپس کیا۔

"کوئی بات نہیں۔" فریدی نے کہا اور کھیل میں مشغول ہو گیا۔

حمید حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تم دیکھتے کیا ہو۔" فریدی نے کہا۔ "دماغ ٹھنڈا رکھ کر کھیلو.... کیا وہسکی نے تمہاری ہی چوپٹ کر دی ہے۔"

"کک.... کیم.... کاف.... کاف....!" حمید ہکلایا۔

"شٹ اپ....!" فریدی چیخ کر بولا۔ "چمگادڑ کی طرح.... چمگادڑ کہیں کے۔"

حمید خاموش ہو گیا.... اُس کے چہرے پر بے بسی چھا گئی۔

"بوائے....!" بوڑھا مارٹن چیخا۔ "رم لاؤ رم....!"

"میں رم نہیں پیتا۔" فریدی ہونٹ سیکڑ کر بولا۔

"تو پھر کیا پیو گے۔"

"گدھی کا دودھ۔" فریدی نے جھلا کر کہا اور پتے میز پر پٹخ دیئے۔

"کیوں کیا اب نہیں کھیلو گے۔"

"نہیں....!"

"سونا چاہتے ہو۔"

"نہیں۔"

"پھر کیا چاہتے ہو۔"

"ننھی منی پریاں.... ساز کی لہروں پر لچکتی ہوئی رنگین مچھلیاں۔" فریدی اس کے چہرے کے سامنے انگلی نچا کر بولا۔

"اب چڑھ رہی ہے۔" بوڑھا مارٹن قہقہہ لگا کر بولا۔

"سنو یار!" فریدی میز پر جھک کر آہستہ سے بولا۔ "کیا نام ہے اس کا.... نیلی فراک والی کا.... کورنیا....!"

"اوہ کورنیا.... کتنا حسین نام ہے.... کورنیا۔"

"کیوں؟ کیا بات ہے۔" مارٹن نے آنکھ مار کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں.... کچھ نہیں.... ابھی تک تمہاری رم نہیں آئی.... میں مارٹینی پیوں گا۔"

بڑی رات گئے تک وہ تینوں ریسٹوران میں بیٹھے خوش گپیاں کرتے رہے۔ کولمبیا یونیورسٹی کا پروفیسر جا چکا تھا.... تھوڑی دیر بعد فریدی اور حمید بھی اپنے کیبنوں کی طرف لوٹے۔

راستے میں حمید نے کچھ بولنا چاہا۔ فریدی نے اُسے چپ کرا دیا۔

"خاموش رہو۔ کل بات کریں گے پروفیسر میرا امتحان لے رہا تھا۔ اُسے ہم پر شبہ ہو گیا ہے۔ وہ کم از کم آج رات بھر میرے پیچھے لگا رہے گا اور خدارا تم رات بھر سونا نہیں.... اگر کہیں دوران میں بڑبڑانے لگے تو سب چوپٹ ہو جائے گا۔"

حمید ساری رات جاگتا رہا۔

دوسرے دن صبح ناشتے کے بعد وہ دونوں عرشے پر نکل آئے.... یہاں کچھ عجیب ہیجان برپا تھا۔ ایک کشتی کھو گئی تھی جس کی تلاش جاری تھی اور تھوڑی دیر بعد یہ اطلاع ملی کہ کولمبیا یونیورسٹی والا پروفیسر بھی غائب ہے۔

"وہ اپنا چرمی ہینڈ بیگ ضرور ساتھ لے گیا ہو گا۔" فریدی نے کہا۔

"کیا مطلب....!" حمید نے چونک کر کہا۔ "کیا وہ سچ مچ فرار ہو گیا۔"

"معلوم تو یہی ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور اب مجھے اپنی کامیابی کا یقین ہو گیا ہے.... افسوس وہ نکل گیا۔"

"صاف صاف کہئے۔" حمید الجھ کر بولا۔

"اس کا چرمی بیگ میرے پاس ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ہوگا....!" حمید نے غصہ سے کہا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"اچھا.... اچھا شائد تم پوری داستان سننا چاہتے ہو۔" فریدی نے کہا۔

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔

"کل جب وہ اپنے ہینڈ بیگ سے کاغذ نکال رہا تھا تو میں نے اس میں ایک تہہ کیا ہو
رومال دیکھا تھا اور ایک رومال میز پر پڑا تھا جس سے وہ اپنا منہ پوچھتا تھا.... کیا سمجھے.... را
بار بار میرے کیبن میں جھانک رہا تھا۔ غالباً تمہاری طرف بھی گیا ہوگا۔ تم شاید جاگ
تھے.... ہاں تو مجھے اُسی وقت سے فکر ہوگئی تھی کہ کسی طرح اس کا چرمی ہینڈ بیگ اڑادو
میں نے ایک بار محسوس کیا کہ وہ میرے کیبن میں کنجی کے سوراخ سے جھانک رہا ہے۔ میں
بن گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں بھی کیبن سے نکلا اور غسل خانے کی طرف چلا گیا.... واپسی میں
نے اُسے پھر اپنے کیبن کے پاس دیکھا۔ لیکن میں نے جان بوجھ کر سیٹی بجانی شروع کردی
کی آواز سن کر وہ چھپ گیا۔ میں کیبن میں لوٹ آیا۔ پھر مجھے ایک تدبیر سوجھ گئی.... میں
ایک موم بتی نکالی اور اُس طرف چلا گیا.... وہ خالی پیپیاں رکھے ہیں.... ان پیپوں کے
جاکر میں نے موم بتی روشن کی۔ وہ میرے پیچھے لگا ہوا تھا.... میری اس حرکت پر اُس کا اش
ضرور بڑھ گیا ہوگا۔ موم بتی میں نے وہیں رکھ دی.... اور پیپوں کی آڑ لیتا ہوا دوسری طر
نکل گیا.... میں نے دیکھا کہ وہ پیپوں کے انبار سے لگا بیٹھا دوسری طرف جھانکنے کی کو
کررہا ہے۔ اس کی پیٹھ میری طرف تھی۔ میں وہاں سے سیدھا اس کے کیبن میں پہنچا اور اس
بیگ اڑالیا.... اور پھر اسے سلیپنگ گاؤن کے نیچے چھپائے ہوئے پھر پیپوں کی طرف لوٹا۔
ابھی تک اُسی حالت میں بیٹھا پیپوں کے پیچھے کا حال معلوم کرنے کی کوشش کررہا تھا.... میں
موم بتی بجھائی اور پیپوں کی آڑ سے نکل آیا.... اپنے کیبن میں آکر میں نے ایک کتاب اٹھا
پھر میں بھی رات بھر جاگتا رہا۔

"تو وہ رومال آپ کو مل گیا۔" حمید نے جلدی سے پوچھا۔ "کیسا ہے۔"

"معمولی جیسے سب ہوتے ہیں۔ ایک کونے پر حسینہ کا نام کڑھا ہوا ہے۔"

"لیکن وہ بھاگ کیوں گیا۔" حمید نے پوچھا۔

حیرت انگیز انکشاف

"اس کے چرمی بیگ میں اُس کی ڈائری بھی تھی۔" فریدی نے کہا۔ "اس ڈائری سے اس کی
نیت کا راز افشاء ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کا راز تو مجھے پہلے ہی سے معلوم تھا۔"

"وہ کون تھا۔" حمید نے بے ساختہ پوچھا۔

"سر بتھال....!" فریدی نے مسکرا کر کہا.... حمید اچھل پڑا۔

"کیوں مذاق کرتے ہیں۔" وہ ہنس کر بولا۔ "اس کی تو لاش....!"

"ہاں ہاں اس کی لاش ملی تھی۔" فریدی نے کہا۔ "اور وہ لاش اس کی نہیں بلکہ جبار کی تھی۔
سر بتھال بھلا اُسے کیوں زندہ چھوڑتا۔"

"جبار بھلا سر بتھال کیسے ہو سکتا ہے۔"

"جیسے میں پروفیسر رابرٹ لاسلکی ہو سکتا ہوں.... جیسے تم مکلارنس ہو سکتے ہو....
سر بتھال جیسے فضیل ہو سکتا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کیا ایک لاش کا میک اپ نہیں کیا
جاسکتا.... میں نے لاش کو ڈی۔ آئی۔ جی کے سامنے دیکھا تھا اور اسے یہ بھی نکتہ سمجھا دیا تھا۔ کیا
تمہیں یاد نہیں کہ لاش والے کمرے میں ڈی۔ آئی۔ جی اور میں تنہا تھے۔ اس وقت صحیح معنوں میں
اس کیس کی اہمیت سے آگاہ ہوا تھا اور پھر میں نے وہ پلاٹ بنایا جس سے سر بتھال آسانی سے دھوکا
کھا گیا۔ بہرحال کہنے کا یہ مطلب کہ میری اور تمہاری ملازمت بدستور برقرار ہے.... البتہ
بیچارے سپرنٹنڈنٹ کو اس راز کے ظاہر ہوتے ہی بڑی کوفت ہوگی۔"

"تو آپ نے یہ مجھے پہلے ہی کیوں نہیں بتادیا تھا۔" حمید نے کہا۔

"محض احتیاط کی خاطر۔"

"تو کیا آپ مجھ پر اعتبار نہیں کرتے۔"

"یہ بات نہیں پیارے۔ تم اکثر نادانستگی میں غلطیاں کر جاتے ہو۔ مثلاً کل ہی کو جب میں
اُسے ریڈیو والا مسئلہ سمجھا رہا تھا تو تم احمقوں کی طرح میری طرف تاک رہے تھے۔"

حمید خاموش ہو گیا۔

"سر بتھال کی ڈائری سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی اس رومال کی اہمیت سے واقف ہے.... اور وہ کسی کے لئے کام کر رہا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"بہر حال ہمیں ہوشیار رہنا چاہئے۔" حمید نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ اس جہاز پر نہیں تھا۔ کیونکہ چلتے جہاز سے کشتی اتارنا اور پھر اس میں بیٹھ کر نکل جانا کسی اکیلے آدمی کے روگ نہیں۔"

"تمہارا خیال درست ہے۔" فریدی نے کہا۔ "بلکہ مجھے تو اسی میں شبہہ ہے کہ وہ جہاز گیا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے۔" حمید نے کہا "اور پھر ایسی صورت میں جب کہ وہ بھیس بدلنے مہارت رکھتا ہے۔ اسی قسم کی توقع رکھنی چاہئے۔"

"بہر حال ہمیں اب اور زیادہ محتاط رہنا پڑے گا۔" فریدی نے کہا۔

"میں نے کل رات ہی کو ویسا ایک دوسرا رومال تیار کر لیا ہے اور وہ اس وقت اس میں موجود ہے اور ہینڈ بیگ کیبن میں ہے.... اور ہم کسی نئی واردات کے منتظر۔"

"کیا مطلب....!" حمید چونک کر بولا۔

"کچھ نہیں۔ فی الحال کچھ کہا نہیں جا سکتا۔" اور پھر دونوں ریستوران کی طرف گئے۔

جہاز سمندر کا متلاطم سینہ چیرتا ہچکولے لیتا اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھتا جا رہا تھا۔ کی کرنیں چاروں طرف پھیلی ہوئی لہروں پر چمکدار جال بن رہی تھیں۔ سر پر نیلا آسمان حد نظر تک پھیلا ہوا پانی.... حمید منظر کی یکسانیت سے اکتا گیا تھا۔ اس دوران میں دو ایک کی طبیعت بھی خراب ہو گئی تھی۔ لیکن فریدی کی احتیاطی تدابیر نے بیماری کو آگے نہ دیا.... ابھی دو دن کا سفر اور باقی تھا.... حمید کو سر بتھال کے اچانک غائب ہو جانے سے الجھ ہو گئی تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہ جہاز ہی پر موجود ہے اور الجھن کی وجہ بھی یہی تھی۔ کہیں وقت حملہ نہ کر بیٹھے.... اس وقت بھی وہ ریستوران میں بیٹھا اسی کے متعلق سوچ رہا برخلاف اس کے فریدی کے رویے سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ وہ اس بوڑھے مارٹن کو چھیڑ چھیڑ کر خود بھی قہقہے لگا رہا تھا.... دو تین لڑکیاں بھی موجود تھیں۔ حمید اس وقت لڑکیوں میں دلچسپی لینے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"کیوں کہ....!" فریدی حمید کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ "تم اس وقت کچھ اداس نظر رہے ہو۔"

"مم.... مم.... مف.... مفم....!" حمید ہکلایا۔

"شٹ اپ....!" فریدی زور سے چیخا.... پھر قہقہہ مار کر ہنسنے لگا.... لڑکیوں نے بھی اس کا ساتھ دیا اور حمید خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

"بیچارا ہکلا مک....!" ایک لڑکی اس کے چہرے کے قریب انگلی نچا کر بولی۔ حمید پہلے تو لایا، لیکن پھر مسکرا کر اُسے آنکھ مار دی۔

"کچھ بھی ہو۔ یہ محبت کرنا جانتا ہے۔" فریدی حمید کی پیٹھ ٹھونکتا ہوا بولا۔

"اس سے تو کوئی پاگل اور کنکھنی لڑکی ہی محبت کر سکتی ہے۔" ایک لڑکی نے کہا۔

حمید خاموش رہا.... فریدی لڑکیوں کے مذاق میں دل کھول کر حصہ لے رہا تھا۔ کچھ دیر بعد بد کو اس پر غصہ آنے لگا۔ آخر کوئی حد بھی ہے لاپروائی کی.... یہ جانتے ہوئے بھی کہ بتھال یہیں کہیں قریب ہی موجود ہے وہ کوئی احتیاطی تدبیر نہیں کر رہا۔ معلوم نہیں اُس کا اگلا م کیا ہوگا۔ ممکن ہے چھپ کر کسی وقت حملہ کر بیٹھے۔

آخر کار فریدی اٹھا.... اور دونوں اپنے کیبنوں کی طرف آئے.... اور دوسرے لمحے میں یدی بُری طرح گرج رہا تھا.... کیبن میں سوٹ کیس کھلے پڑے تھے۔ بستر کی تہیں الٹ پلٹ لی گئی تھیں بہر حال سارا سامان بے ترتیبی سے بکھرا پڑا تھا۔ فریدی نے چیخ چیخ کر سارا کیبن سر پر مالیا۔ اِدھر اُدھر کے مسافر اکٹھا ہو گئے۔

"یہ دیکھو....!" ذرا یہ بد انتظامی دیکھو۔ جہازوں پر بھی چور گھسنے لگے۔" فریدی مجمع کی رف مخاطب ہو کر چیخا۔ "میں ریستوران میں تھا.... اور یہاں کوئی گھس آیا۔"

اور پھر وہ چیختا ہوا کپتان کے کیبن کی طرف چلا گیا۔ مجمع اس کے پیچھے تھا۔

"آخر یہ کیا مذاق ہے۔" وہ کپتان کو مخاطب کر کے چیخا۔

"کیا بات ہے۔"

"میرے کیبن میں چور گھسا تھا۔"

"چور....!" کپتان چونک کر بولا۔ "کیا مطلب۔"

"آپ چور کا مطلب نہیں جانتے۔" فریدی مجمع کو مخاطب کر کے طنزیہ انداز میں بولا۔

اور تھوڑی دیر بعد کپتان فریدی کے کیبن میں اس کا بیان قلمبند کر رہا تھا.... کئی اور بھی کیبن میں موجود تھے۔

"میں کل رات کو عرشے کے ویران حصے میں بیٹھا تھا۔" فریدی کہنے لگا۔ "اس جہاں خالی پیپوں کے ڈھیر ہیں۔ میں وہاں تقریباً آدھ گھنٹے تک رہا.... جب وہاں سے واپس یہاں میں نے ایک چرمی ہینڈ بیگ دیکھا جو میرا نہیں تھا۔ کچھ تو نشے کی جھونک اور کچھ نیند میں میں نے اس کی طرف کوئی دھیان نہ دیا اور سو گیا.... صبح میں نے خیال کیا کہ اسے آپ کے حوالے کر دوں گا لیکن بھول گیا.... اچانک ریستوران میں مجھے یاد آیا کہ اُس ہینڈ بیگ کو آفس میں دے دوں.... اور جیسے ہی میں کیبن میں آیا تو یہ حالت دیکھی.... وہ ہینڈ بیگ غائب ہے۔ صبح بھی میں نے اسے دیکھا تھا۔"

"اُس بیگ میں کیا تھا۔" کیپٹن نے پوچھا۔

"مجھے اچھی طرح یاد نہیں۔ لیکن اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اسمیں کوئی قابل ذکر چیز نہیں تھی۔"

"عجیب معاملہ ہے۔" کپتان نے کہا.... اس کی آنکھوں سے بے اعتنائی ظاہر ہو رہی تھی۔

"آج نہ جانے کتنی حیرت انگیز باتوں کا سامنا کرنا پڑے گا.... کوئی بہت ہی پُر اسرار.... ہاں یہ تو بتایئے کہ آپ رات کو وہاں پیپوں کے پیچھے کیا کرنے گئے تھے۔"

"اپنے بنائے ریڈیو سیٹ پر مریخ کے باشندوں کے پیغامات سننے کی کوشش کر رہا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"ایک اور حیرت انگیز انکشاف۔" کپتان نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اوہ تو شاید تم مذاق سمجھتے ہو۔" فریدی غصے سے بولا۔ "مسکارنس کہاں ہو، اوہ یہ کہاں مر گیا۔ ٹھہرو میں دکھاتا ہوں تمہیں....!"

"فریدی نے ایک سوٹ کیس کھول کر ایک عجیب قسم کی مشین نکالی جس میں بے شمار شیشے کی نلکیاں لگی ہوئی تھیں.... اور پھر اُسے ایک بیٹری سے منسلک کر دیا.... دو ایک اِدھر اُدھر کئے.... مشین میں پہلے تو گھر گھراہٹ پیدا ہوئی.... پھر "چوں چوں.... چوں چوں...." کی آوازیں آنے لگیں۔ لیکن یہ آوازیں کسی جاندار شے کی تھیں.... کپتان

دوسرے لوگ حیرت سے کبھی مشین کی طرف دیکھتے تھے اور کبھی فریدی کی طرف۔

"دیکھا کپتان۔" فریدی فخریہ انداز میں بولا۔ "کسی دن یہ "چوں چوں" ایک صاف سنائی دینے والے پیغام میں تبدیل ہو جائے گی۔"

فریدی نے بیٹری کا تار الگ کر دیا اور آواز آنی بند ہو گئی۔

"بہت اچھے پروفیسر لاسکی۔" بوڑھا مارٹن پرجوش آواز میں چیخا۔

کپتان کچھ متاثر ہوتا نظر آنے لگا۔ فریدی اُسے قہر آلود نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

"کوئی چیز چوری ہو گئی۔" کپتان نے پوچھا۔ اس کے لہجے میں ندامت تھی۔

"یہی تو حیرت انگیز بات ہے۔" فریدی بولا۔ "عجیب بدتمیز چور ہے۔ جب اس نے کوئی چیز چرائی نہیں تھی تو پھر اُس نے خواہ مخواہ میرا سامان کیوں بکھیر دیا.... اور پھر وہ ہینڈ بیگ کیسا تھا، جو پُراسرار طریقے پر غائب بھی ہو گیا۔"

"لیکن وہ تمہارے اس ریڈیو سیٹ کے چکر میں نہ آیا ہو۔" کپتان نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "مگر وہ ہینڈ بیگ۔"

"یہی میں بھی سوچ رہا ہوں۔" کپتان نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد مجمع برخواست ہو گیا۔ فریدی اور حمید تنہا رہ گئے۔

حمید نے کچھ نہ کچھ بولنے کی کوشش ہی کی تھی کہ فریدی نے اُسے ڈانٹ دیا۔

پھر آہستہ سے بولا۔ "عرشے پر چلو۔"

عرشے پر پہنچ کر دونوں ریلنگ سے ٹک گئے۔

"ہم وہاں کوئی گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔" فریدی بولا۔ "ہماری نگرانی ہو رہی ہے۔"

"آخر آپ نے یہ ڈھونگ کیوں پھیلایا ہے۔" حمید نے کہا۔

"میں نے جو کچھ سوچا تھا وہی ہوا۔ سر بتھال جہاز ہی پر موجود ہے.... گھبراہٹ میں وہ روپوش ہو گیا۔ لیکن اب اُسے افسوس ہو رہا ہو گا۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو وہ رومال کے معاملے میں دھوکا کھا گیا ہو گا۔"

"یعنی....!"

"اگر وہ حقیقتاً رومال کے راز سے خود واقف نہیں ہے تو میرا بنایا ہوا نقلی رومال جو میں نے

اُس کے ہینڈ بیگ میں رکھ دیا تھا۔ اُسے مطمئن کر دے گا.... میں نے اس کی ڈائری بھی اُس
رہنے دی ہے۔ اس طرح وہ کم از کم مجھ پر شبہہ کرنا چھوڑ دے گا.... مگر نہیں اس نے اپنی دانش
میں ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کی اور یہ ظاہر کر کے کہ وہ جہاز سے فرار ہو گیا ہے.... اپنا
بیگ نکال لے گیا۔ بہر حال اب یہ دیکھنا ہے کہ میرے اس بیان سے جو میں نے کپتان کو دیا
اُس پر کیا اثر پڑتا ہے۔"

"مگر یہ مشین کہاں سے نکل پڑی تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"بھئی اسے بنانے میں میرا ایک دن برباد ہو گیا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "بہر حال اُسے
کرنے کا موقع جلد آ گیا۔ میں جو رول ادا کر رہا ہوں آخر اُس کا کوئی ٹیکنیکل ثبوت بھی
ہونا چاہئے۔"

"اور وہ آواز....!" حمید نے پوچھا۔ "وہ تو حقیقتاً کسی ذی روح کی آواز معلوم ہوتی تھی۔"

"وہ ذی روح ایک اَلم رسیدہ چوہا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "جو اس مشین میں بند ہے۔ مشین
میں بیٹری لگاتے ہی اس کی دم دو چرخیوں کے بیچ میں دبنے لگتی ہے اور وہ چیخنا شروع کر دیتا ہے۔"

حمید بے اختیار ہنس پڑا۔

"اور اس طرح مریخ کے باشندوں کی آواز ہم تک پہنچتی ہے۔"

فریدی اُسے آنکھ مار کر مسکراتا ہوا بولا۔

"آپ نے اپنا سارا پروگرام مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا تھا۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"تم تو بعض اوقات کسی خیر خواہ بیوی کی طرح احتساب کرنے لگتے ہو۔" فریدی نے مسکرا
کر کہا۔ "بس دیکھتے جاؤ۔ مداری کے جھولے سے ابھی اور کیا کیا نکلتا ہے۔"

"تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ سر بنتھال اس سے مطمئن ہو گیا ہو گا۔" حمید نے کہا۔

"اگر مطمئن نہ ہوا ہو گا تو الجھن میں ضرور پڑ جائے گا۔ اب میری باری آئی ہے۔"

فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

"الجھن میں کیوں پڑ جائے گا۔" حمید نے پوچھا۔

"محض اس لئے کہ اگر میں نے اس کا ہینڈ بیگ اڑایا ہوتا تو اس کے متعلق کپتان کو بھی
بتاتا.... اور نہ اُسے اتنی لاپروائی سے کیبن میں ڈال دیتا.... اس نے میرا سامان الٹ پلٹ

دیکھا ہے.... کیوں؟" کیا اس لئے نہیں کہ میری صحیح شخصیت کے متعلق معلوم کر سکے.... مگر
وہاں بیچارے کو کیا ملتا.... مگر تم اب بہت زیادہ محتاط رہنا.... تمہاری طرف سے مجھے خطرہ ہے کہ
کہیں ہمارا راز کھل نہ جائے۔"

ابھی وہ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ بوڑھا مارٹن انہیں اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ دونوں خاموش
ہو گئے۔

"ہیلو پروفیسر....!" بوڑھا مارٹن بولا۔ "اس چوری کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔"

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔" فریدی نے کہا۔

"کولمبیا یونیورسٹی کا پروفیسر غائب ہے۔" مارٹن نے کہا۔

"کہاں غائب ہے۔" فریدی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"صبح سے غائب ہے اور ایک کشتی بھی غائب ہے۔"

"یعنی....!" فریدی چونک کر بولا۔

"کل رات وہ تم سے مریخ والوں کے اشاروں کے متعلق گفتگو کر رہا تھا۔"

بوڑھا مارٹن آنکھ مار کر بولا۔ "کیا یہ ممکن نہیں کہ وہی تمہارا ریڈیو چرانے کی نیت سے
تمہارے کیبن میں داخل ہوا ہو۔"

"لیکن ریڈیو سیٹ تو محفوظ ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ممکن ہے کوئی ادھر آ نکلا ہو اور اسے چرائے بغیر ہی وہ نکل گیا ہو۔"

"مگر تم کہتے ہو کہ ایک کشتی بھی غائب ہے۔ ظاہر ہے وہ دن کو تو فرار ہو نہیں سکتا.... اور
چور دن میں گھسا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"چور شائد رات ہی کو گھستا.... مگر تم نے اُسے اس کا موقع نہیں دیا۔" مارٹن بولا۔

"وہ رات کو تمہارے کیبن میں اپنا ہینڈ بیگ چھوڑ گیا تھا.... اُسے توقع تھی کہ تم اُس ہینڈ بیگ
کو اُسی وقت کپتان کے پاس لے جاؤ گے اور اُسے تمہارے کیبن میں گھسنے کا موقع مل جائے گا۔ لیکن
تم نے ایسا نہ کیا۔ رات بھر وہ تمہارے کیبن ہی میں رکھا رہا.... لہٰذا صبح جب تم ریستوران میں
تھے تو وہ تمہارے کیبن میں گھسا لیکن ناکامیاب ہونے پر اپنا ہینڈ بیگ لے کر نکل گیا۔"

"اوہ....!" فریدی مارٹن کو تحیر آمیز نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔ "تم واقعی ایک اچھے

جاسوس ثابت ہو سکتے ہو۔"

"خ....خ.... خلل.... خلیل....!" حمید ہکلایا۔

"شٹ اَپ....!" فریدی جھنجھلا کر چیخا۔

مارٹن بے تحاشہ ہنسنے لگا.... حمید کا نچلا جبڑا ابھی تک متحرک تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کچھ کہنے کی کوشش کر رہا ہو.... فریدی نے غصہ سے گھور کر اُسے دیکھا اور حمید کے جبڑے کی حرکت اچانک بند ہو گئی۔ اس نے اپنے دانت بھینچ لئے تھے۔

"بیچارہ مسکارنس.... بھو....!" مارٹن بولا۔

حمید قہر آلود نظروں سے اُسے گھورنے لگا....

"تو وہ میرا سیٹ چرانا چاہتا تھا.... میں اس کا سر توڑ دوں گا۔" فریدی مٹھیاں بھینچ کر اس سے بڑبڑایا۔

"بہتر یہ ہے کہ اس کی حفاظت کرو۔" بوڑھا مارٹن مسکرا کر بولا۔

"خیر دیکھا جائے گا۔" فریدی نے کہا اور سوچنے لگا۔

رومال کا راز

پھر بقیہ سفر میں کسی قسم کا کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ البتہ جہاز میں کشتی اور کولمبیا پروفیسر کی گمشدگی کی وجہ سے ہیجان ضرور رہا۔ حمید کو افسوس تھا کہ سر بتھال اس طرح ہاتھ نکل گیا۔ لیکن فریدی کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ اُسے تو دراصل اس رومال کا راز معلوم کرنے تھی جس کی بدولت اتنے قتل ہوئے تھے اور یہ بھی اس کے ذہن نشین ہو چکا تھا کہ سر بتھال اُس کے راز سے واقف ہے۔ لہٰذا اُسے اب اُس ہستی کی فکر تھی جس نے سر بتھال کو حاصل کرنے کے لئے مقرر کیا تھا۔ سر بتھال کی ڈائری سے یہ بات واضح ہو گئی تھی۔ وہ یہ کام اور کے لئے کر رہا تھا۔ اُس کے اچانک غائب ہو جانے سے فریدی پھر اندھیرے میں ہاتھ مارنے پر مجبور ہو گیا.... ابھی تک اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ آئندہ وہ کیا کرے۔ رومال اب بھی اس کے پاس تھا لیکن بیکار.... بھلا اُس رومال سے وہ کیا حاصل کر سکتا تھا۔

معمولی سا رومال اور بس.... لیکن اُسے ایک امید تھی وہ یہ کہ مصر کا محکمہ سراغ رسانی اس مسئلے پر روشنی ضرور ڈال سکے گا۔

قاہرہ پہنچ کر وہ ایک ہوٹل میں ٹھہرے۔ فریدی محسوس کر رہا تھا کہ ان کا تعاقب کیا جا رہا ہے.... اب اس کی سمجھ میں آیا کہ سر بتھال غائب کیوں ہو گیا تھا اور پھر اُسے اپنا یہ خیال بدل دینا پڑا کہ وہ اُن کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا تھا۔ لیکن رومال کا مسئلہ ابھی تک الجھن کا باعث بنا ہوا تھا۔ اگر سر بتھال کو اپنی غلطی کا علم ہو گیا ہے تو وہ ضرور حملہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ ایسی صورت میں انہیں کافی محتاط رہنے کی ضرورت ہے اور وہ رومال.... اُس رومال کی حفاظت بھی ضروری تھی۔ فریدی اسے ہر وقت اپنے ساتھ ہی رکھتا تھا۔

ایک دن انہوں نے آرام کیا اور پھر دوسرے دن سے فریدی نے اپنی تفتیش کا سلسلہ شروع کر دیا۔ وہ ایک مصری کے بھیس میں ہوٹل سے تنہا نکل جاتا اور پھر کافی رات گئے واپس آتا۔ اس دوران میں حمید کمرے میں پڑے پڑے یا تو کتابیں پڑھتا یا پھر کارٹون بناتا رہتا۔

ایک رات جب فریدی واپس آیا تو چہرے سے ایک نئے قسم کا جوش ظاہر ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں وہی پرانی چمک عود کر آئی تھی جو اکثر کسی ناقابلِ حل مسئلے کے آسان ہو جانے پر پیدا ہوا کرتی تھی وہ آتے ہی پلنگ پر گر پڑا۔

"حمید....!" وہ آہستہ سے بولا۔ "دروازے اور کھڑکیاں بند کر کے ان پر سیاہ پردے کھینچ دو۔"

"خیریت....!" حمید چونک کر بولا۔

"جلدی کرو۔"

حمید نے دروازے اور کھڑکیاں بند کر کے سیاہ پردے کھینچ دیئے۔

"بکس سے ہیٹر نکالو۔"

حمید نے تعمیل کی۔ فریدی نے ہیٹر کا پلگ سوئچ بورڈ میں لگا دیا۔

"کیا چائے بنائیے گا۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔ "کیوں نہ میں ویٹر کو بلا کر نیچے سے چائے منگوا لوں۔"

"بکو مت....!" فریدی نے کہا۔ "قریب آؤ....!"

فریدی نے جیب سے حسینہ والا رومال نکالا اور اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر ہیٹر سے

آدھے بالشت کی اونچائی پر تان دیا۔

اور حمید کے دیکھتے ہی دیکھتے رومال کی سفید سطح پر سیاہ رنگ کی لکیریں ابھرنے لگیں۔

"ارے یہ کیا....." حمید اچھل کر بولا۔

"چیخو نہیں.... آہستہ بولو۔" فریدی نے کہا۔

حمید سوالیہ نگاہوں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"برخوردار یہ طریقہ اتفاقیہ دریافت ہو گیا۔"

"لیکن ہے کیا بلا۔"

"کوئی نقشہ.... کسی خاص جگہ کا۔" فریدی نے کہا۔

"میں ایسا نہیں سمجھتا۔" فریدی نے کہا۔ "پھر....!"

"ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔" فریدی نے رومال پر ابھری ہوئی نئی لکیروں کی طرف کہا۔ "یہ کتے کا سر دیکھ رہے ہو۔"

حمید جھک کر دیکھنے لگا.... ایک کتے کا سر جس کا منہ کھلا ہوا تھا۔ ایک کتا جو آسمان کی سر اٹھائے بھونک رہا تھا۔ پھر اس کے نیچے ایک نقشہ تھا.... اور ایک جگہ "۹۷۵" ہندسے ہوئے تھے۔ حمید نے پھر استفہامیہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھا۔ فریدی نے رومال کر کے جیب میں رکھ لیا۔ ہیٹر ہٹا دیا گیا۔ "کچھ سمجھ میں آیا۔" فریدی نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" حمید نے کہا۔ "لیکن آپ کو یہ تدبیر کیسے سوجھ گئی۔"

"اتفاقاً یہ راز معلوم ہو گیا۔ آج شام کو تھک کر ایک پارک کے ویران گوشے میں تھا۔ یہ رومال میرے زانوں پر پھیلا تھا.... اور ہاتھ میں سگار تھا.... شاید سگار کا جلتا ہو رومال کی سطح سے قریب، تھا.... دفعتاً میری نظر رومال پر پڑی اور میں نے دیکھا کہ ایک سیاہ لکیریں ابھر آئی ہیں۔ پہلے تو مجھے حیرت ہوئی لیکن پھر سارا معاملہ سمجھ میں آ گیا۔ میں جگہ سگار کے جلتے ہوئے حصے سے اسی طرح لکیریں ابھاریں اور پھر رومال کو جیب میں سیدھا ادھر ہی چلا آیا.... اور اب دوسرا عجوبہ دیکھنا چاہتے ہو؟"

فریدی نے حمید کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے رومال جیب سے نکالا اور سامنے پھیلا دیا۔

"ارے وہ نقشہ کہاں گیا۔" حمید حیرت سے بولا۔

"غائب ہو گیا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "جب تک رومال گرم رہتا ہے لکیریں دکھائی دیتی ہیں اور ٹھنڈا ہوتے ہی غائب ہو جاتی ہیں.... میرے خیال میں یہ علی فضیل ہی کی جدت معلوم ہوتی ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"یہ نقشہ اسی نے تیار کیا تھا اور شائد اسی کی وجہ سے اس کی جان بھی گئی۔" فریدی نے کہا۔

"یعنی آپ کا یہ مطلب ہے کہ اس وقت جو لوگ رومال میں دلچسپی لے رہے ہیں وہی علی فضیل کے بھی قاتل ہیں۔" حمید نے کہا۔

"قطعی حالات یہی کہتے ہیں۔"

"کیسے حالات....!" حمید نے پوچھا۔

"چھوڑو بھی.... ابھی میں نے کھانا نہیں کھایا۔" فریدی نے کہا۔ "یہ سیاہ پردے اب ہٹا دو.... ہم لوگ اس وقت یہیں کمرے میں کھانا کھائیں گے۔" فریدی نے ٹیلی فون پر ہیڈ ویٹر سے کمرے ہی میں کھانا بھجوانے کا آرڈر دیا.... اور پھر ایک کرسی پر بیٹھ کر اونگھنے لگا۔

حمید کا اضطراب لحظہ بہ لحظہ بڑھتا جا رہا تھا۔ لیکن اُسے اچھی طرح معلوم تھا کہ فریدی کھانے سے پہلے ایک لفظ بھی نہ بتائے گا۔ یہ اس کے کردار کی ایک نمایاں خصوصیت تھی کہ جو زبان سے ہٹا اسی پر اڑ جاتا۔

کھانے کے دوران میں فریدی بالکل خاموش رہا۔ حمید نے کئی بار گفتگو چھیڑنے کی کوشش کی لیکن فریدی صاف ٹال گیا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ آخر حمید نے بھی طے کر لیا کہ اب وہ اس کے متعلق ایک لفظ بھی نہ پوچھے گا۔

کھانا کھا چکنے کے بعد فریدی نے سگار سلگایا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔ حمید سونے کی تیاری کرنے لگا۔ فریدی نے پلٹ کر دیکھا۔ حمید شب خوابی کا لباس پہن رہا تھا۔ فریدی کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"اور کیا یہ تعجب خیز بات نہیں کہ علی فضیل کتے کے سر کے قریب قتل کر دیا گیا۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا....؟" حمید بے ساختہ بولا۔ "کتے کے سر کے قریب۔" لیکن پھر اُسے اپنی غ
احساس ہوا.... لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ فریدی نے اسے دوبارہ دلچسپی لینے پر مجبور کر دیا تھا۔

"ہاں.... میں نے علی فضیل کے قتل کے متعلق ساری تفصیلات معلوم کر لی ہیں۔
ایک ایسے علاقہ میں قتل کیا گیا تھا جو بدروحوں کا مسکن بتایا جاتا ہے۔ وہ یہاں سے اٹھارہ میل
دوری پر سمندر کے کنارے کا علاقہ ہے اور اس علاقے کا نام ہے 'کلب الشیاطین' یعنی شیطان
کتا۔" حمید بولا۔ "اسی بناء پر آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ کتے کے سر کے قریب قتل کیا گیا تھا۔"

"نہیں.... یہ بات نہیں۔ وہاں سچ مچ ایک کتے کا سر موجود ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"بہت اچھے۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "بخدا تمہاری موجودگی میں مجھے اس کا احساس تک
ہوتا کہ میں غیر شادی شدہ ہوں.... آخر تمہاری ادائیں اتنی بیوپانہ کیوں ہیں۔"

"چھوڑیئے بھی۔" حمید اکتا کر بولا۔ "میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"خیر.... خیر.... تو میں کیا کہہ رہا تھا.... ہاں.... وہ کتے کا سر....!"

"نہیں تمہارا سر....!" پیچھے سے آواز آئی.... فریدی چونک کر پلٹا۔ دروازے
سر بنتھال اپنی اصلی شکل میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول کا رخ فر
اور حمید کی طرف تھا۔

"حسینہ والا رومال نکالو۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ فریدی خاموش رہا۔

"میں نہیں چاہتا کہ ہوٹل میں پستول کا دھماکہ گونجے۔" سر بنتھال نے آگے بڑھتے
آہستہ سے کہا۔ "اگر تم نے اسی پر مجبور کیا تو۔"

"آؤ بیٹھو!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اتنی بھی کیا عجلت.... تمہارے لئے وہسکی منگاؤں یا برا

"بکو مت.... جلدی کرو۔"

"مگر تم مر گئے تھے۔" حمید نے کہا۔

"تمہاری ہی وجہ سے مرنا بھی پڑا تھا.... لیکن شائد اب کی تمہاری ہی باری۔"
سر بنتھال نے کہا۔ "رومال نکالو۔"

"تو واقعی اس وقت تمہارا موڈ بہت خراب ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا جبار سے ملنے کا ارادہ نہیں۔"

"جلدی کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھی اسی کے پاس پہنچا دیا جائے۔" سر بنتھال دانت پیس کر بولا۔

فریدی نے جیب سے رومال نکال کر اس کے سامنے ڈال دیا.... سر بنتھال رومال اٹھانے کے
لئے جھکا ہی تھا کہ فریدی اس پر ٹوٹ پڑا۔ پستول اچھل کر دور جا گرا.... حمید نے بڑھ کر پستول
سنبھالا.... لیکن وہ ابھی سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ اس پر نہ جانے کدھر سے دو آدمی ٹوٹ پڑے....
پھر اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے کمرے میں آہستہ آہستہ تاریکی پھیل رہی ہو.... اور پھر ایک
گھنا اندھیرا۔ حمید نہ جانے کب تک بیہوش رہا.... اور پھر جب اسے ہوش آیا تو اس نے دیکھا
کہ قریب ہی فریدی ریشم کی ڈوری سے جکڑا پڑا ہے۔

"حمید تمہیں ہوش تو آیا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"ہم کہاں ہیں۔" حمید گھبرا کر بولا۔

"جہاں تھے۔" فریدی نے کہا۔ "گھبراؤ نہیں سب خیریت ہے.... بس ذرا اٹھ کر مجھے کھول
دو.... سر بنتھال کے ہاتھوں یہ تیسری چوٹ ہے۔ اس کے ساتھ پانچ آدمی اور تھے.... خیر دیکھا
جائے گا۔"

حمید نے اٹھ کر اُسے رسیوں کے پیچ و خم سے آزاد کیا۔

"رومال....؟" حمید نے پوچھا۔

"وہ لوگ لے گئے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"پھر اب کیا ہوگا۔"

"کچھ نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "وہ اس نقشے کو میرے ذہن سے نہیں مٹا سکتے۔"

"مگر یہ ذلت....!"

"اوہ...." فریدی مسکرا کر بولا۔ "مارنے والے کبھی پٹ بھی جاتے ہیں.... کون جانے کل
ہم اسے صاف ہی کر دیں۔ خیر ہاں تو میں تمہیں کتے کے سر کے متعلق بتا رہا تھا.... ساحل سے
تقریباً تین فرلانگ کے فاصلے پر سمندر میں کچھ چٹانیں ابھری ہوئی ہیں۔ اُن میں سے ایک بالکل
کتے کے سر سے مشابہ ہے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی دیو پیکر کتا سمندر کی سطح پر آسمان کی طرف
منہ اٹھائے بھونک رہا ہو.... اسی لئے وہ ساحلی علاقہ کلب الشیاطین کے نام سے مشہور ہے۔ قدیم

زمانے سے یہ روایت چلی آرہی ہے کہ وہ چٹانیں خبیث روحوں کا مسکن ہے.... یہ اطلاع
یہاں کے محکمہ سراغ رسانی سے ملی ہیں.... ہاں تو اس علاقے میں ماہی گیروں کا ایک گا
ہے.... وہاں کے باشندے آئے دن طرح طرح کی افواہیں اڑاتے رہتے ہیں۔ ان کا کہ
اکثر اس پتھریلے کتے کے منہ سے بھوت نکل کر ساحل پر ٹہلا کرتے ہیں.... کبھی کبھی
کے منہ سے گرم ہوا کے جھونکے نکلتے ہیں، جو اکثر اتنے تیز ہوتے ہیں کہ ان کی زد میں آ
کوئی چیز بھی سوکھے پتے کی طرح اڑتی چلی جاتی ہے.... یہ بھی سنا جاتا ہے کہ پچھلے سال
کے منہ سے اتنی شدید آندھی چلی تھی کہ پورا گاؤں تباہ ہو گیا تھا۔ اکثر لوگ اب بھی اسے
کی آندھی کے نام سے یاد کرتے ہیں.... علی فضیل کا قتل اسی علاقہ میں ہوا تھا اور یہ حقیقت
کہ کسی نے اس کی دونوں ٹانگیں پکڑ کر چیر ڈالی تھیں.... اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ
دوران میں دوسری جنگ عظیم کے کچھ شکست خوردہ جرمنوں کی تلاش میں تھا...."

"واقعی اس بار بڑے عجیب و غریب واقعات پیش آرہے ہیں۔"

"نہیں.... یہ محض اطلاعات ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن کل ہم اُدھر چلیں گے۔
خیال ہے کہ یہ میرا شاہکار کیس ہوگا۔" فریدی خود اعتمادی کے ساتھ بولا۔

"اچھا یہاں کے محکمہ سراغ رسانی والوں کا اس کے بارے میں کیا خیال ہے۔"

"کچھ نہیں وہ اُسے محض ضعیف الاعتقادی قرار دیتے ہیں.... پچھلے سال والی آندھی
متعلق ان کا خیال ہے کہ وہ سائیکلون تھا.... اور اس قسم کے چھوٹے موٹے واقعات کو بھ
قسم کے سائیکلون ہی سے تعبیر کرتے ہیں۔"

"اور علی فضیل کی موت....؟" حمید نے پوچھا۔

"اس کے متعلق ان کا خیال ہے کہ وہ کسی درندے کا شکار ہو گیا۔"

"میرا خیال ہے کہ ہاتھی کے علاوہ کوئی جانور اس طرح ٹانگیں نہیں چیر سکتا۔" حمید۔
"تو پھر وہاں ہاتھی کے پیروں کے نشانات ضرور پائے گئے ہوں گے۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"نہیں ہاتھی کے پیروں کے نشانات نہیں پائے گئے۔" فریدی نے کہا۔

"پھر اس کے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ وہ کسی درندے کی حرکت تھی۔"

"کوئی ثبوت نہیں۔"

"پھر....!"

"ارے بھئی اس کے علاوہ وہ اور کہہ بھی کیا سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کسی انسان سے اس کی
توقع نہیں کی جا سکتی۔"

"عجیب و غریب محکمہ ہے۔" حمید نے کہا۔

"علی فضیل یہاں کا بہترین دماغ تھا۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن آخر سر بتھال اس میں کیوں دلچسپی لے رہا ہے۔" حمید نے کہا۔

"یہی تو دیکھنا ہے۔" فریدی بولا۔ "ہمیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ سر بتھال بھی آدھا جرمن ہے
اور علی فضیل کچھ بھاگے ہوئے جرمنوں کا پتہ لگا رہا تھا۔"

"بہر حال یہاں تک تو کچھ کڑیاں ملتی ہیں۔ لیکن انہیں ملانا پڑے گا۔ اس ایک رومال کے لئے
اتنے قتل ہو گئے.... آخر.... کیوں....؟ اس رومال میں کلب الشیاطین کا پوشیدہ نقشہ ہونا کیا
معنی رکھتا ہے۔"

فریدی کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ حمید بھی خاموش ہو گیا۔

"کیوں نہ ہم اس وقت کے حادثے کی اطلاع ہوٹل کے منیجر کو دے دیں۔" حمید نے کہا۔

"ایسی حرکت بھی نہ کرنا.... نہیں تو بڑی پریشانی میں مبتلا ہو جائیں گے اور جس کام کے
لئے آئے ہیں وہ دھرا ہی رہ جائے گا۔"

"کیوں....!"

"ارے میاں.... اتنی معمولی سی بات نہیں سمجھتے۔ اس کی اطلاع پولیس میں ہو گی اور پھر
اس کا جو انجام ہوگا اسے بتانے کی ضرورت نہیں.... خواہ مخواہ لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"

"بہر حال ہمیں اپنی حفاظت کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا۔" حمید نے کہا۔

"اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم جہاں بھی رہیں ہوشیار رہیں۔" فریدی بولا۔

"ہم کہیں بھی محفوظ نہیں ہیں۔" حمید نے کہا۔ "سر بتھال ہمیں نہایت آسانی سے قتل
کر سکتا ہے۔"

"لیکن یہ نہ بھولو کہ وہ خود بھی اب معاملات کو طول نہیں دینا چاہتا۔ ورنہ اسی وقت وہ ہمیں

ٹھکانے لگا دیتا۔"

"میرا خیال ہے کہ اس وقت اس نے ہنگامے کے خیال سے ایسا نہیں کیا۔ ممکن ہے کہ
کی آواز سے لوگ اکٹھا ہو جاتے اور انہیں یہاں سے نکل جانے میں دشواری ہوتی۔" حمید
"ہم قطعی اس کے قابو میں تھے۔" فریدی نے کہا۔ "اگر وہ چاہتا تو ہمارا اگلا گھونٹ کر
آسانی سے ہمیں ٹھنڈا کر دیتا اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوتی۔"

کلب الشیاطین

دوسرے دن فریدی اور حمید مختصر سامان کے ساتھ کلب الشیاطین کے علاقے کی
روانہ ہو گئے.... وہ دونوں مصر کے شہری باشندوں کے بھیس میں تھے۔ حمید کو پھر گونگا
کیونکہ وہ مصری زبان سے قطعی نابلد تھا۔ خود فریدی کو بھی یہاں کی زبان بولنے میں تھوڑی
دقت ضرور ہوتی تھی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ الفاظ کا تلفظ تھا۔ یہاں کی زبان عربی ضرو
لیکن فرانس اور اطالیہ کے قرب نے اُسے خاص عربی نہیں رہنے دیا تھا.... اور الفاظ کے تا
بھی اطالوی اور فرانسیسی نے گہرا اثر ڈالا تھا۔ لہٰذا یہاں فریدی کو ہکلا بننا پڑا۔

ساحل سے دو میل ادھر ہی کلباش کا قصبہ تھا۔ غالباً کبھی اس کا نام کلب الشیاطین ہی رہا
لیکن بعد کی نسلوں نے ازراہِ دانش مندی اس کے مخفف ہی پر قناعت کی اور اسے کلباش
لگے.... فریدی اور حمید ایک سرائے میں اترے.... سرائے کے مالک نے اس کا نام پوچھا
ہکلانے لگا۔ آخر سرائے کے مالک نے اس کی طرف کاغذ اور پنسل بڑھا دیا۔ فریدی نے اپ
"جمیل" لکھا اور حمید کا "سہیل" "گمیل و سہیل" سرائے کا مالک سر ہلا کر بولا۔

انہیں ایک کوٹھری مل گئی۔

"دیکھا تم نے مشرق اور مغرب کے ناجائز تعلق کا نتیجہ....!" فریدی نے حمید سے کہا
لوگ جمیل کو گمیل بولنے لگے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ جنت کو گنت اور جہنم کو گہنم کہتے ہوں گے۔" حمید ہنس کر بولا۔

"کیوں نہ ہم لوگ ایک نظر اُس چٹان کو دیکھ آئیں۔" فریدی نے کہا۔ "اور کام تو رات

روع کریں گے۔"

"کام سے کیا مطلب ہے آپ کا۔" حمید نے چونک کر پوچھا۔

"اس چٹان کے اندر جانیکا راستہ تلاش کرنا۔" فریدی نے کہا۔ "وہ نقشہ اُسی سے متعلق تھا۔"

اور پھر دونوں ساحل کی طرف روانہ ہو گئے۔ آفتاب آہستہ آہستہ ان کے سروں پر آ رہا تھا۔
ندر کے پانی کی بساند فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔ یہ علاقہ سرسبز و شاداب تھا.... ریت کے تودوں
ے درمیان بے شمار چھوٹی چھوٹی ہری بھری جھاڑیاں تھیں اور ان کا سلسلہ ڈھلوان زمین تک
ہاں سمندر کی لہریں ٹکراتی تھیں چلا گیا تھا.... دور سمندر میں ابھری ہوئی چٹانوں کے کئی سلسلے
تھے.... اور پھر انہیں کلب الشیاطین نظر آ گیا.... قدرت کی نقاشی کا یہ نمونہ بالکل کسی آدمی کا
رنامہ معلوم ہوتا تھا۔ یہاں کے باشندوں کا خیال تھا کہ وہ قدرتی ہے۔ وہ کتے کا عظیم الشان سر
ی آدمی کی کاریگری نہیں بلکہ دست قدرت کا کرشمہ ہے۔ "میں یہ نہیں مان سکتا کہ یہ قدرتی
ہے۔" حمید نے کہا۔

"ہو یا نہ ہو ہمیں اس سے غرض نہیں۔ اس سوال کو کسی ماہر آثار قدیمہ کے لئے چھوڑ دو۔"
ریدی نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ یہ بھی ابوالہول ہی کی طرح کسی آدمی کا کارنامہ ہو.... ممکن ہے
ب سے ہزار سال قبل یہاں سمندر نہ رہا ہو.... لیکن ہمیں اس سے غرض نہیں.... ہمیں تو یہ
یکھنا ہے کہ اس کے اندر ہے کیا۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ وہ غور سے چٹان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ چند لمحوں کے بعد اُسے ایسا
محسوس ہونے لگا جیسے وہ پتھریلا اور دیو پیکر کتا منہ پھاڑے ہوئے ان کی طرف آ رہا ہے۔ حمید گھبرا
کر پیچھے ہٹ گیا۔

"ارے.... وہ ادھر آ رہا ہے....!"

فریدی نے قہقہہ لگایا۔ "احمق ہو.... چاروں طرف پھیلا ہوا سمندر دیکھ کر تمہیں چکر
آ گیا ہے۔"

دفعتاً گرم ہوا کا ایک شدید جھونکا ان کے جسم سے ٹکرایا اور وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گئے۔

"بخدا یہ اس کے منہ سے نکلا ہے۔" حمید چیخا۔

"ہاں.... میں نے بھی محسوس کیا ہے.... لیکن یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ممکن ہے اس

چٹان میں چونے کی کان ہو اور سمندر کا پانی وقتاً فوقتاً اس کے اندر جا کر اُسے کھولا دیتا ہو۔"

"اور آپ اس کھولتی ہوئی چٹان کے اندر مجھے بھی اپنے ساتھ لے جائیں گے۔" حمید نے

"خیر مرنا تو ہم دونوں کو ساتھ ہی ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں کبھی کوئی کام چھوڑنے کا عادی نہیں۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی کو اُس کے ارادے سے باز رکھنا ناممکن

"میرا خیال ہے کہ یہ ماہی گیروں کی کشتیاں ہیں۔" فریدی کچھ دور ریت پر اوندھی پڑی چند کشتیوں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "آج رات ان میں سے ایک ہماری مدد کرے گی۔"

پھر وہ لوگ وہاں سے لوٹ آئے۔ آنے سے قبل فریدی کچھ دیر کنارے پر کھڑا چٹانوں سلسلے تک پہنچنے کے امکانات پر غور کرتا رہا۔ سرائے واپس آ کر کھانے کے بعد وہ ضر انتظامات میں مشغول ہو گیا۔

سورج آہستہ آہستہ مغرب کی طرف جھک رہا تھا۔ سرائے کے باورچی خانے سے کے تیل میں تلی جانے والی مچھلی کی خوشگوار اور اشتہا انگیز خوشبو اٹھ کر فضا میں منتشر ہو رہی صحن میں دو چار میلے کچیلے بچے اچھل اچھل کر کوئی دیہاتی گیت گا رہے تھے۔ ان کے قریب ہ خارش زدہ کتا پڑا اونگھ رہا تھا۔ سرائے کا مالک ایک چوکی پر برآمدے کے ستون سے ٹیک آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا، کبھی کبھی وہ ایک آنکھ کھول کر شور مچاتے ہوئے بچوں کی طرف سے دیکھتا اور پھر اونگھنے لگتا۔ اس کی بیوی جو اُس کے مقابلے میں کافی کمسن تھی اور بار بار خانے کی کھڑکی میں آ کر انگلیوں سے اپنے بالوں میں کنگھی کرتی اور کبھی کبھی شور مچاتے بچوں میں سے کسی ایک کا نام لے کر پکارتی اور اُسے گھونسا دکھاتی ہوئی پھر لوٹ جاتی۔ حمید کا اس میں دلکشی ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر محض اس لئے اس سے نفرت کرنے پر مجبو کہ وہ اس کی زبان نہیں سمجھ رہا تھا.... ایک بار اُس نے طوعاً و کرہاً اُسے آنکھ بھی ماری لیکن کوئی ردعمل نہ دیکھ کر اُسے اس سے اور زیادہ نفرت ہو گئی۔ نہ وہ مسکرائی نہ شرمائی اور نہ غصے اظہار کیا.... گویا حمید نے اُسے آنکھ مارنے کے بجائے اپنی ناک کھجلائی تھی۔ آخر وہ اکتا کر کھڑکی سے ہٹ گیا....

"آخر مایوسی کا منہ دیکھنا پڑا نا...!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کیسی مایوسی....!" حمید نے انجان بن کر پوچھا۔

"یہ آئینہ دیکھ رہے ہو۔" فریدی نے دیوار پر لٹکے ہوئے آئینے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "تمہارا چہرہ اس میں صاف دکھائی دے رہا تھا۔"

"اوہ تو آپ بھی اُسی کے چکر میں تھے۔" حمید ہنس کر بولا۔ "اسی لئے میں نے ہاتھ پیر ہٹ لئے۔"

"میرے بچے میں یہاں عیاشی کے لئے نہیں آیا۔" فریدی نے کہا اور سیاہ رنگ کی ریشمی چادریں تہہ کر کے ایک طرف ڈال دیں۔

حمید جھلا کر ایک طرف بیٹھ گیا.... وہ سوچ رہا تھا کہ زندگی میں ایک بار سمندر پار آنے کا موقع ملا ہے تو پابندیوں کے ساتھ.... یہ بھی کوئی زندگی ہے۔

آٹھ بجے رات تک فریدی بالکل تیار ہو گیا۔ کھانا ختم کر چکنے کے بعد وہ ضروری سامان لے کر سرائے سے روانہ ہو گئے۔ فریدی نے سرائے والے کو اتنی رقم پیشگی دے دی تھی کہ اُسے اس کسی بات پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا تھا۔ اُس نے فریدی کو اطمینان دلایا تھا کہ وہ رات کو جس وقت بھی آئے گا سرائے کا پھاٹک کھول دیا جائے گا۔

رات تاریک تھی۔ خلاف توقع مطلع ابر آلود ہو جانے کی وجہ سے ستاروں کی روشنی بھی ہو رہی تھی۔ کچھ دور چل کر انہوں نے احتیاطاً سیاہ رنگ کی چادریں اوڑھ لیں۔

"۹۷۵ کا مسئلہ کسی طرح حل نہیں ہوتا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"میں نہیں سمجھا۔" حمید نے کہا۔

"کیا تمہیں یاد نہیں کہ یہ عدد رومال والے نقشے میں تھا۔" فریدی نے کہا۔

"تو کیا بقیہ نقشہ آپ کی سمجھ میں آ گیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"قریب قریب....!"

دونوں خاموش ہو گئے۔ وہ گھنی جھاڑیوں سے بچتے تیز تیز قدم اٹھاتے ساحل کی طرف جا رہے تھے۔ حمید بالکل خالی الذہن تھا۔ بس وہ چل رہا تھا۔ اسے کیا کرنا ہو گا اس سے قطعی بے خبر تھا۔ خود فریدی کی بھی یہی حالت تھی۔ اس کے ذہن میں صرف ایک چیز تھی وہ یہ کہ انہیں ایک کشتی حاصل کر کے چٹانوں کے سلسلے تک پہنچنا ہے۔

اس وقت کتے کا سر تاریکی میں اور زیادہ خوفناک معلوم ہو رہا تھا۔ حمید کے جسم کے کھڑے ہو گئے۔ اس چٹان کے گرد و پیش کی فضا پُراسرار اور ڈراؤنی تھی۔ چاروں طرف سناٹا تھا۔ کبھی کبھی کسی آبی جانور کی آواز سکوت کو چیرتی دور تک لہراتی چلی جاتی۔ فریدی کے جسم کی کپکپاہٹ محسوس کر لی۔

"کیوں کیا بات ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"کک کچھ نہیں.... میں سوچ.... رہا تھا۔" حمید ہکلایا۔

لیکن پھر سوچنے لگا کہ کیا کہے دفعتاً اُسے سر بنتھال یاد آ گیا اور وہ بولا۔ "ایک بات نہیں آتی کہ سر بنتھال نے خود کو ظاہر کیوں کر دیا۔ وہ فضیل کی شکل میں بھی ہوٹل میں آ کر

"محض ہمیں ڈرانے کے لئے، وہ سمجھا تھا کہ ہم اُسے بھوت سمجھ کر غش کھا جائیں" فریدی نے کہا۔ "لیکن تم نے یہ بات خواہ مخواہ چھیڑی ہے.... کیوں کیا ڈر لگ رہا ہے۔"

"ڈر.... لاحول ولا قوۃ....!" حمید اکڑ کر بولا۔ "لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس سے چیخ نکل گئی۔ فریدی بھی چونک کر پیچھے ہٹا۔ سامنے پتھریلے کتے کے پھیلے ہوئے جبڑ ہرے رنگ کی روشنی نکل رہی تھی۔ کچھ دھواں بھی تھا۔ پھر زناٹے کی آواز آئی اور کوئی چ طویل و عریض تھی کتے کے منہ سے نکل کر فضا میں تیرتی ہوئی ساحل کی طرف آتی دکھائی

"بھاگو....!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "دونوں نے پوری قوت سے دوڑنا شروع پھر انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی ان کے پیچھے دوڑ رہا ہو۔ فریدی نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک آدمی جس کی اونچائی دس گیارہ فٹ سے کم نہ رہی ہو گی۔ ان کی طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ نے ریوالور نکال کر فائر کیا۔ گولی اُس کے جسم سے ٹکرائی اور ایسا جھناکا پیدا ہوا جیسے ٹھوس پتھر گرا ہو.... وہ اب بھی لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اس کا تعاقب کر رہا تھا۔

"حمید جھاڑیوں میں....!" فریدی نے کہا.... اور وہ جھاڑیوں میں گھس گئے۔

"چادر اوڑھ لو جلدی کرو.... لیٹ جاؤ.... چادر تان لو.... وہ آ گیا۔" دونوں نے سیاہ چادریں تان لیں.... آسمان کھل گیا تھا.... ستاروں کی چھاؤں میں فریدی نے غیر معمولی اونچائی والا آدمی ان کے قریب ساکت و سامت کھڑا تھا۔ فریدی نے چادر نکالنے کی بھی ہمت نہ کی۔ وہ اپنی گولی کا انجام دیکھ چکا تھا۔ کئی منٹ گذر گئے۔ وہ اُسی جگہ بے

حرکت کھڑا تھا۔ کیا وہ کوئی آدمی تھا؟ فریدی کے ذہن میں سوال پیدا ہوا؟ لیکن کوئی آدمی نہ تو اتنا لمبا ہو سکتا ہے اور نہ فضا میں اڑ سکتا ہے.... پھر.... کیا وہ کوئی مافوق الفطرت ہستی تھی....؟ نہیں یہ بھی غلط ہے....؟ اگر ایسا ہوتا تو وہ اس طرح خاموش کیوں کھڑا رہتا۔ کیا ایک سیاہ چادر اور رات کی تاریکی انہیں اس کی نظروں سے چھپا سکتی ہے؟ پھر.... آخر وہ کیا تھا....؟ آدمیوں کی طرح اس کی دو ٹانگیں تھیں۔ جن سے وہ ان کے پیچھے دوڑا تھا.... دو ہاتھ تھے اور شانوں پر سر.... فریدی نے چادر سے سر نکالا اور اس عجیب الخلقت آدمی نے ایک قدم بڑھایا.... فریدی نے جلدی سے منہ اوڑھ لیا.... اس کا وہ پیر اٹھا ہی رہ گیا۔ اب وہ ایک پیر اٹھائے بے حس و حرکت کھڑا تھا.... فریدی نے آہستہ سے سیٹی بجائی.... لیکن اس کا بھی اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ اسی حالت میں کھڑا رہا۔

"دیکھو....! خبردار! تمہارے جسم کا کوئی حصہ چادر کے باہر نہ نکلنے پائے۔" فریدی نے کہا۔

حمید کی گھگھی بندھ گئی۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن وہ سب کچھ سن رہا تھا۔ اس نے چادر کے کونے چاروں طرف سے اپنے جسم کے نیچے دبا لئے.... دفعتاً ہوا کا ایک زوردار جھونکا آیا....

"ہوشیار رہنا.... چادر اڑنے نہ پائے۔" فریدی نے پھر کہا "ورنہ ہمارا بھی وہی حشر ہو گا جو علی فضیل کا ہوا تھا۔"

ہوا کے جھکڑ لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتے جا رہے تھے۔ فریدی برابر کہے جا رہا تھا۔ "چادر کو مضبوطی سے دبائے رکھو۔"

"وہ لمبا تڑنگا آدمی اپنی ایک ٹانگ اٹھائے ہوئے اب تک اسی طرح کھڑا تھا.... تھوڑی دیر بعد ہوا کے جھونکے ختم ہو گئے۔ اس نے جست لگائی اور فضا میں تیرتا ہوا سمندر کی طرف واپس چلا گیا۔

"چپ چاپ لیٹے رہو۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "چادر ہٹنے نہ پائے۔"

اور پھر کچھ دیر بعد قریب کے ٹیلوں کے درمیان ٹارچ کی روشنی نظر آئی اور ایک چہرا ابھرا.... یہ سر بنتھال تھا۔ وہ ٹیلے کی اوٹ سے سر نکالے ٹارچ کی روشنی اِدھر اُدھر ڈال رہا تھا۔

"یہ اب زندہ نہ چھوڑے گا.... کاش میرا نشانہ خطا نہ کرے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور ریوالور نکال کر فائر کر دیا.... گولی ٹھیک نشانہ پر لگی اور سر بنتھال چیخ مار کر الٹ گیا۔

"اب نکل چلو....!" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا.... دونوں پوری قوت سے قصبے کی طر
بھاگ رہے تھے.... ایک جگہ حمید نے ٹھوکر کھائی اور گر پڑا.... فریدی نے رک کر
اٹھایا.... لیکن شاید حمید کے پیر کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ فریدی نے اسے کاندھے پر لادا اور
دوڑنا شروع کردیا.... قصبے میں داخل ہوتے ہوتے اچانک آندھی آگئی.... آندھی
قیامت.... جھونپڑوں کی چھتیں اڑنے لگیں.... کمزور دیواریں گرنے لگیں.... ہر طرف
قیامت برپا تھا۔ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ کئی جگہ آگ لگ گئی.... نہ جانے کتنے ہی
گرتی ہوئی دیواروں کے نیچے دبے چیخ رہے تھے۔ آندھی تھی کہ لحہ بہ لحہ تیز ہوتی جارہی
فریدی کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ بھی اب اپنا توازن قائم نہ رکھ سکے گا.... وہ قصبے سے نکل کر
جنگل کی طرف بھاگا.... کئی درخت جڑ سے اکھڑ گئے تھے.... اس نے اس طرف آکر غلطی
تھی۔ وہاں سے وہ اس لئے بھاگا تھا کہ کہیں مکان کی دیوار نہ آرہے۔ لیکن یہاں درختوں کے
دب کر مرجانے کا خطرہ تھا.... پھر بھی شائد قدرت اس پر مہربان تھی۔ جیسے ہی اس نے
دیکھنے کے لئے ٹارچ جلائی اسے ایک غار دکھائی دے گیا۔ دوسرے لمحے میں وہ حمید سمیت غار
اندر تھا۔ حمید تکلیف کی وجہ سے بیہوش ہوگیا تھا.... فریدی نے اسے ایک طرف لٹادیا۔
ہورہا تھا آندھی آہستہ آہستہ کم ہوتی جارہی تھی۔ فریدی پھر لوٹ کر حمید کے قریب آیا....
جھک کر اُس کی ٹانگیں دیکھنے لگا.... یہ دیکھ کر اُسے اطمینان ہوا کہ ہڈی ٹوٹی نہیں بلکہ پیر میں
آگئی ہے۔ اس کے داہنے پنجے میں خاصا ورم تھا.... خود اس نے اس کا جوتا اتارا اور تھوڑی
مالش کرنے کے بعد پیر میں رومال باندھ دیا۔ حمید ابھی تک بیہوش تھا.... فریدی پھر غار
دہانے کے قریب آیا۔ آندھی تھم گئی تھی۔ لیکن قصبے کا شور بدستور قائم تھا۔

خطرناک تجربہ

دوسرے دن دوپہر کو قصبے میں سرکاری مدد پہنچ گئی اور فریدی حمید کو لے کر پھر شہر واپس
آگیا۔ اخبارات میں کلباش کی اس ٹریجڈی کی خبر شائع ہوئی تھی۔ بیس آدمی ہلاک اور پچ
زخمی.... اٹھارہ پختہ مکان منہدم ہوگئے تھے اور جھونپڑا تو ایک بھی نہ بچ سکا تھا۔ اس بار

سوسیات کے ماہرین نے اُسے سائیکلون ہی قرار دیا۔ البتہ قصبیکے لوگ اسے کلب الشیاطین کی
رہی سے تعبیر کررہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس میں بسنے والی خبیث روحیں وہاں قصبے کی
جائے ویرانہ چاہتی ہیں۔

حمید کا پیر مختصر سی طبی امداد سے ٹھیک ہوگیا تھا۔ لیکن ابھی وہ درد کی وجہ سے نقل و حرکت
سے محروم تھا۔ اس رات کی خوفناک یاد اب تک بھی اس کے ذہن پر مسلط تھی۔ وہ زیادہ تر
اموش رہنے لگا تھا۔ اس کے برخلاف فریدی کی حالت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی۔ وہ
پہلے ہی کی طرح سوچتا، ہنستا، مسکراتا اور بات بات پر حمید کا مضحکہ اڑاتا رہتا تھا۔ لیکن اس دوران
ں وہ کوئی کام کرتا رہتا تھا۔ حمید اسے اس کی حماقت اور خلل دماغی پر محمول کرنے کے علاوہ کوئی
ر معنی نہیں پہنا سکا۔ فریدی نے کپڑے کے دو قدِ آدم مجسمے تیار کئے تھے۔ ایک پر اس نے سیاہ
یشمی چادر کا غلاف چڑھادیا اور دوسرے کو یونہی رہنے دیا۔ لیکن وہ بھی تھا تو کالا لیکن سوتی کپڑے
ا.... آخر ایک دن حمید پوچھ ہی بیٹھا۔

"آخر یہ آپ کیا کررہے ہیں؟ کیا آپ پر بھی کسی خبیث روح کا سایہ ہوگیا ہے۔"

"نہیں میں ان خبیث روحوں کو گرفتار کرنے کی تدبیر کررہا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"تو گویا اب بھی آپ ان کے وجود سے منکر ہیں۔"

"اگر سر بنتھال کی لاش غائب نہ ہوگئی ہوتی تو میں ضرور قائل ہوجاتا۔"

"بھلا اس میں کون سا نکتہ ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"یہی کہ بھوتوں نے اس کی لاش غائب کیوں کردی اور وہ وہاں اس وقت کیا کررہا تھا۔"

"ممکن ہے کہ وہ بھی ہماری ہی طرح اس کا راز جاننے کی کوشش کررہا ہو۔" حمید نے کہا۔

"اگر ایسا ہے تو اس لمبے تڑنگے بھوت نے اس کا تعاقب کیوں نہیں کیا۔"

حمید خاموش ہوگیا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی کردار کا غازی ہونے کے ساتھ ہی ساتھ گفتار کا
بھی غازی ہے۔"

اور پھر وہ بھوت ہمیں پکڑ کیوں نہیں پاتا۔ ہم نے دو ریشمی چادریں اوڑھ لی تھیں۔ ظاہر ہے
کہ ان چادروں پر نہ تو نقش سلیمانی بنا تھا اور نہ ہی وہ کسی عامل کا عطیہ تھیں.... میں نے انہیں
محض لباس شبروی کے طور پر استعمال کرنے کے لئے خریدا تھا اور پھر تمہیں یاد ہوگا میرے منہ

کھولنے پر اس نے ایک قدم اٹھایا تھا.... جو منہ ڈھانک لینے کے بعد بدستور اٹھا ہی رہا.... اور کیا سمجھتے ہو۔"

حمید نے کوئی جواب نہیں دیا کیونکہ یہ مسئلہ اس کی الجھن کا باعث بھی بن چکا تھا۔ لیکن الجھن نے کسی واضح خیال کی طرف اس کی رہنمائی نہیں کی۔

"تو کیا آپ پھر اُدھر جانے کا قصد رکھتے ہیں؟" حمید نے پوچھا۔

"تم جانتے ہو کہ میں کوئی کام ادھورا نہیں چھوڑتا۔" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا مسکرا کر بولا۔ "اگر تم واقعی خوفزدہ ہو تو میں تمہیں اپنے ساتھ لے چلنے پر مجبور نہیں کروں گا"

"آپ تو خواہ مخواہ بدگمان ہو جاتے ہیں۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "مجھے آپ کی بھی زعزیز ہے.... کیوں نہ اس معاملے میں یہاں کے حکام کی بھی مدد لی جائے۔"

"ابھی نہیں.... اپنے اطمینان کیلئے میں ایک تجربہ اور کرنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا

"کب....!"

"آج ہی....!"

"میرا پیر تو ٹھیک ہو جانے دیجئے۔"

"نہیں میں تمہیں نہ لے جاؤں گا۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں....!"

"ممکن ہے کہ تمہیں سنبھالنے میں خود میں ہی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھوں۔"

"بہر حال میں آپ کو تنہا نہیں جانے دوں گا....؟"

"نہیں بھئی تم سمجھتے نہیں ہو۔" فریدی نے اکتا کر کہا۔ "میں اس لئے ایسا نہیں کر رہا ڈرتے ہو.... حالانکہ یہ بھی غلط ہے کہ تم ڈرپوک ہو.... وہ معاملہ ہی ایسا تھا کہ اچھے سورما کے پیر اکھڑ جاتے....!"

"پھر آخر آپ مجھے کیوں نہیں لے جانا چاہتے۔" حمید نے پوچھا۔

"ممکن ہے اس بار اور زیادہ بدحواسی کے عالم میں بھاگنا پڑے اور ہم دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں.... ایسے معاملات میں تنہا آدمی اپنا بچاؤ کر سکتا ہے۔"

"حمید نے بہت کوشش کی کہ فریدی کو اس ارادے سے باز رکھے لیکن کامیاب نہ ہو

سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر اس کا انجام کیا ہوگا۔ کیا اس بار فریدی کی دلیری کام آسکے گی؟ کیا ایک ایسی قوت کا مقابلہ کر سکے گا جو انسانی دسترس سے باہر ہے؟ کہیں یہ اس کا آخری کارنامہ تو نہیں؟

فریدی اسی دن شام کو قاہرہ سے کلب الشیاطین کے علاقے کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ رات حمید نے بڑے کرب اور بے چینی کے ساتھ گذاری، رات بھر وہ سو نہ سکا.... صبح دس بجے تک وہ فریدی کا انتظار کرتا رہا.... اور پھر اچانک اس کا اضطراب بڑھ گیا۔ فریدی نے گیارہ بجے تک لوٹنے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن بارہ بج گئے اور اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے.... آخر اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ بھی کسی نہ کسی طرح کلب الشیاطین کے علاقے میں پہنچنے کی کوشش کرے لیکن اگر علی فضیل ہی کی طرح فریدی بھی.... اس کے آگے سوچنے کی ہمت نہ ہوئی اور اس کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

وہ باہر جانے کے لئے اٹھا ہی تھا کہ برآمدے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی اور فریدی لنگڑاتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے بغل میں ایک بڑا سا بنڈل دبا ہوا تھا جسے اس نے فرش پر ڈال دیا....

"بھئی بہت تھک گیا ہوں۔" وہ ایک کرسی پر گرتا ہوا بولا۔ "ذرا ہیڈ ویٹر کو کافی کیلئے فون کر دو۔"

حمید اٹھ کر لنگڑاتا ہوا فون کی طرف گیا اور فریدی جوتے اتار کر کرسی پر اکڑوں بیٹھ گیا۔

"یہ بتائیے خیریت ہے نا....!" حمید نے پوچھا۔

"ہاں! آں.... سب خیریت ہے.... اور خیر و عافیت تمہاری خداوند کریم سے نیک مطلوب ہے۔ دیگر احوال یہ ہے کہ تجربہ کامیاب رہا.... اور کوئی خاص بات نہیں.... بچوں کو آداب اور بزرگوں کو پیار.... فقط قانون گو نہیں دعا گو....!"

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ تجربہ کامیاب رہا۔" حمید ہنس کر بولا۔ "کیا سر پر رکھنے کے لئے تھوڑی برف بھی منگوالوں۔"

"لے ہے پاندان کیا ہوا تمہارا۔" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"کیا مطلب....!"

"بخدا تم نے اس وقت کسی کلرک کی بیوی کی طرح خیریت پوچھی تھی۔ جو بیچاری دن بھر

شوہر کے انتظار میں بیٹھی چھالیہ کترتی رہتی ہے اور اس کی آمد پر جمائی لیتی ہوئی میز پر ر
کر اس کی خیریت پوچھتی ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا ایک آدھ اسکرو ضرور ڈھیلا ہو گیا ہے۔" حمید جھینپ کر

"خیر معلوم ہوا کہ تم بڑے گاؤدی ہو گئے ہو۔" فریدی نے کہا۔ "مجھے اس سے بہتر توقع تھی۔"

تھوڑی دیر بعد کافی آ گئی۔ فریدی نے دو تین گھونٹ لینے کے بعد سگار سلگایا۔

"ہاں تو بھئی تجربہ کامیاب رہا اور دلچسپ بھی۔" فریدی نے کہا۔ "میں نے ٹیکسی
باہر ہی چھوڑ دی تھی اور ان دونوں مجسموں کو لے کر ساحل کی طرف روانہ ہو گیا.... کنا
کھڑے ہوئے مجھے دس پندرہ منٹ گذرے ہوں گے کہ اس کتے کے منہ میں پھر وہ
دکھائی دی اور وہ دیو پیکر اس میں سے نکل کر میری طرف جھپٹا.... میں نے بھاگنا شرو
میرا پیچھا کر رہا تھا۔ آخر کار میں سیاہ چادر اوڑھ کر لیٹ گیا اور وہ میرے قریب ہی آ کر
پھر میں نے وہ مجسمہ اس کے سامنے پھینک دیا۔ جو سوتی کپڑے کا تھا۔ وہ حیرت انگیز پھ
ساتھ جھکا اور مجسمے کی ٹانگیں چیر کر پھینک دیں.... اُف کتنی درندگی تھی.... اس وقت
اس تصور سے کانپ اٹھا تھا۔"

فریدی نے بکس کھول کر اُس مجسمے کے دونوں ٹکڑے نکالے اور حمید کے سامنے ڈال

"اسی طرح اُس نے علی فضیل کی ٹانگیں چیر دی تھیں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ ہا
نے وہ مجسمہ بھی اسکے سامنے ڈال دیا جس پر ریشمی غلاف چڑھایا تھا لیکن وہ بے حس و حرک
رہا۔ جیسے اندھا ہو گیا ہو.... اس نے اس مجسمے کو ہاتھ تک نہ لگایا.... اس سے تم کیا سمجھے ہ

"میں تو کچھ بھی نہیں سمجھ سکا۔" حمید نے اس سے کہا۔

"خیر، خیر میں بھی ابھی اس مسئلے پر روشنی ڈالنا نہیں چاہتا۔ لیکن میں نے جو اندازہ لگ
غلط نہیں ہو سکتا۔ ہاں تو پھر میں نے اس مجسمے کو چادر کے اندر کھینچ لیا۔ وہ قطعی بے حس
کھڑا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے جست لگائی اور پھر کتے کے منہ کی طرف روانہ ہو گیا
جلدی جلدی مجسمے پر کا ریشمی غلاف اتارا اور اپنے جسم پر اس طرح منڈھ لیا کہ کوئی حصہ
رہے اور پھر میں ساحل کی طرف آیا.... تقریباً آدھ گھنٹے تک کھڑا رہا لیکن کوئی نیا حا

نہیں آیا.... کہو اب کیا کہتے ہو....!"

"یعنی وہ خبیث روحیں ریشم سے ڈرتی ہیں۔" حمید نے کہا۔

"نہیں بلکہ اس کتے کے پیٹ میں بیٹھی ہوئی خبیث شخصیت کو ریشم دکھائی نہیں دیتا۔" فریدی بولا۔

"میں پھر نہیں سمجھا۔"

"بہت جلد سمجھ جاؤ گے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن اطمینان رکھو وہ کوئی آسیبی خلل نہیں ہے.... ہماری تمہاری جیتی جاگتی دنیا کی بات ہے۔"

"پتہ نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" حمید اکتا کر بولا۔

"میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تمہیں قریب سے دکھاؤں گا۔" فریدی نے کہا۔ "ذرا فون کر کے کافی اور منگواؤ۔"

حمید نے پھر اٹھ کر فون کیا۔

"لیکن آپ اس وقت تک مجھے الجھن میں ڈالے رہیں گے۔" حمید نے کہا۔

"اس میں الجھن کی کوئی بات نہیں.... میں نے حقائق تمہارے سامنے رکھ دیئے۔ اب تم خود غور کر کے اس معمے کو حل کرنے کی کوشش کرو۔ کوئی مشکل بات نہیں، کوشش کرو۔" فریدی نے کہا اور آرام کرسی پر لیٹ گیا۔ حمید بھی کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

کتے کے پیٹ میں

دوسرے دن فریدی مصر کے محکمہ سراغ رسانی کے دفتر میں بیٹھا محکمے کے ڈائریکٹر ضرغام پاشا سے گفتگو کر رہا تھا۔

"مسٹر فریدی مجھے افسوس ہے کہ ہم آپ کی مدد نہ کر سکیں گے۔" پاشا نے کہا۔

"لیکن میرے ملک کی حکومت نے آپ کی حکومت سے درخواست کی ہے۔ آپ کو براہِ راست اس کے لئے احکامات مل چکے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" پاشا بولا۔ "مجھے اس سے کب انکار ہے.... آپ اس شخص کا پتہ نشان بتایئے،

جو آپ کی حکومت کا مجرم ہے۔ ہم اسے گرفتار کر کے آپ کے حوالے کر دیں گے۔ لیکن کلب الشیاطین والا واقعہ خواب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔"

"لیکن میں نے جو کچھ آپ کو بتایا ہے اسے خواب نہیں کہا جا سکتا۔" فریدی نے کہا۔

"ممکن ہے آپ درست کہتے ہوں۔" پاشا نے کہا اور خاموش ہو گیا۔

فریدی سمجھ گیا کہ وہ اس سے گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔ وہ وہاں سے ناکام لوٹا۔ لیکن اس کی ہمت نہ ہاری تھی۔ اب اس نے اپنی حکومت کے سفارت خانہ کا رخ کیا۔ سفیر اس سے اس کارناموں کی بناء پر اچھی طرح واقف تھا اور اسے حکومت کی طرف سے پہلے ہی فریدی کی ہر امداد کے لئے ہدایات مل چکی تھیں۔ اس نے فریدی سے وعدہ کیا کہ وہ قاہرہ کے پولیس کمشنر اس مسئلے پر گفتگو کرے گا۔

پھر دو دن بعد اسے اطلاع ملی کہ پولیس کمشنر بھی تضیع اوقات کے لئے تیار نہیں۔ اس کے خیال کے مطابق عملہ کا کوئی آدمی کلب الشیاطین کے اندر گھسنے کی ہمت نہیں کرے گا.... فریدی نے فیصلہ کیا کہ وہ بذات خود پولیس کمشنر سے ملاقات کرے گا۔ لیکن اس کی یہ کوشش بار آور ثابت نہ ہوئی.... پولیس کمشنر نے اسے بتایا کہ آسیبی خلل سے قطع نظر کر کے بھی اس میں جانا پسند نہ کرے گا۔ اس نے بھی فریدی کے قائم کردہ خیالات کا مضحکہ اڑایا۔

اور پھر فریدی کو اپنی ہی قوتِ بازو پر بھروسہ کرنا پڑا.... اس نے چھوٹی سی ربڑ کی خریدی اور اس پر ریشم کا خلاف چڑھایا.... دو ہلکے پھلکے چوار بنائے اور ان پر ریشمی کپڑا چڑھا دیا.... اپنے اور حمید کے لئے ریشم کا ایسا لباس تیار کرایا جس سے جسم کا کوئی حصہ کھلا نہ رہ سکے.... آنکھوں کے حصوں پر ریشم ہی کی باریک جالی لگوائی۔

حمید ان سب تیاریوں کو دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ یہ اس کا آخری کارنامہ ہے۔

لیکن وہ فریدی کی مخالفت نہیں کر سکا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اُس نے اس سلسلے میں ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو فریدی اکیلا ہی چلا جائے گا اور یہ چیز اُسے کسی طرح گوارا نہ تھی۔

اس دوران میں وہ کئی ہوٹل تبدیل کر چکے تھے۔ انہیں ڈر تھا کہ کہیں مجرم ان کا سراغ پا کر انہیں اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش نہ کریں۔ فریدی نے اس رات سر بنجھال کے ساتھ

ی دیکھے تھے۔ وہ یہ بھی سمجھتا تھا کہ مجموعی طور پر ان کی اتنی ہی تعداد ہونی ضروری نہیں لیکن
کے باوجود بھی وہ خطرہ مول لینے پر تیار تھا۔
حید کا پیر ٹھیک ہو گیا تھا۔ اور وہ اس قابل ہو گیا تھا کہ ہوٹل سے نکل کر بازار تک جا سکے۔
ب وہ بازار سے واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں چار مقامی اخبار تھے، حمید نے انہیں فریدی کے
نے ڈال دیا۔
"کلب الشیاطین کا دوسرا عجوبہ۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔
"بیان کرتے چلو۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ انہیں پڑھ
ں۔"
"کلباش کے رہے سہے دیہاتیوں نے بھی قصبہ چھوڑ دیا۔" حمید نے کہا۔ "کل رات ساحل
صبے کے آدمیوں نے چار طویل القامت آدمیوں کو آپس میں تلوار چلاتے دیکھا۔ ان کا بیان
ہے کہ ان آدمیوں کی لمبائی دس فٹ سے کم نہیں تھی۔ تھوڑی دیر تک وہ اسی طرح لڑتے رہے
راڑتے ہوئے کلب الشیاطین کی طرف چلے گئے۔ دیکھنے والوں کا خیال ہے کہ وہ اس پتھریلے کتے
ے منہ میں گھس کر غائب ہو گئے تھے اور پھر اس کتے کے دہانے سے چنگاڑیاں نکلنے لگی تھیں....
ب پورا شہر ویران ہے۔ کل ہی رات کو وہاں کی بچی کھچی آبادی شہر کی طرف منتقل ہو گئی ہے۔"
"آگے کہو۔" فریدی بولا۔
"اور کوئی بات نہیں۔"
"اس واقعہ کے متعلق یہاں کے اخبارات اور حکام کا کیا خیال ہے۔" فریدی نے پوچھا۔
"دیہاتیوں کی توہم پرستی۔" حمید نے کہا۔ "حکام نے دیہاتیوں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ قصبے کی
رف لوٹ جائیں۔"
"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" فریدی طنزیہ انداز میں بولا۔ "یہاں کی حکومت متمدن دنیا کے
ئے ایک مستقل خطرہ پال رہی ہے۔ محکمہ موسمیات اور اراضیات کی عقل نہ جانے کہاں چرنے گئی
ہے.... اس حصے کی جغرافیائی حالت قطعی ایسی نہیں کہ یہاں سائیکلون آ سکیں.... خیر دیکھا
جائے گا.... دیکھا جائے گا۔"
فریدی اٹھ کر بیتابانہ انداز میں ٹہلنے لگا۔

"میں ایک بار پھر آپ کو اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کروں گا۔" حمید نے کہا۔

"مشکل ہے۔" فریدی پلٹ کر بولا۔ "میں سب کچھ سمجھ چکا ہوں.... میں کلب الشیاطین کو اسی طرح جھٹلانا چاہتا ہوں جیسے ایک شرابی عرصہ تک شراب نہ ملنے کے بعد بوتل پر جھپٹتا ہے۔ میں اب انتظار نہیں کر سکتا.... اگر تم نہیں جانا چاہتے تو میں تنہا جاؤں گا۔"

"آپ پھر میرا مطلب غلط سمجھے.... میں تو....؟"

"میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔" فریدی نے اس کی بات کاٹ دی۔

حمید خاموش ہو گیا.... وہ جانتا تھا کہ اب ساری کوششیں بیکار ہیں۔

اسی شام کو وہ دونوں کلباش کی طرف روانہ ہو گئے۔ فریدی نے سارا ضروری سامان ساتھ لے لیا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور پر انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ وہ کسی اخبار کے نامہ نگار ہیں۔ ٹیکسی والے نے ویران حصے سے آدھ میل ادھر ہی چھوڑ دی۔

تاریکی پھیل گئی تھی۔ وہ قصبے کے ایک ویران مکان میں گھس گئے۔ یہاں چاروں طرف سناٹا تھا۔ گاؤں میں ایک متنفس بھی نہیں رہ گیا۔ سائیں سائیں کرتی ہوئی سیاہ رات نے قصبے کی ویرانی میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ کبھی کبھی کتوں کے بھونکنے کی آواز خاموشی کے اتھاہ ساگر میں ہلکورے پیدا کر کے کہیں غائب ہو جاتی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ تم خائف نہیں ہو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"قطعی نہیں! بشرطیکہ اپنے جیسے انسانوں سے مقابلہ کرنا پڑے۔"

"مطمئن رہو.... اس کے آگے تمہیں سوچنا ہی نہ چاہئے۔"

"اوہ.... آپ تو مجھے اس طرح بہلا رہے ہیں جیسے میں نے اس طویل القامت دیو کو دیکھا نہ ہو۔"

"گھبراؤ نہیں.... آج رات اس سے مقابلہ کی توقع نہیں۔" فریدی نے کہا۔

"خیر دیکھا جائے گا۔" حمید نے اکتا کر کہا۔

ایک گھنٹے کے بعد ساری تیاریاں مکمل کر لینے کے بعد وہ ساحل پر کھڑے تھے۔ کافی عرصہ گذر گیا۔ لیکن کلب الشیاطین کی خاموشی میں فرق نہیں آیا۔ حمید کو فریدی کی پیشین گوئی پر شبہ ہونے لگی اور فریدی نے ربر کی کشتی سمندر میں ڈال دی.... وہ آہستہ آہستہ کلب الشیاطین

رف بڑھ رہے تھے.... حمید کی نظریں کتے کے پھیلے ہوئے دہانے کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ وہ
رچ رہا تھا کیا واقعی یہ سیاہ ریشم کا لباس سحر زدہ ہے اور پھر ان کی کشتی چٹانوں کے سلسلے سے ٹکرائی۔
یدی کا گلا پکڑ کر اوپر چڑھ گیا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی اور اس کے بعد کشتی اوپر کھینچ لی گئی۔
ید چٹانوں پر قدم رکھتے ہی لرز اٹھا۔ یہاں کا پراسرار سناٹا مصر قدیم کے خوفناک جادوگروں کی یاد
لانے لگا۔ اور وہ مقبرے بھی یاد آئے جن میں ہزاروں سال سے انسانی لاشیں محفوظ تھیں۔ محض
ں امید پر کہ ایک دن ان کی بھٹکتی ہوئی روحیں اپنے جسموں میں لوٹ آئیں گی۔

چٹانوں کا سلسلہ تقریباً دو تین فرلانگ تک چلا گیا تھا۔ جس چٹان پر یہ لوگ کھڑے تھے کلب
یاطین کا ایک حصہ تھا۔ فریدی نے جیب سے ٹارچ نکالی اور آہستہ آہستہ ایک طرف بڑھنے لگا۔
دہ بیس منٹ کی جدوجہد کے بعد بھی وہ کوئی ایسا راستہ نہ معلوم کر سکے جس کے ذریعہ اندر پہنچ
کتے۔ پھر انہوں نے دوسری راہ اختیار کی۔ فریدی عین کتے کے سر کے نیچے آکر کھڑا ہو گیا۔ جس
ی اونچائی چالیس فیٹ سے کسی طرح کم نہ رہی ہو گی۔ حمید پر ایک بار پھر ہیبت طاری ہو گئی۔ خود
ریدی نے بھی ایک بار جھرجھری سی لی۔

ادھر بھی کسی طرف سے کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ اس وقت کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ
ریدی اپنی ٹارچ کا آزادانہ استعمال نہیں کر رہا تھا.... دفعتاً وہ داہنے طرف کے نشیب میں اتر گیا۔
حمید نے بھی اس کی تقلید کی.... ادھر چٹان کا پھیلاؤ زیادہ تھا۔ ایک جگہ اچانک فریدی رکا اور جھک
کر زمین کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ نشانات دیکھ رہے ہو۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "بھیگے ہوئے پیروں کے نشانات۔"

اور وہ آہستہ آہستہ نشانات کے ساتھ آگے بڑھنے لگا اور پھر وہ ایک بارکتے کی گردن سے
قریب پہنچ گئے۔ یہاں آکر پیروں کے نشانات غائب ہو گئے۔ فریدی نے ٹارچ روشن کی۔ اسے
غلط فہمی ہوئی تھی۔ پیروں کے نشانات یہاں غائب نہیں ہوئے تھے بلکہ چند ابھرے ہوئے
چھوٹے چھوٹے پتھروں پر نظر آرہے تھے۔

"آخر ان پتھروں پر چلنے کی کیا ضرورت تھی جب کہ چٹان کا ایک حصہ سپاٹ اور مسطح
ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "یہ چیز واقعی دلچسپ ہے۔" حمید بولا۔

فریدی ان پتھروں کو دیکھنے لگا۔ ہر ٹکڑے پر پیر کا ایک نشان موجود تھا اور اس کے بعد مسطح

چٹان پر کوئی نشان نظر نہ آیا۔

"لو بھئی اس خبیث کا پیٹ تو پھٹ گیا۔" فریدی حمید کی طرف مڑ کر آہستہ سے بولا۔ "
اس نے اس اچانک نمودار ہونے والے غار کے دہانے میں ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ اندر بالکل
اور دہانے کے سرے سے آٹھ دس زینے تہہ تک چلے گئے تھے۔ دونوں غار میں بہ آہستگی اتر
جیسے ہی انہوں نے فرش پر قدم رکھا اوپر دہانے کا منہ بند ہو گیا۔

"یہ کیا ہوا۔" حمید اوپر کی طرف دیکھ کر گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"ٹھہرو....!" فریدی نے کہا اور زینوں پر چڑھتا چلا گیا۔ آخری زینہ پر پیر رکھتے ہی
پھر کھل گیا۔ فریدی لوٹ آیا.... اور دہانہ بند ہو گیا۔

"غضب کی کاریگری ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ بھوت اس وقت کہاں سو رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"وہ مطمئن ہیں کہ کوئی ان تک پہنچنے کی ہمت نہ کر سکے گا۔" فریدی نے کہا۔ "پھر ہم
قطعی نہ دکھائی دیتے ہوں گے۔"

"ہم نے جادوائی لباس جو پہن رکھا ہے۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"معلوم نہیں کہ آپ کے ذہن میں کیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"جو کچھ ہے ابھی سامنے آجاتا ہے۔" فریدی نے کہا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ وہ
کمرے میں کھڑے تھے جس میں کوئی دروازہ نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد ان کا دم گھٹنے لگا اور وہ
زینوں پر چڑھ گئے.... غار کا دہانہ کھل جانے کی وجہ سے انہیں اس گھٹن سے نجات ملی۔ فری
نے پھر ٹارچ کی روشنی میں اس کمرے کا جائزہ لینا شروع کیا اسکی نظریں سامنے کی دیوار سے زینو
پر پڑیں۔ یہ تین الگ الگ سیڑھیاں تھیں جن کا درمیانی فاصلہ ایک فٹ سے زیادہ نہیں تھا۔

"ذرا ان زینوں کو دیکھو۔" فریدی بولا۔ "بھلا ان تین زینوں کا کیا مطلب ہے اور یہ
سوچو کہ ان کے سرے پر دروازے بھی نہیں ہیں۔ پھر ان کا کیا مقصد ہے.... اوہ.... حمید
پہلے زینے کی سیڑھیاں تو گنو۔"

"نو ہیں۔" حمید بولا۔ "دوسرے میں سات اور تیسرے میں پانچ ہیں۔"

"اچھا تو وہ رومال والا عدد کیا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"نو سو پچھتر....!" حمید نے کہا۔

"نو سو پچھتر نہ کہو۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "بلکہ نو۔سات۔پانچ کہو.... لو بھئی نو سو
معمہ کا مسئلہ بھی چٹکی بجاتے حل ہو گیا.... قدرت کچھ مہربان معلوم ہوتی ہے۔"

"اچھا تم یہیں ٹھہرو تاکہ دہانہ کھلا رہے.... میں ذرا ان زینوں کو دیکھتا ہوں۔" وہ آخری
زینے پر سے نیچے کود پڑا.... اب وہ سامنے والی دیوار کے زینوں کا جائزہ لے رہا تھا.... پہلے وہ نو
سیڑھیوں والے زینے پر چڑھا.... پھر اس پر سے ہو کر سات سیڑھیوں والے زینوں سے گذرتا
ہوا نیچے اتر آیا.... اور پانچ سیڑھیوں والے زینے پر چڑھنے لگا۔ جیسے ہی وہ آخری سیڑھی پر پہنچا
دیوار کا ایک حصہ ایک طرف ہٹ گیا اور دوسری طرف عجیب قسم کی گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی
دینے لگی۔ فریدی نے حمید کو اشارے سے بلایا.... دونوں اندر داخل ہو گئے۔ یہاں بالکل تاریکی
تھی۔ فریدی نے ٹارچ روشن کی اور آگے بڑھنے لگا۔

"یہ آواز کیسی ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"کسی مشین کی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"مشین....!" حمید چونک کر بولا۔

"ہاں ہاں خاموشی سے چلے آؤ۔" فریدی نے کہا۔ وہ ایک تنگ و تاریک راستے سے گذر رہے
تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک کمرے کے سامنے کھڑے تھے جس کے دروازہ پر سیاہ پردہ پڑا تھا
اور روشندان سے روشنی پھوٹ رہی تھی۔ دونوں بہ آہستگی دروازے سے ہٹ کر ایک کنارے
کھڑے ہو گئے۔ فریدی نے روشندان سے جھانک کر دیکھا۔ اندر چار آدمی ایک میز کے گرد بیٹھے
شراب پی رہے تھے۔ ان میں ایک بوڑھا تھا جس کے چہرے پر گھنی اور سفید ڈاڑھی تھی....
چاروں یوروپین معلوم ہوتے تھے۔ فریدی نے حمید کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔

"دیکھا تم نے.... یہ ہیں تمہارے بھوت.... اس بوڑھے کو پہچانتے ہو.... کہیں تصویر تو
دیکھی ہی ہو گی۔"

"میں نہیں پہچانتا.... لیکن....!"

"ٹھہرو....!" فریدی آہستہ سے بولا۔ "اُس طرف داہنے کونے میں دیکھو۔"

حمید لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گیا۔

"ارے یہ تو.... وہی....!"

"لیکن ڈرو نہیں.... یہ اس وقت بالکل بے جان ہیں۔" فریدی نے کہا اور جیب سے ریوالور نکال لیا۔ حمید نے بھی اپنے ریوالور کا دستہ مضبوطی سے پکڑ لیا۔

"یہ بوڑھا جرمنی کا مشہور سائنس دان ولمین ہے، جو ہٹلر کی موت کے بعد پراسرار طور پر غائب ہو گیا تھا.... اور اب یہ یہاں اس ویرانے میں کسی نئے تباہ کن ہتھیار کا تجربہ کر رہا ہے.... خیر آؤ.... لیکن ہوشیاری سے۔"

فریدی پردہ اٹھا کر کمرے میں داخل ہو گیا.... وہ چاروں اسے دیکھتے ہی بوکھلا کر کھڑے ہو گئے۔

"ہینڈز اپ....!" فریدی گرج کر بولا۔ "اگر کوئی اپنی جگہ سے ہلا تو شوٹ کر دوں گا۔"

چاروں نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لئے۔ وہ گھبرائی ہوئی نظروں سے ان دونوں سیاہ پوشوں کو دیکھ رہے تھے....

"تم کون ہو....!" بوڑھا سائنس دان بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"تمہاری مشینی آندھی کے شکار دو دیہاتیوں کے بھوت۔" فریدی قہقہہ لگا کر بولا۔ "کی اطلاع تمہارا ٹیلی ویژن سیٹ بھی نہ دے سکا۔"

بوڑھا آہستہ آہستہ دیوار کے قریب رکھی ہوئی ایک مشین کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس میں ایک شیشہ لگا ہوا تھا۔ جس میں پورا ساحل کا علاقہ صاف نظر آ رہا تھا۔ حمید متحیر تھا کہ آ بند کمرے میں رکھی ہوئی مشین میں باہر کے مناظر کس طرح دکھائی دے رہے ہیں اور ا لمحوں کے بعد سارا معمہ حل ہو گیا.... اسی مشین کے ذریعہ وہ ساحل پر لوگوں کی نقل و حر جائزہ لیا کرتے تھے.... فریدی بوڑھے کی حرکت دیکھ رہا تھا.... اس نے پستول گھما کر مشی شیشے پر گولی چلا دی۔ شیشہ ایک چھناکے کے ساتھ ٹوٹ گیا.... بوڑھا چیخ مار کر فریدی کی جھپٹا.... فریدی کے پستول سے پھر ایک شعلہ نکلا اور بوڑھا اچھل کر دیوار سے ٹک گیا۔ کے منہ سے چیخیں نکل رہی تھیں۔ اس کا ایک پیر زخمی ہو گیا تھا۔

"حمید ان تینوں کے ہاتھ پیر جکڑ دو...!" فریدی نے کہا۔ "اور میں اس بوڑھے سے سمجھتا ہوا

فریدی نے حمید کا پستول بھی اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ایک پستول کا رخ بوڑھے کی طرف

دوسرے کا ان تینوں آدمیوں کی طرف۔ حمید نے جیب سے پتلی پتلی مضبوط سی ڈوریاں نکالیں ریکے بعد دیگرے انہیں جکڑنے لگا۔

"کیوں ولمین وہ رومال کہاں ہے۔" فریدی نے بوڑھے سے کہا۔

"میں نے اسے جلا دیا۔" ولمین چیخ کر بولا۔

"بہت خوب! سر بتھال کی لاش کیا ہوئی۔"

"اوہ تو تم وہی جاسوس ہو۔" ولمین چیخ کر بولا۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"تمہارے وہ دیو پیکر بھوت یہی ہیں۔" فریدی ایک طرف کھڑے ہوئے چار پانچ لوہے کے سروں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ولمین نے کوئی جواب نہ دیا۔

"کیا تم یہ جانتے تھے کہ تمہاری مشین کی شعاعیں ریشم کے لباس سے نہیں گذر سکتیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں لیکن میں یہ نہیں جانتا تھا کہ مشرقی سور بھی اتنے ذہین ہو سکتے ہیں۔" ولمین درد سے چیخ کر بولا۔

فریدی نے پھر قہقہہ لگایا۔

"خیر.... خیر.... ولمین.... تمہارا یہ عظیم الشان کارنامہ ہمیشہ کے لئے دفن ہونے جا رہا ہے.... کیا تم مجھے اپنی ان تباہ کن مشینوں کے بارے میں کچھ بتاؤ گے۔" فریدی نے کہا۔

"مشین تم نے برباد کر دی ہے۔" ولمین ٹوٹی ہوئی مشین کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "دنیا کا کوئی سائنسدان اب یہ نہ بنا سکے گا یہ کیسے بنائی گئی تھی.... یہی مشین آندھیاں پیدا کرتی تھی۔ یہی مشین ان لوہے کے آدمیوں کی آنکھ تھی۔ یہ آدمی اسی اسکیم کے تحت بنے تھے جس کے تحت جرمنی کے مشہور اور خود بخود داڑنے والے بم اور ہوائی جہاز بنائے گئے تھے۔ ان میں ریڈیائی طریقوں سے قوت عمل پیدا کی جاتی تھی۔ لیکن افسوس کہ یہ اب بیکار ہو چکے ہیں.... تم.... خبیث.... سور.... تم نے میرے اس کارنامے پر خاک ڈال دی جس کے لئے میں نے ساری زندگی وقف کر دی تھی.... مجھے سہارا دے کر اس آرام کرسی تک لے چلو میں تمہیں مرنے سے پہلے کچھ اور باتیں بتانا چاہتا ہوں.... مجھے یہاں سے کوئی قوت زندہ نہیں لے جا سکتی۔"

بوڑھے نے آنکھیں بند کرلیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے غش آگیا ہو۔ وہ گر
تھا کہ فریدی نے آگے بڑھ کر اُسے سنبھال لیا.... حمید جو بقیہ تینوں آدمیوں کو باندھ کر
ڈال چکا تھا.... فریدی کی مدد کے لئے آگے بڑھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی زمی
اور اس کے دونوں پستول بوڑھے ولمین کے ہاتھوں میں تھے۔

"کیوں سورما اب بتاؤ۔" بوڑھا ولمین قہقہہ لگا کر بولا۔

"اچھا تو کیا تم ہمیں یہاں اکیلے سمجھتے ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "مت بھولو کہ میر
جیسے نہ جانے کتنے سیاہ پوش اس کتے کے پیٹ میں موجود ہیں۔ اسی لئے میں نے آتے ہی س
پہلے تمہاری مشین برباد کردی تھی.... تم اس وقت ہم دونوں کو مار سکتے ہو لیکن اس کر
تھوڑی ہی دور کھڑے ہوئے پچاس آدمیوں کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔"

"دیکھا جائے گا۔" ولمین آہستہ سے بولا۔ "تم اٹھ کر میرے ساتھیوں کو فوراً کو
ورنہ....!"

فریدی آہستہ سے اٹھا۔ ولمین نے حمید کو بھی اشارہ کیا۔ دونوں بندھے ہوئے آ
کھولنے لگے۔ ولمین دیوار کے قریب جاکر روشندان سے جھانکنے لگا لیکن وہ فریدی اور
طرف سے غافل نہیں تھا۔ فریدی نے چیخنا چاہا۔ "خبردار....!" ولمین آہستہ سے بولا۔"
سے آواز نکلی تو شوٹ کردوں گا۔" اسے باہر کہیں کھڑے ہوئے خیالی آدمیوں کا خوف تھا

اس بار جیسے ہی اس نے روشندان کی طرف منہ پھیرا۔ فریدی نے پھرتی سے ایک
اٹھا کر اس پر پھینک مارا۔ دونوں ایک ساتھ زمین پر آرہے.... دو فائر ہوئے.... اور د
کمرے میں گونج اٹھیں۔ گرتے گرتے ولمین کے ہاتھوں میں دبے ہوئے دونوں پستو
گئے.... فریدی اور حمید ان کی طرف جھپٹے.... ایک پستول کی گولی ولمین کی ٹھوڑی پھاڑ
سر سے نکل گئی تھی اور دوسری اس کے ساتھی کے سینے سے پار ہوگئی تھی۔

"اوہ یہ تو بہت بُرا ہوا....!" فریدی بے ساختہ بولا۔ "میں اس بوڑھے کو زندہ گرفا
چاہتا تھا۔" حمید نے کوئی جواب نہ دیا.... ولمین کے دو ساتھی زمین پر بندھے پڑے تھے
ان دونوں کو چیخ چیخ کر گالیاں دے رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد فریدی اور حمید تہہ خا
دوسرے حصوں کا جائزہ لے رہے تھے۔ یہاں ان لوگوں نے اچھا خاصا کارخانہ قائم کر

ایک چھوٹا سا بجلی گھر بھی تھا جس کی قوت سے مشینیں چلائی جاتی تھیں۔ حمید نے لوہے کے ان قد
اور آدمیوں کو قریب سے دیکھا جنہیں وہ بھوت سمجھے ہوئے تھا۔

"ایک بڑی خوفناک چیز مٹ گئی۔" فریدی نے کہا۔ "ورنہ کسی اگلی جنگ میں یہ لوہے کے
آدمی انسانوں کے مقابلے میں استعمال کئے جاتے۔" حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس پر ابھی تک
حیرت طاری تھی۔ کبھی وہ ان لوہے کے آدمیوں کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی فریدی کی طرف....
شائد وہ دونوں کا موازنہ کر رہا تھا کہ ان میں زیادہ خوفناک کون ہے۔ فریدی یا وہ لوہے کے بھوت۔

"افسوس کہ یہ مشین برباد ہوگئی۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن بہت اچھا ہوا۔ ورنہ کوئی اور اسے
اپنے ناپاک ارادوں کے لئے امن پسند دنیا کے خلاف استعمال کرتا۔ بہت اچھا ہوا بہت اچھا ہوا۔"

دوسرے دن کلباش کے علاقہ میں ایک جم غفیر لگا ہوا تھا۔ چپے چپے پر پولیس اور فوج کے سپاہی
نظر آرہے تھے۔ کلب الشیاطین کی خبیث روحیں وہاں سے ہٹائی جارہی تھیں۔ فریدی ساحل پر ایک
نیمے میں مصر کے اعلیٰ حکام سے گفتگو کر رہا تھا۔ وہ انہیں شروع سے ساری داستان سنا رہا تھا۔

"اور پھر جب میں نے دیکھا کہ ریشمی چادر کے سامنے اس دیو پیکر کی ساری قوتیں بیکار
ہوجاتی ہیں تو میں اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ وہ آدمی کوئی مافوق الفطرت ہستی نہیں بلکہ کسی مشین کا
تابع تھا اور اس مشین کی پیدا کردہ شعاعیں ریشم کی سطح سے نہیں ٹکراتیں.... اس کے لئے میں
نے ایک دوسرا تجربہ کیا۔"

اب فریدی نے انہیں کپڑے کے قد آدم مجسموں والے تجربہ کے متعلق بتلایا۔

"واقعی مسٹر فریدی تم نے امن پسند دنیا پر ایک احسان عظیم کیا ہے۔" قاہرہ کا پولیس کمشنر
بولا۔ "مجھے اب افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے تمہارے مشورے پر عمل کیوں نہیں کیا تھا۔"

"خود میں بھی شرمندہ ہوں۔"

"خیر جو کچھ بھی ہوا ٹھیک ہوا۔" فریدی نے کہا۔ "میرا مقصد حل ہوگیا۔"

"اُف میرے خدا۔" ایک آفیسر بولا۔ "ہم لوگ بھی کتنے احمق تھے کہ ان تباہ کن آندھیوں
کو سائیکلون سمجھتے رہے اور عوام کسی خبیث روح کا کارنامہ۔"

اسی دن اخباروں کے غیر معمولی شمارے دھڑا دھڑ فروخت ہو رہے تھے.... ان میں کلب
الشیاطین کی وارداتوں کے متعلق خبریں شائع ہوئی تھیں۔ فریدی اور حمید کی کارگزاریوں کو کچھ

اور بھی زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا تھا۔

اور وہ دونوں شام کو ایک گمنام سے ہوٹل میں بیٹھے کافی پی رہے تھے۔ اپنے ہوٹل سے دو
والوں کے خوف سے نکل بھاگے تھے۔ آج صبح سے آٹوگراف لینے والوں کی کاپیوں پر د
کرتے کرتے ان کے ہاتھ دکھنے لگے تھے۔ اخباروں کے نامہ نگاروں نے الگ تنگ کر رکھا تھا
پھر انہوں نے جان بچانے کے لئے رہائشی ہوٹل سے ہٹ جانا ہی مناسب سمجھا۔

"حمید! ایک چیز مجھے ہمیشہ الجھن میں ڈالے رہے گی۔" فریدی نے کہا۔

"وہ کیا....!"

"کلب الشیاطین....!" فریدی آہستہ سے بولا۔ "آخر ولمین اس کے راز سے کیسے واقف
ہو گیا۔ جب کہ یہاں کے باشندے بھی اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے اور نہ کسی تاریخی کتاب
سے اس کے وجود پر روشنی پڑتی ہے.... اور یہ تو تم نے دیکھ ہی لیا کہ وہ آج کی کاریگری نہ
ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ اہرام اور ابوالہول سے بھی پہلے کی چیز ہو۔ معلوم نہیں کہ یہ جرمن اس
اندر کس طرح پہنچ گئے۔ ولمین کے ساتھیوں سے معلوم ہوا کہ ولمین ہی نے اس کا پتہ لگایا تھا۔
وہ بھی نہیں بتا سکے کہ اسے اس کا حال کیسے معلوم ہوا تھا۔" حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خامو
سے کافی پی رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بولا۔

"خیر یہ سب سوچنے کے لئے زندگی پڑی ہے۔ یہ بتایئے کہ اب کیا پروگرام ہے۔"

"میں اب کچھ آرام کرنا چاہتا ہوں۔ کیا ہمارا محکمہ اس خطرناک مہم کے بعد ہمیں سال
سال کی چھٹی بھی نہ دے گا۔ میں تمہیں سیاحت کے بہانے لایا تھا۔ لہٰذا سیاحت ہو گی۔ ا
رپورٹ اور چھٹی کی درخواست جلد ہی سفارت خانے کے سپرد کر کے ہم یورپ کی طرف رو
ہو جائیں گے اور پھر واپس پر تمہاری شادی کیا سمجھے۔"

"اور اپنے متعلق کیا کہتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"کیا ایک دوست کی بیوی میرے لئے کافی نہ ہو گی۔" فریدی مسکرایا۔ "کافی ہاں
کافی.... بوائے کافی اور لاؤ۔" حمید چیخ کر بولا اور دانت نکال کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 13

ہیرے کی کان

(مکمل ناول)

پریشان حال عورت

انور اپنے فلیٹ کے ایک کمرے میں بیٹھا ایک کتاب پڑھ رہا تھا وہ ایک آرام کرسی میں
ہوا تھا۔ ایک پیر سامنے والی میز پر تھا اور دوسرا پھیلی ہوئی ٹانگ پر، ٹائی کی گرہ ڈھیلی ہو کر
جھول گئی تھی۔ فلٹ ہیٹ پیشانی پر تھی اور بکھرے ہوئے بال بھنوؤں پر لہرا رہے تھے۔ اُ
آج صبح بھی شیو نہیں کیا تھا اس لئے سرخ و سپید رخساروں پر ہلکی ہلکی سبزی کچھ عجیب سی لگ
تھی۔ اس کمرے میں کتابیں ہی کتابیں تھیں۔ الماریوں میں کتابیں، میز پر کتابیں، کرسیو
کتابیں فرش پر کتابیں، آرام کرسیوں کے چوڑے ہتھوں پر کتابیں، دو ایک کتابیں اُس کی گو
بھی پڑی ہوئی تھیں۔ کمرے میں کچھ عجیب قسم کی بے ترتیبی تھی۔ فرش پر سگریٹوں کے
ٹکڑے اور جلی ہوئی دیا سلائیاں بکھری ہوئی تھیں۔ کتابوں کے درمیان الماریوں میں کہیں
میلے اور پھٹے پرانے موزے گھسے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ لکھنے کی میز پر سگریٹوں کی
ڈبیاں، ڈاڑھی بنانے کا سامان، کچھ نئے اور پرانے رسالے، دو ایک چائے کی پیالیاں جن
سرخ رنگ کے دھبے تھے۔ ایک دو میلے کچیلے رومال اور نہ جانے کیا کیا الا بلا ڈھیر تھی۔ دیوار
دو ایک کیلنڈر تھے جن میں پچھلی تاریخیں اب تک لگی ہوئی تھیں۔ انور نے کتاب پڑھتے
سر اٹھایا اور فلٹ ہیٹ پیشانی سے سرک کر نیچے فرش پر آ رہی۔ اُس نے بُرا سا منہ بنایا اور
پیچھے کی طرف اچھال دی پھر ایک نسوانی چیخ سنائی دی۔ انور مڑا دروازے میں رشیدہ کھڑی
رہی تھی۔ کتاب اُس کے چہرے سے ٹکرا گئی اُس نے جھک کر کتاب اٹھائی اور انور کو گھورنے

انور نے اپنی گود میں پڑی ہوئی کتابوں میں سے ایک کتاب اٹھائی اور ورق گردانی کر
ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔ پھر اُس نے وہ کتاب بھی میز پر پھینک دی اور

طرف مڑا جو ابھی تک گھورے جا رہی تھی۔

"میں کہتا ہوں آخر اس قسم کی کتابیں چھاپنے سے فائدہ؟" وہ چند لمحے بے خیالی میں رشیدہ
طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"اور میں کہتی ہوں آخر تمہاری زندگی سے فائدہ۔" رشیدہ منہ بنا کر بولی۔

"میں نے ابھی تک اس پر غور نہیں کیا۔" انور نے آہستہ سے کہا اور کتاب پر نظریں
ادیں۔

رشیدہ نے زمین پر پڑا ہوا فلٹ اٹھا کر صاف کیا اور میز پر رکھ دیا پھر کچھ دیر تک منہ بنائے
ئے چاروں طرف دیکھتی رہی۔

"تم نے پھر کتابیں اِدھر اُدھر پھیلا دیں۔" رشیدہ تیز لہجے میں بولی۔

انور نے کتاب میز پر رکھ کر ایک طویل انگڑائی لی اور پیشانی پر بکھرے ہوئے بال ہٹا کر کھڑا
گیا۔

"تمہارے پاس کچھ پیسے ہوں گے؟" اُس نے رشیدہ سے پوچھا۔

"کیوں....؟"

"مجھے ایک پیکٹ سگریٹ لا دو۔"

"میں یہ پوچھنے آئی تھی کہ ہم لوگ دوپہر کا کھانا کہاں سے کھائیں گے؟"

"منہ سے۔"

"فضول باتیں نہیں کرو، ہمارے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ دوپہر کا کھانا کھایا جا سکے۔"
یدہ جھنجھلا کر بولی۔

"بس اتنی سی بات؟" انور مسکرا کر بولا۔ "اس کی نہایت آسان تدبیر بتاتا ہوں وہ پرانے
بارڈں کا ڈھیر ہے اسے بیچ کر تم کم از کم دس روپے حاصل کر سکتی ہو۔"

"جہنم میں گئے اخبارات....!" رشیدہ جھنجھلا کر بولی۔ "تم اپنی تنخواہ ختم کر دیتے ہو میری تنخواہ
یادہ حصہ بھی تم پر ہی صرف ہوتا ہے اور پھر بھی آخیر مہینے میں اس کی نوبت آجاتی ہے۔"

"بیٹھ جاؤ۔" انور سنجیدگی اور نرمی سے بولا۔ رشیدہ ایک کرسی پر منہ پھیلائے ہوئے بیٹھ
ہا اور تھوڑی دیر تک اُس کی طرف دیکھتا رہا پھر اچانک بولا۔

"کون اُلو کا پٹھا تم سے کہتا ہے کہ تم اپنی تنخواہ مجھ پر خرچ کر دیا کرو۔ آخر تم میری ہو تم میرے فلیٹ پر کیوں آئی ہو۔ میں جب بھی تم سے کوئی اُدھار لیتا ہوں ایمانداری سے کر دیتا ہوں اگر تمہاری ایک پائی بھی مجھ پر آتی ہو تو بتاؤ۔"

انور خاموش ہو گیا اور اُس نے پھر ایک کتاب اٹھالی۔ وہ پھر آرام کرسی پر دھنستا ہو میں ڈوب گیا تھا۔

رشیدہ کی بھنویں چڑھ گئیں، پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں، آنکھیں سرخ ہو گئیں چند ہی لمحوں میں اُس کے نتھنے پھڑکنے لگے اور وہ اس طرح آنکھیں پھاڑنے لگی جیسے آنسو کی کوشش کر رہی ہو۔ وہ تھوڑی دیر تک بیٹھی بسورتی رہی پھر اٹھ کر پیر پٹختی ہوئی کمرے نکل گئی۔ انور بدستور مطالعے میں مشغول رہا۔ وہ ایک اخبار میں جرائم کا نامہ نگار تھا اور ا میں مستقل طور پر قسط وار جاسوسی ناولیں لکھا کرتا تھا۔ صحیح معنوں میں اس اخبار کا سب تھا۔ اگر وہ ادارے سے الگ ہو جاتا تو دوسرے ہی دن اخبار کی تعداد اشاعت آدھی سے جاتی۔ یہی وجہ تھی کہ ایڈیٹر سے لے کر پروپرائیٹر تک اُس کی مٹھی میں تھے۔ وہ ایک جاسوس بھی تھا۔ شہر کا شاید ہی کوئی ایسا پولیس آفیسر رہا ہو جس کے دو چار راز اُسے نہ معلو ہوں۔ بس یہ سمجھنا چاہئے کہ اُن کی دکھتی رگیں اُس کے ہاتھ میں تھیں۔ شاید ہی کوئی پو ایسا رہا ہو جو اس نوجوان بے باک اور نڈر کرائم رپورٹر سے جلتا نہ ہو۔ اُس نے بہتیرے میں پولیس کی رہنمائی بھی کی تھی اور خصوصاً انسپکٹر فریدی کی عدم موجودگی میں تو اُس کی تھی۔ محکمہ سراغ رسانی والے بھی اُس کے ہاتھوں کھلونا بن کر رہ گئے تھے۔

وہ ایک لاپرواہ اور اکھڑ نوجوان تھا۔ اُس نے اپنی زندگی ایک وکیل کی حیثیت سے تھی لیکن کچھ دنوں کے بعد سب کچھ چھوڑ کر اس راستے پر آنکلا تھا۔ اُسے دراصل کارنامہ پیار تھا۔ پچھلی زندگی قطعی ناخوشگوار گزری تھی اس لئے وہ ماضی کے دھندلکوں میں جھ ہمت نہیں کرتا تھا۔ اب تو وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ اُس کے ماں باپ کون تھے اور کہاں بھی یا نہیں وہ دنیا میں بالکل اکیلا تھا۔

رشیدہ اسی اخبار کے دفتر میں ٹائپسٹ تھی۔ وہ نہ جانے کیوں انور کے اس قدر قر تھی۔ اُن دونوں کے فلیٹ بھی برابر ہی برابر واقع تھے۔ صرف درمیان میں ایک دیو

فی۔ رشیدہ بھی اسی کی طرح دنیا میں تنہا تھی اُس نے اپنے متعلق اُسے کبھی کچھ نہیں بتایا۔ سچ ات تو یہ ہے کہ انور نے کبھی کچھ پوچھا ہی نہیں۔ ان دونوں میں دو چیزیں مشترک تھیں۔ پہلی تو کہ دونوں اس وسیع دنیا میں تنہا تھے دوسری یہ کہ دونوں کارنامے پسند کرتے تھے۔ دونوں دلیر تھے۔ دونوں کو پرانے سماج سے نفرت تھی۔ متوسط طبقے کی صاف ستھری لیکن گھناؤنی زندگی ناپسند فی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ دونوں ایک دوسرے کے قریب ہو گئے تھے۔ رشیدہ نے کئی کارناموں ں انور کا ساتھ دیا تھا۔ وہ دونوں اکثر آپس میں لڑ بھی جاتے تھے اور یہ لڑائی کچھ اتنی تلخ ہوتی کہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتے کہ وہ اب ایک دوسرے سے زندگی بھر نہ بولیں گے لیکن ان کا یہ عہد زیادہ دیرپا ثابت نہ ہوتا اور پھر ایک دوسرے سے بولنے پر مجبور ہو جاتے۔ نہ جانے کیوں؟ صرف ایک بات پر رشیدہ انور سے بہت زیادہ نالاں رہا کرتی تھی۔ وہ یہ کہ انور فضول رچ تھا اور پھر جب مفلس ہو جاتا تو کبھی گھڑی بیچی جاتی، کبھی انگوٹھی اور کبھی ردی کاغذ، اُدھار لینے کا حاتم تھا لیکن پیسہ ملتے ہی سب سے پہلے پچھلا قرض بیباق کرنے کی فکر کرتا تھا۔

اخبار کی آمدنی کے علاوہ بھی اُسے پرائیویٹ کیسوں کے سلسلے میں کافی پیسے ملتے رہتے۔ شہر کے متمول لوگ جس معاملے کی تفتیش کسی وجہ سے پولیس کے سپرد نہیں کرنا چاہتے تھے اُس کے سپرد کر دیتے تھے اور کام ہو جانے پر اس کے لئے وہ اُسے معقول معاوضہ دیتے تھے۔ بہر حال اگر وہ چاہتا تو نہایت شان سے زندگی بسر کر سکتا تھا لیکن اپنے بے اصولے پن کی وجہ سے ہمیشہ مفلس رہتا تھا۔ لاپرواہی اُس کے کردار کا جزو لازم تھی۔ اس وقت بھی اُسے اس بات کا احساس نہیں تھا کہ ایک گھنٹے کے بعد اُسے دفتر جانا ہے۔

"تم سے ایک عورت ملنا چاہتی ہے۔" رشیدہ نے دروازے میں آکر کہا۔

"لیکن میں کسی عورت سے ملنا نہیں چاہتا۔" انور نے کتاب سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

"لیکن وہ تمہیں جانتی ہے۔"

"مجھے بہتیری عورتیں جانتی ہیں۔"

"تو میں اُسے کیا کہہ دوں....؟"

"کہہ دو کہ میں نہیں ملنا چاہتا۔" انور نے کہا۔

رشیدہ چلی گئی لیکن تھوڑی دیر بعد ایک جوان عورت کمرے میں داخل ہوئی۔ ظاہری حالت

سے کوئی معقول عورت معلوم ہوتی تھی۔ وہ سفید سلک کی ساڑھی میں ملبوس تھی۔ جسم پر کو
لمبا کوٹ تھا اور گلے میں ہیروں کا بیش قیمت ہار، ہونٹوں پر نہایت شوخ قسم کی لپ اسٹک کی
جمی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں بلا کی جاذبیت تھی۔ وہ دروازے سے کچھ دور آکر ٹھٹک گئی۔
بدستور مطالعے میں مشغول تھا۔ آہٹ سن کر وہ کتاب سے نظریں ہٹائے بغیر بولا۔

"اب کیا ہے؟"

"اوہ.... اَں.... انور....!" وہ ہچکچاتی ہوئی بولی۔ انور چونک کر مڑا۔

"اوہ تم ساجدہ۔ کیوں؟ کیسے زحمت گوارا فرمائی؟" انور طنزیہ انداز میں بولا۔ عورت نے
کی تلخی محسوس کرلی لیکن کچھ بولی نہیں۔ قبل اس کے کہ انور اُس سے بیٹھنے کے لئے کہتا وہ خو
ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

"شاید پانچ سال بعد ہم لوگ مل رہے ہیں۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"لیکن پانچ سال بعد ملنے کی وجہ؟" انور نے بے رخی سے پوچھا۔

"انور میں اس وقت مصیبت زدہ ہوں۔" وہ ملتجیانہ انداز میں بولی۔

"اوہو... کمال کردیا۔ اتنے قیمتی ہار اور اتنے نادر کوٹ میں بھی تم خود کو مصیبت زدہ سمجھتی

"انور....!" عورت تیز لہجے میں بولی۔ "میں تم سے سودا کرنے آئی ہوں۔"

"تو کرو نا....!"

عورت نے گھوم کر رشیدہ کی طرف دیکھا جو پرانے اخبارات اکٹھا کر رہی تھی۔

"تمہاری بیوی ہے؟" عورت نے انور سے پوچھا۔

"نہیں، بیوی سے زیادہ۔"

"یعنی....؟"

"میری دوست ہے۔" انور اکتا کر بولا۔ "تم اپنی بات کہو۔"

اس دوران میں رشیدہ اخبارات کا ڈھیر اکٹھا کر کے باہر جا چکی تھی۔

"میرا شوہر اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔" عورت بولی۔

"تو میں کیا کروں میں کوئی ڈاکٹر نہیں ہوں۔" انور نے کہا۔

"مجھے پوری بات کہنے دو۔" عورت گرج کر بولی۔ "وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے اور

لہ نمبر 4

ے گمرے غائب ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تم اُسے ڈھونڈو۔"

"اس سلسلے میں پولیس زیادہ بہتر ثابت ہوگی۔" انور نے کہا۔

"میں اسے مناسب نہیں سمجھتی۔"

"کیا اس لئے کہ تمہارا شوہر دیوالیہ ہو چکا ہے؟"

"کیا مطلب....؟" عورت چونک کر بولی۔

"ہر سرمایہ دار قسم کا آدمی دیوالیہ ہونے سے کچھ دن پہلے اپنی یادداشت کھو بیٹھتا ہے۔"

"کسی سے بدلہ لینے کا یہ اچھا طریقہ ہے انور۔" عورت ناخوشگوار لہجے میں بولی۔

"کیسا بدلہ....؟" انور نے تحیر آمیز لہجے میں پوچھا۔

"خیر میں انتہائی مجبوری کے عالم میں تمہارے پاس آئی ہوں.... ورنہ....!"

"میں تمہارے دیدار کے لئے تڑپ تڑپ کر مر جاتا۔" انور نے جملہ پورا کردیا۔

"بس حد ہوگئی۔" عورت چیخ کر بولی اور اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

"بسم اللہ۔" انور بھی اٹھتا ہوا بولا۔

عورت کھڑی کھڑی تھوڑی دیر تک انور کو گھورتی رہی پھر اُس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔
لمحہ بعد دوبارہ بیٹھ گئی۔ وہ سسکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔

انور کھڑکی کے قریب جا کر باہر کی طرف دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ مڑا۔ عورت نے آنسو
نچھ ڈالے تھے اور رحم طلب نگاہوں سے انور کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"کیا پہلی بار اُس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہے۔" انور نے پوچھا۔

"نہیں پچھلے سال بھی ایک بار ایسا ہوا تھا۔"

"غائب ہو گیا تھا؟"

"نہیں اُس کے ایک دوست نے اُسے گھر تک پہنچایا تھا۔ وہ اچانک ایک ہوٹل میں بیٹھے بیٹھے
اپنی یادداشت کھو بیٹھا تھا۔"

"کون دوست، اُس کا نام اور پتہ....؟" انور نے پوچھا۔

"یہ تو مجھے یاد نہیں، بہر حال وہ اُس کا کوئی دوست ہی تھا۔"

"خیر....!" انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "یہ کیفیت کتنے دنوں تک قائم رہی تھی؟"

"تین دن....!"

"اس کے بعد....؟"

"وہ بالکل ٹھیک ہو گیا تھا۔"

"اس دوران میں کیا ہوا۔ کیا اس کے غائب ہو جانے سے پہلے تم اُس کی ذہنی کیف واقف تھیں؟"

"ہاں میں اُس کی نگہداشت کرتی تھی لیکن پرسوں رات کو جب میں سو رہی تھ طرف نکل گیا۔"

"کیا ادھر اُس کی مالی حالت کچھ خراب ہو گئی تھی؟" انور نے پوچھا۔

"نہیں.... قطعی نہیں۔ آج سے پندرہ دن قبل اُس نے مجھے بتایا تھا کہ اُسے کپڑ مشینوں کی درآمد میں کافی فائدہ ہوا ہے۔"

"کیا تمہارے اور اُس کے تعلقات آج کل کچھ ناخوشگوار ہو گئے ہیں؟"

"قطعی نہیں۔"

"اُس کے ملنے والوں میں کوئی ایسی عورت جس سے وہ بہت قریب ہو؟"

"کوئی نہیں۔" عورت جلدی سے بولی۔ "یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"میں اس کیس کو اپنے ہاتھ میں لے رہا ہوں۔ اسلئے جو کچھ مناسب سمجھوں گا پوچھوا

"میں زندگی بھر تمہاری احسان مند رہوں گی۔"

"لیکن تم اس کی رپورٹ پولیس میں کیوں نہیں کرنا چاہتیں؟" انور نے پوچھا۔

"مجھے خوف ہے کہ اس خبر کے مشتہر ہونے پر کچھ لوگ بے ایمانی پر کمر بستہ ہ گے۔" عورت بولی۔

"یعنی....؟"

"اُس کی تجارت کے ساجھی دار۔" عورت نے کہا۔

"مجھے ایسے لوگوں کے پتے نوٹ کرا دو۔" انور نے کہا۔

عورت نام اور پتے بولتی رہی۔ انور لکھتا رہا۔

"میں آج ہی سے کام شروع کر رہا ہوں۔ لیکن اخراجات....؟"

عورت نے اپنا بیگ کھول کر نوٹوں کا ایک بنڈل نکالا اور اُسے میز پر ڈالتی ہوئی بولی۔ "یہ پانچ سو روپے ہیں۔ بقیہ پانچ سو کام ہو جانے پر دوں گی۔"

انور نے بنڈل اٹھا کر جیب میں ڈال لیا۔

"میں کل صبح تم سے ملوں گا۔ آج کل کہاں رہتی ہو؟"

"۱۳ آسکر اسٹریٹ میں۔"

"فون نمبر....؟"

"تین سو بیالیس....!"

"اچھا....!" انور اٹھتا ہوا بولا۔

عورت چلی گئی۔ انور پھر ایک کتاب اٹھا کر پڑھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد رشیدہ آئی اور اُس نے اخبار کا بنڈل فرش پر پٹخ دیا۔

"کیوں کیا بات ہے؟" انور مسکرا کر بولا۔

"بات یہ ہے۔" رشیدہ ہونٹ بھینچ کر بولی۔ "کہ ردی فروشوں کو ضرورت نہیں اور میں اس بنڈل کو بغل میں دبا کر شہر کا چکر نہیں لگا سکتی۔"

"تو اس بنڈل کو سنبھالو۔" انور نے نوٹوں کا بنڈل اُس کی طرف اچھالتے ہوئے کہا۔

"اوہ یہ کیا.... یہ.... یہ....!" رشیدہ رک رک کر بولی پھر تیز لہجے میں پوچھا۔ "وہ عورت کون تھی؟"

"ایک غرض مند....!" انور مسکرا کر بولا۔ "جو کام وہ مجھ سے لینا چاہتی ہے یہ اُس کی آدھی اُجرت ہے۔"

"وہ تم سے بے تکلف معلوم ہوتی تھی۔" رشیدہ نے مشکوک لہجے میں کہا۔

"ہاں آج سے پانچ سال پہلے میں اُس سے حماقت کرتا تھا۔" انور نے کہا۔

"اوہ.... یعنی.... یعنی محبت کرتے تھے؟"

"ہاں....!"

"اور اب....؟" رشیدہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "تو یہ وہی عورت ہے جس نے تمہیں اس حال کو پہنچا دیا ہے؟"

"لاحول ولا قوۃ۔" انور بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "اس حال سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"یہی بے تکی زندگی۔"

"لیکن میں اسے بے تکی نہیں سمجھتا اور شاید تم یہ سمجھتی ہو کہ میں ایک کلاسیکل قسم کا ناکام عاشق جیسی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ لاحول ولا قوۃ اس کا تصور بھی میرے لئے توہین کا باعث ہے ایک عورت کے لئے.... ہونہہ....!"

رشیدہ کچھ دیر خاموش کھڑی رہی پھر نوٹوں کا بنڈل انور کی طرف پھینک دیا۔

"میں تمہاری ہوتی کون ہوں۔" رشیدہ منہ بسور کر بولی۔

"ہاں یہ سچ ہے کہ تم میری کوئی نہیں ہو۔" انور ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "لیکن اگر تم یہ اپنے پاس نہیں رکھو گی تو میں تمہارا سر دیوار سے ٹکرا کر پاش پاش کر دوں گا سمجھیں؟"

"لیکن وہ تم سے کیا کام لینا چاہتی ہے؟" رشیدہ نے پوچھا۔

"اُس کا شوہر کھو گیا ہے۔"

"اس لئے اب وہ تم پر ڈورے ڈال رہی ہے۔" رشیدہ منہ بنا کر بولی۔

"پھر وہی فضول بکواس۔ جانتی ہو اُس کا شوہر کون ہے؟"

"نہیں....!"

"شہر کا مشہور سرمایہ دار ارشاد علی۔"

"اوہ تو یہ ساجدہ تھی اور تم اُس سے محبت کرتے تھے؟"

"ہاں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ وہ میری کلاس فیلو تھی پہلے اُس نے مجھ سے حماقت شر کی تھی لیکن بعد میں وہ ایک سرمایہ دار کو پھانسنے میں کامیاب ہو گئی اور میں ایل۔ ایل۔ بی کا ڈپلو لے کر جہالت کرنے لگا۔ لیکن وہ زیادہ دنوں تک نہ چل سکی کیونکہ خود میرا ذہن بڑی حد مجرمانہ ہو چکا تھا۔"

"تمہیں افسوس تو بہت ہوا ہو گا....؟" رشیدہ نے کہا۔

"کیوں افسوس کیوں ہوتا۔" انور نے لاپروائی سے کہا۔

"تو پھر اس کا یہ مطلب ہوا کہ تمہیں اُس سے محبت نہیں تھی۔"

"تھی کیوں نہیں۔ جب تک وہ مجھ سے ملتی رہی مجھے اُس سے محبت رہی اور جب یہ

ہو گیا کہ وہ میری نہ ہو سکے گی تو میں اُسے بالکل بھول گیا۔"

"تو اس کا یہ مطلب کہ اگر میں بھی....!" رشیدہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"ہاں ہاں جب تمہاری شادی ہو جائے گی تو میں تمہیں بھی بھول جاؤں گا۔" انور نے کہا۔

"جاؤ جلدی سے ایک ڈبہ اسٹیٹ ایکسپریس خرید لاؤ۔ میں نے دو گھنٹے سے سگریٹ نہیں پیا۔"

"تم اُس کے روپے واپس کر دو۔" رشیدہ نے آہستہ سے کہا۔ "میں اخبار بیچ کر لاؤں گی۔"

"ہشت....!" انور منہ بنا کر بولا۔ "ذرا یہ بتاؤ ہم پر اُدھا کتنا ہے؟"

"دو سو روپے....!" رشیدہ نے کہا۔

"اور تم کہتی ہو کہ میں اُس کے روپے واپس کر کے مفت کام کر دوں۔"

"تم غلط سمجھے میں یہ کہہ رہی ہوں کہ تم یہ کیس نہ لو۔"

"کیوں....؟"

"اس طرح وہ پھر تمہارے قریب آ جائے گی۔"

"آ جانے دو....!"

"میرا مطلب ہے کہ کہیں تمہاری محبت پھر نہ جاگ اٹھے۔"

"ممکن ہے۔"

"لیکن میں یہ نہیں چاہتی۔" رشیدہ جھلا کر بولی۔

"کیوں؟"

"میں نہیں جانتی۔" رشیدہ نے کہا۔ "تمہیں یہ روپے واپس ہی کرنے ہوں گے۔"

"اور قرض....؟"

"کسی نہ کسی طرح ادا کر دیں گے۔"

"تمہاری بہت ننھی سی عقل ہے۔" انور بولا۔ "تم سمجھتی ہو کہ شاید میں پھر اُس سے محبت کرنے لگوں گا۔"

رشیدہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"جاؤ سگریٹ لاؤ۔ قرض ادا کر دو۔" انور نے نوٹوں کا بنڈل اُس کی طرف اچھالتے ہوئے کہا۔ "اور اپنے لئے ایک سوٹ کا کپڑا بھی خرید لینا۔ آج ہم کسی شاندار ہوٹل میں کھانا کھائیں گے۔"

"مجھے نہیں چاہئے سوٹ میں تمہاری ہوتی کون ہوں۔" رشیدہ نے کہا اور نوٹوں کا
ہاتھ میں لئے ہوئے پیر پٹختی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔

انور نے وہ کاغذ جیب سے نکالا جس پر ساجدہ نے پتے لکھوائے تھے اور کچھ دیر تک نام
اور پتوں کو دیکھتا رہا پھر اٹھ کر بال درست کئے۔ ٹائی کی گرہ ٹھیک کی، اوور کوٹ پہنا اور رشید
واپسی کا انتظار کرنے لگا۔

چھان بین

انور نے موٹر سائیکل نکالی اور ارشاد علی کے دفتر کی طرف روانہ ہو گیا، راستے میں اُس
دو ایک تھانوں سے اپنے اخبار کے لئے خبریں بھی مہیا کیں اور انہیں ترتیب دے کر اخبار کے
میں دیتا ہوا آگے بڑھا۔ دفتر کے عملے نے اُس کا نام "طوفانی" رکھ چھوڑا تھا۔ وہ جب بھی دفتر
داخل ہوتا خاصی ہڑبونگ مچ جاتی اور چپراسی سے لے کر ایڈیٹر تک کو معلوم ہو جاتا کہ انور
میں آگیا ہے کبھی وہ پروف ریڈر سے الجھتا اور کبھی کمپوزیٹروں سے، حد یہ ہے کہ چیف ایڈیٹر
اُس کی نکتہ چینیوں سے نہیں بچتا تھا۔

ارشاد علی کے دفتر میں اُسے تھوڑی دیر تک اُس کے پارٹنر شاہد کا انتظار کرنا پڑا۔ تقریباً
بجے وہ آیا۔ یہ بھی ارشاد ہی کی طرح خاصا دولت مند آدمی تھا۔

"میں ارشاد علی صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔" انور نے اُس سے کہا۔

"کیوں....؟" شاہد نے انور کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"ایک ضروری کام ہے۔"

"ارشاد صاحب کہیں باہر گئے ہوئے ہیں۔" شاہد نے کہا۔

"لیکن مجھے تو اطلاع ملی ہے وہ یہیں ہیں۔" انور نے کہا۔

"ممکن ہے۔" شاہد نے کہا اور اپنے کمرے سے باہر چلا گیا۔

انور بھی اُس کے پیچھے پیچھے کمرے میں داخل ہوا۔ شاہد غصے میں اُس کی طرف مڑا لیکن قبل
اس کے کہ وہ کچھ کہتا انور نے کہا۔

"پچھلے سال جب ارشاد صاحب اپنی یادداشت کھو بیٹھے تھے تو آپ کہاں تھے؟"

شاہد چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

"کیوں....؟" شاہد کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ وہ اُسے عجیب نظروں سے گھور رہا تھا۔

"اپنی معلومات کے لئے پوچھ رہا ہوں۔ جس میں پولیس خاصی دلچسپی لے گی۔"

"آپ ہیں کون....؟" شاہد نے متعجبانہ انداز میں پوچھا۔

"خدائی فوجدار....!"

"اگر آپ قاعدے سے بات نہیں کریں گے تو میں آپ کو دھکے دے کر یہاں سے نکلوا
ں گا۔" شاہد گرج کر بولا۔

"خیر....!" انور اٹھتا ہوا بولا۔ "میں آپ کو اس کی زحمت نہ دوں گا۔ ویسے اب پولیس آپ
کافی دلچسپی لے گی، بارہ ٹن لوہے کی چور بازاری کے سلسلے میں۔"

انور جانے کے لئے مڑا۔

"ٹھہریئے۔" شاہد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ اُس کے چہرے پر سپیدی دوڑ گئی تھی۔ اُس
نے انور کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

انور کرسی کی پشت پر ٹک کر آگے کی طرف جھک گیا۔ وہ شاہد کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"آپ کو ارشاد علی کے یادداشت کھو بیٹھنے کے متعلق کیسے معلوم ہوا؟" شاہد نے بھرائی ہوئی
آواز میں کہا۔ "اس کا حال سوائے میرے اور اُس کی بیوی کے کسی اور کو معلوم نہیں تھا۔"

"تو آپ ہی نے انہیں ہوٹل سے اُن کے گھر تک پہنچایا تھا؟" انور نے پوچھا۔

"جی ہاں.... مگر....!"

"کیا اس دوران میں بھی اُن پر اس قسم کا کوئی دورہ پڑا تھا؟" انور نے پوچھا۔

"مجھے اس کا علم نہیں۔"

"آپ کو یہ کس طرح معلوم ہوا کہ وہ آج کل باہر گئے ہوئے ہیں؟"

"اُس کی بیوی نے مجھے اطلاع دی تھی۔"

"وہ خود کچھ نہیں کہہ گئے؟"

"جی نہیں۔" شاہد نے کہا۔ "لیکن آپ ہیں کون؟"

"انور سعید۔ اسٹار کا کرائم رپورٹر۔"

"اوہ....!" شاہد اُسے تنفر آمیز نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

"آپ اُن کے جگری دوستوں میں سے ہیں؟"

"ہاں۔ لیکن اب میرے پاس وقت نہیں ہے۔" شاہد نے بیزاری سے کہا۔

"وقت تو میرے پاس بھی نہیں۔ کیا ارشاد صاحب کا کسی عورت سے ناجائز تعلق بھی

"چپراسی....؟" شاہد چیخا۔

"خیر خیر.... شاید میں ابھی لوٹ کر آؤں۔" انور نے کہا اور کمرے سے نکل آیا۔

تھوڑی دور چل کر وہ پھر لوٹا اور دروازے کی چق ہٹا کر کہنے لگا۔ "لیکن میرے پا
مکمل ثبوت ہے کہ آج کل آپ لوگ لوہے کی چور بازاری کر رہے ہیں۔"

چند لمحوں میں وہ سڑک پر اپنی موٹر سائیکل اسٹارٹ کر رہا تھا۔ اُس کے ذہن میں ا
تھی آخر ساجدہ نے صاف صاف کیوں نہیں بتایا کہ پچھلے سال اُس کے شوہر پر جب یہ د
تو اُسے گھر پہنچانے والا شاہد ہی تھا شاہد اُس کا سب سے بڑا ساجھی دار تھا اور دونوں آ
گہرے دوست بھی تھے لہٰذا ایسی صورت میں وہ ساجدہ کے لئے غیر معروف نہیں ہو سکتا۔
چ یہ بھول گئی تھی کہ اُس کے شوہر کو گھر تک کس نے پہنچایا تھا؟ یا پھر اُس نے قصداً
نہیں لیا اور اگر ایسا ہی ہے تو اس کی وجہ؟

موٹر سائیکل ایک نائٹ کلب کے سامنے رک گئی انور خود بھی کبھی اس کلب کا م
تھا۔ باہر کھڑے ہوئے چپراسی نے اسے سلام کیا اور وہ سر کو ایک خفیف سی جنبش دیتا ہوا
عمارت میں داخل ہو گیا۔ سامنے ہی منیجر کا کمرہ تھا۔ انور سیدھا وہیں چلا گیا۔ ایک بڑی
کہنیاں ٹیکے ایک ادھیڑ عمر کا آدمی اونگھ رہا تھا۔ قدموں کی آہٹ سن کر وہ چونکا۔

"فرمایئے....!" وہ اٹھتا ہوا بولا۔ "اوہو.... انور صاحب.... دیکھئے میں نہ کہتا تھا
اس کلب کو کبھی نہیں بھول سکتے۔ صبح کا گیا اگر شام کو آجائے تو اُسے بھولا نہ کہنا چاہئے
ہے مرزا غالب نے۔"

"مرزا غالب نے یہ کہا ہے کہ شراب کی ناجائز تجارت کرنے سے محبوب کے والدین
خوش رہتے ہیں۔" انور ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"ہو ہو ہو.... مسٹر انور.... میں آپ کی آواز سننے کے لئے ترس گیا تھا۔ بقول شاعر۔

تو نہیں سامنے اگر اے جاں
اپنی آواز ہی سنائے جا

"میری آواز رسیلی ہے نا....؟" انور نے آگے جھک کر آہستہ سے پوچھا۔

"ہاں مسٹر انور.... دیکھئے بھلا سا شعر ہے۔"

"شش.... ارشاد علی یہاں کب سے نہیں آیا؟"

"مسٹر انور....!" منیجر بے رخی سے بولا۔ "میں کسی ممبر کے متعلق کچھ نہیں بتا سکتا۔"

"پچھلی بار اُس کے ساتھ کون عورت تھی؟" انور نے منیجر کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"عورت؟ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں مسٹر انور۔ یہ صرف مردوں کا کلب ہے۔ یہاں کبھی عورت نہیں آئی۔"

"خیر خیر.... یہ تو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔" انور نے کہا۔ "اور اسی وقت اس عمارت سے نصف درجن عورتیں برآمد کر سکتا ہوں جن سے تم باقاعدہ پیشہ کراتے ہو۔"

"مسٹر انور آپ ایک شریف آدمی کی توہین کر رہے ہیں۔" منیجر چیخ کر بولا۔

"خیر میں اس کی صداقت کے لئے سرکاری جاسوس مسٹر آصف کو فون پر بلائے لیتا ہوں۔" انور نے اٹھ کر فون کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"تو اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے؟" منیجر نے فون پر اپنے دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "بیٹھئے آپ کے لئے چائے منگواؤں یا کافی؟ آپ کے غصے پر تو بقول شاعر۔"

"جہنم میں گیا شاعر میں جو کچھ پوچھتا ہوں اُس کا ٹھیک ٹھاک جواب دو۔"

"تو پوچھئے نا۔"

"ارشاد کے ساتھ کون عورت تھی؟"

"کوئی نہیں۔ آپ یقین کیجئے کہ وہ کبھی اپنی بیوی کو یہاں نہیں لائے۔" منیجر نے کہا۔

"یہاں کے پتے پر اُس کے خطوط بھی آتے ہیں؟" انور نے پوچھا۔

"اس کی اطلاع کلرک کو ہو گی۔" منیجر نے کہا۔

"اُسے بلواؤ۔"

منیجر نے گھنٹی بجائی چپراسی اندر آیا اور منیجر نے اُسے کلرک کو بلانے کے لئے کہا۔ تھوڑی بعد ایک دبلا پتلا نوجوان کمرے میں داخل ہوا۔

"سیٹھ ارشاد علی کے نام یہاں خطوط آتے ہیں۔" انور نے اُس سے پوچھا۔

کلرک منیجر کی طرف دیکھنے لگا۔

"اوہ مسٹر انور....!" منیجر بولا۔ "ممبروں کی ہر بات صیغہ راز میں رکھی جاتی ہے۔"

"میں جو کچھ پوچھتا ہوں اس کا صحیح صحیح جواب دو۔" انور نے کلرک سے کہا۔ "ورنہ اپنے ساتھ ہی تم بھی مصیبت میں پڑو گے۔"

کلرک نے پھر منیجر کی طرف استفہامیہ انداز میں دیکھا۔

"بتاؤ بھئی بتاؤ۔" منیجر نے تنگ آکر کہا۔ "آج تو بقول شاعر.... ہنہہ....!"

"جی ہاں اکثر اُن کے خطوط یہاں آتے ہیں۔" کلرک ہچکچاتا ہوا بولا۔

"کون بھیجتا ہے؟"

"پتہ نہیں۔ عموماً لفافے ہوتے ہیں لیکن یہ بتا سکتا ہوں کہ وہ دولت گنج کے ڈاک خانے سے پوسٹ کئے جاتے ہیں۔"

"کیوں؟ تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ دولت گنج سے پوسٹ کئے جاتے ہیں۔" انور۔ کلرک کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"میں اُن کے ہر لفافے کی مہر دیکھتا رہتا ہوں۔"

"تو تم ہر ایک کی ٹوہ میں لگے رہتے ہو؟" انور نے کہا۔ "غالباً ہر ممبر کی ڈاک کے متعلق تمہیں اس قسم کی معلومات رہتی ہوں گی؟"

"جی نہیں۔" کلرک گھبرا کر بولا۔ "میں صرف ارشاد صاحب کے نام آنے والے لفافوں کے بارے میں جانتا ہوں۔"

"کیوں؟ خصوصیت سے انہیں کے بارے میں کیوں؟"

"وہ ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں رنگین اور خوشبودار اور طرز تحریر....!"

"کسی عورت کا ہوتا ہے" انور نے جملہ پورا کر دیا۔ "اسی لئے تم ان لفافوں کی طرف زیادہ دھیان دیتے ہو؟"

"جی ہاں....!" کلرک جلدی سے بولا۔ پھر منیجر کو اپنی طرف گھورتے ہوئے دیکھ کر سٹپٹا گیا کہا "جی نہیں۔"

"تم اپنا منہ اُدھر پھیر لو۔" انور نے منیجر سے کہا۔ ورنہ مجبوراً مجھے...." انور فون کی طرف کر چپ ہو گیا۔

"لاحول ولا قوۃ۔" منیجر اٹھتا ہوا جھلا کر بولا۔ "بقول شخصے...." وہ زمین پر زور زور سے پیر ٹا کمرے سے چلا گیا۔

"بیٹھ جاؤ۔" انور نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ کلرک خاموشی سے بیٹھ گیا۔ وہ بار بار اپنے ی ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

"وہ یہاں سے کبھی کسی کو خطوط لکھتا بھی ہے۔" انور نے پوچھا۔

"مجھے اس کا علم نہیں۔" کلرک نے کہا "لیکن اکثر اُس نے دولت گنج ہی کے پتے پر یہاں ے کچھ پارسل ضرور روانہ کئے ہیں۔"

"کسی عورت کے نام....!" انور نے پوچھا۔

"نہیں مرد کے نام۔ سعید منزل۔ دولت گنج میں کوئی صاحب رضوان صدیقی ہیں۔" کلرک نے کہا۔

"سعید منزل تو بہت بڑی عمارت ہے۔ فلیٹ کا نمبر یاد نہیں۔" انور نے کہا۔

"جی نہیں۔"

"اچھا...." انور اٹھتا ہوا بولا۔ تھوڑی دیر بعد اُس کی موٹر سائیکل دولت گنج والی سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ بیس منٹ بعد وہ سعید منزل کا ایک ایک فلیٹ جھانکتا پھر رہا تھا۔ انور نے ایک بند دروازہ کو انگلی سے آہستہ آہستہ کھٹکھٹایا۔ ایک آدمی دروازہ کھول کر باہر جھانکنے لگا۔ شاید وہ کمرے کی صفائی کر رہا تھا۔

"رضوان صاحب ہیں؟" انور نے پوچھا۔

"باہر گئے ہوئے ہیں۔" اُس نے جواب دیا۔

"کب واپس آئیں گے۔"

"میں نہیں جانتا۔ بیگم صاحب سے پوچھئے۔"

"کہاں ہیں بیگم صاحب....؟"

"اوپری منزل میں۔" اس نے ایک زینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

انور کچھ کہے بغیر زینوں پر چڑھتا چلا گیا۔ یہاں بھی دروازہ اندر سے بند تھا۔ دروازے پر دستک دی۔

"اوہو.... ٹھہرو.... بھئی.... ایک منٹ۔" اندر سے ایک سریلی اور نسوانی آ

انور معنی خیز انداز میں منہ بنا کر اپنے دیدے پھرانے لگا۔

چند لمحوں کے بعد دروازہ ایک جھٹکے کے ساتھ کھلا۔ ایک خوبصورت لڑکی نیم عریا میں سامنے کھڑی تھی اور پھر اچانک چیخ مار کر وہ اندر بھاگ گئی۔ انور بدستور کھلے ہوئے د کے سامنے کھڑا رہا۔ اُس نے اس جوان لڑکی کے چہرے میں بچپن اور سنجیدگی کی عجیب سی دیکھی تھی وہ سوچ رہا تھا کہ دوسرا قدم کس طرح اٹھائے۔ وہ لڑکی پھر دکھائی دی۔ اس بار لمبے سے لبادے میں ملبوس تھی۔ سنہرے گھونگھریالے بال کاندھوں پر لہرا رہے تھے۔ ا اُس کا چہرہ غصے اور ندامت کی آماج گاہ بنا ہوا تھا۔

"کیا ہے؟" وہ دروازے میں آکر بولی۔

"محترمہ.... مجھے افسوس ہے لیکن شاید آپ کسی اور کا انتظار کر رہی تھیں۔" انور نے سے کہا۔

"ہاں ہاں ہو سکتا ہے۔ آپ اپنا کام بتایئے؟"

"مجھے رضوان صاحب سے ملنا ہے۔"

"وہ گھر پر موجود نہیں ہیں۔"

"کب آئیں گے؟"

"ایک ہفتے کے بعد۔" لڑکی نے کہا۔

"اوہ تو شاید اسی لئے آپ اس وقت ارشاد کا انتظار کر رہی تھیں؟" انور نے مسکرا کر آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

لڑکی سہم کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اُس کے چہرے پر زردی چھا گئی۔

"آپ.... آپ" وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔

"میں ارشاد کا چھوٹا بھائی ہوں۔" انور نے کہا۔

"اندر آجایئے۔ اندر آجایئے۔" وہ بے تابانہ انداز میں بولی۔ انور کمرے میں چلا گیا۔ لڑکی نے دروازہ بند کر دیا۔

"بیٹھ جایئے۔" اس نے جلدی سے کہا لیکن پھر چپ ہو گئی۔ شاید وہ سوچ رہی تھی کہ اُسے ب کیا کہنا چاہئے۔ انور اُسے تیز نظروں سے گھور رہا تھا۔ دفعتاً وہ رک رک کر بولی۔ "دیکھئے میں پ کے پاؤں پڑتی ہوں۔ اپنے باپ سے کچھ نہ کہئے گا۔ میں ارشاد کو بے حد چاہتی ہوں اس کے یر زندہ نہیں رہ سکتی۔" وہ خاموش ہو گئی۔ اُس کی نگاہیں ملتجیانہ انداز میں انور کی طرف اٹھی ئی تھیں۔ لیکن پھر دیکھتے ہی دیکھتے اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور وہ تیز آواز میں لی۔ "مگر ارشاد تو کہتا تھا اُس کا کوئی بھائی نہیں۔"

"تو اُس کا باپ ہی کہاں ہے۔" انور مسکرا کر بولا۔

"باپ نہیں ہے؟" وہ تقریباً اچھل کر بولی۔

"تو تم رضوان کی بیوی نہیں ہو؟" انور نے بے ساختہ کہا۔

"نہیں.... لیکن کیوں....؟ ہاں...." وہ رک رک کر بولی اور حیرت سے انور کی طرف لنے لگی۔

"میں سب کچھ جانتا ہوں۔ ارشاد تم سے کبھی شادی نہیں کرے گا۔" انور نے کہا۔

"تم جھوٹے ہو۔ وہ مجھ سے ضرور شادی کرے گا۔ صرف اُن ہیروں کا انتظار ہے جنہیں وہ شوانے کے لئے ایمسٹرڈم بھیج چکا ہے۔"

"اچھا....!" انور شرارت آمیز انداز میں مسکرا کر بولا۔ "بھلا اُس کے پاس بغیر ترشوائے ئے ہیرے آئے کہاں سے؟"

"تب تم ضرور اُس کے بھائی ہو۔" لڑکی قہقہہ لگا کر بولی۔ "جب اتنا بھی نہیں جانتے کہ وہ کن کی ایک....!"

"اوہ.... اچھا....!" انور کی آنکھیں حیرت سی پھیل گئیں کیونکہ یہ اُس کے لئے ایک بالکل ئی اطلاع تھی۔

"ہی ہی ہی۔" وہ انور کے سامنے انگلی نچا کر ہنستی ہوئی بولی۔ "تم ضرور ارشاد کے کوئی بے

تکلف دوست ہو خیر میں تمہیں چائے پلائے بغیر نہ جانے دوں گی۔ لیکن میرے متعلق کچھ نہ کہنا۔"

"ارشاد یہاں کب سے نہیں آیا....؟" انور نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"نہیں بتاتی۔ پہلے تم بتاؤ کہ تم کون ہو؟" وہ بچگانے انداز میں ضد کا مظاہرہ کرتی ہوئی

"ارشاد کا ایک بے تکلف دوست....!"

"دیکھو نا.... کیسا پہچانا....!" وہ قہقہہ لگا کر بولی پھر دفعتاً سنجیدہ ہو کر سوچنے لگی۔

"ارشاد کل آیا تھا....؟" انور نے پوچھا۔

"نہیں وہ چار دن سے نہیں آیا۔ میں آج صبح سے اُس کا انتظار کر رہی ہوں۔ اُس آنے کا وعدہ کیا تھا بہت مشغول رہتا ہے۔ اُف میں اُسے کتنا چاہتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک....!" انور مسکرا کر بولا۔ "لیکن تم ہو کون۔ تمہارا نام کیا ہے؟"

"زبیدہ.... میں ایک لڑکی ہوں۔"

"تمہارے ماں باپ کہاں ہیں؟"

لڑکی اُداس ہو گئی۔

"میرے ماں باپ بچپن ہی میں مر گئے تھے۔ رضوان اور ارشاد مجھے میرے ظالم چچا سے رہائی دلوا کر یہاں لائے ہیں۔"

"تو اس کا یہ مطلب کہ وہ تمہیں بھگا لائے ہیں۔" انور نے کہا۔

"میں اپنی خوشی سے آئی ہوں۔" وہ ترش روئی سے بولی۔

"تمہارا چچا کہاں رہتا ہے اور اُس کا کیا نام ہے؟"

"میں یہ ہرگز نہ بتاؤں گی۔"

"تمہاری مرضی۔" انور اٹھتا ہوا بولا۔ "تم ایک زبردست دھوکے میں ہو۔"

"جاؤ جاؤ تم مجھے بہکانے آئے ہو۔" وہ بگڑ کر بولی۔

"بے وقوف لڑکی! ارشاد شادی شدہ ہے آج سے پانچ سال قبل اُس کی شادی ہو چکی تم سے ہرگز شادی نہ کرے گا۔ اُس نے شاید تمہیں یہ بھلاوہ دے رکھا ہے کہ وہ اپنے باپ خوف سے تم سے شادی نہیں کر رہا ہے۔ اُس کا باپ نہ جانے کب کا مر چکا ہے۔ اُس نے

ہاں رضوان کی بیوی کی حیثیت سے رکھ چھوڑا ہے تاکہ پڑوسیوں کو کوئی اعتراض نہ ہو اور وہ دنیا آنکھوں میں دھول جھونک کر عیاشی کرتا رہے۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے۔"

"تم شیطان ہو۔ مجھے ورغلانے آئے ہو۔" لڑکی چیخ کر بولی۔

انور کوئی جواب دیئے بغیر جانے کے لئے مڑا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" لڑکی نے پوچھا۔

"شیطان۔" انور نے کہا اور باہر نکل گیا۔

واپسی میں اُسے رہ رہ کر ساجدہ پر تاؤ آ رہا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اس طرح ساجدہ اپنے شوہر کی چال چلن کی تصدیق کر رہی ہے۔ ذلیل کہیں کی۔ کاش رشیدہ نے وہ روپے ابھی خرچ نہ کیے ہوں۔ وہ انہیں ساجدہ کے منہ پر مار دے گا اور اُسے اپنی اس تفتیش کے متعلق کچھ نہ بتائے گا۔

قتل اور خودکشی

دونوں بج رہے تھے۔ انور نے رشیدہ کو آفس سے ساتھ لیا اور ایک ریستوران میں چلا گیا۔

"ہم زیادہ شاندار لنچ نہ کھائیں گے۔" رشیدہ نے کہا۔

"میں بھی یہی کہنے والا تھا۔" انور بولا۔ "اس ریستوران میں اسی لئے آیا ہوں کہ یہاں اُدھار مل جاتا ہے۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔" رشیدہ نے کہا۔ "میں نے کچھ ایڈوانس لے لیا ہے۔ تمہیں ساجدہ کے روپے واپس کرنے پڑیں گے۔"

"میں نے بھی یہی طے کر لیا ہے۔" انور نے کہا۔

"ارے یہ کیا۔ آج شاید تم نے پہلی بار میرا کہا مانا ہے۔" رشیدہ نے حیرت سے کہا۔

"ساجدہ نے مجھے احمق بنانے کی کوشش کی تھی۔" انور بولا۔ "اُسے شاید اپنے شوہر کے چال چلن پر شبہ ہو گیا تھا۔ اس کی تصدیق کے لئے اُس نے یہ طریقہ نکالا۔"

اس کے بعد انور نے پوری داستان دہرا دی۔

"میں پہلے ہی سے مشکوک تھی۔"

"شبہہ تو مجھے بھی ہوا تھا۔" انور نے کہا۔ "لیکن میں ساجدہ کو اس کے متعلق ایک لفظ بھی نہ بتاؤں گا۔ آج کی دوڑ دھوپ مجھے کچھ مہنگی نہیں پڑی۔ اب میں ارشاد سے کافی رقم اینٹھ سکوں گا۔ اُس نے غریبوں کا گلا کاٹ کر جو دولت اکٹھا کی ہے اُس میں اس غریب کا بھی کچھ حصہ ہونا چاہئے اور ہاں بھئی ٹیلی فون کا لائسنس بھی تجدید کرانا ہے اور وہ دو سو روپے کے تمہارے لئے ایک سا سوٹ اور بھی بہت کچھ۔"

"تو تم اُسے بلیک میل کرو گے؟"

"قطعی....!"

"اور وہ بے چاری لڑکی....؟"

"جب میں ارشاد سے مطلوبہ رقم وصول کرلوں گا تو رضوان کو اُس سے شادی کرنی پڑے گی۔"

"بھلا وہ کیوں کرنے لگا۔"

"نہیں کرے گا تو پھر اُس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہوں گی۔" انور نے کہا اور بیرے کو لنچ کا آرڈر دیا۔

رشیدہ کچھ کہنے ہی جارہی تھی کہ ایک معمر اور وجیہہ آدمی ریستوران میں داخل ہوا۔

"اوہ تم یہاں ہو۔ میں تمہارے آفس گیا تھا۔" اُس نے انور سے کہا۔

"لیکن انسپکٹر آصف میں تمہیں لنچ کے لئے مدعو نہ کروں گا کیونکہ فنڈ کم ہے۔" انور نے

"جہنم میں گیا لنچ...." انسپکٹر آصف جھنجھلا کر بولا۔ "تم نے پھر ہاتھ پیر نکالنے شر کردیئے ہیں۔"

"تم بوڑھے ہونے کو آئے مگر بات کرنے کا طریقہ نہ آیا۔" انور نے لاپروائی سے کہا۔ "بیٹھو میں تمہیں ایک کپ چائے پلا سکتا ہوں۔"

"ہائی سرکل نائٹ کلب کے منیجر نے تمہاری شکایت کی ہے۔ تم وہاں کیا کرنے گئے تھے" آصف نے پوچھا۔

"انڈے سپلائی کرنے۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔ "منیجر بھی عجیب احمق ہے اگر اُسے انڈے گندے نکل گئے تو بھلا محکمہ سراغ رسانی والوں سے شکایت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ میں اُسے سمجھوں گا۔ معلوم ہوتا ہے اُس نے مرغیاں وہاں سے ہٹادی ہیں۔ ورنہ وہ تمہیں

ف نہ دیتا۔"

"دیکھو یہ میری آخری وارننگ ہے۔" آصف نے ترش روئی سے کہا۔

"دوسری آخری وارننگ کب دے رہے ہو؟" انور نے سنجیدگی سے پوچھا اور رشیدہ کو بے اختیار ہنسی آگئی۔

آصف جھلا گیا۔ وہ تیز نظروں سے انور کو گھور رہا تھا اور انور رشیدہ کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا جو دوسری طرف منہ پھیر کر ہنسی روکنے کی کوشش کررہی تھی۔

"جانتے ہو کسی کو دھمکی دینے پر کون سی فرد جرم عائد ہوتی ہے؟" آصف نے کہا۔

"ہاں ہاں اگر دھمکی کسی جوان لڑکی کو دی جاتی ہے تو اُس کے والدین اُس کی شادی کا بندوبست کردیتے ہیں فرض کرو لڑکی قطب شمالی میں ہے اور لڑکا قطب جنوبی میں اور تم خط استواء پر کھڑے ہو دونوں کو دھمکی دو تو حکومت تمہارا بندوبست کرکے تمہیں آگرہ یا بریلی پہنچوادے گی۔"

"خیر دیکھوں گا۔" آصف غصے میں جانے کے لئے مڑا۔

"دیکھنے پر کوئی پابندی نہیں وعلیکم السلام۔" انور نے کہا اور میز پر لگے ہوئے کھانے کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"واقعی تم سے بُری طرح جل گیا ہے۔" رشیدہ آصف کے چلے جانے کے بعد بولی۔ "اگر موقع مل گیا تو پھانسنے سے باز نہ آئے گا۔"

"اس کے لئے کم از کم اُسے ایک درجن اندوہ ناک حادثات کی اطلاعیں سننی پڑیں گی۔" انور نے کہا اور کھانے میں مشغول ہوگیا۔

کھانا ختم کرنے کے بعد وہ پھر آفس چلے گئے۔ انور وہاں کل کے شمارے کے لئے جاسوسی ناول کی قسط لکھتا رہا۔ تقریباً پانچ بجے وہ واپس گھر آگئے۔ انور نے پھر کتابیں الٹنی پلٹنی شروع کردیں۔

"میں کہتی ہوں تمہارا دماغ خراب ہوجائے گا ہر وقت کتابیں۔" رشیدہ جھلا کر بولی۔

"تو وہ خراب کب نہیں ہے۔" انور نے کہا۔ "مگر تم نہ جانے اس وقت اتنی حسین کیوں لگ رہی ہو۔"

"سگریٹ ختم ہوگئے ہوں گے؟" رشیدہ منہ چڑھا کر بولی۔ "میں تمہیں اُسی وقت حسین لگتی

ہوا، جب تمہاری جیب میں پیسے نہیں ہوتے۔"

"کیا کہا۔ میری جیب میں پیسے نہیں؟" انور چونک کر بولا۔ "میں نے ساجدہ کو روپے کرنے کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔"

"وہ تو تمہیں واپس ہی کرنے ہوں گے۔" رشیدہ تیز لہجے میں بولی۔

"پھر تم نے مجھ پر حکومت جتانی شروع کر دی۔" انور اٹھتا ہوا بولا اور رشیدہ کا کان اُسے کمرے میں سے باہر نکال دیا۔

"میں اب تمہارے کمرے میں تھوکنے بھی نہ آؤں گی۔" رشیدہ منہ بنا کر بولی۔

"اچھی بات ہے مت آنا۔ کمرے میں تھوکنے سے گندگی پھیلتی ہے۔" انور نے سنجیدگی کہا اور کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

چند لمحوں کے بعد وہ آرام کرسی میں دھنس کر ایک کتاب میں ڈوب گیا۔

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی، انور نے بیٹھے ہی بیٹھے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔

"ہیلو.... کون ساجدہ.... میں تمہیں فون کرنے والا تھا.... کیا؟" انور یک بیک ہو کر بیٹھ گیا۔ "خودکشی.... کس نے.... ارشاد نے.... کہاں.... اسے.... اچھا.... اچھا تیار ہوں.... بہت اچھا.... میں انتظار کر رہا ہوں۔" انور نے ریسیور رکھ دیا اور اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ چند لمحوں کے بعد وہ تیزی سے رشیدہ کے فلیٹ میں داخل ہوا۔

"کیوں؟ کیا بات؟" رشیدہ نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

"تمہارے کمرے میں تھوکنے آیا ہوں۔" انور نے کہتے ہوئے فرش پر تھوک دیا۔

"ابھی ابھی میں نے کمرے کی صفائی کی تھی۔" رشیدہ بگڑ کر بولی۔

"کوئی بات نہیں۔" انور جلدی سے بولا۔ "سنو ایک کام تمہیں فوراً کرنا ہے۔"

"دوڑ کر تمہارے لئے سگریٹ لیتی آؤں.... یہی نا.... میں ہرگز نہیں جاؤں گی۔"

"سنو تو سہی۔" انور نے کہا۔ "تمہیں اُس لڑکی زبیدہ کو سعید منزل سے ہٹانا ہے۔"

"کیا مطلب....؟"

"ابھی ابھی ساجدہ نے فون پر مجھے مطلع کیا ہے کہ ارشاد نے تار جام کے علاقے میں خو کر لی ہے۔ وہاں کے کوتوالی انچارج نے تار کے ذریعے مطلع کیا ہے اور لاش کی شناخت کے

لیا ہے۔ ساجدہ مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہے۔ وہ آ ہی رہی ہو گی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ہی جا کر زبیدہ کو سعید منزل سے ہٹا دو۔"

"ہٹا کر کہاں لے جاؤں گی؟"

"اف فوہ اتنی ذہین ہو کر تم مجھ سے یہ سوال کر رہی ہو۔ کسی گم نام سے ہوٹل میں ٹھہرا دینا رنا کید کر دینا کہ تمہاری اجازت کے بغیر ہوٹل سے باہر نہ نکلے۔"

"لیکن تم اُسے وہاں سے ہٹا کیوں رہے ہو؟" رشیدہ نے پوچھا۔

"پھر بتاؤں گا۔ جلدی کرو۔ سعید منزل دوسری منزل، بیگم رضوان۔ اُسے سمجھا دینا کہ وہ طرے میں ہے۔ ارشاد کی خودکشی کے متعلق بتا دینا اور کہہ دینا کہ اُس کا وہاں سے ہٹ جانا ہی ہتر ہے۔ ورنہ خواہ مخواہ پولیس اُسے پریشان کرے گی۔ اچھا اب جاؤ۔ موٹر سائیکل لے لو۔"

"اور تم ساجدہ کے ساتھ تار جام جاؤ گے؟"

"ہاں بھئی!" انور نے کہا۔ "اب کیس ذرا دلچسپ ہو گیا ہے۔ اسلئے ٹالنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

"نہیں جو میں کہہ رہا ہوں تم وہی کرو گی۔" انور تیز لہجے میں بولا۔

رشیدہ بڑبڑاتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ انور اپنے فلیٹ میں لوٹ آیا۔ تھوڑی دیر بعد سڑک پر ہارن کی آواز سنائی دی۔ انور نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا نیچے ساجدہ اپنی کار کی کھڑکی سے سر نکالے اوپر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ انور نے اوور کوٹ اٹھا کر کاندھے پر ڈالا فلٹ ہیٹ سر پر رکھی اور ٹائی کی گرہ ٹھیک کئے بغیر نیچے اُتر گیا۔

"آگے ہی آ جاؤ۔" ساجدہ نے مضمحل آواز میں کہا۔ "میری حالت ایسی نہیں کہ خود کار ڈرائیو کر سکوں۔"

انور خاموشی سے بیٹھ گیا۔ اُس نے ایک اچٹتی ہوئی نظر ساجدہ کے چہرے پر ڈال کر کار اسٹارٹ کر دی۔ ساجدہ کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور پلکیں سوج آئی تھیں لیکن اُس کے ماتھے کی پُرحکمت سلوٹیں اس حال میں بھی قائم تھیں۔

تار جام شہر سے ساٹھ میل دوری پر ایک صنعتی علاقہ تھا۔ یہاں لوہے اور کانچ کے کئی کارخانے تھے۔ کوئلہ کی دو ایک چھوٹی موٹی کانیں بھی تھیں۔ انور نے تقریباً دس بارہ میل کا

فاصلہ خاموشی سے طے کیا۔ ساجدہ بھی کچھ نہ بولی۔ دفعتاً انور بولا۔

"تار جام میں ارشاد کی موجودگی کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟"

"یہی چیز میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔" ساجدہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"تار جام سے اُن کا کوئی تجارتی تعلق بھی نہیں تھا۔"

"رضوان صدیقی کو جانتی ہو؟" انور نے پوچھا۔

"ہاں.... کیوں؟" ساجدہ چونک کر بولی۔

"یونہی پوچھ رہا ہوں۔"

"وہ ارشاد کا جگری دوست ہے۔"

"اُس کے بیوی بچے کہاں ہیں؟"

"ابھی اُس کی شادی نہیں ہوئی۔"

"کہاں رہتا ہے؟"

"دولت گنج میں....!"

"تم کبھی اُس کے یہاں گئی ہو؟"

"نہیں کبھی جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔ وہ اکثر ہمارے گھر آتا رہتا ہے۔"

"کیا وہ بھی ارشاد کا ساجھی دار تھا؟"

"نہیں.... اُس کا کاروبار الگ ہے۔"

"میں ایک بار پھر اپنا سوال دہراؤں گا۔" انور نے کہا۔ "اس دوران میں ارشاد کی مالی حالت کیسی تھی؟"

ساجدہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُس نے ایک بار انور کی طرف دیکھ کر سر جھکا لیا۔ ماتھے کی سلوٹیں چہرے پر پھیلتی ہوئی غم آلود نراہٹ کی لہروں میں بہہ گئیں۔

"اب چھپانے سے کیا فائدہ۔" وہ آہستہ سے بولی۔ "ارشاد قریب قریب دیوالیہ ہو چکا تھا۔"

"اور اسی لئے وہ اپنی یادداشت بھی کھو بیٹھا تھا۔" انور طنزیہ انداز میں بولا۔

"انور....!" ساجدہ نے پُر احتجاج لہجے میں کہا اور کھڑکی کے باہر پھیلی ہوئی تاریکی پر نظریں گاڑ دیں۔

"اس خودکشی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟" انور نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"خیال....!" ساجدہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "اس کے علاوہ اب اور کوئی خیال میرے ذہن میں نہیں کہ ارشاد مجھ سے ہمیشہ کے لئے چھوٹ گیا۔"

"خیر یہ خیال تمہارے لئے کوئی نیا نہیں۔" انور ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"انور تم ظالم ہو۔" ساجدہ بے ساختہ چیخی۔

انور نے کوئی جواب نہ دیا اور اُس کے چہرے پر کسی قسم کی کوئی تبدیلی بھی نہ پیدا ہوئی۔

"کیا کسی ہیرے کی کان میں بھی اُس کا کوئی حصہ تھا؟" تھوڑی دیر بعد انور نے پوچھا۔

"ہیرے کی کان؟" ساجدہ چونک کر بولی۔ "نہیں تو۔ مجھے اس کی کوئی اطلاع نہیں۔"

"تمہیں پورا یقین ہے کہ اُس کا تعلق کسی دوسری عورت سے نہیں تھا؟"

"آخر ان سب فضول باتوں سے کیا فائدہ؟" ساجدہ جھلا کر بولی۔ "ایک مرے ہوئے آدمی کا کچا چٹھا اچھال کر تمہیں کیا مل جائے گا؟"

"میں سنجیدگی سے گفتگو کر رہا ہوں۔"

"نہیں ارشاد ایسا آدمی نہیں تھا۔"

انور کچھ کہنا ہی چاہتا تھا مگر پھر رک گیا۔ ساجدہ نے گھڑی دیکھی آٹھ بج رہے تھے۔ دور اندھیرے میں تار جام کی روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ انور نے کار کی رفتار اور تیز کر دی۔

اور پھر اُن کی کار تار جام کی کوتوالی کے سامنے رک گئی۔ انور اور ساجدہ اُتر کر اندر آ گئے۔ کوتوالی انچارج موجود نہیں تھا۔ ایک سب انسپکٹر نے انہیں بتایا کہ کوتوالی انچارج ابھی تک جائے واردات سے واپس نہیں آیا۔ لاش وہیں ہے۔

"میں آپ لوگوں کا انتظار کر رہا تھا۔" سب انسپکٹر اٹھتا ہوا بولا۔ "مجھے ہدایت کر دی گئی تھی جب بھی آپ لوگ پہنچیں آپ کو جائے واردات پر پہنچا دیا جائے۔"

"کتنی دور چلنا ہوگا۔" انور نے پوچھا۔

"تقریباً چار میل، دیپ نگر میں، یہ حادثہ وہیں ہیرے کی کان میں ہوا ہے۔" سب انسپکٹر بولا۔

"ہیرے کی کان میں؟" انور چونک کر بولا۔ "لیکن اس طرف تو کوئی بھی ہیرے کی کان نہیں تھی۔"

"چھ ماہ قبل یہاں کھدائی کا کام شروع ہوا ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ "ارشاد صاحب کے ساتھیوں نے ٹھیکہ لیا تھا۔"

انور نے ساجدہ کی طرف گھور کر دیکھا۔ خود ساجدہ بھی حیرت زدہ نظر آ رہی تھی لیکن بولی نہیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ لوگ کار میں بیٹھ کر دیپ نگر کی طرف روانہ ہو گئے۔ انور کا ذہن ہیرے کی کان میں الجھا ہوا تھا۔ ارشاد نے زبیدہ سے تو ہیرے کی کان کا تذکرہ کیا تھا لیکن ساجدہ کے متعلق کیوں نہیں بتایا۔ دوسری چیز اس سے بھی زیادہ الجھن پیدا کرنے والی تھی۔ وہ یہ ایسے علاقے میں اچانک ہیرے کی کان کی دریافت جس کے متعلق کبھی اُس کا خیال بھی ہو سکے۔ اب تک تاریکی میں کیوں پڑی رہی۔ اس کی تو خاصی شہرت ہونی چاہئے تھی۔

راستہ خراب ہونے کی وجہ سے وہ دیپ نگر تقریباً آدھے گھنٹے میں پہنچے۔ یہاں دو چار چھوٹے بنگلے بنے ہوئے تھے جو تقریباً تاریک تھے۔ صرف ایک بنگلے کی کھڑکیوں میں روشنی دے رہی تھی۔ سب انسپکٹر نے اُسی بنگلے کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ غالباً آپ بیگم ارشاد ہیں۔" کوتوالی انچارج انہیں آتا دیکھ کر بولا۔

"جی ہاں....!" ساجدہ غم آلود انداز میں بولی۔

"واقعی یہ ایک افسوس ناک حادثہ ہے۔" کوتوالی انچارج نے کہا۔ "چار بجے مجھے اطلاع ارشاد صاحب نے خودکشی کر لی ہے۔" وہ پھر انور کی طرف مڑ کر بولا۔

"آپ کی تعریف....؟"

"انور سعید، روزنامہ اسٹار کا کرائم رپورٹر....!" انور نے کہا۔

"اوہ....!"

"میں انہیں اپنے ساتھ لائی ہوں۔" ساجدہ نے کہا۔

"دھارا سنگھ کا بیان ہے کہ ارشاد صاحب تین بجے اپنے ہاتھ میں ایک دونالی بندوق لے کے سامنے بیٹھے تھے۔ دھارا سنگھ سمجھا کہ وہ شاید شکار کھیلنے جا رہے ہیں۔ پھر ساڑھے تین بجے نے دو فائروں کی آوازیں سنیں اور بھاگ کر اُس بنگلے میں آیا اور پھر پچھلے کمرے میں اُس ارشاد صاحب کی لاش دیکھی۔ انہوں نے کھڑے ہو کر اپنے چہرے پر دو فائر کئے تھے۔"

"بھلا آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ انہوں نے کھڑے ہو کر فائر کئے تھے؟" انور نے پوچھا۔

"انور صاحب میں نے آپ کی تعریف سنی ہے۔" کوتوالی انچارج طنزیہ لہجے میں بولا۔ "چلئے میں آپ کو سمجھاؤں۔"

وہ عقبی کمرے کی طرف مڑا.... انور اور ساجدہ اُس کے ساتھ ہو گئے۔

لاش ایک چادر سے ڈھکی ہوئی چارپائی پر پڑی تھی۔ کوتوالی انچارج نے منہ پر سے چادر سرکائی اور ساجدہ ایک ہولناک چیخ کے ساتھ انور کے بازوؤں میں آ رہی۔ چہرے پر چھرے لگنے کی وجہ سے گوشت کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ ساجدہ بے ہوش ہو گئی لیکن یہ حالت زیادہ دیر تک قائم نہ رہی۔ اُس کی آنکھیں آہستہ آہستہ کھلیں اور اس طرح پھٹ کر رہ گئیں جیسے اپنے حلقوں میں جم گئی ہوں۔ کوتوالی انچارج نے پوری لاش پر سے چادر ہٹا دی اور سوالیہ نگاہوں سے ساجدہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"ارشاد تم نے یہ کیا کیا۔" ساجدہ پھوٹ پڑی۔ انور اُسے سہارا دیتا ہوا کمرے سے باہر لے آیا اور تھوڑی دیر بعد ساجدہ کو روتا چھوڑ کر لاش والے کمرے میں لوٹ گیا۔

"انور صاحب۔" کوتوالی انچارج بولا۔ "ارشاد نے کھڑے ہو کر اپنے اوپر فائر کیے ہیں۔ یہ دیکھئے ان کا ایک جوتا اور موزہ اُترا پڑا ہے۔ انہوں نے بندوق کی لبلبی میں انگوٹھا پھنسا کر اپنے اوپر فائر کئے۔"

"یہ تو بالکل صاف ہے۔" انور نے کہا۔ "لیکن اس کا کیا ثبوت ہے کہ فائر کھڑے ہو کر کیے گئے؟"

"اوہو.... ادھر آیئے۔ یہاں دیوار میں دیکھئے، کچھ چھرے یہاں دیوار میں گھس گئے ہیں۔ اس جگہ کی اونچائی فرش سے تقریباً چھ سات فٹ ہے اگر انہوں نے بیٹھ کر بندوق چلائی ہوتی تو نالی کا زاویہ اتنی اونچائی تک چھرے نہ پھینک سکتا۔"

"ٹھیک ہے۔" انور نے کہا اور جھک کر فرش پر کچھ دیکھنے لگا اور پھر ایک گہرا سانس لے کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ وہ پُر معنی انداز میں کوتوالی انچارج کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"بہرحال خودکشی ثابت ہے۔" کوتوالی انچارج خود اعتمادی کے لہجے میں بولا۔

"قطعی ثابت ہے" انور نے مسکرا کر کہا۔ "ارشاد نے ایک بار لیٹ کر خودکشی کی اور ایک بار کھڑے ہو کر۔"

"کیا مطلب....؟"

"یہاں آیئے.... کیا آپ نے فرش نہیں دیکھا۔ دیکھئے یہاں بھی کچھ چھرے گرے ہیں اور بارود کے دھوئیں کا ہلکا سا دھبہ بھی ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ فائر حالت میں بندوق کے دہانے کا فاصلہ زمین سے صرف ایک یا دو بالشت رہا ہوگا۔"

"اوہ....!" کوتوالی انچارج سٹپٹایا۔

"لیکن یہ بتانا دشوار ہے۔" انور مخصوص طنزیہ لہجے میں بولا۔ "کہ پہلے اُس نے گھر خودکشی کی یا لیٹ کر۔"

"تو پھر اسے کیا سمجھا جائے؟" کوتوالی انچارج بڑبڑایا۔

"قتل صریحی قتل....!" انور بولا۔ "ممکن ہے وہ بھری ہوئی بندوق پر ٹھوڑی ٹیکے خیال میں مستغرق رہا ہو اور کسی نے لبلبی دبادی اور اس کے گر جانے پر دوسرا فائر کر دیا ہو کام کسی ایسے ہی شخص کا ہو سکتا ہے جسکے متعلق خود ارشاد بھی یہ شبہ نہ کر سکتا رہا ہو کہ وہ پر قاتلانہ حملہ بھی کر سکتا ہے۔ یہ دھارا سنگھ کون ہے جس نے خودکشی کی اطلاع آپ تک پ

"دھارا سنگھ ہیرے کی کان کا ایک ساجھی دار ہے۔"

"وہ ہے کہاں؟"

"اپنے بنگلے میں.... اس حادثے کی وجہ سے اُس کی حالت ٹھیک نہیں۔ بظاہر اچھا کا ہے مگر ہے کمزور دل آدمی۔"

"ذرا اُسے بلوایئے؟" انور نے کہا۔

ایک مشتبہ آدمی

"یہ تو معاملہ ہی الٹ گیا۔" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"گھبرایئے نہیں میں قتل والی دریافت آپ ہی کے سر تھوپوں گا۔" انور نے کہا۔

"یعنی....؟"

"اپنے اخبار میں آپ کے کارنامے بڑھا چڑھا کر لکھوا ؤں گا۔"

"ارے نہیں صاحب مجھے سچائی عزیز ہے۔" کوتوالی انچارج خاکسارانہ انداز میں بولا۔

"گھبرایئے نہیں.... جھوٹ نہیں بولوں گا۔"

کوتوالی انچارج باہر چلا گیا۔ انور ساجدہ کے پاس چلا آیا۔

"یہ خودکشی نہیں بلکہ کھلا ہوا قتل ہے۔" انور نے کہا۔

ساجدہ اچھل پڑی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے انور کی طرف دیکھ رہی تھی۔ انور نے اسے مختصر الفاظ میں سب کچھ بتا دیا۔ ساجدہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کا چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے عاری نظر آرہا تھا۔ سپاٹ اور بے جان.... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ سوچ ہی نہیں رہی ہے۔ اُس کے ذہن میں ایک خلاء ہے۔ جس میں تاریکیوں کے علاوہ کچھ نہیں۔

تھوڑی دیر بعد کوتوالی انچارج واپس آگیا۔ اُس کے ساتھ ایک فربہ اندام اور معمر آدمی تھا۔ اُس کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی لیکن اس زردی کی تہہ کے نیچے سے بھی طبیعت کی سخت گیری پھوٹی پڑ رہی تھی۔

"فائر کی دوسری آواز کتنے وقفے کے بعد ہوئی تھی؟" انور نے اُس سے پوچھا۔

دھارا سنگھ نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور تھوک نگل کر رہ گیا۔

"میں آپ ہی سے پوچھ رہا ہوں۔" انور نے دوبارہ کہا۔

"جی اس کا تو مجھے دھیان نہیں۔" دھارا سنگھ بولا۔

"دوسرے فائر کے بعد آپ اس بنگلے میں کتنی دیر میں پہنچے تھے؟"

"فوراً ہی۔"

"گویا آپ فائر کی آواز کا انتظار کر رہے تھے؟"

"جی....!" دھارا سنگھ چونک پڑا۔

"جی ہاں....!" انور معنی خیز انداز میں بولا۔

"جی نہیں....!" دھارا سنگھ نے جلدی سے کہا۔

"کیا نہیں؟"

"میں فائر کی آواز سن کر گھبرا گیا تھا۔" دھارا سنگھ نے کہا۔

"تم خیر.... تم بتا سکتے ہو کہ ارشاد کی خودکشی کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟" انور نے اُس سے پوچھا۔

"جی وہ جب آئے تھے پریشان تھے۔ مجھ سے بیس ہزار روپیہ مانگا۔ بھلا میرے پاس اِ
رقم کہاں سے آتی جو کچھ تھا اس کان پر لگا چکا تھا۔"

"وہ یہاں کب آیا تھا؟"

"آج ہی دو بجے۔"

"اس کے ساتھ اور کون تھا؟"

"جی کوئی نہیں۔"

"وہ یہاں کیوں آیا تھا....؟" انور نے پوچھا۔

"کہہ تو رہا ہوں کہ مجھ سے روپے مانگنے۔"

"بندوق کس کی تھی؟"

"میری ہی۔"

"تو کیا اُس نے کہا تھا کہ وہ شکار کھیلنا چاہتا ہے؟"

"جی ہاں۔"

"اور آپ یہ جانتے ہیں کہ کسی کو اپنی بندوق دینا جرم ہے؟"

"جی ہاں۔ مجھ سے یہ غلطی ضرور ہوئی۔"

"اس کے علاوہ بھی آپ نے ایک غلطی کی ہے۔" انور بولا۔

"جی....؟" دھارا سنگھ پھر چونکا۔

"آپ نے اُسے بھری ہوئی بندوق دے دی۔"

"بھری ہوئی۔ جی نہیں۔ نہیں یہ بالکل جھوٹ ہے۔"

"شکار گاہ یہاں سے کتنی دور ہے؟" انور نے پوچھا۔

"دو میل....!"

"تو پھر یہیں سے بندوق بھر لینے کا مطلب نہیں سمجھ میں آتا۔" انور نے کہا۔

"مطلب.... ارے صاحب انہیں خودکشی یہیں کرنی تھی۔ شکار گاہ جا کر کیا کرتے۔"
سنگھ نے کہا۔

"جی یہ خودکشی نہیں بلکہ قتل ہے۔" انور نے کہا۔

"قتل.... قتل.... نہیں نہیں.... قتل کیوں۔" دھارا سنگھ ہکلانے لگا۔

"یہ میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ قتل کیوں؟"

"مم میں.... کیا جانوں.... ککیا.... جنوں....!"

"ہوں....!" انور ہونٹ بھینچ کر کوتوالی انچارج کی طرف مڑا۔ "کیا خیال ہے داروغہ جی۔"

"معاملات کچھ الجھ کر رہ گئے ہیں۔" کوتوالی انچارج اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"پھر کیا ارادہ ہے؟"

"دھارا سنگھ کو کوتوالی تک جانا پڑے گا۔" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"کیوں....؟" دھارا سنگھ نے بے ساختہ پوچھا۔

"اس لئے کہ آپ نے اپنی بندوق ارشاد کو دی تھی اور اُسی بندوق سے اُس نے خودکشی
کی۔" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"مگر میں اُس کی نیت سے واقف نہیں تھا۔" دھارا سنگھ نے کہا۔

"کسی کو بندوق دینا ہی غیر قانونی ہے۔" کوتوالی انچارج بولا۔

"تو کیا مجھے حوالات....؟"

"جی ہاں۔" کوتوالی انچارج نے کہا اور انور کی طرف دیکھ کر بولا۔ "آپ مسز ارشاد کو لے کر
کہاں ٹھہریں گے؟"

"کہیں کسی ہوٹل میں۔" انور نے کہا۔ "لیکن کیا ہم لوگوں کی موجودگی یہاں ضروری ہے؟"

"جی ہاں.... میں ارشاد کے متعلق معلومات بہم پہنچانا چاہتا ہوں۔" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"اور میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس ہیرے کی کان کے اور کتنے حصے دار ہیں؟" انور نے کہا۔

"ایک اور ہے۔" دھارا سنگھ نے کہا۔

"وہ کہاں ہے؟" انور نے پوچھا۔

"تار جام میں۔"

"اب تک کتنا ہیرا نکل چکا ہے؟" انور نے پوچھا۔

"صرف چند ذرے۔" دھارا سنگھ نے کہا۔

"کام کب سے ہو رہا ہے؟"

"چھ ماہ سے۔"

"تو اس کا یہ مطلب کہ ابھی تک کاروبار نقصان ہی پر چل رہا ہے؟"

"جی ہاں۔"

"ہیرے کی کان کا ٹھیکہ کس کی تحریک میں لیا گیا تھا؟"

"ارشاد صاحب سب سے بڑے حصے دار تھے۔ انہیں کی تحریک سے ٹھیکہ لیا گیا تھا۔"

"آپ انہیں کب سے جانتے تھے؟"

"آج سے چھ ماہ قبل سیٹھ اطہر نے مجھے اُن سے ملایا تھا۔"

انور کچھ سوچنے لگا اور کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ باہر سناٹا طاری تھا۔ تاریکی کی سیاہ چادر شے پر محیط تھی۔ ساجدہ بالکل ساکت بیٹھی تھی ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے سکتہ ہو گیا تھوڑی دیر بعد پولیس کی لاری وہاں آکر رکی۔ کوتوالی انچارج نے لاش اٹھوا کر اُس پر رکھوا دی پھر دھارا سنگھ کو بھی وہاں لایا گیا۔ دھارا سنگھ کے سارے جسم پر کپکپی طاری تھی۔

"آگے چل کر بیٹھئے۔" کوتوالی انچارج نے اُس سے کہا۔

"تو کیا واقعی؟"

"جی ہاں.... آپ حراست میں ہیں۔"

"مگر.... مگر....!" وہ ہچکچایا.... کوتوالی انچارج نے اُس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر آ بڑھانے کی کوشش کی۔ لاری اسٹارٹ ہو چکی تھی۔ ہیڈ لائیٹس کی روشنی سامنے سڑک پر دور پھیلی ہوئی تھی۔ دھارا سنگھ نے پائیدان پر پیر رکھا ہی تھا کہ کسی طرف سے اچانک فائر ہوا دھارا سنگھ چیخ مار کر پہلے تو ڈرائیور کی سیٹ پر گرا اور پھر اچھل کر زمین پر آرہا۔ وہ ایک تازہ کیے ہوئے مرغ کی طرح تڑپ رہا تھا۔

"اِدھر.... اُدھر....!" انور ایک طرف تاریکی میں ہاتھ اٹھا کر چیخا۔ پولیس والوں کی ٹ کی روشنیاں اندھیرے کا سینہ چیرنے لگیں۔ انور ایک طرف بے تحاشہ دوڑا جا رہا تھا۔ کو انچارج اور پولیس والے اُس کے پیچھے تھے۔ دور تک اونچی نیچی پہاڑیوں اور کانٹے دار جھاڑیو سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک وہ سب اِدھر اُدھر مارے مارے پھرتے رہے لیکن ا کا سراغ نہ ملا آخر وہ بے نیل و مرام واپس لوٹے۔ یہاں ایک دوسرا حادثہ اُن کا

ساجدہ اپنی کار کے پائیدان سے ٹکی زمین پر پڑی تھی۔ اُس کا سر ایک طرف ڈھلکا ہوا تھا۔ انور اختیار اُس پر جھک پڑا۔ کوتوالی انچارج بوکھلائے ہوئے انداز میں اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

"بے ہوش ہو گئی ہے۔" انور نے ساجدہ کو اپنے ہاتھوں پر اٹھاتے ہوئے کہا۔ اُس نے اُسے کی پچھلی سیٹ پر ڈال دیا۔

"میرا خیال ہے کہ اب ہمیں یہاں رکنا نہ چاہئے۔" انور نے کوتوالی انچارج سے کہا اور پھر وہ ھارا سنگھ کی طرف متوجہ ہوا جو زمین پر بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ "اسے بھی اٹھوایئے ختم چکا ہے۔"

دھارا سنگھ کی لاش بھی لاری میں رکھ دی گئی۔

"آپ اِدھر کار میں آجایئے....!" انور نے کوتوالی انچارج سے کہا۔ وہ انور کے برابر بیٹھ گیا انور نے انجن اسٹارٹ کر دیا۔ ان کی کار پولیس لاری کے پیچھے چل پڑی تھی۔

"یہ دوسرا قتل میری وجہ سے ہوا۔" انور نے کہا۔

"آپ کی وجہ سے کیوں؟" کوتوالی انچارج چونک کر بولا۔

"اگر خودکشی قتل نہ ثابت ہوتی تو دھارا سنگھ شاید زندہ رہتا۔"

"تو اس کا یہ مطلب کہ ارشاد ہی کا قاتل اس کا بھی قاتل ہے؟"

"قطعی....!" انور نے کہا۔ "اس دوران میں قاتل ہمارے آس پاس ہی رہا اور جب اُس نے دیکھا کہ پانسہ پلٹ چکا ہے اور پولیس دھارا سنگھ کو لیے جا رہی ہے تو اُس نے اُسے بھی قتل کر دیا۔"

"کیوں....؟" کوتوالی انچارج نے چونک کر کہا۔

"دھارا سنگھ کی زبان بند کرنے کے لئے۔ وہ ارشاد کے قاتل سے واقف تھا۔"

"اوہ....!"

"لیکن اب اُس کا ملنا محال ہی معلوم ہوتا ہے۔" انور نے کہا۔

"یہ کیوں....؟" کوتوالی انچارج نے پوچھا۔

انور نے اُس کا کوئی جواب نہ دیا۔ اُس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور آنکھوں کے حلقے تنگ ہو گئے تھے۔

"سیٹھ اطہر کیسا آدمی ہے؟" انور نے کوتوالی انچارج سے پوچھا۔

"میں اُس کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتا۔ وہ دیکھتے ہی دیکھتے بڑھا ہے، پولیس اُس طرف سے ہمیشہ مشکوک رہتی ہے۔"

"کیوں پولیس مشکوک کیوں رہتی ہے؟" انور نے پوچھا۔

"وہ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے کافی دولت مند ہو گیا۔ بظاہر کوئی ایسا ذریعہ دکھائی نہیں دیتا کی بناء پر اُس کی دولت کو جائز سمجھا جائے۔"

انور معنی خیز انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ کوتوالی پہنچ گئے اور ان دونوں حادثوں کی خبر سارے علاقے میں پھیل ساجدہ ہوش میں ضرور آ گئی تھی لیکن اُس کی حالت ابتر تھی۔ انور نے اُسے آرام دہ میں ٹھہرا دیا اور خود کوتوالی چلا آیا۔ یہاں کوتوالی انچارج سیٹھ اطہر کا انتظار کر رہا تھا جسے اُس بھیجا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد سیٹھ اطہر اُس کے دفتر میں داخل ہوا۔ یہ ایک قوی الجثہ اور القامت آدمی تھا۔ عمر تیس اور چالیس کے درمیان ہی رہی ہو گی۔ اُس کے لباس اور رکھ سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ ایک شوقین مزاج آدمی ہے۔ وہ اس طرح مسکراتا ہوا داخل ہوا تھ اُسے ان حادثات کی اطلاع نہ رہی ہو، قبل اس کے کہ کوئی اُس سے کچھ پوچھتا وہ خود ہی بولا۔

"مجھے ابھی ابھی دوسرے حادثے کی بھی اطلاع ملی ہے میں آنے کی تیاری ہی کر رہا آپ کا آدمی پہنچا۔"

"پہلے حادثے کی اطلاع آپ کو تھی؟" انور نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"اور آپ دیپ نگر نہیں آئے؟"

"میں کیوں جاتا۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ ارشاد کے لئے اب خودکشی کے علاوہ کو چارہ نہیں رہ گیا۔

"کیوں یہ آپ کیسے جانتے تھے؟" انور نے پوچھا۔

"وہ بالکل دیوالیہ ہو چکا تھا لیکن مجھے دھارا سنگھ کے مرنے کا افسوس ہے۔ اُس غریب محض میری وجہ سے اس ناشدنی کان میں روپیہ لگایا تھا۔ لیکن اُسے کس نے اور کیوں قتل کر

"جس نے ارشاد کو قتل کیا ہے۔" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"قتل....." سیٹھ اطہر نے چونک کر پوچھا۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا؟"

"ارشاد نے خودکشی نہیں کی بلکہ اُسے کسی نے قتل کر دیا۔"

"ہیں....؟" سیٹھ اطہر نے کہا اور کسی سوچ میں پڑ گیا۔

"آپ ارشاد کو کب سے جانتے تھے؟" انور نے پوچھا۔

"جی....؟" اطہر نے چونک کر کہا اور انور کو غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ "میں اُسے عرصے سے افغا اور اُسے بڑا آدمی سمجھتا تھا لیکن ڈھول کے اندر پول کا علم اس کان میں روپیہ لگا دینے کے ہوا۔"

"تو آپ اُس سے ناراض تھے؟" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"جی ہاں، بہت بُری طرح۔"

"کیوں....؟"

"بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے، میں نے اُس کی باتوں میں آ کر خاصی رقم گنوا دی۔"

"تھوڑا بہت ہیرا نکلا ہے کان سے؟" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"صرف چند ذرات لیکن مجھے اس میں شبہ ہے۔ میں ایک بالشت گہرا گڑھا کھود کر اُس میں ے بھی ہیرے کے ذرات برآمد کر سکتا ہوں۔" سیٹھ اطہر نے کہا۔

"تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ارشاد نے آپ کو دھوکہ دیا تھا....؟" انور نے کہا۔

"جی ہاں.... میں یہی کہوں گا اور اس کے لئے میرے پاس ثبوت موجود ہے۔"

"کیا....؟"

"اُس کے ساتھ جو انجینئر بھانت بھانت کے آلے لے کر آیا تھا ایک مشہور بدمعاش اور بلیک میلر تھا۔"

"اس پر بھی آپ پھنس گئے؟" انور نے کہا۔

"جی نہیں یہ تو مجھے آج معلوم ہوا ہے۔" سیٹھ اطہر نے کہا۔

"کیسے....؟"

"آج میں نے ایک اخبار میں اُس کی تصویر دیکھی تھی۔ وہ دھوکہ دہی کے ایک معاملے میں پکڑا گیا ہے۔"

"شاید آپ اجیت کمار کی بات کر رہے ہیں؟" انور نے کہا۔

"جی ہاں.... اجیت کمار۔ وہی اُس کے ساتھ انجینئر بن کر آیا تھا اور اُس نے بہتیرے آلا
کی مدد سے یہ بات ثابت کی تھی کہ یہاں ہیرے کی کان ہے اور ہم لوگ بڑی خوشی سے رپ
لگانے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ بہر حال میں اس اطلاع کے بعد شہر جانے کی تیاری ہی کر رہا تھا
مجھے ارشاد کی خود کشی کے بارے میں معلوم ہوا۔ میں اس نتیجے پر جلد ہی پہنچ گیا کہ اجیت کمار
تصویر شائع ہو جانے کی وجہ سے گھبرا کر اُس نے خود کشی کر لی۔ لیکن اب آپ کہتے ہیں کہ اُ
کسی نے قتل کر دیا۔ خیر ایسے آدمیوں کا یہی انجام ہوتا ہے لیکن دھارا سنگھ کے قتل کی وجہ
میں نہیں آتی۔"

"بہر حال آپ کو اُس سے دشمنی تھی؟" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"قطعی.... لیکن اتنی بھی نہیں کہ اُسے قتل کر دیتا۔" سیٹھ اطہر مسکرا کر بولا۔ یہ مسکرا
کچھ عجیب سی تھی۔ جسے کوتوالی انچارج مشکوک سمجھے بغیر نہ رہ سکا۔

"دھارا سنگھ تو آپ کا جگری دوست تھا؟" کوتوالی انچارج نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"ارشاد سے اُس کے کیسے تعلقات تھے؟"

"بُرے نہیں تھے۔"

"ایک بات۔" انور نے کوتوالی انچارج کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "اجیت کمار کا راز معلو
ہونے کے بعد فطری طور پر آپ کو شہر جانے کے بجائے دھارا سنگھ کو اس کی اطلاع دینے
لئے جانا چاہئے تھا۔"

"جی ہاں میں دھارا سنگھ سے ملتا ہوا شہر جاتا۔" اطہر نے کہا۔ "اور جب مجھے یہ معلوم ہوا
ارشاد نے ویپ نگر میں خود کشی کی ہے تو میں سمجھ گیا کہ اُسے بھی یہیں آ کر اجیت کمار کی تصو
شائع ہونے کا حال معلوم ہوا اور اُس نے بچاؤ کی کوئی صورت نہ دیکھتے ہوئے خود کشی کر لی۔"

"لیکن دھارا سنگھ کو اجیت کمار والے واقعے کی اطلاع نہیں تھی۔" کوتوالی انچارج نے کہا

"ارشاد اُس سے بیس ہزار روپے لینے کے لئے یہاں آیا تھا۔"

"تو پھر اگر دھارا سنگھ خود نہ مار ڈالا جاتا تو میں یہی سمجھتا کہ اُس نے ارشاد کو قتل کیا ہے

نمبر 9

نے کہا۔ "آدمی چاہے کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو لیکن جب اُس پر اچانک یہ بات ظاہر ہوتی ہے
دھوکہ کھا گیا ہے تو وہ تھوڑی دیر کے لئے غصے سے پاگل ضرور ہو جاتا ہے۔"

"تو پھر اُس اصول کے تحت تو آپ بھی ارشاد کے قاتل ہو سکتے ہیں۔" انور نے کہا۔

"لیکن میں....!"

"آپ نے بے چارے دھارا سنگھ کو بھی اپنے جرم میں شریک کر لیا اور جب یہ دیکھا ہو کہ
خودکشی قتل میں تبدیل ہو گئی تو آپ نے اس ڈر سے دھارا سنگھ کو قتل کر دیا ہو کہ کہیں پولیس اُس
سب کچھ اگلوا نہ لے۔" انور نے کہا۔

اطہر دفعتاً کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ کوتوالی انچارج اُسے تیز نظروں سے گھور رہا تھا۔

"خیر میں اس کے لئے درجنوں ثبوت مہیا کر سکوں گا کہ آج صبح سے اس وقت تک میں تار
گھر ہی میں رہا اب مجھے یہاں اور کتنی دیر بیٹھنا پڑے گا؟"

"جس وقت تک آپ کا دل چاہے.... آپ جا سکتے ہیں۔" کوتوالی انچارج نے مسکرا کر کہا۔
"ہم نے محض چند معلومات حاصل کرنے کے لئے آپ کو تکلیف دی تھی۔"

"شکریہ....!" اطہر نے اٹھتے ہوئے کہا اور پھر کمرے سے چلا گیا۔ کوتوالی انچارج بھی فوراً
اٹھ کر باہر چلا گیا۔

پُراسرار ہمدردی

تھوڑی دیر بعد کوتوالی انچارج پھر واپس آ گیا۔ انور خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور جب وہ چونکا
تو اُس نے محسوس کیا کہ کوتوالی انچارج اُس کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرا رہا ہے۔ انور
بھی خواہ مخواہ مسکرانے لگا۔

"مسٹر انور میں آپ کے مداحوں میں سے ہوں۔" کوتوالی انچارج نے اُس کی آنکھوں میں
دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ بیگم ارشاد خصوصیت سے آپ کو اپنے ساتھ
کیوں لے آئی ہیں؟"

"آپ کا یہ سوال ذہانت سے بھرپور ہے۔" انور مسکرا کر بولا۔ "اس خصوصیت کی سب سے

بڑی وجہ یہ ہے کہ بیگم ارشاد مجھے اچھی طرح جانتی ہیں۔"

"یہ تو کوئی وجہ نہ ہوئی۔" کوتوالی انچارج نے کہا۔ "اور بہتوں کو بھی وہ اچھی طرح ہوں گی؟"

"جانتی ہوں گی اور بھلا اس میں مجھے اعتراض ہی کیا ہو سکتا ہے۔" انور نے مسکرا کر کہا

"بات یہ نہیں مسٹر انور، اُن کے اس رویے پر ہمیں سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔" کوتوالی انچارج بولا۔

"میں غور کرنے کے لئے تیار ہوں۔ چلئے۔" انور شانے اچھال کر بولا۔

"میرا خیال ہے کہ بیگم ارشاد کو پہلے ہی سے اس خودکشی پر شبہ تھا، اسلئے وہ آپ کو ساتھ لا

"ممکن ہے یہی بات رہی ہو لیکن انہوں نے اس کے متعلق مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

"اور اگر ایسا ہے تو انہیں اپنے شبہہ کی وجہ بتانی پڑے گی۔" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"ضرور بتانی پڑے گی۔" انور نے اُسی کے لہجے کی نقل کی۔ کوتوالی انچارج بھنا کر گھورنے لگا۔

"غالباً اب وہ ٹھیک ہوں گی۔" کوتوالی انچارج بولا۔ "میں اُن سے اس کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ سیٹھ اطہر کی گفتگو سے ارشاد کی پوزیشن کچھ خراب ہو گئی ہے۔"

"کیوں پوزیشن کیوں خراب ہو گئی؟"

"وہ اجیت کمار والا معاملہ....!" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"اور آپ نے اس پر یقین کر لیا....؟"

"یقین نہ کرنے کی وجہ؟"

"اچھا تو اس پر بھی یقین کر لیجئے کہ ارشاد پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔"

"کمال کیا آپ نے۔" کوتوالی انچارج ہنس کر بولا۔

"اچھا اس پر یقین نہ کرنے کی وجہ کیا ہے؟"

"ارے بھئی میں ارشاد کو اچھی طرح جانتا تھا۔" کوتوالی انچارج ہنستا ہوا بولا۔

"تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ ارشاد کا وجود تھا۔ لیکن اجیت کمار والے واقعے کے متعلق

ے علاوہ اور دوسرا گواہ کون ہے؟"

"اوہ....!" کوتوالی انچارج انور کی طرف دیکھ کر بولا۔ "دھارا سنگھ.... دھارا سنگھ.... نے اُسے انجینئر کے روپ میں ضرور دیکھا ہوگا۔"

"لیکن وہ بے چارہ اس بیان کی تصدیق کرنے کے لئے عدالت میں نہ حاضر ہو سکے گا۔" انور زیر انداز میں بولا۔

کوتوالی انچارج خاموش ہو گیا۔ انور نے ختم ہوتے ہوئے سگریٹ سے دوسرا سگریٹ سلگایا ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔

"بہرحال مجھے بیگم ارشاد سے گفتگو کرنی ہے۔" کوتوالی انچارج اٹھتا ہوا بولا۔

انور اٹھ ہی رہا تھا کہ ایک پستہ قد اور دوہرے جسم کا آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ یہ سیاہ سوٹ ہی ملبوس تھا۔ اُس کے چہرے کی تھکن اور کپڑوں پر پڑی ہوئی گرد سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کوئی لمبا سفر کر کے آرہا ہے۔ اُس کی عمر کچھ زیادہ نہ تھی مگر قبل از وقت سر کے بال گر جانے کی وجہ سے عمر معلوم ہو رہا تھا۔

"میں.... میں:... ارشاد مرحوم کے سلسلے میں یہاں آیا ہوں۔" وہ دروازے پر ٹھٹک کر بولا۔

"آپ کون ہیں؟" کوتوالی انچارج نے پوچھا۔

"میرا نام رضوان ہے۔ ارشاد میرا دوست تھا۔ اُس نے مجھ سے بیس ہزار روپے مانگے تھے اور لکھا تھا کہ وہ آج ہی کے دن تار جام میں ملے گا۔ پہلے تو میں نے اُسے لکھ دیا تھا کہ میں انتظام نہیں کر سکتا لیکن پھر اتفاق سے روپے دستیاب ہو گئے اور میں سیدھا یہیں چلا آیا مگر یہاں آکر معلوم ہوا....!"

"بیٹھ جائیے۔" کوتوالی انچارج کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "آپ کہاں رہتے ہیں؟"

"اسی شہر میں جہاں ارشاد رہتا تھا۔ لیکن میں ایک کاروباری ضرورت سے رام گڑھ چلا گیا تھا۔ وہیں مجھے ارشاد کا خط ملا.... اور کچھ.... سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہو گیا۔"

انور بڑے غور سے رضوان کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

"مسٹر انور آپ انہیں پہچانتے ہیں؟" کوتوالی انچارج نے پوچھا۔

"نہیں.... میں نے اس سے پہلے انہیں کبھی نہیں دیکھا۔" انور نے جواب دیا۔

"تو آپ وہ بیس ہزار روپے لائے ہیں؟" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"جی ہاں....!" رضوان نے کوٹ کی جیب سے سو سو روپے کے نوٹوں کے کئی نکالے۔

"بیگم ارشاد آپ کو پہچانتی ہیں؟"

"جی ہاں.... اچھی طرح۔" رضوان بولا۔

"اچھا تو پھر ہم لوگ وہیں چل رہے ہیں۔" کوتوالی انچارج اٹھتا ہوا بولا۔ "وہ رائل میں ہیں۔"

"اوہ ضرور چلئے.... ضرور چلئے۔ بیچاری ساجدہ۔" رضوان اندوہناک آواز میں بولا۔

وہ لوگ کار میں بیٹھ کر رائل ہوٹل کیطرف روانہ ہوگئے۔ انور اس دوران میں کچھ نہیں بو

وہ بہت دلچسپی سے رضوان کا جائزہ لے رہا تھا۔ راستے بھر خاموشی رہی۔ رائل ہوٹل

وہ ساجدہ کے کمرے میں داخل ہوا۔ ساجدہ ایک کرسی پر آنکھیں بند کئے بیٹھی تھی۔ رضو دیکھ کر اُس کے ہونٹ کانپے، نتھنے پھڑکے اور آنسوؤں کا سیلاب امنڈ پڑا۔

"یہ آخر ہوا کیا؟" رضوان بے ساختہ بولا۔

ساجدہ منہ ڈھانپ کر رونے لگی۔ یہ تینوں خاموشی سے بیٹھ گئے۔ آہستہ آہستہ ساجدہ سسکیاں کم ہوتی جارہی تھیں اور پھر وہ بالکل خاموش ہوگئی۔

"اگر آپ کی طبیعت ٹھیک ہو تو میں کچھ پوچھنے کی جرأت کروں۔" کوتوالی انچارج نے کہا

"پوچھئے....!" ساجدہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"کیا آپ کو شہر سے چلتے وقت اس قسم کا شبہہ تھا کہ ارشاد صاحب نے خودکشی نہیں کی؟"

"قطعی نہیں۔ کچھ نہیں۔ میرے ذہن میں صرف ایک ہی خیال تھا کہ میں بیوہ ہوگئی بس۔" ساجدہ پھر رو پڑی۔

"مجھے افسوس ہے کہ میرے اس سوال سے آپ کو تکلیف پہنچی۔" کوتوالی انچارج جلا سے بولا۔

"نہیں.... آپ اور جو کچھ پوچھنا چاہیں.... میں....!"

"کیا آپ کو معلوم تھا کہ انہوں نے رضوان صاحب سے بیس ہزار روپے مانگے تھے؟"

"جی نہیں مجھے اس کی کوئی اطلاع نہیں۔"

"اچھا آپ انور صاحب کو اپنے ساتھ کیوں لائی ہیں؟" کوتوالی انچارج نے پوچھا۔

ساجدہ انور کی طرف دیکھنے لگی جو اپنے گردوپیش سے بے خبر خیالات میں ڈوبا ہوا سگریٹ پے کش لے رہا تھا اور ساجدہ نے اپنے شوہر کی یادداشت کھو بیٹھنے کی داستان دہرادی اور اس سلسلے ں انور سے مدد کی طالب ہونے کا حال بھی بتایا۔

"تو آپ نے اس مسئلے میں پولیس کی مدد کیوں نہ لی؟" کوتوالی انچارج نے پوچھا۔

"اس طرح بات پھیلتی اور تجارت کے ساجھی داروں کو مال گول کرنے کا موقع مل جاتا۔" ساجدہ نے کہا۔

"مگر حالات تو کچھ ایسے پیش آتے ہیں جن کی بناء پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ارشاد صاحب کی یادداشت پر کوئی غیر معمولی اثر نہیں تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو انہیں ہیرے کی کان بھی نہ یاد رہتی۔ وہ بیس ہزار روپے بھی نہ یاد رہتے جن کی انہیں ضرورت تھی کیوں انور صاحب؟"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" انور نے کہا اور سگریٹ کا ٹکڑا فرش پر گرا کر پیر سے مسل دیا۔

"کیا آپ ایسے آدمی یا آدمیوں کے نام بتا سکتی ہیں جو اُن سے دشمنی رکھتے ہوں۔" کوتوالی انچارج نے ساجدہ سے پوچھا۔

"مشکل ہے۔ نہ میں اُنکے دوستوں کے متعلق کچھ جانتی ہوں اور نہ دشمنوں کے متعلق۔"

"رضوان صاحب سے اُن کے کیسے تعلقات تھے؟"

"اچھے تھے۔"

اس کے بعد کوتوالی انچارج کچھ اور باتیں بھی پوچھتا رہا اور انور اٹھ کر نیچے ہال میں چلا گیا۔ وہ ابھی تک خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔ اُس نے کافی کا آرڈر دیا اور بیٹھ کر سگریٹ سلگانے لگا۔ وہاں بیٹھے بیٹھے اُس نے کافی کے کئی کپ پیے۔ تقریباً آدھ گھنٹہ کے بعد وہ اٹھ ہی رہا تھا کہ رضوان آگیا۔ انور نے اٹھنے کا ارادہ ملتوی کردیا۔ رضوان کرسی گھسیٹ کر اُس کے قریب بیٹھ گیا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہوگیا۔" رضوان آہستہ سے بولا۔

"وہی جو ایسے معاملات میں ہوتا آیا ہے۔" انور نے رضوان کو گھورتے ہوئے جواب دیا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میرا کوئی مطلب نہیں۔" انور آہستہ سے بڑبڑایا۔ رضوان کچھ نہیں بولا۔ وہ خاموشی
انور کو گھورتا رہا۔ پھر تھوڑی دیر بعد غم زدہ آواز میں بولا۔ "آخر بے چاری ساجدہ کا کیا ہوگا؟"

"جی....؟" رضوان اس طرح اچھلا جیسے کرسی نے ڈنگ مار دیا ہو۔

"جی ہاں....!" انور سنجیدگی سے بولا۔

"مم.... میں آپ کا مطلب.... نن....!"

"نہیں سمجھا۔" انور نے طنزیہ انداز میں جملہ پورا کر دیا اور معنی خیز انداز میں مسکرانے
اور پھر رضوان کا شانہ تھپک تھپک کر کہنے لگا۔ "پولیس آپ کی طرف سے بہت زیادہ مشکو
ہو جائے گی۔ رضوان صاحب ساجھے کی تجارت تو چل ہی جاتی ہے مگر ساجھے کی عورت۔ آ
خود سوچئے کہ پولیس کس نتیجے پر پہنچے گی؟"

رضوان کے ماتھے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں پھوٹ آئیں۔ ہونٹ خشک ہو گئے اور سو
ہوئے حلق میں سانس اٹکنے لگی۔ انور اُس کی حالت کے تغیر کو اچھی طرح محسوس کر رہا تھا لیکن
کچھ بولا نہیں۔

"اب تو واقعی میں بڑی مشکل میں پھنس گیا۔" رضوان تھوک نگلتا ہوا بولا۔

"مگر میں قسم کھانے کے لئے تیار ہوں کہ ساجدہ ساجھے کی نہیں۔"

"آپ اس کا کوئی ثبوت بہم نہ پہنچا سکیں گے۔"

"کیوں کیا ساجدہ سچی بات نہ کہے گی؟"

"تو بھی آپ پر ایک دوسرا چارج لگے بغیر نہ رہ سکے گا کہ آپ اُسے اغوا کر کے لائے ہیں۔"
انور بولا۔

"اور اگر میں اُسے اپنی بیوی ثابت کرا دوں تو....؟"

"ناممکن ہے.... وہ ایک ضدی لڑکی ہے جب اُسے یہ معلوم ہو جائے گا کہ وہ اب تک
دھوکے میں رکھی گئی ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اُسے سچ بولنے سے باز نہ رکھ سکے گی۔"

"تو کیا آپ اُسے عرصہ سے جانتے ہیں؟" رضوان گھبرا کر بولا۔

"جی نہیں کسی کے کردار کا مطالعہ کرنے کے لئے صرف ایک ہی گھنٹہ کافی ہوتا ہے۔"
رضوان تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"بات دراصل یہ ہے مسٹر انور میں نے جو کچھ بھی کیا دوستی نبھانے کے لئے کیا۔"

"جہنم میں گئی ایسی دوستی۔" انور منہ بنا کر بولا۔ "اس کے لئے تم نے ایک معصوم لڑکی کی
زندگی برباد کر دی.... لیکن لاحول ولا.... میں بھی تمہارے ہی دماغ سے سوچنے لگا۔ ممکن ہے وہ
ارشاد کی موجودگی میں تمہارے ہتھے نہ چڑھتی رہی ہو۔ اس لئے تم نے ارشاد ہی کو راستے سے ہٹا دیا
غریب دھارا سنگھ تو مفت میں مارا گیا۔"

"مسٹر انور....!" رضوان بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "آپ خواہ مخواہ مجھے پھانسنے کی
کوشش کر رہے ہیں۔"

"جی اگر خواہ مخواہ پھانسنے کا ارادہ ہوتا تو میں ساجدہ کا ذکر اُسی وقت چھیڑ دیتا جب تم کو توالی
میں لائے تھے لیکن میں ساجدہ والے معاملے کو زیادہ دنوں تک نہ چھپا سکوں گا۔"

"مسٹر انور.... میں قسم کھا کر....!"

"بس بس....!" انور ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اس کی ایک ہی صورت ہے اگر تم واقعی ارشاد کے
قاتل نہیں ہو تو ساجدہ سے باقاعدہ طور پر نکاح کر لو۔ ورنہ.... ساجدہ ہی کی زبانی تمہیں ارشاد کا
قاتل ثابت کرا دینا میرے بائیں ہاتھ کا کام ہوگا۔"

"مجھے منظور ہے۔" رضوان بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"اب یہ بتاؤ کہ ارشاد سے تم کب ملے تھے؟"

"ایک ہفتہ قبل....!"

"اُس کی دماغی حالت کیسی تھی؟"

"بالکل ٹھیک تھی۔"

"کبھی اُس پر پہلے بھی یادداشت کھو بیٹھنے والا دورہ پڑا تھا؟"

"میری دانست میں تو کبھی نہیں۔"

"اُس کی مالی حالت کیسی تھی؟"

"اُس دوران میں خراب ہو گئی تھی۔"

"تمہیں ہیرے کی کان کی اطلاع تھی؟"

"ہاں اُس نے مجھ سے تذکرہ کیا تھا۔"

"کیا تم نے بھی اپنا روپیہ اُس میں لگایا تھا؟"

"نہیں.... میں کسی کی شراکت میں کوئی تجارت نہیں کرتا۔"

"تمہارا کس چیز کا کاروبار ہے؟"

"فارورڈنگ اور کلیرنگ، کچھ ذاتی اکسپورٹ اور امپورٹ بھی کرتا ہوں۔"

"ارشاد کو کب سے جانتے تھے؟"

"تقریباً پانچ سال سے۔"

"تمہاری دانست میں اُسے کون قتل کر سکتا ہے؟"

"میری دانست میں اُس کا کوئی دشمن نہیں تھا۔"

"یہاں کب تک قیام کرو گے؟"

"ساجدہ کے ساتھ ہی واپس جاؤں گا۔ یہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔"

اُس کے بعد دونوں اٹھ گئے۔

دوسرے دن ساجدہ اور انور شہر کی طرف جا رہے تھے۔ رضوان کو کوتوالی انچارج نے مصلحت سے تار جام ہی روک لیا تھا۔ انور کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ ساجدہ اُس کے برابر بیٹھی تھی۔ وقت پھر اُس کے ماتھے پر غرور کی سلوٹیں اُبھر آئیں۔ آنکھوں کی سفاک چمک عود کر آئی لیکن وہ خاموش تھی۔

"ارشاد کی زندگی کا بیمہ تو رہا ہی ہوگا؟" انور نے پوچھا۔

"ہاں....!"

"کتنے کا....؟"

"اسی ہزار روپے کا۔"

"اوہ.... خاصی رقم ہے۔" انور نے کہا۔

"مگر وہ پالیسی پر پہلے ہی قرض لے چکا تھا۔" ساجدہ بولی۔

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ تم بالکل ہی کنگال ہو چکی ہو۔"

"تم کتنے ظالم اور وحشی ہو۔" ساجدہ منہ بگاڑ کر بولی۔

"اب ان سلوٹوں کو مٹ جانا چاہئے تھا۔" انور نے اُس کے ماتھے کی طرف دیکھ کر کہا۔

دوسرے ہی لمحے میں ساجدہ کا ہاتھ اٹھ کر اُس کے گال پر پڑا۔ انور نے کار روک دی۔ جیب سے ساجدہ کے دیئے ہوئے پانچ سو روپے کے نوٹوں کا بنڈل نکال کر اُس کی گود میں ڈالتا ہوا بولا۔

"شکریہ خدا حافظ۔"

وہ کار کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا اور کار اُس پر دھول جھونکتی ہوئی آگے نکل گئی۔ وہ پیدل چل رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُسے شہر جانے والی بس مل گئی اور وہ اُس پر بیٹھ کر اپنے اخبار کے ہیرے کی کان کی ٹریجڈی لکھنے لگا۔

سرکاری جاسوس سے جھڑپ

شہر پہنچ کر وہ سیدھا آفس چلا گیا۔ رشیدہ بیٹھی اونگھ رہی تھی۔ انور کو دیکھ کر اُس کا چہرہ کھل اٹھا۔

"دوڑتے دوڑتے کچھوا مر نکل گیا۔" رشیدہ منمنائی۔ انور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کرسی گھسیٹ کر ایک طرف بیٹھ گیا۔

"وہ لڑکی پُراسرار طریقے پر غائب ہو گئی۔" رشیدہ نے کہا۔ "کل رات میں نے کم از کم دس چکر دولت گنج کے ضرور لگائے ہوں گے۔"

"مجھے اُس لڑکی سے کوئی دلچسپی نہیں۔" انور بیزاری سے بولا۔

"اور ساجدہ....؟"

"جہنم میں گئی۔"

"یہ تو بڑا اچھا ہوا۔" رشیدہ چہک کر بولی۔ "اپنا پتہ دے گئی ہے یا نہیں؟"

"میں نے اُس کے روپے واپس کر دیئے ہیں۔"

"لیکن اُس کے شوہر نے خودکشی کیوں کر لی؟"

"خودکشی نہیں قتل....!" انور بولا۔

"قتل؟ قتل کس نے کیا؟"

"میں نے۔" انور ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "اب تمہارا بھی گلا گھونٹ کر پھانسی پر چڑھ جاؤں گا۔"

"شوق سے، تمہارے ہاتھوں مرنے میں مجھے کوئی دکھ نہ ہوگا۔" رشیدہ نے اتنے رومانی میں کہا کہ انور کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔

"ٹیں ٹیں مت کرو۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔" انور نے کہا۔

"تو ایسے بولو نا۔" رشیدہ اٹھتی ہوئی بولی۔ "ابھی میری جیب میں کافی پیسے ہیں۔"

دونوں دفتر سے نکل کر سامنے والے ریستوران کی طرف بڑھے۔

"کل سے انسپکٹر آصف کئی بار تمہیں پوچھنے کے لئے آچکا ہے۔" رشیدہ نے کہا۔

"بھئی اب ختم بھی کرو یہ قصہ۔ میں نے کہہ دیا کہ مجھے اُس سے کوئی دلچسپی نہیں۔" انور بو

"ختم کردیا۔" رشیدہ نے کھانا ختم کرنے کے بعد پانی پیتے ہوئے کہا۔

"تم پھر مجھے حسین لگ رہی ہو۔" انور تھوڑی دیر بعد بولا۔

"لڑکے؟" رشیدہ نے بیرے کو مخاطب کرکے کہا۔ "صاحب کے لئے ایک ڈبہ سگریٹ آؤ۔ اسٹیٹ ایکسپریس۔"

انور دوسری طرف منہ پھیر کر مسکرانے لگا۔

"اور میرے ہونٹوں کا رنگ کیسا ہے؟" رشیدہ نے شرارت آمیز مسکراہٹ کیساتھ پوچھا

"تم لال رنگ کی پڑیا پھانک گئی ہو۔" انور بولا۔

"اور میری آنکھوں کی جھیلوں میں؟"

"کیچڑ ہے کیچڑ، کسی ڈاکٹر کو دکھاؤ۔" انور نے منہ سکوڑ کر کہا۔

"اور میرے گالوں کے سیب....؟"

"سیب نہیں شلجم کہو۔ آج صبح تم نے منہ کیوں نہیں دھویا؟" انور بیزاری سے بولا۔

"اور.... میرے....!"

"ہاں اور تمہارے سر میں جوئیں بج بجا رہی ہیں۔ بس اب چپ رہو۔"

"نہیں چپ رہتی۔"

"دیکھو میں یہاں ریستوران میں کسی قسم کا جھگڑا کرنے کیلئے تیار نہیں۔" انور اٹھتا ہوا بولا۔

وہ دونوں پھر آفس میں لوٹ آئے۔ یہاں ایڈیٹر کے کمرے میں انسپکٹر آصف انور کا انتظار کررہا تھا۔ انور اپنی میز پر بیٹھنے ہی والا تھا کہ ایڈیٹر کے کمرے میں طلبی ہوئی۔

آصف نے انور کو گھورنا شروع کردیا لیکن انور اُس کی طرف دیکھے بغیر ایڈیٹر کی طرف متوجہ ہوا۔

"جب انسپکٹر صاحب تمہیں یاد کررہے تھے۔" ایڈیٹر نے کہا۔

"وہ تو ہر وقت مجھے یاد کیا کرتے ہیں.... محبت بہت بُری چیز ہے۔" انور مسکراتا ہوا ایک کرسی گھسیٹ کر بولا۔

"تم کل رات کو کہاں تھے؟" آصف نے کڑک کر پوچھا۔

"شہنشاہ باؤڈالی کے ساتھ لوڈو کھیل رہا تھا۔" انور نے بے پرواہی سے کہا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ آصف کی بھنویں تن گئیں اور ایڈیٹر مسکرانے لگا۔

"دیکھو میں اس وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔" آصف نے بیزاری سے کہا۔

"تو میں کب تمہیں مذاق پر مجبور کررہا ہوں۔"

"کل تم شہر میں ارشاد کے متعلق چھان بین کیوں کرتے پھر رہے تھے۔" آصف نے پوچھا۔

"میرا ارادہ تھا کہ اُس کی ایک شادی اور کرادوں۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔

"دیکھو اگر تم سیدھی طرح بات نہیں کروگے تو مجبوراً مجھے تمہیں حراست میں لینا پڑے گا۔"

"یار کبھی اس دھمکی کو عملی جامہ تو پہنا کر دکھاؤ۔" انور مسکرا کر بولا۔

"اس بار یہی ہوگا۔"

"لیکن کس جرم میں؟"

"میں تم پر شبہ کررہا ہوں۔"

"کس بات کا....؟"

"ارشاد کے قتل کا۔"

"کوئی وجہ....؟"

"سب سے بڑی وجہ تو یہی ہے کہ مسز ارشاد اور تم....!"

"میں سمجھ گیا۔" انور آصف کی بات کاٹ کر جلدی سے بولا۔ "ایک دوسری وجہ اور ہے کہ کریم نگر کے ایک جوئے خانے سے مجھے دو سو روپیہ یومیہ ملتے ہیں... اور میں۔"

"اچھا اچھا....!" انسپکٹر آصف جلدی سے اٹھتا ہوا بولا۔ "میرے ساتھ آؤ.... باہر....

مجھے تم سے کچھ پوچھنا ہے۔"

"تو ایسے بات کرو نا پیارے۔" انور آصف کے پیچھے ایڈیٹر کے کمرے سے نکلتا ہوا بولا۔

"ٹھیک ٹھیک بتاؤ کہ تم کل ہائی سرکل کلب میں ارشاد کے متعلق کیوں پوچھ گچھ کر رہے تھے۔"

"میں بتا تو دوں لیکن آج کل میری جیب خالی ہے تم کریم نگر کے جوئے خانے سے دو

روپیہ روز کماتے ہو اور مجھ جیسے مفلس دوست کیلئے تمہاری جیب سے ایک پائی بھی نہیں نکلتی۔"

"دیکھو تم مجھے اس لمرح دھونس میں نہیں لے سکتے۔" آصف نے جھلا کر کہا۔

"میرے پیارے۔" انور شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "میرے پاس اس

لئے اتنے ثبوت اور ایسے معتبر گواہ ہیں کہ تمہارا پارسل بیرنگ ہو سکتا ہے۔"

"آخر تم چاہتے کیا ہو؟" آصف زچ ہو کر بولا۔

"میں تمہیں جو اطلاع دوں گا اُس کی قیمت صرف سو روپے ہے۔" انور بولا۔ "اور یہ

میرا احسان ہوگا۔"

"مجھے منظور ہے۔" آصف منہ پھلا کر بولا۔ "لیکن یہ سو روپے تم آسانی سے ہضم نہ کر سکو گے۔"

"فکر مت کرو۔ میرے پاس ہاضمے کے کئی چورن ہیں۔"

آصف نے جیب سے پرس نکال کر دس دس روپے کے دس نوٹ گن دیئے۔

"ہوں اب آؤ۔" انور اُس کا بازو پکڑ کر ایک طرف لے جاتا ہوا بولا۔ "تمہارے لئے چائے

منگواؤں یا کافی؟"

"بس بس شکریہ۔" آصف تنفر آمیز لہجے میں بولا۔

انور نے اُسے ارشاد کی یادداشت کھو جانے کا اور ساجدہ کے طالب امداد ہونے کا واقعہ دہرا دیا۔

"یہ تو مجھے ساجدہ ہی سے معلوم ہو چکا ہے۔" آصف نے کہا۔ "میں نے اس کے لئے

روپے تمہیں نہیں دیئے۔"

"ہاں ہاں میں جانتا ہوں، جوئے خانے والے معاملے کی پردہ پوشی کے لئے دیئے ہیں۔"

جلدی سے بولا۔

"دیکھو انور میں سچ کہتا ہوں۔" آصف تیز لہجے میں کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"میں سچ بولنے والوں کی قدر کرتا ہوں۔" انور طنزیہ انداز میں مسکرا کر بولا۔

"کل رات کو رشیدہ بار بار دولت گنج کے چکر کیوں لگا رہی تھی؟"

"یہ اُسی سے پوچھ لیا ہوتا۔ بہت سعادت مند لڑکی ہے۔ فوراً بتا دیتی ہے۔"

"سعادت مند.....!" آصف ہونٹ بھینچ کر آہستہ سے بولا اور چند لمحے خاموش رہ کر کہنے

لگا "اس بار تمہارا بچنا مشکل ہے۔"

"ارے.....!" انور چونک کر بولا۔ "یہ تم نے کیسے کہا۔ کیا میں کچھ بیمار معلوم ہو رہا ہوں؟"

"رشیدہ کو بلاؤ۔" آصف میز پر گھونسہ مارتا ہوا بولا۔

"تمہارے باپ کی نوکر نہیں ہے۔" انور آصف کو گھور کر بولا۔ "اُس سے اگر تم ذرہ برابر

بدتمیزی سے پیش آئے تو اچھا نہ ہوگا۔"

پہلے تو آصف کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا لیکن پھر آہستہ آہستہ اُس نے اپنی حالت پر قابو

پا لیا۔ وہ جانتا تھا کہ انور ضدی آدمی ہے اور پھر بلا کا ذہین، وہ اُسے دھمکیاں تو ضرور دیتا رہتا تھا

لیکن یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر اُسے کچھ دنوں کے لئے جیل بھجوا بھی دیا گیا تو اُس سے اُسے

کوئی خاص نقصان نہ پہنچے گا لیکن اگر وہ شرارت پر آمادہ ہو گیا تو شہر کے درجنوں پولیس افسروں کی

عزت کا جنازہ نکل جائے گا۔

"تو تم نے رشیدہ سے شادی کر لی ہے؟" آصف جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"شادی تو میرے باپ کی بھی نہیں ہوئی تھی۔" انور سنجیدگی سے بولا۔

"تم جیسا حرام زادہ بھی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔" آصف بے ساختہ ہنس کر بولا۔

"محض خالی خولی رعب جمانے اور گالیاں دینے سے دوستانہ بے تکلفی پیدا نہیں ہوا کرتی۔

بڑے تیس مار خاں۔" انور نے آصف کو گھورتے ہوئے کہا۔

"طنز کرنا اور باتیں بنانا تو کوئی تم سے سیکھے۔" آصف کہنے لگا۔ "تم تو اچھے خاصے ایکٹر بن

سکتے ہو۔"

"اور اگر زندگی بھر تم جیسے مہربان دوستوں کے ساتھ ہی زندگی گزارنا پڑی تو بہت جلد

لیجنڈری ایکٹر بھی بن جاؤں گا۔" انور اپنی آنکھوں کو سکیڑتے ہوئے بولا۔ "تم نے آج تک کوئی کام

کی بات بھی.....!"

"لیکن آج میں کام کی بات ہی بتانے آیا ہوں تمہیں۔" آصف انور کا جملہ کاٹتے ہوئے کہنے

لگا۔ "مگر تم اپنے متعلق ضرورت سے زیادہ خوش فہمی میں مبتلا ہو۔"

"کیا مطلب....؟" انور یکایک سنجیدہ ہو گیا۔

"مطلب صاف ہے کہ تمہاری پوزیشن اس وقت مشکوک ہو چکی ہے اور تمہارے مالی متعلق معلومات حاصل کی جا رہی ہیں کہ تمہاری چرب زبانی اور لاف زنی دھری کی دھر جائے گی۔ ساجدہ سے تمہاری وابستگی اور دل چسپی بہر حال اس شبہہ کو اور مضبوط بنا سکتی خیال ہے تمہارا۔" یہ کہہ کر آصف فاتحانہ اور بزرگانہ انداز میں انور کو گھورنے لگا۔

لیکن انور کی فطری شوخی اُس کی آنکھوں میں پھر عود کر آئی اور وہ اپنے مخصوص انداز کہنے لگا۔ واہ واہ کیا دور کی کوڑی لائے ہو۔ میرا خیال پوچھتے ہو تو شاید یہ معلوم کر کے بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا کہ مجھے ساجدہ سے کوئی ہمدردی نہیں۔ وہ ایک مغرور عورت ہے۔ مجھ سے بہت زیادہ بے تکلف ہے، لیکن ایک دوست سے زیادہ اُس کی ذات سے خاصی دلچسپی چاہئے۔ کیونکہ تمہارے خیال کے مطابق اُس نے میری دلچسپی اور معلومات کے لئے دولت کے اس قدر چکر لگائے.... ہے نا.... مجھے صرف زبیدہ نامی اُس عورت سے ہمدردی ہے ارشاد کے بعد رضوان نامی ایک پُراسرار آدمی کے اشاروں پر کھیل رہی ہے۔ کہو کیا یہ سب با مجھے ارشاد کے قتل کے سلسلہ میں مشکوک بنانے کے لئے کچھ کم ہیں۔ مگر تم کیا سمجھو گے سب باتوں کو....!"

آصف تقریباً مبہوت سا ہو کر انور کی یہ باتیں سنتا رہا۔ پھر جیسے کسی خیال سے چونکتے ہو ایک دم بول اٹھا۔ "نہیں یہ سب غلط ہے ایک دم غلط.... عین ممکن ہے کہ رشیدہ بھی اس اسرار سازش کا ایک مہرہ ہو۔ شاہد نے آج صبح ٹیلی فون پر مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔"

"ٹیلی فون پر.... آج صبح؟" انور حیرت زدہ ہوتے ہوئے زیر لب بڑبڑایا اور پھر کچھ سوچ بولا۔ "کتنے بجے ٹیلی فون کیا تھا اُس نے؟"

"دس بجے۔"

یہ سن کر انور کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر چند سیکنڈ کے بعد چونکتے ہوئے بولا۔

"تعجب ہے کہ اُس نے کل رات ہی کو تمہیں اپنے شبہے سے کیوں نہیں مطلع کیا۔ وہ آج بجے تک کیا سوچتا رہا۔"

"واقعی یہ چیز قابل غور ہے۔" آصف نے کہا۔ "اچھا میں اُس سے ملنے کی کوشش کروں گا۔"

"شاید اب تم اُس کی گرد کو بھی نہ پا سکو۔"

"کیوں؟"

"اگر ایسا ہوتا تو وہ فون کرنے کے بجائے خود تم سے ملتا۔" انور نے کہا۔

"ارے چھوڑو بھی ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔ اُس کے باپ تک کو قبر سے نکال لاؤں گا۔" آصف نے فخریہ انداز میں کہا۔

"کفن گھسوٹی کے علاوہ اور تم لوگوں کو آتا ہی کیا ہے۔" انور نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"خیر... خیر... میں تم سے پھر ملوں گا۔" آصف نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"سور دوپوں کا اور انتظام کر کے آنا۔" انور نے کہا۔

آصف جا چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد رشیدہ اٹھ کر انور کے پاس آئی۔

"کیا پوچھ رہا تھا؟" رشیدہ نے کہا۔

"کہہ رہا تھا کہ تم رشیدہ سے شادی کیوں نہیں کر لیتے۔"

"پھر تم نے کیا کہا....؟" رشیدہ نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے کہا فی الحال مالی مشکلات میں مبتلا ہوں۔ شادی کا انتظام کہاں سے کروں گا۔ اس پر وہ سو روپے مجھے دے گیا ہے۔ لو انہیں اپنے پاس رکھو۔" انور نے کہا اور نوٹ رشیدہ کو دے دیئے۔

"ٹھیک بتاؤ.... یہ روپے تمہارے پاس کہاں سے آئے؟"

"چور کی گرہ کاٹ لی۔" انور مسکرایا۔

"یعنی....؟"

"آخر اُس کی حرام کی کمائی میں میرا بھی تو حصہ لگنا چاہئے۔"

"اوہ....!" رشیدہ مسکرا کر بولی۔ "کہیں یہ لوگ تمہیں قتل نہ کرا دیں۔"

"تمہیں اس سے کیا؟" انور نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اچھا میں اب جا رہا ہوں۔ واپسی پر میرے لئے سگریٹ کا ڈبہ اور دو ایک کتابیں خرید لینا۔"

"کہاں جا رہے ہو۔ میں بھی چلوں گی۔"

"ذرا تتلا کر کہا ہوتا۔" انور طنزیہ انداز میں بولا۔ "گودی میں چلو گی یا انگلی پکڑ کر پاؤں

پاؤں؟"

رشیدہ جھینپ گئی اور انور اُسے گھورتا ہوا باہر چلا گیا۔

وہ آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا شاہد کے دفتر کی طرف جا رہا تھا۔

آفس میں پہنچ کر اُسے معلوم ہوا کہ وہ کل بارہ بجے کے بعد سے آفس نہیں آیا۔ انور اُس کے گھر کا پتہ معلوم کیا اور وہاں پہنچا۔ گھر میں اُس کی بیوی اور بوڑھی ماں موجود تھیں۔ انہ نے بتایا کہ شاہد کل آفس گیا تھا لیکن اس کے بعد سے گھر نہیں آیا۔

"اور آپ لوگوں کو اس سے پریشانی نہیں ہوئی؟" انور نے اُس کی بیوی سے پوچھا۔

"غالباً وہ کسی کاروباری ضرورت سے شہر سے باہر چلے گئے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ اطلاع چلے گئے ہیں۔ اس لئے ہمیں کوئی خاص پریشانی نہیں ہے۔"

وہاں سے واپسی پر انور اس واقعے کے متعلق ایک بالکل ہی نئے زاویے سے سوچ رہا تھا۔

کچھ نئی باتیں

سات بج گئے تھے انور جلدی سے گھر پہنچنا چاہتا تھا۔ اُسے بہت کچھ سوچنا تھا۔ بالکل ہی اُ راستے پر۔ شاہد کے عجیب و غریب رویے نے اُس کے ذہن کو بُری طرح الجھا دیا تھا۔ آخر وہ غائ کیوں ہو گیا۔ دو بجے رات کو اُس کے گھر آ کر رشیدہ کو دھمکیاں دینے کا کیا مطلب تھا۔ اُس۔ انسپکٹر آصف سے فون پر کیوں گفتگو کی۔ بذات خود کیوں نہیں ملا۔ انور انہیں خیالات میں ڈوبا بازار سے گزر رہا تھا کہ اُسے رشیدہ ایک بک سٹال سے کتابیں خریدتی ہوئی دکھائی دی۔ انور بک سٹال کے زینوں پر چڑھنے لگا۔ ابھی وہ دروازے ہی میں تھا کہ ایک برقعہ پوش عورت ہاتھ میں کچھ کتابیں دبائے ہوئے اندر سے نکل کر فٹ پاتھ پر اتر گئی۔ انور پلٹ پڑا۔ اُس کی نظریں اُ عورت کے پیروں پر تھیں۔ وہ اُس کے سینڈل دیکھ کر چونک پڑا۔ اندر سے رشیدہ نے اُسے آوا دی لیکن وہ اُس کی پرواہ کئے بغیر زینوں سے اتر کر برقعہ پوش عورت کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ وہ گھبرائی ہوئی سی نظر آ رہی تھی۔ اُس نے دو ایک بار پلٹ کر انور کی طرف دیکھا اور تیز تیز قد اٹھاتی ہوئی ایک طرف چلنے لگی۔ انور اُس کا تعاقب کر رہا تھا۔ اُس نے پھر پلٹ کر دیکھا اور انور

نمبر 9

بھی اپنے پیچھے دیکھ کر رفتار تیز کر دی اور پھر اچانک وہ سڑک کے کنارے کھڑی ہوئی ایک ی کا دروازہ کھول کر قریب قریب اُس کے اندر گر ہی پڑی۔ اُس نے کچھ کہا.... انجن میں ہلکی آواز پیدا ہوئی اور ٹیکسی چل پڑی۔ اُس سے کچھ فاصلے پر ایک ٹیکسی اور کھڑی ہوئی تھی۔ انور خانہ اُس کی طرف بڑھا۔

"اس ٹیکسی کے پیچھے چلو۔" انور ٹیکسی میں بیٹھتا ہوا بولا۔ وہ دروازہ بند کرنے ہی جا رہا تھا کہ بدا بھی دھنس پڑی۔

"کیا ہے.... کیا ہے؟" انور جھلا کر بولا۔

"کچھ نہیں....!" رشیدہ سیٹ پر بیٹھ کر دروازہ بند کرتی ہوئی پراطمینان لہجے میں بولی۔ ی چل پڑی۔

انور بیزاری سے سامنے دیکھتا رہا۔ اُس کے ہونٹ کے گوشے ٹھوڑی کی طرف جھک گئے ر رشیدہ ایسے بے نیاز انداز میں بیٹھی تھی جیسے انور سے اُس کی جان پہچان ہی نہ ہو۔

"آخر تم بعض اوقات اتنی احمق کیوں ہو جاتی ہو؟" انور نے کہا۔

"اس ٹیکسی میں کون ہے؟" رشیدہ ہونٹ بھینچ کر بولی۔

"میری نانی۔"

"تو وہ میری کون ہوئی؟" رشیدہ نے بھولے پن کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔ انور اُسے تیز نظروں سے گھور کر رہ گیا۔

"اب تم لڑکیوں کے پیچھے دوڑنے لگے ہو۔" رشیدہ نے کہا۔ "اور کیوں نہ ہو، وہ تھی بھی انتہا خوب صورت۔"

"اچھا....!" انور زہریلے انداز میں بولا۔ "اسی لئے تم میرے پیچھے لگ گئی ہو۔ تم نے ایک بیڑہ ریوی کو مات کر دیا۔ دیکھو ہم دونوں صرف دوست ہیں اور بس....!"

"تم کمینے ہو۔" رشیدہ اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر بولی۔

انور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس کی نگاہیں بدستور سامنے والی ٹیکسی پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ ٹیکسی کارے پول ہوٹل کے سامنے رک گئی۔ برقعہ پوش لڑکی اتر کر اندر چلی گئی۔ انور نے بھی ٹیکسی روکوائی اور چھپتا ہوا اُس کے تعاقب میں آگے بڑھا۔ رشیدہ اُس کے پیچھے تھی۔ لڑکی کو ریڈ در ہی

میں تھی کہ انور نے اُسے جالیا۔

"زبیدہ۔" وہ آہستہ سے بولا۔ لڑکی سہم کر رک گئی۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا اور چہرے سے نقاب الٹ دی۔

"کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو؟"

"اپنے کمرے میں چلو۔" انور تحکمانہ لہجے میں بولا۔

وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور کیل سے کنجی اُتار کر دروازہ کھولا اُس کے پیچھے انور اور بھی کمرے میں داخل ہوئے۔ لڑکی نے سوئچ آن کر کے دروازہ بند کر دیا اور خوفزدہ نظروں سے اُن کی طرف دیکھنے لگی۔

"یہاں تمہیں اس ہوٹل میں رضوان نے منتقل کیا ہے۔" انور نے پوچھا۔

"نہیں.... میں خود چلی آئی ہوں۔"

"کیوں....؟"

"نہیں بتاؤں گی۔ تم کون ہوتے ہو پوچھنے والے؟"

"بے وقوف لڑکی.... ابھی پولیس تم سے واقف نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس سے پہلے ہی یہ معاملہ ختم ہو جائے، مجھے تم سے ہمدردی ہے۔"

"مجھے ہمدردی سے نفرت ہو گئی ہے۔" زبیدہ جھلا کر بولی۔

"ضد اچھی نہیں ہوتی۔" انور نے کہا۔ "رضوان کو تار جام کی پولیس نے حراست میں لیا ہے۔"

"لے لیا ہوگا۔ مجھے کسی بات سے دلچسپی نہیں رہ گئی۔"

"شاہد کو جانتی ہو؟" انور نے پوچھا۔

"شاہد کو.... کون شاہد....؟ اوہ کل....!" وہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی کہ دفعتاً کسی نے دروازے کو دھکا دیا اور ایک کاغذ کا پرزہ دروازے سے اندر آگرا۔ انور نے جھپٹ کر کاغذ اٹھا لیا جس پر لکھا تھا۔

"خبردار ایک لفظ بھی منہ سے نکلنے نہ پائے۔"

وہ جلدی میں اس ٹکڑے کو وہیں پھینک کر باہر نکل گیا۔ کوریڈور سنسان پڑا تھا۔ وہ تیزی

کافی دیر تک چھان بین کرتا رہا مگر کوئی سراغ نہ مل سکا۔ آخر تھک ہار کر وہ پھر زبیدہ کے پاس لوٹ آیا۔ یہاں زبیدہ ایک کرسی پر آنکھیں پھاڑے بے حس و حرکت بیٹھی تھی۔ خلا سے تحیر آمیز نظروں سے گھور رہی تھی۔

"وہ کون تھا....؟" انور نے تند لہجے میں پوچھا۔ زبیدہ چونک کر اُسے خوفزدہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"میں نہیں جانتی۔" اُس نے تیز سرگوشی میں کہا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے وہ خواب میں بول رہی ہو۔

"خیر.... خیر.... اگر تم نہیں بتانا چاہتیں تو میں نہیں پوچھوں گا۔" انور نے کہا۔

"لیکن کم از کم یہ تو بتا ہی دو کہ تم یہاں کیوں چلی آئیں؟"

"میں پھر بتاؤں گی.... اس وقت میرا دماغ ٹھیک نہیں۔"

"اور تم یہاں خطرے میں بھی ہو۔" انور نے کہا۔

"کیوں؟" زبیدہ چونک کر بولی۔

"یہ تم مجھ سے بہتر سمجھ سکتی ہو۔" انور نے کہا۔ زبیدہ بے بسی سے اُس کی طرف دیکھنے لگی۔

"تمہارا یہاں سے ہٹ جانا بہتر ہے۔ چلو میں تمہیں کسی محفوظ جگہ پر پہنچا دوں۔" انور نے کہا۔

"چلو....!" زبیدہ اٹھتی ہوئی بولی۔ "لیکن میں تمہیں کچھ نہ بتاؤں گی چاہے میری کھال ادھیڑ دو.... چاہے پھانسی پر چڑھا دو۔"

"میں کچھ نہیں پوچھوں گا۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔ نہ جانے کیوں اُس کی آنکھوں میں آنسو آرہے تھے۔

رشیدہ نے اُسے تحیر آمیز انداز میں دیکھا۔ انور منہ پھیر کر اپنی حالت پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ خاموشی سے نکلے اور ایک ٹیکسی کر کے ایک طرف روانہ ہو گئے۔

انور نے اُس کا انتظام ایک چھوٹے سے غیر معروف ہوٹل میں کر دیا اور گھر لوٹ آیا۔ رشیدہ راستے میں کچھ بولی نہیں۔ انور کا ذہن خیالات میں الجھا ہوا تھا۔

"آج خلاف توقع تم بہت زیادہ انسان نظر آرہے ہو۔" رشیدہ نے کہا۔

انور صرف اُس کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔

"سچ بتاؤ کیا تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں چھلک آئے تھے؟" رشیدہ مسکرا کر بولی۔

"تو پھر..... مجھے اُس سے ہمدردی ہے، پہلے وہ اپنے ظالم چچا کے ہاتھوں پریشان رہا اُسے دو آوارہ آدمی نکال لائے اور اب وہ ایک قاتل اور سازشی کے ہاتھوں کٹھ پتلی بن کر ہے۔ انسان کتنا مجبور ہے۔ ایک عظیم تاریکی میں رینگتا ہوا یہ حقیر کیڑا کس طرح دوسروں ہے اور دوسرے اس کے پابند ہیں۔ نہ جانے کب یہ بے بسی ختم ہوگی اور یہ تاریکی دور ہوگی

"واقعی تم اس وقت فلسفیوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔" رشیدہ مسکرا کر بولی۔

"آخر تمہیں ساجدہ سے کیوں ہمدردی نہیں۔ وہ بے چاری بھی تو بیوہ ہوگئی؟"

"اُسکے پاس اتنے قیمتی زیورات ہیں کہ وہ زندگی بھر کسی کی محتاج نہیں ہو سکتی۔" انور نے

"اونہہ ہوگا۔" رشیدہ منہ بنا کر بولی۔ "مگر تم میرے لئے ہمیشہ وحشی اور درندے بنے رہو گے

"تم بھی آزاد ہو۔ کسی کی پابند نہیں۔ تمہاری قسمت کسی دوسرے سے وابستہ نہیں انور نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ دفعتاً وہ چونک پڑا۔

"بڑی غلطی ہوئی۔" وہ ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

"کیا ہوا.....؟"

"میں وہ کاغذ کا پرزہ وہیں چھوڑ آیا۔"

"بڑے عقل مند بنے تھے۔" رشیدہ قہقہہ لگا کر بولی۔

انور اُسے غصہ بھری نظروں سے گھورنے لگا۔

"لو میلے..... گڈے میاں..... لوتے نہیں۔" رشیدہ منہ بنا کر تتلاتی ہوئی بولی اور جیب کاغذ کا ٹکڑا نکال کر انور کے سر پر رکھ دیا۔

انور نے اُسے جیب میں رکھ لیا اور اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

"اُف فوہ..... نو بج گئے اور ہم نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔" رشیدہ نے کہا۔

"میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔"

"کیوں؟"

"میری خوشی۔"

"تمہیں کھانا پڑے گا۔"

"ہوبا!..... جاؤ یہاں سے، مجھے سوچنے دو۔"

"نہیں سوچنے دوں گی۔" رشیدہ نے کہا اور اُس کی ٹائی پکڑ کر اُسے اٹھا دیا۔

"دیکھو میں نے تمہیں کئی بار سمجھایا۔" انور چڑھ کر بولا۔

"ایک بار اور سمجھا دو۔"

انور نے رشیدہ کے گھونگریالے بال اپنی مٹھی میں جکڑ کر دو تین جھٹکے لگا دیئے۔ رشیدہ کی ہلکی چیخیں نکل گئیں۔ وہ بسور بسور کر انور کو گھورتی رہی اور انور میز پر سر اوندھا کر کے بیٹھ گیا۔

"میں کھانا کھانے جا رہی ہوں۔ اس کے بعد فلم دیکھنے جاؤں گی۔ سنا تم نے..... کمینے..... کی..... درندے۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

انور نے اٹھ کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اُس کاغذ کے پرزے کو میز پر کے گھور رہا تھا۔ وہ کافی دیر تک خیالات میں ڈوبا رہا۔ اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ انور نے کر دروازہ کھول دیا۔ انسپکٹر آصف اندر داخل ہوا۔ وہ آتے ہی نہایت بے تکلفی سے آرام ری میں گر گیا۔

"بھئی چائے پلواؤ۔" آصف اپنی ٹائی کی گرہ ڈھیلی کرتے ہوئے بولا۔

"اچھا..... کیا یہ کوئی ہوٹل ہے..... یا.....!"

"تمہاری گلہری کہاں گئی..... کیا وہ اس وقت اتنا بھی نہ کر سکے گی؟"

"تو کیا تم اسی طرح اپنے سو روپے وصول کرو گے؟" انور نے کہا۔ "اچھا کل سے کھانا بھی میرے ساتھ ہی کھانا۔"

"یار تم ہمیشہ اوٹ پٹانگ ہانکتے رہتے ہو۔"

"اچھا اب تمہاری شان میں قصیدے پڑھا کروں گا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم نے ابھی کھانا نہیں کھایا۔" آصف جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"یہ حقیقت ہے۔" انور سنجیدگی سے بولا۔ "رشیدہ تو جھگڑ کر فلم دیکھنے چلی گئی ہے اور روپے اُسی کے پاس ہیں۔"

"تو پھر اب تم کیا کرو گے؟"

"پاؤ بھر شکر پھانک کر ایک گلاس ٹھنڈا پانی پی لونگا۔ اس سے رات کو خاصی اچھی نیند آتی ہے۔"

"چہ چہ.....!" آصف متاسفانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "تم نے اپنی زندگی برباد کر
اکثر افسوس کرتا ہوں۔ اتنا ذہین اور قابل آدمی ایسی واہیات زندگی بسر کر رہا ہے۔"

"شکریہ..... شکریہ۔ ایسی باتیں کسی دسویں درجہ کے طالب علم کے لئے اٹھا رکھو۔"

"اچھا اچھا اٹھو چلو..... میں نے بھی ابھی کھانا نہیں کھایا۔" آصف نے اٹھنے کا ارادہ کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں شکریہ۔" انور نے بے رخی سے کہا۔ "تم جس کام کے لئے آئے ہو کہہ چلو۔"

"میں ایک دلچسپ خبر لایا ہوں۔"

"وہ یقیناً غیر دلچسپ ہوگی۔"

"خیر ہوگا۔" آصف جلدی سے بولا۔ "اُس ہیرے کی کان کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے"

"فراڈ..... چار سو بیس.....!" انور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

"آج میں نے یہیں تین ایسے آدمیوں کا پتہ لگایا جو اُس کان میں اپنا روپیہ لگائے ہوئے اور اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ ارشاد انہیں کچھ تھوڑا بہت منافع بھی دے چکا تھا
یہ بات تو جانتے ہی ہو کہ جو تھوڑے بہت ذرات اس کان سے نکلے تھے اُن کی قیمت ہی کیا ہو
ہے پھر یہ منافع کہاں سے آئے گا۔ اور پھر سیٹھ اطہر کے بیان سے یہ معلوم ہوا کہ اُس کان
صرف تین حصے دار تھے۔ ارشاد، دھارا سنگھ اور وہ خود۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ارشاد اُن سب
روپیہ ہضم کرتا رہا۔"

"میرے لئے یہ اطلاع بہت پرانی ہو چکی ہے۔" انور خشک لہجے میں بولا۔

"خیر خیر.....!" آصف جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "دوسری اطلاع پر تم یقیناً اچھل پڑو گے۔"

"اچھلنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ خیر بیان کرو۔"

آصف نے جیب سے ایک ٹائپ کیا ہوا کاغذ نکال کر انور کی طرف بڑھایا۔ انور اُسے لے کر پڑھنے لگا۔

"پیارے ارشاد!

اب عزت تمہارے ہاتھ میں ہے۔ میں نے تمہاری ضرورت پر تمہیں بیس ہزار روپے دیئے تھے۔ میں نے شاہد کو ابھی تک اسی دھوکے میں رکھا کہ روپے میرے پاس محفوظ ہیں۔ مگر

ضرورت سے تقاضا کر رہا ہے جس طرح ممکن ہو روپے مہیا کرو۔ اُسے شاید ہمارے تعلقات
بھی شبہ ہو گیا ہے۔ بدھ کے دن وہ کہیں باہر جا رہا ہے۔ میں تمہیں اُس دن تارجام میں ملوں گی
روپے مہیا کر کے وہاں موجود رہنا اور کیا لکھوں۔ کل میرے ماتھے پر سخت چوٹ آگئی ہے، بہت
درد ہے، اچھا تو اب تارجام میں ملاقات ہوگی۔"

نیچے کسی کے دستخط نہیں تھے۔ انور خط ختم کرنے کے بعد آصف کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا سمجھے؟" آصف مسکرا کر بولا۔

"تم شاید یہ کہنا چاہتے ہو کہ یہ خط شاہد کی بیوی کا ہے؟" انور نے کہا۔

"قطعی میں نے اُس کے ماتھے پر آج پٹی بندھی ہوئی دیکھی ہے۔" آصف نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن تمہیں یہ خط ملا کہاں سے؟"

"ارشاد کے گھر میں۔ آج صبح میں نے اُس کے گھر کی تلاشی لی تھی۔"

"بڑا احمق تھا کہ ایسے خط کو جس سے اُس کے اور شاہد کی بیوی کے جنسی تعلقات ثابت ہوتے ہیں اپنی بیوی کو نظر پڑنے کے لئے گھر میں ڈال گیا۔"

"اتفاقات ہیں۔"

"اس کاغذ پر کسی قسم کے نشانات بھی ملے؟" انور نے پوچھا۔

"اگر نہ ملتے تو میں اس خط کو اہمیت ہی کیوں دیتا۔ یہ دیکھو ایک تو یہ نشان کتنا واضح ہے شاید
کسی میں تیل یا کوئی دوسری چکنی چیز لگی ہوئی تھی۔ یہ نشان شاہد کی بیوی کی انگلی کا ہے۔"

"اس کے علاوہ کوئی اور نشان؟" انور نے پوچھا۔

"نہیں اور کوئی نشان نہیں۔"

"تو اس کا یہ مطلب کہ یہ خط ارشاد کے ہاتھ ہی نہیں لگا ورنہ اُس کی انگلیوں کے نشانات اس پر ضرور ہوتے اور یہ کاغذ اس قسم کا ہے کہ اس پر ہلکی سی گرفت بھی خاصے اچھے نشانات چھوڑ سکتا ہے۔ اگر یہ خط ارشاد کے ہاتھ نہیں لگا تو اس کا یہ مطلب کہ وہ اُس کے گھر ہی کے پتہ پر آیا جو قطعی ناممکن ہے۔ ایک ایسا خط جس میں اس قسم کے تعلقات کا اعتراف ہو، اتنی لاپروائی سے نہیں بھیجا جا سکتا۔ اچھا ایک دوسری بات..... اور اگر یہ خط ارشاد کے ہاتھوں تک نہیں پہنچا تو وہ پروگرام کے مطابق تارجام کیسے پہنچ گیا۔ اور دھارا سنگھ وغیرہ سے بیس ہزار کا تقاضا کیا۔"

"یار تم ہمیشہ معاملے کو الجھا دیتے ہو۔" آصف منہ سکوڑ کر بولا۔

"تم معاملہ ہی ایسا لاتے ہو جو خواہ مخواہ الجھ جاتا ہے۔" انور مسکرا کر بولا۔ "غالباً تم یہ رائے قائم کی ہے کہ ارشاد اور شاہد کی بیوی کے جنسی تعلقات تھے، ارشاد نے اُس سے بیس روپے قرض لئے جو اُس نے اپنے شوہر سے چھپا کر ارشاد کو دیئے تھے۔ اس دوران میں شاہد کو ان کے تعلقات کا علم ہو گیا اور دھارا سنگھ کو اس بناء پر قتل کیا گیا کہ اُسے خودکشی میں شبہ ہی نہیں بلکہ اُس نے کچھ اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیا تھا۔"

"قطعی....!" آصف خود اعتمادی کے ساتھ بولا۔ "میں نے یہی رائے قائم کی ہے۔"

"تو اب تم اس خیال کو دل سے نکال دو۔ ورنہ بچوں کی تفریح کے لئے کسی عجائب خانے میں رکھ دیئے جاؤ گے۔" انور مسکرا کر بولا۔

"لیکن یہ خط....؟" آصف جھنجھلا کر بولا۔

"کوئی ان بے چاروں کو خواہ مخواہ پھنسانا چاہتا ہے۔" انور نے کہا۔ "ایک سادے کاغذ پر اتفاق سے میری انگلیوں کے نشانات پڑ جائیں تو تم اسے حاصل کر کے میری طرف سے ایران کے وزیر اعظم رزم آرا کے قتل کا اقرار نامہ ٹائپ کر ڈالو تو کیا میں محض اس بناء پر رزم آرا کا قاتل قرار دیا جاؤں گا کہ اس کاغذ پر میری انگلیوں کے نشانات موجود ہیں۔ عقل کے ناخن میاں انسپکٹر مگر اللہ نے تمہیں ناخن دیئے ہی نہیں۔"

آصف جھینپ کر اپنی گنجی کھوپڑی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"اونہہ ہوگا....!" آصف اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "میں شاہد کی بیوی کا وارنٹ گرفتاری نکلوا رہا ہوں۔"

"شوق سے، لیکن تمہیں صرف مایوسی ہوگی۔"

"تو پھر شاہد غائب کیوں ہو گیا؟" آصف نے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ کسی کام کے لئے باہر چلا گیا ہو۔ وہ اکثر اسی طرح گھر میں اطلاع دیئے بغیر باہر چلا جاتا ہے۔"

"یہ بات کسی طرح حلق سے نہیں اترتی۔" آصف بولا۔

"تو ایک گلاس ٹھنڈا پانی پی کر آرام سے سو رہو۔"

آصف خاموش ہو گیا۔ اُس کے چہرے پر بیزاری کے آثار پھیل گئے تھے۔ وہ تو یہ سمجھ کر آیا تھا کہ آج انور اُس کی عظمت کا ضرور قائل ہو جائے گا۔ مگر اُس نے تو بساط ہی الٹ دی۔

"تار جام کی کوئی نئی اطلاع؟" انور نے پوچھا۔

"رضوان اب واپس آ گیا ہے، وہاں کی پولیس اُس سے مطمئن ہو گئی ہے، اب سیٹھ طہر راست میں ہے اور کچھ تعجب نہیں کہ تمہاری طرف بھی حملہ ہو، وہاں پولیس نے تمہارے اور ساجدہ کے گذشتہ تعلقات کے متعلق معلومات فراہم کر لی ہیں۔"

"جس دن ایسا ہوا اُسی دن تار جام کے کوتوالی انچارج صاحب سر کے بل کھڑے مرشد کی بولی بول رہے ہوں گے۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں آں....!"

"اور اُس عورت کا کیا ہوا؟ جس کے متعلق وہاں کی پولیس رضوان سے معلومات حاصل کرنا چاہتی تھی؟" انور نے پوچھا۔

"اس پر کچھ زیادہ زور نہیں دیا گیا اور یہ چیز کچھ ایسی بھی نہیں معلوم ہوتی۔" آصف نے کہا۔

"رضوان کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟" انور نے پوچھا۔

"پہلے ضرور مشتبہ تھا مگر اب اس خط کی موجودگی میں" آصف کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"اس خط کی موجودگی میں تم شاہد اور اُس کی بیوی کو پھانسی پر چڑھوا دو گے؟" انور بیزاری سے بولا۔

"آخر تم شاہد کے حق میں کیوں بول رہے ہو۔ جب کہ اُس نے تمہیں پھنسوانے کی کوشش کی تھی؟" آصف نے کہا۔

"میں اُس کے حق میں نہیں بول رہا ہوں۔ بلکہ اُس معاملے پر ہر پہلو سے غور کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"تم اس کیس میں دلچسپی لے رہے ہو؟" آصف نے کہا۔

"یقیناً....!"

"کیوں....؟"

"یہ بھی کوئی سوچنے کی بات ہے۔ میرا پیشہ یہی ہے۔ میں یہاں کے جرائم میں دلچسپی نہ لوں

گا تو کیا اس کے لئے مہاتما بدھ دوبارہ پیدا ہوں گے؟"

"تم انتہائی عیار آدمی ہو۔ میں تمہاری طرف سے مطمئن نہیں۔"

"کیوں....؟" انور نے کہا۔

"تمہارے اور ساجدہ کے گذشتہ تعلقات....!" آصف کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اور گذشتہ کیوں؟ ممکن ہے اب بھی قائم ہوں؟"

"بہت ممکن ہے۔" انور اُسکی آنکھوں میں دیکھ کر شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"تمہاری تہہ تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔" آصف نے کہا۔

"یقیناً مشکل ہے۔" انور نے کہا۔ "مگر تم تہہ تک پہنچنے کی کوشش سے باز نہیں آتے۔ جب بھی یہاں کوئی خاص قسم کا کیس ہو جاتا ہے تم میری تہہ تک پہنچنے میں مشغول ہو جاتے ہو اور میں اس جرم کی تہہ تک پہنچ کر کوڑیاں اور گھونگھے بٹور لاتا ہوں۔ کوڑیاں خود رکھ لیتا ہوں اور گھونگھے تم سمیٹ لے جاتے ہو۔ آخر ہو نہ گھونگھے۔"

"کہہ لو برخوردار....!" آصف بزرگانہ انداز میں بولا۔ "تم یہ بھی نہیں دیکھتے کہ میں تم میں تم سے کتنا بڑا ہوں۔"

انور بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

اتنے میں رشیدہ آندھی اور طوفان کی طرح کمرے میں داخل ہوئی۔ اُس کے ہاتھ میں ناشتہ تھا۔

"تمہارا کھانا۔" اُس نے ناشتہ دان میز پر رکھتے ہوئے کہا اور کمرے سے چلی گئی۔

"تم کہہ رہے تھے کہ فلم دیکھنے گئی ہے؟" آصف بولا۔

"نہ گئی ہو گی۔" انور لاپروائی سے بولا۔

آصف نے اٹھ کر ناشتہ دان کے ڈبے نکالے اور انہیں میز پر پھیلاتا ہوا بولا۔ "آؤ بھئی۔"

"خیر وہ سو روپے حلال کئے بغیر میں خود نہ کھاؤں گا۔" انور نے اپنی کرسی میز کے قریب کھسکاتے ہوئے کہا۔

دونوں کھانے میں مشغول ہو گئے۔

"تم آخر اس سے شادی کیوں نہیں کر لیتے؟" آصف نے کہا۔

انور منہ چلاتے چلاتے رک کر اُسے گھورنے لگا۔ آصف سر جھکائے بولتا رہا۔ "دنیا اس

کے معاملات کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتی ہے اور یہ ہے بھی بُری بات، لاکھ تم اسے بہن سمجھتے ہو مگر دنیا....!"

"میں اُسے قطعی بہن نہیں سمجھتا۔" انور بگڑ کر بولا۔ "تم لوگوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ مگر وہ رشیدہ کے بجائے رشید ہوتی تو کیا میں اُسے بھائی سمجھتا؟ دنیا ... دنیا.... کیا رٹ رہے ہو۔ میں بھی اس دنیا کا ایک فرد ہوں اور میں نے کبھی خود کو مشکوک نگاہوں سے نہیں دیکھا۔ کھانا کھاؤ کھانا۔ یہ مسائل تصوف نہیں ہیں کہ تم آسانی سے سمجھ لو۔"

"خیر بھئی تمہاری مرضی۔ سمجھانا میرا فرض ہے۔" آصف نے اپنے حلق میں پھنسے ہوئے والے کو پانی سے دھکیلتے ہوئے کہا۔

رضوان کی دھمکی

آصف کے چلے جانے کے بعد انور دروازہ بند کرنے کے لئے اٹھ ہی رہا تھا کہ رشیدہ پھر اس آئی۔

"یہ لو اپنے روپے۔" اُس نے کئی نوٹ انور کے منہ پر پھینک مارے اور جانے کے لئے مڑی۔ انور نے اُس کا بازو پکڑ لیا۔

"کیا بگڑ گئیں؟" اُس نے انتہائی رومانٹک انداز میں پوچھا۔

"چھوڑو....!" وہ بیزاری سے بولی۔ "میں نہیں بات کرتی وحشیوں سے۔"

"تو تم نے یہ روپے کیوں واپس کر دیئے؟"

"میری خوشی.... میں نہیں رکھنا چاہتی۔"

"تو اب مزاج سیدھے نہیں ہوں گے؟" انور تیز لہجے میں بولا۔

"نہیں....!" وہ اُس سے سخت لہجے میں بولی۔

"تم شاید یہ سمجھتی ہو کہ مجھے تم سے عشق ہے؟" انور ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "میں ساری رات تڑپ تڑپ کر گزار دوں گا؟"

"نہیں میں یہ سمجھتی ہوں کہ تم خود غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تم پر کئی ہزار

جان سے عاشق ہوں۔ ذرا اپنی صورت تو دیکھو۔" رشیدہ نے کہا اور ہاتھ چھڑا کر باہر چلی گئی۔

انور نے اس انداز سے دروازہ بند کر لیا جیسے وہ اُس کی تعریف کر کے گئی ہے۔ اُس کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری نظر آ رہا تھا۔ وہ پھر میز کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ جیب سے وہی کاغذ کا پرزہ نکالا اور اُس پر نظریں جما دیں۔ میز کی دراز کھول کر اُس میں کچھ کاغذات اور نکالے۔ ابھی انہیں میز پر رکھ بھی نہ پایا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

"کون ہے؟" انور جھنجھلا کر چیخا۔

"رضوان....!" باہر سے آواز آئی۔ انور نے گھڑی دیکھی گیارہ بج رہے تھے۔ اُس نے کاغذات پھر میز کی دراز میں رکھ دیئے اور اٹھ کر دروازہ کھولتے ہوئے کچھ بڑبڑایا۔

رضوان کے ساتھ ساجدہ بھی تھی۔ انور ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ دونوں کمرے میں آ گئے۔ انور انہیں استفہامیہ نظروں سے گھور رہا تھا۔

"تم نے مجھے اُس لڑکی کے بارے میں کیوں نہیں بتایا تھا....؟" ساجدہ نے انور سے پوچھا۔

"کیوں بتاتا۔" انور بولا۔

ساجدہ خاموش ہو گئی۔ وہ تنفر آمیز انداز میں منہ بنائے کھڑی تھی۔ رضوان ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور اُس نے ساجدہ کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اُس کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس وقت کسی قسم کے تکلفات کے لئے تیار نہیں۔

"میں زبیدہ کا پتہ پوچھنے کے لئے آیا ہوں۔" رضوان انور کو گھورتا ہوا بولا۔

"اچھا جی۔" انور شانوں کو جنبش دے کر بولا۔

"زبیدہ کہاں ہے؟" رضوان نے پھر پوچھا۔

"اس کوٹ کی جیب میں۔" انور نے کھونٹی پر لٹکے ہوئے کوٹ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔" رضوان گرج کر بولا۔

"آہستہ بولو۔ پڑوس کے لوگوں کی نیند میں خلل پڑ جائے گا۔" انور نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

"میں دوسرا طریقہ بھی استعمال کر سکتا ہوں۔" رضوان سخت لہجے میں بولا۔

"تیسرا چوتھا اور پانچواں بھی استعمال کر سکتے ہو۔" انور نے لاپروائی سے کہا اور دھواں

ہلکے ہلکے دائرے منہ سے نکالنے لگا۔

"تم آخر بتا کیوں نہیں دیتے؟" ساجدہ بولی۔

"کیوں؟ تمہیں اُس سے کیا دلچسپی....!"

"ارشاد کے کچھ کاروباری کاغذات اُس کے پاس ہیں۔" ساجدہ بولی۔

"خیر میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے۔" انور نے کہا۔ "میں خود اُس کی تلاش میں ہوں۔"

"کیوں....؟" رضوان نے چونک کر کہا۔

"اس لئے کہ میں تم پر اغوا کا مقدمہ چلوانا چاہتا ہوں۔" انور پرسکون لہجے میں بولا۔

"بے کار مت بکو۔" رضوان بیزاری سے بولا۔

"اور مجھے یہ بھی دیکھنا ہے کہ تم اُسے ارشاد کے سر کیوں منڈھنا چاہتے تھے جب کہ یہ اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ اُس سے شادی نہیں کرے گا اور دوسری چیز یہ کہ جو بات تم نے پولیس سے چھپائی تھی ساجدہ پر کیوں ظاہر کر دی اور سب سے زیادہ اہم بات تو یہ ہے کہ ساجدہ کے اور تمہارے تعلقات اس کے بعد بھی خوشگوار نظر آ رہے ہیں حالانکہ ساجدہ کو تم سے اس بناء پر متنفر ہونا چاہئے کہ تم اس کے شوہر کو ایک عورت کے پھندے میں پھنسائے ہوئے تھے۔"

"یہ ہمارے نجی معاملات ہیں۔ تمہیں اس سے کیا غرض۔" ساجدہ بگڑ کر بولی۔

"میں بھی تو کبھی تمہارے نجی معاملات میں دخیل رہ چکا ہوں۔" انور مسکرا کر بولا۔

ساجدہ جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگی اور رضوان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ وہ اُسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔

"دیکھو میں کہتا ہوں کہ اُس کا پتہ بتا دو۔" رضوان نے کہا۔

"تم اس سلسلے میں پولیس کی مدد لے سکتے ہو۔"

"تم آخر اتنے درندے کیوں ہو۔ تمہیں مجھ پر رحم کیوں نہیں آتا....؟" ساجدہ بولی۔

"اسے درندہ بنایا کس نے؟" دروازے کی طرف سے آواز آئی۔ رشیدہ دروازے کے قریب کھڑی ہانپ رہی تھی۔

"چہ چہ....!" انور منہ بنا کر بولا۔ "تم جا کر سو جاؤ۔"

"نہیں جاتی۔" رشیدہ گرج کر بولی اور ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

"اہلیہ محترمہ... ؟" رضوان نے آہستہ سے پوچھا۔

"نہیں....!" انور بیزاری سے بولا۔ "ہاں اور کیا بات ہے؟"

"اور کوئی بات نہیں۔"

"اچھا.... اچھا....!" انور جلدی سے بولا۔ وہ جب بھی ملے گی میں تمہیں مطلع کر دوں گا۔ اپنا پتہ لکھ دو۔ میں فلیٹ نمبر بھول گیا اور فون نمبر بھی لکھ دینا۔

انور نے اُس کی طرف کاغذ اور قلم بڑھا دیا۔ رضوان ہچکچایا اُسے حیرت تھی کہ یک بیک انور اتنا معصوم کیوں بن گیا۔

"مگر.... مگر....!" رضوان نے کچھ کہنا چاہا۔

"واقعی....! میں خود اُس کی تلاش میں ہوں۔" انور بولا۔

رضوان لکھنے لگا۔

"ٹھہرو....!" انور ہاتھ اٹھا کر بولا۔

رضوان رک کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تم نے اردو کو علاقائی زبان قرار دینے جانے والے فارم پر دستخط کیے ہیں یا نہیں؟" انور سنجیدگی سے بولا۔

"ہاں.... کیوں....؟"

"اور پھر بھی تمہیں انگریزی میں پتہ لکھتے ہوئے شرم نہیں آتی؟" انور شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" رضوان جھلا کر بولا اور کاغذ کے ٹکڑے اُسکی طرف ڈال دیئے۔

انور لاپروائی سے کوئی اثر لئے بغیر سگریٹ پیتا رہا۔

"آؤ چلیں....!" رضوان ساجدہ کی طرف دیکھ کر بولا۔ ساجدہ کھڑی ہو گئی دونوں دروازے کی طرف بڑھے۔

"تمہارا دیوانہ پن یہی ہاتھ ٹھیک کریں گے۔" رضوان جاتے جاتے مڑ کر انور کو مکا دکھاتا ہوا بولا۔

"سردیوں میں دستانے استعمال کیا کرو۔ تمہارے ہاتھ کانپ رہے ہیں۔" انور مسکرا کر بولا

اور داد طلب نگاہوں سے رشیدہ کی طرف دیکھنے لگا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر رشیدہ اٹھ کر جانے لگی۔

"ٹھہرو۔" انور اپنی آواز کو بارعب بنانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ رشیدہ رک گئی۔

"بیٹھ جاؤ۔"

وہ بیٹھ گئی۔

"تمہارا منہ کیوں پھولا ہوا ہے؟"

"تم سے مطلب....؟"

"اب سیدھی ہو جاؤ کھال ادھیڑ دوں گا۔"

"میرے بھی ہاتھ ہیں اور میں نے بھی ایک ہنٹر خریدا ہے۔" رشیدہ نے کہا۔ "میں سچ کہتی ہوں کسی دن مارتے مارتے ادھ مرا کر دوں گی۔"

"شاباش شاباش" انور بچوں کی طرح تالیاں بجاتا ہوا بولا۔ "میں اس وقت تم میں ایک سچی عورت دیکھ رہا ہوں۔ بھلا بتاؤ مرد دو مجھ سے کہتے ہیں کہ میں تم سے شادی کر لوں۔ اگر تم میری بیوی ہوتیں تو دم دبا کر بیٹھ جاتیں اور میں نفرت کے مارے تمہیں ایک ٹھوکر رسید کر دیتا۔ جاؤ جا کر سو جاؤ۔"

"نہیں جاتی۔" رشیدہ نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "تم اُس سے اردو میں پتہ کیوں لکھوا رہے تھے؟ یہ کیا حماقت تھی؟"

"حماقت....؟" انور چونک کر بولا۔ "کیا تمہیں وہ پرچہ یاد نہیں جو کسی نامعلوم آدمی نے زبیدہ کے کمرے میں پھینکا تھا....؟"

"اوہ.... تو تمہیں اس پر شبہ تھا اور تم تحریر ملانے کے لئے اُس سے اردو لکھوا رہے تھے؟"

"بہت دیر میں سمجھیں۔" انور نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ پھر رشیدہ کو غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ "زبیدہ سے کیا باتیں ہوئیں؟"

"کیا مطلب....؟" رشیدہ چونک کر بولی۔ "تمہیں کیسے معلوم ہوا۔"

"عورت مرد سے زیادہ کھوجی طبیعت رکھتی ہے۔ تمہیں اُس سے ملے بغیر چین پڑ ہی نہیں سکتا تھا۔ تم کھانا کھانے کے بعد فلم دیکھنے کی بجائے وہاں چلی گئیں.... خیر.... لیکن تمہیں اس

وقت وہاں نہ جانا چاہئے تھا۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ مجرم اُس کی تلاش میں ضرور ہوگا۔" انور نے کہا۔ "خیر چھوڑو، اُس سے کیا باتیں ہوئیں؟"

"تمہارے چلے آنے کے بعد اُس نے ارشاد کے متعلق چھان بین کی اور اُسے اصلیت کا علم ہو گیا تو دل شکستہ ہو کر سعید منزل سے سے پول ہوٹل میں منتقل ہو گئی اور پھر دوسرے دن اخبار میں ارشاد کے قتل کے متعلق پڑھا۔ ان سب حادثات نے اُسے تقریباً مخبوط الحواس کر دیا ہے۔"

"تم نے اُس سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ پرچہ کس نے پھینکا تھا...؟"

"اُس نے کہا کہ وہ نہیں جانتی۔"

"رشو....!" اُس نے بڑے پیار سے رشیدہ کو مخاطب کیا۔

"کیا....؟" رشیدہ نیم باز آنکھوں سے اُسے دیکھنے لگی۔

"تم بالکل گدھی ہو۔ اگر وہ اس طرز تحریر کو پہچانتی نہ ہوتی تو بدحواس کیوں ہو جاتی۔"

"میں بھی اتنا سمجھتی ہوں۔"

"تو پھر تم اُس کے کہنے میں کیوں آ گئیں؟"

"وہ اسی پر اڑی رہی میں کیا کرتی۔"

"خیر.... اور کچھ؟" انور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

"اور کچھ نہیں۔" رشیدہ جماہی لیتی ہوئی بولی۔ "یہ آصف اُس وقت کیوں آیا تھا؟"

"ایک بالکل نئی اطلاع لے کر، اپنی دانست میں اُس نے بڑا تیر مارا تھا۔" انور نے کہا اور سارے واقعات بتا دیئے۔

"ممکن ہے وہ خط شاہد کی بیوی ہی کا ہو۔" رشیدہ بولی۔

"بات کوئی جچتی نہیں۔ ایک ٹائپ کیا ہوا کاغذ جس کے نیچے دستخط بھی نہ ہوں محض انگلی کے نشان کی بناء پر اُس کا کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا خط محض رازداری ہی کے خیال سے بھیجا جا سکتا ہے۔ اچھا اگر رازداری کے خیال سے بھیجنے والے نے ہاتھ سے لکھنے کی بجائے اُسے ٹائپ کیا اور نیچے اپنے دستخط بھی نہیں کیے تو کیا وہ ایسا احمق ہو سکتا ہے کہ اس خط میں ایک

غلطی کر جائے جو ایک ناسمجھ بچے کی نظر میں بھی اُسے راز نہ رہنے دے؟"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی۔"

"اُس خط میں کھلم کھلا شاہد کا تذکرہ تھا اور وہ بھی اس انداز سے کہ ایک ننھا سا بچہ بھی پڑھ کر اندازہ لگا سکتا ہے کہ وہ شاہد کی بیوی کا خط ہے۔"

"تو تم شاہد کو مجرم نہیں سمجھتے؟" رشیدہ نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ زبیدہ کے کمرے میں اس وقت وہ پرچہ گرا تھا شاہد ہی کا تذکرہ ہو رہا تھا اور وہ اس پر کچھ کہے بھی جا رہی تھی۔"

"تمہاری یادداشت بہت اچھی ہے۔" انور بولا۔ "وہ چیز میرے ذہن میں ہے مگر میں محض اس کی بناء پر کوئی حتمی فیصلہ نہیں کر سکتا اس صورت میں شاید میں اُسی نتیجے پر پہنچتا۔ اگر درمیان میں شاہد کی بیوی والا خط نہ ٹپک پڑتا۔"

"تو پھر اب رضوان ہی رہ جاتا ہے۔" رشیدہ نے کہا۔

"کیوں سیٹھ اطہر کیوں نہیں۔ اُسے بھی تو ارشاد کی ذات سے کافی نقصان پہنچا ہے یا اور دوسرے لوگ جن کا سرمایہ اُس ہیرے کی کان میں لگا ہوا تھا۔"

"رضوان کا نام میں ایک خاص مقصد کے تحت لے رہی ہوں۔" رشیدہ نے کہا۔ "ساجدہ طرفدار باش واقع ہوئی ہے۔ ممکن ہے رضوان سے تعلق ہو گیا ہو اور رضوان نے ارشاد کو اپنے راستے سے ہٹانے کے لئے اُسے ایک عورت کے پھندے میں پھنسا کر خود ساجدہ کے ساتھ گھر بسانے کی راہ نکال لی ہو۔ پھر مستقل طور پر یہ کانٹا نکالنے کے لئے اُسے قتل ہی کر دیا ہو۔ اگر میرا خیال درست ہے تو ساجدہ بھی قتل کی سازش میں شریک معلوم ہوتی ہے۔ اُس نے شہر کے ایک بہترین ماہر جرائم کی خدمات حاصل کیں۔ تاکہ وہ یہ ثابت کر سکے کہ اُس کے شوہر کی ذہنی حالت درست نہیں تھی۔ اس لئے اُس نے خودکشی کر لی لیکن بُرا ہوا اس ماہر جرائم کا کہ اُس نے اس خودکشی کو قتل ثابت کر دیا....!"

انور بڑے سکون سے رشیدہ کی گفتگو سن رہا تھا۔ اُس کے خاموش ہوتے ہی مسکرانے لگا۔

"تم بہت ذہین ہو رشو۔" وہ پیار بھرے لہجے میں بولا۔ "لیکن میرا دل چاہتا ہے میں سچ مچ تمہاری کھال اُدھیڑ دوں۔"

"کیوں....؟"

"تم نے مجھے ایک نئی الجھن میں مبتلا کر دیا ہے۔"

"کیسی الجھن؟"

"یہی کہ قاتل نے دونوں فائر چہرے پر کیوں کیے تھے؟" انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"اس وقت نہ جانے میرا ذہن آئینہ ہو رہا ہے۔" رشیدہ بولی۔

"وہ تبھی میں نے تمہارے بال پکڑ کر جھٹکے جو دیئے تھے۔ اگر کہو تو اور آئینہ کر دوں؟" مسکرا کر بولا۔

"بے تحاشہ باٹا کی چپل سے پیٹنا شروع کر دوں گی۔ ساری وحشت نکل جائے گی۔"

"اور یہ فلکس کے جوتے دیکھے ہیں تم نے؟"

"احتیاط سے رکھوانہیں جب یہ سو روپے ختم ہو جائیں تو انہیں اُبال کر پینا۔" رشیدہ ہ کر بولی۔ "خیر چھوڑو میں یہ کہہ رہی تھی کہ اس دونالی بندوق میں لگے ہوئے دونوں کارتو چھوٹے چھروں والے تھے۔ ظاہر تھے کہ اگر وہ جسم کے کسی اور حصے پر چلائے جاتے تو اس فوراً موت واقع ہوتی اور ارشاد میں زخمی ہو جانے کے باوجود بھی جدوجہد کی قوت باقی رہ ممکن ہے اس طرح قاتل پکڑ لیا جاتا۔ لہٰذا اُس نے اُس کے چہرے پر فائر کر کے اُسے اندھا اور پھر بہت ممکن ہے کہ اس کے بعد اُس نے اُس کا گلا گھونٹ کر اُسے فوراً ہی ٹھنڈا کر دیا ہو۔ تو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ نہیں آئی۔"

"رشو! واقعی تم اس وقت کمال کر رہی ہو۔" انور مسکرا کر بولا۔ "میں تمہاری عزت نہ ہوتا تو یقیناً تم سے شادی کر لیتا۔"

"شادی تو ساجدہ سے کرنا۔ خالی ہو گئی ہے نا۔"

"مگر ساجدہ کو تم جیل خانے بھجوا رہی ہو؟"

"اور کیا تم بچ جاؤ گے، ایک طرح سے تم بھی ارشاد کے قاتل ہو سکتے ہو۔"

"اوہو.... تمہیں نہیں معلوم۔ تار جام کی پولیس میری طرف سے بھی مشکوک ہ ہے۔ آصف بھی کچھ کچھ یہی سوچ رہا ہے۔"

"آصف کی حجامت تو کسی دن بناؤں گی۔"

"اچھا جاؤ۔ تمہیں اب نیند آ رہی ہے۔"

"نہیں جاتی۔"

"اچھا جی....!" انور اٹھتا ہوا بولا۔ "کیا کہا؟"

اُس نے رشیدہ کو کمرے کے باہر دھکیل کر دروازہ بند کر لیا۔

حملہ

دوسرے دن انور بہت زیادہ مشغول رہا۔ آصف کی مدد سے اُس نے ارشاد کے دفتر کے ساہات کی جانچ پڑتال کی۔ اُس کے بہتیرے کاغذ الٹتا پلٹتا رہا۔ پھر وہاں سے ہائی سرکل نائٹ کلب ل طرف چلا گیا۔ منیجر نے اُسے دیکھ کر نفرت سے منہ سکوڑ لیا۔ اُس نے اُسے بیٹھنے تک کو نہ کہا۔

"میں یہ پوچھنے آیا ہوں...."

"میں کچھ نہیں بتا سکتا۔" منیجر دروازہ کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"نتیجے کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔" انور ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"مسٹر انور.... میرے پاس فضول وقت نہیں۔" منیجر بیزاری سے بولا۔

"میں ارشاد کے متعلق کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"وہ کیا بتائے گا۔" ایک ادھیڑ عمر کا فیشن ایبل آدمی کمرے میں گھستا ہوا بولا۔ "میں بتاؤں گا۔"

"کرنل صاحب.... جناب والا.... براہِ کرم۔"

"بکو مت.... میں تمہاری ہی وجہ سے کنگال ہوا ہوں۔" وہ چیخ کر بولا۔

"مسٹر.... ار.... کرنل صاحب براہِ کرم خاموش رہئے۔"

"خاموش رہو۔" انور منیجر کو گھور کر بولا۔

"مسٹر انور.... میں پولیس۔" منیجر فون کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔

"شوق سے۔" انور لاپرواہی سے بولا۔ "پولیس مجھ سے زیادہ اس کیس میں دلچسپی لے گی۔"

منیجر بے بسی سے کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ اُس کا منہ فق ہو گیا۔ ہونٹ خشک ہو چلے تھے۔

"ہاں جناب.... اوہ.... کرنل صاحب بیٹھ جایئے۔" انور نے کہا۔

"مسٹر انور آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟" منیجر ہانپتا ہوا بولا۔

"میں یہ چاہتا ہوں کہ تم خاموش بیٹھے رہو.... ہاں کرنل صاحب؟"

"آپ ارشاد کے متعلق پوچھ رہے ہیں۔ وہ پکا بے ایمان تھا۔ اُس نے مجھے برباد کردیا۔" کرنل نے کہا۔ "اور اُس سے بھی زیادہ یہ میری تباہی کا باعث ہے۔" کرنل منیجر کو گھورتا ہوا بولا۔

"نہیں کرنل صاحب۔ منیجر بھلا آپ کی تباہی کا باعث کیسے ہو سکتا ہے؟" انور نے کہا۔

"آپ یقین کیجئے اس نے مجھے اُس نامراد ہیرے کی کان کا حصہ خریدنے کے لئے مجبور کیا تھا اور اسی کے ہاتھ سے مجھے منافع بھی ملا تھا۔"

"جب آپ کو منافع بھی مل چکا ہے تو پھر اُس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے؟"

"ناراض کیوں ہو رہا ہوں؟" کرنل گرج کر بولا۔ "میرے دس ہزار روپے ڈوب گئے۔ اب ان کی چار سو بیس میری سمجھ میں آئی ہے۔ میرے ہی دس ہزار روپوں میں سے ایک ہزار روپے منافع کے نام پر مجھے واپس کردیئے اور میں مطمئن ہو گیا۔ جو فرم ہر تیسرے مہینہ اپنے حصہ داروں کو منافع بانٹتی ہو اُس کی طرف کون نہ دوڑے گا۔"

"تم اب شوق سے پولیس کو فون کر سکتے ہو۔" انور منیجر کی طرف دیکھ کر بولا اور جیب سے قلم نکال کر ایک سادہ کاغذ میز سے اٹھاتا ہوا کرنل کی طرف مخاطب ہوا۔ "ہاں کرنل صاحب آپ کا نام اور پتہ؟"

وہ کافی دیر تک کرنل سے پوچھ گچھ کرتا رہا۔ پھر منیجر کی طرف مڑا۔

"تم نے ابھی تک پولیس کو فون نہیں کیا؟" انور نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

"مسٹر انور....!" منیجر کی آواز حلق میں رک گئی۔

"پیارے منیجر....!" انور اُسی انداز میں بولا۔

"میں اپنی صفائی پیش کرنا چاہتا ہوں۔"

"بھلا مجھ کو صفائی سے کیا غرض۔ نہ میں حاکم نہ مجسٹریٹ۔" انور مسکرا کر بولا۔

"آپ سب کچھ ہیں، میں آپ کو اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"اور اس کے باوجود بھی تم نے انسپکٹر آصف سے میری شکایت کی تھی۔ حالانکہ میں اُسے اپنی بوڑھی اولاد سے زیادہ نہیں سمجھتا۔"

"مسٹر انور مجھے افسوس ہے۔"

"میں تم سے معافی نامہ لکھوانے نہیں آیا۔" انور تیز لہجے میں بولا۔ "تو تم ارشاد کے کمیشن ایجنٹ تھے؟"

"نہیں.... انہوں نے میری محنت کے صلے میں دس ہزار روپے کا حصہ مفت دے دیا تھا۔"

"کیسے یقین آئے گا اس پر جب کہ ہیرے کی کان کا کوئی حساب ہی نہیں ہے۔" انور نے کہا۔

"یہ مجھے آج کے اخبار سے معلوم ہوا ہے۔" منیجر بولا۔

"بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ تم اس پوری سازش کے سب سے بڑے حصے دار ہو۔" انور نے کہا۔

"کیوں آپ مجھے پھنسانے کی کوشش کر رہے ہیں۔" منیجر بے چارگی سے بولا۔

"تو پھر تم نہ پھنسو گے تو کیا میں پھنسوں گا۔" کرنل نے کہا۔

"کرنل صاحب آپ غالباً پولیس کو اطلاع دے چکے ہوں گے؟"

"ہاں دے چکا ہوں۔"

"تو بس اب تشریف لے جایئے۔" انور نے بے رخی سے کہا۔ کرنل کچھ دیر بیٹھا دونوں کو گھورتا رہا پھر اٹھ کر چلا گیا۔

"ہاں تو پیارے منیجر۔" انور اُس کی طرف دیکھ کر شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"مسٹر انور میں بڑی مصیبت میں پڑ گیا ہوں۔" منیجر گھبرائے ہوئے انداز میں بولا۔

"سچ سچ بتاؤ۔ پرسوں یہاں ارشاد آیا تھا یا نہیں؟"

"نہیں....!"

"شاہد.... اُس کا پارٹنر....؟"

"وہ کلب میں ممبر نہیں تھے لیکن کبھی اُن کے ساتھ آیا کرتے تھے اور آپ کے جانے کے بعد پرسوں وہ آپ ہی کی طرح ارشاد کے متعلق پوچھنے کے لئے آئے تھے اور کچھ گھبرائے ہوئے بھی تھے۔" منیجر نے کہا۔

"اوہو.... بہت اچھے۔ تو تم بھی پولیس ہی کی طرح ارشاد کا قتل شاہد کے سر تھوپنا چاہتے ہو۔ لیکن تم مجھے بہلا نہیں سکتے۔ رضوان کو جانتے ہو؟"

"نہیں تو.... میں یہ نام پہلی بار سن رہا ہوں۔"

"بہت اچھے تو تم بھی اُس کے قتل کی سازش میں شریک معلوم ہوتے ہو، کیا تمہیں نہیں

معلوم کہ ارشاد یہیں سے اُس کے نام پارسل بھیجا کرتا تھا اچھا خیر تمہارا نام بھی مشتبہ آدمیوں کی فہرست میں شریک کر لیا جائے گا۔" انور اٹھتا ہوا بولا۔

"مسٹر انور میں رضوان کو نہیں جانتا۔" منیجر بے بسی سے بولا۔ "ارے سنئے تو سہی... ارے.... آپ....!"

انور کوئی جواب دیئے بغیر منیجر کے کمرے سے نکل گیا۔ منیجر اس طرح کرسی پر پڑا ہانپ رہا تھا جیسے کوئی غیر مرئی قوت اُس کا گلا گھونٹ رہی ہو۔

انور دن بھر مارا مارا پھرا اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ جلد ہی اصل مجرم پر قابو پا جائے گا۔ اُس کا ذہن ایک مخصوص لائن پر سوچ رہا تھا۔ آج وہ ایک بار ساجدہ کے گھر بھی گیا تھا اس بات کی اطلاع دینے کہ ابھی تک زبیدہ کا سراغ نہیں ملا۔ اُسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ساجدہ نے گھر کے سارے ملازمین کو برطرف کر دیا ہے اور وہ صحیح معنوں میں ایک مفلس بیوہ کی طرح زندگی بسر کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اُسے یہ بھی معلوم ہوا کہ ساجدہ نے زیورات اور دوسری قیمتی اشیاء بیچ کر اپنے شوہر کا قرض ادا کرنے کا تہیہ کر لیا ہے اور اس کے بعد بقیہ زندگی بسر کرنے کے لئے کسی متبرک مقام پر چلی جائے گی۔ انور اُس کی اس قربانی پر عش عش کرتا ہوا گھر لوٹ آیا۔ اُس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ آج اس مسئلے کو سلجھا کر ہی رہے گا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر اُس نے بے شمار کاغذات میز پر پھیلا دیئے۔ وہ ایک ایک کاغذ کا بغور مطالعہ کر رہا تھا۔

"اُف میرے خدا۔" اُس کے منہ سے بے اختیار نکلا اور وہ کرسی کی پشت سے ٹک کر بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ پھر دفعتاً اٹھ کر نشست کے کمرے میں آیا۔ وہ اتنی جلدی میں تھا کہ اُس نے بجلی جلانے کی زحمت گوارا نہ کی اور دیا سلائی کھینچ کر اُسکی روشنی میں ٹیلی فون کے نمبر گھمانے لگا۔

"ہیلو آصف....!" وہ ماؤتھ پیس میں بولا۔ "میں انور بول رہا ہوں۔ رضوان جس عورت کا وجود چھپانے کی کوشش کر رہا تھا اُس کا پتہ لگ گیا ہے وہ پیٹر روڈ کے نفیس ہوٹل کے کمرہ نمبر ۱۰ میں مقیم ہے۔ اُس سے بہت کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔ جلدی کرو۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اُس کا بھی وہی انجام نہ ہو جو دھارا سنگھ کا ہوا۔ جلدی کرو میں گھر پر ہی ہوں۔"

انور ریسیور رکھ کر جیسے ہی پلٹا کسی نے دروازے پر دستک دی۔ وہ اس طرح خیالات میں کھویا ہوا تھا کہ کمرے میں روشنی کیے بغیر ہی اُس نے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ دفعتاً ایک ٹارچ کی

روشنی اُس کے چہرے پر پڑی اور اُس کی چندھیائی ہوئی آنکھوں نے ایک اُس سے بھی زیادہ تیز روشنی کی جھلک دیکھی اور پھر وہ ایک چیخ کے ساتھ کمرے کے وسط میں جا گرا۔ اندھیرے کی تہیں گہری ہو گئیں۔

پھر نہ جانے کتنی دیر بعد اُس نے محسوس کیا کہ وہ اپنے پلنگ پر پڑا ہے اور اُسکا داہنا بازو اسطرح دکھ رہا ہے جیسے ریشے ریشے میں آگ بھر دی گئی ہو اور پھر اُسکے کانوں میں ایک ایسے گیت کی آواز گونجنے لگی جس سے اُسے بے انتہا نفرت تھی۔ کوئی بھاری اور بے ہنگم آواز میں گنگنا رہا تھا۔

"مان میرا احسان ارے نادان کہ میں نے تجھ سے کیا ہے پیار۔"

"یہ کون بدمذاق ہے۔" انور آنکھیں بند ہی کیے ہوئے زور سے بڑبڑایا۔ "خدا کے لئے اس عبرت انگیز گانے کے بجائے کچھ اور گاؤ۔ مجھے قطعی اعتراض نہ ہوگا۔"

"اوہ تمہیں ہوش آگیا؟" کوئی اُس پر جھک کر بولا۔ انور نے آنکھیں کھول دیں۔

آصف غور سے اُس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ انور نے اٹھنے کی کوشش کی اور اب اُسے تھوڑی دیر قبل کا واقعہ یاد آ رہا تھا۔

"کیا میرے سینے میں زخم ہے؟" انور نے آصف سے پوچھا۔

"نہیں لیٹے رہو.... زخم بائیں بازو میں ہے۔" آصف نے کہا۔ "مگر وہ تھا کون؟"

"مجھے افسوس ہے کہ وہ اپنا نام بتانا بھول گیا۔" انور جھلا کر بولا۔

"ارے جنگلی اس حالت میں بھی تمہاری زبان نہیں مانتی۔" آصف مسکرا کر بولا۔

"زبیدہ کہاں ہے؟"

"اُس نے زہر کھالیا۔ میں اُسے پولیس کی گاڑی میں کوتوالی لے جا رہا تھا اُس نے ہماری غفلت سے فائدہ اٹھا کر زہر کھالیا اور وہ زہر بھی اتنا سریع الاثر تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ختم ہو گئی۔ کچھ ایسے واقعات پیش آ رہے ہیں کہ عقل ہی کام نہیں کرتی.... وہ لڑکی تھی کون؟"

"ایک مظلوم لڑکی۔ میں نے سوچا تھا کہ شاید حوالات میں اُسے پناہ مل سکے۔ خیر اُسے مرنا تو تھا ہی زہر نہ کھاتی تو قتل کر دی جاتی۔ وہ ارشاد کے قتل کے سلسلہ میں بہت کچھ جانتی تھی لیکن بتانے سے پہلے ہی چل بسی۔"

اور پھر انور نے آصف کو زبیدہ کے متعلق سب کچھ بتا دیا۔ لیکن اُس پرچے کے بارے میں

کچھ نہیں بتایا جو زبیدہ کے کمرے میں گرا تھا۔

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" آصف آہستہ سے بڑبڑایا۔ "تمہیں پہلے ہی مجھے اس کی اطلاع دینی چاہئے تھی۔"

"سنو آصف! میں اتنا پتھر نہیں ہوں جتنا کہ لوگ مجھے سمجھتے ہیں۔ میں چاہتا تھا کہ زبیدہ کا نام منظر عام پر نہ آئے۔ وہ دنیا کی مظلوم ترین ہستی تھی۔ مگر پھر مجھے مجبور ہو جانا پڑا۔ مجھے یہ خوف لاحق ہوا کہ کہیں اُس کا بھی وہی حشر نہ ہوا ہو جو دھارا سنگھ کا ہوا۔"

"تمہاری اسی احتیاط نے اُس کی جان لی۔" آصف نے کہا۔

"نہیں آصف، پولیس جب بھی اُسے حراست میں لینے کی کوشش کرتی، زندہ نہ پاتی۔ سمجھ لو کہ انور جس سے ہار جائے دنیا کی کوئی طاقت اُسے قابو میں نہیں لا سکتی۔ وہ پولیس کو اس لفظ بھی نہ بتاتی۔"

آصف خاموش ہو گیا۔ اُس کی نگاہیں تفکر آمیز انداز میں انور کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"تو کیا اب قاتل کا پتہ نہ لگ سکے گا؟" آصف نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"ایسا تو نہیں۔" انور مسکرا کر بولا۔ "کل تم اُسے مردہ یا زندہ پولیس کی لاری میں لاد کر کوتوالی لے جاؤ گے۔"

"وہ کون ہے؟" آصف نے بے ساختہ پوچھا۔ انور مسکرانے لگا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ آصف کی بے چینی قبل از وقت اور فضول ہے۔ وہ ابھی ایک لفظ بھی نہیں بتا سکتا۔

"میں خود نہیں جانتا۔" انور نے کہا۔ "لیکن کل وہ یقیناً میرے قابو میں ہو گا۔ اوہ.... رشیدہ کہاں ہے؟"

"دوا لینے ڈاکٹر کے ساتھ گئی ہے۔" آصف نے کہا۔

"اوہ تو ڈاکٹر مجھے دیکھ چکا ہے؟"

"ہاں.... لیکن تم یہ کیوں نہیں بتاتے کہ حملہ آور کون تھا؟"

"بھئی میں خود نہیں جانتا۔ اُس نے پہلے میرے چہرے پر ٹارچ کی روشنی ڈال کر مجھے چندھیا دیا۔ پھر شاید چاقو سے وار کیا تھا۔"

"ہاں زخم چاقو کا ہے۔ مگر زیادہ گہرا نہیں۔" آصف نے کہا۔ "میں زبیدہ کی لاش کو ہٹا کر

پہنچا کر سیدھا یہیں آیا۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ ٹارچ جلائی تو تم فرش پر پڑے دکھائی دیئے۔ رشیدہ بھی موجود نہیں تھی لیکن وہ تھوڑی دیر بعد آ گئی۔ میں نے فون پر ڈاکٹر کو بلا لیا تھا۔ رشیدہ بہت پریشان تھی۔ واقعی وہ تمہیں بہت زیادہ چاہتی ہے۔"

"دوست چاہتے ہی ہیں۔ وہ میرا دوست ہے میں اُسے لڑکی نہیں سمجھتا۔" انور آنکھیں بند کر کے بڑبڑایا۔

"کیا تم اس کی رپورٹ پولیس کو دو گے؟" آصف نے پوچھا۔

"یقیناً جو دل چاہے لکھ دینا۔" انور نے کہا۔ "لیکن شبہے میں رضوان کا نام ضرور لکھوا دینا۔ وہ کل مجھے زبیدہ کے سلسلے میں دھمکی دے کر گیا تھا۔ اُس کا نام اخبار میں بھی آ جائے تو اور اچھا ہے میں وجہ نہیں بتاؤں گا بس۔"

قاتل کون

دوسرے دن پولیس رضوان کی تلاش میں تھی اور وہ کہیں غائب ہو گیا تھا۔ اخبارات میں زبیدہ کی تصویر اور اُس کی درد بھری کہانی شائع ہوئی تھی۔ اس طرح پبلک ارشاد کے ایک اور سیاہ کارنامے سے واقف ہوئی۔ لیکن اب اُس کے قاتل کا نام جاننے کے لئے لوگوں کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ اُسے شاہد نے قتل کیا تھا یا رضوان نے؟ انسپکٹر آصف نے شاہد کی بیوی کو حراست میں لے لیا تھا۔ ہائی سرکل نائٹ کلب کے منیجر کی گرفتاری زیرِ غور تھی۔

لوگوں کو توقع تھی کہ اس بار پھر کرائم رپورٹر انور ہی قاتل کی گرفتاری کے سلسلہ میں پولیس کی رہنمائی کرے گا۔ کیونکہ انور پر اچانک حملے سے تو یہی ثابت ہوتا تھا کہ وہ معاملے کی تہہ تک پہنچ چکا ہے۔ اس لئے قاتل نے اُسے بھی اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی۔

انور آج آفس نہیں گیا۔ حالانکہ زخم زیادہ گہرا نہیں تھا اور نہ وہ کوئی خاص تکلیف ہی محسوس کر رہا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ باہر نہیں نکلا۔ انسپکٹر آصف نے اُس کے گھر کے کئی چکر لگائے لیکن اُس سے کوئی کام کی بات نہ معلوم کر سکا۔ وہ اُسے بچوں کی طرح بہلاتا رہا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ اپنے اس وعدے پر قائم تھا کہ آج وہ قاتل کو پولیس کے حوالے کر دے گا۔ اُس نے

رشیدہ کو بھی کچھ نہیں بتایا۔ حسب معمول رشیدہ دفتر چلی گئی اور جب وہ شام کو واپس آئی تو انور کو پہلے ہی کی طرح کتابوں میں ڈوبا ہوا پایا۔

"کیا وہ قاتل ان کتابوں کے کسی صفحے سے چپکا ہوا ہے؟" رشیدہ بولی۔

"نہیں وہ تمہاری کٹیلی آنکھوں سے جھانک رہا ہے۔" انور نے کہا اور کتاب بند کر کے میز پر رکھ دی۔ وہ تھوڑی دیر تک تفکر آمیز انداز میں رشیدہ کی طرف دیکھتا رہا پھر کرسی سے اٹھتا ہوا بولا۔ "اچھا میرے دوست! اب اس ڈرامے کے آخری سین کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

"کیا مطلب.....؟"

"غالباً ہمارے دونوں پستول ٹھیک حالت میں ہوں گے؟" انور نے کہا۔

"ہاں ہیں تو لیکن تمہارا ارادہ کیا ہے؟"

"ایک گیدڑ کی بھٹ میں گھسنا ہے جسے لوگ خواہ مخواہ بھیڑیا سمجھے بیٹھے ہیں۔"

"تمہارا اشارہ قاتل کی طرف ہے؟" رشیدہ نے کہا۔

"ہاں۔"

"لیکن وہ ہے کون؟"

"بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔ ذرا اندھیرا پھیلنے دو۔" انور نے کہا۔ "ہاں رشو، اُن پستولوں کو ایک بار پھر دیکھ لیا جائے۔"

رشیدہ اپنے کمرے سے دونوں پستول لے آئی۔ انور آنکھیں گھما پھرا کر دیکھنے لگا۔

"تو کیا پولیس کی مدد نہ لو گے؟" رشیدہ نے کہا۔

"پولیس بعد کی چیز ہے۔ اگر اُس نے مجھ پر حملہ نہ کیا ہوتا تو میں خواہ مخواہ کی دردسری مول نہ لیتا۔ مگر اب ضروری ہو گیا ہے۔"

"تو پھر میں اس غرارے اور دوپٹے کو تہہ کر کے بکس میں رکھ دوں؟" رشیدہ نے کہا۔

"قطعی.....!" انور نے کہا اور سگریٹ سلگا کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد رشیدہ لباس تبدیل کر کے آ گئی۔ اُس نے کتھئی رنگ کے چمڑے کی جیکٹ اور خاکی گیبرڈین کی پتلون پہن رکھی تھی۔

اس وقت انور سچ مچ اُسے پیار بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"شاباش..... اب تم اس وقت ایک جوان عورت نہیں مرد معلوم ہو رہی ہو۔" انور بے اختیار بولا۔

"اور یہ گھونسا.....؟" رشیدہ مٹھی باندھ کر انور کے چہرے کے سامنے نچاتی ہوئی بولی۔

"بہت لذیذ..... لیکن ابھی اس کے استعمال کا وقت نہیں۔"

تھوڑی دیر بعد اُس کی موٹر سائیکل شہر کی متعدد سڑکوں پر فراٹے بھرتی پھر رہی تھی۔ انور نے اس دوران میں رشیدہ کو اپنی پوری اسکیم سے آگاہ کر دیا تھا۔ موٹر سائیکل کی رفتار اسکر سٹریٹ میں پہنچ کر کم ہو گئی اور پھر وہ دونوں اُتر پڑے۔ موٹر سائیکل ایک سڑک کے کنارے کھڑی کر کے وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے۔ آسکر اسٹریٹ پرسکون سڑک تھی جس کے دونوں اطراف عالی شان کوٹھیاں تھیں۔ یہاں زیادہ تر متمول لوگ رہتے تھے۔

تقریباً نو بج گئے تھے۔ سردیوں کی رات تھی اور جلد ہی چاروں طرف سناٹا چھا گیا تھا۔ اکثر کوٹھیوں کی جالیوں، کھڑکیوں اور روشندانوں سے روشنی چھن کر سڑک پر آ رہی تھی۔ وہ دونوں ساجدہ کی کوٹھی کے سامنے رک گئے۔ انور نے آہستہ سے سلاخوں دار پھاٹک کھولا اور دونوں کمپاؤنڈ میں داخل ہو گئے۔ یہاں بھی چاروں طرف سناٹے اور تاریکی کا راج تھا۔ رشیدہ کوٹھی کا چکر کاٹتی ہوئی پچھواڑے کی طرف چلی گئی اور انور برآمدے کی طرف بڑھا۔ پے بہ پے گھنٹی بجانے کے بعد ایک دروازہ کھلا اور برآمدے میں روشنی پھیل گئی۔

"کون ہے؟"

"اوہ ساجدہ.....!" انور آگے بڑھ کر بولا۔

"انور..... کیوں..... کیا ہے؟" ساجدہ اونچی آواز میں بولی۔

"میں بہرہ نہیں ہوں۔" انور نے کہا۔

"کیوں.....؟"

"رضوان کے متعلق کچھ پوچھنا ہے۔ کیا تم نے آج کا اخبار نہیں پڑھا.....؟" انور کمرے میں گھستا ہوا بولا۔

"کیوں تم میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔" ساجدہ بے بسی سے بولی۔

"رضوان نے تمہارے سامنے مجھے دھمکی دی تھی۔ کیا تم میری طرف سے گواہی دو گی؟"

انور ایک صوفے میں دھنستا ہوا بولا۔

"مجھے کسی چیز سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی۔" ساجدہ بیزاری سے بولی۔

"ایسا نہ کہو۔" انور انتہائی جذباتی لہجے میں بولا۔ "مجھے اب بھی تم سے محبت ہے۔"

ساجدہ غم انگیز نظروں سے اُسکی طرف دیکھنے لگی۔ شاید اُس کی آنکھوں میں آنسو بھی تھے۔

"انور اب اس قصے کو مت چھیڑو۔ میرا دل دنیا سے اچاٹ ہو گیا ہے۔" ساجدہ ایک طویل سانس لے کر بولی۔

"غالباً اسی لئے تم ارشاد کی ڈاڑھی بڑھنے کا انتظار کر رہی ہو تاکہ اُسے ایک مولوی کے بھیس میں حج کا بہانہ کر کے یہاں سے نکال لے جاؤ۔" انور نے اپنا ایک ہاتھ جیب میں ڈالتے ہوئے اطمینان سے کہا۔ ساجدہ بے اختیار اچھل پڑی۔ وہ انور کو خوفزدہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ دفعتاً سامنے والے کمرے سے ایک فائر ہوا۔ اگر انور پہلے ہی سے غیر ارادی طور پر ایک طرف نہ جھک گیا ہوتا تو اُس کا شکار ہو جانا یقینی تھا۔ دفعتاً وہ اچھل کر ساجدہ پر آرہا اور اُسے ڈھال بنا کر پستول نکالے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

"ارشاد تمہاری دوسری گولی ساجدہ کے لگے گی۔" انور چیخ کر بولا۔ "تم یہاں سے بھاگ نہیں سکتے۔ چاروں طرف پولیس لگی ہوئی ہے۔"

ساجدہ اُس کی گرفت سے نکلنے کی جدوجہد کر رہی تھی۔

دفعتاً سامنے والے کمرے کا دروازہ کھلا اور ارشاد اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے ہوئے باہر آیا۔ اُس کے پیچھے رشیدہ تھی جس کے پستول کی نالی ارشاد کی کمر میں چبھی ہوئی تھی۔

"بہت اچھے۔" انور بچوں کی طرح چیخا۔

رشیدہ داد طلب نگاہوں سے انور کی طرف دیکھنے لگی اور ارشاد نے پھرتی سے پلٹ کر اُس کا ہاتھ اُس کے پستول پر مارا اور دوسرے ہاتھ سے اُسے پیچھے دھکیل دیا۔ دوسرے لمحے میں وہ دروازے کا کردہ ازے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ لیکن انور کے پستول سے ایک شعلہ نکلا اور ارشاد بر آمد

میں پہنچتے پہنچتے چیخ مار کر گر پڑا۔ انور ساجدہ کو چھوڑ کر اُس کی طرف لپکا۔ رشیدہ جو زمین سے اٹھ گئی تھی ساجدہ پر جھپٹ پڑی۔

گولی ارشاد کے پیر میں لگی تھی۔ وہ ایک زخمی کتے کی طرح زمین پر پڑا غرا رہا تھا۔ انور اُسے بے دردی سے کھینچتا ہوا پھر کمرے میں لے آیا۔ رشیدہ اور ساجدہ ابھی تک گتھی ہوئی تھیں۔

انور نے زمین پر پڑا ہوا پستول اٹھا کر اپنی جیب میں ڈال لیا۔

"رشو.... اب یہ سلسلہ ختم بھی کرو۔" انور اکتائے ہوئے لہجے میں بولا اور رشیدہ نے ساجدہ کا سر دیوار سے ٹکرا دیا۔ وہ لہرا کر زمین پر آرہی اور بے ہوش ہو گئی۔

"اگر تم کل رات کو مجھ پر حملہ نہ کرتے تو شاید میں یہ تکلیف گوارا نہ کرتا۔" انور ارشاد کی طرف دیکھ کر بولا۔ "شاہد، دھارا سنگھ اور زبیدہ کا خون ناحق تمہاری گردن پر تھا اور تم حج کرنے جا رہے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ تمہاری بیوی بڑی ہوشیار ہے مگر اس نے اس معاملہ میں مجھ سے مدد لے کر غلطی کی.... مگر نہیں، وہ تمہیں شاہد کی لاش تو اپنی لاش ثابت کرنی تھی۔ شاہد کو اپنا مفرور قاتل بھی ثابت کرانا تھا اور اسی لئے تم نے اُس کے قتل کا وہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ اُس کی شکل ہی بگڑ جائے۔ ظاہر ہے جب تمہاری بیوی ہی شاہد کی لاش کو تمہاری لاش تسلیم کر لیتی تو کسی کو کیا اعتراض ہوتا۔ مگر تم نے اس سلسلے میں دو اہم غلطیاں کیں۔ ایک تو شاہد کی بیوی کو جعلی خط اور دوسرے وہ پرچہ جو تم نے پنسل سے گھسیٹ کر زبیدہ کے کمرے میں ڈالا تھا۔ تم نے اپنا جرم چھپانے کے لئے اتنی حماقتیں کیں کہ خدا کی پناہ۔"

انور ٹیلی فون کی طرف بڑھا۔

"ہیلو آصف.... میں ۱۳۔ آسکر اسٹریٹ سے بول رہا ہوں۔ وعدے کے مطابق تمہارا شکار میرے قابو میں ہے.... نہیں.... نہیں زیادہ انتظام کی ضرورت نہیں۔ وہ ایک خارش زدہ گیدڑ کی طرح بے بس پڑا ہے۔"

آصف نام پوچھتا ہی رہ گیا مگر انور نے ریسیور رکھ کر کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔

"ساری پرانی دشمنی تم آج ہی نکال لو گے؟" ارشاد نے آہستہ سے کہا۔

"میں نے صرف کل رات کے حملے کا انتقام لیا ہے۔" انور نے لاپروائی سے کہا۔

"اس کا مطلب کچھ اور ہے۔" رشیدہ نے مسکرا کر کہا۔ انور کو اُس کی مسکراہٹ بڑی سفاک

معلوم ہوئی۔ اُسے یہ سوچ کر خوشی ہوئی کہ وہ ایسے ماحول میں بھی مسکرا سکتی ہے۔

"ساجدہ بے قصور ہے قطعی بے قصور۔ دیوالیہ ہو جانے کے بعد اور یہ محسوس کرنے پر کہ اب ہیرے کی کان کا اسٹنٹ زیادہ نہیں چل سکتا۔ میں نے یہ پروگرام بنایا تھا۔" ارشاد نے کہا۔ درد کی شدت کی وجہ سے کراہنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولا۔ "میں نے ساجدہ کو اپنی پوزیشن کر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ میرے پاگل پن کی فرضی داستان لے کر تمہارے پاس جائے اور پھر کسی دوسرے ملک کو فرار ہو جاؤں۔ اگر میں اُس سے یہ بتا دیتا کہ میں اپنی فرضی خودکشی کو منظر پر لانے والا ہوں تو وہ کبھی اس پر تیار نہ ہوتی۔ پھر میں نے شاہد کو تار جام لے جا کر قتل کر دیا۔ دھارا سنگھ نے شاید کچھ دیکھ لیا تھا۔ اس لئے مجھے اُسے بھی قتل کر دینا پڑا۔ بہرحال ساجدہ قصور ہے۔ تم اسے بچانے کی کوشش کرنا۔"

"کیا تم اُس دن شاہد کے ساتھ زبیدہ کے پاس گئے تھے؟"

"ہاں.... اور میں نے یہی سب سے بڑی غلطی کی تھی۔"

"تم نے دیکھا کہ وہ کس طرح تم پر قربان ہو گئی؟" انور نے نفرت سے منہ سکوڑ کر کہا۔ "جیسے ناپاک آدمی کے لئے اُس نے جان دے دی۔"

ارشاد نے اپنا منہ بازوؤں میں چھپا لیا۔

تھوڑی دیر بعد آصف کچھ کانسٹیبلوں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ ارشاد کو دیکھ کر اُس کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔

انور ہنسنے لگا۔

"میں جھوٹے وعدے نہیں کرتا۔" انور بولا۔

"مگر.... مگر....!" آصف ہکلایا۔

"ہاں ہاں یہ ارشاد ہے۔ اُس کا بھوت نہیں۔ جس کا قتل ہوا وہ شاہد تھا.... رضوان کا معاملے میں کوئی ہاتھ نہیں۔ وہ صرف زبیدہ والے حادثے کے سلسلے میں روپوش ہو گیا تھا۔ معمہ اب ایسا نہیں رہ گیا کہ جسے تم نہ حل کر سکو۔ اچھا گڈ نائٹ۔ آؤ رشو چلیں۔ ہم نے ابھی کھانا بھی نہیں کھایا ہے۔"

"مگر سنو تو سہی۔"

"اور جو کچھ پوچھنا ہو گھر آ کر پوچھنا۔ ان دونوں کو فی الحال لے جاؤ۔" انور دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

"مگر میں حکم دیتا ہوں۔" آصف بلند آواز میں بولا۔

"اچھا جی۔" انور پلٹ کر بولا۔ "پھر اڑنے لگے۔ تمہارے لئے یہی کیا کم ہے کہ اس کامیابی کا سہرا تمہارے سر باندھ رہا ہوں۔ مجھے تو اپنے اخبار کی رپورٹ سے مطلب ہے۔ مگر ہاں کچھ کھانے کا انتظام کر سکتے ہو؟"

تھوڑی دیر بعد انور اور رشیدہ ایک ریسٹوران میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ "اگر وہ پرچہ میرے ہاتھ نہ لگتا تو میں کبھی اس نتیجہ پر نہ پہنچ سکتا۔" انور نے کہا۔ "خیر چھوڑو ہٹاؤ۔ کوئی اور بات کرو۔ زبیدہ مفت میں ماری گئی۔ اُس کے اس جذبے کی میں قدر کرتا ہوں۔ کسی قاتل کا ساتھ دینے کے لئے بڑی ہمت چاہئے اور یہ معلوم ہو جانے کے باوجود بھی وہ حتی الامکان اُسے بچانے کی کوشش کرتی رہی کہ اُس کا تعلق دوسری عورتوں سے تھا۔"

"مجھے تو اُس سے قطعی ہمدردی نہیں۔" رشیدہ نے کہا۔

"اور مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔" انور بولا۔

"بہرحال ساجدہ جیل ضرور جائے گی۔"

"اونہہ چھوڑو بھی۔ اس وقت رومانی گفتگو کرنے کو دل چاہ رہا ہے۔" انور سنجیدگی سے بولا۔ "دیکھو فضا کتنی خوشگوار ہے۔ رات گیسوؤں کی طرح تاریک ہے اور تمہارے گیسو، تمہاری آنکھیں کتنی حسین ہیں۔ ان میں آسمان سے ستارے اتر، آ رہے ہیں۔ رشو فوراً آنکھیں بند کر لو۔ کہیں پھوٹ نہ جائیں۔ ستارے بہت وزنی ہوتے ہیں۔ سنا ہے کہ بعض ہماری زمین سے بڑے ہوتے ہیں۔" رشیدہ بے اختیار ہنس پڑی۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 14

تجوری کا گیت

(مکمل ناول)

تعاقب

شہر کے باہر سنسان اور تاریک سڑک پر ایک شاندار اور قیمتی کار اندھیرے کا سینہ چیرتی ہوئی کسی نامعلوم منزل کی طرف جا رہی تھی۔ گیارہ بج چکے تھے۔ آسمان پر گرد و غبار نہ ہونے کی وجہ سے ستاروں کی مدھم روشنی اور اندھیرے کے امتزاج نے ایک پُراسرار فضا پیدا کر دی تھی۔ اچانک کار ایک جگہ رک گئی۔ پھر اسے سڑک کے کنارے اُگی ہوئی قدِ آدم جھاڑیوں میں اتار دیا گیا اور دوسرے ہی لمحے میں دو آدمی کار سے اتر کر سڑک کے کنارے آ کھڑے ہوئے ان میں سے ایک اپنے کاندھے پر ایک موٹی سی رسی کا بنڈل لادے ہوئے تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے سڑک کے آر پار دو درختوں میں اس طرح رسی باندھ دی جیسے وہ کسی کا راستہ روکنا چاہتے ہوں۔ اس کام میں فراغت پانے کے بعد وہ پھر جھاڑیوں میں آ بیٹھے۔

"آخر یہ اتنی دردسری کیوں!" اُن میں سے ایک بولا۔

"اسے دردسری نہ کہو، وہ بڑا خطرناک آدمی ہے۔" دوسرے نے جواب دیا۔

"یہ تم اسی لونڈے کے لئے کہہ رہے ہو نا، جسے تم نے کل دکھایا تھا۔"

"اتنی لاپروائی سے اس کا تذکرہ نہ کرو۔"

"چھوڑو بھی تم نے خواہ مخواہ اسے ہوا بنا رکھا ہے۔"

"خیر بھئی! مجھے تو اس وقت بھی یقین نہیں کہ ہم اُسے پکڑ ہی لیں گے۔"

"یار تم خواہ مخواہ مجھے تاؤ نہ دلاؤ۔ وہ بھی ہماری طرح آدمی ہے۔ بھوت نہیں۔"

"میں اسے بھوت ہی سمجھتا ہوں۔"

"تم بزدل ہو۔"

"کیا کہا!" دوسرا تلخ لہجے میں بولا۔

"خیر.... خیر.... اس وقت ہمیں آپس میں تکرار نہ کرنی چاہئے۔"

دوسرے نے کوئی جواب نہ دیا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔

"اب تک اسے یہاں پہنچ جانا چاہئے تھا۔ وہ ہمارے سامنے ہی روانہ ہو چکا تھا۔" دوسرے نے کہا۔

"ممکن ہے راستے میں کہیں رک گیا ہو۔ ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ آخر اُسے اہمیت کیوں دی جا رہی ہے۔"

"ہم جانتے ہیں کہ وہ اس معاملے میں ٹانگ ضرور اڑائے گا اور یہی نہیں ہمیں یہاں بہت کرنا ہے پولیس کی طرف سے تو اطمینان ہے وہ ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکے گی۔ لیکن وہ بڑا ذہین ہے سب سے بڑی مصیبت تو یہ ہے کہ وہ ایک اخبار کا رپورٹر بھی ہے۔ پس ذرا سا اشارہ مل جانا چاہ اس کے بعد تو وہ ہماری پوری پوری اسکیمیں اتنی وضاحت کے ساتھ چھاپ دیتا ہے جیسے وہ مشوروں میں شریک رہا ہو۔"

"تو اس کا خاتمہ ہی کیوں نہ کر دیا جائے۔"

"آج تک اس کا موقعہ ہی نصیب نہیں ہوا۔"

"کیا حماقت کی باتیں کر رہے ہو۔ کیا ہم اس وقت اسے ٹھکانے نہیں لگا سکتے۔"

"مگر ہمیں اس کا حکم کہاں ملا ہے ہمیں تو پکڑ کر لے جانا ہے۔"

"اس میں نہ جانے کون سی مصلحت ہے جب وہ ایسا آدمی ہے تو اسے ختم ہی کر دینا چاہئے۔"

"بات یہ نہیں! اُسے پولیس سے ہمدردی نہیں ہے وہ محض روپیہ اینٹھنے کے لئے شریف آدمیوں کے کام میں روڑے اٹکایا کرتا ہے۔ یعنی ادھر سے بھی ہاتھ گرم کرتا ہے اور ادھر بھی میرا خیال ہے کہ اس سے معاملے کے متعلق کسی قسم کا سمجھوتہ کیا جائے گا۔"

"تو کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ راضی ہو جائے گا۔"

"چھوڑو بھی ہمیں اس سے کیا غرض۔ ہمارے ذمے جو کام ہے ہمیں اسے کرنا چاہئے۔"

اس کے بعد پھر خاموشی چھا گئی۔ جنگل کے سناٹے میں جھینگروں کی آوازیں ایسی معلوم ہو رہی تھیں جیسے وقت نے اپنی عظیم تنہائی سے اکتا کر کوئی گیت چھیڑ دیا ہو۔

"لیکن انور پولیس والوں سے کس طرح روپیہ اینٹھتا ہے۔" ایک نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"ان کے راز افشاء کر دینے کی دھمکی دے کر وہ یہاں کے سارے پولیس آفیسروں کی کمزوریوں سے اچھی طرح واقف ہے۔"

"اس کے ساتھ کوئی لڑکی بھی تو رہتی ہے۔"

"ہاں اس کا نام رشیدہ ہے وہ بھی کم نہیں۔ بس یہ سمجھ لو کہ یہ دونوں ہم جیسے شریف آدمیوں کے لئے ہمیشہ دردِ سر بنے رہتے ہیں۔"

"وہ لڑکی خوبصورت بھی کافی ہے۔"

"اوہ تو کیا اس پر عاشق ہونے کا ارادہ ہے۔"

"میں عاشق نہیں ہوا کرتا۔ میرا اصول تو تم جانتے ہی ہو۔"

دونوں معنی خیز انداز میں ہنسنے لگے۔

"مگر یار اتنا یاد رکھو کہ وہ بھڑوں کا چھتہ ہے۔"

"ہونہہ.... بہت دیکھی ہیں۔ صوبیدار میجر صاحب کی لڑکی سے زیادہ خطرناک نہ ہو گی۔"

"خیر ہٹاؤ میں بحث کرنا نہیں چاہتا۔"

"اوہ سنو! آواز آ رہی ہے۔ موٹر سائیکل کی آواز۔ تم دوسری طرف چلے جاؤ۔"

ایک اُٹھ کر سڑک کے دوسرے کنارے پر چلا گیا۔

دور موٹر سائیکل کی ہیڈ لائٹس دکھائی دے رہی تھی اور جنگل مشین کی کرخت آواز سے گونج رہا تھا۔ روشنی سڑک پر پھیل رہی تھی۔ اچانک موٹر سائیکل رک گئی۔ شاید انور نے سڑک پر تنی ہوئی رسی دیکھ لی تھی۔ قبل اسکے کہ وہ موٹر سائیکل کو موڑتا یہ دونوں اسکے قریب پہنچ گئے۔

"خبردار.... مشین بند کر دو۔" ایک نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

انور نے مشین بند کر دی اور دونوں پیر ٹیکے موٹر سائیکل پر ہی بیٹھا رہا۔

"اگر تم نے ذرہ برابر بھی حرکت کی تو گولی تمہارا بھیجا اڑا دے گی۔" دوسرا بولا۔

انور بچوں کی طرح کھل کھلا کر ہنس پڑا۔

"یار کیوں ڈراتے ہو اس اندھیرے جنگل میں۔" انور نے کہا۔ "میرے جیب میں ڈھائی آنے اور نرگس کی تصویر کے علاوہ کچھ اور نہیں چاہو تو روپے لے لو۔ لیکن نرگس کی تصویر ہرگز

نہ دوں گا۔ کیونکہ وہ والد صاحب کو بہت پسند ہے۔"

ان میں سے ایک بے ساختہ ہنس پڑا۔ لیکن دوسرا غرا کر بولا۔ "بکواس بند کرو۔ ہمارے ساتھ چلو۔"

میں اس چھوٹی سی گاڑی پر دو آدمیوں کو کس طرح لاد سکوں گا۔ اگر چالان ہو گیا تو" انور نے تشویش ظاہر کرتا ہوا بولا۔

"گاڑی چھوڑ کر ہٹ آؤ۔"

انور نے موٹر سائیکل کنارے کھڑی کر دی اور ان کے قریب آ گیا۔

"اس کے ہاتھ پیر باندھ دو....!" ایک نے دوسرے سے کہا۔

"ٹھہرو....!" انور بولا۔ "آخر تم چاہتے کیا ہو۔"

"تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہو گا۔"

"تو پھر ہاتھ پیر باندھنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے تمہارے ساتھ چلنے سے انکار تو نہیں کیا۔" انور نہایت سنجیدگی سے بولا۔

"تم بڑے مکار ہو۔"

"بد تمیز....!" انور تلخ لہجے میں بولا۔ "تمہیں بات کرنے کا بھی سلیقہ نہیں۔"

"باندھ لو اسے۔" وہ گرج کر بولا۔

ایک آدمی جیب سے ایک پتلی سی ڈور نکال کر انور کی طرف بڑھا۔ انور نے دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیئے۔ "اتنا یاد رکھو کہ میں گن گن کر بدلہ چکانے کا عادی ہوں۔" انور نے آہستہ سے کہا۔ اس شخص نے جو اس کے ہاتھ باندھنے جا رہا تھا اس کے اس جملے پر طنز آمیز مسکراہٹ کے ساتھ قہقہہ لگایا جیسے ہی وہ ڈوری لے کر آگے کی طرف جھکا انور نے اپنے داہنے پیر کا گھٹنا اٹھا دیا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ چیخ کر پیچھے کھڑے ہوئے ساتھی پر جا پڑا۔ انور ایک ہی جست میں جھاڑیوں کے پیچھے غائب ہو چکا تھا۔

دونوں اٹھ کر اس کے پیچھے لپکے۔

"دیکھ لیا تم نے۔" ان میں سے ایک نے جھلا کر کہا۔

"خدا کی قسم زندہ نہ چھوڑوں گا۔" چوٹ کھائے ہوئے آدمی نے غصیلی آواز میں کہا اور لنگڑاتا ہوا جھاڑیوں میں دوڑنے لگا۔ لیکن شاید ابھی اس کی شامت اچھی طرح نہیں آئی تھی۔ بے تحاشا جھاڑیوں میں گھستا پھر رہا تھا۔ اس کا ساتھی اُس کے پیچھے تھا۔

"میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" وہ ایک بار پھر اپنے غصے کا اظہار کر ہی رہا تھا کہ دفعتاً ایک بڑا سا پتھر اس کی پیشانی پر پڑا اور وہ چیخ مار کر الٹ گیا۔ اس کا ساتھی پہلے تو اس کی طرف جھپٹا لیکن پھر خوفزدہ ہو کر اسی کے ساتھ زمین پر لیٹ گیا۔ وہ اپنی سانس روکے آہٹ لے رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد موٹر سائیکل اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی اور پھر سناٹا چھا گیا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ تھوڑی دیر تک خوفزدہ نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتا رہا پھر اپنے بے ہوش ساتھی کی طرف متوجہ ہوا جس کی پیشانی سے خون بہہ بہہ کر چہرے پر پھیل گیا تھا۔ اس نے اسے کاندھے پر اٹھایا اور جھاڑیوں سے نکل کر سڑک پر آ گیا۔ چاروں طرف لامتناہی سناٹا جاری تھا وہ کسی نہ کسی طرح اپنے بے ہوش ساتھی کو کار تک لے آیا۔ جھاڑیوں سے کار سڑک پر نکالی۔ کار کا رخ شہر کی بجائے دیہی علاقے کی طرف تھا، جیسے ہی کار سڑک پر مڑی انور جھاڑیوں سے نکل کر پیچھے لگیج کیریئر پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد کار فراٹے بھرنے لگی۔

تقریباً پانچ یا چھ میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد کار ایک احاطے کے پھاٹک پر رک گئی۔ کار ڈرائیو کرنے والے نے اپنے بیہوش ساتھی کو پھر کاندھے پر لادا اور احاطے کا پھاٹک کھول کر اندر چلا گیا۔

انور آہستہ سے لگیج کیریئر سے اترا اور کار میں بیٹھا.... اس نے بڑی پھرتی سے انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی شہر کی طرف گھما دی اور دیکھتے ہی دیکھتے احاطہ میلوں پیچھے رہ گیا۔ وہ اتنی سنجیدگی سے بیٹھا کار ڈرائیو کر رہا تھا جیسے وہ خود اس کی اپنی کار ہو۔ اس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

انور کے کردار میں یہ عجیب و غریب بات تھی کہ وہ کسی کو معاف کرنا تو جانتا ہی نہیں تھا۔ اس کا فلسفہ حیات انتقام تھا۔ اس کا قول تھا کہ زندگی کا انحصار صرف انتقام پر ہے۔ نظامِ فطرت کی اصل بنیاد انتقام ہی ہے جسے دنیا والوں نے مختلف نام دے رکھے ہیں۔ بہر حال اس وقت اس نے محض اپنی انتقامی اسپرٹ کے تحت یہ دیکھنے اور سمجھنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ اس پر حملہ کرنے والے کون تھے اور وہ اسے کہاں اور کیوں لے جانا چاہتے تھے بس وہ ان کی قیمتی کار لے بھاگا اور ٹھیک اسی جگہ پہنچ کر جہاں ان لوگوں نے اُسے روکنے کے لئے سڑک پر رسی تانی تھی کار کھڑی کر دی اور نیچے اتر کر اس نے ایک بڑا سا پتھر اٹھایا اور ہیڈ لائیٹ کے شیشے چکنا چور کر دیئے اور واپس لوٹنے کی تیاری کرنے لگا۔ لیکن وہ اپنی اس انتقامی کاروائی سے مطمئن نہیں تھا اچانک اسے ایک اور تدبیر سوجھی اس نے پٹرول کی ٹینکی کھول کر اس میں دیا سلائی دکھا دی اور دیکھتے ہی دیکھتے آگ کی لپٹوں نے پوری کار کو

اپنے نرغے میں لے لیا۔ انور کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

پھر وہ تیزی سے جھاڑیوں میں گھس گیا۔ اس کی موٹر سائیکل ایک طرف کھڑی تھی۔ چند لمحوں میں وہ تیزی سے شہر کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے وہ رسی بھی نہیں کھولی تھی۔ اس نے سوچا کہ اگر وہ رسی کھولے دیتا ہے تو پولیس والے کافی دردسری سے بچ جائیں گے۔ وہ دل ہی دل میں ہنس رہا تھا کیونکہ اس نے سراغ رسانی والوں کے لئے ایک اچھا خاصا معمہ مہیا کر دیا تھا۔ کا انسپکٹر آصف کی بوکھلاہٹ قابل دید ہو گی۔ پھر اچانک وہ چونک پڑا۔ آخر وہ لوگ تھے کون اور ا کہاں لے جانا چاہتے تھے۔ لیکن اب اس کے متعلق سوچنا ہی بیکار تھا اور پھر وہ اس واقعے کو ہر طر اپنے ذہن سے نکال دینے کی کوشش کرنے لگا جیسے اس کی کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔

وہ بہت زیادہ دور اندیشی کا قائل نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ دنیا کے بڑے سے بڑے حادثے کا مقابلہ صرف حاضر دماغی سے کیا جا سکتا ہے۔ منطقی دلائل اور دور اندیشی قطعی فضول چیزیں ہیں۔ دور اندیشی غلط راستے پر بھی لے جا سکتی ہے کیونکہ دور اندیشی کا تعلق مستقبل سے ہے اور مستقبل اندھیرے میں گم ہے۔ منطقی دلائل میں تفہیم کی بنیادی غلطی کے امکانات بھی ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا جب بنیاد ہی غلط ہو گی تو اس کیلئے دلائل اور جواز کیلئے سر مارنا دیوانگی کے علاوہ کچھ نہیں۔

اسی نظریئے کے تحت وہ ذہن کی ایسی تربیت کا حامی تھا جو انسان کو پیش آنے والے حادثا سے بجا طور پر نجات دلا سکے۔ اس تربیت کو اس نے حاضر دماغی کا نام دے رکھا تھا۔

وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ وہ شخص جو حاضر دماغ نہ ہو اسے زندہ رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ اسی طرح زندہ رہتا ہے جیسے تپ دق کا مریض ناکارہ اور بے کار۔

اس کے خیال کے مطابق پوری زندگی عظیم الشان مقابلہ تھی جس میں انسان آگے بھی بڑھ سکتا ہے اور دوڑنے والوں کے پیروں تلے روندا بھی جا سکتا ہے۔

تقریباً ڈیڑھ بجے وہ گھر پہنچا۔ فلیٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ کمرے کی روشنی باہر برآمدے پر پھیلی ہوئی تھی۔ انور کو تعجب ہوا کہ اس وقت اس کے کمرے میں اس کی عدم موجودگی میں کون بیٹھا ہوا ہے۔ پہلے اُسے خیال آیا کہ ممکن ہے رشیدہ ہو۔ لیکن پھر اس نے سوچا کہ وہ کب کی سو گئی ہو گی اور پھر فلیٹ کی کنجی خود اس کے پاس تھی۔ رشیدہ نے کمرہ کیسے کھول لیا۔ اس نے برابر والے فلیٹ کی کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو اندر نیلی روشنی دکھائی دی، جو اس بات پر دلالت کر رہی تھی کہ رشیدہ سو رہی ہے.... وہ بہت احتیاط سے اپنے فلیٹ میں داخل ہوا۔ اس کے لکھنے کی میز پر.... اس کی طرف پشت کئے ہوئے کوئی بیٹھا نہایت انہماک سے کچھ پڑھ رہا تھا۔ انور کے داخل ہونے

پر وہ مڑا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس کا انداز کچھ اتنا پُر اطمینان تھا جیسے وہ اپنے کمرے میں کسی مہمان کا استقبال کر رہا ہو۔ انور نے بھی اپنی عادت کے مطابق ذرہ برابر حیرت کا اظہار نہیں کیا۔

یہ ایک طویل القامت اور جاذب توجہ شخصیت کا آدمی تھا۔ چہرے پر سیاہ رنگ کی گھنی ڈاڑھی تھی جس کے متعلق انور نے فوراً ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ مصنوعی ہے۔ آنکھوں پر سرمئی رنگ کے شیشوں کا چشمہ تھا جس سے آنکھیں تقریباً چھپ گئی تھیں۔

"غالباً میں انور صاحب سے ملنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔" اس نے انتہائی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب....!" انور ایک قدم پیچھے ہٹ کر گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "تو کیا آپ.... میں خود انور صاحب کی تلاش میں آیا ہوں۔ کیا یہ ان کا مکان نہیں معاف کیجئے گا۔" انور کو اُلجھانے کے لئے مڑا۔

"ٹھہرو....!" اجنبی درشت لہجے میں بولا۔

انور رک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم بہت نڈر آدمی ہو۔" اجنبی اٹھتا ہوا بولا۔ "لیکن تم ہر ایک کو بے وقوف نہیں بنا سکتے۔"

"میں تم سے ہرگز نہیں پوچھوں گا کہ تم کون ہو۔" انور بے پروائی سے بولا۔ "خیریت اسی میں ہے کہ تم چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔ میں یہ بھی نہیں پوچھنا چاہتا کہ تم نے میرے فلیٹ کا تالا کیوں توڑا۔"

"یہ غلط ہے۔ میں نے فلیٹ کا تالا ہرگز نہیں توڑا۔" اجنبی نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔ "تمہاری دوست رشیدہ مجھے یہاں بٹھا کر چلی گئی ہے۔ غالباً وہ سوتے سوتے اٹھی تھی۔"

"خیر.... خیر....!" انور بیٹھتا ہوا بولا۔ "یہ شریف آدمیوں کے ملنے کا وقت نہیں۔"

"اچھا تو تم خود کو شریف سمجھتے ہو۔" اجنبی مسکرا کر بولا۔

"نہیں میں تمہاری شان میں قصیدہ پڑھ رہا تھا۔" انور بیزاری سے بولا۔

"خیر.... ہٹاؤ ہٹاؤ.... ان باتوں کو.... تم نے ہماری ایک اچھی خاصی کار برباد کر دی۔"

"اور جو میرا اچھا خاصا وقت برباد کیا تھا۔" انور نے کہا۔ "لیکن میں تم سے ہرگز یہ نہیں پوچھوں گا کہ تم کون ہو اور مجھے کیوں پکڑوانا چاہتے تھے۔"

"تم اتنے دلیر نہیں ہو جتنا ظاہر کرتے ہو۔" اجنبی نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"میں تم سے اس کے لئے کوئی سرٹیفکیٹ نہیں چاہتا۔" انور خشک لہجے میں بولا۔

"پھر فضول باتیں چھڑ گئیں۔" اجنبی نے کہا۔ "میں تم سے ایک سمجھوتہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا اسی وقت....!" انور نے کہا۔ "نہیں اب مجھے سو جانا چاہئے۔"

"تو کیا میں اس وقت یہاں جھک مارنے آیا ہوں۔" اجنبی جھلا کر بولا۔

"میں خود یہی سوچ رہا تھا۔"

"دیکھو انور....!" وہ تیز لہجے میں بولا۔ "یہ داراب کی خواہش ہے کہ تم اس سے سمجھوتہ کرلو۔"

"کون داراب....!" انور طنزیہ لہجے میں بولا۔ "وہی بزدل، جو کسی جاسوسی ناول کے ڈاکو کی طرح اپنی شخصیت کو پُراسرار بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں وہ کوئی بہت ہی معمولی آدمی کی جاسوسی ناولیں پڑھ پڑھ کر ڈاکو بنا ہے! میں اسے اتنی اہمیت نہیں دیتا کہ اس سے کسی قسم کا سمجھوتہ کروں۔ پولیس اس سے سمجھتی رہے گی۔ میں شیر کی کھال میں چھپی ہوئی لومڑیوں کو خوب پہچانتا ہوں۔"

اجنبی مسکراتا رہا۔ وہ شرارت آمیز نظروں سے انور کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تم داراب کو اچھی طرح سمجھ نہیں سکے۔"

"میں نے خوب اچھی طرح سمجھ لیا۔" انور بیزاری سے منہ بناتا ہوا بولا۔ "اگر وہ واقعی ایسا ہوتا تو ایسے ناکارہ آدمیوں کو میرے پکڑنے کے لئے نہ بھیجتا۔"

"لیکن اتنا یاد رکھو کہ وہ خود بہت خطرناک ہے۔"

"ہوگا! مجھے اس سے کیا؟"

"خیر چھوڑو۔ ہم پھر بہک گئے۔" اجنبی مسکرا کر بولا۔ "داراب دراصل یہ چاہتا ہے کہ تم اس کے معاملات میں دخل نہ دو۔"

"میں خواہ مخواہ کسی کے معاملات میں دخل نہیں دیتا۔"

"لیکن تم ایک معاملے میں دخل دینے پر مجبور ہو جاؤ گے۔"

"اگر یہ بات ہے تو پھر دنیا کی کوئی قوت مجھے اس سے باز نہ رکھ سکے گی۔"

"اس سمجھوتے کے سلسلے میں تم جتنی رقم چاہو طلب کر سکتے ہو۔" اجنبی اُس کی بات پر دھیان دیئے بغیر بولا۔

"شش....!" انور سنجیدگی سے بولا۔ "اس قسم کی رقمیں صرف ان مجرموں سے

کرتا ہوں جو خود کو قانون کا محافظ کہتے ہیں۔"

"جانتے ہو تمہاری ضد کا کیا انجام ہوگا۔" وہ انور کو تیز نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔

"موت....!" انور مسکرا کر بولا۔ "اور میں عرصے سے اس کی تلاش میں ہوں۔"

"تم ابھی بچے ہو۔" اجنبی بزرگانہ انداز میں بولا۔ "تم جیسے لوگوں کے لئے داراب اچانک موت نہیں پسند کرے گا۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ تمہاری زندگی کو جہنم ضرور بنا دے گا۔"

"تو میں زندگی کو جنت کب سمجھتا ہوں۔"

اجنبی خاموش ہو کر اُسے گھورنے لگا۔

"تو بہرحال تم انکار کر رہے ہو۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

"قطعی....!"

"تم شاید سچ مچ داراب کو معمولی سمجھتے ہو۔" اجنبی اٹھتا ہوا بولا۔ "خیر اگر تم داراب کی قوت کا اندازہ لگانا چاہتے ہو تو کل شام کو پلازا تھیٹر ضرور جانا۔"

"اگر تم چیلنج کر رہے ہو تو ضرور آؤں گا۔" انور مسکرا کر بولا۔

"یہ چیلنج نہیں بلکہ دعوت ہے۔" اجنبی نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

اس کے جانے کے بعد انور روشنی گل کر کے سونے کے کمرے میں چلا گیا۔

نئی مصیبت

دوسرے دن صبح انور اپنے نشست کے کمرے میں کوئی چیز تلاش کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے رشیدہ کو پے در پے آوازیں دینا شروع کیں۔

"کیا ہے۔" رشیدہ کمرے میں داخل ہو کر جھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"میری ڈائری۔"

"میں کیا جانوں۔"

"یہیں تو تھی۔"

"رہی ہوگی۔ میں کوئی ٹھیکیدار ہوں۔" رشیدہ تنک کر بولی۔

"اے رشیدہ۔"

"اے انور.....!"

"میں تمہارے کان اکھاڑ دوں گا۔"

"میں تمہاری ناک اکھاڑ دوں گی۔"

انور خاموش ہو کر اُسے گھورنے لگا۔

"تم نے رات میرا کمرہ کیسے کھولا تھا۔" انور نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"کنجی سے۔"

"مگر کنجی تو میرے پاس تھی۔"

"میں ہمیشہ تمہارے فلیٹ کی ایک کنجی اپنے پاس رکھتی ہوں۔"

"لیکن تم نے رات کمرہ کھولا ہی کیوں تھا۔"

"نہ کھولتی تو کیا اپنی نیند خراب کرتی۔ وہ اڑیل ٹٹو تھا کون۔"

"تمہارے سالے زاد نانا کا چچا۔" انور ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "میں پوچھتا ہوں تم نے کمرہ کیوں کھولا تھا۔"

"وہ کہہ رہا تھا کہ میں بار جے پر بیٹھ کر انتظار کروں گا۔ میں سمجھی کہ کوئی خاص آدمی ہے اس لئے میں نے کمرہ کھول دیا۔"

"میرے صندوق سے پانچ ہزار روپے غائب ہو گئے ہیں۔ اس کی ذمہ دار تم ہو۔"

"پانچ ہزار.....!" رشیدہ قہقہہ لگا کر بولی۔ کبھی خواب میں بھی دیکھے تھے۔

"چپ رہو۔" انور تیز لہجے میں بولا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ کسی دن تمہاری ہی وجہ سے میری گردن کٹ جائے گی۔"

"مجھے اس دن بڑی خوشی ہو گی۔ آخر بتاتے کیوں نہیں کہ کیا بات ہوئی۔"

"بیٹھ جاؤ۔" انور کرسی کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔

رشیدہ بیٹھ گئی۔ انور کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

"بھئی ابھی دفتر بھی جانا ہے۔" رشیدہ اکتا کر بولی۔

"ہوں.....!" انور اُسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ "ہمیں کسی نئے حادثے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ میری ڈائری کا اس طرح غائب ہو جانا کسی نئی مصیبت کا پیش خیمہ معلوم ہوتا ہے۔"

"پھر انور نے اُسے گذشتہ رات کے سارے واقعات بتا دیئے۔"

"اور تم نے وہ کار سچ مچ جلا دیا۔" رشیدہ نے حیرت سے کہا۔

"ہاں..... اور مجھے افسوس ہے کہ میں اس کے دوسرے ساتھی کو بھی زخمی نہ کر سکا۔"

"تم بعض اوقات سچ مچ بالکل جنگلی ہو جاتے ہو۔" رشیدہ نے کہا۔

"میں نے تمہیں یہ واقعہ اس لئے نہیں بتایا کہ تم اخلاقیات پر ایک لیکچر دے ڈالو۔"

انور نے بیزاری سے کہا۔ "کہنے کا یہ مطلب ہے کہ ذرا ہوشیاری سے رہنا۔"

"تو کیا سچ مچ تم داراب سے الجھنے کا ارادہ رکھتے ہو۔"

"ہاں میں نے اس کا تہیہ کر لیا ہے اگر میری ڈائری غائب نہ ہوئی ہوتی.....!"

"تو کیا ڈائری وہی لے گیا ہے، جو کل رات کو آیا تھا؟" رشیدہ نے پوچھا۔

"میں یہی سوچنے پر مجبور ہوں۔"

"میری رائے ہے کہ تم اس جھگڑے میں مت پڑو۔" رشیدہ نے کہا۔

"میں تم سے رائے نہیں طلب کر رہا ہوں۔" انور خشک لہجے میں بولا۔

"اچھا یہ بتاؤ کہ داراب وہی تھا جو کل رات کو آیا تھا۔"

"میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔" انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اس نے نہایت عجیب و غریب طریقوں سے شہر میں وارداتیں کی ہیں۔ محکمہ سراغ رسانی والوں کے پاس اس کا کوئی ریکارڈ نہیں۔ میرا خیال ہے کہ خود اس کے گروہ سے تعلق رکھنے والوں کو بھی اس کا علم نہ ہو گا کہ داراب کون ہے۔"

"آدمی خطرناک معلوم ہوتا ہے۔" رشیدہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "اخباروں میں بھی اس کا تذکرہ رہتا ہے۔"

"اتنا خطرناک بھی نہیں جتنا ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ اس طرح اپنی پبلسٹی کرا رہا ہے..... خود کو ہوا بنانے کی کوشش میں مشغول ہے۔ یہ طریقہ بہت دلچسپ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ دنوں کے بعد پولیس والے اس سے خوف کھانے لگیں گے۔"

"لیکن وہ تمہیں خواہ مخواہ کیوں چھیڑ رہا ہے۔"

"یہ بھی اس کی ایک چال ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں بھی اس کا سراغ نہ لگا سکوں گا۔ اس لئے مجھے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کی دانست میں اگر میں بھی ناکام رہا تو ساکا دھاک بیٹھ جائے گی۔ اگر اُسے مجھے اپنے راستے سے ہٹانا ہی ہوتا تو وہ مجھے قتل کرا دیتا۔"

"کیوں قتل کیسے کرا دیتا۔"

"ارے یہ بھی کوئی مشکل کام ہے۔ اگر وہ دونوں چاہتے تو کل رات ہی کو مجھے ختم کر دیتے۔

ظاہر ہے کہ وہ قتل سے ہچکچاتا نہیں ہے کیونکہ اسی شہر میں کئی ایسے قتل ہوئے ہیں جو اسی کی ذا
سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ قطعی غلط ہے کہ وہ مجھ سے کسی قسم کا سمجھوتہ کرنا چاہتا ہے
"واہ یہ بھی عجیب بات ہے۔"
"بہرحال تمہیں ہر طرح ہوشیار رہنا چاہئے۔ میں نے اس خرگوش کو اس کے اصلی رو
میں ظاہر کرنے کا تہیہ کر لیا ہے۔"
"تم جانو اس معاملے میں تو تمہیں شاید کچھ روپیہ بھی نہ مل سکے۔"
"مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ میں تو اسے اس چھیڑ چھاڑ کا مزہ چکھانا چاہتا ہوں۔"
"اب دیکھو اس جلی ہوئی موٹر کا پولیس کیا اسکینڈل بناتی ہے۔" رشیدہ نے کہا۔
"آج انسپکٹر آصف کا حلیہ دیکھنے کے قابل ہوگا۔" انور مسکرا کر بولا۔
"وہ تو سب ٹھیک ہے۔ لیکن درزی آج پھر تقاضا کر رہا تھا آخر تم اس کو بل کب ادا
گے۔" رشیدہ نے کہا۔
"اوہ.... تم واقعی اس وقت بہت حسین معلوم ہو رہی ہو۔"
"میرے پاس اب ایک پائی بھی نہیں ہے۔" رشیدہ منہ بنا کر بولی۔
"اس کے باوجود بھی تم آج اچھی لگ رہی ہو۔"
"میں سچ کہتی ہوں کہ ایک پیکٹ سگریٹ کے دام بھی نہ نکال سکوں گی۔"
"تب تو پھر مجھے اپنے ہی حسن کی تعریف کرنی پڑے گی۔" انور بے بسی کا اظہار کرتا ہوا
رشیدہ تُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔
"خیر یہ لو۔" اس نے کنجیوں کا لچھا رشیدہ کی گود میں پھینک دیا۔ "جا کر نیلے صندوق
روپے نکال لو۔ درزی کا بل بھی ادا کر دینا اور میرے لئے سگریٹ بھی لیتی آنا۔"
"میں نہیں جاتی۔"
"دوڑ جاؤ.... شاباش....!" انور نے کہا اور میز پر سے ایک کتاب اٹھا کر پڑھنے لگا۔
رشیدہ منہ بناتی ہوئی چلی گئی۔ انور نے کتاب رکھ کر اخبار کے لئے جاسوسی ناول کی قسط
شروع کر دی۔ چند لمحوں کے بعد وہ یہ بھی بھول گیا کہ وہ تھوڑی دیر قبل اپنی ڈائری ڈھونڈ رہا
وہ تقریباً ایک گھنٹے تک لکھتا رہا۔ اس دوران میں رشیدہ اس کی میز پر سگریٹ کا پیکٹ رکھ کر چلی
لیکن اسے خبر نہ ہوئی۔
تقریباً ۰ بجے وہ پھر آئی۔

"ارے بھئی دفتر چلنا ہے یا نہیں۔"
"اوں....!" انور چونک کر بولا۔ "ضرور ضرور.... ارے آج میں نے ناشتہ بھی نہیں
کیا.... تم کر چکیں کیا؟"
"دیکھو خواہ مخواہ مجھے غصہ نہ دلاؤ۔ میں کبھی تنہا ناشتہ کرتی ہوں کہ آج ہی کر لیتی۔"
"چہ چہ.... تمہیں مجھ سے کہنا چاہئے تھا۔"
"میں تم سے کیا کہا کروں....!" رشیدہ جھلا کر بولی۔ "مجھے ڈر ہے کہ کسی دن مجھے تم سے یہ
بھی نہ کہنا پڑے کہ دیکھو گڈے میاں تمہارے منہ سے رال بہہ رہی ہے۔"
"میں سچ کہتا ہوں رشیدہ نہ جانے کیوں تمہارے سامنے بچہ بن جانے کو دل چاہا کرتا ہے۔"
انور نے کہا۔
"اچھا بس بس بیکار باتیں بند۔" رشیدہ نے تیز لہجے میں کہا۔ "اٹھ کر کپڑے پہنو۔"
انور نے پنسل میز پر پٹخ دی اور اٹھ کھڑا ہوا۔
"آج تم نے شیو بھی نہیں کیا۔"
"ٹالو بھئی، روزانہ شیو کرنے سے ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے۔" انور نے کہا۔
"پھر وہی فضول باتیں، تمہیں شیو کرنا ہی پڑے گا۔"
"ارے تم تو جان کو آ جاتی ہو۔"
"چلو شیو کرو۔" رشیدہ تحکمانہ لہجے میں بولی۔
انور منہ سکوڑتا ہوا غسل خانے میں چلا گیا۔ رشیدہ میز پر بکھری ہوئی کتابیں درست کرنے لگی۔
گھر سے نکل کر دونوں نے ایک ریستوران میں ناشتہ کیا اور دفتر کی طرف روانہ ہو گئے۔
تقریباً دو بجے وہ دونوں لنچ کیلئے دفتر سے نکل رہے تھے کہ سامنے انسپکٹر آصف آتا دکھائی دیا۔
"دیکھا تم نے۔" انور رشیدہ کی طرف معنی خیز انداز میں دیکھ کر بولا۔
آصف ان دونوں کے قریب آ کر رک گیا۔ وہ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ وہ چند
لمحوں تک انور کو خاموشی سے گھورتا رہا پھر اچانک بولا۔
"تم کل رات کہاں تھے۔"
"ایک یتیم خانے کے لئے چندہ اکٹھا کرتا پھر رہا تھا۔" انور نے جواب دیا۔
"اڑنے کی کوشش نہ کرو۔ اس بار تم بُری طرح پھنس گئے۔"
"اور میں اچھی طرح کب پھنستا ہوں۔"

"یہ تمہاری ڈائری ہے۔" آصف نے جیب سے ایک چھوٹی سی نوٹ بک نکالتے ہوئے کہا۔

"دیکھوں....!" انور نے ہاتھ بڑھا کر ڈائری اس کے ہاتھ سے لے لی اور اس کے اوراق الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

"ہاں ہے تو میری ہی۔" انور نے کہا اور ڈائری کو اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔

"لاؤ لاؤ ڈائری مجھے واپس کر دو۔" آصف جلدی سے بولا۔

"کیوں....!"

"اس کا تعلق ایک کیس سے ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے تم آج زیادہ پی گئے ہو۔" انور نے کہا۔ "ایک تو تم نے یہی جرم کیا کہ میرے کمرے سے چرا لائے اور پھر اب خواہ مخواہ دھونس جمانے آئے ہو۔"

"دیکھو میں کہتا ہوں، ڈائری واپس کر دو۔"

"کیسی ڈائری۔" انور سنجیدگی سے بولا۔ "تم نے اس ماہ میں ابھی تک میرا حق نہیں ادا کیا مجھے سو روپیوں کی سخت ضرورت ہے۔"

"فضول بکواس مت کرو اب مجھ پر اس قسم کی دھونس نہیں پڑ سکتی۔ میں نے وہ قمار خانہ بند کرا دیا جس کی دھمکی دے کر تم مجھ سے روپے وصول کر لیا کرتے تھے۔"

"سنو بھائی انسپکٹر صاحب.... اگر تم ایک در بند کرتے ہو تو میں ہزار در کھول لیتا ہوں میرے پاس اس کا کافی ثبوت موجود ہے کہ سیٹھ داؤد بھائی تمہاری دانست میں ہزاروں روپے لوہے کی چور بازاری کر رہا ہے تم نے ابھی حال ہی میں ایک ماخوذ مجرم کو امریکہ کا ویزا دلا کر یہ سے نکال دیا ہے۔ اس موقعے کی تصویر تک پیش کر سکتا ہوں جب تم ایک دیہاتی لڑکی کو خرید کے لئے ٹھونک بجا کر دیکھ رہے تھے۔"

آصف گھبرائے ہوئے انداز میں انور کی طرف دیکھنے لگا۔

"اگر کہو تو دو ایک باتیں اور گنوا دوں۔" انور مسکرا کر بولا۔

"تم زیادہ دیر تک اپنی ان حرکتوں کو جاری نہ رکھ سکو گے۔" آصف تنفر آمیز انداز میں بولا۔ "مستقبل کی تو میں جوتے کی نوک کے برابر بھی پرواہ نہیں کرتا۔ مجھے تو آج سو روپوں ضرورت ہے۔"

"تم مجھ سے اب ایک پائی بھی نہیں لے سکتے۔" آصف بگڑ کر بولا۔

"عجیب احمق آدمی ہو یہاں شور مت مچاؤ۔ چلو کسی ریستوران میں بیٹھ کر معاملہ طے کر لیں

گے۔" انور نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

انور، آصف اور رشیدہ ایک ریستوران میں آ بیٹھے۔

"تو تم دوپہر کا کھانا کھا ہی چکے ہو گے۔" انور شرارت آمیز لہجے میں بولا۔

آصف نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن وہ اسے غصہ بھری نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

"خیر چائے تو پیو گے۔" انور نے کہا اور بیرے کو بلا کر کھانے اور چائے کا آرڈر دیا۔

"جانتے ہو مجھے تمہاری ڈائری کہاں سے ملی تھی۔" آصف نے کہا۔

"جانتا ہوں کہ تم کوئی حیرت انگیز جھوٹ بولنے والے ہو۔" انور نے کہا۔

"جھوٹ....!" آصف اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"نہیں بھئی سچ....!" انور اکتا کر بولا۔ "کچھ کہو گے بھی۔"

"جھریالی کے سنسان علاقے میں رات ایک کار میں آگ لگ گئی۔" آصف اُسے تیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"ارے....!" انور چونک کر بولا۔ "اچھا اب میں اپنی ڈائری کو منع کر دوں گا۔ اس قسم کی حرکتیں نہ کیا کرے۔"

"انور....!" آصف کے لہجے میں سختی آ گئی۔

انور سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"کار کو راستے میں رسی حائل کر کے روکا گیا تھا اور پھر اسے توڑ پھوڑ کر اسمیں آگ لگا دی گئی۔"

"لیکن پھر میں کیا کروں۔" انور بولا۔

"اور اُس جلی ہوئی کار میں ایک لاش....!"

"لاش....!" انور چونک کر بولا۔

"ہاں! اور موٹر کے قریب تمہاری ڈائری پڑی پائی گئی ہے۔"

انور ہنسنے لگا اور رشیدہ فکر آمیز انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگی۔ بھلا یہ بھی کوئی ہنسنے کا موقعہ تھا۔ ایسی حالت میں تو انور کو ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہو جانا چاہئے تھا۔ رشیدہ سوچنے لگی کہ آخر انور نے اُس لاش کے متعلق کیوں نہیں بتایا تھا اور سچ مچ یہ بڑی الجھن کی بات ہو گئی کہ وہیں پر انور کی ڈائری بھی پائی گئی۔

"اور کچھ....!" انور معنی خیز انداز میں مسکراتا ہوا بولا۔ "میری پتلون کا پائنچہ اور جوتے کا سول بھی وہیں ملا ہو گا۔"

"مجھے تمہیں حراست میں لینا پڑے گا۔" آصف بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"تمہارے انداز سے سچ مچ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے تم نے یہ ساری باتیں انتہائی سنجیدگی سے کی ہوں۔" انور نے کہا۔

آصف اُسے قہر بھری نگاہوں سے گھورنے لگا۔

"اگر تم واقعی یہ سب کچھ سنجیدگی سے کہہ رہے ہو تو پھر وہاں میری ڈائری کا پایا جانا سچ مچ حیرت انگیز ہے۔" انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"ڈائری خود بخود تو وہاں پہنچ نہیں سکتی۔" آصف تلخ لہجے میں بولا۔

"یہی میں بھی سوچ رہا ہوں۔" انور آہستہ سے بولا۔ "تو میرا خیال ہے کہ میری ڈائری رات ہی کو کسی نے گھر سے غائب کر دی تھی۔ میں آج صبح اسے تلاش کر رہا تھا۔"

"تو گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ کوئی تمہیں پھنسانے کی کوشش کر رہا ہے۔" آصف نے کہا۔

"اس کے علاوہ میں اور سوچ ہی کیا سکتا ہوں۔"

"کوئی مجرم آسانی سے اقبالِ جرم نہیں کر لیتا۔"

"مجرم....!" انور سنجیدگی سے بولا۔ "انور کو اتنی آسانی سے مجرم بنا دینا ہنسی کھیل نہیں ہے انسپکٹر صاحب۔"

"میں سچ کہتا ہوں کہ اس بار تمہاری دھمکیاں کارگر نہ ہو سکیں گی۔" آصف نے کہا "مجھے تم سے ہمدردی ہے تمہاری شرارت پسند طبیعت کے باوجود بھی مجھے تم سے اُنس تھا۔ مگر اس بار میں مجبور ہوں۔"

انور نے ایک طنز میں ڈوبا ہوا قہقہہ لگایا۔

آصف دانت پیس رہا تھا۔ اگر اس کا بس چلتا تو وہ اسے خود ہی پھانسی دے دیتا۔

"لاؤ وہ ڈائری مجھے واپس کر دو۔" آصف کڑوے لہجے میں بولا۔

"کیسی ڈائری.... کون سی ڈائری؟ خواب تو نہیں دیکھ رہے ہو۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔

"ان سب باتوں سے کام نہیں چلے گا۔ اس کا اندراج کاغذات میں ہو چکا ہے۔"

"ہوا میں اڑ رہے ہو شاید....!" انور مسکرا کر بولا۔

"اب مجھے سختی کرنی پڑے گی۔" آصف جھنجھلا کر بولا۔

"میں پولیس والوں سے ہاتھا پائی کرنے کو کمینہ پن سمجھتا ہوں۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔

"اگر تم سیدھی طرح نہ دو گے تو میں یہیں سب کے سامنے تمہاری جامہ تلاشی لوں گا۔"

آصف بولا۔

"شوق سے۔" انور نے مسکرا کر کہا۔ "میں سرکاری آدمیوں کے کام میں حارج ہونے کو جرم سمجھتا ہوں۔"

انور اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔ آصف نے اس کی جامہ تلاشی لی اور نڈھال ہو کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ اسکے چہرے پر ندامت، غصے اور نفرت نے عجیب طرح کے آثار پیدا کر دیئے تھے۔

"بس....!" انور اُسے گھورتا ہوا بولا۔ "تم نے بھرے مجمعے میں خواہ مخواہ میری توہین کی ہے۔ اسے اچھی طرح یاد رکھنا۔"

"میں کہتا ہوں ڈائری....!"

"ڈائری نہیں ڈیری۔ روزانہ تازہ اور خالص دودھ پیا کرو۔ اس سے دماغی توازن درست رہتا ہے۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔

"بیکار.... فضول.... تم بچ نہیں سکو گے۔" آصف بے بسی سے بولا۔

"تم جیسا احسان فراموش بھی میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ تمہارے لئے میں نے کتنے پاپڑ بیلے ہیں۔" انور نے کہا۔

"وہ اپنی جگہ پر.... اس وقت میں اپنے فرائض کی انجام دہی پر مجبور ہوں۔"

"تو میں نے تمہیں کب روکا ہے۔ تم شوق سے مجھے گرفتار کر سکتے ہو۔ مگر میرا جرم....!"

"قتل اور آتش زنی....!" آصف اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"یعنی میں نے ایک آدمی کو قتل کر کے اس کی کار میں آگ لگا دی۔"

"اب یہ مجھ سے پوچھ رہے ہو۔" آصف بیزاری سے بولا۔

"اور پھر میں اس لئے وہاں اپنی ڈائری چھوڑ آیا کہ مرنے والا تنہائی کا احساس کم کرنے کے لئے اس کا مطالعہ کرے۔"

"نہیں وہ جلدی اور گھبراہٹ میں تمہاری جیب سے گر گئی تھی۔"

"خیر.... خیر.... اس بے چارے کی لاش تو جل بھن گئی ہو گی۔ شاید صورت بھی نہ پہچانی جا سکے۔" انور نے کہا۔

"نہیں یہی تو حیرت کی بات ہے کہ اسکے کپڑے تک نہیں جلے۔" آصف جلدی سے بولا۔

انور نے قہقہہ لگایا اور حقارت آمیز انداز میں آصف کی طرف دیکھنے لگا۔

آصف پھر اس کی حرکت پر جھنجھلا اٹھا۔

"تو بہر حال یہ انور کی حرکت ہے۔" انور نے کہا۔

"قطعی....!" آصف خود اعتمادی کے ساتھ سر ہلا کر بولا۔

"بھلا میں نے اُسے قتل کس طرح کیا اور کار میں آگ لگانے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ جب کہ لاش ہی نہ جل سکی۔ آگ لگانے کا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ لاش پہچانی نہ جا سکے۔ لیکن تم کہتے ہو کہ مقتول کے کپڑے تک نہیں جلے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ کار کے جل جانے کے بعد لاش اس میں ڈالی گئی۔"

"تم آخر کہنا کیا چاہتے ہو۔" آصف نے کہا۔

"یہی کہ تم خواہ مخواہ میرے پیچھے پڑ کر اپنا وقت برباد کرو گے۔"

"یہ تمہارا اپنا خیال ہے۔" آصف بیزاری سے ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

انور اور رشیدہ کھانا کھا چکے تھے۔ اس کے بعد چائے کا دور شروع ہوا جس میں طوعاً و کرہاً آصف کو بھی شریک ہونا پڑا۔

"لاش کس کی ہے۔" انور نے پوچھا۔

"یہ تم مجھ سے بہتر جان سکتے ہو۔" آصف نے کہا۔

"آپ کیوں خواہ مخواہ انور کو پھانسنے کی کوشش کر رہے ہیں۔" رشیدہ جھلا کر بولی۔

"تم انور کو اتنا شریف کیوں سمجھتی ہو۔" آصف مسکرا کر بولا۔

"اس لئے کہ وہ شریفوں کی بخیہ ادھیڑتا رہتا ہے۔" رشیدہ منہ بنا کر بولی۔

"تم مت بولو بھئی۔" انور رشیدہ کو پیار بھری آنکھوں سے دیکھتا ہوا بولا۔ پھر آصف کو مخاطب کر کے کہا۔ "آخر وہ آدمی ہے کون۔"

آصف نے ایک تصویر نکال کر میز پر ڈال دی۔ انور کو اگر اپنی طبیعت پر قابو نہ ہوتا تو وہ شدت سے چونک پڑا ہوتا۔ رشیدہ بھی انور کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ دیکھ کر سنبھل گئی۔ اُسے آصف کے سر کے بل کھڑے ہو جانے پر اتنی حیرت نہ ہوتی جتنی کہ اس تصویر کو دیکھ ہوئی۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔" انور نے کہا۔

"وہ تو تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔" آصف نے تصویر کو جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ "میں پھر کہتا ہوں کہ ڈائری مجھے واپس دے دو۔ ورنہ اچھا نہ ہوگا۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" انور جھلا کر بولا۔ "جامہ تلاشی لے چکنے پر بھی تمہاری تشفی نہیں ہوئی۔"

"خیر خیر۔" آصف اٹھتا ہوا بولا۔ "تمہیں جلد ہی اس کے لئے جواب دہ ہونا پڑے گا۔"

انور کے جواب کا انتظار کئے بغیر وہ ریستوران سے چلا گیا۔

رشیدہ حیرت سے انور کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ انور نے آنکھ کے اشارے سے اُسے روک دیا۔

پھر وہ دونوں ریستوران سے نکل کر آفس کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے بھر خاموشی رہی۔ انور محسوس کر رہا تھا کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔

آفس پہنچ کر اس نے رشیدہ کو اپنے کمرے میں چلنے کے لئے کہا۔ رشیدہ بہت زیادہ بے چین نظر آ رہی تھی۔

"وہ تصویر.... یعنی.... کہ وہ....!" رشیدہ اٹک اٹک کر بولی۔

"اسی آدمی کی تھی جو کل رات کو مجھ سے ملنے آیا تھا۔" انور نے جملہ پورا کر دیا۔

"اور وہی میری ڈائری بھی لے گیا تھا۔"

"اور ڈائری کیا ہوئی۔"

"وہ میں نے اُسی وقت ایک زمین دوز گندے نالے میں ڈال دی تھی جب آصف کے ساتھ ریستوران جا رہے تھے۔" انور بولا۔

"ارے....!"

"ہاں اور اب تک پانی کے بہاؤ نے اس کے پرخچے اڑا دیئے ہوں۔"

اسٹیج کی واردات

"سنو انور....!" رشیدہ سنجیدگی سے بولی۔ "مجھے ایسی زندگی سے پیار ضرور ہے لیکن میں یہ کبھی نہیں چاہتی کہ ہم لوگ قانون کی نظروں میں مجرم بنیں۔"

"وہ تو زبردستی بننا پڑا۔ بھلا اس میں میرا کیا قصور....!"

"تم سب کچھ آصف سے بتا کیوں نہیں دیتے۔"

"عورت ہمیشہ عورت ہی رہے گی۔ خواہ وہ کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر جائے۔ جانتی ہو کہ اس کا انجام ہوگا وہ مستقل طور پر میرے پیچھے پڑ جائے گا۔ لیکن رشیدہ میں نے تمہیں کبھی اس بات پر

مجبور نہیں کیا کہ تم ہر معاملے میں میرا ساتھ دیا کرو۔"

"تم غلط سمجھے ہو۔ تمہاری بھلائی کے لئے کہہ رہی تھی۔"

"میں اپنی بھلائی کو عرصہ ہوا دفن کر چکا ہوں۔" انور سنجیدگی سے بولا۔ "میں مریضوں کی طرح زندہ نہیں رہنا چاہتا۔ دنیا کی بہتی ہوئی دولت میں میرا بھی حصہ ہے۔"

رشیدہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموشی سے انور کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی۔

"میں سمجھتا ہوں کہ تم زندگی کی یکسانیت سے اکتا گئی ہو۔ تمہارا عورت پن جاگ اٹھا ہے اپنی جنس کی فطرت کے مطابق تمہیں زندگی میں ہر لحظہ تبدیلی بھی چاہئے اور سکون بھی۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم اپنی پچھلی زندگی کی یکسانیت سے اکتا کر میری طرف بھٹک آئیں تھیں اور اب پھر اس زندگی میں لوٹ جانا چاہتی ہو۔ مجھے ذرہ برابر بھی اس کا افسوس نہ ہوگا۔"

"تم نہ جانے کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔" رشیدہ نے منہ بنا کر کہا۔

"میں وہی کہہ رہا ہوں جو تمہارے دل میں ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے دوست اور رہیں گے لیکن اب ہم دونوں کی راہیں مختلف ہو جانی چاہئیں۔"

"کیوں....؟"

"میں نہیں چاہتا کہ تمہیں کسی قسم کا نقصان پہنچے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"واراب بہت ہی اوچھی طبیعت کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔" انور نے کہا۔ "بہر حال اس سے بھڑنا بھی پڑے گا۔"

"میں تمہیں اس کی رائے نہیں دوں گی۔"

"تو میں نے تم سے مشورہ کب مانگا ہے۔"

"جو میں کہوں گی تمہیں وہی کرنا پڑے گا۔" رشیدہ تیز لہجے میں بولی۔

"فضول بکواس نہیں، جاؤ اپنا کام کرو۔"

"اگر تم نے میرا کہنا نہ مانا تو....!"

"تم مجھ سے شادی کر لو گی۔" انور نے جملہ پورا کر دیا۔

رشیدہ اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورنے لگی۔

"میں آصف کو سب کچھ بتا دوں گی۔"

"بتا دو....! میں اُسے ایک بوڑھا بچہ سمجھتا ہوں۔ اگر میں ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوا ہوتا تو؟

پہلی اولاد آصف ہی کے برابر ہوتی۔"

"دیکھو اس سلسلے کو مذاق میں مت ڈالو۔" رشیدہ نے کہا۔

"تم یہاں سے جاتی ہو یا کان پکڑ کر نکال دوں۔"

"دیکھو انور میں کسی دن تمہاری کھال اتار دوں گی۔" رشیدہ نے کہا اور پیر پٹختی ہوئی باہر چلی گئی۔

انور دوسرے دن کے اخبار کے لئے اپنی رپورٹیں مکمل کرنے لگا۔ رات والے حادثے کو اس نے آصف کے بیان کے مطابق لکھا۔

تھوڑی دیر بعد ایک چپڑاسی اندر آکر اس کی میز پر ایک لفافہ رکھ گیا۔ انور لکھنے میں مشغول تھا۔ کام ختم کرنے کے بعد اس نے لفافہ اٹھا کر کھولا.... اس میں پلازا تھیٹر کے آرکسٹرا کے دو ٹکٹ تھے۔ انور کو رات والے پُر اسرار اجنبی کی دعوت یاد آگئی۔ اس نے اُسے آج پلازا تھیٹر کے شو کی دعوت دی تھی۔ مگر آصف کے بیان کے مطابق وہ قتل کر دیا گیا تھا۔ پھر یہ کیا معمہ ہے۔

انور نے گھنٹی بجا کر چپڑاسی کو اندر بلایا۔

"یہ لفافہ کون لایا تھا۔"

"میں انہیں پہچانتا نہیں۔"

"کوئی قاعدے کا آدمی تھا۔"

"جی ہاں ایک بہت نفیس کار پر آئے تھے۔"

"حلیہ کیا تھا۔"

"سیاہ ڈاڑھی۔ رنگ گورا ناک کے نتھنے کے پاس بڑا سا ابھرا ہوا تل تھا۔ سرمئی رنگ کا سوٹ پہنے ہوئے تھے۔"

"ہوں....!" انور نے اسے جانے کا اشارہ کیا اور کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

چپڑاسی نے جو حلیہ بتایا تھا وہ اسی آدمی کا تھا جس کی تصویر آصف نے اسے دکھائی تھی اور جو پچھلی رات کو انور سے اس کے گھر پر ملا تھا۔ انور سوچتا رہا۔ پھر تھوڑی دیر بعد اس کے چہرے پر کراہٹ پھیل گئی۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ چار بج رہے تھے۔ اس نے سب کاغذات ایڈیٹر کے کمرے میں بھجوا دیئے اور خود اپنے کمرے سے نکل آیا۔ دوسرے کمرے میں رشیدہ بیٹھی ٹائپ کر رہی تھی۔ وہ اس کی پشت پر جھک گیا۔

"اب ختم بھی کرو یہ سلسلہ، کیا گھر نہیں چلنا ہے۔" انور نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں میرا راستہ الگ ہے۔" رشیدہ نے سر اٹھائے بغیر کہا۔

"یعنی آج دوسرے راستے سے گھر جاؤ گی۔"

"تم سے مطلب.....!"

"نہیں مجھ سے کوئی مطلب نہیں۔" انور منہ سکوڑ کر بولا۔ "میں تو اس لئے کہہ رہا تھا کہ تمہیں خواہ مخواہ کوئی سواری کرنی پڑے گی۔"

اور پھر انور اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر آفس سے چلا آیا۔ اپنی موٹر سائیکل نکالی اور سیدھا کوتوالی کی طرف روانہ ہو گیا۔ لیکن اُسے اس بات پر حیرت ہوئی کہ کوتوالی میں کسی نے اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی۔

آصف کوتوالی ہی میں موجود تھا۔ انور کو دیکھتے ہی جھلا گیا۔

"کیوں! یہاں کیوں آئے ہو۔"

"مجھے آپ سے یہ پوچھنے کا حق نہیں، میں ایک اخبار کا کرائم رپورٹر ہوں اور اس کے باقاعدہ لائسنس رکھتا ہوں۔" انور مسکرا کر بولا۔

"بہت اچھا! یہاں یہ مشورہ ہی ہو رہا تھا کہ تمہیں شبے میں گرفتار کر لیا جائے۔" آصف نے کہا۔

"میں گرفتار ہی ہونے کے لئے آیا ہوں۔" انور نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "میں ذرا وہ صورتیں دیکھنا چاہتا ہوں جو میری گرفتاری کے متعلق مشورہ کر رہی تھیں۔"

"دیکھو برخوردار یہ انگلینڈ کی پولیس نہیں ہے۔ یہاں اقبال جرم کرانے کا جو طریقہ برتا جاتا ہے اس سے تم واقف ہو۔" آصف نے کہا۔

"میں اچھی طرح جانتا ہوں آصف صاحب! ذرا وہ طریقہ اختیار کر کے دیکھئے۔"

"صاحب زادے ہو۔" آصف مسکرا کر بولا۔ "یہ کہو میں نے اس ڈائری کو اپنے ہی تک محدود رکھا ورنہ آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جاتا۔"

"تم نے یہ کہہ کر میرا دل جیت لیا میرے پیارے محبوب۔" انور رومانٹک انداز میں بولا۔

آصف نے نفرت سے منہ پھیر لیا اور انور کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"پلازا تھیٹر چل رہے ہو۔" انور نے پوچھا۔

دفعتاً آصف چونک پڑا۔

"کیا مطلب! تمہیں کیسے معلوم ہوا۔" آصف اسے تحیر آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ انور سوچ میں پڑ گیا کہ آصف کے اس رویے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔

"دنیا کی کونسی ایسی بات ہو سکتی ہے جس سے مجھے واقفیت نہ ہو۔"

آصف اُسے گھورنے لگا۔

"پلازا کے منیجر سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ ٹکٹ اس نے نہیں بھیجے۔ لیکن وہ آج ہی خریدے گئے ہیں۔" آصف کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"صرف تمہارے ہی پاس آئے ہیں۔" انور نے پوچھا۔

"نہیں دو تین افسروں کو بھی کسی نے آج کے شو کے لئے مدعو کیا ہے۔" آصف بولا۔

"تمہیں اس کی اطلاع کس طرح ہوئی۔"

"ایک کرائم رپورٹر کا فرض ہے کہ وہ اس قسم کی اطلاعات بہم پہنچاتا رہے۔"

آصف کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔

"سچ بتاؤ تمہاری ڈائری وہاں کس طرح پہنچی تھی۔" آصف نے کہا۔ "میں تم سے اس قسم کے جرم کی توقع نہیں رکھتا۔"

"اب آئے سیدھی راہ پر.....!" انور ہنس کر بولا۔ "کوئی مجھے پھنسانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس شہر میں کوئی بڑی واردات ہونے والی ہے..... بہت بڑی..... اسے لکھ لو۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"مطلب! بہت جلد واضح ہو جائے گا۔" انور نے کہا۔ "لاش کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ کس کی ہے۔"

"نہیں اور ایک دلچسپ اطلاع۔ اس کی ڈاڑھی نقلی ثابت ہوئی۔"

انور نے قہقہہ لگایا اور شرارت آمیز نظروں سے آصف کی طرف دیکھنے لگا۔

"تمہارے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ تم اس کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور جانتے ہو۔"

"بھلا میں کیا جان سکتا ہوں۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم شیطان ہو۔" آصف بزرگانہ شفقت کا اظہار کرتا ہوا بولا۔

"بے کار! بالکل بے کار! اس قسم کے پیار بھرے حربے میرے لئے قطعی بیکار ہیں۔ اگر میں کچھ جانتا ہوتا تو ویسے ہی بتا دیتا۔"

"خیر خیر.....!" آصف مسکراتا ہوا بولا۔ "تم تو میرے ساتھ پلازا چل رہے ہو۔"

"تمہارے ساتھ کیوں! کیا میں اس شہر کی اہم شخصیت نہیں ہوں۔"

"کیا مطلب.....!" آصف چونک کر بولا۔

"ظاہر ہے کہ مدعو کرنے والے نے مجھے بھی مدعو کیا ہوگا۔" انور لاپروائی سے بولا۔

"اور تم مدعو کرنے والے کو نہیں جانتے۔" آصف نے پوچھا۔

"جب یہاں کا اتنا بڑا سراغ رساں نہیں جانتا تو بھلا میں بے چارہ کیا جان سکتا ہوں۔" انور طنزیہ انداز میں بولا۔

"انور تم بعض اوقات سخت تکلیف دہ ہو جاتے ہو۔"

انور ہنسنے لگا اور آصف اُسے برآمدے میں چھوڑ کر دفتر میں چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد انور کی موٹر سائیکل پلازا تھیٹر کی طرف جا رہی تھی۔ ساڑھے پانچ بج چکے تھے۔ ڈرامہ شروع ہونے میں آدھا گھنٹہ باقی تھا لیکن بھیڑ کا یہ عالم تھا کہ کمپاؤنڈ میں شانے سے شانہ چھل رہا تھا۔ اس دوران میں جب کہ فلم اتنی مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ اسٹیج کی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی، لیکن پھر بھی پلازا تھیٹر کا ہال تماشائیوں سے بھرا رہتا تھا۔ جس کی سب سے بڑی وجہ ایک رقاصہ شیلا رانی تھی۔ حال ہی میں وہ فرانس، جرمنی، انگلینڈ اور اطالیہ میں اپنے فن کے مظاہرے کر کے واپس آئی تھی۔ دورے کے درمیان میں اس نے غیر ملکی طرز رقص سے بھی خاصا استفادہ کیا تھا اور اس طرح اس کے آرٹ کو ایک نئی زندگی بخش دی تھی۔ حالانکہ ہمارے ملک میں فن کے پرکھنے والے کم ہیں لیکن شیلا رانی جوان بھی تھی اور پھر کیا چاہئے اس کے حسن کو لوچ ہی لوگوں کو اسی طرف متوجہ کر لینے کے لئے کافی تھا۔

انور ہال میں جا کر بیٹھ گیا۔ آرکسٹرا کی چند نشستوں کے علاوہ سارا ہال بھرا ہوا تھا۔ انور نے سوچا کہ یہ خالی جگہیں وہی مخصوص نشستیں ہو سکتی ہیں جن کے ٹکٹ کسی نامعلوم آدمی نے پولیس کے چند آفیسروں کے پاس بھجوائے ہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد انسپکٹر آصف چار دوسرے پولیس آفیسروں کے ساتھ ہال میں داخل ہوا۔ انور کی سیٹ کے بعد پانچ نشستیں خالی تھیں.... وہ پانچوں آ کر بیٹھ گئے۔ آصف انور کے برابر ہی بیٹھا۔

"تو کیا واقعی تمہیں بھی ٹکٹ موصول ہوا تھا۔" آصف نے پوچھا۔

"شاید تم اب مجھ سے حلف اٹھوانا چاہتے ہو۔" انور نے کہا۔ "مجھے دو ٹکٹ موصول ہوئے تھے اسی لئے میرے برابر کی سیٹ ابھی تک خالی ہے۔"

"دو ٹکٹ کیوں۔"

"شائد ایک رشیدہ کے لئے تھا۔"

"تو اسے کیوں نہیں لائے۔"

"وہ خود نہیں آئی۔"

اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔

تھوڑی دیر بعد ہال آرکسٹرا کی دھنوں سے گونجنے لگا۔ ہال کی روشنی گل ہو گئی اور اسٹیج جگمگانے لگا۔ پردہ اٹھا اور ڈرامہ شروع ہو گیا۔ ڈرامہ زیادہ دلچسپ نہ تھا۔

"بھئی یہاں تو کوئی خاص بات نہیں...." آخر آصف کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"افسوس کیوں کر رہے ہو۔ مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے۔" انور مسکرا کر بولا۔

سین پر سین بدلتے رہے۔ آخر کار وہ موقع آیا جب ڈرامے کی ہیروئن شیلا رانی اپنے پائیں باغ میں رقص کر رہی تھی۔ قریب ہی سے اسٹیج پر ایک ڈاکو نمودار ہوا جس نے اپنا چہرہ سیاہ نقاب سے چھپا رکھا تھا۔ ہیروئن اس کی آمد سے بے خبر تھی۔ وہ اپنے فن میں ڈوبی ہوئی رقص کرتی رہی۔ دفعتاً ڈاکو نے جیب سے پستول نکالا ایک زوردار دھماکہ ہوا اور ہیروئن چیخ مار کر گر پڑی۔

پردہ کھینچ دیا گیا۔

"کتنی سچی اداکاری تھی۔ کتنی سچی چیخ۔" آصف بولا۔

"اداکاری نہیں حقیقت۔" انور تیزی سے اٹھتا ہوا بولا۔ وہ سچ مچ ختم ہو گئی ہے اور پھر پردے کے پیچھے شور مچ گیا انور اسٹیج کی طرف جھپٹا۔

"ارے ارے کیا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" آصف چیخا۔

"جلدی آؤ.... جلدی آؤ....!" انور ہاتھ ہلاتا ہوا بولا۔ دوسرے لمحے میں وہ اسٹیج پر تھا۔ شیلا رانی اسٹیج پر مردہ پڑی تھی اور چند ایکسٹرا اس کے گرد کھڑے بُری طرح چیخ رہے تھے۔ ان میں وہ ڈاکو بھی تھا اس کے ہاتھ میں ابھی تک پستول دبا ہوا تھا۔ گولی شیلا رانی کے سر پر لگی تھی۔

انور نے پلٹ کر دیکھا آصف بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ اسٹیج پر آ گیا تھا اور حیرت سے آنکھیں پھاڑے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"جلدی کرو۔" انور بولا۔ "کوئی باہر نکل کر نہ جانے پائے۔"

آصف پردے کے باہر آ گیا۔ ہال میں بیٹھے ہوئے لوگ شور مچا رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یک بیک یہ کیسی بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔

"حضرات....!" آصف تماشائیوں سے مخاطب ہو کر بولا۔ "میں محکمہ سراغ رسانی کا انسپکٹر آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ آپ میں سے کوئی ہال کے باہر نہ جائے۔ رقاصہ سچ مچ قتل ہو گئی ہے۔"

تماشائیوں میں ہیجان پھیل گیا۔ تھوڑی دیر بعد سب دروازے مقفل کر دیئے گئے۔ آصف

پھر اسٹیج پر لوٹ آیا۔ پستول چلانے والا سر پکڑے بیٹھا تھا اور اس کا پستول انور کے ہاتھ میں تھا۔

"آپ ان سے پوچھ سکتے ہیں۔" ریوالور والا دوسرے ایکٹروں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "میں یہاں سے ہٹ کر کہیں نہیں گیا۔"

ایکٹروں نے اس کے بیان کی تائید کی۔

"عجیب بات ہے۔" انور سر ہلا کر بولا۔ "پولیس آفیسروں نے ریوالور والے کو اپنے نرغے میں لے رکھا تھا۔"

"یہ ٹھیک ہے کہ پستول خالی تھا۔" منیجر نے آگے بڑھ کر کہا۔ "عین موقعے پر یہ معلوم ہوا تھا کہ بغیر گولیوں والے کارتوس ختم ہو گئے۔ اس لئے مجبوراً یہ انتظام کیا گیا تھا کہ جیسے ہی یہ ریوالور نکالے پردے کے پیچھے پٹاخہ داغ کر پستول کی مصنوعی آواز پیدا کی جائے۔ آپ نے خود دیکھا ہو گا کہ ریوالور سے دھواں یا شعلہ نہیں نکلا تھا۔"

"تو پھر یہ گولی آئی کہاں سے۔" آصف نے کڑے لہجے میں پوچھا۔

"اب بھلا بتایئے میں کیا بتاؤں۔" منیجر نے کہا۔ "کیا میں یہ نہیں جانتا کہ یہ حادثہ میرے لئے ایک بڑی مصیبت کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے۔"

تھوڑی دیر بعد تھیٹر کا ایک ایک کونہ دیکھ ڈالا گیا لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ گولی کہاں سے آئی اور وہ کس کی حرکت تھی۔ آخر کار تھک ہار کر ہال کے دروازے کھلوا دینے پڑے۔ منیجر بُری طرح بدحواس تھا۔

"اب کیا کیا جائے۔" آصف بے بسی سے بولا۔

"مدعو کرنے والا دراصل ہماری بے بسی کا تماشہ دیکھنا چاہتا تھا۔" انور نے کہا۔

"تو کیا.... تو کیا....!"

"جی ہاں....!" انور طنزیہ لہجے میں بولا۔ "کبھی پہیلیوں اس قسم کے پُر اسرار دعوت نامے موصول ہوئے تھے۔"

آصف غور سے اُسے دیکھنے لگا۔

انور نے پستول کی نال کو ناک سے لگا کر سونگھا۔

"اس پستول سے تو واقعی گولی نہیں چلی۔" انور نے کہا۔

"ممکن ہے بدل دیا گیا ہو۔" آصف بولا۔

"دوسرے لوگوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک لمحے کے لئے بھی اسٹیج سے

نہیں ہٹا۔" انور نے کہا۔

"پھر....!"

"بھلا میں کیا جانوں۔" انور منہ بنا کر بولا۔

تھوڑی دیر بعد ہال میں پولیس والوں کے علاوہ کوئی اور نہ رہ گیا۔ حادثے کی اطلاع پا کر کچھ اور ذمے دار آفیسر بھی پہنچ گئے تھے۔ وہ ایکٹر جو ڈاکو کا پارٹ کر رہا تھا حراست میں لے لیا گیا تھا۔ اس وقت اسٹیج پر جو ایکٹر اور پردہ کھینچنے والے موجود تھے پولیس نے ان کو بھی نہیں چھوڑا تھا۔

پولیس والے لوگوں کے بیانات لینے میں الجھے ہوئے تھے اور انور کسی اور ہی فکر میں تھا۔ اس کی نگاہیں پورے اسٹیج کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس سین کے لئے خاص طور سے اسٹیج ترتیب دیا گیا تھا۔ داہنی طرف لکڑی کی ایک دیوار میں اس طرح رنگ کاری کی گئی تھی کہ وہ کسی کوٹھی کے سامنے کا حصہ معلوم ہو رہا تھا اوپر ایک سائبان بنا ہوا تھا جسے نیچے سے روکنے کے لئے لوہے کے کئی چھڑ لگائے گئے تھے۔ شیلا رانی ٹھیک اسی سائبان کے سامنے ناچ رہی تھی۔ انور اس کی جگہ جا کر کھڑا ہو گیا جہاں سے ابھی ابھی شیلا رانی کی لاش ہٹائی گئی تھی۔ اس کی نگاہیں بار بار سامنے والے سائبان کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔

"تو تمہیں اس حادثے کی اطلاع پہلے سے تھی۔" آصف نے انور سے پوچھا۔

"تم عجیب آدمی ہو۔" انور چڑ کر بولا۔ "اپنا کام کرو۔ میرے پیچھے کیوں پڑ گئے۔"

"تمہیں بتانا پڑے گا۔"

"کیا بتانا پڑے گا۔"

"ہم لوگوں کے پاس ٹکٹ کس نے بھجوائے تھے۔" آصف تیز لہجے میں بولا۔

"افراسیاب والی طلسم ہوشربا نے۔"

"ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔" آصف دانت پیس کر بولا۔

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔" انور نے کہا۔

"اب مجبوراً مجھے....!"

"سر پھوڑ لینا پڑے گا۔" انور نے مسکرا کر جملہ پورا کر دیا۔ "تم آدمی ہو یا ڈیوٹ....!"

"ٹھہرو بتاتا ہوں۔" آصف غصے میں پولیس آفیسروں کی طرف مڑتا ہوا بولا۔

"تمہاری مرضی....!" انور نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "کل ہی ہمارے حلاف پر [illegible] خواستیں گذر جائیں گی۔"

آصف رک کر اُسے گھورنے لگا۔ اگر اس کا بس چلتا تو وہ انور کی بوٹیاں اڑا دیتا۔

"اس سائبان کی طرف دیکھ رہے ہو۔" انور آہستہ سے بولا۔ "اسے تڑوا دو اور پھر کل کے خبارات تمہاری شان میں لمبے چوڑے قصیدے چھاپ دیں گے۔ اچھا شب بخیر میں چلا۔ اگر ناسب سمجھنا تو نتیجے سے بھی مطلع کر دینا.... ورنہ میں تو اپنی رپورٹ مکمل کر ہی لوں گا۔"

قتل کا راز

قبل اس کے کہ آصف کچھ کہتا انور ہال سے نکل کر کمپاؤنڈ میں آ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اپنی موٹر سائیکل پر گھر کی طرف واپس جا رہا تھا۔ گیارہ بج چکے تھے۔ شہر قریب قریب ویران ہو چکا تھا۔ کہیں کہیں ایک آدھ دوکانیں کھلی نظر آ رہی تھیں۔

انور جیسے ہی اپنے کمرے میں داخل ہوا۔ رشیدہ اس پر جھپٹ پڑی۔

"کہاں تھے.... کہاں گئے تھے۔"

"تم یہاں کیا کر رہی تھی۔ جاؤ اپنے کمرے میں...." انور کوٹ اتار کر کرسی پر ڈالتا ہوا بولا۔

"نہیں جاؤں گی۔"

"اوہو.... اور اگر میں نے کان پکڑ کر نکال دیا تو۔"

"میں تم سے کمزور ہوں کیا۔" رشیدہ بھنا کر بولی۔

انور کوئی جواب دیئے بغیر آرام کرسی پر گر گیا۔ رشیدہ اسے گھور رہی تھی۔

"میں نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولی۔

"تو میں نے کب کھایا ہے۔" انور نے کہا۔ "آخر تم میرا انتظار کیوں کرتی ہو۔"

"میری خوشی۔"

"دیکھو تمہارا راستہ ادھر ہے۔" انور دروازے کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔

دفعتاً دروازے میں ایک صورت دکھائی دی۔ ایسی صورت جسے دیکھ کر دونوں چونک پڑے یہ وہی تھا جو پچھلی رات کو انور سے ملا تھا اور جس کی تصویر آصف نے دکھائی تھی۔ وہ اپنے پُر سکون طریقے سے کمرے میں داخل ہوا جیسے وہ اس کا اپنا ہی کمرہ ہو۔ قبل اس کے کہ انور کچھ کہتا وہ ایک کرسی پر بیٹھ کر مسکرانے لگا۔

"تم اپنے کمرے میں جاؤ۔" انور نے رشیدہ سے کہا۔ رشیدہ انور کو گھورتی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

"جاؤ اپنے کمرے میں۔" انور نے پھر کہا۔

"بکو مت....!" رشیدہ نے کہا اور اجنبی کو معنی خیز انداز میں دیکھنے لگی۔

"تم کل رات میری ڈائری کیوں اٹھا لے گئے تھے۔" انور نے اجنبی سے پوچھا۔

"تمہیں ایک معمولی سا سبق دینے کے لئے۔" اجنبی نے مسکرا کر کہا۔

"دیکھو! خواہ مخواہ مجھ سے الجھنے کی کوشش نہ کرو۔" انور نے کہا۔

"میں پھر یہی چاہوں گا کہ تم داراب سے سمجھوتہ کر لو۔"

"کس بات کا سمجھوتہ۔"

"یہی کہ تم اس کے معاملات میں دخل نہ دو گے۔" اجنبی نے کہا۔

"اب یہ چیز میرے امکان سے باہر ہو گئی ہے۔" انور نے کہا۔ "اگر تم نے میری ڈائری چرا کر مجھے پھنسوانے کی کوشش نہ کی ہوتی تو شاید اس کی ضرورت ہی نہ سمجھتا۔"

"دیکھو انور! تمہیں داراب سے سمجھوتہ کرنا ہی پڑے گا۔ کیا تم نے اس وقت تھیٹر میں رقاصہ کی موت نہیں دیکھی۔"

انور خاموشی سے اسے گھور رہا تھا۔ رشیدہ اٹھ کر کمرے سے جانے لگی۔

"آپ یہیں تشریف رکھئے محترمہ....!" اجنبی بولا۔

"کیوں....؟" رشیدہ اسے قہر آلود نظروں سے گھورتی ہوئی بولی۔

"میں آپ سے استدعا کرتا ہوں۔" اجنبی مسکرا کر بولا۔

"میں پولیس کو فون کروں گی۔"

"نہیں....!" انور اسے تیز نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔ "چپ چاپ اپنے کمرے میں جاؤ۔"

رشیدہ پھر بیٹھ گئی۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" انور نے اجنبی سے پوچھا۔

"میرا نام دو سو تیرہ ہے۔" اجنبی مسکرا کر بولا۔

"اوہ تو مجھ پر اپنے گروہ کا رعب ڈالنا چاہتے ہو۔ یعنی تم اپنے گروہ کے دو سو تیرھویں ممبر ہو۔"

"یہی سمجھ لو۔"

"تم نے کل ایک آدمی کو قتل کر کے اس کی شکل اپنی جیسی بنادی تھی۔" انور نے کہا۔ "تم سمجھتے تھے کہ شاید میں اس وقت تمہیں دیکھ کر گھبرا جاؤں گا۔"

"نہیں تمہیں محض یہ دکھانا تھا کہ تم نے داراب کی طاقت کا غلط اندازہ لگایا ہے۔" اجنبی بولا۔

"مردے گھسیٹنے والے گیدڑوں کو میں طاقت ور نہیں سمجھتا۔" انور نے منہ بنا کر کہا۔ "یہ شخص ہرگز بہادر نہیں ہو سکتا جو عورتوں کو قتل کرتا پھرے۔"

"دیکھو میں پھر تمہیں سمجھاتا ہوں۔" اجنبی نے کہا۔

"میں کچھ سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ہماری آخری گفتگو ہے۔"

"قطعی....!" انور نے کہا اور میز پر سے کتاب اٹھا کر اس کے ورق الٹنے لگا۔

"خیر....!" اجنبی اٹھتا ہوا بولا۔ "میں پھر تمہیں وقت دیتا ہوں۔"

انور نے کتاب میز پر پٹخ دی اور تن کر کھڑا ہو گیا وہ اس پُراسرار اجنبی کو عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"میں تم سے کہتا ہوں کہ یہ میری اور تمہاری آخری ملاقات ہے۔" انور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"ضد اچھی نہیں ہوتی۔"

"تم جا سکتے ہو۔" انور نے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

اجنبی اُسے گھورتا ہوا چلا گیا۔ اس کی آنکھوں سے نفرت کی چنگاریاں نکل رہی تھیں۔

"اور تم سنتی ہو رشیدہ۔" انور نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "تم بھی یہاں سے چلی جاؤ۔"

رشیدہ نے اسے گھور کر دیکھا اور پیر پٹختی ہوئی کمرے سے چلی گئی۔ لیکن اُس کے جانے کے بعد ہی انور کو خیال آگیا کہ اس نے ابھی کھانا نہیں کھایا۔ وہ اٹھ کر رشیدہ کے کمرے کے سامنے آیا۔ رشیدہ دروازہ بند کر چکی تھی۔ انور آہستہ آہستہ دستک دینے لگا۔

رشیدہ دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

"اب کیا ہے؟" وہ جھلا کر بولی۔

"چلو کھانا کھائیں گے۔"

رشیدہ ہونٹ بھینچے اُسے گھور رہی تھی۔

"میری بلی....!" انور پیار بھرے لہجے میں بولا اور رشیدہ پگھل گئی۔

دونوں قریب ہی کے ایک ریستوران کی طرف روانہ ہو گئے۔

کھانے کے دوران میں رشیدہ اس اجنبی کا تذکرہ چھیڑ بیٹھی۔ انور نے اسے پلازا تھیٹر کے ہنگامے کے متعلق بتایا۔ رشیدہ تحیر آمیز انداز میں انور کی طرف دیکھنے لگی۔

"شیلا رانی کو داراب سے کیا تعلق۔" رشیدہ تھوڑی دیر بعد بولی۔

"یہی تو دیکھنا ہے۔" انور نے کہا۔

"شیلا رانی کون تھی۔" دفعتاً رشیدہ نے کہا۔

"ایک رقاصہ....!" انور نے جواب دیا۔

"وہ تو تھی ہی لیکن کس خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔"

"یہ میں نہیں جانتا۔"

"میں جانتی ہوں۔"

"تو پھر پہیلیاں بجھوانے سے کیا فائدہ۔" انور نے جھنجھلا کر کہا۔

"میں دراصل یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ مشہور کرائم رپورٹر کتنے پانی میں ہے۔" رشیدہ نے ہنس کر کہا۔

انور اُسے گھورنے لگا۔ رشیدہ کی ہنسی میں اضافہ ہو گیا۔

"بس اب چپ بھی رہو ورنہ شوربے کی پلیٹ تمہارے منہ پر مار دوں گا۔"

رشیدہ اور زور سے ہنسنے لگی۔ انور ہاتھ سے نوالہ رکھ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"تو بھئی اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے۔" رشیدہ سنجیدگی سے بولی۔ "کھاؤ نا۔"

انور نے سگریٹ سلگالی اس کے چہرے پر بیزاری پھیل گئی۔ رشیدہ کچھ اور کہنے والی تھی کہ کسی نے دکھائی دیا۔

"اوہ تو تم یہاں ہو۔ میں واپس جا رہا تھا۔"

"اچھا! اچھا....!" انور اٹھتا ہوا بولا۔ "وہیں چلو....!"

رشیدہ بھی کھانا کھا چکی تھی۔ انور نے بل ادا کیا اور وہ فلیٹ کی طرف لوٹ آئے۔

"انور آخر تم مجھے تنگ کیوں کر رہے ہو۔" آصف نے کہا۔ اس کے لہجے میں عاجزی تھی۔

"بیٹھو.... بیٹھو....!" انور بے صبری سے ہاتھ ہلاتا ہوا بولا۔

"تمہارا خیال بالکل صحیح نکلا۔ گولی اسی سائبان سے چلی تھی۔" آصف نے کہا۔

"ان لوہے کی سلاخوں میں ایک رائفل کی نالی تھی۔" انور مسکرا کر بولا۔

"ہاں اور منیجر اس دریافت پر قریب قریب بیہوش ہو گیا تھا۔" آصف نے کہا۔

رائفل کا کندہ اس لکڑی کی موٹی سی دیوار کے اندر چھپا ہوا تھا اور نال دوسری طرف نکلی ہوئی تھی جس پر چند اور سلاخوں کے ساتھ سائبان ٹکا ہوا تھا۔ اسٹیج کے دوسرے حصے میں سوراخ کر کے ایک پتلی سی ڈوری رائفل کی لمبی نال تک پہنچائی گئی تھی۔ رائفل بھری ہوئی تھی۔ جب شیلا رانی رائفل کی زد پر آ گئی تو کسی نامعلوم آدمی نے وہ ڈوری کھینچ لی اور رائفل چل گئی۔

"اس دریافت کے بعد تم نے کیا کیا....؟"

"منیجر کو حراست میں لے لیا گیا ہے۔" آصف نے کہا۔

"اس ایکٹر کا کیا ہوا جس نے ڈاکو کی اداکاری کی تھی۔"

"وہ بھی حراست میں ہے اور وہ بھی جس نے اسٹیج کے پیچھے پٹاخہ داغا تھا۔"

"اور ڈائریکٹر کا کیا ہوا۔" انور نے پوچھا۔

"وہ اس حادثے سے پہلے ہی کہیں چلا گیا تھا۔" آصف نے کہا۔

"تو وہ نہیں مل سکا۔" انور نے پوچھا۔

"نہیں، لیکن اس کی تلاش جاری ہے۔" آصف نے کہا۔ "منیجر نے اپنے بیان میں بتایا ہے کہ ایک ہفتہ قبل اس نے اس ڈائریکٹر کو ملازم رکھا تھا اور یہ نیا ڈرامہ اسی کا لکھا ہوا تھا۔ اسی نے اسے ڈائریکٹ بھی کیا تھا۔ منیجر نے یہ بھی بتایا کہ آج شام کو جب یہ معلوم ہوا تھا کہ نقلی کارتوس ختم ہو گئے تو اس نے مصنوعی دھماکے کی رائے دی تھی اور اس کے لئے ایک زیادہ آواز والے پٹاخے کا انتخاب کیا تھا۔ حالانکہ منیجر نے اس سے کہا تھا کہ اتنی زیادہ آواز والا پٹاخہ پستول کی آواز پیدا کرنے کے لئے بے تکا ثابت ہو گا۔ مگر اس نے کوئی دھیان نہیں دیا اور دیتا بھی کیسے جب کہ اسے اصل دھماکے میں سائبان والی رائفل کی آواز چھپانی تھی۔"

"ڈائریکٹر کا حلیہ۔"

"حلیہ پوچھتے ہو۔" آصف نے کہا۔ "اگر میرے سر پر اس وقت بم گر پڑتا تو بھی مجھے اتنی حیرت نہ ہوتی جتنی کہ اس کا حلیہ معلوم کر کے ہوئی۔"

"یعنی....؟" انور نے ہمہ تن سوالیہ نشان بن کر پوچھا۔

آصف نے اپنی جیب سے ایک تصویر نکال کر انور کے سامنے ڈال دی۔

"یہ تو اسی آدمی کی تصویر ہے جس کی لاش تمہیں جلی ہوئی کار میں ملی تھی۔" انور نے کہا۔

"اور تمہیں بھی بتا چکا ہوں کہ مقتول کی ڈاڑھی مصنوعی تھی۔" آصف بولا۔

"تمہیں یہ تصویر ملی کہاں سے۔"

"منیجر نے دی ہے۔"

"حیرت....!" انور آہستہ سے بڑبڑایا۔

"اور میں اسی لئے تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ ان حادثات سے تمہارا کیا تعلق ہے۔" آصف نے بے تابی سے کہا۔

"اور یہی تمہاری زبردست حماقت ہے۔" انور مسکرا کر بولا۔

"دیکھو انور باتوں میں نہ ٹالو۔"

انور کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ آصف سے مخاطب ہوا۔

"اگر میں یہ کہوں کہ یہ داراب کی حرکت ہے تو تم کس حد تک یقین کرو گے۔"

"داراب....!" آصف اس طرح اچھلا جیسے یک بیک کرسی نے اچھال دیا ہو۔

"ہاں داراب....!"

"میں کس طرح یقین کر لوں۔"

"یقین نہ کرنے کی وجہ....!" انور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"ابھی تک اس نے جتنی بھی وارداتیں کی ہیں ان میں خود کو ظاہر کر دیا ہے۔" آصف نے کہا۔ "اور اس کے باوجود بھی پولیس اس کا پتہ لگانے میں ناکام رہی۔"

"کیا محکمہ سراغ رسانی کے پاس داراب کا کوئی ریکارڈ ہے۔" انور نے پوچھا۔

"نہیں....!" آصف موضوع بدل کر بولا۔ "آخر تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ ان حادثات کا تعلق داراب سے ہے۔"

"اس نے مجھے چیلنج کیا ہے۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"وہ مجھے اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا ہے۔" انور نے کہا۔

"آخر کیوں؟"

"یہ میں نہیں جانتا۔"

"بھلا تمہیں راستے سے ہٹانے اور ان وارداتوں سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔"

"یار آصف تمہاری عقل آج کل اتنی یتیم کیوں ہو گئی ہے۔" انور مسکرا کر بولا۔ "اس لاش کے ساتھ میری ڈائری کا پایا جانا کیا معنی رکھتا ہے اور پھر تم لوگوں کے ساتھ مجھے بھی تھیٹر کے

لئے مدعو کیا گیا؟ تم خود بتاؤ! اگر میری بجائے کوئی اور ہوتا تو اس وقت وہ کہاں ہوتا۔"

"ٹھیک ہے۔!" آصف کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن تم اب بھی خود کو محفوظ نہ سمجھو۔"

"اوہو....!" انور مسکرا کر بولا۔ "تو کیا تم سچ مچ ہتھکڑیاں لائے ہو۔"

"میں لایا تو نہیں لیکن حالات ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو سراسر تمہارے خلاف ہیں۔" آصف نے کہا۔ "اور تم کسی وقت بھی سرکاری مہمان خانے کی زینت بنائے جا سکتے ہو۔"

انور ہنسنے لگا اور رشیدہ آصف کو گھورنے لگی۔

"کیوں بھئی تم مجھے اس طرح کیوں گھور رہی ہو۔" آصف نے کہا۔

"میں یہ دیکھ رہی ہوں کہ کیا واقعی آپ عنقریب ترقی کرنے والے ہیں۔"

انور نے زوردار قہقہہ لگایا اور آصف جھینپ گیا۔

"کیوں بھئی شیلا رانی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے وہ کون تھی کیوں قتل کی گئی۔" انور نے پوچھا۔

"ابھی اتنی جلدی اس کے متعلق کیا معلوم ہو سکتا ہے۔" آصف نے کہا۔

رشیدہ کچھ بولنا ہی چاہتی تھی کہ انور نے اس کی طرف گھور کر دیکھا اور وہ خاموش ہو گئی۔

"واقعی انور تم خطرے میں ہو۔" آصف بولا۔

"ٹھیک ایک طرف قانون شکنی کرنے والے قانون کے محافظ ہیں اور ایک طرف ایک ایسا شخص جو قانون کو کھلونا سمجھتا ہے اور درمیان میں میں۔ لیکن یاد رکھو کہ فتح میری ہی ہو گی۔"

"خیر....!" آصف اٹھتا ہوا بولا۔ "میں یہ کبھی نہ چاہوں گا کہ تم جیل کی صورت دیکھو۔"

"شکریہ.... شکریہ....!" انور طنزیہ انداز میں بولا۔

آصف کے چلے جانے کے بعد وہ رشیدہ سے مخاطب ہوا۔

"شیلا رانی کون تھی؟"

"رقاصہ تھی۔" رشیدہ نے بھولے پن سے کہا۔

"پھر وہی....!"

"یعنی....!"

"بتاؤ نا وہ کون تھی۔"

"بھلا میں کیا جانوں۔"

انور اُسے تیز نظروں سے گھورنے لگا۔ رشیدہ نے نظریں جھکا لیں۔ اس کے ہونٹوں

شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

کرنل جاوید

"کرنل جاوید کا نام سنا ہے کبھی۔" رشیدہ تھوڑی دیر بعد بولی۔

"کرنل جاوید۔" انور آہستہ سے بڑبڑایا۔ شاید وہ کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر اچانک بولا۔ "وہی تو نہیں جس کے گھوڑے ریس میں دوڑتے ہیں۔"

"وہی وہی....!" رشیدہ دھیرے سے بولی۔ "شیلا رانی اسی کی لڑکی تھی۔"

"کیا مطلب.... تم نے افیون تو نہیں کھائی۔"

"شاید رقاصہ کا نام تمہیں ایسا کرنے پر مجبور کر رہا ہے۔ اس کا اصلی نام شاہدہ تھا۔" رشیدہ بولی۔

"بہت خوب....!" انور مسکرا کر بولا۔ اس کی آنکھوں سے بے اعتباری جھلک رہی تھی۔ رشیدہ جھنجھلا اٹھی۔

"تم خود کو نہ جانے کیا سمجھتے ہو۔" رشیدہ جھلا کر بولی۔ "جس طرح تم شہر بھر کی باتوں کی اطلاع رکھتے ہو اسی طرح دوسرے بھی رکھ سکتے ہیں اور پھر تم ایسے کہاں کے لال بجھکو نکل پڑے ہو کر غیب دانی کا دعویٰ کر سکو۔"

"غصے میں تم بہت پیاری لگتی ہو۔" انور مسکرا کر بولا۔ "میں اسے محض اس لئے مذاق سمجھا تھا کہ کرنل جاوید لاولد مشہور ہے۔"

"لیکن مجھ سے زیادہ اس کے معاملات کو اور کون جان سکتا ہے۔" رشیدہ خود اعتمادی کے ساتھ بولی۔ "تمہیں شاید نہیں معلوم کہ کرنل جاوید.... مگر نہیں میں نہ بتاؤں گی اس لئے کہ تم نے اپنے متعلق مجھے آج تک کچھ نہیں بتایا۔"

"مجھے تمہارا اور اس کا رشتہ جاننے کی ضرورت نہیں۔" انور نے لاپروائی سے کہا۔

"کرنل جاوید کی شادی ایک قدامت پسند گھرانے میں ہوئی تھی۔ اس کی بیوی کو اس کی بے راہروی ناپسند تھی اور ان دونوں کے درمیان جاوید کی مغرب پسندی باعث تکرار بنی ہوئی تھی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن ان دونوں کو الگ ہو جانا پڑا۔ شاہدہ ننھیال میں پیدا ہوئی۔ اسی

دوران میں کرنل جاوید مغربی ممالک کی سیر کے لئے یہاں سے چلا گیا اور اس کی واپسی تقریباً پ
سال کے بعد ہوئی۔ شاہدہ کی ماں اس کی پیدائش کے چند روز بعد ہی مر گئی تھی۔ اس کی پرورش
اس کی نانی نے کی، حالانکہ اس کے نانہال والے قدامت پسند تھے لیکن نہ جانے کس طرح شاہدہ
بچپن ہی سے رقص و موسیقی کا چسکا لگ گیا اور وہ انتہائی پابندیوں کے باوجود رقاصہ بنتی گئی۔ اسے
عوام میں اپنے فن کے مظاہرے کا شوق تھا۔ اسکے نانہال والے کرنل جاوید سے اس درجہ ناراض
تھے کہ انہوں نے اس سے کوئی تعلق نہ رکھا شاید اسے اسکی بھی اطلاع نہ تھی کہ اسکے کوئی لڑکی
بھی ہے۔ نانہال والوں نے جب یہ دیکھا کہ شاہدہ ان کیلئے بدنامی کا باعث بن رہی ہے تو انہوں
نے اسے کرنل جاوید کے گھر بھجوادیا۔ اس دوران میں کرنل جاوید سرد گرم کا تجربہ ہو جانے کے
بعد بہت کچھ بدل گیا تھا اور اس کی مشرقیت پھر سے عود کر آئی تھی۔ اسے یہ جان کر بے حد خوشی
ہوئی کہ وہ صاحب اولاد ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اسے دکھ بھی ہوا۔ وہ شاہدہ کی فن پرستی کے
خلاف تھا۔ شاہدہ نے جب اسٹیج پر جانے کا خیال ظاہر کیا تو کرنل جاوید کانپ اٹھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ
اس کی لڑکی مجمع عام میں اپنے فن کا مظاہرہ کرے۔ وہ ایک ضدی آدمی تھا۔ آخر کار دونوں میں
سمجھوتہ ہو گیا۔ کرنل جاوید طوعاً و کرہاً اس بات پر رضامند ہو گیا کہ وہ اسے مغربی ممالک کا دورہ
کرنے کیلئے مالی امداد دے گا۔ نہیں تو وہ باقاعدہ کسی مقامی تھیٹر میں شاہدہ جاوید کے نام سے نوکری
کرلے گی اور اس چیز کا خاص طور سے پروپیگنڈا کرائے گی کہ وہ کرنل جاوید کی لڑکی ہے۔ اس
طرح وہ شاہد سے شیلا رانی بن گئی۔ آج کل وہ مغربی ممالک سے واپس آنے کے بعد پلازا میں اپنے
فن کا مظاہرہ کر رہی تھی اور پھر ایسی حالت میں تم اس قتل کے بارے میں کیا سوچو گے۔"

"کرنل جاوید تو بہت امیر آدمی ہے۔"

"اور اس کی دولت زیادہ تر جواہر کی شکل میں ہے۔" رشیدہ بولی۔

"اور اب تم حیرت انگیز طریقہ پر اس کی مالک بننے والی ہو۔" انور سنجیدگی سے بولا۔

"کیوں....؟" رشیدہ متحیر ہو کر بولی۔ "مجھ سے مطلب....؟"

"خیر خیر...." انور مسکرا کر بولا۔ "میں سمجھا شاید تم کسی ناول کی پراسرار ہیروئن کی طرح
اس قصے میں داخل ہونے والی ہو۔"

"اس کا ایک وارث موجود ہے۔" رشیدہ انور کی بات پر دھیان نہ دیتی ہوئی بولی۔

"کون....؟"

"اس کا بھتیجا۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں اس سے بھی واقف نہیں ہوں۔" انور نے کہا۔ "لیکن اب میں یہ
مجھے بغیر نہیں رہ سکتا کہ تم ان لوگوں سے کس طرح واقف ہو۔"

"تمہیں آم کھانے سے غرض ہے یا پیڑ گننے سے۔"

"نہیں میں پیڑ تک کھا جانا چاہتا ہوں۔"

"یہ ناممکن ہے۔" رشیدہ سنجیدگی سے بولی۔ "اس سلسلے میں مجھے بہت کچھ بتانا پڑے گا۔ جس
لئے میں فی الحال تیار نہیں۔ لیکن وہ وقت بہت جلد آنے والا ہے۔ جب تم میرے متعلق
کچھ جان جاؤ گے، لیکن اتنا ضرور کہہ سکتی ہوں کہ کرنل جاوید یا اس کے معاملات سے میرا
کوئی تعلق نہیں۔"

"خیر.... خیر اب خود کو اتنا زیادہ پُراسرار مت بناؤ۔" انور بیزاری سے بولا۔

"میں تم سے کبھی یہ نہ پوچھوں گا کہ تم کس والئی ریاست کی صاحب زادی ہو۔"

رشیدہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ سنبھل گئی اور اس کے ہونٹوں
پر مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

"تم اس طرح تاؤ دلا کر بھی مجھ سے کچھ نہیں معلوم کر سکتے۔" رشیدہ ہنس کر بولی۔

"تم جاوید کے بھتیجے کے متعلق بتا رہی تھیں۔" انور نے منہ سکوڑ کر کہا۔

"اس کا نام صابر ہے۔ پچھلے سال یورپ سے انجینئری کی اعلیٰ سند لے کر واپس آیا ہے۔"

"وہی صابر تو نہیں جس نے تجوریاں بنانے کا ایک کارخانہ یہاں قائم کیا ہے۔" انور چمک کر بولا۔

"ہی.... وہی....!" رشیدہ نے کہا۔ "اس نے کئی عجیب و غریب قسم کی تجوریاں ایجاد کی
ہیں اور انہیں یہاں کے سرمایہ داروں کے ہاتھ فروخت بھی کیا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ
حیرت انگیز تجوری وہ ہے جو اس نے اپنے چچا کرنل جاوید کو تحفتہً پیش کی ہے۔ اس کا ہینڈل گھماتے
ہی اس میں سے گیت سنائی دینے لگتے ہیں۔ حفاظت کے خیال سے کرنل جاوید غالباً اپنے جواہرات
اسی تجوری میں رکھتا ہے۔"

رشیدہ خاموش ہو گئی اور انور اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ پھر اس نے اپنی نگاہیں دیوار میں لگے ہوئے
کلاک پر جمادیں۔ ایک بج چکا تھا۔ انور نے اِدھر اُدھر دیکھا اور کمرے سے نکل گیا۔ رشیدہ اسے
پکارتی رہی وہ چند لمحوں کے بعد نیچے گیرج سے موٹر سائیکل نکال رہا تھا۔

کرنل جاوید کی کوٹھی سرکلر روڈ پر واقع تھی۔ اس سڑک پر اس سے عظیم الشان کوٹھی کوئی
نہ تھی۔ یہاں کرنل جاوید اپنے ملازمین کے ساتھ تنہا رہتا تھا۔ شہر کی ممتاز شخصیتوں میں اس کا

شمار تھا۔ لیکن وہ اپنے طبقے میں پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھا جاتا تھا اور اس کی وجہ خود انہیں بھی نہیں معلوم تھی جو اسے ناپسند کرتے تھے۔ وہ بدمزاج بھی نہیں تھا۔ ظاہری اخلاق بھی کسی سے کم نہیں رکھتا تھا۔ لیکن پھر بھی کسی سوسائٹی میں اس کی موجودگی لوگوں کیلئے دردسر بن جاتی تھی۔

اس وقت کوٹھی پر سکوت طاری تھا۔ بعض کمروں کی کھڑکیوں سے گہری سبز رنگ کی روشنی نظر آرہی تھی۔ پھاٹک پر چوکیدار بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ انور کی موٹر سائیکل جیسے اس کے قریب رکی وہ چونک کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا کرنل صاحب گھر پر موجود ہیں۔" انور نے اس سے پوچھا۔

"آپ کون ہیں؟" چوکیدار نے تعجب سے پوچھا۔

"جو کچھ پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔"

"جی ہاں وہ غالباً سو گئے ہیں۔"

"انہیں جگا دو....! میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"آپ آخر ہیں کون....؟"

انور نے جیب سے اپنا ملاقاتی کارڈ نکال کر چوکیدار کو تھما دیا۔

"مگر.... مگر صاحب۔"

"کچھ نہیں....!" انور ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "وہ کارڈ دیکھتے ہی مجھے اندر بلا لیں گے۔"

چوکیدار پائیں باغ سے گزرتا ہوا برآمدے میں چلا گیا۔ شاید وہ برآمدے میں کسی نوکر کو بلا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد برآمدے میں روشنی ہو گئی۔ انور بار بار بے چینی سے اپنی گھڑی دیکھ رہا تھا۔ پندرہ منٹ گذر گئے، پھر نشست کے کمرے میں بھی روشنی ہو گئی اور چوکیدار واپس آیا۔ اس نے انور کو اندر چلنے کو کہا۔ انور نے موٹر سائیکل وہیں پھاٹک پر چھوڑ دی اور خود برآمدے سے گزرتا ہوا نشست کے کمرے میں آ گیا۔ کمرہ شاندار طریقہ سے سجا ہوا تھا اس میں وہ سب لوازمات موجود تھے جو ایک جدید طرز کے ڈرائنگ روم کے لئے ضروری ہیں۔

چند لمحوں کے بعد ایک ادھیڑ عمر کا طویل القامت آدمی شب خوابی کے لبادے میں ملبوس کمرے میں داخل ہوا۔ چہرے پر روشنی کے آثار تھے۔ جنکے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ وقتی ہے یا مستقل، بہرحال انداز سے یہ ضرور ظاہر ہو رہا تھا کہ انور کی نادقت آمد اسے ناگوار گزری ہے۔

"میں آپ کے متعلق بہت کچھ سن چکا ہوں۔" وہ ایک صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "لیکن یہاں اس وقت آپ کی موجودگی باعث حیرت ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے نادقت آپ کو تکلیف دی۔"

"خیر.... خیر...." کرنل جاوید بے چینی سے پہلو بدل کر استفہامیہ انداز میں بولا۔

"میں شیلا رانی کے متعلق کچھ جاننا چاہتا تھا۔" انور بے ساختہ بولا۔

کرنل جاوید چونک کر اُسے گھورنے لگا۔ لیکن پھر اس نے اپنی اس کیفیت کو مصنوعی استعجاب اور غصے میں چھپانے کی کوشش شروع کر دی۔

"میں اس بکواس کا مطلب نہیں سمجھا۔" کرنل گرج کر بولا۔ "شاید تم نشے میں بہک کر اِدھر آ گئے ہو۔"

"میں شراب نہیں پیتا۔" انور منہ سکوڑ کر بولا۔ "اگر آپ شیلا رانی کے متعلق کچھ نہیں بتانا چاہتے تو شاہدہ ہی کے متعلق کچھ بتائیے۔"

کرنل اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ پہلے وہ خوفزدہ نظروں سے انور کو گھورتا رہا پھر دفعتاً اس کی آنکھوں سے نفرت جھانکنے لگی۔

"ہاں اب تو تم مجھے بلیک میل کرنے آئے ہو۔" وہ گرج کر بولا۔ "خیر میرے پاس کتوں کا منہ بند کرنے کے لئے کافی دولت ہے۔ بولو اسے رازر کھنے کے لئے کتنی قیمت طلب کرتے ہو۔"

"اب آپ نشے میں معلوم ہوتے ہیں۔" انور مسکرا کر بولا۔ "میں سوائے پولیس والوں کے اور کسی کو بلیک میل نہیں کرتا۔"

"پھر تم اس وقت یہاں کیوں آئے ہو۔"

"ایک خبر سنانے۔"

کرنل اُسے گھورنے لگا۔

"کسی نے شیلا رانی کو سٹیج پر قتل کر دیا۔"

"ارے....!" کرنل بے اختیار چونک پڑا۔ اس کے تیکھے خدوخال پر آہستہ آہستہ افسردگی پھیلتی جا رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسے سکتہ ہو گیا ہو۔ وہ آہستہ سے ایک صوفے پر بیٹھ کر خلا میں تاکنے لگا۔

"اور میں یہ بتانے آیا تھا کہ اگر پولیس کو یہ اطلاع ہو گئی تو آپ بہت پریشان کئے جائیں گے۔"

"پولیس....!" کرنل چونک کر انور کی طرف دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد پھر بولا۔ "میں پولیس کو اس کی اطلاع دے دوں گا۔"

"آپ کے بھتیجے صابر صاحب کہاں مل سکیں گے۔" انور نے پوچھا۔

"صابر! کیوں؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اس قتل میں صابر کا ہاتھ ہے۔"

"یہ سب تو پولیس سمجھے گی۔" انور نے کہا۔ "ویسے شبہ تو ان پر بھی کیا جاسکتا ہے۔"

"شبے کی وجہ....!"

"شاہدہ کے بعد وہی آپ کی جائیداد کے مالک ہو سکتے ہیں۔"

"بکواس ہے، صابر ایک مہینہ سے شہر میں نہیں ہے۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" انور نے کہا۔ "سازش یہاں سے ہزاروں میل کی دوری سے کی جاسکتی ہے۔"

"خاموش رہو۔" کرنل اٹھتا ہوا بولا۔ "کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں دنیا میں بالکل تنہا جاؤں۔"

انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموشی سے کرنل کی بدلتی ہوئی حالتوں کا جائزہ لے رہا تھا۔

"تم مجھے قطعی خوفزدہ نہیں کر سکتے۔" کرنل گرج کر بولا۔ "میں شاہدہ کے اس انجام مغموم نہیں ہوں، جو کچھ بھی ہوا بہت اچھا ہوا۔ میں ابھی پولیس کو فون کرتا ہوں۔"

"کرنل صاحب آپ کو غلط فہمی ہے۔" انور مسکرا کر بولا۔ "میرا ہرگز یہ مقصد نہیں تھا۔"

"ہوگا.... ہوگا....!" کرنل بیزاری سے بولا۔

"ایک تکلیف اور دوں گا۔" انور نے جیب سے ایک تصویر نکالتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ کبھی اس شخص کو دیکھا ہے۔"

کرنل تصویر دیکھنے لگا۔ دفعتاً اس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔

"آخر تمہارا مطلب کیا ہے۔" وہ گرج کر بولا۔

"آخر اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے۔" انور نرمی سے بولا۔

"یہ میرا جوانی کا فوٹو ہے۔ جب میں ڈاڑھی رکھے ہوئے تھا۔" کرنل اسے گھورتا ہوا بولا۔

"یہ اسی پراسرار آدمی کی تصویر تھی، جو خود کو داراب کے گروہ کا ایک فرد ظاہر کرتا تھا۔ اس کی تصویر تھی جس کی لاش جلی ہوئی کار میں ملی تھی اور یہی پلازا تھیٹر میں ڈائریکٹر کی حیثیت سے داخل ہوا تھا۔"

حیرت انگیز تجویز

کرنل جاوید کے بے حد اصرار پر بھی انور نے اُسے یہ نہ بتایا کہ وہ تصویر اسے کہاں سے ملی تھی۔ کرنل جاوید کا غصہ بڑھتا ہی جارہا تھا۔ قریب تھا کہ وہ انور کو دھکے مار کر اپنی کوٹھی سے نکال دے۔ انور خود ہی وہاں سے چلا آیا۔ راستہ بھر اس کا ذہن تصویر والے معاملے میں الجھا رہا۔ اب وہ آدمی حد درجہ پُراسرار بنتا جارہا تھا اور انور صحیح معنوں میں داراب کی حیرت انگیز شخصیت کا قائل ہوتا جارہا تھا۔ لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری۔ اس کے لئے اس سے زیادہ تحقیر آمیز بات کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی تھی کہ وہ اب پیچھے ہٹ جاتا۔

گھر پہنچ کر اس نے کپڑے اتارے اور سو گیا۔ اس کا سونا بھی عجیب تھا۔ گہرے تفکر کے عالم میں اُسے ہمیشہ گہری نیند آتی تھی۔ خیالات کا تسلسل اسے سونے سے باز نہیں رکھ سکتا تھا۔ بہرحال اس نے اپنی پوری زندگی ایک مشینی نظام میں ڈھال کر رکھ دی تھی۔

دوسرے دن صبح اسے رشیدہ نے جگایا۔ انسپکٹر آصف باہر کے کمرے میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ انور نے اٹھ کر کپڑے تبدیل کئے اور نشست کے کمرے میں آیا۔ اس کے ہونٹوں پر وہی زہریلی مسکراہٹ پھیل رہی تھی جسے دیکھ کر آصف خواہ مخواہ اپنی توہین محسوس کرنے لگتا تھا۔

"تم کل رات کرنل جاوید کے یہاں گئے تھے۔" آصف نے بے ساختہ پوچھا۔

"میں کل رات کے سارے واقعات یکسر بھول گیا ہوں۔" انور بیٹھتا ہوا بولا۔ "مجھے سوچنے کی مہلت دو۔"

"کرنل جاوید غائب ہو گیا۔" آصف نے کہا۔

"تم یقین کرو کہ وہ میری جیبوں میں نہیں ہے۔" انور سنجیدگی سے بولا۔

"تو تم اس کے یہاں گئے تھے۔" آصف نے کہا۔

"ہاں....!"

"کیوں....!"

"یہ پوچھنے کے لئے کہ آئندہ ریس میں اس کا کون سا گھوڑا دوڑے گا۔"

"پھر تم نے بکواس شروع کی۔"

"دیکھو مسٹر آصف میں بدتمیزی نہیں پسند کرتا۔" انور منہ سکوڑ کر بولا۔

آصف اسے گھورنے لگا لیکن پھر فوراً ہی اس کے رویے میں تبدیلی واقع ہو گئی۔ اس نے میز پر رکھے ہوئے انور کے سگریٹ کیس سے ایک سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دبالیا۔ دو تین کش لینے کے بعد وہ نیم باز آنکھوں سے انور کی طرف دیکھنے لگا۔

"انور تم جانتے ہو کہ میں تمہیں کیا کہنا چاہتا ہوں۔" آصف بولا۔

"کیوں رشو کیا خیال ہے۔" انور نے رشیدہ کی طرف مڑ کر کہا۔ "میں بھی آصف سے محبت شروع کر دوں۔"

"محبت کا جواب محبت ہی سے دینا چاہئے۔" رشیدہ مسکرا کر بولی۔

"اچھا تو سنو میری جان بوڑھے آصف....!" انور آصف کو آنکھ مار کر بولا۔ "میں اسی وقت تم پر ہزار جان سے عاشق ہو گیا ہوں۔ پوچھ کیا پوچھتے ہو؟"

"اب تم دونوں مل کر میرا مضحکہ اڑانا چاہتے ہو۔" آصف بگڑ کر بولا۔

"ارے نہیں نہیں۔" رشیدہ جلدی سے بولی۔ "میں تو آپ کو ہمیشہ چچا سمجھتی ہوں۔"

"میں بھی رشیدہ کا چچا سمجھتا ہوں۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔

"خیر خیر کبھی تم لوگ بھی بوڑھے ہو گے۔"

"تم نے آنے کا مقصد بیان نہیں کیا۔" انور احتجاجاً ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"کرنل جاوید کہاں غائب ہو گیا۔"

"عجیب آدمی ہو۔ بھلا میں کیا جانوں۔"

"تم اس سے ملے تھے۔" آصف نے کہا۔

"تو مجھے اس سے کب انکار ہے۔"

"اس نے تقریباً تین بجے رات کو پولیس کو اطلاع دی کہ شیلا رانی اس کی لڑکی تھی اور اس نے یہ بھی بتایا کہ شیلا کے قتل کی خبر تم نے اسے دی تھی اور پھر جب پولیس وہاں پہنچی تو وہ وہاں موجود نہیں تھا۔ نوکروں نے بتایا کہ ڈیڑھ بجے ایک آدمی موٹر سائیکل پر آیا تھا۔ غالباً وہ تم تھے۔ تمہاری واپسی کے بعد کچھ پولیس والے وہاں پہنچے اور کرنل جاوید کو اپنے ساتھ لے گئے۔"

"تو پھر میں اس مسئلے میں کیا روشنی ڈال سکتا ہوں۔" انور نے کہا۔

"تم نہیں سمجھے۔" آصف دوسرا سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔ "پولیس والے اسے نہیں لائے۔"

"یقیناً تم اس وقت نشے میں ہو۔" انور بولا۔

"کہنے کا مطلب یہ ہے کہ پولیس کے بھیس میں کچھ نامعلوم آدمی اسے لے گئے۔"

"اوہ....!" انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ظاہر ہے کہ ان آدمیوں سے میرا کوئی تعلق نہیں۔"

"میں یہ نہیں کہتا۔"

"پھر....!"

"تم جب کرنل کے راز سے واقف تھے تو تم نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا۔"

"اول تو میں اس راز سے تمہارے جانے کے بعد واقف ہوا اور اگر فرض کرو کہ پہلے سے واقف بھی ہوتا تو یہ ضروری نہیں تھا کہ تمہیں اس سے مطلع کر دیتا۔"

"تمہیں اس کا علم کس طرح ہوا۔" آصف نے پوچھا۔

"جس طرح عموماً ہوا کرتا ہے۔"

"آخر کس طرح۔"

"سر کے بل کھڑا ہو گیا تھا۔ اسی حالت میں مراقبہ کیا۔ منتیں مانیں پھر الہام ہونے لگا۔ اس کے بعد تین بار مرغ کی بولی بول کر سیدھا کھڑا ہو گیا واللہ اعلم بالثواب....!"

"تو تم نہیں بتانا چاہتے.... خیر....!" آصف نے کہا۔ "اب تک جتنی بھی وارداتیں ہوئی ہیں ان سب سے تمہارا کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہوتا ہے۔"

"اور آئندہ بھی جو وارداتیں ہونے والی ہیں ان میں بھی تم یہی محسوس کرو گے۔"

"یعنی....!"

"داراب سے باقاعدہ چھڑ گئی ہے۔"

"پھر تم داراب کو گھسیٹ لائے۔"

"خیر دیکھنا....!" انور نے کہا اور سگریٹ کے گہرے کش لینے لگا۔

"کرنل جاوید کی کوٹھی میں پولیس تعینات ہے۔" آصف نے کہا۔ "میں اس وقت وہیں جا رہا ہوں۔"

"تلاشی لینے پر کام کی بات معلوم ہوئی۔" انور نے پوچھا۔

"نہیں میں اُن سے کہہ آیا ہوں کیا تم وہاں چل سکو گے۔"

"ہاں.... ہاں کیوں نہیں۔ بھلا میں تمہارے کام نہ آؤں گا تو پھر کون آئے گا۔" انور اٹھتا ہوا بولا۔ پھر وہ رشیدہ کی طرف مخاطب ہوا۔

"اگر مجھے دیر ہو جائے تو تم آفس چلی جانا۔ میں سیدھا وہیں آؤں گا۔"

انور اور آصف کرنل جاوید کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئے۔

"ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔" آصف بولا۔

"ایک کیا کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔" انور نے کہا۔

"پھر تم نے مجھے غصہ دلانا شروع کیا۔" آصف بگڑ کر بولا۔

"بگڑو مت پیارے، میں جھوٹ نہیں کہتا اگر تم چاہتے تو اب تک جاوید کو ڈھونڈ نکالتے۔"

"وہ کس طرح....!"

"یہ بتاؤ کہ شیلا رانی کے قتل کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔" انور نے پوچھا۔

"کئی مقصد ہو سکتے ہیں۔ آصف نے کہا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کسی کی قابت کا نتیجہ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ خود کرنل جاوید ہی نے اسے قتل کرا دیا ہو! یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کسی کے پیشہ وارانہ حسد کا شکار ہوئی ہو۔"

انور مسکرانے لگا۔

"تم نے اس کے علاوہ کسی دوسرے امکان پر غور نہیں کیا۔" انور نے کہا۔

"یعنی....!"

"کرنل جاوید کی دولت کا دوسرا حق دار....!"

"اوہ.... لیکن اس کے متعلق ایسا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔"

"کیوں؟"

"تمہاری مراد صابر ہی سے ہے نا....!"

"قطعی....!"

"لیکن وہ کافی باعزت آدمی ہے اور خود بھی کافی دولت مند ہے۔ میں اس سے ایک بار مل چکا ہوں۔"

"آج کل وہ کہاں ہے۔" انور نے پوچھا۔

"کہیں باہر گیا ہوا ہے۔"

"اس کا تجوریوں کا کارخانہ دیکھا ہے۔"

"ہاں....!"

انور خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کرنل جاوید کی کوٹھی میں پہنچ گئے۔ پھاٹک پر

سپاہیوں کا پہرہ تھا۔ جن سے ایک خوش پوش نوجوان کھڑا الجھ رہا تھا۔ آصف کو دیکھ کر دونوں سپاہی خاموش ہو گئے اور نوجوان ان کی طرف مڑا۔

"اوہ صابر صاحب....!" آصف اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"آخر یہ معاملہ کیا ہے۔" صابر آصف سے ہاتھ ملاتا ہوا بولا۔ "میں کل رات کو باہر سے واپس آیا ہوں۔ کرنل صاحب کہاں ہیں۔"

"یہ ایک افسوس ناک واقعہ ہے۔ صابر صاحب۔" آصف غم زدہ آواز میں بولا۔ اور انور نے نفرت سے ہونٹ سکوڑ لئے۔ وہ صابر کو تیز نظروں سے گھور رہا تھا۔ آصف صابر کو واقعات بتانے لگا۔ بار بار صابر کا منہ حیرت سے کھل جاتا تھا۔ خصوصاً شیلا رانی والے واقعہ پر تو وہ ہمہ تن استعجاب بن گیا تھا۔

"یہ میرے لئے ایک بالکل نئی اطلاع ہے۔" صابر بے چینی سے ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ "آخر کرنل صاحب کہاں غائب ہو گئے۔"

"عام طور پر لوگوں کا خیال ہے کہ شیلا رانی کے قتل میں انہیں کا ہاتھ ہے۔ اسی لئے وہ روپوش ہو گئے ہیں۔" آصف نے کہا۔

"ناممکن قطعی ناممکن، میں اس پر یقین نہیں کر سکتا۔ اگر یہی بات تھی تو انہوں نے خود ہی شیلا رانی کے راز سے پردہ کیوں اٹھایا۔ آخر اس میں بھی ان کی کوئی چال تھی۔ تب بھی روپوش نہیں ہو سکتے تھے۔ اگر یہ بات ہوتی تو وہ پولیس کو اپنی ذات سے مطمئن کرنے کی کوشش کرتے۔"

"لیکن انہوں نے یہ راز ظاہر ہو جانے کے بعد پولیس کو قتل کی اطلاع دی تھی۔" آصف نے کہا۔

"تو پھر انہیں پولیس کو خود اطلاع دیئے بغیر غائب ہو جانا چاہئے تھا۔" صابر نے کہا۔ پھر تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد بولا۔ "یہ کوئی بہت بڑی سازش معلوم ہوتی ہے۔ آپ وثوق کے ساتھ تو کہہ نہیں سکتے کہ پولیس کو فون پر اس کی اطلاع دینے والے کرنل صاحب ہی تھے کوئی اور بھی ایسی حرکت کر سکتا ہے۔ شیلا رانی کے متعلق پولیس کے پاس کیا ثبوت ہے کہ وہ کرنل صاحب کی لڑکی تھی، محض سنی سنائی باتوں پر یقین کر لینا دانش مندی نہیں ہے کیا آپ نے اچھی طرح اطمینان کر لیا ہے کرنل صاحب کل رات یہاں کوٹھی پر موجود تھے۔ ایک یہی اس کے گواہ ہیں۔" آصف انور کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "یہ کل رات کو کرنل صاحب سے ملے تھے جس کی شہادت کوٹھی کے ملازموں نے بھی دی ہے۔ اس کے جانے کے بعد کچھ نامعلوم اشخاص

پولیس کے بھیس میں کرنل صاحب کو کسی نامعلوم جگہ پر لے گئے۔"

"آپ کی تعریف....!" صابر نے انور کی طرف دیکھ کر کہا۔ جو قطعی بے تعلقی کے ساتھ سگریٹ کا دھواں فضا میں منتشر کر رہا تھا۔

"روزنامہ اسٹار کے کرائم رپورٹر مسٹر انور سعید۔" آصف بولا۔

"ہوں...!" صابر نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "بھلا آپ ان سے کیوں ملنے آئے تھے؟"

"اپنی نئی غزل سنانے کے لئے۔" انور انتہائی خوش اخلاقی سے بولا۔ "اس شہر میں بہت کم ایسے لوگ ملتے ہیں جو میری شاعری کی قدر کر سکیں۔ موصوف مجھے بے حد چاہتے تھے۔"

آصف کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ انور نے اسے گھور کر دیکھا۔

"بہر حال صابر صاحب، بہت اچھا ہوا کہ آپ تشریف لے آئے۔ آپ کی موجودگی میں اطمینان سے تحقیقات کر سکوں گا۔" آصف بولا۔

وہ تینوں کوٹھی میں آئے۔

"میں دراصل اس قسم کا کوئی ثبوت مہیا کرنا چاہتا ہوں کہ شیلا رانی کرنل صاحب کی لڑکی تھی۔" آصف بولا۔

"ضرور مہیا کیجئے۔" صابر نے کہا، "لیکن مجھے اس کہانی پر یقین نہیں آتا۔"

"کسی کو نہیں آسکتا۔" انور سنجیدگی سے بولا۔ "انتہائی بے سروپا بات ہے۔"

آصف پھر حیرت زدہ انداز میں انور کی طرف دیکھنے لگا۔

"شیلا رانی کے متعلق آپ کی اپنی تحقیقات کا نتیجہ کیا نکلا۔" آصف سے صابر نے پوچھا۔

"ابھی تک تو کچھ نہیں۔" آصف نے کہا۔ "میں کرنل صاحب کے کاغذات دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں ہاں.... ضرور.... ضرور....!" صابر نے کہا۔

آصف اور انور متعدد کمروں میں چیزوں اور کاغذات کا جائزہ لیتے رہے تھے۔ صابر بھی ان کے ساتھ تھا۔ ایک کمرے میں پہنچ کر دفعتاً صابر اچھلا اور اس کے منہ سے استعجاب زدہ آوازیں نکلنے لگیں۔

انور اور آصف اس کی طرف مڑے، صابر کی تحیر آمیز نظریں سامنے رکھی ہوئی ایک قد آدم تجوری پر جمی ہوئی تھیں۔

"ڈاکہ.... صریحی ڈاکہ....!" صابر آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا مطلب....!" آصف چونک کر بولا۔

"آپ اس تجوری کی طرف دیکھ رہے ہیں۔" صابر نے کہا۔

آصف نے سر ہلا دیا۔

"یہ تجوری میں نے خاص طور سے اپنی نگرانی میں تیار کرائی تھی۔" صابر نے کہا۔

"وہ تو سب کچھ ہے۔" آصف اکتا کر بولا۔ "ابھی آپ ڈاکے کا تذکرہ کر رہے تھے۔"

"اس تجوری کو کسی نے غلط طریقے سے کھولا ہے۔" صابر نے کہا۔ "کرنل صاحب ایسا نہیں کر سکتے تھے۔"

"مگر تجوری تو بند ہے۔" آصف نے کہا۔

"یہ دیکھئے ادھر آیئے یہاں آپ ایک ابھری ہوئی سرخ لکیر دیکھ رہے ہیں نا، یہی اس بات کی دلیل ہے کہ اس تجوری کو کسی ایسے آدمی نے کھولنے کی کوشش کی ہے جو اس کے صحیح استعمال سے واقف نہیں تھا اور ادھر یہ تیر کا نشان یہ ظاہر کر رہا ہے کہ اس وقت بھی اس کا تالا بند نہیں ہے اور اس کا تالا کسی اوزار کی مدد سے توڑا گیا ہے۔ کنجی سے نہیں کھولا گیا۔ تجوری کا ہینڈل دیکھئے یہ ڈھکنے کے کنارے سے پینتالیس درجے کے زاویے پر ہے۔ یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ تالا بند نہیں ہے، ورنہ یہ نوے درجے کے زاویئے پر ہوتا۔"

"اگر فرض کیجئے کہ اس میں سے کوئی چیز چرائی گئی ہے تو اس کا علم کس طرح ہوگا۔" آصف نے کہا۔ "کیا آپ کو معلوم ہے کہ اس میں کون کون سی چیزیں رکھی جاتی تھیں۔"

"نہیں میں تو نہیں جانتا۔"

"یہ ایک اور دشواری ہوئی۔" آصف متفکرانہ انداز میں بولا۔

اس کے بعد مکمل سکوت چھا گیا۔ ہر شخص اپنی جگہ پر کچھ نہ کچھ سوچ رہا تھا۔

دفعتاً تجوری کے اندر سے کھڑکھڑاہٹ کی آواز سنائی دی اور صابر چونک پڑا۔

کھڑکھڑاہٹ کی آواز ایک منٹ تک جاری رہی۔ پھر ایک قہقہہ سنائی دیا۔ تجوری کے اندر سے کوئی کہہ رہا تھا۔ "کیوں؟ انور دیکھ لیا تم نے داراب کے راستے میں آنا ہنسی کھیل نہیں ہے۔ اب پھر تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ پولیس کو بھٹکنے دو، تم ان معاملات میں دخل نہ دو اور آپ انجینئر صاحب، آپ خود کو بہت بڑا انجینئر سمجھتے ہیں۔ اب اس وقت اس طرح منہ کھولے کیوں کھڑے ہیں بتایئے نا میں کہاں سے بول رہا ہوں۔"

اور پھر ایک قہقہہ سنائی دیا اور آواز آنی بند ہو گئی۔

صابر کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ انور نے اس طرح ہونٹ بنا رکھے تھے جیسے سیٹی

بجانے کا ارادہ کر رہا ہو۔ آصف، کبھی صابر کیطرف دیکھتا تھا اور کبھی انور کیطرف۔ "خدا کی قسم یہ بالکل نئی چیز ہے۔" صابر تجوری کی طرف جھپٹتا ہوا بولا۔ دوسرے لمحہ میں تجوری کا ہینڈل اسکے ہاتھ میں تھا۔ ہاتھ کو جنبش ہوئی اور تجوری کا پٹ کھل گیا اور ساتھ ہی تجوری سے ایک گیت بلند ہوا۔ کوئی عورت ستار اور طبلہ پر گا رہی تھی۔ صابر تجوری کے پاس سے ہٹ گیا۔ گیت جلد ہی ختم ہو گیا۔

"دیکھ رہے ہیں آپ تجوری بالکل خالی ہے۔" صابر نے آصف سے کہا۔

"قطعی دیکھ رہا ہوں۔" آصف نے کہا۔ "مگر یہ آوازیں۔"

"ابھی آپ نے جو گیت سنا وہ میری ہی کاری گری ہے۔ مگر پہلی آواز کا میں ذمہ دار نہیں۔ قریب آیئے یہ دیکھئے۔ اس ہینڈل کا تعلق اندر لگے ہوئے ایک گراموفون سے ہے جیسے ہی ہینڈل گھمایا جاتا ہے یہ چھوٹا سا ریکارڈ بجنے لگتا ہے۔ یہ میں نے اس لئے بنایا تھا کہ اگر کوئی چور رات کو کھولنے کی کوشش کرے تو گیت کی آواز سے گھر والے جاگ پڑیں.... لیکن وہ پہلی آواز...." صابر اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

انور کے چہرے پر ایک پُر اسرار مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔ وہ ان سب باتوں کو اتنی لاپروائی سے سن رہا تھا جیسے کوئی ہوش مند آدمی کسی بچے سے اس کے کھلونے کی آواز سنتا ہے۔ لیکن وہ قطعی خاموش تھا۔

"آصف صاحب....!" صابر مڑ کر بولا۔ "شاید میرا دماغ خراب ہو جائے گا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا سمجھوں۔"

آصف سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"اس تجوری میں ایک چھوٹا سا ٹرانسمیٹر رکھا ہوا ہے۔" صابر نے کہا۔ "جس کا میری ذات سے کوئی تعلق نہیں اور وہ پہلی آوازیں شاید اسی ٹرانسمیٹر سے آئی تھیں.... تجوری کھولنے والے نے شاید یہ ٹرانسمیٹر یہاں رکھا ہے۔"

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔" انور نے کہا۔ "ممکن ہے کہ کرنل صاحب ہی نے رکھا ہو۔"

"یہ بھی ہو سکتا ہے۔" صابر بے چینی سے بولا۔ "لیکن تجوری خالی کیوں ہے۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ آپ، یہ جانتے ہیں کہ اس تجوری میں کیا رکھا جاتا تھا۔" انور نے کہا۔

"میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔" صابر بولا۔ "لیکن جہاں تک میرا خیال ہے وہ اس میں اپنے جواہرات رکھتے تھے۔"

"جواہرات!" آصف چونک کر بولا۔

"جی ہاں! یہ بات تو کافی مشہور ہے کہ کرنل صاحب کے پاس بعض بیش قیمت جواہرات ہیں۔" صابر نے کہا۔

"خود آپ نے کبھی نہیں دیکھا۔"

"نہیں نہ میں نے کبھی دیکھنے کی خواہش ظاہر کی اور نہ کرنل صاحب نے دکھائے۔"

"قدرتی بات ہے۔ آصف صاحب۔" انور مسکرا کر بولا۔ "ظاہر ہے کہ وہ کرنل صاحب کے بعد صابر صاحب کی ہی ملکیت ہوتے۔ اسلئے صابر صاحب کی سیر چشمی کوئی حیرت انگیز بات نہیں۔"

صابر انور کو گھورنے لگا۔

"تو جناب آصف صاحب یہ معاملہ بالکل صاف ہو گیا کہ ان وارداتوں میں داراب کا ہاتھ ہے۔" انور نے کہا۔ "اب دیکھنا یہ ہے کہ داراب اور کرنل صاحب میں کیا تعلق ہے۔"

"تب تو پولیس کی جدوجہد بالکل بیکار ہے۔ پولیس نے اس کا کیا بنا بگاڑ لیا ہے۔"

"ایسا نہ کہئے صابر صاحب۔" آصف نے کہا۔ "کوئی مجرم ہمیشہ آزاد نہیں رہ سکتا۔"

"ایک نہ ایک دن خداوند تعالیٰ اسے پکڑ کر پولیس کے حوالے کر ہی دیتا ہے۔" انور سنجیدگی سے بولا اور صابر بے اختیار ہنس پڑا۔ آصف نے منہ سکوڑ لیا لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

"اس ٹرانسمیٹر پر مجرم کی انگلیوں کے نشانات ضرور ہوں گے۔" آصف نے کہا۔

سگریٹ کیس

"ضرور ہوں گے۔" انور نے کہا۔ "اچھا اب میں چلا۔"

"کیوں....!"

"ابھی تک کوئی ایسی سنسنی خیز بات نہیں معلوم ہوئی، جو مجھے دلچسپی لینے پر مجبور کر سکے۔"

"یہ ٹرانسمیٹر۔" آصف نے کہا۔

"ہاں ہاں.... ٹرانسمیٹر میں بھی دیکھ رہا ہوں۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں، اس سے داراب کو پکڑنے میں کوئی مدد نہیں مل سکتی۔ وہ نہ جانے کہاں سے بولا ہو گا زیادہ سے زیادہ تم اس کے ذریعہ اس سمت معلوم کر لو گے جدھر سے آواز آئی ہے۔ اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ اچھا اب میں آفس جاؤں گا۔"

انور انہیں وہیں چھوڑ کر آفس کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں اسے خیال آیا کہ اس نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا۔ اس نے ایک ریستوران کے سامنے موٹر روک دی۔

چائے کی چسکی لیتے وقت اس نے سگریٹ کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا پھر دوسرے جیب میں۔ پتلون کی جیبیں بھی دیکھیں، لیکن سگریٹ کیس نہ ملا۔ انور نے مسکرا کر ایک طویل سانس لیا اور کسی نئے حادثے کے لئے تیار ہو گیا۔ اس کی ڈائری ایک بار مصیبت کا باعث بن چکی تھی۔ وہ سوچنے لگا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ سگریٹ کیس کس حادثے کی اطلاع ہے۔ لیکن اسے کوئی پریشانی نہ تھی۔ وہ زندگی کو ایک جوئے سے زیادہ وقعت نہ دیتا تھا۔ ہار یا جیت اس کے علاوہ کوئی اور تیسری چیز نہیں ہو سکتی۔ زندگی کی اس عظیم جدوجہد میں اگر ایک بار وہ پس بھی گیا تو اس سے کیا فرق پڑے گا۔ دنیا بدستور اپنے راستے پر چلتی رہے گی۔ اس کے بعد کوئی دوسری گوشت پوست کی مشین اس کی جگہ لے لے گی۔ پھر پریشانی کس بات کی۔

اس نے ویٹر کو آواز دے کر سگریٹ منگائیں اور ایک سلگا کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ ریستوران میں کافی بھیڑ تھی۔ شاید ہی کوئی میز خالی رہی ہو۔

"اوہ تو تم یہاں ہو! کسی نے پیچھے سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ آواز نسوانی تھی۔ انور نے پیچھے مڑے بغیر کنکھیوں سے اس کے ہاتھ کی طرف دیکھا جو اس کے کاندھے پر رکھا ہوا تھا۔ ایک نرم و نازک خوبصورت ہاتھ، انگلیاں خوبصورت اور سبک سی انگوٹھیوں سے مزین تھیں اور پھر ایک نوجوان عورت اس کے برابر کی کرسی پر بیٹھ گئی۔ انور اس کی طرف مڑا اور وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"اوہ معاف کیجئے گا مجھے غلط فہمی ہوئی۔" وہ ندامت آمیز انداز میں بولی۔

"کوئی بات نہیں ہے تشریف رکھئے۔" انور انتہائی خوش اخلاقی اور شرافت سے بولا۔ ویسے بھی اس وقت کوئی میز خالی نہیں ہے، مجھے آپ سے مل کر مسرت ہو گی۔"

اور اس کی خوش اخلاقی کی ایک وجہ اور بھی تھی۔ اس نے ابھی ابھی اپنے کوٹ کے نچلے جیب میں ایک وزن سا محسوس کیا تھا اور اب بھی محسوس کر رہا تھا۔ بظاہر وہ اس کی طرف سے لاپروائی برتتا رہا وہ فوراً ہی یہ نہیں ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ اس کا سگریٹ کیس ابھی ابھی حیرت انگیز طریقے پر اس کی جیب میں واپس آ گیا ہے۔

انور نے اپنے چہرے پر اور زیادہ شرافت کے آثار پیدا کئے اور وہ کسی دیوتا کی طرح معصوم نظر آنے لگا۔

عورت بیٹھ گئی۔

"میں کیا بتاؤں کہ آپ میرے دوست سے کتنی مشابہت رکھتے ہیں۔" عورت مسکرا کر بولی۔

"اللہ پاک بڑی شان اور قدرت والا ہے۔" انور ٹھیٹ مولویانہ انداز میں بولا۔

"آپ چائے پئیں گی یا کافی۔"

"اوہ شکریہ۔ اس کی زحمت نہ کیجئے۔" عورت نے کہا۔ "میں خود منگوالوں گی۔"

"آپ میرا دل توڑ رہی ہیں۔ فرض کیجئے میں آپ سے دوستی پیدا کرنا چاہتا ہوں تو....!" انور مسکرا کر بولا۔ "اس کے بعد آپ یقیناً مجھے اپنے گھر پر بلا کر چائے پلائیں گی۔ اس کے بعد میں آپ کو مدعو کروں گا۔ اسی طرح زندگی بھر ہم دونوں ایک دوسرے کو دعوتیں دیتے رہیں گے اور پھر زندگی میں سوائے کھانے پینے کے اور رکھا ہی کیا ہے۔ آپ مجھے پیٹو سمجھیں گی لیکن ایسا نہیں میں صرف چٹورا ہوں۔ پیٹو اور چٹورے میں بڑا فرق ہے۔ پیٹو ہر چیز پیٹ بھر کر کھانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن چٹورا دنیا کی ساری چیزیں ذرا ذرا سی چاٹ کر چھوڑ دینا چاہتا ہے۔ چاٹ پر مجھے بارہ مصالحے کی چاٹ یاد آ گئی۔ مگر شاید یہاں اس ریستوران میں نہ ملے۔ میری باتوں کا بُرا مت مانئے گا۔ میں ذرا کچھ بے وقوف سا آدمی ہوں۔ ویسے دل کا بُرا نہیں۔"

عورت ہنسنے لگی۔

"آپ واقعی دلچسپ معلوم ہوتے ہیں.... ایک اچھے دوست ثابت ہوں گے۔" عورت نے اپنا ہینڈ بیگ میز کے نیچے رکھ کر آرام سے بیٹھتے ہوئے کہا۔

انور نے بیرے کو آواز دے کر چائے اور پیسٹریوں کا آرڈر دیا۔ پھر عورت کی طرف جھک کر رازدارانہ لہجہ میں کہنے لگا۔

"اس ریستوران کے سارے ویٹر مجھے بیوقوف سمجھتے ہیں۔ اچھا آپ ہی ایمانداری سے بتائیے کہ میں صورت سے بھی بیوقوف معلوم ہوتا ہوں۔"

"قطعی نہیں....!" عورت شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"سچ مچ ہم اچھے دوست ثابت ہو سکتے ہیں۔" انور اور بھی رازدارانہ انداز میں بولا۔ "میرا خیال ہے کہ میں کافی خوبصورت آدمی ہوں۔ لیکن لوگوں نے بیوقوف مشہور کر دیا۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ کوئی لڑکی مجھ سے شادی کرنے پر رضامند نہیں ہوتی۔ خیر میں نے بھی تہیہ کر لیا کہ تمام عمر شادی نہ کروں گا۔ ویسے بہتیری لڑکیاں میری دوست ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ بے وقوف کے دونوں گال خود بخود پھڑکتے رہتے ہیں۔ ذرا دیکھئے کیا اس وقت میرا بایاں گال پھڑک رہا ہے یا نہیں،

ذرا اور قریب سے دیکھئے۔"

عورت جھک کر دیکھنے لگی۔ سچ مچ انور کا بایاں گال خود بخود پھڑک رہا تھا۔ عورت ہنسنے لگی۔

"یہ دیکھئے.... یہ دیکھئے.... داہنا بھی پھڑکنے لگا۔"

عورت جھک کر دیکھنے لگی۔ اس دوران میں انور نے جیب سے سگریٹ کیس نکالا اور اسے میز کے نیچے رکھے ہوئے ہینڈ بیگ میں ڈال دیا۔ عورت کو خبر تک نہ ہوئی۔ وہ بدستور انور کے گالوں کی پھڑکن دیکھ دیکھ کر ہنستی رہی۔

"ہاں تو یہ ہے میری دکھ بھری داستان۔" انور سیدھا ہو کر بولا۔ "اب بتایئے آپ کو میں بے وقوف لگتا ہوں یا نہیں۔"

"قطعی نہیں۔" عورت سنجیدہ بننے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔

"خدا آپ کو خوش رکھے آپ پہلی عورت ہیں جس نے مجھے بیوقوف نہیں سمجھا۔ چائے پیجئے۔" انور نے اس کے کپ میں چائے انڈیلتے ہوئے کہا۔

عورت اس دوران میں بار بار اپنی گھڑی کی طرف دیکھتی رہی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُسے وقت کا بڑا خیال ہے۔

"اب ہم دونوں اس طرح ملتے رہیں گے۔" انور نے بچکانے انداز میں کہا۔

"ضرور ضرور....!" عورت مسکرا کر بولی۔ "واقعی آپ بڑے دلچسپ آدمی ہیں۔"

"میں شاعر بھی ہوں۔" انور آگے کی طرف جھک کر بولا۔

"اوہ.... اچھا....؟ تب تو آپ سے مل کر اور بھی خوشی ہوئی۔"

"میرے والد صاحب بھی شاعر تھے۔"

"اچھا....!"

"دادا صاحب بھی اور پردادا بھی۔"

"تب تو آپ واقعی بہت اچھے شاعر ہوں گے۔" عورت نے مسکرا کر کہا۔ "کبھی ہماری طرف بھی آیئے گا۔ ایک سو بیس آسکر سٹریٹ میں رہتی ہوں۔"

"اور آپ کے....!"

"میں ابھی پڑھ رہی ہوں۔" عورت جلدی سے بولی۔

"اوہو ہو ہو۔" انور بچوں کی طرح ہنستا ہوا بولا۔ "تب تو میں ضرور آؤں گا۔ تو آپ واقعی مجھے بیوقوف نہیں سمجھتیں۔"

"نہیں قطعی نہیں۔"

"اگر آپ مجھے بیوقوف نہ سمجھیں تو میں آپ کا نام پوچھنے کی جرأت کروں۔"

"میرا نام نجمہ ہے۔"

"آپ سچ مچ نجمہ ہیں۔ نجم معنی ستارہ آپ کی آنکھیں ستاروں کی طرح چمکدار ہیں.... مگر آپ دمدار ستارہ نہیں، میں نے سنا ہے کہ دمدار ستارہ منحوس ہوتا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" عورت مسکرا کر بولی۔

"میرا نام انور سعید ہے" انور مسکرا کر بولا۔ "لوگ مجھے کروڑ پتی سمجھتے ہیں، لیکن مجھے تو یقین نہیں آتا۔"

"تو پھر آپ سچ مچ کروڑ پتی ہیں۔"

"پتہ نہیں! ممکن ہے افواہ ہو۔"

"آپ واقعی بہت دلچسپ آدمی ہیں۔ عورت گھڑی دیکھ کر اپنا ہینڈ بیگ میز کے نیچے سے اٹھاتی ہوئی بولی۔

"تو کیا چل دیں۔ میں بہت اداس ہو جاؤں گا۔"

"مجھے جلدی ہے گیارہ بجے میرے ایک عزیز باہر سے آرہے ہیں۔ انہیں لینے کے لئے اسٹیشن جاؤں گی۔"

"خیر....!" انور اداسی سے بولا۔ "پھر کب ملیں گے۔"

"کل کسی وقت ہمارے گھر آیئے۔" عورت نے کہا اور انور سے ہاتھ ملا کر ہینڈ بیگ اٹھاتے ہوئے باہر چلی گئی۔

انور اٹھ کر کھڑکی کے قریب آیا وہ باہر ایک چھوٹی سی خوبصورت کار میں بیٹھ رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے کار اسٹارٹ ہو گئی اور انور اپنی میز پر لوٹ آیا۔ بیرے کو بلا کر جلدی جلدی بل ادا کیا اور باہر نکل آیا۔

اور پھر جس طرف کار گئی تھی اسی طرف اس کی موٹر سائیکل بھی جا رہی تھی۔ انور کی آنکھیں شرارت آمیز انداز میں چمک رہی تھیں، لیکن پھر جلد ہی اُس کے چہرے پر معصومیت پھیل گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ابھی ابھی کسی عبادت گاہ سے لوٹا ہو۔

ابھی تک وہ کار اسے نہیں دکھائی دی تھی۔ غالباً بہت زیادہ رفتار سے روانہ ہوئی تھی لیکن انور اپنی جوابی کاروائی کی طرف سے مطمئن تھا۔

وہ تھوڑی ہی دور گیا ہوگا کہ سامنے سڑک پر بھیڑ دکھائی دی۔ شاید کوئی حادثہ ہو گیا تھا اور پھر اس انبوہ میں اسے وہ کار دکھائی دی جس کے تعاقب میں وہ روانہ ہوا تھا۔ انور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس مسکراہٹ سے درندگی اور سفاکی جھلک رہی تھی۔ اس کی نظروں میں وہی آسودگی تھی جو ایک درندے کی نظروں میں پائی جاتی ہے۔ اس وقت جب کہ اس کا شاندار شکار بالکل اس کے قابو میں آ گیا ہو۔

انور نے موٹر سائیکل فٹ پاتھ کے قریب کھڑی کر دی اور خود بھیڑ میں آ گیا۔

نجمہ کار کی اگلی سیٹ پر پڑی کراہ رہی تھی۔ اس کی بائیں ران کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی نے قیمہ کر کے رکھ دیا ہو۔ ہینڈ بیگ کے چیتھڑے سڑک پر پڑے سلگ رہے تھے اور کار کے اندر بارود کی بو پھیلی ہوئی تھی۔

پولیس آ گئی تھی۔ سب انسپکٹر نے کہیں سے ایک ایمبولینس منگوائی اور زخمی عورت کو اس پر ڈال کر ہسپتال کی طرف لے جانے لگا۔ کار سڑک کے کنارے کھڑی کر دی گئی۔ انور نے کئی آدمیوں سے اس حادثے کے متعلق پوچھنے کی کوشش کی لیکن کسی نے کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا۔ کسی کو ٹھیک سے یہ نہ معلوم ہو سکا تھا کہ حادثے کی نوعیت کیا تھی۔ پھر انور چوراہے کے سپاہی کی طرف متوجہ ہوا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔" سپاہی بولا۔ "کار یہاں سے گذر رہی تھی کہ دفعتاً ایک دھماکہ سنائی دیا اور پھر ایک چیخ۔ کار رک گئی اور عورت اس حال میں نظر آئی۔ میرا خیال ہے کہ شاید اس کے پاس کسی قسم کا بم تھا جو پھٹ گیا۔"

"اس نے کچھ بتایا بھی....!" انور نے پوچھا۔

"کچھ نہیں، بہر حال ایک ٹانگ تو بے کار ہی ہو گئی یا شاید مر جائے۔"

انور موٹر سائیکل لے کر سیدھا ہسپتال کی طرف روانہ ہو گیا اور اس کمرے میں نہیں گیا جس میں وہ رکھی گئی تھی۔ اندر شاید پولیس اس کا بیان لے رہی تھی۔ انور باہر ہی ٹھہرا رہا۔ وہ اندر بھی جا سکتا تھا لیکن اس نے مناسب نہیں سمجھا۔

تھوڑی دیر بعد ایک سب انسپکٹر اندر سے آیا۔ انور اسے اچھی طرح پہچانتا تھا۔

"کیوں جناب آخر آپ پہنچ ہی گئے۔" اس نے انور سے کہا۔

"ہاں جناب اسی کی روٹی کھاتا ہوں۔" انور بولا۔

"اس نے بیان دیا ہے کہ کسی نے اس کی کار پر بم پھینکا تھا۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"اور آپ نے اس پر یقین کر لیا۔"

"کیوں؟ یقین کیوں نہ کیا جائے۔"

"اگر فرض کیجئے خود اسی کے پاس بم رہا ہو تو۔"

"یہ بھی ہو سکتا ہے۔"

"وہ ہے کون؟"

"ایک معزز آدمی کی بیوی ہے۔"

"یعنی....!"

"نیشنل آئرن ورکس کے منیجر کی بیوی ہے۔"

"اوہ.... اچھا....!" انور نے کہا اور اس کے ذہن میں پے در پے کئی سوال گونج اٹھے۔

"میں نے اسے فون کر دیا ہے وہ آ ہی رہا ہوگا۔" سب انسپکٹر نے کہا اور دوسری طرف چلا گیا۔

انور تھوڑی دیر تک کھڑا سگریٹ پیتا رہا پھر دفعتاً ہسپتال کی کمپاؤنڈ سے باہر چلا گیا۔ پھاٹک کے قریب ہی چائے کی ایک چھوٹی سی دکان تھی۔ انور وہاں جا کر بیٹھ گیا۔ چائے کیلئے کہہ کر دروازے کے قریب کرسی گھسیٹ لایا۔ یہاں سے ہسپتال کے اندر جانے والے صاف دکھائی دے رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد ایک کار پھاٹک میں داخل ہوئی۔ انور نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ دوسرے لمحے میں وہ ایک کاغذ کے ٹکڑے پر بائیں ہاتھ سے لکھ رہا تھا۔

> داراب کے لئے دوسری چوٹ، لیکن مجھے اپنے قیمتی سگریٹ کیس کے ضائع ہونے کا افسوس ہے۔ آئندہ کسی ملاقات میں اس کی قیمت وصول کر لی جائے گی۔

انور وہ کاغذ مٹھی میں دبائے ہوئے ہسپتال کی کمپاؤنڈ میں آیا۔ تھوڑی دیر قبل جو کار اندر داخل ہوئی تھی پورٹیکو میں کھڑی نظر آئی۔ انور نے وہ پرچہ اس کی اگلی سیٹ پر ڈال دیا اور پھر اسی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد کار اندر سے واپس آئی اور مشرق کی طرف مڑ گئی۔ انور کی موٹر سائیکل کافی فاصلے سے اس کا تعاقب کر رہی تھی۔ کار شہر کے بارونق بازاروں سے گزرتی ہوئی ایک ویران راستے پر ہو لی۔ انور کو مجبوراً اپنی موٹر سائیکل کی رفتار کم کر دینی پڑی۔ وہ تقریباً چار فرلانگ پیچھے جا رہا تھا۔ دفعتاً اسے خیال آیا کہ وہ سڑک آگے جا کر ختم ہو گئی ہے۔ پھر اس کے بعد ایک دریا ہے۔ وہ اکثر اس طرف تفریحاً نکل آیا کرتا تھا۔ ایک خیال تیزی سے اس کی ذہن میں

گونجا اور اس نے موٹر سائیکل روک کر ایک طرف کھڑی کر دی۔ دوسرے لمحے میں وہ ایک اونچے درخت پر بندر کی سی پھرتی کے ساتھ چڑھ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ سب سے اونچی شاخ پر پہنچ گیا۔ اس کے گرد و پیش میلوں تک گھنی جھونپڑیاں اور سرسبز میدان پھیلے ہوئے تھے۔ دریا کے کنارے ایک طرف چھوٹی چھوٹی جھونپڑیاں تھیں جن سے تقریباً ڈیڑھ یا دو فرلانگ کے فاصلے پر ایک بڑی سی پختہ عمارت تھی۔ جنگ کے زمانے میں اس میں کوئی سرکاری کارخانہ تھا اور جنگ کے خاتمہ پر اسے کسی نے کرائے پر لے لیا تھا۔ انور کی نظریں اس کار پر جمی ہوئی تھیں۔ دفعتاً اس نے ایک گہرا سانس لیا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ کار اسی عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔

انور درخت سے اتر آیا۔ جیب میں ہاتھ ڈال کر سگریٹ کا پیکٹ نکالا لیکن دوسرے ہی لمحے میں جھنجھلا کر اسے سڑک پر پھینک دیا کیونکہ وہ نہ جانے کب کا خالی ہو چکا تھا اور پھر اس کی موٹر سائیکل شہر کی طرف واپس جا رہی تھی۔ وہ اس وقت صرف سگریٹوں کے متعلق سوچ رہا تھا۔ جیب میں اتنے پیسے بھی نہ تھے کہ شہر پہنچتے ہی سگریٹ خرید لئے جاتے۔ بہر حال دفتر پہنچنے سے قبل اسے سگریٹ نہیں مل سکتے تھے۔ ایک گھنٹے کے بعد وہ دفتر میں بیٹھا سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہا تھا۔ آج کی خبریں مکمل ہو جانے کے بعد اس نے مسودہ ایڈیٹر کے کمرے میں بھجوا دیا اور پھر روزانہ چھپنے والے جاسوسی ناول کی قسط لکھنے لگا۔ آج کے کارناموں تک کی اطلاع اس نے رشیدہ کو دفتر میں آتے ہی دے دی تھی۔ رشیدہ نے اس پر کچھ تبصرہ بھی کرنا چاہا تھا لیکن انور نے یہ کہہ کر اسے روک دیا تھا کہ وہ اپنا کام مکمل کئے بغیر کسی قسم کی گفتگو کرنا پسند نہ کرے گا۔

جاسوسی ناول کی قسط لکھ چکنے کے بعد اس نے ایک طویل انگڑائی لی اور سگریٹ سلگا کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ رشیدہ اس دوران میں کئی بار اس کے کمرے میں جھانک کر واپس جا چکی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر کام کرتے وقت وہ اس کے پاس گئی تو وہ اسے بڑی بے مروتی کے ساتھ کمرے سے نکال دے گا۔

وہ پھر آئی اور یہ دیکھ کر انور کام ختم کر چکا ہے کمرے میں چلی آئی۔

"تم سچ مچ بہت خطرناک ہوتے جا رہے ہو۔"

"میں فرشتوں سے زیادہ معصوم ہوں۔" انور کے چہرے پر معصومیت پھیل گئی۔

"اُس بے چاری کا نہ جانے کیا حشر ہوا ہو گا۔"

"بہر حال وہ مر نہیں سکتی۔" انور نے کہا "البتہ وہ سگریٹ کیس میرے جیب میں پھنسا تو..."

میری نئی غزل نامکمل رہ جاتی۔"

"تمہارا دوسرا اقدام کیا ہو گا۔"

"میرا دوسرا اقدام، دوسرا اقدام ہو گا۔ ظاہر ہے کہ وہ تیسرا اقدام ہرگز نہیں ہو سکتا۔"

"پھر بدحواس ہوئے تم....!"

"تمہاری آنکھیں بہت حسین ہیں۔"

"اتنی جلدی سارے سگریٹ پی ڈالے۔" رشیدہ منہ بنا کر بولی۔

"گھبراؤ نہیں آج کچھ آمدنی کی توقع ہے۔ میں دارالاب سے اپنے سگریٹ کیس کی قیمت معہ جرمانہ اور بربادی وقت وصول کروں گا۔"

"کیوں خواہ مخواہ جان گنوا رہے ہو۔" رشیدہ بولی۔

"ڈرپوک نکل جاؤ یہاں سے۔" انور بگڑ کر بولا۔

"میں ڈرپوک نہیں ہوں۔ لیکن میں تمہیں تنہا وہاں نہ جانے دوں گی۔"

"بکو مت.... میں تنہا جاؤں گا۔ تم بعد میں آسکتی ہو۔ سنو قریب آؤ۔"

رشیدہ اس کے قریب کرسی کھسکا لائی اور انور آہستہ آہستہ اس سے باتیں کرتا رہا۔

پھر ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر اسے دیتا ہوا بولا۔ "یہ ساری چیزیں کسی دوا فروش کے یہاں مل جائیں گی۔"

رشیدہ چلی گئی۔ انور نے کمپوزیٹر کو بلوا کر جاسوسی ناول کی قسط اسی کے حوالے کی اور اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔

اس کا ذہن رات کی جنگ کا نقشہ مرتب کر رہا تھا۔ اس کے دل میں ذرہ برابر بھی ہچکچاہٹ نہیں تھی۔ اسے اپنی کامیابی پر اس طرح ناز تھا جیسے وہ اپنے ساتھ ایک بہت بڑی فوج لے جانے کا ارادہ رکھتا ہو اور پھر چند لمحوں کے بعد اس نے یہ سارے خیالات اپنے ذہن سے نکال پھینکے اور ان سگریٹوں کے متعلق سوچنے لگا جو رشیدہ اس کے لئے خریدنے گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد رشیدہ واپس آ گئی۔ سگریٹوں اور سگریٹ کیس کے ساتھ اس نے چھوٹا سا پیکٹ بھی میز پر رکھ دیا۔

انوکھا پستول

انور نے صفوفوں کی تھوڑی تھوڑی مقدار لے کر انہیں یکجا کیا اور ان میں ایک بوند پانی ڈال کر چھوٹی چھوٹی گولیاں بنائیں۔ پھر چند سگریٹوں کا تمباکو نکال کر میز پر پھیلا دیا۔ تھوڑی دیر محنت کے بعد اس کے چہرے پر آسودگی اور اطمینان کے آثار نظر آنے لگے۔ رشیدہ خاموش بیٹھی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

"آخر اس کا مطلب....!" رشیدہ بولی۔

"اس ترکیب سے تمباکو ذرا تیز ہو جاتا ہے۔"

رشیدہ نے اس طرح منہ بنایا جیسے اسے یقین نہ آیا ہو۔

"اب گھر بھی چلو گے یا نہیں، پانچ بج رہے ہیں۔" رشیدہ نے کہا۔

"میں نے اسکیم بدل دی ہے تم تنہا گھر جاؤ، موٹر سائیکل لیتی جاؤ اور پھر بارہ بجے کے بعد تمہیں اختیار ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم سچ مچ زندگی سے بیزار ہو گئے۔"

"نہیں زندگی سے پیار ہے البتہ اس صورت میں ضرور زندگی سے بیزار ہو سکتا ہوں جب اس میں یکسانیت پیدا ہو جائے۔"

"اگر یہی ہے تو پھر زندگی میں نیا پن پیدا کرنے کے لئے دوسرے طریقے بھی ہیں۔" رشیدہ مسکرا کر بولی۔

"وہ کیا....؟"

"جب زندگی میں یکسانیت محسوس ہونے لگے تو آنکھیں بھینچ کر گدھے کی بولی بولنا شروع کر دیا کرو۔ اگر کوئی قریب ہو تو دولتیاں بھی جھاڑ سکتے ہو۔ اگر اس سے بھی تشفی نہ ہو تو اپنے پتلون میں پیچھے کی طرف سرخ رنگ کا ایک لمبا فیتہ ٹنکوا لو۔"

انور نے قہقہہ لگایا اور رشیدہ بھی ہنسنے لگی۔

"بعض اوقات بہت پیاری لگتی ہو۔"

"پھر تم نے مکھن کا ڈبہ کھولا۔ اب کیا بات ہے۔ سگریٹ بھی تو لا دیئے۔"

"تم کیا یہ سمجھتی ہو کہ میں فقیر ہوں۔" انور نے بھنا کر اپنا پرس میز پر الٹ دیا۔ اس میں سے ایک دونی گر پڑی۔

رشیدہ بے اختیار ہنس پڑی۔

"آج رات کو میں کافی امیر ہو جاؤں گا۔" انور سنجیدگی سے بولا۔

"یہ لیجئے۔" رشیدہ نے دس دس کے دو نوٹ انور کے سامنے ڈال دیئے۔

"شکریہ.... شکریہ۔" انور نوٹ سمیٹ کر جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ "آج رات کو مع سود واپس کر دوں گا۔"

"آج تمہیں شام کی چائے بھی یاد نہیں رہی۔" رشیدہ نے کہا۔

"یہیں منگواؤ" انور نے کہا۔ "آج میں یہاں سے نو بجے سے پہلے نہیں نکلوں گا۔"

"کیوں....؟"

"کیا تم سچ مچ یہ چاہتی ہو کہ میری غزل نامکمل رہ جائے گی۔"

رشیدہ نے چپڑاسی کو آواز دے کر چائے لانے کو کہا اور پیار بھری نظروں سے انور کی طرف دیکھنے لگی۔

"کیا کاٹ کھانے کا ارادہ ہے۔" انور سہم کر بولا۔

رشیدہ جھنجھلا گئی اور اس نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔

"تم انسان نہیں ہو۔" وہ مایوسانہ انداز میں بولی۔ "تم سچ مچ مشین بن کر رہ گئے ہو۔"

"اور یہی آدمیت کی معراج ہے کہ آدمی پر دکھ اور سکھ کا کوئی اثر نہ ہو، خوشی اور رنج دونوں اس کے لئے بے معنی الفاظ ہو کر رہ جائیں۔ اگر دنیا یونان کے قدیم.... فلسفیوں کے نقشِ قدم پر چلی ہوتی تو آج نہ کوئی تپ دق میں مبتلا ہوتا اور نہ خوشی کی زیادتی کی وجہ سے کسی کا ہارٹ فیل ہوتا۔"

"تو پھر آدمی کو آدمی کہنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔"

"مت کہو....!" انور لاپروائی سے بولا۔ "جو دل چاہے کہہ لو۔"

"مگر دکھ سکھ اختیاری چیز نہیں ہیں۔ کسی احساس کو دبایا تو جا سکتا ہے لیکن یہ ناممکن ہے کہ اس سے احساس ہی نہ ہو۔"

"میں اثر کی بات کر رہا تھا، احساس کی بات نہیں۔ یہ دونوں نوعیت کے اعتبار سے بالکل مختلف ہیں۔ کسی جذبہ کا ہم پر جو اثر ہوتا ہے وہ داخلی نہیں بلکہ صدہا سال کے خارجی تجربات کا نتیجہ ہے اُسے یوں سمجھ لو کہ....."

"بس بس ختم کرو فلسفہ....!" رشیدہ اکتا کر بولی۔ "میں اپنا دماغ چھلنی نہیں کرانا چاہتی۔ میرا بس چلے تو تمہاری کتابوں کے ڈھیر میں آگ لگا دوں۔"

اتنے میں چپراسی چائے لایا۔

"خیر خیر لو چائے پیو۔" انور نے کہا۔ "یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ ایک دن تم بھی میری ہی طرح سوچنے پر مجبور ہو جاؤ گی۔"

رشیدہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ سر جھکائے چائے بنانے لگی۔

"آخر تم نے یہ پیشہ کیوں اختیار کر رکھا ہے کسی یونیورسٹی میں پروفیسری کے لئے کیوں نہیں کوشش کرتے۔"

"چائے پیو....!" انور بُرا سا منہ بنا کر بولا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"تم آخر پولیس کو ساتھ لے کر کیوں نہیں حملہ کرتے۔" رشیدہ تھوڑی دیر بعد بولی۔

"نہیں.... آج میں سگریٹ کیس کی قیمت وصول کروں گا اس کے بعد دیکھا جائے گا۔"

"سچ مچ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

"دماغ خراب ہونا کوئی بُری بات نہیں۔ میری طرف دیکھو.... کتنی رسیلی ہیں تمہاری آنکھیں اور تمہارے نچلے ہونٹ کا درمیانی خم تو قیامت ہے اور یہ سلگتے ہوئے گال معلوم ہوتے ہے، شعلے نکل پڑیں گے، تم مسکرا رہی ہو۔ ارے کیا شفق پھولی ہے اور یہ موتی جیسے دانت۔ شب میں تارے.... رشو کہیں سچ مچ تم سے محبت نہ کرنے لگوں۔ مگر نہیں رشو میں دردِ دل سے بہت گھبراتا ہوں۔ بعض اوقات ریاحی دردِ دل بھی ہونے لگتا ہے، جو معدے کی صفائی کے بعد بالکل ٹھیک ہو جاتا ہے۔ درد جگر کا میں قائل نہیں۔ ہاں بعض حالات میں دردِ گردہ ہو سکتا ہے۔ ویسے درد کوئی بھی اچھا نہیں ہوتا۔ محض دردوں کی وجہ سے مجھے اردو شاعری سے نفرت ہو گئی ہے۔ مجھے دردِ دل سے زیادہ دردِ سر اچھا لگتا ہے۔"

"ہاں ہاں.... محض اس لئے کہ ایک بار تمہیں تلخ تجربہ ہو چکا ہے۔" رشیدہ ہنس کر بولی۔

"یہ بات نہیں رشو! میں نے ایک بار تفریحاً محبت کی تھی۔ مگر وہ تفریح نہ ثابت ہوئی۔ اس لئے میں نے دوسری کوشش نہیں کی۔"

"کیا تمہیں مجھ سے محبت نہیں۔"

"مجھے صرف تمہاری مردانگی سے پیار ہے۔" انور نے کہا۔ "اتنی حسین ہونے کے باوجود بھی تم میں نسائیت بہت کم ہے۔"

"تم غلط سمجھتے ہو۔ میں سو فیصد عورت ہوں۔"

"صرف جسمانی ساخت کے اعتبار سے۔"

"خیر چھوڑو! تم پھر آہستہ آہستہ فلسفے اور سائنس کی طرف آ رہے ہو۔" رشیدہ اکتا کر بولی۔

"اچھا رشو! اب تم جاؤ۔" انور گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "آج کی رات میری لئے ایک حسین رات ہو گی اور ہاں دیکھو مجھے یقین ہے کہ باہر داراب کا آدمی ضرور ہو گا۔ تم باہر فٹ پاتھ پر نکل کر چوکیدار سے میرے متعلق پوچھنا۔ اگر وہ اندر آنے لگے تو اُسے روک دینا۔ اس سے کہنا کہ میں اندر نہیں ہوں۔ پھر تم اس سے کہنا کہ تم میری موٹر سائیکل لئے جا رہی ہو اور وہ مجھے اس کی اطلاع دے دے گا۔"

"یہ ساری گفتگو ذرا اونچی آواز میں ہونی چاہئے سمجھیں! اچھا اب جاؤ۔"

"بھئی تم پولیس کی مدد کیوں نہیں لیتے۔" رشیدہ جھنجھلا کر بولی۔

"کہہ تو دیا کہ مجھے سگریٹ کیس کی قیمت وصول کرنی ہے۔"

"تمہاری ضد تو بڑی خطرناک ہوتی ہے۔"

"رشو اب تم جاؤ ورنہ میں سچ مچ تم سے محبت کرنے لگوں گا۔" انور نے اٹھ کر اسے دروازے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

"رشیدہ سمجھ گئی کہ وہ ایک نہیں سنے گا۔ آخر کار وہ اپنا پرس اٹھا کر چلی گئی۔" انور نے چپراسی کو بلایا۔

"دیکھو یہ چائے کے برتن لے جاؤ۔ میں نو بجے تک یہاں بیٹھوں گا لیکن باہر کسی کو اس کا علم نہ ہونے پائے کہ میں یہاں موجود ہوں اور وہاں اس طرف صحن کا دروازہ باہر سے بند کر کے تالا ڈال دینا تاکہ کوئی ادھر آنے نہ پائے۔ غالباً تم سمجھ گئے ہو گے، میں ادھر کی کھڑکی سے نکل جاؤں

گا۔ بس جاؤ.... انعام کل....!"

چپراسی چائے کے برتن سمیٹ کر باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد انور نے ایک الماری کھ
کر سنہرے رنگ کے سرخی مائل بال نکالے اور اپنے گالوں پر کوئی سیال شے لگا کر ان میں وہ
چپکانے شروع کر دیئے۔ پھر اسی طرح مونچھیں بنائیں اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ کوئی خوبصورت خ
جانور معلوم ہونے لگا۔ وہ تھوڑی دیر تک آئینے میں اپنی ڈاڑھی کا جائزہ لیتا رہا۔ اس کے بعد ق
نکالی اور بے ترتیب بالوں کو برابر کرنے لگا۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد اس نے آئینے پر الوداعی نظر ڈالی اور اُسے پھر الماری میں رکھ
وہ اب ایک معمر انگریز پادری معلوم ہو رہا تھا۔ گھڑی نے آٹھ بجائے اور انور آرام کرسی پر گر
اونگھنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ابھی گہری نیند سو جائے گا۔ ایک گھنٹے تک وہ اس طرح
حس و حرکت پڑا رہا جیسے اس میں ہاتھ پیر ہلانے کی بھی سکت نہ رہ گئی ہو۔ جیسے ہی کلاک
بجائے وہ اٹھ بیٹھا لیکن اب اس میں پہلی سی توانائی نہیں دکھائی دے رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو
جیسے وہ برسوں سے بیمار ہو۔ آنکھیں دھنسا گئی تھیں۔ چہرے پر مردنی چھا گئی تھی۔ اس نے آ
سے کھڑکی کھولی اور برآمدے میں سناٹا تھا۔ نیچے پریس کی مشینوں کی گھڑگھڑاہٹ سنائی دے
تھی۔ انور نے سوچا کہ کیوں نہ یہیں اپنے اس بھیس کا امتحان کرے۔ اپنی کمر کو قدرے جھ
آہستہ آہستہ چلتا ہوا اسسٹنٹ ایڈیٹر کے کمرے کی طرف بڑھا۔ اس کی سانس اس طرح پھول
تھی جیسے وہ دمہ کا مریض ہو۔ اسسٹنٹ ایڈیٹر کے کمرے کے سامنے پہنچ کر وہ تین بار کھانس
اس کی سانس اور زیادہ پھولنے لگی۔

"کیا میں اندر آسکتا ہوں۔" وہ دروازے کے پاس پہنچ کر بھرائی ہوئی آواز میں انگر
میں بولا۔

"ضرور.... ضرور....!" اسسٹنٹ ایڈیٹر اپنی کرسی پر سیدھا ہو کر بولا۔

انور ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور ہانپنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ گفتگو کرنے سے پہلے
اُلجھی ہوئی سانسوں پر قابو حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"مسٹر.... اَن.... ہوف.... انور.... کہاں ملیں گے۔"

"اوہ.... وہ تو گھر چلے گئے ہیں۔ کیا آپ کو اُن کے گھر کا پتہ معلوم ہے۔"

انور نے نفی میں سر ہلا دیا۔ اسسٹنٹ ایڈیٹر نے ایک کاغذ پر انور کا پتہ لکھ کر دے دیا۔

وہ تھوڑی دیر تک بیٹھا ہانپتا رہا پھر ایڈیٹر کا شکریہ ادا کرتا ہوا اُس کے کمرے سے نکل گیا۔

برآمدے سے نکل کر وہ زینے طے کرتا ہوا فٹ پاتھ پر آگیا۔ اس کا خیال صحیح نکلا۔ ایک
بجلی کے کھمبے کے پاس کھڑا آفس کے صدر دروازے کی طرف تاک رہا تھا اور وہ اسی کے
قریب کھڑا ہو کر کھانسنے لگا۔ اس آدمی نے دو تین بار اُسے گھور کر دیکھا پھر جیب سے سگریٹ
نکال کر سلگانے لگا۔

"اب کوئی ٹیکسی بھی نہ دکھائی دے گی۔" انور جھلاہٹ میں بڑبڑانے لگا۔ "اور میں.... یہیں
جم ہو جاؤں گا۔"

اس آدمی نے اُسے پھر ایک بار گھور کر دیکھا اور اس کی زہریلی اور جراثیم آمیز سانسوں سے
بچنے کے لئے دوسری طرف کھسک گیا۔

تھوڑی دیر بعد ایک ٹیکسی دکھائی دی۔ انور نے ہاتھ اٹھا کر اُسے رکوایا۔

"مے پول ہوٹل....!" وہ ٹیکسی میں بیٹھتا ہوا زور سے بولا۔ ٹیکسی چل پڑی۔ انور نے باہر
کی طرف دیکھا۔ وہ آدمی بدستور وہیں کھڑا تھا۔

"مے پول ہوٹل نہیں.... سیتا گھاٹ....!" انور نے کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد کہا۔

"اچھا صاحب....!" ڈرائیور نے کہا۔ "کیا واپسی بھی ہو گی۔"

"نہیں۔"

"تو صاحب کرایہ دگنا پڑے گا کیونکہ واپسی میں وہاں سے خالی آنا پڑے گا۔"

"پرواہ مت کرو....!" انور نے جھلا کر کہا۔

ٹیکسی ویران راستے پر ہولی۔ سیتا گھاٹ سے تقریباً ایک میل ادھر ہی انور نے ٹیکسی رکوائی
اور کرایہ ادا کر کے نیچے اتر گیا۔ ڈرائیور ویرانے میں اترنے کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ وہ کچھ خوف زدہ
سا نظر آنے لگا تھا۔ کرایہ ملتے ہی اس نے ٹیکسی شہر کی طرف موڑ دی اور کافی تیز رفتاری سے چل پڑا۔

انور نے ایک سگریٹ نکال کر سلگائی اور تیز قدموں سے گھاٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔
دونوں طرف گہرا اندھیرا تھا۔ سناٹے میں اس کے قدموں کی آہٹ دور تک گونج رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ دریا کے کنارے بنی ہوئی عمارت کے کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہا تھا۔ باہر کوئی

نہیں دکھائی دیا۔ اس نے بہ آسانی پھاٹک کھولا اور احاطے میں گھس گیا۔ اب بوڑھوں اور مریضوں کی طرح نہیں چل رہا تھا۔ برآمدے پر پہنچ کر اس نے دروازے پر دستک دی۔ ایک آدمی نے دروازہ کھول کر باہر سر نکالا۔

"کون ہے۔"

"بے وقوف یہ رسمی باتوں کا وقت نہیں ہے۔" انور اُسے دھکا دے کر اندر گھستا ہوا بولا۔ "سردار کہاں ہیں۔"

"اوپر.... لیکن.... لیکن....!"

"اوہ وقت مت برباد کرو۔" انور جھنجھلا کر بولا۔ "مجھے راستہ بتاؤ آگے چلو.... آگے چلو!"

انور نے اُسے جلدی جلدی کہہ کر آگے بڑھانا شروع کر دیا۔ وہ اس کے آگے چلنے لگا۔

"جو کام ہوتا ہے، گڑبڑ ہوتا ہے۔" انور بڑبڑانے لگا۔ "سب سو رہے ہیں۔ کیا تم تیز نہیں چل سکتے۔"

راستے میں دو ایک آدمی اور ملے، جو انور کو تیز نظروں سے گھور رہے تھے۔

"تم سب اسی طرح سوتے رہنا اچھا۔" انور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا ان سے قہر بھرے انداز میں کہتا گیا۔

پھر وہ دونوں سیڑھیوں پر چڑھنے لگے۔ اوپر ایک ہی قطار میں کئی کمرے تھے۔ آخری سرے پر ایک اور زینہ تھا، جو تیسری منزل کے لئے تھا۔ ایک کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ اُس آدمی نے اس طرف اشارہ کیا۔

"اچھا اب تم جاؤ۔" انور آہستہ سے بولا۔ "پھاٹک پر نظر رکھنا جو کوئی بھی اندر داخل ہونے کی کوشش کرے اُسے فوراً گولی مار دینا۔ اچھا اب جاؤ۔ جلدی کرو۔ تم سب اُدھر کا خیال رکھنا۔"

وہ آدمی نیچے اتر گیا۔ انور کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ آہستہ آہستہ اس کمرے کی طرف بڑھا۔ دروازے کھلے ہوئے تھے۔ لیکن ایک سیاہ رنگ کا پردہ درمیان میں حائل تھا۔ انور نے جھانک کر دیکھا۔ وہی ڈاڑھی والا اجنبی ایک بڑی سی میز پر بیٹھا کچھ کاغذات دیکھ رہا تھا۔

انور پردہ ہٹا کر کمرے میں داخل ہو گیا۔ اجنبی چونک کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا ہاتھ بے اختیار جیب کی طرف گیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں انور کا پستول جیب سے نکل آیا تھا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہاتھ اوپر اٹھائے رکھو۔" انور نے آہستہ سے کہا۔

"تم کون ہو....!" وہ ہاتھ اوپر اٹھاتا ہوا بولا۔

"کوئی غیر نہیں ہوں۔" انور نے مسکرا کر کہا۔ "میں بھی چہرے پر نقلی ڈاڑھی لگانا جانتا ہوں۔ میں تم سے جھگڑا کرنے نہیں آیا۔ میں اپنے سگریٹ کیس کی قیمت چاہتا ہوں۔"

"اوہ.... انور....!" وہ مسکرا کر بولا۔ "آخر کار تم نے میرے ٹھکانے کا پتہ لگا ہی لیا اور اپنے ساتھ پولیس بھی لائے ہو گے۔ لیکن تم یہاں تک کیسے پہنچے۔ کیا میرے سب آدمی گرفتار ہو گئے۔"

"نہیں قطعی نہیں۔ وہ سب نیچے گل چھڑے اڑا رہے ہیں۔ میرے لئے کوئی چیز ناممکن نہیں۔ تمہارا خیال غلط ہے میں بالکل تنہا ہوں۔ اگر مجھے سگریٹ کیس کی قیمت نہ وصول کرنی ہوتی یقیناً اپنے ساتھ پولیس لاتا۔"

"اگر یہ بات ہے تو پستول جیب میں رکھ لو۔ میں اب بھی تم سے سمجھوتہ کرنا پسند کروں گا۔"

"حالانکہ آج تمہاری وجہ سے ایک عورت زخمی ہو گئی ہے جسے میں بے حد چاہتا ہوں۔ لیکن تم نے اس کے خلاف پولیس کو کوئی بیان نہیں دیا۔"

"اسی سے تم میری نیت کا اندازہ لگا سکتے ہو۔" انور مسکرا کر بولا۔ "مجھے صرف اپنے سگریٹ کیس کی قیمت چاہئے۔"

"کتنی قیمت چاہتے ہو۔"

"صرف تین سو روپے۔"

"بس....!" وہ مسکرا کر بولا۔

"میں تم سے کوئی سودا کرنے نہیں آیا اور نہ تم ان تین سو روپیوں میں مجھے خرید سکتے ہو۔ میری قیمت تم نہیں ادا کر سکتے اور پھر اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اگر مجھے یہی کرنا ہو گا تو جب چاہوں گا تمہیں بیچ بازار میں لوٹ لوں گا۔" انور سنجیدگی سے بولا۔

"خیر.... خیر....!" وہ میز کی دراز کھول کر نوٹوں کا بنڈل نکالتا ہوا بولا۔ "یہ لو! میں تم سے جھگڑا کرنا نہیں چاہتا۔"

اس نے کچھ نوٹ گن کر انور کی طرف بڑھا دیئے لیکن دوسرے ہی لمحے میں انور کو ایک زبردست صدمے کا سامنا کرنا پڑا۔ نوٹ تو اس کے ہاتھ میں آ گئے لیکن پستول اس کے ہاتھ سے نکل

کر داراب کے ہاتھوں میں پہنچ چکا تھا۔ اس نے قہقہہ لگایا۔

"داراب سے الجھنا ہنسی کھیل نہیں انور۔ اب میں تمہیں چوہے کی موت مار ڈالوں گا۔"

"خیر میں مرنے کے لئے تو ہر وقت تیار رہتا ہوں۔" انور نوٹوں کو کوٹ کے اندرونی جیب میں رکھتا ہوا بولا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ داراب اس کی اس لاپروائی پر جھلا گیا۔ اس نے ٹیبل لے کر پستول کی لبلبی دبادی۔ مگر اُس میں سے گولی کے بجائے ایک سگریٹ نکل کر انور کی گود میں آگرا۔ انور نے قہقہہ لگایا۔

"یہ پستول نہیں بلکہ پستول نما سگریٹ کیس ہے پیارے۔"

داراب نے جھلاہٹ میں پستول انور پر کھینچ مارا جسے اس نے ہاتھوں پر روک کر جیب میں رکھ لیا اور سگار لائٹر سے سگریٹ سلگانے لگا۔

"دیکھو داراب میں اس قسم کے ہتھیار اپنے پاس نہیں رکھتا جن سے شور پیدا ہو۔ میں تو گلا گھونٹ کر مارتا ہوں۔" انور منہ سے سگریٹ کا گنجان دھواں نکالتا ہوا بولا۔

"لیکن اب تم یہاں سے بچ کر نہیں جاسکتے۔ میں تمہیں بہت اذیت دے کر ماروں گا۔" داراب گرج کر بولا اور ساتھ ہی اس کا ہاتھ میز پر لگے ہوئے ایک بٹن پر پڑا۔

سارے مکان میں بے شمار گھنٹیاں بجنے لگیں۔ لیکن انور کے اطمینان میں کوئی فرق نہ آیا۔ وہ بدستور بیٹھا سگریٹ پیتا رہا۔

باہر کئی قدموں کی آہٹیں سنائی دیں اور تین چار آدمی کمرے میں گھس آئے۔

"بیٹھ جاؤ.... داراب اب مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔" انور پُر اطمینان لہجے میں بولا۔

"مت بکو....!" داراب چیخا۔

"تم نے شیلا رانی کو کیوں قتل کیا۔"

"میری خوشی....!"

"تم کرنل جاوید کو کیوں اغوا کرلائے۔"

"تم سے مطلب....!"

"مطلب یہ کہ تم مجھے قتل نہیں کرسکتے اور ہاں صابرہ کو کب ختم کررہے ہو۔ اس کے فیجر کی بیوی تو تمہاری محبوبہ نکلی۔"

"تم دیکھنا کہ کس بے دردی سے تم مارے جاتے ہو۔" داراب بڑبڑایا۔

"ایسا نہ کہو پیارے میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔"

"بکواس بند کرو۔" داراب پھر چیخا۔

"مہمانوں سے ایسا برتاؤ نہیں کیا کرتے اور تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس وقت تم سب کی جانیں میری مٹھی میں ہیں۔ تم اس سے زیادہ احمق ثابت ہوئے ہو جتنا میں تمہیں سمجھتا ہوں۔"

"کیا بکتے ہو۔"

"یقین نہ آئے تو اس سگریٹ کے ٹکڑے کی طرف دیکھو۔" انور جلتے ہوئے سگریٹ کا ٹکڑا فرش پر ڈالتے ہوئے بولا اور پھر اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ دفعتاً سگریٹ کے ٹکڑے سے ایک چمکدار شعلہ نکلا۔ اس کی روشنی اتنی تیز تھی کہ ان سب کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں اور پھر کمرے میں سفید رنگ کا گہرا دھواں بھر گیا۔ اتنا گہرا کہ ایک فٹ دور کی چیزیں بھی نہیں دکھائی دے رہی تھیں۔ انور نے ایک جست لگائی اور کمرے سے صاف نکل گیا۔

خوفناک درندہ

انور باہر نکل کر نیچے کی طرف جھپٹا مگر کچھ اور آدمی اوپر آرہے تھے۔ وہ اوپری منزل کے زینوں کی طرف پلٹ پڑا۔ اوپری منزل بالکل ویران تھی۔ یہاں کمرے نہیں تھے۔ چھت بالکل سپاٹ تھی۔ ایک طرف لکڑی اور لوہے کا انبار تھا۔ کچھ بڑے بڑے پیپے بھی رکھے ہوئے تھے۔

"اوپر گیا ہے.... اوپر....!" کچھ آوازیں سنائی دیں اور انور خالی پیپوں کی آڑ میں دبک گیا۔ سامنے ایک بڑا سا پتھر پڑا ہوا تھا۔ انور کے ذہن میں ایک نیا خیال پیدا ہوا۔ اس نے نیچے جھانک کر دیکھا۔ دریا لہریں لے رہا تھا۔ زینوں پر قدموں کی آہٹ سنائی دی اور انور نے وہ پتھر اٹھا کر دریا میں پھینک دیا۔ ایک زبردست چھپاکے کی آواز آئی۔

"کود گیا.... کود گیا....!" کسی نے کہا۔ کئی ٹارچوں کی روشنیاں دریا کی سطح پر پڑ رہی تھیں۔

"چلو.... چلو.... بچ کر جانے نہ پائے.... نیچے کشتی موجود ہے۔"

وہ پھر الٹے پاؤں بھاگتے ہوئے نیچے چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد انور نے پھر جھانک کر نیچے

دیکھا۔ چار پانچ آدمی ایک کشتی پر بیٹھے دریا میں چکر لگا رہے تھے۔ اس نے پیڑوں کی آڑ سے نکل کر ایک طویل انگڑائی لی اور خود بخود مسکرانے لگا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر پیٹ کے بل چھت پر لیٹ گیا۔ آہستہ آہستہ رینگتا ہوا چھت کے دوسرے کنارے پر نکل گیا۔ تھوڑی دور ہٹ کر داہنے طرف ایک چھوٹا سا پائپ نیچے تک چلا گیا تھا اور تقریباً دس فٹ نیچے دیوار میں کافی چوڑی کارنس تھی۔ انور پائپ کے سہارے کارنس پر اتر آیا اور دیوار سے چپکا ہوا اس درخت کی طرف بڑھنے لگا جس کی شاخیں دیوار کو چھو رہی تھیں۔ وہ تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ اُسے پھر رک جانا پڑا۔ آگے اس کمرے کی کھڑکی تھی جس میں داراب سے وہ ملا تھا۔ کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ انور نے آگے بڑھ کر اندر جھانکا۔ کمرہ خالی تھا۔ دفعتاً اس کے ذہن میں کچھ نئے قسم کے کیڑے کلبلائے اور وہ آہستگی سے کمرے میں اتر گیا۔

وہ میز کی طرف گیا اور پنسل اٹھا کر کچھ لکھنے لگا۔ اچانک باہر قدموں کی آواز سنائی دی۔ انور چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ میز کے پیچھے بڑی سی لکڑی کی الماری رکھی ہوئی تھی۔ دوسرے لمحے میں وہ اس الماری کے پیچھے تھا۔ کمرے کا دروازہ کھلا اور داراب دو آدمیوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔

"تم لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ڈوب گیا۔" داراب نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے ان آدمیوں سے کہا۔ اس کی نظر کاغذ پر پڑی جس پر انور نے کچھ لکھا تھا۔

"ارے....!" وہ بے اختیار اچھل پڑا۔ چند لمحے ٹکٹکی لگائے کاغذ کی طرف دیکھتا رہا پھر اُن آدمیوں کو مخاطب کر کے بولا۔ "دیکھا تم نے.... یہ دیکھو.... وہ ابھی اسی کمرے میں تھا۔ وہ ابھی بھی یہیں قریب ہوگا۔"

"ہمارے آدمی اُسے جھاڑیوں میں تلاش کر رہے ہیں۔" ایک نے کہا۔

"اب اس کا خاتمہ ہی بہتر ہے۔" داراب بولا۔ "مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔ مجھے پہلے ہی اسے ختم کر دینا چاہئے تھا۔ میں نے یہ سوچا تھا کہ کام کا آدمی ہے اگر کسی طرح اپنے ساتھ مل جائے کیا کہنا.... یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ اگر وہ اس وقت بچ کر نکل گیا تو ہمیں یہ عمارت چھوڑنی پڑے گی۔ ابھی پولیس کو ہماری جائے رہائش کا علم نہیں ہوا۔"

"کہیں وہ ہمارے کسی آدمی پر اندھیرے میں وار نہ کرے۔" ایک بولا۔

"مطمئن رہو۔ اُس کے پاس پستول نہیں ہے۔"

"تو کیا وہ نہتا ہم لوگوں میں گھس آیا ہے۔" ایک آدمی متحیرانہ انداز میں بولا۔

"میرا خیال ہے کہ اس کا دماغ خراب ہے، بہرحال اس کا زندہ رہنا ٹھیک نہیں.... کم بخت جونک کی طرح لپٹ جاتا ہے۔"

انور الماری کے پیچھے بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ لیکن اچانک ایک نئی مصیبت نازل ہوئی۔ یہ کمبخت اس وقت ناک میں سرسراہٹ کہاں سے؟ اس نے لاکھ کوشش کی.... مگر چھینک آ ہی گئی.... اور چھینک بھی ایسی فلک شگاف کہ کمرہ گونج کر رہ گیا۔ انور کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ چھینک نہیں بلکہ رائفل کی گولی تھی، جو اس کے سینے سے پار ہو گئی۔ اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے اور دوسرے ہی لمحے میں داراب پستول لئے اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"باہر نکلو....!" داراب گرج کر بولا۔

انور چپ چاپ ہاتھ اٹھائے ہوئے باہر آ گیا حالانکہ اس اچانک حادثے کی وجہ سے جس کے لئے وہ قطعی تیار نہیں تھا اس کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ مگر وہ برابر مسکرائے جا رہا تھا۔

داراب نے اس کا گریبان پکڑ کر اپنے گروہ کے آدمیوں کی طرف دھکیل دیا۔ انور جیسے ان پر گرا انہوں نے اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا۔

"ابھی بچے ہو۔" داراب طنزیہ انداز میں قہقہہ لگا کر بولا۔

انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ لیکن اب کوئی گنجائش نہ رہ گئی تھی۔ اگر وہ ان دونوں کی گرفت سے آزاد ہو بھی جاتا تو داراب کے پستول کی گولی اُسے کب چھوڑتی۔

"لے چلو....!" داراب دروازے کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ "کمرہ نمبر چار میں جہاں انور ہی کی نسل کا ایک فرد اس کا خیر مقدم کرے گا۔"

وہ دونوں انور کو کھینچتے ہوئے لے چلے۔ ان کے پیچھے داراب پستول تانے چل رہا تھا۔

"تمہاری ذرا سی حرکت تمہیں جہنم میں پہنچا دے گی۔" داراب نے کہا۔

انور بدستور خاموش رہا۔ وہ بغیر کسی جدوجہد کے چل رہا تھا۔ اس نے بھاگنے کی ذرا بھی کوشش نہ کی وہ بظاہر پرسکون نظر آ رہا تھا لیکن ذہن میں انتشار برپا تھا۔

وہ لوگ زینے طے کر کے نیچے صحن میں آئے۔ ایک کمرے کے سامنے پہنچ کر دونوں رک گئے۔ داراب نے بڑھ کر کمرے کا دروازہ کھولا۔ اندر اندھیرا تھا۔ انور کو اندر دھکیل کر دروازہ باہر سے بند کر لیا گیا اور پھر فوراً کمرے کا بلب روشن ہو گیا۔ سامنے نظر پڑتے ہی انور کے اوسان خطا ہو گئے۔ ایک خوفناک ریچھ ایک جالی دار کٹہرے سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کمرہ کافی بڑا تھا جس درمیان میں لوہے کی سلاخوں کو جالی دار کٹہرا لگا کر دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ کٹہرا چھت سے ملا ہوا تھا۔ کٹہرے کی چھوٹی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ قبل اس کے کہ ریچھ اس پر حملہ کرتا وہ جھپٹ کر کٹہرے پر چڑھنے لگا۔ چھت کے قریب پہنچ کر وہ کٹہرے میں چھپکلی کی طرح چپک گیا۔ مگر اس طرح جان بخشی مشکل تھی۔ ریچھ پہلے تو اُسے تھوڑی دیر تک نیچے سے دیکھتا رہا پھر اس نے بھی کٹہرے پر چڑھنے کی ٹھانی۔ انور کے سارے جسم سے پسینہ چھوٹ پڑا۔ لیکن اس کا ذہن بڑی تیزی سے کام کرنے لگا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے اپنی ٹائی کھول کر گردن سے کھینچ لی اور پھر سگار لائٹر نکال کر ٹائی میں آگ لگا دی۔ جب یہ یقین ہو گیا کہ آگ بجھ نہیں سکتی تو اس نے اُسے کٹہرے پر چڑھتے ہوئے ریچھ پر پھینک دیا۔ جلتی ہوئی ٹائی اس کے گنجان بالوں سے چپک کر رہ گئی۔ ریچھ نے ایک بھیانک چیخ ماری اور تڑپ کر نیچے جا رہا۔ اسی کے ساتھ انور بھی اس طرح چیخنے لگا جیسے ریچھ نے اس پر حملہ کر دیا ہو۔ باہر داراب کے قہقہے کی آواز سنائی دی۔ ریچھ زمین پر لوٹ لوٹ کر اپنے بالوں میں لگی ہوئی آگ بجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ انور برابر چیخے جا رہا تھا۔ وہ باہر کھڑے ہوئے آدمیوں کو اس بات کا یقین دلانا چاہتا تھا کہ ریچھ نے اس پر حملہ کر دیا ہے، ورنہ ممکن ہے کوئی اور نئی مصیبت نازل ہو جائے۔

داراب برابر ہنسے جا رہا تھا۔

"کیوں انور دیکھ لی داراب کی قوت....!" وہ باہر سے چیخ کر بولا۔

انور اندر سے چیخا۔ "ارے.... ارے.... بب.... نہیں.... نہیں.... خیر.... ارے بچاؤ.... خیر نہیں.... بچاؤ۔"

ریچھ ابھی تک زمین پر لوٹ رہا تھا اور اس کے حلق سے غصیلی آوازیں نکل رہی تھیں۔

انور نے اس دوران میں جیب سے رومال بھی نکال لیا تھا تاکہ دوسرے حملے پر اُسے بھی جلد از جلد استعمال کیا جا سکے۔

تھوڑی دیر کے بعد ریچھ پھر اٹھ کر کٹہرے کی طرف جھپٹا۔ رومال اور سگار لائٹر پہلے ہی سے تیار تھے۔ جیسے ہی انور نے سگار لائٹر جلا دیا۔ ریچھ غرا کر پیچھے ہٹ گیا انور ایک لمحہ خاموش رہنے کے بعد پھر چیخنے لگا۔ اس نے ایک بار پھر سگار لائٹر جلا کر ریچھ کو دھمکی دی اور ریچھ گھبرا کر کٹہرے میں گھسنے لگا۔ ابھی اس کا آدھا دھڑ باہر ہی تھا کہ انور نے رومال میں بھی آگ لگا کر اس پر ڈال دیا۔ وہ چیخ کر اندر گھس گیا اور پھر زمین پر لوٹنے لگا۔ انور پھرتی سے نیچے اترا اور کٹہرے کی کھڑکی بند کر کے ریچھ کے سامنے چیخنے لگا۔

"اُف.... ہاؤ.... ہاؤ.... بچاؤ.... باچ باچ.... باؤچ....!"

اور پھر اس کی آواز اس طرح ڈوبتی گئی جیسے وہ ختم ہو رہا ہو۔ پھر دفعتاً بالکل خاموش ہو گیا۔

ریچھ بدستور غرائے جا رہا تھا۔ انور نے ایک بار پھر سگار لائٹر جلایا اور وہ سہم کر ایک کونے میں دبک گیا۔

"ختم ہو گیا۔" باہر سے آواز آئی اور قدموں کی آہٹیں دور ہوتی گئیں۔

انور کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ فرشتوں جیسی معصوم مسکراہٹ، ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ابھی کچھ دیر قبل وہ اس ریچھ کو تارک الدنیا ہو جانے کا سبق دیتا رہا ہو۔ نیکی، سچائی اور ایمان داری کی تلقین کرتا رہا ہو۔

کمرے میں چاروں طرف بڑے بڑے روشندان تھے۔ وہ پھر کٹہرے پر چڑھنے لگا۔ احتیاطاً اس نے سگار لائٹر جلا لیا تھا۔ ریچھ دو ٹانگوں پر کھڑا ہو کر دور ہی سے فوں فوں کرتا رہا۔

انور روشندان میں پہنچ چکا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک آہٹ لیتا رہا پھر دونوں ہاتھ باہر نکال کر چھت پر ٹیکے اور دوسرے لمحے میں اس کا پورا جسم دائرہ بناتا ہوا چھت پر تھا۔ وہ آہستہ آہستہ سینے کے بل رینگنے لگا۔ چاروں طرف سناٹا تھا۔ وہ آگے بڑھ ہی رہا تھا کہ اُسے قریب ہی کہیں پٹرول کی بو محسوس ہوئی۔ وہ اسی طرف بڑھنے لگا۔ آگے ایک چھوٹی سی کوٹھری تھی جس میں دروازہ نہیں تھا۔ غالباً یہاں زمانہ جنگ میں جب کہ یہ عمارت فوج کے قبضے میں تھی یہاں سنتری کھڑا ہوتا رہا ہوگا۔ انور اس کے قریب جا کر رک گیا۔ پٹرول کی بو اس کے اندر سے آ رہی تھی۔ وہ اس کے اندر گھس گیا۔ یہاں کئی کنستروں میں پٹرول رکھا تھا۔ انور کے دماغ میں پھر کیڑے کلبلائے۔ وہ چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ایک طرف ایک موٹی سی رسی کا لچھا پڑا ہوا تھا۔ وہ کوٹھری سے نکل کر

چھت کے کنارے پر آیا۔ نیچے اندھیرے کی چادر پھیلی ہوئی تھی اور دریا کے بھرے پانی میں ستاروں کا عکس ناچ رہا تھا۔ انور نے لوٹ کر رسی کا لچھا کھولا اور اس کا ایک سرا کوٹھری کے کڑے سے باندھ دیا۔ پھر پٹرول کے کنستر نکال نکال کر چھت پر الٹنے لگا۔ اور رسی کو بھی پٹرول میں بھگو کر اس کا دوسرا سرا نیچے پھینک دیا۔

چند لمحوں کے بعد وہ اسی رسی کے سہارے نیچے اتر رہا تھا۔ زمین پر پیر ٹکتے ہی اس نے سر سے پہلے دریا میں اپنے ہاتھ دھوئے اور پھرتی سے دیوار کی طرف پلٹا۔ پھر سگریٹ لائٹر جلا کر رسی میں آگ لگادی۔

اب وہ جھاڑیوں میں گھس کر گھنے جنگل کی طرف بھاگ رہا تھا۔ تھوڑی دور جاکر وہ پلٹا۔ عمارت سے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ پھر شور بھی سنائی دینے لگا۔ وہ آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ دفعتاً کہیں موٹر سائیکل کی آواز سنائی دی اور انور نے بے تحاشہ سڑک کی طرف دوڑنا شروع کردیا۔ سڑک تک پہنچتے پہنچتے موٹر سائیکل کی ہیڈ لائیٹ دکھائی دینے لگی۔ وہ بدستور اسی طرف بھاگتا رہا۔ پھر اچانک سڑک کے بیچ میں آکر دونوں ہاتھ اٹھالئے۔ موٹر سائیکل رک گئی اور سوار کا ہاتھ بے اختیار جیب کی طرف گیا۔

"رشو.... رشو.... میں ہوں۔" انور نے کہا اور اس کے قریب پہنچ گیا۔

"تم....!" رشیدہ ہنس کر بولی۔ "یہ تم نے اپنے چہرے پر ڈاڑھی کیوں لگا رکھی ہے۔"

"پھر بتاؤں گا....؟ تم فوراً واپس جاؤ۔ میں نے اس عمارت میں آگ لگادی ہے۔"

"ارے جنگلی....!" رشیدہ ہنس کر بولی۔

"پستول لائی ہو تو مجھے دے دو.... اور ہاں یہ روپے رکھو سگریٹ کیس کی قیمت وصول کرلی گئی۔ اچھا جاؤ۔ جلدی کرو۔"

"نہیں جاتی۔"

"ضد مت کرو۔ یہ لوگ اب یہاں سے کہیں اور بھاگیں گے اگر یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا پھر ان کا ہاتھ لگنا مشکل ہے۔"

"تو کیا ہوا ہم دونوں ساتھ رہیں گے۔"

"نہیں بلکہ ساتھ مریں گے۔" انور جھلا کر بولا۔

"یہ میری دلی خواہش ہے۔"

"میں چانٹا ماردوں گا۔"

"میرے بھی ہاتھ ہیں۔"

"خدا کے لئے جاؤ تم یہاں سے۔" انور دانت پیس کر بولا۔

بدقت تمام اس نے رشیدہ کو واپس کیا اور پھر جنگل میں گھس کر عمارت کی طرف چل پڑا۔ ایک طرف کچھ لوگ آگ بجھانے میں مشغول تھے۔ غالباً یہ وہ ملاح تھے جو دریا کے کنارے جھونپڑوں میں رہتے تھے۔ سڑک پر ایک بڑی سی لاری کھڑی تھی جس پر سامان لادا جارہا تھا۔ ایک آدمی کسی کو پیٹھ پر لادے ہوئے باہر آیا۔ اس کے ہاتھ پیر رسیوں سے جکڑے ہوئے تھے۔ اسے بھی لاری میں ڈال دیا گیا۔ انور نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا اور جھاڑیوں میں دبکتا ہوا لاری کی طرف بڑھنے لگا۔ آہستہ آہستہ شور کم ہوتا جارہا تھا۔ غالباً ان لوگوں نے آگ پر قابو پالیا تھا۔

معزز لٹیرا

تین بجے رات کو انور اپنے فلیٹ میں بیٹھا رشیدہ کے سامنے اپنے کارنامے دہرا رہا تھا اور رشیدہ بے تحاشہ ہنس رہی تھی۔

"اور پھر وہ لاری چل پڑی۔" انور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا اور میں لاری کی چھت پر چت لیٹا ہوا تاروں بھرے آسمان سے سرگوشیاں کررہا تھا۔ نیچے داراب اور اس کے ساتھی میری شان میں قصیدہ پڑھ رہے تھے۔ میرے قتل کے لئے اسکیمیں بنائی جارہی تھیں اور میں ان کے سروں پر لیٹا ہوا ستاروں کو آنکھ مار رہا تھا۔ مگر رشو میں تمہاری زندگی کا راز جاننا چاہتا ہوں۔ کیا واقعی تمہاری شخصیت اتنی پُراسرار ہے جتنی داراب سمجھتا ہے۔"

"کیا مطلب....!" رشیدہ چونک کر بولی۔

"داراب تمہاری گرفتاری کے امکانات پر بھی غور کررہا تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا کہ اسے تمہارے متعلق ایک گہرے راز کا علم ہوگیا ہے اگر وہ کسی طرح تمہیں پکڑنے میں کامیاب ہوجائے تو لاکھوں روپے کمائے گا۔"

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو۔" رشیدہ۔ بے اختیار کھڑی ہو کر بولی۔

"قطعی میں تم سے جھوٹ نہیں بولتا۔ اسی لئے میں وہ راز جاننا چاہتا ہوں تاکہ تمہاری حفاظت کی جاسکے۔"

"تم میری حفاظت نہیں کر سکتے۔" رشیدہ آہستہ سے بڑبڑائی۔ "میری حفاظت کا دارومدار ہر اس شخص کی موت پر ہے جو میرے راز سے واقفیت رکھتا ہے۔ داراب کا خاتمہ پھانسی کے تختے سے پہلے ہو جانا چاہئے۔"

"تو تم مجھے کچھ نہیں بتاؤ گی۔"

"میں ابھی مجبور ہوں۔" رشیدہ فکر مند لہجے میں بولی۔ "ویسے میرے لئے سب کچھ تم ہی ہو۔"

"مجبوری کیسی؟"

"تم نہیں سمجھتے اور نہ میں ابھی تمہیں کچھ سمجھا سکتی ہوں۔ اب یہاں میرا رہنا ٹھیک نہیں۔ میں جا رہی ہوں۔ تم کم از کم ایک ہفتے کی چھٹی کے لئے درخواست دے دینا۔"

"لیکن تم جاؤ گی کہاں۔"

"کہیں اور.... اب میں یہاں قطعی غیر محفوظ ہوں۔ داراب کی موت سے پہلے میں تمہیں نہ مل سکوں گی۔ مگر وہ گروہ اب کہاں ہے۔"

"شہباز پور کے شاہی سرائے میں۔ میرا خیال ہے کہ وہ عمارت بھی پہلے ہی سے ان کے قبضے میں تھی۔ لیکن رشو! میں تمہیں اس طرح نہ جانے دوں گا۔"

"میں وہاں تنہا نہ جاؤں گی۔ تم مطمئن رہو۔ لیکن مجھے روکنے کی کوشش نہ کرو۔ یہ میری زندگی اور موت کا سوال ہے۔"

"یہاں اس مکان میں تو اب میں بھی محفوظ نہیں ہوں۔ مجھے بھی کوئی نہ کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔ پھر ہم ساتھ ہی کیوں نہ رہیں۔"

"نہیں....!" رشیدہ نے سخت لہجے میں کہا۔ "تمہیں میرا کہنا ماننا ہی پڑے گا۔ تم نے مجھے جو تین سو روپے دیئے ہیں ان میں سے سو تم اپنے پاس رکھو۔ دو سو میں رکھوں گی۔"

"تم سب لے جاؤ۔"

"نہیں....!" رشیدہ نے کہا اور گن کر سو روپے اسے دیتے ہوئے بولی۔ "موٹر سائیکل بھی

میں لے جاؤں گی۔"

انور خاموشی سے اسے گھورتا رہا۔ اس وقت رشیدہ اسے انتہائی پراسرار معلوم ہو رہی تھی۔ آج سے قبل اس نے اس کی آنکھوں میں اتنے پختہ ارادوں کی جھلک نہیں دیکھی تھی۔

"میرے ساتھ نیچے تک چلو۔" رشیدہ نے انور سے کہا۔

دونوں نیچے آئے۔ انور نے گیراج کھول کر موٹر سائیکل نکالی۔ دوسرے لمحے میں رشیدہ اس پر بیٹھ چکی تھی اور موٹر سائیکل ویران سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی۔

انور پھر اپنے کمرے میں لوٹ آیا۔ ایک گھنٹے بعد جب وہ اپنے کمرے سے برآمد ہوا تو کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی انور ہے جس کے چہرے کی جاذبیت نہ جانے کتنے دلوں میں گدگدیاں پیدا کر دیا کرتی تھی۔ اس کے چہرے پر پڑی ہوئی مصنوعی پھنسیوں میں مرہم لگا ہوا تھا۔ منہ سے رال بہہ رہی تھی اور آنکھ اس طرح بنائی گئی تھی جیسے وہ کانا ہو۔ سنہرے بالوں میں سیاہ رنگ کے خضاب نے تنفر آمیز گدلا پن پیدا کر دیا تھا جسم پر انتہائی کثیف اور بدبودار کپڑے تھے۔ ہاتھ میں ایک بھدا سا ڈنڈا تھا۔

اور دوسری صبح کو وہ اسی ہیئت میں انسپکٹر آصف کے گھر میں بیٹھا ہوا اس سے سرگوشیاں کر رہا تھا۔

"تم نے سچ مچ کمال کر دیا۔" آصف اسے تعریفی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ "اتنا کامیاب بھیس میں نے آج تک نہیں دیکھا۔"

"بس استاد کو دعائیں دیتا ہوں۔" انور ہنس کر بولا۔

"کون استاد....!" آصف نے پوچھا۔

"انسپکٹر فریدی۔"

آصف نے نفرت سے ہونٹ سکوڑ لئے۔ اگر کوئی اور موقع ہوتا تو شائد وہ انسپکٹر فریدی کے نام پر گالیاں بکنا شروع کر دیتا۔ مگر اس وقت عقلمندی کا یہی تقاضا تھا کہ وہ خاموش رہے۔ وہ ان حالات میں انور سے الجھنا نہیں چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بولا۔

"داراب کی شخصیت پولیس کے لئے انتہائی پراسرار ہے۔ ہم یہ ثبوت کہاں سے بہم پہنچائیں گے کہ وہی داراب ہے۔"

"کیا یہ کافی نہیں کہ تم اغوا شدہ کرنل کو اس کے قبضے سے برآمد کرلو گے اور پھر اس کے بعد کے معاملات مجھ پر چھوڑ دو۔ میں سب ٹھیک کرلوں گا۔"

"حملہ رات ہی کو مناسب ہوگا۔" آصف بولا۔

"یہ سب سے بڑی حماقت ہوگی۔" انور سنجیدگی سے بولا۔ "دن میں ہم قصبہ والوں کی بھی مدد حاصل کر سکیں گے۔ میں نہیں چاہتا کہ داراب بچ نکلے۔ ورنہ پہلے سے بھی زیادہ خطرناک ہو جائے گا۔" آصف کچھ سوچنے لگا۔ انور پھر بولا۔ "انکے پاس اسلحے کا کافی ذخیرہ ہے اسکا خاص طور پر خیال رکھنا اور تجوری والے ٹرانسمیٹر سے تو تم نے یہ اندازہ لگالیا ہوگا کہ وہ گروہ کتنا منظم ہے۔"

"اچھا تم یہیں ٹھہرو۔" آصف نے کہا۔ "میں اس سلسلے میں آفیسروں سے مشورہ لینا چاہتا ہوں۔"

"ضرور.... لیکن بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ داراب کے آدمی یقیناً میری تلاش میں ہوں گے اور ہاں میری ایک تجویز اور بھی ہے کہ چھاپہ مارنے والے والے سپاہی وردیوں میں نہیں ہوں گے۔ داراب بہت زیادہ محتاط ہو گیا ہے۔"

آصف تھوڑی دیر کھڑا سوچتا رہا پھر کپڑے پہن کر باہر چلا گیا۔

انور ایک آرام کرسی پر لیٹا ہوا اطمینان سے سگریٹ کا دھواں اڑا رہا تھا۔

انور یونہی لیٹے لیٹے مسکراتا رہا۔ دفعتاً اُسے رشیدہ کا خیال آگیا۔ اس کے اس عجیب و غریب رویے پر اُسے حیرت ہو رہی تھی آخر اس کی زندگی سے کونسا ایسا راز وابستہ ہے جسے وہ اس سے چھپا رہی ہے۔ داراب اسے قابو میں کر لینے کے بعد لاکھوں روپے کس طرح حاصل کر سکتا ہے۔ اسے رشیدہ اتنی پراسرار کبھی نظر نہ آئی تھی وہ اس وقت معلوم نہیں کہاں اور کس حال میں ہوگی۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ رشیدہ اسے اس راز کے متعلق کبھی کچھ نہ بتائے گی وہ اس کی ضدی طبیعت سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس نے یہ بھی تو کہا تھا کہ داراب کو پھانسی کے تختے سے پہلے ہی مر جانا چاہئے۔ تو کیا وہ اس فکر میں ہے اگر ایسا ہے تو وہ ایک زبردست حماقت کرنے جا رہا ہے۔ وہ تنہا اس کا مقابلہ نہ کر سکے گی۔ انور انہیں سب خیالات میں ڈوبا ہوا آرام کرسی پر سو گیا۔

تقریباً بارہ بجے آصف نے آکر جگایا۔

"سارے انتظامات مکمل ہو چکے ہیں۔" آصف نے کہا۔ "دوسرے آفیسروں کی بھی یہی رائے ہے کہ چھاپہ دن ہی میں مارا جائے۔" اس کے بعد وہ انتظامات کے متعلق بتانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد کئی لاریاں اور دو تین جیپ کاریں شہباز پور کی طرف جا رہی تھیں۔ یہ سب گاڑیاں موسپلٹی کی تھیں۔ ان پر مزدور بیٹھے ہوئے تھے۔ کدالوں پھاوڑوں اور دوسرے اوزاروں کا انبار تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کہیں سڑک بنانے جا رہے ہوں۔ جیپ کاروں پر شائد محکمہ تعمیرات کے آفیسر تھے۔ ایک لاری پر انور بھی اپنے بدلے ہوئے بھیس میں موجود تھا۔

شہباز پور پہنچ کر ان گاڑیوں نے شاہی سرائے کو اپنے حلقے میں لے لیا۔ یہ ایک بہت پرانی عمارت تھی اور شاہی سرائے کے نام سے مشہور تھی۔ ویسے درحقیقت یہ سرائے نہیں تھی۔ مزدور اپنے ہاتھوں میں رائفلیں لے کر اترنے لگے۔ لیکن شاید اس عمارت کے رہنے والے پہلے ہی سے ہوشیار ہو گئے۔ قبل اس کے کہ کوئی عمارت کی طرف پیش قدمی کرتا کھڑکیوں اور روشندانوں سے گولیوں کی بارش ہونے لگی۔ دو ایک سپاہی پہلی ہی باڑ میں مارے گئے۔ آخر کار انہوں نے جلد از جلد لاریوں اور جیپوں کی آڑ لے لی اور ادھر سے بھی باڑھ ماری گئی۔ عمارت کا صدر دروازہ ابھی تک کھلا ہوا تھا۔ لیکن کسی کی آگے بڑھنے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔ انور ایک لاری کے پیچھے دبکا ہوا تھا۔ اس نے سوچا کہ اگر کہیں یہ دروازہ بند ہو گیا تو پھر نہ جانے کب تک اسی طرح فضول کارتوس برباد کئے جائیں گے۔ سارے قصبے میں ہلڑ مچ گیا تھا۔ لوگ دور ہی سے کھڑے شور مچا رہے تھے لیکن قریب آنے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔ شاید ان کی سمجھ میں ہی نہ آیا ہو کہ یک بیک یہ کیا ہونے لگا۔ انور نے آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ لاری کے اندر گھس کر اسے صدر دروازے تک ڈرائیو کر لے گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ اچھل کر ڈیوڑھی میں پہنچ گیا۔ اس دوران میں کئی گولیاں لاری کی چھت توڑ کر اندر آئیں۔ انور دروازے پر ڈٹ گیا۔ وہ اوپر کی گولیوں سے محفوظ ہو گیا تھا۔ دفعتاً ڈیوڑھی میں دو آدمی دکھائی دیئے۔ انور نے ریوالور نکال کر انہیں وہیں ڈھیر کر دیا۔

"اکیلے اندر مت جانا۔" آصف چیخا۔

"ارے اسی لاری کی آڑ لے کر آگے کیوں نہیں بڑھتے۔" انور دانت پیس کر بولا۔ "اس کے نیچے سے پیٹ کے بل رینگ آؤ۔"

پولیس کے دس بارہ جوان لاری کے نیچے رینگتے ہوئے دروازے کے قریب پہنچ گئے۔ ان میں آصف بھی تھا۔ باہر بدستور گولیاں چل رہی تھیں۔ انور وغیرہ اندر ہی جا رہے تھے کہ دفعتاً

جیپ کا راسٹارٹ ہوئی۔ انور چونک کر پلٹا اور بے اختیار چیخ پڑا۔

"ارے لو وہ داراب نکل گیا۔ یہ کم بخت اندر سے نکلا کیسے۔" جیپ سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی۔

"ٹھہرو....!" آصف اسے روک کر بولا۔ "بدحواسی اچھی نہیں۔ اب یہاں سے ہٹنا موت کو دعوت دینا ہے۔ گولیوں کی زد میں آجاؤ گے۔"

دفعتاً سڑک پر ایک موٹر سائیکل دکھائی دی جس پر ایک سکھ بیٹھا ہوا تھا۔ وہ موٹر سائیکل اسی سمت میں جا رہی تھی جدھر داراب گیا تھا۔

"ہے.... ہے سردار جی۔" انور زور سے چیخا۔ "ادھر ایک مجرم جیپ پر گیا ہے۔"

لیکن یہ اس کا ایک احمقانہ فعل تھا۔ موٹر سائیکل والے نے شاید سنا بھی نہ ہو۔ کیونکہ وہ بھی کافی تیز رفتاری کے ساتھ جا رہا تھا۔ عجیب بے بسی کا عالم تھا۔ انور کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے۔ دفعتاً وہ دیوانہ وار اندر گھس پڑا۔ اس کے پیچھے آصف وغیرہ تھے۔ اندر انہیں بہت سخت جنگ کرنی پڑی۔ یہاں بھی دو تین سپاہی زخمی ہو گئے تھے۔ اس سے باہر والوں کو بھی اندر گھسنے کا موقع مل گیا۔ تھوڑی دیر کی جدوجہد کے بعد مجرموں نے اسلحے پھینک دیئے اور خود کو گرفتاری کے لئے پیش کر دیا۔

"آصف جلدی کرو شائد داراب مل ہی جائے۔" انور دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

اور وہ دونوں مسلح سپاہیوں کیساتھ ایک جیپ میں اسی سمت روانہ ہو گئے جدھر داراب گیا تھا۔

دو تین میل کی مسافت طے کرنے کے بعد انہیں گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دیں۔ کچھ دور چل کر وہی جیپ سڑک پر کھڑی دکھائی دی جس پر داراب فرار ہوا تھا۔ اس کے اندر سے فائر ہو رہے تھے اور دوسری طرف جھاڑیوں میں کوئی اس جیپ پر گولیاں برسا رہا تھا۔ دفعتاً ایک چیخ سنائی دی اور داراب اچھل کر سڑک پر آرہا۔ گولی اس کی پیشانی پر لگی تھی۔ اس کے گرتے ہی جھاڑیوں سے ایک موٹر سائیکل نکل کر سڑک پر آئی جس پر ایک سکھ بیٹھا ہوا تھا۔ پولیس افسران نے پستول نکال لئے اور انور چونک پڑا۔

"خبردار موٹر سائیکل روک دو۔" آصف گرج کر بولا اور موٹر سائیکل رک گئی۔

"میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔" سکھ مسکرا کر بولا۔ "میں ان دس ہزار روپوں کا متمنی ہوا جو حکومت نے اسے زندہ یا مردہ گرفتار کرنے والے کے لئے وقف کئے تھے۔"

"بڑی سریلی آواز ہے سردار جی تمہاری۔" انور مسکرا کر بولا۔

سکھ انور کو گھورنے لگا۔ خود انور نے آگے بڑھ کر اس کی ڈاڑھی نوچ ڈالی اور سر پر بندھی ہوئی پگڑی اتار کر ایک طرف ڈال دی۔

"ارے کون.... رشیدہ....!" آصف اچھل کر بولا۔

"جی جناب۔" رشیدہ مسکرا کر بولی۔ لیکن پھر فوراً ہی گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھنے لگی۔ "انور کہاں ہے؟"

وہ انور کو اس کریہہ بھیس میں پہچان نہ سکی تھی۔ انور جلدی سے داراب کی لاش کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"کیوں آصف کیا یہ وہی شخص نہیں ہے۔" انور بھرائی ہوئی آواز میں بولا، جو پلازا میں ڈائریکٹر تھا اور جس کی لاش تمہیں جلی ہوئی کار میں ملی تھی۔ اب آؤ اور قریب آجاؤ۔ کرنل جاوید اپنی جوانی کے زمانے میں بالکل ایسا ہی تھا۔ ذرا اس کی ڈاڑھی پر بھی زور آزمائی کرو۔ مگر اس سے کام نہ چلے گا۔ اس نے پلاسٹک میک کر رکھا ہے۔"

انور نے جھک کر اس کی ڈاڑھی کے بال نکالنے شروع کئے۔ پھر چہرے پر متعدد جگہ چپکے ہوئے پلاسٹک کے ٹکڑے بھی نکالے اور دفعتاً چیخ کر اچھل پڑا۔

"ارے یہ تو صابر انجینئر ہے۔"

"آداب عرض....!" انور جھک کر بولا۔ "جو کچھ میں کہہ دیا کروں اسے پتھر کی لکیر سمجھا کرو۔ میں انسپکٹر فریدی کا شاگرد ہوں۔" پھر وہ رشیدہ کی طرف متوجہ ہوا، جو حیرت سے آنکھیں پھاڑے کھڑی تھی۔

"کیوں رشو ٹھیک ہے نا۔" انور اپنی صحیح آواز میں بولا اور رشیدہ اچھل پڑی۔

"ارے یہ تم ہو! گندے.... لیچڑ....!" انور ہنسنے لگا۔

"اور ہاں جناب آصف صاحب کل جو عورت کار میں ایک پُراسرار دھماکے سے زخمی ہوئی تھی اُسے بھی حراست میں لے لینا۔ اس کا تعلق بھی داراب کے گروہ سے ہے اور اس کے شوہر کو بھی.... کیا سمجھے۔"

"وہ کیسے....!"

"اس کا ثبوت میں فراہم کروں گا۔" انور نے کہا۔ "کرنل جاوید برآمد ہی ہو گیا ہے۔ اب کوئی خاص مسئلہ باقی نہیں رہا۔ تم ان سب کو لدواؤ.... اور ہم لوگ چلے۔ اگر ہماری ضرورت پڑے تو کوتوالی میں بلوا سکتے ہو۔ ادر ہاں کوئی گڑبڑ.... نہ ہونے پائے۔ دس ہزار والا انعام رشیدہ ہی کا حق ہے۔ اگر یہ اچانک بیچ میں نہ آکودتی تو ہم داراب کی گرد کو بھی نہ پا سکتے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں موٹر سائیکل پر شہر کی جانب واپس جا رہے تھے۔

"تم نے اسے روکا کیسے۔" انور نے پوچھا۔

"اتفاق.... محض اتفاق.... اچانک جیپ چلتے چلتے خراب ہو گئی تھی۔"

"رشوا گر مار ڈالی جاتیں تو کیا ہوتا۔" انور غم ناک لہجے میں بولا۔

"تو تمہارا کیا بگڑتا۔"

"بگڑتا تو کچھ نہیں.... مگر .... رشو....!"

"ہاں مگر کیا۔"

"کچھ نہیں....!"

"کچھ نہیں.... میں سمجھی شاید۔"

"چھوڑو بھی.... رشو ڈارلنگ.... مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

"جانور....!" رشیدہ نے ہونٹ سکوڑ کر کہا اور کچھ سوچنے لگی۔

ختم شد

ابنِ صفی

جلد نمبر
5

جاسوسی دنیا

15- آتشی پرندہ

16- خونی پتھر

17- بھیانک جزیرہ



پیش رس

جاسوسی دنیا کا پندرھواں ناول ''آتشی پرندہ'' ملاحظہ فرمایئے۔

اس بار خطوط کی تعداد بھی پہلے سے زیادہ ہے۔ مشورے، تنقید اور تنقیص یکساں انداز کی باتیں۔ لہٰذا ان کے بارے میں کیا لکھوں۔ البتہ ایک صاحب نے کراچی سے مجھے للکارا ہے کہ میں خوابِ غفلت میں کیوں پڑا ہوا ہوں۔ قوم کو سدھارنے کی کوشش بھی کروں۔ آپکا فرمانا بجا کہ میرے ہاتھ میں قلم ہے لیکن قوم اس قلم سے صرف کہانیوں کا نزول چاہتی ہے۔ اگر کبھی ایک آدھ جملہ کسی مثال کے طور پر بھی قلم سے رپٹ گیا تو قوم جھپٹ پڑتی ہے۔ ''آخر آپ کو سیاست میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔'' اور میں ہکا بکا رہ جاتا ہوں کہ قوم کو کیا جواب دوں۔ کیونکہ جواب دینے کے سلسلے میں ایک ضخیم کتاب لکھنی پڑ جائے گی۔ پہلے تو قوم کو یہ بتانا پڑے گا کہ سیاست ہے کیا چیز، پھر عرض کرنا پڑے گا کہ میرے اس حقیر جملے کو اس کسوٹی پر پرکھیے۔ اگر اس میں ذرہ برابر بھی سیاست پائی جاتی ہو تو جو لیڈر کی سزا وہ میری سزا..... اور پھر بھائی اگر ملک میں سیاست دانوں کی کمی ہو تو تھوڑا بہت کشٹ بھی اٹھالیا جائے۔ مجھے تو بس کہانیاں لکھنے دیجئے، میری لیڈری آپ بھی تسلیم نہیں کریں گے۔ پھر خواہ مخواہ قوم کا وقت برباد کرنے سے کیا فائدہ۔ قوم کے لئے اسکے علاوہ اور کچھ نہیں کرسکتا کہ دعا کروں۔ ''اے اللہ اس قوم کو ایک آزاد اور منفرد قوم کی حیثیت سے ہمیشہ قائم رکھیو۔'' آخر میں ان صاحب نے پوچھا ہے کہ لیڈر کی صحیح تعریف کیا ہے؟ بڑا بے ڈھب سوال کیا ہے آپ نے۔ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔ البتہ اکبر الہ آبادی نے اپنے زمانے کے لیڈر کی تعریف یوں کی ہے۔

یوسف کو نہ دیکھا کہ حسین بھی ہیں جواں بھی
شاید نرے لیڈر تھے زلیخا کے میاں بھی

والسلام

ابنِ صفی

رقص

مئے پول ہوٹل کی وسیع رقص گاہ روشنی کے طوفان میں ہچکولے لے رہی تھی۔ نئے سال کا یہ پہلا عظیم الشان رقص تھا۔ فرش پر مثبت اور منفی قوتیں ایک دوسرے سے بغل گیر ہو کر رمبا ناچ رہی تھیں اور ان کے سروں پر لال پیلے، بنفشی نارنجی اور فالسی غبارے منڈلا رہے تھے۔ نیز سرگوشیاں اور ہلکے ہلکے کھنکتے ہوئے قہقہے ہال کی فضا میں ارتعاش پیدا کر رہے تھے۔ آرکسٹرا دھیمے سروں میں بج رہا تھا۔

انور اور رشیدہ بہت دیر سے ناچ رہے تھے اور اب انور کچھ اکتا سا گیا تھا۔ رقص کے دوران ہی اُس نے اچانک رشیدہ کو گدگدا دیا اور وہ مچل کر پیچھے ہٹ گئی۔ وہ بال بال بچی ورنہ ایک جوڑے سے بُری طرح ٹکرا جاتی۔ رشیدہ کو ہنسی بھی آ رہی تھی اور غصہ بھی۔ اُس کے اس رویہ پر کئی جوڑوں نے اُسے گھور کر دیکھا اور رشیدہ جھینپ کر ناچنے والوں کے مجمعے سے نکل گئی۔ انور بدستور اپنی جگہ پر سنجیدگی سے کھڑا اپنے سر پر منڈلاتے ہوئے غباروں کو دیکھ رہا تھا۔ کئی جوڑے اُسے متحیرانہ انداز میں گھورتے ہوئے اس کے قریب سے گذر گئے اور وہ اس طرح کھڑا تھا جیسے وہ وہاں بالکل تنہا ہو۔ بہتیری رنگین مزاج عورتیں اسے للچائی ہوئی نظروں سے گھور رہی تھیں۔ آج وہ ضرورت سے زیادہ ''انسان'' نظر آ رہا تھا۔ لباس کے معاملے میں آج اس نے خاصی خوش سلیقگی اور نفاست برتی تھی۔ رشیدہ کا خیال تھا کہ وہ اسے آہستہ آہستہ ''انسان'' بنانے میں کامیاب ہو جائے گی۔ آج وہ ہی اسے ضد کر کے یہاں لے آئی تھی اور خود اُسی نے اس کے سیاہ سوٹ کو اپنے ہاتھ سے پریس کیا تھا۔ لیکن اس کی اس حرکت سے وہ بُری طرح جھنجھلا گئی تھی اور

اب تو اس کا غصہ اور بھی تیز ہوتا جا رہا تھا۔ آخر یہ وہاں کھڑا کیا کر رہا ہے؟ انور اس طرح اپنے اوپر اڑتے غباروں کو گھور رہا تھا جیسے اس کے جیب سے کوئی غبارہ نکل کر اُن میں جا ملا ہو اور وہ اب اسے پہچان کر دوبارہ پکڑنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ دفعتاً آرکسٹرا خاموش ہو گیا؟ ہال میں قہقہے گونج اٹھے۔ رقص کرنے والے ایک دوسرے کے بازوؤں میں ہاتھ ڈالے میزوں کی طرف بڑھنے لگے۔

رشیدہ جھنجھلا کر انور کی طرف بڑھی۔

''تم پاگل ہو گئے ہو کیا۔''

''اوں.....!'' انور چونک کر بولا۔ ''میں پاگل کب نہیں تھا۔''

''اگر یہ سب حماقتیں کرنی تھیں تو آئے کیوں تھے؟''

''بھلا اس میں حماقت کی کیا بات ہے۔'' انور مسکرا کر بولا۔ ''یہاں سب ہی ایک دوسرے کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے آتے ہیں۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ سارے ہال والوں کی نگاہیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔''

''اگر متوجہ ہی کرنا تھا تو گدھے کی بولی بولنا شروع کر دیتے۔''

''اور تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں ایسا نہ کروں گا۔'' انور نے سنجیدگی سے کہا اور رشیدہ خوفزدہ ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ لوگ اب بھی اُنہیں گھورے جا رہے تھے۔

''خدا کیلئے انسان بنو۔'' رشیدہ ملتجیانہ انداز میں بولی۔ ''لوگ ہمیں احمق سمجھ رہے ہیں۔''

''تو اس سے ہماری شخصیت پر کیا فرق پڑتا ہے۔''

''ارے تو کیا یہیں کھڑے رہو گے۔'' رشیدہ زچ ہو کر بولی۔

''تو چلو نا.....!''

دونوں ایک خالی میز پر بیٹھ گئے۔ رشیدہ خاموش تھی۔ انور نے ایک بیرے کو بلا کر اسے کافی کا آرڈر دیا۔ اُن دونوں کے قریب کی میزوں پر بیٹھے ہوئے لوگ انہیں ابھی تک تحیر آمیز نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ کافی آئی۔ انور نے نظر بچا کر رشیدہ کی پیالی میں شکر کی بجائے نمک گھول دیا اور کافی کا ایک گھونٹ لے کر سگریٹ سلگانے لگا۔

رشیدہ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ انور کو پھٹکارنے کیلئے مناسب الفاظ تلاش کر رہی ہو۔ وہ تھوڑی دیر تک انور کو گھورتی رہی پھر اچانک بولی۔

''آدمی بنو آدمی..... اس قسم کی حرکتیں سوسائٹی میں پسندیدگی سے نہیں دیکھی جاتیں۔ لوگ ابھی تک ہمیں مضحکہ خیز انداز میں گھور رہے ہیں۔ نہ جانے تم کب.....!''

''یہ غبارے کتنے حسین لگ رہے ہیں۔'' انور نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''تمہارا سر.....!'' رشیدہ نے جھلا کر کہا اور کافی کی پیالی اٹھا کر ہونٹوں سے لگائی لیکن دوسرے ہی لمحے پیالی والا ہاتھ پیالی سمیت جھٹکے کے ساتھ میز پر آ رہا۔ کافی کا گھونٹ ابھی تک اس کے منہ میں تھا اور وہ انور کو گھور رہی تھی جو نہایت سنجیدہ اور انہماک کے ساتھ گیس بھرے غباروں کا جائزہ لے رہا تھا۔

رشیدہ نے بدقت تمام وہ گھونٹ حلق سے اتارا اور بے اختیار ہنس پڑی۔

اس ہنسی میں بیچارگی، جھنجھلاہٹ، لطف اندوزی سبھی کچھ شامل تھا۔ انور چونک کر اس کی طرف مڑا۔

''میں سچ کہتی ہوں انور کسی دن.....!''

''تم آخر میرے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو۔'' انور جھنجھلا کر بولا۔

''خیر! چلو آج گھر چل کر تمہیں اس مکاری کا مزہ چکھاؤں گی۔''

''آخر بات کیا ہے۔''

''تم نے میری پیالی میں نمک.....!''

رشیدہ جملہ پورا نہیں کر پائی تھی ایک معمر اور وجیہہ عورت ان کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے سفید ساری پہن رکھی تھی اور گلے میں ایک بیش قیمت ہار تھا۔ کلائیوں میں سونے کی جڑاؤ چوڑیاں تھیں، چہرے پر عجیب قسم کی نرمی تھی جیسے مامتا کی زیادتی کے علاوہ اور کسی دوسری چیز سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ خدوخال سے ظاہر ہو رہا تھا کہ جوانی میں بے مثال خوبصورتی کی مالک ہو گی۔ عمر کافی ڈھل جانے کے باوجود بھی اس میں جاذبیت موجود تھی۔

''بچو! اگر میں یہاں بیٹھ جاؤں تو.....!'' عورت کچھ ہچکچاتی ہوئی بولی۔

''شوق سے شوق.....!'' رشیدہ نے خوش اخلاقی سے کہا۔

عورت ایک کرسی کھسکا کر بیٹھ گئی۔ انور اسے تنقیدی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''میں تم لوگوں میں بہت دیر سے دلچسپی لے رہی ہوں۔'' عورت مسکرا کر بولی۔

لیکن اس کی مسکراہٹ میں تضحیک کا پہلو نہیں تھا۔ لہجے میں بزرگانہ شفقت کے آثار تھے۔

رشیدہ شرمیلے انداز میں مسکرا کر رہ گئی۔ لیکن انور کی آنکھوں میں شرارت آمیز چمک تھی۔

''میرا خیال ہے کہ یہاں اس وقت تمہارے علاوہ اور کوئی کافی نہیں پی رہا ہے۔''

''ہم لوگ شراب نہیں پیتے۔'' رشیدہ بولی۔

''خوب! خوب..... مجھے ایسے بچے پسند ہیں۔'' عورت دبے ہوئے جوش کے ساتھ بولی۔

انور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ رشیدہ نے اُسے گھور کر دیکھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ انور اس وقت کوئی کسیلی کڑوی بات کہے۔ عورت کے لہجے میں چھپا ہوا پیار اسے اپنی طرف کھینچ رہا تھا انور دوسری طرف منہ پھیر کر بیٹھ گیا۔

''تمہاری کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے۔'' عورت نے رشیدہ سے کہا۔ انور اپنی پیالی خالی کر چکا تھا۔

''وہ..... وہ..... کچھ نہیں ٹھیک ہے۔'' رشیدہ جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

''اوہ تو میں یقیناً یہاں بیٹھ کر مخل ہوئی۔'' عورت اٹھنے کا ارادہ کرتی ہوئی بولی۔

''نہیں..... نہیں..... یہ بات نہیں۔'' رشیدہ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتی ہوئی بولی۔

عورت بیٹھ گئی لیکن وہ انور کی طرف بار بار دیکھ رہی تھی، جو اکتائے ہوئے انداز میں جلدی جلدی سگریٹ کے کش لے رہا تھا۔

''بات یہ ہے کہ اس کافی میں دو چمچے نمک ہے۔'' رشیدہ مسکرا کر بولی اور انور کی طرف دیکھنے لگی۔

وہ عورت مسکرا کر انور کی طرف مڑی۔ پھر دفعتاً ذرا بلند آواز میں بولی۔ ''محمود! محمود! میں ادھر ہوں۔''

رشیدہ نے مڑ کر دیکھا ایک آدمی ایک نوجوان عورت کے ساتھ ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ تھا تو جوان ہی لیکن اس کی چڑھی ہوئی گھنی مونچھوں نے اسے قبل از وقت معمر اور سنجیدہ بنا دیا

تھا۔ پیشانی کشادہ اور چمکدار تھی۔ لباس کے رکھ رکھاؤ سے خوش سلیقہ معلوم ہوتا تھا۔ اُس کے ساتھ والی عورت خدوخال کے تیکھے پن کی وجہ سے مزاج کی چڑچڑی لگ رہی تھی۔ وہ دونوں آ کر کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

''میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔'' عورت بڑی مونچھوں والے کی طرف مخاطب ہو کر بولی۔

''آپ لوگوں کی تعریف.....!'' وہ انور اور رشیدہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

پھر دفعتاً انور پر نظر پڑتے ہی چونک اٹھا۔ وہ اُسے عجیب نظروں سے گھور رہا تھا۔

''ان لوگوں سے یہیں ملاقات ہوئی ہے۔'' معمر عورت بولی۔

اجنبی انور کو برابر گھورے جا رہا تھا۔ انور کی نگاہیں بھی اس پر جمی ہوئی تھیں۔ اجنبی کے انداز میں تحیر تھا۔ انور اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے وہ اسے پہچانتا ہو لیکن اس کے اظہار میں پہل نہیں کرنا چاہتا۔

''آنکھوں پر یقین نہیں آتا۔'' اجنبی مسکرا کر آہستہ سے بڑبڑایا۔

انور مسکرانے لگا۔ رشیدہ اور وہ دونوں عورتیں انہیں حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔

''تم اتنے باسلیقہ کب سے ہو گئے ہو۔'' اجنبی مسکرا کر بولا۔

''اور تم نے اپنے ہونٹ پر یہ ابابیل کب سے پالی ہے۔'' انور نے پوچھا۔

اجنبی جھینپ کر اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

''ارے تو کیا تم ایک دوسرے سے واقف ہو۔'' معمر عورت گرمجوشی کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔

''اس طرح جیسے داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ سے۔'' اجنبی نے مسکرا کر کہا۔ ''میں تین دن سے اس کی تلاش میں ہوں۔''

''تو کیا یہ انور ہیں۔'' معمر عورت متعجبانہ انداز میں بولی۔

''ہاں.....!'' اجنبی مسکرا کر بولا۔ ''انور! یہ میری چچی اماں رانی صاحبہ ہری پور ہیں اور یہ میری بیوی شاہدہ۔''

انور ان دونوں سے ہاتھ ملا کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

''آخر تم نے بھی شادی کر ہی ڈالی۔'' اجنبی نے انور سے کہا۔

''تم غلط سمجھے..... یہ میری دوست خان بہادر رشیدہ خاں ہیں۔'' انور نے کہا اور رشیدہ کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''یہ میرے کلاس فیلو محمود علی خاں ہیں۔ ہری پور کے جاگیردار۔''

''رشیدہ..... کون رشیدہ۔'' رانی صاحبہ چونک کر بولیں۔ ''کیا وہی جس نے داراب کو قتل کر کے دس ہزار کا انعام حاصل کیا تھا۔''

''جی وہی.....!'' انور مسکرا کر بولا۔

''تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔'' رانی صاحبہ گرم جوشی سے رشیدہ کا ہاتھ دباتی ہوئی بولیں۔ ''لیکن یقین نہیں آتا..... تم بہت پیاری بچی ہو! تم نے اسے کس طرح قتل کیا ہوگا۔''

''باقاعدہ مقابلہ کر کے.....!'' رشیدہ نے مسکرا کر کہا۔ ''ایک بار ذرا سا چوکا تھا کہ میرے پستول کی گولی نے اس کا بھیجا اڑا دیا۔''

''تم واقعی دلیر لڑکی ہو۔''

انور نے دوبارہ کافی کا آرڈر دیا۔ محمود کی بیوی بدستور خاموش تھی۔ اس دوران میں اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ بھی نہ دکھائی دی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ انور اور رشیدہ کو کمتر سمجھ کر اُن سے اکتا رہی ہو۔ کافی آئی لیکن اس نے اپنی پیالی الٹ کر رکھ دی۔ محمود کے چہرے پر غبار سا چھا گیا۔ شاید اسے اپنی بیوی کی یہ حرکت ناگوار گذری تھی۔

''یہ کافی نہیں پیتیں۔'' محمود نے ندامت آمیز لہجے میں کہا اور اس کی بیوی ہونٹ سکوڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

''بہت اچھا کرتی ہیں۔'' انور نے لاپروائی سے کہا اور سگریٹ سلگانے لگا۔

''تم میں واقعی حیرت انگیز تبدیلی ہوئی ہے۔'' محمود نے انور سے کہا اور پھر رانی صاحبہ کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ ''میرا اور ان کا لباس کا مقابلہ رہتا تھا۔ مگر یہ ظالم قیمتی سے قیمتی سوٹ اتنے بے ڈھنگے پن سے استعمال کرتا تھا کہ کلیجہ خون ہو جاتا۔ شرارتوں کی دھوم سارے کالج میں تھی۔''

''اور اس وقت بھی ایک شرارت ہی کی بناء پر مجھے ان کی طرف متوجہ ہونا پڑا تھا۔'' رانی صاحبہ ہنس کر بولیں اور پھر انہوں نے پورا واقعہ دہرا دیا۔ محمود بے ساختہ ہنسنے لگا لیکن اس کی بیوی

بدستور منہ پھلائے بیٹھی رہی۔

''میں دراصل ایک مسئلہ پر غور کرنے لگا تھا۔'' انور سنجیدگی سے بولا۔ ''میں یہ سوچ رہا تھا کہ آدمی اب سے ہزاروں سال پہلے ہی اچھا تھا۔ جب وہ ڈھولکوں کی تھاپ پر اچھل کود کر اُسے ناچ کہتا تھا۔ اس طرح کم از کم اُسکے جسم میں توانائی ہی آتی تھی۔ بھلا آج کے مہذب ناچ میں کیا رکھا ہے۔ آرکسٹرا کی روں روں اور گھوں گھوں کے ساتھ کیڑوں کی طرح رینگ رہے ہیں۔''

''یار تمہاری اس الٹی کھوپڑی نے تمہیں تباہ کیا ہے۔'' محمود متاسفانہ لہجے میں بولا۔ ''ورنہ اتنی بڑی جائیداد.....!''

''محمود پلیز.....!'' انور احتجاجاً ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''میں پرانی باتیں سننا پسند نہیں کرتا۔''

''خیر..... خیر.....'' محمود سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔ ''اور سناؤ کیسی گذر رہی ہے۔''

''تم مجھے تلاش کیوں کر رہے تھے۔'' انور نے پوچھا۔

''بھئی ایک بہت ہی اہم معاملہ ہے۔'' محمود نے کہا اور رانی صاحبہ کی طرف دیکھنے لگا۔

''میں اب بھی یہی کہتی ہوں کہ یہ کسی آدمی کے بس کا روگ نہیں۔'' رانی صاحبہ متفکرانہ انداز میں بولیں۔

''ہم لوگ بڑی مصیبت میں پھنس گئے ہیں۔'' محمود رانی صاحبہ کا جملہ نظر انداز کر کے انور سے بولا۔ ''ایک خوفناک پرندہ ہری پور والوں کی پریشانیوں کا باعث بنا ہوا ہے۔''

''پرندہ.....!'' انور ہنس کر بولا۔ ''تم کیا مجھے چڑے مار تصور کرتے ہو۔''

''مذاق نہیں انور یہ بہت اہم معاملہ ہے۔'' محمود نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ انور خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔

''اُسے آتشی پرندہ کہنا چاہئے۔'' محمود آہستہ سے بولا۔ ''ایک ایسا پرندہ جس کے پروں سے آگ نکلتی رہتی ہے۔ اڑان کے انداز سے کبوتر معلوم ہوتا ہے۔'' انور بے تحاشہ ہنسنے لگا۔ رشیدہ بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

''یار محمود تم ابھی تک ویسے ہی ہو۔ تمہاری شاندار غپیں اکثر یاد آیا کرتی ہیں۔'' انور ہنس کر بولا۔

محمود جھنجھلا کر اُسے گھورنے لگا۔

''یہ حقیقت ہے۔'' رانی صاحبہ سنجیدگی سے بولیں۔ ''لیکن محمود کا یہ خیال غلط ہے کہ تم اس سلسلے میں کوئی مدد کرسکو گے۔''

انور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''لیکن قصبے والے پریشان کیوں ہیں۔'' انور نے کہا۔ اُس کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔

''جس عمارت پر وہ اترتا ہے اس میں آگ لگ جاتی ہے۔'' محمود نے کہنا شروع کیا۔ ''اب تک کتنی پختہ عمارتوں اور متعدد جھونپڑوں میں آگ لگ چکی ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ کوئی بھوت ہے، جو قصبے والوں کے پیچھے پڑ گیا ہے لیکن میں اسے تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں۔''

''کیوں؟ یقین نہ کرنے کی وجہ؟'' انور نے پوچھا۔

''میں ان چیزوں کا قائل نہیں۔'' محمود نے کہا۔

''تم نے اپنی آنکھوں سے اس پرندے کو دیکھا ہے۔''

''ہاں.....دوبار.....!''

''اور پھر بھی تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ کوئی خبیث روح نہیں ہے۔'' انور نے پوچھا۔

''قطعی.....!''

''آپ کا اس کے متعلق کیا خیال ہے۔'' انور رانی صاحبہ کی طرف مڑا۔

''میں یقیناً اُسے کوئی خبیث روح سمجھتی ہوں اس کے علاوہ اور ہو ہی کیا سکتا ہے۔ میں نے آج تک کسی آتشی پرندے کے متعلق نہیں سنا اور پھر ایک پتھر کا مقبرہ بھی جلتا ہوا دیکھا گیا جس میں لکڑی یا کسی جلنے والی چیز کا نام ونشان بھی نہیں تھا۔ خالص پتھر کا مقبرہ۔'' رانی صاحبہ خاموش ہو کر انور کی طرف معنی خیز انداز میں دیکھنے لگیں۔

''تو کیا وہ پرندہ روز دکھائی دیتا ہے۔'' انور نے پوچھا۔

''نہیں.....دوسرے تیسرے دن۔''

''اور کب سے نظر آنے لگا ہے۔''

''تقریباً پندرہ یا بیس یوم سے۔''

''آتشزدگی کے علاوہ کوئی اور حادثہ۔'' انور نے پوچھا۔

''ابھی تک تو اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوا۔''

''کبھی کسی نے اس پرندے کا تعاقب بھی کیا ہے۔''

''نہیں! کسی کی ہمت ہی نہیں پڑتی۔'' رانی صاحبہ بولیں۔ ''محمود نے کئی بار کوشش کی لیکن میں نے ایسا نہیں کرنے دیا۔''

''کیا وہ ہمیشہ ایک ہی سمت سے نمودار ہوتا ہے۔''

''لوگ یہی کہتے ہیں۔'' محمود بولا۔ ''وہ جنگل کی طرف سے آتا ہے۔ تم شائد ہری پور کبھی نہیں گئے۔ قصبے کے مشرقی کنارے سے کچھ دور ہٹ کر جنگلوں کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ یہ سلسلے کچھ دور کے بعد سے ناقابل عبور ہو گئے ہیں۔ میلوں تک کروندے کی کانٹے دار جھاڑیاں پھیلی ہوئی ہیں جنہیں پار کرنا ناممکن ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ منحوس پرندہ اسی طرف سے آتا ہے۔ ایک بار میں نے سوچا تھا کہ اس پر فائر کروں مگر چچی اماں نے سختی سے روک دیا۔''

انور کچھ سوچنے لگا۔ بقیہ لوگ اُسے گھور رہے تھے۔

''اور اس چڑیل کو کیوں بھول گئے۔'' محمود کی بیوی شاہدہ تیوری چڑھا کر بولی۔

محمود چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اُس کے انداز میں بیچارگی تھی۔ احتجاج تھا۔

رانی صاحبہ موقعے کی نزاکت کا احساس کر کے فوراً بولیں۔

''بہو رانی کا خیال کچھ اور ہے۔ ہری پور میں ایک دیوانی لڑکی بھی لوگوں کے خوف کی وجہ بنی ہوئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس پر کسی جن کا سایہ ہے اور وہی اس تباہی کی ذمہ دار ہے، جیسے ہی پرندہ دکھائی دیتا ہے اس لڑکی کی ڈراؤنی چیخیں اور دل ہلا دینے والے قہقہے سارے قصبے میں گونجنے لگتے ہیں۔''

''میں اسے تسلیم نہیں کرسکتا۔'' محمود نے آہستہ سے کہا۔

''آپ کیوں تسلیم کرنے لگے۔'' شاہدہ زہرخند کے ساتھ بولی۔

محمود نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے چہرے پر اداسی سی پھیل گئی اور کوئی چھپا ہوا غم اُس کی آنکھوں میں کروٹیں لینے لگا۔

''وہ لڑکی کون ہے؟'' انور نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

''ایک ڈاکٹر کی بہن ہے۔''

''ڈاکٹر کیسا آدمی ہے۔''

''اگر میں اُسے فرشتہ کہوں تو بیجا نہ ہوگا۔'' رانی صاحبہ بولیں۔ ''اس نے اپنی زندگی خدمت خلق کے لئے وقف کردی ہے۔ آج سے دو سال قبل وہ ہری پور میں آیا تھا۔ اس عرصے میں اس نے اپنی خدمات کی وجہ سے لوگوں کے دل جیت لئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس کی دیوانی بہن سارے قصبے میں اودھم مچاتی پھرتی ہے کوئی کسی قسم کا اعتراض نہیں کرتا۔''

''کیا وہ ہری پور میں پاگل ہوئی ہے یا اس سے پہلے سے تھی۔''

''ڈاکٹر کا بیان ہے کہ وہ بچپن ہی سے ایسی ہے۔''

''لیکن تعجب ہے کہ ڈاکٹر اسے اس طرح آزادانہ پھرنے دیتا ہے۔'' انور نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

''وہ تو اُسے بعض اوقات باندھ کر رکھتا ہے لیکن وہ کسی نہ کسی طرح نکل جاتی ہے۔''

''ڈاکٹر کے خاندان کے دوسرے لوگ بھی وہیں ہری پور ہی میں رہتے ہیں۔'' انور نے پوچھا۔

''نہیں..... صرف وہ اور اس کی بہن۔ دو تین نوکر۔'' رانی صاحبہ نے کہا۔

''وہ ملٹری میں ڈاکٹر تھا۔ کسی وجہ سے اس نے ملازمت چھوڑ دی۔ اکثر ہری پور میں بھی فوج کے آفیسر اس کے پاس آتے رہے ہیں۔''

''اس کی مالی حالت کیسی ہے۔'' انور نے پوچھا۔

''کافی مالدار آدمی ہے۔'' رانی صاحبہ نے کہا۔ ''ہری پور کے مضافات میں اس نے کچھ جائیداد بھی خریدی ہے۔''

انور کچھ سوچنے لگا۔

''تو اب تم چاہتے کیا ہو۔'' اُس نے محمود سے پوچھا۔

''ہمارے ساتھ ہری پور چلو۔''

''معاملہ ہے تو دلچسپ۔'' انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''اچھا خیر میں کوشش کروں گا۔''

''کوشش نہیں۔'' محمود نے کہا۔ ''تمہیں چلنا پڑے گا۔''

''چلو نا.....!'' رشیدہ ٹھنک کر بولی۔ ''میں تھوڑی تفریح چاہتی ہوں۔''

''اچھا تو کیا تم بھی چلو گی۔'' انور بولا۔ ''مگر تمہیں کسی نے نہیں مدعو کیا۔''

''ارے بھئی شوق سے..... شوق سے..... مجھے بڑی خوشی ہوگی۔'' محمود جلدی سے بولا۔

شاہدہ نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ رشیدہ نے شاید اس کے خیالات بھانپ لئے تھے۔ لہٰذا وہ جلدی سے بولی۔

''ارے بھلا میں کہاں جاسکتی ہوں۔''

''کیوں.....؟'' رانی صاحبہ نے پوچھا۔

''یونہی! میں آج کل بہت مصروف ہوں۔''

''تمہیں تو چلنا ہی پڑے گا۔ تم بہت پیاری بچی ہو۔'' رانی صاحبہ نے کہا۔

''نہ جانے کیوں میرا دل چاہا تھا کہ تم سے جان پہچان پیدا کروں۔ ویسے یہاں اور بھی میزیں خالی ہیں۔''

''خیر میں پرسوں ہری پور پہنچ جاؤں گا۔'' انور نے کہا۔

''اور تنہا نہیں آؤ گے۔'' رانی صاحبہ مسکرا کر بولیں۔

''رشو کی ذمہ داری میں نہیں لے سکتا۔ بعض اوقات یہ اس لڑکی سے بھی زیادہ پاگل ہو جاتی ہے، جس کا تذکرہ ابھی آپ لوگوں نے کیا تھا۔''

رشیدہ نے انور کو گھور کر دیکھا اور انور سگریٹ سلگانے لگا۔

''نہیں تم انہیں ضرور لاؤ گے۔'' رانی صاحبہ نے کہا۔

''تمہاری مونچھیں بہت خوفناک ہیں۔'' انور نے محمود سے کہا۔

''مضحکہ اڑانا شروع کر دیا تم نے۔'' محمود مسکرا کر بولا۔

''لیکن ان حالات میں ان کا وجود غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔''

محمود پہلے تو کچھ نہیں سمجھا لیکن انور کی نگاہیں اپنی بیوی کی طرف اٹھی دیکھ کر وہ اس کے طنزیہ ریمارک کی تہہ تک پہنچ گیا۔

''خیر تو پرسوں تم ہری پور پہنچ رہے ہو۔'' محمود گلا صاف کرتا ہوا بولا۔

''ہاں.....آں.....!''انور نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

اس کے بعد ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔محمود زیادہ تر کالج کی پچھلی زندگی کے بارے میں گفتگو کررہا تھا۔

پراسرار لڑکی

دو دن بعد انور اور رشیدہ ٹرین پر بیٹھے ہوئے احمد نگر کی طرف جارہے تھے۔احمد نگر ایک چھوٹا سا ریلوے اسٹیشن تھا جہاں سے ہری پور کا فاصلہ آٹھ میل تھا۔اسٹیشن سے قصبے تک ایک پختہ سڑک تھی جو قصبے والوں نے اپنی ضروریات کے لئے بنوائی تھی۔رانی صاحبہ ہری پور کی ایک ترقی پسند عورت تھی۔اس سڑک کی تعمیر میں ان کا سب سے بڑا حصہ تھا۔کچھ اس ایک سڑک ہی پر منحصر نہیں، قصبے والوں کے آرام و آسائش کے لئے انہوں نے بہت کچھ کیا تھا۔قصبے میں متعدد جگہ بورنگ پائپ لگوائے تھے۔ایک شفا خانہ اپنے خرچ سے تعمیر کرایا تھا۔بچوں کے لئے چھوٹے چھوٹے کئی سکول قائم کئے تھے جہاں جدید طریقہ تعلیم رائج تھا۔قصبے میں ایک ہائر سکنڈری سکول بھی تھا لیکن اس کا تعلق براہِ راست حکومت کے محکمہ تعلیم سے تھا۔ویسے یہ سکول بھی رانی صاحبہ کی کوششوں سے قائم ہوا تھا اور وہ اس کی انتظامیہ کمیٹی کی صدر تھیں۔بہر حال انہوں نے اس بات کی حتی الامکان کوشش کی تھی کہ ہری پور ایک ترقی یافتہ قصبہ سمجھا جائے۔احمد نگر کے اسٹیشن پر محمود کار لئے موجود تھا جیسے ہی ٹرین رکی محمود کے ملازمین انور کے سامان پر ٹوٹ پڑے۔

''میں تو ڈر رہا تھا کہ کہیں تم اپنی پرانی عادت کے مطابق بھول نہ جاؤ۔''محمود نے اُس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

''تم خواہ مخواہ ڈر رہے تھے۔''انور مسکرا کر بولا۔''ہم ایک ماہ کی چھٹی لے کر آئے ہیں اور چھٹی ختم کئے بغیر یہاں سے واپس نہ جائیں گے۔''

''بھئی خدا کی قسم تم نے یہ کہہ کر مجھ میں نئی زندگی ڈال دی ہے۔''محمود اُسکا ہاتھ دباتا ہوا بولا۔

''اسی لئے تو میں نے ایک ماہ کی چھٹی لی ہے تاکہ تم کم از کم ایک ماہ تک تو سکون کی زندگی بسر کرسکو۔''انور ہنس کر بولا۔

''میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔''

''ظاہر ہے کہ مہمانوں کی موجودگی میں تم پر عتاب نازل ہونے کے امکانات کم ہوجائیں گے۔

محمود نے کوئی جواب نہ دیا۔لیکن اُس کے چہرے پر اضمحلال پھیل گیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد ان کی کار ہری پور کی طرف جارہی تھی۔

''تو تمہاری ازدواجی زندگی ناکام رہی۔''انور تھوڑی دیر بعد بولا۔

محمود اس کی طرف اس طرح دیکھنے لگا جیسے وہ اس تذکرے سے پہلو تہی کرنا چاہتا ہو۔

''تمہارا اندازہ درست ہے۔''وہ تھوڑی دیر بعد گلا صاف کرتا ہوا بولا''شادی ایک قسم کا جوا ہے.....اندھی چال۔''

''مجھے خوشی ہے کہ میں جواری نہیں ہوں۔''انور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

''لیکن عورت بہر حال ضروری ہے۔''محمود پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔''چاہے وہ بیوی ہو چاہے دوست۔''

رشیدہ نہ جانے کیوں خود بخود مسکرانے لگی۔

''جب رشو نہیں تھی تب بھی میں مطمئن تھا۔''

''لیکن آدمی نہیں تھے۔''محمود نے سنجیدگی سے کہا اور رشیدہ فخریہ انداز میں کار کے باہر دیکھنے لگی۔

''جسے تم آدمی سمجھتے ہو وہ آدمی تو میں اب بھی نہیں ہوں۔''انور مسکرا کر بولا۔

''تو تم اب بھی مشین ہو۔''محمود ہنس کر بولا۔''میں سمجھا تھا شائد اس عرصے میں نظریات تبدیل کردیئے ہوں گے۔''

''یہ نظریہ نہیں بلکہ میرا ایمان ہے۔''انور جلے ہوئے سگریٹ کے ٹکڑے سے سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

رشیدہ اس گفتگو سے اکتا رہی تھی۔اُسے خوف ہوا کہ کہیں یہ دونوں کسی فلسفہ میں نہ الجھ

جائیں اس لئے کہ قبل اس کے کہ محمود کوئی جواب دیتا وہ اس سے پوچھ بیٹھی۔

''کیا یہ سارا علاقہ ہری پور سے تعلق رکھتا ہے۔''

''جی ہاں.....!'' محمود نے کہا۔ ''احمد نگر تو صرف ریلوے اسٹیشن کا نام ہے، ورنہ ادھر سارا علاقہ ہری پوری کا زرعی علاقہ ہے۔''

''مجھے دیہات کی زندگی بہت پسند ہے۔''

''محض اس لئے کہ آپ شہر میں رہتی ہیں۔'' محمود ہنس کر بولا۔ ''اگر آپ خدانخواستہ کسی دیہات سے متعلق ہوتیں تو کبھی ایسا نہ کہتیں۔''

''اُن تاڑ کے درختوں میں وہ تالاب کتنا حسین لگ رہا ہے۔'' رشیدہ ایک طرف انگلی اٹھاتی ہوئی بولی۔

''اس سے بھی اچھا لگ رہا ہے رشو.....!'' انور مسکرا کر بولا۔ ''اب ہم بقول تمہارے کوئی خشک بحث نہ چھیڑیں گے ورنہ تم کسی جگالی کرتی ہوئی بھینس کی طرف انگلی اٹھا کر کہو گی..... دیکھو ملکہ صحرا پان چبا رہی ہے..... کسی بندر کی طرف اشارہ کر کے کہو گی وہ دیکھو راجکپور آوارہ ہو گیا..... کسی گیدڑ.....!''

محمود بے اختیار ہنس پڑا اور رشیدہ جھلا کر انور کو گھورنے لگی۔

''میں سچ کہتا ہوں کہ یہ آدمی نہیں ہے۔'' محمود نے کہا۔

''بنتے ہیں۔'' رشیدہ منہ سکوڑ کر بولی۔ ''اپنے کو عام آدمیوں سے الگ تھلگ ظاہر کرنے کا خبط ہو گیا ہے۔''

''دیکھو یہ فرق ہوتا ہے بیوی اور دوست میں۔'' انور مسکرا کر بولا۔ ''رشو کتنی آزادی سے میرے متعلق اظہار خیال کر رہی ہے۔''

''اچھا بس چپ رہو۔'' رشیدہ بگڑ کر بولی۔

''چپ ہو گیا۔'' انور نے کہا اور محمود کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔ محمود ان کی لڑائی میں کافی دلچسپی لے رہا تھا۔

''اگر تمہاری بیوی تمہیں کسی اجنبی کے سامنے ڈانٹ دیتی۔'' انور مسکرا کر بولا۔ ''تو تمہاری

کیا عزت ہوتی؟ نہ تو تم اسے کچھ کہہ سکتے اور نہ برداشت ہی کر سکتے۔ محض اس لئے کہ آج کا آدمی قدامت اور نئی تہذیب کی درمیانی دلدل میں بُری طرح پھنسا ہوا ہے۔ ایک طرف تو اُسے آج کی مساوات کھینچتی ہے اور دوسری طرف صدیوں پرانا ضمیر، جو عورت کی محکومیت کا عادی ہو چکا ہے۔ ذہن کے چور دروازے پر دستک دیتا رہتا ہے۔ نتیجہ قہر درویش پر جانِ درویش۔ تپ دق میں مبتلا ہو جائے نہ آپ صحیح معنوں میں مساوات برت سکتے ہیں اور نہ کھلم کھلا عورت پر اپنی حاکمیت جتا سکتے ہیں۔ بس گھسٹتے رہئے۔ اس کے برخلاف اگر عورت بیوی کے بجائے دوست ہے تو اس قسم کی الجھنیں پیدا ہی نہیں ہونے پاتیں۔ یقین کرو میں اور رشیدہ ایک دوسرے کی پٹائی تک کر بیٹھتے ہیں لیکن ہمارے تعلقات ناخوشگوار نہیں ہوتے۔''

''پھر تم نے فضول بکواس شروع کی۔'' رشیدہ جھلا کر بولی۔

''ارر..... لاحول..... لا..... اچھا محمود اب بس۔'' انور اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھتا ہوا بولا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر محمود بولا۔

''میں تم سے بالکل متفق ہوں۔ سچ مچ آج کی ازدواجی زندگی بہت بھیانک ہے اور تم نے اس کی جو وجہ بتائی ہے اُسے میں درست سمجھتا ہوں۔ یہی الجھاوا مجھے خاموش رکھتا ہے اور میں سارے خاندان میں رَن مرید مشہور ہو گیا ہوں اور مجھے رن مرید کہنے والے جاہل نہیں بلکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ ہیں۔''

''تعلیم یافتہ'' انور ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ ''یہ سب جاہل ہیں، انہیں میں کتوں اور سُوروں سے بھی بدتر سمجھتا ہوں۔ ان میں کچھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ نہ یہ خود کو پہچان سکتے ہیں اور نہ دوسروں کو۔''

محمود خاموشی سے سگریٹ پیتا رہا۔

''اور میرا خیال ہے کہ تم بھی انہیں لوگوں کی صف میں آتے ہو۔'' رشیدہ بولی۔

''میں تمہارے خیال کی قدر کرتا ہوں۔'' انور مسکرا کر بولا۔ ''اور آئندہ بھی کرنے کی کوشش کروں گا۔''

تھوڑی دیر بعد کار قصبے میں داخل ہو رہی تھی۔

یہاں چاروں طرف بڑی بڑی نئی اور پرانی عمارتیں نظر آ رہی تھیں۔ راستوں اور گلیوں میں گندگی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ محمود کا مکان جو قصبے کے مغربی کنارے پر واقع تھا قصبیمیں ''حویلی'' کے نام سے مشہور تھا۔ یہ حویلی تین یا چار مربع فرلانگ میں پھیلی ہوئی تھی۔ درمیان میں قدیم وضع کی ایک شاندار عمارت تھی اور چاروں طرف قد آدم چہار دیواری تھی، جو مختلف قسم کے باغوں کے گرد احاطہ کئے ہوئے تھی۔

احاطے میں کار داخل ہوتے ہی کئی نوکر اٹھ کر کار کی طرف دوڑے۔

''ذرا ان کی حماقت اور فرمانبرداری دیکھو۔'' محمود مسکرا کر بولا۔ ''ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اگر یہ اس طرح دوڑیں گے نہیں تو ہم بُرا مان کر واپس چلے جائیں گے۔''

''تم جاگیرداروں کی عجیب حالت ہے۔ ایک طرف تو تم یہ چاہتے ہو کہ یہ تمہارے مقابلے میں احساس کمتری میں مبتلا رہیں اور دوسری طرف ان کا احساس کمتری مضحکہ خیز بھی معلوم ہوتا ہے۔''

''یار تم تو بات بات پر تنقید کرنے لگتے ہو۔''

نوکروں نے کار کے ساتھ ساتھ دوڑنا شروع کر دیا تھا۔ کار ایک بہت ہی طویل و عریض برآمدے کے سامنے جا کر رکی۔ رانی صاحبہ برآمدے ہی میں موجود تھیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ رشیدہ کو اندر لے گئیں۔

اُسی دن شام کو رشیدہ محمود اور انور پائیں باغ میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ محمود کی بیوی کسی بات پر جھنجھلا کر اُن کے پاس سے اٹھ گئی تھی اور انور اس پر محمود کا مضحکہ اڑا رہا تھا۔

''یار مجھے تو دماغ کا ایک آدھ اسکریو ڈھیلا معلوم ہوتا ہے۔''

''تم سچ کہتے ہو۔ میں پاگلوں میں گھرا ہوا ہوں۔'' محمود نے کہا۔

''اچھا اب ختم بھی کرو یہ قصہ۔'' رشیدہ انور کو گھور کر بولی۔

''صحیح معنوں میں رشیدہ صاحبہ کو مجھ سے ہمدردی ہے۔'' محمود نے کہا۔ ''وہ سمجھتی ہیں کہ یہ میرا ایک کمزور پوائنٹ ہے اور میں اس پر تبصرہ نہیں چاہتا۔''

''خیر..... گھبراؤ نہیں۔ مجھے اس چڑچڑے پن کی گہرائیوں میں کچھ نظر آ رہا ہے۔'' انور نے کہا۔

''کیا مطلب.....؟'' محمود چونک کر بولا۔

''تمہاری کوئی غلطی یا شاہدہ کی غلط فہمی۔'' انور اُسے معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگا۔

محمود کے ہونٹوں پر بے جان سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ انور نے محسوس کیا کہ وہ کسی فوری جذبے کو دبانے کی کوشش کر رہا ہے؟ لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔ دراصل انور یہاں آ کر کچھ مضمحل سا ہو گیا تھا۔ یہاں کی پُرسکون فضا اس کے ہنگامہ پسند مزاج کے لئے سازگار نہ تھی۔ ہر لحظہ زندگی میں ایک نئی تبدیلی کی توقع رکھنے والے ماحول کی یکسانیت کو پسند نہیں کرتے۔ وہ یہاں کبھی نہ آتا لیکن تجسس پسند طبیعت کھینچ ہی لائی۔ وہ بے چینی سے اندھیرا پھیلنے کا انتظار کر رہا تھا۔

''ہاں بھئی،.....!'' وہ تھوڑی دیر بعد محمود کو مخاطب کر کے بولا۔ ''کیا تم مجھے وہ جگہ بتا سکتے ہو جہاں سے وہ تمہارا آتشی پرندہ آتا ہے۔''

''اگر جگہ معلوم ہوتی تو تمہیں کیوں تکلیف دیتا۔''

''میرا مطلب سمت سے ہے۔ تم نے جنگلوں کے کسی سلسلے کا تذکرہ کیا تھا۔ کیوں نہ ہم لوگ ادھر ہی چلیں.....'' انور نے کہا۔

''اس وقت..... کمال کر دیا۔ ارے تھوڑی دیر بعد رات ہو جائے گی؟ اور رات کو اس طرف جانا خطرے سے خالی نہیں۔''

''اچھا تو کیا پھر تم نے محض اُس پرندے کی زیارت کے لئے یہاں بلایا تھا۔'' انور نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''یہ بات نہیں! ابھی پچھلے ہی ہفتے اس طرف قتل کی ایک واردات ہو چکی ہے۔''

''قتل.....!'' انور دلچسپی کا اظہار کرتا ہوا بولا۔ ''کس کا قتل۔''

''مقتول یہاں کا باشندہ نہیں تھا۔''

''یعنی یہاں اس قصبے میں کوئی اُسے پہچان نہ سکا؟''

''ہاں.....!''

''معمولی حیثیت کا آدمی تھا۔'' انور نے پوچھا۔

''جب اُسے کوئی جانتا ہی نہیں تھا تو حیثیت کے متعلق کیا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔''

''تم میرا مطلب نہیں سمجھے۔'' انور سگریٹ کی راکھ جھاڑتا ہوا بولا۔ ''پوچھنا یہ ہے کہ وہ تمہاری طرح مہذب تھا یا تمہارے نوکروں کی طرح گنوار۔''

''میں نے اس کی لاش نہیں دیکھی تھی۔''

''ارے بھئی کچھ سنا تو ہوگا۔ اُس کا لباس کیسا تھا؟''

''چونکا دینے والا۔'' محمود مسکرا کر بولا۔

''یعنی.....!''

''وہ بالکل ننگا تھا.....!''

''میں سنجیدگی چاہتا ہوں.....!'' انور تلخ لہجے میں بولا۔

''جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ حقیقت ہے۔''

''پولیس کس نتیجے پر پہنچی۔''

''ابھی تک تو کسی نتیجے پر نہیں۔''

انور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دفعتاً چونک پڑا۔ ابھی ابھی اس نے کچھ سنا تھا۔ اُس نے معنی خیز انداز میں محمود کی طرف دیکھا اور پھر پھاٹک کے قریب ایک نسوانی قہقہہ سنائی دیا۔ وحشیانہ قہقہہ۔ ایسا قہقہہ جس میں مسرت کے بجائے خوفناک قسم کا کھوکھلا پن تھا۔ ایسا قہقہہ جس میں کسی قسم کی تحریک کا شائبہ بھی نہ تھا۔

انور پھاٹک کی طرف مڑا۔ چوکیدار نے پھاٹک بند کر دیا تھا۔ ایک لڑکی سلاخیں تھامے پھاٹک کو جھنجھوڑ رہی تھی۔ اُس نے دھانی رنگ کے ساٹن کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ چہرہ انگارہ ہو رہا تھا اور بڑی بڑی آنکھیں اندھیری رات کے ستاروں کی طرح روشن تھیں۔ اس نے پھر قہقہہ لگایا۔ انور محمود کی طرف مڑا۔

''یہ وہی ہے۔'' محمود آہستہ سے بولا۔ اُس کے چہرے پر زردی چھا گئی۔

''کون.....وہی پاگل لڑکی۔ جس کا تم نے تذکرہ کیا تھا۔''

محمود نے سر ہلا دیا۔

''چوکیدار کو کہو پھاٹک کھول دے۔'' انور نے کہا۔

''نہیں.....!''

''کیوں.....!'' انور اُسے گھورتا ہوا بولا۔

''اگر اس کی جان لینا چاہتے ہو تو ضرور کھلوا دو۔''

''کیوں.....!''

''اگر شاہدہ کو خبر ہوگئی تو وہ اسے شکاری کتوں سے نچوا ڈالے گی۔''

''کیوں.....!''

''وہ کہتی ہے کہ جس دن اس نے ہمارے کمپاؤنڈ میں قدم رکھا میں اُس پر شکاری کتے چھوڑ دوں گی۔''

''اس کی وجہ۔''

''بھئی وجہ میں کیا جانوں۔'' محمود اکتا کر بولا۔

''انور اٹھ کر پھاٹک کی طرف بڑھا۔ اُس کے اٹھتے ہی رشیدہ بھی اس طرح اٹھی جیسے وہ بھی انور ہی کے جسم کا ایک حصہ ہو۔ انور پھاٹک کے قریب پہنچ چکا تھا۔ لڑکی کو قریب سے دیکھتے ہی وہ مبہوت ہوگیا۔ اس کی وحشت زدہ آنکھوں میں بلا کی کشش تھی اور ہونٹوں پر ایک بیباک مسکراہٹ چہرہ تمتمایا ہوا تھا۔ رشیدہ انور کے پیچھے کھڑی اُسے گھور رہی تھی۔

''تم کیا چاہتی ہو۔'' انور نے پوچھا۔

''تمہارا سر.....! تمہارے سنہری بال اپنی مٹھی میں جکڑ کر تمہاری گردن اتار لوں گی اور پھر راستے بھر تمہارے کٹے ہوئے سر سے خون کے قطرے ٹپکتے جائیں گے۔ میں جگدمبے کی بیٹی ہوں۔ میرے گلے میں کھوپڑیوں کی مالا ہے۔''

''تم بہت خوبصورت ہو۔'' انور آہستہ سے بولا۔

''تم بھی خوبصورت ہو۔'' وہ قہقہہ لگا کر بولی۔ ''خوبصورت مردوں کا خون بہت لذیذ ہوتا ہے۔ اس بڑی مونچھوں والے کو بھی یہاں بلاؤ۔ میں اس کے گالوں کا گوشت چباؤں گی۔''

انور نے مڑ کر دیکھا محمود اپنی جگہ پر خاموش بیٹھا تھا۔

''ہٹاؤ بھی کیوں پاگل کے منہ لگتے ہو۔'' رشیدہ آہستہ سے بولی۔

''اخاہ یہ کون رنگیلی ہے۔'' لڑکی رشیدہ کی طرف اشارہ کر کے بولی۔ ''اس کی رگوں م
خون کی بجائے شہد معلوم ہوتا ہے۔ جاؤ اسے کھا جاؤ۔ اسکی بوٹیاں نوچ کر ہولے ہولے چباؤ۔''

''لیکن میں تو تمہاری بوٹیاں چبانا چاہتا ہوں۔'' انور سنجیدگی سے بولا۔

''ادھر ہٹو.....!'' رشیدہ نے انور کا بازو پکڑ کر اُسے پیچھے دھکیل دیا اور خود لڑکی سے بولی

''جاؤ..... بھاگ جاؤ..... نہیں تو حویلی والے تمہارے پیچھے شکاری کتے چھوڑ دیں گے۔''

لڑکی نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا اور بولی۔ ''تو کیا میں اس بڑی مونچھوں والے سے
ڈرتی ہوں۔ وہ میرے پیر چاٹتا ہے اور میں کسی دن حویلی کو الٹ دوں گی۔ میں خود ایک شکا
کتیا ہوں۔ تمہاری گردن میں اپنے نوکیلے دانت چبھو کر خون چوس سکتی ہوں۔''

''بھاگ جاؤ..... بھاگ جاؤ..... میں سچ کہتی ہوں شکاری کتے تمہیں نوچ ڈالیں گے۔''

''میں اس سے نہیں ڈرتی۔'' لڑکی سنجیدگی سے بولی۔ ''میں تو چاہتی ہوں کہ میرے جسم کے
پرخچے اڑ جائیں۔ خون کے فوارے اڑیں جب میں اپنی زخمی ہونٹوں پر زبان پھیروں تو نمکی
خون..... نمکین خون۔'' وہ اس طرح اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی جیسے سچ مچ اس کے
ہونٹوں میں خون ہو۔

دفعتاً اندر سے کتوں کے بھونکنے کی آواز سنائی دی۔ رشیدہ نے پلٹ کر دیکھا۔ محمود کی بیو
شاہدہ تین خطرناک کتوں کی زنجیریں تھامے برآمدے سے اتر رہی تھی۔

''انور خدا کے لئے اسے بھگا دو.....!'' محمود چیخا۔

شاہدہ آہستہ آہستہ پھاٹک کی طرف آ رہی تھی۔

''وہ دیکھو.....! وہ رہے کتے۔ جلدی بھاگو۔'' رشیدہ نے سلاخوں سے باہر ہاتھ نکال کر
اُسے دھکیلتے ہوئے کہا۔

''یہ حویلی الٹ جائے گی۔'' لڑکی چیخ کر بولی۔ ''میں نہیں جاؤں گی۔ میں ان کتوں کو
جاؤں گی۔''

انور پھاٹک کی طرف جھپٹا اور دوسرے ہی لمحے میں وہ پھاٹک کے باہر تھا۔ چوکیدار نے
پھر پھاٹک بند کر دیا۔ انور لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتا ہوا ایک طرف دوڑنے لگا۔ لڑکی پہلے تو لڑکھڑائی

پھر وہ بھی کوئی تعرض کئے بغیر اس کے ساتھ دوڑنے لگی۔

ادھر محمود اپنی بیوی سے الجھ پڑا۔

''کیا تم بھی پاگل ہو گئی ہو۔''

''میں اپنے معاملات میں دخل اندازی پسند نہیں کرتی۔'' شاہدہ نے تلخی سے کہا۔

''لوگ کیا کہیں گے۔'' محمود بے بسی سے بولا۔

''مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔''

''مگر..... وہ اندر کب آئی تھی۔''

''خیر کبھی تو ہاتھ لگے گی۔'' وہ کتوں کو لے کر حویلی کی طرف مڑتی ہوئی بولی۔

''آخر کیوں؟'' محمود بیساختہ بولا۔

شاہدہ قہر آلود انداز میں پلٹی اور شعلہ باز نگاہوں سے محمود کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر کتوں کی
زنجیریں کھینچتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

آتشی پرندہ

انور لڑکی کا ہاتھ تھامے قصبے کے ویران حصے میں دوڑ رہا تھا۔

''ٹھہرو..... ٹھہرو..... سُور کے بچے اب مجھ سے نہیں دوڑا جاتا۔'' وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

انور نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور وہ ایک کھیت میں گر پڑی۔

''اگر میں اس وقت نہ ہوتا تو شکاری کتے تمہارا خاتمہ کر دیتے۔'' انور کھیت کی مینڈھ پر
بیٹھتا ہوا بولا۔

لڑکی بھی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''تم کسی شکاری کتے سے کم ہو۔'' لڑکی قہقہہ لگا کر بولی۔ ''کیا تم مجھے نہیں نوچو گے۔''

''فی الحال تو ارادہ نہیں ہے۔'' انور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

''ایک سگریٹ مجھے بھی دو۔'' لڑکی نے ملتجیانہ انداز میں کہا۔

''کہیں اپنے کپڑوں میں آگ نہ لگالینا۔''

''کیا مجھے پاگل سمجھتے ہو۔''

''نہیں قطعی نہیں۔'' انور اُس کی طرف سگریٹ کیس بڑھاتا ہوا بولا۔

لڑکی نے سگریٹ لے کر سلگایا اور پہلے ہی کش میں بُری طرح کھانسنے لگی۔

''تم بہت اچھے آدمی ہو۔'' وہ تھوڑی دیر بعد بولی۔ ''یہاں کے لوگ بہت بُرے ہیں۔ کوئی مجھ سے بات تک نہیں کرتا۔ عورتیں مجھے گھروں میں گھسنے نہیں دیتیں۔ بچے مجھ سے ڈرتے ہیں۔ میرا بھائی بہت ظالم ہے وہ مجھے زنجیروں میں جکڑ دیتا ہے۔''

''چہ چہ.....!'' انور ہمدردانہ انداز میں بولا۔ ''واقعی بہت بُری بات ہے۔''

''میں کسی دن سب کو تباہ کردوں گی۔''

''ضرور.....ضرور.....لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم نے یہ بہروپ کیوں بھرا ہے۔''

''بہروپ.....کیسا بہروپ.....ضرور تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔''

دفعتاً انور کی نگاہ جنگل کی طرف اٹھ گئی۔ چاروں طرف اندھیرا پھیل گیا تھا۔ اسے باتوں کی رو میں وقت کا بھی احساس نہیں رہ گیا تھا۔

''چلو تمہیں تمہارے گھر پہنچادوں۔'' انور نے لڑکی سے کہا۔

''میں کوئی بچہ ہوں۔'' وہ بگڑ کر بولی۔ ''جب میرا دل چاہے گا خود چلی جاؤں گی۔''

دفعتاً انور چونک پڑا۔ جنگل کی طرف سے کوئی روشن اور متحرک چیز فضا میں پرواز کرتی ہوئی اسی طرف آرہی تھی۔ لڑکی نے ایک چیخ ماری اور بے تحاشہ جنگل کی طرف دوڑنے لگی۔ انور نے اسے پکڑنا چاہا لیکن پودوں کے جھکڑ میں الجھ کر گر پڑا۔ تھوڑی دیر بعد لڑکی کے قہقہے کہیں دور سنائی دے رہے تھے۔

چند لمحوں کے بعد پرواز کرتی ہوئی روشن چیز صاف دکھائی دینے لگی۔ یہ وہی آتشی پرندہ تھا جس کے لئے انور یہاں آیا تھا۔ اس کا جسم انگارے کی طرح دہک رہا تھا۔ اڑان سچ مچ کبوتر جیسی تھی۔ انور خائف تو نہیں ہوا لیکن حیرت کی زیادتی کی وجہ سے وہ اپنی جگہ پر جم سا گیا تھا۔

اُس کی زندگی میں یہ اپنی طرز کا انوکھا واقعہ تھا جسے وہ کوئی معنی نہ پہنا سکا۔

دوسرے لمحے میں وہ اُس کے تعاقب میں دوڑ رہا تھا۔

پرندے نے پورے قصبے کا چکر لگایا اور پھر ایک عمارت کے گرد منڈلانے لگا۔ پورے قصبے میں سناٹا چھا گیا تھا۔ کبھی کبھی کتوں کے بھونکنے کی آواز سنائی دے جاتی تھی۔ پرندہ اسی عمارت کا طواف کررہا تھا۔ دفعتاً اندر سے ایک آدمی ہاتھ میں رائفل لئے ہوئے نکلا۔ اُس کے ساتھ دو آدمی اور تھے جیسے ہی اُس نے رائفل اٹھائی دونوں آدمیوں نے اس کے ہاتھ پکڑ لئے۔

''پاگل نہ بنو ڈاکٹر معلوم نہیں کیا حادثہ ہو۔'' ایک بولا۔

''تو کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں بھی اپنا گھر جلتا ہوا دیکھوں۔'' رائفل والا بولا۔

''پھر بھی یہ خطرناک ہے۔''

''میں ڈرپوک نہیں ہوں۔'' رائفل والے نے کہا اور نال سیدھی کرنے لگا۔ اُن دونوں نے پھر اُسے روک دیا۔

پرندہ بدستور عمارت کا چکر لگا رہا تھا۔

انور آہستہ آہستہ اُن لوگوں کی طرف بڑھا۔ قبل اس کے وہ لوگ اس کی طرف مڑتے انور رائفل چھین چکا تھا۔ ان لوگوں کی حیرت رفع ہونے سے پہلے ہی اس نے پرندے پر گولی چلادی۔ ایک زبردست دھماکہ ہوا اور فضا میں بے شمار چنگاریاں منتشر ہوگئیں۔ پرندے کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ چنگاریاں زمین پر گرنے سے قبل ہی ٹھنڈی ہوگئیں اور پھر چاروں طرف ایک بے کراں سناٹا چھا گیا۔

''تم کون ہو۔'' ایک آدمی انور کی طرف بڑھتا ہوا خوفزدہ آواز میں بولا۔

لوگ اپنے گھروں سے نکل کر اُن کے گرد اکٹھا ہونے لگے تھے۔

انور نے کوئی جواب دینے کی بجائے رائفل خاموشی سے اس کے ہاتھ میں تھمادی۔ کسی نے اس کے چہرے پر برقی ٹارچ کی روشنی ڈالی۔

''آپ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں۔'' کسی نے پوچھا۔

''حویلی کا ایک مہمان۔'' انور پراطمینان لہجے میں بولا اور سگریٹ سلگانے لگا۔

''لیکن یہ آپ نے کیا کیا؟''

''تو کیا آپ لوگوں کو اس خوفناک پرندے سے محبت تھی۔'' انور نے مسکرا کر پوچھا۔

''جی نہیں۔'' ایک آدمی سخت لہجے میں بولا۔ ''اب اگر ہمارے اوپر کوئی نئی مصیبت نازل ہوئی تو۔''

''مجھے اس کی توقع نہیں۔''

''لیکن یہ دھماکہ کیسا تھا۔'' کسی نے کہا۔

''روایات کے مطابق شاید آج اس عمارت کی باری تھی۔'' انور نے کہا۔

''آپ ٹھیک کہتے ہیں۔'' رائفل والا انور کے کاندھے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ ''میں آپ کا شکر گذار ہوں یہ لوگ مجھے کبھی گولی نہ چلانے دیتے۔''

پھر وہ انور کا ہاتھ پکڑ کر اُسے عمارت کے اندر لے جانے لگا۔

''آج یقیناً یہ عمارت راکھ کا ڈھیر ہوتی۔'' وہ آدمی بولا۔ ''مجھے قطعی اس بات کا خوف نہیں ہے کہ اب کیا ہوگا۔''

انور اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک طویل القامت اور مضبوط جسم کا آدمی تھا۔ عمر تیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ اپنے حلقوں میں ساکت آنکھیں اس کی دانشمندی اور ذہانت کا ثبوت دے رہی تھیں۔ لہجے میں ٹھہراؤ اور گفتگو کا پرسکون انداز مستقل مزاجی کا اظہار کر رہا تھا۔

''میں ڈاکٹر ہوں۔'' وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''مجھے نصیر الرحمان کہتے ہیں۔''

''میرا نام انور سعید ہے۔''

''آپ یہاں کب آئے۔''

''آج ہی۔''

''آپ کو اس پرندے کے متعلق پہلے سے معلوم تھا۔''

''نہیں، اس قسم کا پرندہ میں نے آج پہلی بار دیکھا ہے۔'' انور نے کہا۔

''اور ہم تو ہفتوں سے دیکھ رہے ہیں۔'' ڈاکٹر نصیر مضمحل آواز میں بولا۔ ''متعدد مکانات جل گئے۔''

''آپ کا اس پرندے کے متعلق کیا خیال ہے۔''

''میرا خیال۔'' ڈاکٹر نصیر فکر مند لہجے میں بولا۔ ''قدیم اور جدید پرندوں کی تاریخ میں کہیں ایسے پرندے کا تذکرہ نظروں سے نہیں گذرا۔ ضعیف الاعتقاد لوگوں کی طرح یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کوئی خبیث روح ہے۔ حقیقت تو یہ ہے انور سعید صاحب کہ میں خود ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔''

''اور اس دھماکے کے متعلق جو اُس پر گولی پڑتے ہی پیدا ہوا تھا۔''

''وہ بھی تحیر خیز تھا اور وہ چنگاریوں کا انتشار.....'' ڈاکٹر نے آہستہ سے کہا اور انور کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔

انور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دوسرے کمرے میں اُسی پاگل لڑکی کا قہقہہ سنائی دیا اور ڈاکٹر کا چہرہ تاریک ہوگیا۔

''اوہ معاف کیجئے گا مسٹر انور۔'' وہ اٹھتا ہوا بولا۔ ''میں ابھی حاضر ہوا۔''

ڈاکٹر دوسرے کمرے میں چلا گیا اور انور آرام کرسی پر دراز ہوگیا۔

لڑکی کے چیخنے اور قہقہے لگانے کی آوازیں برابر آ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر واپس آ گیا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور پلکیں بھیگی ہوئی تھیں۔

''وہ میری بہن تھی۔'' ڈاکٹر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''اُس کا دماغی توازن بگڑ گیا ہے اور میں بالکل بے بس ہوں۔ میں اس کے لئے کچھ نہ کر سکا۔''

''مجھے افسوس ہے اور ساتھ ہی آپ سے ہمدردی بھی۔'' انور نے کہا۔ ''میں اُس کے متعلق سن چکا ہوں کیا یہ صحیح ہے کہ وہ زنجیریں توڑ ڈالتی ہے۔''

ڈاکٹر خاموشی سے انور کو دیکھتا رہا پھر اچانک بولا۔

''قطعی غلط! لوگ مبالغہ آرائی کر رہے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ یہاں یہ افواہ بھی سنی جاتی ہے کہ وہ آتشی پرندہ کوئی آسیب تھا جس سے سلیمہ متاثر ہے۔ بات یہ نہیں ہے۔ میں خود تنگ آ کر اسے کھول دیتا ہوں۔ اُس کی دردناک چیخیں مجھ سے نہیں سنی جاتیں۔ انور صاحب میں اسے بہت چاہتا ہوں، وہ پاگل ضرور ہے لیکن آج تک اس نے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔''

''یہ کیفیت کب سے ہے؟'' انور نے پوچھا۔

''بچپن ہی سے۔'' ڈاکٹر کے لہجے میں ہچکچاہٹ تھی۔

''واقعی افسوس ناک بات ہے۔''

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر ڈاکٹر بولا۔

''کیا آپ حویلی والوں کے کوئی عزیز ہیں۔''

''نہیں..... محمود میرا دوست ہے۔ میں چھٹیاں گذارنے کے لئے یہاں آیا ہوں۔''

''آپ یہاں پہلی بار آئے ہیں۔''

''جی ہاں.....!'' انور نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''اچھا اب اجازت دیجئے۔''

''مسٹر انور آپ کا احسان مند ہوں۔'' ڈاکٹر نے اٹھ کر اُس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

انور باہر نکل آیا۔ چاروں طرف اتھاہ سناٹا تھا۔ مکانوں کی کھڑکیوں اور روشندانوں سے مدھم روشنی چھن رہی تھی۔ انور کے قدموں کی آواز سناٹے میں گونج رہی تھی۔ دفعتاً کتے بھونکنے لگے۔ دو ایک نے انور پر جھپٹنے کی بھی کوشش کی، لیکن وہ مدہم سروں میں سیٹی بجاتا ہوا نہایت اطمینان سے چلتا رہا۔ تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر سے کسی نے اُس کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی ڈالی اور قدموں کی آہٹیں اُس کے قریب آتی گئیں۔

''یہ تم نے کیا کیا؟'' کسی نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔

''کون محمود.....!'' انور رک کر بولا۔

''میں تمہاری تلاش میں نکلا تھا۔'' محمود نے کہا۔ ''چچی اماں بہت ناراض ہیں۔ پرندے پر رائفل چلانے کی خبر اُن تک پہنچ گئی ہے۔ دھماکے کی آواز تو ہم لوگوں نے بھی سنی تھی لیکن وہ رائفل کی آواز سے کئی گنا زیادہ تھا۔''

''ہاں.....!'' انور آگے بڑھتا ہوا بولا۔ دونوں حویلی کی طرف واپس جا رہے تھے۔

''اس دوران میں رشیدہ نے انہیں تمہارے جنگلی پن کے بہتیرے قصے سنا ڈالے ہیں۔'' محمود نے کہا۔

انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہنے کے بعد بولا۔

''میں کل واپس چلا جاؤں گا۔''

''کیوں.....؟''

''میں اسی پرندے کی حقیقت کا انکشاف کرنے کے لئے آیا تھا۔ لہٰذا جس طرح میرا دل چاہے گا کام کروں گا۔''

''میں نے کچھ نہیں کہا۔'' محمود جلدی سے بولا۔ ''تم اُن کی باتوں کا کچھ خیال نہ کرنا۔''

''میں ان تکلفات اور ڈھکوسلوں کا عادی نہیں۔'' انور منہ بنا کر بولا۔ ''ہاں یا نہیں..... درمیانی گفتگو سے مجھے چڑ ہے۔''

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔'' محمود بے چینی سے بولا۔

''خیر چھوڑو.....! ڈاکٹر کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔'' انور نے کہا۔

''اچھا آدمی ہے..... بہت نیک اور بہت شریف۔''

''اور اس کی بہن..... اُسے تو تم خود ہی دیکھ چکے ہو۔'' محمود نے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ اس کا دماغی خلل زیادہ پرانا نہیں۔''

''کیا مطلب.....!'' محمود چونک کر بولا۔ ''لیکن..... لیکن..... ڈاکٹر کا تو یہی بیان ہے۔''

''یہ مرض جوانی سے پہلے کا نہیں معلوم ہوتا۔''

''کیوں یہ تم کس طرح کہہ رہے ہو؟''

''تجربے کی بناء پر..... اس کی ساری باتیں اذیت پسندوں جیسی ہوتی ہیں۔ خون پینا..... گوشت چبانا وغیرہ وغیرہ..... کیا یہ سب چیزیں اس کی کچلی ہوئی جنسیت کی طرف اشارہ نہیں کرتیں۔ جنسی احساس سے پہلے کی خلل دماغی کی یہ علامات نہیں ہوتیں۔''

محمود نے کوئی جواب نہ دیا۔

''کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ شاہدہ اس پر شکاری کتے کیوں چھوڑنے جا رہی تھی۔'' انور نے پوچھا۔

''میں خود یہی سوچتا ہوں کہ وہ اس سے پرخاش کیوں رکھتی ہے۔'' محمود نے کہا۔

''شاہدہ تمہارے خاندان ہی کی لڑکی ہے۔''

''ہاں.....!'' محمود چونک کر بولا۔ ''لیکن تم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو۔''

''کچھ نہیں، یونہی۔'' انور نے کہا اور رک کر سگریٹ سلگانے لگا۔

تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ پھر محمود نے پوچھا۔

''تم ڈاکٹر کے یہاں تھے۔''

''ہاں.....!'' انور بولا۔ ''مجھے سلیمہ سے ہمدردی ہے۔''

''یعنی.....!''

''یعنی کیا؟ کیا میں اس یعنی کا مطلب پوچھ سکتا ہوں۔''

''کچھ نہیں..... کچھ نہیں۔ میں دراصل شاہدہ کے آج کے رویے کی وجہ سے پریشان ہوں۔''

''آخر تم اس سے خائف کیوں رہتے ہو۔''

''خائف؟ نہیں تو..... بات یہ ہے کہ میں ہنگامہ نہیں پسند کرتا۔''

''تو تم دونوں کے تعلقات ناخوشگوار ہیں۔''

''نہیں ایسا بھی نہیں ہے؟''

''تو کیا بنائے مخاصمت ڈاکٹر کی بہن ہے۔''

''نہیں تو..... نہیں تو..... بھلا وہ کیوں ہونے لگی..... بالکل نہیں۔''

''مجھ سے اڑنے کی کوشش فضول ہے۔'' انور سنجیدگی سے بولا۔

''تم نہ جانے کیا الٹی سیدھی ہانک رہے ہو۔''

''بالکل سیدھی ہانک رہا ہوں پیارے۔'' انور مسکرا کر بولا۔ ''میری نظریں دور تک پہنچ رہی ہیں۔''

''بیکار باتیں مت کرو۔''

''خیر..... خیر..... دیکھا جائے گا۔''

محمود نے کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ اُس کی رفتار کچھ سست پڑ گئی تھی۔

جنگل

دوسرے دن صبح ہی صبح انور نے شکار کھیلنے کی تجویز پیش کر دی۔ پچھلی رات رانی صاحبہ اُس

سے بڑی دیر تک بحث کرتی رہی تھی، لیکن انور نے کوئی ایسی بات نہیں کہی جس سے اُن کی بزرگی پر حرف آتا۔ رشیدہ کے لئے یہ بات تعجب خیز رہی تھی۔ اُس نے انور کو کبھی ایسے موڈ میں نہیں دیکھا تھا۔ وہ دل ہی دل میں ڈر رہی تھی کہ کہیں انور کوئی الٹی سیدھی بات نہ کر بیٹھے۔ اس کے دل میں رانی صاحبہ کے لئے بے پناہ احترام کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ جس کی محرک رانی صاحبہ کی مامتا تھی۔ انور کو بُرا بھلا کہتے وقت بھی اُن کے لہجے میں تلخی کے بجائے مامتا تھی لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ انور اس چیز سے قطعی متاثر نہیں تھا۔ اس کے ذہن میں صرف یہ خیال تھا کہ اگر وہ رانی صاحبہ سے لڑ بیٹھا تو اُسے حویلی سے چلا جانا پڑے گا اور آتشی پرندے کا وجود ہمیشہ کے لئے پردہ راز میں چھپ جائے گا۔ گاؤں والے اُس کی رات والی حرکت پر اُس سے الجھ چکے تھے۔ انہیں صرف اس بات کا خیال تھا کہ انور رانی صاحبہ کا مہمان تھا ورنہ شاید اس کو اُسی وقت گاؤں چھوڑ دینا پڑتا۔ پھر بھی گاؤں میں اس کے خلاف کافی پروپیگنڈا ہو گیا تھا اور گاؤں والے کسی تازہ مصیبت کے منتظر تھے۔

حویلی میں قریب قریب ہر فرد نے اس واقعے پر تبصرہ میں حصہ لیا تھا لیکن محمود کی بیوی شاہدہ بالکل خاموش تھی اور خاموشی بھی ایسی جس سے بے تعلقی ظاہر ہوتی تھی۔

انور محمود اور رشیدہ شکار کے لئے تیار ہی تھے کہ ایک شخص کوٹھی میں داخل ہوا جسے دیکھتے ہی محمود کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ اُس نے سفید پتلون اور سفید قمیض پہن رکھی تھی۔ عمر پچیس اور تیس کے درمیان تھی۔ قد متوسط چال سے رعونت ظاہر ہوتی تھی۔ کسی طرح دیکھتے وقت پرغرور انداز میں بھنویں تان لیتا تھا۔

رانی صاحبہ بھی اس کی آمد پر خوش نہیں معلوم ہوتی تھیں۔ انور کی نظریں بے اختیار شاہدہ کی طرف اٹھ گئیں جو آنے والے کو خاص توجہ کے ساتھ دیکھ رہی تھی۔

''کیوں بھئی محمود تم نے بھی شکار کھیلنا شروع کر دیا۔'' وہ محمود کی رائفل کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔

''کیوں.....؟'' محمود ایسے لہجے میں بولا جیسے اُس پر جھپٹ پڑے گا؟

''میں نے کہا اس کی آواز سے تمہارا دل نہ دھڑکنے لگے گا۔'' اُس نے کہا اور بے ڈھ
پن سے ہنسنے لگا۔

''عمران.....!'' رانی صاحبہ غصے سے بولیں۔

''میں غلط نہیں کہہ رہا خالہ صاحبہ۔''

محمود اسے اس طرح گھور رہا تھا جیسے کچا چبا جائے گا۔

''اور یہ وہی صاحب ہیں جنہوں نے رات اُس پرندے پر گولی چلائی تھی۔'' اس نے ا
کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''جناب والا.....!'' انور قدرے جھک کر بولا۔

''آدمی رنگ باز معلوم ہوتے ہو۔''

''عمران.....!'' رانی صاحبہ پھر گرجیں۔

''میں اس وقت نشے میں نہیں ہوں خالہ صاحبہ۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''عمران.....!'' رانی صاحبہ کھڑی ہو کر بولیں۔ ''ادھر آؤ میرے ساتھ۔''

وہ ایک دوسرے کمرے کی طرف مڑیں۔ عمران اُن کے پیچھے تھا۔ کمرے میں داخل ہو
وقت اُس نے مسکرا کر رشیدہ کی طرف دیکھا اور رشیدہ نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔

محمود کا موڈ خراب ہو گیا تھا لیکن وہ اپنی خوش مزاجی برقرار رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اُن کی بیل گاڑی اونچے نیچے راستوں سے گذرتی ہوئی جنگل میں داخ
ہو رہی تھی۔ محمود کی تجویز تھی کہ شکار کے لئے کار ہی استعمال کی جائے لیکن رشیدہ بیل گاڑی پر
گئی۔ وہ دیہاتی زندگی سے اچھی طرح لطف اندوز ہونا چاہتی تھی۔

''یہ کون بزرگوار تھے۔'' انور نے محمود سے پوچھا۔

''چچی اماں کے بھانجے ہیں۔'' محمود تنفر آمیز لہجے میں بولا۔

''رانی صاحبہ اس سے خوش نہیں معلوم ہوتیں۔''

''خاندان میں کوئی خوش نہیں ہے۔ کسی دن میرے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوگا۔''

''کیوں.....؟''

''تم نے دیکھا نہیں شاہدہ کو میرے خلاف بھڑکانے میں اس کا بہت بڑا حصہ ہے۔''

''آخر ایسا کیوں۔''

''حسد! محض اسلئے کہ میں چچا کی جائیداد کا وارث ہوں اور چچی اماں اسے منہ نہیں لگاتیں۔''

''شاہدہ کا اُس سے کیا رشتہ ہے۔''

''پھوپھی زاد بہن ہے۔''

انور خاموش ہو گیا۔ اُس کی نظریں دور تک پھیلے ہوئے جنگل کا جائزہ لے رہی تھیں۔

''ابھی تک ہمیں شکار نہیں ملا۔'' رشیدہ بولی۔

''جھیل پر کچھ آبی پرندے ملیں گے۔'' محمود نے کہا۔

''رشو کا خیال تھا کہ شاید شکار ہاتھ باندھے ہوئے ہمارے سامنے آ کر کھڑا ہو جائے گا اور کہے گا جو مزاج یار میں آئے یا شاید.....!'' انور کچھ اور کہتے کہتے رک گیا۔ اُس کی نگاہیں کروندے کی کانٹے دار جھاڑیوں کے سلسلے پر جم گئیں تھیں۔

''کیا یہی وہ کروندے کا جنگل ہے۔'' انور نے محمود سے پوچھا۔

''ہاں.....!''

''اور اسے پار کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔''

''میں نے خود کبھی کوشش نہیں کی.....ویسے سنا یہی ہے۔''

''لیکن.....وہ دھواں کیسا ہے۔ کیا ادھر بھی آبادی ہے۔''

''ہاں.....اُدھر بھیلوں کی چھوٹی چھوٹی بستیاں ہیں، جنہیں کروندے کے جنگل نے کم از کم ہمارے قصبے سے الگ کر دیا ہے۔''

''یہ سلسلہ کتنا وسیع ہے۔''

''شاید پندرہ یا بیس میل.....دوسری طرف شوری ندی درمیان میں حائل ہو گئی ہے اور اس طرح مہذب علاقے بھیلوں کی دستبرد سے آزاد ہو گئے ہیں۔ لیکن گرمیوں کے زمانے میں جب ندی کا پانی کم ہو جاتا ہے وہ دوسری طرف کے علاقے میں ڈاکے ڈالنا شروع کر دیتے ہیں۔''

''تم نے شاید یہی بتایا تھا کہ وہ پرندہ اسی طرف سے آیا کرتا تھا۔''

''قصبے میں یہی مشہور ہے.....خود مجھے اتفاق نہیں ہوا۔''

دفعتاً کہیں دور موٹر سائیکل کی آواز سنائی دی۔

''کیا یہ بھیل موٹر سائیکل بھی چلاتے ہیں۔'' رشیدہ چونک کر بولی۔

''آواز ادھر سے نہیں آ رہی ہے۔'' محمود ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ ''یہ عمران معلوم ہوتا ہے اور ادھر ہی آ رہا ہے۔ اس میں یہ خبط ہے۔ وہ تم لوگوں کے سامنے مجھ پر اپنی برتری جتانے کی کوشش کرے گا۔''

''خوب.....آدمی دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔'' انور مسکرا کر بولا۔

تھوڑی دیر بعد موٹر سائیکل دکھائی دی۔ عمران اپنے کاندھے پر رائفل لٹکائے بیل گاڑی کی طرف آ رہا تھا۔ اُنکے دیکھتے ہی دیکھتے وہ ان پر دھول جھونکتا ہوا موٹر سائیکل آگے نکال لے گیا۔

''غالباً جھیل کی طرف گیا ہے۔'' محمود غصے میں بولا۔ ''اب شکار ملنے کی توقع نہیں۔''

''فکر مت کرو۔'' انور نے کہا۔ ''میں اس سے جان پہچان پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ جھیل کتنی دور ہے۔''

''قریب ہی ہے تمہیں اس سے مل کر خوشی نہ ہوگی۔'' محمود بولا۔

''کیوں انور کوئی نئی شرارت سوجھی۔'' رشیدہ نے کہا۔

''نہیں رشو.....وہ بہت دلچسپ آدمی معلوم ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ میں اپنے کسی مقصد کے لئے اُسے استعمال بھی کر سکوں۔''

''کس مقصد کے لئے.....!'' محمود چونک کر بولا۔

''جس مقصد کے لئے یہاں آیا ہوں۔''

''مگر تم نے تو کل ہی اُسے نشانہ بنا دیا۔''

''نہیں پیارے تمہارا خیال غلط ہے۔'' انور مسکرا کر بولا۔ ''وہ آسانی سے اس قصبے کا پیچھا نہیں چھوڑ سکتا۔''

''میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔''

''مطلب یہ کہ شاید مجھے آج بھی اُس پر فائر کرنا پڑے۔''

محمود اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''تمہارا اس کے متعلق کیا خیال ہے۔'' رشیدہ نے انور سے پوچھا۔

''کسی آدمی کی شرارت۔''

''لیکن یہ چیز میری سمجھ میں بھی نہیں آتی۔ کل رات میں نے اُسے حویلی سے دیکھا تھا۔''

انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی نگاہیں بدستور کروندے کی جھاڑیوں پر جمی ہوئی تھیں۔

''وہ دیکھو.....اس کمبخت نے فائر شروع کر دیئے'' محمود جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''خواہ مخواہ پرندوں کو اڑا رہا ہے۔''

''ممکن ہے شکار ہی کھیل رہا ہو۔'' انور نے کہا۔

''اگر وہ پوائنٹ ٹو ٹو بور کی رائفل لے کر گیا ہوتا تو میں قطعی یہ نہ کہتا۔''

تھوڑی دیر بعد وہ جھیل پر پہنچ گئے۔ عمران کی موٹر سائیکل ایک طرف کھڑی تھی اور وہ گھاس پر اوندھا لیٹا پائپ پی رہا تھا۔

''کیا یہاں جھیل پر گھڑیال بھی ہیں۔'' انور بلند آواز میں بولا۔

''نہیں تو.....!'' محمود نے کہا۔

''وہ پھر اُدھر کنارے پر کیا پڑا ہے۔'' انور اسی لہجے میں بولا۔ ''اوہ لاحول ولا قوۃ.....کوئی آدمی ہے۔''

عمران اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ اُس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی اور آنکھیں رشیدہ پر جمی ہوئی تھیں۔

''رشو.....!'' انور آہستہ سے بولا۔ ''کیا خیال ہے۔''

''اس سے ہم لوگوں کا تعارف کرا دیجئے۔'' رشیدہ نے محمود سے کہا۔

''میں اس سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔''

''ہماری خاطر.....!'' انور مسکرا کر بولا۔

محمود ایک لمحہ کے لئے بالکل ساکت ہو گیا۔ پھر عمران کو مخاطب کر کے بولا۔

''تو تم نے سب پرندے اڑا دیئے۔''

''پھر.....؟'' انور اُسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

''یہ وہ رائفل ہے جس سے ہاتھیوں کا شکار کیا جاتا ہے۔'' وہ اپنی رائفل کی طرف اشارہ کر کے بولا اور انور نے اپنی ناک سکوڑ لی کیونکہ اس کے منہ سے دیسی شراب کا بھپکا نکلا تھا۔

''کوئی ہاتھی شکار کیا آپ نے؟'' انور چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

عمران اُسے تیز نظروں سے گھورنے لگا۔

''آپ خود کو تیس مارخاں سمجھتے ہیں۔'' وہ تلخ لہجے میں بولا۔ ''کل رات والی آتش بازی پر رائفل چلا کر آپ کچھ مغرور ہو گئے ہیں۔''

''آتش بازی.....؟'' انور تحیر ظاہر کرتا ہوا بولا۔

''جناب.....؟'' وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔ ''کسی شریر لڑکے کی حرکت۔''

''چھوڑو بھی۔'' محمود انور کے شانے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ ''یہ اس وقت نشے میں ہے۔''

عمران نے قہقہہ لگایا اور رشیدہ کی طرف دیکھنے لگا۔ رشیدہ جواباً مسکرائی۔

''آپ لوگوں کی تعریف.....!''

''میرے دوست مسٹر انور اور مس رشیدہ۔'' محمود منہ سکوڑ کر بولا۔

''آپ لوگوں سے مل کر خوشی ہوئی۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔ ''میرا نام عمران ہے اور میں اس قصبے کا ایک شریف آدمی ہوں۔ ویسے کچھ لوگ مجھے بدنام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن میں انہیں ایک دن سیدھا کر دوں گا۔''

''ضرور ضرور.....!'' انور نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ پھر محمود اور رشیدہ کی طرف مڑ کر کہنے لگا۔ ''تم لوگ بیل گاڑی پر شکار کھیلو۔ میں عمران صاحب کے ساتھ موٹر سائیکل پر جاتا ہوں۔''

''اوہو.....ضرور.....بڑی خوشی سے۔'' عمران موٹر سائیکل کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

قبل اس کے محمود کچھ کہتا.....رشیدہ بول اٹھی،

''ٹھیک ہے.....ٹھیک ہے۔ ہم لوگ یہاں انتظار کریں گے۔ شاید کچھ پرندے جھیل میں گریں۔''

عمران نے موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور انور کیریئر پر بیٹھ گیا۔

''کس طرف.....!'' عمران نے پوچھا۔

''کوئی بڑا شکار عمران صاحب۔'' انور آہستہ سے بولا اور موٹر سائیکل چل پڑی۔

''بڑا شکار تو اس طرف ہے۔'' عمران کروندے کے جنگل کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

''یعنی.....؟''

''جنگلی لڑکیاں.....!'' عمران نے کہا اور ہنسنے لگا۔

''تو پھر ادھر ہی۔''

''کوئی راستہ نہیں۔''

انور خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولا۔

''وہ آتش بازی والی بات کیا تھی۔''

''محمود پر رعب ڈال رہا تھا۔'' عمران بچوں کی طرح ہنس کر بولا۔ ''وہ مجھے بدنام کرتا ہے لیکن مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ وہ مجھ سے، زیادہ ذلیل ہے۔ آپ جیسے شریف آدمیوں کو اس کے ساتھ دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی تھی۔''

''لیکن وہ اپنی بیوی سے بہت ڈرتا ہے۔''

''مکار ہے.....شاہدہ کے دکھوں سے بھی اچھی طرح واقف ہوں۔''

''یعنی.....!''

''اس کے متعلق کچھ نہیں بتا سکتا۔ میں بہت کمینہ ہوں انور صاحب۔ مگر پھر بھی مجھ میں تھوڑی بہت انسانیت ہے۔''

''خیر.....خیر.....مگر وہ پرندہ کیسا تھا۔'' انور نے کہا۔

''آپ نے اس پر گولی چلا کر اچھا نہیں کیا۔ قصبے والے کسی نئی مصیبت کے منتظر ہیں۔''

''آخر وہ ہے کیا بلا.....؟''

''بھیلوں کا کوئی جادو.....وہ کروندے کے جنگل ہی کی طرف سے آتا ہے۔''

''میں نے تو سنا ہے کہ اس کا تعلق ڈاکٹر نصیر کی پاگل بہن سے ہے۔'' انور نے کہا۔

عمران کے منہ سے بے اختیار بھانت بھانت کی گالیوں کا طوفان پھوٹ پڑا۔

''یہ بھی اسی محمود کے پٹھے کی حرکت ہے۔''

''یعنی.....!''

''اس قسم کی افواہیں ہمیشہ حویلی سے اڑا کرتی ہیں۔'' عمران جھلائے ہوئے لہجے میں بولا

''آخر کیوں؟''

''یہ میں نہیں جانتا۔ لیکن میں نے یہ محسوس کیا ہے۔'' عمران آہستہ سے بولا۔

''مجھے اُس حویلی کی ایک ایک اینٹ سے نفرت ہے۔''

''مگر رانی صاحبہ تو آپ کی خالہ ہیں۔''

''ہوں گی۔'' عمران لاپروائی سے بولا۔

انور کی نظریں کروندے کے جنگل کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ واقعی یہ ایک ناقابل عبور جنگل تھا۔ کروندے کی گھنی اور کانٹے دار جھاڑیاں میلوں تک پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ اتنی گھنی اور بلند تھیں کہ دوسری طرف نظریں نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ ان کے درمیان کہیں کہیں اکاڈ کا پیپل کے درخت نظر آ رہے تھے۔

''تو کیا جنگلی لڑکیاں واقعی اچھی ہوتی ہیں۔'' انور تھوڑی دیر بعد بولا۔

''غضب کی.....اب میں کیا بتاؤں۔''

''تو پھر اُدھر چلنے کا کوئی راستہ پیدا کرو۔'' انور نے کہا۔

''راستہ.....!'' عمران ہنس کر بولا۔ ''وہ راستہ ہمیں جہنم میں پہنچا دے گا۔''

''یعنی.....!''

''اول تو راستہ ہی ملنا ناممکن ہے اور اگر کسی طرح وہاں پہنچ بھی گئے تو وہ ہمیں نیزوں کی سیخ پر سلا دیں گے۔''

''محمود ٹھیک کہہ رہا تھا۔'' انور آہستہ سے بڑبڑایا۔

''کیا.....!''

''یہی کہ تم ڈرپوک ہو۔''

عمران نے موٹر سائیکل روک دی اور پلٹ کر انور کو گھورنے لگا۔

''یہاں سے پندرہ میل کا سفر کرنا پڑے گا۔'' عمران بولا۔

''پرواہ نہیں۔''

''بڑے رنگیلے معلوم ہوتے ہو اور اگر تمہارے ساتھ والی لڑکی کو اس کی اطلاع ہو گئی تو۔''

''تو کیا ہوگا.....وہ صرف میری دوست ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت نہیں فرماتے۔''

''اچھا تو پھر کل پر رکھو۔'' عمران نے کہا۔ ''ہمیں کچھ انتظامات بھی کرنے پڑیں گے۔ ویسے تم بہت دلچسپ آدمی ہو۔ کچھ دن اگر میرے مہمان رہو تو کیا حرج ہے۔ تم نے آم کی شراب کبھی نہ پی ہوگی۔ یہ میری ایجاد ہے۔ اگر رائی کی وہسکی کا مزہ نہ آ جائے تو میرا ذمہ۔''

''میں شراب نہیں پیتا۔'' انور نے کہا۔

''تب تم ڈیوٹ ہو۔'' عمران ہنس کر بولا۔ ''آؤ واپس چلیں.....تو پھر شام کو مل رہے ہونا۔ قصبے میں سب سے اونچا مکان میرا ہی ہے۔ بڑی مسجد کے پاس۔''

''میں تم سے ضرور ملوں گا۔'' انور مسکرا کر بولا۔ ''لیکن جنگل والی اسکیم نہ بھول جانا۔''

''یار واقعی تم خطرناک معلوم ہوتے ہو۔'' عمران نے ہنس کر کہا۔

وہ جھیل کی طرف لوٹ پڑے۔

محمود اور رشیدہ بیل گاڑی میں بیٹھے اونگھ رہے تھے۔ عمران انور کو چھوڑ کر قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔

''کیوں بھئی کچھ ملا.....!'' انور نے محمود سے پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں۔'' محمود انگڑائی لیتا ہوا بولا۔ ''تم کدھر چلے گئے تھے۔''

''کروندے کے جنگل میں گھسنے کا راستہ تلاش کر رہا تھا۔''

''اوہ.....یار کہیں یہ حماقت بھی نہ کر بیٹھنا۔ اُدھر وحشی رہتے ہیں۔''

''لیکن عمران نے ایک ایسی بات بتا دی ہے کہ اب جانا ہی پڑے گا۔''

''کیا.....؟'' محمود نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

''جنگلی لڑکیاں۔'' انور مسکرا کر بولا۔

''کیا مطلب.....؟'' رشیدہ نے اُسے گھور کر کہا۔

''جنگلی لڑکیوں کا کیا مطلب ہوتا ہے؟'' انور نے کہا اور رشیدہ خاموش ہو گئی۔

''ہم لوگوں کی برائی تو خوب کی ہوگی۔'' محمود نے مسکرا کر کہا۔

''نہیں تو.....تم لوگوں کا تذکرہ ہی نہیں آیا تھا۔ وہ زیادہ تر آموں کی شراب اور لڑکیوں کا تذکرہ کر رہا تھا۔''

''بھئی اب چلنا چاہئے۔'' رشیدہ بولی۔

تھوڑی دیر بعد بیل گاڑی قصبے کی طرف واپس جا رہی تھی۔

دوسرا فائر

شام کو انور عمران کے گھر سے لوٹتے وقت طرح طرح کے خیالات میں ڈوبا ہوا تھا، جس مقصد کے تحت وہ عمران سے ملا تھا اس میں ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ وہ اس وقت بھی نشے میں ڈوبا بہکی بہکی باتیں کرتا رہا تھا۔ پرندے سے زیادہ اُسے ڈاکٹر کی بہن کے ساتھ محمود اور اس کی بیوی کے متصادرویے کے متعلق تشویش تھی اور پھر وہ یہ بھی سن چکا تھا کہ ڈاکٹر کی بہن اور اس پرندے کے پراسرار تعلق کے بارے میں حویلی ہی والوں نے افواہیں پھیلائی تھیں۔

اُس نے رشیدہ کے ذریعے بھی اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ رانی صاحبہ بدستور مامتا کی ندیاں بہاتی رہیں اور شاہدہ نوخیز ہر بلب تھی ہی۔ وہ رشیدہ سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتی تھی۔ خود انور نے کئی بار اس سے گفتگو کرنی چاہی لیکن اس نے موقع ہی نہ دیا۔ بہرحال اس کے ماتھے پر پڑی ہوئی سلوٹیں کسی وقت بھی غائب نہیں ہوئی تھیں۔

انور حویلی میں لوٹ آیا۔ اس نے اس وقت ڈاکٹر کو ملنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ گھر پر موجود نہیں تھا۔

حویلی پہنچتے ہی اس نے سارے خیالات اپنے ذہن سے نکال دیئے اور ادھر اُدھر کی تفریحی باتیں کرنے لگا۔

آہستہ آہستہ دھندلکا پھیلتا جا رہا تھا۔ شام بہت خوشگوار تھی۔ رانی صاحبہ نے پائیں باغ میں کرسیاں ڈلوادی تھیں اور سب لوگ وہیں بیٹھے انور کے لطیفوں اور چٹکلوں سے محظوظ ہو رہے

تھے۔ صرف شاہدہ خاموش تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہاں طوعاً و کرہاً بیٹھی ہو۔

دفعتاً کسی نے پھاٹک ہلایا اور سب کی نظریں ادھر اٹھ گئیں۔ یہ ڈاکٹر کی بہن تھی۔

''کیا یہ پھاٹک ہمیشہ بند رہے گا۔'' وہ چیخ کر بولی۔

''اوہ..... یہ حرافہ پھر آ گئی۔'' شاہدہ نے تیزی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''بہو رانی.....!'' رانی صاحبہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھاتی ہوئی بولیں۔ ''پاگلوں کے منہ لگنے سے کیا فائدہ۔ دنیا جانتی ہے کہ وہ پاگل ہے، جو کچھ بکتی ہے بکنے دو۔''

شاہدہ بیٹھ گئی۔ لیکن وہ قہر آلود نظروں سے پھاٹک کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''کیا کوئی میری بات کا جواب نہ دے گا۔'' وہ پھاٹک کو ہلا کر پھر چیخی۔ ''میں کہتی ہوں یہ حویلی پتھروں کا ڈھیر ہو جائے گی۔ اس پر مونچھیں ہی مونچھیں اُگ آئیں گی۔''

رشیدہ بے اختیار ہنس پڑی اور انور حیرت سے زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگا۔ محمود تو اس طرح خاموش تھا جیسے اُسے سانپ سونگھ گیا ہو۔

ڈاکٹر کی بہن نے قہقہہ لگایا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے اس قہقہے کی آواز آہستہ آہستہ کہیں دور سے آئی ہو اور پھاٹک کے قریب پہنچ کر یک بیک تیز ہو گئی ہو۔

یکایک انور چونک کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

''یہ پٹرول کی بو کہاں سے آئی۔'' وہ اٹھتا ہوا بولا۔

''گیراج کی طرف سے آئی ہوگی۔ شاید ڈرائیور کار کی ٹنکی بھر رہا ہے۔'' رانی صاحبہ بولیں۔

انور بیٹھ گیا۔ ادھر ڈاکٹر کی بہن نے پھر قہقہہ لگایا اور اندھیرے میں دور تک دوڑتی چلی گئی۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر انور بولا۔

''آخر شاہدہ صاحبہ اس سے اس قدر متنفر کیوں ہیں؟''

''میں اپنے نجی معاملات پر تبصرہ نہیں پسند کرتی۔'' شاہدہ تلخ لہجے میں بولی۔

''لیکن میرا خیال ہے کہ عنقریب یہ نجی معاملہ بین الاقوامی مسئلہ بننے والا ہے۔'' انور نے ہنس کر کہا۔

شاہدہ جھلا کر اٹھی اور حویلی کے اندر چلی گئی۔

''کیا بتاؤں؟'' رانی صاحبہ اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر مضمحل انداز میں بولیں۔

''آخر یہ معاملہ کیا ہے؟'' انور نے پوچھا۔

''میں کچھ نہیں جانتی۔'' رانی صاحبہ نے کہا اور وہ بھی اٹھ کر حویلی میں جانے لگیں۔

دفعتاً رشیدہ چیخ اٹھی۔ اس کا ایک ہاتھ آسمان کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

''ارے یہ تو پھر دکھائی دیا۔'' محمود بے ساختہ بولا۔

آتشی پرندہ کافی بلندی پر پرواز کرتا ہوا حویلی کی طرف آ رہا تھا۔

''لو یہ نئی مصیبت آئی۔'' رانی صاحبہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولیں۔

''محمود رائفل.....!'' انور نے جلدی سے کہا۔

''قطعی نہیں جناب۔'' رانی صاحبہ جھلا کر بولیں۔ ''آج یقیناً یہ آفت ادھر ہی آئے گی۔ تم نے اس پر گولی چلا کر اچھا نہیں کیا تھا۔''

''کل میں نے اسی طرح ڈاکٹر کا مکان بچایا تھا۔'' انور نے کہا۔ ''اس کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں۔''

''ہرگز نہیں..... ہرگز نہیں۔'' رانی صاحبہ چیخ کر بولیں۔

پرندہ کوٹھی کے گرد چکر لگاتا ہوا آہستہ آہستہ نیچے اُتر رہا تھا۔ رانی صاحبہ شاہدہ کو آواز دیتی ہوئی حویلی کی طرف بھاگی۔ شائد شاہدہ نے اُسے پہلے ہی دیکھ لیا تھا۔ وہ بھاگتی ہوئی باہر آ گئی۔

اچانک انور نے ایسا منہ بنایا جیسے وہ کچھ سننے کی کوشش کر رہا ہو۔

''محمود رائفل.....!'' وہ پھر چیخا۔

''انور خاموش رہو۔'' رانی صاحبہ گرج کر بولیں۔

انور پھر کچھ سننے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ پرندہ حویلی کی چھت پر اتر آیا۔ پھر حویلی کے پچھلے حصے سے شعلے بلند ہونے لگے۔ نوکروں نے غل مچانا شروع کر دیا۔ انور تیزی سے اُدھر بھاگ رہا تھا۔

آگ بجھانے کی کوشش جاری تھی اور انور کا کہیں پتہ نہ تھا۔

''ارے احمقو یہ پٹرول جل رہا ہے۔'' انور کی آواز سنائی دی۔ وہ چہار دیواری پر کھڑا تھا۔

پھر وہ دوسری طرف کود گیا۔

آگ پر بہت جلد قابو پا لیا گیا۔ کوئی خاص نقصان نہیں ہوا تھا۔ کئی نوکر چھت پر کھڑے شور مچا رہے تھے۔ آگ تو بجھ گئی تھی لیکن خوف کے مارے وہ ابھی تک اپنی آوازوں پر قابو نہیں پا سکے تھے۔ دفعتاً وہ آتشی پرندہ اپنے پر پھڑپھڑاتا ہوا ان کے سروں پر سے نکل گیا وہ اور زیادہ چیخنے لگے اور ایک تو چکرا کر گر ہی پڑا۔

تھوڑی دیر بعد جب یہ ہنگامہ رفع ہو گیا تو انور کی تلاش شروع ہوئی۔ لیکن اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔

رشیدہ کچھ سوچ رہی تھی۔ محمود انور کو تلاش کرنے کے لئے ملازمین کو قصبے میں بھیج چکا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹہ گذر گیا لیکن وہ واپس نہ آیا۔ رشیدہ اپنے کمرے میں آئی اور سوٹ کیس سے ریوالور نکالا۔

جب وہ برآمدے سے گذر کر پائیں باغ میں جانے لگی تو رانی صاحبہ نے اُسے ٹوکا۔

''میں ابھی آتی ہوں۔'' رشیدہ بولی۔

''کہاں جا رہی ہو۔''

''عمران صاحب کے یہاں..... ممکن ہے انور وہیں ہو۔''

''کسی نوکر کو بھیج دو۔''

''نہیں میں خود جاؤں گی..... جلد ہی واپس آ جاؤں گی۔''

''تو کسی نوکر کو ساتھ لیتی جاؤ۔''

''میں چلتا ہوں۔'' محمود بولا۔

''نہیں اس کی ضرورت نہیں۔'' رشیدہ نے کہا اور چل پڑی۔ پھاٹک سے نکلنے کے بعد اُس کا رخ قصبے کے بجائے جنگل کی طرف تھا۔

رات تاریک تھی۔ رشیدہ چل تو پڑی لیکن جنگل میں داخل ہوتے ہی جسم کے سارے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ جنگل جھینگروں کی تیز آوازوں سے گونج رہا تھا۔ کروندے کی دیو پیکر جھاڑیاں اس وقت اور زیادہ خوفناک نظر آ رہی تھیں۔ رشیدہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ دفعتاً کسی درخت پر الو کی چیخ سنائی دی اور وہ جھجک پڑی۔ دل شدت سے دھڑکنے لگا۔

وہ ایک لمحے کے لئے رک گئی لیکن پھر اس کے ذہن نے دلیر بننے کے لئے جدوجہد شروع کر دی اور دوسرے ہی لمحے میں وہ اس طرح چل رہی تھی جیسے خواب میں چل رہی ہو۔

پھر کہیں دور قدموں کی آہٹ سنائی دی جو لمحہ بہ لمحہ قریب آتی جا رہی تھی۔ ایک متحرک سایہ دکھائی دیا اور رشیدہ ایک درخت کے تنے کی اوٹ میں ہو گئی۔

''خبردار! ہاتھ اوپر اٹھاؤ ورنہ گولی چلا دوں گا۔'' آنے والا اچھل کر جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا بولا۔

رشیدہ نے پستول نکال کر فائر کر دیا۔ اسکے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

''میں تمہارے جوابی حملے کا انتظار کر رہی ہوں۔'' رشیدہ چیخ کر بولی۔ ''لیکن میں جانتی ہوں کہ تمہارے پاس پستول نہیں ہے۔''

جواب ندارد..... رشیدہ پھر کچھ کہنے ہی والی تھی کہ کسی نے پیچھے سے اُسے دبوچ لیا اور ساتھ ہی قہقہے کی آواز سنائی دی۔

''اب تو پستول ہے میرے پاس۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

رشیدہ نے کوئی جدوجہد نہ کی لیکن اس کا ہاتھ آہستہ آہستہ حملہ آور کے کان کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''ارے ارے کان چھوڑو..... چھوڑو.....!'' وہ کراہ کر بولا۔

''نہیں..... انور میں تمہارے دونوں کان اکھاڑ ڈالوں گی۔''

''چھوڑو..... چھوڑو.....!''

رشیدہ اُسے کھینچتی ہوئی واپس لوٹ رہی تھی۔

''میں کہتا ہوں کان چھوڑو.....!'' انور بگڑ کر بولا۔

''تمہارے چیخنے کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔'' رشیدہ سنجیدگی سے بولی اور انور جم کر کھڑا ہو گیا۔

''کھینچو..... اور ..... اور زور سے کھینچو..... لیکن یاد رکھو کہ تمہارے ساتھ کان ہی کاٹ جائے گا۔''

رشیدہ رک گئی اور اس نے کان چھوڑ دیا۔ تھوڑی دیر تک کھڑی خاموشی سے اُسے گھورتی رہی پھر چل پڑی۔ انور اُس کے پیچھے تھا۔ رشیدہ نے جس ہاتھ سے انور کا کان پکڑا تھا اس

اسے کچھ چپچپاہٹ معلوم ہو رہی تھی۔ اس نے جیب سے گھڑی دیکھنے کی ننھی سی ٹارچ نکالی اور اپنا ہاتھ دیکھنے لگی۔

''خون.....!'' وہ چونک کر رک گئی۔ انور جیسے ہی اس کے قریب سے گذرا اس نے اسے پکڑ لیا۔ دوسرے لمحے میں ٹارچ کی مدھم روشنی انور کے چہرے پر پڑی تھی، پیشانی اور گالوں سے خون بہہ رہا تھا۔

''یہ کیا ہوا.....؟'' رشیدہ بے اختیار بولی۔

''کان اکھڑ گیا ہوگا؟'' انور نے لاپرواہی سے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

رشیدہ نے دوڑ کر اس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا اور اسے سہارا دینے لگی۔

''چچ چچ.....!'' انور مسکرا کر بولا۔ ''میرا بیہوش ہونے کا ارادہ نہیں۔''

''انور.....!'' رشیدہ ایسی پژمردہ آواز میں بولی جسے سسکی سے تشبیہہ دی جا سکتی تھی۔

انور نے اس کا ہاتھ ہٹا دیا۔

''لیکن تم کیوں آئی تھیں۔''

''مجھے یقین تھا کہ تم ادھر ہی آئے ہو گے۔''

''میں پوچھتا ہوں تم آئی ہی کیوں تھیں۔''

''تمہارے لئے۔''

''بکومت..... میں اسے پسند نہیں کرتا۔''

رشیدہ خاموش ہو گئی۔ اگر اس نے اس کے چہرے پر خون نہ دیکھ لیا ہوتا تو شاید جھپٹ پڑتی۔ اس وقت اُسے انور کے اس تحکمانہ لہجے پر غصہ نہیں آیا لیکن وہ اُس حادثے کے متعلق معلوم کرنے کے لئے بے چین تھی جس کی بناء پر انور زخمی ہو گیا تھا۔ اس نے اُسے کریدنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ چاہتی تھی کہ جلد سے جلد حویلی پہنچ کر انور کی مرہم پٹی کرے۔ ویسے خود اُسے تو اُن زخموں کی رتی برابر پرواہ نہ ہو گی اور اس کی لاپرواہی تو وہ کچھ دیر پہلے دیکھ ہی چکی تھی۔ انور کی جگہ اور کوئی ہوتا تو اس حالت میں کم از کم کسی قسم کے مذاق کے لئے تیار نہ ہوتا۔ اس کی آواز پہچان کر اس نے اسے ڈرانے کے لئے ہوائی فائر کیا تھا اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس کے پاس پستول

نہیں ہے۔ وہ چاہتا تو اسکی آواز سننے کے بعد سامنے آجاتا لیکن نہیں اس وقت بھی اس کی رگِ شرارت بھڑک اٹھی تھی اور اس نے پیچھے سے اسے ڈرانے کی کوشش کی۔

''ٹھہرو.....!'' انور ایک گرے ہوئے درخت کے تنے کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ ''میں وہاں بیٹھ کر سگریٹ پیؤں گا۔''

وہ دونوں جنگل سے نکل کر قصبے کی کچی سڑک پر پہنچ گئے تھے۔

''اب یہیں چل کر پینا۔'' رشیدہ اسے پکڑ کر آگے بڑھاتی ہوئی بولی۔

''رشو.....!'' انور تیز لہجے میں بولا اور ہاتھ چھڑا کر درخت کے تنے پر بیٹھ گیا۔ مجبوراً رشیدہ کو بھی بیٹھ جانا پڑا۔

''میں یہ کہہ رہی تھی کہ..... یہ خون۔''

''حویلی والوں پر اس کا کیا ردعمل ہوا ہے۔'' انور نے اس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا اور سگریٹ سلگانے لگا۔

''انہیں سب سے زیادہ اس بات پر حیرت ہے کہ تم کیوں غائب ہوگئے۔''

''آگ کا کیا رہا۔''

''بجھا دی گئی کوئی نقصان نہیں ہوا۔''

''انور خاموش ہوگیا.....'' پھر دو تین کش لینے کے بعد بولا۔

''آگ اس پرندے کی وجہ سے نہیں لگتی۔''

''جہنم میں گیا پرندہ.....!'' رشیدہ جھلا کر بولی۔ ''تم زخمی کیسے ہوئے اور اب یہاں کیوں بیٹھے ہو۔ کیا اب ان زخموں کو سڑانے کا ارادہ ہے۔''

''زخموں کی حالت تشویش ناک نہیں۔'' انور لاپروائی سے بولا۔ ''یہ جھاڑیوں کے کانٹے ہیں۔''

''کیا تم اُن میں گھسنے کی کوشش کر رہے تھے۔''

''نہیں..... بلکہ مجھے زبردستی ان میں گھسیڑنے کی کوشش کی گئی تھی۔''

''آرے.....!''

''ہاں..... میں جس آدمی کا تعاقب کر رہا تھا وہ غیر معمولی طور پر طاقتور ثابت ہوا۔''

''آدمی کا تعاقب.....!'' رشیدہ نے تحیر آمیز انداز میں دہرایا۔

''ہاں وہی آدمی جو کوٹھی میں آگ لگا کر بھاگا تھا۔ پٹرول کی بو پر میں پہلے ہی چونکا تھا۔ لیکن ان لوگوں نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی۔ جس وقت وہ پرندہ کوٹھی پر چکر لگا رہا تھا میں نے ہلکی ہلکی سیٹیوں کی آوازیں سنی تھیں۔ اور یہ بھی محسوس کیا تھا کہ وہ پرندہ انہیں آوازوں پر نیچے اترا تھا۔ میں اس وقت حویلی کی پشت پر پہنچا تھا۔ جب پرندے کو سیٹیوں پر بلانے والا آگ لگا کر بھاگ رہا تھا تعجب ہے کہ قصبے والوں نے پچھلی وارداتوں میں اس چیز کی طرف توجہ نہیں دی۔ بہرحال میں اس کا تعاقب کرنے لگا۔ وہ جنگل کی طرف بھاگ رہا تھا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ میں نے آج تک اتنا تیز دوڑنے والا نہیں دیکھا۔ جھیل کے قریب پہنچ کر وہ یک لخت میری طرف پلٹا اور قبل اس کے کہ سنبھلتا اس نے مجھے پکڑ کر اچھال دیا۔ جیسے میں آدمی نہیں بلکہ ربڑ کی گیند ہوں اور میں لاکھ سنبھلنے کے باوجود بھی اپنا سر جھاڑیوں سے نہ بچا سکا۔ مجھے اس کی طاقت پر حیرت ہوتی ہے اگر کہیں دو چار آدمیوں کے سامنے اس نے مجھے اس طرح اٹھا کر پھینکا ہوتا تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔''

''اور تم نے اسے نکل جانے دیا۔'' رشیدہ نے تحیر آمیز لہجے میں پوچھا۔

''پھر وہ نہ جانے کہاں غائب ہوگیا۔ میں کافی دیر تک اسے تلاش کرتا رہا لیکن یہ بتاؤ کہ تم اس طرح اکیلے کیوں نکل آئی تھیں۔''

''میری خوشی! جب تم میرا کوئی اعتراض برداشت نہیں کر سکتے تو مجھے کیوں اس پر مجبور کرتے ہو۔''

''یہ بات نہیں رشو.....!'' انور نرم لہجے میں بولا۔ ''یہ جنگل بہت بھیانک ہے۔''

''تو کیا اب یہیں بیٹھے بیٹھے رات ختم کردو گے۔''

''نہیں صرف سگریٹ ختم کروں گا۔'' انور آہستہ سے بولا۔ ''حویلی والوں کو اس واقعے کی اطلاع نہ ہونی چاہئے۔''

''مگر پٹرول والا معاملہ تو.....!''

''اس کی فکر نہیں..... بات جہاں تھی وہیں رہنی چاہئے۔''

''اور یہ زخم.....!''

''یہ بھی کوئی ایسی بات نہیں۔ پرندے کا تعاقب کرتے وقت جھاڑیوں میں گر پڑا تھا۔''

''لوگ تمہیں پاگل سمجھنے لگیں گے۔''

''تب تو اور اچھا ہے۔ میں ڈاکٹر کی بہن سے شادی کرلوں گا۔''

''اچھا تو کیا تم.....!''

''ہاں میں اس پر عاشق ہونے کا ارادہ کر رہا ہوں۔'' انور سنجیدگی سے بولا۔

''بس اب اٹھو چلو.....!'' رشیدہ نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

انور نے سگریٹ ایک طرف پھینک دی اور پھر وہ حویلی کی طرف چل پڑے۔ پھاٹک قریب عمران ملا۔

''اوہ.....انور صاحب آپ لوگ آ گئے۔ بھئی مجھے بڑی تشویش ہوگئی تھی۔''

عمران آگے بڑھ کر بولا۔ ''یہاں معلوم ہوا کہ رشیدہ صاحبہ میرے گھر گئی ہیں لیکن م کر کے اور تشویش ہوگئی کہ کہ وہ میرے گھر تک پہنچی ہی نہیں۔''

''کوئی خاص بات نہیں ہم لوگ ذرا کھیتوں میں ٹہل رہے تھے۔'' انور نے کہا۔

''لاحول ولاقوۃ.....!'' یہاں تو نہ جانے کتنی افواہیں اڑ گئیں۔

''اچھا.....!'' انور دلچسپی کا اظہار کرتا ہوا بولا۔

''جی ہاں.....مگر بھئی آپ لوگ بُرا نہ مانئے گا۔ گاؤں والے گنوار ہی ہوتے ہیں۔''

''اندھیرا ہونے کی وجہ سے عمران انور کا زخمی چہرہ نہیں دیکھ سکا تھا۔ چند لمحے ادھر اُ باتیں کرتے رہنے کے بعد وہ خواہ مخواہ دوبارہ ملنے کا وعدہ کر کے رخصت ہوگیا۔

''مجھے تو یہ آدمی مشکوک معلوم ہوتا ہے۔'' رشیدہ آہستہ سے بولی۔

''میں بھی اس کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔'' انور نے کہا۔ ''اور شاہدہ کے متعل خیال ہے۔''

''مجھے تو اس کا دماغ بھی خراب ہی معلوم ہوتا ہے۔''

''اس پر کڑی نظر رکھنا۔'' انور نے کہا اور پھاٹک کھول کر اندر داخل ہوگیا۔

''کون ہے؟'' اندر سے آواز آئی۔ شاید چوکیدار مالی کے جھونپڑے میں چلم پی رہا تھا۔

''ہم لوگ ہیں۔'' رشیدہ بولی اور چوکیدار اپنی لالٹین لے کر انہیں راستہ دکھانے کیلئے دوڑا۔

''ارے صاحب.....!'' وہ انور کو چہرہ دیکھتے ہی چیخ پڑا۔

''شش شش.....کچھ نہیں آگے چلو.....!'' انور نے کہا۔

''کیا بات ہے۔'' کسی نے برآمدے سے آواز دی۔

''مہمان ہیں۔'' چوکیدار بولا۔

''بھئی تم لوگوں نے پریشان کر ڈالا۔'' محمود کی آواز سنائی دی۔ ''آج تم لوگوں کی خاصی مرمت ہوگی۔''

''ذرا آہستہ گاؤ میرے بیٹے۔'' انور آہستہ سے بولا۔ ''پس نازک است شیشہ دل در کنارِ ما۔''

ایک نئی واردات

تھوڑی دیر بعد انور پلنگ پر لیٹا تھا اور رشیدہ اُس کے چہرے میں چبھے ہوئے کانٹے نکال رہی تھی۔ محمود تو ڈاکٹر کو بلوانے جا رہا تھا۔ مگر انور نے روک دیا۔ اس نے کہا کہ اس طرح یہ بات سارے قصبے میں پھیل جائے گی اور میں پاگل مشہور ہو جاؤں گا۔ بہتر یہی ہے کہ اس کا تذکرہ کسی سے نہ کیا جائے۔

''لیکن آخر اس وحشت کی ضرورت ہی کیا تھی۔'' رانی صاحبہ بولیں۔

''میں اُس پرندے کو پکڑنا چاہتا ہوں۔ وہ پنجرے میں خوشنما معلوم ہوگا۔''

''بھئی تمہاری کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔'' رانی صاحبہ نے اکتا کر کہا۔

''یہ کوئی نئی بات نہیں۔'' رشیدہ ہنس کر بولی۔ ''اکثر ان کی باتیں خود انہیں کی سمجھ میں نہیں آتیں۔''

''وہ بات ہی کیا جو سمجھ میں آ جائے۔'' انور مسکرا کر بولا۔ ''مثلاً یہ بات ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئی کہ پٹرول کی بو گیراج سے آئی تھی یا.....!''

"یہ معاملہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔" محمود نے کہا۔ "آگ یقیناً پٹرول میں لگی تھی لیکن پٹرول دیواروں پر کہاں سے آیا۔"

"میں نے دیکھا تھا.....!" انور مسکرا کر بولا۔ "تمہیں یاد ہوگا کہ میں چار دیواری پر کھڑا تھا۔ وہاں سے چھت دکھائی دے رہی تھی۔ میں نے دیکھا.....!"

انور خاموش ہوگیا۔ بقیہ لوگ توجہ اور دلچسپی کے ساتھ اس کی طرف دیکھنے لگے۔ البتہ رشیدہ ضرور متحیر تھی۔ کیونکہ انور نے اسے اصل واقعہ بتانے سے روک دیا تھا اور اب خود ہی بیان کر رہا تھا۔

"کیا دیکھا.....؟" رانی صاحبہ بے چینی سے بولیں۔

"پرندے نے اپنی چونچ میں پٹرول کا کنستر دبا رکھا تھا۔ پٹرول چھت اور دیواروں پر انڈیل کر وہ اس میں لوٹنے لگا تھا۔"

رشیدہ کو بے اختیار ہنسی آ گئی اور رانی صاحبہ اس کا منہ دیکھنے لگیں۔

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔" انور تیز لہجے میں بولا۔

"بھلا پرندے کے پاس پٹرول کہاں سے آیا۔" رشیدہ ہنسی روک کر بات بنانے لگی۔

"سب کچھ ہوسکتا ہے بیٹی۔" رانی صاحبہ سنجیدگی سے بولیں۔ "خدا ہم لوگوں پر رحم کرے۔"

محمود کچھ نہیں بولا۔ وہ انور کو گھور رہا تھا اور خود کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

"ابھی نہ جانے کتنی مصیبتیں نازل ہوں۔" شاہدہ منہ سکوڑ کر بولی۔ "اگر اس پر رائفل نہ چلائی جاتی تو کچھ نہ ہوتا۔"

انور اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس وقت اس کے ہونٹوں پر بڑی قاتل مسکراہٹ تھی۔

شاہدہ گڑبڑا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"اس پرندے کا گوشت بہت لذیذ ہوگا۔" انور نے کہا۔ "میں آپ لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ ایک نہ ایک دن اُسے دسترخوان کی زینت ضرور بناؤں گا۔"

"بھئی اب چپ بھی رہو۔" رانی صاحبہ خوفزدہ لہجے میں بولیں۔

رشیدہ نے کانٹے نکال کر انور کے چہرے کو پٹیوں سے ڈھک دیا تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہ

سب کھانے کی میز کے گرد بیٹھے ہوئے انور کی بے تکی باتوں سے محظوظ ہو رہے تھے اور رشیدہ کسی نئے خطرے کی بو سونگھ رہی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ انور کن موقعوں پر خود کو ضرورت سے زیادہ احمق ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگتا ہے۔

کھانا کھا کر وہ لوگ اپنے اپنے کمروں کی طرف جا ہی رہے تھے کہ ڈاکٹر نصیر کے گھر میں آگ لگنے کی اطلاع ملی۔ ایک ہی رات میں دو مکانوں میں آگ لگنے کی یہ پہلی واردات تھی۔

"بیچارے ڈاکٹر پر بھی میری ہی وجہ سے مصیبت نازل ہوئی۔" انور متاسفانہ لہجے میں بولا۔ "مگر اس کے علاوہ کوئی اور چارہ ہی نہ تھا۔"

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ خصوصاً رانی صاحبہ بہت زیادہ متفکر نظر آ رہی تھیں۔ شاید انہیں خوف تھا کہ کہیں پھر کوئی حادثہ نہ ہو جائے۔

تھوڑی دیر بعد وہ سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

رشیدہ اور انور کے کمروں کے درمیان صرف ایک دیوار حائل تھی۔ دونوں کمروں کی کھڑکیاں پائیں باغ کی طرف کھلتی تھیں جن کے نیچے کچھ دور ہٹ کر مہندی کی باڑھ تھی جس کا سلسلہ ایک روش کے کنارے کنارے پائیں باغ کی چہار دیواری تک چلا گیا تھا اور یہ روش باغ کے عقبی دروازے کے پاس جا کر ختم ہوگئی تھی۔

باہر آسمان سیاہیاں بکھیر رہا تھا۔ پودوں اور جھاڑیوں میں دبکے ہوئے جھینگروں کی جھائیں جھائیں فضا پر مسلط تھی۔ انور سگریٹ سلگا کر کھڑکی کے قریب آ گیا۔ اُسکے زخموں میں جلن شروع ہوگئی تھی اور ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ دیر تک نہ سو سکے گا۔ اس نے کھڑکی سے سر نکال کر آہستہ سے رشیدہ کو آواز دی۔ وہ بھی ابھی جاگ ہی رہی تھی۔ انور کی آواز سن کر کھڑکی کے قریب آ گئی۔

"رشو مجھے نیند نہیں آ رہی ہے۔"

"زخموں میں تکلیف زیادہ بڑھ گئی ہے۔"

"ہاں.....!"

"تو کیا میں آؤں۔"

"ہاں.....!"

انور نے دو تین گہرے گہرے کش لیئے اور سگریٹ پھینک کر مڑا۔

''بیٹھ جاؤ.....!'' وہ ایک کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ رشیدہ شب خوابی کے لباس میں اس وقت کچھ زیادہ حسین نظر آ رہی تھی۔

''میری طبیعت یہاں سے بُری طرح اکتا گئی ہے۔'' انور بولا۔

''تو واپس چلو.....!''

''یہ ناممکن ہے۔''

''کیوں.....!''

''یہ زخم زندگی بھر ہرے رہیں گے۔'' انور اپنے چہرے کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

''تو تم انتقام کی آگ میں جل رہے ہو۔'' رشیدہ مسکرا کر بولی۔ ''میں سمجھی تھی شاید زخموں میں جلن ہے۔''

''مذاق نہیں رشو..... میں اُسے پکڑے بغیر واپس نہیں جا سکتا۔'' انور نے کہا اور دوسرا سگریٹ سلگانے لگا۔

''اگر واقعی یہ کسی آدمی کی حرکت ہے تو اس کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔'' رشیدہ نے کہا۔

''مقصد ہی تو سمجھ میں نہیں آ رہا ہے یا تو کوئی آدمی پورے قصبے سے کسی بات کا انتقام لے رہا ہے یا پھر وہ صحیح الدماغ نہیں ہے۔''

''کیا تمہارا اشارہ ڈاکٹر کی بہن کی طرف ہے۔''

''اگر وہ مجھے ربر کی گیند کی طرح اچھال سکتی ہے تو یہی سمجھو۔''

''تم تو ڈاکٹر سے مل چکے ہو۔'' رشیدہ نے کہا۔ ''اس کے متعلق کیا خیال ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ شاید وہ مہاتما بدھ کے بعد دوسرا غیر معمولی انسان ہے۔''

''اور عمران.....!''

''اس کے متعلق تو میں کچھ سوچنا ہی نہیں چاہتا۔''

''کیوں.....!''

''اس لئے کہ وہ بیسویں صدی کا شیخ چلی ہے۔''

''لیکن میں ایسا نہیں سمجھتی۔''

''بھئی یہ قصہ بہت وسیع ہے۔'' انور اکتا کر بولا۔ ''یہاں عمران کے علاوہ بھی کئی اور لوگ ہیں، جو اس سے بھی زیادہ بدنام ہیں۔ عمران کے سلسلے میں اتنا کہنا کافی ہے کہ وہ صرف حویلی والوں سے دشمنی رکھتا ہے۔ قصبے کے بقیہ لوگوں کو پریشان کرنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔''

''ایک بات اور.....!'' رشیدہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ ''اگر وہ صرف حویلی ہی والوں کو نقصان پہنچانے پر تل جاتا تو اس کا پکڑا جانا یقینی تھا۔ اس لئے اس نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ وہ گاہے گاہے ان لوگوں پر بھی حملہ کرتا رہتا ہے جن سے اُس کے تعلقات بُرے نہیں۔ اس طرح وہ لوگوں کی نظروں میں مشتبہ ہونے سے بچ رہا ہے۔''

''خیال تو بُرا نہیں۔'' انور مسکرا کر بولا۔ ''لیکن حویلی والوں کے اور دشمن بھی ہوں گے۔ اس سلسلے میں محض عمران ہی کا نام کیوں لیا جائے۔''

''اس کی بھی ایک وجہ ہے۔''

''کیا.....؟''

''ٹھہرو.....'' رشیدہ اپنی جگہ سے اٹھتی ہوئی بولی۔ اُس نے کمرے کا دروازہ کھول کر ادھر اُدھر دیکھا اور پھر واپس آ گئی۔ انور اُسے گھور رہا تھا۔

''عمران شاہدہ سے شادی کرنا چاہتا تھا..... اور خود شاہدہ کی بھی یہی خواہش تھی۔''

''اوہ.....!'' انور چونک کر بولا۔ ''تمہیں کیسے معلوم ہوا۔''

''مجھے یہ بات رانی صاحبہ نے بتائی تھی۔ لیکن شاہدہ کے متعلق خود میں نے ہی اندازہ لگایا ہے۔ عمران کی موجودگی میں اس کا سارا تیکھا پن غائب ہو جاتا ہے اور محمود سے تو شاید وہ کبھی نرمی سے گفتگو نہیں کرتی۔''

انور کچھ سوچنے لگا۔

''لیکن وہ عمران نہیں ہو سکتا جس نے مجھے جھاڑیوں میں پھینکا تھا۔''

''اس مقصد کے لئے وہ کسی دوسرے کو بھی استعمال کر سکتا ہے۔'' رشیدہ بولی۔

''تمہارا اشارہ شاید جنگلیوں کی طرف ہے۔'' انور بولا۔

"یقیناً.....!"

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ان جھاڑیوں میں گھسنے کا کوئی ذریعہ ہے۔"

"میں تو یہی سمجھتی ہوں۔"

"کیوں.....!"

"اگر جنگلی اس طرف آسکتے، تو یہاں آئے دن چوریوں اور ڈاکوں کی وارداتیں ہوتی رہتیں۔"

"تو پھر اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ پرندہ بھی اس جنگل سے نہیں آتا۔"

"میں یہی سمجھتا ہوں۔" انور نے کہا۔ "لوگوں کا خیال ہے کہ وہ کروندے کے جنگل آتا ہے محض اس لئے کہ وہ اُسے جنگلیوں کا کوئی جادو سمجھتے ہیں۔"

رشیدہ خاموش ہوگئی انور اس کی طرف جواب طلب نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس سگریٹ کا ٹکڑا کھڑکی سے باہر پھینک دیا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔

رشیدہ کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہوتی جارہی تھیں۔ اس نے ایک طویل انگڑائی لی اور اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"تو پھر اب تم نے کیا سوچا ہے۔"

"فی الحال مجھے اس پرندے کی فکر ہے۔" انور بولا۔ "یہ ثابت ہوگیا کہ وہ محض ایک شبہ ہے۔ آتشزنی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ میں جلد ہی اُسے پکڑ لوں گا۔"

"ذرا سوچ سمجھ کر۔" رشیدہ چونک کر بولی۔ "یہ مت بھول جانا کہ اس پر گولی پڑنے ایک زوردار دھماکہ ہوا تھا۔"

"مجھے یاد ہے۔"

"تم اسے کس طرح پکڑو گے۔"

"جس طرح خدا پکڑوائے گا۔" انور جھلا کر بولا۔ "اچھا جاؤ اب سو رہو۔"

"تم نے مجھے خواہ مخواہ بلایا تھا۔" رشیدہ بھی اسی لہجے میں بولی۔

"ایک نظر دیکھنے کے لئے۔" انور مضحکہ خیز انداز میں آہ بھر کر بولا۔ "تاکہ میں رات آرام سے جاگ سکوں۔ اچھا اب جاؤ۔ کل رات پھر ایک نظر دیکھ لوں گا۔"

رشیدہ اسے تیز نظروں سے گھورتی رہی پھر اٹھ کر تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔

انور نے اس انداز سے دروازہ بند کرلیا جیسے اس نے کوئی بہت نیک کام کیا ہو۔ پھر وہ آنکھیں بند کرکے مسہری پر لیٹ گیا مگر نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ ایک تو زخموں کی چھرچھراہٹ ہی بے خوابی کے لئے کافی تھی اس پر آج کی توہین۔ شاید انور نے پہلی بار زندگی میں یہ چیز محسوس کی تھی کہ اس سے بھی زیادہ طاقت ور لوگ اس زمین پر بستے ہیں۔ اس کے ذہن میں اس وقت تک صرف ایک ہی سوال تھا وہ یہ کہ اس پراسرار آدمی سے دوسری مڈبھیڑ کب اور کس طرح ہوگی۔ اس کی غیر معمولی طاقت سے خائف ہونے کی بجائے انور اس سے دوبارہ ٹکرانے کے امکانات پر غور کررہا تھا۔

اس نے اٹھ کر گھڑی پر نظر ڈالی۔ ایک بج رہا تھا۔ اس نے سگریٹ سلگائی اور کھڑکی کے قریب آگیا لیکن دوسرے لمحے سگریٹ زمین پر تھی اور وہ اسے پیر سے مسل رہا تھا۔ ساتھ ہی اس کی نظریں اندھیرے میں کسی متحرک چیز کا تعاقب کررہی تھیں۔ کوئی مہندی کی باڑھ کی اوٹ لیتا ہوا آہستہ آہستہ کوٹھی کی چہار دیواری کے عقبی دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا اور پھر سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ تھی کہ کمپاؤنڈ میں چکر لگاتے ہوئے شکاری کتوں کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ انور نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ یہ حویلی ہی کا کوئی فرد تھا۔ ورنہ کتے آسمان سر پر اٹھالیتے۔ عقبی دروازے کے قریب پہنچ کر وہ تھوڑی دیر کے لئے رکا۔ شاید ادھر اُدھر کی آہٹ لے رہا تھا۔ پھر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

انور کے کمرے کی کھڑکی زمین سے تقریباً چھ سات فٹ اونچی تھی۔ وہ آہستہ سے نیچے اتر گیا۔ اُسے خوف تھا کہ کہیں کوئی کتا بھونکنا نہ شروع کردے لیکن شاید قدرت مہربان تھی کسی نے اس طرف دھیان بھی نہ دیا۔ یا شاید یہ بات تھی کہ وہ اس کی بو میں اجنبیت نہیں محسوس کرسکتے تھے۔ وہ بہ احتیاط دروازے سے گذر گیا۔

تاروں کی چھاؤں میں دور ایک سایہ دکھائی دے رہا تھا۔ انور تیزی سے اس کا تعاقب کرنے لگا۔ تھوڑی دور چل کر وہ جنگل کی طرف گیا اور انور کو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کا دل اس کے چہرے کے زخموں میں دھڑک رہا ہو۔ سایہ تیزی سے آگے بڑھتا جارہا تھا۔ اس کے

چلنے کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ کسی جانی پہچانی منزل کی طرف جا رہا ہو۔ جنگل رہ کر ڈراؤنی آوازوں سے گونج اٹھتا تھا۔ کبھی کبھی تو کروندے کی جھاڑیوں میں کچھ اس قسم کی سرسراہٹ پیدا ہوتی جیسے کوئی وحشی درندہ جھپٹ کر حملہ کرنے جا رہا ہو۔ چند گھنٹے پیشتر انور ادھر ہی سے دوبارہ گذرا تھا۔ لیکن اب کی وہ یہ محسوس کرنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ وہ مشین نہیں بلکہ آدمی ہے۔ سائیں سائیں کرتی ہوئی رات کا خوفناک طلسم اس کے مشینی فلسفے پر مسلط ہوتا جا رہا تھا اور پھر اس بھیانک ماحول میں اسے ایک آواز سنائی دی۔ یہ ڈاکٹر کی پاگل بہن کے قہقہے کی آواز تھی جو کہیں دور تاریکیوں کا سینہ چیر کر پیپل کے پتوں کی کھڑکھڑاہٹ میں مدغم ہو رہی تھی۔ ساتھ ہی کسی درخت پر دو تین چمگادڑ بیک وقت چیخ کر خاموش ہو گئے۔ لیکن وہ سایہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے آگے بڑھتا جا رہا تھا اور اب تو اس کی چال میں کچھ دیوانگی سی پیدا ہو گئی تھی۔ جنگل اپنی بے شمار آوازوں میں چیخ رہا تھا اور سایہ آگے بڑھ رہا تھا۔ قہقہے قریب ہوتے جا رہے تھے۔ انور کی رفتار سست ہو چلی تھی کہ یک بیک اس کے اندر سویا ہوا وحشی بیدار ہو گیا۔ وہ وحشی جس کا جاگنا عموماً کسی خطرے کا پیش خیمہ ثابت ہوا کرتا ہے۔

آخر کار وہ سایہ رک گیا۔ انور آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ڈاکٹر کی بہن کی آواز قریب ہی کہیں سنائی دے رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی سے لڑ رہی ہو۔ پھر کچھ ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے کوئی کسی کو پیٹ رہا ہو۔ سائے کا رخ آوازوں ہی کی طرف تھا۔ انور سائے سے تین چار قدم پیچھے ہی رک گیا۔

یہ وہی جگہ تھی جہاں وہ شخص غائب ہوا تھا جس کے ہاتھوں انور نے چند گھنٹے پیشتر شکست کھائی تھی۔ سامنے تھوڑی ہی دور پر جھیل لہریں لے رہی تھی۔ جس کے کنارے دو دھندلے سے سائے نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے ایک تو ڈاکٹر کی بہن تھی اور دوسرا کوئی اور..... ڈاکٹر کی بہن اسے دونوں ہاتھوں سے پیٹ رہی تھی اور وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ چیختی بھی جا رہی تھی۔

''کمینے..... کتے..... میں تیری بوٹیاں اڑا دوں گی۔ تیرے گالوں کی بوٹیاں نوچ کر چبا دوں گی۔ تیرے ہونٹوں کے پرخچے اڑا دوں گی۔ سؤر کے بچے! تو نے میری چوڑیاں توڑی

ہیں۔ میری آنکھوں کے کاجل سے آسٹریلیا کا نقشہ بنایا ہے۔ یو ڈرٹی سوائین..... میری پلکوں تلے صنوبر کے سائے تھے۔ میرے گالوں میں چناروں کی آگ تھی۔ تو نے اس آگ میں اُلو اگا دیئے۔ بکری کے خصم تیرا ناناشو پنہائر تھا۔ ٹراٹسکی کے بچے! تیرے منہ پر تھوکتی ہوں۔ سنو سؤر کے بچے خزاں آ گئی۔ کلیاں مرجھا گئیں۔ باغ ویران ہو گیا۔ سنگترے اداس ہیں۔ سنگترے کی پھانکیں اداس ہیں۔ میں تیری ہڈیاں توڑ توڑ کر ان کا سارا گودا چوس لوں گی۔''

اس نے ایک وحشت ناک قہقہہ لگایا اور اسے شدت سے پیٹنے لگی۔

دفعتاً انور اپنے آگے کھڑے ہوئے سایہ کی طرف متوجہ ہوا جس کا داہنا ہاتھ آہستہ آہستہ اٹھ رہا تھا اور ستاروں کی چھاؤں میں کسی چمکدار چیز کی مدھم سی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔ انور نے جھپٹ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ مگر پستول چل چکا تھا۔ انور نے جھٹکا دیا اور سایہ ایک بے جان لاش کی طرح اس پر آ رہا۔ یک بیک اس کی نظریں جھیل کی طرف اٹھ گئیں۔ ڈاکٹر کی بہن شاید جھیل میں گر گئی تھی۔ اس کے ساتھی نے بھی دیکھتے ہی دیکھتے چھلانگ لگا دی۔ انور پستول چلانے والے کو ایک طرف سرکنڈوں کی جھاڑیوں میں گھسیٹ لے گیا۔ شاید وہ بیہوش ہو گیا تھا۔ انور کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ دفعتاً کسی کے دوڑنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے جھاڑیوں سے سر نکال کر دیکھا۔ کوئی کسی کو کاندھے پر لادے ہوئے دوڑتا ہوا اس کے قریب نکل گیا۔ دور تک قدموں کی آواز سنائی دیتی رہی پھر سناٹا چھا گیا۔

انور نے بیہوش کو بائیں ہاتھ پر سنبھال کر دیا سلائی روشن کی۔

''شاہدہ.....!'' اُس نے آہستہ سے کہا اور اس طرح مسکرانے لگا جیسے ابھی جو کچھ بھی ہو چکا ہے اُس پر وہ مطمئن ہے۔ اُس نے اس کی مٹھی میں جکڑا ہوا پستول نکال کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔

شاہدہ ابھی تک بیہوش تھی۔ وہ اسے کاندھے پر لاد کر جھیل کے کنارے لے آیا اور اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے دینے لگا۔ تھوڑی دیر کی جدوجہد کے بعد وہ ہوش میں آ گئی۔ انور اس پر جھکا ہوا تھا۔ وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ شاید وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ کر انور کو پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔

''ڈرو نہیں۔'' انور نے آہستہ سے کہا اور وہ اٹھ کر بھاگی لیکن انور نے اُسے پکڑ لیا۔

''یہ کیا حرکت تھی۔''

''میں کچھ نہیں جانتی۔''

''اگر میں نہ ہوتا تو تم نے انہیں قتل ہی کر دیا تھا۔''

شاہدہ کے منہ سے ایک دبی دبی سی سسکی نکلی اور اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا۔ قریب کی جھاڑیوں میں جھینگروں کی جھائیں جھائیں تیز ہوگئی۔

جھگڑا

انور تھوڑی دیر تک خاموش رہا۔ وہ اس انتظار میں تھا کہ شاہدہ خود بولے گی۔ لیکن اس کا خیال غلط نکلا۔ شاہدہ بغیر کچھ کہے سنے واپس جانے کے لئے اٹھنے لگی۔ انور بھی خاموشی سے اٹھ اور اس کے ساتھ ہولیا۔ اس نے پستول کے کارتوس نکال کر جھیل میں پھینک دیئے تھے۔

''یہ لو.....!'' وہ اسے پستول دیتا ہوا بولا۔ ''اول تو اس کا استعمال ہی میں پسند نہیں کرتا ویسے اگر ضرورت پڑ ہی جائے تو کافی سمجھ بوجھ کر کام لینا چاہئے۔''

شاہدہ نے پستول لے لیا لیکن وہ کچھ بولی نہیں۔

''اس لڑکی کے ساتھ کون تھا۔'' اس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

''میں نہیں جانتی۔''

''لیکن تم نے گولی کس پر چلائی تھی۔''

''میرا دماغ خراب ہوگیا تھا۔'' شاہدہ آہستہ سے بولی۔

''بے وجہ دماغ بھی نہیں خراب ہوتا۔''

شاہدہ خاموش ہوگئی۔ وہ اس طرح آہستہ آہستہ چل رہی تھی جیسے کسی طویل بیماری سے اٹھی ہو۔

''تمہیں اس سے کیوں دشمنی ہے۔'' انور نے پھر پوچھا۔

''میں نہیں جانتی۔''

''تو پھر تم جانتی کیا ہو۔'' انور جھنجھلا کر بولا۔ ''میں ڈاکٹر سے تمہارے خلاف پولیس میں رپورٹ درج کرادوں گا۔''

''میں تمہارے دوست کی بیوی ہوں۔'' شاہدہ آہستہ سے بولی۔

''میں مجرموں کو اپنا دوست نہیں سمجھتا۔''

''کیا مطلب.....!'' شاہدہ چلتے چلتے رک کر خوفزدہ آواز میں بولی۔

''میں نہیں جانتا۔''

شاہدہ پھر چلنے لگی۔ اس کے پیر لڑکھڑا رہے تھے۔

''مجھے سہارا دو، ورنہ میں گر پڑوں گی۔'' وہ آہستہ سے بولی۔ انور نے اُسے بازو پر سنبھال لیا۔

شاہدہ کے منہ سے سسکیاں نکل رہی تھیں۔ وہ رو رہی تھی۔

''تم رو بھی سکتی ہو۔'' انور طنز آمیز لہجے میں بولا۔

شاہدہ نے کوئی جواب نہ دیا وہ برابر روئے جا رہی تھی۔

''اگر واپسی میں تمہیں کسی نے دیکھ لیا تو تم کیا جواب دو گی؟'' انور نے پوچھا۔

شاہدہ کی سسکیاں اور تیز ہوگئیں۔

''میں تم سے اب کچھ نہ پوچھوں گا! میں سب کچھ جانتا ہوں۔'' انور نے کہا۔

''خدا کے لئے تم ہری پور سے چلے جاؤ۔'' شاہدہ ہچکیاں لیتی ہوئی بولی۔

''مجھے خاندان کی عزت اپنے غصے سے زیادہ عزیز ہے۔''

''میں کسی کام میں ہاتھ ڈالنے کے بعد اسے ادھورا نہیں چھوڑا کرتا۔''

''میں تم سے التجا کرتی ہوں۔''

''مجھے افسوس ہے۔''

شاہدہ پھر کچھ سوچنے لگی

''اس واقعے کا تذکرہ کسی سے نہ کرنا۔'' وہ تھوڑی دیر بعد بولی۔

''میں وعدہ نہیں کر سکتا۔''

''تب پھر مجھے واپس نہ جانا چاہئے۔'' وہ ایک طرف ہٹتی ہوئی بولی۔

''یعنی.....!'' انور مضحکہ خیز انداز میں بولا۔

''میرے لئے خودکشی ہی بہتر ہوگی۔'' وہ جھیل کی طرف مڑتی ہوئی بولی۔

''تو ادھر کہاں جارہی ہو۔'' انور مسکرا کر بولا۔ ''جھیل شاید زیادہ گہری نہیں ہے۔''

شاہدہ رک گئی۔

''تمہارے پاس پستول بھی تو ہے۔'' انور نے سنجیدگی سے کہا۔ ''لو میں یہاں سے ہٹا ہوں شاید میری موجودگی میں تمہیں خودکشی کرتے وقت کچھ حجاب محسوس ہو۔''

''تم درندے ہو۔'' شاہدہ آہستہ سے بولی۔ ''محمود ٹھیک کہتے تھے۔''

''بھلا اس میں درندگی کی کیا بات ہے۔ میں تو تمہیں ایک معقول مشورہ دے رہا تھا۔''

شاہدہ سر پکڑ کر زمین پر بیٹھ گئی۔

''یہ اداکاری دکھانے کا وقت نہیں۔'' انور نے سنجیدگی سے کہا۔ ''ڈھائی بج رہے ہیں کسی نے واپسی پر ہمیں دیکھ لیا تو محمود تمہیں کل ہی طلاق دے دے گا۔''

شاہدہ اس طرح اچھل کر کھڑی ہوگئی جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

''خدا کے لئے تم یہاں سے چلے جاؤ۔''

''بس فضول باتیں بند کرو..... گھر کا راستہ ادھر ہے۔'' انور ہاتھ پکڑ کر اسے گھسیٹتا ہوا بولا۔

دونوں پھر چلنے لگے۔

''میں تمہارے ہاتھ جوڑتی ہوں کسی سے کہنا نہیں۔''

''تمہاری پچھلی بداخلاقیاں مجھے انتقام پر مجبور کررہی ہیں۔''

''تم نہیں جانتے میری ساری زندگی زہر بن گئی ہے۔ میں اپنے لئے بھی عذاب ہوں دوسروں کے لئے بھی۔''

''میں جانتا ہوں..... اور اسی دن سے جانتا ہوں جس دن تم پہلی بار رقص گاہ میں ملی تھیں۔''

''بعض اوقات میں پاگل ہوجاتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔ لیکن یہ بتاؤ کہ تم نے ان دونوں میں سے کس پر گولی چلائی تھی۔''

شاہدہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

''میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔''

''میں کچھ نہیں بتا سکتی۔'' وہ تیز لہجے میں بولی۔

''تم جانو.....!'' انور نے لاپروائی سے کہا۔

شاہدہ چلتے چلتے رک گئی۔

''میں تم سے خائف نہیں ہوں۔'' وہ گرج کر بولی۔ ''میں کسی سے نہیں ڈرتی۔ جاؤ تمام ڈھنڈورا پیٹ دو..... مجھے پرواہ نہیں ہے..... اور تم..... تم کتے ہو۔''

انور حیرت سے اُسے دیکھنے لگا اور وہ تیزی سے گھر کی طرف روانہ ہوگئی۔ حویلی نزدیک ہی تھی۔ انور مصلحتاً وہیں رکا رہا۔ اس نے ایک سگریٹ نکالی اور سلگا کر پینے لگا۔ اس کا دماغ بہت تیزی سے سوچ رہا تھا۔ بے شمار واقعات اور کام کے نکتے سامنے بکھرے ہوئے تھے بس انہیں ترتیب دینا باقی رہ گیا تھا۔

شروع سے آخر تک کڑیاں ملتی گئیں۔ مگر وہ آتشی پرندہ..... اور پھر وہ بھیانک آدمی؟ انور چونک پڑا۔ وہ سوچنے لگا ابھی کسی نتیجے پر پہنچنے میں جلدی نہ کرنی چاہئے۔ ظاہری اسباب کی ترتیب میں ذہن دھوکا بھی کھا سکتا ہے۔ سگریٹ ختم کرنے کے بعد وہ حویلی کی طرف چل پڑا۔ باغ کا عقبی دروازہ دوسری طرف سے بند نہیں تھا وہ بہ آہستگی اپنے کمرے کی کھڑکی کے پیچھے پہنچ گیا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں وہ اوپر تھا۔ چراغ بجھا کر وہ بستر میں گھس گیا۔ نہ جانے کیوں دو کتے اس کی کھڑکی کے نیچے آکر بھونکنے لگے تھے۔

دوسرے دن صبح ناشتے کی میز پر انور نے محسوس کیا کہ شاہدہ کی حالت میں کسی قسم کا فرق نہیں پیدا ہوا۔ اس کی تیوریاں بدستور چڑھی ہوئی تھیں۔ اس نے انور کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا چائے کے دوران میں وہ اپنی عادت کے مطابق جلی کٹی باتیں کرتی رہی۔ اس کے اس رویے سے انور کو ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے پچھلی رات کے واقعات میں کوئی سچائی نہ رہی ہو۔ وہ محض خواب رہے ہوں۔ انور کو اس کی اداکاری پر حیرت ہورہی تھی۔ وہ اسے ایک تعلیم یافتہ مگر قطعی گھریلو عورت سمجھتا تھا۔

اس کا دماغ بُری طرح الجھ کر رہ گیا تھا۔ اس نے پچھلی رات کو محض ایک شبہے کی بنا
شاہدہ سے کہہ دیا تھا کہ وہ سب کچھ جانتا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ ڈاکٹر کی بہن کے ساتھی
متعلق کچھ بھی نہیں جان سکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ شاہدہ جو اس کی حقیقت سے واقف تھی
اگل دے گی مگر ایسا نہ ہوسکا۔ وہ توقعات سے بڑھ کر سخت ثابت ہوئی۔ بہرحال انور کے ذہ
میں جو شبہ رینگ رہا تھا اس نے حقیقت کی سرحدوں کو چھونے کے لئے ایک نئی شکل اختیار
جیسے ہی محمود ناشتے کی میز سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف جانے لگا انور نے اُسے دیکھ کر معنی
انداز میں سر ہلا دیا اور مسکرا کر آنکھ ماردی۔

''شرارت نہیں پیارے..... شرافت.....!''

''یعنی.....!''

''اپنے کمرے میں چلو.....!'' انور اٹھتا ہوا بولا۔ وہ کنکھیوں سے شاہدہ کی طرف دیکھ
تھا۔ اس کے اطمینان میں قطعی کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ پھر انور یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ یقیناً
کے دماغ میں بھی فتور ہے۔

پندرہ بیس منٹ کے بعد جب رانی صاحبہ اپنے مرغی خانے کی دیکھ بھال کے سلسلے
نوکروں کو ہدایات دینے جارہی تھیں انہوں نے محمود کے کمرے میں تیز تیز آوازیں سنیں اور ا
کمرے سے نکلتے دیکھا۔ جس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ رانی صاحبہ کیساتھ رشیدہ بھی تھ

''رشو.....!'' انور تیز لہجے میں بولا۔ ''اپنا سامان درست کرو۔''

''ہائیں کیا بات ہے۔'' رانی صاحبہ نے اُسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔

''کوئی بات نہیں۔ میں اب جانا چاہتا ہوں۔'' انور بے رخی سے بولا۔

''آخر کیوں؟''

''مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو وجہ نہ بتا سکوں گا۔''

''تو کیا کسی بات پر ناراض ہوکر جارہے ہو۔''

''میں اس پر بھی اظہار خیال کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔''

اتنے میں محمود بھی آ گیا۔ اس کی آنکھیں بھی غصے سے سرخ ہو رہی تھیں۔

''آخر بات کیا ہے۔'' رانی صاحبہ نے اس سے پوچھا۔

''کچھ نہیں.....!''

''تم لوگ مجھے سچ مچ پاگل بنادو گے۔''

''رشو.....!'' انور نے رشیدہ کی طرف گھور کر دیکھا۔

رشیدہ وہاں سے چلی گئی۔

شور سن کر شاہدہ بھی آ گئی تھی۔ لیکن اب بھی اس کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

''محمود تم بتاتے کیوں نہیں۔'' رانی صاحبہ پھر بولیں۔

''کیا بات ہے۔'' شاہدہ نے آہستہ سے پوچھا۔

''کچھ نہیں.....!'' محمود تند لہجے میں بولا۔

رانی صاحبہ سر پکڑ کر ایک صوفے پر بیٹھ گئیں۔

رشیدہ دونوں سوٹ کیس لے کر آ گئی تھی۔

''ارے.....ارے..... تو کیا واقعی۔'' رانی صاحبہ اٹھتی ہوئی بولیں۔

''ہاں رانی صاحبہ میں اپنی طبیعت سے مجبور ہوں۔'' انور سوٹ کیس لے کر برآمدے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ رشیدہ اس کے پیچھے تھی۔ اچانک انور مڑا اور محمود کو مخاطب کر کے بولا۔

''لیکن تم یہ نہ سمجھنا کہ میں ہری پور سے جارہا ہوں۔''

''ہری پور تمہیں آج ہی چھوڑنا ہوگا۔'' محمود گرج کر بولا۔

''محمود.....!'' رانی صاحبہ چیخیں۔ ''بے شرم! بدتمیز..... چپ رہو۔''

''چچی اماں.....!''

''تم بدتمیز ہو..... اس گھر میں کبھی کسی مہمان کی بے عزتی نہیں ہوئی۔''

رانی صاحبہ محمود پر گرجتی ہی رہیں اور یہ دونوں وہاں سے چل پڑے۔

''لیکن ہم جائیں گے کہاں۔'' رشیدہ نے کمپاؤنڈ کے باہر آ کر پوچھا۔

''عمران کے گھر.....!''

''آخر بات کیا تھی۔''

''پھر بتاؤں گا۔''

وہ دونوں تیزی سے قصبے کی طرف جا رہے تھے۔

نیا میزبان

عمران نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ وہ انور اور رشیدہ سے اس طرح گھل مل کر باتیں کر رہا تھا جیسے برسوں سے انہیں جانتا ہو۔ اس کی توجہ کا مرکز زیادہ تر رشیدہ تھی۔

''انور صاحب میں نے آپ کو پہلے ہی حویلی والوں کے چھچھورے پن سے مطلع کر دیا تھا۔'' عمران نے کہا۔ ''میں یہ مان نہیں سکتا کہ آپ کسی ناخوشگوار واقعے کے شکار نہیں ہوئے۔ میں ان لوگوں کی رگ رگ سے واقف ہوں۔''

''میں یہ کب کہتا ہوں کہ میں یونہی تفریحاً آپ کا مہمان بنا ہوں۔'' انور ہنس کر بولا۔

''مہمان! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں آپ لوگوں کو اپنا ہی سمجھتا ہوں..... خصوصاً رشیدہ صاحبہ کی موجودگی تو میرے لئے باعث فخر ہے۔ انور صاحب میں بہادروں کی قدر کرتا ہوں... اور پھر رشیدہ صاحبہ نے تو داراب جیسے خوفناک ڈاکو کو ختم کر کے دنیا کو دکھا دیا کہ مشرقی عورتیں کسی سے کم نہیں۔''

''آپ کو ہم لوگوں کے متعلق کس نے بتایا۔'' انور نے پوچھا۔

''حویلی ہی میں معلوم ہوا تھا۔'' عمران ہنس کر بولا۔ ''اور اس کے بعد ہی میں آپ لوگوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے کے لئے بے چین ہو گیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ محمود مجھے کبھی آپ لوگوں سے نہ ملنے دے گا۔ اسی لئے میں نے وہ کل والا بے تکا طریقہ اختیار کیا تھا۔ آپ لوگوں نے میری حماقت پر ہنسی تو بہت آئی ہوگی اور سچ پوچھئے تو وہ تھا بھی بچکانہ طریقہ۔ میں نے آپ کے شکار کا سارا مزہ کرکرا کر دیا تھا۔''

رشیدہ ہنسنے لگی۔

''ایک بات اور.....'' انور سنجیدگی سے بولا۔ ''محمود نے مجھے دھمکی دی ہے۔''

''دھمکی! کیسی دھمکی؟''

''یہی کہ اگر میں آج ہی ہری پور سے نہ چلا گیا تو.....!''

''لاشیں گر جائیں گی انور صاحب۔'' عمران اپنے سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔ ''میرے مہمان کو ٹیڑھی نظر سے دیکھنے والا زمین پر پیر نہ ٹیک سکے گا۔ یہ حویلی نہیں عمران کا گھر ہے۔''

''ایسا نہ کہو..... وہ یہاں کا سب سے بڑا جاگیردار ہے۔''

''تو انور صاحب آپ کا یہ خادم بھی کسی سے گیا گذرا نہیں۔'' عمران اکڑ کر بولا۔ ''بخدا میں اس وقت نشے میں نہیں ہوں جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں پوری ذمہ داری کے ساتھ۔ میں سچ کہتا ہوں کہ میں تو صرف موقعے کی تلاش میں تھا۔ ذرا محمود بول کر تو دیکھے۔''

انور خاموش ہو گیا اور عمران اپنے چوڑے چکلے بازوؤں کی طرف دیکھتا رہا۔

''لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔'' عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''محمود آپ لوگوں کو خاص طور سے یہاں لایا تھا۔''

''یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا۔''

''یہ بات سارے قصبے میں مشہور ہے۔''

''لیکن لوگوں کو یہ بات معلوم کیسے ہوئی۔''

''حویلی ہی والوں کے ذریعے سے۔''

''اوہ.....!'' انور کچھ سوچنے لگا۔

''میرا خیال ہے کہ آپ نے شاید انہیں منع کر دیا تھا کہ آپ کے آنے کا مقصد کسی سے نہ بتائیں۔'' عمران مسکرا کر بولا۔

''آپ کا خیال صحیح ہے۔'' انور اسے گھورتا ہوا بولا۔

''اور ان لوگوں نے اس کے خلاف کیا..... آخر کیوں؟''

''یہی میں بھی سوچ رہا ہوں۔'' انور نے کہا۔

''آپ سوچتے ہی رہ جائیں گے۔'' عمران ہنس کر بولا۔ ''آپ محمود کو نہیں جانتے۔ وہ

انتہائی مکار اور کینہ توز آدمی ہے۔ ایک طرف تو وہ آپ کو اس پرندے کی حقیقت معلوم کرنے لئے لایا اور پھر آپ کی تاکید کے باوجود بھی اس نے اس کا تذکرہ دوسرے لوگوں سے کردیا سے آپ کیا سمجھتے ہیں۔''

''عمران صاحب..... آپ بہت ذہین آدمی ہیں۔'' انور اسے مصنوعی حیرت سے دیکھ بولا۔ ''یہی سوال میرے ذہن میں بھی تھا۔''

''اور مجھے یقین ہے کہ یہی سوال آپ کو اس پرندے کی حقیقت تک لے جائے گا۔'' انور کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ آہستہ سے بولا۔

''آپ ٹھیک کہتے ہیں۔''

''محمود سے کوئی قصبے میں خوش نہیں ہے۔'' عمران نے کہا۔

''آخر کیوں؟''

''محض اس کی کینہ پروری کی بناء پر۔''

''ایک بات تو میں بھی کہوں گا۔'' انور سنجیدگی سے بولا۔ ''شاہدہ جیسی نیک لڑکی ہر گز کے قابل نہ تھی۔''

''ٹھیک ہے۔'' عمران زہر خند کے ساتھ بولا۔ ''دولت زندگی کی دوسری قدروں سے اہم ہے۔''

تو کیا اس کی شادی محمود کے ساتھ زبردستی کی گئی ہے۔'' انور نے انجان بنتے ہوئے پوچھا

''یہ ایک لمبی داستان ہے انور صاحب۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ شاہدہ رضامند نہیں تھی اس سمجھوتے کی وجہ دولت ہی تھی۔ محمود کے چچا لاولد تھے یعنی رانی صاحبہ کے کوئی اولاد نہ اس لئے انہوں نے محمود کو گود لے لیا تھا اور راجہ صاحب شاہدہ کو بھی بے حد چاہتے تھے۔ ان خواہش تھی کہ محمود اور شاہدہ کی شادی ہو جائے۔ لہٰذا انہوں نے وصیت کی کہ محمود اسی حالت ان کی پوری جائیداد کا وارث ہو سکتا ہے جب وہ شاہدہ سے شادی کرلے، ورنہ نہیں۔ ایسی صو میں آپ خود سوچ سکتے ہیں۔''

''تو کیا شاہدہ رضامند نہیں تھی۔''

''میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا۔''

''کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔'' انور اسے آنکھ مار کر مسکراتا ہوا بولا۔

عمران ہنسنے لگا۔ مگر اس کا قہقہہ بالکل کھوکھلا اور بے جان تھا۔

''یہ تو آپ بھی جانتے ہیں۔'' عمران نے کہا اور یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''میں کینہ توز نہیں ہوں انور صاحب..... محمود اچھی طرح جانتا ہے کہ جب بھی مجھے موقع مل گیا اسے نقصان پہنچانے سے باز نہ آؤں گا۔ اگر اس کے حصے میں آئی ہوئی دولت شاہدہ کو خرید سکتی ہے تو میرا انتقامی جذبہ بھی کچھ کر سکتا ہے۔ میں افلاطونی عشق کا قائل نہیں ہوں اور نہ ہی نیک آدمی ہوں۔ میں نے شراب کا پہلا پیگ اس وقت پیا تھا جب میں دس برس کا تھا۔''

''شاہدہ بھی تمہیں چاہتی تھی۔'' انور نے پوچھا۔

''میں نے یہ جاننے کی کبھی کوشش نہیں کی۔''

''تو پھر کوئی بات ہی نہ ہوئی۔'' انور بولا۔

''یہ ضروری نہیں کہ وہ بھی مجھے چاہتی ہو۔'' عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''اب بھی جب کوٹھی کے افراد مجھ سے نفرت کرتے ہیں شاہدہ اس معاملے میں ان سے بالکل الگ تھلگ نظر آتی ہے۔ وہ خود کبھی بداخلاقی سے پیش نہیں آئی۔ شادی سے قبل بھی اس کا یہی رویہ تھا حالانکہ میرے اعزہ مجھ سے ہمیشہ نفرت کرتے رہے ہیں۔''

''ممکن ہے کہ وہ ازراہِ شرافت ایسا کرتی رہی ہو۔'' انور نے کہا۔

''تو میں کب اُسے کمینہ پن سمجھتا ہوں۔'' عمران ہنس کر بولا۔ ''مجھے اس سے محبت تھی اور ہے۔ اب یا تو محمود کو مرنا پڑے گا یا شاہدہ کو طلاق دینی پڑے گی..... آپ ہنس رہے ہیں۔ بخدا میں نشے میں نہیں ہوں۔ آپ کو یہ باتیں عجیب لگتی ہوں گی مگر میں بالکل سنجیدہ ہوں۔ میں اپنی کمزوریوں کو فلسفے یا منطق کی چادر میں چھپانے کا قائل نہیں۔ میں شاہدہ کی گلو خلاصی چاہتا ہوں چاہے وہ جس صورت میں ہو۔''

''خیر چھوڑو.....!'' انور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔ ''یہ بتاؤ کہ شاہدہ شادی سے قبل بھی چڑچڑی تھی۔''

''ہرگز نہیں.....!'' عمران بولا۔

''پھر آخر اس کے چڑچڑے پن کی کیا وجہ ہوسکتی ہے۔''

''محمود کی عیاشی اور اوباشی۔''

''اگر یہ بات ہے تو تمہیں بتاؤ کہ وہ تم جیسے بدنام آدمی سے کیسے شادی کرلیتی۔''

''خدا کی قسم اگر وہ مجھ سے کہتی تو میں شراب قطعی ترک کردیتا۔ حالانکہ شراب میری زندگی کا جزو لازم بن کر رہ گئی ہے۔ میں مرجاتا مگر شراب نہ پیتا۔ انور صاحب وہ جس طرح کہتی اسی طرح زندگی بسر کرتا۔ انور صاحب میں مرجاتا..... مگر.....!''

''ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے۔ مگر میں نے سنا ہے کہ محمود قصبے میں بہت نیک نام ہے۔''

''میں پھر کہتا ہوں انور صاحب کہ وہ بڑا مکار ہے۔ اس کے سیاہ کارناموں سے تو واقف ہوں۔''

''مثلاً.....!'' انور نے کہا اور اپنی ساری توجہ اس کی طرف منعطف کردی۔

عمران نے محمود کی عیاشی کی ایک داستان چھیڑ دی لیکن انور کو اس میں کوئی ایسی چیز نہ ملی جو اس کے کام کی ہوتی۔

رشیدہ اس گفتگو میں قطعی کوئی دلچسپی نہیں لے رہی تھی۔ وہ محمود اور انور کی اچانک لڑائی کی وجہ جاننا چاہتی تھی آخر یہ یک بیک کیا ہوگیا۔ رانی صاحبہ پر اس کا کیا ردعمل ہوا ہوگا۔ اُس دوران میں اس سے بے پناہ محبت ہوگئی تھی۔ اُن کے لہجے میں اتنی گھلاوٹ اور مامتا تھی کہ اوقات اس کا بے اختیار یہ دل چاہتا تھا کہ ''ماں'' کہہ کر اس سے لپٹ جائے۔

کبھی وہ یہ سوچتی کہ شاید انور نے یہ سب کچھ سوچی سمجھی اسکیم کے تحت کیا ہے۔ محمود اس کی لڑائی مصنوعی تھی مگر خیال آتا کہ اتنی بے ساختہ قسم کی جنگ مصنوعی نہیں ہوسکتی۔ اسے محمود سرخ سرخ اور اپنے حلقوں سے ابلتی ہوئی آنکھیں اچھی طرح یاد تھیں۔ غصہ مصنوعی ہوسکتا ہے لیکن اس کا خارجی ردعمل ہرگز مصنوعی نہیں ہوسکتا۔ مصنوعی غصے میں آدمی چیخ تو سکتا ہے لیکن اس کی آنکھیں نہیں سرخ ہوسکتیں۔

تھوڑی دیر دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ اس کے بعد انور نے پھر مطلب

باتیں شروع کردیں۔

''تم نے میرا میزبان بننا تو منظور کرلیا ہے لیکن اگر اس سے تمہیں کوئی نقصان پہنچا تو میں ذمہ دار نہ ہوں گا۔''

''کس قسم کا نقصان.....؟'' عمران چونک کر بولا۔ ''کیا واقعی آپ مجھے محمود سے کمزور سمجھتے ہیں۔''

''محمود کی بات نہیں..... میرا اشارہ اس آتشی پرندے کی طرف تھا۔''

عمران خاموش ہوگیا اس کے انداز سے ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے وہ کچھ کہتے ہوئے ہچکچا رہا ہے۔ انور اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ رشیدہ بھی اس کی اس اچانک تبدیلی پر حیران ہوئی۔ حیرت کی بات بھی تھی کیونکہ عمران ابھی کچھ ہی دیر قبل بہت بڑھ بڑھ کر باتیں کررہا تھا۔

''غالباً تمہاری میزبانی کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔'' انور مسکرا کر بولا۔

''یہ بات نہیں انور صاحب۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر سچ مچ مجھے بھی اسی حادثے سے دوچار ہونا پڑا تو آگ پر قابو پانے کے لئے کون سی تدبیر اختیار کی جائے گی۔''

انور ہنسنے لگا۔

''خیر جی دیکھا جائے گا۔'' عمران اٹھتا ہوا بولا۔ ''قبل از مرگ واویلا سے کیا فائدہ۔ ہاں یہ تو آپ نے بتایا ہی نہیں کہ کروندے کے جنگل کے متعلق کیا رہا۔ میں نے سارے انتظامات مکمل کرلئے ہیں۔''

''بیکار ہے۔'' انور نے لاپروائی سے کہا۔ ''خواہ مخواہ دردسری مول لینے سے کیا فائدہ۔''

''میں کل ہی سمجھ گیا تھا کہ آپ اس مقصد سے ادھر نہیں جانا چاہتے جو آپ نے ظاہر کیا تھا۔''

''تم غلط سمجھے۔'' انور نے کہا۔ ''میں اسے جنگلیوں کا جادو نہیں سمجھتا۔''

''پھر.....!''

''کسی انتہائی احمق آدمی کا کارنامہ..... جو محض مکانوں میں آگ لگانے کے لئے اتنی دردسری مول لیتا ہے۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''عنقریب سب کچھ سمجھ میں آجائے گا۔'' انور مسکرا کر بولا۔

عمران کچھ سوچنے لگا۔ اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر ان کی طر
مخاطب ہوا۔

''اچھا اب آپ لوگ آرام کیجئے۔ میں کچھ دیر کے لئے اجازت چاہوں گا۔''

''کسی قسم کے تکلف کی ضرورت نہیں۔'' انور نے مسکرا کر کہا۔ ''ہاں میرا دل چاہتا ہے
جھیل میں مچھلیوں کا شکار کھیلوں۔''

''ضرور.....ضرور.....میں کانٹے وغیرہ مہیا کر دوں گا۔''

''کانٹے نہیں جال.....!'' انور نے کہا۔

''جال کے شکار میں کیا لطف آئے گا۔ خیر جال بھی مل جائے گا۔''

عمران چلا گیا اور انور اٹھ کر کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ اس مکان میں عمران دو ملازمین
ساتھ تنہا رہتا تھا۔ اس کے خاندان کے بقیہ افراد دوسرے مکان میں رہتے تھے۔ شاید خود ا
لوگوں نے عمران کو الگ کر دیا تھا یہاں وہ سارے لوازمات مہیا تھے جو ایک عیاش رئیس کے
ضروری ہو سکتے تھے۔

رشیدہ ان سب چیزوں میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہی تھی۔ اس کے ذہن میں تو صرف ا
سوال گونج رہا تھا کہ واقعات کا یہ نیا موڑ کیا معنی رکھتا ہے۔

''انور.....!'' اُس نے آہستہ سے کہا۔ ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کیا کرنے والے ہو۔''

''میں محبت کرنے والا ہوں۔''

''دیکھو مجھے خواہ مخواہ الجھن میں مت مبتلا کرو۔''

''میں نے ابھی تک کوئی ایسی حرکت نہیں کی۔''

''تم محمود سے کیوں لڑ گئے۔''

''میں نہیں لڑا بلکہ وہ خود لڑ گیا۔''

''آخر کیوں؟''

''انور نے اُسے رات کے سارے واقعات بتا دیئے اور رشیدہ اسے تحیر آمیز نظروں
دیکھنے لگی۔''

''تو کیا تم نے اُسے شاہدہ کے متعلق بتا دیا تھا۔'' اُس نے پوچھا۔

''قطعی نہیں۔'' انور نے کہا۔ ''میں نے صرف اس سے اتنا کہا تھا کہ رات ڈاکٹر کی بہن
جھیل کے کنارے کسی کی مرمت کر رہی تھی۔ اس پر وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر یکایک خود
بخود پاگل کتے کی طرح بھونکنے لگا۔ پچھلی باتیں نکال بیٹھا۔ کہنے لگا اگر تم یہاں رہے تو حویلی
راکھ کا ڈھیر ہو جائے گی۔ گاؤں والے الگ بدظن ہو گئے ہیں اس طرح بات بڑھ گئی۔''

رشیدہ کچھ سوچنے لگی۔

''لیکن وہ کون تھا جسے تم نے ڈاکٹر کی بہن کے ساتھ دیکھا تھا۔'' وہ تھوڑی دیر بعد بولی۔

''محمود.....!'' انور نے کہا اور سگریٹ نکالنے کے لئے جیب ٹٹولنے لگا۔

''محمود.....!'' رشیدہ نے تحیر آمیز انداز میں دہرایا۔

''ہاں محمود! یہاں کوئی خطرناک ڈرامہ کھیلا جا رہا ہے۔'' انور نے سگریٹ سلگاتے ہوئے
کہا۔ ''محمود کو شبہ ہو گیا ہے کہ شاید میں نے ہی ان دونوں پر گولی چلائی تھی۔''

''اگر اس نے یہ سمجھا ہے تو بالکل احمق ہے۔ بھلا تم اس پر گولی کیوں چلانے لگے؟''

''اتنی ہی عقل ہوتی تو جاگیردار کیوں ہوتا۔''

''تم نے اسے بتا کیوں نہیں دیا کہ گولی شاہدہ نے چلائی تھی۔''

''نہیں میں نے اسے مناسب نہیں سمجھا۔''

''اور کیا وہ جانتا ہے کہ تم نے اسے پہچان لیا تھا۔''

''ظاہر ہے، جبھی تو وہ اس پر مصر ہے کہ میں ہری پور سے چلا جاؤں۔''

''لیکن تم نے اس سے یہ نہیں کہا کہ تم اسے پہچان گئے تھے۔''

''نہیں.....!''

رشیدہ پھر کسی سوچ میں ڈوب گئی۔

''شام کو ہم لوگ جھیل میں مچھلیوں کا شکار کھیلیں گے۔'' انور تھوڑی دیر بعد بولا۔

''بس تمہیں ہی مبارک رہے۔'' رشیدہ بے دلی سے بولی۔

''خیر! یہ اور اچھا ہے کہ تم میری دم میں نہ بندھو گی۔''

''تم یہ کہہ کر بھی مجھے مکھیوں کے شکار پر آمادہ نہیں کر سکتے۔''

شکار اور شکاری

''تم ڈاکٹر سے ملی ہو۔'' انور نے رشیدہ سے پوچھا۔

''نہیں.....!''

''چلو تمہیں اس سے ملاؤں۔ بہت معقول آدمی ہے۔''

''بھئی میں نہ جانے کیوں کل رات سے تھکن محسوس کر رہی ہوں۔ سر میں بھی درد ہے۔''

''تو پھر تمہیں تو ڈاکٹر سے ضرور ملنا چاہئے۔''

''ہاں.....اچھا.....خیر چلو۔'' رشیدہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔

دس بج گئے تھے۔ انور عمران کے نوکر کو اطلاع دے کر ڈاکٹر کے گھر کی طرف چل پڑا۔ رشیدہ بھی اس کے ساتھ تھی۔ یہ لوگ اس وقت پہنچے جب ڈاکٹر مطب سے اٹھ کر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ انور اور رشیدہ کو دیکھ کر وہ بزرگانہ انداز میں مسکرایا۔

''آیئے آیئے!'' وہ انور سے مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ ''اس رات کے بعد سے تو پھر آپ سے ملاقات ہی نہ ہوئی۔ میں دراصل اس وقت حویلی ہی کی طرف جا رہا تھا۔ محض آپ سے ملنے کے لئے۔''

پھر وہ رشیدہ کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''آپ کی تعریف۔''

''یہ میری دوست مس رشیدہ ہے۔''

''بڑی خوشی ہوئی۔'' ڈاکٹر نے رشیدہ سے مصافحہ کرتے ہوئے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''انکی طبیعت کچھ بھاری تھی۔'' انور نے کہا۔ ''لہٰذا میں نے سوچا کہ آپ ہی پاس چلوں۔''

ڈاکٹر تھوڑی دیر تک رشیدہ کی طبیعت کا حال پوچھتا رہا پھر کمپاؤنڈر کو آواز دے کر اُسے ہدایتیں دیں۔

''بس ایک ڈوز پی لیجئے بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔''

رشیدہ اٹھ کر دواخانے کی طرف چلی گئی۔

''ہاں تو انور صاحب.....!'' ڈاکٹر میز پر دونوں ہاتھ ٹیک کر انور کی طرف جھکتا ہوا بولا۔ ''پرسوں رات کو میں آپ کی شخصیت سے واقف نہیں تھا۔''

انور صرف مسکرا کر رہ گیا۔

''اس کی اطلاع تو آپ کو ملی ہوگی کہ کل رات کو میرے گھر میں بھی آگ لگ گئی تھی۔''

ڈاکٹر بولا۔ ''قبل اس کے کہ میں اس پرندے پر گولی چلاتا وہ چھت پر بیٹھ چکا تھا۔ لیکن انور صاحب کل مجھے اس بات کا اچھی طرح اندازہ ہو گیا کہ اس حرکت میں کسی آدمی کا ہاتھ ہے۔''

''وہ کیسے.....؟'' انور حیرت کا اظہار کرتا ہوا بولا۔

''کسی نے پٹرول چھڑک کر مکان کے عقبی حصے میں آگ لگائی تھی اور میں نے ایک آدمی کو بھاگتے بھی دیکھا تھا۔ قبل اس کے کہ میں اس کا تعاقب کرتا وہ کہیں غائب ہو گیا۔''

''آپ کے علاوہ اور کسی نے اس قسم کی اطلاع نہیں دی۔''

''مجھ میں اور دوسروں میں ایک بہت بڑا فرق ہے۔'' ڈاکٹر مسکرا کر بولا۔ ''دوسرے لوگ اس پرندے سے خائف تھے لیکن میں نہیں تھا۔ دوسروں کے اوسان ہی بجا نہیں رہتے کہ وہ ان چیزوں کی طرف غور کر سکیں۔''

''جس وقت آگ لگی تھی آپ کے ہاتھ میں رائفل تو رہی ہوگی۔'' انور نے کہا۔

''ہاں تھی تو.....میں اس پرندے کی تاک میں تھا۔''

''تو پھر آپ نے اس بھاگنے والے پر فائر کیوں نہیں کیا۔''

''یقیناً مجھ سے غلطی ہوئی۔'' ڈاکٹر سوچتا ہوا بولا۔ ''مگر غلطی کیوں۔ بات دراصل یہ ہے انور صاحب کہ میری سب سے بڑی کمزوری ہے کہ میں کسی آدمی پر اس قسم کا حملہ نہیں کر سکتا جس سے اس کی جان جانے کا احتمال ہو۔''

انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ دیوار پر لگے ہوئے ایک چارٹ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''اس کا تذکرہ آپ نے کسی اور سے بھی کیا ہے؟'' انور نے پوچھا۔

''میں دراصل اسی کے متعلق آپ سے مشورہ کرنا چاہتا تھا۔'' ڈاکٹر کچھ سوچتا ہوا بولا۔

''ابھی تک میں نے کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔''

''کیا کسی خاص خیال کے تحت آپ نے ایسا کیا ہے۔''

ڈاکٹر چونک کر انور کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ''کیوں؟ کیا آپ پر یہ خیال واضح نہیں ہوا۔ کیا اس واقعے کو شہرت دینے سے مجرم ہوشیار نہ ہو جائے گا۔''

''ٹھیک ہے.....لیکن وہ پرندہ۔''

''میں ابھی تک اس کے متعلق کوئی رائے قائم نہیں کر سکا۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''حویلی والوں سے آپ کے کیسے تعلقات ہیں۔'' انور نے اچانک پوچھا۔

ڈاکٹر اُسے عجیب نظروں سے دیکھنے لگا۔ پھر اس کے ہونٹ ایسے انداز میں سکڑ گئے جیسے وہ انور کا مضحکہ اڑانے کا ارادہ کر رہا ہو۔

''اس سلسلے میں آپ کا یہ سوال قطعی غیر متعلق معلوم ہوتا ہے۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔ ''بہرحال میں آپ کا دل نہیں توڑنا چاہتا۔ میں یہاں ڈاکٹر ہونے کی حیثیت سے جواب دوں یا ایک عام آدمی کی حیثیت سے۔''

''میرا خیال ہے کہ یہ دونوں حیثیتیں آپ کی شخصیت سے الگ نہیں کی جا سکتیں۔'' انور نے انتہائی خشک لہجے میں کہا۔

''بحیثیت ڈاکٹر میرے ان کے تعلقات کاروباری ہیں اور بحیثیت ایک عام آدمی حویلی کی اکثر دعوتوں میں شرکت کر چکا ہوں۔ اگر تعلقات سے آپ کی مراد زیادہ ربط وضبط ہے تو میں اس کا قائل ہی نہیں۔ میرا کبھی کسی سے زیادہ ربط وضبط نہیں رہا۔''

انور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ رشیدہ اور ڈاکٹر کی بہن دکھائی دیں۔ وہ نہایت بے تکلفی سے رشیدہ کی گردن میں ہاتھ ڈالے دواخانے سے آ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر خوف کے بجائے متانت اور سنجیدگی تھی۔ کپڑے بھی اس نے کافی سلیقے سے پہن رکھے تھے۔

''بھیا یہ میری سہیلی ہیں۔'' وہ ڈاکٹر سے بولی۔

ڈاکٹر اسے اس حال میں دیکھ کر گھبرا گیا۔

''ٹھیک ہے سلیمہ.....ٹھیک ہے۔'' وہ اٹھتا ہوا بولا۔ ''لیکن گردن میں ہاتھ نہیں ڈالا کرتے۔''

''کوئی پریشانی کی بات نہیں۔'' رشیدہ مسکرا کر اُسے بیٹھنے کا اشارہ کرتی ہوئی بولی۔

دونوں بیٹھ گئیں۔ سلیمہ کا ہاتھ اب بھی رشیدہ کی گردن میں تھا۔

''تم بہت اچھی ہو۔'' وہ رشیدہ کے گال پر ہاتھ پھیرتی ہوئی بولی۔ ''شاید تم شتر مرغ کی بہن ہو۔''

''سلیمہ.....!'' ڈاکٹر ملتجیانہ انداز میں بولا۔

''آپ فکر مت کیجئے۔'' رشیدہ نے پھر کہا۔

''رانی صاحبہ کے خاندان میں محمود سب سے زیادہ نیک ہے۔ کیا خیال ہے آپ کا.....؟'' انور نے اچانک پوچھا۔

ڈاکٹر جو اپنی بہن کی طرف دیکھ رہا تھا چونک کر انور کی طرف مڑا۔

''محمود واقعی اچھا آدمی ہے۔ اس قصبے میں اس کا دم غنیمت ہے۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''محمود.....!'' سلیمہ چیخ کر بولی۔ ''وہ سُور کا بچہ ہے۔''

''سلیمہ خدا کے لئے۔'' ڈاکٹر اٹھتا ہوا غمزدہ آواز میں بولا۔ پھر انور کی طرف متوجہ ہو کر معذرت کرنے لگا۔ ''آپ جانتے ہیں کہ یہ اپنے ہوش میں نہیں ہے۔''

''میں جانتا ہوں۔'' انور آہستہ سے بولا۔ ''اچھا اب ہم اجازت چاہیں گے۔''

''تم بھی جاتی ہو۔'' سلیمہ رشیدہ کو کھینچ کر بٹھاتی ہوئی بولی۔ ''نہیں میں تمہیں نہ جانے دوں گی۔''

رشیدہ ہنسنے لگی۔

''اچھا میں نہیں جاؤں گی۔'' رشیدہ نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ پھر انور سے کہنے لگی۔ ''تم جاؤ میں تھوڑی دیر بعد آؤں گی۔''

واپسی میں انور رشیدہ کی ذہانت کی تعریف کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ وہ یقیناً کوئی کام کی بات معلوم کر کے واپس آئے گی۔

ادھر عمران نے صحن میں تین چار جال پھیلا رکھے تھے۔ اُن میں سے کچھ بوسیدہ تھے جن کی مرمت کی جا رہی تھی۔

''بھئی کمال کر دیا۔'' انور مسکرا کر بولا۔ ''ارے ایک کافی تھا۔''

''ان میں سے جو پسند ہو منتخب کر لیجئے حالانکہ میں جانتا ہوں کہ تفریحاً مچھلی کا شکار کھیلنے والے کبھی جال استعمال نہیں کرتے لیکن پھر یہ سوچتا ہوں کہ شاید یہ جال آپ آسمان پر لگائیں۔'' انور صاحب میں کبھی آپ کو مشورہ نہ دوں گا۔ یہ آپ کے بس کا روگ نہیں معلوم ہوتا۔ شہر میں قصبے والوں نے کئی بہت بڑے بڑے عالموں کی اعانت حاصل کی تھی لیکن وہ منحوس پرند جوں کا توں رہا۔

''لیکن اب میں اسے جوں کا توں نہیں رہنے دوں گا۔'' انور سر ہلا کر بولا۔ ''تم ڈرو نہیں میں اس سلسلے میں تم سے اور کوئی مدد نہیں لوں گا۔''

''شاید آپ مجھے بزدل سمجھتے ہیں۔'' عمران تلخ لہجے میں بولا۔

''یہ بات نہیں..... میں خود زیادہ بھیڑ نہیں چاہتا۔''

''آپ کی مرضی.....!''

''ہاں ایک بات اور.....'' انور نے کہا۔ ''آج ذرا ہوشیار رہنا۔ ممکن ہے کہ آج تمہاری ہی مکان کی باری ہو۔''

''مجھے اس کی فکر نہیں۔'' عمران لاپروائی سے بولا اور انور چند سیکنڈ معنی خیز انداز میں اس کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد جال منتخب کرنے لگا۔ عمران اُسے تشویش آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی بھاری غلطی کر بیٹھنے کے بعد پچھتا رہا ہو۔ پھر انور اس کی طرف پلٹا۔

''ڈاکٹر نصیر کی بہن سلیمہ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟''

''آپ کے سوالات بڑے عجیب ہوتے ہیں۔'' عمران کے لہجے میں تلخی تھی۔

''مطلب یہ ہے کہ وہ کافی خوبصورت ہے۔''

''ہاں ہے تو.....!''

''سنا ہے محمود اس میں کافی دلچسپی لیتا ہے۔''

''ہو سکتا ہے لیکن مجھے اس کا علم نہیں۔''

''تم نے کوشش کی۔'' انور رازدارانہ لہجے میں بولا۔

''کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ قبلہ مجھے پاگل کتے نے نہیں کاٹا۔''

''کیوں؟ کیا تم اس سے ڈرتے ہو۔''

''آپ اس وقت دلچسپ باتیں کر رہے ہیں۔'' عمران طنزیہ لہجے میں بولا۔ ''کیا آپ کسی پاگل سے دوستی کر سکتے ہیں؟''

''کیوں نہیں؟ کیا تم رشیدہ کو پاگل نہیں سمجھتے۔''

''خیر آپ اب مذاق پر اتر آئے۔ میں سمجھا تھا شاید آپ سنجیدگی سے گفتگو کر رہے ہیں۔''

''بخدا میں قطعی سنجیدہ ہوں۔'' انور نے کہا۔ ''سلیمہ بہت آسانی سے۔''

''بس بس رہنے دیجئے۔'' عمران ہنس کر بولا۔ ''مجھے اپنی ناکارہ زندگی بہت عزیز ہے۔''

''کیوں؟ کیا وہ حملہ بھی کر بیٹھتی ہے۔''

''کیوں نہیں..... پچھلے ہی مہینے کی بات ہے کہ ایک صاحبزادے نے اسے چھیڑ دیا تھا۔ پھر اس نے اس کی ایسی مرمت کی کہ وہ ایک ہفتے تک پلنگ سے اٹھنے نہیں پائے۔ یہ میرا چشم دید واقعہ ہے۔ اس نے کسی پاگل کتیا کی طرح ان کی بوٹیاں نوچ کر رکھ دی تھیں۔ پھر اس دن سے کسی کی ہمت نہیں پڑی اور ویسے وہ کسی سے بولتی بھی نہیں۔''

''تو اس کا یہ مطلب کہ اُسے چھیڑنا خطرناک ہے۔'' انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''لیکن ایسی صورت میں بھی بعض بے جگر ایسے ہوں گے جو اسے چھیڑنے سے باز نہ آتے ہوں گے۔''

''یہ محض آپ کا خیال ہے۔'' عمران سنجیدگی سے بولا۔ ''جس وقت وہ گھر سے باہر نکلتی ہے پورے گاؤں میں سناٹا چھا جاتا ہے۔ اس کی وجہ دراصل وہ روائت ہے؟ اس کے متعلق مشہور ہے کہ اس پرندے کا تعلق اسی کی ذات سے ہے۔''

انور کچھ سوچنے لگا۔ اس کے ذہن میں کئی سوال ابھر آئے تھے۔ محمود اس سے کیوں خائف نہیں ہے؟ اور وہ دونوں جھیل کے کنارے کیا کر رہے تھے۔ اگر محمود اسے اپنی ہوس کا نشانہ بنانا چاہتا تھا تو اس نے اس کی بوٹیاں بھی کیوں نہیں اڑا دیں۔ وہ سوچتا رہا اور عمران اٹھ کر چلا گیا۔ انور یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ عمران نے جس گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا تھا اب اس کی جگہ ایک قسم کی اکتاہٹ نے لے لی ہے۔

تھوڑی دیر بعد رشیدہ واپس آ گئی۔ انور اسے دیکھ کر مسکرایا اور جال چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

''تو کیا تم سچ مچ شتر مرغ کی بہن ہو۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''فضول باتیں مت کرو..... میرا موڈ ٹھیک نہیں ہے۔''

''کیا ڈاکٹر کی بہن نے تمہاری بھی مرمت کر دی۔''

''مجھے اس سے ہمدردی ہے۔''

''اور اسی ہمدردی کی وجہ سے تمہارا موڈ خراب ہو گیا ہے۔'' انور منہ سکوڑ کر بولا۔

''کوئی کام کی بات ہے؟''

''کچھ نہیں! یہ بھی میری ایک حماقت تھی۔ بھلا کسی مخبوط الحواس سے کوئی کام کی بات ہو سکتی ہے۔''

''خیر..... خیر..... اچھا مجھے کام کرنے دو۔'' انور پھر بیٹھ کر جال کی مرمت کرنے لگا۔ رشیدہ دوسری طرف چلی گئی۔ وہ بھی ضرورت سے زیادہ اکتا گئی تھی۔ اس کیس میں ذرہ برابر بھی لطف نہیں آ رہا تھا۔ جس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ابھی تک نہ تو انور اور نہ خود کوئی تھیوری بنا سکی تھی۔ بس چند واقعات کی بناء پر اندھیرے میں تیر چلائے جا رہے تھے۔

ان سب باتوں کے باوجود انور ہمت نہیں ہارا تھا۔ اس کا خیال کہ بعض اوقات بغیر سمجھے افعال بھی مقصد تک پہنچا دیتے ہیں بالکل اسی طرح جیسے ساز کے پردوں پر بلا مقصد ہوئی انگلیاں غیر شعوری طور پر وہی دھن پیدا کر لیتی ہیں جس کیلئے وہ عرصے سے بے تاب تھیں۔ وہ مچھلیوں کے جال کو ایک خاص ڈھنگ سے ترتیب دیتا رہا۔

اور پھر سورج غروب ہونے سے قبل ہی جال سمیت جنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔

عجیب اتفاق تھا کہ رشیدہ کو اس دوران میں اچھا خاصا بخار ہو گیا اور اسے اتنی بھی سدھ نہ تھی کہ وہ انور کو اس کے ارادے سے باز رکھ سکتی اور عمران نے جانے کیوں انور سے رسماً یہ بھی نہ کہا تھا کہ اسے اس کی مدد کی ضرورت تو نہ ہو گی۔

سورج غروب ہو چکا تھا اور انور کسی ایسے درخت کی تلاش میں تھا جو اس کے مخصوص خیالی نقشے کے احاطے میں ہو۔ اُسے یہ یقین تھا کہ وہ پرندہ آج بھی نمودار ہو گا مگر اس

کدھر ہو گا اس کا تصفیہ وہ نہ کر سکا۔ بادی النظر میں تو یہی معلوم ہوتا تھا کہ آج عمران کے گھر کی باری ہے لیکن مجرم اتنا احمق نہیں ہو سکتا۔ وہ ابھی تک اس پرندے کو دوسروں کی گرفت سے محفوظ رکھنے کیلئے کافی احتیاط برت چکا تھا۔ انور کے خیال کے مطابق اس پر گولی پڑتے ہی جو دھماکہ ہوا تھا اس کا مقصد یہی تھا کہ پرندے کے چیتھڑے اڑ جائیں اور وہ کسی کے ہاتھ نہ لگ سکے۔

آہستہ آہستہ تاریکی پھیلتی جا رہی تھی۔ آخر تھوڑی دیر کی جدوجہد کے بعد اسے ایک موزوں درخت مل ہی گیا۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھا اور درخت پر چڑھنے لگا۔ بمشکل ایک شاخ تک ہاتھ پہنچا تھا کہ کہیں قریب ہی سیٹیوں کی ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دیں۔ بلکہ بالکل ویسی ہی جیسی حویلی میں آتشزدگی کے موقعے پر سنائی دی تھیں..... انور تھم گیا۔

وہ پھر نیچے اتر آیا اور اب وہ جھکا ہوا آہستہ آہستہ سیٹی کی آواز کی طرف رینگ رہا تھا۔ آوازیں جھیل کی سمت سے آ رہی تھیں۔ چند لمحوں کے بعد سناٹا چھا گیا لیکن انور بدستور جھیل کی سمت بڑھ رہا تھا۔

اچانک ایک زوردار گھونسہ اس کی کنپٹی پر پڑا اور وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ قبل اس کے کہ وہ سنبھلتا اس کی گردن کسی کی آہنی گرفت میں تھی اور دو خونخوار آنکھیں جن سے درندگی ٹپک رہی تھی اس کے چہرے پر جھکی ہوئی تھیں۔ انور کو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کی قوت مدافعت زائل ہوتی جا رہی ہے۔ خونخوار آنکھوں کے دائرے وسیع ہوتے جا رہے تھے۔ تاریک پس منظر میں اس کے چہرے کے قریب دو انگیٹھیاں دہک رہی تھیں۔ آہستہ آہستہ وہ انگیٹھیاں بھی سرد ہو گئیں اور پھر تاریک رات سے زیادہ گہری تاریکی چھا گئی۔

نہ جانے کتنی دیر بعد اس نے محسوس کیا کہ اس کے گال پر کوئی چیز رینگ رہی ہے جسے اس نے اضطرابی طور پر پرے جھٹک دیا اور بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔

چاروں طرف مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ پہلے تو اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کسی بڑے صندوق میں بند ہے لیکن آہستہ آہستہ جب اس کی آنکھیں اس نئے ماحول کی عادی ہو گئیں تو پتہ چلا کہ وہ ایک خیمے کے نیچے بیٹھا ہے۔ داہنی طرف دروازے کے قریب دو موم بتیاں روشن تھیں۔ ایک طرف لکڑی کا ایک بے ہنگم سا تخت تھا جس پر ایک عجیب الخلقت آدمی بیٹھا اسے گھور

رہا تھا۔ انور کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں بے شمار کیڑے رینگنے لگے ہوں۔

انکشاف

یہ ایک قد آور اور بھاری بھرکم آدمی تھا۔ چہرے پر ڈاڑھی اور مونچھیں کچھ اس طرح سے اُگی ہوئی تھیں کہ انور کو بے ساختہ کروندے کی جھاڑیاں یاد آ گئیں۔ اس کا چہرہ وحشیانہ تھا لیکن لباس مہذب دنیا کا تھا۔ شاید وہ انور کے استعجاب سے محفوظ ہو رہا تھا۔ اس کی بوکھلاہٹ دیکھ کر اسی کی گھنی مونچھوں میں جنبش ہوئی۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ انور کا ہاتھ آہستہ آہستہ برابر کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''بیکار ہے بیٹے۔'' وہ ہنس کر بولا۔ ''میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ تمہارا پستول تمہارے ہاتھ میں رہنے دیتا۔''

''میں سگریٹ کا پیکٹ نکالنے جا رہا تھا۔'' انور لاپروائی سی بولا۔

''تمہاری دلیری کا میں معترف ہوں۔'' اس نے کہا اور انور کو عجیب نظروں سے دیکھنے لگا۔ انور نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور ایک سگریٹ منتخب کر کے دیا سلائی ڈھونڈنے لگا۔

''تمہاری دیا سلائی میرے پاس ہے۔ عجیب الخلقت آدمی نے دیا سلائی کی ڈبیا انور کی طرف پھینک دی۔''

انور سگریٹ سلگا کر کھڑا ہو گیا۔

''تم یہاں سے نکل نہیں سکتے۔'' خوفناک چہرے والا بھی اٹھتا ہوا بولا۔

''میں اس ارادے سے نہیں اٹھا۔'' انور مسکرایا۔ ''وہ اتنے اطمینان کے ساتھ سگریٹ پی رہا تھا جیسے اپنے کمرے میں ہو۔ اس کے چہرے پر معصومیت پھیل گئی تھی اور وہ اتنا بھولا دینے لگا تھا جیسے دنیا کے نشیب و فراز سے بالکل ناواقف ہو۔''

''انور یہاں تمہاری کوئی مکاری نہیں چل سکے گی۔''

''مکاری.....!'' انور معصومانہ انداز میں بولا۔ ''میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو۔ لیکن اتنا جانتا ہوں کہ تم میرے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ میں مہاتما بدھ کا سچا پیرو ہوں۔''

''اگر واقعی میری موت آ گئی ہے تو میں تمہاری بات پر ضرور یقین کر لوں گا۔'' وہ ہنس کر بولا۔

''کل تمہیں نے مجھے جھیل کے کنارے اٹھا کر پھینک دیا تھا۔'' انور نے اچانک پوچھا۔

''ہاں کیوں کیا مجھے ایسا نہ کرنا چاہئے۔'' وہ تمسخر آمیز لہجے میں بولا۔

''نہیں مجھے خوشی ہوئی تھی۔'' انور نے سنجیدگی سے کہا۔

''تم خواہ مخواہ اس معاملے میں آ کودے۔'' وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''مجھے تم سے کوئی دشمنی نہیں۔''

''میں بھی محض تمہارے عشق میں گرفتار ہو کر ان جنگلوں کی خاک چھان چھان کر پھانکتا پھر رہا ہوں۔'' انور نے کچھ اس انداز میں کہا کہ وہ بیساختہ ہنس پڑا۔

لیکن انور سنجیدگی سے بولا۔ ''میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔''

''کیا مطلب.....!'' وہ چونک کر بولا اور دفعتاً سنجیدہ ہو گیا۔

''یہی کہ تم سچ مچ اتنے نیک نہیں ہو جتنا کہ سمجھے جاتے ہو۔''

''یعنی.....!''

''یعنی یہ کہ آتشی پرندے سے زیادہ میں اس پاگل لڑکی میں دلچسپی لے رہا ہوں۔''

وہ انور کو گھورنے لگا غالباً وہ اس کا فیصلہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کے جواب میں کیا کہے۔ دفعتاً وہ گرج کر بولا۔ ''تم یہاں سے زندہ نہیں جا سکتے۔''

''اگر میں تمہیں نہ پہچانتا تو.....!'' انور نے پرسکون لہجے میں کہا۔

''میں تمہیں چھوڑ دیتا..... کیونکہ کسی بے گناہ کے خون سے ہاتھ رنگنا پسند نہیں کرتا۔''

''اور ان لوگوں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا جن کے گھر تم نے پھونک دیئے۔'' انور نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''تمہیں اس سے کیا سروکار.....!'' وہ جھلا کر بولا۔

''سروکار نہ ہوتا تو میں یہ زحمت ہی کیوں مول لیتا۔''

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

''مجھے افسوس ہے کہ تم جیسا ذہین آدمی میرے ہاتھوں مارا جا رہا ہے۔ کاش تم مجھے پہچانا نہ ہوتا۔ مگر کون جانے ممکن ہے یہ بھی تمہاری چال ہو۔''

انور اس طرح ہنس پڑا جیسے وہ اس سلسلے میں جھوٹ بولا ہو۔

''تم مجھ سے زیادہ چالاک معلوم ہوتے ہو۔'' انور بے اختیار بولا۔

''خیر..... خیر..... برخوردار اب مجھے اور زیادہ گھسنے کی کوشش نہ کرو۔ تم اس طرح اپنی جان نہیں بچا سکتے۔ میں اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ تم مجھے پہچان گئے ہو۔''

''خیر مجھے اس کی پرواہ نہیں۔'' انور لاپروائی سے بولا۔ ''میں بے شک تمہیں پہچان گیا ہوں۔ میں نے کل ہی پہچان لیا تھا۔ دیکھو عمران تم میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔''

عجیب الخلقت آدمی نے قہقہہ لگایا۔

''دیکھو انور تم درحقیقت اتنے چالاک نہیں جتنا خود کو سمجھتے ہو۔ اب تم عمران کا نام لے کر اپنی جان بچانے کی کوشش کر رہے ہو۔ ابھی ابھی تم نے ایک زبردست غلطی کی ہے جسے پیش نظر رکھتے ہوئے میں تمہارے فقروں میں نہیں آ سکتا۔''

''کیسی غلطی.....!''

''پاگل لڑکی کا تذکرہ۔ بھلا عمران کو اس کی ذات سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔''

''تعلق میں اچھی طرح جانتا ہوں۔'' انور معنی خیز انداز میں سر ہلا کر بولا۔

''یعنی.....!''

''تمہیں محمود سے دشمنی ہے۔ محض اس لئے کہ تمہاری شادی شاہدہ سے نہ ہو سکی۔ تمہیں اتفاق سے علم ہو گیا کہ محمود ڈاکٹر کی بہن میں دلچسپی لے رہا ہے۔ اس پر تم نے شاہدہ کو محمود کے خلاف اکسایا اور شاہدہ کا انتقامی جذبہ اس شدت سے ابھار دیا کہ وہ کل رات کو جھیل کے کنارے دونوں پر گولی چلانے سے بھی باز نہ آئی۔ قصے میں تم لوگوں کے گھر پھونک رہے ہو جن سے دشمنی رکھتے ہو میں نہیں جانتا کہ تمہاری آئندہ سکیم کیا ہوگی۔ بہرحال یہ مسلمہ ہے کہ تم محمود کو ختم کر دینے کی فکر میں ہو۔ مگر اس طرح کہ اس کا الزام دوسروں کے سر جائے۔ ممکن ہے کہ تم اس سلسلے میں ڈاکٹر نصیر اور محمود کو بھی الجھانے کی کوشش کرو۔''

انور خاموش ہو گیا اور وہ خاموشی سے انور کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی الجھن میں مبتلا ہو گیا ہو۔

''بہرحال تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔'' وہ تخت پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ''اور میں تمہیں ابھی ختم کئے دیتا ہوں۔''

''ختم کرنے کے لئے کون سا طریقہ استعمال کرو گے۔'' انور اپنی ٹائی کی گرہ ڈھیلی کرتے ہوئے لاپروائی سے بولا۔

''تم ایکٹنگ بہت اچھی کر لیتے ہو۔'' وہ ہنس کر بولا۔ ''لیکن میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم خوفزدہ ہو۔''

''ممکن ہے۔'' انور نے کہا اور اس طرح اپنی ٹائی کھول کر پھینکی جیسے اُسے گرمی لگ رہی ہو۔ قمیض کے بٹن بھی کھول دیئے۔

''تم میرے لئے بڑی آسانیاں پیدا کر رہے ہو۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔ ''میں تمہارا گلا گھونٹ کر تمہیں ماروں گا۔''

انور کے چہرے پر خوف کے آثار پیدا ہو گئے۔ اس کی سانسیں تیز ہو گئیں اور وہ بے بسی سے زمین پر بیٹھ گیا۔

''عمران میں وعدہ کرتا ہوں کہ یہاں سے چپ چاپ چلا جاؤں گا۔'' انور اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔

عجیب الخلقت آدمی نے قہقہہ لگایا۔ ''تم مکار ہو۔ میں تم پر اعتماد نہیں کر سکتا۔''

''تم جانتے ہو کہ محمود سے میرا جھگڑا ہو گیا ہے۔''

''ممکن ہے یہ بھی تمہاری مکاری ہو۔''

''تو پھر اب اس سے زیادہ اپنی صفائی میں کچھ اور نہیں کہہ سکتا۔'' انور نے کہا اور سر جھکا لیا۔ اس کے چہرے پر مردنی چھا گئی تھی۔ لیکن اس کے دونوں ہاتھ بُری طرح مشغول تھے۔

وہ خوفناک آدمی آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کا چہرہ حیرت انگیز طور پر ہر قسم کے جذبات سے عاری نظر آ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اندھا، گونگا اور بہرہ ہو۔ اس کی

آنکھیں انور کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور وہ آہستہ آہستہ ڈرامائی انداز میں اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ انور گھبرا کر کھڑا ہو گیا اس وقت سچ مچ اُسے اس کا چہرہ خوفناک معلوم ہونے لگا تھا۔

انور پھرتی سے دو قدم پیچھے ہٹا اور اس کی ٹائی کوندے کی لپک کی طرح آگے بڑھ ہوئے وحشی کی کنپٹی سے جا لگی۔ اس کے منہ سے ایک دبی سی چیخ نکلی اور دوسرا قدم زمین پر پڑنے سے پہلے ہی وہ لہرا کر گر پڑا۔ انور کی ٹائی کے سرے پر پتھر کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا جھول رہا تھا۔ انور نے جھک کر دیکھا خوفناک چہرے والا بیہوش ہو چکا تھا۔ انور نے اس کے دونوں ہاتھ ٹائی سے پیچھے اس کی پشت پر باندھ دیئے اور اس کی جیبوں کی تلاشی لینے لگا جس سے اس کی ٹارچ اور پستول برآمد ہوئے۔

اس کی تیز نظریں خیمے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ یہاں کچھ زیادہ سامان نہ تھا۔ دفعتاً ایک چھوٹے سے صندوق نے انور کی توجہ اپنی طرف منعطف کرالی۔ صندوق تخت کی آڑ میں خاصا چھپا ہوا تھا۔ انور نے آگے بڑھ کر صندوق کھولا تو اُس کے منہ سے حیرت آمیز آواز نکل گئی۔ یہ روشنی ایک بوتل میں بھری ہوئی کسی سیال شے کی تھی۔ آگ کی طرح دہکتا ہوا عرق۔ انور نے موم بتیاں بجھا دیں اور اس عرق کی چمک پہلے سے زیادہ ہو گئی..... اس نے بوتل اپنی جیب میں ڈال لی اور موم بتیاں پھر روشن کر دیں۔

پھر وہ خیمے سے باہر نکل آیا اور ٹارچ کی روشنی چاروں طرف ڈالنے لگا۔ کروندے کی جھاڑیاں چاروں طرف سے خیمے پر اس طرح جھکی ہوئی تھیں کہ وہ ان میں چھپ کر رہ گیا۔ داہنے طرف لکڑی کا ایک کابک بنا ہوا تھا جس میں سے کبھی کبھی کسی کبوتر کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ انور نے کابک کھول کر ایک کبوتر نکالا اور بوتل سے عرق نکال کر اس پر ملنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے آتشی پرندہ تیار ہو گیا۔ پھر انور نے اسے اڑا دیا۔ وہ تھوڑی دیر تک چکر کاٹ کر پھر کابک پر آ گرا۔ اس نے اسے بند کر دیا اور خیمے میں لوٹ آیا۔

وہ خوفناک آدمی ہوش میں آ گیا تھا اور اب بیٹھا ہوا اپنی پشت پر بندھے ہوئے ہاتھوں کو کھول ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"قطعی بے سود ہے....." انور جیب سے ریوالور نکالتا ہوا بولا۔ "تمہاری دوسری کوشش تمہیں جہنم میں پہنچا دے گی۔"

وہ اسے بے بسی سے دیکھنے لگا۔

"ڈاکٹر نصیر! تم طاقتور ضرور ہو مگر چالاک نہیں۔" انور مسکرا کر بولا۔ "تمہاری یہ گھنی ڈاڑھی صرف تمہارا چہرہ چھپا سکتی ہے آواز نہیں۔ آواز بدل دینا ایک مشکل فن ہے اور تم ابھی اس میں کچے ہو۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تمہارے جرائم کی عمر کتنی ہے اور اس حماقت کا کیا مقصد تھا۔"

ڈاکٹر نصیر تحیر آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ تم عادی مجرم نہیں معلوم ہوتے۔" انور نے آہستہ سے کہا۔

"تمہارا خیال ٹھیک ہے۔" ڈاکٹر نصیر مضمحل آواز میں بولا۔ "اپنی بہن کی طرح میں بھی وہاں تک موم بتیوں کی روشنی اچھی طرح نہیں پہنچ رہی تھی۔ اسے ایسا معلوم ہوا جیسے خود صندوق سے ہلکی ہلکی روشنی نکل رہی ہو اور جب اس نے صندوق کھولا تو اُس کے منہ سے حیرت آمیز چیخ نکل گئی۔ اس کے بعد اس پر اس کا دماغ خراب ہو گیا تھا۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

ڈاکٹر نصیر تھوڑی دیر خاموش رہا۔ پھر دفعتاً گرج کر بولا۔ "کیا تم اُسے کبھی معاف کر سکتے ہو جو تمہاری بہن کی زندگی برباد کر دے۔"

"ہرگز نہیں۔" انور دلچسپی کا مظاہرہ کرتا ہوا بولا۔ "لیکن پورے قصبے والے تو اس حرکت کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے۔"

"انتقام کا جذبہ اندھا کر دیتا ہے۔" نصیر بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔

"میں ایک خاص اسکیم کے تحت محمود کا خاتمہ کرنا چاہتا تھا لیکن مجھے ابھی تک اس کا موقع نہ مل سکا۔ گاؤں والوں کو تو اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ پرندے کے پیچھے کوئی مافوق الفطرت چیز کام کر رہی ہے۔ میں کسی دن محمود کو کسی جھونپڑے میں باندھ کر پھونک دیتا۔ اس طرح کسی کو مجھ پر شبہ بھی نہ ہوتا اور میرے انتقام کی آگ بھی بجھ جاتی۔"

"لیکن محمود.....!" انور اپنا جملہ پورا نہ کر سکا۔

"تم محمود کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ آج سے تین سال قبل جب ہم شہر میں رہتے

تھے محمود نے سلیمہ کو محبت کا فریب دیا تھا۔ وہ اس سے کھیلتا رہا اور جب جی بھر گیا تو اسے چھوڑ چلا گیا۔ پھر سننے میں آیا کہ اس نے اپنے خاندان میں شادی کر لی ہے حالانکہ اس نے سلیمہ سے شادی کا وعدہ کیا تھا۔ سلیمہ اس صدمے کی تاب نہ لا سکی اور اس کا دماغی توازن بگڑ گیا۔ میں اسے بے حد چاہتا ہوں۔ دنیا میں اس کے سوا میرا اور کوئی نہیں۔ میں نے لاکھ کوشش کی کہ وہ ٹھیک ہو جائے لیکن میں کامیاب نہ ہوا۔ آخر ایک سائیکو انیلیسیٹ نے مجھے مشورہ دیا کہ میں اسے اس ماحول انہیں حالات میں دوبارہ لے جانے کی کوشش کروں جن میں اس کا دماغ خراب ہوا تھا۔ اس نے امید دلائی تھی کہ اس طرح اس کا ذہنی توازن ٹھیک ہو جائے گا پھر میں نے اسی مشورے کے تحت یہاں ہری پور میں سکونت اختیار کر لی۔ محمود اور میں ایک دوسرے کے لئے انجان بنے رہے حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ یہ بھی کر کے دیکھا لیکن کچھ نہ ہوا۔ سلیمہ بدستور پاگل رہی پھر میرا جذبۂ انتقام بھڑک اٹھا۔ قصبے میں میں بہت جلد مقبول ہو گیا تھا اور اب میری یہاں اتنی قدر و منزلت ہے کہ خود حویلی والوں کی بھی نہ ہو گی۔ بہرحال میں اپنے اس فعل پر قطعی نادم نہیں ہوں۔ میں عدالت میں چیخ چیخ کر اپنے جرموں کا اعتراف کروں گا اور اس کی قلعی کھولوں گا جسے ہری پور والے فرشتہ سمجھتے ہیں۔"

"نہیں اس کی نوبت نہیں آنے پائے گی۔" انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن تم نے کئی بے گناہوں کے گھر بھی پھونکے ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے۔ انتقامی جذبے نے مجھے سچ مچ پاگل کر دیا تھا۔"

انور نے اس کے ہاتھ کھول دیئے اور ڈاکٹر حیرت آمیز نظروں سے اُسے دیکھنے لگا۔

"میں تمہیں پولیس کے حوالے نہیں کروں گا۔" انور بولا "سزا کا مستحق محمود ہے۔"

"لیکن میں پھر کہتا ہوں کہ محمود کبھی نہ کبھی میرے ہی ہاتھ سے مارا جائے گا۔" نصیر خود اعتمادی کے ساتھ بولا۔

"مجھے اس سے غرض نہیں۔" انور لاپروائی سے بولا۔ "میں خود انتقام کا قائل ہوں اور اسے درست سمجھتا ہوں۔ میں تو اس پرندے کی حقیقت معلوم کرنا چاہتا تھا جو مجھے معلوم ہو گئی۔ لیکن اس دھماکے کا کیا راز تھا۔"

"ایک ننھا سا بم.....!" ڈاکٹر نے کہا۔ "جو میں محض اس مقصد کے تحت کبوتر کے پیٹ میں باندھ دیتا تھا کہ اُسے مار گرانے والے کو اس کا راز نہ معلوم ہو سکے۔"

"بہت خوب.....! اور وہ عرق.....!"

"یہ میری اپنی ایجاد ہے۔ فاسفورس کا کیمیائی حل جس میں شعلگی تو قائم رہتی ہے لیکن حدت ختم ہو جاتی ہے۔"

"کیا مجھے اس کا فارمولا دے سکو گے۔" انور نے پوچھا۔

"لے لینا.....!" ڈاکٹر نصیر نے کہا۔ "لیکن مجھے اب بھی تم پر اعتماد نہیں۔"

"تم مطمئن رہو..... میرا کام ختم ہو گیا اور ساتھ ہی ساتھ مایوسی بھی ہوئی۔"

"کیسی مایوسی۔" ڈاکٹر چونک کر بولا۔

"یہ کیس زیادہ دلچسپ اور خطرناک نہ ثابت ہوا۔" انور نے کہا۔ "اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ تم عادی مجرم نہیں ہو۔"

دونوں گفتگو کرتے ہوئے چل پڑے۔ دشوار گذار جھاڑیوں سے گذرتے ہوئے وہ ایک غار میں اتر گئے اور پھر چند لمحوں کے بعد وہ جھیل کے کنارے تھے۔ یہاں غار کا دہانہ تنگ ہو گیا تھا اور اونچی اونچی گھاس سے تقریباً چھپا ہوا تھا۔

"تو تم اس رات کو یہیں غائب ہوئے تھے۔" انور نے پوچھا۔

"ہاں.....!" ڈاکٹر نصیر نے آہستہ سے کہا اور وہ آگے بڑھ گیا۔ جنگل میں پھیلی ہوئی پُراسرار تاریکی نے انہیں اپنے دامن میں چھپا لیا۔

دوسرے دن انور اور رشیدہ ہری پور سے شہر کی طرف جا رہے تھے۔

"تم نے اسے چھوڑ کر اچھا نہیں کیا۔" رشیدہ بولی۔

"میں نے بہت اچھا کیا..... محمود اس قابل ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔"

''کیا تم اس لئے کہہ رہے ہو کہ اس نے تمہیں بے عزت کیساتھ اپنے گھر سے نکال دیا۔''

''نہیں یہ بات نہیں۔ اسکی یہ حرکت ایسی نہیں تھی کہ میں اس کی جان کا گاہک بن جاتا۔''

''اگر ڈاکٹر نے پھر وہی حرکتیں شروع کیں تو۔''

''نہیں اب وہ ایسا نہیں کرے گا۔ البتہ محمود کے بارے میں اس نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔''

''مگر.....!''

''چپ رہو.....اب میں ہری پور کے متعلق ایک بات بھی نہیں سن سکتا۔ ختم کرو اس قصے کو۔''

''اچھا اگر تم نے مجھے دھوکا دیا تو.....!'' رشیدہ ادھر اُدھر دیکھ کر بولی۔ ''سیکنڈ کلاس کمپارٹمنٹ میں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔''

''لیکن میں تم سے محبت کب کرتا ہوں۔ میں نے تم سے کبھی یہ نہیں کہا۔''

''لیکن میں تو کرتی ہوں۔'' رشیدہ نے دانت پیس کر کہا اور اس کے دونوں کان پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالے۔

انور نے ایک چانٹا رسید کر دیا۔ لیکن رشیدہ کا جوابی تھپڑ زور دار تھا۔ انور نے اس کے گھونگھریالے بال اپنی مٹھی میں جکڑ لئے۔ رشیدہ چیخنے لگی اور پھر انور کی ناک پر ایسا ہاتھ مارا کہ وہ بلبلا کر پیچھے ہٹ گیا۔ دونوں ایک دوسرے کو گھورنے لگے۔

''جنگلی!'' رشیدہ نے آہستہ سے کہا اور غسل خانے کی طرف چلی گئی۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 16

خونی پتھر

(مکمل ناول)

پیش لفظ

انور سیریز کا چوتھا ناول پیش کر رہا ہوں۔ یہ اس سیریز کا چوتھا اور آخری معمولی شمارہ ہے۔ پانچواں ناول اس سیریز کا خاص نمبر ہوگا جس میں انور اور رشیدہ کے ساتھ انسپکٹر فریدی اور سرجنٹ حمید بھی ہوں گے۔ میرا ارادہ تو یہی تھا کہ انور اور رشیدہ کے بارہ ناول پیش کروں گا لیکن اتفاق سے میرے پڑھنے والوں میں دو گروہ ہوگئے ایک کا مطالبہ ہے کہ ''فریدی اور حمید'' سیریز پھر سے شروع کیا جائے اور دوسرا انور سیریز کو بھی پسند کر رہا ہے۔ بہرحال تعداد انہی لوگوں کی زیادہ ہے جو ''جاسوسی دنیا'' میں صرف فریدی اور حمید کے کارنامے دیکھنا چاہتے ہیں اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ شمارے (خاص نمبر) سے پھر فریدی اور حمید کے کارنامے شروع کردوں۔

پیش نظر ناول ''خونی پتھر'' میں ایک حیرت انگیز داستان ہے جو ایک سیاہ رنگ کے بیش قیمت پتھر کی چوری سے شروع ہوتی ہے اور ایک بھیانک موڑ پر پہنچ کر ختم ہوجاتی ہے۔ جواں سال

پرائیویٹ جاسوس انور اس ناول کے شروع میں ہی ایک بھیانک جال میں پھنس جاتا ہے۔ کیا وہ درحقیقت جال تھا؟ پروفیسر تیموری کو کس نے قتل کیا تھا۔ اس کے بعد پھر ایک قتل اور کیا رابعہ قاتل تھی؟ پروفیسر تیموری کے سیکریٹری کو بھی آپ قاتل سمجھیں گے، گلوریا بھی آپ کو قاتل ہی معلوم ہوگی اور سرصغیر احمد تو سوفیصدی قاتل تھا۔ اس ناول کا ہر کردار آپ کو قاتل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حقیقتاً قاتل کون تھا؟ یہ معلوم کر کے آپ انگشت بدنداں رہ جائیں گے اور قتل کا مقصد؟ وہ بھی قاتل ہی کی طرح حیرت انگیز ثابت ہوگا، ''انور اور رشیدہ'' کی دلچسپ نوک جھونک۔ سرکاری جاسوس انسپکٹر آصف سے جھڑپیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہتیری دلچسپیاں۔

ابن صفی

پتھر کی واپسی

انور ایک گھٹیا سے ہوٹل میں بیٹھا سگریٹ کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا۔ اسے ح
ہو رہی تھی کہ آخر اُسے مدعو کرنے والی نے اس نامعقول ہوٹل کو کیوں منتخب کیا۔ اسے درمی
درجے کا ہوٹل بھی نہیں کہا جاسکتا تھا۔ ویسے اس کے مالک نے کوشش تو یہی کی تھی کہ اسے
درمیانے یا اعلیٰ درجہ کے ہوٹلوں کی نقل بنادے اور شاید ایسا ہو بھی سکتا تھا مگر ملازمین کی نا
پیدائشی لاپروائی اور بدسلیقگی نے اس کی کوششوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ یہاں متعدد کیبن ضرور
لیکن ان کے پردے یا تو بوسیدہ تھے یا گندے۔ تھری پلائی وڈ کے پارٹیشنوں پر جگہ جگہ ہدا
لکھ کر جوڑے گئے تھے کہیں کہیں پان کھانے والوں کی کتھے اور چونے بھری انگلیوں کے نشا
بھی دکھائی دے رہے تھے۔ دیواروں پر برسوں پرانی تصویریں تھیں۔ جن پر نہ جانے کب
گرد کی تہیں جمتی چلی آرہی تھیں۔ ان تصویروں کے درمیان کچھ طغرے بھی تھے جہاں کہیں
سے جگہ بچ گئی تھی وہاں گاہکوں کے لئے ضروری ہدایات لکھ کر چپکا دی گئی تھیں۔ کچھ تحریریں
غیر متعلق تھیں جنہیں انور بالترتیب پڑھ پڑھ کر الجھ رہا تھا۔

اُن کی ترتیب کچھ اس قسم کی تھی۔

"براہِ مہربانی فرش پر مت تھوکیے۔"

"واپس ملی ہوئی رقوم کی اچھی طرح جانچ کر لیجیے۔"

"اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

"ملازمین سے جھگڑا کرنے کے بجائے اپنی شکایات کا اظہار منیجر سے کیجیے۔"

"شہنشاہ ایران زندہ باد۔"

"غسل خانہ اندر ہے۔"

"نصر مِنَ اللہ فَتح قریب"

"سو روپے کے نوٹ کی ریزگاری نہیں ملے گی۔"

"طلب کی ہوئی اشیاء واپس نہیں لی جاتیں۔"

"اسلام زندہ باد۔"

"سیاسی گفتگو سے پرہیز کیجیے۔"

"قیامت ضرور آئے گی۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔"

"نیشنل سیونگ سرٹیفکیٹ خریدیے۔"

"پیٹ کے امراض کا واحد علاج چورن انار دانہ۔"

انور ان سب کو تیرہ چودہ بار دہرا چکا تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ قبل وہ یہاں پہنچا تھا اور اب انتظار کی معینہ مدت میں صرف دس منٹ اور باقی رہ گئے تھے۔ وہ یہاں کچھ عجیب و غریب حالات کے تحت آیا تھا۔ آج آفس میں اُسے کسی گم نام عورت کا خط ملا تھا جس میں اس نے اس سے استدعا کی تھی کہ وہ مذکورہ ہوٹل میں ایک بج کر پچیس منٹ تک اس کا انتظار کرے۔ اسے کسی بہت ہی اہم معاملے میں انور کی مدد درکار تھی۔ اس نے خط میں اس کیبن کا نمبر بھی لکھ دیا تھا جس میں ان دونوں کو ملنا تھا۔

انور کے لئے یہ پہلا اتفاق تھا کہ اُسے ایسے ہوٹل میں کسی نے مدعو کیا تھا۔ اُس سے عموماً وہی لوگ مدد لیا کرتے تھے جو کسی وجہ سے محکمہ پولیس سے رابطہ قائم کرنے میں ہچکچاتے تھے اور ایسے لوگ ابھی تک سو فیصدی دولت مند ہی ثابت ہوئے تھے ظاہر ہے کہ کسی پرائیویٹ جاسوس کے اخراجات کا بار عام آدمی نہیں اٹھا سکتا۔ لہٰذا انور کے لئے یہ چیز خاصی الجھن کا باعث بن گئی تھی کہ اگر وہ دولت مند ہے اور کسی اونچی سوسائٹی سے تعلق رکھتی ہے تو اُس نے ایسے ہوٹل کا انتخاب کیسے کیا۔

اس کی نظریں پھر دیوار سے لگے ہوئے کلاک کی طرف اٹھیں۔ پانچ منٹ اور باقی رہ گئے تھے۔ بیس منٹ اُس نے کسی نہ کسی طرح گذار دیئے تھے۔ لیکن یہ پانچ منٹ اس کے خیال کے

مطابق وبال جان بننے والے تھے۔ اس دوران میں ہوٹل کے کئی گندے لڑکے اس کے آوارہ لئے کیبن کا چکر لگا چکے تھے حالانکہ انہیں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ وہ کسی کا انتظار کر رہا ہے۔ لیکن بھی ان میں سے ایک نہ ایک تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد کیبن کے سامنے آ کھڑا ہو جاتا تھا شاید اس رویے کی محرک معقول قسم کی ٹپ کی توقع تھی۔ آخر وہ پانچ منٹ بھی گذر گئے۔ انور کر اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ایک نوجوان عورت کیبن کے سامنے آ کر رکی۔ اس نے معمولی سی سفید ساڑی باندھ رکھی تھی۔ پیر میں سیاہ پینٹ کے پرانے سینڈل تھے جن کا کہنگی کی وجہ سے جگہ جگہ سے چمڑا ہوا تھا۔ عمر بمشکل انیس بیس کی رہی ہوگی۔ جسم صحت شخصیت جاذب توجہ تھی۔ حسین بھی تھی لیکن اتنی نہیں کہ اس پر شعر کہے جا سکیں۔ آنکھوں ہچکچاہٹ یا شرمیلے پن کے بجائے ایک عجیب قسم کی بے تعلقی تھی۔ وہ ایک لمحہ تک انور کو نظروں سے دیکھتی رہی پھر مسکرا کر آگے بڑھی۔

''مسٹر انور.....!'' اس نے کیبن میں داخل ہو کر آہستہ سے کہا۔

''آپ کا خیال صحیح ہے۔'' انور اٹھنے کی بجائے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتا ہوا بولا۔

''کیا مجھے دیر ہو گئی۔'' اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔

''آپ کا یہ خیال بھی صحیح ہے۔'' انور سنجیدگی سے بولا۔ ''آپ دو منٹ دیر سے پہنچیں۔''

''مجھے افسوس ہے کیا آپ دوپہر کا کھانا کھا چکے ہیں۔ میں آپ کو یہ لکھنا بھول گئی ہم کھانا بھی ساتھ ہی کھائیں گے۔''

''کیا آپ اس ہوٹل میں۔'' انور چونک کر بولا۔

''جی ہاں..... کیوں؟''

''مجھے افسوس ہے کہ مجھے چھپکلیوں اور چوہوں کا قورمہ قطعی مرغوب نہیں۔'' وہ بے ہنس پڑی۔

''بھئی آپ ٹھہرے بڑے آدمی۔'' وہ سنجیدہ ہو کر بولی۔ ''ہم غریب لوگ تو یہی سب کھانے کے عادی ہیں۔''

انور اسے مشکوک نظروں سے دیکھنے لگا۔ پھر اس کی آنکھیں اس کے نرم و نازک ہاتھوں

انور انور لوٹ آیا۔ باہر والے کمرے میں اُس نے دوبارہ روشنی نہیں کی۔ تھا شاید وہ سو گئی تھی۔ اندر کے کمرے میں جا کر اُس نے کپڑے پہنے اور احتیاط سے قدم اٹھاتا ہوا پھر باہر آ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ گیرج سے موٹر سائیکل نکال رہا تھا۔

سونا گھاٹ والی کچی سڑک سنسان پڑی تھی۔ آسمان پر سیاہ بادل منڈلا رہے تھے۔ رات ں بھی تاریک تھی۔ بادلوں کی وجہ سے ستاروں کی دھندلی روشنی بھی غائب ہو گئی تھی۔ سڑک کے ر اُگی ہوئی جھاڑیاں حشرات الارض کی آوازوں سے گونج رہی تھیں۔

انور نے موٹر سائیکل سونا گھاٹ کے ادھر ہی ایک میل کے فاصلے پر جھاڑیوں میں چھپا دی ر پیدل چلنے لگا۔

تیور منزل کے تاریک آثار دور سے نظر آ رہے تھے۔ نہ جانے کیوں انور کو ایسا محسوس ورہا تھا جیسے وہ ایک بہت ہی پُر اسرار عمارت میں داخل ہوتا جا رہا ہے اور وہاں ضرور کوئی حادثہ ش آئے گا۔ اُسے پروفیسر تیموری کا چہرہ یاد آ گیا۔ چھوٹی چھوٹی دھندلی آنکھیں جن کی ندھلاہٹ اپنے پس منظر میں کوئی پر اسرار چیز چھپائے ہوئے تھی۔ انور اس وقت سوچ رہا تھا کہ اس نے تار جام میں سیاہ پتھر کا تذکرہ چھیڑ کر غلطی کی تھی۔ اگر واقعی یہ پتھر پروفیسر تیموری کے ہاں سے چرایا گیا تھا تو سیاہ پتھر کے تذکرے پر اس کا مشکوک ہو جانا قطعی قدرتی امر ہے۔ پھر ی خدشات اُس کے ذہن میں ابھر آئے جنہیں وہ سگریٹ کے گہرے کشوں سے دبانے کی کوشش کرنے لگا۔

پروفیسر تیموری کی پچھلی زندگی سے اُسے کوئی واقفیت نہیں تھی۔ ویسے آج کل شہر اور اس کے قرب و جوار کے حصوں میں وہ کافی مالدار سمجھا جاتا تھا۔ ارضیات پر اس نے دو تین کتابیں بھی لکھی تھیں اور ارضیات کے طلباء میں غیر معروف نہیں تھا۔ کسی زمانے میں یونیورسٹی میں ارضیات کا علم بھی رہ چکا تھا۔ شہر میں اس کے دو تین بنگلے تھے لیکن سب کرائے پر اٹھے ہوئے تھے اور وہ خود ایک غیر آباد مقام پر اقامت گزیں تھا۔

جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہا تھا عمارت درختوں کی اوٹ میں چھپتی جا رہی تھی۔ وہ پھاٹک کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اُس نے پھاٹک کو ہلکا سا دھکا دیا اور وہ کھل گیا۔ سامنے ایک طویل روش تھی

جس کے دونوں طرف اونچے اونچے درخت تھے۔ وہ احتیاط سے آگے بڑھنے لگا۔ روشنی عمارت کے صدر دروازے کے سامنے ختم ہوگیا۔ چاروں طرف اندھیرا اور سناٹا چھایا ہوا تھا کے اندر بھی زندگی کے آثار مفقود معلوم ہورہے تھے کسی کھڑکی یا روشندان سے بھی روشنی دی۔ انور ایک لمحہ کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر جیب سے کنجیاں نکال کر انہیں آزمانے لگا۔

دروازہ کھل گیا..... اندر اندھیرا تھا..... انور نے برقی لیمپ نکالا اور اس کی ناقابل انتشار روشنی میں آگے بڑھنے لگا۔ وہ ایک وسیع ہال سے گزر رہا تھا۔ آگے چل ہاتھ پر ایک دوسرا دروازہ دکھائی دیا انور نے دوسری کنجی لگائی۔ دروازہ کھل گیا انور اندر ہی والا تھا کہ کہیں کھڑکھڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ وہ دیوار سے چپک گیا اور پھر اچانک قوت شامہ نے ایک خاص قسم کی خوشبو کا تجربہ کیا اس نے نتھنے سکوڑ کر ایک گہرا سانس لیا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اس خوشبو کو اپنے ذہن میں محفوظ کر لینے کی کوشش کر رہا ہو۔

وہ آہستہ سے کمرے میں داخل ہوگیا۔ سب سے پہلے اُس کے ٹارچ کی روشنی پڑی۔ لڑکی کے بیان کے مطابق اسی طرف وہ شوکیس رکھا ہوا ملا جس میں وہ پتھر رکھنا میں کئی خانے تھے جن میں مختلف قسم کے پتھروں کے ننھے ننھے ٹکڑے رکھے ہوئے خانے کے نیچے پتھروں کے ناموں کی چٹیں لگی ہوئی تھیں۔ ایک خانہ خالی تھا جس کے پکھراج'' تحریر تھا۔ انور نے شوکیس کھول کر پتھر اس میں رکھ دیا اور واپس ہونے کے لیکن ٹارچ کی روشنی کمرے کے فرش پر پڑتے ہی یک بیک اس کے سارے جسم میں دوڑ گئی۔ پروفیسر تیموری زمین پر چت پڑا تھا۔ چھوٹی چھوٹی آنکھیں خوفناک حد تک تھیں۔ چہرے پر آخری وقت کی تشنجی کیفیت نہ مٹنے والے نشانات چھوڑ گئی تھی۔ سر کے مقدار میں خون پھیلا ہوا تھا۔ انور نے ٹارچ بجھا دی اور کچھ سننے لگا۔ دور کہیں موٹر کی آواز دے رہی تھی۔ وہ تیزی سے شوکیس کے قریب آیا اور جیب سے رومال نکال کر اُ کرنے لگا۔ اس کے بعد پھر اُس نے چاروں طرف ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ سامنے ایک دروا آیا جس کے پٹ کھلی ہوئے تھے۔ یہ شاید پروفیسر کے سونے کا کمرہ تھا۔ پلنگ کے سرہا بڑے سے فریم میں کسی عورت کا فوٹو لگا ہوا تھا۔ خدوخال کے اعتبار سے یہ ایک خوبصورت

کہی جاسکتی تھی۔ رنگت چاہے جیسی رہی ہو۔ اس تصویر کے علاوہ یہاں اور کوئی ایسی چیز نہیں تھی جسے آرائشی سمجھا جاسکتا۔ سامنے کی دیوار میں ایک کھڑکی تھی جو کھلی ہوئی تھی۔ انور نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا اور ٹارچ کی روشنی میں کھڑکی کا جائزہ لینے لگا۔ پھر اُس کے ہونٹ مایوسانہ انداز میں سکڑ گئے۔ لیکن یہاں وہ قاتل کا پتہ لگانے تو نہیں آیا تھا۔ ہوسکتا ہے سب کچھ اُسے پھنسانے کے لئے کیا گیا ہو۔ انور واپس جانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ مکان کے کسی حصے میں قدموں کی آہٹیں سنائی دیں۔

''یہ تو بالکل اندھیرا ہے۔'' ایک آواز سنائی دی اور انور چونک پڑا۔ یہ محکمہ سراغ رسانی کے انسپکٹر آصف کی آواز تھی۔ انور نے کھڑکی پر دونوں ہاتھ ٹیک کر دوسری طرف چھلانگ لگادی۔ چار دیواری پھلانگنے میں اسے کوئی دقت نہ ہوئی اور وہ اب اپنی پوری قوت سے اُس طرف دوڑ رہا تھا جہاں اس نے اپنی موٹر سائیکل چھپائی تھی۔

جاسوس کی دھمکی

انور تھوڑی ہی دیر سویا تھا کہ رشیدہ نے اُسے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگادیا۔ چھ بج گئے تھے۔ وہ جھنجھلا کر اٹھ بیٹھا۔

''کیا ہے؟''

''انسپکٹر آصف.....!'' رشیدہ نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

''اوہ.....!'' انور نے لاپرواہی سے کہا اور پھر لیٹ گیا۔ ''اُس سے کہہ دو کہ میں اس وقت نہیں مل سکتا۔''

''مگر میرے ننھے گدھے تم نے وہ حرکت کی ہے کہ تمہیں اٹھنا ہی پڑے گا۔''

''کیا.....؟''

''پروفیسر تیموری کو کسی نے قتل کردیا۔''

''میرے لئے یہ خبر بہت پرانی ہوچکی ہے۔'' انور نے لاپروائی سے کہا اور تکیے کے نیچے

ہاتھ ڈال کر سگریٹ کا پیکٹ ٹٹولنے لگا۔

''لیکن کچھ اس سے بھی زیادہ چونکا دینے والی خبر ہے۔''

''کیا.....؟''

''یہ اسی سے پوچھنا.....! اُس نے اس کے علاوہ مجھے اور کچھ نہیں بتایا۔''

''ہوں.....!'' انور اٹھتا ہوا بولا۔ ''اُسے یہیں بلا لو۔''

رشیدہ چلی گئی اور انور نے سگریٹ سلگا کر سلیپنگ گاؤن پہن لیا۔ انسپکٹر آصف کمرے میں داخل ہوا۔ وہ بہت زیادہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ انور نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

''کل شام کو تم کہاں تھے۔'' آصف نے پوچھا۔

''جہنم میں.....!'' انور جھلا کر بولا۔ ''تم جب بھی ملتے ہو اسی قسم کے بے سروپا سوالات کرنے لگتے ہو۔''

''ابھی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میں بے سروپا سوالات نہیں کر رہا ہوں۔''

''بک چلو.....!'' انور آہستہ آہستہ ناک سے سگریٹ کا دھواں نکالتا ہوا بولا۔

''مجھے اس وقت افسوس معلوم ہو رہا ہے کہ تم میرے گہرے دوست ہو۔'' آصف چہرے کو مغموم بنا کر بولا۔

''بہتر یہی ہوگا کہ تم مرثیہ خوانی شروع کر دو اور میں ماتم کروں۔ لیکن ہاتھ میرے اور تمہارا۔''

''میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔'' آصف سنجیدگی سے بولا۔ ''پروفیسر تیموری قتل کر دیا گیا۔''

''بڑا افسوس ہوا۔ کیا تمہارا کوئی رشتے دار تھا۔'' انور نے معصومیت سے پوچھا۔

''کل شام کو تم کہاں تھے۔'' آصف نے پھر پوچھا۔

''تارجام میں۔''

آصف اچھل پڑا اور رشیدہ اُسے حیرت سے دیکھنے لگی۔

''کیا کرنے گئے تھے۔''

''اونٹ خریدنے.....!'' انور نے سنجیدگی سے کہا اور ختم ہوتے ہوئے سگریٹ سے دوسرا

سگریٹ لگانے لگا۔ پھر رشیدہ کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ ''رشو چائے یہیں منگوا لو، شاید ابھی آصف صاحب نے بھی ناشتہ نہیں کیا۔''

''نہیں اس کی ضرورت نہیں۔'' آصف نے منہ بنا کر کہا۔ ''میری صرف اتنی خواہش ہے کہ تم اس وقت مجھ سے سنجیدگی سے گفتگو کرو۔''

''وہ تو ہوتی ہی رہے گی۔ رشو تم جاؤ۔'' انور نے کہا اور پیر پر پیر رکھ کر اطمینان سے بیٹھ گیا۔

''تارجام میں تمہارا کیا کام تھا۔''

''تم کسی اخبار کے رپورٹر سے یہ نہیں پوچھ سکتے۔''

''اس گفتگو کی حیثیت سرکاری نہیں بلکہ دوستانہ ہے۔'' آصف نے نرم لہجے میں کہا۔

''کچھ بھی ہو..... میں اپنے اصول پر سختی سے عمل کرتا ہوں۔''

''اور اگر میں بھی اپنے اصولوں پر سختی سے عمل کرنا شروع کر دوں تو۔''

''تب تم ایک اچھے لڑکے کہلاؤ گے۔'' انور نے کہا اور درویشانہ شان بے نیازی سے آصف کی طرف دیکھنے لگا۔

''انور میں سچ کہتا ہوں کہ میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔''

انور خاموشی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس کی آنکھوں میں اندر کر دل کا حال جاننے کے لئے کوشش کر رہا ہو۔

''پروفیسر کب اور کن حالات میں قتل ہوا۔ کیا اس کی لاش تارجام میں کہیں پائی گئی۔'' انور نے پوچھا۔

''کیوں تم نے یہ کیوں پوچھا؟ بھلا پروفیسر تیموری کا تارجام سے کیا تعلق.....؟'' آصف نے پوچھا۔

''وہ کل مجھے تارجام میں ملا تھا۔'' انور نے کہا۔

''کیا تم اسے پہلے سے جانتے تھے۔''

''نہیں کل ہی ہم دونوں نے ایک دوسرے سے جان پہچان پیدا کی تھی۔''

''اور اپنا نام غلط بتایا تھا۔'' آصف بے ساختہ بولا۔ لیکن اُس نے جس مقصد کے تحت ایسا

کیا تھا اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ وہ سمجھا تھا کہ انور اس کی معلومات پر اچھل پڑے گا۔ خوف آئے گا مگر ایسا نہ ہوا۔

انور ادھ کھلی آنکھوں سے اُس کی طرف دیکھتا رہا۔

''اور کچھ.....!'' وہ مسکرا کر بولا۔

''سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تم نے اسے غلط نام کیوں بتایا تھا۔''

''تمہارے اس سوال کا جواب بعد میں دونگا پہلے تم یہ بتاؤ کہ اس کی لاش کہاں پائی گئی۔''

''اُس کے گھر میں۔''

''اوہ.....!'' انور کے منہ سے بے اختیار نکلا اور وہ کچھ سوچنے لگا۔ آصف جواب طلب نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''تم تارجام سے یہاں کس وقت آئے تھے۔''

''سات بجے۔''

''اس کے بعد کیا کرتے رہے۔''

''رشیدہ سے لڑتا رہا..... پھر تقریباً دس بجے سو گیا۔''

''اور اتنی دیر تک سوتے رہے۔''

''میں سات بجے سے پہلے کبھی بستر نہیں چھوڑتا۔'' انور نے کہا۔ ''لیکن اس قسم کے سوالات سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ تم خود کب سے تارجام نہیں گئے۔''

''چھ ماہ قبل گیا تھا۔''

''وہاں تم نے شہر سے تین میل ادھر ہی کوئی شو روم دیکھا تھا.....؟''

''میں قطعی سنجیدہ ہوں۔'' انور نے کہا۔ ''جواہرات اور دوسرے غیر معمولی پتھروں کا شوروم۔''

''کیا.....؟ تم نے کہا تھا کہ تارجام سے تین میل ادھر ہی۔ گویا کہ ویرانے میں۔ ویرانے میں جواہرات کا شوروم..... ہونہہ۔''

''کیوں؟ ویرانے میں تمہیں جواہرات کا شوروم مضحکہ خیز کیوں لگ رہا ہے۔'' انور نے کہا۔

''دیکھو فضول باتوں میں وقت مت ضائع کرو۔''

''خیر اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو اسی وقت تارجام روانہ ہو جاؤ۔ تمہیں راستے ہی میں ''نکولس اینڈ کو'' کا سائن بورڈ نظر آ جائے گا۔''

''خیر ہوگا بھی! مجھے اس سے کیا۔'' آصف اکتا کر بولا۔

''صرف اتنا بتا دوں کہ وہاں اس شو روم کا وجود حیرت انگیز ہے یا نہیں۔''

''اگر ہے تو یقیناً حیرت انگیز ہے.....!''

''تارجام سے واپسی پر میں وہاں گیا تھا۔ اگر میری جگہ تم ہوتے تو تم بھی یہی کرتے۔''

''یقیناً.....!''

''ٹھیک..... تو جس وقت میں اندر پہنچا پروفیسر تیموری دوسرے کمرے میں کسی آدمی سے جھگڑا کر رہا تھا۔''

''دوسرا آدمی کون؟''

''میرا خیال ہے وہی نکولس تھا۔''

''ہوں..... آگے کہو۔''

''ظاہر ہے کہ وہاں پہنچنے پر مجھے بھی قیمتی پتھروں سے دلچسپی لینی پڑی اور اپنا نام بھی غلط بتانا پڑا۔ اس کی بعد پروفیسر تیموری نے اپنا نام بتایا اس سے قبل میں اسے اچھا خاصا ڈاکو اور خونی سمجھتا رہا تھا۔''

''کیوں.....؟''

''کیا وہ صورت سے خوفناک نہیں معلوم ہوتا.....؟''

''ہوں..... پھر.....!''

''پھر یہ کہ میں وہاں سے واپس آ گیا اور یہ تہیہ کر لیا کہ اس شو روم کو بے نقاب کئے بغیر نہ مانوں گا۔ وہاں یقیناً کوئی خوفناک حرکت ہو رہی تھی..... اور اس وقت تم پروفیسر تیموری کے قتل کی خبر سنا رہے ہو۔ تو گویا میرا اندازہ قطعی درست نکلا۔''

آصف کسی سوچ میں پڑ گیا۔

''ہاں یہ تو بتاؤ تمہیں اس کا علم کیسے ہوا کہ کل میں تارجام گیا تھا۔''

''مجھے پروفیسر تیموری نے تارجام سے فون کیا تھا کہ انور یہاں مجھ سے پراسرار حالات ملا ہے۔ میں رات کو گھر نہیں واپس جاؤں گا لہٰذا تم میرے مکان کی حفاظت کا کوئی انتظام کر

''تو گویا آپ مجھے چور اور ڈاکو بھی سمجھنے لگے ہیں۔'' انور نے کہا۔

''شاید وہ تمہیں پہچانتا تھا..... اور تمہارے غلط نام بتانے پر مشکوک ہو گیا۔ اس کے بھی تو کافی جواہرات موجود ہیں۔''

''لیکن یہ بھی عجیب چیز ہے۔'' انور نے کہا۔ ''تارجام والا شو روم بھی ویرانے اور پروفیسر تیموری بھی شاید ویرانے ہی میں رہتا ہے۔''

''میں کل شام ہی سے ایک ضروری کام میں مشغول تھا۔'' آصف اس کی بات کاٹ کر کے بولا۔ ''اس لئے میں نے پروفیسر کی بات پر دھیان نہ دیا اور ویسے بھی مجھے یقین کوئی ایسی حرکت نہیں کر سکتے جس سے قانوناً گرفت میں آجانے کا امکان ہو۔ بہرحال رات گئے تک مشغول رہا۔ پھر اچانک مجھے خیال آیا کہ مجھے سونا گھاٹ کا ایک چکر لگا لینا اگر پروفیسر واپس آ گیا ہوگا تو بُرا مانے گا۔ میری اس کی خاصی دوستی تھی۔'' آصف خاموش انور کی طرف دیکھنے لگا۔ انور خاصی دلچسپی کا اظہار کر رہا تھا۔

''میں دو تین آدمی ساتھ لے کر سونا گھاٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔'' آصف نے کہا کیا۔ ''تیمور منزل کا پھاٹک کھلا ہوا تھا اور عمارت بالکل تاریک تھی۔ مجھے کچھ شبہ ہوا اور چلے گئے۔ صدر دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ پھر ہم اس کمرے میں پہنچے جہاں پروفیسر کی لا ہوئی تھی۔ کسی نے پتھر توڑنے والے ہتھوڑے سے اس پر حملہ کیا تھا۔ میرا خیال ہے ہتھوڑے کی متعدد ضربات سے واقع ہوئی۔ سر کی کئی ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں۔''

''کیا وہ گھر میں تنہا رہتا تھا۔'' انور نے پوچھا۔

''نہیں اس کے ساتھ اس کا سیکریٹری حامد بھی رہتا تھا۔ لیکن وہ کل رات کو گھر پر نہیں

''کیوں.....؟''

''اس کا بیان ہے کہ وہ پروفیسر سے چھٹی لے کر گیا تھا۔''

''تو پھر میرا خیال ہے کہ پروفیسر خاصا احمق تھا۔'' انور نے کہا۔ ''پہلے اس نے سیکریٹری کو چھٹی دی اور پھر خود مکان اکیلا چھوڑ کر تارجام چلا گیا۔ تاکہ معمولی سا چور خفیف سی جدوجہد کے بعد اُس کے سارے جواہرات مار لے جائے۔''

''یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔''

''کیا تم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہو کہ تم سے فون پر بات کرنے والا پروفیسر تیموری تھا۔''

''میں جلدی میں تھا اس لئے اُس کی طرف دھیان نہیں دے سکا اور پھر اس وقت اس کی ضرورت ہی کیا تھی۔''

''سیکریٹری واپس کب آیا.....؟''

''آج چار بجے صبح۔''

''تم نے اُسے حراست میں نہیں لیا۔''

''میں اس پر غور کر رہا ہوں۔'' آصف نے کہا۔ ''لیکن تم مجھے خواہ مخواہ ادھر اُدھر کی باتوں میں الجھا کر پہلو بچانا چاہتے ہو۔''

''کیا مطلب.....!'' انور اُسے گھور کر بولا۔

''تم اس حادثے کے متعلق کچھ جانتے ہو۔''

''جو کچھ جانتا تھا میں نے بتا دیا۔''

''تم آخر یہ کیوں نہیں بتاتے کہ تم تارجام کیوں گئے تھے۔''

''میں.....!'' انور متحیر ہو کر بولا۔ ''شاید تم گھاس کھا گئے ہو۔ بھلا میں تارجام کیوں جانے لگا۔''

''ابھی خود تم نے اس کا اعتراف کیا ہے۔''

''مجھے یاد نہیں۔''

''خیر! لیکن یہ مت بھولو کہ پروفیسر نے کل مجھے تارجام سے تمہارے متعلق فون کیا تھا۔ تم اسے دھوکا دینے کی کوشش کر رہے تھے۔''

''تم نے خواب دیکھا ہوگا۔ خیر عدالت تمہارے اس خواب کو دلچسپی سے سنے گی۔ فی الحال مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ تمہارے محکمے کے سپرنٹنڈنٹ صاحب اس بات کی شہادت دیں

گے کہ کل میں دو بجے سے دس بجے تک ان کے ساتھ رہا۔"

"کیا مطلب.....!" آصف چونک کر بولا۔

"مطلب یہ میری جان کہ وہ میری بیوی کا سالا ہے۔" انور آنکھ مار کر کہنے لگا۔

"فی الحال تمہاری کوئی دکھتی رگ میرے ہاتھ میں نہیں ہے اسلئے اسے استعمال کروں گا۔"

"خیر اچھا ہوا کہ تم نے پہلے ہی بتا دیا.....اس کا بھی انتظام کرلیا جائے گا۔" آصف الٹا ہوا بولا۔

"اررر.....بیٹھو نا بھئی۔ رشیدہ چائے لا رہی ہوگی۔"

"میں چائے نہیں پیوں گا۔" آصف ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"تمہاری مرضی۔" انور نے اپنے شانوں کو جنبش دے کر کہا۔

اتنے میں رشیدہ چائے لے کر آ گئی۔

"آصف صاحب چائے نہیں پئیں گے۔" انور شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"کیوں.....؟"

"مجھ سے کہہ رہے تھے مرغے کی بولی بولو۔ میں نے معذوری ظاہر کی اس پر بگڑ گئے۔"

"دیکھو انور میں بتائے دیتا ہوں۔" آصف غصے میں اس کے آگے اور کچھ نہ کہہ سکا۔

"ابھی نہیں پھر کسی وقت بتا دینا۔" انور نے لاپروائی سے کہا اور اٹھ کر غسل خانے کی طرف چلا گیا۔

"یہ کسی دن بڑی مصیبت میں پھنس جائے گا۔" آصف نے رشیدہ سے کہا۔

"میری بلا سے۔" رشیدہ منہ بنا کر بولی۔ "مگر میں تو یہ دیکھتی آ رہی ہوں کہ یہ ہمیشہ دوسروں ہی کو مصیبت میں پھنسا دیتا ہے۔"

"کب تک.....خیر کی ماں کب تک بکرے کی.....کہنے کا مطلب یہ کہ بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔"

"بہرحال میں آپ کے لئے بھی چائے لائی ہوں۔" رشیدہ مسکرا کر بولی۔

"تم اسے سمجھاؤ۔" آصف نے بیٹھتے ہوئے۔

"یہ میرے بس کا روگ نہیں.....لیکن معاملہ کیا ہے۔"

"وہ پروفیسر تیوری کے قتل کے سلسلے میں کوئی اہم بات جانتا ہے۔"

"یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

"میں اسے عرصے سے جانتا ہوں۔ مجھے اچھی طرح اس کا اندازہ ہوگیا ہے کہ وہ کب اوٹ پٹانگ باتیں کرنا شروع کر دیتا ہے۔"

اتنے میں انور بھی واپس آ گیا۔ اُس نے آصف کی گفتگو سن لی تھی لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

تینوں خاموشی سے چائے پیتے رہے۔

"ہتھوڑے پر کسی قسم کے نشانات بھی ملے یا نہیں۔"

"نہیں.....!"

"ہاں میں نے رومال سے اس کا دستہ صاف کر دیا تھا۔" انور مسکرا کر بولا۔

آصف نے چڑھ کر اُسے بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا اور رشیدہ بھی اُسے گھورنے لگی۔

"دیکھو میاں آصف میں اپنا الو سیدھا کرنے کے بعد الٹا الو تمہارے حوالے کر دوں گا۔ مجھے اپنا بہت سا قرض ادا کرنا ہے۔ اس کے علاوہ بنک بیلنس بھی کم ہوتا جا رہا ہے۔ وغیرہ وغیرہ.....اگر تم میرے پیچھے پڑنے کے بجائے اپنا کام دیکھو تو زیادہ اچھا ہوگا۔"

ایک مرد ایک عورت

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میرا مطلب یہ ہے کہ اس وقت تمہارے ہاتھ میں تاش کے دو پتے ہیں۔ پہلا نکولس اور دوسرا سیکریٹری۔ میری ساتھ مغز مارنے سے بہتر تو یہی ہے کہ تم انہیں کریدنے کی کوشش کرو۔"

"مشورے کا شکریہ۔" آصف ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

"ایک چیز اور.....!" انور نے آہستہ سے کہا۔ "پروفیسر نے تم سے کہا تھا کہ وہ تار جام ہی میں رات گذارے گا.....پھر واپس کیوں آ گیا۔"

"ممکن ہے بعد کو اُسے خیال آیا ہو گھر سیکریٹری بھی موجود نہیں اس لئے گھر اکیلا نہ چاہئے۔" آصف نے کہا۔

"تو اسکا یہ مطلب ہے کہ اُس نے تار جام جانے سے پہلے ہی سیکریٹری کو چھٹی دے دی تھی۔"

"ممکن ہے۔"

"اس لئے مجھے پھر کہنا پڑے گا کہ پروفیسر یا تو فرشتہ تھا یا بہت بڑا احمق کیونکہ تیمور محل وقوع ایسا ہے کہ وہاں دن دہاڑے چوری ہو سکتی ہے۔"

ابھی سلسلہ گفتگو یہیں تھا کہ ایک پستہ قد مگر مضبوط جسم کا آدمی کمرے میں داخل ہوا نے سفید سلک کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ قمیض کا سخت کالر دودھ کی طرح سفید اور بے داغ تھا رنگ کی سپاٹ ٹائی سینے پر لہرا رہی تھی۔ آنکھوں پر سنہرے فریم کا سبک سا چشمہ تھا۔

"تو میں بالکل ٹھیک وقت پر آیا۔" وہ مسکرا کر ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ پھر رشیدہ طرف دیکھ کر کہنے لگا۔ "غالباً چائے دانی خالی نہ ہوگی۔"

انسپکٹر آصف نے اُسے گھور کر دیکھا۔ غالباً اُسے اس کی بے تکلفی ناگوار گزری تھی۔

"میں آپ لوگوں کی مشغولیت میں مخل تو نہیں ہوا۔" وہ آصف اور انور کیطرف دیکھ کر

"قطعی نہیں۔" انور نے زہریلی مسکراہٹ کیساتھ کہا۔ "آپ سے کیا پردہ مغل شہنشاہ کے شاہی محلات میں خواجہ سراؤں کو پوری پوری آزادی تھی۔"

آنے والا رشیدہ کی طرف دیکھ کر بے ڈھنگے پن کے ساتھ ہنسنے لگا۔ رشیدہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں چائے کی پیالی لینے چلی گئی۔ آصف ابھی تک اُسے گھورے جا رہا تھا۔ ایسا ہو رہا تھا جیسے وہ اس کی موجودگی پسند نہیں کرتا۔ آصف اُس سے سچ مچ متنفر تھا اور اس کی کے پیشے کی گندگی تھی۔ وہ روزنامہ "پوسٹ مارٹم" کا ایڈیٹر تھا۔ اس کی آمدنی کا واحد ذریعہ میلنگ تھی وہ اپنے اخبار کے ذریعے اونچے طبقے کے لوگوں کے پرائیویٹ معاملات پبلک سامنے لاکر یا لانے کی دھمکی دے کر خاصی رقمیں پیدا کرلیا کرتا تھا۔ لیکن اس کا طریقہ کار تھا کہ وہ براہِ راست قانون کی زد میں نہیں آتا تھا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ خواہ مخواہ کسی آدمی کے پیچھے پڑ جاتا اور انور سے بھی وہ اسی مقصد کے تحت ملتا رہتا تھا کہ شاید اُس

کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے جسے وہ اپنی آمدنی کا ذریعہ بنا سکے۔ ویسے وہ انور سے ڈرتا بہت تھا۔ اس خوف کی وجہ انور کی غیر معمولی ذہانت اور فطری بے مروتی تھی۔

رشیدہ کی واپسی پر وہ کرسی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور رشیدہ اس کیلئے چائے انڈیلنے لگی۔

"کیوں قدیر.....؟ کوئی نئی چیز.....!" انور نے اُس سے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ انسپکٹر صاحب تمہیں کوئی نئی خبر ہی سنانے آئے ہیں۔" قدیر مسکرا کر بولا۔

"اچھا بھئی اب میں چلوں۔" آصف اٹھتا ہوا بولا۔ "آج شاید دن بھر میں سونا گھاٹ پر ہی رہوں اگر فرصت ہو تو اس طرف بھی چلے آنا۔"

"کوشش کروں گا۔" انور نے کہا اور سگریٹ سلگانے لگا۔

"میں جانتا ہوں کہ آصف تم سے مدد لینے آیا تھا۔" قدیر بولا۔

"مجھے تمہارے اس جاننے پر کوئی اعتراض نہیں۔" انور نے لاپروائی سے کہا اور خیالات میں ڈوبا ہوا ناک سے آہستہ آہستہ سگریٹ کا دھواں نکالنے لگا۔

"میں یہ بھی جانتا ہوں کہ پروفیسر تیموری کا سیکریٹری کل رات کو کہاں تھا۔"

"کہاں.....؟" انور چونک کر بولا۔

"ابھی یہ نہیں بتا سکتا اگر ان لوگوں سے سودا طے نہ ہوا تو میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔"

"کن لوگوں سے۔"

"ابھی کس طرح بتا سکتا ہوں۔"

"خیر ہوگا..... میں تمہاری تجارت میں دخل انداز نہیں ہونا چاہتا۔" انور اٹھتا ہوا بولا۔ "میں اس وقت بہت زیادہ مشغول ہوں۔"

"کوئی بات نہیں! تم جا سکتے ہو..... میں رشیدہ صاحبہ سے غپ لڑاؤں گا۔" قدیر نے کہا۔

"میں معافی چاہتی ہوں..... مجھے بھی ایک ضروری کام سے باہر جانا ہے۔"

"خیر خیر..... نہ جانے کیوں مجھے آپ لوگوں سے اتنی محبت ہو گئی ہے۔"

"شکریہ شکریہ.....!" انور منہ سکوڑ کر بولا۔

قدیر اٹھ کر چلا گیا۔

''تم سچ مچ بڑی احمق ہو۔''

''کیوں.....!'' رشیدہ تنک کر بولی۔

''تمہیں اُسے روک کر اُس سے سب کچھ اگلوا لینا چاہئے تھا۔''

''میں نہیں پڑتی اس چکر میں۔''

''خیر ہوگا.....!'' انور نے جیب سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکال کر اُسے دیتے ہوئے کہا۔ ''نمبر کی کار لے مالک کا پتہ لگانا ہے۔''

''پھر تم نے وہی شروع کیا۔''

''جان من! انور بُری طرح پھنس گیا ہے۔ کل رات کو اگر مجھ سے ذرا سی بھی ہو جاتی تو آصف مجھے لاش کے سرہانے ہی پکڑ لیتا۔'' انور نے کہا اور پچھلی رات کی دہراتا ہوا بولا۔ ''اب میرا بھی وہی خیال ہے جو تمہارا تھا کہ مجھے کوئی پھنسانا چاہتا ہے۔''

''ابھی کیا ہے۔'' رشیدہ بزرگانہ انداز میں بولی۔ ''ابھی اور دھکے کھاؤ گے خیر اب کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ لاؤ کاغذ مجھے دو۔''

تھوڑی دیر کے بعد دونوں آفس چلے گئے۔ رشیدہ کو چھٹی دلا کر انور اپنے روزانہ کاموں میں مشغول ہوگیا۔ کلاک نے گیارہ بجائے اس نے کاغذات ایک طرف رکھ کر کچھ سوچنے لگا۔ آج ایک بجے کے بعد اُسے کل والی پراسرار لڑکی سے ملنا تھا لیکن اسے یقین ہوگیا تھا کہ اب وہ دوبارہ نظر نہ آئے گی۔ آخر وہ کون تھی؟ کیا اس پتھر ہی سے موت کا تعلق تھا۔ اگر ایسا تھا تو وہ درمیان میں کیوں ڈالا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اپنے اور کے کسی پراسرار تعلق کے امکانات پر غور کرنے لگا۔ لیکن یہ چیز بالکل ہی مہمل تھی۔ پھر اُسے اس پتھر کا خیال آ گیا۔ اس نے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھالیا اور نمبر ملانے لگا۔

''ہیلو.....اوہ معاف کیجئے گا۔ مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔'' انور نے ریسیور رکھ دیا اور ڈائریکٹری اٹھا کر اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ اسے پروفیسر تیموری کے فون نمبر کی چند لمحوں کے بعد اس نے پھر ریسیور اٹھالیا۔

''ہیلو.....کیا آپ پروفیسر تیموری کے گھر سے بول رہے ہیں۔ اچھا اچھا.....

آصف صاحب کو فون پر بلا دیجئے۔'' وہ خاموش ہو کر بائیں ہاتھ سے میز پر رکھے ہوئے کاغذات کو الٹنے پلٹنے لگا۔ ''ہیلو آصف! میں بول رہا ہوں.....کوئی نئی بات.....؟ آخر اس قتل کا مقصد کیا ہو سکتا ہے.....کوئی چیز غائب بھی نہیں ہوئی.....یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو۔ جواہرات بھی بدستور ہیں؟ ہیکر یٹری سے تو پوچھو.....اچھا یہی اُسی کا بیان ہے.....خیر میں تم سے کسی وقت وہیں ملوں گا۔''

انور ریسیور رکھ کر پھر اپنے دفتری کاغذات میں ڈوب گیا۔ تقریباً ساڑھے بارہ بجے رشیدہ واپس آئی۔

''خبر.....؟'' انور اس کی طرف دیکھ کر سوالیہ انداز میں بولا۔

''خبر تو ہے مگر بتاؤں گی نہیں۔'' رشیدہ نے سنجیدگی سے کہا۔

''رشو.....!'' انور پیار بھرے لہجے میں بولا۔

''ہرگز نہیں.....ایک شرط ہے۔''

''کیا.....!''

''دونوں کان پکڑ کر مرغے کی بولی بولو۔''

''قریب آؤ.....زور سے نہیں بولوں گا.....'' انور نے رشیدہ کے کان مضبوطی سے پکڑ لئے اور آہستہ سے بولا۔ ''ککڑوں کوں'' اور پھر جھٹکا دے کر اسے پیچھے ہٹا دیا۔ رشیدہ کھڑی بسورتی رہی اور وہ لکھتا رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اب اس سے کچھ نہ پوچھے گا.....لیکن جیسے ہی وہ جانے کے لئے مڑی انور آہستہ سے بولا۔

''ادھر آؤ.....!''

رشیدہ پلٹ کر اُسے گھورنے لگی۔

''اچھا آؤ اب تم میرے کان پکڑ لو.....آ جاؤ.....شاباش۔''

''نہیں آؤں گی.....نہیں آؤں گی۔'' رشیدہ جھلا کر بولی۔

''تو مجھے ہی آنا پڑے گا۔''

انور اٹھ کر اُس کے قریب پہنچ گیا۔ رشیدہ تھوڑی دیر تک اُسے گھورتی رہی پھر بولی۔

''میں کچھ نہیں بتاؤں گی۔''

''بولو بھی رشو.....!'' انور بچگانے انداز میں بولا۔ ''میں بالکل یہ نہیں سمجھا تھا کہ تم بجائے
سے میرے کان پکڑنا چاہتی ہو۔''

''بکومت.....!''

''اچھا لو چپ ہوگیا۔''

''وہ پروفیسر تیموری کی کار کا نمبر تھا۔'' رشیدہ نے کہا۔

''مذاق مت کرو۔''

''میں مذاق نہیں کر رہی ہوں۔ پروفیسر کے پاس دو کاریں تھیں ایک وہ خود اپنے استعمال
میں رکھتا تھا اور دوسری سیکریٹری کے پاس رہتی تھی۔ یہ سیکریٹری ہی والی کار کا نمبر ہے۔''

''میرے خدا.....!'' انور آہستہ سے بولا۔ ''تو کیا.....وہ پتھر سیکریٹری ہی نے چرایا تھا۔
نہیں یہ ناممکن ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اُسے دوبارہ واپس کرنے کیلئے دوسرے سے مدد کیوں لیتا۔''

رشیدہ خاموش ہوگئی۔ انور پھر بولا۔

''رشو اس لڑکی کا پتہ لگانا بہت ضروری ہوگیا ہے۔''

''ہوگا.....!'' رشیدہ بے تعلقی ظاہر کرتی ہوئی بولی۔

انور نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ ایک بج رہا تھا۔

''رشو.....! تم پھر کسی وقت میرے کان پکڑ لینا۔ فی الحال میرے ساتھ چلو۔'' انور اُ
دروازے کی طرف گھسیٹتا ہوا بولا۔

''کہاں.....؟''

''جہاں میں چلوں۔''

اور پھر انور کی موٹر سائیکل سڑک پر فراٹے بھرنے لگی۔ رشیدہ کیریئر پر بیٹھی ہوئی تھی۔

''تم مدینہ ہوٹل کے سامنے ہی ٹھہری رہنا۔ غالباً میرا مطلب سمجھ گئی ہوگی۔ تمہیں اس
کا تعاقب کر کے یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ کون ہے۔''

''ہوں.....اور اس کی اُجرت.....!''

''اجرت.....!'' انور چونک کر بولا۔ ''ایک بہت ہی لذیذ قسم کا چانٹا۔''

رشیدہ نے اُس کی پیٹھ پر گھونسا جڑ دیا اور دو ایک راہ گیر انہیں حیرت سے دیکھنے لگے۔

ہوٹل کے کچھ فاصلے پر انور نے موٹر سائیکل روک لی اور رشیدہ اتر کر دوسرے کنارے کے
فٹ پاتھ پر چلی گئی۔

انور ناک بھوں سکوڑتا ہوا ہوٹل میں داخل ہوا۔ معینہ کیبن میں ایک آدمی بیٹھا چائے پی رہا
تھا۔ انور دروازے پر ٹھٹک گیا۔

''کیا آپ مسٹر انور ہیں۔'' آدمی آہستہ سے بولا۔

انور نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''چلے آیئے.....!'' وہ بولا۔

یہ ایک دبلا پتلا اور دراز قد آدمی تھا۔ گالوں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ آنکھوں
عیاری ٹپکتی تھی۔ چہرے کا پھیکا پھیکا تانبے جیسا رنگ بتا رہا تھا کہ وہ بہت زیادہ شراب پینے کا
عادی ہے۔ انور اس کے سامنے بیٹھ کر اُسے گھورنے لگا۔

''وہ کنجیاں دے دیجئے۔'' وہ آہستہ سے بولا۔

''کنجیاں.....!'' انور نے تعجب ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ''کیسی کنجیاں.....میرا خیال ہے
رہا اس سے قبل کبھی آپ سے نہیں ملا۔''

''وہی کنجیاں جو کل ایک لڑکی نے آپ کو دی تھیں۔''

''لڑکی.....آپ شاید نشے میں ہیں۔''

''میں قطعی ہوش میں ہوں اور کنجیاں واپس لے کر جاؤں گا۔'' اُس نے انور کو گھورتے
ہوئے کہا۔ ''آپ اپنی اجرت بتایئے۔''

''کیسی اجرت.....دیکھئے جناب میں اجنبیوں سے بے تکلف ہونے کا عادی نہیں۔''

''سیدھے ہو جاؤ میاں لڑکے سیدھے۔'' وہ تن کر بولا۔ ''میں بہت بُرا آدمی ہوں۔''

''وہ تو صورت ہی سے ظاہر ہے۔''

''انور.....!''

''بدتمیز.....!'' انور تیز لہجے میں بولا۔ ''انور صاحب کہو۔''

''اچھا انور صاحب کنجیاں واپس کر دیجئے۔'' وہ نرم لہجے میں بولا۔

''ناممکن! ہرگز نہیں۔'' انور اٹھ کر کیبن سے نکل آیا۔

''تمہیں پچھتانا پڑے گا۔'' وہ بولا۔

''اس پر پھر کبھی غور کروں گا۔'' انور نے کہا اور چل پڑا۔ وہ آہستہ آہستہ قریب ریستوران کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کا اشارہ پا کر رشیدہ بھی اس کے پیچھے ہولی تھی۔ ریسٹ میں پہنچ کر وہ اس کی طرف مڑا۔

''رشو..... وہ نہیں آئی۔ اس کے بجائے ایک مرد آیا ہے۔ تم اس کا پیچھا کرو..... اسی ہوٹل میں بیٹھا ہے۔ کیبن نمبر پانچ میں..... جاؤ جلدی کرو۔''

''مجھے بھوک لگ رہی ہے۔'' رشیدہ بولی۔

''جاؤ میں تمہاری طرف سے بھی کھالوں گا..... مطمئن رہو۔''

رشیدہ منہ بناتی ہوئی باہر چلی گئی۔ انور دروازے کے قریب ہی کی ایک میز پر بیٹھ گیا۔ کا آرڈر دے کر اس نے سگریٹ سلگایا اور سامنے رکھے ہوئے گلدان پر نظریں جما دیں۔ اس کی یہ محبت زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے بائیں گال قریب سے ایک پیلے رنگ کی لہر گذر گئی ہو اور ساتھ ایک خاص قسم کی خوشبو..... ایک عورت رنگ کی ساری میں ملبوس کاؤنٹر کی طرف جا رہی تھی۔ لیکن وہ خوشبو! وہ خوشبو انور کا ذہن جھنجھ اور جیسے ہی وہ عورت کاؤنٹر پر دونوں ہاتھ ٹیک کر پیچھے کی طرف مڑی انور کے سارے جسم ٹھنڈی ٹھنڈی لہریں دوڑ گئیں۔ یہ تو وہی تھی بالکل وہی جس کی تصویر اس نے پچھلی رات پروفیسر کی خواب گاہ میں دیکھی تھی اور وہ خوشبو۔ کیا اسی خوشبو نے پچھلی رات کو اس کا پراگندہ نہیں کر دیا تھا۔ پروفیسر کے مکان کا سناٹا اور اندھیرا اُسکے ذہن میں آہستہ آہستہ رینگ

وہ کچھ پریشانی سی نظر آ رہی تھی۔ بار مین نے اس کی طرف دیکھنا بند کر دیا جس نے پیلے رنگ کی شراب کا ایک پگ انڈیلا تھا۔ عورت نے سوڈے کی بوتل گلاس میں خالی اور پھر اس بُری طرح گلاس پر ٹوٹ پڑی جیسے وہ بہت پیاسی ہو۔ گلاس ختم کرنے کے بعد خالی میز کی قریب بیٹھ گئی۔ بار ٹنڈر دوسرا گلاس اور سوڈے کی بوتل اس کی میز پر رکھ کر

اب وہ شراب کو بے تحاشہ حلق میں انڈیل لینے کی بجائے ہلکی ہلکی چسکیاں لے رہی تھیں۔ پھر اس نے ایک سگریٹ سلگایا اور نیم وا آنکھوں سے گلاس کی طرف دیکھنے لگی۔

اتنے میں بیرا انور کی کافی لے کر آ گیا۔ انور نے عورت کی میز کی طرف اشارہ کیا۔ بیرے نے کافی کی ٹرے اس میز پر رکھ دی۔ عورت بیرے کو گھورنے لگی۔

''میں نے کافی تو نہیں منگوائی۔'' وہ حیرت سے بولی۔ قبل اس کے بیرا کچھ کہتا انور اس کے قریب پہنچ گیا۔

''میں اس وقت کافی ہی پیتا ہوں۔'' انور نے آہستہ سے کہا اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

''مگر آپ.....!'' عورت کے لہجے میں احتجاج تھا۔

''ہاں..... آں.....!'' انور نے بیرے کو جانے کا اشارہ کر کے کہا۔ ''میں آپ کے لئے اجنبی ضرور ہوں مگر آپ میرے لئے نہیں۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''بات یہ ہے کہ پروفیسر تیموری.....!''

''جی.....!'' شراب کے گلاس کو اس نے اتنی مضبوطی سے پکڑ لیا کہ اس کے ہاتھ کی رگیں ابھر آئیں۔

''مطلب یہ کہ آپ پروفیسر تیموری کی دوست تھیں۔''

''جی ہاں..... جی ہاں.....!'' وہ جلدی سے بولی۔

''اُسے کسی نے قتل کر دیا۔''

''اوہ..... جی ہاں..... میں نے اخبار میں پڑھا ہے۔''

''اس سے آپ کب ملی تھیں۔''

''لیکن آپ کون ہیں؟''

''پروفیسر تیموری کا ایک ہمدرد.....!'' انور نے کہا۔ ''میں آپ سے یہ پوچھ رہا ہوں کہ آپ آخری بار اُس سے کب ملی تھیں۔''

''مجھے ٹھیک یاد نہیں۔ ہو سکتا ہے دس روز قبل..... ہو سکتا ہے پندرہ روز قبل۔''

''اور کل رات کو.....!''

عورت دفعتاً چونک پڑی۔ وہ انور کو خوفزدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''بولئے بولئے.....!'' انور سر ہلا کر بولا۔ ''میرے پاس اس بات کا کافی ثبوت موجود ہے کہ آپ کل رات کو تیمور منزل میں تھیں۔''

''نہیں.....نہیں..... یہ جھوٹ ہے۔'' وہ اس طرح بولی جیسے خواب میں بول رہی ہو۔

''یہ سو فیصدی سچ ہے۔''

عورت اُسے تھوڑی دیر تک خوفزدہ نظروں سے دیکھتی رہی پھر دفعتاً سنبھل کر بولی۔

اگر آپ دوسری بار یہ جملہ دہرائیں گے تو میں پولیس کو فون کر دوں گی۔''

''ضرور کیجئے.....اسطرح پولیس کو آسانی ہو جائے گی کیونکہ وہ خود آپکی تلاش میں ہے۔''

سیکریٹری

عورت پھر خوفزدہ نظر آنے لگی۔

''لیکن ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔'' انور مسکرا کر بولا۔ ''میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کل رات کو تیمور منزل میں تھیں یا نہیں۔''

''قطعی نہیں..... ہرگز نہیں۔''

''خیر آپ کی مرضی.....!' انور لاپروائی سے بولا۔ ''لیکن اپنا نام بتانے میں تو آپ کو اعتراض نہ ہوگا۔''

''گلوریا تموتھی.....!''

انور نوٹ بک نکال کر لکھنے لگا۔

''کہاں رہتی ہیں۔''

''رحمٰن لاج.....تیسری منزل.....روم نمبر پانچ۔''

''شکریہ۔'' انور نوٹ بک جیب میں رکھتا ہوا بولا۔

''لیکن.....لیکن؟'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

''کیا.....!''

''کچھ نہیں۔''

''آپ کی مرضی۔'' انور لاپروائی سے بولا اور کافی کی پیالی خالی کر کے کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

وہ انور کو بغور دیکھتی رہی۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولی۔

''میں اس جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہتی۔ میری ہی طرح پروفیسر کے درجنوں جان پہچان والے ہوں گے۔ پولیس ان سب کو تنگ کرے گی؟''

''جان پہچان بھی کئی قسم کی ہوتی ہے۔'' انور نے کہا۔ ''ایک قسم یہ بھی ہوتی ہے کہ لوگ جان پہچان والوں کی تصویریں اپنی خواب گاہوں میں لگاتے ہیں۔''

''جی.....!'' عورت چونک کر بولی۔

''جی ہاں.....!'' انور معنی خیز انداز میں بولا۔ ''پولیس آپ میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لے رہی ہے۔''

''لیکن آپ کون ہیں۔''

''کہہ تو دیا کہ پروفیسر کا ایک دوست.....میرا پولیس سے کوئی تعلق نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ سب کچھ مجھے بتا دیں تاکہ میں آپ کو پولیس کی زیادتی سے بچا سکوں۔''

''میں کچھ نہیں جانتی۔'' عورت جلدی سے بولی۔ ''اور آپ مجھ پر سراسر اتہام لگا رہے ہیں کہ میں کل رات کو پروفیسر تیموری کے مکان میں تھی۔''

''خیر.....خیر..... دیکھا جائے گا۔'' انور اٹھتا ہوا بولا۔ ''میں ہر ممکن کوشش کروں گا کہ پولیس کو آپ تک نہ پہنچنے دوں۔''

انور نے کاؤنٹر پر جا کر بل ادا کیا اور ریستوران سے نکل گیا۔

رشیدہ کا انتظار فضول تھا معلوم نہیں وہ کب تک واپس آئے۔ انور کچھ سوچنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد اس کی موٹر سائیکل سونا گھاٹ کی طرف جا رہی تھی اور اس کا ذہن کئی گتھیاں

سلجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

تیمور منزل میں پولیس ڈیرا ڈالے ہوئی تھی۔ انسپکٹر آصف بھی موجود تھا اور بہت زیادہ نظر آ رہا تھا۔ انور کو دیکھتے ہی اس کا چہرہ کھل گیا۔

''میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔''

''کوئی نئی بات۔''

''کچھ نہیں..... کوئی نئی بات نہیں۔ میں نے نکولس کو حراست میں لے لیا ہے۔''

''کیوں.....؟''

''شبہ کی بناء پر..... واقعی اس کا شو روم انتہائی پراسرار معلوم ہوتا ہے۔''

''لیکن صرف اسی کو حراست میں کیوں لیا ہے۔''

''میں تار جام گیا تھا۔'' آصف کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''نکولس کی کل رات کی نقل و حرکت میں ڈالنے والی ہے۔''

''یعنی.....!''

''وہاں سے پروفیسر تیموری کی روانگی کے تھوڑی دیر بعد ہی وہ بھی چل پڑا۔''

''پھر.....!''

''ظاہر ہے کہ اگر اُسے بھی شہر آنا تھا تو وہ پروفیسر تیموری ہی کے ساتھ کیوں نہیں تھوڑی دیر بعد چلنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے اور پھر دوسری بات یہ کہ اُس نے عام راستے بجائے دشوار گزار راستے اختیار کئے جن کے ذریعہ وہ پروفیسر سے کچھ دیر قبل ہی شہر پہنچ گیا۔''

''لیکن تمہیں یہ اطلاعات ملیں کہاں سے۔'' انور نے کہا۔

''اس ٹیکسی ڈرائیور سے جو اُسے شہر لے گیا تھا۔''

''ہوں.....!'' انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''وہ اترا کہاں تھا۔''

''رحمٰن لاج کے قریب۔''

''رحمٰن لاج.....!'' انور چونک کر بولا۔

''ہاں..... لیکن تم چونکے کیوں؟''

''کچھ نہیں..... یونہی..... تو پھر نکولس نے کیا بتایا۔''

''ظاہر ہے کہ وہ آسانی سے یہ نہیں بتائے گا کہ وہ تیموری کا قاتل ہے۔''

''بھئی کمال کر دیا۔ محض اتنی سی بات پر تم نے اسے قاتل ہی تسلیم کر لیا۔'' انور ہنس کر بولا۔

''نہیں اس کی وجہ ایک اور بھی ہے جس ہتھوڑے سے پروفیسر قتل کیا گیا تھا وہ عام استعمال کا ہتھوڑا نہیں۔ یا تو وہ پروفیسر ہی کا ہو سکتا ہے یا پھر اُسی کے کسی دوسرے ہم پیشہ کا۔''

''تمہاری مراد پتھر توڑنے والے ہتھوڑے سے ہے؟'' انور نے پوچھا۔

''ہاں..... سیکریٹری نے بتایا کہ وہ پروفیسر کا نہیں تھا۔''

''تو کیا نکولس نے اُسے اپنا ہتھوڑا تسلیم کر لیا۔''

''بھلا وہ کیوں تسلیم کرنے لگا۔''

''تو اس سے تم نے یہ اندازہ لگایا کہ وہ نکولس ہی کا ہو سکتا ہے۔'' انور بولا۔

''یہ تو اب دیکھا جائے گا۔''

''پروفیسر کا قتل کہاں ہوا.....؟'' انور نے پوچھا۔

''پتھروں والے کمرے میں۔'' آصف نے کہا۔ ''آؤ میرے ساتھ۔''

وہ دونوں اُس کمرے میں آئے جہاں پچھلی رات کو انور نے پروفیسر کی لاش دیکھی تھی۔ اس وقت اجالے میں چاروں طرف لگے ہوئے شیشے کے شوکیسوں میں طرح طرح کے خوش رنگ پتھر جگمگا رہے تھے۔ آصف انور کو وہ جگہ دکھانے لگا جہاں پروفیسر کی لاش ملی تھی۔

''تو تمہیں اچھی طرح اطمینان ہے کہ یہاں سے کوئی چیز چرائی نہیں گئی۔'' انور نے پوچھا۔

''میں یہاں کی چیزوں سے واقفیت تو رکھتا نہیں۔'' آصف مسکرا کر بولا۔ ''سیکریٹری کا بیان یہی ہے کہ ہر چیز اپنی جگہ پر موجود ہے۔ فی الحال مجھے اسی کے بیان پر یقین کرنا پڑے گا۔''

''ہوں.....!'' انور کچھ سوچ رہا تھا اور اس کی نظریں شوکیس پر جمی ہوئی تھیں جس میں اس نے پچھلی رات کو سیاہ پکھراج رکھا تھا۔ لیکن اس وقت وہ غائب تھا۔ اسکی جگہ خالی نظر آ رہی تھی۔

''سیاہ پکھراج.....!'' انور نے شوکیس پر جھک کر بلند آواز میں کہا۔

''اوں..... کیا مطلب.....!'' آصف چونک کر بولا۔

"شاید یہاں بھی کوئی پتھر تھا جس کا نام لکھا ہوا ہے۔" انور خالی جگہ کیطرف اشارہ کر

"ہاں تھا تو..... اب وہ تجوری میں رکھ دیا گیا ہے۔" آصف نے کہا۔

"کیوں.....؟"

"پتہ نہیں..... سیکریٹری نے رکھ دیا ہے۔"

"تمہارے سامنے۔"

"ہاں بھئی ہاں۔"

"تم اس کی قیمت سے واقف ہو۔" انور نے پوچھا۔

"کیوں یہ کیوں پوچھ رہے ہو۔"

"اس لئے کہ سیاہ پکھراج آج تک میری نظر سے نہیں گزرا.....؟"

"ٹھیک ہے۔" آصف بولا۔ "آج سے پہلے میں نے بھی کبھی نہیں دیکھا تھا۔"

"سیکریٹری کہاں ہے؟"

"اس کی حالت بہت ابتر ہے۔"

"وہ ہے کہاں.....؟"

"اپنے کمرے میں؟ بھئی نہ جانے کیوں مجھے اس پر رحم آتا ہے۔"

"اور مجھے تم پر رحم آتا ہے۔" انور ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "میں اُس سے ملنا چاہتا ہوں"

"وہ سامنے والے کمرے میں ہے تم جاؤ۔ میں مرحوم کے سامان کی فہرست مکمل کر رہا

"مگر یہ تمہارا کام نہیں ہے۔" انور نے کہا۔

"یہ مت بھولو کہ پروفیسر میرا دوست بھی تھا۔"

"اس کا کوئی وارث بھی ہے یا نہیں۔"

"ہے تو..... لیکن اس کے متعلق پروفیسر کے قانونی مشیر مسٹر پی۔ داس زیادہ بہتر

گے۔"

"اور تم نے ابھی تک اس سے گفتگو نہیں کی۔"

"میں نے کوشش کی تھی لیکن وہ آج کل شہر میں موجود نہیں ہے۔"

"ہوں.....!" انور نے کچھ سوچتے ہوئے سر ہلایا۔ تھوڑی دیر تک وہ آصف کو بے خیالی میں گھورتا رہا پھر سیکریٹری کے کمرے کیطرف چلا گیا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ انور نے دستک دی۔ جواب ندارد..... اس نے پھر دروازہ تھپتھپایا۔ اندر قدموں کی آہٹ سنائی دی اور وہ دروازہ کھل گیا۔ انور کے سامنے ایک خوبصورت جوان کھڑا تھا۔ آنکھیں سرخ اور پلکیں سوجی ہوئی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کافی دیر تک روتا رہا ہو۔

"اندر چلئے۔" انور آہستہ سے بولا۔ سیکریٹری ایک طرف ہٹ گیا اور انور کمرے میں چلا گیا۔

"بیٹھ جایئے۔" انور ایک کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

سیکریٹری بیٹھ کر انور کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

"آپ کو یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ آپ پروفیسر سے چھٹی لے کر گئے تھے۔"

"جی.....!" سیکریٹری اُسے خوفزدہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"جی ہاں۔"

"میرے پاس کوئی ثبوت نہیں۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"آپ یہاں سے کس وقت گئے تھے۔"

"دس بجے دن کو۔"

"کہاں گئے تھے؟"

"نشاط نگر اپنی خالہ کے یہاں۔"

"آپ کے استعمال میں وہی کار رہتی ہے جس کا نمبر ۲۳۷۱ ہے۔"

"جی ہاں۔"

"آپ اسی کار پر گئے تھے۔"

"جی ہاں۔"

"اور وہ کل سے اب تک آپ ہی کے پاس رہی۔"

"جی.....!" وہ چونک کر بولا۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"آپ میری بات کا جواب دیجئے۔"

''نہیں کل یہ میری خالہ کے بھی استعمال میں رہی۔''

''آپ کی خالہ کی عمر کیا ہے؟''

''مسٹر.....!'' وہ تیز لہجے میں بولا اور پھر انور کو گھورنے لگا۔

''اس سوال کا جواب ضروری ہے؟'' انور نے سنجیدگی سے کہا۔

''پچاس یا پچپن سال.....!''

''ہوں .....!'' انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''کیا آپ مکان کی کنجی اُس لچھے میں رکھتے جس میں کار کی کنجی رہتی ہے۔''

''جی ہاں.....!''

''تو کل کنجیوں کا لچھا بھی آپ کی خالہ کے پاس رہا ہوگا۔''

''جی ہاں.....مگر کیوں.....مگر کیوں؟''

''کچھ نہیں.....کوئی خاص بات نہیں۔'' انور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔ ''کیا میں وہ لچھا دیکھ سکتا ہوں۔''

''جی ہاں.....ضرور ضرور۔'' سیکریٹری نے کہا اور اپنے کوٹ کی جیبیں ٹٹولنے لگا۔

''یہ لیجئے۔''

''ان میں سے مکان کی کنجیاں کون کون سی ہیں۔'' انور نے پوچھا۔

سیکریٹری بتانے لگا۔

''اچھا یہ تو وہ کنجیاں ہیں جو آپکے پاس رہتی تھیں۔ وہ کنجیاں کہاں ہیں جو پروفیسر رکھتا تھا''

''وہ ان کی جیب میں نہیں ملیں۔'' سیکریٹری بولا۔

''آپ نے تلاش کی تھیں۔''

''نہیں.....قاعدے کے مطابق انہیں اُن کی جیب میں ہونا چاہئے تھا۔''

''تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قتل کرنے والا اپنے ساتھ وہ کنجیاں بھی لے گیا۔'' انور بولا

''بھلا میں اس کے متعلق کیا بتا سکتا ہوں۔''

''خیر چھوڑیئے.....یہ بتایئے کہ آپ نے وہ سیاہ پکھراج تجوری میں کیوں رکھ دیا؟

''وہ تجوری ہی میں رہتا تھا۔ پرسوں چند مہمانوں کو دکھانے کیلئے شوکیس میں لگایا گیا تھا۔''

''مہمانوں کو دکھانے کے لئے؟''

''جی ہاں۔''

''ان مہمانوں کے نام.....؟''

سیکریٹری نے نام بتانے شروع کئے اور انور اپنی نوٹ بک میں لکھتا گیا۔

''سر صغیر احمد.....!'' انور ایک نام پر بڑبڑایا۔ ''نیشنل بنک کا ڈائریکٹر نا.....!''

''جی ہاں وہی۔''

''شاید وہ بھی تو پتھروں کا شوقین ہے۔''

''جی ہاں۔''

''پروفیسر سے اس کے تعلقات کیسے تھے۔''

''اچھے خاصے تھے۔''

''لیکن ہم پیشہ اور ہم شوق لوگ ایک دوسرے سے حسد بھی تو رکھتے ہیں۔'' انور بولا۔

''بھلا میں اس کے متعلق کیا کہہ سکتا ہوں۔''

''تو وہ پکھراج پرسوں سے آج تک اُسی شوکیس میں رہا۔''

''جی ہاں۔''

انور اُسے تیز نظروں سے گھورنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد کمرے سے نکل آیا۔

کچھ نئی باتیں!

چار بجے شام کو انور تیمور منزل سے شہر کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس کیس میں اُسے سچ مچ اُلجھنے پر مجبور ہوجانا پڑا تھا۔ سیکریٹری کا بیان الجھا ہوا تھا اور فی الحال کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ اسے مجرم کیوں نہ سمجھا جائے۔ پتھر چرایا گیا تھا۔ لیکن وہ اس کے بیان کے مطابق دعوت

والی رات سے اس وقت تک اسی شوکیس میں موجود رہا۔ پھر دوسری بات یہ کہ اگر وہ تجوری
رکھا جاتا تھا تو پھر دعوت کے اختتام سے اب تک شوکیس ہی میں کیوں رکھا رہا۔ انور کو
ہو رہا تھا کہ اُس نے اس سے اور سوالات کیوں نہ کئے۔ پھر اس کا ذہن گلوریا کی طرف
ہو گیا۔ اُسے سو فیصدی یقین تھا کہ وہ پچھلی رات کو جائے واردات پر موجود تھی لیکن اس یقین
بنیاد کسی منطقی دلیل پر نہیں تھی جس خوشبو کا تجربہ اسے پچھلی رات کو ہوا تھا اس کا استعمال گلوریا
علاوہ کوئی دوسرا بھی کر سکتا تھا۔ اس امکان کے باوجود بھی وہ نہ جانے کیوں گلوریا کو اس کیس
متعلق ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ پکھراج اسی نے چرایا ہو اور پھر کسی وجہ
اُسے واپس کر دینے پر آمادہ ہو گئی ہو۔ اس کام کے لئے اس نے اس لڑکی کو منتخب کیا ہو۔
نہیں..... وہ سوچنے لگا۔ اگر یہ بات تھی تو اس لڑکی کے پاس سیکریٹری کی کار کی موجودگی کیا
رکھتی ہے۔ اس سے تو یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ خود سیکریٹری بھی ملا ہوا تھا اور اگر یہ درست ہے تو
پتھر کی واپسی کے لئے اُسے ہموار کرنا بالکل ہی احمقانہ فعل تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ کام خود سیکریٹری
انجام دے سکتا تھا۔ پھر اچانک اس کا ذہن ایک دوسرے ہی دھارے پر بہہ نکلا۔ آخر پرویز
قتل کیا معنی رکھتا ہے اگر یہ سب کچھ اُسے پھنسانے کے لئے کیا گیا تھا تو اس سازش کی پشت
کون ہو سکتا ہے اور پھر سوچتے سوچتے اسے الجھن ہونے لگی اور اس نے وقتی طور پر یہ خیال
سے نکال پھینکا۔

رشیدہ گھر پر اس کا انتظار کر رہی تھی۔ انور نے کمرے میں داخل ہوتے ہی فلٹ ہیٹ
کر دور پھینک دی۔ نشانہ تو میز ہی کا لیا تھا لیکن ہاتھ بہک جانے کی وجہ سے وہ جوتوں کی الما
میں جا گری۔ ٹائی کی گرہ ڈھیلی کر کے وہ ایک آرام کرسی میں دھنس گیا۔

''کیوں؟ کیا کسی نے مرمت کر دی۔'' رشیدہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''نہیں میں کسی ایسے کی تلاش میں ہوں جس کی مرمت کی جا سکے۔''

''آئینہ لا دوں۔'' رشیدہ نے بھولے پن سے کہا اور انور اُسے گھورنے لگا۔

''رپورٹ.....!'' وہ تلخ لہجے میں بولا۔

''بہت اچھا حضور..... سنئے..... وہ مے پول ہوٹل کے کمرہ نمبر ۴۶ میں رہتا ہے۔ ر

میں اس کا نام وجے کمار ہے ہوٹل میں لڑکی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر تک وہ اُس سے
کچھ باتیں کرتا رہا لڑکی خوفزدہ سی نظر آ رہی تھی۔ پھر وہ ہوٹل سے چلی گئی اور میں واپس آ گئی۔''

''تم واپس آ گئیں۔''

''اور پھر کیا کرتی۔''

''اوہ..... تم اتنی اُلو کیوں ہو گئی ہو۔''

''نہیں تو کہاں۔'' رشیدہ حیرت سے اپنا پورا جسم ٹٹولتی ہوئی بولی۔

''میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔''

''تو میں کیا کروں۔''

''رشو.....!''

''فرمایئے مسٹر انور۔''

''مجھے غصہ آ جائے گا۔''

''بُری بات ہے۔ بچوں کو غصے سے پرہیز کرنا چاہئے۔'' رشیدہ مربیانہ انداز میں بولی۔

''رشو.....!'' انور جھلا کر چیخا۔

''انور.....!'' رشیدہ بھی اسی انداز میں چیخی۔

انور دانت پیسنے لگا۔ رشیدہ اس کی نقل کر رہی تھی۔

''معلوم ہوتا ہے تمہاری شامت آ گئی ہے۔'' انور نے کہا۔

''ہاں آئی تو تھی مگر تم سے ملاقات نہ ہونے پر افسوس ظاہر کر کے اپنا پتہ چھوڑ گئی۔''

''میں اپنا سر پھوڑ لوں گا۔''

''بسم اللہ..... مگر میز پر نہیں۔ کمزور لکڑی کی ہے۔ میرا خیال ہے دیوار..... خیر دیوار ہی سہی۔''

''بکواس بند کرو۔'' انور پھر چیخا۔

''بکواس بند کر دی۔'' رشیدہ بھی اُسی انداز میں چیخی اور چھت کی طرف دیکھنے لگی۔

انور نے دوسری طرف منہ پھیر لیا اور رشیدہ بلند آواز میں گانے لگی۔

''مان مرا احسان ارے نادان کہ میں نے تجھ سے کیا ہے پیار.....!''

''ارے بند کرو..... بند کرو..... یہ نفرت آمیز گانا۔'' انور زور سے چیخا۔

''کہ میں نے تجھ سے کیا ہے پیار.....!'' رشیدہ نے پھر ہانک لگائی۔

''میں سچ کہتا ہوں۔''

''مان مرا احسان.....!''

''چپ رہو۔''

''ارے نادان کہ میں.....!''

''ارے چپ ارے چپ۔'' انور کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر بولا۔ ''خدا غارت کرے اُسے جس نے یہ گیت لکھا تھا۔ جاہل تھا وہ بالکل اُلو کا پٹھا تھا۔''

''تجھ سے کیا ہے پیار.....!''

انور نے جھلا کر اپنی ٹائی کی گرہ تنگ کرنی شروع کر دی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ گھونٹ کر مر جائے گا۔ نہ جانے کیوں اسے یہ گیت حد درجہ نفرت انگیز معلوم ہوتا تھا۔

''چچ چچ..... ٹائی خوش رنگ بھی ہے۔'' رشیدہ اس کے ہاتھ پکڑتی ہوئی بولی۔

''آخر تمہیں اس گیت سے اتنی چڑ کیوں ہے۔''

''دور ہٹو..... دور ہٹو.....!'' انور اٹھتا ہوا بولا۔

''اب مجھے ان کھڑکیوں میں سلاخیں لگوانی پڑیں گی۔'' رشیدہ فکر مند لہجے میں بولی۔

''معلوم نہیں کب پڑوس کے ریڈیو سیٹ پر یہی گیت آنے لگے اور تم کھڑکی سے چھلانگ لگا دو۔''

''تم خدا کے لئے یہاں سے چلی جاؤ۔'' انور عاجز آ کر بولا۔

''میں خود ہی جا رہی تھی۔'' رشیدہ دروازے کی طرف بڑھی اور تھوڑی دور جا کر پھر پلٹی۔

''جانتے ہو وہ پراسرار لڑکی کون ہے؟''

''کیوں خواہ مخواہ مجھے تنگ کرتی ہو۔'' انور کے لہجے میں بے چارگی تھی۔

''اب آئے ہو سیدھی راہ پر..... خیر سنو..... اس کا نام رابعہ صغیر ہے اور وہ سر صغیر کی لڑکی ہے۔''

''کیا کہا.....؟'' انور اچھل کر بولا پھر اس کی نظریں رشیدہ کے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔

''کیوں؟ کیا بات ہے۔'' رشیدہ نے آہستہ سے پوچھا۔

''بہت بڑی بات۔'' انور کی نظریں بدستور اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

''گرہیں خود بخود کھلتی جا رہی ہیں۔ خود بخود کھل رہی ہیں۔''

''تو ٹھیک سے بتاؤ نا۔''

دفعتاً انور نے چونک کر اپنی نظریں اس کے چہرے پر سے ہٹا لیں اور پھر اس طرح اس کی طرف دیکھنے لگا جیسے وہ اس کی موجودگی سے بے خبر تھا۔

''معاملہ بہت زیادہ الجھا ہوا ہے۔'' انور نے کہا اور رشیدہ کو اپنی اور سیکریٹری کی گفتگو کے متعلق بتانے لگا۔

''تب تو معاملہ صاف ہے۔'' رشیدہ بولی۔ ''سیکریٹری بھی ملا ہوا ہے لیکن پروفیسر کے قتل کا مقصد سمجھ میں نہیں آتا اور اب تو یہ بھی نہیں سوچا جا سکتا کہ کسی نے تمہیں پھنسانے کی کوشش کی ہے۔ بھلا صغیر احمد یا اُس کی لڑکی سے تمہارا کیا تعلق۔''

''یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔''

''ہاں ایک بات تو بھول ہی گئی۔ ایک عورت تلاش کرتی ہوئی آفس پہنچی تھی۔ اپنا نام گلوریا بتایا تھا۔ شاید وہ مناسب حق الخدمت کے عوض تم سے کوئی کام لینا چاہتی ہے۔''

''گلوریا؟ کیوں کیا.....!'' انور کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

''کیا تم اُسے جانتے ہو.....؟''

''ہاں..... میری فہرست میں وہ بھی شامل ہے۔''

''بہرحال وہ اپنا پتہ دے گئی ہے۔''

''ہوں.....!'' انور کچھ سوچ رہا تھا۔ پھر دفعتاً چونک کر بولا۔ ''میں نے ابھی تک چائے نہیں پی۔''

''لیکن میں نے سنا ہے کہ تمہارے استاد انسپکٹر فریدی کھانا پینا تک بھول جاتے ہیں۔''

''وہ عشق کی آخری منزل ہے..... میں ابھی تک وہاں نہیں پہنچ سکا۔''

چائے پی چکنے کے بعد وہ رحمٰن بلڈنگ کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ گلوریا اُسے

کچھ بتانا چاہتی ہے کوئی اہم بات۔

تھوڑی دیر بعد وہ گلوریا کے فلیٹ کی گھنٹی بجا رہا تھا۔ دروازہ کھلا اور گلوریا چونک کر ہٹ گئی۔

''آپ..... آپ..... کیوں؟''

''کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔''

''مگر اس وقت یہاں گھر میں مہمان.....!''

''آپ مطمئن رہئے..... آپ کا مہمان محفوظ رہے گا۔''

وہ دروازہ بند کر کے واپس لوٹ گئی۔ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی خاص انتظام کر کے انور کو بلائے گی۔ انور نے دھکا دے کر دروازہ کھول دیا لیکن سامنے پڑتے ہی وہ ٹھٹک گیا۔ ایک معمر آدمی صوفے سے اٹھ رہا تھا۔ انور اسے اچھی طرح جانتا تھا۔ سر صغیر احمد تھا۔

سر صغیر اپنے سر پر فیلٹ ہیٹ جماتا اور کچھ بڑبڑاتا ہوا اس کے قریب سے گذر گیا۔

گلوریا انور کو بُری طرح گھور رہی تھی۔

''میں اس بدتمیزی کا مطلب نہیں سمجھی۔''

''اور مجھے آپ کا یہ جملہ بڑا عجیب لگ رہا ہے۔''

''تم آخر ہو کون.....؟'' وہ جھنجھلا کر بولی۔

''آپ تو اس طرح کہہ رہی ہیں جیسے میں زبردستی یہاں گھس آیا ہوں۔'' انور نے مسکرا کر کہا اور اپنا ملاقاتی کارڈ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

''انور سعید.....!'' وہ اچھل پڑی۔ ''مگر..... مگر.....!''

''میں آپ کی درخواست پر یہاں آیا ہوں۔''

''اوہ..... معاف کیجئے گا۔ آپ نے پہلے ہی کیوں نہیں بتا دیا تھا۔''

''آپ نے پوچھا ہی کب تھا.....؟''

''اچھا تو بیٹھئے۔ میں ایک بار پھر معافی چاہتی ہوں۔''

بلند نمبر 5

''کوئی بات نہیں۔'' انور بیٹھتا ہوا بولا۔

''میں آپ کی مدد چاہتی ہوں۔''

''کس معاملے میں۔''

''پولیس نے نکولس کو پکڑ لیا ہے۔''

''نکولس..... کون نکولس.....!''

''پروفیسر تیموری کا دوست.....!''

''لیکن اس سے آپ کا کیا تعلق.....؟''

''میری اور اس کی شادی ہونے والی تھی۔''

''اور وہ کل رات کو یہاں آیا تھا۔'' انور نے پوچھا۔

''ہاں.....!''

''تو وہ پروفیسر کے ساتھ ہی کیوں نہیں چلا آیا تھا۔''

''وہ نہیں چاہتا تھا کہ پروفیسر کو علم ہو۔''

''کیوں.....؟''

''اب میں کیا بتاؤں۔'' وہ بے بسی سے انور کو دیکھنے لگی۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولی۔ ''آپ نے میری تصویر پروفیسر کے کمرے میں دیکھی تھی۔''

''ہاں تو پھر.....!''

''یہ سب میں نے نکولس ہی کے لئے کیا تھا۔ اگر میں ایسا نہ کرتی تو نکولس کے کاروبار کے لئے روپیہ کہاں سے فراہم ہوتا۔ اسے بھی پتھروں کا خبط ہے اور اس نے بھی اپنی زندگی پتھروں کے لئے وقف کر دی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور جانتا ہی نہیں۔ میں نے پروفیسر تیموری سے قرض دلوایا تھا اور اسی سے وہ کاروبار کر رہا تھا۔ پروفیسر اس کا گاہک بھی تھا۔''

''کیا پروفیسر کو تم دونوں کے تعلقات کا علم تھا۔''

''ہاں.....!''

''اور یہ سر صغیر احمد۔''

"یہ بھی نکولس کے گاہکوں میں سے ہے۔"

"لیکن تمہارا اس سے کیا تعلق۔"

گلوریا خاموش ہوگئی۔ انور اُسے گھور رہا تھا۔

"کچھ بھی نہیں..... کچھ بھی نہیں۔"

"اچھا سیاہ پکھراج کے بارے میں تم کیا جانتی ہو۔"

گلوریا بے اختیار چونک پڑی۔ اُس کے چہرے کی رنگت اڑنے لگی تھی لیکن اس نے ہی اپنی حالت پر قابو پالیا۔

"سیاہ پکھراج..... کیسا سیاہ پکھراج..... میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔"

"پھر میں تمہاری کوئی مدد نہ کرسکوں گا۔"

"مسٹر انور..... نکولس کو اس مصیبت سے نجات دلایئے۔ میں آپ سے التجا کرتی ہوں۔"

"تو پھر میں جو کچھ پوچھتا ہوں تم بتاتی کیوں نہیں۔"

"جو کچھ میں جانتی تھی میں نے بتا دیا۔"

"تم نے کچھ نہیں بتایا۔ لیکن تم ایک دن سب کچھ بتانے پر تیار ہوجاؤ گی۔"

گلوریا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

"کیا تم پروفیسر والی دعوت میں شریک تھیں۔"

"نہیں..... لیکن نکولس وہاں موجود تھا۔"

"سر صغیر اور پروفیسر کے تعلقات کیسے تھے؟"

گلوریا ایک بار پھر خاموش ہوگئی لیکن اُسے بولنا ہی پڑا' اور وہ کافی دیر تک بولتی رہی۔ لیکن انور کے لئے وہ سب بے سود تھیں۔ اس کی دانست میں وہ اس سے کچھ چھپانے کی کوشش کررہی تھی۔

وہ لڑکی

سات بجتے بجتے انور پھر سونا گھاٹ پہنچ گیا۔ تیمور منزل میں ابھی دو پولیس کانسٹیبل

تھے۔ آصف وغیرہ جاچکے تھی۔ کانسٹیبل دوپہر کو انور اور آصف کو ایک ساتھ دیکھ چکے تھے اس لئے انہوں نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ انور سیدھا سیکریٹری کے کمرے میں چلا گیا جو اس وقت بھی بند تھا۔ البتہ کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں جن سے روشنی دکھائی دے رہی تھی۔

انور نے دستک دی اور دروازہ کھل گیا۔ سیکریٹری اُسے گھور رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے نفرت جھانک رہی تھی۔

"میں تم سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے فرصت نہیں۔"

"میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تمہاری خالہ.....!"

"آپ جاسکتے ہیں۔" وہ بگڑ کر بولا۔ "مجھے معلوم ہوچکا ہے کہ آپ کا تعلق پولیس سے نہیں ہے۔"

انور ہنسنے لگا..... اور سیکریٹری نے دروازہ بند کردیا۔ انور تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر کھڑکی کے قریب جاکر بولا۔ "سیکریٹری صاحب آپ خواہ مخواہ ناراض ہوگئے..... مجھے رابعہ صغیر نے بھیجا ہے۔"

دروازہ ایک جھٹکے کے ساتھ کھل گیا اور سیکریٹری باہر نکل آیا۔

"کس نے بھیجا ہے تمہیں۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"تمہاری خالہ رابعہ صغیر نے۔" انور سنجیدگی سے بولا۔

سیکریٹری دیوار سے ٹک کر کھڑا ہوگیا۔ انور نے محسوس کیا کہ وہ بغیر سہارے کے نہیں کھڑا ہوسکتا۔

"اندر چلو.....!" انور اس کا ہاتھ پکڑ کر آہستہ سے بولا۔

"سیکریٹری بالکل بے بس نظر آرہا تھا۔"

"پولیس کو ابھی اس کی اطلاع نہیں کہ تم نے پروفیسر کی اجازت کے بغیر کل رات کو گھر چھوڑا تھا۔"

"تو کیا.....!" وہ خوفزدہ لہجے میں بولا۔ "رابعہ نے سب کچھ بتا دیا۔"

"تم نے پولیس سے یہ بات کیوں چھپائی تھی کہ دعوت والی رات کو سیاہ پکھراج گم ہوگیا

تھا اور پروفیسر کی موت کے بعد پھر مل گیا۔"

"اگر رابعہ نے تمہیں سب کچھ بتا دیا ہے تو اب مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو۔"

"رابعہ نے مجھے کچھ بھی نہیں بتایا لیکن اب تمہیں سب کچھ بتانا پڑے گا۔"

سیکریٹری کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"لیکن اتنا یاد رکھو کہ تم جھوٹ بول کر کامیاب نہیں ہو سکتے۔" انور پھر بولا۔

"میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔" سیکریٹری گلوگیر آواز میں بولا۔ اس کی آنکھوں میں آ
رہے تھے۔ میں نہیں جانتا کہ پروفیسر کو کس نے قتل کیا لیکن یہ جانتا ہوں کہ پتھر کس نے چرا
تم کسی طرح سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرو کہ پروفیسر کا قاتل میں ہی ہوں۔ پتھر کی
اندھیرے ہی میں رہنے دو۔ میں نہیں چاہتا کہ رابعہ کا نام منظر عام پر آئے۔ اس سے بہتر
لئے پھانسی ہوگی۔"

"کیوں؟ کیا تمہیں پہلے ہی سے یہ ساری اسکیم معلوم تھی۔"

"نہیں..... بلکہ میں بعد میں ان نتائج پر پہنچا ہوں۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں واپس آنے کے بعد تمہیں اس بات کا احساس
تمہیں کسی خاص مقصد کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔"

"نہیں..... نہیں..... میں اس کے متعلق کچھ نہیں سوچنا چاہتا۔ کچھ نہیں سمجھنا چاہتا
اس کا اعتراف ہے کہ میں نے پروفیسر سے چھٹی نہیں لی تھی۔ لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ
واپس نہیں آ سکتے۔"

"تو نشاط نگر جانے سے پہلے تمہیں اس کی اطلاع نہیں تھی کہ تم نشاط نگر جاؤ گے۔"

"مسٹر انور آپ یہ سب مت پوچھئے۔ کسی طرح یہ ثابت کر کے مجھے پھانسی کے تختے
پہنچا دیجئے کہ میں ہی پروفیسر کا قاتل ہوں۔"

"کیوں؟ تم زندگی سے بیزار کیوں ہو گئے ہو؟"

"میں یہ سوچنے سے پہلے مر جانا چاہتا ہوں کہ جس پر مجھے اعتماد تھا اس نے مجھے فریب
"تمہارا اشارہ رابعہ کی طرف ہے۔"

سیکریٹری نے خاموش ہو کر گردن جھکا لی اور انور سوچنے لگا کہ اسے اداکاری سمجھے یا
حقیقت۔ کیا وہ سچ مچ راست بازی سے کام لے رہا تھا یا رابعہ کو پھنسا کر خود الگ ہو جانے کی
کوشش کر رہا تھا۔

"تم نے آخر پتھر کی چوری اور بازیافت کے متعلق پولیس کو کیوں نہیں بتایا۔"

"مسٹر انور وہ پروفیسر کی زندگی ہی میں چرایا گیا تھا؟ اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ کتنا
بیش قیمت ہو سکتا ہے۔ پھر یہ بتائیے کہ خود پروفیسر ہی نے اس کی اطلاع پولیس کو کیوں نہیں
دی۔"

انور چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا

"ظاہر ہے کہ وہ اس کی اطلاع پولیس کو نہیں دینا چاہتے تھے۔" سیکریٹری پھر بولا۔

"لیکن وہ پتھر اسے ملا کہاں سے تھا۔" انور نے پوچھا۔

"مجھے اس کی اطلاع نہیں اور نہ میں یہی بتا سکتا ہوں کہ وہ ان کے پاس کب سے تھا۔"

"دعوت میں رابعہ بھی شریک تھی۔"

"ہاں..... وہ بھی تھی۔" سیکریٹری نے مضمحل آواز میں کہا۔

"اور دوسری صبح کو پکھراج شوکیس میں نہیں تھا۔" انور نے کہا۔

"ہاں.....!"

"اُسے رات ہی کو تجوری میں کیوں نہیں رکھ دیا گیا تھا؟"

"اب اس کے متعلق میں کیا بتا سکتا ہوں۔ میں نے پروفیسر سے کہا بھی تھا لیکن انہوں
نے کہا کہ نہیں اُسے شوکیس ہی میں رہنے دیا جائے۔"

"رابعہ کس وقت تک تمہارے ساتھ نشاط نگر میں رہی۔"

"تین بجے تک ..... بلکہ وہ وہیں رہ گئی اور میں واپس چلا آیا۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں
پروفیسر صبح ہی صبح واپس نہ آ جائے۔"

"تم اسے بہت چاہتے ہو۔"

سیکریٹری خاموش ہو گیا۔ اس کی آنکھیں جھک گئی تھیں۔

''نشاط نگر میں تم کہاں رہے۔'' انور نے پوچھا۔

''درحقیقت میری ایک خالہ نشاط نگر میں رہتی ہے لیکن میں نے وہاں رات نہیں گذاری تھی۔''

''پھر.....!''

''رابعہ کے گھر پر.....!''

''کیا نشاط نگر میں اس کا کوئی گھر ہے۔''

''جی ہاں..... اکثر وہ لوگ تبدیل آب و ہوا کے لئے وہاں جاتے ہیں۔ ویسے وہ خالی ہی رہتا ہے۔''

''کیا اس سے پہلے بھی تم لوگ اس قسم کی راتیں گذار چکے ہو۔'' انور نے پوچھا۔

''کبھی نہیں اور مجھے اس پر حیرت ہے کہ رابعہ جیسی ڈرپوک لڑکی اس پر کیسے تیار ہوگئی تھی۔''

''تو کیا خود تم ہی نے اس سے اس کے لئے کہا تھا۔''

''قطعی نہیں..... یہ تجویز اسی نے پیش کی تھی کہ ہم نشاط نگر میں رات گذاریں۔ حالانکہ اس سے قبل وہ کبھی میرے ساتھ سینما تک نہیں گئی تھی۔ ایسی باتوں پر عموماً خوف ظاہر کیا کرتی تھی۔''

''لیکن نشاط نگر کیوں اتنی آزادی سے چلی گئی۔''

''اس نے کہا تھا کہ سر صغیر رات کو گھر پر نہیں رہیں گے۔''

''اوہ.....!'' انور اُسے معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگا۔ ''یہ عجیب اتفاق ہے کہ وہ پروفیسر دونوں بیک وقت رات کو گھر سے باہر رہنے کا ارادہ رکھتے تھے۔''

''تو کیا..... تو کیا.....!''

''نہیں.....!'' انور ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''کسی قسم کا خیال ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں۔ قطعی یہ مقصد نہیں ہے کہ سر صغیر نے تمہارے ذریعہ پروفیسر کو قتل کرادیا۔ ہوسکتا ہے کہ تمہیں واقعی اس کا علم نہ ہو۔ میں سر صغیر کی طرف سے بہت زیادہ مشکوک ہوں اور پولیس کو بھی اسی راستے لگانے کی کوشش کروں گا۔''

''نہیں مسٹر انور..... نہیں خدا کے لئے ..... اس طرح رابعہ کی بھی بدنامی ہوگی اور میں اسے کسی طرح برداشت نہیں کرسکتا۔ میں پولیس کے سامنے اعتراف جرم کئے لیتا ہوں اگر آپ

اس قسم کا کوئی قدم اٹھایا تو میں خود کو قانون کے حوالے کردوں گا اور میرا خون ناحق آپ کی گردن پر ہوگا۔''

''واہ رے میرے شیر.....!'' انور ہنس کر بولا۔ ''تم نے تو فرہاد کی بھی قبر پر لات ماردی۔ اس صدی میں میں نے ایسا عشق نہیں سنا۔''

''مسٹر انور آپ جاسکتے ہیں۔'' سیکریٹری اسے گھورتا ہوا بولا۔

''ظاہر ہے کہ میں یہاں رات نہیں بسر کروں گا۔'' انور مسکرا کر بولا۔

''مجھے آپ سے ہمدردی کی توقع ہے۔''

''ہمدردی کی توقع اُسی وقت رکھ سکتے ہو جب سب کچھ صحیح صحیح بتادو۔''

''اور کیا میں ابھی تک جھک مار رہا تھا۔'' سیکریٹری نے بگڑ کر کہا۔

''میں تو یہی سمجھتا ہوں۔''

''مسٹر انور.....!''

''گرم ہونے کی ضرورت نہیں۔'' وہ اٹھتا ہوا بولا۔ ''بعض اوقات میں لوگوں کو مصلحتاً غصہ دلاتا ہوں۔''

سونا گھاٹ سے واپسی پر انور کے ذہن میں عجیب قسم کا انتشار برپا تھا اور اس انتشار میں تصویریں ایک دوسرے سے ٹکرا رہی تھیں۔ رابعہ، گلوریا، نکولس، سیکریٹری سر صغیر احمد۔ وہ الجھتا رہا پھر شہر پہنچ کر اس نے اپنی موٹر سائیکل سر صغیر احمد کی کوٹھی کی طرف موڑ دی۔ کوٹھی کے قریب سر صغیر دکھائی دیا جو اپنی کار پر کہیں جارہا تھا۔ انور نے موٹر سائیکل کی رفتار دھیمی کردی اور اسے یقین ہوگیا کہ صغیر کی کار کافی دور نکل گئی ہوگی تو اس نے اپنی موٹر سائیکل کوٹھی کے سامنے پر کھڑی کردی اور خود اندر چلا گیا۔

''کس سے ملنا ہے آپ کو.....!'' ایک نوکر نے آگے بڑھ کر کہا۔ ''صاحب ابھی ابھی باہر گئے ہیں۔''

''کس رابعہ.....!'' انور نے اپنا ملاقاتی کارڈ نوکر کو دیتے ہوئے کہا۔

نوکر چلا گیا اور انور برآمدے میں انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد نوکر واپس آیا۔

''مس صاحبہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''ان سے کہہ دو بہت ضروری کام ہے۔'' انور نے کہا اور پھر بلند آواز میں بولا۔ ''مسٹر

''مسٹر انور.....!'' دروازے سے آواز آئی۔ ''اندر آ جایئے۔''

رابعہ سامنے کھڑی تھی۔ وہ خوفزدہ نظر آ رہی تھی۔

انور اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر تک دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

''کنجیاں واپس کر دیجئے۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''کیسی کنجیاں؟''

''میں آپ سے التجا کرتی ہوں۔'' وہ رونی آواز میں بولی۔ ''آپ جتنا روپیہ طلب گے میں آپ کو دے سکتی ہوں۔''

''بھلا ایک ایسے آدمی کو روپوں پیسوں سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے جو پھانسی پر چڑھنے جا

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔''

''پولیس کو وہاں میری موجودگی کا علم ہو گیا ہے اور وہ وقت دور نہیں جب پروفیسر الزام بھی میرے ہی سر تھوپ دیا جائے گا۔''

''اوہ..... میرے خدا میں کیا کروں۔'' رابعہ سر پکڑ کر ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔

''کچھ نہیں..... میری پھانسی کی خبر اخبارات میں پڑھ لیجئے گا۔''

''نہیں..... نہیں۔'' اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ چلے۔

''تو پھر یہ بتایئے کہ پروفیسر کا قاتل کون ہے۔''

''میں..... میں کیا جانوں..... میں۔''

''کیا سر صغیر کو آپ کے اور پروفیسر کے سیکریٹری کی دوستی کے متعلق معلوم ہے۔''

''جی.....!'' وہ اچھل کر بولی۔

''میرا مطلب یہ ہے کہ کیا انہیں یہ معلوم تھا کہ آپ سیکریٹری کے ساتھ نشاط نگر میں بسر کریں گی۔''

''آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ میں سیکریٹری کو نہیں جانتی۔''

''تو پھر آپ نے اس کی کار چرائی ہو گی کیونکہ آپ اُسی کی کار پر مجھ سے ملنے گئی تھیں۔''

''جی.....!'' رابعہ کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

''جی ہاں..... میرے لئے کوئی چیز ناممکن نہیں ہے اور کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ وجے کمار کو آپ کب سے جانتی ہیں۔''

''میں کچھ نہیں جانتی۔'' وہ بے اختیار رو پڑی۔ ''خدا کے لئے کنجیاں واپس کر دیجئے اور اپنا حق الخدمت بتایئے۔''

''کیا اب میں حق الخدمت اپنی قبر میں لے جاؤں گا۔''

''پھر میں کیا کروں۔''

''سب کچھ سچ سچ بتا دیجئے۔''

''میں اس شخص کا نام نہیں بتاؤں گی۔''

''کیا قاتل کا.....؟''

''نہیں نہیں..... اس کا جس نے مجھے پکھراج واپس کرنے کے لئے دیا تھا۔ لیکن وہ قاتل نہیں ہے۔ ہرگز نہیں۔''

''اچھا تو پھر میں ہی قاتل ہوں..... چڑھ جاؤں گا پھانسی پر۔''

''نہیں..... نہیں۔'' وہ بے تابانہ اٹھتی ہوئی بولی۔

''آپ کی یہ پریشانی مجھے پھانسی سے نہیں بچا سکتی۔''

''میں کیا کروں.....!'' وہ پھر بیٹھ گئی۔

''سیکریٹری سچ مچ اس سازش میں شریک تھا یا آپ نے اُسے دھوکا دیا تھا۔''

''نہیں..... نہیں میں کچھ نہیں جانتی۔''

''آپ بہت کچھ جانتی ہیں۔''

وہ پھر رو پڑی۔

''دیکھئے یہ سب بیکار ہے۔ آپ کے آنسو بھی مجھے پھانسی سے نہیں بچا سکتے۔''

''مسٹر انور..... خدا کے لئے۔''

''میں مجبور ہوں۔''

''میں جانتی ہوں کہ آپ کا بال بھی بیکا نہیں ہوسکتا۔''

''یہ آپ کا خیال ہے۔''

''آپ بتایئے کہ میں آپ کو کتنا روپیہ دوں؟''

''روپیہ میں آپ سے نہیں لوں گا۔''

''پھر.....!''

''میں نہیں بتا سکتا۔ لیجئے یہ کنجیاں سنبھالئے۔'' انور کنجیاں اس کی گود میں پھینک کر کھڑا ہوگیا اور پھر جانے کے لئے مڑا۔

''مسٹر انور.....!''

''فرمایئے۔''

''خدا کے لئے.....سنئے تو.....ایک منٹ ٹھہر جایئے.....صرف ایک منٹ سنئے تو۔''

وہ پکارتی ہی رہ گئی۔ انور کے قدموں کی آہٹیں دور ہوتی جارہی تھیں۔

''مے پول ہوٹل میں ایک مسافر وجے کمار۔'' آصف نے کہا۔ انور نے بہت ضبط سے کام لیا تھا۔ اگر وہ اس وقت بہت زیادہ محتاط نہ ہوتا تو یقیناً اچھل پڑتا۔

''اچھا.....!'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''وہ مدراس کا ایک مشہور بدمعاش تھا اور کئی بار کا سزایافتہ بھی۔''

''مدراس کا.....!'' انور نے کہا۔ ''وہی تو نہیں جو کسی جوہری کے یہاں ڈاکہ ڈالنے کے سلسلے میں ماخوذ ہوا تھا۔''

''وہی.....وہی.....لیکن میں تمہاری یادداشت کی داد دیتا ہوں۔''

''تو وہ کن حالات میں قتل ہوا.....؟''

''ہوٹل والوں کا بیان ہے کہ شام کو جب وہ نشے میں بُری طرح دھت تھا ایک آدمی اسے ہوٹل تک پہنچانے کے لئے آیا تھا۔ پھر ویٹروں نے اسے اس کے کمرے میں پہنچا دیا تھا۔ تقریباً آٹھ بجے ایک ویٹر اس کا کھانا لے کر اس کے کمرے میں گیا اور وہاں سے الٹے پیر واپس آیا۔ اس نے وہاں اس کی لاش دیکھی تھی ایک خنجر اس کے سینے میں پیوست تھا۔ ڈاکٹر کا خیال ہے کہ وہ نشے ہی کی حالت میں قتل کیا گیا تھا۔''

''اس آدمی کا پتہ لگا جو اُسے ہوٹل تک پہنچانے آیا تھا.....؟'' انور نے پوچھا۔

''پتہ نہ لگتا تو اچھا تھا.....!'' آصف بولا۔

''کیوں.....؟''

اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا.....!''

''یعنی.....!''

''سر صغیر احمد نے اسے ہوٹل پہنچایا تھا۔''

''اوہ.....تو کیا وہ سر صغیر کا دوست تھا۔'' انور نے پوچھا۔

''نہیں.....وہ اسے ایک جگہ نشے میں پڑا ہوا ملا تھا۔''

''لیکن سر صغیر کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ مے پول ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہے۔''

''انہوں نے اس سے پہلے بھی اسے ہوٹل میں دیکھا تھا اس لئے وہ اسے ہوٹل لے آئے

کہ شاید اسے کوئی پہچانتا ہو۔ وہاں پہنچتے ہی معلوم ہوا کہ وہ وہیں ٹھہرا ہوا ہے۔"

"اور تم نے اس پر یقین کرلیا۔"

"کیوں یقین کیوں نہ کرتا۔" آصف بھنا کر بولا۔

"ٹھیک ہے۔" انور نے کہا اور موٹر سائیکل اسٹارٹ کردی۔

گھر پہنچ کر اسے رشیدہ کو سارے واقعات کی مکمل رپورٹ دینی پڑی۔

"اب آرہے ہیں دانتوں پسینے۔" رشیدہ مسکرا کر بولی۔ "پہلے ہی منع کیا تھا۔"

"تو کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ میں ہمت ہار گیا۔"

"نہیں تم ٹھہرے تیس اور تیس ساٹھ مارخاں۔"

"ہشت..... فضول بکواس نہیں۔ سنو کل تمہیں قدیر کے دفتر میں جاکر پوسٹ مارٹم پچھلے دو تین سال کے شمارے دیکھنے ہیں۔ مجھے خیال پڑتا ہے کہ کبھی وہ پروفیسر تیموری اور سر احمد کے پیچھے پڑ گیا تھا ممکن ہے کہ کوئی کام کی بات ہاتھ لگ جائے۔"

"فضول اور بے کار۔" رشیدہ اکتا کر بولی۔ "تم ہمیشہ نکمی باتیں سوچتے ہو۔ خواہ مخواہ سری مول لینے سے کیا فائدہ۔"

"بہتر ہے میں یہ کام خود ہی انجام دے لوں گا۔" انور بگڑ کر بولا۔ "تم سمجھتی ہو کہ تمہارے بغیر میں اپاہج ہو جاؤں گا۔"

"اچھا بابا اچھا۔ بگڑنے کی ضرورت نہیں۔ میں ضرور جھک ماروں گی۔"

انور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔

"ہیلو.....!" انور نے ریسیور اٹھالیا۔

"اوہ انور.....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "میں ہوں قدیر۔ میں نے فیصلہ کیا کہ میں سب کچھ بتادوں۔ یہ معاملہ سنگین ہے ممکن ہے کسی قانونی شکنجے میں پھنس جاؤں۔"

"تم مجھے کیا بتاؤ گے۔" انور نے پوچھا۔

"یہی کہ پروفیسر کا سیکریٹری کل رات کو کہاں اور کس کے ساتھ تھا۔"

"مجھے معلوم ہے۔" انور مسکرایا اور جیب میں ہاتھ ڈال کر سگریٹ کا پیکٹ ٹٹولنے لگا۔

"تم کچھ نہیں جانتے۔" دوسری طرف سے قہقہے کی آواز آئی۔

"میں پوچھتا ہوں کہ تم کس طرح ان کے پیچھے لگ گئے تھے۔"

دوسری طرف سے پھر قہقہہ سنائی دیا۔ "دیکھو انور تم میرے احسان سے کسی طرح نہیں بچ سکتے۔ اس قسم کی گفتگو کرنے کے بعد اور مجھ سے معلومات حاصل کر کے تم کہو گے کہ مجھے اس کا پہلے سے علم تھا۔"

"یہ بات نہیں پیارے۔" انور مسکرا کر بولا۔ "میں رابعہ اور سیکریٹری کے عشق کے متعلق ایک مثنوی لکھ رہا ہوں اور اس کے جملہ حقوق تمہارے نام محفوظ کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"اوہ تو تمہیں سچ مچ معلوم ہے۔" قدیر جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"لیکن یہ بتاؤ کہ تم نے ان کا تعاقب کیوں کیا تھا۔"

"اب اسے پوچھ کر کیا کرو گے؟ اسی کی روٹیاں کھاتا ہوں۔ اگر پروفیسر کا قتل نہ ہو جاتا تو ممکنہ ایک معقول رقم ہاتھ آنے کی امید تھی۔ سر صغیر کبھی یہ نہ چاہتا کہ اس کی لڑکی بدنام ہو جائے۔"

"سر صغیر....." انور طنزیہ انداز میں بولا۔ "اسے شاید یہ نہیں معلوم کہ وقت اس کے لئے کسی کا پھندا تیار کر رہا ہے۔"

"کیوں..... کیا..... وہ یعنی وہ.....!"

"ہاں مجھے اس پر شبہ ہے اور بہت جلد پولیس بھی میرے ہی راستے پر آجائے گی۔"

"نہیں بھئی..... تم آخر اس پر کیوں شبہ کر رہے ہو۔ اگر نکولس ہی ہوا تو؟"

"لیکن اسے اپنے ہی تک محدود رکھنا کہ میں اس پر شبہ کر رہا ہوں۔"

"ارے یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ممکن ہے کل میں رشیدہ کو کسی کام سے تمہارے پاس بھیجوں۔"

"ضرور..... ضرور..... بڑی خوشی سے۔"

"اچھا شب بخیر.....!" انور نے ریسیور رکھ دیا اور رشیدہ کیطرف مڑ کر سگریٹ سلگانے لگا۔

"وہی کمار وہی تھا۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کون.....!"

"جس نے مدراسی جوہری کے یہاں ڈاکہ ڈالا تھا اور انتہائی کوششوں کے باوجود بھی پکھراج اس کے پاس سے برآمد نہیں ہوا تھا۔"

"سیاہ پکھراج.....!" رشیدہ متحیر ہو کر بولی۔ "آخر تمہارے سر پر سیاہ پکھراج کیوں سوار ہے؟"

انور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کوٹ اتارنے ہی جا رہا تھا کہ رشیدہ پھر بولی۔

"کیا کھانا کھانے کا ارادہ نہیں۔"

"نہیں.....!" انور نے کہا اور کپڑے اتارنے لگا۔ "میں نے تم سے سو بار کہہ دیا کھانے کے لئے میرا انتظار نہ کیا کرو۔"

"بہتر ہے۔" رشیدہ جھلا کر بولی اور کمرے سے چلی گئی۔

دوسرے دن صبح ہی صبح پھر انسپکٹر آصف سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ انور کا ارادہ تھا کہ وہ سب سے پہلے اپنے اخبار کیلئے جاسوسی ناول کی قسط لکھے گا پھر کسی دوسرے کام میں ہاتھ لگائے گا۔ لیکن اٹھنے کے بعد اسے آصف کا منہ دیکھنا پڑا۔ جو خلاف معمول بہت زیادہ بارونق معلوم ہو رہا تھا۔

"دیکھا تم نے.....؟" وہ چہک کر بولا۔ "اس بار تم پھسڈی ہو گئے۔"

"کیوں.....؟"

"قاتل پکڑ لیا گیا۔"

"یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ جھگڑا قتل ہی پر ختم ہوتا۔" انور نے کہا اور آصف ہنسنے لگا۔

"خیر..... کیا یہ ثبوت بھی ناکافی ہے کہ وہ ہتھوڑا جس سے پروفیسر قتل کیا گیا نکولس ہی کا تھا۔"

"یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا۔"

"نکولس کے ایک دوست ریٹائرڈ حوالدار میجر شمشیر سنگھ نے اسے شناخت کیا ہے۔"

"اوہ..... وہ پگلا حوالدار میجر.....!" انور قہقہہ لگا کر بولا۔ "یقیناً اپنی عقل کے بجائے تم خود کہیں چرنے گئے تھے۔"

"کیوں.....؟"

"بھلا اس پاگل کی شہادت کس عدالت میں پیش کرو گے۔"

آصف نے پھر ایک زوردار قہقہہ لگایا اور انور اسے گھورنے لگا۔

"خیر..... خیر..... تم بہت زیادہ عقل مند نہیں ہو۔ خود نکولس نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ وہ ہتھوڑا اسی کا ہے۔" آصف مسکرا کر بولا۔

"نکولس نے.....!"

"ہاں ہاں نکولس نے اور اس سے یہ بھی اگلوا لیا جائے گا کہ وہ پروفیسر کا قاتل ہے۔"

"اچھا تو کیا اسے اس سے انکار ہے۔"

"ہاں..... وہ اس کا اعتراف تو کرتا ہے کہ ہتھوڑا اسی کا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ وہ پروفیسر کے گھر میں پہنچا کیسے۔"

اس بار انور نے ایک چھت شگاف قہقہہ لگایا اور آصف کے شانے پر ہاتھ مار کر بولا۔

"آصف میاں تم ابھی بوڑھے ہو۔ اگر وہ سچ مچ پروفیسر کا قاتل ہوتا تو کبھی اس بات کا اعتراف نہ کرتا کہ وہ اسی کا ہتھوڑا ہے۔"

"مگر حوالدار میجر.....!"

"وہ مخبوط الحواس ہے۔ اس لئے اس کی شہادت قانون کی نگاہ میں بے مصرف ہے۔"

"خیر میں تمہیں دکھا دوں گا۔" آصف جھلا کر بولا۔

"مگر مفت دکھانا کیونکہ میں تمہارا بہت پرانا دوست ہوں۔"

آصف نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بدستور انور کو گھورے جا رہا تھا۔

''خیر ہٹاؤ.....!'' انور تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''پروفیسر کے کسی وارث کا پتہ چلا۔''

''ہاں اس کا ایک بھائی سرحدی علاقے میں سمور کی تجارت کرتا ہے۔ پروفیسر کے نائب مشیر نے اسے اطلاع دی تھی۔ اس پر اس نے اسے بذریعہ تار ہدایت کی کہ پروفیسر کا سارا اثاثہ بیچ ڈالا جائے اور دوسری دلچسپ بات یہ کہ ایک آدمی پروفیسر کی خواب گاہ کا سارا سامان خریدنے پر مجبور ہو گیا ہے۔''

''صرف خواب گاہ کا سامان۔'' انور چونک کر بولا۔ ''وہ آدمی کون ہے؟''

''اس نے مسٹر داس سے فون پر بات چیت کی تھی۔ غالباً وہ کسی بنک کے ذریعہ یہ سودا کرے گا۔''

''اس نے اپنا نام بتایا ہی ہوگا۔'' انور نے کہا۔

''ہاں..... جے پی سنگھ.....!''

''لیکن کس بنک کے ذریعہ۔''

''ابھی یہ کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔''

انور نے نوٹ بک اٹھا کر اس میں آصف کا بتایا ہوا نام لکھ لیا۔ اسکے ذہن میں تجوری رہی تھی جس میں سیاہ پکھراج رکھا جاتا تھا اور وہ تجوری پروفیسر کی خواب گاہ میں رکھی ہوئی تھی

''یہ بتاؤ کہ وہ صرف خواب گاہ ہی کا سامان کیوں خریدنا چاہتا ہے۔'' انور نے پوچھا۔

''میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔'' آصف نے کہا۔

''کیا وہ تجوری خواب گاہ ہی میں نہیں ہے جس میں وہ سیاہ پکھراج رکھا ہوا ہے۔''

''اگر یہی بات ہے تو اُس احمق خریدار کو بعد میں بڑی مایوسی ہوگی۔'' آصف ہنس کر

''کیوں.....؟''

''سیکریٹری نے اس پتھر کو بنک میں رکھوا دیا ہے۔''

''اچھا! کس بنک میں؟''

''نیشنل بنک.....!''

بلہ نمبر 5

''اوہ.....!'' انور اچھل کر بولا۔ ''اور سر صغیر اس بنک کا ڈائریکٹر ہے۔''

''میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔''

''میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ سر صغیر ہی پروفیسر کا قاتل ہے۔''

''یقیناً تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔'' آصف منہ بنا کر بولا۔

''خیر دیکھا جائے گا۔''

''آخر تم سر صغیر کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔'' آصف نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''اور میں ہی محسوس کر رہا ہوں کہ تم کسی سیاہ پتھر کا تذکرہ بار بار کرتے رہے ہو۔''

''صرف یہی نہیں۔'' انور مسکرا کر بولا۔ ''میں یہ بھی ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ وجے کمار کا قتل بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔''

''شاباش.....!'' آصف نے قہقہہ لگایا۔ ''بس بس اب صرف افیون کی ایک گولی اور پاؤ روددھ کی اور ضرورت پڑے گی۔ اس کے بعد تم اپنے استاد کے بھی کان کاٹ لوگے۔''

انور نے کوئی جواب دینے کے بجائے تولیہ کاندھے پر ڈالا اور غسل خانے کی طرف چلا گیا۔ آصف تھوڑی دیر تک بیٹھا کچھ سوچتا رہا پھر وہ بھی اٹھ کر چلا گیا۔

ناشتہ کرتے وقت انور رشیدہ سے کہہ رہا تھا۔

''آج تم آفس نہیں جاؤ گی تمہیں روزنامہ ''پوسٹ مارٹم'' کے پرانے فائل الٹنے ہیں اور ایک اور نئی دریافت..... تم یہاں کے سارے بنکوں میں گھوم پھر کر یہ پتہ لگاؤ کہ کسی نے جے پی سنگھ کے نام سے اس دوران میں کوئی رقم تو نہیں جمع کرائی اور جمع کروائی ہے تو کس نے۔''

''فائل تو میں دیکھ لوں گی مگر یہ دوسرا کام میرے بس کا نہیں۔ کہاں کہاں کی خاک چھانتی پھروں گی۔''

''قدیر کو ساتھ لے لینا۔ میں اس سے فون پر کہہ دوں گا۔''

''بھئی..... یہ قدیر.....!'' رشیدہ منہ بنا کر بولی۔ ''بہت بور ہے..... خواہ مخواہ بھیجا چاٹ ڈالتا ہے۔''

"بہرحال آج تو تمہیں اُسے برداشت کرنا ہی پڑے گا۔"

"لیکن یہ جے بی سنگھ کون ہے اور کہاں سے ٹپک پڑا" رشیدہ نے پوچھا اور انور نے واقعہ دہرادیا۔

"جب نکولس نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ ہتھوڑا اسی کا ہے تو پھر اب خواہ مخواہ بھاگ دوڑ کی ضرورت ہے۔" رشیدہ بولی۔

"یہ ایک اچھا خاصا معمہ ہے۔" انور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔ "اور اب گلوریا کو بلانا پڑے گا۔ وہ کوئی اہم بات جانتی ہے جسے چھپانے کی کوشش کررہی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ پروفیسر کا قاتل نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ کبھی اسے اپنا ہتھوڑا نہ تسلیم کرتا۔"

جنگ اور خاتمہ

دوسری صبح انور کو حد درجہ خوش گوار معلوم ہورہی تھی۔ اس کی پچھلی تازگی دوبارہ لوٹ آئی اور اس کے چہرے پر فکر کے بادل نہیں تھے۔ پچھلی رات کو رشیدہ اس کا انتظار کرتے کرتے تھی اور وہ تقریباً دو بجے رات کو چوروں کیطرح اپنے کمرے میں داخل ہوکر چپ چاپ سوگیا تھا۔

صبح چھ بجے آنکھ کھل جانے کے باوجود بھی وہ ابھی تک بستر میں پڑا انگڑائیاں لے رہا تھا۔ ذہن اور جسم دونوں تھکے ہوئے معلوم ہورہے تھے۔ اس کے باوجود بھی وہ صبح اس کے لئے حد خوشگوار تھی۔

"بیٹے آصف.....!" وہ خود بخود بڑبڑایا۔ "اس بار تمہیں مرغا بنا کر چھوڑوں گا۔"

تھوڑی دیر بعد کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ انور نے بُرا سا منہ بنایا اور اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ رشیدہ طوفان کی طرح اندر داخل ہوئی اور پھر دوسرے ہی لمحے میں چونک کر انور کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر کچھ اور قریب آکر اس طرح نتھنے سکوڑے جیسے کچھ سونگھنے کی کوشش کررہی ہو۔

"اوہ.....!" انور بھی اسی انداز میں بولا۔

"تم تو کبھی کوئی خوشبو نہیں استعمال کرتے تھے۔" رشیدہ منہ سکوڑ کر بولی۔

"میں اب بھی کوئی خوشبو نہیں استعمال کرتا۔"

"تو پھر یہ تمہارے پاس سے ایوننگ ان پیرس کی بھینی بھینی خوشبو کیسے آرہی ہے۔"

انور نے اب غور کیا کہ وہ پچھلی رات کی پتلون اور قمیض ہی پہنے ہوئے سوگیا تھا۔

"اور یہ تمہارے کاندھے پر سرخ دھبہ کیسا.....!" رشیدہ اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتی ہوئی بولی۔ "اوہ.....اوہ..... یہ تو.....لپ اسٹک کا دھبہ ہے۔"

"ارے..... یہ..... ہاں ہے تو۔ لیکن یہ لپ اسٹک کے دھبے کا میرے پاس کیا کام۔"

"اب مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش نہ کرو۔"

"بھلا میں تمہیں بیوقوف کیوں بنانے لگا۔"

"کل رات کو تم کہاں تھے۔" رشیدہ گرج کر بولی۔

"اخاہ.....اب تم نے بھی انسپکٹر آصف کی طرح اس قسم کے سوالات کرنے شروع کردیئے۔"

"میں پوچھتی ہوں تم کہاں تھے؟"

"میں بتاتا ہوں کہ نہیں بتاؤں گا۔" انور جھلا کر بولا۔ "میں نے تم سے کبھی اس قسم کے سوالات نہیں کیے۔"

"میں تمہاری طرح آوارہ تو نہیں کہ تمہیں اس کا موقع ملتا۔"

"اچھا بس بس.....!" انور بگڑ کر بولا۔ "تم ہمیشہ یہ بھول جاتی ہو کہ ہم دونوں صرف دوست ہیں۔"

"میں ہمیشہ یاد رکھتی ہوں.....لیکن تم آوارگی نہیں کرسکتے۔"

"آوارگی.....تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے کیا۔"

"تو کیا پھر یہ لپ اسٹک کا دھبہ آسمان سے اترا ہے۔"

"چلو چلو.....اپنا کام کرو۔"

"تمہیں بتانا پڑے گا کہ وہ کون ہے؟" رشیدہ جھنجھلا کر بولی۔

"کون.....؟"

"میں کہتی ہوں کہ تم مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتے۔"

"مجھے اس سے انکار کب ہے۔" انور مسکرا کر بولا۔ "نہ جانے کیوں وہ اس وقت اڑنا چاہتا تھا۔"

"دیکھو تمہیں بتانا پڑے گا۔"

"اچھا تو سنو! کل رات میں گلوریا سے ملا تھا اور اسے سیدھی راہ پر لانے کے لئے اسے شراب بھی پلانی پڑی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تھوڑی دیر کے بعد نشے میں مجھ پر آ گری۔" رشیدہ کچھ سوچنے لگی لیکن انور پھر بولا۔

"اب تمہارا دماغ صاف ہوا یا نہیں۔"

"گلوریا سے تمہیں کیا معلوم ہوا۔" رشیدہ نے پوچھا۔

"میں نے اُسے راز رکھنے کی قسم کھالی ہے اس لئے مجبور نہ کرو لیکن اتنا ضرور بتا سکتا کہ یہ دونوں قتل اس پتھر کے سلسلے میں نہیں ہوئے۔"

"پھر.....!"

"پہلے تم مجھے اپنے کل کے کاموں کی رپورٹ دو.....!"

"وجے کمار کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔ مگر ۱۹۵۰ کے فائل میں مجھے ایک دلچسپ نظر آئی تھی۔"

"وہ کیا.....!"

"قدیر اس زمانے میں پروفیسر تیموری کے خلاف لکھ رہا تھا۔ تقریباً پندرہ بیس شذرات اس نے اس کے خلاف لکھا ہے اور پھر اچانک لکھنا بند کر دیا اور پھر ایسی صورت میں جبکہ اس سے قبل اس نے یہ لکھا تھا کہ وہ دوسرے شمارے میں کچھ اور دلچسپ باتیں لکھنے کی کوشش کرے لیکن اس نے دوسرے شمارے میں پروفیسر کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ بلکہ تب سے اب تک نام تک نہیں لیا اور اسی آخری شمارے میں ایک خبر بھی دیکھی جس میں یہ تھا کہ سونا گھاٹی تیموری منزل کے قریب کسی نامعلوم آدمی کی موٹر کے نیچے ایک بڑھیا دب کر مر گئی۔ مجرم کی تلاش جاری ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔"

"بہت اچھے.....!" انور چیخ کر بولا۔ "بھلا وہ کس تاریخ کا شمارہ تھا۔"

"۱۳ر جون ۵۰ء کا۔"

"پھر بہت اچھے..... رشو تم نے کمال کر دیا۔" انور نے اسے جھنجھوڑ کر کہا اور رشیدہ حیرت سے اس کا منہ دیکھنے لگی، وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہنے کے بعد بولا۔

"اچھا بنک کا کیا رہا۔"

"سارے بنک دیکھ ڈالے لیکن کچھ پتہ نہیں چلا۔" رشیدہ نے کہا۔ "قدیر دن بھر میرے ساتھ مارا مارا پھرا اور اچانک اس کے پیٹ میں بڑا شدید درد اٹھا جس کی بناء پر میں نے اسے واپس کر دیا۔ اس نے کہا کہ اس قسم کی تلاشی بے سود ہے۔"

"کوئی بنک چھوٹا تو نہیں۔"

"چائنا بنک..... میرا خیال ہے کہ وہی باقی بچا تھا۔ قدیر نے کہا کہ وہاں جانا فضول ہے کیونکہ وہاں پر زیادہ تر غیر ملکی سرمایہ رہتا ہے لیکن میں اسے واپس کرنے کے بعد وہاں بھی گئی تھی اور اب تم اچھل پڑو کیونکہ وہاں جے بی سنگھ کے نام پانچ ہزار روپے منتقل کئے گئے ہیں۔"

"کس نے منتقل کیا ہے۔" انور نے بے تابی سے پوچھا۔

"مسٹر قدیر احمد ایڈیٹر روزنامہ پوسٹ مارٹم.....!"

"وہ مارا.....!" انور اچھل کر بولا۔ "بنایا آصف کو مرغا۔"

"لیکن یہ معاملہ کیا ہے۔"

"بہت بڑا معاملہ رشو۔ یہ تو ایک دلچسپ اتفاق ہے۔ ورنہ میں بدھو بن گیا تھا۔" انور نے کہا اور فون کی طرف لپکا۔

"ہیلو.....!" وہ ریسیور کان کے قریب لے جا کر رشیدہ کو آنکھ مار کر بولا۔ "ہیلو..... کیا قدیر صاحب ہیں..... اوہ..... اچھا۔" وہ ریسیور رکھ کر رشیدہ کی طرف مڑا۔

"میں نے قدیر کے آفس میں فون کیا تھا۔ وہ گھر پر موجود ہے جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ ہم لوگ وہیں چائے پئیں گے۔"

"آخر بات کیا ہے؟"

"جاؤ جلدی جاؤ۔" وہ اُسے دروازے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔ "بات پھر بتاؤں گا۔"

رشیدہ چلی گئی اور انور دوسرے کمرے میں جا کر کپڑے تبدیل کرنے لگا۔ تھوڑی
اس نے میز کی دراز سے ایک پستول نکالا اور اسے چند لمحے دیکھتے رہنے کے بعد پھر دراز
کر دیا اور اب ایک چمکدار چاقو اس کی مٹھی میں دبا ہوا تھا۔

رشیدہ کپڑے تبدیل کر کے آ گئی تھی۔ انور نے قد آدم آئینے پر الوداعی نظر ڈالی ا
کے لئے تیار ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد دونوں موٹر سائیکل پر قدیر کے بنگلے کی طرف جا رہے تھے۔ راستے
ٹیلی فون پوسٹ کے قریب انور نے موٹر سائیکل روک دی۔

"کیوں کیا بات ہے۔" رشیدہ نے پوچھا۔

"آصف کو فون کروں گا۔"

"گھر ہی سے کر لیا ہوتا۔"

"خیال نہیں آیا تھا..... یہ ضروری ہے۔"

فون کرنے کے بعد وہ پھر چل پڑے اور بقیہ راستہ جلد ہی طے ہو گیا۔ وہ پورچ
تھے کہ قدیر باہر نکلا۔ شاید وہ کہیں باہر جانے کے لئے تیار تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں ایک
کیس لٹکا رکھا تھا۔

"ہیلو..... انور..... رشیدہ۔" وہ انہیں دیکھ کر چہکا۔ "ادھر کیسے بھول پڑے۔ آؤ
میں نے اپنا جانا ملتوی کر دیا۔"

"کہیں باہر جا رہے تھے۔" انور سوٹ کیس کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اس میں کچھ
ہیں۔ آؤ آؤ..... چلو اندر چلو۔"

"ہم لوگوں نے ابھی چائے نہیں پی۔ میں دراصل تمہاری خیریت پوچھنے کے لئے
رشیدہ سے معلوم ہوا کہ کل تمہاری طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ بھئی کل کی تکلیف کا بہت بہت
"دوستوں کے لئے میں ہر قسم کی تکلیف برداشت کرنے کے لئے تیار رہتا ہوں
مسکرا کر بولا۔ "میں تمہاری طرح تو ہوں نہیں۔ نہ جانے کب سے تم سے کہہ رہا ہوں
جاسوسی ناول میرے اخبار کے لئے بھی لکھ دو مگر تمہیں فرصت ہی نہیں ملتی۔"

"مجھے شرمندگی ہے۔" انور افسوس ظاہر کرتا ہوا بولا۔ "میں ضرور لکھوں گا۔"

وہ ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گئے۔

"اچھا بھئی تم لوگوں کے لئے چائے بناؤں۔" قدیر اٹھتا ہوا بولا۔

"کیوں تم کیوں بناؤ گے۔" انور نے پوچھا۔

"بات یہ ہے کہ میں اتوار کو سب نوکروں کو چھٹی دیتا ہوں اور اس دن اپنا سارا کام خود ہی
لیتا ہوں۔"

"بہت اچھا اصول ہے۔" انور نے کہا۔

"تو رہنے دیجئے۔" رشیدہ بولی۔ "خواہ مخواہ تکلیف کرنے سے کیا فائدہ۔"

"واہ یہ بھی کوئی بات ہے۔ صرف پانچ منٹ لگیں گے۔ میں ابھی آیا۔" قدیر نے کہا اور
کمرے سے چلا گیا۔

"تو میں بھی چلتی ہوں آپ کی مدد کرا لوں گی۔"

"نہیں نہیں آپ بیٹھئے۔" انور آہستہ سے بولا۔

درمیانی وقفے میں بالکل خاموشی رہی۔ رشیدہ کسی الجھن میں مبتلا تھی۔ وہ کبھی کبھی انور کی
طرف سوچ میں ڈوبی ہوئی نظروں سے دیکھ لیتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد قدیر ٹرے میں چائے کا سامان لے کر آ گیا۔

"چائے تو لذیذ ہے۔" رشیدہ چائے کی چسکی لے کر بولی۔ "انور نہایت بے دردی سے
ہتھیلیوں پر ہاتھ صاف کر رہا تھا۔"

"بہت لذیذ.....!" وہ منہ چلاتا ہوا بولا۔ "اس وقت مجھے ۱۳ جون ۵۰ء کی حسین شام یاد
آ رہی ہے۔"

قدیر نے چائے کی پیالی میز پر رکھ دی اور شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ انور کی طرف
دیکھنے لگا۔

"ابھی اور بھی بہت کچھ یاد آئے گا۔"

"بڑبگل تذکرہ.....!" انور نے کہا۔ "کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ تم نے اس رات کو رابعہ اور

سیکریٹری کا تعاقب کیوں کیا تھا۔"

"تاکہ تم جیسے حرام خوروں کا پیٹ بھرا جا سکے۔" قدیر گرج کر بولا۔ اچانک اس کا چہرہ زیادہ خوفناک نظر آنے لگا تھا۔ انور کو ایسا محسوس ہوا جیسے اُس کی رگوں کا خون منجمد ہو گیا ہو۔ میں عجیب قسم کی سنسنی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے اٹھ کر کھڑا ہونا چاہا لیکن توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ قدیر کے قہقہے کی آواز کہیں دور سے آتی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ لڑکھڑا کر زمین پر آ رہا اور بھی صوفے پر ایک طرف لڑھک گئی تھی۔

اسے اس کا اندازہ نہیں ہو سکا کہ اسے کب ہوش آیا لیکن اس کا سویا سویا سا ذہن کر رہا تھا کہ وہ سیدھا کھڑا ہے اور اس کے دونوں ہاتھ اوپر کی طرف تنے ہوئے ہیں۔ میں تیز قسم کی چبھن محسوس ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد جب اس کی آنکھیں اندھیرے کی ہو گئیں تو اس نے دیکھا کہ وہ ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں کھڑا ہے اور اس کے دونوں لوہے کی دو موٹی سلاخوں میں بندھے ہوئے ہیں۔ اس سے تھوڑے فاصلے پر رشیدہ اس میں کھڑی تھی لیکن ابھی اسے ہوش نہیں آیا تھا۔ اس لئے وہ ان سلاخوں کے درمیان جھول تھی۔ انور نے سلاخوں کی طرف دیکھا۔ دونوں کا درمیانی فاصلہ تقریباً دو فٹ رہا ہوگا اور اونچائی اتنی تھی کہ اس کے دونوں ہاتھ تنے ہوئے تھے۔ کچھ دیر بعد اسے رشیدہ کی چیخ سنائی وہ ہوش میں آ گئی تھی اور انور کو گھور رہی تھی۔ دفعتاً کوٹھڑی کے باہر قدموں کی آہٹ سنائی قدیر ان کے درمیان آ کر کھڑا ہو گیا۔

"کیوں بیٹے انور صاحب بڑے عقلمند بنتے تھے۔" قدیر گرج کر بولا۔ "وہ پرچہ کہاں

"کون سا پرچہ.....!" انور غصے کا اظہار کرتا ہوا بولا۔ "میں اس قسم کا مذاق پسند نہیں کر

"اچھا.....اب مجھے سبق پڑھانے چلے ہو۔ میں تم دونوں کی قبر کھود کر یہیں دفن کر اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوگی۔"

"معلوم نہیں تم کیا بک رہے ہو۔" انور گرج کر بولا۔

"یہ تو میں جانتا ہوں کہ تم نے ابھی اُسے پولیس کے حوالے نہ کیا ہوگا۔" قدیر اس کی سنی ان سنی کر کے بولا۔ "کیونکہ تم پولیس کو اچانک متحیر کر دینے کے عادی ہو گئے ہو۔

نہیں سمجھاتا ہوں کہ پرچہ میرے حوالے کر دو اور اس واقعے کو بھول جاؤ۔ میں تمہیں چھوڑ دوں گا..... مجھے بتاؤ کہ تم نے اسے کہاں رکھا ہے میں خود تلاش کر لوں گا۔ ورنہ دوسری صورت میں تم جانتے ہی ہو کہ ایک قتل کو چھپانے کے لئے اکثر کئی قتل کرنے پڑتے ہیں۔ وجے کمار کا قتل شاید تمہیں یاد ہو۔"

"مجھے سب کچھ یاد ہے۔" انور بیزاری سے بولا۔ "لیکن یہ پرچہ ورچہ کیا ہے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"بیٹے انور تم مجھ کو دھوکا نہیں دے سکتے۔ کل رات کو جب تم پروفیسر کی خواب گاہ کی تلاشی لے رہے تھے میں بھی اس کے مکان میں گھسنے کی کوشش کر رہا تھا اور جس نے بعد کو تمہارا تعاقب کیا تھا وہ میں ہی تھا۔ تم شاید مجھے پولیس کا سپاہی سمجھے تھے اور اس کے علاوہ سمجھتے بھی تو کیا۔ میں باقاعدہ پولیس کی وردی میں تھا۔ شاباش بتا دو جلدی سے کہ وہ پرچہ کہاں ہے۔ میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔"

انور تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"اس پرچے کی قیمت دس ہزار روپے ہے۔"

"ٹھیر ٹھیر بدلائی نہیں ہوتی فرزند۔" قدیر مسکرا کر بولا۔ "تم مجھ سے دس پیسے بھی وصول نہیں کر سکتے۔ اگر تمہیں زندگی عزیز ہوگی تو آپ بتاؤ گے۔"

"لیکن شاید تمہیں یہ نہیں معلوم کہ میں انسپکٹر آصف کو فون کر کے یہاں آیا ہوں۔" انور بولا۔

"اس کی فکر مت کرو۔ میں اسے بچوں کی طرح بہلا سکتا ہوں۔" قدیر نے کہا۔

"فی الحال میں جا رہا ہوں۔ اسے اچھی طرح سمجھ لو اور تم رشیدہ اسے سمجھانے کی کوشش کرو۔ مفت میں اپنی اور تمہاری جان گنوائے گا۔"

قدیر چلا گیا۔

"آخر یہ سب کیا ہے۔" رشیدہ خوف زدہ آواز میں بولی۔

"یہ ایک وقتی تفریح ہے۔" انور ہنس کر بولا۔ "مجھے قتل کرنے کے لئے قیامت کے قریب دجال کا ظہور ہوگا۔ اس سے پہلے تو مرتا نہیں۔"

"لیکن وہ پرچہ کیسا ہے جس کا تذکرہ تم نے مجھ سے بھی نہیں کیا۔"

"قدیر نے اُسی پرچے کے لئے پروفیسر کو قتل کیا تھا۔"

"اور وہ سیاہ پتھر.....!"

"وہ ایک الگ داستان ہے۔ اس کا تعلق پروفیسر کے قتل سے نہیں۔ میں ابھی تک ا کسی جاسوسی ناول کا خونی ہیرا سمجھتا رہا تھا لیکن دراصل ایسا نہیں ہے۔"

"لیکن اس مصیبت سے کس طرح چھٹکارا ہوگا۔" رشیدہ کراہ کر بولی۔

"چھٹکارا.....!" انور نے کہا اور خاموش ہوگیا۔ فی الحال خود اسی کی سمجھ میں نہیں آ کہ چھٹکارے کی کیا صورت ہوگی۔

"تم نے کس مصیبت میں پھنسا دیا۔ اگر تم مجھے پہلے ہی بتا دیتے تو میں تمہیں یہاں طرح ہرگز نہ آنے دیتی۔"

"اور اگر آدم شجر ممنوعہ کے قریب نہ جاتے تو اس خرابے میں کیوں پھنستے۔ میں تمہیں نہیں بنا سکتا تم ہمیشہ عورت ہی رہو گی۔" انور منہ بنا کر بولا۔ "بس غلطی ہوگئی! مجھے کیا معلوم کل اسی نے میرا تعاقب کیا تھا۔"

"لیکن یہ سب ہے کیا۔"

"بہت بڑا واقعہ..... انتہائی پیچیدہ۔ اگر قدیر سے جے بی سنگھ والی حماقت نہ ہوجاتی کا کوئی سراغ رساں مجرم کا پتہ نہ لگا سکتا۔"

"تو کیا اس نے یہ سب تمہیں پھنسانے کے لئے کیا تھا۔"

"نہیں قطعی نہیں! کہہ دیا کہ پتھر والا واقعہ اس قتل سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ تمہیں یاد قدیر اس دن صبح غیر متوقع طور پر ہمارے یہاں پہنچا تھا اسے کسی طرح علم ہوگیا ہوگا کہ ا میں آصف کو مجھ پر بھی شبہ ہے اسی لئے وہ سیکریٹری اور رابعہ کی کہانی لے کر پہنچا تھا۔ لیکن ا صاف صاف نہیں بتایا۔ وہ جانتا تھا کہ میں کسی نہ کسی طرح یہ ضرور معلوم کرلوں گا کہ سیکریٹر رات کو کہاں اور کس کے ساتھ تھا لہٰذا اس نے پھر مجھے یہ کہہ کر مطلع کردیا کہ وہ اس میں پیسے نہیں بنانا چاہتا۔ وہ ان دونوں کو نشاط نگر جاتے دیکھ کر ان کے پیچھے لگ گیا تھا اور

کی گفتگو بھی سن لی تھی کہ وہ رات وہیں گذاریں گے۔ اس نے سوچا کہ پروفیسر اس وقت تنہا ہی ہوگا۔ اس لئے وہ خلاف توقع رات ہی کو تارجام سے واپس آ گیا تھا۔"

"لیکن آخر اس نے پروفیسر کو قتل کیوں کیا۔" رشیدہ بولی۔

"وہی بلیک میلنگ کا چکر تھا۔ تم نے اس اخبار کے فائل تو دیکھے ہی ہیں تم یہ بھی جانتی ہو کہ وہ پروفیسر کے خلاف لکھ لکھ کر اس سے روپیہ اینٹھنا چاہتا تھا۔ لیکن شاید پروفیسر نے اس کی پرواہ نہیں کی۔ تیرہ جون ۵۰ء کے شمارے میں قدیر نے اسے اس کا کوئی راز افشاء کردینے کی دھمکی دی تھی۔ شاید اس پر پروفیسر نے اسے معاملات طے کرنے کے لئے سونا گھاٹ بلایا تھا۔ وہاں اتفاق سے ایک بڑھیا اس کی کار کے نیچے آ کر ہلاک ہوگئی۔ پروفیسر نے دیکھ لیا اور اسے دھمکی دی کہ وہ پولیس کو اس کی اطلاع دے دے گا۔ قدیر گیا تھا اس سے روپیہ اینٹھنے اور خود مصیبت میں پھنس گیا؟ آخر کار ان دونوں میں سمجھوتہ ہوگیا۔ پروفیسر نے اس سے بڑھیا کو کار کے نیچے کچل دینے کا اقرار نامہ لکھوالیا اور اسے دھمکی دی کہ اگر وہ کبھی اسے یا اس کے کسی دوست کو بلیک میل کرنے کی کوشش کرے گا تو وہ اس اقرار نامے کو پولیس کے حوالے کردے گا۔ اس نے اقرار نامہ نہایت احتیاط سے اپنی خواب گاہ کی ایک کرسی کے گدے میں سی رکھا تھا۔ قدیر نے اسی اقرار نامے کے لئے اسے قتل کیا تھا۔ ہوسکتا ہے بعد کو پروفیسر نے بھی اس سے روپیہ اینٹھنے کی کوشش کی ہو۔ بہرحال وہ قتل کی رات کو اقرار نامہ نہ پاسکا لیکن شاید یہ جانتا تھا کہ وہ خواب گاہ ہی میں کہیں محفوظ ہے۔ لہٰذا اس نے جی بی سنگھ کے فرضی نام سے خواب گاہ کا سامان خریدنے کی پیش کش کی اور پھر جب تم اس کے پاس اس لئے پہنچیں کہ وہ تمہیں جے بی سنگھ کا پتہ لگانے میں مدد دے تو وہ بھڑک گیا اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ تم اس کے اخبار کے فائل خواہ مخواہ نہیں الٹ پلٹ رہی ہو۔ ہاں تو میں نے تہیہ کرلیا تھا کہ رات کو پروفیسر کی خواب گاہ کی تلاشی ضرور لوں گا ادھر قدیر بھی اسی تاک میں تھا۔ وہ ایک پولیس مین کی وردی پہنے ہوئے تھا جب میں وہ اقرار نامہ نکال کر وہاں سے نکلا تو اس نے میرا تعاقب کیا مگر میں اسے پہچان نہیں پایا تھا ورنہ اس وقت مجھ سے یہ حماقت نہ ہوتی۔"

"اور وہ پتھر والا معاملہ.....!"

"مجھے افسوس ہے کہ میں اس کے متعلق تمہیں کچھ نہ بتا سکوں گا۔ میں نے گلوریا سے کرلیا ہے۔"

"گلوریا سے؟"

"ہاں..... اسے بھول جاؤ۔"

"تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم لوگ بچ جائیں گے۔"

"کیوں نہیں..... جب تک کہ میری شہ رگ نہ کٹ جائے میں یہی سوچتا رہوں گا کہ مر نہیں سکتا۔ میں نے آصف کو فون کر دیا تھا کہ میں قدیر کے یہاں جا رہا ہوں۔ قاتل اسے ثابت کر دوں گا۔"

"ممکن ہے وہ آ کر لوٹ بھی گیا ہو۔ قدیر نے اسے پٹی پڑھا دی ہو خود اس کے اس کا کوئی ثبوت ہے نہیں۔ تمہارے بیان کے مطابق اقرار نامہ تمہارے ہی پاس ہے۔"

"پھر بھی میں ہمت نہیں ہار سکتا" انور نے کہا اور اپنے جوتے اتارنے لگا پھر اس پیر کا موزہ دوسرے پیر سے دبا کر اتار دیا۔ بائیں پیر سے دائیں پیر کی موری اوپر کر موزے میں اڑا ہوا ایک بڑا سا چمکدار چاقو نکال کر فرش پر ڈال دیا۔ رشیدہ اسے حیرت رہی تھی۔ انور نے داہنے پیر کا موزہ بھی اتار دیا۔

"لیکن اسے استعمال کس طرح کرو گے..... دونوں ہاتھ تو بندھے ہوئے ہیں۔ پرامید لہجے میں بولی۔

"ڈارون کی تھیوری کے مطابق آدمی پہلے بندر تھا۔" انور نے مسکرا کر کہا۔ "اور تم ہو۔ بندر پیروں سے بھی ہاتھوں کا کام لے سکتے ہیں۔ دنیا کے سب بندر آدمی ہو گئے مگر تک بندر ہوں اور اس وقت تمہیں اس کا بھی اندازہ ہو جائے گا کہ میں کسی حال میں بھی نہیں رہ سکتا۔ کئی سرکس والے اب تک یہ چاہتے ہیں کہ میں ان کے سرکس میں نوکری کر لو

انور نے چاقو کا دستہ داہنے پیر کے انگوٹھے اور انگلیوں سے دبایا اور لوہے کی مضبوطی سے پکڑ کر بندروں کی طرح الٹ گیا۔ وہ داہنے ہاتھ کی رسی کاٹنے کی کوشش کر کلائی پر رسی کا تناؤ بڑھ جانے کی وجہ سے وہ زیادہ دیر تک اس حالت میں نہ رہ سکا۔

یقین تھا کہ وہ رسی کاٹنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ وہ ایک کراہ کے ساتھ پھر سیدھا ہو گیا۔ سارے جسم سے پسینے کی دھاریں پھوٹ پڑی تھیں اور وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ اس نے مسکرا کر رشیدہ کی طرف دیکھا اور رشیدہ بے اختیار رو پڑی۔ وہ انور کی کلائی پر بہتے ہوئے خون کو دیکھ رہی تھی۔ شاید چاقو لگ گیا۔

"رشو ڈارلنگ روتے نہیں۔" انور نے کہا اور پھر چاقو کو انگلیوں میں دبا کر الٹ گیا۔ اس کی چڑھتی ہوئی سانسوں کے ساتھ رشیدہ کی سسکیاں بھی کوٹھری میں گونج رہی تھیں۔

تھوڑی دیر کے بعد اس کا ایک ہاتھ آزاد ہو گیا اور رشیدہ روتے روتے بے اختیار ہنس پڑی۔ انور نے دوسرا ہاتھ بھی کھول ڈالا اور پھر رشیدہ بھی آزاد ہو گئی۔ وہ اس کے بازوؤں میں پڑی سسکیاں لے رہی تھی۔

"رشو ڈارلنگ، چپ رہو۔" وہ ہانپتا ہوا بولا۔

"میرا بندر..... میرا بندر.....!" اس نے دبی دبی سسکیوں کے درمیان کہا۔

"آؤ اب نکل چلیں..... مجھ میں کھڑے ہونے کی سکت نہیں۔ یہ دیکھو۔" اس نے اپنا داہنا ہاتھ سامنے کر دیا جس سے ابھی تک خون بہہ رہا تھا۔ شاید کوئی رگ کٹ گئی تھی۔ وہ دونوں دروازے کی طرف بڑھے لیکن وہ باہر سے بند تھا۔

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" رشیدہ بولی۔

"فکر مت کرو..... کبھی تو کھلے گا۔" انور نے کہا اور دیوار سے ٹیک لگا کر دروازے کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ رشیدہ اپنی ساری پھاڑ کر اس کے زخمی ہاتھ پر پٹی باندھنے لگی۔

انور بڑی نقاہت محسوس کر رہا تھا ایک تو ابھی تک اس نشہ آور چائے کا اثر باقی تھا دوسرے ہاتھ سے کافی خون نکل گیا تھا اور پھر اس جمناسٹک کی تھکن..... دونوں گھٹنوں اسی طرح بیٹھے رہے۔

تقریباً تین بجے کوٹھری کے باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ انور نے رشیدہ کو دروازے کے دوسرے طرف کھڑے ہو جانے کا اشارہ کیا اور خود بھی کھڑا ہو گیا۔

کنڈی اتارنے کی آواز آئی۔ دونوں پٹ کھل گئے۔ انور اور رشیدہ پٹوں کی آڑ میں تھے جیسے ہی قدیر اندر داخل ہوا انور اس پر ٹوٹ پڑا۔ رشیدہ الگ کھڑی تھی۔ انور نے اسے پہلے ہی

حملے میں گرالیا تھا۔ مگر قدیر بھی کمزور نہیں تھا۔ وہ اپنی ساری طاقت صرف کر رہا تھا۔ دونوں ہوئے زمین پر لوٹ رہے تھے۔ رشیدہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ دفعتاً قدیر کے سینے پر سوار ہوگیا۔ وہ اس کا گلا گھونٹ رہا تھا۔ رشیدہ گھبرا گئی۔ دفعتاً اسے وہ چاقو یاد آ انور وہیں کٹی ہوئی رسیوں میں چھوڑ آیا تھا۔ وہ چاقو اٹھا کر دیوانہ وار قدیر پر ٹوٹ پڑی۔ نہیں تھا پھر بھی قدیر اچھل کر پیچھے کی طرف آ گرا۔ قبل اس کے کہ وہ سنبھلتا انور اس پر تھا۔

تھوڑی دیر بعد انور اور رشیدہ اسے رسیوں میں جکڑ رہے تھے۔

دوسری صبح کے اخبارات اس حیرت انگیز گرفتاری پر طرح طرح کی قیاس آرائیاں کر لگے۔ لیکن صحیح واقعہ صرف انور کے اخبار نے چھاپا تھا اور اس کی کاپیاں ہاتھوں ہاتھ فر ہو رہی تھیں۔

وہ دن انسپکٹر آصف کے لئے یقیناً بڑا منحوس تھا۔ انور نے جی کھول کر اس کا مذاق لیکن وہ سب کچھ خاموشی سے سہتا رہا۔ اور کرتا بھی کیا۔ بُری طرح شکست کھا گیا تھا۔

رشیدہ نے انور کو کئی بار مجبور کیا کہ وہ اسے سیاہ پکھراج کا راز بتا دے مگر ناکام رہی۔

اسی شام کو انور سرصغیر کی کوٹھی کے پائیں باغ میں بیٹھا سرصغیر کا انتظار کر رہا تھا۔ اپنا کارڈ اندر بھجوا کر وہ لان پر بیٹھ گیا تھا۔ نوکر نے آ کر اس سے اندر چلنے کو کہا۔

"میں یہیں کھلے میں بیٹھنا پسند کروں گا۔" انور نے کہا اور لان چیئر پر سیدھا ہو کر بیٹھ

نوکر چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد سرصغیر پورٹیکو میں دکھائی دیا۔ وہ آہستہ آہستہ لان کی آ رہا تھا۔ چہرے سے تھکن ظاہر ہو رہی تھی۔ انور کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ پھیل گئی۔

"مسٹر انور میں اپنے دوست کے قاتل کی گرفتاری پر آپ کو مبارک باد دیتا ہوں۔" نے کہا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"شکریہ.....!" انور سنجیدگی سے بولا۔ "ذرا اس پر دستخط کر دیجئے۔"

اس نے اپنی جیب سے ایک چیک بک نکال کر سرصغیر کی طرف بڑھا دی۔

"پانچ ہزار روپے۔" سرصغیر اسے گھور کر بولا۔ "کیوں اس کا کیا مطلب.....!"

"یہ اس سیاہ پکھراج سے تعلق رکھتا ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" سرصغیر نے آہستہ سے کہا۔ پھر دفعتاً اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ آنکھیں سرخ ہوگئیں۔ نتھنے پھڑکنے لگے اور وہ گرج کر بولا۔ "تم مجھے بلیک میل کرنے آئے ہو۔ میں پولیس کو فون کرتا ہوں۔"

"بگڑنے کی ضرورت نہیں۔" انور مسکرا کر بولا۔ "آپ جانتے تھے کہ وہ سیاہ پکھراج چوری کا ہے لیکن پھر بھی آپ نے اسے وجے کمار سے خرید لیا تھا۔"

"جی.....جی.....!" سرصغیر ہکلایا۔

"جی ہاں.....اور یہی نہیں.....آپ نے اسی خوف سے اُسے ایک ایسی عورت کو دے دیا خاص سے آپ کے ناجائز تعلقات ہیں۔"

"تم فضول بکواس کر رہے ہو۔" سرصغیر پھر گرجا۔

"میرا اشارہ گلوریا تموتھی کی طرف ہے۔" انور نے مسکرا کر کہا "لیکن آپ نے وہ پتھر اس کے پاس امانتاً رکھوایا تھا۔"

سرصغیر کچھ نہ بولا۔ وہ خاموشی سے تھوک نگل رہا تھا۔

"کہئے تو یہ بھی بتا دوں کہ وہ پروفیسر تیموری کے پاس کیسے پہنچ گیا تھا۔"

انور نے کہا اور سرصغیر کی طرف شرارت آمیز نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

"تم نہ جانے کیا بک رہے ہو۔"

"گھبرائیے نہیں..... میں جو کچھ بھی بک رہا ہوں وہ میرے اخبار میں نہ چھپے گا۔ اُس پکھراج کی اصلیت سے صرف میں واقف ہوں۔ میرے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔ ہاں تو اسی دوران میں پروفیسر تیموری نے نکولس کو قرض ادا کر دینے کا نوٹس دے دیا اور شاید آپ کو یہ بھی یاد ہوگا کہ وہ نوٹس بعد کو واپس بھی لے لیا گیا تھا؟ ہوا یہ کہ گلوریا نے آپ کا سیاہ پتھر نکولس کو دے دیا کہ وہ اسے بطور ضمانت پروفیسر تیموری کے پاس رکھوا دے۔ اس نے ایسا ہی کیا اور پروفیسر نے نوٹس لے لیا۔ لیکن چونکہ ایک بہت ہی نایاب پتھر پروفیسر کے ہاتھ لگا تھا اس لئے اس نے ضروری سمجھا کہ وہ اس کی نمائش کر کے اپنے ہم پیشہ اور ہم شوق لوگوں پر رعب ڈالے۔ اس سلسلے

میں اس نے چند لوگوں کو دعوت دی اس میں آپ اور آپ کی صاحبزادی بھی تھیں۔ کھانے
بعد اس نے پتھروں کی نمائش کی سیاہ پکھراج اس کے پاس دیکھ کر آپ کو بہت تاؤ آیا۔ واپ
آپ نے گلوریا سے باز پرس کی۔ بہر حال آپ اسے دوبارہ واپس لینا چاہتے تھے۔ اس لئے
نے پھر وجے کمار کی خدمات حاصل کیں اور وہ اسے پروفیسر کے یہاں سے چرا لایا۔ دوسرے
دن صبح وہ پھر آپ کے پاس سے غائب ہوگیا۔ اس بار اسے آپ کی صاحبزادی نے اڑایا
لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ دراصل آپ ہی کی ملکیت تھا۔ وہ اسے پروفیسر کے یہاں دیکھ چ
تھی۔ اس لئے سمجھیں کہ شاید آپ اُسے چرا لائے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے اسے آپ سے
کروا پس کرنے کی ٹھان لی اور اس سلسلے میں انہوں نے خاکسار کی خدمات حاصل کیں۔
نے جن حالات میں وہ پتھر اس کی جگہ پر پہنچایا وہ بہت ہی خطرناک تھے۔"

"میں جانتا ہوں..... میں جانتا ہوں۔" سر صغیر بے صبری سے بولا۔

"اور میں مبلغ پانچ ہزار روپے بطور حق المحنت طلب کر رہا ہوں اور ہاں شاید آپ یہ
پسند کریں گے کہ پروفیسر نکولس کے ہتھوڑے سے کس طرح قتل ہوا.....؟ خیر سنئے..... آپ
تھے کہ شاید پروفیسر ہی نے اُسے دوبارہ آپ کے پاس سے غائب کرا دیا۔ لہٰذا آپ پھر گلو
پاس پہنچے اور اسے خوب کھری کھری سنائیں۔ اسی رات کو گلوریا نے سوچا کہ وہ کیوں نہ اس
پروفیسر کے یہاں سے چرا کر اپنے ہاتھوں سے آپ کو واپس کر دے۔ وہ جانتی تھی کہ
اسے تجوری میں رکھتا تھا۔ لہٰذا وہ نکولس کا ہتھوڑا لے کر وہاں پہنچی۔ اُسے یہ بھی علم ہوگیا
پروفیسر رات کو باہر ہی رہے گا۔ اس نے پروفیسر کی خواب گاہ کی کھڑکی کا شیشہ توڑا اور اند
ہوگئی۔ لیکن وہ اچھی طرح سنبھل بھی نہ پائی تھی کہ اسے مکان کے اندر قدموں کی آہٹ سنا
اور وہ گھبراہٹ میں ہتھوڑا وہیں چھوڑ کر کھڑکی سے کود گئی۔ آنے والا پروفیسر کا قاتل تھا
وہاں پہنچ کر یہ معلوم ہوگیا تھا کہ پروفیسر گھر پر موجود نہیں ہے اس لئے اس نے نہایت ا
سے اپنی کنجیوں کا لچھا استعمال کیا اور مکان کے اندر داخل ہوگیا۔ موقع غنیمت تھا اس
نے اقرار نامے کی تلاش شروع کر دی۔ لیکن اس کے کامیاب ہونے سے پہلے ہی پروفیسر
اور قاتل نے اُسی ہتھوڑے سے اس پر حملہ کر دیا اور اسے ختم کرنے کے بعد بھاگ ہی رہا

جلد ہی
جے کمار پہنچ گیا اور پھر شاید اسے بلیک میل کرنے کی کوشش کی جس کی وجہ سے وہ بھی اُس کے
ھ سے مارا گیا اور ہاں اس رات کو بھی آپ ہی نے وجے کمار کو وہاں بھیجا تھا کہ وہ اس پتھر کو
بارہ چرا لائے۔ ہاں تو جناب جب میں وہاں پہنچا تو پروفیسر کی لاش سے مڈبھیڑ ہوگئی آپ خود
چے کہ وہ چیز کتنی خطرناک تھی اور پھر جبکہ پروفیسر تار جام ہی سے انسپکٹر آصف کو فون کر چکا تھا
اس کے مکان کی حفاظت کی جائے۔ اگر میں ذرا سا بھی چوک جاتا تو وہاں پکڑا گیا تھا۔"
رخاموش ہوگیا۔

"میں آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ ان معلومات کو اپنے ہی تک محدود رکھئے گا۔" سر صغیر
کہا۔ "رابعہ نے مجھے پہلے ہی اس کے متعلق بتا دیا تھا اور میں بہت پریشان تھا۔"

سر صغیر نے چیک پر دستخط کر دیئے۔

"شکریہ۔" انور نے چیک بک تہہ کر کے جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ "مطمئن رہئے میں
میلر نہیں ہوں..... اچھا..... آداب عرض.....!"

پھاٹک سے نکل کر وہ موٹر سائیکل کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ رابعہ نے اس کا راستہ روک لیا۔

"تو تم نے سب کچھ بتا دیا۔" وہ خونزدہ لہجے میں بولی۔

"جتنا تم نے بتایا تھا اس سے آگے نہیں بڑھا۔"

"یعنی کہ.....!"

"ہاں ہاں..... میں نے ان سے یہ نہیں بتایا کہ تم نے وہ رات نشاط نگر میں سیکریٹری کے ساتھ بسر
کی۔"

"شکریہ..... بہت بہت شکریہ۔"

"ٹاٹا.....!" انور نے ہاتھ ہلایا اور موٹر سائیکل اسٹارٹ کر دی۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 17

بھیانک جزیرہ

(مکمل ناول)

بوڑھا تیغ زن

رات بھر موسلا دھار بارش ہوتی رہی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قیامت سے پہلے ہی شہر کی نیچی اونچی عمارتیں ریت میں تبدیل ہو کر سمندر کے سینے میں سما جائیں گی۔

کوچہ و بازار ویران پڑے تھے۔ ہوا کے تیز جھونکے کھڑکیوں اور جالیوں میں شور مچاتے ہوئے گھس رہے تھے۔ بادلوں کی گرج سے عمارتوں کی بنیادیں تک لرز رہی تھیں۔

رات بھر طوفان خوف و ہراس کے جھنڈے گاڑتا رہا۔

اور صبح شہر کی سب سے بارونق سڑک پر ایک لاش پڑی ہوئی دکھائی دی۔ لاش جس پر ایک تار بھی نہیں تھا بالکل ننگی لاش۔ جس کے چہرے کا سارا گوشت کاٹ لیا گیا تھا پیشانی پر بکھرے ہوئے بالوں کے نیچے آنکھوں کی جگہ دو بڑے غار نظر آ رہے تھے۔ ناک کی ابھری ہوئی ہڈی کے نیچے ڈاڑھوں تک پھیلے ہوئے دانت جسم کی تانبے جیسی رنگت سے ظاہر ہوتا تھا کہ شاید وہ کوئی نیگرو ہے۔

وہ راہگیر جنہوں نے اسے دیکھا تھا سوچ رہے تھے کہ اس دل ہلا دینے والے منظر کو وہ زندگی بھر نہ بھلا سکیں گے۔ لاش وہاں سے اٹھوا دی گئی اور پولیس والے قرب و جوار کی عمارتوں میں پھیل گئے۔ لیکن کسی کو اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں تھا ہو سکتا ہے کہ مقتول نے ٹھیک اسی جگہ چیخ چیخ کر دم توڑا ہو۔ لیکن طوفان کی ہنگامہ خیزیوں میں کسے خبر ہوتی۔

حادثہ مے پول ہوٹل کے سامنے ہوا تھا۔ انسپکٹر جگدیش نے ہوٹل کا رجسٹر چیک کیا قیام کرنے والے مسافروں میں چھان بین کی لیکن مقتول ان میں سے نہ تھا۔ آخر تھک ہار کر وہ اور

سی آئی ڈی انسپکٹر آصف ڈائننگ ہال میں آ بیٹھے۔

''میں تو تنگ آ گیا ہوں اس شہر سے۔'' انسپکٹر جگدیش اپنی پیشانی کا پسینہ پو
بولا۔ ''روز ایک قتل دھرا ہے۔''

''یہ یقیناً کوئی غیر ملکی ہی تھا۔'' آصف نے کہا۔ ''اس رنگ کے لوگ اپنی طرف نہیں
دیتے۔''

''غیر ملکی..... لیکن آخر کہاں کا۔''

''یہ بتانا دشوار ہے۔'' آصف کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''قاتل نے صورت ہی بگاڑ
غیر ملکی سفارتخانوں میں تفتیش کر لی جاتی۔''

''ایسے ہی موقعوں پر بے اختیار فریدی صاحب یاد آ جاتے ہیں۔''

''وہی کیا کر لیتا۔'' آصف منہ چڑھا کر بولا۔

''یہ مت کہو..... انہوں نے ایسے ایسے بے سروپا جرائم سے پردہ اٹھایا ہے جن
فرشتوں کو بھی خبر نہ رہی ہوگی۔''

''ذہن پر ذرا سا زور دینے پر سب کچھ معلوم ہو جاتا ہے۔'' آصف لاپروائی سے بو
''تبھی تو وہ لونڈا انور تمہیں انگلیوں پر نچاتا رہتا ہے۔'' جگدیش نے مسکرا کر کہا۔

''تم غلط سمجھے..... نہ جانے کیوں مجھے اس پر رحم آ جاتا ہے۔''

''اس پر یا اس لڑکی پر.....!'' جگدیش اسے آنکھ مار کر مسکرایا۔

''کیا بات کر رہے ہو تم بھی..... وہ میری لڑکی کے برابر ہے۔''

''لیکن وہ ہے کون!'' جگدیش نے کہا۔ ''جب سے اس نے داراب کو قتل کر کے
سے دس ہزار روپے وصول کئے ہیں مجھے الجھن سی ہو گئی۔ آخر وہ ہے کون۔ کس خاندان
رکھتی ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ شاید انور بھی اس سے واقف نہیں ہے۔''

''اور وہ دونوں ساتھ رہتے ہیں۔''

''ہاں۔''

''اور انور یہ نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔''

''وہ بھی کچھ جھکی سا ہے۔ وہ ہمیشہ آم کھاتا ہے..... پیڑوں سے اسے کوئی غرض نہیں ہوتی۔''

''تو گویا ان دونوں کی رہائش غیر قانونی ہے۔'' جگدیش نے کہا۔

''یہ تو خدا ہی جانے..... ویسے ان دونوں کا یہی کہنا ہے کہ وہ صرف ایک دوسرے کے
ہیں۔''

جگدیش نے معنی خیز انداز میں قہقہہ لگایا۔

''تعجب ہے کہ انور ابھی تک دکھائی نہیں دیا۔'' جگدیش نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

''تم نے نہیں دیکھا۔'' آصف نے مسکرا کر کہا۔ ''وہ نہ جانے کب سے قرب و جوار کی
سونگھتا پھر رہا ہے۔''

''بعض اوقات وہ اپنی حدود سے نکل جاتا ہے۔'' جگدیش ناخوشگوار لہجے میں بولا۔ ''اگر
ریڈی صاحب کا خیال نہ ہوتا تو میں اسے کسی قیمت پر بھی نہیں چھوڑتا۔''

''لیکن مصیبت تو یہ ہے کہ وہ اپنے بچاؤ کے لئے ہمیشہ ایک نہ ایک لطیفہ تیار رکھتا ہے۔''

''دیکھو میاں آصف..... آدمی اگر کرنے پر آ جائے تو سب کچھ کر گزرتا ہے۔''

''خیر بھئی چھوڑو ہٹاؤ..... اس لاش کے متعلق کیا کیا جائے۔''

''ایسے معاملات تو مقدرات پر چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔'' جگدیش انگڑائی لے کر بولا۔

''ٹھیک ہے.....!'' پیچھے سے آواز آئی۔ جگدیش اور آصف مڑے۔ انور ایک میز پر جھکا
ہٹ سلگا رہا تھا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں جگدیش صاحب۔'' وہ ناک سے دھواں نکالتا ہوا بولا۔

''مقدارات سے زیادہ ایسے موقعوں پر جیوتش ودیا کام دیتی ہے۔ نہیں تو پھر رمل، کوڑیاں
اگر سب پٹ پڑیں تو مقتول لال بادشاہ ورنہ امریکہ کا ریڈ انڈین۔''

''میرا خیال ہے کہ میں نے کبھی آپ سے مشورہ نہیں لیا۔'' جگدیش ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

''ریڈ انڈین.....!'' آصف چونک کر بولا۔

''ہاں بچپن میں کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ ریڈ انڈین تانبے کی شکل کے ہوتے ہیں۔''

انور مسکرا کر بولا۔

''مگر ریڈ انڈین یہاں کہاں۔'' آصف نے کہا۔ ''امریکہ کی حکومت انہیں امریکہ جانے دیتی ہے۔''

''لیکن وہ لوگ جو میکسیکو میں آباد ہیں ان پر اس قسم کی پابندیاں نہیں۔ اس لئے مہذب ہیں۔ خصوصاً اسپینی نسلوں کے لوگ عموماً بیرونی ممالک سے براہِ راست تجارتی رکھتے ہیں۔''

''تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں امریکی سفارت خانے میں تفتیش کرنی چاہئے۔'' نے کہا۔

''اب یہ تم جانو..... میں تو آج نیشنل رائفل کلب میں میکسیکو کے ایک باشند ونسنٹ کی تیغ زانی کے کمالات دیکھوں گا۔ مطلب یہ کہ ڈان ونسنٹ ایک مشہور تیغ زا رائفل کلب کے شمشیر زنوں سے آج اس کا مقابلہ ہوگا۔ اس نے اپنے شہر کے سارے چیلنج کیا ہے۔''

''اوہ.....!'' آصف اسے گھورنے لگا۔

''وہ بھی سرخ رنگ کا ہے۔'' انور اٹھتا ہوا بولا۔ وہ تھوڑی دیر کھڑا مسکراتا رہا پھر باہر

''دیکھا تم نے.....!'' آصف نے جگدیش کو مخاطب کیا۔

''میں کیا دیکھوں تم دیکھو..... اب بھی فریدی صاحب کے اعجاز کے قائل ہو سب انہیں کی صحبت کا نتیجہ ہے۔''

''فریدی.....!'' آصف منہ بگاڑ کر بولا۔ ''میرے سامنے کا لڑکا ہے۔ یہ بھی ا ہے کہ اسے اتنی شہرت نصیب ہوگئی ہے ورنہ وہ دراصل اس کا اہل نہیں۔ سراغ رسانی اصولوں سے تو واقف نہیں ہے۔''

''بس بنیادی لکیریں تو تم ہی پیٹا کرو۔ انہوں نے نئی نئی راہیں نکالی ہیں۔''

''لیکن ان کا فن سے تو کوئی تعلق نہیں۔'' آصف نے کہا۔

''خیر اب تمہارا فن بھی دیکھ لیا جائے گا۔'' جگدیش سر ہلا کر بولا۔ ''مجھے اچھی طر

ہے کہ تم انور کی مدد کے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتے۔''

''یہ سراسر جھوٹ ہے۔''

''خیر ہوگا.....!'' جگدیش اٹھتا ہوا بولا۔ ''میں نے اپنا کام مکمل کر ہی لیا ہے۔ دو تین دن ادھر ہاتھ مارنے کے بعد کیس تمہارے محکمے کے سپرد کر دیا جائے گا۔''

''تو پھر نیشنل کلب کی کیا رہی۔'' آصف بولا۔

''اگر انور سچ کہتا ہے تو ہمیں وہاں ضرور جانا چاہئے۔''

''لیکن ہم نے اس سے یہ بھی نہ پوچھا کہ مقابلہ کس وقت ہوگا۔'' آصف نے کہا۔

''میں جھوٹ نہیں کہتا۔'' جگدیش مسکرا کر بولا۔ ''سچ مچ تم اس لونڈے کی انگلی پکڑ کر چلتے نیشنل کلب دور ہی کتنا ہے۔ ابھی چل کر معلوم کئے لیتے ہیں۔''

آصف جھینپ گیا۔

نیشنل رائفل کلب پہنچ کر وہ دونوں سیدھے سیکریٹری کے کمرے میں چلے گئے۔ دروازہ ندر سے بند تھا اور کئی آدمیوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ جگدیش نے آہستہ آہستہ دستک ی۔

''ٹھہرو.....!'' اندر سے ایک آواز آئی اور جگدیش کی بھنوئیں سکڑ گئیں۔ اس نے دروازے کو دھکا دیا اور دونوں پٹ کھل گئے۔

کمرے میں تین آدمی تھے۔ ایک تو کلب کا سیکریٹری اور دو کوئی غیر ملکی جن کی رنگت تانبے کی طرح سرخ تھی۔ آصف کی آنکھیں چمکنے لگی۔

''اوہ آپ لوگ!'' سیکریٹری اٹھتا ہوا تحیر آمیز لہجے میں بولا ''معاف کیجئے گا۔ میں کچھ اور سمجھا تھا..... تشریف رکھئے۔''

''میں نے سنا ہے کہ آج آپ کے یہاں کوئی مقابلہ ہونیوالا ہے۔'' جگدیش نے پوچھا۔

''جی ہاں..... جی ہاں..... تیغ زنی کا مقابلہ.....!'' منیجر ان غیر ملکیوں میں سے ایک کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ''سی نور ڈان ونسنٹ ..... میکسیکو کے باشندے ہیں۔ آج شام کو کلب میں اپنی تیغ زنی کے کمالات دکھائیں گے۔''

سیکریٹری نے ان سے ان دونوں کا تعارف کرایا۔ دوسرے کا نام ڈان الفریڈ تھا۔ وہ اکھڑی اکھڑی انگریزی میں گفتگو کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ جگدیش اصل موضوع پر آ گیا۔

''مسٹر ونسنٹ میں آپ کو تھوڑی سی تکلیف دوں گا۔'' جگدیش نے انگریزی میں کہا۔

''کہئے.....!'' ونسنٹ مسکرا کر بولا۔ ''یہ ایک قوی الجثہ اور طویل القامت آدمی، پڑ کشادہ اور سر کے بال سیاہی مائل سرخ تھے۔ آنکھیں بلی کی آنکھوں کی طرح، کبھی ہلکی اور کبھی گہری سبز معلوم ہوتی تھیں۔ ناک سے ہونٹوں کے فاصلے کی زیادتی نے چہرے کو غیر متناسب دیا تھا۔ ہونٹ پتلے تھے اور خاموشی کی حالت میں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اپنے ہونٹ بھ ہوئے ہے۔

''آپ یہاں کب آئے ہیں۔''

''پرسوں.....کیوں؟''

''آپ کے ساتھ کتنے آدمی ہیں؟''

''چار.....!''

''آپ میکسیکو سے سیدھے یہاں آئے ہیں۔''

''نہیں ہم انگلینڈ میں تھے۔ دراصل ہم دنیا کی سیاحت کیلئے نکلے ہیں اور تیغ زنی کے مظاہرے کر کے اپنا سفر خرچ نکالتے ہیں۔ آپ کا ملک بھی ہمارے پروگرام میں شامل ہے۔''

''آپ کے تین ساتھی کہاں ہیں۔''

''دل کشا ہوٹل میں، ہم لوگ وہیں ٹھہرے ہوئے ہیں۔''

''کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ کے تینوں ساتھی اس وقت بھی دل کشا میں موجود ہیں۔''

''کیوں.....؟'' اسکے لہجے میں تحیر تھا۔ ''ہم انہیں اس وقت وہیں چھوڑ کر آئے ہیں۔''

''بات یہ ہے کہ ہمیں ایک لاش ملی ہے ننگی لاش.....اس کا چہرہ بگاڑ دیا گیا ہے۔ رنگ کے اعتبار سے مقتول آپ ہی کی طرف کا معلوم ہوتا ہے۔''

''اوہ.....!'' ڈان ونسنٹ کی آنکھیں خوف اور حیرت سے پھیل گئیں۔ ''لاش آپ کو کس

وقت ملی۔''

''صبح چھ بجے۔''

''تب تو کوئی پریشانی کی بات نہیں۔'' وہ ہنس کر بولا۔ ''میرے چاروں ساتھی آٹھ بجے بھی زندہ تھے لیکن میں اس لاش کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ خدا کرے وہ میرا ہم وطن نہ ہو۔''

تھوڑی دیر بعد جگدیش انہیں ساتھ لے کر کوتوالی پہنچ گیا۔ انہیں لاش دکھائی گئی۔

ڈان ونسنٹ لاش کو دیکھ کر کچھ پریشان سا نظر آنے لگا۔

''بے شک یہ میرا ہی ہم وطن معلوم ہوتا ہے لیکن میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہے؟''

''اس سے پہلے آپ کے ملک کا کوئی باشندہ یہاں دکھائی نہ دیا۔'' آصف نے کہا۔

''ہم لوگ امریکن سفارت خانے کی وساطت سے غیر ممالک کا سفر کرتے ہیں میرے بال سے آپ اس کا پتہ وہیں سے لگا سکتے ہیں۔''

''وہ تو ہم بھی جانتے ہیں۔'' آصف بولا۔

''اچھا تو اب میں جاؤں۔'' وہ ان سے ہاتھ ملاتا ہوا بولا۔ ''مجھے امید ہے کہ آج شام کو آپ لوگ رائفل کلب کا پروگرام ضرور دیکھیں گے۔''

''ضرور.....ضرور.....!'' جگدیش نے اسے یقین دلایا۔

اس کے چلے جانے کے بعد جگدیش اور آصف ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگے۔

لاش پوسٹ مارٹم کے لئے بھیج دی گئی۔ امریکن سفارت خانے میں دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ان پانچ آدمیوں کے علاوہ میکسیکو کا کوئی اور باشندہ شہر میں نہیں داخل ہوا۔

''یار آصف میری تشفی نہیں ہوئی۔'' جگدیش نے کہا۔

''پھر.....!''

''ہمیں آرلکچو چلنا چاہئے۔''

''تو تم ان لوگوں کے پیچھے پڑ گئے۔'' آصف مسکرا کر بولا۔

''ہاں میں ان کے تین ساتھیوں کو بھی ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''چلو بھئی! حالانکہ ابھی میرا اس کیس سے کوئی تعلق نہیں لیکن پھر بھی میں دلچسپی لینے لئے مجبور ہوں۔''

''کیوں.....؟'' جگدیش نے پوچھا۔

''میں تمہیں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ صرف فریدی پر ہی دنیا نہیں ختم ہوگئی۔''

''اوہ.....!'' جگدیش ہنس کر بولا۔ ''ضرور ضرور..... اس موقعے کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔''

''شاید تم مذاق سمجھ رہے ہو۔''

''نہیں بھئی مذاق کیوں سمجھوں گا۔ میں تو دل سے چاہتا ہوں کہ فریدی صاحب اٹلی سے واپسی پر کوئی اور دھندا دیکھیں۔''

آرلکچو پہنچ کر انہوں نے سب سے پہلے ہوٹل میں قیام کرنے والوں کا رجسٹر دیکھا۔ پانچ کے نام درج تھے۔ ایک ویٹر سے انہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ پانچوں اس وقت ڈائننگ ہال موجود ہیں۔ دونوں نے ڈائننگ ہال کا رخ کیا۔

پانچوں ایک بڑی میز کے گرد بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ آصف اور جگدیش کنارے کی پر چلے گئے۔ آصف نے لنچ کا آرڈر دیا اور تھوڑی دیر بعد وہ بھی کھانے میں مشغول ہوگئے۔

''ہیں تو پانچ ہی.....!'' جگدیش بولا۔

''بھئی میرا خیال ہے کہ ان کے پیچھے پڑنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔'' آصف نے کہ

''ہاں..... آں.....!'' جگدیش کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ اس کی نظریں دروازے کی طر اٹھ گئیں۔ اس کے چہرے پر توجہ کے آثار دیکھ کر آصف بھی مڑا۔

دروازے کے قریب انہیں دو آدمی دکھائی دیئے ان میں ایک بوڑھا تھا اور دوسرا جوا بوڑھے کے چہرے پر بھورے رنگ کی فرنچ کٹ ڈاڑھی تھی اور ہونٹوں میں پائپ دبا ہوا تھا پر اطالوی طرز کی نیلی فلٹ ہیٹ تھی۔ اس نے اپنی پلکیں اس طرح سکوڑ رکھی تھیں جیسے آنکھ میں دھواں لگ رہا ہو۔ اس کا جوان ساتھی اس کی طرح گٹھیلے جسم کا نہیں تھا۔ اس کی ڈاڑھی سا اور آنکھوں سے مکاری جھلکتی تھی۔ بوڑھا اس سے آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہا تھا اور وہ اپنے ہ بھینچ کر ہنسی روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''یہ دونوں بھی غیر ملکی ہی معلوم ہوتے ہیں۔'' جگدیش نے کہا۔

''آخر تمہارے سر پر غیر ملکی کیوں سوار ہوگئے ہیں۔'' آصف ہنس کر بولا۔

''جگدیش پھر کھانے میں مشغول ہوگیا۔'' تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولا۔

''اس قسم کی لاش سے پہلی بار میرا سابقہ پڑا ہے۔ کم بخت قاتل نے اس کے جسم پر کپڑے ہی رہنے دیئے ہوتے۔''

''ظالم نے جوتے بھی تو نہ چھوڑے۔'' آصف کو انور کی آواز سنائی دی۔ جگدیش اسے گھورنے لگا۔ لیکن انور اس کی پرواہ کئے بغیر ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

''اس وقت ہم لوگ کوئی حیرت انگیز خبر سننے کے موڈ میں نہیں ہیں۔'' آصف ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

''مطمئن رہو۔'' انور سنجیدگی سے بولا۔ ''میں بھی اس کیس میں اپنی ناکامی کا صدقِ دل سے اعتراف کرتا ہوں۔''

''میں پہلی بار تمہارے منہ سے ایسا جملہ سن رہا ہوں۔'' آصف کی آواز میں تحیر تھا۔

''جگدیش صاحب..... جس چیز کا تذکرہ کر رہے تھے وہ تفتیش کے سلسلہ میں آخری کڑی تھی۔ اس کے بغیر کوئی اقدام سعی لاحاصل ہوگا۔ کپڑوں پر کم از کم لانڈری کے نشانات ضرور مل جاتے۔''

''قطعی.....!'' جگدیش کی آواز میں دبا سا جوش تھا۔

''اور یہ پانچوں ہی ہیں۔'' انور میکسیکو کے باشندوں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

''ظاہر ہے کہ مقتول ان میں سے نہیں ہوسکتا۔ میں نے معلوم کیا ہے کہ یہ پانچوں ہی آدمی امریکی سفارت خانے کی وساطت سے یہاں آئے ہیں۔'' وہ خاموش ہو کر سگریٹ سلگانے لگا۔

جگدیش کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ہوٹل کے کلرک نے ایک لفافہ لا کر اس کی طرف بڑھا دیا جس پر انسپکٹر جگدیش تحریر تھا۔

''کس نے دیا ہے۔'' جگدیش نے پوچھا۔

''یہ تو میں نہیں جانتا۔'' کلرک سٹپٹا کر بولا۔

''کیا مطلب.....؟'' جگدیش اسے گھورنے لگا۔

''میں لکھنے میں مشغول تھا۔'' کلرک نے کہا۔ ''کوئی اس طرح میری میز پر رکھ گیا کہ مجھے خبر تک نہ ہوئی۔''

''اچھا.....!'' جگدیش نے اسے جانے کا اشارہ کیا اور لفافہ کھولنے لگا۔ کاغذ پر کچھ تحریر تھی جسے پڑھ کر جگدیش کی آنکھیں پھیلتی جارہی تھیں اس نے اسے میز پر رکھ دیا اور چاروں طرف تجسس آمیز نظروں سے دیکھنے لگا۔

آصف کاغذ اٹھا کر پڑھ رہا تھا۔

''جگدیش، آصف اور انور صاحبان! مجھے آپ سے ہمدردی ہے آپ حضرات نے شاید ابھی تک طریقہ قتل پر غور نہیں کیا۔ آپ یقین کیجئے کہ اس کے چہرے کا گوشت اس کے ختم ہوجانے کے بعد کاٹا گیا ہے اس سے اس کی موت کا کوئی تعلق نہیں لیکن اس کے بقیہ جسم پر کوئی اور دوسرا زخم بھی نہیں ہے۔ ذرا ذہن پر زور دیجئے مقتول کی بائیں پنڈلی پر آپ نے ایک نیلے رنگ کی دھاری دیکھی ہوگی وہ دھاری ہی دراصل اس کی موت کا باعث بنی تھی۔ آپ یقین کیجئے کہ پوسٹ مارٹم کے وقت اس دھاری سے ایک باریک سی سوئی برآمد ہوگی۔ زہر میں بجھائی ہوئی سوئی۔ جان لینے کا یہ طریقہ میکسیکو کے قدیم باشندوں کی ایجاد ہے۔ اسپینی جنرل کورٹے کے سینکڑوں سپاہی انہیں زہریلی سوئیوں کے شکار ہوئے تھے ان کے استعمال کا طریقہ بڑا دلچسپ ہے یہ پتلی پتلی نلکیوں میں رکھی جاتی ہیں استعمال کے وقت انہیں ہونٹوں میں دبا کے پھونکتے ہیں۔ اس عمل سے سوئیاں برق رفتاری سے اچھل کر شکار کے جا چبھتی ہیں اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے دم توڑ جاتے ہیں۔ آپ ڈاکٹر کو فوراً مطلع کیجئے کہ وہ اس دھاری کا خاص طور سے خیال رکھے اور پھر اگر آپ وہ سوئی برآمد ہوجانے کے بعد بھی قاتل یا قاتلوں کو نہ پکڑ سکیں تو میں آپ حضرات کو خودکشی کا مشورہ دوں گا۔''

''یہ کون ہوسکتا ہے۔'' جگدیش آہستہ سے بولا۔

''کوئی بھی ہو۔'' انور نے کہا۔ ''لیکن ہمیں اس کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرنا چاہئے۔''

''مطلب.....!'' آصف متفکرانہ انداز میں بولا۔

''اسکا مطلب یہ ہے کہ ہمیں ان سوئیوں اور نلکیوں کے لئے ان کی تلاشی لینی چاہئے۔''

انور نے کہا۔

''ٹھیک ہے لیکن پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ملے بغیر میں ایسا اقدام نہیں کرسکتا۔'' جگدیش کچھ سوچتا ہوا بولا۔

''آخر یہ مشورہ دینے والا کون؟'' آصف نے کہا۔

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ جگدیش کی نظریں پھر ان دونوں کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ زیب ہی کی میز پر کھانا کھا رہے تھے۔ بوڑھے کا جوان ساتھی ہال میں بیٹھی ہوئی عورتوں کو گھور رہا تھا۔

''میں اگر آپ کی جگہ ہوتا تو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کا انتظار نہ کرتا۔'' انور نے جگدیش سے کہا۔

''آپ ہوتے ہی کیوں میری جگہ۔'' جگدیش منہ بنا کر بولا۔

''بہرحال یہ لکھ لیجئے کہ یہ آپ کے بس کا روگ نہیں۔'' انور اٹھتا ہوا بولا۔

قبل اس کے کہ جگدیش کچھ کہتا وہ جا چکا تھا۔ جگدیش اور آصف بڑی دیر تک اس پراسرار کیس پر گفتگو کرتے رہے لیکن کسی خاص نتیجے پر پہنچنا امر محال تھا۔

انہوں نے ایک بار پھر کلرک پر سوالات کی بوچھاڑ کردی لیکن نتیجہ وہی صفر۔

ہوٹل سے نکلے تو رائفل کلب کی ایک موٹر دکھائی دی جس پر سے شام کے مقابلے کے لئے اعلان ہو رہا تھا۔ داخلہ ٹکٹ کے ذریعے تجویز کیا گیا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ خاصی بھیڑ ہوجائے گی۔'' آصف بولا۔

''چیز دلچسپ ہوگی۔'' جگدیش نے کہا۔ ''میرے خیال سے نشستیں مخصوص کرالی جائیں گی۔''

''میں اس کا انتظار کرلوں گا۔''

آصف چلا گیا۔ جگدیش کا ارادہ تھا کہ وہ بھی واپس جائے لیکن کچھ سوچ کر رک گیا۔ وہ ان مکسیکن لوگوں کا پیچھا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر تک سوچنے کے بعد فیصلہ کرلیا کہ وہ ان پر نظر رکھے گا۔ وہ پھر آرلیکچو میں واپس آ گیا۔ پانچوں غیر ملکی ڈائننگ ہال سے اٹھ گئے تھے۔ جگدیش نے پھر ہوٹل کا رجسٹر لے کر ان کے کمروں کے نمبر دیکھے اور اوپری منزل کی طرف

روانہ ہوگیا۔

وہ ایک طویل راہداری سے گزر رہا تھا۔ جس کے دونوں طرف کمرے تھے۔ یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ ان پانچوں کو سلسلے وار خالی کمرے مل گئے تھے۔ جگدیش ان نمبروں پر اچٹتی نظر ڈالتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ وہ تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ کسی نے پیچھے سے اسے مخاطب کیا۔ جگدیش مڑا جس بوڑھے کو اس نے ڈائننگ ہال میں دیکھا تھا اس کا جوان ساتھی اسے اشارے سے بلا رہا تھا۔ اس کے بلانے کا طریقہ اتنا بھدا تھا کہ جگدیش اپنی توہین محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔ بہرحال طوعاً و کرہاً پلٹا۔

''تم حجام ہو۔'' اس نے جھٹکے دار بھدے لہجے میں پوچھا۔ یہ سوال اس نے غلط انگریزی میں کیا تھا۔

''تم ہوش میں ہو یا نہیں۔'' جگدیش بگڑ کر بولا۔

اس پر اس نے جگدیش کو الٹی سیدھی گالیاں سنا کر رکھ دیں قریب کے کمروں سے بھی نکل آیا۔ اس نے اپنے جوان ساتھی کو کھینچ کر پیچھے ہٹا دیا اور خود جگدیش سے معافی مانگنے کے بعد اپنے ساتھی کو ایک ایسی زبان میں ڈانٹنے لگا جو جگدیش کے لئے ناقابل فہم تھی۔

''آفیسر مجھے افسوس ہے کہ اس نے آپ کو حجام کہہ کر مخاطب کیا۔'' اس نے جگدیش سے انگریزی میں کہا۔ ''بات یہ ہے کہ یہاں پہلی بار آیا ہوں۔ ہمارے ملک میں صرف حجام اس قسم کا یونیفارم پہنتے ہیں۔''

''آپ کہاں سے آئے ہیں۔'' جگدیش نے پوچھا۔ اس کے لہجے میں ابھی ناخوشگواری تھی۔

''ہم پرتگال کے باشندے ہیں۔'' بوڑھا خوش اخلاقی سے جھک کر بولا۔ پھر اپنے ساتھی کو مخاطب کیا۔ ''آفیسر سے معافی مانگو۔''

''مجھے افسوس ہے۔'' اس نے لٹھ مار دیا۔ ''اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اب بھی جگدیش کو حجام ہی سمجھنے پر مصر ہے۔''

جگدیش گھورتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ اس بے موقع اور بے تکے واقعے نے اس کا موڈ

کردیا تھا۔ وہ دوسرے کونے تک جا کر پھر واپس لوٹا۔ اس بار انور کی شرارت آمیز مسکراہٹ اس کا انتظار کر رہی تھی۔

''بڑے بدتمیز ہوتے ہیں یہ پرتگالی۔''

''لیکن تم یہاں کیا کر رہے ہو۔'' جگدیش اُسے گھور کر بولا۔

''کیوں کیا یہاں ٹہلنا منع ہے۔''

''میں تمہیں منہ لگانا پسند نہیں کرتا۔'' جگدیش نے خشک لہجے میں کہا۔

''لیکن میں تو آپ کو انسپکٹر پولیس سمجھتا ہوں۔'' انور سنجیدگی سے بولا۔ ''بہرحال یہ خبر برے اخبار کے لئے بہت دلچسپ ثابت ہوگی کہ پرتگال کے باشندے یہاں کے پولیس والوں کو حجام سمجھتے ہیں۔''

انور جانے کے لئے مڑا۔

''ٹھہرو.....!'' جگدیش آگے بڑھ کر بولا۔

انور پلٹ کر مسکرایا۔

''میں فریدی صاحب کی وجہ سے تمہارا خیال کرتا ہوں۔'' جگدیش نے کہا۔

''اور اسی وجہ سے میں بھی تم سے آج تک نہیں الجھا کہ فریدی صاحب تم پر مہربان ہیں۔''

جگدیش اُسے گھورتا رہا۔

''یہ خبر اخبار میں نہیں چھپے گی۔'' جگدیش سخت لہجے میں بولا۔

''اچھا دیکھا جائے گا۔'' انور نے کہا اور مدھم سروں میں سیٹی بجاتا ہوا نیچے چلا گیا۔

جگدیش کی بیزاری اور بڑھ گئی۔ اب وہ یہاں کسی قیمت پر بھی ٹھہرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بھی منہ لٹکائے ہوئے نیچے اتر رہا تھا۔

جگدیش شام تک پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن ہزار تقاضوں کے باوجود گانز مل گئی۔ اس دوران میں آصف نے اسے اطلاع دی کہ تیغ زنی کے مقابلے کے ٹکٹ مل گئے ہیں اور سیٹیں بھی مل گئی ہیں۔ جگدیش کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ کسی قسم کی تفریح میں حصہ لے۔ سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ وہ انور کا سامنا کرنا نہیں چاہتا تھا اور ہاں جانے پر اس سے

ملاقات یقینی تھی۔ تقریباً چھ بجے آصف پہنچ گیا اور جگدیش کو شدید انکار کے باوجود اس کے
جانا پڑا۔

نیشنل رائفل کلب کا وسیع میدان فتاتوں سے گھرا ہوا تھا۔ اندر مختلف قسم کی کرسیوں
درجوں کی تشکیل کی گئی تھی۔ نشستوں کا انتظام دائرے کی شکل میں کیا گیا تھا۔ وسط میں اٹ
گیا تھا جو چاروں طرف سے کھلا ہوا تھا۔

ٹھیک سات بجے ڈان ونسنٹ اسٹیج پر نمودار ہوا۔ اس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔

اناؤنسر نے مجمع سے اس کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ ''ہمارے کلب کے چند نامور
زن ڈان ونسنٹ سے مقابلہ کریں گے۔'' اس کے بعد اس نے کلب کے ایک ممبر کے
اعلان کیا۔ ایک نوجوان شمشیر زن شمشیر تولتا ہوا اسٹیج پر آیا اور تلواروں کے جھنکار سے فضا
ہوگئی۔

چند ہی لمحوں کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ مقابلہ کرنے والے کی تلوار زمین پر تھی اور
ونسنٹ کی تلوار اس کے سینے پر۔

''بہت پھرتیلا ہے۔'' جگدیش نے آصف سے کہا۔

''مجھے تو امید نہیں کہ کوئی اسکے مقابلے میں کامیاب ہو سکے۔'' آصف آہستہ سے بڑبڑایا

آصف کا خیال صحیح تھا۔ اس نے صرف آدھے گھنٹے میں سارے مقابلہ کرنے والوں
کرلیا۔ وہ کسی تدبیر سے ان کے ہاتھ سے تلوار نکال دیتا تھا۔

''خواتین وحضرات۔'' ڈان ونسنٹ نے مجمع کو اپنی طرف مخاطب کیا۔ ''مجھے افسوس
آپ میں سے کوئی بھی مجھے زیر نہ کرسکا۔ میں نے آپ کے ملک کے تیغ زنوں کی بڑی تعریف
تھی۔ لیکن میں آپ کو الزام نہ دوں گا۔ یہ فن آہستہ آہستہ ساری دنیا سے ختم ہوتا جارہا ہے۔
دنیا کا ایک حصہ ایسا ہے جہاں کے لوگوں نے آتش گیر اسلحوں کی موجودگی میں بھی اس فن
حفاظت کی ہے۔ اور مجھے فخر کے ساتھ اس بات کا اعلان کرنے دیجئے کہ وہ حصہ میرا وطن
میکسیکو ہے۔''

''یہ قطعی جھوٹ ہے۔'' ایک گرجدار آواز سنائی دی۔ لوگوں کی نظریں اس طرف اٹھ

جلد نمبر 5

ہر جگدیش کا منہ حیرت سے پھیل گیا۔ یہ وہی بوڑھا پرتگالی تھا جس کے جوان ساتھی نے اُسے
ہم بھجوایا تھا۔

''تم کیا کہنا چاہتے ہو۔'' ڈان ونسنٹ نے اُسے للکارا۔

''میں کہنا چاہتا ہوں کہ میکسیکو کے باشندے جھوٹی شیخی بگھارتے ہیں۔''

''صاف صاف کہو۔'' ڈان ونسنٹ بگڑ کر بولا۔

''میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ پرتگالی بھی کسی سے پیچھے نہیں ہے۔''

''کیا زبانی؟'' ڈان ونسنٹ کے لہجے میں تمسخر تھا۔

''نہیں..... اس کا اظہار میری تلوار کرے گی۔''

''مجھے منظور ہے۔'' ڈان ونسنٹ مسکرا کر بولا۔ پھر مجمع سے مخاطب ہوکر کہنے لگا۔ ''آپ کو
اعتراض تو نہیں ہوگا۔''

''قطعی نہیں..... قطعی نہیں.....!'' بے شمار آوازیں آئیں۔

بوڑھے کے لئے کلب کے سیکریٹری نے ایک تلوار منگوائی جسے وہ دو تین منٹ تک
زاویئے سے دیکھتا رہا..... پھر وہ اسٹیج پر پہنچ کر مجمعے سے مخاطب ہوا۔ خواتین وحضرات! میں اپنی
بے موقع دخل اندازی پر شرم سار ہوں۔ اگر سی نور ڈان ونسنٹ ساری دنیا کو نہ للکارتے تو میں
یہ جرأت ہرگز نہ کرتا۔''

''ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔'' مجمع بے تابانہ انداز میں چیخا۔

اناؤنسر تھوڑی دیر تک بوڑھے سے سرگوشیاں کرنے کے بعد بلند آواز میں بولا۔

''موسیو البرفونو پرتگال کے باشندے ہیں وہ خود کو تیغ زنی کا ماہر نہیں سمجھتے لیکن پھر بھی سی
ڈان ونسنٹ جیسے مشہور تیغ زن سے مقابلہ کرنے جارہے ہیں۔''

اس کے بعد اناؤنسر نے ڈان ونسنٹ کو اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ تھوڑی دیر تک پھر
سرگوشیاں ہوتی رہیں۔

''خواتین وحضرات۔'' اناؤنسر کی آواز پھر سنائی دی۔ ''یہ مقابلہ آدھے گھنٹے تک ہوگا
موسیو البرفونو کا دعویٰ ہے کہ وہ آدھ گھنٹہ میں ایک درجن تلواریں توڑیں گے۔''

"مجمع نے اس اعلان پر پرجوش تالیاں بجائیں۔"

دوسرے لمحے میں دونوں تلواریں سونت رہے تھے۔ اچانک ڈان ونسنٹ بوڑھے پر جھپٹا۔ البرونو نے اس کی تلوار اپنی تلوار پر روکی اور دونوں میں زور ہونے لگا۔ مجمع اس بوڑھے کی طاقت پر عش عش کر رہا تھا۔ دفعتاً البرونو حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ پیچھے ہٹا اور ڈان ونسنٹ زور میں تلوار سمیت زمین پر آ رہا۔ مجمعے نے تالیاں بجائیں ڈان ونسنٹ جلدی سے اٹھا لیکن اس کے ہاتھ میں آدھی تلوار تھی۔ اس نے جھلا کر ٹوٹی ہوئی تلوار زمین پر پٹخ دی اور دوسری تلوار کے لئے چیخا۔ بوڑھا اس انداز میں کھڑا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ دوسری تلوار لیتے ہی ڈان ونسنٹ نے اسے للکارا لیکن اُس کے سنبھلنے سے پہلے ہی اس پر ٹوٹ پڑا۔ یہ حملہ بہت خطرناک تھا۔ اگر البرونو ذرا سا بھی چوکتا تو تلوار اس کے سینے سے پار ہو جاتی۔ اناؤنسر اور مجمع دونوں چیخنے لگے۔ تفریحی مقابلہ خون کی پیاس میں تبدیل ہو چکا تھا لیکن ریفری ان کے بیچ میں آنے کی ہمت نہ کر سکا۔ دونوں وحشیانہ انداز میں تلواریں چلا رہے تھے۔ خصوصاً ڈان ونسنٹ تو جامے سے باہر ہو رہا تھا۔ دفعتاً پھر ایک زوردار جھنکار سنائی دی اور ڈان ونسنٹ کی تلوار پھر ٹوٹ گئی تھی۔ اب کی اس نے ٹوٹی ہوئی تلوار بوڑھے البرونو پر پھینک ماری لیکن البرونو نے اپنی تلوار پر روک کر ایک طرف ڈال دیا۔ اس کے چہرے پر غصے کے آثار کی بجائے طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

مجمع نے چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیا۔

ڈان ونسنٹ گھونسہ تان کر البرونو پر جھپٹا۔ بوڑھے نے اپنی تلوار ایک طرف ڈال دی۔ اس اثناء میں ڈان ونسنٹ کا گھونسہ اس کے جبڑے پر پڑ چکا تھا۔ البرونو لڑکھڑا کر چار قدم پیچھے ہٹ گیا لیکن اس کا جوابی حملہ اتنا سخت تھا کہ ڈان ونسنٹ کو چھٹی کا دودھ یاد آ گیا۔ وہ اچھل کر نیچے لڑھک کر بیہوش ہو گیا۔

البرونو کو بیشمار آدمیوں نے گھیر لیا تھا اور اسکی تعریفوں کے پل باندھے جا رہے تھے لیکن وہ کچھ بوکھلایا بوکھلایا سا نظر آ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ان سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہو۔

"وہ پھر آ رہا ہے۔" دفعتاً البرونو چیخا۔ لوگ دوسری طرف مڑے اور وہ نہایت صفائی

ان کے نرغے سے نکل گیا لیکن انسپکٹر جگدیش کی نظریں اس کا پیچھا کر رہی تھیں۔ اس نے دیکھا کہ وہ ایک طرف کی قنات چاقو سے پھاڑ کر باہر نکل گیا۔ جگدیش اس کی طرف لپکا۔ وہ بھی اسی راستے سے باہر نکل ہی رہا تھا کہ کسی نے اس کی ٹانگ پکڑ کر کھینچ لی۔ جگدیش جھلا کر پلٹا لیکن وہ اتنے بڑے مجمع میں کسے ٹوک سکتا تھا اور پھر ایسی صورت میں جبکہ اس نے کسی کو صریحی طور پر دیکھا نہیں تھا۔

بہرحال اس پر اس کا بہت بُرا ردعمل ہوا۔ وہ گھبرا کر چاروں طرف دیکھنے لگا کہ کوئی اسے دیکھ کر ہنس تو نہیں رہا ہے اس بوکھلاہٹ میں وہ یہ بھی بھول گیا کہ کچھ دیر قبل البرونو سے دو دو ہاتھ دو دو ہاتھ کرنے کا تہیہ کر چکا تھا۔

جگدیش نے دیکھا کہ انور کچھ دور کھڑا مسکرا رہا ہے۔ جگدیش بوکھلا کر اسکی طرف بڑھا۔

"اور اس وقت اس کم بخت نے تمہاری ٹانگ پکڑ لی۔" انور ہنس کر بولا۔

"کون تھا.....؟" جگدیش نے بے اختیار پوچھا۔

"وہی جس نے دوپہر کو تمہیں حجام کہا تھا۔"

"اوہ.....اور تم کھڑے دیکھتے رہے۔"

"نہیں.....میں نے اسے پکڑنا چاہا تھا مگر کامیاب نہ ہو سکا۔"

"وہ گیا کدھر.....!"

"اگر یہی معلوم ہوتا تو پکڑ ہی نہ لیتا۔" انور بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

جگدیش خاموش ہو گیا۔

"ڈان ونسنٹ زندہ ہے یا مر گیا۔" اس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"مرا تو نہیں لیکن مردے سے بدتر ہے۔" انور نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"کل نے اتنی خوفناک تیغ زنی آج تک نہیں دیکھی۔"

"اس بوڑھے کے جسم میں آدمی کی روح نہیں معلوم ہوتی۔"

"مجھے یقین ہے کہ اگر ڈان ونسنٹ قاعدے سے مقابلہ کرتا تو بوڑھا اپنے وعدے کے مطابق آدھے گھنٹے میں ایک درجن تلواریں ضرور توڑ دیتا۔" جگدیش نے کہا۔

"مجھے تو اسے بوڑھا کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔" انور نے کہا۔ "مجھے شبہ ہے کہ وہ نہیں ہے۔"

"کیا مطلب.....؟"

"اگر تم اپنے چہرے پر مصنوعی سفید ڈاڑھی لگا لو تو کیا سچ مچ بوڑھے ہو جاؤ گے۔"

"مگر اس کی ڈاڑھی مصنوعی نہیں معلوم ہوتی۔" جگدیش نے کہا۔

"معلوم نہ ہونا اور بات ہے۔ تم نے کھینچ کر تو دیکھی نہیں۔" انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔

دوسرا اجنبی

دوسرے دن کے اخبارات تیغ زنی کے حیرت انگیز مقابلے کی نت نئی کہانیاں سنا رہے تھے۔ پراسرار البرونو کی شخصیت پر نئے نئے زاویوں سے روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی تھی۔ ان اخبار اس معاملے میں سب سے آگے بڑھ گیا تھا۔ اس نے ایک پولیس انسپکٹر کی ٹانگ کے جانے والا واقعہ بھی پیش کیا تھا۔ لیکن پولیس انسپکٹر کا نام نہیں ظاہر کیا تھا۔

تقریباً گیارہ بجے انسپکٹر آصف انور کے دفتر میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ جیسے ہی انور پہنچا آصف اس پر جھپٹ پڑا۔

"یہ کس انسپکٹر کی داستان تھی۔"

"تم سے مطلب.....؟" انور نے بے رخی سے کہا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔

"تمہاری شامت تمہارے گرد منڈلا رہی ہے۔" آصف بھنا کر بولا۔

"اپنا کام دیکھو..... میں ہرگز یہ نہ بتاؤں گا کہ وہ کون تھا۔"

"پولیس تم پر توہین کا مقدمہ چلا دے گی۔"

"خیر اس صورت میں اس انسپکٹر کا گریبان پکڑ کر عدالت میں کھینچ لے جاؤں گا۔"

آصف بیٹھ گیا۔ وہ تھوڑی دیر تک انور کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

"جگدیش نہ جانے کیوں تم سے ناراض ہے۔"

"تعجب ہے۔" انور حیرت کا اظہار کرتا ہوا بولا۔ "میں نے آج تک اس سے کوئی تعلق نہیں رکھا لیکن وہ پھر بھی ناراض ہے۔ میں اس کی وجہ سمجھنے سے قاصر ہوں۔"

"خیر چھوڑو! البرونو کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔"

"وہی جو کچھ تم نے میرے اخبار میں پڑھا ہے۔"

"اس سے تو کوئی خاص خیال واضح نہیں ہوتا۔"

"تو پھر بس یہ سمجھ لو کہ میرا کوئی خاص خیال نہیں۔"

"لیکن وہ پھر دونوں غائب کیوں ہو گئے۔"

"کون.....!"

"البرونو اور اس کا ساتھی۔"

"کہاں غائب ہو گئے۔" انور دلچسپی کا اظہار کرتا ہوا بولا۔

انہوں نے کل رات ہی کو آرلکچو ہوٹل چھوڑ دیا۔

"اور تم لوگ ان کی تلاش میں ہو۔" انور مسکرا کر بولا۔

"ہاں.....!"

"کیوں.....؟"

"ڈان ونسنٹ کی حالت بہت ابتر ہے۔"

"اچھا اس لاش کے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کا کیا ہوا۔"

"انتہائی حیرت انگیز۔" آصف دیدے پھرا کر بولا۔ "اس پراسرار خط کے مطابق سچ مچ اس کی پنڈلی سے ایک زہریلی سوئی برآمد ہوئی ہے۔ ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ موت کا باعث اس سوئی کا زہر ہی ہوا ہے۔"

"اور پھر تم نے ڈان ونسنٹ کے ساتھیوں کی تلاشی نہیں لی۔"

"اس وقت تو یہی کر کے آ رہا ہوں۔" آصف نے کہا۔ "آخر تم اتنے بداخلاق کیوں ہو گئے ہو۔ اتنی دیر سے تم نے ایک بھی سگریٹ نہیں پیش کیا۔"

انور نے سگریٹ کا ڈبہ دراز سے نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

''ہاں تو پھر کیا ہوا.....؟''

''کچھ نہیں..... ان کے پاس سے کوئی بھی قابل اعتراض چیز برآمد نہیں ہوئی۔'' آصف سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

''ہوں.....!'' انور کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''تو تم نے ان کو چھوڑ دیا۔''

''نہیں ایسا تو نہیں۔ ہماری نظریں اب بھی ان پر ہیں۔ لیکن اب ہم سارا زور البرونو کا لگانے میں صرف کر رہے ہیں۔''

''آخر کیوں؟'' انور اسے گھور کر بولا۔ ''کیا ڈان ونسنٹ نے اسکے خلاف کوئی بیان دیا ہے۔''

''ہاں.....!''

''کیا.....؟''

''یہی کہ لندن میں اس کا جھگڑا چند پرتگالیوں سے ہو گیا تھا اور وہ ان کے جان کے ہو گئے تھے۔ ڈان ونسنٹ کا خیال ہے کہ البرونو انہیں میں سے ہے اور اس کے ساتھیوں کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ اس کی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کل والی لاش کا تعلق البرونو ہی سے ہے۔''

''وہ کیسے.....!''

''ڈان ونسنٹ کہتا ہے کہ شاید اس نے میرے ساتھی کے دھوکے میں کسی اور آدمی کو ڈالا ہے۔''

''بات تو کچھ قاعدے کی معلوم ہوتی ہے۔'' انور نے کہا۔

''اور ان دونوں کا اس طرح غائب ہو جانا بھی یہی ظاہر کرتا ہے کہ وہ مجرم ہیں۔'' آصف دوسرا سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

''کیوں.....؟''

''ان کا طریقہ کار کچھ عجیب سا ہے۔ اگر وہ واقعی مجرم ہیں تو ایسے مجرم آج تک ہمارے

دل سے نہیں گزرے۔''

''کیا تم داراب[1] کو بھول گئے۔'' آصف نے کہا۔

''ٹھیک ہے لیکن داراب نے بھی کبھی بھرے مجمعے میں کسی پولیس انسپکٹر کی ٹانگ کھینچنے کی ہمت نہیں کی۔''

''اوہ تو کیا یہ حرکت البرونو نے کی تھی۔''

''نہیں اس کے ساتھی نے۔''

''کس کی ٹانگ پکڑی تھی۔''

''بہت اچھے۔'' انور طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

''آخر بتا دینے میں کیا حرج ہے؟''

''میں غیر ضروری باتیں کرنا پسند نہیں کرتا۔'' انور نے قلم اٹھا کر کچھ لکھنا شروع کر دیا۔

''شاید تم اس کیس میں دلچسپی نہیں لے رہے ہو۔''

''قطعی نہیں۔''

آصف تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر کی بے تکی ہانکنے کے بعد چلا گیا۔

انور رشیدہ کا انتظار کرنے لگا۔ وہ صبح سے غائب تھی اور ابھی تک آفس بھی نہیں آئی تھی۔ پہلا اتفاق تھا کہ وہ انور کو بتائے بغیر اتنی دیر کے لئے غائب ہو گئی تھی۔ دونوں تقریباً دو ڈھائی سال سے ایک ساتھ رہتے آئے تھے اور ایک دوسرے کے عادات و اطوار سے اچھی طرح واقف تھے لیکن رشیدہ کا آج کا رویہ انور کو الجھن میں ڈالے ہوئے تھا۔ وہ پچھلی رات سے ہی کچھ بے چین سی نظر آ رہی تھی۔ انور اسے رائفل کلب والے مقابلے میں لے گیا تھا اور رات ہی سے اس کے ہاں کی بے چینی محسوس کر لی تھی۔ لیکن رشیدہ نے کافی استفسار کے باوجود بھی اس کی وجہ نہیں بتائی تھی۔

گھڑی نے بارہ بجائے اور انور سارا کام چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ رشیدہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔ اس نے موٹر سائیکل اٹھائی اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

رشیدہ کے فلیٹ کا دروازہ باہر سے بند نہیں تھا۔ انور نے اطمینان کا سانس لیا۔

---

[1] داراب کے کارناموں کیلئے جاسوسی دنیا کا چودھواں ناول ''تجوری کا گیت'' جلد نمبر 4 ملاحظہ فرمائیے۔

دوسرے لمحے میں وہ دروازے پر ہولے ہولے دستک دے رہا تھا۔ دروازہ کھلا سامنے کھڑی تھی لیکن خلاف توقع اس نے انور کا استقبال مسکراہٹ سے نہیں کیا۔ اس کے پر زردی چھائی ہوئی تھی اور آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے نظر آ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ساری رات جاگتی رہی ہو۔

''رشو.....؟'' انور تحیر آمیز انداز میں بولا۔

رشیدہ خاموش رہی۔

''تم کہاں تھی؟''

رشیدہ تھوڑی دیر تک اس کی طرف دیکھتی رہی پھر آہستہ سے بولی۔ ''ابھی نہیں بتا سکتی۔''

''کیوں؟ کیا کوئی خاص بات.....؟''

رشیدہ نے سر ہلا دیا۔

''آخر کیا.....؟''

''کہہ تو دیا کہ ابھی نہیں بتا سکتی۔ ہوسکتا ہے کہ میرے اندیشے محض وہم ہوں۔''

''پھر تم نے پہیلی بجھوا دی۔''

''میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گی مگر ابھی نہیں۔''

''اور اس وقت الجھن میرا خاتمہ کر دے گی۔''

''اوہو.....!'' رشیدہ کے ہونٹوں پر ایک بے جان سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ ''تمہیں میری پرواہ کب سے ہوگئی۔''

''جب تم ہنستی ہو تو مجھے ذرہ برابر بھی تمہاری پرواہ نہیں ہوتی۔ لیکن جب اداس ہوتی ہو میرا دل ڈوبنے لگتا ہے۔''

''تم آج آدمیوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔'' رشیدہ پھر مسکرائی۔

''رشو..... نہ جانے کیوں میں آج تم سے لڑنے کے لئے موڈ میں نہیں ہوں۔''

''کیوں.....؟'' رشیدہ اسے مشکوک نظروں سے دیکھنے لگی۔

''یہی تو میں نہیں جانتا۔''

رشیدہ اسے بدستور گھورتی رہی۔

''تم رات سے پریشان نظر آ رہی ہو۔'' انور پھر بولا۔ ''آخر کیوں؟''

''میری طبیعت رات سے ٹھیک نہیں ہے۔''

''خیر اب تم مجھے بہلانے کی کوشش کر رہی ہو۔''

''چلو یہی سمجھ لو.....'' رشیدہ نے بے دلی سے کہا اور دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

انور تھوڑی دیر تک کھڑا سوچتا رہا پھر اپنے کمرے میں چلا آیا۔

رشیدہ کا یہ عجیب غریب رویہ اس کی سمجھ میں نہیں آ سکا۔ انور خیالات میں ڈوبا ہوا ٹیلی فون کا ڈائل گھمانے لگا۔ پھر ماؤتھ پیس میں آہستہ آہستہ کچھ بڑبڑانے کے بعد بولا۔ ''ہیلو..... میں انور بول رہا ہوں..... ذرا جگدیش صاحب کو فون پر بلا دیجئے۔ اس نے ریسیور میز پر رکھ کر ایک سگریٹ سلگایا اور دھوئیں کا گنجان بادل چھوڑتا ہوا پھر ریسیور کی طرف متوجہ ہوگیا۔ ''ہیلو..... جگدیش صاحب..... اوہ..... مجھے افسوس ہے..... لیکن میں نے آپ کا نام تو نہیں دیا۔ آپ کے علاوہ وہاں اور بھی کئی پولیس انسپکٹر موجود تھے..... اور پھر اس طرح میں نے وہ کام کیا ہے کہ آپ کو اس کا فائدہ بھی معلوم ہوگا..... نہیں سمجھے..... اچھا تو سمجھئے..... میں نے یہ نہیں لکھا کہ ٹانگ کھینچنے والا البرونو کا ساتھی تھا..... اس سے وہ دونوں اس بات پر مطمئن ہو جائیں گے کہ پولیس ان کی طرف زیادہ دھیان نہ دے گی اور آپ اپنا کام کر گزریں گے..... ہاں ہاں..... لیکن اگر میری نیت میں فتور ہوتا تو میں حجام والے واقعے کو سب سے پہلے لکھتا لیکن میں نے اس کا ذکر تک نہیں کیا..... خیر ہاں تو البرونو اور اس کے ساتھی کا کیا رہا..... اوہ..... ابھی تک لاپتہ ہیں..... خیر اچھا شکریہ۔''

انور نے ریسیور رکھ دیا۔

سارا دن اسی الجھن میں گزر گیا کہ رشیدہ کی حالت میں غیر متوقع تبدیلی کا کیا باعث ہے وہ اپنے کمرے ہی میں رہی۔ انور نے کئی بار اس سے ملنا چاہا لیکن دروازہ نہ کھلا۔ رات کو تقریباً آٹھ بجے وہ باہر نکلی۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا سفری بیگ تھا اس نے انور کے دروازے پر دستک دی۔

دوسرے لمحے میں انور دروازے میں کھڑا اسے حیرت سے گھور رہا تھا۔

''یہ کیا خبط ہے۔''

''میں باہر جارہی ہوں۔''

''آخر تمہیں کیا ہوگیا ہے۔''

''میں ایک بہت بڑے خطرے کی بو سونگھ رہی ہوں۔'' وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔

''رشو میں کان اکھاڑ لوں گا'' انور نے کہا لیکن رشیدہ پر اس جملے کا کوئی اثر نہ ہوا۔

انور سمجھا تھا کہ وہ پھر اپنے پرانے موڈ میں آجائے گی مگر اس کے چہرے کی زردی میں کسی قسم کا تغیر نہ ہوا۔

''او بابا تم کچھ بتاؤ نا.....؟'' انور چڑ کر بولا۔

''وقت نہیں ہے۔ میں جلد ہی واپس آجاؤں گی۔ ہوسکتا ہے کہ سب وہم ہو۔ لیکن مجھے احتیاط برتنی پڑے گی۔ میں تمہیں سب کچھ بتاؤں گی..... مگر.....!''

بارجے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ رشیدہ چونک کر مڑی۔ آنے والا رک گیا۔ وہ اندھیرے میں تھا اور رشیدہ کے چہرے پر انور کے کمرے کی روشنی پڑ رہی تھی۔

''کون ہے۔'' انور نے سخت لہجے میں پوچھا۔

''سی نورا رومولی.....!'' ایک تیز قسم کی آواز سنائی دی اور رشیدہ لڑکھڑا کر انور کے بازوؤں میں آرہی۔ وہ بُری طرح کانپ رہی تھی۔

''انور..... جلدی..... انور.....!'' وہ اٹک اٹک کر بولی۔ انور نے اسے کمرے کے اندر کھینچ کر ایک صوفے پر ڈال دیا اور خود دروازے پر جم گیا۔

''تم کون ہو.....؟''

آنے والا اندھیرے سے روشنی میں آگیا۔ یہ ایک پستہ قد مگر مضبوط جسم کا آدمی تھا۔ انور اس کی رنگت دیکھ کر بے اختیار چونک پڑا۔ تانبے جیسا سرخی مائل رنگ مگر وہ ڈان ونسنٹ کے ساتھیوں میں سے نہیں تھا۔ انور کو ان سب کی صورتیں بخوبی یاد تھیں۔

''دوست.....!'' اس نے آہستہ سے انگریزی میں کہا۔

''یعنی.....؟'' انور نے سوالیہ انداز میں کہا۔ اس کے لہجے میں سختی تھی۔

''مجھے اندر آنے دو میں خود کو محفوظ نہیں سمجھتا۔'' اس نے کہا اور کمرے میں گھس کر دروازہ بند کرلیا۔ یہ سب اتنی جلدی ہوا کہ انور کو کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کا ہاتھ میز پر پڑے ہوئے چاقو پر تھا۔

''جہاں کھڑے ہو وہاں سے آگے بڑھنے کی جرأت نہ کرنا۔'' انور تیز لہجے میں بولا۔ ''میرا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوا۔''

اجنبی نے مسکرا کر اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

''سی نورا رومولی.....!'' وہ پھر آہستہ سے بولا۔

رشیدہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی تھی اور اجنبی کو اس طرح گھور رہی تھی جیسے اُسے پہچاننے کی کوشش کررہی ہو۔

''تم کون ہو۔'' انور پھر گرجا۔

''دوست..... میں دوست ہوں..... ابھی سی نورا خود بتائے گی۔'' اس نے اپنے چہرے پر لگی ہوئی گھنی مونچھیں اتار دیں۔

''ڈیگاریکا.....!'' رشیدہ آہستہ سے بولی اور تیزی سے اس کے قریب آگئی۔ انور کے ہاتھ سے چاقو چھوٹ گیا۔

اجنبی رشیدہ کے سامنے دوزانو ہوگیا۔

انور کی حیرت اپنی انتہائی منزلیں طے کررہی تھی۔

ان دونوں نے ایک ایسی زبان میں گفتگو شروع کردی جس کا ایک لفظ بھی انور کی سمجھ میں نہ آسکا۔

رشیدہ پہلے تو ہنس ہنس کر باتیں کرتی رہی پھر اچانک خوفزدہ نظر آنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد وہ انور کی طرف مڑی۔

''انور اب تمہیں بہت جلد میرا راز معلوم ہوجائے گا لیکن ہم اس وقت جلدی میں ہیں۔

میں اس وقت جارہی ہوں کل کسی وقت تمہیں میرا ٹھکانہ معلوم ہو جائے گا۔"

انور نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔

رشیدہ اور وہ اجنبی دروازہ کھول کر باہر نکل گئے اور پھر اچانک ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کوئی بہت وزنی چیز بارجے پر گر پڑی ہو۔ انور جھپٹ کر باہر نکلا لیکن دوسرے لمحے میں اس کی آنکھ کے قریب بجلی سی چمکی اور وہ تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

نہ جانے کتنی دیر بعد وہ اندھیروں کے تانے بانے سے آزاد ہو سکا۔ کنپٹی بُری طرح دکھ رہی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کئے اپنے سر پر ہاتھ پھیرنے کا ارادہ کیا لیکن اچانک اس کا ذہن جاگ اٹھا اور کچھ دیر قبل پیش آئے ہوئے واقعات آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔ اس نے رشیدہ اور پراسرار اجنبی کو باہر جاتے دیکھا تھا پھر ایسا معلوم ہوا تھا جیسے کسی پر اچانک حملہ کیا گیا ہو۔ پھر تی سے باہر نکلا تھا اور شاید وہ کسی کا مکا ہی تھا جس نے اس کے سر کی ہڈیاں تک ہلا دی تھیں۔

انور نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ وہ اپنے ہی کمرے میں تھا لیکن اس نے پھر آنکھیں بند کر لینی پڑیں اور وہ سوچنے لگا کہ وہ خواب تو نہیں دیکھ رہا ہے۔ بوڑھا البرونو صوفے پر بیٹھا ٹیبل لیمپ کی روشنی میں کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔

انور کا سر چکرانے لگا۔ آخر یہ بوڑھا آدمی ہے یا بھوت۔ لیکن اسکی موجودگی کا مطلب اسی نے اس پر حملہ کر کے بے ہوش کر دیا تھا۔ انور کا ذہن تیزی سے سوچنے لگا۔ کیا رشیدہ کے لئے خائف تھی وہ پراسرار اجنبی کون تھا جسے دیکھ کر پہلے تو وہ بُری طرح خائف ہو گئی تھی لیکن اس انداز میں گفتگو کرنے لگی تھی جیسے اسے برسوں سے جانتی تھی۔ رنگت کے اعتبار سے ڈان ونسنٹ ہی کا ہم وطن معلوم ہوتا تھا لیکن رشیدہ اسپینی زبان کیا جانے۔ وہ اس طرح زبان میں گفتگو کر رہی تھی جیسے وہ اس کی مادری زبان ہو۔ اس کا ذہن پھر البرانو کی طرف کیا سچ مچ البرانو ہی اس غیر ملکی کا قاتل تھا مگر کیوں؟ کیا اس وقت اس نے رشیدہ اور اس کو بھی قتل کرنے کی کوشش کی تھی اور تو کیا، اس نے رشیدہ کو قتل کر دیا ہوگا..... رشیدہ کو۔

انور کے دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں اس نے پھر آنکھیں کھولیں۔ البرونو بدستور کتاب میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کے ہونٹوں میں ایک موٹا سا سگار تھا جو شاید بجھ چکا تھا۔ انور

اٹھا اور یک لخت البرونو پر جا پڑا۔ بوڑھا اس اچانک حملے کے لئے تیار نہیں تھا۔ لیکن وہ پھر بھی سنبھل گیا۔ دوسرے لمحے میں اس کی فولادی انگلیاں انور کی کلائیوں میں بُری طرح چبھ رہی تھیں۔ بوڑھے کی نشست میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے انور کو اپنی آنکھوں میں جکڑ لیا اور اب وہ اس کا سر اپنے ہاتھ میں لئے اس طرح اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا جیسے وہ کوئی چھ ماہ کا شیر خوار بچہ ہو۔

"شور مچانے کی ضرورت نہیں۔" وہ آہستہ سے انگریزی میں بولا۔

انور پر سکتہ سا ہو گیا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اب زندگی بھر اس کی ٹانگوں کی گرفت سے آزاد نہ ہو سکے گا۔

"البرونو تمہارا دشمن نہیں۔" وہ پھر بولا۔ "اگر وہ دشمن ہوتا تو یہاں ٹھہرتا ہی کیوں؟ تم کوئی احمقانہ حرکت نہیں کرو گے۔"

البرونو نے گرفت ڈھیلی کر دی اور انور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ البرونو کی حالت میں کسی قسم کا کوئی تغیر واقع نہیں ہوا تھا۔ وہ بدستور پہلے کی طرح سکون نظر آ رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی لیکن آنکھیں جذبات سے عاری اور سرد تھیں۔ انور کے سارے جسم میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ البرونو نے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ انور خاموشی سے بیٹھ گیا۔ اس کی نظریں البرونو کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"میں جانتا ہوں تم جو کچھ سوچ رہے ہو۔" البرونو بولا۔

"کیا.....؟" انور نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"یہی کہ کاش اس وقت تمہارا دوست انسپکٹر آصف یہاں آ جاتا۔"

انور بے اختیار چونک پڑا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ آخر البرونو سے اس کا کیا تعلق اور وہ اس کے بارے میں اتنی معلومات کیسے رکھتا ہے؟

"تمہیں یہاں میری موجودگی پر حیرت ہو رہی ہے۔" البرونو پھر مسکرایا۔

"آخر تم چاہتے کیا ہو؟" دفعتاً انور اٹھ کر چیخا۔

"صبر.....صبر.....!" البرونو نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ "اگر میں موقع پر نہ پہنچ جاتا تو تم

کہیں اور ہوتے۔"

"وہ لڑکی کہاں گئی؟" انور بے صبری سے بولا۔

"یہ ابھی نہیں بتایا جاسکتا۔ میں خود نہیں جانتا۔ لیکن وہ خود نہیں گئی زبردستی لے جائی گئی ہے۔"

انور پھر اُسے گھورنے لگا۔

"دیکھو بوڑھے، میں بہت خراب آدمی ہوں۔" انور بولا۔

"وہ تو تمہاری صورت سے ظاہر ہے۔"

انور پھر جھلا کر اٹھا۔

"دیکھو لڑکے! تم شاید اپنے ہاتھ پیر تڑوا کر ہی رہو گے۔"

"میں ڈان ونسنٹ نہیں ہوں۔" انور طنزیہ انداز میں بولا۔ "میں تمہارا غرور توڑ دوں گا۔"

البرونو نے قہقہہ لگایا۔

"جلد بازی ٹھیک نہیں مسٹر انور۔" وہ تھوڑی دیر بعد سنجیدگی سے بولا۔ "مجھے اطلاع ملی ہے کہ جرائم کی دنیا میں تم ایک بہترین دماغ ہو لیکن شاید وہ محض افواہ تھی۔ تم ایک معمولی آدمی سے بھی بدتر معلوم ہوتے ہو۔"

اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ انور نے اٹھنا چاہا۔

"ٹھہرو.....!" البرونو اٹھتا ہوا بولا۔ "شاید یہ فون میرے لئے ہے۔"

اس نے ریسیور ہاتھ میں اٹھالیا۔ "ہیلو..... ٹھیک..... میں یہاں دس منٹ تک اور ضائع کروں گا..... جلدی کرو۔"

اس نے ریسیور رکھ کر بجھا ہوا سگار سلگایا اور دیوار سے لگی ہوئی ایک تصویر پر نظر جمادیں۔ انور بُری طرح بوکھلایا تھا۔ نہ جانے وہ کیوں خود کو بے بس محسوس کر رہا تھا۔ اس کی ساری تیزی اور طراری رخصت ہوگئی تھی۔ وہ بوڑھے کی بے پناہ طاقت کا بھی اندازہ لگا چکا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ وہ اس سے بھی زیادہ برق رفتار ہے۔

کسی نے دروازے پر دستک دی۔ انور نے پھر اٹھنا چاہا لیکن بوڑھے کے ہاتھ

اشارہ پر تین آٹھ کا ریوالور دیکھ کر ہمت جواب دے گئی۔ بوڑھا ریوالور کا رخ انور کی طرف کئے ہوئے آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازہ کھلا لیکن وہ داہنے پٹ کی آڑ میں ہوگیا۔

آنے والا انسپکٹر آصف تھا۔ انور اسے اشارہ کرنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ دفعتاً اُسے البرونو کی آنکھوں میں سفاکی کی جھلک دکھائی دی اور ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی آنکھوں کی گردش کرنے کی صلاحیت یک لخت مفقود ہوگئی ہو اور اب وہ زندگی بھر اپنی آنکھیں اس کے چہرے پر سے نہ ہٹا سکے گا۔

"اوہو.....!" آصف چہک کر بولا۔ "کیا بت بننے کی مشق کر رہے ہو۔"

اس کے اس جملے پر بھی انور کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی اور پھر آصف بے خودی میں پیچھے کی طرف مڑا۔ اس کا منہ پھیل گیا۔

"شش.....!" البرونو پرسکون لہجے میں بولا۔ "شور نہیں..... ورنہ یہ ریوالور تم سے زیادہ شور مچانا جانتا ہے۔"

آصف کے دونوں ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔

"بیٹھ جاؤ۔" وہ ایک کرسی کی طرف اشارہ کر کے تحکمانہ لہجے میں بولا۔

آصف بیٹھ گیا۔ کبھی وہ انور کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی البرونو کی طرف۔

"مسٹر آصف کی جیب سے پستول نکال کر سامنے میز پر رکھ دو۔" البرونو نے انور سے کہا۔

انور نے تعمیل کی..... لیکن میز کے قریب پہنچ کر وہ دفعتاً گھوم پڑا۔ البرونو کے ریوالور سے ایک شعلہ نکلا اور انور کے ہاتھ میں دبا ہوا ریوالور اچھل کر دور جا گرا۔

"میں اپنے ریوالور میں بے آواز کارتوس استعمال کرتا ہوں۔" البرونو مسکرا کر بولا۔ "میں شور نہیں پسند کرتا۔"

انور گھبرا کر اپنے ہاتھ کی طرف دیکھنے لگا۔ لیکن البرونو کی گولی پستول کی نال پر پڑی تھی اور اس کا ہاتھ محفوظ تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" البرونو کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "میں یہاں دوسری کال کا انتظار کر رہا ہوں مجھے تم لوگوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

آصف متحیرانہ انداز میں البرونو کو دیکھ رہا تھا۔ انور بے بسی سے بیٹھ گیا۔

"لیکن تم..... یعنی کہ تم.....!" آصف اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔

"اس کمرے میں میری موجودگی کا سبب پوچھنا چاہتے ہو۔" البرونو مسکرایا۔

آصف جواب طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ڈان ونسنٹ کی حالت ابتر ہے۔"

"تو پھر اس سے کیا۔ وہ ایک مقابلے کے دوران زخمی ہوا تھا۔ سب سے پہلے اسی نے ہ
پر جارحانہ حملہ کیا تھا۔ خیر ہوگا میں کسی قسم کی صفائی نہیں پیش کرنا چاہتا۔ مجھے اطمینان ہے کہ جو
وقت چاہوں گا یہاں سے چلا جاؤں گا۔ مجھے صرف ڈان ونسنٹ کی موت کا انتظار ہے۔"

"یہ تم ایک سی آئی ڈی انسپکٹر کے سامنے کہہ رہے ہو۔" آصف اسے گھور کر بولا۔

"میں تمہیں اچھی طرح پہچانتا ہوں۔" البرونو نے مسکرا کر کہا۔

انسپکٹر آصف کو زندگی میں شاید ہی کبھی کوئی ایسا لمحہ آیا ہو جب کسی مجرم نے اس سے
قسم کی گفتگو کی ہو۔ وہ انور سے بھی بوکھلایا ہوا نظر آنے لگا تھا۔

"لیکن تم یہاں سے نکل نہیں سکو گے۔" آصف ایک قدم آگے بڑھ کر بولا۔

"میرا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا۔" البرونو نے ریوالور کا رخ آصف کی طرف پھیر دیا۔

"بیٹھ جاؤ.....!" انور جھلا کر بولا۔ پھر البرونو سے کہنے لگا۔ "اگر یہ صحیح ہے کہ تم اس
ابھی قیام کرو گے تو میں تمہیں چیلنج کرتا ہوں کہ.....!"

"بُری بات..... بُری بات۔" البرونو اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "ذرا ذرا سی باتوں
ناراض نہیں ہوا کرتے۔"

"لیکن یہاں اس وقت اس کی موجودگی کا مطلب۔" آصف نے انور سے پوچھا۔

"ان لوگوں نے رشیدہ کو اغوا کر لیا ہے۔" انور دانت پیس کر بولا۔

"یہ بکواس ہے۔" البرونو نے تلخ لہجے میں کہا۔

"پھر وہ کہاں گئی۔"

"کہہ تو دیا کہ میں نہیں جانتا"

نبر۵

"مجھ پر کس نے حملہ کیا تھا۔"

"میں یہ نہیں بتا سکتا۔"

"اس طرح تم ایک بہت بڑے جرم کے مرتکب ہو رہے ہو۔" آصف نے کہا۔

"جرائم تو میری جیب میں پڑے رہتے ہیں۔" البرونو لاپرواہی سے بولا۔

اتنے میں پھر ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ البرونو نے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا لیکن ریوالور کا رخ ابھی
آصف اور انور ہی کی طرف تھا۔

"ہیلو.....!" وہ ماؤتھ پیس میں بولا۔ "تم بہت دیر کر رہے ہو۔ کہو کیا رہا..... وہ ٹھیک ہے
نے کی امید تو نہیں..... ٹھیک بہت اچھا..... تم وہیں ٹھہرو..... میں ابھی آتا ہوں۔"

البرونو ریسیور رکھ کر ان کی طرف مڑا۔

"اچھا دوستو! شب بخیر۔ تم دونوں دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔ چلو جلدی
میرے پاس وقت نہیں ہے۔ ضرورت پڑنے پر میں قتل بھی کر سکتا ہوں ٹھیک..... ہاں اسی
کھڑے رہو۔"

البرونو نے کمرے سے نکل کر دروازہ باہر سے بند کر دیا اور پھر بارجے میں پھیلی ہوئی
ماٹی اس کے قدموں کی چاپ سنائی دیتی رہی۔

آصف دروازے کی طرف جھپٹا۔

"بیکار ہے۔" انور مردہ دلی سے بولا۔ "باہر سے دروازہ بند کر گیا ہے۔"

"بہرحال اسوقت بڑی بے عزتی ہوئی۔" آصف نے پریشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

"ابھی اس سے بھی زیادہ بے عزتی ہونی باقی ہے۔" انور خشک لہجے میں بولا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"اس کمرے سے نکلنے کے لئے شور مچا کر نچلی منزل والوں کو بلانا پڑے گا۔"

یہ سن کر آصف سناٹے میں آ گیا۔ کم از کم اس عمارت کے لوگ اسے اچھی طرح جانتے تھے۔

"چیخو بھئی چیخو۔" انور بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "ورنہ رات تمہیں یہیں بسر کرنی پڑے گی۔"

"یار یہ تو بڑا برا ہوا۔"

''میں اس کم بخت سے سمجھ لوں گا۔'' انور بھنا کر بولا۔

''وہ تو بعد کی باتیں ہیں..... اس وقت کیا کیا جائے؟ اگر چیخ چیخ کر لوگوں کو بلائیں تو خواہ مخواہ احمق بننا پڑے گا۔''

''یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔''

''رشیدہ کا کیا قصہ ہے۔'' آصف نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''خود میں ہی نہیں سمجھ سکا تمہیں کیا بتاؤں گا۔'' انور نے کہا۔ ''لیکن اس وقت تم آ گئے۔''

''ادھر سے گزر رہا تھا سوچا تم سے ملتا چلوں۔''

''اتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی۔

''کون.....؟''

''چائے والا.....!'' باہر سے آواز آئی اور آصف کا چہرہ چمک اٹھا۔

''باہر سے بند ہے کھول لو بھئی۔'' آصف پرمسرت لہجے میں بولا۔

دروازہ کھلا اور قریب کے ہوٹل کا ایک لڑکا ٹرے میں چائے لئے ہوئے داخل ہوا۔

''تم سے چائے کے لئے کس نے کہا تھا۔'' انور اٹھتا ہوا بولا۔

لڑکا سہم گیا۔

''ایک صاحب نے۔''

''کون تھا.....؟''

''میں پہچانتا نہیں لیکن انہوں نے آپ کا پتہ بتایا تھا۔''

''اس کا حلیہ.....!'' آصف نے پوچھا۔

''بوڑھے تھے، ڈاڑھی تھی۔ ہرے رنگ کا سوٹ پہنے ہوئے تھے۔''

انور آصف کی طرف دیکھنے لگا۔

''کیا اس نے تمہیں سے کہا تھا۔'' انور نے پوچھا۔

''نہیں..... منیجر صاحب سے میں قریب ہی کھڑا تھا۔''

''کیا تم انگریزی سمجھ لیتے ہو۔''

''نہیں منیجر صاحب نے مجھے بتایا تھا، وہ صاحب چائے کے پیسے بھی دے گئے ہیں۔''

''اچھا..... اچھا تھوڑی دیر بعد برتن لے جانا۔'' انور نے کہا۔

لڑکا چلا گیا۔

''یار اس بوڑھے نے سچ مچ دماغ خراب کر دیا ہے۔'' آصف کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''میں نے بڑے بڑے مجرموں کا سامنا کیا ہے..... لیکن یہ بوڑھا.....'' انور سگریٹ سلگاتے سلگاتے سوچنے لگا۔

''کیوں.....؟ کیا بات ہے؟''

''کچھ نہیں! رشیدہ کا معاملہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔''

''آخر بات کیا ہے۔'' آصف نے پوچھا۔

''ٹھہرو.....!'' انور اٹھتا ہوا بولا۔ ''بوڑھا ہمیں مستقل طور پر بیوقوف بنائے جا رہا ہے۔ کیا چائے پیو گے؟ عجیب احمق ہو۔ اٹھو جلدی کرو۔''

آصف کھڑا ہو گیا۔ دونوں باہر نکلے۔ آصف اس کے کہنے پر عمل تو کر رہا تھا لیکن بے دلی سے۔ اس نے کئی بار انور سے کچھ پوچھنا چاہا لیکن انور جلدی میں تھا۔ اس نے نیچے آ کر گیراج سے موٹر سائیکل نکالی اور دونوں اس پر بیٹھ کر ایک طرف روانہ ہو گئے۔

''کہاں چلو گے؟'' آصف نے پوچھا۔

''ٹیلی فون ایکسچینج.....!''

''کیوں.....؟''

البرونو کی دوسری کال ٹھیک دس بج کر پانچ منٹ پر آئی تھی۔ ہمیں یہ معلوم کرنا چاہئے کہ وہ کہاں سے آئی تھی۔

''معلوم تو ہو جائے گا۔'' آصف نے کہا۔ ''لیکن بوڑھا بہت چالاک ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''وہ اس قسم کی غلطی نہیں کر سکتا جس سے پکڑے جانے کا امکان پیدا ہو سکے۔''

''خیر دیکھا جائے گا۔ تم اندر جا کر پتہ لگاؤ۔ میرا فون نمبر تو جانتے ہی ہو۔'' انور نے کہا۔

ٹیلی فون ایکسچینج کے قریب پہنچ کر انور نے موٹر سائیکل روک دی اور آصف اتر کر عمارت میں داخل ہوا۔

انور فٹ پاتھ پر اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ رشیدہ کے متعلق آصف کو بتائے یا نہ بتائے۔ خود رشیدہ کے رویئے نے اسے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ وہ کون سی ایسی بات تھی جس کے لئے رشیدہ اس راز داری سے کام لے رہی تھی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس پراسرار اجنبی کے ساتھ اپنی خوشی سے گئی تھی اور پھر اس کے بعد کے واقعات نے معاملے کو اور بھی الجھا دیا تھا۔ آنے والا ڈان ونسنٹ ہی کا ہم وطن معلوم ہوتا تھا اور ڈان ونسنٹ کے بیان کے مطابق پرتگالی بوڑھا البرونو اس کا دشمن تھا۔ لیکن وہ اجنبی ڈان ونسنٹ کے ساتھیوں میں سے نہیں تھا۔ انور کو ان کی شکلیں اچھی طرح یاد تھیں۔ پھر وہ کون تھا۔ انور سوچنے لگا۔ کہاں سے آیا تھا۔ ان پانچ غیر ملکیوں کے علاوہ سفارتخانے میں کسی اور کا کوئی ریکارڈ نہیں تھا۔ پھر وہ مقتول کون تھا.....؟ اور وہ اجنبی.....؟

انور کو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔

تھوڑی دیر میں آصف مدہم سروں میں سیٹی بجاتا ہوا عمارت سے نکلا۔

''میرا خیال عموماً غلط نہیں ہوتا۔'' اس نے کہا۔

''کیا ہوا.....!''

''دس بجکر پانچ منٹ پر تمہارے فون کی کال دولت گنج پبلک ٹیلی فون پوسٹ سے ہوئی تھی۔''

''اوہ.....!'' انور مایوسانہ انداز میں بولا۔ ''تب تو بیکار ہے۔ وہاں سے کیا معلوم ہو سکے گا۔''

''تم نے رشیدہ کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔'' وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

''تمہیں کیا بتا سکتا ہوں جبکہ خود مجھے ابھی تک کچھ نہیں معلوم۔''

''لیکن ابھی تھوڑی دیر قبل تم البرونو پر اسکے اغواء کا الزام لگا رہے تھے۔'' آصف نے کہا۔

''بھئی معاملہ کچھ عجیب سا ہے۔ رشیدہ کہیں باہر جانے کے لئے تیار تھی۔ میں اس کے ساتھ باہر نکلا تھا کہ کسی نے اچانک مجھ پر حملہ کر دیا جب مجھے ہوش آیا تو دیکھا کہ میں پلنگ پر

ہوں اور البرانو کمرے میں بیٹھا کوئی کتاب پڑھ رہا ہے۔''

''اور رشیدہ.....!''

''میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں گئی۔''

''وہ کہاں جانے کے لئے تیار تھی۔''

''اس نے بتایا نہیں تھا۔''

''عجیب بات ہے۔'' آصف نے کہا اور انور کو گھورنے لگا۔

انور نے ایک سگریٹ سلگائی اور دو تین گہرے گہرے کش لینے کے بعد بولا۔ ''سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ البرانو کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔ ابھی تک اس کی کوئی حرکت سمجھ میں نہیں آئی۔ یہ بات تو ظاہر ہی ہے کہ وہ ہمیں تنگ نہیں کرنا چاہتا۔''

''کیوں؟ کیا وہ ابھی تک ہماری پوجا کرتا رہا ہے۔'' آصف نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''نہیں..... اگر وہ تنگ کرنا چاہتا..... تو ہم صبح تک کمرے سے باہر نہیں نکل سکتے تھے۔''

''اونہہ ہوگا۔'' آصف گردن جھٹک کر بولا۔ ''ابھی مجھ سے سروکار ہی کیا.....؟ جب کیس کے نک پہنچے گا اس وقت دیکھا جائے گا۔''

''جی ہاں..... اس دن تو وہ خود ہی ہاتھ باندھے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائے گا۔'' انور تلخ لہجے میں بولا۔

''خیر..... خیر..... میں ابھی اس پر رائے زنی کرنا غیر ضروری سمجھتا ہوں۔'' آصف نے مسکرا کر کہا۔ ''اچھا بھئی میں تو چلا..... بس آ رہی ہے۔ اس کے بعد کوئی دوسری بس نہ مل سکے گی۔ شب بخیر۔''

آصف انور کی طرف ہاتھ ہلاتا ہوا بس پر چڑھ گیا۔

انور نے ختم ہوتی ہوئی سگریٹ سے دوسری سگریٹ سلگائی اور خیالات میں ڈوبا ہوا کش پر کش لیتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ شاید زندگی میں پہلی بار اسے اتنی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ بوڑھے البرونو کا تصور اس کے غصے کی آگ بھڑکا دینے کے لئے کافی تھا۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ دوسری ملاقات پر وہ بے دریغ اپنا ریوالور استعمال کرے گا۔ خواہ

بعد میں پھانسی ہی کیوں نہ ہو جائے۔

دفعتاً ایک ٹیکسی اس کے قریب سے گزری اور وہ بے اختیار اچھل پڑا۔ البرونو کا نوجوان ساتھی پچھلی نشست پر بیٹھا پائپ پی رہا تھا۔ اس کے قریب سے گزرتے وقت ٹیکسی کی رفتار کم تھی۔ لیکن آگے جا کر اس کی رفتار تیز ہوتی ہوئی معلوم ہوئی۔ انور اچھل کر اپنی موٹر سائیکل کی سیٹ پر آ رہا۔ دوسرے لمحے موٹر سائیکل ٹیکسی کا تعاقب کر رہی تھی ٹیکسی شہر سے ایک ویران راستے پر ہو لی۔ انور بدستور اس کا تعاقب کیے جا رہا تھا۔ انور کا ارادہ محض تعاقب کا تھا مگر پھر ایک خیال نے اسے اس ارادے سے باز رکھا۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ البرونو کے ساتھی کو یہیں روک کر پکڑ لیا جائے۔ ممکن ہے کہ منزل مقصود پر پہنچ کر البرونو سے بھی مڈبھیڑ ہو جائے ایسی صورت میں وہ تنہا کیا کر سکے گا۔

اس نے جیب سے ریوالور نکالا اور پے در پے فائر کرنے شروع کر دیئے۔ ٹیکسی رک گئی۔ انور کو توقع تھی کہ ادھر سے بھی فائر ہوں گے مگر ایسا نہیں ہوا۔

اتنے میں اس کی موٹر سائیکل ٹیکسی کے برابر پہنچ گئی۔ ڈرائیور نیچے اتر آیا لیکن پچھلی سیٹ خالی تھی۔

''وہ ڈاکو کہاں گیا.....!'' انور گرج کر بولا۔

''ڈ ڈ ڈاکو.....!'' ڈرائیور بوکھلائے ہوئے لہجے میں ہکلایا۔

''ہاں ڈاکو! میں پولیس کا آدمی ہوں۔''

ڈرائیور نے پچھلی سیٹ کی طرف دیکھا اور ''ارے'' کہہ کر اچھل پڑا۔

''یعنی..... کککیا..... ڈ ڈ ڈاکو..... ارے ارے۔'' ڈرائیور بُری طرح بوکھلایا ہوا تھا۔

''ہاں وہ کہاں گیا۔''

''یہیں تھا..... یہیں۔'' اس نے پچھلی سیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

انور نے ابھی تک مشین بند نہیں کی تھی اور دونوں طرف زمین پر پیر ٹیکے موٹر سائیکل ہی پر بیٹھا ہوا تھا۔ دفعتاً کوئی چیز اس کی پیٹھ میں چبھی۔

''خبردار.....!'' پیچھے سے آواز آئی۔ ''اپنا ریوالور زمین پر ڈال دو۔''

ڈرائیور بیچ کر ٹیکسی میں گھس گیا اور انور نے اپنا ریوالور زمین پر گرا دیا۔ البرونو کا ساتھی اطمینان سے اس کی موٹر سائیکل کے کیریئر پر بیٹھا اس کی کمر میں اپنے پستول کی نال چبھو رہا تھا۔ اس نے جھک کر انور کا ریوالور اٹھایا اور اپنی جیب میں ڈال لیا۔

''اب چلاؤ موٹر سائیکل.....!'' البرونو کا ساتھی اکھڑی اکھڑی انگریزی میں بولا۔

''ذرہ برابر بھی میرے حکم کے خلاف کیا تو یہیں ختم کر دوں گا۔ سیدھے چلو۔''

موٹر سائیکل چل پڑی۔ انور بُری طرح پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ موٹر کسی درخت سے ٹکرا دے۔ ایسی شکست اس کے خواب و خیال میں بھی نہ تھی۔

''داہنی طرف موڑ دو.....!'' البرونو کا ساتھی تحکمانہ لہجے میں بولا۔

انور نے موٹر سائیکل موڑ دی۔ لیکن کچھ دور جا کر خود بخود بڑبڑانے لگا۔ آخر ایسی بھی کیا

اس نے جھلا کر مشین بند کر دی۔

''چلاؤ.....!'' البرونو کا ساتھی چیخا۔

''نہیں.....!''

''میں شوٹ کر دوں گا۔''

''کر دو.....!''

''میں پھر سمجھاتا ہوں۔''

''نہیں سمجھتا..... میں بزدل نہیں۔''

ایک زخمی

ان دونوں میں تکرار ہو رہی تھی کہ کسی طرف سے ایک فائر ہوا اور گولی البرونو کے ساتھی کے کان کے قریب سے گزر گئی۔

''بیوقوف آدمی بھاگو.....!'' وہ انور کو دھکا دیتا ہوا بولا۔

دوسرا فائر ہوا اور اس نے انور کا ہاتھ پکڑ کر جھاڑیوں کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ انہیں وہ سمت معلوم ہوگئی تھی جدھر سے فائر ہو رہے تھے۔

''یہ ڈان ونسنٹ کے ساتھی معلوم ہوتے ہیں۔'' وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر انور سے ''شکار کھیلو گے۔''

انور کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا جواب دے۔ اس نے سوچا ممکن ہے پولیس کے ہوں اور اگر نہ بھی ہوں تو وہ خواہ مخواہ ڈان ونسنٹ کے ساتھیوں سے کیوں الجھے۔

البرونو کا ساتھی اسے خاموش دیکھ کر بولا۔ ''ہم بھاگ بھی سکتے ہیں مگر تمہاری موٹر یہیں رہ جائے گی۔ اور اگر ان لوگوں نے اسے پولیس کے سامنے پیش کر دیا تو تم مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔''

انور جواب دینے ہی والا تھا کہ پھر فائر ہوا۔

''آدمی ایک ہی معلوم ہوتا ہے۔'' البرونو کا ساتھی بڑبڑایا۔

''تو پھر تم بھی فائر کیوں نہیں کرتے۔'' انور نے کہا۔

''نہیں اسے یہی سمجھنے دو کہ ہمارے پاس پستول نہیں ہے۔''

''کیوں.....؟''

''میں اسے زندہ پکڑنا چاہتا ہوں۔ اس طرح وہ سامنے آ جائے گا۔''

''آخر تم لوگوں نے یہ کیا لغویت پھیلا رکھی ہے۔'' انور بولا۔

''اسے لغویت نہ کہو۔ وہ دن دور نہیں جب تم ہماری شان میں قصیدے گاتے پھرو۔''

انور اسے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اس نے اسے چپ کرا دیا۔

''شش..... خاموش وہ موٹر سائیکل کی طرف آ رہا ہے۔''

موٹر سائیکل کے قریب کوئی کھڑا ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

''جلدی کرو..... ورنہ موٹر سائیکل گئی۔ وہ سمجھتا ہے کہ شاید ہم بھاگ گئے۔''

اس نے انور کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ حملہ آور موٹر سائیکل پر بیٹھنے ہی والا تھا کہ اس پر ٹوٹ پڑا۔ دونوں گتھے ہوئے زمین پر آ رہے۔

''خدا تم دونوں پر اپنی رحمت نازل کرے۔'' انور نے بلند آواز میں کہا اور اچھل کر موٹر سائیکل پر بیٹھ گیا۔

البرونو کا ساتھی چیخنے لگا۔ مگر موٹر سائیکل اسٹارٹ ہو چکی تھی اور اب اونچی اونچی زمین پر اچھلتی کودتی آگے بڑھی جا رہی تھی۔ انور راستے کا تعین کئے بے تحاشہ بھاگ رہا تھا۔

کچھ دور چلنے کے بعد اچانک پچھلے پہیے کا ٹائر ایک دھماکے کے ساتھ پھٹ گیا اور اسے مجبوراً موٹر سائیکل روک دینا پڑی۔ مگر وہ خطرے کی بو سونگھ چکا تھا۔ ٹائر خود بخود نہیں پھٹا تھا بلکہ کسی پر کسی نے فائر کیا تھا۔ انور کود کر جھاڑیوں کی طرف بھاگنے لگا۔

''ٹھہرو.....!'' اسے پشت پر آواز سنائی دی۔

انور نے پلٹ کر دیکھا ایک آدمی رائفل لئے کھڑا تھا۔ اندھیرے میں صورت تو نہیں دکھائی دی لیکن اس کے قد و قامت سے انور نے یہ اندازہ ضرور لگا لیا کہ وہ اس سے پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہے۔

دفعتاً اس کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی پڑی اور اجنبی نے قہقہہ لگایا۔

''تو یہ تم ہو۔'' اجنبی نے انگریزی میں کہا اور انور نے اسکی آواز پہچان لی۔ یہ البرونو تھا۔

''تم نے مجھ پر گولی کیوں چلائی۔'' انور گرج کر بولا۔

''مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔'' البرونو نے آہستہ سے کہا اور اس کے قریب آ گیا۔

''لیکن تم اس وقت یہاں کیا کر رہے ہو۔''

''تم سے مطلب.....!''

''میں تمہاری دلیری کے قصے سن چکا ہوں۔'' البرونو ہنس کر بولا۔ ''لیکن میرا ایک ہی گھونسہ تمہیں بہشت کی سیر کرا دے گا۔''

''میں نے بھی تمہارا خاتمہ کر دینے کا تہیہ کر لیا ہے۔''

''بہت اچھے۔'' البرونو نے قہقہہ لگایا۔ پھر سنجیدگی سے بولا۔ ''ممکن ہے تم سچ کہتے ہو لیکن میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔ موٹر سائیکل سنبھالو اور میرے ہمراہ چلو۔''

''نہیں جاؤں گا۔'' انور جھلا کر بولا۔

''چلو.....!'' البرانو نے اس کے سینے پر نال رکھ دی۔

مجبوراً انور نے موٹر سائیکل اٹھائی اور اسے دھکیلتا ہوا البرونو کے ساتھ چلنے لگا۔

شکست پر شکست۔ انور بُری طرح جھلایا ہوا تھا۔ البرونو کی شخصیت حد درجہ پراسرار ہوتی جارہی تھی۔ آخر وہ چاہتا کیا ہے۔ پھر اس کا ذہن البرونو کے ساتھی کی طرف منتقل ہوگیا۔ معلوم نہیں اس کا کیا انجام ہوا۔ بہت ممکن ہے کہ اس پر حملہ آور پولیس ہی کا کوئی آدمی رہا ہو۔ کیا البرونو اس سے واقف تھا۔ انور نے سوچا کہ اسے کچھ دیر قبل والا واقعہ بتادے۔ مگر پھر ارادہ بدل گیا۔ آخر وہ اسے بتائے ہی کیوں۔

''کیا سوچ رہے ہو۔'' البرونو تھوڑی دیر بعد بولا۔

''یہی کہ میرا اور تمہارا تعلق ہی کیا؟ نہ جانے کیوں تم لوگ میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔ رشیدہ کو اغواء کرنے کا مطلب کیا تھا۔''

''تو ابھی تک یہ خیال تمہارے دل سے نکلا نہیں۔'' البرونو نے کہا۔ ''خیر..... خیر..... ابھی تمہیں سب کچھ معلوم ہوجائے گا۔''

البرونو نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے راستہ طے کررہا تھا۔ کئی کھائیاں اور نالے پھلانگنے کے بعد وہ ایک چھوٹے سے مکان کے قریب پہنچ کر رک گیا۔

''اندر چلو.....!'' البرونو نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

انور نے موٹر سائیکل ایک طرف کھڑی کردی۔ وہ اس مکان کی ساخت پر غور کررہا تھا جس کی تعمیر کے سلسلے میں زیادہ تر لکڑی استعمال کی گئی تھی۔ قرب و جوار میں کچھ اور بھی ٹوٹے پھوٹے جھونپڑے دکھائی دیئے۔ لیکن وہ سب ویران معلوم ہوتے تھے۔ غالباً یہ جھونپڑے خانہ بدوشوں کے بنائے ہوئے تھے۔ جن میں وہ وقتاً فوقتاً قیام کرتے رہے ہونگے۔ انور نے اس طرف کے خانہ بدوشوں کے متعلق بہت کچھ سن رکھا تھا۔ فصل کٹنے کے زمانے میں وہ ان اطراف میں پھیل جاتے تھے دن میں تو کھلیانوں میں محنت مزدوری کرتے اور رات کو چوریاں کرتے تھے۔

''دروازہ ادھر ہے۔'' البرونو نے ایک طرف اشارہ کیا۔

''آخر تم چاہتے کیا ہو۔''

''تمہاری دعوت کروں گا۔'' البرانو اسے دھکا دیتے ہوئے بولا۔ انور بے تحاشہ پلٹ پڑا۔

انو کے ہاتھ سے رائفل گرگئی اور انور کا گھونسہ اس کی پیشانی پر پڑا۔

البرونو لڑکھڑا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ انور پھر جھپٹا لیکن اس بار البرانو نے بُری طرح کی گردن پکڑلی کہ اسے دوسرے لمحے میں اپنی زندگی محال نظر آنے لگی۔

''احمق کہیں کے..... گدھے۔'' البرانو آہستہ سے بڑبڑایا اور انور کو دھکیل کر اندر کردیا۔

اندر مٹی کے تیل کا چراغ جل رہا تھا۔ جس کی مدھم روشنی میں لکڑی کے اس کمرے کی فضا درجہ پراسرار معلوم ہورہی تھی۔ سامنے نظر پڑتے ہی انور بے تحاشہ چونک پڑا۔ ایک چارپائی پر راضی پڑا دکھائی دیا جس کے ساتھ رشیدہ کہیں جارہی تھی۔ انور نے پلٹ کر البرانو کی طرف ا جو معنی خیز انداز میں مسکرا رہا تھا۔

''کیا تم نے اسے مار ڈالا۔''

''نہیں..... آہستہ بولو۔ وہ سو رہا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس کے سر میں پٹیاں بندھی ہیں۔''

''وہ لڑکی کہاں ہے۔'' انور نے بے ساختہ پوچھا۔

''اسے ڈان ونسنٹ کے آدمی لے گئے۔''

''کہاں.....؟''

''ابھی یہ نہیں معلوم۔''

''تم جھوٹے ہو۔'' انور گرج کر بولا۔

''تم پھر چیخنے لگے۔'' البرونو نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''چلو باہر چلو۔''

دونوں باہر نکل آئے۔

تھوڑی دیر بعد ایک سایہ دکھائی دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بھاری وزن اٹھائے ہوئے ان کی طرف آرہا ہو۔ البرونو نے ٹارچ کی روشنی ڈالی اس کا ساتھی کسی کو پیٹھ پر لادے چلا آرہا تھا۔

''یہ کیا.....؟'' البرونو نے پوچھا۔

''شکار.....!'' اس نے اس آدمی کو زمین پر ڈالتے ہوئے کہا۔ البرونو کی ٹارچ بیہوش
کے چہرے کے گرد روشنی کا دائرہ بنا رہی تھی۔ انور نے پہلی ہی نظر میں اسے پہچان لیا۔ وہ
ونسنٹ کے ساتھیوں میں سے ایک تھا۔

''تم ہم سے بچ کر کہیں نہیں جاسکتے۔'' البرونو کے ساتھی نے انور کے کندھے پر ہاتھ
ہوئے کہا۔

انور نے اس کے ہاتھ کو جھٹک دیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے گال پر ایک
پڑا۔ انور نے بھی مکا تان لیا لیکن البرونو درمیان میں آ گیا۔ پھر اس نے اپنے ساتھی کو
شروع کر دیا۔ پھر دونوں نے مل کر ڈان ونسنٹ کے ساتھی کو اٹھالیا اور کمرے میں لے آئے
البرونو نے اسے ایک لکڑی کے ستون کے سہارے کھڑا کیا۔ نیچے سے اوپر تک رسی سے جکڑ دیا

''یہ تمہیں ملا کہاں.....؟'' البرونو نے اپنے ساتھی سے پوچھا۔

''یہیں جنگل میں.....! میں انور کو گرفتار کر کے یہاں لا رہا تھا کہ درمیان میں آ کود

''لیکن تم انور کو کیوں لا رہے تھے۔'' البرونو بگڑ کر بولا۔

''اس نے میرا تعاقب کرنے کی کوشش کی تھی۔'' اس نے کہا اور سارا واقعہ دہرا دیا۔

البرونو ہنسنے لگا۔

ڈان ونسنٹ کے ساتھی کو جلدی ہوش آ گیا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ
تھا۔

''ہیلو کامریڈ.....!'' البرونو طنزیہ انداز میں بولا۔ ''ہمارے پیچھے لگنا آسان کام نہیں ہے''

ڈان ونسنٹ کا ساتھی خوفزدہ نظر آنے لگا۔

''رومولی کہاں ہے۔'' البرونو نے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔

''میں نہیں جانتا۔''

''تمہیں بتانا پڑے گا۔''

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی نظریں زخمی آدمی پر جمی ہوئی تھیں جو ابھی تک ہوش
میں نہیں آیا تھا۔

''میں نہیں جانتا۔''

البرونو نے اس زور کا تھپڑ اس کے گال پر رسید کیا کہ پانچوں انگلیوں کے نشان بن گئے۔

''بتاؤ.....!''

''نہیں.....!''

اب کی اس کے ہونٹوں پر گھونسہ پڑا اور منہ سے خون بہنے لگا۔

''بتاؤ کہاں ہے رومولی.....؟''

''نہیں.....!''

البرونو اپنے ساتھی کی طرف مڑا۔

''آتش دان میں کوئلے دھکاؤ۔''

اس کا ساتھی کمرے سے چلا گیا۔ انور خاموش تھا۔ وہ البرونو کی اس حرکت کو اچھی نظروں
دیکھ رہا تھا۔ البرونو نے پھر اس کے منہ پر تھپڑ مارا۔

''یہ طریقہ بزدلانہ ہے۔'' انور بے اختیار بولا۔

''بکو مت.....!'' البرونو تلخ لہجے میں بولا۔ ''تم ان لوگوں سے واقف نہیں ہو..... یہ اس
کہ ان کے ساتھ کوئی شریفانہ برتاؤ کیا جاسکے۔''

''تم نے آگ کیوں جلوائی ہے۔'' انور نے کہا۔

''ایک خاص الخاص نسخہ جو صرف انتہا پسند قسم کے مریضوں کے لئے ہے۔'' البرونو مسکرا کر

زخمی نے کراہ کر کروٹ بدلی اور یہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ وہ آہستہ آہستہ ہوش
رہا تھا۔ اس کا منہ ڈان ونسنٹ کے ساتھی کی طرف تھا اور آنکھیں کھلتے ہی سب سے پہلے
نظر اسی پر پڑی۔

''ڈی سالٹ.....!'' اس نے آہستہ سے کہا اور گڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ ستون سے بندھے
آدمی کی آنکھوں سے نفرت جھانکنے لگی۔

پھر اس کی نظریں البرونو کے چہرے پر پڑیں اور وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

''لیٹے رہو۔'' البرونو ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''تم بُری طرح زخمی ہو گئے ہو۔ تمہیں آ
ضرورت ہے۔''

''مگر.....مگر.....!''

''تمہیں ڈان ونسنٹ کے ساتھیوں نے زخمی کر دیا۔ رومولی کو اپنے ساتھ لے گ
تمہیں یہاں اٹھا لایا۔''

''رومولی کو لے گئے۔'' وہ مضطربانہ انداز میں بولا۔ ''بہت بُرا ہوا بہت بُرا ہوا۔''

''لیکن تم اسے کہاں لے جا رہے تھے۔'' انور گرج کر بولا۔

''سی نور.....!'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''مجھے امید ہے کہ تم اب بھی ایک اچھے دوس
ہو گے۔''

انور متحیرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''ڈی گاریکا۔'' البرونو نے آہستہ سے کہا۔ ''تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔''

''اوہ تم! میرا نام بھی جانتے ہو۔'' وہ متحیرانہ انداز میں البرونو کی طرف مڑا۔

''ڈان ونسنٹ کے دشمنوں کو مجھ سے زیادہ کون جانے گا۔'' البرونو مسکرا کر بولا۔

''میں نے شمشیر زنی کے مقابلے میں تمہارے کمالات دیکھے تھے۔''

''خیر یہ بعد کی باتیں ہیں۔'' البرونو سگار سلگاتا ہوا بولا۔ ''ہمیں سب سے پہلے
پتہ لگانا ہے۔''

''لیکن کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ تم رومولی میں کیوں دلچسپی لے رہے ہ
گاریکا نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

''یہ کوئی خاص بات نہیں۔ مجھے ہراس ہستی سے ہمدردی ہے جس سے ڈان ونسنٹ
رکھتا ہے۔''

''لیکن تم رومولی کی گرد کو بھی نہیں پا سکتے۔'' ستون سے بندھے ہوئے آدمی
ہوئی آواز میں کہا۔

البرونو کا ساتھی اسی کے قریب کھڑا تھا۔ اس کے منہ سے دوسرا جملہ نکلنے سے پہلے

نے اس کے منہ پر الٹا ہاتھ رسید کر دیا۔

''چپ رہو خرگوش کے بچے۔'' اس نے دوسرا تھپڑ رسید کرتے ہوئے کہا۔

''کوئلے دہک گئے۔'' البرونو نے اس سے پوچھا۔ اس نے سر ہلا دیا۔

''ایک لوہے کی سلاخ آتشدان میں ڈال کر لاؤ.....'' البرونو نے کہا اور وہ باہر چلا گیا۔

ستون سے بندھا ہوا آدمی کانپنے لگا۔

''تو کیا.....تم.....!'' ڈیگاریکا ہکلایا۔

''ہاں میں اس کی چربی نکالوں گا لیکن اگر یہ ہمیں رومولی کا پتہ بتا دے گا تو ہم اسے چھوڑ
ہیں گے۔''

''ہرگز نہیں..... ہرگز نہیں'' ستون سے بندھا ہوا آدمی خوفزدہ آواز میں چیخا۔

البرونو کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ اس کا ساتھی گھبرائے ہوئے انداز میں داخل ہوا۔

''کیا ہے.....؟'' البرونو نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''پولیس.....محاصرہ کیا جا رہا ہے۔''

''کدھر.....!''

''سامنے کی جھاڑیوں میں کچھ آدمی دکھائی دیئے ہیں۔''

''اوہ.....اچھا.....!'' البرونو نے کہا اور ڈان ونسنٹ کے ساتھی کی کنپٹی پر ایک زور دار
نسر رسید کر دیا۔ اس کی گردن ایک طرف جھول گئی وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ البرونو اور اس کے
تھی نے جلدی جلدی اسے ستون سے کھول کر الگ کیا۔ انور متحیرانہ انداز میں ان کی یہ ساری
روائیاں دیکھ رہا تھا اور خود الجھن میں مبتلا تھا کہ اس کا کیا رویہ ہونا چاہئے۔

''تم ادھر آؤ.....!'' البرونو نے اسے ستون کے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

''کیوں.....؟''

''جلدی کرو..... ورنہ تم بھی مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔ تمہاری موٹر سائیکل اس قابل نہیں
ہے کہ تم اسے کہیں لے جا سکو۔ اگر وہ پولیس کے ہاتھ لگ گئی تو سارا کام بگڑ جائے گا۔''

البرونو کے ساتھی نے اسے دھکیل کر ستون کے قریب کر دیا اور پھر دونوں مل کر اسے

باندھنے لگے۔

اس سے فارغ ہوکر البرونو نے بے ہوش میکسیکن کو پیٹھ پر لاد لیا اور وہ دونوں ڈیگو ریا سمیت دوسری طرف سے باہر نکل گئے۔

انور کی عجیب حالت تھی۔ اس وقت نہ تو اسے غصہ ہی تھا اور نہ رنج۔ کبھی اس کا دل چاہتا کہ وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑے اور کبھی ہذیان بکنے کو دل چاہتا تھا۔ بوڑھے البرونو نے اس کی عقل خبط کردی تھی۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ اسے اپنی پوزیشن کا احساس ہونے لگا۔ اگر البرونو واقعی رشیدہ کا دوست تھا تو اس وقت اس نے اسے ستون سے باندھ کر بڑی عقلمندی کا ثبوت دیا تھا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو پولیس اس کے پیچھے پڑ جاتی اور یہ تو ظاہر ہی تھا کہ وہ موٹر سائیکل وہاں سے نہیں لے جاسکتا تھا۔ ایسی صورت میں پولیس یقیناً اسے تنگ کرتی۔ بیک وقت دو تین فائر ہوئے اور گولیاں دیوار کے باہری حصے سے ٹکرائیں۔ انور نے آنکھیں بند کر کے اپنا جسم ڈھیلا چھوڑ دیا۔

تھوڑی دیر بعد بہت سے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔

''ارے.....!'' جگدیش کی حیرت زدہ آواز انور نے پہچان لی۔ ''یہ تو انور ہے۔''

پھر کسی نے اس کا سر ہلایا۔ انور نے اپنی گردن ایک طرف ڈھلکا دی۔

''بے ہوش ہے۔'' کسی نے کہا۔

''لیکن وہ کہاں گئے۔''

''پیچھے چلو..... پیچھے۔'' کسی نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد کسی نے انور کو کھول کر زمین پر ڈال دیا۔ وہ بدستور بے ہوش بنا رہا۔

''نہ جانے کمبخت کدھر نکل گئے۔'' جگدیش کی آواز آئی۔ ''اچھا اسے اٹھا کر لے چلو۔''

انور نے سوچا شاید انہوں نے اس کی موٹر سائیکل نہیں دیکھی لہٰذا اب اسے ہوش میں آ جانا چاہئے۔ ورنہ موٹر سائیکل یہیں رہ جائے گی۔

نمبر 5

دوسری لاش

دو کانسٹیبل اسے اٹھانے کے لئے بڑھے ہی تھے کہ اس نے کراہ کر کروٹ بدلی۔ جگدیش آوازیں دینے لگا۔

تب وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا اور آنکھیں مل مل کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

''ارے.....!'' وہ اٹھ کر کپڑے جھاڑتا ہوا بولا۔ ''مگر میری.....!''

''تم یہاں کہاں.....؟'' جگدیش آگے بڑھ کر بولا۔

''تم نے میری موٹر سائیکل دیکھی ہے؟'' انور نے اسکا سوال نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں..... میں یہ پوچھتا ہوں کہ تم یہاں کیسے پہنچے۔''

''ایک لمبی داستان ہے.....'' انور نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم نے انہیں گرفتار کیا یا نہیں۔''

''نہیں وہ نکل گئے۔''

''بہت بُرا ہوا..... بہت بُرا ہوا۔'' انور مضطربانہ انداز میں بڑبڑایا۔

''تم یہاں کس طرح پہنچے۔'' جگدیش نے پھر سوال دہرایا۔

''تمہیں شاید یہ نہیں معلوم کہ البرونو اور اس کے ساتھی رشیدہ کو پکڑ کر لے گئے۔'' انور نے ماطرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس نے محسوس کیا کہ ان لوگوں کے ساتھ ڈان ونسنٹ کے ساتھی سے بھی ایک موجود ہے۔

''اس کے ساتھی.....؟'' جگدیش نے تحیر آمیز انداز میں دہرایا۔ ''تو کیا وہ کئی ہیں۔''

''میرا تو یہی خیال ہے کیونکہ میں نے یہاں تین آدمیوں کو دیکھا تھا۔ ان میں سے ایک تو۔''

''تو کیا تمہیں بھی وہ لوگ پکڑ لائے تھے۔''

''نہیں۔'' انور نے کہا اور پورا واقعہ دہرانے کے بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''میں

البرونو کے ساتھی کو حملہ آور سے لڑتے چھوڑ کر نکل بھاگا لیکن تھوڑی ہی دور گیا ہوں گا کہ
فائر کر کے موٹر سائیکل کا پچھلا پہیہ بے کار کر دیا اور جب وہ قریب آیا تو میں نے اسے پہچانا
البرونو تھا۔ میں نے جھلا کر اس پر حملہ کر دیا۔ اس کے بعد کے واقعات مجھے یاد نہیں۔

''ڈان ونسنٹ کے ساتھیوں میں سے کوئی معافی نہیں دیا۔'' جگدیش نے کہتے
ہوئے پوچھا۔

''نہیں.....!'' انور نے کہا۔ ''مجھے اپنی موٹر سائیکل تلاش کرنی چاہئے۔''

''موٹر سائیکل تلاش کرو۔'' جگدیش نے دو سپاہیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

''لیکن تم یہاں کس طرح پہنچے۔'' انور نے جگدیش کیطرف سگریٹ بڑھاتے ہوئے پوچھا
جگدیش نے ایک سگریٹ نکال کر سلگائی اور متفکرانہ انداز میں چھت کی طرف دیکھتے

''مجھے اس نے اطلاع دی تھی کہ'' جگدیش نے ڈان ونسنٹ کے ساتھی کی طرف
کر کے کہا۔ ''اس کا بیان ہے کہ البرونو اور اس کا ساتھی کسی لڑکی کو زبردستی اٹھائے جا رہے
اس نے اور اس کے ساتھی نے ان کا تعاقب کیا پھر یہ اپنے ساتھی کو یہاں چھوڑ کر ہمیں
دینے کے لئے باہر چلا گیا۔ بہر حال تو وہ لڑکی تمہاری دوست رشیدہ تھی۔ مگر تمہارے بیان
یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس اجنبی کے ساتھ اپنی خوشی سے گئی تھی۔''

''میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اجنبی البرونو کا ساتھی تھا۔'' انور نے کہا۔

''افسوس تو اس بات کا ہے کہ آصف سے کچھ نہ ہو سکا۔'' جگدیش بولا۔

''آصف.....!'' انور تحیر آمیز لہجے میں بولا۔ ''بے چارہ آصف کیا کر سکتا تھا۔''

جگدیش کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ دونوں کانسٹیبلوں نے واپس آ کر موٹر سائیکل مل جا
اطلاع دی۔

''آخر البرونو کا رشیدہ سے کیا تعلق۔'' جگدیش نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

''میں کئی گھنٹے سے یہی گتھی سلجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔''

''وہ اس کے پیچھے تو نہیں لگ گئی تھی۔'' جگدیش نے پوچھا۔

''ممکن ہے لیکن اس نے مجھ سے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔''

''ضرور یہی بات ہے۔'' جگدیش کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''لیکن پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ
وہ اتنی دیر تک تمہارے یہاں کیوں ٹھہرا رہا۔''

''ممکن ہے کہ وہ مجھے اپنی غیر معمولی قوتوں سے مرعوب کرنے کی کوشش کرتا رہا ہو۔''

جگدیش خاموش ہو گیا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک متجسس نظروں سے کمرے کا جائزہ لیتا رہا پھر
جیسے ہونٹ تک اس طرح سکوڑ لئے جیسے کچھ سننے کی کوشش کر رہا ہو۔

''قرب و جوار کی جھونپڑیاں اجاڑ دو۔'' وہ کانسٹیبلوں کی طرف مڑ کر بولا۔ ''اور اس لکڑی
مکان کو چور چور کر دو۔''

''مگر اس سے فائدہ۔'' انور نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

جگدیش نے اسکی طرف اس طرح دیکھا جیسے اس بات کا جواب دینا کسر شان سمجھتا ہو۔

انور نے اسے زیادہ چھیڑنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ ابھی اسے پولیس ہی کی لاری پر واپس
تھا۔ موٹر سائیکل تو بیکار ہی ہو چکی تھی۔

جھونپڑیاں اجاڑی جانے لگیں۔ وہ لوگ باہر نکل آئے تھے اور اب لکڑی کا مکان بھی توڑا
جانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ویران بستی اور زیادہ ویران ہو گئی۔

وہاں سے واپسی پر راستے میں جگدیش نے انور کو پھر چھیڑا۔

''رشیدہ کون ہے۔''

''میں نہیں جانتا۔''

''تم جھوٹے ہو۔'' جگدیش بگڑ کر بولا۔ ''تمہیں یہ بھی بتانا پڑے گا کہ اس کا البرونو سے کیا
تعلق ہے۔''

''اگر میں یہی جانتا ہوتا تو تم مجھے اس حالت میں نہ دیکھتے۔''

''میں تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کر سکتا۔'' جگدیش منہ سکوڑ کر بولا۔

''میں نے تمہیں اس پر مجبور تو نہیں کیا۔'' انور نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''میں تمہیں بند کر دوں گا۔''

''یہ بھی کر کے دیکھ لو۔'' انور سنجیدگی سے بولا۔

"میں جو کہتا ہوں کر گزرتا ہوں۔"

"مجھے اس کا حال بھی خوب معلوم ہے۔ دعائیں دو فریدی صاحب کو جن کی بدولت تم انچارج بنے ہو۔"

"کیا مطلب.....!"

"یہ کہانی بہت جلد اخبارات میں آنے والی ہے۔"

"مجھ پر تمہاری دھمکی کارگر نہیں ہو سکتی۔" جگدیش جھلا کر بولا۔

"کسی کو دھمکی دینا شریفوں کا کام نہیں۔" انور نے معصومانہ انداز میں کہا۔ "میں تو تم وہ حقائق پبلک کے سامنے لاؤں گا جن کی بناء پر تم نے ترقی کی ہے۔"

"میں فریدی صاحب کے خیال سے تمہیں چھوڑ دیتا ہوں۔ ورنہ تم ابتک سڑ گئے ہوتے۔"

"میری استدعا ہے کہ تم فریدی صاحب کا خیال کرنا چھوڑ دو۔" انور نے ملتجیانہ انداز کہا اور جگدیش دانت پیسنے لگا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔

"تمہیں میرے ساتھ کوتوالی چلنا پڑے گا۔"

"وہ تو میں خود ہی چلوں گا۔" انور نے کہا۔ "کیا تم البرونو کے خلاف میری رپورٹ نہ گے۔"

"اسی لئے لے چلوں گا۔"

پھر خاموشی چھا گئی۔ لاری کے انجن کی آواز سناٹے میں دور دور تک پھیل رہی تھی۔ سگریٹ سلگا کر خیالات میں ڈوب گیا۔ رشیدہ اسے بُری طرح یاد آ رہی تھی۔ ابھی تک وہ سے لاپرواہی برتتا آیا تھا مگر اب اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ رشیدہ کے بغیر زندگی نہیں سکتا۔ آخر ڈان ونسنٹ کے آدمیوں سے اس کا کیا تعلق؟ کیا واقعی رشیدہ کی ذات سے کوئی راز وابستہ ہے لیکن ان غیر ملکیوں سے اس کا کیا تعلق؟ اچانک انور چونک پڑا۔ ایک خیال سے اُس کے ذہن میں ابھرا تھا۔ اس نے جگدیش کی طرف دیکھا جو باہر پھیلی ہوئی تاریکی گھور رہا تھا۔

"ڈان ونسنٹ کے ساتھی نے البرونو کو کس وقت دیکھا تھا۔" انور نے جگدیش سے پوچھا۔

"ساڑھے نو بجے۔"

"اور اس کے ساتھ رشیدہ بھی تھی۔"

"ہاں..... لیکن میں یہ کیسے کہہ سکتا ہوں کہ وہ رشیدہ ہی تھی۔ اس نے تو صرف ایک لڑکی کا رہ کیا تھا۔"

"بہرحال اس کا یہ بیان حد درجہ دلچسپ ہے جبکہ البرونو ساڑھے نو بجے سے سوا دس بجے میرے کمرے میں رہا۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم البرونو سے مل گئے ہو۔" جگدیش اُسے گھور کر بولا۔

"تو پھر آصف بھی مل گیا ہوگا۔" انور نے لاپرواہی سے کہا۔

"کیا مطلب.....؟"

"مطلب یہ کہ میرے اس بیان کی تصدیق آصف سے بھی کی جا سکتی ہے۔"

جگدیش اُسے پھر گھورنے لگا۔

"اگر یہ صحیح ہے تو ڈان ونسنٹ کے ساتھی کو کیا سمجھا جائے۔"

"بنڈل.....!" انور نے سنجیدگی سے کہا اور سگریٹ سلگانے لگا۔

"میں تمہاری طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔" جگدیش کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ایک عرصے سے کھا جا رہا ہے کہ شہر میں ہونے والی بڑی وارداتوں میں تمہاری شخصیت کہیں نہ کہیں ضرور الجھتی ہے۔"

"یہ بھی تم لوگوں کی خوش قسمتی ہے۔" انور نے کہا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

جگدیش نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا ہے۔

تھوڑی دیر بعد وہ کوتوالی پہنچ گئے۔ جگدیش نے انور کا بیان قلمبند کرنے کے بعد اسے جانے کی اجازت دے دی۔ انور نے موٹر سائیکل وہیں کوتوالی میں چھوڑی اور ایک ٹیکسی کر کے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے شدت سے بھوک لگ رہی تھی۔ لیکن اس وقت شاید ہی کوئی ہوٹل

کھلا ہو کیونکہ دو بج رہے تھے۔

گھر پہنچ کر اس نے اسٹوپ جلایا اور ہوٹل سے آئی ہوئی ٹھنڈی چائے کو دوبارہ گرم کر

لگا۔

اس وقت سچ مچ اس کی حالت بالکل پاگلوں جیسی ہو رہی تھی۔ ذہن بُری طرح الجھ تھا۔ یکے بعد دیگرے بے شمار سوالات ذہن کے تاریک گوشوں سے ابھرتے اور پھر ڈوب جا اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے آہستہ آہستہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ختم ہوتی جا رہی ہوں کہ اب رشیدہ کو کبھی نہ پا سکے گا۔

پے در پے چائے کے دو تین کپ خالی کرنے کے بعد وہ پلنگ پر گر گیا۔

دوسرے دن صبح آنکھ کھلتے ہی سب سے پہلے اسے اپنی رات کی حماقت کا احساس اس نے رات کوتوالی سے گھر واپس آنے کی بجائے ڈان ونسنٹ کے اس ساتھی کا تعاقب نہ کیا جو پولیس والوں کے ساتھ تھا۔ البرونو کی متحیر کن حرکتیں خواہ کتنی ہی پراسرار کیوں نہ رہی لیکن رشیدہ کے معاملے میں اس کا بیان کچھ نہ کچھ سچائی ضرور رکھتا تھا۔ انور سوچنے لگا کہ ڈیگاریکا البرونو ہی کا گرگا تھا تو اس نے ہوش میں آنے کے بعد البرونو کی موجودگی پر حیرت کیوں کی تھی۔ اس کا وہ انداز استعجاب قطعی مصنوعی نہیں تھا۔

انور بے اختیار اٹھ بیٹھا۔ ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد اس نے کپڑے پہ اس ہسپتال کی طرف روانہ ہو گیا جہاں ڈان ونسنٹ آصف کے بیان کے مطابق زندگی کی آ گھڑیاں گزار رہا تھا۔ کوتوالی راستے میں ہی پڑتی تھی۔ اس نے سوچا کہ لگے ہاتھ موٹر سائیکل لیتا چلے۔ وہ کوتوالی کے پھاٹک کے قریب پہنچا ہی تھا کہ ایک سپاہی نے اس کا راستہ روک لیا

''کس سے ملنا چاہتے ہو۔'' سپاہی نے پوچھا۔

''میں اخبار کا رپورٹر ہوں۔''

''اندر جانے کا آرڈر نہیں۔''

''کب سے۔''

''آج سے ابھی سے۔''

''لیکن میں اخبار کا رپورٹر ہوں۔'' انور نے احتجاجاً کہا۔

بحث ہو ہی رہی تھی کہ اندر آصف دکھائی دیا اور انور کو دیکھتے ہی اس نے اسے آنے کا کہا اور سپاہی ایک طرف ہٹ گیا۔

آصف کچھ پریشان سا نظر آ رہا تھا۔

''آج پہرے والے روک کیوں رہے ہیں۔'' انور نے اس سے پوچھا۔

''جگدیش کی جھک ہے ورنہ اس سے کیا ہوتا ہے۔'' آصف نے کہا۔

''آخر بات کیا ہے؟''

''کوئی نئی بات نہیں۔'' آصف منہ بنا کر بولا۔ ''یہاں کا قدیم رواج ہے کہ یہاں ایک قتل ں کی بارش ہو جاتی ہے، کیوں؟''

''آج صبح ڈی سالٹ کی لاش ملی ہے۔''

''ڈی سالٹ.....!'' انور چونک کر بولا۔ اس نے یہ نام کہیں سنا تھا۔ ''ڈی سالٹ۔'' اس ب بار پھر دہرایا۔

''ہاں وہ ڈان ونسنٹ کے ساتھیوں میں سے تھا۔'' آصف نے کہا۔

انور کو یاد آ گیا۔ ڈیگاریکا نے اسے ڈی سالٹ ہی کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ تو کیا البرونو نے ل کر دیا۔

''اور اس کی موت بھی اسی زہریلی سوئی کی وجہ سے واقع ہوئی تھی۔'' آصف سگریٹ ہوا بولا۔

''تو اسکا یہ مطلب ہوا کہ پہلی لاش بھی ڈان ونسنٹ ہی کے ساتھی کی تھی۔'' انور نے کہا۔

''دوسری دلچسپ بات یہ ہے کہ ڈان ونسنٹ اپنے بقیہ ساتھیوں سمیت کہیں غائب ہو گیا۔''

''ارے.....!'' انور کی لہجے میں تحیر تھا۔ ''مگر تم تو کہہ رہے تھے کہ وہ نقل و حرکت بھی نہیں سکتا۔''

''اس کی ظاہری حالت تو ایسی ہی تھی اور ڈاکٹروں کا بھی یہی خیال تھا کہ وہ ایک ماہ سے لنگی اٹھ سکے گا۔''

''تو ڈاکٹروں نے اسے جانے کیوں دیا۔''

''ڈاکٹروں کو اس کی روانگی کا علم ہی نہیں۔ یہ بات تو لاش ملنے کے بعد معلوم ہوئی۔ ڈنسٹ پرائیویٹ وارڈ میں تھا اور اس کے ساتھی بھی وہیں مقیم تھے۔ لاش ملنے کے بعد ہی نے ہسپتال فون کیا تب یہ بات معلوم ہوئی۔''

انور کا دماغ چکرانے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ البرونو نے ڈی سالٹ کو قتل کیا تھا تو ڈنسٹ وغیرہ کیوں غائب ہو گئے۔

''کیا سوچ رہے ہو۔'' آصف نے کہا۔ ''ہاں رشیدہ کا کیا ہوا

''کچھ نہیں..... کچھ بھی نہیں۔'' انور بے چینی سے بولا۔ ''میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کروں؟''

''ارے یہ تم بول رہے ہو۔'' آصف نے حیرت سے کہا۔ ''میں نے اس سے قبل تمہیں پریشان نہیں دیکھا۔''

''میری ساری صلاحیتیں جواب دے گئی ہیں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اب مجھے کبھی نہ ملے گی۔ میں ابھی تک خود کو فریب دیتا رہا ہوں۔ میں اسکے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔''

آصف کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اسے انور سے ایسے الفاظ کی توقع نہیں تھی تو اسے بالکل جانور اور عورت کے معاملے میں پتھر کی طرح بے جان سمجھتا تھا۔

انور وہاں زیادہ دیر تک نہیں رکا۔ اس نے اپنی موٹر سائیکل اٹھائی اور اسے گھسیٹتا ہوا ہی کے ایک کارخانے تک لایا۔ وہاں اسے مرمت کے لئے چھوڑ کر ایک طرف چل پڑا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کہاں جائے؟ آگے چل کر ایک پبلک ٹیلی فون پوسٹ کے پھر رکا۔ آج وہ آفس نہیں جانا چاہتا تھا اور جا کر کرتا بھی کیا۔ جب کہ دماغ قریب قریب ہو کر رہ گیا تھا۔

''اس نے منیجر کو فون کر دیا کہ وہ آج دفتر نہ آ سکے گا۔''

''لیکن..... پھر..... اب کہاں جائے اور کیا کرے؟ اب تو اسے اپنی بے بسی پر غصہ آ لگا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ڈان ونسنٹ کو تلاش کرے یا البرونو کو۔ اور ڈی گا

ہی کے ساتھ تھا۔ ممکن ہے وہ اب بھی اسی کے ساتھ ہو۔ تھوڑی دیر بعد وہ خود کو مضحکہ خیز لگنے لگا۔ فٹ پاتھ پر اس طرح گم سم کھڑے رہنا کوئی اچھی علامت نہ تھی۔ وہ گڑبڑا کر پاس کے ایک ریسٹوران میں گھس گیا۔ ابھی وہ دروازے میں ہی تھا کہ ایک آدمی اسے دھکا دیتا ہوا تیزی سے اندر داخل ہوا۔ انور کی نگاہیں اس کا تعاقب کرنے لگیں اور یہ دیکھ کر اسے حیرت ہوئی کہ وہاں کھانے کی بجائے وہ دوسرے دروازے سے باہر نکل گیا۔ یہ سب اتنی جلدی ہوا کہ انور اسکی صورت بھی نہ دیکھ سکا۔ وہ اس دروازے کیطرف بڑھا لیکن باہر فٹ پاتھ پر چلنے والوں میں وہ شخص نہیں دکھائی دیا اور پھر انور کو اپنی حماقت پر ہنسی آنے لگی۔ رہا ہوگا کوئی۔ کسی غلط فہمی کی بناء پر یہاں چلا آیا ہوگا اور پھر اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی دوسرے دروازے سے نکل گیا۔

انور ایک خالی میز کے قریب بیٹھ گیا۔ کچھ کھانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ لیکن چونکہ آ چکا تھا اس لئے کچھ نہ کچھ منگوانا ہی پڑا۔ چائے اور پیسٹریوں کا آرڈر دے کر اس نے سگریٹ نکالنے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ کوئی سخت سا کاغذ اس کی انگلیوں میں کڑکڑایا۔ یہ ایک بند لفافہ تھا جس پر اس کا نام لکھا ہوا تھا۔

لیکن وہ اس کی جیب میں کیسے پہنچا؟ تو کیا اس آدمی نے اسی لئے اسے دھکا دیا تھا۔ انور نے لفافہ چاک کیا۔ اس میں اسی کے نام ایک ٹائپ کیا ہوا خط تھا۔

انور خط ملتے ہی سرکلر روڈ کی عمارت ''آشیانہ'' میں پہنچ جاؤ۔ ''تمہیں کئی بار فون پر بلانے کی کوشش کی گئی لیکن جواب نہ ملا۔ غالباً تم سمجھ ہی گئے ہو گے کہ میں کون ہوں مجھے تم پر اعتماد ہے لہٰذا تم اپنے ساتھ پولیس نہیں لاؤ گے۔''

خط پڑھ کر انور نے لفافہ جیب میں رکھ لیا اور پھر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ بیرہ چائے رکھ کر چلا گیا۔ اس نے جلدی جلدی دو ایک پیسٹریاں کھائیں اور چائے انڈیل کر بڑے بڑے گھونٹ لینے لگا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ خط کس کا ہو سکتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد وہ بل ادا کر کے باہر آیا۔ ایک ٹیکسی کی اور سرکلر روڈ کی طرف روانہ ہو گیا۔

ناقابل یقین

سرکلر روڈ پر بہت زیادہ عمارتیں نہیں تھیں اس لئے ''آشیانہ'' ڈھونڈنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔ یہ ایک طویل وعریض عمارت تھی۔ سامنے ایک پائیں باغ تھا لیکن ابتر حالت میں شاید اس کی دیکھ بھال نہیں کی جاتی تھی۔

انور پھاٹک سے گزرتا ہوا پائیں باغ طے کرکے برآمدے میں آیا۔ یہاں سناٹا تھا اس کی نظر دیوار میں لگے ہوئے سوئچ بورڈ پر پڑی جس پر گھنٹی کا بٹن موجود تھا اس نے کئی بار تھوڑے تھوڑے وقفے کے ساتھ بٹن دبایا مگر جواب ندارد۔

اس نے دو منٹ تک توقف کیا پھر واپس لوٹنے کے لئے تیار ہوگیا۔ وہ سوچنے لگا ہو ہے کہ یہ سب کچھ اسے پھنسانے کے لئے کیا گیا ہو۔ وہ برآمدے کی سیڑھیاں طے کررہا تھا اسے کسی نے پیچھے سے آواز دی۔ انور مڑا..... دروازے میں البرونو کھڑا تھا۔

''میں اطمینان کرنا چاہتا تھا کہ تم تنہا ہی آئے ہو۔'' وہ مسکرا کر بولا۔ ''اسی لئے تمہیں انتظار کرنا پڑا۔ اندر آجاؤ۔'' انور چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر خاموشی سے اندر چلا گیا۔

وہ متعدد کمروں سے گزرتے ہوئے ایک وسیع ہال میں پہنچے جہاں ڈی گاریکا اور البرونو کے ساتھی بیٹھے ہوئے تھے۔ انور کو دیکھ کر البرونو کے ساتھی نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ البرونو نے صوفے کی طرف اشارہ کیا اور خود بھی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ انور کی نظریں ڈی گاریکا کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں جو بہت زیادہ مضمحل نظر آرہا تھا۔

بڑی دیر تک خاموشی رہی پھر دفعتاً البرونو بولا۔

''ڈان ونسنٹ اپنے ساتھیوں سمیت کہیں غائب ہوگیا ہے اور ہم میڈموزیل رومولی کا سراغ لگانے میں ناکام رہے۔''

انور اسے گھورنے لگا۔

''تم نے ڈی سالٹ کو مار ڈالا.....!'' انور نے آہستہ سے کہا۔

''نہیں اس نے خودکشی کرلی۔'' البرونو بولا۔

''خودکشی.....!''

''ہاں..... اس نے اپنے جسم میں زہریلی سوئی چبھولی۔ ہم اس سے رومولی کے متعلق پوچھ رہے تھے۔''

''رومولی..... رومولی.....!'' انور بھنا کر بولا۔ ''اس کا نام رومولی نہیں رشیدہ ہے۔ تم خواہ مخواہ کوئی غیر ملکی نام کیوں دے رہے ہو۔''

''اس کا قومی اور مذہبی نام رومولی ہی ہے۔'' البرونو مسکرا کر بولا۔

''تم اس سے متعلق مجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔'' انور جھلا کر بولا۔ ''نہ جانے تم لوگوں نے کس قسم کا جال پھیلا رکھا ہے اور مجھے بھی بیوقوف بنانے کی کوشش کررہے ہو۔''

''میں تم سے پہلے ہی کہہ رہا تھا۔'' البرونو نے ڈی گاریکا سے کہا۔ ''یہ دشواری ضرور پیش آئے گی۔'' پھر انور کی طرف مڑ کر بولا۔ ''اچھا تم اس کے متعلق کیا جانتے ہو۔ چلو میں کہتا ہوں اس کا نام رشیدہ ہی سہی۔ پھر وہ کون ہے کس کی بیٹی ہے کس سرزمین سے تعلق رکھتی ہے۔ اگر تم یہ سب جانتے ہو تو مجھے بتاؤ۔''

انور کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔ وہ خاموشی سے البرونو کی صورت دیکھ رہا تھا۔

''تم اس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے۔'' البرونو ہنس کر بولا۔ ''اور نہ وہ تمہارے متعلق کچھ جانتی ہے لیکن میں تم دونوں کے متعلق سب کچھ جانتا ہوں۔''

''ہونہہ.....!'' انور طنزیہ انداز میں مسکرایا۔ ''تم میرے متعلق کیا جانتے ہو۔''

''سنو گے۔'' البرونو نے مسکرا کر کہا۔ ''اچھا تو سنو! تم نواب وجاہت علی خاں کے لڑکے ہو۔''

انور بے اختیار اچھل پڑا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر البرونو کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''تمہارے چچا شباہت علی خاں نے تمہیں اپنے بھائی کی ناجائز اولاد ثابت کرا کے ان کے ترکے سے محروم کردیا۔ حالانکہ مجھے اچھی طرح علم ہے کہ تمہاری ماں ان کی بیوی تھی۔''

''تم کیسے جانتے ہو۔'' انور مضطربانہ انداز میں کھڑا ہوگیا۔

''بیٹھ جاؤ..... بیٹھ جاؤ۔'' البرونو ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ میں یہ بھی

جانتا ہوں کہ تمہاری زندگی کا یہ حادثہ تمہیں غلط راستوں پر نکال لے گیا۔ تمہاری نظروں میں عظیم کائنات اور اس میں متحرک زندگی محض ایک ڈھکوسلا اور بے معنی چیز بن کر رہ گئی۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے۔"

"مجھے تمہاری ہمدردیوں کی ضرورت نہیں۔" انور ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"تو پھر اٹھا کر باہر پھینک دیا جائے۔" البرونو کے ساتھی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"چپ چاپ بیٹھے رہو۔" البرونو نے اسے ڈانٹا اور وہ پھر بیٹھ گیا۔ لیکن وہ اب بھی تحسین آمیز نظروں سے انور کو دیکھ رہا تھا۔

"اور رشیدہ کے متعلق سننے کے بعد تمہیں اپنے پر یقین نہ آئے گا۔" البرونو مسکرا کر بولا۔

"لیکن جس طرح میں نے تمہارے متعلق بتایا ہے اسی طرح رشیدہ کے متعلق بھی بتا سکتا ہوں۔"

انور اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ البرونو نے رک کر سگریٹ سلگایا اور تین کش لینے کے بعد کہا۔

"رشیدہ ایک غیر معروف جزیرے کی شہزادی ہے۔"

انور کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔

"اب تم مجھے پریوں کے دیس کی کہانی سناؤ گے اور مجھے اپنی نانی اماں یاد آ جائیں گی۔ پھر کہانی کے خاتمے پر کہہ دینا کہ اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔" انور نے پھر قہقہہ لگایا۔

البرونو کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

"بس نور، البرونو کا بیان صحیح ہے۔" ڈی گاریکا آہستہ سے بولا۔

"تم لوگ مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتے۔" انور اٹھتا ہوا بولا۔ "تم یہاں کوئی بہت ہی خوفناک جرم کرنا چاہتے ہو۔ اس سے پہلے بھی کئی مجرموں نے ہمیں اپنے راستہ سے ہٹانا چاہا ہے۔"

"بیٹھ جاؤ۔" البرونو تحکمانہ لہجے میں بولا۔

انور غیر ارادی طور پر بیٹھ گیا۔

"تمہاری حقیقت ہی کیا ہے۔" البرونو نے کہا۔ "اگر میں تمہیں اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا تو کل رات ہی ہٹا دیتا۔ تم میری نظروں میں ایک طفل مکتب سے زیادہ نہیں ہو۔"

"البرونو ٹھیک کہہ رہا تھا۔" انور کا سر چکرانے لگا اور پھر دفعتاً اسے یاد آ گیا کہ رشیدہ اپنے کسی راز کو چھپانے کے لئے داراب کے قتل پر کمر بستہ ہو گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ کوئی معمولی واقعہ نہ رہا ہو گا لیکن اگر سچ مچ وہ کسی ملک کی شہزادی تھی تو ایک معمولی عورت کی طرح کیوں زندگی بسر کر رہی تھی اور پھر سب سے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ وہ سو فیصدی ہندوستانی معلوم ہوتی تھی۔ تو وہ کسی غیر ملک کی شہزادی کیسے ہو سکتی ہے۔"

"کیا سوچنے لگے۔" البرونو اسے خاموش دیکھ کر بولا۔

"میں کچھ نہیں سمجھ سکا..... میرا دماغ بے کار ہوتا جا رہا ہے۔" انور نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"سب کچھ سمجھ سکتے ہو بشرطیکہ دوسروں پر اعتماد کرنا سیکھو۔"

انور بے بسی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تمہیں محض اس لئے حیرت ہے کہ تم اس جزیرے کے عجیب و غریب رسم و رواج سے واقف نہیں ہو۔" البرونو نے کہا۔ "وہاں کے تاج اور تخت کا حقدار بچپن ہی سے وہاں سے ہٹا کر کسی دوسرے ملک میں رکھا جاتا ہے اور سن بلوغ کے پہنچنے پر پھر وہیں واپس چلا جاتا ہے اور سلطان کے مرنے کے بعد عنانِ حکومت خود سنبھالتا ہے۔ اگر حکمران ولی عہد کی کمسنی ہی میں مر جائے تو اس کا قریبی عزیز اس کے بالغ ہونے تک امورِ سلطنت انجام دیتا ہے اور رومولی یا رشیدہ اپنے باپ کی پہلی اولاد ہونے کی حیثیت سے تخت کی حقدار تھی اس لئے اسے جزیرے سے ہٹا دیا گیا۔ اسی دوران میں اس کا باپ حادثہ کا شکار ہو کر مر گیا۔ لہٰذا رشیدہ کا چچا عارضی طور پر حکومت کرنے لگا۔ رشیدہ کو میکسیکو میں رکھا گیا تھا۔ ایک دن اچانک اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ ڈی گاریکا اس کا اتالیق تھا۔ اسی نے کسی طرح پتہ لگا لیا کہ رشیدہ کا چچا اسے ختم کر کے خود ہمیشہ کے لئے تخت کا مالک بننا چاہتا ہے۔ لہٰذا اس نے دور اندیشی سے کام لے کر یہ خبر مشہور کر دی کہ رشیدہ کو کسی نے مار ڈالا اور پھر اسے لے کر ادھر اُدھر کی خاک چھانتا رہا۔ نہ جانے کیوں اسے یہ خیال آیا کہ رشیدہ صرف ہندوستان میں محفوظ رہ سکتی ہے۔ لہٰذا تم یہ خود سوچ سکتے ہو کہ جس بچے کی پرورش ہندوستانی ماحول میں ہوئی ہو وہ سو فیصدی ہندوستانی ہی ہو گی۔ ڈی

گاریکا نے اس کی پرورش بالکل ہندوستانی طریقے پر کرائی۔ رشیدہ اپنی اصلیت سے کچھ
واقف تھی۔ لہٰذا فطری طور پر کسی ایک ایسے آدمی کی اسے تلاش ہوئی جو اس کی حفاظت کر
اس کے لئے ھ نے تمہیں منتخب کیا۔ ڈی گاریکا رشیدہ کو یہاں چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ لیکن ا
اسے دیکھنے کیلئے آتا رہتا تھا۔ اس دوران میں شاید رشیدہ کے چچا کے جاسوسوں کو اس کا علم
انہوں نے اسکی اطلاع اس کے چچا کو دی اور اس نے ڈان ونسنٹ کو یہاں بھیجا، تاکہ رشید
پکڑوا سکے۔ اس بار جب ڈی گاریکا اپنے لڑکے اور لڑکی کے ساتھ ہندوستان آیا تھا ڈان ون
اور اسکے ساتھی پیچھے لگ گئے تم نے اس دن صبح جو لاش دیکھی تھی وہ ڈی گاریکا کے لڑکے کی
ڈان ونسنٹ کے ساتھیوں نے اسے قتل کیا تھا۔" البرونو خاموش ہوگیا۔

انور کی نگاہیں ڈی گاریکا کی طرف اٹھ گئیں جس کی آنکھوں میں دو موٹے موٹے قط
جھلملا رہے تھے۔ وہ اٹھ کر کمرے سے چلا گیا۔

"بے چارہ۔" البرونو نے کہا اور انور کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔

"لیکن ڈی گاریکا یہاں پہنچا کس طرح۔" انور نے کہا۔ "اس کا ریکارڈ کسی سفارت
میں نہیں ہے۔"

"وہ باقاعدہ اور جائز طور پر یہاں داخل نہیں ہوا۔" البرونو نے جواب دیا۔

"اور تم.....!" انور نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ "تم کس سفارت خانے کے ذریعے
یہاں آئے ہو۔ تمہارا بھی کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔"

"ہم لوگوں کو کسی ذریعے کی ضرورت نہیں۔" البرونو کے ساتھی نے کہا پھر البرونو
مخاطب ہوکر بولا۔ "میں نے ڈی گاریکا کی لڑکی کو نہیں دیکھا، کیا وہ کافی حسین ہے۔"

"بکومت.....!" البرونو اسے گھورنے لگا۔

"تو یہ ڈرامہ کب ختم ہوگا۔" انور نے کہا۔ اس کے لہجے میں بے اعتباری تھی۔

"تم شاید ابھی تک اسے مذاق ہی سمجھ رہے ہو۔" البرونو بولا۔

"حقیقت سمجھنے کی بھی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔"

"آخر تمہیں کس طرح یقین آئے گا۔"

"کسی طرح نہیں۔" انور نے لاپروائی سے کہا۔ "الف لیلےٰ کی یہ لمبی چوڑی داستان سننے
بعد اسے سو فیصدی یقین ہوگیا تھا کہ البرونو اسے بیوقوف بنا رہا ہے۔ وہ سوچنے لگا کہ رشیدہ کا
زانا بے سروپا نہیں ہوسکتا۔ یقیناً البرونو اس سے رشیدہ کی آڑ میں کوئی بھیانک جرم کرانا چاہتا
البرونو بغور اسکے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ دفعتاً وہ اٹھا اور انور کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔

"میرے ساتھ آؤ.....!"

انور پہلے تو ہچکچایا لیکن پھر اس کے ساتھ ہولیا۔ البرونو اسے ایک کمرے میں لایا اور دروازہ
کردیا۔

"تم نے ابھی کہا تھا کہ تمہیں اس کہانی پر یقین نہیں آسکتا۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"اور اب بھی یہی کہتا ہوں۔"

"اچھا تو ادھر بیٹھ جاؤ۔" البرونو نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"کیوں اب کوئی شعبدہ دکھانے کا ارادہ ہے۔" انور مسکرا کر بولا۔

"یہی سمجھ لو۔" البرونو نے لاپروائی سے کہا۔

البرونو دوسری طرف چلا گیا۔ وہ تھوڑی دیر تک ایک میز پر رکھے ہوئے کاغذات الٹتا پلٹتا
اپنے ہاتھ میں ایک اخبار دبائے ہوئے واپس آیا۔ کاغذ کی رنگت بتا رہی تھی کہ وہ بہت پرانا
اخبار ہے۔ البرونو نے وہ اخبار انور کے سامنے پھیلا دیا اور ایک تصویر پر انگلی رکھ کر انور کی طرف
دیکھنے لگا۔ یہ ایک ننھی سی بچی کی تصویر تھی جس کے نیچے لکھا ہوا تھا۔

"کسی بے درد نے اس معصوم بچی کو قتل کردیا۔ لاش ایک پبلک پارک میں پائی گئی۔ قتل کی
وجہ معلوم نہیں ہوسکی۔"

انور تصویر کو بغور دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً وہ اچھل پڑا۔ لیکن شاید اس کا یہ رویہ البرونو کے لئے
غیر متوقع تھا۔ وہ انور کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ تو سچ مچ رشیدہ کے بچپن کی تصویر معلوم ہوتی ہے۔" انور نے کہا۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا۔" البرونو کے لہجے میں حیرت تھی۔ "کیا اس کے پاس اس کے بچپن
کی تصویر تھی۔"

"ہاں..... میں نے اسکے لاکٹ میں دیکھی تھی۔ یہ لاکٹ اس کے ہار میں لگا ہوا ہے۔"

"بہرحال اب تمہیں اس پر یقین ہو جانا چاہئے۔" البرونو نے کہا۔ "یہ میکسیکو کے شہر ا بندگاہ ویراکروز کا اخبار ہے۔"

انور نے اخبار اٹھایا اور دیر تک دیکھتا رہا۔ پھر البرونو کو گھور کر بولا۔

"مگر اس میں کسی شہزادی کا ذکر نہیں۔ تم کہہ رہے تھے کہ ڈی گاریکا نے اس کے قتل کی خبر مشہور کر دی تھی۔"

اس کی شہرت اس جزیرے میں ہوئی تھی۔ مہذب دنیا تو یہ بھی نہیں جانتی کہ اس جزیرے میں کوئی آبادی بھی ہے۔ دنیا کے ویران جزیروں میں اس کا بھی شمار ہوتا ہے۔ وہاں کے باشندے نہیں چاہتے کہ مہذب دنیا ان کے وجود سے واقف ہو۔ حالانکہ وہ خود بھی کافی ترقی یافتہ ہیں اور ترقی یافتہ ممالک سے تعلق رکھتے ہیں۔

"البرونو کیا تم مجھے بچہ سمجھتے ہو۔" انور سنجیدگی سے بولا۔ "میں نہیں جانتا کہ تمہارا مقصد کیا ہے لیکن مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"مجھے اس دشواری کا علم تھا کہ تم یقین نہ کرو گے۔" البرونو مسکرا کر بولا۔ "خود مجھے بھی حیرت ہے کہ اس جزیرے کے باشندے ایسی صورت میں اپنا وجود کیوں کر چھپائے ہوئے ہیں جبکہ وہ دوسرے ممالک سے بھی تعلقات رکھتے ہیں۔"

"جب تمہیں خود اس پر یقین نہیں آتا تو مجھے کیوں یقین دلانے کی کوشش کر رہے ہو۔" انور نے کہا۔ "میں نے یہ تو نہیں کہا کہ مجھے اس پر یقین نہیں۔ یقین ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ حیرت بھی۔"

انور خاموش ہو گیا۔ البرونو بھی کچھ سوچ رہا تھا۔ دفعتاً انور بولا۔

"ڈان ونسنٹ نے پولیس کو بیان دیا تھا کہ تمہاری اس سے انگلینڈ میں لڑائی ہو چکی تھی اس لئے تم اس کے جانی دشمن بن گئے ہو۔"

"یہ قطعی غلط ہے۔ اس کا تعاقب میں انگلینڈ ہی سے کر رہا ہوں لیکن یہاں پہنچنے سے قبل شاید اسے اس کا علم بھی نہ ہو۔ تم نہیں جانتے اس نے یہ شوشہ محض اس لئے چھوڑا تھا کہ ڈیگاریا

کے قتل میرے سر تھوپ دیا جائے اور اسے اس میں کامیابی بھی ہوئی۔ پولیس نے اسے کر میرا تعاقب کرنا شروع کر دیا اور میں نے بھی دیدہ دانستہ پولیس کو اس کا موقع دیا تھا۔"

"کیوں.....؟" انور چونک کر بولا۔

"محض اس لئے کہ ڈان ونسنٹ جس مقصد کے لئے ہندوستان آیا تھا اسے آسانی سے پورا سکے۔"

"تمہاری کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"تم سمجھے شاید میں اختلاف بیانی سے کام لے رہا ہوں۔" البرونو مسکرا کر بولا۔ "میں یہ جانتا تھا کہ ڈان ونسنٹ ہندوستان جا رہا ہے....." البرونو خاموش ہو گیا۔ اس نے محسوس کیا انور اس کی باتوں میں دلچسپی لینے کی بجائے دوسری طرف دیکھ رہا ہے۔ البرونو کے ہونٹوں پر پراسرار مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔ اس نے آہستہ آہستہ اپنے چہرے پر لگی ہوئی گھنی ڈاڑھی کر دی۔ انور ابھی تک دوسری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے جہاں سے بات ختم کی تھی وہیں پھر شروع کر دی۔ "میں جانتا تھا کہ ڈان ونسنٹ ہندوستان جا رہا تھا لیکن اس کے مقصد سے ں نہیں تھا۔ یہاں آ کر.....!"

"بس ختم بھی کرو۔" انور یک بیک اس کی طرف مڑ کر بولا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اسکے منہ سے ایک تحیر آمیز چیخ نکلی اور وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"آپ.....!" انور کا منہ پھیل کر رہ گیا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ خواب دیکھ رہا ہو۔ البرونو کی جگہ ایشیا کا جوان سال اور دلیر سراغ رساں انسپکٹر فریدی مسکرا رہا تھا۔

"اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آتا۔" انور آہستہ سے بڑبڑایا۔

"تمہاری بے یقینی سے خدا ہی بچائے۔" فریدی نے کہا۔

"جی نہیں..... یہ بات نہیں۔" انور جلدی سے بولا۔

"خیر اب زیادہ بدحواسیاں دکھانے کی ضرورت نہیں۔ ہم آج ہی ڈان ونسنٹ کے تعاقب میں روانہ ہو رہے ہیں۔"

"لیکن آخر آپ اس بھیس میں کیوں ہیں۔" انور مضطربانہ انداز میں بولا۔

"یہ بھیس میں نے یہیں آ کر بدلا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "میں دراصل خاموشی سے کرنا چاہتا تھا۔ اس دن مئے پول ہوٹل میں میں نے ہی تم لوگوں کو ایک خط بھجوایا تھا حالانکہ نے غلطی کی تھی اور اسی غلطی کی تلافی کے لئے مجھے رائفل کلب والے مقابلہ میں حصہ لینا پڑا پولیس اسے چھوڑ کر میرے پیچھے لگ گئی۔ اگر ڈان ونسنٹ کی نقل و حرکت دیکھی جاتی تو وہ کام نہ کرسکتا۔ کل رات کو بھی عجیب اتفاق پیش آیا تھا۔ ڈی گاریکا سے میں کل رات ہی واپس ہوا۔ ڈان ونسنٹ کے ساتھی اس کا تعاقب کررہے تھے اور میں ان کے تعاقب میں تھا اور پھر یہ معلوم ہوا کہ انہیں جس لڑکی کی تلاش تھی وہ رشیدہ تھی۔ لہٰذا اس صورت میں مجھے خاص طور دلچسپی لینی پڑی۔"

"پولیس والے آپ کی تلاش میں بُری طرح سرگرداں ہیں۔"

"ان لوگوں کو بیوقوف بنانا مشکل نہیں۔" فریدی نے کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

"اچھا تو دوسرے صاحب میاں حمید ہیں۔"

"ظاہر ہے۔"

"رشیدہ کے متعلق آپ کو یہ ساری باتیں ڈی گاریکا سے معلوم ہوئیں۔"

"ہاں..... کل رات کو اس نے مجھے سارا واقعہ بتایا۔"

"وہ آپ کو البرونو ہی کی حیثیت سے جانتا ہے۔"

"ہاں ..... اور یہی ٹھیک بھی ہے۔ ورنہ وہ بھڑک جائے گا۔ میں اس اندیکھے جزیرے سفر کرنا چاہتا ہوں۔"

"لیکن آپ ڈان ونسنٹ کے پیچھے کس طرح لگ گئے تھے۔"

"ایک دن ہم لوگ لندن کے جیفریز ہوٹل میں رات کا کھانا کھا رہے تھے۔ ہمارے سا اسکاٹ لینڈ یارڈ کا چیف انسپکٹر براؤن بھی تھا۔ ہمارے قریب ہی ڈان ونسنٹ اور اس کے سا بھی موجود تھے۔ براؤن نے مجھے بتایا کہ یہ ان لوگوں کو مشتبہ سمجھتا ہے اور اس دوران میں انہو نے کچھ ایسی حرکتیں بھی کیں کہ مجھے دلچسپی لینے پر مجبور ہوجانا پڑا اور پھر مجھے ان کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ وہ ہندوستان جارہے ہیں۔ میں تھوڑی بہت اسپینی بو ا سمجھ لیتا ہوں۔ میں

ی گاریکا کا نام انہیں کی زبان سے سنا تھا۔ وہ اس کا تعاقب کررہے تھے۔ ان میں سے ایک کا ہاں فاکہ ڈی گاریکا کی منزل ہندوستان ہوہی نہیں سکتی ممکن ہے وہ وہاں سے کہیں اور بھی جائے کسی لڑکی کا تذکرہ آ گیا جسے وہ پکڑ کر اپنے ساتھ کہیں لے جانا چاہتے تھے۔ بہرحال ان کی گفتگو اسی قسم کا معمہ تھی۔

فریدی خاموش ہوکر کچھ سوچنے لگا۔

"جب آپ کو یہ نہیں معلوم کہ ڈان ونسنٹ گیا کہاں تو آپ اس کا تعاقب کس طرح یں گے۔"

"ظاہر ہے کہ وہ رشیدہ کو پاجانے کے بعد اس جزیرے کا رخ کرے گا اور یہ واضح ہے کہ چوری چھپے یہاں سے نکل جانے کی کوشش کرے گا۔ اس کے لئے کوئی غیر معروف ہی راستہ آمد نابت ہوسکتا ہے۔ لہٰذا ہم کہیں سے بھی روانہ ہوں انہیں اس جزیرے میں داخل ہونے پہلے ہی جالیں گے۔"

فریدی اٹھ کر میز کی طرف چلا گیا اور آئینے میں دیکھ دیکھ کر دوبارہ اپنے چہرے پر مصنوعی ی لگانے لگا۔

"تم شاید ابھی تک یقین اور شبہے کی کشمکش میں مبتلا ہو۔" فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"نہیں تو.....!" انور جلدی سے بولا۔ "میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر آپ نہ ہوتے تو شاید وہ مجھے ختم کردیتے۔"

"اس میں تو شک نہیں۔" فریدی نے مڑ کر ہونٹوں میں نیا سگار دباتے ہوئے کہا۔

انور نے پھر کچھ پوچھنا چاہا لیکن کچھ سوچ کر رک گیا۔

"اب سوچتا ہوں تو خود مجھے حیرت ہوتی ہے۔" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ "کوئی صحیح دماغ آدمی ایسی حرکت نہیں کرسکتا۔ جیسی میں نے کی ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"یہ پاگل پن نہیں تو اور کیا ہے کہ میں ان لوگوں کے پیچھے لندن سے یہاں تک دوڑتا چلا آیا اور یہ سب کچھ ڈان ونسنٹ کے محض ایک جملے پر ہوا۔ اس کا ایک ساتھی کہہ رہا تھا کہ کہیں وہ

ہندوستان میں کسی مصیبت میں مبتلا نہ ہو جائیں جس پر ڈان ونسنٹ نے کہا کہ وہاں سب کے بستے ہیں وہاں کی پولیس اتنی ذہین نہیں ہے کہ کام میں حارج ہو سکے۔"

"اوہ.....!"

"اور پھر میں ان کے پیچھے لگ گیا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اگر ڈی سالٹ خود کشی کر لیتا...!"

باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی اور فریدی اچانک خاموش ہو گیا۔ آنے والا ڈی گاریکا تھا وہ اسپینی زبان میں کچھ کہتا رہا اور فریدی سر ہلا ہلا کر سنتا رہا۔ بہرحال ڈی گاریکا کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا۔ پھر فریدی نے اس سے کچھ کہا اور وہ مسکرا کر واپس چلا گیا۔

"یار میں حمید سے عاجز آ گیا ہوں۔" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔

"کیوں؟ کیا ہوا۔"

"ڈی گاریکا نے شاید اس سے اپنی لڑکی کا تذکرہ کیا تھا جو یہیں کہیں ہوٹل میں ٹھہری ہے۔ لہٰذا وہ اسے بحفاظت تمام یہاں لانے کا وعدہ کر کے گیا ہے۔ ڈی گاریکا افسوس ظاہر کر تھا کہ اس نے اس کام کے لئے اپنی خوبصورت ترین ڈاڑھی چھیل کر رکھ دی اور ایک ہندو کے بھیس میں گیا ہے۔ اسے اس بات پر حیرت ہے وہ ہم لوگوں سے اس بُری طرح مرعوب ہے کہ ہمیں اپنے پراسرار جزیرے میں لے جانا چاہتا ہے حالانکہ یہ اس قوم کی تاریخ میں واقعہ ہوگا۔ وہاں آج تک کسی غیر ملکی کے قدم نہیں پہنچے۔"

"یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔" انور نے کہا۔

"میری معلومات کا انحصار محض ڈی گاریکا کے بیان پر ہے۔ حقیقت کیا ہے اس کے میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ ڈی گاریکا نے بتایا ہے کہ اس جزیرے کے باشندے نسلاً ہیں۔ اسپین کے سپہ سالار کورٹے نے جب میکسیکو پر حملہ کیا تھا اس وقت وہاں مونٹے زو حکومت تھی۔ اتفاقاً کورٹے کا ایک سردار اپنے دستے سمیت مونٹے زوما سے مل گیا۔ اس غ کا باعث مونٹے زوما کی حسین لڑکی اوٹامی تھی وہ اس پر عاشق ہو گیا تھا۔ کورٹے نے مونٹے کو شکست دے دی اور وہ سردار اوٹامی اپنے دستے سمیت فلوریڈا ہوتا ہوا جزائر بہامہ کی

ہو گیا۔ پھر انہوں نے ایک غیر آباد جزیرے میں پناہ لی جو جزیرہ اینڈروس اور جزائر واٹلنگ درمیان میں واقع ہے۔ چونکہ آج بھی لوگوں کو یقین ہے کہ وہ جزیرہ غیر آباد ہے اسلئے وہ نا آئی لینڈ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ لیکن وہاں کی آبادی بیس لاکھ کے قریب ہے۔ ڈی یکا کا کہنا ہے کہ وہ جزیرہ کبھی غیر آباد نہیں تھا۔ وہاں اب بھی جنگلوں میں کہیں کہیں قدیم ل ملتے ہیں۔ لیکن وہ نیم وحشی ہیں۔ وہاں اب تک شہنشاہیت قائم ہے۔"

انور کے ہونٹوں پر گویا مہر لگ گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا بولے۔ اگر ری کا قدم درمیان میں نہ ہوتا تو وہ اسے الف لیلےٰ کی ہی کوئی داستان سمجھتا۔ مگر اب وہ سوچ نا کہ اگر ڈی گاریکا کا بیان غلط بھی ہو تب بھی رشیدہ کی شخصیت پراسرار ہی رہتی ہے۔ اگر وہ رستانی ہے تو کسی غیر ملکی کا اس میں اس طرح دلچسپی لینا کیا معنی رکھتا ہے۔

"تو پھر تم ہمارے ساتھ چلو گے۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں رشیدہ کے لئے سب کچھ کر سکتا ہوں۔" انور آہستہ سے بولا۔

"ٹھیک مجھے تم سے یہی امید ہے۔ ڈی گاریکا تمہارا احسان مند ہے کہ تم نے رومولی کی فاظت کی۔ ڈی گاریکا اکثر اس سے ملتا رہتا ہے۔ رشیدہ نے تمہارے متعلق اسے سب کچھ بتا دیا ہے وہ تمہارے کردار کی بلندی کا معترف ہے۔"

انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اپنے متعلق سوچ رہا تھا کہ اس کے یکایک غائب ہونے پر یا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ پولیس اپنا شبہ یقین میں بدل دے۔ وہ کافی دیر تک الجھتا رہا لیکن یہ خیال کر کے پھر اطمینان ہو گیا کہ انسپکٹر فریدی اس کے ساتھ ہوگا۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ آج ہی ناگہانی طور پر اپنی ملازمت سے مستعفی ہو جائے گا۔ بہانہ رشیدہ کی تلاش کا ہوگا۔ جن کی گمشدگی سے وہ اچھی طرح واقف ہو چکے ہیں۔

روانگی

"عجیب اتفاقات ہیں۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی

مصنف نے کسی ناول کا پلاٹ بکھیر دیا ہو۔ جو واقعات مجھ پر گزرے ہیں بعض اوقات میں انہیں بھی کہانیاں سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہوں۔''

فریدی خاموش ہو گیا۔ انور کی نظریں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

''تم خود سوچو۔'' فریدی بجھا ہوا سگار ایش ٹرے میں ڈالتا ہوا بولا۔ ''کیا اس وقت میری شخصیت کسی ناول کے پراسرار جاسوس کی شخصیت سے کم ہے۔ اگر کبھی کسی نے یہ واقعہ لکھنے کی کوشش کی تو کیا پڑھنے والے اسے شاندار گپ نہیں سمجھیں گے۔''

''مجھے تو آج کل کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کسی دوسری دنیا میں سانس لے رہا ہوں۔'' انور نے کہا۔

''بہرحال ہم حقائق سے دوچار ہیں جنکی صداقت مستقبل کے دھندلکے میں کھوئی ہوئی ہے۔''

''لیکن ہم سفر کس طرح کریں گے؟'' انور نے پوچھا۔

''یہاں سے خلیج فارس تک ہم چوری چھپے جا سکتے ہیں۔ ڈی گاریکا نے اس کا انتظام پہلے ہی کر رکھا ہے۔ اس سے قبل بھی وہ بحرین تک باضابطہ طور پر آیا کرتا تھا اور بحرین سے یہاں تک غیر قانونی طریقے پر۔ ہاں تو ہم یہاں سے بحرین تک معمولی قانون شکنی کرنے والوں کی طرح جائیں گے اور بحرین سے میں انتظام کر لوں گا۔''

''تو اس بار بھی وہ لندن سے بحرین آیا تھا۔'' انور نے پوچھا۔

''ہاں.....!''

''لیکن ڈان ونسنٹ وغیرہ تو باضابطہ طور پر آئے تھے۔'' انور نے کہا۔ ''اس طرح ان دونوں کے راستے الگ ہو گئے۔''

''ہاں..... بے چارہ ڈی گاریکا اس سے ناواقف تھا کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ اسے ڈان ونسنٹ اور اس کے ساتھیوں کی موجودگی کا علم یہیں آ کر ہوا۔ لیکن شاید ڈی گاریکا کا لڑکا اس بات سے پہلے ہی واقف ہو گیا تھا۔ اس لئے ان لوگوں نے اسے قتل کر دیا۔''

''مگر اس کے بعد وہ لوگ اچانک منظر عام پر کیوں آ گئے تھے۔ تیغ زنی کے مقابلے کی وجہ سے ان لوگوں کی خاصی شہرت ہو گئی تھی۔''

''دراصل ان لوگوں سے حماقتوں پر حماقتیں سرزد ہوئیں۔'' فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ ''انہوں نے بوکھلاہٹ میں اسے قتل تو کر دیا لیکن چونکہ باضابطہ طور پر یہاں آئے تھے اور ان کا ریکارڈ تھا اس لئے خوف دامن گیر ہوا کہ پولیس انہیں تنگ کرے گی لہٰذا وہ کھلم کھلا سامنے آ گئے۔ انہوں نے یہ بھی سوچا کہ اس طرح ڈی گاریکا دھوکا بھی کھا جائے گا۔ وہ یہی سمجھے گا کہ یہ اسے کھانے کے لئے نکلے ہیں لیکن ہوا اس کے برعکس۔ ڈی گاریکا کے لڑکے کی شکل بگاڑ دینے اس لئے وہ اسے کوئی اتفاقیہ حادثہ سمجھنے کیلئے تیار نہیں تھا اور پھر اچانک ڈان ونسنٹ وغیرہ کے سامنے آ جانا اس کے شبہات کی تقویت کیلئے کافی تھا۔ اسی لئے ڈیگاریکا نے بھیس بدل کر رشیدہ تک پہنچنے کی کوشش کی تھی۔''

فریدی اور انور کافی دیر تک سفر (یا) اسکیم پر بحث کرتے رہے پھر انور واپس آ گیا۔ آفس والوں نے استعفےٰ لکھا لیکن پھر بذات خود اس نے منیجر تک پہنچانے کا ارادہ ترک کر دیا کیونکہ اس سلسلے میں زیادہ بات چیت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس طرح بات کے قبل از وقت ہی پھیل جانے کا اندیشہ تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا پولیس انور کے پیچھے پڑ جاتی۔ ڈان ونسنٹ غائب ہو چکا تھا اور رشیدہ پہلے ہی سے پولیس والوں کے لئے چھلاوا بنا ہوا تھا۔ اب رشیدہ کی شخصیت بھی پراسرار بننے پر ہونے والے حادثات سے منسلک ہو چکی تھی۔ لہٰذا پولیس کے لئے تاش کا آخری پتہ رشیدہ ہی تھا۔ انور سوچنے لگا کہ اگر اب اس سے کوئی غیر معمولی حرکت سرزد ہوئی تو وہ فریدی کی ہوئی اسکیم میں حصہ لینے سے پہلے ہی پریشانیوں میں مبتلا ہو جائے گا۔ لہٰذا اس نے یہ طے کیا کہ وہ اپنا استعفےٰ بذریعہ ڈاک بھیجے گا۔ رشیدہ کے غائب ہونے کی خبر پھیل چکی تھی۔ دفتر کے لوگ اس کے بارے میں پوچھتے رہے اور وہ انہیں ادھر اُدھر کی باتوں میں ٹالتا رہا۔ تقریباً چھ بجے کے قریب وہ سرکلر روڈ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے خوف تھا کہ کہیں کوئی اسکا تعاقب نہ کر رہا ہو۔ لہٰذا اس نے ہائم روڈ کے چوراہے سے ٹیکسی چھوڑ دی اور پیدل چلنے لگا۔''

سرکلر روڈ سنسان پڑی تھی۔ دور دور تک کسی کا پتہ نہیں تھا۔ انور اچھی طرح اطمینان کر لینے کے بعد ''آشیانہ'' میں داخل ہو گیا۔ اس بار اس نے گھنٹی بجانے کی زحمت گوارہ نہ کی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا وہ بے دھڑک اندر گھستا چلا گیا۔

''پردہ ہے اندر زنانہ ہے۔'' کسی نے قریب ہی سے اردو میں کہا۔

انور نے پلٹ کر دیکھا پیچھے سرجنٹ حمید کھڑا مسکرا رہا تھا۔

''تو تم جامہ انسانیت میں آ گئے۔'' انور نے کہا۔

''جان من میں کسی لڑکی کے سامنے ایسا حلیہ نہیں بناتا کہ وہ مجھے لفٹ ہی نہ دے۔''

''تو پھر اسی شکل میں اسے بلانے گئے تھے۔''

''قطعی..... میں فریدی صاحب کی طرح بزدل نہیں ہوں۔'' حمید اکڑ کر بولا۔

''خیر چھوڑو ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔ اس بار تمہاری بھی ساری شیخی ہوا ہو گئی۔''

''لونڈے ہو۔'' انور بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

''میں تو خیر لونڈا ہوں لیکن تم لونڈے سے بھی بدتر ہو۔ کل رات کو میں نے تمہیں چوہا تھا۔''

''ایسے اتفاقات بہادروں ہی کو پیش آتے ہیں۔'' انور نے کہا اور سگریٹ سلگانے لگا

''بہادر میاں ذرا اپنے آنسو تو سکھا لو۔ بہت روئیں گے ان کو ہم یاد کر کے چلے دل جو برباد کر کے۔''

دفعتاً فریدی ان کے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا اور جھلائے ہوئے لہجے میں آہستہ سے بولا۔

''تم لوگ سب چوپٹ کر دو گے۔'' پھر حمید کی گردن پکڑ کر کہا۔ ''تمہاری شامت آ جائے گی''

''شامت بھی اتفاق سے مؤنث ہے۔'' حمید منہ بنا کر بولا۔

فریدی اسے گھورتا ہوا دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

''میرا خیال ہے کہ اب تم رشیدہ کا چکر چھوڑ دو۔'' حمید نے انور سے کہا۔

''مجھے تمہارے مشورے کی ضرورت نہیں۔''

''کیوں خواہ مخواہ اپنی بھی جان دو گے۔ اگر تم باز آ جاؤ تو میں فریدی صاحب کو کسی طرح روک ہی لوں گا۔'' حمید نے کہا۔ ''ویسے تو ہمیشہ انکے سر پر ایڈونچر کا بھوت سوار رہتا ہے''

''اگر فریدی صاحب نہ جائیں تب بھی ڈی گاریکا کی ساتھ میں جاؤں گا۔''

''عشق بُری بلا ہے۔'' حمید منہ سکھا کر بولا۔ ''خدا بروز قیامت تمہیں مجنوں کے دیدار

شرف کرے۔ آمین چلئے تشریف لے چلئے۔''

حمید نے سامنے والے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

ہال میں ڈی گاریکا اس کی لڑکی اور فریدی بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔

''سی نور انور سعید۔'' فریدی نے اٹھ کر تعارف کرایا۔ ''اور سی نور رمونا ڈی گاریکا۔''

رمونا کھڑی ہو کر بڑے لچکیلے انداز میں انور کی طرف جھکی جس پر انور نے بھی اس کی تقلید کی۔ پھر دونوں بیٹھ گئے۔ سرجنٹ حمید رمونا سے اجازت لے کر اپنا پائپ سلگانے لگا۔

''مجھے تمباکو کے دھوئیں سے نفرت نہیں ہے۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''میں اس کے لئے تمہارا شکر گزار ہوں۔'' حمید نے کہا اور وہ بھی ایک خالی صوفے کے تھے پر بیٹھ گیا۔

''ہم ساحل تک کس طرح جائیں گے؟'' ڈی گاریکا نے فریدی سے پوچھا۔

''یہ ساری باتیں مجھ پر چھوڑ دو۔''

''شاید آپ کو معلوم نہیں۔'' انور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔ ''پولیس نے آپ کی گرفتاری کے لئے پانچ ہزار روپے کا انعام مقرر کیا ہے۔ لہٰذا اس وقت آپ کو کوئی ایسی سڑک نہیں ملے گی جس پر گاڑیاں نہ روکی جا رہی ہوں۔''

''اوہ..... یہ کوئی ایسی بات نہیں۔ تم لوگ بس دیکھتے رہو۔'' فریدی نے کہا اور اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ پھر حمید کی طرف اشارہ کر کے ڈی گاریکا سے بولا۔ ''میرا دوست اپنی ڈاڑھی صاف کر ہی چکا ہے اب میری بھی صاف ہو جائے گی۔''

''مجھے بہت افسوس ہوگا۔'' ڈی گاریکا متاسفانہ لہجے میں بولا۔ ''اتنی شاندار ڈاڑھی۔''

فریدی ہنسنے لگا۔

''کوئی بات نہیں پھر اُگ آئے گی۔''

حمید اس کی گفتگو میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہا تھا۔ اس کی نظریں رمونا کے ہونٹوں پر جمی ہوئی تھیں جن کا سلگتا ہوا ابھار اس کے ہونٹوں میں سرسراہٹ پیدا کر رہا تھا۔

''ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔'' حمید سنجیدگی سے بولا۔

''وہ کیا.....؟'' فریدی نے اُسے گھور کر پوچھا۔

''یہی کہ اب ہم لوگ بقیہ زندگی یادِ خدا میں گزار دیں۔'' حمید نے اتنی سنجیدگی سے کہا کہ رمونا بے اختیار ہنس پڑی۔

''اور دوسری بات یہ کہ اب تم میری اجازت کے بغیر ایک لفظ بھی نہ بولو گے۔'' فریدی نے اسے تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اگر اجازت ہو تو میں یہ عرض کروں کہ میں نے آپ کا کہا مان لیا ہے۔''

''شٹ اپ.....!'' فریدی چیخ کر بولا اور حمید دوسری طرف منہ پھیر کر مسکرانے لگا۔ رمونا مڑ کر اسے دیکھ رہی تھی۔

''اب ہمیں تیاری شروع کر دینی چاہئے۔'' فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''پھر ڈی گاریکا سے کہنے لگا۔ مجھے تمہارا حلیہ بھی بدلنا پڑے گا ورنہ تمہاری رنگت بڑی دشواریاں پیدا کر دے گی۔ رمونا تو خیر اتنی زیادہ غیر یوروپین نہیں معلوم ہوتی۔''

''تو کیا تم میری رنگت بھی بدل دو گے۔'' ڈی گاریکا حیرت کا اظہار کرتا ہوا بولا۔

''یقیناً..... ورنہ پھر میک اپ سے فائدہ ہی کیا۔''

''البرونو تم اس دنیا کے آدمی معلوم نہیں ہوتے۔''

''ہاں یہ فرشتہ ہیں۔'' حمید خشک لہجے میں بولا۔

''تم پھر بولے۔'' فریدی اسے گھورنے لگا۔

رمونا ہنس پڑی اور حمید بچکانے انداز میں طرح طرح کے منہ بنانے لگا۔

''تم بہت دلچسپ آدمی ہو۔'' رمونا نے اس سے کہا۔

''اگر اجازت ہو۔'' حمید فریدی کی طرف مڑ کر بولا۔ ''تو میں ان سے یہ کہوں کہ ہاں واقعی میں دلچسپ آدمی ہوں۔''

''خدا کے لئے تم باہر چلے جاؤ۔'' فریدی تنگ آ کر بولا۔

''شاید میرا دوست اب کچھ بہت خوفناک قسم کی باتیں کرنے جا رہا ہے۔'' حمید نے رمونا سے کہا۔ ''اسی لئے یہاں میری موجودگی پسند نہیں کرتا۔ میں ابھی کمسن ہوں نا..... اچھا میں تو چلا۔''

''ٹھیک ہے۔'' رمونا مسکرا کر بولی اور وہ بھی اٹھ کر حمید کے ساتھ چلی گئی۔

''میرا دوست نیک آدمی ہے مگر تھوڑا شریر بھی ہے۔'' فریدی نے ڈی گاریکا سے معذرت لہجے میں کہا۔

''بچہ ہے بچہ۔'' ڈی گاریکا نے کہا۔ ''رمونا اپنے بھائی کی موت کی وجہ سے بہت تھی۔ اچھا ہے اس کا دل بھی بہل جائے گا۔''

اس کے بعد سفر کے سلسلے میں ضروری اسباب کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ پھر تھوڑی دیر بعد ڈی گاریکا کو میک اپ کے لئے دوسرے کمرے میں لے کر چلا گیا۔

انور چند لمحے تک ہال میں تنہا بیٹھا سگریٹ پیتا رہا۔ پھر وہ بھی اٹھ کر ٹہلتا ہوا باہر برآمدے گیا۔ داہنے طرف کے دریچے کے قریب رمونا اور حمید کھڑے باتیں کر رہے تھے۔

''تمہارا کیا نام ہے؟'' رمونا نے حمید سے کہا۔

''حمید یوف.....!''

''حمید یوف.....!'' رمونا نے دہرایا۔ ''مگر یہ نام پرتگالی تو معلوم نہیں ہوتا۔''

''میں دراصل زار روس کے خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔'' حمید سنجیدگی سے بولا۔ ''میرا حمید یوف زار روس کا رشتے کا بھتیجا لگتا ہے۔''

''اوہ تو تم شاہی نسل سے ہو۔''

''ہاں انقلاب روس کے بعد میرا باپ پرتگال چلا آیا تھا۔'' حمید نے کہا اور جھک کر پائپ نے لگا۔

انور سوچنے لگا کہ اب اس لڑکی کی خیر نہیں۔

''اور تمہارے حیرت انگیز دوست البرونو.....!'' رمونا نے پوچھا۔

''وہ خالص پرتگالی ہے اور ایک معمولی کسان کا بیٹا۔''

''کیا فضول بکواس لگا رکھی ہے۔'' انور چیخ کر بولا۔

''اوہ تم.....!'' حمید مڑ کر بولا۔ ''کیا تم نے اندر شراب پی ہے۔ زیادہ چڑھ گئی ہے۔ تمیز بات کرو۔ خیر میں نے معاف کیا۔ رمونا یہ تمہاری شہزادی رومولی کا خادم ہے۔ اس لئے میں

اسے معاف کرتا ہوں۔ شاید البرونو نے اسے زیادہ پلا دی۔"

انور دانت پیسنے لگا۔ وہ کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ اسے فریدی کی بات یاد آ گئی۔ وہ غصہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"نہیں نہیں خادم نہیں۔" رمونا جلدی سے بولی۔ "یہ شہزادی صاحبہ کے دوست ہیں۔"

"خیر ہوگا..... مجھ سے کیا غرض۔" حمید نے کہا۔ "میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ آدمی نشے میں بالکل چغد ہو جاتا ہے۔"

"میں نشے میں ہوں۔" انور بگڑ کر بولا۔

"خیر خیر..... میں کم رتبہ آدمیوں کو منہ لگانا نہیں پسند کرتا۔"

"کم رتبہ۔" انور آستین چڑھاتا ہوا بولا اور رمونا ان کے درمیان میں آ گئی۔

"تم لوگ یہ کیا کرنے لگے۔" رمونا نے کہا۔ "یہ جھگڑا کرنے کا وقت نہیں۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" حمید آہستہ سے بولا اور پیچھے ہٹ گیا۔ انور تھوڑی دیر تک کو اسے گھورتا رہا۔ پھر مٹھیاں بھینچتا ہوا اندر واپس آیا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ سرجنٹ حمید سے ا اس کی جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ اور وہ آخیر وقت تک ڈٹا رہتا تھا۔ مگر آج اس کی روح غم گہرائیوں میں غوطے کھا رہی تھی۔ اس کی ساری ظرافت اور بذلہ سنجی رخصت ہو گئی تھی۔ طنز زہریلے تیر کند ہو گئے تھے اور پھر وہ خود کو ایک معمولی آدمی تصور کرنے لگا تھا۔ اس کا دماغ مر رشیدہ میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی ذہانت اب کبھی واپس نہ لے جیسے وہ ہمیشہ کے لئے ناکارہ ہو گیا ہو۔

ہال میں پہنچ کر وہ ٹہلنے لگا۔ اتنے میں فریدی نے اسے دوسرے کمرے میں آواز دی۔

"تم نے اپنے انتظامات مکمل کر لئے۔"

"مجھے کوئی خاص انتظام نہیں کرنا ہے۔" انور نے کہا۔ "ضروریات کے لئے صرف ا سوٹ اور ایک بستر کافی ہوگا۔"

"تو وہ سب کہاں ہیں۔"

"میں ابھی لاتا ہوں۔"

"جلدی کرو..... تمہارا میک اپ بھی ضروری ہے۔" فریدی نے کہا۔ "پولیس تمہاری طرف سے مطمئن نہ ہوگی۔"

ایک گھنٹے بعد انور اپنے گھر میں ضروری سامان اکٹھا کر رہا تھا۔ اس سے فرصت پا کر وہ اپنی سائیکل لے آیا جس کی مرمت ہو چکی تھی۔ اسے گیراج میں بند کرنے کے بعد اس نے سامان اٹھایا لیکن پھر سوچنے لگا سامان سمیت آشیانہ کی طرف جانا ٹھیک نہیں۔ ممکن ہے کہ کوئی دیکھ ہی جائے۔ وہ تھوڑی دیر تک کھڑا سوچتا رہا پھر سامان لے کر نیچے اترا۔ قریب ہی ایک ٹیکسی کھڑی تھی۔

"ہوٹل آرلیکچو.....!" انور نے سامان رکھتے ہوئے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔

وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھنے ہی جا رہا تھا کہ غیر ارادی طور پر پیچھے کی طرف مڑا۔ انسپکٹر آصف کھڑا رہا تھا۔

"ہوٹل آرلیکچو کیوں.....؟" اس نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

"اوہ آصف.....!" انور نے کہا۔ "میں خطرے میں ہوں۔"

"یعنی.....!"

"میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ بتاؤں۔"

"ہوش میں آؤ..... جگدیش نے تمہارے پیچھے آدمی لگا رکھے ہیں۔"

"ہوگا بھئی..... لیکن وہ آدمی میری جان نہیں بچا سکیں گے۔ میں فی الحال گھر میں نہیں رہنا چاہتا۔"

"ڈرو نہیں۔" آصف تشفی آمیز لہجے میں بولا۔ "البرونو اب دوسری حرکت کی ہمت نہ کرے گا۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اس کی گرفتاری کے انعام کا اعلان کیا گیا ہے۔"

"مجھے سب کچھ معلوم ہے مگر البرونو آدمی نہیں بھوت ہے۔"

"یہ تم کہہ رہے ہو۔" آصف متحیر ہو کر بولا۔

"اس میں تعجب کی بات نہیں۔ میں البرونو کے مقابلہ میں ہمت ہار چکا ہوں اور پھر ایسی صورت میں جب کہ یہ نہیں معلوم کہ وہ مجھ سے کیوں الجھنا چاہتا ہے۔ میرے لئے بچاؤ کے

امکانات ختم ہو گئے ہیں۔"

"تم کل تک اس کی لاش دیکھو گے۔" آصف نے کہا۔ "وہ جہاں بھی دکھائی دیا اسے گولی مار دی جائے گی۔ کیونکہ وہ غیر قانونی طریقے پر ملک میں داخل ہوا ہے۔"

"خیر بھئی..... اسے اپنے ہی تک رکھنا کہ میں آرلیکچو میں مقیم ہوں۔ تم مجھ سے وہاں مل سکتے ہو کمرہ نمبر بانویں۔"

انور نے ٹیکسی میں بیٹھ کر دروازہ بند کر لیا اور ٹیکسی چل پڑی۔

اسکے منہ سے خواہ مخواہ آرلیکچو نکل گیا ورنہ ارادہ کچھ اور تھا..... بہر حال اسے اس اتفاق پر خوشی ہو رہی تھی کہ آصف دھوکہ کھا گیا۔ ڈرائیور دوسری طرف ٹیکسی موڑنے والا تھا کہ انور بولا۔

"آرلیکچو نہیں..... گجراج گھاٹ۔"

ڈرائیور نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ انور کا خیال تھا کہ وہ لوگ گجراج گھاٹ ہی کی طرف جائیں گے۔ کیونکہ وہ ادھر سے غیر ممالک کی ناجائز درآمد و برآمد کے متعلق پہلے ہی کنا چکا تھا۔ گجراج گھاٹ پہنچ کر اس نے سامان ایک چھوٹے سے ہوٹل میں اتارا اور اسی ٹیکسی پر پھر شہر کی طرف روانہ ہوا۔ سرکلر روڈ کے موڑ پر اس نے ٹیکسی رکوائی۔ دس دس کے پانچ نوٹ ڈرائیور کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔

"میں کہاں اترا ہوں۔" انور نے ڈرائیور سے پوچھا جو ان نوٹوں کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"آرلیکچو ہوٹل میں۔" ڈرائیور مسکرا کر بولا۔

"بہت خوب! سمجھ دار آدمی معلوم ہوتے ہو۔" انور نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔

"جی..... میں جانتا ہوں کہ پولیس والوں سے آپ کی چلتی رہتی ہے۔"

"کیا تم مجھے پہچانتے ہو.....؟" انور چونک کر بولا۔

"ارے صاحب میں آپ کے قریب ہی رہتا ہوں۔"

"ٹھیک! بہت اچھے۔ ہاں میں نے تمہیں کم تو نہیں دیا۔"

"نہیں صاحب بہت ہے۔" ڈرائیور اپنا ہاتھ ماتھے کی طرف لے جاتا ہوا بولا۔ پھر اس نے ٹیکسی بیک کی اور انور آگے بڑھ گیا۔ تھوڑا چل کر وہ مڑا..... بہت دور ٹیکسی کی سرخ روشنی

کی میں مدغم ہوتی جا رہی تھی۔

دو فرلانگ پیدل چلنے کے بعد وہ آشیانہ کے کمپاؤنڈ میں داخل ہو گیا۔

فریدی وغیرہ اس کا انتظار کر رہے تھے۔ انور نے رمونا کو پہلے نہ دیکھا ہوتا تو یہی سمجھتا کہ غلطی سے کسی دوسری عمارت میں گھس آیا ہے۔ کیونکہ فریدی حمید اور ڈی گاریکا کی شکلیں بالکل بدلی ہوئی تھیں۔ فریدی کو اس نے آواز سے پہچانا ورنہ یہ معلوم کرنا بھی دشوار تھا کہ ان میں سے فریدی کون ہے۔ اس نے ہندوستانی رجواڑوں کے راجپوت سرداروں جیسی شکل بنا رکھی تھی۔ سرجنٹ حمید اور ڈی گاریکا فوجی لباس میں تھے۔ انور کو سب سے زیادہ حیرت ڈی گاریکا کی رنگت پر ہوئی۔ فریدی نے اسے گندمی رنگت کا ایک ہندوستانی بنا دیا تھا۔ سرجنٹ حمید اینگلو انڈین معلوم ہوتا تھا۔

انور نے دیر سے پہنچنے کا سبب بیان کیا اور فریدی ہنسنے لگا۔

"تمہارا اندازہ سو فیصدی صحیح ہے۔ ہم گجراج گھاٹ ہی کی طرف روانہ ہوں گے۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن آپ لوگوں کے ساتھ میری موجودگی درست نہیں معلوم ہوتی۔" انور نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں۔ تمہارا بھی میک اپ کیا جائے گا۔ تمہارا وہی پادری والا پرانا میک اپ زیادہ بہتر رہے گا۔ آؤ میرے ساتھ۔"

فریدی انور کو دوسرے کمرے میں لے گیا۔ میک اپ کا سامان ایک بڑی سی میز پر بکھرا ہوا تھا۔ فریدی نے انور کے سر کے بالوں کی مناسبت سے اس کے چہرے پر سرخی مائل ڈاڑھی لگائی اور سوٹ کیس سے کتھئی رنگ کا ایک گاؤن نکال کر پہنا دیا۔

اور پھر جب وہ باہر آئے تو ڈی گاریکا بے اختیار اچھل پڑا۔

"ابرو تم سچ مچ اس قابل ہو کہ پوجے جاؤ۔"

"میں نے ایسا آدمی آج تک نہیں دیکھا۔" رمونا بولی۔

"اور مجھ جیسا آدمی.....!" حمید نے پوچھا۔

"تم آدمی کب ہو۔"

''کیا مطلب.....!''

''مطلب یہ کہ تم آدمی نہیں شہزادے ہو۔'' رمونا نے شوخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

فریدی پھر اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ہاتھوں میں سوٹ کیس لٹکائے ہوئے واپس آیا۔

''ہمارا ضروری سامان پہلے ہی گجراج پہنچ چکا ہے۔'' فریدی نے انور سے کہا۔

وہ سب مکان سے باہر آئے۔ تھوڑی دور پیدل چلنے کے بعد انہیں ایک ٹیکسی مل گئی۔ راستے میں کئی پولیس والوں نے انہیں روکا اور ڈی گاریکا کو یہ دیکھ کر اور حیرت ہوئی کہ البرونو ہندوستانی زبان میں بھی گفتگو کرسکتا ہے۔

گجراج گھاٹ پہنچ کر انور کو پھر اپنی صحیح شکل میں آجانا پڑا۔ کیونکہ اس کے بغیر وہ اپنا سامان نہیں لے سکتا تھا۔

ایک کافی بڑی موٹر بوٹ سمندر کی پرسکون سطح پر ان کا انتظار کررہی تھی۔ سامان بار کردیا گیا اور وہ اطمینان سے اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے۔ موٹر بوٹ کافی طویل و عریض تھی جس کے درمیان میں ایک بڑا سا کیبن تھا۔ کیبن دو حصوں میں منقسم تھا۔ ایک حصہ مسافروں کے لئے تھا اور دوسرا موٹر بوٹ کے عملہ کے لئے۔

اسٹروکر نے انجن اسٹارٹ کیا ہی تھا کہ گھاٹ پر کئی ٹارچوں کی روشنیاں دکھائی دیں یہ کسی قسم کا اشارہ تھا جس پر انجن بند کردیا گیا۔ بھاری بھاری قدموں کی آوازیں نزدیک آتی محسوس ہو رہی تھیں۔ دفعتاً دو پولیس انسپکٹر اور کچھ کانسٹیبل موٹر بوٹ پر چڑھ آئے۔

''کہاں جائے گا۔'' ایک پولیس انسپکٹر نے بھاری بھرکم آواز میں پوچھا۔

''ریاست دیرگڑھ۔'' فریدی پرغرور آواز میں بولا۔ ''یہ ریاست کی سرکاری موٹر بوٹ ہے۔''

''سامان کدھر ہے۔''

''کیوں اپنا اور ہمارا وقت برباد کرتے ہو۔ ہم کوئی چیز ناجائز طور پر نہیں لے جارہے ہیں۔'' فریدی نے کہا اور انسپکٹر اسے گھورنے لگا۔

''تمہارا نام.....!''

...رل رگھوراج سنگھ.....!'' فریدی پروقار انداز میں اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

...ہ معاف کیجئے گا..... راجہ صاحب۔''

...ں والے موٹر بوٹ سے اتر گئے۔ انجن پھر اسٹارٹ ہوا اور موٹر بوٹ سمندر کے بپھرے ...نے بھرنے لگی۔

...یا بات تھی۔'' ڈی گاریکا نے پوچھا۔

...ئی خاص بات نہیں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''میں نے انہیں ہنکا دیا۔''

...ب خواہ مخواہ جاگتے رہنا فضول ہے۔'' رمونا اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف ...ا۔

...ں تمہارے اس خیال کی قدر کرتا ہوں۔'' حمید مسکرا کر بولا۔ ''مگر البرونو کھڑے کھڑے ...اری ہے۔''

...ے کھڑے.....!'' رمونا نے متحیر ہوکر پوچھا۔

...ں اور ایک آنکھ سے جاگتا رہتا ہے یعنی کہ یوں۔'' حمید نے رمونا کی طرف دیکھ کر ...بند کرتے ہوئے کہا اور رمونا جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

...رے کم بخت تم اس کے باپ کے سامنے اسے آنکھ مار رہے ہو۔'' فریدی جھلا کر اردو ...ا۔

...ڈی گاریکا..... البرونو اس طرح سوتا ہے۔'' حمید نے ڈی گاریکا کو بھی آنکھ ماری اور ڈی ...بے اختیار ہنس پڑا۔

...البرونو تمہارا ساتھی بہت پیارا ہے۔'' ڈی گاریکا نے کہا۔

...بہت.....!'' فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

...نے ایک سوٹ کیس سے شب خوابی کا لباس نکالا اور غسل خانے کی طرف چل پڑی۔

''البرونو تم کتنی زبانیں جانتے ہو۔'' ڈی گاریکا نے فریدی سے پوچھا۔

''دنیا کی کئی مشہور زبانیں..... میں ہمیشہ کچھ نہ کچھ سیکھتا رہتا ہوں۔''

''مجھے حیرت ہے۔''

''کیوں.....؟''

''یورپ کی زبانیں قریب قریب ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔ اس لئے یورپین لئے ان کا سیکھنا زیادہ مشکل نہیں۔ لیکن مشرقی زبانیں تم نے کس طرح سیکھیں۔ جبکہ ان الخط یورپین رسم الخط سے بالکل مختلف ہے۔''

''میں صرف بول سکتا ہوں لکھ نہیں سکتا۔'' فریدی نے کہا۔

''تو اس کا یہ مطلب ہے کہ تم عرصے تک مشرق میں رہے ہو۔''

''ہاں..... آں..... میں تو ایک سیلانی آدمی ہوں۔ مشرق و مغرب شمال و جنوب ہر لئے ایسے ہیں جیسے کسی مکان کے چار کمرے۔''

ڈی گاریکا اسے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے اسے یقین نہ آیا ہو پھر تھوڑی دیر بولا۔ ''تم بہرحال ایک حیرت انگیز آدمی ہو۔''

رمونا شب خوابی کے لباس میں غسل خانے سے برآمد ہوئی۔ اس کی بڑی بڑی نیلی آنکھیں نیند سے بوجھل نظر آ رہی تھیں۔ سیاہ رنگ کا ریشمی لبادہ اس کی نقرئی گردن میں ایسا ہو رہا تھا جیسے کالی رات ابھرتے ہوئے اجالے کو ڈسنے کی کوشش کر رہی ہو۔ حمید نے ایک طو انگڑائی لی اور انور کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اس کے کان میں آہستہ سے بولا۔

''قیامت ہے۔''

''تم چغد ہو۔'' انور بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

''اور تم.....!''

''اُلو کا پٹھا.....!'' انور جھلا کر بولا۔ اس کا دماغ پتھر کی سل ہو گیا تھا۔ نہ جانے کیوں یہ سفر انتہائی مضحکہ خیز معلوم ہونے لگا تھا۔ الف لیلےٰ کے سند باد جہازی کا سفر۔ کسی سنے کے ہیرو کا روائتی سفر..... ایسا سفر جو پڑھنے والوں کی گھٹیا مذاق کی تسکین کیلئے تشکیل دیا جاتا ہے اسے اپنی ذات پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ ایک ایسے ہی سفر میں مبتلا ہو گیا ہے اگر وہ کسی ایسے کے متعلق کسی کتاب میں پڑھتا تو بے تکان اسے کھڑکی سے باہر سڑک پر پھینک دیتا۔

ہم شبیہہ

بحرین پہنچ کر فریدی اور حمید اپنی اصل شکلوں میں آ گئے۔ انور نے بھی پادری کا لباس اتار لیکن ڈی گاریکا کو احتیاطاً ایک ہندوستانی ہی کے لباس میں رہنے دیا گیا۔ ڈی گاریکا کے اس کے بیٹے اور بیٹی کے پاسپورٹ تھے۔ یہاں سے فریدی اور حمید بھی اپنے بین الاقوامی ورٹ استعمال کر سکتے تھے۔ اب سوال انور کا رہ گیا تھا۔ اس کے لئے شاید فریدی نے کوئی سوچ لی تھی۔ غالباً اسی لئے ڈی گاریکا وغیرہ کو اطمینان دلاتا رہا تھا۔

فریدی کا خیال تھا کہ ڈان ونسنٹ وغیرہ بھی فرار کے لئے بحرین کا راستہ اختیار کریں یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ یہاں سے گزر گئے یا ابھی پہنچے ہی نہیں۔

انور ڈی گاریکا اور رمونا کو ایک ہوٹل میں چھوڑ کر فریدی اور حمید ڈان ونسنٹ کا پتہ لگانے لئے نکل گئے۔ انور دن بھر ڈی گاریکا سے الٹے سیدھے سوالات کرتا رہا۔ وہ دراصل ڈی گاریکا کے بیان کی طرف سے مطمئن نہیں ہوا تھا۔

''ہم لوگ جمہوریت کو مضحکہ خیز تصور کرتے ہیں۔'' ڈی گاریکا نے کہا۔ ''اسی لئے ہمارے ہاں ابھی تک شہنشاہیت قائم ہے۔ لیکن ہماری شہنشاہیت تمہاری جمہوریت سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔''

''اسی لئے تمہارا موجودہ حکمران تخت کے جائز وارث کے قتل کی کوشش کر رہا ہے۔'' انور نے لہجے میں بولا۔

''اوہو..... کیا تمہاری جمہوریت کا دامن اس بدنما داغ سے پاک ہے؟ کیا تمہارے یہاں ن دار لیڈر قتل نہیں کئے جاتے۔ شہنشاہیت میں تو صرف ایک نالائق سے دو چار ہونا پڑتا ہے جمہوریت میں نالائقوں کی ایک پوری ٹیم وبال جان بن جاتی ہے۔ ایک نالائق سے پیچھا آسان ہے لیکن پوری ٹیم سے نپٹنا مشکل ہو جاتا ہے اور پھر ہمارے ملک کا دستور کچھ اس کا ہے کہ شہنشاہ اور رعایا ہر حال میں ایک دوسرے کے پابند ہوتے ہیں تم دیکھو گے کہ ہم کس

آسانی سے اپنے موجودہ حکمران کو معزول کر دیتے ہیں۔''

انور تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔

''لیکن تمہاری قوم کب تک پسپی رہے گی۔''

''اس کے تعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' ڈی گاریکا فکرمندانہ انداز میں بولا۔

''ہوسکتا ہے تم ہی لوگوں کا وجود ہمارے لئے خطرناک ثابت ہو..... نہ جانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ البرونو کی مدد کے بغیر ہم شہزادی لونہ پاسلیں گے۔''

''حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے اب بھی تمہارے بیان پر شبہ ہے۔''

''یعنی.....!''

''تمہارا بیان کردہ جزیرہ مجھے بالشتیوں کی سرزمین معلوم ہو رہا ہے۔''

''تم خود دیکھ لو گے۔'' ڈی گاریکا مسکرا کر بولا۔

انور نے کوئی جواب نہ دیا۔

''اور اگر میرا بیان درست ہے تو پھر میں چند غیر ملکیوں کو خواہ مخواہ کیوں پریشان کر رہا ہوں۔ کیا تم مجھے صحیح الدماغ نہیں سمجھتے۔'' ڈی گاریکا نے سنجیدگی سے کہا۔

پانچ بجے شام کو فریدی اور حمید واپس آئے۔ حمید نے اپنے فلٹ ہیٹ میں کاغذ کا ایک بہت بڑا پھول لگا رکھا تھا اور دونوں جیبیں چاکلیٹوں اور ٹافیوں سے بھر رکھی تھیں۔

''اس وقت تم سچ مچ روسی شہزادے معلوم ہو رہے ہو۔'' رمونا طنزیہ لہجے میں بولی۔

''روسی شہزادے۔'' فریدی حمید کی طرف تعجب آمیز نظروں سے دیکھنے لگا۔

''گڑبڑ مت کیجئے۔'' انور آہستہ سے اردو میں بولا۔ ''حمید اس سے کہہ چکا تھا کہ وہ زار روس کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔''

فریدی نے بُرا سا منہ بنایا اور ڈی گاریکا کی طرف متوجہ ہوگیا۔

''ڈان ونسنٹ اور اس کے ساتھی کل یہاں پہنچے تھے اور کل ہی کسی نامعلوم جگہ کے لئے روانہ ہوگئے۔ وہ پانچ تھے۔''

''پانچ.....!''

''ہاں..... لیکن ان میں کوئی عورت نہیں تھی۔''

''اوہ تو کیا انہوں نے اسے مار ڈالا ہے۔'' ڈیگاریکا بے چینی سے بولا۔

''میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ ان کے ساتھ ایک بوڑھا مریض تھا جو بحرین کے ساحل پر بیہوشی کی حالت میں اتارا گیا تھا۔''

''بوڑھا مریض.....!'' ڈی گاریکا حیرت ظاہر کرتا ہوا بولا۔ ''میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔''

''کیا یہ ممکن نہیں کہ انہوں نے رشیدہ کو بیہوش کر کے اس پر بوڑھے کا میک اپ کر دیا ہو۔''

''ہوسکتا ہے۔'' ڈی گاریکا کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''ڈان ونسنٹ شاہی محکمہ سراغ رسانی کا افسر ہے۔''

''وہ لوگ اسٹار کمپنی کی ایک دخانی کشتی میں روانہ ہوئے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس کمپنی کی کشتیاں صرف بحر روم تک چلتی ہیں۔''

''اوہ.....!'' ڈی گاریکا اچھل کر بولا۔ ''تب وہ یقیناً جبرالٹر میں اتریں گے۔ جبرالٹر میں ہمارا ایک خفیہ ایجنسی ہے۔''

''تو پھر آج رات کو ہم بھی روانہ ہو رہے ہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''مگر انور کا کیا ہوگا وہ کس طرح سفر کرے گا۔'' ڈی گاریکا تشویش آمیز لہجے میں بولا۔

''میں سب کچھ کرلوں گا۔'' فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''ہاں ایک بات یہ بتاؤ کہ اس لڑکے بیٹے کی آنکھوں کی رنگت کیسی تھی۔''

''سبز.....!'' ڈی گاریکا تھوڑی دیر بعد گلوگیر آواز میں بولا۔

''اور بالوں کی.....؟''

''سرخی مائل۔''

فریدی تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر غسل خانے میں چلا گیا۔ اس دوران میں حمید رمونا سے ٹافیاں کھاتے رہے۔ حمید نے دو چار انور کی طرف بھی بڑھائیں لیکن اس نے ہونٹ بھینچ کر دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

''البرونو تو اب بالکل جوان معلوم ہوتا ہے۔'' رمونا نے کہا۔

''قطعی نہیں..... وہ پچاسی برس کا ہے۔'' حمید جلدی سے بولا۔

''بعض اوقات تم سفید جھوٹ بولتے ہو۔'' رمونا نے منہ بنا کر کہا۔

''بحرین بڑی حسین جگہ ہے۔'' انور نے بات اڑا دی۔

''مجھے تو پسند نہیں۔''

''پھر تمہیں کیا پسند ہے۔''

''شلجم کا مربہ.....!'' رمونا نے کہا اور حمید بے ساختہ ہنس پڑا۔

اتنے میں فریدی واپس آ گیا اور رمونا نے شرارت آمیز نظروں سے حمید کیطرف دیکھ کر کہا۔

''البرونو..... یہ کہتا ہے کہ تم پچاسی برس کے ہو۔''

''ٹھیک کہتا ہے۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

''البرونو میں تمہاری اصلی شکل دیکھنا چاہتا ہوں۔'' ڈی گاریکا نے کہا۔

''تم مجھے اس وقت میرے اصل ہی صورت میں دیکھ رہے ہو۔''

''تب تو تم تیس سال سے زیادہ کے نہیں ہو سکتے۔'' رمونا نے کہا۔

''ممکن ہے تمہارا خیال صحیح ہو۔'' فریدی نے لاپرواہی سے کہا۔

''کیوں؟'' وہ حمید کی طرف مڑی۔ ''تمہارا جھوٹ ظاہر ہو گیا نا۔''

''اوہ.....! تو اگر تمیں ہی سال کے ہیں تو کون سے بڑے تیس مارخاں ہیں۔'' حمید نے منہ بنا کر کہا۔

''تمیں مارخاں کیا چیز۔''

''تمیں مارخان ہماری طرف اسے کہتے ہیں جو روزانہ تمیں مکھیاں مار لیتا ہو۔ اس لئے وزیر صحت کو بھی تمیں مارخاں کہتے ہیں۔''

رمونا ہنسنے لگی۔

''مجھے اب تمہاری کسی بات پر اعتبار نہیں رہا۔'' رمونا نے کہا پھر فریدی کو مخاطب کر کے بولی۔ ''یہ کہہ رہا ہے کہ تم ایک معمولی کسان کے بیٹے ہو اور خود یہ زارِ روس کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔''

یک کہتا ہے۔'' البرونو نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔ وہ کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

البرونو ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔'' ڈی گاریکا کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''آخر تم میرے لئے کیوں اٹھا رہے ہو۔''

میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''مجھے ڈان ونسنٹ اور اگریں توڑنی ہیں۔ انہوں نے لندن کے ایک نائٹ کلب میں میری سخت توہین کی تھی۔''

ڈان ونسنٹ کا یہ بیان صحیح تھا کہ اسکا لندن میں چند پرتگالیوں سے جھگڑا ہو گیا تھا۔

بالکل صحیح تھا۔'' فریدی نے کہا۔ ''تم ذرا اپنا پاسپورٹ مجھے دے دو۔''

کیوں؟ کیا کرو گے۔''

مجھے تمہارے لڑکے کی تصویر چاہئے۔''

ڈی گاریکا نے فریدی کو پاسپورٹ دے دیا۔

انور ادھر آؤ۔'' فریدی نے انور کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور پھر دوسرے کمرے کی طرف مڑا۔ ''مجھے خوشی ہے کہ اس وقت آنکھوں کی رنگت کام آ گئی۔''

میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔''

تمہاری آنکھیں بھی سبز ہیں۔ میں تمہیں ڈی گاریکا کا لڑکا بناؤں گا..... اس طرح تم اس ورٹ پر سفر کر سکو گے۔''

نور حیرت سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ فریدی پھر بولا۔

میں خود اس گھٹیا قسم کے بہروپ سے تنگ آ گیا ہوں۔ مگر کیا کروں بعض اوقات مجبور کرتا ہے۔ بہرحال ڈان ونسنٹ کی حماقتیں ہمارے کام آ رہی ہیں۔''

یعنی.....!''

''اگر وہ ڈی گاریکا کے لڑکے کو قتل کر کے اس کی شکل نہ بگاڑ دیتا تو میں کبھی اس کی ہمت رکھتا تھا۔ ظاہر ہے کہ مقتول کی تصویریں اخبارات میں ضرور شائع ہوتیں اور پھر تم اس کے ٹ کے ذریعے سفر نہ کر سکتے۔''

فریدی نے سوٹ کیس سے میک اپ کا سامان نکالنا شروع کیا۔ پھر انہیں ایک میز پر پھیلا

کر انور کی طرف مڑا۔

''بعض اوقات مجھے اس بھان متی کے سوانگ پر ہنسی آنے لگتی ہے۔ کیا حماقت ہے۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

''خیر اس کی کرسی پر بیٹھ جاؤ..... ممکن ہے تمہیں تھوڑی سی تکلیف بھی ہو، پاسٹک میک اپ میں کبھی کبھی زخم بھی آ جاتے ہیں۔ مگر میں حتی الامکان احتیاط برتوں گا۔''

تھوڑی دیر بعد انور کو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کے ہونٹ چھیلے جا رہے ہوں لیکن ضبط کیے بیٹھا رہا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد فریدی نے اسے ایک آئینے کے سامنے کھڑا کر دیا۔ بے اختیار چونک پڑا۔ ڈی گاریکا کا پاسپورٹ اس کے ہاتھ میں تھا۔ کبھی وہ اس کے اس تصویر کی طرف دیکھتا اور کبھی آئینے کی طرف۔

''کمال کر دیا.....!'' وہ فریدی کی طرف مڑ کر بولا۔ ''اس فن میں بھی شاید ہی کوئی آپ کا ٹکر کا نکلے۔''

پھر وہ دونوں اس کمرے میں آئے جہاں ڈی گاریکا وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے۔ انور کو دیکھ کر ہی ڈی گاریکا اور رمونا اچھل پڑے۔

''میرا بچہ.....!'' ڈی گاریکا بے اختیار چیخا اور پھر متحیر ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

''یہ انور ہے۔'' فریدی نے کہا اور ڈی گاریکا کے چہرے پر گہری اداسی پھیل گئی۔

رمونا رو رہی تھی۔ ڈی گاریکا کے ہونٹ کپکپانے لگے اور اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔

''ڈی گاریکا.....!'' فریدی غمناک آواز میں بولا۔ ''مجھے افسوس ہے لیکن اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔''

''میں اس حالت میں سفر کیسے کر سکوں گا۔'' ڈی گاریکا گھٹی گھٹی آواز میں بولا۔

''ہمت سے کام لو۔'' فریدی نے کہا۔ ''تم مرد ہو..... اور ایک جنگ جو سپاہی۔''

''رمونا کیسے زندہ رہ سکے گی۔ اس کے مردہ بھائی کا ہم شبیہ!'' ڈی گاریکا کی آواز میں پھنس گئی۔

''میں دل پر پتھر رکھ لوں گی۔'' رمونا تن کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی بھیگی ہوئی آنکھوں سے غصے کی آنچ نکل رہی تھی۔ اس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا اور پھر پروقار آواز میں بولی۔

''ہمیں اولیاری کے قتل کا انتقام لینا ہے۔ میں ڈان ونسنٹ اور اس کے ساتھیوں کے خون سے اپنے گھنگھریالے بالوں کو سرخ کروں گی۔ ان کی ہڈیاں چباؤں گی اولیاری کا ہم شکل میرے زخم تازہ رکھے گا۔ انتقام کی آگ بھڑک اٹھے گی اور میں ڈان ونسنٹ پر ذرہ برابر بھی رحم نہ کروں گی۔''

پھر وہ جوش میں بھری ہوئی بیٹھ گئی۔ ڈی گاریکا کرسی کی پشت سے ٹکا ہوا چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کمرے کی فضا پر ایک بوجھل سی خاموشی طاری ہو گئی تھی۔ انور کو اپنے دل کی دھڑکنوں کی دھمک کنپٹیوں میں محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ ایک طرف بیٹھ گیا۔

پھر کئی گھنٹے تک ان کمروں میں ماتمی اثرات چھائے رہے۔

اس دوران میں فریدی بہت زیادہ مشغول رہا۔ اسکے سامنے ایک بہت بڑا نقشہ پھیلا ہوا تھا جس پر وہ پنسل سے نشانات لگا رہا تھا۔ اس نے کئی چارٹ بھی بنائے تھے جنہیں وہ ایک ایک کر کے پھاڑ کر پھینکتا جا رہا تھا۔ آخر کار وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر ایک سگار سلگا کر اس کمرے میں آیا جہاں ڈی گاریکا وغیرہ دوسرے سفر کی تیاریاں کر رہے تھے۔

''میں اک دخانی کشتی کا انتظام کرنے جا رہا ہوں۔'' فریدی نے اس سے کہا۔ ''تم اپنے انتظام مکمل رکھو۔''

''میں بھی چلوں۔'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں.....!'' فریدی نے کہا اور باہر نکل گیا۔

انور محسوس کر رہا تھا کہ ڈی گاریکا اور رمونا اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے ہچکچاتے ہیں۔ اس لئے اس نے وہاں بیٹھنا مناسب نہ سمجھا۔

رات آہستہ آہستہ بھیگتی جا رہی تھی۔ انور اکتا دینے والی خاموشی سے تنگ آ گیا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ لاشوں اور سوکھی ہوئی ہڈیوں کے ڈھانچے کے درمیان وقت گزار رہا ہے۔ حالانکہ اسے حمید کے قہقہوں سے ضد سی تھی لیکن اس وقت اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کاش وہی اس قبرستانی فضا کا خاتمہ کر دیتا۔

ایک بجے فریدی واپس آیا تھا۔ کشتی کا انتظام ہوگیا تھا اور اب رات ہی رات وہاں سے روانگی کی تجویز پر غور کیا جارہا تھا۔ آخر فریدی ہی کی رائے پر سب کو متفق ہونا پڑا۔ سامان ایک اسٹیشن ویگن پر رکھا گیا اور وہ سب ساحل کو روانہ ہوگئے۔

''تم آخر اتنے خاموش کیوں ہو۔'' انور نے حمید سے پوچھا۔

''تم لوگوں نے میری زندگی برباد کردی۔'' حمید بسور کر بولا۔

''میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔''

''فریدی صاحب کو مجھ سے ضد ہوگئی ہے۔'' حمید نے کہا۔

''آخر بات کیا ہے؟''

''تمہیں اولیاری کی شکل میں لانے کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں تھی۔'' حمید جھلا کر بولا۔

''ظاہر ہے کہ اب رمونا کی مسکراہٹیں بے جان ہوکر رہ جائیں گی۔''

''اوہ! یہ بات ہے۔ حمید تم بڑے ڈیوٹ ہو۔''

''کسی خوبصورت عورت کی زندگی سے بھرپور مسکراہٹ میری جنت ہے۔''

''تم خاصے احمق ہو۔'' انور منہ بنا کر بولا۔

''اور مجھ سے بھی زیادہ احمق تم ہو کہ ایک عورت ہی کے لئے موت کے منہ میں کودنے جارہے ہو۔'' حمید نے تلخ لہجے میں کہا۔ انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں گھور رہا تھا۔

حمید کا عشق

بحرین سے جبرالٹر تک کے بحری سفر میں کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا۔ آہستہ آہستہ رمونا اور ڈی گاریکا کی افسردگی دور ہوتی جارہی تھی۔ اس دوران میں وہ سب ایک دوسرے سے کافی بے تکلف ہوگئے تھے۔ جبرالٹر پہنچ کر فریدی نے ڈی گاریکا سے وہ مقامات معلوم کئے جہاں

اس کے ملک کی خفیہ ایجنسی کے افراد رہتے تھے۔ اس کے بعد وہ اور حمید ڈان ونسنٹ کی سراغ رسانی میں مصروف ہوگئے۔

انور ڈی گاریکا اور رمونا کے ساتھ ٹھہرا رہا۔ وہ محسوس کررہا تھا کہ فرصت کے لمحات میں رمونا زیادہ تر غیر مستقل مزاج اور کھلنڈری لڑکی ہے۔ لیکن وہ اس غلط فہمی میں ابھی تک مبتلا تھی۔ کہ وہ بدبخت زار روس کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔

''لیکن مجھے اس پر یقین نہیں کہ البرونو نچلے طبقے سے تعلق رکھتا ہے۔'' رمونا نے انور سے کہا

''میں بھلا اس کے متعلق کیا بتا سکتا ہوں۔'' انور نے کہا۔

''ہاں یہ میں بھی محسوس کرتی ہوں کہ البرونو ایک لاپرواہ آدمی ہے۔ شاید وہ کبھی سوچتا بھی نہیں کہ دوسرے اس کے متعلق کیا خیال رکھتے ہیں۔ بعض اوقات میں سوچنے لگتی ہوں کہ وہ شاید کسی دوسری دنیا کا آدمی ہے۔ میں نے ابھی تک اس کے چہرے پر تھکن کے آثار نہیں دیکھے۔ حالانکہ اس سفر نے ہمارا کچومر نکال دیا ہے۔''

انور کچھ نہ بولا۔ رمونا تھوڑی دیر بعد پھر کہنے لگی۔

''ڈان ونسنٹ میری قوم کا بہادر ترین آدمی ہے۔ تیغ زنی میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ اس کی حیرت انگیز صلاحیتوں کے متعلق افسانے مشہور ہیں۔ مگر البرونو نے اسے بھی شکست دے دی تھی اب وہ اس جان سے مارنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ ڈان الفریڈو ایک مشہور پہلوان ہے لیکن وہ بھی محض البرونو کے خوف سے دم دبا کر بھاگ نکلا۔''

انور رشیدہ کے متعلق گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ اس نے رمونا کو دیکھ کر پوچھا۔

''تم اس سے پہلے بھی سی نور رومولی سے مل چکی ہو۔''

''نہیں میں نے انہیں آج تک نہیں دیکھا۔''

''تو کیا اسے تمہارے جزیرے کا حکمران بنا دیا جائے گا۔''

''ہاں.....!''

''لیکن تم اس کے لئے کیا ثبوت پیش کرو گی کہ وہ شہزادی رومولی ہے۔ کیونکہ تمہاری قوم تو مانتی ہے کہ وہ بچپن ہی میں قتل کر دی گئی تھی۔''

''ہماری قوم کی ایک بہت بڑی شخصیت اس راز سے واقف ہے۔ ہمارا مذہبی پیشوا متوکل باپ پطرس.....!''

''اور اگر حاکم وقت نے اسے بھی جھٹلا دیا تو۔'' انور نے سگریٹ سلگاتے ہوئے پوچھا۔

''وہ مقدس باپ کو جھٹلانے کی ہمت نہیں کرسکتا۔''

''یہ کہو رائے عامہ بدلتے دیر نہیں لگتی، اور پھر حکمرانوں کے ہتھکنڈے! ہوسکتا ہے مقدس باپ کی ایسی پوزیشن ہوجائے کہ عوام ہی اسے جھوٹا سمجھنے لگیں'' رمونا خاموش ہوگئی پھر تھوڑی بعد بولی۔

''میں اس سے زیادہ نہیں جانتی۔ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہوگی جبھی تو میرا باپ جدوجہد کر رہا ہے۔''

یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ڈی گاریکا آ گیا۔ انور نے اپنے سوالات دہرانے شروع کئے ڈی گاریکا خاموشی سے سنتا رہا۔ پھر مسکرا کر بولا۔

''بیٹے اگر اس کے امکانات نہ ہوتے تو میں اتنی جدوجہد کیوں کرتا۔ میں یہ کیوں چاہتا ڈان ونسنٹ کو دارالحکومت پہنچنے سے پہلے ہی پکڑ لیا جائے۔ میں اپنے ساتھ غیر ملکیوں کو کیا لے جاتا جبکہ یہ حرکت بغاوت کے مترادف ہے۔''

''میں انہیں امکانات کے متعلق معلوم کرنا چاہتا ہوں۔''

''رومولی کے جسم پر ایک ایسا نشان موجود ہے جو شاہی خاندان کے افراد کے علاوہ اور کے جسم پر نہیں ہوتا۔'' ڈی گاریکا نے کہا۔

انور بے اختیار ہنس پڑا۔

''ڈی گاریکا میں بچہ نہیں ہوں۔'' انور نے کہا۔ ''مجھے حیرت ہے کہ البرونو جیسا دانش آدمی تمہارے پیر میں کس طرح پھنس گیا۔ بہرحال اس نے میری بھی مٹی پلید کی۔''

''کیوں؟ میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا'' ڈی گاریکا ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

''ایسی کہانیاں میں ہالی وڈ کی گھٹیا فلموں میں دیکھ چکا ہوں۔'' انور مسکرا کر بولا۔ ''ایک کا نام تو مجھے اب تک یاد ہے شہنشاہ سلیمان کا خزانہ۔ رائیڈر ہیگرڈ کے ناول کا پلاٹ جس

زیقہ کے شکاری کو آرٹر مین کو ایک ایسا خبطی ملا تھا جس کے سینے پر شاہی نشان تھا۔''

''تمہاری بے اعتباری کی وجہ میں نہیں سمجھ سکتا۔'' ڈی گاریکا خشک لہجے میں بولا۔ ''حالانکہ تمہارے سامنے ہی شہزادی رومولی سے مل چکا ہوں۔ اگر تم اسے سمجھتے ہو تو یہ بتاؤ کہ وہ تمہارے ساتھ جانے کیلئے کیوں تیار ہوگئی تھی۔ میرا اس کی ذات سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔''

انور خاموش ہوگیا۔ اسے اپنی حماقت پر غصہ آنے لگا۔ ڈی گاریکا نے قاعدے کی بات کی۔ اگر واقعی رشیدہ ہندوستانی تھی تو اس کا ایک غیر ملکی سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔ اسے افسوس ہوا کہ اس نے خواہ مخواہ ڈی گاریکا کو کبیدہ خاطر کردیا۔

''مجھے افسوس ہے۔'' انور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''حالات ایسے پیش آرہے ہیں کہ دماغ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھا ہے۔ اگر میری باتوں سے تمہیں تکلیف پہنچی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔''

''نہیں بیٹے۔ کوئی بات نہیں۔ میں سمجھتا ہوں اور تمہارے لئے بھی فکرمند ہوں۔ رومولی کو کسی طرح چھوڑنا نہ چاہے گی اور مجھے کیا کرنا ہوگا۔''

''میں جانتا ہوں کہ کوئی غیر ملکی تمہارے جزیرے میں نہیں رہ سکتا۔'' انور نے کہا۔ ''میں تو رشیدہ کی زندگی کا خواہش مند ہوں میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں اور بس۔''

''تم نیک اور شریف آدمی ہو۔''

''لیکن مجھے خوف ہے کہ ڈان ونسنٹ اسے راستے ہی میں نہ ختم کردے۔'' انور نے بیباک لہجے میں کہا۔

''مجھے یقین ہے کہ وہ اسے زندہ ہی لے جائیگا۔ کیونکہ فاگان ایک بار دھوکہ کھا چکا ہے۔''

''فاگان کون.....؟'' انور نے پوچھا۔

''ہمارا حکمران فاگان کہلاتا ہے۔ رومولی فاگانیہ کہلائے گی۔ بیرن آئی لینڈ کی تیسری نسل۔''

''تم نشان کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے۔'' انور تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔

''ہاں میں یہ کہہ رہا تھا کہ اس قسم کے نشانات صرف شاہی خاندان کے افراد کے ہوتے ہیں

میں پائے جاتے ہیں اور تخت کے وارث کے پر جو نشان ہوتا ہے دوسرے نشانات سے مختلف ہوتا ہے۔ یہ نشان بچوں کی پیدائش پر ان کے سینوں پر ڈال دیئے جاتے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے شاہی بچے سن بلوغ کو پہنچنے سے پہلے دوسرے ممالک میں رکھے جاتے ہیں۔''

''لیکن فرضی نشان بھی تو بنائے جاسکتے ہیں۔'' انور نے کہا۔

''یہ ناممکن ہے کیونکہ وہ نشانات شاہی مہر کے ہوتے ہیں جو شاہی خزانے میں کافی افراد کے ساتھ رکھی جاتی ہے۔''

''نشان ڈالنے کا طریقہ کیا ہے۔''

''یہ نہ پوچھو تو بہتر ہے۔'' ڈی گاریکا آہستہ سے بولا۔ ''میں اسے پسند نہیں کرتا۔ لیکن بہرحال رسم ہے۔ چاہے وہ وحشیانہ کیوں نہ ہو۔''

''آخر.....!''

''بہت ہی ظالمانہ طریقہ ہے۔ لوہے کی مہر گرم کر کے بچے کے سینے پر داغ لگا دیا جاتا ہے۔''

''اوہ.....''

''رمونا نے اپنے ہونٹ اس طرح سکوڑ لئے جیسے وہ ان داغے جانے والے معصوم بچے کی تکلیف خود اپنے سینے پر محسوس کر رہی ہو۔

''تمہارا جزیرہ دنیا کا آٹھواں عجوبہ معلوم ہوتا ہے۔'' انور آہستہ سے بڑبڑایا۔

ڈی گاریکا کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ قدموں کی آہٹ سنائی دی اور فریدی اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچھے حمید تھا۔ اس نے آتے ہی انور کو گھورنا شروع کر دیا۔ انور سمجھ گیا کہ رمونا کے ٹھہرنا اسے کھل گیا۔

فریدی خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ ڈی گاریکا اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا

''ڈی گاریکا'' فریدی نے اسے مخاطب کیا۔ ''تمہارے ملک کی ایجنسی کے لوگ تم تلاش میں ہیں۔ ڈان ..... یہاں سے چلا گیا۔ وہ تین اور ایک بوڑھا مریض جو یہاں بھی تھا، کل چار گئے ہیں اور ڈان الفریڈو یہیں رک گیا ہے۔ غالباً وہ تمہارا راستہ دیکھ رہا ہے۔''

''اوہ.....!'' ڈی گاریکا مٹھیاں بھینچ کر بولا۔ ''اسپین میں میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔''

''یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ڈان ونسنٹ وغیرہ میکسیکو گئے ہیں۔ بہرحال یہ سمجھ لو کہ یہاں سے میکسیکو کا راستہ ہمارے لئے مخدوش ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ راستہ بدل دیا جائے۔''

''پھر کون سا راستہ اختیار کرو گے۔'' ڈی گاریکا نے پوچھا۔

''کیوں نہ ہم لوگ میکسیکو کے بجائے جمیکا جائیں۔''

''بھلا جمیکا کیسے جاسکیں گے۔ وہ برطانوی حکومت کا ایک حصہ ہے۔'' ڈی گاریکا نے کہا۔

''یہ میں ٹھیک کرلوں گا۔'' فریدی نے کہا۔ ''جمیکا سے ہم پھر واٹلنگ کی طرف واپس آئیں گے اور واٹلنگ سے بیرن آئی لینڈ.....!''

''اور اگر ڈان ونسنٹ نکل گیا تو۔''

''یا تو وہ ہم سے پہلے نکل جائے گا یا ہم اس سے پہلے پہنچ جائیں گے۔ اس کے علاوہ تیسری صورت ناممکن ہے۔'' فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔ ڈی گاریکا تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

''تم ٹھیک کہتے ہو۔''

''مگر میری رائے اس سے مختلف ہے۔'' حمید نے کہا۔

فریدی کے علاوہ اور سب لوگ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

''میرا خیال ہے کہ'' وہ سنجیدگی سے بولا۔ ''پہلے ہم ٹمبکٹو جائیں پھر وہاں سے ہونولولو کا سفر کریں۔ اس کے بعد قطب جنوبی سے گزرتے ہوئے جہنم رسید ہو جائیں۔''

''بکومت.....!'' فریدی نے چیخ کر کہا اور حمید نے سہم جانے کی اتنی اچھی ایکٹنگ کی کہ رمونا بے اختیار ہنس پڑی۔

ڈی گاریکا بھی ہنسنے لگا۔ فریدی پھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ رمونا ہاتھ اٹھا کر بولی۔

''اچھا باتیں بند۔ ابھی ہم لوگوں نے کھانا بھی نہیں کھایا۔''

''شوق سے۔'' فریدی نے کہا۔ ''لیکن کھانا یہیں منگوایا جائے گا۔ ڈائننگ ہال میں کھانا ٹھیک نہیں۔''

''کیوں؟ ڈائینگ ہال میں کیوں نہیں؟ ہم وہاں بینڈ بھی سن سکیں گے۔'' رمونا نے کہا۔

''البرونو کا خیال ٹھیک ہے۔'' ڈی گاریکا بولا۔

''میں یہیں تمہیں بینڈ سنادوں گا۔'' حمید مسکرا کر بولا۔

فریدی اسے پھر گھورنے لگا اور حمید نے منہ پھیر لیا۔

پھر ڈی گاریکا نے ویٹر کو بلا کر کمرے ہی میں کھانا لانے کے لئے کہا۔

کھانے کے دوران میں حمید نے لطیفے شروع کر دیئے۔ رمونا ہر بات پر ہنس رہی تھی۔

''اس لڑکی کی خیریت نظر نہیں آتی۔' انور نے فریدی سے اردو میں کہا۔

''بھئی کیا بتاؤں..... حمید کی یہ عادت میں آج تک نہ چھڑا سکا۔ عورت اس کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ لیکن ایک بات ہے کہ حدود سے باہر قدم نہیں نکالتا۔''

''تم لوگ نہ جانے کس زبان میں گفتگو کر رہے ہو۔'' ڈی گاریکا نے کہا۔ ''مجھے الجھن ہوتی ہے۔''

''انور اپنی زبان میں کہہ رہا ہے کہ اس کا دماغی توازن بگڑتا جا رہا ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''میں نے ہر طرح اطمینان دلانے کی کوشش کی ہے۔'' ڈی گاریکا بولا۔

''میں بھی سمجھا رہا ہوں۔'' فریدی نے کہا اور کھانے میں مشغول ہو گئے۔

کھانا ختم کرنے کے بعد ڈی گاریکا دوسرے کمرے میں آرام کرنے کے لئے چلا گیا۔ بہت تھک گیا تھا۔ بقیہ لوگ وہیں کافی پیتے رہے۔

فریدی نے ایک سگار نکال کر ہونٹوں میں دبایا اور سلگانے ہی جا رہا تھا کہ رمونا نے اسے کھینچ لیا۔

''تم بہت کثرت سے سگار پیتے ہو۔'' رمونا نے کہا۔ ''اب بس۔ پھیپھڑے خراب ہو جاتے ہیں۔''

فریدی مسکرانے لگا۔

''اور میرے پائپ کے متعلق کیا خیال ہے۔'' حمید نے اپنا پائپ ہونٹوں سے نکالتے ہوئے کہا۔

''اس سے بھی پھیپھڑے خراب ہو جاتے ہیں۔'' رمونا بولی۔ ''لیکن اگر تمہارے پھیپھڑے خراب بھی ہو گئے تو اس سے کوئی خاص نقصان نہ ہوگا۔''

''کیوں.....؟'' حمید متحیر ہو کر بولا۔

''تم ایک ناکارہ آدمی ہو۔ صرف باتیں بنانا جانتے ہو۔'' رمونا ہنس کر بولی۔

''اب زندگی بیکار ہے۔'' حمید بیزاری سے بولا اور فریدی بے اختیار ہنس پڑا۔ انور بھی ہنس پڑا۔ شاید اس دوران میں وہ پہلی بار دل کھول کر ہنسا تھا۔

حمید نے اپنی جیب سے ریشمی رومال نکالا اور اسے اپنی گردن میں پھنسا کر دونوں سرے کھینچنے لگا۔

''تو یہ کیا کرنے لگے۔'' رمونا نے مسکرا کر کہا۔

''خودکشی۔'' حمید گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔ اس کا چہرہ سچ مچ سرخ ہو رہا تھا۔ آنکھیں ابل سے ابلی پڑ رہی تھیں۔

''عجیب دیوانے آدمی ہو۔'' رمونا نے کہا اور بڑھ کر اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔

''نہیں نہیں..... مجھے مرجانے دو۔''

''کیا فضول حرکتیں کر رہے ہو۔'' رمونا جھلا کر بولی۔

''مر بھی جانے دو۔'' فریدی لاپرواہی سے بولا اور حمید رومال کے گوشے چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

''اوہ! تو آپ اسمیں دلچسپی لے رہے ہیں۔'' حمید اردو میں بولا۔ ''میں دستبردار ہوتا ہوں۔''

''تم گدھے ہو۔'' فریدی جھلا کر بولا۔ ''مجھے پاگل کتے نے کاٹا ہے کہ ہر لڑکی میں دلچسپی لوں۔ نہ جانے تمہارے دماغ میں کس قسم کے کیڑے کلبلاتے رہتے ہیں۔''

''میں احمق نہیں ہوں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ وہ آپ کی طرف جھک رہی ہے۔''

''جھکنے دو۔'' فریدی بیزاری سے بولا۔ ''اس کے جھکنے سے دنیا کا نقشہ نہیں بدل سکتا۔ بین الاقوامی سیاست بھی اپنی جگہ پر رہے گی۔ لیکن تمہیں ٹی۔ بی ضرور ہو جائے گا۔ دماغ ذرا ٹھنڈا رکھو یار۔''

''تو آپ اس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔''

''اُبے نہیں چغد.....نہیں۔'' فریدی دانت پیس کر بولا۔

''شکریہ۔ میں آپ ہونے والے بال بچوں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔''

انور کیلئے ہنسی ضبط کرنا دشوار ہو رہا تھا۔اس لئے وہ اٹھ کر بالکونی میں چلا گیا۔البتہ رمونا ان دونوں کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ کیونکہ اس نے فریدی کو غصے میں دانت پیستے دیکھا تھا۔

''آخر بات کیا ہے؟'' رمونا نے تشویشناک لہجے میں پوچھا۔

''تم پرتگالی زبان نہیں سمجھتیں۔'' فریدی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں بالکل نہیں سمجھتی۔''

انور رمونا کی آواز سنتے ہی کھڑکی کے قریب آ گیا تھا۔

''بات دراصل یہ ہے۔'' فریدی بولا۔''تم نے اسے ناکارہ کہہ کر اس کا دل توڑ دیا ہے یہ کہتا ہے کہ میں واپس لوٹ جاؤں گا۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ ناکارہ آدمی نہیں ہے۔ابھی اس کے کارنامے تمہاری نظروں سے نہیں گزرے۔ ایک بار یہ غصے میں ایک جنگلی ہاتھی کی دم پکڑ کر لٹک گیا تھا اور ہاتھی نے بڑی مشکل سے اپنی جان بچائی تھی۔''

''میں نے تو مذاق میں کہا تھا۔'' رمونا نے معذرت طلب انداز میں کہا۔ پھر وہ حمید سے مخاطب کر کے بولی۔''تم بُرا مان گئے۔''

''پہلے بُرا ماننے کا ارادہ کر رہا تھا مگر اب نہیں۔'' حمید نے کہا اور پائپ پینے لگا۔

فریدی نے انور کو آواز دی۔ دونوں سفر کے متعلق گفتگو میں مشغول ہو گئے اور حمید رمونا کے ساتھ بالکونی میں چلا گیا۔فریدی نے اسے بھی مشورے میں شریک کرنا چاہا تھا لیکن پھر یہ ارادہ ملتوی کر دیا کہ فی الحال حمید کوئی قاعدے کی بات نہیں کر سکتا کیونکہ رمونا اس کے سر بُری طرح سوار تھی۔

حمید بالکونی میں رمونا سے کہہ رہا تھا۔

''تم دنیا کی حسین ترین لڑکی ہو۔''

''اور تم بالکل کنگارو معلوم ہوتے ہو۔'' وہ ہونٹ سکوڑ کر بولی۔

''چلو میں کنگارو ہی سہی لیکن زندگی بھر تمہاری تعریف کرتا رہوں گا۔''

''کیا یہ سچ ہے کہ تم ہاتھی کی دم پکڑ کر لٹک گئے تھے۔''

''ہاں مگر وہ ہاتھی مردہ تھا۔''

''کیوں فضول باتیں کر رہے ہو۔''

''ارے تم البرونو کی باتوں میں آئی ہو۔ وہ میرا مضحکہ اڑا رہا تھا۔''

''لیکن ڈی سالٹ کو تو تم پکڑ کر لے گئے تھے۔''

''آخر تمہیں پکڑ دھکڑ اور مار پیٹ سے اتنی دلچسپی کیوں ہے۔'' حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

''مجھے نڈر اور بے خوف آدمی اچھے لگتے ہیں۔ البرونو کی میرے دل میں بہت عزت ہے۔''

''اور میری.....!''

''تم نے کیا ہی کیا ہے۔''

''اچھا تو میں اب دکھا دوں گا۔'' حمید اکڑ کر بولا۔

''کیا دکھا دو گے۔''

''اپنی زبان.....!'' حمید نے کہا اور اپنی زبان نکال دی۔ رمونا ہنس پڑی۔

''تمہاری باتیں مجھے اچھی لگتی ہیں۔''

''تو ہم دونوں تمہیں اچھے لگتے ہیں۔''

''میں نے یہ تو نہیں کہا۔'' رمونا جلدی سے بولی۔''تم بڑے شیطان معلوم ہوتے ہو۔''

''بڑا نہیں چھوٹا کہو۔ بڑا شیطان تو البرونو ہے۔''

''میں تم دونوں کی عزت کرتی ہوں۔ اچھا مجھے البرونو کے بارے میں بتاؤ۔''

''کیا بتاؤں۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔''وہ تمہاری ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں کرتا۔''

''تم پھر بہکنے لگے۔ میں تم سے یہ کب پوچھ رہی ہوں۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اس سے ڈرنے لگی ہوں۔''

''قطعی نہیں.....قطعی نہیں۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔''محبت تو تم مجھ سے.....!''

''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔'' رمونا نے جھلا کر کہا اور کمرے میں چلی گئی۔

حمید اس طرح آسمان کی طرف دیکھنے لگا جیسے چرخ کج رفتار کو گھونسہ رسید کر دے گا۔

ایک دشمن

دوسرے دن صبح وہ لوگ ایک اسٹیمر پر جمیکا کے لئے روانہ ہوگئے۔ ڈی گاریکا جمیکا جانے کی مخالفت کررہا تھا۔ لیکن فریدی نے اس کی ایک نہ سنی۔ ڈی گاریکا کی پریشانی کا باعث دراصل یہ چیز تھی کہ اس کا پاسپورٹ صرف میکسیکو تک کا تھا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ فریدی جمیکا میں کس طرح اتر سکتا تھا۔

''تم ڈرو نہیں۔'' فریدی نے اس سے کہا۔ ''تمہاری حفاظت کا میں ذمہ دار ہوں۔ تم دیکھو کہ میں تمہیں کس صفائی سے نکال لے جاتا ہوں۔''

ڈی گاریکا اس جواب سے مطمئن ہوا تھا یا نہیں لیکن انور کے لئے اس اجمال کی تفصیل جاننی ضروری تھی۔ خود اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ فریدی ان لوگوں کو جمیکا کس طرح لے جائے گا۔ لہٰذا اس کے مزید استفسار پر فریدی کو بتانا ہی پڑا۔

''جرمن سائنسدان ولمین[1] کی تباہ کن ایجاد پر سے پردہ اٹھانے کے سلسلے میں میری ہمہ اور پوزیشن ہوچکی ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''میں اب دولت مشترکہ کے سارے ممالک میں بغیر کسی دشواری کے داخل ہوسکتا ہوں۔ میں نے جمیکا میں پیش آنے والی دشواریوں سے متعلق انسپکٹر براؤن کو ایک کیبل روانہ کیا تھا جس کا جواب آ گیا ہے۔ اسکاٹ لینڈ کی طرف سے جمیکا کے محکمہ سراغ رسانی کو ہمارے متعلق اطلاع دے دی گئی ہے لہٰذا وہاں کوئی دشواری پیش نہ آئے گی۔''

انور مطمئن ہوگیا۔ ڈی گاریکا بھی کچھ پرسکون نظر آرہا تھا۔ کیونکہ وہ البرونو کی غیر معمولی قوتوں سے اچھی طرح واقف ہو چکا تھا۔

اسٹیمر پر مسافروں کی کثرت نہیں تھی کیونکہ وہ اسٹیمر دراصل تجارتی سامان بار کر کے جمیکا کیطرف جارہا تھا۔ عرشے پر تو ایک متنفس بھی سفر نہیں کررہا تھا۔ سارے مسافر کیبنوں میں تھے۔ موسم ٹھیک ہونے کی وجہ سے سمندر میں تموج نہیں تھا۔ لہٰذا اسٹیمر سبک روی کے ساتھ اپنا راستہ طے کررہا تھا۔ دن بھر یہ لوگ اپنے کیبنوں میں رہے اور شام کو ریستوران میں اکٹھا

[1] جاسوسی دنیا کا بارہواں ناول ''موت کی آندھی'' جلد نمبر 4 ملاحظہ فرمائیے۔

گئے۔ لیکن فریدی کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ پانچ بجے کے قریب وہ ریستوران میں آیا۔ کرسی گھسیٹ ان کے قریب بیٹھ گیا۔

''اب تم لوگ مجھے البرونو کہہ کر مخاطب نہ کرنا۔'' وہ آہستہ سے بولا۔

''کیوں؟''

''ڈان الفریڈو جہاز پر موجود ہے۔''

''ارے.....!''

''ہاں اس نے ڈاڑھی لگا رکھی ہے۔ لیکن میں اسے اچھی طرح پہچان گیا ہوں۔''

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک باوردی قسم کا باریش آدمی ریستوران میں داخل ہوا۔

''ہاں تو صاحبان.....!'' فریدی بلند آواز میں بولا۔ ''آپ لوگوں کو مل کر بڑی خوشی ہوئی ایمین اور اسپینی باشندوں سے عشق ہے۔ میرے ساتھی نے آپ لوگوں کی بڑی تعریف کی ہے۔''

آنیوالے نے ڈیگاریکا پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور قریب کی ایک میز کے پاس بیٹھ گیا۔

فریدی بلند آواز میں بھی کئی طرح کی باتیں کرتا رہا۔ بہرحال وہ آنے والے پر یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ وہ ڈی گاریکا سے جہاز پر واقف ہوا ہے۔

دفعتاً آنے والے کی نظریں انور کی طرف اٹھ گئیں جو اولیاری کے بھیس میں تھا۔ وہ بے اختیار چونک پڑا۔ پہلے اس کے ہونٹ تھوڑے سے کھلے پھر آنکھیں پھیل کر رہ گئیں۔ چند لمحے اسی حالت میں رہا پھر قریب بیٹھے ہوئے لوگوں نے اس کی کرسی کی چڑچڑاہٹ کی آواز سنی وہ لہرا کر فرش پر آرہا۔ چاروں طرف سے لوگ دوڑ پڑے اور اس کے گرد بھیڑ لگ گئی۔

''انور'' فریدی آہستہ سے بولا۔ ''اپنے کیبن میں جاؤ..... اور اس وقت تک باہر نہ نکلنا جب تک میں نہ آجاؤں۔''

انور چلا گیا۔ ڈی گاریکا وغیرہ حیرانی سے فریدی کی طرف دیکھنے لگے۔ فریدی بھیڑ ہٹا کر بیہوش آدمی کے قریب پہنچ چکا تھا۔

''ہٹ جاؤ..... ہٹ جاؤ۔'' وہ ہاتھ ہلا کر بولا۔ ''مقدس باپ بیہوش ہوگئے ہیں۔ لڑکے ایک گلاس پانی لاؤ۔''

ویٹر لپک کر پانی کا گلاس لایا۔ فریدی نے اس کے گلے میں لٹکی ہوئی صلیب کو نہایت احترام کے ساتھ اس کے سینے پر رکھ دیا اور گلاس لے کر اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے دینے لگا۔ تھوڑی دیر بعد پادری کو ہوش آ گیا۔ فریدی نے اسے سہارا دے کر بٹھا دیا۔

''مقدس باپ! اب طبیعت کیسی ہے۔'' اس نے پوچھا۔

''ٹھیک ہوں۔'' پادری چاروں طرف دیکھ کر گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''اچھا تو اٹھئے آپ بہت نحیف معلوم ہو رہے ہیں۔'' فریدی اُسے اٹھا کر اپنی میز کے قریب لایا۔ سب بیٹھ گئے۔ رمونا انور کی کرسی پر بیٹھنے جا رہی تھی مگر فریدی نے اسے دوسری کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ انور کی کرسی خالی ہی رہی۔

پادری بار بار خالی کرسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''مقدس باپ! آپ بہت نحیف معلوم ہو رہے ہیں۔'' فریدی نے کہا۔ ''برانڈی منگواؤں۔''

''نہیں نہیں اس کی ضرورت نہیں۔'' پادری ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''مجھے اختلاج قلب کے دورے پڑتے ہیں اس وقت بھی دورہ ہی پڑا تھا۔''

فریدی نے اس پر افسوس ظاہر کیا۔

پادری تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہنے کے بعد انور کی کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ''یہ کہاں گیا۔ تم سب سے مل کر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔''

''کون.....؟'' فریدی چونک کر بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ اس کرسی پر کوئی نہیں تھا۔''

پھر اس نے رمونا کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھا۔

پادری کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار پیدا ہوئے لیکن اس نے جلد ہی اپنی حالت پر قابو پا لیا۔

''ہوگا..... ممکن ہے مجھے دھوکہ ہوا ہو۔ بہرحال آپ لوگوں سے مل کر بڑی خوشی ہوئی بقیہ سفر آرام سے کٹ جائے گا۔''

''ہم ہر حال میں خدمت کے لئے تیار ہیں۔'' فریدی قدرے جھک کر بولا۔ ''یہ مسٹر نورڈ گاریکا ہیں۔ یہ مسز نور رمونا۔ یہ میرا ساتھی حمید یوف ہے اور میں فریدیوف۔''

''تم دونوں روسی ہو۔'' پادری نے پوچھا۔

''جی ہاں..... لیکن ہم رومن کیتھولک ہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''ہم دونوں پر آسمانی باپ برکتیں نازل کرے۔'' پادری نے ہاتھ اٹھا کر دعا دی۔

''ان دونوں کے لئے شگون کی دعا کیجئے۔'' فریدی نے ڈی گاریکا اور رمونا کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''ڈی گاریکا کا بیٹا اس سفر میں اچانک ان سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا۔''

''کہاں.....؟''

''ہندوستان میں..... اور اب یہ میکسیکو جا رہے ہیں۔''

''میکسیکو.....!'' پادری نے حیرت سے کہا۔ ''مگر یہ جہاز تو جیکا جا رہا ہے۔''

''یہ ہسپانیولا کی بندرگاہ آپرنس پر اتریں گے۔ پھر وہاں سے میکسیکو جائیں گے۔''

''بڑا چکر پڑ جائے گا۔'' پادری نے تشویش ناک لہجے میں کہا۔

''کیا کیا جائے۔'' فریدی غم انگیز لہجے میں بولا۔ ''میری ان کی ملاقات اسی جہاز پر ہوئی ہے۔ ان کی دکھ بھری کہانی سنکر بڑا افسوس ہوا۔ بات یہ ہے کہ لڑکے کی ماں ہسپانیولا میں ہے یہ منحوس خبر ڈاک کے یا تار کے ذریعہ نہیں سنانا چاہتے۔''

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔'' پادری نے کہا۔ ''بڑا افسوس ہوا۔ خدا انہیں صبر دے۔''

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر پادری اٹھتا ہوا بولا۔

''اچھا میرے بچو! آسمانی باپ تمہاری حفاظت کرے۔''

''آپ کمزوری محسوس کر رہے ہوں گے۔'' فریدی نے کہا۔ ''چلئے میں آپ کو کیبن تک پہنچا دوں۔''

پادری نہیں نہیں کرتا رہا۔ لیکن فریدی نے سہارے کے لئے اپنا ہاتھ پیش ہی کر دیا۔ پادری اُس کے کیبن تک پہنچا کر فریدی لوٹ آیا۔ ڈی گاریکا متحیر تھا۔ اس نے حمید کو بلا کر کچھ ہدایتیں دیں پھر حمید ریستوران سے چلا گیا۔

''یہ سب کیا تھا۔'' رمونا بے صبری سے بولی۔ ''انور کہاں گیا۔''

''تم بتاؤ۔'' فریدی کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ اس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز

مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

''میں کچھ نہیں سمجھی۔''

''مقدس باپ انور کو اولیاری کا بھوت سمجھ کر بے ہوش ہو گئے تھے۔''

''اوہ! تو وہ ڈان الفریڈو تھا۔'' ڈی گاریکا اچھل کر بولا۔

''ہاں.....!''

''اس لئے انور کو سچ مچ تم نے بھوت بنا دیا۔'' رمونا اپنی ہنسی ضبط کرتی ہوئی بولی۔

''اور اب میں نے انور کو ہدایت کر دی ہے کہ وہ فی الحال اپنی اصل صورت میں آ جائے۔ ڈان الفریڈو بُری طرح خائف ہے۔ بہت ممکن ہے کہ وہ آج اپنے ساتھیوں کو وائرلیس کے ذریعے پیغام بھیجنے کی کوشش کرے۔ میرا ساتھی اس کی نگرانی کر رہا ہے۔''

ڈی گاریکا کچھ نہ بولا۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار پائے جا رہے تھے۔ رمونا بھی اس کے باپ کی بدلتی ہوئی کیفیت نے بُرا اثر ڈالا تھا۔

''تم خاموش کیوں ہو گئے۔'' فریدی ہنس کر بولا۔ ''میں اس کے چیتھڑے اڑا دوں گا۔''

''ممکن ہے وہ تنہا نہ ہو۔'' ڈی گاریکا نے فکرمند لہجے میں کہا۔

''اوہ چھوڑو بھی۔'' فریدی سگار نکال کر ہونٹوں میں دباتا ہوا بولا۔ ''تم کچھ تھکے تھکے سے نظر آ رہے ہو۔ جا کر آرام کرو۔ میرا ساتھی الفریڈو پر کڑی نظر رکھے گا۔ تھوڑی دیر بعد انور بھی اپنا کام شروع کر دے گا اور ہمیں جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ الفریڈو تنہا ہے یا اس کے ساتھ کچھ اور بھی ہیں۔''

تھوڑی دیر بعد ڈی گاریکا بھی اپنے کیبن کی طرف چلا گیا۔

''رمونا تم بھی ڈر رہی ہو۔'' فریدی نے کہا۔

''نہیں میں باپ کی وجہ سے فکرمند ہوں۔''

''ننھی لڑکی تمہارے اندیشے فضول ہیں۔ ہنسو، مسکراؤ، قہقہے لگاؤ۔ زندگی اسی کا نام ہے۔''

''میں ہنس تو رہی ہوں۔'' رمونا کے ہونٹوں پر ایک بے جان سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''تمہاری گفتگو سنکر میں نے اندازہ لگایا تھا کہ تم بہت دلیر ہو۔''

''میں دلیر کہاں ہوں؟''

''خیر..... تم اپنے منہ سے تو اپنی تعریف کرو گے نہیں..... مگر.....!''

وہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی کہ حمید آ گیا۔

''کیوں تم کیوں چلے آئے؟'' فریدی اسے گھور کر بولا۔

''آپ مزے کریں اور میں دھکے کھاؤں۔'' حمید نے اردو میں کہا اور بیٹھ گیا۔ ''اب ڈیوٹی بدل جائے تو اچھا ہے۔ آپ جا کر اس الفریڈو کے پٹھے کوتا کئے اور میں آپ کے فرائض انجام دوں گا۔''

فریدی اسے قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔ ''بیہودے'' وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

''تم اپنی طرح مجھے بھی سمجھتے ہو۔ کسی دن کسی عورت ہی کے ساتھ مارے جاؤ گے۔''

''کیا بات ہے؟'' رمونا نے پوچھا۔

''کچھ نہیں.....!'' حمید نے ہنس کر کہا۔ ''ذرا الفریڈو کے پیٹ میں درد اٹھا ہے ان سے کہہ رہا ہوں کہ جا کر کوئی اعلیٰ قسم کا چورن تجویز کر دیں۔''

''ٹھیک سے بتاؤ نا.....!'' رمونا نے کہا اور فریدی اٹھ کر چلا گیا۔

''چھوڑو بھی..... البرونو پر خون کی پیاس سوار ہے۔ چلو عرشے پر چلیں..... اس وقت ڈوبتا ہوا سورج بڑا حسین لگ رہا ہو گا۔''

تھوڑی دیر بعد رمونا عرشے پر جہاز کی ریلنگ سے ٹکی ہوئی حمید سے کہہ رہی تھی۔

''البرونو کبھی آدمی معلوم ہوتا ہے اور کبھی کچھ اور۔ جب وہ ڈان الفریڈو کو سہارا دینے جا رہا تھا تو مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی خانخوار بھیڑیا کسی بکری کے بچے کو سہارا دینے جا رہا ہو۔ نہ جانے کیوں میں نے سچ مچ اس کی آنکھوں میں خون کی پیاس دیکھی تھی۔''

''ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔'' حمید ہنس کر بولا۔

دونوں کافی دیر تک عرشے پر کھڑے رہے پھر رات کی سیاہی نے دیو پیکر موجوں کو آہستہ آہستہ خوفناک بنا دیا۔ ہوا تیز ہوتی جا رہی تھی۔ جہاز سے ٹکرانے والی لہروں کی ہلکی ہلکی بوچھار ان کے چہروں پر نمی بکھیرنے لگی تھی۔ وہ اپنے کیبنوں کو لوٹ آئے۔

رات ڈھلتی گئی۔ بے کراں سناٹے میں لہروں کا شور اور انجن کا زناٹا گونجتا رہا۔ فریدی حمید اور انور ابھی تک جاگ رہے تھے۔ فریدی ڈان الفریڈو کے کیبن کے قریب دیوار سے چپکا کھڑا تھا۔ حمید اور انور عرشے پر ریلنگ کے قریب اندھیرے میں چت لیٹے ہوئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد دو آدمی جن کی صورتیں اندھیرے میں پہچانی نہ جاسکیں ڈان الفریڈو کے کیبن کے دروازے پر آ کر رک گئے۔ چند لمحے اندھیرے میں ادھر اُدھر دیکھتے رہنے کے بعد انہوں نے دروازے کو آہستہ سے کھٹکھٹایا۔ کسی نے دروازہ کھولا اور وہ اندر چلے گئے۔ پھر اندر سے ہلکی ہلکی سرگوشیوں کی آوازیں آنے لگیں۔

دروازہ کھلا دو آدمی اندر سے نکلے۔ پھر تیسرے نے انہیں روک کر آہستہ سے کہا۔

''تم انہیں صرف بیس منٹ تک باتوں میں الجھائے رکھنا۔''

''دونوں پھر اندھیرے میں گم ہوگئے اور تیسرا اندر چلا گیا۔ انور اور حمید ان کے پیچھے لگ گئے تھے۔ فریدی بدستور کھڑا رہا۔ کچھ دیر بعد دروازہ پھر کھلا اور ایک آدمی نکل کر آہستہ آہستہ کیبنوں کی طرف بڑھنے لگا۔ فریدی ریلنگ کے سہارے رینگ رہا تھا۔ پراسرار سایہ ڈی گاریکا کے کیبن کے قریب رک گیا۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ ڈی گاریکا نے اپنے کیبن کی روشنی کیوں نہیں بجھائی؟ کیا وہ دونوں ابھی تک جاگ رہے ہیں۔

وہ آدمی تھوڑی دیر تک کیبن کے دروازے پر جھکا رہا۔ شاید وہ تالے کے سوراخ سے اندر کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوگیا۔ دوسرے لمحے میں فریدی کیبن کے دروازے پر پہنچ چکا تھا۔ ڈی گاریکا اور رمونا روشنی گل کیے بغیر ہی سوگئے تھے۔ فریدی نے پہلی ہی نظر میں ڈان الفریڈو کو پہچان لیا وہ اس وقت پادری کے بھیس میں نہیں تھا۔ اس کے اٹھے ہوئے داہنے ہاتھ میں ایک خنجر چمک رہا تھا۔ اس نے بجلی کی سرعت کیساتھ بایاں ہاتھ ڈی گاریکا کے منہ پر رکھا اور قبل اس کے داہنا ہاتھ بھی استعمال کرتا فریدی کا بایاں ہاتھ اس کے منہ پر پڑا اور داہنا ہاتھ خنجر والے ہاتھ پر۔ ڈی گاریکا اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ ڈان الفریڈو فرش پر فریدی کے گھٹنے کے نیچے دبا ہوا تھا۔ اتنے میں رمونا بھی جاگ پڑی۔

''خاموش..... خاموش.....!'' فریدی آہستہ سے بولا اور رمونا کی چیخ ہونٹوں میں دب کر

رہ گئی۔ ڈان الفریڈو فریدی کی گرفت سے نکل جانے کی جدوجہد کر رہا تھا۔

''روشنی گل کردو۔'' فریدی پھر بولا۔ ''ڈی گاریکا نے بڑھ کر سوئچ آف کردیا۔ ڈان الفریڈو اپنے منہ سے فریدی کا ہاتھ اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے فریدی نے اسے اپنی کمر پر لاد لیا اور تیزی سے باہر نکلا۔ ڈی گاریکا اور رمونا بھی اس کے پیچھے تھے۔ ریلنگ کے قریب پہنچ کر فریدی جھکا۔ یہاں پھر دونوں میں جدوجہد ہونے لگی اور پھر دوسرے ہی لمحے فریدی خالی ہاتھ کھڑا تھا۔

''پھینک دیا..... تم نے اسے پھینک دیا۔'' رمونا زور سے چیخی۔ فریدی جھپٹ کر اس کے قریب آیا۔

''بیوقوف احمق.....'' اس نے آہستہ سے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''چپ رہو۔ چلو بھاگ چلو..... جلدی کرو۔ قدموں کی آہٹیں سنائی دے رہی ہیں۔''

وہ بنجوں کے بل کیبن میں گھس گئے اور دروازہ بند کرلیا۔ لوگوں کے دوڑنے کی آوازیں آرہی تھیں۔

''تم نے بہت بُرا کیا۔'' فریدی نے آہستہ سے رمونا سے کہا جو اس کے قریب ہی کھڑی ہوئی تھی۔

''غلطی ہوئی..... غلطی ہوئی۔ البرونو اگر تم نہ ہوتے.....'' اس کی آواز گھٹ گئی اور اس کے ہونٹ فریدی کی پیشانی سے جا لگے۔

''بیوقوف لڑکی۔'' فریدی یک بیک پیچھے ہٹ کر بولا۔ ''ہوش میں رہو۔ ہوش میں۔''

''کیا بات ہے۔'' ڈی گاریکا نے پوچھا۔

''کچھ نہیں.....!'' رمونا نے کہا۔ ''میرا سر چکرا رہا ہے۔''

تھوڑی دیر بعد باہر پھر سناٹا چھا گیا۔ صرف لہروں کا شور سنائی دیا۔ فریدی نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور باہر نکلتے ہوئے ان سے کہتا گیا۔ ''اب چپ چاپ سو رہو۔''

اپنے کیبن میں واپس آ کر وہ انور اور حمید کا انتظار کرنے لگا۔ وہ ان دونوں آدمیوں کے متعلق سوچ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد دونوں واپس آ گئے۔

''وہ دونوں رات کی ڈیوٹی والے عملہ کو باتوں میں لگائے رکھنے کے لئے گئے تھے۔'' حمید نے کہا۔

''اب وہ کہاں ہیں۔'' فریدی نے پوچھا۔

''شاید سمندر کی گہرائیاں ناپ رہے ہوں گے۔'' انور مسکرا کر بولا۔

''شاباش.....!'' فریدی جوش میں اٹھتا ہوا بولا۔

''ہم ان کے پیچھے لگے رہے۔'' انور نے کہا۔ ''اور جب وہ ڈان الفریڈو کے کیبن کی طرف پھر واپس آئے تو ہم ان پر ٹوٹ پڑے اور پھر..... حمید کے منع کرنے کے باوجود میں نے انہیں پھینک ہی دینا مناسب سمجھا۔''

''انور میرا سچا شاگرد ہے۔'' فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''کیوں آپ منع کیوں کر رہے تھے۔''

''میں سمجھا تھا شاید آپ ان سے محبت کرنا پسند کریں۔'' حمید منہ بنا کر بولا۔

''خود اعتمادی پیدا کرو برخوردار..... کب تک مجھ سے پوچھ پوچھ کر کام کرتے رہو گے۔'' فریدی نے کہا۔

''ڈان الفریڈو کا کیا ہوا۔'' انور نے پوچھا۔

''وہ اپنے ساتھیوں کی پیشوائی کیلئے پہلے ہی روانہ کر دیا گیا۔'' فریدی نے کہا اور سارا واقعہ دہرا کر بولا۔ ''اب ہمیں اسطرح سو رہنا چاہئے جیسے ہم رمبا ناچتے ناچتے کافی تھک گئے ہوں۔''

دشواریاں

''میں نے البرونو کی مدد حاصل کر کے غلطی نہیں کی تھی۔'' ڈی گاریکا رمونا سے کہہ رہا تھا۔ ''لیکن میں آج بھی متحیر ہوں کہ وہ اپنی جان خطرے میں کیوں ڈال رہا ہے۔ محض اس لئے کہ

ڈان وسنٹ نے اس کی توہین کی تھی۔ یہ بات کسی طرح حلق سے نہیں اترتی۔ آج کی دنیا میں ایسے لوگ نہیں ملتے جو صرف توہین کا بدلہ لینے کے لئے اتنی دردسری مول لیں۔''

''کچھ بھی ہو۔'' رمونا نے کہا۔ ''لیکن مجھے البرونو کی نیت میں کسی قسم کا فتور نہیں معلوم ہوتا۔ یہ بات ضرور ہے کہ وہ حد درجہ پراسرار ہے۔''

حمید انور اور فریدی بادبانی کشتی کے دوسرے سرے پر بیٹھے بادبانوں کو ہوا کے رخ پر لانے کی کوشش کر رہے تھے۔ جمیکا سے وہ وائلنگ آئے تھے اور اب وائلنگ سے منزل مقصود کی طرف جا رہے تھے۔ ڈی گاریکا کو حیرت تھی کہ آخر البرونو انہیں پاسپورٹ کے بغیر کس طرح سفر کرا رہا ہے۔ اس نے فریدی سے اس کے متعلق پوچھا بھی تھا جس کا اس نے کوئی تشفی بخش جواب نہیں دیا۔

وائلنگ سے وہ سیر و شکار کے بہانے روانہ ہوئے تھے۔ اس مقصد کے لئے فریدی نے ایک بڑی بادبانی کشتی چالیس پونڈ کے عوض خریدی تھی۔ جس پر ضرورت کا سارا سامان بار تھا۔ اس وقت ہوا موافق تھی اور کشتی بیرن آئی لینڈ کی طرف جا رہی تھی۔ ایک ایک کر کے ستارے ڈوب چلے اور افق میں اجالے کی ایک پتلی سی لکیر ابھر رہی تھی۔ ہوا میں نرم روی اور لطیف سی خنکی تھی۔ بادبان ٹھیک ہو جانے کے بعد فریدی چت لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر تک اس کی ادھ کھلی آنکھیں آسمان میں ابھرتی ہوئی روشن لکیر پر جمی رہی تھیں۔

''ہے ہے.....!'' وہ انور کی طرف کروٹ لے کر بولا۔ ''بعض اوقات میں جوش کی پیغمبری کا قائل ہو جاتا ہوں کیا شعر کہہ دیا ہے ظالم نے ؎

ہم ایسے اہل نظر کو ثبوت کے لئے
اگر رسول نہ ہوتے تو صبح کافی تھی

''اوہو.....!'' حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔ ''آپ کو بھی شعر و شاعری سے دلچسپی پیدا ہو گئی۔''

پھر اس نے ٹھنڈی سانس لے کر رمونا کی طرف دیکھا جو چلو میں پانی لے لے کر اچھال رہی تھی۔

فریدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

''حمید کی چڑچڑاہٹ سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہو۔'' اس نے آہستہ سے انور سے پوچھا۔

انور ہنسنے لگا۔

''رمونا.....!'' فریدی نے آواز دی۔

''کون.....؟'' رمونا چونک کر بولی۔ ''البرونو کیا تم نے کچھ کہا۔''

''ہاں کیا چائے پلاؤ گی۔''

''تم نے کہا کب تھا۔ ابھی لو۔'' رمونا اپنی جگہ سے ہٹتی ہوئی بولی اس کے لہجے میں پیار تھا۔ حمید نے اپنے منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے شروع کر دیئے۔

''کیا وضو کر رہے ہو۔'' فریدی نے اسے چھیڑا۔

''جی نہیں..... آپ کے لئے چلو بھر پانی تلاش کر رہا ہوں۔'' حمید جل کر بولا۔

''تمہیں نہیں ملے گا کیونکہ تمہاری آنکھ کا پانی مر چکا ہے۔'' فریدی نے کہا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر انور کو مخاطب کر کے بولا۔ ''مجھے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ رمونا مجھ سے محبت کرنے لگی ہے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔

''حمید تو کہہ رہا تھا کہ وہ اس پر ہزار جان سے باقاعدہ عاشق ہو گئی ہے۔'' انور نے کہا۔

''اچھا تو آپ کا بھی دماغ خراب ہوا۔'' حمید پلٹ کر بولا۔

انور کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ رمونا انہیں کے قریب اسٹوپ اٹھا لائی۔

''ذرا دیکھنا تو۔'' وہ حمید کی طرف مڑ کر بولی۔ ''اسٹوپ کام نہیں کر رہا ہے۔''

''ادھر لاؤ.....!'' فریدی بولا۔

''کیا پھر اس کے دماغ کی کوئی رگ بگڑ گئی؟'' رمونا نے آہستہ سے پوچھا۔

''نہیں میں نے اس سے شرط لگائی ہے۔''

''کیسی شرط۔''

''یہی کہ تم اسے چائے نہیں پیش کرو گی۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ''کہتا ہے کہ ناممکن ہے۔''

''اچھا تو واقعی میں اسے چائے نہ دوں گی۔''

''شکریہ۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''اس طرح میں جیت جاؤں گا اور پھر اس سے پندرہ پونڈ وصول کر لینا میرے بائیں ہاتھ کا کام ہوگا۔''

''پندرہ پونڈ.....!'' رمونا حیرت سے بولی۔ ''اتنی لمبی شرط۔''

''روسی شہزادہ ہے نا..... بھلا اس کے لئے پندرہ پونڈ کی کیا حقیقت ہو سکتی ہے۔ اس کا باپ روس سے کافی دولت لایا تھا۔''

''اچھی بات ہے۔ میں اسے ایک قطرہ بھی نہ دوں گی۔'' رمونا ہنس کر بولی۔

حمید انہیں غور سے دیکھ رہا تھا۔ لیکن ان کی گفتگو نہ سن سکا۔ فریدی نے اسٹوپ جلا دیا اور اب رمونا چائے کے لئے پانی رکھ رہی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد حمید کو سچ مچ تاؤ آ گیا کیونکہ رمونا نے اس کی طرف توجہ تک نہ دی تھی۔ حمید کے علاوہ اور سب چائے پی رہے تھے۔

ڈی گاریکا کو ان باتوں کا علم نہیں تھا۔ اس نے رمونا سے پوچھا کہ اس نے اسے چائے کیوں نہیں دی۔

''آج اگست کا پہلا اتوار ہے نا۔'' انور سنجیدگی سے بولا۔ ''آج یہ کسی عورت کے ہاتھ سے کوئی چیز قبول نہ کرے گا۔''

حمید نے اسے گھور کر دیکھا لیکن انور بولتا رہا۔ ''یہ اس کے خاندان کی پرانی رسم ہے۔ بہت پرانی۔''

ڈی گاریکا نے فریدی کی طرف دیکھا۔

''انور سچ کہتا ہے۔'' فریدی چائے کی پیالی رکھ کر سگار سلگاتا ہوا بولا۔

حمید کا غصہ کافور ہو گیا۔ وہ بُری طرح جھینپ رہا تھا۔ اس کا اوپری ہونٹ غیر ارادی طور پر پھڑکنے لگا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ابھی سب کے سب اس کی حالت پر ہنس پڑیں گے۔ آخر وہ جی کڑا کر کے اٹھا خود ہی چائے بنائی اور پینے لگا۔

''لاؤ اب نکالو پندرہ پونڈ.....!'' رمونا اس کا شانہ تھپک کر بولی۔

''میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔'' حمید نے منہ بنا کر کہا۔

''ہٹاؤ جانے دو.....!'' فریدی سنجیدگی سے بولا۔ ''ورنہ رو دے گا۔ میں نے پندرہ پونڈ معاف کر دیئے۔''

''واہ شہزادے صاحب۔'' رمونا حمید کے چہرے کے پاس انگلی نچا کر بولی۔ ''ساری شرارت رخصت ہوگئی۔''

حمید نے جھلا کر چائے کی پیالی پٹخ دی اور کیبن میں گھس گیا۔ فریدی اور انور بے اختیار ہنس پڑے۔

''واقعی آپ نے کمال کر دیا۔'' انور نے کہا۔ ''یہ حضرت.....!''

''کیا بات تھی۔'' رمونا نے انور سے پوچھا۔ انور نے سارا واقعہ دہرا دیا اور رمونا بھی ہنس پڑی۔ کشتی کی رفتار پہلے سے زیادہ تیز ہوگئی تھی۔ یہاں چاروں طرف چھوٹے چھوٹے جزیروں کا جال سا پھیلا تھا۔ اس لئے تموج زیادہ نہیں تھا۔

سہ پہر کو انہیں بیرن آئی لینڈ کے آثار دکھائی دینے لگے۔ جزیرہ کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ دور سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی سبز رنگ کی ڈبیا پر بھورے رنگ کا ڈھکن چڑھا ہوا ہو۔

''وہی ناقابل عبور چٹانیں ہیں۔'' ڈی گاریکا نے کہا۔ ''ان کے گرد گھنے جنگل ہیں اور ان کے درمیان میں ہماری بستیاں۔ یہ چٹانیں بظاہر خشک معلوم ہوتی ہیں لیکن ان کے اوپر بھی جنگل ہیں گھنے اور خوفناک۔''

فریدی انور اور حمید نے اپنی دوربینیں نکال لی تھیں۔ آہستہ آہستہ وہ جزیرے سے قریب ہوتے گئے۔ سمندر جزیرے میں دور تک گھستا چلا گیا تھا۔ جب انہوں نے اپنی کشتی روکی تو گھنے جنگلوں کے درمیان میں تھے۔

وہ صرف ضروری سامان اور میگزین کی وافر مقدار اپنے ساتھ لائے تھے۔ کشتی کے بادبان کھولے گئے اور تھری پلائی ووڈ کا فولڈنگ کیبن تہہ کر کے کشتی سمیت گھنی جھاڑیوں میں چھپا دیا گیا۔ انور ڈی گاریکا اور حمید نے سامان کے تھیلے لادے۔ کاندھوں پر رائفلیں لٹکائیں اور چل پڑے۔ رمونا کے ہاتھ میں کھانے کی جھابی تھی۔

''لاؤ یہ مجھے دے دو۔'' حمید نے کہا۔ اس کا موڈ ٹھیک ہوگیا تھا۔

''نہیں..... تم پر یونہی کئی گدھوں کا بوجھ لدا ہوا ہے۔'' رمونا بولی۔

''خیر چلو ایک گدھی..... ارے اف۔'' حمید نے اپنا منہ دبا لیا اور پھر ہکلانے لگا۔ ''میرا..... مم..... مطلب.....!''

''نہیں نہیں کہہ لو..... گدھی بھی کہہ لو۔ مجھے بُرا نہیں معلوم ہوا۔'' رمونا نے کہا۔

''غلطی ہوئی کیا بتاؤں۔ بات یہ ہے کہ جب مجھ پر محبت سوار ہوتی ہے تو میں بالکل اُلو بن جاتا ہوں۔''

''کیا تم پر ہر وقت محبت سوار رہتی ہے؟'' رمونا نے بھولے پن سے پوچھا۔

''ہاں..... نہ..... نہ..... کیا مطلب..... کیا میں ہر وقت الو معلوم ہوتا ہوں۔''

''قطعی.....!'' رمونا نے کہا اور مسکرانے لگی۔ حمید ٹھنڈی سانس بھر کر خاموش ہو گیا۔

پھر تھوڑی دیر بعد رمونا بولی۔ ''ہم بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ جلدی کرو۔''

''تو تم کیا سچ مچ میرا دل توڑ دو گی۔'' حمید ڈرامائی انداز میں بولا۔

''نہیں..... ابال کر کھاؤں گی۔'' رمونا نے کہا اور تیز قدم بڑھانے لگی۔

''خیر ایک دن تم میری لاش پر آنسو بہاؤ گی۔'' حمید نے کسی ناکام عاشق کے پردرد لہجے کی نقالی کی۔

''اگر تمہاری لاش بھی الو نہ معلوم ہوئی تو۔''

رمونا آگے بڑھ گئی اور حمید بدستور رینگتا رہا۔ انور نے پلٹ کر دیکھا اور اس نے بھی اپنی رفتار درست کر دی۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں دوسروں سے کافی فاصلے پر ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

''فریدی صاحب کی صحبت نے بھی تمہارے کردار پر کوئی اثر نہ ڈالا۔'' انور نے کہا۔

''جی.....!'' حمید نے داہنے ابرو کو جنبش دی۔ ''فریدی صاحب کی صحبت مجھے مکھی مار کاغذ تو نہ بنا سکی کہ زد پر آئی ہوئی ہر مکھی بس چپک کر ہی رہ جائے اور پھر میں مرد ہوں۔ ایک اثباتی شخص منفی قوتوں کے پیچھے دوڑنا ہی میرا معراج ہے۔''

''اور منفی قوتیں پلٹ کر تمہارے منہ پر تھوکتی بھی نہیں۔'' انور مسکرا کر بولا۔

''زیادہ بڑھ کر باتیں نہ کرو۔ تم شاید یہ بھول رہے ہو کہ ایک لڑکی ہی کے لئے تم بھی جھک

مارتے پھر رہے ہو۔"

"لیکن اس میں بھی میں نے اپنا وقار قائم رکھا ہے۔" انور نے کہا۔

"وقار.....!" حمید زہر خند کے ساتھ بولا۔ "تم جیسے لوگوں کے وقار اور مرغیوں کے غ میں مجھے کوئی فرق نہیں دکھائی دیتا۔"

"خیر ہٹاؤ مجھے کیا۔" انور اکتا کر بولا۔ "مجھے یہ سب پسند نہیں۔"

"آخاہ.....تو کیا سچ مچ آپ اس کے بھائی بن گئے ہیں۔"

"فضول باتیں مت کرو۔"

"اچھا جی! اے انور کے بچے۔ اگر تمہارے دماغ میں کیڑے کلبلائے تو اچھا نہ ہوگا۔"

دونوں الجھ پڑے تھے اور ان کی آوازیں آہستہ آہستہ بلند ہوتی جارہی تھیں۔ حمید سامان کا تھیلا زمین پر ڈال دیا تھا اور کاندھے سے رائفل اتارنے لگا۔ انور بدستور کراہ فریدی وغیرہ نے ان کی آوازیں سن لی تھیں۔ فریدی تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ان کی طرف آیا۔

"کیا حماقت ہے۔ حمید تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا ہے۔" فریدی ان کے درمیان آتا ہوا بولا۔

"انور کو منع کیجئے۔"

"کیا بات ہے بھئی۔" فریدی انور کی طرف مڑ کر بولا۔

"کچھ نہیں.....!" انور نے مسکرا کر کہا۔ "شاید حمید کے بدن میں درد ہو رہا ہے۔"

قبل اس کے کہ حمید کچھ کہتا رمونا نے اس کے قریب پہنچ کر اس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا

"چہ چہ، ہٹاؤ بھی جانے دو۔ ورنہ کہیں مجھے سچ مچ تمہاری لاش پر آنسو بہانے پڑیں رمونا سنجیدگی سے بولی اور انور ہنس پڑا۔

"تم دونوں ضرورت سے زیادہ احمق ہو۔" فریدی نے حمید اور انور کو مخاطب کر کے کہا۔ لڑنے کا موقع ہے۔"

"بات کیا تھی؟" ڈی گاریکا نے پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔" انور جلدی سے بولا۔ "بھی کبھی حمید کے سر پر چھپکلی سوار ہو

"سن رہے ہیں آپ۔" حمید نے فریدی کی طرف دیکھ کر تیز لہجے میں کہا۔

"انور اب فضول باتیں بند کرو۔"

انور خاموشی سے آگے بڑھ گیا اور رمونا حمید کے کاندھے پر تھیلا لادنے لگی۔

"چلو میرے الوشہزادے آگے بڑھو۔" رمونا نے آہستہ سے اس کے کان میں کہا۔

وہ پھر چل پڑے۔ سورج غروب ہوتے ہوتے چٹانوں کا سلسلہ صرف ایک میل کے لے پر رہ گیا تھا۔

"واقعی ناقابل عبور معلوم ہوتی ہیں۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "ایسی چٹانیں آج تک ری نظروں سے نہیں گزریں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ کسی عظیم الشان قلعے کی دیواریں ں۔"

"ان کی بلندی ایک ہزار فٹ سے کسی طرح کم نہیں۔" ڈی گاریکا بولا۔ "محض انہیں انوں کی وجہ سے مہذب دنیا اس جزیرے کو غیر آباد سمجھتی ہے۔"

"سمجھنا ہی چاہئے۔" فریدی نے کہا۔ "خود مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ان چٹانوں کے پر زندگی کے آثار نہیں ہیں۔"

"رات یہیں کہیں گزاری جائے گی۔" ڈی گاریکا بولا۔

وہ رات انہوں نے ایک درخت کے نیچے بسر کی۔ ڈی گاریکا کے بیان کے مطابق چٹانوں ادھر درندے نہیں پائے جاتے تھے اس لئے انہوں نے دن بھر کی تھکن نہایت اطمینان دور دوسرے دن صبح ناشتہ کرنے کے بعد وہ پھر چٹانوں کی طرف چل پڑے اس حصے میں بھی جنگل تھے۔ ڈی گاریکا نے عام راستہ اختیار نہیں کیا تھا۔ اس لئے انہیں کلہاڑی کی مدد سے راستہ بنانا پڑا۔ فریدی نے چوڑے پھل کی ایک چمکدار کلہاڑی سنبھال رکھی تھی اور راستے آئی ہوئی شاخوں اور جھاڑیوں کو ہٹاتا جارہا تھا۔ دو تین گھنٹوں کی محنت کے بعد وہ چٹانوں قریب پہنچ گئے۔ یہاں چٹانوں کے نیچے حد نظر تک بانسوں کا عظیم الشان جنگل پھیلا ہوا تھا۔

فریدی، انور اور حمید ایک ہزار فٹ اونچی چٹانوں کی طرف حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ ایسا

معلوم ہوتا تھا جیسے انسانی ہاتھوں نے ان کی سطح ہموار کی ہو۔ وہ نیچے سے اوپر تک مسطح اور سیدھی کھڑی ہوئی تھیں۔ ڈی گاریکا نے ایک طرف اشارہ کیا اور وہ سب بانسوں کے جنگل میں گھسنے لگے۔

اب وہ چٹانوں کے نیچے مشرق کی طرف بڑھ رہے تھے۔ تقریباً دو گھنٹے تک چلتے رہنے کے بعد ڈی گاریکا نے ہاتھ اٹھا کر انہیں رکنے کا اشارہ کیا۔ یہاں جنگل کافی گھنا تھا اور چٹان کے ایک حصے پر جنگلی بیلیں پھیلی ہوئی تھیں۔ ڈی گاریکا نے کلہاڑی فریدی کے ہاتھ سے لے لی اور بیلیں ہٹانے لگا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے منہ سے چیخ نکلی اور وہ کلہاڑی سمیت اچھل کر پیچھے ہٹ آیا۔ کلہاڑی کے دستے سے پانی کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔

''کیا ہوا.....؟'' فریدی نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

''راستہ بند کر دیا گیا۔'' ڈی گاریکا نے مایوسانہ انداز میں کہا اور اس کے ہاتھ سے کلہاڑی چھوٹ پڑی۔ اس کی نظریں اس حصے پر جمی ہوئی تھیں جہاں سے اس نے بیلوں کا جھنکاڑ ہٹایا تھا۔ یہ ایک گڑھا سا تھا جس میں پانی بھرا ہوا تھا۔

''غار کا دہانہ.....!'' ڈی گاریکا آہستہ سے بڑبڑایا۔ ''ڈان ونسنٹ یہاں پہنچ گیا ہے۔''

''میں نہیں سمجھا۔'' فریدی اکتا کر بولا۔

''یہاں ایک دو فرلانگ لمبی قدرتی سرنگ تھی جس کے دہانے سے کچھ دور ہٹ کر ایک ندی ہے۔ انہوں نے شاید ندی سے سرنگ کو ملا دیا ہے۔''

ڈی گاریکا خاموش ہو گیا۔ وہ لوگ اس طرح خاموش تھے جیسے کسی لاش کے سرہانے کھڑے ہوں۔ دفعتاً کسی طرف سے ایک فائر ہوا اور گولی حمید کی پیٹھ پر لدے ہوئے تھیلے چھیدتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی۔

''پیچھے ہٹو.....!'' فریدی بے اختیار چیخا اور اچھل کر چٹان سے آ لگا۔ بقیہ لوگ بھی اس کے پیچھے بھاگے۔ پھر دوسرا فائر ہوا۔ رمونا کے منہ سے چیخ نکلی اور وہ غار کے وسیع دہانے میں گر پڑی۔ دیکھتے ہی دیکھتے پانی کی سطح پر لہراتے ہوئے سنہرے بال بھی غائب ہو گئے۔ اسی کے ساتھ ہی فریدی نے بھی گڑھے میں چھلانگ لگا دی۔ بقیہ لوگ اس بُری طرح سے گھبرا گئے

کہ انہوں نے مخالف سمت دوڑنا شروع کر دیا۔ فائروں کی آوازیں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد سنائی دے رہی تھیں۔

فریدی کا سر پانی کی سطح پر ابھرا اور ساتھ ہی رمونا کے سنہرے بال بھی دکھائی دیئے جنہیں اس نے اپنی مٹھی میں جکڑ رکھا تھا۔

تھوڑی دیر بعد رمونا زمین پر چت پڑی ہوئی تھی اور فریدی قریب ہی بیٹھا اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ فائر ابھی تک ہو رہے تھے۔ فریدی نے سمت کا اندازہ لگا لیا تھا اور اوپر سے کوئی گولیاں چلا رہا تھا۔ لیکن فریدی ایسی جگہ پر تھا جو گولیوں کی زد سے باہر تھی۔ فریدی نے رمونا کی طرف دیکھا۔ اس کی سانسیں آہستہ آہستہ معمول پر آ رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد وہ ہوش میں آ گئی۔ اسی دوران میں سمت مخالف سے بھی فائر ہونے شروع ہو گئے تھے۔

''ڈرو نہیں..... تمہارے گولی نہیں لگی تھی۔'' فریدی نے کہا۔ ''تم گھبراہٹ میں گڑھے میں گر گئی تھیں۔''

''وہ لوگ کہاں ہیں۔'' رمونا نے پوچھا۔

''پتہ نہیں..... میں نے تو تمہارے بعد ہی گڑھے میں چھلانگ لگا دی اور جب باہر آیا تو وہ لوگ یہاں نہیں تھے۔''

''تو وہ لوگ بھاگ گئے۔'' رمونا نے آہستہ سے کہا۔ ''اگر تم نہ ہوتے تو میں اسی گڑھے میں ڈوب جاتی۔''

فریدی کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ ایک گولی ان کے قریب ہی آ کر لگی اور فریدی نے رمونا کو ایک طرف کھینچ لیا۔

''بس اس چٹان سے چپکی رہو۔'' وہ آہستہ سے بولا اور قریب پڑی ہوئی رائفل اٹھا کر اوپر کی طرف دیکھنے لگا۔ چٹان کے ایک کٹاؤ کے درمیان ایک سیاہ سا دھبہ نظر آ رہا تھا۔ ایک متحرک دھبہ۔ دوسرے لمحے میں فریدی کی رائفل سے شعلہ نکلا اور دیکھتے ہی دیکھتے دھبہ نیچے کی طرف سرکنے لگا۔ پھر قریب ہی سے کسی وزنی چیز کے گرنے کی آواز آئی۔ رمونا چیخ کر اچھل پڑی۔ ان

سے کچھ فاصلے پر خون میں ڈوبے ہوئے گوشت کے لوتھڑوں کا ایک ڈھیر پڑا ہوا تھا۔ رمونا دہری چیخ کے ساتھ فریدی سے لپٹ گئی۔

فریدی نے اسے الگ ہٹا کر پھر اوپر کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔

''البرونو.....!'' رمونا پھر چیخی اور اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا تھا۔

''تم نے بحرین میں کیا کہا تھا.....؟'' فریدی بدستور اوپر کی طرف دیکھتا رہا۔ پرسکون لہجے میں بولا۔ ''کیا تم اپنے بھائی کے قاتلوں کے خون سے اپنے بال نہیں رنگو گی۔''

رمونا نے فریدی کے چہرے کی طرف دیکھا جو ہر قسم کے جذبات سے عاری نظر آ رہا تھا۔ رمونا سہم گئی۔

''کیوں.....؟'' فریدی نے اس کی طرف دیکھا۔ ''فائر ہونے بند ہو گئے تھے۔ مخالف سمت میں بھی خاموشی تھی۔ رمونا اوپر سے گرنے والی لاش کی طرف سے منہ پھیر کر بیٹھ گئی۔ فریدی نے احتیاط پھر ایک فائر کیا۔ تھوڑی دیر تک جوابی فائر کا انتظار کرتا رہا لیکن دوسری طرف مکمل خاموشی رہی۔ فریدی نے دو تین فائر اور کئے مگر جواب ندارد۔

''شاید ایک ہی تھا۔'' وہ رمونا کی طرف مڑ کر بولا اور لاش کی طرف بڑھنے لگا۔

''ٹھہرو!'' رمونا گھبرا کر بولی۔ ''کہاں جا رہے ہو۔''

''تجربات میں اضافہ کرنے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''میں یہ دیکھوں گا کہ ایک ہزار فٹ کی بلندی سے گرنے والے کی لاش کیسی ہو جاتی ہے۔''

رمونا نے فریدی کی طرف مڑ کر دیکھا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

فریدی نے مسکرا کر سر کو خفیف سی جنبش دی اور لاش پر جھک پڑا۔ وہ کافی دیر تک اسے الٹ پلٹتا رہا۔ پھر رمونا کی طرف لوٹ آیا۔

''آؤ چلیں.....!'' وہ اسی طرف بھاگے ہوں گے۔'' فریدی نے مخالف سمت میں اشارہ کر کے کہا۔

''مجھ میں اٹھنے کی بھی سکت نہیں رہ گئی ہے۔'' رمونا نحیف آواز میں بولی۔ ''فریدی نے تھیلا اٹھا کر پیٹھ پر لادا۔ رائفل کاندھے پر لٹکائی اور زمین پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ''لو آؤ تم بھی لد.....

جلدی کرو..... یہ وقت تکلفات کا نہیں۔ معلوم نہیں ان پر کیا گزری ہو۔ مجھے حیرت ہے میرا ساتھی بھی واپس نہ آیا۔''

اور پھر تھوڑی دیر بعد وہ مخالف سمت جا رہا تھا۔ تھیلے کے ساتھ ساتھ رمونا بھی اس کی پیٹھ لدی ہوئی تھی۔ دو تین فرلانگ چلنے کے بعد انہوں نے عجیب مضحکہ خیز منظر دیکھا۔ انور حمید اور ڈی گاریکا بانسوں کے جھنڈ میں پھیلی ہوئی بیلوں کے جال میں بُری طرح پھنسے ہوئے رہائی کے لئے ہاتھ پیر مار رہے تھے۔ فریدی بے اختیار ہنس پڑا۔ ڈی گاریکا نے رمونا کو دیکھ کر چیخ ماری۔ انور اسے سہارا نہ دیتا تو گر پڑا ہوتا۔ پھر بھی تھوڑی دیر کے لئے وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ وہ رمونا کی زندگی سے مایوس ہو چکا تھا۔ فریدی رمونا کو اتار کر آگے بڑھا۔

''یہ کیا ہوا.....؟''

''ہم ان خوفناک بیلوں سے بے خبر فائر کرتے ہوئے پیچھے ہٹ رہے تھے کہ اچانک ان نے ہمیں جکڑ لیا۔'' انور نے کہا۔ ''چاقو اور کلہاڑی آپ کے تھیلے میں رہ گئے تھے۔''

فریدی نے چاقو کی مدد سے انہیں بیلوں کے جال سے آزاد کیا۔ حمید کی نظریں رمونا پر جمی تھیں جو فریدی کی پیٹھ پر لد کر یہاں تک پہنچی تھی۔ پھر ڈی گاریکا نے آنسوؤں اور آہوں کے درمیان رمونا کے بچ جانے کی داستان سنی۔

''لیکن ایک خوشخبری بھی سنئے۔'' انور نے کہا۔ ''اگر ہم اس جال میں نہ پھنستے تو یہ ہماری اگلی بدنصیبی ہوتی۔''

''یعنی.....!''

''ان بیلوں کے درمیان میں ایک غار موجود ہے اور ڈی گاریکا کا خیال ہے کہ اس کا دہانہ ادھر کی طرف ہوگا۔''

''صرف خیال ہے یا یقین بھی۔'' فریدی نے ڈی گاریکا کی طرف دیکھ کر کہا۔

''صرف خیال۔'' ڈی گاریکا بولا۔

''ہاں..... آں کدھر.....؟'' فریدی بیلوں کے جھکڑوں کی طرف مڑ کر بولا۔

ڈی گاریکا آگے بڑھ کر کلہاڑی کی مدد سے بیلیں ہٹانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد غار کا دہانہ

دکھائی دیا۔

''تم دونوں رمونا کے ساتھ ٹھہرو۔'' فریدی نے انور اور حمید سے کہا اور تھیلے سے ایک پستول اور ٹارچ نکال کر ڈی گاریکا کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا غار میں اتر گیا۔

کئی حادثے

چاروں طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ فریدی نے ٹارچ روشن کرلی۔ آگے چل کر غار نے سرنگ کی شکل اختیار کرلی تھی۔ کائی اور سیلن کی بدبو سے دماغ پھٹا جارہا تھا۔ فریدی کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا ہر قدم جہنم کی طرف اٹھ رہا ہو اور یہ بھی عجیب بات تھی کہ گرمی کے باوجود بھی اس کے جسم سے پسینے کی ایک بوند بھی نہ پھوٹی۔ وہ آگے بڑھتے رہے۔ دفعتاً انہیں عجیب قسم کی پھنپھناہٹ سنائی۔ دونوں رک گئے۔ آواز کی طرف فریدی نے روشنی ڈالی اور دوسرے ہی لمحے میں اس کے پستول سے شعلہ نکلا اور ایک بہت بڑا سانپ اچھل کر ان کی راہ میں حائل ہوگیا۔ اس نے دو تین بار زمین پر سر پٹخا اور پھر ٹھنڈا ہوگیا۔

''بڑا سچا نشانہ ہے۔'' ڈی گاریکا مضطربانہ انداز میں بولا۔

فریدی نے ادھر اُدھر روشنی ڈالنی شروع کردی۔ ایک جگہ بہت سارے بڑے بڑے انڈے دکھائی دیئے۔

''بڑی حیرت ہوئی۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔ ''ورنہ انڈوں پر بیٹھی ہوئی مادہ بڑا خطرناک ہوتی ہے۔''

''مگر اس قسم کا سانپ یہاں خط سرطان پر کیسے؟''

''کیوں.....؟''

''یہ جارا کا سانپ تھا جو صرف جنوبی امریکہ کے استوائی خطوں میں پایا جاتا ہے۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ''احتیاط سے چلو..... ممکن ہے کہ اس کا ساتھی بھی مل جائے۔ یہ اپنی قسم کا

انتہائی شریر سانپ ہوتا ہے۔''

''سانپوں کے متعلق تم کیا جانو۔'' ڈی گاریکا کے لہجے میں تحیر تھا۔

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر بڑھتا رہا۔ آگے چل کر انہیں روشنی دکھائی دی پھر کچھ سرسبز جھاڑیاں نظر آئیں۔ ڈی گاریکا نے سینے پر اپنے ہاتھ سے صلیب کا نشان بنا کر ایک لمبی دعا پڑھی پھر فریدی سے بولا۔ ''بے شک یہ راستہ ایک بالکل ہی نئی دریافت ہے۔''

وہ دونوں واپس لوٹے۔ فریدی نے انور وغیرہ کو بتایا کہ وہ ایک نیا راستہ دریافت کرنے میں سچ مچ کامیاب ہوگئے ہیں۔ پھر یہ بحث چھڑ گئی کہ ان کی روانگی رات پر ملتوی کردی جائے یا اسی وقت چٹانیں پار کی جائیں۔

''میرا خیال ہے کہ ہم دن ہی دن نکل چلیں کیونکہ ادھر کا جنگل خطرات سے بھرا پڑا ہے۔'' ڈی گاریکا بولا۔

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔'' فریدی نے کہا۔ ''ہمارے دشمنوں میں سے یہاں شاید صرف ایک ہی تھا جسے میں نے ختم کردیا۔''

''یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔'' حمید بولا۔

''قیاس ہے۔ اگر وہ اکیلا نہیں تھا تو اس کی موت پر اس کے ساتھیوں کو کافی اودھم مچانا چاہئے تھا۔ اپنی دانست میں وہ ہمارا راستہ تو بند ہی کرچکے تھے۔''

تھوڑی دیر بعد وہ چل پڑے۔ رمونا کی نقاہت ابھی دور نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے اس بار اسے اس کے باپ نے اپنی پیٹھ پر لاد رکھا تھا۔

''کاش.....!'' حمید آہستہ سے بولا۔

''چپ چپ۔'' انور نے اسے چھیڑا۔ ''تم یوں ہی دھان پان ہو پیارے۔ بھلا یہ نومن کی لاش تم سے کب سنبھلتی۔ اچھا ہی ہوا اور رہا فریدی صاحب کا معاملہ تو آن سعادت بزور بازو بود۔''

''اچھا اب منہ میں لگام دیجئے۔ ورنہ مجبوراً مجھے نواب چابک نواز جنگ بہادر بننا پڑے گا۔''

غار کے دوسرے دہانے سے نکلنے کے بعد انہوں نے خود کو ڈھلوان چٹانوں کی ایک چھوٹی کی وادی میں پایا۔ ڈی گاریکا تھوڑی دیر تک کھڑا سمتوں کا اندازہ لگاتا رہا پھر ایک طرف انگلی اٹھا

کر بولا۔ ''ہمیں ادھر سے چڑھنا ہوگا۔''

چٹانوں کی بناوٹ بتا رہی تھی کہ یہاں کبھی آتش فشاں پھوٹتے رہے ہوں گے۔ وہ جھاڑیوں سے گزرتے ہوئے وہ ڈی گاریکا کے بتائے ہوئے راستے پر چڑھنے لگے۔ ڈی گار بُری طرح تھک گیا تھا اور اب اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ رمونا سمیت چڑھائی پر نہ چل سکے گا۔ مجبوراً فریدی کو اپنی خدمات پیش کرنی پڑیں۔

''البرونو مجھے سخت شرمندگی ہے۔'' رمونا نے آہستہ سے کہا۔

''پرواہ مت کرو۔'' فریدی بولا۔

راستے میں انور ڈی گاریکا اور حمید ستانے کیلئے کئی جگہ رکے۔ مگر فریدی بدستور چلتا رہا۔

''البرونو تم گوشت پوست کے آدمی نہیں معلوم ہوتے۔'' رمونا نے کہا۔

''وہ بھی یہی کہتے ہیں جنہیں میں گلا گھونٹ کر مار ڈالتا ہوں۔''

''البرونو تمہیں کشت وخون کے علاوہ کسی اور چیز سے بھی دلچسپی ہے۔'' رمونا نے پوچھا۔

''ہاں کیوں نہیں..... مجھے سرسبز مرغزاروں سے پیار ہے۔ میں نیلے آسمان کی بے کراں وسعتوں کو پیار کرتا ہوں۔ مجھے بیلے کی ننھی ننھی کلیوں سے محبت ہے۔ مجھے اس وقت افق بڑا حسین لگتا ہے، جب غروب کے بعد رنگین لہریئے آہستہ آہستہ تاریکیوں میں گھلنے لگتے ہیں۔ مجھے ہری گھاس کی سوندھی خوشبو سے عشق ہے۔ مجھے چاندنی راتوں کا عظیم سناٹا بے حد پسند ہے۔''

''کچھ اور بھی.....!''

''بہت کچھ.....!''

''کیا.....؟''

''اب اس وقت تو یاد نہیں آ رہا ہے پھر کبھی اطمینان سے پوچھنا۔'' فریدی اکتا کر بولا۔

''تم جو کچھ پوچھنا چاہتی ہو یہ کبھی نہ بتائے گا۔'' پیچھے سے حمید کی آواز آئی۔ ''میں تمہیں بتاؤں.....اسے عورتوں سے نفرت ہے۔''

''شٹ اپ.....!'' فریدی مڑ کر بولا۔

''رمونا میں تم سے حقیقت بیان کر رہا ہوں۔''

''کیوں البرونو.....!'' رمونا نے جھک کر اس کے کان میں کہا۔

''ٹھیک کہتا ہے۔ مجھے عورتوں اور ان سے عشق کے ڈھکوسلوں سے دلچسپی نہیں۔'' فریدی بولا۔

''لیکن نفرت نہیں کرتے۔'' رمونا نے پوچھا۔

''بھلا نفرت کیسے کر سکتا ہوں جبکہ میری ماں بھی عورت ہی تھی۔''

رمونا کچھ سوچنے لگی۔ حمید نے اپنی دانست میں بڑا تیر مارا تھا۔

''البرونو تم تھک گئے ہوگے۔'' رمونا تھوڑی دیر بعد بولی۔

''فکر مت کرو۔'' حمید چہک کر بولا۔ ''البرونو کا دماغ پلٹتے دیر نہیں لگتی۔ یہ تو تم دیکھ ہی چکی ہو کہ کسی کی جان لے لینا، اس کے بائیں ہاتھ کا کام ہے اور کسی کو قتل کرنے کے بعد اسے ذرہ برابر بھی افسوس نہیں ہوتا۔ لہٰذا جب تھک جائے گا تو تمہیں بھی کسی گہری کھائی میں پھینک کر اس طرح مطمئن نظر آئے گا جیسے اس نے اپنے کان پر رینگتی ہوئی چیونٹی جھاڑ دی ہو۔

فریدی بے اختیار ہنس پڑا اور رمونا سچ مچ کچھ خائف سی نظر آنے لگی، اچانک اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ فریدی اس تبدیلی کو محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔ اسے حمید کی اس حرکت پر غصہ آ گیا۔

''ٹھہرو.....!'' وہ حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ حمید رک کر اسکے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔

''اب تم لے چلو گے رمونا کو۔'' فریدی نے کہا۔ اس کی سنجیدگی دیکھ کر حمید سہم گیا۔

''میں..... میں۔''

''چلو اٹھاؤ.....!'' فریدی سخت لہجے میں بولا۔ اس نے رمونا کو نیچے اتار دیا تھا۔

''دیکھئے مذاق کی بات نہیں۔'' حمید گھبرا کر اردو میں بولا۔

''میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔'' فریدی نے کہا اور اپنے ہونٹ بھینچ لئے۔

''اوپر پہنچنے سے پہلے ہی مر جاؤں گا۔''

''چلو.....!'' فریدی مکا تان کر بولا۔

''انا للہ وانا الیہ راجعون۔'' حمید رمونا کے آگے جھکتا ہوا بولا۔ فریدی نے رمونا کو اشارہ کیا اور وہ چپ چاپ اس کی پیٹھ پر چڑھ گئی۔ حمید سیدھا ہوتے وقت بُری طرح ڈگمگایا۔

''اب یہ تم سے باقاعدہ محبت شروع کردے گی۔'' فریدی زہرخند کے ساتھ بولا۔

''چلو چلو آگے بڑھو۔ اگر تم ذرا بھی رکے تو بڑی شاندار ٹھوکر رسید کروں گا۔''

ہر ہر قدم پر حمید کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے تھے۔ رمونا خاصی تندرست اور دراز قد لڑکی تھی۔ رمونا بھی محسوس کررہی تھی کہ حمید زیادہ دور تک نہیں چل سکتا۔ لیکن وہ خاموش تھی نہ جانے کیوں۔ اس وقت وہ فریدی سے گفتگو کرنے میں خوف محسوس کرنے لگی تھی۔

''میں رمونا سمیت کسی گہری کھائی میں چھلانگ لگادوں گا۔'' حمید فریدی کی طرف مڑکر ہانپتا ہوا بولا۔

''اچھا خدا حافظ..... قیامت کے دن ملاقات ہوگی۔'' فریدی سلام کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ ڈی گاریکا اور انور کافی دور تھے۔ ڈی گاریکا کی وجہ سے انور بھی آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔

فریدی تھوڑی دور چلنے کے بعد مڑا۔ حمید رمونا کو اتار کر ڈی گاریکا وغیرہ کیطرف لوٹ رہا تھا اور رمونا گرتی پڑتی آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی۔ فریدی تیزی سے اسکی طرف لوٹ پڑا۔

''تو اس نے تمہیں اتار دیا۔'' فریدی نے کہا۔

''میں اب ٹھیک ہوں۔'' رمونا نے آہستہ سے کہا۔

''آؤ!'' فریدی زمین پر بیٹھتا ہوا بولا۔

''نہیں..... نہیں.....!'' رمونا بے اختیار رو پڑی۔

''بیوقوف لڑکی، پگلی کہیں کی۔'' فریدی ہنس کر بولا۔ ''میں نے اس کی قینچی کی طرح چلنے والی زبان بند کرنے کی کوشش کی تھی۔''

رمونا بدستور روتی رہی اور فریدی نے اسے پیٹھ پر اٹھالیا۔

''میرے ساتھی پر بُری طرح عشق کا بھوت سوار رہتا ہے۔'' فریدی ہنس کر بولا۔ ''اسے اس وقت میں نے اتار دیا۔''

رمونا نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ کسی خوفزدہ اور بے بس بچے کیطرح سسکیاں لے رہی تھی۔

''البرونو بُرا آدمی ضرور ہے مگر صرف دشمنوں کے لئے۔'' فریدی نے اسے پھر دلاسا دیا۔

چٹانوں کی آخری سطح پر پہنچ کر فریدی نے رمونا کو ایک درخت کے تنے کے سہارے بٹھا دیا اور خود ایک سگار سلگا کر ڈی گاریکا وغیرہ کا انتظار کرنے لگا۔ اسے یہ دیکھ کر حیرت ہو رہی تھی کہ یہاں چٹانوں کی سطح بالکل ہموار ہوگئی تھی۔ حد نظر تک گھنے جنگل پھیلے ہوگئے تھے۔ ایسی چٹانوں پر گھنے جنگل کی موجودگی معجزے سے کم نہ تھی۔ یہاں اسے سنبل کے بے شمار درخت دکھائی دیئے جو بڑے بڑے سرخ پھولوں سے لدے ہوئے تھے۔

''تمہیں بھوک لگ رہی ہوگی۔'' فریدی نے رمونا سے کہا۔

''نہیں تو.....!'' رمونا آہستہ سے بولی۔

''آخر تم مجھ سے خوفزدہ کیوں ہو۔'' فریدی ہنس کر بولا۔

''نہیں خوفزدہ تو نہیں۔'' رمونا پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ ''مجھے اس کا افسوس ہے کہ تم دونوں میں جھگڑا ہوگیا۔''

''جھگڑا.....!'' فریدی متحیر ہوکر بولا۔ ''اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے ایک درخت کی جڑ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''میں اسے چھوٹے بھائی کی طرح عزیز رکھتا ہوں۔ وہ دن بھر میں سینکڑوں بار مجھ سے روٹھتا اور منتا ہے۔''

فریدی کچھ اور کہنے جارہا تھا کہ ڈی گاریکا وغیرہ بھی پہنچ گئے۔ حمید کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے فریدی کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

''مجھ میں تو اب چلنے کی سکت نہیں رہ گئی ہے۔'' ڈی گاریکا بیٹھتا ہوا بولا۔

''فکر مت کرو۔ میرا ساتھی تمہیں لے چلے گا۔'' فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

''لعنت ہے ایسی زندگی پر۔'' حمید نے جھلا کر کہا اور تیزی سے ایک طرف بڑھنے لگا۔

رمونا نے جھپٹ کر اُسے پکڑ لیا اور دبوچ کر اس کا سر سہلاتا ہوا آہستہ آہستہ کہنے لگا۔

''چہ چہ..... میرے راج دلارے۔ برخوردار سلمہٗ، یہ تمہاری محبوبہ دلنواز کے والد صاحب ملکر ہیں۔''

''کیا بات ہے۔'' ڈی گاریکا ان کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ''میں عورت نہیں ہوں کہ تمہاری بڑ پر لد کر چلوں گا۔''

''ہم دونوں آپس میں مذاق کررہے ہیں۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا اور حمید کو کھینچتا ہوا رمونا کے پاس لایا۔ پھر اس نے حمید کو اس طرح تنگ کرنا شروع کیا کہ وہ بے اختیار چیخنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد رمونا مچھلیوں اور گوشت کے ڈبے کھول رہی تھی۔ مختصر سا دسترخوان بچھ گیا۔

''یہ رات یہیں گزاری جائے۔'' ڈی گاریکا نے کہا۔ ''یہاں درندے نہیں معلوم ہوتے۔''

''اور اگر انہوں نے رومولی کو مار ڈالا تو.....'' انور نے کہا۔ ''یہ تو ظاہر ہے کہ ڈان وٹسن یہاں پہنچ گیا ہے ورنہ وہ راستہ نہ بند کرتے۔''

''یہاں رات کو سفر کرنا انتہائی خطرناک ہے اور جب ہم نہ ہوں گے تو رومولی کا کیا بنے گا۔ ویسے تو ممکن ہے کہ ہم اسے کسی نہ کسی طرح بچا ہی لیں۔''

وہ رات انہوں نے وہیں بسر کی اور باری باری سے سب لوگ جاگتے رہے۔

دوسری صبح کو سفر پھر شروع ہوگیا۔ وہ کئی گھنٹے تک گھنے جنگلوں سے گزرتے رہے دفعتاً ڈی گاریکا چلتے چلتے رک گیا۔

''میرا اندازہ غلط نکلا۔'' اس نے پرندامت انداز میں کہا۔ ''میں سمجھتا تھا کہ اس سمت میں چلنے پر ہم جلدی رسیوں کے پل تک پہنچ جائیں گے۔''

''رسیوں کا پل.....!'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

''ہاں چٹانوں کے درمیان ایک گہری کھائی پر بنایا گیا تھا۔ دونوں چٹانوں کا فاصلہ بیس پچیس فٹ سے زیادہ نہیں۔ اس کے آگے پھر کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ یہ پچیس فٹ چوڑی دراڑ میلوں تک پھیلی ہوئی ہے۔ فی الحال اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں کہ ہم کسی بہت اونچے درخت پر چڑھ کر گردوپیش نظر دوڑائیں ورنہ کب تک اس طرح بھٹکتے پھریں گے۔''

حمید نے برا سا منہ بنایا۔

ڈی گاریکا ایک درخت کی طرف اشارہ کرکے بولا۔ ''بس یہ ٹھیک رہے گا۔ ہمیں صرف اس دراڑ کا پتہ لگانا ہے۔ اس کے بعد پل میں تلاش کرلوں گا۔''

''لیکن درخت پر چڑھے گا کون۔'' انور نے کہا۔ ''کم از کم مجھ میں تو اتنے اونچے درخت پر چڑھنے کی ہمت نہیں۔''

''تم میں کسی بات کی ہمت نہیں۔'' حمید نے اپنا تھیلا زمین پر گراتے ہوئے کہا۔ رائفل اتار کر تھیلے سے لٹکا دی اور اب اپنے جوتے اتار رہا تھا۔ فریدی پرتشویش انداز میں حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''تم چڑھ جاؤ گے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''کیوں نہیں! کیا آپ مجھے بھی انور سمجھتے ہیں۔'' حمید نے اس انداز میں کہا کہ رمونا ہنس پڑی۔

دوسرے لمحے میں وہ بندر کی پھرتی کے ساتھ درخت کے سپاٹ تنے پر چڑھ رہا تھا اور رمونا ہنسے جارہی تھی۔ حمید رمونا کی کھنکتی ہوئی ہنسی سے لطف اندوز ہوتا ہوا ایک شاخ سے دوسری شاخ پر پیر رکھتا اوپر کی طرف جارہا تھا۔ ایک جگہ رک کر اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں کچھ دور پر مغرب کی طرف ایک چوڑی سی سیاہ لکیر دکھائی دی جس کا سلسلہ بہت دور تک پھیلا ہوا تھا۔ حمید تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر دیکھ کر راستے کا تعین کرتا رہا۔ پھر نیچے اترنے لگا۔ دفعتاً اسے ایسا معلوم ہونے لگا جیسے کوئی اس کے پیچھے موجود ہو۔ حمید نے پلٹ کر دیکھا دو سرخ سرخ آنکھیں اس کی آنکھوں میں گھور رہی تھیں۔ ان آنکھوں کے نیچے ایک چپٹی سی ناک تھی۔ نچلا جبڑا آگے کی طرف نکلا ہوا تھا۔ ٹھوڑی کے گرد سفید بالوں کے بڑے بڑے گچھے تھے۔ حمید ایک شاخ سے پھسل کر دوسری پر آرہا۔ یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ اوپر کی شاخ دوبارہ اس کی گرفت میں آگئی ورنہ ہڈیاں سرمہ ہوجاتیں۔ وہ اب تک حمید کی طرف گھور رہا تھا۔ دفعتاً اس نے اپنا منہ کھولا۔ ساتھ ہی حمید کا بھی منہ کھل گیا اور بے اختیار چیخیں نکلنے لگیں۔

''ڈرو نہیں۔'' نیچے سے فریدی کی آواز آئی۔ ''میں نے اسے دیکھ لیا وہ ایک بے ضرر قسم کا بندر ہے۔''

حمید کی چیخیں سن کر وہ اچھلا اور دوسری شاخ پر چلا گیا۔ حمید نے اب دیکھا کہ اس کے سارے جسم پر بھی ننھے ننھے بال تھے۔ حمید تیزی سے نیچے اترنے لگا اور تقریباً دس فٹ کی بلندی سے چھلانگ لگادی۔

''بیوقوف آدمی وہ بندر تھا۔'' فریدی ہنس کر بولا۔ ''اسے تھرہ پواند کہلاتا ہے۔ دیکھو جغرافیہ

یاد رکھنے سے یہ فائدہ ہوتا ہے ورنہ تم سچ مچ شہید ہو گئے ہوتے، مگر مجھے اب جغرافیہ کی صحت پر بھی شبہ ہونے لگا ہے۔ کیونکہ جغرافیہ کی رو سے اس قسم کے بندر خط سرطان پر نہیں پائے جاتے۔"

"تم چیخنے کیوں لگے تھے۔" رمونا ہنس کر بولی۔

"چیخ کب رہا تھا۔" حمید بسورنے کی ایکٹنگ کرتا ہوا بولا۔ "میں تو رونے لگا تھا۔"

"کیوں .....؟" رمونا نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے پوچھا۔

اس باریش اور برگزیدہ بندر کو دیکھ کر بے اختیار دادا جان مرحوم یاد آ گئے تھے۔

"خیر.....خیر.....!" فریدی منہ بنا کر بولا۔ "غیر دلچسپ باتیں مت کرو۔ کام کی بات کرو۔"

"کام کی بات یہ ہے کہ وہ بندر ہمارے نام اور پتے لکھ کر لے گیا ہے۔ اب باقاعدہ خط و کتابت کرتا رہے گا۔ اس سے طرفین کی خیر و عافیت وغیرہ معلوم ہو جایا کرے گی۔"

"بکو مت.....!" فریدی چیخ کر بولا اور رمونا پھر ہنسنے لگی۔ فریدی درخت کی طرف بڑھا وہ خود ہی چڑھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ حمید نے دوڑ کر اسے پکڑ لیا۔

"اتنے اونچے درخت سے خودکشی بے کار رہے گی کیونکہ سراغ رساں لاش نہ پہچان پائیں گے کیا فائدہ۔" اس نے کہا۔

فریدی نے پلٹ کر اس کی گردن پکڑ لی۔

"بب بب بتاتا ہوں۔" حمید تلملا کر چیخا۔ فریدی نے گرفت ڈھیلی کر دی۔ وہ منہ بنا کر بولا۔ "مغرب کی طرف وہ دراڑ موجود ہے۔ شاید دو میل کا فاصلہ ہوگا۔ تو گردن چھوڑیئے نا۔ آپ مذاق پر آمادہ ہوں تب بھی میری ہی شامت، اور میں مذاق کروں تو شامت در شامت۔"

فریدی اس کی گردن چھوڑ کر ڈی گاریکا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

پھر وہ لوگ مغرب کی طرف چل پڑے۔ کچھ دور چلنے کے بعد ڈی گاریکا کو کچھ سننے لگا۔ فریدی بھی چونک پڑا۔ وہ معنی خیز نظروں سے ڈی گاریکا کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"جنگلی قبائل کا جنگلی نقارہ۔" ڈی گاریکا زیر لب بڑبڑایا۔ "یا تو وہ کسی سے جنگ کر رہے ہیں یا پھر ان کے کسی بڑے تہوار کا موقع ہے۔"

ہوا کے تیز جھونکے کے ساتھ پھر نقارے کی آوازیں لہراتی ہوئی آئیں اور جنگل کی وسعتوں

میں ڈوبتی چلی گئیں۔

"ہمیں کافی محتاط رہنا پڑے گا۔" ڈی گاریکا فریدی وغیرہ کی طرف مڑ کر بولا اور چلنے لگا۔

نقاروں کی آوازیں کہیں دور سے آتی معلوم ہو رہی تھیں۔ کبھی ہلکی اور کبھی تیز۔

ایک گھنٹے بعد وہ دراڑ کے قریب پہنچ گئے۔ فریدی نے کنارے جا کر نیچے کی طرف جھانکا۔ گہرائی پانچ سو فٹ سے کم گہرائی نہ رہی ہوگی۔ اور پچیس تیس فٹ کی دوری پر دوسری چٹانوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ڈی گاریکا شمال کی طرف چلنے لگا۔ جیسے جیسے وہ آگے بڑھتے جاتے تھے نقاروں کی آوازیں قریب ہوتی معلوم ہو رہی تھیں۔

"ناممکن..... بالکل ناممکن..... اب کیا ہوگا۔" ڈی گاریکا لڑکھڑاتا ہوا بولا۔ اگر وہ ایک درخت کے تنے کا سہارا نہ لے لیتا تو اس کا گر جانا یقینی تھا۔

"کیا ہوا۔" فریدی چیخا۔ ڈی گاریکا سنبھل چکا تھا۔ اس کے ہونٹ ہلے..... مگر آواز نہ آئی۔ فریدی نے آگے بڑھ کر اسے جھنجھوڑا اور وہ اس طرح چونک پڑا جیسے سوتے سوتے جاگا ہو۔

"بل کاٹ دیا گیا۔" وہ ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے بولا جس کے تنے سے موٹی رسیاں لپٹی ہوئی تھیں۔

"اب کیا ہوگا۔ اب کیا ہوگا۔" وہ اس طرح بڑبڑایا جیسے اس پر ہسٹریا کا دورہ پڑ گیا ہو۔

غیر متوقع انجام

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ ڈان ونسنٹ وغیرہ نے ہمیں یہاں داخل ہوتے دیکھ لیا ہے۔" انور نے کہا۔ "ورنہ بل کے کاٹنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ کیونکہ انہوں نے اپنی دانست میں راستہ بند کر دیا تھا، لیکن انہوں نے رات ہی کو ہم پر حملہ کیوں نہیں کر دیا۔"

"ممکن ہے انہوں نے آج ہی ہمیں دیکھا ہو۔" انور نے کہا۔

''تم ٹھیک کہتے ہو۔'' فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''اگر ہم کوشش کریں تو جلد ہی انہیں جالیں گے۔''

''مگر اب کیا ہوسکتا ہے۔'' ڈی گاریکا مایوسانہ لہجے میں بولا اور سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

''البرونو مایوس ہونا نہیں جانتا۔'' فریدی لاپروائی سے بولا اور وہ اس اونچے درخت کو نیچے سے اوپر تک دیکھ رہا تھا جس کے سہارے رسیوں کا پل بنایا گیا تھا۔

''وہ دیکھو.....!'' حمید چیخا۔ سب کی نظریں اس کے ہاتھ کی طرف اٹھ گئیں جو دراڑ کے پار اشارہ کررہا تھا۔ بہت دور ایک ابھری ہوئی چٹان پر کئی آدمی چلتے دکھائی دے رہے تھے۔

''وہی ہوں گے۔'' فریدی نے کہا اور تھیلا کھول کر کلہاڑی نکالنے لگا۔ بقیہ لوگ اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ اس نے درخت کے تنے پر کلہاڑی سے ضربیں لگانی شروع کردیں۔

''کیا تمہارا دماغ بھی جواب دے گیا۔'' ڈی گاریکا نے کہا۔

''کیوں؟ میں اس دراڑ پر ایک دوسرا پل بنانے جارہا ہوں۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

ڈی گاریکا کچھ سوچنے لگا۔ پھر دفعتاً اچھل کر بولا۔ ''البرونو تم معمولی آدمی نہیں ہو۔ تم کے فوق البشر ہو۔''

پھر وہ سب باری باری سے درخت پر کلہاڑی چلاتے رہے اور شام ہوتے ہوتے انہوں نے اسے گرا ہی لیا۔ درخت دوسری طرف کی چٹانوں سے جالگا تھا۔

مگر اس کے چکنے تنے پر چلنا آسان کام نہیں۔'' ڈی گاریکا نے کہا۔

''سچ مچ تمہارا دماغ سوچنے کے قابل نہیں رہ گیا۔'' فریدی ہنس کر بولا۔ اس نے اپنا رائفل کاندھے پر لٹکائی اور سامان کا تھیلا پیٹھ پر باندھا اور درخت کے تنے پر بیٹھ کر دونوں طرف پیر ادھر اُدھر لٹکا لئے اور پھر اس کی حالت دیکھ کر بے اختیار ہنسی آگئی۔ وہ تنے پر دونوں ہاتھ ٹیک کر پھدکتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ دوسرے کنارے پر پہنچ کر اس نے ان کی طرف دیکھا اور قہقہہ لگاتے ہوئے ہاتھ ہلانے لگا۔ پھر باری باری سے سب نے اس کی تقلید کی۔ تھوڑی دیر بعد وہ سب دوسرے کنارے پر بیٹھے ہوئے چائے کا انتظار کررہے تھے۔ رمونا نے اسٹوپ پر کیتلی چڑھا دیا تھا اور اب دودھ کے ڈبے میں سوراخ کررہی تھی۔

''یہ سوراخ میرے دل میں ہورہا ہے۔'' حمید نے فریدی کیطرف جھک کر آہستہ سے کہا۔

''اور اگر میں تمہارے سر میں بھی سوراخ کردوں تو۔'' فریدی نے بجھا ہوا سگار پھینک کر کہا۔

''خدا کی قسم.....اس کی انگلیاں..... ہے ہے۔''

''بس اب چپ بھی رہو.....ورنہ میں اس کی ٹانگ توڑ دوں گا۔'' فریدی نے کہا۔

''کیوں؟ کیوں؟ کیا کیا ہے اس بے چاری نے۔''

''کچھ نہیں.....!'' فریدی حمید کو گھور کر بولا۔ ''یہ اس لئے کروں گا کہ وہ پھر تمہاری پیٹھ پر سفر کرسکے اور اس بار میں تمہاری کھال گرادوں گا احمق کہیں کے۔''

انہیں اچھی طرح یقین ہوگیا تھا کہ ڈان ونسنٹ جزیرے میں ان کے داخلے سے لاعلم نہیں ہے۔ اس لئے ڈی گاریکا کی تجویز پر انہوں نے راستہ بدل دیا ڈی گاریکا کا خیال تھا کہ اس طرح ڈان ونسنٹ کو راستے ہی میں جالیں گے۔

سہ پہر کو وہ ایک ویران حصے سے گزر رہے تھے۔ جنگلوں کا سلسلہ ختم ہوگیا تھا۔ چاروں طرف کتھئی رنگ کی اونچی نیچی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔ فریدی وغیرہ کی پانی کی بوتلوں میں کافی پانی موجود تھا۔ ورنہ اس سنگلاخ حصے کو دیکھتے ہوئے ان میں سے ایک آدھ کا ہارٹ فیل ضرور ہوجاتا کیونکہ اس قسم کی چٹانوں میں پانی تو بڑی چیز ہے پانی کا فریب دینے والی ریت بھی نہیں ملتی۔

دفعتاً فریدی چلتے چلتے رک گیا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سننے کی کوشش کرتا رہا پھر اپنے ساتھیوں کو رکنے کا اشارہ کرکے ایک چٹان پر چڑھ گیا اور جب وہ واپس آیا تو اس کی آنکھیں پراسرار طور پر چمک رہی تھیں۔

''وہ آرہے ہیں۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔ ''تم لوگ خاموشی سے بیٹھ جاؤ۔''

تھوڑی دیر بعد انہیں قدموں کی آہٹیں سنائی دینے لگیں۔

''وہ ہمیں نہیں دیکھ سکتے کیونکہ کافی نشیب میں ہیں۔'' فریدی نے کہا۔ ''تم لوگ اپنے بستے اتار لو۔''

وہ سب ننگے پیر چلنے لگے..... چلتے رہے حتیٰ کہ سورج دور کی پہاڑیوں میں جھکنے لگا۔ وہ

برابر قدموں کی آوازیں سنتے رہے تھے اور فریدی کبھی کبھی کسی نہ کسی پوشیدہ مقام سے دوسری طرف جھانکتا آیا تھا۔ ایک بار اس نے رک کر اپنے ساتھیوں کو بھی رکنے کا اشارہ کیا۔

''وہ لوگ یہاں پڑاؤ ڈال رہے ہیں۔'' فریدی نے کہا۔ ''ہمیں بھی رک جانا چاہئے۔ وہ تعداد میں دس ہیں۔''

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر ڈی گاریکا کو مخاطب کر کے بولا۔ ''کیوں نہ ہم رومولی کو یہیں چھین لیں۔''

''مگر یہ کس طرح ممکن ہے۔ ہم صرف چار ہیں۔'' ڈی گاریکا نے کہا۔

''فکر مت کرو۔ ابھی میرے ہاتھ میں ایک ٹرمپ کارڈ موجود ہے۔''

''یعنی.....!''

''ڈان الفریڈو.....!'' فریدی نے کہا۔ ''حالانکہ اس چہرے کی بناوٹ کچھ ایسی تھی کہ میک اپ میں دشواری پیش آئے گی مگر خیر میں کوشش کرتا ہوں۔''

فریدی اپنے سامان کا تھیلا لے کر داہنی طرف کی چٹانوں کے نیچے اتر گیا اور پھر ایک گھنٹے کے بعد انہوں نے اسے ڈان الفریڈو کی شکل میں دیکھا۔ اس کے چہرے پر بے شمار خراشیں معلوم ہو رہی تھیں جن میں خون جم جم کر سیاہی اختیار کر چکا تھا۔ ہونٹ زخمی تھے۔ پیشانی کے ورم نے آنکھوں کو قریب قریب ڈھک لیا تھا۔ آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ تھیں۔ فریدی نے انہیں اپنی زبان دکھائی جو معمول سے زیادہ موٹی نظر آ رہی تھی۔

''میری زبان بھی زخمی ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''ظاہر ہے ایسی صورت میں ڈان ونسنٹ مجھ سے میرے صحیح لہجے اور آواز کی توقع نہ رکھے گا۔''

''تم ایک خطرناک کام کرنے جا رہے ہو۔'' ڈی گاریکا پر تشویش لہجے میں بولا۔

''تو میں مکھیاں کب مارتا رہا ہوں۔'' فریدی نے ہنس کر کہا۔ ''خیر.....تم لوگ آرام کرو۔''

''میں بھی چلتا ہوں۔'' حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''بڑے بہادر نظر آ رہے ہو۔ جی نہیں تشریف رکھئے۔'' فریدی نے کہا اور اونچی نیچی چٹانیں پھلانگتا دوسری طرف اتر گیا۔ ڈان ونسنٹ کے کیمپ میں روشنی ہو رہی تھی۔

چلتے چلتے دفعتاً فریدی نے ایک چیخ ماری اور لڑکھڑا کر گر پڑا اور اس نے محسوس کیا کہ کچھ آدمی اس کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ کئی ٹارچوں کی روشنیاں اس کے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔

''ارے یہ تو الفریڈو ہے۔'' کسی نے کہا۔ ''چلو جلدی اسے اٹھاؤ.....لیکن احتیاط سے کسی قدر زخمی ہو گیا ہے۔''

دو تین آدمی فریدی پر جھک پڑے۔ لیکن انہوں نے ابھی ہاتھ ہی لگائے تھے کہ فریدی اچھل پڑا۔ دوسرے لمحے میں وہ ایک ابھرتی ہوئی چٹان کی اوٹ میں تھا۔

''خبردار.....!'' وہ ریوالور نکال کر بولا۔ ''پیچھے ہٹو ورنہ سب کو ختم کر دوں گا۔''

''الفریڈو اس کی ضرورت نہیں۔'' کسی نے دوسری طرف سے کہا۔

''ڈان ونسنٹ!'' فریدی تحیر آمیز لہجے میں بولا۔ ''شکر ہے تیرا۔ شکر ہے اے خدا۔''

اور پھر وہ چٹان کی اوٹ سے نکل آیا۔ ڈان ونسنٹ اسے سہارا دے کر کیمپ کی طرف لے جانے لگا۔

رشیدہ کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور وہ سر جھکائے ہوئے بیٹھی تھی۔ ڈان ونسنٹ نے فریدی کو ایک چٹان کے سہارے بٹھا دیا۔

''میں بیرونی جنگل تک ان کے پیچھے لگا آیا تھا۔'' فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

''لیکن مجھے حیرت ہے کہ وہ اندر کیسے داخل ہوئے۔'' ڈان ونسنٹ نے کہا۔ ''انہیں دیکھ کر میں نے رسیوں کا پل بھی کاٹ دیا تھا۔''

''انہوں نے بانسوں کے جنگل میں ایک دوسرا راستہ دریافت کر لیا تھا۔'' فریدی نے کہا۔ ''اسی راستہ سے میں داخل ہوا ہوں۔ وہ آگے نکل گئے اور میں ایک مصیبت میں پھنس گیا۔ ایک ٹامانس نے میرا پیچھا کرنا شروع کر دیا تھا۔ پھر مجھے کچھ اچھی طرح یاد نہیں کہ میں اس دراڑ میں کیسے جا پڑا۔

''دراڑ میں۔'' جان ونسنٹ حیرت سے بولا۔ ''لیکن پھر تم اس میں سے نکلے کس طرح۔''

''یہی تو بتانے جا رہا ہوں۔'' فریدی نے اپنی پھولی ہوئی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر سسکی لیتے ہوئے کہا۔ ''میں دیوانہ وار دراڑ میں دوڑ رہا تھا اور یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ وہاں جا نکلا جہاں

رسیوں کا پل تھا۔ مگر میں نے کیا دیکھا؟ فریدی نے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔

''کیا دیکھا.....؟'' ڈان ونسنٹ کے لہجے میں اضطراب تھا۔

''پل والا بڑا درخت دراڑ کے آر پار پڑا تھا اور اس کی رسی دراڑ میں لٹک رہی تھی۔''

ڈان ونسنٹ پہلے تو کچھ نہ سمجھا لیکن پھر دفعتاً اچھل پڑا۔ فریدی اس کی طرف دھیان دیئے بغیر بولتا رہا۔ ''وہ چیز میرے لئے تائید غیبی تھی۔ میں کسی نہ کسی طرح چڑھتا اور پھسلتا ہوا رسی تک پہنچ گیا۔ اب مجھے اسوقت اچھی طرح یاد نہیں کہ میں رسی کے سہارے کس طرح اوپر پہنچا۔''

''تو اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ اسی درخت کے سہارے دراڑ کے اس پار آ گئے ہیں۔'' ڈان ونسنٹ نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ تھوڑی دیر کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''تم نے مجھے وائرلیس کے ذریعہ اطلاع دی تھی کہ تمہیں اولیاری کا بھوت دکھائی دیا تھا۔''

''یہ ان کی ایک خطرناک حرکت تھی۔'' فریدی نے کراہ کر کہا۔ ''وہ رومولی کا ساتھی اور تھا۔ انہوں نے اس پر اولیاری کا میک اپ کر دیا تھا۔''

''انور.....!'' رشیدہ بے اختیار چیخی اور پھر ہنس پڑی۔

''خاموش رہو۔'' ڈان ونسنٹ نے اسے ڈانٹا۔

''اس کے ساتھ دو آدمی اور ہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''البرونو اور اس کا ساتھی؟'' ڈان ونسنٹ نے پوچھا۔

''ہاں! لیکن جانتے ہو البرونو کون ہے؟''

''نہیں۔''

''بین الاقوامی شہرت کا مالک انسپکٹر فریدی جس نے مصر میں ولیمن کی مشینی آندھی کا پتہ لگایا تھا۔''

''غدار.....ڈی گاریکا۔'' ڈان ونسنٹ مٹھیاں بھینچ کر بولا۔ ''لیکن تمہیں کیسے معلوم ہوا۔''

''اس کے پاسپورٹ سے۔'' فریدی نے کہا۔ ''لیکن تمہیں اس کی اطلاع نہ دے سکا کیونکہ انہوں نے میری نگرانی شروع کر دی تھی۔''

رشیدہ نے پھر قہقہہ لگایا اور چیخ کر بولی۔ ''اگر واقعی ان کے ساتھ فریدی بھی ہے تو یہ سمجھ لو

کہ تمہاری موت تمہارے سروں پر منڈلا رہی ہے۔''

''خاموش رہو۔'' ڈان ونسنٹ اسے مکا دکھا کر چیخا۔

''میں بہت تھک گیا ہوں۔'' فریدی مضمحل آواز میں بولا۔ ''مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں صبح تک زندہ نہ رہ سکوں گا۔''

''آگ بجھا دو.....!'' ڈان ونسنٹ نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ''ساری روشنیاں گل کر دو۔''

تھوڑی دیر بعد وہاں اندھیرا پھیل گیا۔

''ڈان ونسنٹ میں تھک گیا ہوں۔ مجھے برانڈی چاہئے۔'' فریدی نے کہا۔

''برانڈی..... ہمارے پاس صرف دو بوتلیں رہ گئیں ہیں۔ زیادہ پینے کی کوشش نہ کرنا ہم سب تھکے ہوئے ہیں۔''

ڈان ونسنٹ نے اس کے ہاتھ میں ایک بوتل تھما دی۔ فریدی نے تھوڑی سی برانڈی اندھیرے میں گرا دی پھر اس کی جیب سے ایک پڑیا نکلی دوسرے لمحے میں پڑیا کا سارا سفوف بوتل میں تھا۔

''شکریہ.....!'' فریدی ایسے انداز میں بولا جیسے وہ ابھی تک سانسیں روکے ہوئے بوتل کا دہانہ لگائے رہا ہو اور پھر اس نے ٹٹول کر بوتل ڈان ونسنٹ کو واپس کر دی۔ بوتل ڈان ونسنٹ اور اس کے ساتھیوں میں گردش کرتی رہی۔ فریدی چھیڑ چھیڑ کر ان سے گفتگو کرنے لگا۔ تھوڑی دیر تک وہ بولتے رہے پھر ان کی آوازیں آنی بند ہو گئیں۔ فریدی نے دو تین بار ڈان ونسنٹ کو زور زور سے پکارا لیکن جواب ندارد پھر وہ آہستہ آہستہ ٹٹولتا ہوا رشیدہ کی طرف بڑھنے لگا۔ رشیدہ ہنس پڑی۔

''یہ کیا حرکت؟'' اس نے سخت لہجے میں کہا۔

''چپ چپ..... میں ہوں فریدی۔''

''اوہ.....!'' رشیدہ قریب قریب چیخ پڑی۔

''بے وقوف لڑکی خاموش رہو۔'' فریدی نے کہا اور اس کے ہاتھ پیر کھولنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ چٹانوں سے گزر رہے تھے۔

''ڈی گاریکا اور اس کی لڑکی کو میری اصلیت نہ معلوم ہونے پائے۔'' فریدی نے کہا۔ ''وہ مجھے صرف البرونو سمجھتے ہیں۔''

ڈی گاریکا وغیرہ رشیدہ کو دیکھ کر اچھل پڑے۔ رشیدہ انور کے شانے سے لگی ہوئی بُری طرح رو رہی تھی۔

''تم بھی کبھی اس طرح روئی ہو۔'' حمید نے آہستہ سے رمونا سے پوچھا۔

''میں کیوں روتی۔''

''البرونو میں کس طرح تمہارا شکریہ ادا کروں۔'' ڈی گاریکا بولا۔

''بعد کی باتیں ہیں۔'' فریدی نے کہا۔ ''صبح ہمیں ڈان ونسنٹ سے سمجھنا ہے۔''

''کیوں نہ انہیں اسی وقت ٹھکانے لگا دیا جائے۔'' رمونا نے کہا۔

''یہ میرے اصول کے خلاف ہے۔ میں نیند یا بیہوشی میں کسی کو مارنے کا قائل نہیں۔''

''اور اگر وہ رات ہی کو نکل گئے تو۔'' ڈی گاریکا نے کہا۔

''صبح سے پہلے ان کی آنکھ کھلنی محال ہے۔'' فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

''لیکن ہمیں ہوشیار رہنا چاہئے۔ رات میں باری باری سے ہم پہرہ دیتے رہیں گے۔'' ڈی گاریکا نے کہا۔

رات کی تاریکی بڑھی جا رہی تھی۔ سب لوگ سو گئے۔ سوتے میں اچانک فریدی کی آنکھ کھل گئی۔ حمید رمونا اور انور کے بیچ میں رشیدہ سو رہی تھی۔ لیکن ڈی گاریکا کا کہیں پتہ نہ تھا۔ فریدی کا ماتھا ٹھنکا۔ وہ تیزی سے چٹانوں پر چڑھنے لگا۔ چاروں طرف سناٹا تھا۔ یکایک اسے ایک چیخ سنائی دی۔ فریدی کے جسم میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ وہ آواز کی طرف جھپٹا پھر دوسری چیخ سنائی دی پھر تیسری اور ایک بار پھر سناٹا چھا گیا۔ وہ جگہ جہاں اس نے ڈان ونسنٹ اور اس کے ساتھیوں کو چھوڑا تھا دکھائی دے رہی تھی۔

''وہ حماقت کر ہی بیٹھا۔'' فریدی بڑبڑایا۔ سامنے کا منظر دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ ڈان ونسنٹ اور اس کے ساتھیوں نے ڈی گاریکا کو جکڑ رکھا تھا۔ ڈان ونسنٹ پوری قوت سے اس کا گلا دبا رہا تھا۔ فریدی نے رائفل چھتیائی ''دھائیں'' چٹانیں گونج اٹھیں۔ فریدی نے

پھر دوسرا فائر کیا اور بھاگا۔

آدمیوں کے بھاگنے کی آوازیں اسے سنائی دی۔ فریدی اس جگہ پہنچ گیا تھا جہاں ڈیگاریکا دو لاشوں کے بیچ میں پڑا تھا۔ اسکی آنکھیں بند تھیں۔ فریدی نے آہستہ سے اسے جنبش دی۔

''البرونو.....!'' ڈی گاریکا چلایا۔ ''کیا وہ لوگ بھاگ گئے۔''

''ہاں یہ کیا پاگل پن تھا۔ میرے منع کرنے کے باوجود بھی تم چلے آئے۔''

''مگر یہ بہت بُرا ہوا..... وہ لوگ بچ کر نکل گئے۔ اب ہماری جان کی خیر نہیں۔''

''کوئی پرواہ نہیں۔'' فریدی نے اسے اٹھایا۔ ''تمہیں چوٹ تو نہیں آئی۔''

''نہیں البرونو..... مجھے اولیاری کے انتقام نے اندھا کر دیا تھا۔ جب تم لوگ سو گئے تو میں اٹھا یہ سب بیہوش پڑے تھے۔ میں نے ایک کے سینے میں خنجر اتار دیا۔ اس کی چیخ سے دوسروں کی آنکھ کھل گئی۔ جب تک وہ ہوشیار ہوں میں دوسرے کو بھی ختم کر چکا تھا کہ اچانک ان لوگوں نے مجھے پکڑ لیا۔ میں بے قابو ہو گیا مگر تعجب ہے البرونو ان میں کسی کے پاس کوئی ہتھیار بھی نہ تھا۔''

فریدی اور ڈی گاریکا جب پہنچے تو انور اور حمید وغیرہ جاگ چکے تھے۔ رمونا کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ ڈی گاریکا کو دیکھ کر وہ اچھل پڑی۔

''البرونو تم بہت اچھے ہو۔'' وہ تشکر آمیز لہجے میں بولی۔

''میرے متعلق کیا خیال ہے۔'' حمید نے دخل دیا۔

رمونا نے اسے گھور کر دیکھا۔ حمید نے خاموشی سے گردن جھکالی۔

''سب لوگ تیاری میں مصروف ہو گئے اور سورج نکلتے نکلتے یہ چھوٹا سا قافلہ سنگلاخ چٹانوں کو عبور کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

متواتر دو دن تک سفر جاری رہا۔ اس دوران میں کوئی قابل ذکر حادثہ پیش نہیں آیا۔ آہستہ آہستہ جنگلوں اور پہاڑوں کے آثار ختم ہوتے جا رہے تھے۔ ڈی گاریکا کی تجویز پر ایک جگہ رک کر فریدی، حمید اور انور نے اپنی شکلیں تبدیل کر لیں۔ انور ڈی گاریکا کے لڑکے اولیاری کی شکل ملتا تھا۔ فریدی اور حمید نے ڈی گاریکا کی دی ہوئی دو تصاویر کے مطابق میک اپ کیا تھا۔ ڈی

گاریکا نے انہیں بتایا کہ شہر میں داخلے کے وقت باہر سے آنے والوں کے متعلق کافی چھان بین کی جاتی ہے۔

''مجھے خوف ہے کہ کہیں ڈان ونسنٹ نے شاہی محکمہ سراغ رسانی کو اپنی آمد سے مطلع نہ کر دیا ہو۔'' ڈی گاریکا نے کہا۔

''کس طرح.....!'' فریدی نے پوچھا۔

''وائرلیس کے ذریعہ۔''

''وائرلیس.....!''

''ہاں.....تم کیا سمجھتے ہو۔ ہم لوگ کافی ترقی یافتہ ہیں۔ اس معاملے میں کسی یورپین ملک سے پیچھے نہیں۔''

''خبر کہاں سے بھیجی ہوگی۔'' فریدی نے پوچھا۔

''میکسیکو کی بندرگاہ ویراکروز سے۔''

''لیکن کیا یہ چیز خطرناک نہیں۔'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''تمہارے پیغامات دوسرے بھی سن سکتے ہیں۔''

''یہی تو خاص بات ہے۔'' ڈی گاریکا نے مسکرا کر کہا۔ ''ہمارے ٹرانس میٹر سب سے الگ تھلگ ہیں۔ ہمارے ٹرانسمیٹر پر نشر کئے ہوئے پیغامات صرف ہماری ہی ریسیونگ مشینوں پر لئے جا سکتے ہیں۔''

''تو پھر اب کیا کہتے ہو۔'' فریدی اکتا کر بولا۔

''ہم ایک خفیہ راستے سے شہر میں داخل ہوں گے۔'' ڈی گاریکا نے کہا ''اور ایسی صورت میں انور کے لئے اولیاری کا میک اپ مخدوش ہے۔ خود مجھے اور رمونا کو بھی اپنے حلئے تبدیل کرنے پڑیں گے۔''

دوسری اسکیم کے مطابق انہوں نے احتیاطی تدابیر کرنے کے بعد راستہ بدل دیا۔ اس طرح انہیں چھتیس گھنٹے تک اور سفر جاری رکھنا پڑا اور جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو فریدی وغیرہ کی آنکھیں کھلی گئیں۔ چاروں طرف بڑی عالیشان عمارتوں کا جال سا بکھرا ہوا تھا۔ لیکن انہیں یہ

ایک عجیب بات دکھائی دی کہ ساری عمارتیں سبز رنگ سے رنگی ہوئی تھیں اور عمارتوں کی چھتوں پر پودے اور جھاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ انہیں کوئی ایسی عمارت نظر نہ آئی جس کی چھت پر چھوٹے چھوٹے درخت نہ دکھائی دیتے رہے ہوں۔ ڈی گاریکا حمید اور انور کی حیرت پر ہنسا۔

''میں سمجھتا ہوں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''اس جزیرے پر پرواز کرنے والے غیر ملکی ہوائی جہاز سے محفوظ رہنے کے لئے تم لوگوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔''

''لیکن بعض بدقسمت ہوائی جہاز'' ڈی گاریکا نے ہنس کر کہا۔ ''جن کی پرواز نیچی ہوتی ہے ہمارے کرگرا لئے جاتے ہیں تم نے اکثر اپنی طرف کے اخبارات میں اس قسم کی خبریں پڑھی ہوں گی کہ فلاں طیارہ بحر اٹلانٹک اور بحر کریبین کے درمیان پرواز کرتا ہوا پراسرار طور پر غائب ہو گیا۔ وہ پراسرار طریقہ ہماری یہ پارہ شکن بندوقوں کا رہین منت ہے۔''

''بہت خوب.....!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''میرا دل چاہتا ہے کہ بقیہ زندگی اسی پراسرار جزیرے میں گزار دوں۔''

''سچ.....!'' رمونا پرمسرت لہجے میں چیخی۔

''قطعی.....!'' فریدی سنجیدگی سے بولا اور حمید کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

''اگر ایسا ہو سکے تو ہم اسے اپنی خوش نصیبی سمجھیں گے۔'' ڈی گاریکا نے کہا۔

''لیکن تم نے تو کہا تھا کہ غیر ملکی یہاں رہ سکتے ہی نہیں؟ آخر کب تک اس حالت میں رہوں گا۔'' فریدی نے پوچھا۔ ڈی گاریکا گڑبڑا گیا۔

''البرونو ہمارے یہاں اگر فاگان اور مقدس باپ مل کر کوئی حکم دے دیں تو اسے سب مان لیتے ہیں۔'' ڈی گاریکا نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔

صبح کے ہلکے ہلکے پھیلتے ہوئے دھندلکے میں وہ شہر کے غیر آباد حصہ سے گزرتے رہے۔ ڈی گاریکا کی اسکیم کے مطابق ان لوگوں کو سب سے پہلے مقدس باپ کے حضور میں حاضر ہونا تھا۔

صبح ہو چکی تھی اور شہر سے باہر نکل کر ایک چھوٹی سی پہاڑی کے دامن میں یہ قافلہ پہنچ چکا تھا۔ پہاڑی کے نشیب میں چٹانوں سے ڈھکا ہوا ایک قلعہ دکھائی دے رہا تھا لال لال فیتے لگائے ہوئے۔ سپاہیوں کی دو رویہ قطار پہرہ پر تھی۔ اس قافلہ کو آتے دیکھ کر انہوں نے اپنی

رائفلیں اٹھائیں۔ ڈی گاریکا نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے۔ فریدی اور انور وغیرہ نے اس کی تقلید کی۔ سپاہیوں کے پاس پہنچتے ہی رشیدہ نے بایاں بازو کھولا اور سپاہیوں کے بیچ میں کھڑی ہوگئی۔ مکا تان کر اس نے اپنا بازو لہرایا۔

''سی نورا.....!'' ایک ان میں سے حیرت سے چیخا اور وہ سب رشیدہ کے گرد آ کر کھڑے ہوگئے۔ اس کے بازو پر پڑا ہوا نشان صاف دکھائی دے رہا تھا۔

''فاگانیہ زندہ باد.....!''

''سی نورا رومولی زندہ باد۔''

سپاہیوں نے نعرے لگائے اور اپنی سنگینیں جھکا دیں۔

مقدس باپ نعروں کی آواز سن کر باہر نکل آئے تھے۔ فریدی نے دیکھا ایک لمبا تڑنگا بڈھا آدمی ان کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کی خوبصورت سفید ڈاڑھی اور آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک نے فریدی کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ آدمی ہوشیار ہے۔

ڈی گاریکا اسے دیکھ کر جھکا۔ احتراماً اس نے مقدس باپ کی عبا کو بوسہ دیا اور کھڑا ہوگیا۔ رشیدہ کو دیکھ کر اس نے تعظیماً سر ہلایا اور اس کی پیٹھ پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔

اچانک نقاروں کی آواز سنائی دی۔ فریدی چونک پڑا۔ ڈی گاریکا کے چہرے پر ہوائیاں چھوٹنے لگیں۔ نقاروں کی آواز تیز ہوتی گئی۔ مقدس باپ نے مڑ کر ڈی گاریکا کی طرف دیکھا۔

''فاگان.....مگر وہ کس سے لڑے گا۔''

دیکھتے دیکھتے سامنے کا میدان گرد و غبار سے اٹ گیا۔ مقدس باپ نے اشارہ کیا اور ایک سپاہی نے پاس پڑے ہوئے نقارہ کو زور زور سے پیٹنا شروع کر دیا اور تھوڑی ہی دیر میں سپاہیوں کی قطار نکلنے لگی۔

سامنے کا غبار چھٹ گیا تھا۔ اڑتے ہوئے سبز پھریرے، نقارے بجاتے ہوئے فوج آ رہی تھی۔ ان کی سنگینوں کی انیاں دھوپ میں چمک رہی تھیں۔ آگے آگے ایک شخص ننگی تلوار لیے ہوئے تھا جس سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ غالباً یہ اعلان جنگ تھا۔ سپاہیوں کے بیچ میں ایک شخص کے سر پر چاندی کا چھتر لگا ہوا تھا۔ غالباً یہ فاگان تھا اور اسی کے ساتھ ایک شخص اور

فاصلہ دور سے فریدی نے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بلا کی سفاکی جھلک رہی تھی۔ فریدی نے ایک نظر میں پہچان لیا۔ یہ شخص ڈان ونسنٹ کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔

خوفناک جنگ

فوج سامنے آ کر رک گئی۔ مقدس باپ وہیں سے چلایا۔

''ٹھہرو۔''

لمبے لمبے قدم بڑھاتا ہوا صفوں کے بیچ سے گزر کر وہ فاگان کے سامنے پہنچا۔

فریدی نے حیرت سے دیکھا کہ فاگان کے سپاہی بھی اسے دیکھ کر تعظیماً جھک گئے۔

''کیا چاہتے ہو۔''

''آپ کے پاس جو آدمی آئے ہیں یہ سب غدار اور بدیسی ہیں۔''

فاگان کے ساتھی ایک ساتھ چلائے۔

''یاناتا کی چوٹی پر ڈی گاریکا کو پھانسی دو۔''

مجمع جیسے ہی خاموش ہوا مقدس باپ نے کہا۔

''انمیں سے کوئی بدیسی نہیں۔ یہ لوگ سی نورا رومولی کیساتھ آئے ہیں۔ سی نورا رومولی جو آنیوالا ہے۔ مگر تمہیں یقین نہیں ہے تو اسکا نشان دیکھ لو۔'' مقدس باپ کی آواز گونجی۔ انہوں نے رشیدہ کی طرف اشارہ کیا۔ رشیدہ نے جلدی سے کپڑے ہٹانے شروع کئے۔ مقدس باپ وہاں سی اور رشیدہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے چلا۔ ابھی وہ اپنی فوجوں ہی کے درمیان تھا۔

''دھائیں.....!'' ایک گولی سرسراتی ہوئی رشیدہ کے کان کے پاس سے نکل گئی اور جب دوسرا فائر ہو، فریدی نے فائر کیا اور ڈان ونسنٹ کا پستول زمین پر تھا دوسری طرف سے فائر شروع ہوگئے۔ مقدس باپ نے رشیدہ کی طرف دیکھا۔ دونوں نے اشارہ کیا اور ادھر سپاہیوں نے بھی جوابی حملہ شروع کیا۔

دوپہر ہو چکی تھی۔ لڑائی بڑے زور شور سے جاری تھی۔ ڈان ونسنٹ اور فاگان کے ساتھی تعداد میں زیادہ تھے مگر ادھر لوگ بھی بڑی دلیری سے لڑ رہے تھے۔ ڈی گاریکا نے حمید، فریدی، رشیدہ اور انور کو ایک محفوظ مقام پر پہنچا دیا تھا۔

لڑائی کا منظر بھیانک ہوتا جا رہا تھا۔ زمین خون سے رنگ گئی تھی۔ فریدی ڈی گاریکا کے جانے کے بعد وہاں سے نکلا۔ قلعہ کی ایک چھوٹی سی فصیل پر بیٹھ کر اس نے جنگ کی حالت دیکھنی شروع کی۔

دونوں فوجیں ایک دوسرے میں غٹ پٹ ہو گئی تھیں۔ تعداد میں کم ہونے کی بنا پر وہ محسوس کر رہا تھا کہ اب پادری کے ساتھی پیچھے ہٹ رہے ہیں اسے اپنی پشت پر کسی کا ہاتھ محسوس ہوا۔ اس نے چونک کر دیکھا۔

''البرونو! ہم لڑائی ہار گئے۔'' ڈی گاریکا کے لہجے میں اداسی تھی۔

''مگر یہ ایک دم لڑائی کیسے چھڑ گئی۔''

''مقدس باپ اور فاگان میں بہت دنوں سے ان بن تھی اور دونوں اپنی طرف سے لڑائی میں مصروف تھے۔ ذرا سے موقع کی دیر تھی سو وہ ہاتھ آ گیا۔''

فریدی خاموشی سے سنتا رہا۔ اس کی نظریں سامنے والے میدان پر تھیں۔ سورج ڈوب رہا تھا اور شام کی پھیلتی سرمگیں دھندلاہٹوں میں اس کے ساتھی بھاگ رہے تھے۔ ڈان ونسنٹ اور فاگان کے ساتھی فصیل کے نیچے تک پہنچ گئے تھے۔ غبار سے اٹے ہوئے میدان میں ہزارہا لاشیں دکھائی دے رہی تھیں۔ فریدی کانپ اٹھا۔ اتنا انسانی خون بلاوجہ بہایا گیا؟

''اب کیا ہوگا..... البرونو! اب کیا ہوگا۔'' ڈی گاریکا کے لہجے میں بدحواسی تھی۔ ''تم اس کے ذمہ دار ہو..... تم.....؟'' وہ اچانک فریدی کے اوپر چلانے لگا۔

''نہ تم ڈان ونسنٹ کو چھوڑتے اور نہ آج ہم کو یہ دن دیکھنا پڑتا۔'' وہ رو پڑا۔

''حوصلہ رکھو ڈی گاریکا۔'' فریدی نے اسے اٹھایا۔

دونوں اپنے کمرے کی طرف لوٹ آئے۔

قلعہ بند کروا دیا گیا۔ چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا گیا تھا۔

فریدی تھوڑی دیر تک تو حمید وغیرہ سے باتیں کرتا رہا پھر چپکے سے نکل گیا۔ حمید وغیرہ پہلے تو کچھ نہ سمجھے لیکن جب فریدی کی واپسی میں دیر ہوئی تو ان کی تشویش بڑھ گئی۔

''آخر کہاں چلے گئے؟'' رشیدہ بولی۔

''اب یہ سب کچھ مت پوچھو۔'' حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔ ''آخر انہیں تمہاری تاجپوشی کا بھی تو انتظام کرنا ہے۔''

''ملکہ عالم.....!'' انور سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ ''یہ نالائق ٹھیک کہتا ہے۔''

''اے انور میں چانٹا مار دوں گی۔'' رشیدہ جھلا کر بولی۔

''ضرور ضرور..... حضور عالی۔'' حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ ''یہ بدتمیز اسی لائق ہے۔''

''حمید صاحب مہربانی کر کے.....'' رشیدہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

''اجی ہم صاحب واحب کہاں۔ ہم تو خاصے گدھے ہیں۔'' حمید منہ بنا کر بولا۔ ''فریدی صاحب کے ابدو گھوڑے صاحب ہیں۔''

وہ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر جھنجھلا کر کہنے لگا۔ ''فریدی صاحب کو تو خیر قتل ہونا ہی ہے۔ قتل نہ ہوئے تو خیر کل ہی ہو جائیں گے..... ارے میں..... ارے میری کم بختی کیوں آتی رہتی ہے بھئی۔ ارے کوئی بتاتا بھئی..... ارے! ذرا عمر رفتہ کو آواز دینا کوئی آواز دینا میری طرف سے ارے بھائی کوئی ہے۔''

حمید اچھل اچھل کر اول فول بک رہا تھا۔ جیسے اچانک دماغ خراب ہو گیا ہے۔

''ابھی تک تو کچھ نہیں ہوا تھا۔'' انور اس کا گریبان پکڑ کر بولا۔ ''مگر اب شاید تمہاری شامت آ ہی گئی ہے۔''

''بس بس بکواس مت کرو۔'' حمید نے بگڑ کر کہا۔ ''سب کچھ تم دونوں کی بدولت ہوا۔ ارے غضب خدا کا کہاں یہ منحوس جزیرہ اور کہاں میں۔ ارے کم بخت اتنا تو سوچو کہ ابھی تک میری شادی نہیں ہوئی۔ اگر میں یہاں مارا گیا تو میرا بوڑھا باپ گھل گھل کر جوان ہو جائے گا۔ مجھے شہناز کی یاد بری طرح ستا رہی ہے۔ مگر نہیں تو بہ لاحول ولا قوۃ..... آج کل کی لڑکیاں قابل اعتماد نہیں۔ اگر وہ بھی کسی جزیرے کی شہزادی نکل پڑی تو اپنا تو.....!''

حمید تیزی سے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

رشیدہ ہنسی کے مارے دوہری ہوئی جارہی تھی۔

''اب چپ بھی رہو۔ یہاں جان پر بنی ہے اور تمہیں یہ لغویت سوجھ رہی ہے۔'' انور اکڑ کر بولا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا۔'' رشیدہ ہنسی روکتے ہوئے بولی۔ ''آخر فریدی صاحب کی ایسے غیر سنجیدہ آدمی سے کیسے نبھتی ہے۔''

''تم اسے غیر سنجیدہ سمجھتی ہو۔'' انور نے کہا۔ ''ارے باپ رے باپ..... اتنا بھیانک آدمی میری نظر سے گزرا ہی نہیں۔ یہ ہنسی ہنسی میں وہ سب کچھ کر گزرتا ہے جو بڑے بڑے سنجیدہ ہو کر بھی نہیں کر سکتے۔ یہ کم بخت بیوقوف بن کر بیوقوف بناتا ہے۔''

''ہے آدمی پر مذاق، مگر حضرت گئے کہاں۔'' رشیدہ اٹھتے ہوئے بولی۔

آدھی رات سے زائد گزر چکی تھی۔ دن بھر کی دھائیں دھائیں کے بعد اس وقت فضا پرسکون تھی جیسے طوفان آ کر تھم گیا ہو۔ فریدی کا اب تک کہیں پتہ نہ تھا۔ رشیدہ دروازے کے قریب جا کر رک گئی۔ سامنے ہی ڈی گاریکا کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔

''البرٹو کہاں ہے؟''

''ابھی تک نہیں آیا۔''

''اچھا میرے ساتھ آؤ..... تمہیں مقدس باپ یاد کر رہے ہیں۔''

رشیدہ ڈی گاریکا کے ہمراہ اس کے کمرے کی طرف چل پڑی۔

ایک بڑے سے ہال میں پادری تنہا بیٹھا ہوا تھا۔ اونچے اونچے لمبے فانوس میں کافوری شمعیں جل رہی تھیں۔ صلیب کا ایک بڑا سا نشان کمرے کے اندر ماں مریم کی تصویر کے اوپر بنا ہوا تھا۔ پادری کافی متفکر نظر آ رہا تھا۔

''سی نورا رومولی..... مجھے اپنی جان کا ڈر نہیں مگر یہ ہزاروں آدمی مفت مارے جائیں گے۔'' اس نے اداس لہجے میں کہا۔

رشیدہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

''میرے پاس ڈان ونسنٹ کا آدمی خط لے کر آیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ فاگان میری ساری باتیں ماننے کو تیار ہے صرف مجھے ڈی گاریکا اور اس کے ساتھیوں کو تمہارے سمیت اس کے حوالے کر دینا ہوگا۔ میرے خیال میں تم لوگ بھاگ جاؤ۔'' مقدس باپ کہتا رہا۔ رشیدہ کو یہاں کے تاج و تخت سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ تو محض فریدی کی وجہ سے چلی آئی تھی۔ فریدی کیوں آیا تھا؟ وہ یہ نہیں جانتی تھی۔ مگر پھر بھی اسے شبہ تھا کہ کوئی ایسی وجہ ضرور ہے جس کی بناء پر فریدی سر مار رہا تھا۔

''مگر ہم اب جا بھی کیسے سکتے ہیں۔ راستہ چاروں طرف سے گھرا ہوا ہے۔'' رشیدہ کچھ ہچکچاتے ہوئے بولی۔

''یہ میرا ذمہ۔'' پادری نے تالی بجائی۔ دو آدمی اندر داخل ہوئے۔

''سی نورا کو قلعہ کے باہر لے جاؤ۔''

رشیدہ ابھی چند قدم آگے بڑھی تھی کہ وہ آدمی ٹھٹکے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ جھکائے اور الٹے قدموں واپس چلے گئے۔ پادری کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔

''نمک حرام.....!'' وہ چلایا۔

''ڈی گاریکا.....!'' وہ چیخا۔

جیسے ہی ڈی گاریکا اندر داخل ہوا وہ برس پڑا۔

''کتے..... میں تجھے جلا ڈالوں گا۔ تو میرے خلاف بھڑکاتا ہے۔ سی نورا ضرور واپس جائے گی اور تو بھی یہاں نہیں رہ سکتا۔ تم سبھوں کو اندھا کر کے نکال دیا جائے گا۔ تاکہ تم پھر یہاں نہ آسکو۔'' وہ چلا رہا تھا۔ ڈی گاریکا کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔

''رحم..... مقدس باپ۔'' وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ ''میں نے جو کچھ کیا وہ آپ ہی کے اشارے پر کیا۔ مجھے سزا مت دیجئے۔ آپ جو کچھ کہیں گے وہی ہوگا۔''

''صبح چار بجے تمہیں تانبے کی کان والے راستے سے باہر نکال دیا جائے گا۔''

''اوہ خدا.....!'' وہ چیخا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

رشیدہ کی قوت فکر جواب دے رہی تھی۔ وہ سیدھی انور کے پاس پہنچی۔ دروازے میں داخل

ہوتے ہوئے اس نے دیکھا۔ انور بے چینی سے ٹہل رہا ہے۔ رشیدہ کو دیکھتے ہی وہ چیخ اٹھا۔

''دھوکا رشو! بڑا زبردست دھوکا۔ اب ہم نہیں بچ سکتے۔ پادری روپیہ اور اقتدار کے لالچ میں آ کر فاگان سے مل گیا۔ اب کوئی دم میں ہم لوگ مار ڈالے جائیں گے۔''

چشم زدن میں رشیدہ کی سمجھ میں سب کچھ آ گیا۔ پادری فاگان سے ساز باز کر رہا تھا مگر اپنے سپاہیوں کے ڈر کی وجہ سے کھلم کھلا اس کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے یہ کھیل کھیلا۔

''مگر تم سے یہ کس نے بتایا۔'' رشیدہ نے پوچھا۔

''رمونا نے۔''

''فریدی صاحب آئے۔''

''نہیں..... کم بخت حمید کا بھی پتہ نہیں ہے۔''

''رشو ڈارلنگ.....'' اور رشیدہ اس کا منہ دیکھنے لگی۔

''مرنے سے پہلے میں ایک بار..... تم سے کہہ دینا ہی چاہتا ہوں کہ..... مجھے تم سے.....!''

''کہتے کیوں نہیں بیٹا کہ محبت تھی اور اب اس وقت نہ کہو گے تو کب کہو گے۔'' پیچھے سے آواز آئی۔ رشیدہ اور انور دونوں نے چونک کر دیکھا۔ حمید کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ اس کا سارا چہرہ کیچڑ میں لت پت تھا کئی جگہ سے پھٹی ہوئی قمیض سے خون رس رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ اداسی تھی۔ ایک ہارے ہوئے جواری کی طرح وہ دھڑام سے کرسی پر آ گرا انور نے پہلی بار حمید کو اتنا اداس دیکھا تھا۔

''یہ کیا ہوا.....؟'' دونوں نے بیک وقت پوچھا۔

''انور..... غالباً میں نہیں کہہ سکتا..... میں یقین ہی نہیں کر سکتا..... مگر مگر.....!''

''ارے کہو گے بھی.....!''

''خدانخواستہ فریدی صاحب شاید اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔''

''آئیں.....!''

''ہاں انہیں تانبے کی کان میں دھکیل دیا گیا اور اس قلعے کے نیچے ڈائنامیٹ لگا دیا گیا

چار بج کر ۵۳ منٹ پر عمارت اڑا دی جائے گی۔ یعنی اب سے صرف ایک گھنٹہ بعد.....

یدی صاحب کو کان میں گرتے ہوئے ایک سپاہی نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور تم جانتی کہ کان آگ اور لاوے کی ایک بھٹی ہے۔''

''آہ.....!'' وہ نڈھال ہو کر گر پڑا۔

اچانک رات کا سناٹا دھائیں دھائیں کی ہیبت ناک آوازوں سے ٹوٹ گیا۔

ساری فضا چنگاریوں اور شعلوں سے سرخ ہو گئی۔ آسمان میں سرخ سرخ بڑے بڑے ے روئی کے گالوں کی طرح اڑنے لگے۔ زمین دہل اٹھی اور چٹانیں اس طرح ٹوٹ کر رہ یں جیسے شیشے کے ٹکڑے جھنجھنا جاتے ہیں۔ شور بڑھتا گیا۔ آسمان پر دیوتا ننگے ہو کر تانڈو ناچ ے تھے اور رات کی دیوی کے جبڑوں سے خون بہہ نکلا تھا۔ زمین جل اٹھی تھی۔ ماحول لرز کر رہ ا تھا۔ ہیبت ناک، مہیب اور بھیانک جزیرہ دھماکوں سے کانپ رہا تھا۔

فریدی کا قتل

فریدی جب باہر نکلا تو اچھی خاصی رات ہو چکی تھی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ حالات نے بُری طرح شکنجہ میں کس لیا ہے۔ ابھی تک اس کا سابقہ آدمیوں سے پڑتا رہا تھا مگر یہاں تو پوری حکومت سے لڑائی کا سوال تھا؟ محض اپنے اصول کی خاطر اس نے ڈان ونسنٹ کو زندہ ڑ دیا تھا ورنہ یہ ہنگامہ نہ ہوتا۔ فریدی کو اپنے اوپر جھلاہٹ محسوس ہوئی۔ کاش وہ رشیدہ کو پاتے ہیلی چلا جاتا۔ اس نے سوچا، مگر بار بار یہی خیال اس کے دل میں چٹکیاں لیتا رہتا کہ آخر وہ ا کی چیز ہے جس کی بناء پر یہاں کے باشندے دوسری دنیا سے بالکل علیحدہ رہنا چاہتے ر پھر اس پراسرار جزیرے کے بارے میں جاننے کا شوق اسے کھینچ لایا تھا۔ لیکن اتنے وں کا خون دیکھ کر وہ دہل اٹھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ ہر ممکن قیمت پر آج ہی کی رات میں نگ کا خاتمہ ہو جانا چاہئے۔

فصیل کے کنارے سپاہیوں کا زبردست پہرہ تھا۔ وہ بے مقصد ادھر اُدھر گھومتا رہا۔ قلعہ کے چاروں طرف چکر لگا کر دیوار پر چڑھ گیا۔ سامنے میدان میں سبز بتیاں روشن تھیں اور فصیل کے نیچے ایک چھوٹی سی ندی آہستہ آہستہ بہہ رہی تھی۔ ذرا ہی سے فاصلے پر پہاڑوں کی بلند چوٹیاں نظر آ رہی تھیں۔ اس نے اپنے چاروں طرف نگاہ دوڑائی یہ حصہ قدرے محفوظ سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ پہاڑی اور ندی سے گھرا ہونے کی بناء پر اس طرف حملہ کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔

ایک پراسرار سایہ اسے حرکت کرتا معلوم ہوا۔ وہ چونک پڑا۔ سایہ دھیرے دھیرے فصیل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جلد ہی اس نے اپنے کو ایک کنگورے کے آڑ میں چھپا لیا۔ سایہ اسی کے قریب آ کر رک گیا۔ چاروں طرف دیکھنے کے بعد اس نے اپنی کمر سے رسی کھولی اور فصیل کے نیچے لٹکا دیا اور پھر خود آہستہ آہستہ اترنے لگا۔ فریدی بڑی غور سے اس کی نقل و حرکت دیکھ رہا تھا۔ پانی میں پہنچتے ہی اس نے اپنے قدم لٹکا دیئے اور دوسرے ہی لمحے میں وہ ایک چھلانگ میں ندی کے اس پار فاگان کی فوجوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ فریدی اسے دیکھتا رہا۔ جب اسے یہ اطمینان ہو گیا کہ وہ کافی آگے جا چکا ہے تو اس نے بھی فصیل سے اترنا شروع کیا۔ ندی میں آدھے فٹ پانی کے نیچے ایک بہت بڑی چٹان تھی۔ فریدی نے اپنے قدم جما دیئے۔ ندی کافی گہری تھی اور پانی کا بہاؤ بہت تیز تھا۔ لیکن چوڑائی کم ہونے کی بناء پر اسے اس پار پہنچنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ چٹانوں سے ٹکراتے ہوئے اندھیرے میں وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ وہ سایہ اس سے کافی دور نکل گیا تھا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر خیموں کی قطاروں کے گرد روشنی میں اور پہرے دار دکھائی دے رہے تھے۔ فریدی رک گیا۔ آگے بڑھنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ وہ فوراً پیچھے کی طرف مڑا۔ زمین پر بیٹھ کر اس نے حرکت شروع کی۔ اچانک اسے ٹھوکر لگی۔ اس نے ٹٹولا۔ فاگان کی فوج کے ایک سپاہی کی لاش تھی۔ لال وردی اور ہرے فیتے سے اس نے فوراً پہچان لیا۔ اپنا لباس اسے پہنا کر اس نے سپاہی کی وردی خود پہن لی اور اطمینان سے آگے بڑھا۔ پہرے دار چاروں طرف ٹہل رہے تھے۔ روشنی کی تیز شعاعیں چاروں طرف پڑ رہی تھیں۔ ان سے بچتا ہوا وہ ایک چھوٹے سے ٹیلے کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ باوجود پہاڑی علاقہ ہونے کے اسے کافی گرم محسوس ہوئی۔ اسے ایسا معلوم ہونے لگا جیسے زمین کے نیچے کھولتے ہوئے پانی کا سمندر

جوش مار رہا ہو۔ اس عجیب طریقے کی بھیانک سرسراہٹ سے تھوڑی دیر کے لئے فریدی جیسا بہادر انسان بھی سہم گیا۔ ٹیلے کی آڑ لیتے ہوئے وہ آگے بڑھتا چلا گیا۔ اس سے صرف چند گز کے فاصلے پر سپاہی رہ گئے تھے۔ خیمہ اسے صاف نظر آ رہا تھا۔ خیمہ کے اوپر ایک بڑا سا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ جس پر ایک ریچھ کی شکل بنی ہوئی تھی۔ اچانک خیمہ کا پردہ اٹھا اور ایک آدمی باہر نکلا۔ فریدی نے اسے فوراً پہچان لیا۔ یہ وہی آدمی تھا جسے اس نے قلعہ کی فصیل کی طرف حرکت کرتے دیکھا تھا۔ وہ تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا واپس قلعہ کی طرف جا رہا تھا۔ خیمہ کا پردہ پھر اٹھا تھا اس بار دو آدمی ایک ساتھ باہر نکلے۔ فریدی چونک اٹھا۔ ان میں ایک ڈان ونسنٹ تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں میں کوئی چیز دبا رکھی تھی۔ آہستہ آہستہ اس کے ساتھ بہت سے آدمی آ گئے۔ ان سب کا رخ قلعہ کی طرف تھا۔ ٹیلے سے کچھ دور آگے جب یہ لوگ نکل گئے تو فریدی بھی ان ہی کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ فصیل سے صرف تھوڑے ہی فاصلے پر وہ رک گئے۔ فریدی اب ان کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا۔

''سوسارا نے دن ہی میں سب کام ختم کر لیا تھا۔'' ڈان ونسنٹ نے کہا۔ ''اس وقت وہ خبر دینے آیا تھا کہ قلعہ کے نیچے بارود بچھا دی گئی ہے۔''

''میں سمجھتا ہوں کہ سوئچ یہیں پر لگا دیا جائے۔''

''نہیں..... ٹھہرو شاید مقدس باپ کو عقل آ جائے اور وہ ان سب کو ہمارے حوالے کر دے۔ پھر اس کا کیا فائدہ ہوگا۔'' ڈان ونسنٹ نے کہا۔

''اس نے ہمیں کب تک وقت دیا ہے۔'' پہلا آدمی بولا۔

''چار بج کر ۵۳ منٹ کا۔''

''تو ٹھیک تو ہے۔ چار بج کر پچپن منٹ پر سوئچ لگا دو۔ فاگان کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔'' پہلا آدمی پھر بولا۔ ''اس کا بورڈ میرے خیمے میں رہے گا۔ پادری کا آدمی وہیں آئے گا اور اس سے فیصلہ کرنے کے بعد میں سوئچ آن کر دوں گا۔ سوئچ لگانے کے بعد وہیں پر ایک دستہ تعینات کر دیا گیا۔ فریدی نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ صرف دو گھنٹے کے اندر یا تو اس کے ساتھی مار ڈالے جائیں گے یا پھر انہیں فاگان کے حوالے کر دیا جائے گا اور یقیناً وہ کسی بھی صورت میں اسے زندہ

نہ چھوڑے گا۔ فوراً وہ آگے بڑھا اور چٹانوں کی آڑ میں قلعہ کی طرف بچوں کے بل بھاگا۔ ایک ایک منٹ بڑا قیمتی تھا۔ تھوڑی دیر تک دوڑتے کے بعد وہ ٹھہر گیا۔ فاگان کی فوجوں کا پڑاؤ کافی دور رہ گیا تھا۔ دھندلی دھندلی سبز روشنی جھلملا رہی تھی اور پادری کی فوجوں کا سرخ نشان روشنی میں جھلک رہا تھا۔ یکایک فریدی کو کسی کی چاپ سنائی دی۔ وہ فوراً بیٹھ گیا۔ پادری کی فوج کا ایک سپاہی غالباً گشت میں ادھر آ رہا تھا۔ فریدی لپک کر اس کے پاس پہنچا۔ سپاہی نے فوراً رائفل اٹھائی۔ فریدی نے ایک جھٹکا دیا اور رائفل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی وہ اسے گھور رہا تھا جیسے پہچان رہا ہو۔

''میرا نام..... تم نے مجھے سی نورا اور ڈی گاریکا کے ساتھ دیکھا ہوگا اور اگر نہ بھی دیکھا ہو تب بھی یقین کرو کہ میں دوست ہوں۔'' فریدی نے کہا۔ ''سپاہی اسے بدستور دیکھ رہا تھا۔ فریدی نے پھر کہا۔ ''مجھے اس طرح نہ دیکھو..... تم فوراً جاؤ اور ڈی گاریکا سے کہہ دو کہ پورے کا پورا قلعہ خطرے میں ہے۔ سوسمارا نے قلعہ کے نیچے سرنگیں بچھا دی ہیں اسلئے سرنگیں صاف کرنا شروع کردو۔ جلدی جاؤ اور ابھی حملہ کردو۔ ڈی گاریکا سے کہہ دینا کہ یہ البرونو نے کہا تھا۔''

فریدی نے دھکا دیتے ہوئے سپاہی سے کہا۔

''سی نورا.....!'' سپاہی چیخا اور تیزی سے قلعہ کی طرف بھاگا۔

فریدی پھر واپس مڑا۔ خطرہ جوں کا توں سر پر تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اتنے کم عرصے میں نہ تو سرنگیں صاف کی جاسکتی ہیں اور نہ لوگ بھاگ سکتے ہیں۔ وہ پھر اسی جگہ پر آ گیا۔ سپاہیوں کا دستہ اسی طرح اپنی جگہ پر موجود تھا۔ ان سے لڑنا بھی بے سود تھا۔ اس لئے کہ بہرحال دو چار کو ختم کردینے کے بعد بھی وہ قلعہ کو نہ بچا سکتا تھا۔ اس نے دھیرے دھیرے ڈان ونسنٹ کے خیمے کی طرف قدم بڑھائے۔ وہ خیمے کے بالکل پیچھے پہنچ چکا تھا۔ جیب سے چاقو نکال کر اس نے خیمہ کا پردہ پھاڑ دیا اور اندر داخل ہوگیا۔ خیمہ کے اندر کوئی نہیں تھا۔ ڈان ونسنٹ شاید کہیں باہر چلا گیا تھا۔ فریدی نے چاروں طرف سوئچ کا مین بورڈ تلاش کرنا شروع کیا۔ میز پر پڑے ہوئے ایک ڈبے پر نظر پڑتے ہی فریدی کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔ وہ بڑھا اتنے میں کسی نے زور سے دھکا دیا اور وہ سنبھلتے سنبھلتے بھی لڑکھڑا گیا۔ سامنے ڈان ونسنٹ کھڑا تھا۔ مدھم

روشنی میں بھی اس کا چہرہ خوفناک نظر آ رہا تھا۔

''کون ہو تم.....؟'' پستول کا رخ فریدی کی طرف کرتے ہوئے وہ گرجا۔

فریدی خاموش رہا۔

''کون ہو تم بتاتے کیوں نہیں..... کیا کرنے آئے تھے؟'' فریدی کا ہاتھ پکڑ کر اس نے ہلایا۔

''اوہ..... البرونو.....!'' ڈان ونسنٹ ہاتھ دیکھتے ہی ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

''تم سمجھتے رہے ہوگے کہ میں اس وردی اور میک اپ کی وجہ سے نہ پہچان سکوں گا۔ میں ں کی خفیہ پولیس کا افسر اعلیٰ ہوں اور تلوار کے مقابلہ کے روز سے یہ ہاتھ مجھے ہمیشہ سے یاد ۔ کیوں آئے تھے یہاں؟''

فریدی خاموش رہا۔

''اچھا لو! اب تم مرجاؤ..... شاباش..... مگر دیکھو ہنستے ہوئے مرنا۔ مجھے ایسے لوگوں سے سخت ت ہے جو مرتے وقت بھی گڑگڑانے لگیں۔'' ڈان ونسنٹ نے تلخی سے کہا اور ٹریگر دبا دیا۔

فریدی زور سے اچھلا اور چشم زدن میں وہ ڈان ونسنٹ کے اوپر تھا۔ اس کا پستول گر چکا ۔ وہ پھر بورڈ کی طرف لپکا مگر فائر کی آواز سن کر سپاہی خیمہ کے پیچھے حصہ کی طرف سے داخل چکے تھے۔ گولیاں چلنے لگیں تھیں۔ فریدی نے سامنے کے دروازے کی طرف رخ کیا وردی ، اس نے کافی فائدہ اٹھایا اور دھکا دیتے ہوئے وہ باہر نکل آیا۔ مگر چاروں طرف سے سیٹیاں ، لگی تھیں اور ڈان ونسنٹ اپنے سپاہیوں کے ہمراہ برابر پیچھے دوڑتا آ رہا تھا۔ فریدی نے اور تیز لگانا شروع کیا۔ دفعتاً اسے احساس ہوا جیسے زمین کے نیچے کوہ آتش فشاں پھٹ پڑا ہو۔ اس کے ٹخنے جلنے لگے تھے۔ وہ رک گیا۔ ڈان ونسنٹ اور اس کے ساتھی گولی چلاتے ہوئے آگے ھ آ رہے تھے۔ سامنے ایک بہت بڑے غار کا دہانہ سا دکھائی دیا۔ ایک گولی سرسراتی ہوئی اس کندھے کو چھوتی ہوئی نکل گئی۔ فریدی نے جوابی فائر کیا اور غار کی طرف نظر ڈالی۔ گرمی اور سے اس کا دم گھٹا جا رہا تھا۔ سامنے غار ایک بھٹی کی طرح سرخ ہو رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا جیسے اس بھٹی کے اندر کچھ پک رہا ہو۔ کھد بد کھد بد کی پرشور آواز سارے ماحول پر حاوی تھی۔ سطرح کی بدبودار بھاپ نکل رہی تھی۔ فریدی کا سارا جسم پسینے سے شرابور ہو رہا تھا۔ اب

اس کے سامنے دو ہی راستے رہ گئے تھے اور دونوں میں موت یقینی دکھائی دے رہی تھی۔ یا تو غار میں کود پڑے اور یا ڈان ونسنٹ کے ہاتھوں کتے کی موت مارا جائے۔ اس نے پہلے کو دوسرے پر ترجیح دی اور غار میں چھلانگ لگادی۔ قلعہ کی طرف سے اسے کسی کے گولی چلانے کی آواز سنائی دی۔

اٹھتی ہوئی تیز گرم بھاپ سے ہی فریدی کو اندازہ ہوگیا تھا کہ یہاں کوئی کان ہے۔ جیالوجی سے دلچسپی رکھنے کی بناء پر اسے پورا علم تھا کہ کچی کان کس حد تک خطرناک ہوتی ہے۔ کودنے سے پہلے اس نے ایک بار غور سے غار کی گہرائی کو دیکھا تھا۔ گرتے ہی اندر پڑی ہوئی دراڑ کی ایک چٹان پر اس نے اپنے پیر جما دیئے۔ تقریباً سو فٹ نیچے گہرائی میں سرخ پانی بدبودار نالہ بہہ رہا تھا۔ اس کا کھولتا ہوا پانی اور نکلتے ہوئے سفید دھوئیں کی گرمی سے فریدی سانس لینا دوبھر ہوگیا۔ اندر کی لال انگارہ کی طرح سرخ چٹانیں پانی کے پڑتے ہوئے سائے اپنی سرخی کی وجہ سے زیادہ بھیانک معلوم ہو رہی تھیں۔ چٹان پر کھڑی کھڑے فریدی نے دائیں طرف زیادہ چوڑائی دیکھ کر کھسکنا شروع کیا۔ اندھیرے میں ٹٹولتے ہوئے وہ اسی کی طرف بڑھ رہا۔ قدرت کا بنایا ہوا یہ راستہ بڑی دور تک اندر چلا گیا تھا۔ جب اندھیرا ناقابل برداشت ہوگیا ڈرتے ڈرتے اس نے ٹارچ جلائی۔ دو فٹ چوڑے ایک سرنگ نما راستے سے وہ گزر رہا تھا پانی کا شور اسے اب بھی ویسا ہی سنائی دے رہا تھا۔ البتہ حدت میں کچھ کمی تھی۔ فریدی چاروں طرف نظر دوڑائی اور آگے بڑھا۔ فوراً اسے اپنے اوپر ایک پتلا سا تار دکھائی دیا۔ فریدی خوشی سے چھل پڑا۔ اس نے فوراً تار کاٹ دیا۔ ڈائنامیٹ کے مین سوئچ سے کٹ جانے کی وجہ سے اب بچھائی ہوئی سرنگ کے پھٹ جانے کا خطرہ دور ہوگیا تھا۔ اسی تار کی سمت فریدی بھی چلتا پڑا۔ ظاہر تھا کہ یہ راستہ قلعہ کے اندر تک جاتا تھا۔ اسی سرنگ کے اندر فریدی کافی دور تک نکل آیا تھا۔ صاف ہوا نہ ملنے سے اس کا دم گھٹ رہا تھا۔ سانس پھول گئی تھی۔ اس کا سر چکرانے لگا۔ چاروں طرف اسے شور سا سنائی دینے لگا۔ جیسے پانی کی بہت تیز دھار اوپر سے گر رہی ہو۔ یکایک اسے بڑی زور کا چکر آیا۔ اس نے سنبھلنا چاہا بغل والی دیوار پر اس کا ہاتھ پڑا اور بھربھرا ہوئے تودے نیچے گرنے لگے۔ فریدی سنبھل کر نیچے سے ہٹا.... ہوا کا ایک تیز جھونکا اندر

فریدی کے حواس کچھ درست ہوئے۔ اس نے دیکھا چند ہی قدم پر سرخ پانی کی ایک تیز دھار اوپر سے گر رہی تھی اور پانی نیچے کی طرف گزر کر نالہ کی شکل میں بہہ رہا تھا۔ اٹھتی ہوئی گیس نے اتنا زبردست اندھیرا پھیلا رکھا تھا کہ فریدی اس کے علاوہ کچھ اور نہ دیکھ سکتا تھا۔ اچانک اسے نمی سی محسوس ہوئی۔ پانی جیسے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ بے تحاشہ اس نے پیچھے کی طرف بھاگنا شروع کیا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ بڑی بڑی چٹانیں بھی دھکیلتا گیا۔ اس طرف بھاری بھاری پتھر اپنے آپ لڑھک رہے تھے۔ وہ جیسے جیسے پیچھے ہٹتا گیا سرنگ پیچھے کی طرف دبتی جا رہی تھی۔ پانی اب نیچے کی طرف گرنے کی بجائے پھیل رہا تھا اور گیس بھر رہی تھی۔ یہ کان پھٹ جانے کے آثار تھے۔ فریدی نے اور تیزی سے پیچھے بھاگنا شروع کیا۔ وہ پھر غار کے دہانہ تک آ گیا تھا۔ گرمی اور حدت سے اس کا بدن پھٹکا جا رہا تھا۔ اس نے اوپر کی طرف اچھلنا چاہا۔ ذرا سا اندازہ غلط ہونے پر وہ نیچے گر جاتا۔ اس نے اوپر چڑھنا شروع کیا۔ اسے زمین ہلتی ہوئی معلوم ہوئی۔ سارا زور لگا کر وہ اوپر کیطرف اچھلا اور ایک سانس میں وہ باہر تھا۔ غار سے باہر نکلتے ہی اسے اپنے قدم لڑکھڑاتے ہوئے معلوم ہوئے سارا زور لگا کر وہ چلایا۔

''بھاگ جاؤ..... کان پھٹ رہی ہے۔'' چیختے ہوئے وہ بے تحاشہ بھاگا۔ بڑے زور کا دھماکہ ہوا اور فریدی نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں۔ ایک جھٹکا اور لگا فریدی چکرا کر گرا اور بے ہوش ہوگیا۔

''لگاتار دو تین گھنٹے تک دھماکے ہوتے رہے۔ زمین دہل کر اپنے سینے کے اندر چھپائے ہوئے خزانہ کو اگلتی رہی۔ بڑی بڑی چٹانیں روئی کے گالوں کی طرح اڑ گئیں۔ فاگان کی فوجیں کان پھٹنے سے تھوڑی دیر قبل اسی راستے پر قلعہ کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ کان پھٹتے ہی اردگرد آدھے میل تک کی زمین پھٹ گئی۔ قلعہ کی فصیل تک گر پڑی مگر قلعہ محفوظ رہا۔

فریدی کو جب ہوش آیا تو صبح ہو چکی تھی۔ طوفان رک گیا تھا۔ اس جگہ سے صرف چند گز کے فاصلے پر ساری زمین ایک بھیانک خندق نما غار میں بدل گئی تھی۔ پانی اوپر تک ابھر آیا تھا۔ فاگان کے ساتھی جس جگہ پر اپنا پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے وہاں سوائے گہرے مہیب غار کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ فریدی کا سارا جسم دکھ رہا تھا۔ اس کے بدن پر آبلے پڑ گئے تھے۔ اس سے اٹھا نہ

جاتا تھا۔ ہمت کر کے وہ اٹھا اور گھسٹتے گھسٹتے قلعہ کی طرف چلا۔ قلعہ کی سامنے والی دیوار گر پڑی تھی اور اب صرف ایک لمبا سا راستہ نظر آ رہا تھا۔ فریدی نے دیکھا اس کی طرف کوئی آ رہا ہے۔ فریدی اسے دیکھتے ہی چیخا۔

''حمید!''

آواز سنتے ہی حمید نے بھاگنا شروع کیا۔ فریدی کے قریب آ کر وہ ٹھٹک گیا۔

''ارے.....!'' حمید فریدی کی شکل دیکھ کر چلا اٹھا۔

''گھبراؤ نہیں..... میرا میک اپ بگڑ گیا ہے۔'' فریدی نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ہم سب لوگ تو آپ سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ مگر مجھے یقین تھا کہ فریدی کو ابھی آغوش میں لینے کی ہمت زمین میں نہیں ہے۔'' حمید بولا۔ ''ذرا ٹھہریئے میں اور لوگوں کو بلا لوں۔''

تھوڑی ہی دیر بعد ڈی گاریکا، رمونا، انور اور رشیدہ آ گئے۔ ڈان ونسنٹ اور فاگان کے ہزار ہا ساتھی کان پھٹ جانے سے لقمہ اجل ہو گئے۔ قلعہ کی دیوار کے نیچے دب کر پادری بھی مر گیا تھا۔ رشیدہ نے قلعہ کی اندر کی فوج کو اپنے قابو میں کر لیا تھا۔

تین روز کے اندر فریدی کے زخم بھر گئے۔ پروگرام کے مطابق دوسرے ہی دن شہریوں کے عام جلسہ میں رشیدہ نے باقاعدہ طور پر رمونا کو نئی فاگانیہ بنانے کا اعلان کیا۔ ڈی گاریکا کو مقدس باپ کی جگہ دی گئی۔

اسی روز فریدی نے ڈی گاریکا کو بلا کر کہا۔ ''اب ہم لوگ جائیں گے۔''

''اور میں بھی انہیں لوگوں کیساتھ جاؤں گی۔'' رشیدہ نے کہا۔

''نہیں..... سی نورا تم نہ جاؤ۔'' ڈی گاریکا بولا۔

''میں ضرور جاؤں گی..... نئی فاگانیہ رمونا میری جگہ تمہارا ساتھ دے گی۔ مجھے جانے ہی دو۔ میں یہاں نہیں رہ سکتی۔''

ڈی گاریکا اصرار کرتا رہا۔ لیکن رشیدہ کسی طرح ٹھہرنے پر تیار نہیں ہوئی۔

''میں..... میں بھی البرونو کے ساتھ جاؤں گی۔'' رمونا جذبات سے بھرے ہوئے لہجے میں بولی۔

''تمہارے وطن کو تمہاری ضرورت ہے اور وطن کی خاطر سب کچھ قربان کر دینا چاہئے۔'' فریدی نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''البرونو.....!'' اس نے فریدی کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔ اسکی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ ''تم ہمیں یاد رکھو گے۔''

''اچھا اچھا ٹھیک ہے۔'' فریدی نے گڑبڑا کر کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ حمید نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

دوسرے روز حمید انور رشیدہ اور فریدی کو پورے شاہی اہتمام کے ساتھ ڈی گاریکا اور رمونا نے رخصت کیا۔ جزیرہ واٹلنگ سے آگے نکل کر حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔ فریدی کیبن سے ٹیک لگائے بیٹھا پراسرار جزیرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''ایک بات میری سمجھ میں نہ آ سکی۔ آخر رشیدہ کے مل جانے کے بعد پھر ڈی گاریکا کے ساتھ آپ کیوں گئے۔'' حمید نے پوچھا۔

''ایک تو نئی دنیا دیکھنے اور دریافت کرنے کا شوق.....!''

''غالباً آپ دوسرے کولمبس بننا چاہتے تھے۔'' حمید نے فریدی کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''نہیں یہ بات تو نہیں۔ مگر پھر بھی یہی سمجھ لو۔ اس کے علاوہ ایک بات کا شبہ تھا اور وہ درست نکلی۔''

''وہ کیا.....؟'' حمید انور رشیدہ ایک ساتھ بولے۔

''لندن میں میں نے ماہر ارضیات سے سنا تھا کہ واٹلنگ کے آگے ایک پراسرار جزیرے میں پلاٹینم اور تانبے کی کانیں ہیں اور جزیرے میں اترتے ہی مجھے شبہ ہونے لگا تھا کہ یہی وہ جزیرہ ہے جہاں رشیدہ مجھے ملی تھی وہیں میں نے پلاٹینم کے ذرات پائے تھے، تم جانتے ہو دنیا کی سب سے قیمتی دھات پلاٹینم ہوتی ہے۔''

فریدی رکا، انور، رشیدہ اور حمید ٹکٹکی باندھے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ''وہ کانیں جو پھٹی تھیں وہ پلاٹینم اور تانبے کی تھیں۔ یقین کروان سے اتنی پلاٹینم پیدا کی جاسکتی ہے جتنی پوری دنیا اس وقت پیدا کررہی ہے۔ عنقریب بین الاقوامی کمیشن کے تحت وہاں کام شروع کرادوں گا۔''

فریدی خاموش ہوگیا اور جیب سے سگار نکال کر اس کا کونہ توڑنے لگا۔ ہچکولے لیتے ہوئے کشتی نیلگوں پانی کو چیرتے ہوئے آگے بڑھتی جارہی تھی۔

تمام شد

قائد اعظم پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

ابنِ صفی

جلد نمبر
6

جاسوسی دنیا

18- عجیب آوازیں

19- رقاصہ کا قتل

20- نیلی روشنی



پیشرس

خاص نمبر کے بعد فریدی اور حمید کا دوسرا کارنامہ پیش کر رہا ہوں۔ یہ ایک رنگین مزاج اور دولت مند لڑکی کی داستان ہے۔ جس کا منگیتر عجیب و غریب حالات میں موت کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کا عاشق جیل میں پہنچ جاتا ہے۔

عالیہ ایک رنگین مزاج لڑکی تھی۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ساتھ ہی ساتھ آزاد خیال بھی تھی۔ روزانہ نئے نئے دوست بناتی تھی۔ لہٰذا اس حادثے کے رونما ہونے پر لوگوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ عالیہ بھی اس سازش میں شریک تھی۔ ممکن ہے اس نے کسی نئے دوست کی خاطر ان دونوں کو اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی ہو۔ بظاہر حالات عالیہ کے خلاف ہی تھے۔

لیکن فریدی اس کیس کو اتنا سطحی نہیں سمجھتا۔ وہ ایک ایسی حیرت انگیز بات دریافت کرتا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے اور پھر وہ صحیح مجرم کو منظر عام پر کھینچ لاتا ہے۔ سرجنٹ حمید نے بھی اس داستان میں کئی کارنامے انجام دیئے ہیں۔ قہقہے بکھیرے ہیں۔

دلچسپ حادثہ

بات کچھ بھی رہی ہو لیکن انسپکٹر فریدی کا تار ملتے ہی حمید کے تلوؤں سے لگی اور سر پر بجھی۔ وہ اس بار تہیہ کر کے اپنے وطن آیا تھا کہ کم از کم ایک ماہ تو ضرور اپنے اعزہ کے ساتھ گذارے گا۔ مگر ٹھیک پندرھویں دن فریدی کا تار ملا اور تار کا مضمون بھی کچھ اس قسم کا تھا کہ وقتی طور پر جھلاہٹ لازمی تھی۔

لکھا تھا۔ "جلد آؤ! لطف رہے گا۔"

"کیا خاک لطف رہے گا۔" حمید تار کا فارم مٹھی میں ملتا ہوا بڑبڑایا۔ "لطف یہ رہے گا کہ دن رات جھک ماریئے! چھٹیوں میں بھی چین نہیں! سراغ رسانی سالی اوڑھنا بچھونا ہو کر رہ گئی ہے۔"

"بہر حال قہر درویش بر جان درویش۔ بستر باندھنا ہی پڑا۔ اگر صرف افسری اور ماتحتی کے تعلقات ہوتے تو شاید وہ استعفیٰ ہی لکھ کر بھیج دیتا۔

سفر کے دوران میں اس کا موڈ خراب ہی رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر یکایک کونسی ایسی مصیبت آگئی۔ اس دوران میں اخبارات میں بھی سنسنی خیز حادثے کی کوئی خبر نہیں شائع ہوئی تھی۔

ٹرین تیزی سے راستہ طے کر رہی تھی اور حمید کھڑکی کے قریب بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ طبیعت اتنی بیزار تھی کہ وہ کسی طرف دیکھنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ حالانکہ کمپارٹمنٹ میں اس کی دلچسپی کا کافی سامان موجود تھا مگر طبیعت تھی کہ غیر حاضر۔ اکثر کئی کھنکتے ہوئے رسیلے قہقہے اس کے کانوں میں گونج اٹھتے اور وہ دوسرے کنارے پر بیٹھی ہوئی تیز و طرار لڑکیوں کی طرف دزدیدہ نظروں سے

دیکھ کر رہ جاتا۔ اس سے زیادہ دلچسپی لینا کم از کم اس وقت اس کے بس کا روگ نہیں تھا۔ زیادہ تر خیالات اور جھنجھلاہٹ کی کشمکش جاری رہنے کے بعد دماغ پر کاہلی سی مسلط ہو گئی تھی جسے پہیوں کی گھڑگھڑاہٹ کی یکسانیت نے کچھ اور گہرا کر دیا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور کھڑکی پر سر ٹیکے اونگھ رہا تھا۔

دفعتاً کسی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ حمید چونک کر پلٹا۔

"معاف کیجئے گا میری وجہ سے آپ کے آرام میں خلل پڑا۔" اس کے پیچھے بیٹھے ہوئے آدمی نے کہا۔

"فرمایئے۔"

"کیا عرض کروں! میری دیا سلائی شائد کہیں گر گئی ہے۔" اس نے جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

حمید کا دل چاہا کہ اس کی گردن پکڑ کر کھڑکی سے دھکیل دے! یہ ایک جوان العمر توانا اور وجیہہ آدمی تھا۔ لباس سے متمول معلوم ہوتا تھا۔ انگلیوں میں قیمتی پتھروں کی انگوٹھیاں تھیں۔ کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی چین میں بھی الماس کے چھوٹے چھوٹے مستطیل ٹکڑے جڑے ہوئے تھے۔ حمید نے ایک بار پھر اسے گھور کر دیکھا۔ وہ کوئی بے تکا جملہ کہنے ہی جا رہا تھا کہ اس کی آنکھوں میں ندامت دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

"لیجئے دیا سلائی حاضر ہے۔" حمید نے دیا سلائی جیب سے نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔

"شکریہ۔" اس نے اپنا سگریٹ کیس کھول کر حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میں سگریٹ نہیں پیتا۔" حمید نے کہا۔

"خوب۔" وہ اپنی سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔ "لیکن رفاہ عام کیلئے دیا سلائی ضرور رکھتے ہیں۔"

حمید اس کی بے تکلفی پر جھلا گیا۔

"جی نہیں۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔ "مجھے رفاہ عام قسم کی حرکتوں سے کوئی دلچسپی نہیں میں پائپ پیتا ہوں۔ سگریٹوں کے کاغذ مجھے بدبودار معلوم ہوتے ہیں۔"

"لیکن یہ مصری سگریٹ ہیں، اچھی ئین اسپیشل۔" اجنبی مسکرا کر بولا۔

حمید نے سگریٹ کیس سے ایک سگریٹ نکال کر جیب میں ڈال لی اور پائپ نکال کر اس میں

تمباکو بھرنے لگا۔ اجنبی متحیر نظروں سے دیکھنے لگا۔

"بات دراصل یہ ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "میں نے اس سگریٹ کا صرف نام سنا تھا۔ مگر پینے کا اتفاق نہیں ہوا۔ میں اسے بطورِ یادگار اپنے پاس رکھوں گا اور مرتے وقت اپنے بڑے لڑکے کو دے کر وصیت کر جاؤں گا کہ وہ بھی مرتے وقت اپنے بڑے لڑکے کو دے کر یہی وصیت کر جائے کہ وہ اپنے لڑکے کو....!"

اجنبی کے چھت شگاف قہقہے کی وجہ سے جملہ جہاں کا تہاں رہ گیا۔

"بخدا آپ بہت دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" اجنبی اپنی ہنسی روکتا ہوا بولا۔

"جناب۔" حمید نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ "ابھی آپ نے دیکھا ہی کیا ہے۔"

"کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔"

"کسولی۔"

"کسی کام سے۔"

"جی نہیں علاج کرانے کی نیت سے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "پرسوں مجھے ایک پاگل کتے نے کاٹ لیا۔"

"خوب....!" اجنبی مسکرا دیا۔

"بھلا اس میں مسکرانے کی کیا بات ہے۔" حمید بگڑ کر بولا۔ "کیا آپ مجھے پاگل سمجھتے ہیں۔"

"جی نہیں.....جی نہیں۔" اجنبی کے لہجے میں گھبراہٹ تھی۔

"تو پھر آپ مسکرائے کیوں۔"

"کچھ نہیں یونہی....یونہی۔"

"یونہی مسکرائے تھے آپ۔" حمید نے طیش میں آکر کہا۔ "لیکن یونہی مسکرانا کچھ اچھی علامت نہیں۔"

"ارے صاحب آپ تو خواہ مخواہ۔"

"خواہ مخواہ کیا۔ میں خواہ مخواہ باتیں کر رہا ہوں؟ تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ میں پاگل ہوں۔"

"نہیں صاحب۔ نہیں صاحب۔" اجنبی پیچھے کھسکتا ہوا بولا۔

"پیچھے کیوں کھسک رہے ہو؟ کیا میں کاٹ کھاؤں گا۔"

"ارے صاحب آپ نے۔" اجنبی کھسیانی ہنسی کے ساتھ بولا۔

کمپارٹمنٹ کے دوسرے لوگ ان کی طرف متوجہ ہوگئے تھے اور لڑکیاں آنکھیں پھاڑے حمید کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"آپ اکیلے سفر کررہے ہیں۔" اجنبی پھر سہمی ہوئی آواز میں بولا۔

"جی نہیں! میرے ساتھ ہزاروں اس ٹرین میں سفر کررہے ہیں.... پھر؟"

"جناب میں معافی چاہتا ہوں۔" وہ گھبرا کر اٹھتا ہوا بولا۔

"معافی.... کس بات کی معافی۔ آپ نے میرا کیا بگاڑا ہے۔" حمید نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ بے تحاشہ زنجیر کی طرف بڑھا۔ کمپارٹمنٹ کے دوسرے لوگ بھی گھبرا کر کھڑے ہوگئے۔

"یہ کیا حماقت!" حمید نے اُسے کھینچ کر بٹھاتے ہوئے کہا۔ "آپ زنجیر کیوں کھینچنے جارہے ہیں۔ کیا آپ سچ مچ مجھے پاگل سمجھتے ہیں۔"

اجنبی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خوف زدہ نظروں سے حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔ لیکن اب حمید کو خوف محسوس ہوا کہ کہیں کوئی دوسرا زنجیر نہ کھینچ لے کیونکہ قریب بیٹھے ہوئے کئی آدمیوں نے اسے یہ کہتے سنا تھا کہ وہ بغرض علاج کسولی جارہا ہے۔

"آپ حضرات تشریف رکھئے۔" حمید نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "میں مذاق کررہا تھا۔" کچھ مسکراتے کچھ جھنجھلاتے ہوئے بیٹھ گئے۔

"لیکن میں اس بے تکی حرکت کا مطلب نہیں سمجھا۔" اجنبی بگڑ کر بولا۔

"آپ نے مجھ سے دیا سلائی مانگی تھی۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔ "اگر بات یہیں تک رہتی تو خیر۔ لیکن آپ کے جملے سے میں نے یہ اندازہ لگایا کہ آپ بے تکلفی پر آمادہ ہیں اور آپ پر یہ بھی واضح رہنا چاہئے کہ میں اجنبیوں سے بے تکلفی کا عادی نہیں۔"

اجنبی ہنسنے لگا۔ لیکن اس ہنسی میں شرمندگی کے ساتھ جھنجھلاہٹ بھی موجود تھی۔ "خیر چلئے بات ختم ہوئی۔" اس نے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ اگر کوئی اعتراض نہ ہو تو ذرا دیا سلائی پھر عنایت فرمایئے گا۔"

"شوق سے۔" حمید نے دیا سلائی بڑھادی اور اجنبی سگریٹ سلگانے لگا۔

کمپارٹمنٹ کے دوسرے مسافر انہیں برابر گھورے جارہے تھے۔

"محض آپ کی وجہ سے یہ سب لوگ مجھے پاگل سمجھنے لگے ہیں۔" حمید آہستہ سے بولا۔

اجنبی نے ادھر اُدھر دیکھا اور ایک بار پھر اس کے چہرے پر شرمندگی کے آثار نمایاں ہوگئے۔

"آپ کہیں پڑھتے ہیں۔" اس نے حمید سے پوچھا۔

حمید اِدھر اُدھر کی باتوں میں اس کا سوال ٹال گیا۔ پھر اور بھی باتیں چھڑ گئیں۔ دوران گفتگو میں پتہ چلا کہ دونوں کی منزل ایک ہی ہے۔

"مجھے دراصل محکمہ سراغ رسانی کے آفیسر سے ملنا ہے۔" اجنبی نے رازدارانہ انداز میں کہا۔

"کیوں؟ کس سے؟" حمید چونک کر بولا۔

"انسپکٹر فریدی سے۔"

"اوہ....!" حمید کے چہرے پر عجیب سے آثار پیدا ہوگئے، لیکن وہ سنبھل گیا اور پھر اس طرح اس کی طرف دیکھنے لگا جیسے اسے اس بات سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔

"میں ایک مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ میں نے کئی دن قبل فریدی صاحب کو ایک خط لکھا تھا جس کا مجھے کوئی جواب نہیں ملا۔ اب میں خود ہی ان سے ملنے کے لئے جارہا ہوں۔" حمید سوچنے لگا۔ کیا فریدی نے اسے اسی کے لئے بلایا ہے؟ لیکن اس نے اجنبی سے اس کے متعلق گفتگو کرنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ شخص کوئی الٹی سیدھی کہانی لے کر فریدی کے پاس پہنچ گیا تو خواہ مخواہ بقیہ چھٹیاں بھی برباد ہو جائیں گی۔

"آپ اس سے قبل بھی انسپکٹر فریدی سے ملے ہیں۔" حمید نے پوچھا اور اجنبی چونک کر اُسے دیکھنے لگا۔ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے اس سے کوئی غلطی ہوگئی ہو۔ "معاف کیجئے گا میں اس کے متعلق کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔" اجنبی نے احتیاط سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

حمید کا استعجاب اور بڑھ گیا۔

"مگر ابھی تو آپ....!"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" اجنبی اس کی بات کاٹ کر آہستہ سے بولا۔ "معلوم نہیں آپ کون ہیں! میں بہت پریشان ہوں۔ محض رازداری کے خیال سے میں سیکنڈ کلاس میں سفر کررہا ہوں۔"

"ورنہ تھرڈ کلاس میں کرتے۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔ "اس کی نظریں اس کی بیش قیمت

انگوٹھیوں اور گھڑی کی چین پر جمی ہوئی تھیں۔"

"جی نہیں! یہ بات نہیں۔ فرسٹ کلاس میں سفر کرنے کے لئے جگہ مخصوص کرانی پڑتی۔"

"بہت اچھے۔" حمید نے قہقہہ لگایا۔ "اب شاید آپ مجھ سے بدلا لینا چاہتے ہیں۔"

"یہ بات نہیں۔" اجنبی بے چینی سے بولا۔ "میں آپ کا شکر گذار ہوں گا اگر آپ یہ ذکر ہی چھوڑ دیں۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ وہ غور سے اجنبی کو دیکھ رہا تھا۔ جس کے چہرے پر کسی قسم کے جذبات کے آثار نہ تھے اور آنکھوں کی بے تکلفی سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس وقت خالی الذہن ہو۔ اس کے دونوں ہاتھ آہستہ آہستہ اٹھ رہے تھے اور پھر وہ حمید کی گردن کی طرف بڑھنے لگے۔ اس کی آنکھیں اس طرح ویران نظر آ رہی تھیں جیسے وہ اندھا ہو۔ حمید گھبرا کر پیچھے کھسک گیا۔

دوسرے مسافر انہیں اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے ان کے سامنے دو مداری اپنے اپنے کرتب دکھا رہے ہوں۔

"پیچھے ہٹئے۔" حمید نے اس کے سینے پر ہاتھ مار کر پیچھے کی طرف کھسکتے ہوئے کہا۔

"ڈر گئے۔" اجنبی نے قہقہہ لگایا۔ "کیوں لے لیا نہ بدلہ۔"

حمید بُری طرح جھینپ رہا تھا۔

"دیکھا آپ نے آرٹ اسے کہتے ہیں۔" اجنبی نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ جیسا زیرک آدمی بھی دھوکا کھا گیا۔"

حمید ہنسنے لگا۔ دوسرے مسافر بھی ہنس رہے تھے۔

"میں نے ابھی تک جتنی باتیں کیں، سب بکواس تھیں۔" اجنبی نے کہا۔

"خیر اس پر مجھے کسی طرح یقین نہیں آ سکتا۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "آپ نے ساری باتیں سچ کہی تھیں اور آپ انہیں مذاق کا رنگ دینا چاہتے ہیں۔"

"آپ یقین کیجئے۔" اجنبی گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"بھلا میں کس طرح یقین کر سکتا ہوں۔ جب کہ خود میں انسپکٹر فریدی ہوں۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

اجنبی بے ساختہ اچھل پڑا۔

سامنے کی برتھ پر ایک پروفیسر نما آدمی اپنے سپاٹ سر پر ہاتھ پھیرتا ہوا دوسرے سے کہہ رہا تھا۔ "بعض نوجوان عجیب و غریب حرکتوں کے ذریعہ لڑکیوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

اجنبی نے اس کا ریمارک صاف سنا لیکن اس کی حالت میں کوئی تغیر نہیں پیدا ہوا۔ وہ بدستور آنکھیں پھاڑے حمید کو گھورے جا رہا تھا۔

"آپ.... آپ۔" وہ ہکلایا۔

"جناب۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "آپ کا خط دلچسپ ضرور تھا لیکن مجھے اس کی صداقت پر شبہ تھا۔ اس لئے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ آپ سے ملنے سے پہلے ہی حالات کا جائزہ لے لوں اور اب آپ کے ساتھ ہی واپس جا رہا ہوں۔"

"تو آپ نے حالات کا جائزہ لے لیا۔" اجنبی بے چینی سے بولا۔ "اور آپ کو اب میرے بیان پر کسی قسم کا شبہ نہیں۔"

"قطعی نہیں۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا "اور مجھے اس کا بھی علم ہے کہ آپ کی زندگی ریوالور کی نال پر رکھی ہوئی ہے اور کسی وقت بھی آپ مر سکتے ہیں۔"

"اوہ....!"

"جناب۔" حمید نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا اور پھر تھوڑی دیر بعد آہستہ سے بولا۔ "ان مسافروں میں سے بھی کوئی آپ کا دشمن ہو سکتا ہے۔"

"تو کیا ہم کمپارٹمنٹ بدل دیں۔" اجنبی نے پوچھا۔

"قطعی! لیکن صرف آپ! میں آپ سے علیحدہ رہ کر ہی آپ کی حفاظت کر سکوں گا۔"

اجنبی گھبرا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"چونکنے کی ضرورت نہیں۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "آپ شاید اسی وقت اپنی موت بلانا چاہتے ہیں۔ کھڑکی کے باہر دیکھئے۔"

اجنبی نے فوراً تعمیل کی اور پھر پلٹ کر دوسری طرف نہیں دیکھا۔ جیسے ہی گاڑی اسٹیشن پر رکی وہ اپنا اٹیچی اٹھا کر نیچے اُتر گیا۔

"اسٹیشن پر مل جائیے گا۔" حمید نے کھڑکی سے سر نکال کر کہا اور پھر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

اس کے بعد بقیہ سفر اونگھتے ہی گذرا۔ حمید نے اُسے بیوقوف بنادیا تھا۔ لیکن سوچ رہا تھا کہ وہ ہے کون؟ اور فریدی سے کیوں ملنا چاہتا ہے۔

منزل مقصود پر پہنچ کر وہ قلیوں سے گفتگو کر ہی رہا تھا کہ اجنبی بھی آکر کھڑا ہو گیا۔ لیکن حمید نے کچھ ایسا رویہ اختیار کر لیا جیسے اس نے اسے اس سے قبل دیکھا ہی نہ ہو۔

"اب آپ کیا چاہتے ہیں۔" اجنبی نے پوچھا۔

"جی....!" حمید تحیر آمیز لہجے میں بولا۔ "میرا خیال ہے کہ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" اجنبی نے چونک کر کہا۔

"کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ارے....!" اجنبی ایک قدم پیچھے ہٹ گیا اور حمید ہنسنے لگا۔ پھر اس کی طرف جھک کر آہستہ سے بولا۔

"آرٹ اسے کہتے ہیں.... امید ہے کہ اب آپ اس کا بھی بدلہ لینے کی کوشش کریں گے۔"

حمید اُسے پلیٹ فارم پر چھوڑ کر قلی کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

حیرت انگیز تجربہ

کوٹھی پہنچ کر حمید نے سامان اپنے کمرے میں پھینکا اور فریدی کی تلاش کرنے لگا۔ نوکروں سے معلوم ہوا تھا کہ وہ گھر ہی میں ہے، لیکن کسی کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ وہ کس کمرے میں ہے اور کیا کر رہا ہے۔ نوکروں نے یہ بھی بتایا کہ فریدی نے انہیں شاگرد پیشہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا تھا۔ اس لئے وہ کوٹھی کے اندر بھی نہیں جا سکتے تھے۔

حمید اندرونی راہداری سے گذرتا ہوا عجائبات کے کمرے کی طرف بڑھا۔ دفعتاً اسے کسی کتے کے بھونکنے کی آواز آئی۔ غراہٹ سے اندازہ ہو رہا تھا کہ کتا انتہائی غصے میں ہے۔ آواز فریدی کی تجربہ گاہ سے آرہی تھی جو اوپری منزل پر تھا۔ حمید نے عجائبات کے کمرے میں جھانکا لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ تھوڑی دیر کے لئے رک کر کچھ سوچنے لگا۔ کتے کی آواز برابر سنائی دے رہی تھی۔ حمید تیزی سے ڈرائنگ روم کی طرف پلٹا۔ اس کی رفتار کچھ اتنی تیز تھی کہ بادی النظر میں

دوڑنے کا گمان ہو سکتا تھا اور پھر دوسرے لمحے میں وہ زینے طے کرتا ہوا اوپری منزل کی طرف جا رہا تھا۔

تجربہ گاہ کے دروازے بند تھے لیکن کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔ حمید آہستہ آہستہ ایک کھڑکی کی طرف بڑھا اور پھر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ فریدی اپنے ایک خونخوار بلڈ ہاؤنڈ (Blood Hound) کی زنجیر تھامے کھڑا تھا، جو ایک کپڑے کے قد آدم مجسمے پر حملہ کرنے کے لئے زور کر رہا تھا۔ مجسمہ یونہی بھدے قسم کا تھا۔ لیکن اسے جو سوٹ پہنایا گیا تھا کافی قیمتی معلوم ہوتا تھا۔ کتے کے جوش و خروش سے ظاہر ہوتا تھا کہ اگر وہ کسی طرح چھوٹ گیا تو مجسمے کے پرخچے اڑا دے گا۔

دفعتاً فریدی نے زنجیر اس کی گردن سے نکال لی اور کتا کپڑے کے مجسمے پر ٹوٹ پڑا۔ وہ اسے بُری طرح ادھیڑ رہا تھا اور فریدی کے ہونٹوں پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ پھر وہ کتے اور مجسمے کی طرف سے لاپرواہ ہو کر سگار سلگانے لگا۔

"آپ اس بیچارے کی مدد نہیں کر رہے ہیں۔" حمید نے باہر سے کہا اور فریدی چونک پڑا۔

"اوہ تم آگئے.... اتنی جلدی امید نہیں تھی۔"

فریدی نے دروازہ کھول دیا۔ حمید نے اندر پہنچ کر دیکھا کہ مجسمے کے بجائے اب چیتھڑوں کا ڈھیر کتے کے جوش غضب کا شکار بنا ہوا ہے۔

"آپ خیریت سے ہیں نا۔" حمید نے کتے کی طرف سے نظریں ہٹا کر فریدی کو چھیڑتے ہوئے کہا۔

فریدی ہنسنے لگا۔ پھر اس نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی کا بٹن دبایا۔ باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی اور کتے خانے کا نگران اندر داخل ہوا۔ فریدی نے زنجیر اُسے دے دی اور حمید سے مخاطب ہوا۔

"تارکل شام ہی کو مل گیا ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن اس وقت فوراً ہی کوئی ٹرین نہ مل سکی۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "اور بذریعہ جہاز آنے میں اخراجات زیادہ بیٹھتے۔"

"تمہاری عدم موجودگی میں بہت اداس رہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"اور آپ کے قریب رہ کر مجھے اداس ہونے کا بھی موقع نہیں ملتا۔" حمید خشک لہجے میں بولا۔

اس دوران میں کتے خانے کا نگراں بلڈ ہاؤنڈ کے گلے میں زنجیر ڈال چکا تھا اور اب اُسے باہر لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن کتا کسی طرح ہٹنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔

"یوں نہ جائے گا۔" فریدی نے کہا۔ "اپنے ساتھ وہ ڈھیر بھی لے جاؤ۔"

پھر فریدی نے بڑھ کر کتے کی زنجیر پکڑلی اور نگران چیتھڑوں کا ڈھیر سمیٹنے لگا۔

ایک ہاتھ پر اُس نے چیتھڑوں کا ڈھیر سنبھالا اور دوسرے سے کتے کی زنجیر تھام کر باہر نکل گیا۔ کتا بدستور اچھل اچھل کر اس کے ہاتھ میں چیتھڑے گرانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"آؤ چلیں۔" فریدی بھی دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

حمید حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دونوں برآمدے میں آکر آرام کرسیوں میں بیٹھ گئے۔

"شاید ابھی تک آپ کا دماغ اُس جزیرے[1] والے حادثے سے متاثر ہے۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

"تمہارا خیال غلط ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"پھر یہ سب کیا تھا....؟"

"ایک تجربہ۔"

"تجربہ۔"

"ہاں.... لیکن ابھی نہیں بتاؤں گا۔" فریدی نے بجھا ہوا سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "پہلے جاکر کپڑے اتارو! غسل کرو! کھانا بھلا ابھی کہاں کھایا ہوگا! تم ٹھہرے پرلے سرے کے کنجوس۔"

"لیکن آپ نے مجھے بلایا کیوں ہے؟" حمید جھلا کر بولا۔

"محبت کرنے کے لئے.... جان من اس قدر ناراض کیوں ہو۔"

حمید جھلا کر اٹھا اور اندر چلا گیا۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر وہ پھر برآمدے ہی کی طرف واپس آیا کیونکہ فریدی اندر موجود نہیں تھا۔

ابھی وہ برآمدے میں قدم بھی نہیں رکھنے پایا تھا کہ اسے ایک ایسی آواز سنائی دی جسے وہ کچھ دیر قبل ٹرین میں سن چکا تھا۔ وہ کمرے ہی میں رک گیا۔ آواز سچ مچ اس اجنبی کی تھی جسے اس نے

---

[1] اس کہانی کے لئے "بھیانک جزیرہ" جلد نمبر 5 ملاحظہ فرمائیے۔

ٹرین میں بیوقوف بنایا تھا۔ لیکن اس وقت اس کے لہجے میں متانت کی بجائے دیوانہ پن جھلک رہا تھا۔ وہ اس طرح بول رہا تھا جیسے اس پر کسی قسم کا دورہ پڑ گیا تھا۔

"فریدی صاحب۔" "آپ کو ماننا ہی پڑے گا۔ تیس ہزار چالیس ہزار، پچاس ہزار میں اس سے بھی آگے بڑھ سکتا ہوں۔ اپنے دشمنوں کو نیچا دکھانے کے لئے اپنی ساری پونجی لٹا سکتا ہوں۔ نہیں نہیں۔ فریدی صاحب! اس طرح سر نہ ہلایئے۔ خدا کی قسم پاگل نہیں ہوں۔ فریدی صاحب میں ہوش میں ہوں۔ آپ میرے متعلق تحقیقات کر سکتے ہیں۔ جنوبی امریکہ کی کمرشل ڈائریکٹری میں آپ کو میرا نام اور فوٹو مل سکتا ہے۔"

"مجھے یقین ہے۔" فریدی کی پُرسکون آواز سنائی دی۔

"پھر آپ انکار کیوں کر رہے ہیں۔ جب کہ آپ کی چھ ماہ کی چھٹیاں بھی باقی ہیں۔ چلئے ساٹھ ہزار.... سفر خرچ اور دیگر اخراجات کے علاوہ.... اب آپ کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"مسٹر نعیم! مجھے افسوس ہے کہ میں پھر بھی آپ کی کوئی خدمت نہ کر سکوں گا۔"

"آخر کیوں؟ آخر کیوں؟"

"یونہی.... اصول کی بات آپڑی ہے۔"

"یعنی....!"

"معاف کیجئے گا۔ میرے پاس آپ کے یعنی کا کوئی جواب نہیں۔"

"تو میں قطعی ناامید ہو جاؤں۔"

"جی....!"

"فریدی صاحب! میں بڑی امیدیں لے کر آیا تھا۔"

"مجھے خود افسوس ہے۔"

"میں حتی الامکان آپ کو آمادہ کرنے کی کوشش کرتا رہوں گا۔" اجنبی نے کہا۔

"میں نے آخری بات کہہ دی۔" فریدی کھانس کر بولا۔ "ویسے آپ کو اختیار ہے۔ میں آپ کو کوشش سے تو باز نہیں رکھ سکتا۔"

"میں مایوس نہیں ہو سکتا۔" اجنبی کے لہجے میں خود اعتمادی تھی۔ "کیونکہ آپ کے بعد پھر کوئی اور نظر نہیں آتا۔ یہ میری موت اور زندگی کا سوال ہے۔ فریدی صاحب میں نے سنا تھا کہ

آپ مظلوموں کی مدد کرتے ہیں۔ اسی لئے میں نے آپ تک آنے کی ہمت کی تھی۔"

"لیکن آپ سے زیادہ مظلوم بھی میرے پاس آ چکے ہوں تو! اور میں انہیں مدد دینے کا وعدہ کر چکا ہوں تو! ایسی صورت میں آپکے ساٹھ ہزار میرے ارادے پر کس طرح اثرانداز ہو سکیں گے۔"

"تو کیا میرے دشمنوں نے آپ سے مدد طلب کی ہے۔"

"نہیں۔"

"پھر....؟"

فریدی نے اس سوال کا جواب دینے کے بجائے ایک نوکر کو آواز دی۔

"ذرا ڈرائیور سے کہو کہ گاڑی گیرج سے نکال دے۔ باہر جانا ہے۔"

"فریدی صاحب! مجھے سچ مچ بڑی مایوسی ہوئی۔" اجنبی اٹھتا ہوا بولا۔

"میں پھر عرض کروں گا کہ مجھے افسوس ہے۔ اگر آپ تین دن قبل مجھ سے ملے ہوتے تو شاید میں اس وقت آپ ہی کے کام کے متعلق سوچ رہا ہوتا۔"

"خیر صاحب مجھے یقین ہو گیا کہ میری بربادی قریب ہے۔"

پھر حمید نے قدموں کی آہٹیں سنیں، جو بتدریج دور ہوتی جا رہی تھیں اور جب برآمدے میں آیا تو فریدی خلاء میں نظریں جمائے کچھ سوچ رہا تھا۔

حمید کی آہٹ پر چونک پڑا۔

"تم نے کپڑے نہیں بدلے۔ ہم مے پول ہوٹل تک چلیں گے۔ کھانا وہیں کھائیں گے۔" اس نے حمید سے کہا۔

حمید کوئی جواب دیئے بغیر پھر واپس لوٹ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اجنبی نے ٹرین میں اس سے کیا کہا تھا کہ وہ فریدی سے ملنے جا رہا ہے۔ پھر اس نے اپنی اس بات کو مذاق میں ٹالنے کی کوشش کی تھی؟ آخر کیوں؟ وہ کون تھا؟ فریدی کے پاس کیوں آیا تھا۔

"جانتے ہو کون تھا۔" فریدی نے حمید سے راستے میں پوچھا۔

"میں آپکی طرح جادو کی پڑیا تو ہوں نہیں کہ ہر ایک کو پہچانتا پھروں؟" حمید بیزاری سے بولا۔

فریدی خاموش ہو گیا اور حمید کو یک بیک احساس ہوا کہ اس نے اس وقت بیزاری کا اظہار کر کے غلطی کی ہے۔ اب فریدی اُسے کچھ بتائے بغیر ہی ادھر اُدھر بہلاتا پھرے گا۔ اجنبی کی

شخصیت پُراسرار تھی اور فریدی نے جس انداز سے اُسے ٹالا تھا وہ بھی کم از کم حمید کے لئے نیا تھا۔ اس نے اس سے قبل فریدی کو ایسا کرتے نہیں دیکھا تھا۔ روز ہی اس کے پرائیویٹ کیس آتے رہتے تھے لیکن اس نے آج تک کسی ضرورت مند کو اتنے خشک لہجے میں کورا جواب نہیں دیا تھا اور پھر یہاں تو معاملہ ساٹھ ہزار تک پہنچ چکا تھا اور دوسرے اخراجات سے کوئی مطلب نہیں؟

حمید کی الجھن بڑھتی جا رہی تھی۔ آخر وہ کون تھا؟ اور کیا چاہتا تھا؟

اور پھر اچانک اسے فریدی کا حیرت انگیز تجربہ یاد آ گیا۔ حرکت قطعی پاگل پن کی تھی، لیکن فریدی سے اس کی توقع ناممکن تھی کہ وہ بچوں کی طرح کپڑے کا مجسمہ بنا کر اپنا بہترین سوٹ کتے سے نچوا ڈالے گا۔ آخر یہ سب کیا تھا؟

"میں نہیں جانتا کہ وہ کون تھا۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

"ہوں....!" فریدی مسکرایا لیکن وہ بدستور سامنے دیکھتا رہا۔ اس کے انداز سے یہ بھی معلوم ہوتا تھا کہ یہ مسکراہٹ کسی جملے کا پیش خیمہ ثابت ہو گی۔

حمید کی اکتاہٹ اور جھلاہٹ میں اضافہ ہو گیا۔

"لیکن ہم مے پول ہوٹل کیوں جا رہے ہیں۔"

"غیر ضروری باتوں سے اجتناب کرنا سیکھو؟" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"یہ غیر ضروری بات ہے؟" حمید نے جھلا کر کہا۔

"چپ۔"

"واہ یہ بھی اچھی رہی۔" حمید برس پڑا۔ "خواہ مخواہ تار دے کر مجھے بلایا۔ اتنے لمبے سفر کی کوفت بھی دور نہ ہونے پائی تھی کہ یہاں چل وہاں چل۔ جہنم میں گئی ملازمت۔ میں تو اب عاجز آ گیا ہوں۔"

"ملازمت کی بات کہاں چھیڑ بیٹھے۔ ہم تو چھٹی پر ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

حمید کا غصہ اور تیز ہو گیا لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔ البتہ اس کا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا ہوا تھا اور آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔

"ہے ہے۔" فریدی اسے کن انکھیوں سے دیکھتا ہوا بولا۔ "اس وقت کافی حسین لگ رہے ہو۔ تم اپنا ہونٹ دانتوں میں مت دبایا کرو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ستارے شفق کو نگلنے کی

کوشش کر رہے ہوں۔"

حمید پھر کچھ نہ بولا۔

"تم خاموش کیوں ہو.... کچھ چکھو پیارے۔" فریدی نے اُسے پھر چھیڑا۔

"کیا آپ مجھے اُلو کا پٹھا سمجھتے ہیں؟" حمید چیخ کر بولا۔

"نہیں آدمی کا پٹھا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور کار مے پول ہوٹل کے پورٹیکو میں کھڑی کر دی۔

حمید طوعاً و کرعاً اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ فریدی داہنی طرف کے کیبنوں کی قطار کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اس کی نظریں نمبروں پر دوڑ رہی تھیں۔ چند لمحے کھڑے رہنے کے بعد وہ ایک کیبن کی طرف بڑھا۔ پردہ ہٹایا اور حمید کی آنکھوں کے سامنے بجلی سی چمک گئی۔ پردہ ہٹتے ہی کیبن میں بیٹھی ہوئی لڑکی بے اختیارانہ انداز میں کھڑی ہو گئی۔ حمید اُسے اچھی طرح پہچانتا تھا۔ وہ شہر کے فولاد کے سب سے بڑے تاجر کی لڑکی عالیہ تھی۔ اونچی سوسائٹی کا شاید ہی کوئی ایسا فرد رہا ہو، جو اُسے نہ جانتا ہو۔ وہ شہر کی تفریح گاہوں کی جان اور کلچرل قسم کے ہنگاموں کی روح رواں تھی۔

"تشریف رکھئے۔" فریدی قدرے جھک کر بولا اور حمید کی طرف مڑ کر اُسے معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگا۔

عالیہ بیٹھ گئی۔ وہ بار بار اپنی پیشانی پر رومال پھیر رہی تھی۔

"آپ کا کیس یقیناً میرے لئے دلچسپ ہوگا۔" فریدی بیٹھتا ہوا مسکرا کر بولا۔

عالیہ کوئی جواب دینے کے بجائے حمید کی طرف دیکھنے لگی۔

"اوہ.... یہ میرے رفیق کار سرجنٹ حمید ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "ان کی موجودگی آپ کی تشویش کا باعث نہیں بن سکتی۔"

عالیہ کے ماتھے پر ابھری ہوئی سلوٹیں غائب ہو گئیں۔

"ہاں تو آپ نے مجھے اس وقت کیوں بلایا ہے۔" فریدی اپنے جیب میں سگار ٹٹولتا ہوا بولا۔ "اگر آپ ناپسند نہ کریں تو میں ایک سگار سلگالوں۔"

"اوہ.... شوق سے۔" عالیہ کی مترنم آواز سنائی دی۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو تکلیف دی۔ بات یہ ہے کہ مجھے شاہد مرحوم کے نوکر سے آج ایک نئی بات معلوم ہوئی ہے۔

ممکن ہے آپ کے کام کی ہو۔"

"وہ کیا؟"

"شاہد مرحوم نے اسی خاص تقریب کے لئے ایک سوٹ سلوایا تھا، جو تقریب سے ایک ہفتہ قبل اچانک اس کے بکس سے غائب ہو گیا تھا اور پھر ایک دن قبل اُسی بکس میں پایا گیا۔"

عالیہ کا جملہ ختم ہونے سے قبل ہی فریدی سگار سلگاتے ہوئے رک گیا تھا۔ اس کی آنکھیں حیرت انگیز طور پر چمکنے لگی تھیں اور چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

"لیکن اس کی اطلاع آپ لوگوں کو پہلے ہی کیوں نہیں دی گئی۔" فریدی نے سگار کو میز پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"پتہ نہیں.... نوکر کا بیان ہے کہ شاہد نے اُسے اس کا تذکرہ کرنے سے روک دیا تھا۔"

فریدی کچھ سوچنے لگا۔

"میرا خیال ہے۔" عالیہ پھر بولی۔ "شاہد نے اخلاقاً اس کا تذکرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اگر آپ ہی کا کسی کے گھر میں بطور مہمان قیام ہو اور آپ کی کوئی چیز گم ہو جائے تو آپ یقیناً صاحب خانہ سے اُس کا تذکرہ کرتے ہوئے ہچکچائیں گے۔"

"آپ کا خیال درست ہے۔" فریدی ایش ٹرے پر نظریں جمائے ہوئے بولا۔

حمید کی الجھن لحظہ بہ لحظہ بڑھتی جا رہی تھی۔

خونی کتا

"اچھا تو عالیہ بیگم۔" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ "میں شاہد مرحوم کے نوکر سے پھر کچھ باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"ابھی چلئے۔"

"نہیں ابھی نہیں.... میں شام کو آؤں گا اور ہاں آپ کے والد صاحب کب تک واپس آئیں گے۔"

"کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ وہ تقریباً چھ ماہ سے غیر ممالک کے دورے پر ہیں۔ پچھلے دو ماہ سے ان

کا کوئی خط بھی نہیں آیا۔ ان کا آخری تار مصر سے آیا تھا جس میں انہوں نے اطلاع دی تھی کہ وہ کیپ ٹاؤن جا رہے ہیں۔ اس کے بعد سے پھر کوئی خبر نہیں ملی۔"

"ہوں.... اچھا تو پھر میں شام کو آؤں گا۔" فریدی نے کہا اور ویٹر کو بلانے کے لئے گھنٹی بجاتا ہوا بولا۔ "غالباً آپ نے ابھی دوپہر کا کھانا نہ کھایا ہوگا۔"

"جی نہیں شکریہ! میں کھا چکی ہوں۔" عالیہ اٹھتی ہوئی بولی۔ "اچھا تو شام کو کس وقت آپ کا انتظار کروں۔"

"پانچ بجے۔"

عالیہ چلی گئی اور فریدی حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"اسے جانتے ہو۔" اس نے پوچھا۔

حمید نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ہاں بھلا تم کیوں نہ جانتے ہو گے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں خاموشی سے کھانا کھا رہے تھے۔

"یہاں ایک عجیب حادثہ ہو گیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

حمید بدستور سر جھکائے کھانے میں مشغول رہا۔

"تم شاید دلچسپی نہیں لے رہے ہو۔" فریدی پھر بولا۔

حمید نے نوالہ ہاتھ سے رکھ دیا اور فریدی کو اس طرح گھورنے لگا جیسے مار بیٹھے گا۔

"کیوں؟" فریدی ہنس پڑا۔

"میں اس لئے دلچسپی نہیں لے رہا ہوں۔" حمید دانت پیس کر بولا۔ "کہ دلچسپی لینے کے سلسلے میں کافی بدھو بننا پڑتا ہے۔ اگر میں اپنی دلچسپی کا اظہار کروں تو آپ مجھے پیس کر پی لیں۔ آپ مجھے احمقوں کی طرح ٹہلایا کرتے ہیں۔ کبھی کوئی بات نہیں بتاتے۔ بس دوڑا کیجئے۔"

"کھانا کھاؤ۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "غالباً تمہارا اشارہ اس تجربے کی طرف ہے اب میں تمہیں اس کے متعلق بتا سکتا ہوں۔ اگر عالیہ نے اس وقت سوٹ والا معاملہ نہ چھیڑا ہوتا تو ابھی نہ بتاتا کیونکہ ابھی تک وہ تجربہ محض عقلی گدا تھا مگر اب وہ فولاد کی طرح ٹھوس ہے۔"

"یعنی....!"

"ٹھہرو.... تجربے کی بات بعد میں آئے گی۔ پہلے وہ واقعہ سنو جس کی بناء پر ایک خیال کے تحت مجھے یہ تجربہ کرنا پڑا تھا۔"

فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ حمید اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"آج سے ایک ہفتہ قبل کی بات ہے کہ عالیہ کے شکاری کتے نے اس کے منگیتر شاہد کو مار ڈالا۔"

"مار ڈالا۔" حمید چونک کر بولا۔

"ہاں.... اور عین اس وقت جب تھوڑی دیر بعد ان کی منگنی کی رسم ادا کی جانے والی تھی۔"

"اوہ....!"

"اس تقریب کے سلسلے میں عالیہ کے یہاں ایک گارڈن پارٹی دی گئی تھی۔ مہمان نشستوں پر بیٹھ چکے تھے۔ ان میں شاہد بھی تھا، جو تقریباً پندرہ یوم قبل سے عالیہ کے یہاں ٹھہرا ہوا تھا۔ عالیہ کو تو تم جانتے ہی ہو کہ اس میں خود نمائی کی عادت ضرورت سے زیادہ ہے۔ پارٹی شروع ہی ہونے جا رہی تھی کہ عالیہ اپنے بلڈ ہاؤنڈ کی زنجیر تھامے ہوئے پائیں باغ میں آئی۔ حالانکہ یہ ایسا موقع نہیں تھا کہ وہ کتا لے کر نکلتی مگر خود نمائی کی عادت نے اُسے اس بھونڈی حرکت پر مجبور کر دیا۔ اس کا بیان ہے، کہ کتا بچپن ہی سے اس کے پاس تھا اور بہت سیدھا تھا۔ صرف شکار کے موقعوں پر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ بلڈ ہاؤنڈ ہے۔ ورنہ ویسے وہ دیسی کتوں کی طرح ہر ایک کی سیٹی پر دم ہلانے لگتا تھا۔"

فریدی خاموش ہو کر پلیٹ میں رکھے ہوئے مرغ مسلم کی ٹانگ کاٹنے لگا۔

"پھر....!"

"باغ میں پہنچ کر یک بیک اس نے بھونکنا شروع کر دیا۔ عالیہ نے لاکھ کوشش کی کہ وہ اُسے واپس لے جائے۔ مگر ممکن نہ ہوا۔ دو تین نوکروں نے بھی کوشش کی لیکن لاحاصل۔ کچھ مہمان بھی عالیہ کے گرد آ گئے۔ پھر دفعتاً چمڑے کا تسمہ ٹوٹ پڑا۔ اس نے اس کی گردن پکڑ لی تھی لوگ دوڑ پڑے مگر اتنی دیر میں اس نے شاہد کا نرخرا ادھیڑ دیا تھا اور شاہد زمین پر پڑا ذبح کئے ہوئے مرغ کی طرح تڑپ رہا تھا۔ ہسپتال پہنچنے سے پہلے ہی وہ مر گیا۔ عالیہ نے اسی وقت چیخ چیخ کر لوگوں کو بتانا شروع کیا کہ کسی نے کتے کا تسمہ کاٹ دیا تھا۔ تسمہ نہیں بلکہ اُسے چمڑے کی ڈور کہنا چاہئے، جو پتلی پتلی پٹیوں کو بٹ کر بنائی گئی تھی اور جس کا ٹوٹنا امر محال ہے۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے اس

وقت اسے کاٹ دیا تھا جب کتا شاہد پر جھپٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسی دوران میں کسی نے ایک لڑکے کے متعلق شبہ ظاہر کیا۔ عالیہ یہ نہیں بتا سکی کہ شبہ ظاہر کرنے والا کون تھا۔ بہر حال اس لڑکے کی تلاشی لینے پر اس کی جیب سے ایک بڑا سا چاقو برآمد ہوا۔ لڑکا گرفتار کر لیا گیا لیکن وہ برابر یہی کہے جا رہا تھا کہ وہ چاقو اس نے اپنی جیب میں نہیں رکھا تھا اور نہ وہ اس کا تھا۔ کسی نے وہیں اس کی لاعلمی میں جیب میں ڈال دیا تھا۔ بہر حال لڑکا گرفتار کر لیا گیا۔ جانتے ہو وہ کون تھا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔

"وہ عالیہ کے عاشقوں میں سے ایک تھا اور عالیہ بھی اُسے بے حد چاہتی ہے۔ اس نے اس کا اعتراف کیا ہے۔"

"تب تو معاملہ صاف ہے۔" حمید نے کہا۔

"کیا....؟"

"یہی کہ عالیہ اور اس کا عاشق دونوں اس سازش میں شریک ہیں۔"

"چلو خیر میں اسے بھی مانے لیتا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کتے نے شاہد ہی پر حملہ کیوں کیا اور پھر ایسی صورت میں جب کہ وہ شاہد سے کافی مانوس ہو گیا تھا۔ شاہد کے نوکر نے بتایا ہے کہ اکثر شاہد اُسے اپنے ساتھ لے کر تفریح کے لئے باہر جایا کرتا تھا۔"

فریدی خاموش ہو کر حمید کی طرف جواب طلب نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

"دوسری بات۔" فریدی چند لمحوں کے بعد بولا۔ "اگر یہ سازش عالیہ کی تھی تو اس نے اس صفائی سے اس کا اعتراف کیوں کر لیا کہ وہ شاہد سے بیزار تھی۔ اس کے ساتھ شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔"

"تو پھر اُس نے انکار ہی کیوں نہیں کر دیا تھا۔" حمید نے کہا۔

"اس کے والدین کی یہی خواہش تھی۔ اس کا باپ ایک ضدی آدمی ہے اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ وہ اپنے والدین کی اکلوتی لڑکی ہے۔ اس کا باپ اکثر کہا کرتا تھا کہ اگر وہ شاہد کے ساتھ شادی پر رضامند نہ ہو گی تو وہ اسے وراثت سے محروم کر دے گا۔"

"مگر محبت۔" حمید نے کہا۔

"چھوڑو بھی، تم بھی کہاں کی بات لے بیٹھے۔ رئیس گھرانوں کی جانِ محفل قسم کی لڑکیوں کو تم نہیں جانتے۔ ان کے لئے دولت سے زیادہ اہم اور کوئی چیز نہیں! اس میں شک نہیں کہ وہ اپنے عاشق سعید کے ساتھ شادی کرنا چاہتی تھی۔ مگر میرے خیال میں اس میں بھی ایک طرح کی سودے بازی موجود ہے۔ سعید ایک متوسط گھرانے کا لڑکا ہے اگر اتفاق سے عالیہ کی شادی اس کے ساتھ ہو جائے تو وہ زندگی بھر اس کی دولت کی وجہ سے اس سے مرعوب رہے گا اور اس کی بے راہ روی میں دخل انداز نہ ہو سکے گا۔ تم نے یہاں کی رقص گاہوں میں عالیہ کو بے شمار نوجوانوں کے ساتھ دیکھا ہو گا۔ میں اس کی فطرت سے بخوبی واقف ہوں۔

"تو خود عالیہ نے آپ سے اس کیس کی تفتیش کے لئے کہا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ہاں... خیر تو سنو.... عالیہ کا بیان ہے کہ حادثے سے ایک ہفتہ قبل سے کوئی آدمی روزانہ رات میں کتے کو تنگ کیا کرتا تھا۔ دو ایک بار کتے کے جسم پر معمولی زخم بھی دکھائی دیئے۔"

"تو کیا شاہد ہی...." حمید نے کہا۔

"نہیں....!" فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "اگر یہ بات ہوتی تو وہ تقریب سے پہلے ہی شاہد کا خاتمہ کر دیتا۔ بتا تو دیا کہ تقریب سے ایک دن قبل بھی شاہد کتے کو اپنے ساتھ باہر لے گیا تھا۔"

"تو پھر سعید۔"

"بھلا سعید کیسے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اگر یہ بات ہوتی تو وہ شاہد کی بجائے سعید پر جھپٹتا۔ کیونکہ وہ بھی پارٹی میں موجود تھا۔"

"پھر آخر کون۔"

"کوئی نامعلوم آدمی۔" فریدی بولا۔ "سارے واقعات معلوم کرنے کے بعد ہی سے میں نے تجربہ شروع کر دیا تھا۔ واضح رہے کہ شاہد محض اس سوٹ کی وجہ سے مارا گیا۔ تقریب سے ایک ہفتہ پیشتر اس کے بکس سے غائب ہو گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ تقریب سے ایک دن قبل واپس مل جانے پر اُس نے وہی سوٹ پہنا ہو گا کیونکہ وہ اسی موقعے کے لئے سلوایا گیا تھا۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"عجیب احمق آدمی ہو۔" فریدی اکتا کر بولا۔ "جس آدمی نے اُسے چرایا تھا، وہی اُسے راتوں میں پہن کر کتے کو تنگ کرتا رہا اور پھر تقریب سے ایک دن قبل اس نے اُسے دوبارہ بکس میں رکھ

دیا۔ کتا اس دوران میں سوٹ کی بو سے واقف ہو چکا تھا۔ لہٰذا وہ شاہد ہی کو تنگ کرنے والا سمجھ بیٹھا۔"

"محض کپڑے کی بو۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "بات سمجھ میں نہیں آتی۔"

"جھک نہیں مارتا رہا صاحب زادے۔" فریدی نے کہا۔ "آج ہی میرا تجربہ مکمل ہوا ہے۔ میں نے اپنے ایک سوٹ کا خون یونہی نہیں کرایا۔ ایک آدمی میرا سوٹ پہن کر میرے بلڈ ہاؤنڈ کو رات میں تنگ کرتا رہا ہے۔ وہی سوٹ میں نے کپڑے کے مجسمے کو پہنایا تھا۔ اگر وہ سوٹ خود میرے جسم پر ہوتا تو میرا بھی وہی حشر ہوتا، جو اُس مجسمے کا ہوا۔"

"آپ کا....؟" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"بلڈ ہاؤنڈ کی ذات ہی ایسی ہے۔ اصیل قسم کا بلڈ ہاؤنڈ اپنے حملہ آور کو کبھی نہیں چھوڑتا۔ چاہے وہ اس کا مالک ہی کیوں نہ ہو! بعض کتوں میں یہ صفت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک رکھوالی کرنے والے السیشین ہی کو لے لو۔ وہ رات کو اپنے مالک کی آہٹ پر بھونکنے لگتا ہے اور اس وقت تک چپ نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اس کا نام لے کر کچھ کہہ نہ دے۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ حمید بھی کچھ سوچ رہا تھا۔

"یہ حرکت گھر ہی کے کسی فرد کی ہو سکتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"ممکن ہے! ابھی میں نے اس پر غور ہی نہیں کیا؟ بہر حال سازش کا طریقہ دریافت ہو گیا۔"

"میرے خیال سے اس سلسلے میں وہ آدمی کار آمد ثابت ہو گا جس نے سعید پر شبہ ظاہر کیا تھا۔" حمید بولا۔

"تمہارا خیال درست ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن وہ آدمی پارٹی میں موجود نہیں تھا، جو اس کتے کو تنگ کر رہا تھا۔ ورنہ وہ اس پر بھی حملہ کرتا۔ بہر حال سازش بڑی پُر مغز تھی۔ مجرم نے ایک تیر سے دو شکار کئے۔ عالیہ کے منگیتر کا کام تمام ہو گیا اور عاشق جیل پہنچ گیا۔"

"ممکن ہے یہ سعید ہی کی حرکت رہی ہو۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"کیا یہ ممکن نہیں کہ خود عالیہ ہی ان دونوں سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہو۔" حمید نے کہا۔ "ایسی صورت میں سعید کا بیوقوف بن جانا ناممکنات میں سے نہیں۔ وہ اپنی جگہ پر یہ سمجھتا رہا ہو گا کہ عالیہ محض اسی کے لئے شاہد کا خاتمہ کر دینا چاہتی ہے۔"

"ممکن ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "میں نے اس پہلو پر بھی غور کیا ہے! لیکن اس میں

ایک خامی ہے۔ تم عالیہ کو اچھی طرح نہیں جانتے۔ وہ بہت ذہین لڑکی ہے۔ اگر اسے سعید کو بھی ختم کرنا ہوتا تو وہ ایسی اسکیم نہ سوچتی جس کے تحت سعید قانون کے شکنجوں میں جکڑنے کے بعد مارا جاتا۔ ایسی صورت میں حقیقت ظاہر ہو جانے کا خطرہ ہو سکتا ہے۔ اگر اسے سعید کو بھی مارنا ہی ہوتا تو وہ اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ اختیار کر سکتی تھی۔"

وہ کھانا ختم کر چکے تھے۔ فریدی کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر سگار سلگانے لگا۔

"تو بہر حال آپ کسی تیسرے آدمی کے امکانات پر غور کر رہے ہیں۔" حمید نیپکن سے ہاتھ صاف کرتا ہوا بولا۔

"کافی۔" فریدی نے قریب کھڑے ہوئے ویٹر سے کہا۔ پھر حمید کی طرف مخاطب ہوا۔ "ہاں کیا کہا تم نے۔"

حمید نے اپنا جملہ دہرایا۔

"میں ہر پہلو سے جائزہ لے رہا ہوں۔ فی الحال قطعی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارا ہی خیال صحیح ہو! عالیہ کی کیا بساط ہے۔ بڑے بڑے مجرم اس قسم کی غلطیاں کر بیٹھتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے اگر کوئی تیسرا آدمی مجرم ہے تو اسے یہ پہلے ہی سے معلوم رہا ہو گا کہ عالیہ پارٹی میں کتے کو بھی لے جائے گی۔ میں نے عالیہ سے اس نکتے پر بھی گفتگو کی تھی کہ وہ خود ہی کتے کو لے گئی تھی یا کسی نے اس قسم کی تجویز پیش کی تھی۔ اس نے بتایا کہ یہ حرکت کسی کے مشورے کی بناء پر نہیں کی گئی تھی اور دوسری صورت میں وہ اس حرکت کا جواز بھی پیش نہ کر سکی۔"

"کتے کو تو گولی مار دی گئی ہو گی۔" حمید نے کہا۔

"مار دی جاتی۔ لیکن میں نے ایسا نہیں کرنے دیا۔" فریدی بولا۔ "وہ ایک اچھا گواہ ثابت ہو گا۔"

"تو وہ کہاں ہے۔"

"میرے پاس ہے میں کئی دن سے اس کا جائزہ لے رہا ہوں۔ وہ قطعی صحیح الدماغ معلوم ہوتا ہے۔"

"باندھ کر رکھتے ہیں نا؟" حمید نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"مطمئن رہو۔ وہ تمہاری گردن نہیں دبوچے گا۔ یہ سعادت تو کسی عورت ہی کے حصے میں آئے گی۔"

اتنے میں کافی آگئی اور فریدی سگار کو ایش ٹرے میں رکھ کر پیالیوں میں شکر ڈالنے لگا۔

"عالیہ ہے کافی حسین۔" حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔

"اسی لئے تو میں نے تمہیں بلایا ہے۔" فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "تم اس کے حسن کی گہرائیوں میں ڈوب کر ضرور کوئی نہ کوئی کام کی بات نکال لاؤ گے۔ اگر تم نے یہ رپورٹ بھی دی کہ حسن دیکھنے کیلئے ہے چھونے کیلئے نہیں تو میں اطمینان سے قبر میں پیر پھیلا کر سو سکوں گا۔"

چڑچڑا میجر

پانچ بجے شام کو فریدی اور حمید جہانگیر پیلس پہنچ گئے۔ یہ ایک بڑی اور شاندار عمارت تھی۔ پائیں باغ سے گذر کر وہ برآمدے میں آئے جہاں عالیہ ان کا انتظار کر رہی تھی۔

وہ متعدد کمروں سے گذرتے ہوئے کھانے کے کمرے میں آئے جہاں ایک بڑی سی میز پر ناشتے کا سامان رکھا ہوا تھا۔ قریب ہی ایک کرسی پر ایک ادھیڑ عمر کا آدمی بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ اُن کے قدموں کی آہٹ پر چونک کر اس نے آنکھیں کھولیں اور ایک لمحہ تن کر بیٹھے رہنے کے بعد پھر کرسی کی پشت سے ٹک گیا.... وہ آدھ کھلی آنکھوں سے فریدی اور حمید کو دیکھ رہا تھا۔

"میرے چچا! میجر داؤد۔" عالیہ مسکرا کر بولی۔ "اور آپ انسپکٹر فریدی۔"

بوڑھے نے بیٹھے ہی بیٹھے اپنا ہاتھ فریدی کے ہاتھ میں دے دیا۔ مقصد مصافحہ تھا لیکن انداز سے ایسا معلوم ہوا جیسے وہ کوئی چیز فریدی کے ہاتھ میں دے رہا ہو۔ پھر اس کی سرخ سرخ آنکھیں سرجنٹ حمید کے چہرے پر جم گئیں۔

"سرجنٹ حمید۔" فریدی بولا۔

بوڑھے نے حمید کی طرف ہاتھ بڑھا دیا اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے ہاتھ میں بیجان گوشت کا ایک لوتھڑا جھول گیا ہو۔

"میں چائے پی چکا ہوں۔" فریدی بولا۔

"خیر کوئی بات نہیں۔" بوڑھا اپنی کرسی میز کے قریب کھسکاتا ہوا بولا۔ "چائے بالکل ٹھنڈی ہو چکی ہے۔"

اور پھر اس طرح ناشتے میں ڈوب گیا جیسے اس کے علاوہ اور کوئی دوسرا اس کمرے میں موجود نہ ہو۔ عالیہ اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر رہ گئی۔

"تو کیا آپ واقعی چائے نہ پئیں گے۔" عالیہ نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"قطعی نہیں! آیئے.... ذرا میں شاہد کے نوکر سے ملنا چاہتا ہوں۔" فریدی بولا۔

بوڑھا چائے کا گھونٹ حلق میں اتارتے اتارتے رک کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"اوہو! ابھی تک وہی چرخہ چل رہا ہے۔" بوڑھا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

عالیہ کوئی جواب دیئے بغیر دروازے کی طرف بڑھی۔

پھر وہ برآمدے میں آکر بیٹھ گئے۔ عالیہ نے شاہد کے نوکر کو بلایا۔

حمید اسے کسی خرانٹ پولیس آفیسر کی طرح تیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ قبل اس کے فریدی کچھ پوچھتا حمید اسے مخاطب کر کے بولا۔

"وہ آدمی تمہیں پھر کبھی دکھائی دیا تھا؟"

"کون آدمی۔" نوکر کے لہجے میں حیرت تھی۔

"وہی جسے تم نے شاہد کا سوٹ دیا تھا۔"

"میں نے۔" نوکر اچھل کر بولا اور پھر اس کی آنکھیں خوفزدہ نظر آنے لگیں۔

فریدی نے حمید کو گھور کر دیکھا اور پھر نوکر کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"تم کتنے دنوں سے شاہد کے ساتھ تھے۔" اس نے پوچھا۔

"تین سال سے۔"

"تم نے سوٹ غائب ہونے کا تذکرہ پہلے ہی کیوں نہیں کیا۔"

"صاحب نے منع کر دیا تھا۔"

"ہوں.... اچھا یہ بتاؤ! کیا وہ پارٹی میں وہی سوٹ پہن کر گئے تھے۔"

"جی ہاں۔"

"یہاں اس شہر میں ان کے کسی ملنے والے کو جانتے ہو۔"

"جی نہیں۔"

"کبھی کوئی ان سے ملنے کے لئے آتا تھا۔"

"میرے خیال سے تو کوئی بھی نہیں۔"

"تو یہاں اس گھر والوں کے علاوہ ان کے جان پہچان کا کوئی اور نہیں تھا۔"

"یہ کیسے کہہ سکتا ہوں۔ لیکن اتنا جانتا ہوں کہ یہاں کوئی ان سے ملنے کے لئے نہیں آتا تھا۔"

"ہوں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "تم ابھی تک یہاں کیوں ٹھہرے ہوئے ہو۔"

"پولیس نے روک رکھا ہے۔"

"میں شاہد کا کمرہ دیکھنا چاہتا ہوں۔" فریدی عالیہ کی طرف مڑ کر بولا۔

"چلئے۔" عالیہ اٹھتی ہوئی بولی اور حمید اس کے کمر کے بل گننے لگا۔

"لیکن ذرا ٹھہریئے میں کنجی لیتی آؤں۔" عالیہ نے کہا اور اندر چلی گئی۔

"تم کمرے کے پاس ٹھہرو۔" فریدی نے نوکر سے کہا۔

اس کے جانے کے بعد وہ حمید سے بولا۔

"یہ کیا حماقت تھی۔ اس قسم کے گھسے پٹے سوالات کا طریقہ سول پولیس ہی کے لئے رہنے دو۔"

"آپ کا طریقہ تو دنیا سے نرالا ہے۔" حمید منہ بنا کر بولا۔

"پھر وہی بکواس۔ تم اتنا نہیں سوچ سکتے کہ اگر وہ سازش میں شریک ہوتا تو ایک ڈھکی چھپی بات کو کیوں ظاہر کر دیتا۔ ظاہر ہے کہ سوٹ کھو جانے والے واقعے کے متعلق شاہد کے بعد اس کے علاوہ گھر کا کوئی اور آدمی نہیں جانتا تھا۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ عالیہ آ گئی۔

پھر وہ شاہد کے کمرے میں آئے۔ نوکر ساتھ تھا۔ اس کمرے میں ایک مسہری اور دو تین کرسیوں اور ایک چھوٹی سی میز کے علاوہ کچھ اور نہیں تھا۔

"کیا کپڑوں کا صندوق اسی کمرے میں تھا۔" فریدی نے نوکر سے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"کس جگہ۔"

نوکر نے ایک طرف اشارہ کیا۔ فریدی تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر دیکھتا رہا پھر ایک دروازے کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"یہ کدھر کھلتا ہے۔"

"پرانی حویلی میں.... مگر اُدھر کوئی رہتا نہیں۔"

"اوہ....!"

"لیکن آپ سوٹ کے متعلق....!"

"یہ ایک اہم بات ہے۔" فریدی عالیہ کی بات کاٹ کر بولا۔ "بہت ہی اہم۔"

پھر وہ نوکر کی طرف دیکھ کر بولا۔ "تم جا سکتے ہو۔"

نوکر چلا گیا۔

"ہاں مس عالیہ۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "آپ نے بتایا تھا کہ کوئی آپ کے کتے کو راتوں میں تنگ کرتا رہا تھا۔"

"جی ہاں۔"

"اور آپ نے اس کے متعلق کچھ جاننے کی کوشش نہیں کی۔"

"کی تھی۔" عالیہ بولی۔ "لیکن کچھ معلوم نہ ہو سکا۔"

"پھر آپ نے کتے کو وہاں سے ہٹا تو دیا ہی ہو گا۔"

"ہٹاتی کہاں سے۔ وہ رات بھر کمپاؤنڈ میں کھلا رہتا تھا۔"

"اوہ....!" فریدی کچھ سوچنے لگا۔

"لیکن آپ پارٹی میں کتے کو لے ہی کیوں گئی تھیں۔" حمید دفعتاً بولا۔

"اب کیا بتاؤں۔" عالیہ کے چہرے پر ندامت کے آثار پھیل گئے۔ "حماقت تھی جو ہو گئی۔"

"خیر..." حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کیا وہ ڈور پرانی تھی جس سے آپ نے کتے کو باندھ رکھا تھا۔"

"جی نہیں خریدنے کے بعد صرف دو تین بار استعمال کی گئی تھی۔"

"اوہ.... تو اس کا مطلب یہ ہے۔" حمید جملہ پورا نہیں کر پایا تھا کہ فریدی بول پڑا۔

"آپ حادثے سے کتنے دن قبل سے اس ڈور کو استعمال کر رہی تھیں۔"

"حادثے سے قبل زنجیر استعمال کی جاتی تھی.... لیکن....!"

"لیکن کیا....!"

"بات دراصل یہ ہے کہ زنجیر کی ایک کڑی کسی طرح ٹوٹ گئی تھی۔"

"اوہ.... لیکن زنجیر کے ٹکڑے نہیں ہوئے تھے؟" فریدی نے پوچھا۔

"جی نہیں! لیکن خدشہ تھا کہ وہ بیچ سے الگ ہو جائے گی۔"

"وہ ہے کہاں! میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد فریدی اور حمید برآمدے میں عالیہ کا انتظار کر رہے تھے، جو زنجیر تلاش کرنے گئی تھی۔

"اتنی دیر میں تم نے کام کی ایک بات پوچھی تھی۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

اور حمید کوئی جواب دیئے بغیر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ عالیہ بھی سازش میں شریک ہے۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

"بس اڑنے لگے۔ میں نے اس لئے تمہاری تعریف نہیں کی تھی۔"

"تعریف صرف اس کو زیب دیتی ہے۔" حمید درویشانہ انداز میں آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر بولا۔ "جس نے آپ کو بے جان اور مجھے ذی روح بنا کر میری مٹی پلید فرمادی۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد عالیہ زنجیر لے کر آگئی۔ فریدی بغور زنجیر کو دیکھ رہا تھا اور اس کے ہونٹ اس طرح سمٹ گئے تھے جیسے سیٹی بجانے کا ارادہ رکھتا ہو۔ پھر وہ حمید کی طرف مڑا۔

"ذرا یہ کڑی دیکھو۔ اس کا ایک حصہ تیز دھار چیز سے کاٹا گیا ہے۔"

حمید زنجیر کو اپنے ہاتھوں میں لے کر دیکھنے لگا۔

"اس میں شک نہیں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "اگر کتا زور کرتا تو یہ کڑی الگ ہو جاتی۔"

پھر اس نے نظریں عالیہ کے چہرے پر جمادیں۔

"اگر آپ کتے کو اسی زنجیر سے باندھا رہنے دیتیں اور اسے پارٹی میں نہ لے جاتیں تب بھی کسی نہ کسی وقت شاہد پر حملہ ضرور کر دیتا۔"

عالیہ استعجاب آمیز نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگی۔

"تو کیا شاہد ہی رات میں کتے کو تنگ کیا کرتے تھے۔" عالیہ نے پوچھا۔

"آپ کافی ذہین ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیکن اگر یہ بات ہوتی تو وہ پہلے ہی شاہد کا خاتمہ کر دیتا۔"

"پھر....!"

"چھوڑیئے بھی پھر کبھی بتاؤں گا۔" فریدی بجھا ہوا سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"کیا آپ کسی طرح یاد کر کے یہ نہیں بتا سکتیں ہیں کہ حادثہ ہو جانے پر کس نے سعید پر شبہ ظاہر کیا تھا۔"

"میں نے۔" کسی نے پیچھے سے کہا۔

فریدی وغیرہ چونک پڑے۔ عالیہ کا چچا میجر داؤد کمر پر ہاتھ رکھے کھڑا انہیں گھور رہا تھا۔

"میں نے شبہ ظاہر کیا تھا۔" وہ پھر بولا۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ شبہے کی کیا وجہ تھی۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"وجہ یاد کرنے کے لئے وقت چاہئے۔" میجر داؤد خشک لہجے میں بولا۔ "بس مجھے اُس پر شبہ ہو گیا تھا۔"

"لیکن پولیس تو وجہ بھی معلوم کرنا چاہے گی۔"

"جہنم میں گئی پولیس۔" میجر داؤد دانت پیس کر بولا۔

فریدی مسکرانے لگا۔ حمید کی آنکھوں سے شبہ جھانک رہا تھا۔

"اُس کے لئے باقاعدہ بیان دینا پڑے گا۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔

"اور آپ کو یہ بھی بتانا پڑے گا کہ آپ نے یہ بات ابھی تک کیوں چھپائے رکھی۔"

"کیا....؟" میجر داؤد گرج کر بولا۔

"کوئی بات نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "آپ کو کوئی کسی بات پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اگر آپ نہیں بتانا چاہتے تو یہ بات مجھ تک ہی رہے گی۔"

"تم جا سکتی ہو۔" میجر داؤد نے عالیہ سے کہا اور وہ کسی قدر ہچکچاہٹ کے بعد وہاں سے چلی گئی۔

"ادھر آیئے۔" میجر داؤد ایک بنچ کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

وہ لوگ بنچ پر بیٹھ گئے۔

"اس لڑکی نے خاندان کی ناک نالی میں رگڑ دی۔" میجر داؤد آہستہ سے بڑبڑایا۔

فریدی اور حمید خاموش رہے۔ فریدی نے اتنی دیر میں اچھی طرح اندازہ لگا لیا تھا کہ میجر داؤد کس قسم کا آدمی ہے۔

"وہ اس آوارہ لونڈے سعید کے ساتھ شادی کرنا چاہتی تھی۔" میجر داؤد نے کہا۔

"ایسی حالت میں کشت و خون کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ پارٹی میں اس کی موجودگی ہی شبہ پیدا کر دینے کے لئے کافی تھی۔ فطرتاً اُسے اس موقعے پر یہاں نہ آنا چاہئے تھا۔ اسے مدعو بھی نہیں کیا گیا تھا۔ سمجھ میں آگئی شبہے کی وجہ۔"

میجر داؤد فریدی کو اس طرح گھورنے لگا جیسے وہ اپنے خیال کی تردید میں کچھ سننا پسند نہیں کرے گا۔

"آپ کا خیال قطعی درست ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اور پھر اس کے جیب سے چاقو بھی برآمد ہوا۔" میجر داؤد بولا۔

"آپ نے اسے ڈور کاٹتے بھی دیکھا تھا؟"

"نہیں۔" میجر داؤد بڑبڑایا۔ "اگر آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اسے کسی نے ڈور کاٹتے نہیں دیکھا تھا اس لئے وہ مجرم نہیں ہے تو یہ آپ کی بھول ہوگی۔ آخر وہ اتنا بڑا چاقو لے کر یہاں آیا ہی کیوں تھا؟"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یقیناً اس کی نیت میں فتور تھا۔ آپ مجھ سے عمر میں بہت بڑے ہیں اور مجھ سے زیادہ تجربہ کار بھی۔ کتوں کے متعلق آپ یقیناً مجھ سے زیادہ جانتے ہوں گے۔"

"میں اس کا دعویٰ تو نہیں کر سکتا۔" میجر داؤد نے نرم لہجے میں کہا۔ "البتہ مجھے بچپن ہی سے کتوں کا شوق تھا۔"

"ہاں تو یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔" فریدی سوچنے کے انداز میں بولا۔ "آخر اس نے شاہد پر حملہ کیوں کیا تھا جب کہ وہ اس سے کافی مانوس تھا۔"

"اوہ۔" میجر داؤد ہنسنے لگا۔ "یہ تو بہت معمولی سی بات ہے۔ کتوں سے تھوڑی سی دلچسپی بھی رکھنے والا یہ جانتا ہے کہ بلڈاگ اور بلڈ ہاؤنڈ کے مزاج کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔ بعض حالات میں یہ اپنے مالک تک کو نہیں چھوڑتے۔"

فریدی نے معنی خیز انداز میں حمید کی طرف دیکھا۔ پھر داؤد کی طرف مڑ کر بولا۔

"آپ نے ایک بہت بڑا مسئلہ حل کر دیا۔ شکریہ! بات دراصل یہ ہے کہ میں اس معاملے کو باعزت طور پر ختم کر دینا چاہتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ ایک شریف خاندان کی رسوائی ہو۔ میں

دراصل مس عالیہ کو سمجھا بجھا کر صحیح راستے پر لانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اگر وہ اس بات سے انکار کر دیں کہ وہ سعید کو جانتی ہیں تو پھر یہ میرے بائیں ہاتھ کا کام ہوگا کہ میں سعید اور شاہد کی پرانی دشمنی ثابت کر کے سعید کو پھانسی کے تختے تک پہنچا دوں۔"

میجر داؤد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ فریدی کی بات کا وزن پرکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

"جو دل چاہے کیجئے۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "اب تو خاندان کی عزت خاک میں مل ہی چکی۔"

آسیب زدہ عمارت

میجر داؤد تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھا خلاء میں گھورتا رہا اور پھر ایک طویل سانس لے کر اٹھتا ہوا بولا۔ "خیر! اچھا میں عالیہ کو بھیجتا ہوں۔"

وہ تھوڑی دور چلنے کے بعد پھر پلٹا۔ چند لمحے کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر فریدی کو مخاطب کر کے بولا۔ "مگر وہ کتا کہاں ہے۔ میں نے سنا ہے کہ کسی احمق پولیس افسر نے اسے اپنے پاس رکھ چھوڑا ہے۔ آخر اسے گولی کیوں نہیں مار دی گئی۔ میں اعلیٰ حکام کو اس کے متعلق لکھوں گا۔"

"وہ کتا دراصل میرے ہی پاس ہے۔" فریدی نے کہا۔

"آپ کے پاس؟ اس عقل مندی کا سبب؟"

"میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ سچ مچ پاگل ہے یا نہیں؟"

"بہت خوب۔" میجر داؤد طنزیہ انداز میں بولا۔ "پھر آپ کس نتیجے پر پہنچے۔"

"قطعی پاگل ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "اور کل ہی اُسے رائفل کا نشانہ بنا دیا جائے گا۔"

میجر داؤد کچھ کہے بغیر وہاں سے چلا گیا۔

"کیا خیال ہے۔" حمید بولا۔

"دلچسپ آدمی ہے۔" فریدی نے جیب سے سگار نکالتے ہوئے کہا۔

"میں اس کے متعلق شبہے میں مبتلا ہو گیا ہوں۔"

"کیوں؟"

"اس کی گفتگو۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "آخر آپ نے اس سے اتنے سارے جھوٹ کیوں بول ڈالے۔"

"آدمی ضدی اور چڑچڑا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اس کی ہاں میں ہاں ملائے بغیر کام نہیں چلے گا۔"

"تو آپ کو اس پر شبہ نہیں ہے۔"

"میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"پھر آپ کیا کہہ سکتے ہیں۔" حمید جھلا کر بولا۔

"یہی کہ فضول بکواس کر کے دماغ خراب مت کرو۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ آہستہ آہستہ اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا۔ کوٹھی کی کھڑکیوں اور جالیوں میں روشنی دکھائی دینے لگی تھی۔ فریدی بنچ کی پشت سے ٹک کر سگار کے ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔

کچھ دیر بعد عالیہ آ گئی۔ اس کے انداز سے ندامت ظاہر ہو رہی تھی۔

"مجھے افسوس ہے کہ آپ کا سامنا چچا جان سے ہو گیا۔" عالیہ نے کہا۔

"کیوں.... بھلا اس میں افسوس کی کیا بات ہے۔" فریدی بولا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ ان کا دماغی توازن ٹھیک نہیں ہے۔" عالیہ نے کہا۔ "اگر اُن کی کوئی بات ناگوار گذری ہو تو اس کے لئے میں معافی چاہتی ہوں۔"

"کوئی بات نہیں.... میں سمجھتا ہوں۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "بر سبیل تذکرہ! ذرا یہ تو بتائیے کہ آپ کے چچا کے صاحب زادے کہاں مل سکیں گے۔"

"اوہ.... وہ بیچارے.... چچا جان لاولد ہیں۔"

"بڑا افسوس ہوا.... آپ کا پائیں باغ بہت حسین ہے۔ اس کے گرد چہار دیواری بڑے سلیقے سے بنائی گئی ہے۔ یہ اس کا دوسرا پھاٹک کدھر کھلتا ہے؟"

"پرانی حویلی میں.... مگر یہ ہمیشہ بند ہی رہتا ہے۔" عالیہ نے کہا۔

"تو کیا پرانی حویلی بالکل خالی رہتی ہے؟ بیٹھ جائیے! کب تک کھڑی رہئے گا۔"

عالیہ بیٹھ گئی۔

"وہاں کوئی نہیں رہتا۔" اس نے کہا۔ "پرانی حویلی دراصل آسیب زدہ ہے۔"

"اوہ....!" فریدی چونک کر بولا۔ "لیکن آپ لوگ تو تعلیم یافتہ ہیں۔"

"میں بذات خود آسیب وا سیب میں یقین نہیں رکھتی! مگر دوسرے گھر والے....!"

"خیر، خیر۔ چیز دلچسپ ہے۔" فریدی نے کہا۔ "کیا آپ مجھے پرانی حویلی کی سیر کرنے کی اجازت دیں گی۔"

"ضرور ضرور! ٹھہریئے میں پیٹرومیکس لیمپ جلوا کر لاتی ہوں۔" عالیہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

اس کے جانے کے بعد فریدی حمید سے بولا۔

"میرا خیال ہے کہ مجرم نے اس کام کیلئے پرانی حویلی ہی کو استعمال کیا تھا۔ کیا خیال ہے؟"

"آپ میرا خیال پوچھ رہے ہیں۔" حمید اکتا کر بولا۔ "اور میں سوچ رہا ہوں کہ آخر ان آسیب زدہ عمارتوں سے کب پیچھا چھوٹے گا۔ ہر کیس میں ایک نہ ایک بھوت گھر موجود رہتا ہے۔ واقعی ہم لوگ کسی جاسوسی ناول کے سراغ رساں ہو کر رہ گئے ہیں۔"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی نظریں پرانی حویلی کے سلاخوں دار پھاٹک پر جمی ہوئی تھیں۔

"اس پھاٹک کے ذریعے بہت آسانی سے کسی کتے کو تنگ کیا جا سکتا ہے۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

"مگر عالیہ تو کہتی ہے کہ کتا کھلا رہتا تھا۔ ضروری نہیں کہ وہ اس پھاٹک کے قریب بھی آتا رہا ہو۔" حمید نے کہا۔

"لیکن کیا تم گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے پھینک کر اسے پھاٹک کے قریب نہیں بلا سکتے۔ میرا خیال ہے کہ مجرم نے یہی طریقہ اختیار کیا ہو گا اور پھر اسے تنگ کرنے کے لئے کوئی نوکدار چیز استعمال کی ہو گی۔"

"لیکن گھر ہی کا کوئی آدمی۔"

"پھر وہی حماقت۔" فریدی حمید کی بات کاٹ کر بولا۔ "گھر کا کوئی آدمی ایسا کرنے کے بعد گھر میں رہ ہی نہیں سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو کتا اُسے کب چھوڑتا۔"

"میرا مطلب یہ ہے کہ گھر کا کوئی آدمی سازش میں ضرور شریک رہا ہے۔"

"ممکن ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر یک بیک حمید کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "تم نے شاید ایک بات مارک نہیں کی۔ شاہد کے کمرے کے اس دروازے میں اندر کی طرف چٹخنی نہیں ہے، جو پرانی حویلی میں کھلتا ہے، اوہ.... تو اب ہمیں یقین کر لینا چاہئے کہ پرانی حویلی ضرور استعمال کی گئی ہے۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ عالیہ واپس آ گئی۔

"لیمپ منگوایا ہے۔" عالیہ بولی۔ "لیکن والدہ صاحبہ پرانی حویلی کھولنے کی اجازت نہیں دیتیں۔"

"کیوں....!"

"وہی بھوتوں کا خیال۔"

"اوہ.... لیکن یہ ضروری ہے۔"

"والدہ صاحبہ آپ لوگوں کو منع کرنے کے لئے خود آ رہی ہیں۔"

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک معمر عورت اُن کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔

"والدہ صاحبہ۔" عالیہ آہستہ سے بولی۔ فریدی قدرے جھک کر پھر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"انسپکٹر صاحب! کیا حویلی میں جانا ضروری ہے۔" عالیہ کی ماں نے پوچھا۔

"قطعی ضروری ہے محترمہ۔" فریدی نے کہا۔ "آپ مطمئن رہئے۔ کوئی بھوت اُدھر نہیں آ سکتا۔"

"یہ بات نہیں۔ میں کئی دن سے کچھ عجیب قسم کی آوازیں سن رہی ہوں۔"

"خوفناک آوازیں۔" حمید چونک کر بولا۔

"جی ہاں۔ وہ حویلی ہی کی طرف سے آتی معلوم ہوتی ہیں۔"

"کس قسم کی آوازیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"یہ بتانا دشوار ہے۔ میں کس طرح بتاؤں۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ میں نے اس طرح کی آوازیں پہلے کبھی نہیں سنیں۔"

"کتنے عرصے سے آپ آوازیں سن رہی ہیں؟" فریدی نے پوچھا۔

"تقریباً پندرہ یا بیس یوم سے۔"

"اوہ....!" فریدی معنی خیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں تو کہتی ہوں کہ اس معاملے کو طول دینا ہی فضول ہے۔" عالیہ کی ماں آہستہ سے بڑبڑائی۔ "یہ حرکت سعید کے علاوہ کسی اور کی نہیں ہو سکتی۔ اس کا بیان قطعی غلط ہے کہ کسی اور نے وہ چاقو اس کی جیب میں ڈال دیا تھا۔"

"میں خود یہی سمجھتا ہوں۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "بہر حال میں اپنا اطمینان کر لینا چاہتا ہوں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اس کے بغیر میری تفتیش نامکمل رہے گی۔"

"مگر عالیہ تو کہتی ہے کہ یہ کیس سرکاری طور پر آپ کو نہیں سونپا گیا بلکہ آپ اس کی درخواست پر اس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔"

"اب تو سرکاری ہی طور پر سمجھئے۔" فریدی نے کہا۔

عورت تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ "میں تو عالیہ سے تنگ آ گئی ہوں۔ آخر میں اسے شرمندگی اٹھانی پڑے گی جسے یہ فرشتہ سمجھ رہی ہے وہ شیطان سے بھی بدتر ثابت ہو گا۔ خیر مجھے کیا کرنا ہے۔ جہاں اتنی بدنامی سہی ہے وہاں تھوڑی اور سہی۔"

تھوڑی دیر بعد ایک نوکر پیٹرومیکس لیمپ لے کر آ گیا۔ فریدی نے اس کے ہاتھ سے لیمپ لے کر اسے واپس جانے کا اشارہ کیا۔

"تم بھی جاؤ۔" عالیہ کی ماں عالیہ کی طرف مڑ کر بولی۔

حمید نے آگے بڑھ کر پرانی حویلی کا پھاٹک کھولا۔ فریدی حمید اور عالیہ کی ماں پرانی حویلی کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوئے۔ یہاں بھی کبھی ایک پُر فضا باغ رہا ہو گا لیکن اب ہر طرف ویرانی نظر آ رہی تھی۔ پائیں باغ کی چہار دیواری کافی بلند تھی۔ فریدی چند لمحے رک کر ادھر اُدھر دیکھتا رہا۔ پھر عالیہ کی ماں کی طرف مڑا۔

"تو کیا آپ اندر چلیں گے۔" عالیہ کی ماں نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

وہ کچھ دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔ "تو ٹھہریئے.... میں کنجیاں لے آؤں۔"

فریدی اور حمید پھر تنہا رہ گئے۔ فریدی نے اس دوران میں چہار دیواری کے نیچے نیچے پورے پائیں باغ کا چکر لگا ڈالا۔

"چہار دیواری کافی اونچی ہے۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "اور اس پر چاروں طرف شیشے کے ٹکڑے جڑے ہوئے ہیں لہٰذا اُدھر سے تو کسی کے آنے کے امکانات نہیں ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اس ویران باغ سے گذرنے والی شائیں شائیں کرتی ہوئی ہوا اور پُر اسرار ویرانی نے اس کے ذہن پر ایک بے نام سا خوف مسلط کر دیا تھا۔

فریدی نے بجھا ہوا سگار پھینک کر دوسرا سلگایا اور صدر دروازے پر نظریں جمائے ہوئے ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔

تھوڑی دیر بعد عالیہ کی ماں واپس آئی۔ اس کے ساتھ میجر داؤد بھی تھا۔

"آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" وہ جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"میں نے کہا لگے ہاتھوں تھوڑا اطمینان اور کر لوں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"کیسا اطمینان.... کس بات کا اطمینان۔" میجر داؤد پھر گرجا۔

"میجر صاحب یہ نہ بھولئے کہ آپ کا ایک مہمان آپ ہی کے پائیں باغ میں پُر اسرار طریقے پر مارا گیا۔"

"پُر اسرار طریقے پر۔" میجر داؤد چونک کر بولا۔ "شاید آپ کا دماغ چل گیا ہے۔ وہ ایک پاگل کتے کا شکار ہوا تھا اور جس کی وجہ سے کتے نے حملہ کیا تھا وہ اس وقت جیل میں ہے۔"

"مگر میں تو ایسا نہیں سمجھتا۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

"یعنی....!"

"یعنی یہ کہ وہ کتا پاگل نہیں ہے۔ اگر دنیا کا کوئی ڈاکٹر اُسے پاگل ثابت کر دے تو میں اپنا نام بدل دوں گا۔"

"سمجھا۔" میجر داؤد سر ہلا کر معنی خیز انداز میں بولا۔ "اچھی طرح سمجھ گیا بھلا کوئی کیس ہو جائے اور پولیس والے رشوت کا حساب کتاب لگائے بغیر شریفوں کا پیچھا چھوڑ دیں.... ناممکن۔"

فریدی اسی طرح کسی پر بھی بدستور مسکراتا رہا لیکن حمید کے نتھنے پھڑکنے لگے۔ چہرہ سرخ ہو گیا۔

"آپ کس سے باتیں کر رہے ہیں۔" وہ آگے بڑھ کر تلخ لہجے میں بولا۔

فریدی نے اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔

"میں ابھی کمشنر کو فون کرتا ہوں۔" میجر داؤد نے بگڑ کر کہا۔

"کمشنر نہیں بلکہ وزیر اعظم کو تار دے دیجئے۔" حمید نے اسی لہجے میں جواب دیا۔

"بھئی ان سب باتوں کی کیا ضرورت ہے۔" عالیہ کی ماں گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔ پھر میجر داؤد کو شانے سے پکڑ کر پھاٹک کی طرف دھکیلنے لگی۔

"تم جاؤ.... جاؤ بھئی.... تمہیں ان سب باتوں سے کیا سروکار۔"

"سروکار۔" میجر داؤد نے چیخ کر کہا۔ "تم دونوں ماں بیٹی خاندان کی عزت کا جنازہ نکال دینے پر تل گئی ہو۔ میں ان ٹکڑ گدے پولیس انسپکٹروں کے آگے نہیں جھک سکتا۔"

"کیا کہا.....!" حمید پھر میجر داؤد کی طرف جھپٹتے ہوئے بولا۔ "جسے تم ٹکڑ گدا کہہ رہے ہو وہ تم جیسوں کو خرید کر مفت پانٹ سکتا ہے۔"

"حمید....!" فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔ پھر میجر داؤد کی طرف جھک کر بولا۔ "آپ اس کی باتوں کا بُرا نہ مانئے گا.... اس کا خون ذرا گرم ہے۔"

"آپ کچھ خیال نہ کیجئے گا۔" عالیہ کی ماں پُر ندامت لہجے میں بولی۔ "بات دراصل یہ ہے کہ....!"

"مجھے معلوم ہے کہ ان کا دماغی توازن ٹھیک نہیں ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"جی ہاں.... جی ہاں۔"

عالیہ کی ماں نے صدر دروازے کی کنجی فریدی کو دے دی۔ فریدی آگے بڑھ کر تالا کھولنے لگا جو بہت زیادہ زنگ آلود تھا۔

"یہ کب سے نہیں کھولا گیا۔" اس نے مڑ کر پوچھا۔

"چھ یا سات ماہ ہو گئے۔" عالیہ کی ماں نے کہا۔

تھوڑی دیر کی جدوجہد کے بعد تالا کھل گیا۔ دروازہ کھلتے ہی گندی اور بدبودار ہوا کا جھونکا اٹھ پڑا۔ جس میں ابابیلوں اور چمگادڑوں کی بیٹ کی بو شامل تھی۔

حمید نے جلدی سے ناک پر رومال رکھ لیا۔ فریدی لیمپ اٹھا کر اندر داخل ہوا۔

پھر وہ ایک راہداری سے گذرتے ہوئے صحن میں آئے، جو اونچی اونچی دیواروں سے گھرا ہوا تھا۔ مغرب کی طرف ایک وسیع دالان تھا جس کے اونچے اونچے محراب خشک بیلوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔

"[illegible] لے چلئے۔" فریدی عالیہ کی ماں کی طرف مڑ کر بولا۔ "جس کا ایک دروازہ شاہد مرحوم کے رہائشی کمرے میں کھلتا ہے۔"

عالیہ کی ماں چونک پڑی۔ وہ تھوڑی دیر تک تحیر آمیز نظروں سے فریدی کی طرف دیکھتی رہی پھر آہستہ سے بولی۔

"چلئے۔"

وہ انہیں دالان میں لے آئی اور ایک دروازے کی طرف اشارہ کر کے ایک طرف کھڑی

ہو گئی۔ فریدی نے لیمپ اونچا کیا۔ دروازے میں ایک زنگ آلود تالا لٹک رہا تھا۔ فریدی ایک اسٹول گھسیٹ کر اس پر چڑھ گیا اور لیمپ کو تالے کے قریب لے جا کر کچھ دیکھنے لگا۔ دفعتاً اس کے منہ سے عجیب سی آواز نکلی اور وہ نیچے اتر آیا۔

"کیا بات ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ اس کی نظریں سرعت سے دالان کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اچانک انہیں اپنی پشت پر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

میجر داؤد منہ میں ایک بھدا سا پائپ دبائے اپنی چھوٹی چھوٹی چمکیلی آنکھوں سے فریدی کو گھور رہا تھا۔

"کہئے جناب تفتیش فرما چکے۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

"ارے تم پھر آ گئے۔" عالیہ کی ماں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"خاموش رہو۔" میجر داؤد کے لہجے میں سختی تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک فریدی کو گھورتا رہا پھر منہ سے پائپ نکال کر پُر وقار انداز میں اس کی طرف بڑھا۔

"تم یقیناً پاگل ہو گئے ہو۔" اس نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا اور لیمپ زمین پر رکھ کر سگار سلگانے لگا۔

"خدا کے لئے تم چلے جاؤ۔" عالیہ کی ماں بولی۔

"ایسا نہ کہئے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میجر صاحب کی موجودگی ہمارے لئے باعث برکت ہے۔"

"تم مجھے بیوقوف بنا رہے ہو۔" میجر داؤد چیخا۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے میجر صاحب۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "واقعی میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں۔"

"آخر تم چاہتے کیا ہو۔"

"اصل مجرم کو گرفتار کرا۔"

"تو اصلی مجرم یہ ہیں۔" میجر عالیہ کی ماں کی طرف اشارہ کر کے پاگلوں کی طرح چیخا۔ "جنہوں نے عالیہ کو لاڈ اور پیار میں خراب کر دیا۔ اصلی مجرم عالیہ کا باپ ہے جس نے عالیہ کی بے راہ روی پر اسے تنبیہ نہ کی۔"

"بکواس بند کرو۔" عالیہ کی ماں اتنے زور سے چیخی کہ اس کی آواز بھرا گئی اور پھر وہ بے تحاشہ چیخ ہی رہی، جو کچھ زبان میں آ رہا تھا پاگلوں کی طرح بکے جا رہی تھی۔ فریدی نے بدقت تمام اُسے خاموش کرایا۔ میجر داؤد اس طرح مسکرا رہا تھا جیسے اس کی بھاوج ابھی تک اس کی شان میں قصیدہ پڑھتی رہی ہو۔

"واقعی یہ مکان آسیب زدہ معلوم ہوتا ہے۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

"ہشت....!" فریدی نے لیمپ اٹھاتے ہوئے کہا۔ اس کی نظریں سامنے والے زینوں کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

"یہ زینے۔" اس نے عالیہ کی ماں سے پوچھا

"اوپری منزل کے ہیں۔" اس نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ وہ ابھی تک میجر داؤد کو گھور رہی تھی۔

فریدی زینوں کی طرف بڑھا۔ دوسرے لمحے میں سب اوپری منزل کی طرف جا رہے تھے۔

اوپری منزل پر دو تین کمرے تھے۔ ایک کمرے کا دروازہ دوسری طرف بھی تھا، جو کھلا ہوا تھا اور اس دروازے کے سامنے ایک چھوٹا سا چھجا تھا۔ جس کے چاروں طرف لوہے کا جنگلا لگا ہوا تھا۔ عین چھجے کے نیچے ایک بڑا سا گنجان شاخوں والا درخت تھا۔

فریدی چھجے پر کھڑا ہو کر لیمپ کی روشنی میں ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"کیا یہ دروازہ کھلا ہی رہتا ہے۔" اُس نے مڑ کر پوچھا۔

"اس کے متعلق میں کچھ نہیں بتا سکتی۔" عالیہ کی ماں نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔ شاید ابھی تک اس کا موڈ ٹھیک نہیں ہوا تھا۔

دفعتاً چڑچڑاہٹ کی آواز سنائی دی اور فریدی ایک چیخ کے ساتھ لیمپ سمیت نیچے چلا گیا۔ پھر ایک زوردار دھماکہ سنائی دیا۔ ساتھ ہی دوسری طرف میدان میں ایک تیز قسم کی روشنی کا جھماکا سا ہوا.... اور پھر.... وہی تاریکی اور لامحدود سناٹا۔

شاخ میں خنجر

حمید بے تحاشہ چیخ کر چھجے کی طرف بڑھا اگر پشت سے میجر داؤد کی ٹارچ کی روشنی اس کی

آنکھیں نہ کھول دیتی تو شاید اس کا بھی وہی حشر ہوتا جو فریدی کا ہوا کیونکہ چھجے کا ایک بڑا سا پتھر ٹوٹ کر نیچے گر چکا تھا اور اب اس کی جگہ ایک بہت بڑی سی خلا تھی۔ ایک بار پھر حمید کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اس کا دل بڑی شدت سے دھڑک رہا تھا۔ اُس نے پلٹ کر میجر داؤد کے ہاتھ سے ٹارچ چھین لی اور نیچے کی طرف بھاگا۔

میجر داؤد کی گرجدار آواز تاریک عمارت میں گونج رہی تھی۔ "اسی لئے منع کر رہا تھا۔"

حمید گرتا پڑتا بھاگا جا رہا تھا۔ پائیں باغ میں پہنچ کر اس نے ادھر اُدھر روشنی ڈالی لیکن یہاں دوسری طرف پہنچنے کا کوئی راستہ نہ تھا

وہ پھاٹک سے گذرتا ہوا نئی عمارت کے پائیں باغ میں آیا۔ اب وہ اپنی پوری قوت سے دوڑ رہا تھا۔ راستہ میں عالیہ نے اسے روکنا چاہا لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ وہ اس وقت ہوش ہی میں نہیں تھا۔

نئی عمارت کا چکر لگا کر وہ پرانی حویلی کی پشت پر پہنچا۔ چھجے کے نیچے ٹوٹا ہوا پیٹرومیکس لیمپ پڑا ہوا تھا۔ لیکن فریدی۔ اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ حمید دیوانہ وار اس کا نام لے کر چیخنے لگا۔ مگر جواب ندارد۔ آہستہ آہستہ اس کی چیخوں میں ضبط گریہ کی کپکپاہٹ بھی شامل ہو گئی، لیکن بے سود۔ پھر وہ پاگلوں کی طرح چاروں طرف دوڑنے لگا۔ اتنے میں میجر داؤد وغیرہ بھی کئی نوکروں کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ ان کے ہاتھوں میں لالٹینیں تھیں۔

بدقت تمام انہوں نے حمید کو روکا۔

"لاش کیا ہوئی۔" میجر داؤد پرسکون لہجے میں بولا۔

"لاش....!" حمید بے اختیارانہ انداز میں اس کا گریبان پکڑ کر چیخا۔ پھر اس نے میجر داؤد کو دھکا دیا اور پیچھے کی طرف الٹ گیا۔

"بتاؤ فریدی کہاں ہے۔" وہ پاگلوں کی طرح چیخا۔ "ورنہ میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔"

دفعتاً چھجے کے نیچے والے درخت میں کھڑکھڑاہٹ پیدا ہوئی اور کوئی زمین پر کودا۔

لالٹینیں اٹھیں اور حمید نے دفعتاً دیوانوں کی طرح قہقہہ لگایا۔

"ارے آپ۔"

"[illegible] ضرورت نہیں۔" فریدی اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ اس کی پیشانی سے خون بہہ بہہ کر چہرے پر پھیل رہا تھا۔

پھر ایک عجیب سی خاموشی طاری ہو گئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سب کو سکتہ ہو گیا ہو۔ میجر داؤد زمین سے اٹھ کر اپنے کپڑے جھاڑ رہا تھا اور اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں فریدی کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"دیکھ لیا ضد کا انجام۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

"میں آپ سے استدعا کروں گا کہ آپ یہاں سے چلے جائیے۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

"میں چلا جاؤں.... کیوں.... یہ میرا مکان ہے.... میری زمین ہے۔"

"چلے جاؤ۔" دفعتاً فریدی گرج کر بولا۔ "آپ سب جا سکتے ہیں۔"

عالیہ اور اس کی ماں میجر داؤد کو سمجھا بجھا کر وہاں سے لے گئیں۔ فریدی نے ایک نوکر کے ہاتھ سے لالٹین لے لی۔

"اور یہ خون۔" حمید تھوڑی دیر بعد فریدی کی پیشانی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"فی الحال اسے بھول جاؤ۔" فریدی نے کہا اور حمید کے ہاتھ سے ٹارچ لے کر درخت کی گنجان شاخوں میں روشنی ڈالنے لگا۔

ٹارچ کی روشنی ایک بڑے سے خنجر کے گرد دائرہ بنا رہی تھی، جو ایک موٹی سی شاخ میں پیوست تھا۔

"خنجر۔" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔

فریدی نے ٹارچ حمید کے ہاتھ میں دے دی اور خود جوتے اتار کر درخت پر چڑھنے لگا۔ حمید خنجر پر روشنی ڈال رہا تھا۔ فریدی نے جیب سے رومال نکال کر خنجر پر ڈال دیا اور پھر اسے شاخ سے نکالنے کے بعد رومال میں لپیٹ کر جیب میں ڈال لیا۔

درخت سے اتر کر وہ چھجے کے نیچے آ گیا۔

"لالٹین ادھر لاؤ۔" اس نے حمید سے کہا۔

تھوڑی دیر تک وہ چھجے کے ٹوٹے پتھر کو بغور دیکھتا رہا۔ پھر سیدھا کھڑا ہو گیا اور سوچ میں ڈوبی ہوئی آنکھوں سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"مجھے زندگی بھر افسوس رہے گا کہ وہ ہاتھ آ کر نکل گیا۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"کون۔"

"مجرم۔ اُسی نے چھجے کا پتھر بیچ سے توڑا تھا اور پھر اس درخت پر بیٹھا میری موت کا انتظار کرتا رہا تھا۔"

"میں نہیں سمجھا۔" حمید نے کہا۔ پھر سوچ کر بولا۔ "میں نے میجر کے متعلق اپنے شبہے کا اظہار کر کے غلطی نہیں کی تھی۔"

"میں اب بھی اس کے متعلق وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔" فریدی نے کہا۔

"بظاہر میجر کی حرکتیں ایسی ہیں کہ انہیں کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔"

فریدی لالٹین لے کر پھر درخت کے تنے کی طرف آیا۔

"دیکھو یہ پیر کے نشانات۔" اس نے آہستہ سے کہا اور نشانات دیکھتا ہوا ایک طرف چلنے لگا۔ دفعتاً اس نے لالٹین زمین پر رکھ دی اور کچھ سوچنے لگا۔

"بیسود ہے۔" اس نے کہا۔ "یہاں زمین کچھ سخت ہے آگے نشانات نہیں مل سکتے۔"

"مگر وہ خنجر۔"

"ٹھہرو!" فریدی ایک طرف بڑھتا ہوا بولا۔ لالٹین کی روشنی میں حمید نے دیکھا کہ وہ جھک کر کوئی چیز اٹھا رہا ہے۔ یہ ایک لفافہ تھا۔ حمید بے تابانہ انداز میں اس کی طرف بڑھا۔ لفافے پر تازہ خون کے دھبے تھے، اور اس پر عالیہ کا پتہ لکھا ہوا تھا۔

"اوہ یہ تو میرا ہی خون ہے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

دوسرے لمحے میں وہ لفافے سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکال کر لالٹین کی روشنی میں پڑھ رہا تھا۔

"عالیہ ڈارلنگ!

یہ بہت بُرا ہو رہا ہے۔ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ ذرا جرأت سے کام لو۔ اگر تم چاہو تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔ ورنہ میری زندگی محال ہے۔ میں خودکشی کر لوں گا یا شاہد کو مار ڈالوں گا۔ خدارا کچھ کرو.... بہت جلد...

تمہارا سعید۔"

"اوہ....!" حمید چونک کر سیدھا کھڑا ہو گیا اور فریدی لفافے کو الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔

"تو شاہد کو مار ڈالنے کی نیت تھی۔" حمید نے کہا۔

"دیکھو یہ خون بھری انگلیوں کے نشانات۔" فریدی نے لفافہ حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"میں نہیں سمجھا کہ آپ کیا سوچ رہے ہیں۔"

"اب معاملہ بالکل صاف ہے۔" فریدی نے کہا۔ "مجرم اسی خط کے لئے اس وقت یہاں آیا تھا۔ یعنی خط چرانے کی نیت سے۔ اتفاقاً شاید اُسے یہ معلوم ہو گیا کہ میں یہاں موجود ہوں اور پرانی حویلی دیکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ یہ تو صاف ہے کہ وہ اسی درخت کے ذریعے حویلی میں داخل ہوا کرتا ہے۔ اس نے سوچا کیوں نہ میرا صفایا ہی کر دے۔ لہٰذا وہ چھجے کا پتھر توڑ کر درخت پر اتر گیا اور وہاں چھپا بیٹھا رہا۔ اُسے توقع تھی کہ میں چھجے سے گر کر سیدھا زمین پر پہنچوں گا۔ مگر یہ بھی ایک اتفاق تھا کہ درخت کی ایک شاخ میرے ہاتھ میں آ گئی اور اس نے اپنی سکیم ناکام ہوتے دیکھ کر مجھ پر خنجر سے حملہ کر دیا۔ یہاں بھی قدرت مہربان تھی۔ اگر اندھیرا نہ ہوتا تو شاید تم اس وقت میری لاش دیکھتے۔ اس نے تو اپنی دانست میں کامیابی حاصل کر ہی لی تھی۔ لہٰذا فوراً ہی کود بھاگا۔ میں دراصل اس وقت نیم بیہوشی کی حالت میں تھا۔ ایک تو اوپر سے اچانک گرنا اور پیشانی کی چوٹ! مجھے اسی بات پر حیرت ہے کہ میں ایسی حالت میں اتنی دیر تک شاخوں سے کس طرح چمٹا رہ گیا اور اسے لکھ لو کہ یہ وہی تھا جس نے شاہد کا سوٹ چرایا تھا۔ میں نے اس تالے کو بغور دیکھا ہے، جو شاہد کے کمرے والے دروازے پر پڑا ہوا ہے۔ وہ زنگ خوردہ ضرور ہے لیکن قریب سے دیکھنے پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی نے مٹی کا تیل ڈال کر اس کے اندر کی صفائی کرنے کی کوشش کی ہے۔"

"مگر یہ خط۔"

"ہاں وہ اسے چرانے کے لئے آیا تھا تاکہ سعید کے خلاف ایک ثبوت اور مہیا ہو سکے! یہ خط اس کے لئے بہت زیادہ کار آمد ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں سعید نے شاہد کو مار ڈالنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔"

"ہوگا۔" حمید نے کہا۔ "میں تو ابھی تک اُسی نظریئے پر قائم ہوں کہ خود عالیہ ہی نے ان دونوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے یہ سب کچھ کیا ہے۔ اور اس وقت یہ خط والی چال اُن دونوں کے تابوت میں آخری کیل معلوم ہوتی ہے۔"

"بھلا وہ کس طرح؟"

"عالیہ جانتی تھی کہ آپ اس وقت آئیں گے۔ لہٰذا اس نے پہلے ہی سے ان سب حرکتوں کا انتظام کر لیا تھا۔"

"پھر کہوں گا کہ تم ایک عظیم الشان احمق ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اگر یہی بات ہوتی تو وہ سوٹ غائب ہو جانے والا واقعہ خود نہ بتاتی کیونکہ شاہد کے نوکر کا بیان پہلے ہی قلم بند کیا جا چکا ہے اور اس میں اس کا تذکرہ نہیں تھا۔"

"چلئے یہ بھی سہی۔" حمید نے کہا۔ "یہ بتایئے کہ آخر اس کے نوکر نے اتنے دنوں کے بعد یہ بات کیوں ظاہر کی۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ محض اس کی سادہ لوحی اور آقا پرستی کی جبلت کی بناء پر ہو تو اس نے خود سے یہ بات کبھی ظاہر نہ کی ہوگی۔ عموماً قاعدہ ہے کہ لوگ مرنے والوں کی شان میں ان کے بعد بڑے بڑے قصیدے پڑھتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس کے سامنے اسی قسم کی گفتگو ہو رہی ہو اور اس نے مرنے والے کی وضعداری پر بھی روشنی ڈال دی ہو کہ اس نے محض اخلاقاً اس بات کا تذکرہ نہیں کیا کہ اس کا سوٹ کسی نے چرا لیا تھا.... خیر چھوڑو اس بحث کو۔ آؤ چلیں۔"

دونوں پرانی حویلی سے نئی عمارت کی طرف روانہ ہو گئے۔

"ذرا ٹھہریئے۔" حمید بولا۔ "آخر یہ زخم۔"

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر چلتا رہا۔ شاید وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ اس کی پیشانی سے ابھی تک خون رس رہا ہے۔ نئی عمارت کے برآمدے میں گھر کے سارے ملازم اور دونوں ماں بیٹی انتہائی سراسیمگی کے عالم میں کھڑی تھیں۔ فریدی کو دیکھتے ہی دونوں منتظرانہ انداز میں اس کی طرف بڑھیں۔

"عالیہ ڈاکٹر کو فون کرو۔" عالیہ کی ماں نے کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں۔" فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "زخم گہرا نہیں ہے۔ میں خود ٹھیک کر لوں گا۔"

"یہ آخر ہوا کیسے۔"

"بارجے کا پتھر ٹوٹ گیا تھا۔"

"پتھر ٹوٹ گیا تھا۔" بوڑھی متحیر ہو کر بولی۔

"جی ہاں اور اگر وہ درخت نہ ہوتا تو میں کہیں اور پایا جاتا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا تو اندر چلئے۔ جلدی کیجئے۔" عالیہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔ "میں آپ کی پیشانی کی ڈریسنگ کروں۔"

تھوڑی دیر بعد جب عالیہ غسل خانے میں فریدی کی پیشانی پر پٹی باندھ رہی تھی فریدی نے اس سے پوچھا۔

"سعید کبھی کبھی آپ کو خط لکھتا رہا ہوگا۔"

"اکثر۔"

"اس نے آخری خط آپ کو کب لکھا تھا۔"

عالیہ کچھ سوچنے لگی۔

"اتنا تو یاد نہیں۔" عالیہ کچھ دیر بعد بولی۔ "البتہ اتنا بتا سکتی ہوں کہ یہ بات دعوت سے پہلے کی ہے۔"

"کیا آپ مجھے وہ خط دے سکتی ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ...!" وہ کچھ گھبرا سی گئی۔ "بات.... یہ ہے.... بات یہ ہے کہ.... میں نے اُسے جلا دیا تھا۔"

"آپ کو اچھی طرح یاد ہے۔"

"جی.... جی ہاں.... اچھی طرح۔"

فریدی نے جیب سے وہ لفافہ نکال کر عالیہ کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ عالیہ پٹی باندھ چکی تھی۔

"یہ کیا۔" عالیہ بے اختیار اچھل پڑی۔

"اس کے اندر وہ خط موجود ہے۔" فریدی نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

عالیہ نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے خط نکالا اور بے اختیار چیخ پڑی۔

"نہیں! نہیں۔ آپ اس خط سے سعید کو مجرم نہیں ثابت کر سکتے۔"

"کیوں؟"

"اس نے محض دھمکی دی تھی۔ اس نے ایسا نہیں کیا۔ ہرگز نہیں کیا۔"

عالیہ خاموش ہو گئی۔ اس کے چہرے پر اچانک زردی چھا گئی تھی۔

"میں.... میں.... دراصل۔" وہ تھوک نگلتی ہوئی بولی۔ "میں آپ کو یہ خط نہیں دینا

چاہتی تھی۔"

"خیر....!" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "آپ نے یہ خط رکھا کہاں تھا۔"

"اپنے سونے کے کمرے میں۔"

"کیا اُس میں کوئی ایسا دروازہ ہے، جو پرانی حویلی میں کھلتا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں.... کیوں؟" عالیہ چونک کر بولی۔

"یونہی میں ذرا وہ کمرہ دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"چلئے۔"

عالیہ فریدی کو اپنے سونے کے کمرے میں لے آئی۔ لیکن دروازہ کھولتے ہی وہ چونک کر پیچھے ہٹ گئی۔ پرانی حویلی کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور فرش پر شیشے کے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے۔ کمرے میں تین سوٹ کیس تھے جن کی ساری چیزیں کسی نے فرش پر بکھیر دیں تھیں۔ عالیہ تھوڑی دیر تک کمرے کی ابتری کو متحیرانہ انداز میں دیکھتی رہی پھر فریدی کی طرف مڑ کر بولی۔

"تو کیا آپ۔"

"آپ غلط سمجھیں؟" فریدی آگے بڑھ کر بولا۔ وہ تھوڑی دیر تک فرش پر جھکا ہوا کچھ دیکھتا رہا پھر اٹھ کر آہستہ سے بولا۔ "کسی نے دروازے کا شیشہ توڑ کر چٹخنی گرائی ہے۔"

"کس نے۔"

"وہی جس نے بارجے کا پتھر توڑ کر مجھے مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔"

"پتھر توڑ کر.... میں کچھ نہیں سمجھی۔"

"وہ اُسی خط کو چرانے کے لئے آیا تھا۔ مجھے یہاں دیکھ کر اس نے سوچا کہ کیوں نہ مجھ پر بھی ہاتھ صاف کرتا چلے۔"

"کون ہو سکتا ہے۔" عالیہ اس طرح بولی جیسے خود سے باتیں کر رہی ہو۔

دوسرا حملہ

"یہ تو آپ ہی سوچ کر بتایئے۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "کسی ایسے آدمی کا نام جو شاہد

اور سعید دونوں کو ناپسند کرتا رہا ہو۔"

عالیہ چونک کر اُسے دیکھنے لگی۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولی۔

"شاہد سے تو کوئی یہاں واقف ہی نہیں تھا اور سعید کے جاننے والوں کو میں نہیں جانتی۔"

"آپ نے اُس دن دعوت میں شرکت کرنے والوں کی لسٹ مجھے دی تھی۔" فریدی نے کہا۔ "کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ بالکل مکمل ہے۔"

"جی ہاں۔"

"ان میں سے کسی پر شبہ ہے آپ کو۔"

عالیہ کچھ سوچنے لگی۔

میرا مطلب یہ ہے کہ آپ کا کوئی پرانا دوست۔" فریدی چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔

عالیہ پہلے تو اُسے غیر جذباتی طور پر دیکھتی رہی پھر اچانک اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ سے مدد لے کر غلطی کی۔" عالیہ خشک لہجے میں بولی۔

"کیا آپ مجھے اپنے خاص خاص دوستوں کے نام اور پتے عنائت کریں گی؟" فریدی نے اس کی بات کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

"مجھے آپ کی مدد کی ضرورت نہیں۔" عالیہ نے کہا اور کمرے سے باہر چلی گئی۔

فریدی کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ وہ بھی فوراً اٹھا اور اس کے پیچھے چلنے لگا۔

"سنئے تو سہی۔" فریدی نے برآمدے میں پہنچ کر اُسے روکا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو کچھ نہ بتا سکوں گی۔" عالیہ نے ترشروئی سے کہا۔ "میں انہیں اپنا بیان دے چکی ہوں، جو سرکاری طور پر اس کیس کی تفتیش کر رہے ہیں، لیکن ٹھہریئے! ابھی تک آپ کو جو تکلیف اٹھانی پڑی ہے اس کا معاوضہ ادا کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

"معاوضہ.... شش شش.... تو گویا آپ مجھے رشوت دے کر میرا منہ بند کرنا چاہتی ہیں۔"

"رشوت.... کیا مطلب۔"

"مطلب یہ کہ ابھی تک حالات آپ ہی کے خلاف ثابت ہو رہے ہیں۔"

"سمجھی! آپ مجھ پر شبہ کر رہے ہیں۔" عالیہ چراغ پا ہو کر بولی۔ "خیر مجھے اس کی پرواہ

نہیں۔" اور پھر عالیہ فریدی اور حمید کو برآمدے میں تنہا چھوڑ کر دوسری طرف چلی گئی۔

"یہ اچانک کیا ہو گیا۔" حمید متحیرانہ لہجے میں بولا۔

"آؤ چلیں۔" فریدی اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھتا ہوا بولا۔

کمپاؤنڈ سے باہر نکل کر فریدی نے حمید سے کہا۔ "میں پرانی حویلی کی پشت پر تمہارا انتظار کروں گا۔ تم اس کتے کو گھر سے لے آؤ۔"

"کس کتے کو۔" حمید چونک کر بولا۔

"عالیہ کا بلڈ ہاؤنڈ۔"

"یعنی.... یعنی.... مم....!" حمید ہکلایا۔

"جلدی کرو۔"

"کمال کیا آپ نے وہ خونی کتا۔"

"یار تم سے تو میں عاجز آ گیا ہوں۔ آخر مرے، کیوں جاتے ہو۔"

"جناب والا، میں اس لئے مرا جا رہا ہوں کہ کسی پاگل کتے کا شکار ہو کر مرنا پسند نہیں کرتا۔"

"بکو مت! وہ پاگل نہیں ہے۔"

"آ گئی شامت۔"

"جلدی کرو حمید یہ مذاق کا وقت نہیں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔" حمید بیزاری سے بولا۔ "اپنے حق میں دعائے مغفرت کا وقت ہے۔"

"جاؤ....!" فریدی نے اس کی گردن پکڑ کر اُسے کار کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔ "اگر واقعی تمہاری جان نکل رہی ہے تو اپنے ساتھ حامد کو بھی لیتے آنا۔"

حمید نے جھلا کر کار کا دروازہ بند کیا اور انجن اسٹارٹ کر دیا۔

فریدی تھوڑی دیر تک سڑک کے کنارے کھڑا رہا۔ اس کا ذہن بہت تیزی سے سوچ رہا تھا۔ عالیہ نے اسے جو مہمانوں کی لسٹ دی تھی اس میں قریب قریب سب ہی نام معمر قسم کے لوگوں کے تھے۔ ان میں سے اسے ایک بھی ایسا نظر نہ آیا جسے وہ عالیہ کا پرانا آشنا سمجھ سکتا۔

وہ بجھا ہوا سگار پھینک کر پرانی حویلی کے عقبی میدان کی طرف مڑ گیا۔ میجر داؤد کی ٹارچ اب تک اس کے ہاتھ میں دبی ہوئی تھی۔

بارجے کے نیچے والے درخت کے قریب پہنچ کر اچانک اس نے محسوس کیا کہ وہ تاریک میدان میں تنہا نہیں ہے۔

ٹھیک بارجے کے نیچے جہاں پتھر ٹوٹ کر گرا تھا ایک تاریک سایہ بے حس و حرکت کھڑا نظر آیا۔ فریدی نے دوسرے ہی لمحے میں درخت کے موٹے تنے کی اوٹ لے لی۔ تھوڑی دیر بعد وہ سایہ بارجے کے نیچے سے ہٹ کر درخت کے نیچے آ گیا۔ اب فریدی سے اس کا فاصلہ بمشکل دو گز رہا ہو گا۔ فریدی اس کی تیز تیز سانسوں کو بخوبی سن رہا تھا۔ لیکن تاریکی اتنی گہری تھی کہ وہ اس کے خدوخال نہ دیکھ سکا اور پھر جب وہ میدان سے نئی عمارت کی طرف مڑا تو ایک کار فراٹے بھرتی ہوئی اس کے قریب سے نکل گئی۔ کار کی ہیڈ لائیٹس کی روشنی ایک پل کے لئے اس کے چہرے پر پڑی تھی اور فریدی یک بیک چونک پڑا تھا۔ یہ میجر داؤد تھا۔ فریدی بدستور اپنی جگہ پر کھڑا میجر کے قدموں کی دور ہوتی ہوئی آوازیں سنتا رہا۔ تھوڑی دیر تک وہاں یونہی بے مقصد کھڑے رہنے کے بعد وہ پھر سڑک پر آ گیا۔ اس کے ذہن میں بے شمار خیالات آپس میں گڈمڈ ہو کر رہ گئے تھے۔ اس کیس کے سلسلے میں ابھی تک جتنے لوگوں کو اس نے قابل اعتنا سمجھا تھا وہ سب کے سب اُسے مشتبہ معلوم ہو رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد پھر اسے قدموں کی آہٹیں سنائی دیں۔ غالباً اس بار پھر میجر داؤد ہی پرانی حویلی کے عقبی میدان کی طرف جا رہا تھا۔ مگر اب وہ خالی ہاتھ نہیں تھا۔ ایک ہاتھ میں اس نے چھوٹی سی کدال سنبھال رکھی تھی اور دوسرے میں کوئی چیز لٹکائے ہوئے تھا۔

فریدی دبے پاؤں اس کا تعاقب کرنے لگا۔

میجر داؤد میدان کے جنوبی کنارے کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ یہاں سے کچھ دور تک پرانے زمانے کی عمارت کے کھنڈرات پھیلے ہوئے تھے اور پھر جنگلوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

میجر تھوڑی دیر کھڑا اِدھر اُدھر دیکھتا رہا پھر کھنڈر میں داخل ہو گیا۔ فریدی درختوں کی آڑ لیتا ہوا تیزی سے اُدھر جھپٹا اور جب اس نے ایک گری ہوئی دیوار کے ملبے کے پیچھے سے سر ابھارا تو میجر داؤد اسے زمین کھودتا ہوا نظر آیا۔ پھر اس نے کوئی چیز گڑھے میں رکھ کر زمین برابر کر دی۔

اس کے چلے جانے کے تقریباً پانچ منٹ بعد فریدی اوٹ سے نکل کر اسی جگہ آیا جہاں میجر نے کوئی چیز دفن کی تھی۔ اس نے مٹی ہٹانی شروع کی اور پھر چند لمحوں کے بعد اس کے ہاتھ میں

ایک تھیلا جھول رہا تھا۔ فریدی جیب سے ٹارچ نکال کر اس کے اندر رکھی ہوئی چیزوں کا جائزہ لینے لگا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے اس تھیلے کو دوبارہ دفن کر کے مٹی برابر کر دی۔ وہ اُٹھ رہا تھا کہ اسے کسی کتے کی آواز سنائی دی۔ جو انتہائی جوش و خروش کے ساتھ بھونک رہا تھا۔ آواز قریب ہی آ رہی تھی۔ پھر ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی وزنی چیز گھسیٹی جا رہی ہو۔

فریدی آواز کی طرف دوڑا۔ بارجے کے قریب والے درخت کے نیچے حمید عالیہ کے بلڈہاؤنڈ کی زنجیر تھامے خود ہی اس کے ساتھ گھسٹ رہا تھا۔

کتا دراصل آزاد ہونے کے لئے زور لگا رہا تھا۔ قبل اس کے کہ فریدی درخت تک پہنچتا بلڈ ہاؤنڈ حمید کو درخت سے کافی دور تک گھسیٹ لے گیا۔

فریدی نے جھپٹ کر زنجیر حمید کے ہاتھ سے لے لی۔ کتے نے اب اپنی ہی جگہ پر اچھلنا کودنا شروع کر دیا تھا۔

حمید بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

"یہاں پہنچتے ہی گویا سالے کا دماغ خراب ہو گیا۔" حمید اپنی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔

آہستہ آہستہ کتا پرسکون ہوتا گیا لیکن وہ اب بھی بار بار زمین سونگھ رہا تھا۔

"دماغ نہیں خراب ہو گیا بلکہ اس وقت یہ تم سے بھی زیادہ عقلمند ثابت ہو رہا ہے۔" فریدی نے کہا۔

کتا تھوڑی دیر تک زمین سونگھتا رہا پھر یکایک اس میں پہلا سا جوش و خروش پیدا ہو گیا۔

فریدی نے زنجیر ڈھیلی چھوڑ دی اور کتے کے ساتھ دوڑنے لگا۔

"ارے.... ارے۔" حمید بوکھلا کر بولا۔

"آؤ.... میرے ساتھ آؤ۔" فریدی پلٹ کر بولا۔

حمید بے بسی سے فریدی کے ساتھ دوڑنے لگا۔

"آخر یہ کیا حماقت ہے۔"

"حماقت۔" فریدی نے کہا۔ "برخوردار یہ ہمیں مجرم کے پاس لے جا رہا ہے۔ مجھ پر حملہ کرنے والا وہی تھا جس نے شاہد کا سوٹ چرا کر اس کو تنگ کیا تھا۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ اس

کے پیروں کے نشانات سونگھ رہا ہے۔"

کتا پھر رک کر زمین سونگھنے لگا۔ اس بار اس نے سر اٹھا کر ایک ہلکی سی آواز نکالی اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ دو تین منٹ گذر گئے لیکن کتا اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔

"پھاوڑا لاؤں۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔

"کیوں؟" فریدی چونک کر بولا۔

"مجرم شاید زمین کے نیچے چلا گیا۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"بکو مت۔" فریدی نے زمین پر ٹارچ کی روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔

"میں غلط نہیں کہہ رہا تھا اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ آگے بڑھتے بڑھتے یک بیک ایک جگہ جم کیوں جاتا۔"

"تم سے سنجیدگی کی امید فضول ہے۔" فریدی زمین کی طرف جھک کر دیکھتا ہوا بولا۔

وہ تھوڑی دیر تک اسی حالت میں رہا پھر سیدھا کھڑا ہو کر زمین پر ٹارچ کی روشنی ڈالتا ہوا ایک طرف چلنے لگا۔

"غالباً اب آپ کسی سرنگ کا دہانہ تلاش کر رہے ہیں۔" حمید نے اسے پھر چھیڑا۔ "بات ہے بھی ٹھیک، جب آپ نے کتے کی رہبری قبول کر لی تو پھر کسی بات کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔

حالانکہ حمید نے دیکھ لیا تھا کہ وہ کسی موٹر کے پہیوں کے نشانات پر چل رہا ہے اور یہ بھی سمجھتا تھا کہ جہاں تک مجرم پیدل آیا کتے نے اس کے پیروں کے نشانات سونگھ سونگھ کر ان کی رہنمائی کی اور جہاں سے وہ موٹر پر سوار ہوا کتا بھی بے بس ہو گیا۔ لیکن اسے اس وقت فریدی کو چھیڑنے میں خاصا لطف محسوس ہو رہا تھا۔

وہ سخت مٹی کی ہموار سطح والی زمین پر چل رہے تھے۔ پہیوں کے نشانات زیادہ گہرے نہیں تھے۔ لیکن ان کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ زیادہ دیر کے نہیں ہیں۔

"جناب والا۔" حمید نے کہا۔ "آخر کہاں تک سر ماریئے گا۔ میرا خیال ہے کہ ہم کم و بیش میل ڈیڑھ میل چل چکے ہیں۔ اگر نشانات کا سلسلہ براہِ راست قیامت سے جا ملا تو کیا کریں گے۔"

فریدی نے پھر زمین پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ اچانک شمال کی طرف سے ایک فائر ہوا اور کتا

اچھل کر دور جا گرا۔ فریدی ٹارچ بجھا کر تیزی سے زمین پر لیٹ گیا۔ حمید نے بھی اضطراری طو
اس کی تقلید کی۔ کتا زمین پر تڑپ رہا تھا۔ اندھیرے میں اس کے وزنی جسم کی پھڑ پھڑاہٹ صا
سنائی دے رہی تھی مگر اس کے منہ سے کسی قسم کی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ ایک فائر اور ہوا
پھر تھوڑی دیر بعد حمید نے کچھ دور پر کسی کے تیز قدموں کی آواز سنی، جو بہت سرعت کے سا
دور ہوتی جا رہی تھی۔ شاید کوئی دوڑ رہا تھا۔

"فریدی صاحب۔" حمید نے کچھ دیر بعد آہستہ سے پکارا۔ مگر جواب ندارد۔ اس نے
پکارا اور پھر بتدریج اس کی آواز تیز ہوتی گئی۔ پھر وہ بے تابانہ انداز میں کھڑا ہو کر چاروں طر
دوڑنے لگا۔ فریدی کا کہیں پتہ نہ تھا۔

حمید کی پریشانی بڑھ گئی لیکن پھر یہ سوچ کر اطمینان سا ہو گیا کہ اگر دوسری گولی فریدی
لگی ہوتی تو وہ بھی یہیں کہیں ہوتا۔

حمید بھی اسی سمت دوڑنے لگا جدھر اس نے قدموں کی آوازیں سنی تھیں۔ وہ نہ جانے کر
تک دوڑتا رہا پھر اچانک اسے اپنی حماقت کا احساس ہوا اور وہ رک گیا۔ بھلا اس طرح بے مقص
دوڑتے رہنے سے کیا فائدہ؟

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ وہ ایک جگہ بیٹھ کر اپنی سانسیں درست
ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

صرف ایک دن کے اندر ہی اندر اتنے واقعات پیش آئے تھے کہ حالات کا اندازہ لگانا دشوا
ہو گیا تھا۔ اس کیس میں بہتیرے ایسے نکتے تھے جن پر بحث کرنے کا موقع ہی نہ ملا تھا اور اس وقت
سب سے زیادہ اہم نکتہ خود مقتول شاہد کی شخصیت تھی۔ وہ کون تھا؟ کہاں سے آ ٹپکا تھا؟ اور اس
کے اعزہ کیسے تھے جن کے کان پر جوں تک نہ رینگی؟

دوسری بات یہ کہ اچانک عالیہ اور فریدی میں شکر رنجی کیوں ہو گئی تھی؟ اس نے اس کی
لینے سے انکار کیوں کر دیا تھا؟ یہ چیزیں بھی اپنی جگہ پر انتہائی پُر اسرار اور قابل غور تھیں کیونکہ
خود فریدی کے ساتھ کئی بار ایسا ہو چکا تھا کہ اکثر قاتلوں نے مظلوم بن کر محض اس لئے کہ اس
سے مدد طلب کی تھی وہ اُن پر شبہ نہ کر سکے؟ تو کیا عالیہ بھی اسی قسم کا رول انجام دے رہی ہے؟

حمید نے عالیہ کے متعلق پہلے ہی یہ بات سوچی تھی لیکن فریدی نے اس پر دھیان نہیں

تھا اور اب آہستہ آہستہ حمید کا یہ خیال پختہ ہوتا جا رہا تھا کہ جہانگیر پیلس کا کوئی فرد شاہد کا قاتل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میجر داؤد عالیہ اور اس کی ماں تینوں اس سازش میں برابر کے شریک ہوں اور بیچارے سعید کو قربانی کا بکرا بنایا گیا ہو۔

حمید سوچنے لگا کہ یہ بات ناممکن نہیں ہے۔ عالیہ جیسی فطرت رکھنے والی لڑکیاں عاشق بدلنے میں ید طولیٰ رکھتی ہیں۔ ان کی جنسیت کی سیمابی کیفیت کسی سے پیچھا چھڑانے کے لئے انہیں قتل تک پر آمادہ کر سکتی ہے۔

وہ اسے آج سے نہیں برسوں سے جانتا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ اس نے اس دوران میں متعدد نوجوانوں سے رشتہ جوڑا تھا اور پھر انہیں اس طرح بھول گئی تھی جیسے کبھی کی جان پہچان ہی نہ ہو۔ ایک زمانے میں خود حمید نے بھی اس کی طرف بڑھنے کی کوشش کی تھی لیکن کوئی لفٹ نہ ملنے پر ٹال گیا تھا۔ ٹھیک ہے اس نے سوچا، اسے جہانگیر پیلس ہی کی طرف چلنا چاہئے۔

اسے میجر داؤد سے تو خاص طور پر ضد ہو گئی تھی۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ اسے ضرور تنگ کرے گا۔ اس کا غرور کانٹے کی طرح حمید کے دل میں کھٹک رہا تھا۔

وہ اٹھ کر آبادی کی طرف چل پڑا۔ آبادی میں پہنچ کر روشنی میں اس نے اپنے کپڑوں پر جمی ہوئی گرد جھاڑی۔ ایک ریستوران کے غسل خانے میں بال درست کئے اور ٹیکسی میں بیٹھ کر جہانگیر پیلس کی طرف روانہ ہو گیا کیونکہ اسی کے قریب اس نے فریدی کی کار چھوڑی تھی۔ وہ ابھی تک فریدی کے متعلق سوچ رہا تھا۔

نئی مصیبت

گیارہ بج چکے تھے۔ لیکن جہانگیر پیلس کے برآمدے میں ابھی تک روشنی ہو رہی تھی اور لوگوں کے گفتگو کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ حمید درانہ اندر گھستا چلا گیا۔ لیکن برآمدے میں پہنچ کر یک بیک چونک سا پڑا۔ عالیہ جس آدمی سے باتیں کر رہی تھی حمید اسے پہلی ہی نظر میں پہچان گیا تھا۔ یہ وہی پُر اسرار آدمی تھا جس سے آج صبح اس کی ملاقات ٹرین میں ہوئی تھی اور پھر اس نے اُسے فریدی سے بے سروپا گفتگو کرتے سنا تھا۔ فریدی نے اس کا تذکرہ حمید سے چھیڑا تھا

لیکن وہ محض اپنی اکتاہٹ کی وجہ سے اُس کے متعلق پوری معلومات حاصل نہ کر سکا تھا۔

حمید تو یہ توقع لے کر آیا تھا کہ عالیہ اس سے سیدھے منہ بات بھی نہ کرے گی اور اُسے اپنی آفیسرانہ شان کو کام میں لانا پڑے گا۔ لیکن اس کا خیال غلط نکلا۔ عالیہ اُسے دیکھتے ہی کھڑی ہو گئی اور حمید کو اُس کے خوش اخلاقانہ انداز سے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اس کے گھر کسی تقریب میں شرکت کرنے کی غرض سے آیا ہو۔

"تشریف رکھئے۔" وہ مسکرا کر بولی۔

اجنبی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ آپ ہی تھے۔" اجنبی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"کون....!" حمید چونک پڑا۔

"آپ ہی نے تو مجھے ٹرین پر بیوقوف بنایا تھا۔" اس نے جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"اتنی جلدی بھول گئے۔ آج ہی کی تو بات ہے۔"

"شاید آپ کو کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ میں اس سے قبل آپ سے کبھی نہیں ملا۔"

"اگر آپ اس وقت بھی مجھے بیوقوف نہیں بنا رہے ہیں تو مجھے حیرت سے بیہوش ہو جانا چاہئے۔"

"میں خود بھی یہی سوچ رہا ہوں جب کہ میں نے اس سے پہلے آپ کو کہیں دیکھا بھی نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" عالیہ نے کہا۔ "آپ کا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے ہے اور آپ شاہد مرحوم کے کیس کی تفتیش کر رہے ہیں۔"

"اوہ.... ہو سکتا ہے۔" اجنبی نے کہا۔ "یا تو میں خواب دیکھ رہا ہوں یا پھر....؟"

"میں ایک ضروری بات دریافت کرنے کے لئے آپ کے پاس آیا تھا۔" حمید نے اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر عالیہ سے کہا۔

"فرمایئے۔"

حمید کا توقف دیکھ کر اجنبی اٹھا۔

"اچھا تو مس عالیہ اب میں چلوں گا۔" اس نے کہا۔ لیکن وہ اب بھی بار بار حمید کی طرف

دیکھ رہا تھا۔

اسکے چلے جانے کے بعد حمید سوچنے لگا کہ وہ عالیہ سے کیا پوچھے! دفعتاً ایک بات سوجھ گئی۔

"میں انہیں حضرت کے متعلق پوچھنے آیا تھا۔"

"کیا....؟" عالیہ چونک کر بولی۔

"یہ کون ہیں اور ان کا کیا نام ہے۔"

"نعیم الرشید.... جنوبی افریقہ کے ایک ہندوستانی تاجر ہیں.... اور والد صاحب کی تجارت کے ایک حصے دار۔"

"یہاں کب سے مقیم ہیں۔"

"یہ تو مجھے نہیں معلوم۔ لیکن یہاں کے کچھ تاجروں سے حساب فہمی کے لئے آئے ہیں۔"

"اوہ....!" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کیا اُس دن تقریب میں یہ بھی شریک تھے۔"

"جی ہاں۔"

"مگر ان کا نام تو مہمانوں کی فہرست میں نہیں ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" عالیہ لاپروائی سے بولی۔ "لیکن یہ کوئی خاص بات نہیں۔ ممکن ہے دو ایک نام رہ بھی گئے ہوں۔ اس وقت بھلا اس کا ہوش کسے رہا ہو گا کہ کون آیا اور کون گیا۔"

"ٹھیک ہے...." حمید نے کہا۔ "میں نے یونہی پوچھا تھا۔"

"تو کیا یہ سچ ہے کہ آج آپ نے انہیں ٹرین میں پریشان کیا تھا۔" عالیہ نے پوچھا۔

"نہیں، انہیں یقیناً غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں تو ایک عرصے سے شہر ہی میں مقیم ہوں۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی، پھر عالیہ بولی۔

"اس وقت دراصل مجھے غصہ آگیا تھا۔ بات بھی ایسی ہی تھی۔ فریدی صاحب کا لہجہ بھی بہت ناگوار گذرا تھا۔"

"کیا بات ہوئی تھی۔"

"اب کیا بتاؤں، یہ تو آپ جانتے ہیں کہ میں بہت سوشل ہوں۔ ہر ایک سے آزادانہ ملتی ہوں۔ فریدی صاحب نے اس پر طنز کیا تھا۔ میں انہیں کافی آزاد خیال اور الٹرا موڈرن سمجھتی تھی۔"

"اوہ مجھے افسوس ہے۔" حمید نے کہا۔ "آپ بُرا نہ مانئے گا۔ بعض اوقات وہ خیالات میں اس

طرح ڈوب جاتے ہیں کہ انہیں اس کا بھی احساس نہیں ہوتا کہ وہ زبان سے کیا کہہ رہے ہیں۔"

"خیر بہر حال.... مجھے اپنے رویئے پر افسوس ہے۔" عالیہ نے کہا۔

"اب اسی سے ان کی نیک دلی کا اندازہ لگا لیجئے کہ انہوں نے آپ کی تلخ کلامی کا بُرا نہیں مانا۔"

"فریدی صاحب ہیں کہاں۔" عالیہ نے پوچھا۔

"شاید اس بار ان کے گولی لگی ہے۔"

"کیا مطلب....؟" عالیہ تقریباً اچھل کر بولی۔

"کسی نے ان پر گولی چلائی تھی۔ اس کے بعد سے مجھے پتہ نہیں کہ وہ کہاں گئے۔" حمید نے کہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ عالیہ کو سب کچھ بتا کر اس پر اس کا ردعمل دیکھے کیونکہ وہ بھی ان کی مشتبہ آدمیوں کی لسٹ میں شامل تھی۔

اس نے فریدی کے چھجے سے گرنے کے بعد کے واقعات دہرا دیئے۔

"اوہ میرے خدا....؟" عالیہ تقریباً چیخ کر بولی۔

اس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا اور آنکھیں خوفزدہ نظر آنے لگی تھیں۔ وہ چند لمحے خاموشی سے حمید کی طرف دیکھتی رہی پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔

"تو گویا ان پر دوسرا حملہ تھا۔"

"یہی سمجھنا چاہئے۔" حمید نے کہا۔

"اور آپ یہاں اطمینان سے بیٹھے باتیں بنا رہے ہیں۔" عالیہ اٹھتی ہوئی بولی۔

"پھر آپ کی دانست میں کیا ہونا چاہئے؟" حمید نے پُر سکون لہجے میں پوچھا۔

"یہ آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔" عالیہ جھنجھلا کر بولی۔

"بیٹھئے بیٹھئے۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "فریدی کو کرائے کے آدمی نہیں مار سکتے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"اوہ چھوڑیئے بھی۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "آپ کی انگوٹھی بہت خوبصورت ہے۔ ویسے کسی اور کے ہاتھ میں اچھی بھی نہ لگتی۔"

عالیہ حیرت آمیز نظروں سے اُسے گھورنے لگی۔

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ آپ کی گفتگو کا مقصد کیا ہے۔"

"قطعی بے مقصد۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "بعض اوقات بے مقصد ہی گفتگو کرنے کو دل چاہتا ہے۔"

"تو پھر اس کا مقصد یہ ہے کہ فریدی صاحب بخیریت تمام گھر پہنچ گئے ہیں۔"

"اور آپ کو اس پر حیرت ہے۔" حمید نے جلدی سے پوچھا۔

"جی.... جی نہیں۔" عالیہ گڑبڑا کر بولی۔ پھر وہ حمید کو عجیب نظروں سے دیکھنے لگی۔ حمید بغور اس کی بدلتی ہوئی حالت کا جائزہ لے رہا تھا۔

"آپ آخر چاہتے کیا ہیں۔" وہ تھوڑی دیر بعد پھر بولی۔

"کوئی خاص بات نہیں۔ میں آپ کو صرف یہ اطلاع دینے آیا تھا کہ فریدی صاحب پر آپ ہی کے گھر سے حملے شروع ہوئے ہیں۔"

"تو پھر! کیا ہم لوگ اس کے ذمہ دار ہیں۔" عالیہ گھبرا کر بولی۔

"دیکھئے نا بات بالکل صاف ہے۔ شاہد کہاں مارا گیا؟ آپ کے گھر پر۔ کسی نے اس کا سوٹ بھی چرایا تھا۔ فریدی صاحب کو بھی یہیں قتل کرنے کی کوشش کی گئی۔ پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ آخر میجر صاحب وغیرہ فریدی صاحب کو پرانی حویلی میں جانے سے کیوں روک رہے تھے۔ حویلی کی عجیب و غریب آوازوں کا قصہ بھی کم دلچسپ نہیں ہے۔ لیکن بھوت پریت وغیرہ کے متعلق میں نے کبھی یہ نہیں سنا کہ انہوں نے کسی پر چاقو سے حملہ کیا ہو یا گولی چلائی ہو۔ آپ کا شکاری کتا جس شکار کی تلاش میں مارا گیا وہ بھوت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بھوت اپنے قدموں کے نشانات نہیں چھوڑتے۔"

"تو یہ کہئے کہ آپ لوگ گھر ہی کے کسی فرد پر شبہ کر رہے ہیں۔" عالیہ نے پوچھا۔

"میرا ہرگز یہ مطلب نہیں۔" حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔

"میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ آپ لوگ بھی ہوشیاری سے رہئے گا۔ کوئی آپ کے خاندان سے دشمنی پر کمربستہ نظر آ رہا ہے۔"

"اوہ.... اس کی فکر نہ کریں۔" عالیہ طنزیہ انداز میں بولی۔

تھوڑی دیر تک حمید خاموش رہا۔ پھر اٹھتا ہوا بولا۔

"خیر میرا جو فرض تھا میں نے ادا کر دیا۔"

جیسے ہی اس نے برآمدے سے قدم نکالا عالیہ نے کسی نوکر سے برآمدے کی روشنی گل

کر دینے کے لئے کہا اور پھر لان پر بھی اندھیرا چھا گیا۔

حمید اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہوا پائیں باغ کے پھاٹک تک آیا۔ آج آسمان بھی سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ اس لئے تاریکی بڑھ گئی تھی۔

جیسے ہی حمید پھاٹک سے نکلا کسی نے اس کی داہنی کنپٹی پر ایک زوردار گھونسہ رسید کیا۔ حمید اس غیر متوقع حملے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اس لئے توازن برقرار رکھنا اس کے لئے دشوار ہو گیا اور وہ لہرا کر زمین پر آ رہا۔

تھوڑی دیر بعد جب اُسے ہوش آیا تو اس نے محسوس کیا کہ وہ کسی کار کی پچھلی سیٹ پر اس طرح پڑا ہوا ہے کہ اس کے ہاتھ اور پیر ایک ساتھ ملا کر باندھ دیئے گئے ہیں۔ کار چل رہی تھی، اس نے بہتیری کوشش کی کہ کار چلانے والے کا چہرہ دیکھ سکے لیکن ممکن نہ ہوا۔ اس کے ہاتھ اور پیر چھت کی طرف اٹھے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد اُسے اپنی ہیئت کذائی پر ہنسی آنے لگی۔ بڑا ستم ظریف تھا جس نے اُسے اس طرح باندھ کر ڈال دیا تھا۔

کچھ دیر تک اسی حالت میں رہنے کے بعد حمید کو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کے ہاتھ اور پیر ٹوٹ کر رہ جائیں گے۔ درد لمحہ بہ لمحہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ آخر کار ایک جگہ رکی۔ کار چلانے والا اتر گیا۔ پھر تقریباً پندرہ منٹ بعد دو آدمی آئے اور انہوں نے اسی حالت میں حمید کو اٹھا کر ایک طرف چلنا شروع کیا۔ ایک نے اس طرح پکڑ رکھا تھا کہ اس کا ایک ہاتھ اس کی آنکھوں پر تھا۔ اس لئے حمید راہ کا بھی اندازہ نہ لگا سکا۔ دفعتاً حمید نے عجیب قسم کی بو محسوس کی۔ حد درجہ ناخوشگوار۔ اگر اس کے ہاتھ آزاد ہوتے تو وہ بے اختیار اپنی ناک بند کر لیتا.... تو کیا وہ اسے کسی مردہ خانے میں لے جا رہے تھے۔ دفعتاً حمید کا ذہن جاگ اٹھا اور اس نے محسوس کیا کہ وہ حقیقتاً کسی سڑے ہوئے مردہ جسم ہی کی بو تھی۔

کچھ دور چلنے کے بعد ہوا کے جھونکے پھر پاک و صاف محسوس ہونے لگے۔

"اب مجھے ڈال کر تم بھی ستا لو۔" حمید نے جی کڑا کر کے کہا۔ "ہے ہے.... کس بُری طرح ہانپ رہے ہو.... چہ چہ۔"

"چپ رہو سالے۔" ایک آدمی گرج کر بولا۔

"یار ایسے وقت میں تو مجھے گالیاں نہ دو جب کہ میں مرنے جا رہا ہوں۔" حمید ہنس کر بولا۔

"تم کیا جانو کہ تم مرنے جا رہے ہو۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں جانتا ہوں کہ تم مجھے ندی میں پھینکو گے۔"

"اوہ تو کیا تمہیں دکھائی دے رہا ہے۔" اس بار وہ بولا جس نے حمید کی آنکھیں ڈھانپ رکھی تھیں۔

"اس وقت من کی آنکھیں کھل گئی ہیں بابا۔" حمید نے ٹھیٹھ درویشانہ انداز میں کہا۔

"اچھا بس خاموش رہو۔"

"کیوں بگڑتے ہو یار۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "میں شائد چند لمحوں کا مہمان ہوں۔ میری دلی خواہش ہے کہ مرنے سے پہلے تمہیں کئی گر کی باتیں بتا دوں۔"

"بکواس بند کرو۔"

"اچھا بیٹا بند کر دی بکواس۔" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ کائی اور سیلن کی بساندھ بتا رہی تھی کہ دریا نزدیک ہی ہے۔ وہ سوچنے لگا کہ اگر انہوں نے اُسے اسی حالت میں پھینکا تو ڈوب جانا یقینی ہے۔ انہوں نے اسے اپنے کاندھوں پر لاد رکھا تھا اور اس کے ہاتھ اور پاؤں اب بھی اوپر کی طرف اٹھے ہوئے تھے۔

دفعتاً حمید کو ایسا محسوس ہوا کہ اگر وہ تھوڑی سی جدوجہد کرے تو اس کا داہنا ہاتھ آزاد ہو سکتا ہے۔ اتنی مسافت طے کرنے کے دوران میں اس کی بندش کچھ ڈھیلی پڑ گئی تھی۔ بات یہ تھی کہ ہاتھوں اور پیروں کے لئے ایک ہی رسی استعمال کی گئی تھی اور انہیں ایک ساتھ ملا کر باندھا گیا تھا۔ باندھنے والے کا مقصد محض حمید کو اذیت دینا تھا۔ لیکن اُس نے اس معاملے میں عقلمندی سے کام نہیں لیا تھا۔

حمید نے اپنے داہنے ہاتھ کو جنبش دی اور اسے اپنی کامیابی کا یقین ہو گیا۔

"سنو بیٹو۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "مرنے سے پہلے تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ سب کچھ کرنا مگر شادی کبھی نہ کرنا۔"

"اچھا اچھا بابا جان۔" ایک جھلا کر بولا۔ "اب چپ بھی رہو ورنہ ہڈیاں سرمہ کر دوں گا۔"

"اور اگر تم نے میری نصیحت نہ مانی تو تمہیں بھگتنا پڑے گا۔ یار ذرا ہاتھ ڈھیلا کرو، تم تو میری آنکھیں پھاڑے ڈال رہے ہو۔"

"لے بیٹا تو بھی کیا یاد کرے گا۔" دوسرے نے کہہ کر اس کی آنکھوں پر سے ہاتھ ہٹالیا۔

"شکریہ.... کیا تم لوگ مجھے جانتے ہو۔"

"نہیں۔"

"مجھے کہاں لے جارہے ہو۔"

"بکو مت۔" پہلا گرج کر بولا۔

اس دوران میں حمید کا داہنا ہاتھ آزاد ہو چکا تھا۔ پھر اس کے بعد پوری رسی کھول ڈالنے میں کوئی دشواری نہ رہ گئی۔ حمید نے رسی کھول کر اپنے پیٹ پر رکھ لی اور بدستور ہاتھ اور پیر اٹھائے رہا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ لوگ اُسے دریا میں پھینکیں گے لیکن جب وہ دریا والا راستہ چھوڑ کر دوسری طرف مڑے تو اسے اطمینان ہو گیا۔ اب وہ ایک کافی چوڑی پگڈنڈی پر چل رہے تھے جس کی دونوں طرف چھیول کی گھنی جھاڑیاں تھیں۔

"سنو دوستو۔ میں ذرا پیشاب کرنا چاہتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"چپ رہو۔"

"خیر میں تمہارے اوپر ہی کروں گا۔ مرنا تو ہے ہی۔"

"سچ مچ مار ڈالوں گا۔" پہلا گرج کر بولا۔

"اچھا تو بچو۔" حمید نے اس طرح کہا جیسے سچ مچ وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے جارہا ہو۔

دونوں نے اسے جلدی سے زمین پر ڈال دیا۔

دوسرے لمحے میں حمید اچھل کر جھاڑیوں کے اندر گھس چکا تھا۔

دونوں چیختے ہوئے اس کے پیچھے دوڑے۔ حمید قطعی نہتا تھا اس لئے اس نے ٹھہر کر ان سے دو دو ہاتھ کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ وہ پوری قوت سے جھاڑیوں میں دوڑ رہا تھا۔

مجرم کون؟

تھوڑی دیر بعد حمید کو خیال آیا کہ وہ غلطی کر رہا ہے۔ اگر وہ اسی طرح دوڑتا رہا تو تعاقب کرنے والے زندگی بھر پیچھا نہ چھوڑیں گے۔ وہ ان کے قدموں کی آوازیں صاف سن رہا تھا۔

دراصل اس کے قدموں کی آواز پر اس کا پیچھا کر رہے تھے۔ حمید یکلخت رک گیا۔ اب وہ سیدھا جانے کے بجائے داہنی طرف مڑ کر پنجوں کے بل چل رہا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹہ کی بھاگ دوڑ کے بعد وہ شارع عام پر آ گیا۔ تعاقب کرنیوالوں کا کہیں پتہ نہ تھا۔ سڑک سنسان پڑی تھی۔ غیر آباد علاقہ ہونے کی وجہ سے یہاں بجلی کے کھمبے بھی نہیں تھے۔ حمید کو خوف تھا کہ کہیں وہ پھر نہ پکڑ لیا جائے۔ اس لئے اس نے جوتے اتار کر پنجوں کے بل دوڑنا شروع کر دیا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کدھر جارہا ہے۔ اس کے چاروں طرف بیکراں تاریکی تھی اور پیروں کے نیچے کنکریٹ اور کولتار کی چکنی سڑک۔

تھوڑی دیر بعد اسے روشنی کے ننھے ننھے دھبے دکھائی دیئے۔ یہ بھی محض اتفاق ہی تھا کہ وہ شہر کی طرف جارہا تھا۔ اگر سمت مخالف میں جا پڑتا تو اسے اس کا احساس تک نہ ہوتا کہ وہ کہاں جارہا ہے۔

آبادی میں پہنچ کر وہ سانس لینے کے لئے رکا۔ جوتے پہنے اور ٹیکسی تلاش کرنے لگا۔ وہ کسی طرح پھر جہانگیر پیلس تک پہنچنا چاہتا تھا کیونکہ فریدی کی کار ابھی تک وہیں تھی۔ بدقت تمام اُسے ٹیکسی مل گئی۔

جہانگیر پیلس پہنچنے کے بعد اسے پھر اسی ٹیکسی پر واپس آنا پڑا کیونکہ فریدی کی کار وہاں موجود نہیں تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا حملہ آور اُسے فریدی ہی کی کار پر لے گئے تھے۔ اگر ایسا ہے تو کار بھی گئی۔ اسے دراصل اپنی حماقت پر غصہ آرہا تھا۔ آخر وہ عالیہ سے ملا ہی کیوں تھا۔

حمید نے ٹیکسی ڈرائیور کو فریدی کی کوٹھی کا پتہ بتایا اور پھر خیالات میں ڈوب گیا۔

کوٹھی کا پھاٹک ابھی تک کھلا ہوا تھا؟ حمید سوچنے لگا کیا ابھی فریدی واپس نہیں آیا؟ اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو پیسے دیئے اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کوٹھی میں داخل ہوا۔ فریدی کی کار پورٹیکو میں کھڑی ہوئی تھی اور پھر اس نے فریدی کے کمرے میں روشنی بھی دیکھی۔ وہ اس کی طرف جھپٹا۔

فریدی کمرے میں تنہا نہیں تھا بلکہ اس کے ساتھ کوئی اور بھی تھا جسے دیکھتے ہی حمید بے اختیار چونک پڑا۔ یہ شہر کا ایک شریف بدمعاش نادر تھا۔ وہ ایک صوفے پر بیٹھا فریدی کو سہمی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"کہاں رہ گئے تھے۔" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"لمبی داستان ہے۔" حمید نادر کو گھورتا ہوا بولا۔ "آپ کی موجودگی کا مطلب۔"

"اوہ.... آپ....!" فریدی طنزیہ انداز میں بولا۔ "آپ کے حوصلے بہت بلند ہو گئے ہیں۔"

"انسپکٹر صاحب مجھے نہیں معلوم تھا؟" نادر بے بسی سے بولا۔

"ہاں ہاں۔" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "تمہیں معلوم تھا کہ میں اتنے حملوں کے بعد بھی بچ جاؤں گا۔"

"آپ سنئے تو سہی۔" نادر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔

"سنایئے۔" فریدی کے لہجے میں تلخی تھی۔

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ....!"

"ہاں ہاں کہو رک کیوں گئے۔"

نادر خاں پھر خاموش ہو گیا۔ کچھ دیر سوچنے رہنے کے بعد پھر بولا۔

"میں وہ خط چرانے کے لئے گیا تھا۔ وہاں مجھے نوکروں کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ کوئی جاسوس شاہد کے کمرے میں چھان بین کر رہا ہے۔ بخدا میں نہیں جانتا تھا کہ وہ آپ ہیں، ورنہ میں اس کی ہمت نہ کرتا۔"

"اور دوسرے حملے کے متعلق کیا ارشاد ہوتا ہے۔" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"دوسرا حملہ صرف کتے پر تھا۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو وہ مجھے کبھی نہ چھوڑتا۔"

"تو شاہد کا سوٹ تم نے چرایا تھا۔"

"جی ہاں۔"

"آج رات تم تنہا تھے۔"

"جی ہاں.... جی ہاں۔"

"لیکن اس وقت تک تمہارے پاس رائفل نہیں تھی جب تم نے درخت پر خنجر سے حملہ کیا تھا۔"

"نہیں تھی۔"

"تو پھر تم رائفل لے کر دوبارہ واپس آئے تھے۔"

نادر خان پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔

"جی نہیں.... وہ رائفل مجھے کسی نے دی تھی اور یہ بھی بتایا تھا کہ آپ نے کتا منگوایا؟"

"کس نے۔"

"ایک عورت نے۔"

"عورت.... کون عورت؟" فریدی نے چونک کر پوچھا۔

"یہ میں نہیں جانتا۔"

"بہت اچھے۔"

"میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں۔ میں نے آج تک اس کی شکل نہیں دیکھی۔"

"بہت خوب۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اب میں کس طرح آپ کو یقین دلاؤں۔ وہ مجھے ہمیشہ رات میں ملتی رہی ہے۔ کسی ویران مقام پر اس نے مجھے شاہد کا سوٹ چرانے کی ترکیب بتائی تھی اور اسی نے مجھے اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ میں جہانگیر پیلس کے بلڈ ہاؤنڈ کو وہی سوٹ پہن کر راتوں میں تنگ کیا کروں۔ اس نے مجھے پرانی حویلی میں داخل ہونے کا راستہ بتایا تھا۔ ان سب کاموں کی اجرت پانچ ہزار روپے تھی۔ ڈھائی ہزار پیشگی دیئے گئے تھے میں اتنا احمق نہیں کہ بغیر سمجھے بوجھے اس چکر میں پھنس گیا۔"

"اور وہ خط۔"

"وہ خط بھی اسی نے منگوایا تھا۔ اس کے لئے پرسوں رات کو اس نے دوبارہ جہانگیر پیلس کا اندرونی نقشہ سمجھایا تھا۔"

"عورت بوڑھی تھی یا جوان۔"

"آواز سے تو جوان ہی معلوم ہوتی تھی۔"

"تو تم نے یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ وہ عورت کون تھی۔"

"نہیں۔"

"نادر۔" دفعتاً فریدی کی آواز بلند ہو گئی۔

"جی....!" وہ سہم کر بولا۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"نہیں نہیں۔"

"بکو مت! اس نے جو کام تم سے لیا تھا وہ اتنا بے سروپا تھا کہ تم کسی طرح اس کا پتہ و نشان جاننے کی خواہش نہیں دبا سکتے تھے۔ تمہاری جگہ اگر کوئی احمق ترین آدمی ہوتا تو وہ بھی یہی کرتا۔"

"اب میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں۔"

"خیر میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔" فریدی تلخ لہجے میں بولا۔ "تم ایک بار ملک الموت کو بھی دھوکہ دینے کی کوشش کرو گے۔ لیکن ادھر دیکھو! میری طرف تم مجھے دھوکہ نہیں دے سکتے۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہاری فقرے بازی میں آکر عالیہ کو مجرم سمجھ لوں گا۔"

"کون عالیہ۔" نادر خان چونک کر بولا۔

"حمید۔" فریدی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "اسے بتاؤ کہ کون عالیہ۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔" حمید نے کہا اور فریدی کی میز پر سے ایک چھوٹا سا قلم تراش چاقو اٹھا کر نادر خاں کی طرف بڑھا۔

"ٹھیک ہے۔" فریدی نے کہا اور نادر خاں کو گھورنے لگا۔

"مگر.... مگر.... یہ قانون کے خلاف ہے۔" نادر خان چیخا۔

"قانون.... جب قانون کی حفاظت میرے ذمہ آپڑتی ہے تو میں مجرموں کو قانون سے دور ہی رکھتا ہوں۔"

حمید نے چاقو کی نوک نادر کی گردن پر رکھ دی۔

"ٹھہرو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔ "یہ بہت ہی معمولی قسم کی اذیت ہوگی۔ انگیٹھی میں کوئلے سلگاؤ۔"

"سنئے تو سہی۔" نادر لرز کر بولا۔

"سنایئے۔"

"میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں۔"

"چلو میں نے اسے بھی تسلیم کرلیا، جو تم عرض کرنا چاہتے ہو۔" حمید بولا۔

"ٹھہریئے.... ٹھہریئے۔" نادر گڑگڑایا۔

"ہاں کہو! کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"وہ میجر داؤد تھا۔"

فریدی بیٹھ گیا۔ اس کی عقابی آنکھیں نادر خاں کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"اس نے اب سے ایک ماہ پیشتر مجھے اس کام کے لئے کافی رقم دی تھی کہ میں پرانی حویلی کو

آسیب زدہ بنادوں۔ میں ہی وہاں جاکر عجیب و غریب آوازیں پیدا کیا کرتا تھا۔ پھر اس نے مجھے شاہد کا سوٹ چرانے کے لئے آمادہ کیا۔ پھر کتے کو تنگ کرنے کے لئے کہا اور آخری کام خط چرانا تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ سوٹ والا معاملہ ظاہر ہو چکا ہے تو اس نے مجھے اس بات پر اکسایا کہ آپ کو ختم کردوں۔"

فریدی کچھ سوچنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

"اچھا بیٹے تم میری مہمان رہو گے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میں فی الحال تمہیں پولیس کے حوالے کرنے کے بجائے اپنی قید میں رکھوں گا۔"

"مجھے آپ حوالات ہی بھیج دیں تو بہتر ہے۔"

"کیوں؟" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں آپ کی قید کے متعلق بہت کچھ سن چکا ہوں۔ آپ کے تہہ خانے پر جہنم کو ترجیح دوں گا۔"

"بہت پرانی بات ہے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "اب وہاں بہتیری اصلاحات ہو چکی ہیں، ٹیوب لائٹ اور بجلی کے پنکھے کا خاص انتظام ہے۔ فرش پر ایرانی قالین ملے گا۔ بہترین قسم کا صوفہ سیٹ۔ بہرحال قیام و طعام کا معقول انتظام رہے گا۔"

"نہیں نہیں! خدا کے لئے آپ مجھے حوالات ہی میں بھجوا دیجئے۔"

"ہوں اور پھر وہاں لوگ مار مار کر تمہارا کچومر نکال دیں۔" فریدی نے کہا۔ "میں اب بھی تمہارے ساتھ رعائت برتنے کے امکانات پر غور کر رہا ہوں۔ مثلاً یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں تم پر یہ الزام عائد نہ کروں کہ تم نے مجھ پر تین بار قاتلانہ حملہ کیا تھا۔"

"اوہ....!"

"ہاں.... لیکن ایک شرط کے ساتھ۔"

"کیا....!"

"تم مجھے سب کچھ سچ سچ بتادو۔"

"تو آپ کو اس پر بھی یقین نہیں آیا۔"

"نہیں بیٹے میں احمق نہیں ہوں۔ غالباً تم نے میجر داؤد سے میری تکرار سن لی تھی۔ اس

لئے اب تم اسے گھسیٹنے لگے۔ میں اپنی آنکھیں کھلی رکھتا ہوں۔"

"تو پھر اب میں کسی پر جھوٹا الزام نہیں رکھ سکتا۔ میں نے سچی اور آخری بات آپ سے کہہ دی۔" نادر نے کہا۔

"ابھی تم ایک اور سچی اور آخری بات بتاؤ گے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ تھوڑی دیر تک وہ اُسے گھورتا رہا پھر اس کا گریبان پکڑ کر بولا "اٹھو....!"

تھوڑی دیر بعد حمید اور فریدی کمرے میں بیٹھے کافی پی رہے تھے۔ نادر خاں کو انہوں نے تہہ خانے میں بند کر دیا تھا۔ حمید کے استفسار پر فریدی بولا۔

"میں نے تھوڑی دور تک تعاقب کرنے کے بعد اُسے پکڑ لیا تھا۔"

"اب میری دکھ بھری داستان سنئے کہ اس کے پڑھنے سے بہتوں کا بھلا ہوگا۔"

حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا اور سارے واقعات دہرا دیئے۔

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ پورا گروہ کام کر رہا ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"ٹھہریئے.... ذرا یہ تو بتایئے کہ نعیم الرشید آپ کے پاس کیوں آیا تھا....؟"

"وہ مجھے افریقہ بھیجنا چاہتا تھا۔ وہاں اس کی تجارت میں گول مال ہو رہا ہے۔"

"اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ عالیہ کے باپ کی تجارت میں بھی اس کا حصہ ہے۔"

"نہیں۔" فریدی چونک کر بولا۔

"جی ہاں مجھے یہ بات عالیہ سے معلوم ہوئی ہے۔"

"اوہ....!" فریدی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں اُبھر آئی تھیں۔

پھر حمید نے ٹرین کا واقعہ بھی دہرا دیا۔

"تم نے پہلے ہی کیوں نہ بتایا تھا۔"

"ابھی اور سنئے۔"

"کیا....؟"

"وہ اس دن عالیہ کی منگنی کی تقریب میں بھی شریک تھا۔"

"ہوں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا "اور مہمانوں کی فہرست میں اس کا نام نہیں تھا۔"

"میں نے عالیہ سے اس کے متعلق پوچھا تھا۔" حمید نے کہا۔ "لیکن وہ بڑی لاپروائی سے ٹال

گئی۔ اس نے کہا کہ اسی پر منحصر نہیں، ممکن ہے کچھ نام اور بھی رہ گئے ہوں۔"

فریدی خیالات میں ڈوبا ہوا پھر بیٹھ گیا۔ حمید نے کافی کا دوسرا پیالہ لبریز کیا اور ہلکی ہلکی چسکیاں لینے لگا۔ فریدی قطعی بے حس و حرکت بیٹھا تھا۔ اس کے پیالے کی کافی نہ جانے کب کی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

"وہ مجھے افریقہ بھیجنا چاہتا تھا۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "احمق کہیں کا۔ تیس ہزار، چالیس ہزار، پچاس ہزار، ساٹھ ہزار، ستر ہزار.... ایک معمولی سی بات کے لئے ستر ہزار، جس کام کو کوئی معمولی سا جاسوس وہیں انجام دے سکتا تھا۔ اس کے لئے وہ میرے پاس آیا۔ اسٹیل پرنس کی اکلوتی بیٹی اپنے باپ کے بعد اس کی دولت کی تنہا مالک ہوگی؟ کیا سمجھے؟"

"جی....؟" حمید چونک کر بولا۔

"اگر عالیہ کی شادی تمہارے ساتھ ہو جائے تو کیسی رہے۔"

"مجھے سوچنے کا موقع دیجئے۔" حمید بوکھلا کر بولا۔

"تم اس شہر کے مالدار آدمیوں میں ہو گے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن مجھے سوچنے کا موقع دیجئے؟"

فریدی اس کی باتوں پر دھیان دیئے بغیر بولتا رہا۔

"دولت کی تلاش انسان سے نہ جانے کیا کیا کراتی ہے۔ تم دولت حاصل کرنے کے لئے سب کچھ کر سکتے ہو۔"

"جی ہاں.... جی ہاں.... مجھے منظور ہے۔"

"کیا منظور ہے۔" فریدی اس طرح بولا جیسے یک بیک سوتے سوتے چونک پڑا ہو۔

"میں عالیہ کے ساتھ شادی کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

"کیا مطلب۔"

"آپ ہی تو ابھی کہہ رہے تھے۔"

"میں....!" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "ابے گدھے وہ تو میں مثال کے طور پر کہہ رہا تھا۔"

"مثال کے طور پر۔" حمید اس طرح بولا کہ اس کی آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی۔

"اوہو! تو کیا شہناز کا بھوت سر سے اُتر گیا۔" فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔

"نہیں تو.... میں چار شادیاں کروں گا۔"

"خیر.... خیر.... فضول باتیں بند کرو۔" فریدی دیوار کی طرف بڑھا۔ کوٹ ہک میں چمڑے کا ایک مضبوط سا کوڑا لٹک رہا تھا۔ فریدی نے اُسے اتار لیا۔

"کیا مطلب؟" حمید یک بیک چونک کر بولا۔

"ڈرو نہیں! یہ تمہارے لئے نہیں ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

وہ تہہ خانے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

نادر خاں فریدی کے ہاتھ میں کوڑا دیکھ کر لرز گیا لیکن اس کے چہرے سے معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس دوران میں زیادہ سے زیادہ ڈھیٹ بننے کی مشق کر رہا ہو۔

"نعیم الرشید سے تمہاری ملاقات کب ہوئی تھی۔" فریدی نے آہستہ سے پوچھا۔

نادر خاں بے اختیار چونک پڑا۔

"نعیم الرشید.... میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔"

کوڑا فضا میں بلند ہوا اور سڑاکے کی آواز کے ساتھ ہی نادر خاں کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ دوسرا، تیسرا اور چوتھے پر نادر خاں فریدی پر جھپٹ پڑا۔ قبل اس کے کہ حمید دخل دیتا فریدی نے نادر خاں کو صوفے کی طرف اچھال دیا اور پھر اس پر کوڑے برسنے لگے۔

"ٹھہریئے۔" نادر خاں چیخا۔

فریدی نے ہاتھ روک دیا۔

"آپ نے وعدہ.... وعدہ.... کیا....!" وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

"ہاں میں اب بھی اس وعدے پر قائم ہوں۔ اگر تم سچ سچ بتا دو تو بچا لئے جاؤ گے۔" فریدی اتنے پر سکون لہجے میں بولا جیسے وہ اب تک اسے پیٹتے رہنے کے بجائے لڈو کھلاتا رہا ہو۔

"نعیم الرشید ہی نے مجھے اس کام پر اکسایا تھا۔"

فریدی نے کوڑا ایک طرف ڈال دیا اور پر سکون انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تم نے اتنی آسانی سے کیوں بتا دیا۔" فریدی نے پوچھا۔

"اس حرام زادے نے مجھے اطمینان دلایا تھا کہ اس تک کسی کا خیال پہنچ ہی نہیں سکتا۔" نادر خاں جھلا کر بولا۔ "اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر کبھی تم پکڑے بھی جاؤ گے تو میں تمہیں بچا لوں گا

بس تم ادھر، اُدھر کے لوگوں پر الزامات عائد کرتے رہنا۔"

"کیا اس نے تمہیں اس کا مقصد بھی بتایا تھا؟" فریدی نے پوچھا۔

"کیوں نہیں! میں اسی مقصد کے چکر میں پڑ کر ہی مارا گیا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ عالیہ سے شادی ہو جانے کے بعد تمہیں اپنی ہندوستان کی تجارت کا منیجر بنا دوں گا اور نہ جانے کتنے بڑے بڑے وعدے کئے تھے۔"

نادر خاں نے نعیم الرشید کی شان میں قصیدہ پڑھنا شروع کر دیا۔

"خیر.... خیر.... زیادہ شور مچانے کی ضرورت نہیں۔" فریدی ایک صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولا۔

"نعیم الرشید اس وقت کہاں ہو گا۔"

"یہ نہیں بتا سکتا۔ معلوم نہیں کہاں ہو گا۔"

"سرجنٹ حمید پر کس نے حملہ کیا تھا اور اسے لاد کر لے جانے والے کون تھے؟"

"یہ بھی میں نہیں جانتا، ہو سکتا ہے کہ اس نے اس کیلئے میرے آدمیوں سے مدد لی ہو۔"

"تمہارے آدمی کہاں ہیں۔"

"سیتا گھاٹ والی فوجی عمارت میں۔"

فریدی حمید کی طرف مڑا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ مجھے سیتا گھاٹ ہی کی طرف لے جا رہے تھے۔" حمید نے کہا۔

"اچھا....!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

وہ دونوں تہہ خانے سے باہر آئے۔

فریدی نے کوٹ پہنا اور جیب میں ریوالور ڈال کر حمید کے کمرے میں آیا۔ حمید بھی تیار ہو چکا تھا۔ وہ دونوں برآمدے میں آ کر کھڑے ہو گئے۔ فریدی سوچ رہا تھا۔

"ٹھہرو...." فریدی نے کہا اور اندر چلا گیا۔ وہ پھر تہہ خانے کی طرف جا رہا تھا۔

نادر اُسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"تقریب کی شام کو کتے کی ڈور کس نے کاٹی تھی۔" اس نے نادر خاں سے پوچھا۔

"نعیم نے.... اور چاقو سعید کی جیب میں ڈال دیا تھا۔"

فریدی کچھ اور پوچھے بغیر واپس چلا آیا۔

"آؤ جی حمید صاحب۔" وہ حمید کی گردن میں ہاتھ ڈالتا ہوا بولا۔ "یہ قطعی بھول جاؤ کہ رات بھر جاگے ہو۔" دوسرے لمحے میں ان کی کار پھاٹک کے باہر نکل رہی تھی۔

انجام

شہر کی سنسان سڑک پر فریدی کی کار فراٹے بھر رہی تھی۔ حمید کی آنکھیں نیند سے بوجھل تھیں۔ کبھی کبھی وہ نیند کی جھونک میں اِدھر اُدھر گرنے لگتا تھا۔

"میں تو اب بھی عالیہ کی طرف سے مشکوک ہوں۔" دفعتاً وہ چونک کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"کیوں....؟"

"ہو سکتا ہے کہ وہ اب نعیم پر عاشق ہو گئی ہو اور پھر اس کی مدد سے سعید اور شاہد دونوں کو اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش کی ہو۔"

"ہو سکتا ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "جانتے ہو کہ میں نے اب بھی نادر کو پولیس کے حوالے کیوں نہیں کیا۔"

"نہیں۔"

"بڑا مکار آدمی ہے۔ مجھے اب بھی اس کے بیان پر شبہ ہے۔"

"تو پھر شبہ کس طرح رفع ہو گا۔"

"ایک اندھی چال چل رہا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "فی الحال منطقی دلائل کسی طرح کام نہیں آ سکتے۔"

"تو کیا آپ سیتا گھاٹ چل رہے ہیں۔"

"نہیں! نعیم کے گھر۔ اس نے مجھے اپنا پتہ دیا تھا۔"

"مگر وہ تو آج میرے ہی ساتھ آیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"یہاں بھی ایک بنگلہ اس نے کرائے پر لے رکھا ہے۔"

اس کے بعد پھر خاموشی چھا گئی۔ حمید بدستور اونگھ رہا تھا۔

"ابے گدھے تم اونگھ رہے ہو شاید۔ نیچے پھینک دوں گا۔"

"لیکن آپ وہاں کیوں جا رہے ہیں۔" حمید چونک کر بولا۔ "ثبوت کے لئے محض نادر کا بیان ہی کافی نہیں ہو سکتا۔"

"اب کی ہے تم نے عقلمندی کی بات۔" فریدی نے کہا۔ "ایک بات شاید میں نے تمہیں اب تک نہیں بتائی۔ وہ یہ کہ سعید کے جیب سے جو چاقو برآمد ہوا تھا اس پر اس کی انگلیوں کے نشانات نہیں تھے، لیکن نشانات تھے.... کسی اور کے.... کس کے تھے؟ یہ ابھی تک پردہ راز میں ہے۔ مجرم نے صرف یہی ایک غلطی کی ہے جس کی بناء پر وہ پکڑا جا سکتا ہے۔ اگر اس سے یہ بھول نہ ہوئی ہوتی تو قیامت تک نہ پکڑا جا سکتا۔"

"اوہ....!"

فریدی نے ایک جگہ کار روک دی۔ تھوڑی دیر تک وہ کار ہی میں بیٹھے رہے پھر فریدی کار سے اُترا۔ "یہی ہے اس کا بنگلہ۔" فریدی نے ایک عمارت کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "تم یہیں ٹھہرو۔" اور پھر وہ تاریکی میں غائب ہو گیا۔

حمید بھی باہر نکل کر پائیدان پر بیٹھ گیا۔ آسمان پر منڈلاتے ہوئے سیاہ بادل مغرب میں جمنے لگے تھے ہوا بند تھی۔ حبس کی وجہ سے دم گھٹ رہا تھا۔ حمید نے کوٹ اتار کر کار میں ڈال دیا اور قمیض کے بٹن بھی کھول دیئے۔ اسے ایسے موقعوں پر فریدی پر سخت غصہ آتا تھا جب وہ اسے کہیں ساتھ لے جاتا تھا مگر کام کے وقت پیچھے چھوڑ دیتا تھا۔

نیند کی وجہ سے حمید کا دماغ پراگندہ ہو رہا تھا۔ پلکیں بوجھل ہوتی جا رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ اونگھنے لگا پھر اچانک اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے قریب ہی کوئی کار گذری ہو۔ وہ چونک پڑا۔ ساتھ ہی اسے فریدی کی آواز سنائی دی۔

"حمید.... وہ نکل گیا.... انجن اسٹارٹ کرو۔"

لیکن حمید کے سنبھلنے سے پہلے ہی وہ کار تک پہنچ گیا۔

"اندر چلو۔" وہ حمید کو دھکا دیتا ہوا بولا۔

حمید کی سمجھ ہی میں نہ آیا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ بہر حال فریدی نے پھرتی سے انجن اسٹارٹ کیا اور کار کو مشرق کی طرف گھما کر سڑک پر ڈال دیا۔

"اگر وہ نکل گیا تو زندگی بھر افسوس رہے گا۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن تم نہ جانے کیا کرتے رہے۔ اگر چاہتے تو کار کے پچھلے پہیوں پر فائر کر سکتے تھے۔"

"میں دراصل اونگھ گیا تھا۔"

"ہاں ایسے موقعوں پر تو تمہیں نیند ستاتی ہے۔ ویسے نائٹ کلبوں اور رقص گاہوں میں رات رات بھر رنگ رلیاں مناتے رہتے ہو۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔

فریدی لمحہ بہ لمحہ کار کی رفتار تیز کرتا رہا تھا لیکن بے سود۔ نہ جانے وہ اپنی کار کدھر نکال لے گیا تھا۔

"لیکن یہ ہوا کس طرح۔ کیا آپ جاتے ہی اس پر ٹوٹ پڑے تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"قطعی نہیں۔ میں اس ارادے سے اس وقت نہیں آیا تھا۔ مجھے صرف یہ دیکھنا تھا کہ وہ اس وقت گھر پر موجود ہے یا نہیں۔ لیکن ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ مجھے اس بات پر یقین کر لینا پڑا کہ نادر خاں کا آخری بیان صحیح ہے۔"

"یعنی....!"

"وہ ابھی تک جاگ رہا تھا۔ میں نے ایک کھڑکی سے اس کی حالت دیکھی تھی۔ وہ بار بار ٹیلی فون کر رہا تھا اور یہ سب کالیں سیتا گھاٹ والی فوجی عمارت کے لئے تھیں۔ وہ بار بار کسی سے پوچھ رہا تھا کہ نادر خاں واپس لوٹا یا نہیں؟" فریدی خاموش ہو گیا۔

"پھر....!"

"میں نے سوچا کہ اسے اسی وقت پکڑ لیا جائے۔ لیکن وہ نکل بھاگا۔"

"تو آپ نے اس پر حملہ کر دیا تھا۔"

"ہاں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "گرمی کی شدت کا بُرا ہو۔ اس کا سارا جسم پسینے سے بھیگا ہوا تھا۔ بہر حال وہ میری گرفت سے نکل گیا۔"

"آپ نے ریوالور کیوں نہیں استعمال کیا؟" حمید نے پوچھا۔

"میں اس وقت تک ایسا اقدام نہیں کرتا جب کہ میرے پاس مجرم کے خلاف مکمل ثبوت نہ ہو۔"

"لیکن وہ کم بخت گیا کدھر؟" حمید نے کہا۔ "کیا خیال ہے کیا وہ سیتا گھاٹ گیا ہو گا۔"

"ہرگز نہیں...." فریدی نے کہا۔ "وہ ایسی حماقت کبھی نہ کرے گا۔ وہ سمجھ گیا ہے کہ نادر خاں گرفتار ہو گیا ہے۔"

"نادر کے ساتھیوں میں سے کسی نے اطلاع دی ہو گی۔" حمید بولا۔

"سچ مچ تم سو رہے ہو۔" فریدی نے کہا۔ "ورنہ بچوں کی سی باتیں نہ کرتے! ارے میاں اس وقت یہاں میری موجودگی ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ نادر خاں گرفتار ہو گیا۔ ورنہ اس کی بنائی ہوئی اسکیم اس کی اپنی نظر میں اتنی خام نہیں تھی کہ سراغ رساں اس کی تہہ تک پہنچ سکتا۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بدستور اونگھ رہا تھا۔ دفعتاً اسے اپنے کان کے قریب ریوالور کی آواز سنائی دی اور وہ بے اختیار اچھل پڑا۔

"او گدھے تم سچ مچ سو رہے ہو۔" فریدی نے دوسرا فائر کرتے ہوئے کہا۔

حمید کو اب ہوش آیا۔ آگے سڑک پر ایک کار تیزی سے جا رہی تھی۔

"کہیں کوئی اور نہ ہو۔" حمید بے اختیار بولا۔

"میں تمہاری طرح سو نہیں رہا ہوں۔" فریدی طنزیہ لہجے میں بولا۔

اس نے پھر فائر کیا۔ لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

"اتنے فاصلے سے کار تو ضائع کرنا فضول ہے۔" وہ آہستہ سے بولا۔

اس نے رفتار کچھ اور تیز کر دی۔

حمید آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نیند سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے خود اپنی حالت پر غصہ آ رہا تھا۔ اچانک اسے ایک تدبیر سوجھی۔ اس نے کار کا دروازہ کھولا اور ایک بازو کھڑکی میں پھنسا کر دونوں پیر پائیدان پر رکھے اور باہر کی طرف لٹک گیا۔

"یہ کیا کر رہے ہو۔" فریدی چیخا۔

"اب شاید آپ سو رہے ہیں۔" حمید بھرائی ہوئی آواز میں بولا اور جیب سے ریوالور نکال کر آگے والی کار کے پچھلے پہیوں پر فائر کرنے لگا۔

"شاباش۔" فریدی پُر جوش آواز میں بولا۔ "اب تم سچے شاگرد ثابت ہو رہے ہو۔ بخدا اس وقت تم نے استاد کے بھی کان کاٹ لئے۔ مگر ذرا احتیاط سے۔"

چوتھی گولی ایک پہیے پر پڑ ہی گئی۔ آگے والی کار اچھلنے لگی پھر یک بیک رک گئی۔ فریدی نے

پھرتی سے کام لیا ورنہ اس کی کار اس سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی۔ اچانک بریک لگنے کی وجہ سے حمید کے پیر پائیدان سے پھسل گئے لیکن قدرت مہربان تھی کہ اس کا بازو کھڑکی ہی میں پھنسا رہ گیا ورنہ شاید پھر کبھی نہ اٹھ سکتا۔

نعیم اپنی کار سے کود کر جھاڑیوں میں گھس گیا۔ فریدی اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ حمید نے بھی اس کے پیچھے دوڑنا شروع کر دیا تھا۔

جھاڑیوں کا سلسلہ کافی دور تک پھیلا ہوا تھا اور یہ اتنی گھنی تھیں کہ ان میں دوڑنا قطعی دشوار تھا۔ فریدی محض جھاڑیوں کی سرسراہٹ کی آواز پر نعیم کا تعاقب کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد آوازیں بھی بند ہو گئیں۔ "یہ بھی ایک اتفاق ہے کہ اس وقت ہمارے پاس ایک ٹارچ بھی نہیں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "خیر تم یہیں ٹھہرو۔"

فریدی نے کہا اور جوتے اتار کر قریب کے درخت پر چڑھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر نیچے اتر آیا۔

"میں نے اسے دیکھ لیا ہے۔" وہ جلدی سے جوتے پہنتا ہوا بولا۔ "جلدی کرو اگر وہ دریا پار کر گیا تو بڑی دشواری ہو گی۔"

وہ دونوں تیزی سے ایک طرف چلنے لگے۔ فریدی حمید کا ہاتھ تھامے اسے گھسیٹ رہا تھا۔

کھلے میدان میں پہنچ کر انہوں نے دوڑنا شروع کر دیا۔ تھوڑا راستہ طے کرنے کے بعد انہیں بہت دور ایک متحرک دھبہ دکھائی دیا۔ فریدی کی رفتار اور تیز ہو گئی۔ البتہ حمید کے لئے یہ چیز بڑی مشکل تھی، اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اب اس کے پھیپھڑے پھٹ جائیں گے۔ وہ فریدی سے بہت پیچھے رہ گیا تھا۔

دفعتاً تاریک دھبہ ایک جگہ رک گیا اور فریدی زور سے چیخا۔

"نعیم اگر تم نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو گولی مار دوں گا۔"

دوسرے لمحے میں حمید نے ایسا محسوس کیا جیسے وہ دھبہ فضا میں بلند ہو رہا ہو اور پھر وہ بڑی سرعت سے غائب ہو گیا۔ دوسرے دھبے نے بھی اس کی تقلید کی اور وہ بھی غائب ہو گیا۔ حمید انتہائی تھکن کے باوجود بھی پوری قوت سے دوڑ رہا تھا۔

اگر وہ یک بیک رک نہ جاتا تو غیر ارادی طور پر وہ بھی دریا میں گر پڑا ہوتا۔ وہ ایک کگار پر کھڑا

ہوا تھا، جو پانی کی سطح سے تقریباً پچیس تیس فٹ اونچی رہی ہو گی۔ نیچے دریا میں گویا بھونچال سا آ گیا تھا۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے کیونکہ اسے واجبی ہی سا تیرنا آتا تھا اور کچھ دیر بعد اس نے فریدی کا نام لے لے کر اُسے پکارنا شروع کر دیا۔ مگر جواب ندارد۔

فریدی دریا کا سینہ چیر کر بڑی سرعت سے آگے بڑھ رہا تھا اس کے آگے نعیم تھا۔ فریدی یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ نعیم ایک اچھا تیراک ہے۔ وہ اس دوران میں بھی ایک بار اس کی گرفت میں آ کر نکل گیا تھا۔

اس وقت وہ اس سے تقریباً دس گز کے فاصلے پر تھا۔ دریا کا دوسرا کنارا تھوڑی ہی دور رہ گیا تھا لیکن نعیم دوسرے کنارے کی طرف بڑھنے کی بجائے فریدی کو دریا میں چکر دے رہا تھا۔

رات ختم ہو رہی تھی اور افق میں اجالا پھوٹ رہا تھا۔ ستارے ڈوبنے لگے تھے۔

فریدی نے ایک بار پھر اپنی پوری قوت سے تیرنا شروع کر دیا۔ نعیم کی رفتار سست پڑ گئی تھی۔ فریدی کو قریب دیکھ کر اس نے غوطہ لگایا، لیکن اس بار فریدی کی رفتار کا اندازہ لگانے میں غلطی کی تھی۔ دوسرے لمحے میں اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے سر کے بالوں کی جڑوں میں کسی نے چنگاریاں بھر دی ہوں۔ اسے پھر سطح پر ابھر آنا پڑا۔ اس کے بال فریدی کی مٹھی میں جکڑے ہوئے تھے۔ پھر فریدی نے اس کے منہ پر گھونسہ مارا اور اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے۔

فریدی نے اس کے بال پکڑے ہوئے دوسرے کنارے کی طرف تیرنا شروع کیا۔ کنارہ زیادہ دور نہیں تھا لیکن وہاں تک پہنچتے پہنچتے فریدی کے ہاتھ پیر بھی جواب دینے لگے۔ دفعتاً اسے حمید کی آواز کہیں قریب ہی سنائی دی، جو اس کا نام لے لے کر چیخ رہا تھا۔

فریدی اس طرح چونک پڑا جیسے وہ ابھی تک سوتا رہا ہو اور پھر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ یک بیک نئے سرے سے تازہ دم ہو گیا ہو۔ پھر وہ بڑی تیزی سے نعیم کو دوسرے کنارے پر کھینچ لے گیا۔

حمید اب تک اُسے پکار رہا تھا اور قریب ہی چپوؤں کی شپاشپ سنائی دے رہی تھی۔

"میں ادھر ہوں۔" فریدی اپنی پوری قوت سے چیخا اور تھوڑی دیر بعد ایک ناؤ کنارے آ لگی اور حمید کود کر فریدی کے قریب پہنچ گیا۔

قبل اس کے کہ حمید کچھ کہتا فریدی بولا۔

"جلدی سے اپنے پائپ میں تمباکو بھرو۔ میرے سب سگار بھیگ کر بیکار ہو گئے ہیں۔"

حمید بھنا کر رہ گیا۔ نعیم زمین پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔

"کیا مر گیا۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں! بیہوش ہے۔ پانی پی گیا ہے۔ بھئی تمباکو۔ کیا پائپ چھوڑ آئے ہو۔ بڑے گدھے ہو۔" فریدی نے کہا اور نعیم کے پیٹ سے پانی نکالنے کی تدبیر کرنے لگا۔

حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

اسی دن چار بجے شام کو فریدی اور حمید جہانگیر پیلس میں چائے پی رہے تھے۔ میز پر میجر داؤد بھی موجود تھا۔

"اس کی طرف تو خیال بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔" عالیہ کی ماں بولی۔ "مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک بار سیٹھ جی نے اس کی بے ایمانیوں کا تذکرہ کیا تھا۔ وہ ایک بار ہمارا کافی روپیہ ہضم کر چکا ہے۔"

"میں پھر کہتا ہوں آپ نے غلطی کی۔" میجر داؤد خشک لہجے میں بولا۔ "بھلا وہ کیوں شاہد کو مارنے لگا۔"

"ایک دولت مند لڑکی سے شادی کرنے کی امید پر۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کیا عالیہ بانو اپنے باپ کی ساری دولت کی تنہا مالک نہیں ہیں۔"

"تو کیا سعید رہا کر دیا جائے گا۔" میجر داؤد نے پوچھا۔

"قطعی....!" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"کان کھول کر سن لو۔" میجر داؤد عالیہ کی ماں کو مخاطب کر کے بولا۔ "عالیہ کی شادی سعید کے ساتھ ہرگز نہیں ہو سکتی۔"

"کیوں اس میں ہرج ہی کیا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "سعید غریب ضرور ہے لیکن نجیب الطرفین اور اچھے خاندان کا لڑکا ہے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی ہے۔"

"جی....!" میجر داؤد گرج کر بولا۔ "آپ میرے خاندانی معاملات میں دخل دینے والے کون ہوتے ہیں۔"

عالیہ کی ماں کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ اسے میجر داؤد کا لہجہ بہت گراں گذرا تھا۔ وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ یک بیک فریدی میجر داؤد کی طرف جھکا اور اس کے کان میں آہستہ آہستہ کچھ کہنے

لگا۔ میجر داؤد کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیلتی جا رہی تھیں۔ فریدی پھر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اس کے ہونٹوں پر ایک شرارت آمیز مسکراہٹ تھی۔ میجر داؤد اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"ہاں تو میرا خیال ہے کہ اس رشتے میں کوئی عیب نہیں۔" فریدی بجھا ہوا سگار سلگاتا ہوا بولا۔ پھر وہ عالیہ کی ماں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ سعید نے مفت میں اتنی مصیبتیں جھیلی ہیں اور آپ بھی اس کی عمر قید یا پھانسی کے متظر تھے اور جب کہ خود عالیہ بانو بھی یہی چاہتی ہیں۔ آپ کو کوئی اعتراض نہ ہونا چاہئے۔

عالیہ اٹھ کر چلی گئی۔

"بھئی میں کیا کر سکتی ہوں۔" عالیہ کی ماں نے کہا۔ "اگر عالیہ اسی پر مصر ہے تو صرف اتنا کر سکتی ہوں کہ سیٹھ جی کو اس پر رضامند کرنے کی کوشش کروں۔ ویسے اختیار تو انہیں کو ہے۔"

"آپ چاہیں تو سب کچھ ہو جائے گا۔" فریدی نے کہا۔

میجر داؤد اس دوران میں بالکل خاموش رہا اور اس کی خاموشی پر عالیہ کی ماں کو بھی حیرت ہونے لگی۔ تھوڑی دیر بعد جب فریدی اور حمید واپس جانے کے لئے برآمدے سے گذر رہے تھے انہیں عالیہ ملی۔ "فریدی صاحب میں نے آپ کی شان میں کل رات بڑی گستاخیاں کی ہیں۔ جن کی معافی چاہتی ہوں۔" عالیہ نے قدرے ہچکچاہٹ کے ساتھ کہا۔

"کوئی بات نہیں! ہم لوگ اس کے عادی ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"مجھے سخت شرمندگی ہے۔" عالیہ فریدی کی طرف نوٹوں سے بھرا ہوا پرس بڑھاتے ہوئے بولی۔ "میری طرف سے یہ حقیر نذر قبول فرمایئے! حالانکہ یہ آپ کے شایان شان نہیں۔"

"آپ جانتی ہیں کہ میں نے یہ پیشہ حصول زر کیلئے نہیں اختیار کیا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

عالیہ کا ہاتھ جھک گیا۔ فریدی اور حمید آگے بڑھ گئے۔ لیکن عالیہ پھر ان کی طرف بڑھی۔

"ذرا ایک بات سنئے۔" اس نے انہیں روک کر کہا۔ "آپ نے میجر صاحب سے کیا کہا تھا اور انہوں نے مخالفت کرتے کرتے چپ کیوں سادھ لی تھی۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں یہ نہ بتا سکوں گا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن مجھے امید ہے کہ اب وہ آپ کی پسندیدہ شادی پر معترض نہ ہوں گے۔"

پھر وہ عالیہ کو حیرت زدہ چھوڑ کر اپنی کار میں آ بیٹھے۔

"کیوں میجر داؤد کا کیا معاملہ تھا۔" حمید نے پوچھا۔

فریدی ہنسنے لگا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔ کل رات کو میں نے اس کی ایک غیر قانونی حرکت کا پتہ لگایا ہے وہ بھی اتفاق ہی تھا۔ پرانی حویلی میں مجھے جو حادثہ پیش آیا تھا اس کی بناء پر شائد اُسے یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں پولیس جہانگیر پیلس کی تلاشی نہ لے۔ کیونکہ یہ اس کے ہاں دوسرا حادثہ تھا۔"

"پھر....!"

"اسی خوف کے تحت اس نے ایک غیر قانونی چیز جو اسی کی تھی پرانے کھنڈروں میں چھپانے کی کوشش کی۔"

"کیا چیز....؟"

"چانڈو....اور چانڈو پینے کے کچھ پائپ۔"

"اوہ....!" حمید بے اختیار ہنس پڑا۔

"شاید اس کے گھر والے بھی نہیں جانتے کہ اسے چانڈو کی لت ہے۔" فریدی نے کہا۔

"مگر یہ کیس جلد ختم ہو گیا۔ اس کا افسوس ضرور ہے۔"

"کیوں....؟" فریدی نے چونک کر پوچھا۔

"مگر.... خیر کوئی بات نہیں۔" حمید خود سے بولا۔ "اب عالیہ رقص گاہوں میں مجھ سے کترائے گی نہیں۔"

"اور کچھ تعجب نہیں کہ تمہیں متبنّی بھی کر لے۔" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"اب آپ گالیوں پر اُتر آئے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"دیکھو یار تم ہر وقت عورت کا تذکرہ کر کے مجھے بور نہ کیا کرو۔ ورنہ کسی دن تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔" فریدی نے کہا اور اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔

حمید بیزاری سے دوسری طرف دیکھ رہا تھا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 19

رقاصہ کا قتل

(مکمل ناول)

پیش رس

"رقاصہ کا قتل" جاسوسی دنیا کا انیسواں شمارہ ہے۔ یہ ناول بھی ابن صفی کے ان سابقہ ناولوں میں سے ایک ہے، جو اپنی دلچسپ اندازِ بیان، سنسنی خیز واقعات اور تحیر کی بناء پر بے پناہ مقبولیت حاصل کر چکا ہے اور جاسوسی ناولوں میں ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس کی کہانی رام گڈھ کی سرسبز اور شاداب پہاڑیوں کے دامن سے ابھرتی ہے اور ابتداء ہی سے پڑھنے والے کی دلچسپی اپنے اندر جذب کر لیتی ہے پھر یہی دلچسپی آگے چل کر حیرت و استعجاب کے اس نکتہ تک پہنچ جاتی ہے، جہاں پڑھنے والا خود اپنے آپ کو بھول جاتا ہے۔

اس ناول میں سرجنٹ حمید اور انسپکٹر فریدی کا طریقہ کار بھی بالکل جداگانہ ہے۔ دونوں آخر وقت تک اپنی اپنی شخصیتوں کو چھپائے رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ مقامی پولیس انہیں بھی مشتبہ لوگوں کی فہرست میں شامل کر لیتی ہے۔ اس موقع پر حمید کی ظرافت کہانی کو اور پُر لطف بنا دیتی ہے۔ خاص طور سے اس کی اور پولیس انسپکٹر رام سنگھ کی نوک جھونک بے حد دلچسپ ہے۔

فریدی کا پُر وقار کردار اس ناول میں بھی اپنی مخصوص ذہانت کے ساتھ سامنے آتا ہے اور سراغ رسانی کا ایک انوکھا معیار پیش کرتا ہے۔

ابن صفی کے گذشتہ کارناموں میں یہ ناول جرائم، رومان اور سراغ رسانی کا ایک عجیب و غریب ماحول پیش کرتا ہے۔

"پبلشر"

رقاصہ کی برہنہ لاش

رام گڈھ کی سرسبز شاداب پہاڑیوں کے دامن میں پیراڈائز ہوٹل کی خوبصورت عمارت کسی انگوٹھی میں جڑے ہوئے ہیرے کے نگ سے کم حسین نہیں معلوم ہوتی۔ عمارت کے چاروں طرف ہرے بھرے میدان ہیں اور پھر وہ میدان بتدریج بلند ہوتے ہوئے پہاڑوں کی شکل میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ مغربی گوشے میں ایک جھیل ہے جس کے چاروں طرف دیودار کے درخت عشق پیچاں کی بیلوں سے ڈھکے ہوئے تنوں سمیت پُر وقار انداز میں کھڑے ہوئے ہیں۔ موسم بہار میں یہ بیلیں ننھے ننھے سرخ پھولوں سے ڈھک جاتی ہیں اور پھر جھیل کے شفاف سینے پر چنگاریاں ہی چنگاریاں نظر آتی ہیں۔ ہوٹل کی طرف سے یہاں ایک جانب ایک پختہ گھاٹ بنایا گیا ہے اسی کے متصل ایک کافی طویل و عریض پختہ فرش ہے جسے اسکیٹنگ اور ڈانس کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ فرش کے چاروں طرف بے شمار سدا بہار درخت ہیں جن کی چوٹیوں پر برقی فانوس لگائے گئے ہیں۔ رات میں ان کی سبز روشنی سدا بہار درختوں کو ایک نئی زندگی بخش دیتی ہے۔

آج مطلع صبح ہی سے ابر آلود تھا۔ اس لئے گھاٹ پر کافی رونق تھی۔ کچھ نہا رہے تھے اور کچھ دھوپ نہ ہونے کے باوجود بھی رنگ برنگی چھتریوں کے نیچے مختلف قسم کی تفریحات میں مشغول تھے۔ کچھ نوخیز جوڑے پختہ فرش پر اسکیٹنگ کر رہے تھے۔ فضا میں بے شمار ہلکی، بھاری، بھدی اور سریلی آوازوں کی وجہ سے عجیب سا ارتعاش پیدا ہو گیا تھا۔

سرجنٹ حمید ایک چھتری کے نیچے بیٹھا پانی میں ابھرتے اور ڈوبتے ہوئے صندلی جسموں کو ٹکٹکی لگائے دیکھ رہا تھا۔ اسی کے قریب ایشیا کا جوان سال اور مشہور ترین سراغ رساں انسپکٹر فریدی چت لیٹا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔ دونوں میدان علاقے کی جھلسا دینے والی گرمی سے تنگ

آکر رام گڈھ آئے تھے۔ خوش قسمتی سے انہیں پیراڈائیز ہوٹل میں ایک بڑا کمرہ مل گیا تھا ورنہ آج کل یہاں سے لوگوں کو عموماً مایوس لوٹنا پڑتا ہے، وجہ یہ ہے کہ اس ہوٹل کے علاوہ یہاں اور کوئی ایسا ہوٹل نہیں ہے جہاں ضروریات زندگی کے ساتھ ہی ساتھ جمالیاتی حسن کی تسکین کے مواقع بھی نصیب ہو سکیں! آج کل بھی یہاں سے روزانہ متعدد سیاح ناکام لوٹ رہے ہیں۔

فریدی جس کی تفریح کا معیار ہی سب سے الگ تھا محض حمید کے بے پناہ اصرار کی بناء پر اس ہوٹل میں ٹھہرا تھا۔ بات یہ تھی کہ وہ ان واقعات میں جب کہ سرکاری کاموں سے اسے کوئی سروکار نہ ہوتا تھا صرف مطالعہ کرنا پسند کرتا تھا لہٰذا وہ اپنے ساتھ کثیر تعداد میں کتابیں لایا تھا اور کچھ یہاں خریدیں تھیں حمید کے رنگین مشاغل سے اسے قطعی دلچسپی نہ تھی لیکن کبھی کبھی اس کے اصرار پر اسکیٹنگ اور ڈانس میں حصہ لینا ہی پڑتا تھا۔

حمید نے ایک ہفتہ کے اندر کئی لڑکیوں سے جان پہچان پیدا کر لی تھی اور ان پر بے تحاشہ روپیہ برباد کر رہا تھا۔ فریدی نے کئی بار سمجھانے کی کوشش کی لیکن کون سنتا تھا۔

اس وقت وہ بڑی دیر سے ان میں سے کسی لڑکی کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے نہانے کے لباس پر لبادہ پہن رکھا تھا۔

"تم کب نہاؤ گے۔" دفعتاً فریدی نے اس سے پوچھا۔

"پرسوں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

"غالباً کسی کا انتظار ہو رہا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

جی.... ہاں.... پھر! آپ سے مطلب۔"

"ارے حمید کے بچے! دماغ کی چولیں پھر ڈھیلی ہوئیں۔" فریدی کتاب رکھ کر اٹھ بیٹھا۔

"ہلو سلیم۔" دفعتاً ایک سریلی آواز سنائی دی اور حمید چونک کر پلٹا۔ ایک نیم عریاں اینگلو انڈین لڑکی اسے اپنی طرف مخاطب کر رہی تھی۔

"ہلو....!" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "تم آگئیں! بہت دیر کر دی تم نے۔"

حمید نے اپنا لبادہ اتار پھینکا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر جھیل میں کود پڑا۔

فریدی بُرا سا منہ بنا کر پھر لیٹ گیا۔ وہ حمید کی انہیں حرکتوں کی بناء پر ہوٹلوں کے رجسٹروں میں اپنا صحیح نام و پتہ لکھوانا پسند نہیں کرتا تھا۔ یہاں بھی اس نے اپنا نام کیپٹن عابد اور حمید کا نام

کیپٹن سلیم لکھوایا تھا۔

حمید دو تین غوطے لگانے کے بعد پھر باہر نکل آیا اس کے ساتھ اینگلو انڈین لڑکی بھی تھی۔ دونوں چھتری کے نیچے آ بیٹھے! فریدی بدستور لیٹا رہا۔

"کیپٹن عابد کو تفریحات سے کوئی دلچسپی نہیں۔" لڑکی ہنس کر بولی۔

فریدی نے کتاب ایک طرف رکھ دی اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"کس قسم کی تفریحات چاہتی ہو۔" اس نے لڑکی سے پوچھا۔ پوچھنے کا انداز کچھ اس قسم کا تھا کہ لڑکی بوکھلا کر بغلیں جھانکنے لگی۔ فریدی کی غیر متحرک آنکھیں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"میں دراصل اس قسم کی تفریحات پسند کرتا ہوں۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ اس نے نیچے جھک کر حمید کو گود میں اٹھا لیا۔

"یہ کیا کرتے ہیں۔" حمید مچل کر بولا۔

"تفریح۔" فریدی اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے پُر سکون لہجے میں بولا اور پھر دو تین قدم آگے بڑھ کر اس نے حمید کو جھیل میں اچھال دیا۔ قریب بیٹھے ہوئے لوگ چونک کر اسے گھورنے لگے لیکن کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ فریدی اینگلو انڈین لڑکی کی طرف مڑا جو گھبرا کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اسے فریدی کا چہرہ حد درجہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

"اور اب تم بتاؤ۔"

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔" حمید ہانپتا ہوا بولا' جو جھیل سے نکل آیا تھا۔

"تفریح۔"

"میں اس قسم کا مذاق پسند نہیں کرتا۔" حمید نے جھلا کر کہا۔

"میں تمہاری پسند کی پرواہ کب کرتا ہوں۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔

لڑکی بغیر کچھ کہے سنے وہاں سے کھسک گئی۔

فریدی اطمینان سے بیٹھ کر سگار سلگانے لگا۔

"لوگ آپ کو پاگل سمجھنے لگیں گے۔" حمید تھوڑی دیر بعد تلخ لہجے میں بولا۔

"اور میرے لئے یہ ایک حسین ترین اطلاع ہو گی۔"

"آپ نے اس وقت مجھے کافی شرمندہ کیا ہے۔"

"اور اب یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک تم اپنی حرکتوں سے باز نہ آؤ گے۔" فریدی نے کہا۔

"آپ مجھے اس طرح ریگستان نہیں بنا سکتے۔"

"مجھے اس کا اعتراف ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ جب تم پر عشق سوار ہوا کرے تو مجھ سے دور ہی رہا کرو۔"

"تو کیا میں اس وقت آپ کے سر پر سوار تھا۔"

"بکو مت۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "مجھے کیا کرنا ہے! جاؤ جہنم میں ننگے ہو کر ناچو نالیوں میں ناک رگڑتے پھرو۔"

فریدی سگار پھینک کر پھر لیٹ گیا۔ حمید جھلا کر کپڑے پہننے لگا۔ چار بج چکے تھے اور ہوا میں کچھ کچھ خنکی پیدا ہو چکی تھی۔ فریدی نے قریب سے گزرتے ہوئے ایک ویٹر سے چائے لانے کو کہا۔ پھر حمید کی طرف مڑ کر پوچھا۔

"کہاں چلے؟"

"کہیں نہیں!" حمید منہ چڑھا کر بولا۔

"بیٹھو۔" فریدی کے لہجے میں تلخی تھی۔

"واہ یہ اچھی زبردستی۔"

"چپ رہو۔"

حمید دانت پیستا ہوا بیٹھ گیا۔

"غالباً اس لونڈیا سے معافی مانگنے جا رہے تھے۔" فریدی نے کہا۔ "وہ جو ایک پگ وہسکی پر خود کو بیچ دیتی ہے۔ آدمی بنو صاحب زادے! اس طرح اپنا وقار ہاتھ سے نہ جانے دو۔"

"بس آپ ہی وقار کو شہد لگا کر چاٹا کریں۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ "میں بے وقار ہی بھلا۔ دوسری بار دنیا میں نہیں آنا ہے۔"

"لیکن اس طرح تم جلد ہی دوسری دنیا میں پہنچ جاؤ گے۔"

"آپ کاندھا نہ دیجئے گا میرے جنازے کو۔"

"اچھا بکواس بند! تم نہیں جا سکتے۔"

حمید دوسری طرف منہ پھیر کر بیٹھ گیا۔

شام کی چائے کے لئے بینڈ بجنا شروع ہو گیا تھا ایک اینگلو انڈین لڑکی سریلی آواز میں "دی پلگر مس آف دی ہلکی وے" گا رہی تھی۔ لوگ چھتریوں کے نیچے سے اٹھ کر پختہ فرش کے کنارے پڑی ہوئی میزوں کے گرد آ بیٹھے تھے۔ فریدی نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر اُٹھایا۔ حمید نے اٹھ جانے میں مصلحت بھی سمجھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ پھر دوسروں کے لئے مذاق کا موضوع بنے۔

وہ دونوں ایک میز کے گرد آ بیٹھے۔ تھوڑی دیر بعد ویٹر چائے لایا۔

"کیا سوچ رہے ہو۔" فریدی نے حمید کو پھر چھیڑا۔

"کیا اب سوچنے پر بھی پابندی لگائی جائے گی۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک سب انسپکٹر پولیس دو کانسٹیبلوں اور ایک ویٹر کے ساتھ ان کی میز کے قریب آ کر رک گیا۔

"کیپٹن عابد اور کیپٹن سلیم۔" سب انسپکٹر دونوں کو گھورتا ہوا آہستہ سے بولا۔

فریدی نے داہنی بھوں چڑھا کر پُر وقار انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"کہیے۔"

"آپ لوگ کمرہ نمبر چالیس میں مقیم ہیں نا۔"

"ہاں.... آں۔" فریدی جیب میں ہاتھ ڈال کر سگار کیس ٹٹولتا ہوا بولا۔

"کمرہ نمبر اکتالیس میں کون ہے؟" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"ہوٹل کا رجسٹر ملاحظہ فرمایئے۔" فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ آپ ان لوگوں سے واقف ہیں۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"ہاں کیوں نہیں۔" حمید جلدی سے بولا۔ "ایک مس پروین ہے اسٹار ڈانسنگ پارٹی کی مغنیہ اور دوسری پارٹی کی رقاصہ دیاوتی۔"

"آپ انہیں کب سے جانتے ہیں؟"

"آپ کا مطلب کیا ہے۔" فریدی سگار کو ایش ٹرے میں رکھتا ہوا بولا۔

"دیاوتی کو کسی نے کمرہ نمبر اکتالیس میں قتل کر دیا۔"

"اوہ....!"

حمید بوکھلا کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"آپ لوگ اپنے کمرے میں کب گئے تھے۔" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"دو بجے۔"

"کتنی دیر تک وہاں رہے۔"

"جتنی دیر تک ہمارا دل چاہا۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"جی....!" سب انسپکٹر اُسے گھور کر بولا۔ "آپ کو کافی احتیاط سے گفتگو کرنی چاہئے یہ نہ بھولئے کہ مقتولہ کا کمرہ آپ کے کمرے سے ملا ہوا ہے۔"

"تو اس کے ذمہ دار ہم تو نہیں۔" حمید نے کہا۔

"چپ رہو۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ پھر سب انسپکٹر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"ہم لوگ بمشکل تمام وہاں دس یا پندرہ منٹ ٹھہرے ہوں گے۔"

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ وہاں کیا کرتے رہے۔"

"جھک مارتے رہے۔" حمید بھنا کر بولا۔

فریدی نے اسے پھر گھور کر دیکھا۔

"لیکن یہ قتل ہوا کب؟" فریدی نے پوچھا۔

"یہ تو میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"کیا مطلب....؟" فریدی اسے گھورنے لگا۔

"ڈاکٹر نے بتایا ہے کہ قتل دو اور تین بجے کے درمیان کسی وقت ہوا۔"

"تو آپ خاص طور سے ہمیں کیوں اتنی اہمیت دے رہے ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کمرہ نمبر.... بیالیس میں پارٹی ہی کے آدمی ہیں۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پارٹی کے آدمی قاتل نہیں ہو سکتے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا اور فریدی نے پیالی اٹھالی۔

"میں آپ کے کمرے کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"چھری تلاش کریں گے آپ۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

دفعتاً سب انسپکٹر چونک پڑا۔

"آپ کو اس قتل کی اطلاع پہلے سے تھی۔" اس نے پوچھا۔

"قطعی نہیں!"

"پھر آپ نے چھری کا حوالہ کیسے دیا۔"

"یہ تو بہت معمولی سی بات ہے انسپکٹر صاحب۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "ہوٹلوں میں عموماً دو چیزیں استعمال کی ہوتی ہیں۔ چھری یا زہر یا پھر گلا گھونٹا جاتا ہے۔"

سب انسپکٹر فریدی کو گھورتا رہا، جو نہایت اطمینان سے سر جھکائے چائے پی رہا تھا۔

"کیا وہ سو رہی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں غیر ضروری سوالات کے جواب نہیں دیا کرتا۔" پولیس انسپکٹر بولا۔ "مجھے آپ کے کمرے کی تلاشی لینی ہے۔"

"تو کان کھول کر سن لیجئے۔" حمید نے کہا۔ "ہم چائے ختم کئے بغیر یہاں سے نہیں اٹھ سکتے۔"

"مجھے کسی سخت رویئے پر مجبور نہ کیجئے۔"

حمید چائے کی پیالی رکھ کر اُسے گھورنے لگا۔

"تم بیٹھو۔" فریدی حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اٹھتا ہوا بولا۔ "آیئے انسپکٹر صاحب میرا دوست کچھ چڑچڑے مزاج کا واقع ہوا ہے۔"

وہ دونوں چلے گئے حمید بیٹھا چائے پیتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب خیر نہیں۔ ساری تفریح خاک میں مل کر رہ جائے گی۔ آہستہ آہستہ ساری میزیں خالی ہوتیں جا رہی تھیں شاید لوگوں کو قتل کی اطلاع ہو گئی تھی۔ حمید نے سوچا کہ اس کا اس طرح یہاں بیٹھے رہنا ٹھیک نہیں وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ فریدی اس موقع پر اپنی اصلیت ظاہر نہیں کرے گا۔

چائے ختم کرنے کے بعد حمید اٹھ گیا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس جگہ آیا جہاں بہت سے لوگ اکٹھا تھے اور اسی قتل کے متعلق چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔

"وہ بالکل برہنہ تھی۔" ایک چھوٹے قد کا آدمی کہہ رہا تھا۔ "کسی نے اسے جانوروں کی طرح ذبح کر دیا۔ میں نے اتنا دردناک منظر آج تک نہیں دیکھا۔"

"بڑی پیاری رقاصہ تھی۔" دوسرے نے کہا۔

"آخر کون ہو سکتا ہے۔"

"پولیس شاہد اس کے ساتھ کی دوسری لڑکی پر شبہ کر رہی ہے۔"

"کس پر؟" ایک چونک کر بولا۔ "پروین پر! کبھی نہیں ہو سکتا وہ ننھی منی سی شرمیلی لڑکی قتل نہیں کر سکتی۔"

"جناب آپ کیا جانیں۔ قاتلوں کے چہرے بڑے معصوم ہوتے ہیں۔" دوسرا بولا۔

"معاف کیجئے گا! آپ مجھ سے زیادہ تجربہ کار نہیں ہیں۔" پہلے نے کہا۔

"فضول بات ہے۔" دوسرا ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "آپ میرے متعلق کیا جان سکتے ہیں۔"

"اس کا کل شام والا ناچ۔" پستہ قد والا آدمی پھر بولا۔ "میں زندگی بھر نہ بھلا سکوں گا۔"

"وہ دونوں ایک ہی کمرے میں مقیم تھیں۔" ایک نے کہا۔ "دوسری لڑکی کہاں تھی۔"

"لاش سب سے پہلے اسی نے دیکھی تھی۔" کسی نے کہا۔

"لیکن وہ تھی کہاں؟"

"معلوم نہیں۔"

حمید وہاں سے ہٹ کر عمارت کی طرف جانے لگا۔ راستے میں وہی اینگلو انڈین لڑکی مل گئی۔

"اوہ! کیپٹن سلیم تمہارے برابر میں قتل ہو گیا۔" اس نے حمید سے کہا۔ "تمہارے کمرے کی بھی تلاشی لی گئی ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" حمید نے کہا۔ "تم کہاں سے آ رہی ہو؟"

"اوپری منزل سے۔ پولیس لوگوں کے بیانات لے رہی ہے۔ کیپٹن عابد سے بھی کافی پوچھ گچھ ہوئی ہے۔"

"اوہ....!"

"بالکل ننگی تھی!" اینگلو انڈین لڑکی معنی خیز انداز میں آہستہ سے بولی۔

"اور دوسری لڑکی کہاں تھی؟"

"کہیں باہر گئی تھی۔ واپسی پر اس نے دیاوتی کی لاش دیکھی۔"

"پارٹی کے دوسرے افراد۔" حمید نے پوچھا۔

"ان کے متعلق میں کچھ نہیں جانتی۔ البتہ پارٹی کا مالک اقبال کافی مطمئن نظر آ رہا ہے۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میں نے بھی اُسے وہسکی پیتے دیکھا ہے۔ کیا بتاؤں تم سے کہ اس کے چہرے پر کیسی مسکراہٹ تھی۔ بہر حال اتنا سمجھ لو کہ عام آدمی ایسے حالات میں اس طرح نہیں مسکرا سکتے۔"

"اقبال وہی نا جس کی پیشانی پر ایک ابھرا ہوا سیاہ تل ہے۔"

"وہی! میں نے ہمیشہ اسے پیتے دیکھا ہے۔"

"وہ کہاں تھا؟"

"یہ مجھے معلوم نہیں۔ پولیس کافی رازداری سے کام لے رہی ہے۔"

"لیکن تم کہاں جا رہی ہو۔"

"گھاٹ پر، اس حادثے نے مجھ پر بہت زیادہ اثر ڈالا ہے۔ اُف میرے خدا۔"

حادثے کی تفصیل

حمید آہستہ آہستہ اوپری منزل کے زینے طے کر رہا تھا۔ قتل و خون اس کے لئے کوئی نئی بات نہ تھی اور نہ وہ کسی قتل کی خبر سے اس طرح متاثر ہوتا تھا جیسے کہ عام آدمی ہوتے ہیں۔ وہ تو صرف ایک بات سوچ رہا تھا۔ اسے اپنی تقدیر پر رونا آ رہا تھا کہ چھٹیوں میں بھی اسے سکون نصیب نہیں ہوتا۔ حالانکہ یہاں کے کسی کیس سے ان لوگوں کا کوئی تعلق نہیں ہونا چاہئے تھا۔ مگر فریدی کہاں نچلا بیٹھ سکتا تھا۔ حمید اچھی طرح جانتا تھا کہ اب اسے اس حسین تفریح گاہ میں بھی الجھنوں میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ رہ گیا فریدی تو اس کی سب سے بڑی تفریح یہی تھی کہ اسے پیچیدہ قسم کے کیس ملتے رہیں۔

وہ طویل راہداری سے گزرتا ہوا اپنے کمرے کے سامنے آیا۔ مقتولہ کا کمرہ بند تھا۔ کچھ دور ہٹ کر آٹھ دس کرسیاں پڑی ہوئی تھیں جن پر پولیس والوں کے علاوہ ہوٹل کا منیجر پارٹی کا مالک اقبال مغینہ پروین اور فریدی بیٹھے ہوئے تھے۔

"میرا دوست خود ہی آ گیا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

سب کی نظریں حمید کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ سب انسپکٹر جو تھوڑی دیر قبل فریدی اور حمید کے پاس گیا تھا دوسرے انسپکٹر کے کان میں کچھ کہنے لگا۔ دوسرا انسپکٹر ادھیڑ عمر کا ایک بھاری بھرکم آدمی تھا۔ چڑھی ہوئی مونچھیں خضاب آلودہ تھیں۔ اس نے تیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھا اور حمید کو خواہ مخواہ ہنسی آنے لگی۔ وہ سمجھ گیا کہ فریدی ابھی تک اپنی اصلیت چھپائے ہوئے ہے۔

"بیٹھ جایئے۔" بوڑھا انسپکٹر بھاری بھرکم آواز میں بولا۔

حمید ایک شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بیٹھ گیا۔

"آپ کا نام۔"

"سلیم الدین" حمید نے آہستہ سے کہا۔ ہیڈ محرر جیب سے قلم نکال کر لکھنے لگا۔

"باپ کا نام۔"

"شیخ محمد کلیم الدین، قادری، چشتی، نقشبندی.... اور.... اور.... حنفی بھی۔"

انسپکٹر اُسے قہر آلود نظروں سے گھورنے لگا۔

"پیشہ....!" وہ گرج کر بولا۔

"آہ وزاری، نالہ وبکا.... مدھو بالا کے عشق میں گرفتار۔"

"اسے مسٹر.... ذرا ہوش سے، آپ پولیس کو بیان دے رہے ہیں۔"

"آپ کس کا پیشہ پوچھ رہے ہیں۔"

"آپ کا؟" انسپکٹر دانت پیس کر بولا۔

"میں سمجھا شاید والد صاحب کا۔ میں تو ایک برطرف شدہ کیپٹن ہوں۔"

"برطرف شدہ۔"

"مطلب یہ کہ جنگ کے بعد ہمیں بالکل چھٹی دے دی گئی۔" فریدی جلدی سے بولا۔

"آپ براہِ کرم خاموش رہئے۔" انسپکٹر نے فریدی سے کہا۔

"بہت بہتر۔" فریدی انتہائی سعادت مندانہ انداز میں بولا۔

حمید نے محسوس کیا کہ پروین بے اختیارانہ انداز میں مسکرا رہی ہے بس پھر کیا تھا۔ حمید کے دماغ کے کیڑے باقاعدہ طور پر کلبلانے لگے۔

"موجودہ پیشہ....!" انسپکٹر پھر غرایا۔

"کہیں مرد بھی پیشہ کرتے ہیں۔"

"مسٹر....!"

"فرمایئے۔"

"مجھے سختی کرنی پڑے گی۔"

"میں صبر کروں گا۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔

"سلیم....!" فریدی نے اُسے گھور کر دیکھا۔

"آپ لوگوں کو میرے ساتھ کوتوالی چلنا پڑے گا۔" انسپکٹر غصے میں ہانپتا ہوا بولا۔

"کیوں؟" حمید نے بھویں تان کر پوچھا۔

"ہم تیار ہیں انسپکٹر صاحب۔" فریدی نے خندہ پیشانی کے ساتھ کہا۔

انسپکٹر خاموشی سے تھوڑی دیر تک حمید کو گھورتا رہا جو برابر مسکرائے جا رہا تھا۔ پھر وہ فریدی کی طرف مخاطب ہوا۔

"اپنے دوست کو سمجھایئے! خواہ مخواہ بات بڑھانے سے کیا فائدہ۔"

"سلیم۔" فریدی بگڑ کر بولا۔ "شرارت اور مذاق کا وقت ہوتا ہے۔ اگر تم نہیں مانو گے تو پھر میں نتیجے کا ذمہ دار نہیں۔"

حمید یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔

اس کے بعد وہ انسپکٹر کے سوالات کے جواب قاعدے سے دیتا رہا۔

"اچھا اب آپ لوگ جا سکتے ہیں۔" انسپکٹر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "لیکن پولیس کی اجازت کے بغیر آپ رام گڈھ سے باہر نہ جا سکیں گے۔"

"اوہ! تو کیا ہم لوگ بھی مشتبہ آدمیوں کی فہرست میں شامل ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں۔" ہیڈ محرر لکھتے لکھتے سر اٹھا کر بولا۔

"تب تو مزے آ جائیں گے۔" حمید نے ہنس کر کہا۔

"کیا مطلب....!" انسپکٹر چونک کر بولا۔

"میں غیر ضروری سوالات کے جواب نہیں دیتا۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ فریدی اور حمید پھر نیچے آ گئے۔

جھیل کے کنارے پھر پہلی سی رونق نظر آنے لگی تھی۔ لوگ تھوڑی دیر بعد یہ بھی بھو
گئے کہ رقاصہ کی لاش ابھی ہوٹل میں موجود ہے! پختہ فرش پر رات کے ناچ کا انتظام ہو رہا تھ
فضاؤں میں سریلے قہقہے رقص کر رہے تھے۔ چاروں طرف گداز جسموں کی نمائش ہو رہی تھی
فریدی اور حمید ایک میز کے قریب بیٹھ گئے۔

"فرمایئے سرکار! اب کیا ارادے ہیں۔" حمید منہ بنا کر بولا۔

"کیس بڑا دلچسپ ہے۔" فریدی جیب سے سگار نکالتا ہوا بولا۔

"یہ میں بھی جانتا ہوں۔ کوئی نئی بات بتایئے۔"

"اوہو! بہت چہک رہے ہو۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ یہ کیس مجھے بھی دلچسپ معلوم ہو رہا ہے۔" حمید نے کہا۔

"اچھا! یہ پہلا موقع ہے کہ تمہاری زبان سے اس قسم کا جملہ سن رہا ہوں۔"

"ابھی آپ کو کئی ایسے موقعے نصیب ہوں گے۔"

فریدی خاموش ہو کر حمید کو غور سے دیکھنے لگا۔

"آپ اس طرح کیا دیکھ رہے ہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "میں صرف اس لئے دلچسپی لے
ہوں کہ مقامی پولیس بھی ہم پر شبہہ کر رہی ہے۔"

"تم خواہ مخواہ اس بوڑھے کو غصہ دلا رہے تھے۔"

"وہیں سے تو دلچسپی شروع ہوئی ہے۔" حمید نے کہا۔ "سنا ہے کہ وہ بیچاری پروین پر
کر رہے ہیں۔"

"حالات ہی کچھ اس قسم کے ہوئے ہیں۔"

"یعنی....!"

"خود لڑکی کا بیان مشتبہ ہے۔"

"کچھ بتایئے بھی تو۔"

"آج دو بجے کے قریب اس نے اوپری منزل کے ایک نوکر سے نیچے جانے کا کوئی دو
راستہ پوچھا تھا اور کچھ گھبرائی ہوئی بھی تھی۔ نوکر نے اسے دوسری سیڑھیاں بتائیں، جو عمار
کے عقبی حصے کے باورچی خانے میں ختم ہوتیں ہیں۔"

"لیکن دوسرا راستہ پوچھنا کوئی جرم نہیں۔" حمید نے کہا۔

"ٹھیک ہے لیکن دوسرے راستے سے جسے مسافر استعمال نہیں کرتے نیچے جانے کی کیا وجہ
ہو سکتی ہے۔"

لڑکی نے کیا بیان دیا۔"

"اس کا بیان ہے کہ وہ دو بجے تفریح کے لئے باہر نکلی تھی اس وقت دیادتی زندہ تھی لیکن
اس نے اپنے سارے کپڑے اتار رکھے تھے اور صرف ایک چادر اوڑھے بیٹھی تھی۔ جاتے وقت
مقتولہ نے اس سے یہ بھی پوچھا تھا کہ وہ کب تک واپس آئے گی۔"

"لیکن وہ عقبی زینے سے کیوں گئی تھی۔" حمید نے ٹوکا۔

"اس نے بتایا کہ وہ ایک آدمی کو نظر انداز کرنا چاہتی تھی، جو اسے اپنے ساتھ تفریح کے
لئے لے جانا چاہتا تھا۔"

"اوہ....!"

"وہ سامنے والے زینوں کے نیچے اس کا منتظر تھا اس لئے اس نے اس سے پیچھا چھڑانے کے
لئے عقبی سیڑھیاں استعمال کیں۔ پھر ساڑھے تین بجے جب وہ واپس آئی تو اس نے کمرے میں
دیادتی کی برہنہ لاش دیکھی۔"

"پولیس نے اس آدمی کا نام نہیں پوچھا جسے وہ ٹالنا چاہتی تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"کیوں نہیں.... وہ ڈانسنگ پارٹی کا مالک اقبال تھا۔"

"اوہ....!" حمید نہ جانے کیوں چونک پڑا۔

"کیوں؟ کیا تم اقبال کے متعلق کچھ جانتے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

حمید نے اقبال کے متعلق اینگلو انڈین لڑکی کا جملہ دہرا دیا۔

فریدی کچھ سوچنے لگا۔

"اتنا میں بھی جانتا ہوں کہ وہ لڑکی قتل نہیں کر سکتی۔"

"اچھا....!" حمید مسکرا کر بولا۔ "یہ آپ اس کے بھولے بھالے چہرے کی بناء پر کہہ رہے
ہیں۔"

"نہیں برخوردار۔ اپنے تجربات کی بناء پر۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "وہ اب سے

صرف ایک ہفتہ قبل اس پارٹی میں داخل ہوئی ہے اس سے پہلے وہ ایک دفتر میں ٹائپسٹ تھی۔ شاہ پور کے ایک گرلز کالج کے ڈرامے میں اس نے حصہ لیا تھا۔ وہیں اس کی اقبال سے ملاقات ہوئی۔ اقبال نے اسے اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ دفتر کی ملازمت چھوڑ کر اس کی پارٹی میں بحیثیت مغنیہ شامل ہو جائے۔ اس کیلئے اس نے جو معاوضہ پیش کیا وہ اس کی دفتر کی تنخواہ سے کئی گناہ زیادہ تھا۔ پروین تیار ہو گئی اور پھر وہ پارٹی سمیت یہاں چلے آئے اس سیزن بھر کے لئے پیراڈائیز والوں سے ان کا معاہدہ ہو گیا ہے۔"

"مگر اب وہ کیا کریں گے رقاصہ تو قتل کر دی گئی۔"

"یہ انہیں سے پوچھنا۔" فریدی منہ سکوڑ کر بولا۔ "ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دفعتاً اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ فریدی چونک کر مڑا۔ اقبال پروین کو سہارا دیتا ہوا اسی طرف لا رہا تھا۔ فریدی اور حمید نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔

اقبال اور پروین قریب ہی ایک میز کے پاس بیٹھ گئے۔ ان کی آوازیں انہیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

"اوہ بے بی.... بے بی.... اپنی طبیعت سنبھالو! مجھے یقین ہے کہ تم بے گناہ ہو! بھلا تم کیوں اسے قتل کرنے لگیں۔" اقبال بولا۔

"میں ٹھیک ہوں بالکل ٹھیک ہوں۔" پروین نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میرے خیال میں تم تھوڑی سی برانڈی پی لو۔" اقبال پھر بولا۔

"نہیں! میں نے شراب کبھی نہیں پی۔"

"ضرورتاً.... دوا کے طور پر۔"

"نہیں بالکل نہیں۔"

"میں تمہارے لئے بہت مغموم ہوں۔" اقبال نے کہا۔

حمید نے فریدی کو آنکھ ماری۔

"شکریہ۔" پروین بے دلی سے بولی۔

اقبال تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ آج کے پروگرام کا کیا بنے گا۔"

"جی۔" پروین بے اختیار چونک پڑی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ہاں آج کا پروگرام۔ تم تھوڑا بہت ناچ بھی سکتی ہو۔"

"مگر.... دیاوتی۔" پروین رک رک کر بولی۔ "کیا وہ آپ کی بیوی نہیں تھی۔"

"قطعی تھی۔" اقبال نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "لیکن مجھے اس کے انجام پر ذرہ برابر بھی حیرت نہیں۔"

وہ کچھ اور بھی کہنے والا تھا کہ کچھ لوگ آ کر ان کی میز کے گرد اکٹھا ہو گئی۔ غالباً یہ ان سے جان پہچان رکھنے والے تھے۔

"دیاوتی اس کی بیوی تھی۔" حمید آہستہ سے بولا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔

"اور اسے اس کے انجام پر حیرت نہیں۔" حمید پھر بولا۔ "وہ آج کے پروگرام کے متعلق سوچ رہا ہے۔" فریدی کھڑا ہو گیا۔

دوسرے لمحے میں وہ دونوں اپنے کمرے کی طرف جا رہے تھے۔ راہداری میں ابھی تک پولیس والے موجود تھے۔ دیاوتی اور پروین کا کمرہ کھلا ہوا تھا اور اس میں روشنی ہو رہی تھی، اندر بھی کچھ پولیس والے موجود تھے۔

بوڑھے انسپکٹر نے فریدی اور حمید کو گھور کر دیکھا لیکن وہ دونوں اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر اپنے کمرے میں چلے گئے۔

فریدی لکھنے کی میز پر بیٹھ کر اپنی ڈائری میں کچھ لکھنے لگا۔ دفعتاً کسی نے دروازے پر دستک دی۔ حمید نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا، بوڑھا انسپکٹر اسے کھڑا گھور رہا تھا۔

"کیا آپ لوگوں نے نہیں سنا۔" وہ گرج دار آواز میں بولا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"آپ یہاں کس کی اجازت سے آئے ہیں۔"

"اجازت....!"

"جی ہاں! جب تک تفتیش مکمل نہ ہو جائے کوئی اوپر نہیں آ سکتا۔"

"ہمیں اس کی اطلاع نہیں تھی۔"

"زینے پر نوٹس لگا دیا گیا ہے۔" بوڑھا غرا کر بولا۔

"ہمیں افسوس ہے؟" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ پھر حمید کا ہاتھ پکڑ کر باہر چلا آیا۔

آکر فریدی نے محسوس کیا کہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی اور بھی نیچے آیا ہے اور سائے کی طرح

کے پیچھے لگا ہوا ہے۔

"ذرا اس بوڑھے خبطی کو دیکھو۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "اس نے ہماری نگرانی کے

کسی کو ہمارے پیچھے لگا دیا ہے۔"

"تو سنئے! کیوں نہ اسے اُلو بنایا جائے۔" حمید نے کہا۔

"چھوڑو بھی۔"

"خدا قسم مزا آجائے گا۔"

فریدی اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر آگے بڑھ گیا۔ حمید نے پلٹ کر دیکھا وہ آدمی

بھی ان کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ حمید کی طبیعت بے قابو ہو گئی۔ وہ فریدی کے ساتھ جانے کے بجا

جھیل کی طرف مڑ گیا۔ فریدی پختہ فرش کے کنارے پڑی ہوئی میزوں کے قریب ایک بنچ

بیٹھ گیا تھا۔

حمید محسوس کر رہا تھا کہ اس کا تعاقب برابر جاری ہے۔

حمید جھیل کا پورا چکر لگانے کے بعد ایک جگہ رک گیا۔ پھر اس نے اپنی ٹائی کھولی اور اس

پتھر کا ایک ٹکڑا باندھ کر ایک درخت سے لٹکا دیا۔ تعاقب کرنے والا مالتی کی جھاڑیوں میں چھ

گیا تھا۔

حمید پھر فریدی کے پاس لوٹ آیا۔

"کہاں تھے؟" فریدی نے پوچھا۔

"یونہی ٹہل رہا تھا۔"

"وہ لوگ اسے لے گئے۔"

"کسے!"

"پروین کو۔"

"کون لوگ۔"

"پولیس.... پولیس۔" فریدی جھلا کر بولا۔

"کیوں....!"

"اس کے سوٹ کیس سے ایک خون آلود چھری برآمد ہوئی ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا

بولا۔ "لیکن وہ مجھے مجرم نہیں معلوم ہوتی۔"

"آپ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ نظر آرہے ہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"مجھے اس سے ہمدردی ہے۔"

"پہلے کی جان پہچان؟" حمید نے مسکرا کر پوچھا۔

"بکو مت۔"

"لیکن میں اس ہمدردی کی وجہ ضرور پوچھوں گا۔"

فریدی کچھ جواب دیئے بغیر اٹھ گیا۔ حمید سمجھا تھا کہ شاید وہ اس کی باتوں سے اکتا کر اٹھا ہے

لیکن اس کا خیال غلط نکلا۔ فریدی ایک آدمی کے قریب جا کر رک گیا جو ایک سدا بہار درخت کے

قریب کھڑا کچھ سوچ رہا تھا۔ حمید بھی اٹھا۔

"آپ کے پاس دیا سلائی ہو گی۔" فریدی نے اس آدمی سے پوچھا۔ "میرا لائٹر خراب ہو گیا

ہے۔"

اس نے فریدی کو پُر خیال انداز میں گھورتے ہوئے دیا سلائی پکڑا دی۔

"شکریہ۔" فریدی سگار سلگانے لگا۔ پھر سر اٹھا کر دیا سلائی واپس کرتا ہوا بولا۔ "آپ بھی تو

شاید اقبال صاحب کی ڈانسنگ پارٹی کے ایک آرٹسٹ ہیں۔"

"آپ کا خیال درست ہے۔" اس کے لہجے میں اکتاہٹ تھی۔

"میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ وہ لڑکی قاتل نہیں ہو سکتی۔" فریدی نے کہا۔

"جی....!" وہ چونکا۔

"وہ ایک معصوم لڑکی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "یوں تو اُن گدھوں نے ہمارا نام بھی مشتبہ

آدمیوں کی فہرست میں درج کر لیا ہے۔"

"آپ کا!"

"جی ہاں.... ہمارا کمرہ مقتولہ کے کمرے سے ملا ہوا ہے نا۔"

وہ کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"میں بھی یہی سمجھتا ہوں کہ کوئی خواہ مخواہ اپنا جرم اس کے سر تھوپنے کی کوشش کر رہا ہے ہم دونوں ڈھائی بجے سے ساڑھے تین بجے تک ساتھ رہے۔"

"کہاں....!" فریدی نے لاپرواہی سے پوچھا۔

"ستیل ندی کے کنارے جو یہاں سے ایک میل کی دوری پر ہے۔"

"آپ دونوں ساتھ گئے ہوں گے۔"

"نہیں! مجھے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ اس سے اچانک ملاقات ہو جائے گی۔ میں یوں ہی ٹہلتا ہوا اُدھر نکل گیا تھا۔ اتفاقاً وہ بھی ادھر ہی آ نکلی۔"

"ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ پچھلے زینوں سے کیوں اتری تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"چھوڑیئے بھی۔" وہ اکتا کر بولا۔ "میں اس وقت صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ حوالات میں اس کا کیا حال ہوگا۔ احمق لڑکی.... شہرت کے شوق میں اس نے اپنی اچھی خاصی زندگی برباد کر لی۔"

"شہرت کے شوق میں۔" فریدی نے اس کا جملہ دہرایا۔

"وہ آج سے پندرہ دن قبل ایک آفس میں ٹائپسٹ تھی۔ نہ جانے اقبال اُسے کس طرح پھسلا لایا۔"

"اقبال بھی عجیب ہی آدمی ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں نے اسے کبھی ہوش میں نہیں دیکھا۔"

وہ نفرت سے منہ سکوڑ کر رہ گیا۔

"اور آج بھی۔" فریدی پھر بولا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اسے کوئی غم ہی نہ ہو جیسے مقتولہ، بیوی کیا اس کی شناسا بھی نہ رہی ہو۔"

"اس کی وجہ سن کر ایک معمولی آدمی بھی چونک پڑے گا۔" وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "آپ جانتے ہیں کہ ان کی شادی کن حالات میں ہوئی تھی۔"

فریدی نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"خیر ہٹایئے! مجھے کیا؟ پولیس خود ہی سب کچھ معلوم کر لے گی۔ فی الحال پروین کی گرفتار کا یہ مطلب تو نہیں ہو سکتا کہ اسے کل ہی پھانسی دے دی جائے گی۔"

"مگر اس نے پچھلے زینے....!"

"کچھ بھی نہیں۔ سب فضول۔" وہ فریدی کی بات کاٹ کر بولا۔ "ایسے اتفاقات ہوتے ہی رہتے ہیں اور پھر جہاں تک میرے قیافے کا تعلق ہے وہ کوئی بدچلن یا آوارہ لڑکی نہیں ہے۔ اوہ مجھے اب جانا چاہئے۔"

وہ تیز تیز قدم بڑھاتا ہوا عمارت کی طرف چلا گیا۔

فریدی پُر خیال انداز میں حمید کی طرف بڑھ گیا۔

"یہ چغد ایک دوسری الجھن میں مبتلا کر گیا۔" حمید نے کہا۔ "اب کس سے پوچھتے پھریں کہ اس اقبال کے پٹھے کی شادی کن حالات میں ہوئی۔"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بدستور خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔

حمید مدھم سروں میں سیٹی بجاتا ہوا ٹہلنے لگا۔

نیا انکشاف

دوسرے دن صبح حمید جب سو کر اٹھا تو اس نے فریدی کا بستر خالی پایا۔ پہلے تو اس نے کوئی دھیان نہ دیا لیکن جب کافی وقت گذر جانے کے بعد بھی اس کا پتہ نہ چلا تو حمید کی تشویش بڑھ گئی۔ لیکن پھر فوراً ہی خیال آیا کہ وہ ضرور اس نئے حادثے کی چھان بین میں مشغول ہوگا اسے پروین کا حسین اور افسردہ چہرہ یاد آ گیا۔ خود اسے بھی یقین تھا کہ پروین کسی کو قتل نہیں کر سکتی۔

حمید دروازہ کھول کر راہداری میں آیا۔ زینے کے قریب اقبال کھڑا ایک آدمی سے آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہا تھا۔ حمید کو دیکھ کر وہ مسکرایا۔ حمید بھی خواہ مخواہ مسکرانے لگا۔

اس آدمی کو رخصت کرنے کے بعد اقبال آہستہ آہستہ حمید کی طرف بڑھا۔

"آپ نے کل رات اس بوڑھے کو بہت تنگ کیا تھا۔" وہ آہستہ سے بولا۔ اور شراب کی بو حمید کا دماغ پھاڑنے لگی۔ حمید جواباً صرف مسکرا کر رہ گیا۔

"نہیں یہ کم بخت انہیں کو دباتے ہیں، جو ان سے دبتے ہیں۔" اقبال پھر بولا۔

"مس پروین کا کیا ہوا۔ مجھے اس حادثے پر سخت افسوس ہے۔" حمید نے کہا۔

"ہونے والی باتیں اسی طرح ہو جاتی ہیں۔" اقبال نے مضمحل آواز میں کہا۔ "میں نے رشوت دے کر اسے حوالات میں بند ہونے سے تو بچالیا ہے لیکن ان کم بختوں کو نہ جانے کیسے یقین ہو گیا ہے کہ وہی قاتل ہے۔"

"آپ کی دانست میں قاتل کون ہو سکتا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"اب میں اس کے متعلق کیا بتا سکتا ہوں میرے خیال میں تو کوئی اس کا دشمن نہیں تھا۔"

"مجھے حیرت ہے۔" حمید کچھ اور کہتے کہتے رک گیا۔

وہ دراصل دیاوتی کے متعلق کچھ معلومات بہم پہنچانا چاہتا تھا لیکن اس نے سوچا کہ کہیں یہ چیز فریدی ناپسند نہ کرے۔ معلوم نہیں اس نے کون سا نیا طریقہ کار اختیار کیا ہو۔

"سگریٹ۔" اقبال نے سگریٹ کیس نکال کر حمید کی طرف بڑھایا۔

"شکریہ۔" حمید نے سگریٹ لے کر ہونٹوں میں دباتے ہوئے کہا۔ "مجھے انتہائی افسوس ہے کہ ایسے موقع پر جب کہ صحیح معنوں میں آپ کی پارٹی کو اپنے کمالات دکھانے کا....!"

"اوہ! مجھے اس کا غم نہیں۔" اقبال حمید کی بات کاٹ کر بولا۔ "میری زندگی میرا فن ہے۔ ہمارے پروگرام ہوتے رہیں گے مجھے دیاوتی کی موت پر افسوس ہے لیکن اس لئے نہیں کہ وہ میری بیوی تھی محض اس لئے کہ وہ ایک اچھی فنکار تھی اور اپنا جواب نہیں رکھتی تھی۔"

"وہ آپ کی بیوی تھی؟" حمید نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔"

"اور آپ اس کے دشمنوں سے واقف نہیں۔"

"ہماری شادی کو زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا۔"

حمید کچھ اور پوچھنے والا تھا کہ زینوں پر فریدی دکھائی دیا۔ وہ ہلکے سرمئی رنگ کے سوٹ میں ملبوس اوپر کی طرف آرہا تھا۔

"اوہو! آپ سے ملئے۔" حمید نے اقبال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فریدی سے کہا۔ "مسٹر اقبال ڈانسنگ پارٹی کے مالک اور یہ میرے دوست کیپٹن عابد۔"

فریدی نے اکتائے ہوئے انداز میں اس سے مصافحہ کیا۔

حمید سمجھا تھا کہ فریدی اپنے مخصوص انداز میں خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرے لیکن اس کی بے التفاتی دیکھ کر اسے حیرت ہونے لگی۔

اقبال تھوڑی دیر تک کھڑا بیوقوفوں کی طرح مسکراتا رہا۔ پھر دونوں سے دوبارہ ہاتھ ملا کر زینے کی طرف لوٹ گیا۔ فریدی اور حمید اپنے کمرے میں چلے آئے۔

"تو تم نے اس سے جان پہچان پیدا کر لی۔" فریدی اپنی فلٹ ہیٹ میز پر ڈالتا ہوا بولا۔

"جناب والا....!" حمید نے سینے پر ہاتھ رکھ کر قدرے جھکتے ہوئے کہا۔

"اس لڑکی سے بھی جان پہچان پیدا کرنے کی کوشش کرو۔"

"یہ آپ فرما رہے ہیں۔" حمید طنزیہ انداز میں بولا۔

فریدی اسے گھورنے لگا۔

"سرکاری میں آوارہ نہ ہو جاؤں گا؟" حمید نے پھر کہا۔

"فضول باتیں مت کرو۔"

"نہیں نہیں میں شریف کا بچہ ہوں۔"

"خاموش رہو۔"

میں نے عہد کر لیا ہے کہ اب میں کسی عورت سے بات نہ کروں گا۔"

"جہنم میں جاؤ۔"

"آمد و رفت کے اخراجات آپ کے ذمہ۔"

فریدی منہ بناتا ہوا غسل خانے میں چلا گیا۔ واپس آنے کے بعد اس نے ناشتے کے لئے فون کیا۔ اس کے ماتھے پر سلوٹیں ابھری ہوئی تھیں۔ شاید وہ حمید کی موجودگی سے بھی بے خبر ہو گیا تھا۔ حمید خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا لیکن بولنے کی ہمت نہ کر سکا؟ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر اس وقت اس نے اسے چھیڑنے کی کوشش کی تو شامت آجائے گی۔"

تھوڑی دیر بعد ناشتہ آگیا۔ ناشتے کے دوران میں بھی خاموشی ہی رہی۔

کسی نے باہر سے دروازے کو آہستہ آہستہ کھٹکھٹایا۔

"آجاؤ۔" فریدی نے سر اٹھائے بغیر کہا۔

کل والا بوڑھا انسپکٹر داخل ہوا۔

"اوہ آپ۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "تشریف لائیے۔ یہاں تشریف رکھئے چائے ہے۔"

"شکریہ۔" انسپکٹر منہ سکوڑ کر بولا۔ پھر وہ حمید کو گھورنے لگا۔

"یہ ٹائی آپ کی ہے۔" اس نے جیب سے ایک ٹائی نکالتے ہوئے کہا جس کے سرے پتھر کا ٹکڑا بندھا ہوا تھا۔

حمید سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں اس کا مطلب سمجھنا چاہتا ہوں۔" انسپکٹر ٹائی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"اس کا مطلب۔" حمید نے چونک کر کہا۔ "اس کا مطلب شاید میں پاگل خانے سے دور نہ بتا سکوں گا۔"

فریدی حیرت سے ٹائی کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ حمید کے علاوہ کسی اور کی نہیں ہو سکتی حمید نے اسے انگلینڈ میں خریدا تھا سیاہ رنگ کی ٹائی تھی جس پر ریڈیم کے حروف میں me in the Dark uncle اندھیرے میں یہ حروف چمکنے لگتے تھے۔

"یہ تو آپ ہی کی ہے۔" سب انسپکٹر نے پھر پوچھا۔

"سو فیصدی میری ہے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"لیکن اس حرکت کا مطلب۔"

"انگریزی آتی ہے آپ کو۔" حمید نے پوچھا۔

"جی نہیں! بھلا میں انگریزی کیا جانوں۔" بوڑھا طنزیہ انداز میں بولا۔

"اس تحریر کا یہ مطلب ہے۔" حمید اس کے طنزیہ لہجے کو نظر انداز کر کے بولا۔ "مجھے اندھیرے میں پیار کرو۔"

"یعنی۔"

"یعنی یہ کہ میں آپ کو چچا بنا کر چھوڑوں گا۔ میں بھی ملٹری میں کیپٹن رہ چکا ہوں خاص کا محکمہ میرے سپرد تھا۔"

"کیا فضول بکواس لگا رکھی ہے۔" فریدی نے حمید کو ڈانٹا۔ "انسپکٹر صاحب! مجھے بتا

بات ہے؟"

"میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔" انسپکٹر جامے سے باہر ہو کر گرجا۔ "میرے پاس آپ دونوں حضرات کے وارنٹ ہیں۔ میں آپ دونوں کو دیاوتی کے قتل کے سلسلے میں گرفتار کرنے کے لئے آیا ہوں۔"

"اوہ....!" فریدی ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہو گیا اور حمید بے تحاشہ ہنس پڑا۔

"خاموش رہو۔" فریدی نے اسے پھر ڈانٹا۔

"دیاوتی کا معاملہ تو پانچ سو پر ہو گیا تھا۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "ہم سے ایک ہزار لے لیجئے انسپکٹر صاحب۔"

"جلدی کیجئے۔" انسپکٹر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "خود سپرنٹنڈنٹ صاحب نیچے موجود ہیں۔"

"بہت اچھا۔ انہیں یہیں بھیج دیجئے۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"اگر آپ لوگ یہی چاہتے ہیں کہ آپ کے ہتھکڑیاں لگیں تو یہ بھی ہو جائے گا۔" انسپکٹر نے کہا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

"یہ ٹائی اس کے پاس کس طرح پہنچی؟" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

حمید نے اپنی رات والی حرکت دہرا دی۔ فریدی بے اختیار مسکرا پڑا۔

"میرے خیال میں ماتھر صاحب ہی یہاں کے سپرنٹنڈنٹ ہیں۔" حمید نے کہا۔

"ہاں اور میں اس سے ابھی تک نہیں ملا۔" فریدی نے کہا۔ "اسے بڑی شکایت ہو گی۔"

"تو پھر اب کیا ارادہ ہے۔" حمید نے پوچھا۔ "کیا سچ مچ ہتھکڑیاں ہی لگوائیے گا۔"

"کیا ہرج ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ہمیں اپنی شخصیت چھپانی ہے۔"

"لیکن ماتھر صاحب۔"

"میں سب ٹھیک کر لوں گا۔ اگر ہم حوالات میں نہ بھی بند ہوں تو کم از کم ہمیں مشتبہ آدمیوں کی حیثیت سے معہ اعزاز و اکرام کوتوالی تک ضرور جانا چاہئے۔"

تھوڑی دیر بعد کسی نے دروازے کو دھکا دیا۔ یہ ایس۔ پی ماتھر تھا۔ اس کے پیچھے کچھ اور لوگ بھی تھے۔ یہ سب کے سب وردیوں میں تھے۔ فریدی کو دیکھ کر ماتھر کا منہ حیرت سے کھل گیا لیکن قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتا فریدی نے اسے آنکھ ماردی۔ اس کے باوجود بھی ماتھر شاید اس کا

مطلب نہ سمجھ سکا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر آپ لوگ میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔" فریدی غصے کا اظہار کرتا ہوا بولا۔

ماتھر پلٹ کر بوڑھے انسپکٹر کی طرف دیکھنے لگا۔

"تمہارا چال چلن مشتبہ ہے۔" بوڑھا ایک قدم آگے بڑھ کر بولا۔

"تم لوگ نیچے میرا انتظار کرو۔" ماتھر نے اپنے ساتھیوں سے کہا وہ سب چلے گئے۔

"ہاں اب بتاؤ۔" ماتھر نے کہا۔ "تم نے مجھے اطلاع تک نہ دی کہ تم یہاں مقیم ہو۔"

"معاملہ کچھ ایسا ہی تھا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "بیٹھو۔"

"یہ ٹائی کا کیا قصہ تھا۔" ماتھر نے پوچھا۔

"حمید کی شرارت! تمہارے انسپکٹر نے ہماری نگرانی شروع کر دی تھی۔"

"خیر مارو گولی۔" ماتھر نے فریدی کے سگار کیس سے سگار نکالتے ہوئے کہا۔ "جب میں یہاں موجود ہوں تو تمہیں ہوٹل میں ٹھہرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"تم نہیں دیکھتے کہ ہم نے اپنے نام بدل رکھے ہیں۔" فریدی نے بات بنائی۔

"کوئی خاص معاملہ۔"

"ہاں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیکن ہماری اصلیت کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے۔"

"رام سنگھ تمہیں پریشان کر ڈالے گا۔"

"کون رام سنگھ۔"

"یہی بوڑھا.... بہت ضدی آدمی ہے۔"

"اس کی فکر نہ کرو۔ اس پر تم یہی ظاہر کرنا کہ تم بھی مجھ پر شبہ رکھتے ہو لیکن کسی وجہ سے حراست میں نہیں لے سکتے۔"

"آخر کیوں بھئی۔"

"بس یونہی۔"

"خیر ہٹاؤ! اس قتل سے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔"

"معاملہ پیچیدہ ہے۔"

"چھری تو اس لڑکی کے سوٹ کیس سے برآمد ہوئی ہے۔"

"تو اس سے کیا ہوتا ہے ممکن ہے کسی نے اسے پھنسانے کے لئے ایسا کیا ہو۔"

"لیکن اس کا مشکوک رویہ وہ پچھلے زینوں سے کیوں اتری تھی اور گھبرائی ہوئی کیوں تھی۔"

"وجہ بھی تو بتا دی تھی اُس نے۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"اور تم نے اس پر یقین کر لیا۔ ناچنے والیاں اتنی شریف نہیں ہوتیں۔"

"نہ ہوتی ہوں گی۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "لیکن وہ اس ماحول میں نئی ہے۔ اس لئے بلیچاہٹ لازمی ہے اور پھر اقبال یوں بھی نشے میں رہتا ہے۔"

"خیر یوں تو اقبال بھی مشتبہ آدمیوں کی فہرست میں موجود ہے۔" ماتھر نے کہا۔

"ہونے کو تو ہم لوگ بھی ہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"نہیں بھائی یہ بات نہیں ہے! معاملہ واقعی پیچیدہ ہے۔"

"پروین نے اپنے بیان میں یہ بھی کہا تھا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کہ دیاوتی اس وقت کسی کا انتظار کر رہی تھی اور جس حال میں اس کی لاش پائی گئی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس کا وہ انتظار کر رہی تھی وہ یا تو اس کا شوہر ہو سکتا ہے یا کوئی اور جس سے وہ شوہر ہی کی طرح بے تکلف رہی ہو۔"

"یہ تو ٹھیک ہے۔" ماتھر نے کہا۔ "لیکن کیا ممکن نہیں کہ پروین ہی اسے قتل کر کے گئی ہو۔"

"ہو سکتا ہے! لیکن وہ پارٹی کے ایک آرٹسٹ سعید کو ستلج ندی کے کنارے ملی تھی۔ سعید کا بیان ہے کہ اس کے انداز سے کسی قسم کی بے اطمینانی یا بے چینی نہیں ظاہر ہو رہی تھی۔"

ماتھر نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"اقبال نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے کہ وہ نیچے پروین کا انتظار کر رہا تھا۔" فریدی بولا۔

"تو پھر کیا اقبال ہی کو قاتل سمجھا جائے۔" ماتھر نے کہا۔

"وثوق کے ساتھ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں؟"

"کیا تم نے بارٹنڈر کے بیان پر غور نہیں کیا۔ اس کا کہنا ہے کہ اقبال ڈھائی بجے سے ساڑھے

تین بجے تک بار میں بیٹھا بیئر پیتا رہا تھا۔"

"ٹھیک تو ہے۔" ماتھر نے کہا۔ "ڈاکٹر کا بیان ہے کہ قتل دو اور تین کے درمیان ہوا۔ اقبال پروین کی تلاش میں اوپر ضرور گیا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے دیاوتی کو کسی اور کے اس حالت میں دیکھ کر اسے قتل کر دیا ہو۔"

"اگر یہ بات ہوتی تو وہ دوسرا آدمی اب تک خود کو ضرور ظاہر کر دیتا۔" فریدی نے کہا۔

"ممکن ہے اس نے اپنی بدنامی کے خیال سے ایسا نہ کیا ہو۔" ماتھر نے کہا۔

"بدنامی سے زیادہ اسے اپنی جان جانے کا خوف ہونا چاہئے۔ بھلا اقبال اسے کب چھوڑتا۔ فرض کرو وہ موقع پر بھاگ نکلا ہو! لیکن اقبال نے کم از کم اسے پہچان ہی لیا ہوگا۔ ہر صورت میں وہ کبھی نہ کبھی اس پر ضرور حملہ کر سکتا ہے۔"

"اقبال کا تو بیان ہے کہ وہ پھر اوپر گیا ہی نہیں۔" ماتھر نے کہا۔

"اس کا بیان قطعی درست معلوم ہوتا ہے! مجھے پارٹی کے آدمیوں سے معلوم ہوا ہے کہ دیاوتی اس پر بُری طرح حاوی تھی اور خود اسی نے پروین کو اپنے کمرے میں رکھا تھا کہ کہیں وہ اس کے ساتھ رنگ رلیاں نہ منانا شروع کر دے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اقبال پروین کی تلاش میں اوپر جانے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔"

"پھر آخر کون ہے۔" ماتھر اکتا کر بولا۔

"یہ بھی جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔" فریدی نے کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد ماتھر چلا گیا۔

"تو کیا واقعی اقبال کو مجرم نہیں سمجھتے۔" حمید نے کہا۔

"ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا ویسے حالات اس کے خلاف ہیں۔"

"کیا مطلب....؟" حمید چونک کر بولا۔ "کون سے حالات! ابھی تو آپ انہیں حالات تحت اسے بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔"

"فی الحال تو مجھے یہی کرنا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "کل رات جس آدمی سے ہماری گفتگو تھی اس کا نام سعید ہے۔ وہ اس پارٹی میں پیانو بجاتا ہے اور ایک اچھا آرٹسٹ ہے تمہیں یاد ہے کل دوران گفتگو اس نے ایک بات کہی تھی۔ اقبال اور دیاوتی کی شادی کے متعلق۔"

حمید کچھ سوچنے لگا۔

"اوہ....!" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "ہاں یاد ہے.... اس نے کہا تھا کہ یہ کوئی نہیں جانتا کہ ان کی شادی کن حالات میں ہوئی تھی۔"

"ٹھیک۔" فریدی بجھا ہوا سگار ایش ٹرے میں ڈالتا ہوا بولا۔ "میں کل رات سے اب تک اس کے ساتھ رہا ہوں۔"

"رات سے.... لیکن آپ تو....!"

"بظاہر سو گیا تھا؟" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تم جانتے ہو کہ میں اس قسم کے کام تنہا ہی کرتا ہوں۔ بارہ بجے رات کو میں نے کمرہ چھوڑ دیا تھا۔ سعید بار میں بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ بار ٹنڈر اسے چھوڑ دینے کے لئے کہہ رہا تھا لیکن وہ وہیں بیٹھنے پر مصر تھا۔ بارہ بجے کے بعد یہاں شراب کی بکری بند کر دی جاتی ہے۔ میں نے دو بوتلیں خریدی اور اُسے اس کے کمرے میں لے گیا پھر میں نے اُس سے سب کچھ پوچھ لیا لیکن اگر وہ نشے میں نہ ہوتا تو شاید ایک لفظ بھی نہ بتاتا۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ حمید بے چینی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"اقبال ایک بہت زیادہ دولت مند آدمی ہے۔" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ "دیاوتی اس کی کمپنی میں ملازم تھی۔ اقبال شرابی اور حسن پرست ہے۔ ظاہر ہے کہ اس نے دیاوتی سے بھی دلچسپیاں بڑھائی ہوں گی۔ بہر حال معاملہ کچھ بھی رہا ہو ایک دن دیاوتی نے اسے مجبور کیا کہ وہ اس کے ساتھ شادی کر لے۔ اقبال کے انکار پر اس نے عدالتی چارہ جوئی کی دھمکی دی اس نے اُسے بتایا کہ وہ ماں بننے والی ہے۔ سعید کا بیان ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور ان واقعات سے واقف نہیں۔ حتیٰ کہ نسیم بھی نہیں۔"

"نسیم کون؟" حمید نے پوچھا۔

"صرف یہی ایک چیز میں اس سے نہ اگلوا سکا۔ اُس نے اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔ شاید یہ نام ناوا نستگی میں اس کے منہ سے نکل گیا تھا۔ پھر میں نے لاکھ کوشش کی کہ کچھ اور معلوم کر سکوں مگر ممکن نہ ہوا۔ بہر حال اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں کہ تم پروین سے دوستی پیدا کرو۔ یہ کام میں خود بھی کر سکتا ہوں لیکن یہاں میں عورتوں کے معاملے میں شروع سے محتاط رہا ہوں۔ اس لئے لوگوں کو چونکنے کا موقع نہیں دینا چاہتا۔"

دوسری عورت

اسی رات کو رقص گاہ میں رمبا کے لئے ساز بج رہے تھے۔ آج اقبال کی پارٹی کے پر
نہیں ہوئے تھے، خود ہوٹل کے منیجر نے ایک ہفتہ کے لئے انہیں رکوادیا تھا۔

خوش پوش جوڑے رقص کے لئے اٹھ رہے تھے۔ پروین بھی ایک طرف بیٹھی تھی۔
اس سے کسی نے رقص کرنے کی درخواست نہیں کی تھی اور اقبال نشے کی وجہ سے اس قابل
تھا کہ رقص کر سکے! لوگ دراصل پروین سے کترا رہے تھے۔ سب کو علم ہو گیا تھا کہ اس کے
کیس سے خون آلود چھری برآمد ہوئی ہے۔

فریدی اور حمید ایک طرف بیٹھے تھے۔ اس دوران میں حمید نے کئی بار رقص کے لئے ا
کوشش کی لیکن فریدی اسے برابر روکتا رہا۔ اس کی جان پہچان کی کئی لڑکیاں ادھر سے گ
لیکن وہ فریدی کی وجہ سے مجبور تھا۔

"حمید اس سے بہتر اور کوئی موقع ہاتھ نہیں آئے گا۔"

"کیا عبادت کا موقع۔" حمید جھلا کر بولا۔

"کیا بچوں کی سی باتیں کرتے ہو! تم جیسے سعادت مند فرزند کے لئے آوارہ اور
لڑکیاں ٹھیک نہیں۔ میں نے اب تک تمہیں پروین کے لئے روکے رکھا تھا۔"

"اوہ....!" حمید اچھل کر بولا۔ "میں سمجھ رہا تھا کہ شاید آپ مجھے نامحرم عورتوں کے
رقص نہیں کرنے دیں گے۔"

"چلو جلدی کرو۔" فریدی اکتا کر بولا۔

حمید اٹھ کر پروین کے پاس آیا۔ وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"کیا میں آپ سے رقص کی درخواست کر سکتا ہوں۔" حمید قدرے جھک کر آہستہ

"جی.... جی۔" وہ اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکی۔

"میں شکر گزار ہوں گا۔"

پروین کھڑی ہو گئی۔

"لیکن آپ نے اس کی جرأت کس طرح کی۔" پروین نے آہستہ سے کہا وہ دونوں

والوں کی بھیڑ میں آ گئے تھے۔

"اس میں جرأت کی کیا بات ہے۔"

"عموماً آج لوگ مجھ سے کترا رہے ہیں۔"

"لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ کبھی کسی کو قتل نہیں کر سکتیں۔"

پروین حیرت سے حمید کی طرف دیکھنے لگی۔

"شاید آپ کو رمبا اچھی طرح نہیں آتا۔" حمید نے کہا۔ "نہیں.... داہنا.... ٹھیک بایاں
نہیں پھر داہنا.... بایاں.... بایاں.... داہنا.... ٹھیک!.... ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ آپ
قاتل نہیں ہو سکتیں۔ آپ نے بہت بُرا کیا کہ اس پارٹی میں داخل ہوئیں۔ ابھی ہمارے یہاں کا
ماحول اس کے لئے سازگار نہیں۔"

"آپ پولیس والوں سے بھی خائف نہیں۔" پروین نے کہا۔

"میں ملٹری کا آدمی ہوں نا۔"

"کل مجھے انتہائی پریشانی کے عالم میں بھی آپ کی باتوں پر ہنسی آتی تھی۔"

"ابھی میں انہیں اور تنگ کروں گا۔ ان گدھوں نے ہمارا نام بھی مشتبہ آدمیوں کی فہرست
میں لکھ رکھا ہے۔"

"سنا ہے آج وہ آپ لوگوں کو بھی حراست میں لینے کے لئے آئے تھے۔"

"آئے تو تھے لیکن میرے ساتھی نے ان کی کافی حجامت بنائی۔"

"یعنی....!"

"اس سے باتوں میں کوئی نہیں جیت سکتا۔"

"لیکن وہ ناچ کیوں نہیں رہے ہیں۔"

"اسے ان چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ دراصل فلسفی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ناچوں
میں شنکر ناچ سب سے بہتر ہے جس سے جسم میں توانائی آتی ہے۔ رمبا وغیرہ کو وہ مکھی مارنے کے
مترادف سمجھتا ہے اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ وہ عورتوں سے دور بھاگتا ہے۔"

"ٹھیک ہے میں نے انہیں ابھی تک کسی عورت سے بات کرتے نہیں دیکھا۔"

"کہہ تو دیا کہ وہ عورتوں سے اس طرح بھاگتا ہے جیسے شیر بکری سے۔"

پروین بے تحاشہ ہنس پڑی۔

"کیا میں نے کوئی بے وقوفی کی بات کہہ دی ہے۔"

"شیر بھی کہیں بکری سے بھاگتا ہے۔"

"میرا مطلب یہ تھا جیسے بکری شیر سے۔"

پروین خاموش ہوگئی۔ دونوں ناچتے رہے۔

"اقبال بڑا واہیات آدمی معلوم ہوتا ہے۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"ہوں۔"

"میں نے کبھی اُسے ہوش میں نہیں دیکھا۔"

"میں تو اب اپنی زندگی سے بیزار ہوگئی ہوں۔"

"کیوں؟"

"میں ایک دلدل میں آ پھنسی ہوں۔ شہرت اور دولت کی لالچ نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔"

"اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔"

"مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔ اقبال بڑا مکار ثابت ہوا۔ اس نے مجھ سے چھ ماہ کا کنٹریکٹ کیا ہے اگر میں علیحدہ ہوتی ہوں تو مجھ پر دعویٰ دائر کر دے گا۔"

"خیر اس کے لئے بھی کوشش کی جائے گی۔"

"کیسی کوشش۔" پروین چونک کر بولی۔

"سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ آپ قتل کے الزام سے بری ہو جائیں اس کے بعد ہم اس کے لئے بھی کوشش کریں گے۔"

"میں اب کسی پر اعتماد نہیں کر سکتی۔"

"یہ بہت اچھی بات ہے۔ اگر پہلے ہی سے آپ کا یہ رویہ ہوتا تو اس کی نوبت نہ آتی۔"

"آخر آپ کیوں اتنے ہمدرد ہوگئے ہیں۔"

"اس لئے کہ ہم ایک ہی کشتی پر سوار ہیں۔ ہم بھی تو مشتبہ ہیں نا۔"

"مگر آپ کے خلاف ان کے پاس کوئی واضح ثبوت نہیں ہے۔"

"تو جس کے خلاف ان کے پاس واضح ثبوت موجود ہے اس کا وہ کیا بگاڑیں گے۔"

"یعنی۔"

"یعنی یہ کہ اسے ثابت کر دینا کوئی مشکل کام نہیں کہ وہ چھری کسی اور نے آپ کے سوٹ ں میں رکھی تھی۔"

"کیا اب میرے گرد کوئی نیا جال بنایا جانے والا ہے۔" پروین نے کہا۔

"اس کا فیصلہ مستقبل کرے گا۔" حمید مسکرا کر بولا۔

پروین پھر خاموش ہوگئی۔

"دیاوتی اور اقبال کے تعلقات کیسے تھے؟"

"میں ابھی تک اس کا فیصلہ نہیں کر سکی۔ البتہ اتنا جانتی ہوں کہ اقبال اس سے بہت ڈرتا ا۔"

"کیوں؟"

"وہ اس پر چھائی ہوئی تھی۔"

"اس کی وجہ؟"

"وجہ میں نہیں جانتی۔"

"سعید براشریف آدمی ہے۔" حمید نے کہا۔

"کیا آپ اُسے جانتے ہیں؟"

"ہیں جان پہچان ہوئی ہے۔ میں اسے پسند کرتا ہوں۔"

"اچھا آدمی ہے۔" پروین نے کہا۔

"لیکن وہ اقبال کو پسند نہیں کرتا۔"

"اقبال کو پسند ہی کون کرتا ہے۔" پروین بولی۔

"بُرکردار آدمی ہے۔"

"میں یہ بھی نہیں کہہ سکتی۔ ویسے اسے کوئی پسند نہیں کرتا۔"

"اچھا اس دیاوتی سے کسی کی آشنائی تھی۔"

"مجھے نہیں معلوم۔" پروین نے کہا اور حمید کو گھورنے لگی۔ "آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے ز ر۔"

"آپ کو اس دلدل سے نکالنے کے لئے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ آپ مجھ پر اتنے مہربان کیوں ہیں۔"

"شاید آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" حمید نے کہا۔ "شاید آپ یہ سمجھتی ہیں کہ...."

حمید کچھ اور کہنے جارہا تھا کہ ساز بند ہوگئے۔ رقص کرنے والے ادھر اُدھر منتشر ہونے لگے۔ حمید پروین کے ساتھ مالتی کی جھاڑیوں کے قریب والی میزوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا۔ ایک ویٹر کو اشارے سے بلا ہی رہا تھا کہ پروین بولی۔

"واضح رہے کہ میں شراب نہیں پیتی۔"

"لاحول ولا قوۃ! تو یہاں کون فاختہ کا پٹھا پیتا ہے۔"

حمید نے ویٹر کو آئس کریم کا آرڈر دیا۔

پروین اسے پُر خیال انداز میں گھور رہی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ آپ میرے متعلق کوئی غلط رائے قائم کر رہی ہیں۔" حمید مسکرا کر پھر دفعتاً دوسری طرف مڑ کر کہنے لگا۔ "لیجئے نگرانی شروع ہوگئی۔"

"نگرانی۔ کیا مطلب۔" پروین چونک پڑی۔

"رام سنگھ کے آدمی ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔"

"کون رام سنگھ۔"

"وہی بوڑھا انسپکٹر۔"

"اوہ.... تو آپ ہٹ جایئے۔"

"کیوں؟"

"وہ آپ لوگوں کو اور زیادہ تنگ کرے گا۔"

"اچھا فرض کیجئے! اگر میں ہی دیاوتی کا قاتل ہوں تو۔"

"آپ! نہیں.... بھلا.... آپ کیوں؟"

"ناممکن نہیں ہے۔" حمید نے کہا۔ "خیر چھوڑیئے۔ وہ آئس کریم بھی آگئی۔"

دونوں آئس کریم کھانے لگے۔

"دیاوتی تو گانا نہیں جانتی تھی؟" حمید نے پوچھا۔

"نہیں....!"

"آپ بہت اچھا گاتی ہیں۔"

"شکریہ۔"

"آپ سے پہلے بھی تو کوئی مغنیہ ہی ہوگی اس پارٹی میں۔"

پروین بے ساختہ چونک کر حمید کو گھورنے لگی۔

"ہاں تھی تو۔"

"اس نے ملازمت ترک کر دی۔"

"لیکن آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"پھر کہوں گا کہ آپ کو اس دلدل سے نکالنے کے لئے۔"

"آپ کون ہیں؟"

"آپ مجھے نہیں جانتی۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "کیپٹن سلیم۔ ایک یونٹ کے محکمہ سراغ رسانی کا انچارج۔"

"اوہ....!"

"لیکن اس سلسلے میں آپ کو اپنی زبان بند رکھنی ہوگی۔ میں مجرم اور پولیس دونوں کو مغالطے میں رکھ کر اپنا کام کرنا چاہتا ہوں۔"

"تو کیا آپ سچ مچ مجھے بے گناہ سمجھتے ہیں۔" پروین کے لہجے میں کپکپاہٹ تھی۔

"قطعی! اسی لئے تو میں سر مار رہا ہوں۔ آپ سمجھی تھیں، شاید میں بھی آپ کے فن کے پجاریوں میں سے ایک ہوں اور اس طرح آپ سے متعارف ہونا چاہتا ہوں۔ نہیں بے بی میں اتنا ڈریم فول نہیں ہوں۔"

پروین حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"لہٰذا کہنے کا یہ مطلب ہے کہ آپ نے ابھی تک جو بات پولیس سے چھپائی ہے مجھے بتایئے۔"

"میں نے کیا بات چھپائی ہے۔" پروین نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"نسیم....!" حمید نے اندھیرے میں تیر پھینکا۔

"تو آپ سب کچھ جانتے ہیں۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"بیٹھ جاؤ، بیٹھ جاؤ۔" حمید اپنے جوش پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ شاید اندھیرے میں پھینکا ہوا تیر نشانے پر بیٹھا تھا، اس خیال سے اس کا دم گھٹنے لگا کہ اب وہ بھی فریدی پر اپنی کار گزاری کا رعب ڈالے گا۔

"میں آپ کی زبان سے سننا چاہتا ہوں۔" اس نے کہا۔

پروین تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔

"جی ہاں.... وہی مجھ سے پہلے بحیثیت مغنیہ پارٹی میں کام کرتی تھی لیکن وہ واقعہ میرے سامنے نہیں پیش آیا تھا۔"

"کون سا واقعہ؟"

"جب آپ جانتے ہی ہیں تو....!"

"ممکن ہے کوئی بات مجھے نہ بھی معلوم ہو۔" حمید اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"یہ واقعہ پارٹی کے ہر آدمی کو معلوم ہے لیکن..... اپنے عادات واطوار کی بناء پر پارٹی میں اتنی مقبول تھی کہ پولیس کو بیان دیتے وقت کسی نے اس واقعے کا تذکرہ نہیں کیا۔"

حمید پائپ سلگانے لگا۔ پروین تھوڑے توقف کے بعد پھر بولی۔

"نسیم اقبال کو بے حد چاہتی تھی اور اقبال بھی اسے چاہتا تھا، میں آپ سے لوگوں کا خیال بتا رہی ہوں۔ ویسے میں اقبال کے متعلق کوئی اچھی رائے نہیں رکھتی۔ ہاں تو اقبال نے نسیم سے شادی کا وعدہ کیا تھا اور پھر جب ایک دن یہ بات مشہور ہوئی کہ اقبال نے دیاوتی سے شادی کرلی تو نسیم کئی گھنٹے تک پاگلوں کی طرح اول فول بکتی رہی پھر اسی شام کو جب کہ اقبال اور دیاوتی پارٹی کے کچھ آدمیوں کے ساتھ چائے پی رہے تھے نسیم غصے میں بھری ہوئی اندر داخل ہوئی اس کے ہاتھ میں خنجر تھا جس سے اس نے دیاوتی پر حملہ کر دیا لیکن کامیاب نہ ہوئی۔ لوگوں کا بیان ہے کہ وہ اس وقت ہوش میں نہ تھی۔ اسی رات کو سعید اسے لے کر کہیں چلا گیا۔ دوسرے دن واپسی پر اس نے بتایا کہ وہ اسے اس کی ماں کے پاس گاؤں چھوڑ آیا ہے اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ میں ہر بار ہوٹل سے باہر ہی رہی تھی لیکن آخر وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتی تھی۔ میں نے اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا تھا ضرورت بھی کیا تھی۔ میں نے سوچا ممکن ہے دیاوتی اسے گرفتار کرا دینے کی کوشش

کرے جیسا کہ وہ اس واقعے کے بعد بھی کر چکی تھی، لیکن میں نے آج اقبال سے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ کہتا ہے نسیم کو ڈھونڈھ نکالنا بہت ضروری ہے۔ آج بارہ بجے کے بعد ہم دونوں اسے یہاں کے ہوٹلوں اور قیام گاہوں میں تلاش کریں گے۔"

ایک اور قتل

"یہ بھی آپ نے اچھا ہی کیا کہ مجھے اپنا پروگرام بتا دیا۔"

"کیوں....؟"

"اب میں آپ کی حفاظت بھی کر سکوں گا۔" حمید نے کہا۔ "آپ کا یہ فعل غیر دانشمندانہ ہے کہ آپ نے اقبال سے بارہ بجے کے بعد ہوٹل گردی کا وعدہ کر لیا ہے۔"

پروین نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"آپ کے علاوہ بھی کسی اور کو یہاں نسیم کی موجودگی کا علم ہے۔"

"اس کے متعلق میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"

"اچھا ایک اور بات؟ کیا دیاوتی کا رویہ آپ کے ساتھ بھی خراب تھا۔"

"نہیں! لیکن وہ اس بات کی کڑی نگرانی رکھتی تھی کہ میں اقبال کے ساتھ کہیں جانہ پاؤں۔"

"اوہ....!" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن کل اس نے آپ کو کیوں ٹوکا نہیں تھا۔ یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ آپ بغرض تفریح کہیں جا رہی ہیں۔ اس نے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی تھی یا نہیں کہ آپ تنہا جا رہی ہیں یا کوئی اور بھی آپ کے ساتھ جائے گا۔"

"نہیں قطعی نہیں۔"

"حیرت ہے۔"

پروین حمید کو غور سے دیکھنے لگی۔

"کیا آپ اندازہ بتا سکتی ہیں کہ وہ کس کا انتظار کر رہی تھی۔"

"اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتی! آپ پھر بھول رہے ہیں کہ اس پارٹی میں شامل ہوئے

چند ہی روز گزرے ہیں۔"

دونوں خاموش ہو گئے۔ پروین تھوڑی دیر تک بیٹھی رہی پھر اٹھتی ہوئی بولی۔

"اچھا اب میں اجازت چاہوں گی۔"

"بہتر ہے لیکن میرے متعلق اقبال کو بھی کچھ نہ معلوم ہونا چاہئے۔"

"حتی الامکان یہی کوشش کروں گی۔"

"شکریہ۔"

پروین چلی گئی۔ حمید نے ادھر اُدھر دیکھا فریدی کی میز یہاں سے کافی فاصلے پر تھی اور ایک سدا بہار درخت کی اوٹ میں پڑ گئی تھی۔ حمید اٹھ کر اس کی طرف روانہ ہو گیا۔

فریدی کافی کی پیالی سامنے رکھے اونگھ رہا تھا۔

"آج تو میں نے کمال کر دیا۔" حمید بیٹھتا ہوا بولا۔

"کسے حلال کر دیا۔"

"حلال نہیں کمال۔"

"کون کمال۔ کیا احمد کمال۔ مگر وہ تو میرا ہی نام ہے۔"

"سمجھا۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "خیر جناب اس بار میدان میرے ہاتھ رہا۔"

"اچھا....!" فریدی آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "میدان تمہارے ہاتھ رہا۔ گویا میدان نہ ہوا کسی آوارہ لڑکی کا ہاتھ ہو گیا۔"

"تو آپ اس وقت کچھ سننے کے موڈ میں نہیں ہیں۔" حمید اکتا کر بولا۔

"کیوں نہیں! ضرور سنوں گا۔ کچھ بھی سناؤ۔ ٹھمری، دادرا، اساوری، بھیرویں، میاں کی ٹوکری، شیام کلیان، سوہنی حتی کہ قوالی تک سننے کے موڈ میں ہوں۔"

"کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ نسیم کون ہے۔" حمید نے اکڑ کر پوچھا۔

"ہاں کیوں نہیں ایک خوبصورت سی لڑکی۔ اسی پارٹی میں پروین سے پہلے مغنیہ تھی۔"

حمید حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"اور یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ اس کی علیحدگی کس طرح عمل میں آئی تھی۔ نہ وہ دیاوتی پر خنجر سے حملہ کرتی اور نہ اسے اس کے گاؤں پہنچایا جاتا۔"

"تو آپ پہلے سے جانتے ہیں۔" حمید نے جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

"رفتاً اُسے خیال آیا کہ ابھی ایک اطلاع اور باقی ہے۔"

"اور کچھ۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اقبال بارہ بجے کے بعد پروین کو کہاں لے جائے گا۔"

"یہ بھی بہت پرانی اطلاع ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "وہ دونوں آج نسیم کی تلاش میں ملیں گے وہ یہیں کہیں مقیم ہے اور کئی بار پروین سے ملنے کی کوشش کر چکی ہے اور بتاؤں تم بالکل گدھے ہو۔ تم یہ بتائے بغیر پروین سے کچھ نہیں معلوم کر سکے کہ تم کسی خیالی فوجی یونٹ کے محکمہ سراغ رسانی کے انچارج رہ چکے ہو۔ یہ ایک فنی غلطی تھی خیر بہر حال مجموعی حیثیت سے یہ انٹرویو برا نہیں رہا۔ ہاں ایک بہت زیادہ کام کی بات تم نے نہیں پوچھی۔"

حمید حیرت سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا اس کے خاموش ہوتے ہی چونکا۔

"کیا....؟"

"تمہیں یہ معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے تھی کہ آخر سعید ہی کیوں نسیم کو اس کے گاؤں لے گیا تھا۔ ان دونوں کے تعلقات کس قسم کے تھے۔"

"مگر آپ کو یہ سب کیسے معلوم ہوا۔" حمید بے چینی سے بولا۔

"میرے ہمزاد نے بتایا ہے۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "میں کسی جاسوسی ناول کے سراغ رساں کی طرح سب کچھ جانتا ہوں۔"

"بتائیے نا!" حمید اکتا کر بولا۔

"تم خود ہی بتاؤ۔"

حمید فریدی کو گھورنے لگا۔

"سوچو.... سوچو.... ذہن پر زور دو۔"

"چھوڑیئے.... میں خواہ مخواہ دردِ سری کیوں مول لوں۔"

"کوئی خاص بات نہیں تھی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں نے ابھی ابھی یہ ساری باتیں معلوم کی ہیں۔ میں تمہارے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا۔"

"کہاں؟" حمید چونک کر بولا۔

"مالتی کی جھاڑیوں میں۔"

"ہوں۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "بھلا اس کی کیا ضرورت تھی۔"

"ابھی کچے ہو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

"لیکن اگر رام سنگھ کے کسی آدمی نے آپ کو جھاڑیوں میں چھپتے ہوئے دیکھ لیا ہو۔" نے کہا۔

"ممکن ہے دیکھا ہو! اگر ایسا ہوا تو اور بھی اچھا ہے۔"

"کیوں؟"

"اس طرح وہ ہم دونوں کی کڑی نگرانی شروع کر دیں گے۔"

"اس سے فائدہ؟"

"چھوڑو اس بحث کو۔ وہ دیکھو تمہاری چھوکریاں ادھر آ رہی ہیں اب تمہیں چھٹی جا سکتے ہو۔" فریدی نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

حمید فریدی کو گھورتا ہوا اٹھ گیا۔

رقص کی موسیقی پھر شروع ہو گئی تھی۔ لوگ آہستہ آہستہ میزوں سے اُٹھ کر رقص گا طرف جا رہے تھے۔ حمید اپنی جان پہچان والی لڑکیوں میں سے ایک کے ساتھ ناچنے لگا۔ اس طبیعت بدمزہ ہو گئی تھی۔ وہ سمجھا تھا کہ فریدی اس وقت اس کی پیٹھ ٹھونکے گا مگر مایوسی کے ا ہی چھینٹے نے اس کا سارا جوش ٹھنڈا کر دیا۔

فریدی چپ چاپ بیٹھا ناچنے والوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کی نظریں زیادہ تر ڈانسنگ پا کے آرٹسٹوں پر پڑ رہی تھیں۔ اس وقت اقبال اور سعید کے علاوہ سب رقص میں حصہ لے ر تھے اقبال تو نشے میں تھا لیکن سعید نہ جانے کیوں سب سے الگ تھلگ ایک گوشے میں تنہا تھا۔ اس وقت اس نے شراب بھی نہیں پی تھی۔ فریدی کی نظریں شام ہی سے اس پر تھیں۔ کا اندازہ تو اس نے پچھلی ہی رات کو لگا لیا تھا کہ وہ زیادہ پینے کا عادی نہیں ہے۔

فریدی تھوڑی دیر تک بیٹھا کچھ سوچتا رہا پھر اٹھ کر سعید کی میز کی طرف بڑھا۔ سعید دیکھ کر بے ساختہ چونک پڑا۔

"معاف کیجئے گا۔" فریدی بیٹھتا ہوا بولا۔ "میرا خیال ہے کہ شاید پچھلی رات کو میں اپنا سگار لائٹر آپ کے کمرے میں چھوڑ آیا تھا۔"

"مجھے نہیں معلوم! دیکھوں گا۔" اس نے فریدی کو گھورتے ہوئے کہا۔ "رات میری حالت خراب تھی۔ کیا آپ ہی نے مجھے میرے کمرے میں پہنچایا تھا۔"

"جی ہاں۔"

"میں اس تکلیف کی معافی چاہتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں اکثر ایسا ہو جاتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"سعید میز پر نظریں جمائے خاموش بیٹھا تھا۔"

"آپ پیانو بہت اچھا بجاتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"جی۔" وہ چونک کر بولا۔ پھر زبردستی مسکرانے کی کوشش کرنے لگا۔ "بس یونہی ٹوٹا پھوٹا بجا لیتا ہوں۔ ویسے فن تو ایک بحر ذخار ہے۔"

"کچھ بھی ہو! مجھے آپ کی پارٹی کے سارے فنکار باکمال معلوم ہوتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

سعید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموشی سے رقص کرنے والوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ فریدی سگار سلگانے کے بعد پھر اس کی طرف مخاطب ہوا۔

"اس افسوس ناک حادثے کی وجہ سے ہم اتنے اچھے اچھے پروگراموں سے محروم ہو گئے۔" وہ پھر بولا۔

سعید پھر چونک کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

دفعتاً فریدی کی توجہ اس کی طرف سے ہٹ کر رقص کرنے والوں کی طرف مبذول ہو گئی۔ پارٹی والوں میں سے ایک کم ہو گیا تھا اور اقبال بھی اپنی جگہ پر نہیں تھا۔ پھر اس نے حمید کو بھی مجمع سے نکل کر عمارت کی طرف جاتے دیکھا۔

"وہ صاحب جو وائلن بجاتے ہیں ان کا کیا نام ہے۔" فریدی نے پلٹ کر سعید سے پوچھا۔

"وحید.....!"

"وہ بھی اپنے فن کے ماہر ہیں۔ مجھے بھی وائلن سے تھوڑا بہت شوق ہے۔"

سعید پھر اسے گھورنے لگا۔

"معاف کیجئے گا۔" وہ دفعتاً اٹھتا ہوا بولا۔ "مجھے ذرا ایک کام یاد آگیا۔ میں آپ کا سگار لائٹر ضرور تلاش کروں گا۔"

"اوہ! کوئی بات نہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "میں تو یونہی خواہ مخواہ آپ کا وقت برباد کر رہا تھا۔"

"یہ بات نہیں۔" سعید اخلاقاً دانت نکال کر بولا۔ "میں معافی چاہتا ہوں۔"

وہ چلا گیا۔

فریدی کے ہونٹوں پر ایک پُراسرار مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

وہ بھی اٹھ کر ٹیلی فون بوتھ کے قریب آیا۔ تھوڑی دیر تک کھڑا اِدھر اُدھر دیکھتا رہا پھر اندر جا کر ڈائل پر نمبر ملانے لگا۔

"ہیلو! کون بول رہا ہے اوہ ماتھر!.... میں ف بول رہا ہوں۔ پیراڈائیز سے دیکھو، مجھے ابھی اور اسی وقت ایک کار چاہئے.... مگر وہ تمہاری نہ ہو.... یہاں بھجوادو.... ڈرائیور سے کہہ دو کہ کار یہاں چھوڑ کر واپس جائے.... پہچان کے لئے مجھے کار کا نمبر بتادو۔ ہاں.... ہاں.... کیا.... تین سو سات.... بھئی پھر کہو میں نے سنا نہیں۔ تین سو ساٹھ.... اچھا شکریہ.... صبح تک کار واپس بھجوادی جائے گی۔" فریدی ریسیور رکھ کر باہر نکل آیا۔

رقص گاہ میں حمید سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ وہ تنہا تھا اور ایک میز پر ہاتھ ٹیکے کھڑا کچھ سوچ رہا تھا۔ فریدی کو دیکھتے ہی وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"ایک دلچسپ اطلاع۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "میں نے اس وقت ایک ایسا منظر دیکھا ہے کہ اگر الجھن کا مریض ہوتا تو میرا ہارٹ فیل ہو جانا یقینی تھا۔"

"ہوں؟" فریدی نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"وہ جو وائلن بجاتا ہے نا....!"

"وحید؟"

"ہاں.... وہی! اقبال اس وقت اس کا تعاقب کر رہا تھا اور سعید اقبال کا اور لطف یہ ہے کہ وہ تینوں اس سے بے خبر تھے کہ ان کا تعاقب کیا جا رہا ہے اور پھر آخری آدمی یعنی میں نے یہ دیکھا کہ

تینوں اپنے اپنے کمروں میں بند ہو گئے۔"

"پروین بھی کہیں دکھائی دی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"پروین پر خاص طور سے نظر رکھنا۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں؟"

"پھر تم نے مجھ سے سوالات کرنے شروع کئے۔" فریدی بگڑ کر بولا۔ "جو میں کہوں وہ کرو۔"

"آپ مجھ سے کہئے کہ سر کے بل کھڑے ہو جاؤ تو کیا سچ مچ سر کے بل کھڑا ہو جاؤں گا۔"

"فضول بکواس کا وقت نہیں جاؤ۔"

اسی رات کے بارہ بجے دو کاریں پہاڑیوں میں چکرانے والی سنسان سڑکوں پر فراٹے بھر رہی تھیں۔ اگلی کار کی ہیڈ لائیٹس روشن تھیں لیکن پچھلی کار کی ساری روشنیاں گل کر دی گئی تھیں۔ وہ دونوں کاریں اسی طرح آگے پیچھے چلتی رہیں۔ اگلی کی رفتار سست ہوتے ہی پچھلی کار روک دی جاتی۔ اگلی کار رام گڈھ کے متعدد ہوٹلوں کے سامنے رک چکی تھی۔ اگلی کار میں اقبال اور پروین تھے اور دوسری میں فریدی اور حمید! اقبال اور پروین نے اب تک کئی ہوٹل دیکھ ڈالے تھے۔

اب ان کی کار بالی کیمپ کی طرف جا رہی تھی۔ یہاں بھی وہ ایک چھوٹے سے ہوٹل کے سامنے پہنچ کر رکے یہاں قرب و جوار میں دو ایک چھوٹے موٹے کارخانے تھے جہاں رات میں بھی کام ہوتا تھا اس لئے یہ ہوٹل رات بھر کھلا رہتا تھا۔ پروین اور اقبال اتر کر اندر چلے گئے۔ فریدی نے اپنی کار دور درختوں کے نیچے کھڑی کر دی تھی اور وہ بھی اتر کر ہوٹل کی طرف بڑھے انہوں نے لمبا سفر کرنے والے سیاحوں کا حلیہ بنا رکھا تھا۔ ان کے کوٹ میلے تھے اور پتلونوں کی کریز غائب تھی۔ بالوں پر گرد جمی ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنے چہروں میں بھی تھوڑی سی تبدیلی کی تھی اور آسانی سے پہچانے نہیں جا سکتے تھے جس وقت وہ ہوٹل میں داخل ہوئے انہوں نے کاؤنٹر پر بیٹھی ہوئی ایک بوڑھی عورت کو اقبال اور پروین سے گفتگو کرتے دیکھا۔ وہ چپ چاپ ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ اقبال ہوٹل کے رجسٹر پر جھکا ہوا تھا۔ دفعتاً وہ چونک کر پروین کی طرف مڑا۔

"یہ دستخط اسی کے ہیں۔"

فریدی نے اطمینان کا سانس لیا اور بوڑھی عورت کو مخاطب کر کے کافی کا آرڈر دیتا ہوا سلگانے لگا۔ پروین اور اقبال نے بھی انہیں دیکھا لیکن کوئی اہمیت نہ دی اور پھر دونوں رجسٹر جھک گئے۔

"مگر یہ ابھی تک واپس نہیں آئی۔" بوڑھی نے اقبال سے کہا۔

"کوئی بات نہیں، ہم انتظار کریں گے۔" اقبال نے کہا اور پروین سمیت ایک میز کے قر بیٹھ گیا۔

اقبال تھوڑی دیر تک بیٹھا اونگھتا رہا پھر اچانک پروین سے بولا۔

"وہ میری کار پہچانتی ہے! کیوں نہ میں کار کو اندھیرے میں کھڑی کر آؤں.... ہو سکتا وہ میری کار پہچان کر واپس چلی جائے۔"

پروین نے سر ہلا دیا۔ اقبال کے چلے جانے کے بعد اس نے میز پر ٹھوڑی ٹیک کر آنکھیں کر لیں اور حمید کرسی پر پہلو بدلنے لگا۔

"اوہ.... ذرا دیکھئے.... خدا کی قسم وہ بچوں کی طرح معصوم دکھائی دیتی ہے۔"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا وہ خاموشی سے کافی پی رہا تھا۔

آدھا گھنٹہ گذر گیا لیکن اقبال واپس نہ آیا۔ پروین بے چینی سے کرسی پر پہلو بدل رہی اس کی نگاہیں بار بار دیوار سے لگی ہوئی گھڑی کی طرف اٹھ رہی تھی۔ پندرہ منٹ اور گذر دفعتاً اقبال کچھ گھبرایا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس نے دروازے ہی سے پروین کو اشارے سے پروین اٹھ کر اس کی طرف بڑھی اور وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل گیا۔ بوڑھی حیرت سے طرف دیکھنے لگی۔

فریدی نے بھی اٹھ کر بل ادا کیا اور دونوں باہر نکل آئے۔ درختوں کے نیچے اقبا اسٹارٹ کرنے کی کوشش کر رہا تھا پھر وہ گالیاں بکتا ہوا نیچے اتر آیا۔

"تم اسٹیئرنگ لو میں دھکا دیتا ہوں۔" اس نے پروین سے کہا۔ "اس کم بخت کو بھی اسی خراب ہونا تھا۔"

اس نے کار کو دھکا دینا شروع کیا۔ لیکن یہ اکیلے اس کے بس کی بات نہ تھی۔

آخر وہ تھک ہار کر پائیدان پر بیٹھ گیا۔

"میں چاہتا تھا کہ تمہیں ہوٹل پہنچا کر پھر واپس آجاؤں۔ میں نہیں چاہتا کہ پولیس اس فیج پر تمہیں میرے ساتھ دیکھے۔"

"لیکن اسے کس نے قتل کیا؟" پروین اندر سے بولی۔ "آپ اب تک کہاں تھے؟"

"اوہ! یہ نہ پوچھو! اس کی لاش ادھر چٹانوں میں پڑی ہوئی ہے۔" وہ ایک طرف اشارہ کر کے "کسی نے اس کا پیٹ پھاڑ دیا ہے۔ اُف میرے خدا! ہائے کیسی کیسی حسینائیں قتل ہو رہی اوہ بے بی۔ میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

"لیکن آپ اُدھر کیا کرنے گئے تھے۔" پروین نے پوچھا۔

"میں نے چیخ سنی تھی! مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ نسیم کی چیخ ہے۔ میں اُدھر بھاگا مگر.... ...یا خدا وہ منظر میرے ذہن سے محو کر دے.... بے بی پھر اسٹارٹ کرو، میرا دم گھٹ رہا "

پروین نے کار اسٹارٹ کی اس بار انجن اسٹارٹ ہو گیا۔

"شکر ہے۔" اقبال نے اٹھتے ہوئے کہا، پروین دوسری طرف سرک گئی اور اقبال نے ئرنگ سنبھال لیا۔ کار چل دی۔

تھوڑی دیر چٹانوں میں بھٹکنے کے بعد فریدی اور حمید سچ مچ ایک لاش تک پہنچ گئے۔ یہ ایک معمولی طور پر حسین اور نوجوان عورت تھی۔ کسی بیرحم نے اس کا پیٹ چاک کر دیا تھا۔ اس پھٹے ہوئے لباس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کافی جدوجہد کے بعد قتل کی گئی ہے۔ فریدی ں پر جھک گیا۔ حمید کے ماتھے سے پسینے کی دھاریں پھوٹ نکلی تھیں، جنہیں وہ بار بار رومال سے ک کرتا جا رہا تھا۔

ہیروں کا ہار

دوسرے دن صبح ہوٹل میں پولیس موجود تھی۔ فریدی اور حمید اپنے کمرے میں تھے۔ دفعتاً ئنڈنٹ ماتھر نے دروازے پر دستک دی۔ حمید نے دروازہ کھول دیا۔

"لو بھئی ایک اور قتل۔" ماتھر بیٹھتا ہوا بولا۔

"کیا یہاں؟" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں.... بالی کیمپ کے قریب! لیکن مقتولہ کا تعلق بھی اقبال سے ہے۔"

"یعنی۔"

"اوہ....!"

"کسی نے رات کو بالی کیمپ سے اس قتل کی اطلاع فون سے دی تھی۔"

"کس نے؟"

"کسی نامعلوم آدمی نے؟"

"اچھا! فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔"

"نسیم کے کچھ کاغذات کے ذریعے معلوم ہوا کہ وہ اسی پارٹی میں ملازم تھی۔" ماتھر نے

"وہ بالی کیمپ کے کیمپ ریفر شو میں ٹھہری ہوئی تھی۔ ہوٹل کی مالکہ کا بیان ہے کہ کل را
ایک بجے کے بعد ایک عورت اور ایک مرد اس کی تلاش میں آئے تھے۔"

"تو ان دونوں کا پتہ چلا۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں.... ابھی تک نہیں چل سکا۔" ماتھر بولا۔ "رات سے اب تک جاگ رہا ہ
تقریباً چھ ماہ سے رام گڈھ میں اس قسم کے جرائم نہیں ہو رہے تھے۔ ریکارڈ اچھا خاصہ تو
جانے یک بیک کیا ہو گیا اور ہاں ایک نئی بات سنو۔ ایک بار اس نسیم نے دیاوتی پر قاتلانہ حم
تھا۔"

"کیا....؟" حمید نے حیرت ظاہر کی۔

"پارٹی کے دوسرے آدمی سے یہ بات پوچھ گچھ کے دوران میں معلوم ہوئی اور پھر سب
اس کی تصدیق کر دی۔ ذرا سوچو تو کہ یہ کتنی اہم بات تھی۔ اسے تو پہلے ہی معلوم ہونا چاہئے
"قطعی۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "لیکن یہ بات کس نے بتائی۔"

"وحید نے۔ جو پارٹی میں وائلن بجاتا ہے۔"

فریدی نے حمید کی طرف دیکھا، جو حیرت سے ماتھر کو دیکھ رہا تھا۔

"اس کیس نے سچ مچ دماغ چکرا دیا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ نسیم اقبال سے شادی
چاہتی تھی۔ خود اقبال نے اس کا اعتراف کر لیا ہے۔ اچانک دیاوتی درمیان میں آجاتی ہے۔"

"تو کیا اقبال بھی نسیم کو چاہتا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"کمال کر دیا۔ اگر وہ اسے چاہتا ہی ہوتا تو دیاوتی سے کیوں شادی کر لیتا۔" ماتھر مسکرا کر بولا۔

فریدی بھی مسکرانے لگا۔ "وہ سوچ رہا تھا کہ ان سب باتوں کے معلوم ہو جانے کے باوجود بھی پولیس کو دیاوتی اور اقبال کی شادی کے متعلق صحیح معلومات کیوں نہیں۔"

"دوسری حیرت انگیز بات۔" ماتھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "پارٹی والے کہتے ہیں کہ نسیم شادی شدہ نہیں تھی۔"

"کیا مطلب....!" فریدی چونک کر بولا۔

"لیکن وہ شادی شدہ تھی۔" ماتھر نے اپنی جیبوں کو ٹٹولتے ہوئے کہا۔ "یہ رہا اس کی شادی کا سرٹیفکیٹ۔"

ماتھر نے ایک لفافہ فریدی کے سامنے ڈال دیا۔ فریدی دیر تک لفافے کے اندر کے کاغذات کا جائزہ لیتا رہا۔

"یہ تمہیں ملا کہاں سے۔" فریدی نے پوچھا۔

"مقتولہ کے سوٹ کیس سے۔"

"ابھی یہ بات پولیس کے علاوہ کسی اور پر تو ظاہر نہیں ہوئی۔"

"نہیں۔"

"ٹھیک! اچھا تو دیکھو! ابھی اس کا تذکرہ کسی سے مت کرنا۔"

"اوہ تو کیا تم....!" ماتھر اچھل کر بولا۔

"ہاں ہاں میں کل رات کو جھک نہیں مارتا پھرا۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"یعنی....!"

"ابھی کچھ نہیں بتا سکتا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "پارٹی کے ہر آدمی پر پابندی لگا دو کہ وہ بغیر اجازت ہوٹل کی عمارت کے باہر قدم نہ نکالے۔"

"وہ تو میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔" ماتھر نے کہا۔ "لاش دستیاب ہونے اور مقتولہ کی شناخت ہونے کے بعد ہی سے ان پر یہ پابندی لگا دی گئی ہے۔"

"اچھا تو اب ایک کام کرو۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ان سب کو ایک جگہ بلاؤ انہیں کے

ساتھ ان لوگوں کو بھی بلاؤ جن پر دیاوتی کے سلسلے میں شبہ کیا جاچکا ہے۔ یعنی ہمیں.... ہم سے دو چار الٹے سیدھے سوالات کرنے کے بعد نسیم کی پُر اسرار شادی کا تذکرہ چھیڑ دینا۔ بس پھر میں دیکھ لوں گا۔"

فریدی بولتے بولتے یک لخت خاموش ہوگیا اس کے ماتھے پر ابھری ہوئی سلوٹیں اور سلگتی ہوئی آنکھیں چیخ چیخ کر کہہ رہی تھیں کہ وہ اس دوران میں کسی خاص نتیجے پر پہنچا ہے۔

"بس اب جاؤ۔" اس نے ماتھر کی طرف مڑ کر کہا۔ "کافی احتیاط کی ضرورت ہے۔ ان کے سامنے گفتگو کرتے وقت یہ قطعی بھول جانا کہ میں تمہارا دوست ہوں یا تم مجھے جانتے ہو۔"

ماتھر معنی خیز انداز میں سر ہلاتا ہوا چلا گیا۔

"لو بیٹے حمید صاحب! ایک نئی بات۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "نسیم شادی شدہ تھی اور اس کے باوجود بھی اقبال سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ شادی کا سرٹیفکیٹ روپ نگر کے مجسٹریٹ کا تھا۔ شوہر کا نام جاوید افغان تھا۔"

"کیا وہ سرٹیفکیٹ اقبال اور دیاوتی کی شادی سے پہلے کا ہے۔" حمید نے کہا۔

"قطعی۔" ایک ہفتہ قبل کا اور اس نے دیاوتی پر قاتلانہ حملہ ان کی شادی کے بعد کیا تھا۔

"تو پھر....!"

"اس سے تو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس حملے کی وجہ رقابت رہی ہو۔"

"پھر....!"

"یہی تو دیکھنا ہے۔"

"لیکن ماتھر کو اس قسم کی ہدایات کیوں دی ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"دیکھتے جاؤ۔" فریدی آہستہ سے بولا اور اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

حمید بھی کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بولا۔

"بے چاری پروین کا کیا ہوگا؟"

فریدی اُسے پُر خیال انداز میں دیکھتا ہوا بیٹھ گیا۔

دفعتاً دروازے پر کسی نے دستک دی۔ یہ ایک پولیس کانسٹیبل جو سپرنٹنڈنٹ ماتھر کے حکم کے مطابق ان دونوں کو بلانے کے لئے آیا تھا۔

"تمہارے انسپکٹر رام سنگھ کہاں ہیں۔"

"باہی کیمپ۔"

"کیمپ ریفر شو میں۔"

"ہاں۔"

"اچھا تو تم چلو۔"

فریدی اور حمید نیچے اتر کر ہال میں جانے کے بجائے باہر چلے گئے۔ فریدی تیز تیز قدموں سے ٹیلی فون بوتھ کی طرف جا رہا تھا۔

"تم یہیں ٹھہرو۔" اس نے حمید سے کہا اور بوتھ کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔

"ہیلو....!" اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "اوہ اچھا، رام سنگھ کو فون پر بلاؤ۔ رام سنگھ! میں ماتھر بول رہا ہوں۔ ہوٹل کی مالکہ کو لے کر فوراً آؤ! پیراڈائیز میں۔"

حمید حیرت سے اس کی آواز سن رہا تھا لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی اس وقت کسی قسم کی وضاحت کے موڈ میں نہیں ہے۔

دونوں اس کمرے میں داخل ہوئے جہاں ڈانسنگ پارٹی کے سارے افراد اکٹھا تھے۔ اقبال اور پروین ضرورت سے زیادہ سست اور لاغر نظر آ رہے تھے۔ ماتھر نے فریدی اور حمید کو گھور کر دیکھا۔

"آپ لوگ کانسٹیبل کے ساتھ ہی کیوں نہیں آئے۔" ماتھر نے پوچھا۔

"مجھے افسوس ہے۔" فریدی قدرے جھک کر بولا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ ماتھر اسے احمقوں کی طرح گھور رہا تھا۔

حمید کے پیٹ میں لڈو پھوٹ رہے تھے۔ نہ جانے اس نے کس طرح اپنی ہنسی ضبط کر رکھی تھی۔ ماتھر اس وقت اس دنیا کا احمق ترین آدمی معلوم ہو رہا تھا۔ اتنا تجربہ کار ہونے کے باوجود بھی وہ اجنبیت کی ایکٹنگ نہیں کر سکتا تھا۔ فریدی الگ بور ہو رہا تھا۔ اسے خوف تھا کہ کہیں اس کی ساری اسکیم ہی چوپٹ نہ ہو جائے۔

دفعتاً ایک سب انسپکٹر کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے ماتھر کے ہاتھ میں کوئی چیز دیتے ہوئے آہستہ آہستہ کچھ کہنا شروع کیا۔ ماتھر کی پیشانی پر سلوٹیں ابھری آ رہی تھیں۔ پھر اس نے سر کے

اشارے سے سب انسپکٹر کو وہاں سے ہٹا دیا۔ ماتھر کی ہتھیلی پر سونے کا ایک چھوٹا سا پھول تھا جو کے درمیان ایک ہیرا جگمگا رہا تھا۔

"اوہ....!" اقبال بے اختیارانہ اچھل پڑا۔

"کیوں؟ کیا اسے پہچانتے ہو۔" ماتھر نے کڑے لہجے میں پوچھا۔

"کیوں نہیں.... یہ دیاوتی کے ہار کا معلوم ہوتا ہے۔"

"لیکن جانتے ہو یہ کہاں ملا ہے؟" ماتھر نے پوچھا۔

اقبال اسے احمقوں کی طرح گھورنے لگا۔

"یہ نسیم کی داہنی مٹھی میں جکڑا ہوا تھا اور ابھی پوسٹ مارٹم کے وقت نکالا گیا ہے۔!"

"اوہ.... لیکن.... لیکن۔" اقبال خوفزدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

دفعتاً فریدی کی نظریں ایک آدمی کی طرف اٹھیں، جو حیرت سے آنکھیں پھاڑے خلا میں گھور رہا تھا۔

"میں نہیں جانتا کہ وہ اس کے ہاتھوں میں کیونکر پہنچا۔" اقبال آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا یہ تمہارا خریدا ہوا تھا؟" ماتھر نے پوچھا۔

"نہیں.... میں نہیں جانتا کہ وہ اسے کہاں سے ملا تھا لیکن وہ اکثر اسے پہنا کرتی تھی۔"

"ضروری ہے کہ یہ دیاوتی ہی کا ہو۔"

"میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں۔ لیکن وہ ہار اس کے زیورات میں موجود نہیں ہے۔"

"تو اس کی اطلاع پولیس کو پہلے ہی کیوں نہیں دی گئی۔" ماتھر کڑک کر بولا۔

"ممکن ہے وہ اسی ہار کے لئے قتل کی گئی ہو۔" آپ کے خلاف فی الحال دو چارج ہیں۔ ا
تو یہ کہ آپ نے پولیس کو اس سے بے خبر رکھا کہ دیاوتی پر اس سے قبل بھی ایک بار قاتلانہ
ہو چکا ہے۔ دوسرا ہار کی گمشدگی کو چھپانا۔"

ماتھر تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر سب آدمیوں کو مخاطب کر کے بولا۔ "کیا آپ
سے کوئی یہاں نسیم کی موجودگی سے باخبر تھا۔"

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن پروین کے ہونٹ مضطربانہ انداز میں ہل رہے تھے۔

"تم کچھ کہنا چاہتی ہو؟" ماتھر نے اس کی طرف مڑ کر پوچھا۔

"میں جانتی تھی۔"

"تو پھر اسے اب تک چھپایا کیوں؟"

"میں کیا کر سکتی تھی۔ اس کے متعلق ساری باتیں میں نے سنی تھیں۔ یہاں وہ لوگ بھی موجود ہیں جنہوں نے اسے دیاوتی پر حملہ کرتے دیکھا تھا جب انہوں نے کچھ نہیں بتایا تو۔"

"مگر یہ تمہارا فرض تھا۔" ماتھر کا لہجہ قدرے نرم تھا۔ "لیکن تمہیں اس کی موجودگی کا علم کیونکر ہوا تھا۔ تم پہلے بتا چکی ہو کہ تم اسے پہچانتی نہیں تھی۔"

"وہ مجھ سے ملنا چاہتی تھی۔ وہ جب بھی یہاں آئی اتفاق سے میں نہ ملی۔ اس کے متعلق اسی نے مجھے فون پر بتایا تھا جس دن دیاوتی قتل ہوئی ہے اسی شام کے لئے اس نے مجھے شارداپارک میں ملنے کی دعوت دی تھی۔"

"لیکن وہ تم سے کیوں ملنا چاہتی تھی۔"

"یہ اس نے نہیں بتایا تھا۔"

"تمہیں اس کی موجودگی کا علم تھا۔" ماتھر نے اقبال سے پوچھا۔

"پروین ہی نے مجھے دیاوتی کے قتل کے بعد بتایا تھا۔" اقبال نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"اور اس پر بھی...." ماتھر پھر گرجا لیکن اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ کیونکہ وہ اچانک رام سنگھ کی طرف مخاطب ہو گیا، جو دروازے میں کھڑا کھانس رہا تھا۔

"حضور وہ آ گئی ہے۔" رام سنگھ نے کہا۔

"کون! کیا مطلب۔"

"مسز بولڈو۔"

"کیوں؟ کیا میں نے اسے بلایا تھا؟" ماتھر کے لہجے میں حیرت تھی۔

"حضور نے ابھی فون پر۔"

"میں نے۔" دفعتاً ماتھر کی نظریں فریدی کی طرف اٹھ گئیں، جو اپنے مخصوص انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"بلاؤ.... بلاؤ اسے۔" ماتھر گڑگڑا کر بولا۔

ہوٹل کی مالکہ کمرے میں داخل ہوئی وہ کچھ خائف سی نظر آ رہی تھی جیسے ہی اس کی نظریں

پروین اور اقبال پر پڑیں اس کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔

"یہی دونوں تھے۔" اس نے ان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"کیا....؟" ماتھر بیتابانہ انداز میں بولا۔

"یہی دونوں کل رات کو مقتولہ کی تلاش میں تھے۔"

"تیسرا چارج۔" ماتھر گرج کر بولا۔

اقبال اور پروین کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اقبال آنکھیں بند کر کے کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

"معاملہ صاف ہو گیا۔" ماتھر حاضرین پر فاتحانہ انداز میں نظریں ڈالتا ہوا غرایا۔ "ہیرو ل کے ہار کے لئے نسیم نے دیاوتی کو قتل کیا اور نسیم کو کوئی قتل کر کے اس سے وہ ہار لے گیا۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ کون ہے۔"

اس نے پھر خاموش ہو کر چاروں طرف نظریں دوڑائیں سب کے منہ فق ہو رہے تھے۔

"میں جانتا ہوں! وہ کون ہے۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر اقبال کی طرف ڈرامائی انداز میں اشارہ کر کے چیخا۔ "وہ تم ہو! اور تم.... لڑکی۔ میں تم سے کہہ رہا ہوں تم اس سازش میں برابر کی شریک تھی۔"

پروین کے چہرے پر زردی چھا گئی۔ اس نے بے بسی سے حمید کی طرف دیکھا جو دل ہی دل میں فریدی پر تاؤ کھا رہا تھا۔

"اور....!" ماتھر مکارانہ انداز میں مسکرا کر بولا۔ "مجھے ایک سوال کا جواب چاہئے۔"

لوگ مستفسرانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا نسیم شادی شدہ تھی۔" ماتھر نے کڑک کر پوچھا۔

"ہرگز نہیں.... ہرگز نہیں۔" کئی آوازیں آئیں۔

"وہ شادی شدہ تھی۔" ماتھر پھر ڈرامائی انداز میں مسکرایا۔

انتہائی پریشانیوں کے باوجود بھی اقبال اور پروین کی آنکھیں متحیرانہ انداز میں اپنے حلقوں سے ابل پڑیں۔

"وہ جاوید کی بیوی تھی۔" ماتھر کے منہ سے جملہ نکلتے ہی فریدی کی تیز نظریں مجمع پر دوڑتی

چلی گئیں اور پھر دفعتاً وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"کیوں؟" ماتھر متحیر آمیز لہجے میں بولا۔

"جاوید افغان میں ہی ہوں۔" فریدی بھرائی ہوئی آواز میں رک رک کر بولا۔

پُر اسرار شوہر

اچانک ایک وحشیانہ قہقہہ سنائی دیا۔ اتنا وحشت خیز کہ سننے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ پارٹی پیانسٹ سعید بے تحاشہ ہنس رہا تھا اور پھر ایک جھٹکے کے ساتھ اس کی گردن کرسی کی پشت سے جا لگی۔ اس کی سرخ سرخ آنکھیں حلقوں سے ابھری پڑ رہی تھیں۔ سارے چہرے پر عجیب سی تشنجی کیفیت طاری تھی۔ دفعتاً وہ چیخنے لگا۔ "تم جاوید افغان ہو مکار.... فریبی.... قاتل.... سازشی.... میرا سب کچھ برباد ہو گیا۔ میں ایک ایک کو چن چن کر قتل کروں گا۔ جھوٹے تم جاوید افغان ہو۔ میرے منہ پر یہ جرأت۔"

اور پھر وہ چکرا کر زمین پر آ رہا۔

ماتھر کی حالت قابل دید تھی۔ جیسے کسی نے سر بازار اسے چپت رسید کر دی ہو۔ کبھی وہ فریدی کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی بے ہوش پیانسٹ کی طرف۔ پروین اور اقبال تو شاید یہ بھی بھول گئے تھے کہ ان پر قتل کا الزام عاید کیا گیا ہے۔

"ڈاکٹر۔" دفعتاً ماتھر نے رام سنگھ کی طرف مڑ کر کہا۔ پھر اچانک اسے کچھ خیال آیا اور وہ مصنوعی غصے کے ساتھ فریدی کی طرف مڑا۔

"میں اس کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"اس کا مطلب تو وہی سمجھائے گا۔" فریدی نے بے ہوش پیانسٹ کی طرف اشارہ کر کے لاپروائی سے کہا اور بیٹھ کر سگار سلگانے لگا۔

"میرے اجازت کے بغیر کوئی کمرے سے نہیں جائے گا۔" ماتھر نے حاضرین کی طرف دیکھ کر کہا۔

دو تین آدمیوں نے سعید کو فرش سے اٹھا کر ایک صوفے پر ڈال دیا۔

حمید کی نظریں پروین پر جمی ہوئی تھیں۔ پروین بھی اس کی طرف دیکھنے لگی اور حمید بے اختیار مسکرا پڑا۔ فریدی کی ساری اسکیم اب آہستہ آہستہ اس کی سمجھ میں آرہی تھی۔ پہلے تو وہ سمجھا تھا کہ شاید اس نے کسی غلط فہمی کی بناء پر پروین کو جکڑنے کی کوشش کی ہے ورنہ اس وقت اس طرح ہوٹل کی مالکہ کو بلانے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی۔ مگر اب وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ فریدی سے کسی غلطی کی توقع رکھنا سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کی توقع سے کم احمقانہ نہیں ہے۔

کمرے میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ لوگوں کے سانس لینے کی آواز کے علاوہ اور کسی قسم کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ ایک جمود سا طاری تھا۔ ہر شخص اپنی جگہ پر جم کر رہ گیا تھا صرف تحیر میں ڈوبی ہو آنکھیں ایک دوسرے کی طرف اٹھ رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر آگیا۔ اس نے بتایا کہ سعید کی بیہوشی کسی غیر متوقع اضطراری فعل کا نتیجہ ہے وہ اسے ایک انجکشن دے کر چلا گیا۔ سب کی نظریں سعید کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ حمید نے فریدی کی طرف دیکھا جو اپنے گرد و پیش سے بے خبر خیالات میں ڈوبا ہوا سگار کا گنجان دھواں بکھیر رہا تھا لوگ حیران تھے کہ آخر وہ کیا چاہتا ہے۔ وہ کون ہے جو خود کو ان حادثات سے متعلق ظاہر کر رہا ہے؟ اور اس کی حرکات کا جو رد عمل سعید پر ہوا ہے کیا معنی رکھتا ہے۔

آہستہ آہستہ وہ ہوش میں آرہا تھا۔ پھر وہ اٹھ کر بیٹھا لیکن اس کے چہرے پر ابھی تک دیوانگی کے آثار تھے وہ فریدی کو خونی نظروں سے گھور رہا تھا۔

"ان سب کو ہٹا دیجئے۔" اس نے ماتھر سے کہا۔ "لیکن یہ جھوٹا! اسے یہیں رہنا چاہئے، میں اس کی بوٹیاں اڑا دوں گا.... قاتل.... سازشی۔"

حمید حیرت سے کبھی فریدی کی طرف دیکھتا اور کبھی سعید کی طرف! فریدی کی حالت میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ سن ہی نہ رہا ہو۔

ماتھر نے حمید اور فریدی کے علاوہ سب کو کمرے سے ہٹا دیا۔

"تم جاوید افغان ہو۔" سعید فریدی کی طرف مکا تان کر بولا۔

فریدی مسکرا پڑا اور سعید کے منہ سے گالیوں کا طوفان امنڈنے لگا۔

"تمہیں ثابت کرنا پڑے گا کہ تم جاوید افغان ہو۔"

"میں ثابت کر دوں گا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

سعید پھر اسی خوفناک انداز میں ہنسا۔

"تم جاوید افغان کے سامنے کہہ رہے ہو کہ تم جاوید افغان ہو۔" سعید نے کہا۔

ماتھر بے ساختہ اچھل پڑا۔

"اگر واقعی تم جاوید افغان ہو تو اس کا ثبوت پیش کرو۔" ماتھر کے لہجے میں کپکپاہٹ تھی۔

"ثبوت! اگر آپ اس کا ثبوت چاہتے ہیں تو آپ کو میرے ساتھ کمرے تک چلنا پڑے گا۔"

سعید انہیں اپنے کمرے میں لے گیا۔ وہ ابھی تک فریدی کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"یہ رہا میرا پاسپورٹ۔" اس نے اپنا پاسپورٹ سوٹ کیس سے نکال کر ماتھر کے سامنے ڈال دیا۔ اس پاسپورٹ میں سچ مچ سعید ہی کی تصویر لگی ہوئی تھی اور نام "جاوید افغان" درج تھا۔

ماتھر نے گھور کر فریدی کی طرف دیکھا۔

"کیا ایک نام کے دو آدمی نہیں ہو سکتے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "میرا پورا نام عابد جاوید ہے۔ آباؤ اجداد کا وطن افغانستان تھا یہ اور بات ہے کہ میں نسیم کا شوہر نہ ہوں۔"

"اوہ تم....!" سعید مٹھیاں بھینچ کر بولا۔ "تم کسی نہ کسی طرح ان حادثوں کی سازش سے ضرور تعلق رکھتے ہو۔"

"غیر ضروری باتیں نہیں۔" ماتھر خشک لہجے میں بولا۔ "بیٹھ جاؤ! تمہارے ساتھی تمہارے صحیح نام سے کیوں ناواقف ہیں اور تم نے رات ہی کیوں نہیں بتایا تھا کہ نسیم تمہاری بیوی تھی۔"

"یہ ایک لمبی داستان ہے۔" اس نے مضمحل آواز میں کہا اور اپنا منہ چھپا کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

ماتھر حمید اور فریدی ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے۔ ماتھر کی پیشانی کی سلوٹیں غائب ہو گئی تھیں اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کیا جائے۔ دفعتاً خود ہی سعید نے سر اٹھا کر کہا۔

"نسیم میری بیوی تھی۔"

"اور اس کے باجود بھی وہ اقبال سے شادی کرنا چاہتی تھی۔" ماتھر نے پوچھا۔

"ہاں....!"

"اور اسی لئے تم نے جھلا کر اسے قتل کر دیا۔" فریدی بولا۔

"یہ غلط ہے قطعی غلط ہے۔" سعید آہستہ سے بڑبڑایا۔ "میں اسے کس طرح قتل کر سکتا ہوں جب کہ میں اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔"

"لیکن تم نے یہ بات رات ہی کیوں نہیں بتائی۔" ماتھر نے کہا۔

"میرا دماغ خراب ہو گیا تھا۔ میں اپنے ہوش میں نہیں تھا۔ مجھے تو اسی پر تعجب ہے کہ اس کے مر جانے کے بعد میں کس طرح زندہ ہوں۔ آپ دوسری شادی کے لئے کہتے ہیں اگر وہ ایک بار شارع عام پر ننگی ہو کر بھی ناچتی تب بھی میں اسے پوجتا رہتا۔"

"لیکن دیاوتی کے ہار کا پھول۔"

"وہ ہار دیاوتی کا نہیں تھا۔" سعید ماتھر کی بات کاٹتا ہوا بے اختیار بولا۔

"دیاوتی کا نہیں تھا۔"

"ہاں وہ نسیم ہی کا تھا۔ میں نے ہی خرید کر اسے دیا۔ شادی کا تحفہ۔" سعید کی آواز پھر بھرا گئی اور اس کی آنکھوں سے آنسو جھلک آئے۔

"تم نے خریدا تھا۔" ماتھر کے لہجے میں حیرت تھی۔ "کیا قیمت تھی۔"

"بیس ہزار روپے۔"

"بیس ہزار روپے کا تم نے خریدا تھا؟" ماتھر نے طنزیہ لہجے میں دہرایا۔

"خیر یہ بات بھی ثابت کئے دیتا ہوں۔" سعید اٹھتا ہوا بولا۔ اس نے اپنا سوٹ کیس کھولا اور چند ثانئے کے بعد ماتھر کے ہاتھ میں ایک کاغذ کا ٹکڑا دیتے ہوئے کہا۔ "یہ رہی رسید روپ نگر کے سب سے بڑے جوہری کے یہاں سے خریدا گیا تھا کیا اس پر وہی تاریخ ہے جس میں ہماری شادی ہوئی تھی...." ماتھر فریدی اور حمید اسے حیرت سے دیکھنے لگے۔

"لیکن تمہارے پاس اتنی رقم کہاں سے آئی؟ یہاں تمہیں کتنی تنخواہ ملتی ہے۔" ماتھر نے پوچھا۔

"تنخواہ.... یہاں کی تنخواہ شاید میری سگرٹوں تک کا بار نہ سنبھال سکے۔"

"پھر....!"

"ریلوے کے اسٹیشنوں کی افغان ریفرشمنٹ سروس سے واقف ہیں۔"

"ہاں.... ہاں....!" ماتھر چونک کر بولا۔

"وہ افغان میں ہی ہوں۔"

"تم....!" ماتھر اچھل کر بولا۔ "اور یہاں.... اس حال میں.... مجھے یقین نہیں.... مجھے اس جاوید افغان سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا لیکن وہ بہت بڑا آدمی ہے۔"

"وہ چھوٹا آدمی میں ہی ہوں۔ میرے لئے اب عزت اور دولت میں کوئی فرق نہیں رہ گیا۔ نسیم کے بعد میں زندگی میں کوئی کشش نہیں محسوس کرتا۔"

کمرے میں سناٹا چھا گیا۔

"بہر حال۔" ماتھر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔ "آپ کی پوزیشن بہت خراب ہو گئی ہے۔"

"میں سمجھتا ہوں۔" سعید نے کہا۔ "اسی الجھاوے نے میری زبان بند کر رکھی ہے۔ لیکن اب مجھے سب کچھ بتانا ہی پڑے گا۔"

"ٹھہریئے۔" ماتھر اٹھتا ہوا بولا۔ "میری تحریری بیان چاہتا ہوں۔"

اس نے دروازے میں جا کر ہیڈ محرر کو آواز دی۔

اور پھر تھوڑی دیر بعد سعید اپنا بیان قلم بند کرا رہا تھا۔

"آج سے تین سال پہلے کی بات ہے۔" وہ گلا صاف کر کے بولا۔ "نسیم میری بھتیجیوں کو پیانو سکھانے کے لئے آیا کرتی تھی۔ اس وقت اس کا تعلق پارٹی سے نہیں تھا۔ میں اس میں دلچسپی لینے لگا۔ وہ ایک سنجیدہ لڑکی تھی اس لئے اس سے گفتگو کے مواقع کم نصیب ہوتے تھے۔ لہٰذا میں نے بھی اس سے پیانو سیکھنا شروع کر دیا۔ اس طرح کم از کم میری اس خواہش کی تسکین ہو جاتی تھی کہ میں اس سے کچھ دیر گفتگو کر سکوں۔"

"ٹھہریئے۔" ماتھر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "آپ نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کہاں رہتی تھی اس کے والدین کون تھے؟ کہاں تھے۔"

"یہ خود مجھے بھی معلوم نہیں۔ اس نے کبھی نہیں بتایا البتہ میرا مستقل قیام دلاور نگر میں رہتا تھا۔ تبھی اس نے ہمارا ٹیوشن شروع کیا تھا۔ ہاں تو وہ ہمیشہ واجبی ہی گفتگو کیا کرتی تھی اس کا رکھ رکھاؤ کچھ اس قسم کا تھا کہ میں اظہار عشق کی جرأت کبھی نہ کر سکا۔ ایک سال تک ہمارا ٹیوشن کرتی

رہی اور آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ ہماری گفتگو کبھی رسمیات سے آگے نہ بڑھی۔"

سعید بولتے بولتے خیالات کی رو میں نہ جانے کہاں بھٹک رہا تھا۔ دفعتاً ماتھر نے اسے ٹوکا۔

"آپ پارٹی میں کس طرح آئے۔"

"یہی بتانے جارہا ہوں۔ وہیں سے میری اس کی بدبختی کا دور شروع ہوتا ہے۔ انہیں دنوں دلاور نگر میں اقبال کی ڈانسنگ پارٹی اپنے کمالات کا مظاہرہ کررہی تھی۔ ایک دن ہمیں نسیم نے اطلاع دی کہ اب وہ ہمیں سبق نہ دے سکے گی کیونکہ وہ اقبال کی ڈانسنگ پارٹی میں شامل ہوگئی ہے۔ مجھے اس خبر سے بڑا دکھ پہنچا اور میں نے تہیہ کرلیا کہ اس پر اپنی محنت ظاہر کرکے روکنے کی کوشش کروں گا۔ میں نے اسے سب کچھ بتادیا۔ شادی کی درخواست کی جو نہایت سرد مہری اور بے تکلفی سے ٹھکرادی گئی۔ اس پر اپنے فن کے مظاہرے کا بھوت سوار تھا وہ چلی گئی اور میں قریب قریب دیوانہ ہوگیا۔ میں نے لاکھ چاہا کہ اس کا خیال دن سے نکال دوں مگر ناکام رہا۔ آخر میں نے دیوانہ وار ڈانسنگ پارٹی کے پیچھے دوڑنا شروع کردیا۔ آج میں اس شہر میں کل اس شہر میں۔ نسیم نے اکثر مجھے اس سے باز رکھنے کی کوشش کی مگر مجھ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اتفاق سے پارٹی کے پیانسٹ کا اقبال سے کسی بات پر جھگڑا ہوگیا اور اس نے اقبال کی ملازمت ترک کردی۔ میرے لئے میدان صاف تھا۔ میں نے ٹرائیل دے کر پیانسٹ کی جگہ حاصل کرلی۔ اس زمانے میں دیاوتی اور نسیم کے علاوہ کئی لڑکیاں اور بھی تھیں.... خیر.... کچھ دنوں بعد میں نے محسوس کرلیا کہ نسیم اقبال کی بے طرح چاہنے لگی ہے۔ میرا کلیجہ خون ہوگیا مگر میں.... خاموش رہا لیکن ایک بات آج تک میری سمجھ میں نہ آئی کہ نسیم نے کسی کو میری اصلیت سے آگاہ کیوں نہیں کیا تھا۔ بڑی عجیب وغریب عورت تھی۔ میں اسے آج تک نہ سمجھ سکا.... میں۔"

وہ پھر بہکنے لگا لیکن ماتھر کے ٹوکنے پر سنبھل گیا۔

"قصہ کوتاہ! وہ چاہتی تھی کہ اقبال اس کے ساتھ شادی کرلے۔ مگر اقبال ایک کھانڈرا آدمی تھا۔ اسے شادی کی پابندیاں پسند نہیں تھیں اس لئے وہ اسے ٹالتا رہا۔ ایک شام.... میں.... نسیم اقبال اور دیاوتی ایک جگہ بیٹھے اِدھر اُدھر کی باتیں کررہے تھے۔ دفعتاً دیاوتی اقبال پر برس پڑی۔ اس کے بیان سے معلوم ہوا کہ وہ اقبال کے بچے کی ماں بننے والی ہے۔ اگر اقبال نے اس کے ساتھ شادی نہ کرلی تو وہ قانونی چارہ جوئی کرے گی.... اقبال گھبرا گیا۔ اس میں ایک خاص بات یہ ہے

کہ وہ اپنی بدنامی سی بہت ڈرتا ہے۔ حالانکہ اخلاقی اعتبار سے اُسے کبھی شریف نہیں سمجھا جاسکتا۔ اس نے گھبراہٹ میں نسیم کے سامنے ہی شادی کا وعدہ کرلیا۔ میں نسیم کی حالت دیکھ رہا تھا۔ اس کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہاں سے ہٹنے کے بعد اس نے اچانک مجھ سے درخواست کی کہ میں اس سے شادی کرلوں۔ وہ شدید غصے میں معلوم ہورہی تھی۔ میری تو مراد بر آئی۔ میں نے نکاح کی تجویز پیش کی جسے اس نے رد کردیا اس کے خیال کے مطابق آرٹسٹوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ دوسرے ہی دن ہم نے روپ نگر جاکر سول میرج کرلی۔ وہیں میں نے اس کے لئے وہ ہار خریدا۔ شب عروسی منانے کے لئے ہم ایک ہوٹل میں ٹھہر گئے۔ لیکن جب میں رات کو اس کے پاس پہنچا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ میں نے وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ جس وقت اس نے میرے ساتھ شادی کی تھی وہ غصے سے پاگل ہورہی تھی۔ وہ اب بھی اقبال کو چاہتی ہے اور اسے توقع ہے کہ ایک نہ ایک دن اقبال اس کے ساتھ ضرور شادی کرلے گا۔ اس نے مجھ سے رو رو کر التجا کی کہ میں اسے ہاتھ نہ لگاؤں۔ میری حالت کچھ عجیب سی ہورہی تھی۔ میں انتہائی غصے کے عالم میں باہر نکل آیا اور رات ایک ویران پارک میں جاکر گزاری۔ دوسرے دن ہم پھر واپس آگئے جہاں پارٹی مقیم تھی۔"

"کہاں؟" ماتھر نے پوچھا۔

"رنجیب نگر۔"

"پھر کیا ہوا۔" ماتھر نے بے چینی سے پوچھا۔

"ہم دونوں اجنبیوں کی طرح زندگی گذارنے لگے۔ اس دوران میں اقبال اور دیاوتی کی شادی ہوگئی۔ نسیم کی حالت روز بروز ابتر ہوتی جارہی تھی۔ ہم نے اپنی شادی کا حال کسی پر ظاہر نہیں کیا تھا۔ نسیم نے مجھ سے استدعا کی تھی کہ میں اس شادی ہی کو بھول جاؤں اور کسی سے اس کا تذکرہ نہ کروں۔ اسے سو فیصدی یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن اقبال اس کا ہوجائے گا۔ پھر ایک ایسا واقعہ ہوگیا جس نے نسیم کی زندگی اور زیادہ تلخ کردی! دیاوتی جانتی تھی کہ نسیم اقبال سے محبت کرتی ہے اور اب تک اس سے شادی کی آس لگائے ہے۔ اتفاق سے ایک دن اس کی نظر ہماری شادی کے سرٹیفکیٹ پر پڑ گئی اور اس نے وہ ہار بھی دیکھا۔ نسیم اس کی خوشامدیں کرنے لگی کہ وہ اس کا حال کسی کو نہ بتائے۔ آخر دیاوتی نے اسے بلیک میل کیا۔ معاملہ اس پر طے ہوا کہ اگر نسیم وہ ہار دیاوتی کو

دے دے تو اس کا تذکرہ کسی سے نہ کرے گی۔ نسیم نے ایسا ہی کیا۔ دراصل صدمات نے اس کی عقل ضبط کر لی تھی۔ اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ وہ اقبال کی بیوی سے اقبال کا سودا کر رہی ہے۔ میرا دل اس کے لئے رو رہا تھا۔ مجھے اس سے نفرت نہیں ہوئی۔ اب مجھے اس سے گہری ہمدردی ہو گئی تھی۔ ایک دن اس نے مجھے ہار کے متعلق بتایا اور کہنے لگی کہ اسے سخت شرمندگی ہے لیکن وہ اسے کسی نہ کسی طرح حاصل کر کے مجھے واپس کر دے گی۔ میں اس سے لاکھ کہتا رہا کہ میں اسے وہ ہار دے چکا ہوں۔ اب واپس نہیں لے سکتا لیکن وہ نہ مانی اور دیاوتی سے اس کا تقاضا کیا۔ دیاوتی نے اب اسے دوسری پٹی پڑھائی۔ اس نے اس سے کہا کہ وہ ولادت کے بعد ہی اقبال سے طلاق لے لے گی۔ اس طرح وہ بدنامی سے بھی بچے گی اور اقبال جیسے نامعقول آدمی سے پیچھا بھی چھوٹ جائے گا۔ نسیم پھر چپ رہی۔ اسے دیاوتی کی باتوں پر یقین آ گیا۔ دو تین دن تک وہ خوش نظر آتی رہی لیکن ایک شام پھر اس کا دماغ خراب ہو گیا اور وہ جھلاہٹ میں دیاوتی پر حملہ کر بیٹھی۔ میں اسے دماغ کی خرابی سمجھا تھا لیکن جب میں اسے لے کر باہر آیا تو میں نے محسوس کیا کہ وہ نشے میں ہے۔ نہ معلوم کس چیز کا نشہ تھا۔ شراب کا نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اچھی سے اچھی شراب بھی تھوڑی بہت بو رکھتی ہے اور پینے والے کا منہ کھلتے ہی بہت زیادہ قریب کے لوگ اس کی بو محسوس کر لیتے ہیں۔ وہ کبھی شراب نہیں پیتی تھی میں نے اسے کبھی سگریٹ پیتے بھی نہیں دیکھا تھا۔ پھر میں اسے روپ نگر پہنچا کر واپس چلا آیا۔ کچھ دنوں بعد ہماری پارٹی رام گڈھ چلی آئی۔ نسیم کی جگہ پروین کی خدمات حاصل کر لی گئیں۔ یہاں آ کر مجھے معلوم ہوا کہ نسیم بھی ہمارا تعاقب کرتی ہوئی یہاں آئی ہے۔ اسے بس ایک دھن لگی ہوئی تھی کہ وہ کسی طرح ہیروں کا ہار دیاوتی سے حاصل کر کے میرے حوالے کر دے۔ وہ بالی کیمپ کے ہوٹل میں ٹھہری ہوئی تھی۔ میں جانتا ہوں کہ وہ پروین سے کیوں ملنا چاہتی تھی۔ وہ اس کے ذریعہ دیاوتی سے وہ ہار واپس لینا چاہتی تھی۔

"تو کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ نسیم نے اسی ہار کے لئے دیاوتی کو قتل کیا۔" ماتھر نے کہا۔

"خدا بہتر جانتا ہے.... اس کے ہاتھ میں ہار کا ایک پھول کیسے ملا اور پھر اسے کس نے قتل کر دیا۔" سعید آہستہ سے بڑبڑایا۔

"ممکن ہے کوئی اور بھی اس ہار کی تاک میں رہا ہو۔ وہ جانتا ہو کہ نسیم دیاوتی کو قتل کر کے ہار اس سے لے گئی ہے اور پھر اس نے اسی کے لئے اسے قتل کر دیا ہو!" ماتھر نے کہا۔

ماتھر بہت زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔ فریدی بھی محسوس کر رہا تھا کہ ماتھر ان سب سے پیچھا چھڑا کر اس سے گفتگو کرنا چاہتا ہے۔ پروین اور اقبال کے بھی بیانات قلمبند کرنے کے بعد ماتھر، فریدی اور حمید کو توالی کی طرف روانہ ہو گئے۔ لیکن ماتھر کا رویہ ان دونوں کے ساتھ کچھ ایسا تھا جیسے وہ انہیں حوالات میں بند کرنے کے لئے لے جا رہا ہو۔

"اب کیا کیا جائے۔" ماتھر نے فریدی سے پوچھا۔

"ان میں سے کسی کو فی الحال گرفتار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ قاتل اسی پارٹی کا کوئی آدمی ہے۔"

"لیکن تم یکایک جاوید افغان کیوں بن گئے تھے۔ بھئی اس وقت تو تم نے کمال ہی کر دیا۔"

"اس سے بہتر اور کوئی طریقہ ہی نہیں تھا۔ اگر میں یہ نہ کرتا تو جاوید افغان کا پتہ چلنا دشوار تھا۔"

"کیوں؟"

"اگر تھوڑی دیر اور گذرتی تو سعید کا دماغ خراب ہو جاتا۔ وہ ایک نفسیاتی لمحہ تھا۔ میں اس کے چہرے پر ایسے آثار دیکھ رہا تھا جو شدید قدم کی ذہنی کش مکش کی پیداوار ہو سکتے تھے۔ اگر وہ تھوڑی دیر اور نہ بولتا تو اس کا پاگل ہو جانا یقینی تھا۔ وہ کئی دن سے گھستا رہا تھا میرے اس اچانک جھوٹ پر اس سے، جو فعل سرزد ہوا وہ قطعی اضطراری تھا۔ تم نے دیکھا نہیں کہ اس پر ہسٹریائی قسم کا دورہ پڑا تھا۔"

"یار فریدی تم سچ مچ.....!"

"اب تمہارا کام یہ ہے۔" فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "کہ تم روپ نگر کے جوہری سے ہار کی خریداری کی تصدیق کرو۔ سعید کے پاسپورٹ کے ذریعے اس کا ثبوت فراہم کرو کہ وہ سچ مچ جاوید افغان ہی ہے اور وہ پاسپورٹ نقلی تو نہیں حالانکہ مجھے اس کے بیان میں کسی شبہے کی گنجائش نظر نہیں آتی پھر بھی ضابطے کی کاروائی ضروری ہے۔"

"اور اگر ان دونوں کے قتل میں اسی کا ہاتھ ہوا تو۔" ماتھر نے کہا۔

"یہ بعد میں دیکھا جائے گا۔" فریدی نے کہا۔ "میں ابھی اس کے متعلق کچھ نہیں سوچ رہا ہوں۔ میں اس فکر میں ہوں کہ نسیم نے کون سا نشہ استعمال کیا تھا۔"

"بھئی کمال کر دیا۔" ماتھر قہقہہ لگا کر بولا۔

"نہیں میری جان یہ بہت ضروری ہے۔" فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

"لیکن حملے کے بعد بھی دیاوتی نے کسی کو نسیم کے راز سے آگاہ نہیں کیا؟" حمید سوالیہ انداز میں بولا۔

"ایسا کرنے سے وہ ہار اس کے ہاتھ سے نکل جاتا۔" فریدی نے کہا۔ "کیا اقبال کا بیان تمہیں یاد نہیں کہ اسے دیاوتی نے پولیس کو اس کی اطلاع دینے سے روک دیا تھا۔ وہ اس بیش قیمت ہار کو کسی طرح نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی.... پھر فریدی بولا۔

"ماتھر تم سے ایک زبردست غلطی ہوئی۔"

"کیا....؟"

"ہار کے متعلق معلوم ہوتے ہی تمہیں پارٹی کے سارے افراد کے سامان کی تلاشی لینا چاہئے تھی۔"

"یار کہتے تو ٹھیک ہو.... اب سہی۔"

"اب اس کا ہاتھ لگنا مشکل ہے۔" فریدی نے کہا۔ "خیر ایک کام کرو۔ سعید کے بیان پر تمہیں یقین ہو یا نہ ہو لیکن تم اس کا بیان اخبارات کو دے دو اور ساتھ ہی اس شبہے کا بھی اظہار کرو چاہئے کہ ان دونوں کا قاتل جاوید افغان ہی ہے۔"

"اس سے کیا ہوگا۔"

"بھئی یہ میرا بہت پرانا اصول ہے کہ میں اصل مجرم کو مطمئن کرنے کے بعد پکڑتا ہوں۔"

"تو کیا یہ حقیقت ہے کہ تم جاوید افغان کو مجرم نہیں سمجھتے۔" ماتھر نے پوچھا۔

"قطعی نہیں۔"

"وجہ۔"

"اگر وہ ان کا قاتل ہوتا تو اس پر ہسٹریا کا دورہ کبھی نہ پڑتا۔ اسے صرف خود کو بچانے کی ہوتی دورے عموماً ذہنی کشمکش کی حالت میں آیا کرتے ہیں۔ قاتل ہر حال میں محتاط ہوتا ہے موقع پر اس کے ذہن میں ایک سے زیادہ خیالات نہیں ہوتے صرف ایک خیال.... کہ کسی طر

خود کو بچالے اور اگر بفرض محال اس کا دماغ الٹا بھی ہے تو وہ ایسی صورت میں ہمیشہ اقرار جرم کرتا ہے۔ باتیں نہیں بناتا۔"

قاتل کون

دوسرے دن رام گڈھ کے سارے اخبارات میں جاوید افغان کی کہانی چھپ گئی اور پیراڈائیز ہوٹل میں خاص طور پر سنسنی پھیل گئی تھی۔ اخبارات کے رپورٹر مزید اطلاعات کے لئے پارٹی کے افراد کو ٹٹولتے پھر رہے تھے۔ جاوید افغان یا سعید اپنے کمرے میں بند ہو گیا اگر پولیس نے اس پر پابندی عائد نہ کی ہوتی تو شاید اس نے کبھی کا ہوٹل چھوڑ دیا ہوتا۔ اقبال اور شدت سے شراب پینے لگا تھا۔ پروین بہت زیادہ خائف نظر آرہی تھی۔ پھر اسی دن جاوید افغان گرفتار کر لیا گیا۔ یہ بھی فریدی ہی کے اشارے پر ہوا لیکن وہ کسی بات کی کوئی وجہ نہیں بتا رہا تھا۔ حمید نے بہت کچھ پوچھنے کی کوشش کی لیکن اس نے کچھ نہ بتایا۔ حمید کے پیٹ میں چوہے کود رہے تھے۔ آخر اسے ایک تدبیر سوجھی۔ کیوں نہ فریدی کو غصہ دلایا جائے اس طرح وہ سب کچھ اگل دے گا۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد فریدی آنکھیں بند کئے آرام کرسی پر پڑا تھا۔ حمید جانتا تھا کہ وہ سو نہیں رہا ہے۔

"کل تو آپ نے کمال ہی کر دیا۔" وہ مسکرا کر بولا اور فریدی چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"بھلا کیا تک تھی۔" حمید پھر بولا۔ "آپ کی اس حرکت نے پچھلے کارناموں پر پانی پھیر دیا۔ کسی گھٹیا فلم کے لچر سے کردار کی طرح اٹھ کر فرماتے ہیں کہ میں ہوں جاوید افغان لاحول ولا قوۃ کل سے آپ کی صورت دیکھنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"بکو مت۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"نہیں مذاق نہیں! طبیعت بدمزہ ہو گئی۔ ایشیا کا مشہور معروف سراغ رساں ایسی بچکانہ حرکت کرتا پھرے۔"

"ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے برخوردار۔ بعض کیس ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں دماغ پر

زور دینے کو دل نہیں چاہتا۔ ابھی آخری حرکت باقی ہے۔ اسے دیکھ کر تو تم اپنا سر ہی پیٹ لو گے۔"

"اگر فرض کیجئے۔" حمید نے کہا۔ "ان میں جاوید افغان نہ ہوتا تو.... آپ کا وہ اندھیرے میں پھینکا ہوا تیر کس کے کلیجے کے پار ہوتا.... میرے یا آپ کے۔"

"اندھیرے میں پھینکا ہوا تیر! تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ مجھے شروع ہی سے اس پر شبہ تھا۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ میں نے تمہاری اور پروین کی گفتگو سننے کے بعد تم سے کیا کہا تھا۔ یہی کہ تم نے اس سے یہ کیوں نہیں پوچھا کہ دیاوتی پر حملے کے بعد سعید ہی کیوں نسیم کو اس کی مار کے پاس پہنچانے گیا تھا۔ اس کے بعد سے میں سعید اور نسیم کے تعلقات کے متعلق چھان بین کرتا رہا تھا۔ پھر جب شادی کے سرٹیفکیٹ والی بات معلوم ہوئی تو میرا شبہہ یقین کی حد تک پہنچ گیا۔ اب تم یہ کہو گے کہ آخر خود جاوید افغان بننے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کا جواب میں کل ہی دے چکا ہوں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر تھوڑی سی دیر اور ہو جاتی تو وہ یقیناً پاگل ہو جاتا اور اسی کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ہے کہ اگر اچانک اس سے یہ کہہ دیا جاتا کہ جاوید افغان تم ہی ہو تو شاید اس کا ہارٹ فیل ہو جاتا۔ میرا وہ رویہ قطعی نفسیاتی تھا"

"مگر پارٹی کے سارے افراد ہم لوگوں کی طرف سے مشکوک ہو گئے ہیں۔" حمید بولا۔

"ہاں یہ تو ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اچھا! پھر اب آپ نے اسے بند کیوں کرا دیا ہے۔"

"محض اسی شبہے کو رفع کرانے کے لئے کم از کم مجرم تو مطمئن ہو جائے گا۔"

"لیکن یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ وہ یہیں اسی پارٹی میں موجود ہے۔"

"تمہیں شاید یہ نہیں معلوم کہ میں محض سوچتا ہی نہیں رہا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں نے کچھ کام بھی کیا ہے۔"

"یعنی....!"

"دیاوتی کے قتل کے بعد میں نے یہاں کی ٹیلی فون گرل پر ڈورے ڈالنے شروع کر دیئے ہیں۔"

"بڑا اچھا کام کیا ہے۔ لیکن تو یہ ٹوٹی بھی ٹوٹے ہوئے پیمانے سے۔" حمید ہنس کر بولا۔

"تم نہیں سمجھے۔"

"کیا نہیں سمجھا۔"

"میں نے اسے کچھ روپیہ دے کر اس بات پر آمادہ کر لیا تھا کہ وہ ہوٹل میں قیام کرنے والوں کی ٹیلیفون کالز کے متعلق باقاعدہ چارٹ تیار کرتی جایا کرے۔"

"یعنی اس سے فائدہ۔"

"عجیب احمق آدمی ہو۔ ارے بھئی اس چارٹ سے مجھے معلوم ہوا کہ نسیم جس رات کو قتل ہوئی تھی اس دوپہر کو کسی عورت نے سعید کو ٹیلی فون پر کال کیا تھا۔ وہ پارٹی کے کسی آدمی کی پہلی کال تھی اس لئے میں نے اسے خاصی اہمیت دی اور وہ میرے ذہن میں محفوظ رہ گئی۔"

"تو پھر....!" "تو کو نہیں سنتے جاؤ۔ اسی رات کو جب مجھے پروین کی زبانی نسیم کے وجود اور اس سے متعلق واقعات کا علم ہوا تو میرا ذہن فوراً اس ٹیلی فون کال کی طرف منتقل ہو گیا۔ ممکن ہے وہ نسیم ہی رہی ہو! اس وقت تک ہمیں ہار کے متعلق کوئی علم نہیں تھا۔ میں نسیم کے پچھلے حملے اور دیاوتی کے قتل کے درمیان کی کڑیاں تلاش کرنے لگا۔ پھر دوسرے دن اس ہار کا معاملہ بھی سامنے آ گیا۔ میں نے کل شام کو ماتھر کو اس ٹیلی فون کا قصہ بتایا۔ اس نے سعید سے پوچھا لیکن اس نے اس سے قطعی لاعلمی ظاہر کی۔ اس نے بتایا کہ اس نے کسی عورت سے بات نہیں کی۔ رام گڑھ میں نسیم کے علاوہ کوئی اور عورت اسے جانتی ہی نہیں تھی۔ اگر اس نے نسیم سے اس دن فون پر بات کی ہوتی تو میں اسے چھپاتا کیوں؟ دوسرے واقعات کے ساتھ اس کا بھی اظہار کر دیتا۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"لیکن ٹیلی فون گرل کا بیان ہے کہ کال ریسیو کی گئی تھی۔ کسی نے اس عورت سے گفتگو کی تھی۔ سعید یا کسی اور نے کیونکہ اس نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا تھا اور نہ وہ سعید کو اچھی طرح پہچانتی ہی تھی۔ جانتے ہو! اس کا کیا مطلب ہوا؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی دوسرے آدمی نے فون پر گفتگو کی کسی نقلی سعید نے جو یہیں ہوٹل میں موجود ہے اور سعید سے واقف ہے اور اس عورت کو بھی جانتا ہے ورنہ اگر اس نے غلطی سے فون ریسیور کیا تھا تو اس نے ٹیلی فون گرل کو یہ کیوں نہیں بتایا کہ وہ اس کی کال نہیں ہے یا پھر اسے سعید کو اس کی اطلاع دینی چاہئے تھی۔

اس نے سعید بن کر اس عورت سے کوئی بات کی اور اسے اپنے تک محدود رکھا۔ وہ کیا بات ہو سکتی تھی جس کا تعلق سعید کی ذات سے تھا لیکن کوئی دوسرا آدمی بھی اس میں دلچسپی لے رہا تھا۔ ٹیلی فون گرل نے یہ بھی بتایا کہ اس کا خیال ہے کہ وہ گفتگو اسی رات کو کہیں ملنے ملانے کے وعدے پر ختم ہو گئی تھی۔

حمید خاموشی سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ فریدی بجھا ہوا سگار سلگانے کے لئے رکا۔

"اب دیاوتی کے قتل کی طرف لوٹ آؤ۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ نسیم نے ایک بار قاتلانہ حملہ کیا تھا لہٰذا تھوڑی دیر کے لئے مان لو کہ اس بار بھی وہ اسی کے حملے کا شکار ہوئی لیکن اب سوال نیت کا پیدا ہوتا ہے۔ تم سعید کی زبانی یہ بھی سن چکے ہو کہ وہ دیاوتی سے ہار حاصل کر کے اسے واپس کر دینے کے لئے کس قدر بے تاب تھی اس کا ضمیر جاگ اٹھا تھا۔ ممکن ہے اس نے کوئی اور صورت نہ دیکھ کر دیاوتی کو قتل ہی کر دیا ہو لیکن وہ اس بات کو بھی اچھی طرح سمجھتی رہی ہو گی کہ اس پر شبہ ضرور کیا جائے گا کیونکہ ایک بار وہ اس پر حملہ کر چکی ہے لہٰذا قتل کا یہ مقصد نہیں ہو سکتا کہ وہ اس طرح دیاوتی کی جگہ خود لینا چاہتی تھی اس نے اپنے ضمیر کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے اسے قتل کیا اور شاید سعید کو ہار واپس کر دینے کے بعد وہ اعتراف جرم بھی کر لیتی.... خیر... اس نے سعید کو اس دوپہر فون کیا۔ شاید ہار واپس کر دینے کے لئے لیکن کسی ایسے شخص نے سن لیا۔ جو پہلے ہی سے اس ہار کی تاک میں تھا۔ اس نے اس سے وہ جگہ بھی معلوم کر لی جہاں ان دونوں کو ملنا تھا اور پھر اس نے اس سے وہ ہار حاصل کر کے اسے قتل کر دیا۔"

فریدی پھر خاموش ہو گیا۔

"لیکن وہ دوسرا آدمی کون ہو سکتا تھا۔"

"ٹھہرو! اتنی جلدی کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش فضول ہے، ویسے ایک معمولی سی بات ہے ایک کی سمجھ میں آ سکتی ہے۔ یا تو وہ آدمی سعید کا ہم نام ہے یا پھر اس کا نام بھی سعید کے نام سے جلتا ہو سکتا ہے۔ جبھی وہ شخص غلطی سے سعید کے بجائے اسے بلا لایا۔"

"کیا ٹیلی فون گرل کو یہ یاد نہیں کہ اس نے سعید کو بلانے کے لئے کسے بھیجا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"یہی تو دشواری آپڑی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اسے قطعی یاد نہیں۔ ماتھر نے منیجر کے

سارے ویٹروں کو اکٹھا کر کے یہ سوال اٹھایا ہے مگر کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سب نے ظاہر کی۔ یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ ایسے معاملات میں تھوڑی رشوت دے کر منہ بند کیا

"بہر حال اس کا پتہ چلانا دشوار ہی معلوم ہوتا ہے۔"

"بس ایک اندھا داؤ جس سے تمہیں طوفان میل اور ہنٹر والی سے لے کر آن تک ساری بلند میں یکلخت یاد آ جائیں گی۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"یعنی۔"

"فی الحال وضاحت دشوار ہے۔"

"آخر کچھ تو۔"

"نسیم اور دیاوتی کے جھگڑے کے متعلق سب سے پہلے پولیس کو کس نے مطلع کیا۔" فریدی نے اچانک پوچھا۔

"وحید نے۔"

"کس نام پر سعید کے نام کا دھوکا ہو سکتا ہے۔"

حمید بے اختیار اچھل پڑا۔

"تو کیا وحید۔"

"محض شبہ ہے۔"

حمید فریدی کی طرف دیکھنے لگا، جو بے خیالی میں سگار کے کش پر کش لئے جا رہا تھا۔ "اور" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے معلوم ہوا ہے کہ نسیم نے قتل سے گھنٹہ پہلے برومائیڈ پی تھی۔ برومائیڈ کی طرف اسی وقت میرا خیال گیا تھا سعید نے یہ بتایا تھا کہ اس حالت میں نسیم کے منہ سے کسی قسم کی بو نہیں آتی تھی۔"

"لیکن آپ بار بار نشے کا تذکرہ کیوں کرتے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "آخر اس سے اور ان باتوں سے کیا تعلق؟"

"ابھی پورا تعلق خود میرے ذہن میں بھی واضح نہیں ہے! لیکن کچھ نہ کچھ تعلق ضرور

"آخر آپ کس طرح اس نتیجے پر پہنچے۔"

"دیکھو تمہیں یاد ہوگا۔ سعید نے نسیم کے متعلق بتایا تھا کہ وہ سگریٹ تک نہیں پیتی۔ یہ تو بڑی چیز ہے اور اس روز اس نے پہلی بار نسیم کو نشے کی حالت میں دیکھا تھا اور اس کا خیال یہ ہے کہ دیاوتی پر حملہ کرنے کی سب سے بڑی وجہ غالباً وہ نشہ ہی تھا۔ خیر اسے چھوڑو! سوال یہ ہوتا ہے کہ اس نے اچانک بروما ئیڈ کیوں استعمال کرنا شروع کر دیا۔"

"ممکن ہے اس سے پہلے استعمال کر رہی ہو۔" حمید نے کہا۔

"یہ ناممکن ہے۔ سعید اسے بے طرح چاہتا تھا اور چاہنے والوں سے محبوباؤں کی کوئی چیز چھپی نہیں رہتی۔ وہ ہر وقت ان کے متعلق سوچتے رہتے ہیں اور ان کے بارے میں سب کچھ جاننا چاہتے ہیں اور پھر ایسی صورت میں جب کہ ان کا آپس میں ہر وقت کا اٹھنا بیٹھنا تھا۔ یہ چیز کسی طرح نہیں چھپ سکتی تھی۔"

"اوہ.... تو چاہنے والوں کے متعلق یہ آپ کا ذاتی تجربہ ہے۔" حمید نے مسکرا کر پوچھا۔

"غیر متعلق بات مت چھیڑو۔ میں اس قسم کی باتیں اکثر کتابوں میں پڑھ لیا کرتا ہوں۔ اتنی فرصت کہاں کہ میں عشق کا تجربہ کروں۔"

"میں آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ صرف ایک بار۔" حمید نے ہنس کر کہا۔

"شٹ اپ.... ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ اس نے بروما ئیڈ ہی کیوں استعمال کیا۔ شراب سامنے کی چیز تھی۔ بعض ناکام آدمی نشے میں ڈوبے رہنا چاہتے ہیں، لیکن وہ عموماً شراب ہی استعمال کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ بروما ئیڈ جیسا بے حد نشہ کیوں؟ اور پھر یہ کہ اچانک اس کا بروما ئیڈ تک کیسے پہنچا۔"

"تو آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟" حمید نے اکتا کر کہا۔

"یہی کہ وہ کون آدمی ہو سکتا ہے جس نے اُسے بروما ئیڈ سے روشناس کرایا۔"

"اونہہ۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "آپ کو تو گھما پھرا کر سوچنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ آپ کے سامنے موجود ہے اور آپ اِدھر اُدھر بھٹکتے پھر رہے ہیں۔"

"سعید۔" فریدی مسکرایا۔

"ہاں سعید! میں اس کہانی پر یقین کئے لیتا ہوں۔" حمید نے کہا۔ "لیکن ساتھ ہی یہ

کہتا ہوں کہ سعید نرا فرشتہ نہیں ہو سکتا۔ دیاوتی کی زندگی تک وہ یہ سوچتا رہا ہوگا کہ ایک نہ ایک دن نسیم راہ راست پر آجائے گی۔ اسی لئے وہ انسانیت برتتا رہا لیکن جب دیاوتی بھی ختم ہو گئی تو اس کی رقابت جاگ اٹھی۔ اس نے سوچا کہ کہیں اب سچ مچ نسیم اقبال ہی کی نہ ہو جائے۔ اس لئے اس نے اسے قتل کر دیا۔ اس قسم کے معاملات اکثر محبوبائیں عاشقوں کے ہاتھوں قتل ہوتی رہی گئی ہیں۔"

"تمہاری یہ دلیل بھی غیر مناسب نہیں ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "مگر شاید ہار کے اس پھول کو بھول رہے ہو جو مقتولہ کی مٹھی میں جکڑا ہوا ملا ہے۔ وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ کسی نے ہار اس سے چھیننے کی کوشش کی تھی۔ آخر کار جدوجہد میں ہار ٹوٹ گیا اور ایک پھول مقتولہ کے ہاتھ ہی میں رہ گیا۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ سعید ہی تھا تو کشمکش کی کیا ضرورت تھی۔ وہ نہایت آسانی سے ہار حاصل کر تا۔ پھر اسے بقول تمہارے قتل کر دیتا۔ حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ جواب کسی نئی دلیل کے لئے ذہن پر زور دینے لگا تھا۔ دفعتاً وہ پھر فریدی کی طرف مخاطب ہوا جو کرسی سے اٹھ کر کھڑکی کے قریب کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کی پشت حمید کی طرف تھی۔ "تو پھر اس قتل کا اقبال کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔" حمید نے کہا۔

"مگر ہم تو برابر ان کی نگرانی کرتے رہے تھے۔" فریدی نے مڑے بغیر جواب دیا۔

"ٹھیک ہے لیکن وہ پون گھنٹے تک ہوٹل سے باہر کیا کرتا رہا تھا اور پھر واپسی پر اس نے نسیم کے قتل کی خبر سنائی تھی۔"

"اور اب تم یہ بھی پوچھو کہ اس نے خود ہی پولیس کو اطلاع کیوں دی تھی؟" فریدی حمید کی طرف مڑ کر مسکراتے ہوئے بولا۔ "یہ بھی سوال کرو کہ اس نے فوراً ہی پروین کو اس قتل کی بات کیوں بتا دی۔ سنو میاں حمید وقتی غصے کے تحت حملہ کرنے والے قاتل اس قسم کی حماقتیں کر سکتے ہیں۔ لیکن سوچی سمجھی ہوئی اسکیم والے قتل کے راز ایسی آسانی سے نہیں ظاہر ہو جاتے۔ فرض کرو اقبال ہی قاتل ہے تو اسے یہ بات دوپہر ہی سے معلوم رہی ہوگی کہ نسیم فلاں جگہ فلاں وقت پر بہ حالت موجود ہوگی۔ کیوں.... سعید کی کال اس نے ریسیو کی ہوگی۔ اچھا! اسی دن پروین نے اسے رام گڈھ میں نسیم کی موجودگی کے متعلق بتایا تھا۔ اب اگر اس کا ارادہ نسیم کے قتل کا تھا تو وہ اسے ساتھ لے کر نسیم کو تلاش کرنے کا پروگرام بنانے کی بجائے اُسے کچھ اور سمجھا بجھا

کر ٹال دیتا اور اگر فرض کرو کسی وجہ سے اس نے ایسا کر ڈالا تو پروین کو یہ بتانے کی کیا ضر
تھی کہ ابھی ابھی نسیم کی لاش دیکھ کر آرہا ہے اگر وہ اتنا ہی چالاک تھا کہ پروین کو ساتھ
نسیم کو قتل کرنے گیا تھا.... تو پھر اُسے فون پر پولیس کو اپنا نام بھی بتا دینا چاہئے تھا ورنہ ہو
مالکہ تو اُسے دیکھ ہی چکی تھی۔ کبھی نہ کبھی اس کی مدد سے ضرور پکڑا جاتا.... اور پھر....!"

"جہنم میں جائے۔" حمید اکتا کر بولا۔ "بس الجھتے جائیے یہاں تو ساری تفریح کرکری
رہ گئی۔ یہ کم بخت قاتل اور مقتول اس بُری طرح ہم سے چمٹ کر رہ گئے ہیں کہ کہیں نجات
نہیں ملتی۔"

"تو تم سے کون کہتا ہے۔" فریدی نے بگڑ کر کہا۔ "جاؤ.... نکلو یہاں سے جھیل
کنارے کئی لوفر قسم کی لڑکیاں تمہارا انتظار کر رہی ہوں گی۔ تم اس کو تفریح سمجھتے ہو۔"

"تو اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے۔ آپ انہیں لوفر کہہ کر خواہ مخواہ میری توہین کر
ہیں۔ ہر مرد کی تفریح یہی ہے بشرطیکہ وہ مرد ہو۔"

"اچھا اچھا مرد صاحب! اب تشریف لے جائیے، ورنہ مردود بنا دوں گا۔"

"نہیں جاتا۔"

"گٹ آؤٹ۔" فریدی نے اُسے دروازے کے باہر دھکا دے کر کواڑ بند کر لئے۔

"ارے تو نہانے کا لباس تو لے لینے دیجئے۔" حمید دانت پر دانت جما کر مسکراتا ہوا بولا

آخری حملہ

تین دن اور گذر گئے۔ اس دوران میں حمید کے خیال کے مطابق فریدی اندھیرے میں
پیر مارتا رہا تھا۔ نہ جانے کس طرح اس کی جاوید افغان والی حرکت مشہور ہو گئی تھی۔ جب
اپنے کمرے سے نکلتا لوگ اُسے گھور گھور کر دیکھنے لگتے اور پھر اس نے لوگوں میں ادھر اُدھر
کر اسی واقعے کا رونا رونا شروع کر دیا وہ کہتا کہ پولیس والوں نے مجھے خواہ مخواہ روک رکھا ہے
کسی طرح اس پابندی سے پیچھا چھڑوانا چاہتا ہوں۔ اگر میں پولیس کی مدد نہ کرتا تو کوئی فرشتہ
اس بات کا پتہ نہ لگا سکتے کہ جاوید افغان کون ہے۔" اور پھر وہ ذرا دھیمی آواز میں کہتا۔ "میرا

ہے کہ یہی جاوید افغان اس کا قاتل ہے۔ پولیس نہ جانے کس خبط میں مبتلا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ
وہ ضمانت پر رہا کر دیا جائے گا۔ ایسے آدمی کی تو کھال اڑا دینی چاہئے۔ کبھی کبھی وہ ہوٹل کے منیجر
کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیتا ہے کہ وہ اس قسم کی ڈانسنگ پارٹی سے معاہدہ کر کے قیام کرنے
والوں کی زندگی دوبھر کر دیتا ہے اور اگلے سیزن پر یقیناً یہ ہوٹل ویران نظر آئے گا۔ وغیرہ وغیرہ
اس دوران میں پارٹی کے کئی آدمیوں سے بھی اس کی گہری دوستی ہو گئی تھی۔ کبھی کبھی وہ پروین
سی گفتگو کرتا ہوا پایا جاتا تھا۔ لیکن حمید کو یہ قطعی معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کس قسم کی گفتگو ہوتی تھی۔
اکثر پروین حمید سے کہا کرتی تھی کہ اس کا ساتھی بہت دلچسپ آدمی ہے۔ لیکن اس نے یہ کبھی
نہیں بتایا کہ اس میں دلچسپی کی کونسی بات ہے۔ حمید نے اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہ کی۔ وہ بدستور
جھیل میں نہاتا اور اپنے حسن کی نمائش کرتا رہا۔ دن بھر جھیل کے کنارے بھورے اور کالے
بالوں کے سائے میں لیٹا یا تو کوئی کتاب پڑھتا رہتا یا لڑکیوں کو ٹافیاں بانٹتا۔ رات ہوتی تو دو تین
راؤنڈ رمبا یا والز ناچنے کے بعد سو جاتا۔ فریدی نے بھی اس کے مشاغل میں دخل نہیں دیا اور نہ وہ
کبھی ان کیسوں کے متعلق کوئی بات کرتا۔ حمید کو اس کی توقع تو ہو ہی نہیں سکتی تھی کہ فریدی ان
سے ہاتھ اٹھا لے گا۔ البتہ وہ اس خاموشی اور علیحدگی کو کسی بڑے واقعے کا پیش خیمہ ضرور سمجھتا
تھا۔ بارہا ایسے مواقع سے دوچار ہونا پڑا تھا جب فریدی نے نہ صرف دوسروں کو بلکہ خود اسے بھی
سوتے سوتے چونکا دیا تھا۔ آج کی شام حد درجہ خوشگوار تھی۔ دن بھر آسمان سفید بادلوں سے ڈھکا
رہا تھا اور اس وقت مطلع صاف ہو گیا تھا۔ البتہ افق میں گہرے بھورے بادلوں کی تہیں جمی ہوئی
تھیں جن کے درمیان شوخ رنگوں کے لہریئے بڑے حسین لگ رہے تھے۔ جھیل کی ننھی ننھی
لہروں میں سدا بہار درختوں اور مالتی کی جھاڑیوں کے عکس مچل رہے تھے۔ اس وقت جھیل کے
کنارے خاصہ جماؤ تھا اور وہاں سے ہٹ کر پختہ فرش کے قریب کی میزیں بھی بھری ہوئی تھیں۔
فریدی ڈانسنگ پارٹی کے تین چار آدمیوں کے ساتھ بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ یوں تو پارٹی اٹھائیس افراد
پر مشتمل تھی لیکن یہ پارٹی کے اچھے فنکار تھے اور فریدی زیادہ تر انہی کے ساتھ دیکھا جاتا تھا۔ ان
میں کبھی کبھی پروین اور اقبال بھی شامل ہوتے تھے۔ فریدی ان پر بے تحاشہ پیسہ پھونکتا تھا۔ حمید
اس قسم کی نشستوں میں عموماً فن کے متعلق گفتگو سنا کرتا تھا اور پھر اسی دوران میں حمید پر یہ بات
بھی آشکار ہو گئی کہ فریدی فن موسیقی کا بھی اگر ماہر نہیں تو ایک اول درجہ کا علم ضرور ہے

ایک بار تو یونہی باتوں باتوں میں اس نے وائلن اٹھالیا۔ پہلے تو قوس کو یونہی الٹے سیدھے جھٹکے دیتا رہا جس پر کئی آرٹسٹ طنزیہ انداز میں مسکرائے بھی تھے لیکن پھر جو اچانک ایک دھن چھیڑ کر اُسے گت میں لے آیا تو پارٹی کے وائیلنٹ وحید کا منہ بھی حیرت سے کھل گیا۔ ارشاد اور نریندر نے تو اپنے سر دھن پر رکھ دیئے! یہ دونوں کلارٹ بجاتے تھے، ان میں رنجیت بھی تھا، جو طبلہ بجاتا تھا۔ وہ تو اس قدر بے تاب ہوا کہ اس نے دوسرے ہی لمحے میں لپک کر جوڑی اٹھالی اور حمید یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اس وقت نسیم اور دیاوتی نے عالم ارواح میں رقص شروع کر دیا ہوگا۔ بہر حال پارٹی کے جو افراد کچھ دن پیشتر فریدی کو مشتبہ سمجھ کر اس سے نفرت کرتے تھے وہی اس سے اس قدر گھل مل گئے تھے جیسے برسوں پرانی جان پہچان ہو! حمید یہ سب دیکھتا اور کبھی کبھی یہ سوچتا کہ اس بار فریدی کی شکست لازمی ہے۔ وہ خواہ مخواہ تضیع اوقات کر رہا ہے مجرم اقبال یا سعید ہی میں سے کوئی ہو سکتا ہے یا پھر دونوں میں سے۔ اسے یقین تھا کہ اقبال نے دیاوتی کو اس لئے قتل کیا کہ اس سے پیچھا چھوٹ جائے اور سعید نے نسیم کو اس لئے مار ڈالا کہ وہ اس کے خیال کے مطابق دیاوتی کے قتل کے بعد اس سے طلاق کا مطالبہ کرتی۔ کافی ختم کرنے کے بعد وہ سب اٹھے۔ فریدی اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ راستے میں حمید مل گیا اسے بھی اپنے ساتھ لیتا گیا۔

"ہم بالی کیمپ جا رہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"ہم لوگ سے مراد میں ہوں یا وہ لوگ بھی۔"

"وہ بھی جا رہے ہیں! میں آج یہ قصہ ختم کر دینا چاہتا ہوں۔"

"کون سا قصہ.....!" حمید نے پوچھا۔

فریدی کوئی جواب دینے کی بجائے اپنا سوٹ پہننے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد خود بخود بڑبڑایا۔

"سنا تم نے وہ چاروں رومائیڈ پیتے ہیں۔ میں اس وقت انہیں کیمپ ریفر شو میں بروما پلاؤں گا۔"

"کیمپ ریفر شو۔" حمید چونک کر بولا۔ "وہی جہاں نسیم ٹھہری ہوئی تھی۔"

"ہاں.....!" فریدی اپنے مخصوص انداز میں مسکرایا۔

"آخر اس سے فائدہ۔"

"تم خود دیکھ لو گے۔" فریدی نے کہا۔ وہ تیار ہو گیا تھا۔ حمید نے بھی جلدی جلدی کپڑے

تبدیل کئے اور اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

"لیکن میں نہیں پیوں گا بروما ئیڈ وروما ئیڈ۔" حمید نے کہا۔

"اچھا اچھا.....!" فریدی چڑ کر بولا۔ "جلدی کیجئے۔"

وہ دونوں باہر آئے۔ چاروں ان کا انتظار کر رہے تھے۔ ہوٹل کے باہر نکل کر انہوں نے ٹیکسی کی اور بالی کیمپ کی طرف روانہ ہو گئے۔ لیکن حمید نے وہ کار پہچان لی تھی کیونکہ اسی کار پر نسیم کے قتل والی رات کو وہ اقبال اور پروین کا تعاقب کرتے رہے تھے۔ حمید کا دل دھڑکنے لگا اور اسے فریدی پر پھر تاؤ آ گیا۔ بالی کیمپ پہنچ کر وہ کیمپ ریفر شو میں داخل ہوئے۔

"یہاں تو کافی بھیڑ ہے۔" وحید نے کہا۔

"تو کیا تم اتنا بیوقوف سمجھتے ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں نے اپنا یہ شوق پورا کرنے کے لئے یہاں ایک کمرہ کرائے پر لے رکھا ہے۔"

"کیا شروع ہی سے۔" نریندر نے پوچھا۔

"ہاں بھئی! اس دلاری جان کو اپنے ساتھ نہیں رکھتا۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "اب اسی دن اگر پولیس میرے کمرے کی تلاشی کے وقت اسے پا جاتی تو میں کہاں ہوتا۔"

"سسرال میں۔" وحید نے کہا اور بے ڈھنگے پن سے ہنسنے لگا۔

"ہم تو کئی دنوں سے ترس رہے تھے۔ ہمارے پاس جو اسٹاک تھا اسے ہم نے تلاشی کے خوف سے اسی دن گڑھے میں بہا دیا تھا جس دن دیاوتی قتل ہوئی تھی۔" رنجیت نے کہا۔

فریدی نے کمرہ کھولا اور لیمپ روشن کر دیا۔ چاروں طرف دھندلی دھندلی روشنی پھیل گئی۔ ایک بڑی میز کے گرد کئی کرسیاں پڑی تھیں وہ سب بیٹھ گئے۔ فریدی نے الماری کھول کر پانچ چھوٹے چھوٹے گلاس نکالے۔

"پانچ ہی۔" ارشاد حمید کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "کیا یہ نہیں پئیں گے۔"

"مجھے آج کل پیچس ہو رہی ہے۔" حمید گڑگڑا کر بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا فریدی بھی بروما ئیڈ پئے گا۔ چند لمحوں کے بعد وہ بروما ئیڈ پی رہے تھے۔ نریندر نے نشے میں نسیم کے قتل کا قصہ چھیڑ دیا اور کہنے لگا کہ وہ انہیں کمروں میں سے کسی ایک میں رہتی تھی۔

"چھوڑو یار کیوں مزہ کرکرا کر رہے ہو۔" کئی آوازیں آئیں۔ ان سب کی آنکھیں آہستہ

آہستہ بوجھل اور سرخ ہوتی جارہی تھیں۔ وہ سب بول رہے تھے وحید سب سے زیادہ شور مچارہا تھا وہ بات بات پر اتنے وزنی قہقہے لگاتا جیسے عمدہ قسم کے لطیفے سن رہا ہو۔ دفعتاً پشت کی کھڑکی ایک چڑچڑاہٹ کے ساتھ کھل گئی اور ٹھنڈی ہوا کا ریلا اندر گھس آیا۔ پھر اندھیرے میں باہر ایک سرابھرتا نظر آیا جس کے پس منظر میں تاروں بھرا آسمان تھا۔ سب لوگ حیرت سے ادھر دیکھنے لگے پھر پیلے رنگ کی ہلکی روشنی میں کسی عورت کا چہرہ دکھائی دیا۔ یہ سب کے سب اچھل کر کھڑے ہوگئے۔

"آپ کون ہیں اور کیا چاہتی ہیں؟" فریدی نے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔ حمید کو ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے اس نے کبھی اسے کہیں دیکھا ہو۔

"نسیم۔" ان میں سے کسی نے خوفزدہ آواز میں کہا اور پھر کرسیاں الٹنے لگیں ایک پر ایک گرنے لگا مگر وحید اُسی برابر گھورے جارہا تھا اس کے ہونٹ ہل رہے تھے اور لال لال آنکھیں ابلی پڑرہی تھیں۔

"میں ہزار بار تمہیں قتل کرسکتا ہوں۔" وہ اس طرح بڑبڑایا جیسے خواب میں بول رہا ہو اور پھر قبل اس کے کہ فریدی سنبھلتا وحید کے ہاتھ میں ایک بڑا سا چاقو کڑکڑاہٹ کے ساتھ کھلتا ہوا نظر آیا۔ دوسرے لمحے میں وہ کھڑکی پھلانگ چکا تھا۔

باہر ایک نسوانی چیخ سنائی دی اور ساتھ ہی کئی آدمیوں کے دوڑنے کی آوازیں بھی آئیں۔

"جانے نہ پائے۔" کسی نے چیخ کر کہا۔

حمید نے پہچان لیا۔ یہ ماتھر کی آواز تھی۔ فریدی بھی کھڑکی سے باہر جاچکا تھا۔ حمید اس کے پیچھے بھاگا۔ "کیا ہوا۔" فریدی نے چیخ کر پوچھا۔

"نکل گیا۔" ماتھر ایک طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ وہ بیچارہ شاید اپنی فربہی کی وجہ سے دوڑ نہیں سکا تھا۔

"لڑکی" فریدی نے بے تحاشہ پوچھا۔

"ٹھیک ہے۔ بخیریت ہے۔"

فریدی دوڑنے لگا۔ حمید بھی اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ ایک جگہ اچانک وہ ٹھوکر کھا کر گرا پھر اسے کچھ یاد نہیں کہ کیا ہوا۔

دوسرے دن وہ اپنے کمرے میں پڑا پیشانی پر بندھی ہوئی پٹی پر ہاتھ پھیر رہا تھا اور پروین اس پر جھکی ہوئی تھی۔

"کیا میرا ساتھی ابھی نہیں آیا۔" حمید نے اس سے پوچھا۔

"نہیں۔" پروین نے کہا۔ "لیکن آپ زیادہ باتیں مت کیجئے۔"

"وہ پکڑا گیا یا نہیں۔"

"کیوں نہیں۔" پروین نے کہا۔ "ارے آپ اسی سے ٹھوکر کھا کر تو گرے تھے۔"

"ٹھوکر کھا کر۔"

"ہاں.... وہ پہلے نشہ کی جھونک میں گر گیا تھا۔ آپ کے ساتھی اور دوسرے پولیس والوں نے اُسے گرتے نہیں دیکھا۔ اسی لئے وہ اندھا دھند آگے بھاگتے چلے گئے اور آپ نے اتفاق سے اُسی سے ٹھوکر کھائی۔"

"میرا ساتھی یہاں کب سے نہیں آیا۔" حمید نے پوچھا۔

"وہ ابھی آئے ہی نہیں۔"

"اچھا.... دیکھوں گا اُسے۔" حمید دانت پیس کر بولا۔ "لیکن تم یہاں کیوں آئی ہو۔"

"آپ کی دیکھ بھال کے لئے۔ ویسے میں آپ لوگوں کے احسان سے کبھی سبکدوش نہ ہوسکوں گی۔"

"وہ عورت کون تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"میں! آپ کے ساتھی نے مجھے اس کے لئے تیار کیا تھا اور مجھ پر نسیم کا میک اپ کر کے ماتھر صاحب کے ساتھ پہلے ہی کیمپ ریفرشو میں بھجوا دیا تھا اور پھر اگر ماتھر صاحب اس وقت میرے ساتھ نہ ہوتے تو اس کم بخت نے مجھے بھی مار ڈالا تھا۔"

"کچھ اور بھی حالات معلوم ہوئے۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں اور تو کچھ بھی نہیں۔"

"اقبال کا کیا حال ہے۔"

"اس وقت بھی نشے میں ہوگا۔" پروین بیزاری سے بولی۔ "اب کسی طرح اس پارٹی سے پیچھا چھوٹ جاتا.... تو بہتر تھا۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا...." حمید اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ "میرا ساتھی سب کچھ ٹھیک کر لے گا۔ ایک کیا ہزار معاہدے تڑوا سکتا ہے! وہ بہت بڑا آدمی ہے۔"

"میں جانتی ہوں۔" پروین مسکرا کر بولی۔ "وہ مجھے بتا چکے ہیں۔ کئی دنوں سے جانتی ہوں۔ ورنہ میں اس خطرناک ڈرامے میں حصہ ہی نہ لیتی۔ دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔"

"میں۔" حمید نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

"کل رات کو بڑا لطف آیا۔" پروین تھوڑی دیر بعد بولی۔

"کیا....؟" حمید نے پوچھا۔

"رام سنگھ کو اس کی اطلاع نہیں تھی۔ ماتھر صاحب اپنے ساتھ چند خاص آدمیوں کو لائے تھے۔ رام سنگھ نہ جانے کیوں پہلے ہی سے آپ لوگوں کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ کل جب آپ کیمپ ریفرشو کے لئے روانہ ہوئے تھے وہ آپ کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ اتفاق سے وہ وہاں بہت دیر میں پہنچا۔ اس وقت جب فریدی صاحب وحید کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ راستہ میں رام سنگھ سے مڈبھیڑ ہو گئی اس نے انہیں روکنا چاہا اس پر انہوں نے جھلا کر اسے جو ایک چانٹا رسید کیا ہے تو کئی قلابازیاں کھا گیا۔ فریدی صاحب اندھیرے میں آگے بڑھتے چلے گئے اُدھر ماتھر صاحب نے آپ کو گرے دیکھ لیا۔ وہاں پہنچے تو وحید بھی مل گیا، جو نشے میں ڈھیر تھا۔"

تھوڑی دیر میں رام سنگھ بھی منہ بسورتا ہوا وہاں آ پہنچا۔ آپ کو دیکھتے ہی کہنے لگا۔ "چلو ایک تو پکڑا گیا۔"

حمید ہنسنے لگا۔

"اور پھر فریدی صاحب کی واپسی پر وہ پھر ان پر جھپٹنے ہی جا رہا تھا تو ماتھر صاحب اپنی ہنسی کسی طرح نہ روک سکے۔ وہ بھی بڑے دلچسپ آدمی ہیں۔ انہوں نے اُسے اس وقت تک کچھ نہیں بتایا تھا اور اس وقت کا تو پوچھنا ہی کیا جب یہ راز کھلا ہے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے رام سنگھ کے منہ پر کالک لگا کر اُسے گدھے پر سوار کرا دیا ہو۔" یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ برآمدے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی اور فریدی کمرے میں داخل ہوا۔ حمید اب اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"اب تشریف لائے ہیں آپ۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔

"بھئی کیا بتاؤں بڑی مشکل سے اس نے اقبال جرم کیا ہے۔" فریدی ایک کرسی پر بیٹھ کر

پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگا۔ پھر پروین کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہوا بولا۔

"ہلو.... بے بی.... اس نے میرے لئے چیخم دھاڑ تو نہیں مچائی۔ میں نے تمہیں یہاں ٹھہرنے کے لئے کہہ تو دیا تھا لیکن سوچ رہا تھا کہ یہ تمہیں بہت پریشان کرے گا۔ بچہ ہے نا۔ ذرا سی تکلیف میں آسمان سر پر اٹھا لیتا ہے۔"

حمید اپنا انگوٹھا چوسنے لگا اور پروین بے اختیار ہنس پڑی۔ پھر تھوڑی دیر بعد فریدی ان دونوں کی حیرت سے پھیلی ہوئی آنکھوں کی زد میں بیٹھا انہیں وحید کی روداد سنا رہا تھا۔

"وحید ہی نے دیاوتی کو بھی قتل کیا تھا اور قتل کا باعث وہی نسیم والا ہار تھا سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ دیاوتی نے جس بچے کا باپ اقبال کو ٹھہرایا وہ دراصل وحید کا تھا۔ اس کے اور دیاوتی کے پرانے تعلقات تھے جن کا علم کسی کو نہیں تھا۔ دوسری طرف وہ اقبال کو بھی خوش کرتی رہتی تھی۔ اس واقعہ کے بعد اس نے وحید سے کہا کہ وہ اس سے شادی کر لے لیکن وہ صاف انکار کر گیا۔ اس نے عدالت کی دھمکی دی اور وحید نے کہا کہ وہ بدنامی سے نہیں ڈرتا۔ اس پر دیاوتی نے اپنی بدنامی سے بچنے کے لئے وحید کی بلا اقبال کے سر منڈھ دی۔ چور اس کے دل میں بھی موجود تھا۔ اس لئے وہ پھنس گیا۔ حالانکہ اُسے اس پر شبہ تھا۔ اسی دوران میں وحید نے نسیم والا ہار دیاوتی کے پاس دیکھ لیا اور اسے حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس نے دیاوتی کو بلیک میل کرنا شروع کر دیا۔ اس نے اسے دھمکی دی کہ اگر وہ ہار اُسے نہیں دے گی تو وہ اقبال کو اس بچے کے متعلق بتا دے گا۔ دیاوتی اس پر بھی نہ مانی تو اس نے ایک دن نسیم کو برومائیڈ پلا کر دیاوتی کے خلاف اس قدر بھڑکایا کہ وہ اسے قتل کرنے پر آمادہ ہو گئی لیکن اس کا حملہ ناکام رہا تھا۔ پھر پارٹی یہاں چلی آئی۔ وحید بدستور ہار پر قبضہ کر لینے کی دھن میں لگا ہوا تھا۔ پھر معلوم نہیں کس طرح دیاوتی نے وہ ہار نسیم کو واپس کر دیا شاید وہ اس دن نسیم کا انتظار کر رہی تھی۔ اسی لئے میں نے تم سے کہا تھا کہ جس کا وہ انتظار کر رہی تھی وہ یا تو اس کا شوہر ہو سکتا تھا یا کوئی آشنا یا پھر کوئی عورت۔ غالباً وحید اس وقت پہنچا جب نسیم ہار لے کر واپس جا چکی تھی۔ اس نے دیاوتی سے بھی پھر ہار کا مطالبہ کیا۔ اس پر دیاوتی نے اُسے ہار کے متعلق سب کچھ صحیح صحیح بتا دیا۔ اسے یقین نہیں آیا اور اس نے غصے میں اسے قتل کر دیا۔ دوسرے دن جب نسیم قتل ہوئی اسے ایک ویٹر ٹیلی فون کال ریسیو کرنے کے لئے بلا کر لے گیا تھا۔ اس نے حقیقتاً وحید کو سعید سمجھا تھا۔ بہرحال فون پر نسیم

بات کر رہی تھی۔ اس نے سعید کے دھوکے میں اسے ہار کے حاصل کر لینے کا واقعہ بتایا اور یہ بھی بتایا کہ وہ بالی کیمپ کے ریفر شو میں ٹھہری ہوئی ہے۔ وحید نے اس سے کہا کہ وہ رات کو قریب کی چٹانوں کے درمیان اسے ملے گا اور پھر اس نے اسے بھی قتل کر دیا۔ وہ اُسے پہچان گئی تھی اس لئے اسے ہار حاصل کرنے کے لئے تھوڑی دیر تک اس سے دھینگا مشتی بھی کرنی پڑی۔ بہر حال اس نے اسے قتل کر دیا۔ ہار کو اس نے جھیل کے کنارے دفن کر دیا تھا جسے برآمد کر لیا گیا ہے۔"

تھوڑی دیر خاموشی رہی۔

"مگر اس بار آپ نے بہت بڑے بڑے شعبدے دکھائے ہیں۔" حمید ہنس کر بولا۔

پروین اس طرح خاموش بیٹھی تھی جیسے بت بن گئی ہو۔

"کیوں؟" فریدی اس کی طرف مڑا۔ "تم کیا سوچ رہی ہو؟"

"نہ جانے کیوں مجھے بھی اپنی موت سامنے دکھائی دے رہی ہے۔" پروین آہستہ سے بولی۔

"ہشت! تم ڈرو نہیں۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "میں اقبال سے سارے معاملات طے کر لوں گا اگر وہ نہ مانے گا تو پھر دوسرا راستہ اختیار کیا جائے گا۔"

پروین نے کوئی جواب نہ دیا۔

"میں تمہیں کسی آفس میں کوئی اچھی سی جگہ دلا دوں گا۔ فکر مت کرو۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"اچھا اب جا کر آرام کرو۔ تم بھی رات سے جاگ رہی ہو۔"

پروین چلی گئی۔ حمید کے ہاتھ آہستہ آہستہ دعا کے لئے اٹھ رہے تھے۔

"کیوں یہ کیا؟" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"مرنے سے پہلے۔" حمید کراہ کر بولا۔ "خدائے قدوس سے ایک التجا کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا؟"

"یہی کہ اسی پروین ہی سے آپ کی محبت ہو جائے تاکہ کم از کم چھٹیوں کا زمانہ تو سکون کے ساتھ گزرے۔" حمید نے منہ بسور کر کہا اور فریدی نے اس کی پیٹھ پر ایک زوردار دھول جما دی۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 20

نیلی روشنی

(مکمل ناول)

گمنام منزل

تاحد نظر چٹیل اور ریتلا میدان پھیلا ہوا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد گرم ہوا کے تیز جھونکے اپنے ساتھ گرد و غبار کا طوفان لاتے اور مسافروں کے چہروں پر کلی کرتے ہوئے آگے نکل جاتے۔ چھوٹے چھوٹے اسٹیشنوں پر ویٹنگ روم تو ہوتے نہیں کہ معزز قسم کے مسافر کھڑکیوں کے سیاہ پردے تک گرا کر ریگستان میں ایک آدھ گھنٹے ہی کے لئے ایک ننھی سی جنت بنا سکیں۔ یہاں بس چاروں طرف سے کھلا ہوا ایک ٹین کا سائبان تھا۔ جس کے نیچے بھانت بھانت کے آدمی عجیب انداز سے لیٹے اور بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے گرد سے اٹے ہوئے چہروں پر وحشت اور بیزاری کے ملے جلے آثار پائے جاتے تھے اگر کوئی سہواً بھی اپنے خشک ہونٹوں پر ایک بار زبان پھیر لیتا تو کافی دیر تک اس کے دانتوں کے نیچے ریت کے ذرے کرکراتے رہتے اور وہ کچھ ایسے تلخ انداز میں اپنے ہونٹوں کو قوسوں اور دائروں کی شکل میں جنبش دیتا کہ دوسروں کے منہ بھی بگڑ جاتے۔ سائبان بھٹی کی طرح تپ رہا تھا اور اس پر سے گرم ہوا کے جھونکے.... زبانیں نکلی پڑ رہی تھیں۔

اس وقت کوئی سرجنٹ حمید کو دیکھتا تو یہ نہ کہہ سکتا کہ وہ کبھی نفاست پسندی کے جنون میں مبتلا رہا ہوگا۔ اس کے چمکیلے بال گرد میں اٹ گئے تھے۔ چہرے پر اس قدر دھول تھی کہ اب ماتھے پر سے پسینہ پونچھنے کی بھی ہمت نہیں رہ گئی تھی۔

سرخ و سپید رخسار جھلس گئے تھے اور وہ دق کا مریض معلوم ہونے لگا تھا۔ اس کے ذہن میں سوائے ایک موٹی سی گالی کے علاوہ اور کچھ نہیں رہ گیا تھا۔ جسے وہ کبھی اپنی ذات سے منسوب کرتا اور کبھی اپنے محکمے کے اعلیٰ افسر کی ذات سے۔ اس ریگستان کو پار کرتے وقت وہ ٹرین پر سوچنا آیا تھا

کہ منزل مقصود پر ضرور کچھ نہ کچھ سکون ملے گا۔ لیکن یہاں پہنچ کر ساری امیدوں پر اوس پڑ گئی اور اب اس سائبان کے نیچے ایک سوٹ کیس پر بیٹھا اس موٹر کا انتظار کر رہا تھا جس کی بشارت اس کے محکمے کے اعلیٰ افسر نے پہلے ہی دے رکھی تھی؟

یہ بلائے ناگہانی اس پر اچانک نازل ہوئی تھی۔ بس یونہی ایک دن آفس میں بیٹھے بٹھائے افسر اعلیٰ کے نادر شاہی فرمان کا شکار ہو گیا۔ انسپکٹر فریدی بھی ان دنوں شہر میں موجود نہیں تھا ورنہ شاید اس کی نوبت نہ آتی.... بہر حال شدنی.... ہونے والی بات اور پھر ملازمت کا مطلب ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہنا تو نہیں ہوتا۔ ہاں جب کام کی نوعیت ہی بے سروپا ہو تو اختلاج کا ہونا لازمی ہے۔ سرجنٹ حمید بھی اختلاج میں مبتلا تھا۔ اس کے اعلیٰ افسر نے صرف اتنا بتایا تھا کہ اسے فلاں اسٹیشن پر اترنا ہے پھر وہاں سے اسے ایک سیاہ رنگ کی کار لے جائے گی۔ کہاں؟ اس کی خبر حمید کے فرشتوں کو بھی نہ تھی۔ اس کا مقصد کیا تھا؟ یہ چیز بھلا کیونکر ایسی صورت میں اس کی سمجھ میں آتی۔ جب کہ اسے اپنی منزل تک کا علم نہیں تھا؟ البتہ ٹرین پر کئی بار اس سوال کے جواب میں اس کے ذہن میں لفظ "جہنم" ضرور گونجا تھا اور اب وہ سچ مچ جہنم میں بیٹھا اس سیاہ رنگ کی کار کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے تھرماس کھول کر تھوڑا سا پانی پیا اور کئی للچائی ہوئی نظریں اس کے تھرماس پر گڑ کر رہ گئیں۔ لیکن اس نے جھلاہٹ میں انہیں اس طرح اپنے ذہن سے جھاڑ دیا جیسے کوئی کان پر رینگتی ہوئی چیونٹی جھاڑ دیتا ہے۔ ہمدردی اور انسانیت کے سارے جذبات جیسے فنا ہو گئے تھے۔

اُسے زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا ٹھیک گیارہ بجے ایک بڑی سی سیاہ رنگ کی کار شیڈ کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔ ڈرائیور کی سیٹ پر ایک بھاری جبڑوں اور پھولی ہوئی سرخ ناک والا آدمی بیٹھا اپنی چھوٹی چھوٹی چمکیلی آنکھوں سے سائبان کا جائزہ لے رہا تھا اس کی گھنی مونچھیں اس طرح نیچے کی طرف جھکی ہوئی تھیں کہ نچلے ہونٹ کا صرف درمیانی حصہ دکھائی دے رہا تھا۔ گردن اتنی کوتاہ تھی کہ اس کا سر شانوں کے درمیان رکھا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

حمید سامان اٹھا کر کار کی طرف لپکا۔ ڈرائیور نے سر کی خفیف سی جنبش کے ساتھ پچھلی سیٹ کی طرف اشارہ کیا اور وہ دروازہ کھول کر نرم گدیلے میں دھنس گیا۔ کار چل پڑی۔ حمید نے کھڑکیوں کے شیشے چڑھا دیئے تھے۔ پھر بھی ریت اور اندر گھسی آ رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد

اس کی حالت اتنی ابتر ہو گئی کہ وہ ڈرائیور سے یہ تک پوچھنا بھول گیا کہ وہ اسے کہاں لے جائے گا۔ کار نہ جانے کب تک چلتی رہی حمید کو کچھ یاد نہیں اس پر غشی سی طاری تھی۔ بس کبھی کبھی اس کے ہاتھ غیر شعوری طور پر تھرماس سے جا لگتے اور وہ دو ایک گھونٹ پی کر پھر اسے نیچے ڈال دیتا۔ ڈرائیور اسٹیئرنگ پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے ایک بار بھی پیچھے پلٹ کر نہ دیکھا۔

شام ہوتے ہوتے کار ایک سرسبز وادی میں داخل ہو رہی تھی۔ حمید اس قدر بے جان ہو چکا تھا کہ اس میں کھڑکیوں کے شیشے تک گرانے کی سکت نہیں رہ گئی تھی۔ ڈرائیور نے پلٹ کر پچھلی سیٹ کی طرف دیکھا اور کار روک کر نیچے اتر آیا پھر اس نے زور سے دروازے کھول کر شیشے گرائے اور خنک ہوا کے فرحت بخش جھونکوں نے حمید کی بے ہوشی میں اضافہ کر دیا....

یہاں دور تک سرسبز چٹانیں بکھری ہوئی تھیں اور موٹے تنوں کے چھوٹے اور گنجان درخت حد نظر تک پھیلے ہوئے تھے۔ ڈرائیور نے حمید کو بازوؤں میں اٹھا لیا اور ایک طرف چلنے لگا۔ سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا۔ نارنجی شعاعیں آہستہ آہستہ ڈھلوانوں پر چڑھ رہی تھیں اور سناٹے میں پرندوں کا شور گونج رہا تھا۔ ڈرائیور حمید کو اٹھائے چلتا رہا۔ پھر وہ ایک چھوٹے سے چشمے کے کنارے رکا اور حمید کو زمین پر ڈال کر اس کے منہ پر چھینٹے دینے لگا۔

تھوڑی دیر بعد حمید ایک پتھر سے ٹیک لگائے حیرانی سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ ڈرائیور کار سے اس کا سوٹ کیس بھی اٹھا لایا تھا اور اب اسٹوو پر چائے کا پانی چڑھا کر کیتلی کو اس طرح گھور رہا تھا جیسے اس کی نظر بہکتے ہی وہ اسٹوو سے کود کر چشمے میں جا پڑے گی۔

"ارے بھائی تم کون ہو! اور مجھے کہاں لئے جا رہے ہو۔" حمید نے اس سے پوچھا لیکن اس کی مشغولیت میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا۔

"میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔" اس بار حمید کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

اس نے چونک کر حمید کی طرف دیکھا۔

"مجھے کہاں جانا ہے۔" حمید نے دہرایا۔

لیکن وہ کوئی جواب دیئے بغیر پھر کیتلی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ برف کی طرح سرد معلوم ہو رہا تھا۔ حمید کو پہلے تو غصہ آیا لیکن پھر اس کے سارے جسم میں ایک ٹھنڈی سی لہر دوڑ گئی۔

وہ کافی دیر تک حیرت آمیز نظروں سے ڈرائیور کو دیکھتا رہا جو اسے حد درجہ پُراسرار معلوم

ہو رہا تھا۔ لیکن اس نے کیتلی پر سے نظر ہٹا کر ایک بار بھی اس کی طرف نہیں دیکھا۔ حمید سوچنے لگا کہ آخر وہ صرف سوٹ کیس ہی اٹھا کر کیوں لایا ہے۔ سوٹ کیس کے علاوہ تھرماس اور ناشتہ دان بھی تو تھے اس سے پوچھنا چاہا۔ لیکن پھر نہ جانے کیا سوچ کر خاموش ہو رہا۔

دن بھر کی کوفت اور تھکن کے بعد ٹھنڈے پانی کے چشمے کا قرب گویا اسے جہنم سے کھینچ کر جنت میں لے آیا تھا اس نے اٹھ کر سوٹ کیس سے غسل کا لباس نکالا اور نہانے کی تیاری کرنے لگا۔

"چشمہ زیادہ گہرا تو نہیں۔" حمید نے ڈرائیور سے پوچھا۔

اس نے کیتلی سے نظر ہٹائے بغیر نفی میں سر ہلا دیا۔

حمید کافی دیر تک نہاتا رہا۔ پانی کی ٹھنڈک اسے روح کی گہرائیوں میں اترتی محسوس ہو رہی تھی اور وہ اس لذت میں اس طرح کھو گیا تھا کہ اسے وقت کا بھی احساس نہ رہا۔ سورج پہاڑیوں کے پیچھے چھپ گیا تھا اور افق میں کئی چمکیلے رنگ ابھر آئے تھے۔

ڈرائیور نے چائے تیار کر لی تھی اور اب بھنے ہوئے پارچوں کے سینڈوچ بنا رہا تھا۔ دفعتاً حمید کو یاد آیا کہ وہ دوپہر سے بھوکا ہے۔

ٹھنڈے پارچے کے سینڈوچ بھی اس وقت اسے بڑا مزہ دے رہے تھے۔

"بھئی آخر تم بولتے کیوں نہیں۔" حمید نے کھاتے ہوئے سر اٹھا کر کہا۔

موٹر ڈرائیور کے ہونٹوں پر ایک بیجان سی مسکراہٹ پھیل گئی لیکن وہ کوئی جواب دینے کے بجائے اپنے لئے چائے انڈیلنے لگا۔ حمید کو کچھ تو ہنسی آئی اور کچھ جھنجھلاہٹ معلوم ہوئی لیکن اس نے جھنجھلاہٹ کا اظہار کرنا مناسب نہ سمجھا! چشمے کے ٹھنڈے پانی اور گرما گرم چائے کے کپ نے گویا اسے نئی زندگی بخش دی تھی اور وہ حسبِ دستور قدیم چہکنے کے موڈ میں آ گیا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک اس عجیب و غریب ڈرائیور کو گھورتا رہا پھر اچانک بولا۔

"بھئی اگر گونگے ہو تو صاف صاف بتا دو۔ میں کیوں خواہ مخواہ مغز ماروں۔"

ڈرائیور بے اختیار ہنس پڑا۔

"مجھے گونگا ہی سمجھئے۔" وہ بھدی اور بے ہنگم آواز میں بولا۔ "میں کچھ نہیں جانتا مجھے صرف ایک بتائے ہوئے نشان پر آپ کو اتار دینا ہے اس کے علاوہ میں کچھ نہیں جانتا۔"

"نشان پر....!" حمید چونک کر بولا۔ "کیا مطلب۔"

"مطلب خود میری سمجھ میں بھی نہیں آیا۔" ڈرائیور نے لاپروائی سے کہا اور چائے کی خالی پیالیاں اٹھا کر باسکٹ میں رکھنے لگا اس کے چہرے پر پھر سنجیدگی اور سفاکی کے آثار پھیل گئے تھے۔

"اماں تو کہاں.... اتار دو گے... جنگل میں.... قبرستان میں.... یا کسی....!"

"جنگل میں...." ڈرائیور نے کہا۔ "جہاں دور دور تک آبادی کا پتہ نہیں۔"

"کمال کر دیا.... آخر....!"

"میں کچھ نہیں جانتا۔ مجھے یہی حکم ملا ہے اور نہ میں اس کے متعلق کوئی گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

حمید کا دل چاہا کہ ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر کتوں کی طرح بھونکنا شروع کر دے آخر اس کے اعلیٰ افسر کا مقصد کیا تھا اسی طرح کچھ دن قبل جب وہ گھر پر موجود نہیں تھا انسپکٹر فریدی بھی اپنا اتا پتا بتائے بغیر غائب ہو گیا تھا۔ گھر کے ملازموں سے بس اتنا معلوم ہو سکا تھا کہ اس نے کسی لمبے سفر کی تیاری کی تھی اور وہ اس کے لئے بھی کوئی پیغام نہیں چھوڑ گیا تھا لیکن حمید نے اسے اس وقت تک اہمیت نہیں دی تھی کیونکہ اس سے قبل بھی کئی بار ایسا ہو چکا تھا۔ یوں بھی یہ عادت فریدی کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی کہ وہ اپنے پروگرام کسی کو نہیں بتاتا تھا۔ اسی طرح غائب ہو جانے کو کوئی خاص معنی نہیں پہنائے تھے۔ لیکن اس وقت وہ کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ آخر اعلیٰ افسر کیا چاہتا ہے اس کے ذہن میں لیونارڈ[1] والا واقعہ ناچنے لگا۔ لیونارڈ یورپ کا مشہور بلیک میلر جو مسٹر جیکسن کے بھیس میں محکمہ سراغ رسانی کا سپرنٹنڈنٹ بن بیٹھا تھا تو پھر کیا کوئی اس قسم کا حادثہ پیش آیا چاہتا ہے کہ یہ ان دونوں کے خلاف کوئی سازش تھی؟

حمید بیک وقت چونک پڑا۔ ڈرائیور سوٹ کیس اور باسکٹ اٹھائے چلنے کے لئے کہہ رہا تھا۔ وہ بادل نخواستہ اس کے ساتھ ہو لیا۔

کار پھر چل پڑی تھی۔ آہستہ آہستہ اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا۔ دفعتاً ایک خیال حمید کے ذہن کے عقبی حصے سے شعور میں رینگ آیا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اس کا ہاتھ سوٹ کیس کے اندر کپڑوں میں کچھ ٹٹول رہا تھا آخر اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ ریوالور اپنی جگہ پر موجود تھا اس نے ریوالور کی پیٹی کاندھے پر ڈال کر اوپر سے کوٹ پہن لیا۔ خنکی بڑھتی جا رہی تھی۔ ڈرائیور بدستور اسٹیئرنگ پر جھکا ہوا تھا۔ دونوں طرف عظیم الشان چٹانوں کا سلسلہ تھا اور ہیڈ لائیٹس کی روشنی ملی

[1] جاسوسی دنیا کا ناول "فریدی اور لیونارڈ" جلد نمبر 2 ملاحظہ فرمائیے۔

ہوئی پہاڑی سڑکوں پر پھیل رہی تھی۔ انجن کا شور چٹانوں سے ٹکرا کر دور دور تک منتشر معلوم ہو رہا تھا۔ کبھی کبھی بڑے بڑے بالوں والی سفید لومڑیاں روشنی میں سڑک پار کرتی دکھائی دے جاتی تھیں۔ قرب و جوار میں پھیلے ہوئے گنجان درخت تاریکی میں کچھ عجیب وحشت سے لگ رہے تھے۔

"ارے بھائی کم از کم اتنا تو بتا دو کہ ابھی کتنا اور چلنا ہے۔" حمید نے ڈرائیور کو مخاطب کیا۔

"بس دو تین میل اور۔"

"تمہیں کس نے بھیجا ہے۔"

ڈرائیور نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ حمید کا دل چاہا کہ ریوالور کی نال اس کی نظر نہ آنے والی جگہ سے لگا کر لبلبی کو دبا دے۔

"یار تم عجیب آدمی ہو...." حمید نے پھر کہا۔

"دیکھئے" ڈرائیور کرخت آواز میں بولا جو کچھ آپ کہنا چاہتے ہوں اسے صرف سوچتے رہئے۔

"دیکھو دوست میں ابھی تمہاری گردن ناپ سکتا ہوں۔" حمید نے دانت پیس کر کہا۔

"اس سے فائدہ؟" ڈرائیور نے قہقہہ لگایا۔ "میرے بعد آپ یہاں یتیم بچوں کی طرح بھٹکتے پھریں گے۔"

حمید کو اس زور کا غصہ آیا کہ اسے اپنی عقل گدی سے نکلتی معلوم ہونے لگی۔ لیکن وہ کرتا بھی کیا۔ قہر درویش بر جان درویش اس نے یہ بات بھی قاعدے ہی کی کہی تھی۔ اگر سچ مچ وہ تنہا رہ گیا تو کہاں بھٹکتا پھرے گا۔

حمید نے ہارے ہوئے جواری کی طرح ہاتھ پیر ڈال دیئے اور تن بہ تقدیر ہو بیٹھا۔

آخر کار ایک جگہ رک گئی اور ڈرائیور نیچے اتر گیا۔

"اتریئے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

حمید اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"یار.... کیوں؟" وہ ایک بار پھر ہکلایا۔

"ٹھہریئے.... میں آپ کا سوٹ کیس اتارے دیتا ہوں۔" ڈرائیور نے آگے بڑھ کر کہا۔

"تو کیا سچ مچ یہیں۔"

"جی ہاں۔"

"یار کیوں مذاق کرتے ہو۔"

"جلدی کیجئے میرے پاس وقت نہیں ہے۔" ڈرائیور کا لہجہ درشت تھا۔

اس نے حمید کا سامان نیچے اتار دیا۔ طوعاً و کرہاً حمید بھی اتر آیا۔

"تم بھول تو نہیں رہے ہو!" حمید نے بوکھلا کر کہا۔

"شب بخیر...." ڈرائیور نے کار میں بیٹھ کر دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

حمید "ارے ارے" ہی کرتا رہ گیا اور کار اگلے موڑ پر پہنچ کر نظروں سے غائب ہوگئی۔ پہاڑی جھینگروں کی کان پھاڑ دینے والی تیز سیٹیاں فضا میں گونج رہی تھیں۔ حمید کو ایسا معلوم ہوا جیسے اندھیرا تاریک ڈھلوانوں سے پھسل پھسل کر اس کے گرد اونچی اونچی دیواریں کھڑی کر رہا ہو اور یہ دیواریں اسے پیس ڈالنے کے لئے آگے بڑھ رہی ہوں۔ دفعتاً قریب ہی بہت سے گیدڑ چیخ اٹھے اور حمید کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک برفیلی لہر دوڑ گئی۔

وہ دو بڑی چٹانوں کے درمیان بکھری ہوئی خار دار جھاڑیوں میں کھڑا تھا۔ ہر دوسرا لمحہ زیادہ سے زیادہ پاگل کر دینے والا ثابت ہو رہا تھا۔ حمید ڈرپوک نہیں تھا لیکن ایسے حالات میں مرنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ کوئی تک ہے آخر؟

پھر اسے دور کہیں کسی لکڑ بگھے کی قہقہہ نما چیخ سنائی دی جو لحظہ بہ لحظہ قریب ہوتی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ سوٹ کیس وغیرہ وہیں چھوڑ کر دوسری سمت والی چٹان پر چڑھنے لگا۔ انتہائی بلندی پر پہنچ کر وہ سانس لینے کے لئے رکا؟ چاروں طرف گہری تاریکی تھی۔ مطلع غبار آلود ہونے کی وجہ سے ستارے بھی دھندلے ہو رہے تھے۔ دیو پیکر چٹانوں کے نیچے بکھرا ہوا اندھیرا تو نہ جانے کتنی خبیث ارواح کی کمین گاہ معلوم ہوتا تھا۔

دفعتاً حمید کو اپنے سر پر تیزی سے جھپٹتا ہوا ایک سایہ دکھائی دیا اور پھر اس نے اس کے سارے جسم کو ڈھک لیا۔ اس نے اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کی مگر بے سود۔ سر سے پیر تک وہ ایک تنگ جال میں پھنسا ہوا تھا وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ وہ کچھ ایسے بدحواس ہو گیا تھا کہ اس کے منہ سے چیخ تک نہ نکل سکی۔ جال کے حلقے تنگ ہوتے جا رہے تھے اور پھر وہ نیچے کی طرف لڑھکنے لگا۔ اس نے کئی بار جھاڑیوں کو پکڑنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

خوفناک گروہ

حمید نہ جانے کب تک بے ہوش رہا۔ بیدار ہوتے ہی سب سے پہلے اسے اذیت کا احساس ہوا۔ اس کے سارے جسم میں سوئیاں سی چبھ رہی تھیں۔ چاروں طرف زرد رنگ کی گہری دھند چھائی ہوئی تھی۔ کئی منٹ تک وہ اندھوں کی طرح ادھر اُدھر ٹٹولتا رہا پھر آہستہ آہستہ زردی سے سیاہی کے پیچ و خم مٹتے گئے اور اسے موم بتی کی لو صاف نظر آنے لگی۔ وہ ایک غار میں پڑا ہوا تھا اس کے نیچے خشک گھاس کا بستر تھا اور قریب ہی اس کا سامان پڑا ہوا تھا۔ یہاں کچھ تھوڑا سا سامان اور بھی تھا مگر کس کا؟ اس کا پستول کارتوس کی پیٹی سمیت کچھ فاصلے پر پڑا ہوا تھا۔ حمید نے جھپٹ کر اسے اٹھالیا۔ یہ اس کا ایک اضطراری فعل تھا۔ ورنہ وہ لاکھ کوشش کے باوجود بھی نہ اٹھ سکتا تھا اس کے سارے جسم میں بے شمار خراشیں تھیں جن سے ابھی تک خون رس رہا تھا۔ متعدد جگہ کانٹے چبھ گئے تھے۔ داہنے پیر میں اگر موچ نہیں آئی تھی تو کوئی رگ ضرور اپنی جگہ سے کھسک گئی تھی۔ کیونکہ وہ پورا پیر جما کر زمین پر نہیں رکھ سکتا تھا۔

اس نے ایک بار پھر غار کا جائزہ لیا۔ ایک کونے میں ایک انگیٹھی رکھی ہوئی تھی جس میں کوئلے دہک رہے تھے اور اس پر رکھی ہوئی کیتلی سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ بھاپ سے پھیلنے والی ہلکی ہلکی خوشبو بتا رہی تھی کہ اس میں کافی ہے اس کے قریب ہی دودھ کا ڈبہ دکھائی دیا۔ غالباً شکر بھی کہیں قریب ہی رکھی ہوگی۔

بھوک کے مارے حمید کا بُرا حال ہو رہا تھا۔ کافی کی خوشبو نے اسے قریب قریب خوش کر دیا اور وہ یہ بھی بھول گیا کہ وہ اس حال میں ایک نامعلوم جگہ پر پتہ نہیں قید ہے یا آزاد ہے۔ کچھ دیر قبل جو حادثہ پیش آیا تھا اس کا مطلب کیا تھا۔ وہ بے تحاشا کافی کی کیتلی کی طرف جھپٹا اور دفعتاً غار کے دہانے کے قریب اسے ایک قہقہہ سنائی دیا۔

حمید ادھر متوجہ ہوا اور سامنے انسپکٹر فریدی کو کھڑا دیکھ کر بے ساختہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"آپ....!"

انسپکٹر فریدی اپنے مخصوص انداز میں کھڑا مسکرا رہا تھا اس کے جسم پر ایک خاکی رنگ کی جرسی تھی اور ایک میلا سا جیکٹ جو کہنیوں سے پھٹا ہوا تھا۔ شیو بڑھا ہوا تھا چہرے پر ہلکی سی سیاہی

دوڑ گئی تھی لیکن آنکھوں کی وحشیانہ چمک اس حال میں بھی برقرار تھی اس کے دونوں ہاتھ بریجس کی جیبوں میں تھے اور ہونٹوں میں سگار دبا ہوا تھا۔

"آخر اس کا مطلب" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "اگر میری جان ہی لینی ہے تو کسی دن شوٹ کر دیجئے!"

"وہ تو آخری حربہ ہوگا۔" فریدی نے منہ سے سگار نکال کر کہا اُدھر باسکٹ میں کچھ سینڈوچ بھی ہیں۔ مگر ٹھہرو! تمہیں اٹھنے کے لئے کس نے کہا تھا۔

اس نے آگے بڑھ کر حمید کو پھر گھاس کے بستر پر ڈال دیا۔

"آخر یہ کیا بھان متی کا تماشہ ہے۔" حمید دانت پیس کر بولا۔

"سب معلوم ہو جائے گا۔ فی الحال تم چپ چاپ پڑے رہو۔"

فریدی نے باسکٹ سے کچھ سینڈوچ نکالے اور دو پیالیوں میں کافی بنائی۔

حمید سینڈوچ کھاتے وقت بھی بڑبڑائے جا رہا تھا۔ پھر اس نے دفعتاً سر اٹھا کر کہا۔

"ایک تو دن بھر ریگستان میں تپتا رہا۔ اس کے بعد یہ مذاق۔ اگر ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جاتی تو"

"امریکہ سے دوسری منگوا لیتے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "مگر تم غلط سمجھے ہو۔"

"کیا غلط سمجھا ہوں۔" حمید جھلا کر بولا۔ "گویا کتے کا پلا تھا۔ اول تو اس طرح بے تکے پن سے بلوایا پھر جال میں پھنسا کر۔"

"یہی تو تم نہیں سمجھے۔" فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "مگر اس سے ایک فائدہ ضرور ہوا"

"ایک کیا فائدے ہی فائدے۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "میرے جسم پر لاتعداد فائدے ہیں جن سے ابھی تک خون بہ رہا ہے۔"

"اچھا پہلے تم اپنا غصہ اتار لو اس کے بعد میں کچھ کہوں گا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

کافی ختم ہونے کے بعد فریدی حمید کے زخم دیکھنے لگا۔ کئی جگہ سے کانٹے بھی نکالے۔ زخم گہرے نہیں تھے۔ معمولی خراشیں تھیں۔

حمید کا غصہ بھی سرد ہو چکا تھا اور وہ اب گھاس کے بستر پر لیٹا ہولے ہولے کراہ رہا تھا۔

"تم سے زیادہ عجیب حالات میں میں یہاں پہنچا ہوں۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "مگر جال میں پھنسا کر۔"

"پھر وہی۔ پہلے سن تو لو.... جال میں میں نے نہیں پھنسایا تھا۔"

"یعنی....!"

"بس سنتے جاؤ۔ ٹھہرو۔ یہاں اندھیرا ہی بہتر ہے۔" فریدی نے کہا اور اٹھ کر موم بتی بجھا دی۔

"خاموش۔"

اور پھر حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے فریدی آہستہ آہستہ غار کے دہانے کی طرف رینگ رہا ہو۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید نے کسی کی سانسیں اپنے چہرے پر محسوس کیں۔ لیکن وہ دم سادھے پڑا رہا۔

"وہ ہمیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔" فریدی کی سرگوشی پھر سنائی دی۔

حمید کی سمجھ میں خاک بھی نہ آیا۔

"کون۔"

"وہی جنہوں نے تمہیں جال میں پھنسا کر پکڑنے کی کوشش کی تھی۔"

"وہ کون ہیں۔"

"پھر بتاؤں گا.... چپ چاپ پڑے رہو۔ ورنہ کتوں سے بدتر موت نصیب ہوگی۔"

حمید کی پلکیں بوجھل ہوتی جا رہی تھیں اس پر پھر غشی طاری ہو گئی۔ رات میں کئی بار اس کی آنکھیں کھلیں۔ لیکن اس بیداری میں شعور کو دخل نہ تھا۔

دوسرے دن وہ کافی دن چڑھے تک سوتا رہا۔ فریدی کے جگانے پر اس نے آنکھیں تو کھولیں لیکن اپنی جگہ سے ہل نہ سکا۔ سارے جسم میں درد ہو رہا تھا اور آنکھوں میں مرچیں سی بھری معلوم ہو رہی تھیں۔

"ارے تمہیں تو اچھا خاصا بخار ہے۔" فریدی نے کہا۔

حمید نے کوئی جواب دینے کے بجائے آنکھیں بند کر لیں۔

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" فریدی خود بخود بڑبڑایا۔ اس کی پیشانی پر گہرے تفکر کی لکیریں نظر آ رہی تھیں۔ حمید کچھ بولنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"دواؤں کا بکس بھی یہاں موجود نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔ "مجھے کیا معلوم تھا کہ یہاں پہنچتے ہی تم اس حادثے کا شکار ہو جاؤ گے۔"

حمید جھلا کر اٹھ بیٹھا۔

"میں کہتا ہوں آخر اس طرح بلانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔" اس نے کہا۔

"حالات ہی ایسے تھے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"حالات! خدا سمجھے ان حالات سے آپ کے ساتھ حالات کے علاوہ اور رہتا ہی کیا ہے۔"

"بھئی بات بھی سنو تو۔"

"سنایئے نا!" حمید جھنجھلا کر بولا اور فریدی ہنسنے لگا۔

"مجھے بھی اسی طرح کچھ بتائے بغیر روانہ کر دیا گیا تھا۔ ٹیکم گڈھ کے محکمہ سراغ رسانی کا سپرنٹنڈنٹ مجھے اُسی اسٹیشن سے ٹیکم گڈھ لے گیا۔ جس راستے سے تم یہاں آئے ہو۔"

فریدی سگار سلگانے کے لئے رکا اور دو تین کش لینے کے بعد بھی خاموش ہی رہا۔ حمید کو اس کی اس عادت سے پرانی عداوت تھی۔ وہ ہمیشہ ایک بات کرتے کرتے دوسری بات میں الجھ کر اس کے متعلق سوچنے لگتا تھا۔

"لیکن کیوں؟ کس لئے؟" حمید نے پوچھا۔

"یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کمال کر دیا؟" حمید بھنا کر بولا۔ "تو گویا....!"

"اوہ سنو تو....!" فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "بظاہر بات اتنی ہی ہے کہ یہاں سے ناجائز برآمد ہو رہی ہے۔ لاکھوں روپیہ کا سونا ہمسایہ ملک میں ناجائز طور پر بھیجا جا رہا ہے۔"

"تو یہاں کا محکمہ سراغ رسانی اتنی سی بات کا پتہ بھی نہیں لگا سکا۔" حمید نے کہا۔

"یہی تو حیرت کی بات ہے!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "انہیں پتہ ہی نہیں چلتا کہ سامان کس وقت اور کس طرح گذرا۔"

"پھر انہیں اس کے متعلق معلوم کیسے ہوتا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ہمارے جاسوس ہمسایہ ملک سے اس کی اطلاع دیتے ہیں۔"

"حیرت ہے.... اتنی ذرا سی بات۔"

"ذرا سی بات نہ کہو! بہت ہی منظم گروہ ہے۔ ایک ایک بات کی خبر رکھتا ہے اس کا اندازہ اب ہوا ہے کہ یہاں کا محکمہ سراغ رسانی اس کے مقابلے میں کتنا کمزور ہے۔ اب اپنی آمد ہی

بارے میں غور کرو! محض راز داری کے لئے اتنا ٹیڑھا میڑھا راستہ اختیار کیا گیا تھا۔ لیکن انہیں اس کی بھی اطلاع ہو گئی اور انہوں نے تمہیں پکڑنے کی کوشش کی۔ وہ اس وقت صرف دو ہی تھے۔ ورنہ شائد میں تمہیں چھڑانے میں کامیاب بھی نہ ہوتا۔"

"وہ ڈرائیور کون تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"یہیں کے محکمہ سراغ رسانی کا کوئی آدمی رہا ہوگا۔"

"مجھے تو اسی پر شک ہے۔" حمید نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے.... اس قسم کی باتوں کے کھل جانے کے ذرائع ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ مجرموں کے آدمی محکمہ سراغ رسانی میں بھی موجود ہیں۔"

"تو کیا آپ اسی غار میں رہتے ہیں۔"

"نہیں وہ تو میں تمہاری وجہ سے یہاں آ بسا تھا۔ لیکن اب سوچتا ہوں کہ اس طرح چھپنا چھپانا قطعی فضول ہے کیونکہ مجرم ہم سے اچھی طرح واقف ہیں۔"

"پھر کیا کیجئے گا۔"

"دیکھو بھائی ایسے حالات میں موت دو چار ہی قدم کے فاصلے پر ملتی ہے اسی لئے ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ابھی تک کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔"

"آپ ٹیکم گڈھ میں کب سے مقیم ہیں۔"

"تین دن سے۔"

"اور آپ کے ساتھ کوئی خاص حادثہ پیش نہیں آیا۔"

"نہیں قطعی نہیں۔ ممکن ہے اس وقت تک انہیں میری موجودگی کا علم نہ رہا ہو۔"

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انہیں میرے آنے کی اطلاع تو مل جائے اور آپ کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ہم دونوں کو ایک ہی جگہ ٹھکانے لگا دینے کی اسکیم بنائی ہو۔"

"اگر یہ بات ہوتی تو صرف دو ہی آدمی نہ آتے اگر وہ میرے متعلق بھی جانتے ہوں گے تو انہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ میں دو چار آدمیوں کے بس کا روگ نہیں۔"

"یہ نہ کہئے! بے خبری میں بڑے بڑے مارے جاتے ہیں۔"

"ممکن ہے تمہارا خیال درست ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

حمید تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔

"آپ نے مجھے کس طرح رہائی دلائی تھی۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ مجھے وہاں پہنچنے میں تھوڑی دیر ہو گئی تھی ورنہ اس کی نوبت نہ آنے پاتی۔ بہر حال میں اس وقت پہنچا جب وہ تمہیں جال میں پھنسا کر کھینچ رہے تھے۔ پہلے تو میں کچھ سمجھا ہی نہیں۔ لیکن جب تمہاری چیخ سنی تو بے تحاشہ فائر کرنے شروع کر دیئے۔ تھوڑی دیر تک وہ مقابلہ کرتے رہے لیکن پھر بھاگ نکلے اگر میں جانتا ہوتا کہ وہ صرف دو ہی ہیں تو میں فائر نہ کرتا اس کے بجائے انہیں پکڑنے کی کوشش کرتا۔"

"لیکن اس کے بعد بھی تو وہ ہمیں تلاش کرتے پھر رہے تھے۔" حمید نے کہا۔

"ہاں.... آں۔" فریدی بجھا ہوا سگار سلگا کر بولا۔ مگر اس وقت وہ آٹھ دس تھے۔

"آٹھ دس....!"

"ہاں۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ان کا کوئی اڈہ یہاں سے قریب ہی ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن مجھے یقین ہے کہ انہیں یہاں میری موجودگی کا علم نہیں تھا ورنہ وہ میرے ٹھکانے سے بھی واقف ہوتے اور اس وقت ہم کہیں اور پائے جاتے۔"

حمید نے کراہ کر کروٹ بدلی اور فریدی اٹھ کر آتش دان کی آگ تیز کرنے لگا۔ آتش دان رکھی ہوئی لوہے کی سلاخ میں کوئی پرندہ لگا ہوا تھا جسے وہ نمک چھڑک چھڑک کر بھونتا جا رہا تھا۔

"تو اب کیا یہیں پڑے رہنے کا ارادہ ہے۔" حمید نے کہا۔

"نہیں تو.... تم ذرا ٹھیک ہو جاؤ تو ہم ٹیکم گڈھ کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔" فریدی سیخ کو آتش دان پر سے اتارتے ہوئے کہا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔" حمید نے کہا۔ "اور پھر مجھے اس غار میں وحشت ہوتی ہے۔"

"کتنی رومان آفریں جگہ ہے۔ آج تم غروب کا منظر ضرور دیکھنا! ہے ہے! حمید تم نر ڈیوٹ ہو۔ یہاں زندگی ہے پیارے ان چٹانوں سے حیات کے چشمے ابلتے معلوم ہوتے ہیں۔"

"اور لکڑ بھگوں کے خونی قہقہوں کے متعلق کیا خیال ہے۔" حمید منہ بنا کر بولا۔

"چھوڑو بھی۔" فریدی نے اس کی طرف کافی کا پیالہ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ جہاں ہم بیٹھے ہیں یہ بھی لکڑ بھگے ہی کی پناہ گاہ ہو۔"

"ہو سکتا ہے۔" حمید دانت پیس کر خاموش ہو گیا۔

فریدی تھوڑی دیر کچھ سوچتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔

"ٹیکم گڈھ کے جس ہوٹل میں، میں ٹھہرا ہوں ہر لحاظ سے اچھا ہے۔ عمدہ کھانا آرام دہ بستر، قاعدے کے لوگ، عمارت تو ساری لکڑی کی بنائی ہوئی ہے۔ لیکن اتنی پُر فضا جگہ پر واقع ہے کہ بس کچھ نہ پوچھو۔ ملازموں میں ایک بھی مرد نہیں سب لڑکیاں ہیں۔"

حمید نے کوئی جواب نہیں دیا وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ فریدی اسے بچوں کی طرح بہلانے کی کوشش کر رہا ہے۔

انہوں نے دو دن تک اسی غار میں قیام کیا اس دوران میں کوئی خاص واقع پیش نہیں آیا۔ حمید اب بالکل ٹھیک ہو گیا تھا لیکن ابھی اس کے لئے ایک جان لیوا مرحلہ باقی رہ گیا تھا اور وہ تھا ٹیکم گڈھ تک کا پیدل سفر۔ ٹیکم گڈھ وہاں سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ فریدی سے یہ بھی سن چکا تھا کہ راستے میں گھنے جنگلوں کے سلسلے ملتے ہیں جو وحشی درندوں سے پر ہیں لیکن بہر حال اسے ان جنگلوں کو پار کرنا ہے۔

تیسری رات وہ ٹیکم گڈھ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حمید کا سوٹ کیس وہیں غار میں ڈال دیا گیا۔ کپڑے اور دوسری چیزیں شکار کے بڑے تھیلوں میں بھر لی گئی تھیں۔ جنہیں وہ اپنے کاندھوں پر اٹھائے دشوار گذار راستے طے کر رہے تھے۔

نیلا ہیجان

ٹیکم گڈھ پہنچ کر وہ اسی ہوٹل میں اترے جہاں فریدی سے پہلے مقیم تھا۔ عمارت کچھ زیادہ وسیع نہیں تھی۔ مسافروں کے ٹھہرنے کے لئے صرف بیس کمرے تھے اور پوری عمارت میں کہیں بھی کہیں سیمنٹ یا پتھر استعمال کیا گیا ہو۔ عمارت تھی تو لکڑی ہی کی لیکن سلیقے سے بنائی گئی تھی۔ بیرونی دیواریں جو بڑے بڑے گول شہتیروں کو جوڑ کر بنائی گئی تھی بھورے رنگ کی وارنش

سے رنگی گئی تھیں اندر کی طرف سپاٹ تختے لگا کر انہیں ہموار بنایا گیا تھا اور ان پر سفیدے کا پالش تھا۔ یہاں پر زیادہ تر غیر ممالک کے سیاح ٹھہرا کرتے تھے۔ ان میں سے کچھ مصور ہوتے تھے اور کچھ ایسے جنہیں کوہ پیمائی کا شوق یہاں کھینچ لاتا تھا۔ کبھی کبھی لمبے بالوں والی لومڑیوں کے شکاری بھی آ ٹھہرتے تھے۔

محل وقوع کے اعتبار سے ٹیکم گڈھ کے لوگ اسے "رشک ارم" کہتے تھے۔ یہ انتہائی اونچائی پر بنایا گیا تھا کہ یہاں سے دور دراز پہاڑی سلسلوں کی برفانی چوٹیاں صاف دکھائی دیتی تھیں جن پر طلوع و غروب کے وقت قوس قزح کے رنگ پھیلے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ نشیب میں دور تک سدا بہار درختوں کے جنگل پھیلے ہوئے تھے۔ داہنی طرف کے ڈھلوانوں میں ایک پہاڑی نالہ چٹانوں سے ٹکرا کر جگمگاتے ہوئے قطروں کے موتی اچھالتا ہوا بہہ رہا تھا۔ آگے چل کر اس نے ایک وسیع جھیل کی شکل اختیار کر لی تھی اور پھر اس کا پانی اگلی پہاڑیوں کی دراڑوں میں گھس کر جانے کتنے اور نالے بناتا تھا۔

فریدی اس ہوٹل میں سول اینڈ ملٹری گزٹ کے رپورٹر کی حیثیت سے مقیم تھا۔ قیام مقصد سیر و شکار بیان کیا گیا تھا۔ اس لئے جب وہ حمید کے ساتھ بحالت تباہ ہوٹل میں داخل ہوا کسی نے ذرہ برابر حیرت کا بھی اظہار نہ کیا۔ اس نے جو کمرہ لے رکھا تھا وہ دو آدمیوں کے لئے اور منیجر کو یہ معلوم تھا کہ اس کا کوئی اور ساتھی بھی آنے والا ہے۔ فریدی نے راستے ہی میں حمید تھوڑا بہت حلیہ تبدیل کر دیا تھا اور اب وہ ایک نوجوان کے بجائے پینتیس چالیس کا آدمی معلوم ہونے لگا تھا۔ اگر اس پر حملہ نہ کیا گیا ہوتا تو شاید فریدی اس کی ضرورت ہی محسوس نہ کرتا لیکن اب اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں رہ گئی تھی۔ چونکہ محکمہ سراغ رسانی کا ڈرائیور اسے پہچان تھا اس لئے اصلی صورت میں رہنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر ناشتہ کرنے کے بعد وہ بالکونی میں آ بیٹھے۔

"تو کیا تم جھوٹ سمجھے تھے۔" فریدی بجھا ہوا سگار نیچے پھینکتا ہوا بولا۔

"لیکن آپ نے مجھے بوڑھا بنا کر مجھ پر ظلم کیا ہے۔" حمید نے ایک ویٹرس پر نظر جما ہوئے کہا جو قریب سے گذر رہی تھی۔ پھر اس نے اسے روک کر پوچھا کیا یہاں پر نس ہنر تمباکو مل سکے گا۔"

"جی نہیں وہ تو نہیں ہوگا۔ کارلٹن اور کیپسٹن ہیں۔" ویٹرس نے کہا۔

"کارلٹن تو ہلکا ہوتا ہے۔ خیر ایک ٹن کیپسٹن کا دے جاؤ۔"

"چھوٹا یا بڑا۔"

"چار اونس والا۔ لیکن ذرا....!" حمید ایک آنکھ دبا کر بولا۔ "خیر جاؤ۔"

ویٹرس مسکراتی ہوئی چلی گئی۔

"تم نے شروع کر دیں اپنی حرکتیں۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"کیسی حرکتیں! آپ تو خواہ مخواہ جان کو آجاتے ہیں۔" حمید نے بھنا کر کہا۔ "میں نے کسی رت سے بات کی اور آپ کے دماغ میں زلزلہ آیا۔ پھر کس سے کہتا۔ کیا یہاں کوئی مرد نوکر ہے۔"

"تم نے اسے آنکھ کیوں ماری تھی۔"

"پتھر تو نہیں مارا تھا۔" حمید جھلا کر بولا۔ اگر آنکھ مارنے سے اس کا پیٹ پھٹ گیا ہو تو میری دن اڑا دیجئے۔ بھلا بتائیے اب کوئی آنکھ بھی نہ مارے۔"

"تو گویا آنکھ مارنا کوئی بڑا فریضہ ہے۔"

"جی نہیں آپ کی طرف برہمچاری ہو جانے میں نروان ہے۔" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔

یہ بحث یہیں تک پہنچی تھی کہ ویٹرس تمباکو لے کر آ گئی۔

"کیوں بھئی تمہارے چوٹ تو نہیں آئی۔" حمید نے اس سے سنجیدگی سے پوچھا اور فریدی ے گھورنے لگا۔

"چوٹ....!" وہ چونک کر بولی۔ "کیسی چوٹ۔"

"ہم سمجھے شاید تم زینے پر لڑکھڑائی تھیں۔" فریدی جلدی سے بولا۔

"جی نہیں.... نہیں تو۔"

"خیر ہمیں دھوکا ہوا ہوگا۔" فریدی نے کہا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

حمید نے تمباکو کے دام ادا کئے اور ایک بار پھر اسے آنکھ مار کر رخصت کر دیا۔

"حمید تمہاری شامت تو نہیں آ گئی۔" فریدی بگڑ کر بولا۔ "کم از کم میرے ساتھ رہ کر تم ناگوار ہوئی حرکتیں نہیں کر سکتے۔"

"بھلا اس میں گراوٹ کی کیا بات ہے۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"میں سچ مچ تمہیں چانٹا مار دوں گا۔"

"یہ یقیناً ایک گری ہوئی حرکت ہوگی۔" حمید فلسفیانہ انداز میں بولا۔ "کیونکہ چانٹے کی چوٹ لگتی ہے۔ مہاتما گوتم بدھ کا ارشاد ہے کہ ارشاد احمد، ارشاد علی اور ارشاد حسن وغیرہ مسلمانوں کے نام ہوتے ہیں، ہندوؤں کے نام رام کھلاون.... رام....!"

"بکو مت۔" فریدی نے جھنجھلا کر اس کا منہ دبا دیا۔

"ہوں.... ہوں.... کہیں میک اپ نہ بگڑ جائے۔" حمید پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

"خیر بیٹے گھبراؤ نہیں جلد ہی ساری چہک بند ہو جائے گی۔" فریدی بے بسی سے بولا۔

"کیا آپ مجھے بزدل سمجھتے ہیں۔" حمید اکڑ کر بولا۔

"نہیں عورتوں کی موجودگی میں تو تم خاصے تیس مار خاں معلوم ہوتے ہو۔" فریدی۔ زہر خند کے ساتھ کہا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید سنجیدگی سے بولا۔

"تو اب کیا پروگرام ہے۔"

"یہی تو سمجھ میں نہیں آتا۔" فریدی سگار سلگا کر برفیلی چوٹیوں پر نظریں گاڑتا ہوا بولا "کام کس طرح شروع کیا جائے۔ یہ خود ایک اپنی جگہ پر بہت بڑا سوال ہے۔ ہمارے پاس فی الحال اس اطلاع کے علاوہ کچھ اور نہیں کہ یہاں سے ناجائز برآمد ہوتی ہے۔"

"اور وہ بھی اس طرح کہ یہاں کا محکمہ سراغ رسانی بے دست و پا ہو کر رہ گیا ہے۔" مسکرا کر بولا۔

"کیا تمہارے اس جملے میں کوئی خاص اشارہ پنہاں ہے۔"

"اوہ....!" حمید منہ بگاڑ کر بولا۔ "یہ ایشیا کا معروف سراغ رساں مجھ سے پوچھ رہا ہے۔"

فریدی پُر خیال انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"تم شاید یہ کہنا چاہتے ہو۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "کہ شروعات اس ڈرائیور سے کی جا کیونکہ تمہاری آمد کا راز افشا ہو گیا تھا۔"

"جناب والا۔" حمید قدرے جھک کر بولا۔ "یہ بالکل سامنے کی بات ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" فریدی ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "شاید ابھی تک تمہارے ذہن پر لکڑ بھگو

نتیجے مسلط ہیں۔"

"کیوں؟"

"یہ سامنے کی بات صرف اندھے ہی ٹٹول سکتے ہیں۔" فریدی زہر خند کے ساتھ بولا۔ "ڈرائیور کے فرشتوں کو بھی اس کا علم نہ ہوگا کہ تم پر کیا گذری۔ ایک احمق سے احمق آدمی یہ جانتا ہے کہ اس کی ذمہ داری کہاں سے شروع ہوتی ہے اور اس کا اختتام کہاں ہو سکتا ہے۔ غالباً اتنی عقل تو وہ بھی رکھتا ہوگا کہ تمہیں اس ویران مقام پر تنہا چھوڑ دیا جانا خالی از علت نہیں لہٰذا ایسی صورت میں فوراً ہی حملہ کر دیا جانا ڈرائیور کے سازش میں شریک ہونے کی طرف اشارہ نہیں کرتا۔"

"اونہہ! ماریئے گولی۔" حمید اکتا کر بولا۔ "میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ یہاں خاصی تفریح رہے گی۔"

"خاصی۔" فریدی نے کہا اور اپنی نظریں اُفق پر گاڑ دیں۔ "ٹیکم گڈھ واقعی دلچسپی جگہ ہے۔ مجھے افسوس ہے میں پہلے بھی کبھی یہاں کیوں نہیں آیا۔ یہاں رہ کر آدمی تین مختلف تہذیبوں سے قریب ہو جاتا ہے۔ تین ملکوں کی سرحدیں یہاں سے شروع ہوتی ہیں اور ان میں سے ایک ہمارا سونا ہڑپ کرتا رہتا ہے۔"

فریدی کچھ اور کہتے کہتے رک گیا۔ بالکونی کے دوسرے کنارے پر قدموں کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔

"ہیلو کیپٹن یادو۔" ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ "آپ کہاں غائب ہو گئے تھے۔"

"اوہ.... مس رینوکا۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "آیئے آیئے! ذرا شکار کے لئے نکل گیا تھا۔"

حمید بھی کھڑا ہو گیا اس کے سامنے ایک انتہائی حسین عورت نیلے اسکرٹ میں کھڑی ہوئی تھی۔ عمر چھبیس ستائیس سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ بڑی بڑی آنکھیں نشیلی ضرور تھیں لیکن ان میں کسی جگہ درندگی بھی چھپی ہوئی تھی۔ مسکراتے وقت گالوں پر ہلکے ہلکے گڑھے پڑ جاتے تھے۔

"آپ میرے دوست کیپٹن جلیس ہیں۔" فریدی نے حمید کی طرف اشارہ کیا۔ "شکاری آدمی ہیں اور آپ مس رینوکا ایک بلند پایہ مصور۔ آپکی ایک تصویر اس سال پیرس کی بین الاقوامی نمائش میں جانے والی ہے۔"

"مجھے انتہائی مسرت ہوئی ہے آپ سے مل کر۔" حمید اس سے ہاتھ ملاتے وقت قدرے

جھک کر بولا۔

"مسٹر راحیل تو نہیں دکھائی دیئے۔" رینو کا نے فریدی سے پوچھا۔ "میں ان کی تلاش میں ہوں۔"

"میں نے انہیں کچھ دیر قبل تمبا کو نوشی کے کمرے میں دیکھا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"معاف کیجئے گا میں مخل ہوئی۔" اس نے مسکرا کر سر کو خفیف سی جنبش دی۔

"کوئی بات نہیں۔" فریدی نے کہا اور رینو کا حمید کے حواس خمسہ کو جھنجھوڑتی ہوئی نیچے چلی گئی۔

"آپ کا جغرافیہ۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"جتنا میں نے تمہیں بتایا ہے اس سے زیادہ میں خود نہیں جانتا۔" فریدی لاپروائی سے بولا۔

"نہ جانے آپ کس پتھر کے بنے ہیں۔"

"ہٹاؤ ہٹاؤ۔" فریدی احتجاجاً ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں اس موضوع پر گفتگو کرنا نہیں چاہتا۔"

"سورج غروب ہو چکا تھا افق میں پھیلے ہوئے رنگین لہریوں پر سیاہی غالب آتی جا رہی تھی۔ فریدی تھوڑی دیر تک خیالات میں ڈوبا رہا پھر بولا۔

"دگراج کے درے پر ایک فوجی دستہ تعینات ہے اور وہاں ایک پولیس چوکی بھی ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور مناسب راستہ بھی نہیں ہے۔"

"یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"میں اپنا خیال نہیں ظاہر کر رہا ہوں۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "یہ یہاں کے محکمہ سراغ رسانی کی رپورٹ ہے۔"

"تو آپ کب تک اس رپورٹ کو پیٹتے رہیے گا۔" حمید اکتا کر بولا۔

"جب تک کوئی خاص کڑی میرے ہاتھ نہ آ جائے۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "میں ابھی آتا ہوں۔"

فریدی اسے گھورنے لگا لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔ حمید نے لاابالی پن کے ساتھ اپنے شانوں کو جنبش دی اور نیچے چلا گیا۔ ڈائننگ ہال میں برتن کھنک رہے تھے اس کی نظریں بے شمار سروں کے پھسلتی ہوئی اس عورت پر جا کر رک گئیں جس سے فریدی نے تھوڑی دیر قبل تعارف کرایا تھا۔ وہ ایک ایکٹر قسم کے آدمی کے ساتھ بیئر پی رہی تھی۔ پھر حمید کو وہ لڑکی دکھائی دی جس نے اس نے تمبا کو منگوایا تھا۔

حمید اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے ہی جا رہا تھا کہ دفعتاً باہر شور سنائی دیا۔ دو تین آدمی بھاگ کر اندر آئے ان میں ہوٹل کا چوکیدار بھی تھا۔

"ایک نئی آفت۔" چوکیدار نے منیجر کے کمرے کی طرف بھاگتے ہوئے کسی سے کہا۔

ڈائننگ ہال میں بیٹھے ہوئے لوگ چونک کر ادھر اُدھر دیکھنے لگے۔ کچھ تو گھبراہٹ میں کھڑے ہو گئے۔

اور پھر چند لمحے بعد منیجر اپنے کمرے سے نکل کر تیزی سے اوپری منزل کی طرف جاتا دکھائی دیا۔ اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ بقیہ لوگ کھڑکیوں اور دروازوں کے قریب اکٹھا ہو رہے تھے۔

حمید بوکھلائے ہوئے انداز میں انہیں میں شامل ہو گیا۔ لوگوں کی نظریں مغربی افق پر جمی ہوئی تھیں۔ جہاں پہاڑی سلسلوں کے پیچھے سے ایک تیز قسم کی نیلی روشنی پھوٹ رہی تھی اور پہاڑوں پر چھوٹے چھوٹے سیاہ دھبے رینگتے معلوم ہو رہے تھے۔

"دروازے اور کھڑکیاں بند کرو۔" بار ٹنڈر کاؤنٹر پر سے چیخا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" حمید نے قریب کھڑے ہوئے آدمی سے پوچھا۔

"خبر نہیں صاحب، میں بھی یہاں اجنبی ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

باہر بدستور شور جاری تھا۔ شاید یہ نیچے آبادی کا شور تھا۔ حمید تیزی سے اوپری منزل کے زینے طے کرنے لگا۔

اوپر بالکونی میں مجمع بڑھ گیا تھا۔ منیجر چیخ چیخ کر لوگوں سے اندر چلے جانے کی درخواست کر رہا تھا۔

"آخر یہ ہے کیا۔" کئی آدمیوں نے بیک وقت پوچھا۔

"میں بتاؤں گا.... لیکن آپ لوگ اندر تو چلئے۔ ورنہ میں کسی کی موت کا ذمہ دار نہ ہوں گا۔"

لوگ ایک ایک کر کے کھسکنے لگے پھر کسی نے یہ بھی نہ پوچھا کہ اس نیلے ہیجان اور موت سے کیا تعلق۔ روشنی لحظہ بہ لحظہ تیز ہوتی جا رہی تھی اور اب تو قریب کے درختوں اور ہوٹل کی دیواروں پر بھی اس کی جھلکیاں دکھائی دینے لگی تھیں۔ دفعتاً فریدی نے حمید کا شانہ دبا کر اسے منیجر کے پیچھے چلنے کا اشارہ کیا۔

وہ سب نیچے ڈائننگ ہال میں جمع ہو گئے جو لوگ پہلے ہی سے نیچے تھے ان کے چہروں پر خوف

کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ شائد انہیں پہلے ہی کچھ معلوم ہو گیا تھا۔

منیجر کاؤنٹر کے قریب رک کر مجمع پر نظریں دوڑاتا ہوا اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگا۔

"کچھ بولو بھی۔" مجمع سے کسی نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

"حضرات!" منیجر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔ "میں یہ نہیں کہتا کہ آج بھی کوئی حادثہ ضرور پیش آئے گا.... ہو سکتا ہے کہ میرا.... میرا ہی نہیں بلکہ پورے ٹیکم گڈھ کی آبادی کا اندیشہ بے بنیاد ہو لیکن احتیاط شرط ہے۔"

"عجیب آدمی ہو.... صاف صاف کہو۔" کسی نے چیخ کر کہا۔

"آج سے چھ ماہ قبل اس طرح سے چنگاریاں اڑتی دکھائی دی تھیں اور کئی بہت بڑے بڑے شعلے ٹیکم گڈھ کی آبادی میں آگرے تھے جس سے کافی نقصان ہوا تھا اور کئی جانیں بھی ضائع ہوئی تھیں۔ کچھ دنوں بعد معلوم ہوا کہ سرحد پار کے ایک ملک کے سائنسدانوں نے کسی تباہ کن حربے کا تجربہ کیا تھا آپ نے بھی اخبارات میں اس کے متعلق پڑھا ہو گا۔"

"احتیاط کی دم۔" کوئی شرابی نشے میں بڑبڑایا۔ "احتیاط کی ماں کی ناک۔"

"آپ لوگ اس وقت براہِ کرم باہر نہ نکلیں۔" منیجر پھر بولا۔ "جب تک یہ ہیجان فرو نہ ہو جائے۔"

پورے ہال میں عجیب طرح کی بھنبھناہٹ گونجنے لگی۔ شرابی کی آواز ابھی تک سنائی دے رہی تھی۔

"ہیجان .... سالا.... قیامت تک فرو نہ ہو گا۔" وہ جھومتا ہوا اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

"مسٹر میں آپ سے استدعا کرتا ہوں۔" منیجر تیز لہجے میں بولا۔

"استدعا کی....!" وہ پلٹ پڑا۔ "استدعا کے بچے بتاؤ میری جان.... استدعا.... الگ.... دعا الگ.... تم دعا کرو اور میں اپنے کمرے میں جا کر استدعا کرتا ہوں۔ داہنا ہاتھ سلامت ہے تو کیا پرواہ ہے۔"

وہ بے ڈھنگے پن سے گاتا ہوا تمباکو نوشی کے کمرے میں چلا گیا۔

"یہ کیا معاملہ ہے؟" حمید نے آہستہ سے فریدی سے پوچھا۔

"خبر نہیں.... لیکن چیز دلچسپ ہے۔" فریدی نے جواب دیا۔

"آخر ہم کب تک بند رہیں گے۔" کسی نے منیجر سے پوچھا۔

"جب تک وہ روشنی ختم نہ ہو جائے۔ میں پھر عرض کروں گا کہ احتیاط ضروری ہے۔"

"احتیاط کی ماں کی ناک۔" تمباکو نوشی کے کمرے سے شرابی کی آواز آئی۔

تھوڑی دیر بعد آسمان پھر پہلے کی طرح صاف ہو گیا اور تمام دروازے کھول دیئے گئے۔

قرب و جوار میں کہیں کوئی حادثہ نہیں ہوا تھا۔

فریدی بہت زیادہ خاموش نظر آرہا تھا۔ اس نے اس کے متعلق کسی سے کوئی پوچھ گچھ نہ کی۔

حمید اسکے اس رویے کو حیرت سے دیکھ رہا تھا اس کی دانست میں یہ حیرت کی بات تھی ایسی عجیب و غریب بات سامنے آئے اور فریدی خاموش رہ جائے۔ یہ اس کی فطرت کے سراسر خلاف تھا۔

وہ دونوں کھانا کھا چکنے کے بعد پھر بالکونی میں آبیٹھے لیکن اس وقت وہ یہاں تنہا نہیں تھے۔ البتہ فریدی نے ایک ایسی جگہ منتخب کی تھی جو سب سے الگ تھلگ تھی۔

"آخر یہ کیا تھا؟" حمید نے پھر پوچھا۔

"اماں رہا ہو گا کوئی ڈھونگ۔" فریدی منہ سکوڑ کر بولا۔

"ڈھونگ تو میں اس وقت سمجھتا۔" حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ "جب لوگ اُسے کوئی مافوق الفطرت چیز سمجھنے پر مصر ہوتے۔"

"ہو گا کچھ۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ اس کے لہجے سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔ حمید کی نظریں انہیں پہاڑوں کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ جدھر کچھ دیر قبل نیلی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ دفعتاً پھر نیلی روشنی کا ایک جھماکا سا ہوا اور لوگوں کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اسی طرح تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد کئی بار جھماکے ہوئے اور پھر ساری پہاڑیاں نیلی روشنی سے نہا گئیں لوگ پھر اٹھ اٹھ کر اندر کی طرف بھاگنے لگے۔ فریدی اور حمید نے بھی ان کی تقلید کی۔ لیکن نیچے ہال میں پہنچ کر حمید نے محسوس کیا کہ فریدی اس کے ساتھ نہیں ہے اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں لیکن وہ کہیں نہ دکھائی دیا۔

ہال کے سارے دروازے بند کر دیئے گئے تھے۔ کھڑکیاں بھی بند تھیں اور لوگ سہمے بیٹھے تھے۔

حمید نے رینو کاکو دیکھا جس کی آنکھیں نشے میں ڈوبی ہوئی تھیں اور وہ بار بار اپنے ساتھی کے شانے پر سر رکھ دیتی تھی۔ حمید اس طرح منہ بنانے لگا جیسے نادانستگی میں کوئی کڑوی کسیلی چیز کھالی ہو۔ قریب تھا کہ اس کا دماغ بہک جائے اسے یاد آیا کہ فریدی موجود نہیں۔ اس نے پھر ادھر

اُدھر نظریں دوڑائیں۔ یک بیک اُسے کچھ خیال آیا اور وہ اس کمرے کی طرف لپکا جس میں دونوں مقیم تھے۔ کمرہ بھی خالی ملا۔

تھوڑی دیر میں اس نے پوری عمارت چھان ماری لیکن فریدی نہ ملا۔ آخر وہ پھر تھکا ہارا ڈائننگ ہال میں آبیٹھا۔ روشنی اب اتنی تیز ہوگئی تھی کہ دروازوں اور کھڑکیوں کی درزوں سے دکھائی دے رہی تھی۔ لیکن اب خوف کے پہلے سے آثار نظر نہیں آرہے تھے لوگ شراب یا کاؤچ پر ٹوٹ پڑے تھے۔

رینو کا اپنی میز پر تنہا تھی اس کی نشے سے بوجھل پلکیں جھکی جارہی تھیں کبھی کبھی وہ آنکھیں پھاڑ کر صدر دروازے کی طرف دیکھنے لگتی تھی۔ دفعتاً وہ اٹھی اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

"ارے! ارے۔" کئی آوازیں سنائی دیں اور کچھ لوگ دروازے کی طرف لپکے۔ حمید بھی اس کے پیچھے تھا۔ رینو کا کا ساتھی اُسے اندر کھینچ لایا۔ وہ نشے میں نہ جانے کیا کیا بک رہی تھی۔ پھر نیلی روشنی کے درمیان سے ایک ہوائی سی چھوٹی اور فضا میں چنگاریاں بکھیرتی ہوئی ہوٹل کی عمارت سے گذر گئی اس کا رخ مشرق کی طرف تھا۔ کہیں دور شور سنائی دیا اور پھر خاموشی چھا گئی۔

سفید حادثہ

حمید رات بھر جاگتا رہا۔ فریدی نہ جانے کہاں غائب ہوگیا تھا۔ اگر حمید ٹیکم گڈھ میں نووارد نہ ہوتا تو شاید کبھی کا فریدی کی تلاش میں نکل گیا ہوتا۔ نہ جانے کیوں اس کے ذہن پر ایک عجیب قسم کا خوف مسلط تھا، جسے موت کا خوف نہیں کہا جاسکتا۔ یونہی بس بے نام سا ایک خوف۔ آباد سے کسی حادثے کی اطلاع نہیں ملی تھی۔ ہوائی آبادی میں نہیں گری تھی۔ بلکہ اسے کسی۔ گرتے ہی نہیں دیکھا تھا۔ وہ سیدھی مغرب سے مشرق کی طرف چلی گئی تھی۔

تقریباً چار بجے فریدی آیا اس نے اپنا کوٹ اتار کر کاندھے پر ڈال رکھا تھا اور ٹائی کی گرہ سینے پر جھول رہی تھی۔ بال پریشان تھے۔ گھٹنوں پر پتلون میلی ہورہی تھی اس پر گھاس کے ہرے ہرے دھبے بھی تھے۔

اس نے آتے ہی کوٹ ایک طرف اچھال دیا اور خود آرام کرسی پر گر کر ہانپنے لگا۔

"اس حلیے میں آپ صدر دروازے میں داخل ہوئے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں پچھلی دیوار پھلانگ کر یہاں تک پہنچا ہوں۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "لیکن جلدی کرو۔ میرا اسلیپنگ سوٹ کہاں ہے۔"

اس نے جلدی جلدی کپڑے اتار کر سلیپنگ سوٹ پہن لیا اور اتارے ہوئے کپڑے ایک تولیے میں باندھ کر باہر نکل گیا جب وہ چند لمحوں کے بعد واپس آیا تو خالی ہاتھ تھا۔

"چلو! لیٹ جاؤ.... بستر پر اور سونے کی کوشش کرو۔" فریدی نے حمید سے کہا اور اپنے بستر پر دراز ہوگیا۔

"آخر کیا بات ہے۔"

"چپ چپ! ملٹری کے کچھ سپاہی میرے تعاقب میں ہیں۔ ممکن ہے یہاں کی تلاشی لی جائے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"اوہ....!" حمید معنی خیز نظروں سے سر ہلا کر بولا۔ "لیکن کپڑے کہاں چھپائے۔"

"نالے میں.... وہ اب تک کہیں سے کہیں پہنچ گئے ہوں گے۔"

دونوں خاموش ہوگئے۔ چند ہی ثانیے بعد دروازوں کے کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ لکڑی کی عمارت بھاری بھرکم جوتوں کی آوازوں سے گونج رہی تھی۔ حمید آنکھیں ملنے لگا تاکہ اگر اس کمرے کی بھی تلاشی ہو تو آنے والے یہی سمجھیں کہ وہ اچانک جاگا ہے۔

تھوڑی دیر بعد کسی نے ان کا دروازہ بھی پیٹا۔ حمید چپ چاپ دم سادھے لیٹا رہا۔ دروازہ بدستور پیٹا جارہا تھا۔

"کون ہے؟" فریدی بھرائی ہوئی آواز میں چیخا۔ پھر بڑبڑاتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ "کیا بیہودگی ہے۔ میں نے اتنا ذلیل ہوٹل آج تک نہیں دیکھا۔"

پھر اس نے بجلی جلادی۔ حمید بھی اٹھ بیٹھا تھا۔ فریدی نے دروازہ کھول دیا ایک لیفٹیننٹ دو سپاہیوں کے ساتھ اندر گھس آیا اس نے فریدی اور حمید کو گھور کر دیکھا! پھر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"اس کا مطلب....!" فریدی گرج کر بولا۔

"شور مت مچاؤ! ہمیں ایک مشتبہ آدمی کی تلاش ہے۔" لیفٹیننٹ نے کہا۔

"گٹ آؤٹ۔" فریدی حلق پھاڑ کر چیخا۔ "ورنہ ٹھوکر مار نکال دوں گا۔ تمہارے جیسے سیکنڈ

لیفٹیننٹ میرے بوٹ صاف کرتے ہیں۔"

"شٹ اَپ۔" لیفٹیننٹ گرجا۔

اتنے میں ہوٹل کا منیجر بھی آگیا۔

"اوہ کیپٹن صاحب۔" وہ فریدی کی طرف منہ کر کے بولا۔ "بات یہ ہے کہ انہوں نے ایک مشتبہ آدمی کو ہوٹل کی دیوار پر چڑھتے دیکھا تھا۔"

"اور اب وہ مشتبہ آدمی ہماری جیبوں میں آچھپا ہے۔" فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "میں نے اتنا ذلیل ہوٹل آج تک نہیں دیکھا اور لیفٹیننٹ صاحب یہ آپ کس کے حکم سے شریف آدمیوں کے دروازے پیٹتے پھر رہے ہیں۔ یہ جنگ کا زمانہ نہیں ہے اور پھر آپ کو تلاشی لینے کا حق کب پہنچتا ہے۔ وارنٹ ہے آپ کے پاس۔"

"بات دراصل یہ ہے۔" لیفٹیننٹ کے لہجے میں ہچکچاہٹ تھی۔

"کوئی بات نہیں۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "میں ابھی تمہارے یونٹ کمانڈر کو فون کرتا ہوں۔ غالباً تم وگراج کے درے والے دستے سے تعلق رکھتے ہو۔"

"بات تو سنئے۔"

"اگر تمہیں کوئی مشتبہ آدمی دکھائی دیا تھا تو تمہیں ہوٹل کا محاصرہ کرنے کے بعد مقامی پولیس کو اطلاع دینی چاہئے تھی۔ تم کس طرح گھس پڑے۔ کتنے آدمی ہیں تمہارے ساتھ۔"

"چار....!"

"بقیہ دو کہاں ہیں۔"

"دوسرے کمروں میں تلاشی لے رہے ہیں۔"

"اور دروازہ خالی ہے! بہت اچھے! کیا کارگذاریاں ہیں۔ لیجئے جناب یہ کمرہ بھی حاضر ہے۔"

وہ تینوں اِدھر اُدھر دیکھ کر جانے لگے۔

"ٹھہریئے۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "آپ کو شبہ ہے کہ وہ اسی ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہے۔ مستقل طور پر یہاں رہتا ہے۔"

"ہاں! ورنہ وہ یہاں گھسنے کی ہمت ہی نہ کرتا۔" لیفٹیننٹ نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "اس کی شکل دیکھی تھی۔"

"نہیں۔"

"دیوار پر چڑھتے دیکھا تھا۔"

"ہاں....!"

"تو پھر فائر کیوں نہیں کیا۔"

لیفٹیننٹ نے کوئی جواب نہ دیا۔

"کس بات کا شبہ تھا اس پر۔"

"اس سے آپ کو کیا سروکار۔" لیفٹیننٹ نے جھلا کر کہا اور باہر نکل گیا۔

فریدی نے دروازہ بند کرتے وقت پلٹ کر حمید کو آنکھ ماری.... اور شرارت آمیز انداز میں مسکرانے لگا۔

"یہ کیا دھاچوکڑی تھی۔"

"چھوڑو یار۔ خواہ مخواہ ایک سوٹ ضائع ہو گیا۔ میں اسے اتنا ڈیوٹ نہیں سمجھتا تھا۔"

"لیکن یہ لوگ کس طرح اور کہاں سے آپ کے پیچھے لگ گئے تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"کچھ نہ پوچھو۔" فریدی بیٹھ کر سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "بہرحال یہ سوچنا فضول ہے کہ سرحد کے نگہبان غافل رہتے ہیں۔"

"میں کچھ سمجھا نہیں۔"

"یار تم بعض اوقات بھیجا چاٹ جاتے ہو۔ میں وگراج کے درے کی طرف نکل گیا تھا۔ محض یہ دیکھنے کے لئے کہ نگہبان کس موڈ میں ہیں۔ تم نے ابھی وہ جگہ نہیں دیکھی۔ کچھ ایسی الٹی سیدھی چٹانیں ہیں کہ پوری پلٹن ان کی اوٹ لیتی ہوئی سرحد پار کر جائے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ لیکن اس وقت دیکھ کر حیرت ہوئی کہ نگہبانوں کی عقابی آنکھوں سے ایک آدمی بھی چھپ نہیں سکتا۔ نہ جانے انہوں نے کب مجھے دیکھ لیا۔"

"پھر....!" حمید بے چینی سے بولا۔

"پھر کیا" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تم خود سوچ سکتے ہو کہ ہمارا سوٹا کس طرح سرحد پار کرتا ہے۔"

"ایسی حالت میں تو واقعی تعجب خیز ہے۔"

"خیر.... خیر چھوڑو۔ اس بار بڑا لطف رہے گا۔" فریدی بستر پر لیٹ کر چادر کھینچتا ہوا بولا۔

"پانچ بج رہے ہیں کچھ نہ کچھ تو سونا ہی چاہئے۔"

حمید الجھن میں ضرور مبتلا ہو گیا تھا۔ لیکن نیند کے بوجھ سے دبے ہوئے مضمحل دماغ نے کسی قسم کی خلش گوارا نہ کی اور بہت جلد بے خبر ہو گیا۔

اور پھر جب وہ فریدی کے جھنجھوڑنے پر اٹھا تو میز پر رکھی ہوئی ٹائم پیس نو بجا رہی تھی۔

"نو ہی تو بجے ہیں ابھی۔" حمید دوبارہ لیٹتا ہوا بولا۔

"تو اٹھارہ تو کبھی نہیں بجیں گے۔" فریدی نے اسے سیدھا کر دیا۔

حمید اپنی بند ہوتی ہوئی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُسے گھورنے کی کوشش کرنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ مجھے قبر سے بھی اکھاڑ لائیں گے۔" حمید جھلا کر بولا۔

"بشرطیکہ تمہاری لاش پوسٹ مارٹم کے بغیر دفن کر دی گئی۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"وہ رہا تولیہ.... اور غسل خانہ ادھر ہے جلدی کرو ورنہ قبل از وقت بوڑھا کر دوں گا۔ اس وقت میرا موڈ بہت خراب ہے۔"

حمید اسے گھورتا ہوا باتھ روم میں تمباکو بھرنے لگا۔

"ایک حیرت انگیز خبر ہے۔ حمید صاحب! انتہائی حیرت انگیز۔" فریدی مضطربانہ انداز میں بولا۔

حمید اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔

"وگراج گھاٹ پر اُسی مقام پر ایک لاش پائی گئی ہے جہاں کل رات کو میں چھپنے کی کوشش کر رہا تھا۔"

"بڑی حیرت انگیز خبر ہے۔" حمید طنزیہ انداز میں بولا۔ "یہ لاش کیا چیز ہوتی ہے فریدی صاحب؟"

"اگر سیدھی سادھی لاش ہوتی تو میں تمہیں طنز کرنے کا موقع نہ دیتا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"یعنی....!"

"یعنی یہ کہ جو مرنے سے قبل چھبیس یا ستائیس سال کا تھا مرنے کے بعد اسی سال سے کم معلوم نہیں ہوتا۔"

حمید متحیرانہ انداز میں فریدی کو دیکھنے لگا۔

"یہاں کے محکمہ سراغ رسانی کا سرجنٹ رمیش جس کی عمر ستائیس برس سے زیادہ نہیں تھی۔" فریدی پھر بولا۔

"تو پھر....!"

"مرنے کے بعد اس کے جسم کے روئیں تک سفید ہو گئے ہیں۔ حد یہ کہ پلکوں کے بال بھی۔"

"مرا کس طرح۔"

"یہ ابھی تک پردہ راز ہی میں ہے۔"

"آپ لاش دیکھ آئے ہیں۔"

"نہیں۔"

"تب تو یہ ایک شاندار غپ معلوم ہوتی ہے۔" حمید تولیہ کاندھے پر ڈال کر اٹھتا ہوا بولا۔

"میں نے بھی پہلے اسے غپ ہی سمجھا تھا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن ابھی نصرت صاحب نے بھی مجھے فون پر اس کی اطلاع دی ہے۔"

"نصرت صاحب۔"

"ہاں ہاں.... یہاں کے محکمہ سراغ رسانی کے سپرنٹنڈنٹ۔"

"تب تو واقعی حیرت ہے۔"

"ہم وہیں چل رہے ہیں جلدی کرو۔"

دس بجے وہ دونوں کوتوالی کی طرف روانہ ہو گئے کوتوالی کے سامنے اتنی بھیڑ تھی کہ ٹریفک رک گیا تھا۔ وہ دونوں کسی نہ کسی طرح پھاٹک تک پہنچے یہاں پہرے داروں نے انہیں روکا۔

پہرے دار اس کے اشارے پر ایک طرف ہٹ گیا اور وہ دونوں اندر چلے گئے۔

اندر بھی خاصی بھیڑ تھی۔ دو ایک آفیسروں نے انہیں گھور کر دیکھا۔ لیکن محکمہ سراغ رسانی کا سپرنٹنڈنٹ میجر نصرت انہیں دیکھ کر ان کی طرف بڑھا۔

"ہیلو کیپٹن یاور....!" اس نے فریدی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ غالباً اس عجیب و غریب حادثے کی خبر آپ کو یہاں کھینچ لائی ہے۔ آپ کی تعریف۔"

"میرے دوست کیپٹن جلیس۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "میں لاش دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"آپ کیپٹن یاور سول اینڈ ملٹری گزٹ کے نمائندے ہیں۔" میجر نصرت نے ڈی۔ ایس۔ پی کٹی سے کہا جو قریب ہی کھڑا فریدی کو گھور رہا تھا۔

"اوہ....!" وہ فریدی سے ہاتھ ملا کر دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔

پھر وہ اس کمرے کی طرف روانہ ہوگئے جہاں لاش رکھی ہوئی تھی۔

لاش پر سے چادر ہٹتے ہی حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ چہرہ واقعی جوانوں کا مگر سر کے بال۔ بھوئیں پلکیں سب سفید برف کے گالوں کی طرح بے داغ۔ کمرے میں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ فریدی غور سے لاش کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً وہ چونک پڑا اس مرنے والے کا داہنا ہاتھ اٹھا کر کچھ دیکھا۔ پھر بے چینی سے اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا۔

"ایک محدب شیشہ چاہئے۔" اس نے نصرت سے کہا۔

"محدب شیشہ.... اچھا۔" میجر دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "مگر میرا ہینڈ بیگ یہیں ہوگا۔"

وہ پھر لوٹ پڑا اور چھوٹی سی میز پر رکھا ہوا ایک ہینڈ بیگ کھولنے لگا۔

"ویسے آپ کا کیا خیال ہے؟ اس کیس کے متعلق۔!" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"بھئی میں نے تو آج تک نہ دیکھا نہ سنا۔ بعض ضعیف الاعتقاد اسے کوئی شیطانی حرکت ہیں۔ رات والی نیلی روشنی..... آپ کو اس کا حال معلوم ہوا؟ غالباً آپ نے بھی دیکھی ہوگی"

"مجھے معلوم ہے! لوگوں کے خیال کے مطابق وہ ہمسایہ ملک کے کسی تباہ کن حربے کا تجربہ

"چنگاریوں کی وہ بوچھاڑ بھی دیکھی تھی آپ نے جس کا رخ مشرق کی طرف تھا۔" نصرت نے پوچھا۔

"جی ہاں۔" فریدی نے کہا۔ "اس کا رخ وگراج کے درے ہی کی طرف تھا۔"

"بعض لوگوں کا خیال ہے کہ رمیش اُس حربے کا شکار ہوگیا ہے۔" میجر نصرت بولا۔

"ہو سکتا ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ڈاکٹر کی کیا رائے ہے؟"

"صحیح حال تو پوسٹ مارٹم کے بعد ہی معلوم ہوگا۔ ویسے سول سرجن کی رپورٹ کے موت اچانک دورانِ خون بند ہو جانے سے واقع ہوئی ہے۔"

"اور بالوں کی سفیدی؟"

"اس بارے میں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے معلوم ہوگا۔"

"ہوں....!" فریدی دوبارہ لاش پر جھکتا ہوا بولا۔ "شیشہ"

میجر نصرت نے محدب شیشہ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ فریدی لاش کے داہنے

یوں کو محدب شیشے کی مدد سے دیکھنے لگا۔

دفعتاً حمید نے اس کے چہرے پر آسودگی کے آثار دیکھے پھر فریدی نے اپنے ہونٹ سکوڑے پر خیال انداز میں سیدھا کھڑا ہو گیا اور میجر نصرت کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"پوسٹ مارٹم کی صحیح رپورٹ کا علم صرف آپ اور سول سرجن تک محدود رہنا چاہئے۔" یدی نے کہا۔

"کیوں....؟" میجر نصرت چونک کر بولا۔

"رمیش ڈیوٹی پر ہی تھا نا۔"

"ہاں....!"

"وگراج کے درے پر....!"

"ہاں.... ہاں!"

"تو ایسی صورت میں اس کی موت کا تعلق ان واقعات سے بھی ہو سکتا ہے جن کے سلسلے میں یہاں طلب کیا گیا ہوں۔" فریدی نے محدب شیشہ میجر نصرت کو واپس کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ....! مگر....!"

"آپ اس کے متعلق سول سرجن کو پہلے ہی سے بتا دیجئے! باقاعدہ طور پر آپ کو جو رپورٹ ملے وہ گول مول قسم کی ہونی چاہئے۔ مثلاً یہ کہ موت پُر اسرار طریقے پر ہوئی یا اچانک دورانِ ون بند ہو جانے کی بناء پر ہوئی یا کوئی اور بات بہر حال حقیقت چھپانی ہے۔"

بوڑھی لاش کا راز

بوڑھا میجر نصرت تحیر آمیز انداز میں فریدی کو گھور رہا تھا اور فریدی لاش پر پھر جھک گیا تھا۔ اس نے اس کے سارے جسم کے کپڑے الگ کر دیئے تھے اور غور سے ایک ایک حصے کو دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے اس پر چادر ڈال دی۔

"کیا آپ کسی خاص نتیجے پر پہنچے ہیں۔" میجر نصرت نے پوچھا۔

"جی ہاں! ایک نہایت معمولی بات ہے! آپ ان انگلیوں پر یہ نشان دیکھ رہے ہیں۔" فریدی

نے متوفی کا داہنا ہاتھ چادر سے نکالتے ہوئے کہا۔

میجر نصرت نے پُر خیال انداز میں سر ہلایا۔

"یہ کسی چیز کے جلنے کے ہیں۔"

"قطعی.... لیکن۔"

"ٹھہریئے۔" فریدی نے پھر اس کے ہاتھ سے محدب شیشہ لے لیا اور انگلیوں کو دیکھنے لگا۔

"ذرا ادھر آیئے اور دیکھئے۔"

میجر نصرت محدب شیشے پر جھک گیا۔ فریدی بولتا رہا۔ "نشان جلنے ہی کا ہے اور بُری طرح جلنے کا۔ لیکن کیا یہ آگ سے جلا ہے؟"

"ظاہر ہے۔" میجر نصرت سر ہلا کر بولا۔ "یہی وجہ ہے کہ نیلی روشنی۔"

"نیلی روشنی کو فی الحال الگ ہی رکھئے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "وہ چنگاریاں بکھیر ہوئی ممکن ہے جلا سکتی ہو۔ لیکن کسی جوان کو بوڑھا نہیں کر سکتی۔"

"پھر! تو کیا یہ داغ ہی بالوں کی سفیدی کی وجہ ہیں۔" میجر نصرت نے حیرت سے کہا۔

"میرا تو یہی خیال ہے۔"

"اگر آگ نہیں تو پھر کس چیز کے ہو سکتے ہیں۔"

"ریڈیم۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"ریڈیم۔"

"جی ہاں! اس سے متاثر شدہ کوئی اور دھات۔ ہیجان اور سنسنی پھیلانے کا ایک طریقہ۔"

میجر نصرت فریدی کو اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے اس کی باتوں پر یقین نہ آیا ہو۔

"پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ہی سب کچھ بتا دے گی۔ ڈاکٹر کی توجہ ان داغوں کی طرف خا طور سے مبذول کروائیے گا۔ لیکن راز داری ضروری ہے۔ حقیقت صرف ہم چاروں تک محدود رہنی چاہئے۔ ہم ایک بہت خطرناک گروہ سے دوچار ہیں جس میں دہشت پسندوں کے کچھ بہترین دماغ بھی موجود ہیں۔ یہ میرے ساتھی سرجنٹ حمید ہیں۔ آپ نے انہیں انڈ پوشیدہ طور پر بلوایا تھا لیکن پھر بھی ان پر حملہ کیا گیا۔"

"کب اور کس طرح۔" میجر نصرت چونک کر بولا۔

فریدی نے سارے واقعات مختصر الفاظ میں دہرا دیئے۔

"حیرت انگیز! انتہائی تعجب خیز۔" میجر نصرت آہستہ سے بڑبڑایا۔ "ڈرائیور حقیقتاً ڈرائیور نہیں تھا۔ وہ میرے محکمے کا ایک ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ہے۔"

"معاف کیجئے گا۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "میں خاص طور سے اُس کے متعلق نہیں کہہ رہا ہوں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ محکمہ میں کوئی نہ کوئی ایسا ضرور ہے جو اس گروہ سے بھی تعلق رکھتا ہے۔"

"میں بُرا نہیں مانتا۔" میجر نصرت نے جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "ہمارے ناکارہ پن کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ باہر سے مدد لینی پڑی۔"

"دیکھئے آپ پھر غلط سمجھے۔" فریدی نے کہا۔ "میں آپ کو اپنا بزرگ سمجھتا ہوں اور آپ مجھ سے زیادہ جہاندیدہ ہیں۔ باہر سے آپ کو محض اس لئے مدد لینی پڑی ہے کہ آپ کے محکمے کے راز ظاہر ہو جاتے ہیں۔ بھلا اس میں ناکارہ پن کو کیا دخل! خیر آیئے میں زیادہ دیر تک یہاں ٹھہرنا نہیں چاہتا۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے لئے میں کب آپ کو فون کروں۔ مگر نہیں.... یہ بات فون پر بھی نہ ہونی چاہئے۔ خیر میں خود ہی کسی نہ کسی طرح آپ سے مل لوں گا۔"

کوتوالی سے واپسی پر حمید نے فریدی کو چھیڑا۔

"آپ واقعی اس قابل ہیں کہ آپ کو کسی فریم میں لگا کر کسی زیارت گاہ میں رکھ دیا جائے۔"

"کیوں؟"

"آج سے پہلے مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ سائنٹسٹ بھی ہیں۔"

"سائنٹسٹ وائنٹسٹ کچھ خاک بھی نہیں۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "البتہ میرے ذہن کی تربیت خاص اصولوں کے تحت ہوئی ہے۔"

"ذرا وہ اصول بھی بتا دیجئے۔"

"ختم بھی کرو۔ اس وقت میرا دماغ بہت الجھا ہوا ہے۔"

"صرف اتنی سی بات اور بتا دیجئے کہ آپ کا اندازہ غلط ثابت ہوا تو۔"

"تو میں سمجھوں گا کہ ٹی۔ ایس۔ اسٹریلنگ جاہل اور نکما ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے اس کے ایک سائنس فکشن میں اس قسم کا ایک کیس پڑھا تھا۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "اگر آپ نے بہرام کی خالہ کی ناک پڑھی ہوتی تو بہتر تھا۔"

"خیر چھوڑو! یہ بتاؤ کہ عام حالات میں قدرتی طور پر کیوں بال سفید ہو جاتے ہیں۔"

"بڑھاپے کی وجہ سے۔" حمید تڑ سے بولا۔

"بڑھاپا کیسے آتا ہے؟"

"اللہ کے حکم سے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ وہ نہ جانے کیوں اس وقت خشک قسم کی باتوں سے کترانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم دھکے کیوں کھا رہے ہو۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

"آپ کی عنایت اور اپنی شامت سے۔"

"تمہارے دونوں کان اکھاڑ کر منہ میں رکھ دوں گا۔"

"اچھا ہے بڑھاپے میں عینک کے دام بچیں گے۔"

"ارے حمید کے بچے۔"

"غلط سنا ہے آپ نے والد صاحب کا نام وحید ہے۔"

"شٹ اپ....!"

"فاسفورس اور ریڈیم میں کیا فرق ہوتا ہے۔" حمید نے انتہائی معصومیت سے پوچھا۔

"وہی جو تم میں اور گدھے میں ہے۔"

"عزت افزائی آپ کی۔" حمید رکتا ہوا بولا۔ فریدی بھی رک کر اسے گھورنے لگا۔

"اب کیا مطلب ہے۔"

"میں اس فرق کو اچھی طرح سمجھنا چاہتا ہوں۔"

"حمید فضول باتیں اچھی نہیں معلوم ہوتیں۔ میں اس وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"خود میری بھی یہی کیفیت ہے۔"

"تو جاؤ جہنم میں۔" فریدی آگے بڑھتا ہوا بولا۔

"ٹھہریئے فرق سمجھ میں آگیا۔" حمید پھر چلنے لگا۔ "کوئی گدھے والا کسی اڑیل گدھے کو جہنم کے سپرد کر کے آگے نہیں بڑھ جایا کرتا.... یعنی میں گدھے سے بھی بدتر ہوں.... یعنی.... یہ کہ آپ....!"

"یار خدا کے لئے چپ رہو۔"

"اب آئے ہیں راہ پر.... چلئے چپ ہو گیا۔"

وہ دونوں بازار سے گذر رہے تھے۔ یہاں بڑی بڑی اور شاندار عمارتیں نہیں تھیں۔ زیادہ تر لکڑی کی ہی عمارتیں نظر آرہی تھیں لیکن ان میں بھدی ایک بھی نہ تھی۔ طرح طرح کے رنگ و روغن استعمال کر کے انہیں خوبصورت بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ ایک جگہ لکڑی ہی کا ایک کلاک ٹاور بھی دکھائی دیا، جو زیادہ بلند نہیں تھا۔ لیکن اس پر اتنی نفیس نقاشی کی گئی تھی کہ تصویر معلوم ہو رہا تھا۔

"آخر یہاں کے لوگوں کو لکڑی سے کیوں اتنی محبت ہے۔" حمید نے کہا۔

"اُوں!" فریدی چونک کر بولا۔ "لکڑی.... بات دراصل یہ ہے کہ یہاں آئے دن زلزلے آتے رہتی ہیں۔"

"خدا کرے ہمارے دوران قیام میں بھی آئے۔"

"کیوں....؟"

"میں نے آج تک زلزلہ نہیں دیکھا۔"

"کیوں بیٹے کیا اس بھیانک جزیرے کا زلزلہ بھول گئے؟" فریدی مسکرا کر بولا۔ لیکن پھر یک بیک سنجیدہ ہو کر حمید کو گھورنے لگا۔ "تم پھر بولنے لگے۔"

"بس ایک آخری بات اور....!" حمید ایک ریستوران کی طرف مڑتا ہوا بولا۔ "مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

حقیقت تو یہ تھی کہ اُس ریستوران میں حمید کو ایک جانی پہچانی صورت نظر آئی تھی یہ رینو کا تھی اور ایک میز پر تنہا بیٹھی غالباً لنچ کا انتظار کر رہی تھی۔ کیونکہ مینو اس کے ہاتھوں میں تھا۔ فریدی چپ چاپ ریستوران میں داخل ہو گیا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اب حمید کے لگام لگنی مشکل ہے۔

"اوہ کیپٹن یاور!" رینو کا انہیں دیکھ کر مسکرائی۔ "اس طرف یہیں اس میز پر آیئے! میں آپ کی تلاش میں تھی۔"

فریدی طوہاً و کرہاً اُسی میز کی طرف بڑھا۔ حمید اُس سے دو قدم آگے تھا۔

کھانے کے دوران میں اس حیرت انگیز لاش کے متعلق گفتگو شروع ہو گئی۔

"مجھے تو یقین نہیں آتا۔" رینو کا بولی۔ "لوگ عموماً رائی کے پہاڑ بنایا کرتے ہیں۔"

"میں خود دیکھ کر آرہا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن میں نے تو سنا ہے کہ کوتوالی میں اس وقت داخلہ بند ہے۔"

"اخباری نمائندوں پر کوئی پابندی نہیں۔" فریدی نے کھاتے کھاتے سر اٹھا کر کہا۔ "آپ کے بعد چائے پیتی ہیں یا کافی؟"

"کافی! لیکن بڑی حیرت کی بات ہے اگر آپ دیکھ کر نہ آئے ہوتے تو میں کبھی یقین نہ کرتی۔"

"اور میں واقعی اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ دنیا ایک غلط راستے پر نکل آئی ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"ہمارے آباؤ اجداد احمق نہیں تھے۔" فریدی لنچ ختم کر کے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتا بولا۔ "انہوں نے یقیناً روحیں دیکھی ہوں گی بدارواح کے متعلق ان کا خیال غلط نہیں تھا۔"

"چچ چچ...." رینو کا نے بُرا سا منہ بنایا۔ "میں آپ کو بہت روشن خیال سمجھی تھی۔"

"روشن خیالی اپنی جگہ اور ایسے حقائق اپنی جگہ جن سے کسی طرح انکار نہیں کیا جا سکتا۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ پھر بیرے کو کافی کا آرڈر دے کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

"ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر میں نے وہ لاش اپنی آنکھوں سے نہ دیکھی ہوتی تو اس حادثے کو محض ایک شاندار غپ سمجھتا۔ مگر ایسی صورت میں میری روشن خیالی کس طرح برقرار رہ سکتی ہے۔"

"تو آپ بدارواح کو کیوں درمیان میں لاتے ہیں۔" رینو کا نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ رات والی نیلی روشنی کا شکار ہوا ہو۔"

"بس ایک آدمی! اگر ایسا ہوتا تو دو چار اور بھی شکار ہوتے۔"

"مس رینو کا۔" حمید میز پر جھکتا ہوا آہستہ سے بولا۔ "آپ یاور کو قائل نہیں کر سکتیں۔"

کہ وہ ایک عورت کی محبت میں گرفتار ہے۔"

"یعنی....!" رینو کا مسکرا کر بولی۔

"وہ عورت اسے گوشت پوست میں چلتی پھرتی دکھائی دیتی ہے۔ دوسرے اس کے دیدار سے محروم رہتے ہیں اور یہ اس سے گھنٹوں باتیں کیا کرتا ہے۔"

فریدی ضرورت سے زیادہ سنجیدہ نظر آرہا تھا۔ اس نے حمید کی اس بکواس کی تردید نہیں کی! اس کا رویہ دیکھ کر حمید اور بھی سنجیدہ ہو گیا۔

"جب یہ دس سال کا تھا...." حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ "اس وقت وہ جوان تھی۔ ایک دن اپنی چھت سے گر کر مر گئی۔ تبھی سے یہ اُسے دیکھ رہا ہے اس پر بُری طرح مرتا ہے اور وہ بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ پچھلی عالمگیر جنگ میں اسے اٹلی میں ایک حادثہ پیش آجاتا مگر اس حسین روح نے اسے پہلے ہی سے اس کی اطلاع کر دی تھی۔ لہٰذا یہ صاف بچ نکلا وہ مصیبت کے وقت ضرور اس کے کام آتی ہے۔"

رینو کا سوالیہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگی۔ جس کی آنکھیں اس دوران میں خوفناک ہو گئی تھیں اور ان میں کچھ ایسی ویرانی نظر آرہی تھی جیسے وہ سامنے والی دیوار کے پیچھے کچھ دیکھ رہا ہو۔

فریدی کے ہونٹ آہستہ آہستہ ہلنے لگے تھے پھر اس کی سرگوشی سنائی دی۔ "وہ آگئی سلیمہ .... میری جان۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور پھر اس طرح دروازے کی طرف بڑھنے لگا جیسے نیند کی حالت میں چل رہا ہو۔ رینو کا نے اٹھ کر اسے روکنا چاہا لیکن حمید نے ہاتھ پکڑ کر اُسے بٹھا دیا۔

"اس وقت اسے چھیڑنا خطرے سے خالی نہیں۔ بہت خطرناک ہو جاتا ہے۔"

رینو کا بیٹھ گئی لیکن اس کی خوفزدہ آنکھیں اس دروازے کی طرف اٹھی ہوئی تھیں جس سے فریدی باہر گیا تھا۔ پھر وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے حمید کی طرف دیکھنے لگی۔ حمید دوسرے ہی خیال میں ڈوبا ہوا تھا۔ آخر فریدی نے یہ حرکت کیوں کی۔ اس نے تو محض اُسے چڑھانے کے لئے ایک سے پر کی اڑائی تھی۔ فریدی نے اسے حقیقت کا رنگ کیوں دے دیا۔ مگر یہ الجھن زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ کیونکہ ایک دوسرا خیال ذہن کے کسی گوشے سے ابھر آیا تھا فریدی نے ان دونوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے یہ حرکت کی تھی اور اب حمید کو کھانے کی قیمت اپنے ہی جیب سے ادا کرنی

پڑے گی۔

"کیپٹن یاور کہاں گیا ہوگا۔" رینو کا نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

"جہنم میں۔" حمید بے خیالی میں بولا۔ لیکن پھر چونک کر کہنے لگا۔ "کیا پوچھا تھا آپ نے۔"

"آپ کا دوست کہاں گیا ہوگا۔"

"خدا بہتر جانتا ہے۔"

"تو کیا حقیقتاً وہ عورت اُسے دکھائی دیتی ہے۔"

"میں نے بتایا نا کہ اس کے علاوہ کسی اور کو نہیں دکھائی دیتی۔" حمید اکتا کر بولا۔ اس کی الجھ بڑھ گئی تھی۔ اتفاق سے اس وقت اس کے پرس میں دس بارہ روپوں سے زیادہ نہیں تھے وہ سوچ تھا کہ اگر بل زیادہ کا ہوا تو کتنی شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔

"کیا سوچ رہے ہیں آپ۔" رینو کا نے پوچھا۔

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ وہ اگر اس وقت کسی موٹر سے ٹکرا کر مر جائے تو کتنا اچھا ہو۔"

"کیوں؟" رینو کا چونک کر بولی۔

"کچھ نہیں یونہی.... وہ اپنے گھر والوں کے لئے عذاب بنا ہوا ہے۔"

"بیوی بچے ہیں۔" رینو کا نے پوچھا۔

"اس نے شادی ہی نہیں کی.... لیکن بچے کئی عدد ہیں۔"

"جی....!"

"جی ہاں.... اس نے ایک یتیم خانہ کھول رکھا ہے۔"

"آپ نہ جانے کیا اوٹ پٹانگ ہانک رہے ہیں.... کیا آپ بھی....!"

"جی ہاں میں بھی۔" حمید کچھ اور کہنے جا رہا تھا کہ ویٹر بل لایا اور یہ دیکھ کر حمید کی جان جان آئی کہ وہ دس روپے کچھ آنے کا تھا۔ اس نے بل ادا کر دیا اور اب رینو کا اسے پہلے کی طرح حسین لگ رہی تھی۔

"چھوڑیئے بھی! وہ کچھ دنوں بعد پاگل ہو جائے گا۔" حمید رینو کا کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ "آپ مصور ہیں لیکن آپ خود نہ جانے کس کا شاہکار ہیں۔ آپ کی پلکوں کی چھاؤں کتنی خنک ہوگی۔"

"اوہ آپ نے وہی ملٹری والوں کی بدعنوانیاں شروع کر دیں۔" رینو کا بگڑ کر بولی۔ "میں آوارہ عورت نہیں ہوں۔"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی۔" حمید سہم کر بولا۔ "میں آپ کی کافی عزت کرتا ہوں۔"

"مجھے اب جانا چاہئے۔" رینو کا اٹھتی ہوئی بولی۔

"میں بھی آپ کے ساتھ چل رہا ہوں۔"

مونچھ اکھاڑنے والی

حمید کو ٹیکم گڈھ آئے ہوئے پندرہ دن ہو گئے تھے، لیکن معاملات جہاں کے تہاں تھے۔ اس دوران میں پوسٹ مارٹم کی صحیح رپورٹ بھی ملی تھی جو فریدی کے خیال کے عین مطابق تھی۔ سرجنٹ رمیش کی موت ریڈیم ہی سے واقع ہوئی تھی۔ رپورٹ میں بالوں کی سفیدی کے متعلق ایک اچھی خاصی سائنٹیفک بحث تھی جسے کم از کم حمید نے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ اخبارات میں جو خبریں شائع ہوئی تھیں ان میں اس حادثے کی اصل وجہ سے لاعلمی ظاہر کی گئی تھی۔ بہرحال پبلک کا خیال تھا کہ وہ ہمسایہ ملک کے کسی تباہ کن حربے کے تجربے کا نتیجہ تھا۔ نیلی روشنی اب بھی وقتاً فوقتاً دکھائی دے جاتی تھی۔ ایسے موقع پر پورے شہر میں اس طرح سناٹا چھا جاتا تھا جیسے وہ یک بیک زندوں کی بستی سے قبرستان میں تبدیل ہو گیا ہو۔

فریدی کی نہ جانے کتنی راتیں پہاڑیوں اور چٹانوں کے درمیان گذر گئی تھیں۔ لیکن سب بے سود۔ وہ راستہ معلوم نہ ہو سکا جدھر اسمگلنگ ہوتی تھی.... فریدی زیادہ تر خاموش رہتا تفکر کی گہری لکیریں اس کی پیشانی پر نمایاں رہتیں۔

پہلے حادثے کے ٹھیک سولہویں دن وگراج کے درے کے قریب ایک لاش اور ملی یہ بھی ایک جوان آدمی کی لاش تھی اور اس کے جسم کے بھی سارے بال سفید ہو گئے تھے۔ یہ اسی فوجی دستے کا ایک سپاہی تھا۔ جو وگراج کے درے کی نگرانی کر رہا تھا۔ اس رات پھر نیلی روشنی کے سیل سے ایک چنگاری بکھیرتی ہوئی ہوائی چھوٹی تھی اور اس کا رخ بھی وگراج کے درے ہی کی سمت تھا۔

ٹیکم گڈھ کی آبادی ایک بار پھر بدحوسیوں کا شکار ہو گئی۔ ہمسایہ ملک سے ایک بار احتجاج کیا گیا۔ لیکن وہی جواب ملا جو پہلے ملا تھا۔ یعنی کسی ایسے حربے کا تجربہ نہیں کیا۔

آج صبح سے فریدی کچھ الجھا ہوا نظر آرہا تھا۔ دوپہر کا کھانا بھی اس نے نہیں کھایا تھا۔ رات کے تقریباً 2 بجے باہر سے واپسی ہوئی تھی اور اس کے بعد بھی وہ سویا نہیں تھا۔ حمید کے صبر کا پیالہ لبریز ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ ایسی حالت میں فریدی سے بولنا خطرے سے خالی نہیں ہوتا لیکن پھر بھی اس سے ضبط نہ ہو سکا۔ فریدی آنکھیں بند کئے آرام کرسی پر لیٹا تھا۔ اس کے دونوں پیر غیر ارادی طور پر ہل رہے تھے۔ حمید نے آہستہ سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ فریدی چونک کر اُسے سرخ سرخ آنکھوں سے گھورنے لگا۔

"میں کہتا ہوں آخر مجھے ساتھ ساتھ باندھے رکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟" حمید نے کہا۔

فریدی کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوتے ہی حمید اس پر باز کی طرح جھپٹ پڑا۔

"کوئی تک ہے آخر؟ جب مجھے عضو معطل سمجھا جاتا ہے تو پھر میری ضرورت ہی کیا ہے؟" اس نے بھنا کر کہا۔ "اگر دیکھ بھال کی ضرورت ہے تو ایک آنار کھ لیجئے جو رات کو تھپک تھپک کر سلا بھی دیا کرے گی۔"

"میں تمہیں عضو معطل نہیں سمجھتا۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن یہ جانتا ہوں کہ تم کب اور کہاں کام آسکو گے۔"

"میدان حشر کے علاوہ اب کہیں اور کام نہیں آسکتا۔" حمید بیزاری سے بولا۔

"خیر اگر یہی بات ہے تو کسی طرح اس عورت سے میرا پیچھا چھڑاؤ۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"عورت....!" حمید اچھل کر بولا۔ "کیا مطلب! کون عورت۔"

"رینو کا۔" فریدی سیدھا بیٹھتا ہوا بولا۔

"صاف صاف کہئے۔"

"اس نے مجھ سے باقاعدہ عشق شروع کر دیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"رونے کی ضرورت نہیں!" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "آپ اس سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں!"

"ہاں بھئی....!"

"تو اس سے شادی کر لیجئے۔"

"کیا بکواس ہے؟"

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔ جب آپ اس کے شوہر ہو جائیں گے تو وہ آپ کو اُلو سمجھنے لگے گی۔"

"بکو مت۔"

"میں حقیقت عرض کر رہا ہوں۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "ہر عورت اپنے شوہر کو اُلو سمجھتی ہے۔ چاہے شادی سے قبل اس پر عاشق ہی کیوں نہ رہی ہو البتہ دوسروں کے شوہر اسے بڑے اچھے لگتے ہیں۔ چاہے وہ سچ مچ اُلو کے پٹھے ہی کیوں نہ ہوں۔"

"کوئی کام کی بات کرو۔"

"خیر چھوڑیئے۔" حمید اُسے گھورتا ہوا بولا۔ "یہ رینو کا کہاں سے ٹپک پڑی۔ میں تو سمجھا تھا کہ آپ اسمگلنگ کے متعلق کچھ کہیں گے۔"

"سب سے پہلے اس عورت کا مسئلہ طے ہونا چاہئے۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"آخر کیوں؟"

"مجھے اس پر شبہ ہے.... وہ بیمور نہیں ہے۔"

"یہ آپ نے کیسے جانا۔"

"بالکل سیدھی سی بات ہے۔ اُس کا کہنا ہے کہ وہ بغرض تفریح یہاں آئی ہے لیکن ایسی پُر فضا تفریح گاہوں میں آرٹسٹ قسم کے لوگ خالی ہاتھ نہیں آیا کرتے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"نہ تو اُس کے پاس مصوری کا سامان ہے اور نہ کوئی اسکیچ بک۔ اگر وہ دوسرا سامان اپنے ساتھ نہیں لا سکی تو کم از کم ایک اسکیچ بک تو اس کے پاس ہونی ہی چاہئے تھی۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ چیزیں اس کے پاس نہیں ہیں۔"

"میں نے اس کے کمرے کی تلاشی لی تھی۔"

"یہ کب؟"

"اُسی دن جب تم دونوں کو اُلو بنا کر ریستوران سے چلا آیا تھا۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ شروع ہی سے اس کی طرف سے مشکوک تھے۔"

"قطعی۔"

"اس کی وجہ۔"

"میں نے اُسے وگراج درے کے چند محافظوں کے ساتھ ایک ریستوران میں دیکھا تھا۔"

"آپ انہیں پہچانتے ہیں۔"

"ایک ایک کو اچھی طرح پہچان گیا ہوں۔"

"لیکن ان محافظوں کے ساتھ اس کا پایا جانا میرے خیال سے تو کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔" حمید نے کہا۔ "ویسے اس کے ساتھی راحیل کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"راحیل کے متعلق میں اس سے زیادہ نہیں جانتا کہ وہ ایک پیشہ ور شکاری ہے اور موسم کے شکار کے لئے جگہ تجویز کرنے آیا ہے۔"

"رینوکا اسے کب سے جانتی ہے۔"

"میرے خیال سے وہ دونوں یہیں ملے ہیں۔" فریدی نے کہا اور اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

"لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ مجھ سے کیوں اکھڑی اکھڑی رہتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"ممکن ہے تمہاری شکل اس کے بھائی سے ملتی جلتی ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"پھر آپ گالیوں پر اتر آئے۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔

"اگر اس سے تمہارے جذبات کو ٹھیس لگی ہو تو میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔"

"چھوڑیئے! میں اس وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"اخاہ!" فریدی ہنس کر بولا۔ "آج آپ بھی مذاق کے موڈ میں نہیں ہیں۔"

"ہاں! ہاں! مجھے سوچنے دیجئے۔"

"کیا سوچنا چاہتے ہو۔"

"یہی کہ رینوکا اب سے دس سال پہلے کتنی حسین رہی ہوگی۔"

"ٹھیک ہے اس کے علاوہ تمہیں کچھ اور سوچنا بھی نہیں چاہئے۔" فریدی خشک لہجے میں بولا اور اٹھ کر باہر چلا گیا۔ حمید سمجھتا تھا کہ وہ تھوڑی دیر تک بالکنی میں بیٹھنے کے بعد واپس آجائے گا آج کل وہ زیادہ تر بالکنی ہی میں بیٹھتا تھا اور اس کی آنکھیں مغربی افق کے اس حصے پر جمی رہا کرتی تھیں جہاں نیلی روشنی دکھائی دیتی تھی۔ دوسری موت کے بعد اس کی نظروں میں اس حیرت انگیز روشنی کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اس کی ایک وجہ اور بھی تھی.... فریدی اس رات کو بھی وگراج کے درے کے قریب ہی ایک جگہ چھپا ہوا تھا جس کی صبح کو دوسری لاش ملی تھی۔ اس نے

روشنی نمودار ہوتے ہی نگہبانوں کو ڈیوٹیاں چھوڑ چھوڑ کر بھاگتے دیکھا تھا اور پھر تقریباً ایک گھنٹے کے لئے درہ اور ان کے خیمے قطعی ویران ہوگئے تھے۔ پھر اس نے یہ بھی دیکھا تھا کہ واپسی پر وہ دوبارہ اپنی اپنی جگہوں پر جم گئے تھے۔ ان کے آفیسر نے ان سے باز پرس نہیں کی تھی۔ اس سے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ آفیسر بھی انہیں بھاگنے والوں میں شامل رہا ہوگا۔

حمید بھی تھوڑی دیر بعد بالکونی کی طرف نکل آیا۔ لیکن فریدی وہاں نہیں تھا البتہ اس نے رینوکا کو دیکھا جو ریلنگ پر آگے کی طرف جھکی ہوئی کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں ایک کبوتر تھا۔ حمید کی آہٹ سن کر وہ اس طرح چونکی کہ کبوتر اس کے ہاتھوں سے نکل کر اڑ گیا۔

"کبوتر اڑا دیا آپ نے میرا۔" وہ کھسیانے انداز میں بولی۔

"میں نے، کمال کرتی ہیں آپ!"

"اتنی مشکلوں سے پکڑا تھا۔"

"خیر میں دوسرا لادوں گا۔" حمید نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ لیکن وہ الگ ہٹ گئی۔ وہ عمارت کے گرد منڈلاتے ہوئے کبوتر کو دیکھ رہی تھی۔

حمید نے اسے باتوں ہی باتوں میں روکنا چاہا لیکن وہ نہ رکی اور پھر اس کے بعد ہی اُسے بھی واپس چلا آنا پڑا کیونکہ بالکونی بالکل ویران تھی اور چاروں طرف پھیلی ہوئی تیز دھوپ آنکھوں میں خیرگی پیدا کر رہی تھی۔

فریدی نے رینوکا کے خلاف شبہ ظاہر کر کے حمید کو نئی الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔ لیکن اس نے شبہے کی جو وجہ بتائی تھی۔ زیادہ پائیدار نہ تھی۔ اُسے زیادہ سے زیادہ ایک شک میں مبتلا دماغ کا پیدا کردہ ایک وہم کہا جا سکتا تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ ہی ساتھ اسے اس کا تجربہ بھی تھا کہ فریدی کے شبہات شاذ و نادر ہی غلط نکلتے تھے تو پھر کیا وہ کوئی بات اس سلسلے میں حمید سے چھپا رہا تھا۔ وہ بات جس پر اس نے اپنے شبہے کی بنیاد رکھی تھی۔ حمید شام تک اس گتھی میں الجھا رہا۔ سورج غروب ہونے سے کچھ ہی دیر قبل فریدی واپس آگیا۔ خلاف توقع وہ اس وقت کافی بشاش نظر آرہا تھا۔ ماتھے کی سلوٹیں مٹ گئی تھیں اور ہر وقت سوچ میں ڈوبی رہنے والی آنکھیں ایک خاص قسم کی چمک سے مخمور تھیں۔ ایسی چمک جو کسی شریر بچے کی آنکھوں میں اس وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ کسی نئی شرارت کا پلان مرتب کرتا ہے۔

"اس وقت بڑے حسین لگ رہے ہیں آپ۔" حمید نے اسے چھیڑا۔

"ممکن ہے تمہارا خیال درست ہو۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "لیکن ذرا جلدی سے اٹھ کر سامان تو اکٹھا کرو۔ ہمیں یہ ہوٹل ہی چھوڑ دینا ہے۔"

"کیوں؟"

"وقت مت برباد کرو۔" فریدی نے کہا۔ "نیچے گاڑی کھڑی ہے۔ اس میں سامان رکھ کر واپس آجاؤ۔ جلدی کرو۔ جلدی۔ میرا منہ کیوں تک رہے ہو! چلو۔"

حمید دانت پیستا ہوا سامان اکٹھا کرنے لگا۔

سامان گاڑی پر بار کر کے جب وہ واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ فریدی ڈائننگ ہال میں رینوکا کے ساتھ بیٹھا ہنس ہنس کر باتیں کر رہا ہے۔

رینوکا اس سے کہہ رہی تھی۔ "یاور تمہاری عدم موجودگی میں ٹیکم گڈھ کے دن اور رات بے کیف ہو کر رہ جائیں گے۔"

"صرف تین دن۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کمرہ میں نے چھوڑا نہیں ہے۔ اگر وہ میرے بھائی کی علالت کا تار نہ ہوتا تو میں اسے ردی کی ٹوکری میں ڈال دیتا۔ مگر ایسی صورت میں جانا ضروری ہے۔"

"میں تمہارا انتظار کروں گی۔" رینوکا نے کسی فلم کی ہیروئن کی طرح رومانی انداز میں کہا اور حمید اپنے ہونٹ چاٹنے لگا۔

"اوہ کیپٹن جلیس....!" وہ حمید کی طرف مڑ کر بولی۔ "آپ بھی جا رہے ہیں۔"

"جی ہاں میں بھی جا رہا ہوں۔" حمید نے پُر وقار انداز میں کہا۔ "اور ٹیکم گڈھ کی سرزمین مجھ جیسے عظیم آدمی کے وجود سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو رہی ہے۔"

"تو آپ واپس نہیں آئیں گے؟"

"میرے لئے آپ کیوں.... اس سوال کی زحمت گوارا کر رہی ہیں۔"

رینوکا کوئی جواب دیئے بغیر فریدی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

ڈائننگ ہال میں بھیڑ بڑھتی جا رہی تھی۔ شام کے وقت عموماً یہاں بھیڑ زیادہ ہو جایا کرتی تھی۔ ٹیکم گڈھ کے دولت مند لوگ زیادہ تر یہیں آیا کرتے تھے۔ بعض رنگین مزاج حکام کی

شامیں بھی یہیں گذرتی تھیں۔ شراب کی بوتلیں کھلنے لگی تھیں۔ ویٹروں کی آمد و رفت میں تیزی بڑھتی جا رہی تھی۔

"آپ کیا پئیں گی۔" فریدی نے رینوکا سے پوچھا۔

"آپ تو پیتے نہیں۔"

"تو اس سے کیا کہ میں ضرور کچھ پیوں۔ چلئے کافی ہی سہی۔"

فریدی نے ویٹر کو بلا کر شراب اور کافی کا آرڈر دیا۔ حمید کو حیرت ہو رہی تھی اس نے آج تک اُسے کسی عورت کو شراب پلاتے نہیں دیکھا تھا۔ حمید اچھی طرح جانتا تھا کہ فریدی کو شرابی عورتوں کے تصور سے بھی گھن آتی ہے پھر آخر وہ اس وقت ایک شراب پیتی ہوئی عورت کا وجود کیونکر برداشت کر سکے گا۔

شراب آئی اور رینوکا اس پر اس طرح ٹوٹ پڑی جیسے کئی دنوں سے پیاسی ہو۔ فریدی اس سے ایک خاص انداز میں گفتگو کر رہا تھا جس میں لگاوٹ اور ہچکچاہٹ دونوں ہی شامل تھیں۔ حمید کا ذہن اس بُری طرح الجھ گیا تھا کہ وہ اس پر دھیان نہ دے سکا کہ ان میں کیا گفتگو ہو رہی ہے اور پھر سامان کا مسئلہ الگ تھا۔ فریدی نے سامان کہاں بھجوایا تھا؟ حمید کی الجھن اتنی بڑھی کہ وہ آخر کار وہاں سے اٹھ گیا۔ اس اٹھ بھاگنے کی ایک وجہ اور تھی؟ اور وہ تھی رینوکا کی بدمستی! باتیں کرتے وقت اس کے ہونٹ اس طرح نئے نئے زاویئے اور قوسیں بنا رہے تھے کہ وہ صاف منہ چڑھاتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔ بہر حال حمید وہاں سے بھاگ کر بالکونی میں پہنچا۔ لیکن یہاں بھی اس وقت سکون نہیں تھا چونکہ سنیچر کی شام تھی اس لئے آج بھیڑ کافی تھی۔ بالکونی میں بھی لوگ بیٹھے شراب پی رہے تھے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں۔ حمید کو اپنی زندگی تلخ ہوتی معلوم ہونے لگی۔ شراب کے نشے میں بہکی ہوئی عورتوں کا قرب اُسے عورت کے وجود سے متنفر کر دینے کے لئے کافی ہوتا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ ڈائننگ ہال ہی غنیمت تھا کیونکہ وہاں ایسا طوفان بدتمیزی نہیں تھا۔ ایک نشے میں بہکی ہوئی اینگلو انڈین لڑکی ہکلا ہکلا کر ایک فحش سا فلمی گیت گا رہی تھی اور اس کے قریب بیٹھے ہوئے مرد قہقہے لگا رہے تھے۔

پھر کوئی دوسری عورت ناک کے بل ہنستی ہوئی گنگنائی۔ "پٹ.... پٹ.... پٹاخہ.... خہ خہ.... خہار۔"

حمید بوکھلا کر پھر نیچے بھاگا۔ یہاں رینوکا کی حالت نشے سے ابتر ہوتی جارہی تھی اور فریدی اُسے بے تحاشہ پلا رہا تھا۔

"ہاں میں یہ کہہ رہا تھا کہ عورت ہمیشہ عورت ہی رہے گی۔" فریدی نے کہا۔ اس پر رینوکا آنکھیں بند کر کے بے ڈھنگے پن کے ساتھ ہنسی اور حمید کا دل چاہنے لگا کہ وہ اس کے منہ میں دونوں انگوٹھے ڈال کر اس کے گال کانوں کی لو تک پھاڑ ڈالے۔

"نائیں.... ہاب عورت... عورت نائیں...." رینوکا اپنا نچلا ہونٹ نچلے دانتوں پر جکڑ کر بولی۔

"عورت عورت ہے.... وہ مردوں کی برابری نہیں کر سکتی۔"

"کار سکتی ہے۔" رینوکا نے اپنی پیشانی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"ادھر.... میری طرف دیکھو۔" فریدی نے اس سے کہا اور رینوکا اپنی نشے سے بوجھل ہوتی ہوئی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فریدی کے چہرے پر نظریں جمانے کی کوشش کرنے لگی۔

"میں مرد ہوں۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "اور اُس آدمی کی نقلی مونچھیں اکھاڑ سکتا ہوں۔"

حمید کی نظریں بے اختیار اس آدمی کی طرف اٹھ گئیں جس کی طرف فریدی نے اشارہ کیا تھا۔ وہ مرد ایک معمر اور قوی ہیکل آدمی تھا۔ چہرے پر گھنی اور اوپر کو چڑھی مونچھیں تھیں جن میں اس نے خضاب لگا رکھا تھا۔ حمید اُسے ایک ہی نظر میں پہچان گیا۔ وہ مقامی پولیس کا ایک سب انسپکٹر تھا، جو اس وقت سادے لباس میں تھا اور اس کی مونچھیں سو فیصدی نقلی تھیں۔

"نقلی مونچھیں۔" رینوکا آہستہ سے بولی۔

"ہاں نقلی مونچھیں۔ میں اُن مونچھوں کو اکھاڑ سکتا ہوں کیونکہ مرد ہوں۔ تم نہیں اکھاڑ سکتیں۔"

"میں بھی مرد ہوں۔" رینوکا اپنے سینے پر ہاتھ مارتی ہوئی تن کر بولی۔

"مگر تم اس کی مونچھیں نہیں اکھاڑ سکتیں۔"

"میں اکھاڑ سکتی ہوں۔"

"تم نہیں اکھاڑ سکتیں۔"

حمید کا سر چکرا گیا۔ آخر فریدی کیا کرنے جارہا ہے۔ اس کا انجام اور اس کا مقصد وہ حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ فریدی اُسے آنکھ مار کر پھر رینوکا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"زبان سے کہہ دینا اور چیز ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"میں اکھاڑ کر دکھا دوں گی۔" رینوکا لڑکھڑاتی ہوئی اٹھی اور بڑی مونچھوں والے سب انسپکٹر کی طرف بڑھنے لگی۔ وہ بیچارہ کافی کے گھونٹ لے لے کر سگریٹ پینے میں مشغول تھا۔

"بیٹے حمید۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "بس اب چل دو یہاں سے بل میں ادا کر چکا ہوں۔"

وہ دونوں اٹھ کر تیزی سے باہر نکل آئے اور عمارت کے سرے پر بھی نہ پہنچے تھے کہ اندر سے شور سنائی دیا۔

"اکھڑ گئی۔" فریدی اپنا قہقہہ دباتا ہوا بولا.... "بھاگو.... جلدی.... ادھر نالے میں اتر آؤ۔"

"لیکن آخر یہ کیا حماقت ہے۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "اب ایک نئی مصیبت۔"

"کوئی نئی مصیبت نہیں پیارے۔ اب ہم دوسرے ہوٹل میں قیام کریں گے جو گراج کے درے کے قریب ہے۔"

"لیکن اب ہم لوگ چھپیں گے کیسے! ہوش آنے پر وہ یقیناً یہی بیان دے گی کہ ہم نے اُسے اکسایا تھا۔"

"کوئی بات نہیں.... اب میں بھی اپنی صورت تبدیل کر دوں گا تم بھی کچھ اور ہو جاؤ گے۔"

"مگر میک اپ کا سامان تو اسباب کے ساتھ گیا۔"

"تم تو بال کی کھال اتارتے ہو۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "تھوڑی چیزیں میرے ہینڈ بیگ میں بھی ہیں۔"

"لیکن اس حرکت کی کیا ضرورت تھی۔"

"ضرورت تم سے بہتر سمجھتا ہوں۔" اب بکو مت، چپ چاپ چلے آؤ۔"

وہ ناہموار راستے طے کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ پھر ایک جگہ ایک غار میں دونوں نے ٹارچ کی روشنی سے اپنے حلئے تبدیل کئے اور سڑک پر نکل آئے۔ انہوں نے اپنے کوٹ اتار کر بغل میں دبا لئے تھے اور ٹائیاں بھی کھول لی تھیں۔ سڑک بالکل ویران تھی۔ حمید کا دل چاہ رہا تھا کہ چٹان سے چھلانگ لگا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان جھگڑوں سے نجات حاصل کر لے۔

ٹھنڈا شعلہ

دوسرا دن فریدی اور حمید کیلئے ایک دلچسپ دن تھا۔ وہ دونوں ہل ویو ہوٹل کی لان پر بیٹھے

صبح کا اخبار پڑھ رہے تھے۔ رات کے واقعے کے متعلق ایک چٹ پٹی خبر شائع ہوئی تھی۔ ریزرو سب انسپکٹر کی مونچھ اکھاڑنے کے جرم میں پولیس کی حراست میں تھی اور ان دونوں کپتانوں کی تلاش جاری تھی جنہوں نے اُسے اکسایا تھا۔ فریدی نے ہنس کر اخبار ایک طرف ڈال دیا۔

"کیا ملا آپ کو۔" حمید بیزاری سے بولا۔ "خواہ مخواہ بیچاری کو پھنسوا دیا۔ محض ایک بے بنیاد شبہے پر۔"

"بے بنیاد۔" فریدی چونک کر بولا۔ "حمید بیٹے! میں کچا کام کرنے کا عادی نہیں۔ محض شبہ کی بناء پر اس قسم کے اقدام نہیں کرتا۔ ایک ٹھوس حقیقت سے دو چار ہونے کے بعد میں نے اُسے ٹھکانے لگایا ہے۔"

"یعنی.....!"

"وہ کبوتروں کے ذریعہ کسی نامعلوم جگہ پیغامات بھیجا کرتی تھی۔ پیغامات کیا تھے انہیں اچھی خاصی رپورٹ کہنا چاہئے۔ جو وہ ہم لوگوں کے متعلق تیار کر کے کسی نامعلوم آدمی کے پاس پہنچا کرتی تھی۔"

"کبوتر.....!" حمید چونک پڑا۔ اس کے ذہن میں گذرے ہوئے دن کا واقعہ پھر آیا۔ رینو بالکونی میں کبوتر لئے کھڑی تھی اور اس کی آہٹ پر چونک کر اڑا دیا تھا تو کیا وہ ہم لوگوں کی اصلیت سے واقف تھی۔"

"قطعی.....!" فریدی نے کہا۔ "یہ چیز مجھ پر کل ہی ظاہر ہوئی ہے۔ کل بالکونی سے اس نے ایک نامہ بر کبوتر اڑایا تھا۔ اتفاق سے اسے ایک باز نے نیچے گرا دیا اور وہ میرے ہاتھ لگ گیا۔ اس کے ذریعہ رینو کا نے جو رپورٹ بھیجی تھی اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے بھی ہم لوگوں کے متعلق کسی کو اطلاع دے چکی ہے وہ میری پرسوں کی نقل و حرکت کی پوری پوری رپورٹ تھی۔"

"کبوتر کے متعلق آپ کو کل ہی معلوم ہوا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں میں نے اس سے قبل بھی اُسے کئی بار کبوتر اڑاتے دیکھا تھا۔ لیکن میں یہ بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ وہ نامہ بر ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ہوٹل میں جنگلی کبوتروں کی خاصی اچھی تعداد پرورش لیتی ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی اور کبوتر رہا ہو۔ مطلب یہ کہ اُسے کسی اور نے اڑایا ہو۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ میں اندھا ہوں۔" فریدی منہ بنا کر بولا۔ "میں نے خود اُسے اڑاتے دیکھا تھا اور تم اس کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے۔ میں سامنے والی چٹانوں میں موجود تھا۔"

"وہاں کیا کر رہے تھے۔" حمید بے خیالی میں بولا۔

"جھک مار رہا تھا۔ تم اتنے اُلو کیوں ہو گئے ہو؟"

"آپ جھک مار رہے تھے۔ اچھا کر رہے تھے۔ جب کسی طرح بس نہ چلے تو جھک مارنا صحت کے لئے مفید سمجھا جاتا ہے۔ لیکن میں قطعی اُلو نہیں ہوں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ رینو کا کو اس طرح پکڑوانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"بس یونہی مذاق کرنے کو دل چاہا تھا۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "لیکن اگر ضرورت پیش آئی تو یہی مذاق سنجیدگی میں تبدیل ہو کر ہمارے کام آ سکے گا۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"کیا کرو گے سمجھ کر۔" فریدی طنزیہ لہجے میں بولا۔ "کیا اس ہوٹل میں تمہیں کوئی لڑکی دکھائی نہیں دی۔"

"دیکھئے جناب۔" حمید چڑ کر بولا۔ "اگر آپ اس طرح مجھے ناکارہ اور نکما بنائے رکھیں گے تو میں چپ چاپ واپس جا کر اپنا استعفیٰ پیش کر دوں گا۔ جہنم میں گئی ایسی ملازمت۔"

"تو اس طرح کیا تم مجھ سے بچ سکو گے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں خودکشی کر لوں گا۔"

"بسم اللہ!" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "چلو پھر پانی منگاؤں یا خالص گھی۔"

حمید نے بھنا کر دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

"ہے ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "یار تجھے تو عورت ہونا چاہئے تھا۔"

حمید بدستور خاموش رہا وہ اپنے ہونٹ سکوڑے پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔ پائپ سلگا کر اٹھا اور آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا عمارت کی طرف چلنے لگا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ فریدی بھی اس کے پیچھے پیچھے آ رہا ہے۔ لیکن اس نے پلٹ کر دیکھا نہیں۔ عمارت میں داخل ہو کر اس کمرے کی طرف مڑ گیا جس میں دونوں قیام پذیر تھے۔

کمرے کا دروازہ کھولتے ہی وہ چونک پڑا۔ صوفہ کے درمیان رکھی ہوئی ٹی پائی پر سونے کا

ایک بڑا سا ٹکڑا پڑا تھا۔ وہ تیزی سے اُسے اٹھانے کے لئے بڑھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں کسی نے اُسے پکڑ کر پیچھے کی طرف کھینچ لیا۔ یہ فریدی تھا۔

"اتنی بدحواسی اچھی نہیں۔" فریدی نے کہا اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

"تو کیا یہ آپ نے۔"

"نہیں!.... ٹھہرو! اسے ہاتھ مت لگانا۔"

حمید حیرت سے اُسے دیکھنے لگا۔

"ابھی تم مر ہی گئے ہوتے۔" فریدی نے کہا۔ "اور مرنے سے پہلے بوڑھے ہو جاتے۔"

"کیا؟" حمید چونک کر بولا۔ "مگر.... یہ تو سونا ہے۔"

"ہاں ہاں! اور کسی نے ہماری موت کو دعوت دینے کے لئے اسے یہاں نہایت احتیاط سے رکھ دیا ہے۔ بیٹے حمید خاں! اب کھلم کھلا جنگ کرنی پڑے گی کیونکہ انہوں نے ہمیں اس بھیس میں بھی پہچان لیا ہے۔"

"آپ نہ جانے کیا کہہ رہے ہیں۔" حمید پھر سونے کی طرف بڑھا۔

"ٹھہرو! کیوں حماقت کر رہے ہو۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "جاؤ برآمدے میں ایک بلی کا بچہ پڑا اونگھ رہا ہے اسے اٹھا لاؤ۔"

"میں نہیں جاتا.... آپ نہ جانے کیا؟"

"صاحبزادے ہو۔" فریدی خود دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "خبردار اسے ہاتھ نہ لگانا۔"

پھر وہ ایک بلی کے بچے کو ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

"کیا آپ خواہ مخواہ....!"

"چپ رہو؟"

"آپ ایسے حالات میں انتہائی مضحکہ خیز لگتے ہیں۔" حمید نے بھنا کر کہا۔

فریدی نے کوئی جواب دیئے بغیر بلی کے بچے کو سونے کے ٹکڑے پر ڈال دیا۔ اس نے وہاں سے اٹھنا چاہا لیکن فریدی اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا اور وہ وہیں سر رکھ کر اونگھ گیا۔

حمید تمسخر آمیز مسکراہٹ کے ساتھ فریدی کی حرکتیں دیکھ رہا تھا۔

"تو کیا اب آپ اس بلی کے بچے سے انڈے دلوائیں گے۔"

"دیکھتے جاؤ۔" فریدی نے کہا اور اٹھ کر دروازے کے قریب آ گیا۔

"کئی دنوں سے دیکھ رہا ہوں۔" حمید نے بیزاری سے کہا اور پائپ سلگا کر صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ کئی منٹ گذر گئے۔ کمرے کی فضا پر خاموشی مسلط تھی۔ دفعتاً بلی کے بچے نے ایک چیخ ماری اور اچھل کر زمین پر جا پڑا۔ حمید بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔ بلی کا بچہ بے حس و حرکت نظر آ رہا تھا۔ فریدی اس پر جھک پڑا۔

"یہ ابھی مرا نہیں۔" وہ اپنے دواؤں کے بکس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ اس نے تیزی سے ایمونیا کی بوتل نکالی اور حمید کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا اُسے اس کی ناک سے لگائے رکھو۔"

وہ پھر دواؤں کے بکس میں کچھ تلاش کرنے لگا تھا۔ حمید نے بوتل کھول کر بلی کے بچے کی ناک سے لگا دی۔ وہ اکھڑی اکھڑی سانسیں لے رہا تھا۔ اس کے سینے پر جلنے کا داغ تھا۔ سینے کا جتنا حصہ سونے کے ٹکڑے پر تھا بُری طرح جھلس گیا تھا۔

"ہوں....!" فریدی جھکتا ہوا بولا۔ "ذرا اس کا اگلا پیر تو اٹھاؤ۔"

اس کے ہاتھ میں انجکشن لگانے والی سوئی تھی۔ حمید کو اتنا ہوش ہی نہیں تھا کہ وہ اس سے کچھ پوچھتا۔ فریدی نے بلی کے پیر میں سوئی چبھو دی۔

"اب بوتل ہٹاؤ۔" اس نے حمید سے کہا۔

فریدی بلی کے بچے کے قریب ہی بیٹھا رہا۔ حمید نے بوتل بند کر کے بکس میں رکھ دی۔

"اب اس سونے کو اٹھا کر جیب میں رکھ لو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"یعنی....!"

"یعنی یہ کہ اب تمہیں مرنے کی اجازت ہے۔"

حمید جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ فریدی کے قریب آ بیٹھا۔ بلی کے بچے کے جسم میں حرکت پیدا ہو چکی تھی۔

"اب یہ نہیں مر سکتا اور وہ دونوں مرنے والے بھی آدھے گھنٹے کے اندر اندر بچائے جا سکتے تھے۔"

"مگر.... آپ تو ریڈیم کہہ رہے تھے۔" حمید نے کہا۔

"اتنا ریڈیم وہ کہاں سے لائیں گے۔ انہوں نے سونے کو ریڈیم سے چارج کر لیا ہے۔ یہ ٹکڑا

بھی ریڈیم سے متاثر شدہ ہے۔ لیکن اس کے لئے بھی انہیں ریڈیم کو دھات کی شکل میں لانا پڑا ہوگا اور یہ ایک مشکل عمل ہے۔ معلوم نہیں انہوں نے سونے کو کس طرح ریڈیم سے متاثر کیا۔ میں سچ کہتا ہوں حمید کوئی بہت بڑا دماغ اس سازش کے پیچھے کام کر رہا ہے۔"

"لیکن یہ میز" حمید تذبذب کے عالم میں بولا۔ "یہ میز کیوں نہیں جلی۔"

"شاید اس عمل میں حرارت پذیری کا بھی دخل ہے۔"

"لیکن لانے والا اسے لایا کس طرح ہوگا۔"

"ممکن ہے لکڑی کی ڈبیہ استعمال کی ہو۔ ویسے سیسہ ہی ایک ایسی دھات ہے جس پر ریڈیم کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔"

"شیشہ....!"

"شیشہ نہیں سیسہ....!" فریدی نے کہا۔ "جانتے ہو ریڈیم کتنی طاقتور چیز ہے۔ اس کے متعلق اندازہ لگایا گیا ہے کہ صرف دو پونڈ ریڈیم زمین کو اس کے محور سے ہٹانے کے لئے کافی ہوگا۔"

بلی کا بچہ اٹھ کر رینگنے لگا تھا اس کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ وہ رینگتا ہوا دروازے کی اوٹ میں چلا گیا۔

"آپ نے انجکشن کس چیز کا دیا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"اسٹرانچین سیلوشن....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کم بختوں نے مار ڈالنے کا بڑا اچھا طریقہ ایجاد کیا ہے! سونا دیکھ کر کون نہ للچائے گا۔ ایک تنگ راہ میں کہیں ڈال دیا اور اٹھانے والے کا قصہ تمام۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اب ہم قطعی محفوظ نہیں ہیں۔" حمید نے کہا۔

فریدی پُر خیال انداز میں سر ہلا کر پھر کچھ سوچنے لگا۔

"تو پھر وہ پولیس کو ہمارے متعلق اطلاع بھی دے سکتے ہیں کہ ہم اس بھیس میں یہاں موجود ہیں۔"

"شائد ہی وہ ایسا کریں!" فریدی نے کہا۔ "کیونکہ اس سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ دراصل اب چپ چاپ ہمارا خاتمہ کر دینے کی گھات میں ہیں۔"

"چپ چاپ کیوں! جب وہ ہمیں پہچانتے ہیں تو کبھی بھی اور کسی حالت میں ہمارا خاتمہ کر سکتے ہیں۔ آپ کو شروع ہی سے بھیس بدل کر رہنا چاہئے تھا۔"

"بس حماقت ہو گئی۔ مجھے دراصل ان کی قوت اور تنظیم کا اندازہ نہیں تھا۔" فریدی سگار

سلگاتا ہوا بولا۔ اس نے سونے کے ٹکڑے کو ایک لکڑی کے ڈبے میں رکھ کر دواؤں کے بکس میں ڈال دیا۔ بلی کا بچہ پھر دروازے کی اوٹ سے رینگتا ہوا باہر نکل گیا۔

"ذرا دیکھئے۔" حمید بے اختیار بولا۔

اس کے سفید بالوں میں ہلکی سی نیلاہٹ دوڑ گئی تھی۔ فریدی پُر خیال انداز میں سر ہلانے لگا۔ حمید کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اُسے اپنے کچھ دیر قبل کے رویے پر افسوس ہونے لگا۔ وہ خواہ مخواہ فریدی کا مضحکہ اڑاتا رہا تھا۔ درحقیقت فریدی کی اتھاہ پانا بہت مشکل کام ہے۔

حمید اٹھ کر اندر گیا۔ فریدی سیلانچی پر جھکا ہوا منہ دھو رہا تھا۔

"بھئی یہ معاملہ اپنے بس کا نہیں ہے۔" اس نے کہا۔ "تم دیکھ رہے ہو کہ کسی طرح کام بنتا ہی نہیں۔ کیا بس ایک میں ہی رہ گیا ہوں۔ اس معاملے میں ہاتھ ڈالنا خودکشی سے کسی طرح کم نہیں۔ میں اپنی ناکامیوں کی رپورٹ مکمل کر کے نصرت صاحب کو دے دوں گا اور بس.... آج رات کی ٹرین سے ہم گھر کی طرف روانہ ہو جائیں گے معلوم نہیں مجرموں نے اپنا جال کہاں کہاں پھیلا رکھا ہے۔" فریدی سنجیدگی کے ساتھ یہ ساری باتیں کہہ رہا تھا۔ "چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ۔" فریدی پھر بولا۔ "ہمیں میجر نصرت کے یہاں چلنا ہے۔ جہنم میں گیا یہ کیس۔"

حمید کچھ نہیں بولا۔ وہ لوٹ کر اپنے بکس سے کپڑے نکالنے لگا۔

"پیدل ہی ٹھیک رہے گا۔" فریدی نے کہا۔ "تم آخر اس قدر خاموش کیوں ہو؟"

"کچھ نہیں۔"

"ساری شرارتیں ہوا ہو گئیں۔"

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اگر آپ اس وقت میرے پیچھے پیچھے چلے نہ آئے ہوتے تو میرا کام تمام ہو چکا ہوتا۔"

"اس میں تو شک نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "ہونے والی بات۔ میں بلا مقصد بغیر ارادہ تمہارے پیچھے چلا آیا تھا۔ ورنہ اس وقت وہاں سے اٹھنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ میں ابھی زندہ رہوں گا۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"یہ ابھی نہیں کہا جا سکتا۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ ابھی آخری معرکہ باقی ہے۔"

"کیا مطلب....!" حمید چونک کر بولا۔ "آج رات کو تو ہم واپس جا رہے ہیں۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"کبھی پہلیبھی فریدی پیچھے ہٹا تھا۔" اس نے کہا۔

"تمہیں ایک دلچسپ بات بتاؤں۔" فریدی رک کر سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "ہمارے غسل خانے میں ایک ڈکٹوگراف رکھا ہوا ہے۔"

"ڈکٹوگراف۔" حمید اچھل کر بولا۔

"ہاں اور اس کا ریسیونگ سٹ کسی اور کمرے میں ہے ہماری ساری گفتگو کسی نے سن لی ہے۔ اس واقعے سے پہلے مجھے اس کا علم نہیں تھا۔ وہ تو منہ دھوتے وقت اس پر نظر پڑ گئی۔ بظاہر وہ فائل کا ڈبہ معلوم ہو رہا تھا۔ اتفاق سے میرا پیر اس سے جا لگا اور میں نے محسوس کیا کہ وہ ٹین کا نہیں ہے۔ پھر دیکھنے پر ساری حقیقت واضح ہو گئی.... ہاں تو اس کے ذریعے سے کسی نے ہماری ساری گفتگو سن لی ہے۔"

"تب تو کم از کم اسے پکڑ لینے میں کوئی دشواری نہیں ہو سکتی۔ ذرا سی تلاش کے بعد معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کا سلسلہ کس کمرے سے ہے۔"

"وہ ٹھیک ہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن اس سے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا۔ بہت ممکن ہے کہ اس طرح ہم جلدی ہی ختم کر دیئے جائیں۔ یہ بات میں سنجیدگی کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ ہمیں ہر وقت مرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ معلوم نہیں دشمن کہاں اور کس روپ میں موجود ہو۔ بعض اوقات تو مجھے میجر نصرت پر بھی شبہ ہونے لگتا ہے۔"

"ارے وہ کیا....!"

"میں یہ نہیں کہتا۔" فریدی نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ ایمانداری سے اپنے فرائض انجام دے رہا ہو۔"

"خیر چھوڑیئے! اب آپ کیا کریں گے۔" حمید نے کہا۔

"میجر نصرت کے یہاں سے واپسی کے بعد اپنا سامان ریلوے اسٹیشن پر پہنچا دیں گے۔"

"ریلوے اسٹیشن پر۔"

"ہاں اور اس کے بعد ہماری موجودہ شکل و صورت کے دو آدمی نو بجے رات والی ٹرین سے روانہ ہو جائیں گے۔"

"پھر....!"

"پھر ہم ہوں گے اور رینوکا۔"

حمید متحیرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

فتنہ جاگتا ہے

"اس طرح بوکھلا کر مت دیکھو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم دونوں رینوکا سے عشق شروع کر دیں گے۔"

"خیر آپ کے متعلق تو یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ آج کل میں نفسیاتی تجربوں کے خبط میں مبتلا ہو گیا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "اس سلسلے میں رینوکا کو سبجیکٹ بنانے کا ارادہ ہے۔"

"یعنی....!"

"یعنی یہ کہ آج رات کو دیکھ لینا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

وہ دونوں ڈھلوان راستے پر چل رہے تھے۔ ان کے دونوں طرف اونچی نیچی اور کانٹے دار جھاڑیوں سے ڈھکی ہوئی چٹانیں تھیں اور راستہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔ شہر یہاں سے تقریباً ڈیڑھ میل کی دوری پر تھا۔

دفعتاً انہیں اپنے پیچھے ایک زور دار گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ وہ دونوں چونک کر مڑے۔ ایک بہت بڑی چٹان لڑھکتی ہوئی ان کی طرف چلی آ رہی تھی۔ اُس کا حجم اتنا زیادہ تھا کہ اس نے قریب قریب راستے کی پوری چوڑائی کو ڈھک لیا تھا۔

"بھاگو....!" فریدی بے اختیار چیخا۔

وہ دونوں تیزی سے دوڑنے لگے۔ گڑگڑاہٹ کی آواز رک گئی۔ چٹان راستے کے ایک خفیف سے موڑ پر پھنس کر رک گئی تھی۔

"چلتے جاؤ! خطرہ ہے۔" فریدی بدستور دوڑتا ہوا بولا۔ "ریوالور ہے۔"

"نہیں....!" حمید نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"میں بھی نہیں لایا.... شاید ہماری عقلیں چرنے گئی تھیں۔"

پھر وہ اُس تنگ راستے سے نکل کر ایک کشادہ چٹان پر آ گئے۔ شہر نزدیک تھا۔ اس لئے وہ دم لینے کے لئے ایک جگہ رک گئے۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ محض اتفاق رہا ہو۔" حمید ہانپتا ہوا بولا۔

"سب کچھ ہو سکتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن یہ لوگ کھل کر سامنے نہیں آ رہے ہیں۔"

"جناب والا وہ جائیں جہنم میں۔" حمید جھلا کر بولا۔ "اگر اس وقت وہ چٹان راستے میں نہ رک گئی ہوتی تو ہمارے سیخ کے کباب کیسے ہوتے؟ بس اب سچ مچ چھوڑیئے یہ چکر اور چپ چاپ دم دبا کر نکل چلئے۔"

"یہ میری توہین ہے۔" فریدی نے منہ سکوڑ کر کہا۔

"تو کم از کم میں تو اپنی لاش پر تمغہ نہیں لگوانا چاہتا۔"

"تم واپس جا سکتے ہو۔"

"باس.... اس جملے کے علاوہ اور آپ کو کچھ نہیں آتا۔"

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر شہر کی طرف چل پڑا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں میجر نصرت کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ میجر نصرت اندر کسی کام میں مشغول تھا۔

فریدی اور حمید نے اپنے اصلی نام اُسے نہیں بھجوائے تھے۔ بہر حال جب وہ ڈرائنگ روم میں آیا تو اس کا رویہ قطعی غیر متعلقانہ تھا۔ کیونکہ میجر نصرت انہیں اس بھیس میں پہچانا نہیں تھا اور جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ وہ دونوں کون ہیں تو وہ حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"واقعی آپ اس فن میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔" میجر نصرت نے کہا۔

"رینوکا کا کیا رہا۔" فریدی اس کی بات اڑا کر بولا۔ "کسی نے اس کی ضمانت تو نہیں دی۔"

"مجھے افسوس ہے کہ....!"

"کیا مطلب....!" فریدی نے بے صبری سے اس کی بات کاٹی۔

"پولیس والوں نے اُسے چھوڑ دیا۔"

"کمال کر دیا آپ نے۔" فریدی بھنا کر بولا۔ "میں نے کل رات ہی آپ کو مطلع کر دیا تھا۔"

"کیا اُس کا روک لیا جانا ضروری تھا۔"

"اب یہ آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔"

"اگر کوئی ایسی ہی بات تھی تو آپ کو صاف اطلاع دینی چاہئے تھی۔" میجر نصرت نے کہا۔

"اب میں کیا بتاؤں۔" فریدی منہ بنا کر بولا۔ "میں سمجھتا تھا کہ آپ میرے ٹیکم گڈھ آنے کی غرض و غایت سے بخوبی واقف ہوں گے۔ بھلا کسی اور معاملے سے مجھے کیا سروکار۔"

"تو کیا اس کا تعلق اس سے تھا۔"

"جناب۔"

"بھئی میں کیا بتاؤں میں نے ڈی۔ایس۔پی سٹی کو یونہی رسمی طور پر اُسے روکے رکھنے کے لئے کہہ دیا تھا۔ لہٰذا اس بیہودے نے رات بھر اسے اپنے بنگلے میں رکھا اور صبح اس سے ایک معافی نامہ لکھوا کر چھوڑ دیا۔"

"سب چوپٹ ہو گیا۔"

"پولیس آپ لوگوں کی تلاش میں تھی لیکن اس سلسلے کو میں نے ختم کرا دیا ہے۔"

"اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ شاید وہ پورا گروہ ہماری نگرانی کر رہا ہے۔"

"ارے۔"

"جی ہاں.... شروعات ہی غلط ہوئی ہے۔ پورے حالات مجھے ہیڈ کوارٹر ہی میں معلوم ہو جانے چاہئے تھے۔ معلوم نہیں اس طرح ہمیں بھجوانے میں کیا مصلحت تھی۔ میں اچھی طرح معاملات کو سوچ سمجھ کر کوئی اقدام کرتا ہوں۔ اس وقت تو یہ عالم ہے کہ ہمارے چاروں طرف بے شمار جال ہیں اور اہم احمقوں کی طرح درمیان میں کھڑے ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے ہیں۔"

میجر نصرت نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموش انہیں دیکھ رہا تھا

فریدی بغیر کچھ کہے سنے کھڑا ہو گیا۔

"تو اب کیا ارادہ ہے۔" میجر نصرت نے کہا۔

"کچھ نہیں! کچھ نہیں۔" فریدی کہتا ہوا ڈرائنگ روم سے باہر نکل آیا۔ وہ بہت زیادہ جھنجھلایا ہوا تھا۔

"دیکھا تم نے اس ڈیوٹ کو۔" اس نے حمید سے کہا۔ "اسی عقل کے بل بوتے پر سپرنٹنڈنٹ بنے بیٹھے ہیں۔ ان کے تو فرشتے بھی اس معاملے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔"

"میرا تو دل چاہا تھا کہ اس کی مونچھیں اکھاڑ دوں۔" حمید نے کہا۔

"بیوقوف آدمی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "مجھے تو اس ڈی۔ایس۔پی کے بچے پر تاؤ آ رہا ہے جس نے محکمہ سراغ رسانی کے آفیسر کی ہدایت کے باوجود اُسے چھوڑ دیا۔ انہیں بدبختوں کی عیاشیوں نے محکمے کو بدنام کر رکھا ہے۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ وہ پھر کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

"آپ رینوکا سے کیا کام لینا چاہتے تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"چھوڑو بھی۔ مارو گولی۔ جہنم میں جائے۔ جو بات نہیں ہو سکی اس کے متعلق کچھ کہنا فضول ہے۔"

وہ پھر خاموش ہو گیا لیکن تھوڑی دیر بعد خود ہی بولا۔

"نیلی روشنی سرحد پار کی چیز نہیں معلوم ہوتی۔ میں نے اچھی طرح اندازہ لگا لیا ہے کہ اسمگلنگ سے اس کا گہرا تعلق ہے۔ اسی دن دکھائی دی تھی نا جس دن تم ٹیکم گڈھ آئے تھے۔ یو جس دن میں نے اس معاملے کو اپنے ہاتھ لیا تھا۔"

حمید نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"منیجر نے کہا تھا کہ اس سے پہلے بھی سرحد پار والوں نے کسی تباہ کن حربے کا تجربہ کیا اور ٹیکم گڈھ کی متعدد عمارتوں میں آگ لگ گئی تھی۔ میرے خیال میں مجرموں کا وہ مصنو تجربہ اس نیلی روشنی کا پیش خیمہ تھا۔"

"مصنوعی تجربے سے اس کی کیا مراد ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ہونہہ! تو کیا تم اسے سچ سمجھتے ہو کہ وہ کوئی تباہ کن حربہ تھا۔"

"آگ جو لگی تھی۔" حمید نے کہا۔

"کوئی بڑی بات نہیں۔ یہ تو تم بھی کر سکتے ہو! شہر میں پہلے ہی سے اپنے گرگے چھوڑ دو اس کے بعد دور کی کسی پہاڑی پر چڑھ کر بچوں کی طرح آتش بازیاں چھوڑنا شروع کر دو اور یہ سے بنائی ہوئی سکیم کے تحت تمہارے گرگے شہر کی عمارتوں میں آگ لگاتے پھریں۔"

"یہ آپ کا قیاس ہی ہے نا۔"

"ہے تو قیاس ہی۔ لیکن سچ بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس طرف والوں سے ہمارا کوئی جھ نہیں۔ دوسری بات یہ کہ وہ امن چاہتے ہیں۔ دنیا میں تباہی پھیلانے والے جنگ بازوں خلاف جدوجہد کر رہے ہیں۔ پھر وہ بھلا ہمیں کیوں تنگ کرنے لگے جب کہ ہم بھی امن چا ہیں اور ہماری پالیسی غیر جانبدارانہ ہے.... حمید یہ ایک بہت بڑی سازش معلوم ہوتی ہے۔ اُ طرف ہمیں ہمسایہ حکومت سے بد ظن کیا جا رہا ہے اور دوسری طرف.... ہماری کوئی بہت قیمتی چیز ہم سے چھینی جا رہی ہے۔ سونے کے ٹکڑوں کو ریڈیم سے متاثر کر دینا کم از کم اپنی طر کے سائنسدانوں کے بس کا روگ نہیں۔"

"خدا خیر کرے۔ آپ نے لگائی کوئی بین الاقوامی جست۔"

"دیکھو نا! محض سونے کی ناجائز برآمد کے سلسلے میں اتنی اودھم سمجھ میں نہیں آتی۔" فر

ایک جگہ رک کر سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "ان لوگوں کا طریقہ کار تو اب اچھی طرح میری سمجھ میں آ گیا ہے۔ وگراج کے درے کے قریب دو سفید لاشوں کا پایا جانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ محافظ دستے کے کچھ لوگ بھی مجرموں سے تعلق رکھتے ہیں۔ کچھ ہی کہوں گا سب کے لئے نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ اگر سب مجرموں سے ملے ہوتے تو نیلی روشنی دیکھ کر بھاگنے کا ڈھونگ رچانے کی ضرورت ہی نہ رہ جاتی۔ ان کا انچارج کیپٹن رگھویر سنگھ ہے وہ تو سو فیصد مجرموں سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو لوگ اپنی ڈیوٹیاں چھوڑ کر ہرگز نہ بھاگتے۔"

"خیر یہ بات تو اپنی سمجھ میں آتی ہے۔" حمید نے کہا۔ "لیکن سونے کے علاوہ اور کون سی چیز ہو سکتی ہے۔"

"یہ فی الحال میں خود نہیں جانتا لیکن محض سونے کی غیر قانونی برآمد کے لئے اتنی اچھل کود لایعنی ہے۔ اس قسم کی چیزوں کی اسمگلنگ معمولی چور اُچکے بھی کر لیتے ہیں۔"

وہ دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔ اچانک فریدی رک کر بولا۔

"حمید تم ہوٹل واپس جاؤ اور سامان کسی اور ہوٹل میں منتقل کر دو۔ میں میجر نصرت کے یہاں جا رہا ہوں۔"

"کیوں....!"

"یہ ابھی نہ پوچھو۔ وقت بہت کم ہے۔ جاؤ ڈرو نہیں۔ ہمیں صرف ایک ہی بار مرنا ہے.... آج یا کل.... یا کسی اور دن۔"

"اوہ! تو کیا آپ مجھے بزدل سمجھتے ہیں؟" حمید تن کر بولا۔

"ہرگز نہیں۔ اچھا تو جاؤ۔ میں تمہیں پانچ بجے سٹیل گھاٹ کے پہلے موڑ پر ملوں گا۔ اس بار ریوالور مت بھولنا۔"

حمید نے فریدی کے چہرے پر بے چینی اور دبے ہوئے جوش کے آثار محسوس کئے اس کی آنکھوں میں وہی پرانی وحشیانہ چمک تھی جو اس نے بارہا خطرناک موقعوں پر دیکھی تھی۔ فریدی واپس جانے کے لئے مڑ گیا۔

حمید بُری طرح چکرایا ہوا تھا۔ فریدی نے اس سے قبل کبھی اتنی سنجیدگی سے موت کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ حمید ہوٹل واپس آ گیا۔ حالانکہ وہ پہلے ہی سے ایک ہفتہ کے اخراجات کی رقم ادا کر چکا تھا۔ لیکن بہر حال وہ ہوٹل تو چھوڑنا ہی تھا۔ سب سے پہلے حمید نے فریدی کی دواؤں کا بکس کھولا کیونکہ اسے سونے کے اس ٹکڑے کی فکر زیادہ تھی۔ اس کا اندیشہ غلط نہیں ثابت ہوا۔ سونے

کا ٹکڑا غائب تھا۔ پھر وہ بقیہ چیزوں کا جائزہ لینے لگا۔ ہر شے اپنی جگہ پر موجود تھی۔ حمید سوچنے لگا کہ اب کس ہوٹل میں جائے۔ پھر دفعتاً اسے اس ڈکٹوگراف کا خیال آیا۔ جس کا تذکرہ فریدی نے کیا تھا۔ اُس نے آہستہ سے غسل خانے کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ چاروں طرف نظریں دوڑائیں لیکن کہیں کوئی ایسی چیز دکھائی نہ دی جس پر ڈکٹوگراف کا شبہ کیا جا سکتا ہے۔ البتہ کموڈ کے نیچے فرش پر دو ننھے ننھے سوراخ دکھائی دیئے۔ فرش لکڑی ہی کا تھا وہ تھوڑی دیر تک ان سوراخوں پر نظریں جمائے رہا۔ پھر ساری بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ ڈکٹوگراف کے برقی تار غالباً انہی سوراخوں کے ذریعے کسی دوسری جگہ لے جائے گئے تھے۔ اگر فریدی نے اس واقعہ کو ذرہ برا بھی اہمیت دی ہوتی تو اس وقت حمید اس بات کا پتہ لگائے بغیر نہ مانتا کہ ڈکٹوگراف کا دوسرا سلسلہ کس جگہ سے تعلق رکھتا ہے۔"

اس نے غسل خانے سے نکل کر سامان اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ ویٹر کو اُس نے پہلے ہی روانگی کی اطلاع دے دی تھی۔ پھر اس نے سامان ایک ٹیکسی پر لاد کر شہر کی راہ لی۔ شہر میں ایسے ہوٹل تھے جن میں وہ اطمینان سے قیام کر سکتے تھے۔ ان میں کچھ اعلیٰ درجے کے بھی تھے لیکن حمید نے ایک ایسے ہوٹل کو ترجیح دی جس میں متوسط طبقے کے لوگ قیام کرتے تھے۔

پانچ بجے اسے ستیل گھاٹی پہنچنا تھا۔ اس لئے اس نے سامان کو پورے سلیقے سے رکھنے زحمت گوارا نہ کی اس وقت چار بج رہے تھے۔ اس نے جیب میں ریوالور ڈالا اور ستیل گھاٹ طرف چل پڑا۔

ڈکٹوگراف غائب ہو جانے کے بعد سے اسے اطمینان ہو گیا تھا کہ اب ان کی کڑی نگ نہیں ہو رہی ہے وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی کو موقعہ پر سوجھی بھی خوب! مجرم یقیناً اس فقرے آ گئے جبھی تو انہوں نے ڈکٹوگراف بھی ہٹا لیا۔

وہ چلتا رہا اور پھر ستیل گھاٹی والی سڑک کے پہلے موڑ پر رک گیا۔ گھڑی کی طرف د ٹھیک پانچ بجے تھے مگر فریدی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ حمید سڑک کے کنارے ایک چٹان سے ٹیک کھڑا ہو گیا۔ دفعتاً اسے اپنی پشت پر نشیب میں کسی عورت کے قہقہے کی آواز سنائی دی۔ نہ کیوں وہ قہقہہ اسے ایک عجیب قسم کی چیخ معلوم ہوا۔

حمید نے مڑ کر ذرا سا سر ابھارا اور دوسرے ہی لمحہ میں اس کے جسم کے سارے رونگٹے کھ ہو گئے۔ دوسری طرف نشیب میں فریدی ایک درخت کے تنے سے بندھا کھڑا تھا اور ایک ع اپنے ہاتھ میں چمڑے کا کوڑا لئے اپنے قریب کھڑے تین آدمیوں سے آہستہ آہستہ کچھ کہ

تھی۔ دفعتاً وہ فریدی کی طرف مڑی اور حمید یک بیک چونک پڑا۔

وہ رینو کا تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک فریدی کو دیکھتی رہی پھر شڑاپ سے کوڑا رسید کر دیا۔ فریدی کے جسم میں جنبش تک نہ ہوئی۔ وہ ایک بے جان بت کی طرح کھڑا تھا۔ دوسرا کوڑا پڑا۔ فریدی کی حالت میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہوئی تو اُس نے ہونٹ بھینچے اور نہ اُس کے ماتھے پر شکنیں ابھریں۔ اس کا چہرہ کوڑے کی ضربوں کی تکلیف کے تاثر سے یکسر عاری نظر آ رہا تھا۔ کوڑا تیسری بار کوندا اور رینو کا نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"میں کوڑے مار مار کر آج تمہیں ختم کر دوں گی۔" وہ پر مسرت لہجے میں چیخی۔

فریدی پھر بھی کچھ نہ بولا۔

چوتھا کوڑا پڑا اور حمید آپے سے باہر ہو گیا۔ اس نے ریوالور کا دستہ اس مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا کہ اس کے ہاتھ کی رگیں ابھر آئیں تھیں۔ وہ ایک چٹان کی اوٹ لیتا ہوا آہستہ سے نیچے رینگ گیا۔ وہ جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا اس درخت کی طرف بڑھنے لگا جس سے فریدی بندھا ہوا تھا۔ وہ ٹھیک اس کے پیچھے جا کر رک گیا۔ رینو کا برابر کوڑے برسائے جا رہی تھی۔

"تم خواہ مخواہ اپنے ہاتھوں کو تکلیف دے رہی ہو میری جان۔"

"ہٹ جاؤ.... میں اس پر نشانے کی مشق کروں گا۔"

"نہیں....!" رینو کا گرج کر بولی۔ "میں نے قسم کھائی تھی کہ اسے بڑی اذیت دے کر ماروں گی۔"

"اس سے بڑی اذیت اور کیا ہو گی کہ تم اتنے دنوں تک مجھ سے جدا رہیں۔ میں یوں ہی مر رہا تھا۔ تم نہیں جانتیں کہ میں تم پر کس بُری طرح عاشق ہوا ہوں۔" یہ فریدی کی آواز تھی۔

"خاموش رہو مکار۔" رینو کا پھر چیخی۔ "میں ہر حال میں اس بے عزتی کا بدلہ لے کر رہوں گی۔"

"تمہاری مرضی۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "مگر اُس آدمی سے کہہ دو کہ تمہیں اتنے پیار سے نہ دیکھے ورنہ میں اس کی آنکھیں پھوڑ دوں گا۔"

"شٹ اپ۔" رینو کا نے کہا اور ساتھ ہی ایک کوڑا اور پڑا۔

حمید کا سر چکرا گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا سچ مچ فریدی کے جسم میں کسی شیطان کی روح حلول کر گئی ہے کہ اس حالت میں بھی وہ ذرہ برابر خوف کا اظہار نہیں ہونے دے رہا ہے۔

حمید نے سوچا کہ وہ کیوں نہ یک بیک ان لوگوں پر فائرنگ شروع کر دے مگر پھر سوچا کہ کہیں ان میں سے کوئی فریدی کو سچ مچ گولی نہ مار دے۔ اس نے جھاڑیوں سے جھانک کر دیکھا

فریدی کے دونوں ہاتھ درخت کے تنے کے گرد لے جا کر کلائیوں کے پاس سے باندھ دیئے گئے تھے۔ حمید نے جھاڑیوں سے ہاتھ نکال کر فریدی کے ہاتھوں کو چھوا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک جھٹکے دار جنبش ہوئی اور حمید رسیوں کے بل کھولنے لگا۔

محاصرہ

پھر پوری رسی کھول ڈالنے سے پہلے اس نے یہ مناسب سمجھا کہ فریدی کو ایک ریوالور دے۔ فریدی کے ہاتھ آزاد ہوگئے۔ لیکن اس نے انہیں پہلی ہی جیسی حالت میں رہنے کو کہا۔ اس پر برابر برس رہے تھے۔

"رینو.... ڈارلنگ ایک بات سنو۔" اس نے بڑے پیار سے کہا۔

رینو کا نے ہاتھ روک لیا۔

"تمہیں وہ ریستوران والی بات یاد ہے۔" فریدی نے کہا۔ "میں اس مردہ عورت کو اس اپنے قریب دیکھ رہا ہوں۔"

"مت بکو۔" رینو کا نے چیخ کر کہا۔ "تم مجھے اُلو نہیں بنا سکتے۔"

"اچھا اگر یقین نہیں آتا تو اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور اس کے حمید کی نظروں سے غائب ہوگئے۔

"اور تم تینوں بھی۔" فریدی نے کڑک کر کہا۔ "خبردار اگر ذرا بھی جنبش کی تو بھیجے ہ اڑتے پھریں گے۔"

رینو کا کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

حمید نے جست لگائی اور جھاڑیوں کو پھلانگتا ہوا فریدی کے برابر پہنچ گیا۔

رینو کا کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"ایک لائن میں کھڑے ہو جاؤ۔" فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "رینو کا تم بھی چل سب ایک ہی قطار میں کھڑے ہوگئے۔

"ان کی تلاشی لو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

حمید نے ان سب کی جیبیں ٹٹولنی شروع کیں۔ تینوں کے پاس ریوالور نکلے پھر وہ رک

قریب پہنچ کر رک گیا۔

"جان من اگر کوئی خطرناک چیز تمہارے پاس ہو تو تم خود ہی نکال کر دے دو۔ میں تمہارے مقدس جسم کو اپنے ناپاک ہاتھ نہیں لگانا چاہتا۔" حمید نے مودبانہ انداز میں کہا۔

"حمید جلدی کرو۔" فریدی نے کہا۔

"میرے پاس کچھ نہیں ہے۔" رینو کا آہستہ سے بولی۔

"یقین نہیں آتا۔" حمید نے کہا اور پستول کے دستے سے اس کا سارا جسم تھپتھپا کر رکھ دیا۔

"کچھ نہیں ہے۔" اس نے فریدی کی طرف مڑ کر کہا۔

"اچھا اب داہنی طرف گھوم جاؤ اور چل پڑو۔ اگر کسی نے پیچھے پلٹ کر دیکھا تو خیر نہیں۔" فریدی نے مجرموں سے کہا۔

چاروں ایک قطار میں چل پڑے۔

"ٹھیک.... ہاں.... اب اس دراڑ میں اتر چلو۔" فریدی بولا۔

وہ سب دراڑ میں اتر گئے۔

یہ ایک تنگ و تاریک راستہ تھا۔ فریدی جیب سے ٹارچ نکال کر انہیں دکھانے لگا۔ راستے کی چوڑائی دو ڈھائی فٹ سے کسی طرح زیادہ نہ تھی۔ دونوں طرف اونچی اونچی چٹانیں دیواروں کی طرح کھڑی تھیں۔ تقریباً ایک فرلانگ چلنے کے بعد وہ پھر اونچی نیچی چٹانوں کے درمیان آگئے۔ آدھے گھنٹے تک وہ ناہموار کھڈ دار راستے پر چلتے رہے۔ پھر ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں چاروں طرف اونچی اونچی چٹانیں تھیں اور بیچ میں زمین ہموار تھی۔ حمید جو راستے بھر قطعی خاموش رہا تھا۔ یہاں کی طرح اپنی زبان نہ روک سکا۔

"لیکن آپ اس کے ہتھے کس طرح چڑھ گئے۔"

"تمہارا انتظار کر رہا تھا کہ انہوں نے نہ جانے کدھر سے آلیا۔ بس سمجھ لو کہ غفلت میں مارا گیا۔ لیکن تم نے بڑی دانشمندی سے کام لیا۔ مجھے خدشہ تھا کہ کہیں تم آتے ہی فائرنگ نہ شروع کر دو۔"

"میں ہر وقت بدحواسی کے موڈ میں نہیں رہتا۔" حمید نے کہا۔ "مگر ہم جا کہاں رہے ہیں۔"

"بس اب کہیں نہیں جانا ہے۔" فریدی نے کہا اور قیدیوں کو رکنے کا حکم دے کر ہولے ہولے سیٹی بجانے لگا۔

اِدھر اُدھر کی چٹانوں سے فوجی سپاہی کود کود کر آنے لگے اور دیکھتے دیکھتے تیس چالیس مسلح

فوجیوں نے انہیں اپنے نرغے میں لے لیا۔ ان میں ایک سیکنڈ لیفٹیننٹ بھی تھا۔ "قیدی" فریدی نے لیفٹیننٹ سے کہا۔

چاروں کے ہتھکڑیاں لگادی گئیں۔

"رینو ڈارلنگ مجھے افسوس ہے کہ تمہارے لئے مخمل کی ہتھکڑیوں کا انتظام نہ کرسکا۔" فریدی نے کہا۔

رینو کا نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر سر جھکالیا۔ کئی فوجی اُسے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ فریدی نے یہ چیز محسوس کرلی اور لیفٹیننٹ سے بولا۔

"آفیسر! یہ قیدی بہت اہم ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی نکل گیا تو پھر ہم زندگی بھر کامیاب نہیں ہوسکتے۔"

"یہ" لیفٹیننٹ مسکرا کر بولا۔ "ان کے فرشتے بھی نہیں نکل سکتے۔"

"تیل کے چشموں کی طرف کون جائے گا۔" فریدی نے اُس سے پوچھا۔

"خود کیپٹن شہاب۔"

"ٹھیک ہے۔"

تیل کے چشموں کا نام سن کر وہ چاروں بُری طرح چونکے۔ خصوصاً رینو کا تو سفید پڑ گئی۔

"رینو ڈارلنگ! میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تیل کے چشموں کا ڈھونگ کس لئے رچایا گ ہے۔ گھبراؤ نہیں۔ آج وہ نیلی سرچ لائٹ بھی ہمارے قبضے میں آجائے گی اور وہ خونی شعائیں نا روشنی کی گود سے نکل کر ٹیکم گڈھ کی فضاؤں میں پرواز کرتی ہیں اور سناؤ تمہارے کبوتروں کا حال ہے اور ہاں یہ بھی سنو کہ اب کوئی جوان آدمی ریڈیم سے متاثر شدہ سونے کا شکار ہو کر سفو موت نہیں مرے گا۔"

رینو کا حیرت سے آنکھیں پھاڑے فریدی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے ساتھی تو بُر طرح گھبرائے ہوئے تھے۔

"میں تم سے نہیں پوچھوں گا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "کہ وگراج کے درے سے ک کیا چیز اسمگل آؤٹ ہوتی ہے اس لئے کہ شائد اس راز سے تم بھی واقف نہ ہوگی۔"

فریدی خاموش ہوگیا۔

پھر وہ تھوڑی دیر بعد لیفٹیننٹ کی طرف مڑا۔ "اچھا آفیسر اب تم انہیں سنبھالو اور پروگرام تو تمہیں معلوم ہی ہے اور ہاں کیپٹن شہاب کے ساتھ کتنے آدمی ہیں۔"

"ڈیڑھ سو۔"

"بہت ہیں۔" فریدی پُر اطمینان لہجے میں بولا۔ "اچھا تو اب میں اپنا کام دیکھتا ہوں۔" وہ حمید کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف چل پڑا۔

"لِلہ کچھ بولتے چلئے۔" حمید نے کہا۔ "ورنہ میرا بھیجا کھوپڑی سے نکل کر ہوا میں معلق ہوجائے گا۔"

"صبر.... صبر فرزند۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "سب معلوم ہوجائے گا۔ ذرا آہستہ بولو۔ اس طرف آجاؤ.... اس دراڑ میں۔"

"یہ اتنے فوجی کہاں سے پکڑ لئے۔"

"بتاتا ہوں.... میرے خیال سے ابھی یہیں ٹھہرو اور اندھیرا پھیل جانے دو۔" فریدی نے ایک مناسب جگہ تلاش کرلی اور وہ دونوں بیٹھ گئے۔

"نہ جانے کب سے میں نے سگار نہیں پیا۔" فریدی نے ایک سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ حمید خاموشی سے ایک طرف دیکھ رہا تھا۔

"تمہارے جانے کے بعد۔" اس نے ایک طویل کش لے کر منہ سے آہستہ آہستہ دھواں نکالتے ہوئے کہا۔ "میں نے پھر اپنا ارادہ بدل دیا تھا اور میں میجر نصرت کے یہاں جانے کے بجائے سیدھا کمشنر کے یہاں گیا اور پھر اس شریف آدمی نے میری اسکیم کے مطابق یہ سارا انتظام کردیا۔ وہ خود بھی یہاں کی پولیس سے کافی برگشتہ ہے اور اُسے یہاں کی محافظ فوج پر بھی اعتماد نہیں ہے لہٰذا اس نے ٹکری کیمپ سے مدارس رجمنٹ کا ایک دستہ بلایا ہے اور وہی میری مدد کررہا ہے۔"

"لیکن یہ تیل کے چشموں کا کیا قصہ ہے۔"

"کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہاں سے دس میل دوری پر چند غیر ملکی ماہروں نے پٹرول کے ذخائر کا پتہ لگایا ہے اور وہاں کھدائی کا کام ہورہا ہے۔ ایک غیر ملکی کمپنی نے ٹھیکہ لیا ہے۔ لیکن سنو آج سات ماہ سے کھدائی جاری ہے۔ لیکن وہ ایک قطرہ پٹرولیم حاصل نہیں کرسکے۔"

"تو پھر....!" حمید بے چینی سے بولا۔ "کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ یہاں سونا کھود رہے ہیں۔"

"قطعی نہیں.... یہاں سونا کہاں سے آیا۔"

"پھر....!"

"سونے سے بھی کوئی زیادہ اہم چیز۔"

"یعنی....!"

"چھوڑو یار.... ابھی سے مجھے لال بجھکڑ بنانے کی کوشش نہ کرو۔ میں بھی تمہاری ہی طرح آدمی ہوں۔"

"تو وہاں بھی کوئی فوجی دستہ گیا ہے۔"

"ہاں....!"

"کیوں....!"

"نیلی سرچ لائٹ اور اُسے استعمال کرنے والوں کو قابو میں کرنے کے لئے۔"

"نیلی سرچ لائٹ۔"

"ہاں پیارے! نیلی سرچ لائٹ! اور وہ آتشبازیاں۔"

"کہیں شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔" حمید نے کہا۔

"بھلا شرمندگی کس بات کی۔" اگر وہاں کوئی سرچ لائٹ استعمال کی گئی تو وہ انہیں پکڑ لیں گے۔ ورنہ واپس آجائیں گے۔"

"فرض کیجئے انہیں آپ کی اسکیم کی اطلاع ہو گئی اور وہ آج چپ چاپ ہی بیٹھ رہے۔"

"اس کا امکان بہت کم ہے کہ مجرموں کو اس کا علم ہو سکے۔"

"نہ جانے کیوں مجھے کامیابی کا یقین نہیں ہے۔" حمید نے کہا۔

"نہ سہی پھر دیکھا جائے گا۔ بہر حال اب یا تو یہ راز ظاہر ہو گا یا یہاں کی پیاسی چٹانیں میرے خون سے رنگین نظر آئیں گی۔"

فریدی تھوڑی دیر تک خاموشی سے سگار کے کش لیتا رہا۔ پھر یک بیک بولا۔

"یہاں کا محکمہ سراغ رسانی یا تو بالکل ناکارہ ہے یا سب کے سب مجرموں سے ملے ہوئے ہیں۔ انہوں نے مجھے پورے حالات تک سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ اگر میں آج کمشنر سے نہ ملتا تو اتنی باتیں کبھی نہ معلوم ہوتیں۔ جانتے ہو سب سے پہلے ہمسایہ ملک کے مفروضہ تباہ کن حربے کی طرف کس نے حکومت کی توجہ مبذول کرائی تھی۔ یہ وہی اُس غیر ملکی کمپنی کے کارکن تھے۔ انہوں نے یہ شبہ ظاہر کیا تھا کہ ہمسایہ ملک اپنے کسی تباہ کن حربے سے پٹرولیم کے ذخائر برباد کر دینا چاہتا ہے۔"

"پھر....!" حمید نے اُسے ٹوکا۔

"پھر کیا! جب پہلے حادثے کے چھ ماہ بعد نیلی روشنی کا ظہور ہوا تو پھر انہی کارکنوں نے ہائے لگائی۔ اگر کچھ دنوں تک یہی سلسلہ جاری رہا تو ہمسایہ ملک سے تعلقات خراب ہو جائیں گے۔"

"ظاہر ہے۔" حمید نے کہا اور اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر حمید بولا۔

"ہم دونوں کہاں جا رہے ہیں۔"

"وگراج کا درہ....!" فریدی نے کہا۔

"مگر ہمیں تو اس دستے کے ساتھ ہونا چاہئے تھا جو تیل کے چشموں کی طرف گیا ہے۔"

"کیوں؟" فریدی نے پوچھا۔

"کیا وہ زیادہ اہم نہیں۔"

"ہے کیوں نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن اس سے بھی زیادہ اہم وہ چیز ہے جو وگراج کے درے سے لی جاتی ہے۔"

"وہاں کے محافظ دستے کا کیا ہو گا؟" حمید نے پوچھا۔

"ظاہر ہے کہ وہ نیلی روشنی دیکھ کر جنگل کی طرف بھاگے گا۔"

"اور وہ پولیس چوکی۔"

"وہاں کے لوگ بھی ان کی تقلید کرتے ہیں بھلا کون ایسا ہے جو اس سفید حادثے سے نہ ڈرے گا۔"

"پھر....!"

"پھر ہم دیکھیں گے کہ سونا کس طرح لے جایا جاتا ہے۔"

"صرف ہم ہوں گے۔"

"نہیں کچھ فوجی بھی، جو تین بجے سے وگراج کے درے کے قریب شکار کھیل رہے ہیں، اندھیرا ہونے سے قبل ہی انہوں نے واپسی کا بہانہ کر کے چھپنے کے لئے جگہ تلاش کر لی ہو گی۔"

"مگر....!"

"ہاں میں جانتا ہوں جو کچھ تم پوچھنا چاہتے ہو۔" فریدی نے ایک طویل کش لے کر سگار بجھاتے ہوئے کہا۔

"وہ جو تم نے فوجی دیکھے تھے وہ وگراج کے درے کے محافظ دستے کو سنبھال لیں گے۔"

"وہ بھی اسی درے کے قریب جنگلوں میں منتشر ہو گئے ہوں گے۔"

"یہ تو آپ....!" حمید اس طرح بولا جیسے اُسے مناسب الفاظ نہیں مل رہے ہیں۔

"ہتھیلی پر سرسوں جمانے والا محاورہ اسی وقت میری سمجھ میں آیا ہے۔"

چاروں طرف گہری تاریکی پھیل گئی تھی۔ وہ دونوں وگراج کے درے کی طرف بڑھنے لگے۔ اونچی اونچی چٹانوں کے درمیان آتے فریدی زمین پر لیٹ کر سینے کے بل رینگنے لگتا اور حمید سردی سے کانپ رہا تھا۔ فریدی کے جسم پر بھی ایسے کپڑے نہیں تھے جو سردی کا مقابلہ کرنے کے لئے کافی ہوتے۔ بہرحال وہ بڑھتے رہے ایک جگہ فریدی رک گیا۔

"ہمیں یہیں ٹھہرنا ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "وہ فوجی بھی کہیں قریب ہی موجود ہوں گے۔"

لومڑیوں نے چیخنا شروع کر دیا تھا۔ کئی تو دوڑتی ہوئی ان کے قریب سے نکل گئیں۔ آسمان سیاہیاں بکھیر رہا تھا۔ سناٹے میں ہوا کی سائیں سائیں ایسی لگ رہی تھی جیسے صدہا سال نیند میں ڈوبی ہوئی چٹانیں خواب آلودا اور گہری سانسیں لے رہی ہوں۔ کبھی کبھی جھاڑیوں میں پہاڑی چوہوں کی سرسراہٹ گونج اٹھتی۔ فریدی کی گھڑی کی چمکدار سوئیوں نے دس بجائے اور افق میں نیلی روشنی ابھرنے لگی اور پھر انہیں وگراج درے کے محافظ دستے کے کیمپ میں ہلچل سنائی دی۔ وزنی جوتوں کی بہت سی آوازیں چٹانوں میں گونجنے لگیں، جو آہستہ آہستہ دور ہوتی جا رہی تھیں۔ نیلی روشنی کی شعاعیں بڑھنے لگیں اور آس پاس بالکل سناٹا چھا گیا۔ البتہ بھاگنے والوں کے قدموں کی آواز کہیں دور سنائی دے رہی تھیں۔

"اٹھو....!" فریدی آہستہ سے بولا۔

وہ دونوں درے کی طرف رینگنے لگے۔ ابھی وہ سڑک بھی نہیں پار کر سکے تھے کہ انہیں دور ایک بڑی سی متحرک چیز دکھائی دی جو تیزی سے درے کی طرف آتی ہوئی دکھائی دی۔ یہ دونوں تیز چلنے لگے۔ لیکن سڑک کے کنارے پہنچنے سے قبل ہی وہ چیز قریب آگئی یہ ایک بغیر آواز کی الیکٹرک کار تھی جو درے میں داخل ہونے جا رہی تھی۔ فریدی اور حمید نے ریوالور نکال کر پچھلے پہیوں پر فائرنگ کرنا شروع کر دی۔ کار سے بھی فائر ہوئے۔ غالباً کار کا ڈرائیور بوکھلا گیا تھا۔ اگر وہ فوراً ہی بریک نہ لگا دیتا تو وہ ایک چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی۔

فوجیوں نے بڑھ کر اُسے نرغے میں لے لیا اور کئی ٹارچوں کی روشنیاں اس پر پڑنے لگیں۔ پچھلی سیٹ پر ایک آدمی اوندھا پڑا تھا۔ اس کی پیٹھ میں گولی لگی تھی اور ڈرائیور بیٹھا بُری طرح کانپ رہا تھا۔

"کون ہو تم....!" فریدی نے گرج کر پوچھا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ فریدی دروازہ کھول کر اندر گھس گیا۔ درمیان میں ایک بڑا

صندوق رکھا تھا۔

فوجیوں نے رائفل کے کندے مار مار کر اس کا تالا توڑ دیا اور جب ڈھکنا اٹھایا گیا تو سب کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ اس میں سونے کی اینٹیں بھری ہوئی تھیں۔

"ہرا....!" حمید نے نعرہ لگایا۔

ڈرائیور کو باندھ کر پچھلی سیٹ پر ڈال دیا گیا۔

"کیپٹن راجیشور مبارک ہو۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"میں کیپٹن نہیں لیفٹیننٹ ہوں۔" فریدی کے قریب کھڑے ہوئے فوجی نے کہا۔

"اتنے بڑے کارنامے کے بعد آپ صرف لیفٹیننٹ نہیں رہ سکتے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

حیرت انگیز انکشاف

اسی رات کو ٹیکم گڈھ کی کوتوالی کے طویل و عریض صحن میں قیدیوں کا جم غفیر نظر آ رہا تھا۔ ٹیکم گڈھ میں سارے بڑے حکام موجود تھے۔ فریدی اور حمید ایک جگہ کھڑے آہستہ آہستہ گفتگو کر رہے تھے۔ دفعتاً ایک بڑی سی ٹرک اندر داخل ہوئی اور رکنے بھی نہ پائی تھی کہ ایک فوجی اُس پر سے کود پڑا۔

"ہیلو کیپٹن شہاب۔" فریدی بے اختیار بولا۔

"فتح۔" کیپٹن شہاب اپنا داہنا ہاتھ اٹھا کر چیخا۔

آفیسرز اُس کے گرد جمع ہونے لگے۔

کیپٹن شہاب بلند آواز میں فریدی سے کہہ رہا تھا۔ "وہ نیلی سرچ لائٹ ہی تھی۔ میں اُسے لاد لایا ہوں۔ زبردست لڑائی ہوئی۔ ہمارا ایک آدمی کام آگیا۔ لیکن ہم نے انہیں جکڑ لیا ہے۔ سفید نسل کے پندرہ سور ہیں اور بقیہ اپنے دیسی کتے۔ کل پینتالیس ہیں۔ ہمارا ارادہ فائرنگ کا نہیں تھا مگر خود انہوں نے پہل کی۔ نگرانی کے لئے کچھ آدمی چھوڑ آیا ہوں۔"

اس ٹرک کے پیچھے کچھ اور ٹرکیں بھی تھیں جن پر سے قیدیوں کو اتارا جانے لگا۔ پھر سرچ لائٹ اتاری گئی۔ اس کی اونچائی چھ فٹ سے کسی طرح کم نہ رہی ہوگی اور قطر کم از کم چار فٹ ضرور رہا ہوگا۔

"دیکھا آپ نے۔" فریدی نے کمشنر کو مخاطب کر کے کہا۔ "یہی ہے وہ تباہ کن ہتھیار جو ہمسایہ ملک استعمال کرتا تھا۔"

کمشنر پر خیال انداز میں سر ہلا کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

پھر وہ دونوں ٹہلتے ہوئے وگراج درے کے محافظوں کی طرف آئے فریدی اُن کے آفیسر کیپٹن رگھوبیر کے سامنے آکر رک گیا۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر عجیب قسم کی مسکراہٹ تھی۔

"کیوں کیپٹن! اسی طرح فرض ادا کیا جاتا ہے۔" فریدی نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا۔

کیپٹن رگھوبیر کے ہونٹ آہستہ سے ہلے لیکن آواز نہ نکلی۔ شاید کوئی گالی اُس کے ہونٹوں تک آکر لوٹ گئی تھی۔

"تم اپنی جان کے خوف سے بھاگے تھے نا۔" فریدی طنزیہ لہجے میں بولا۔ "ہاں فوراً یہ جلدی سے بتا جاؤ کہ محکمہ سراغ رسانی کے کون بزرگ تم لوگوں سے ملے ہوئے تھے۔"

"میں کیا جانوں تم کیا بک رہے ہو۔" کیپٹن رگھوبیر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ لیکن پھر دفعتاً گرجنے لگا۔ "مجھے ہتھکڑی کیوں لگائی گئی ہے۔ میرے ساتھ معمولی مجرموں جیسا برتاؤ کیوں کیا جارہا ہے۔ میں پولیس کا قیدی نہیں۔ میں صرف اپنے آفیسر کے سامنے جواب دہ ہو سکتا ہوں۔"

"جان من بگڑنے کی ضرورت نہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا اور ایک بھرپور ہاتھ رگھوبیر کے منہ پر جھاڑ دیا۔ ساتھ ہی اس کے ہونٹ بُری طرح بھنچ گئے اور اس کی آنکھوں سے خون اترتا معلوم ہونے لگا۔

کمشنر کی موجودگی میں کسی قیدی کو چانٹا مار دینا فریدی ہی کا کام تھا۔ سارے پولیس آفیسر سناٹے میں آگئے خود کمشنر کے ماتھے پر بھی سلوٹیں پڑ گئی تھیں۔

"تمہاری آنکھیں مجھے دھوکہ نہیں دے سکتیں۔" فریدی نے دانت پیس کر کہا۔

"میں تین سال سے تمہاری تلاش میں ہوں۔"

کیپٹن رگھوبیر چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

فریدی دوسرے آفیسروں کو تحیر میں مبتلا چھوڑ کر سفید فام کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"شریف آدمیو! کیا تم ہم مشرقیوں کو اتنا احمق سمجھتے ہو۔" فریدی نے انگریزی میں کہا۔

"یہ کیا بیہودگی ہے۔" ان میں سے ایک گرج کر بولا۔ "ہم لوگوں کو خواہ مخواہ پریشان کیا جا رہا ہے۔ میں اپنے ملک کے سفارتخانے کو ایک پیغام بھیجنا چاہتا ہوں۔"

"اس توہین کا مطلب۔"

وہ اس کے علاوہ بھی نہ جانے کیا کیا بکتا رہا۔

فریدی مسکراتا رہا۔

"مسٹر فریدی۔" کمشنر نے فریدی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "ذرا ادھر آیئے۔"

پھر وہ اُسے ایک طرف لے جا کر کہنے لگا۔ "سوچ سمجھ کر! محافظ دستے کی گرفتاری تو خیر کسی نہ کسی طرح کھینچ کر جائز کی بھی جا سکتی ہے مگر یہ....! ان لوگوں کے خلاف ثبوت کہاں سے مہیا کیا جائے گا۔ ان پر صرف سرچ لائٹ استعمال کر کے ہراس پھیلانے کا الزام لگایا جا سکتا ہے لیکن اس پر ہمیں ایک آدھ بار انہیں وارننگ دیئے بغیر گرفتار کر لینے کا حق نہیں ہے۔ قاعدے کی رو سے سب سے پہلے ہمیں اس کی اطلاع ان کے ملک کے سفارتخانے کو دینی چاہئے تھی۔"

"مطمئن رہئے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "ان کے جرم ہی کے لحاظ سے انہیں اس برتاؤ کے قابل سمجھا گیا ہے۔ محض سرچ لائٹ والا معاملہ ان کے لئے قطعی ناکافی ہے۔"

"کیا سونے کا اسمگلنگ۔"

"جناب والا۔"

"مگر اس کا ثبوت۔"

"میں دوں گا۔" فریدی قدرے جھک کر بولا۔

"بھئی کیسے! میری سمجھ میں تو خاک بھی نہیں آتا۔ کمشنر نے اکتا کر کہا۔ سونے کی اسمگلنگ کے لئے اتنی کھینچ تان۔"

"وہی عرض کروں گا۔" فریدی نے کہا۔ "اسی خیال نے مجھے بھی ان تک پہنچایا ہے۔ اچھا رگھوبیر سنگھ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"اس کی قومیت۔" فریدی نے کہا۔

"ظاہر ہے کہ سکھ ہے۔" کمشنر جھنجھلا کر بولا۔

"نہیں جناب والا۔ سکھ ہونا تو الگ رہا۔ وہ اپنے دیس کا بھی نہیں ہے۔"

"نہ جانے آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" کمشنر نے اکتا کر کہا۔

"ابھی عرض کرتا ہوں۔" آیئے میرے ساتھ۔ فریدی نے کہا اور کیپٹن رگھوبیر سنگھ کے قریب جا کر رک گیا۔

"ہیلو کرنل۔" فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔

رگھوبیر سنگھ بے اختیار اچھل پڑا۔

"دیکھ رہے ہیں آپ۔" فریدی نے کمشنر کو مخاطب کر کے کہا۔ "یہ کیپٹن ہو کر کرنل کے نام پر چونکتا ہے۔ حالانکہ اسے میری جہالت پر ہنسنا چاہئے تھا۔"

وہ پھر کیپٹن رگھوبیر سے کچھ کہنے جا رہا تھا۔ لیکن دفعتاً رک گیا اور کمشنر کو الگ لے جا کر بولا۔ "آپ یہاں کی سب سے بڑی ذمے دار شخصیت ہیں۔ اس لئے ایک چیز کا اظہار قبل از وقت ضروری ہے۔ میں ایک بہت بڑے راز سے پردہ اٹھانے جا رہا ہوں جس سے ساری دنیا میں کھلبلی مچ سکتی ہے لہٰذا اس پر بھی غور کرنا ضروری ہے کہ ہماری حکومت کا کیا رویہ ہوگا۔" کمشنر آنکھیں پھاڑ کر فریدی کو دیکھ رہا تھا۔

"بھئی کہہ بھی چکئے۔ مجھے کیوں خواہ مخواہ الجھن میں مبتلا کر رہے ہیں۔" اس نے جھنجھلا کر کہا۔ فریدی آگے جھک کر آہستہ آہستہ اُس کے کان میں کچھ کہنے لگا۔ جسے حمید نہ سن سکا۔

"نہیں....!" کمشنر تحیر آمیز لہجے میں بولا۔

"نہ گھوڑا دور نہ میدان۔" فریدی اپنے مخصوص انداز میں مسکرایا۔

"اوہ، اگر یہ بات ہے تو۔" کمشنر بے چینی میں اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔

"جناب والا.... آپ کا خیال قطعی درست ہے کہ محض سونے کی اسمگلنگ کے لئے اتنی اچھل کود ناممکن ہے۔"

"تو پھر.... تو پھر.... اُسے اوپر اطلاع پہنچائے بغیر ظاہر نہ کرنا چاہئے۔" کمشنر نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"کیپٹن رگھوبیر اور دوسرے سفید فام قیدیوں کو کسی الگ کمرے میں لے چلئے۔" فریدی نے کہا۔ "میرے خیال سے وہ کمرہ بہتر رہے گا۔ جہاں وہ سونا رکھا گیا ہے۔"

"اور کون کون ہوگا؟"

"صرف آپ، میں اور میرا ساتھی۔"

"ٹھیک ہے.... ٹھیک ہے۔!" کمشنر وہاں سے ہٹ گیا۔

"کہئے کیا اب کوئی نئی بات سوجھی۔" حمید نے کہا۔

"بے صبری اچھی نہیں حمید صاحب۔" فریدی مسکرایا۔

"آپ تو اتنا مزہ لے لے کر آگے بڑھ رہے ہیں جیسے شب عروسی بسر کرنے جا رہے ہوں۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "یہ واقعی شب عروسی ہے۔ مجرم میرے پنجے میں ہیں اور میں ایک عظیم الشان جرم پر سے پردہ اٹھانے جا رہا ہوں۔"

"پردہ بک.... بب...." حمید ہکلایا۔

"شٹ اپ۔ کوئی لغویات سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"خیر چھوڑیئے! بتایئے یہ رگھوبیر سنگھ کون ہے۔"

"تف.... ہے تمہاری ذہانت پر۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "تمہیں تو کوئی گھٹیا سا ناول پڑھنا چاہئے تھا اس محکمے میں ناحق جھک مارنے کے لئے آئے۔"

"اب میں کوئی غائب دان ہوں۔"

"سینکڑوں بار میری پرسنل فائیل میں اس کا فوٹو دیکھ چکے ہو۔"

"مجھے تو یاد نہیں پڑتا۔"

"ابھی یاد آجائے گا۔"

وہ دونوں قیدیوں کو گذرتے دیکھتے رہے۔

کمشنر انہیں ایک علیحدہ کمرے میں لے جانے کا انتظام کرا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے برآمدے سے فریدی اور حمید کو اشارہ کیا وہ دونوں اس کی طرف بڑھے۔

"یہاں اس برآمدے کے قریب بھی کوئی نہ آنے پائے۔" فریدی نے کہا۔

"اس کا انتظام کر لیا گیا ہے۔" کمشنر نے کہا اور وہ تینوں کمرے میں چلے گئے۔

رگھوبیر سنگھ اور سارے سفید فام قیدی موجود تھے۔ ان میں سے کچھ کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور کچھ پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ رگھوبیر سنگھ بار بار اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔ اس کی نظریں فریدی کے چہرے پر لگی ہوئی تھیں۔ دفعتاً وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا۔ شاید اُسے اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ اس کی حالت بگڑ رہی ہے۔ وہ تن کر بیٹھ گیا اور اس طرح غیر متعلقانہ انداز میں ادھر اُدھر دیکھنے لگا جیسے اب وہ کمرے کے فرنیچر کی پائیداری اور خوبصورتی کے بارے میں کچھ کہے گا۔ پھر فریدی کی طرف دیکھ کر بولا۔

"جو کچھ بھی کیا گیا ہے اس کا خمیازہ تم لوگوں کو بھگتنا پڑے گا۔"

"خوب....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہ تم انفرادی حیثیت سے کہہ رہے ہو یا تمہاری زبان تمہاری حکومت کی نمائندگی کر رہی ہے۔"

"شاید تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" رگھوبیر سنگھ دانت پیس کر بولا۔

حمید کی الجھن پھر بڑھنے لگی۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح جلدی سے یہ ڈرامہ ختم بھی ہو چکے لیکن وہ فریدی کی عادت سے بخوبی واقف تھا اس منزل پر پہنچ کر فریدی سے جلد بازی کی توقع فضول تھی۔ ایسے موقعوں پر وہ ہمیشہ مزہ لے لے کر آگے بڑھنے کا عادی تھا۔ جیسے نہایت لذیذ قسم کی آئس کریم کھا رہا ہو۔

فریدی رگھوبیر سنگھ کی بات کا جواب دینے کی بجائے کمشنر کی طرف مڑا۔

"میرے خیال سے ایک مجسٹریٹ کی موجودگی بھی ضروری ہے۔" اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ قطعی ضروری ہے، مجھے بھی خیال نہیں رہا تھا۔" کمشنر نے کہا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا برآمدے میں چلا گیا۔

فریدی کی نظریں رگھوبیر سنگھ کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور ہونٹوں پر ایک شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

حمید سوچنے لگا کہ اگر یہ سولہ عدد بیک ان پر ٹوٹ پڑیں تو ہتھکڑیاں ہی مار مار کر ان دونوں کا قیمہ بنا ڈالیں گے۔ وہ آہستہ سے دروازے کی طرف سرک گیا لیکن اُسے وہاں سے ہٹنا پڑا۔ کیونکہ کمشنر ایک مجسٹریٹ کو اپنے ساتھ لے کر واپس آ گیا تھا۔

"ہاں تو شریف آدمیو۔" فریدی قیدیوں کو مخاطب کر کے بولا۔ "وہ زہریلا سونا کس کی ملکیت تھی۔ میں اس عظیم سائنٹسٹ کی زیارت کرنا چاہتا ہوں جس نے اس کو ریڈیم کے ساتھ چار کر کے اتنا خطرناک بنا دیا تھا کہ اُسے چھونے والے بوڑھے ہو کر مر جاتے تھے۔"

قیدیوں کے چہرے سیاہ پڑ گئے۔ رگھوبیر سنگھ اپنی خونی آنکھوں سے فریدی کو گھور رہا تھا۔

"تو صحیح معنوں میں تم ہی ان کے لیڈر ہو۔" فریدی نے اُس کی طرف مڑ کر کہا۔

"بکواس ہے۔" رگھوبیر سنگھ چیخا۔

"کرنل ڈکسن۔" فریدی نے سخت لہجہ میں کہا۔ "تمہاری یہ ڈاڑھی مجھے دھوکہ نہیں دے سکتی۔"

"کرنل ڈکسن....!" کمشنر اور مجسٹریٹ دونوں کے منہ سے بیک وقت نکلا اور وہ فرداً فرداً آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گھورنے لگے۔

"جناب والا۔" فریدی نے قدرے جھک کر بولا۔ "میں تین سال سے اس کی تلاش میں ہوں اگر یقین نہیں تو یہ دیکھئے۔"

فریدی نے بڑھ کر رگھوبیر سنگھ کی پگڑی کھینچ لی۔ پگڑی کے ساتھ ہی مصنوعی بال بھی آئے اور رگھوبیر کی گنجی کھوپڑی بجلی کی روشنی میں انڈے کے چھلکے کی طرح چمکنے لگی۔

"ڈاڑھی تو تم نے بڑھائی تھی۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن اس گنجی کھوپڑی کا علاج کس طرح کرتے۔ تم لوگوں نے ایٹم بم بنانے کی بجائے گنجی کھوپڑیوں کو دوبارہ پُر بہار بنانے کا کوئی آلہ ایجاد کیا ہوتا تو اس وقت اس طرح تمہاری درگت کیوں بنتی۔"

پھر وہ کمشنر کو مخاطب کر کے بولا۔ "یہ کرنل ڈکسن ہے ایک جنگ باز ملک کی سیکرٹ سروس کا ایک آفیسر۔"

"ارے....!" مجسٹریٹ چونک کر بولا۔

"اس کا فوٹو مرکزی دفتر میں محفوظ ہے۔" فریدی نے کہا اور سونے کی اینٹوں والے صندوق کا ڈھکنا اٹھا کر بولا؟ "بھلا کسی سیکرٹ سروس والے کو سونے کی ناجائز برآمد سے کیا سروکار۔"

"کیوں نہیں۔" حمید بے ساختہ بولا۔ "یہ ہمیں اس طرح کنگال بنا کر اپنا دست نگر بنانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے ایشیا اور افریقہ کے کئی ملکوں کے ساتھ یہی حرکت کی ہے۔ کسی کا غلہ غائب اور کسی کا سونا غائب اور کسی کا کپڑا غائب اور پھر انہیں انتہائی فراخ دلی کے ساتھ اپنا پابند بنائے رکھنے کے لئے دل کھول کر مدد بھی دی ہے۔ ایک طرف انہیں لوٹا اور دوسرے دروازے سے سخی داتا بن کر آ گئے ہیں۔"

"تمہارا یہ خیال بھی غلط نہیں ہے۔" فریدی نے صندوق سے ایک اینٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہاں معاملہ کچھ اور ہے۔"

کرنل ڈکسن کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ فریدی پر جھپٹ پڑے گا۔ حمید نے ریوالور نکال لیا۔

"خبردار اگر کسی نے اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش کی تو....!"

فریدی سونے کی اینٹ کو ہاتھ میں تولنے لگا۔ پھر جیب سے ایک قلم تراش چاقو نکالا۔ وہ چاقو کا پھل اس طرح اس اینٹ کے کناروں پر چبھو رہا تھا جیسے کسی سختی سے بند کئے ہوئے ڈھکن کو کھولنے کی کوشش کر رہا ہو۔

دفعتاً اینٹ کی ایک پرت نکل کر زمین پر گری اور فریدی کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ پھر اس نے کھلے ہوئے حصے کو ہتھیلی پر الٹا اور کسی دھات کا چمکدار برادہ ہتھیلی پر گرنے لگا۔

"دیکھا آپ نے۔" فریدی نے کمشنر اور مجسٹریٹ کو مخاطب کیا۔

"یہ کیا....!" مجسٹریٹ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

کمشنر بہت زیادہ سنجیدہ نظر آرہا تھا۔اس کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور ماتھے پر لکیریں ابھر آئی تھیں۔

"یورونیم....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "وہ دھات جو ایٹم بم بنانے میں کام آتی ہے۔"

"مگر.... مگر....!"

"یہ دھات ہمارے یہاں بھی موجود ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور ان کا ملک ایک عرصہ سے اس پر دانت لگائے ہوئے ہے لیکن ہماری حکومت نے صاف انکار کر دیا تھا۔اس کے لئے انہوں نے دوسری چال چلی۔ مٹی کا تیل نکالنے کا ڈھونگ رچایا۔ تقریباً چھ ماہ سے یہ کھدائی کا کام کر رہے ہیں۔ لیکن آج تک قطرہ بھی نہ نکال سکے۔اس عرصہ میں جو کچھ یہ حاصل کرتے رہے ہیں آپ کے سامنے ہے۔"

"اوہ....!" مجسٹریٹ بے چینی سے ہاتھ ملنے لگا۔

"اور تم کرنل ڈکسن....!" فریدی رگھوبیر سنگھ کی طرف مڑا۔ "آج سے تین سال قبل تم نے فوج میں کمیشن لیا اور ترقی کرتے کرتے کیپٹن کے عہدے تک پہنچ گئے اور وگراج کے درے تک تم کس طرح پہنچے یہ اب دیکھنا ہے۔"

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ فریدی بولتا رہا۔ "لیکن اتنا یاد رکھو کہ ہمارا یورونیم تخریبی کاموں کے لئے نہیں تمہاری منصوبہ بندیاں خاک میں ملادی جائیں گی۔ ہم دنیا میں امن چاہتے ہیں۔ کسی جنگ باز ملک کا آلہ کار نہیں بن سکتے۔"

کرنل ڈکسن یا رگھوبیر سنگھ خاموش بیٹھا رہا اُس کے دونوں ہاتھ اس کی گود میں پڑے ہوئے تھے اور آنکھوں سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسا کہ وہ کسی حرکت میں مشغول ہے۔ دفعتاً اس کے چہرے پر کرب اور بے چینی کے آثار پیدا ہوئے اور وہ ایک جھٹکے کے ساتھ زمین پر آرہا۔ فریدی وغیرہ اس کی طرف لپکے لیکن وہ اتنی دیر میں سرد ہو چکا تھا۔

"کیا مر گیا....!" کمشنر بوکھلا کر بولا۔

"جی....!" فریدی پرسکون لہجے میں بولا۔

"مگر کیسے....! مگر کیسے۔"

فریدی نے اس کا داہنہ ہاتھ اٹھایا۔ ایک انگلی میں خون کا ایک ننھا سا قطرہ دکھائی دیا "میرے خیال سے اب اس قصے کو ختم کرنا چاہئے۔" فریدی نے سر اٹھا کر کہا۔ "مجرم آپ کے سامنے ہیں اور ان کا جرم بھی.... اس سازش کے لیڈر نے آپ کے سامنے خودکشی کر لی ہے۔"

"مگر کس طرح۔"

"یہ دیکھئے....!" فریدی نے اُس کی انگلی اٹھاتے ہوئے کہا۔

"مگر.... یہ کیا.... یہ خون....!"

"جی ہاں خون۔" فریدی نے اس کا بایاں ہاتھ کھینچ کر سامنے کرتے ہوئے کہا۔ "یہ سارا فتور ں انگوٹھی کا معلوم ہوتا ہے۔ یہ دیکھئے اس کا اوپری ڈھکن کھلا ہوا ہے اور اس کے اندر لگی ہوئی یہ کیلی سوئی غالباً زہریلی ہے۔ بہر حال یہ معلوم کرنا پوسٹ مارٹم کرنے والوں کا کام ہے کہ موت س طرح واقع ہوئی۔ اب انہیں آپ سنبھالئے۔ مجھے ابھی ان کے مشقر کو بھی دیکھنا ہے۔"

کمشنر اور مجسٹریٹ خاموش کھڑے تھے۔

"یہ سب جعلسازی ہے.... جھوٹ ہے۔" قیدی بڑبڑائے۔

"شٹ اپ۔" فریدی نے پلٹ کر کہا اور حمید کو لے کر کمرے سے نکل گیا۔

پھر وہ ایک جیپ کار میں بیٹھ کر مٹی کے مفروضہ تیل کے چشموں کی طرف روانہ ہو گئے۔

حمید بُری طرح چہک رہا تھا۔ اس کامیابی کے سلسلے میں اس نے بس بغلیں ہی نہیں بجائیں رنہ اور سب کچھ کر گذرا۔

مٹی کے تیل کے چشموں پر ملٹری کا پہرہ لگا ہوا تھا اور اس دوران میں کیپٹن شہاب پھر واپس لیا تھا اور اس وقت وہیں موجود تھا۔ اگر پہلے ہی نہ چلا آیا ہوتا تو شاید اس وقت تک ان دونوں کو گھنے بھی نہ دیتا۔

تھوڑی دیر کی چھان بین کے بعد فریدی نے بہت سے کار آمد کاغذات پر قبضہ کیا اور اس ٹ کا بھی پتہ لگا لیا جس کے ذریعہ یورونیم کو ذروں کی شکل میں تبدیل کیا جاتا تھا۔

مجرموں کے خلاف ثبوت پیش کرنے کے لئے کافی مواد اکٹھا ہو گیا تھا اور انہیں کے ات کی مدد سے محکمہ سراغ رسانی کے دو انسپکٹر اور ایک ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ بھی پکڑا گیا۔ لیکن یہ یں تھا جو حمید کو ریگستانی اسٹیشن میں اپنی کار پر ٹیکم گڈھ کے قریب لے گیا تھا وہ دونوں دوسری ار تک وہیں مشغول رہے۔ اس دوران میں کمشنر نے بھی کئی چکر لگائے۔ ساری تحقیقات انتہائی اری سے کی جا رہی تھی۔

دوسرے دن کے اخبارات نے صرف سونے کی ناجائز برآمد کرنے والے گروہ کی گرفتاری کا چھاپا تھا۔ طرح طرح کی قیاس آرائیاں کی گئی تھیں۔ ایک نے تو یہاں تک لکھ دیا تھا کہ لکی سرمایہ دار مٹی کے تیل کے بہانے سونا کھود رہے تھے۔ کیپٹن رگھوبیر کی خودکشی کی خبر بھی

شائع ہوئی تھی۔ اس کے متعلق یہ خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ اس نے فرض کی ادائیگی سے کوتاہی برتنے کی بدنامی سے بچنے کے لئے خودکشی کی تھی۔

کمشنر کے الفاظ میں معاملہ اوپر کی طرف بڑھادیا گیا اور فریدی اور حمید واپس آگئے۔ اسٹیشن پر ان کے محکمے کے اعلیٰ آفیسروں نے ان کا شاندار استقبال کیا اور کچھ دنوں بعد فریدی اور حمید کو وزیراعظم کے خطوط ملے جن میں انہیں مبارک باد دینے کے بعد پوری قوم کی طرف سے ان کا شکریہ ادا کیا گیا تھا۔

اس زہریلے سونے کے متعلق کسی کو کچھ معلوم نہ ہوسکا۔ معاملہ چونکہ اور آگے بڑھادیا گیا تھا اس لئے اس میں اب کسی قسم کی کوئی گنجائش نہیں رہ گئی تھی۔ کرنل ڈکسن کی موت کے بعد بھی نہ معلوم ہوسکا کہ وہ ملٹری میں کن ذرائع سے داخل ہوا تھا اور اس کی رسائی وگراج درے کے محافظ دستے تک کس طرح ہوئی۔ اس کا جو سامان ملا تھا اس میں بھی کوئی ایسی چیز نہ ملی جس سے ان حالات پر روشنی پڑسکتی۔

البتہ فریدی آج تک اسی ادھیڑ بن میں پڑا ہوا ہے کہ مجرموں نے سونے کو ریڈیم سے کس طرح چارج کیا تھا۔

حمید اکثر اسے اس پر چھیڑتا۔

"اب چھوڑیئے بھی اس چکر کو۔" وہ کہتا... "یہ سوچئے کہ ایک آدمی کو شادی کے قابل کس طرح بنایا جاسکتا ہے۔ آپ نے سونے کو ریڈیم سے چارج کر بھی لیا تو اس سے کیا فائدہ ہوگا شادی کیجئے کم از کم ایک آدھ یادگار تو چھوڑ جایئے ورنہ معلوم نہیں کب پستول کی گولی گدی سہلاتی ہوئی حلق کے راستے نکل جائے۔"

اور فریدی اُسے قہر آلود نظروں سے گھور کر رہ جاتا۔

ختم شد

ابنِ صفی

جلد نمبر 7

جاسوسی دنیا

21- شاہی نقارہ

22- خون کا دریا

23- قاتل سنگریزے



پیش رس

"شاہی نقارہ" ملاحظہ فرمایئے۔

کچھ دن ہوئے ایک دوست نے کہا تھا کہ پیش رس میں کتاب کے بارے میں لکھنے کی بجائے اس صفحے پر "قسمت" کا حال بتایا کرو۔ کتاب کی اشاعت بھی بڑھ جائے گی۔ میں نے کہا مجھے یہ "وِدیا" نہیں آتی۔ کہنے لگے ذہانت کو کام میں لاؤ۔ میں نے کہا نہیں بھائی! میرے بس کا روگ نہیں ہے۔ بولے "اچھا میں تمہاری رہنمائی کرتا ہوں۔ اعلان کرو کہ اس کتاب پر نظر پڑتے ہی سب سے پہلے جس جانور کا خیال آئے اس کا نام، اپنے نام اور پتے کے ساتھ ہمیں لکھ بھیجئے۔ ہم آپ کو آپ کی آئندہ زندگی کے سارے احوال بتادیں گے۔"

میں حیرت سے ان کی شکل دیکھتا رہا۔ میری دشواری سمجھ کر زور سے ہنسے اور بولے "میاں ہر شخص آئندہ زندگی سے متعلق طرح طرح کے ہوائی قلعے بناتا رہتا ہے۔ تمہارے بھی کچھ ہوائی قلعے ضرور ہوں گے۔ ان ہی پر نظر رکھتے ہوئے اچھی اچھی پیش گوئیاں کرتے چلے جانا۔ بس ایک تکنیکی نکتہ سمجھ لو۔ وہ یہ کہ کسی کو پانی سے محتاط رہنے کی ہدایت کر دینا اور کسی کو آگ سے۔ کراچی کا باشندہ ہو تو صرف ایک ہی ہدایت کرنا کہ پیدل سڑک پار کرنے کی جرأت کبھی نہ کرے۔ اس طرح تمہاری غیب دانی کی بھی دھاک بیٹھ جائے گی اور صفحہ بھی بھر جائے گا۔"

آپ کی کیا رائے ہے؟

والسلام

ابنِ صفی

کنواری ہرنی

صبح چار بجے سے بارہ بجے تک کی دوڑ دھوپ کے بعد بمشکل تمام ایک ہرنی ہاتھ لگی تھی اور اب وہ اسے ادھیڑنے میں مشغول ہو گئے تھے۔ نوکروں نے لکڑیوں کے ڈھیر میں آگ لگادی اور وہ جلد سے جلد اسے ادھیڑ کر آگ میں ڈال دینا چاہتے تھے۔ لیکن اس معاملے میں سب کے سب اناڑی تھے۔ کسی ذبح کئے ہوئے جانور پر سے کھال الگ کرنا آسان کام نہیں ہے اور پھر ایسی صورت میں اور زیادہ دشواری آپڑتی ہے جب کھال کو صحیح و سلامت اتارنے کا مسئلہ درپیش ہو، سرجنٹ حمید نے جو سارا اہتمام دیکھا تو اس کی جان ہی نکل گئی۔ حالانکہ اس نے صبح کو بڑا گہرا ناشتہ کیا تھا۔ مگر جنگل کی دوڑ دھوپ میں اس کی افادیت دو گھنٹے سے زیادہ قائم نہ رہ سکی تھی اور تقریباً دو گھنٹے سے اس کی آنتیں غالب کا "حیران ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں" والا شعر یاد کرنے کی کوشش میں مشغول تھیں۔ ان تین دنوں میں کوئی ایسا لمحہ نہیں گزرا تھا جس میں اس نے بھوک کی شکایت کی ہو۔ شکار میں یوں بھی تھوڑی بہت تکلیف ہوتی ہے لیکن جب فریدی جیسے آدمیوں کا ساتھ ہو تو یہ تھوڑی بہت تکلیف مصیبتوں کا پہاڑ بن کر سامنے آجاتی ہے۔ شکار کے سلسلے میں اس کا مقولہ تھا کہ شکار کا مطلب روزمرہ زندگی میں تبدیلی پیدا کرنا ہے۔ لہٰذا اگر شکار میں بھی آرام و آسائش برقرار رہے تو پھر فرق ہی کیا پڑتا ہے۔ اگر شکار میں بھی پکا پکایا کھانا سامنے آگیا تو پھر جیسے گھر ویسے شکار گاہ۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے کھانے پینے کی چیزوں میں کافی، چائے، شکر، دودھ کے ڈبے اور کچھ دوسرے لوازمات کے علاوہ کسی اور چیز کی اجازت نہیں دی تھی۔ صرف حمید اپنے ساتھ مچھلیوں کے دو تین ڈبے چھپا کر لایا تھا جس میں سے وہ صرف ایک

ہی استعمال کرپایا تھا کہ فریدی کی نظر پڑ گئی اور اس نے بقیہ کو دریا برد کر دیا اور حمید نے اپنا سر پیٹ لینے کا ارادہ بھی ملتوی کر دیا تھا۔ کیونکہ اس میں بھی سراسر اپنا ہی نقصان تھا۔

شکاریوں کی پارٹی آٹھ دس آدمیوں پر مشتمل تھی جن میں کچھ فریدی کے دوست تھے اور ان کے علاوہ دو تین نوکر۔ وہ اپنے ساتھ دو تین چھوٹی چھوٹی چھولداریاں لائے تھے جن کے نیچے رات بسر کی جاتی تھی ورنہ دن بھر تو سر پر کھلا ہوا آسمان ہوتا تھا۔ چونکہ بارش کا زمانہ تھا اس لئے دھوپ تو شاذ و نادر ہی ہوتی تھی لیکن کبھی کبھی ہوا تبدیل ہو جاتی اور اتنا شدید حبس ہو جاتا کہ انہیں اپنی قمیض تک اتار پھینکنی پڑتی اور یہ سمجھتے کہ اب موسلا دھار بارش شروع ہو جائے گی۔ مگر جب تھوڑی سی بوندا باندی کے بعد بادل چھٹنے لگتے تو ان کی جان میں جان آتی وہ لوگ دراصل آبادی سے تقریباً پندرہ میل کے فاصلے پر پڑے ہوئے تھے۔ اگر سچ مچ موسلا دھار بارش شروع ہو جاتی تو کہیں پناہ ملنی مشکل تھی۔ بھلا کیونکر اس کی چھولداریاں کب تک بارش کا بار سنبھالتیں۔

آج بھی صبح ہی سے بارش کے آثار تھے۔ لیکن پچھلے تجربات کی بناء پر وہ اس کی طرف سے کچھ مطمئن سے ہو گئے تھے۔ ان میں صرف حمید ہی ایک ایسا تھا جس نے کبھی اس مسئلے پر توجہ ہی نہیں دی تھی۔ اس کا زیادہ تر وقت تو یہ سوچنے میں صرف ہوتا تھا کہ اگر اتفاق سے شکار نہ ملا تو کیا ہوگا۔ پرندے بھی نہ ملے تو رات کیونکر گزرے گی۔ کیا صرف کافی یا چائے پی پی کر بھوک بھلائی جا سکتی ہے؟ اسے فریدی کے ساتھ شکار میں اکثر بڑے تلخ تجربات ہوئے تھے۔ اس کا ایک خبط حمید کو بُری طرح کھلتا تھا۔ وہ یہ کہ وہ ہمیشہ پرندوں یا جانوروں کو ہوشیار کر دینے کے بعد ان پر گولی چلاتا تھا۔ لہٰذا اکثر ایسا بھی ہوتا کہ دن بھر جھک مارنے کے باوجود وہ ایک پرندہ بھی شکار نہ کر پاتے اور پھر روکھی روٹیاں چائے یا کافی میں ڈبو ڈبو کر کھائی جاتیں۔ آج بھی وہ کئی پرندے شکار کر لیتے لیکن فریدی کی جدت طرازیوں سے ناکام رہے اس نے دونالی بندوق سنبھال رکھی تھی۔ پہلے وہ ایک ہوائی فائر کر کے پرندوں کو اڑا دیتا پھر ان پر فائر کرتا۔ اتفاق سے آج اس کی ساری کوششیں رائیگاں گئی تھیں۔ اگر اشرف نے ایک ہرن نہ مار لیا ہوتا تو پھر چائے اور خشک روٹیوں کی نوبت آجاتی۔

حمید جانتا تھا کہ فریدی کے ساتھ رہ کر تفریح بھی زحمت بن جاتی ہے اس لئے وہ احتیاطاً مچھلیوں کے شکار کا سامان بھی ساتھ لیتا آیا تھا۔ مگر اسے بدقسمتی ہی کہنا چاہئے کہ اس علاقے میں

اسے ایک بھی ایسا تالاب یا پوکھر نہ مل سکا جہاں وہ مچھلیاں پھنسا سکتا۔ قریب ہی ایک ندی تھی مگر کسی تیز رفتار ندی میں اول تو مچھلیاں لگتی ہی نہیں اور اگر اتفاق سے ایک آدھ لگی بھی تو وہ اکثر اپنے ساتھ ڈور اور چرخی بھی لے جاتی ہے۔ حمید نے دو تین بار اس ندی میں شکار کھیلنے کی کوشش کی تھی لیکن ایک کانٹا اور ایک بنسی کھو دینے کے بعد بقیہ پر اسے کافی رحم آیا اور اس نے اس کا خیال ہی ترک کر دیا۔

اس وقت بھی وہ مچھلیوں ہی کے متعلق سوچ رہا تھا اور اس کے ساتھی ہرن کی کھال اتارنے کی کوشش کر رہے تھے۔ فریدی ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے بیٹھا اپنی رائفل کا معائنہ کر رہا تھا۔ حمید سوچنے لگا کہ کھال اتارنے کے بعد اس کے ٹکڑے کئے جائیں گے اور اس میں تقریباً ایک گھنٹہ ضرور لگے گا۔ دفعتاً اس کو ایک تدبیر سوجھ گئی۔

"ارے بھائی صاحب کیا تم لوگوں کے عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں۔" وہ بیٹھے بیٹھے ہنکارا۔

"کیوں؟" اشرف بھنویں تان کر بولا۔

"دیکھتے نہیں ہو کہ یہ مادہ ہے۔"

"تو پھر....!"

"اور اس کے تھنوں سے صاف ظاہر ہے کہ اس نے ایک بار بھی بچے نہیں دیئے۔"

حمید نے محققانہ انداز میں کہا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو۔" شاہد بولا۔

"فوراً پیٹ چاک کر دو اس کا۔"

"چغد ہیں آپ اچھے خاصے۔" اشرف نے کہا اور پھر کھال اتارنے میں مشغول ہو گیا۔

"میں کہتا ہوں نا ورنہ تمہارے فرشتے بھی اس کا گوشت نہ کھائیں گے۔"

"کیوں....!"

"اگر کلیجی کا پتہ پھٹ گیا تو سارا گوشت کڑوا ہو جائے گا۔"

"پتہ کیسے پھٹ جائے گا۔" ساجد نے کہا۔

"شکاری کی دم بنے ہیں۔" حمید منہ بگاڑ کر بولا۔ "کبھی اور بھی شکار کھیلا تھا۔ میاں صاحب زادے کنواری ہرنی کو ذبح کرنے کے بعد فوراً ہی اس کی کلیجی باہر نہیں نکال لی جاتی تو پتہ خود بخود

پھٹ جاتا ہے۔"

فریدی کچھ بولنا ہی چاہتا تھا کہ حمید نے اُسے آنکھ ماردی۔

"تو پھر....!" نعیم نے پوچھا۔

"پیٹ چاک کر کے کلیجی نکال پھینکو۔" حمید نے کہا۔

"کھال نہ خراب ہو جائے گی۔" شاہد نے پوچھا۔

"پھر وہی ڈیوٹ پن کی باتیں۔ کیوں کیا پانی بھرنے کا مشکیزہ بناؤ گے؟"

"نہیں تو....!"

"پھر پیٹ چاک کر دینے میں کیا مصیبت ہے۔"

فریدی پہلے تو حمید کو گھورتا رہا پھر چپکے سے اٹھ کر کھسک گیا۔

"نہیں کھال خراب ہو جائے گی۔" اشرف نے کہا۔

"پھر وہی اناڑیوں جیسی باتیں۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"نہیں نہیں یار کیا کر رہے ہو۔" اشرف نے کہا۔

لیکن حمید نے اس کے ہاتھ سے چھری لے کر ہرنی کا پیٹ چاک کر دیا۔

"ٹھہرو.... ٹھہرو۔" اس نے اس کے پیٹ میں ہاتھ ڈال کر اس کی آنتیں کھینچتے ہوئے کہا۔

پھر اس نے نرخٹی کاٹ کر کلیجی کی واڑ باہر نکال لی اور اسے ہاتھ میں لٹکا کر کھڑا ہو گیا۔

"کیوں....؟" نعیم نے اسے سوالیہ انداز میں کہا۔

"اسے پھینک آؤں....؟" حمید نے کہا۔

"گھاس تو نہیں کھا گئے ہو۔" اشرف بھنا کر بولا۔

"یار اناڑیوں سے خدا ہی بچائے! اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ اس سے پہلے کبھی تمہیں ہرن وغیرہ کا شکار کھیلنے کا اتفاق نہیں ہوا تو ساتھ لانے پر کبھی رضامند نہ ہوتا۔"

"کیا بک رہے ہو۔"

"ارے یہ کنواری ہرنی کی کلیجی ہے۔" حمید نے دانت پیس کر کہا۔

"تو پھر....!"

"پہلے بخار آئے گا اور پھر کوڑھ تک ہو جانے کے امکانات ہو سکتے ہیں اور اگر بالکل ہی

کنواری ہرنی ہوئی تو اس سے بھی بدتر حالت ہو سکتی ہے۔"

"ہم نے تو کبھی نہیں سنا۔" نعیم نے کہا۔

"تم نے یہ بھی نہ سنا ہو گا کہ ہرنی بھی کنواری ہوتی ہے۔"

"کیوں فضول بکتے ہو۔"

"آخر تمہیں کس طرح یقین دلاؤں۔" حمید نے بظاہر زچ ہو کر کہا۔

"فریدی سے پوچھیں گے۔" ساجد بولا۔

مگر فریدی پہلے ہی کھسک گیا تھا۔ اس نے حمید کی نیت بھانپ لی تھی۔ لہٰذا وہ نہ تو حمید کی طرف سے بُرا بننا چاہتا تھا اور نہ دوسرے دوستوں کی طرف سے۔

"آپ جائیں جہنم میں۔" حمید نے جھنک کر کہا "اگر ایک آدھ بار بیمار پڑ گیا تو کہاں لادے پھریں گے۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا چھولداریوں کے پیچھے آیا اور یہاں جوتے اتار کر پنجوں کے بل جو دوڑ لگائی تو سرکنڈوں کی کھائیوں ہی میں آ کر دم لیا۔

پھر اس نے جلدی جلدی خشک لکڑیاں چنیں اور ان میں آگ لگا کر کلیجی کی ڈاڑ اس پر رکھنے ہی جا رہا تھا کہ ایک چیل نے کسی طرف سے جھپٹا مارا اور کلیجی کی ڈاڑ اس کے ہاتھ سے صاف نکال لے گئی۔ حمید کے منہ سے بے اختیار ایک موٹی سی گالی نکلی اور وہ اس کے پیچھے دوڑا۔

سیر ڈیڑھ سیر کا وزن چیل کے بس کا روگ نہیں گا۔ تھوڑی ہی دور جانے کے بعد کلیجی کی ڈاڑ اس کے پنجوں سے چھٹ پڑی اور حمید شکاری کتے کی طرح اس کی طرف جھپٹا لیکن اس بار اس کی امیدوں پر باقاعدہ طور پر اوس پڑ گئی۔ کلیجی کی ڈاڑ کسی چوپائے کے تازہ کئے ہوئے گوبر میں لتھڑی پڑی تھی۔

چیل سامنے ہی ایک درخت پر بیٹھی شاید اس مال غنیمت پر دوبارہ قبضہ کرنے کے امکانات پر غور کر رہی تھی۔

حمید نے بھنا کر ایک بڑا پتھر اٹھایا ہی تھا کہ کسی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ چونک کر پلٹا اور پھر اسے فریدی کی طنز آمیز مسکراہٹ کا سامنا کرنا پڑا جو اس کے خون کی حدت اور زیادہ بڑھا دیا کرتی تھی۔

فریدی نے اس کی طرف رائفل بڑھائی۔

"کیا ہے....!" حمید جھلا کر بولا۔

"پرندوں پر پتھر چلانا ظلم ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "پتھر تو صرف ان بچوں پر چلائے جاتے ہیں جو کسی سنجیدہ بزرگ کے پیچھے تالیاں بجانے چلتے ہیں۔"

"آپ چاہتے کیا ہیں۔" حمید نے بگڑ کر کہا۔

"تمہیں سمجھا بجھا کر واپس لے جانا.... کیا تم نے بچپن میں نانی اماں سے نہیں سنا کہ چیل کو مارنے سے کانوں میں درد ہوتا ہے۔"

"خدا کی قسم....!"

"کوئی الٹی سیدھی بات نہ کہہ بیٹھنا۔" فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"آؤ چلیں شاباش....!"

"نہیں جاؤں گا۔"

"اچھا جی....!" فریدی نے اس کی گردن پکڑ لی۔ "دھوکے باز! مکار.... ان بے چاروں کو اُلو بنا کر کلیجی لے اڑے تھے۔ فرزند من! کنواری ہرنی کی کلیجی کوئی شادی شدہ چیل ہی ہضم کر سکتی ہے۔"

گردن تو چھوڑیئے۔" حمید نے جھنجھلا کر اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"شامت منڈلا رہی ہے، تمہارے سر پر۔"

"شامت نہیں موت کہئے۔" حمید نے جل کر کہا۔ "آپ کے ساتھ تفریح بھی عذاب بن جاتی ہے۔"

"آگے بڑھو.... آگے۔" فریدی اسے دھکا دیتا ہوا بولا۔ "ابھی تو وہاں تمہاری بنے گی۔"

"خدا کی قسم کہئے گا نہیں کسی سے۔" حمید نے پلٹ کر کہا۔

"کیوں؟"

"اب بتاؤں کیوں.... کیوں.... کیوں....!" حمید جھنجھلاہٹ میں تقریباً ناچتا ہوا بولا۔

"چلتے ہو.... یا ایک کندہ رسید کروں۔" فریدی نے رائفل کی نالی پکڑ کر کندہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

ادھر اشرف نے اپنی انگلی کاٹ لی تھی اور چھری پھینک پھانک کر الگ جا کھڑا ہوا تھا۔ فریدی اور حمید کو آتے دیکھ کر اس نے کنواری ہرنی کی کلیجی کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

"بھئی مجھے ہرنوں کے متعلق زیادہ معلومات نہیں۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن یہ کیا! کیا انگلیاں کاٹ لیں۔ یار تم لوگوں سے ایک ہرنی کی کھال نہیں ادھیڑی جاتی۔ اچھا بھئی حمید! سبھی جانتے ہیں کہ تمہارے ہاتھ لگے بغیر کوئی کام ٹھیک نہیں ہوگا۔"

حمید نے فریدی کو گھور کر دیکھا اور پھر ہرنی پر ٹوٹ پڑا۔

"ارے کھال....!" اشرف چیخا۔

"ہات تمہاری کھال کی ایسی تیسی۔" حمید چیخ کر بولا۔ "یہاں بھوک کے مارے حال پتلا ہے اور آپ کو کھال کی پڑی ہے۔"

دیکھتے ہی دیکھتے اس نے کھال کے پرخچے اڑا دیئے اور کئی جگہ سے کھال کے ساتھ گوشت بھی ادھیڑ ڈالا۔ جب کھال الگ ہو گئی تو ایک نوکر بولا۔

"حضور کھال کھینچنے کا یہ طریقہ نہیں ہے۔"

"جی.... تو اب تک.... کہاں مرے ہوئے تھے آپ۔"

"پچھلی ٹانگوں کی کھال نکالنے کے بعد اسے الٹا اٹھا کر کھال کھینچ لی جاتی ہے۔"

"بس دفان ہو جاؤ۔" حمید جھلا کر بولا۔ "ورنہ میں یہی سلوک تمہارے ساتھ کروں گا۔"

"ارے صاحب آپ لوگ خود ہی تو بھڑ گئے تھے ورنہ ہم لوگ ساتھ کس لئے آئے ہیں۔" نوکر نے کہا۔

"اچھا تو اب اس کے ٹکڑے کرو۔" حمید دانت پیستا ہوا بولا۔ "ورنہ تھوڑی دیر بعد آ کر کہو گے کہ ٹکڑے کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ہرن کو اپنے اوپر سوار کرنے کا موقع بخشا جائے۔"

حمید چھری پھینک کر الگ ہٹ گیا۔

تھوڑی دیر بعد نوکروں نے ہرنی کے ٹکڑے کر دیئے اور انہیں نمک لگا کر بھونا جانے لگا۔

حمید بے چینی سے اپنی جگہ پر پہلو بدل رہا تھا۔

"یار تمہاری بھوک بھی قیامت ہے۔" اشرف بولا۔

"میں تمہاری طرح مریض تو ہوں نہیں۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

بھوک تو قریب قریب سبھی کو لگ رہی تھی۔ اس لئے بات زیادہ نہیں بڑھنے پائی۔

جب وہ لوگ کھانے کے لئے بیٹھے تو ادھر اُدھر کی باتیں چھڑ گئیں۔ فریدی انہیں اپنے

انگلینڈ کے تجربات بتا رہا تھا۔ اس سلسلے میں اس نے اسکاٹ لینڈ یارڈ سے لے کر ایسٹ انڈیا کے گھریلو قحبہ خانوں تک کے حالات بتائے۔

"اور جناب نے کیا سیکھا۔" نعیم نے حمید کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"بوسہ لینے کے پچاس نئے طریقے۔" حمید اپنے ہاتھ میں دبی ہوئی ہڈی کو نہایت انہماک سے چھجوڑتا ہوا بولا۔

یہ بات اس نے اتنی سنجیدگی سے کہی تھی کہ فریدی بھی اپنی ہنسی نہ روک سکا۔ لیکن حمید اس بُری طرح اس ہڈی سے بھڑا ہوا تھا کہ اس نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا بھی نہیں۔

"اور یہ کہ اگر....!" وہ منہ چلاتا ہوا بولا۔ "انگلینڈ میں کسی لڑکی کے سر پر پنجہ مریم کی پتیاں رکھ کر اس کا بوسہ لے لو تو وہ قطعی بُرا نہیں مانتی۔"

"کیا بکواس ہے۔" فریدی منہ بنا کر بولا۔

"تو کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔"

"تو پھر گنوا چلوں تمہاری حماقتیں۔" فریدی نے کہا۔

"غپ اور حقیقت میں فرق ہوتا ہے۔"

"اچھا....!" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔ "تو کیا یہ غپ ہے کہ ایک نائٹ کلب میں ایک عورت نے....!"

فریدی نے بات پوری نہیں کی تھی کہ حمید نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور اشرف کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "ذرا آپ کا حلیہ ملاحظہ فرمائیے۔"

"ہاں تو کیا ہوا تھا۔" اشرف نے حمید کی بات اڑا کر فریدی سے پوچھا۔

"ہوا یہ کہ اس بدتمیزی سے نہ کھاؤ کہ دوسروں کو قے ہو جائے۔" حمید نے کہا۔

"ہمارے ڈان ژوان حمید صاحب نے.... ایک عورت کو مدعو کیا۔"

"نعیم! یار تم نہ ہوئے۔" حمید نے پھر بیچ ہی سے بات اڑا دی۔ "کتنا شاندار استقبال ہوا ہے فریدی صاحب کا کہ واہ وا۔ اسکاٹ لینڈ یارڈ کے آفیسر تو گویا بچھے جا رہے تھے۔"

"اور وہ عورت نشے میں بُری طرح دھت تھی۔" فریدی نے کہا۔

"یہ دھت کیا بلا ہے۔" حمید نے پھر ہاتھ پیر مارے۔ "دھت دھت .... دھت....

ہاہاہا۔"

"بیٹے حمید خاں نے اسے اور پلا دی۔" فریدی رومال سے ہاتھ صاف کر کے سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"اور کھایئے نا۔" حمید نے جلدی سے کہا۔ "بس اتنا ہی۔"

"اور جب اسے بہت زیادہ چڑھ گئی تو....!"

حمید نے پھر ہلڑ مچا کر اسے آگے نہ کہنے دیا۔

"یار تم سب اور کھاؤ.... ابھی اور کھاؤ.... کھاؤ نا.... ارے اشرف تم بھی کھا چکے ہو۔"

"تو پھر اس نے....!"

اب حمید نے باقاعدہ حلق پھاڑ کر چیخنا شروع کر دیا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی فریدی پھر بولا۔

"تو پھر اس نے حمید کا گریبان پکڑ لیا۔"

"گریبان پکڑ لیا۔" اشرف نے قہقہہ لگایا۔

"نہیں گاڑیبان پکڑ لیا اور اپنے گھر چلی گئی۔" حمید نے جلدی سے کہا۔ "کیا شاندار غپ ہے.... کیا کہنا۔"

"اور پھر وہ....!"

"کیا آپ خواہ مخواہ...." حمید بھنا کر بولا۔

"کیوں بیچ میں ٹانگ اڑاتے ہو۔" اشرف نے کہا۔

"تم کیوں کود رہے ہو۔" حمید اس پر پلٹ پڑا۔

اور پھر دونوں میں باقاعدہ تکرار شروع ہو گئی اور فریدی اٹھ کر ایک چھولداری کے اندر چلا گیا۔ بدقت تمام بقیہ لوگوں نے بیچ بچاؤ کرایا۔

"تو اس سے کیا ہوتا ہے بات مجھے ہی معلوم ہو جائے گی۔" اشرف نے کہا۔

"یار تم خود ہی کیوں نہیں بتا دیتے۔" شاہد نے حمید سے کہا۔

روایتی کتا

اور پھر سب کے سب حمید کی جان کو آ گئے۔

"یار کیوں خواہ مخواہ بھیجا چاٹ رہے ہو تم لوگ۔" حمید زچ ہو کر بولا۔

پھر چیخ چیخ کر فریدی کو آوازیں دینے لگا۔

"بھئی کوئی خاص بات نہیں۔" فریدی نے چھولداری سے سر نکال کر کہا۔ "اس عورت نے حمید سے شادی کی درخواست کی تھی۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" اشرف بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "تو اس پر اتنی اچھل کود کیوں مچا رہے تھے۔ نہیں کوئی اور بات معلوم ہوتی ہے۔"

فریدی نے کوئی جواب دیئے بغیر پھر اپنا سر اندر کھینچ لیا۔

"جناب والا....!" حمید دانت پیس کر بولا۔ "یقیناً کوئی اور بات ہے اور آپ اس بات کو سننے کی تاب نہ لا سکیں گے۔"

انہوں نے پھر اسے تنگ کرنا شروع کر دیا۔

"اچھا تو سنو....!" حمید بھنا کر بولا۔ "تم اس عورت سے بھی بدتر معلوم ہوتے ہو۔ جاؤ بابا میرا پیچھا چھوڑو۔ تم سب بھی میرے باپ ہو۔"

چھولداری میں فریدی کے قہقہے کی آواز سنائی دی اور وہ باہر نکل آیا۔

"وہ سالی تو خیر نشے میں تھی.... مگر یہ.... کم بخت۔"

"خیر بھئی سنو....!" فریدی سگار کا کش لے کر بولا۔

"جی بس آرام کیجئے۔" حمید نے جھلا کر کہا۔ "میں خود....!"

اس نے بات پوری بھی نہیں کی تھی کہ یک بیک بڑی بڑی بوندیں پڑنی شروع ہو گئیں اور وہ سب بے ساختہ چھولداریوں کی طرف بھاگے۔ تقریباً پانچ منٹ تک بہت تیزی سے بوندیں گرتی رہیں پھر دھوپ نکل آئی اور سب سے پہلے حمید نے بوکھلا کر اپنی قمیض اتار پھینکی۔ ہوا قطعی بند ہو گئی تھی۔ بھیگی ہوئی زمین سے انجرات نکلتے معلوم ہو رہے تھے۔ مٹی کی سوندھی خوشبو اس حبس میں اچھی لگنے کے بجائے گراں گزر رہی تھی۔

آہستہ آہستہ سب نے اپنی قمیضیں اتار پھینکیں اور چھولداریوں سے باہر نکل آئے۔ آسمان پر ابر کے ٹکڑے موجود تھے اس لئے کبھی دھوپ اور کبھی چھاؤں۔ باہر بھی انہیں سکون نہ ملا اور وہ پھر چھولداریوں میں آ گئے اور تھوڑی دیر بعد پیٹ بھرے مگرمچھوں کی طرح اونگنے لگے۔ نہ جانے

وہ کب تک سوتے رہے اور جب آنکھ کھلی تو سب سے پہلے انہیں بارش کا شور سنائی دیا۔ یا شاید اسی شور ہی کی وجہ سے وہ جاگ پڑے تھے۔

موسلا دھار بارش ہو رہی تھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے پانی کا ریلا چھولداریوں میں در آیا۔ انہوں نے جلدی جلدی زمین سے بستر اٹھا کر واٹر پروف تھیلوں میں بھرنے شروع کر دیئے۔

"یہ تو برسنے والا ہی معلوم ہوتا ہے۔" فریدی نے پر تشویش انداز میں کہا۔

"مگر مجھے تو یہ لڈو بانٹنے والا ہی جان پڑتا ہے۔" حمید نے منہ سکوڑ کر کہا۔ وہ اپنے جوتے اتار کر کینواس کے تھیلے میں ڈال رہا تھا۔ پھر اس نے پتلون کے پائینچے موڑ کر پنڈلیوں تک چڑھا لئے۔

آہستہ آہستہ چھولداریاں بھی ٹپکنے لگیں۔

"اب کیا ہو گا....؟" کسی نے کہا۔

پھر وہ فریدی کی تجویز پر اس اسٹیشن ویگن کی طرف بھاگے جس پر وہ سامان سمیت یہاں تک پہنچے تھے۔ اندر گھس کر انہوں نے کھڑکیوں کے شیشے گرا دیئے اور چپ چاپ بیٹھ گئے۔ نوکروں اور دیہاتی رہبر نے ایک گھنی شاخوں والے برگد کے درخت کے نیچے پناہ لی۔

"سارا مزہ کرکرا ہو گیا۔" اشرف بولا۔

"حیرت ہے کہ تم لوگ بے سروسامانی سے لطف اندوز نہیں ہوتے۔"

فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "لطف تو اس وقت آتا جب یہ موٹر بھی نہ ہوتی۔"

"تو بسم اللہ!" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "راستہ یہ ہے۔ باہر تشریف لے جایئے۔ لطف ہی لطف بکھرا پڑا ہے۔"

وہ سب ہنس پڑے اور فریدی کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔

"ایسے ہی موقعوں پر صحیح معنوں میں زندگی کا احساس ہوتا ہے۔" فریدی نے مڑ کر حمید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

حمید پھر بھنا کر بولا۔ "مجھے یاد پڑتا ہے کہ پچھلی برسات میں ایک مینڈک نے بھی مجھ سے یہی کہا تھا۔"

"ضرور کہا ہو گا.... راز کی باتیں اپنوں ہی سے کہی جاتی ہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

اس پر پھر ایک قہقہہ پڑا اور حمید بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

بارش تھمنے کے آثار نظر نہیں آتے تھے اور اندھیرا تھا کہ پھیلتا ہی جارہا تھا۔ سات بج چکے تھے۔ تھوڑی دیر تک وہ خاموش رہے پھر دفعتاً حمید نے کہا۔ "کیا مصیبت ہے۔ کیا ساری رات اسی طرح گزر جائے گی۔ اگر شروع ہی میں چل پڑے ہوتے تو اس وقت ہم کسی گاؤں ہی میں پناہ لے سکتے تھے۔"

"بھئی تو مجھے کیا معلوم تھا کہ اس طرح بارش ہوگی۔" فریدی نے کہا۔

حمید نے کوئی جلی کٹی کہنے کے لئے منہ بنایا ہی تھا کہ نوکر دوڑتے ہوئے اسٹیشن ویگن کی طرف آئے۔

"صاحب! ندی بڑھ رہی ہے۔" دیہاتی راہبر ہانپتا ہوا بولا۔

"کیا....!" فریدی چونک کر بولا۔

"جی ہاں! تھوڑی دیر بعد یہاں قدم جمانا دشوار ہو جائے گا۔"

"تب تو بھئی اکھاڑو چھولداریاں۔"

"میں تو ہرگز نہیں جاؤں گا۔" حمید پھیل گیا۔

"کیا بکتے ہو۔" فریدی جھلا کر بولا۔

"واہ زندگی کا لطف اٹھانے کا موقع پہلی بار نصیب ہوا ہے۔ میں اسے ہاتھ سے نہیں جانے دوں گا۔"

فریدی کچھ اور کہے بغیر ویگن سے اتر گیا اور چھولداریاں اکھڑوانے میں نوکروں کا ہاتھ بٹانے لگا۔ اس کی دیکھا دیکھی حمید کے علاوہ سب اتر آئے اور وہ نہایت اطمینان سے بیٹھا پائپ پیتا رہا۔

بھیگی ہوئی چھولداریاں ویگن میں رکھی جانے لگیں۔ حمید نے ایک طرف ہٹنا چاہا لیکن فریدی کے اشارے پر ایک چھولداری اس پر پھینک ہی دی گئی۔ وہ بے اختیار چیخ کر سامنے والی سیٹ پر جا گرا۔

بڑی خیریت یہ ہوئی کہ اس چھولداری میں کسی نوکر نے ہاتھ نہیں لگا رکھا تھا ورنہ حمید اس کی بوٹیاں نوچ لیتا۔ پھر بھی اسکے منہ سے بے تحاشہ ایسے الفاظ نکلنے لگے جن کا کوئی مفہوم نہیں تھا۔

"کیا فضول ٹائیں ٹائیں لگا رکھی ہے۔" فریدی نے اُسے ڈانٹا۔

"جہنم میں.... گگ....!"

"شٹ اپ....!"

"خیر کبھی دیکھ لوں گا....!" حمید بے بسی سے بولا۔

"اس تفریح میں تمہارا بھی حصہ تھا۔" فریدی نے کہا اور ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ نوکر بھی اندر آگئے اور دیہاتی راہبر فریدی کے برابر بیٹھ گیا۔ ویگن چل پڑی۔

اس دوران میں بوندوں کا زور کم بھی ہوا اور پہلے سے زیادہ بھی لیکن تار نہیں ٹوٹا۔ چاروں طرف گہری تاریکی پھیل گئی تھی۔ فریدی راہبر کے بتائے ہوئے راستوں پر ویگن کو لئے جارہا تھا۔ لیکن دو ایک جگہ اس کی ہچکچاہٹ پر اسے محسوس ہوا کہ شاید وہ غلط راستے پر جارہے ہیں۔

"بھئی تم بھولتے تو نہیں۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"نہیں صاحب۔" اس کے لہجے میں اعتماد تھا۔

"خدا کرے تم بھول ہی رہے ہو۔" حمید دانت پر دانت جما کر بولا۔

لیکن وہ سب کچھ اس طرح بدحواس تھے کہ انہوں نے حمید کی بات کا نوٹس ہی نہیں لیا۔ وہ سبھی کچھ نہ کچھ سوچ رہے تھے اور تھوڑی دیر بعد یہ بات ان پر اچھی طرح واضح ہوگئی کہ راہ بتانے والا خود ہی بھٹک گیا ہے۔ اس آندھی اور طوفان میں اس کے امکانات پہلے ہی سے موجود تھے۔ شکار گاہ میں آتے وقت وہ ندی کے کنارے آئے تھے، لیکن واپسی میں یہ چیز قطعی ناممکن تھی کیونکہ ندی کا پاٹ کافی بڑھ گیا تھا۔ وہ پہلے سے ایک تیز بہنے والی ندی تھی اور اس وقت تو اس کا پانی دور دور تک پھیل رہا تھا۔

دفعتاً فریدی نے گاڑی روک دی۔ ہیڈ لائیٹس کی روشنی میں حد نظر تک پانی ہی پانی دکھائی دے رہا تھا۔

"کیوں بھئی کیوں!" کسی نے کہا۔

"آگے نالہ معلوم ہوتا ہے کیا آواز نہیں سن رہے ہو۔" فریدی نے کہا۔ "ایسی صورت میں آگے بڑھنا بھی خطرناک ہے۔"

"اور پیچھے ہٹنے میں بھی اللہ میاں کا دیدار نصیب ہو سکتا ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "بس داہنے یا بائیں سے نکل چلئے۔ اللہ نے چاہا تو بیڑا کھوکھرا پار ہے۔"

"شٹ اپ....!"

حمید نے قہقہہ لگایا اور سب کو اس کی بے وقت کی شہنائی کھلنے لگی۔

فریدی نے ویگن گھمائی ہی تھی کہ دفعتاً دیہاتی رہبر نے رکنے کے لئے کہا۔

ہیڈ لائیٹس کی روشنی میں دور ایک عمارت سی دکھائی دی۔

"شاید ہم یدھ راج نگر کے قریب پہنچ گئے ہیں۔" رہبر نے کہا۔ "لیکن نالہ۔ یہاں واقعی ایک نالہ پڑتا ہے۔"

"نالہ کس قسم کا ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"معمولی سا۔" رہبر نے کہا۔ "ہم بآسانی اسے پار کر سکیں گے۔"

"کہیں پناہ بھی مل سکے گی۔" اشرف نے پوچھا۔

"کیوں نہیں! نواب صاحب بہت اچھے آدمی ہیں۔"

"کون نواب صاحب۔" فریدی نے پوچھا۔

"نواب صولت مراد، یدھ راج نگر کے جاگیردار۔"

"اب کہاں جاگیردار ہیں۔" نعیم منہ بنا کر بولا۔

"نہ ہوں گے۔" رہبر نے کہا۔ "مگر اب بھی پورا قصبہ انہیں کے ہاتھ میں ہے اور کچھ اسی قصبے پر منحصر نہیں۔ قرب وجوار کا سارا علاقہ اب تک ان کی مٹھی میں ہے۔"

"ہوگا بھئی ہوگا۔" فریدی کھڑکی کھول کر نیچے اترتا ہوا بولا۔ یہاں پانی ٹخنوں سے اونچا تھا۔ اس نے اندر سے اپنی رائفل اٹھائی اور اس کے کندھے سے زمین ٹٹولتا ہوا ہیڈ لائیٹس کی روشنی میں آگے بڑھنے لگا۔ تھوڑی دور چل کر وہ اچانک کمر کمر پانی میں نظر آنے لگا۔ غالباً اس وقت نالے میں تھا۔ دیکھتے دیکھتے وہ نالہ پار کر کے پھر کنارے کی طرف لوٹ آیا۔

"چلو اترو....!" اس نے انہیں پکار کر کہا۔ "لائٹ آف کر دو۔"

نوکروں کے علاوہ اور سب اتر پڑے۔ پھر وہ بھی ٹارچ کی روشنی میں آگے بڑھنے لگے۔

"ڈرو نہیں چلے آؤ۔" فریدی نے کہا۔

نالہ پار کر جانے کے بعد وہ دیہاتی راہبر کے پیچھے چلنے لگے۔ بوندیں اب بھی پڑ رہی تھیں۔ مگر زیادہ تیز نہیں تھیں۔ البتہ ہوا کے جھونکے تند ہوتے جا رہے تھے۔ سناٹے میں جھونکوں کی شائیں شائیں کے علاوہ کوئی اور آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ وہ چلتے رہے۔ دفعتاً قریب ہی کہیں سے کسی کتے کے رونے کی آواز سنائی دی اور راہبر چلتے چلتے رک گیا۔ اس نے چاروں طرف ٹارچ کی

روشنی ڈالنی شروع کی اور پھر فریدی کی طرف مڑا۔

"صاحب یہ تو...." وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"کیا بات ہے۔" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

"ہم پھر غلط آ گئے۔"

"عجیب آدمی ہو تم۔" فریدی نے جھلا کر کہا۔ "ابھی ابھی تم نے کسی قصبے کا نام لیا تھا۔"

"جی وہ تو ٹھیک ہے.... لیکن.... لیکن وہ سنئے۔" وہ خوفزدہ آواز میں بولا۔

"کیا سنوں۔"

"کیا آپ کچھ نہیں سن رہے ہیں۔" راہبر نے تحیر آمیز لہجے میں پوچھا۔

"کیا فضول بکواس لگا رکھی ہے تم نے۔"

"حضور.... یہ سنئے.... یہ آواز۔"

"کیوں؟ یہ کسی شیر یا بگڑے ہوئے ہاتھی کی آواز تو نہیں۔ صرف کتے کی ہے اور وہ بھی بے چارہ رو رہا ہے۔"

"مگر صاحب یہ معمولی کتا نہیں ہے۔" راہبر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔

"چلو چلو آگے بڑھو۔" فریدی نے بیزاری سے کہا۔ "میں کتوں کے متعلق تم سے زیادہ جانتا ہوں۔"

"صاحب چاہے گردن کاٹ ڈالئے میں تو ادھر سے ہرگز نہ جاؤں گا۔"

"کیوں بھئی آخر کیوں۔" فریدی نے زچ ہو کر کہا۔ "اس وقت بھی ہمارے پاس چھ رائفلیں ہیں۔ ہم نہایت آسانی سے اسے ختم کر دیں گے۔"

"رائفلیں۔" راہبر خوفزدہ آواز میں ہنسا۔ "جو کتا سینکڑوں برس سے زندہ ہو۔"

"کیا آپ نے سردار یدھ راج کی گڑھی کے کتے کے متعلق کبھی کچھ نہیں سنا۔"

"ارے تو سناؤ نا بابا جلدی کرو! ورنہ اگر پھر بارش تیز ہو گئی تو ہم سب جہنم رسید ہو جائیں گے۔"

"وہ زمین پر نہیں ہے۔" راہبر نے کہا۔ "اس کی آواز اوپر سے آتی ہے اور وہ جب بھی روتا ہے ندی میں باڑھ ضرور آتی ہے اور ندی کے کنارے بسے ہوئے گاؤں تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔"

فریدی نے ایک پرزور قہقہہ لگایا اور ساتھ ہی کتے کے رونے کی آواز سنائی دی۔

"صاحب خدا کے لئے۔" راہبر گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہاں کوئی اس کا مضحکہ اڑانے کی ہمت نہیں رکھتا۔ وہ کوئی خبیث روح ہے۔"

"شش آگے چلو۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "مجھے خیال پڑتا ہے کہ میں اس سے پہلے بھی اس کے متعلق کچھ سن چکا ہوں۔"

"تو دوسری ہی طرف سے چلئے نا۔" حمید نے جھلا کر کہا

"نہیں محترم آپ اس معاملے میں قطعی دخل نہ دیجئے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا اور سب لوگ ہنس پڑے۔ لیکن راہبر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تک نہ آئی پھر فریدی حمید کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"آپ خواہ مخواہ مری جا رہی ہیں۔ یہاں کئی مرد آپ کی حفاظت کے لئے موجود ہیں۔ گھبرائیے نہیں۔"

حمید نے بھنا کر اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا۔ "کہاں ہے۔ وہ سالی گڑھی دڑھی میں آگے چلتا ہوں۔ گویا کہ مجھے اُلو کا پٹھہ سمجھتے ہیں۔"

فریدی اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر راہبر سے مخاطب ہو گیا۔

"تو تم ہمیں اس گڑھی ہی کی طرف لے جا رہے ہو۔"

"صاحب بس مجھے تو معاف ہی رکھئے۔"

"عجیب ڈرپوک آدمی ہو۔"

"اس معاملے میں ہمارے باپ دادا بھی ڈرپوک ہی تھے۔ لوگ دن کے وقت ادھر سے گزرتے ہوئے ڈرتے تھے۔"

"ہم تمہیں باندھ کر لے چلیں گے۔" حمید آگے بڑھ کر بولا۔

"یوں تو آپ مجھے یہیں قتل کر کے دفن بھی کر سکتے ہیں۔" راہبر نے بے بسی سے کہا۔

"نہیں نہیں بھائی، ہم زبردستی نہیں کرتے۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "تم چلو راستہ کر واپس جا سکتے ہو۔"

"واپس اکیلے.... یہ ظلم ہے۔" وہ بے ساختہ بولا۔

"تم نے ناک میں دم کر دیا۔" فریدی نے جھلا کر کہا۔ "نہ الٹا چلتے ہو اور نہ سیدھا۔"

"تو حضور کترا کر نکل چلئے نا۔ آپ لوگ بھی کافی بھیگے ہوئے ہیں۔"

فریدی کچھ سوچنے لگا۔ کتے کے رونے کی آواز پھر آئی اور راہبر کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔

فریدی اپنے ساتھیوں کی طرف مڑ کر بولا۔ "کون کون چلے گا میرے ساتھ۔"

"یار ہٹاؤ بھئی۔" اشرف بولا۔

"خدا کے لئے اس حال میں تو طبیعت کو قابو میں رکھو۔" شاہد نے کہا۔ "ہم لوگ تھک کر چور ہو گئے ہیں اور اگر جلدی ہی بھیگے کپڑے نہیں اتار ڈالتے تو شاید بیمار بھی پڑ جائیں۔"

"میں تو کہہ رہا ہوں کہ تم لوگ جاؤ۔"

"بعض اوقات بڑی الجھنوں میں ڈال دیتے ہو۔" اشرف نے جھلا کر کہا۔

"سب بے کار ہے۔" حمید نے کہا۔ "آپ کے ساتھ سب سے بڑی بدنصیبی یہ ہے کہ آپ بچپن ہی سے موت کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔ مگر موت ہے کہ منہ لگانے پر تیار ہی نہیں ہوتی۔ تم لوگ جاؤ ورنہ ساری رات یہیں کھڑے کھڑے گزر جائے گی۔"

تھوڑی دیر تک سب کے سب کھڑے بھنبھناتے رہے۔ آخر فریدی پھر بولا۔

"فضول وقت نہ برباد کرو ورنہ زیادہ رات گزر جانے پر کیسے جگاتے پھرو گے۔ میں کسی ناراضگی کے تحت نہیں کہہ رہا ہوں۔ جلدی کرو۔"

"تم لوگ جاؤ۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ "میں بھی سرکاری آدمی ہوں۔ بھوتوں کی مردم شماری میں مجھے بھی فریدی صاحب کا ہاتھ بٹانا چاہئے۔"

"کیا عورتوں کی طرح جلی کٹی سنا رہے ہو۔" فریدی نے غصیلی آواز میں کہا۔ "تم میرے ساتھ نہیں جا سکتے۔"

تھوڑی دیر تک بحث ہوتی رہی اور پھر حمید کے علاوہ اور سب راہبر کے ساتھ ایک طرف روانہ ہو گئے۔

"تم بھی جاؤ۔" فریدی نے تیز لہجے میں کہا۔

"نہیں جاتا۔"

فریدی ٹارچ کی روشنی میں آواز کی سمت چل پڑا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد کسی بہت بڑی

عمارت کے کھنڈر نظر آنے لگے جن میں کئی بڑے بڑے مینار تھے۔ ہوا کے تیز جھونکوں کے ساتھ کتے کے رونے کی آواز بدستور سنائی دے رہی تھی۔

فریدی نے اپنی رفتار تیز کردی۔ اس وقت بارش بالکل تھم گئی تھی اور مینڈکوں کے شور سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی وہ آواز.... اس روایتی کتے کی آواز اس شور پر حاوی تھی۔

وہ دونوں اس چھوٹے سے ٹوٹے پھوٹے قلعے کے قریب پہنچ کر رک گئے۔ لکھوری اینٹوں کی مضبوط دیواروں کے آثار اب بھی قائم تھے اور کہیں کہیں تو دیوار اپنی اصلی جسامت کے ساتھ اب بھی اپنی پائیداری کے افسانے سنا رہی تھی۔

کتے کے رونے کی آواز کہیں قریب ہی سے آئی اور حمید بے ساختہ چیخ اٹھا۔

"خدا کی قسم اوپر ہی سے آرہی ہے۔" اس کا ہاتھ ایک طرف اٹھا ہوا تھا اور پھر پس منظر میں صرف مینڈکوں کا شور جاری رہا۔ فریدی ٹارچ کی روشنی میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ٹوٹی پھوٹی دیواریں اور اینٹوں کے ڈھیر حد نظر تک پھیلے ہوئے تھے۔ کئی اونچے اونچے مینار تھے جن میں سے دو ایک اچھی حالت میں بھی تھے۔ دفعتاً ہوا کا ایک جھونکا آیا قریب ہی کوئی دیوار گری اور کتا پھر رونے لگا۔

فریدی ٹارچ سمیت تیزی سے پلٹا اور روشنی کا دائرہ ایک مینار کے نچلے حصے سے پھسلتا ہوا اوپر کی طرف چلا گیا۔ آواز یقیناً اسی مینارے پر سے آتی تھی۔ سرجنٹ حمید اس کے قریب آ گیا۔

"یہ کیا.... کیا.... معام.... رہے۔"

"شش.... ڈرپوک۔" فریدی اس کا شانہ تھپتھپا کر منارے کی طرف بڑھا۔

آواز پھر سنائی دی اور حمید ایک دبی سی چیخ کے ساتھ اچھل کر فریدی سے ٹکرا گیا۔

"اوپر سے.... اوپر سے....!" وہ خوف زدہ آواز میں بولا۔

فریدی ٹارچ کی روشنی میں منارے کے نچلے حصے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کا قطر سات آٹھ فٹ سے کسی طرح کم نہ رہا ہوگا۔ ایک جگہ دروازے کے آثار بھی معلوم ہوئے۔ لیکن اب وہاں اینٹیں چنی ہوئی تھیں۔ فریدی نے ایک بار پھر نیچے سے اوپر تک روشنی ڈالی۔

"بظاہر کوئی ایسا راستہ نہیں معلوم ہوتا۔" وہ حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

"جس سے کسی کتے کے گھسنے کے امکانات ہوں۔"

"گھسنے کے امکانات!" حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "عقل کے ناخن لیجئے وہ سینکڑوں

سال سے....!"

"ہشت....!"

فریدی نے جھک کر ایک پتھر اٹھایا اور اسے ہاتھ میں لے کر تولنے لگا۔ جیسے ہی منارے کے اوپری حصے سے آواز نکلی اس نے وہ پتھر اوپر کی طرف پھینکا۔ کھٹاکے کی آواز آئی۔ پتھر نشانے پر بیٹھا تھا۔ لیکن کتے کی آواز میں کوئی فرق نہیں پڑا۔

"یہ کیا کرنے لگے۔" حمید نے پوچھا۔

فریدی جواب دینے کے بجائے پھر پتھر اٹھانے کے لئے جھکا۔

اس بار پھر اس نے آواز نکلتے ہی پتھر چلایا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

"کتا نہیں ہے.... آؤ چلیں.... پھر دیکھیں گے.... ارے تمہارا ہاتھ کانپ رہا ہے.... اُلو کہیں کے۔"

"کیا معاملہ ہے۔"

"جو کچھ بھی ہو لیکن.... کتا.... ارے۔" فریدی نے چیخ لگائی لیکن قریب ہی کی ایک گرتی ہوئی دیوار کی زد سے نہ بچ سکا۔ سرجنٹ حمید کی چیخ سناٹے میں دور تک لہراتی چلی گئی۔ کتا پھر مکروہ اور خوفناک آواز میں رونے لگا۔

جان پہچان

ہوش آتے ہی فریدی کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اب سر نہ اٹھا سکے گا۔ کچھ دیر قبل پیش آیا ہوا واقعہ اس کے ذہن میں ابھرنے لگا اور اس نے زمین پر چت لیٹے ہی لیٹے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ زرد رنگ کی دھندلی روشنی ہوئی تھی۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کسی کنویں میں پڑا ہو۔ لکھوری اینٹوں کی دیواریں ایک دائرے کی شکل اس کے گرد احاطہ کئے ہوئے تھیں۔ پھر دفعتاً اسے حمید کا خیال آیا وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ بیٹھا اور اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کنواں تیزی سے گردش کرنے لگا ہو۔ زمین میں عجیب طرح کی آوازیں ایک دوسرے میں مدغم ہوتی چلی گئیں۔

ایک بار پھر اس نے سنبھالا لیا اور تحیر آمیز انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اسے تو اینٹوں کے ڈھیر میں ہونا چاہئے تھا پھر..... یہ..... یہ..... کیا..... اس کنویں کی تہہ بالکل خشک اور کسی کمرے کے فرش کی طرح صاف و شفاف بھی..... کیوں؟ وہ بے تحاشہ کھڑا ہو گیا۔ اس نے حمید کو دیکھا، جو تھوڑے ہی فاصلے پر پڑا۔ گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ اس کے بھی سر ہی میں چوٹ آئی تھی اور کچھ خراشیں پیروں میں بھی تھیں۔ فریدی اس پر جھک گیا۔ وہ ابھی تک بیہوش تھا۔ وہ کئی منٹ تک اس پر جھکا رہا پھر دفعتاً سیدھا کھڑا ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ سر میں اتنی شدید تکلیف تھی کہ کھڑا ہونا دوبھر ہو رہا تھا اور نقاہت کا یہ عالم تھا جیسے وہ عرصے سے بیمار ہو۔ دفعتاً اسے اس روشنی کا خیال آیا۔ زرد رنگ کی دھندلی روشنی وہ بے اختیار اوپر کی طرف دیکھنے لگا۔ سترہ اٹھارہ فٹ کی بلندی پر بنے ہوئے دریچوں میں اندر کی طرف چراغ روشن تھے جنہیں وہ پہلے نہیں دیکھ پایا تھا اور اب اس کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ سارے چراغ خود بخود رینگ کر باہر آگئے۔ فضا میں معلق انسانی کھوپڑیوں میں سے روشنی کی لوئیں پھوٹ رہی تھیں اور اسی طرح کی چراندھ پھیلی ہوئی تھی جیسے ان میں چربی جل رہی ہو۔

فریدی کے جسم کے سارے روئیں کھڑے ہو گئے اور ماتھے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں پھوٹ آئیں۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا اور دیوار سے ٹک کر ان چراغوں کی طرف حیرت سے دیکھنے لگا، جو آہستہ آہستہ نیچے اتر رہے تھے۔

اور پھر ایک عجیب سا قہقہہ سنائی دیا جو کسی خونخوار جانور کی غراہٹ سے مشابہ تھا۔ ایک طویل قہقہے سے اس باؤلی کی دیواریں تک جھنجھنا اٹھی تھیں، سامنے کے دریچے سے ایک چمگادڑ چیک چیک کرتی ہوئی نکلی اور اوپر کی طرف پرواز کر گئی۔ قہقہہ ختم ہو چکا تھا۔ لیکن اب ایک دوسری طرح کی آواز باؤلی میں گونج رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کہیں کوئی ریچھ اپنے پیروں پر تھوتھنی رکھے خر خر، خر خر کر رہا ہو۔

فریدی کا ہاتھ بے اختیار جیب کی طرف گیا۔ ریوالور موجود تھا۔ اس نے اس کا دستہ مضبوطی سے پکڑ لیا۔ اس کی نظریں اس دریچے کی طرف اٹھ گئیں۔ جن سے چند لمحے پیشتر چمگادڑ اڑی تھی۔ دو خونخوار آنکھیں اسے گھور رہی تھیں۔ انگاروں کی طرح دہکتی ہوئی آنکھیں اور پھر وہی غراہٹ سے ملتا جلتا ہوا قہقہہ سنائی دیا۔ فریدی نے ریوالور والا ہاتھ بلند کیا لیکن نہ جانے کدھر

سے ایک بڑی سی چمگادڑ نے اسی ہاتھ پر جھپٹا مارا اور ریوالور زمین پر آرہا۔

فریدی اس چمگادڑ کی طرف جھپٹا۔ اس نے ریوالور کو زمین پر گرتے نہیں دیکھا تھا۔ ایک تو سر میں شدید تکلیف تھی اس پر اس قسم کے واقعات! وہ سمجھا شاید چمگادڑ ریوالور کو جھپٹ کر لے گئی۔

چمگادڑ اپنے پر پھڑپھڑاتی ہوئی اس کے سر پر چکر لگا رہی تھی۔ دفعتاً فریدی کو ان روشن کھوپڑیوں کا خیال آیا جو آہستہ آہستہ نیچے کی طرف آرہی تھیں۔ وہ پھر تیزی سے دیوار کی طرف چلا گیا اور اس سے ٹکرا کر اوپر دیکھنے لگا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس کے منہ سے ایک تحیر آمیز چیخ نکل گئی۔ اس کا ریوالور اوپر چلتی ہوئی کھوپڑیوں کے درمیان جھول رہا تھا اور وہ کھوپڑیاں نیچے آنے کے بجائے ریوالور سمیت اوپر کی طرف جا رہی تھیں۔

قہقہہ کی غراہٹ پھر سنائی دی۔ اس بار وہ ایک دوسرے دریچے سے آتی معلوم ہو رہی تھی اوپر جا کر وہ کھوپڑیاں پھر چاروں طرف بنے ہوئے دریچوں میں رینگ گئیں۔

خونخوار آنکھیں پھر دکھائی دیں حالانکہ وہ کافی بلندی پر نظر آرہی تھیں۔ لیکن فریدی کو ایسا محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے وہ اس کی آنکھوں میں اتری آرہی ہوں۔ پھر ایک خوفناک شکل دکھائی دی۔ سیاہ گھنے بالوں کے ڈھیر میں خوفناک آنکھیں انگاروں کی طرح دہکتی ہوئی آنکھیں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی تاریک ویرانے میں دو چراغ جل رہے ہوں۔ فریدی کا سر ایک جھٹکے کے ساتھ دیوار سے جا لگا۔ یہ اس کے زخمی سر پر دوسری چوٹ تھی۔ اسے یک بیک ایسا محسوس ہوا جیسے وہ گہرے اندھیرے میں ڈوبتا چلا جا رہا ہو۔

نہ جانے وہ کب تک بے ہوش رہا اور ٹھیک اس وقت جب اس کا ذہن آہستہ آہستہ غنودگی کی سطح پر آرہا تھا۔ کچھ دیر قبل والی قہقہہ نما غراہٹ اس کے کانوں میں گونجی اور وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے دوبارہ لٹا دیا ہو۔ آنکھوں کے سامنے چھایا ہوا غبار چھٹتا جا رہا تھا اس کا ہاتھ بے اختیار سر کی طرف گیا۔ انگلیاں زخموں کی بجائے کسی نرم چیز سے ٹکرائیں اور اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

اس نے خود کو ایک سلیقے سے سجائے ہوئے کمرے میں پایا۔ اس کے نیچے ایک نرم اور ستھرا بستر تھا اور سامنے ہی فانوس میں کافوری شمعیں روشن تھیں۔ ایک معمر اور وجیہہ آدمی اس پر جھکا ہوا تھا جس کے چہرے پر گہری تشویش کے آثار نظر آرہے تھے۔ قریب ہی نعیم اور اشرف دکھائی

دیئے۔ فریدی نے پھر اٹھنا چاہا لیکن اس پر جھکے ہوئے آدمی نے اس کے سینے پر ہولے سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"لیٹے رہئے.... لیٹے رہئے۔"

"میں کہاں ہوں۔"

"آپ قطعی محفوظ ہیں۔ گھبرانے کی بات نہیں۔ زخم خطرناک نہیں ہیں۔ لیکن آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔" وہ ایک ہی سانس میں کہہ گیا۔

"حمید کہاں ہے؟ کیسا ہے۔" فریدی نے اشرف سے پوچھا۔

"ٹھیک ہے.... ٹھیک ہے۔"

"کہاں ہے۔" فریدی نے اپنے سینے پر رکھا ہوا ہاتھ اٹھا کر اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"دوسرے کمرے میں.... لیکن آپ لیٹے رہئے۔"

"ہشت.... میں بالکل ٹھیک ہوں.... مجھے حمید کے پاس لے چلو۔"

فریدی اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر دفعتاً اشرف کی طرف مڑ کر بولا۔

"ہم لوگ کہاں تھے؟"

"کوئی پریشانی کی بات نہیں۔" معمر آدمی فریدی کے کاندھے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

"جو ہونا تھا.... سو ہو گیا۔"

فریدی اسے گھورنے لگا۔ پھر اشرف کو مخاطب کر کے اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"آپ کی تعریف....!"

"اوہ آپ....!" ارشد نے خاکسارانہ انداز میں کہا۔ "آپ.... آپ نواب صاحب۔"

"مجھے صولت مرزا کہتے ہیں۔" معمر آدمی نے کہا۔

"اوہ....!" فریدی نے اس کی طرف مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ہم لوگوں کی وجہ سے آپ کو بڑی تکلیف ہوئی۔"

"نہیں.... کوئی تکلیف نہیں۔ لیکن آپ لیٹ جایئے۔"

"میں اپنے ساتھی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"آپ مجھ پر اعتماد کیجئے۔" نواب صولت مرزا مسکرا کر بولا۔

فریدی چپ چاپ لیٹ گیا۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے اشرف سے پوچھا کہ وہ دونوں انہیں کہاں ملے تھے۔

"تم دونوں ایک گری ہوئی دیوار کی ملبے میں دبے پڑے تھے۔" اشرف نے کہا۔

فریدی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ تحیر آمیز انداز میں اشرف کو گھورتا رہا۔

"کیوں؟ کیا بات ہے۔"

"کچھ نہیں۔" فریدی نے پرخیال انداز میں آہستہ سے سر ہلایا۔ پھر دفعتاً پوچھ بیٹھا۔

"میرا کوٹ کہاں ہے۔"

اشرف نے سامنے والی دیوار کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں اس کا کوٹ لٹکا ہوا تھا۔

"ریوالور ہے اس میں۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں....!"

"اوہ....!" فریدی کے منہ سے بے اختیار نکلا اور وہ پھر لیٹ گیا۔

وہ پراسرار باؤلی اور اس کا ڈراؤنا ماحول۔ کیا وہ سب خواب تھا۔ فریدی انتشار میں مبتلا ہو گیا۔ وہ خوفناک چہرہ جلتی ہوئی معلق انسانی کھوپڑیاں۔ قہقہہ نما غراہٹ آخر یہ سب کیا تھا۔ پہلی بار وہ یقیناً ایک گرتی ہوئی دیوار کے ملبے میں آ کر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا۔ لیکن دوسری بیہوشی؟ کیا وہ سچ مچ خواب تھی؟ وہ سوچتا رہا اور اس کے ذہن نے یہ فیصلہ کر لیا کہ یہ سب حقیقت تھی۔ لیکن پھر! پھر وہ گری ہوئی دیوار کے ملبے میں دوبارہ کس طرح پہنچے تھے۔ وہ ریوالور جسے وہ کھوپڑیاں اپنے ساتھ اڑا لے گئی تھیں اس کے جیب میں دوبارہ کس طرح آیا؟ کیا وہ شیطانی کتا....؟ لیکن وہ اس کے آگے نہ سوچ سکا۔ کیونکہ مافوق الفطرت چیزوں کی اس کی نظروں میں کوئی اہمیت نہ تھی۔

"کیا تم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہو کہ تم نے ہمیں ملبے کے ڈھیر سے نکالا تھا۔" فریدی نے اشرف سے پوچھا۔

"ہاں بھئی....!"

صولت مرزا بڑے غور سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اس کے ہونٹوں پر ایک پرخیال سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بھول جایئے۔ سب کچھ بھول جایئے۔" نواب صولت مرزا معنی خیز انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "جوانی کا خون اکثر غلط راستوں پر بھی لے جاتا ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" فریدی نے کہا۔

"مجھے آپ کے دوستوں سے معلوم ہو چکا ہے کہ آپ وہاں کس لئے گئے تھے۔" صولت مرزا مسکرا کر بولا۔ "یہ آپ کا غیر دانشمندانہ اقدام تھا۔ کوئی دن میں بھی ادھر جانے کی ہمت نہیں کرتا۔ مگر خیر شائد آپ اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔"

فریدی خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ صولت مرزا ہی کی زبانی کچھ اور بھی سننا چاہتا ہو۔

"ہمارے قصبے کے تین منچلے جوان" صولت مرزا پھر بولا۔ "اسی خبط کا شکار ہو چکے ہیں۔ ان میں سے ایک تو کچھ دن بیمار رہ کر چل بسا اور بقیہ دو آج تک صحیح الدماغ نہیں ہو سکے۔"

"اوہ....!" فریدی نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "سب کی بات ہے۔"

"پانچ سال قبل کی بات۔ وہ تینوں اس کتے کا راز معلوم کرنے گئے تھے۔"

"پھر....!"

"دوسرے دن صبح ان کھنڈروں میں بے ہوش پائے گئے۔"

"تو کیا یہ حقیقت ہے کہ اس کی آواز سالہا سال سے سنائی دیتی ہے۔"

"میں نے تو اپنے بزرگوں سے یہی سنا ہے۔" صولت مرزا نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔ "بس اب آرام کرو۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔"

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ ہاں تو اگر یہ بات ہے تو کم از کم آپ بھی اسے بچپن ہی سے سنتے آئے ہوں گے۔"

"ہاں بھئی میں صبح سب کچھ بتادوں گا مجھے باتوں میں بہلانے کی کوشش نہ کرو۔ تم بالکل اپنے باپ کی طرح جھکی معلوم ہوتے ہو۔"

"کیا آپ ان سے واقف ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"بیٹے تم ہمیں بھول گئے ہو.... لیکن ہم نہیں بھولے۔"

"ارے بھئی نواب عزیز الدین خان میرا لنگوٹیا یار تھا.... آکسفورڈ میں ہم دونوں ساتھ ہی تھے۔"

"لیکن آپ کو میرے متعلق کیسے معلوم ہوا۔"

"تمہارے دوستوں نے بتایا۔ اچھا میاں کمال بس چپ چاپ سونے کی کوشش کرو۔ حالانکہ زخموں میں تکلیف ہو رہی ہوگی۔"

"میں سونے سے پہلے اپنے زخمی ساتھی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"بھئی بڑے ضدی ہو! اچھا چلو....!"

صولت مرزا نے فریدی کو سہارا دے کر اٹھایا اور پھر وہ اس کمرے میں آئے جہاں حمید ایک مسہری پر گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ اس کا سر بھی سفید پٹیوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ فریدی کو دیکھتے ہی اس نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا اور صولت مرزا گھبرا کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں تو سمجھا تھا کہ آپ اس مینار کی چوٹی پر ہوں گے۔" حمید نے فریدی سے کہا اور فریدی صولت مرزا کی طرف مڑ کر بولا۔ "مطمئن رہئے اس کا دماغ خراب نہیں ہوا۔"

پھر وہ مسہری کے قریب پڑی ہوئی ایک آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔ نواب صولت مرزا نے بھی ایک میز کے کونے پر ٹک کر حمید کے چہرے پر خیال انداز میں نظریں جمادیں۔ حمید کافی کی پیالی ٹی پائی پر رکھ کر اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

"میرے نوکر کہاں ہیں۔" فریدی نے نعیم کی طرف مڑ کر پوچھا۔

"سب آگئے ہیں اور گاڑی بھی۔" نعیم نے جواب دیا۔

"تو تم بخیریت ہو۔" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"بدقسمتی سے۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "خدا نے چاہا تو اب کی صفایا ہو جائے گا۔"

انتہائی سنجیدہ ماحول ہونے کے باوجود بھی شاہد اور اشرف بے ساختہ ہنس پڑے۔

"تم نے کوئی ڈراؤنا خواب تو نہیں دیکھا۔" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"عینک نہیں تھی ورنہ ضرور دیکھتا۔" حمید نے بیزاری سے کہا۔

"میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ لوگ بھی اس معاملے میں سنجیدہ نہیں ہیں۔" صورت مرزا نے کہا۔

"قبلہ نواب صاحب۔" حمید نے دھوئیں کا بڑا سا بادل چھوڑتے ہوئے کہا۔ "جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے۔ میں مرجانے کی حد تک سنجیدہ ہو چکا ہوں۔"

"میں نے یہ بھی سنا ہے۔" فریدی نے نواب صولت مرزا کو مخاطب کر کے کہا۔ "کہ جب بھی وہ کتا روتا ہے قریب کی ندی میں باڑھ آجاتی ہے اور اس کے کنارے بسے ہوئے گاؤں بہہ جاتے ہیں۔"

"قطعی درست ہے۔ ابھی ابھی میری لاریاں جنگ پور کے مصیبت زدگان کو لے کر یہاں آئی ہیں۔ تھوڑی دیر قبل میں بھی وہیں تھا۔ آدھے سے زیادہ گاؤں بہہ گیا ہے۔ تین بچے ڈوب گئے ہیں۔ اپنے بچپن سے اس قسم کے واقعات دیکھتا آرہا ہوں۔ اچھا بھئی اب تم لوگ آرام کرو۔ مجھے ان بیچاروں کا بھی انتظام کرنا ہے اور ہاں.... ڈاکٹر نے تم دونوں کو صرف سیال چیزیں استعمال کرنے کے لئے کہا ہے۔ چائے.... کافی یا دودھ۔"

صولت مرزا اپنے نوکروں کو کچھ ہدایت دیتا ہوا باہر چلا گیا۔

"اب بتاؤ....!" فریدی نے حمید کو مخاطب کیا۔

حمید کوئی جواب دینے کے بجائے ٹی پائی پر رکھے ہوئے ایش ٹرے میں پائپ کی راکھ جھاڑ کر لیٹ گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

فریدی تھوڑی دیر تک پرخیال انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اشرف کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔

"تم لوگ وہاں کس طرح پہنچے تھے۔"

"ہم دوسری طرف سے گھوم کر یہاں پہنچے۔" اشرف سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔ نواب صاحب موجود نہیں تھے۔ وہ شاید جنگ پور کے سیلاب زدگان کی امداد کے لئے گئے ہوئے تھے۔ لیکن یہاں نوکروں کو ہدایت دے گئے تھے کہ اگر ان کی عدم موجودگی میں کوئی پناہ لینے کے لئے آئے تو اسے ساری آسانیاں بہم پہنچائی جائیں۔ لہٰذا ان کے نوکر پہلے تو ہمیں سیلاب زدہ سمجھے لیکن جب ہم نے انہیں پوری بات بتائی تو انہوں نے ہمارے لئے معقول انتظام کر دیا۔ پھر تقریباً ایک گھنٹے تک ہم تمہارا انتظار کرتے رہے۔"

"خیر....!" فریدی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "تو تمہیں اچھی طرح یاد ہے کہ ہم ملبے میں دبے ہوئے تھے۔"

"تم آخر بار بار اس کے متعلق کیوں پوچھ رہے ہو۔" اشرف نے کہا۔

"انہیں یقین نہیں آرہا ہے۔" حمید دفعتاً سر اٹھا کر بولا۔ "کیونکہ یہ اس وقت ملکہ الزبتھ کے ساتھ دعوت اڑا رہے تھے۔"

"تو ابھی تم زندہ ہو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا اور حمید بھنا کر اٹھ بیٹھا۔

"سنئے جناب! جہنم میں گیا آپ کا ایڈونچر۔ میں اب کسی مزید حماقت کے لئے تیار نہیں۔"

"چپ چپ شور نہیں کرتے۔ بس اب تو بارہ بج رہے ہیں۔" فریدی نے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

"مذاق میں مت ٹالئے۔ ہم صبح ہی صبح یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ مجھ میں بھوتوں سے لڑنے کی تاب نہیں۔"

"بھوت....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کیسے بھوت.... پاگل ہوئے ہو، ایک بھیگی ہوئی دیوار تھی، جو ہوا کا تیز جھونکا برداشت نہ کر سکی اور بس۔"

"تو پھر وہ مینار پر رونے والا کتا میرا چچا رہا ہوگا۔"

"بہت ممکن ہے وہی ہو۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ پھر اشرف کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ "تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"بھئی مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ تم دونوں گری ہوئی دیوار کے ملبے میں دبے ہوئے تھے۔" اشرف اکتا کر بولا۔

"کیا وہاں قریب ہی کوئی باؤلی بھی تھی۔"

"باؤلی کیا....!" اشرف نے پوچھا۔

"پاگل عورت کو کہتے ہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ بھی جاہل ہیں۔" فریدی منہ سکوڑ کر بولا۔ "باؤلی ایک قسم کا کنواں ہوتا ہے جس میں نیچے جانے کے لئے سیڑھیاں ہوتی ہیں اور پانی کی سطح سے تھوڑی ہی اونچائی پر دریچے اور برآمدے بنے ہوتے ہیں۔ قدیم زمانے میں ایسے کنوئیں گرمیوں کے زمانے کی عیاشیوں کے لئے بنوائے جاتے تھے۔"

"نہیں ہمیں وہاں کوئی ایسی چیز نہیں دکھائی دی تھی۔" اشرف نے کہا اور سچی بات تو یہ ہے کہ ہم نے ادھر ادھر دیکھنے کی ہمت ہی نہیں کی۔ حالانکہ ہم تعداد میں بیس تھے اور نواب صاحب

کے نوکروں کے پاس بھی بندوقیں تھیں۔ لیکن خوف کے مارے سب کا حال پتلا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اگر خود نواب صاحب چلنے پر آمادہ نہ ہوگئے ہوتے تو ان کے نوکروں کو کوئی طاقت اس وقت ان کھنڈروں میں نہیں بھیج سکتی تھی۔"

"اجی بس....!" حمید پھر سر اٹھا کر بولا۔ "ساری دنیا میں دو ہی تیس مار خاں بستے ہیں۔ ایک میں اور دوسرے آپ۔" اس نے مضحکہ خیز انداز میں فریدی کی طرف اشارہ کیا۔

پُراسرار لڑکی

"تم ابھی تک سوئے نہیں۔" فریدی بولا۔

"آپ لوگ جھک ماریئے۔ ہم تو چلے۔" اشرف اٹھتا ہوا بولا۔ "نہ جانے کس کی صورت دیکھ کر گھر سے چلے تھے۔"

"آئینہ دیکھا ہوگا۔" حمید آنکھیں بند کئے ہوئے بڑبڑایا۔

دروازہ کھلا اور ایک نوکر ہاتھوں پر ٹرے اٹھائے ہوئے اندر داخل ہوا جس میں گرم دودھ کا جگ اور دو گلاس تھے اس کے بعد ایک دوسرا نوکر اندر آیا اور اس نے اشرف وغیرہ سے کھانے کے لئے کہا۔ وہ لوگ اس کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلے گئے۔

"کیوں بھئی تمہیں دودھ چاہئے۔" فریدی نے حمید کو مخاطب کر کے کہا۔ "مجھے تو خواہش نہیں۔"

"میں کمزوری محسوس کر رہا ہوں۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

نوکر نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور پھر حمید نے دو گلاس صاف کر دیئے۔

نوکر استفہامیہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"مجھے دودھ نہیں چاہئے۔" فریدی بولا۔ "اگر کافی تیار ہو تو لاؤ.... ورنہ نہیں۔"

"تیار ہے حضور۔" نوکر قدرے جھک کر بولا اور ٹرے اٹھا کر چلا گیا۔

حمید دوبارہ پائپ سلگا رہا تھا۔ وہ تھوڑی دیر فریدی کو دیکھتا رہا پھر بڑبڑاتا ہوا لیٹ گیا۔ "پتہ نہیں کون اُلو کا پٹھہ ڈاکٹر تھا جس نے صرف دودھ کی اجازت دی ہے۔ لعنت ہے اس زندگی پر

بھلا دیوار میں دب کر بھی زندہ رہنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"کیوں فضول ٹائیں ٹائیں مچا رکھی ہے۔"

"فضول ٹائیں ٹائیں۔" حمید ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ بیٹھا۔ "یہ فضول ٹائیں ٹائیں ہے.... ارے یہ فض.... ضو.... ل....!"

دفعتاً اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ داہنی طرف کے ملحقہ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور ایک انتہائی حسین لڑکی شب خوابی کے لبادے میں ملبوس کھڑی انہیں غمناک انداز میں دیکھ رہی تھی۔ اس کے بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس کی عمر انیس یا بیس سے کسی طرح زیادہ نہیں معلوم ہوتی تھی۔ فریدی کھڑا ہو گیا۔

"میں تم لوگوں کے لئے مغموم ہوں۔" لڑکی نے مضمحل آواز میں کہا۔

"کوئی ایسی بات نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ہمارے زخم معمولی ہیں۔ البتہ آپ کی ہمدردی کا شکریہ۔"

"تم میں سے فرقلوس کا بیٹا اوسرس کون ہے۔" لڑکی نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

فریدی اور حمید گھبرا کر ایک دوسرے کی صورتیں دیکھنے لگے۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" فریدی نے تحیر آمیز لہجے میں کہا۔

"اوہ شاید تمہیں غموں نے پاگل کر دیا ہے۔ تم دونوں زخمی ہو۔ لیکن گھبراؤ نہیں۔ زفورس... میرا زفورس تمہارے لئے لڑ رہا ہے۔ وہ تمہارے دشمنوں کو شکست دے کر ایک دن ضرور واپس آئے گا۔ مجھے دیکھو.... میں خود یہاں اسیر ہوں۔ لیکن مجھے امید ہے کہ ایک دن زفورس مجھے اس قید سے رہائی دلائے گا۔ کئی دنوں سے میرے کچھ سپاہی یہاں آتے ہیں۔ وہ موقعے کی تلاش میں ہیں۔ کسی دن یہاں شب خون ضرور ماریں گے۔"

"محترمہ شاید آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

لڑکی کے ہونٹوں پر ایک بے جان سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ٹھیک ہے مجھے غلط فہمی ہی ہوئی ہے۔ تم بھی انہیں میں سے معلوم ہوتے ہو جنہوں نے مجھے قید کر رکھا ہے۔ میں یہ سمجھی تھی کہ شاید تم نے رومنوں کے خوف سے یہ بھیس اختیار کیا ہے۔"

"آپ کو کس نے قید کر رکھا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

اس عمارت کے مالکوں نے۔ میں سالہا سال سے غلامی کی زندگی بھر کرتی آرہی ہوں۔ میں اس عمارت سے باہر نہیں نکلنے پاتی.... کاش! میرا زفورس یہاں جلد سے جلد پہنچ جائے۔ مجھے اپنے باغ کے گلاب بہت یاد آتے ہیں۔ مجھے اس معبد کی یاد بہت پڑتی ہے جہاں سنگ مرمر کی غنیم سیڑھی آسمان کی طرف اپنے بازو اٹھائے اصیل مرغوں کی قربانیاں قبول کرتی ہے۔ مجھے اپنے محل کے عظیم الشان دریچے یاد آتے ہیں جن پر شاداب شاموں کی سرخیاں رنگ مارا کرتی ہیں اور محل کے نیچے بہتے ہوئے دریا میں طلائی کشتیاں تیرتی ہیں۔ مجھے اپنے دو سیاہ رو غلام یاد آتے ہیں جو میری لئے رنگ رنگ کی ننھی ننھی مچھلیاں پکڑ کر لاتے تھے اور میں انہیں شیشے کے بڑے بڑے مرتبانوں میں ڈلوا دیتی تھی۔ مجھے میرا زفورس بہت یاد آتا ہے جس کے بازوؤں میں فولادی مچھلیاں مچلتی تھیں جس کے فراخ سینے پر سر رکھ کر میں سب کچھ بھول جاتی تھی۔"

وہ خاموش ہوگئی۔ فریدی اور حمید حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ حمید سوچ رہا تھا کہ شاید وہ لڑکی انہیں اُلو بنا رہی ہے۔

"آپ کس زمین سے تعلق رکھتی ہیں۔" حمید نے شرارت آمیز لہجے میں پوچھا۔

"مصر.... ہائے میرا مصر.... میں تجھے کبھی نہیں بھول سکتی۔"

"مصر....!" فریدی چونک کر بولا۔ وہ غور سے اس لڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ہاں مصر....!" لڑکی کی آواز سے دبا دبا سا جوش ظاہر ہو رہا تھا۔ "ایک دن تم سب غلام بنا لئے جاؤ گے۔ شاید تمہیں ہمارے جنگجو آدمیوں کا تجربہ نہیں۔ وہ جن کے نیزوں کی انیاں سورج کو آنکھیں دکھاتی ہیں وہ جن کی ڈھالوں پر خونخوار عقابوں کی تصویریں ہیں۔ وہ جنہوں نے رومنوں اور یونانیوں کے چھکے چھڑا دیئے تھے۔ وہ جنہوں نے سلونیو جیسے جلال و جبروت والے کی آنکھیں نکال کر کتوں کے سامنے ڈال دی تھیں۔ وہ اس عمارت کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ ان دیواروں کو پیس ڈالیں گے جنہوں نے مجھے قید کر رکھا ہے۔"

لڑکی خاموش ہوگئی۔ اسی دوران میں دوسرے کمرے سے دو عورتیں آگئیں تھیں۔ ان میں سے ایک معمر تھی اور دوسری کمسن جس کی عمر پندرہ یا سولہ کے قریب رہی ہوگی۔

"باجی! باجی....!" کمسن لڑکی نے آگے بڑھ کر اسے جھنجھوڑا اور وہ یک بیک پلٹ پڑی۔

"تم دونوں میری بوٹیاں نوچنے کے لئے آگئیں۔"

"جمیلہ....!" معمر عورت نے اسے پکڑ کر دروازے کی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ "خدا کے لئے ہوش میں آؤ۔"

وہ اسے دوسرے کمرے میں کھینچ لے گئی اور کمسن لڑکی نے شرماتے ہوئے انداز میں فریدی سے کہا۔

"آپ لوگ کچھ خیال نہ کیجئے گا۔ یہ اس وقت ہوش میں نہیں تھیں۔"

قبل اس کے فریدی کچھ کہتا وہ بھی دوسرے کمرے میں چلی گئی اور دروازہ بند ہوگیا۔

فریدی اور حمید تھوڑی دیر تک حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے پھر حمید بولا۔

"کیا شامت ہے۔"

فریدی کچھ بولنے ہی والا تھا کہ نوکر کافی کی ٹرے لے کر آگیا۔ اس نے فریدی کی کرسی کے قریب ٹی پائی کھسکا کر ٹرے رکھ دی۔

"ابھی یہاں ایک پاگل عورت گھس آئی تھی۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"پاگل عورت..!" نوکر چونک کر بولا اور پھر پرتشویش انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"شاید وہ مصر کی رہنے والی ہے۔"

"اوہ....!" نوکر نے سنجیدگی سے کہا۔ "وہ منجھلی سرکار ہوں گی۔"

"منجھلی سرکار۔" فریدی نے کہا۔ "یعنی نواب صاحب کی منجھلی لڑکی۔"

"جی حضور....!"

"تو کیا وہ کچھ بیمار ہیں۔"

"جی ہاں.... کافی ٹھنڈی ہو جائے گی۔"

فریدی نے محسوس کیا کہ وہ بات ٹالنے کی کوشش کر رہا ہے۔

"ہم لوگ تو بُری طرح ڈر گئے تھے۔" فریدی پیالی میں کافی انڈیلتا ہوا بولا۔

نوکر نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"کیا وہ بہت پڑھتی ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"لیکن وہ صورت سے تو بیمار نہیں معلوم ہوتیں۔"

"جی صاحب۔"

"تم یہاں کب سے ہو۔"

"تین سال سے۔"

"تو تمہیں ان کی بیماری کے متعلق نہیں معلوم۔"

"نہیں صاحب۔"

"کیا وہ کبھی مصر میں بھی تھیں۔"

"مجھے نہیں معلوم۔"

"ہمارے نوکر تو.... ہماری ایک ایک بات جانتے ہیں۔" فریدی پیالی رکھ کر نوکر کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"جی صاحب۔" اس کے چہرے پر ہچکچاہٹ کے آثار تھے۔

"اور تم اپنی منجھلی سرکار کی بیماری کے متعلق بھی نہیں جانتے۔" فریدی نے دھیرے سے کہا۔

نوکر کشمکش و پنج میں مبتلا ہو گیا تھا۔ آخر وہ آہستہ سے بولا۔

"ان پر کسی جن کا سایہ ہے۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ اس نے جلدی جلدی کافی ختم کی اور نوکر کو رخصت کر دیا۔

"ارے باپ رے باپ۔" حمید بوکھلا کر اٹھتا ہوا بولا۔ "سارے جن بھوت پریت یہیں اکٹھا ہو گئے ہیں۔ شامت قلابازیاں کھاتی دکھائی دیتی ہے۔ خدارا نکل بھاگئے۔ یہاں سے.... میں ان چیزوں سے نہیں لڑ سکتا جو دکھائی نہ دیں۔ رہے آپ... تو آپ تو ہوا سے لڑنے کی خاصی مشق بہم پہنچا چکے ہیں۔"

"شٹ اپ....!" فریدی نے آہستہ سے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

"میں تو صبح چل دوں گا۔"

"بکواس ہے.... تمہیں یہاں ٹھہرنا پڑے گا۔ میں اس کتے کو مینار سے نکال کر پالنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"ارے تو پالئے نا۔" حمید دانت کٹکٹا کر بولا۔ "منع کس پٹھے کے اُلو.... اُلو کے پٹھے نے کیا ہے۔ لیکن میں رک نہیں سکتا۔"

"خیر تمہاری مکھیاں بھی رکیں گی۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ انہیں چاہے روکئے چاہے مار ڈالئے۔ لیکن مجھے تو بخشنا ہی پڑے گا۔"

فریدی کرسی سے اٹھ کر اس کی مسہری پر جا بیٹھا۔

"اب کیا ارادہ ہے۔" حمید اچھل کر ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔

"میں نے اتنی خوبصورت لڑکی آج تک نہیں دیکھی۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"بس بس مجھے زیادہ گھسنے کی کوشش نہ کیجئے۔" حمید نے کہا۔ "ارے باپ رے باپ اس کے جنگجو سپاہی۔"

"بہر حال تم جا نہیں سکتے۔"

"میں رومال سے اپنا گلا گھونٹ لوں گا۔"

"کوئی بات نہیں۔ اس سے پہلے کوئی اچھی سی وصیت ضرور چھوڑ جانا۔"

"بخدا میں عاجز آ گیا ہوں۔ گلو خاصی کے لئے موت کے علاوہ کچھ اور نہیں دکھائی دیتا۔"

"تو پھر مر ہی جاؤ، تجہیز و تکفین معقول کر دی جائے گی۔"

حمید کوئی جواب دیئے بغیر لیٹ گیا۔

فریدی اسے خوفناک باؤلی کے متعلق بتانا چاہتا تھا۔ لیکن پھر اس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ وہ حمید کو بزدل نہیں سمجھتا تھا لیکن یہ ضرور جانتا تھا کہ وہ مافوق الفطرت چیزوں پر کچھ نہ کچھ یقین رکھتا ہے اگر اسے باؤلی والی بات معلوم ہو گئی تو وہ کسی طرح نہ رک سکے گا۔ اس کا ذہن ان متحرک اور معلق کھوپڑیوں میں الجھا ہوا تھا اور وہ عجیب و غریب اور خوفناک درندہ۔

اس دوران میں کئی بار اس کا ذہن نواب صاحب کی منجھلی لڑکی کے پراسرار رویے کی طرف بھی منتقل ہوا لیکن وہ اس کے متعلق کچھ زیادہ سوچنے پر تیار نہیں تھا۔ کیونکہ اس میں ساری علامتیں کسی ذہنی مرض کی پائی جاتی تھیں۔ البتہ وہ اس کے متعلق وضاحت سے جاننا چاہتا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک بیٹھا بیٹھا خیالات سے الجھتا رہا پھر جانے کے لئے اٹھا۔

"کہاں چلے....!" حمید نے پوچھا۔

"تم سوئے نہیں.... میرا بستر شاید اس کمرے میں ہے۔"

"جی نہیں.... قطعی نہیں.... میں اس بھوت گھر میں تنہا نہیں رہ سکتا؟"

"عجیب احمق ہو۔"

"آپ مجھے عجیب اُلو بھی کہہ سکتے ہیں لیکن میں....!"

"کیا بکواس ہے.... ایک لڑکی سے ڈرتے ہو۔"

"پاگل لڑکی.... کمال کرتے ہیں آپ بھی۔" حمید جھلا کر بولا۔ "کیا آپ کو نوکر کی بات یاد نہیں۔"

"جی ہاں۔" فریدی نے منہ سکوڑ کر کہا۔ "اس پر کسی جن کا سایہ عاطفت ہے اور آپ اتنے گنوار ہیں کہ اس پر ایمان لے آئے ہیں۔ مجھے خواہ مخواہ تنگ مت کرو۔"

"میں آپ کو کس طرح سمجھاؤں کہ میں قطعی سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔"

"ارے احمق تو آدمی ہو کر جنوں سے ڈرتا ہے۔ تف ہے۔ تجھ گدھے پر۔" فریدی جھلا کر بیٹھتا ہوا بولا۔ "مجھے نہیں معلوم تھا کہ تمہارے اندر اتنی بوڑھی روح سسک رہی ہے۔"

"اس وقت اگر آپ مجھے گدھے کے بجائے جرنلسٹ بھی کہہ دیں تو میں بُرا نہ مانوں گا۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"بکو مت....!" فریدی آرام کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتا ہوا بولا۔

حمید سمجھ گیا کہ وہ اب نہیں جائے گا۔

"آپ یہاں مسہری پر آجایئے۔ میں کرسی پر سو جاؤں گا۔" حمید نے کہا۔

"نہیں جی.... سویئے۔" فریدی نے آنکھیں بند کرلیں۔

حمید چپ چاپ لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے آہستہ آہستہ فریدی کو آوازیں دیں لیکن وہ سو چکا تھا۔

حمید نے لاکھ کوشش کی کہ وہ بھی سو جائے لیکن نیند نہ آئی۔ وہ پُراسرار لڑکی اس کے ذہن پر بُری طرح چھائی ہوئی تھی۔ اس کی خواب ناک آنکھیں، سپاٹ چہرہ، عالم تحیر میں بار بار جھپکتی ہوئی پلکیں۔ گفتگو کرتے وقت اعضاء کی غیر مانوس سی جنبش.... یہ ساری چیزیں ایک ایک کر کے اس کی آنکھوں کے سامنے آرہی تھیں۔ دفعتاً اس کی نظریں اس دروازے کی طرف اٹھ گئیں جس سے وہ داخل ہوئی تھی۔ وہ یک بیک اٹھ بیٹھا اور پنجوں کے بل چلتا ہوا دروازے کی چٹخنی گرا کر پھر مسہری پر لوٹ آیا۔

وہ دن چڑھے تک سوتے رہے۔ فریدی نے آنکھ کھولتے ہی سب سے پہلے نواب صولت

مرزا کو دیکھا جو قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"بھئی کمال میاں تم واقعی اپنے باپ کی نقل ہو۔" اس نے کہا۔ "بھلا اس کرسی پر سونے کی کیا ضرورت تھی۔"

"اوہ....! دراصل میں باتیں کرتے کرتے سو گیا تھا۔"

"میں نے منع کیا تھا نا کہ زیادہ باتیں نہ کرنا۔ خیر یہ بتاؤ کہ طبیعت کیسی ہے۔"

"میں بالکل اچھا ہوں.... حمید.... او حمید۔"

"بھئی سونے دو نا.... اسے کیوں جگاتے ہو۔"

حمید کھڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

صولت مرزا تھوڑی دیر تک ان سے ان کے زخموں کی کیفیت معلوم کرتا رہا پھر اٹھ کر چلا گیا۔ وہ دونوں ضروریات سے فارغ ہو کر باہر آئے۔ صولت مرزا کے طویل و عریض مکانات کے برآمدے اور کمرے پناہ گزینوں سے بھرے ہوئے تھے اور وہ خود دوڑ دوڑ کر ان کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ فریدی اور حمید کو دیکھ کر وہ ان کی طرف چلا آیا۔

"بھئی تم لوگوں نے ناشتہ کیا یا نہیں۔"

"ابھی نہیں.... ہم یوں بھی دیر سے ناشتہ کرنے کے عادی ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"دیکھو یہ تمہارا گھر ہے کسی قسم کا تکلف نہ کرنا۔ جس وقت جس چیز کی ضرورت ہو کہہ دینا کیونکہ میں بُری طرح مشغول ہوں ورنہ خود ہی دیکھ بھال رکھتا۔"

"اوہ! آپ اس کی فکر نہ کیجئے گا" فریدی نے کہا۔ "ہم خود آپ کا ہاتھ بٹانے کی غرض سے آئے ہیں۔"

"نہیں بھئی نہیں.... تم آرام کرو۔" نواب صاحب نے پرخیال انداز میں کہا۔ "اوہ.... ٹھیک یاد آیا۔ تم ابھی تک لڑکیوں سے نہیں ملے۔ آؤ.... آؤ.... میں کچھ اتنا زیادہ مشغول رہا کہ ان سے تمہارا تذکرہ تک نہ کر سکا۔ شکیلہ تمہاری بہت مداح ہے۔ تمہارے بہتیرے کیسوں کی رپورٹوں کے تراشے اس نے اکٹھے کئے ہیں۔ اکثر کہتی ہے کہ بہت خوفناک آدمی ہوں گے۔ ہاہاہا لیکن تمہاری مسکین صورت دیکھ کر اسے بڑی مایوسی ہوگی۔"

حمید ہنسنے لگا۔ لیکن پھر دفعتاً سنجیدہ ہو گیا۔ غالباً اسے پچھلی رات والی لڑکی یاد آگئی تھی۔

فریدی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "تم اشرف وغیرہ کا خیال رکھنا۔ انہوں نے بھی ابھی ناشتہ نہ کیا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔" حمید کی جان میں جان آئی۔ "مجھے انہیں کے ساتھ رہنا چاہئے۔ ہم نے ہی تو انہیں شکار کی لئے مدعو کیا تھا۔ انہیں اکیلا چھوڑنا مناسب نہیں۔"

فریدی کے ہونٹوں پر تمسخر آمیز مسکراہٹ نمودار ہوئی اور حمید اس کا مطلب سمجھ کر جھینپ گیا۔

نواب صاحب فریدی کا ہاتھ پکڑ کر برآمدے کی طرف مڑے اور حمید اپنے ساتھیوں کے کمروں کی طرف چل دیا۔

راہ میں صولت مرزا نے ایک نوکر کو روک کر لڑکیوں کے متعلق پوچھا۔ اس نے بتایا کہ وہ ڈائننگ روم میں ہیں۔

"ارے بھئی شہریوں کو ناشتہ پہنچا یا نہیں۔"

"جی ہاں۔" نوکر نے جواب دیا۔ "اور آپ لوگوں کے متعلق آپ سے پوچھنا تھا۔"

"میرے خیال سے تو اب ڈاکٹر کو کھانے پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔" صولت مرزا نے فریدی سے پوچھا۔

"قطعی نہیں... میرے خیال سے رات ہی کسی خاص پرہیز کی ضرورت نہیں تھی۔"

"خیر آؤ بھئی۔" صولت مرزا نے کہا اور آگے بڑھ گئے۔

متعدد کمروں سے گزرتے ہوئے وہ ڈائننگ روم میں آئے جہاں رات والی دونوں لڑکیاں اور تیسری عورت بیٹھی تھی۔ کچھ بچے بھی تھے۔ وہ سب انہیں دیکھ کر کھڑے ہوگئے۔

"لو بھئی شکیلہ....!" صولت مرزا نے چھوٹی لڑکی کو مخاطب کیا۔ "تمہیں ایک بہت ہی خوفناک آدمی ملاؤں۔"

تینوں مستفسرانہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگیں۔

"انسپکٹر احمد کمال فریدی۔" صولت مرزا نے کہا۔

"ارے....!" شکیلہ کے منہ سے بے اختیار نکلا اور صولت مرزا ہنسنے لگے۔

"تم سمجھتی تھیں بڑا خوفناک آدمی ہوگا؟ بیٹھو بھئی بیٹھو۔" اس نے فریدی کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ شکیلہ ہے۔ یہ جمیلہ اور یہ عقیلہ!"

فریدی کی توجہ کا مرکز زیادہ تر منجھلی لڑکی جمیلہ بنی ہوئی تھی۔ اس وقت اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ حد درجہ چڑچڑی ہے، ہونٹ سکڑے ہوئے تھے۔ دونوں ابروؤں کے درمیان ایک ابھری ہوئی شکن تھی جو اس کے تیکھے مزاج کی غمازی کر رہی تھی۔ ابروؤں میں ایک خاص قسم کا تناؤ تھا جس کا خوش مزاجی سے دور کا بھی لگاؤ نہیں معلوم ہوتا تھا.... لیکن.... فریدی سوچ میں پڑ گیا۔ پچھلی رات کو تو اس کے چہرے کے خطوط بڑے دلآویز معلوم ہو رہے تھے، سبک اور حسین ہونٹوں پر ایک عجیب قسم کی نشہ انگیز تھرتھراہٹ تھی۔ ماتھے پر وہ بدنما سلوٹ بھی نہیں تھی۔ ابروؤں میں تیکھے پن کا شائبہ بھی نہیں تھا۔

"تو یہ وہی کمال میاں ہیں، جو عزیز چچا کے ساتھ آیا کرتے تھے۔" بڑی لڑکی عقیلہ بولی۔

"مجھے افسوس ہے کہ بچپن کی بہتیری باتیں یاد نہیں رہ گئیں۔" فریدی نے کہا۔

"اس کی شکایت ہی نہیں۔ زمانہ ہی نہ جانے کہاں سے کہاں جا پہنچا۔" عقیلہ اس کی طرف چائے کی پیالی اور پیسٹریوں کی طشتری کھسکاتی ہوئی بولی۔ "جب تک عزیز چچا زندہ رہے برابر آنا جانا رہا اس کے بعد سلسلہ ہی ختم ہو گیا۔ اللہ بخشے عزیز چچا بھی بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے۔"

فریدی کا دم گھٹنے لگا۔ اسے گھریلو قسم کی باتوں سے اختلاج ہونے لگتا تھا۔

عقیلہ اپنی چھوٹی بہن کو مخاطب کر کے بولی۔ "اور سنو! عزیز چچا نے انہیں بارہ سال کی عمر میں انگلینڈ بھیج دیا تھا اور پھر دس سال تک ان کی شکل نہیں دیکھی۔ حکم تھا کہ ایم۔اے پاس کرنے سے قبل ہندوستان نہیں آسکتے۔" پھر وہ فریدی سے پوچھنے لگی۔ "آخر تمہیں اس انسپکٹری میں کیا مزا ملتا ہے اول تو میرے خیال سے تمہیں ملازمت کی ضرورت ہی نہیں تھی اور اگر کرنی ہی تھی تو کسی بڑی جگہ پر گئے ہوتے اتنی تعریفیں تمہاری اخبارات میں چھپتی رہتی ہیں اور ابھی تک وہی انسپکٹر کے انسپکٹر۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"بات یہ نہیں۔" اس نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ "میں دراصل اپنی ہی ضد کی وجہ سے اب تک انسپکٹر ہوں، بڑے عہدے حاصل کر لینے کے بعد کام کا موقع نہیں ملتا۔"

"بالکل وہی عزیز چچا کی سی باتیں۔" عقیلہ مسکرا کر بولی اور صولت مرزا کی طرف دیکھنے لگی۔

"ٹھیک ہے وہ حضرت بھی آئے دن ایک نئے خبط میں مبتلا رہتے تھے۔ کبھی جنوبی امریکہ

تشریف لے جا رہے ہیں۔ ربڑ کی کاشت کی تربیت حاصل کرنے کے لئے اور کبھی مصر اور وجہ پوچھو تو مسکرا کر کہیں گے کیوں نہ ایک بار اہرام مصر کی زیارت کر لی جائے۔ اچھا بھئی اب تم لوگ بیٹھو میں تو چلا۔"

صولت مرزا چلا گیا۔ فریدی بار بار جمیلہ کی طرف دیکھ لیتا تھا جو ان باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہی تھی۔ البتہ شکیلہ اسے کبھی کبھی پر اشتیاق انداز میں دیکھنے لگی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بھی اس سے گفتگو کرنے کے لئے بے چین ہے۔

تھوڑی دیر کے لئے خاموشی چھا گئی۔ جمیلہ کچھ اکتائی سی نظر آ رہی تھی۔ آخر وہ اٹھ کر چلی ہی گئی۔

"تمہارے زخموں کا اب کیا حال ہے۔" عقیلہ نے پوچھا۔ "مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ تم ہو۔ ابا جان کو اتنا ہوش ہی نہیں تھا کہ وہ کچھ بتاتے۔ آخر تم یدھ راج نگر ہی کی طرف کیوں چلے گئے تھے۔ نوکروں نے شاید تمہارے آدمیوں سے سنا تھا کہ تم اس شیطانی کتے کا پتہ لگانے گئے تھے۔"

"بات تو یہی تھی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"تو تم اسی طرح اپنی جان ہتھیلی پر لئے پھرتے ہو۔"

"ویسے میں بڑا ڈرپوک آدمی ہوں لیکن ایسی باتوں کا پتہ لگانے کو دل چاہتا ہے۔" فریدی نے سگار نکالتے ہوئے کہا۔ "اگر میں یہاں سگار پیوں تو کوئی ہرج تو نہیں۔"

"بھلا اس میں ہرج کی کیا بات۔" عقیلہ شکیلہ کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

"شکریہ۔" فریدی سگار کا کونہ توڑ کر اسے ہونٹوں میں دباتا ہوا بولا۔ وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر یک بیک کہنے لگا۔ "جمیلہ صاحبہ نے سچ مچ رات مجھے ڈرا دیا تھا۔ بہر حال میں اس مذاق سے دیر تک محظوظ ہوتا رہا۔"

"مذاق۔" دفعتاً عقیلہ کے چہرے پر اداسی کی گہری تہیں جم گئیں۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ "مذاق نہیں تھا۔"

"مذاق نہیں تھا۔" فریدی کے لہجے میں مصنوعی حیرت تھی۔

"مذاق نہیں تھا۔" عقیلہ دھیرے سے بولی۔ "یہ ہماری ایک پرانی بدنصیبی ہے اس پر گیارہ سال کی عمر سے اس قسم کے دورے پڑتے ہیں۔"

"دورے....!"

"ہاں دورے.... وہ اپنے ہوش میں نہیں ہوتی تھی۔ لیکن اب تو یہ حال ہے کہ قصبے کے ایک ایک فرد کو اس کی اطلاع ہو گئی ہے۔"

"یہ دورے پڑتے کس طرح سے ہیں۔" فریدی نے پر خیال انداز میں پوچھا۔

"بس سوتے سوتے اٹھ بیٹھتی ہے اور اس قسم کی باتیں کرنے لگتی ہے جیسی تم پچھلی رات سن چکے ہو۔"

"اور انہیں اپنی پچھلی زندگی بالکل یاد نہیں رہتی۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں.... وہ سب کچھ بھول جاتی ہے۔ ہم سے کہتی ہے کہ تم نے مجھے کیوں قید کر رکھا ہے۔"

"اور پھر وہ اسی حالت میں دوبارہ سوئے بغیر ہوش میں نہ آتی ہوں گی۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں؟ کیا تم اس مرض کے بارے میں کچھ جانتے ہو۔"

"یونہی تھوڑا بہت! علاج کس قسم کا ہوتا رہا۔"

"سب کچھ کرتے تھک گئے ہیں۔ ملک کے نامور ڈاکٹروں سے مشورے لئے گئے۔ لیکن سب ہی اس بات پر متفق ہیں کہ جب تک مرض کی وجہ نہ معلوم ہو مرض لاعلاج ہے۔ بھلا بتاؤ، ہم اس کی وجہ کیا جانیں۔"

"ہوں....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "یہ ایک ذہنی مرض ہے وہ یا تو خود بخود جائے گا یا پھر.... کیا ان کی شادی ہو گئی ہے۔"

"نہیں.... اور یہی ہماری سب سے بڑی بدنصیبی ہے۔ یہ بات سارے اعزہ میں مشہور ہو گئی ہے کہ جمیلہ پر جن آتے ہیں۔ لہٰذا کہیں سے بات ہی نہیں آتی۔"

"مجھے آپ لوگوں سے ہمدردی ہے۔" فریدی متاسفانہ انداز میں بولا۔ "کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ وہ کس قسم کی کتابیں پڑھتی ہیں۔"

"انگریزی کی موٹی موٹی کتابیں۔ مجھے تو انگریزی آتی نہیں۔ اس نے ایف اے تک پڑھا ہے۔ وہ دن بھر لائبریری میں گھسی رہتی ہے۔ اس وقت بھی وہیں کسی موٹی سی کتاب میں ڈوبی ہوئی ہو گی۔"

فریدی کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ عقیلہ کا دس سالہ لڑکا جاوید بگل بجاتا ہوا گھس آیا۔

"جاوید یہ کیا بد تمیزی ہے۔" عقیلہ نے اسے ڈانٹا۔

"ممی....!" ہم مارچ کر رہے ہیں۔ لفٹ رائٹ.... لفٹ رائٹ۔ لفٹ رائٹ وہ زمین پر پیر مارنے لگا۔

"شکیلہ ذرا پکڑ.... اس سور کو۔"

جاوید بگل بجاتا ہوا باہر گیا۔

"ممی.... ہم بھی بگل لیں گے۔" ایک پانچ سالہ بچی اس پر لد کر ٹھنکنے لگی۔

"غصہ ور اتنی ہے کہ ابا جان بھی اس سے دبتے ہیں۔" عقیلہ رازدارانہ انداز میں بولی۔

"ورنہ ڈاکٹروں نے اسے پڑھنے لکھنے کے لئے منع کر رکھا ہے وہ کسی کی سنتی ہی نہیں۔"

"ممی ہم بھی بگل لیں گے۔" لڑکی پھر منمنائی۔

"کھا جاؤ تم لوگ مجھے۔" عقیلہ جھلا کر بولی۔ "چلو ادھر ہٹو.... لڑکیاں بگل نہیں بجاتیں۔ جاوید تو کبھی گڑیوں کے لئے ضد نہیں کرتا۔ ہاں تو۔" وہ پھر فریدی کی طرف مخاطب ہو گئی۔ مگر بڑی حیرت کی بات ہے کہ نہ تو اُسے ہوش کی حالت میں دورے کی باتیں یاد رہتی ہیں اور نہ دورے میں ہوش کی حالت کی باتیں۔

"ممی بگل....!"

"شکیلہ اسے لے جاؤ.... ورنہ پیٹ کر رکھ دوں گی۔" عقیلہ نے بچی کو پرے دھکیلتے ہوئے کہا اور پھر فریدی سے بولی۔ "میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا کیا حشر ہوگا۔ دورے کی حالت میں ایسی ایسی باتیں ابا جان کو کہتی ہے کہ تم ظالم رومنوں کے غلام ہو۔ مجھے آزاد کر دو۔ ورنہ تمہارے محل کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی۔ مصری حکومت تمہیں اپنے شکاری کتوں سے نچوا ڈالیں گے۔"

فریدی سوچ رہا تھا کہ اس جھکی عورت سے کس طرح پیچھا چھڑائے۔ اس کی باتیں کسی کام کی نہیں معلوم ہوتی تھیں۔ ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری.... جو باتیں اس نے کرنی چاہی تھیں ان کی طرف سے اس نے لاعلمی ظاہر کی تھی۔ لہٰذا اب غیر متعلق باتوں میں الجھ کر وہ وقت برباد کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے رات ہی کو سوچ لیا تھا آج بھی بدھ راج گڑھی کا ایک آدھ چکر ضرور لگائے گا۔ وہ اس کتے کا راز معلوم کرنے کے لئے بُری طرح بے چین تھا کہ کسی

طرح نکل بھاگے۔ اچانک صولت مرزا کی آواز سنائی دی۔

"آؤ بھئی فریدی تمہیں ایک دلچسپ آدمی سے ملاؤں۔"

صولت مرزا دروازے میں کھڑا عقیلہ کو گھور رہا تھا۔ فریدی اٹھ کر اس کے قریب آیا اور پھر دونوں نشست کے کمرے میں چلے گئے۔

حکیم ارسلانوس

ڈرائنگ روم میں اسے ایک قطعی غیر دلچسپ آدمی دکھائی دیا، جو ایک صوفے پر اکڑوں بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ بھورے رنگ کی گھونگھریالی داڑھی اور سر پر بالوں کا ایک بے ہنگم سا گچھا تھا۔ وہ بھی کچھ اس قسم کا کہ بھوکی گائیں اسے خشک گھاس سمجھ کر بے خیالی میں اس پر ایک آدھ بار منہ ضرور مار سکتی تھیں۔ ان کی آہٹ پر وہ چونکا اور نیم باز آنکھوں سے دیکھ کر پھر اونگھنے لگا۔ لیکن اس کی یہ حالت دیر تک قائم نہ رہی۔ جیسے ہی وہ صوفے کے قریب پہنچے وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"میاں صولت اب پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے وہ یار ذرا دیکھو تو بہن صاحب کا لونڈا مجھے چونچ دکھاتا ہے۔ قسم ہے اللہ کی نہ جانے کیا سمجھ کر چھوڑ دیتا ہوں اور جو بہن صاحب سے شکایت کیجئے تو وہ بھاڑ سا منہ کھول کر کہہ دیتے ہیں کہ بچہ ہے.... ہوگا بچہ وچہ۔ میاں جس دن غصہ آ گیا زمین و آسمان کے قلابے ملا کر رکھ دوں گا۔"

"ضرور ضرور بھائی صاحب۔" صولت مرزا سنجیدگی سے بولا۔ "ان سے ملئے یہ ہیں اپنے نواب عزیز الدین خاں کے صاحبزادے احمد کمال فریدی اور آپ حکیم ارسلانوس.... بڑے پائے کے حکیم ہیں۔"

"اماں وہی عزیز الدین خان نا جنہوں نے راجہ سانگر کے پاگل ہاتھی کو گولی ماردی تھی۔" اس نے پوچھا۔

"وہی وہی!"

"اچھا تو آؤ میاں بیٹھو۔" وہ ایک طرف سرکتا ہوا بولا۔ "یہ تمہارے سر پر پٹی کیسی بندھی ہوئی ہے۔"

"چوٹ آگئی ہے۔" فریدی نے سعادت مندی سے کہا اور اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔
صولت مرزا دوسرے صوفے پر ٹک گیا۔
"کیا لگایا ہے۔"
"معلوم نہیں۔ میری بے ہوشی کی حالت میں ڈاکٹر نے بینڈیج کی تھی۔"
"بینڈیج کیا؟"
"یعنی کہ پٹی باندھی تھی۔"
"تو گویا انگریزی میں پٹی باندھی۔" اس نے ایک ٹھٹھناتا ہوا قہقہہ لگایا۔
"ارے میاں گومی باندھ گومی۔ ایک دن میں زخم بھر جائیں گے۔"
"گومی کیا۔"
"ہاہا..... پوچھتے ہیں۔ گومی کیا۔ بھئی صولت تمہیں بتاؤ گومی کیا چیز ہے۔"
"بھلا میں کیا جانوں۔" صولت مرزا مسکرا کر بولا۔
"چلو تم بھی یونہی نکلے۔ ارے میاں گومی ایک بوٹی ہے جس کی ہر چار پتیوں کے اوپر سبز رنگ کی ایک گیند ہوتی ہے۔ اس میں بے شمار سوراخ سے سفید رنگ کا ایک پھول نکلتا ہے۔ ابھی چلو میں تمہیں یہ بوٹی پہنچوادوں۔ سونے کے بھاؤ بکنے والی بوٹی ہے۔ کیا سمجھے۔"
وہ اور نہ جانے کیا کیا کہتا رہا۔ دفعتاً فریدی کی نظر پشت کی طرف اٹھ گئی۔ عقیلہ کا لڑکا ہاتھ میں بگل لئے کھڑا تھا۔ اس نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر فریدی کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ صولت مرزا بھی آڑ میں تھے۔ جاوید آہستہ آہستہ اپنا بگل حکیم ارسلانوس کے کان کے قریب لایا اور پھر زور کی پھونک ماری وہ چیخ کر اچھل پڑا۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ پلٹتا جاوید کمرے سے جا چکا تھا۔ صولت مرزا بھی گڑبڑا کر کھڑا ہو گیا۔ اسکے چہرے پر سنجیدگی سے لپٹی ہوئی شرمندگی کے آثار تھے۔ حکیم ارسلانوس صوفے سے جست لگا کر فرش پر آیا اور صولت مرزا کو مکا دکھا کر کہنے لگا۔
"میں سب سمجھتا ہوں۔ یہ عقیلہ کے لونڈے کی شرارت ہے۔ میں نے اس کے ہاتھ میں بگل دیکھا تھا۔ خیر سمجھ لوں گا۔"
"ارے بھائی صاحب آپ ہی نے تو لڑکوں کو سر چڑھا رکھا ہے۔" مرزا نے پر شکایت لہجے میں کہا۔

"اماں تو لڑکوں کو لڑکا ہی رہنا چاہئے۔ دادا نہ بن جانا چاہئے۔ خیر خیر دیکھ لوں گا۔"
"ارے تو چلئے کہیں بیٹھئے نا۔" صولت مرزا نے کہا۔
"جی نہیں۔ میں اُلو نہیں ہوں۔ مرنے کے بعد میری قدر معلوم ہو گی۔ میاں یونان میں پیدا ہوا ہوتا تو لوگ میرے بت بنا کر پوجتے۔"
مرزا روکتا ہی رہا۔ لیکن ارسلانوس اٹھ کر چلا گیا۔
"آپ نے کیا نام بتایا تھا ان کا۔" فریدی نے پوچھا۔ صولت مرزا ہنسنے لگا۔
"نام تو محمد حسین ہے لیکن یہ خود کو حکیم ارسلانوس کہلواتے ہیں۔" صولت مرزا نے کہا۔
"یونانی علوم کے مطالعے نے ان کا دماغ الٹ دیا۔ خاص طور پر فلسفہ ان کا پسندیدہ مضمون رہا ہے۔ تھیلز سے لے کر ارسطو تک شاید ہی کوئی ایسا فلسفی ہو جس کے کارناموں کا انہوں نے عمیق مطالعہ نہ کیا ہو۔ کلیوں نے انہیں خاص طور پر متاثر کیا ہے۔"
فریدی کے ماتھے پر سلوٹیں ابھر آئیں۔
"آپ کی لائبریری بھی بڑی شاندار ہو گی۔" اس نے کہا۔ "اکثر والد صاحب کی زبانی اس کا تذکرہ سن چکا ہوں۔"
"شاندار کیا۔ ہاں کتابیں کافی ہیں۔ میں نے عرصے سے ادھر کا رخ بھی نہیں کیا۔ نہ جانے یہ کیا بات ہے کہ اب پڑھنے پڑھانے میں دل ہی نہیں لگتا۔ صرف جمیلہ فرصت کے لمحات میں زیادہ تر وہیں گھسی رہتی ہیں۔"
"آپ نے انہیں کسی سائیکو انیلسٹ کو نہیں دکھایا۔" فریدی نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔
صولت مرزا بے اختیار چونک پڑا۔
"ابھی اندر یہی بات ہو رہی تھی۔" فریدی نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "وہ دراصل پچھلی رات کو دورے کی حالت میں ہمارے کمرے میں آگئی تھیں۔ اس گفتگو سے قبل میں یہ سمجھتا رہا کہ شاید انہوں نے مذاق کیا تھا۔"
"اب کیا بتاؤں۔" صولت مرزا مضمحل آواز میں بولا۔ "اس کی فکر مجھے گھن کی طرح کھائے جا رہی ہے۔ پہلے تو خیر دورے ہی پڑتے تھے مگر..... ادھر کئی دنوں سے..... اب کیا بتاؤں۔ میرے علاوہ شاید ابھی گھر کا کوئی اور فرد نہیں جانتا۔"

ابھی بات یہیں تک پہنچی تھی کہ باہر کچھ شور سنائی دیا۔ بگل کی پے در پے آوازوں کے ساتھ ہی کسی بچے کی چیخیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ یہ دونوں گھبرا کر برآمدے میں نکل آئے۔

ارسلانوس جاوید کو اپنی گرفت میں جکڑ کر اس کے کان سے بگل لگائے پھونکوں پر پھونکیں مار رہا تھا۔ بمشکل تمام انہوں نے اسے چھڑایا اور صولت مرزا نے جاوید کو بھرپور چانٹا رسید کیا۔ وہ روتا ہوا اندر بھاگ گیا۔

"آپ بھی بچوں کے ساتھ بچے بن جاتے ہیں۔" صولت مرزا کے لہجے میں جھنجھلاہٹ تھی۔

"تمہارا یہ چانٹا میری گال پر پڑا ہے۔ اسے یاد رکھنا۔" ارسلانوس سرد لہجے میں بولا۔

"آپ کے گال پر" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "مگر نواب صاحب نے بچے کو مارا ہے۔"

"غصہ تو مجھ پر آیا تھا۔" ارسلانوس بولا۔ "لہٰذا وہ تھپڑ دراصل میرے ہی گال پر پڑا ہے۔"

صولت مرزا اندر چلا گیا۔ ارسلانوس کے گرد فریدی کے دوست اکٹھا ہو گئے تھے۔ ان میں سے خصوصاً سرجنٹ حمید ارسلانوس کو بڑی توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"کیوں صاحب کیا میں تماشہ ہوں۔" ارسلانوس انہیں مخاطب کر کے بولا۔

"جی ہاں!" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "اور میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اس تماشے کے پیسے کون وصول کرے گا۔"

"کیا بکواس ہے۔" ارسلانوس بھنا کر بولا۔ "قسم ہے اللہ کی.... اگر اس قصبے کے ہوتے تو ناطقہ بند کر دیتا۔"

"حمید کیا بیہودگی ہے۔" فریدی نے اسے ڈانٹا۔ پھر حکیم ارسلانوس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ "حکیم صاحب! میں آپ کے رتبے سے واقف ہوں۔ ملک میں کوئی آپ کی ٹکر کا نہیں۔ میں دل سے آپ کی قدر کرتا ہوں۔"

"واللہ تم مومن ہو۔" ارسلانوس پرجوش انداز میں اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔

"اور میرے لئے کیا ارشاد ہوتا ہے جناب۔" حمید آگے بڑھ کر بولا۔

"دجال۔"

"تو بس ایمان لے آیئے مجھ پر" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "ورنہ آرے سے چروا کر دوبارہ زندہ کر دوں گا۔"

"قسم ہے اللہ کی بھیجا پھاڑ دوں گا۔" ارسلانوس اس کی طرف لپکا۔ لیکن فریدی بیچ میں آ گیا۔

"جانے بھی دیجئے حکیم صاحب.... بچوں کو معاف کر دیتے ہیں۔"

"یہ بچہ ہے! اگر بچہ ہے تو اپنی ماں کا دودھ پی کر دکھائے۔" ارسلانوس گرجا۔

"ابے او بقلندوس.... زبان سنبھال کے۔" حمید بھی آگے بڑھا۔

"بقلندوس....!" اس نے بچوں کی طرح قہقہہ لگا کر کہا۔ "جاہل کہیں کے۔ یونان میں کوئی بڑا آدمی بقلندوس نام کا نہیں گزرا۔ تم بھول رہے ہو۔ شاید تمہاری مراد جالینوس سے ہے۔"

"حمید....!" فریدی نے اُسے پھر ڈانٹا اور حمید نے خاموشی اختیار کر لی۔

فریدی اسے ادھر اُدھر کی باتوں میں لگا کر پھاٹک تک چھوڑ آیا اور ارسلانوس اسے اپنے گھر آنے کی دعوت دے کر رخصت ہو گیا۔

"یہ کون جنگلی تھا۔" حمید نے فریدی سے پوچھا۔

"ایک خبطی۔" فریدی نے کہا اور اس کے متعلق اسے جو کچھ معلوم تھا بتا دیا۔

"آدمی اس قابل ہے کہ اسے دلچسپی کا مشغلہ بنایا جا سکے۔" حمید نے کہا۔

اتنے میں اشرف وغیرہ بھی آ گئے اور فریدی پر اسی وقت یہاں سے روانہ ہو جانے پر زور ڈالنے لگے۔ لیکن فریدی کچھ اور سوچ رہا تھا۔ وہ پچھلی رات کو یوں ہی بلا مقصد خطرے میں نہیں پڑا تھا۔ اس نے فی الحال یہ کہہ کر انہیں خاموش کر دیا کہ وہ صولت مرزا سے مشورہ لئے بغیر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ وہ ان کا مہمان خصوصی تھا۔

یہ بحث ہو رہی تھی کہ ایک نوکر نے آ کر فریدی سے کہا۔

"سرکار آپ کو لائبریری میں یاد کر رہے ہیں۔"

فریدی حمید کو رکنے کا اشارہ کر کے اس کے ساتھ چلا گیا۔ صولت مرزا کی ادھوری بات رہ رہ کر ذہن میں چبھ رہی تھی۔ وہ کون سی بات تھی جس کے متعلق اس کے علاوہ گھر کے کسی فرد کو علم نہیں تھا۔

لائبریری میں اسے جمیلہ بھی دکھائی دی جو ایک گوشے میں کھلی کھڑکی کے قریب باپ کی طرف پشت کئے بیٹھی تھی۔ یہ ایک کافی طویل و عریض کمرہ تھا۔ چاروں طرف بڑی بڑی الماریاں تھیں، جن میں کتابیں چنی ہوئی تھیں۔ درمیان میں ایک بڑی میز تھی جس کے گرد گدے دار

کرسیاں تھیں۔اس کے علاوہ بھی چھوٹی چھوٹی میزیں اور تھیں۔ بہر حال وہ سارا فرنیچر موجود تھا جو کسی جدید طرز کے ریڈنگ روم کے لئے ضروری ہو سکتا ہے۔ فریدی کی آہٹ پر جمیلہ چونک کر مڑی اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے چہرے کا تیکھا پن کچھ اور واضح ہو گیا تھا۔ فریدی اسے کنکھیوں سے دیکھتا ہوا صولت مرزا کی طرف متوجہ ہو گیا، جو ایک صوفے پر نیم دراز کسی کتاب پر گرد پوش چڑھا رہا تھا۔

جمیلہ نے ہاتھ میں دبی ہوئی کتاب الماری میں رکھ دی اور باہر چلی گئی۔ فریدی نے وہ جگہ نوٹ کی جہاں کتاب رکھی گئی تھی اور ادھر ادھر دیکھ کر بولا۔

"واقعی شاندار ہے۔اگر اجازت ہو تو میں ایک نظر ڈال لوں۔"

"ضرور بھئی ضرور۔" صولت مرزا اٹھتا ہوا بولا۔

فریدی ایک ایک الماری کا جائزہ لیتا ہوا اس الماری کے قریب آیا جس میں جمیلہ نے کتاب رکھی تھی۔اس دوران میں صولت مرزا اسے جمیلہ کے متعلق بتا رہا تھا۔ فریدی نے وہ کتاب الماری سے نکالی اور ورق گردانی کرنے لگا۔ دفعتاً اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب قسم کی مسکراہٹ پھیل گئی۔ صولت مرزا کہہ رہا تھا۔"اب ایک بالکل ہی نئی بات ہونے لگی ہے جس کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آتا۔ سخت الجھن میں ہوں کہ تم اس طرح غیر متوقع طور پر ادھر آ نکلے۔"

فریدی میز پر کتاب رکھ کر استفہامیہ انداز میں صولت مرزا کی طرف دیکھنے لگا۔

"ممکن ہے کہ تم نے پچھلی رات کو اندازہ لگایا ہو کہ وہ زیادہ تر قدیم یونان روم اور مصر کی باتیں کرتی ہے۔"

"قطعی اور میں اسی کے متعلق سوچتا بھی رہا ہوں۔اس وقت وہ مسئلہ بھی حل ہو گیا۔"

"کیا....!" صولت مرزا نے پر اشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"جو کچھ وہ دن بھر پڑھتی ہیں وہی دورے کی حالت میں ان کی زبان پر ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ٹھیک ہے وہ زیادہ تر روم.... یونان اور مصر کی قدیم تاریخ کا مطالعہ کرتی ہے، لیکن دوسری بات....!"

صولت مرزا دفعتاً خاموش ہو گیا۔اس کے چہرے پر شدید الجھن کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔اس کیلئے یا تو مناسب الفاظ تلاش کر رہا ہے یا پھر کہنے ہی میں اسے تامل ہے۔ فریدی میز کے کونے پر ٹک کر پر خیال انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"بھئی کسی طرح کہوں زبان نہیں کھلتی۔" صولت مرزا نے خود سے اکتا کر کہا۔

"اگر کوئی اہم بات ہے تو ضرور بتائیے۔ وہ مجھ تک ہی محدود رہے گی۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"اہم سے بھی زیادہ ہے۔ لیکن تم مجھے کیا سمجھو گے۔"

فریدی پھر اسے عجیب نظروں سے دیکھنے لگا۔ دراصل اشتیاق کے ساتھ ہی ساتھ اکتاہٹ بھی اس کے ذہن کے کسی گوشے سے ابھر رہی تھی۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" اس نے کہا۔

"بھئی اگر تم رات کو اپنے یہاں کچھ اجنبیوں کو دیکھو اور ان کا کچھ بنا بگاڑ نہ سکو تو لوگ تمہیں کیا کہیں گے۔" صولت مرزا نے بے ڈھنگے پن کے ساتھ کہا۔

"بیمار یا بزدل....!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"لیکن.... لیکن.... جن حالات میں مجھے اس قسم کا اتفاق ہوا ہے....!"

"آپ کو....!"

"ابھی تک ہم سب اسے ایک ذہنی بیماری ہی سمجھتے رہے ہیں۔" صولت مرزا کچھ سوچتا ہوا بولا۔"مگر ادھر کچھ دنوں سے....!" وہ پھر کہتے کہتے رک گیا اور فریدی کو ایک بار پھر جھنجھلاہٹ کو دبا کر چہرے پر نرمی کے آثار پیدا کرنے پڑے۔

"میں اپنے گھر میں کئی راتوں سے کچھ اجنبیوں کو دیکھ رہا ہوں۔" صولت مرزا نے گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔"لیکن وہ اس دنیا کے آدمی نہیں معلوم ہوتے۔"

"کیا مطلب....!" فریدی چونک کر بولا۔

"وہ اسی دنیا اور اسی زمانے کے آدمی معلوم ہوتے ہیں جس کا تذکرہ جمیلہ دورے کی حالت میں کرتی ہے۔"

فریدی متحیرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا اور صولت مرزا بولتا رہا۔"ان کا لباس یونان یا روم کے قدیم سپاہیوں کا سا ہوتا ہے۔ سروں پر لوہے کے چمکدار خود ہاتھوں میں نیزے اور مستطیل ڈھالیں، گردن سے کمر تک زرہیں۔ ٹخنوں سے گھٹنوں تک کسے ہوئے سیاہ سینڈلوں کے تسمے۔"

فریدی نے بے خیالی میں وہ سگار کھڑکی کے باہر پھینک دیا جو ابھی سلگایا تھا۔

"آپ نے انہیں پکڑنے کی کوشش نہیں کی؟" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"اسی قسم کے سوالات کے خوف سے میں نے اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا۔" صولت مرزا نے کہا۔ "انہیں دیکھ کر خون رگوں میں منجمد سا ہوتا معلوم ہونے لگتا ہے۔ یہ میں اپنے ذاتی تجربے کی بناء پر کہہ رہا ہوں۔ میں انہیں تین بار دیکھ چکا ہوں ان کے چہروں کے گرد ایک عجیب قسم کی روشنی ہوتی ہے۔ آنکھیں اپنے حلقوں میں جمی جمی سی معلوم ہوتی ہیں اور سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ وہ اسی وقت دکھائی دیتے ہیں جب جمیلہ پر دورہ پڑتا ہے۔"

"تو پھر وہ کل رات کو بھی دکھائی دیئے ہوں گے۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ کل رات مجھے ہوش نہیں تھا۔"

"تو کیا وہ جمیلہ کے پاس آتے ہیں۔"

"ہاں! جمیلہ ان سے اس طرح گفتگو کرتی ہے جیسے وہ انہیں جانتی ہو۔"

"کس قسم کی گفتگو۔"

"وہی اوٹ پٹانگ جو تم نے پچھلی رات کو سنی ہوں گی۔ یعنی مجھے یہاں سے رہائی دلاؤ۔ زفورس کی فوجیں اب کہاں لڑ رہی ہیں اسے جلد میرے پاس پہنچنا چاہئے۔ وغیرہ وغیرہ۔"

"وہ کیا کہتے ہیں۔" فریدی نے بے چینی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ ان کے صرف ہونٹ ہلتے ہیں۔ آوازیں نہیں نکلتیں، ہاتھوں کے اشارے کرتے ہیں۔ جمیلہ کو سارے گھر میں ٹہلاتے پھرتے ہیں۔ کبھی پائیں باغ میں جاتے ہیں اور کبھی جانوروں کے اصطبل کی طرف.... ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ کوئی چیز تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ میں چھپ چھپ کر انکا پیچھا کرتا رہتا ہوں، لیکن نہ تو اس کی ہمت پڑتی ہے کہ نوکروں کو جگاؤں اور نہ یہی کر سکتا ہوں کہ انہیں للکاروں۔"

"آپ کے چوکیداروں نے تو انہیں دیکھا ہی ہوگا۔" فریدی نے پوچھا۔

"میرے یہاں کبھی کوئی چوکیدار نہیں رہا۔ نہ میں کتے پالتا ہوں اور نہ چوکیدار رکھتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ نہ تو میرے یہاں چوری ہو سکتی ہے اور نہ ڈاکہ پڑ سکتا ہے۔"

"ان لوگوں کا جمیلہ کے ساتھ کیا رویہ ہے۔"

"وہی جو غلاموں کا مالک کے ساتھ ہو سکتا ہے۔" صولت نے کہا۔ "وہ اسے دیکھ کر تعظیماً جھکتے ہیں۔ اپنے نیزوں کی انیاں زمین پر ٹیک دیتے ہیں۔ پھر وہ انہیں جھنجھوڑتی ہے۔ ان سے اپنے سوالات کا جواب چاہتی ہے لیکن وہ بت بنے کھڑے رہتے ہیں۔ البتہ ان کے ہونٹ ہلتے ہیں اور جمیلہ پاگلوں کے انداز میں کہتی ہے کہ وہ ان کی آواز کیوں نہیں سن سکتی۔ کیا وہ بہری ہو گئی ہے۔"

"تو آپ نے انہیں بولتے نہیں سنا۔"

"نہیں....!"

"اور وہ انداز سے کسی چیز کی تلاش میں سرگرداں معلوم ہوتے ہیں؟"

"ہاں....!" صولت مرزا نے جواب دیا۔

"وہ کیا چیز ہو سکتی ہے۔" فریدی نے پرخیال انداز میں کہا۔

"بھلا میں کیا جانوں۔"

"خیر.... بہرحال.... آپ نے اس سے کیا نتیجہ اخذ کیا ہے۔"

"بھئی کیا بتاؤں۔ کچھ کہتے سنتے نہیں بن پڑتی۔ اب سے کچھ دن قبل میں اسے ذہنی بیماری سمجھتا تھا لیکن اب...." صولت مرزا خاموش ہو گیا۔ چند لمحے بعد وہ فریدی کو غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ "مگر اب یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کہ یہ واقعی کوئی آسیبی خلل ہے۔"

"شاید آپ ان رومیوں یا یونانیوں کی بناء پر کہہ رہے ہوں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"کیوں؟ کیا تمہاری رائے اس سے مختلف ہے۔"

"ابھی میں نے کوئی رائے قائم ہی نہیں کی۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"لیکن مجھے اس قسم کے بھوتوں اور پریتوں کا بارہا تجربہ ہو چکا ہے اور میری نظروں میں ان کی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی۔ مثلاً ایک تو وہی آپ کا روایتی کتا۔ اگر اچانک دیوار نہ گر پڑی ہوتی تو۔"

دوسری ملاقات

شام بڑی خوشگوار تھی۔ دن بھر کی تیز دھوپ کے بعد شفق کی چھاؤں زندگی افروز معلوم ہو رہی تھی۔ مطلع صاف تھا۔ اگر گڑھوں اور تالابوں میں کیچڑ اور پانی نہ ہوتا تو یہ کہنا دشوار تھا کہ

ایک دن قبل اعتدال سے زیادہ بارش ہو چکی ہے۔ فریدی کے سارے دوست اور نوکر جا چکے تھے۔ حمید نے بھی واپس جانے کے لئے بڑا زور مارا تھا لیکن فریدی کے آگے ایک نہ چلی۔ اسے عجیب و غریب کتے کے متعلق معلومات بہم پہنچانے کا اشتیاق ضرور تھا لیکن وہ خواہ مخواہ خطرے میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ دوسرے لوگوں سے چھان بین کے بعد اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ اس دنیا کی چیز نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ جو آواز صدہا سال سے سنی جا رہی ہو اس کے لئے سر مارنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس سے پہلے بھی سینکڑوں جوان مردوں نے اس راز سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی ہو گی۔ خود نواب صولت مرزا سے اسے معلوم ہوا تھا کہ ایک بار چند انگریز اس منارے پر چڑھے تھے اور انہوں نے کافی دنوں تک ادھر اُدھر ہاتھ پیر بھی مارے لیکن کوئی قاعدے کی بات نہ معلوم ہو سکی اور پھر مینار کا دروازہ ہی بند کر دیا گیا۔ چونکہ اس گڑھی کو تاریخی اہمیت حاصل تھی اس لئے اکثر آثار قدیمہ سے دلچسپی رکھنے والے اسے دیکھنے کے لئے آتے رہتے تھے اور ایک بار تو اس کی کھدائی بھی ہوئی تھی۔

حمید کرتا بھی کیا۔ ہاتھ پیر مارنے کے علاوہ کر بھی کیا سکتا تھا اور اس کا انجام بھی خود اس کے ہاتھوں میں نہیں تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ فریدی اپنا اطمینان کئے بغیر یہاں سے نہیں جا سکتا۔ اس وقت وہ دونوں کوٹھی کے عقبی پارک میں بیٹھے شفق میں تحلیل ہوتی ہوئی سرخیوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ حمید کو حیرت ہو رہی تھی کہ صولت مرزا اس قصبے میں رہ کر کس طرح اعلیٰ معیار کی زندگی بسر کر رہا ہے، اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ انگلینڈ کے کسی بڑے آدمی کے خانگی پارک میں بیٹھا ہو۔ یہاں لان پر کئی جگہ قد آدم مجسمے نصب تھے۔ فن میں زیادہ تر یونان و روم کی قدیم سنگ تراشی کے نمونے تھے۔ جنہیں موجودہ دور کے اچھے فنکاروں نے تراشا تھا۔

"صولت مرزا کو بھی شاید مردہ تہذیبوں سے بڑی دلچسپی ہے۔" فریدی نے کہا۔

غالباً وہ دونوں بیک وقت ایک ہی بات سوچ رہے تھے۔

"ہوں....!" حمید نے پر خیال انداز میں گردن ہلائی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ بڑی دیر سے خود کو پوز کر رہا تھا۔ ورنہ خصوصیت سے آج کے دن اسے فریدی کی ٹھاری باتیں زہر لگ رہی تھیں۔

"اب اگر اس سلسلے میں اس کی بیٹی کا دماغ الٹ جائے تو یہ تعجب کی بات نہیں۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا اور پھر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہوگا.... ہوگا.... مجھے کیا؟" حمید بیزاری سے بولا۔

"اسے ہزاروں سال کے مردے چلتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں۔"

"اس پورے قصبے ہی پر خدائی مار نظر آتی ہے۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ آج وہ مردے ہمیں بھی دکھائی دیں۔"

"کیا مطلب....!" حمید چونک کر بولا۔

"مُردے.... نہیں سمجھے! میم رے پیش مردال یے زیردے مُردے۔" فریدی اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر جھکتا ہوا بولا۔

حمید اسے حیرت زدہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"تم نے اکثر تواریخ کی کتابوں میں قدیم زمانے کے رومن یا یونانی سپاہیوں کی تصویریں دیکھی ہوں گی ہو سکتا ہے کہ آج تم انہیں گوشت و پوست میں دیکھو۔"

"یعنی....!"

"کیا تمہیں یاد نہیں۔" فریدی اپنی جیب میں سگار ٹٹولتا ہوا بولا۔ "کل رات کو وہ اپنے سپاہیوں کا تذکرہ کر رہی تھی۔" حمید کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میرا خیال ہے کہ آپ پر بھی جن آنے والے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "وہ اپنے ہوش میں کب تھی۔"

"تو میں کب کہتا ہوں کہ وہ ہوش میں تھی۔" فریدی نے ہنس کر کہا اور پھر اس نے وہ ساری باتیں دہرا دیں، جو اس کے اور صولت مرزا کے درمیان ہوئی تھیں۔

"تو یوں کہئے نا کہ اس بار آملیٹ ہی بن جائے گا اپنا۔" حمید نے اپنے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس بیچارے کتے کا کیا ہوگا جو صدہا سال سے آپ کی یاد میں گریہ زاری کر رہا ہے۔"

"اسے دیکھیں گے۔" فریدی بولا۔

"اچھا جناب اب مجھے تو بخش ہی دیجئے۔ میری ہڈیاں کافی ملائم ہیں اور گوشت بھی کچھ ایسا سخت نہیں۔ اگر کہیں اس بار یہ حویلی ٹوٹ پڑی تو میرے کپڑے دھوبی ہی کے یہاں پڑے رہ جائیں گے۔"

"فکر مت کرو۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "میں انہیں منگوا کر محتاجوں کو تقسیم کرا دوں گا۔"

"اور میرا سارا قرض بھی آپ ہی ادا کر دیں گے۔"

"چلو یہ بھی منظور۔"

"اچھا تو ایک استدعا اور ہے۔"

"فرمایئے۔" فریدی نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"آج کی رات مجھے جی بھر کے سو لینے دیجئے۔"

"مرنے سے پہلے سونے کی خواہش غور طلب ہے۔"

"میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

"بعض لوگ مرنے سے قبل عموماً ہو جایا کرتے ہیں۔ ایسی کوئی تشویش ناک بات نہیں۔ خیر دیکھا جائے گا۔" حمید نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔ اسی کے ساتھ فریدی بھی اٹھا۔

"ہمیں آج رات کو بہر حال جاگنا ہے۔" اس نے کہا۔

"ہمیں نہیں مجھے کہئے۔" حمید دانت پیس کر بولا۔ "دیکھتا ہوں کہ مجھے دنیا کی کون سی طاقت سونے سے روکتی ہے۔"

"وہی طاقت جس نے کل رات کو مجھے تمہارے کمرے میں آرام کرسی پر سلا دیا تھا۔"

"شاید آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں اس لڑکی سے ڈر گیا ہوں۔ لڑکی.... ہونہہ۔"

"نہیں بھئی! تم تو یونہی میرا دل خوش کر رہے تھے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "خیر.... چلتے رہو۔ چلو حکیم ارسلانوس سے ملتے آئیں۔"

"کون وہی خبطی.... خیر چلئے۔ تھوڑی کوفت ہی دور ہو گی۔"

وہ دونوں ارسلانوس کے بتائے ہوئے پتے پر روانہ ہو گئے۔

اور پھر جب قصبے والوں نے ارسلانوس کے مکان کے سامنے دو اجنبیوں کو دیکھا تو انہیں بڑی حیرت ہوئی۔ کیونکہ ان کی نظروں میں ارسلانوس ایسا آدمی نہیں تھا جس سے ماڈرن اور اپٹوڈیٹ قسم کے لوگ دلچسپی لے سکیں گے۔

فریدی اور حمید ایک قدیم طرز کی عمارت کے سامنے کھڑے تھے جس میں ایک کافی بلند صدر دروازہ تھا اور دروازے کے اوپر بنے ہوئے سائبان میں ابابیلوں کے گھونسلے لٹک رہے تھے جن میں شور مچاتی ہوئی ابابیلیں گھس رہی تھیں۔ شام کی ہلکی نیلگوں سیاہی میں یہ عمارت کچھ

پراسرار سی معلوم ہو رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ایک آدمی باہر نکلا، جو غالباً ارسلانوس کا نوکر تھا۔ اس کی آنکھیں کچھ چندھیائی ہوئی سی لگ رہی تھی۔ حمید کو نہ جانے کیوں ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی چمگادڑ اجالے میں ہنکا دی گئی ہو۔

اس نے انہیں اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

اندر گھستے ہی ابابیلوں کے بیٹ کی بدبو نے ان کا دماغ خراب کر دیا۔ وہ ناکوں پر رومال رکھے دہلیز سے گزر کر صحن میں نکل آئے۔ صحن کافی وسیع تھا اور صحن کے گرد بنے ہوئے چبوتروں پر چاروں طرف بڑے بڑے کابک رکھے ہوئے تھے جن سے کبوتروں کی غٹر غوں غٹر غوں کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ کچھ کبوتر ابھی تک اوپر ہی بیٹھے اونگھ رہے تھے اور کچھ اپنے پر پھٹپھٹاتے ہوئے خانوں میں گھس رہے تھے۔ کچھ دیواروں پر تھے جنہیں ایک نوکر طرح طرح کی آوازیں نکال کر نیچے بلا رہا تھا۔

فریدی اور حمید کے ساتھ والے نوکر نے داہنی طرف کے دالان کی سمت اشارہ کیا جس کے اندر دھندلی دھندلی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

ارسلانوس ان کے خیر مقدم کے لئے باہر نکل آیا تھا۔ اس نے ہلکے نارنجی رنگ کا ٹخنوں تک لمبا کرتا پہن رکھا تھا۔ پیروں پر بڑے بالوں والی لومڑیوں کی کھال کے جوتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے بڑے بڑے بالوں کے ڈھیر میں اپنے پیر گاڑ رکھے ہوں۔ اس وقت اس کے سر کے بالوں کا گلدستہ اوپر اٹھے ہونے کے بجائے چاروں طرف پھیل گیا تھا۔

"آؤ یار آؤ.... میں تو سمجھتا تھا کہ تم نہیں آؤ گے۔" حکیم ارسلانوس نے مسکرا کر کہا۔

"کیوں؟ یہ آپ کیوں سمجھتے تھے۔" فریدی نے کہا۔

"بھئی بات یہ ہے کہ میرے پاس دکھاوے کا ٹھاٹھ باٹ نہیں ہے۔"

"تو آپ مجھے اتنا تنگ نظر سمجھتے ہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں نہیں... تمہارا باپ بھی بڑا عالی ظرف تھا۔" ارسلانوس نے کہا اور حمید کو گھورنے لگا۔

"یہ میرے عزیز ترین دوست مسٹر حمید ہیں۔"

"عزیز ترین! بھلا تم جیسے سنجیدہ آدمیوں کے ساتھ نالائقوں کا کیا کام۔"

حمید نے بھنا کر فریدی کا شانہ دبوچ لیا۔

وہ انہیں دالان میں لے آیا۔ یہاں کئی بڑے بڑے پلنگ پڑے ہوئے تھے جن میں سے کچھ پر کتابوں کے ڈھیر نظر آرہے تھے۔ ایک طرف پیتل کا ایک بڑا سا سماور رکھا ہوا تھا۔

وہ دونوں ایک پلنگ پر بیٹھ گئے اور ارسلانوس سماور کے قریب کھڑا ہو گیا۔

"میں تمہیں ویسی ہی چائے پلاؤں گا جیسی میں خود پیتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"کیسی چائے پیتے ہیں آپ؟" حمید نے بے تکلفانہ انداز میں پوچھا۔

"بغیر دودھ کی۔"

"اور چائے کی پتیوں کے بجائے لکھنو کا خمیرہ استعمال کرتے ہیں۔" حمید نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"دیکھا تم نے۔" حکیم ارسلانوس نے فریدی سے پر شکایت لہجے میں کہا۔

"تم حکیم صاحب کے رتبے سے واقف نہیں۔" فریدی نے حمید سے کہا۔ "اپنے الفاظ واپس لو۔"

اس نے حمید کو اشارہ کیا اور حمید کو الجھن ہونے لگی کہ آخر اس خبطی میں دلچسپی لینے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔

"میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔" اس نے بے دلی سے کہا۔

"اخلاق کا تقاضا یہی ہونا چاہئے۔" حکیم ارسلانوس نے سنجیدگی سے کہا۔

اور حمید یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ وہ اس وقت ایک انتہائی پراسرار آدمی سے ہم کلام ہے کیونکہ اس نے اسے آج ہی ایسی حالت میں بھی دیکھا تھا جسے بعض سنجیدہ قسم کے بچے بھی برداشت نہیں کر سکتے۔

"مگر کچھ لوگوں کو دوسروں کو دکھ پہنچا کر ہی لذت حاصل ہوتی ہے۔" ارسلانوس نے پھر کہا۔ "انسانی زندگی کی منزل کے حصول میں لذت ضرور ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ ہم دوسروں کو حصول لذت سے محروم تو نہیں کر رہے ہیں۔"

"آپ درست کہہ رہے ہیں۔" فریدی جلدی سے بولا۔

"تمہیں فلسفے سے دلچسپی ہے۔"

"بہت زیادہ۔" فریدی نے جواب دیا۔ وہ بڑے غور سے اس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔

"آپ توریت کے متعلق کیا خیال ہے۔" ارسلانوس نے کہا اور جھک کر چائے دانی میں سماور

سے گرم پانی ڈالنے لگا۔

"آپ توریت....!" فریدی نے ہچکچاہٹ کے ساتھ کہا۔ "بات دراصل یہ ہے کہ میں نے فلسفہ انگریزی میں پڑھا ہے۔"

"ویمقراطیس کا نام سنا ہے۔"

"کیوں نہیں۔"

"وہ آب توریت کا امام سمجھا جاتا ہے۔"

"اوہ تو شاید آب توریت سے اپیکیورینزم (Epicureanism) مراد ہے۔ ٹھیک ہے اس کے متعلق میرا وہی خیال ہے جو اوروں کا ہے۔"

"یعنی....!"

"یعنی کہ فلسفہ ہم جیسے آدمیوں کے بس کا روگ نہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ وہ دراصل کسی فلسفیانہ بحث میں پھنس کر وقت برباد نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ یہاں ایک خاص مقصد کے تحت آیا تھا۔

"ایسا نہ کہو.... ہم سب کسی نہ کسی فلسفے کے تحت زندگی بسر کرتے ہیں۔" حکیم ارسلانوس نے کہا۔

"ہوگا.... لیکن میں فلسفے کو حاصل حیات نہیں سمجھتا۔"

"کیوں....!"

"کیونکہ ان معاملات کے باوجود بھی فلسفہ....!" فریدی کے چہرے پر مایوسی تھی۔ "ہماری معلومات تشنہ رہ جاتی ہیں۔"

"مثلاً....!" حکیم ارسلانوس پیالیوں میں چائے انڈیلتا ہوا بولا۔

"مثلاً ایک بہت معمولی سی بات۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "یدھ راج گڑھی میں رونے والا کتا۔"

"لاحول ولا قوۃ....!" حکیم ارسلانوس منہ سکوڑ کر بولا۔ "فلسفے کو ان لغویات سے کوئی سروکار نہیں۔"

"لیکن یہ لغویات بھی اسی دنیا میں جنم لیتی ہیں۔" فریدی نے سگار کیس اس کی طرف

بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اور اس کا تعلق بھی ہماری زندگی سے ہے۔"

حکیم ارسلانوس نے ایک سگار لے کر ہونٹوں میں دبالیا۔ فریدی اور حمید نے چائے کی پیالیاں اٹھالیں، بغیر دودھ کی تلخ چائے تھی۔ اس میں شکر بھی خفیف ہی سی ڈالی گئی تھی۔ حمید نے گھونٹ لیتے وقت بُرا سا منہ بنایا۔ بہر حال وہ اسے زہر مار کرنی ہی تھی۔

"ہم آخر انہیں اس کائنات کے اجزاء کے کس خانے میں فٹ کریں گے۔" فریدی چائے کی چسکی لے کر ارسلانوس کا سگار سلگاتا ہوا بولا۔ پہلے ہی کش پر اسے بری طرح کھانسی آگئی۔

"لاحول ولا قوۃ۔" ارسلانوس نے کھانستے ہوئے بُرا سا منہ بنایا اور سگار کو صحن میں پھینک دیا۔

فریدی اپنا سگار سلگا کر اس کی طرف جواب طلب نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

"میں نے اپنی زندگی میں کئی بار وہ آواز سنی ہے لیکن میں نے کبھی اس کے متعلق سوچا ہی نہیں۔" ارسلانوس نے کہا۔

"اب میں آپ کی دل سے قدر کرتا ہوں۔" حمید نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "اور میں اس صورت میں آپ کی پوجا کروں گا اگر آپ فریدی صاحب کو بھی اپنا ہی جیسا بنادیں۔"

"کیا مطلب....!" ارسلانوس نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"یہ کل رات کو اسی چکر میں میری جان گنوا چکے ہوتے۔"

ارسلانوس فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ ٹھیک ہے! میں اسے سمجھنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

ارسلانوس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"نہ جانے کتنے اس حسرت میں مرگئے۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" فریدی نے کہا۔

"اس چکر میں مت پڑو۔ اپنے بزرگوں سے سنتا آرہا ہوں کہ وہ اکبر اعظم کے زمانے سے بچ رہا ہے۔"

"اوہ....!"

"تم شاید اس گڑھی کی تاریخ سے ناواقف ہو۔"

"قطعی! میں اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔"

"بیدھ راج اکبر کی فوج کا ایک سردار تھا۔ اکبر نے اس کی خدمات کے صلے میں اس کو یہاں کی جاگیر عطا کردی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بے پناہ دولت کا مالک تھا اور ملک کے کئی بڑے بڑے راجے اور مہاراجے بھی اتنے مال دار نہیں تھے۔ جسے ہم آج گڑھی کے نام سے یاد کرتے ہیں، یہ ایک بہت بڑا اور ناقابل تسخیر قلعہ تھا۔ ایک رات رانا پرتاب سنگھ کی فوجوں نے ندی پار کر کے قلعے پر شبخون مارا۔ شاید قلعہ دار پہلے دشمنوں سے مل گیا تھا۔ رانا کی فوج نے قلعے کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور ساری دولت لوٹ لی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ تبھی سے اکثر برساتوں میں وہاں کتے کے رونے کی آواز سنائی دیتی ہے اور ندی میں باڑھ آجاتی ہے۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ اب تک سینکڑوں آدمی اس کا راز جاننے کی کوشش میں جانوں سے ہاتھ دھو چکے ہیں۔"

"کیا اس کے راز سے کوئی اور چیز بھی وابستہ ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

حکیم ارسلانوس چونک کر اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔

"یہ مجھے معلوم نہیں۔" اس نے توقف کے بعد کہا۔ "لیکن میں تمہیں اس چکر میں نہ پڑنے کی رائے دوں گا۔"

"خیر چھوڑیئے۔" فریدی نے اپنی پیالی ختم کر کے ایک طرف کھسکاتے ہوئے کہا۔ "ہاں ایک دلچسپ چیز میں نے نوٹ کی ہے۔"

"وہ کیا....!"

"یہی کہ اس قصبے کے بعض لوگ یونان پر بُری طرح عاشق ہیں۔"

"یعنی....!"

"ایک تو آپ ہی یونانی علوم پر عاشق ہیں۔ صولت مرزا کو یونانی بتوں سے عشق ہے اور ان کی لڑکی۔ وہ تو خود ہی اب سے ہزار برس یا اس سے بھی زیادہ قبل کی تہذیب کی ایک نمائندہ بن جاتی ہے۔"

ارسلانوس بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

"وہ لڑکی مکار ہے۔ اپنی دادی کی طرح صولت مرزا کی ماں بھی کچھ دنوں تک اسی قسم کے ڈرامے کھیلتی رہی تھی۔ محض اس لئے کہ گھر والے اس سے خائف رہیں۔ وہ دوسروں پر چھائی رہے اور اب یہ چوہیا جمیلہ وہی کھڑاک پھیلا رہی ہے۔"

"مگر صولت مرزا تو کہتے ہیں کہ بچپن ہی سے اس کی یہ حالت ہے۔"

"میاں تم کیا جانو! اس نے سب کچھ اپنی دادی سے سیکھا ہے۔ مجھ سے پوچھو میں بھی اسی خاندان کا ایک فرد ہوں۔ میرے اور ان کے آباؤ اجداد ایک ہی تھے۔"

"اوہ! اچھا صولت مرزا کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"میں عموماً ایسے موقعوں پر اپنے خیالات ظاہر کرنے سے گریز کرتا ہوں۔"

"کیسے موقعوں پر۔"

"کوئی اور بات کرو۔" حکیم ارسلانوس اکتا کر بولا۔ "نہ وہ لوگ میرے لئے کوئی اچھی رائے رکھتے ہیں اور نہ میں ان کے لئے۔"

"کیا عقیلہ بھی نہیں! وہ تو کافی سمجھ دار عورت ہیں۔ وہ یقیناً آپ کی کافی عزت کرتی ہوں گی۔"

"اوہ سمجھا! شاید تم کوئی سمجھوتہ کرانے آئے ہو۔" ارسلانوس ماتھے پر بل ڈال کر بولا۔ "یہ ناممکن ہے.... یہ ناممکن ہے۔"

"بھلا سمجھوتہ کیسا....!" فریدی نے تحیر آمیز انداز میں کہا۔

"تم جانتے ہو عقیلہ میری کون ہے۔"

"نہیں۔"

"میری بہو ہے۔ ان لوگوں نے میرے بیٹے کو زہر دے کر مار ڈالا۔ انہوں نے ہمیں ہمیشہ ذلت کی نظروں سے دیکھا ہے۔"

"زہر دے کے....!"

"ہاں عقیلہ بجائے خود ایک زہر ہے۔ اس کی حرکتوں کی بناء پر میرا اکلوتا بیٹا ٹی۔بی کا شکار ہو کر مر گیا۔"

"اوہ وہ بچے! کیا عقیلہ کی دوسری شادی ہو گئی۔"

"نہیں! وہ میرے لڑکے کی اولاد ہیں۔"

وہ مردے

حکیم ارسلانوس سے واپسی کے وقت فریدی بہت خاموش تھا۔

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لڑکا جس کے کان میں بگل بجا رہا تھا اس کا پوتا تھا۔" حمید نے کہا۔

فریدی نے پر خیال انداز میں چلتے چلتے رک کر کہا۔ "ہاں اور اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ صولت مرزا وغیرہ نے ہی اسے بچوں اور بزرگوں کا فرق نہیں سمجھایا۔"

"خیر اس سے کوئی بحث نہیں۔" حمید نے کہا۔ "مجھے تو وہ خبطی بھی بھوت ہی معلوم ہوتا ہے۔"

"آخر تمہارے سر پر بھوت کیوں سوار ہیں۔" فریدی نے جھلا کر کہا اور سگار سلگا کر پھر چل پڑا۔ حمید خاموش رہا۔ اس کی طبیعت کافی بیزار ہو چکی تھی۔ شاید اس کی زندگی میں پہلا موقع تھا کہ وہ خوبصورت لڑکیوں کا قرب حاصل ہونے کے باوجود بھی اس پر پُر مژدگی چھائی ہوئی تھی۔ جب بھی اسے جمیلہ کا سُتا ہوا چہرہ اور وحشت زدہ آنکھیں یاد آتیں تو اس کے سارے جسم میں سنسناہٹ دوڑ جاتی اور پھر جب وہ شکیلہ کے متعلق کچھ سوچنے کی کوشش کرتا تو خود بخود اس کی طبیعت میں جھلاہٹ پیدا ہو جاتی۔ وہ بے چین تھا کہ کسی طرح یہاں سے نکل بھاگے۔ کبھی کبھی اسے خود پر بھی غصہ آنے لگتا۔ اس نے فریدی کے ساتھ بڑے بڑے معرکے سر کئے تھے اور وہ ان سے اکتایا بھی تھا۔ مگر اس بار کی اکتاہٹ بالکل مختلف تھی اور پھر جب وہ اُسے اپنی بزدلی پر معمول کرنے لگتا تو وہ یہ بھی سوچنے پر مجبور ہو جاتا کہ اس کے جسم سے کافی خون نکل چکا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کمزوری اسی بناء پر پیدا ہوئی ہو اور آہستہ آہستہ دور ہو جائے۔ لیکن اس دل بہلاوے کے باوجود بھی وہ خبیث ارواح کا خوف اپنے ذہن سے نہیں نکال سکا تھا۔

اسی رات کو کھانے کی میز پر صولت مرزا کے خاندان والوں کے ساتھ حمید بھی موجود تھا۔ جمیلہ کے علاوہ اور سب لوگ گفتگو میں حصہ لے رہے تھے۔ اس نے کھانے کے دوران میں ایک دو بار صرف باورچی سے بات کی تھی۔ وہ بھی کھانے کی اچھائی یا برائی کے متعلق۔ نہ تو گھر والوں ہی نے اسے کسی بات پر مخاطب کیا اور نہ اسی نے کسی سے کوئی بات کرنا ضروری سمجھا۔ گھر والوں کے اس رویئے سے لاپروائی کے بجائے کچھ دبا دبا سا خوف ظاہر ہو رہا تھا۔

حمید نے اسے پچھلی رات کے بعد سے اب دیکھا تھا۔ وہ فریدی کے بیان کے مطابق صرف ایک چڑچڑے مزاج کی لڑکی معلوم ہو رہی تھی اور بس۔ اس وقت اس کے چہرے پر وہ رومان انگیز تاثرات نہیں تھے جو پچھلی رات کو دکھائی دیئے تھے۔

شکیلہ فریدی کو بتا رہی تھی کہ اس نے اس کے کن کیسوں کے تراشے اکٹھا کئے ہیں اور انہیں

کس طرح ایک البم کی شکل میں ترتیب دیا ہے اور اب اس پر فریدی کے آٹوگراف لینا چاہتی ہے۔

صولت مرزا گفتگو میں، حصہ ضرور لے رہا تھا لیکن اس کا ذہن کسی اور طرف معلوم ہوتا تھا۔ اکثر وہ کوئی بات کہتے کہتے اچانک رک کر کچھ سوچنے لگتا۔

کھانا ختم کرنے کے بعد وہ دوسرے کمرے میں آبیٹھے۔ لیکن اب جمیلہ ان کے ساتھ نہیں تھی۔ تھوڑی دیر بعد کافی کا دور شروع ہوگیا۔ عقیلہ نے بچوں کو سونے کے لئے بھیج دیا تھا۔ اس لئے ایک اکتا دینے والے ہنگامے سے نجات مل گئی تھی۔ اس دوران میں کہیں اتفاق سے صولت مرزا نے لطیفہ چھیڑ دیا۔ پھر کیا تھا۔ حمید نے جواباً اتنے لطیفے سنائے کہ تھوڑی دیر بعد وہ سب ہنسنے میں بھی کاہلی محسوس کرنے لگے۔ خصوصاً شکیلہ تو ہنستے ہنستے بے دم ہوگئی تھی۔

اور پھر جب فریدی نے یدھ راج گڑھ کی بات چھیڑی تو حمید کو بے تحاشہ غصہ آگیا۔ چونکہ عقیلہ اور شکیلہ کے لئے یہ موضوع بہت پرانا ہو چکا تھا اس لئے وہ جلد ہی اٹھ گئیں اور حمید کے ذہن پر ایک خواب ناک سی کاہلی مسلط ہوگئی۔

فریدی صولت مرزا سے ان لوگوں کے متعلق گفتگو کر رہا تھا جنہوں نے کتے کی آواز کے متعلق معلومات بہم پہنچانے کے لئے جدوجہد کی تھی۔

"بھئی تم نہیں جانتے۔" صولت مرزا رازدارانہ انداز میں بولا۔ "اس سے ایک دوسرا خبط بھی وابستہ ہے۔"

"کیا....؟"

"کسی پُر اسرار خزانے کی تلاش۔" صولت مرزا نے کہا۔ "اور یہ خزانے والی بات بھی میرے ہی خاندان والوں کی زبانی باہر تک پہنچی ہے۔"

"وہ کس طرح....!" فریدی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"بڑی لمبی داستان ہے لیکن میں اختصار کے ساتھ بتانے کی کوشش کروں گا۔ ہم سے پہلے یہ جاگیر یدھ راج نامی ایک سردار کے پاس تھی لیکن یہ آج کی بات نہیں۔ اکبر اعظم کے دور کی بات ہے۔"

اور پھر صولت مرزا نے یدھ راج اور یدھ راج گڑھی کے متعلق وہی کچھ بتایا جو ارسلانوس نے بتایا تھا۔

"پھر عہد جہانگیری میں یہ جاگیر ہمارے خاندان میں منتقل کر دی گئی۔ ہم تک کیسے پہنچی یہ نہ

پوچھو تو بہتر ہے۔"

"اگر کوئی خاص نقصان نہ ہو تو یہ بھی بتا دیجئے۔" فریدی نے کہا۔

"بھئی بات ذرا مضحکہ خیز ہے۔" صولت مرزا مسکرا کر بولا۔ "اور پھر تمہارے ساتھ ایک ایسے صاحب موجود ہیں جو لطیفہ گو بھی ہیں۔ اگر انہوں نے...."

"یقین کیجئے کہ میں بڑا شریف بچہ ہوں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا اور صولت مرزا ہنسنے لگا۔

"بھئی بادشاہوں کی باتیں بھی بڑی عجیب ہوا کرتی تھیں۔ بات بات پر انعامات اور قتل کے فرمان چلا کرتے تھے۔ مغل بادشاہوں میں خصوصیت سے جہانگیر ان باتوں کے لئے بہت مشہور ہے۔ قتل تو خیر اس نے کم ہی کرائے ہوں گے لیکن انعامات بہت تقسیم کئے ہیں اور وہ بھی ذرا ذرا سی باتوں پر۔ میرے ایک مؤرث اعلیٰ جہانگیری فوج میں ایک معمولی سپاہی تھے ایک بار بادشاہ دلی سے آگرہ جا رہے تھے۔ تھوڑی فوج بھی ساتھ تھی۔ اس میں میرے مؤرث اعلیٰ بھی تھے۔ خیال تھا کہ رات کو کہیں پر پڑاؤ ضرور ہوگا۔ لیکن جہانگیر عالم خوشی میں چلا ہی جا رہا تھا۔ لوگ دن کے سفر سے تنگ آگئے تھے کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کیا جائے اتنے میں کسی سردار نے کہا کہ آج کم بخت اُلو بھی نہیں بولتے۔ یہ ایک بوڑھا سردار تھا اور اکثر جہانگیر کی جوانی کے زمانے میں اس کی خدمت میں رہ چکا تھا۔ اس نے بتایا کہ اگر جہانگیر رات کے سفر میں اُلو کی آواز سن لیتا تو فوراً ہی قیام کا حکم جاری کرا دیتا تھا۔ ہمارے مؤرث اعلیٰ نے جب یہ بات سنی تو وہ اُلو کی بولی بولنے پر تیار ہوگئے۔ کام بڑا خطرناک تھا۔ یہ بات صرف اس سردار اور دو سپاہیوں تک محدود تھی۔ قافلہ آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ وہ حضرت آگے بڑھ گئے اور ایک درخت پر چڑھ کر اُلو کی طرح آوازیں نکالنا شروع کر دیں۔ اُلو کی آواز سنتے ہی جہانگیر نے قیام کا حکم دے دیا۔ قصہ مختصر یہ کہ اسی رات کو کسی نے بادشاہ تک خبر پہنچا دی کہ اُلو مصنوعی تھا۔ جہانگیر نشے میں تھا۔ اس پر اسے غصہ آنے کی بجائے ہنسی آگئی۔ مؤرث اعلیٰ صاحب طلب کئے گئے اس نے ہنس کر انہیں بوم الدولہ اور منحوس الملک جیسے خطابات سے نوازا اور یدھ راج نگر کی جاگیر عطا کر دی۔

صولت مرزا خاموش ہوگیا اور ہنسنے لگا۔

"اس طرح میں اپنے خاندان کا آٹھواں اُلو ہوں۔" اس نے کہا اور مسکرا کر حمید کی طرف دیکھنے لگا جو مضحکہ خیز حد تک سنجیدہ ہوگیا تھا۔

"اور وہ خزانے کی بات۔" فریدی نے پوچھا۔

"جاگیر کے ساتھ ہی ساتھ وہ قلعہ بھی ہاتھ آیا جو یدھ راج گڑھی کے نام سے مشہور ہے ظاہر ہے کہ وہ اس وقت خراب حالات میں نہ رہا ہوگا۔ یدھ راج ایک دولت مند آدمی تھا۔ ا نے ایک بڑا شاندار تخت بنوایا تھا جس کا تذکرہ اکثر پرانی کتابوں میں ملتا ہے اور وہ اس وقت تخ عقرب کے نام سے مشہور تھا۔ اس کی شکل ایک بہت بڑے بچھو کی تھی اور وہ خالص سونے کا تو بے شمار جواہرات اس میں جڑے گئے تھے۔ اس نے وہ تخت اکبر اعظم کی خدمت میں پیش کر کے لئے بنوایا تھا۔ رانا کے آدمی اس کی تاک میں تھے۔ ایک رات انہوں نے گڑھی پر شب خو مارا اور یدھ راج کو قتل کر کے اس کی ساری دولت سمیٹ لے گئے۔ لیکن سنا جاتا ہے کہ وہ تخ ان کے ہاتھ نہیں لگا اور وہ اب بھی گڑھی ہی میں کہیں پوشیدہ ہے۔ خود میری خاندانی روایت ب یہی ظاہر کرتی ہے۔ میرے اسلاف میں سے بھی بہتیرے اس کی جستجو کر چکے ہیں۔ لیکن کس کامیابی نہیں ہوئی اور خیر میں اسے بالکل ہی لغو خیال کرتا ہوں۔ اپنے خاندان میں میں ہی ا ہوں جس نے کبھی اس کی طرف دھیان ہی نہیں دیا۔"

فریدی خاموشی سے سن رہا تھا۔ صولت مرزا کے آخری جملے پر وہ خفیف سا مسکرایا اور جیب سے سگار نکال کر اس کا کونہ توڑنے لگا اور حمید سوچ رہا تھا کہ حکیم ارسلانوس نے اس تخت کا تذکر نہیں کیا تھا۔ ممکن ہے کہ اسے اس کا علم ہی نہ ہو لیکن پھر بھی وہ.... صولت مرزا سے پوچھ بیٹھا۔

"حکیم ارسلانوس صاحب بھی اس سے واقف ہی ہوں گے۔"

"ہو سکتا ہے۔" صولت مرزا نے کہا۔ "واقف تو قریب قریب سبھی ہیں لیکن یقین بہت لوگ رکھتے ہیں۔"

"ٹھیک یاد آیا۔" فریدی بولا۔ "یہ حکیم صاحب واقعی بڑے دلچسپ آدمی ہیں۔ شام کو لوگ ان کے گھر گئے تھے۔ لیکن وہ بہت قائدے سے ملے یہاں تو انہیں بالکل ہی مخبوط الحوا سمجھا تھا۔"

"جھکی آدمی ہیں۔ کبھی قاعدے کی باتیں کرتے ہیں اور کبھی دماغ بالکل الٹ جاتا ہے صولت مرزا نے کہا۔

"کیا وہ آپ کے کوئی عزیز ہیں۔"

"ہاں بھئی قریبی ہیں۔ عقیلہ کی شادی ان کے لڑکے کے ساتھ ہوئی تھی۔"

"تو کیا وہ بچہ ان کا پوتا ہے جسے وہ آج پریشان کر رہے تھے۔"

"بس یہی دیکھو! تم نے شاید ہی کسی دادا پوتے کو یا پوتے سے دادا سے اس قدر بے تکلف دیکھا ہو۔ جاوید کو انہوں نے اس قدر سر چڑھا رکھا ہے کہ خدا کی پناہ! سارے بچے انہیں کے بگاڑے ہوئے ہیں۔"

"بہر حال وہ ایک بہت ہی پُر اسرار آدمی ہیں۔" فریدی نے کہا اور حمید کو وہاں سے چلے جانے کا اشارہ کر کے سگار سلگانے لگا۔

حمید اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا آیا جہاں پچھلی رات وہ سویا تھا۔ اس نے شب خوابی کا لباس پہنا اور قندیل بجھا کر لیٹ گیا۔ نیند بُری طرح مسلط تھی لیکن فریدی کے اس رویے نے اسے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی نے اسے وہاں سے ہٹا کیوں دیا۔ کیا کوئی ایسی اہم بات بھی ہو سکتی ہے جسے فریدی صرف اپنی ذات تک محدود رکھنا چاہتا ہے۔ کہیں وہ خزانہ تو نہیں جس کا تذکرہ صولت مرزا نے کیا تھا۔ مگر وہ فریدی کی طبیعت سے واقف تھا۔ فریدی جس نے دولت کی کبھی پرواہ نہیں کی۔ کیا وہ ایک روایتی خزانے کے متعلق اسے اندھیرے میں رکھنا چاہتا ہے۔ حمید کا ذہن اس بات کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ پھر کیا بات ہو سکتی ہے۔ چند لمحے بعد اس کے خیالات کی رو جمیلہ کی طرف بہک گئی اور اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے رونگٹے کھڑے ہو رہے ہوں۔ لیکن پھر اسے اپنی بزدلی پر ہنسی آ گئی۔ پاگل سہی .... ہے تو عورت ہی اور وہ بھی گھریلو قسم کی۔ عورت نہ ہو، ہنٹر والی ہو سکتی ہے اور نہ چشمے والی پھر آخر خوف کی وجہ، ہو سکتا ہے کہ اس پر سچ مچ ہسٹیریا قسم کا کوئی دورہ پڑتا ہو اور اگر نہ بھی پڑتا ہو تو اس کی ایسی تیسی، ایسی تیسی، ایسی تیسی.... اور پھر اس کا ذہن "ایسی تیسی" کی گردان کرتا ہوا نیند کی تاریک دلدل میں ڈوب گیا۔

جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ سمجھا کہ شاید کسی ڈراؤنے خواب نے اسے جگا دیا ہے لیکن پھر ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی اُسے جگا رہا ہو۔

"شش! میں ہوں۔" اسے اندھیرے میں فریدی کی سرگوشی سنائی دی۔

"کیا بات ہے۔" حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"آہستہ بولو۔ اس پر دورہ پڑ گیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"لاحول ولا قوۃ....!" حمید دوبارہ لیٹتا ہوا بولا۔ "اور شاید اب اس کے بھوت آہستہ آہستہ آپ کی طرف منتقل ہو رہے ہیں۔ ناخن کے عقل.... عق عق.... ل.... کے ناخن لیجئے۔"

"عقل کے بچے۔ چپ چاپ اٹھ جاؤ۔" فریدی نے اسے کھینچ کر اٹھالیا۔

"میں حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخنا شروع کر دوں گا۔" حمید بھنا کر بولا۔

"تمہارے حلق سے آواز ہی نہ نکل پائے گی۔" فریدی نے اس کی گردن پکڑلی۔

"ارے ارے۔" حمید پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

"چپ چاپ چلے آؤ۔"

"خدا نے مجھے آدمی بنا کر سخت ظلم کیا ہے۔" حمید بھنبھناتا ہوا چپل کی تلاش کرنے لگا۔

"جلدی کرو۔"

اور پھر وہ دونوں آہستہ سے برآمدے میں آگئے چاروں طرف تاریکی اور سناٹے کا راج تھا۔ حمید فریدی کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ وہ جھاڑیوں اور مہندی کی باڑوں کی آڑ لیتا ہوا عقبی پارک کی طرف بڑھ رہا تھا۔ پارک میں روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ بعد میں حمید نے دیکھا کہ وہ ایک مشعل کی روشنی تھی۔ جمیلہ اپنے ہاتھوں میں مشعل اٹھائے اور بایاں ہاتھ سینے پر رکھے بتوں کے درمیان کھڑی تھی۔ وہ دونوں ڈائنا کے بت کے قرب وجوار میں اگی ہوئی مالتی کی جھاڑیوں میں چھپ گئے۔ اس وقت جمیلہ سچ مچ اب سے ہزاروں برس پہلے کی عورت معلوم ہو رہی تھی۔ ٹخنوں تک لپٹا ہوا ڈھیلا لبادہ اس وقت جدید طرز کا سلیپنگ گاؤن نہیں معلوم ہوتا تھا۔ بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے اور ایک سرکش سی لٹ چہرے کے سامنے لہرا رہی تھی اور مشعل کی سرخ روشنی میں اس کا چہرہ انگارے کی طرح مہک رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چل کر ایک بت کے سامنے آئی اور اس کے چہرے کے برابر مشعل لے جا کر کہنے لگی۔

"تم کبھی نہیں بولو گے! کاش تمہارے پتھریلے جسم کے اندر خون کا ایک قطرہ بھی ہوتا۔ میں کب سے تمہاری راہ دیکھ رہی ہوں۔ زفورس کیا میں اسی طرح تڑپ تڑپ کر مر جاؤں۔ خیر اگر تم یہی چاہتے ہو تو اس جسم کو بھی مٹی کے کیڑے کھا جائیں گے اور ہڈیوں کا پنجر بھی ایک دن

خاک ہو جائے گا۔ بولو زفورس کیا تمہیں وہ شام یاد نہیں جب ہم نیل کے شفاف پانی پر اپنے طلائی بیڑے میں سیر کر رہے تھے اور ہم نے مغرب کی طرف سرخ دھوئیں کے بادل دیکھے تھے اور تم نے کہا تھا کہ بادلوں کی دیوی قربانی چاہتی ہے۔ پھر ہم دوسرے دن سفر پر روانہ ہو گئے تھے۔ بادلوں کی دیوی کا مندر جو دودھ کی طرح شفاف اور اجلا ہے وہ ہمیشہ ایسا ہی رہے گا۔ تم نے سب کچھ بھلا دیا؟ تم نے اصیل مرغ قربان کرتے وقت کہا تھا کہ تم زندگی بھر میرے ساتھ رہو گے۔ تم سب کچھ بھول گئے۔ زفورس تمہیں قسم ہے۔ اس قصر زمردین کی جہاں سب سے بڑے معبود کے غلام رہتے ہیں۔ جہاں فضاؤں میں طلائی ابابیلیں پرواز کرتی ہیں۔ سب سے بڑے معبود کے مرکب مقدس نیولے کی قسم مجھے تو سب کچھ یاد ہے جیسے وہ کل ہی کی بات ہو۔ عود عنبر کے دھوئیں کے پیچھے لو دیتا ہوا چہرہ یاد ہے۔ بادلوں کی نسیم تن دیوی کا مقدس چہرہ اس کی ملکوتی مسکراہٹ یاد ہے۔ مجھے سب کچھ یاد ہے۔ زفورس لیکن تم نے؟ کیا تمہارے فولادی بازو تھک گئے۔ کیا تمہارے مرمر سے تراشے ہوئے سڈول سینے پر جھریاں پڑ گئیں۔ میں چند اجنبیوں میں قید ہوں۔ کیا تم مجھے رہائی نہیں دلا سکتے۔ میں جو سیاہ فام باغیوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا کرتی تھی میں جو بچپن میں سانپوں سے کھیلا کرتی تھی۔ میں جس نے ہراتلیس کی آنکھیں اپنی انگلیوں سے نکال لی تھیں۔ ایک معصوم فاختہ کی طرح بے بس ہوں۔"

وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر اس نے اپنا چہرہ بائیں ہاتھ سے چھپالیا۔

"میں اس کو ڈبری کی چاکلیٹ کھلاؤں گا۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔

"اچھا میں تو چلا....!" حمید نے پھر کہا۔

"کہاں....!" فریدی نے پوچھا۔

"اسی کے پاس، اس سے جا کر کہوں گا۔ جان من۔ میں تمہارا زفورس ہوں۔ باپ کا نام پوچھے گی تو چورس بتاؤں گا پھر نہایت ادب سے ایک چاکلیٹ پیش کر کے یا تو تارک الدنیا ہو جاؤں گا یا اس کی بڑی بہن سے شادی کر لوں گا۔ اس طرح بچے مفت ہاتھ آئیں گے۔"

"چپ رہو سور۔" فریدی ہنسی ضبط کرتا ہوا بولا۔

"پتہ نہیں کس کس الابلا کی قسم کھا رہی ہے۔" حمید نے کہا۔ "قسم ہے اس ولائتی خرگوش کی

جو سال میں تیس انڈے دیتا ہے۔ یہ لڑکی کسی رات صولت مرزا کو قتل کر کے نکل جائے گی۔ اس کے سر پر فلم کمپنی کا بھوت سوار معلوم ہوتا ہے۔"

"بکو مت.....!" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

پھر انہوں نے جمیلہ کی سسکیوں کی آوازیں سنیں، وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

"بھئی مجھ سے اب برداشت نہیں ہوتی۔" حمید نے کہا۔

"چپ رہو گدھے! صولت مرزا بھی یہیں کہیں چھپا ہوگا۔"

"ارے یہ کیوں!"

فریدی نے کوئی جواب دیئے بغیر حمید کا شانہ دبا دیا۔ اس کی نظریں سامنے اٹھ گئیں اور اگر فریدی نے دوسرے ہی لمحے میں اس کا منہ بھی نہ دبا دیا ہوتا تو اس کی چیخ سارے پارک میں اٹھی ہوتی۔ بت کے پیچھے سے پانچ قد آور آدمی نکل آئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں لمبے لمبے نیزے اور خم کھائی ہوئی مستطیل ڈھالیں تھیں۔ لباس قدیم رومن یا یونانی سپاہیوں جیسا تھا۔ سروں پر آہنی خود تھے اور سب سے زیادہ حیرت انگیز چیز وہ روشنی تھی، جو ان کے چہروں پر پھیلی ہوئی تھی بلکہ زرد رنگ کی روشنی جس کا عکس ان کے سینوں پر پڑی ہوئی چمکدار زرہوں پر پڑ رہا تھا۔ ان کے چہرے مشعل کی روشنی کے احاطے سے باہر تھے۔ دفعتاً جمیلہ ان کی طرف جھپٹی۔

"تم آگئے۔ بتاؤ زفورس کہاں ہے۔ آج تم مجھے لے کر ہی جاؤ گے۔ بولو جواب دو۔"

ان میں سے ایک کے ہونٹ ہلتے رہے، جیسے وہ کوئی بات کہہ رہا ہو۔ لیکن آواز ندارد۔ پھر وہ سب تعظیماً جھکے۔

جمیلہ نے اس کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا جس کے ہونٹ ہلے تھے۔

"میں کچھ نہیں سن سکتی۔" زور سے بولو۔ "کیا تم بہرے ہو۔"

اس کے ہونٹ پھر ہلے۔ لیکن آواز نہ نکلی۔ اس بار جمیلہ نے اس کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کر دیا جس کی آواز فریدی اور حمید نے صاف سنی۔ تھپڑ کھانے کے باوجود بھی وہ بت بنا کھڑا رہا۔ اس کے چہرے پر شکن تک نہ آئی۔

حمید بُری طرح کانپ رہا تھا۔

"کیوں اب کیا خیال ہے بیٹا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "نکلنے لگی جان۔"

حمید بدستور خوف کے مارے دانت کٹکٹاتا رہا۔

تھپڑ کھانے والے نے اپنا نیزہ اور ڈھال زمین پر ڈال دیئے اور پھر دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دیئے۔ آنکھیں بند کر لیں اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کے چہرے پر تشنجی کیفیت طاری ہو گئی۔

حمید فریدی سے لپٹا جا رہا تھا۔ ادھر اس پُراسرار آدمی کی حالت غیر نظر آ رہی تھی۔ بقیہ چار خاموش کھڑے تھے۔ دفعتاً وہ پھر اپنی اصلی حالت میں آ گیا۔ اس بار اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور چہرہ بھی زندہ آدمیوں جیسا معلوم ہو رہا تھا۔

"نقارہ.....!" اس کے ہلتے ہوئے ہونٹوں سے آواز نکلی۔

"اے وادی نیل کی بیٹی۔" اس نے زمین سے اپنا نیزہ اور ڈھال اٹھاتے ہوئے کہا۔ "تو اس نقارے کے بغیر اس طلسم سے نکل نہیں سکتی۔"

اس کی آواز آدمیوں جیسی نہیں تھی۔ اس میں کچھ عجیب سا کھوکھلا پن موجود تھا۔ ویران ویران سی آواز۔

"میں نہیں جانتی تو کس نقارے کا ذکر کر رہا ہے۔"

"وہ اسی عمارت میں کہیں موجود ہے۔" اس نے جواب دیا۔

دفعتاً فریدی نے حمید کو پرے ہٹا دیا اور جھاڑیوں سے نکل کر ایک طرف رینگنے لگا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔ ادھر نہ جانے کیوں جمیلہ نے مشعل زمین پر گرا دی اور اس پر پیر رکھ کر اسے بجھا دیا۔ پارک میں تاریکی چھا گئی۔ صرف ان پانچ آدمیوں کے چہرے روشن تھے۔ اچانک حمید کو بعض دیوتاؤں کی تصویریں یاد آ گئیں جن کے چہروں کے گرد روشنی کے ہالے ہوتے ہیں۔ کیا یہ اسی قسم کی ملکوتی روشنی تھی۔ اس کا دل ایک بار پھر تھرا گیا۔

آسمان پر پھر سیاہ بادل چھا گئے تھے۔ اندھیرا پہلے سے زیادہ گہرا ہو گیا تھا۔ مینڈکوں کی ٹرٹراہٹ فضا میں انتشار برپا کئے ہوئے تھی۔ جھاڑیوں کی اوٹ سے ان پُراسرار آدمیوں کے چہرے صاف نظر آ رہے تھے اور اب تو ان میں حرکت پیدا ہو گئی تھی۔ شاید وہ چل رہے تھے۔ فریدی اور حمید جھاڑیوں کی آڑ لیتے ہوئے ان کا تعاقب کرتے رہے۔ دفعتاً فریدی ٹھٹھک گیا۔ وہ اصطبل کی طرف جا رہے تھے اور شاید جمیلہ بھی ان کے ہمراہ تھی۔ حمید نے فریدی کے ہاتھ میں دبا ہوا پتلی سی ڈور کا ایک لچھا دیکھا اور بھونچکا رہ گیا۔ آخر وہ کیا کرنے جا رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں

نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ فریدی کو کس طرح روکے اس نے کئی بار کچھ کہنا چاہا لیکن منہ
آواز نہ نکلی۔ بس وہ مشینی طور پر فریدی کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ اس کے اس فعل میں ارادے کو تو
دخل نہیں تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی ساری قوت کسی پراسرار طریقے پر زا
ہو گئی ہو۔ بہر حال وہ فریدی کے ساتھ گھستا پھر رہا تھا۔

جمیلہ ان آدمیوں سمیت اصطبل میں داخل ہو گئی۔ حمید کو یاد آیا کہ فریدی نے اس سلسلے
اصطبل ہی کا تذکرہ کیا تھا۔ آخر اصطبل میں کیوں! فریدی کے خیال کے مطابق انہیں شاید کسی
کی تلاش تھی۔ اس وقت اس نے ان کی زبان سے "نقارے" کا نام بھی سنا تھا۔ اگر انہیں کسی
نقارے کی تلاش تھی تو پھر بار بار اصطبل کا رخ کرنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ حمید کے ذہن میں
بیک وقت کئی سوال تھے۔ اگر وہ واقعی اب سے ہزاروں سال قبل کے مردے تھے تو ان کا یہاں کیا
کام! ظاہر ہے کہ جمیلہ صولت مرزا کی لڑکی نہیں تھی۔ اس حقیقت سے تو کسی کو انکار ہو ہی نہیں
سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ ایک مخصوص حالت کے تحت خود کو اس کی قیدی سمجھنے لگے۔ یہ سب
کچھ سہی لیکن کم از کم حمید کا ذہن اب اس بات کو قبول کرنے پر تیار نہیں تھا کہ وہ کسی ذہنی مرض
میں مبتلا ہے۔ کسی ذہنی مرض میں مبتلا ہو جانے کے بعد صرف مریض ہی کو عجیب و غریب شکلیں
نظر آسکتی تھیں۔ دوسروں کو نہیں۔ پھر یہ کیا راز ہے۔ حمید اس قسم کی گتھیوں میں الجھا ہوا فریدی
کے ساتھ ساتھ رینگتا رہا۔ پھر فریدی اصطبل کے قریب پہنچ کر رک گیا اور تھوڑی دیر بعد
لوگ باہر نکل آئے۔ دفعتاً فریدی نے رسی والا ہاتھ بلند کر کے اسے گردش دی اور دوسرے لمحے
میں رسی اس کے ہاتھ سے نکل کر پراسرار آدمیوں کی طرف جھپٹی اور پھر ان کے چہروں کی روشنی
غائب ہو گئی۔ ادھر فریدی نے اپنے ہاتھ کو جھٹکا دیا اور اندھیرے میں کسی کے گرنے کی آواز آئی۔

"خبردار اگر اپنی جگہ سے ہلے تو گولی مار دوں گا۔" فریدی کی گرج دار آواز دور تک لہراتی
چلی گئی۔

لیکن جواب میں کسی قسم کی آواز نہ سنائی دی۔ فریدی نے رسی کو کھینچنے کے لئے زور لگانا
شروع کر دیا۔ مگر بے سود۔ آخر اسی نے بائیں ہاتھ سے ٹارچ نکالی.... اور روشنی ہوتے ہی اس
کے منہ سے حیرت بھری چیخ نکل گئی۔ اصطبل کے قریب جمیلہ تنہا کھڑی تھی اور رسی کا دوسرا سرا
اصطبل کے سائبان کے ستون کے گرد لپٹا ہوا تھا۔ فریدی دیوانہ وار چاروں طرف دوڑنے لگا۔

جمیلہ بے حس و حرکت کھڑی تھی۔

"ٹھہر جاؤ، ٹھہر جاؤ۔" قریب ہی کہیں صولت مرزا کی کپکپاتی ہوئی آواز سنائی دی۔

اس دوران میں فریدی نے پورے پارک کی دوڑ لگا ڈالی۔ لیکن ان پُراسرار شخصیتوں کا
سراغ نہ ملا۔

"بڑے دلیر ہو.... بہت دلیر۔" صولت مرزا نے فریدی کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے
کہا۔ "مگر تم نے بہت بُرا کیا۔"

"یقیناً میں نے بُرا کیا کہ انہیں نکل جانے دیا۔"

"یہ بات نہیں۔ وہ ہرگز ہماری دنیا کے آدمی نہیں ہیں۔" صولت مرزا نے بھرائی ہوئی آواز
میں کہا۔

"میں اس پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں۔"

"تم کیسی باتیں کر رہے ہو.... دیکھو.... تمہاری کمند کہاں پھنسی ہے۔" صولت مرزا نے
رسی کی طرف اشارہ کیا۔

"تو پھر گرا کون تھا۔"

"میں....!" صولت مرزا بولا۔ "ٹھوکر کھا کر گرا تھا۔"

جمیلہ ڈرامائی انداز میں آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھ رہی تھی۔

"اب کیا ہوگا۔" حمید بولا۔

"اچھا جی! آپ بھی بہک رہے ہیں۔" فریدی نے اس کی طرف مڑ کر کہا۔

جمیلہ ان کے قریب آکر رک گئی۔

صولت مرزا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے منہ پر ایک زوردار
تھپڑ پڑا۔ فریدی نے جھپٹ کر جمیلہ کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔

"پاگل لڑکی۔" فریدی کے منہ سے اتنا ہی نکل سکا۔ کیونکہ جمیلہ اس کی گرفت سے نکل
جانے کے لئے بُری طرح زور لگا رہی تھی۔

"اب تو بہتر یہی ہے کہ میں اسے زہر دے دوں۔" صولت مرزا نے بھرائی ہوئی آواز میں
کہا۔

"اندر چلو۔" فریدی نے اسے عمارت کی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔

بہزار دقت وہ اسے اس کے کمرے میں لائے۔ یہاں اسی جدوجہد میں اس کا ہاتھ میز پر جا پڑا اور دوات ایک کتاب پر الٹ گئی۔ وہ ان پر بُری طرح خفا ہوتی رہی.... نہ جانے کتنی مغلظات سنا ڈالیں پھر تقریباً دو بجے اسے نیند آگئی۔

بے تکے اشعار

دوسرے دن صبح جب فریدی اور حمید ناشتہ کرنے کے لئے اندر جا رہے تھے۔ انہوں نے ایک کمرے میں جمیلہ کی آواز سنی جو کسی پر بگڑ رہی تھی۔

"میری میز پر سیاہی کس نے گرائی.... صاف صاف بتاؤ، ورنہ کھال ادھیڑ دوں گی۔ حرام خور۔ مجھے جھوٹ سے نفرت ہے۔ سچ سچ بتادو، ورنہ تم سب کی شامت آجائے گی۔"

فریدی نے دروازے کو خفیف سا دھکا دیا اور وہ کھل گیا۔ جمیلہ کے سامنے تین نوکرانیاں سر جھکائے کھڑی تھیں وہ ان پر برس رہی تھی۔

"محترمہ یہ حماقت مجھ سے ہوئی ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"آپ سے؟" وہ حیرت زدہ لہجے میں بولی۔ "آپ میرے کمرے میں۔"

"جی ہاں! رات آپ کی طبیعت پھر خراب ہوگئی تھی۔"

جمیلہ خاموشی سے فریدی کو دیکھتی رہی پھر اس نے ہاتھ کے اشارے سے نوکرانیوں کو باہر جانے کے لئے کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔" جمیلہ بولی۔

"کس سلسلے میں۔"

"عجیب بات ہے کہ میری طبیعت خراب ہوتی ہے اور مجھے اس کا احساس نہیں ہوتا۔ روز صبح ایک نہ ایک نئی کہانی سنتی ہوں، میں کس طرح یقین کروں کہ مجھ پر دورہ پڑتا ہے۔ ابا جانی کا خیال ہے کہ زیادہ پڑھنے کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔ لہٰذا میں نے تقریباً ایک ماہ تک کسی کتاب کو ہاتھ نہیں لگایا۔ لیکن گھر والوں کے بیان کے مطابق مجھے اس حال میں بھی دوروں سے نجات نہیں

ملی۔ اوہ.... خیر چلئے، شاید آپ لوگ ناشتے کے لئے جا رہے تھے۔"

وہ ان کے ساتھ ہولی۔ اس گفتگو کے دوران میں ایک بار بھی اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نہیں آئی تھی۔ اس نے یہ ساری باتیں ہوش میں کی تھیں۔ لیکن حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اب بھی اپنے ہوش میں نہ ہو اور کسی بھی لمحے میں پلٹ کر اس کی گردن دبوچ سکتی ہے۔

وہ ڈرائینگ روم میں آئے۔ یہاں صولت مرزا عقیلہ اور شکیلہ ان کا انتظار کر رہے تھے۔ ناشتے کے دوران میں زیادہ تر خاموشی رہی۔ شکیلہ جب بھی زیادہ بولنے کی کوشش کرتی جمیلہ اسے قہر آلود نظروں سے گھورنے لگتی تھی۔ عقیلہ کی گھریلو قسم کی باتوں پر اس کے ہونٹ سکڑ جاتے تھے۔ عقیلہ کے بچوں سے تو وہ بُری طرح بیزار معلوم ہوتی تھی۔ اس وقت وہ فریدی میں خاص طور پر دلچسپی لے رہی تھی۔

"ابا جانی کہتے ہیں کہ آپ کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔" جمیلہ نے فریدی سے کہا۔

"خاک بھی نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "البتہ فرصت کے اوقات میں تھوڑا بہت پڑھنے کی کوشش ضرور کرتا ہوں۔"

"یونانی اساطیر کا مطالعہ کیا ہے آپ نے؟"

"شاید....!" فریدی اثباتی انداز میں مسکرایا۔

"مجھے یاد نہیں پڑ رہا ہے کہ اس دیوی کا کیا نام تھا جس نے ناری سس کو خود پرستی کی بددعا دی تھی۔"

"ڈائنا....!" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"ڈائنا... ڈائنا..." جمیلہ سر ہلا کر بولی۔ "میری یادداشت روز بروز کمزور ہوتی جا رہی ہے۔"

حمید شکیلہ کی طرف دیکھ رہا تھا جو سر جھکائے چپ چاپ ناشتہ کر رہی تھی۔

ناشتہ کے بعد لڑکیاں اٹھ کر چلی گئیں اور وہ لوگ وہیں بیٹھے رہے۔

"اس وقت وہ قطعی ہوش میں ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"ہاں! لیکن بھئی اب میں عاجز آگیا ہوں۔ معلوم نہیں کب کیا ہو جائے۔ نہ جانے وہ پانچوں کون ہیں۔" نواب صاحب تشویس کن لہجے میں بولے۔

"آپ رات کو ان کا کمرہ باہر سے مقفل کیوں نہیں کرا دیا کرتے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا بتاؤں یہ بھی کر کے دیکھ چکا ہوں۔ لیکن جانتے ہو اس کا انجام کیا ہوا۔ پہلے تو وہ شور مچاتی رہی پھر اپنا سر دیوار سے ٹکرا کر زخمی کر لیا۔ بھلا بتاؤ ایسی صورت میں کیا ہو سکتا ہے۔ بس یہ ہوتا ہے کہ ہم میں سے کوئی نہ کوئی رات بھر جاگتا رہتا ہے اور ادھر کئی دن سے میں ہی جاگ رہا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ ان پانچوں پر میرے علاوہ کسی اور کی نظر پڑے۔"

"واقعی آپ بڑے صبر آزما حالات سے دوچار ہیں۔" فریدی نے مغموم لہجے میں کہا۔ "لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جب وہ اپنی پچھلی زندگی کے بارے میں سب کچھ بھول جاتی ہیں تو پھر انہیں اپنی مادری زبان کیونکر یاد رہتی ہے۔"

"ارے میاں! اس کا بھی بڑا لمبا قصہ ہے۔" صولت مرزا نے چائے دانی کا ڈھکن اٹھا کر اس میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "شروع شروع میں اس پر گونگے دورے پڑتے تھے اور وہ تیرہ سال کی عمر میں کسی چھ ماہ کے بچے کی طرح صرف غوں غوں کر لیا کرتی تھی۔ پھر ایک سال بعد اس نے خود کو سال بچے کی طرح ہکلا ہکلا کر بولنا شروع کیا اور یہ اتنی صاف زبان اسے سات سال کے عرصے میں حاصل ہوئی ہے۔"

"تو گویا دورے کی حالت میں ان کی بات چیت غوں غوں سے شروع ہوئی ہے۔"

"ہاں قطعی۔" صولت مرزا نے پرخیال انداز میں کہا۔ "دورے کی حالت میں اس نے زبان سیکھی ہے۔"

فریدی پرخیال انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔

"لیکن مجھے مشورہ دو کہ میں کیا کروں۔" صولت مرزا پھر بولا۔

"میں تو آپ کو یہی رائے دوں گا کہ آپ انہیں انگلینڈ یا کسی دوسرے مغربی ملک میں لے جا کر عمدہ سائیکوانیلیسٹ کو دکھایئے۔ اگر آپ اس کے لئے تیار ہوں تو میں ایک سائیکوانیلیسٹ کے لئے آپ کو تعارفی خط بھی دے سکتا ہوں۔ لنڈن کے ویسٹ انڈ میں ڈاکٹر ٹائیلون بہت مشہور آدمی ہے۔ وہ زیادہ تر ذہنی امراض کا علاج بہت اچھی طرح کرتا ہے۔"

"ارے میاں وہ کسی لمبے سفر کے لئے تیار ہی نہیں ہوتی۔ کئی بار کہا مگر جیسے اس پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا۔ اب میرے لئے دو راستے رہ گئے ہیں یا تو بدنامی برداشت کروں یا خودکشی کر لوں۔"

"بھلا اس میں بدنامی کی کیا بات ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ظاہر ہے کہ وہ ایک مرض میں مبتلا

ہیں۔"

"لیکن اگر کسی اور نے بھی ان آدمیوں کو دیکھ لیا تو کیا خیال کرے گا۔"

"ہاں یہ بات ضرور قابل تشویش ہے۔"

صولت مرزا کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اس کے چہرے کی رہی سہی توانائی بھی بڑھاپے کے اضمحلال میں تبدیل ہو چکی تھی اور آنکھوں سے ایک غم انگیز سنجیدگی ظاہر ہونے لگی تھی۔ فریدی بغور اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا اور سرجنٹ حمید غالباً یہ سوچ رہا تھا کہ کیا سوچنا چاہئے۔ اس وقت جمیلہ کو ہوش میں گفتگو کرتے سن کر وہ ایک نئی الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا کہ اگر وہ سب کچھ حقیقتاً محض ڈھونگ ہی تھا تو اس ڈھونگ کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ وہ سوچتا رہا اور پھر اسے اس ڈھونگ والے نظریئے کو سرے ہی سے مسترد کر دینا پڑا۔ کیونکہ دوسری طرف صولت مرزا کا یہاں بچوں کی طرح زبان سیکھنا تیرہ سال کا ناپختہ ذہن اتنی مکمل اور جامع اسکیم نہیں بنا سکتا۔ خیر اچھا اگر اسے مرض ہی تسلیم کر لیا جائے تو پھر ان پراسرار آدمیوں کی موجودگی کیا معنی رکھتی ہے۔"

"تو پھر بتاؤ نا کہ میں کیا کروں۔" صولت مرزا نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"آپ مطمئن رہئے۔" فریدی پرخیال انداز میں بولا۔ "مرض کے لئے تو خیر میں کچھ نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ پانچ آدمی۔"

فریدی کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ نوکر نے ارسلانوس کی آمد کی اطلاع دی۔

ارسلانوس اپنی تمام تر وحشتوں سمیت ڈرائنگ روم میں موجود تھا۔ ان لوگوں کو دیکھ کر اس نے ایک عجیب سا قہقہہ لگایا اور پھر یک بیک سنجیدہ ہو کر احمقوں کی طرح ایک ایک کا منہ تکنے لگا۔

"فرمایئے۔" صولت مرزا نے ناخوشگوار لہجے میں پوچھا۔

ارسلانوس اسے چند لمحوں تک عجیب نظروں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "تمہارا لہجہ کچھ ایسا ہے جیسے میں تم سے کچھ ادھار مانگنے آیا ہوں۔"

"دیکھئے! اس وقت طبیعت حاضر نہیں ہے۔" صولت مرزا نے منہ بنا کر کہا۔

"تو تم بھی غیر حاضر ہو جاؤ نا.... میں تو ان مہمانوں سے ملنے آیا ہوں۔"

صولت مرزا بُرا سا منہ بنا کر کھڑا ہو گیا اور کچھ کہے بغیر تیزی سے مڑا اور اندر چلا گیا۔

ارسلانوس کے ہونٹوں پر ایک زہریلی سی مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔ وہ صولت مرزا کے

چلے جانے کے بعد بھی بہت دیر تک اس دروازے کی طرف دیکھتا رہا جس سے وہ گیا تھا۔ یک
چونک کر فریدی کی طرف مڑا۔

پھر وہ وہاں سے اٹھ کر نشست کے کمرے میں آئے۔

"ہاں تو محمد کمال افندی صاحب! کہئے رات کیسے گزری۔ آپ کی چوٹ کا کیا حال ہے۔" ا
نے پوچھا۔

"احمد کمال فریدی کہئے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "رات اچھی گزری اور چوٹ میں
کافی افاقہ معلوم ہوتا ہے۔"

"افاقہ.... ہاہاہا۔" ارسلانوس نے قہقہہ لگایا۔ "افاقہ۔"

"بھلا اس میں ہنسنے کی کیا بات تھی۔" حمید نے جز بز ہو کر کہا۔

"ایک واقعہ یاد آ گیا تھا اپنے بچپن کا۔" ارسلانوس ہنسی روکتا ہوا بولا۔ "لیکن میں بتاؤں
نہیں۔"

"کیا کہا۔" حمید مصنوعی غصے کا اظہار کر کے اٹھتا ہوا بولا۔ "آپ کو بتانا پڑے گا۔"

فریدی حمید کو گھورنے لگا۔

"میں بے ہودگی نہیں پسند کرتا۔" ارسلانوس نے کرخت لہجے میں کہا۔

"آپ کو بتانا پڑے گا کہ آپ کیوں ہنسے تھے۔"

"حمید....!" فریدی نے اسے ڈانٹا۔

"آپ مت دخل دیجئے۔"

ارسلانوس بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے اٹھنے کا انداز لڑ مرنے والا ضرور تھا لیکن چہر
پر اس قسم کے کوئی آثار نہیں تھے۔ بس ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے غیر ارادی طور پر اس سے کوئ
حرکت سرزد ہونے والی ہے۔

فریدی اس کا چہرہ بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ یک بیک ان کے درمیان میں آ گیا۔

"آپ بھی کمال کرتے ہیں۔" فریدی ارسلانوس کو صوفے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا
"بزرگوں کو اتنا تیز مزاج نہ ہونا چاہئے۔"

پھر اس نے پلٹ کر حمید کو ڈانٹا۔

بدقت تمام وہ ارسلانوس کو بٹھانے میں کامیاب ہو سکا۔ حمید بھی چپ چاپ بیٹھ گیا۔ لیکن وہ
ابھی تک اسے گھورے جا رہا تھا۔ اس نے دراصل یہ چھیڑ چھاڑ مذاقاً شروع کی تھی۔ لیکن اب نہ
جانے کیوں اسے سچ مچ غصہ آ گیا۔

"میاں تم میں رکھا ہی کیا ہے۔" ارسلانوس ہاتھ نچا کر بولا۔ "ایک منٹ کی گرفت میں ہڈیاں
کڑکڑا جائیں گی۔ میں نے صاحب کے لونڈے کو تو ٹھیک ہی کر دیا۔ تم کیا مال ہو۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔" فریدی جلدی سے بولا۔ "ہم واقعی آپ کے سامنے بچے ہیں۔ بھلا
آپ کی پرانی ہڈیوں کا مقابلہ کہاں کر سکتے ہیں۔"

ارسلانوس اب فریدی کو گھورنے لگا۔ حمید کم از کم اپنے متعلق تو یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ ارسلانوس
سے زیادہ دیر تک نظریں نہیں ملا سکتا۔ کیونکہ اسے اس کی آنکھوں کی پُر اسرار ویرانی بڑی ڈراؤنی
معلوم ہوتی تھی۔ لیکن وہ اس وقت فریدی کی آنکھوں کو اس کی آنکھوں کے مقابل دیکھ رہا تھا۔

ارسلانوس خوفناک حد تک سنجیدہ نظر آ رہا تھا اور فریدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ وہ
دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔

دفعتاً ارسلانوس پھر ہنس پڑا اور اب وہ احمقوں کی طرح حمید کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ فریدی
سگار سلگانے لگا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم لوگ کس خبط میں مبتلا ہو۔" اچانک ارسلانوس فریدی کی طرف مڑ کر
بولا۔

"لیکن تم بھی دوسرے احمقوں کی طرح مفت اپنی جانیں ضائع کر دو گے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" فریدی نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"مطلب....!" ارسلانوس نے تیز قسم کی سرگوشی کی اور پھر اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی
مسکراہٹ پھیل گئی۔ دوسرے ہی لمحے میں سنجیدگی سے پوچھا۔ "میں کل شام ہی کو سمجھ گیا تھا کہ
تم یدھ راج گڑھی کے متعلق کچھ معلوم کرنے کے لئے بے تاب ہوا۔"

"بھلا کیوں!" فریدی استفہامیہ انداز میں سر ہلا کر مسکرایا۔

"تخت عقرب کے لئے۔" سونے کا وہ فرضی تخت جس کے لئے سینکڑوں جانیں جا چکی ہیں۔
تمہیں یہاں کھینچ لایا ہے۔"

"تو کیا آپ اس کے متعلق کچھ جانتے ہیں۔" فریدی اس کے قریب آکر بیٹھتا ہوا بولا۔

"یہی جانتا ہوں کہ اب وہ ایک شاندار غپ ہے۔ میرے پاس اس کا واضح ثبوت موجود ہے کہ رانا کے سپاہی یدھ راج کی دوسری دولت کے ساتھ اسے بھی لے گئے تھے۔"

"میرے خیال سے تو آپ کا یہ دعویٰ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ تم میری معلومات کو چیلنج کر رہے ہو۔" ارسلانوس بگڑ کر بولا۔

"دیکھئے آپ پھر غلط سمجھے۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "میں آپ کی معلومات کو چیلنج نہیں کر رہا ہوں بلکہ میں اپنی معلومات کی بناء پر کہہ رہا ہوں۔"

"تمہاری معلومات کا ذریعہ کیا ہے۔" ارسلانوس نے تمسخرانہ انداز میں پوچھا۔

"بعض قدیمی قلمی کتابیں۔"

"کس کی لکھی ہوئی ہیں۔"

"نام تو مجھے یاد نہیں رہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن میں یہ وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ" فریدی جملہ پورا نہیں کرنے پایا تھا کہ اندر کچھ شور سا سنائی دیا اور وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"کہو کہو! یہاں تو سب ہوتا ہی رہتا ہے۔" ارسلانوس بیزاری سے بولا۔

"کیا ہوتا رہتا ہے۔"

"اونہہ چھوڑو بھی۔ تم شاید اپنی معلومات کا رعب جما رہے تھے مجھ پر... ہاں... جاری رکھو۔"

"بہت مختصر سا بیان ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "مجھے تخت عقرب یا تخت افعی سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں تو اس کتے کی آواز کے متعلق معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"یہ اس سے بھی بڑی حماقت ہے۔ یار سچ مچ تم اپنے باپ ہی کی طرح پاگل معلوم ہوتے ہو۔"

فریدی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ پرخیال انداز میں کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا اور اس کے چہرے پر اکتاہٹ کے آثار تھے۔ حمید سمجھ گیا کہ وہ ارسلانوس سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں۔

"کیا وہاں نہ چلئے گا۔" حمید نے فریدی کو مخاطب کیا۔

"اوں...!" فریدی چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"اوہ تو یہ کہو۔" ارسلانوس منہ بنا کر بولا۔ "میں لونڈا نہیں ہوں۔ صاف صاف کیوں نہیں

کہتے کہ تم لوگوں کو میری موجودگی کھل رہی ہے۔"

"ارے نہیں قبلہ! تشریف رکھئے۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "دراصل مجھے یہاں کے تھانے کے انچارج سے ملنا تھا۔ پھر کسی وقت مل آؤں گا۔"

"جی نہیں۔ جی نہیں۔ اسی وقت تشریف لے جائیے۔ میں بھی عدیم الفرصت ہوں۔" ارسلانوس نے کہا اور تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔ اس کے انداز میں کچھ ایسی بے ساختگی تھی جیسے وہ کسی خطرے کو ٹال کر بھاگا ہو۔

فریدی حمید کی طرف مڑا۔

"یہ کیا حماقت تھی۔"

"آپ اکتائے تھے نا۔" حمید نے اپنے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔

"بعض اوقات تم بالکل اُلو ہو جاتے ہو۔"

"ارے تو کیا سچ مچ آپ اس روائتی تخت کے چکر میں پڑ گئے ہیں۔" حمید نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہر افواہ کے پیچھے کچھ نہ کچھ حقیقت ہوتی ہے۔"

"بس تو پھر اپنا تو صفایا ہو گیا۔" حمید بیزاری سے بولا۔ "مجھے وہ پیتل کی مورتی[1] اب تک یاد ہے۔"

"لیکن اس کی پشت پر بھی ایک حقیقت تھی۔"

"اور ہم اس حقیقت کو سونگھتے اور چاٹتے ہوئے ٹھنڈے ٹھنڈے واپس آ گئے تھے۔" حمید نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

"اچھا اب بکواس بند کیجئے۔ ہمیں یدھ راج گڑھی تک چلنا ہے۔" فریدی نے جلا ہوا سگار کھڑکی کے باہر پھینکتے ہوئے کہا۔

"باپ رے۔" حمید پائپ سلگاتے سلگاتے رک کر بولا۔ "بھئی.... میں....!"

"کچھ نہیں۔" فریدی نے اس کا بازو پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"اچھا ایک بات میری بھی سن لیجئے۔"

"کیا....؟"

"یہی کہ مجھے نیند آ رہی ہے۔ رات مچھروں نے سونے نہیں دیا۔"

---

[1] جاسوسی دنیا کا ناول "پہاڑوں کی ملکہ" جلد نمبر 3 ملاحظہ فرمائیے۔

"چلتے ہو یا گردن میں ہاتھ دوں۔"

"کیا مصیبت ہے چلئے صاحب۔ کاش میرے والد صاحب زندگی بھر کنوارے ہی رہتے۔"

"اب کھسکو بھی ورنہ تمہیں تو ناپید ہی کر دوں گا۔"

وہ دونوں دروازے کی طرف بڑھے ہی تھے کہ ایک لچکیلی سی نسوانی آواز سنائی دی۔

"سنئے۔"

دونوں چونک کر مڑے۔ صولت مرزا کی چھوٹی لڑکی شکیلہ عقبی دروازے میں کھڑی فریدی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"فرمایئے۔" فریدی اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

وہ فریدی سے آہستہ آہستہ کچھ کہتی رہی۔ اس کے انداز میں کچھ ہچکچاہٹ سی تھی۔ حمید متحیرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"ارے بھئی میں اتنا بڑا آدمی نہیں ہوں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "خیر چلئے۔"

فریدی حمید کو ٹھہرنے کا اشارہ کر کے اس کے ساتھ چلا گیا اور حمید پائپ میں منہ دبا کر اپنا سر سہلانے لگا۔ اس کی آنکھیں مضحکہ خیز طور پر اپنے حلقوں میں گردش کرنے لگی تھیں۔

پانچ منٹ گزر گئے لیکن فریدی واپس نہ آیا حمید اکتا کر برآمدے میں نکل جانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اس بار کسی دوسری عورت نے اسے مخاطب کیا۔

وہ بوکھلا کر مڑا۔ صولت مرزا کی دوسری پُراسرار لڑکی جمیلہ آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس کے سارے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ جمیلہ عادت کے مطابق اس وقت بھی اپنی تیکھی سنجیدگی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

"ف ف.... فرمایئے۔" حمید ایک قدم پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

"چلے جاؤ.... تم دونوں یہاں سے چلے جاؤ۔" وہ ڈرامائی انداز سے تیز قسم کی سرگوشی میں بولی۔

اس کی آنکھیں حد درجہ خوفناک معلوم ہو رہی تھیں۔ ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور ماتھے کی سلوٹیں اور زیادہ نمایاں ہو گئی تھیں۔ وہ اس سے دو قدم کے فاصلے پر رک گئی۔

"چچ.... چلے.... جائیں گے.... ب.... بیل.... بالکل چلے جائیں گے۔" حمید پیچھے کھسکتا ہوا بولا۔

وہ چند لمحے کھڑی اسے حقارت آمیز نظروں سے دیکھتی رہی پھر دفعتاً دوسرے دروازے سے باہر چلی گئی اور حمید بوکھلا کر برآمدے میں نکل آیا۔ وہ اپنے ماتھے سے پسینہ پونچھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد فریدی نے اسے آواز دی اور وہ جواب دینے کی بجائے دوسری طرف منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا بات ہے۔" فریدی اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

حمید تیزی سے اس کی طرف مڑا کچھ کہنا چاہا۔ ہونٹ ہلے۔ غصے کی شدت کی وجہ سے آواز نہ نکلی۔

"کیوں؟ کیا تم ان رات والے آدمیوں کی ایکٹنگ کر رہے ہو۔"

"جناب۔" حمید زہریلے لہجے میں بولا۔ فریدی کو چند لمحے گھورتا رہا پھر یک بیک برس پڑا۔

"جہنم میں گئی دوستی اور محبت۔ میں اس بھوت خانے میں ایک منٹ کے لئے بھی نہیں رہ سکتا۔"

"آخر کچھ بتاؤ بھی تو۔"

حمید کوئی جواب دیئے بغیر اس کمرے کی طرف چل پڑا جس میں ان کا سامان رکھا ہوا تھا۔ فریدی اس کے پیچھے چلنے لگا۔

"یار تم تو کسی خونخوار بیوی کی طرح پٹھے پر ہاتھ نہیں رکھنے دیتے۔" فریدی نے اسے پکڑ کر روکتے ہوئے کہا۔ "کچھ منہ سے بولو بھی تو۔"

"مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔" حمید بھنا کر بولا۔ "کیا اس شیطان کی نواسی سے ملاقات نہیں ہوئی۔"

"کس سے۔"

"بھوتوں کی محبوبہ سے۔"

"کیا جمیلہ سے مڈبھیڑ ہو گئی۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"آے ہے۔" حمید جھلاہٹ میں ہاتھ نچا کر بولا۔ "اس وقت ملی ہوتی تو یہ مسکراہٹ حلق سے اتر جاتی۔"

"آخر بات کیا ہے۔"

حمید خود ہی اس وقت بات کو زیادہ طول نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ کسی طرح فریدی کو سمجھا بجھا کر یہاں سے نکال لے جائے۔ لہٰذا اس نے اسے سب کچھ بتا دیا۔

فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔

"اچھا ٹھہرو.... میں ابھی آیا۔" فریدی نے کہا اور اندر چلا گیا۔

حمید برآمدے سے نکل کر لان پر اتر آیا۔ وہ بار بار بوکھلا کر برآمدے کی طرف دیکھنے لگتا کہ کہیں جمیلہ تو نہیں آ رہی ہے۔ پندرہ منٹ کے بعد فریدی پھر دکھائی دیا۔ گہرے تفکر کی وجہ سے اس کے ماتھے پر رگیں ابھر آئی تھیں وہ حمید کو چند لمحے دیکھتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

"آؤ چلیں۔"

"اچھا.... اچھا.... میں سامان سمیٹتا ہوں۔" حمید جلدی سے بولا۔

"ہم یدھ راج گڑھی جا رہے ہیں۔" فریدی نے کہا اور حمید کا ہاتھ پکڑ کر پھاٹک کی طرف چلنے لگا۔

حمید کا دل چاہا کہ یا علی کا نعرہ مار کر سر کے بل کھڑا ہو جائے۔

"سنو! وہ اس وقت قطعی ہوش میں تھی۔" فریدی نے کہا۔

"اس کی....!" حمید اس سے آگے نہ کہہ سکا۔

"چپ رہو۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "پہلے میں سمجھا تھا کہ شاید اس وقت بھی اس پر دورہ پڑا ہوگا۔ مگر ایسا نہیں۔ صولت مرزا سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ صبح سے اب تک سوئی ہی نہیں لہٰذا اپنے ہوش میں ہے۔"

"ہوش میں ہو یا نہ ہو۔ میں اب یہاں نہیں رہ سکتا۔"

"عورت ہے پیارے.... اور حسین بھی ہے اس کے علاوہ تمہیں اور کیا چاہئے۔"

"مجھے تو بس اب بیس گز کفن چاہئے۔" حمید جھلا کر بولا۔

"خیر اس کا بھی انتظام کر دیا جائے گا۔ فی الحال تو میرے ساتھ چلو۔"

حمید منہ پھلائے ہوئے اس کے ساتھ چلنے لگا۔ فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد اس نے ایک کاغذ کا ٹکڑا حمید کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔

"یہ کیا....؟" حمید نے پوچھا۔

"پڑھ لو۔"

حمید نے اسے پڑھ کر بُرا سا منہ بنایا۔ اس میں کچھ بے سروپا اشعار لکھے تھے۔

دھن دھن دھن نقارہ باجے
بچھو پر یدھ راج براجے
نقارے میں ڈنگ لگا ہے
مہابلی کا نقارہ ہے
بچھو پر اُلو بیٹھے گا
ڈنگ پر چڑھ کر راج کرے گا

حمید استفہامیہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیوں؟ اس طرح کیا دیکھ رہے ہو؟" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ مجھے اُلو کیوں سمجھنے لگے ہیں۔"

"محض اس لئے کہ ہم لوگ آٹھویں اُلو کے مہمان ہیں۔ کیا تم مجھ سے کسی پاگل پن کی توقع رکھ سکتے ہو؟"

"آپ پر کیا منحصر ہے میں خود کو ہی پاگل سمجھنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔"

"خیر یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ان اشعار کا مطلب سمجھئے۔"

"اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھتا۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "البتہ زبانی یاد کرنے کی کوشش کروں گا اور جب میرے بچے اس قابل ہو جائیں گے تو انہیں بھی یاد کرا دوں گا اور انہیں وصیت کر جاؤں گا کہ وہ اپنے بچوں کو یاد کرا دیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ اس سے اچھے شعر کبھی نہ کہہ سکیں گے۔"

فریدی کوئی جواب دینے کے بجائے مسکراتا رہا۔

مجھے یہ اشعار شکیلہ سے ملے تھے۔

ایک اشارہ

حمید بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

"خیریت.... خیریت۔" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

"یہ لڑکی بھی پاگل ہی معلوم ہوتی ہے۔"

"کیوں؟"

"بھلا ان مہمل اشعار سے ذہن کے اس گوشے کا کیا تعلق جہاں عشق کے کیڑے کلبلا رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "اسے تو عشقیہ اشعار یا فلمی گیت لکھنے چاہئے تھے۔ مثلاً مار کٹاری مر جانا... ہو گئی رے میں تو ہو گئی.... یا پھر دل لے کے چلے تو نہیں جاؤ گے ہو راجہ جی.... ہو راجہ جی۔"

"تم ہو خاصے چغد....!" فریدی خشک لہجے میں بولا۔ "تمہیں بس دو ہی باتیں آتی ہیں یا خرگوش کی طرح دبکتے پھرو گے یا پھر عشق! وہ بھی گھٹیا قسم کا۔"

"خیر خیر.... یہاں تو ہر چیز گھٹیا ہے۔ آپ ٹھہرے اونچے آدمی۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ شکیلہ ضرور آپ کو اپنی طرف متوجہ کر لے گی۔ ہاں ذرا کمسن ہے۔"

"حمید کے بچے۔" فریدی جھنجلا کر بولا۔ "آخر تم اپنی طرح مجھے بھی کیا سمجھتے ہو۔"

"آپ بھی میری طرح آدمی ہیں۔"

"مگر میں نے زندہ رہنے کا طریقہ آدمیوں سے سیکھا ہے۔ کتوں سے نہیں۔"

"آپ مجھے کتا کہہ رہے ہیں۔" حمید نے بگڑ کر کہا۔

"صرف کہہ ہی نہیں رہا ہوں بلکہ واپسی پر تمہیں کتوں کے ساتھ باندھوں گا۔"

"اگر مجھے یقین نہ ہوتا کہ آپ یہ سب مذاقاً کہہ رہے ہیں تو میں....!"

"ہاں تو تم کیا کرتے۔" فریدی اسے تیکھے پن سے دیکھتا ہوا بولا۔

"صبر کرتا۔" حمید نے اتنی بے بسی سے کہا کہ فریدی بے اختیار ہنس پڑا۔

"خیر.... غیر ضروری باتیں پھر ہوتی رہیں گی۔" فریدی نے کہا۔ "فی الحال ہمیں۔"

"ٹھہریئے! پہلے میری ایک بات کا جواب دیجئے۔"

"کیا....؟"

"یدھ راج گڑھی سے واپسی پر ہم کہاں جائیں گے۔"

"ظاہر ہے کہ جہاں تھے۔"

"ناممکن! میں اب وہاں ہرگز نہ جاؤں گا۔"

"تو کیا تم واقعی سنجیدگی سے کہہ رہے ہو۔"

"قطعی۔"

"یقین نہیں آتا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"آخر یقین نہ آنے کی وجہ۔"

"میں نے تمہیں کبھی کسی جگہ سے بھاگتے نہیں دیکھا۔ جہاں خوبصورت لڑکیاں ہوں۔"

"لڑکیاں کہہ رہے ہیں آپ انہیں۔" حمید چیخ کر بولا۔ "اگر وہ لڑکیاں ہیں تو خدا شیطان کو بھی ان کے شر سے محفوظ رکھے۔"

"تم پاگل ہو گئے ہو۔"

"خدا کرے میری ہی طرح آپ بھی پاگل ہو جائیں۔"

"آخر تم جمیلہ سے ڈرتے کیوں ہو۔"

"چلئے یہ بھی ایک ہی رہی۔ مجھے آپ سے توقع نہیں تھی کہ آپ بچوں کی طرح باتیں کریں گے۔"

"آخر تم کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"یہی کہ یا تو مجھے معاف کیجئے یا خودکشی کی کوئی آسان سی ترکیب بتا دیجئے۔"

"یہ دونوں کام بہت مشکل ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں تمہیں دراصل سسکا سسکا کر مارنا چاہتا ہوں۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بدستور منہ پھلائے راستہ طے کر رہا تھا۔ فریدی ہی بولتا رہا۔

"جمیلہ نے اس وقت جو بھی کہا ہے قطعی ہوش میں کہا ہے۔ پھر بھلا بتاؤ۔ اس بات کا پتہ چلائے بغیر میں کس طرح پیچھے ہٹ سکتا ہوں کہ وہ یہاں ہماری موجودگی کیوں ناپسند کرتی ہے۔"

"ارے جاسوس اعظم۔" حمید دانت پیس کر بولا۔ "بلکہ ارسلانوس اعظم تو بالکل سامنے کی بات ہے۔"

"یعنی....!"

"کل رات کو حضور اعلیٰ نے اس کے چہیتے بھوتوں پر حملہ کر دیا تھا۔"

"مگر دورے کی حالت کی باتیں تو اسے یاد ہی نہیں رہتیں۔"

"اور آپ کو اس شاندار غپ پر یقین آ گیا ہے۔"

"غپ نہیں ہے فرزند....!"

"ہو سکتا ہے کہ اب ایشیا کا نامور سراغ رساں کچھ اور بلند ہو رہا ہو۔" حمید خشک قسم کے طنزیہ لہجے میں بولا۔

"ایشیا کا یہ کمترین جاسوس تم سے بہر حال زیادہ تجربہ کار ہے۔" فریدی نے چلتے چلتے رک کر سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"خیر نہ گھوڑا دور نہ میدان۔" حمید بولا۔ "لیکن میں تو اسے پسند نہ کروں گا کہ وہ ابلیس کی محبوبہ کسی رات سوتے وقت میری گردن ناپ دے۔ میں نے کل رات والے بھوتوں کی گفتگو سنی ہے۔"

"اچھا میاں صاحب زادے اگر تم بھوتوں پر یقین رکھتے ہو تو تمہیں لچر قسم کی روایات کے مطابق یہ بھی معلوم ہوگا کہ بھوتوں سے دنیا کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی۔"

"ٹھیک ہے۔"

"تو پھر یہ بتاؤ کہ وہ بھوت معمولی آدمیوں کی طرح کسی نقارے کی تلاش میں کیوں ہیں۔"

"ممکن ہے.... نقارے سے ان کی کچھ اور مراد ہو۔"

"ہو سکتا ہے۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔ "ممکن ہے وہ بادشاہی حلوہ سوہن کو نقارہ کہتے ہوں اور اس اصطبل کو حلوائی کی دوکان سمجھتے ہوں۔ آخر، بھوت ہی ٹھہرے۔ ہماری طرح ان کے پاس عقل تو ہوتی ہی نہیں۔ اگر ہوتی تو بھوت کیوں بنتے کیونکہ بھوت بننے سے آسان تو لیڈری ہے۔"

"دیکھئے! کبھی کبھی میرا کہنا بھی مان لیا کیجئے۔"

"میں اسی انتظار میں بوڑھا ہوا جا رہا ہوں کہ ایک بار تو تم کوئی قاعدے کی بات کہو اور میں مان کر آرام سے قبر میں جا سوؤں۔"

"اچھا اگر یہی بات ہے تو میں مرنے کے لئے تیار ہوں۔" حمید نے بھنا کر کہا۔

"مگر خدا کرے مجھ سے پہلے آپ کی گردن ناپی جائے تاکہ میں آپ کی روح کو سات سلام کرنے کے بعد خود بھی آپ کے پیچھے روانہ ہو جاؤں۔"

"اچھا بکواس بند۔"

"بند ہو گئی جناب۔" حمید نے کہا۔ "لیکن آخری بات پوچھنے کی اجازت دیجئے۔"

"بے تکی نہ ہونی چاہئے۔"

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ شکیلہ آپ کو کہاں لے گئی تھی۔"

"کیوں نہیں....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "وہ میرا آٹوگراف لینا چاہتی تھی اس نے میرے کیسوں کے تراشے اخبارات سے جمع کر کے ان کا البم بنایا ہے۔ اسی البم پر میں نے آٹوگراف دیئے ہیں۔"

"تو کیا اسے یہ نہیں معلوم کہ انسپکٹر فریدی کے سارے کارنامے سرجنٹ حمید کی مدد کے بغیر ادھورے رہ جاتے۔"

"جانتی ہے۔" فریدی کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تو اس نے میرا آٹوگراف کیوں نہیں لیا۔"

"خیر اس پر بھی کبھی بحث ہوگی۔" فریدی نے کہا اور رک کر ایک راہ گیر سے یدھ راج گڑھی کا راستہ پوچھنے لگا۔

"ٹھیک ہی جا رہے تھے۔" فریدی پھر بولا۔ "ہاں تو میں یہ کہنے جا رہا تھا کہ اگر وہ اس وقت میرا آٹوگراف نہ لیتی تو مجھے زندگی بھر افسوس رہتا۔"

"افسوس کی بات ہی تھی۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ "ایسی ملائی قسم کی لڑکیوں کو تو ہر ایک کا آٹو گراف لینا چاہئے۔"

"پھر آ گئے اصلیت پر۔" فریدی نے کہا۔ "میرا مطلب یہ تھا کہ اگر وہ اس وقت میرا آٹو گراف نہ لیتی تو مجھے یہ بے تکے اشعار کبھی نہ ملتے۔"

حمید بے اختیار ہنس پڑا لیکن پھر فوراً ہی سنبھل کر فریدی کی طرف متحیرانہ انداز میں دیکھنے لگا۔

"کیوں بھلا ان اشعار کی کیا اہمیت ہے۔"

"بہت بڑی اہمیت ہے حمید صاحب۔ اگر اس لڑکی کا بیان صحیح ہے تو یہ اشعار بڑی قیمت رکھتے ہیں۔"

"یعنی....!"

"یہ اشعار اس کی نظم کی کاپی میں لکھے ہوئے تھے۔ نظموں کے انتخاب کے معاملے میں وہ

ایک یاذوق لڑکی معلوم ہوتی ہے۔ سوائے ان چند اشعار کے میں نے اس کی کاپی میں کوئی لچر اور بے تکی چیز نہیں دیکھی۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔"

"پوری بات سنو تو.... میں ان اشعار کو پڑھ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ اس پر جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ کہنے لگی کہ اس نے انہیں قدیم سمجھ کر تبرکاً لکھ لیا تھا۔ پھر اس نے بتایا کہ وہ اشعار اس نے ایک پرانے کتبے سے نقل کئے تھے جو بدھ راج گڑھی کی کھدائی پر زمین سے برآمد ہوا تھا۔"

"اوہ.... تو یہ بچھو....!" حمید چونک کر بولا۔

فریدی ہنسنے لگا۔

"بہت دیر میں عقل آئی ہے۔" فریدی بجھا ہوا سگار ایک طرف پھینکتا ہوا بولا۔

"تو کیا اس بچھو کا تعلق تخت عقرب سے ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ابھی کیا کہا جاسکتا ہے، بہرحال "بچھو پر بدھ راج براجے" سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ بدھ راج تمہاری طرح پاگل تو نہ رہا ہوگا اور کسی بچھو پر بیٹھ جانا اور اس نقارے کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ ممکن ہے یہ وہی نقارہ ہو جسے تمہارے بھوت تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔"

"لیکن اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ اشعار کسی کتبے سے نقل کئے گئے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس گھر میں کوئی بہت ہی خوفناک ڈرامہ کھیلا جارہا تھا۔ اتفاقاً ہم لوگ بھی وہاں جا پہنچے اور شاید ان کی نادانستگی میں اس کا ایک آدھ منظر بھی دیکھ لیا۔ اس لئے اب وہ ہمیں اُلو بنانے کے لئے واقعات کو کوئی اور شکل دینے کی کوشش کررہے ہیں۔"

"چلو یہی سہی۔" فریدی نے کہا۔ "میں فی الحال تمہارے خیال کی تردید نہیں کرسکتا لیکن پھر بھی یہ حالات اس قابل نہیں کہ ان میں دلچسپی لی جائے۔ کئی باتیں قابل غور ہیں۔ صولت مرزا چاہتا ہے کہ ہم یہاں قیام کریں۔ جمیلہ چاہتی ہے کہ چلے جائیں۔ ارسلانوس تخت عقرب کو واہمہ قرار دیتا ہے، صولت مرزا اس کے وجود سے منکر نہیں اور آج شکیلہ کی کاپی میں مجھے یہ اشعار ملتے ہیں۔"

"اور اس کے بعد حمید کے پٹھے کا قیمہ ہوجاتا ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"پھر وہی بکواس۔" فریدی باتوں کی رو میں بولتا رہا۔ "اب یہ دیکھنا ہے کہ کھدائی والی بات کہاں تک سچ ہے اور آثار قدیمہ کے سرکاری محکمے کی طرف سے کھدائی ہوئی تھی یا کسی ہسٹوریکل

سوسائٹی کی طرف سے۔ میں نے ابھی تک صولت مرزا سے اس کے متعلق کوئی گفتگو نہیں کی۔"

"قطعی فضول ہے۔" حمید نے کہا۔

"کیوں....؟"

"ان کھدائی کرنے والوں کا پتہ زندگی بھر نہ چل سکے گا۔"

"آخر کیوں؟" فریدی نے تنگ آکر کہا۔

"کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ آخر آپ اتنی جلدی ہر بات پر ایمان کیوں لے آتے ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ وہ آٹھواں اُلو ہمیں نواں اور دسواں اُلو بنانے کے چکر میں ہے۔"

"اف.... فوہ.... تم سے نپٹنا آسان کام نہیں۔ اثبات یا نفی کے علاوہ کوئی تیسرا راستہ ہو تو بتاؤ۔ دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں یا تو اس بات پر یقین کرلیا جائے یا نہ کیا جائے۔ چلو ہم فرض کئے لیتے ہیں کہ شکیلہ کا بیان قطعی درست ہے۔ اب اس مفروضے کو یقین میں بدلنے کے لئے جو جدوجہد کرنی پڑے گی اس سلسلے میں ہمیں حقیقت کا پتہ چل جائے گا۔ ویسے اس کے علاوہ اگر سچ اور جھوٹ پرکھنے کی کوئی اور آسان تدبیر تمہارے ذہن میں ہو تو بتاؤ۔ اگر اس پر عمل نہ کروں تو جو گدھے کا حشر وہ تمہارا۔"

"میں کہتا ہوں آخر اس کا پیچھا ہی کیوں نہ چھوڑ دیا جائے۔"

"نہیں۔ یہ ناممکن ہے۔ اگر میں نے ایسا کیا تو تمہاری شادی جمیلہ کے ساتھ نہ ہوسکے گی۔"

"چھوڑیئے جی! میں آج کل مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم ایک عورت سے بُری طرح خائف ہو۔"

"میں اسے عورت سمجھتا ہی نہیں۔ خدا کی قسم اگر وہ عورت ہے تو میں اب زندگی بھر عورت کا نام نہیں لوں گا۔"

"لیکن اس عورت سے ایک بہت ہی اہم کام لیا جاسکتا ہے۔"

"کیا....!"

"وہی جو دوسرے لینے کی کوشش کررہے ہیں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"وہی جنہیں تم بھوت کہتے ہو۔"

"بس بس اب مجھے بہلانے کی کوشش نہ کیجئے۔" حمید نے ماتھے سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

"اس بار آپ کو بھوتوں کا قائل ہی ہونا پڑے گا۔ میں تو آپ کو یہی مشورہ دوں گا کہ اس کے چکر میں نہ پڑیئے۔ یہ پورا قصبہ آسیب زدہ معلوم ہوتا ہے۔"

"بکواس ہے۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"بھئی مجھے تو اب پیاس معلوم ہو رہی ہے۔ دھوپ ہے کہ دوزخ کی آنچ اور یدھ راج گڑھی کا راستہ شیطان کی آنت۔"

"ٹھہرو.... وہ سامنے کنواں دکھائی دے رہا ہے اور کچھ لوگ پانی بھر رہے ہیں۔"

وہ دونوں لمبے لمبے ڈگ بڑھاتے ہوئے کنوئیں کے قریب آئے۔ یہاں انہوں نے پانی پیا اور پھر چل پڑے۔ گرمی کی شدت کی وجہ سے دونوں کا بُرا حال ہو رہا تھا۔ یدھ راج گڑھی کے منارے تو دکھائی دے رہے تھے لیکن وہ ابھی دور تھی۔ چلتے چلتے حمید بولا۔

"چلئے اگر میں اسے مان بھی لوں کہ وہ بھوت مصنوعی تھے یعنی وہ بھوتوں کا بہروپ تھا تو یہ آپ اس کتے کی آواز کو کس طرح جھٹلایئے گا اس کے لئے کون سا خبطی جواز پیش کیجئے گا۔ کونسی تجرباتی مثال آپ کے آڑے آئے گی۔"

"بھئی اسے میں خود ابھی تک نہیں سمجھا۔ لیکن اس کے باوجود بھی اس سلسلے میں کسی ماورائی قوت کا وجود تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔"

"ٹھیک ہے.... بعض لوگ اپنی عقل کے علاوہ اور کسی چیز کا وجود تسلیم نہیں کرتے۔" حمید زہر خند کے ساتھ بولا۔

"بیٹے اس وقت تو تم مجھ پر طنز کر رہے ہو۔ لیکن اسے یاد رکھو کہ تمہیں بعد کو شرمندہ بھی ہونا پڑے گا۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے چہرے پر بدستور بیزاری کے اثرات بکھرے رہے۔

"میرا خیال ہے۔" فریدی پھر بولا۔ "اگر اس رات کو تمہیں یدھ راج گڑھی میں ایک بار بھی ہوش آیا ہوتا تو شاید تم مر ہی جاتے اور اگر نہ بھی مرتے تو کم از کم اپنا مذہب تو ضرور ہی بدل ڈالتے۔"

"کیا مطلب....!"

"خدا پرستی کے بجائے بھوت پرستی کے قائل ہو جاتے۔"

"یعنی....!"

"یعنی کہ میں ابھی کچھ اور نہیں بتانا چاہتا۔" فریدی نے کہا اور رک کر بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

دیوانی کی باتیں

تھوڑی دیر بعد وہ یدھ راج گڑھی میں داخل ہو رہے تھے۔ ان کے سامنے ایک عظیم الشان کھنڈر پھیلا ہوا تھا۔ کہیں عمارتوں کے آثار اب بھی باقی تھے۔ منارے تو قریب قریب اب تک محفوظ تھے۔ سب سے پہلے وہ اس منارے کے قریب پہنچے جس پر انہوں نے کتے کی آواز سنی تھی، حمید کانپ کر رہ گیا۔ تھوڑی دیر تک فریدی نیچے سے اوپر تک اسے دیکھتا رہا پھر اس دروازے کے قریب آیا جسے اینٹوں سے بند کر دیا گیا تھا۔ چند لمحے اسے گھورتا رہا اور پھر حمید کی طرف پلٹ آیا۔

"بڑی مشکل تو یہ ہے کہ اسے کھلوانے کے لئے آثار قدیمہ سے اجازت لینی پڑے گی۔" اس نے کہا۔

"اوہ تو اب اس فتنے کو باہر نکالنے کا ارادہ ہے۔" حمید نے کہا۔

"نہ جانے تم کن کن زادیوں سے باتیں کرتے ہو۔" فریدی منہ بنا کر بولا۔ "اگر وہ تمہارے خیال کے مطابق بھوت ہے تو کیا اسے اس قسم کی دیواریں قید کر سکیں گی۔"

"چلئے.... پیچھا چھوڑیئے۔" اس نے یہ بات سوچ سمجھ کر نہیں کہی تھی۔

وہ کافی دیر تک گڑھی کے چکر لگاتے رہے، حمید محسوس کر رہا تھا جیسے وہ کسی خاص چیز کی تلاش میں ہو۔

"ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے آپ کچھ ڈھونڈ رہے ہوں۔" حمید نے کہا۔

"ہاں مجھے ایک باؤلی کی تلاش ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ وہ تو صولت مرزا کے گھر میں موجود ہے۔"

"پھر وہی حرکت....!" فریدی منہ بنا کر بولا۔

"آخر باؤلی کیوں؟" حمید نے سنجیدگی سے پوچھا "آپ کئی بار کسی باؤلی کا تذکرہ کر چکے ہیں۔"

"کوئی خاص بات نہیں۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "اگر مل جاتی تو اچھا تھا۔ قدیم عمارتوں میں ایک آدھ باؤلی ضرور نظر آتی ہے۔"

"آپ کچھ چھپا رہے ہیں۔"

"نہیں تو..... قطعی نہیں۔" فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

تھوڑی دیر تک ادھر ادھر جھک مارنے کے بعد وہ لوٹنے لگے۔ دفعتاً فریدی اینٹوں کے ایک ڈھیر کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اس کی متجسس نگاہیں کسی چیز پر جمی ہوئی تھیں۔ پھر وہ اینٹوں کے ڈھیر پر چڑھ گیا۔ حمید نے دیکھا کہ وہ جھک کر کوئی چیز اٹھا رہا ہے اور جب اس کے پاس واپس آیا تو اس نے اس کے ہاتھ میں ایک فاؤنٹین پن دیکھا۔

"پارکر ففٹی ون ہے۔" فریدی اسے پرخیال انداز میں دیکھتا ہوا بولا۔ "غالباً یہ وہی جگہ ہے جہاں ہم گرے تھے، لیکن فاؤنٹین پن! کہیں یہ ہمارے ساتھیوں میں سے تو کسی کا نہیں ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم میں سے تو کسی کے پاس بھی پارکر ففٹی ون نہیں تھا۔"

"پھر یہ کس کا ہو سکتا ہے۔" فریدی نے کہا اور ایک بار پھر اینٹوں کے ڈھیر پر چڑھ گیا۔ کافی دیر تک جھکا دیکھتا رہا۔ پھر ایک اینٹ اٹھا کر نیچے اتر آیا۔ جیب سے محدب شیشہ نکال کر اس نے اینٹ کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔

"نشانات تو ہیں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "یہاں اس مٹی کے دھبے پر، جو اب خشک ہو چکا ہے۔"

حمید اس کے قریب آ گیا۔ فریدی سر اٹھا کر پرخیال انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔

"ہو سکتا ہے کہ یہ ہم میں سے کسی کی انگلیوں کے ہوں۔"

"ہوگا صاحب! اسے پھینکئے اور چل دیجئے۔" حمید نے اکتا کر کہا۔ "نہ جانے آپ کس چکر میں ہیں۔"

"اب شاید بتانا ہی پڑے گا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ پھر اینٹوں کے ڈھیر کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا۔ "دیوار گرنے کے بعد سے صولت مرزا کی حویلی میں پہنچنے تک ہم اسی میں نہیں دبے پڑے رہے تھے۔"

"پھر.....!" حمید یک بیک چونک کر بولا۔

"ہوش میں آنے کے بعد میں نے خود کو ایک باؤلی میں پایا تھا اور تم بھی میرے ہی قریب پڑے ہوئے تھے۔"

"میں.....!" حمید اچھل کر بولا۔ "لیکن مجھے تو یاد نہیں۔"

"تم بے ہوش تھے۔" فریدی نے کہا۔ "اور مجھے خوشی ہے کہ آخیر تک بیہوش ہی رہے۔"

"کیا مطلب.....؟"

"کچھ نہیں مطلب یہ کہ تمہارا ننھا سا دل اس تبدیلی پر دھڑکنے لگتا اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی نابالغ لڑکی کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے بھی لگتے۔"

"آخر کیوں؟"

"فضول وقت مت برباد کرو۔ آؤ چلیں۔"

"اس اینٹ کو تو پھینکئے۔"

"نہیں۔ اپنا اطمینان کئے بغیر ایسا نہیں کر سکتا۔ چلو بڑھو۔" فریدی نے اسے دھکا دے کر آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میں کہتا ہوں کہ یہ نشانات ہمارے ساتھیوں ہی میں سے کسی کے ہوں گے۔" وہ چلتا ہوا بولا۔

"آخر انہوں نے ہی ہمیں اس ڈھیر سے نکالا ہی تھا۔ اس وقت اینٹیں بھیگ رہی ہوں گی لہٰذا ان پر لگی ہوئی مٹی میں نشانات ضرور پڑے ہوں گے۔"

"لیکن ان سے پہلے بھی کسی نے ہمیں اس ڈھیر سے نکالا ہوگا۔ ورنہ ہم باؤلی میں کیوں کر پہنچے اور پھر اس کے بعد دوبارہ ہمیں اس ڈھیر میں دفن کیا ہوگا۔"

"آپ نے خواب دیکھا ہوگا۔"

"ہو سکتا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "مگر ذرا اسے دیکھو۔"

اس نے اپنا داہنا ہاتھ حمید کے سامنے پھیلا دیا۔

"کیا تم بتا سکتے ہو کہ یہ نشانات کیسے ہو سکتے ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"خراش.....!"

"جناب.....!" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "یہ خراشیں ایک چمگادڑ کے پنجوں کی ہیں۔ جو مجھ پر اس باؤلی میں جھپٹی تھی۔"

"کمال کر دیا آپ نے۔ جب یہاں کوئی باؤلی ہے ہی نہیں تو۔"

"ہے تو ضرور۔" فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"دیکھئے میں آپ سے پھر کہتا ہوں کہ اس شیطانی چکر میں نہ پڑیئے۔"

"بکے جاؤ۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی کو راہ راست پر لانا ناممکن ہے۔ ایک بار کوئی نظریہ قائم کر لینے کے بعد اس کا اس سے ہٹ جانا اتنا ہی مشکل ہے جتنا کہ منہ میں پانی لے کر سیٹی بجانا۔ اب اس نے حمید کی الجھن میں اضافہ کر لینے کے لئے ایک نیا شوشہ چھوڑ دیا تھا۔ سوچ رہا تھا کہ آخر باؤلی والی بات اس نے اسے اتنی دیر سے کیوں بتائی۔ وہاں بھی کوئی خاص قسم کا حادثہ پیش آیا تھا؟ بہر حال یہ بات معلوم ہونے پر حمید کے یقین کو اور زیادہ تقویت پہنچ گئی اور وہ اسے سچ مچ شیطانی کارخانہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ کس طرح فریدی کو اس چکر سے نکال لے جائے اور خود بھی جان بچائے۔ اپنی جان تو خیر وہ بچا ہی سکتا تھا۔ اگر وہ واپس جانے پر اڑ جائے تو فریدی اسے باندھ کر تو رکھنے سے رہا۔ لیکن وہ اس قسم کی کوئی حرکت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ فریدی کو کسی خطرے میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ اس کی وجہ افسری اور ماتحتی کا خیال نہیں تھا۔ فریدی کی شخصیت اور کردار نے اسے اپنا غلام بنا لیا تھا۔ وہ اس کے بے پناہ خلوص کا پجاری تھا۔ اس کی اس محبت پر جان دیتا تھا، جو صرف چھوٹے بھائی ہی کے لئے ہو سکتی ہے۔ بہر حال وہ اس طرح نہیں بھاگ سکتا تھا جس سے ان کے جذباتی رشتے مجروح ہوتے۔

"لیکن ذرا یہ تو بتایئے۔" وہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔ "کہ آپ کی خودداری کہاں قیام کرے گی۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میرا خیال ہے کہ کوئی شریف آدمی کسی ایسی جگہ نہیں رہ سکتا جہاں لوگ اس کے قیام کے خواہشمند نہ ہوں۔"

"اوہ....؟" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تو گویا تم اب تک جمیلہ کے خیال میں ڈوبے ہوئے ہو۔"

"میں نے تو اپنی بڑی توہین محسوس کی ہے۔"

"مگر ہم تو صولت مرزا کے مہمان ہیں۔"

"چہ خوب.... گویا جمیلہ صولت مرزا کی لڑکی نہیں ہے۔"

"ہے کیوں نہیں.... لیکن پاگل ہے۔"

"مجھے تو یہاں سبھی پاگل دکھائی دیتے ہیں۔"

"اچھا تو تمہارا انتظام ارسلانوس کے یہاں کرا دوں گا۔"

"بہتر ہوگا کہ آپ مجھے کسی ریچھ یا بھیڑیئے کے سپرد کر دیجئے۔"

"ارے نہیں۔ بڑا پیارا آدمی ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اپنا اپنا ذوق ہے۔ بہر حال میں اس ڈارون کے پٹھے کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔"

"اوہو.... تو بے چارے ڈارون پر کیوں غصہ اتار رہے ہو۔"

"محض اس لئے کہ یہ ساری بیداری اس کی پھیلائی ہوئی ہے جس کی وجہ سے لوگوں نے غیر مروئی قوتوں پر یقین کرنا چھوڑ دیا۔"

"بیٹے حمید صاحب یہ خیال اپنے ذہن سے نکال لو۔ ورنہ مجھے تم سے نفرت ہو جائے گی۔"

"کاش نفرت ہی ہو جاتی۔"

"اچھا ذرا تیز چلو۔" فریدی نے اسے پھر دھکا دیا۔

"چل تو رہا ہوں۔ اب کیا سر کے بل چلوں۔"

تین بجتے بجتے وہ لوگ اپنی قیام گاہ پر پہنچ گئے۔ انہوں نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا اور نہ صولت مرزا کو اطلاع ہی دے کر گئے تھے۔ صولت مرزا کافی دیر تک بزرگانہ انداز میں فریدی کو برا بھلا کہتا رہا۔ حمید اندر ہی نہیں گیا۔ اس نے فریدی سے کہہ دیا تھا کہ وہ اس کی چائے اس کے کمرے میں بھجوا دے۔ کمرے میں آ کر اس نے دروازہ بند کر لیا اور سوچنے لگا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ اس گھر میں مزید قیام کرنے کے خیال ہی سے اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ وہ پائپ میں تمباکو بھر کر اسے سلگاتا ہوا ایک آرام کرسی پر لیٹ گیا۔ راستے کی تھکن پچھلی رات کی بیداری ایک بوجھ کی طرح اس کے ذہن پر مسلط ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے تین چار گہرے گہرے کش لینے کے بعد جلی ہوئی تمباکو ایش ٹرے میں جھاڑ دی اور پھر آرام کرسی پر نیم دراز ہو کر اونگھنے لگا۔

ابھی اچھی طرح آنکھ نہیں لگی تھی کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ حمید منہ سکوڑتا ہوا اٹھا۔ ساتھ ہی وہ بڑبڑاتا بھی جا رہا تھا۔ کوئی تک ہے ابھی سے چائے بھی آ گئی ان لوگوں کو سوا

کھانے پینے کے کچھ اور بھی آتا ہے۔ کیا مصیبت ہے.... ارے باپ؟

دروازہ کھولتے ہی وہ بے اختیار اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

دروازے میں جمیلہ کھڑی اسے گھور رہی تھی۔

"جی ہاں....!" حمید بوکھلا کر بولا "مم.... میں سامان ہی.... بب.... باندھ رہا تھا۔"

جمیلہ اندر چلی گئی اور حمید کے جسم سے پسینہ چھوٹ پڑا۔

"وہ دیکھئے نا....!" وہ پھر بولا۔ "یہ بکس ہے نا.... ذرا اس کی کنڈی کچھ سخت ہو گئی ہے۔ ارے.... ہولڈال کہاں ہے۔ بستر بندھ گیا۔ بالکل بندھ گیا۔"

جمیلہ آرام کرسی پر بیٹھ گئی۔

"آپ اتنے مضحکہ خیز کیوں ہوئے جا رہے ہیں۔" جمیلہ پرسکون لہجے میں بولی۔ حمید نے محسوس کیا کہ وہ سچ مچ خواہ مخواہ اُلو ہوا جا رہا ہے۔ اس سے یہ حرکت قطعی غیر ارادی طور پر سرزد ہوئی تھی۔ لہٰذا اب وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا اور کسی حد تک اس میں کامیاب بھی ہوا لیکن اس کا نچلا ہونٹ ابھی تک خود بخود پھڑکے جا رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس میں کوئی کمی رہ گئی ہو۔

"مجھے اپنے رویے پر افسوس ہے۔" جمیلہ آہستہ سے بولی۔ "میں غصے میں تھی۔"

"اوہ کوئی بات نہیں.... کوئی بات نہیں۔"

"لیکن میں کیوں غصے میں تھی؟" جمیلہ نے سوال کیا اور حمید پھر بوکھلا گیا۔ اس نے یہ سوال محض باتوں کی رو میں کیا تھا۔ ورنہ جواب طلب نظروں سے حمید کی طرف دیکھتی نہ رہتی۔

"غالباً آپ کو فریدی صاحب پر غصہ آیا ہوگا۔" حمید نے کافی سوچ بچار کے بعد کہا۔

"بھلا ان پر کیوں آتا۔"

اس دوسرے سوال پر حمید جھنجھلا گیا۔ اس دوران میں اس نے خود کو کافی سنبھال لیا تھا اور اس کا دماغ سوچنے سمجھنے کے قابل ہو گیا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کی وہ ساری صلاحیتیں بھی جاگ اٹھی تھیں جو عورتوں کو اپنی طرف متوجہ کر لینے کے لئے کافی ہوتی تھیں۔

"شاید آپ کو ان کی بے ڈھنگی چال پر غصہ آیا ہوگا۔" اس نے کہا۔

"تو گویا میں اب تک ان کی چال دیکھتی رہی ہوں۔" جمیلہ نے ناخوشگوار لہجے میں سوال کیا۔

"آپ غلط سمجھیں۔ یہ بات نہیں۔ قاعدہ ہے کہ بعض بے ہنگم چیزوں پر خود بخود نظر پڑ جاتی ہے۔"

جمیلہ خاموش ہو گئی۔ اس کی نظریں سامنے والی دیوار پر جمی ہوئی تھیں اور حمید گھبرا گھبرا کر اس کی نظروں کا تعاقب کر رہا تھا کہ کہیں دیوار سے کوئی بھیانک چیز نہ نکل پڑے۔

"بہر حال میں غصے میں تھی۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"مجھے قطعی افسوس نہیں ہے۔" حمید جلدی سے بولا۔ "غصے میں آدمی کہنا کچھ چاہتا ہے منہ سے نکلتا کچھ ہے۔ مثلاً میں ہی غصے کی حالت میں بڑی بے تکی باتیں کرنے لگتا ہوں۔ اگر غصے میں کسی کو گدھا کہنا ہوگا تو ٹماٹر یا چقندر کہہ جاؤں گا۔"

جمیلہ کے ہونٹوں پر ایک بے جان مسکراہٹ پھیل گئی۔ بہر حال حمید کی عاقبت روشن کرنے کے لئے یہی کافی تھا۔ وہ اچھی طرح چہکنے کے موڈ میں آ گیا۔

"اب ایک بار کا لطیفہ سنئے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "ایک نوکر پر ایک دن بڑا تاؤ آیا۔ کہنا یہ چاہتا تھا کہ سور کے بچے جہنم میں جاؤ۔ لیکن بوکھلاہٹ میں کہہ گیا جہنم کے بچے سور میں جاؤ۔ لہٰذا وہ مرعوب ہونے کے بجائے سر پیٹ پیٹ کر ہنسنے لگا۔"

جمیلہ پھر مسکرائی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اچانک اس طرح سنجیدہ ہو گئی جیسے حمید نے اسے گالی دی ہو۔

"میں یہاں آپ سے فلرٹ کرنے نہیں آئی۔" اس کے لہجے میں حمید نے ناقابل برداشت قسم کی تلخی محسوس کی۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ وہ اس کے دوسرے جملے کا منتظر تھا اور خود جمیلہ کے انداز کی تشنگی یہ بات ظاہر کر رہی تھی کہ وہ اس ایک جملے پر اکتفا نہ کرے گی۔ وہ کچھ کہنا ضرور چاہتی تھی لیکن چہرے پر ہچکچاہٹ کے آثار تھے۔

"میں آپ سے صاف صاف باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

"آپ یقین رکھیں کہ وہ صرف مجھ تک ہی محدود رہیں گی۔"

جمیلہ کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ والد صاحب نے تم لوگوں کو بھی اس سازش میں شریک کیا ہے۔"

"سازش....!" حمید چونک کر بولا۔

"ہاں سازش....!" وہ تیز لہجے میں بولی۔ "بہت دنوں سے برداشت کر رہی تھی لیکن اب

ضبط کی سرحدوں سے باہر ہو چکی ہوں۔ والد صاحب نے شاید تمہیں یہ نہیں بتایا کہ وہ مجھے کیوں بدنام کر رہے ہیں۔"

"بدنام کر رہے ہیں۔" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"بھولے مت بنو۔ میں سب کچھ جانتی ہوں۔"

حمید حیرت سے اس کا منہ دیکھتا رہا اور وہ بولتی رہی۔

"والد صاحب اس لئے مجھے بدنام کر رہے ہیں کہ میری شادی نہ ہو سکے۔ اگر شادی ہو گئی تو وہ تین لاکھ کی رقم ان کے ہاتھ سے نکل جائے گی جو نانا جان مرحوم خاص طور پر میرے نام سے بنک میں جمع کرا گئے ہیں۔"

"اوہ.....!"

"پھر تم نے ایکٹنگ شروع کی۔" جمیلہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "تم مجھے کسی طرح اس بات کا یقین نہیں دلا سکتے کہ تم دونوں اس سازش میں شریک نہیں ہو۔"

حمید نے سوچا کہ کیوں نہ فی الحال اس کی ہاں میں ہاں ملائی جائے۔

"میں ایکٹنگ نہیں کر رہا ہوں۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "ممکن ہے آپ کا خیال درست ہو لیکن مجھے اس کا کوئی علم نہیں۔ ابھی تک فریدی صاحب نے مجھے کچھ بتایا ہی نہیں۔"

جمیلہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر سر اٹھا کر آہستہ سے گلوگیر آواز میں بولی۔

"میری زندگی برباد کر کے تم لوگوں کو کیا ملے گا۔ والد صاحب کو سمجھا دو کہ مجھے وہ تین لاکھ روپے نہیں چاہئیں لیکن میں اب اس گھر میں نہیں رہ سکتی۔"

"میں انہیں سمجھا دوں گا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا تم نے کبھی اور بھی کسی ایسی بیماری کا نام سنا تھا جیسی مجھ سے منسوب کی جاتی ہے۔"

"کبھی نہیں۔"

"کیا تم نے بھی مجھے کسی رات کو دورے کی حالت میں چلتے پھرتے دیکھا تھا۔"

"ہرگز نہیں۔" حمید نے سفید جھوٹ بولا۔

"تو پھر وہ سیاہی میری میز پر کس طرح گری تھی؟" جمیلہ نے حمید کو گھور کر پوچھا۔

"میں کیا جانوں..... میں نے فریدی صاحب کی زبانی سنا تھا۔"

"آخر انہیں ان باتوں سے کیا مل جائے گا۔ میں نے سنا تھا کہ وہ مجبوروں کی مدد کرتے ہیں۔ پھر آخر میرے لئے کیوں اتنے تنگدل بن گئے ہیں۔"

"میں انہیں سمجھا دوں گا۔" حمید جلدی سے بولا۔

نہ جانے کیوں اسے اس سے کچھ کچھ ہمدردی سی ہو چکی تھی۔ لیکن وہ ان معاملات کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ کیوں کہ وہ خود اسے دو بار دورے کی حالت میں دیکھ چکا تھا۔ وہ سوچتا رہا۔

"میں نے سب کچھ آپ کے سامنے رکھ دیا؟" جمیلہ اٹھتی ہوئی بولی۔ "اب جو کچھ آپ کا ضمیر گوارا کرے۔"

"آپ مطمئن رہئے۔" حمید بھی مودبانہ انداز میں اٹھتا ہوا بولا۔

جمیلہ چلی گئی اور وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھتا رہا۔ اس کا ذہن قلابازیاں کھانے لگا تھا۔ آخر اس گھر میں ہو کیا رہا ہے۔ باپ کچھ بیٹی کچھ۔ دوسری بیٹی دماغ خراب کرنے کے لئے مہمل اشعار بانٹتی ہے اس نے پچھلی رات کو وہ منظر بھی دیکھا تھا جب بیٹی نے باپ کے منہ پر تھپڑ رسید کیا تھا اور وہ سب کیا تھا۔

وہ بے صبری سے فریدی کا انتظار کرنے لگا لیکن وہ نہ آیا۔ اس دوران میں چائے بھی آئی لیکن نہ تو صولت مرزا دکھائی دیا اور نہ فریدی..... برآمدے میں ایک آدھ بار شکیلہ پر ضرور نظر پڑی۔ لیکن اس نے حمید کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ حمید تھوڑی دیر تک بیٹھا الجھتا رہا۔ پھر برآمدے میں نکل آیا۔

رات ہوئی لیکن فریدی کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ حمید نے صولت مرزا سے پوچھا۔ لیکن اس نے لاعلمی ظاہر کی۔ آخر حمید تھک ہار کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ حالانکہ جمیلہ سے اس کی گفتگو ہو چکی تھی۔ لیکن وہ رات کے تصور ہی سے لرز رہا تھا۔ کھانا کھا چکنے کے بعد اس نے نہایت احتیاط سے کمرے کے سارے دروازے بند کر دیئے اور انتہائی گرمی کے باوجود بھی بند کمرے میں سو گیا۔

کتبے کا سراغ

دوسرے دن فریدی ناشتے کی میز پر صولت مرزا سے کہہ رہا تھا۔

"آج ہم لوگ واپس جا رہے ہیں۔"

ناشتے پر اس وقت یہی تینوں تھے۔ حمید چونک کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے ابھی تک اس سے یہی نہیں پوچھا تھا کہ وہ پچھلی رات کو کہاں رہ گیا تھا۔ اس وقت وہ اور.... صولت مرزا ناشتہ ہی کر رہے تھے کہ وہ بھی آ گیا تھا اور قبل اس کے کہ اس سے رات کی غیر حاضری کا سبب پوچھا جاتا اس نے آج کی روانگی کا ذکر چھیڑ دیا۔

"تو کیا تم ہمیں اس مصیبت میں چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔" صولت مرزا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں آپ ہی کیلئے ایسا کر رہا ہوں۔ فی الحال یہاں رہ کر میں آپ کے کسی کام نہ آسکوں گا۔"

فریدی نے چائے کی پیالی رکھ کر سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

صولت مرزا چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔

"رات کہاں رہ گئے تھے۔"

"تھانے کے انچارج نے روک لیا تھا۔ لہٰذا رات اس کے ساتھ بسر کرنی پڑی۔ مجھے امید ہے کہ آپ نے بُرا نہ مانا ہوگا۔"

"اس میں بُرا ماننے کی کیا بات ہے۔" صولت مرزا نے فکر مندانہ انداز میں کہا۔

"تو کس ٹرین سے جاؤ گے۔"

"تین بجے والی سے۔"

اس گفتگو کے علاوہ بقیہ وقت میں خاموشی ہی رہی۔

ناشتے کے بعد فریدی اور حمید عقبی پارک میں آ بیٹھے۔

"اب بتایئے کہ آپ رات کہاں تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"اسی پارک میں۔"

"یہاں....!" حمید چونک کر بولا۔

"ہاں....!"

"پھر....!"

"نہ تو رات اس پر دورہ ہی پڑا اور نہ وہ بھوت دکھائی دیئے۔"

"کل رات دورہ نہیں پڑا....؟" حمید نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔"

"آخر کل کیوں نہیں پڑا۔"

"نہ پڑا ہوگا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"تو پھر آپ کیا کرتے رہے۔"

"بھوتوں کا انتظار۔"

"واقعی آپ دیوانگی کی حد تک پہنچ چکے ہیں۔"

فریدی مسکرانے لگا۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔

"جانتے ہو وہ فونٹین پن کس کا تھا۔"

"یہی جانتا ہوتا تو لوگ ولی اللہ نہ کہتے۔" حمید بیزاری سے بولا۔ لیکن فریدی نے اس کے لہجے پر دھیان دیئے بغیر کہا۔ "وہ فونٹین پن جمیلہ کا تھا۔"

"ارے....!" حمید تقریباً اچھل پڑا۔ "کس سے معلوم ہوا۔"

"صولت مرزا سے۔"

"پھر اس نے آپ سے یہ بھی پوچھا ہوگا کہ وہ آپ کو ملا کہاں سے۔"

"یقیناً۔ یہ ایک قدرتی سوال تھا۔" فریدی مسکرایا۔

"پھر آپ نے کیا کہا۔"

"ظاہر ہے کہ میں نے اسے حقیقت نہ بتائی ہوگی۔"

"آپ یک بیک شہر کے لئے کیوں تیار ہوگئے۔"

"اس کتبے کے چکر میں ہوں جس پر سے وہ اشعار نقل کئے گئے تھے۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ "میں آپ کو اتنا ناسمجھ نہیں سمجھتا تھا۔"

"خیریت.... خیریت۔" فریدی مسکرایا۔ "تم عقلمند کب سے ہوگئے۔"

"میں کسی وجہ سے ایسا کہہ رہا ہوں۔" حمید نے فریدی کے لہجے کی نقل اتاری اور فریدی بے اختیار ہنس پڑا۔

"پیر و مرشد اس راز سے ذرا ہیچ مقدار کو بھی آگاہ فرما کر رونے کا موقع دیجئے۔"

حمید نے فلسفیانہ انداز میں اُلو کی طرح اپنے دیدے پھرائے اور جمیلہ کی گفتگو بیان کر
پھر جب اس نے اس موقع پر یہ تصور کرتے ہوئے کہ فریدی کی آنکھیں چمکنے لگی ہوں گی ا
طرف دیکھا تو اس کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ فریدی کے چہرے سے کچھ ایسی بے تعلقی ظاہر ہو
تھی جیسے وہ اب تک کسی ضدی بچے کی "ریں ریں اور ٹیں ٹیں" سنتا رہا ہو۔

"پھر کیا ہوا۔" حمید کے خاموش ہوتے ہی اس نے لاپروائی سے پوچھا۔

"میرا سر.....!" حمید بھنا کر بولا۔

"پھٹا تو نہیں۔" فریدی نے ہمدردانہ انداز میں پوچھا۔

"آپ مجھے اُلو سمجھتے ہیں۔" حمید نے چیخ کر کہا۔

"نہیں الو سے بھی اونچی چیز۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "آخر تم اس دیوانی لڑکی اور ا
کی باتوں کو کیوں اتنی اہمیت دیتے ہو۔"

"معلوم نہیں آپ کس چکر میں ہیں اور کیا سوچتے ہیں۔"

"میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ لڑکی کچھ نہیں جانتی۔ حتیٰ کہ اسے اپنے متعلق بھی
نہیں معلوم۔"

"یہ کتنے عرصے کے تجربات کا نچوڑ ہے۔" حمید نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"اخا! اب آپ بھی طنز فرمانے لگے..... صاحبزادے ہو۔"

"شکریہ! میں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ حرام زادہ ہوں۔"

"خیر فضول باتیں چھوڑو..... ہمیں چلنے کی تیاری بھی کرنی ہے۔"

وہ دونوں اٹھ کر اس کمرے میں چلے آئے جہاں ان کا سامان رکھا ہوا تھا۔ حمید منتشر
چیزیں اکٹھا کرنے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ گنگناتا بھی جا رہا تھا۔ اسے خوشی تھی کہ وقتی ہی طور
سہی اس بھوت خانے سے نجات تو مل رہی ہے۔

"تو آپ اس کتبے کو کہاں تلاش کرتے پھریں گے۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

فریدی آرام کرسی پر آنکھیں بند کئے لیٹا تھا۔ حمید کے مخاطب کرنے پر اٹھ بیٹھا۔

"کیا پوچھا تھا تم نے۔"

حمید نے اپنا سوال دہرایا۔

"اس کے لئے زیادہ تکلیف نہ اٹھانی پڑے گی۔" فریدی نے انگڑائی لے کر کہا۔ "صولت مرزا سے معلوم ہوا ہے کہ کھدائی کرنے والے یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ سے تعلق رکھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اگر اس قسم کی کوئی چیز برآمد ہوئی تھی تو وہ یونیورسٹی کے میوزیم میں ضرور موجود ہو گی۔"

"تو یقین کیجئے کہ وہ کتبہ موجود نہ ہو گا۔" حمید نے کہا۔

"کیوں.....!"

"ارے صاحب یہ سب مل کر ہمیں بے وقوف بنا رہے ہیں۔ مجھے تو ان کی کسی بات پر یقین نہیں آیا۔"

"ایسی بے یقینی بھی ٹھیک نہیں۔ خصوصاً ایک سراغ رساں کے لئے۔"

"سراغ رساں.....!" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "چھٹیوں میں، میں خود کو قطعی سراغ رساں نہیں سمجھتا۔ یہ سعادت تو کچھ آپ ہی کے حصے میں آئی ہے۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ اس کی آنکھیں گہرے تفکر کا پتہ دے رہی تھیں۔

"لیکن یہ تو بتایئے۔" حمید پھر بولا۔ "وہ کتبہ شکیلہ کے ہاتھ کیسے لگا تھا۔"

"کھدائی کرنے والوں نے صولت مرزا ہی کے گھر قیام کیا تھا۔"

"اوہ تو..... بہر حال صولت مرزا وغیرہ نے آپ کو اچھی طرح جکڑ لیا ہے۔"

"اچھا سنو.....!" فریدی پر خیال انداز میں بولا۔ "اب ہم ان معاملات کے متعلق قطعی کوئی بات نہ کریں گے۔"

حمید اسے معنی خیز نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر سر کو خفیف سی جنبش دے کر اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

اس کیس میں کچھ اس قسم کے الجھاوے پیدا ہو گئے تھے کہ حمید نے اس کی طرف سے اپنے ذہن کو بے تعلق کر لینے ہی میں بھلائی دیکھی۔ اس کا خیال تھا کہ صولت مرزا وغیرہ انہیں کسی جال میں پھانسنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن فریدی اس پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ حالانکہ فی الحال اس کے پاس اپنے نظریئے کی پختگی کے ثبوت میں کافی دلائل نہیں تھے لیکن پھر بھی وہ اس بات پر اڑا ہوا تھا کہ کوئی دوسرا ان لوگوں کو اپنا آلہ کار بنائے ہوئے ہے۔

حمید سوچ رہا تھا کہ اگر جمیلہ ان واقعات سے بے تعلق ہے تو پھر اس کا فاؤنٹین پن یدھ راج

گڑھی میں کس طرح پہنچا اور پھر خلاف معمول پچھلی رات کو اس پر دورہ کیوں نہیں پڑا۔ وہ ارسلانوس کو بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی سمجھنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ محض اس لئے کہ یہ ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ تحت عقرب یدھ راج گڑھی میں موجود نہیں ہے تو کیا ان سب شیطانی حرکتوں میں اس کا بھی ہاتھ ہے۔ ہو سکتا ہے یہی بات ہو کیونکہ اس کے اور صولت مرزا کے تعلقات اچھے بھی نہیں معلوم ہوتے۔ دونوں ملتے ضرور ہیں لیکن ان کے درمیان میں کوئی ناخوشگوار سا جذبہ حائل معلوم ہوتا ہے۔ ایک بار ارسلانوس نے اس کی برائیاں بھی تو بیان کی تھیں اور جمیلہ کی حرکات کو محض ڈھونگ قرار دیا تھا تاکہ گھر والوں پر اس کا رعب قائم رہے۔ اس کے برخلاف جمیلہ اس بات کی شاکی ہے کہ اس کے گھر والے اسے بدنام کر کے شادی سے روکنا چاہتے ہیں۔

حمید نے لاکھ کوشش کی کہ اپنے ذہن کو ان واقعات کی طرف سے ہٹا لے۔ لیکن کامیاب نہ ہوا۔ یدھ راج نگر سے روانگی کے وقت اس کا دماغ بُری طرح پک رہا تھا اور چہرے پر گہرے تفکر کے آثار تھے۔ لیکن اس کے برخلاف فریدی بالکل ہی سیدھے سادھے موڈ میں تھا.... روانگی سے قبل اس نے صولت مرزا سے الوداعی ملاقات اس طرح کی جیسے وہ اب تک ان کے یہاں محض سیر و تفریح کرتا اور دعوتیں اڑاتا رہا ہو۔ حمید نے اس وقت ایک بات اور بھی محسوس کی کہ جمیلہ خلاف عادت بہت زیادہ بشاش نظر آ رہی تھی اور بقیہ لوگوں کے چہروں پر وہی آثار تھے، جو کسی مہمان کو رخصت کرتے وقت ظاہر ہوتے ہیں۔ خصوصاً صولت مرزا بہت زیادہ پریشان اور اداس معلوم ہو رہا تھا۔

جمیلہ انہیں اسٹیشن تک چھوڑنے کے لئے آئی۔ صولت مرزا بھی آ رہا تھا لیکن فریدی نے روک دیا۔

گاڑی پندرہ یا بیس منٹ لیٹ تھی حمید کو اس وقت سخت حیرت ہو رہی تھی کہ فریدی نے جمیلہ سے سوائے چند رسمی باتوں کے اور کوئی بات نہ کی۔ آخر کیوں؟ حمید کا خیال تھا کہ جمیلہ اس ڈرامے کی خاص کردار ہے لیکن فریدی اسے بُری طرح نظر انداز کر رہا تھا۔ وہ سمجھا تھا کہ فریدی اسے تنہا پاتے ہی اس پر سوالات کی بوچھاڑ کر دے گا۔ اس دوران میں فریدی کسی کام سے ان کے پاس سے ہٹ گیا اور جمیلہ حمید سے بولی۔

"میں آپ کی شکر گزار ہوں۔ لیکن آپ نے ان باتوں کا تذکرہ والد صاحب سے تو نہیں کیا۔"

"نہیں نہیں.... میں اتنا ناسمجھ تو نہیں ہوں۔" حمید جلدی سے بولا۔

"شکریہ...." وہ آہستہ سے بولی۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر کہنے لگی۔ "میں ایک بہت بڑے عذاب میں مبتلا ہوں۔ کبھی کبھی میرا دل مجھے بغاوت پر ابھارتا ہے۔ لیکن پھر افسوس ہوتا ہے۔ میں ہر وقت کسی نہ کسی ذہنی کشمکش میں مبتلا رہتی ہوں۔ کبھی کبھی میرے منہ سے ایسی باتیں بھی نکل جاتی ہیں جو مجھے نہ کہنی چاہئیں۔"

"ہوتا ہے بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے۔" حمید نے کہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کہنا چاہئے۔

"آپ نے فریدی صاحب سے اس کا تذکرہ ضرور ہی کیا ہوگا۔" جمیلہ نے پوچھا۔

"قطعی نہیں۔" حمید جلدی سے بولا۔ "ورنہ پھر بات ہی کیا رہ جاتی۔ میں نے بس کسی طرح انہیں واپس چلنے پر راضی کر لیا۔"

جمیلہ نے سر جھکا لیا اور پھر جب اس نے نظریں اٹھائیں تو حمید نے اس کے چہرے پر ندامت کے آثار دیکھے۔ سارا تیکھا پن نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ اس کی بجائے اس کے چہرے پر ایک غم آلود نرماہٹ پھیل گئی تھی اور آنکھیں کسی گہری سوچ اور پرسکون جھیل کی طرح حسین اور طمانیت بخش نظر آنے لگی تھیں۔ پھر حمید دوسرے ہی لمحے میں یہ بھی بھول گیا کہ وہ تھوڑی دیر قبل اس سے خائف تھا۔ اسے وہ پُراسرار بھوت بھی نہ یاد رہ گئے۔ اس نے اس تھپڑ کو بھی فراموش کر دیا جسے ایک بیٹی نے اپنے باپ کے منہ پر رسید کیا۔ وہ سب کچھ بھول گیا اس کے ذہن میں صرف ایک ہی خیال تھا وہ یہ کہ جمیلہ غیر معمولی حسن کی مالک ہے۔ کسی بڑے آرٹسٹ کا ایک اچھوتا خیال۔

شہر پہنچتے پہنچتے رات ہو گئی اور فریدی کو اس کتبے کے متعلق چھان بین ملتوی کر دینی پڑی۔

حمید بہت زیادہ تھکا ہوا تھا اس لئے زیادہ دیر تک نہ جاگ سکا۔ لیکن رات میں جب بھی اس کی آنکھیں کھلیں اس نے فریدی کی لائبریری میں روشنی دیکھی۔

دوسرے دن صبح اسے نوکروں سے معلوم ہوا کہ فریدی رات بھر لائبریری ہی میں رہا اور اس وقت وہ ایک آرام کرسی پر پڑا سو رہا تھا۔ حمید نے اسے جگانا مناسب نہ سمجھا۔ وہ جانتا تھا کہ جتنی دیر سونے کا تہیہ کر چکا ہے اتنی ہی دیر سوئے گا۔ اس نے نہ جانے کس طرح یہ عادت ڈال لی

تھی۔ یہ چیز کسی عام آدمی کے بس کا روگ نہیں۔ اچھے اچھے بااصول قسم کے لوگ بھی نیند پر
نہیں پاتے۔ لیکن فریدی کا خیال تھا کہ جتنی دیر بعد جاگنے کا تہیہ کر لیتا اس سے ایک منٹ
ادھر ادھر نہ ہوتا۔ وہ اکثر حمید سے کہا کرتا تھا کہ وہ اس کی قوت ارادی کا ایک ادنیٰ کرشمہ
قوت ارادی کی تربیت انسان کو کسی چیز کی پابند نہیں بنا سکتی۔ خواہ وہ موت ہی کیوں نہ ہو اور حمید
سچ مچ اس کا تجربہ بھی ہو چکا تھا۔ اس نے ایک نہیں سینکڑوں بار فریدی کو موت کے منہ سے
نکلتے دیکھا تھا۔

آٹھ بجے فریدی سو کر اٹھا لیکن وہ بہت خاموش خاموش تھا۔ چہرے پر گہرے تفکر کے آ
تھے اور آنکھیں ابھی تک نیند میں ڈوبی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں۔ ناشتے کے دوران میں اس
بہت کم گفتگو کی۔ وہ بھی اس کیس یا زیر تفتیش کتبے کے متعلق نہیں تھی۔

دس بجے وہ دفتر کے لئے روانہ ہو گئے۔ فریدی دیر تک دفتر میں بیٹھا۔ اس نے صرف
حاضری بتائی۔ دو ایک کاغذات دیکھے اور پھر اٹھ کر کہیں چلا گیا۔ حمید نے شام چار بجے تک اس
انتظار کیا۔ لیکن وہ جب واپس نہ آیا تو مجبوراً اسے ٹیکسی ہی پر گھر واپس ہونا پڑا کیونکہ فریدی اپنی کار
ساتھ لے گیا تھا۔

وہ گھر پر بھی موجود نہیں تھا۔ حمید غسل اور ناشتے سے فارغ ہو کر یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اب کیا
کرے کہ فریدی کی آواز سنائی دی۔ وہ برابر کے کمرے میں کسی سے باتیں کر رہا تھا۔ حمید آہستہ
آہستہ چلتا ہوا کھڑکی کے قریب آیا۔ فریدی کا مخاطب ایک ادھیڑ عمر کا بھاری بھرکم آدمی تھا جس کے
سر انڈے کے چھلکے کی طرح صاف اور نچلا جبڑا اتنا بھاری تھا کہ غیر متناسب معلوم ہوتا تھا۔
آنکھیں چھوٹی چھوٹی تھیں۔ نہ جانے ان میں کیا بات تھی کہ حمید کو ہاتھی کی آنکھیں یاد آ گئیں۔
سفید قمیض اور پتلون میں وہ بڑا بارعب معلوم ہو رہا تھا۔ گفتگو کرتے وقت اس کی ٹھوڑی کچھ اس
انداز سے ہل رہی تھی کہ حمید کا ذہن ایک ایسے بھیڑیئے کے تصور سے خالی نہ رہ سکا جو اپنے شکار
کی بوٹیاں نوچ رہا ہو۔ فریدی اسے ساتھ لے کر اپنے عجائبات کے کمرے میں چلا گیا۔

حمید متحیر تھا کہ وہ کون ہے۔ اُس نے اسے کہیں نہ کہیں دیکھا ضرور تھا۔ لیکن اسے اچھی
طرح یقین تھا کہ اس نے اسے فریدی کے ساتھ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ بھی آہستہ آہستہ عجائبات
کے کمرے کی طرف بڑھا۔ فریدی اس نووارد کو بعض قدیم اور تاریخی چیزیں دیکھا دیکھا کر ان

تبصرہ کر رہا تھا۔

حمید نے دیکھا کہ نووارد بھی کبھی کبھی اظہار خیال کر دیتا ہے۔ وہ ہر چیز کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ حمید نے محسوس کیا کہ فریدی اسے خاص طور پر قدیم کتبوں اور مخطوطات کے نمونے دکھا رہا ہے۔

"میں ان چیزوں پر عاشق ہوں۔" فریدی نے اسے کہا۔ "اور جہاں کہیں بھی مجھے کوئی پرانا کتبہ دکھائی دیتا ہے اسے خرید لینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتا ہوں۔"

"اچھا شوق ہے۔" نووارد نے سر ہلا کر کہا۔ "خیر میری تو عمر ہی اس دشت کی سیاحی میں گزری ہے لیکن اتنے نمونے خود میرے پاس بھی نہیں ہیں۔"

"خیر بہر حال۔" فریدی اسے سگار پیش کرتا ہوا بولا۔ "مجھے امید ہے کہ ایک مشترک شوق رکھنے کی بناء پر ایک دوسرے سے آئندہ بھی ملتے رہیں گے۔"

"ضرور ضرور.....!" نووارد مسکرا کر بولا۔ "یہ حقیقت ہے کہ مجھے آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ہے۔"

وہ دروازے کی طرف آ رہے تھے۔ اسلئے حمید سامنے سے ہٹ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

فریدی اسے رخصت کرنے کے لئے پھاٹک تک آیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ حمید سے کہہ رہا تھا۔

"تم نے بہت اچھا کیا کہ اس کے سامنے نہیں آئے۔"

"کیوں.....؟ وہ کون تھا۔"

"یونیورسٹی کے شعبہ تواریخ کا صدر ڈاکٹر بھٹناگر۔"

"تو آپ اسی کتبے کے چکر میں ہیں۔"

"ہاں! بدھ گڑھی کی کھدائی اسی کی نگرانی میں ہوئی تھی۔"

"وہ کتبہ.....!"

"یونیورسٹی کے میوزیم میں موجود نہیں ہے۔ ڈاکٹر بھٹناگر کا کہنا ہے کہ اس قسم کا کوئی کتبہ برآمد نہیں ہوا۔"

"وہ تو میں پہلے ہی جانتا تھا....." حمید مسکرا کر بولا۔

"تم غلط جانتے تھے۔" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد کھڑکی کے پ
دیکھتا ہوا بولا۔ "جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ کھانا مے پول میں کھائیں گے۔"

"کوئی خاص بات۔" حمید اسے معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگا۔

"ہو سکتا ہے کوئی خاص بات ہی ہو جائے۔ جلدی کرو۔"

"دوڑ دھوپ نہیں کروں گا۔" حمید نے کہا۔ "یہ ابھی سے بتائے دیتا ہوں کہ ایک آ
راؤنڈر مبا کے بھی ہوں گے۔"

"چلو چلو....!" فریدی بیزاری سے بولا۔

حمید ایک فلمی گیت گاتا ہوا دوسرے کمرے میں جانے لگا۔

"ٹھہرو....!" فریدی نے کہا۔

حمید رک گیا۔

"آئندہ اس قسم کے گیت نہیں گاؤ گے۔"

"خدا کی قسم آپ نے میری زندگی تلخ کر رکھی ہے۔"

"بکو مت.... جاؤ....!"

بُرے پھنسے

مے پول ہوٹل میں خاصی رونق تھی۔ آٹھ بج چکے تھے۔ ڈرائینگ ہال میں بھی بال رو
موسیقی سنائی دے رہی تھی لیکن ابھی شاید رقص نہیں شروع ہوا تھا۔

حمید نے اندر داخل ہوتے ہی اپنے مخصوص انداز میں دانت کٹکٹائے اور چاروں طر
دیکھنے لگا۔ کاؤنٹر پر آج کوئی دوسری کلرک لڑکی بیٹھی تھی۔ اس سے پہلے کبھی اس نے اسے
نہیں دیکھا تھا۔

"یہ کوئی نئی معلوم ہوتی ہے۔" حمید نے فریدی سے کہا۔

فریدی اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر کیبنوں کی طرف بڑھنے لگا۔ حمید چل تو رہا
کے پیچھے.... لیکن ذہن بال روم کی موسیقی میں الجھا ہوا تھا۔

فریدی نے ایک کیبن کا پردہ ہٹایا لیکن دوسرے ہی لمحے میں چونک کر پیچھے ہٹ گیا۔ پردہ بدستور ہٹا ہوا تھا۔ فریدی کے چونکنے پر حمید نے بھی اندر کی طرف دیکھا۔ داہنے کنارے پر رکھی ہوئی کرسی پر ایک آدمی بیٹھا چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں اور ہونٹ ذرا سے کھل گئے تھے۔

"آپ کی تعریف....!" حمید نے تمسخرانہ انداز میں فریدی سے پوچھا۔

فریدی پر خیال انداز میں اس کی آنکھوں کی طرف دیکھنے لگا۔ حمید نے اس کے چہرے پر الجھن کے آثار محسوس کئے۔

"کیا بات ہے۔"

"کچھ نہیں! تم یہیں اسی جگہ ٹھہرو۔" فریدی نے کہا اور کاؤنٹر کی طرف بڑھا۔ اس نے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ملائے اور بولنے لگا۔

"ہیلو.... کوتوالی.... کون.... جگدیش کو بلاؤ۔" تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔

"جگدیش! میں فریدی بول رہا ہوں۔ مے پول ہوٹل کے کیبن نمبر چودہ میں ایک لاش ملی ہے.... فوراً آؤ۔"

لاش کا نام سن کر قریب بیٹھی ہوئی لڑکی اچھل پڑی۔

"چپ چپ! ہلڑ مت مچانا۔" فریدی نے اس سے آہستہ کہا۔ "میں پولیس کا آدمی ہوں۔"

کلرک بُری طرح بدحواس ہو گئی تھی۔ بار بار اس کی نظریں کیبن نمبر چودہ کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔

"جب تک پولیس نہ آجائے تم یہاں کسی سے کچھ نہیں کہو گی۔" فریدی نے اس سے کہا اور پھر کیبن کے قریب لوٹ آیا۔

"آخر بات کیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"لاش....!"

"کہاں لاش....!"

"آہستہ بولو! اندر۔" اس نے کیبن کی طرف اشارہ کیا۔

"ارے.... تو.... تو....!"

"شامت.... میں جارہا ہوں۔"

"ٹھہرو.... اس کی موت غیر متوقع ضرور ہے لیکن وہ خود....!"

"کیا آپ اسے جانتے ہیں۔"

"ہاں.... وہ اس کتبے سے واقف تھا۔"

"ارے.... تو.... اس کا یہ مطلب....!"

"ہاں میں اسی سے ملنے کے لئے یہاں آیا تھا۔"

"کس طرح.... کیسے۔"

"پھر بتاؤں گا۔ جگدیش وغیرہ شاید اب آہی رہے ہوں گے۔"

"کیا مصیبت ہے۔" حمید بھنبھنایا۔ "جہاں کسی معاملے میں ہاتھ دیا.... کشت و خون شروع ہو گیا۔"

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر کیبن کے اندر چلا گیا۔ حمید باہر ہی ٹھہرا رہا۔

دس پندرہ منٹ کے بعد پولیس کی لاری مے پول ہوٹل کے سامنے رکی۔ انسپکٹر جگدیش دو تین کانسٹیبلوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر بڑے ناخوشگوار قسم کے تاثرات پائے جارہے تھے۔ شاید وہ اس حادثے کی غیر متوقع اطلاع پر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ سب سے پہلے اس کی نظر حمید پر پڑی جو کیبن نمبر چودہ کے سامنے کھڑا تھا۔ حمید نے مسکرا کر اسے آنکھ ماری اور وہ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اس کے قریب پہنچا۔

"کہئے؟ فریدی صاحب کہاں ہیں۔"

"اوپر منیجر کے کمرے میں۔" حمید نے کہا اور پھر کیبن کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"ترقی کا ایک اور موقع۔"

"چھوڑیئے بھی! میں تو اب عاجز آ گیا ہوں۔" جگدیش نے منہ بنا کر کہا اور پردہ اٹھا کر کیبن کے اندر چلا گیا۔ اس کے پیچھے ہوٹل کا منیجر اور فریدی بھی پہنچ گئے۔ حمید کی ڈیوٹی کانسٹیبلوں نے سنبھال لی اور وہ بھی اندر چلا گیا۔

مرنے والا ابھی تک اسی حالت میں بیٹھا تھا۔ اس کی کھلی ہوئی آنکھوں اور سکڑے ہوئے ہونٹوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے مرنے سے قبل اسے کسی گہرے تحیر میں ڈوبنا پڑا ہو اور اسی

حالت میں اس کی موت واقع ہو گئی ہو۔

"غالباً آپ اس وقت بہت زیادہ مشغول ہوں گے۔" فریدی نے منیجر سے کہا، جو بہت زیادہ گھبرایا ہوا نظر آرہا تھا۔ وہ اس کا مطلب سمجھ کر باہر چلا گیا۔

"میں یہاں کھانا کھانے کی غرض سے آیا تھا۔" فریدی نے جگدیش سے کہا۔ "اتفاقاً اسی کیبن کی طرف گھوم پڑا۔"

"لیکن یہ مرا کیسے۔" جگدیش نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

"بھئی میں اس کے ساتھ تو تھا نہیں۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "یہ بات پوسٹ مارٹم کے ذریعہ معلوم ہی ہو جائے گی۔"

"تو میں یہاں اس کے متعلق تفتیش شروع کر دوں اور رپورٹ میں یہ لکھ دوں کہ لاش کی اطلاع مجھے آپ سے ملی تھی۔"

"ضرور.... ضرور....!"

جگدیش کی ہچکچاہٹ بتا رہی تھی کہ وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا ہے۔ لیکن فریدی نے اسے اس کا موقع ہی نہ دیا۔ وہ حمید کا ہاتھ پکڑ کر ہوٹل کے باہر نکل آیا۔

"کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ قتل ہے یا خودکشی۔" حمید نے کہا۔ "فطری موت.... یا قیوم نظر کی شاعری قسم کی کوئی ناقابل فہم حرکت.... آخر اسے کیا سمجھا جائے۔"

"قتل....!"

"لیکن قتل کا طریقہ سمجھ نہ آیا۔" حمید نے کہا۔ "اور شاید یہ پہلا موقع ہے کہ آپ نے اتنے پراسرار قتل میں کوئی دلچسپی نہ لی۔"

"طریقہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے معلوم ہو جائے گا۔" فریدی نے کہا۔

"اور قتل کی وجہ سے میں اچھی طرح واقف ہوں۔ مرنے والے کا صورت آشنا بھی پہلے ہی سے تھا۔"

"اور پھر بھی آپ اسے اتنی لاپروائی سے ٹال گئے۔ آخر وہ تھا کون؟"

"یونیورسٹی کے شعبہ تواریخ کا ایک لیکچرار.... آثار قدیمہ کی چھان بین کرنے والی پارٹی کا ایک رکن۔"

"قتل کی وجہ کے متعلق آپ کیا کہہ رہے تھے۔"

"وہ مجھے اس کتبے کے متعلق اہم بات بتانے والا تھا۔"

فریدی نے ہاتھ اٹھا کر ایک ٹیکسی رکوائی اور پھر وہ اس میں بیٹھ کر آر لکچنو کی طرف روانہ ہو گئے۔

"لیکن آپ نے جگدیش سے یہ باتیں کیوں چھپائیں۔" حمید بولا۔

"اس کی ضرورت تھی۔ بہر حال قاتل ہر وقت ہماری مٹھی میں ہے۔"

"کیا.....!" حمید چونک کر بولا۔ "آپ قاتل سے بھی واقف ہیں۔"

"قطعی.....!"

"تو اسے پکڑ کیوں نہیں لیتے۔"

"ہمارے پاس فی الحال اس کے خلاف کوئی واضح ثبوت موجود نہیں ہے۔"

"وہ دوسرا آدمی آپ کو کہاں مل گیا تھا۔"

"وہیں یونیورسٹی کے تواریخی عجائب خانے میں۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "اس وقت وہیں موجو تھا جب میں ڈاکٹر بھٹناگر سے اس کتبے کے متعلق گفتگو کر رہا تھا۔"

فریدی خاموش ہو کر سگار کے کش لینے لگا۔

"پھر.....؟" حمید نے پوچھا۔

"میں نے ڈاکٹر بھٹناگر کو اپنے شوق کے متعلق بتایا اور اسے دعوت دی کہ وہ کسی دن میرے جمع کئے ہوئے نمونے بھی دیکھے اور وہ اسی وقت اس کے لئے تیار ہو گیا۔"

فریدی پھر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر تک چپ رہا پھر بولا۔ "جب ہم دونوں باہر آ رہے تھے مرنے والے نے پیچھے سے ایک چھوٹا سا پرچہ مجھے تھما دیا۔"

"اور اسی پرچے میں یہ لکھا ہوا تھا کہ آپ اس سے مئے پول ہوٹل میں ملیں۔" حمید نے کہا

"اف فوہ.....یار سچ مچ تم بڑے ذہین ہوتے جا رہے ہو۔" فریدی بولا۔

"کیا آپ اس وقت یہ نہیں سمجھے تھے کہ بھٹناگر کو اس پرچے کا علم ہو گیا ہے۔"

"حقیقتاً میں دھوکا کھا گیا۔" فریدی مضمحل آواز میں بولا۔

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اس کتبے کے راز سے ڈاکٹر بھٹناگر کے علاوہ کچھ اور لوگ

واقف ہیں۔"

"یقیناً.....!" فریدی نے کہا۔ "شاید تم اس بات سے نہیں واقف کہ آثار قدیمہ کی چھان بین کرنے والی اس پارٹی کا واحد مشغلہ دفینوں کی تلاش ہے۔ آثار قدیمہ کی چھان بین تو محض ایک بہانہ ہے۔"

"اوہ! لیکن آپ کی یہ ساری معلومات نئی نہیں معلوم ہوتیں۔"

"ٹھیک ہے! پہلے محض شبہ تھا لیکن اب یقین ہو چکا ہے۔" فریدی نے کہا اور کھڑکی پر ہاتھ ٹیک کر باہر کی طرف دیکھنے لگا۔

"ارے یہ ٹیکسی کدھر جا رہی ہے۔" دفعتاً وہ چونک کر سیدھا ہو گیا۔ حمید بھی ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وہ دراصل باتوں میں اس درجہ محو ہو گئے تھے کہ انہیں اس کا دھیان بھی نہیں رہا کہ وہ کہاں کے لئے روانہ ہوئے تھے اور ٹیکسی کدھر جا رہی ہے۔ اچانک ڈرائیور کے قریب بیٹھے ہوئے آدمی کے ہاتھ میں کوئی چیز چمکی اور وہ ان کی طرف مڑ کر بیٹھ گیا۔ اعشاریہ تین آٹھ کا ریوالور اس کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔ پہلے وہ دونوں اسے کلینر سمجھے ہوئے تھے کیونکہ ان کی پوشش کچھ اس قسم کی تھی۔ اب انہوں نے اس کا چہرہ دیکھا، جو حد درجہ خوفناک تھا اور چمکیلی آنکھوں سے سفاکی ظاہر ہو رہی تھی۔

فریدی ایک تلخ مسکراہٹ کے ساتھ سیٹ کی پشت سے ٹک گیا۔

ٹیکسی شہر کے باہر ایک ویران سڑک پر کھڑی کر دی گئی۔

"باہر آؤ.....!" ریوالور والا گرج کر بولا۔

حمید نے کچھ کہنا چاہا لیکن فریدی نے اس کا ہاتھ دبا دیا۔

دونوں چپ چاپ نیچے اتر آئے۔

"ان کی تلاشی لو۔" ریوالور والے نے ڈرائیور سے کہا اور فریدی اور حمید نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے، اتفاق سے اس وقت ان دونوں میں سے کسی کے پاس ریوالور نہیں تھا۔

"کوئی خطرناک چیز.....!" ریوالور والے نے ڈرائیور سے پوچھا جو ان کی جامہ تلاشی لے کر الگ ہٹ گیا تھا۔

"نہیں کچھ نہیں۔" ڈرائیور نے جواب دیا۔

"چلو بیٹھو....!" اس نے ریوالور کی نال سے ٹیکسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"آر لکچو ہوٹل....!" فریدی ٹیکسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

ریوالور والے کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔

ٹیکسی پھر چل پڑی۔

"میں کہتا ہوں.... آر لکچو ہوٹل! کیا تم بہرے ہوگئے ہو۔" فریدی ڈرائیور کا شانہ جھنجھوڑتے ہوئے بولا۔

"چپ چاپ بیٹھے رہو۔" ریوالور والے نے آہستہ سے کہا۔

"چپ چاپ ہیں پیارے بھائی۔" حمید دانت پر دانت جما کر بولا۔ "بھوک کے مارے آواز ہی نہیں نکل رہی ہے ورنہ اس وقت تمہیں شیام کلیان سناتا۔ معرکے کی چیز ہے۔"

"ڈرائیور...." فریدی چیخا۔

"جانے بھی دیجئے۔" حمید اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "اگر بے چارے کے کان کے پردے پھٹ گئے تو اس کے بال بچوں کے حلق پھٹ جائیں گے۔"

"تم ہو کون۔" فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔ "لیکن میں تم سے ہرگز یہ نہ پوچھوں گا کہ تم نے یہ سب کس لئے کیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" ریوالور والا مسکرا کر بولا۔ "جتنی بہادری چاہو دکھالو.... پھر موقع نہ ملے گا۔"

"کیا سمجھے۔" حمید نے فریدی کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔ "بھائی ولی اللہ معلوم ہوتے ہیں۔ ہمارے کھانے پینے کا انتظام پہلے ہی کر لیا ہوگا۔"

"ضرور ضرور....!" ریوالور والا مسکرا کر بولا اور پھر ریوالور کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا۔ "اس غذا کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"بہت کم لوگ اسے پسند کرتے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "ویسے چیز شاندار ہے.... ذرا دینا تو۔"

"پیچھے ہٹو....!" ریوالور والا درشت لہجے میں بولا۔

"بڑے بھائی بُرا مان گئے۔" حمید نے بچوں کی طرح منہ بنا کر پوچھا۔

فریدی انتہائی بے تعلقانہ انداز میں ان کی گفتگو سن رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس ریوالور کو نقلی سمجھتا ہو۔ ایک جگہ ٹیکسی پھر رکی اور ان سے نیچے اترنے کو کہا گیا۔ حمید اٹھ ہی رہا تھا

کہ فریدی نے اس کا ہاتھ دبا دیا اور وہ پھر بیٹھ گیا۔ ٹیکسی اب بھی ایک ویرانے میں کھڑی ہوئی تھی اور نہ جانے کدھر سے دو تین آدمی اور آگئے۔

"کھینچ کر باہر نکال لو۔" ریوالور والا گرجا۔

دوسرے آدمیوں نے ٹیکسی کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ڈرائیور ابھی تک اپنی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ حمید کو تو انہوں نے جلد ہی باہر کھینچ لیا لیکن فریدی ابھی تک اڑا بیٹھا تھا۔ تین تین آدمی اسے کھینچ رہے تھے لیکن وہ اپنی جگہ سے جنبش نہیں کر رہا تھا۔ شامت اعمال ان میں سے ایک نے اس کے منہ پر گھونسا مارا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس کی گردن فریدی کے ہاتھ میں تھی اور وہ دروازوں کے پاٹوں میں دبے ہوئے کتے کی طرح چیخ رہا تھا۔

"میں سچ کہتا ہوں گولی مار دوں گا۔" ریوالور والے نے باہر سے کہا۔

"ابے تو اس میں کہنے سننے کی کیا بات ہے۔" حمید نے جھلا کر کہا۔ "مار بھی دے۔"

"سسکا سسکا کر ماروں گا۔" اس نے جواب دیا۔

"خیر معلوم ہوا کہ تم بھی اپنے دن پورے کر چکے ہو۔" حمید دانت پیس کر بولا۔

"شٹ اپ....!"

"یو شٹ اپ ڈرٹی ڈاگ....!" حمید حلق کے بل چیخا۔

ریوالور والے نے حمید کے منہ پر الٹا ہاتھ رسید کر دیا۔ حالانکہ حمید دو گرانڈیل آدمیوں کی گرفت میں بُری طرح جکڑا ہوا تھا لیکن ریوالور والے کا تھپڑ پڑتے ہی گویا اس کے جسم میں بجلیاں کوند گئیں اور یک لخت اس طرح تڑپا کہ وہ دونوں اسے نہ سنبھال سکے۔ ساتھ ریوالور والا بھی زمین پر آرہا۔ حمید نے بس اتنا محسوس کیا کہ اس پر بھی کوئی جھپٹ پڑا۔

"خبر دار....!" فریدی کی گرج دار آواز سنائی دی۔ "اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ اور تم ڈرائیور کے بچے باہر نکلو.... نکلو....!"

"ہرا....!" حمید کی للکار دور تک سناٹے میں لہراتی چلی گئی۔

"حمید ٹیکسی اسٹارٹ کرو۔" فریدی نے کہا۔ "خبر دار اگر کوئی اپنی جگہ سے ہلا تو شوٹ کر دوں گا۔ ہاتھ اٹھائے رکھو۔"

حمید اچھل کر ڈرائیور کی سیٹ پر جا بیٹھا۔ فریدی ان آدمیوں کی طرف ریوالور کی نال کئے

ہوئے آہستہ آہستہ ٹیکسی کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ اچانک کسی طرف سے فائر ہونے شروع ہو گئے۔

فریدی جھپٹ کر ٹیکسی کی آڑ میں ہو گیا اور اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور سے بھی شعلے نکلنے لگے۔

"حمید .... نکل چلو۔" فریدی نے چیخ کر کہا اور ٹیکسی چل پڑی۔ حمید نے ٹیکسی بڑی پھرتی سے گھمائی تھی اور اب اسے اچھی خاصی رفتار سے لئے جا رہا تھا۔ اس وقت اس کے سامنے ایک طویل سڑک تھی اور کانوں میں گولیوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

تھوڑی دور چل کر اس نے پچھلی سیٹ پر نظر ڈالی اور بے اختیار اچھل پڑا۔ اگر فوراً ہی اسٹیئرنگ نہ سنبھال لیتا تو ایک درخت سے گاڑی ضرور ٹکرا جاتی۔ پچھلی سیٹ خالی تھی۔ حمید نے بوکھلا کر ٹیکسی روک دی۔ آخر فریدی کہاں گیا، کیا وہ بدحواسی میں اسے وہیں چھوڑ آیا۔ اپنی جان بچانے کے لئے یہ تک نہ دیکھا کہ فریدی بھی بیٹھ چکا ہے یا نہیں۔ اس وقت دل چاہ رہا تھا کہ اپنے ہاتھوں ہی سے اپنا گلا گھونٹ لے۔

وہ ٹیکسی سے اتر آیا اور یہ سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے کہ دور اسے کسی کار کی ہیڈ لائیٹس دکھائی دیں۔ دفعتاً ایک سوال تیزی سے اس کے ذہن میں گونج اٹھا۔ کیا وہ لوگ اس کا تعاقب کر رہے ہیں اور پھر دوسرے ہی لمحے میں جھپٹ کر وہ جھاڑیوں کے پیچھے جا چکا تھا۔

اس کا اندازہ صحیح نکلا۔ کار ٹیکسی کے قریب آ کر رک گئی۔ کئی آدمی اتر کر خالی ٹیکسی کا جائزہ لینے لگے۔

"تلاش کرو۔" ان میں سے ایک چیخا۔ "جھاڑیوں میں گھسو۔"

حمید بچوں کے بل نشیب میں دوڑنے لگا۔ چاروں طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ جھینگروں اور مینڈکوں کی آوازیں سناٹے کو جھنجھوڑ رہی تھیں۔ اچانک حمید کا پیر پانی میں پڑا اور وہ لامحدود گہرائیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

آگ

دوسرے دن صبح حمید اپنی پلنگ پر پڑا رات کے واقعات پر غور کر رہا تھا۔ اسے اپنی الجھن کا وہ

اچھی طرح یاد تھا جب وہ نادانستگی میں ایک گہرے تالاب میں جا گرا تھا۔ اس وقت وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اسے تیرنا نہ آتا ہوتا تو اس کا کیا حشر ہوتا اور اگر اسے اس درخت کی شاخ نہ مل جاتی تو وہ کنارے ہی پہنچ کر ڈوب گیا ہوتا۔ وہ بھی دلدل میں کمر تک تو یونہی دھنس گیا تھا۔ کتنی خوفناک دلدل تھی جس کے سہارے وہ پھر سے دنیا دیکھ سکا۔ ورنہ نہ کہیں جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا اور احباب بچارے پلاؤ کے لئے منہ دیکھ کر رہ جاتے۔

فریدی نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ کیا ان لوگوں نے اسے پکڑ لیا؟ حمید خود کو نفرین کر رہا تھا۔ اس نے شروع ہی سے اپنا اطمینان کیوں نہیں کر لیا تھا۔ اگر اسے اس وقت یہ معلوم ہو گیا ہوتا کہ فریدی ٹیکسی میں نہیں بیٹھ سکا تو کبھی اس طرح نہ بھاگتا۔

اس کے خیالات کی رو اچانک بدھ راج گڑھی کی طرف مڑ گئی اور اسے فریدی کے قول کی صداقت پر کچھ کچھ یقین آنے لگا۔ اس پراسرار کتبے کی جس پر مہمل اشعار لکھے ہوئے تھے اہمیت ظاہر ہونے لگی تھی۔ اس کتبے کے لئے شعبہ تواریخ کے ایک لیکچرار کا قتل ہو گیا۔ اسے اور فریدی کو پکڑنے کی کوشش کی گئی۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا حقیقتاً تختِ عقرب جیسے کسی حیرت انگیز تخت کا وجود ہے۔ پھر اسے وہ مہمل اشعار یاد آ گئے اور ساتھ ہی ہنسی بھی آ گئی۔ اس مصرع پر تو اس کا دماغ ہی چل نکلا۔

بچھو پر اُلو بیٹھے گا

اور اس نے انہیں اوزان میں مصرعے فٹ کرنے شروع کر دیئے

اُلو پر گدھا بیٹھے گا
گدھے پر مرغی بیٹھے گی
مرغی پر بلی بیٹھے گی
بلی ککڑوں کوں بولے گی

وہ غسل خانے سے آ کر ناشتے کی میز پر بیٹھ گیا۔ لیکن اس وقت اس کا دل کسی بات میں نہیں لگ رہا تھا۔ اس کے ذہن میں بس ایک ہی سوال گونج رہا تھا کہ فریدی پر کیا گزری ہو گی۔ ناشتے سے فارغ ہو کر وہ صبح کا اخبار دیکھنے کے لئے لائبریری کی طرف جا رہی رہا تھا کہ نوکر نے ایک تار لا کر اسے دیا۔ حمید کا دل دھڑکنے لگا اور لفافہ چاک کرتے کرتے اس کے ذہن نے لاتعداد سوال

کر ڈالے۔ تار فریدی کے نام تھا۔ لیکن تار دینے والے کا نام پڑھ کر حمید کے ہونٹ سکڑ گئے۔ سوچنے لگا کہ اب کیا مصیبت آ گئی۔ اس نے ایک بار پھر تار کا مضمون پڑھا۔

"فوراً آؤ.... ایک نئی مصیبت.... صولت مرزا....!"

حمید سوچنے لگا کہ یہ نئی مصیبت کیا ہو سکتی ہے۔ کیا وہ بھوت جمیلہ کو اٹھا لے گئے۔ لیکن پچھ رات کے واقعات کے بعد سے وہ انہیں بھوت سمجھنے پر پس و پیش کر رہا تھا اور پھر ان مہمل اشا میں بھی تو کسی نقارے کا ذکر تھا۔ ان بھوتوں کو بھی کسی نقارے کی تلاش تھی۔ ان سب باتوں کے باوجود بھی کم از کم جمیلہ کی بیماری کا معاملہ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ لیکن فریدی اسے ایک قسم کی بیماری ہی قرار دے رہا تھا۔ خیر چلئے بیماری ہی سہی۔ لیکن وہ کتا جو یدھ راج گڑھی میں سینکڑوں سال سے روتا چلا آ رہا ہے اور عموماً بارش ہی کے زمانے میں روتا ہے اور جب بھی روتا ہے قریب کی ندی میں اتنا زبردست سیلاب آتا ہے کہ کنارے بسے ہوئے گاؤں ڈوب جاتے ہیں۔ آخر کو منطق اس کا جواز کس طرح پیش کرے گا۔ اسے کس طرح انسانی کارنامہ قرار دے گا۔

کچھ دیر قبل حمید ان سارے معاملات سے بُری طرح بیزار تھا اور کسی نہ کسی طرح اپنی جا بچا کر نکل جانا چاہتا تھا۔ لیکن فریدی کا اس طرح غائب ہو جانا اس کی کاہلی کے لئے سم قاتل ثابت ہوا۔ حمید کو یقین تھا کہ وہ یدھ راج نگر ہی کے واقعات کے سلسلے میں غائب ہوا ہے۔ لہٰذا اب اس معاملے کو کسی طرح نہیں ٹال سکتا تھا۔ خواہ خود اس کی جان ہی کو خطرہ کیوں نہ ہو۔

اس نے فوراً ہی ایک ملازم کو تار کا جواب لکھ کر دیا اور خود ٹیلی فون پر دفتر کے کسی آدمی سے گفتگو کرنے لگا۔

صولت مرزا کو وہ اپنی روانگی کے متعلق تار دے چکا تھا۔ اگر فریدی کا خیال نہ ہوتا تو وہ کبھی ایسا نہ کرتا۔ لیکن وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ فریدی اس معاملے میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہا ہے اور اسی لئے شاید اس پر کوئی اچانک مصیبت نازل ہوئی ہے اگر وہ یدھ راج نگر نہ گیا تو ممکن ہے کہ اس کے لئے زندگی بھر افسوس کرنا پڑے۔ ہو سکتا ہے کہ فریدی سچ مچ جال میں پھنس گیا ہو۔

اسی رات کو وہ یدھ راج نگر پہنچ گیا۔ صولت مرزا بذات خود اسٹیشن پر موجود تھا۔ لیکن بہت زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔

"فریدی نہیں آئے۔" اس نے سب سے پہلے سوال کیا۔

"وہ پھر بتاؤں گا.... آپ یہ بتائیے کہ بات کیا ہے۔"

"آؤ چلو باہر گاڑی کھڑی ہے بتاؤں گا.... عجیب قسم کی مصیبتیں نازل ہو رہی ہیں۔"

وہ دونوں اسٹیشن کے باہر آ کر کار میں بیٹھ گئے۔

"کل رات کو اصطبل میں آگ لگ گئی تھی۔" صولت مرزا نے کہا۔

"کس طرح۔"

"خدا بہتر جانتا ہے جمیلہ بُری طرح جل گئی ہے۔ خدا اس کے حال پر رحم کرے۔"

"جل گئیں....!" حمید چونک کر بولا۔ "وہ کس طرح جل گئیں۔"

"پچھلی رات کو پھر اس پر دورہ پڑا تھا اور وہ پُراسرار آدمی پھر دکھائی دیئے تھے۔"

"اوہ....!"

"وہ اسے پہلے کی طرح اصطبل میں لے گئے اور پھر تقریباً ایک گھنٹے کے بعد اصطبل میں آگ لگ گئی۔ بدقت تمام جمیلہ کو اندر سے نکالا جا سکا۔ وہ تو کہو کسی گھوڑے کے پیروں تلے روندی نہیں گئی۔"

"اور وہ آدمی....!" حمید نے بے تابانہ انداز میں پوچھا۔

"وہ نہ جانے کہاں غائب ہو گئے تھے۔"

حمید سوچ میں پڑ گیا.... پھر تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"اس کے علاوہ کوئی اور بات۔"

"اور کچھ نہیں۔"

گھر پہنچ کر حمید نے جمیلہ کو دیکھا جو واقعی بُری طرح جل گئی تھی۔ اس کا سارا جسم پٹیوں سے ڈھکا ہوا تھا لیکن اس کا سارا چہرہ قطعی محفوظ تھا۔ تین چار نرسیں اس کمرے میں موجود تھیں اور پورے گھر پر قبرستان کی سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

کھانا کھا لینے کے بعد حمید صولت مرزا کو ساتھ لے کر اصطبل کی طرف گیا جو اب راکھ کا ڈھیر معلوم ہو رہا تھا۔ کہیں ادھ جلی دیواریں کھڑی تھیں جن کی جڑوں تک سیاہی دوڑ گئی تھی۔

"وہاں سے لوٹ کر وہ تمبا کو نوشی کے کمرے میں آ بیٹھے۔"

"ڈاکٹر نے کیا بتایا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"اس نے تو کافی اطمینان دلایا ہے۔ اس کے خیال کے مطابق آگ کا اثر اندرونی اعضاء پر نہیں ہے۔"

"تو پھر یقیناً کوئی گھبرانے کی بات نہیں۔" حمید نے کہا۔

"ہاں تم نے فریدی کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔" صولت مرزا نے پوچھا۔

اتنے میں نوکر کافی کی ٹرے لایا اور صولت مرزا کافی انڈیلنے لگا۔

لیکن وہ ابھی تک جواب طلب نظروں سے حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔

حمید نے فریدی کے متعلق مختصر سب کچھ بتادیا۔

"اے تو کیا حقیقتاً اس کتبے یا ان اشعار میں کوئی خاص بات تھی۔" صولت مرزا نے کہا۔ "تو اب ایک دوسری الجھن! نہ جانے فریدی پر کیا گزری ہو۔"

"خیر اسے تو چھوڑیئے۔ مجھے اس کی ذرہ برابر فکر نہیں ہے۔" حمید نے کہا۔ "ہم لوگ موت سے نہیں ڈرتے۔ میں آپ سے اس نقارے کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"نقارہ! کیسا نقارہ۔"

"وہی نقارہ جس کی تلاش میں وہ پراسرار آدمی اصطبل کے چکر لگاتے تھے۔"

صولت مرزا کوئی جواب دینے جارہا تھا کہ ارسلانوس آگیا۔ وہ اس وقت بہت زیادہ سنجیدہ نظر آرہا تھا۔ چہرے پر وحشت کے آثار نہیں تھے۔ سر پر بالوں کا گلدستہ نما جھنکاڑ بھی نہیں تھا۔ آج نہ جانے کیوں اس نے اپنے بال بڑے سلیقے سے سنوار رکھے تھے۔ داڑھی میں بے ترتیبی نہیں تھی۔

"جمیلہ کیسی ہے۔" اس نے پوچھا اور پھر حمید پر نظر پڑتے ہی بولا۔

"اوہ آپ....!"

اس نے حمید کی طرف ہاتھ بڑھایا اور دوسرے ہی لمحے میں حمید کے ہاتھ کی ہڈیاں کڑکڑا گئیں۔

"وہ محمد کمال آفندی کہاں ہیں۔" اس نے حمید سے پوچھا۔

"احمد کمال فریدی کہئے۔" حمید نے ٹوکا۔

"وہی وہی....!" ارسلانوس مسکرا کر بولا۔ "نہ جانے کیوں مجھے ان کا یہی نام یاد رہتا ہے۔ ہاں بھئی صولت جمیلہ کا کیا حال ہے۔"

"پہلے سے کچھ بہتر۔" صولت مرزا نے کہا۔

حمید نے محسوس کیا کہ ارسلانوس دوسری طرف منہ پھیر کر مسکرایا ہے۔ صولت مرزا کے چہرے پر بیزاری کے اثرات پھیل گئے تھے۔ وہ چند لمحوں کے بعد کوئی عذر کر کے اندر چلا گیا۔

حمید ارسلانوس کے پاس آبیٹھا۔

"آپ جمیلہ کی کیفیت سن کر مسکرائے کیوں تھے۔" حمید نے درشت لہجے میں پوچھا۔

"دیکھو فرزند! میں تمہیں ایک بار پھر سمجھائے دیتا ہوں کہ مجھ سے ایسی لہجے میں گفتگو نہ کیا کرو۔"

"تو اصطبل میں تم نے ہی آگ لگائی تھی۔"

"کیا بکواس ہے۔" ارسلانوس بگڑ کر بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم لوگوں کا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے ہے لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ تم شریفوں کی توہین کرتے پھرو۔ اگر تم صولت کے مہمان نہ ہوتے تو میں تمہیں اس بدتمیزی کا مزا چکھادیتا۔"

"خیر.... میں صولت مرزا کو اس معنی خیز مسکراہٹ سے آگاہ کردوں گا۔ شاید انہوں نے دیکھا نہیں تھا۔"

"تم نے پھر وہی بکواس کی۔"

"اچھا تمیز سے گفتگو کیجئے۔" حمید نے بگڑ کر کہا۔

"بیٹا اگر جان کی خیریت چاہتے ہو تو جتنی جلدی ہو سکے اس گھر سے نکل بھاگو۔" ارسلانوس نے کہا۔

"کیوں....؟" حمید چونک کر بولا۔

"صولت نے جو کھیل شروع کر رکھا ہے اس کے دوران میں تم لوگوں کا وجود برداشت نہیں کرسکوں گا۔"

"کیسا کھیل....!"

"وہی کھیل جو اس نے میرے بیٹے کے ساتھ کھیلا تھا۔"

"بھلا میں کیا جانوں۔"

"اچھا تو آؤ میری ساتھ۔" ارسلانوس اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔

وہ اسے عقبی پارک میں لے آیا جہاں بت نصب تھے۔

"صولت مرزا بڑا لالچی آدمی ہے۔ وہ کبھی نہ چاہے گا اس کی دولت کسی دوسرے گھ
جائے۔ جمیلہ تین لاکھ روپیوں کی بلاشرکت غیرے مالک ہے۔ اوہ میرا بچہ.... میرا بیٹا بھی... مو
کی ہوس کا شکار ہوا۔" ارسلانوس کی آواز بھرا گئی اور وہ چہرہ چھپا کر بچوں کی طرح سسکیاں لینے

وہ بھوت

حمید کو اپنی عقل خبط ہوتی معلوم ہونے لگی۔ وہ تو یہ سمجھ کر آیا تھا کہ شاید ارسلانوس سے
دو ہاتھ بھی کرنے پڑیں۔ لیکن یہاں تو معاملہ ہی الٹا تھا۔ وہ کسی بوڑھی بھیڑ کی طرح پھسپھسا
لگا تھا۔ حمید الجھن میں پڑ گیا کہ وہ اسے کن الفاظ میں تسلیاں دے۔ پاگل آدمی ٹھہرا۔ اگر دلا
پر بھوں بھوں رونا شروع کر دیا تو وہ کیا کرے گا۔ بہت ممکن ہے کہ وہ خود اسی کو رونے پر مجبور کر د

"لوگ میرے دکھ سے واقف نہیں۔" ارسلانوس سسکیاں روک کر بولا۔ "وہ صرف
سے ہی نفرت کرنا جانتے ہیں۔ مجھے پاگل سمجھتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ میں خود اپنے لئے
ہو گیا ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔ کہاں جاؤں۔"

"فلسفہ چیز ہی ایسی ہے۔" حمید نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"فلسفہ....!" ارسلانوس ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔ "کاش فلسفے ہی نے میری زندگی پر
ڈالا ہوتا۔"

"پھر کیا بات ہے۔" حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔

"کچھ نہیں....!" ارسلانوس نے کہا اور جانے کے لئے مڑ گیا۔

دفعتاً کہیں دور ایک ساتھ تین چار فائر ہوئے تو وہ چلتے چلتے رک گیا۔ تھوڑے وقفے کے
پھر فائر ہوئے اور اس کے بعد ہوتے ہی رہے۔

ارسلانوس بے تحاشہ پھاٹک کی طرف دوڑنے لگا۔ حمید نے آواز دے کر اسے روکنا چاہا
بے سود۔ پھر اس کے پیچھے دوڑا لیکن پھاٹک کے باہر جاتے ہی ارسلانوس اس کی نظروں سے غائب
ہو گیا۔ وہ چیخ چیخ کر اسے آوازیں دے رہا تھا۔ مگر جواب ندارد۔ فائر کی آوازیں ابھی تک سنائی
دے رہی تھیں۔

حمید بھاگ کر اندر آیا۔ صولت مرزا اور اس کے کچھ نوکر پھاٹک کی طرف آ رہے تھے۔

"کہاں گئے تھے آپ....!" صولت مرزا نے حمید سے پوچھا۔

"ارسلانوس کے پیچھے۔ وہ نہ جانے کیوں فائروں کی آوازوں پر بے تحاشہ دوڑتا ہوا کسی
رف نکل گیا۔"

"یہ فائر کہاں اور کیوں ہو رہے ہیں۔"

"میں خود ہی الجھن میں ہوں۔" صولت مرزا نے کہا۔ "آپ بیٹھئے۔ میں ابھی.... دیکھ کر
تا ہوں۔"

"میں بھی چل رہا ہوں۔" حمید نے کہا اور ان کے ساتھ ہو لیا۔

وہ تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ کچھ لوگ انہیں اپنی طرف دوڑ کر آتے دکھائی دیئے۔

"کون ہے۔" صولت مرزا نے بلند آواز میں پوچھا۔

"ارے.... سرکار....!" کسی نے کہا اور وہ سب ان کے قریب آ گئے اور پھر ان میں سے
یک ہانپتا ہوا بولا۔ "سرکار گڑھی میں گولیاں چل رہی ہیں۔"

"کون ہے۔"

"نہ جانے سرکار.... بہت سے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

"تو تم کہاں جا رہے ہو۔"

"آپ ہی کے پاس سرکار.... تھانیدار صاحب نے بھیجا ہے۔"

"کیوں....؟"

"انہوں نے کہا ہے کہ اپنی سب بندوقیں لے کر یا تو خود آ جایئے یا بھجوا دیجئے۔"

صولت مرزا نے کچھ نوکر گھر کی طرف دوڑائے۔ چند لمحوں کے بعد وہ بندوقیں اور میگزین
لے کر آ گئے۔ پھر انہوں نے یدھ راج گڑھی کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر تک
ائروں کی آوازیں سنائی دیتی رہیں پھر سکون ہو گیا۔

"لیکن یہ سب یک بیک ہوا کیسے۔" صولت مرزا نے ایک آدمی سے پوچھا۔

"نہ جانے سرکار! بس اچانک گولی چلی پھر تھانیدار صاحب دو تین سپاہیوں کے ساتھ آ گئے۔
یکن گڑھی میں جانے کی ہمت نہ پڑی۔ تھانے میں اس وقت دو رائفلیں تھیں اس لئے انہوں نے

مجھے آپ کے پاس بھیج دیا۔"

وہ گڑھی کے قریب پہنچ گئے۔ لیکن فائر کی آوازیں نہیں سنائی دیں۔ مجمع دور کھڑا تھا لوگوں کے پاس لالٹینیں اور پٹرومیکس بھی تھے۔ لیکن شاید گڑھی کے اندر جانے کی ہمت پڑ رہی تھی۔ سب انسپکٹر بھی دو تین سپاہیوں کے ساتھ موجود تھا۔

"کہئے صاحب۔" صولت مرزا نے اسے مخاطب کیا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا نواب صاحب۔" سب انسپکٹر بے چارگی کے ساتھ بولا۔ "ان لو کا خیال ہے کہ کچھ آسیب وآسیب۔"

"لاحول ولا قوۃ....!" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "پچھلی رات والی جنگ کے بعد سے ان خیالات کچھ ڈانواں ڈول سے ہو گئے تھے اور پھر اس وقت اسے مجمع پر کچھ رعب بھی تو ڈالنا تھ

"تو پھر چلئے اندر....!" صولت مرزا نے کہا۔

"یہ ذرا خطرناک ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ "معلوم نہیں وہ کہاں چھپے ہوں۔"

"کون.... آسیب....!" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"یہ فریدی صاحب کے ساتھی تو نہیں۔" سب انسپکٹر نے صولت مرزا سے پوچھا۔

"ہاں.... لیکن.... تو پھر کیا کیجئے گا۔"

"میرے خیال سے تو اب صبح ہی پر رکھا جائے۔" سب انسپکٹر بولا۔

"چہ خوب....!" حمید نے صولت مرزا کے نوکر کے ہاتھ سے رائفل لیتے ہوئے کہا نے میگزین میں کارتوس ڈالے اور رائفل اٹھا کر دو تین ہوائی فائر کر دیئے۔

لیکن جواب میں کوئی فائر نہیں ہوا۔ تھوڑی وقفے کے بعد اس نے پھر ایک فائر کیا۔ بدستور خاموشی رہی۔

"آیئے....!" حمید آگے بڑھتا ہوا بولا۔ اس کے ایک ہاتھ میں رائفل تھی اور دو میں ٹارچ۔ اسے بڑھتے دیکھ کر صولت مرزا بھی بڑھا۔ پھر سب انسپکٹر اور صولت م بندوقین دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دی گئیں۔

وہ سب گڑھی میں داخل ہو گئے۔ نہایت احتیاط اور ہوشیاری سے وہ چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔ لیکن یہاں چاروں طرف ایک اتھاہ سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ صرف چلنے سے پیروں کے

آئی ہوئی روڑیوں کی کڑکڑاہٹ سنائی دے رہی تھی۔

کئی جگہ انہیں خون کے بڑے بڑے دھبے دکھائی دیئے۔ انہیں کسی لاش کے ملنے کی بھی توقع تھی۔ لیکن پوری گڑھی کا چکر لگا لینے کے باوجود بھی کوئی لاش نہ ملی۔

تھوڑی دیر بعد لوگ اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹ گئے۔ صرف سب انسپکٹر صولت مرزا حمید اور چند کانسٹیبل رہ گئے۔ پھر صولت مرزا بھی جمیلہ کی علالت کا عذر کر کے جانے لگا۔ اس پر حمید نے اسے الگ لے جا کر کہا۔

"آج رات ان پُراسرار آدمیوں کا خیال رکھئے گا۔ دیکھئے وہ آج آتے ہیں یا نہیں۔"

"تو کیا تم یہیں ٹھہرو گے۔" صولت مرزا نے پوچھا۔

"جی ہاں....!"

"آخر کیوں؟"

"اپنے لئے خطرے کی بو سونگھ رہا ہوں آج رات کو میں چھت کے نیچے رہنا مناسب نہیں سمجھتا۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"فی الحال کچھ نہ بتا سکوں گا۔"

"خیر بھئی آج رات تو یوں بھی نیند آ جائے گی۔ اچھا تو میں چلا لیکن تمہارے لئے فکر مند ضرور رہوں گا۔"

صولت مرزا کے چلے جانے کے بعد حمید پھر سب انسپکٹر کے پاس لوٹ آیا۔

"آپ نہیں گئے۔" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"میں آپ کے ساتھ رہ کر تفتیش میں حصہ لینے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"شکریہ شکریہ۔ اگر فریدی صاحب بھی ہوتے تو کتنا اچھا تھا۔ آخر وہ کہاں رہ گئے۔"

"وہ شہر میں ہیں۔"

تھوڑی دیر تک وہ دونوں اس کے متعلق خیال آرائی کرتے رہے پھر سب انسپکٹر نے تفتیش شروع کر دی۔ اس سلسلے میں قصبے کے گھر گھر کی کنڈی کھٹکھٹائی گئی۔ راہگیروں کو روک کر ان سے سوالات کئے گئے۔ دو ایک چھوٹے زمیندار جو سب انسپکٹر سے پرخاش رکھتے تھے حوالات پہنچائے گئے۔

حمید نے جب بھی اعتراض کا منہ کھولا تو اسے یہی جواب ملا۔ "آپ ان حرام زادوں کو نہیں

جانتے۔ اگر کوئی ہو سکتا ہے تو یہی ہو سکتے ہیں۔"

تقریباً تین بجے اس چرخے سے نجات ملی۔ پہلے تو اس نے سوچا کہ بقیہ رات تھانے ہی میں بسر کرے لیکن پھر یہ ارادہ ملتوی کر دینا پڑا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اب صبح تک ان بے گناہ گرفتار شدگان کا کچومر نکال دیا جائے گا۔ اگر وہ وہاں رہا تو اس زیادتی کو برداشت نہ کر سکے گا۔ ناچار وہ صولت مرزا کی حویلی کی طرف چل پڑا۔ حقیقتاً وہ اس وقت وہاں نہیں جانا چاہتا تھا۔ ارسلانوس کے جملے اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔

بے خیالی میں وہ سامنے والے پھاٹک سے جانے کے بجائے عقبی پارک کی طرف مڑ گیا۔ اصطبل کے قریب پہنچ کر وہ ٹھٹک گیا۔ جلے ہوئے اصطبل کے ملبے پر ایک آدمی جھکا ہوا نظر آیا۔ اس نے انہیں آدمیوں کا سا قدیم رومن لباس پہن رکھا تھا جنہیں حمید بھوت سمجھا تھا۔ اس کے چہرے پر بھی زرد روشنی پھیلی ہوئی تھی اور چہرہ کچھ جانا پہچانا سا معلوم ہو رہا تھا۔ حمید ذہن پر زور دینے لگا کہ اس نے اسے کہاں دیکھا ہے۔ ان پانچوں کے چہرے تو اسے اچھی طرح یاد تھے۔ وہ ان میں سے نہیں تھا۔ دفعتاً حمید چونک پڑا۔ اس کی صورت تو اس بت سے ملتی جلتی تھی جسے جمیل زفورس کہہ کر مخاطب کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ تو کیا؟ وہ حقیقتاً بھوت ہے۔ حمید کے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ چھوٹ پڑا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا مہندی کی باڑھ میں چھپ گیا۔ وہ پُراسرار آدمی اپنے نیزے سے ایک جگہ اصطبل کا ملبہ ہٹا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور پھر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ حمید نے محسوس کیا کہ وہ ملبے کے ڈھیر سے اتر کر اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ حمید کا ہاتھ بے اختیار جیب کی طرف گیا لیکن پھر اس کے جسم میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی۔ ریوالور تو اس کے سوٹ کیس میں بند تھا۔

"میں نے تمہیں دیکھ لیا ہے۔" وہ مہندی کی باڑھ کے قریب آ کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "چپ چاپ کھڑے ہو جاؤ۔ ورنہ یہ نیزہ تمہاری ہڈیوں میں اترتا چلا جائے گا۔"

حمید کھڑا ہو گیا لیکن اس کے سارے جسم میں کپکپی طاری تھی۔

"میں تمہیں شہید کر کے بھوت بنانا چاہتا ہوں۔" اس نے سفاکانہ انداز میں کہا۔

حمید خاموش رہا۔ پھر وہ پُراسرار آدمی بے اختیار ہنس پڑا اور ساتھ ہی حمید ارے کہہ کر اچھلا ہے تو ایک ہی جست میں مہندی کی باڑھ پار کر گیا۔ ہنسی کا انداز فریدی کا سا تھا۔

"خدا کی قسم اسی بل بوتے پر سرغ رسانی کا دعویٰ رکھتے ہو۔"

"اگر میرا ہارٹ فیل ہو جاتا تو۔" حمید نے بگڑ کر کہا۔

"تو میں کسی کنوارے گڈے سے تمہاری شادی کر دیتا۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "میرے یار تو چوچ لونڈیوں سے بھی بدتر ہیں۔"

دفعتاً فریدی کے چہرے پر پھیلی ہوئی زرد روشنی غائب ہو گئی۔

"یہ کس طرح ہوا۔" حمید بے ساختہ پوچھ بیٹھا۔

"نہایت آسانی سے۔" فریدی نے کہا۔ "میرے سر پر رکھے ہوئے خود میں اندر کی طرف ننھے ننھے تین بلب لگے ہوئے ہیں جن کا تعلق میری جیب میں رکھی ہوئی ایک معمولی سی بیٹری سے ہے جب چاہتا ہوں انہیں جلا دیتا ہوں اور جب چاہتا ہوں بجھا دیتا ہوں۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "لیکن آپ نے اتنی جلدی یہ سامان کہاں سے مہیا کر لیا۔"

"سب ڈاکٹر بھٹناگر کی عنایت ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "آؤ آؤ ادھر .... جھاڑیوں کی اوٹ میں آ جاؤ۔"

"کل رات کہاں رہ گئے تھے۔" حمید نے پوچھا اور فریدی ہنسنے لگا۔

"تم شاید سمجھے ہو گے کہ مجھے پکڑ لیا گیا۔" اس نے کہا۔ "بات یہ نہیں تھی۔ اس وقت کی چال بڑی کارآمد ثابت ہوئی۔ وہ اندھیرے میں یہی سمجھے کہ میں بھی اسی ٹیکسی پر بیٹھ کر نکل گیا ہوں۔ اس طرح مجھے ڈاکٹر بھٹناگر کے مکان میں گھسنے کا موقع مل گیا۔ وہ لوگ تو بے چارے رات بھر مجھے تلاش کرتے رہے۔ ڈاکٹر بھٹناگر کے مکان کی تلاشی لینے پر مجھے خود بھی یقین ہو گیا کہ اس کے متعلق میرا اندازہ قطعی درست تھا۔ وہ پانچوں پُراسرار آدمی اسی کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ لباس جو میں نے پہن رکھا ہے اسی کے گھر سے چرا کر لایا ہوں۔"

"لیکن وہ پانچوں تو کل رات کو یہاں اسی لباس میں موجود تھے۔" حمید نے کہا۔

"میں جانتا ہوں۔ بھٹناگر کے یہاں صرف پانچ آدمیوں کے لئے لباس نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بھی وہاں کئی جوڑے وردیاں اور ہیں۔ ہاں تو وہ کل رات کو نقارہ یہاں سے نکال لے گئے۔"

"یعنی اصطبل سے....؟" حمید نے متحیرانہ انداز میں سوال کیا۔

"ہاں.... اپنی عقلوں پر تو پتھر پڑ گئے تھے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں اپنی حماقت بھی زندگی بھر یاد رکھوں گا۔ وہ نقارہ دراصل یہاں گھوڑوں کے دانہ کھانے کے ہودے کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ خود صولت مرزا بھی اس کی حقیقت یا اہمیت سے آگاہ نہیں تھا۔ کہ وہ لوگ اسے کھود کر نکال لے گئے اور ساتھ ہی وہ اصطبل میں آگ بھی لگا گئے۔"

"آخر تھا کیا اس نقارے میں....!"

"اس راستے کا نقشہ جو ہمیں تخت عقرب تک لے جاتا۔"

"یہ آپ کو کس طرح معلوم ہوا۔"

"قیاس...!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "آج وہ یدھ راج گڑھی میں راستہ تلاش کر رہے تھے۔"

"تو کیا وہ ساری اودھم....!"

"میں نے ہی مچائی تھی۔" فریدی نے اس کا جملہ پورا کر دیا۔ "ان کے کئی آدمی ہلاک اور زخمی ہوئے ہیں۔"

"مگر لاشیں....!"

"وہ اٹھا لے گئے ہوں گے۔ اگر ایسا نہ کرتے تو ان کا راز ظاہر ہو جاتا۔"

حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"آخر انہوں نے نقارے کی تلاش کے لئے یہ سوانگ کیوں بھرا تھا۔"

"یہ ان کی زبردست چال تھی۔" فریدی پر خیال انداز میں بولا۔ "اس معاملے میں ڈاکٹر بھٹناگر کی ذہانت کا قائل ہو جانا پڑتا ہے۔ یدھ راج گڑھی کی کھدائی کے دوران میں صولت مرزا ہی کے یہاں ٹھہرا تھا۔ غالباً وہ جمیلہ کے مرض سے واقف ہو گیا تھا۔ اس کی نظر خصوصاً اس بات پر زیادہ تھی کہ جمیلہ دورے کی حالت میں قدیم روم اور یونان کی باتیں کیا کرتی ہے خود کو قدیم مصر کی باشندہ سمجھتی ہے۔ لہٰذا اس نے اسی حوالے سے قدیم رومن سپاہیوں کی اختراع کی تاکہ دیکھنے والے اسے آسیبی سمجھ کر ان سے دور ہی رہیں اور وہ اپنا کام کر گزریں۔"

"اور آپ.... آپ اس لباس میں کیوں آئے۔"

"اپنا بھی وہی مقصد تھا اگر اس لباس میں نہ آتا تو ممکن ہے کہ مجھے گولی ہی مار دی جاتی۔"

"کون گولی مارتا۔"

"صولت مرزا....!"

"کیوں؟"

"شاید نیند نے تمہاری سوچنے کی قوت سلب کر لی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ارے میاں.... کل اس کی لڑکی اسی اصطبل میں بُری طرح جل چکی ہے۔ بھلا آج رات کو اس کے قریب آنے والا زندہ رہ سکتا تھا۔ صولت مرزا نے مجھے اس لباس میں یہاں دیکھا تھا اور چپ چاپ دم دبا کر بھاگ گیا تھا۔ ممکن ہے وہ اب بھی کسی کھڑکی یا روشندان سے جھانک رہا ہو۔"

حمید فریدی کو اپنی اور ارسلانوس کی گفتگو کے متعلق بتاتا ہوا بولا۔ "ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ارسلانوس گولیوں کی آوازیں سن کر بے تحاشہ بھاگا کیوں تھا۔"

"وحشت....!" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

"ارسلانوس کی شخصیت بھی کچھ مشتبہ سی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ صولت مرزا کے پیچھے کیوں پڑا ہوا ہے۔"

"ایک بہت ہی معمولی وجہ تو اس کا مرحوم بیٹا ہے۔" حمید نے کہا۔ "صولت مرزا کی کسی حرکت کی بناء پر گھل گھل کر مر گیا۔"

"یہ ارسلانوس کا بیان ہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن تم اس کی حقیقت سے واقف نہیں۔ اس کے لڑکے کی پرورش دراصل صولت مرزا ہی کے یہاں ہوئی تھی۔ ارسلانوس اپنی بیوی کے مرنے کے بعد سے لڑکے کی طرف سے بھی لاپرواہ ہو گیا تھا۔ حتیٰ کہ وہ ایک بار سخت بیمار تھا۔ اس کے سارے جسم پر زخم ہو گئے تھے اور ان میں کیڑے بج بجایا کرتے تھے۔ ارسلانوس نے اسے گھر سے نکال کر گلی میں ڈلوا دیا تھا۔ اگر صولت مرزا نہ ہوتا تو کیڑے اس کی ہڈیاں تک چاٹ جاتے۔"

"بھئی یہاں تو میری عقل ہی خبط ہو گئی ہے۔" حمید اکتا کر بولا۔

"پہلے کبھی نہیں تھی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر کہنے لگا۔ "ایک بات سمجھ میں نہیں آتی وہ یہ کہ ڈاکٹر بھٹناگر کو اس نقارے کا علم کیونکر ہوا جب کہ خود مرزا بھی اس کے وجود سے لاعلم تھا۔ اسے یہ کس طرح معلوم ہوا کہ نقارہ صولت ہی کے یہاں کہیں پر موجود ہے۔"

حمید نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن تھوڑی ہی دیر بعد چونک کر کہنے لگا۔

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"کیا....؟"

"جمیلہ کو آپ قطعی معصوم قرار دیتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ وہ کسی مقصد کے لئے استعمال کی جاتی رہی ہے۔ خود کسی بات سے واقف نہیں۔ اگر یہ حقیقت ہے تو یہ بتایئے کہ اس کا فاؤنٹین پن بدھ راج گڑھی تک کیسے پہنچا۔"

"ہاں یہ سوال بھی غور طلب ہے۔" فریدی نے کہا۔ "میں تو اسے بھول ہی گیا تھا۔ خیر جو کچھ بھی ہے جلد ہی سامنے آجائے گا۔"

"تو آپ چلے کہاں؟" حمید نے کہا۔

"جہاں اب تک تھا.... تمہیں ہدایات ملتی رہیں گی۔ میرے متعلق صولت مرزا کو کچھ نہ بتانا۔"

اور پھر وہ کچھ دور چل کر تاریکی میں غائب ہو گیا۔

خون ریز جنگ

فریدی نے ان پانچ آدمیوں کا بھی راز ظاہر کر دیا۔ نقارے کے متعلق بھی اس کا قیاس درست ہو سکتا ہے۔ جمیلہ کی ذہنی بیماری بھی حقیقت رکھ سکتی ہے لیکن وہ اس کتے کی آواز کو کس طرح آدمی کا کارنامہ ثابت کر سکے گا۔ جب کہ وہ سینکڑوں سال سے سنی جا رہی ہے۔

صبح سے صولت مرزا سے کسی خاص موضوع پر گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ اس نے اسے صرف اتنا ہی بتایا تھا کہ پچھلی رات کو بھی اصطبل کے قریب ان میں سے ایک آدمی دکھائی دیا تھا اور اس کی شکل پارک میں نصب شدہ بتوں میں سے ایک سے ملتی جلتی تھی۔ صولت مرزا جمیلہ کی وجہ سے بہت زیادہ پریشان تھا۔ جمیلہ کی حالت پہلے سے بہتر ضرور تھی لیکن وہ ہر وقت کراہتی اور چیختی رہتی تھی۔ جلنے کے بعد سے وہ اب تک سو نہیں سکی تھی۔ دو ایک بار صرف غشی کے دورے پڑے تھے۔ وہ بھی زیادہ دیر تک کے لئے نہیں۔ جلنے کے بعد سے اب تک اس نے ہزار دو ہزار سال پرانی باتیں نہیں کی تھیں اور وہ ہر ایک کو پہچان بھی رہی تھی۔ بار بار ہر ایک سے پوچھتی تھی کہ وہ آخر جلی کیسے؟ کہاں اور کب جلی۔

حمید دن بھر اونگھتا رہا۔ دو ایک بار شکیلہ سے بھی مڈبھیڑ ہوئی اور حمید نے اسے مخاطب کرنے کی بھی کوشش کی لیکن وہ کچھ بولی نہیں یا شاید جمیلہ کی وجہ سے اس کی ساری شوخی ختم ہو گئی تھی۔ عقیلہ کے بچے بھی خاموش تھے۔

تقریباً تین بجے شام کو ایک لڑکے نے حمید کو لفافہ دیا جس پر اسی کا نام تحریر تھا۔ حمید نے اس کے ہاتھ پر ایک سکہ رکھ کر اسے رخصت کر دیا۔ یہ خط فریدی کا تھا۔ اس نے شام کو بدھ راج گڑھی کے قریب کے جنگل میں بلایا تھا۔ اس کے علاوہ خط میں کچھ اور نہیں تھا۔

حمید ایک نئی الجھن میں پڑ گیا۔ فریدی شاید ہمیشہ کی طرح اس بار بھی تنہا ہی کام کرنا چاہتا تھا۔ لیکن یہ معاملہ تنہا نپٹنے کا نہیں تھا۔ معلوم نہیں ڈاکٹر بھٹناگر کا گروہ کتنا مضبوط ہو۔ وہ دو آدمی ان کا کیا بگاڑ لیں گے۔ بہر حال اسے جانا ہی تھا۔ سوچتے سوچتے اسے رات والی جنگ کا خیال آ گیا کل تو فریدی بالکل تنہا تھا۔ وہ ان سے اکیلا ہی بھڑ گیا تھا اور اسے یہ دعویٰ بھی تھا کہ اس نے ان میں سے کئی ایک کو ختم کر دیا ہے۔

چھ بجتے ہی وہ جنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے اپنا ریوالور لے لیا تھا اور کافی تعداد میں کارتوس بھی۔ اسے دیر تک نہیں بھٹکنا پڑا۔ وہ ایک اونچے اور گھنے درخت کے نیچے سے گزر رہا تھا کہ اسے اوپر سے ہلکی ہلکی سیٹی کی آواز سنائی دی۔ اس نے چونک کر اوپر دیکھا۔ فریدی گھنی شاخوں سے سر نکالے جھانک رہا تھا۔ اس نے حمید کو اوپر آنے کا اشارہ کیا اور حمید بھنا کر رہ گیا۔

"اس وقت آپ جیسے بلند مقاموں تک میری رسائی ناممکن ہے۔ میں آپ کے جنگل خانے تک نہیں پہنچ سکتا۔"

"چپ....!" فریدی ہونٹ پر انگلی رکھ کر بولا اور پھر اشارے سے اوپر چڑھنے کو کہا۔

مجبوراً حمید نے جوتے اتار کر پتلون کی جیب میں ٹھونسے اور درخت پر چڑھنے لگا۔

دفعتاً فریدی نے گلے میں لٹکی ہوئی دوربین آنکھوں سے لگائی اور مغرب کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر آہستہ آہستہ سر گھماتا ہوا بدھ راج گڑھی کی سمت پلٹا۔ تھوڑی دیر تک دیکھتا رہا پھر دوربین چھوڑ کر حمید سے مخاطب ہو گیا۔

"وہ آج بھی باز نہیں آئیں گے۔ ڈھائی تین من سونا کم نہیں ہوتا اور پھر اسی کے ساتھ ہی ساتھ قیمتی جواہرات بھی جو اس تخت میں جڑے ہوئے ہیں۔"

"مجھے تو یہ اب بھی بنڈل ہی معلوم ہوتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"خیر.... خیر.... ذرا اسے دیکھو۔" فریدی نے جیب سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکال کر حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

ابھی تھوڑی بہت روشنی باقی تھی۔ حمید نے کاغذ پر نظریں جمادیں۔ اس پر سرخ روشنائی سے بچھو کا ڈنگ بنا ہوا تھا اور کچھ ہندسے بنے ہوئے تھے۔ کچھ تیروں کے نشانات تھے۔ ڈنگ کے چاروں طرف سمتوں کے نام لکھے ہوئے تھے۔ حمید نے فریدی کی طرف دیکھا جو دوربین سے یدھ راج گڑھی کا جائزہ لینے میں مشغول ہو گیا تھا۔

"کیا یہ ڈراؤنے خوابوں کا تعویذ ہے۔" حمید نے مسکرا کر پوچھا۔

"نہیں بیٹے۔" فریدی نے مڑے بغیر جواب دیا۔ "کیا تمہیں ان مہمل اشعار کا وہ مصرعہ یاد نہیں رہا۔"

"کون سا....!"

"نقارے میں ڈنگ لگا ہے۔"

"ہاں تو پھر....!"

"یہ وہی ڈنگ ہے جو نقارے میں لگا ہوا تھا۔"

"آپ کو ملا کہاں سے۔"

"کیا تم اس کاغذ پر خون بھری انگلیوں کے نشانات نہیں دیکھ رہے ہو۔"

"دیکھ رہا ہوں۔"

"یہ کل رات کو انہیں میں سے کسی کے پاس تھا۔" فریدی نے کہا۔ وہ ابھی تک یدھ راج گڑھی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً حمید کی طرف مڑ کر دوربین اس کے ہاتھ میں دیتا ہوا بولا۔

"ذرا دیکھنا تو یہ کون ہے؟"

حمید نے دوربین لے کر آنکھوں سے لگائی۔ یدھ راج گڑھی میں ایک آدمی دکھائی دیا جو ٹوٹی ہوئی دیواروں کی آڑ میں چھپتا پھر رہا تھا۔

"یہ تو ارسلانوس معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ یہاں کیا کر رہا ہے۔" حمید نے کہا۔

"فی الحال ارسلانوس کو بھول جاؤ۔ ان لوگوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔"

آہستہ آہستہ اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا اور جنگل مختلف قسم کی آوازوں سے گونج اٹھا تھا۔

"کچھ معلوم ہے کہ وہ ہیں کتنے۔" حمید نے پوچھا۔

"اس کی پرواہ مت کرو۔" فریدی نے کہا۔ "ہمارے پاس چھ عدد بہترین قسم کے بندوقچی ہیں۔"

"ان کے نام سنو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کیپٹن ابراہیم جلیس، میجر شفیق الرحمٰن، کرنل لہالال کپوز، سارجنٹ میجر شوکت اور انسپکٹر جاوید۔"

"لیکن یہ سب ہیں کہاں۔"

"درختوں پر۔" فریدی نے کہا۔ "انہیں آج ہی اپنے ساتھ لے آیا ہوں۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد ادھر اُدھر کی باتیں شروع ہو گئیں۔ لیکن حمید کا ذہن ارسلانوس میں الجھا ہوا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد فریدی نے اسے ٹہوکا دیا۔ حمید چونک کر سامنے کی طرف دیکھنے لگا۔ یدھ راج گڑھی میں کہیں کہیں پر روشنی کے ہلکے ہلکے متحرک دھبے نظر آ رہے تھے۔

"لیکن ایک بات تو سنئے۔" حمید نے کہا۔ "ممکن ہے کہ آج یہاں کی پولیس مداخلت کر بیٹھے۔"

"کوئی ہرج نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "میرے پاس ڈاکٹر بھٹناگر کا وارنٹ ہے۔ اس پر ایک قتل کا بھی الزام ہے۔"

"یہ روشنیاں۔" حمید نے کہا۔

"شاید انہوں نے راستے کی تلاش شروع کر دی ہے۔" فریدی نے کہا اور ہولے ہولے سیٹی بجانے لگا۔ قریب کے دو تین درختوں پر سرسراہٹ سنائی دی۔

"آؤ اب اتر چلو۔" فریدی نے کہا۔

حمید نے اترتے ہی ان چھ آدمیوں کو دیکھا۔ وہ انہیں اچھی طرح جانتا تھا۔ کیونکہ وہ فریدی کے گہرے دوستوں میں سے تھے۔

وہ جھاڑیوں اور ٹیلوں کی آڑ لیتے ہوئے یدھ راج گڑھی کی طرف بڑھنے لگے۔ پھر گڑھی کے قریب پہنچ کر انہوں نے زمین پر لیٹ کر سینوں کے بل رینگنا شروع کر دیا۔

گڑھی میں پندرہ بیس آدمی دکھائی دیئے جنہوں نے قدیم رومن سپاہیوں جیسا لباس پہن

رکھا تھا اور ان کے چہروں پر ہلکی زرد روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ان میں دو تین جھکے ہوئے ٹارچ کی روشنی میں زمین دیکھ رہے تھے۔ فریدی کے ساتھیوں میں سے کسی نے حیرت کا اظہار نہ کیا۔ حمید سوچنے لگا کہ شاید فریدی انہیں پہلے ہی سب کچھ بتا چکا ہے۔

جھکے ہوئے آدمیوں میں سے ایک سیدھا کھڑا ہو گیا۔ حمید نے اسے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔ یہ ڈاکٹر بھٹناگر تھا۔ اس نے جھکے ہوئے آدمیوں سے کچھ کہا اور وہ بھی سیدھے ہو گئے۔

"کیا یہ لوگ کل اسی لباس میں تھے۔" حمید نے فریدی سے آہستہ سے پوچھا۔

"نہیں! آج انہوں نے ضرور نا ایسا کیا ہے۔ اگر کل گولیاں نہ چلی ہوتیں تو شاید یہ اتنی احتیاط نہ کرتے۔"

"تو اب کیا کہتے ہو۔" ساتھیوں میں سے ایک نے پوچھا۔

"ابھی ٹھہرو.....!" فریدی نے کہا۔

بھٹناگر کا ایک ساتھی اپنے آدمیوں سے ہٹ کر ایک منارے کی طرف گیا۔ پھر وہاں سے الٹے پاؤں لوٹ آیا۔ لیکن واپسی میں کسی قدر اہتمام تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ قدم گن رہا ہو۔ اتنی دیر میں فریدی اور اس کے ساتھی ٹوٹی ہوئی دیواروں کی اوٹ میں رینگتے ہوئے ان کے قریب پہنچ چکے تھے۔

"پچیس قدم یہاں پورے ہوتے ہیں۔" بھٹناگر کے ساتھی نے کہا۔

بھٹناگر اس کے قریب آ گیا اور جھک کر ٹارچ کی روشنی میں کچھ دیکھنے لگا۔

"مگر یہاں بھی ویسا نشان نہیں دکھائی دیتا۔" بھٹناگر نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "اگر یہاں کبھی اس قسم کی عمارت تھی تو کم از کم اس کے آثار تو ہونے ہی چاہئے تھے۔"

"کہیں ہم اُلو نہیں بن گئے۔" کسی نے کہا۔

"یقیناً اُلو ہی معلوم ہوتے ہو۔" فریدی بلند آواز میں بولا۔ "خبردار اگر کوئی ہلا تو کھوپڑی اڑی۔"

آناً فاناً ان کے چہروں کی روشنیاں غائب ہو گئیں اور وہ سب پھرتی سے زمین پر لیٹ گئے۔ فریدی اور اس کے ساتھی بلندی پر ضرور تھے لیکن اب انہیں وہ لوگ صاف نہیں دکھائی دیتے تھے۔ ان کے ساتھیوں میں سے ایک نے سر ابھارا ہی تھا کہ ایک فائر ہوا۔ مگر نہ جانے وہ کیسے بچ گیا۔

"فائرنگ شروع کر دو۔" فریدی نے کہا اور ادھر سے بھی گولیاں چلنے لگیں۔ حمید نے بھی

ریوالور نکال لیا تھا۔ دونوں طرف سے بے تحاشہ گولیاں چل رہی تھیں۔ بھٹناگر کی طرف دو تین چیخیں بھی سنی گئی۔

"یوں نہیں۔" فریدی بولا۔ "ایک ایک آدمی دائرے کی شکل میں کھسکتا چلے۔ وہ لوگ ایسے میں اوپر چڑھنے کی ہمت نہیں کریں گے۔"

سب نے آہستہ آہستہ کھسکنا شروع کر دیا۔ لیکن ان کے ریوالور برابر آگ اگلتے جا رہے تھے۔ دوسری طرف پھر ایک چیخ سنائی دی۔ گڑھی کے باہر بھی شور سنائی دے رہا تھا اور باہر بھی ایک آدھ فائر سنائی دیئے۔ شاید باہر والے حمید کے پچھلی رات کے تجربے کو دہرا رہے تھے۔

ادھر بھٹناگر کی طرف کے ایک آدمی نے اوپر آنے کی کوشش کی اور حمید کے ریوالور نے اسے پھر نیچے پہنچا دیا۔

"فضول ہے ڈاکٹر بھٹناگر۔" فریدی نے زور سے کہا۔ "اب بھی بہتر ہے کہ باز آ جاؤ۔"

دوسری طرف سے فائر بند ہو گئے اور فریدی کے ساتھیوں نے گولیاں چلانا بند کر دیا۔

"بولو کیا کہتے ہو۔" فریدی نے پھر آواز دی لیکن جواب ندارد۔ فریدی نے ایک فائر بھی کیا لیکن اس کا بھی جواب نہیں دیا گیا۔ فریدی نے دو تین فائر اور کئے.... لیکن بے سود۔

آخر انسپکٹر جاوید نے ٹارچ روشن کی۔ نیچے آٹھ زخمی یا مردے دکھائی دیئے۔ فریدی تیزی سے نشیب میں اتر گیا۔ اس کے پیچھے بقیہ لوگ بھی تھے اور پھر کئی ٹارچوں کی روشنیاں قرب و جوار میں پھیلنے لگیں۔ لیکن بھٹناگر اور اس کے بقیہ ساتھیوں کا کوئی پتہ نہ تھا۔

"اچھا میاں جاوید صاحب سیٹی ہو گی تمہارے پاس۔" فریدی نے کہا۔ "ہونی تو چاہئے کیوں کہ اتفاق سے تم اس وقت وردی میں ہو۔"

"کیا کرو گے سیٹی۔" انسپکٹر جاوید نے جیب سے پولیس کی سیٹی نکالتے ہوئے کہا۔

"عقل کے ناخن لو یار۔" فریدی نے کہا۔ "مقامی پولیس کے آدمی باہر موجود ہوں گے۔ اگر انہوں نے اندر گھس کر ہم پر بے تحاشہ گولیاں برسانی شروع کر دیں تو کیا کرو گے۔ اچھا چلو.... بجاؤ خطرے کی سیٹی۔"

انسپکٹر جاوید نے خطرے کی سیٹی بجائی۔ باہر سے جواب آیا اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد بھاری بھرکم جوتوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ فریدی نے ٹارچ سے اشارہ کیا اور مقامی پولیس کے

جوان دوڑ کر ان کی طرف آئے۔ وہ سب مسلح تھے۔ شاید آج احتیاطاً دوسرے تھانے سے بھی کچھ سپاہی بلوا لئے گئے تھے۔

"ارے آپ....؟" سب انسپکٹر فریدی کو دیکھ کر چیخا اور پھر متحیرانہ انداز میں زمین پر پڑے ہوئے آدمیوں کو دیکھنے لگا۔

"ہمیں کچھ اور آدمیوں کی تلاش ہے جو اس وقت بھی یہیں کہیں موجود ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"مگر یہ ہیں کون....؟" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"قاتل.... سازشی اور خطرناک قسم کے مجرم۔ ان کے وارنٹ میرے پاس موجود ہیں۔ انہیں اٹھوا کر لے جایئے۔ ہم دوسروں کی تلاش میں ہیں اور یہ قصبے والوں کی بھیڑ یہاں سے ہٹوا دیجئے۔ کوئی گڑھی کے اندر نہ آنے پائے۔"

سب انسپکٹر زمین پر پڑے ہوئے آدمیوں کو اٹھوانے کا انتظام کرنے لگا اور یہ لوگ دوسروں کو ڈھونڈھنے میں مشغول ہو گئے۔

تختِ عقرب

"آخر گئے کہاں۔" کیپٹن حامد پر تشویش لہجے میں بولا۔ "اگر اوپر چڑھتے تو صاف دکھائی دے جاتے۔ ایک نے چڑھنے کی کوشش کی تھی ہم میں سے کسی کی گولی کا نشانہ بن گیا تھا۔"

"اوپر تو نہیں گئے۔" فریدی نے پر خیال انداز میں کہا۔

"تو پھر زمین میں گھس گئے ہوں گے۔" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔

"تمہارا خیال درست بھی ہو سکتا ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

وہ تھوڑی ہی دور چلے ہوں گے کہ انہیں گری ہوئی عمارتوں کے ملبے کے درمیان ایک تنگ سا راستہ دکھائی دیا جس کے دونوں طرف کے ڈھیر چھ سات فٹ سے کم بلند نہیں تھے۔ وہ اس میں گھس پڑے۔

"غالباً وہ اسی راستے سے فرار ہوئے ہیں۔" فریدی مایوسانہ انداز میں بولا۔

"ساری محنت برباد ہو گئی۔ بہت زیادہ دور اندیشی بھی اچھی نہیں ہوتی۔ اگر میں سیٹی وغیرہ

کے چکر میں نہ پڑا ہوتا تو وہ نکل کر جا نہیں سکتے تھے۔"

"پھر بھی۔" انسپکٹر جاوید بولا۔ "وہ بچ کر کہاں جائیں گے۔ میرے خیال سے تو اب تم وہ کام شروع کر دو جس کے لئے دردِ سر مول لی ہے۔ فی الحال راستہ صاف ہو گیا ہے۔"

"اس نقشے کی مدد سے تو ہم عمر بھر وہاں نہ پہنچ سکیں گے۔" فریدی نے کہا۔

"کیونکہ شاید ظاہری نشانات مٹ چکے ہیں۔ میں نے اس نقشے کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ بھٹناگر کا ساتھی مینار سے پچیس قدم تک بالکل ٹھیک چلا تھا۔ اس جگہ بچھو کے ڈنگ کی شکل کی کسی عمارت کے آثار ضرور ہونے چاہئیں۔ لیکن ایسا نہیں ہے، ہاں ایک دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ٹھیک اسی جگہ کھدائی کی جائے۔ اگر یہ صحیح ہے تو اس تخت کو کسی تہہ خانے ہی میں ہونا چاہئے۔"

وہ لوگ ابھی تک اس تنگ راستے میں چل رہے تھے۔ دفعتاً کچھ دور پر انہیں ایک سایہ سا دکھائی دیا اور پھر فوراً ہی غائب ہو گیا۔ ان کی ٹارچوں کی روشنی دور تک پھیلتی چلی گئی۔ لیکن پوری راہ سنسان پڑی تھی۔ جس جگہ سایہ دکھائی دیا تھا وہاں پہنچ کر فریدی رک گیا۔ اس کی نظریں چاروں طرف دوڑ رہی تھیں۔ قریب ہی اسے ایک غار دکھائی دیا جس کے دہانے پر جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ فریدی نے جھاڑیوں کو ہاتھ سے ہٹا کر اندر روشنی ڈالی۔ یہ ایک بڑا سا غار تھا جس کا دوسرا سرا دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اندر سیلن کی بدبو پھیلی ہوئی تھی.... اور زمین گیلی تھی۔ فریدی اپنے ساتھیوں کی طرف مڑا۔

"یہاں دیکھو! پیروں کے یہ نشانات بالکل تازہ معلوم ہوتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"ہاں ہیں تو....!" حمید نے کہا۔ "اور کئی آدمیوں کے معلوم ہوتے ہیں۔"

"تو آؤ.... پھر انتظار کس بات کا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اگر ڈاکٹر بھٹناگر ہاتھ آ گیا تو ممکن ہے کہ ہم وہ راستہ بھی پا جائیں ورنہ ویسے تو کوئی امید نہیں ہے۔"

وہ سب غار میں اتر گئے۔ فریدی آگے آگے چل رہا تھا۔ کچھ دور تک زمین بالکل بھیگی ہوئی تھی۔ اندر گھستے ہی ان پر مچھروں نے یلغار کر دی تھی۔ حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے کئی ایک اس کی ناک کے راستے پیٹ میں بھی اتر گئے ہوں۔ اتنے مچھروں کی بھنبھناہٹ اس کے دماغ کی چولیں ہلائے دے رہی تھیں۔ وہ اپنے منہ پر تھپڑ لگاتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

جیسے جیسے وہ آگے بڑھتے گئے غار تنگ ہوتا گیا اور پھر کچھ اور آگے چل کر صرف اتنا بڑا

سوراخ رہ گیا جس سے صرف ایک آدمی لیٹ کر گزر سکتا تھا۔ فریدی نے جھک کر اس میں ٹارچ کی روشنی ڈالی اور پھر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔

"تم سب ایک بار اس کی زیارت کر لو۔" وہ کپکپائی ہوئی آواز میں بولا۔

سب سے پہلے حمید جھکا اور وہ بھی سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس کی نظریں جواب طلب انداز میں فریدی کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ باری باری سب نے دیکھا اور بت بن کر رہ گئے۔

"کیا خیال ہے؟" فریدی پھر بولا۔

"تو کیا وہ دروازہ....!" حمید اس سے آگے نہ کہہ سکا۔ اس کا دل بڑی شدت سے دھڑکنے لگا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا واقعی انہیں تختۂ عقرب مل ہی جائے گا۔ اس نے اس سوراخ سے چند قدم کے فاصلے پر ایک دروازہ دیکھا تھا۔

"دیکھو.... دیکھو۔" فریدی سوراخ پر جھکتا ہوا بولا۔ "یہ سوراخ بھی قدرتی نہیں معلوم ہوتا۔ اس کے گرد جمی ہوئی کائی یہ بتاتی تھی کہ یہ سوراخ خاص طور پر بنایا گیا ہے اور پھر یہاں کائی کا کیا کام۔ جب کہ یہاں پانی کی ایک بوند بھی نہ پہنچ پاتی ہو گی۔ ذرا یہ قرب و جوار کی زمین دیکھو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہاں کبھی پانی پڑا ہی نہیں۔ پھر یہاں اس دہانے میں کائی کہاں سے آئی۔ اس کا تو یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ اس کی سینچائی کی جاتی ہے۔"

"ممکن ہے اوپر کا پانی رس رس کر یہاں تک پہنچتا ہو۔" حمید نے کہا۔

"اگر یہ بات ہوتی تو ہمارے اوپر کا حصہ بھی نم ہوتا۔ لیکن وہ بالکل ہی خشک پڑا ہے۔ خیر تو اب کیا ارادہ ہے۔" حمید بے صبری سے بولا۔

"میں ہی شروعات کرتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

اور پھر وہ دیکھتے ہی دیکھتے زمین پر لیٹ کر سوراخ کے اندر رینگ گیا۔ یکے بعد دیگرے دوسروں نے بھی اس کی تقلید کی۔

"اوہو....!" فریدی ایک پتھر کے ٹکڑے پر جھکا ہوا اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے اسے سوراخ پر رکھ دیا۔ بالکل ایسا معلوم ہوا جیسے کسی چیز پر ڈھکن لگا دیا گیا ہو۔ اس نے اسے پھر ہٹا لیا۔

"یہ دیکھو اس میں بھی ایک طرف ویسی ہی کائی لگی ہوئی ہے تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ یہ پتھ اس سوراخ کا ڈھکن ہے۔ اگر اسے اس میں لگا دیا جائے تو دوسری طرف سے راستہ قطعی مسدود

معلوم ہو گا۔ بھئی داد دینی پڑتی ہے اس کاریگری کی۔"

وہ بولتے بولتے خود بخود چونک پڑا اور پھر کہنے لگا۔ "تو کیا بھٹناگر سے بھی پہلے کوئی اس تہہ خانے پر قبضہ کر چکا ہے۔"

"اسے چھوڑو.... اب یہ بتاؤ کہ کیا کیا جائے؟" انسپکٹر جاوید نے کہا۔

فریدی پتھر کو چھوڑ کر دروازے کی طرف متوجہ ہو گیا جس کی درازوں سے ہلکی ہلکی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ فریدی آگے بڑھ کر درازوں سے جھانکنے لگا اور پھر فوراً ہی پیچھے ہٹ آیا۔ اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

"میں تم لوگوں کو ہرگز اندر نہ جھانکنے دوں گا۔ ورنہ تم لوگ بھاگ نکلو گے۔"

"کیوں؟ کیوں؟" سب لوگ آگے بڑھے۔

"نہیں ابھی ٹھہرو۔" فریدی نے کہا اور دروازے کو اپنی طرف کھینچنے لگا۔ لیکن وہ دوسری طرف سے بند تھا۔ اس نے کافی زور صرف کیا لیکن دروازہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

"تڑوانا پڑے گا۔" فریدی نے پرخیال انداز میں کہا۔

حمید مضطربانہ انداز میں آگے بڑھا۔ اس نے دروازے کی درز سے آنکھ لگا دی۔ دوسرے لمحے میں وہ چیخ کر فریدی پر آ رہا۔

"کیوں.... بس مر گئے.... منع کیا تھا۔" فریدی نے اسے الگ ہٹاتے ہوئے کہا۔

"بیٹے حمید صاحب یہ وہی باؤلی ہے جس کی مجھے تلاش تھی.... جہاں میں نے چند گھنٹے گزارے تھے۔ لیکن اس وقت مجھے یہ دروازہ نہیں دکھائی دیا تھا۔ کیا دیکھا؟ میں نے بھی اس وقت ٹکٹکی لگا دیکھا تھا۔"

کرنل کپور بھی جھپٹ کر دروازے کے قریب آیا۔ لیکن اس کا بھی وہی حشر ہوا جو حمید کا ہوا تھا۔

"کیا بات ہے بھئی۔" کیپٹن جلیس نے اپنے کلاک ٹاور جیسے جسم کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں نہیں! ادھر مت جاؤ۔" کرنل کپور نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"آخر کیوں؟"

"انسانی کھوپڑیاں خلاء میں ناچ رہی ہیں ان میں چراغ جل رہے ہیں۔"

"ارے باپ....!" کیپٹن ابراہیم جلیس نے بوکھلا کر کہا اور گھبراہٹ میں اونٹ کی طرح

بلبلانے لگا۔

"چھوڑیار....!" شفیق الرحمٰن نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا۔ "روشن دماغوں کی کھوپڑیاں ہوں گی۔"

باری باری سب نے اندر جھانکا اور سب کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ خصوصاً ابراہیم جلیس کی بلبلاہٹ اور زیادہ بڑھ گئی۔

"یار جلیس....!" فریدی اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "تم ایک بار ٹارزن سے لڑ جاؤ۔ تمہاری ساری کلیجی خود بخود سیدھی ہو جائیں گی۔"

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی بلبلاہٹ بدستور جاری رہی۔

"اس دروازے کو توڑنا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔

"تت.... توڑنا.... کیا کہہ رہے ہیں.... حضرت....!" جلیس نے کانپتے ہوئے کہا۔

"یار میں تمہیں بڑا بہادر سمجھتا تھا۔"

فریدی نے بدقت تمام انہیں راضی کیا اور جلیس کے علاوہ وہ سب مل کر زور لگانے لگے دفعتاً اندر کسی وحشی درندے کی غراہٹ سنائی دی اور وہ سب گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے۔

"تم لوگ نہ جانے کس ریگستانی مٹی کے بنے ہو۔" فریدی نے جھلا کر کہا۔ "ارے بابا سب کے پاس ریوالور ہیں۔ وہ ہمارا کچھ نہیں کر سکتا۔"

"مانگ.... کون؟" جلیس پھر ہکلایا۔

"یار تم چپ ہی رہو۔" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

غراہٹ برابر سنائی دے رہی تھی اور وہ سب بُری طرح کانپ رہے تھے۔

خصوصاً حمید اور جلیس کی تو جان ہی نکل رہی تھی۔

"آخر تم اسے کیا سمجھتے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"بھبھ.... بھوت....!" کیپٹن حامد نے کہا۔

"بکواس۔ اگر وہ بھوت ہے تو اندر ہی سے کیوں غرا رہا ہے۔ باہر کیوں نہیں نکلتا۔ اگر وہ واقعی بھوت ہوتا تو اب تک تمہاری گردنیں کس طرح سلامت رہتیں۔"

"مگر.... مگر....؟" حمید نے کچھ کہنا شروع کیا۔

"آپ تو براہِ کرم خاموش ہی رہئے.... چغد کہیں کے۔"

فریدی انہیں بڑی دیر تک سمجھاتا رہا اور پھر کسی نہ کسی طرح انہیں دروازہ توڑنے پر راضی کر لیا۔

بدقت تمام ایک تختہ نکل سکا۔ اتنا ہی کافی تھا۔ فریدی نے اندر ہاتھ ڈال کر کنڈی گرا دی اور دونوں پٹ کھول دیئے۔ غراہٹ کی آواز اور زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ فریدی نے اندر داخل ہوتے ہی فلاء میں ناچتی ہوئی کھوپڑیوں پر فائر کئے۔ سب کی سب.... چٹاخ چٹاخ ٹوٹ کر بکھر گئیں اور باؤلی میں اندھیرا پھیل گیا۔ سب نے ٹارچیں روشن کر لیں۔ انہیں آٹھ دس آدمی زمین پر اوندھے پڑے دکھائے دیئے جن کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ یہ ڈاکٹر بھٹناگر کے آدمی تھے اور غالباً وہ بھی انہیں میں رہا ہو گا۔

فریدی نے اس طرف روشنی ڈالی جدھر سے غراہٹ کی آواز آ رہی تھی اور حمید بے اختیار چیخ پڑا۔

"ارے یہ تو ارسلانوس ہے۔"

"ہاں ہاں.... میں ہی ہوں۔" اوپر کے دریچے سے آواز آئی۔ "اور اب تم لوگ یہاں سے زندہ بچ کر نہیں جا سکتے۔"

فریدی نے قہقہہ لگایا۔ دوسرے ہی لمحے میں ایک فائر ہوا اور گولی سنسناتی ہوئی اس کے کان کے پاس سے نکل گئی۔ اس نے فائر کر دیا۔ پھر باؤلی کی تنگ فضا پے در پے فائروں سے گونج اٹھی۔ فریدی آہستہ آہستہ زینوں کی طرف رینگ رہا تھا۔ تھوڑی دیر کی جدوجہد کے بعد وہ اوپر پہنچ گیا۔ ارسلانوس کے ریوالور سے نکلتے ہوئے شعلوں نے اس کی رہنمائی کی اور اس کے قریب پہنچ کر اس پر ٹوٹ پڑا۔ اندھیرے میں دونوں ایک دوسرے سے گتھے ہوئے زور آزمائی کر رہے تھے۔

"کیا پکڑ لیا۔" نیچے سے کسی نے پوچھا۔

آواز سن کر فریدی اس طرح چونکا کہ اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور ارسلانوس صاف نکل گیا۔ فریدی اندھیرے میں اس کے دوڑنے کی آواز پر اس کا تعاقب کرنے لگا۔ پھر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی دروازہ بند کیا گیا ہو۔ اتنی دیر میں اس کے ساتھی بھی اوپر آ گئے تھے۔ ٹارچ کی روشنی میں ایک دروازہ دکھائی دیا۔ انہوں نے زور لگا کر اسے کھولنا چاہا مگر ان کی کوشش بے کار

گئی۔ دروازہ بہت مضبوط تھا۔

"بھٹناگر کے ساتھیوں میں سے ایک کی کمر میں کلہاڑی لٹکی ہوئی ہے۔" فریدی نے کہا اور حمید دوڑتا ہوا نیچے چلا گیا۔

پھر چند لمحوں کے بعد وہ دروازہ کلہاڑی کی ضربوں سے ہل رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے اسے بھی توڑ گرایا اور ساتھ ہی اندر سے ایک فائر ہوا اور فریدی کا ساتھی چیخ کر پیچھے لڑھک گیا۔ بقیہ لوگ ادھر اُدھر ہو گئے۔ فائروں کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا تھا۔

"ارسلانوس ریوالور پھینک دو۔" فریدی نے چیخ کر کہا۔

"نہیں.... ہرگز نہیں۔ تخت میرا.... میرا ہے۔ میرے جیتے جی کوئی نہیں لے سکتا۔"

وہ برابر فائر کرتا رہا اور ادھر سے بھی فائر ہوتے رہے۔ دفعتاً اندر چیخ سنائی دی۔

"ہو.... اف.... باخ.... میرا ہے.... یہ میرا ہے.... کوئی نہیں لے سکتا۔"

"باخ.... خاہ.... میرا باخ....!"

اندر سے گولی چلنی بند ہو گئی تھی۔

فریدی نے اندر ٹارچ کی روشنی ڈالی اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ تخت عقرب روشنی میں دمک رہا تھا اور اس میں جڑے ہوئے ہیرے جگمگا رہے تھے۔ ارسلانوس نے اسے اس طرح دبوچ رکھا تھا جیسے وہ انتہائی محبت سے کسی بچے کو پیار کر رہا ہو اور اس کے خون کی بوندیں تخت سے زمین پر رس رہی تھیں۔

گولی اس کے سینے میں لگی ہوئی تھی۔

"میرا.... ہائے....!" وہ ایک بار پھر تڑپا اور زمین پر آرہا۔ اس کا منہ پھیل گیا تھا اور آنکھیں حلقوں سے نکل پڑی تھیں۔

دفعتاً فریدی کو اس ساتھی کا خیال آیا جس کے گولی لگی تھی۔ وہ تیزی سے پلٹا اور گرے ہوئے ساتھی پر جھک پڑا۔ یہ کیپٹن حامد تھا۔ گولی اس کی ران میں لگی تھی اور وہ بے ہوش تھا۔ فریدی زخم کا جائزہ لینے لگا۔ اس کے خیال کے مطابق ہڈی نہیں ٹوٹی تھی۔ گولی نے صرف گوشت کو چھیدا تھا۔

تھوڑی دیر بعد انسپکٹر جاوید باہر سے مدد لے آیا اور وہ سوراخ کھود کھود کر بڑھایا گیا جس سے وہ اندر آئے تھے۔ بھٹناگر اور اس کے بے ہوش ساتھی وہاں سے اٹھوائے گئے۔ کیپٹن حامد کو بھی

نکالا گیا۔ وہ ابھی تک بے ہوش تھا۔ ارسلانوس کی لاش اٹھوائی گئی۔ نہ جانے کیوں اس کی موت کے بعد حمید کے دل میں اس کے لئے ہمدردی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس کی موت کا بین وہ کافی عرصے تک نہ بھلا سکے گا۔ اس کے خیال کے مطابق ارسلانوس بُرا آدمی نہیں تھا۔ سے اس بے پناہ دولت نے پاگل بنا دیا تھا۔ اگر وہ چاہتا تو انہیں اسی رات کو مار ڈالتا جب وہ پہلی بار زمی میں داخل ہوئے تھے۔

فریدی بھی مضطربانہ انداز میں ٹہل رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ٹارچ تھی اور وہ اس کی روشنی میں بادلی کا جائزہ لے رہا تھا۔

"وہ دیکھو....!" اس نے حمید کو مخاطب کیا۔ "اوپر باریک باریک تار نظر آرہے ہیں وہ لوپڑیاں انہیں تاروں پر ناچا کرتی تھیں۔ شاید ارسلانوس نے بھولے بھٹکے آدمیوں کو ڈرانے کے لئے یہ سارا انتظام کیا تھا تاکہ یہاں کے آسیبی قصوں کی شہرت ہو اور لوگ ادھر آنا ہی چھوڑ دیں۔ غالباً ہمیں بھی وہ اسی لئے یہاں اٹھا لایا تھا۔"

حمید کچھ نہیں بولا۔ وہ ارسلانوس کی موت کے متعلق سوچ رہا تھا۔ ارسلانوس کی موت جیسے شاید وہ کبھی نہ بھلا سکے۔ اس نے اس سے پہلے بھی سینکڑوں موتیں دیکھی تھیں کئی خود اس کی گولی کا نشانہ بنے تھے لیکن وہ کسی کی موت سے اتنا متاثر نہیں ہوا تھا۔

پردہ اٹھتا ہے

دوسرے دن دوپہر کو صولت مرزا کی حویلی کے وسیع ہال میں ضلع کے سارے بڑے بڑے حکام جمع تھے۔ تخت عقرب درمیان میں رکھا ہوا تھا۔ اس کی متعلق اندازہ لگایا تھا کہ وہ تین چار من سے کسی طرح کم نہ ہو گا اور اس میں لگے ہوئے جواہرات کی قیمت کے متعلق کوئی خیال آرائی بھی نہ کر سکا تھا۔

ہال میں بیٹھے ہوئے لوگ فریدی کی تقریر بڑے غور سے سن رہے تھے۔ وہ شروع سے ساری داستان بیان کر رہا تھا۔ دفعتاً اس نے ایک سوال کیا۔

"کیا ارسلانوس اس تخت پر عرصے سے قابض تھا۔"

اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ سب خاموش تھے۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے اپنی جیب سے ایک کتاب نکالی۔

"یقیناً وہ اس پر عرصے سے قابض تھا۔" اس نے کہا۔ "اس کا ثبوت اس ڈائری سے ملتا ہے۔ یہ ارسلانوس کی ڈائری ہے۔ میں آپ کو اس کے بعض خاص خاص حصے سناتا ہوں۔"

۲۶ر مئی ۱۹۲۸ء مجھے حیرت ہے کہ میں آج خوشی سے مر کیوں نہ گیا۔ میں نے تختِ عقرب تک کا راستہ پالیا ہے۔ وہ تخت مجھے مل گیا ہے جسے میں جنوں اور پریوں کی کہانی کا کوئی تخت سمجھتا تھا۔ میرے خدا اتنی دولت اب میں بہت بڑا آدمی ہوں۔ ملک کا دولت مند ترین آدمی۔ میں نے وہ راستہ بند کر دیا ہے جس کے ذریعے سے تختِ عقرب تک پہنچا ہوں اور اوپر کے سارے نشانات بھی مٹا دیئے ہیں۔ ایک دوسرا راستہ بنانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

فریدی خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑے وقفے کے بعد بولا۔ "اب اس کے پاگل پن کی وجہ بھی سنئے۔

"لکھتا ہے۔ اوہ میرے خدا میں کیا کروں۔ اسے کہاں لے جاؤں۔ اس تخت نے میری راتوں کی نیند حرام کر دی ہے۔ دن کا سکون چھین لیا ہے۔ میں اسے کیا کروں۔ میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

فریدی نے بہت سارے ورق الٹ ڈالنے کے بعد پھر مجمع کی طرف دیکھا اور آہستہ سے بولا۔ "اب اس وقت کی تحریریں سنئے۔ جب سے میں اس کمرے میں داخل ہوتا ہوں میں تو ایسا ہی کہوں گا۔ مجھے مرنے مرانے سے گہری ہمدردی ہے.... سنئے۔"

گئی رات دو آدمی اس شیطانی کتے کو اس منارے سے نکالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مجھے ان کی حماقت پر ہنسی آئی اور ان کی دلیری پر عش عش کر تا رہ گیا۔ مجھے خوف ہوا کہ کہیں وہ تختِ عقرب کی تلاش میں نہ ہوں۔ اتفاقاً ان پر ایک دیوار آگری اور میں انہیں تہہ خانے میں اٹھا لایا۔ پھر میں نے انہیں ڈرانے کی اسکیم بنائی تاکہ وہ پھر ادھر کا رخ نہ کریں۔ میں نے تین چار انسانی کھوپڑیوں کو جو مجھے اسی تہہ خانے میں ملی تھیں پتلے پتلے تاروں پر نچانا شروع کیا۔ ان میں قندیلیں بھی روشن کر دیں۔ ایک آدمی کو ہوش آیا۔ وہ واقعی بہت دلیر معلوم ہوتا ہے۔ اس کے چہرے سے ذرہ برابر بھی ہراس نہیں ظاہر ہو رہا تھا۔ اس نے ریوالور سے ان کھوپڑیوں پر گولی بھی چلا دی چاہی۔ میں نے ایک چمگادڑ اس کے ہاتھ پر کھینچ مارا۔ ریوالور زمین پر گر پڑا۔ جسے میں نے تار پر پھنسا کر اوپر کھینچ لیا۔ لیکن وہ پھر بھی خائف نہ ہوا۔"

"کیا وہ تم تھے؟" کئی آوازیں آئیں۔

"خدا بہتر جانتا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اب آگے سنئے۔ ارسلانوس نے اس شیطانی چرخے میں نواب صاحب اور ان کی صاحبزادی کو بھی پھانسنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے متعلق بھی اس نے تحریر کیا ہے۔"

"لکھتا ہے.....! میں نے انسپکٹر فریدی کو بیوقوف بنانے کے لئے ایک دوسری چال چلی ہے۔ خدا کرے وہ دھوکا کھا جائے۔ اگر یہ داؤ اس پر چل گیا تو وہ اسے سو فیصدی آسیبی معاملہ سمجھ کر اس سے ہاتھ کھینچ لے گا۔ اس کے لئے میں جمیلہ کا فاؤنٹین پن چرا کر یدھ راج گڑھی کے اسی ڈھیر پر ڈال آیا ہوں جس میں فریدی اور حمید دب گئے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ کم از کم دن میں تو ادھر ضرور ہی آئیں گے۔"

پھر فریدی نے فاؤنٹین کا قصہ بتاتے ہوئے کہا۔ "اس کی آخری تحریر بھی سن لیجئے۔ لکھا ہے کل رات کو دیر تک یدھ راج گڑھی میں گولیاں چلتی رہیں۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فریدی وغیرہ کے علاوہ بھی کوئی اور تختِ عقرب کے چکر میں ہے۔ یہ بہت بُرا ہوا۔ کیا اب یہ تخت میرے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ کیا وہ اب میرا نہ رہے گا جسے میں نے رات رات بھر جاگ کر حاصل کیا ہے۔ خدا وہ وقت نہ لائے۔ وہ میرے لئے قیامت کی گھڑی ہو گی۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔

"ہم لوگ آپ کے اس کارنامے پر مبارک باد پیش کرتے ہیں۔" کمشنر نے اٹھ کر کہا۔

"شکریہ۔" فریدی جھک کر بولا۔ "لیکن ابھی میرا کام ختم نہیں ہوا۔ تختِ نشینی ایک ضمنی دریافت تھی۔ میں تو اس کتے کی آواز کا راز جاننے کی فکر میں تھا۔"

"ہمیں آپ کی صلاحیتوں سے امید ہے کہ آپ اس میں بھی کامیاب ہوں گے۔" کمشنر نے کہا۔

شام ہوتے ہوتے تختِ عقرب ملٹری کے پہرے میں وہاں سے اٹھوا کر ایک فوجی لاری میں رکھوایا گیا اور اسے سرکاری خزانے کے لئے روانہ کر دیا گیا۔ شاہی نقارہ ڈاکٹر بھٹناگر کے قبضے سے برآمد کیا گیا۔ سچ مچ اس پر بچھو کے ڈنگ کی تصویر کندہ تھی اور اس میں نقشہ بنا ہوا تھا۔

اسی رات کو کھانے کی میز پر فریدی صولت مرزا کو مہمل اشعار کا مطلب سمجھا رہا تھا۔

"نقارے میں ڈنگ کا مطلب تو آپ سمجھ ہی گئے۔ اب آگے چلئے۔ بچھو پر اُلو بیٹھے گا۔ معاف

کیجئے گا۔ یہ اشارہ مجھے آپ ہی کے خاندان کے افراد کی طرف معلوم ہوتا ہے اور اس کتبے کا تعلق بھی آپ ہی کے کسی بزرگ سے رہا ہوگا۔ جبھی انہوں نے اُلو کا لفظ استعمال کیا ہے کہ اس کا مطلب ہوا کہ یدھ راج کے بعد سے ارسلانوس پہلا آدمی نہیں تھا جس نے اس تخت کو اپنی ملکیت سمجھا ہو۔ آپ کے خاندان کے بھی کچھ بزرگوں کی رسائی اس تک ہو گئی تھی۔ ورنہ یدھ راج کے زمانے میں اُلو کا کیا تذکرہ اور پھر ان اشعار کی زبان میر و سودا کے زمانے سے بہت پہلے کی نہیں معلوم ہوتی۔ یدھ راج تو.... اکبر کے زمانے میں تھا۔"

فریدی کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔ "اب صرف دو مسئلے اور رہ گئے ہیں۔ پہلا تو کتے کی آواز اور دوسرا یہ کہ ڈاکٹر بھٹناگر کو اصطبل میں نقارے کی موجودگی کا علم کیونکر ہوا۔"

"ہوگا بھئی.... مارو گولی۔" صولت مرزا اکتا کر بولا۔ "کم بختوں نے جمیلہ کی تو جان ہی لے لی۔"

"اب کیا حال ہے کچھ بولتی ہے یا نہیں۔"

"صرف دو باتیں کہتی ہے ان کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ کبھی پوچھتی ہے کہ میں کس طرح جلی اور کبھی کہتی ہے کہ میں وہی ڈرامہ دیکھوں گی جو میں نے انگلینڈ میں دیکھا تھا۔"

بس یہی دو باتیں۔

"کیسا ڈرامہ....!" فریدی چونک کر بولا۔

"ارے بھئی کیا بتاؤں۔ اس کے اس کہنے پر مجھے یاد پڑتا ہے کہ شاید اس پر اسی ڈرامے کے دیکھنے کے بعد دورہ پڑا تھا۔"

"ڈرامے کی نوعیت یاد ہے آپ کو۔" فریدی نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"نوعیت کیا؟ نام ہی یاد ہے۔ انطونی اور قلوپطرہ ڈرامہ تھا۔"

"مصر قدیم کے افراد....!" فریدی زیرِ لب بڑبڑایا۔ پھر صولت مرزا کی طرف دیکھ کر بولا۔

"تو وہ دورہ کس طرح پڑا تھا۔"

"جمیلہ ڈرامہ شروع ہونے سے پہلے ہی سو گئی تھی۔ جب ڈرامہ شروع ہوا تو میں نے اسے جگا دیا۔ وہ چپ چاپ بیٹھی دیکھتی رہی۔ ڈرامہ ختم ہونے کے بعد مجھے یہ شک گزرا تھا کہ جمیلہ جاگ تو رہی ہے مگر شاید اپنے ہوش میں نہیں ہے۔"

"اوہ.... سو فیصدی یہی بات رہی ہوگی۔" فریدی نے کہا۔ "اچھا اس سے پہلے بھی کبھی

انہوں نے اس ڈرامے کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔"

"میری یادداشت میں تو کبھی نہیں۔" صولت مرزا بولا۔ "جب سے جلی ہے تبھی سے رٹ رہی ہے۔"

"ہوں.... اچھا کیا اس ڈرامے میں بھی آگ لگنے کا کوئی منظر تھا۔"

"اب تو اتنا مجھے یاد نہیں۔"

"ضرور رہا ہوگا۔" فریدی نے پراعتماد لہجے میں کہا۔ صولت مرزا استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"دیکھئے.... اس قسم کی ذہنی بیماریوں کا سبب معلوم ہو جانے پر مریض خود بخود ٹھیک ہو جاتا ہے۔ جمیلہ صاحبہ کو وہ سچویشن یاد آ گئی ہے جہاں سے ان کی بیماری کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ مجھے تو یقین ہے کہ اب ان پر دورے نہ پڑیں گے اور اگر اب بھی دورے پڑتے رہیں تو آپ انہیں ضرور کسی سائیکو انیلیسٹ کو دکھا دیجئے گا۔ مرض کے شروعات کے وقت کی سچویشن تو اب آپ کو یاد آ ہی گئی ہے۔ محض اسی نکتے سے وہ ان کا نفسیاتی تجزیہ کر کے مرض دور کر دے گا۔"

فریدی کی گفتگو سے صولت مرزا کے چہرے پر اطمینان کے آثار نظر آنے لگے۔

دوسرے دن صبح فریدی اور حمید یدھ راج گڑھی کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کے ساتھ دو مزدور بھی تھے۔ فریدی اس منارے کو کھلوانے کا اجازت نامہ پہلے ہی حاصل کر چکا تھا۔ مزدوروں نے ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر دروازے میں چنی ہوئی اینٹیں الگ کر دیں۔ وہ دونوں اندر داخل ہوئے۔ ابابیلوں کے بیٹ کی بدبو پھیلی ہوئی تھی۔ ان کے داخل ہوتے ہی دو تین چمگادڑیں نکل کر اجالے میں چکرانے لگیں۔ وہ چکردار زینے طے کرتے ہوئے اوپر جانے لگے۔ حمید دل ہی دل پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اس معاملے میں اسے ذرہ برابر بھی شبہ نہیں تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ انسانی کارنامہ نہیں ہے۔ آخری سیڑھیوں پر پہنچ کر فریدی روشندان سے باہر کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے قریب قریب ہر روشندان سے باہر جھانکا اور پھر اچانک ایک روشندان پر اس کی نظریں جم گئیں۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہ دوسرے روشندانوں سے اس کا موازنہ کر رہا ہو۔

"لاحول ولا قوۃ....!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "کھودا پہاڑ نکلا چوہا۔ آؤ واپس چلیں۔ اس وقت تو بس کوفت ہو گئی۔ میں تو سمجھا تھا کہ کوئی نہ سمجھ میں آنے والا معاملہ ہوگا۔ کیا دھرا ہے

اس میں۔"

"آخر کیا بات ہے؟"

"بہت سامنے کی بات ہے پیارے۔" فریدی نے کہا۔ "مگر ٹھہرو اس طرح شاید تمہاری سمجھ میں نہ آئے۔ لہٰذا کسی مزدور سے ایک آدھ بالٹی.... پانی منگوالو۔"

"کیا مطلب....!"

"او حمید کے بچے کبھی کبھی مطلب پوچھے بغیر بھی کوئی کام کر ڈالا کرو۔"

حمید نیچے اترنے لگا۔ اس وقت پھر بارش کے آثار معلوم ہو رہے تھے۔ مغرب سے سیاہ اور بوجھل گھٹائیں اٹھ رہی تھیں۔ ہوا بھی تیز ہو گئی تھی۔ حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے منارہ ہل رہا ہو۔ نیچے صولت مرزا اور اس کے دوست بھی کھڑے ہوئے تھے۔

"کیوں بھئی کیا رہا۔" صولت مرزا نے پوچھا۔

"فی الحال ایک بالٹی پانی ہونا چاہئے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"پانی.... پانی کیا ہوگا۔"

"کتا پیاسا ہے۔"

"کتا....!"

"جی ہاں اوپر تشریف لے جائیے۔"

صولت مرزا کے ساتھ اس کا ایک نوکر بھی تھا جو اس کے اشارے پر پانی لینے کے لئے چلا گیا اور وہ لوگ منارے پر چڑھنے لگے۔ فریدی دیوار سے ٹکا ہوا سگار پی رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"آخر تم نہ مانے۔" صولت مرزا نے کہا۔

"بھلا مانتا کیسے، جب کہ یہ ساری مشقت میں نے اسی لئے برداشت کی تھی۔ مگر حقیقت تو یہ ہے کہ یہاں پہنچ کر مجھے بڑی مایوسی ہوئی ہے۔"

"کیوں؟ مایوسی کیوں؟"

"اسلئے کہ ایک بہت ذرا سی بات سینکڑوں برس سے لوگوں کے خوف کا باعث بنی ہوئی ہے۔"

"آخر کیا....؟"

"ذرا پانی آجانے دیجئے۔"

تھوڑی دیر بعد پانی آ گیا اور فریدی نے روشندان پر چھینٹے دینے شروع کر دیئے۔

"یہ بھی ٹھیک نہیں۔" فریدی نے کہا اور بالٹی روشندان کے اوپر بنی ہوئی ایک کارنس پر رکھ دی اور پھر اس نے اپنی جیب سے رومال نکالا اور اسے بھگو کر اس کا ایک سرا بالٹی میں ڈال دیا اور دوسرا روشندان پر لٹکا دیا۔ اس سے روشندان پر پانی ٹپکنے لگا۔

"ابھی کافی دیر لگے گی۔" فریدی نے کہا۔ "آیئے میں آپ کو وہ باؤلی دکھاؤں جہاں تخت قرب رکھا ہوا تھا۔"

حمید کو اس نے وہیں روک کر روشندان کو تر کرتے رہنے کے لئے کہا اور مرزا وغیرہ کو لے نیچے اتر گیا۔

وہ تقریباً تین چار گھنٹے تک باؤلی میں رہے۔ انہوں نے وہ راستہ تلاش کر لیا جسے ارسلانوس نے بند کر دیا تھا۔

جب وہ گڑھی سے نکل رہے تھے تو انہوں نے کتے کے رونے کی آواز سنی۔ فریدی بے تحاشہ ہنسنے لگا۔ لیکن دوسرے لوگ بدحواس ہو گئے۔

"گھبرایئے نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں نے اس بھوت کو بھی پکڑ لیا ہے۔ آیئے میرے ساتھ۔"

مینار کے قریب پہنچ کر فریدی نے دیکھا کہ حمید مینار سے بہت دور کھڑا طرح طرح کے منہ بنا رہا ہے۔

کتا رہ رہ کر رو رہا تھا۔

"کیوں حمید کیا بات ہے۔" فریدی نے ہنس کر پوچھا۔

"کیا شیطان کے کان بہرے ہو گئے ہیں۔" حمید جھلا کر بولا۔

"خیر.... خیر.... آؤ میرے ساتھ...." فریدی اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

تقریباً سب ہی اوپر جاتے ہوئے ہچکچا رہے تھے۔ بدقت تمام وہ انہیں اوپر لے گیا۔ بالائی منزل بالکل خالی تھی۔ لیکن کتے کے رونے کی آواز بدستور جاری تھی اور یہاں یہ اتنی تیز تھی کہ ان کے کان پھٹے جا رہے تھے۔

"یہاں ادھر روشندان میں دیکھئے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہاں اس لکڑی کے فریم کی ضرورت تھی۔ اس کے بغیر بھی روشندان بنایا جاسکتا تھا اور پھر دیکھئے کہ اس میں سوراخ کی ضرورت تھی۔ روشندان کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ایک دو انچ قطر رکھنے والا سوراخ بنادیا جائے ہاں تو اب دیکھئے لکڑی کے بھیگنے کی وجہ سے یہ سوراخ پہلے سے زیادہ تنگ ہو گیا ہے اور سامنے والے بڑے روشندان سے آنے والے ہوا کے جھونکے جب اس سوراخ سے گزرتے ہیں تو آواز پیدا ہوتی ہے جب یہ خشک ہو کر کشادہ ہو جاتا ہے تو یہ آواز نہیں پیدا ہوتی۔"

"مگر اس طرح آواز کیسے.....!" ایک صاحب نے کہا۔

"کبھی بانسری بجائی ہے آپ نے۔" فریدی نے کہا۔ "بانسری کی آواز کا دارومدار بھی سوراخوں پر ہوتا ہے۔ ہاں تو نواب صاحب یہ دراصل ایک اشارہ تھا جسے لوگوں نے آسیبی خلل سمجھ لیا۔ یہ اشارہ اس بات کا تھا کہ اب اس قریب کی ندی میں سیلاب آنے والا ہے۔ یعنی اتنی بارش جس سے بھیگ کر یہ سوراخ اس قدر تنگ ہو جائے کہ اس قسم کی آوازیں نکلنے لگیں۔ ندی میں سیلاب کی اطلاع لانے کے لئے یہ آواز کافی ہو سکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ بدھ راج کے زمانے میں لوگ اس سے واقف رہے ہوں گے اور اس کی پہلی آواز پر گاؤں خالی کرنا شروع کر دیتے رہے ہوں گے۔"

سب لوگ پر سکوت انداز میں فریدی کی باتیں سن رہے تھے۔ اس کے خاموش ہو جانے پر کوئی نہ بولا۔

"آج بھی یہ کتا رو رہا ہے۔" فریدی آنکھ مار کر بولا۔ "لیکن آج سیلاب نہیں آئے گا۔ ویسے گاؤں والوں میں ہلچل ضرور پیدا ہو گئی ہو گی اور وہ بھاگ بھی رہے ہوں گے۔"

"بھئی خدا کی قسم! تم سے بڑا بھوت بھی آج تک میری نظروں سے نہیں گذرا۔" صولت مرزا نے مسکرا کر کہا۔

"آیئے اب چلیں۔" فریدی نے کہا۔ "ورنہ بے چارے گاؤں والے خواہ مخواہ پریشان ہوں گے؟"

راستے میں فریدی حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "کیوں حمید صاحب کیا خیال ہے۔"

"اب شاید آپ میری منہ سے بھی اپنی تعریف سننا چاہتے ہیں۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔

"حالانکہ نواب صاحب نے بڑے مناسب الفاظ میں آپ کی تعریف کر دی ہے۔"

سب ہنسنے لگے۔ گاؤں میں انتشار پھیل گیا تھا۔ صولت مرزا نے فوراً ہی ندی کے کنارے بسے ہوئے لوگوں میں آدمی دوڑا دیئے تھے جو لوگوں کو سب کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔

جب تک کھڑکی بھیگتی رہی کتے کے رونے کی آوازیں بھی سنائی دیتی رہیں۔

اسی شام کو اطلاع ملی کہ ڈاکٹر بھٹناگر نے نہ جانے کس طرح حوالات میں خودکشی کر لی، اس طرح فریدی اپنے ایک سوال کے جواب سے محروم رہ گیا۔ وہ یہ کہ ڈاکٹر بھٹناگر کو اصطبل میں نظارے کی موجودگی کا علم کیونکر ہوا تھا۔

رات کو کھانے کی میز پر شکیلہ فریدی سے کہہ رہی تھی۔ "ان واقعات کی رپورٹ کی ایک کاپی اپنے دستخط سمیت مجھے بھی بھجوایئے گا۔"

"خدا کے لئے اب آپ اپنی شادی کر لیجئے۔" حمید نے آہستہ سے فریدی کے کان میں کہا اور فریدی دانت پیس کر رہ گیا۔ اگر صولت مرزا وغیرہ موجود نہ ہوتے تو وہ حمید کی پیٹھ پر ایک زوردار گھونسہ ضرور رسید کر دیتا۔ بہر حال وہ سب حمید کو استفہامیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے اور فریدی دل ہی دل میں تاؤ کھا رہا تھا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 22

خون کا دریا

(مکمل ناول)

کیچڑ میں پھول

پچھلے پہر کی نکھری ہوئی چاندنی جنگل کے سرسبز سینے پر محیط تھی۔ چاروں طرف ایک لامتناہی سکوت پھیلا ہوا تھا۔ ہولے ہولے چلنے والی خنک ہوا ایسی لگ رہی تھی جیسے سوئے ہوئے جنگل کی خواب آور اور بوجھل سانسیں۔ دفعتاً تارجام والی سڑک پر کسی کار کی ہیڈ لائیٹس کی روشنی دکھائی دی اور پھر سناٹے میں انجن کی ہلکی آواز انتشار پھیلانے لگی۔ انسپکٹر فریدی کی خوبصورت کیڈی لاک سڑک کے سپاٹ سینے پر پھسلتی چلی جارہی تھی۔ وہ اس وقت تارجام سے واپس آرہا تھا۔ سرجنٹ حمید اس کے برابر بیٹھا جھکولے کھا رہا تھا۔ اس وقت ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ گوشت کا ایک لوتھڑا ہو اور جس کا ایک ہلکی سی جنبش پر بھی ہل جانا یقینی ہو۔ ایک آدھ بار تو اس کا سر اسٹیئرنگ سے بھی ٹکرا گیا تھا۔ فریدی اسے بار بار سنبھال لیتا تھا۔

حمید نشے میں تھا۔ اسے بُری طرح پلا دی گئی تھی۔ اگر فریدی نے موقع پر برقت پہنچ کر مداخلت نہ کی ہوتی تو شاید وہ اسے پلاتے پلاتے مار ہی ڈالتے۔ فریدی نے اسے ایک اہم کام کے سلسلے میں تارجام بھیجا تھا۔ وہاں چند پولیس انسپکٹروں نے تفریحات میں پھانس لیا۔ حمید عادتاً شرابی نہیں تھا لیکن انہوں نے ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ اسے مجبوراً پینی ہی پڑی۔ شروع میں اس نے سوچا تھا کہ وہ ایک آدھ پیگ سے زیادہ نہ پیئے گا مگر وہ پھر ایک اناڑی کی طرح ڈوبتا ہی چلا گیا۔ اگر فریدی وہاں نہ پہنچ گیا ہوتا تو معلوم نہیں وہ لوگ مذاق ہی مذاق میں اس کی کیا درگت

بنادیتے۔ اس کا وہاں اس طرح پہنچ جانا محض اتفاق ہی پر مبنی نہ تھا۔ نہ اسے اس معاملے کے متعلق کوئی دوسری خاص بات یاد آتی اور نہ وہ وہاں پہنچتا، بہر حال وہ کسی طرح حمید کو اٹھالایا۔ پہلے اس نے اسے پچھلی سیٹ پر ڈال دیا۔ لیکن حمید نشے کی حالت میں اول فول بکتا ہوا اچھل کر اس کے قریب آبیٹھا۔

اور جب کیڈی کے انجن سے ہلکی ہلکی آواز نکلنے لگی تو دفعتاً فریدی نے اسے کچے راستے پر موڑ لیا۔ یہ علاقہ اس کا اچھی طرح دیکھا بھالا ہوا تھا۔ اسے یاد آگیا کہ قریب ہی ایک تالاب ہے جہاں سے وہ موٹر کے لئے پانی لے سکے گا۔

کار رک گئی اور حمید ایک جھٹکے کے ساتھ فریدی پر آرہا۔

"ہیں ہیں ہیں۔" وہ اس کی گردن سے لپٹا ہوا منمنایا۔

"میری جان۔"

"ادھر ہٹو....!" فریدی نے اسے دھکا دیا۔

"میں تمہارے لئے سونے کا تاج.... محل.... بنوادوں گا۔" حمید فریدی کے اوپر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ "مگر میری جان.... پہلے تم مر کر.... بھی تو دکھاؤ۔"

"چپ رہو۔" فریدی نے اس کی گردن دبوچ کر کہا۔

"مار ڈالو۔" حمید نے گھگھیا کر کہا۔ "میرا باپ بھی یتیم تھا.... اور میں بھی لاوارث ہوں۔"

پھر اس نے اس طرح منہ بنایا جیسے دھاڑیں مار مار کر رونے لگے گا۔

"دیکھو.... سور.... اب اگر تم نے بکواس کی تو۔"

"ہمیں ڈانٹتی ہیں.... آں.!"

"ابے میں عورت ہوں۔" فریدی نے چیخ کر پوچھا اور حمید کی ناک دبادی۔

"نہیں تم دیوی ہو۔" حمید نے ہچکیاں لیتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں پوجتا ہوں۔ تم فرشتوں سے.... زیادہ تگڑی.... اور قلوپطرہ کی طرح حاتم طائی ہو۔"

فریدی نے پھر اس کی پیٹھ پر ایک دھول جڑدی اور پٹرول کے خالی ٹین لے کر نشیب میں اترنے لگا۔

تالاب کے مرتعش سینے پر چاند کی کرنیں مچل رہی تھیں۔ فریدی چلتے چلتے رک گیا۔ اسے

ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے دودھیا چاندنی اس کی نیند اسی آنکھوں کی راہ سے روح کی گہرائیوں میں اترتی چلی جارہی ہو۔ نیند کے مارے دماغ کا سناٹا جنگل کے سکوت سے ہم آہنگ سا ہوتا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ ایک عجیب سی مدہوشی اس کے ذہن پر مسلط ہوتی جارہی تھی۔ اس نے پٹرول کے دونوں ٹین زمین پر رکھ دیئے اور ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھ کر سگار سلگانے لگا۔

نیند کی حالت میں بعض اوقات بڑے بڑے عجیب خیالات ذہن کے ڈھکے چھپے گوشوں سے شعور میں رینگ آتے ہیں۔ فریدی کا اونگھتا ہوا دماغ بھی کچھ بے تکے خیالات کی آماج گاہ بن گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ جس پتھر پر بیٹھا ہوا ہے وہ ایک زوردار دھماکے کے ساتھ پھٹ بھی سکتا ہے۔ اس خیال سے پلٹی ہوئی کچھ یادیں بھی شعور کی سطح پر ابھر آئیں۔ ان میں ایک گدے دار کرسی بھی تھی جس کے گدے میں ایک ٹائم بم چھپادیا گیا تھا اور جس نے ایک آدمی کے پرخچے اڑا دیئے تھے۔ اسے دوا کی وہ بوتل یاد آئی جس میں کسی نے پھٹ جانے والا آتش گیر مادہ بھر دیا تھا ایک ایسی ربڑ کی گڑیا یاد آئی جس میں ایک مہلک دوا بھری ہوئی تھی اور جس نے ایک پورے خاندان کا صفایا کر دیا تھا۔ اس کا ذہن بھٹک ہی رہا تھا کہ اسے پے در پے ہارن کی آواز سنائی دینے لگی۔ وہ جھلا کر کھڑا ہو گیا۔ سچ مچ حمید پر آج بڑا تاؤ آیا تھا۔ پھر یہ معلوم ہونے پر کہ وہ ایک چکر میں پھنس کر اپنی یہ حالت بنا بیٹھا تھا۔ اس کا غصہ تو رفع ہو گیا تھا لیکن ابھی قدرے جھلاہٹ باقی تھی۔ جواب پھر آہستہ آہستہ غصہ میں تبدیل ہوتی جارہی تھی۔

وہ پٹرول کے ٹین وہیں چھوڑ کر پھر کار کی طرف لوٹ گیا۔ حمید بے تحاشہ ہارن بجاتا جارہا تھا۔

"ارے کم بخت کیا اب بیٹری کا بھی صفایا کر دے گا۔" فریدی اسے جھنجھوڑ کر بولا۔

"ارے تم آگئیں.... میری جان.... یہ اونٹ چلتا کیوں نہیں۔" حمید نے بچوں کی طرح ٹھنک کر کہا۔

فریدی نے اسے اگلی نشست سے اٹھا کر پچھلی سیٹ پر ڈال دیا۔

"بہت تگڑی ہو مری جان۔" حمید بڑبڑایا۔

"لیکن میں اپنے باپ کی دم کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ.... تمہارے لئے ہاتھی دانت کا تاج محل ضرور بنواؤں گا۔"

فریدی تھوڑی دیر تک سوچتا رہا۔ پھر اس نے حمید کی ٹائی کھول کر اس کے ہاتھ باندھ دیئے

اور اپنی ٹائی سے پیر۔

"ارے.... ارے!" حمید روہانسا ہو کر بولا۔ "یہ اچھی محبت باندھتی ہیں.... آں۔"

"شٹ اپ....!" فریدی نے کہا اور حمید باقاعدہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

فریدی نے چاہا کہ اس کا گلا دبا دے۔

وہ اسے چیختا چلاتا اور بڑبڑاتا چھوڑ کر پھر تالاب کی طرف اتر گیا۔ پٹرول کے خالی ٹین اٹھائے اور انہیں پانی سے بھرنے لگا۔

دونوں ٹین کا پانی موٹر میں ڈال کر پھر تالاب کی طرف بڑھا۔

اسے آج کے منحوس دن پر بھی غصہ آرہا تھا۔ حمید کی اس حماقت کی بناء پر وہ غصے میں رات کا کھانا بھی بھول گیا تھا۔ تقریباً نو بجے وہ تار جام پہنچا تھا اور پھر حمید کو ڈھونڈتا ہوا اس ہوٹل کی طرف جا نکلا تھا جہاں وہ اور اس کے دوست رنگ رلیاں منا رہے تھے۔ پھر وہ حمید کو کار پر لاد کر فوراً ہی وہاں سے چل پڑا تھا۔

اس نے بھرے ہوئے ٹین زمین پر رکھ دیئے اور سیدھا کھڑا ہو کر سگار سلگانے لگا۔ نہ جانے کیوں اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ تھوڑی دیر اور ٹھہرے۔ اس نیند کے باوجود بھی وہ وہاں ٹھہرنا چاہتا تھا جو فرصت کے لمحات میں اسے سب سے زیادہ عزیز ہوا کرتی تھی۔ اس کی نظریں تالاب کی چمکدار سطح سے چلتی ہوئی افق میں جا ڈوبیں۔ جہاں دو سیاہ ٹکڑے ابھر رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد چونک کر اس نے ٹین اٹھائے اور چلنے کیلئے مڑا ہی تھا کہ چند قدم کے فاصلے پر داہنی طرف کی جھاڑیوں میں سرسراہٹ سنائی دی۔ اگر ساتھ ہی اسے ایک سایہ بھی نہ دکھائی دیا ہوتا تو شاید وہ اسے کوئی اہمیت دیئے بغیر آگے بڑھ جاتا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس نے ٹین پھر تی سے زمین پر رکھ دیئے اور اچھل کر ایک پتھر کی اوٹ میں ہو گیا۔ ہر وہ جرائم پیشہ جس کا اس سے سابقہ پڑ چکا تھا۔ اس کا دشمن تھا لہٰذا ایسے موقع پر اس کا ہوشیار ہو کر احتیاطی تدابیر اختیار کرنا غیر ضروری نہیں تھا۔

وہ کئی سیکنڈ تک پتھر کی اوٹ سے جھانکتا رہا۔ لیکن پھر کوئی دکھائی نہ دیا۔

البتہ جھاڑیاں ہل رہی تھیں۔ وہ عجیب کش مکش میں مبتلا ہو گیا تھا۔ دوسرا قدم اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ اس کا نیند کے بوجھ سے دبا ہوا ذہن پہلے کی نسبت کچھ صاف ہو گیا تھا۔ لیکن ابھی جسم پر کسل مندی طاری تھی۔ بہر حال یہ غلامت بھی اس بات کی دلیل تھی کہ وہ خائف نہیں

ہوا۔ ورنہ خوف کی حالت میں تو جسم میں غیر معمولی طور پر پھرتی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ ذہن کی دسترس سے نکل کر اضطراری افعال کا شکار ہونے لگتا تھا۔

دفعتاً اسے حمید کا خیال آیا جسے وہ باندھ کر نشے کی حالت میں چھوڑ آیا تھا۔ اگر واقعی دشمن گھات میں تھا تو حمید کے لئے بھی وہ اتنا ہی مہلک ثابت ہو سکتا تھا جتنا کہ خود اس کے لئے۔

وہ پتھر کی اوٹ سے نکل کر آہستہ رینگتا ہوا اوپر کی طرف بڑھنے لگا۔ پورے ڈھلوان میں لمبی لمبی گھاس اُگی ہوئی تھی۔ حالانکہ وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کے حرکت کرنے سے جھاڑیاں ہل رہی ہیں لیکن وہ اس وقت اور زیادہ احتیاط برت کر حمید کی جان خطرے میں ڈالنا نہیں چاہتا تھا۔ اس دوران میں اس نے سوچا کہ ممکن ہے وہ کوئی جانور رہا ہو۔ لیکن اسے اپنی آنکھوں پر شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔ سایہ کسی آدمی کا ہی دکھائی دیا تھا۔ جھاڑیوں سے نکل کر وہ تیزی سے کار کے قریب آیا۔ حمید پچھلی سیٹ پر لیٹا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ اس کے ہاتھ پیر بدستور بندھے ہوئے تھے البتہ لباس کی بے قاعدگی سے معلوم ہو رہا تھا کہ اس نے سو جانے سے قبل بھی ہاتھ پیر کھولنے کی جدوجہد کی ہے۔

فریدی پر خیال انداز میں اس ڈھلان کی طرف دیکھنے لگا جدھر سے یہاں تک پہنچا تھا۔

دفعتاً اسے ایک چیخ سنائی دی۔ کسی عورت کی چیخ جو تالاب کی طرف سے آئی تھی۔ پھر دوسری چیخ سنائی دی اور ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی پانی پر ہاتھ پیر مار رہا ہو۔

فریدی تیزی سے ڈھلان کی طرف اترنے لگا۔ اس وقت اس کے دل سے کسی قسم کی سازش کا خیال قطعی نکل گیا تھا۔ چیخ پھر سنائی دی اور تالاب کی سطح پر دو ہاتھ نظر آئے، جو بے بسی کے عالم میں ادھر اُدھر جھول رہے تھے۔ فریدی نے کوٹ اتار کر الگ پھینکا اور جوتے پہنے ہی تالاب میں چھلانگ لگا دی۔

ڈوبنے والے نے اس کی گردن اپنے بازوؤں میں جکڑ لی۔ فریدی نے کوئی مزاحمت نہ کی کیونکہ اس نے پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ تالاب کی گہرائی زیادہ نہیں اور جب وہ ڈوبنے والے کی سمت سیدھا کھڑا ہوا تو پانی اس کی گردن تک تھا۔ وہ آہستہ آہستہ باہر آیا۔

کوئی عورت اس کی گردن سے بُری طرح چمٹی ہوئی تھی اور اسی حالت میں بے ہوش ہو گئی تھی۔ فریدی نے بدقت تمام اسے اپنے جسم سے الگ کر کے زمین پر لٹا دیا۔ اس کے کپڑے کیچڑ

سے لت پت ہوگئے تھے۔ فریدی نے سب سے پہلے اس کے پیٹ میں پانی نکالنے کی تدبیریں اختیار کیں۔ پھر سگار جلا کر اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

یہ کوئی غیر ملکی عورت معلوم ہوتی تھی۔ اس کی رنگت انگریز یا فرانسیسی عورتوں کی طرح صاف نہیں تھی۔ گورے رنگ میں کچھ کچھ سنہرا پن سا تھا۔ بالوں کی رنگت کے متعلق اندازہ لگانا دشوار تھا۔ بہت ممکن ہے کہ وہ اخروٹ جیسی رنگت کے رہے ہوں۔ اس نے ایک ریشمی اسکرٹ پہن رکھا تھا۔ وہ کیچڑ میں آلودہ ہونے کی بناء پر اس کے جسم سے چپک کر رہ گیا تھا۔ فریدی نے اندازہ لگایا کہ وہ لڑکی اب خطرے میں نہیں ہے لہٰذا وہ اسے وہیں چھوڑ کر ان جھاڑیوں کی طرف متوجہ ہوگیا جن میں اسے سایہ دکھائی دیا تھا۔ یہ جھاڑیاں موٹے موٹے تنکوں کی شکل میں کھڑی ہوئی تھیں۔ فریدی کو اس قسم کی وہ جھاڑیاں یاد آگئیں تھیں جو اس نے اکثر دلدلی خطوں میں دیکھی تھیں۔ اس کا خیال بالکل صحیح نکلا۔ یہاں بھی دلدل ہی تھا اور اس کا سلسلہ براہِ راست تالاب سے جاملا تھا۔ یہاں سے اسے وہ کچی سڑک صاف دکھائی دے رہی تھی جہاں اس نے اپنی کار کھڑی کر رکھی تھی۔ دلدل میں ایسے کچھ نشانات تھے۔

فریدی نے پھر مڑ کر اس کی طرف دیکھا جو ابھی تک بے ہوش پڑی تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک کھڑا رہا۔ کچھ سوچتا رہا پھر لڑکی کو اٹھا کر کار تک لایا اور اسے اگلی نشست پر ڈال کر دوبارہ تالاب کی طرف لوٹ گیا۔

کار میں پانی ڈال دینے کے بعد اس نے ٹارچ نکالی اور اپنی کار کے آگے کی زمین پر دیکھنے لگا۔ کسی دوسری کار کے پہیوں کے تازہ نشانات پر ٹارچ کی روشنی دائرہ بنا رہی تھی۔ فریدی پراطمینان انداز میں سر ہلا کر پیچھے کی طرف لوٹ پڑا۔ اب وہ اس جگہ کھڑا تھا جہاں سے دلدل کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ وہ تھوڑی دور تک کچھ دیکھتا رہا اور پھر کار کی طرف لوٹ آیا۔ حمید کے ہاتھ پیر کھول کر اسے پھر اگلی نشست پر لے آیا۔

اور بے ہوش لڑکی کو پچھلی سیٹ پر لٹا دیا۔

"ہام.... بچ....!" حمید نے بڑبڑا کر فریدی کا منہ چوم لیا۔

فریدی نے اس کے سر پر ایک ہاتھ رسید کر کے کار اسٹارٹ کر دی۔

اسے قدرت کی ستم ظریفی پر ہنسی آرہی تھی۔

نہ جانے وہ کون تھی، کہاں کی تھی اور اس گندے تالاب میں کن حالات کے تحت پہنچی اور بھی عجیب اتفاق تھا۔ اگر کار کا پانی کم نہ ہوتا تو تالاب کا خیال بھی اس کے دل میں نہ آتا اور وہ ب کر مر جاتی۔

وہ سوچنے لگا.... ممکن ہے خودکشی کی نیت رہی ہو۔ لیکن آخر خودکشی کے لئے اس نے ے تالاب کو کیوں منتخب کیا۔ دفعتاً اس کا خیال پھر دلدلی خطے اور اس کے نشانات کی طرف ل ہوگیا۔ اگر خودکشی ہی کرنی تھی تو وہ سب سے پہلے دلدل میں کیوں کودی۔ براہِ راست اب ہی تک کیوں نہیں چلی گئی۔ دلدل کے نشانات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پہلے دلدل میں ی اور پھر رینگتی ہوئی تالاب میں جا پڑی اور پھر اس دوسری کار کے نشانات.... تو کیا کسی نے ے اس کار سے نیچے پھینک دیا۔ فریدی راستے بھر اس گتھی میں الجھا رہا۔

حمید کبھی کبھار چونک کر اول فول بکنے لگتا تھا۔

دوسری صبح حمید کے لئے بڑی تحیر خیز تھی۔ آنکھ کھلتے ہی اس کا ضمیر اسے ملامت کرنے لگا ۔ یہ بات تو اسے یاد ہی نہیں رہی تھی کہ وہ گھر تک پہنچا کس طرح تھا۔ البتہ پہلے کے واقعات ے کے ذہن پر ابھرے آرہے تھے۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ فریدی کا سامنا کس طرح کرے گا۔

وہ اٹھ کر برآمدے میں آیا۔ غسل خانے کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ اسے فریدی کی آواز ائی دی، جو کسی نوکر کو سمجھاتا ہوا ادھر آرہا تھا۔

حمید بے اختیار اوپری منزل کے زینوں پر چڑھتا چلا گیا۔ ایک کمرے کے قریب سے رتے وقت اس نے مڑ کر پیچھے کی طرف دیکھا اور اچانک ٹھٹک گیا۔ اس کی نظریں کھڑکی سے ر کر اس جگہ پہنچیں جہاں ایک خوبصورت لڑکی ہلکے نیلے رنگ کے لبادے میں لپٹی ہوئی سو رہی ی۔ وہ بے اختیار پنجوں کے بل چلتا ہوا کھڑکی کے قریب آیا اور چند لمحوں تک اس سوئی ہوئی لڑکی کو دیکھتا رہا۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے مڑ کر پیچھے کی طرف دیکھا۔

اب وہ بڑے اطمینان سے زینے طے کرتا ہوا اتر رہا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ فریدی اس کے کمرے کے سامنے کھڑا ہے لیکن وہ مخاطب ہوئے بغیر غسل خانے کی طرف جانے لگا۔

"ٹھہریئے نواب صاحب۔" فریدی نے آواز دی۔

حمید رک کر ڈرامائی انداز میں اس کی طرف مڑا۔

"فرمایئے۔"

"فرمایئے کے بچے! تمہاری رات کی حرکت۔"

"اوہو....!" حمید اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"بھلا عورت اور شراب میں فرق کیا ہے۔"

"اب یہ بے حیائی.... شرم نہیں آتی۔" فریدی نے کہا۔ "کل رات تم ایک مرے ہوئے کتے کی طرح اوک رہے تھے۔"

"شرم تو مجھے ابھی کچھ دیر قبل آئی تھی۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"میں اوپر سے آرہا ہوں۔"

"اچھا تو اسی لئے تم اس سینہ زوری پر آمادہ نظر آرہے ہو۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا "تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"اجی ہاں.... میں ابھی تک غلط فہمی میں مبتلا تھا۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"مگر ہے زور آور۔"

"بکو مت....!" فریدی نے بے زاری سے کہا۔ "تم نہیں جانتے کہ وہ کن حالات میں یہاں تک پہنچی ہے۔"

"بھلا میں کیا جانوں گا۔" حمید بے حیائی کی ہنسی ہنستا ہوا آنکھ مار کر بولا۔ "ابھی آپ مجھے ایک درد بھری کہانی سنا کر فرمائیں گے کہ اگر میں اسے یہاں نہ آتا تو کیا کرتا۔"

"پھر بکواس۔"

"لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ میں یہ بھی جانتا ہوں۔" حمید اس کی بات سنی ان سنی کر کے بولا۔ "کہ وہ جس ملک سے تعلق رکھتی ہے وہاں نہ تو یتیم پالے جاتے ہیں اور نہ بیوائیں۔"

"میں کہتا ہوں کہ تم نے شراب کیوں پی تھی۔" فریدی بگڑ کر بولا۔

"میں کہتا ہوں آپ اس گھر میں ایک جوان عورت کو کیوں لائے جہاں مجھ جیسا نیک اور شریف بچہ رہتا ہو۔"

"میں چانٹا ماروں گا۔"

"حق بات کہنے پر لڈو نہیں ملا کرتے۔" حمید نے اسی کے لہجے میں نقل اتاری۔

فریدی نے جھلا کر حمید کی گردن پکڑ لی اور حمید اس طرح شور مچانے لگا جیسے وہ سچ مچ اس کی گردن دبا رہا ہو۔

❁

"توبہ کرو کہ اب کبھی اتنی نہیں پیو گے۔" فریدی نے کہا۔

"تاؤ نہ دلایئے مجھے۔" حمید ہانپتا ہوا بولا۔ "آپکی اس محبوبہ پر اس سے کچھ رعب نہیں پڑیگا۔"

"پھر وہی.... میں کہتا ہوں آخر۔"

"آخر.... واخر سے کام نہیں چلے گا۔ آپ کو بتانا پڑے گا وہ کون ہے۔"

"میں خود نہیں جانتا۔"

"بہت اچھے.... بہت اچھے۔" حمید نے قہقہہ لگایا۔

"دیکھو گدھے میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔" فریدی نے جھلا کر کہا۔

"میرے ٹوٹے ہوئے سر سے بھی یہی صدا آئے گی۔"

"اچھا آؤ.... میرے ساتھ۔" فریدی نے کہا۔

"مگر ٹھہرو....!"

وہ اسے برآمدے میں چھوڑ کر ایک کمرے میں چلا گیا۔ پھر واپسی پر حمید نے اس کے ہاتھ میں چمڑے کا ایک کوڑا دیکھا۔

"اگر وہ میرے لئے قطعی اجنبی نکلی۔" فریدی نے کوڑے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "تو میں تمہاری کھال اتار دوں گا۔"

"کسی قسم کی شرط لگانا قریباً ناجائز ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"چلو....!" فریدی اس کی گردن دبوچ کر اسے زینوں پر چڑھانے لگا۔

کمرے کے دروازے کے قریب پہنچ کر وہ رک گئے۔ لڑکی بیدار ہو چکی تھی۔ جیسے ہی فریدی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی اور اس کے چہرے پر خوف کے آثار پیدا ہو گئے۔

پہلے تو وہ ٹکٹکی لگائے فریدی کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔ پھر جیسے ہی اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے کوڑے پر نظر پڑی۔ وہ بے اختیار چیخ مار کر مسہری پر گر پڑی۔

"مار ڈالو.... مجھے مار ڈالو۔ وہ اپنا منہ چھپا کر انگلش میں بڑبڑانے لگی۔"

"روز روز کی اذیت سے موت بہتر ہے۔"

پھر وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں دو موٹے موٹے قطرے تیر رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ بے اختیار رو پڑی اور فریدی و حمید متحیرانہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"تم لوگ مجھے بالکل پاگل بنا دو گے۔" وہ ہچکیاں لے لے کر بولی۔

"مجھے کالے کوسوں لے آئے۔ پھر میری وہ حالت بنائی کہ میں اب خود کو پہچان بھی نہیں سکتی اور اب مجھ سے کہتے ہو۔ میں سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔ مگر مجھے بھی تو بتاؤ۔"

"لڑکی اب تم محفوظ ہاتھوں میں ہو۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

"تم دونوں پاگل ہو یا پھر میں ہی پاگل ہو گئی ہوں اور مجھے کسی پاگل خانے میں چند پاگلوں کے ساتھ بند کر دیا گیا ہے۔"

"یہ پاگل خانہ نہیں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"بھائی کا دولت خانہ ہے۔" حمید دانت پر دانت جما کر بولا۔

فریدی نے گھور کر اسے دیکھا اور پھر اس اجنبی لڑکی کی طرف مخاطب ہو گیا۔

"کل رات ہم تمہیں ایک تالاب سے نکال کر لائے ہیں۔" فریدی نے اس سے نرم لہجے میں کہا۔

"تالاب سے۔" اس نے کہا اور پر خیال انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگی۔

"مجھے سب کچھ یاد ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "تم نے پھر کسی طرح مجھے پکڑ لیا ہے اور اب میرا امتحان لے رہے ہو۔ میرے منہ سے ایک لفظ بھی تم لوگوں کے خلاف نکلا تو تم بے دردی سے مجھ پر کوڑے برسانا شروع کر دو گے۔"

"یقیناً تم کسی غلط فہمی کا شکار ہو۔" فریدی نے کہا۔

"میں نے تم دونوں کو ان میں کبھی نہیں دیکھا.... لیکن....!"

"کن میں....!" فریدی بات کاٹ کر بولا۔

"میں عاجز آ گئی ہوں، تنگ آ گئی ہوں۔" لڑکی نے کہا۔

اور فریدی نے محسوس کیا، جیسے یک بیک اس کی خونی پیاس بڑھ گئی ہو۔

"تو اٹھاؤ کوڑا۔"

"کہیں یہ پاگل تو نہیں۔" حمید نے آہستہ سے اردو میں کہا۔

"پتہ نہیں۔" فریدی نے کہا اور یک بیک اس کے لہجے کی نرمی غائب ہو گئی۔

اس نے لڑکی کو تیز نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"تم خودکشی کی نیت سے بے تاب ہو کر تالاب میں کودی تھیں۔"

"میں نہیں جانتی۔"

"سنو لڑکی! تم اس وقت ایک پولیس آفیسر سے باتیں کر رہی ہو۔"

وہ بے اختیار ہنس پڑی۔ لیکن اس ہنسی کا زہریلا پن کسی طرح چھپ نہ سکا۔

فریدی اسے عجیب نظروں سے گھور رہا تھا۔

"تم لوگ کیا کیا نہیں بنے۔" اس نے مضمحل آواز میں کہا۔

"تم اس سے پہلے بھی پولیس آفیسر بن کر میری ننگی پیٹھ پر کوڑے برسا چکے ہو۔"

"کیوں سر کار یہ کیا کہہ رہی ہے۔" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔ "کیا آپ کی کچلی ہوئی جنسیت نے تسکین کی کوئی نئی راہ نکالی ہے؟"

"کیوں فضول بک رہے ہو۔" فریدی نے منہ بنا کر کہا اور کوڑا ایک طرف ڈال دیا پھر لڑکی سے بولا۔

"تم نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا۔ مگر ٹھہرو.... ناشتہ یہیں آ جائے گا۔"

فریدی نے حمید کو نیچے چلنے کا اشارہ کیا اور خود بھی اس کے ساتھ ساتھ زینوں کی طرف بڑھنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ کسی چکر میں پھنسی ہوئی تھی۔" فریدی بولا۔ "اور کسی طرح وہاں سے بھاگنے میں کامیاب ہو گئی ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" حمید نے لاپرواہی سے کہا۔

"مجھے اس قسم کے معمولی کام سے کوئی دلچسپی نہیں اور پھر ابھی تک مجھے آپ کی باتوں پر یقین نہیں آیا ہے۔"

"کن باتوں پر۔"

"یہی کہ وہ آپ کے لئے قطعی اجنبی ہے۔"

"کیا تم نے اس کی باتیں نہیں سنیں۔"

"کان پھاڑ کر سنی ہیں اور اب اس بات پر عش عش کرنے کا ارادہ کر رہا ہوں کہ آپ نے اسے بڑی عمدہ ٹریننگ دی ہے۔"

"پھر بکواس شروع کر دی۔"

"نہیں جناب مجھے کیا مطلب! بہر حال میں بھی اب قطعی آزاد ہوں۔"

"یعنی....!"

"اب یہاں میری دوست بھی آیا کریں گی۔"

"ابے تو کیا وہ میری محبوبہ ہے۔" فریدی جھلا کر بولا۔

"نہیں صاحب وہ آپ کی پیر و مرشد ہے اور آپ قوالی کرنے کیلئے اسے یہاں لائے ہیں۔"

"حمید بکواس بند کرو۔"

"فریدی صاحب مجھے حق کی بات کہنے دیجئے۔"

"جہنم میں جاؤ۔" فریدی نے جھلا کر کہا اور باورچی خانہ کی طرف مڑ گیا۔

حمید چند لمحے وہیں کھڑا رہا۔ پھر تیزی سے اوپری منزل پر جانے کے لئے مڑ گیا۔

وہ بے دھڑک اس کمرے میں داخل ہو گیا جہاں وہ لڑکی دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے بیٹھی تھی۔ حمید اس کے قریب پہنچ کر رک گیا۔

"تم بہت حسین ہو۔"

لڑکی سر اٹھا کر حمید کو گھورنے لگی، پھر تیز آواز میں بولی۔

"کیا تمہیں آرتھر کا انجام یاد نہیں؟"

"کون آرتھر....؟"

"وہی جس نے مجھ سے عشق جتانے کی کوشش کی تھی اور تمہارے چیف نے ایک ہی گھونسے میں اس کے سر کی ہڈیاں چور کر دی تھیں۔"

"تم میرے چیف کو کب سے جانتی ہو۔"

"سنو! میں فضول بکواس میں نہیں پڑنا چاہتی۔" اس نے منہ سکوڑ کر کہا۔

"اب میں اس طرح رہوں گی جس طرح رہنے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ میں تمہیں حکم دیتی ں کہ یہاں سے نکل جاؤ اور اپنے اس بلڈاگ کو میرے پاس بھیج دو۔"

"بلڈاگ....!" حمید نے تحیر آمیز انداز میں دہرایا۔

"ہاں ہاں بلڈاگ....!" لڑکی چیخ کر بولی۔

"اب میں اس سے ذرہ برابر بھی خائف نہیں ہوں۔ میں اس پر بھی حکومت کروں گی۔ میں گلوں کے ساتھ پاگل ہی بن جاؤں گی۔ مجھے یہ کمرہ پسند ہے۔ میں یہیں رہوں گی۔ میرا سارا سامان آرائش برابر کے کمرے میں سے لے آؤ۔ جلدی کرو۔"

"میں تمہارا نوکر نہیں ہوں۔" حمید بگڑ کر بولا۔

"غلام کے بچے تو کیا ہے، میں اب تمہارے بلڈاگ کو بھی غلام سمجھوں گی، جاتا ہے یا اٹھاؤں کوڑا۔"

"شٹ اپ....!" حمید حلق کے بل چیخا۔ وہ غصہ سے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ وہ اتنی شدید توہین برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب فریدی یہ نہیں چاہتا کہ وہ اس کے ساتھ رہے۔ تقریباً دو سال سے دونوں ایک ساتھ ہی رہ رہے تھے۔ پہلے حمید الگ رہتا تھا لیکن فریدی اس سے بے تکلف ہو جانے کے بعد اس کا سامان بھی اپنی ہی کوٹھی میں اٹھوا لایا تھا۔ اتنے دنوں تک وہ دونوں افسر اور ماتحت کی بجائے بھائیوں کی طرح ایک ساتھ رہتے آئے تھے اور اب حمید سوچ رہا تھا کہ فریدی نے اسے گھر سے نکال دینے کے لئے یہ جال بچھایا تھا۔ لیکن اسے اس سے زیادہ کوشش نہیں کرنی پڑے گی، وہ ابھی اور اسی وقت فریدی کا گھر چھوڑ دے گا۔

حمید کچھ سنے بغیر تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔

نیچے فریدی نوکروں کو ناشتے کے لئے کچھ ہدایت دے رہا تھا۔

حمید اس سے مخاطب ہوئے بغیر اپنے کمرے میں چلا آیا۔

"ابھی اور اسی وقت" وہ ایک کرسی پر گرتا ہوا بڑبڑایا۔ لیکن پھر اچانک ایک دوسرا خیال اس کے ذہن میں پیدا ہوا کہ وہ اپنا سامان لے کر جائے گا کہاں۔ جگہ مل جائے گی؟ مکان آج کل کہاں ملتے ہیں۔ خیر کچھ بھی ہو وہ سوچنے لگا۔ سامان یہیں پڑا رہنے دیا جائے۔

لیکن وہ خود اب اس چھت کے نیچے نہیں رہ سکے گا۔ وہ سوچتا رہا۔ پھر دفعتاً اٹھا..... جانے سے پہلے فریدی سے دو باتیں کرنی چاہتا تھا۔ وہ باہر نکلا۔ فریدی اس کے کمرے ہی کی طرف آ رہا تھا۔ حمید رُک کر اس کی طرف گھورنے لگا۔

"خیریت.....!" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"جی ہاں.....!" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"ایک نہیں دو..... ڈھائی تین..... ساڑھے تین.....!"

"کیا میں نے کبھی یہ خواہش کی تھی کہ میں آپ کے ساتھ رہوں گا۔"

فریدی پہلے تو مسکرایا لیکن حمید کے تیور دیکھ کر اسے تحیر آمیز نظروں سے گھورنے لگا۔

"کیوں؟ یہ بات پوچھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔"

"آپ نے ناحق کیوں اتنی دردسری مول لی ہے۔" حمید نے سرد لہجے میں کہا۔ "میرے لئے صرف یہ کہہ دینا کافی ہوتا کہ اب اپنا کہیں اور انتظام کر لو۔"

"اچھا جی.....!" فریدی ہنس کر بولا۔ "کیا پھر چڑھالی ہے تم نے۔"

"میں اس وقت قطعی سنجیدہ ہوں۔" حمید نے کہا۔ "میں آپ کو بہت صاف گو سمجھتا ہوں میں یہ نہیں جانتا تھا کہ آپ میں اخلاقی جرأت کی کمی ہے۔"

"آخر کیا بک رہے ہو۔"

"میں نہیں جانتا تھا کہ آپ میری ایک ذلیل عورت سے توہین کرائیں گے۔"

"کیا مطلب.....!"

"کچھ نہیں میں جا رہا ہوں اور کوئی مناسب جگہ مل جانے پر اپنا سامان بھی لے جاؤں گا۔"

حمید جانے کے لئے مڑا لیکن فریدی اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

"پاگل ہوئے ہو۔ آخر بات کیا ہے؟" اس نے حمید کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"کس نے توہین کی ہے تمہاری۔"

"خدارا اب مجھے روکنے کی کوشش نہ کیجئے۔"

"عجیب آدمی ہو کچھ بتاؤ بھی تو؟"

"اس کی ضرورت نہیں سمجھتا۔" وہ آگے بڑھنے کے لئے اسے ہٹانے لگا۔

"ابے حمید کے بچے! تمہارا دماغ ٹھنڈا کر دوں گا۔"

حمید کوئی جواب دیئے بغیر آگے بڑھ گیا۔ قبل اسکے کہ وہ باہر نکلتا فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"شامت آئی ہے تمہاری! کون سور چاہتا ہے کہ تم یہاں نہ رہو۔"

"مجھے بولنے پر مجبور نہ کیجئے۔ میں چاہتا ہوں کہ اب افسری اور ماتحتی ہی کا رشتہ بخوبی نبھ جائے۔"

"اور تم مجھے اس پر مجبور نہ کرو کہ تمہیں اس وقت کے لئے بند کر دوں جب تک کہ تمہارا دماغ ٹھنڈا نہ ہو جائے۔"

"اس واقعہ کے بعد میں رسمی باتوں کی ضرورت نہیں محسوس کرتا۔" حمید نے کہا۔

"کس واقعہ کے بعد۔"

حمید کوئی جواب دینے کی بجائے فریدی کو گھورنے لگا رہا۔ اسے سو فیصدی یقین ہو گیا تھا کہ فریدی اسے نکالنا چاہتا ہے۔ اسے لڑکی کا یہ جملہ کہ میں اب تمہیں غلام سمجھوں گی اس کے کانوں میں اب بھی گونج رہا تھا۔ دفعتاً اسے یاد آیا کہ اس نے فریدی جیسے کو بھی بلڈاگ جیسے خطاب سے نوازا تھا۔

"آپ خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "اوپر جایئے وہ اپنے بلڈاگ کو یاد کر رہی ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ اس کی طرح تمہارا دماغ بھی خراب ہو گیا ہے۔"

"نہیں..... اس کی طرح نہیں بلکہ ایک شریف آدمی کی طرح۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"محبوبائیں تو عموماً خردماغ ہوا کرتی ہیں۔"

"پھر وہی محبوبہ محبوبہ کی رٹ.....!" فریدی پر خیال انداز میں بولا۔

"اچھا آؤ میرے ساتھ..... شاید تمہیں میرے بیان پر یقین آ جائے۔ میں اسے اقدام خودکشی کے جرم میں پولیس کے حوالے کر دیتا، مگر میں سمجھتا ہوں کہ حقیقتاً وہ اقدام خودکشی نہیں تھا۔"

فریدی اسے زبردستی گیراج میں لایا اور کیڈی لاک کی پچھلی سیٹ کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"یہ دیکھو مجھے پاگل کتے نے نہیں کاٹا تھا کہ خواہ مخواہ سیٹ پر کیچڑ پھیلا کر اسے برباد کر دیتا۔"

حمید تذبذب میں پڑ گیا۔ واقعی پوری سیٹ ہی برباد ہو کر رہ گئی تھی اور اس کے علاوہ کوئی چارہ باقی نہیں رہ گیا تھا کہ آئل کلاتھ ہی بدل دیا جائے۔ "پھر وہ آپ کو کس طرح پہچانتی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ مجھے قطعی نہیں پہچانتی۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن مجھے وہ بات تو بتا جس پر تم مجھے چھوڑ رہے ہو۔"

حمید کا موڈ ابھی تک ٹھیک نہیں ہوا تھا اور ان باتوں کو دہراتے ہوئے اسے کچھ شرم سی محسوس ہونے لگی تھی۔

فریدی اسے تذبذب میں دیکھ کر بولا۔

"بتاؤ نا.... یہ معاملہ مجھے سیدھا سادھا معلوم نہیں ہوتا۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر اس اور اپنی گفتگو دہرا دی۔

فریدی کے ماتھے پر سلوٹیں آ گئی تھیں۔

"کیا تم اسے پاگل سمجھتے ہو۔" فریدی نے پرخیال انداز میں پوچھا۔ "اگر آپ کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے تو وہ یقیناً پاگل ہے۔"

"کیوں....؟"

"اس کی بے تکی باتیں۔"

"وہ ایک دلچسپ کیس ہے اور اس کے ذریعہ ہمیں مفید معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"میری طرف سے جائے وہ جہنم میں۔"

"قطعی قطعی....!" فریدی سر ہلا کر بولا۔

"لیکن اب تم جا نہیں رہے ہو۔"

"ابھی تک میرا اطمینان نہیں ہوا۔"

"تم گدھے ہو! تمہیں شرم نہیں آتی۔ میرے متعلق ایسا سوچتے ہو۔ اب اگر تم نے ایک بکواس کی تو خدا کی قسم پیٹوں گا۔"

پھر فریدی اسے دھکیلتا ہوا اندر لایا۔ یہاں وہ لڑکی نیچے اتر آئی تھی اور اس نے نوکروں پر برسنا شروع کر دیا تھا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ اسے توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

❁

کافی شور و غل مچانے کے بعد اس نے فریدی سے پوچھا۔

"وہ سور کا بچہ بلڈاگ کہاں ہے؟ میرے کپڑے کہاں ہیں اور اب تم مجھے کہاں لے آئے ہو؟"

"اب کیا خیال ہے۔" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"پاگل.... قطعی پاگل۔"

"نہیں پیارے۔" اس نے کہا اور پھر لڑکی کو مخاطب کر کے بولا۔

"کپڑوں کا انتظام ہو جائے گا.... تم اپنی ناپ بتاؤ۔"

"مجھے باہر لے چلو.... باہر جاؤں گی۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں.... لیکن اس طرح تم پھر انہیں لوگوں کے ہتھے چڑھ جاؤ گی۔" فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

لڑکی اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ وہ کچھ متذبذب نظر آنے لگی تھی۔

"خیر چھوڑو ناشتہ تیار ہے۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "مطمئن رہو.... اب تم پولیس کی حفاظت میں ہو۔"

وہ سب ڈرائنگ روم میں آئے۔ لڑکی خاموش ہو گئی تھی۔ ناشتہ کے دوران میں اکثر وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ان دونوں کی طرف دیکھنے لگتی تھی۔

ناشتہ ختم کرنے کے بعد فریدی نے پھر اس قصے کو چھیڑا۔ لڑکی کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ فریدی کی باتوں پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

میں کسی بات پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں۔ مجھے خود اپنی بات پر یقین نہیں۔ شاید کسی دن میں یہ بھی بھول جاؤں کہ میں کون ہوں۔" اس نے کہا۔

"تمہیں یاد دلانے کی صرف ایک ہی صورت باقی رہ گئی ہے۔" فریدی نے پرخیال انداز میں کہا اور خاموش ہو گیا۔

لڑکی سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"وہ یہ کہ میں تمہیں اقدام خودکشی کے جرم میں پولیس کے حوالے کر دوں۔" فریدی پھر بولا۔

"ارے نہیں نہیں۔" حمید ملتجانہ انداز میں بولا۔ جس کا موڈ اب بالکل ٹھیک ہو چکا تھا۔
تمام فریدی نے اسے یقین دلایا کہ وہ پولیس آفیسر ہے۔ اس سلسلہ میں اسے اپنا شناختی کار
دکھانا پڑا۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ لڑکی کہہ رہی تھی۔ "کیا تم اس بات پر یقین کر سکو گے کہ میں خو
اپنے لئے اجنبی ہوں۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"اب اگر میرے ماں باپ بھی دیکھیں تو نہ پہچان سکیں۔"

"تمہارے ماں باپ کہاں ہیں؟"

"ہنگری میں۔"

"انہوں نے تمہیں تلاش کرنے کی کوشش تو کی ہو گی؟"

"شاید....!" لڑکی نے گلوگیر آواز میں کہا۔ "انہیں یہ بھی معلوم نہ ہو گا کہ میں کہاں ہوں

"کیوں....؟"

"مجھے خود بھی معلوم نہیں کہ میں یہاں تک کیسے پہنچی۔"

"یہ کس طرح ممکن ہے۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ ایک رات ایک ریستوران میں شومان کے ساتھ کھانا کھا رہی
اس کے بعد آنکھیں کھلنے پر میں نے محسوس کیا کہ میں اسٹیمر کے ایک کیبن میں پڑی ہوں۔
میری آنکھ پاگل خانے میں کھلی۔"

"شومان کون تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"میرا ایک دوست....!"

"کوئی پرانا دوست رہا ہو گا۔"

"نہیں.... ہماری دوستی کوئی ایک ماہ سے زیادہ پرانی نہیں تھی۔"

"تم وہاں کیا کرتی تھیں۔"

"شیشے کے برتنوں کے کارخانے میں کام کرتی تھی۔"

"وہ شومان پھر کہیں دکھائی دیا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں....!"

"اور بلڈاگ کون ہے؟"

"بلڈاگ....!" لڑکی سوچ میں پڑ گئی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد بولی۔

"میں اس کا نام نہیں جانتی لیکن میں نے اتنا خوفناک اور طاقتور آدمی آج تک نہیں دیکھا۔"

"پاگل خانے سے تمہاری کیا مراد ہے۔ میرے خیال سے یہاں اس شہر میں تو کوئی بھی پاگل
ہیں ہے۔"

"نہیں ہو گا لیکن میں پاگلوں ہی کے ساتھ تھی۔"

"آخر تم کس بناء پر اسے پاگل خانہ سمجھنے پر مصر ہو۔"

"اگر میں تم سے یہ کہوں کہ تم مجھے اپنی غلام سمجھو اور مجھ سے ویسا ہی برتاؤ کرو پھر اگر تم
بہانہ مانو تو میں کیا کروں گی۔"

"کچھ نہیں....!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"لیکن وہ اسی بات پر مجھ پر کوڑے برساتے تھے۔"

"کیا....!" فریدی چونک کر بولا۔

"جب میں انہیں اپنا ملازم سمجھنے کی بجائے پاگل سمجھتی تھی تو وہ مجھے بے دردی سے مارتے
۔" لڑکی نے کہا۔

"ان میں کوئی بھی آدمی کم حیثیت کا نہیں معلوم ہوتا تھا.... وہ سب کافی تعلیم یافتہ بھی ہیں
بلڈاگ اس نے تو مجھے کہیں کا نہیں رکھا۔"

"یعنی....!"

"اس نے میری شکل ہی تبدیل کر دی۔ پہلی بار چہرے کی پٹیاں کھولنے پر جب آئینہ میرے
لایا گیا تو میرے منہ سے چیخیں نکل گئیں۔ میں بالکل بدل گئی ہوں۔"

"میرے خدا میں اپنے والدین کو کس طرح یقین دلاؤں گی کہ میں ان کی اپنی بیٹی ہوں۔"

"اوہ....!" فریدی کے منہ سے نکلا اور حمید بھی آنکھیں پھاڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"اس بلڈاگ نے میرے چہرے کا آپریشن کیا تھا۔" لڑکی پھر بولی۔

"میرا سارا چہرہ پٹیوں سے ڈھک دیا گیا تھا.... میں پاگل ہو جاؤں گی۔ وہ مجھے مار مار کر

امیروں کے رہن سہن کے طریقے سکھاتے تھے۔ میں ایک غریب لڑکی جو ناشتے میں صرف ایک اسٹیک کھا کر سارا دن گزار دیتی تھی بڑی بڑی عظیم الشان میزوں پر کھانے کے لئے زبردستی مجبور کی جاتی ہوں۔ میرے پاس صرف تین اسکرٹ ہوا کرتے تھے۔ دو معمولی تھے اور ایک کچھ اچھا جسے میں خاص خاص موقعوں پر پہنتی تھی۔ لیکن اب میرے پاس درجنوں اسکرٹ ہیں اور مجھے دن میں کئی بار لباس تبدیل کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔"

"اور اس کے باوجود بھی تم وہاں سے بھاگ آئیں۔" فریدی نے کہا۔

"میری جگہ تم ہوتے تو کیا کرتے۔"

"یہ سوال دلچسپ ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اگر مجھے وہاں اتنی آسائشیں ہوتیں تو میں وہاں سے کبھی نہ بھاگتا۔"

"خواہ تمہاری صورت ہی کیوں نہ بدل جاتی۔" اس نے بھولے پن سے پوچھا۔

فریدی اس کا جواب دینے کی بجائے کچھ سوچنے لگا۔

دفعتاً حمید کے ذہن میں ایک شبہے نے سر ابھارا۔ ممکن ہے یہ خود ان ہی لوگوں کے لئے کوئی جال بچھا رہی ہو۔ اس سے قبل بھی فریدی کے خلاف سازشیں ہو چکی تھیں۔

"وہ لوگ تم پر کوڑے برساتے تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"ہاں....!"

"یقین نہیں آتا....! بھلا تم جیسی خوبصورت لڑکی پر کوڑے۔"

"تم یقین نہیں کرو گے۔" وہ جھلا کر کھڑی ہو گئی اور لبادے کے اوپر کے بٹن کھول کر اپنی پشت حمید کی طرف کر دی۔

"دیکھو....!" ساری پیٹھ پر ابھری ہوئی نیلی اور سیاہ دھاریاں تھیں۔ حمید لرز اٹھا۔

"بند کرو.... بند کر دو۔" وہ جلدی سے بولا۔

"کل رات بھی انہوں نے مجھے بے تحاشہ پیٹا تھا۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"لیکن کل رات ہی کو میں وہاں سے نکل بھاگی۔ وہ میرا کمرہ مقفل کرنا بھول گئے تھے۔"

"وہ جگہ بتا سکتی ہو۔"

"شاید میں باہر سے اس عمارت کو پہچان بھی نہ سکوں۔" لڑکی نے کہا۔ "کیونکہ مجھے کبھی باہر

نکلنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔ البتہ اتنا بتا سکتی ہوں کہ وہ عمارت کسی ویرانے میں ہے جس کے چاروں طرف گھنے جنگل ہیں۔"

"تم اس تالاب تک کس طرح پہنچی تھیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"مجھے کوئی تالاب یاد نہیں۔" لڑکی نے کہا۔ "البتہ اپنے ہوش میں مجھ سے جو حرکتیں ہوئیں انہیں بتانے کی کوشش کروں گی۔"

وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔

پھر بولی۔ "باہر نکلنے کے بعد میں جھاڑیوں کے ایک جھنڈ میں گھس پڑی۔ میرا سارا جسم دکھ رہا تھا۔ دکھن نہیں بلکہ اسے جلن کہنا چاہئے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے سارے جسم میں دہکتے ہوئے انگاروں سے لکیریں کھینچ دی گئی ہوں۔ تھوڑی دیر بعد یہ سوزش اور بڑھ گئی۔ پھر شائد میں دو تین میل کی مسافت طے کرنے کے بعد گر پڑی۔

"تمہیں سمت کا بھی دھیان نہ ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

"قطعی نہیں! اس وقت میرے ذہن میں صرف ایک ہی خیال تھا۔ وہ یہ کہ میں آزاد ہو گئی ہوں اور ہر قیمت پر مجھے ان سے ہمیشہ کے لئے پیچھا چھڑا لینا ہے۔"

"ہاں.... خیر تو پھر....!"

"جب مجھے دوبارہ ہوش آیا تو میں نے کہیں قریب کار اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی۔ میں نے جھاڑیوں سے منہ نکال کر دیکھا تو سڑک کے کنارے ایک پرانی وضع کی کار کھڑی تھی اور کوئی اس کا انجن کھولے اس پر جھکا ہوا تھا۔ مجھ میں چلنے کی سکت بالکل نہ تھی۔ دفعتاً مجھے ایک تدبیر سوجھی۔ اس کار کے پیچھے لگیج کیریئر بھی لگا ہوا تھا جیسے ہی کار رینگی میں جھاڑیوں سے نکل کر لگیج کیریئر پر بیٹھ گئی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں کہاں جا رہی ہوں۔ مجھے اس کی فکر نہ تھی۔ میں تو جلد سے جلد ان کی دسترس سے نکل جانے کی کوشش کر رہی تھی۔ تقریباً دو گھنٹے تک میرے ہوش و حواس بجا رہے لیکن اس کے بعد سر چکرانے لگا۔ اس سے آگے میں نہیں جانتی کیا ہوا؟

"ہوں....!" فریدی پر خیال انداز میں سگار سلگانے لگا۔ پھر اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "ان میں کسی کا حلیہ بتا سکتی ہو۔"

"قریب قریب سبھی کے بتا سکتی ہوں۔ لیکن نام کسی کا نہیں جانتی۔" لڑکی نے کہا۔ "خصوصاً اس

معمر سرجن کی شخصیت تو کبھی نہ بھلا سکوں گی۔ جسے دیکھ کر بے اختیار بلڈاگ کہنے کو جی چاہتا ہے۔"

"وہی جس نے تمہاری شکل بگاڑی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں اس کا سر چھوٹا ہے اور جبڑے اتنے بھاری ہیں کہ چہرہ سینے پر لٹکا ہوا سا معلوم ہوتا تھا، شانے غیر معمولی طور پر چوڑے ہیں۔" آنکھیں چھوٹی اور سرخ ہیں۔ قد درمیانہ رنگ گندمی، پیشانی کافی کشادہ ہے۔ بال اتنے چھوٹے رکھتا ہے کہ وہ کسی طرف موڑے نہیں جا سکتے اور ہونٹ پتلے ہیں۔"

فریدی نے معنی خیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھا جو لاپروائی سے چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ "اچھا تو تمہیں ٹریننگ کس قسم کی دی جا رہی تھی۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"کیا بتاؤں مجھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی ڈرامے کا ریہرسل ہو رہی ہو۔ ایسے موقعوں پر مجھے نہایت قیمتی لباس پہنایا جاتا تھا اور میرے ساتھ باوردی باڈی گارڈ ہوتے تھے جن کے نیزوں پر سفید جھنڈیاں لگی ہوئی تھیں اور ان جھنڈیوں پر پیلے رنگ کے عقاب بنے ہوئے تھے۔"

"پیلے رنگ کے عقاب....!" فریدی چونک کر سیدھا بیٹھتا ہوا بولا۔

"اس وقت وہ مجھ سے کہا کرتے تھے کہ تمہارا نام بوراز یانہ ہے۔"

"اچھا بے بی۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "خیریت اسی میں ہے کہ تم ان کمروں تک محدود رہنا۔ تم کھڑکیوں کے قریب بھی نہیں جا سکتیں اور اگر اس کے خلاف کیا، تو نتیجے کی تم خود ذمہ دار ہو گی۔ یہ کوئی بہت بڑی سازش ہے۔"

"تو کیا اب تمہاری قید میں رہنا پڑے گا۔"

"قید نہیں بلکہ حفاظت میں۔" فریدی نے کہا۔ "اگر ان لوگوں نے تمہیں دیکھ لیا تو مجھے زندگی بھر افسوس کرنا پڑے گا۔"

"میں سمجھی نہیں۔"

"ابھی تک جو کچھ تمہارے ساتھ ہوتا آیا ہے اسے کب سمجھی ہو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "ڈرو نہیں.... اس گھر میں تم ہر طرح محفوظ رہو گی۔ مجھے اپنے کپڑوں کے سائز دے دو اور اگر ہمارے ملک کا لباس پہننا چاہتی ہو تو اس سے بہتر کچھ نہ ہو گا۔"

"میں نہیں جانتی کہ تمہارے ملک کی عورتیں کیسا لباس پہنتی ہیں۔"

"میں تمہیں تصویروں میں دکھاؤں گا میرے ساتھ آؤ۔"

"کیا تمہارے گھر میں کوئی عورت نہیں۔" لڑکی نے پوچھا۔

"یہ نہ پوچھو....!" حمید گلوگیر آواز میں بولا۔ "ورنہ ہم دونوں پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیں گے۔"

"کیوں....!" لڑکی کے لہجے میں تحیر تھا۔

"ہم لوگ اپنی پیدائش سے پہلے ہی بیوہ ہو گئے تھے۔"

لڑکی بے ساختہ ہنس پڑی۔

فریدی اسے ڈرائنگ روم میں لے آیا اور یہاں ایک الماری سے ایک البم نکال کر اسے دیا۔ اس البم میں بہت سی تصویریں تھیں۔ ان میں سے کچھ عورتوں کی بھی تھیں ایک لباس اسے بے حد پسند آیا۔ وہ اسے پہننے پر رضامند ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد فریدی اور حمید نوکروں کو اس لڑکی کے متعلق خاص ہدایت دے کر روانہ ہو گئے۔

"اب کیا کہتے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"بظاہر تو یہ داستان طلسم ہوشربا سے کم نہیں ویسے خدا جانے۔" حمید نے کہا۔

"لڑکی کچھ بے وقوف سی معلوم ہوتی ہے۔"

"کیوں....!"

"آخر وہ انہیں اپنا غلام کیوں نہیں سمجھتی تھی۔"

فریدی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی نظریں سامنے سڑک پر تھیں اور کیڈی چکنی سڑک پر پھسلتی جا رہی تھی۔

دفعتاً اس نے حمید کو مخاطب کیا۔

"میں اس پیلے عقاب کے متعلق سوچ رہا ہوں۔"

"آپ کی سوچ پر کوئی پابندی نہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "آپ ہمیشہ ایسی ہی باتیں سوچتے ہیں جن کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔"

"اچھا خیر تم ہی کوئی ایسی بات سوچو جو اس سے بھی زیادہ اہم ہو۔" فریدی پر خیال انداز میں بولا۔

"میں اس بلڈاگ کے متعلق سوچ رہا ہوں جس کا کوئی وجود نہیں۔"

"وجود نہیں.....!" فریدی سامنے دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"جی ہاں..... میں اس لڑکی کے بیان کو ذرہ برابر بھی اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں۔" حمید نے کہا۔ "اس نے اقدام خودکشی کیا تھا۔ سزا کے خوف سے داستانیں گڑھ رہی ہے۔ خیر میں یوں بھی آپ کو رائے نہ دیتا کہ آپ اسے پولیس کے حوالے کر دیں۔ چار دن گھر میں رونق ہی رہے گی۔"

"تم نے اس بلڈاگ کو کبھی نہیں دیکھا۔" فریدی نے کہا۔ "حالانکہ وہ یہاں کے مشہور آدمیوں میں سے ہے۔"

"جو حلیہ اس نے بیان کیا ہے ویسا آدمی مجھے آج تک نہیں دکھائی دیا۔"

"خیر دیکھو.....!" فریدی نے کار دفعتاً فٹ پاتھ کے قریب روک دی۔

"ادھر دیکھو.....!"

بائیں طرف والی عمارت میں ایک بورڈ لگا ہوا تھا جس پر ڈاکٹر ضرغام تحریر تھا اور کھڑکی کے اندر حمید کو ایک آدمی دکھائی دیا، جو میز پر جھکا ہوا کچھ لکھنے میں مشغول تھا اور پھر اچانک اس کے دماغ میں لفظ بلڈاگ کی گردان شروع ہو گئی۔

"میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔" حمید نے آہستہ سے کہا اور پھر کار چل پڑی۔

❁

حمید بارہ بجے تک ہائی سرکل نائٹ کلب میں برج کھیلتا رہا۔ فریدی نے اسے ڈاکٹر ضرغام کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کی تاکید کی تھی۔ وہ پانچ بجے شام سے اس کے پیچھے لگا ہوا تھا اور اس دوران میں اس نے کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جس کی بناء پر اس پر کسی قسم کا شبہ کیا جا سکے۔ آٹھ بجے وہ اپنے دوستوں کے ساتھ نائٹ کلب میں آیا تھا اور ایک بجے برج چھوڑ کر اٹھ گیا تھا۔ لیکن اس کے دوست وہیں رہ گئے تھے۔ حمید اس کا تعاقب کر رہا تھا اور پھر اسے اس کے گھر پہنچا کر واپس آیا تھا۔ اس نے پھاٹک پر قدم رکھتے ہی برآمدے میں خلاف معمول تاریکی دیکھی تھی۔ ویسے برآمدے میں ہر حالت میں روشنی رہتی تھی۔ پھاٹک کا بلب بھی بجھا ہوا تھا۔

رکھوالی کرنے والے السیشن کتوں نے ہلکی ہلکی آوازیں نکالیں۔

اور حمید انہیں چمکارتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ "کون حمید" برآمدے کے دوسرے کنارے سے فریدی نے اسے آواز دی۔ "اوہ..... آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔"

"لائن فیوز ہو گئی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ادھر ہی چلے آؤ۔"

"میرے خیال سے رکھوالی کے لئے کتے ہی کافی ہوتے ہیں۔" حمید نے کہا اور ٹٹولتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

فریدی نے سگار لائٹر جلا کر اوپر اٹھایا۔ وہ ایک آرام کرسی پر لیٹا ہوا تھا۔ حمید اس کے قریب کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کیا خبر لائے۔" فریدی نے پوچھا۔

"کچھ نہیں..... مجھے تو ایسی کوئی خاص بات معلوم نہیں ہو سکی جس کی بناء پر کسی قسم کا شبہ جا سکے۔ جسمانی ساخت کے اعتبار سے وہ بے ڈھنگا ضرور ہے خوفناک بھی معلوم ہوتا ہے لیکن کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا کردار بھی خوفناک ہو۔ دوسری بات۔" حمید نے عقل مندوں کی خصوص انداز میں سر ہلا کر کہا "جولیا نے صرف اس کا حلیہ کیوں بتایا۔ ان لوگوں کے متعلق وضاحت سے کیوں نہیں بتایا جو اس پر کوڑے برسایا کرتے تھے۔ نفسیاتی نقطہ نظر سے ان کے بیانات توازن پر ہونے چاہئیں۔ کیونکہ اس قسم کے لوگوں کی ہر چیز ذہن سے بُری طرح چپک جاتی ہے، جو ہمارے لئے اذیت ناک ہوں۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جولیا نے ہمیں اُلو بنایا ہے۔"

"وہ کس طرح۔"

"اس سلسلہ میں ایک نقطہ تو عرض کر ہی چکا۔ اب دوسرا ملاحظہ فرمایئے۔ ڈاکٹر ضرغام کی شخصیت ایسی ہے کہ کوئی اسے ایک بار دیکھ کر زندگی بھر نہیں بھلا سکتا۔ میں نے صبح اس کی صرف پشت جھلک دیکھی تھی اور تھوڑی دیر بعد جب اس کا خیال آتا تھا تو اس کی مکمل تصویر میرے ذہن میں ابھر آتی تھی۔ ممکن ہے جولیا نے اسے پہلے کبھی دیکھا ہو اور آپ کے استفسار پر اس کا حلیہ بتا چکی ہو۔"

"تمہاری یہ دلیل قابل قبول نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "پھر تمہیں وہ نشانات بھی ذہن میں رکھنے چاہئیں جو تم نے اس کی پیٹھ پر دیکھے تھے۔"

"ہو سکتا ہے کہ انکی کوئی اور وجہ ہو۔ آخر آپ اسکی اس کہانی کو حقیقت سمجھنے پر کیوں مصر ہیں"

"اس سے پہلے بھی کبھی تم نے ڈاکٹر ضرغام کو کوئی اہمیت دی تھی۔" فریدی نے اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے سوال کیا۔

"میرا خیال ہے کہ اس سے پہلے میں نے اس کا نام بھی نہیں سنا تھا۔" حمید بولا۔

"حالانکہ وہ کئی سال سے یہاں قیام پذیر ہے۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"رہا ہوگا۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ حمید کچھ کہنا ہی چاہ رہا تھا یک بیک برآمدے کے بلب روشن ہوگئے۔ حمید نے روشنی میں دیکھا کہ فریدی کے قریب رکھی ہوئی ٹی پائی پر ٹیلی فون بھی موجود ہے

"آج سے تین سال قبل ڈاکٹر ضرغام نے ایک طبی رسالے میں ایک مضمون لکھا تھا جس مردے کا آپریشن کر کے شکل تبدیل کر دینے کے امکانات پر بحث کی تھی اور یہ بھی لکھا تھا کہ عنقریب تجربات کرنے والا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید ہنس کر بولا۔ "تو آپ نے جولیا کی اس ہوائی پر بھی یقین کر لیا ہے کہ اس کا چہرہ آپریشن کے ذریعہ بگاڑ دیا گیا ہے۔"

"تم اسے ہوائی کہتے ہو؟" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "امریکہ میں اس قسم کے تجربات ہو چکے ہیں۔"

"جی ہاں.... میں نے اکثر امریکی رسائل میں اس قسم کے سرجنوں کے اشتہارات دیکھے ہیں جو پھولی ہوئی ناک اور گدھوں جیسے کانوں کا آپریشن کر کے انہیں حسین بنا دیتے ہیں۔ خیر یہاں تک تو یقین کیا جا سکتا ہے لیکن پورے چہرے کے خدوخال بدل دینا اپنی سمجھ سے باہر ہے اور جولیا کا چہرہ تو بالکل بے داغ ہے کیا یہ آپریشن کرنے والوں کا کمال ہے۔ بہر حال آپ کے لئے اس کے لئے کوئی منطقی دلیل نہیں ہے۔" حمید نے کہا۔

"فی الحال منطقی دلیل کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ کیونکہ ابھی ہمارے پاس اتنا مواد نہیں ہے۔"

"ہوگا صاحب۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

دفعتاً ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔

"ذرا دیکھنا....!" فریدی نے حمید سے کہا اور خود آنکھیں بند کر کے آرام کرسی کی پشت

گیا۔

حمید ریسیور اٹھا کر سننے لگا۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی ہلکی سی مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

ریسیور رکھ کر وہ فریدی کی طرف مڑا۔

"کرن سنگھ تھا۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔ "کہہ رہا تھا کہ ناولٹی سینما سے نکلتے وقت تین پوش عورتوں کے نقاب نوچ لئے گئے۔"

"ٹھیک.... بیٹھ جاؤ۔!" فریدی نے کہا اور میز پر رکھے ہوئے کاغذ کے ٹکڑے پر کچھ لکھنے پھر الٹ کر رکھ دیا۔

حمید تحیر آمیز انداز میں اس طرف دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی پھر بجی۔

فریدی نے پھر حمید کو اشارہ کیا اور حمید نے پھر ریسیور اٹھا لیا۔

"وحید ہے۔" حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے بولا۔

"کہہ رہا ہے کہ باٹم روڈ پر دو عورتوں کے نقاب نوچے گئے۔"

فریدی نے کاغذ پر پھر کچھ لکھا اور ریسیور اپنے ہاتھوں میں لے کر بولنے لگا۔

"وحید میں بول رہا ہوں، فریدی.... کیا تم کسی کو پکڑ نہیں سکے۔"

"کیا کہا.... سب پاگل.... اچھا خیر.... تمہیں اور تمہارے آدمیوں کو اب چھٹی ہے۔"

فریدی نے ریسیور رکھ دیا اور بیٹھ کر بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

"آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" حمید نے کہا۔

"میرے قائم کردہ نظریئے کی تائید ہو رہی ہے۔"

"یعنی....!"

"یعنی یہ کہ تم نرے گاؤدی ہو۔" فریدی اکتا کر بولا۔ "ارے صاحبزادے جولیا کی تلاش کی جا رہی ہے۔ یہ دیکھو....!" اس نے میز پر رکھا ہوا کاغذ حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "بارہ بجے دوپہر سے اس وقت تک اٹھائیس برقعہ پوش عورتوں کے نقاب نوچے جا چکے ہیں۔"

"کس نے نوچے۔" حمید نے حیرت سے پوچھا۔

"چند مخبوط الحواس آدمیوں نے اور وہ انتہائی کوشش کے باوجود بھی نہیں پکڑے جا سکے۔"

حمید سوچ میں پڑ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کہے، کچھ ہی دیر قبل وہ اس کی

سادگی کا مضحکہ اڑا رہا تھا، اب وہ اتنا بے حیا بھی نہیں تھا کہ ان کو اتفاقات کے زمرے میں شمار کر کے کسی نئی بحث کا آغاز کر دیتا۔ اسے اتفاق تو اس وقت کہا جا سکتا تھا۔ جب شہر میں اس سے قبل بھی اس قسم کی کوئی واردات ہوئی ہوتی۔

شہر کی سڑکوں پر روزانہ خبط الحواس اور مجنوں قسم کے آدمی اسے ہر روز دکھائی دیتے تھے جن کے متعلق اس نے عوام کی زبانی یہ بھی سنا تھا کہ وہ سی آئی ڈی کے آدمی ہیں۔ حالانکہ ان میں سے ایک بھی اس کے محکمہ سے نہیں تھا۔ بہر حال شہر میں ایسے آدمیوں کی تعداد کم نہیں تھی لیکن آج تک ان سے کوئی خطرناک حرکت سرزد نہیں ہوئی تھی۔ ان کا پاگل پن عموماً گالیوں یا بکواس تک محدود رہتا تھا یا پھر کبھی کبھی ان میں سے ایک آدھ پتھر لئے بچوں کے پیچھے دوڑتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ اکثر وہ بھیک مانگتے وقت راہگیروں سے بھی الجھ جاتے تھے اور پھر اگر معاملہ ایک آدھ کا ہوتا تو کوئی بات بھی تھی۔ وہاں تو ایک دن میں اٹھائیس عورتوں کے نقاب نوچے گئے تھے۔ اسے تو کوئی بچہ بھی کسی غیر معمولی سازش پر محمول کر سکتا تھا۔

حمید نے ہارے ہوئے جواری کی طرح ہاتھ پیر ڈال دیئے۔ فریدی کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "اب کیا کہتے ہو۔"

"فی الحال میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔"

"کہو گے کیا۔" فریدی نے کہا۔

"اگر جولیا ڈاکٹر ضرغام کا حلیہ نہ بیان کرتی تو شاید مجھے بھی یقین نہ آتا۔"

"کیا آپ کے پاس اس کا کوئی خراب ریکارڈ موجود ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں لیکن اس کا وہ مضمون....!"

"آپ بھی مضمون کو لئے پھرتے ہیں۔"

"میں اس مضمون کا تذکرہ نہیں کر رہا ہوں جسکے متعلق ابھی بتایا تھا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"یہ ایک دوسرا مضمون ہے، جو اب سے ڈیڑھ ماہ قبل شائع ہوا تھا۔ اس میں اس نے تین سال قبل والے مضمون کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا تھا کہ میں تین سال سے انتھک تجربات کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ تبدیلی ہیئت کے لئے چہرے کا آپریشن کامیاب نہیں ہوتا۔ اب سے تین سال قبل جو میں نے لکھا تھا وہ میری خام خیالی تھی.... امریکی ڈاکٹروں کے کامیاب تجربوں

متعلق اس کا خیال ہے کہ وہ زیادہ تر اتفاقات پر مبنی ہیں۔"

"تو پھر....!"

"تو پھر کیا....! سوچنے کی بات ہے کہ تین سال بعد پہلے والے بیان کی تردید کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہوتی جا رہی تھیں اور سر میں جھائیں جھائیں شروع ہو گئی تھی۔

"چالاک سے چالاک آدمی بھی کوئی نہ کوئی حماقت کر بیٹھتا ہے۔" فریدی پھر بولا۔

"اگر وہ تین سال بعد اپنا تردیدی مضمون نہ چھپواتا تو....!"

"جولیا کہاں ہے۔" حمید اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"سو رہی ہے۔"

"تو اسی لئے آپ یہاں بھاگ آئے ہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"کیوں؟ اس سے کیا۔"

"بھلا ایک غیر عورت کیساتھ اکیلے گھر میں.... آپ بڑی بوڑھیوں کو کیا منہ دکھاتے۔"

"کیا بکواس ہے۔"

"اے ہے۔" حمید نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔ "ذرا دانتوں تلے انگلی بھی دبائی ہوتی۔"

"شٹ اپ....!"

"انشاء اللہ آپ حشر کے دن کنواری لڑکی بنا کر اٹھائے جائیں گے۔"

"کیا لوفروں کی طرح دو پیسے والے جملے بول رہے ہو۔" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"میں آپکے دکھوں کی تہہ تک پہنچ گیا ہوں۔" حمید اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر بولا۔

فریدی برا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"میں آپ کے دل کی گہرائیوں تک اتر گیا ہوں۔" حمید نے مغموم لہجے میں کہا۔

"مت ٹائیں ٹائیں کرو۔"

محبت میں ایک ایسا وقت بھی آتا ہے انسان پر
کہ تاروں کی چمک سے چوٹ لگتی ہے رگ جان پر

"خدا کے لئے مجھے ایسے سڑے بسے شعر مت سنایا کرو۔"

"اصغر گونڈوی کا شعر ہے جناب۔"

"اللہ تعالیٰ کا تو نہیں ہے۔"

"کیوں صاحب کیا خرابی ہے اس شعر میں۔"

"اس قسم کی کیفیت صرف کافی مقدار میں بھنگ پی جانے پر پیدا ہو سکتی ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"ایسی حالت میں ستاروں کی چمک تو کیا ستاروں کے خیال سے بھی رگ چمکنے لگتی ہے۔ آپ اتنے پیارے خیال کا خون کر رہے ہیں۔"

"خیال کیا میں تو تمہارا خون کر دینے کے امکانات پر غور کر رہا ہوں۔"

"آخر آپ عورت کے نام پر بدکتے کیوں ہیں۔"

"یار کیوں بور کر رہے ہو۔" فریدی نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔ "نیند نہیں آ رہی تمہیں۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اندر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

فریدی نے مڑ کر دیکھا۔ جولیا دروازے میں کھڑی پریشان نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ "تم نے میرا کہنا نہیں مانا۔" فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔

"اندر آ جاؤ.... مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" وہ پیچھے ہٹ کر تاریکی میں جاتی ہوئی بولی۔

"کیوں....!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

وہ دونوں اندر چلے گئے۔

"میں نے ابھی ایک خوفناک خواب دیکھا ہے۔"

"کیا....!" حمید نے پوچھا۔

لیکن وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئی۔ وہ فریدی کی طرف دیکھ رہی تھی اور فریدی کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اس خواب کو سننے کا خواہش مند نہیں ہے۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

حمید نے پھر خواب کے متعلق استفسار کیا۔

"وہ بلڈاگ....!" لڑکی کچھ اور کہنا چاہتی تھی۔ لیکن یک بیک رک گئی۔

"ہاں.... آں....!" فریدی اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"میں نے دیکھا جیسے اس نے گھونسہ مار کر میرے سر کی ہڈیاں چور کر دیں۔"

"اس خواب کی وجہ خوف ہے اور کچھ نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کیا تم خواب کی حقیقت کو مل نہیں ہو۔"

"کبھی کبھی میں نے ایسے ایسے خواب دیکھے ہیں جو پورے ہو چکے ہیں۔"

"اتفاقات ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن یہ خواب کبھی پورا نہ ہو سکے گا۔ میرا ایک گھونسہ تمہارے سر کی ہڈیاں چور نہیں کر سکتا۔"

"میں اس بلڈاگ کے گھونسے کی بات کر رہی ہوں۔"

"وہی سہی وہ اتنا طاقتور نہیں ہے۔"

"تو کیا تم اسے جانتے ہو۔" لڑکی نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں، وہ اس شہر کا ایک معمولی سا ڈاکٹر ہے۔"

"تب تم اسے نہیں جانتے۔" جولیا مسکرا کر بولی۔ "نہ اس کی طاقت سے واقف ہو۔ کوئی معمولی طاقت والا آدمی ایک گھونسے میں کسی کے سر کے پرخچے نہیں اڑا سکتا؟ آرتھر کا سر میرے سامنے ہی پھٹا تھا اور اس نے میرے سامنے ہی تڑپ تڑپ کر جان دے دی تھی۔"

"آرتھر کون....؟"

"ان ہی میں سے ایک تھا۔"

"مگر تم نے کہا تھا کہ ان میں سے کسی کے نام سے واقف نہیں تھی۔"

"وہ دراصل مجھ سے عشق کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔" جولیا نے سادگی سے کہا۔ "اس سلسلہ میں وہ مجھ سے گھنٹوں باتیں کرتا تھا اور اسی نے مجھے اپنا نام بھی بتایا تھا۔ ایک دن اس خوفناک آدمی نے اسے مجھ سے عشق کا اظہار کرتے ہوئے دیکھ لیا اور اسی جگہ بے چارے آرتھر کو تڑپ تڑپ کر جان دینی پڑی۔"

"آرتھر....!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا پھر جولیا کو مخاطب کر کے پوچھا۔

"وہی ناجس کے بائیں کان کی لو کٹی ہوئی تھی۔ داہنے نتھنے پر بڑا سا تل تھا۔"

"وہی وہی....!" لڑکی جلدی سے بولی اور فریدی کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔

❁

دوسرے دن صبح حمید کی طبیعت کسلمند تھی۔ پچھلی رات کافی رات تک جاگتا رہا تھا۔ جولیا سے گفتگو کرنے کے بعد فریدی اٹھ کر سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ حمید آرتھر کے متعلق اس سے استفسار کرنا چاہتا تھا۔ اسے یاد آرہا تھا کہ اس نے اس سے پہلے بھی یہ نام سنا تھا لیکن ذہن پر کافی زور دینے کے باوجود بھی یہ نہ یاد آیا کہ نام کس سلسلہ میں تھا اور پھر اس نام پر فریدی کے چہرے پر تشویش کے آثار بھی دکھائی دیئے تھے۔ آخر کیوں، اور وہ اسے کچھ بتائے بغیر چپ چاپ اٹھ گیا تھا۔ حمید کافی دیر تک الجھتا رہا۔

اور شاید یہ الجھن اور زیادہ بڑھ جاتی مگر ناشتے کی میز پر جولیا کی ہیئت کذائی دیکھ کر اس کی الجھن رفع ہو گئی۔ وہ اس وقت لیڈی ہملٹن کے غرارے اور جیمپر میں ملبوس تھی اور دوپٹے کو گردن میں ڈال کر ٹائی کی گرہ لگائے ہوئے تھی۔

"ارے اس طرح نہیں استعمال کیا جاتا۔" حمید نے کہا۔

"اونہہ.....!" فریدی منہ بنا کر بولا۔ "چلنے بھی دو۔"

"پھر کس طرح۔" جولیا نے کہا۔

"ٹھہرو بتاتا ہوں۔" حمید بولا اور اٹھ کر اسے باقاعدہ دوپٹہ اوڑھا دیا اور پھر بڑا سا گھونگھٹ نکال کر اپنی جگہ پر آبیٹھا۔

وہ چند لمحے تک اسی حالت میں بیٹھی رہی۔ پھر منمناتی ہوئی آواز میں بولی۔

"میں چائے کس طرح پیوں گی۔"

"یہ بھی کچھ مشکل نہیں۔" حمید نے کہا اور چائے کی پیالی گھونگھٹ میں لے جا کر اس کے ہونٹوں سے لگا دی۔

فریدی حمید کو گھور رہا تھا اور بولا کچھ نہیں۔

"اس طرح تو بڑی دشواری ہو گی۔" جولیا اکتا کر بولی۔

"میں تمہیں اپنے ملک کے لباس کا صحیح استعمال بتا رہا ہوں۔" حمید نے کہا اور اس کا ہاتھ کیک سلائس سمیت گھونگھٹ میں گھس گیا۔

"مجھ سے نہیں بنے گا۔" جولیا نے کہا۔

"مجبوری ہے۔"

جولیا بدستور گھونگھٹ نکالے بیٹھی رہی۔ وہ اسی طرح چائے پینے لگی تھی۔ کیا تمہارے یہاں سب کی سب عورتیں ایسا ہی لباس پہنتی ہیں۔ جولیا نے پوچھا۔

"ہاں.....!"

"ہمیشہ.....!"

"ہاں.....!"

"وہ زندہ کس طرح رہتی ہیں۔"

"خود تمہیں دو چار دن کے بعد اس کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔"

"تو کیا مجھے بھی اس طرح رہنا ہو گا۔" جولیا گھبرا کر بولی۔

"قطعی.....اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔"

"میں تو مر جاؤں گی۔"

"ہمارے یہاں کی عورتیں سو سال سے قبل نہیں مرتیں۔"

"تعجب ہے۔"

"بھلا اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔"

"تمہارے یہاں کی عورتیں دنیا کا آٹھواں عجوبہ معلوم ہوتی ہیں۔" جولیا نے کہا۔

"اور مرد اس سے بھی زیادہ اُلو کے پٹھے ہیں۔"

"کیوں.....؟"

"اس لئے کہ ہمارے یہاں شادی سے پہلے میڈیکل ٹسٹ کا رواج نہیں ہے۔"

"کیا اوٹ پٹانگ بکواس لگا رکھی ہے۔" فریدی نے جھنجھلا کر کہا اور پھر جولیا کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"اپنا منہ کھول دو، یہ خواہ مخواہ تنگ کر رہا ہے۔" جولیا نے ہنس کر گھونگھٹ ہٹا دیا۔ پھر حمید سے کہنے لگی۔ "یقیناً یہاں کے مرد اُلو کے پٹھے معلوم ہوتے ہیں۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر جولیا بولی۔

"کیا اس کو نقاب کہتے ہیں۔"

"نہیں گھونگھٹ.... کیوں؟"

"کیا یہ دونوں لفظ ایک ہی مفہوم رکھتے ہیں۔"

"نہیں، نقاب اور گھونگھٹ میں تھوڑا سا فرق ہے۔ بہر حال وہ بھی چہرے کو چھپانے ہی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔"

"میں آج صبح کا اخبار پڑھ رہی تھی۔ اس میں یہ خبر کافی دلچسپ تھی کہ کل چند پاگل آدمیوں نے اٹھائیس عورتوں کے نقاب نوچ ڈالے۔ لیکن میں انہیں پاگل نہیں سمجھتی ہوں۔ انہوں نے نہایت عقلمندی کا کام کیا ہے۔"

"انہیں میں بھی عقل مند سمجھتا ہوں۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "ہاں تم کسی بڑی گہری سازش میں شریک کی جانے والی تھیں۔"

"میری عقل ہی خبط ہو کر رہ گئی ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس دنیا میں ہوں یا عالم ارواح میں۔ کہیں میں سچ مچ پاگل ہی نہ ہو جاؤں۔"

"گھبراؤ نہیں۔" فریدی نے اسے دلاسہ دیا۔ "آہستہ آہستہ سارے سازشی میری گرفت میں آتے جا رہے ہیں۔"

"ممکن ہے کہ مجھے اس گورکھ دھندے سے نجات بھی مل جائے۔" جولیا مغموم لہجے میں بولی۔ "لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اپنے والدین کو کس طرح یقین دلاؤں گی کہ میں ان کی بیٹی ہوں۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا.... تم مت گھبراؤ۔"

"لیکن آخر یہ سب کچھ ہوا کیوں.... میری زندگی کیوں اس طرح برباد کی گئی۔"

"میں اسی سوال کے جواب کی تلاش میں ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن تمہیں زیادہ محتاط رہنا پڑے گا۔ وہ لوگ تمہاری تلاش میں ہیں اور ان کا گروہ بہت منظم معلوم ہوتا ہے اگر تم سے ذرا بھی لغزش ہوئی تو سارا کام بگڑ جائے گا۔"

"حتی المقدور احتیاط برتوں گی۔"

"تمہیں ناچنا آتا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"مجھے کبھی تفریحات کا موقع ہی نہیں ملا۔" جولیا نے مغموم لہجے میں جواب دیا۔

"اچھا تو خیر اس مکان میں تمہیں بہت سی تفریحات ملیں گی۔"

حمید ابھی اٹھنا نہیں چاہتا تھا لیکن فریدی کے اشارے پر اٹھنا ہی پڑا۔

تھوڑی دیر بعد وہ باہر جانے کے لئے لباس تبدیل کر رہے تھے۔

"یہ آرتھر کون تھا۔" حمید نے فریدی سے پوچھا۔

"تم آرتھر کو نہیں جانتے۔" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔ "تب تو تمہیں اس محکمے میں نہیں ہونا چاہئے۔"

"یہ تو وہی بات ہے۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "تم خدا کو نہیں جانتے۔ تب تو تمہاری پیدائش ہی غلط ہوئی ہے۔"

"تمہیں اس کے متعلق کچھ نہ کچھ تو معلوم ہونا ہی چاہئے تھا کیونکہ اس کا ریکارڈ کافی عرصہ تک تمہاری فائل میں رہا ہے۔"

"مجھے یاد نہیں۔"

"خیر وہ ایک عادی مجرم اور ایک خطرناک بلیک میلر تھا۔ آج سے چھ ماہ قبل تین سال کی قید بامشقت سے رہا ہوا تھا، بہر حال جولیا نے یہ ایک بڑے کام کی بات بتائی ہے۔"

"مجھے تو پہلے ہی معلوم تھا۔"

"کس طرح....!" فریدی نے پوچھا۔

"وہی بکواس کر رہی تھی۔"

"تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔"

"اس وقت میں اسے پاگل سمجھتا تھا۔"

"ہوں.... خیر.... آؤ چلیں۔"

"لیکن جانا کہاں ہے...." حمید نے پوچھا۔

"فی الحال آوارہ گردی کے موڈ میں ہوں۔"

"مگر میں بڑا شریف بچہ ہوں۔"

"چلو چلو....!" فریدی اسے دروازے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔

پھر چند لمحوں کے بعد فریدی کی کیڈلاک بڑی سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی۔

"کیا آپ نے کوئی طریقہ متعین کر لیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ابھی نہیں.... ابھی تو میں بقول شخصے اندھیرے میں ہاتھ مار رہا ہوں۔"

"ایک بات میری سمجھ میں آج تک نہیں آئی۔"

"کیا....!"

"آخر ہم پر ہی کیوں اس قسم کی بلائیں نازل ہوتی ہیں۔"

"کیسی بلائیں۔"

"کیا یہ ضروری تھا کہ وہ بڑی آپ ہی کو ملتی۔" حمید نے کہا۔ "میں شروع سے دیکھ رہا ہوں کہ جس زمین پر آپ کے قدم پڑتے ہیں وہاں سے کوئی نہ کوئی نیا فتنہ ضرور ابھرتا ہے، پتہ نہیں کہ آپ کی تقدیر کس بنا پتی ستارے سے وابستہ ہے۔"

"تقدیر کی بات نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تم بھی اپنی آنکھیں کھلی رکھو تو تمہیں ہر راہ پر ہر موڑ پر کسی نہ کسی عجیب واقعہ سے دوچار ہونا پڑے گا۔"

"میں آنکھیں بند نہیں رکھتا۔"

"اگر آنکھیں بند نہیں رکھتے تو تم نے اسے پاگل کیوں سمجھ لیا تھا۔"

"میں کیا ہر ایک ایسا ہی سمجھتا۔"

"ہر ایک نہ کہو.... اپنی کہو۔"

"خیر مارئیے گولی۔ میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔"

فریدی یوں ہی بلا مقصد اپنی کار ادھر اُدھر دوڑاتا پھر رہا تھا۔ کبھی اس سڑک پر کبھی اُس پارک کے سامنے روک دی اور کبھی کسی ریستوران کے سامنے.... ڈاکٹر ضرغام کے مطب کا بھی ایک چکر لگا چکا تھا اور اسے کل ہی کی طرح نیند پر جھکا ہوا پایا تھا۔ آج بھی اس کے یہاں مریضوں کی زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔

ڈنڈو پر ایک آدمی کھڑا شاید دوا لے رہا تھا اور دو بوڑھیاں اس کی میز کے قریب پڑی ہوئی کرسیوں پر اونگھ رہی تھیں۔

اب اس کی کار بائی پاس روڈ کی طرف سے ریلوے روڈ کی طرف جا رہی تھی۔

"یہ کیا....!" دفعتاً حمید بولا۔

ایک جگہ کافی بھیڑ دکھائی دی ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کچھ لوگ کسی کو گھیر گھیر کر پکڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ فریدی نے یک لخت کار روک دی اور اتر کر بھیڑ کی طرف بڑھا۔

ایک آدمی سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ابھی ابھی ایک دیوانے نے ایک طالبہ کا نقاب نوچا وہ بیچاری ایک طرف سمٹی کھڑی تھی۔ فریدی بھیڑ کو چیرتا ہوا اندر گھسا۔ دیوانہ ہر بار نے والوں کی گرفت سے نکل جاتا تھا، وہ خود بھی لہولہان ہو رہا تھا اور کئی آدمیوں کو اپنے بڑے ناخنوں اور چمکیلے دانتوں سے زخمی کر چکا تھا۔

فریدی چند لمحے تک کھڑا اسے بغور دیکھتا رہا تھا پھر خود بھی اس پر ٹوٹ پڑا۔ اس نے اس کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لئے، لیکن لاکھ احتیاط کے باوجود بھی اس کے دانتوں سے نہ بچ سکا۔ اس نے اس کے شانے پر منہ مارا تھا مگر فریدی کی گرفت سے نکل جانا آسان کام نہ تھا۔

حمید بھیڑ کو ہٹانے لگا۔ فریدی نے اس کو کار کی طرف کھینچنا شروع کر دیا۔ دفعتاً کسی اور طرف سے ایک اور آدمی بھی دیوانے پر ٹوٹ پڑا۔

"مار ڈالوں گا سالے کو۔" وہ ہانپتا ہوا بولا۔ "میری بیٹی کا نقاب.... کل اسی نے....!"

فریدی اسے ہٹانے لگا۔ اس جدوجہد کے دوران میں کسی طرح دیوانہ اس کی گرفت سے نکل اور دوسرا آدمی فریدی پر آ رہا۔

حمید بے ساختہ اس دیوانے کی طرف بڑھا۔ اس کے ساتھ کچھ اور لوگ دوڑے اور یہی چیز کے نکل جانے کا سبب بن گئی اگر وہ ایک ساتھ نہ دوڑتے تو اس نے اس خبطی کو پکڑ لیا ہوتا۔ گلے موڑ پر پہنچ کر وہ یک بیک بھیڑ میں غائب ہو گیا۔

واپسی پر حمید نے فریدی کو اس آدمی سے الجھے ہوئے پایا جس کی وجہ سے وہ اس کی گرفت سے نکل گیا تھا۔

"کیا ضرورت تھی آپ کو خواہ مخواہ بیچ میں کودنے کی۔" فریدی بگڑ رہا تھا۔

"اس نے کل میری بچی کا نقاب نوچا تھا۔ میں زندہ نہیں چھوڑوں گا اس پاگل کتے کو۔ اگر حکومت ان پاگلوں کا کوئی انتظام نہیں کر سکتی تو ہم خود قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیں گے۔"

فریدی اسے جواب دینے کی بجائے قہر آلود نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اس کے منہ پر تھپڑ مار دے۔ لیکن اس نے جلد ہی اپنی حالت پر قابو پا لیا۔ "آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ اس

نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن میں نے اسے پکڑ ہی لیا تھا۔"

"اب کیا بتاؤں....!" وہ آدمی خفیف ہو کر بولا۔ "اسے دیکھ کر میں خود کو قابو میں نہ رکھ سکا۔ کل اس نے سر راہ شرمندہ کیا تھا۔"

"خیر ہوگا۔" فریدی نے بے تعلقانہ انداز میں کہا اور اپنی کار کی طرف مڑ گیا۔ لیکن وہ اب بھی کنکھیوں سے اس آدمی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اس دوران میں اس نے حمید کو کچھ اشارہ کیا اور وہ کار کے قریب سے ہٹ کر سڑک کے کنارے پر چلا گیا۔

فریدی نے کار اسٹارٹ کر دی۔

حمید سڑک کی کنارے کھڑا رہا۔ اتنے میں وہ آدمی جس نے دیوانے کو مارا تھا ایک گلی میں داخل ہو گیا۔ حمید اس کا تعاقب کر رہا تھا۔

وہ دو تین سڑکوں کا چکر لگانے کے بعد ڈاکٹر ضرغام کے دواخانے کے سامنے پہنچ کر رک گیا اور حمید کا دل بُری طرح دھڑکنے لگا۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ ڈاکٹر ضرغام کے مطب میں داخل ہو گیا۔ دواخانے کے سامنے ہی فٹ پاتھ پر پرانے ناولوں اور رسالوں کی ایک چھوٹی سی دکان تھی۔ حمید وہاں رک کر کاؤنٹر پر لگی ہوئی کتابیں الٹنے پلٹنے لگا۔

اس کی نظریں کبھی کبھی اس کھڑکی کی طرف اٹھ جاتی تھیں جس کے پیچھے ڈاکٹر ضرغام کی میز تھی۔ یکایک ڈاکٹر ضرغام اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں اور نچلا ہونٹ دانتوں میں دب گیا تھا۔ "میں اسے دیکھ لوں گا۔"

حمید نے سڑک کے شور کے باوجود ڈاکٹر ضرغام کی آواز صاف سن لی تھی۔ "کسے دیکھ لے گا۔" حمید کے ذہن نے سوال کیا۔

کیا یہ جملہ اس نے فریدی کے لئے کہا تھا۔ کیا وہ شخص جس کا وہ تعاقب کرتا ہوا یہاں تک آیا تھا فریدی کو پہچانتا تھا اگر یہ بات ہے تو وہ اسے بھی پہچانتا ہوگا اور یہ بھی جانتا ہوگا کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ لیکن دوسری بات کو اس کے ذہن نے قبول نہ کیا۔ اگر یہ بات ہوتی تو وہ ضرغام کے مطب میں آتا ہی کیوں، یا اگر کسی وجہ سے آیا ہی تھا تو اس کے داخل ہوتے ہی ڈاکٹر ضرغام اسٹتھسکوپ اٹھا کر اس کا معائنہ شروع کر دیتا اور وہ اسی سلسلہ میں اپنی رپورٹ بھی سناتا۔ حمید نے

پر ڈاکٹر ضرغام کی طرف دیکھا جو کھونٹی سے لٹکا ہوا کوٹ اتار رہا تھا۔ پھر اس نے ٹائی کی گرہ درست کی اور انگلیوں سے سر کے بال ٹھیک کرتا ہوا فٹ پاتھ پر اتر آیا۔

وہ آدمی بدستور اپنی جگہ پر بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔ ڈاکٹر ضرغام نے حمید کے قریب سے گذرتے وقت اسے گھور کر دیکھا اور سڑک کے کنارے کھڑی ہوئی کار میں بیٹھ کر ایک طرف روانہ ہو گیا۔ حمید چکرا گیا کہ اب اس کا تعاقب کرے یا اس آدمی کے انتظار میں وہیں کھڑا رہے۔

وہ آدمی تھوڑی دیر تک اونگھتا رہا پھر وہ بھی باہر نکل آیا۔

حمید پھر اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ دفعتاً اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا، اسے ہر حالت میں ڈاکٹر ضرغام کا تعاقب کرنا چاہئے تھا۔

اس نے سوچا کہ وہ اس بات کا تذکرہ فریدی سے نہ کرے گا کیونکہ اس طرح اس کا احمق قرار دیا جانا یقینی تھا۔ فریدی گھنٹوں اس کا مذاق اڑاتا۔

وہ آدمی تھوڑی دیر ادھر اُدھر مارے مارے پھرنے کے بعد ایک چھوٹے سے کیفے میں گھس گیا جس میں بار بھی تھا۔

❁

رات اپنے سیاہ بازو پھیلائے کائنات پر مسلط ہوتی جا رہی تھی۔ حمید اور جولیا رات کے کھانے سے فارغ ہو کر بیٹھے فریدی کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ صبح سے غائب تھا۔ آج اس کی تفتیش کا پانچواں دن تھا۔

حمید کو حیرت تھی کہ آخر فریدی اس بار اتنی احتیاط کیوں برت رہا ہے۔ قاعدے کے مطابق تو اسے اب ڈاکٹر ضرغام سے الجھ ہی جانا چاہئے تھا۔

"تمہارا چیف تو مجھے ان آدمیوں سے بھی عجیب معلوم ہوتا ہے۔" جولیا نے کہا۔

"کیوں....!" حمید نے پوچھا۔

"اس نے پورے مکان کو اچھا خاصا عجائب خانہ بنا رکھا ہے۔"

"کیا تم نے یہاں سب کچھ دیکھ لیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"سب کچھ سے کیا مراد ہے۔"

"مطلب یہ کہ تم نے مجھے بھی دیکھا یا نہیں۔"

"کیوں نہیں تمہارے جیسا Laughing Beast (ہنسنے والا درندہ) آدمی تک میری نظروں سے نہیں گذرا۔" جولیا نے ہنس کر کہا۔

"تم غلط سمجھیں.... میں بہت روتا ہوں۔"

"کیوں....!"

"ایک ستم رسیدہ آدمی ہوں۔"

"تم....!" جولیا ہنس کر بولی۔ "بھلا تم پر کس نے ظلم کیا ہے۔"

"مجھے ان کے نام تک یاد نہیں رہے۔"

"ظلم کی قسمیں بتاؤ۔"

"کیا کرو گی سن کر تمہیں دکھ ہوگا۔"

"پھر بھی۔"

"ایک بار ایک آدمی نے میرے منہ پر کہہ دیا تھا کہ تمہاری ناک ٹیڑھی ہے۔"

"ٹھیک تو کہا تھا اس نے....!"

"ہائیں....!" حمید اچھل کر بولا۔ "تم بھی یہی کہتی ہو۔"

"نہیں نہیں سیدھی ہے۔ میں نے تو یونہی مذاق کیا تھا۔ اچھا دوسرا ظلم؟"

"دوسرا ظلم یہ ہے کہ آج تک کسی لڑکی نے مجھ سے شادی کی درخواست نہیں کی۔"

"یہ تو واقعی ظلم ہے۔" جولیا مسکرا کر بولی۔

"مجھے اُلو بنا رہی ہو۔"

"نہیں نہیں.... تیسرا ظلم۔"

ایک بار مجھے ایک لڑکی سے محبت ہوگئی۔ بڑی سنجیدہ اور حلیم تھی۔ میں نے اسے کبھی ہنستے یا مسکراتے حتیٰ کہ بات کرتے بھی نہیں دیکھا۔ میں نے اسے کئی بار متوجہ کرنے کی کوشش کی مگر وہ صرف دیکھ کر رہ گئی۔

"پھر....!"

"ایک بار ایک جگہ تنہا مل گئی۔ میں نے اس سے گفتگو کرنی چاہی، جانتی ہو اس نے کیا کہا۔"

حمید خاموش ہوگیا۔ جولیا اسے سوالیہ انداز میں دیکھ رہی تھی۔

"کیا کہا....!" وہ تھوڑی دیر بعد اکتا کر بولی۔

اس نے کہا۔ "لوع.... باغ.... بوق.... بعوق....!"

"کیا مطلب....!"

"وہ کم گو تھی۔" حمید غمزدہ لہجے میں بولا اور اداسی کی ایکٹنگ کرتا ہوا اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

جولیا بے اختیار ہنس پڑی اور کافی دیر تک ہنستی رہی۔

"تم نے شادی کیوں نہیں کرلی اس سے۔" جولیا ہنس کر بولی۔

"میں نے سوچا کہیں اس بے چاری کو میرے ساتھ رہ کر بولنا ہی نہ پڑ جائے۔"

"تو تم زندگی بھر کنوارے ہی رہو گے؟"

"ہاں....!"

"آخر کیوں؟ تم لوگ تو کافی دولت مند ہو۔" جولیا نے کہا۔

"میرا چیف عورتوں سے ڈرتا ہے اور میں....!"

"کیوں....؟" جولیا نے اس کی بات کاٹ کر سوال کیا۔

"میں نہیں جانتا.... لیکن جب سے تم یہاں آئی ہو وہ گھر میں بہت کم رہتا ہے۔"

"کیا مجھ سے بھی ڈرتا ہے۔"

"ہاں تم سے بھی بُری طرح خائف ہے۔"

"کیوں؟"

"پتہ نہیں....!"

"عجیب بات ہے تم تو کہہ رہے تھے کہ یہ وہی شخص ہے جس نے فول مین کی آندھی اور ہیرون آئی لینڈ کی پُراسرار آبادی کا پتہ لگایا تھا۔"

"ہاں ہاں میں نے غلط نہیں کہا تھا۔"

"اور وہ عورتوں سے ڈرتا ہے۔"

"عجیب لڑکی ہو تم بھی۔" حمید نے کہا۔ عورتوں سے خائف رہنے میں اس کی دلیری اور بلند ہمتی میں تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مجھے دیکھو میں کتنا بہادر آدمی ہوں لیکن اندھیرے میں کسی کالی بلی

کی سرخ سرخ آنکھیں دیکھ کر بے ہوش ہو جاتا ہوں۔ سناٹے میں اُلو کی آواز سن کر میرا دم نکلنے لگتا ہے۔ اگر اندھیرے میں تم ہی چونک کر مجھے ڈرا دو تو میں چیخ مار کر تم سے لپٹ جاؤں گا۔

جولیا کچھ کہنا ہی چاہ رہی تھی کہ قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ چونک کر آواز کی طرف دیکھنے لگی۔ فریدی اپنی بغل میں ایک فائل دبائے اندر داخل ہوا۔ ابھی وہ بیٹھنے ہی پایا تھا کہ جولیا پوچھ بیٹھی۔

"مسٹر فریدی! کیا تم مجھ سے ڈرتے ہو۔"

فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر حمید کی طرف دیکھا اور پھر جولیا کو مخاطب کر کے بولا۔ "اس کی اطلاعات صرف تمہیں اس سے مل سکتی ہیں۔"

"یہ کہتا ہے کہ تم میری وجہ سے ادھر اُدھر بھاگے پھرتے ہو۔" جولیا نے کہا۔ "خیر بھاگ دوڑ تو میری ہی وجہ سے ہو رہی ہے، لیکن اس کا کہنا ہے کہ تم مجھ سے اس قدر خائف ہو کہ تم گھر میں نہیں رہتے۔"

"ممکن ہے کہ یہ ٹھیک ہی کہتا ہو۔" فریدی لاپروائی سے بولا۔ "تم لوگ کھانا کھا چکے؟"

"لیکن تم مجھ سے ڈرتے کیوں ہو۔" جولیا نے پوچھا۔

"بھئی اس سے پوچھو، وہی کوئی معقول وجہ بتا سکتا ہے۔" فریدی اکتا کر بولا۔

پھر اس نے باورچی کو آواز دے کر بلایا۔

"میں اس وقت کھانا نہیں کھاؤں گا۔" اس نے کہا۔ "بس جلدی سے کافی اور دو پیسٹریاں دے جاؤ۔"

"دیکھا تم نے۔" حمید چہک کر بولا۔ "ڈر کے مارے بھوک بھی غائب ہو گئی۔ صرف کافی پئیں گے۔"

"کیوں بے کار بکواس لگا رکھی ہے۔" فریدی اردو میں بڑبڑایا۔

"میں کہتا ہوں آخر ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔" حمید نے انگریزی میں کہا۔ "یہ بے چارہ نہ شیر ہے نہ بھیڑیا۔"

"شٹ اپ....!"

"اچھا خوف کی وجہ ہی معلوم ہو جائے۔"

"حمید چپ رہو، ورنہ سر توڑ دوں گا۔" فریدی نے اردو میں کہا۔

"اوہو....!" حمید حیرت کا اظہار کرتے ہوئے جولیا کی طرف مڑا۔ "یہ کہہ رہا ہے کہ اس نے کل رات کو تمہیں اپنے کتے سے لڑتے دیکھا تھا۔"

"میں....!" جولیا متحیر ہو کر بولی۔ "نہیں یہ سراسر جھوٹ ہے۔"

"یہ تمہیں خوامخواہ بے وقوف بنا رہا ہے۔" فریدی نے جولیا سے کہا۔ "اس کی باتوں میں نہ آؤ۔"

"تم مجھے بے وقوف بنا رہے ہو۔" جولیا حمید کی طرف مڑی۔

"یہ غلط ہے۔ میں نے آج تک کسی لڑکی کو بے وقوف نہیں بنایا۔ ہمیشہ خود بنتا رہا ہوں۔"

"تم جھوٹ کہہ رہے ہو۔ تم نے بہتیری لڑکیوں کو بے وقوف بنایا ہو گا۔ میں قسم کھانے کے لئے تیار ہوں۔" جولیا بولی۔

"البتہ بعض لڑکیوں نے مجھے اس قدر بے وقوف بنایا ہے کہ اب مجھے خود کو بے وقوف کہتے ہوئے بھی شرم آنے لگی ہے۔" حمید نے مغموم لہجے میں کہا۔

"اچھا کس طرح بے وقوف بنایا تھا۔"

"ایک دو کیس ہوں تو بتاؤں۔"

"پھر بھی ایک آدھ....!" جولیا چونک کر بولی۔

"خدا خیر کرے۔" فریدی اردو میں بڑبڑایا۔ "حمید کے بچے خدارا اس مظلوم لڑکی پر رحم کرو۔"

"ابھی کچھ دنوں کی بات ہے۔" حمید فریدی کی بات کو نظر انداز کر کے بولا۔ "ایک لڑکی مجھ سے بہت قریب ہو گئی اور اس نے رو رو کر مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ ہرگز مجھ سے شادی نہ کرے گی۔ اس بات پر مجھے سچ مچ اس سے محبت ہو گئی، لیکن اس نے مجھے بے وقوف بنایا۔ مجھے کہیں کا نہ رکھا۔"

"کیوں کیا کیا اس نے۔" جولیا نے حیرت سے کہا۔

"منمنانے لگی.... ناک کے بل بولنے لگی۔"

"کیوں! منمنانے کیوں لگی۔"

"تاکہ میں اس سے نفرت کرنے لگوں۔ اسے بھلا دوں۔"

"عجیب بات ہے.... بھلا اس میں نفرت کی کیا بات ہے۔"

"میں ہر اس عورت سے نفرت کرنے پر مجبور ہوں، جو ناک کے بل بولتی ہے۔"

"عجیب آدمی ہو تم....!"

"لیکن میں نے اس معاملہ میں بڑا دھوکہ کھایا۔"

"کیا....؟"

"اسے دراصل زکام ہو گیا تھا۔"

"تو پھر بھلا اس میں اس کا کیا قصور....!" جولیا ہنس کر بولی۔

"قصور سراسر اسی کا ہے۔" حمید نے کہا۔ "اسے بتا دینا چاہئے تھا کہ وہ زکام میں مبتلا ہے۔ مگر خیر حقیقت معلوم ہو جانے پر بھی مجھے اس سے نفرت ہی رہی۔"

"پھر نفرت کیوں رہی۔"

"اس لئے کہ زکام ٹھیک ہو جانے کے بعد وہ منمناتی رہی۔"

"تو پھر زکام ہی رہا ہو گا۔"

"خدا جانے....!" حمید نے کہا۔ "تم نے رستم و سہراب کا لکھا ہوا فردوسی نامہ پڑھا ہے؟"

"حمید سوراب چپ بھی رہو۔" فریدی نے کہا۔

اتنے میں کافی آ گئی اور وہ تینوں اپنی اپنی پیالیاں سیدھی کرنے لگے۔ کافی کے دوران میں فریدی نے اپنا فائل کھول کر جولیا کے سامنے رکھ دیا۔

"ارے یہ تو آرتھر کی تصویر ہے۔" جولیا ایک فارم میں چپکی ہوئی تصویر کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

"ہوں....!" فریدی نے دوسرا ورق الٹتے ہوئے کہا۔ "اسے بھی دیکھا ہے کہیں؟"

"نہیں....!" جولیا بولی اور فریدی نے دوسرا ورق الٹا۔ اس طرح وہ بدستور ورق الٹتا رہا۔ ایک جگہ جولیا بے اختیار چیخ پڑی۔

"یہ بھی تھا.... ان میں یہ بھی تھا اور زیادہ تر اس نے مجھ پر کوڑے برسائے ہیں۔"

"ٹھیک....!" فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

جولیا نے پورا فائل الٹ دیا لیکن اور کسی تصویر کے متعلق اس نے کچھ نہیں کہا۔ فریدی نے فائل بند کر کے ایک طرف رکھ دیا اور کافی کی پیالی پکڑ کر پرخیال انداز میں سگار کے ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔

"کیا تم نے ان کا پتہ لگایا ہے۔" جولیا نے پراشتیاق لہجہ میں پوچھا۔

"ہاں.... لیکن ابھی یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ انہوں نے یہ سب کیا کیوں؟ وہ اب بھی تمہاری تلاش میں ہیں۔"

"تم انہیں پکڑ کیوں نہیں لیتے۔"

"اس سے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ میں ان کے خلاف ثبوت کہاں سے مہیا کروں گا۔ اگر کسی طرح آرتھر کی لاش مل جاتی تب بھی غنیمت تھا۔"

"کیا میری شہادت کافی نہ ہو گی۔"

"قطعی نہیں.... عدالت تمہارے اس بیان پر ہرگز یقین نہ کرے گی کہ تمہاری شکل تبدیل کر دی گئی ہے کیونکہ تمہارے خدوخال سو فیصد قدرتی معلوم ہوتے ہیں اور تم خواہ مخواہ ایک جنجال میں پھنس جاؤ گی کہ تم بغیر پاسپورٹ اور ویزا کے داخل کیسے ہوئیں۔"

"جولیا خاموش ہو گئی۔"

کافی ختم کرنے کے بعد فریدی نے جولیا کو سونے کے لئے اوپری منزل میں بھیج دیا اور خود باہر جانے کے لئے تیاریاں کرنے لگا۔ اس نے حمید کو بھی تیار ہو جانے کو کہا۔ حمید طوعاً و کرہاً تیار ہو گیا۔ اس وقت وہ کہیں باہر جانے کے موڈ میں نہیں تھا۔

راستے میں حمید نے فریدی سے کہا۔

"آپ کہہ رہے تھے کہ کسی عدالت کو جولیا کے بیان پر یقین نہیں آ سکتا۔"

"بالکل ٹھیک کہہ رہا تھا۔"

"تو پھر آپ نے کیسے یقین کر لیا۔"

"اس لئے کہ اب میں یہ بات اچھی طرح جان گیا ہوں کہ اس واقعہ سے تعلق رکھنے والے لوگ پکے سازشی ہیں۔ آرتھر کے متعلق میں تمہیں بتا ہی چکا ہوں۔ اب تمہیں اس کے ساتھی کے پاس لئے چل رہا ہوں۔ اسی کے پاس جس کی تصویر جولیا نے شناخت کی تھی۔"

فریدی نے چرچ روڈ پر اپنی کار روک دی۔

"کیوں یہ وہی کیفے ہے نا جہاں تم نے میجر سلمان کو داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"کون میجر سلمان....!"

"وہی جس کا تعاقب تم نے کیا تھا۔"

"اوہ ہاں....!" حمید نے کہا۔ "یہی وہ کیفے ہے۔"

فریدی دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ حمید بھی اس کے پیچھے تھا۔ یہاں قریب قریب ساری میزیں بھری ہوئی تھیں۔ زیادہ تر لوگ شراب پی رہے تھے۔

حمید کی نظریں کاؤنٹر پر رک گئیں جہاں ایک دبلا پتلا آدمی کھڑا اپنی پیشانی رگڑ رہا تھا۔ کچھ دیر قبل اس نے اس کی تصویر فائل میں دیکھی تھی۔

فریدی پر نظر پڑتے ہی وہ بے اختیار چونک پڑا۔ پھر اس نے کاؤنٹر کی کھڑکی کھولی اور تیز تیز چلتا ہوا ان کے قریب آیا اور بولا۔

"فرمایئے سرکار....!" وہ قدرے جھک کر بولا۔ "آج ہمیں کیسے عزت بخشی؟"

"مجھے آرتھر کا پتہ چاہئے۔" فریدی نے کہا۔

"وہ تو.... ضر.... ضروری نہیں کہ مجھے اس کا پتہ معلوم ہو۔" اس نے کہا۔

"آپ جانتے ہیں کہ میں آج کل باعزت طور پر زندگی بسر کر رہا ہوں اور مجھے اب کسی کا پتہ نہیں معلوم۔"

"ہوں....!" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"مجھے دراصل اس سے ایک کام لینا تھا۔"

"اوہو حضور والا تو کون سا کام ہے۔ میں نہ کر سکوں گا۔ مجھ سے فرمایئے۔"

"تمہارے بس کا نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "یہ میں جانتا ہوں کہ کون کیا کام کر سکتا ہے۔"

"کیا کسی کو بلیک میل کرنا ہے؟"

"ہاں....!"

"ہاں تو یہ واقعی میں نہ کر سکوں گا۔"

"اچھا خیر، اگر آرتھر کہیں دکھائی دے تو اسے میرے پاس بھیج دینا۔"

"بہت بہتر....!"

واپسی پر فریدی حمید سے کہہ رہا تھا۔

"اب یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ آرتھر سچ مچ مار ڈالا گیا ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"کیا تم نے غور کیا تھا کہ وہ ضرغام کا نام لیتے لیتے رہ گیا تھا، تم نے اسے چونکتے نہیں دیکھا تھا۔ کیا تم نے محسوس نہیں کیا کہ اس نے ضرغام کے "ضر" کو ضروری میں کھپا دیا تھا۔"

❁

"تو بس اتنی سی بات کے لئے آپ یہاں دوڑ آئے تھے۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔ "بظاہر تو تمہیں بھی یہی معلوم ہوگا کہ میرا دماغ چل گیا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"بباطن وہ ہر وقت چلتا ہی رہتا ہے۔" حمید نے اپنے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔

فریدی کچھ نہیں بولا۔ اس کی نظریں سامنے سڑک پر تھیں اور ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

"کیا تم نے اس بات پر غور نہیں کیا۔" اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "کہ آج گھر کی رکھوالی کرنے والے کتے بھی بند تھے۔"

"یعنی....!" حمید نے چونک کر پوچھا۔

"اور جس وقت ہم لوگ گھر سے روانہ ہوئے دو تین آدمی ہماری نقل و حرکت دیکھ رہے تھے۔" فریدی نے کہا۔

"کون تھے....!"

"ضرغام کے ساتھی۔"

"تو کیا وہ اس بات سے واقف ہو گئے ہیں کہ جولیا ہمارے پاس ہے۔"

"قطعی....!" فریدی نے کہا اور کار کی رفتار سست کر دی۔

"اور آپ جولیا کو چھوڑ آئے ہیں۔" حمید تقریباً چیخ کر بولا۔

"میں بہرہ نہیں ہوں۔" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

حمید دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔

"اور رکھوالی کے کتے بھی بند ہیں۔" اس نے پھر کہا۔

"ہاں ہاں....!" فریدی جھلا کر بولا۔ "سینکڑوں بار سمجھا دیا کہ سمجھ میں آئی ہوئی بات کے متعلق دوبارہ مت پوچھا کرو۔"

"آپ نہ جانے کیسی باتیں کر رہے ہیں۔" حمید بگڑ کر بولا۔

"کون سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئی۔" فریدی نے داہنے ابرو کو جنبش دے کر کہا۔

"میں کہتا ہوں کہ آپ ایسی حالت میں اسے تنہا کیوں چھوڑ آئے ہیں۔"

"ہاں یہ سوال ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ.....!" فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ اس کی نظریں داہنے فٹ پاتھ پر رینگ رہی تھیں۔ دفعتاً اس نے کار کی رفتار تیز کر دی اور پھر اسے ایک بالکل ہی غیر متعلق راستے پر موڑ دیا۔

"کیوں یہ کیا.....!" حمید چونک کر بولا۔

"کام بن گیا۔" فریدی نے کہا اور کار کو ایک تاریک گلی میں موڑ دیا۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد وہ ایک سڑک پر آ گئے۔ لیکن یہ سڑک بالکل سنسان تھی اور دیہی علاقوں سے گزرتی ہوئی سعید آباد کی طرف چلی گئی تھی۔

فریدی نے کار کو سڑک کے کنارے لگی ہوئی جھاڑیوں میں اتار دیا اور اسے موڑ کر اس کا رخ پھر سڑک کی طرف کر دیا۔

"اس بیچاری کیڈی پر تو رحم کیجئے۔" حمید نے کہا۔

"سب چلتا ہے۔"

"میں گاڑیوں کو خوبصورت رکھنے کا قائل نہیں ہوں۔"

"لیکن آخر یہ سب ہے کیا..... کون سا کام بن گیا۔" حمید نے اکتا کر کہا۔

"کام یہ بن گیا کہ انہوں نے جولیا پر قابو پا لیا ہے۔"

"اوہ.....!"

"شور مچانے کی ضرورت نہیں۔"

"اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ اسے فریدی پر غصہ آ رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ وہ یہ سمجھتا تھا کہ فریدی شاذ و نادر ہی کوئی غلط قدم اٹھاتا ہے۔ اب اس کی سمجھ میں آیا کہ یہ پانچ دن کی خاموشی دراصل طوفان سے قبل کی خاموشی تھی اور فریدی سچ مچ کوئی خطرناک اقدام کرنے جا رہا ہے۔

"میں ریوالور نہیں لایا۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"فی الحال شائد اس کی ضرورت پیش نہ آئے، فریدی نے پر اطمینان لہجے میں کہا اور شاید اس کی ضرورت پڑے تو میرا ہی ریوالور کافی ہوگا۔ ویسے میں بھی آج کل خون بہانے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"لیکن آپ نے بازار میں یک بیک یہ کیسے کہا تھا کہ کام بن گیا۔"

"اشارہ کیا تھا۔"

"کس کو.....!"

"اپنے ایک آدمی کو، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ وحید، راجندر اور رمیش بھی میرے ساتھ کام کر رہے ہیں۔"

"لیکن اس بار آپ نے یہ کیسی بد پرہیزی کر ڈالی۔" حمید نے کہا۔

"اس کیس میں بڑا پھیلاؤ ہے۔ شاید تمہیں نہیں معلوم کہ ضرغام ایک بہت بڑے گروہ کا سرغنہ ہے اور یہ سب کچھ مجھے اس کیس کے سلسلے میں معلوم ہوا ہے، ورنہ پہلے تو میں اسے کچھ سمجھتا ہی نہ تھا۔"

"انہیں کس طرح معلوم ہوا ہے کہ جولیا ہمارے پاس ہے۔"

"خود میں نے انہیں اس راز سے آگاہ کیا ہے۔"

"وہ کس طرح۔" حمید نے بے چینی سے پوچھا اور اپنا پائپ ٹٹولنے لگا۔ "نہیں حمید صاحب فی الحال تمباکو پینے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"آپ میرے سوال کا جواب دیجئے۔"

"بھئی یہ لمبی داستان ہے۔" فریدی نے کہا۔

"خیر مختصراً سنو۔ ضرغام کے آدمی اس دن سے میرے پیچھے لگ گئے تھے جس دن میں نے تمہیں میجر سلمان کا تعاقب کرنے کو کہا تھا۔ میرا خیال ہے کہ شاید ڈاکٹر ضرغام نے یہ جملہ میرے ہی لئے کہا تھا کہ میں اسے دیکھ لوں گا۔ بہر حال اس دن سے وہ مجھے باقاعدہ دیکھ رہا ہے، ہاں تو اسی دن سے ایک دو آدمی برابر میرا تعاقب کر رہے ہیں، لیکن مکان کے کمپاؤنڈ میں قدم رکھنے کی ہمت کسی نے بھی کی نہیں۔ اس وقت تک انہیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ جولیا ہمارے پاس ہے۔ غالباً ضرغام اس خیال میں رہا ہوگا کہ کہیں میں کسی دیوانے کو پکڑ کر اس سے کچھ اگلوانہ لوں،

لہٰذا اس نے میرے پیچھے آدمی لگا دیئے۔"

"خیر آج کا لطیفہ سنو۔ مگر نہیں پہلے میں تمہاری الجھن کو بھی رفع کرتا چلوں۔ جولیا کو دوبارہ ان کے حوالے کر دینے میں ہمارا فائدہ ہی ہے اس طرح ہم یہ بھی معلوم کر سکیں گے کہ آخر انہوں نے اس کی صورت کیوں تبدیل کی۔"

"میں آپ سے متفق نہیں ہوں۔" حمید نے کہا۔ "ممکن ہے وہ اسے مار ہی ڈالیں۔"

"میرے بیٹے یہ ناممکن ہے۔" فریدی خود اعتمادی کے ساتھ بولا۔ "جولیا پر انہوں نے بہت محنت کی ہے۔ ایک بار پھر وہ اُسے راہِ راست پر لانے کی کوشش کریں گے۔"

ڈاکٹر ضرغام خود کو اسی لئے محفوظ سمجھتا ہے کہ ابھی تک میرا ذہن اس تک پہنچا ہی نہیں اور آج کے واقعہ نے تو اس کا ذہن بالکل ہی صاف کر دیا ہوگا۔

"وہ کیا....؟"

"وہی تو بتانے جا رہا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "ہاں تو آج شام کو میں اور وحید کیفے ڈی فرانس میں کافی پی رہے تھے اور ہمارا ہمزاد یعنی ڈاکٹر ضرغام کے گروہ کا ایک آدمی بھی ہمارا تعاقب کرتا ہوا وہاں پہنچ گیا تھا اور میرے قریب ہی بیٹھا ایک کپ کافی پر اخبار لئے اونگھ رہا تھا۔ میں نے اونچی آواز میں وحید سے گفتگو شروع کر دی۔"

"اوہ....!" فریدی خاموش ہو کر کچھ سننے لگا۔ "گاڑی کی آواز۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

چند لمحوں کے بعد حمید نے بھی کسی موٹر کے انجن کی گھڑگھڑاہٹ سنی اور پھر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے ایک بڑی سی دیو پیکر لاری ان کے سامنے سے گزر گئی جس کی ہیڈ لائیٹس بجھی ہوئی تھیں اور پچھلے حصے کی سرخ روشنی بھی غائب تھی۔ تھوڑی دیر بعد فریدی نے کار اسٹارٹ کر دی اور اسے سڑک پر نکال لایا۔

اس کی کیڈی بھی اندھیرے میں آگے بڑھ رہی تھی۔

"تو کیا اس لاری پر....!" حمید نے پوچھا۔

"قطعی....!" فریدی بولا۔

"آپ یقین کے ساتھ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔"

"انہوں نے لائٹ کیوں بجھا رکھی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور پھر میں اس لاری کو دن میں

بھی دیکھ چکا ہوں اور میں نے اس پر جمشید کو بھی دیکھا تھا۔"

"کون جمشید....!"

"وہی جس سے مل کر ابھی آ رہے ہیں، اس کیفے کا مالک۔"

"مگر اندھیرے میں آپ نے لاری کو کیسے پہچان لیا....؟"

"ریڈیو کا ایریل تم نے کسی لاری یا بس میں آج تک نہ دیکھا ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

"اور حقیقت تو یہ ہے کہ وہ ریڈیو نہیں بلکہ پرانے قسم کے ٹرانسمیٹر کا ایریل ہے۔" لاری کی گھڑگھڑاہٹ قریب معلوم ہونے لگی تھی۔ اس لئے فریدی نے کار کی رفتار کچھ کم کر دی۔

"آپ نے وہ بات نہیں بتائی جو وحید سے کہی تھی۔" حمید بولا۔

"لاری کی آواز پر کان رکھنا۔" فریدی نے کہا۔

"ہاں تو میں نے بلند آواز میں جولیا کے متعلق گفتگو شروع کر دی۔ میں نے اسے بتایا کہ آج کل پاگل لڑکی میرے قبضہ میں ہے، جو مجھے تار جام کے راستے میں ملی تھی۔ وہ نہ جانے کیسی اوٹ پٹانگ باتیں کرتی ہے۔ کہتی ہے میری صورت بدل گئی ہے۔ کبھی کہتی ہے، مجھے مت مارنا۔ میں نہیں اپنا غلام سمجھوں گی۔ اپنا پتہ نشان بھی نہیں بتاتی۔ میرا ارادہ ہے اُسے پاگل خانے بھجوا دوں وغیرہ وغیرہ۔"

فریدی تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد پھر بولا۔

"میرا اندازہ قطعی درست نکلا۔ انہوں نے آج ہی اسے غائب کر دیا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ میرے یہاں جولیا کی موجودگی سے ناواقف تھے اور ہاں پھر اس کے بعد میں نے ان پاگلوں کی بات چھیڑ کر کہا کہ پتہ نہیں کیوں آج کل شہر میں پاگلوں کی تعداد بڑھ گئی ہے اور اس کا نہ جانے کیا راز ہے۔"

"وہ تو سب ٹھیک ہے۔" حمید نے کہا۔ "لیکن جولیا کا دوبارہ ان کے ہاتھ لگ جانا بہتر معلوم نہیں ہوتا۔"

"کیوں....؟"

"وہ اس سے ساری باتیں اگلوا کر اسے قتل کر دیں گے۔"

"میں جولیا کو اتنا احمق نہیں سمجھتا کہ وہ ساری باتیں اگل دے گی۔"

"آخر آپ اس کے متعلق اتنی خود اعتمادی کے ساتھ کیوں باتیں کر رہے ہیں؟"

"اس لئے کہ وہ بھی اس پلان میں شریک ہے۔"

"کیا مطلب....!" حمید چونک کر بولا۔

"میں نے اسے پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ میں دوبارہ اسے ان لوگوں میں پہنچوانا چاہتا ہوں۔"

"اس نے انکار نہیں کیا۔" حمید نے معجبانہ انداز میں پوچھا۔

"اسے پوری بات سمجھا دی تھی نا؟ اب وہ ان کے سامنے شاندار اداکاری کا مظاہرہ کرے گی۔"

"کیسی اداکاری۔"

"پاگل پن کی....!" فریدی نے کہا۔

"اور میں نے اسے یہ بھی سمجھا دیا ہے کہ وہ بے چوں و چراں ان کے احکام کی تعمیل کرتی رہے گی۔"

"آپ کچھ کہیں، لیکن مجھے تو اس کی خیریت نظر نہیں آتی۔"

"تم ڈیوٹ ہو.... ابھی کتنے دنوں کی بات ہے کہ تم اسے میری محبوبہ سمجھ بیٹھے تھے۔ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ تمہیں اپنے گھر سے نکلوانے کے لئے اسے اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس لئے تمہاری عقل کی تو سند نہیں۔"

"پھر آپ کیوں مجھ جیسے اُلو کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔" حمید بگڑ کر بولا۔

"محض اس لئے کہ کوئی مادہ اُلو مل جائے تو تمہارے ساتھ جوڑ دوں۔"

دفعتاً آگے جانے والی لاری کی ہیڈ لائیٹس روشن ہو گئیں اور پچھلی سرخ روشنی بھی نظر آنے لگی۔ وہ رکی ہوئی تھی۔ اگر فریدی پھرتی سے بریک نہ لگاتا تو اُس کی کیڈی لاری سے ٹکرا گئی ہوتی اس نے روشنی میں دیکھا کہ ڈرائیور انجن کھولے اس پر جھکا ہوا ہے۔ حمید نے گردن اونچی کر لاری کے اندر بھی روشنی تھی لیکن وہ خالی پڑی تھی۔ فریدی کے ہونٹ بھینچ گئے۔ وہ کار سے اُ آیا اور ڈرائیور کے قریب جا کر بولا۔

"تم نے بیچ سڑک لاری کیوں کھڑی کر رکھی ہے۔"

"پٹرول ختم ہو گیا ہے صاحب۔" ڈرائیور درشت لہجے میں بولا۔

فریدی کی نظریں لاری کے اندر بھٹک رہی تھیں۔

ہر دا....!

"یہ لاری کس کی ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں نہیں بتاتا اور کیوں بتاؤں۔ آپ کون ہیں پوچھنے والے؟"

"ابھی معلوم ہو جائے گا۔" فریدی نے کہا اور ڈرائیور کی سیٹ پر چڑھ گیا۔ اس نے لاری میں لگے ہوئے ریڈیو پر ہاتھ پھیرا جس کا اوپری ڈھکن ایک جگہ ہاتھ لگتے ہی کھٹاکے کے ساتھ زمین پر آ رہا۔

"اوہ ٹرانسمیٹر....!" فریدی نے ڈرائیور کو گھور کر کہا۔ "میری جان تم مجرم ہو۔ اس کا لائسنس ہے تمہارے پاس۔"

ڈرائیور کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"خبردار ہاتھ اوپر اٹھاؤ....!" فریدی نے اس کا ہاتھ جیب کی طرف جاتے دیکھ کر ریوالور نکال لیا۔ "پیچھے ہٹو....!"

فریدی نیچے اتر آیا۔

"آگے بڑھو....!" وہ اسے اپنی کار کی طرف لے جا رہا تھا۔ دفعتاً کسی طرف سے فائر ہوا اور ڈرائیور چیخ مار کر گر پڑا۔ وہ اوندھے منہ گرا تھا اور اس کی پیٹھ سے خون کا فوارہ ابل رہا تھا۔ فریدی اچھل کر اپنی کار کی اوٹ میں ہو گیا اور اس کے پستول سے بھی ایک شعلہ نکلا۔ پھر اس نے لاری کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی۔ حمید بھی دوڑ پڑا تھا۔ فریدی نے بیٹھے بیٹھے دوسرا فائر کیا لیکن لاری چل پڑی تھی۔

فریدی نے اپنی کار اس کے پیچھے لگا دی۔ لیکن تھوڑی دور گیا تھا کہ پورا جنگل فائروں سے گونجنے لگا۔ ایک گولی کار کے شیشے سے بھی ٹکرائی۔ فریدی بال بال بچا۔ لیکن حمید کی پیشانی شیشے کے ٹکڑوں سے زخمی ہو گئی۔ اگر اس نے سر نہ جھکا لیا ہوتا تو شاید آنکھوں ہی سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔ پھر کیڈی کے دونوں پچھلے ٹائر زور دار دھماکوں کے ساتھ پھٹ گئے۔ فریدی نے پھرتی سے کار روکی اور پھر حمید کا ہاتھ پکڑ کر جھاڑیوں میں کود گیا۔ ابھی تک برابر فائر ہو رہے تھے۔ پھر انہوں نے جھاڑیوں کی اوٹ سے دیکھا کہ چار پانچ متحرک سائے آہستہ آہستہ کار کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"خبردار....!" انہوں نے ایک آواز سنی۔ "اپنا ریوالور باہر پھینک دو۔"

انہوں نے خالی کار کو اپنے نرغے میں لے لیا اور شاید ان کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔

"یار بڑی چوٹ ہو گئی۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن وہ لوگ بھی کیا یاد کریں گے۔"

دوسری طرف سڑک پر وہ لوگ ٹارچ کی روشنی میں کار کا جائزہ لے رہے تھے۔ ان کے چہرے سیاہ نقابوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔

"کیوں کیا کہتے ہو؟" فریدی نے کہا۔ "بنا دوں ان کی حجامت....؟"

"میرے خیال میں چپ چاپ چلئے۔" حمید بولا۔ "اب تو کار بھی بے کار ہو چکی ہے۔"

"بہر حال بڑی زبردست چوٹ ہو گئی ہے۔ سوچ رہا ہوں کہ آج سے میں بھی اپنا شمار احمقوں میں کروں۔"

"بہت پہلے سوچنی تھی یہ بات۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ "یہ شکست بھی زندگی بھر یاد رہے گی۔"

"تلاش کرو۔" کار کے قریب کھڑے ہوئے آدمیوں میں سے ایک نے گرج کر کہا۔ دونوں دور تک گھنی جھاڑیوں میں گھستے چلے گئے۔

"گھبراؤ نہیں فرزند۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "یہ جنگل میرا جانا بوجھا ہے۔"

ایک گولی ان کے سروں پر سے سنسناتی ہوئی نکل گئی اور پھر سارا جنگل رائفلوں کی آواز سے گونج اٹھا۔

فریدی نے پھر ریوالور نکال لیا۔

"کیا کر رہے ہیں آپ۔" حمید اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔ "مفت میں جان دینے سے کیا فائدہ۔"

"عادت.... مجبور ہوں۔ گولیوں کی آواز سن کر طبیعت بے قابو ہو جاتی ہے۔"

"خدارا میرے اور اپنے ہونے والے بال بچوں پر ترس کھائیے۔"

"چپ....!" فریدی نے کہا اور آوازوں کی طرف فائر کر دیا۔ ایک چیخ سنائی دی اور فریدی بڑبڑایا۔ "ہات تیرے کی۔"

پھر اس نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر دوڑنا شروع کر دیا۔

دفعتاً فریدی نے ایک زور دار چیخ ماری اور راستہ کاٹ کر جھاڑیوں کے دوسرے سلسلے میں گھس گیا۔

"کیا ہوا....!" حمید گھبرا کر بولا۔

"چلے آؤ چپ چاپ۔ اُلو کہیں کے۔" وہ ہنس رہا تھا۔

❁

دوسری دن صبح حمید بہت زیادہ بور نظر آ رہا تھا۔ پچھلی رات کی بدحواسیاں ابھی تک اس کے بن پر چھائی ہوئی تھیں۔ وہ دونوں بھاگم بھاگ پیدل چل کر گھر تک پہنچے۔ حمید تو دو ایک جگہ گرا ی تھا اور چوٹیں بھی کھائی تھیں۔ لیکن وہ سب معمولی تھیں۔

فریدی کا موڈ زیادہ خراب تھا۔ شاید یہ اس کی زندگی میں پہلا موقع تھا کہ اس نے بُری طرح ست کھائی تھی۔ وہ چپ چاپ ایک آرام کرسی پر آنکھیں بند کئے لیٹا تھا۔ کچھ دیر قبل اس نے ب کپ کافی منگوائی تھی، جو رکھے ہی رکھے ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ ادھ جلا سگار اس کی انگلیوں میں دبا ہوا تھا اور اب اس میں سے دھوئیں کی لکیر بھی نہیں نکل رہی تھی۔

"اب ایشیا کا شرلاک ہومز کیا سوچ رہا ہے۔" حمید نے بیٹھے بیٹھے چٹکی لی۔

فریدی نیم باز آنکھوں سے دیکھنے لگا۔ اس کے ہونٹوں پر کچھ اس قسم کی مسکراہٹ تھی جیسے اس وقت مسکرانے میں بھی کاہلی محسوس کر رہا ہو۔

"مجھے شرلاک ہومز کہہ کر میری توہین نہ کرو۔" اس نے مضمحل آواز میں کہا۔

"حرکت تو آپ سے اسی قسم کی سرزد ہوئی ہے اور اب دل چاہتا ہے کہ آپ کو آرام کرسی والے سراغ رساں کا خطاب دیا جائے۔"

"دل کھول کر کہہ لو فرزند ارجمند.... میں بھی انسان ہی ہوں۔ آخر تم مجھ سے غلطی کی توقع کیوں نہیں رکھتے۔"

"تو بہر حال آپ کو اپنی غلطی کا احساس ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"تم اس طرح پوچھ رہے ہو جیسے تم نے سچ مچ میری غلطی پکڑ لی ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اچھا یہ بتاؤ کہ میں نے غلطی کہاں پر کی ہے۔"

"آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں جیسے وہ کوئی بڑی ڈھکی چھپی غلطی ہو۔"

"بتاؤ نا آخر....!" فریدی نے بجھا ہوا سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ اب وہ کرسی پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا اور اس کے چہرے سے کاہلی اور تھکن کے آثار بالکل غائب ہو گئے تھے۔

"کسی چھ سال کے بچے سے رجوع فرمائیے۔" حمید منہ بنا کر بولا۔

"میں تمہیں اس سے زیادہ نہیں سمجھتا۔"

"اچھا تو چھلکال....!" حمید تتلا کر بولا۔ "آپ نے جولیا کو ان کے حوالے کل کے بلی بھالو گلتی کی ہے۔"

"خدا کی قسم ایک سال کا بچہ بھی یہی کہتا۔"

حمید منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"میں نے دراصل جمشید سے مل کر بڑی غلطی کی ہے۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔

مجھے اس سے نہ ملنا چاہئے تھا اور پھر آرتھر کے تذکرے نے انہیں بہت بُری طرح چونکا دیا ہوگا۔ بہت ممکن ہے کہ اس سے ضرغام کو اپنی خطرناک پوزیشن کا خیال بھی آ گیا ہو۔ ایک گھونسے میں کسی کا سر پھوڑ دینا بڑی حیرت انگیز حرکت ہے۔ اس قسم کے واقعات ساری زندگی یاد رہتے ہیں۔ ضرغام کو کم از کم اس کے متعلق تو یقین ہو گیا ہوگا کہ جولیا نے اس کا تذکرہ مجھ سے ضرور کیا ہوگا۔ لاری کا اس طرح خالی ہو جانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ضرغام تو کم از کم میری اسکیم سے واقف ہو گیا تھا اور وہ لاری.... مجھے دھوکہ دینے کے لئے شروع ہی سے خالی رکھی گئی تھی۔ جولیا کو وہ لوگ کسی اور راستے سے لے گئے، لیکن انہوں نے غلطی سے اس میں ٹرانسمیٹر لگا رہنے دیا ورنہ انہیں اتنی گولیاں بھی برباد نہ کرنی پڑتیں اور میں سیدھا سادھا اُلو بنا ہوا گھر واپس آ جاتا۔

حمید خاموش بیٹھا اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"بہرحال اب جولیا کی خیریت نظر نہیں آتی۔" حمید مضطربانہ انداز میں بولا۔

"اب میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"تو پھر اب کیا کریں گے۔"

"ضرغام کی نگرانی جاری ہے۔" فریدی تھوڑی دیر کے بعد بولا۔ "مفت میں ایک دوسرا خون اور ہوا۔ میری گولی ٹھیک نشانہ پر بیٹھی تھی۔"

"مگر وہاں جنگل میں کوئی لاش نہیں ملی۔ حتیٰ کہ خون کے دھبے بھی مٹا دیئے گئے ہیں۔"

"آپ کو کس طرح معلوم ہوا۔" حمید نے کہا۔

"بیوقوف آدمی میں تمہاری طرح سوتا نہیں رہا۔ آخر گاڑی کی تلاش میں بھی تو جانا ہی تھا۔"

"تو کیا وہ مل گئی۔" حمید نے پوچھا۔

"قطعی مل گئی ہے۔"

"کہاں ہے۔"

"گیراج میں۔"

"اتنی جلدی لائے کس طرح۔ اس کے تو دونوں ٹائر پھٹ گئے تھے۔" فریدی ہنسنے لگا۔

"آؤ میرے ساتھ....!" فریدی اٹھتے ہوئے بولا۔

وہ اسے گیراج میں لایا۔ کیڈی وہیں کھڑی تھی۔ اس کے دونوں ٹائر بالکل صحیح و سالم تھے۔

"ارے....!" حمید کی نظریں بے ساختہ ونڈ اسکرین کی طرف اٹھ گئیں۔ "یہ ٹوٹ گیا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے اور اس کے ٹکڑوں سے میری پیشانی زخمی ہوئی تھی۔"

"قطعی ٹوٹ گیا تھا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"پھر اتنی جلدی۔"

"حمید صاحب وہ بڑے ذہین لوگ ہیں۔" فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"یہ مجھے اسی جگہ اسی حالت میں ملی ہے۔"

"آپ مذاق کر رہے ہیں۔"

"مگر اس پر ٹائر بھی چڑھا دیئے گئے ہیں۔"

"تب تو یقیناً وہ لوگ پاگل ہیں۔ جولیا ٹھیک کہتی ہے۔"

"وہ تو نہیں لیکن تم ضرور پاگل ہو۔"

"کیوں....!"

"انہوں نے میرے منہ پر وہ چانٹا مارا ہے کہ زندگی بھر یاد رہے گا۔"

حمید متحیرانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"انہوں نے کل رات کے حادثہ کا کوئی ثبوت نہیں چھوڑا۔" فریدی پرخیال انداز میں بولا۔

لہٰذا میں سرکاری طور پر اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ حد ہو گئی۔ بعض درختوں کے تنے چھلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس طرح انہوں نے ان پر لگی ہوئی گولیوں کے نشانات مٹائے ہیں اور نشانات کچھ اس قسم کے بنائے گئے ہیں جیسے کسی نے درختوں کی گوند اکٹھا کرنے کے لئے ان کے تنے چھیل دیئے ہوں۔ حمید صاحب بڑا منظم گروہ ہے بلکہ اسے بین

الاقوامی گروہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کیونکہ ہنگری میں انہوں نے شومان نامی آدمی سے کام لیا تھا۔"

حمید بُری طرح چکرا گیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فریدی اس طرح شکست کھائے گا اور اس شکست کے افسوس سے زیادہ اسے جولیا کے انجام کا خیال ستا رہا تھا۔ ان لوگوں نے اسے زندہ نہ چھوڑا ہوگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر فریدی کو اسے دوبارہ ان لوگوں تک پہنچانا تھا تو اس کے لئے خود اس کا گھر موزوں نہیں تھا۔ کسی اور ذریعہ سے بھی یہ کام بہ آسانی ہو سکتا ہے۔ اسے گھومنے پھرنے کے لئے بالکل آزاد چھوڑ دیا جاتا اور پھر اس طرح وہ ان لوگوں تک پہنچ ہی جاتی کیونکہ ان کے آدمی سارے شہر میں بکھرے ہوئے تھے۔ اس صورت میں پردہ نشین عورتوں کے نقاب بھی نہ نوچے جاتے۔"

"تو اب فی الحال آپ کے ذہن میں کوئی سکیم نہیں۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"فی الحال میرا ذہن کسی جھیل کی سطح کی طرح صاف ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اور اس پر رنگین خیالات کی سبک رفتار بطخیں تیر رہی ہیں۔"

"آپ جیسا اذیت پسند بھی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔" حمید منہ بنا کر بولا۔

"زندگی میں ایسے بے شمار واقعات پیش آتے ہیں۔" فریدی نے پر سکون لہجے میں کہا۔ "اگر آدمی ہر ایک پر مغموم ہو کر بیٹھ جائے تو اسے میر تقی میر یا فانی بدایونی کہیں گے۔"

"آپ کے لہجہ میں سفاکی ہے۔" حمید نے کہا۔ "مجھے اس بے چاری....!"

"مجھے بھی اس سے ہمدردی ہے۔" فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"لیکن تم ہی بتاؤ کہ ایسی صورت میں کیا ہو سکتا ہے۔"

"اس کی حفاظت....!" حمید بولا۔

"اس کی طرف سے تو میں قطعی مطمئن ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"نہ جانے آپ کس بناء پر مطمئن ہیں۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"یہ نہ بھولو کہ اسے اس کام کے لئے ہنگری سے لایا گیا تھا۔ بھلا ہنگری ہی کیوں یورپ کا کوئی اور ملک کیوں نہیں اور انہوں نے تفریحاً یا محض تجربے کے لئے اس کی شکل تبدیل کی تھی تو اس کے لئے اتنے لمبے سفر کی کیا ضرورت تھی۔ یہیں سے کسی لڑکی کو پکڑ لیتے۔ کسی بدصورت لڑکی کو جسے اپنی بدصورتی کا غم رہا ہوتا۔ بدصورت لڑکیاں عموماً اپنی بدصورتی پر مغموم رہا کرتی

ہیں کوئی نہ کوئی اس قسم کی بدصورت لڑکی نہایت آسانی سے اس تجربے کے لئے تیار ہو جاتی۔"

حمید خاموشی سے فریدی کی طرف دیکھتا رہا۔ فریدی کی یہ دلیل اس کے ذہن میں جڑ پکڑنے لگی تھی۔ وہ خود سوچ رہا تھا کہ وہ لڑکی ہنگری سے کیوں لائی گئی۔

"بہر حال....!" فریدی بولا۔ "وہ قطعی محفوظ ہے اور میری ہدایت کے مطابق وہ ان کے ساتھ پر عمل کر رہی ہوگی۔"

"وہ سب کچھ بے چون و چرا سیکھ رہی ہوگی، جو وہ اُسے سکھانا چاہتے ہیں۔" حمید سوالیہ انداز میں بولا۔

"اچھا تو کیا اب تک تم انہیں پاگل ہی سمجھ رہے ہو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ بدستور خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس سازش کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ بہتیری سازشوں سے اس کا سابقہ پڑ چکا تھا۔ لیکن ایسی سازش سے دوچار ہونے کا پہلا اتفاق تھا اور وہ تذبذب میں تھا کہ اس سازش کا پتہ لگانے میں کامیاب بھی ہو سکیں گے یا نہیں۔ سب سے زیادہ الجھن اسے اس بات کی تھی کہ ابھی تک اس کیس کی کوئی سرکاری حیثیت نہیں تھی۔ ناشتے کی میز پر وہ دونوں خاموش رہے اور آفس جاتے وقت راستے میں بھی ان میں کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ فریدی کے ماتھے پر سلوٹیں ابھری ہوئی تھیں اور وہ بار بار کیڈی کے سیٹ پر پہلو بدل رہا تھا۔ حمید کو یاد نہیں پڑ رہا تھا کہ وہ خود اپنی زندگی میں کبھی اتنا سنجیدہ ہوا ہو۔ اسے صحیح معنوں میں جولیا سے ہمدردی تھی۔ اکثر راتوں میں جب وہ کروٹ لیتے وقت کراہتی تو اس کے ذہن میں کوڑے کے نیلے اور سیاہ داغ ابھر آتے۔ ایک رات اس نے اسے بے خبری میں روتے سنا تھا جب وہ جگائی گئی تو اس نے یہ سن کر ہنسنا شروع کر دیا تھا کہ وہ نیند میں رو رہی تھی۔ حمید کو اس وقت ایسا لگا جیسے کسی نے اس کے دل پر گھونسہ مار دیا ہو۔ کتنی خوش مزاج لڑکی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اپنی اصل شکل میں اور زیادہ حسین لگتی رہی ہو۔ اس کے ساتھ کتنی بڑی ٹریجڈی ہوئی تھی لیکن وہ پھر بھی ہنستی تھی۔ بے تحاشہ قہقہے لگاتی تھی اور ہنستے وقت شاید یہ بھول جاتی کہ وہ اپنے وطن سے کالے کوسوں دور پڑی ہوئی انجانے حادثات کے تھپیڑوں میں ادھر اُدھر بہتی پھر رہی ہے۔

حمید نے ایک سسکی سی لی اور کھڑکی پر سر ٹیک کر آنکھیں بند کر لیں۔ آفس میں پہنچ کر وہ دونوں اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔ حمید کی میز فریدی کی میز سے کچھ فاصلے پر تھی۔ وہ سر جھکائے

فائلوں میں دیکھ رہا تھا۔ لیکن اس کے ماتھے پر ابھری ہوئی سلوٹیں اور آنکھوں کی بے چینی صاف بتا رہی تھی کہ اس کا ذہن فائلوں سے کہیں دور بھٹک رہا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک چپڑاسی فریدی کی میز پر فائل رکھ گیا جس پر اشد ضروری کی سلپ لگی ہوئی تھی۔ فریدی نے دوسرے فائل الگ رکھ دیئے اور نئے آئے ہوئے فائلوں کی ورق گردانی کرنے لگا۔ دفعتاً حمید نے اسے بے تحاشہ چونکتے ہوئے دیکھا۔

"اوہ میرے خدا....!" فریدی کے منہ سے بے اختیار نکلا اور فائل بند کرنے کے بعد سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ وہ خالی نظروں سے حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایسی ویرانی حمید نے اس کی آنکھوں میں پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ اس کے سارے جسم میں خوف کی ٹھنڈی لہر دوڑ گئی۔ قبل اس کے کہ وہ فریدی کو مخاطب کرتا۔ فریدی فائل اٹھا کر تیزی سے باہر نکل گیا۔ پھر حمید نے اسے ڈی آئی جی کے کمرے میں جاتے دیکھا۔ حمید اس کے غیر متوقع رویہ کے متعلق الجھن میں پڑ گیا۔ اس نے کبھی فریدی کو اتنے تحیر کے عالم میں نہیں دیکھا تھا۔ حمید بے چینی سے اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ فریدی واپس آیا تو اس کے چہرے سے فکر مندی کے سارے اثرات دور ہو چکے تھے اور اس کی آنکھوں میں پہلے جیسی خود اعتمادی کی جھلک نمایاں تھی۔

"آؤ چلیں۔" وہ حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ وہ فائل ابھی تک اس کی بغل میں دبا ہوا تھا۔

"کہاں؟ اور یہ فائل؟"

"ہم گھر چل رہے ہیں۔" فریدی نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ حمید چپ چاپ اس کے پیچھے ہو لیا۔ اس کی الجھن اور بڑھ گئی۔

"میں تمہیں خوش نظر آ رہا ہوں نا....!" فریدی نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے حمید سے پوچھا۔ سوال بڑا عجیب سا تھا۔ بہر حال حمید صرف بے دلی سے سر کو ہلا کر رہ گیا۔ "میں تمہیں کچھ بے وقوف بھی معلوم ہو رہا ہوں گا۔"

"میں اس وقت ہنسنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔" حمید بے زاری سے بولا۔

"افوہ.... میں آج تمہاری زبان سے یہ کیا سن رہا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "کہیں میں خوشی کے مارے عقل مند نہ ہو جاؤں۔"

"آخر آپ بیک بیک چہکنے کیوں لگے؟" حمید نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"مجھے اپنی شکست پر رونا نہیں آتا۔" فریدی نے کہا۔ "کیونکہ وہ میری ہی طرح ہیں۔ اگر ے ہونٹ سور کی تھوتھنی جیسے ہوتے تو میں انہیں کاٹ کر پھینک نہ دیتا۔"

"تو اس وقت تو آپ کسی علامہ دل جلے ادیب کی سی باتیں کر رہے ہیں۔"

"حمید بیٹے میں دنیا کا احمق ترین آدمی ہوں۔"

"کتنی بار دہرایئے گا۔ مجھے یقین ہو گیا ہے۔" حمید نے ہنس کر کہا۔ "لیکن میں اس وقت وجہ پوچھوں گا۔"

"تم پوچھو یا نہ پوچھو....! اس وقت میں اپنی حماقتوں کا قصیدہ پڑھنے کیلئے بے تاب ہوں۔"

"شاید آج آپ نے بھی کچھ شوق فرمایا ہے۔"

"نہیں پیارے میں نشے میں نہیں ہوں، بلکہ اس پیلے عقاب کی حیثیت مجھ پر روشن ہو گئی ہے۔"

"کیا مطلب....!" حمید یک بیک سنجیدہ ہو کر بولا۔

"پیلا عقاب بوہیمیا کے خاندان کے امتیازی نشان ہے۔"

"یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا تھا۔"

"یہ تو مجھے پہلے ہی معلوم تھا۔ لیکن میرے ذہن نے اتنی لمبی جست لگانے سے انکار کر دیا۔ لانکہ جولیا کا ہنگری سے تعلق ہونا اس کے سو فیصدی امکانات پیدا کر رہا تھا۔ مگر انسانی ذہن ہے ٹوکہ کھا ہی گیا۔"

"آخر آپ صاف کیوں نہیں بتاتے۔"

"اس فائل کو دیکھو....!" فریدی نے کہا۔

حمید فائل کھولتے ہی اچھل پڑا۔ اس کی نظریں ایک تصویر اور اس کے نیچے کی تصویر پر جمی ہوئی تھیں۔

"ارے یہ تو جولیا ہے۔" وہ بے ساختہ بولا۔ "مگر.... مگر....!"

"جی نہیں....!" فریدی کے ہونٹوں پر ایک خشک سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "بوہیمیا کی شہزادی بورازیانہ۔"

"مگر یہ تو جج.... جولیا....!" حمید پھر ہکلایا۔

"نہیں جناب بوہیمیا کی شہزادی بورازیانہ۔" فریدی ہونٹ سکیڑ کر بولا۔ "جولیا کو اس کا ہم

شکل بنایا گیا ہے۔ آگے دیکھو اس کے باپ کی تصویر ہے، جو بوہیمیا کا موجودہ حکمران ہے۔"

"میں سمجھ گیا.... بالکل سمجھ گیا۔" حمید بے اختیار چیخ پڑا۔

"کیا سمجھ گیا....؟"

"اصلی شہزادی بورازیانہ کو غائب کر کے اس کی ہم شکل جولیا کو نقلی شہزادی بنایا جائے گا۔"

"یہ تو میں بھی سمجھ گیا ہوں۔" فریدی نے پرخیال انداز میں کہا۔ "لیکن اس میں کئی زبردست گتھیاں ہیں جن کا سلجھانا فی الحال بہت مشکل نظر آتا ہے۔ ٹھہرو جلدی نہ کرو۔ گھر پہنچ کر اطمینان سے گفتگو کریں گے۔ ابھی بہت وقت ہے۔"

❁

گھر پہنچ کر فریدی نے باورچی سے کافی بنانے کو کہا اور غسل کرنے چلا گیا۔ حمید کی جھنجھلاہٹ پھر بڑھ گئی۔ وہ اس موقع پر زیادہ سے زیادہ باتیں کرنا چاہتا تھا۔ آخر اس معاملے کے صاف ہو جانے کے باوجود کون سی گتھیاں باقی رہ جاتی ہیں جن کا سلجھانا فریدی کی دانست میں آسان نہیں۔ فریدی غسل سے فارغ ہو کر ناشتے کی میز پر جم گیا۔ کافی تیار ہو چکی تھی۔ کیتلی سے اٹھنے والی بھاپ کے ساتھ ساتھ اس کی ہلکی ہلکی خوشبو کمرے میں پھیل رہی تھی۔ فریدی نے ایک کپ حمید کے آگے سرکا دیا۔ اس کے انداز سے ایسا ظاہر ہو رہا تھا جیسے اس نے کچھ دیر قبل کوئی اہم بات ادھوری نہیں چھوڑی تھی۔

حمید کا غصہ تیز ہو گیا۔ فریدی اس کی طرف کنکھیوں سے دیکھ کر مسکرا دیا۔

"اب اس دزدیدہ نگاہی میں جان نہیں رہ گئی۔" حمید جل کر بولا۔

"ایسا نہ کہو ورنہ میرا دل ٹوٹ جائے گا۔" فریدی نے خاص رومانی انداز میں کہا۔

"میں کہتا ہوں وہ گتھیاں۔"

"میں پوچھتا ہوں تم نے فائل کا مطالعہ کیا ہے یا نہیں۔"

"کر لیا....!"

"کیا سمجھے....!"

"وہی جو کچھ پہلے کہہ چکا ہوں۔"

"اس کے علاوہ کوئی قابل اعتراض بات۔"

"کوئی نہیں....!" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

"تب تو تم پر ہزار بار پھٹکار....!" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "میں تمہیں اتنا بدھو نہیں سمجھتا تھا۔ آخر تمہارے والدین نے تمہارا نام اُلو کیوں نہیں رکھا۔"

"بدنصیبی ہے آپ کی۔"

"نہیں میں اکثر سنجیدگی سے اس بات پر غور کرتا ہوں کہ تم روز بروز گاؤدی کیوں ہوتے جا رہے ہو۔"

"اس مسئلے پر پھر کبھی غور کر لیجئے گا۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"خیر کافی پیو ورنہ ٹھنڈی ہو جائے گی.... ذرا ادھر سے سگار اٹھا دینا۔"

فریدی نے تھوڑے توقف کے بعد سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "جب کہیں کا کوئی بادشاہ یا حاکم کسی دوسرے ملک جاتا ہے تو اس کے استقبال کی کتنی تیاریاں ہوتی ہیں اور تم نے کبھی کسی مملکت کے وزیر اعظم یا بادشاہ کے متعلق یہ نہیں سنا ہوگا کہ اس نے کسی دوسرے ملک کی حکومت سے یہ استدعا کی ہو کہ اس کی آمد کو راز میں رکھا جائے۔ نہ تو اخبارات میں خبریں شائع ہوں اور نہ ان کی تصاویر، استقبال بھی نہ کیا جائے۔"

"واقعی ایسا کبھی سننے میں نہیں آیا۔" حمید نے کہا۔

"تم نے فائل کا مطالعہ کیا ہی نہیں۔" فریدی اسے گھورتے ہوئے بولا۔ "شروع سے اب تک بورازیانہ کی تصویر دیکھتے رہے۔ نہ جانے کب آدمی بنو گے یار۔ اب میں تمہیں سچ مچ کتوں کے ساتھ باندھنا شروع کر دوں گا۔"

"اس وقت آپ پر اتنی عقلمندی کیوں سوار ہو گئی ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "اپنا بیان جاری رکھئے۔"

"اوہو یہ انداز۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "خیر تم نے فائل کا مطالعہ نہیں کیا۔ بوہیمیا کا بادشاہ اپنی لڑکی سمیت اس طرح ہمارے ملک میں داخل ہو رہا ہے۔ مقصد سیر و سیاحت ہے۔ اس رازداری کے لئے اس نے جو عذر لنگ پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ پریس کے نمائندوں کی بھیڑ بھاڑ سے گھبراتا ہے۔ سیر و سیاحت میں وہ استقبال جیسے رسمی ڈھکوسوں کا قائل نہیں، ایسے موقعوں پر وہ ایک معمولی انسان کی طرح لطف اٹھانا چاہتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" حمید نے کہا۔ "بہتیرے بڑے آدمی یہی چاہتے ہیں۔"

"چاہتے ہوں گے۔" فریدی بجھا ہوا سگار سلگا کر بولا۔ "لیکن بیسویں صدی کے بادشاہوں میں اس کی مثال نہیں ملتی۔"

"مگر دنیا کا ہر انسان چاہے چھوٹا ہو چاہے بڑا ہو بعض اوقات یہی چاہتا ہے کہ وہ دنیا کی ہر دلچسپی میں دل کھول کر آزادی سے حصہ لے سکے۔ ممکن ہے وہ آج کل عام ذہنی سطح پر آ گیا ہو۔" حمید نے کہا۔

"قطعی ناممکن ہے۔ ذہنی سطح اور چیز ہے۔ اسے بعض اوقات خیالات ہی تک محدود رہنا پڑتا ہے۔ بعض مجبوریاں اسے عملی جامہ نہیں پہننے دیتیں۔ بادشاہوں کے ساتھ جان کا خوف بھی تو لگا رہتا ہے۔"

"تو گویا آپ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ بادشاہ بھی نقلی ہے۔"

"میں یہ قطعی ثابت نہیں کرنا چاہتا۔" فریدی نے کہا۔

"اصلی ہو یا نقلی اسے جان کا خوف تو ہونا ہی چاہئے۔"

"دوسری بات....!" حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔

"ممکن ہے اسے اس سازش کا علم ہو گیا ہو۔ اس لئے اس نے احتیاطی اقدام کے طور پر اپنی آمد کو راز میں رکھنے کی استدعا کی ہو۔"

"کوڑی زیادہ دور کی نہیں لائے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "اگر اسے سازش کا علم ہو گیا تھا تو وہ یہاں آیا ہی کیوں اور پھر اس نے یہ استدعا قاہرہ کے دوران قیام کی ہے، وہ اپنے ملک سے روانگی کے بعد قاہرہ میں بھی ٹھہرا ہے اب یہ بتاؤ کہ اس نے یہ استدعا اپنے ملک سے روانگی کے وقت کیوں نہیں کی تھی ہاہا....ہا....!"

"اس سے تو میرے نظریئے کو تقویت پہنچتی ہے۔" حمید میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

"یعنی....!"

"یعنی یہ کہ اسے اس سازش کا علم قاہرہ کے دوران قیام میں ہوا۔"

"تب تو اسے وہیں سے واپس لوٹ جانا چاہئے تھا۔" فریدی نے کہا۔

"تم سچ مچ بعض اوقات بچوں کی سی باتیں کرنے لگ جاتے ہو۔ ارے میاں اگر وہ اس سازش

م ہو جانے کے بعد بھی یہاں آ رہا ہے تو اس سے بڑا پاگل شاید روئے زمین پر نہ مل سکے اور پھر سری بات یہ کہ اگر اس پر سیر و سیاحت کا بھوت اس طرح سوار تھا تو اس نے یہ خواہش کیوں کی کہ اس کے لئے مخصوص انتظامات نہ کئے جائیں۔ ایسی صورت میں تو اسے اپنی حفاظت کے ئے فوج کا ایک پورا دستہ مانگنا چاہئے تھا۔"

حمید سچ مچ چکرا کر رہ گیا۔

فریدی کے دلائل بہت وزنی تھے، لیکن وہ تو بادشاہ کے نقلی ہونے کے متعلق بھی کوئی بات ق کے ساتھ کہنے سے انکار کر چکا تھا۔ پھر آخر اس گورکھ دھندے کا کیا مطلب؟

حمید کو خاموش دیکھ کر فریدی ہنس پڑا۔

"یہ معاملہ اتنا سیدھا سادا نہیں ہے جتنا تم سمجھتے ہو۔" اس نے دوسری پیالی لبریز کرتے ئے کہا۔ "اور پیو ابھی کافی وقت ہے۔"

"کیسا وقت....!" حمید نے کہا۔

"ان کا جہاز یہاں اب چار بج کر پچیس منٹ پر پہنچ رہا ہے۔"

"آج ہی؟" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں....ابھی تین گھنٹے باقی ہیں۔ فکر مت کرو۔"

"تو آپ کیا کریں گے؟"

"پھر وہی احمقوں کی سی باتیں، ارے یہ فائل میرے سپرد کیوں کیا گیا ہے۔"

"تو گویا قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند....!" حمید نے ہونٹ بھینچتے ہوئے کہا۔

"قطعی....!" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "ان کی محافظت ہمارے ہی ذمے آ پڑی ہے۔"

"مگر انہوں نے تو استدعا کی ہے۔"

"کی ہو گی۔" فریدی نے کہا۔ "ہماری حکومت ان کی طرف سے مطمئن نظر نہیں آتی۔"

"کیا کیا قلابازیاں کھائی ہیں....اس کیس نے بھی۔"

"دیکھو ابھی اور کتنی کھاتا ہے۔"

"سچ مچ عقل چکرا گئی ہے۔"

"اگر میں نے پیلے عقاب کو صحیح معنوں میں اہمیت دی ہوتی تو بہتیری گتھیاں اسی وقت سلجھ جاتیں۔"

"وہ کس طرح۔" حمید نے پوچھا۔

"قومی اور خاندانی نشان کی انسائیکلو پیڈیا میں' میں نے اس کے متعلق پہلے ہی دیکھ لیا تھا۔ کاش مجھے یہ بھی معلوم ہوتا کہ بوہیمیا کی آئندہ حکمران لڑکی ہوگی۔ بورازیانہ کا نام میں نے جولیا کی زبانی سنا تھا لیکن نہ جانے کیوں میں نے اسے اہمیت نہ دی۔"

"تعجب ہے کہ آپ اتنا بھی نہیں جانتے تھے۔"

"تو گویا آپ جانتے تھے۔" فریدی نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

"میں بھلا کیا جانتا۔ میں تو ٹھہرا ایک گاؤدی۔"

"اور میں کونن ڈائیل کے مضحکہ خیز جاسوس شرلاک ہومز کی طرح ہمہ داں ہوں، جو آنکھ بند کر کے اور سڑاسا پائپ منہ میں دبا کر ساری دنیا کے حالات بتا دیا کرتا تھا۔"

"پھر بھی آپ کو اتنا تو معلوم ہونا چاہئے تھا۔"

"بوہیمیا جیسے بہتیرے پس ماندہ ملکوں کے متعلق میں بھی کچھ نہیں جانتا۔"

"تب آپ ایک اچھے سراغ رساں نہیں بن سکتے۔" حمید اسے تاؤ دلانے لگا۔

"شکریہ....!" فریدی ہنس کر بولا۔ "اب میں ایک اچھا سراغ رساں بننے کی کوشش کروں گا۔ اچھا بھئی.... اب اٹھو، چلنے سے پہلے ہم تھوڑا سا میک اپ بھی کریں گے۔ کیونکہ وہاں ضرغام کے آدمی ضرور ہوں گے۔"

"مگر افسوس ہے کہ آپ بوہیمیا....!" حمید اٹھتے ہوئے بولا۔

فریدی ہنس پڑا۔

"ہنسنے کی بات نہیں واقعی افسوس معلوم ہوتا ہے۔"

"افسوس تو مجھے بھی ہے جلدی کرو۔"

دونوں نے اپنی شکلیں تبدیل کیں۔ آنکھوں پر تاریک شیشوں کے چشمے لگائے اور ایک ٹیکسی کر کے ہوائی اڈے کی طرف روانہ ہوگئے۔ ابھی ساڑھے تین بجے تھے اور جہاز آنے میں پچیس منٹ کی دیر تھی۔ یہ لوگ سب سے پہلے مسافروں کے کمروں کی طرف گئے جن میں بہت زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔ فریدی متجسسانہ انداز میں ہر ایک کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہ باہر نکل آئے۔

"ابھی تو خیریت نظر آئی ہے۔" فریدی نے کہا اور پھر کچھ سوچنے لگا۔ جہاز کی آمد میں ف پچیس منٹ باقی رہ گئے تھے۔

"کیا وہ کسی خاص ہوائی جہاز سے آرہے ہیں؟" حمید نے پوچھا۔

"نہیں ایک معمولی مسافر بردار جہاز ہے۔ کہہ تو دیا کہ وہ معمولی آدمیوں کی طرح آرہے ہیں۔"

"نہ جانے کیا راز ہے۔"

"جو کچھ بھی ہو ظاہر ہو جائے گا۔" فریدی نے کہا۔ "اور میرا خیال ہے کہ وہ کسی ہوٹل میں ہریں گے۔ حمید صاحب اگر انہیں اس سازش کا علم ہو گیا ہوتا تو کسی ہوٹل میں تو کبھی نہ ٹھہرتے۔"

"بہر حال ان دونوں کی شخصیتیں بھی بڑی پراسرار ہیں۔"

"مسافروں کا استقبال کرنے کے لئے لوگ جمع ہو رہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن ان میں زیادہ تر عورتیں ہی نظر آتی ہیں۔ مردوں میں صرف ہوائی اڈے کے عملہ کے لوگ معلوم ہوتے ہیں۔"

"تو کیا آپ ضرغام یا اس کے ساتھیوں کی تلاش میں ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"شاید....!"

"لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ ان کی آمد سے باخبر ہوں۔ قاہرہ سے اس قسم کی ہدایت یا تدعا کرنے کا مطلب تو یہی ہو سکتا ہے کہ بوہیمیا سے چلتے وقت ان کا پروگرام نہیں تھا۔ ورنہ وہ ں کی استدعا کرتے میرا خیال تو یہی ہے کہ ضرغام وغیرہ اس سے باخبر نہیں۔"

"ممکن ہے۔ تمہارا خیال صحیح ہو۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد ڈچ ایئر لائن کا دیو پیکر مسافر بردار جہاز فضا میں چکر کاٹتا ہوا دکھائی دیا اور پھر نیچے اُتر آیا۔ مسافر اترنے لگے۔ استقبال کرنے والے اور ہوٹلوں کے ایجنٹ بے تحاشہ ان کی طرف دوڑنے لگے۔

بوہیمیا کے بادشاہ کو پہچان لینے میں انہیں کوئی دشواری نہ ہوئی کیونکہ وہ بڑی دیر تک اس کی تصویر کو دیکھتے رہے تھے۔ وہ ایک معمر مگر قوی الجثہ آدمی تھا۔ چہرے پر گھنی اور چڑھی ہوئی مونچھیں تھیں۔ آنکھوں پر ہلکے سرمئی رنگ کی عینک لگائے تھا۔ پیشانی بہت کشادہ تھی اور سر پر سفید رنگ کے گھنگھریالے بال تھے۔ اس کے ساتھ بورازیانہ بھی تھی۔

"خدا کی قسم اس میں اور جولیا میں ذرہ بھر بھی فرق نہیں۔" حمید آہستہ سے بڑبڑایا اور آگے بڑھا۔

شاہ بوہیمیا کے پیچھے ہوٹلوں کے ایجنٹ لگ گئے تھے۔ ایک کہہ رہا تھا صاحب ہوٹل ڈی فرانس، اعلیٰ انتظام، شاندار جگہ، دنیا کے بڑے بڑے لوگ ٹھہرتے ہیں۔ گھر کا سا آرام، ونڈر فل لائف۔"

دوسرا رینک رہا تھا۔ "مے پول ہوٹل بادشاہوں کے ٹھہرنے کی جگہ۔ عظیم الشان کمرے۔"

"تو پھر کیا خیال ہے۔" حمید نے فریدی سے پوچھا۔

"انہیں ہوٹل میں نہ ٹھہرنا چاہئے۔"

"اچھا....!" حمید نے کہا اور خود آگے بڑھ کر ایجنٹوں کی بھیڑ میں گھس گیا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"پرائیویٹ انتظام، ہوٹل سے بڑھ کر شاندار اور آرام دہ شاندار کمرے۔ شاندار پائیں باغ، دل بہلانے کے لئے عظیم الشان لائبریری، اندرونِ خانہ قسم کے سارے کھیل، عمدہ نسل کے بہترین اور سیدھے سادھے کتے، نہانے کے لئے شاندار اور خوبصورت تالاب۔ دنیا بھر کے لذیذ ترین کھانے وغیرہ وغیرہ۔"

فریدی اس کی اس حرکت پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

حمید محسوس کر رہا تھا کہ شاہ بوہیمیا کسی کا نوٹس نہیں لے رہا ہے۔ وہ چپ چاپ جہاز کے ایک آدمی کے ساتھ مسافر خانے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"کیا آپ نے پہلے ہی کوئی انتظام کر لیا ہے۔" حمید نے اس سے پوچھا۔

"نہیں....!"

"تو پھر میرے ساتھ چلئے۔" حمید نے کہا۔ "آپ جیسے باسلیقہ اور شاندار آدمی کے لئے وہی جگہ مناسب رہے گی۔"

وہ کوئی جواب دیئے بغیر چلتا رہا۔ پھر مسافر خانے کے قریب پہنچ کر ہوٹل "ڈی فرانس" کے ایجنٹ سے باتیں کرنے لگا۔ حمید صرف اتنا ہی سن پایا تھا۔ "ہم غسل کرنے کے بعد چلیں گے۔" پھر وہ ایک کمرے میں مڑ گئے، جو بالکل خالی تھا۔ حمید برآمدے میں ٹھہر گیا۔ فریدی تھوڑے ہی فاصلہ پر کسی مسافر سے باتیں کر رہا تھا۔

بوہیمیا کا بادشاہ ٹرنک سے کپڑے نکال کر غسل خانے کی طرف چلا گیا۔ بورازیانہ ایک آرام

ی پر آنکھیں بند کئے ہوئے لیٹی تھی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ ان دونوں میں سر مو فرق نہیں۔ وہی وہی چال ڈھال، کچھ بالوں کی رنگت گہری تھی لیکن اس فرق کو بھی وہی محسوس کر سکتے تھے ہوں نے دونوں کو قریب سے دیکھا ہو اور اس فرق پر خاص طور پر دھیان دیا ہو۔ پیروں کی اوٹ میں بھی تھوڑا سا فرق تھا۔ جولیا کے پیروں کی انگلیاں اس کے پیروں کی انگلیوں سے زیادہ بک اور نازک تھیں۔ لیکن بورازیانہ کے پیر بھی کم حسین نہیں تھے۔ اس نے گرمی کی شدت سے تنگ آکر اپنے اسٹاکنگ اتار دیئے تھے اور مرمر سے تراشی ہوئی پنڈلیوں پر بار بار ہاتھ پھیر رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس کا باپ غسل کر کے نکل آیا۔ اب وہ تیاری کرنے لگی۔ حمید برآمدے میں پڑی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ بورازیانہ غسل خانے میں جا چکی تھی۔ دفعتاً تھوڑی دیر بعد حمید نے ایک چیخ سنی۔ فریدی بھی چونکا۔ وہ تیزی سے اس کمرے میں داخل ہوا۔

"کیا بات ہے۔" اس نے اس کے باپ سے پوچھا، جو غسل خانے کے قریب کھڑا اسے مخاطب کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اندر سے بورازیانہ نے کچھ کہا۔ اس پر اس کے باپ نے بھی کچھ کہا، جو فریدی کی سمجھ میں نہ آسکا۔ البتہ اس نے اس کے چہرے پر کسی قسم کی تشویش کے آثار دیکھے۔

"کیا بات ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"اوہ کوئی بات نہیں.... وہ پھسل کر گر پڑی تھی۔ چوٹ نہیں آئی۔"

تھوڑی دیر بعد بورازیانہ بھی غسل کر کے باہر نکل آئی۔ اب وہ پہلے سے زیادہ نکھر آئی تھی۔ اس کی گردن کی ایک ہلکی سی سلوٹ میں دو چار بال پھنسے ہوئے تھے۔ نہ جانے کیوں حمید کے سینے میں کلبلاہٹ ہونے لگی۔

فریدی اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گھور رہا تھا۔

"خدا کی قسم یہ بورازیانہ نہیں ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"تو اتنی جلدی یہاں....!"

"تم یہیں ٹھہرو....!" فریدی نے کہا اور تیزی سے اٹھ کر دوسری طرف چلا گیا۔ حمید بیٹھا رہا۔ دفعتاً اس کی نظریں بورازیانہ کے پیروں پر پڑیں اور وہ بے اختیار چونک پڑا۔ یہ تو سو فیصدی جولیا کے پیر تھے۔ ویسے سبک اور نازک، حمید کو خوبصورت پیروں سے عشق تھا۔ اگر اسے ایک

بار بھی کہیں خوبصورت پیر نظر آجاتا تو پھر اس کی بناوٹ عرصہ تک اس کے ذہن سے چپکی رہتی تھی اور پھر جولیا کے پیر جنہیں اس نے کئی دنوں تک دیکھا تھا کیسے بھول جاتا۔ اس کا دل بڑی شدت سے دھڑکنے لگا۔ وہ قطعی خاموش تھی۔ بوہیمیا کے بادشاہ نے کئی بار گفتگو کی۔ لیکن وہ صرف نفی یا اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔ ہوٹل ڈی فرانس کا نمائندہ بھی آگیا تھا۔ اس نے اس کا سامان اٹھوانا شروع کیا اور پھر وہ تھوڑی دیر بعد چلے گئے۔ حمید بدستور بیٹھا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے۔ فریدی واپس آیا تو اس کا چہرہ سرخ تھا۔ آنکھیں انگارا ہو رہی تھیں۔ وہ اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے تھوڑی دیر تک کھڑا رہا۔ پھر تیزی سے کمرے میں داخل ہوا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔ فریدی غسل خانہ میں دیکھ رہا تھا۔

"وہ فرش پر پھسل کر گری نہیں تھی۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "یہ دیکھو کسی مرد کے پیر کے نشانات بالکل تازہ ہیں اور یہ.... اوہ.... خون.... کی بوند بخدا وہ اسے لے گئے۔" فریدی نے دوسرے دروازے کو دھکا دیا۔ یہ ایک دوسرا کمرہ تھا، جو باہر سے بند تھا۔ اس نے نیچے جھک کر کوئی چیز اٹھائی۔ یہ سر میں لگانے کا کلپ تھا۔ چمکدار ٹائیلس لگے ہونے کی وجہ سے قدموں کے نشانات نہیں مل سکے۔ البتہ یہاں بھی کئی جگہ خون کی بوندیں ملیں۔ سامنے ایک دروازہ تھا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی آواز نکلی۔ سامنے کی دیوار ٹوٹی ہوئی تھی۔ باہر کی روشنی اندر آرہی تھی۔ یہ کمرہ دیوار ٹوٹنے سے پہلے بالکل تاریک رہا ہوگا کیونکہ اس میں کوئی روشن دان بھی نہیں تھا۔ یہاں پرانا اور ٹوٹا پھوٹا فرنیچر بھرا ہوا تھا۔ فریدی تیزی سے آگے بڑھا اور دیوار کے خلاء سے باہر نکل گیا۔ حمید بھی اس کے ساتھ ہی بڑھا۔

"دوسری چوٹ....!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "یہاں بھی خون ہے۔" اس نے زمین کی طرف اشارہ کیا۔ "اور کسی کار کے پہیوں کے نشانات! وہ لوگ اسے ادھر ہی سے لے گئے۔"

سامنے دور تک جنگل کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا اور وہ ہوائی اڈے کی عمارت کی پشت پر کھڑے تھے۔ پھر انہوں نے کار کے پہیوں کے نشانات پر چلنا شروع کر دیا۔

❁

"مجھے اس وقت خود اپنی ذات سے نفرت محسوس ہو رہی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن بورازیانہ کا باپ اسے پہچان ہی لے گا۔" حمید نے کہا۔

"ناممکن قطعی ناممکن۔" فریدی نے کہا۔

"جولیا کے پیروں کی بناوٹ بورازیانہ کے پیروں سے بالکل مختلف ہے۔" حمید نے کہا۔

"اس چیز نے تو مجھے بھی اتنی جلدی اس نتیجے پر پہنچنے پر مجبور کر دیا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "ان کوئی باپ بیٹی کے پیروں کو اس طرح نہیں دیکھتا جس طرح تم دیکھتے ہو۔ تمہارے دیکھنے جنسیت کو دخل ہے۔ اسی لئے تم اسے اہمیت دیتے ہو.... اور پھر اس نے اسے اس بات کا قع ہی کب دیا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ اس نے میرے جانے کے بعد فوراً ہی اسٹاکنگ پہن لئے ں گے۔"

"پہن تو لئے تھے۔" حمید فکر مندانہ لہجے میں بولا۔ "مجھے تو بورازیانہ کا باپ بھی نقلی ہی لوم ہوتا ہے۔"

فریدی پھر جھک کر زمین کی طرف دیکھنے لگا۔ شاید ایک پہیے میں ہوا کم تھی۔ وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ "یہ نشان دیکھو۔"

"ہاں معلوم تو یہی ہوتا ہے۔" حمید نے کہا۔

کچھ دور چل کر سیاہ اور پختہ سڑک شروع ہو گئی۔

"اگر وہ سڑک پر نکل گئے ہیں تب تو یہاں آنا ہی بے سود رہا۔" حمید نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

فریدی زمین پر بیٹھ کر سڑک کو انگلی سے ٹٹولنے لگا۔ "قطعی بے سود نہیں رہا۔ حمید صاحب۔" وہ سڑک کے پار ادھر اُدھر دیکھتا ہوا بولا۔ "وہ سڑک پر ہی ہو لئے ہیں کیونکہ دوسری طرف نشانات نہیں۔ دن بھر کی تیز دھوپ میں سڑک کا کولتار پگھل کر نرم ہو گیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"تو آپ سڑک پر نشانات ڈھونڈیں گے۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔ "اس طرح تو آپ کو بیلگڑوں نشانات مل جائیں گے۔"

"یہ نہ بھولو کہ مطلوبہ موٹر کے ایک پہیے میں ہوا کم تھی اور شائد وہ پچھلا پہیہ تھا۔ اس نے خاص قسم کا نشان ڈالا تھا۔ میرے خیال سے اس میں اتنی ہوا کم تھی کہ اس کا ریم زمین سے لگ رہا تھا۔" فریدی جھک کر دیکھنے لگا۔

حمید نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"موٹر یہاں سے مڑی ہے۔ اچھا اس نشان کو دیکھو۔ ان دونوں میں کچھ فرق معلوم ہوتا ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"یہ نشان اسی پہیے کا ہے جس میں ہوا کم تھی۔ بس چپ چاپ چلے آؤ.... خواہ وہ ہونولولو تک ہی کیوں نہ لے جائے۔"

"اس طرح کب تک چلتے رہیں گے۔" حمید منہ بنا کر بولا۔

"اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو زیادہ دور تک نہ جانا پڑے گا۔" فریدی نے کہا۔ تھوڑی دور کے بعد وہ لوگ محکمہ جنگلات کے قریب پہنچ گئے۔ یہاں سے فریدی نے کسی کو فون کیا۔

"کس سے بات کی ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ڈی۔ آئی۔ جی صاحب سے۔"

"اس کیس کے متعلق....!" حمید نے پوچھا۔

"ہاں.... وہ تو فائل ملنے کے بعد ہی میں نے ان سے اپنے شبہے کا اظہار کر دیا تھا اور اس وقت میں نے انہیں نئے لیکن متوقع حادثے کی خبر دے دی ہے۔ چوکی سے نکل کر وہ پھر نشانات پر پڑے۔ ابھی کچھ کچھ دھوپ باقی تھی لیکن اس میں سرخی پیدا ہو چکی تھی۔

"اب اندھیرے میں کہاں بھٹکتے پھریں گے۔" حمید نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ میرے مینٹل میں ایک چھوٹی سی ٹارچ پڑی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اگر مقابلہ کی نوبت آ گئی تو۔"

"مقابلہ کریں گے۔" فریدی نے لاپرواہی سے کہا۔

"ریوالور....؟" حمید بولا۔

"وہ بھی موجود ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "مجھے تو پہلے ہی سے کھٹکا تھا کہ ہوائی اڈے پر ہی نہ کوئی واردات ضرور ہو جائے گی۔"

"وجہ....؟" حمید بولا۔

"بوہیمیا کی بجائے قاہرہ سے ہدایات کا موصول ہونا۔"

"آپ وہی ایک لکیر پیٹ رہے ہیں۔" حمید نے اکتا کر کہا۔

"وہ سب سے زیادہ اہم ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ٹھہرو...." وہ پھر زمین پر جھک گیا۔

"یہاں سے کار یا لاری ادھر کچے راستے پر مڑ گئی۔" اس نے سر اٹھائے بغیر کہا اور پھر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ "حمید صاحب میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ اس علاقے میں صرف دو عمارتیں ہیں۔ ایک تو محکمہ جنگلات کی چوکی اور دوسری یہاں سے تین میل کے فاصلے پر۔" فریدی نے کچے راستے کی طرف ہاتھ اٹھایا۔ "دوسری عمارت بالکل ویران مقام پر ہے۔ جنگ کے زمانے میں وہ فوجی رسد گاہ کے طور پر استعمال ہوتی تھی اور اب شاید ویران پڑی ہے۔ میرے خیال سے اسے کسی تعلقہ دار نے خرید لیا تھا اب وہاں کیا ہے، یہ میں نہیں جانتا۔"

"تو آپ نے پہلے ہی وہاں پر چھاپہ کیوں نہیں مارا۔"

"کہہ تو رہا ہوں کہ وہ محض اندازہ تھا۔ لیکن اس وقت یقین آ گیا ہے اور یونہی خواہ مخواہ چھاپہ مار کر کیا کرتا۔ اب اگر بورازیانہ وہاں سے برآمد ہو جاتی ہے تو سارا کام بن جائے گا۔ پہلے میرے پاس ان کے خلاف کوئی واضح ثبوت نہیں تھا اور اب دونوں ہم شکلوں کی موجودگی میں مجھے ان کے خلاف جرم ثابت کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو گی۔" وہ کچے راستے پر چل پڑے تھے۔

"ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جولیا کے بال۔" حمید نے کہا۔

"بالوں کی رنگت....!" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "صاحب زادے ہلکے کتھئی رنگ کے خضاب کے ذریعہ یہ دشواری بھی حل کی جا سکتی ہے۔ جولیا نے بورازیانہ کے بالوں کے رنگ کا خضاب لگا رکھا تھا۔" دونوں پھر خاموش ہو گئے۔ کپکپاتی ہوئی دھوپ اونچے درختوں کی چوٹیوں پر آہستہ آہستہ رینگ رہی تھی اور جنگل انواع و اقسام کے شور سے گونجا ہوا تھا۔ کچے راستے کے دونوں طرف گھنی جھاڑیوں میں جھینگروں نے اپنی ریں ریں، ٹیں ٹیں شروع کر دی تھی۔

وہ تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ انہیں کسی کار کی آواز سنائی دی۔ دونوں جھاڑیوں میں گھس گئے۔ چند لمحوں کے بعد ایک کار گرد اڑاتی ہوئی تیزی سے گزر گئی۔

"تم نے دیکھا....؟" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"بھلا اتنی بڑی چیز کیسے نہ دیکھتا۔ اگر اندھا بھی ہوتا تو کم از کم آواز تو سن ہی لیتا۔ کار پر کون تھا؟ میں غور نہیں کر سکا۔"

"جمشید تھا....!"

"وہی اس کیفے کا مالک....!"

"ہاں اچھا اب آؤلوٹ چلیں۔" فریدی نے کہا اور جھاڑیوں سے نکل آیا۔ وہ جھکا ہوا زمین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر سر اٹھا کر بولا۔

"یہی کار تھی یہ نشان دیکھو۔ مگر شاید واپسی کے لئے بھی اسے جلدی ہی تھی۔ جبھی تو ٹائر نے پہیئیمیں ہوا نہیں بھری تھی۔" وہ دونوں پھر سڑک کی طرف واپس جا رہے تھے۔

"کیوں! کیا معاملہ کل پر چھوڑ دینے کا ارادہ ہے۔" حمید نے کہا۔

"نہیں ابھی اور اسی وقت ورنہ بورازیانہ نہ جانے کہاں جا پہنچے۔" فریدی نے جواب دیا۔

"تو کہاں چلے؟"

"ڈی۔ آئی۔ جی کو فون کروں گا۔ اب اس معاملہ کو جلد از جلد ختم کر دینا چاہئے ورنہ میرے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔"

"فکر نہ کیجئے۔" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔ "ڈاکٹر ضرغام بڑا اچھا سرجن ہے۔"

"فکر کس بات کی اس کی مدد کے بغیر بھی تمہارے ساتھ شادی کر ہی نہ سکوں گا۔"

"خیر اس سلسلے میں کئی بار آپ کی خدمت میں ہمدرد دواخانے کا لٹریچر پیش کر چکا ہوں۔ حمید نے مسکرا کر کہا۔

"اس قسم کے برجستہ جواب پسند آتے ہیں۔" فریدی اس کی پیٹھ پر گھونسہ جما کر بولا۔

وہ محکمہ جنگلات کی چوکی کے قریب پہنچ گئے تھے۔ فریدی نے پھر اندر جا کر فون کیا اور واپس آ گیا۔

"کوئی خاص انتظام....!" حمید نے پوچھا۔

"نہیں صرف پندرہ آدمی۔"

"صرف پندرہ کیوں؟" حمید نے کہا۔ "کیا آپ مجرموں کی صحیح تعداد سے واقف ہیں۔"

"نہیں! لیکن وہ عمارت میری دیکھی ہوئی ہے۔ اس کی پچویشن ایسی ہے کہ اگر سلیقے سے حملہ کیا جائے تو پندرہ ہی کافی ہوں گے۔ زیادہ بھیڑ بھاڑ سے کیا فائدہ۔"

اندھیرا پھیل چکا تھا۔ نو دس بجے سے قبل چاندنی کی توقع بھی نہیں تھی۔ انہوں نے چوکی کے قریب ہی ایک گھنا درخت منتخب کیا اور اس پر چڑھ گئے۔

"آپ کے ساتھ رہ کر بھی بالکل بندروں کی سی زندگی ہو جاتی ہے۔"

"شکر کرو.... بندروں ہی جیسی ہو جاتی ہے۔ ورنہ اس زمانے میں زندگی کہاں ملتی ہے۔"

فریدی ہنس کر بولا۔

"اگر یہیں سے ٹپک پڑوں تو قیامت تک کی زندگی کا مزہ آ جائے۔"

"ارے یار.... تو اپنی جان کو اتنی اہمیت کیوں دیتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "تیرے مر جانے سے زندگی تو فنا ہو گی نہیں۔ پھر خوف کس بات کا۔ بس ذرا زندگی کا ایک مظہر کم ہو جائے گا۔"

"لیکن میں زندگی کے دو چار اور مظاہر بنا لینے سے پہلے نہیں مرنا چاہتا۔"

"خوش فہمی ہے تمہاری.... ورنہ تم میں رکھا ہی کیا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"خیر چھوڑیئے اس بحث کو....!" حمید اکتا کر بولا۔ "مایوسی کی صورت میں زنانہ دواخانے سے ساڑھے تین روپے میں ایک بچہ خرید لوں گا۔"

پھر وہ دونوں کافی دیر تک ادھر اُدھر کی تفریحی باتیں کرتے رہے۔ حمید کے لئے یہ پہلا اتفاق نہیں تھا۔ اس نے بارہا فریدی کو ایسے موقعوں پر ادھر اُدھر کی بے تکی باتیں کرتے سنا تھا۔ اس کا ہمیشہ یہ قاعدہ تھا کہ وہ مجرموں کے گرد اپنا جال بن کر اس طرح مطمئن اور بے تعلق ہو جاتا تھا جیسے اس نے انکے ہتھکڑیاں ہی لگا دی ہوں۔ بہر حال ایسی حالت میں حمید کسی سخت اور خطرناک مقابلے کی توقع ضرور رکھتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد انہیں سڑک پر ایک کار دکھائی دی جس کے اندر کسی نے دیا سلائی جلا کر سگریٹ سلگائی اور اس کی روشنی میں اس کا دھندلا سا چہرہ دکھائی دیا۔

"پہچانا....!" فریدی آہستہ سے بولا۔

"نہیں....!"

"ڈاکٹر ضرغام....!"

پھر حمید نے کار کو کچے راستے پر مڑتے دیکھا۔ تھوڑی دیر تک سناٹے میں انجن کی آواز سنائی دیتی رہی۔ پھر سکوت طاری ہو گیا۔ بہت دور کی جھاڑیوں میں کار کی لائیٹس کا عکس کبھی کبھی چمک اٹھتا تھا۔

"چلو یہ بھی بڑا اچھا ہوا۔" فریدی نے کہا۔ "میں نے تو یہ سمجھا تھا کہ وہ بھی یہیں ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ جمشید اسے اپنی کامیابی کی اطلاع دینے گیا تھا۔" حمید بولا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔ "ابھی تک وہ نہیں آئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ضرغام کی

موجودگی ہی میں ان پر حملہ کر دیا جائے۔" حمید سوچ میں پڑ گیا تھا۔ اس گروہ کی طاقت کا حال اس پر اچھی طرح ظاہر تھا۔ اس کے افراد چالاک بھی تھے اور دلیر بھی۔ دن دہاڑے ہوائی اڈے سے کسی کو اغوا کر کے لے جانا آسان کام نہیں تھا اور اغوا بھی کیسا۔ ایک شکل کو دوسرے ہم شکل سے بدلنا تھا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ محکمہ سراغ رسانی کا ایک آفیسر ان کے کرتوت سے واقف ہو چکا ہے۔ ایسے آدمیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے صرف پندرہ آدمی؟

دفعتاً اس کی نظر فریدی کی طرف اٹھ گئی، جو اپنی چھوٹی سی ٹارچ روشن کر کے ہلا رہا تھا۔ پھر اسے نیچے کچھ دور پر ایک دوسری ٹارچ دکھائی دی۔

"اتر چلو....!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "وہ آ گئے۔"

پھر تھوڑی دیر بعد سترہ آدمیوں کی پارٹی گھنے جنگل میں گھس رہی تھی۔

فریدی نے مختصر راستہ اختیار کیا تھا اور بے دھڑک جھاڑیوں میں گھستا پھر رہا تھا۔ ٹارچ استعمال کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ محض اپنی یادداشت کے سہارے اندھیرے میں اُس پُراسرار عمارت کی طرف بڑھ رہا تھا۔ تقریباً آدھ گھنٹے کی جدوجہد کے بعد وہ لوگ منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ عمارت کافی طویل و عریض تھی اور اس کی بند کھڑکیوں کے دھندلے شیشوں سے روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ فریدی نے دو دو تین تین آدمیوں کو جھاڑیوں میں چھپانا شروع کر دیا۔ ترتیب کچھ ایسی تھی کہ پوری عمارت چاروں طرف سے گھر گئی۔ پھر وہ انہیں ضروری ہدایات دے کر عمارت کی پشت پر آیا۔ چاروں طرف گہرا سناٹا تھا۔ اکثر عمارت کے اندر سے قہقہوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"حمید۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "اوپر چلنا ہے۔ یہ لوریوالور اور کارتوس....!"

"اوپر.... لیکن کیسے؟"

"یہ درخت دیکھ رہے ہو۔ اس کی ایک شاخ چھت پر جھکی ہوئی ہے۔"

حمید نے ایک گہری سانس لی اور درخت کی طرف بڑھنے لگا۔ دوسرے لمحہ میں وہ درخت پر چڑھ رہا تھا۔ فریدی بھی اس کے بعد چڑھنے لگا۔ دونوں بہ آسانی چھت پر اتر گئے۔ چھت بالکل سپاٹ تھی۔ البتہ نچلے صحن کے چاروں طرف دو دو فٹ اونچی دیواریں کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ دونوں رینگتے ہوئے دیوار کے قریب آئے۔ صحن میں جھانک کر دیکھا۔ وسیع صحن میں چاروں

طرف چھوٹی چھوٹی میزیں بچھی ہوئی تھیں جن میں چار چار کی ٹولیوں میں بتیس آدمی بیٹھے ہوئے شراب یا کافی پی رہے تھے۔ ڈاکٹر ضرغام ٹہل رہا تھا۔ ایک آرام کرسی پر بورازیانہ پڑی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر بے چارگی کے اثرات پھیلے ہوئے تھے۔ ضرغام بار بار رک کر اس کی طرف دیکھنے لگتا تھا۔

دفعتاً فریدی نے ایک ہوائی فائر کیا جس کے جواب میں محاصرہ کرنے والوں نے بھی عمارت پر باڑھ مار دی۔ کھڑکیوں کے شیشوں کے ٹوٹنے کی آواز سنائی دی۔

"ڈاکٹر ضرغام....!" فریدی اوپر سے چیخا۔ "تم ہار گئے۔ چپ چاپ خود کو ہمارے حوالے کر دو۔"

یک بیک اندر سے تین چار فائر ہوئے اور صحن میں لگے ہوئے لیمپ چکنا چور ہو گئے۔ پھر ایک طویل کرب ناک اور بتدریج مضمحل ہوتی ہوئی چیخ سنائی دی۔ کسی عورت کی چیخ، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے اس کے سینے میں خنجر اتار دیا ہو۔ فریدی نے اندھا دھند فائر کرنے شروع کر دیئے۔ حمید بھی بڑی مستعدی سے اندھیرے میں فائرنگ کر رہا تھا اور اب نیچے سے بھی فائر ہونے شروع ہو گئے۔ اندر شائد مجرموں نے بھی اپنی رائفلیں سنبھال لی تھیں۔ کبھی کبھی ایک آدھ چیخ بھی سنائی دے جاتی تھی۔ نیچے دروازوں اور کھڑکیوں کے ٹوٹنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ شاید فریدی کے ساتھیوں نے دروازوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ فریدی آہستہ آہستہ نیچے جانے والے زینوں کی طرف رینگنے لگا۔

"یہ خطرناک ہے۔" حمید آہستہ سے بولا۔

"فکر مت کرو.... تم اپنی جگہ پر مستعد رہو اور فائرنگ جاری رکھو۔"

پھر وہ دیکھتے ہی دیکھتے حمید کی نظروں سے غائب ہو گیا اور تھوڑی دیر کے بعد حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اندر بہت ہی شدید قسم کی جنگ چھڑ گئی ہو۔ پے در پے چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ شاید باہر کے لوگ بھی اندر گھس گئے تھے۔ دفعتاً اس نے فریدی کی آواز سنی جو چیخ کر کہہ رہا تھا "اوپر اپنا آدمی ہے۔" حمید بھی رینگ کر زینے کے قریب آ گیا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں اس کی گولی اس کے کسی ساتھی کو نہ لگ جائے۔

متواتر دو گھنٹے تک گولیاں چلتی رہیں۔ پھر یک بیک سناٹا چھا گیا۔ البتہ چیخنے اور کراہنے کی

آوازیں ابھی تک سنائی دے رہی تھیں۔ دفعتاً صحن میں روشنی دکھائی دی۔ فریدی ہاتھ میں ایک پٹرومیکس لیمپ لٹکائے ہوئے باہر آیا۔

"حمید اگر زندہ ہو تو نیچے آجاؤ۔"

اس نے نیچے سے آواز دی۔ لیکن پھر دوسرے ہی لمحے اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ بورازیانہ کی لاش کرسی سے بندھی ہوئی تھی۔

اس کے سینے میں ایک خنجر پیوست تھا اور چہرہ اس قدر بگاڑ دیا گیا تھا کہ خدا کی پناہ۔ حمید نیچے اتر آیا تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ بورازیانہ کے چہرے کا سارا گوشت کاٹ لیا گیا تھا۔

دوسری طرف صحن کے پختہ فرش پر گویا خون کا دریا بہہ رہا تھا۔ بے شمار لاشیں پڑی ہوئی تھیں، جن میں ان کے ساتھیوں کی بھی لاشیں تھیں۔ کچھ تو اب تک سسک اور کراہ رہے تھے۔

فریدی تھوڑی دیر تک بورازیانہ کی لاش کی طرف دیکھتا رہا پھر کمروں کی طرف پلٹ آیا۔ حمید بھی اس کے ساتھ تھا۔ فریدی کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اس کی آنکھیں غم ناک تھیں۔

حمید نے ضرغام کو دیکھا جو فرش پر بندھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔

"اس کے گھونسے نے میرا سر پاش پاش کر دیا تھا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن سامنے والی دیوار نے اس کا ہاتھ توڑ دیا۔" پھر وہ ضرغام کو مخاطب کر کے بولا۔

"کیوں ضرغام.... تم واقعی بہت دلیر ہو اور بہت ذہین بھی، لیکن اسے کیا کیا جائے کہ میرے علاقے میں سازشیں بہت کم بار آور ہوتی ہیں۔" ضرغام کچھ نہیں بولا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اب وہ اپنی ہی بوٹیاں نوچنے کے متعلق غور کر رہا ہو، پھر وہ برآمدے میں آگئے۔ انکے ساتھیوں میں سے صرف آٹھ زندہ بچے تھے۔ سترہ مجرم حراست میں آگئے اور ان میں سے کوئی ایسا نہیں تھا جو زخمی نہ رہا ہو۔ فریدی کے چہرے پر بھی دو تین خراشیں تھیں جن سے خون رس رہا تھا۔

"آپ کے چوٹ کس طرح آئی۔" حمید نے پوچھا۔

"ضرغام کے ناخن۔" فریدی نے کہا۔ "میں تو ہمت ہار چکا تھا۔ خدا کی پناہ۔ اتنا طاقت ور آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔ اگر اس کا ہاتھ نہ ٹوٹتا تو وہ کبھی قابو میں نہ آتا۔ وہ تو کہو میں پھرتی سے ہٹ گیا اور اس کا گھونسہ دیوار پر پڑا.... ورنہ خیر.... اف فوہ.... کتنا خون بہہ

گیا.... اور وہ بے چاری۔"

وہ رات بھاگ دوڑ میں گزر گئی۔ وہاں سے واپسی پر فریدی ہوٹل ڈی فرانس میں پہنچا۔

بوہیمیا کے فرمانروا کو اس حادثے کی خبر سنائی اور وہ ہنس کر کہنے لگا۔ "شاید تم زیادہ پی گئے ہو۔"

اس کی لڑکی جولیا بھی جاگ پڑی تھی اور اس کے رویے پر تو فریدی خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا اور حمید کے سینے میں تو نفرتوں کا جوالا مکھی پھوٹ رہا تھا۔ جولیا نے نہ صرف انہیں پہچاننے سے انکار کر دیا بلکہ ان کے اس خیال کا مضحکہ بھی اڑایا کہ بوہیمیا کی شہزادی بدل دی گئی ہے۔ اس نے دھمکی دی کہ اگر وہ چپ چاپ چلے نہ جائیں گے تو وہ پولیس کو فون کر دے گی کہ دو شرابی ان کے کمروں میں گھس آئے ہیں۔"

تھکن کی وجہ سے اس وقت فریدی کا ذہن کسی آخری فیصلے پر نہ پہنچ سکا۔ لہٰذا وہ ان کی نگرانی کے لئے دو آدمی چھوڑ کر وہاں سے لوٹ آیا۔

دوسرے دن صبح ہی صبح ڈی۔ آئی۔ جی نے فریدی اور حمید کو اپنے بنگلے پر طلب کیا۔

"بھئی اس معاملے کو یہیں ختم کر دو۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے فریدی سے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"بورازیانہ والا معاملہ.... اوپر سے یہی حکم آیا ہے کہ اس مسئلہ پر اب کوئی مزید تحقیق نہ کی جائے۔ البتہ اگر ضرغام کے خلاف کچھ اور چارج لگائے جائیں تو بہتر ہے۔"

"آخر کیوں....!" فریدی نے حیرت سے پوچھا۔

"اب یہ نہ پوچھو....!"

"تو یہ خون کا دریا مفت میں بہایا گیا۔ بورازیانہ کی لاش بھی موجود ہے۔ لیکن اس کی شناخت نہ ہو سکے گی۔"

"خود اس کے باپ نے اسے پہچاننے سے انکار کر دیا ہے۔"

"لیکن میں ثابت کر دوں گا۔" فریدی جھلا کر بولا۔

"ہماری حکومت اس کے لئے تیار نہیں۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"آپ جانتے ہیں کہ میں کوئی کام ادھورا نہیں چھوڑتا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔"

"اگر ٹھیک ہے تو پھر مجھے یہ معلوم کرنے دیجئے کہ ایک باپ نے اپنی بیٹی کو پہچاننے سے کیوں انکار کر دیا۔ اگر چہرہ بگاڑ دیا ہے تو کیا ہوا۔ اس کے دوسرے اعضاء تو صحیح و سالم ہیں۔"

"بھئی اس قصے کو ختم کرو۔ ضرغام کو پھانسی پر چڑھانے کے لئے یہی کیا کم ہے کہ اس نے تین خون کئے جن میں سے ایک گم نام لڑکی بھی ہے۔"

"گمنام لڑکی....!" فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔ "میں یہ ثابت کر سکتا ہوں کہ وہ بورازیانہ ہے۔"

"مجھے یقین ہے۔"

"پھر آخر حکومت کیوں....؟"

"بھئی یہ ایک دوسری حکومت کا راز ہے اور دونوں لڑکیاں غیر ملکی تھیں۔ ضرغام نے جن دیسیوں کا خون بہایا ہے اس کے لئے اس پر مقدمہ چلایا جائے گا اور اگر دوران سماعت خود اسی نے سارا راز اگل دیا تو....!"

"مقدمہ کھلی عدالت میں نہیں ہوگا۔"

"یہ سراسر ظلم ہے۔ دو الگ الگ ملکوں میں بھی انسان ہی بستے ہیں اور ان میں سے کسی کی رگوں میں خون کی بجائے پانی نہیں ہوتا۔"

"امورِ مملکت میں ہم دخل انداز نہیں ہو سکتے۔"

"تو خیر.... پھر میرا استعفیٰ آپ کو آفس میں مل جائے گا۔" فریدی برافروختگی کے عالم میں اٹھتا ہوا بولا۔

"مجھے اسی کا خدشہ تھا۔" ڈی۔ آئی۔ جی مسکرا کر بولا۔ "بیٹھ جاؤ۔ حکومت تم جیسے کام کے آدمی کو بھی نہیں چھوڑ سکتی۔ میں اوپر والوں کو تمہاری افتادِ طبع سے پہلے ہی آگاہ کر چکا ہوں۔ آخر تم استعفیٰ کیوں دینا چاہتے ہو۔"

"تاکہ آزادی کے ساتھ اس راز کا پتہ لگا سکوں۔"

"میں خود تمہیں بتا سکتا ہوں۔ لیکن راز داری کے وعدے کے ساتھ ہی ساتھ تمہیں یہ وعدہ بھی کرنا پڑے گا کہ تم اس کے بعد استعفیٰ نہیں دو گے۔"

فریدی کچھ دیر خاموش رہا پھر آہستہ سے بولا۔

"مجھے منظور ہے۔"

ہی۔ آئی۔ جی تھوڑی دیر تک پر خیال انداز میں فریدی کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ "جولیا ہی ہیما کے تاج کی صحیح وارث ہے۔"

"کس طرح....!" فریدی بے چینی سے پہلو بدل کر بولا۔

"بورازیانہ حقیقتاً شاہ بوہیمیا کی بیٹی نہیں تھی۔ اس نے اسے بیٹی کی طرح پالا تھا۔ جولیا حقیقتاً ن کی بیٹی تھی اور اس کی پرورش ہنگری کے ایک غریب گھرانے میں ہوئی تھی۔ شاہ کو تخت کے بند دشمنوں کی طرف سے خدشہ تھا کہ وہ اس کی بیٹی کو زندہ نہیں رہنے دیں گے لہٰذا اس نے جولیا وشیر خوارگی ہی کے عالم میں ہنگری بھجوا دیا تھا اور اس کی جگہ ایک لاوارث بچی کو دے دی تھی۔ وہ بھی بورازیانہ ہی کہلاتی تھی۔ جوان ہو کر وہ بھی اپنی قوم میں بہت مقبول ہو گئی۔ شاہ کو فکر تھی کہ اب وہ اپنی لڑکی کو کس طرح واپس بلائے۔ اس دوران میں اس کے وہ دشمن بھی ختم ہو چکے تھے جن کی طرف سے اسے خدشہ تھا۔ وہ اس راز کو ظاہر بھی نہیں کرنا چاہتا تھا لہٰذا اس نے یہی تدبیر سوچی کہ جولیا کی شکل تبدیل کر کے اسے بورازیانہ کی شکل میں لایا جائے۔ یہ کام امریکہ میں بھی آسانی سے ہو سکتا تھا لیکن وہاں اس بات کے پھیلنے کا خطرہ تھا۔ اس دوران میں اس کی نظروں سے ڈاکٹر ضرغام کا کوئی مضمون گذرا جس میں اس نے اپریشن کے ذریعے شکل تبدیل کرنے کے امکانات پر بحث کی تھی۔

اس نے اس سلسلہ میں ضرغام سے خط و کتابت کی اور وہ اس پر تیار ہو گیا۔

پروگرام یہ تھا کہ جولیا کو کچھ بتایا نہ جائے۔ اس کی شکل تبدیل کر کے اسے بورازیانہ کے عادت و اطوار اور آداب شاہی سکھائے جائیں۔ جب وہ سب کچھ سیکھ جائے تو اسے اس راز سے آگاہ کیا جائے۔ ورنہ شروع میں خوشی کے مارے اس کے پاگل ہو جانے کے امکانات بھی ہو سکتے تھے۔ بورازیانہ کے متعلق یہ پروگرام تھا کہ اسے جولیا کی پہلی شکل میں لا کر ہنگری بھجوا دیا جائے۔

اسے مار ڈالنے کا ارادہ نہیں تھا۔ وہ اگر وہاں کسی سے اس تبدیلی کا ذکر بھی کرتی تو لوگ اسے پاگل سمجھتے۔ ہنگری والے جنہوں نے جولیا کی پرورش کی تھی شاہی خاندان کے خاص وفادار لوگ میں سے تھے کسی سے اس واقعے کا تذکرہ نہ کرتے اور اگر بورازیانہ انہیں جولیا کی شکل میں مل جاتی تو اسے اپنے پاس رکھنے کی کوشش کرتے اور مشہور کر دیتے کہ کسی اچانک حادثے کی وجہ سے ان کی لڑکی کا یا تو واقعی دماغ خراب ہو گیا ہے یا پھر وہ اچانک غائب ہو جانے کے باعث بازیافت

والدین کے عتاب ڈر سے پاگل بن گئی ہے۔"

فریدی متحیرانہ انداز میں ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میرا خیال ہے۔" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ "قاہرہ سے راز داری کی استدعا کرنے کا یہ مطلب تھا کہ ضرغام نے شاہ کو جولیا کے غائب ہونے کی خبر بھجوادی تھی لیکن اسے توقع تھی کہ وہ اُسے ڈھونڈ نکالے گا اور اسکے مل جانے پر ہی اس نے اسے مطلع کیا ہوگا۔ مگر وہ تار اسے قاہرہ میں نہ مل سکا ہوگا۔ البتہ دوسرے دن یہاں ڈاکٹر ضرغام کو قاہرہ سے ان کی روانگی کا تار ملا ہوگا؟"

"قطعی یہی بات تھی۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے سر ہلا کر کہا۔

فریدی پھر خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے سے گہری سوچ کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔

"ڈاکٹر ضرغام کے دوسرے جرائم کا کیا ہوگا۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے پوچھا۔

"اس کے ساتھیوں نے وہ جگہیں بتا دی ہیں۔ اب موٹر ڈرائیوروں کی لاشیں برآمد کی جائیں گی۔ بہرحال یہ میری زندگی کی پہلی شکست ہے۔"

"شکست کیوں.....!" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔ "اگر حکومت درمیان میں نہ آجاتی تو تم نے سارے عقدے ہی حل کر لئے تھے۔"

"مجھے عقدوں سے زیادہ بے گناہوں کی جانوں کا خیال رہتا ہے۔ وہ غریب لڑکی بھی مفت میں ماری گئی اور اتنا خون فضول بہا اور اس لئے کہ مجرم ایک بادشاہ ہے۔"

اس واقعے کے بعد فریدی عرصے تک غمگین رہا۔

کچھ دنوں کے بعد جولیا اپنے باپ کے ساتھ بوہیمیا واپس چلی گئی۔

اپنے دوران قیام میں اس نے کئی بار فریدی سے ملنے کی کوشش کی تھی لیکن اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 23

قاتل سنگریزے

(مکمل ناول)

پیش لفظ

"قاتل سنگریزے" کو آپ ہر حیثیت سے دلچسپ پائیں گے۔ اس میں تحیر، مزاح، کردار نگاری اور داستان کی دلچسپی سب کچھ موجود ہے۔ ایک کرنل کی موت پُر اسرار حالات میں ہوئی۔ وہ اپنے ریوالور سے کسی پر حملہ کرتا ہے مگر خود مر جاتا ہے۔ لیکن اسے گولی نہیں لگی تھی۔ اس کا بھائی پھول توڑتے وقت چیخ کر گرتا ہے اور مر جاتا ہے۔ پھر بھتیجا اپنی کار میں بیہوش پایا جاتا ہے۔ آسمان سے مردہ پرندوں کی بارش۔ ایک عجیب و غریب جانور کا تذکرہ جس کا نام کوئی نہیں جانتا تھا۔ پُر اسرار آدمی کی داستان جس سے سب خائف رہتے تھے، جو نوجوان لڑکیوں کو اٹھالے جاتا تھا۔ جس نے کرنل سے انتقام لینے کی قسم کھائی تھی۔ فریدی اس ناول میں بہت پر سکون نظر آتا ہے، لیکن وہ خاموشی سے کیا کرتا رہا تھا؟ انکشاف ہوتے ہی آپ چونک پڑیں گے۔ ایک لڑکی تین مرد۔ سارجنٹ حمید نے دل پر جبر کر کے ہاتھ پیر ہلائے تو ایک حماقت کر بیٹھا، لیکن وہ حماقت بھی کام آگئی۔

ابنِ صفی

مرگِ ناگہاں

ڈوبتے ہوئے سورج کی نارنجی شعاعیں پیلی کوٹھی کی اوپری منزل پر پھیلی ہوئی تھیں اور پیلی کوٹھی شہر کی دوسری عظیم الشان عمارتوں سے الگ تھلگ سدا بہار درختوں اور پھولوں کے تختوں سے گھری کھڑی تھی۔ یہ تھی تو دولت گنج ہی کے علاقے میں لیکن شہری آبادی اس سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر تھی۔ اس کے اردگرد کی آبادی کا شمار شہری آبادی میں نہیں ہوتا تھا۔ یہاں زیادہ تر ماہی گیر تھے، جو قریب کے دریا سے اپنی روزی حاصل کرتے تھے۔ دو چار گھر کپڑا بننے والوں کے بھی تھے۔ ان کے علاوہ پیلی کوٹھی کے مالک کرنل جواد کے ملازمین نے بھی اپنے گھر بنالئے تھے۔ اس علاقے کی ساری زمین کرنل جواد ہی کی تھی، جو اس نے برائے نام کرائے پر اٹھا رکھی تھی۔ کرایہ محض اس لئے لیتا تھا کہ زمین پر اس کا قبضہ مالکانہ قائم رہے۔ ورنہ ویسے اس کا مقصد اس زمین کو آباد کرنا تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ ہی ساتھ اُس نے اس بات کا بھی خیال رکھا تھا کہ کوئی ایسا آدمی وہاں آباد نہ ہونے پائے جو اس کے سامنے سر اٹھا سکے۔ اس کی یہ عنایت صرف نچلے ہی طبقے تک محدود تھی۔ بہر حال پیلی کوٹھی کے چاروں طرف بے شمار چھوٹے موٹے کچے پکے مکانات اور جھونپڑے بکھرے ہوئے تھے اور شام کے دھندلکے میں اس بستی میں پیلی کوٹھی نہ جانے کیوں انتہائی پُر اسرار معلوم ہونے لگتی تھی۔

خود کرنل جواد اس سے بھی زیادہ پُر اسرار تھا۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ سے فرصت پانے کے بعد سے اس نے یکے بعد دیگرے آٹھ شادیاں کی تھیں اور وہ سب دو دو تین تین سال کے وقفے سے لاولد ہی مر گئی تھیں۔ اسی بناء پر اس کے بعض بے تکلف دوست اُسے بیوی خور کہنے لگے تھے۔ آٹھ

بیویوں میں سے کسی نے بھی اس کا کوئی وارث نہیں چھوڑا تھا۔ اس لئے اب آخیر عمر میں نزدیک اور دور کے بہتیرے رشتے دار اس کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ اُن میں اس کا سگا بھائی سلیم اور بھتیجا کیپٹن اشرف بھی تھا۔ پہلے وہ دونوں کسی دوسرے شہر میں رہتے تھے لیکن ادھر دو سال سے ان کا قیام پیلی کوٹھی ہی میں تھا۔ ان دونوں کے علاوہ پانچ افراد اور تھے جن میں اس کا بھانجا ڈاکٹر قدیر نمایاں حیثیت رکھتا تھا۔ شہر میں اس کی پریکٹس اچھی خاصی چلتی تھی اور وہ اتنا دولت مند تھا کہ اس نے دو ڈاکٹر ملازم رکھ چھوڑے تھے، جو اس کی عدم موجودگی میں اُس کے مریضوں کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے۔ ڈاکٹر قدیر عموماً گرمیوں کا زمانہ اپنے ماموں کرنل جواد ہی کے ساتھ گذارا کرتا تھا۔ اس کی عمر تیس بتیس کے لگ بھگ تھی لیکن وہ ابھی تک کنوارا تھا۔ عزیزوں میں وہی کرنل جواد سے سب سے زیادہ قریب تھا۔ وہی ایک ایسا تھا جسے کرنل کچھ سمجھتا تھا۔ لڑکیوں میں اُسے اپنی بیوہ سالی بیگم نواز کی لڑکی عالیہ بھی عزیز تھی۔ کرنل جواد کی ایک چچازاد بہن اپنے شوہر سے بگاڑ کر کے اُسی کے ساتھ رہنے لگی تھی۔ اس کے ساتھ اس کا اکلوتا لڑکا نصیر بھی تھا جسے کرنل قطعی پسند نہیں کرتا تھا۔ اُس کے عادات و اطوار اُسے ناپسند تھے۔ وہ کافی خوبصورت تھا اور ہر وقت خود کو بنائے سنوارے رہتا تھا۔ کرنل اُسے عموماً زنخا کے نام سے یاد کرتا تھا۔ بستی کے لوگوں کا خیال تھا کہ وہ سب کرنل کی کثیر دولت کی لالچ میں یہاں جمع ہو گئے تھے اور ان میں سے ہر ایک کرنل کا دل جیتنے کی کوشش کر رہا تھا۔

کرنل جواد کے اعزاء اسے خبطی سمجھتے تھے۔ چڑچڑا تو خیر وہ تھا ہی۔ اس پر عمر کا تقاضا۔ لیکن عمر کی زیادتی نے اس کے جسم پر کوئی خاص اثر نہیں ڈالا تھا۔ جسم کی توانائی کی بناء پر اُس کے سفید بال ایسے ہی معلوم ہوتے تھے جیسے وہ قبل از وقت سفید ہو گئے ہوں۔ ویسے اس کی عمر ستر سال سے کسی طرح کم نہ تھی۔

اس وقت وہ اپنے پائیں باغ میں بیٹھا اپنے داہنے پیر کے تلوے کا وہ زخم دیکھ رہا تھا جو اُسے تقریباً ایک ماہ سے پریشان کئے ہوئے تھا۔ بس ایک دن بیٹھے بٹھائے داہنے پیر کے تلوے میں کھجلی اٹھی جو بڑھتی ہی گئی اور پھر کھجلاتے کھجلاتے دو چار دن بعد زخم ہو گیا تھا۔ کھجلی اتنی شدید اٹھتی تھی کہ وہ بے اختیار اپنا تلوہ ہر اس چیز سے کھجلانے لگتا جو چیز اس کے ہاتھ لگ جاتی تھی۔ ایک دن شیو کرتے وقت کھجلی اٹھی اور اس نے بلیڈ سے کھجلانا شروع کر دیا۔ نتیجے کے طور پر تلوہ

نمبر 7

جگہ سے کٹ گیا۔

ڈاکٹر قدیر اس کا علاج کر رہا تھا۔ بینڈیج وغیرہ بھی وہ خود اپنے ہاتھ ہی سے کرتا تھا لیکن زخم ہی ٹیک نہ بھر سکا تھا۔ جہاں کھجلی اٹھی کرنل جواد پٹیاں کھول ڈالتا اور زخم کو رگڑنے لگتا۔ کبھی سہری کی پٹیوں سے کبھی صوفے سے اور کبھی کسی درخت کے تنے سے۔

آج ڈاکٹر قدیر صبح ہی سے گھر پر موجود نہیں تھا اس لئے خود کرنل ہی پائیں باغ میں بیٹھا ہوا اپنا زخم دھو رہا تھا۔ اس کا سب سے پرانا خادم رفیق پانی ڈال رہا تھا۔

"نہ جانے آج قدیر نے اتنی دیر کہاں لگادی۔" کرنل خود بخود بڑبڑایا۔

"بہت ممکن ہے کہ کوئی خاص قسم کا مریض مل گیا ہو۔" رفیق نے کہا۔

"لیکن اُسے میرا خیال بھی تو رکھنا چاہئے تھا۔" کرنل نے جھنجھلا کر کہا۔

"کپتان صاحب یا نصیر میاں کو بلاؤں۔" رفیق نے کہا۔

"کیپٹن اشرف کہو۔" کرنل منہ بنا کر بولا۔ "یہ لونڈا تو اس طرح اکڑتا پھرتا ہے جیسے کیپٹن نہیں جنرل ہو اور آواز سنئے تو جیسے بلی میاؤں میاؤں کر رہی ہو۔ پریڈ کیا کراتا ہوگا۔ عجیب زمانہ آگیا ہے، ایسے ایسے نازک بدنوں کو فوج میں نوکریاں ملنے لگی ہیں سنا ہے کہ وہ زنخا بھی کمیشن کے چکر میں ہے۔"

"کون....؟"

"اماں.... وہی نصیر، جسے ہلکی سی چپت بھی ماردوں تو کئی دن بخار آجائے۔"

"صاحب ان لوگوں کے طور طریقے تو مجھے بالکل پسند نہیں۔" رفیق نے کہا۔

"ارے بابا تو مجھے کب پسند ہیں۔ سنا ہے کل رات کو نصیر نشے میں تھا۔ اگر میری آنکھ کھل گئی ہوتی تو بتاتا تائیر کو۔ پینے کو دو پگ اور اودھم اتنا مچائیں گے جیسے قرابے صاف کر گئے ہوں۔"

"سرکار مجھے تو ہنسی بھی آرہی تھی اور غصہ بھی۔ آتے ہی عالیہ بی بی کا ہاتھ پکڑ لیا اور جھوم جھوم کر کہنے لگے، تمہارا نام فل فل فلوٹی ہے، مگر عالیہ بی بی نے بھی وہ زوردار تھپڑ رسید کیا ہے کہ پچھلے جنموں کا حال بھی روشن ہو گیا ہوگا۔"

"میں ہوتا تو مارتے مارتے ادھ مرا کر دیتا۔" کرنل نے کہا۔ "ارے ہم بھی پیتے تھے اور بے تحاشہ پیتے تھے۔ مگر کیا مجال کہ زبان میں لغزش ہو جائے۔"

"کیا میں جانتا نہیں۔" رفیق نے کہا اور پھر تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔

"کپتان صاحب بھی پیتے ہیں لیکن میں نے ڈاکٹر صاحب کو آج تک نشے میں نہیں دیکھا۔"

"ارے وہ کیا پئے گا کنجوس مکھی چوس۔" کرنل ہنس کر بولا۔ "لیکن اس ہنسی سے پیار ہی جھلک رہا تھا۔"

"ڈاکٹر صاحب بہت اچھے آدمی ہیں۔"

"ارے وہ سور! تم اُسے اچھا کہتے ہو۔ دیکھتے نہیں مجھ سے برابر سے لڑتا ہے۔"

"وہ تو خود آپ ہی نے انہیں شہہ دے رکھی ہے۔"

"مجھے کھرے آدمی پسند ہیں۔" کرنل نے پیر کو خشک کر کے سامنے والی کرسی پر رکھتے ہوئے کہا۔ "وہ خوشامدی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اور بقیہ سب لوگ میری موت کے منتظر ہیں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

رفیق کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے کرنل کی رائے سے اتفاق ہو لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

پھر کرنل خود ہی تھوڑی دیر کے بعد بڑبڑانے لگا۔ "لیکن انہیں مایوسی ہوگی۔ وہ مجھے نہیں جانتے۔ میں نے وہ وصیت نامہ مرتب کیا ہے کہ اُن کی آنکھیں کھل جائیں گی۔"

رفیق پھر خاموش رہا۔ دفعتاً کرنل اس کے چہرے کو غور سے دیکھنے لگا۔ "پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "تم چالیس سال سے میرے ساتھ ہو۔ میری طبیعت کا اندازہ تم نے بخوبی لگالیا ہوگا۔ اچھا بتاؤ تو میں نے کس قسم کا وصیت نامہ مرتب کیا ہے۔"

"بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں۔" رفیق نے اس کی طرف مرہم اور پٹیاں بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ٹھہرو.... اس طرح کچھ سکون مل رہا ہے۔ مرہم لگاتے ہی پھر کھجلی شروع ہو جائے گی۔" کرنل نے کہا۔ "ان میں سے کسی کو بھی نہیں معلوم کہ میں آج کل کیا کر رہا ہوں۔"

"تو آپ مجھے کیوں بتا رہے ہیں۔"

"اس لئے کہ تم تمام میں ڈھنڈورا پیٹتے پھرو۔" کرنل جھنجھلا کر بولا۔ پھر تھوڑی دیر تک اُسے گھورتے رہنے کے بعد کہنے لگا۔ "مجھے اُن سب سے زیادہ تم پر اعتماد ہے۔ میرا کون سا ایسا راز ہے جو تم نہیں جانتے۔ تمہارے علاوہ میں نے کسی اور کو اپنا ہمدرد سمجھا ہی نہیں۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ

اب میری موت قریب ہے۔"

"آپ نے پھر وہی باتیں کرنی شروع کر دیں۔" رفیق نے آہستہ سے کہا۔ "وہ نہ جانے کب کا مرکھپ گیا ہوگا۔"

"نہیں وہ کبھی نہیں مر سکتا۔ میری موت سے پہلے تو کبھی نہ مر سکے گا۔ وہ خبیث وہ نابکار۔ اُس کے علاوہ اور کون اس سُوَر کی تصویر بنا سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس سُوَر کو یا تو میں پہچانتا ہوں یا وہ خود اس سے واقف ہے۔ مجھے اس کی دھمکی آج تک یاد ہے۔ مجھے آج بھی یاد ہے جب میں نے اُسے ہنٹر سے پیٹا تھا۔ میں اُسے پیٹ رہا تھا اور کسی انجانے خوف سے میری روح لرز رہی تھی۔ یہ دھمکی مجھے اسی کی طرف سے موصول ہوئی ہے سنو! اب یا تو میں ہی مروں گا یا وہ خود۔ جب سے مجھے اُس سُوَر کی تصویر دکھائی دی ہے میں اپنے پاس ہر وقت بھرا ہوا ریوالور رکھتا ہوں۔"

"میں نہیں سمجھتا کہ وہ یہاں کس طرح پہنچے گا۔" رفیق نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔

"تعجب ہے کہ تم اسے دیکھ چکنے کے بعد بھی اس قسم کی باتیں کر رہے ہو۔" کرنل نے کہا۔

"میں جادو وغیرہ کا قائل نہیں ہوں مگر پھر بھی مجھے اس کی شخصیت میں کوئی مافوق الفطرت چیز محسوس ہوتی رہی ہے۔"

دونوں خاموش ہو گئے۔ دھوپ غائب ہو گئی تھی اور اب دھندلکا پھیلنے لگا تھا۔ بستی کے مکانوں سے ہلکا ہلکا دھواں اٹھ رہا تھا اور چراگاہوں سے واپس آنے والے مویشیوں کی گھنٹیاں فضا میں ارتعاش پیدا کئے ہوئے تھیں۔

کرنل کی نظریں اُفق پر جمی ہوئی تھیں جہاں کئی رنگوں کے شوخ لہریئے اُبھر آئے تھے وہ وہاں اسی طرح بیٹھا رہا حتیٰ کہ افق کے رنگ بھی دھندلے پڑ گئے۔ ابھی تک اس کا زخم کھلا ہوا تھا اور رفیق چپ چاپ کھڑا اُسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس دوران میں ایک لفظ بھی نہیں بولا۔ کرنل کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ رفیق اس کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھا۔ کرنل اپنے عادات و اطوار کے اعتبار سے تقریباً خبطی ہی تھا۔ اگر رفیق ایسی حالت میں اسے اپنی طرف مخاطب کرنے کی کوشش کرتا تو وہ بے تحاشہ اس پر برس پڑتا اس لئے خاموش ہی رہ کر خود اس کے چونکنے کا انتظار کرتا رہا۔ کرنل کی عادت تھی کہ وہ اکثر اسی طرح گہری سوچ میں ڈوب جاتا تھا اور اس کی آنکھیں اس طرح ویران ہو جاتی تھیں جیسے وہ بحالت بیداری کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہا تھا اور اگر اسے اس

محویت سے چونکانے کی کوشش کی جاتی تھی تو وہ ضرورت سے زیادہ برافروختہ نظر آنے لگتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد کرنل خود بخود چونکا اور اس کی نظریں پھاٹک کے باہر دھندلکے میں ریگنے لگیں۔ پھر وہ بے تحاشہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"ارے زخم.....!" رفیق بے اختیار بولا اور اس کی نظروں نے کرنل کی نگاہ کا تعاقب کیا۔ باہر اُسے کوئی جانور بھاگتا ہوا دکھائی دیا لیکن اندھیرا ہونے کی وجہ سے وہ اس کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم نہ کر سکا۔

ساتھ ہی کرنل نے ایک زوردار چیخ ماری اور تیزی سے دوڑتا ہوا پھاٹک کے باہر نکل گیا۔ رفیق بھی اس کے پیچھے دوڑا لیکن کرنل کی رفتار تیز تھی۔ وہ اس سے کافی فاصلے پر دوڑ رہا تھا۔ رفیق یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کرنل اس عمر میں بھی اتنا تیز دوڑ سکتا ہے، حالانکہ اس کی عمر ہی کرنل کے ساتھ گذری تھی۔ لیکن اس وقت اسے اس طرح دوڑتے دیکھ کر وہ اپنی حیرت کو کسی طرح نہ دبا سکا۔ خود رفیق بھی بوڑھا تھا اور اب اس میں اتنی سکت نہیں رہ گئی تھی کہ زیادہ تیز چل بھی سکتا۔ لیکن اس وقت وہ اپنی ضعیفی کے خیال کے باوجود بھی حتی الامکان کرنل کے قریب پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

دفعتاً اسے ایک فائر کی آواز سنائی دی اور اس نے کرنل کی چیخ بھی صاف پہچان لی۔ پھر کسی کے گرنے کی آواز آئی۔ رفیق دیوانوں کی طرح چیختا ہوا آواز کی طرف دوڑ رہا تھا۔

پھر دو گھنٹے کے بعد کرنل کے خاندان کے سارے افراد اس کی لاش کے گرد جمع تھے۔ دولت گنج تھانے سے پولیس بھی آ گئی تھی۔ لاش ابھی تک اسی جگہ پڑی ہوئی تھی جہاں کرنل گرا تھا۔

کیپٹن اشرف پولیس انسپکٹر سے کہہ رہا تھا۔ "ہم لوگوں نے فائر کی آواز سنی، پھر پے در پے چیخیں سنائی دیں۔ ہم سب دوڑ کر ادھر آئے تو چچا جان کو اس حال کو پایا۔"

"کیا یہ آپ لوگوں کے ساتھ ہی تھے۔" انسپکٹر نے پوچھا۔

"نہیں پائیں باغ میں بیٹھے اپنے زخم کی مرہم پٹی کر رہے تھے۔"

"ان کے پاس اور کون تھا۔"

"ان کا خادم خصوصی رفیق۔"

"وہ کہاں ہے۔"

"اس کم بخت کو تو ہم بہت دیر سے تلاش کر رہے تھے۔" کیپٹن اشرف کا باپ سلیم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"ان دونوں کے علاوہ اور باغ میں کون تھا۔"

"ہم کچھ نہیں بتا سکتے۔" کیپٹن اشرف نے اپنی آنکھوں پر رومال پھیرتے ہوئے کہا۔ "ہم سب اندر تھے۔"

"آپ کے گھر والوں میں سے کوئی باہر تو نہیں۔"

"ہاں.... میرا بھانجا ڈاکٹر قدیر.....!" سلیم نے کہا۔

"کب سے باہر ہیں۔"

"صبح سے.... غالباً شہر گیا ہوا ہے۔"

"نوکر جو غائب ہو گیا ہے اس کا گھر کہاں ہے۔"

"وہ ہمیشہ بھائی صاحب کے ساتھ ہی رہتا تھا۔" سلیم نے کہا۔

"کیا اُس سے اُن کی کبھی لڑائی ہوئی تھی۔"

"میرے خیال سے تو کبھی نہیں۔" سلیم نے اپنی روہانسی آواز پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "بھائی صاحب اُس پر بہت اعتماد کرتے تھے۔"

"کیا آپ سب نے فائر کی آواز سنی تھی۔"

"ہم نے تو سنی تھی کیپٹن اشرف نے کہا اور پھر وہ بیگم نواز، عالیہ اور اپنی پھوپھی بیگم عارف کی طرف مخاطب ہوا جو تھوڑی دور پر کھڑی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ انہوں نے بھی اس کے بیان کی تائید کی۔ سبھی نے فائر کی آواز صاف سنی تھی۔ چیخوں کے متعلق اُن میں اختلاف تھا۔ کسی کا خیال تھا کہ وہ رفیق کی چیخیں تھیں اور کوئی کہتا تھا کہ وہ خود کرنل جواد چیخ رہا تھا۔

سب انسپکٹر لاش پر جھک گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے سر اٹھا کر کہا۔

"لیکن ان کی موت گولی لگنے سے نہیں ہوئی۔" پھر وہ کرنل کے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور کا جائزہ لینے لگا۔ اس کے ماتھے پر تفکر کی گہری لکیر نمایاں ہو گئی تھیں۔

"کتنے فائروں کی آوازیں سنی گئی تھیں۔" اس نے کیپٹن اشرف سے پوچھا۔

"صرف ایک۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔" اشرف نے کہا اور اپنے گھر والوں کی طرف دیکھنے

لگا۔اس کے اس بیان کی بھی تائید کی گئی۔

"تب تو وہ فائر اسی ریوالور سے ہوا تھا۔" سب انسپکٹر نے ریوالور کی نال کو اپنے ناک کے قریب لے جاتے ہوئے کہا۔ "اس میں سے صرف ایک گولی چلائی گئی ہے اور کچھ دیر قبل۔"

"تو پھر موت کس طرح واقع ہوئی۔" سلیم نے بے تابانہ انداز میں پوچھا۔ "آپ کہتے ہیں کہ ان کے گولی بھی نہیں لگی۔"

"مجھے خود حیرت ہے۔" سب انسپکٹر نے لاش پر ٹارچ سے روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔ پھر وہ یک بیک چونک کر کرنل کے پیروں کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ تلوے میں زخم کیسا۔" اس نے کہا۔

"یہ تو تقریباً ایک ماہ قبل سے تھا۔" کیپٹن اشرف بولا۔

"تو کیا یہ عموماً ننگے پیر ہی چلا کرتے تھے۔"

"جی نہیں.... ابھی آپ سے بتایا نا کہ باغ میں بیٹھے اسی زخم کی مرہم پٹی کر رہے تھے اور ان کا خادم ان کی مدد کر رہا تھا۔"

"کیا وہ زخم کی پٹی خود ہی کیا کرتے تھے۔"

"نہیں! ڈاکٹر قدیر کرتے تھے، لیکن وہ آج صبح ہی سے گھر پر موجود نہیں تھے۔"

"کیا اس سے قبل بھی کبھی انہیں اپنے ہاتھ سے مرہم پٹی کرنی پڑی تھی۔" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"ہمیں اس کا دھیان نہیں۔" سلیم نے کہا۔

"کیا آج یا اس دوران میں کسی سے ان کا جھگڑا ہوا تھا۔"

"میرے خیال سے تو نہیں۔"

"ان کا کوئی دشمن بھی تھا۔"

"یہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔" سلیم بولا۔ "میں تقریباً دو سال سے یہیں مقیم ہوں۔ میں نے انہیں کبھی لڑتے جھگڑتے نہیں دیکھا۔ البتہ وہ اکثر ہم میں سے کسی سے ناراض ہو جایا کرتے تھے۔ عمر کافی تھی اس لئے کچھ چڑچڑے ضرور ہو گئے تھے۔ لیکن ان کا وہ چڑچڑا پن بھی ہم ہی لوگوں تک محدود رہتا تھا۔"

"غائب ہو جانے والے ملازم کا حاضر ہونا ضروری ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ اس کے بعد کچھ رسمی اور قانونی کارروائیاں ہوئیں اور لاش وہاں سے اٹھوا کر تھانے کی طرف روانہ کر دی گئی۔

پھول کا ڈنک

تین دن گذر گئے مگر رفیق کا کچھ پتہ نہ چلا۔ اس دوران میں گھر والوں میں سے کئی نے پیلی کوٹھی سے چلے جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ لیکن پولیس نے انہیں اس وقت تک کے لئے روک دیا جب تک کہ تحقیقات مکمل نہ ہو جائے۔

کرنل کی سالی بیگم نواز خاص طور سے چلے جانے پر مصر تھیں کیونکہ کرنل کے بعد ان کا یہاں ٹھہرنا بعید از مصلحت تھا۔ دوسری طرف وہ اپنی لڑکی عالیہ کی طرف سے بھی متفکر تھیں کیونکہ بیگم عارف کا لڑکا نصیر اُسے ہر وقت گھورتا رہتا تھا۔ کیپٹن اشرف بھی اس میں خاصی دلچسپی لیتا تھا۔ ڈاکٹر قدیر ہی صرف ایسا تھا جو اس کی طرف کبھی توجہ بھی نہیں دیتا تھا۔

کرنل نے باقاعدہ یا بے قاعدہ طور پر کوئی وصیت نامہ نہیں چھوڑا تھا۔ اس لئے قانونی طور پر اس کا جائز وارث کیپٹن اشرف کا باپ سلیم قرار پایا تھا، حالانکہ سلیم بیگم نواز کو روکے رکھنے پر مصر تھا لیکن بیگم نواز بُری طرح الجھی ہوئی تھیں۔ یہاں وہ اگر کرنل کے بعد کسی سے زیادہ بے تکلف تھیں تو وہ ڈاکٹر قدیر تھا۔ وہ بھی آج کل زیادہ تر باہر ہی رہتا تھا۔ حالانکہ کرنل کی طرح سلیم بھی اس کا حقیقی ماموں تھا لیکن وہ سلیم سے زیادہ مانوس نہیں تھا۔ کرنل کی زندگی میں بھی ان دونوں میں بہت ہی کم گفتگو ہوتی تھی۔ البتہ کیپٹن اشرف سے اس کی گاڑھی چھنتی تھی لیکن نہ جانے کیوں آج کل وہ دونوں بھی ایک دوسرے سے کھنچے کھنچے سے رہتے تھے۔

کرنل کی پُراسرار موت کے بعد سے پورے گھر پر ایک عجیب سی ویرانی چھا گئی تھی۔ ہر قسم کے کھیل تماشے بند تھے۔ ڈاکٹر قدیر اور کیپٹن اشرف نے بلیرڈ کھیلنا ترک کر دیا تھا۔ بیگم نواز اور بیگم عارف نے بھولے سے بھی شطرنج کی بساط نہیں بچھائی۔ بہر حال ہر شخص قریب قریب تھوڑا بہت مضمحل ضرور تھا۔ مگر نصیر! اس کے مشاغل میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہ اب بھی شراب کے نشے میں عالیہ کو چھیڑتا رہتا تھا۔ اس کی ماں اس کی ان حرکتوں سے عاجز آ گئی تھی۔ مگر خاموشی

کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ شوہر سے پہلے ہی جھگڑا ہو چکا تھا۔ اب وہ اس سر پھرے لڑکے کو بھی ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔

کیپٹن اشرف نصیر کو کئی بار اس کی حرکتوں پر ڈانٹ چکا تھا۔ عالیہ کے چھیڑنے کے معاملے میں وہ نہ جانے کیوں خاموش رہتا۔ لیکن جب نصیر بھدے اور بے ہنگم سروں میں امریکن لہجے میں کوئی انگریزی گیت چھیڑ دیتا تو کیپٹن اشرف جھلائے بغیر نہ رہتا۔ آج بھی وہ دوپہر کے کھانے کی میز پر اس پر برس رہا تھا۔

"تم آخر اپنی بے ڈھنگی حرکتوں سے باز کیوں نہیں آتے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے تمہیں چچا جان کی اچانک موت سے خوشی ہوئی ہو۔"

"بھلا مجھے کیا غم ہو سکتا ہے۔" نصیر ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "جب کہ مجھے ان کی جائیداد سے ایک حبہ بھی ملنے کی امید نہیں۔"

"نصیر....!" اس کی ماں گرج کر بولی اور ڈاکٹر قدیر مسکرانے لگا۔

"نصیر میاں....!" سلیم نے کہا۔ "میں یہاں تم سب سے بڑا ہوں۔ کم از کم تمہیں میرا لحاظ تو کرنا ہی چاہئے۔"

نصیر نے اپنی پلیٹ ایک جھٹکے کے ساتھ آگے سرکا دی اور اٹھ کر کمرے سے چلا گیا۔

"عجیب لڑکا ہے۔" سلیم نے جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"آپ ہی نے سر چڑھا رکھا ہے۔" بیگم عارف بولیں۔

"بچہ ہے۔" سلیم نے کہا اور کھانے میں مشغول ہو گیا۔

بیگم نواز، عالیہ اور ڈاکٹر قدیر بالکل خاموش تھے۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر رفیق کہاں گیا۔" سلیم نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

"مزے کر رہا ہو گا۔" بیگم نواز نے کہا۔ "پتہ نہیں نمک حرام نے یہ حرکت کیوں کی۔"

"نہیں.... میں اس کے متعلق ایسا نہیں سوچ سکتا۔" سلیم آہستہ سے بولا۔ "وہ بچپن ہی سے ہمارے یہاں رہا ہے۔ وہ کبھی ایسا نہیں کر سکتا۔"

پھر وہ مستفسرانہ انداز میں ڈاکٹر کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں خود بھی یہی سوچتا ہوں۔" ڈاکٹر قدیر نے کہا اور کھانے میں مشغول ہو گیا۔ پھر تھوڑی

بعد سر اٹھائے بغیر بولا۔ "پوسٹ مارٹم کی رپورٹ عجیب و غریب ہے۔"

"کیا....؟" سلیم نے چونک کر نوالہ پلیٹ میں رکھ دیا اور ڈاکٹر قدیر کی طرف دیکھنے لگا۔

"معدے میں زہر کے اثرات نہیں پائے گئے۔" ڈاکٹر قدیر نے کہا۔ لیکن....!" اس نے اپنی نظریں سلیم کے چہرے پر جما دیں۔ "موت زہر سے واقع ہوئی ہے۔"

"زہر....!" سب بیک وقت بولے۔

"خون میں اچانک تیز قسم کا زہر پھیل جانے کی وجہ سے قلب کی حرکت بند ہو گئی۔"

ڈاکٹر قدیر خاموش ہو کر اپنی پلیٹ میں چاول ڈالنے لگا۔ بقیہ لوگ ہاتھ روکے ہوئے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ پیر کے زخم کے ذریعہ جسم میں زہر داخل ہوا۔" قدیر نے آہستہ سے کہا۔ "اور خود میرا بھی یہی خیال ہے۔"

"تو رفیق....!" کیپٹن اشرف کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"خدا ہی بہتر جانے۔" ڈاکٹر قدیر بولا۔

"شاید کسی زہریلی چیز پر پیر پڑ گیا۔" عالیہ نے کہا۔

پھر خاموشی چھا گئی۔

سلیم کے چہرے پر گہری تشویش کے آثار پیدا ہو گئے تھے اور آنکھوں میں دبی سی بے چینی کی جھلک دکھائی دینے لگی تھی۔ وہ کھانا کھانے کے بعد خاموشی سے اٹھ گیا۔ ہر شخص اپنی جگہ پر کچھ نہ کچھ سوچ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد سلیم نے کیپٹن اشرف کو برابر والے کمرے سے آواز دی اور وہ اٹھ کر وہاں چلا گیا۔

سلیم بے تابانہ انداز میں ٹہل رہا تھا۔

"میرے ساتھ آؤ....!" اس نے کہا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا لائبریری میں آیا۔

"بیٹھ جاؤ۔" سلیم نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ کیپٹن اشرف اُسے متحیرانہ انداز میں دیکھ رہا تھا۔

"تم نے سنا.... قدیر کیا کہہ رہا تھا۔" سلیم کیپٹن اشرف کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

اشرف نے اثبات میں سر ہلا دیا اور اس کی آنکھیں ابھی تک سوالیہ انداز میں سلیم کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

"آخر یہ کیسا زخم تھا جو ایک ماہ کے علاج کے باوجود بھی ہرا ہی رہا؟" سلیم نے پوچھا۔

"میں نے تو اسے ایکزیما ہی کی کوئی قسم سمجھتا ہوں۔" کیپٹن اشرف نے کہا۔

سلیم تھوڑی دیر تک اشرف کی طرف دیکھتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ "مجھے قدیر پر اعتماد نہیں ہے۔"

"جی....!" دفعتاً اشرف چونک پڑا۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"زخم کا علاج قدیر ہی کر رہا تھا۔ وہی بینڈیج وغیرہ بھی کرتا تھا اور میرا خیال ہے کہ اُس دن سے قبل کبھی وہ بینڈیج کے وقت باہر نہیں رہا۔"

"تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ چچا جان کی موت میں قدیر کا ہاتھ ہے۔" اشرف اٹھتا ہوا ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

"بیٹھ جاؤ.... بیٹھ جاؤ۔" سلیم نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ "میں نے تم سے زیادہ دنیا دیکھی ہے۔"

"جی....!" اشرف کا لہجہ بدتمیزی سے بھی کچھ آگے بڑھ گیا تھا۔

سلیم اسے گھورنے لگا۔

"تم مجھ سے گفتگو کر رہے ہو۔" اس نے خشک لہجے میں کہا۔

اشرف کچھ نہ بولا۔ وہ ہونٹ سکوڑے کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً وہ سلیم کی طرف مڑا۔

"لیکن یک بیک آپ اس نتیجے پر کیوں پہنچے۔"

"بھائی جان کی وہ دولت جس کا علم کسی کو نہیں۔"

"یعنی....!"

"وہ جواہرات جو وہ افریقہ سے لائے تھے۔"

"لیکن انہوں نے کبھی اس کا تذکرہ نہیں کیا۔" اشرف نے کہا۔

"میں نے آج سے دس سال قبل انہیں دیکھا بھی تھا۔" سلیم آہستہ سے بولا۔ "لیکن اب ان کا کہیں پتہ نہیں۔"

"ممکن ہے چچا جان نے انہیں فروخت کر دیا ہو۔"

"قطعی ناممکن.... اس قسم کی چیزیں اُسی وقت فروخت کی جاتی ہیں جب نقد روپیہ نہ ہو۔"

"بھائی جان کے پاس ہمیشہ نقد روپیہ رہا ہے۔"

"تو پھر آپ قدیر ہی پر کیوں شبہ کر رہے ہیں، رفیق بھی تو غائب ہے اور میرا خیال ہے کہ چچا جان کے سارے معاملات سے واقف بھی تھا۔"

"ابھی بچے ہو۔ اگر رفیق کو بھاگنا ہی ہوتا تو وہ اتنا پیچیدہ راستہ کبھی نہ اختیار کرتا۔ اگر وہ ان ہیروں کی موجودگی سے واقف تھا تو انہیں بہ آسانی چرا کر بھی فرار ہو سکتا تھا۔ بھائی جان کی موت کا خواہاں کیوں ہوتا۔"

"کچھ بھی ہو۔" کیپٹن اشرف نے کہا۔ "میں قدیر کی طرف سے بُرے خیالات نہیں رکھ سکتا۔"

"خیر....!" سلیم نے آہستہ سے کہا۔ "میں نے تمہیں ایک خطرے سے آگاہ کر دیا۔ نہ جانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے میری زندگی کی گھڑیاں بھی پوری ہو رہی ہیں۔"

"واہمہ ہے۔" کیپٹن اشرف اٹھتا ہوا بولا۔

"ٹھہرو....!" سلیم نے بھی اٹھتے ہوئے کہا۔ "میرے ساتھ آؤ۔" پھر وہ دونوں اس کمرے میں آئے جسے کرنل دفتر کے طور پر استعمال کرتا تھا۔

"بیٹھو....!"

اشرف بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر اکتاہٹ اور بیزاری کے ملے جلے اثرات پائے جا رہے تھے۔

سلیم نے صبح کی ڈاک کے بنڈل سے ایک لفافہ نکال کر اشرف کے سامنے ڈال دیا۔

لفافے پر سلیم کا نام اور پتہ تحریر تھا۔ اشرف نے اس کے اندر کا کاغذ نکالا اور پھر اپنے باپ کی طرف دیکھ کر مضحکانہ انداز میں مسکرانے لگا۔

کاغذ پر کسی عجیب و غریب جانور کی تصویر بنی ہوئی تھی جس کا جسم تو سُور کا سا تھا لیکن سر۔ وہ اتنا مضحکہ خیز تھا کہ اشرف اپنی ہنسی نہ روک سکا۔ سر کسی پرندے سے مشابہت رکھتا تھا، جسم پر اسی قسم کی دھاریاں تھیں جیسی چیتے کے جسم پر پائی جاتی ہیں۔

تصویر کے نیچے انگریزی ٹائپ کے حروف میں یہ الفاظ تحریر تھے۔

"میں اس لڑکی کی درد میں ڈوبی ہوئی چیخ نہ سن سکا اس لئے تم پر ہمیشہ نحوست کا سایہ رہے گا اور تمہارے بعد والے بھی میرے انتقام کا شکار ہوں گے۔"

تحریر پر نظر ڈالتے ہی اشرف سنجیدہ ہو گیا۔

"یہ کیا ہے؟" سلیم خود بخود بڑبڑایا۔

"یہ کس نے بھیجا ہے؟" اشرف نے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم۔" سلیم نے سر اٹھائے بغیر کہا۔ "لیکن اس بات پر بھی یقین نہیں آتا کہ کسی نے مجھ سے مذاق کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بھائی جان کو بھی مرنے سے قبل اسی قسم کی کسی الجھن سے دوچار ہونا پڑا ہو۔"

"میں کچھ نہیں سمجھا۔" اشرف نے بے بسی سے کہا۔

"میں کہتا ہوں آخر بھائی جان اس دوران میں ہر وقت اپنے پاس بھرا ہوا ریوالور کیوں رکھے لگے تھے۔"

"اس کے متعلق اکثر میں نے بھی سوچا ہے۔" اشرف نے کہا۔

"اور وہ بھاگ کر باہر کیوں گئے تھے اور انہوں نے کس پر فائر کیا تھا۔"

"یہ چیز بھی غور طلب ہے۔" اشرف پر تشویش انداز میں بولا۔ "خیر تو میں اس خط کو دولت گنج کے تھانے میں پہنچائے دیتا ہوں۔"

"نہیں.... میں خود ہی انسپکٹر سے ملوں گا۔" سلیم نے اشرف کے ہاتھ سے لفافہ لے کر پھر دوسرے خطوط کے درمیان رکھ دیا۔

"لیکن قدیر....!" اشرف کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"میں اس کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔" سلیم نے کہا۔

"آپ نصیر کے متعلق کیوں نہیں سوچتے جبکہ اس تحریر کی روشنی میں اس کی سازش کے امکانات موجود ہیں۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"ابھی آپ اس کا امکان بھی ظاہر کر چکے ہیں کہ چچا جان کو بھی اس قسم کا کوئی خط ملا ہوگا۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ چچا جان نے کبھی اُسے عالیہ کو چھیڑنے پر لعنت ملامت کی ہو اور اسے اس پر غصہ آ گیا ہو۔ اس تحریر میں بھی کسی لڑکی کا تذکرہ موجود ہے اور آپ اس جملے کا مطلب بھی بخوبی سمجھتے ہوں گے۔ بیگم نواز یہاں سے کبھی کی چلی گئی ہوتیں، لیکن پولیس نے ہر ایک کی نقل و حرکت پر پابندی لگا دی ہے۔ وہ چچا جان کی زندگی میں ہی جانے کے لئے تیار تھیں۔"

"خدا جانے....!" سلیم اکتا کر بولا۔ "لیکن مجھے نصیر اتنا ذہین نہیں معلوم ہوتا۔ بدتمیز ضرور ہے لیکن میں نہیں سمجھتا کہ وہ اتنی سی بات پر خون کر دینے پر آمادہ ہو جائے۔ عالیہ کے مسئلہ پر میں بھی دو ایک بار اُسے ڈانٹ چکا ہوں۔"

"نصیر اور صرف نصیر....!" اشرف آہستہ سے بڑبڑایا۔

"لیکن پھر جواہرات کہاں گئے۔"

"بہر حال میں بھی اس خط کو محض مذاق سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔ اس کے پیچھے کوئی گہری سازش کام کر رہی ہے۔" اشرف نے کہا۔

سلیم نے میز کی دراز سے ایک ریوالور نکال کر اپنی جیب میں ڈال لیا۔

سلیم دن بھر اکتایا اکتایا سا نظر آتا رہا۔ نصیر سب سے ناراض ہو کر پورٹیکو میں ٹہل رہا تھا۔ ڈاکٹر قدیر حسب معمول کھانا کھا کر شہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد پورٹیکو میں نصیر کی ماں بیگم عارف بھی دکھائی دی۔ دونوں آہستہ آہستہ کچھ باتیں کر رہے تھے۔ نصیر کی حرکات و سکنات سے غصہ ظاہر ہو رہا تھا۔ کبھی کبھی اس کی آواز بلند بھی ہو جاتی تھی۔ بیگم عارف نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے شاید اندر لے جانا چاہا لیکن اس نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ پھر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اور پھولوں کی کیاریاں پھلانگتا مہندی کی قد آدم باڑھ کے پیچھے غائب ہو گیا۔

بیگم عارف چند لمحے کھڑی بسورتی رہی پھر وہ بھی اندر چلی گئی۔

گرمیوں کی دوپہر تھی۔ دھوپ میں تیزی ضرور تھی، لیکن ہوا گرم نہیں تھی۔ پھر بھی کھانا کھا چکنے کے بعد وہ سب تقریباً اونگھنے لگے تھے۔ ان میں سے کچھ سو گئے اور کچھ اونگھتے رہے۔ بیگم عارف اور بیگم نواز نصیر کے رویئے پر لڑ جھگڑ کو سو گئی تھیں۔ عالیہ اپنے کمرے میں کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔

تین بجے ڈاکٹر قدیر خلاف توقع واپس آ گیا۔ نصیر تو اسی وقت سے غائب تھا اور اشرف شائد دولت گنج کے تھانے کی طرف نکل گیا تھا۔

چار بجے دفعتاً پائیں باغ میں شور سنائی دیا۔

اور پیلی کوٹھی والوں کو ایک دوسرے حادثے کے لئے تیار ہو جانا پڑا۔ سلیم عقیق البحر کی کیاریوں کے قریب پڑا کراہ رہا تھا۔

"کیا ہوا....!" قدیر بے تحاشہ اس پر جھکتا ہوا بولا۔

"اشرف.... اشرف.... بیٹے۔" سلیم کربناک انداز میں چیخا۔ "وہی سور.... وہی سور۔"

"کیا ہوا....!" قدیر نے اُسے پھر جھنجھوڑا اور سلیم کی پتھرائی ہوئی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگی۔

"اشرف....!" وہ پھر چیخا۔

اتنے میں اشرف پھاٹک میں داخل ہوا۔ کیاریوں کے قریب بھیڑ دیکھ کر وہ بے تحاشہ دوڑا۔

"ارے یہ کیا ہوا....؟"

"اشرف....!" سلیم پھر چیخا۔ وہ اپنی ایک انگلی اس طرح دبائے ہوئے تھا جیسے کانٹا لگ گیا ہو۔

"یہ کیا ہوا....!" اشرف اُسے اٹھانے کے لئے جھک گیا۔

"بیٹے....!" سلیم اشرف کی آغوش میں چیخا اور تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔

"ارے یہ کیا ہوا۔" اشرف لاش سمیت دھڑام سے زمین پر آ رہا؟ وہ بیہوش ہو چکا تھا۔ عورتیں بُری طرح چیخ رہی تھیں۔

ڈاکٹر قدیر نے بدقت تمام بیہوش اشرف کو سلیم کی لاش سے الگ کیا۔

تھوڑی دیر بعد پولیس آ گئی اور اس بار خانہ تلاشی ہوئی کیونکہ ڈاکٹر قدیر نے اس موت کو کسی سریع الاثر زہر کا نتیجہ قرار دے دیا تھا۔ مرنے والے کے ناخن پیلے پڑ گئے تھے اور اس کے منہ سے ہرے رنگ کا رقیق مادہ بہہ رہا تھا۔

ان کیاریوں میں دیکھ بھال کرنے پر پولیس کو وہاں ایک بھرا ہوا ریوالور پڑا ملا جس سے ایک بھی گولی نہیں چلائی گئی تھی۔ اشرف نے اس ریوالور کی شناخت کرتے ہوئے وہ عجیب و غریب پولیس کے حوالے کر دیا، جو آج صبح ڈاک سے اس کے باپ کو موصول ہوا تھا۔

اس دن نصیر بہت رات گئے واپس آیا اور نہ جانے کیوں وہ اس موت پر بے اختیار رو پڑا حالانکہ کرنل کی موت پر اس کی آنکھیں بھیگی تک نہیں تھیں۔

وہ جانور

صبح بہت خوشگوار تھی، ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا۔ سرجنٹ حمید فریدی کی کوٹھی کے عقبی پارک میں دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے کھڑا تھا۔ چہرہ بھی اوپر ہی کی طرف اٹھا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ایڑیاں اٹھائے بغیر اپنا جسم آہستہ آہستہ اوپر کی طرف تان رہا ہو۔ ماتھے کی رگیں پھول آئی تھیں اور چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ ایک ننھا منا سا فاکس ٹیریئر اس کے پیروں سے لگا ہوا ان سے اپنا جسم رگڑ رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ بھونکتا ہوا اس کے گرد چکر لگا کر اس کی پتلون کا پائنچہ کھینچنے لگتا۔

"ہوں۔ ہوں۔"

کتے نے پھر اس کا پائنچہ کھینچا۔

"ابے ہٹ....!" حمید بدستور ہاتھ اٹھائے بولا۔

اب کی کتے نے جست لگائی اور اس کے سینے تک آ گیا۔ حمید اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

"ارے.... تیری.... سُور کے بچے۔" وہ جھلا کر اس کے پیچھے دوڑا۔ کتا کوٹھی کی طرف بھاگ رہا تھا اور حمید اس کے پیچھے تھا۔ دفعتاً فریدی نے اُسے آواز دی جو لائبریری کی کھڑکی سے باہر جھانک رہا تھا۔

حمید اس کی طرف پلٹ آیا۔

"اندر آؤ....!" فریدی نے کہا۔

"پہلے اس لکی کے بچے کی ٹانگیں توڑ دوں۔"

"کیوں خواہ مخواہ اس کے پیچھے پڑے ہو۔"

"خواہ مخواہ....!" حمید بھنا کر بولا۔ "میں ان سارے کتوں کو چن چن کر زہر دے دوں گا۔"

"چلو خیر! تمہیں شاید یہ بھی نہ معلوم ہو کہ کتوں کو کونسا زہر دیا جاتا ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

حمید بھنبھناتا ہوا لائبریری میں چلا گیا۔

"تو کیا آپ رات بھر یہیں بیٹھے رہے۔" حمید نے فریدی کو گھورتے ہوئے کہا۔

فریدی اس وقت بھی وہی کپڑے پہنے ہوئے تھا جو اس نے پچھلی رات کو پہن رکھے تھے اور میز پر رکھا ہوا ایش ٹرے سگار کے جلے ہوئے ٹکڑوں سے پُر تھا۔

"ہاں....!"

"کیوں....!"

"میں آج کل بہت پریشان ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں آپ کی پریشانی کی وجہ دریافت نہیں کروں گا۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔

"کیوں....!"

"اس لئے کہ میں اس سے واقف ہوں۔"

"کیا....؟"

"شہر میں کسی عورت نے کوئی ایسا بچہ جن دیا ہوگا جس کے تین سر ہوں گے۔" حمید نے کہا۔

فریدی بے اختیار مسکرا پڑا۔

"یا پھر کوئی گدھا آدمیوں کی طرح بولنے لگا ہوگا۔" حمید پھر بولا۔

"خیر وہ تو بڑی دیر سے بول رہا ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

حمید کھسیانے انداز میں دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"میں اس لئے پریشان ہوں کہ تم جیسے کاہل آدمی نے آج کل ورزش کیوں شروع کر دی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"میں آج کل ہپناٹزم کی مشق کر رہا ہوں۔" حمید اکڑ کر بولا۔

"اچھا جی!" فریدی آنکھیں پھیلا کر بولا۔

"جناب والا....!" حمید نے قدرے جھک کر کہا۔

"بھلا یہ مشق کس قسم کی تھی، جس میں کتا تمہارا ساتھ دے رہا تھا۔"

"قوت ارادی بڑھتی ہے اس سے۔"

"وہ کس طرح۔"

"ایڑیاں اٹھائے بغیر جسم کو تانتا چلا جاتا ہوں اور یہ محسوس کرتا ہوں جیسے میں آسمان کو چھو رہا ہوں۔"

"بہت اچھے۔" فریدی ہنس پڑا۔

"آپ کے لئے ہر بات مضحکہ خیز ثابت ہو جاتی ہے۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔

"خواہ مخواہ جھک مت مارو۔"

"میں بد دل نہیں ہو سکتا۔ اس مشق کو جاری رکھوں گا۔" حمید نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"

"کیوں....!"

"سب سے پہلے اضطراری افعال پر قابو پانا سیکھو۔" فریدی نے کہا۔ "اب یہی دیکھو.... خواہ مخواہ بیٹھے بیٹھے دونوں ٹانگیں ہلا رہے ہو۔ اس سے فائدہ۔ جسم کی ہر وہ حرکت جس سے انرجی ضائع ہوتی ہو ذہن کو یکسوئی نہیں دے سکتی۔ ہپناٹزم کے لئے ذہن اور جسم کی ہم آہنگی ضروری ہے۔ تمہارا ذہن تمہارے جسم کی اس حرکت سے قطعی بے تعلق ہے، مگر میں کہتا ہوں کہ یک بیک تم پر اس کا بھوت کیوں سوار ہو گیا۔"

"آپ میری ہر بات کو خبط کیوں قرار دیتے ہیں۔" حمید بگڑ گیا۔

"اس لئے کہ تم کسی معاملے میں مستقل مزاج نہیں ثابت ہوئے۔"

"اس بار ثابت کر دکھاؤں گا۔"

"خیر.... خیر.... تم کسی نیک ارادے کے تحت ایسا نہیں کر رہے ہو۔"

"یعنی....!"

"کسی احمق نے کہہ دیا ہوگا کہ ہپناٹسٹ کی آنکھوں میں بے پناہ کشش پیدا ہو جاتی ہے۔"

"یہ تو مسلمہ ہے۔"

"اور اسی لئے تم پر ہپناٹزم کا خبط سوار ہو رہا ہے۔ تاکہ بوڑھی عورتوں کو اپنی طرف کھینچ سکو۔ کیوں ہے نا یہی بات۔"

"آپ کے سر پر تو ہر وقت عورت سوار رہتی ہے۔" حمید نے فریدی کے لہجے کی نقل اتاری۔

"بہت اچھے۔" فریدی ہنس پڑا۔

"میں یہ پوچھ رہا تھا کہ آخر آپ پچھلی رات سوئے کیوں نہیں۔" حمید نے کہا۔

"میں نے یہی بتانے کے لئے تمہیں آواز دی تھی۔" فریدی بولا۔ "کل تم بیکاری کی شکایت

کر رہے تھے نا۔"

"آئی شامت....!" حمید منہ بنا کر بولا۔

"ڈرو نہیں۔" فریدی نے کہا اور میز کی دراز سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکال کر حمید کیطرف بڑھا دیا۔

حمید اس کاغذ کو دیکھتے ہی پہلے تو ہنسا پھر اس طرح منہ بنانے لگا جیسے رو دینے کا ارادہ کر رہا ہو۔

"کیوں....؟" فریدی نے اُسے اپنی طرف مخاطب کیا۔

"میں ہنسا اس لئے کہ چلو پیچھا چھوٹا اور رویا اس لئے کہ اب چھوٹے چھوٹے بچے آپ پر پتھر چلائیں گے۔" فریدی بے اختیار مسکرا پڑا۔

"یہی وہ تصویر ہے۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "جسے دیکھ کر حاتم طائی نے کہا تھا، ایک بار دیکھا ہے دوسری بار چشمہ لگا کر دیکھنے کی ہوس ہے اور حاتم اس کلمے کو سن کر اتار دیا تھا کہ بحر عرب کی ساری مچھلیاں درختوں پر چڑھ گئی تھیں اور پھر جب تک حمام باد گرد کا پتہ نہیں لگ گیا تھا ماہی گیر درختوں پر پتھر چلا کر اپنی بسر اوقات کرتے رہے تھے.... اور....!"

"شٹ اپ....!"

حمید منہ سکوڑ کر وہ کاغذ واپس کرنے ہی جا رہا تھا کہ رک کر پھر کچھ دیکھنے لگا۔

پھر وہ دانت پر دانت جما کر بولا۔ "ہائے ہائے یہ کس لڑکی کی درد میں ڈوبی ہوئی چیخ ہے۔"

"ادھر لاؤ۔" فریدی نے کاغذ اسکے ہاتھ سے لے کر کہا۔ "اب چپ چاپ یہاں سے چل دو۔"

"آخر اس ناراضگی کی وجہ۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"تم کسی وقت سنجیدہ نہیں رہ سکتے۔"

"تو کیا واقعی یہ سنجیدگی کا موقع تھا۔"

"بکو مت....!"

"کمال کر دیا آپ نے۔" حمید بھنا کر بولا۔ "بے تکے کارٹون دیکھا کر مجھے سنجیدہ رہنے کی تلقین فرماتے ہیں.... کیا سچ مچ۔"

"جی ہاں.... میرا دماغ چل گیا ہے۔" فریدی نے منہ سکوڑ کر کہا۔

پھر خاموشی چھا گئی۔ دونوں ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔ حمید تھوڑی دیر بعد پھر مسکرا دیا۔

"اگر آپ رات بھر مصوری کی مشق کرتے رہنے کے بعد اتنی حسین تصویر بنانے میں

کامیاب ہوئے ہیں تو میں تہہ دل سے آپ کی خدمت میں مبارک باد پیش کرنے کے امکانات پر غور کرنے کا ارادہ کر رہا ہوں۔"

"یہ مذاق نہیں ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

حمید اس کی سنجیدگی دیکھ کر یک بیک چونک پڑا اور اس نے محسوس کیا کہ فریدی سچ مچ سنجیدہ ہے۔ پھر اس کی نظر جواب طلب انداز میں فریدی کے چہرے پر جم گئی۔

"دولت گنج کی عمارت پیلی کوٹھی کے کیس کے متعلق اخبار میں کچھ دیکھا تھا۔" فریدی نے سوال کیا۔

"ہاں.... ہاں.... وہی کرنل شمشاد....!"

"جی نہیں کرنل جواد.... تمہاری یادداشت بڑی مایوس کن ہے۔"

"چلئے.... نام سے شخصیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"پھر پرسوں اس کا بھائی بھی پُر اسرار حالات میں موت کا شکار ہو گیا۔"

"کل کے اخبار میں یہ بھی پڑھا تھا۔" حمید نے کہا۔ "اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اپنی ہی شامت آئے گی۔ لہٰذا شامت آنے سے پہلے ناشتہ تو کر لیجئے۔"

فریدی پھر اسے گھورنے لگا۔

"اس طرح کیوں گھور رہے ہیں۔ میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔"

"تم احمق ہو۔" فریدی نے کہا اور میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ تھوڑی دیر بعد ایک نوکر آیا۔

"چائے یہیں دے جاؤ۔" فریدی نے کہا اور نوکر چلا گیا۔

"یہ کیس دولت گنج کے تھانے سے اپنے یہاں بھیج دیا گیا ہے۔" فریدی اس کاغذ کے ٹکڑے پر نظر جماتے ہوئے بولا۔

حمید کچھ نہ بولا اور کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا۔ سورج طلوع ہو چکا تھا اور باہر نرم نرم گھاس پر پڑے ہوئے نقرئی قطروں سے کئی طرح کے رنگ جھلکنے لگے تھے۔

"اور یہ خط" فریدی حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔ "سلیم کو اسی صبح کو موصول ہوا تھا جس دن اس کی موت واقع ہوئی۔"

"کون ساخط....!" حمید نے پوچھا۔

"یہی....!" فریدی نے کاغذ کے ٹکڑے کی طرف اشارہ کیا۔

"تو آپ نے تفتیش شروع کر دی۔"

"ابھی نہیں.... ابھی تو میں تھا۔ نہ داروں کی رپورٹ پر غور کر رہا ہوں۔"

حمید کچھ سوچنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "کرنل کا کوئی نوکر بھی تو غائب ہو گیا تھا۔"

"ہاں.... اور وہ ابھی تک لاپتہ ہے۔"

"اس تصویر کے نیچے کی تحریر عجیب ہے۔" حمید نے کہا۔

"اور خود اس تصویر کے متعلق کیا خیال ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"یہ تصویر۔" حمید تصویر کو فریدی کے ہاتھ سے لے کر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ پھر تھوڑی دیر تک اس پر نظر جمائے رہنے کے بعد کہنے لگا۔ "میرے خیال سے یہ چڑ چیت سُور کی تصویر ہے۔"

"کیا....؟"

"چڑ چیت سُور۔" حمید محققانہ انداز میں بولا۔ "کیونکہ سر چڑیا جیسا ہے جسم پر چیتے جیسی دھاریاں ہیں اور جسم کی بناوٹ اسے سُور ظاہر کرتی ہے۔ لہٰذا اس کا نام چڑ چیت سُور ہے۔ ٹمبکٹو میں پایا جاتا ہے۔ وہاں کے لوگ اس کی بہت عزت کرتے ہیں۔ اکثر پیارے خالو بھی کہتے ہیں۔ بعض محققین کی رائے ہے خالو نہیں بھالو کہتے ہیں لیکن فاہیان اسے جنبھالو کہنے پر مصر ہے اور ابن بطوطہ نے تو شغالو کہہ کر بمشکل جان بچائی ہے لیکن اس نا ہنجار یعنی حمید ولد وحید ساکن پورٹ سعید کی جان بچتی نظر نہیں آتی۔ الا ماشاء اللہ۔"

"بک چکے....!" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"یقین نہ آئے تو ہدایت نامہ خاوند کا صفحہ ۲، ۳ ملاحظہ فرمایئے۔" حمید اُسی موڈ میں بولا۔ "تمام پرائیویٹ حالات کھول کھول کر لکھ دیئے گئے ہیں۔ اگر فائدہ نہ ہو تو ایمان دھرم سے کہہ دینے پر پوری رقم ہضم....!"

"اب چپ بھی رہو.... ورنہ سر توڑ دوں گا۔" فریدی نے کہا۔

اتنے میں چائے آگئی اور حمید یہ بھی بھول گیا کہ اس نے بات کہاں سے چھوڑی تھی۔ فریدی خاموشی سے ناشتے میں مشغول رہا۔ اس کے ماتھے پر شکنیں پڑی ہوئی تھیں اور آنکھیں کسی گہری سوچ کا پتہ دے رہی تھیں۔

دفعتاً برآمدے میں لگی ہوئی گھنٹی بجی۔

"شاید وہ آگئے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"کون....!" حمید نے پوچھا۔

"ڈاکٹر قدیر.... اور کیپٹن اشرف....!"

"کون ڈاکٹر قدیر.... راجروپ نگر والا۔"

"نہیں کرنل جواد کا بھانجا۔ ہملٹن روڈ پر جس کا دواخانہ ہے۔"

"اچھا وہ! وہ تو کئی بار کتوں کے سلسلے میں یہاں آچکا ہے۔" حمید نے کہا۔

"اور کیپٹن اشرف.... کرنل کا بھتیجا اور وارث ہے۔ لیکن میں اُس سے شخصی طور پر واقف نہیں۔ کل رات کو ڈاکٹر قدیر نے فون پر کہا تھا کہ وہ دونوں مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"تو یہ کیپٹن اشرف شائد اسی شخص کا لڑکا ہے جس کی موت کرنل کے بعد واقع ہوئی۔" حمید نے کہا۔

"بہت دیر میں سمجھے۔"

اتنے میں نوکر دو ملاقاتی کارڈ لے کر آیا۔

"انہیں یہیں لے آؤ۔" فریدی نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر قدیر اور کیپٹن اشرف لائبریری میں داخل ہوئے۔

رسمی گفتگو ہونے کے بعد فریدی نے انہیں ناشتے میں شریک ہونے کی دعوت دی۔

"غالباً آپ لوگ اسی کیس کے سلسلے میں تشریف لائے ہیں۔" ڈاکٹر قدیر سے فریدی نے پوچھا۔

"آپ ٹھیک سمجھے۔" قدیر نے کہا۔

"آپ نہ بھی آتے تو تھوڑی دیر میں ہم ہی آپ تک پہنچتے۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "کیونکہ کیس ہمارے محکمے میں آگیا ہے۔"

"یہ تو بہت اچھا ہوا۔" ڈاکٹر قدیر نے کہا۔ "ورنہ پولیس سے تو کسی قسم کی توقع نہیں۔"

"آپ کا خیال ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ورنہ اس کیس میں تو کچھ بھی نہیں رکھا ہے۔"

قدیر اور اشرف چونک کر فریدی کو غور سے دیکھنے لگے۔

"کیا کرنل کو بھی اس قسم کا کوئی خط ملا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہمیں اس کی اطلاع نہیں۔" کیپٹن اشرف نے قدیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ قدیر نے سر ہلا کر اس کی تائید کی۔

"آپ کے والد کی موت کے وقت انکے قریب کون کون تھا۔" فریدی نے اشرف سے پوچھا۔

"ایک تو میں ہی تھا۔" ڈاکٹر قدیر نے کہا۔ "اور تین عورتیں، پانچ نوکر۔"

"سب یہیں موجود ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"ان کی چیخ سن کر سب سے پہلے اُن کے پاس کون پہنچا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں....!" ڈاکٹر قدیر نے کہا۔

"وہ غالباً اس وقت زندہ ہی تھے؟" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں....!"

"انہوں نے کچھ کہا تھا۔"

"کچھ نہیں.... اشرف کو پکار رہے تھے۔"

"حالت کیا تھی۔"

"انہوں نے اس طرح اپنی ایک انگلی دبا رکھی تھی جیسے کانٹا لگ گیا ہو۔"

"ہوں.... اور پوسٹ مارٹم کی رپورٹ اس موت کو بھی زہر ہی کی وجہ قرار دیتی ہے۔"

فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"جی ہاں....!"

"اور زہر پھیلنے کا ذریعہ غالباً وہ کانٹا قرار دیا گیا ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" ڈاکٹر قدیر بولا۔

"میں نے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی پڑھی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "خیر.... ہاں تو.... اس ملازم رفیق کے علاوہ بھی آپ کسی کو مشتبہ سمجھتے ہیں۔"

"ہمارا شبہ تو اس پر بھی نہیں۔" کیپٹن اشرف نے کہا۔

پھر اس نے رفیق کے متعلق فریدی کو سب کچھ بتا دیا۔

"اچھا اس تصویر کے نیچے والی تحریر پر بھی آپ کچھ روشنی ڈال سکتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"قطعی نہیں...." کیپٹن اشرف بولا۔ "خود والد مرحوم اسے دیکھ کر حیرت میں پڑ گئے تھے۔"

فریدی کچھ اور پوچھنے جا رہا تھا کہ دفعتاً ڈاکٹر قدیر بول پڑا۔

"ٹھہریئے.... اس وقت اب ایک بات اور یاد آ رہی ہے، جو میں اپنے بیان میں لکھوانا بھول گیا تھا۔"

فریدی اُسے جواب طلب نظروں سے دیکھنے لگا۔

"چھوٹے ماموں نے اشرف کو پکار کر یہ بھی کہا تھا.... وہی سور.... وہی سور۔"

"اوہ....!" فریدی کچھ بے چین سا نظر آنے لگا۔ "یہ بہت اہم بات تھی۔"

وہ آہستہ سے بولا۔ "کوئی اور بات۔"

"اور کچھ نہیں.... بس دیکھتے ہی دیکھتے ختم ہو گئے۔"

"اور ان کا پستول عقیق البحر کی کیاری میں ملا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

فریدی کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"بہتر ہے میں گیارہ بجے تک آپکے یہاں آؤں گا۔ گھر کے ہر فرد کی موجودگی ضروری ہے۔"

تھوڑی دیر وہ بعد دونوں اٹھ کر چلے گئے۔

"کیوں بھئی کیا خیال ہے۔" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"ان حضرت کے بیان سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرنے والے کو وہ سُور دکھائی بھی دیا تھا۔"

"معلوم تو یہی ہوتا ہے۔"

"اور آپ اس پر یقین رکھتے ہیں۔"

"میں نے یہ بھی تو نہیں کہا۔ ویسے ڈاکٹر قدیر کے بیان کے انداز سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔"

"ہوگا.... لیکن میں یقین کرنے کیلئے تیار نہیں کہ اس قسم کے کسی سُور کا وجود بھی ہے۔" حمید نے کہا۔

"ٹھیک ہے اس کی کوئی مستقل قسم نہیں ہے لیکن ایک آدھ ایسے بھی ہو سکتے ہیں۔ کیا تم نے چار آنکھوں اور تین سینگوں کے بیل نہیں دیکھے۔"

"بہت دیکھے ہیں لیکن....!"

"فکر کی بات نہیں! فی الحال اس جانور کو زیادہ اہمیت دینے کی ضرورت نہیں۔"

"پھر....!"

"پھر کچھ بھی نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس وقت تم نے پیسٹریاں بہت کم کھائیں۔"

گوشت میں دھواں

فریدی اور حمید کئی گھنٹے سے پیلی کوٹھی میں چھان بین کر رہے تھے۔ نصیر کے علاوہ گھر کے سارے افراد موجود تھے۔ نصیر غالباً صبح ہی سے غائب تھا۔ فریدی نے کرنل کے کاغذات بھی دیکھے۔ اس کی خواب گاہ کا بھی جائزہ لیا۔ پھر کیپٹن اشرف نے فریدی کو بھی بتایا کہ اس نے اپنے باپ کی زبانی کرنل کے کچھ جواہرات کا تذکرہ بھی سنا تھا اور یہ بھی سنا تھا.... کہ وہ غائب ہیں۔ اس نے بتایا کہ وہ خود اس قسم کی کسی چیز سے ذاتی طور پر واقف نہیں تھا۔

"کیا انہوں نے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ جواہرات رکھے کہاں جاتے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں انہوں نے یہ نہیں بتایا۔"

"تو پھر آپ صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ آپ گمشدہ نوکر رفیق کی طرف سے مشکوک ہیں۔"

"والد صاحب کا شبہ اس پر نہیں تھا۔"

"کیا انہوں نے کسی اور پر بھی شبہ ظاہر کیا تھا۔" فریدی نے پوچھا اور پھر اس نے یہ محسوس کیا کہ کیپٹن اشرف کچھ ہچکچا رہا ہے۔

"اس سوال کا جواب بہت ضروری ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اب میں کیا بتاؤں! انہوں نے ایسی بات کہی تھی کہ یہ سمجھ لیجئے....!" کیپٹن اشرف کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"کہئے کہئے۔"

"اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ وہ مجھ پر بھی شبہ کر سکتے تھے۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔" فریدی نے کہا۔ "صاف صاف کہئے نا۔"

"بس یہی سمجھ لیجئے۔"

"لیکن آپ کا لہجہ بتا رہا ہے کہ یہ حقیقت نہیں ہے۔"

اشرف خاموش ہو گیا۔ وہ بے بسی سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس بات کے چھیڑ دینے پر پشیمان ہو۔

"دیکھئے۔" فریدی نرم لہجے میں بولا۔ "جب تک آپ لوگ صاف صاف باتیں نہ بتائیں گے میں کچھ نہ کر سکوں گا۔"

"کس طرح کہوں۔"

"وہ تو بتانا ہی پڑے گا۔" اس بار فریدی کا لہجہ قدرے درشت تھا۔

"انہیں بھائی قدیر پر شبہ تھا۔" اشرف نے آہستہ سے کہا۔

"شبے کی وجہ بھی بتائی تھی انہوں نے۔"

اشرف نے اپنی اور اپنے والد کی وہ ساری گفتگو دہرا دی جو اس کے مرنے سے چند گھنٹے پیشتر ہوئی تھی، لیکن اس نے نصیر کے متعلق کچھ نہ کہا۔ اُس نے یہ نہیں بتایا کہ خود اس کا شبہ نصیر پر تھا۔

بیانات سے فرصت پانے کے بعد فریدی اور حمید پائیں باغ میں آ گئے۔ وہ اسی کیاری کے قریب کھڑے ہوئے تھے جہاں سلیم مرنے سے قبل گرا تھا۔

حمید بھی کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

"کیوں کیا کسی خاص نتیجے پر پہنچ گئے ہو۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"کیا....!"

"حسن چاہے جہاں نظر آئے قابل پرستش ہے۔"

"تو تم اتنی دیر اسی پر غور کرتے رہے۔" فریدی نے منہ بنا کر پوچھا۔

"کیوں کیا اس پر غور کرنا جرم ہے۔"

فریدی کے چہرے سے بیزاری ظاہر ہو رہی تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک کیاری کے قریب کی جھاڑیوں میں دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

"عقیق البحر میں کانٹے نہیں ہوتے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "اور یہ بھی ظاہر ہے کہ کوئی ان کیاریوں میں نہیں چھپ سکتا۔ لامحالہ اُسے جھاڑیوں میں چھپنا پڑا ہو گا۔"

"کسے چھپنا پڑا ہو گا۔" حمید نے پوچھا۔

"وہی جس نے سلیم کی انگلی میں زہر کا انجکشن لگایا تھا۔"

"زہر کا انجکشن....!"

"اور کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ خود بخود اس کے جسم میں زہر پھیل گیا۔" فریدی پر خیال انداز میں بولا۔ "دولت گنج کی پولیس نے بہت دیر کر دی۔"

"تو پھر کیپٹن اشرف کا شبہ بھی ضرور وزن رکھتا ہے۔" حمید نے کہا

"ہو سکتا ہے۔"

فریدی جھاڑیوں میں گھس گیا۔ وہ تھوڑی دیر تک وہاں جھکا ہوا کچھ دیکھتا رہا۔ پھر باہر آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں حمید نے ایک سرخ رنگ کا رومال دیکھا جو اس کا نہیں تھا۔

"یہ رومال....!"

"جھاڑیوں میں تھا۔" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "اشرف نے ڈاکٹر قدیر پر شبہ ظاہر کیا ہے، لیکن حقیقتاً وہ اس شخص کی طرف سے مشکوک معلوم ہوتا ہے، جس کا نام اس نے نصیر بتایا ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" حمید نے کہا۔ "لیکن میں.... میں تو اس بات پر غور کر رہا ہوں کہ کیا سچ مچ مرنے سے پہلے اُسے وہ عجیب و غریب جانور دکھائی دیا تھا۔"

"میں فی الحال اس کے متعلق کچھ نہیں سوچنا چاہتا۔" فریدی نے کہا۔ "ضروری نہیں کہ اُسے وہ سُوَر دکھائی دیا ہو۔"

"پھر وہ سُوَر سُوَر کیوں چیخا تھا۔"

"اس سے یہ تو نہیں ثابت ہوتا کہ اس نے سچ مچ وہ سُوَر دیکھا ہی ہو۔ وہ اپنا جملہ نہیں پورا کر سکا تھا کہ اس کی جان نکل گئی تھی۔ ممکن ہے وہ کچھ اور کہتا۔"

حمید پر خیال انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تمہیں یہ نہ بھولنا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔ "کہ زہر کا انجکشن دینے میں بھی کچھ وقت لگا ہو گا اور سلیم ان جھاڑیوں کے قریب ضرور آیا ہو گا اگر اسے وہ سُوَر دکھائی دیا ہوتا تو وہ دور ہی سے اس پر فائر کرتا۔"

"پھر آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔" حمید بے چینی سے بولا۔

"یہاں بھی سُوَر کی تصویر۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "ممکن ہے ان جھاڑیوں میں اسے سُوَر کی تصویر دکھائی دی ہو اور وہ اسے نکالنے کے لئے یہاں تک آیا ہو اور جھاڑی میں چھپے ہوئے کسی نامعلوم آدمی نے اسی دوران میں اس کی انگلی میں زہر کا انجکشن دے دیا ہو۔"

"آخر آپ انجکشن ہی پر کیوں زور دے رہے ہیں۔"

"وہ یوں کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی یہی بتاتی ہے۔"

"ڈاکٹر قدیر آ رہا ہے۔" حمید بیک بیک آہستہ سے بولا۔

"آنے دو۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور وہ سرخ رومال جیب میں رکھ لیا جو اُسے جھاڑیوں میں ملا تھا۔ ڈاکٹر قدیر اُن کے قریب آ کر رک گیا۔

"نصیر صاحب نہیں آئے۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"اس کا کچھ ٹھیک نہیں معلوم کب آئے۔"

"سلیم صاحب والی پوسٹ مارٹم رپورٹ کے متعلق آپ کو کوئی علم ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں وضاحت کے ساتھ مجھے کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔"

"مثلاً زہر کا انجکشن....!" فریدی اُسے پر خیال انداز میں دیکھتا ہوا بولا۔

"میں نے پہلے ہی اس کا اندازہ لگا لیا تھا۔" قدیر نے کہا۔ "میں خود یہ جانتا ہوں کہ عقیق البحر کے پودوں میں کانٹے نہیں ہوتے۔"

"آپ کے علاوہ گھر میں کوئی اور بھی اس قسم کی رائے رکھتا ہے۔"

"کسی نے اس کا اظہار نہیں کیا....؟" قدیر نے کہا۔

"اب ذرا مجھے یہ بتایئے کہ کرنل صاحب کی لاش کہاں پائی گئی تھی۔" فریدی نے تھوڑے توقف کے بعد کہا۔

قدیر ان کی رہنمائی کرنے لگا اور وہ پھاٹک سے نکل کر تقریباً دو تین سو گز کے فاصلے پر آ کھڑے ہو گئے۔

"غالباً یہاں گرے تھے۔" قدیر نے کہا۔

"آپ تو شائد اس موقع پر موجود نہیں تھے۔" فریدی بولا۔

"ہاں میں شہر میں تھا اور اس وقت واپس آیا تھا جب پولیس چھان بین کر رہی تھی۔"

"خیر.....!" فریدی نے کہا۔ "اچھا تو تھوڑی دیر بعد پھر میں آپ کو تکلیف دوں گا۔" اور ڈاکٹر قدیر کا مطلب سمجھ کر کوٹھی کی طرف لوٹ گیا۔

فریدی بغور زمین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہاں بے شمار سنگریزے بکھرے ہوئے تھے اور اس حصے کی سطح بھی کچھ اونچی تھی۔ فریدی نے جیب سے محدب شیشہ نکالا اور ان سنگریزوں کو اس کی مدد سے دیکھنے لگا۔ پھر سر اٹھا کر حمید سے بولا۔ "کار سے چمڑے کا تھیلا اور واکنگ اسٹک نکال لاؤ۔"

"کیا چہل قدمی کا ارادہ ہے۔"

"جلدی کرو۔" فریدی نے منہ بنا کر کہا۔

دھوپ تیز تھی۔ حمید طرح طرح کے منہ بناتا ہوا چل دیا۔ اس نے ابھی تک فریدی کے چہرے پر وہ آثار نہیں دیکھے تھے جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ وہ اس کیس میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہا ہے۔ حالانکہ یہ کیس بھی نوعیت کے اعتبار سے انتہائی پراسرار معلوم ہو رہا تھا۔

حمید نے کار سے تھیلا نکالا جو کافی وزنی معلوم ہو رہا تھا اور پھر اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے اس میں رکھی ہوئی چیز دیکھی۔ یہ کچے گوشت کے کئی ٹکڑے تھے۔ وہ تھوڑی دیر تک کھڑا انہیں حیرت سے دیکھتا رہا پھر واکنگ اسٹک اٹھا کر فریدی کی طرف چل پڑا۔

"یہ پیشہ زیادہ مناسب رہتا۔" حمید اُس کے آگے تھیلا ڈالتا ہوا بولا اور واکنگ اسٹک بھی اس کی طرف بڑھا دی۔

فریدی گوشت کا ایک ٹکڑا نکال کر اُسے واکنگ اسٹک کے سرے پر باندھنے لگا۔

"کیا آپ بھی مداریوں کی سی حرکتیں کیا کرتے ہیں۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"اگر مزہ نہ آئے تو پیسہ واپس۔" فریدی نے کہا۔ "حالانکہ ہم یہاں بہت دیر میں پہنچے ہیں لیکن دیکھو شاید ابھی کچھ مزہ باقی ہو۔"

فریدی واکنگ اسٹک کے گوشت بندھے ہوئے سرے کو آہستہ آہستہ قرب و جوار کی زمین پر پھیرنے لگا تھا۔

"کاش اس وقت میرے ہاتھ میں ایک ڈگڈگی اور بانسری ہوتی۔" حمید نے کہا اور فریدی ہنس پڑا۔

اگر میں نہ ہوتا تو تم یہی سب کچھ کرتے ہوئے نظر آتے۔" اس نے کہا۔

حمید بظاہر اس کا مضحکہ اڑا رہا تھا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کی حیرت بھی بڑھ رہی تھی۔ وہ اس سے قبل بھی کئی موقعوں پر فریدی کو اس سے زیادہ احمقانہ حرکتیں کرتے دیکھ چکا تھا اور اس کا تجربہ شاہد تھا کہ وہ بعد کو بہت ہی تحیر خیز انجام پر ختم ہو گئی تھیں۔ حمید کے ذہن میں کئی طرح کے خیالات گردش کرتے رہے۔

فریدی نے اس دوران میں بتائی ہوئی جگہ کا چکر لگا ڈالا۔ واکنگ اسٹک سنگریزوں پر پھیل رہی تھی۔

دفعتاً فریدی کے منہ سے ایک آسودگی آمیز آواز نکلی۔ حمید چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ واکنگ اسٹک کے گوشت لگے ہوئے ٹکڑے کو بغور دیکھ رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

"لو میاں حمید.....!" اس نے واکنگ اسٹک اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ان سنگریزوں پر نہایت لذیز قسم کا گوشت پکایا جا سکتا ہے۔"

حمید نے گوشت کے ٹکڑے کی طرف دیکھا۔ ایک پتلی سی دھوئیں کی لکیر اس سے نکل کر فضا میں بل کھا رہی تھی۔

"یہ کیا.....!" حمید کی آنکھیں فرط حیرت سے پھیل گئیں۔

"مداری کے ہاتھ کی صفائی۔ اب بجاؤ ڈگڈگی۔"

"آخر یہ ہے کیا بلا۔" حمید آگے جھک کر دیکھتا ہوا بولا۔

جس جگہ سے دھواں نکل رہا تھا وہاں اُسے سفید رنگ کا ایک ننھا سا سنگریزہ دکھائی دیا۔ فریدی نے جیب سے ایک چھوٹی سی چمٹی نکالی اور سنگریزے کو اُس سے پکڑ کر اپنے پرس میں ڈال لیا۔

"ہمیں یہاں اسی طرح کے اور بھی سنگریزے تلاش کرنے ہیں۔ ورنہ پھر کسی کی جان جائے گی۔" فریدی نے کہا اور زمین پر جھک گیا۔

تقریباً آدھ گھنٹے کی محنت کے بعد ویسے ہی دو تین ذرے اور ملے۔

حمید اس دوران میں اس سے بہت کچھ پوچھتا رہا۔ لیکن فریدی نے اُسے کوئی تشفی بخش جواب نہ دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں پیلی کوٹھی کی طرف جا رہے تھے۔

چار بج چکے تھے اور موسم بھی کچھ اعتدال پر تھا۔ پسینے میں شرابور کر دینے والی تپش سے نجات مل گئی تھی۔ فریدی نے حمید کو کار میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"کیا اندر نہ چلئے گا۔" حمید نے کہا۔

"کیوں....؟" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

"میرا خیال ہے کہ میں نے ابھی ابھی ایک نئی صورت سامنے والی کھڑکی میں دیکھی تھی۔"

"یقیناً وہ کوئی عورت رہی ہوگی۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور اگلی نشست پر بیٹھ کر کار اسٹارٹ کر دی، لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُسے مشین بند کر دینی پڑی۔ ڈاکٹر قدیر پورٹیکو سے اُسے رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ فریدی اس کی طرف دیکھنے لگا۔ ڈاکٹر قدیر تیز قدموں سے آتا دکھائی دیا۔

"فریدی صاحب! ایسی بھی کیا بے مروتی۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "میرے خیال سے ہمارے تعلقات نئے نہیں۔"

"قطعی نہیں! بھلا اس کے اظہار کی کیا ضرورت تھی۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"ہم نے آپ ہی لوگوں کے انتظار میں شام کی چائے نہیں پی۔" قدیر نے کہا۔ "اور آپ ہیں کہ اس طرح چپ چاپ چلے جا رہے ہیں۔"

فریدی اور حمید کار سے اتر آئے۔

ڈرائنگ روم میں گھر کے سارے افراد موجود تھے۔ نصیر بھی واپس آ گیا تھا۔ غالباً حمید نے اسی نئی صورت کے متعلق کہا تھا۔ نصیر کے علاوہ بقیہ لوگوں سے وہ پہلے ہی متعارف ہو چکے تھے۔

فریدی نصیر کو تھوڑی دیر تک متجسس نظروں سے دیکھتا رہا۔ لیکن اس سے کچھ پوچھا نہیں۔ نہ جانے کیوں حمید اُس سے چند سوالات کرنا چاہتا تھا۔ گھر والوں کے بیان کے مطابق انہیں معلوم ہوا تھا کہ نصیر سلیم کی موت پر بے تحاشہ رو دیا تھا جب کہ کرنل کی موت پر اس کے چہرے پر شکن تک نہ آئی تھی۔ حمید اس کے متعلق بہت کچھ سوچ رہا تھا لیکن تھوڑی دیر بعد اس نے سارے خیالات اپنے ذہن سے نکال پھینکے۔ کیونکہ عالیہ ڈاکٹر قدیر سے گفتگو کرتے وقت بڑا دلآویز انداز میں مسکرا رہی تھی۔

دفعتاً فریدی نے وہ رومال نکالا جو اُسے جھاڑیوں میں پڑا ملا تھا اور اُسے میز پر رکھ کر چٹکی سے مسلنے لگا۔ لیکن خود حمید کو بھی یہ محسوس نہ ہو سکا کہ فریدی نے یہ حرکت ارادتاً کی ہے۔ بس!

معلوم ہو رہا تھا جیسے باتوں کی رو میں قطعی غیر ارادی طور پر اُس سے یہ حرکت سرزد ہوئی ہو۔

کیپٹن اشرف فریدی سے کہہ رہا تھا۔ "انسپکٹر صاحب آپ مجھے مشورہ دیجئے کہ میں کیا کروں۔"

فریدی پر خیال انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"پورج لیجئے۔" نصیر نے فریدی کی طرف پلیٹ سرکائی اور پھر دوسرے ہی لمحے میں کچھ چونک سا پڑا۔

"شکریہ.... بس میں شام کو صرف چائے پیتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

اب حمید کو رومال کا خیال آیا اور وہ متجسسانہ نظروں سے نصیر کو دیکھنے لگا۔

"ہاں آپ نے کیا فرمایا تھا۔" فریدی اشرف کی طرف مخاطب ہو گیا۔

"اگر وہ پُر اسرار خط محض مذاق نہیں تھا۔" اشرف بولا۔ "تو پھر مجھے بھی مرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔"

"کیوں....؟"

"اس میں بعد والوں کے لئے بھی تو دھمکی تھی۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ چچا جان کو بھی اسی قسم کا کوئی خط موصول ہوا تھا تو پھر اب میری ہی باری ہے کیونکہ ان کا ترکہ میرے والد مرحوم سے گذرتا ہوا مجھ تک پہنچتا ہے۔"

"میں خود بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ اگر اس میں ذرہ برابر بھی صداقت ہے تو آپ کو کافی محتاط رہنا چاہئے۔"

"لیکن میں کس طرح بچ سکوں گا۔" کیپٹن اشرف بے چینی سے ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

"غالباً یہ رومال میرا ہے۔" دفعتاً بیگم عارف نے کہا۔

"کیا آپ نے مجھ سے کچھ فرمایا۔" فریدی اس کی طرف مڑا۔

"یہ رومال....!"

"اوہ....!" فریدی اس طرح چونک کر رومال کی طرف دیکھنے لگا جیسے وہ اُس کے متعلق بھول ہی گیا ہو۔ "جی ہاں یہ مجھے آپ کے پائیں باغ میں پڑا ملا تھا۔ کیا یہ آپ کا ہے؟"

نصیر نے ہاتھ بڑھا کر وہ رومال فریدی سے لیا۔

"اشرف صاحب۔" فریدی اشرف کی طرف مڑ کر بولا۔ "اگر آپ کو بھی کبھی اس قسم کا خط

موصول ہو تو مجھ تک پہنچنے میں تاخیر نہ کیجئے گا۔"

"بہتر ہے۔"

"اور آپ....!" فریدی بیگم نواز سے مخاطب ہوا۔ "مجھے دولت گنج والی رپورٹ سے معلوم ہوا ہے کہ آپ کہیں باہر جانا چاہتی ہیں۔"

"خیال تو تھا۔"

"شوق سے جاسکتی ہیں۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "میں غیر ضروری پابندیوں کا قائل نہیں ہوں۔"

"اب میں نے خود ہی اپنا ارادہ ملتوی کر دیا ہے۔"

"آپ کی خوشی۔" فریدی نے کہا۔

نصیر عالیہ کی طرف دیکھ کر شرارت آمیز لنداز میں مسکرا رہا تھا۔

فریدی نے ان دونوں پر اچٹتی سی نظر ڈالی اور اپنی پیالی کی چائے ختم کرنے لگا۔ پھر وہ ڈاکٹر قدیر کو مخاطب کر کے بولا۔ "کیس بہت پیچیدہ ہے ڈاکٹر صاحب۔"

"جناب اگر پیچیدہ نہ سمجھتا تو آپ کے پاس کیوں دوڑا جاتا۔" قدیر نے کہا۔

"اب اس ملازم رفیق کا معاملہ رہ جاتا ہے۔"

"مجھے تو یہ حرکت اسی کی معلوم ہوتی ہے۔" بیگم نواز نے کہا۔

"کیا آپ مجھے اس کے متعلق کچھ بتا سکیں گی۔" فریدی نے پوچھا۔

وہ کرنل صاحب کے معاملات میں بہت زیادہ دخیل تھا۔

"خیر یہ تو کوئی بات نہ ہوئی جس نوکر پر بہت زیادہ اعتماد ہوتا ہے وہ دخیل ہو ہی جاتا ہے۔"

"مجھے یاد پڑتا ہے کہ حادثہ سے قبل والی رات کو دونوں میں کچھ تکرار ہوئی تھی۔"

"تو آپ نے یہ بات پولیس کو کیوں نہیں بتائی تھی۔"

"یعنی....!"

"دو شہروں کے ناموں پر بحث ہوتے ہوئے تکرار ہو گئی تھی اور کرنل صاحب نے اُسے بہت بُرا بھلا کہا تھا۔"

"کون سے شہر....!"

"غالباً افریقہ کے تھے۔"

"نام....!"

"صرف ایک کا یاد رہ گیا ہے ممباسہ۔"

فریدی کی پیشانی پر لکیریں ابھر آئیں۔

آسمانی شکار

پیلی کوٹھی سے واپسی پر فریدی حمید سے کہہ رہا تھا۔

"وہ لڑکی بڑی مصیبت میں معلوم ہوتی ہے۔"

"کون لڑکی....!" حمید چونک کر بولا۔

"وہی جس کی مسکراہٹ تمہیں بہت بھلی لگ رہی تھی۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا۔"

"اوہو! یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ واقعی اس کی مسکراہٹ بڑی دلفریب تھی۔"

"اے خدا....!" حمید آسمان کی طرف منہ اٹھا کر بولا۔ "اس پتھر کے پگھلنے پر میں تیری خدمت میں مبارک باد پیش کرتا ہوں۔"

فریدی نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت رسید کر دی اور مسکرا کر بولا۔ "یار دل چاہتا ہے کہ میں بھی اس سے محبت شروع کر دوں۔"

"بھی کا کیا مطلب" حمید نے کہا۔ "آخر آپ مجھے اتنا دل پھینک کیوں سمجھتے ہیں۔"

"تم خواہ مخواہ غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہو۔" فریدی نے کہا۔ "وہ تینوں اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ خصوصاً نصیر اس معاملے میں زیادہ نامعقول معلوم ہوتا ہے۔"

"آپ نے اتنی جلدی اس کا اندازہ کیسے لگا لیا۔"

"اس کے لئے میرے پاس کوئی منطقی دلیل نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔ "وجدان کی تربیت سمجھ لو۔"

"ماریئے گولی۔" حمید نے اکتا کر کہا۔ "وہ گوشت میں دھواں.... آخر کچھ تو بتایئے نا۔"

"تم نے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ پڑھی تھی۔"

"ہاں....!"

"کوئی خاص بات۔"

"بھئی جو کچھ بھی ہو خود ہی بتا ڈالئے۔ ورنہ مجھے اختلاج ہونے لگا ہے۔"

"اچھا تو سنو۔" فریدی نے کہا۔ "کرنل کے پیر کے تلے میں ایک زخم تھا اور وہ ننگے پیر دوڑا تھا۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں اس زخم کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے۔ اُس زخم پر دھوئیں کا نشان پایا گیا تھا اور اسی اشارے نے مجھے پچھلی رات جاگ کر گذارنے پر مجبور کر دیا تھا۔"

فریدی خاموش ہو گیا اور پھر اُس نے دفعتاً اپنی کار دوبارہ پیلی کوٹھی کی طرف موڑ دی۔

"یعنی....!" حمید چونک کر بولا۔

"کچھ بھی نہیں شام بڑی خوشگوار ہے اور میں پھر ایک بار اس لڑکی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے اُلو نہ بنایئے۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "خیر میں فی الحال صرف ان سنگریزوں میں دلچسپی لے رہا ہوں۔"

"ہاں تو وہ سنگریزے۔" فریدی پرخیال انداز میں بولا۔ "تم نے کبھی سفید رنگ کے وہ سنگریزے دیکھے ہیں جو مچھلی کے سر سے نکلتے ہیں۔"

"دیکھے ہیں۔" حمید کے لہجے میں اکتاہٹ تھی۔ اُسے فریدی کی پہیلیاں بجھوانے والے انداز سے بڑی الجھن ہوتی تھی۔

"یہ سنگریزے بھی ایک قسم کی مچھلی کے سر میں پائے جاتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"میں نے تو آج تک نہ کہیں پڑھا اور نہ کہیں سنا۔" حمید بے اعتباری کے لہجے میں بولا۔

"تم نے پڑھا ہی کیا ہے۔" فریدی نے منہ سکوڑ کر کہا۔ "زیادہ سے زیادہ تم ایشیا یا دنیا کی جغرافیائی سوسائٹیوں کی ان کتابوں کا حوالہ دو گے، جو آج سے بیس برس قبل شائع ہوئی تھیں۔"

"خیر یہی سہی۔" حمید نے کہا۔ "لیکن یہ مچھلی کم از کم اپنی طرف تو پائی نہ جاتی ہو گی۔"

"بہت کمیاب ہے۔ اپنی طرف تو خیر پائی ہی نہیں جاتی۔ ابھی چند ایک دریائے کانگو اور دریائے آمیزن میں ملی ہیں۔ لیکن کانگو کے جنگلات کے وحشی باشندے اُسے عرصہ سے بطور زہر استعمال کرتے آئے ہیں۔ وہ اپنے تیروں اور نیزوں کو اس کے خون میں بجھا کر زہریلا بناتے ہیں۔"

"آپ کو اس کے متعلق کہاں سے اطلاعات ملیں۔" حمید نے پوچھا۔

"معلومات میں اضافہ کرنے کے لئے محض پرانا ذخیرہ کافی نہیں ہوتا۔ میں نے اس مچھلی کے متعلق عالمی جغرافیائی سوسائٹی کے ایک سہ ماہی رسالے میں پڑھا تھا اور پچھلی رات کو اُسے تلاش کرنے میں میرے کئی گھنٹے صرف ہو گئے۔"

اس مچھلی کا نام کیا ہے۔

"جغرافیائی سوسائٹی نے اُسے (Poisonia) پوائزونیا کا نام دیا ہے۔ کانگو بیسن والے اسے فلامی کہتے ہیں۔ دریائے آمیزن کے کنارے بسنے والے جنگلی قبائل میں یہ ولاچا کے نام سے مشہور ہے۔

"لیکن یک بیک آپ کا ذہن اس مچھلی کی طرف کیوں منتقل ہو گیا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"کرنل کے زخم پر پائے جانے والے دھوئیں کے نشان نے میری رہنمائی کی تھی۔ ان سنگریزوں کا اثر آناً فاناً پورے جسم میں پھیل جاتا ہے، لیکن یہ صرف کھال اترے ہوئے گوشت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اگر تم اُس سنگریزے کو چٹکی میں پکڑ لو تو کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہو گا لیکن اگر تمہاری انگلی میں خفیف سا بھی زخم ہے تو سنگریزے لگتے ہی اُس میں سے دھواں نکلنے لگے گا اور دیکھتے دیکھتے تمہاری نامعلوم بیوی بیوہ ہو جائے گی۔ ہاں تو میں یہ بھی جانتا تھا کرنل نے اپنی زندگی کا کچھ حصہ افریقہ اور جنوبی امریکہ میں بھی گذرا ہے بیگم نواز نے کیا کہا تھا۔"

"میں نے کچھ نہیں سنا تھا۔"

"ٹھیک ہے تم اس وقت اس لڑکی میں دلچسپی لے رہے تھے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "رفیق اور کرنل میں افریقہ کے دو شہروں کے ناموں کے سلسلے میں بحث ہو گئی تھی اور کرنل نے اُسے سخت دست بھی کہا تھا۔"

"بھلا اس سے اور آپ کی باتوں سے کیا مطلب۔"

"مطلب یہ کہ رفیق بھی شاید اُس زمانے میں اسی کے ساتھ تھا، جب اس کا قیام افریقہ میں تھا۔"

"اور آپ اب اس وقت ان لوگوں سے بھی دریافت کرنے کیلئے پھر واپس جا رہے ہیں۔"

"نہیں میں یہ چاہتا ہوں کہ تم اس لڑکی سے باقاعدہ طور پر عشق کرنے لگو۔"

"میں آج کل بہت مشغول ہوں۔" حمید نے منہ سکوڑ کر کہا۔

اور فریدی مسکرانے لگا۔

سورج غروب ہونے والا تھا۔

فریدی کی کار پیلی کوٹھی کے پھاٹک پر رک گئی۔ فریدی اور حمید اندر جانے لگے۔ پھاٹک سے کچھ دور ہٹ کر لان پر نصیر اور کیپٹن اشرف نظر آئے، جو اونچی آواز میں جھگڑ رہے تھے۔ ان دونوں کو دیکھ کر یک بیک خاموش ہو گئے۔ اُن کے چہرے سرخ ہو رہے تھے۔

"معاف کیجئے گا میں نے پھر تکلیف دی۔" فریدی نے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔" کیپٹن اشرف نے شدید غصہ کے باوجود بھی مسکرانے کی کوشش کی اور اس کا چہرہ کچھ عجیب سا معلوم ہونے لگا۔

"میں ڈاکٹر قدیر سے پھر ملنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"بہتر ہے۔ میں ابھی بھیجتا ہوں۔" کیپٹن اشرف نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

نصیر تھوڑی دیر تک ان دونوں کو دیکھتا رہا پھر بولا۔ "کیا میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ وہ رومال آپ کو کس جگہ ملا تھا۔"

"جی ہاں! کیوں نہیں۔ وہ انہیں جھاڑیوں میں ملا تھا جن میں سلیم صاحب کو وہ عجیب و غریب سُوَر دکھائی دیا تھا۔"

"یہ رومال پچھلے ایک ہفتہ سے میرے پاس رہا ہے۔" نصیر نے کہا۔

"لیکن آپکی والدہ.... خیر یہ کوئی ایسی بات نہیں، جس سے مجھے دلچسپی ہو سکے۔" فریدی بولا۔

"لیکن اس گھر کا کوئی فرد آپ کو دلچسپی لینے پر مجبور کرے گا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"ان میں سے کوئی مجھے ان معاملات میں الجھانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"آخر کیوں؟"

"وہ سب مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔" نصیر نے مجنونانہ انداز میں کہا۔ "اور ان دونوں موتوں کو میرے سر تھوپنا چاہتے ہیں۔"

"نفرت کی وجہ۔"

نصیر اُسے اس طرح گھورنے لگا جیسے اُس نے اُسے گالی دے دی ہو۔

"انہیں سے پوچھئے نفرت کی وجہ۔ لیکن میں اس وقت تک اس گھر سے نہیں جاؤں گا جب تک کہ عالیہ نہ چلی جائے۔"

"آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"کیا ان لوگوں نے آپ کو میرے متعلق کچھ نہیں بتایا۔" نصیر نے پوچھا۔

"میں صرف اتنا ہی جانتا ہوں کہ آپ شہر کے مشہور بیرسٹر مسٹر عارف کے صاحبزادے ہیں۔"

"اور ایک آوارہ لڑکا بھی۔" نصیر منہ بنا کر بولا۔

"یہ آپ کا نجی معاملہ ہے۔"

"کیا اشرف نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ میں شراب کے نشے میں عالیہ کو چھیڑتا ہوں اور محض اس بناء پر میں نے کرنل صاحب کو پُر اسرار طریقے پر مار ڈالا کہ انہوں نے ایک بار میری اس حرکت پر ڈانٹا تھا اور سلیم ماموں کو اس لئے ختم کر دیا کہ وہ بھی اسے ناپسند کرتے تھے۔"

"نہیں! مجھے کسی نے اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔" فریدی نے کہا۔ "کیا کوئی فرد کھلم کھلا یہ ساری باتیں کہہ رہا ہے۔"

"اشرف کی باتوں سے میں نے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے۔" نصیر بولا۔

"نہیں وہ صاف صاف اپنے شبہے کا اظہار نہیں کر رہے ہیں۔"

"نہیں.... لیکن....!"

"میں سمجھتا ہوں۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

سامنے ڈاکٹر قدیر آتا ہوا دکھائی دیا۔ نصیر خاموش ہو گیا۔

"اچھا مسٹر نصیر پھر کبھی.... میں آپ کا شکر گذار ہوں۔" فریدی نے کہا اور ڈاکٹر قدیر کی طرف بڑھ گیا۔

"دوبارہ تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔" فریدی بولا۔

"اوہ آپ بھی کمال کرتے ہیں۔" قدیر ہنس کر بولا۔ "فرمایئے۔"

"ایک ضروری بات۔" فریدی نے کہا اور پھر وہ تینوں ٹہلتے ہوئے پھاٹک تک آئے۔ اس دوران میں ڈاکٹر قدیر استفہامیہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھتا رہا۔

"کیا رفیق اس دوران میں کرنل کے ساتھ ہی تھا جب وہ استوائی خطوں کا سفر کر رہے

تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"اور وہی ان کی چیزوں کی دیکھ بھال بھی کرتا تھا۔"

"جی ہاں۔"

"ڈاکٹر قدیر کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ کا پہلے ہی سے پروگرام تھا کہ صبح کے گئے شام کو واپس آئیں گے۔"

"کب کی بات کر رہے ہیں۔"

"جس دن کرنل صاحب کو حادثہ پیش آیا تھا۔"

"ہاں میرا یہی پروگرام تھا۔" قدیر نے کہا۔ "کرنل صاحب کو اس کی اطلاع نہیں تھی۔"

"کیوں؟"

"اگر انہیں معلوم ہو جاتا تو وہ مجھے ہرگز نہ جانے دیتے۔ یہ تو آپ نے بھی سنا ہوگا کہ وہ کچھ جھکی قسم کے آدمی تھے۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کرنل صاحب کے علاوہ گھر کے سب افراد کو آپ کے پروگرام کا علم تھا۔"

"جی ہاں!" قدیر نے کہا پھر چونک کر بولا۔ "کیا آپ گھر ہی کے کسی فرد پر شبہ کر رہے ہیں۔"

"نہیں نہیں!" فریدی نے جلدی سے کہا۔ "گھر والوں کی معلومات سے کوئی باہری بھی تو فائدہ اٹھا سکتا ہے۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔ "اچھا ایک بار پھر اس تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔"

حمید دل ہی دل میں جھنجھلا رہا تھا کہ آخر اتنی ذرا سی بات کے لئے دوبارہ واپس آنے کی کیا ضرورت تھی۔

فریدی قدیر سے مصافحہ کر کے جانے کے لئے مڑ ہی رہا تھا کہ دفعتاً کئی پرندے ان پر آگرے اور پھر زمین پر گر کر پھڑ پھڑانے لگے۔ فریدی چونک کر اوپر دیکھنے لگا۔

دھند میں لپٹی ہوئی فضا میں بگلوں کی ایک قطار پرواز کر رہی تھی۔ ان میں سے کچھ اور بھی قلابازیاں کھاتے ہوئے نیچے آ رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ بھی اُن کے قریب آ گرے۔ وہ تھوڑی دیر تک تڑپتے رہے اور پھر ٹھنڈے ہو گئے۔

فریدی استفہامیہ نظروں سے ڈاکٹر قدیر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کل شام کو بھی یہی ہوا تھا۔" ڈاکٹر قدیر آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا مطلب.....!" فریدی چونک کر بولا۔

"کل شام کو بھی کچھ پرندے اسی طرح یہاں گرے تھے۔"

"یہاں کے علاوہ بھی کہیں سے اس قسم کی کوئی اطلاع آئی تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"میری دانست میں تو نہیں آئی تھی۔"

"فریدی قطعی خاموش رہا۔ اس نے جھک کر ایک مردہ پرندہ اٹھایا اور اُسے ہاتھ میں لٹکائے ہوئے کار کی طرف بڑھنے لگا۔

کیپٹن اشرف اور عالیہ بھی آ گئے۔

"کہئے انسپکٹر صاحب چل دیئے۔" اشرف نے کہا اور پھر اس کی نظر فریدی کے ہاتھ میں لٹکے ہوئے پرندے پر پڑی۔ زمین پر پڑے ہوئے مردہ پرندے بھی دکھائی دیئے۔ "ارے آج پھر....." وہ چونک کر بولا۔ "پتہ نہیں یہ سب کیا ہے۔"

"میرے خیال سے۔" فریدی نے کہا۔ "کوئی وبا آنے والی ہے۔ کیوں ڈاکٹر۔"

"اگر یہ بات ہوتی تو کہیں اور بھی گرتے۔" اشرف نے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ کہیں اور بھی گریں۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا اور حمید بے تعلقی سے الگ کھڑا رہا، لیکن جب اس نے دیکھا کہ عالیہ بھی فریدی سے ہاتھ ملا رہی ہے تو اس نے بھی آگے بڑھ کر پرجوش انداز میں ڈاکٹر قدیر سے مصافحہ کیا۔ پھر اشرف سے پھر وہ عالیہ کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ اُسے بیگم نواز نے پورٹیکو سے آواز دی اور وہ حمید کی طرف دھیان دیئے بغیر ادھر چل دی۔ حمید بُری طرح جھینپا اور بوکھلاہٹ میں پھر ڈاکٹر قدیر سے مصافحہ کرنے لگا۔ جب اس حماقت کا احساس ہوا تو مسکرا کر بولا۔ "قدیر صاحب اب تو آپ نے آنا ہی چھوڑ دیا۔ کبھی آیئے۔ دو چار بالکل نئی قسم کے کتے آئے ہیں۔ آپ اس فاکس ٹیریئر کو یقیناً پسند

کریں گے جس کے جسم پر گلہریوں کی سی دھاریاں ہیں۔"

"ضرور آؤں گا۔" قدیر بولا۔

فریدی نے مردہ پرندے کو پچھلی نشست پر ڈال دیا اور کار اسٹارٹ کرنے لگا۔

"اُلو کہیں کے۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "لیکن مجھے تم سے ہمدردی ہے۔"

حمید جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"یہ پرندے....!" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

"مر گئے بیچارے۔" فریدی گلوگیر آواز میں بولا۔ "اور تمہیں اکیلا چھوڑ گئے۔ اس پر سے یہ ستم کہ عالیہ....!"

فریدی نے جملہ پورا بھی نہیں کیا تھا کہ حمید ہلڑ مچانے والے انداز میں ہنسنے لگا۔ فریدی پھر کچھ نہیں بولا۔ اس کے چہرے پر فکرمندی کے آثار تھے۔

حمید بھی خاموش ہو گیا۔ یہ کیس کچھ عجیب پُراسرار صورت میں ان کے پاس آیا تھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کیا ان پرندوں کی موت کا بھی انہیں حادثات سے کوئی تعلق ہے، جو پیلی کوٹھی والوں کو پیش آئے۔

گھر پہنچ کر فریدی نے مردہ پرندے کو اٹھانے کے لئے پچھلی نشست پر ہاتھ ڈالا۔ مگر وہ خالی معلوم ہوئی۔ اس نے چونک کر اندر کا بلب روشن کر دیا۔ مردہ پرندے کا کہیں پتہ نہ تھا۔

اور وہ دونوں حیرت کے عالم میں ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ رہے تھے۔

مشتبہ نوکر

دوسرے روز کے اخبارات میں حمید نے پیلی کوٹھی کے متعلق بڑی حیرت انگیز باتیں دیکھیں۔ سارے واقعات کو بہت بڑھا چڑھا کر لکھا گیا تھا۔ اُس عجیب و غریب جانور کے متعلق بھی کافی حاشیہ آرائیاں ہوئی تھیں۔ ایک نے تو یہاں تک لکھ دیا تھا کہ وہ جانور بارہ بجے رات سے پانچ بجے صبح تک کوٹھی کے پھاٹک پر بیٹھا رہتا تھا۔ ایک اخبار نے اس خبر پر "مردہ پرندوں کی بارش" کی ۔ خبر جمائی تھی اور نمبر میں لکھا تھا کہ پیلی کوٹھی میں پچھلی رات شام کو آسمان سے اتنے

مردہ پرندے گرے کہ پائیں باغ میں تل رکھنے کی بھی جگہ نہ رہی۔

حمید نے سارے اخبارات فریدی کے سامنے رکھ دیئے اور وہ بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

"بھئی اپنے یہاں کی صحافت انہیں غپوں کی بناء پر قائم ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا تمہیں وہ واقعہ یاد نہیں جب بلیا اور غازی پور کی سرحد پر پانچ چھ ہزار مردہ سانپ پائے گئے تھے۔"

"نہیں۔"

"وہ بڑا دلچسپ واقعہ تھا۔ ایک دن اخبارات میں خبر شائع ہوئی کہ بلیا اور غازی پور کی سرحد پر ہزاروں مردہ سانپ پائے گئے ہیں۔ دوسرے دن ایک اخبار نے لکھا کہ یہ ہندوستان کی تاریخ میں دوسرا واقعہ ہے۔ مہابھارت کے موقعے پر بھی اسی طرح ایک جنگل میں لاکھوں مرے ہوئے سانپ پائے گئے تھے۔ کافی عرصہ تک اسی موضوع پر طرح طرح کی خیال آرائیاں ہوتی رہیں۔ پھر ایک دن ایک صاحب کا بیان شائع ہوا۔ وہ دراصل سانپ کی کھالوں کے ایجنٹ تھے۔ اتفاق سے انہیں ایک ساتھ پچیس تیس سانپ مل گئے تھے۔ انہوں نے ان کی کھالیں اتروالیں اور انہیں شاہراہ پر پھینکوا دیا اور پھر وہ پچیس تیس سانپ لاکھوں میں تبدیل ہو گئے اور ان کا ناطہ مہابھارت سے جوڑ دیا گیا۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید پر خیال انداز میں بولا۔ "میں بھی اسے غپ سمجھتا ہوں۔ اگر اس قسم کی کوئی بات ہوتی تو وہ لوگ آپ کو ضرور مطلع کرتے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ جتنی بھی حقیقت ہے حیرت انگیز ہے اور اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ آپ ایسے عجیب و غریب کیس میں دلچسپی نہیں لے رہے ہیں۔"

"ابھی تک میری دلچسپی کی کوئی بات وقوع پذیر نہیں ہوئی۔"

"یعنی جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ غیر دلچسپ ہے۔"

"تم جیسی بچوں کے لئے تو ضرور دلچسپ ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس قسم کی ہاتھ کی صفائیاں میں نے بہت دیکھی ہیں۔ دیکھو میاں یہ عام لوگوں کو اُلو بنانے کا ایک سستا سا نسخہ ہے۔"

"آخر آپ کسی نتیجے پر پہنچے یا نہیں۔"

"میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ عالیہ واقعی بہت حسین ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس میں

تین تو کیا بیک وقت دس آدمی بھی دلچسپی لیں تو مجھے حیرت نہ ہو گی۔"

حمید مضحکہ خیز انداز میں فریدی کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

"آج کل خالص گھی بھی نہیں ملتا ورنہ میں چراغ ضرور جلاتا۔ خدا بڑی قدرت والا ہے۔ اگر چاہے تو ریت کے بادل بنا کر ان سے پانی برسائے۔"

فریدی کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ دوسرے کمرے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے حمید کو اشارہ کیا اور وہ دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

"ڈاکٹر قدیر کا فون تھا۔" حمید نے واپس آ کر کہا۔

"کیا کہہ رہا تھا۔"

"پیلی کوٹھی کے قریب لوگ جوق در جوق جمع ہو رہے ہیں اور قدیر وغیرہ انہیں یقین دلانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اخبارات نے غلط خبریں چھاپی ہیں لیکن مجمع کسی طرح چھٹتا نہیں، مجبوراً انہوں نے دولت گنج کے تھانے سے پولیس بلوائی ہے۔"

"اور وہ ننھا منا سا بچہ اپنے کارناموں پر خوش ہو رہا ہو گا۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"کون....!" حمید چونک پڑا۔

"یہ میں ابھی نہیں جانتا۔ لیکن وہ بچہ ہے۔ انتہائی ناتجربہ کار اور جلد باز۔ کرنل کو تو اس نے بڑے سلیقے سے ختم کیا۔ لیکن سلیم کے سلسلے میں اس سے ناتجربہ کاری ہی والی حرکت سرزد ہوئی ہے۔"

"یعنی....!"

"اسے کوئی ایسی جگہ منتخب کرنی چاہئے تھی، جہاں کانٹے ہوتے۔ اس طرح وہ بہ آسانی لوگوں کو دھوکا دے سکتا تھا۔ عقیق البحر میں تو خیر کانٹے ہوتے ہی نہیں اور اس جھاڑی میں بھی کوئی کانٹے دار پودا نہیں دکھائی دیا۔"

حمید خاموش ہو گیا لیکن پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر وہ پرندہ کار سے کس طرح غائب ہو گیا۔"

"بھوت رہا ہو گا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"آخر آپ مجھ سے صاف صاف کیوں نہیں بتاتے۔"

"جب خود میری سمجھ میں صاف صاف آ جائے گا تو میں اس سے بھی زیادہ صاف بنا کر پیش

کر دوں گا۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ انہیں لوگوں میں سے کسی پر شبہ کر رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"لیکن تم ایسا کہتے وقت شاید بھول جاتے ہو کہ کرنل کا ایک نوکر بھی غائب ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں اُسے کوئی اہمیت نہیں دیتا۔" حمید نے فریدی کے لہجے کی نقل اتاری۔

"کیوں؟" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ کبھی ایک کامیاب جاسوس نہیں ہو سکتے۔" حمید نے پھر فریدی کی نقل کی۔

"بھلا پیر و مرشد کیوں۔" فریدی نے ہنس کر پوچھا۔

"ظاہر ہے کہ رفیق نے کرنل کو ہیروں کے لئے مارا ہو گا، اور وہ انہیں لے بھی گیا۔ پھر آخر سلیم کو مارنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر اُسے یہ خیال تھا کہ سلیم کچھ جانتا ہے تو اُسے بھی کرنل کے بعد ہی ختم کر دیتا۔ دو تین دن انتظار نہ کرتا اور پھر دوسری بات یہ کہ جب اس نے کرنل کو اتنے پُراسرار طریقے پر ختم کیا تھا تو غائب کیوں ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ اس نے اپنی بچت ہی کے لئے انتا ٹیڑھا راستہ اختیار کیا۔"

"شاباش....!" فریدی اس کے کاندھے پر ہاتھ مارتا ہوا بولا۔ "واقعی تم نرے بدھو ہی نہیں ہو۔"

"جناب والا! اگر میں نہ ہوتا تو کوئی آپ کا نام تک نہ جانتا۔"

فریدی ہنسنے لگا۔ ٹیلی فون کی گھنٹی پھر بجی۔

"کیا مصیبت ہے۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

اب کی بار وہ واپس آیا تو اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔

"کیوں؟" فریدی اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"رفیق مل گیا۔"

"ہوں....!" فریدی نے اتنی لاپروائی سے کہا کہ حمید جھنجھلا گیا۔ وہ سمجھتا تھا کہ فریدی اچھل پڑے گا۔

"دولت گنج کے پولیس اسٹیشن پر آپ کو بلایا گیا ہے۔"

"خیر بھئی چلیں گے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "ناشتہ۔"

"آخر آپ اتنی لاپروائی کیوں برت رہے ہیں۔"

"حمید صاحب۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے کہ کاہل ہو جاؤں۔"

"تو آج کل آپ موڈ میں نہیں ہیں۔"

"ابھی تک کوئی ایسی بات نہیں ہوئی، جو مجھے موڈ میں لا سکے۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "بھلا مردہ پرندوں کی بارش سے کیا ہوتا ہے۔ اگر ہاتھیوں کی بارش ہوتی تو کوئی بات بھی تھی۔"

فریدی ہنس پڑا۔

"بھئی اُسے تو میں ابھی تک بھی نہیں سمجھ سکا۔" فریدی بولا۔ "لیکن حمید صاحب اس بار آپ بہت چاک و چوبند نظر آ رہے ہیں۔ آخر اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔"

"کیس ہی ایسا ہے۔"

"لیکن اس بار تو تم نے ایک مرتبہ بھی بھوتوں کا خوف نہیں ظاہر کیا۔ حالانکہ آسمان سے مردہ پرندوں کی بارش بھی ہو رہی ہے اور وہ بھی صرف پیلی کوٹھی ہی میں ورنہ اُسے کسی قسم کی وبا بھی سمجھا سکتا تھا۔"

"کیا آپ مجھے ڈرپوک سمجھتے ہیں۔" حمید اکڑ کر بولا۔

"لیکن حمید صاحب اب آپ عالیہ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔"

"آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں کہ میں ہی اس کے حسن کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتا رہا ہوں۔"

"حمید صاحب بکواس بند۔ اب ہم ناشتہ کریں گے۔"

"ضرور ناشتہ کیجئے۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے بلکہ میں تو یہ رائے دوں گا کہ ایک داشتہ اور ایک باقاعدہ بیوی کیجئے۔"

"شٹ اپ....!"

"اے ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "بیوی کے نام سے اس طرح لجاتے ہیں، جیسے ابھی چلو ہٹو کہہ کر آنچل سے منہ چھپا لیں گے۔"

"یار خدا کے لئے زنخوں کی طرح مٹکا مت کر، ورنہ کسی دن چپڑی ادھیڑ دوں گا۔"

"اچھا اچھا جلدی کیجئے۔" حمید نے پھر فریدی کے لہجے کی نقل اتاری۔

ناشتہ کرنے کے بعد وہ دولت گنج کی طرف روانہ ہو گئے۔ فریدی راستے میں خاموش ہی رہا۔ حمید نے کئی بار اُسے چھیڑنے کی کوشش کی لیکن وہ صرف مسکرا کر رہ گیا۔ اس کی نظریں ونڈ اسکرین پر جمی ہوئی تھیں اور وہ پلکیں جھپکائے بغیر سامنے دیکھ رہا تھا۔

رفیق کو ابھی تک حوالات میں نہیں بند کیا گیا تھا۔ وہ سب انسپکٹر کی کرسی کے قریب زانوؤں میں سر دیئے زمین پر اکڑوں بیٹھا ہوا تھا۔ ڈاکٹر قدیر اور کیپٹن اشرف بھی موجود تھے۔ شاید وہ رفیق کی شناخت کے لئے بلائے گئے تھے۔ فریدی کے پہنچتے ہی ڈاکٹر قدیر نے ان لوگوں کی شکایات شروع کر دیں، جو پیلی کوٹھی کے گرد جمع ہو گئے تھے۔"

"کہاں ملا....!" فریدی نے سب انسپکٹر سے سوال کیا۔

"بہت خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔" سب انسپکٹر نے آہستہ سے کہا اور حمید کو بے اختیار ہنسی آ گئی کیونکہ اس کے سامنے ایک ایسا بوڑھا بیٹھا ہوا تھا جو شاید اس وقت دو قدم بھی نہ چل سکتا۔ رفیق ایک نحیف الجثہ آدمی تھا۔ چہرے پر مختصر سی فرنچ کٹ ڈاڑھی تھی۔ گال اندر کو دھنسے ہوئے اور جھریوں سے پر تھے۔ آنکھوں میں کبر سنی کی وجہ سے دھندلاہٹ آ گئی تھی۔

"اب خود ہی سن لیجئے گا وہ داستان الف لیلیٰ۔ میں کیا بتاؤں۔" سب انسپکٹر فریدی سے کہہ رہا تھا۔

فریدی تھوڑی دیر تک غور سے رفیق کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اس پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی اور جب وہ اس کی روپوشی کی وجہ دریافت کرنے لگا تو رفیق بے اختیار رو پڑا۔

"میں ایک اندھے کنوئیں میں قید تھا۔" اس نے کہا۔

سب انسپکٹر کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"کس نے قید کیا تھا۔"

"یہ میں نہیں جانتا۔ میں کرنل صاحب کے پیچھے دوڑا تھا۔ کسی نے میرے سر پر کوئی وزنی چیز ماری اور میں.... پھر جب مجھے ہوش آیا تو میں نے خود کو ایک گڑھے میں پایا۔ دوسرے دن صبح روشنی میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک کنواں ہے۔"

"پھر تم کس طرح نکلے۔"

"کل رات میری چیخ و پکار سن کر کسی راہگیر نے نکالا۔"

"کس طرح نکالا۔"

"رسی پھینکی تھی اُس نے جسے میں نے اپنی کمر سے باندھ لیا تھا۔ پھر اُس نے مجھے اوپر کھینچ لیا۔"

"وہ کنواں دکھا سکتے ہو۔"

"جی ہاں.... وہ پیلی کوٹھی سے زیادہ دور نہیں۔"

"کیوں صاحب۔" فریدی ڈاکٹر قدیر کی طرف مڑا۔ "کوئی اندھا کنواں ہے وہاں۔"

"مجھے تو علم نہیں۔"

"مجھے خود بھی نہیں معلوم تھا۔" رفیق بولا۔ "وہ جھاڑیوں میں چھپا ہوا ہے۔ اتنی گنجان جھاڑیاں کہ خدا کی پناہ اور کانٹے دار جھاڑیاں ہیں۔ اس لئے اُدھر جانے کی کوئی ہمت ہی نہیں کرتا۔"

"تو کیا تم نے کل رات ہی کو غل مچایا تھا۔"

"چیختے چیختے میری آواز بیٹھ گئی ہے۔ کیا آپ محسوس نہیں کر رہے ہیں۔"

"تو تمہیں کل رات کو اس کنوئیں سے نکالا گیا۔"

"جی ہاں۔"

"تو تم رات ہی کیوں نہیں حاضر ہوئے۔"

"یہ داروغہ جی سے پوچھئے کہ میں یہاں کس حال میں لایا گیا ہوں۔"

فریدی کے استفسار پر سب انسپکٹر نے بتایا کہ وہ آج صبح ایک کھیت میں بیہوش پڑا پایا گیا تھا۔

"اس راہ گیر نے تمہیں کھیت میں ڈال دیا تھا۔" فریدی نے رفیق سے پوچھا۔

"جی ہاں! لیکن میں صحیح طور پر نہیں کہہ سکتا۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ مجھے کسی نے رسی کی مدد سے نکالا تھا۔"

فریدی خاموشی سے اس کی دھندلائی ہوئی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

"مجھے حیرت ہے کہ تم اس عمر میں اتنے دنوں تک بغیر کھائے پیئے زندہ کیونکر رہے۔"

رفیق نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ہچکچا رہا ہے۔

"کیا اسے کرنل اور سلیم کی موت کا علم ہو چکا ہے۔" فریدی نے آہستہ سے سب انسپکٹر سے

چھا۔

"ہاں....!"

"خیر.... حالانکہ ایسا نہ ہونا چاہئے تھا۔" فریدی نے کہا اور پھر رفیق سے مخاطب ہو گیا۔

"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"کیا بتاؤں....!" رفیق نحیف آواز میں بولا۔ "اب جب کہ مجھ پر کرنل صاحب اور ان کے ائی کو مار ڈالنے کا شبہ کیا جا رہا ہے میری ہر بات سے مکاری ظاہر ہو گی۔"

"اس کا فیصلہ تم عدالت پر چھوڑ دو۔" فریدی نرم لہجے میں بولا۔ "تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو بے کلف کہو۔"

"اس کنوئیں میں روزانہ حلوہ پھینکا جاتا تھا اور پانی سے بھری ہوئی بوتلیں بھی۔"

"دیکھا آپ نے۔" اُس نے فریدی سے کہا۔ "میں نہ کہتا تھا کہ یہ الف لیلیٰ کی ایک داستان ائے گا۔"

"حضور آپ اس کنوئیں میں اب بھی خالی بوتلیں اور وہ رومال دیکھ سکتے ہیں جن میں باندھ حلوہ پھینکا جاتا تھا۔ میں پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ آپ یقین نہ کریں گے۔ کوئی بھی یقین نہیں کے گا۔" رفیق بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

فریدی تھوڑی دیر تک اس کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

"مجھے یقین ہے.... خیر.... ہاں تو تمہارے مالک ننگے پاؤں بھاگے کیوں تھے اور انہوں نے رُکس پر کیا تھا۔"

"ہونہہ....!" رفیق ایک زہریلی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "اب آپ مجھ سے وہ بات پوچھ رہے ماجس کے اظہار پر شاید پاگل خانے بھجوا دیا جاؤں۔"

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر حمید سے بولا۔ "آؤ چلیں! ہمیں وہ کنواں بھی دیکھنا ہے۔" پھر رفیق سے کہنے لگا۔ "تم بھی چلو۔"

فریدی نے سہارا دے کر اُسے اٹھایا۔

"کوئی آدمی ساتھ کر دوں۔" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "میں ابھی اسے واپس لاتا ہوں۔"

پھر اس نے ڈاکٹر قدیر کو اشارے سے اپنے پاس بلایا۔

"ڈاکٹر صاحب! آپ اس کی ضمانت لے رہے ہیں۔ بوڑھا آدمی ہے۔ حوالات میں مر جائے گا۔" فریدی نے کہا۔

"تو کیا واقعی آپ اُسے بے گناہ سمجھتے ہیں۔" قدیر کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ سب آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے۔" فریدی بولا۔ "میں اپنے پرانے تعلقات کی بناء پر آپ سے یہ استدعا کر رہا ہوں۔"

"ضرور ضرور! مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ میں آج ہی ضمانت کیلئے درخواست دے دوں گا۔"

اندھا کنواں

"میں آپ کا یہ احسان کبھی نہ بھولوں گا۔" رفیق فریدی کے پیروں پر ہاتھ رکھ کر بے اختیار رو پڑا۔

"نہیں نہیں بھائی یہ کیا کرتے ہو۔" فریدی اپنے پیر ہٹا کر اسے سیدھا بٹھاتا ہوا بولا۔ اس نے اسے اگلی سیٹ پر اپنے ساتھ ہی بٹھایا تھا۔ حمید پچھلی نشست پر تھا۔

فریدی نے رفیق کے بتائے ہوئے راستے پر کار لگا دی۔

"ہاں تو میں نے تم سے کرنل کی بدحواسی کی وجہ پوچھی تھی۔" فریدی نے کہا۔

رفیق کے ہونٹ ہلے اور ایک ہزیانی قسم کی ٹرٹراہٹ سنائی دی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ خود سے باتیں کر رہا ہو۔ پھر یک بیک چونک کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"آپ یقین کریں یا نہ کریں۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "لیکن جو کچھ میرے علم میں ہے بتانے کی کوشش کروں گا۔"

وہ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔ "میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ کہاں سے شروع کروں۔"

"تم یہ بھول جاؤ کہ پولیس والے کو بیان دے رہے ہو۔" فریدی نے اُسے دلاسا دیا۔

"وہ ایک عجیب و غریب جانور کے پیچھے دوڑے تھے۔" رفیق آہستہ سے بولا۔ "اگر میں آپ

اس کی شکل و صورت کے بارے میں بتاؤں تو آپ بے تحاشہ میرا مضحکہ اڑائیں گے۔"

"نہیں میں مضحکہ نہیں اڑاؤں گا۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "شائد میں بھی اس سؤر سے واقف ہوں جس کے جسم پر چیتے کی سی دھاریاں ہیں اور جس کا سر.....!"

"آپ جانتے ہیں۔" رفیق فریدی کا بازو پکڑ کر پرجوش انداز میں بولا۔

"تو تم نے بھی اُس جانور کو دیکھا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں نے اندھیرے میں کوئی جانور دیکھا تھا۔ میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ وہی تھا۔ بہرحال کرنل صاحب اس کے پیچھے دوڑے تھے۔"

"لیکن تم نے تو ابھی یہ کہا تھا کہ اگر میں اس جانور کے متعلق بتاؤں گا تو آپ میرا مضحکہ اڑائیں گے۔"

"میں نے ٹھیک کہا تھا۔ کرنل صاحب کو اُسی جانور کی توقع تھی۔"

"کیوں توقع کیوں تھی۔"

"انہیں تین چار دن قبل ایک خط موصول ہوا تھا۔ اس پر اُسی جانور کی تصویر بنی ہوئی تھی اور اس میں انہیں غالباً جان سے مار دینے کی دھمکی دی گئی تھی۔"

"تم نے وہ خط دیکھا تھا۔"

"جی ہاں کرنل صاحب مجھ پر اعتماد کرتے تھے اور پھر دوسری بات یہ کہ اس سے قبل بھی ہمارا سابقہ اس جانور اور اُس کے مالک سے پڑ چکا تھا۔"

"یعنی.....!"

"میں اب داستان کے اسی حصے کی طرف آ رہا ہوں، جسے سن کر تھانے دار صاحب نے الف لیلیٰ والی پھبتی کہی تھی۔"

"تم کافی پڑھے لکھے معلوم ہوتے ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"پڑھا لکھا خاک بھی نہیں۔ بس آپ جیسے بڑے لوگوں کی خدمت میں رہ کر بولنے کا سلیقہ آ گیا ہے۔"

حمید آگے سرک آیا۔

"یہ غالباً ۲۸ء کی بات ہے۔ کرنل صاحب کی پارٹی افریقہ کے جنگلات میں شکار کھیلنے کے

لئے موموباسہ اتری تھی۔ ان کے ساتھ کئی انگریز بھی تھے۔ ان میں کچھ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ گئے تھے۔ میں کرنل صاحب کے ہمراہ تھا۔ وہیں اُس پُراسرار آدمی سے ہماری ملاقات ہوئی جو اس عجیب و غریب جانور کا مالک تھا۔ وہ تھا تو یوروپین ہی نسل کا آدمی لیکن اس کا رہن سہن بالکل وہاں کے مقامی باشندوں کا سا تھا۔ اس کی شکل مجھے آج بھی یاد ہے۔ اتنا خوفناک آدمی اُس کے علاوہ پھر کبھی میری نظروں سے نہیں گذرا۔ اس کے دونوں شانے اس کے سر سے کچھ ہی نیچے رہے ہوں گے۔ اُن کے درمیان میں اس کا سر بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا جیسے کسی ٹوکری میں بڑا سا تربوز رکھا ہو۔ اُس کی آنکھوں میں یوں تو مزیضوں کی سی نقاہت ظاہر ہوتی تھی لیکن حقیقتاً اس کی طاقت اپنا جواب نہیں رکھتی تھی۔ وہاں کے مقامی باشندے اُسے جادوگر سمجھ کر اُس سے خائف رہتے تھے۔"

رفیق کھانسنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولا۔ "مقامی باشندے یہ سمجھتے تھے کہ اس کے قبضے میں خبیث روحیں ہیں اور وہ اس عجیب و غریب جانور کو بھی کوئی خبیث روح ہی سمجھتے تھے جو اس کے پیچھے پالتو کتوں کی طرح چلا کرتا تھا۔ ہمارے ساتھ کے انگریز اس کی معلومات سے فائدہ اٹھانے کیلئے اُسے اکثر مدعو کرتے تھے۔ موموباسہ میں ہم نے آبادی کے باہر قیام کیا تھا۔ یہ کرنل صاحب کی تجویز تھی، ورنہ دوسرے ساتھی تو کسی ہوٹل میں قیام کرنا چاہتے تھے۔ بہرحال ہم خیموں میں مقیم تھے وہاں سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر ایک گاؤں تھا جہاں ڈاگی ٹاہ رہتا تھا۔"

"ڈاگی ٹاہ کون۔" فریدی نے پوچھا۔

"وہی پراسرار آدمی۔ اُسے وہاں کے باشندے ڈاگی ٹاہ کہتے تھے، جو غالباً ڈاکٹر کی بگڑی ہوئی شکل تھی۔ ہاں میں یہ تو بتانا ہی بھول گیا کہ وہ ڈاکٹر بھی تھا۔ ہمارے ساتھ بھی ایک انگریز ڈاکٹر تھا اس نے ہمیں بتایا کہ وہ ایک تجربہ کار ڈاکٹر معلوم ہوتا ہے۔ ہاں تو.... وہ تقریباً ہر روز ہمارے کیمپ میں آتا تھا۔ کچھ دنوں بعد ہم بھی اس سے خوف محسوس کرنے لگے۔ اس کی موجودگی میں کم از کم مجھے تو یہ محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی درندہ انسان کی شکل میں ہمارے پاس آبیٹھا ہو۔ خصوصاً ہمارے ساتھ کی عورتیں تو اس سے بہت زیادہ خائف رہا کرتی تھیں۔ اب سنئے اصل واقعہ یہاں سے شروع ہوتا ہے ایک رات ہم کھانا کھانے کے بعد کرنل واٹسن کے خیمے میں جمع تھے اور دوسرے دن کے شکار پر بحث ہو رہی تھی کہ ہم نے کسی عورت کی چیخ سنی۔ عورتیں سب دوسرے خیمے میں تھیں۔ دفعتاً انہوں نے بھی چیخنا شروع کر دیا۔ ہم سب گھبرا کر باہر نکل آئے

وہ سب ڈاگی ٹاہ، ڈاگی ٹاہ چیخ رہی تھیں۔ کسی عورت نے جس کے اوسان بجا تھے ہمیں بتایا کہ ڈاگی ٹاہ کرنل واٹسن کی چودہ سال لڑکی لوسی کو اٹھا لے گیا۔ ہم سب نے جلدی جلدی رائفلیں اور ہارپیں اٹھائیں۔ عورت نے ڈاگی ٹاہ کے فرار کی سمت بتائی اور ہم اسی طرف بے تحاشہ دوڑنے لگے۔ بدحواسی میں ہم ایک دوسرے سے الگ ہوگئے جو بھی جہاں تھا ڈاگی ٹاہ کو تلاش کر رہا تھا۔ اچانک میرے کرنل صاحب اس تک پہنچ ہی گئے۔ لڑکی خوف کے مارے بیہوش ہوگئی تھی اور وہ شیطان ڈاگی ٹاہ اپنا منہ کالا کرنے ہی جارہا تھا کہ کرنل صاحب اس پر ٹوٹ پڑے۔ اس سے شک نہیں کہ وہ کرنل صاحب سے کہیں زیادہ طاقتور تھا لیکن کرنل صاحب نے نہ جانے کس طرح اُسے بہت زیادہ زخمی کر دیا۔ مگر افسوس کہ وہ نکل جانے میں کامیاب ہوگیا۔"

رفیق کو پھر کھانسی آگئی۔ فریدی بہت آہستہ آہستہ کار چلا رہا تھا۔

"اور پھر....!" رفیق تھوڑی دیر بعد بولا۔ "وہ افریقہ کے دوران قیام میں برابر ہمارا تعاقب کرتا رہا۔ اُس نے کئی بار میرے کرنل صاحب پر چھپ کر حملے بھی کئے۔ لیکن اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ کئی خطوط میں جان سے مار ڈالنے کی دھمکی بھی دی تھی۔ اُن خطوط پر بھی اس کے اس خبیث جانور کی تصویر بنی رہتی تھی، اور پھر جب اُس دن کرنل صاحب کو پھر اسی قسم کا خط ملا تو وہ بڑھاپے کی وجہ سے گھبرا گئے۔ آخیر عمر میں دل و دماغ میں کمزوری آہی جاتی ہے۔"

"تو کیا افریقہ سے واپس آنے کے بعد بھی انہیں خطوط ملے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں یہ پہلا اتفاق تھا۔ اس سے قبل کے خطوط افریقہ ہی کے دوران قیام میں ملے تھے۔"

"گھر والے بھی اس واقعے سے واقف رہے ہوں گے۔"

"قطعی نہیں.... گھر والے تو کیا پورے ملک میں میرے سوا اور کوئی اس سے واقف نہیں تھا۔"

"کیوں....!"

"نہ جانے کیا بات تھی کہ کرنل صاحب نے نہ تو خود ہی کسی سے اس کا تذکرہ کیا اور نہ مجھے ہی کرنے دیا۔"

"وجہ تو بتائی ہوگی۔"

"نہیں اس کی وجہ نہیں بتائی۔"

"تو تم وثوق سے کہہ سکتے ہو کہ گھر کا کوئی فرد اس واقعے سے واقف نہیں تھا۔"

"مجھے اس پر اتنا ہی یقین ہے جتنا اس بات پر کہ اس وقت میں آپ کے پاس بیٹھا ہوا ہوں۔"

"آخر تم اتنے وثوق سے کیوں کہہ رہے ہو۔"

"اگر انہوں نے کسی کو بتایا ہوتا تو اس سے اس خط کا بھی تذکرہ کرتے جو انہیں اس دن ملا تھا۔"

فریدی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"کرنل صاحب اپنے جواہرات کہاں رکھتے تھے۔"

"اُنکے سونے کے کمرے میں ٹھیک ان کے سرہانے ایک تجوری ہے۔ اُسی میں رکھتے تھے۔"

"لیکن وہ غائب ہیں۔"

"ارے....!" رفیق بے اختیار اچھل پڑا۔ "میرا خیال ہے کہ ان کا علم بھی میرے علاوہ اور کسی کو نہیں تھا۔"

"تجوری بالکل خالی ملی ہے۔"

"اور کاغذات....!" رفیق نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

"کاغذات بھی نہیں تھے۔"

"افسوس اس میں کئی اہم دستاویز بھی تھیں، بس یہ سمجھ لیجئے کہ لاکھوں روپے ڈوب گئے۔"

"تو تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ پُراسرار آدمی یہاں آ گیا ہے۔" فریدی نے سوال کیا۔

"ایسی صورت میں میں اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"اس پُراسرار آدمی کی اس وقت کیا عمر رہی ہوگی۔"

"تقریباً ساٹھ سال۔"

"ہوں....!" فریدی نے پرخیال انداز میں سر ہلایا اور مڑ کر حمید کی طرف دیکھنے لگا جو لاپروائی سے باہر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ رفیق پھر کھانسنے لگا۔

رفیق نے کھانستے کھانستے ایک طرف اشارہ کیا اور فریدی نے کار روک دی۔ فریدی نے پلٹ کر دیکھا۔ یہاں سے پیلی کوٹھی تقریباً ایک یا ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر تھی اور اس کی پشت کا حصہ یہاں سے صاف دکھائی دے رہا تھا۔

وہ تینوں کار سے اترے، چاروں طرف جھاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ رفیق کچھ سوچنے لگا۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ وہ کنواں کس جگہ ہو سکتا ہے۔" اُس نے کہا۔

"کیا مطلب....!" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"میں نے آپ سے بتایا نا کہ میں باہر نکلنے کے بعد زیادہ دیر ہوش میں نہیں رہا تھا۔"

"تو پھر تم نے اس جگہ کا اندازہ کیسے لگا لیا تھا جبکہ رات بھی اندھیری تھی۔"

"وہ پیپل کا درخت۔" رفیق نے ایک طرف ہاتھ اٹھا دیا۔ "اکثر پوجا پاٹھ کرنے والی عورتیں اس پر چراغ چڑھا جاتی ہیں۔ میں نے اسی سے جگہ کا اندازہ لگایا تھا۔ مجھے سوچنے دیجئے۔ میں اس سمت کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا ہوں جدھر درخت دکھائی دیا تھا۔"

حمید کے ہونٹوں پر ایک طنز آمیز مسکراہٹ پھیل رہی تھی لیکن فریدی بہت زیادہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

رفیق تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ پھر دفعتاً ایک طرف چلنے لگا۔ فریدی اور حمید اُسی جگہ کھڑے رہے۔ کچھ دور چل کر رفیق رک گیا۔ چند لمحے ادھر اُدھر دیکھتا رہا پھر فریدی کو آواز دی۔

"میرے خیال میں وہ جگہ یہی ہے۔" اس نے کانٹے دار جھاڑیوں کے ایک جھنڈ کی طرف اشارہ کیا۔

"صرف خیال ہی خیال ہے یا....!"

رفیق نے اپنے کرتے کا دامن اٹھایا جس کا ایک کونہ تھوڑا سا غائب تھا اور آہستہ سے بولا۔

"یہ یہیں کہیں الجھ کر پھٹا تھا.... وہ دیکھئے.... اس طرف آ جایئے۔ یہ رہا۔"

جھاڑیوں میں ایک جگہ ویسی ہی دھاریوں والا تھوڑا سا کپڑا پھنسا ہوا تھا جیسا رفیق نے کرتا پہن رکھا تھا۔ فریدی جھک کر اُسے دیکھنے لگا۔ پھر اُس نے سر اٹھا کر رفیق کو دیکھا۔

"حمید! کار سے واکنگ اسٹک نکال لاؤ۔" فریدی نے کہا۔

"پھر واکنگ اسٹک۔" حمید بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔

"وہ خط کیا ہوا تھا جو کرنل کو موصول ہوا تھا۔" فریدی نے رفیق سے پوچھا۔

"وہ بھی اسی تجوری میں بند تھا۔"

حمید واکنگ اسٹک لے کر واپس آ گیا۔ فریدی اس سے جھاڑیاں ہٹا ہٹا کر اندر گھس رہا تھا۔ کچھ دور چل کر وہ رک گیا۔ تھوڑی دیر تک سر جھکائے کچھ دیکھتا رہا پھر دفعتاً حمید اور رفیق کی نظروں سے غائب ہو گیا۔

حمید نے اُسے آواز دی، لیکن جواب ندارد۔ حالانکہ وہ جگہ جہاں وہ غائب ہوا تھا زیادہ دور نہ تھی۔ بمشکل تمام تیس یا چالیس گز کا فاصلہ رہا ہوگا۔ حمید اُسے پے در پے آواز دیتا رہا۔ جب کوئی جواب نہ ملا تو وہ جھلا کر رفیق کی طرف پلٹ پڑا۔

"او بوڑھے! میں تیری بوٹیاں اڑا دوں گا۔"

"رفیق نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خود بھی بہت زیادہ خوفزدہ نظر آ رہا تھا۔"

"بولو....!" حمید نے اس کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔

"حضور میں کیا...." رفیق ہانپ رہا تھا۔

حمید اُسے گھسیٹتا ہوا کار کی طرف لے گیا۔

"حضور....!" رفیق پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"حضور کے بچے۔" حمید نے اُسے اندر دھکیل کر کھڑکیوں کے تالے بند کر دیئے اور انجن کو بھی مقفل کرنے کے بعد جھاڑیوں کی طرف چل دیا۔

وہ فریدی کو آواز دیتا ہوا کپڑوں کی پرواہ کئے بغیر جھاڑیوں میں گھس رہا تھا۔

اور پھر وہ اگر اچانک سنبھل نہ جاتا تو وہ خود بھی اس اندھے کنوئیں میں جا پڑا ہوتا۔

کنوئیں کی تہہ میں اُسے ایک آدمی دکھائی دیا۔ نیچے اندھیرا ہونے کی وجہ سے صورت صاف نہیں دکھائی دے رہی تھی۔

حمید نے پھر آواز دی۔

"کیوں مرے جا رہے ہو۔" نیچے سے آواز آئی اور حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔ لیکن پھر دوسرے لمحے میں اس کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ فریدی تہہ تک پہنچا کس طرح۔ کیا بے خیالی میں گر گیا؟ لیکن اگر یہ بات ہوتی تو وہ اتنے اطمینان سے اُسے جواب کس طرح دیتا۔

حمید جھک کر دیکھنے لگا اور پھر اس پر ساری حقیقت روشن ہو گئی۔ کنواں پختہ تھا۔ اوپر سے نیچے تک اینٹیں چنی ہوئی تھیں۔ کگاریں اتنی چوڑی اور قریب قریب تھیں کہ کوئی بھی بہ آسانی تہہ تک پہنچ سکتا تھا۔

"یہاں کیا کر رہے ہو۔" نیچے سے آواز آئی۔ "اسے نگرانی میں رکھو۔"

حمید پھر کار کے قریب آ گیا۔ اُسے اپنے رویئے پر افسوس ہو رہا تھا۔ رفیق کی آنکھیں ابھی

بھیگی ہوئی تھیں۔ حمید نے کھڑکیوں کے تالے کھول کر اُسے باہر نکالا۔

"صاحب ملے۔" اس نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

"ہاں.... لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم خود ہی کنوئیں سے کیوں نہیں نکل آئے تھے۔"

"میں جانتا تھا کہ آپ اُس کنوئیں کو دیکھ کر یہی سوال کریں گے۔" رفیق آہستہ سے بولا۔ "اوپر سے دیکھنے میں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی آسانی سے اس میں اتر سکتا ہے اور نیچے سے اوپر آ سکتا ہے۔ مگر شاید آپ یہ نہیں جانتے کہ نچلی کگار بہت اونچی ہے اور مجھ جیسے بوڑھے....!"

فریدی کے قہقہے نے اس کی بات پوری نہ ہونے دی۔ وہ چپ چاپ ان کے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"واقعی نچلی کگار تک پہنچنا تمہارے بس کا روگ نہیں تھا۔" اس نے یک بیک سنجیدہ ہو کر کہا۔ "مگر اُس کنوئیں میں نہ وہ رومال ملے اور نہ وہ خالی بوتلیں۔"

رفیق کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ ہونٹ ہلے، لیکن وہ صرف تھوک نگل کر رہ گیا۔

"ڈرو نہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "تمہیں شاید آج رات تک اور قید میں رہنا پڑے۔ کل ضمانت ہو جائے گی اور ہاں ضمانت کے بعد جاؤ گے کہاں۔"

"مجھے نہیں معلوم کہ میں کہاں جاؤں گا۔ پیلی کوٹھی کے علاوہ میرا کوئی گھر نہیں تھا اور اب وہاں سب مجھ پر شبہہ کر رہے ہیں۔"

"خیر تم عدالت ہی میں رک کر میرا انتظار کرنا۔" فریدی نے پر خیال انداز میں کہا۔

پھر زہر

ایک ہفتہ گذر گیا۔ فریدی خلاف معمول بہت زیادہ خاموش تھا۔ وہ اس کیس کے متعلق بہت کم گفتگو کرتا تھا اور حمید کی الجھن بڑھتی جا رہی تھی۔ آخر اس نے تہیہ کیا کہ وہ خود ہی فریدی سے الگ تھلگ تحقیقات شروع کر دے گا۔ سب سے زیادہ بیتابی اُسے اس بات کی تھی کہ وہ کسی طرح اُن پرندوں کی موت کے متعلق معلوم کر لے۔ فریدی نے رفیق کو کیوں حوالات سے نکلوایا تھا۔ یہ چیز ابھی تک اس کیلئے معمہ بنی ہوئی تھی۔ اس نے اُسے اپنے ایک دوست کے یہاں ٹھہرا

دیا تھا۔ اُس نے یہ سب کچھ اپنی خود اعتمادی کے ساتھ کیا تھا جیسے اُسے یہ یقین ہو گیا تھا کہ رفیق کا اس سازش سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن حمید کو اس پر یقین نہیں تھا۔ بعض اوقات فریدی اصل مجرموں سے بھی دیدہ و دانستہ اپنی بے تعلقی ظاہر کرتا تھا جیسے وہ یا تو بے گناہ ہوں یا بالکل ہی معصوم۔

دوسری طرف وہ نصیر سے دوستی بڑھا رہا تھا۔ پیلی کوٹھی میں آمد و رفت بڑھ گئی تھی اور وہاں کے سارے افراد اس سے کافی بے تکلف ہو گئے تھے۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کیا سچ مچ فریدی کو عالیہ پسند آ گئی ہے۔ لیکن یہ ایک ایسا خیال تھا جس پر یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا تھا کیونکہ وہ اُسے اپنے الفاظ میں عورت پروف کے نام سے یاد کرتا تھا۔ حمید نے ایک بات اور نوٹ کی تھی وہ یہ کہ فریدی پیلی کوٹھی جاتے وقت عموماً اُسے نظر انداز کر جاتا تھا۔

حمید اس وقت گھر میں تنہا تھا۔ فریدی دفتر سے آنے کے بعد ناشتہ کر کے فوراً ہی کہیں چلا گیا تھا۔ آج تو خصوصاً اس کے رویئے پر اُسے بڑا تاؤ آیا تھا۔ مگر قہر درویش پر جانِ درویش۔ آج تو اس نے اس کے اس سوال کا جواب تک نہیں دیا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ اس نے اپنے کوٹ کے کالر میں بڑا سا گلاب کا پھول لگا رکھا تھا۔ تھوڑی دیر تک حمید اس گلاب کے پھول کے متعلق غور کرتا رہا تھا۔ پھر دفعتاً اس کا ذہن پیلی کوٹھی کی طرف گھوم گیا جہاں پچھلی شام کو بھی کچھ مردہ پرندے گرے تھے۔ وہ شروع ہی سے اُن کے متعلق سوچتا آیا تھا۔ کرنل اور اس کے بھائی کی پُراسرار موت نے اُس کے دل سے یہ خیال نکال دیا تھا کہ وہ کوئی آسیبی خلل ہے کیونکہ انہیں ختم کر دینے کے لئے جو طریقہ استعمال کیا گیا تھا وہ اس پر اچھی طرح روشن ہو گیا تھا اس نے عرصہ ہوا ان پرندوں کے متعلق ایک تدبیر سوچی تھی لیکن اسے آج تک عملی جامہ نہ پہنا سکا تھا۔

اس کی کاہلی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ فریدی بعض اوقات اُسے سچ مچ مکھیاں ہی مارنے پر مجبور کر دیتا تھا۔ جب ضرورت سمجھی کام لیا ورنہ پڑے پڑے باتیں بنایا کرو۔

حمید جھنجھلا کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے جلدی جلدی کپڑے پہنے۔ کاندھے پر شکار کا تھیلا اور رائفل لٹکائی اور گیراج سے موٹر سائیکل نکال کر پیلی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا۔ دولت گنج پہنچ کر اُس نے موٹر سائیکل راجروپ نگر والی سڑک کی طرف موڑ دی کیونکہ وہ پیلی کوٹھی کی پشت پر پہنچنا چاہتا تھا۔ سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا۔ دھوپ کی تیزی کم ہو گئی تھی۔ لیکن دن بھر کی جھلسی ہوئی زمین ابھی تک تپ رہی تھی۔

پیلی کوٹھی کی پشت پر پہنچ کر حمید نے موٹر سائیکل جھاڑیوں میں چھپا دی اور خود ایک اونچے درخت پر چڑھنے لگا۔ گنجان ٹہنیوں کے درمیان اس نے ایک ایسی مضبوط شاخ تلاش کر لی جس پر وہ کچھ دیر تک بیٹھ سکے۔ درخت کافی اونچا تھا اور جہاں حمید بیٹھا تھا وہاں سے پیلی کوٹھی کا پائیں باغ صاف نظر آ رہا تھا۔

ایک بڑی سی میز کے گرد کئی آدمی بیٹھے تھے۔ حمید نے شکار کے تھیلے سے دوربین نکالی اور اس کا فوکس ٹھیک کر کے پائیں باغ کی طرف دیکھنے لگا۔ میز پر چائے دانیاں اور فواکہات رکھے ہوئے تھے اور وہاں نصیر کے علاوہ گھر کے سارے افراد موجود تھے۔ فریدی بھی تھا۔ وہ ٹھیک عالیہ کے سامنے بیٹھا ہاتھ ہلا ہلا کر گفتگو کر رہا تھا۔ حمید دانت پیس کر رہ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پائیں باغ کی طرف سے بے تعلق ہو کر آسمان میں کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے پرندوں کی کئی قطاریں گذر گئیں لیکن ان میں سے ایک بھی لہرا کر نیچے نہ گرا۔ حمید مایوس ہو گیا۔ اُسے اپنی اس حماقت پر تاؤ آ گیا۔ آخر کیا تک ہے۔ خواہ مخواہ بندروں کی طرح درخت پر چڑھ بیٹھے ہیں۔ اس کا دل چاہا کہ کاندھے سے رائفل اتار کر پیلی کوٹھی کے پائیں باغ میں گولیوں کی بوچھاڑ کر دے۔

دفعتاً پرندوں کی ایک قطار پھر گذری اور ان میں سے کئی لہرا کر قطار سے الگ ہو گئے۔ پھر وہ قلابازیاں کھاتے اور اپنے پر پھٹپھٹاتے نیچے کی طرف جانے لگے۔ حمید نے یہ دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ پائیں باغ میں بیٹھے ہوئے لوگوں پر اس کا کیا ردعمل ہوا۔ وہ تحیر آمیز انداز میں پرندوں کی گذرتی ہوئی قطاروں کو دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اس کے منہ سے ہلکی سی آواز نکلی۔ ایک آدھ پرندے اب بھی گر رہے تھے۔

حمید نے جلدی جلدی ایک بار پھر دوربین کا فوکس ٹھیک کیا اور گردن کچھ اونچی کر کے دیکھنے لگا۔ دو تین پرندے اور گرے۔

بہرحال اس نے جو کچھ بھی دیکھا اس کے متعلق اخذ کئے ہوئے نتیجے پر قطعی مطمئن تھا۔

پھر اُس نے دوربین کا رخ پائیں باغ کی طرف پھیر دیا۔ وہ سب گرے ہوئے پرندوں کے گرد اکٹھا ہو گئے تھے لیکن فریدی ابھی تک اسی جگہ پر بیٹھا تھا۔ خود حمید کو پہلے ہی سے اتنی حیرت تھی کہ وہ اس پر مزید حیرت کا اضافہ کرنا فضول سمجھنے لگا۔

لیکن وہ انہیں ضرور متحیر کرنا چاہتا تھا۔ ذہن میں شرارت کے کیڑے کلبلا اٹھے تھے۔ ایسے موقعوں پر ہمیشہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی تھی۔ اس نے رائفل سیدھی کی، پیلی کوٹھی پر سے گذرتے ہوئے پرندوں کی قطار پر فائر کر دیا۔ ایک گرا اس نے جلدی میں یہ تک دیکھنا ضروری نہ سمجھا کہ پیلی کوٹھی والوں پر اس کا کیا ردعمل ہوا ہے، بس اس نے پھرتی سے رائفل کاندھے پر ڈالی اور نیچے اترنے لگا۔ اچانک اس کی نظریں پیلی کوٹھی کی طرف اٹھ گئیں۔ کچھ لوگ وہاں سے پچھواڑے کی طرف آ رہے تھے۔ حمید پھر اوپر چڑھ گیا۔ غنیمت یہی تھا کہ درخت کافی گنجان تھا لیکن حمید مطمئن نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ آنے والوں میں فریدی ضرور ہو گا۔ ایسی صورت میں آسانی سے بچ نکلنا معجزات میں سے ہو سکتا تھا۔

شفق کے رنگ گہرے ہو چکے تھے اور آہستہ آہستہ سارا جنگل دھند میں لپٹا جا رہا تھا۔ حمید ٹھیک اپنے نیچے لوگوں کے بولنے کی آوازیں سن رہا تھا۔ فریدی کہیں دور سے کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کچھ دیر ادھر اُدھر سر مارنے کے بعد وہ لوگ چلے گئے۔ اب کافی اندھیرا پھیل گیا تھا۔ حمید تھوڑی دیر تک کسی کی آہٹ کا منتظر رہا لیکن جب کچھ سنائی نہ دیا تو وہ آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگا۔ دفعتاً اس نے موٹر سائیکل اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی۔ لیکن اس کے کان پر جوں تک نہ رینگی کیونکہ یہ آواز بہت دور سے آئی تھی۔

لیکن نیچے آ کر جیسے ہی اُس نے اُن جھاڑیوں میں قدم رکھا جہاں موٹر سائیکل چھپائی تھی۔ اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی اور وہ گھبرا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔

قرب و جوار کی ساری جھاڑیاں چھان ماریں۔ مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ وہ سوچنے لگا کہ لے جانے والا اس سے زیادہ چالاک تھا۔ کیونکہ وہ اسے جھاڑیوں سے نکال کر کافی دور تک کھینچتا ہوا لے گیا تھا۔ پھر اسٹارٹ کر کے رفوچکر ہو گیا تھا۔

حمید نے سوچا کہ پیلی کوٹھی جائے۔ شاید فریدی وہاں موجود ہو لیکن پھر رائفل اور شکار کے تھیلے کا خیال آتے ہی اس نے ارادہ ملتوی کر دیا۔

دولت گنج تک پیدل آنے کے بعد اس نے ایک ٹیکسی کی اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اُس نے سوچا کہ شہر پہنچ کر موٹر سائیکل کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرا دے گا۔ وہ موٹر سائیکل اسے سرکاری طور پر ملی تھی اس لئے اُسے اور زیادہ الجھن تھی۔

برآمدے میں داخل ہوتے ہی اُس نے محسوس کر لیا کہ فریدی گھر میں موجود ہے۔ اس لئے اس نے رائفل اور تھیلا چپ چاپ سائیڈ کے کمرے میں رکھ دیئے۔

فریدی اندرونی برآمدے میں آرام کرسی پر لیٹا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔ حمید نے چپ چاپ اوپری منزل میں نکل جانا چاہا۔

"ذرا ادھر تشریف لائیے۔" فریدی نے اُسے آواز دی۔

"فرمائیے۔" حمید رک کر مڑا۔ اس کے لہجے میں جھنجھلاہٹ تھی۔

"قریب آؤ....!" فریدی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ "یہ کیا حرکت تھی۔"

"کیسی حرکت....؟"

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے یا نہیں۔"

"آخر آپ کہہ کیا رہے ہیں۔"

"تم نے درخت پر سے گولی کیوں چلائی تھی۔"

حمید بوکھلا گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ شاید فریدی نے اُسے دیکھ لیا تھا۔

"میری خوشی۔ میں اس کیس کی تفتیش الگ سے کر رہا ہوں۔"

"درخت پر چڑھ کر۔" فریدی طنزیہ لہجے میں بولا۔

"جس طرح مجھے آسانی ہو گی کروں گا۔"

"صاحبزادے ہو۔" فریدی نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ "خیر جو کچھ بھی ہوا بُرا نہیں ہوا۔ لیکن میں پوچھتا ہوں کہ یک بیک تمہارے سر پر بھوت کیوں سوار ہو گیا تھا اور پھر ذرہ برابر بھی احتیاط نہیں برت سکتے۔ حالانکہ تم نے واپسی میں بہت دور جا کر موٹر سائیکل اسٹارٹ کی تھی۔ لیکن پھر بھی.... انہوں نے دولت گنج کے تھانے میں رپورٹ درج کرا دی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم موٹر سائیکل کے ٹائر بدل ڈالو۔ چلو یہ کام ابھی کئے لیتے ہیں۔ آئندہ ایسی حماقت نہ کرنا۔"

فریدی کھڑا ہو گیا۔

"مگر.... مگر....!" حمید ہکلایا۔

"کیا....؟" فریدی دروازے کی طرف جاتے جاتے رک کر بولا۔

"کچھ نہیں۔"

"تو آؤ....!"

"بات کیا ہے....!"

"کیا بات ہے۔"

"ٹھہریئے تو....!"

"ارے تو بول نا بابا۔"

"موٹر سائیکل کوئی اڑا لے گیا۔"

"کیا....؟" فریدی غصے میں پلٹا۔ "میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔"

"آپ میرا قیمہ کر دیجئے۔ اب غلطی تو ہو ہی گئی۔"

"تو تمہیں اپنی غلطی کا اعتراف ہے۔"

"جی ہاں۔"

"اچھا کان پکڑو۔"

حمید نے کان پکڑ لئے۔

"مرغ کی بولی بولو۔"

"یہاں نہیں....!" حمید ادھر اُدھر دیکھ کر بولا۔

"آہستہ سے بولو۔"

"ککڑوں کوں۔" حمید آہستہ سے بولا۔

"شاباش....!" فریدی نے قہقہہ لگایا۔ "موٹر سائیکل گیرج میں موجود ہے۔"

"کیا....؟" حمید اچھل کر بولا۔

"جی ہاں....!" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر میں انہیں باتوں میں نہ بہلاتا تو انہیں موٹر سائیکل مل گئی ہوتی۔"

"لیکن آپ نے زبردست غلطی کی۔"

"کیوں....؟"

"اگر میں اندھیرے میں آپ کو گولی مار دیتا تو۔"

"آپ....!" فریدی نے اس کے منہ کے سامنے ہاتھ نچا کر کہا۔ "آپ میں اتنی صلاحیت

ہوتی تو رونا کس بات کا تھا۔"

"میں دھوکا کھا گیا۔" حمید نے کہا۔ "اگر آپ نے اسی جگہ اسٹارٹ کی ہوتی تو دیکھتا۔"

"مجھے پاگل کتے نے نہیں کاٹا تھا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "خیر تمہاری اس حرکت سے فائدہ ہی پہنچنے کی امید ہے۔ ورنہ اس وقت میرے ہاتھ میں ہنٹر ہوتا اور تم خاک و خون میں لوٹتے نظر آتے۔"

"آپ خواہ مخواہ اپنی طاقت کا رعب ڈالا کرتے ہیں۔" حمید بگڑ کر بولا۔ "کبھی .... او.... او.... اف۔" حمید جملہ نہیں کر پایا تھا کہ فریدی نے اس کی گردن پکڑ لی۔

"ہاں کیا کہہ رہے تھے۔" فریدی اس کی گردن دبوچے ہوئے بولا۔

"ارے ارے خدا کی قسم میں ابھی مر جاؤں گا۔" حمید غصیلی آواز میں بولا اور فریدی نے ہنس کر اس کی گردن چھوڑ دی۔

حمید تھوڑی دیر کھڑا گردن سہلاتا رہا پھر بولا۔

"سچ کہتا ہوں کہ آپ کی یہ ساری درندگی کافور ہو سکتی ہے۔" اس نے کہا۔ "بشرطیکہ آپ شادی کر لیں۔"

"ضرور کروں گا۔" فریدی نے کہا۔ "بشرطیکہ کوئی پتھر یا فولاد کی عورت مل جائے۔"

"تاکہ گھبراؤں تو ٹکرا بھی سکوں مر بھی سکوں۔" حمید نے احمد ندیم قاسمی کا مصرعہ پڑھ دیا۔

"خدا کی قسم بڑا پیارا شعر کہا ہے ندیم نے۔" فریدی نے آہستہ سے شعر پڑھا۔

اب یہ سوچا ہے کہ پتھر کے صنم پوجوں گا
تاکہ گھبراؤں تو ٹکرا بھی سکوں مر بھی سکوں

فریدی تھوڑی دیر خاموش رہا پھر کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ حمید بول پڑا۔

"ان مردہ پرندوں کے متعلق آپ نے کیا رائے قائم کی۔"

"میں جانتا ہوں کہ تم اسی لئے درخت پر چڑھے تھے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ تو روشن ضمیر ہیں۔" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

"روشن ضمیر تو نہیں لیکن تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"خیر میں فضول بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔" حمید اکتا کر بولا۔

"میں سمجھتا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تم کچھ بتانے کے لئے بیتاب ہو۔"

"جی ہاں....!" حمید نے اکڑ کر کہا۔ "وہ کسی قسم کے زہریلے پتنگے کھا کر مر جاتے ہیں۔"

فریدی بے اختیار ہنس پڑا اور حمید کا خون کھول کر رہ گیا۔ کیونکہ اس نے دوربین کے ذریعے صاف دیکھا تھا کہ پرندے فضا میں اڑتے ہوئے پتنگوں کو کھا کھا کر نیچے گر رہے تھے۔

"برخوردار انسان کے علاوہ اور سارے حیوانات میں ایک خاص قسم کی حس ہوتی ہے جس کے ذریعے انہیں اندازہ ہو جاتا ہے کہ کون سی چیز ان کے لئے بے ضرر اور کون سی مہلک ہے۔ انسان میں بھی وہ حس موجود ہے لیکن دوسری شکل میں ہم اُسے حس نہیں بلکہ ادراک کہتے ہیں۔"

"آپ کا فلسفہ نہ انہیں موت سے بچا سکتا ہے اور نہ ان پتنگوں کو بے ضرر ثابت کر سکتا ہے۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "کیونکہ میں نے خود دیکھا ہے۔"

"میں یہ تو نہیں کہتا کہ تم نے غلط دیکھا ہے۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"پھر آپ کیا کہتے ہیں۔" حمید جھلاہٹ میں تقریباً چیخ پڑا۔

"میں کہتا ہوں کہ وہ پتنگے بذات خود زہریلے نہیں ہیں۔"

"کیا مطلب....!"

"مطلب یہ کہ ان کی قسم قطعی بے ضرر ہے۔ وہ پیدائشی زہریلے نہیں۔"

"پھر....!"

"اُن کے پیروں کو زہریلا بنایا گیا ہے۔" فریدی نے کہا اور حمید متحیر ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

آخری حملہ

تھوڑی دیر کے لئے برآمدے میں سناٹا چھا گیا۔ پھر آخر حمید ہی نے خاموشی توڑ دی۔

"تو آپ اُن کے متعلق پہلے ہی سے جانتے تھے۔"

"پہلے سے اگر تمہاری مراد زیادہ دن ہیں تو میں بھی تمہاری ہی طرح اندھیرے میں تھا۔" فریدی نے کہا۔ "یہ بات مجھے کل معلوم ہوئی ہے۔ میں نے بھی وہی درخت استعمال کیا تھا جس پر

تم آج تھے، لیکن تم نے اُن پتنگوں کا ٹھکانہ معلوم کرنے کی کوشش نہ کی ہو گی۔"

"ٹھکانہ....!" حمید پھر چونک پڑا۔

"ہاں.... وہ جگہ جہاں سے پتنگے برآمد ہوتے ہیں۔" فریدی بولا۔ "میں ان کی خاصی بڑی تعداد پکڑ لایا ہوں۔ اگر تم کو میرے بیان پر اب بھی شبہ ہو تو میرے ساتھ آؤ۔"

فریدی اسے اس کمرے میں لایا جہاں اس نے سانپ پال رکھے تھے۔ اس نے ایک بریکٹ سے جالی کا ایک صندوق اٹھا کر میز پر رکھ دیا۔ اس میں ٹڈیوں کی شکل کے بے شمار پتنگے پھڑ پھڑا رہے تھے۔

فریدی نے چمٹی سے پکڑ کر ایک پتنگا نکالا اور اُسے ایک سانپ کے آگے ڈال دیا۔ قبل اس کے کہ پتنگا سنبھل کر اڑنے کی کوشش کرتا سانپ منہ مار کر اُسے چٹ کر گیا۔

پھر انہیں زیادہ دیر تک نتیجے کا انتظار نہ کرنا پڑا۔ سانپ نے پہلے تو زمین پر سر رکھ دیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں اتنے زور سے اچھلا کہ وہ دونوں چونک کر پیچھے ہٹ گئے۔

تھوڑی دیر تک تڑپتے رہنے کے بعد وہ سرد ہو گیا۔

پھر فریدی نے دوسرا پتنگا نکالا اور اُس کے پر توڑ دیئے۔ وہ دوسرے سانپ کے آگے ڈالا گیا۔ تقریباً دس منٹ انتظار کرنے کے باوجود بھی حمید نے اُس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ پائی۔

"تمہاری بے یقینی کی وجہ سے میرے ایک سانپ کا خون ہو گیا۔" فریدی نے کمرے سے نکلتے ہوئے کہا۔

"آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں جیسے مرغ یا کبوتر کا خون ہو گیا ہو۔"

"غیر متعلق بات مت چھیڑو۔"

"ضرور چھیڑوں گا۔" حمید نے کہا۔ "میں کہتا ہوں آخر یہ سب کباڑ خانہ یہاں سے کب ہٹے گا۔"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ حمید دراصل غیر متعلق باتیں کر کے اپنی جھینپ مٹانا چاہتا تھا۔

"لوگ آپ کو خبطی کہنے لگے ہیں۔" حمید پھر بولا۔ "میں نے تو آج تک کسی سنجیدہ اور باہوش آدمی کو سانپ پالتے نہیں دیکھا۔"

"طوطا پالتے دیکھا ہے آپ نے۔" فریدی بولا۔

دیکھا ہے.... پھر....!"

"وہ دودھ دیتا ہے یا اس کے انڈے کھائے جاتے ہیں۔"

"خوبصورت پرندہ ہے۔"

"مجھے سانپ خوبصورت لگتے ہیں۔"

"ارے صاحب خدا کرے آپ کو مینڈک اور کچھوے بھی خوبصورت لگیں میرے باپ کا کیا جاتا ہے۔"

"فضول باتوں میں اپنی اس وقت کی شرمندگی چھپانے کی کوشش نہ کرو۔"

"آپ کے پاس اس کے علاوہ اور کیا جواب ہو سکتا ہے۔" حمید ڈھٹائی سے بولا۔

"بکو مت۔" فریدی نے کہا اور بیرونی برآمدے کی طرف چلا گیا۔

حمید تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر ہولے ہولے سیٹی بجاتا ہوا خود بھی برآمدے کی طرف چلا گیا۔

"حمید....!"

"فرمایئے۔"

"ادھر آؤ۔"

"آ گیا۔"

"بیٹھ جاؤ۔"

"بیٹھ گیا۔"

"جہنم میں جاؤ۔"

"پاسپورٹ بنوا دیجئے۔"

"تم امریکی انداز میں سیٹی نہ بجایا کرو۔"

"آپ تو شاید میرے مرنے پر بھی تنقید سے باز نہ آئیں گے۔"

"اگر بد سلیقگی سے مرے تو اس کی توقع ضرور رکھو۔"

حمید تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔

"آج کل بہت موڈ میں معلوم ہوتے ہیں۔"

فریدی جواب دینے کی بجائے سگار سلگانے لگا۔

"فرمایئے! آپ کا عشق کن منزلوں میں ہے۔" حمید تھوڑے توقف کے بعد بولا۔

"اگر بات کرنے کے لئے کوئی ڈھنگ کا موضوع نہ سوجھے تو خاموش ہی رہا کرو۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ پھاٹک پر ایک کار آ کر رکی اور کوئی اتر کر پھاٹک میں داخل ہوا۔ رکھوالی کرنے والا السیشین بھونکنے لگا۔

"نیو۔" فریدی نے اُسے ڈانٹا۔

آنے والا کیپٹن اشرف تھا اور بہت زیادہ گھبرایا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"آیئے! آیئے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "سب خیریت۔"

"خیریت کہاں.... اب میں۔" اس کی سانس پھول رہی تھی۔ وہ دھم سے ایک کرسی میں گر گیا۔

"کیا بات ہے؟" حمید اُس کی طرف جھپٹا۔

اشرف نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ دبا ہوا تھا۔ حمید اسے لے کر احمقوں کی طرح دیکھنے لگا۔ پھر اس نے بوکھلا کر فریدی کو دے دیا۔

"اوہ....!" فریدی لفافہ کھولتے ہی چونک پڑا۔ "تو آپ کی بھی باری آ گئی۔"

"کیا بات ہے۔" حمید نے بیساختہ پوچھا۔

"وہی خط۔"

"ارے۔"

فریدی تھوڑی دیر تک اس عجیب و غریب جانور کی تصویر دیکھتا رہا پھر لفافے پر کی تحریر پر نظریں جما دیں۔ اس پر کیپٹن اشرف کا نام لکھا ہوا تھا۔

"یہ خط آپ کو کب اور کس طرح ملا۔" فریدی نے اشرف سے پوچھا۔

"ابھی کچھ دیر قبل کھانا کھانے کے بعد جب میں اپنے سونے کے کمرے میں گیا یہ میرے تکئے پر رکھا ہوا تھا۔"

"ہوں....!" فریدی نے پر خیال انداز میں سر ہلایا۔

"میں کیا کروں۔" اشرف مایوسانہ انداز میں بولا۔

"ہمت کیجئے۔ آپ تو ملٹری کے آدمی ہیں۔"

"اگر آمنے سامنے کا مقابلہ ہوتا تو بات بھی تھی۔" اشرف نے کہا۔

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" فریدی کچھ سوچنے لگا۔

"میں نے گھر میں کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ سیدھا آپ کے پاس چلا آیا۔"

"آپ نے اچھا کیا۔" فریدی نے کہا۔ "رفیق کے بیان کے مطابق ہمارا مقابلہ ایک پراسرار شخصیت سے ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں آپ کو اور زیادہ خوفزدہ نہیں کرنا چاہتا۔"

"پھر بھی.... مجھے اندھیرے میں نہ رکھئے۔"

"وہ آپ کے چچا کا ایک بہت پرانا دشمن ہے۔"

"کون....!"

"افریقہ کا ایک پُراسرار باشندہ۔"

"کچھ اور بھی بتایئے۔"

فریدی نے رفیق کا بیان دھرا دیا۔ اشرف خوفزدہ آواز میں ہنسنے لگا۔

"اول تو مجھے اُس جانور کے وجود پر ہی شبہ ہے اور اگر اس قسم کی کوئی بات ہوئی ہوتی تو چچا جان مجھے ضرور بتاتے۔ انہوں نے اپنے افریقہ کے بہتیرے کارنامے بتائے ہیں۔"

"ممکن ہے کسی وجہ سے اس کا تذکرہ نہ کیا ہو۔"

"کسی نہ کسی سے تو ضرور کرتے۔"

"پھر آخر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" فریدی نے سوال کیا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہوں۔"

"رفیق اتنا ذہین نہیں معلوم ہوتا کہ قتل کے اتنے نادر طریقے سوچ سکے۔"

"پھر....!"

"مجھے اس کا بیان صحیح معلوم ہوتا ہے۔"

"تو کیا وہ پُراسرار آدمی یہاں آ گیا ہے۔"

"میں اس کے متعلق وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔"

"خیر وہ ہو یا نہ ہو۔" اشرف گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "یہ بتایئے کہ اب میں کیا کروں۔"

"احتیاط برتئے۔"

"کیا چچا صاحب نے احتیاط نہ برتی ہوگی۔ والد صاحب بھی کافی محتاط تھے۔ مگر۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" فریدی نے بجھا ہوا سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "میں پیلی کوٹھی کی نگرانی کیلئے دس بارہ کانسٹیبل بھجوا دوں گا۔ ان میں سے دو آپکے کمرے کے سامنے رہیں گے۔"

"کیا یہ احتیاط مجھے بچا لے گی۔" اشرف کے لہجے میں بڑی مایوسی تھی۔

"مسٹر اشرف ہمت کیجئے۔" فریدی نے اُسے پھر دلاسا دیا۔ "میں ابھی فون پر ایس۔ پی کی اجازت لے کر آپ کے یہاں کانسٹیبل بھجواتا ہوں اور میں خود بھی غافل نہ رہوں گا۔"

اشرف کچھ دیر تک بیٹھا رہا۔ اس دوران میں فریدی نے ایس۔ پی کو فون کر کے اجازت حاصل کر لی۔

"آپ بے فکر رہئے۔"

اشرف جانے کے لئے اٹھا۔ اس کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اس نے دونوں سے مصافحہ کیا اور برآمدے سے اتر گیا۔ السیشین پھر بھونکا اور فریدی نے اسے ڈانٹ کر چپ کرا دیا۔

تھوڑی دیر بعد کار اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی اور ساتھ ہی ایک چیخ بھی سنائی دی۔ پھر کوئی گرا۔ انجن کی آواز فضا میں منتشر ہو رہی تھی۔

السیشین بھونکتا ہوا پھاٹک کی طرف دوڑا۔ فریدی اور حمید بھی بڑھے۔

اور پھر انہوں نے ایک دل ہلا دینے والا منظر دیکھا۔ اشرف کی کار کی اگلی نشست کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ اس کے دونوں پیر اندر تھے اور آدھا دھڑ نیچے زمین پر تھا۔ ہاتھ پھیل گئے تھے۔ کار کا انجن شور مچا رہا تھا۔ فریدی نے ہاتھ بڑھا کر انجن بند کر دیا۔

سڑک بالکل سنسان تھی۔ پھر فریدی نے السیشین کا پٹہ پکڑ کر اُسے پھاٹک کے اندر دھکیل دیا۔

فریدی کے سارے نوکر بھی اکٹھا ہو گئے تھے۔

اشرف گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ فریدی نے کار کے اندر نظر ڈالی۔ بریکوں کے پاس ایک انجکشن لگانے والی سرنج پڑی ہوئی تھی۔ اُس نے اسے احتیاط سے اٹھا لیا۔ اُس میں کوئی سیال

شے بھری ہوئی تھی۔

اشرف کو سڑک سے اٹھا کر اندر لایا گیا۔ قریب ہی ایک ڈاکٹر کی بھی کوٹھی تھی۔ فریدی نے اُسے فون کیا اور وہ پانچ منٹ کے اندر ہی اندر وہاں پہنچ گیا۔

سب خاموش کھڑے تھے۔ حمید کبھی فریدی کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی اشرف کی طرف، جو ابھی تک گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

"صرف بیہوشی۔" ڈاکٹر نے سر اٹھا کر کہا۔ "کوئی خاص بات نہیں۔ میرا خیال ہے کہ بیہوشی محض خوف کا نتیجہ ہے۔"

فریدی نے پر خیال انداز میں سر ہلا دیا۔

ڈاکٹر اشرف کو ایک انجکشن دے کر چلا گیا۔

"یعنی بالکل ہمارے سر پر۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

فریدی مسکرانے لگا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔

"میرا خیال ہے کہ اگر السیشین اس کی چیخ سن کر دوڑا نہ ہوتا تو وہ اپنا کام کر ہی گیا تھا۔" حمید پھر بولا۔

"ہو سکتا ہے۔" فریدی پر خیال انداز میں بولا۔ اس کی نظریں اشرف پر جمی ہوئی تھیں جس میں اب ہوش کے کچھ کچھ آثار پیدا ہو چلے تھے۔ پھر اُس نے کراہ کر کروٹ بدلی۔ ساتھ ہی اس کی آنکھیں بھی آہستہ آہستہ کھلنے لگیں اور وہ یک بیک اٹھ بیٹھا۔

"میں بھی مرا.... ہائے۔" وہ پھر دھڑ سے لیٹ گیا۔

"آپ بچ گئے ہیں۔" فریدی مسکرایا۔

اشرف اس طرح فریدی کو دیکھ رہا تھا جیسے اُسے اس کی بات پر یقین نہ ہو۔

"آپ واقعی بچ گئے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

اشرف پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ اپنا بایاں ہاتھ دبا رہا تھا۔

"لیکن یہ واقعہ پیش کس طرح آیا۔" فریدی نے پوچھا۔

"اوہ.... میں۔" اشرف رک رک کر بولا۔ "میرا ہاتھ گیئرز پر تھا کہ کوئی تیز چیز چبھی۔" اس نے اپنا ہاتھ فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

فریدی نے ایک جگہ انگلی رکھ کر اُس کی طرف سوالیہ انداز سے دیکھا۔

"یہیں....!" اشرف نے سر ہلا دیا۔

"میرے ذہن میں میرے باپ کی موت گونج اٹھی۔" اشرف آہستہ سے بولا۔ "پھر مجھے کچھ یاد نہیں۔"

"اس کا حملہ کامیاب نہیں ہوا۔" فریدی نے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن.... اب میں۔" اشرف کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"میں خود آپ کو اس وقت واپس جانے کی اجازت نہ دوں گا۔" فریدی نے کہا۔

اشرف کے چہرے سے اطمینان جھلکنے لگا۔

"بلکہ میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ ان سب کو بھی کچھ دنوں کے لئے یہیں بلا لوں۔"

فریدی کے اس جملے پر حمید کے خیالات کی رو عالیہ کی طرف بہک گئی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا فریدی سچ مچ عالیہ کو پسند کرنے لگا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ اُن سب کو یہاں بلانے کا ارادہ کیوں ظاہر کرتا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ دھمکی صرف کرنل اور اس کے وارثوں کے لئے تھی۔ کرنل کا آخری وارث حملے کے باوجود بھی بچ گیا تھا۔ پھر اب ان لوگوں کی اتنی حفاظت کیا معنی رکھتی تھی۔ ہاں اشرف کی موت کے بعد پھر ڈاکٹر قدیر وارث ہو سکتا تھا۔ مگر جب تک اشرف زندہ ہے اس کے لئے کوئی خطرہ نہیں.... پھر؟

حمید کا ذہن عالیہ کے علاوہ اس الجھن کا کوئی جواز نہ پیش کر سکا۔

"ان لوگوں کو۔" اشرف تھوڑی دیر بعد بولا۔ "میرے خیال سے انہیں تو کوئی خطرہ نہیں۔"

"شائد آپ وہ آج شام والا فائر بھول گئے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اوہ! مجھے اپنی پریشانی میں اس کا دھیان ہی نہیں تھا۔"

"اُس فائر سے میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ دشمن کسی وقت کھل کر بھی سامنے آ سکتا ہے۔"

حمید کی الجھن اور بڑھ گئی۔ فریدی جان بوجھ کر غلط بیانی سے کام لے رہا تھا۔ آخر کیوں؟ اور پھر اس وقت اس فائر کا تذکرہ کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

پھر تھوڑی دیر بعد فریدی پیلی کوٹھی والوں کو فون کر رہا تھا۔ "ہیلو! ڈاکٹر قدیر! میں فریدی بول رہا ہوں۔ کیپٹن اشرف کو ایک حادثہ پیش آ گیا ہے۔ لیکن وہ بالکل بخیریت ہیں۔ کوئی گھبرانے

کی بات نہیں۔ آج رات وہ میرے مہمان رہیں گے.... نہیں نہیں واقعی وہ بخیریت ہیں.... اگر کہئے تو خود ان کو فون پر بلاؤں.... خیر.... بھئی میں تو یہ مشورہ دوں گا کہ آپ سب کچھ دنوں کے لئے یہاں آجایئے۔ آپ کو کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ سب بہت خطرناک پوزیشن میں ہیں۔"

وہ مجرم

دوسرے دن بھی فریدی نے اشرف کو نہ جانے دیا۔ حمید الجھن میں تھا کہ آخر فریدی نے اشرف کو اس سیر بیچ کے متعلق کیوں نہیں بتایا تھا اس کے پوچھنے پر فریدی نے صرف یہ بتایا کہ وہ اسے اور زیادہ خوفزدہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسی دن دوپہر کو اشرف کو بخار ہو گیا اور شام تک پیلی کوٹھی کے سارے افراد فریدی کی کوٹھی میں اکٹھا ہوگئے۔ ان کے وہاں قیام کرنے کے سلسلے میں ڈاکٹر قدیر کے علاوہ اور سب متفق تھے اور وہ آخیر تک اپنی بات پر اڑا رہا۔ آخر طے یہ پایا کہ قدیر پیلی کوٹھی ہی میں رہے گا۔ فریدی نے اس کے علاوہ اور سب کا انتظام کر دیا۔ بہر حال وہ ڈاکٹر قدیر کی ضد پر متردد نظر آرہا تھا لیکن نہ جانے کیوں اس نے بہت زیادہ اصرار نہیں کیا۔

اُس کی تاکید تھی کہ کوئی گھر سے باہر نہ جائے۔ نصیر نے اس پر بڑی واویلا مچائی۔

"آخر کیوں؟" فریدی نے پوچھا۔ "اگر دو چار دن گھر ہی پر رہ جاؤ گے تو کونسی مصیبت ٹوٹ پڑے گی۔"

"میں بغیر پیے نہیں رہ سکتا۔"

"بہت بُری عادت ڈال لی ہے تم نے۔" فریدی نے کہا۔ "خیر آؤ۔ میرے ساتھ میں تمہارا یہ عذر لنگ بھی باقی نہ رہنے دوں گا۔"

وہ اُسے ایک چھوٹے سے کمرے میں لایا جہاں اعلیٰ درجے کا فرنیچر موجود تھا اور دیواروں پر مصوری کے نادر نمونے نظر آرہے تھے۔ فرش پر بہترین قسم کا ایرانی قالین تھا۔

فریدی ایک الماری کا پٹ کھول کر کھڑا ہو گیا۔ نیچے سے اوپر تک عمدہ قسم کی شراب کی بوتلیں چنی ہوئی تھیں۔

"گڈ لارڈ....!" نصیر تحیر آمیز آواز میں بولا۔ پھر فریدی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ "آپ بہت اونچی شرابیں پیتے ہیں۔"

"میں نہ اونچی پیتا ہوں نہ نیچی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہ صرف ان مہمانوں کے لئے ہیں جو اس سے شوق کرتے ہیں۔"

"آپ بہت گریٹ آدمی ہیں۔" نصیر فریدی کا شانہ دبا کر بولا۔

"لیکن پی کر ہلڑ نہیں مچاؤ گے۔" فریدی نے اس کا ہاتھ ہٹا کر کہا۔ "پیو اور وہ سامنے کوچ ہے چپ چاپ سُو رہو۔ کیا سمجھے، ورنہ میرے خطرناک کتے تمہیں نوچ کھائیں گے۔"

بیگم عارف، بیگم نواز اور عالیہ فریدی کی کوٹھی دیکھتی پھر رہی تھیں۔ حمید ان کے ساتھ تھا۔

سانپوں والے کمرے کے قریب سے گذرتے وقت حمید نے کہا۔

"اس میں فریدی صاحب کے بعض رشتے دار رہتے ہیں۔"

"اس کمرے میں۔" عالیہ بولی۔

"ہاں آپ کو حیرت کیوں ہے۔"

"آپ نے کہا بعض رشتے دار.... کیا کئی ہیں۔"

"کئی نہیں درجنوں۔"

"بھلا اتنے سے کمرے میں۔"

"اگر یقین نہ ہو تو اس کھڑکی سے جھانک کر دیکھ لیجئے۔"

عالیہ کھڑکی کے قریب آگئی اور پھر چیخ کر لوٹ پڑی۔

"سانپ....!" وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

دونوں عورتیں بھی بڑھیں لیکن انہیں بھی گھبرا کر پیچھے ہٹ جانا پڑا۔

کمرے کے اندر فرش پر کئی بڑے بڑے سیاہ رنگ کے سانپ رینگ رہے تھے۔

"یہ گھر نہیں مداری کا جھولا ہے۔" حمید ہنس کر بولا۔

"لیکن سانپ کیوں۔" بیگم نواز نے کہا۔

"بس شوق ہی تو ہے۔" حمید بولا۔ "لیکن گھبرایئے نہیں۔ کمرے کی بناوٹ ایسی ہے کہ باہر نہیں آسکتے۔"

"تیس چالیس تو کتے ہی ہوں گے۔" بیگم عارف نے بیگم نواز سے کہا۔

"کتے تو خیر سبھی پالتے ہیں، لیکن سانپ۔" عالیہ بولی۔ "انہیں کھلاتا پلاتا کون ہے۔"

"خود فریدی صاحب۔"

وہاں سے وہ لوگ آگے بڑھ گئے۔ عجائبات کے کمرے میں وہ تقریباً آدھ گھنٹے تک رہے۔

"اور وہ اپنی دولت اسی طرح برباد کر رہے ہیں۔" بیگم نواز نے کہا۔

"کہیں ان کے سامنے یہی جملہ نہ دہرا دیجئے گا۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "وہ اپنی دانست میں بہت بڑا کام کر رہے ہیں۔"

"شادی کیوں نہیں کرتے۔" بیگم عارف نے کہا۔

"یہ ایک دلچسپ داستان ہے۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "ایک بار انہیں ایک نجومی نے بتایا کہ تمہاری دو شادیاں ہوں گی۔ جھلا کر بولے میں ایک بھی نہ کروں گا۔ تب سے اب تک اپنی بات پر اڑے ہوئے ہیں اور میں اس نجومی کی تلاش میں ہوں۔"

"کیوں....!" عالیہ بولی۔

"تاکہ میں اس بات پر کسی طرح اسے راضی کروں کہ وہ اپنے الفاظ واپس لے لے۔"

عورتیں ہنسنے لگیں۔

"نہیں واقعی کیوں نہیں شادی کرتے۔" بیگم نواز نے کہا۔

"اگر کسی لڑکی سے آپ کو دشمنی ہو تو پھر میں کوشش کروں۔" حمید بولا۔

"کیوں.... میں نہیں سمجھی۔"

"کمال کرتی ہیں آپ بھی۔ کوئی شامت زدہ ہی فریدی صاحب کی تقدیر سے ٹکرائے گا۔"

"ارے اُسے یہ سارے کتے، سانپ بچھو اود بلاؤ نوچ نہ کھائیں گے۔"

عالیہ ہنسنے لگی۔

"اور آپ.... آپ اپنے متعلق کیا کہتے ہیں۔" بیگم عارف نے ہنس کر کہا۔

"ارے ہی ہی ہی۔" حمید نے شرمانے کی بڑی عمدہ ایکٹنگ کی۔

وہ لوگ ایک اور کمرے کے قریب سے گذرے اور بیگم عارف چونک پڑی۔ اس کا لڑکا نصیر ایک میز کے سامنے بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ میز پر شراب کی بوتل اور گلاس رکھا ہوا تھا۔

حمید نے سوچا کہ وقت بڑے مزے میں کٹ جائے گا۔ فریدی نے اس کی ڈیوٹی لگا دی تھی کہ وہ اس کے ساتھ گھر پر رہے گا۔

حمید عالیہ وغیرہ کو ان کے ٹھکانے پر پہنچا کر اُسی کمرے میں لوٹ آیا جہاں نصیر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ نیم وا آنکھوں سے حمید کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور حمید کی ہتھیلی کھجلانے لگی۔

"آیئے آیئے.... پیارے بھائی۔" وہ نشے میں بڑبڑایا۔

حمید اسکے قریب بیٹھ کر اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ پھر بوتل اٹھا کر دیکھی جو خالی تھی۔

"اور چاہئے۔" حمید نے اس سے پوچھا۔

"نہیں پیارے بھائی۔" وہ رک رک کر بولا۔ "فر.... فر.... فدائی صاحب نے کہا تھا.... سوجانا۔"

"واہ یار نرے اناڑی معلوم ہوتے ہو۔" حمید ہنس کر بولا۔ "سوگئے تو پھر پینے کا مزہ ہی کیا۔ نہیں اور پیو۔"

اس نے الماری سے دوسری بوتل نکالی اور میز پر رکھ دی۔

نصیر پھر پینے لگا۔

"یار وہ تمہاری محبوبہ! ابھی اشرف کے کمرے میں تھی۔"

"کون عالیہ....!" نصیر کھڑا ہو گیا۔

"ہاں....!"

"میں دونوں کو شوٹ کر دوں گا۔"

"اب اس وقت جانے دو۔ وہ اس کے سر میں تیل لگا رہی ہے۔"

"خدا کی قسم مار ڈالوں گا۔" وہ مٹھیاں بھینچ کر لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھا۔

"نہیں یار بُری بات ہے۔" حمید نے اُسے پکڑ لیا۔

"ہو گی سالی بوری بات۔ تم ہاٹ جاؤ۔"

"جانے بھی دو صبر کرو۔ واقعی تم پر ظلم ہو رہا ہے۔"

"مجھ پر ظلم۔ ہائے مجھ پر ظلم۔ پیارے بھائی۔" وہ حمید کی گردن سے لپٹ گیا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ "ظلم.... ہائے ظلم۔"

"صبر کرو.... صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔" حمید نے کہا اور دو تین تھپکیاں دے کر اُسے چھوڑ دیا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا باہر جانے لگا۔ فریدی آفس جا چکا تھا۔ اس لئے حمید مطمئن تھا۔

نصیر آگے تھا اور حمید پیچھے.... جیسے ہی وہ کاریڈر کے سرے پر مڑے سامنے سے اشرف آتا دکھائی دیا اور حمید جھپٹ کر ایک کمرے میں چلا گیا۔

نصیر نے اشرف کی گردن میں ہاتھ ڈال دیا تھا۔ اشرف نے اُسے پرے جھٹک دیا۔

"یہ کیا بیہودگی۔" وہ گرج کر بولا۔

"ہائیں یہ بیہودگی ہے.... تیل مالش ہوتی ہے.... میں صبر کروں گا.... صبر کا پھل.... صبر کا پھل.... کیا ہوتا ہے.... پیارے بھائی۔" اس نے حمید کو آواز دی۔

"تمہیں شرم نہیں آتی۔" اشرف اس کا گریبان پکڑ کر بولا۔ "دوسرے کے گھر میں بھی وہی حرکتیں۔"

"یہ میرے باپ کا گھر ہے۔ ہائے.... ہائے.... تیل مالش.... تیل مالش.... بوٹ پالش.... آلو چھولے.... آج کا تازہ اخبار.... خستہ کراری گزک۔"

"کیا بک رہے ہو۔"

"بارہ مسالے کی چاٹ.... چرچرا کے ٹوٹی کھاٹ.... فرنچ لے.... لے.... لپ۔"

اشرف نے بڑھ کر اس کا منہ دبا دیا۔ دونوں میں ہاتھا پائی ہونے لگی اور حمید بھی نکل آیا۔

"ذرا میری مدد کیجئے۔" اشرف ہانپتا ہوا بولا۔ "مجھے سخت شرمندگی ہے۔"

"سس.... سالے.... تیل مالش....!" نصیر نے اشرف کے سر پر دو ہتھڑ رسید کر دیا۔

اشرف نے اس کے دونوں ہاتھ جکڑ لئے۔

اشرف قابل تعریف حد تک اس کی حرکتوں کو برداشت کر رہا تھا۔ اُس نے اس دوران کوئی ایسا رویہ اختیار نہیں کیا جسے انتقامی اسپرٹ سے تعبیر کیا جا سکتا۔ اس کا انداز پند گانہ تھا۔

پھر حمید اور اشرف نے مل کر اُسے مہمان خانے کے ایک خالی کمرے میں بند کر دیا۔

حمید کو بڑا لطف آ رہا تھا۔ لیکن پھر اُس نے سوچا کہ کہیں بات بڑھ کر فریدی تک نہ جا پہنچے۔ اس لئے اس نے زیادہ چھیڑ چھاڑ کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

دوسرے دن صبح تک وہ یہ بھی بھول گیا کہ وہ لوگ یہاں کیوں آئے ہیں۔ پچھلی رات کو

کافی دیر تک متعدد قسم کے دلچسپ مشاغل جاری رہے تھے۔ پھر گیارہ بجے سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

دوسرے دن فریدی نے ڈاکٹر قدیر کو فون کیا اور اس سے استدعا کی کہ وہ رات کا کھانا اسی کے ساتھ کھائے۔

"آخر یہ قدیر بھی کیوں نہیں آ گیا۔" حمید نے فریدی سے پوچھا۔

"ڈرپوک آدمی نہیں ہے۔" یہ فریدی کا مختصر جواب تھا۔

رات کو سب کھانے کے کمرے میں اکٹھا تھے اور ڈاکٹر قدیر کا انتظار ہو رہا تھا۔ نصیر اس وقت بھی نشے میں تھا لیکن نہ جانے کیوں فریدی کی موجودگی میں بہت زیادہ محتاط نظر آ رہا تھا۔ اگر کبھی کسی بات پر بے تحاشہ ہنستا بھی تو قہقہے کو ذرا دبائے ہوئے۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ آواز کو زیادہ بلند ہونے سے روک رہا ہے۔

تھوڑی دیر بعد قدیر بھی آ گیا۔ وہ پندرہ منٹ دیر سے پہنچنے پر معذرت طلب کر رہا تھا۔

کھانے کے دوران میں زیادہ تر تفریحی باتیں ہوتی رہیں۔ حمید نے لطیفے شروع کر دیئے تھے۔ عالیہ دل کھول کر ہنس رہی تھی اور نصیر دانت پیس رہا تھا۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔ کبھی کبھی ڈاکٹر قدیر اور کیپٹن اشرف عالیہ سے گفتگو کرنے لگتے تھے وہ ان دونوں کے بیچ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ نصیر دوسری طرف ٹھیک اس کے سامنے تھا۔

کھانے کے بعد وہ سب تمباکو نوشی کے کمرے میں کافی کا انتظار کرنے لگے۔

ڈاکٹر قدیر نے اشرف پر حملے کا تذکرہ چھیڑ دیا۔ وہ فریدی سے حملے کا طریقہ پوچھ رہا تھا۔

"طریقہ وہی تھا جس کا اظہار میں بہت پہلے کر چکا ہوں۔ زہر کا انجکشن....!"

اشرف بے اختیار چونک پڑا۔

"آپ نے یہ بات مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی تھی۔" اس نے کہا۔

"میں آپ کو اور زیادہ خوفزدہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔" فریدی بولا۔ "پھر اس نے جیب سے ایک سرنج نکالی۔"

"یہ اشرف صاحب کی کار میں پائی گئی تھی اور ایک سریع الاثر زہر سے لبریز تھی۔"

قدیر نے ہاتھ بڑھا کر وہ سرنج فریدی کے ہاتھ سے لے لی اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔

فریدی کی نظریں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"یہ شاید میری ہی ہے۔" قدیر نے لاپروائی سے کہا اور سرنج فریدی کو واپس کر دی۔

سب لوگ چونک کر قدیر کو دیکھنے لگے۔ صرف فریدی کا چہرہ استعجاب کے اظہار سے عاری تھا۔

"مجھے اسی کی توقع تھی۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

اتنے میں کافی آگئی لیکن ان میں سے کوئی بھی کافی لینے کے موڈ میں نہیں تھا۔

سب کی نظریں قدیر کی طرف اٹھی ہوئی تھیں اور اسکے چہرے سے بیزاری ظاہر ہو رہی تھی۔

"آپ لوگ کافی پیجئے نا۔" فریدی نے کہا۔ "ڈاکٹر قدیر کی سرنج ہونے سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ وہ حقیقتاً مجرم ہیں۔"

فریدی نے صرف عالیہ کے چہرے پر اطمینان کی جھلک دیکھی اور وہ ڈاکٹر قدیر کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ مجرم نے انہیں پھنسانے کے لئے یہ حرکت کی ہے۔" اشرف نے کہا۔

"میں تو یہی سمجھتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور پھر جھک کر کافی لانے والے نوکر کے کان میں کچھ کہنے لگا۔ نوکر سر ہلا کر چلا گیا۔

وہ سب اپنی پیالیوں میں کافی انڈیل رہے تھے۔

"عالیہ صاحبہ نے غالباً اس گھر کو مداری کے جھولے سے تشبیہہ دی تھی۔" فریدی نوکر کے ہاتھ سے گوشت لیتا ہوا بولا۔

"جی نہیں! میں نے حمید صاحب کا جملہ دہرایا تھا۔" عالیہ نے مسکرا کر کہا۔

"بہر حال میں آپ لوگوں کو ایک شعبدہ دکھانا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"ٹھہریئے۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں پیسہ اکٹھا کرنے کے لئے ڈبہ بھی لیتا آؤں۔ بڑے بڑے صاحب لوگ موجود ہیں۔"

سب ہنسنے لگے اور حمید تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔ اس نے خطرے کی بو سونگھ لی تھی، لیکن اسے بہت دیر میں ہوش آیا۔ فریدی کی آنکھوں میں درندگی کی جھلک پیدا ہو گئی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس وحشت خیز چمک کا کیا مطلب ہے۔

اس نے اپنے کمرے میں آکر میز کی دراز سے پستول نکالا اور جیب میں ڈال لیا اور پھر تمباکو کا ایک خالی ڈبہ لے کر تمباکو نوشی کے کمرے میں لوٹ آیا اور ڈبے کو میز پر رکھتا ہوا بولا۔ "ہاتھ کی صفائی پیٹ کے لئے۔ جو جس کے جی میں آئے تماشے کے بعد ڈبے میں ڈال دے۔ ورنہ سخی کا بول بالا اور سوم کا منہ کالا۔"

ایک بار پھر قہقہہ پڑا اور حمید فریدی کو آنکھ مار کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ خود اس کا دل بڑی شدت سے دھڑک رہا تھا اور اس کی نظریں نصیر پر جمی ہوئی تھیں۔

فریدی نے ایک ڈبیہ سے ایک سنگریزہ نکالا اور اسے چمٹی سے پکڑ کر سب کو دکھاتا ہوا بولا۔ "یہ آگ تو نہیں۔"

سب لوگ ہنسنے لگے۔ وہ پھر بولا۔ "خوب غور سے دیکھ لیجئے۔"

پھر اس نے وہ سنگریزے گوشت کے ٹکڑے پر رکھ دیئے اور دیکھتے ہی دیکھتے دھوئیں کی ایک پتلی سی لکیر اوپر اٹھ کر بل کھانے لگی۔

"قدیر صاحب۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہی وہ سنگریزہ ہے جس نے کرنل کی جان لی تھی۔ اُن کے زخم پر جلنے کا نشان تو آپ کو یاد ہی ہو گا۔"

"لیکن یہ ہے کیا بلا۔" ڈاکٹر قدیر مضطربانہ انداز میں بولا۔

"پوائزو ینا مچھلی کے سر کا سنگریزہ۔"

"پوائزو ینا مچھلی۔" اشرف نے دہرایا۔

"جی ہاں۔" فریدی لاپروائی سے بولا "اور پوائزو ینا مچھلی کے متعلق انہیں بتانے لگا۔"

اس کے بعد اس نے کرنل کے متعلق وہ داستان چھیڑی جو اُسے رفیق سے معلوم ہوئی تھی۔

"کیا آپ میں سے کسی کو اس کا علم تھا۔" فریدی نے سوال کیا۔

"نہیں....!" چاروں طرف سے آوازیں آئیں۔

"کیا آج یا کل اشرف صاحب نے بھی آپ سے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔"

قبل اسکے کہ کوئی جواب دیتا اشرف خود ہی بول پڑا۔ "مجھے اس غپ پر یقین نہیں آیا تھا۔"

خیر بہر حال آپ نے اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا۔ یہ اچھی عادت ہے۔ میں اسے پسند کرتا ہوں۔" فریدی بولتا رہا۔ "لیکن میرا پیشہ ایسا ہے کہ میں کسی بات کو سرے سے غپ ہی سمجھنے پر

مصر نہیں ہوتا۔ ہاں تو مومباسہ سے تحقیقات کرانے پر معلوم ہوا کہ وہاں اس قسم کا ایک آدمی موجود تھا۔ لیکن وہ تقریباً دس سال سے غائب ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ حقیقتاً ایک ایسا ہی عجیب و غریب جانور اپنے پاس رکھتا ہے۔" فریدی خاموش ہو کر ان کے چہروں کا جائزہ لینے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "مجرم بہت چالاک ہے اور زہروں کے متعلق اس کی معلومات اور استعمال کے طریقوں کی داد دینی پڑتی ہے۔ مثلاً پرندوں کی موتیں۔"

"پرندوں کی موتیں۔" سب بے اختیار چیخ پڑے۔

"جی ہاں.... ٹڈیوں کے شکل کے پتنگوں کے پروں کو زہر میں ڈبویا گیا اور وہ پرندے انہیں کھا کر.... ہاں تو اشرف صاحب اُس پراسرار آدمی کا وجود واہمہ نہیں تھا۔"

"لیکن چچا جان اس کا تذکرہ کسی سے تو کرتے۔" اشرف ہر ایک کی طرف دیکھنے لگا۔

"مجھے بھی اس کا علم نہیں تھا۔" ڈاکٹر قدیر بولا۔

"پھر اس مجرم نے رفیق کو ایک کنوئیں میں قید رکھا۔" فریدی نے کہا۔ پھر کچھ دیر خاموش رہ کر یک بیک عالیہ سے بولا۔ "کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ مجرم کون ہے۔"

"بھلا میں کیا جانوں۔" عالیہ گھبرا کر بولی۔ لیکن فریدی کسی اور طرف دھیان دیئے بغیر بولتا رہا۔ "میں نے تقریباً ایک سال کا ریکارڈ چھنوا ڈالا ہے، لیکن رفیق کے بتائے ہوئے حلئے کے کسی غیر ملکی کی آمد کا پتہ نہیں چلتا۔ مومباسہ کی پولیس کا خیال ہے کہ وہ ایک سیلانی آدمی تھا کہیں مر کھپ گیا ہوگا۔"

فریدی پھر خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک انہیں فرداً فرداً گھورتے رہنے کے بعد مسکرا کر بولا۔ "بہرحال مجھے یقین ہے کہ یہ اس کی حرکت نہیں۔ کوئی ایسا آدمی ہے جو ڈاکٹر قدیر سے خاص طور پر پُرخاش رکھتا ہے۔"

"کون ہے وہ۔ میں اس کا خون پی لوں گا۔" نصیر ہاتھ ہلا ہلا کر چیخنے لگا۔

"خاموش رہو۔" فریدی نے اُسے ڈانٹا۔ "میں اُسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ کیپٹن اشرف تم سرپنچ کے معاملے میں دھوکا کھا گئے۔ اس پر تمہاری انگلیوں کے نشانات ملے ہیں۔"

یک بیک کافی کی میز الٹ گئی اور اشرف اچھل کر بھاگا۔

"خبردار....!" حمید نے ریوالور نکال لیا لیکن اشرف دروازے سے نکل چکا تھا۔

عورتیں بُری طرح چیخ رہی تھیں۔ حمید دروازے کی طرف جھپٹا۔

"ٹھہرو! اس کی ضرورت نہیں۔" فریدی مسکرا کر پُرسکون لہجے میں بولا۔ "مہمانوں سے ہینگا مشتی نہیں کی جاتی۔"

دفعتاً باہر کتوں کے بھونکنے اور کسی کے چیخنے کی آوازیں سنائی دیں۔

"اب جاؤ....!" فریدی ہنس کر بولا۔ "ورنہ وہ اس کی بوٹیاں اڑا دیں گے۔"

بیگم عارف فریدی کو بُرا بھلا کہہ رہی تھی۔ حمید، قدیر اور نصیر باہر بھاگے۔

"مجرموں کو پکڑنا میرا فرض ہے۔" فریدی نے بیگم عارف سے کہا اور وہ سر جھکا کر بیٹھ گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ تینوں اشرف کو سنبھالے ہوئے اندر لائے۔ اس کی کپڑے پھٹ گئے تھے۔ چہرے پر کئی جگہ سے خون رس رہا تھا۔ حمید نے اسے ایک آرام کرسی پر ڈال دیا۔

"یہ ایک سعادت مند بیٹا ہے۔" فریدی تنفر آمیز لہجے میں بولا۔ "جس نے دولت کے لالچ میں باپ اور چچا کا خون کیا۔ عالیہ کو حاصل کرنے کے لئے ڈاکٹر قدیر کو پھنسوانا چاہا۔"

"تم بار بار عالیہ کا نام کیوں لے رہے ہو۔" بیگم نواز بگڑ کر بولی۔

"اس لئے کہ عالیہ بھی ڈاکٹر سے....!"

"فریدی صاحب۔" ڈاکٹر جلدی سے بولا۔ لیکن فریدی اپنا جملہ پورا کئے بغیر پھر اشرف سے مخاطب ہو گیا۔

"تم نے شروع میں نصیر کو پھنسانے کی کوشش کی تھی اس لئے بیگم عارف کا رومال استعمال کیا تھا۔"

اشرف آرام کرسی پر پڑا ہانپتا رہا۔

"تم غلط کہتے ہو کہ تمہیں کرنل اور اُس پُراسرار آدمی کی لڑائی کا حال معلوم تھا۔ کیا تم نے کرنل کی زندگی ہی میں ان کی ڈائری نہیں چرائی تھی۔ کیا تمہیں اس ڈائری سے ان واقعات کا علم نہیں ہوا تھا۔ کل رات میں نے وہ ڈائری برآمد کر لی ہے۔ اشرف صاحب تم لوگوں کو یہاں رکھنے کا مقصد ہی یہی تھا کہ میں اطمینان سے پیلی کوٹھی کی تلاشی لے سکوں۔ ڈاکٹر قدیر کا مسئلہ کلوروفارم نے حل کر دیا۔"

"کلوروفارم....!" ڈاکٹر قدیر چونک پڑا۔

"میں اس کے لئے معافی چاہتا ہوں۔ میں نے آپ کو سوتے میں بیہوش کیا تھا۔ ہاں تو اشرف .... اُس ڈائری پر سے بھی آپ کی انگلیوں کے نشانات لئے گئے ہیں .... اور بتاؤں۔" فریدی نے ایک الماری کھول کر اس میں سے جوتوں کا ایک جوڑا نکالا اور مسکرا کر بولا۔ "اشرف صاحب کیا یہ جوتے آپ کے نہیں ہیں۔"

اشرف خاموش رہا اور فریدی تھوڑے توقف کے بعد بولا۔ "ان میں سے ایک جوتے کی ایڑی غائب ہے اور وہ مجھے اس کنوئیں کی ایک کگار پر ملی تھی، ایسے کاموں میں ربر سول کے جوتے مفید بھی ہوتے ہیں اور نقصان دہ بھی۔ تمہیں ان کی ایڑیوں کی مضبوطی کا اندازہ پہلے ہی لگالینا چاہئے تھا۔ اس میں شک نہیں کہ تم نے رفیق کو قید کر کے چھوڑ دینے کی اسکیم بنا کر اپنی انتہائی ذہانت کا ثبوت دیا تھا۔ اس طرح یقیناً پولیس چکر میں پڑ جاتی اور اس پُر اسرار اجنبی کو پکڑنے کے لئے نہ جانے کہاں کہاں جال ڈالتی اور کون کون سے کنوئیں کنگھالتی لیکن تمہارے ربر سول جوتوں کا بُرا ہوا۔ تمہیں وہ ڈائری بھی ضائع کر دینی چاہئے تھی اور آخری حماقت کم از کم میرے گھر سے دور رہ کر کرتے۔ ڈاکٹر قدیر کی سرپنچ ناحق استعمال کی تھی۔ اس طرح اگر اس پر تمہاری انگلیوں کے نشانات نہ بھی ملتے تو میں اس راستے سے ہٹ جاتا جس پر تم نے پولیس کو لگانے کی کوشش کی تھی۔ پس تم ہوس میں مارے گئے۔ جلدی میں تم نے اس کا بھی خیال نہیں رکھا کہ اس پر تمہاری انگلیوں کے نشانات نہ پڑنے پائیں۔ بہر حال کرنل کی دولت تمہارے ہاتھ نہ لگ سکی۔ ڈاکٹر قدیر میں تمہیں مبارک باد دیتا ہوں۔"

"یہ مبارک باد کا موقع نہیں۔" ڈاکٹر قدیر گلوگیر آواز میں بولا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"ہپ ہپ ہُرا....!" نصیر نشے میں بڑبڑایا۔

"چپ رہو۔" بیگم عارف نے اُسے ڈانٹا۔

اور پھر کمرے پر قبرستان کی سی خاموشی مسلط ہو گئی۔

ختم شد

ابنِ صفی

د نمبر
8

جاسوسی دنیا

24- پتھر کی چیخ

25- خوفناک ہنگامہ

26- دوہرا قتل



پیش لفظ

یہ ناول ایک بالکل ہی انوکھی اور نئی کہانی پیش کرتا ہے۔ جرم کرنے والوں میں Sadist یا اذیت کوش آج کل نمایاں نظر آتے ہیں۔ آئے دن آپ نے اخباروں میں کم عمر لڑکوں اور لڑکیوں کے اغواء اور بعد میں اُن کے بے رحمانہ قتل کے بارے میں پڑھا ہوگا۔ آپ اسے یقین مانیں کہ ایسے بھیانک جرائم کے پیچھے ایسی معصوم صورتیں بھی ہوتی ہیں جن کی طرف کسی کا گمان بھی نہیں جاسکتا۔ یہ اپنے جنسی دباؤ سے مجبور ہوکر اس حد تک خطرناک، مریضانہ اور بھیانک شکل اختیار کر لیتے ہیں کہ انہیں انسانی ہڈیوں کے چچوڑنے میں رسیلی جلیبیوں کا مزہ آتا ہے۔

ایسا ہی ایک کردار آپ کو اس ناول میں ملے گا۔ میاں حمید بھی اس مرتبہ کافی چاق و چوبند رہے۔ انہوں نے محض باتیں نہیں بنائیں بلکہ کچھ کیا بھی ہے۔

آئندہ شمارہ جوبلی نمبر ہوگا۔ ''خوفناک ہنگامہ'' کی کہانی کے لئے میں زیادہ نہیں لکھ سکتا۔ لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ اب تک جتنے ناول میں نے چیلنج کے ساتھ لکھے ہیں انہیں آپ سب نے پسند کیا ہے۔ جوبلی نمبر بھی اُسی اعتماد کے سہارے لکھ رہا ہوں اور آپ یقین کیجئے کہ پڑھنے کے بعد آپ اُسے زندگی بھر نہیں بھول سکتے۔

''خوفناک ہنگامہ'' میں آپ کو ایک بار پھر آپ کے محبوب کردار انور اور رشیدہ ملیں گے۔ حمید نے تو اس بار کمال ہی کیا ہے۔ یقیناً اُس کی سنجیدگی آپ کو چونکا دے گی۔ فریدی کو اس بار ایک عجیب و غریب عورت سے ٹکر لینا پڑی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یورپ کے تین نامور جاسوس فریڈک، شلائر اور گارساں سے فریدی کی مڈبھیڑ..... بھیانک ہڈیوں کے پنجر، عجیب و غریب مچھلی اور دوسری دلچسپیاں آپ کو ملیں گی جن کے لئے ''جاسوسی دنیا'' مشہور ہے۔

ابنِ صفی

قمار خانہ

''لو سنو میرے بھائیو!'' سرجنٹ حمید نے ہانک لگائی۔ ''یہ وہ سانپ ہے کہ پتھر پر پھن مارتا ہے تو پتھر راکھ ہوجاتا ہے۔ پانی پر پھن مارتا ہے پانی بھاپ بن کر اڑ جاتا ہے۔ آگ کھاتا ہے انگارے ہگتا ہے۔ صندل دیپ میں پایا جاتا ہے۔ اسے آتش خور کہتے ہیں۔''

وہ ایک پیشہ ور دوا فروش کی طرح اول فول بک رہا تھا۔ صرف پندرہ منٹ میں اُس کے گرد اچھی خاصی بھیڑ لگ گئی تھی۔ اُس نے گھنی اور چڑھی ہوئی سفید نقلی مونچھیں لگا رکھی تھیں میک اپ اتنا شاندار تھا کہ سر کے بال کھچڑی معلوم ہو رہے تھے۔ بہرحال وہ ایک انتہائی تندرست بوڑھے دوا فروش کے بھیس میں فٹ پاتھ پر مجمع لگا رہا تھا۔ اُس کے سامنے بہت سے مرتبانوں میں مردہ اور زندہ سانپ تھے۔ ایک بڑے سے صندوق پر دواؤں کی شیشیاں چنی ہوئی تھیں۔ اُن میں سے کسی میں نقرئی گولیاں تھیں اور کسی میں طلائی۔ اکثر میں کوئی سیال شے بھی تھی۔

یہ حرکت محض اُس کی افتادِ طبع نہیں تھی۔ اس مرتبہ شاید زندگی میں پہلی بار انسپکٹر فریدی نے ایک اہم کام اُس کے سپرد کیا تھا۔ اور وہ اُس سے کسی قسم کا مشورہ لئے بغیر اس کام کو سرانجام دینے کی کوشش میں مشغول تھا۔ پہلے فریدی نے وہ کیس اپنے ہی لئے رکھا تھا لیکن اس دوران میں وہاں کچھ عجیب قسم کی وارداتیں ہونی شروع ہوگئیں اور فریدی پہلا کیس حمید کے سپرد کر کے

اُن کے متعلق چھان بین میں مشغول ہوگیا۔

وہ وارداتیں واقعی عجیب اور وحشت ناک تھیں۔ شہر کے مختلف حصوں میں تین نوخیز اور خوبصورت لڑکوں کی لاشیں ملی تھیں جنہیں کسی وحشی درندے نے بڑی بے دردی سے مار ڈالا تھا۔ انسپکٹر فریدی تقریباً ایک ہفتے سے پریشان تھا لیکن اُس خوفناک راز کی ایک کڑی بھی ہاتھ نہ لگی تھی۔

اس سے پہلے اُس کے پاس ایک بہت بڑے گروہ کا کیس تھا جو بہت ہی منظم طریقے پر شہر کے مختلف حصوں میں جوا کھلاتا تھا۔ لیکن ابھی تک اُس کا ایک رکن بھی گرفتار نہ ہوسکا تھا۔ دوسرا کیس اس سے بھی زیادہ اہم تھا اس لئے پہلا کیس سرجنٹ حمید کے حصے میں آیا۔ حمید نے اسے سرانجام دینے کے سلسلے میں کافی لاف وگزاف کی تھی اور یہ حقیقت ہے کہ اُس نے دوران تفتیش میں کبھی فریدی کو ڈھنگ کی رپورٹ نہیں دی۔ نہ اُسے اپنے پروگرام ہی سے متعلق کچھ بتایا۔ شہر کے ایک حصے میں اُس نے ایک کمرہ کرائے پر لے رکھا تھا جہاں غریب طبقہ کے لوگ آباد تھے۔ اپنی دواؤں کا بکس اور سانپوں کے مرتبان وہ وہیں رکھا کرتا تھا۔

وہ تین دن سے اسی جگہ پر مجمع لگا رہا تھا۔ اُسے دراصل قریب کی ایک عمارت پر شبہ ہوگیا تھا۔ یہ شہر کی ایک مخصوص متمول طبقے کی تقریب گاہ تھی۔ یہاں صرف اُسی طبقے کے افراد شادی بیاہ یا دوسری تقاریب کے انتظامات معاوضہ لے کر کئے جاتے تھے۔ حمید متواتر تین دن سے دیکھ رہا تھا کہ وہاں دن اور رات ایک نہ ایک تقریب برپا رہتی تھی اور اُس میں حصہ لینے والے بھی زیادہ تر مختلف نہیں ہوا کرتے تھے۔ اُس طبقے کے رسم ورواج کے مطابق کوئی غیر اُس عمارت میں قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔ حمید کا شبہ یقین کی حد تک پہنچتا جارہا تھا کہ وہ جس عمارت کی تلاش میں ہے وہ یہی ہوسکتی ہے۔ وہ آج بھی صبح سے کئی بار یہاں مجمع اکٹھا کرچکا تھا اور وہ اس وقت آخری مجمعے کے سامنے اپنے بار بار دہرائے ہوئے جملے دہرا رہا تھا۔ ''اس سانپ کی چربی کا کیا پوچھنا..... صاف صاف تعریف خلاف تہذیب ہے۔''

اُس نے رک کر ایک شیشی اٹھائی اور مجمع کو دکھا کر کہنے لگا۔ ''اس میں آتش خور سانپ کی چربی افعی یعنی کوبرا کالے سانپ کی چربی۔ سانڈے کی چربی، اودبلاؤ کی کلیجی کا پتہ..... روہو مچھلی کا پتہ شامل ہے..... بجلی ہے بجلی..... نہ پان کی ضرورت نہ پتے کی حاجت..... نہ چھالا ڈالتا ہے نہ

آبلہ، پانچ منٹ میں اثر دکھاتا ہے۔ آزمائش کرو۔ اگر غلط نکلے تو کل یہیں آکر گریبان پکڑ لینا۔ پندرہ دن آپ کے شہر میں قیام کروں گا۔ دلی، آگرہ، کانپور اور لکھنو ہوتا ہوا آپ کی شہر میں آیا ہوں اور آپ کے شہر سے کہیں اور چلا جاؤں گا۔ اس طرح آپ کی خدمت بھی کروں گا اور مرشد کا حکم بھی بجالاؤں گا۔''

پھر اُس نے دوا کی قیمت بتائی اور اُسکی اپنے گرگوں میں سے ایک نے سب سے پہلے جیب میں ہاتھ ڈالا پھر پندرہ بیس منٹ کی اندر اندر ٹین کے صندوق پر چنی ہوئی شیشیاں صاف ہوگئیں۔

اس دوران میں حمید کی توجہ اُس عمارت کی طرف بھی مبذول ہوتی رہی تھی اور اُسے اُس میں داخل ہونے والوں میں شہر کا ایک مشہور جواری بھی دکھائی دیا تھا اور وہ اُس طبقے سے متعلق نہیں تھا۔ مجمع ختم کرنے کے بعد حمید نے سامان سمیٹنا شروع کیا۔ اس وقت اس کا ارادہ عارضی قیام گاہ کی طرف جانے کا نہیں تھا۔ اُس نے ایک تانگے پر سامان بار کرایا اور فریدی کی کوٹھی کی طرف چل پڑا۔

ایک سائیکل سوار اُس کا تعاقب کررہا تھا۔ حمید نے پہلے تو اُس کی طرف دھیان نہیں دیا لیکن وہ ایک بار اُسے تانگے سے آگے نکلتے اور پھر رفتار کم کرکے تانگے کے پیچھے لگتے دیکھ کر کھٹک گیا۔ حمید اُس کا صورت آشنا تھا۔ اُس نے اسے اکثر اُس مشتبہ عمارت کے سامنے والے ریستوران میں دیکھا تھا۔

''بھائی۔'' اُس نے تانگے والے کو بلند آواز میں مخاطب کیا۔ ''شاید میں راستہ بھول رہا ہوں۔''

''کیوں..... آپ ہی نے تو.....!''

''ہاں ہاں'' حمید اُس کی بات کاٹ کر بولا۔ ''وہ جو کلاک ٹاور ہے نا..... اُس کے سامنے والی سڑک پر پٹرول پمپ والی گلی میں۔''

''مگر آپ.....!'' تانگے والے کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔ ''آپ نے تو.....!''

''میاں بگڑو نہیں..... پردیسی ہوں بھول ہوئی۔ چونی زیادہ لے لینا۔''

تانگہ والا بڑبڑاتا رہا۔ پھر اُس نے اگلی سڑک پر حمید کی عارضی قیام گاہ کی طرف تانگہ موڑ دیا۔ سائیکل سوار اب بھی تانگے کے پیچھے لگا ہوا تھا اور حمید ایسا بے تعلق نظر آرہا تھا جیسے کوئی

بات ہی نہ ہو۔ اُس نے جیب سے نسوار کی شیشی نکالی اور دو چٹکیاں ناک کے دونوں نتھنوں میں چڑھا گیا لیکن پھر اُسے اپنی حماقت پر افسوس ہونے لگا۔ وہ اس بھیس کے دوران میں اپنی جیب میں نسوار کی شیشی ضرور رکھتا تھا۔ لیکن آج تک استعمال کرنے کی ہمت نہیں پڑی تھی۔ نتھنوں میں جلن اور ناک میں تیز قسم کی سرسراہٹ ہونے لگی لیکن وہ حتیٰ الامکان چھینک روکنے کی کوشش کر رہا تھا کیونکہ چھینکیں شروع ہوتے ہی اناڑی پن فوراً ظاہر ہو جاتا۔ اُس کے جسم کے سارے روئیں کھڑے ہو گئے تھے اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی کھال گوشت چھوڑ رہی ہو..... آنکھوں سے پانی بہنے لگا تھا۔ بہرحال وہ چھینک نہ روک سکا۔ البتہ اُسے کھانسی میں تبدیل کرتے وقت جیب سے رومال نکال لینا پڑا اور پھر وہ سچ مچ اُس طرح کھانسنے لگا جیسے دورہ پڑا ہو۔ اس طرح حلق میں خراش ضرور آ گئی لیکن ناک کی تکلیف دہ سرسراہٹ سے نجات مل گئی۔

تعاقب برابر جاری رہا۔

حمید رہائش گاہ پر پہنچ کر سامان اتارنے لگا اور تعاقب کرنے والا آگے بڑھ گیا۔ حمید سوچنے لگا کہ اب کیا کرے۔ اب تو اُسے سو فیصدی یقین ہو گیا تھا کہ اُس کی اتنے دنوں کی محنت بیکار نہیں گئی۔ اُس نے سوچا کہ فریدی کو فوراً اُس کی اطلاع دے دے لیکن دوسرے ہی لمحے میں خودنمائی کی جبلت نے اُبھر کر اس خیال کا گلا گھونٹ دیا۔ اُس نے سوچا کہ کیوں نہ اکیلے ہی یہ معرکہ سر کرے۔ اس طرح وہ فریدی کے اس خیال کا مضحکہ اڑا سکے گا جس کی رو سے وہ عملی اعتبار سے نکما تھا۔ حمید اندھیرا پھیلنے کا انتظار کرنے لگا۔ اُس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح عمارت میں ضرور داخل ہوگا۔ مجمع لگانے کے دوران میں اُس نے اس عمارت میں داخل ہونے کا طریقہ بھی دیکھ لیا تھا۔ آنے والے دربان کو دعوتی کارڈ دکھا کر اندر داخل ہوتے تھے۔ حمید نے اچھی طرح اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ دراصل کسی تقریب کے دعوتی کارڈ ہی کا ڈھونگ تھا۔ اسی طرح صرف انہیں لوگوں کی رسائی وہاں تک ہو سکتی تھی جو معتبر تھے۔ یعنی وہ کارڈ ایسے ہی لوگوں میں تقسیم کیے جاتے تھے جن کے متعلق اس کے گروہ کو پورا پورا اطمینان تھا کہ وہ اس راز کو ظاہر نہیں کریں گے۔ تقریباً دو گھنٹے کے بعد حمید پھر اُسی عمارت کی طرف واپس جا رہا تھا۔ لیکن اس بار اُس نے امیر اوباشوں کی سی وضع اختیار کی تھی۔ کچھ دور چل کر اُس نے ٹیکسی کی اور اُس عمارت

کے سامنے والے ریستوران کے قریب جا کر اُترا۔ ریستوران میں بھیڑ کم تھی۔ البتہ باہر والا حصہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ حمید چائے خانے میں گھس گیا۔ اتفاق سے ایک کھڑکی کے قریب کی میز خالی تھی۔ وہ اسی پر جم گیا۔ یہاں سے اُس عمارت کا پھاٹک زیادہ دور نہیں تھا۔ حمید ارادہ کر کے ادھر نکل تو آیا تھا مگر عمارت میں داخل ہونے کی کوئی تدبیر ابھی تک نہیں سوجھی تھی۔

وہ کافی دیر تک ٹھنڈی چائے کی چسکیاں لیتا رہا لیکن بے سود۔ عمارت میں داخل ہونا آسان کام نہیں تھا۔ اگر وہ کسی ویران جگہ پر ہوتی تو وہ دیواریں بھی پھلانگ جاتا۔ اگر اس پر بھی بس نہ چلتا تو وہ نقب زنی کے امکانات پر غور کرتا لیکن یہاں بھرے پُرے بازار میں اُن کا خیال ہی احمقانہ تھا۔

وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر پھاٹک کی طرف ٹکٹکی لگائے بیٹھا تھا حتیٰ کہ وہ اُس نامعلوم آدمی کے وجود سے بھی بے خبر تھا جو اُس کی قیام گاہ سے اُس کے پیچھے لگا ہوا یہاں تک چلا آیا تھا۔ وہ اُس سے تھوڑے ہی فاصلے پر بیٹھا شام کا اخبار دیکھ رہا تھا لیکن یہ وہ آدمی نہیں تھا جس نے آج شام کو اُس کا تعاقب اُس کی قیام گاہ تک کیا تھا۔

دفعتاً حمید کو اس عمارت کے پھاٹک پر دو آدمی دکھائی دیئے۔ دونوں نے اپنے جیبوں سے کارڈ نکالے لیکن ایک نے پھر اپنا کارڈ جیب میں رکھ لیا۔ اُس کا ساتھی تو اندر چلا گیا مگر اس کا رخ ریستوران کی طرف تھا۔ پھر حمید نے اُسے بار والے حصے میں داخل ہوتے دیکھا۔ حمید نے جلدی جلدی چائے ختم کی بل ادا کیا اور ریستوران سے باہر نکل گیا۔ اُس کے ذہن میں ایک تدبیر ابھر تو آئی تھی لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ بار میں جائے یا نہ جائے۔

اُس آدمی نے اندر پہنچ کر ادھر اُدھر نظر ڈالی اور سیدھا پیشاب خانوں کی طرف چلا گیا۔ حمید بھی تیزی سے آگے بڑھا۔ اُس حصے میں جہاں پیشاب خانے تھے اندھیرا تھا۔ البتہ پیشاب خانوں کے اندر دھندلی دھندلی روشنی تھی۔ حمید دبے پاؤں اُسی لیٹرین میں داخل ہو گیا جس میں وہ آدمی گیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس کا ایک ہاتھ اسکے منہ پر تھا اور دوسرا اُس کی گردن دبا رہا تھا۔ پھر اُس نے اُس کا سر دیوار سے ٹکرا دیا۔ وہ لہرا کر زمین پر آ رہا۔

پھر حمید نے حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ اُس کے کوٹ کے اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا کارڈ

موجود تھا۔ اُس نے اُسے اپنی جیب میں ڈالا اور بے ہوش آدمی پر اچٹتی نظر ڈالتا ہوا باہر نکل گیا۔

وہاں سے وہ ایک دوسرے ریستوران میں پہنچا اور بیرے کو کافی کا آرڈر دیتا ہوا ایک خالی کیبن میں گھس گیا۔ قیام گاہ سے یہاں تک تعاقب کرنے والا اب بھی اُس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ لیکن وہ کسی کیبن میں بیٹھنے کی بجائے کھلے ہال ہی میں بیٹھ گیا تھا۔

حمید نے کارڈ نکالا۔ اُس میں کسی جمشید جی نے رستم جی کو اپنے بیٹے کی شادی کے سلسلے میں مدعو کیا تھا۔ حمید نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کارڈ پھر جیب میں رکھ لیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اب وہ رستم جی کا رول ادا کرے گا اور اُسے اس بات کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہ تھی کہ اُس آدمی کے ہوش میں آنے پر اُس کی اس حرکت کا کیا نتیجہ برآمد ہوگا۔ بس اُس کے سر پر اُس عمارت میں داخل ہونے کا بھوت سوار ہو گیا تھا۔

اُس نے گرم گرم کافی حلق میں انڈیلنی شروع کر دی۔

پھر کچھ دیر بعد وہ عمارت کے پھاٹک پر کھڑا دربان کو کارڈ دکھا رہا تھا اور اُس کا تعاقب کرنے والا اپنی موٹر سائیکل اسٹارٹ کر رہا تھا۔ ادھر حمید نے عمارت میں قدم رکھا اور وہ کسی طرف روانہ ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ بہت جلدی میں ہو۔

حمید ایک کافی وسیع ہال میں داخل ہو رہا تھا۔ یہاں چاروں طرف بے شمار چھوٹی چھوٹی میزیں پڑی ہوئی تھیں اور اعلیٰ پیمانے پر مختلف قسم کا جوا ہو رہا تھا۔ حمید نے انجام سے بے پرواہ ہو کر دل ہی دل میں ایک زوردار قہقہہ لگایا کہ اس بار فریدی کو اس کی ذہانت کا قائل ہونا ہی پڑے گا۔

اندر پہنچنے پر ایک آدمی نے پھر اس کا کارڈ دیکھا اور بلند آواز میں ''رستم جی'' کی ہانک لگائی اور پھر ایک طرف اشارہ کر کے آہستہ سے بولا۔

''میز نمبر اٹھائیس.....!''

حمید اُس میز کی طرف بڑھا۔ اُس پر تین آدمی تھے اور چوتھی کرسی خالی تھی۔ اُسی میز کا ایک آدمی اُسے تحیر آمیز نظروں سے گھور رہا تھا۔ حمید کو اطمینان تھا کہ وہ جوا کھیل سکے گا۔ کیونکہ وہ پہلے ہی سے اُس کے لئے تیار ہو کر آیا تھا۔

وہ خالی کرسی پر بیٹھنے ہی جا رہا تھا کہ وہ آدمی کھڑا ہو گیا جو اُسے گھور رہا تھا۔

''آپ کی تعریف.....!''

''رستم جی.....!'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُسے کسی نئے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جانا پڑا۔ وہ اُسے پہچان رہا تھا۔ یہ آدمی وہی تھا جو رستم جی کے ساتھ تھا۔

''باپ کا نام.....؟''

''کیوں.....؟'' حمید اُسے گھورتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

''کچھ نہیں۔'' وہ آدمی ہنس کر بولا۔ ''میں تو یونہی مذاق کر رہا تھا۔''

پھر وہ اٹھ کر کہیں چلا گیا۔ اُس میز کے بقیہ دو آدمی نشے میں بُری طرح دھت تھے۔

''اوئی چلی گیا۔'' اُن میں سے ایک منہ میں انگوٹھا ڈال کر بولا۔ ''ہم بھی جائیں گا۔''

''نہیں جانی تم بیٹھے گا۔'' دوسرا اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ''ہم تمہارا جورو کا بھائی ہے۔''

''نہیں ہام تمہارا جورو کا بھائی ہے۔'' پہلے نے کہا۔

''ہاٹ سالا ہم تمہارا جورو کا بھائی ہے۔'' دوسرا قہقہہ لگا کر بولا۔

''کیوں بابا.....؟'' پہلے نے حمید سے پوچھا۔

''تمہاری جورو.....!'' حمید بھناہٹ میں گالی بکتے بکتے رہ گیا۔ اگر کوئی اور موقعہ ہوتا تو وہ اُن دونوں میں کافی دلچسپی لیتا۔ مگر فی الحال تو اُس کا ذہن اٹھ کر جانے والے میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اُسے شبہہ ہو گیا ہے۔

''ہاں ہاں..... ہمارا جورو بڑا جور دار ہے۔'' وہ حمید کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''تم بھی ابھی لونڈا ہے۔ ہمارا جورو تم کو آم کا مانگ.....!''

حمید اُس کا ہاتھ جھٹک کر کھڑا ہو گیا۔ دونوں نے قہقہہ لگایا۔

''ڈر گیا ڈر گیا.....!'' دوسرا تالیاں بجا کر چیخا۔ ''بچہ ہے..... چھورا ہے..... ٹاہ..... ٹاہ۔''

حمید پھر بیٹھ گیا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ رستم جی کا ساتھی نہ جانے

کہاں غائب ہوگیا تھا۔ اگر وہ باہر گیا تھا تب تو حمید کا راز فاش ہونے میں دیر نہ لگے گی۔ وہ یقیناً اُسے تلاش کرنے کے لئے بار میں جائے گا۔ وہ دونوں ساتھ ہی آئے تھے۔ اس لئے رستم ہی نے اُسے وقتی علیحدگی کے متعلق ضرور بتایا ہوگا۔ ممکن ہے اس نے اس سے کہا ہو کہ وہ دو ایک پیگ پی کر واپس آجائے گا۔

''کیوں بیٹا ہوتی ہے۔'' اُن میں سے ایک حمید کے منہ کے سامنے انگلی نچا کر بولا۔

''ہوتی ہے۔'' حمید نے تاش کی گڈی اٹھا کر میز پر پٹخ دی۔

اتنے میں ایک اور آدمی آ کر خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ یہ پستہ قد مگر گٹھیلے جسم کا آدمی تھا۔ چہرہ لمبوترہ اور مضحکہ خیز تھا۔ چہرے کی مناسبت سے ناک بہت چھوٹی تھی کان دیکھ کر حمید کو خچر کے کان یاد آ گئے۔

''آپ بہت دنوں کے بعد دکھائی دیئے۔'' اُس نے حمید سے کہا۔

''میں باہر چلا گیا تھا۔'' حمید جلدی سے بولا۔

''پچھلی بار.....!'' وہ کچھ کہتے کہتے رک کر اپنی داہنی آنکھ مسلنے لگا پھر بولا۔ ''ذرا دیکھئے کچھ پڑ گیا ہے۔''

حمید اُس کی آنکھ میں دیکھنے کے لئے جھکا ہی تھا کہ اُس کے جبڑے کی ہڈیاں کڑکڑا گئیں اور وہ کرسی سے اچھل کر دیوار سے جا ٹکرایا۔ قبل اس کے کہ وہ سنبھلتا لمبوترے چہرے والے نے اُس کا گریبان پکڑ کر اُسے کھڑا کر دیا۔ اس بار اُس کی داہنی کنپٹی پر گھونسا پڑا اور زمین پر گرتے ہی اُس نے اپنی ریڑھ کی ہڈی پر ایک ٹھوکر بھی محسوس کی۔ پھر وہ وسیع ہال اپنے ساز و سامان سمیت تیزی سے گردش کرنے لگا۔ فانوس کی ٹھنڈی روشنی آگ اگلنے لگی اور پھر..... تاریکی کی گہری چادر نے اسے اندھیروں میں سلا دیا۔

درندگی

وہ نہ جانے کب تک بے ہوش پڑا رہا۔ پھر ہوش میں آتے ہی اُس نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا جو بڑی شدت سے دکھ رہا تھا۔ جبڑے اور داہنی آنکھ پر ورم آ گیا تھا۔ پیٹھ بھی بُری

طرح دکھ رہی تھی۔ وہ کراہ کر اٹھا اور دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ ابھی تک آنکھوں کے سامنے ہلکی ہلکی دھند چھائی ہوئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد اُس نے محسوس کیا کہ وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں قید ہے۔ کانوں کی سنسناہٹ ختم ہوتے ہی اُسے کمرے کے باہر شور سنائی دینے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کرسیاں اور میزیں ٹوٹ رہی ہوں۔ لوگ ایک دوسرے پر گر رہے ہوں۔ بہرحال توڑ پھوڑ کی آواز اور لوگوں کی چیخوں کے علاوہ اور کچھ نہیں سنائی دے رہا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھ کر دروازے کے قریب آیا اور اُسے دونوں ہاتھوں سے پیٹنے لگا۔ یہ اس کا قطعی اضطراری فعل تھا۔ پھر جیسے جیسے اُس کا ذہن صاف ہوتا گیا اُس کے ہاتھ رکتے گئے۔ اول تو اُس شور و شغب میں اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی اور پھر دروازہ پیٹنے سے کیا حاصل۔ بہرحال اُسے اپنی حماقت پر افسوس ہو رہا تھا کہ اُس نے فریدی کا مشورہ لئے بغیر یہ حرکت کیوں کر ڈالی۔

پھر وہ باہر کے شور کے متعلق سوچنے لگا۔ آخر یہ شور کس قسم کا تھا۔

دفعتاً کسی نے اُس کمرے کے دروازے پر ٹھوکر ماری اور حمید چونک کر پیچھے ہٹ گیا۔

دروازے پر متواتر ضربیں پڑ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد چڑچڑاہٹ سنائی دی اور دروازہ ٹوٹ کر زمین پر آ رہا۔ حمید اگر بجلی کی سی سرعت کے ساتھ ایک طرف نہ ہٹ گیا ہوتا تو اُس کا زخمی ہو جانا یقینی تھا۔

اور پھر اُس کے منہ سے خوشی کی چیخ نکل گئی۔ یہ پولیس والے تھے۔

''حضرت مل گئے۔'' انسپکٹر جگدیش چیخا۔

حمید ٹوٹے ہوئے دروازے پر سے جست لگا کر باہر نکل آیا۔ انسپکٹر فریدی ایک میز پر کھڑا گرفتار شدگان کا جائزہ لے رہا تھا۔ حمید اُس کی طرف دھیان دیئے بغیر پکڑے جانے والوں کی بھیڑ میں گھستا چلا گیا۔ وہ اُس لمبوترے چہرے والے کو تلاش کرتا پھر رہا تھا لیکن وہ کہیں نہ دکھائی دیا۔

پھر کسی نے اُس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ چونک کر پلٹا۔ فریدی طنزیہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔

''بہت اچھے۔'' اُس نے کہا۔ ''خاصے کارٹون لگ رہے ہو۔''

حمید جھینپ کر بغلیں جھانکنے لگا۔

''اوپر بھی دیکھ لیں۔'' فریدی نے کوتوالی انچارج جگدیش سے کہا۔

پھر وہ تینوں کچھ کانسٹیبلوں کے ساتھ اوپری منزل میں چلے گئے۔ فریدی قطعی خاموش تھا۔ اُس نے پھر حمید سے کچھ نہیں کہا۔ لیکن حمید اچھی طرح جانتا تھا کہ گھر پہنچتے ہی شامت آجائے گی۔

اوپر کے بہتیرے کمرے مقفل تھے۔

سارے قفل ایک ایک کر کے توڑے جانے لگے۔ ایک کمرے میں ایک خوبصورت اور نوجوان عورت ملی جس کے ہاتھ پیر رسیوں سے جکڑے ہوئے تھے۔ پولیس والوں کو دیکھ کر وہ بے تحاشہ رو پڑی۔ استفسار پر اُس نے بتایا کہ تین دن قبل سینما سے واپسی پر چند بدمعاشوں نے اُسے پکڑ لیا تھا اور اُس سے ایک کثیر رقم کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اُس کے بیان سے معلوم ہوا کہ وہ شہر کے ایک بہت بڑے تاجر کی بیوہ تھی۔ حمید نے اُسے رسیوں سے آزاد کرتے وقت محسوس کیا کہ وہ بخار سے بھن رہی ہے۔

اُسے فوراً ہی ہسپتال بھجوانے کا انتظام کیا گیا۔ وہ تو اپنے گھر جانے پر مصر تھی لیکن باقاعدہ بیان لیے بغیر یہ چیز ناممکن تھی۔

اُس کی سرخ سرخ نشیلی آنکھیں دیر تک حمید کے ذہن پر چھائی رہیں لیکن اسی کے ساتھ ہی ساتھ وہ لمبوترے چہرے والے کے لئے بھی بے چین تھا۔ حمید کو اس کا گمان بھی نہیں تھا کہ وہ اس طرح دھوکے میں رکھ کر اُس پر حملہ کر دے گا۔ ورنہ شاید وہ اس بُری طرح مار نہ کھاتا اور اب رہ رہ کر اُس کا خون جوش مار رہا تھا۔ اگر وہ اس وقت مل جاتا تو وہ اُس کی بوٹیاں اڑا دیتا۔ اُس کا ذہن اس بُری طرح الجھا ہوا تھا کہ اُس نے فریدی سے یہ بھی نہ پوچھا کہ وہ یک بیک یہاں پہنچ کیسے گیا۔

''کیا تم کسی کی تلاش کر رہے ہو.....؟'' فریدی نے اُس سے پوچھا۔

''ہاں مجھے ایک لمبوترے چہرے والے کی تلاش ہے۔'' حمید دانت پیس کر بولا۔

''وہ نکل جانے میں کامیاب ہو گیا۔'' فریدی نے کہا پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''کیا اُسی نے

تمہاری یہ درگت بنائی ہے؟''

''بس زیادہ تاؤ نہ دلائیے مجھے۔'' حمید بڑبڑایا۔

''خیر خیر.....!'' فریدی کچھ اور کہتے کہتے رک گیا۔ اُس کی نظریں کاریڈور میں پڑے ہوئے کپڑوں کے ایک ڈھیر پر جم کر رہ گئیں تھیں۔ ایک کانسٹیبل نے آگے بڑھ کر اُسے پیر سے سرکایا۔

اور پھر اُن سب کے منہ سے چیخیں نکل گئیں۔

یہ ایک خوبصورت اور تندرست لڑکے کی لاش تھی جسے بڑی درندگی کے ساتھ نوچا گیا تھا۔

فریدی بے ساختہ اُس پر جھک پڑا۔ تھوڑی دیر تک بغور اُسے دیکھتا رہا پھر سر اٹھا کر آہستہ سے بولا۔ ''حمید اب مجھے تمہاری اس حماقت پر ذرہ برابر بھی افسوس نہیں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر لاش کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جگدیش اور اُس کے ساتھیوں کے ہونٹ خشک ہو گئے تھے شہر میں یہ ایک ہی نوعیت کی پانچویں لاش تھی۔ اس سے پہلے والی لاشیں کسی مکان یا پوشیدہ جگہ سے برآمد نہیں ہوئی تھیں۔

فریدی نے جیب سے محدب شیشہ نکالا اور دیر تک لاش کو الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ پھر زمین سے اٹھتا ہوا بولا۔ ''کوئی نشان نہیں..... لاش اٹھوا دو۔''

پولیس نے ایک لاکھ پچپن ہزار روپے اپنے قبضے میں کیے اور تہتر قیدیوں کو لاریوں میں بھر کر کوتوالی کی طرف روانہ ہو گئی۔

فریدی خاموش تھا۔ حمید سمجھا تھا کہ تنہائی نصیب ہوتے ہی اُسے نہ جانی کتنی کڑوی کسیلی باتیں حلق سے اتارنی پڑیں گی۔ لیکن خلاف توقع فریدی کچھ نہیں بولا۔ تقریباً بارہ بجے رات کو کوتوالی سے فرصت ملی۔ اُس عورت کا بیان قلم بند کرنا دوسری صبح تک کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔ فریدی کا خیال تھا کہ بخار کی شدت کی وجہ سے اُس کا دماغ قابو میں نہ ہوگا۔

ایک بجے وہ دونوں گھر پہنچے۔

فریدی اب بھی خاموش تھا۔ حمید کو الجھن ہونے لگی۔

''آپ وہاں پہنچے کس طرح تھے؟'' حمید نے اُس کی خاموشی سے اکتا کر پوچھا۔

''کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اُس اڈے سے واقف نہیں تھا۔'' فریدی نے پھیکی مسکراہٹ کے

ساتھ کہا۔

''تو کیا آپ کو میری گرفتاری کی اطلاع ہوگئی تھی۔''

''نہیں.....لیکن تم نے اندر داخل ہونے کے لئے جو طریقہ اختیار کیا تھا اُس کی اطلاع ملتے ہی میں چل پڑا تھا۔''

حمید اُسے پرخیال نظروں سے دیکھتا رہا۔ فریدی تھوڑے توقف کے بعد پھر بولا۔ ''وہاں اُن کے جانے پہچانے آدمی ہی داخل ہوتے ہیں اس لئے میں نے سوچا کہ تم پر کوئی نہ کوئی مصیبت ضرور نازل ہوگی۔''

''لیکن آپ کو اطلاع کیسے ملی تھی؟''

''میں تمہاری طرف سے بے خبر نہیں تھا۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''میرا ایک آدمی تمہارے ساتھ برابر لگا رہتا تھا۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو تم نہ جانے کہاں ہوتے۔''

''جب آپ پہلے ہی سے اُس اڈے سے واقف تھے تو آپ نے کوئی کاروائی کیوں نہیں کی؟'' حمید جھنجھلا کر بولا۔ ''خواہ مخواہ مجھے اس طرح ذلیل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''اچھا جی.....!'' فریدی زہر خند کے ساتھ بولا۔ ''میں نے کچھ کہا نہیں تو آپ شیر ہو رہے ہیں۔''

''بتایئے نا آخر.....یہ کوئی تصوف کا مسئلہ تو تھا نہیں۔''

''میں اُس گروہ کے سرغنہ کے چکر میں ہوں۔ جس کی شخصیت آج تک پردہ راز میں ہے۔ میرا خیال ہے کہ جتنے لوگ پکڑے گئے ہیں اُن میں سے ایک کا بھی تعلق اُس گروہ سے نہ ہوگا۔ گروہ والے سب نکل گئے۔ یہ تو بے چارے بدنصیب کھلاڑی تھے۔''

فریدی خاموش ہوگیا۔

''مجھے افسوس ہے کہ وہ لمبوترے چہرے والا نکل گیا۔'' حمید نے کہا۔

''پھر سہی۔'' فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔ ''اب تو تم مار دھاڑ اور سراغ رسانی پر آمادہ ہی ہوگئے ہو خیر تم میں زندگی تو پیدا ہوئی لیکن نہیں ابھی کوئی عورت مل جائے..... پھر تم ایک کیچوے کی طرح حقیر ہو جاؤ گے۔''

''گھبرایئے نہیں۔'' حمید جل کر بولا۔ ''اگر کسی کے ریوالور کا نشانہ نہ بنا تو دیوار سے سر ٹکرا کر جان دے دوں گا۔''

''اب خود ہی عورتوں کی طرح بولنے لگے۔''

حمید نے بیزاری سے منہ پھیر لیا۔ اُس کی چوٹیں بُری طرح دکھ رہی تھیں اور آج رات نیند آنے کے امکانات نظر نہیں آ رہے تھے۔ اس لئے وہ گفتگو کو طول دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن فریدی نے ایسا مسئلہ چھیڑ دیا..... کہ قہر درویش پر جان درویش کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا۔ بہرحال وہ اس موضوع کو ختم ہی کر دینا چاہتا تھا۔

''ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''کیا.....؟''

''جو لوگ بلا کسی خوف وخطر اُن لاشوں کو پبلک مقامات پر لا سکتے ہیں وہ انہیں کسی ویرانے میں لے جا کر دفن بھی کر سکتے ہیں۔''

''یقیناً.....!''

''پھر آخر وہ انہیں شہر میں پھینکنے کا خطرہ کیوں مول لیتے ہیں؟''

''ڈھنگ کا سوال ہے۔'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ''تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ ان میں سے اکثر قتل ویران مقامات ہی پر ہوئے ہیں لیکن لاشوں کو شہر میں لا ڈالا گیا ہے اور اس وقت جو لاش ملی ہے وہ بھی کہیں سے لائی ہی گئی ہے۔''

''یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں؟''

''اگر آنکھیں کھلی رکھو تو اتنے بچکانے سوالات نہ کرنے پڑیں۔'' فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ ''اُس عمارت میں ہمیں کسی جگہ اتنی مقدار میں خون نہیں ملا کہ ہم ایسا سوچ سکیں۔ خود لاش کے نیچے خون کے معمولی دھبے ملے ہیں لاش پر پائے جانے والے کپڑوں کے ڈھیر میں بھی خون نہیں تھا۔

حمید خاموش ہوگیا۔ بات بالکل سامنے کی تھی لیکن وہ باتوں کی رو میں ایک احمقانہ سوال کر بیٹھا تھا۔ بہرحال وہ اب بھی فریدی کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''تمہارا پہلا سوال یقیناً دلچسپ تھا۔'' فریدی پھر بولا۔ ''یہ حقیقت ہے کہ لاشوں کو بہ آسانی دفن بھی کیا جاسکتا تھا یا پھر اس کے لئے گٹر بھی استعمال کیے جاسکتے تھے آخر مجرم اپنے جرائم کو منظر عام پر کیوں لا رہا ہے۔'' فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

''آپ کا کیا خیال ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''عقلی گدا سن کر کیا کرو گے۔ جو کچھ بھی کہوں گا اس کے لئے فی الحال کوئی منطقی دلیل نہ پیش کرسکوں گا۔ ویسے میری دانست میں مجرم کوئی انتہا پسند قسم کا اذیت کوش (sadist) ہے۔ وہ حصول لذت کے لئے محض مار ڈالنا ہی کافی نہیں سمجھتا بلکہ لاشوں کے ذریعہ شہر میں سنسنی پھیلا کر اُس سے بھی لطف اندوز ہونا چاہتا ہے۔''

''یعنی آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مجرم کا جنسی جنون وحشیانہ پن کی حد تک پہنچ گیا ہے۔''

''قطعی..... ہمیں ابھی تک جتنی بھی لاشیں ملی ہیں وہ کم عمر لڑکوں کی ہیں کسی کی عمر پندرہ سولہ سے زیادہ کی نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں۔ ویسے حقیقت خدا ہی جانے۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی اور بات بھی ہو۔''

''لیکن میں پھر کہوں گا کہ آخر لاشوں کو منظر عام پر ڈالنے کا کیا مقصد ہوسکتا ہے؟''

''اذیت پسندی کی انتہا۔'' فریدی بولا۔ ''مجرم لاش کے وارثوں کی گریہ وزاری اور پبلک کی خوفزدگی سے بھی لطف اندوز ہونا چاہتا ہے۔ اذیت پسندی کی درجنوں قسمیں ہیں اور شاید ہم انتہائی قسم سے دوچار ہیں۔ اس حد تک پہنچنے کے بعد اکثر جنونی اپنی بوٹیاں تک نوچ ڈالتے ہیں۔''

حمید خاموشی سے کچھ سوچ رہا تھا۔ فریدی کے خاموش ہوتے ہی بولا۔

''آپ نے کہا تھا کہ قتل کسی ویرانے ہی میں ہوئے ہیں۔''

فریدی نے سر کو خفیف سی جنبش دی کر کہا۔ ''دو شنبے کو جو لاش ملی تھی اُس کے متعلق تحقیقات کرنے پر میں نے یہی اندازہ لگایا ہے۔ وہ الفنٹن کالج میں پڑھتا تھا اور اتوار کو دس پندرہ لڑکوں کی ٹولی کے ساتھ پکنک پر جھریالی گیا تھا۔ واپسی پر وہ اُن سے الگ ہوگیا۔ اُس نے اُن سے کہا تھا کہ وہ قریب کے ایک گاؤں میں اپنے کسی عزیز سے ملنے کے لئے جارہا ہے۔ میں اُس لڑکے کے والدین سے ملا۔ انہوں نے بتایا کہ اُس گاؤں میں اُن کا کوئی عزیز نہیں تھا۔ شہر میں تحقیقات

کرنے کے بعد میں جھریالی کی طرف گیا۔ پھر اُس گاؤں میں بھی چلا گیا۔ وہاں تفتیش کرنے پر معلوم ہوا کہ اس شکل وشباہت کے لڑکے کو کسی نے وہاں نہیں دیکھا تھا۔ میں پھر جھریالی لوٹ آیا۔''

فریدی خاموش ہوگیا۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

''تم نے کبھی جھریالی کی پہاڑیوں کی سیر کی ہے؟''

حمید نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''دلچسپ جگہ ہے۔ مگر پکنک پر جانے والے انہیں عموماً نظر انداز کردیتے ہیں۔ میں بھی اس سے پہلے کبھی ان پہاڑیوں پر نہیں چڑھا تھا۔ باہر سے تو وہ بالکل خشک اور بے جان پتھروں کی معلوم ہوتی ہیں لیکن ان کے درمیان میں بڑی ہریالی ہے۔''

فریدی پھر خاموش ہوگیا۔ حمید سوچنے لگا کہ شاید فریدی پر نیند نے حملہ کیا ہے تبھی وہ موضوع سے بھٹک رہا ہے۔ قتل کی بات کرتے کرتے پہاڑیوں کی ہریالی پر آ گیا۔ لیکن اُس نے اُسے ٹوکا نہیں۔ بعض اوقات اُسے سچ مچ فریدی پر رحم آنے لگتا تھا۔ پس ہر وقت کام کی دھن۔ کبھی کبھی کھانا پینا تک بھول جاتا تھا اور فرصت کے اوقات میں یا تو مطالعہ یا کتوں اور دوسرے جانوروں کی دیکھ بھال یا پھر کسی نئے کیمیاوی تجربے کا چکر۔ حمید کے خیال کے مطابق وہ ایک مظلوم آدمی تھا جو خود پر ظلم کر رہا تھا۔ اپنی جنسیت کو بے دردی سے کچل رہا تھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کیا واقعی اُسے کبھی عورت کا پیار نصیب نہ ہوسکے گا۔ عورت کے خیال پر اُس کے ذہن نے اُس عورت کی طرف جست لگائی جو اُسے عمارت میں ملی تھی۔ کتنی حسین تھی وہ۔ پھر یکایک اُسے لمبوترے چہرے والا یاد آ گیا اور اُس کا خون کھولنے لگا۔

''یہ مٹھیاں کیوں بھینچ رہے ہو۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''اُوں.....!'' حمید چونک پڑا۔ ''کچھ نہیں..... ہاں تو اُن پہاڑیوں پر بڑی ہریالی ہے۔''

''تم اُلو ہو۔'' فریدی ہنس پڑا۔ ''تمہیں اُس لمبوترے چہرے والے پر غصہ آ رہا ہے۔''

''نہیں تو۔'' حمید کھسیانی ہنس کے ساتھ بولا۔ ''آپ اپنی تحقیقات کے متعلق بتا رہے تھے۔''

''کوئی خاص بات نہیں۔'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ''میں نے ان پہاڑیوں میں ایک جگہ خون کے بڑے بڑے دھبے دیکھے تھے۔ کچھ کپڑوں کے چیتھڑے بھی۔ ان میں سے ایک دھجی

مقتول کی قمیض کی بھی ثابت ہوئی۔ ایک انگوٹھی ملی جسے مقتول کے والدین نے شناخت کرلیا کہ وہ اُسی کی تھی اور بس! لیکن مجرم! وہ ابھی تک پردہ راز ہی میں ہے۔''

فریدی اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ حمید اُسے تحیر آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

ناکام تفتیش

دوسرے دن صبح حمید فریدی کو بتائے بغیر ہسپتال پہنچ گیا۔ انسپکٹر جگدیش اُس عورت کا بیان لے رہا تھا۔ حمید کو دیکھتے ہی معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ وہ بھی اُس کی حسن پرست طبیعت سے بخوبی واقف تھا۔

''ہمارے سراغ رساں حمید صاحب۔'' جگدیش نے کہا۔ ''سچ پوچھئے تو آپ انہیں کی بدولت رہا ہوئی ہیں۔''

حمید جگدیش کی بات اڑا کر اس سے اُس کی خیریت پوچھنے لگا۔

''میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔'' عورت مسکرا کر بولی۔ ''میں اب گھر جانا چاہتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''آپ جب چاہیں جاسکتی ہیں۔'' پھر وہ جگدیش کی طرف مڑ کر بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ میں نے غلط نہیں کہا۔''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ بیان لے چکا ہوں۔'' جگدیش نے کہا۔

ڈاکٹر نے بھی اجازت دے دی کیونکہ بخار رات ہی میں اتر گیا تھا اور کوئی ایسی خاص بات بھی نہیں تھی جس کی بناء پر اُسے ہسپتال میں روکا جاتا۔

''میں آپ کو گھر تک پہنچا دوں گا۔'' حمید نے کہا۔

''بڑی مہربانی..... آپ کا احسان۔'' وہ دفعتاً خاموش ہوگئی۔ اُس کی نظریں دروازے کی

طرف اٹھ گئی تھیں۔ انسپکٹر فریدی اپنے مخصوص انداز میں مسکراتا ہوا اُن کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''انسپکٹر فریدی صاحب۔'' جگدیش احتراماً اٹھتا ہوا بولا۔ ''آپ لیڈی جہانگیر عادل جی۔''

''میں جانتا ہوں۔'' فریدی جگدیش کی بوکھلاہٹ سے لطف اندوز ہوتا ہوا بولا۔ ''پچھلی رات میں بھی موجود تھا۔''

''اوہ..... ہی..... ہی..... ہی.....!'' جگدیش احمقوں کی طرح ہنسنے لگا۔

''غالباً آپ جا رہی ہیں۔'' فریدی لیڈی جہانگیر کی طرف مڑ کر بولا۔ وہ چونک پڑی۔ فریدی کو بڑی انہماک سے دیکھ رہی تھی۔ حمید کچھ بدبدانے لگا۔

اس وقت فریدی بہت جچ رہا تھا۔ ہلکے نیلے رنگ کے سرج کے سوٹ میں اُس کا چہرہ بڑا حسین معلوم ہو رہا تھا۔

''جی ہاں..... میں جا رہی ہوں۔'' لیڈی جہانگیر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی ہوئی بولی۔

''بہتر ہے۔'' فریدی نے جگدیش کو مخاطب کیا۔ ''ایک کانسٹیبل آپ کے ساتھ کردو۔''

''وہ تو.....!'' حمید کی بات ہونٹوں ہی میں رہ گئی کیونکہ فریدی اُسے گھور رہا تھا۔

لیڈی جہانگیر ایک بار پھر اُن سب کا شکریہ ادا کر کے وہاں سے چلی گئی۔

''سنا تم نے۔'' حمید نے جگدیش کو مخاطب کیا۔ ''پتھر کئی طرح کے ہوتے ہیں۔''

جگدیش ہنسنے لگا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ فریدی حمید کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا باہر لایا۔

''وہ کس قسم کا پتھر تھا حمید صاحب جس سے ٹکرانے کے بعد تم کارٹون بن گئے۔'' فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

''وہ پتھر.....!'' حمید دانت پیس کر رہ گیا۔

فریدی ہنس رہا تھا۔

''خدا کی قسم! آپ اس مجرم سے زیادہ اذیت پسند ہیں۔''

''آخر تم اس کے ساتھ جا کر کرتے کیا؟'' فریدی نے پوچھا۔

''اُس کا گریبان پکڑ کر آپ کے لئے دعائے خیر کراتا۔'' حمید جھلا کر بولا۔

فریدی پھر ہنسنے لگا۔ ''کیا تم نے صبح آئینہ نہیں دیکھا؟''

حمید اُسے گھورنے لگا۔

''مطلب یہ کہ اس ٹوٹی پھوٹی صورت میں تمہیں اس کے سامنے آنا ہی نہ چاہئے تھا۔'' فریدی نے پھر چٹکی لی۔

اس بار حمید بھنا کر پلٹ پڑا۔ ''آپ کیوں دوڑے آئے تھے؟''

''تمہیں اپنے ٹوٹے پھوٹے چہرے کی مرمت کرانے کا مشورہ دینے کے لئے۔'' فریدی نے کہا اور اپنی کیڈی لاک میں بیٹھ گیا۔

حمید منہ بنائے فٹ پاتھ پر کھڑا ہی رہا۔

''کیوں.....؟'' فریدی نے اسے سوالیہ انداز میں دیکھا۔

''میرا کام ابھی ختم نہیں ہوا۔''

''یعنی.....؟''

''میں قبل از وقت کچھ نہیں بتا سکتا۔'' حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

''اوہ.....!'' فریدی نے پھر قہقہہ لگایا۔ ''اور اس بار تمہاری ہڈیاں سرمہ ہو جائیں گی۔''

''خدا کی قسم تاؤ نہ دلایئے ورنہ شہر کی ہر لمبوترے چہرے کو چوکور بنا دوں گا۔''

''شاباش.....اور پھر میرے ہی ہاتھوں جام شہادت بھی نوش فرمائیں گے۔''

''آپ نہ جانے خود کو کیا سمجھتے ہیں۔'' حمید نے بُرا سا منہ بنایا۔ ''وہ تو کہئے میں بھی شریف ہی آدمی ہوں اگر کوئی ڈاکو واکو ہوتا تو دیکھتا آپ کی ذہانت۔''

فریدی نے قہقہہ لگا کر اُسے کیڈی میں کھینچ لیا اور پھر وہ سڑک پر فراٹے بھرنے لگی۔

''بیٹے حمید خاں.....تمہیں جہنم رسید کرنے کے لئے بس ایک عورت کافی ہوتی۔''

''تو جلدی سے جہنم رسید کر دیجئے نا مجھے۔ اُس نے کئی ماہ سے آپ کے نظریاتی جہنم کی شکل بھی نہیں دیکھی۔''

''یار حمید.....!'' فریدی سنجیدگی سے بولا۔ ''کسی وقت تو عورت کی طرف سے خالی الذہن ہو جایا کرو۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں تو بھی جنسی جنون کا شکار نہ ہو جاؤ۔''

حمید نے جواب میں غالب کا شعر پڑھ دیا۔

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غم گسار ہوتا

''اچھا تو کیا میں آپ کو لڑکیاں سپلائی کروں؟'' فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

''لاحول ولا قوۃ.....سپلائی بڑا گندہ لفظ ہے۔ آخر آپ جیسے عالی دماغ کو یہ لفظ سوجھا کیسے؟''

''جو شعر تم نے پڑھا ہے فی الحال اُس سے تو یہی مطلب اخذ کیا جا سکتا ہے۔''

''آپ غلط سمجھے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ہم کیوں نہ لیڈی جہانگیر سے اس تفتیش میں مدد لیں۔''

''وہ کس طرح؟''

''بس یونہی! ملنے ملانے سے بہتیری راہیں پیدا ہو جاتی ہیں۔''

''بکومت.....!'' فریدی آہستہ سے بولا۔ وہ پھر کچھ سوچنے لگا تھا۔ پھر اُس نے پرخیال انداز میں کہا۔ ''وہ ایک آوارہ عورت ہے۔''

''آپ کی نظروں میں تو دنیا کی ہر عورت آوارہ ہے۔'' حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔

''میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔ وہ تین چار دن سے غائب تھی۔ لیکن کسی نے خبر نہیں لی۔''

''ممکن ہے اُس کے گھر پر کوئی اور آدمی ہی نہ ہو۔''

''ملازمین تو ہوں گے ہی۔'' فریدی نے کہا۔ ''اگر وہ دو دو تین تین دن گھر سے غائب رہنے کی عادی نہ ہوتی تو پولیس تک اُس کی گمشدگی کی رپورٹ ضرور پہنچ گئی ہوتی۔''

''یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔'' حمید مسکرا کر بولا۔ ''آپ بھی تو کئی کئی دن گھر سے غائب رہتے ہیں۔ تو کیا آپ بھی آوارہ ہیں اور آپ کا بھی کوئی ملازم آپ کی گمشدگی کی رپورٹ نہیں کرتا..... ہائے ہائے کاش آپ بھی کوئی بلونڈی ہوتے۔''

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ حمید تھوڑی دیر بعد پھر بڑبڑانے لگا۔ ''میں صرف ایک وجہ سے خدا کے وجود کا قائل ہوں کہ اُس نے نر کے ساتھ مادہ بھی پیدا کی ہے۔ اس طرح زندگی کی خواہش جانداروں میں برقرار رہتی ہے ورنہ.....خودکشی کی وبا عام ہوتی۔''

فریدی مسکرا رہا تھا۔ شاید وہ بھی تفریحی باتوں کے موڈ میں آ گیا تھا۔

''اچھا اگر مادہ نہ ہوتی تو کیا ہوتا۔'' اس نے کہا۔

''مرغیوں کی طرح آپ بھی انڈے دیتے۔''

''مگر انڈوں کے لئے مرغ بھی ضروری ہے۔''

''اس صورت میں کوئی اور انتظام ہوتا۔'' حمید نے کہا۔ ''مثلاً نرسری میں کوئی ایسا اعصابی نظام رکھا جاتا کہ وہ درختوں کی طرح خود ہی نر اور مادہ دونوں ہوتا۔ مرد انڈے دیتا جناب۔ فرض کیجئے کوئی ایشیا کے عظیم سراغ رساں سے ملنے کے لئے آیا اور فریدی صاحب نے اندر سے کہلوا دیا۔ معاف کیجئے گا میں اس وقت انڈے دے رہا ہوں یا انڈوں پر بیٹھا ہوں۔ آج کے اکیسویں دن تشریف لائیے گا اور پھر اگر اندر حمید نے چھیڑ دیا تو کڑکڑا کر پھول گئے۔''

فریدی ہنسنے لگا۔

''خدا کی قسم بڑا مزہ آتا۔'' حمید ہونٹ بھینچ کر ہنسا۔ ''دفتروں میں اسی قسم کی عرضیاں موصول ہوتیں..... جناب عالی..... گذارش ہے کہ مجھے انڈروں پر بیٹھنا ہے اس لئے اکیس دن کی رخصت فرمائی جائے۔''

''تب تو تمہیں روز ہی انڈروں پر بیٹھنا پڑتا۔'' فریدی نے ہنس کر کہا۔

''نہیں میں اپنے اور آپ کے انڈروں کی تجارت کرتا۔'' حمید بولا۔ ''اور سنئے ..... فرض کیجئے آپ کسی ضرورت سے ڈی۔ آئی۔ جی سے ملنا چاہتے ہیں اُس کے کمرے کے سامنے پہنچے لیکن چپراسی درمیان میں حائل ہوکر آہستہ سے بولا۔ صاحب انڈے دے رہے ہیں۔ جہاں ملک کی آبادی بڑھنی شروع ہوئی قوم کے لیڈر اپیل شائع کرنے لگے۔ خدا کے لئے آپ لوگ فی الحال انڈروں پر بیٹھنا چھوڑ دیجئے۔ ٹرین پر بیٹھے ہوئے ہیں دفعتاً کمپارٹمنٹ میں کسی کا پیٹ مروڑا..... گڑگڑا کر بولا۔ آپ لوگ ذرا منہ پھیر لیجئے۔ میں اور آپ کسی مجرم کا پیچھا کر رہے ہیں۔ دفعتاً آپ سست پڑ گئے۔ وجہ پوچھی تو آہستہ سے بولے۔

''انڈا'' اور زمین پر بیٹھ گئے۔ مجرم غائب۔ یا مجرم ہی پر وقت پڑا تو پلٹ کر ہم سے اجازت طلب کی اور خود بیٹھ گیا۔ دوسرے دن اخبارات میں سرخیاں جم رہی ہیں کہ فلاں فلاں مجرم انڈے دیتے وقت گرفتار کرلیا گیا یا پھر انسپکٹر فریدی مجرم کا تعاقب کرتے وقت انڈے دینے لگے اور مجرم صاف نکل گیا۔ یا مجرم انسپکٹر فریدی کے انڈے لے کر فرار ہوگیا۔''

''بس کرو سور.....!'' فریدی ایک ہاتھ سے اس کی گردن دبوچتا ہوا بولا۔

''تو پھر آپ وہیں چل رہے ہیں نا؟'' حمید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''نہیں.....!'' فریدی یک بیک اُس سے بھی زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگا اور حمید خاموش ہوگیا۔ اُس کی چوٹیں ابھی تک دکھ رہی تھیں اور حقیقتاً وہ اتنی دیر تک محض اس لئے بکواس کرتا رہا تھا کہ فریدی اُس لہولہان چہرے والے کو بھولا رہے۔ ورنہ وہ بات بات پر حوالہ دے کر اُسے چھیڑتا۔

''کل رات والی لاش کی بھی شناخت ہوگئی۔'' فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔

''کون تھا.....؟''

''چمڑے کے ایک تاجر سیٹھ سلیمان کا لڑکا..... اُس کا گھر کوتوالی کے قریب ہی ہے۔ میں صبح سیٹھ سلیمان سے ملا تھا۔''

حمید دوسرے جملے کا انتظار کرنے لگا۔ لیکن فریدی پھر خیالات میں کھو گیا۔

''اُس نے کیا بتایا.....؟''

''کوئی خاص بات نہیں۔'' فریدی نے کہا۔ ''کہنے لگا کہ وہ کئی دن سے کچھ کھویا کھویا سا معلوم ہوتا تھا اور کئی راتوں سے اپنے کالج کے کسی پروفیسر سے پڑھنے کے لئے جایا کرتا تھا۔ چنانچہ پچھلی شام کو بھی وہیں گیا تھا۔''

''تو وہ پروفیسر.....؟''

''اُس پروفیسر کا نام وہ نہیں بتا سکا۔''

''کس کالج میں پڑھتا تھا.....؟''

''موڈرن میں۔''

''تو اس کا یہ مطلب ہے کہ سارے پروفیسروں سے ملنا پڑے گا۔''

''میں اتنا لمبا رچوڑا راستہ کبھی اختیار نہیں کرتا۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''پھر.....؟''

''میں فی الحال اس لڑکے کے والدین سے ملوں گا۔ جس کے متعلق جھریالی میں تحقیقات کر چکا ہوں۔''

''اُس سے کیا ہوگا؟''

''پھر وہی احمقانہ سوالات۔'' فریدی نے منہ بنا کر کہا۔ ''میری تفتیش کی رو سے وہ سارے مقتول ایک ہی کالج سے متعلق نہیں تھے۔ ظاہر ہے کہ اُن سب کا قاتل ایک ہی ہے۔ کیونکہ قتل کی نوعیت مختلف نہیں مجھے تو صرف یہ دیکھنا ہے کہ وہ سارے لڑکے کس بہانے سے رات کو گھروں سے غائب رہے تھے۔''

''تو کیا آپ پروفیسر والے واقعے کو بہانہ سمجھتے ہیں؟''

''قطعی.....!''

''آخر کیوں.....؟''

''اگر یہ حرکت پروفیسر کی ہوتی تو وہ کبھی ایسے اوقات میں اس قسم کے اقدامات نہ کرتا جبکہ ان لڑکوں کی موجودگی اُس کے یہاں ثابت ہوسکتی۔''

''مگر آپ تو اسے ایک قسم کا جنون قرار دے چکے ہیں۔ پھر جنون میں عقل کا کیا کام؟''

''حمید صاحب۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''اگر وہ مجرم اس وقت آپ کو کہیں مل جائے تو آپ اُس کے متعلق یہ سوچ بھی نہ سکیں گے کہ وہ اتنی درندگی سے کسی کو قتل کرسکتا ہے۔''

''پھر یہ کیسا جنون.....؟''

''یہ ایسا ہی جنون ہے اور صرف اُس وقت بیدار ہوتا ہے جب شہوانی جذبات اپنی انتہائی منزلیں طے کررہے ہوں۔ اُس وقت مکمل تسکین کے لئے خون کی پیاس بڑھ جاتی ہے۔ آدمی درندگی پر اُتر آتا ہے بعض صورتوں میں تسکین کے بعد بھی مزید تسکین کے لئے اس قسم کی حیوانیت درکار ہوتی ہے۔''

حمید خاموش ہوگیا۔

''کیا سوچ رہے ہو؟'' فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

''میں یہ سوچ رہا ہوں کہ دنیا کی کوئی ایسی بات بھی ہے جو آپ نہیں جانتے۔''

''ہائے اسی کا تو افسوس ہے کہ میں کچھ نہیں جانتا۔ حمید صاحب یہ دنیا بہت وسیع ہے اور یہاں کا ہر فرد کم از کم ایک ایسا تجربہ ضرور رکھتا ہے جو دوسرے کے لئے قطعی نیا ہوتا ہے۔ پھر بھلا

بتاؤ میں کیا جان سکتا ہوں۔ بس اسی علم کی پیاس مجھے دن رات بے قرار رکھتی ہے اور جب مجھے کوئی نیا تجربہ ہوتا ہے تو میں اپنی بے چارگی کا احساس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں اس عظیم کائنات میں ایک حقیر کیڑے کی طرح رینگ رہا ہوں۔''

''یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ہر بڑا آدمی ازراہِ خاکساری یہی کہتا ہے۔''

''عام آدمی اسے خاکساری پر محمول کرتے ہیں مگر یہ سو فیصدی حقیقت ہوتی ہی۔ ہر بڑا آدمی اس بات کو شدت سے محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنی کھال سے باہر نہیں نکل سکتا۔''

حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا فریدی نے ایک جگہ کار روک دی۔

پھر وہ دونوں ایک عمارت کی اوپری منزل کی طرف جارہے تھے۔ فریدی اُس لڑکے کے باپ سے ملا جس کی متعلق وہ جھریالی کے قریب والے گاؤں میں تحقیقات کرچکا تھا۔ اُس کے لڑکے کو مصوری ہی کا شوق تھا اس لئے اس نے قتل سے پندرہ دن قبل نیشنل آرٹ کالج میں داخلہ لیا تھا۔ جہاں رات کو بھی مصوری کی تعلیم دی جاتی تھی۔ مقتول رات ہی کے کلاس اٹنڈ کرتا تھا۔ اس کے بعد فریدی دوسرے مقتولین کے ورثا سے بھی ملا۔ لیکن انہوں نے بھی مختلف قسم کی باتیں بتائیں۔ رات کو وہ سب کسی نہ کسی بہانے سے باہر رہے تھے۔ ان مقتولوں کی رہائش گاہوں کی تلاشی وہ پہلے ہی لے چکا تھا اور اُسے مایوسی ہی ہوئی تھی کیونکہ کہیں کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی جس سے مجرم کی شخصیت پر کوئی روشنی پڑسکتی۔

''دیکھا تم نے۔'' فریدی واپسی پر حمید سے کہہ رہا تھا۔ ''کسی نے کوئی ایسی بات نہیں بتائی جس سے ایک ہی نتیجہ نکالا جائے۔ خیر ہم فی الحال نیشنل آرٹ کالج چل رہے ہیں۔''

''بہرحال میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کیس میں ہمارے پرخچے اڑ جائیں گے۔'' حمید نے کہا۔

''معلوم تو یہی ہوتا ہے۔''

نیشنل آرٹ کالج میں دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اُس نام کے کسی لڑکے نے وہاں داخلہ ہی نہیں کرایا۔ یہ بات پرنسپل سے معلوم ہوئی تھی لیکن فریدی نے اپنے اطمینان کے لئے سارے رجسٹر خود ہی الٹ ڈالے اور اُسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

''بیکار ہے۔'' اُس نے حمید سے کہا۔

اور وہ وہاں سے روانہ ہوگئے۔ پھر دوسرے مقتولین کے متعلق بھی تفتیش کی لیکن نتیجہ وہی صفر۔ کسی کے متعلق یہ نہ معلوم ہوسکا کہ وہ رات کو کہاں غائب رہتا تھا۔ فریدی اور حمید تھک ہار کر گھر واپس آ گئے۔

وہ عورت

تین بجے وہ گھر پہنچے۔ فریدی کے چہرے سے جھلاہٹ ظاہر ہو رہی تھی۔ آتے ہی وہ ایک آرام کرسی میں گر گیا۔ چند لمحے آنکھیں بند کئے لیٹا رہا پھر سگار سلگانے لگا۔

''نہ جانے وہ کس لالچ میں پڑ گئے تھے۔'' وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

''کون.....؟'' حمید چونک کر بولا۔

''وہی لڑکے..... کسی نے بھی اپنے والدین کو رات کی غیر حاضری کی صحیح وجہ نہیں بتائی۔''

''کیا آپ بھول گئے کہ کل والی لاش آپ کو ایک قمار خانے میں ملی تھی؟'' حمید نے کہا۔

''ہاں.....!'' فریدی اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

''ممکن ہے کہ وہ سب وہاں جوا کھیلنے کی غرض سے جاتے رہے ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ انہیں شروع شروع میں کسی لمبی جیت میں رکھا گیا ہو۔ یہ لالچ ناکافی ہے۔ مجھے تو یہ حرکت اُسی گروہ کے کسی آدمی کی معلوم ہوتی ہے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے اور وہ آدمی اس گروہ کا کوئی معمولی ممبر نہیں معلوم ہوتا۔''

''سرغنہ.....؟'' حمید نے سوالیہ انداز میں کہا۔

''قطعی! کسی معمولی ممبر کی لئے اتنا اہتمام نہیں کیا جاسکتا۔''

''ہاں..... اُن قیدیوں کا کیا ہوا.....؟''

''سب حوالات میں ہیں۔'' فریدی نے کہا۔ ''اور میرے خیال کے مطابق وہ سب کھلاڑی ہی نکلے۔ گروہ کے سارے آدمی نکل جانے میں کامیاب ہوگئے۔ ہوسکتا ہے کہ اُن میں ایک آدھ گروہ کا بھی آدمی ہو۔ مگر اول تو یہ پتہ لگانا ہی محال ہے کہ اُن میں سے گروہ کا کون آدمی ہے اور اگر یہ معلوم بھی ہوگیا تو یہ ضروری نہیں کہ وہ بقیہ لوگوں کی صحیح نشاندہی کر سکے۔''

''پھر.....؟''

''پھر کیا..... یہی کہ فی الحال معاملہ بالکل سپاٹ ہے۔ لیکن تم ضرور کچھ ناہموار ہوگئے ہو۔''

''آپ نے پھر وہی تذکرہ چھیڑ دیا۔'' حمید بھنا کر بولا۔ ''اُس سور نے مجھے دھوکے میں رکھا ورنہ وہ اس وقت کہیں.....!''

''اور گل چھرّے اڑا رہا ہوتا۔'' فریدی نے حمید کا جملہ پورا کر کے قہقہہ لگایا۔

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے ہاتھ اٹھا کر ریسیور اٹھالیا۔

''ہیلو..... یس فریدی اسپیکنگ..... اوہ آپ فرمایئے۔'' فریدی تھوڑے توقف کے بعد بولا۔ ''مجھے افسوس ہے کہ ہم دونوں اس وقت مشغول ہیں..... پھر کبھی سہی..... ارے شرمندہ نہ کیجئے مجھے۔ بات ہی کیا تھی..... وہ تو محض اتفاق تھا..... ورنہ ہمیں کیا معلوم ہوتا..... خیر..... پھر کبھی سہی..... شکریہ۔''

فریدی ریسیور رکھ کر حمید کی طرف مڑا اور مسکرانے لگا۔

''سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ ہم میں سے کس پر عاشق ہوئی ہے۔'' اُس نے کہا۔ ''مگر نہیں تمہاری صورت تو آج اس قابل ہی نہیں تھی۔''

''کس سے باتیں کر رہے ہیں؟''

''لیڈی جہانگیر عادل کی۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''اُس نے ہم دونوں کو چائے پر مدعو کیا تھا۔''

''اور آپ نے؟''

''ہاں..... آں..... انکار کر دیا۔''

''بہت اچھا کیا۔'' حمید نے منہ بنا کر کہا۔ ''لیکن میں تو ضرور جاؤں گا۔''

''بکومت.....!''

''بکوں گا.....!''

''تمہارے منہ پر تو بڑا چڑھا دیا جائے گا۔''

''میں ایسی زندگی پسند نہیں کرتا جس میں تفریح کو دخل نہ ہو۔''

''مجھے ایسی موت بھی پسند ہے جس میں تضیع اوقات نہ ہو۔'' فریدی نے سگار ہونٹوں سے نکال کر کہا۔ ''مجھے افسوس ہے کہ میں اس معاملے میں تمہیں آج تک راہ راست پر نہ لا سکا۔''

''اوہ تو کیا آپ راہ راست پر چل رہے ہیں۔'' حمید زہر خند کے ساتھ بولا۔ ''آپ ایک خشک اور بنجر زچٹان کی طرح اپنی ہی ذات تک محدود رہنا چاہتے ہیں۔ آپ خود غرض ہیں۔ آپ کا جذبہ تخلیق فنا ہو چکا ہے۔ آپ کی زندگی کے ویرانوں میں پیار بھرے گیت کبھی نہ گونجیں گے۔''

''نہ گونجیں.....!'' فریدی نے لاپروائی سے کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

''مجھے آپ کی بے بسی پر رحم آتا ہے۔'' حمید فلسفیانہ انداز میں بولا۔ ''میں جانتا ہوں کہ آپ اپنی جنسیت کو بُری طرح کچل رہے ہیں۔ آپ ظلم کر رہے ہیں۔ خود پر بھی اور اُس جذبہ تخلیق پر بھی۔''

''جو بے شمار ننگے اور بھوکے آدمیوں کو جنم دیتا ہے۔'' فریدی نے حمید کا جملہ پورا کر دیا۔

''یہ آپ کے بس کی بات ہے کہ آپ ننگے بھوکوں کی پیداوار روک دیں۔ مگر اس لطیف جذبے کو کچلنے سے فائدہ؟''

''کیوں دماغ چاٹ رہے ہو۔'' فریدی اکتا کر بولا۔ ''ایسی گفتگو ہمیشہ بیکاری کے لمحات میں چھیڑا کرو۔''

''کیا یہ حقیقت ہے کہ آج تک کوئی عورت آپ کی زندگی میں داخل نہیں ہوئی۔''

''کیوں نہیں۔''

''کون تھی وہ.....؟'' حمید نے خالص ڈرامائی انداز میں کہا۔

''میڈم چیانگ کائی شک کی بڑی بہن۔''

''اوہ.....تو وہ آج کل کہاں ہے؟''

''قبر میں.....کیا تم اُس کے پاس جانا چاہتے ہو؟''

''نہیں کبھی خط لکھئے گا تو میرا بھی سلام لکھ دیجئے گا۔ اچھا تو میں چلا۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

''کہاں.....؟''

''لیڈی جہانگیر عادل جی۔''

''اگر اپنی دکھتی ہوئی چوٹوں پر ہاتھ پھیرنے سے بھی محروم ہو جانے کا ارادہ رکھتے ہو تو ضرور جاؤ۔''

حمید دھم سے کرسی پر بیٹھ گیا۔

''مجھے ٹی۔ بی ہو جائے گا۔'' حمید حلق کے بل چیخا۔

''تقدیر کے لکھے کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔'' فریدی نے تاسف آمیز لہجے میں کہا۔

''میں خودکشی کر لوں گا۔''

''مگر پچھلا حساب بے باق کرنے کے بعد۔''

''آپ ظالم ہیں۔''

''مجھے اس سے انکار کب ہے۔''

''میں اپنا سر پھوڑ لوں گا۔''

''خودکشی سے پہلے یا خودکشی کے بعد؟''

حمید کوئی جواب دیئے بغیر اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ چپ چاپ کسی بہانے سے نکل جائے۔ فریدی اُس کی تفریحات میں شاذ و نادر ہی حارج ہوتا تھا۔ لیکن جب وہ اُسے کسی بات سے باز رکھنے پر اڑ ہی جاتا تو حمید کی ایک نہ چلتی۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ آج بھی فریدی کا انداز کچھ اسی قسم کا ہے۔ وہ فریدی کی طرف مڑ کر بولا۔

''میں ذرا.....!''

''کام سے جا رہے ہو۔'' فریدی نے اس کا جملہ پورا کر دیا۔ ''کیوں شامت آئی ہے۔''

''آپ تو خواہ مخواہ۔''

''بیٹھ جاؤ۔'' فریدی تحکمانہ لہجے میں بولا۔

''بیٹھ گیا۔'' حمید نے جھلا کر کہا۔

''سچ مچ تمہاری شامت آ گئی ہے۔'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ''تمہیں بند کرنا پڑے گا۔''

حمید نے محسوس کیا کہ فریدی نے وہ جملہ مذاقاً نہیں کہا تھا۔ اُس کے چہرے پر خطرناک قسم کی سنجیدگی تھی۔

''تم ہمیشہ کام بگاڑنے پر تلے رہتے ہو۔'' وہ آہستہ سے بولا۔ ''لیکن میں اس بار تمہیں اس کا موقعہ نہیں دوں گا۔''

''آخر بات کیا ہے؟'' حمید بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

''میں تمہیں بند کر دوں گا۔''

''پھانسی دے دیجئے نا مجھے۔'' حمید نے جھلا کر کہا۔

''شٹ اپ.....!''

اس نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کھینچتا ہوا ایک کمرے کی طرف لے گیا۔

''آپ اس وقت میرے ساتھ اس طرح پیش آ رہے ہیں جیسے میں آپ کی منکوحہ پر ڈاکہ ڈالنے جا رہا ہوں۔'' حمید مسکرا کر بولا۔ ''اُس نے سوچا کہ اب اس وقت غصہ دکھا کر خود ہی زچ ہونا پڑے گا۔ فریدی کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اُس نے جو کچھ کہا تھا اُسے کر گزرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ فریدی نے اُس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔

''آخر بند کرنے سے کیا فائدہ۔'' اُس نے پھر کہا۔

''فائدہ اور نقصان میں سمجھتا ہوں۔''

حمید کو پھر تاؤ آ گیا۔ بھنا کر بولا۔ ''اگر یہ بات ہے تو میں اسی وقت استعفیٰ دیتا ہوں۔''

''فضول.....!'' فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ ''تمہیں میرے ہی ساتھ مرنا بھی پڑے گا۔''

''اور اگر میں میڈیکل سرٹیفکیٹ داخل کر دوں تو.....؟'' حمید نے کچھ ایسے لہجے میں کہا کہ فریدی بے اختیار مسکرا پڑا۔

''اس صورت میں تمہیں مجھ سے پہلے مرنا پڑے گا۔'' فریدی اُس کا ہاتھ چھوڑ کر بولا

''حمید بھنبھناتا ہوا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ کوئی خاص بات

ضرور ہے۔ ورنہ فریدی اس طرح پیش نہ آتا۔

اُس نے کمرے کا دروازہ بند کر کے کپڑے اتارے اور بستر میں گر گیا۔ اُس کا ذہن فریدی کے اس عجیب و غریب رویے میں الجھ کر رہ گیا تھا۔

حمید انواع و اقسام کے خیالات میں الجھا ہوا سو گیا اور جب اُس کی آنکھ کھلی تو اس نے محسوس کیا کہ کوئی دروازہ بھڑ بھڑا رہا ہے۔

''ارے کون ہے بابا.....؟'' اس نے مسہری پر پڑے ہی پڑے ہانک لگائی۔ پھر فریدی کی آواز پہچان کر اٹھ بیٹھا۔

میز پر رکھی ہوئی ٹائم پیس ساڑھے چھ بجا رہی تھی۔

فریدی شاید کہیں جانے کے لئے تیار تھا۔

''اب تم نخریلی عورتوں کی طرح اپنا غصہ پلنگ پر اتارنے لگے ہو۔'' فریدی اُسے تیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ ''اچھا جلدی سے تیار ہو جاؤ۔''

''مرنے کے لئے؟'' حمید نے کھا جانے والے انداز میں کہا۔

''جلدی کرو وقت کم ہے۔''

''آپ تشریف لے جائیے۔''

''لیڈی جہانگیر کے یہاں نہیں چلو گے؟''

''لیڈی جہانگیر کی.....!''

''شٹ اپ.....نہیں بلکہ گٹ اپ.....!''

''اب کیا مصیبت آ گئی۔'' حمید زچ ہو جانے والے انداز میں چیخا۔

''اٹھو.....!'' فریدی نے اس کی گردن پکڑ کر اٹھا دیا۔

حمید نے منہ دھو کر طوعاً و کرہاً کپڑے تبدیل کئے اور فریدی کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر یک بیک فریدی کے خیالات کیوں تبدیل ہو گئے۔ پھر خیال آیا کہ کہیں اُس نے محض اُسے چڑھانے کے لئے لیڈی جہانگیر کا حوالہ نہ دیا ہو۔

''آخر جانا کہاں ہوگا؟'' حمید نے راستے میں پوچھا۔

''لیڈی جہانگیر عادل جی۔''

''اب کیوں؟''

''میری خوشی۔''

''لیکن میں نہیں جاؤں گا۔''

''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تمہارا انکار کبھی وزن نہیں رکھتا۔''

حمید خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اُسے سچ مچ غصہ آ گیا۔ آج ہی فریدی اُسے لیڈی جہانگیر کے معاملے میں کافی شرمندہ کر چکا تھا اور اب خود ہی اُسے کھینچے لئے جا رہا ہے۔ وہ اپنے انداز سے بے تعلقی ظاہر کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

فریدی کی کیڈیلاک جہانگیر پیلس کے سامنے رک گئی۔ جہانگیر پیلس شہر کی عمدہ ترین عمارتوں میں سے تھی۔ سر جہانگیر عادل جی کی موت کے بعد اُس کی ساری جائیداد اس عمارت سمیت اُس نوجوان بیوی کی طرف منتقل ہوگئی تھی۔ وہ ایک بوڑھا اور لاولد آدمی تھا۔ تیسری شادی کے دو ہی سال بعد اُسے موت نے آدبایا اور کسی قریبی عزیز کی عدم موجودگی کی بناء پر سارا ترکہ اُس کی بیوی کو ملا۔

ملاقاتی کارڈ بھجوا کر فریدی بیرونی گیلری میں انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد لیڈی جہانگیر خود باہر آ گئی۔

''اوہ آیئے! آیئے۔'' وہ پر جوش انداز میں بولی۔ ''میں سمجھی تھی شاید آپ لوگ کسی مصلحت کی بناء پر یہاں آنا مناسب نہیں سمجھتے۔''

''یہ بات نہیں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''ہم لوگ حقیقتاً بہت مشغول تھے۔''

پھر وہ متعدد کمروں اور برآمدوں سے گزرتے ہوئے ایک وسیع ہال میں پہنچے جو جدید طرز کے سامان آرائش سے بھرا ہوا تھا۔ دیواروں پر سنہرے فریموں میں قد آدم تصویریں آویزاں تھیں۔ ان میں زیادہ تر دنیا کے مشہور ترین مصوروں کے شاہکار تھے۔

اس وقت حمید کو لیڈی جہانگیر ایک بالکل ہی نئی شخصیت معلوم ہو رہی تھی۔ چہرے سے پژمردگی کے آثار مٹ چکے تھے۔ لباس اور رکھ رکھاؤ میں سلیقہ تھا لیکن وہ کچھ خائف ضرور نظر

آ رہی تھی۔

فریدی پیانو کے قریب کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر تک رسمی گفتگو ہوتی رہی پھر اچانک فریدی نے اُسے اپنے مخصوص قسم کے کھردرے لہجے میں مخاطب کیا۔

''لیڈی جہانگیر۔''

''ٹھہریئے!'' وہ بات کاٹ کر بولی۔ ''میرا نام افروز ہے۔''

''اوہ.....!'' فریدی یک بیک مسکرا پڑا۔ ''لیکن میں اتنی بے تکلفی کی جسارت نہیں کر سکتا۔''

حمید نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بولا۔ ''لیکن کم از کم میں تو تکلفات کا قطعی عادی نہیں۔''

''تب تو آپ یقیناً میرے ہم خیال ہیں۔'' افروز حمید کی طرف پلٹ کر مسکرائی۔

پھر فریدی کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے کہنے لگی۔ ''یقیناً ہم لوگ ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہیں مگر میں اپنی فطرت سے مجبور ہوں۔ اخلاقیات کے بے جا ڈھونگ کی میں سرے سے قائل ہی نہیں۔ لہٰذا نہایت صفائی سے عرض کرتی ہوں کہ میں لیڈی جہانگیر کے نام پر مخاطب ہونا پسند نہیں کرتی۔ مجھ میں ایک کمزوری اور بھی ہے وہ یہ کہ اگر میرے دل کی بات زبان تک نہ آ سکے تو مجھے اختلاج ہونے لگتا ہے۔''

''قدرتی بات ہے۔'' حمید نے قائل ہو جانے والے انداز میں سر کو جنبش دی۔

''لیکن.....!'' فریدی کے لہجے میں ہچکچاہٹ تھی۔ ''جب تک آپ دوسری شادی.....!''

''میں جانتی ہوں کہ میں اس وقت تک لیڈی جہانگیر ہی رہوں گی۔'' وہ فریدی کی بات کاٹ کر بولی۔

فریدی استفہامیہ نظروں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ جیسے اُس کے دوسرے جملے کا منتظر ہو۔ لیکن اُس نے پھر وہ بات ہی اڑا دی۔

وہ حمید کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ''کیا چوٹیں اسی ہنگامے میں آئی تھیں؟''

''اچھی خاصی شکل بگڑ کر رہ گئی۔'' فریدی نے ہنس کر کہا۔ ''میں تو سمجھا تھا کہ شاید انہیں قتل کر دیا گیا۔''

''کیوں.....؟'' افروز چونک کر بولی۔

''اکیلے بے دھڑک اُس جم غفیر میں گھس گئے تھے۔ بہت دلیر آدمی ہیں۔ انہوں نے کئی مواقع پر میری بھی جان بچائی ہے اور اگر یہ حضرت وہاں نہ گھستے تو شاید مجرم آپ سے مطلب براری میں کامیاب ہوگئے ہوتے۔''

''تو کیا انہیں وہاں میری موجودگی کا علم تھا۔'' افروز نے تحیر آمیز لہجے میں سوال کیا۔

حمید ملتجانہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگا اور ''ہاں'' کہہ دینے کا اشارہ بھی کیا۔

''نہیں! انہیں شبہ تھا کہ وہ مجرموں کا اڈہ ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''اور آپ کا مل جانا محض اتفاق تھا۔''

''بہرحال میں آپ دونوں کی مشکور ہوں۔'' افروز نے کہا اور حمید کی طرف کچھ ایسی نظروں سے دیکھا کہ وہ جماہی لینے کے بہانے منہ چھپانے لگا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر افروز بولی۔ ''آپ لوگوں کو ٹینس سے تو ضرور ہی شوق ہوگا۔ کبھی ادھر بھی تشریف لایا کیجئے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ میرا لان بہت عمدہ ہے لیکن پھر بھی۔''

''ضرور ضرور.....!'' فریدی نے کہا۔ ''خیر میں نے تو کبھی ٹینس کھیلی ہی نہیں۔ البتہ میرے دوست حمید صاحب بہت اچھے کھلاڑی ہیں۔''

حمید کو فریدی کے اس سفید جھوٹ پر تاؤ آ گیا۔ وہ اچھا کھلاڑی ہرگز نہیں تھا۔ وہ ایسے کھیل کا تو قائل ہی نہیں تھا جس میں بہت زیادہ ہاتھ پیر ہلانے پڑیں۔ اُس کا خیال تھا کہ فرصت کے لمحات میں بھی جسم کو تکلیف دینا پرلے سرے کی حماقت ہے۔

''اوہ! تب تو آپ سے مل کر اور خوشی ہوئی۔'' افروز نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

''بہت خوش مزاج اور لطیفہ گو ہیں۔'' فریدی بولا۔

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اچانک اُسے فریدی کے اس وقت کے عجیب و غریب رویے کا خیال آ گیا۔ اُس نے کبھی کسی عورت سے اُس کی تعریف نہیں کی تھی۔ لیکن اس وقت نہ جانے کیوں اُس کی خصوصیات گنوا رہا تھا۔

''ہاں تو لیڈی.....!'' فریدی چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ ''اوہ معاف کیجئے گا..... بات یہ ہے کہ باتوں میں پڑ کر آپ سے ایک اہم بات دریافت کرنا بھول گیا۔''

''فرمایئے.....!''

''کیا آپ ان میں سے کسی مجرم کو شناخت کر سکتی ہیں؟''

''مجھے افسوس ہے کہ نہیں۔ ان میں سے کوئی چہرے پر سیاہ نقاب لگائے بغیر میرے سامنے نہیں آیا۔''

فریدی کی پیشانی پر پرتشویش لکیریں ابھر آئیں۔

''آپ کو کافی محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔'' وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''ہوسکتا ہے کہ وہ پھر.....!''

''میں خود بھی یہی سوچتی ہوں۔'' افروز پرخیال انداز میں بولی۔ ''کیا خیال ہے آپ کا..... اگر میں اپنے ساتھ مسلح آدمی رکھوں؟''

''بہت اچھا خیال ہے..... میں بھی یہی مشورہ دینے والا تھا۔'' فریدی مضطربانہ انداز میں کرسی پر پہلو بدلتا ہوا بولا۔ پھر اس کا ہاتھ بے خیالی میں پیانو پر جا پڑا اور سارے ہال میں ایک بے ہنگم سی جھنکار گونج اٹھی۔

''مجھے افسوس ہے۔'' وہ آگے کی طرف جھک کر بولا۔

''کوئی بات نہیں۔'' افروز نے قہقہہ لگایا۔ ''میں اس کی نغمگی سے لطف انداز ہوئی ہوں۔ کم از کم اس نے ماحول کی یکسانیت تو ایک لحظہ کے لئے دور کر دی۔''

''آپ تو فلسفی معلوم ہوتی ہیں۔'' حمید نے ہنس کر کہا۔

واپسی پر فریدی حمید سے کہہ رہا تھا۔ ''بیٹے حمید صاحب..... اگر یہ ہموار ہو جائے تو پھر کیا بات ہے۔''

''کیا مطلب.....؟'' حمید چونک کر بولا۔

''میرے خیال سے تمہیں اُس کی بیوی سے زیادہ اُس کی دولت میں دلچسپی لینی چاہئے۔''

''میں لال بجھکو نہیں ہوں۔'' حمید نے اُس کی گول مول باتوں سے تنگ آ کر کہا۔

''میں نے اس عورت کو تمہارے لئے پسند کیا ہے۔'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ''اس لئے نہیں کہ وہ بہت خوبصورت ہے محض اس لئے کہ کثیر دولت کی مالک ہے۔''

حمید نے قہقہہ لگایا۔ ''کوئی مصلحت.....؟''

''قطعی نہیں۔'' فریدی کے لہجے میں معصومیت تھی۔ ''واقعی یہ تمہارے لئے ایک بہتر بیوی ثابت ہوگی۔''

''الو نہ بنایئے مجھے۔'' حمید اپنے بازوؤں پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

''نہیں حمید اسے پھانسو.....!''

''آج میں پہلی بار آپ کی زبان سے اتنا بازاری جملہ سن رہا ہوں۔'' حمید نے تحیر آمیز لہجے میں کہا۔

''لفظ پھانسو! بھی میں نے اُس کی دولت ہی کے سلسلے میں استعمال کیا ہے۔''

حمید کی حیرت بڑھتی جارہی تھی۔ کیونکہ وہ فریدی سے اس قسم کے خیالات کی توقع نہیں رکھتا تھا۔

اندھیرے میں گھونسہ

جہانگیر پیلس کا وسیع ہال برقی قمقموں سے جگمگا رہا تھا۔ آرکسٹرا کی لچکیلی دھنیں فضا میں منتشر ہورہی تھیں۔ آج یہاں نوروز کی دعوت کے سلسلے میں ایک عظیم الشان تقریب منعقد ہونے والی تھی۔ شہر کے اعلیٰ طبقے کے لوگ مدعو کئے گئے تھے۔ ان میں فریدی اور حمید بھی تھے۔ ان دونوں کے داخل ہوتے ہی اکثر اطراف سے انگلیاں اٹھنے لگی تھیں۔ شہر کے اونچے طبقے کے بیشتر لوگ فریدی سے اچھی طرح واقف تھے اور اُس سے متعارف ہونے کے متمنی رہا کرتے تھے۔ خوب صورت مردوں سے فلرٹ کرنے والی امیر لڑکیاں تو خاص طور پر اُس کی طرف توجہ دیتی تھیں۔ لیکن وہ ان کی طرف سے کچھ اس طرح بے نیازی ظاہر کرنے کا عادی ہوگیا تھا جیسے وہ خود ہی انہیں کی جنس سے تعلق رکھتا ہو۔

اس دعوت میں شرکت کے اہتمام کے سلسلے میں حمید نے تو ریکارڈ ہی توڑ دیا تھا۔ تقریباً دو گھنٹے کے بعد وہ غسل خانے سے برآمد ہوا تھا اور پھر اُس نے دو ہی گھنٹے لباس کے انتخاب اور استعمال میں صرف کئے تھے.....اس دوران میں لیڈی جہانگیر سے اُس کی گاڑھی چھننے لگی تھی لیکن معاملات ابھی تک محض دوستی ہی کے دائرے میں تھے۔ حمید کو فریدی کا یہ خیال قطعی لغو معلوم ہونے لگا تھا کہ وہ ایک آوارہ عورت ہے۔ حمید نے اُس کے ساتھ کئی راتیں نائٹ کلبوں اور رقص گاہوں میں گذاری تھیں۔ لیکن ابھی تک کوئی ایسی بات اُس کے مشاہدے میں نہیں آئی تھی جس کی بناء پر وہ اُسے آوارہ کہہ سکتا۔ اُس کا ہر ملنے والا اُس سے عزت اور تکریم سے پیش آتا تھا۔ حالانکہ اُس کے ملنے والوں میں سبھی جوان اور اُس کے ہم عمر تھے۔ لیکن حمید نے اُن میں سے کسی کی آنکھوں میں اُس کے لئے جنسی بھوک نہیں دیکھی تھی۔

فریدی اس دوران میں بہت زیادہ مصروف رہا تھا۔ لیکن اُس نے اپنی مصروفیت کے متعلق کوئی ڈھنگ کی بات حمید کو نہیں بتائی۔ ادھر کچھ دنوں سے اُن عجیب وغریب وارداتوں کا سلسلہ بھی ختم ہوگیا تھا لیکن پچھلی لاشوں کے سلسلے میں ابھی تک اخبارات میں بیانات شائع ہورہے تھے اور شہر میں کافی سنسنی تھی۔ حمید بدستور اُس لمبوترے چہرے والے کی تلاش میں تھا اور ابھی تک وہ اس بات کا بھی فیصلہ نہیں کرپایا تھا کہ دوبارہ مل جانے کی صورت میں وہ اُس کے ساتھ کیسا برتاؤ کرے گا۔

آرکسٹرا کی گت بند ہوگئی اور ہال میں صرف قہقہے سنائی دیتے رہے۔ ہلکی ہلکی نسوانی چیخیں گونجتی رہیں۔ ابھی پہلا راؤنڈ شروع نہیں ہوا تھا۔ رقص سے پہلے جمناسٹک کا پروگرام تھا۔ دو ماہر فن چینیوں اور اُن کے ساتھ ایک خوردسال لڑکے نے محیر العقول کرتب دکھانے شروع کیے۔ ہال تالیوں اور تحسین آمیز شور سے گونجتا رہا۔

ایک گھنٹے بعد رقص شروع ہوا۔ لیڈی جہانگیر اس وقت قریب قریب سب کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ پہلے راؤنڈ میں وہ اپنی ہی قوم کے ایک نوجوان کے ساتھ ناچتی رہی۔ حمید ایک اینگلو انڈین لڑکی کا ہم رقص تھا اور فریدی.....اُس نے تو ایسی حرکت کی تھی کہ رقص کرنے والے بہتیرے نوجوان جوڑے اب تک اُس پر ہنس رہے تھے۔ وہ ایک ادھیڑ عمر عورت کے ساتھ ناچ

رہا تھا۔

''تمہارا ساتھی بڑا ستم ظریف ہے۔'' حمید کی ہم رقص اُس سے بولی۔

''ستم رسیدہ بھی ہے۔'' حمید نے پرخواب آنکھوں سے اُس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔

''کیوں.....؟''

''بچپن ہی میں ماں کے سائے سے محروم ہوگیا تھا۔'' حمید ہنس کر بولا۔ ''اسی لئے اُسے بوڑھی عورتیں زیادہ پسند آتی ہیں۔''

''اُس کی آنکھیں۔'' ہم رقص تھوک نگلتی ہوئی بولی۔ ''اُس کی آنکھوں میں کیا ہے۔ میں اُس سے آنکھیں نہیں ملا سکتی۔ میرا خیال ہے کوئی عورت اُس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ سکتی۔''

''میں اُسے سیاہ عینک استعمال کرنے کا مشورہ دوں گا۔'' حمید اپنی گرفت مضبوط کرتا ہوا بولا۔ ہم رقص کی پیشانی اُس کے شانے پر تھی۔

''میں نے تمہیں ایک بار ہائی سرکل نائٹ کلب میں دیکھا تھا۔'' ہم رقص گنگنائی۔

''ایک کیا.....سینکڑوں بار دیکھا ہوگا۔''

''میں تو وہاں صرف ایک ہی بار جا سکی ہوں۔''

''میرے ساتھ روز چلا کرو۔''

پہلا راؤنڈ ختم ہوگیا۔ لوگ گیلری میں لگی ہوئی میزوں پر آ بیٹھے۔ میزوں پر عمدہ قسم کی کاک ٹیل موجود تھی۔ حمید تنہا رہ گیا۔ اُس کی ہم رقص کسی دوسری میز پر چلی گئی تھی۔ فریدی اپنی ادھیڑ ہم رقص کے ساتھ حمید کی میز پر آ بیٹھا۔ حمید سمجھ گیا کہ وہ دوسرے راؤنڈ میں بھی اُسی کے ساتھ رقص کرے گا۔

''مادام فلوبیٹر۔'' فریدی نے حمید سے تعارف کرایا۔ ''اور یہ میرے ساتھی مسٹر حمید۔''

دونوں نے رسمی جملے دہرائے۔

''لیڈی جہانگیر نے بڑی اچھی کاک ٹیل مہیا کی ہے۔'' ادھیڑ عورت اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتی ہوئی بولی۔

''ہم دونوں کاک ٹیل پی کر ہمیشہ نزلے زکام میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''عجیب بات ہے۔'' عورت نے کہا اور اپنا گلاس بھرنے لگی۔

اتنے میں لیڈی جہانگیر آ گئی۔

''آپ لوگ نہیں پی رہے ہیں؟'' وہ اپنے مخصوص انداز میں مسکرائی۔

''ہم لوگ اس وقت صرف کافی پینے کے عادی ہیں۔'' فریدی نے ہنس کر کہا

''میرا خیال ہے کہ آپ لوگ شراب پیتے ہی نہیں۔''

''ممکن ہے آپ کا خیال درست ہو۔''

''ٹھہریئے! میں کافی منگواتی ہوں۔''

''تکلیف کی ضرورت نہیں۔'' فریدی نے اُس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا اور حمید نے لیڈی جہانگیر کی جھرجھری محسوس کر لی۔

''تکلیف تی.....تکلیف کی کیا بات۔'' لیڈی جہانگیر تھوک نگلتی ہوئی بولی۔ پھر اُس نے ایک ویٹر کو اشارے سے بلا کر کافی لانے کو کہا۔

''اس شہر میں آپ سے زیادہ سلیقہ مند عورت مجھے نہیں نظر آئی۔'' فریدی کی ہم رقص لیڈی جہانگیر سے بولی۔

''نہیں تو.....میں تو بالکل گنوار ہوں۔'' لیڈی جہانگیر نے قہقہہ لگایا۔

''اس قسم کی کاک ٹیل میں نے زندگی میں ایک ہی بار پی تھی۔'' مادام بیٹر نے کہا۔ ''ڈچیز آف واگھان کی کاک ٹیل پارٹی میں اسپین والوں کا سلیقہ بھی اس سلسلے میں مشہور ہے۔ لیکن میں نے وہاں بھی ایسی کاک ٹیل نہیں چکھی.....''

''میرا خیال ہے کہ آپ کا پیشہ.....!'' لیڈی جہانگیر فریدی کی طرف مخاطب ہوگئی۔ ''آپ کو شراب نوشی سے باز رکھتا ہے۔''

''ضروری نہیں! بس یونہی پینے کو دل نہیں چاہتا۔''

''حالانکہ میں تھوڑی بہت پیتی ہوں۔'' لیڈی جہانگیر نے کہا۔ ''لیکن نہ جانے کیوں مجھے وہ لوگ پسند ہیں جو نہیں پیتے۔''

''میں بھی نہیں پیتا۔'' حمید آہستہ سے بولا اور لیڈی جہانگیر ہنسنے لگی۔

''واقعی حمید صاحب بہت زندہ دل آدمی ہیں۔''

کافی آ گئی اور لیڈی جہانگیر اٹھ کر دوسرے مہمانوں کی میز پر جا بیٹھی۔

فریدی کی ہم رقص بھی اٹھنے لگی۔

''میں دوسرے راؤنڈ کے لئے بھی آپ ہی سے استدعا کروں گا۔'' فریدی نے اُس سے کہا۔

مادام فلوبیٹر ایک لمحہ اُسے میٹھی نظروں سے دیکھتی رہی پھر مسکرا کر بولی۔ ''راؤنڈ شروع ہوتے ہی میں آجاؤں گی۔''

حمید اُس کے جانے کے بعد تحقیر آمیز انداز میں مسکرانے لگا۔

''حقیقتاً آپ نے اپنی زندگی برباد کرلی ہے۔'' اس نے کہا۔

''لیکن میں نے کبھی تمہیں اس کی رائے نہیں دی۔''

''یہاں کئی خوبصورت لڑکیاں آپ کی ہم رقص بننے کی متمنی نظر آ رہی تھیں۔''

''ہوسکتا ہے۔'' فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

''لیکن آج میں اس کی وجہ پوچھ کر ہی رہوں گا۔''

''کس کی وجہ؟''

''میں شروع ہی سے اس بات کا اندازہ لگا رہا ہوں کہ آپ ایسے موقعوں پر زیادہ تر بوڑھی عورتوں کو تلاش کرتے ہیں۔''

فریدی مسکرا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

''بتایئے نا.....!'' حمید نے پھر کہا۔

''پہاڑی ندیوں کو کبھی کبھی آبشار بھی کہتے ہیں۔'' فریدی بولا۔

''پانچویں درجے کی جغرافیہ کی کتاب میں میں نے بھی یہی پڑھا تھا لیکن میں اپنے سوال کا جواب چاہتا ہوں۔''

''کسی فلمی رسالے کے سوال و جواب کے ایڈیٹر سے رجوع کرو۔''

''بولئے۔''

''پہلا ہی جواب ٹھیک ہے۔''

''آپ کو بتانا پڑے گا۔''

''میں مرد آدمی ہوں نا۔'' فریدی اکتا کر بولا۔ ''کسی ایسی عورت کے ساتھ رقص نہیں کرسکتا جو میری جنسیت کو متحرک کردے۔''

''تو لنگوٹی باندھ کر کسی برگد کے درخت کے نیچے دھونی رمایئے۔ کسی رقص گاہ میں آپ کا کیا کام؟''

''فرزند میں یہاں تفریحاً نہیں آیا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''مطلب یہ کہ اسی بھیڑ میں وہ لمبوترے چہرے والا بھی موجود ہے۔''

''کہاں.....؟'' حمید بے ساختہ کھڑا ہوگیا۔

''تشریف رکھئے! بوکھلاہٹ مجھے پسند نہیں۔''

''میں سچ کہتا ہوں کہ اگر وہ بچ کر نکل گیا.....!''

''بکومت.....!'' فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے بٹھا دیا۔ ''تمہارے فرشتے بھی اُسے نہیں پہچان سکتے۔''

''میرے فرشتے اتنے بدھو نہیں۔''

''اچھا تو جاؤ ڈھونڈ ہی لو اُسے۔'' فریدی کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتا ہوا بولا۔

''کیا وہ اس وقت یہیں ہال میں موجود ہے۔''

''قطعی.....!''

حمید نے پورے ہال کا چکر لگا ڈالا۔ لیکن لمبوترے چہرے والا کہیں نہ ملا۔

''آپ مذاق کر رہے ہیں۔'' واپسی پر اُس نے فریدی سے کہا۔

''میں قطعی سنجیدہ ہوں۔''

''تو پھر بتایئے نا کہ کہاں ہے؟''

''پہلے تم وعدہ کرو کہ ہاتھ پیر قابو میں رکھو گے؟'' فریدی نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

میں وعدہ نہیں کرسکتا۔'' حمید بولا۔

''تو پھر مجبوری ہے۔''

''آپ بھی نہ جانے کیسی باتیں کررہے ہیں۔'' حمید جھنجھلا کر بولا۔ ''اس مجبوری کی کیا بات

''میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہاں اُس کی موجودگی کا کیا مطلب ہوسکتا ہے۔''

''تو یہ اتنا الجھا ہوا معاملہ ہے کہ آپ کو باقاعدہ دیکھنا پڑے گا۔'' حمید بگڑ کر بولا۔

''آہستہ فرزند من۔'' فریدی اُس کا شانہ تھپ تھپاتے ہوئے بولا۔ ''زیادہ بدحواسی اچھ نہیں۔ تم یہی کہنا چاہتے ہو نا کہ وہ لیڈی جہانگیر کو دوبارہ پکڑنا چاہتا ہے۔''

''ظاہر ہے۔''

''اس لئے اُس نے اتنا شاندار میک کیا ہے۔'' فریدی زہرخند کے ساتھ بولا۔ ''اور وہ اُ بھیڑ میں اسے اغوا کرے گا۔''

''پھر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟''

''میں فی الحال صرف سوچنا چاہتا ہوں۔'' فریدی بجھا ہوا سگار سلگاتا ہوا بولا۔

''تو سوچئے۔'' حمید نے کہا اور پیر پٹخ کر کھڑا ہوگیا۔ اُسے الجھن ہورہی تھیں۔ آج کی دنوں کے بعد فریدی پھر چونکا تھا۔ ورنہ اس دوران میں اُس نے ایک بار بھی اُن واقعات کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ حالانکہ کئی اخبارات نے محکمہ سراغ رسانی پر طنز بھی کیے تھے۔ ایسے مواقع پر فریدی خاص طور پر چاق و چوبند نظر آنے لگتا تھا۔ لیکن اس بار ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے وہ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دینے والے محاورے کو سچ مچ عملی جامہ پہنا رہا ہو اور اب اس وقت اچانک اُس نے پھر کروٹ بدلی تھی۔ حمید چند لمحے کھڑا اُسے گھورتا رہا پھر بیٹھ گیا۔

''جاؤ پھر تلاش کرو۔'' فریدی کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

''آپ سے خدا ہی سمجھے۔'' حمید نے بیزاری سے کہا اور منہ پھیر کر بیٹھ گیا۔

دوسرے راؤنڈ کے لئے موسیقی شروع ہوگئی تھی۔ لوگ آہستہ آہستہ اٹھ رہے تھے۔ اس میں لیڈی جہانگیر حمید کے قریب سے گذری۔

''کیا میں آپ سے درخواست کرسکتا ہوں۔'' حمید نے اس سے کہا۔

''ضرور ضرور.....!'' وہ ہنس کر بولی۔ ''لیکن میں دو منٹ بعد حاضر ہوسکوں گی۔ ابھی تک جنجر کی بوتلیں نہیں آئیں۔ کچھ کم پڑ گئی ہیں۔''

وہ تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ فریدی کی معمر ہم رقص آ گئی تھی۔ فریدی اُسے بازوؤں میں لے کر رقاصوں کی بھیڑ میں گم ہوگیا۔ حمید میز پر ٹک کر اپنا پائپ سلگانے لگا۔

آرکسٹرا "Kiss me! Kiss me! Naughty boy" بجا رہا تھا اور کئی جوڑوں نے اس پر عمل بھی شروع کردیا تھا۔ حمید کی نظریں فریدی کو ڈھونڈنے لگیں اور پھر جیسے ہی وہ اُسے دکھائی دیا حمید اپنی ہنسی ضبط نہ کرسکا۔ اُس کی بوڑھی ہم رقص بار بار اُس کی طرف اپنے ہونٹ بڑھا رہی تھی اور وہ کچھ اس طرح کے منہ بنا رہا تھا جیسے اُسے ابکائیاں آرہی ہوں۔

حمید کی نظر برابر اُن کا تعاقب کررہی تھی۔ ایک بار تو اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے دونوں زمین پر آرہیں گے۔ وہ بے تحاشہ ہنس رہا تھا۔ اتنے میں لیڈی جہانگیر آ گئی۔

''خیریت.....؟'' وہ حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ حمید نے فریدی کی طرف اشارہ کیا اور وہ بھی ہنسنے لگی۔

''اتنا عجیب و غریب آدمی میں نے آج تک نہیں دیکھا۔'' لیڈی جہانگیر نے کہا۔ ''میں نے پہلے بھی ان کے تذکرے سنے تھے۔ حمید صاحب اس شہر میں یہ تنہا آدمی ہیں جن کے متعلق اونچے طبقے کی عورتیں اور لڑکیاں بہت زیادہ باتیں کرتی ہیں۔ اتنا دولت مند آدمی اور ایک معمولی انسپکٹر۔ اتنا حسین اور صحت مند آدمی، پھر بھی جوان عورتوں کی دوستی کا خواہش مند نہیں۔ آج ساری لڑکیاں اس کی ہم رقص بننے کی متمنی تھیں۔''

''کیا آپ کے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہوئی تھی۔'' حمید نے پوچھا۔

''قدرتی بات ہے۔''

''تو آیئے..... میں بھی اُن سے کم عجیب نہیں ہوں۔'' حمید اُس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اُسے رنگ کی طرف لے جاتا ہوا بولا۔ ''میری عمر ایک سو ستر سال ہے پھر بھی میں پچیس سال سے زیادہ کا نہیں معلوم ہوتا۔ میں نے نقلی دانت نکلوا کر اصلی دانت لگائے ہیں۔ ایک بندر سے غدودوں کا تبادلہ کیا ہے۔ بندر تندرست اور بخیریت ہے۔ البتہ میں آج کل درختوں پر چڑھنے کی

مشق کر رہا ہوں اور بندر نے کوئلے کا بیوپار کر لیا ہے۔''

لیڈی جہانگیر دوہری ہوئی جا رہی تھی۔ حمید کی گرفت مضبوط ہوگئی اور وہ آہستہ سے بولا

''کیا میں کم عجیب ہوں لیکن پھر بھی اتنا عجیب نہیں ہوں کہ کسی بوڑھی عورت کو ہم رقص بنا کر جوان عورتوں کی توہین کروں۔''

''اس میں تو شک نہیں۔'' لیڈی جہانگیر مسکرا کر بولی۔ ''اس وقت بہتیری جوان عورتیں زخمی سانپوں کی طرح بل کھا رہی ہیں۔''

''کیا کسی جوان عورت سے اُن کی دوستی نہیں؟'' لیڈی جہانگیر نے پوچھا۔

''نہیں! لیکن یہ جانے کیوں آپ کی طرف بہت شدت سے جھک رہے ہیں۔''

''اوہ..... آپ مجھے بیوقوف بنا رہے ہیں۔ اگر یہ بات ہوتی تو وہ کم از کم ایک بار ضرور مجھ سے رقص کی درخواست کرتے۔ میرا خیال ہے کہ وہ اسی عورت کے ساتھ آخیر تک رقص کرتے رہیں گے۔''

''چھوڑیئے اُن کا تذکرہ۔ اتنے عرصے سے میرا اُن کا ساتھ ہے لیکن میں بھی اب تک انہیں نہیں سمجھ سکا..... اور.....!''

حمید اور کچھ کہنے جا رہا تھا کہ دفعتاً ہال کے سارے قمقمے بجھ گئے اور ساتھ ہی حمید کے جبڑے پر ایک گھونسہ پڑا اور اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے لیڈی جہانگیر کو گھسیٹ لیا تھا۔ ہال میں متواتر چیخیں گونجنے لگیں۔ پھر حمید نے اندھیرے میں لیڈی جہانگیر کی چیخ صاف پہچانی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کر رہی ہو۔ اندھیرے میں کسی کے ریوالور سے شعلہ نکلا اور سارا ہال دھماکے سے گونج اٹھا۔ چیخیں اور تیز ہوگئیں۔ عجیب انتشار اور بے چینی پھیل گئی تھی اور پھر اُس پر سے اندھیرا۔ حمید دیوانہ وار دوسروں سے ٹکراتا پھر رہا تھا اُس کے ذہن میں لمبوترا چہرہ ناچنے لگا تھا۔ اگر اُس وقت اُسے فریدی مل جاتا تو وہ نہ جانے کتنی سلواتیں سنا کر رکھ دیتا۔

پھر کئی ٹارچوں کی روشنیاں اندھیرے میں چمکنے لگیں۔ لوگ ابھی تک چیخ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ہال میں پھر روشنی ہوگئی اور حمید نے ایک دل ہلا دینے والا منظر دیکھا۔ ہال کے

فرش پر کئی عورتیں بے ہوش پڑی تھیں اور بہتیری کھڑی چیخ رہی تھیں۔ کسی کا ہار گم ہوا تھا اور کسی کے بالوں کے جڑاؤں کلپ..... حمید لیڈی جہانگیر کو تلاش کر رہا تھا۔

چہرہ در چہرہ

حمید فریدی کو بھی ڈھونڈھ رہا تھا۔ پوری بلڈنگ میں زلزلہ سا آ گیا تھا۔ لیڈی جہانگیر کے ملازمین بدحواسی میں ادھر اُدھر دوڑتے پھر رہے تھے۔ انہیں بھی لیڈی جہانگیر کے غائب ہو جانے کا حال معلوم ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد لیڈی جہانگیر مل گئی۔ وہ پائیں باغ کے پھاٹک پر بے ہوش پڑی تھی۔ اُس کی پیشانی سے خون بہہ رہا تھا۔ لباس کئی جگہ سے پھٹا ہوا تھا اور بال بے ترتیبی سے اُس کے چہرے پر بکھرے ہوئے تھے۔

کسی نے ڈاکٹر کو فون کر دیا تھا اور ساتھ ہی پولیس کو بھی پولیس والے اور ڈاکٹر ساتھ ہی پہنچے۔

فریدی کا اب تک کہیں پتہ نہ تھا۔

پولیس انسپکٹر حمید کو پہچان کر اُس کی طرف بڑھا۔

''میں یہاں موجود تھا لیکن ہنگامے کی وجہ سے اتنا ہی بے خبر ہوں جتنے کہ آپ۔'' حمید نے کہا۔

پھر اُس نے سارے واقعات بتا کر کہا۔ ''لیڈی جہانگیر میری ہم رقص تھی۔''

''اور اُسی وقت یہ حادثہ پیش آیا۔'' سب انسپکٹر طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

''تم صرف رپورٹ لکھ کر واپس جا سکتے ہو۔'' قریب ہی سے آواز آئی۔

دونوں چونک کر پلٹے۔ فریدی اپنے ہونٹوں سے سگار نکال رہا تھا۔

''بے ہوش عورتوں کے بیانات لو۔'' اُس نے کہا۔ ''اور اُن عورتوں کے بھی جن کے زیورات چھینے گئے ہیں۔''

''بہت بہتر۔'' سب انسپکٹر نے آہستہ سے کہا اور وہاں سے ہٹ گیا۔

حمید فریدی کو کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔

''آخر نکل گیا نا ہو۔'' وہ ہانپتا ہوا بولا۔

''میں اُسے پکڑنے کے لئے تو نہیں آیا تھا۔'' فریدی نے مسکرا کر جواب دیا۔

''کیا یہ ایک بدنما داغ نہیں کہ ہماری موجودگی میں۔''

''ہم فرشتے تو نہیں۔''

''افروز زخمی ہوگئی ہے۔''

''میں جانتا ہوں۔'' فریدی بجھا ہوا سگار سلگا کر بولا۔

''پھر بھی آپ۔''

''تو آپ ہی جا کر ہاتھ پیر ماریئے نا۔'' فریدی طنز آمیز لہجے میں بولا۔ ''میں تو نکما ہوگیا ہوں۔''

''اچھا یہ بات ہے۔'' حمید مٹھیاں بھینچ کر بولا۔ چند لمحے فریدی کو تیز نظروں سے گھورتا رہا پھر تیزی سے چلتا ہوا وہاں آیا جہاں سب انسپکٹر بیانات لے رہا تھا۔

بیہوش عورتیں ہوش میں آچکی تھیں۔ ان کی بھی کوئی نہ کوئی چیز غائب ہوگئی تھی۔ ڈاکٹر نے اُن کی بے ہوشی کی وجہ ڈر بتائی تھی۔ لیڈی جہانگیر کو بھی ہوش آ گیا تھا۔ ڈاکٹر نے اُس کی پیشانی کے زخم کی مرہم پٹی کر دی تھی۔ اُس نے حمید کو الگ بلا کر کہا۔

''میں سب کے سامنے اپنا بیان نہیں دوں گی۔''

''کیوں.....؟''

''بات ہی ایسی ہے۔ سب کے سامنے ذلیل ہونا نہیں چاہتی۔''

حمید استفہامیہ نظروں سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

''آج بھی کچھ لوگ مجھے اٹھا لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔''

''اوہ.....!'' حمید بے چینی سے بولا۔ ''کسی کو پہچانا آپ نے؟''

''نہیں.....!''

''اپنے سب مہمانوں کو پہچانتی ہیں آپ؟''

''نہیں کیوں.....!''

''میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ ان میں سے کون کون غائب ہے۔''

''تو کیا مہمان.....!''

''جی ہاں..... بہت ممکن ہے کہ مجرم مہمانوں میں مل گئے ہوں۔''

''ہوسکتا ہے..... میں بہتیرے مہمانوں کو نہیں پہچانتی۔ کیونکہ میں نے سر جہانگیر کے وقت کی فہرست کے مطابق دعوتی کارڈ جاری کئے تھے۔''

سب انسپکٹر سب کے بیانات قلمبند کر چکنے کے بعد لیڈی جہانگیر کی طرف متوجہ ہوا۔ ساری عورتیں آج کی دعوت کو بُرا بھلا کہہ رہی تھیں۔ لوٹے ہوئے زیورات کا تخمینہ ڈیڑھ لاکھ کے لگ بھگ تھا۔ پورا ہال ایسا لگ رہا تھا جیسے اُس پر وحشیوں کی کسی فوج نے حملہ کر دیا ہو۔ مہمان ابھی تک موجود تھے اور طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ اُن میں سے کئی محکمہ سراغ رسانی کو بھی بُرا بھلا کہہ رہے تھے کیونکہ محکمے کے دو بہترین افراد کی موجودگی میں یہ سب کچھ ہوا تھا۔

اُس کے خواہش کے مطابق لیڈی جہانگیر کا بیان علیحدہ کمرے میں لیا گیا۔ جہاں صرف حمید اور سب انسپکٹر تھے۔

پھر دوسرے مہمانوں سے بھی پوچھ گچھ شروع ہوئی۔ لیڈی جہانگیر کے ملازموں کے بیانات قلم بند کئے گئے۔ ان میں سے چار کو حراست میں بھی لیا گیا۔ حالانکہ لیڈی جہانگیر اُن کی نیک چلنی کی ضمانت دے رہی تھی۔

فریدی سب سے الگ تھلک پیانو پر کہنیاں ٹیکے مجمعے کا جائزہ لے رہا تھا۔ حمید نے کئی بار اُس کی طرف دیکھا لیکن اُس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ پائی۔ صرف اُس کی عقابی آنکھیں متحرک تھیں۔ جسم اس طرح ساکت تھا جیسے اُس نے کبھی حرکت ہی نہ کی ہو۔

دفعتاً سب انسپکٹر اُس کے قریب آ کر آہستہ سے بولا۔

''اگر اجازت دیجئے تو ان سب کی جامہ تلاشی لی جائے۔''

''تمہاری مرضی! مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' فریدی نے کہا اور جیب سے نیا سگار نکال کر سلگانے لگا۔

سب انسپکٹر نے معذرت کے ساتھ مجمع کے سامنے یہ تجویز پیش کی۔ لوگوں کے چہرے بگڑ گئے۔ کیونکہ وہ سب ذی حیثیت تھے۔ لیکن مجبوری..... اُن میں بعض بلند آواز میں پولیس والوں کو بُرا بھلا کہہ رہے تھے لیکن اُن کے احتجاج کے باوجود بھی کاروائی شروع کر دی گئی۔ حمید پھر جھلا کر فریدی کی طرف بڑھا۔

''کیا وہ ابھی تک یہاں موجود ہے؟'' اُس نے پوچھا۔

فریدی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''پھر آخر آپ کیا سوچ رہے ہیں۔ مجھے بتایئے وہ کون ہے؟''

''تلاش کرلو۔''

حمید پیر پٹختا ہوا ہال سے باہر نکل آیا۔ غصے میں اُسے راستے کا بھی دھیان نہ رہا اور وہ ایک غلط راہداری میں آ نکلا اور پھر اپنے اندازے کے مطابق راہداری کے اختتام پر داہنی طرف مڑ گیا۔ وہ جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔

دفعتاً تاریکی کے احساس نے اُسے چونکا دیا۔ وہ نہ جانے کدھر نکل آیا تھا۔ چاروں طرف اندھیرا تھا لیکن یہ بھی کوئی راہداری ہی تھی۔ کیونکہ زمین پر بچھی ہوئی چٹائیوں کی وجہ سے خود اُسے اپنے قدموں کی چاپ نہیں سنائی دے رہی تھی۔ وہ واپسی کے لئے مڑ ہی رہا تھا کہ کسی نے تیز قسم کی سرگوشی کی ''ٹھہرو۔''

آواز دور سے آئی تھی لیکن اُس کی گونج صاف بتا رہی تھی کہ بولنے والا راہداری ہی میں ہے۔ حمید رک گیا۔ مگر دوسرے ہی لمحے میں اُسے معلوم ہو گیا کہ مخاطب وہ خود نہیں تھا بلکہ کوئی اور ! کیونکہ وہ اب دو آدمیوں کی سرگوشیاں اپنے قریب سے سن رہا تھا۔

''پھاٹک پر بھی پولیس موجود ہے۔''

''پھر.....؟''

حمید دیوار سے چپک کر کھڑا ہو گیا اور اپنی پھولتی ہوئی سانس کی آوازوں کو دبانے کی کوشش

کرنے لگا۔ ہال سے وہ شدید غصے کی حالت میں نکلا تھا اور پھر اُس پر تیز رفتاری۔ اُس کی سانسیں تیز ہو گئی تھیں۔

''تلاشیاں شروع ہو گئی ہیں۔'' آواز پھر سنائی دی۔

''میں نکل جاؤں گا۔'' دوسری آواز آئی۔

''اگر پکڑے گئے تو..... وہ دونوں مردود بھی موجود ہیں۔''

حمید ہونٹ بھینچ کر سر ہلانے لگا۔

''تو پھر بتاؤ نا.....؟''

''کیا بتاؤں؟''

''تم اُلو ہو..... میں چہار دیواری پھلانگ کر نکل جاؤں گا۔ یہاں کہیں چھپانا ٹھیک نہیں۔''

''تم جانو.....!''

''پھر حمید کے قریب سے دو سائے گذر گئے۔ حمید انداز اً چلتا رہا۔ زمین پر میٹنگ ہونے کی وجہ سے قدموں کی آواز نہیں سنائی دی رہی تھی۔ دوسری راہداری کے سرے پر کسی کمرے کی روشنی پڑ رہی تھی۔ حمید نے وہاں دونوں کی ایک ہلکی سی جھلک دیکھی۔ وہ تیزی سے قدم بڑھانے لگا۔ پھر اُس نے انہیں پائیں باغ میں اترتے دیکھا۔ یہاں اندھیرا تھا۔ البتہ تاروں کی چھاؤں میں اُسے دو سائے دکھائی دے رہے تھے۔ حمید مہندی کی باڑھوں کی آڑ لیتا ہوا اُن کا تعاقب کر رہا تھا۔ لیکن اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے گا۔ وہ چیز جسے وہ چھپانا چاہتے تھے نہ جانے اُن میں سے کس کے پاس تھی۔ اگر وہ اُن سے بھڑ گیا تو ممکن ہے کہ ایک تو نکل ہی جائے اور اگر وہ ''ایک'' وہی ہوا جس کے پاس وہ چیز موجود ہے تو ساری محنت اکارت جائے گی۔ اس وقت اُس کے پاس ریوالور بھی نہیں تھا۔ اگر وہ ہال تک جا کر وہاں سے مدد لانے کی کوشش کرتا تو وہ نکل ہی جاتے۔

وہ دونوں چہار دیواری کے نیچے پہنچ چکے تھے۔ پھر اُن میں سے ایک زمین پر بیٹھ گیا اور دوسرا اُس کے کاندھے پر پیر رکھ ہی رہا تھا کہ حمید بے اختیار چیخ پڑا۔ ''خبردار اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔''

دونوں گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔

''ہاتھ اوپر اٹھاؤ'' حمید نے پھر للکارا۔ اُس کے داہنے ہاتھ میں اُس کا فاؤنٹین پن تھا۔ اُسے توقع تھی کہ وہ اندھیرے میں دور سے پستول کی نال ضرور معلوم ہوگا۔ دونوں نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لئے تھے۔

حمید آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ اُس کی آنکھیں کافی دیر سے اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہوگئی تھیں۔ اُن دونوں میں سے ایک نے وہیں کوئی چیز گرائی تھی جسے حمید نے صاف دیکھا تھا۔

''کیا بات ہے؟'' اُن میں سے ایک بولا۔

''کہاں بھاگ رہے تھے؟'' حمید نے گرج کر پوچھا۔

دونوں خاموش رہے۔

''داہنی طرف مڑو۔'' حمید نے کہا۔ ''اور چل پڑو۔ کوئی حرکت کی تو بھیجا صاف۔''

دونوں چلنے لگے۔ حمید تیزی سے دیوار کے قریب آیا۔

''چلتے جاؤ۔'' اُس نے پھر للکارا۔ گھاس پر پڑی ہوئی پوٹلی اُس کے ہاتھ آ گئی تھی۔

''بائیں مڑو.....!'' وہ حلق کے بل چیخا۔ پوٹلی کچھ وزنی تھی۔ اس کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔

''وہ مارا.....!'' اُس نے دل ہی دل میں کہا اور پھر وہ اُس ڈرامائی وقوعے کے متعلق ہوائی قلعے بنانے لگا جس سے فریدی کو دوچار ہونا تھا۔

پھاٹک کے قریب پہنچ کر اُس نے ان دونوں کو پولیس کانسٹیبلوں کے حوالے کر دیا اور انہیں فاؤنٹین پن دکھاتا ہوا بولا۔ ''دیکھو..... یہ رہا پستول'' پھر وہ قہقہے لگاتا ہوا اندر چلا گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جس طرح فریدی آہستہ آہستہ پوری بات بتا کر دوسروں کو حیرت زدہ کرتا ہے اس وقت وہ بھی وہی طریقہ اختیار کرے گا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے گرفتار شدگان کو اندر لے جانے کی بجائے وہیں چھوڑ دیا تھا۔ حمید حقیقتاً احمق نہیں تھا لیکن اس وقت اُس پر دادخواہی کا بھوت سوار تھا اور ظاہر ہے کہ اُسے یہ داد اُن عورتوں کی طرف سے ملتی جن کے زیورات لوٹے گئے تھے۔ لہٰذا اُس کا اپنی کھوپڑی کی حدود سے نکل جانا برحق تھا۔ اُس نے جلدی میں اُن دونوں کی شکلیں دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی۔

ہال میں ابھی تک لوگوں کی جامہ تلاشی لی جا رہی تھی اور حمید نے فریدی کو بدستور پیانو ہی پر پایا۔ وہ پہلے ہی کی طرح اپنی دونوں کہنیاں پیانو پر ٹیکے مجمعے کا جائزہ لے رہا تھا۔

حمید نے زیورات کی پوٹلی اُس کے سامنے ڈال دی اور جھک کر اُس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُسے چونک کر پیچھے ہٹ جانا پڑا۔ نہ جانے کیوں اُس کے جسم کی سارے روئیں کھڑے ہوگئے تھے اور سر سے پیر تک ایک ٹھنڈی لہر دوڑتی چلی گئی تھی۔ وہ فریدی کی آنکھیں تھیں یا کسی خوفناک درندے کی۔ اُس نے حمید کو سر سے پیر تک دیکھا اور پھر اُس کی نظریں جواب طلب انداز میں اُس کے چہرے پر جم گئیں۔

''لٹے ہوئے زیورات.....!'' حمید آہستہ سے بولا۔

''کہاں ملے؟''

''دو آدمیوں کے پاس سے برآمد کیے۔ وہ حراست میں ہیں۔''

''آہم .....اچھا.....!' فریدی نے ایک طویل انگڑائی لی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے وہ گہری نیند سے چونک کر اٹھا ہو۔ پھر اُس نے سب انسپکٹر کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''ٹھہریئے۔''

مجمع پر سناٹا چھا گیا۔

''لوٹا ہوا مال برآمد کر لیا گیا ہے۔'' اُس نے بلند آواز میں کہا۔

ایک لمحہ خاموشی رہی پھر ہال میں تیز قسم کی بھنبھناہٹ گونجنے لگی۔

لٹی ہوئی عورتیں بے تحاشہ پیانو کی طرف لپکیں۔

''مجھے افسوس ہے۔'' فریدی نے اُن سے کہا۔ ''عدالتی کاروائی شناخت سے قبل نہ تو یہ آپ کو واپس مل سکیں گے اور نہ دکھائے ہی جائیں گے۔''

اس دوران میں بھی اُس کی نظریں مجمع ہی کی طرف رہیں۔

عورتیں بڑبڑاتی ہوئی واپس جا رہی تھیں اور فریدی کے رویے سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے اُس کے کانوں تک اُن کی آوازیں پہنچ ہی نہیں رہی ہیں۔

''ٹھہریئے۔'' ایک بار پھر فریدی کی آواز گونجی۔ ''آپ..... جو باہر جا رہے ہیں۔''

سید کی نظریں بے ساختہ اُس طرف اٹھ گئیں جدھر فریدی نے اشارہ کیا تھا۔ ایک آدمی

دروازے میں کھڑا فریدی کو گھور رہا تھا۔ یہ ایک ادھیڑ عمر کا توانا اور تندرست آدمی تھا۔ حمید سے اچھی طرح واقف تھا۔ یہ شہر کے ایک مشہور نائٹ کلب کا منیجر مسٹر ڈاملے تھا۔

''آپ کس کی اجازت سے باہر جا رہے تھے؟'' فریدی اُس کی طرف بڑھا۔

''کیا ابھی کوئی اور جھنجھٹ باقی ہے؟'' اُس نے حقارت آمیز لہجے میں کہا۔

''صرف ایک اور.....!'' فریدی نے اُس کے بالوں کو مضبوطی سے پکڑ کر جھٹکا دیا۔ دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہوا جیسے اُس نے بالوں سمیت اُس کے چہرے کی کھال کھینچ لی ہو۔ خصوصاً حمید کی آنکھوں کے سامنے تو بجلی سی چمک گئی اور اُس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''لمبوترا چہرہ۔''

دوسرے لمحے میں وہ اچھل کر اُس پر جا پڑا۔ دونوں گتھے ہوئے زمین پر آ رہے۔ کبھی وہ اوپر نظر آتا تھا اور کبھی وہ۔ لوگ بدحواسی میں اُن کے گرد اکٹھا ہوتے جا رہے تھے۔ لمبوترے چہرے والا لڑنے سے زیادہ نکل بھاگنے کی فکر میں تھا۔ مگر حمید جونک کی طرح لپٹ کر رہ گیا۔ آخر کار پولیس والوں نے اس جدوجہد کا خاتمہ کر دیا۔

لمبوترے چہرے والے کو ہتھکڑیاں لگائی جا رہی تھیں اور فریدی کی نظریں اب بھی کسی کو ڈھونڈ رہی تھیں۔

حمید نے پھر آگے بڑھ کر لمبوترے چہرے والے کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کر دیا۔ پورے ہال میں شاید ہی کوئی ایسا چہرہ رہا ہو جس پر حیرت کے آثار نہ ہوں۔ مسٹر ڈاملے کے قریبی دوست اُسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔ وہ شخص جسے وہ سالہا سال سے ڈاملے کی شکل میں دیکھتے آئے تھے اُن کے سامنے اجنبیوں کی طرح کھڑا تھا۔

ڈاکٹر نے لیڈی جہانگیر کو آرام کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن جیسے ہی اُس کے کانوں تک اس نئے واقعے کی خبر پہنچی وہ ننگے پیر دوڑتی چلی آئی۔

''ارے یہ مسٹر ڈاملے.....؟'' وہ حمید کو مخاطب کر کے بولی۔ ''نہیں یقیناً آپ لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔''

اُس کے قریب کھڑے ہوئے ایک مہمان نے ایک ہی سانس میں سارا واقعہ دہرایا۔

''میرے خدا.....!'' وہ تحیر آمیز لہجے میں بولی۔

''آپ نے اس سے پہلے بھی یہ شکل کہیں دیکھی تھی؟'' حمید نے اُس سے پوچھا۔

''نہیں کبھی نہیں..... کہیں نہیں۔'' وہ اپنا چہرہ چھپا کر بولی۔ ''آج میرا گھر بدنام ہو گیا۔'' پھر وہ سسکیاں لے لے کر رونے لگی۔ ''میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہ گئی۔''

''اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں۔'' حمید نے اُسے تسلی دی۔ ''لٹے ہوئے زیورات بھی مل گئے ہیں۔''

''اوہ.....!'' وہ آنسو پونچھ کر حمید کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر آہستہ سے بولی۔

''آپ نے میری عزت رکھ لی۔''

قریب ہی ایک لڑکی دوسری سے کہہ رہی تھی۔ ''جس زمین پر ان دونوں کے قدم پڑتے ہیں وہاں کوئی نہ کوئی حیرت انگیز واقعہ ضرور ہوتا ہے۔''

دو فائر

مہمان ایک ایک کر کے رخصت ہو رہے تھے۔ لٹی ہوئی عورتیں دیر تک فریدی اور حمید کو گھیرے رہیں۔ بدقت تمام وہ دونوں اُن سے پیچھا چھڑا سکے۔

''اور وہ دونوں کہاں ہیں؟'' فریدی نے حمید سے پوچھا۔

''باہر.....!''

''تو آؤ باہر ہی چلیں۔''

زیورات کے متعلق ضابطے کی کاروائی ہو چکی تھی۔ سب انسپکٹر مجرم سمیت جانے کے لئے تیار تھا۔ وہ بھی فریدی اور حمید کے ساتھ ہی ساتھ باہر نکلے۔ پائیں باغ کے پھاٹک پر کانسٹیبل

موجود تھے۔

''وہ دونوں کہاں ہیں؟'' حمید نے ہیڈ کانسٹیبل کو مخاطب کیا۔

''وہ دونوں.....ہی ہی ہی۔'' ہیڈ کانسٹیبل نے دانت نکال دیئے۔ ''وہ تو کب کے چلے گئے۔''

''کیا.....؟'' حمید کان پھاڑ دینے والی آواز میں چیخا۔

''جی ہاں.....!' اُس نے سہم کر کہا۔ ''انہوں نے کہا تھا کہ تمہارے سارجنٹ صاحب.....!''

''کیا بکواس ہے.....بکو جلدی۔'' حمید جھلا گیا۔

''انہوں نے کہا تھا کہ سرجنٹ صاحب پئے ہوئے ہیں۔ ہم اُن کے دوست ہیں۔ انہوں نے ہم سے مذاق کیا ہے۔''

''اور تم نے یقین کرلیا.....؟'' حمید دانت پیس کر بولا۔

''تو صاحب آپ ہی نے ٹھیک سے بات کی ہوتی؟'' ہیڈ کانسٹیبل کے لہجے میں تلخی تھی۔

''کیا آپ نے اُن کے سامنے فاؤنٹین پن نچا کر اُسے پستول نہیں کہا تھا؟''

حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے سربازار اُس کے سر پر چپت رسید کردی ہو۔ وہ سوچنے لگا کہ حقیقتاً غلطی اسی کی تھی۔ اُس کی اس حرکت پر اُسے شرابی تو کیا پاگل بھی سمجھا جاسکتا تھا۔ اُسے چاہئے تھا کہ مجرموں کو سپرد کرتے وقت کانسٹیبلوں کو سب کچھ سمجھا دیتا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے۔ سب انسپکٹر بھی قریب ہی کھڑا تھا۔

''کیا بات ہے؟' اُس نے حمید سے پوچھا۔

حمید ہنسنے لگا۔

''کوئی بات نہیں۔'' اُس نے کہا۔ ''میں نے اپنے دوستوں سے مذاق کیا تھا۔ لیکن وہ ادھورا ہی رہ گیا۔''

''اچھا.....!'' سب انسپکٹر ہنسنے لگا۔ ''پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''وہ مجرم کہاں ہیں جنہیں آپ نے پکڑا تھا''

''ان کا مسئلہ فی الحال ٹیڑھا ہے۔'' فریدی نے کہا جو اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ حمید

اس سلسلے میں ضرور کوئی حماقت ہوگئی ہے۔

''لیکن میری رپورٹ.....؟'' سب انسپکٹر نے کہا۔

''وہ تو میرے خیال سے ابھی تک نامکمل ہی ہوگی۔''

''جی ہاں۔''

''تو اُسے اس طرح مکمل کرو کہ لوٹا ہوا مال لے کر مجرم فرار ہونے کی کوشش کررہے تھے کہ کانسٹیبلوں نے انہیں جالیا۔ کافی دیر تک جدوجہد ہوتی رہی اور وہ لوٹا ہوا مال چھوڑ کر فرار ہوگئے۔''

''مگر.....!''

''میں انہیں اپنے طور پر حاضر کروں گا۔'' فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ ''اُن کا ہاتھ اس سے بھی گہرے بعض معاملات میں رہا ہے۔ اب تم جاسکتے ہو۔ لیکن رپورٹ اُسی طرح مکمل کرنا جیسے میں نے کہا ہے۔''

سب انسپکٹر نے لمبوترے چہرے والے کو پولیس کی لاری میں سوار کرادیا، جو فریدی اور حمید کو کھا جانے والے انداز میں گھور رہا تھا۔

اُن کے چلے جانے کے بعد فریدی حمید کی طرف پلٹا۔

''ہاں اب تم بک چلو.....!'' اُس نے آہستہ سے کہا۔

حمید نے اٹک اٹک کر پورا واقعہ دہرا دیا۔

''نہ جانے تمہارا بچپن کب رخصت ہوگا۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا اور کوٹھی کی طرف بڑھ گیا۔

وہ دونوں پھر اُسی ہال میں آئے۔ یہاں کی ابتری دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ کچھ دیر قبل یہاں رنگ رلیاں منائی جاتی رہی ہوں گی۔ ہال کے وسط میں لیڈی جہانگیر خاموش کھڑی تھی۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے اُسے سکتہ ہوگیا ہو۔ فریدی اور حمید اُس کے قریب پہنچ کر رک گئے۔ لیکن اُس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ وہ خلاء میں نظریں جمائے کھڑی تھی۔

''مجھے آج کے حادثے پر افسوس ہے محترمہ.....!'' فریدی نے کہا۔

لیڈی جہانگیر چونک پڑی۔ اُس کے ہونٹوں پر ایک بے جان سی مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

پھر وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر فریدی کی طرف پر خیال انداز میں دیکھنے لگی۔

''میں نے آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا'' فریدی پھر بولا۔ ''لیکن آپ کر بھی کیا سکتی تھیں۔''

''میں ڈاملے کو عرصے سے جانتی تھی۔''

''ہم بھی جانتے تھے۔'' فریدی نے کہا۔ ''لیکن اُس کی دوسری حیثیت آج ظاہر ہوئی۔''

''آپ اُسی کی قید میں تھیں۔'' حمید بولا۔

''اب سارے معاملات میری سمجھ میں بھی آ رہے ہیں۔'' لیڈی جہانگیر نے کہا۔

''کیا.....؟'' فریدی نے اپنی نیند سے بوجھل آنکھیں اوپر اٹھائیں۔

''وہ عرصہ سے مجھ سے شادی کا خواہش مند تھا۔''

''اوہ! تب تو معاملہ صاف ہے۔''

''کیا.....؟''

''اُس نے پہلی بار اسی مقصد کے حصول کے لئے آپ کو مقید کیا تھا۔''

''لیکن.....!'' وہ فریدی کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔

فریدی استفہامیہ انداز میں اُسے دیکھ رہا تھا۔

''لیکن اس طرح اُس کی مقصد براری کیونکر ہوتی۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنی دوسری حیثیت کو پر نہ ظاہر کرتا۔''

''ٹھیک ہے لیکن ڈاملے کی حیثیت سے وہ آپ کو اتنا زیرِ بار احسان ضرور بنا سکتا تھا۔''

''کس طرح؟''

''ڈاملے کی شکل میں آپ کو اپنی ہی قید سے رہائی دلا کر۔''

''اوہ.....!'' اُس نے فریدی کی طرف تحیر آمیز نظروں سے دیکھا۔ ''لیکن اب میں کیا کروں۔ میرا گھر تو آج بدنام ہی ہو گیا۔''

''اس کی فکر نہ کیجئے۔ یہاں کا کوئی اخبار اس حادثے کے متعلق کچھ نہیں لکھ سکتا اور آپ کے مہمانوں کی غلط فہمی رفع کرنے کی بھی کوشش کی جائے گی۔''

''میں کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔''

''کسی سے بھی نہیں۔'' حمید ہنس کر بولا۔ ''ہم یہ سب کچھ اخلاقاً نہیں کرتے بلکہ مجبوراً کریں گے۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔'' افروز کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

فریدی نے بھی حمید کو گھور کر دیکھا۔

''دوستوں کے لئے مجبوراً پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔'' حمید نے جلدی سے کہا۔

''اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ میری وجہ سے آپ لوگوں کو بڑی تکلیف اٹھانی پڑی۔'' افروز آہستہ سے بولی۔

''خیر..... خیر..... میں بھی آپ ہی کی طرح رسمی باتوں کا قائل نہیں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''میں نے آپ کے یہاں مستقل طور پر دو کانسٹیبلوں کی ڈیوٹی کا انتظام کر دیا ہے۔''

''میں کس زبان سے۔''

''پھر آپ نے وہی رسمی بات چھیڑی۔'' فریدی پھر مسکرایا۔ ''اگر آپ ضروری سمجھتی ہوں تو آج رات حمید صاحب بھی یہاں رہ سکتے ہیں۔''

''بہت بہت شکریہ۔''

فریدی بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

''دیکھئے! میں نہ کہتا تھا کہ ہر آدمی کبھی نہ کبھی رسمی باتیں کرنے پر مجبور ہو ہی جاتا ہے۔''

''بخدا یہ میرے حقیقی جذبات ہیں۔'' افروز نے سنجیدگی سے کہا۔

''خیر اچھا..... میرے لائق کوئی اور خدمت.....؟''

''آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔''

''پھر وہی رسمی جملہ.....!''

''میں آپ سے معافی چاہتی ہوں۔'' افروز ہنس کر بولی۔

''اچھا تو حمید صاحب..... شب بخیر۔'' فریدی نے کہا اور لمبے لمبے قدم بڑھاتا ہوا ہال سے باہر نکل گیا۔

''آئیے.....!'' افروز تھوڑی دیر بعد بولی۔ ''آپ کچھ پریشان سے نظر آ رہے ہیں۔''

''اُوں.....!'' حمید چونک پڑا اور بے جان سی ہنسی کے ساتھ کہنے لگا۔ ''مجھے اس کا افسو
ہے کہ میں اس ڈاملے کے بچے کی اچھی طرح مرمت نہ کر سکا۔''

''خیر آیئے! ایک بج رہا ہے۔ آج رات کی نیند تو گئی۔''

''نیند تو مجھے بھی نہ آئے گی۔''

افروز حمید کو ایک کمرے میں لے آئی۔ غالباً یہ اُس کے سونے کا کمرہ تھا۔

یہاں ہر وہ چیز موجود تھی جو ایک آرام طلب اور رنگین مزاج عورت کے سونے کے کمرے میں ضروری ہو سکتی ہے۔

''بیٹھیے۔'' اُس نے ایک آرام کرسی کی طرف اشارہ کیا اور خود ایک کھڑکی کھول کر اُس کے قریب کھڑی ہو گئی۔

حمید کی نظریں ایک تصویر پر جمی ہوئی تھیں۔ یہ کسی مشاق مصور کا کارنامہ تھا۔ ایک عریاں اور جوان عورت جس کے ہاتھوں اور پیروں میں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں اور ایک بڑا سا سانپ اُس کے جسم سے لپٹا ہوا اُس کے چہرے پر پھن مارنے کی کوشش کر رہا تھا۔

دفعتاً افروز حمید کی طرف مڑی اور اس کا انہماک دیکھ کر بے ساختہ مسکرا پڑا۔

''کیا یہ تصویر.....!'' افروز ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''کسی شریف عورت کی خواب گاہ کے لئے معیوب سمجھی جا سکتی ہے۔''

حمید چونک کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ اُس کی نظریں تو تصویر کی طرف تھیں لیکن ذہن کہیں اور تھا۔ وہ فریدی کے اس عجیب و غریب رویے کے متعلق سوچ رہا تھا جو اُس نے کچھ دیر قبل اختیار کیا تھا۔ صرف وہی نہیں آج رات اس عمارت میں قدم رکھتے ہی حمید نے ایک عجیب قسم کا تغیر محسوس کیا تھا جسے وہ اب تک کوئی معنی نہیں پہنا سکا تھا۔ اُس کے ذہن میں بیک وقت کئی سوال ابھر آئے تھے۔ اس پر افروز کے سوال نے جو بالکل ہی مختلف النوع تھا اُسے ذہنی انتشار میں مبتلا کر دیا۔

''کیا سوچ رہے ہیں آپ.....؟'' وہ ہنس کر بولی۔

''کچھ نہیں! میں اسی تصویر کے متعلق غور کر رہا تھا۔''

''تو آپ اسے فحاشی سمجھتے ہیں؟''

''میرا خیال ہے کہ میں اسے آرٹ ہی سمجھنے پر مصر رہوں گا۔'' حمید مسکرا کر بولا۔

''یہی تو مشکل ہے کہ عام طور پر آرٹ اور فحاشی کے نازک فرق کو بہت کم لوگ سمجھتے ہیں۔''

''میں بہت زیادہ ذہین نہیں ہوں۔'' حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ ''لیکن پھر بھی مجبوری اور جوانی کے اس خوبصورت تخیل کی قدر ضرور کر سکتا ہوں۔''

''حمید صاحب! میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں۔'' افروز نے سنجیدگی سے کہا۔ ''آپ کی لائین کے لوگ عموماً صرف منطقی ہوتے ہیں۔ لیکن آپ.....اوہ میں بھی کہاں بہک رہی ہوں۔ شاید پاگل ہو جاؤں گی۔''

دفعتاً وہ اپنا سر پکڑ کر بستر پر بیٹھ گئی۔

''کیوں کیا ہوا.....؟'' حمید بوکھلا کر اٹھتا ہوا بولا۔

''کچھ نہیں۔'' افروز سر اٹھا کر بولی۔ ''وہ کچھ خوفزدہ سی نظر آنے لگی تھی۔''

حمید خاموش ہو گیا۔

''کون کہہ سکتا ہے۔'' وہ آہستہ سے بولی۔ ''کہ یہ میری زندگی کی آخری رات نہیں ہے۔''

''کیوں.....؟''

''مجھے کچھ ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے جیسے میری موت قریب ہو۔''

''کمال کرتی ہیں آپ بھی۔'' حمید ہنس پڑا۔

''آپ ہی کے بیان کے مطابق ڈاملے کسی بڑے گروہ کا سرغنہ تھا۔''

''ہاں تو پھر.....؟''

''کیا اُس کے ساتھی.....وہی حرکت نہیں کر سکتے۔''

''ٹھیک ہے.....لیکن میں یہاں جھک مارنے کے لئے تو نہیں رک گیا۔''

افروز خاموش ہو گئی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ فکرمندی اور خوف کے آثار نے اُسے نہ جانے کیوں اور زیادہ حسین بنا دیا تھا۔ اُس کے دونوں ابروؤں کے درمیان ایک نازک سی لکیر ابھر آئی تھی اور ہونٹ قدرے کھل گئے تھے۔ جن سے دانتوں کی چمک جھلکیاں مار رہی تھی۔

''لیکن.....!'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

''آپ بیکار پریشان ہیں۔'' حمید نے اُسے تسلی دی۔

''اس وقت ایک خیال اور پیدا ہوا ہے۔'' افروز نے آہستہ سے کہا۔

''وہ کیا.....؟''

''میں یہ نہیں کہتی کہ میرا خیال سچ ہی ہو۔ لیکن حالات ایسے پیدا ہوئے ہیں کہ اس کے امکانات بھی ہو سکتے ہیں۔''

''آپ تو پہیلیاں لے بیٹھیں۔'' حمید اکتا کر بولا۔

''شاید فریدی صاحب مجھ پر بھی شبہ کر رہے ہیں۔''

''کمال کر دیا..... شاید آپ اختلاج قلب کی مریض ہیں۔'' حمید ہنس کر بولا۔

''نہیں حمید صاحب..... میں قطعی سنجیدگی سے کہہ رہی ہوں۔ حالات ہی ایسے پیدا ہو گئے ہیں کہ میں ایسا سمجھنے پر مجبور ہوں۔ کیا آپ اُن حالات میں یہ نہ سمجھیں گے کہ میں بھی اُسی گروہ سے تعلق رکھتی ہوں؟''

''کون سے حالات.....؟''

''یہاں پر ڈاملے کی موجودگی ..... میرا خیال اب بھی یہی ہے کہ وہ مجھ سے شادی کا خواہش مند تھا اور اسی لئے اُس نے یہ حرکت کی۔ لیکن آپ کے ذہن میں تو وہ عورتیں بھی ہوں گی جو خواہ مخواہ لوٹی گئیں۔ اگر اُسے صرف مجھے لے جانا تھا تو اُس نے اتنا ہنگامہ کیوں برپا کرایا؟''

''ظاہر ہے کہ اُس نے ایک تیر سے دو شکار کئے۔'' حمید نے کہا۔ ''آپ یہ کیوں بھول جاتی ہیں کہ وہ اچھے خاصے ڈاکوؤں کا گروہ ہے۔''

''حمید صاحب! آپ مجھے اطمینان نہیں دلا سکتے۔ فریدی صاحب کو مجھ پر شبہ ہے۔''

''آخر آپ اتنے وثوق سے کیسے کہہ رہی ہیں؟''

''کیا ابھی انہوں نے رسمی گفتگو کے سلسلے میں میرا مضحکہ نہیں اڑا دیا تھا۔''

افروز نے سنجیدگی سے کہا۔ ''حالانکہ یہ اس کا موقع نہیں تھا۔''

''اوہ.....!'' حمید مسکرا کر بولا۔ ''آپ اُن کی عادتوں سے واقف نہیں۔ اسی لئے ایسا کہہ رہی ہیں۔ بعض اوقات اُن کی زبان بڑی سفاک ہو جاتی ہے۔''

''مجھے بہلانے کی کوشش نہ کیجئے۔ خیر ہوگا مارئیے گولی۔ میرے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں۔ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے کسی نہ کسی الجھن میں ہمیشہ مبتلا رہی ہوں۔''

''میں کس طرح آپ کی غلط فہمی رفع کروں؟'' حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''فریدی صاحب دودھ پیتے بچے نہیں ہیں۔ کیا انہوں نے آپ کو پھاٹک پر بے ہوش نہیں دیکھا تھا۔ کیا یہ آپ کی پیشانی کی چوٹ مصنوعی ہے؟''

''کیوں؟ کیا کوئی مجرم اپنا جرم چھپانے کے لئے یہ سب نہیں کر سکتا۔ ایک سراغ رساں یہ بھی تو سوچ سکتا ہے کہ میں نے خود ہی اپنا سر پھوڑ لیا ہوگا۔ محض اس لئے کہ اُس کا شبہ رفع ہو جائے۔''

''واللہ میں آپ سے نہیں جیت سکتا۔'' حمید ہنس کر بولا ''یقیناً آج کل آپ کا معدہ خراب ہے۔ خراب معدے سے اٹھنے والے ابخرات ذہن میں الجھن اور دوسروں کی طرف سے بے بنیاد شبہات پیدا کرتے ہیں۔''

''ہو سکتا ہے یہی بات ہو۔'' اُس نے آہستہ سے کہا۔

''ایک صاحب کا واقعہ یاد آ رہا ہے۔'' حمید اپنے مخصوص لہجے میں بولا۔ وہ لہجہ جو وہ کوئی لطیفہ سنانے سے قبل اختیار کرتا تھا۔ ''اُن کا معدہ خراب رہا کرتا تھا۔ معدے سے ابخرات اٹھ کر ذہن میں پہنچتے اور پھر سارا زمانہ انہیں اپنا دشمن معلوم ہونے لگتا۔ ایک رات انہیں نیند آ رہی تھی۔ ابخرات برابر اٹھ رہے تھے۔ اچانک اُن کا کتا بھونکنے لگا۔ وجہ خواہ کچھ رہی ہو لیکن اُس کی آواز پر یکا یک اُن کے دماغ نے قلابازی کھائی۔ وہ سوچنے لگے کہ جب ایک آدمی اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود بھی احسان فراموش ہو سکتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ کسی وقت جانور کا بھی دماغ نہ الٹ جائے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی رات اُن کا کتا ہی اُن کی گردن دبوچ بیٹھے۔ جب آدمی کا اعتبار نہیں تو کتے کا کیا بھروسہ۔ وہ تھوڑی دیر تک پڑے الجھتے رہے پھر اٹھے اور کتے کو گھر سے باہر نکال کر دروازہ بند کر لیا لیکن جیسے ہی کمرے میں جانے کے لئے مڑے کتا پیچھے کھڑا دکھائی دیا۔ اب تو سچ مچ اُن پر بدحواسی کا دورہ پڑ گیا۔ بھلا کتا دوبارہ اندر کیسے آ گیا۔ اگر وہ اٹھارہ فٹ

اونچی دیوار پھلانگ کر آیا ہے تب تو یقیناً اس کی نیت میں فتور ہے۔ بس پھر کیا تھا حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخنا اور دوڑنا شروع کر دیا۔ نتیجے کے طور پر نہ صرف گھر کے دوسرے لوگ بلکہ اڑوس پڑوس والے بھی دوڑ پڑے۔ کافی اودھم رہی۔ بعد کو پتہ چلا کہ انہوں نے کتے کے دھوکے میں بکری کو باہر نکال دیا تھا۔ کتا شروع سے آخیر تک گھر ہی میں رہا تھا۔"

افروز ہنس پڑی۔

"واقعی حمید صاحب! خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کا آپ کا ہر وقت کا ساتھ ہو۔" اُس نے کہا۔

حمید کا وزن کئی پونڈ بڑھ گیا۔

"لیڈی.....!"

"افروز.....!" وہ احتجاجاً ہاتھ اٹھا کر بولی۔

"لیکن مجھے مٹھائی زیادہ اچھی نہیں لگتی۔"

"یعنی.....؟"

"اس نام پر زبان کی جڑ تک میٹھی ہو جائے گی۔"

"بنانے لگے۔" افروز نے اس انداز میں کہا کہ حمید کا دل دھڑکنے لگا اور وہ سوچنے لگا کہ کہیں "مخرب اخلاق" لٹریچر قسم کی کوئی حرکت نہ ہو جائے۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔" حمید کی آنکھیں نشیلی ہو گئیں۔

افروز کچھ کہنے ہی والی تھی کہ دفعتاً قریب ہی ایک فائر ہوا اور ٹھیک کمرے کی کھڑکی کے نیچے ہی ایک چیخ سنائی دی۔

افروز اچھل کر حمید پر آ گری۔ وہ بُری طرح کانپ رہی تھی۔ حمید اُسے مسہری پر ڈال کر کھڑکی کی طرف جھپٹا۔ دوسرا فائر ہوا اور گولی کھڑکی کے اوپر لگی۔ حمید کھڑکی بند کر کے دروازے کی طرف بھاگا۔

"کہاں جا رہے ہیں؟" افروز خوفزدہ آواز میں چیخی۔

"ڈرو نہیں۔" حمید نے کہا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

کوٹھی کے ملازمین بدحواسی میں عقبی پارک کی طرف دوڑے جا رہے تھے۔

پھر تھوڑی دیر کے بعد حمید نے افروز کی خواب گاہ کی کھڑکی کے نیچے ایک آدمی کو خاک و خون میں لتھڑا ہوا پایا۔ گولی ران میں لگی تھی۔ زخمی کے قریب ہی ایک ریوالور پڑا تھا۔ حمید نے اُسے رومال سے پکڑ کر اٹھایا۔ اُس میں سارے کارتوس موجود تھے۔ نال سے بارود کی بو بھی نہیں آ رہی تھی۔

کچھ دیر بعد افروز بھی وہاں پہنچ گئی۔

"کیا مر گیا.....؟" وہ خوفزدہ آواز میں بولی۔

"نہیں بے ہوش ہے۔" حمید نے پرخیال انداز میں کہا اور آگے بڑھ کر دیوار پر کچھ دیکھنے لگا۔

"یا خدا..... یہ کیا مصیبت ہے۔" افروز نے کہا اور خود بھی گر پڑی۔ وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔

حمید پھر پولیس کو فون کر رہا تھا۔

ایک چال

دوسرے دن انسپکٹر فریدی حمید سے کہہ رہا تھا۔

"ڈاملے حوالات سے فرار ہو گیا۔"

"کیا.....؟" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ رات بھر جاگتے رہنے کی وجہ سے یوں بھی اُسکی آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔ ابھی تک جہانگیر پیلس والی فائرنگ کا معمہ بھی حل نہیں ہوا تھا۔ اُس پر اُسے یہ حیرت انگیز خبر سننی پڑی۔ کوتوالی کی مستحکم حوالات سے نکل بھاگنا آسان کام نہیں تھا۔

"یہ ناممکن ہے۔" وہ خود بخود بڑبڑایا۔

"ناممکن۔" فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "یہ لفظ نپولین کی ڈکشنری میں نہیں تھا۔"

حمید پھر سوچ میں پڑ گیا۔ حالانکہ ایسے موقع پر کسی سوچ میں پڑنا ہی فضول تھا مگر وہ اپنے اونگھتے ہوئے دماغ کو کیا کرتا جو کسی ایک خیال سے چمٹ کر سو جانا چاہتا تھا۔

''آخر کس طرح نکل گیا.....؟'' اُس نے پوچھا۔

''جس طرح میں نے چاہا۔''

''آپ نے؟'' حمید کے اونگھتے ہوئے دماغ نے سنبھالا لیا۔

''ہاں..... میں نے۔'' فریدی پرخیال انداز میں بولا۔ ''اُس سے کچھ اگلوا لینا بہت مشکل کام تھا۔''

''یہ آپ کہہ رہے ہیں؟'' حمید کے لہجے میں تحیر تھا۔

''کیوں..... ظاہر ہے کہ میں اس سلسلے میں اپنے مخصوص طریقے نہیں اختیار کر سکتا تھا کیونکہ سول پولیس نے براہِ راست اُسے پکڑا تھا۔ اگر آدھے گھنٹے کے لئے بھی وہ میرا تہہ خانہ دیکھ لیتا تو اُسے حوالات سے فرار ہونے کا موقع ہی نہ دیا جاتا۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''تم تو سور ہے ہو۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''پچھلی رات ذرا خوشگوار تھی نا۔''

''پچھلی رات.....؟'' حمید دانت پیس کر رہ گیا۔

''کیوں؟'' فریدی کی آنکھوں میں شرارت آمیز چمک تھی۔

''مجھے افسوس ہے کہ وہ بچ کر نکل گیا۔''

''کون.....؟'' فریدی نے پوچھا۔

''وہی جس نے اُس پر گولی چلائی تھی۔''

''اچھا زخمی ہونے والا کون ہے؟'' فریدی نے پوچھا۔

''کوئی بھی ہو۔ مجھے اس سے غرض نہیں؟ آپ یہی کہیں گے نا کہ وہ انہیں مجرموں کا ساتھی ہے۔''

''قطعی..... وہ بھی ڈاملے کے ساتھیوں میں سے ایک ہے۔'' فریدی بولا۔

''لیکن اُس پر گولی چلائی کس نے؟''

''تم ابھی کہہ رہے تھے کہ تمہیں افسوس ہے کہ وہ بچ کر نکل گیا۔''

''اور اب بھی یہی کہتا ہوں۔''

''آخر کیوں؟''

''اس لئے کہ وہ بھی قانون کی گرفت میں آ سکتا ہے۔'' حمید بولا۔

''خیر..... خیر.....!'' فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ ''یہ بتاؤ کہ وہ ہاتھ میں ریوالور لئے اس کھڑکی کے نیچے کیا کر رہا تھا؟''

''موت کا انتظار.....!'' حمید نے کہا اور اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

''اگر حملہ آور تمہیں مل جاتا تو کیا کرتے؟'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

''ہتھکڑیاں ڈال دیتا۔''

''اچھا.....!'' فریدی نے مسکرا کر اپنے ہاتھ حمید کی طرف بڑھا دیئے۔

''کیا مطلب.....؟'' حمید اُسے گھورنے لگا۔

''یہ غیر قانونی حرکت میں نے ہی کی تھی۔''

''آپ نے؟''

''ہاں اور اگر نہ کرتا تو تم اس وقت چار آدمیوں پر سوار نظر آتے۔''

''تو آپ بھی وہیں رہ گئے تھے؟''

''قطعی.....!''

''آخر کیوں؟'' حمید نے پرخیال انداز میں کہا۔ ''تو کیا افروز کا خیال درست ہے۔''

''کیسا خیال.....؟''

''یہی کہ آپ اُس کی طرف سے مشکوک ہیں۔'' حمید نے کہا اور لیڈی جہانگیر کی ساری گفتگو دہرا دی۔

فریدی کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا۔

''لیکن آپ نے مجھے وہاں کیوں چھوڑ دیا تھا؟'' حمید نے پوچھا۔

''اوں.....!'' فریدی چونک کر بولا۔ ''محض اس لئے کہ تم افروز کی حفاظت کرو اور میں تمہاری۔''

''لیکن آپ کے رویہ نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ آپ حقیقتاً اُس کی طرف مشکوک ہیں۔''

''کیسا رویہ؟''

''اس سے پہلے آپ نے کبھی مجھے کسی عورت میں دلچسپی لینے پر مجبور نہیں کیا۔''

''اگر میں تمہیں اس پر مجبور نہ کرتا تو آج ہم ڈاملے کو پکڑ نہیں سکتے تھے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ کا سرغنہ نہیں۔ گروہ کے کسی فرد نے سرغنہ کو آج تک دیکھا ہی نہیں۔ انہیں اُس عورت کے قریب رہ کر ہمیں مجرموں تک پہنچنے میں آسانی ہوگی۔ وہ آسانی سے اس کا بس احکامات ملتے رہتے ہیں اور یہ احکامات اُن کو لمبوترے چہرے والے یا ٹائیگر کے ذریعے چھوڑ دیتے۔''

حمید چند لمحے تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

''ڈاملے کس طرح فرار ہوا.....؟''

''چھوڑنے والے نے اُسے اس شرط پر چھوڑا ہے کہ وہ کسی طرح مجھے قتل کر دے گا۔'' گروہ والے اُسے مسٹر ڈاملے کی حیثیت سے نہیں جانتے۔''

''آپ کو.....؟'' حمید چونک کر بولا۔

''ہاں.....!'' فریدی نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ ''ڈی۔ایس۔پی جمیل نے اُسے شرط پر چھوڑا ہے۔''

''ڈی۔ایس۔پی جمیل نے؟'' حمید کی حیرت بڑھ گئی۔ کیونکہ ڈی۔ایس۔پی جمیل پیشہ ماہی گیری بتا دو۔ اُس نے پولیس کو بتایا کہ وہ مسٹر ڈاملے کے بھیس میں اپنی بدصورتی چھپانا فریدی کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُسے خیال آیا کہ کچھ دیر چاہتا تھا۔ اور بس..... اُس نے اس کا اقرار نہیں کیا کہ اُس کا تعلق کسی گروہ سے بھی ہے۔ لیڈی فریدی کہہ چکا ہے کہ ڈاملے کو اُسی کی ایماء پر فرار کا موقع دیا گیا تھا۔

''واقعی تم جا کر سو رہو۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''آج بہت کام کرنا ہے۔''

وہ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ ''یہ محض اس لئے کیا گیا کہ اُسے اس رعایت پر جہانگیر کی زندگی ہی سے جانتی تھی۔ بہرحال اُس کے پورے بیان کا اختصار یہ ہے کہ اُس نے ہو۔ بہرحال اب میں یہ بتا سکتا ہوں کہ وہ اس وقت کہاں ہوگا۔ کیونکہ حوالات سے مسٹر ڈاملے کے بھیس میں کسی کو رتی برابر بھی نقصان نہیں پہنچایا۔ اُس میک اپ کا مقصد محض میرے آدمی اُس کی نگرانی کرتے رہے ہیں۔''

''لیکن آخر اتنا پیچیدہ راستہ اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی؟'' حمید نے پوچھا۔

''بہتر ہے کہ تم جا کر سو ہی رہو۔'' فریدی اُس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ ''ابھی کچھ ہی دیر میں نے تمہیں یہ بتایا تھا کہ پولیس اس سے کوئی کام کی بات معلوم نہ کر سکی۔ یہ بھی واضح رہے

وہ اس گروہ کا سرغنہ نہیں ہے۔''

''کیوں؟ کیا اُسی گروہ کا ایک اور فرد بھی ہمارے قبضے میں نہیں ہے؟''

''وہ زخمی؟''

''ہاں..... یہ بات اُسی سے معلوم ہوئی ہے کہ لمبوترے چہرے والا جو گروہ میں ٹائیگر کے نام سے مشہور ہے گروہ کا سرغنہ نہیں۔ گروہ کے کسی فرد نے سرغنہ کو آج تک دیکھا ہی نہیں۔ انہیں ملتے ہیں۔''

''میں فی الحال تمہارے اس خیال کی تردید نہیں کر سکتا۔'' فریدی بجھا ہوا سگار سلگا کر بولا۔ ''ہوسکتا ہے کہ اُس نے مسٹر ڈاملے کا بہروپ اسی لئے بھرا ہو اور ہاں میں نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔

''کیا اُس نے پولیس کو کچھ بتایا ہی نہیں؟''

''بہت کچھ بتایا ہے۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''لیکن وہ بتانا ایسا ہی ہے جیسے تم کسی کو اپنا بھی بتایا کہ اُس کے تعلقات سر جہانگیر عادل جی سے بہت اچھے تھے اور لیڈی جہانگیر اُسے سر چہرے کی عیب پوشی تھا۔''

''میرا خیال ہے کہ اگر کچھ دنوں تک اُس پر سختی کی جاتی تو وہ بہت کچھ اگل دیتا۔'' حمید نے کہا۔

''ناممکن۔ میں اس کے ٹائپ سے اچھی طرح واقف ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اگر ایک بار

اُس کے سینے پر ریوالور کی نال بھی رکھ دی جاتی تو وہ کچھ نہ بتاتا۔''

''بہرحال.....!'' حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ ''اب اس اگلی ہوئی مکھی کو دوبارہ نگلنا پڑے گا۔''

''اور کل رات کو شاید تم ہاتھی نگل رہے تھے۔ اُس سے زیادہ کسی کیس میں بھی تمہیں عیاشی کا موقع نہ ملا ہوگا۔ کفرانِ عورت مت کرو پیارے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اس کیس کے دوران میں تم پر کروڑ جان سے عاشق بھی ہو جائے۔ عورت مال دار ہے۔ اُس کی دولت دوسری عیاشیوں کے کام آئے گی۔''

''یہ آپ کہہ رہے ہیں؟''

''ہاں ہاں..... میں کہہ رہا ہوں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''اگر زبان کا اعتبار نہ ہو تو لکھ بھی دے سکتا ہوں۔''

''افروز کے متعلق آپ نے کیا رائے قائم کی ہے؟''

''بہت خوب صورت ہے۔''

''یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔ اُس کے چال چلن کی متعلق.....؟''

''چال تو قیامت ہے حمید صاحب لیکن لفظ چلن آج تک میری سمجھ میں نہ آسکا۔ ورنہ اس پر بھی روشنی ڈالتا۔ محاوروں سے میں عاجز ہوں۔ اب اگر آپ رکھ رکھاؤ کے متعلق بھی پوچھیں تو میں صرف رکھ اٹھاؤ کے بارے میں بتا سکوں گا۔ رکھ رکھاؤ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ یہی معاملہ چل چلاؤ کے ساتھ بھی پیش آسکتا ہے۔ ویسے مٹر پلاؤ پر میں بحالت فاقہ بھی تقریر کرسکتا ہوں۔''

حمید سمجھ گیا کہ فریدی اب اس کے متعلق گفتگو کرنا نہیں چاہتا اور پھر اُسے یاد آیا کہ وہ ایک بار اس سلسلے میں افروز کو بُرے الفاظ میں یاد کر چکا ہے۔

''اُس زخمی نے لاشوں کے متعلق کیا بتایا؟'' حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

''یہی کہ وہ سرغنہ کے احکامات کے مطابق مختلف مقامات سے اٹھا کر ادھر اُدھر ڈالتا تھیں۔ اس کا مقصد کیا تھا یہ آج تک گروہ کے کسی فرد کو نہ معلوم ہوسکا۔''

فریدی تھوڑی دیر تک کمرے میں ٹہلتا رہا۔ پھر حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ ''جاؤ اب سو رہو مجھے بھی تھوڑا بہت سونا ہے۔ میں بھی پچھلی رات جاگتا ہی رہا ہوں۔''

''کل رات کتنی لڑکیاں.....!''

''تم پر مرتے مرتے بچیں۔'' فریدی نے اُس کا جملہ پورا کرتے ہوئے کہا۔ ''اب تم سچ مچ جا کر سو رہو ورنہ تھوڑی بعد ہی دیر ناک پر انگلی رکھ کر گفتگو کرنے لگو گے۔''

حمید نے ایک آنکھ دبا کر جماہی لی اور اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

پھر چار بجے شام سے پہلے اُس کے خراٹے نہیں رکے اور جب وہ سو کر اٹھا تو اُس نے فریدی کو اُسی کمرے میں پایا جہاں وہ اُسے چھوڑ گیا تھا۔

ایش ٹرے میں سگاروں کے کئی جلے ہوئے ٹکڑے نظر آئے۔

''آپ نہیں سوئے؟'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں..... تمہارے جانے کے بعد میں نے فرض کرلیا تھا کہ پچھلی رات کو میں جی بھر کے سوچکا ہوں۔''

''بہت خوب.....!'' حمید ہنس پڑا۔ ''اگر کسی دن آپ نے میزوں کرسیوں کو مجرم اور کسی کتے کو گھوڑا فرض کرلیا تو پڑوس کے بچوں کو بڑی خوشی ہوگی۔''

''جب میں نے تم جیسے گدھے کو آدمی فرض کرلیا ہے تو اب مجھے کسی بات میں کوئی ہچکچاہٹ نہ محسوس ہونی چاہئے۔''

''کاش آپ نے مجھے گدھا فرض کیا ہوتا۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''خیر اگر کام چوری کا موڈ ہو تو میں یوں بھی تمہیں مجبور نہ کروں گا۔''

''پھر آپ نے بات پلٹ دی۔ میں نے یہ تو نہیں کہا۔''

''خیر..... خیر..... جلدی کرو۔ ناشتہ بھی غالباً تیار ہوگا۔ اُس کے بعد ابھی میک اپ بھی کرنا ہے۔''

''میک اپ.....؟'' حمید ہکلا کر رہ گیا۔

اور پھر چھ بجے کے قریب وہ دونوں کیڈیلاک پر سڑکیں ناپ رہے تھے۔

فریدی ایک ادھیڑ عمر کے پروقار آدمی کے بھیس میں تھا اور حمید اپنے میک اپ میں شرم سے کٹا جارہا تھا۔ اگر بات میک اپ ہی پر ختم ہو جاتی تو خیر لیکن یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور تھا۔

فریدی نے اُسے پندرہ سولہ سال کا ایک نوخیز لڑکا بنا دیا تھا جس کے اوپری ہونٹ پر ہلکی ہلکی روئیدگی تھی۔ فریدی اس کی طرف دیکھ کر بار بار اپنی بائیں آنکھ دبا دیتا تھا۔

''اس پیشے پر سو بار لعنت.....!'' حمید بڑبڑایا۔

''ڈرو نہیں تمہیں پیشے پر مجبور نہیں کیا جائے گا'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔'' حمید جھنجھلا گیا۔

فریدی نے پھر مسکرا کر اپنی بائیں آنکھ دبا دی۔

''آخر ہم جائیں گے کہاں؟'' حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

''ظاہر ہے کہ جہنم میں.....!'' فریدی ہنس پڑا۔

''میں بگاڑتا ہوں میک اپ.....!'' حمید نے دھمکی دی۔

''میرا کیا ہوا میک اپ ہے بیٹے خاں..... کسی فلم یا ڈرامے کا میک اپ نہیں۔ اسے بگاڑنے کے لئے تمہیں کافی مقدار میں ایمونیا صرف کرنی پڑے گی۔''

حمید کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ اس وقت اُسے سچ مچ اپنی بے بسی پر غصہ آ رہا تھا۔ وہ کر بھی کیا سکتا تھا۔ اُسے غصہ اس بات پر تھا کہ فریدی نے اسے اپنے پروگرام کے متعلق بتایا کیوں نہیں۔ لیکن یہ بھی کوئی نئی بات نہ تھی۔ وہ ایسے مواقع پر عموماً یہی کرتا تھا۔ اس لئے مجبوراً حمید نے اپنی بوٹیاں نوچنے کا ارادہ بھی ملتوی کر دیا۔

کیڈی لاک ایک ویران سڑک پر جا رہی تھی۔ شہر کافی پیچھے رہ گیا تھا۔ اندھیرا پھیل رہا تھا۔ دفعتاً فریدی نے کیڈی ایک دوسری سڑک پر موڑ دی۔ حمید بدستور خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد کار کے رکتے ہی چونک پڑا۔

کار نیا گرا ہوٹل کے گیراج کے سامنے رکی تھی۔ شمالی سرے پر بیٹھے ہوئے واچ مین نے ایک خالی حصے کے برقی نمبر روشن کر دیئے۔ کیڈی کا انجن بند نہیں کیا گیا تھا۔ فریدی نے کار اندر لگا دی اور انجن بند کر کے نیچے اُتر آیا۔ پھر وہ ہوٹل کی عمارت کی طرف بڑھے جو آبادی سے بہت دور ویرانے میں اپنی مخصوص قسم کی رنگ رلیوں کے لئے مشہور تھی۔ یہاں کے اخراجات اتنے زیادہ تھے کہ صرف دولت مند ہی طبقہ اُن کا متحمل ہو سکتا تھا۔ عام لوگ تو بے چارے ٹھنڈی

سانسیں ہی بھر کر رہ جاتے تھے۔ یا پھر یونہی دوستوں پر رعب ڈالنے کے لئے اکثر کوئی ایسا کارنامہ دہراتے جو نیاگرا ہوٹل سے متعلق ہوتا۔ ویسے اگر اُن سے وہاں کی تنظیم نشست ہی کے متعلق سوال کیا جاتا تو وہ صرف منہ دیکھ کر رہ جاتے یا پھر بات ہی اڑا دیتے۔

فریدی اور حمید اندر داخل ہوئے۔ ہال میں ایک اطالوی رقاصہ آرکسٹرا پر ناچ رہی تھی اور ساری میزیں بھری ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ فریدی نے رک کر چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور پھر مایوسانہ انداز میں آمد و رفت کے دروازے کی طرف لوٹ پڑا۔ حمید خاموشی سے اُس کی تقلید کرتا رہا۔

ایک آدمی ان کا تعاقب کر رہا تھا۔ حمید کو تو حقیقتاً اس کی خبر نہیں تھی ویسے فریدی کے انداز سے بھی یہی ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس سے لاعلم ہے۔ حمید سمجھا تھا کہ اب فریدی گیراج سے کار نکالے گا لیکن وہ پارک میں آ بیٹھا۔ بیٹھتے وقت اُس نے آہستہ سے حمید کے کان میں کہا۔

''تمہارا نام عارف ہے اور تم نیشنل کالج کے طالب علم ہو..... کیا سمجھے۔''

چیختی چٹانیں

حمید پر پھر بوکھلاہٹ کا دورہ پڑ گیا لیکن قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتا فریدی اٹھتا ہوا اونچی آواز میں بولا۔

''اچھا تو میاں عارف پھر ملاقات ہوگی۔''

اُس کی آواز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ دمے کا مریض ہو۔ پھر وہ لمبے لمبے قدم بڑھاتا ہوا پارک سے نکل گیا۔

حمید نے بنچ کی پشت سے ٹک کر اپنے مقدر کو دو تین ناقابل فہم گالیاں دیں اور جیب میں

سگریٹ کا پیکٹ ٹٹولنے لگا۔

فریدی نے اسے سمجھا دیا تھا کہ وہ اس میک اپ کے دوران میں پائپ کی بجائے سگریٹ پیئے گا۔

یہاں تک تو سارے معاملات اُس کی سمجھ میں بخوبی آ گئے تھے لیکن اس صورت میں پیش آنے والے حادثات سے وہ قطعی بے خبر تھا۔ آنے والے لمحات میں کیا کرنا تھا۔ خصوصاً یہ تو ایک ایسا سوال تھا جس کا کوئی جواب اُس کا ذہن تلاش نہ کر سکا۔

فریدی جا چکا تھا اور اُسے وہاں بیٹھنا تھا مگر کب تک؟ کس لئے؟ مقصد تو صاف ظاہر تھا لیکن حصول مقصد کا طریقہ تاریکی میں تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ایسے موقع پر تو فریدی کو کچھ نہ کچھ ضرور بتانا چاہئے تھا۔ آخر وہ اسے کچھ بتائے بغیر کیوں چلا گیا؟ اُس کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ جلدی میں ہو اور اپنے لئے تو حمید کے ذہن میں ایک بڑی مناسب تشبیہ گونج رہی تھی۔ وہ خود کو ایک ایسا بکرا تصور کر رہا تھا جسے شیر کے شکار کے لئے باندھا گیا ہو۔

حمید نے سگریٹ نکالا اور اسے ہونٹوں میں دبا کر کچھ دیر یونہی بیٹھا رہا پھر اُسے سلگا کر لائیٹر جیب میں رکھنے ہی جا رہا تھا کہ بائیں طرف سے ایک آدمی اپنے ہونٹوں میں سگریٹ دبائے اُس کی سمت جھکتا ہوا بولا۔

''تکلیف تو ہوگی۔''

حمید نے اُس پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور اُس کا سگریٹ سلگا دیا۔

وہ سیدھا کھڑا ہو کر آہستہ سے بولا۔ ''شکریہ۔''

حمید نے اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھا اور لائیٹر جیب میں ڈال کر ایک طرف سرک گیا۔

''اب بھلا بتائیے۔'' وہ بیٹھتا ہوا بڑبڑایا۔ ''اتنی دور سے آئے تھے تفریح کے لئے لیکن اندر کوئی میز ہی خالی نہیں۔''

''ہم بھی رجسٹریشن کروانا بھول گئے تھے۔'' حمید نے کہا۔ ''یہاں بغیر اس کے کام نہیں چلتا۔''

''یقیناً یہی بات ہوگی۔'' اجنبی آہستہ سے بولا۔ ''میں نے ڈائرکٹری میں اس ہوٹل کا نام دیکھا۔ میں نے سوچا پرسکون اور عمدہ جگہ ہوگی۔''

''تو آپ یہاں نو وارد ہیں؟'' حمید نے پوچھا۔

''جی ہاں.....!'' اجنبی بولا۔ ''تعجب ہے کہ یہ لوگ اس پارک کو بھی کیوں نہیں استعمال کرتے۔''

''یہ صرف گارڈن پارٹیز کے لئے مخصوص ہے۔'' حمید بولا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر بولا۔

''آپ شاید اسٹوڈنٹ ہیں۔''

''جی ہاں.....!''

''کس ایئر کے؟''

''فورتھ ایئر۔''

اجنبی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور ختم ہوتے ہوئے سگریٹ سے دوسرا سلگانے لگا۔

یہ ایک ڈھلتی ہوئی عمر کا تندرست آدمی تھا۔ خدوخال بتا رہے تھے کہ جوانی میں کافی حسین اور پرکشش رہا ہوگا اور اُس کے پروقار چہرے پر کبھی ایک شوخ سی مسکراہٹ ہوتی رہی ہوگی۔ آنکھیں شرارت آمیز چمک سے محروم نہ رہی ہوں گی۔

''آپ مجھے کسی اچھے خاندان کے چشم و چراغ معلوم ہوتے ہیں۔'' اجنبی تھوڑی دیر بعد بولا اور حمید کی اچھلنے والی زبان کسی طرح قابو میں نہ رہ سکی۔

''نہ میں چشم ہوں اور نہ چراغ'' وہ مسکرا کر بولا۔ ''مجھے عارف کہتے ہیں۔''

''آپ کافی زندہ دل معلوم ہوتے ہیں۔'' اجنبی ہنسنے لگا۔ ''یہ عمر ہی ایسی ہوتی ہے.....کبھی میں بھی.....!''

''میں بھی بڑھاپے میں یہی کہوں گا۔'' حمید نے اُس کی بات کاٹ دی۔

اجنبی ہنس کر خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''حیرت ہے کہ آپ ایسی دلچسپ جگہ تنہا آئے ہیں۔''

''والد صاحب کو ساتھ لانے کا ارادہ تھا مگر انہیں ٹافیاں خریدنی تھیں۔ اس لئے انہوں نے چچا جان کو ساتھ کر دیا تھا۔ لیکن وہ بھی چلے گئے۔'' اجنبی نے قہقہہ لگایا۔

''میرا مطلب یہ تھا کہ نوجوان لوگ ایسی جگہوں پر کسی عمدہ قسم کے پارٹنر کے بغیر نہیں جاتے۔''

''سمجھا.....!'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''لیکن میرے ساتھ یہ ایک بہت بڑی ٹریجڈی ہے کہ لڑکیاں مجھے منہ نہیں لگاتیں۔''

''آپ کو.....!'' اجنبی کے لہجے میں حیرت تھی۔ ''شاید آپ مذاق کر رہے ہیں۔''

''میں حقیقت عرض کر رہا ہوں۔''

''نہیں مان سکتا۔'' اجنبی مسکرا کر بولا۔ ''آپ نے خود ہی انہیں منہ لگانا مناسب نہ سمجھا ہوگا۔''

''اب میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں۔'' حمید نے کہا۔ اُس کے کان کچھ کچھ کھڑے ہونے شروع ہو گئے تھے۔ ''میں نے کئی بار لڑکیوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی لیکن کسی نے نوٹس تک نہ لیا۔''

''میں کس طرح یقین کرلوں!'' اجنبی اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ''آپ جیسے نوجوان کو الٹرا موڈرن لڑکیاں پوجتی ہیں۔''

''میں شاید آپ کو یقین نہ دلا سکوں۔'' حمید نے دوسرا سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

''اگر میں نے ثابت کر دیا تو.....؟'' اجنبی مسکرا کر بولا۔

''تو میں عمر بھر آپ کا احسان مند رہوں گا۔'' حمید نے قہقہہ لگایا۔

''میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔'' اجنبی نے سنجیدگی سے کہا۔ ''میں ثابت کر سکتا ہوں یا تو آپ بن رہے ہیں یا پھر اپنی صحیح قدر و قیمت سے خود واقف نہیں۔''

حمید نے اُسے گھور کر دیکھا اور وہ بے اختیار مسکرا پڑا۔

''میں آپ کو کئی لڑکیوں سے ملاؤں گا۔'' اجنبی پھر بولا۔ ''اس کے بعد مجھے آپ کو سلام کرنے کا موقع ضرور ملے گا۔''

''لڑکیوں سے.....!'' حمید نے آہستہ سے دہرایا۔

''جی ہاں.....! اٹھارہ وکٹوریہ روڈ میں میرا قیام ہے۔ اگر آپ کل شام کو وہاں آسکیں تو میں اپنے دعوے کو پایۂ ثبوت تک پہنچا دوں گا۔''

''میں ضرور آؤں گا۔'' حمید مسکرا کر بولا۔ ''ورنہ ممکن ہے کہ میں احساس کمتری کا شکار ہو کر مر ہی جاؤں۔''

''لیکن میاں صاحبزادے۔'' وہ حمید کے کاندھے پر انتہائی بے تکلفی سے ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ ''آپ حدود سے آگے نہیں بڑھیں گے۔''

''کس قسم کی حدود.....؟'' حمید نے معصومیت سے پوچھا۔

''مجھے احمق نہ بنائیے۔'' اجنبی نے مسکرا کر کہا۔ ''آپ اس سے زیادہ سمجھ دار ہیں جتنا میں آپ کی عمر میں تھا۔''

''میں سمجھ دار تو ہوں لیکن یقین مانئے میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔''

اس پراسرار اجنبی نے ہنس کر ایک ایسا اشارہ کیا کہ حمید کی ریڑھ کی ہڈی میں کلبلاہٹ ہونے لگی۔

''ارے.....نہیں.....ہی ہی ہی۔'' حمید مصنوعی قسم کے شرمیلے انداز میں ہنسنے لگا۔

''آپ رہتے کہاں ہیں؟''

''پرنس ہوٹل میں۔''

اجنبی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

''میرا خیال ہے کہ آپ کے ساتھ ایک اور صاحب بھی تھے؟''

''اوہ.....وہ..... پروفیسر عمران..... ہاں تھے تو؟'' حمید اُس کی طرف استفہامیہ انداز میں دیکھنے لگا۔

''کچھ نہیں.....میں نے یونہی پوچھا تھا۔''

''بڑے دلچسپ آدمی ہیں۔'' حمید نے قہقہہ لگایا۔ ''یہاں ساری میزیں بھری دیکھ کر الٹے پاؤں واپس گئے۔ کچھ تعجب نہیں کہ اپنی ذاتی میز اور کرسی لے کر واپس آ رہے ہوں۔''

''واقعی.....؟''

''فلسفے کے پروفیسر ہیں نا! ایک دن الٹے جوتے پہن کر جوتے والوں پر برس رہے تھے کہنے لگے عجیب ہوتے ہیں یہ جوتے والے بھی۔ کم بخت ایسے جوتے بناتے ہیں جو کبھی تنگ

اور کبھی ڈھیلے۔''

اجنبی نے قہقہہ لگایا۔

''اور سنئے! ایک صبح اپنے بنگلے سے کالج جانے کے لئے تیار ہو کر نکلے۔ نہ جانے کہاں سے ایک گدھا آ نکلا تھا اور ٹھیک اسی جگہ آ کر کھڑا ہو گیا تھا جہاں انہیں اپنی موٹر سائیکل ملتی تھی۔ اُس دن اتفاق سے نوکر موٹر سائیکل نکالنا بھول گیا تھا۔ آپ بے خیالی میں گدھے پر چڑھ بیٹھے اور لگے زمین پر پاؤں مارنے۔ کسی نے پوچھا یہ کیا۔ کہنے لگے کم بخت اسٹارٹ ہی نہیں ہوتی۔''

اجنبی کے قہقہے برابر گونج رہے تھے۔

''خدا کی قسم آپ بہت زندہ دل آدمی ہیں۔ میں مان نہیں سکتا کہ لڑکیاں آپ لولفٹ نہیں دیتیں۔''

''آپ کو ماننا پڑے گا۔'' حمید دفعتاً بگڑ کر بولا۔

اجنبی حیرت سے اُس کا منہ دیکھنے لگا۔

''آپ مجھے جھوٹا سمجھتے ہیں؟''

''ارے نہیں صاحب۔'' اجنبی پرے کھسکتا ہوا بولا۔

''میں کل ضرور آؤں گا لیکن اگر مجھے شرمندگی ہوئی تو.....!''

''میرا سر اڑا دیجئے گا۔'' اجنبی مسکرا کر بولا۔

''آپ نے میری بات کا بُرا تو نہیں مانا؟'' حمید نے تھوڑی دیر بعد نرم لہجے میں کہا۔

''نہیں قطعی نہیں.....!''

''میں بہت بدنصیب آدمی ہوں۔'' حمید نے آبدیدہ ہو کر کہا۔ پھر باقاعدہ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

''ارے ارے.....آپ رو کیوں رہے ہیں۔'' اجنبی گھبرا کر بولا۔

''کچھ نہیں کوئی بات نہیں۔'' حمید اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ''میں کل آپ سے ضرور ملوں گا۔''

''لیکن ٹھہریئے تو آپ رو کیوں رہے ہیں؟'' اجنبی کہتا ہی رہا لیکن حمید چل پڑا۔ اس کی آنسو ابھی تک جاری تھے اور وہ دل ہی دل میں فریدی کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔ اُس نے رومال سے آنکھیں خشک کرنی چاہیں لیکن بے سود۔ آنکھوں میں بدستور جلن ہوتی رہی اور پانی بہتا رہا۔

فریدی نے میک اپ کے سلسلے میں نہ جانے کون سی چیز استعمال کی تھی جسے حمید کی لاپروائی نے آنکھوں تک پہنچا دیا تھا اور آنکھیں تھیں کہ برابر بہے جا رہی تھیں۔ وہ بدقت تمام گیراج تک پہنچا۔ فریدی کی کیڈی لاک ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔ حمید نے آنکھیں خشک کر کے چاروں طرف دیکھا لیکن فریدی کہیں نہ دکھائی دیا۔

اس نے چپ چاپ کار گیراج سے نکالی اور اُسے سڑک پر لے آیا۔ پھر وہ دل ہی دل میں یہ سوچ کر خوش ہونے لگا کہ کیڈی کی عدم موجودگی میں فریدی کو کافی دھکے کھانے پڑیں گے کیونکہ یہاں پر ٹیکسیاں نہیں ملتی تھیں۔ یہاں ایسے لوگ شاذ و نادر ہی آتے تھے جنہیں کرائے کی سواریاں کرنی پڑیں۔

خاصی تاریکی چھا گئی تھی۔ سڑک سنسان تھی لیکن نہ جانے کیوں حمید کیڈی کو آہستہ آہستہ چلا رہا تھا۔ آگے چل کر اُسے کار روک دینی پڑی کیونکہ تھوڑی دور پر ایک آدمی اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے کھڑا تھا۔ جب ہیڈ لائیٹس کی روشنی اُس کے چہرے پر پڑی تو حمید نے اُسے پہچانا..... یہ فریدی تھا۔

''چوٹ دینا چاہتے تھے۔'' وہ اُس کے برابر بیٹھتا ہوا بولا۔ ''ادھر کھسکو.....!''

فریدی نے حمید کو ہٹا کر اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ کیڈی پھر چل پڑی۔

''چلو معاف کر دیا۔'' فریدی نے کہا۔ ''کیونکہ اس وقت تم نے اپنا پارٹ بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا ہے۔''

''جناب.....!'' حمید ہونٹ پھیلا کر بولا۔ ''آخر آپ مجھے کب تک بندروں کی طرح نچایئے گا۔ جہنم میں گیا یہ پارٹ وارٹ.....میری آنکھیں۔''

''انہیں آنکھوں کی بدولت وہ تمہیں عرصے تک یاد رکھے گا۔''

''اس تضیع اوقات کا مقصد کیا تھا.....؟''

''اگر تم مقصد بھی نہیں سمجھ سکے تو تم پر گدھوں کی پھٹکار۔''

''فرض کیجئے کہ میں سچ مچ قربانی کا بکرا ہی ثابت ہوا تو؟''

''خیر اُس کی خوشی ہے کہ مقصد تمہاری سمجھ میں آ گیا۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''ہاں اگر واقعی تم مارے ہی گئے تو کسی نہ کسی طرح صبر کرلوں گا۔''

''بس؟ گویا میں.....!''

''آگے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے مرنے سے دنیا کوئی کمی محسوس نہ کرے گی۔ کوئی دوسرا حمید پیدا ہو جائے گا۔''

''لیکن جنہوں نے اس حمید کو پیدا کیا ہے اُن کا کیا حشر ہوگا.....؟''

''میں انہیں بھی صبر ہی کا مشورہ دوں گا۔''

حمید نے فریدی کو گھور کر دیکھا۔ وہ حد درجہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

''تو کیا سچ مچ آپ مجھے کسی خطرے میں جھونک رہے ہیں؟''

''ہاں..... ہاں..... ہاں.....!'' فریدی نے جھٹکے دار آواز میں کہا اور دفعتاً کار روک اور انجن بند کر کے نیچے اُتر گیا۔

''میرا انتظار کرو۔''

پھر وہ تاریکی میں غائب ہوگیا۔ کچھ دور تک قدموں کی آوازیں سنائی دیتی رہیں پھر نے ایک سگریٹ سلگایا اور سیٹ سے ٹک گیا۔ اُسے اس وقت وہ ساری لاشیں یاد آ رہی تھ جنہیں دیکھ کر اُس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔ پھر اس کا ذہن اُس اجنبی کی طرف مڑ گیا سے کچھ دیر قبل اُس نے باتیں کی تھیں اور وہ باتیں..... کیا وہ کسی نوجوان کو پھانسنے کے ناکافی تھیں۔ خوبصورت لڑکیوں کا لالچ۔ کیا وہ سب بے چارے اسی لالچ میں مارے گئے حمید کو فریدی کا یہ سوال یاد آ گیا کہ وہ کون سی ایسی چیز تھی جو اُن لڑکوں کو کافی رات گئے تک سے باہر روکے رکھتی تھی۔ خوب صورت لڑکیاں..... اُس کے جسم میں ایک سرد سی لہر دوڑ گ بوڑھے اجنبی کا شفقت آثار چہرہ بھیڑیئے کی شکل میں تبدیل ہو کر اُس کی آنکھوں کے سا آ گیا۔

حمید خائف نہیں تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر واقعی کبھی ایسا موقع آیا تو وہ خود اُس کی بوٹ اڑا دے گا۔ الجھن دراصل اس بات کی تھی کہ فریدی اُس کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر اندھیرے میں دھکیل رہا تھا۔ اُس نے ایسا پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ اُس کے لئے یہ چیز بھی تحیر خیز

کہ اس کیس میں اتنے دن لگ گئے تھے اور ابھی تک کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا۔ فریدی محض اپنی طبع رسا اور پھرتیلے پن ہی کے لئے مشہور تھا ورنہ محکمے میں مکھیاں مارنے والے تو بہتیرے پڑے ہوئے تھے۔ اس دوران میں کئی بار افسران بالا کی طرف سے یاد دہانی بھی کی جا چکی تھی اور یہ اس کی یادداشت میں پہلا موقع تھا۔ ورنہ اس سے قبل افسران بالا کو کبھی اس کی ضرورت نہیں پیش آئی تھی۔ حمید سناٹے میں جھینگروں کی جھائیں جھائیں سنتا رہا۔ اُسے آج شام افروز سے ملنا تھا مگر نہ مل سکا۔ وہ اُس کے لئے ہمدردی کی بے پناہ جذبات رکھتا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ زیادہ خوبصورت عورت کی بہرحال مٹی پلید ہو جاتی ہے۔ چاہے وہ غریب ہو چاہے دولت مند۔ کچھ نہیں تو لوگ اُس کے لئے گندے خیالات ہی رکھتے ہیں۔ زیادہ پرجوش اور بے باک قسم کے آدمی تو دانت پر دانت جما کر اُن کا اظہار بھی کر دیتے ہیں اور کچھ اس انداز میں جیسے انہوں نے زبان نہیں ہلائی بلکہ اپنے ارادے کو عملی جامہ ہی پہنا ڈالا۔ حمید اونگھنے لگا۔ لیکن اس کا نیم غنودہ ذہن اب بھی سوچے جا رہا تھا۔ حکومت کو چاہئے کہ اس کی روک تھام کرے۔ خوبصورت عورتوں کو کہیں اور بھیج دے..... کہیں اور..... جہاں فرشتے بستے ہوں یا پھر فریدی جیسے لوگ ہوں۔ فریدی کے خیال پر اونگھتے ہوئے ذہن نے قلابازی کھائی اور نیند کے دھندلکوں میں اُسے فرشتے ہی فرشتے نظر آنے لگے۔ پھر ایک فرشتے نے اُس کے سر پر چپت رسید کر دی۔

حمید چونک پڑا۔

''زندہ ہو یا مر گئے؟'' فریدی نے اُس کے سر پر دوسری چپت رسید کرتے ہوئے کہا۔

''مر گیا.....!'' حمید نے جھلا کر کہا اور سیدھا ہو گیا۔

فریدی نے کار اسٹارٹ کر دی اور حمید نے محسوس کیا کہ اُس کی رفتار بہت تیز تھی۔

''کیا اولے پڑنے والے ہیں؟'' اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''نہیں..... ممکن ہے یہ قصہ اسی وقت ختم ہو جائے۔'' فریدی بولا۔

اچانک حمید کی نیند غائب ہوگئی اور وہ فریدی کو گھورنے لگا۔

''کچھ ہی دیر پہلے ایک گاڑی جھریالی کی طرف گئی ہے۔'' فریدی پھر بولا۔ ''اس کی روانگی

نیاگرا ہوٹل سے ہوئی تھی اور اُس میں ایک لڑکا بھی تھا۔ گاڑی ڈرائیو کرنے والے کی شکل دیکھی جاسکی۔''

''آپ گئے کہاں تھے؟'' حمید نے پوچھا۔

''قریب ہی۔'' فریدی نے کہا۔ ''سرجنٹ رمیش سے اطلاعات لینے۔ وہ جھریالی کی طر جانے والی گاڑیوں کی نگرانی کر رہا ہے۔ میں نے اس کا انتظام جھریالی والے حادثے کے بع کرلیا تھا۔''

''تو کیا اب آپ ہر اس گاڑی کے پیچھے دوڑ لگایئے گا جس پر کوئی خوبصورت لڑکا ہو؟'

''نہیں فرزند..... نیاگرا ہوٹل اُن کا خاص مرکز ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''یہ بات ڈا رہائی کے بعد ہی معلوم ہوئی ہے۔ ورنہ میں غیب داں تھا کہ یہاں دوڑا چلا آتا۔''

''تو کیا وہ ڈاملے ہی تھا جس سے میں نے باتیں کی تھیں۔''

''نہیں..... وہ اُسی گروہ کا کوئی اور آدمی تھا۔''

حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ''کیا یہ ضروری ہے کہ اُس گاڑی پر وہی مجرم ہ

''پھر بھی دیکھ لینے میں کیا حرج ہے۔ یہ کسی جاسوسی ناول کا پلاٹ تو ہے نہیں کہ مجرم بندھے ٹکے اصولوں کے تحت ہاتھ آجائے اور نہ میں شرلاک ہومز ہوں۔ سمجھے۔''

حمید پھر کچھ نہیں بولا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی کو قائل کرنا آسان کام نہیں۔ دلائل ا صرف خاموش کرسکتے تھے لیکن کام سے روک دینا دلائل تو کیا حقائق کے بس کا بھی روگ نہیں

کیڈی لاک سنسان سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی۔ حمید پھر اونگھنے لگا۔ اُسے خبر نہ ہوئی کہ وقت گذر گیا۔ اگر کار ایک جھٹکے کے ساتھ نہ رکتی تو شاید وہ سوتا ہی رہتا۔ فریدی نے کار روک ہیڈ لائیٹس بجھا دی تھیں۔ حمید اندھیرے میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔ اُسے نہ وقت کا احساس اور نہ مقام کا۔

''وہ روشنی دیکھ رہے ہو؟'' فریدی نے ایک طرف اشارہ کیا۔ کچھ دور پر ہلکی سرخ رنگ روشنی دکھائی دی اور کچھ دھواں بھی۔

''ہاں..... کیا ہم کسی گاؤں میں ہیں؟'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں..... یہ جھریالی کی غیر آباد پہاڑیاں ہیں۔ کیا تمہیں وہ چٹانیں نہیں دکھائی دیتیں ں روشنی نظر آرہی ہے۔''

''چٹانیں؟'' حمید نے پھر آنکھیں پھاڑ دیں۔ پہلے وہ انہیں چھوٹے چھوٹے مکانوں کی ں سمجھا تھا۔

''یہاں اس وقت روشنی کا کیا کام.....!'' فریدی آہستہ سے بڑبڑایا اور کیڈی سے اُتر گیا۔ نے بھی اُس کی تقلید کی۔ پھر وہ پہاڑیوں کی طرف بڑھنے لگے۔ سیاہ رات سائیں سائیں تھی اور اُن کے قدموں کی آواز دور دور تک گونج رہی تھی..... دفعتاً انہوں نے ایک چیخ پھر دوسری جیسے وہ ختم ہونے سے پہلے ہی دہرا دی گئی ہو۔ ایسا معلوم ہوا جیسے نیم روشن ں چیخ رہی ہوں۔ حمید کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک ٹھنڈی سی لہر دوڑ گئی۔ فریدی نے آواز کی دوڑنا شروع کردیا۔ حمید کئی جگہ ٹھوکریں کھا کر گرتے گرتے بچا۔ فریدی ایک چٹان سے چٹان پر جست لگاتا پھر رہا تھا مگر چیختی ہوئی چٹانیں اب بھی کافی بلندی پر تھیں۔ دفعتاً ں آنی بند ہوگئیں لیکن روشنی ابھی تک دکھائی دے رہی تھی۔

بالآخر تمام وہ دونوں اُن چٹانوں تک پہنچے۔ پھر انہیں ایک عبرت ناک منظر سے دوچار ہونا پڑا۔ ایک نوجوان لڑکے کی برہنہ لاش پڑی تھی اور اُس کے قریب لکڑیوں کا ایک ڈھیر جل رہا ہ لاش بھی پچھلی لاشوں سے مختلف نہیں تھی۔ اُس کے جسم پر بھی نوچنے گھسوٹنے کے نشانات ر گردن کسی چھری سے ریتی گئی تھی۔ کٹی ہوئی گردن سے خون کا فوارہ جاری تھا۔

''تم یہیں ٹھہرو.....!'' فریدی نے حمید کی طرف ایک ریوالور اچھالتے ہوئے کہا اور طرف اتر گیا۔ حمید نے ریوالور ہاتھوں پر روک لیا۔ اُس کا منہ خشک ہوا جارہا تھا اور سانسیں ں رک رہی تھیں۔ پھر وہ روشنی سے ہٹ کر دو چٹانوں کی اوٹ میں ہوگیا۔ رات اپنے سیاہ ے کھولے وقت کا تعاقب کر رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد فریدی لوٹ آیا۔ اُس کا چہرہ اُترا ہوا تھا۔ حمید نے مستفسرانہ نظروں سے دیکھا۔

''ہم دیر میں پہنچے۔'' اُس نے آہستہ سے کہا اور لاش کی طرف دیکھنے لگا۔

پھر وہ تیزی سے اُس پر جھکا۔ تھوڑی دیر تک اُسی حالت میں رہا پھر سیدھا
اندھیرے میں گھورنے لگا۔

بہت دور جنگل میں کسی موٹر کی ہیڈ لائیٹس کی روشنی دکھائی دی اور پھر اندھیرا ہوگیا
رات کا سناٹا اور گہرا معلوم ہونے لگا۔ ایک لاش ..... سلگتی ہوئی لکڑیاں اور د
بظاہر بے بس نظر آ رہے تھے دھندلی روشنی میں اُن کے سائے کپکپا رہے تھے۔

حیرت

دوسری صبح فریدی بہت زیادہ مشغول تھا۔ لاش ہی کے ساتھ اُس نے کئی اور چیز
پہاڑیوں میں دریافت کی تھیں جن پر وہ غور کر رہا تھا لیکن وہ چھری نہیں مل سکی جس سے
مقتول کو ختم کیا تھا۔ اُس لاش کے وارثوں کا پتہ بھی آسانی سے چل گیا۔ آج صبح جب
لڑکے کی گمشدگی کی رپورٹ لکھوانے کے لئے کوتوالی آئے تو انہیں اس کی لاش ملی۔ فر
اُن سے متعدد سوالات کئے۔ لیکن اس بار بھی اُسے کوئی ایسی بات نہ معلوم ہوسکی جس
شخصیت پر روشنی پڑتی۔ البتہ اتنا ضرور معلوم ہوا کہ مقتول اپنی زندگی میں پہلی بار رات بھر گھر
رہا تھا۔ پچھلی لاشوں کے وارثوں کے بیانات اور اس میں فریدی کو صرف یہی فرق قابل غور

''تو اس کا یہ مطلب ہے کہ مجرم نے اپنا پرانا رویہ بدل دیا۔'' فریدی نے حمید
''دوسرے مقتولین نے کئی کئی راتیں گھر سے باہر گذاری تھیں اور اس نے پہلی بار یہ حرک
لیکن میاں حمید ذرا غور تو کرو اُس جال کے متعلق جس میں یہ پھنس جاتے ہیں۔''

''اگر وہ کل والا اجنبی حقیقتاً اُسی گروہ سے تعلق رکھتا تھا تو یہ جال غیر معمولی نہیں معلو

''یعنی.....؟''

''خوب صورت لڑکیوں کا لالچ.....!'' حمید نے کہا۔

''تم ٹھیک سمجھے۔'' فریدی نے کہا۔ ''اور ابھی تو تمہیں اس سے بھی زیادہ حیرت انگ
سے دوچار ہونا پڑے گا۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''قبل از وقت سمجھانا بھی نہیں چاہتا۔''

''میں سمجھنا بھی نہیں چاہتا۔'' حمید دانت پیس کر بولا۔

اس کے بعد پھر دن بھر دونوں میں کوئی خاص گفتگو نہیں ہوئی۔

فریدی تین بجے تک دفتر سے غائب رہا۔ کل کی ناکامی کی بناء پر حمید آج کی تیاریوں کو بھی
ہی سمجھ رہا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ فریدی آج اُسے کل والے اجنبی کے بتائے
پتے پر بھیجے گا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آج کی کامیابی پر بھی یقین نہیں کیا جاسکتا۔ معلوم نہیں
کون سا رخ اختیار کریں؟ وہ اسے فریدی کی اندھی چال ہی سمجھنے پر مجبور تھا اور سوچ رہا تھا
اُس نے یہی اسکیم بنائی تو اُسے ضرورت سے زیادہ ہوشیار رہنا پڑے گا۔

فریدی کی واپسی پر وہی ہوا جس کے متعلق حمید سوچ رہا تھا۔ وہ دونوں آفس سے گھر
آئے۔

''تم جانتے ہو کہ ڈاملے کے آدمی میری تاک میں ہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''انہیں ہونا ہی چاہئے۔'' حمید بولا۔ ''کیونکہ ڈاملے آپ ہی کی مرضی کے مطابق عمل کر رہا ہے۔''

''ہوں.....اسی لئے میں تمہارا میک اپ یہاں نہیں کروں گا۔''

''لیکن.....!''

''تم شاید وہاں جاتے ہوئے ڈر رہے ہو۔''

''نہیں تو.....لیکن.....!''

''تم نے اب تک جو کچھ اندازہ لگایا ہے معاملات اُس کے برعکس ہی نکلیں گے۔'' فریدی
اعتماد لہجے میں کہا۔

حمید جواب طلب نظروں سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

''ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن ہاں مجھے خود تمہیں سے خوف معلوم ہو رہا ہے۔''

''مجھ سے.....؟'' حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ہاں تم سے.....!'' فریدی بولا۔ ''اپنے جذبات کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرنا اور ہاں
اب جمریالی کے علاوہ کوئی اور مقام منتخب کیا جائے۔''

''یہ تو ظاہر ہی ہے۔'' حمید نے کہا اور اپنا پائپ بھرنے لگا۔

''ویسے میں تم سے تھوڑے ہی فاصلے پر رہوں گا۔ یہ میں تمہیں نہ بتاتا کیونکہ تم اپنی ایکٹنگ میں بے ساختگی نہ پیدا کر سکو گے۔ مگر خیال آتا ہے کہ تم ڈر رہے ہو۔''

''میں ڈر رہا ہوں؟'' حمید نے جھلا کر کہا۔

''تمہارے چہرے سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔''

''میں اپنا چہرہ کھرچ ڈالوں گا۔ آخر آپ مجھے اتنا بزدل کیوں سمجھتے ہیں؟''

''تمہاری آنکھیں سب کچھ کہہ دیتی ہیں۔''

''میں اپنی آنکھیں پھوڑ لوں گا۔'' حمید پھر چیخا۔

''خیر..... خیر..... تھوڑی دیر بعد امتحان ہو ہی جائے گا۔'' فریدی نے کہا اور کمرے میں چلا گیا۔

حمید کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے پائپ پیتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد ناشتہ آ گیا۔ فریدی ہاتھ میں ایک چھوٹا سا سوٹ کیس لئے ہوئے دوسرے کمرے سے آیا اور دونوں ناشتہ کرنے لگے۔

تقریباً چھ بجے حمید ہوٹل ڈی فرانس کے ایک کمرے سے برآمد ہوا۔ وہ اپنے والے بھیس میں تھا۔ فریدی نے میک اپ کے لئے اسی ہوٹل کو منتخب کیا تھا۔ آج کئی دن اُس نے اس ہوٹل کا ایک کمرہ کرائے پر لے رکھا تھا۔

حمید نے ٹیکسی کی اور وکٹوریہ روڈ کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ خائف نہیں تھا لیکن الجھن تھی۔ معلوم نہیں کیا واقعات پیش آئیں اور کس قسم کی لڑکیوں سے ملاقات ہو لڑکیاں؟..... کیسی لڑکیاں؟ ممکن ہے وہ محض فریب ہو۔ دیکھا جائے گا۔ وہ زیر لب بڑ جیب سے سگریٹ نکال کر سلگانے لگا۔ وکٹوریہ روڈ پہنچ کر اُس نے ڈرائیور سے ''اٹھارہ'' دوسری سگریٹ سلگانے لگا۔ ٹیکسی ایک عظیم الشان کوٹھی کے سامنے رک گئی۔ حمید نے اتر ادا کیا اور پھاٹک کی طرف بڑھنے لگا۔

''اوہ..... ہیلو عارف۔'' پائیں باغ سے آواز آئی۔ کل والا اجنبی تیزی سے درمیا طے کرتا ہوا پھاٹک کی طرف آ رہا تھا۔

''ہیلو.....!'' حمید گرم جوشی سے مسکرایا۔

''میں آپ کا انتظار ہی کر رہا تھا۔ اجنبی اُس سے مصافحہ کرتا ہوا بولا۔''

''اچھا ہی ہوا کہ آپ باہر تھے..... ورنہ شاید مجھے لوٹ جانا پڑتا۔'' حمید نے کہا۔

''کیوں.....؟ چلئے اندر چلئے۔''

''کل میں بدحواسی میں آپ کا نام دریافت کرنا بھول گیا تھا۔'' حمید بولا۔ ''بھلا اس وقت میں کسی کو کیا بتایا کہ مجھے کس سے ملنا ہے۔''

''بہرحال آپ آ ہی گئے۔'' وہ حمید کا ہاتھ دباتا ہوا بولا۔ ''مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ آپ نے وعدہ خلافی نہیں کی۔ آپ جانتے ہیں کہ ایسی صورت میں کتنی تکلیف ہوتی ہے۔''

''میں تو خودکشی کے امکانات پر غور کرنے لگتا ہوں۔'' حمید مسکرا کر بولا۔

وہ دونوں پائیں باغ میں داخل ہو گئے۔ حمید اس کوٹھی کے محل وقوع پر غور کر رہا تھا۔ وکٹوریہ روڈ پر کئی کوٹھیاں تھیں لیکن ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے قریب نہیں تھی۔ دو دو یا تین تین فرلانگ کا فاصلہ ضرور رہا ہوگا اور یہ سڑک کچھ ایسی زیادہ پررونق بھی نہیں تھی۔ یہاں زیادہ تر وہی لوگ آباد تھے جو شہر کے ہنگاموں سے دور رہنا چاہتے تھے۔

''مجھے افسوس ہے کہ اس وقت میں آپ کی کوئی خاص خاطر نہ کر سکوں گا۔'' اجنبی نے کہا۔ ''بات یہ ہے کہ اچانک میرے میزبان کے صاحبزادے کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔''

''میری سب سے بڑی خاطر یہی ہو سکتی ہے کہ اب آپ اپنا مکمل تعارف کرا دیں۔'' حمید نے مسکرا کر کہا۔ ''میں کل رات بھر اپنی اس حماقت کی بناء پر شدید الجھن میں مبتلا رہا ہوں کہ آپ جیسے عمدہ دوست کا نام تک دریافت نہ کر سکا۔ معاف کیجئے گا آپ کو لفظ دوست پر کوئی اعتراض تو نہیں؟''

''نہیں..... بھلا اعتراض کیوں؟'' اجنبی مسکرا کر بولا۔

''میری اور آپ کی عمر کا فرق۔ حالانکہ میں خود اس کا قائل نہیں۔'' حمید نے کہا۔

''تو کیا آپ مجھے اس معاملے میں تنگ نظر سمجھتے ہیں؟'' اجنبی سنجیدگی سے بولا۔ ''مجھے پی کی ملک کہتے ہیں۔ کلکتہ یونیورسٹی میں نفسیات کا لیکچرر ہوں!''

''آپ سے مل کر واقعی خوشی ہوئی۔'' حمید نے پھر اپنا ہاتھ مصافحے کے لئے بڑھاتے

ہوئے کہا۔ ''اور آپ کی دوستی کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتا ہوں۔''

وہ دونوں ایک وسیع ہال میں آئے جس میں سے ایک کشادہ زینہ اوپری منزل کی گیلر تک چلا گیا تھا۔

''آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ میرا کوئی دوست میرا ہم عمر نہیں۔'' پروفیسر ملک نے کہا

''غالباً اس سلسلے میں بھی آپ نے نفسیات کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔'' حمید بولا۔

''یعنی.....!''

''یہ ہمیشہ جوان بنے رہنے کا بیش قیمت نسخہ ہے کہ جوانوں کی صحبت اختیار کی جائے۔''

''واقعی آپ بہت ذہین ہیں۔'' پروفیسر ملک نے قہقہہ لگایا۔

حمید بے چینی سے ادھر اُدھر دیکھنے لگا اور اُس کی یہ ایکٹنگ بے ساختگی کی حامل تھی۔

پروفیسر ملک اُس کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگا۔

''مسٹر عارف.....! میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ اس وقت آپ کی کوئی خاطر کرسکوں گا۔ سب لڑکیاں اوپر ہیں ایسے موقعے پر یہ تعارف بے تکا ہی رہے گا۔''

''کیسے موقع پر.....؟'' حمید نے پوچھا۔

''اُف فوہ! اتنی از خود رفتگی.....!'' پروفیسر ہنسا۔ ''میں نے ابھی عرض کیا تھا نا کہ میر میزبان کے صاحبزادے پر دورہ پڑ گیا ہے۔''

''اوہ! کس قسم کا دورہ.....!''

''ہسٹریا ہی کی قسم کا دورہ ہوسکتا ہے۔'' پروفیسر نے پرتشویش انداز میں کہا۔

''تب تو واقعی میں بہت ہی بے موقع آیا۔'' حمید بولا۔

''کیوں؟ کیا آپ میری صحبت میں بور فیل کر رہے ہیں؟''

''ارے نہیں.....آپ بھی کمال کرتے ہیں۔''

دفعتاً اوپری منزل سے ایک چیخ سنائی دی اور حمید کے کانوں میں پچھلی رات کی جھریالی دا چیخیں گونجنے لگیں۔

''سنا آپ نے.....؟'' پروفیسر بولا۔ ''اُسی کی چیخیں ہیں۔ دورے کی حالت میں چیخ رہا ہے

حمید سوچ میں پڑ گیا۔ کیا پچھلی رات والی چیخیں ایسی ہی نہیں تھیں؟

''کس وقت پڑا تھا دورہ.....؟'' اُس نے پوچھا۔

''صبح ہی سے وہ اس مصیبت میں مبتلا ہے۔''

چیخ پھر سنائی دی اور ساتھ ہی باہر برآمدے میں بہت سے آدمیوں کے قدموں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ دوسرے لمحے میں پردہ ہٹا اور فریدی سات آٹھ مسلح کانسٹیبلوں کے ساتھ اندر گھس آیا۔

پروفیسر اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ کچھ اور کانسٹیبل اندر آ گئے۔

حمید نے پروفیسر ملک کی گردن پکڑ کر آگے کی طرف دھکا دیا.....اور کانسٹیبلوں نے اُسے سنبھال لیا۔

''عارف میاں سلمہ.....!'' فریدی نے کہا۔ ''میں سمجھا تھا شاید تم کام آ گئے۔''

حمید نے اوپری منزل کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ کیا بے ہودگی ہے۔'' پروفیسر ملک چیخا۔

''خاموش رہئے جناب۔'' حمید نے کہا۔ ''ہم ذرا اُس مریض کو دیکھنے جا رہے ہیں جو غالباً ب چل بسا ہوگا۔''

اچانک چیخ پھر سنائی دی۔ ایک لمبی چیخ جو آہستہ آہستہ مدھم ہوتی گئی۔

فریدی اور حمید زینوں پر چڑھنے لگے انہوں نے دو تین کانسٹیبلوں کو بھی اشارہ کیا۔ بقیہ نیچے ہی رہے۔

پروفیسر ملک چیخ چیخ کر گالیاں بک رہا تھا۔ اس پر کسی کانسٹیبل نے اُس کے منہ پر شاید تھپڑ بھی رسید کر دیا۔

اوپر کے دو تین دروازے توڑ دیئے گئے اور پھر ایک کمرے میں عجیب و غریب منظر تھا۔

یک برہنہ عورت جس کے ہاتھ میں ایک چمک دار چھری تھی اور ایک دوسرے مردہ برہنہ جسم پر جھکی ہوئی تھی۔ اُس کی پشت انہیں کی طرف تھی۔ اس لئے چہرہ نہ دیکھا جا سکا۔

پھر وہ یک لخت اچھل کر دوسرے کمرے میں گھس گئی۔

''میرے خدا.....!'' حمید تحیر آمیز انداز میں چیخا۔ ''یہ افروز تھی.....ارے لیڈی جہانگیر۔''

کانسٹیبل دروازے ہی پر جم کر رہ گئے تھے۔

''پکڑو.....!'' فریدی نے حمید کو اشارہ کیا۔

''مم.....میں.....!'' حمید ہکلایا۔ ''آپ ہی.....کیوں نہیں۔''

فریدی نے کانسٹیبلوں کی طرف دیکھا۔

''کہیں اُدھر سے نہ نکل جائے۔'' اُن میں سے ایک بولا اور وہ سب گیلری سے گذر ہوئے دوسری طرف چلے گئے۔

فریدی نے پھر حمید کی طرف دیکھا۔

''کیا آپ ڈرتے ہیں؟'' حمید تھوک نگلتا ہوا بولا۔ ''اُس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں

''نہیں.....تو.....!'' فریدی بھی تھوک نگلتا ہوا بولا۔ ''وہ.....نن.....ننگی ہے۔''

''کیا واقعی.....؟'' حمید نے احمقوں کی طرح پوچھا۔ حالانکہ وہ خود بھی اُسے اُس حال میں دیکھ چکا تھا۔

فریدی نے بھی احمقوں کی طرح سر ہلا دیا۔

پھر اچانک اُس کمرے سے ایک فائر ہوا اور فریدی کی فلٹ ہیٹ صاف اڑ گئی۔

''وہ گئی۔'' حمید چیخ کر فلٹ ہیٹ کی طرف دوڑا۔

''ہوش میں آؤ.....!'' دفعتاً اُسے فریدی کی گرج دار آواز سنائی دی۔

حمید پلٹ آیا۔ فریدی نے ایک میز الٹ کر اُس کی آڑ لے لی تھی۔ حمید بھی اُس کے قریب آ گیا۔

''لیڈی جہانگیر.....!'' فریدی چیخا۔ ''ریوالور پھینک دو۔''

کمرے سے پھر فائر ہوا۔ فریدی نے بھی جوابی فائر کیا۔ حمید نے نیچے بھی فائروں آوازیں سنیں پھر پوری عمارت دھماکوں سے گونجنے لگی۔ اس کمرے سے جس میں لیڈی جہانگ گھسی تھی فائر ہونے کا یہ مطلب تھا کہ دوسری طرف نکل بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ ورنہ صاف نکل گئی ہوتی۔ حمید کا دماغ بہت سے کام کرنے لگا تھا۔ اُس نے سوچا کہ کہیں دوسری طرف سے بھی فائر نہ شروع ہو جائیں۔ یہ ضروری نہیں کہ اس وسیع عمارت میں صرف تین ہی آدمی رہے ہوں۔ دفعتاً اُس کی نظریں اُس لاش پر پڑیں جس پر سے لیڈی جہانگیر اٹھی تھی۔ وہ پچھلی

لاشوں ہی کی طرح درندگی کا شکار ہوئی تھی۔

نیچے برابر فائر ہو رہے تھے اور چیخیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

سامنے والے کمرے سے پھر فائر ہوا اور ساتھ ہی ایک چیخ بھی سنائی دی۔

''خودکشی.....!'' فریدی میز کی اوٹ سے نکل کر کمرے کی طرف جھپٹا۔

لیڈی جہانگیر فرش پر پڑی ہوئی تھی اور اُس کے داہنے کان سے خون بہہ رہا تھا۔ فریدی نے اپنا کوٹ اتار کر اُس کے برہنہ جسم پر ڈال دیا۔ وہ ابھی سانسیں لے رہی تھی فریدی زخم دیکھنے لگا۔ پھر اُس نے حمید کا کوٹ بھی اتروا کر اُسے اچھی طرح ڈھک دیا۔

''کامیاب نہیں ہوئی۔'' وہ آہستہ سے بولا۔ ''گولی صرف کان میں لگی ہے۔ تم یہیں ٹھہرو۔'' پھر وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

نیچے اب تک گولیاں چل رہی تھیں۔ دفعتاً حمید کی نظریں کمرے کے روشندان کی طرف اٹھ گئیں۔ شیشوں کے پیچھے اُسے ایک لمبوترا چہرہ دکھائی دیا۔ دوسرے ہی لمحے میں اُس کے ریوالور سے ایک شعلہ نکلا۔ روشندان کے شیشے ٹوٹ کر فرش پر آ رہے اور ایک چیخ بلند ہوئی۔ چہرہ پہلے تو روشندان کی طرف جھکا اور پھر پیچھے کی طرف لڑھک گیا۔

لیڈی جہانگیر بے ہوش پڑی تھی۔ حمید کے دل میں اُس کے لئے کسی قسم کے جذبات نہیں تھے۔ نہ غصہ، نہ نفرت، نہ ہمدردی نہ پیار۔ اور اب تو اُس کی حیرت بھی رفع ہو گئی تھی۔ نہ جانے کیوں اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اُسے پہلے ہی سے اس کی توقع رہی ہو حالانکہ یہ بات پہلے کسی کے خواب و خیال میں بھی نہ تھی۔

تھوڑی دیر بعد اوپر کچھ کانسٹیبل پہنچ گئے۔ حمید انہیں لیڈی جہانگیر کے پاس چھوڑ کر کمرے سے نکل آیا۔ وہ لمبوترے چہرے والے کا حشر اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا۔

نیچے گولیاں چلنا بند ہو گئی تھیں۔ ہال میں حمید کو کئی لاشیں نظر آئیں۔ کچھ قیدی اور کچھ زخمی دکھائی دیئے۔ تین کانسٹیبل بھی کام آئے تھے۔ فریدی کی پیشانی سے خون بہہ رہا تھا جسے وہ بار بار گلی سے پونچھ کر ادھر اُدھر چھڑک دیتا تھا۔

''یہ کیا ہوا.....؟'' حمید نے پوچھا۔

''میز الٹتے وقت شاید چوٹ آ گئی تھی۔'' فریدی نے کہا اور قیدیوں کا جائزہ لینے لگا۔

''ایک لاش تیسری منزل پر بھی ہے۔'' حمید بولا۔

اور وہ لاش حقیقتاً لمبوترے چہرے والے ہی کی نکلی۔

آدھے گھنٹے کے بعد زخمیوں کو ہسپتال پہنچایا جا رہا تھا۔ ان میں لیڈی جہانگیر بھی تھی جو ا تک ہوش میں نہیں آئی تھی۔

دوسری صبح اخبارات شائع ہوتے ہی شہر میں ہلچل مچ گئی۔ ہاکر چیختے پھر رہے تھے۔ ا فریدی اور سرجنٹ حمید کے کارناموں سے گمنام گلیاں تک گونج رہی تھیں۔ پولیس ہسپتال سامنے تقریباً آدھا شہر امنڈ آیا تھا۔ ہر ایک اُس درندہ صفت عورت کی ایک جھلک کے لئے تاب نظر آ رہا تھا۔ لوگوں کی زبانوں پر اُس کی خوبصورتی اور پرکشش شخصیت کی کہانیاں تھیں زیادہ تر یہ خیال ظاہر کیا جا رہا تھا کہ یقیناً اُس کے جسم میں کوئی خبیث روح حلول کر گئی ہے۔

دوسری طرف فریدی اپنے آفس میں بیٹھا افسران بالا کو اس کیس کی تفصیلات بتا رہا تھا۔

''مجھے اس عورت پر پہلے ہی سے شبہہ تھا۔'' اس نے کہا۔ ''لیکن میں نہیں جانتا کہ وہ ہی اس گروہ کی سرغنہ بھی ہے۔ مجھے اُس پر اُسی وقت شبہہ ہو گیا تھا جب وہ قمار خانے سے برآ ہوئی تھی۔ آپ کو یاد ہوگا کہ وہ ایک مقفل کمرے میں رسیوں سے بندھی پڑی تھی۔ آخر اُ رسیوں سے باندھنے کی کیا ضرورت تھی جب کہ اس کمرے کو مقفل بھی کرنا تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر بندھی نہ ہوتی تب بھی کمرے سے باہر نہیں نکل سکتی تھی اور پھر اگر حفاظت کے خیال سے کسی باندھا بھی جاتا ہے تو عموماً اُس کے دونوں ہاتھ پشت پر ہوتے ہیں تاکہ وہ پیروں کی رسیاں کھول سکے۔ اس کے برخلاف اُس کے دونوں ہاتھ یونہی معمولی طور پر بندھے ہوئے تھے اگر چاہتی تو بہ آسانی اپنے پیروں کی رسیاں کھول سکتی تھی۔ پھر اُس کے بعد ہاتھ بھی کھل سکتے تھے دراصل واقعہ یہ ہوا تھا کہ جب مجرم بھاگنے لگے تھے تو اُس نے خود کو بندھوا لیا تھا۔ جلدی میں ان نکتوں پر غور نہ کر سکی۔ ورنہ ویسے وہ بلا کی ذہین عورت ہے۔ اُسے سو فیصدی شبہہ تھا کہ میں اس کی طرف سے مشکوک ہوں۔ لہٰذا اُس نے میرا شک رفع کرنے کے لئے اپنے یہاں نورد بال منعقد کیا اور اُس میں اپنے ہی آدمیوں سے ہڑبونگ مچوائی۔ یہ ظاہر کرنا چاہا کہ وہ اُ

دوبارہ اٹھانے کے لئے آئے تھے۔ بہرحال موقع واردات پر پکڑنے سے پہلے یہ چیز میرے لئے خواب و خیال میں بھی نہ تھی کہ وہ اس گروہ کی سرغنہ ہو سکتی ہے یا وہ ساری درندگی اُس کی تھی۔ میں یہ سمجھتا تھا کہ کوئی آدمی اُسے لڑکوں کو پھانسنے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ پرسوں والی لاش جو جھریالی میں ملی تھی اُس نے میرے خیالات یکسر بدل دیئے۔ میں نے اس سلسلے میں کسی مرد کی جستجو تو بالکل ہی ترک کر دی کیونکہ اُس لاش پر مجھے کئی جگہ لپ اسٹک کے نشانات بھی ملے تھے۔ لیکن اس حالت میں بھی میرے ذہن میں لیڈی جہانگیر نہیں آئی۔ اُسے دیکھ کر یہ کہا ہی نہیں جا سکتا کہ وہ کسی وقت بھیڑیوں سے بھی زیادہ خطرناک ہو جاتی ہوگی۔ اس کے برخلاف میری ذہن میں کسی حد درجہ خوفناک صورت والی عورت کی تصویر تھی۔ دوسری دلچسپ بات یہ کہ اس پورے گروہ میں دو ایک کے علاوہ کسی اور کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ اُن پر کوئی عورت حکومت کر رہی ہے۔ لیڈی جہانگیر نے یہ گروہ بڑے ہی پراسرار طریقے پر ترتیب دیا تھا۔ گروہ کے بیشتر افراد نے اعتراف کیا ہے کہ وہ عادی مجرم ہیں اور انہیں خط و کتابت کے ذریعے اس گروہ میں شامل کیا گیا تھا۔ انہیں باقاعدہ طور پر بڑی تنخواہیں ملتی تھیں اور مال غنیمت کا کچھ حصہ بھی ان میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ سردار کی شخصیت سے واقف نہیں تھے۔ انہیں سردار کے احکامات ڈاکٹر یا کرن ڈے سے ملتے تھے۔''

پھر فریدی نے انہیں بتایا کہ ڈاکٹر لیڈی جہانگیر کا طبی معائنہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ وہ جنسی جنون میں مبتلا ہے۔ اس میں Nymphomania (جنسی بوالہوسی) اور Sadism (اذیت کوشی) دونوں رجحانات موجود ہیں۔

''اسی لئے آپ مجھے اُس سے شادی کرنے کا مشورہ دے رہے تھے؟''

حمید نے منہ بنا کر کہا۔ افسران بالا ہی کے سامنے وہ بولنے کے لئے بے چین تھا لیکن نہ جانے کس طرح اُس نے خود کو روکا تھا۔ اُن کے پاس سے ہٹتے ہی اُس نے فریدی کو پیٹنا شروع کر دیا۔ ''اور آپ نے اتنی خطرناک جگہ مجھے کیوں بھیجا تھا۔''

''حمید صاحب.....!'' فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ ''اگر میں آپ کو پہلے ہی یہ بتا دیتا کہ افروز مشتبہ ہے تو آپ اپنے رویے میں فطری بے ساختگی برقرار نہ رکھ سکتے۔''

حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ''آپ بھی اُس سے بُری طرح خائف تھے۔''

''میں.....نہیں تو۔''

''قطعی تھے۔ اسی لئے آپ اُس رات اس بوڑھی عورت کے ساتھ ناچے تھے۔ آپ خوف تھا کہ کہیں افروز آپ کو وہیں نہ ادھیڑنا شروع کر دے۔''

فریدی ہنس کر خاموش ہو گیا۔ حمید بھی کچھ دیر خاموش رہا۔

''ایک بات سمجھ میں نہ آئی۔'' حمید نے کہا۔ ''وہ یہ کہ افروز بذات خود بہت دولت مند تھی۔ پھر اُس نے یہ سب کیوں کیا۔ اُس کے گروہ والے ڈاکے بھی تو مارتے تھے۔ اعلیٰ پیمانے جوا بھی کھلاتے تھے۔''

''خود اُس کا مقصد لوٹ اور کھسوٹ نہیں تھا۔'' فریدی بولا۔ ''اُس نے یہ سب کچھ محض اپنے جنون کی تسکین کے لئے کیا تھا۔ اگر وہ اتنا طاقت ور گروہ نہ بناتی تو اُسے اپنی حیوانیت بھینٹ چڑھانے کے لئے نوجوان کہاں سے ملتے۔''

''خدا کی قسم آپ کی شادی اُسی کے ساتھ ہونی چاہئے۔'' حمید بے ڈھنگے پن سے ہنستا ہوا بولا۔

''پھر اُتر آئے تم بکواس پر.....جاؤ اپنا کام کرو۔''

''اچھا ایک بات بتا دیجئے؟''

''جلدی بکو! ابھی مجھے رپورٹ مکمل کرنی ہے۔''

''کل اُسے پکڑتے وقت آپ کی گھگھی کیوں بندھ گئی تھی؟''

''رمیش.....!'' فریدی نے سرجنٹ رمیش کو آواز دی۔

''جی.....!'' رمیش دوسرے کمرے سے بولا۔

''اسے یہاں سے کان پکڑ کر نکال دو۔'' فریدی نے کہا اور لکھنے میں مشغول ہو گیا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 25

خوفناک ہنگامہ

(مکمل ناول)

پیش لفظ

''خوفناک ہنگامہ'' میں نے چیلنج کے ساتھ لکھا ہے اور اسی چیلنج کے ساتھ جو بلی نمبر کی صورت میں اسے پیش کر رہا ہوں۔ تحیر اور استعجاب، قدم قدم پر نئی دھڑکنیں اور نئے ہنگامے ایک ایسا ماحول آپ کے سامنے لائیں گے کہ آپ بہرحال یہ ضرور سوچنے پر مجبور ہوں گے کہ جاسوسی ادب نے ایسا کارنامہ اب تک کسی زبان میں پیش نہیں کیا گیا۔

اس کہانی کے مجرم کوئی معمولی انسان نہیں ہیں۔ فریڈرک، شلائر، اور گارساں تین بھیانک انسان جن کی آپس کی لڑائی نے فریدی جیسے ذہین نڈر اور باحوصلہ شخص کو پریشان کر دیا۔ ایک بین الاقوامی مجرم ہندوستان کے ایک عظیم سائنسدان سے ایک گہرا راز حاصل کرنے کے لئے کتنے خون کر ڈالتا ہے۔ مجرموں کا یہ گروہ انہیں میں سے ہے جس نے مسولینی کو دوسری جنگ عظیم کے

دوران فرار ہونے میں مدد دی تھی۔

میاں حمید کا کردار آپ لوگوں کے لئے ہمیشہ ایک بحث کا موضوع رہا۔ وہ ہنسوڑ ہے۔ کھلنڈرا ہے۔ ہر وقت زندگی کی تیز دھوپ سے بچنے کے لئے قہقہوں کے رنگ میں محل تیار کرتا رہتا ہے۔ مگر یہ بھی تو دیکھئے کہ جب وہ کام کرنے پر آتا ہے تو فریدی بھی تعجب میں پڑ جاتا ہے۔ اس کی بہادری اور تیزی اپنی جگہ پر اٹل ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ خود مذاق بن کر دوسروں کو مضحکہ خیز بنا کر لطف اٹھاتا ہے۔

میں سنسنی خیز اشتہار بازی کا قائل نہیں ہوں اور جو کچھ بھی کامیابی جاسوسی دنیا کے ناولوں نے حاصل کی ہے وہ اسی بناء پر کی ہے کہ جب بھی آپ سے جو وعدہ کیا گیا اسے حتی الامکان پورا کیا گیا۔ اردو میں کسی مصنف کو یہ فخر حاصل نہیں ہے کہ اس کی کتابیں سال بھر میں ڈیڑھ لاکھ سے زائد فروخت ہوتی ہیں اور جاسوسی دنیا کے ناولوں کے مصنف یعنی اس خاکسار کو یہ فخر صرف آپ کے ذوق سلیم اور اپنے ساتھیوں کے تعاون کی بناء پر حاصل ہے۔

ابن صفی

انجانے اشارے

محکمہ سراغ رسانی کی عمارت کے کلاک ٹاور نے نو بجائے اور رات کا سناٹا کچھ ہو گیا۔ وسط دسمبر کی ایک تاریک اور انتہائی سرد رات تھی۔ کہرے کی وجہ سے ستارے بھی آ رہے تھے۔ سردی کی شدت میدانی علاقے میں بھی یخ بستہ پہاڑوں کی یاد دلا رہی تھی۔ ہی بجے تھے لیکن سناٹے کا یہ عالم تھا جیسے کافی رات گزر گئی ہو۔ اگر کبھی سڑک پر ایک آدھ جاتی تو سکوت کچھ اس طرح ٹوٹتا جیسے کسی مریض نے کراہ کر کروٹ بدلی ہو اور پھر بے خبر ہو گ

محکمہ سراغ رسانی کے آپریشن روم میں تقریباً تمام مقامی سی آئی ڈی انسپکٹر موجود ۔ میں رات کی ڈیوٹی والے بھی تھے اور دن کی ڈیوٹی والے بھی۔ سپرنٹنڈنٹ نے انہیں ایک مقصد کے تحت اس وقت یہاں اکٹھا کیا تھا اور خود موجود نہیں تھا۔ بات یہ تھی کہ کئی راتو ٹرانسمیٹر پر کچھ عجیب وغریب آوازیں سنی جا رہی تھیں۔ افسران بالا کا خیال تھا کہ وہ کوئی کی اشاراتی زبان تھی اور کسی خاص مقصد کے لئے استعمال کی جا رہی تھی۔ آپریٹر اسے راتوں سے برابر ریکارڈ کر رہا تھا۔ اس کی ایک ایک کاپی محکمے کے سارے انسپکٹروں کے پا دی گئی تھی لیکن کوئی ابھی تک اس کا مفہوم نہیں پیدا کر سکا تھا۔ آخر افسران بالا نے تھک فیصلہ کیا کہ وہ سب آج رات کو بذات خود آپریشن روم میں موجود رہیں۔

یہ آوازیں ٹھیک دس بجے رات کو ٹرانسمیٹر پر سنائی دیتی تھیں۔ آپریٹر کا بیان تھا کہ اس ل میں ابھی تک فرق نہیں آیا تھا۔

ایشیا کا عظیم سراغ رساں فریدی سب سے الگ تھلگ بیٹھا آپریٹر کی رپورٹ پڑھ رہا تھا۔ لسٹر میں جس کے کالر کانوں تک کھڑے ہوئے تھے اس کا خوبصورت چہرہ بڑا حسین لگ رہا س کی پیشانی پر شکنیں پڑی ہوئی تھیں اور ہونٹ قدرے سکڑ گئے تھے۔

''ہم لوگ تو محض جھک مارنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔'' اس کے کانوں میں انسپکٹر ے کی آواز گونجی جو ابھی ابھی آیا تھا اور دروازے میں کھڑا پُرتمسخر انداز سے اس کی طرف رہا تھا۔

دوسرے انسپکٹر ہنسنے لگے۔ لیکن نہ جانے کیوں ان کے قہقہے فریدی کی ہلکی سی مسکراہٹ کے ے بے جان معلوم ہو رہے تھے۔

یہ آج کوئی نئی بات نہیں تھی۔ فریدی کے سارے ساتھی اس کی دولت شہرت اور مقبولیت بناء پر اس سے جلنے لگے تھے اور موقع بے موقع اس پر طنز کرنے اور پھبتیاں کسنے سے باز نہیں ے تھے۔ اس کے ساتھ کے سبھی انسپکٹر معمر اور بزعم خود جہاندیدہ اور تجربہ کار تھے۔ لہٰذا وہ اپنے بلے میں ایک ''نوجوان انسپکٹر'' کو آگے بڑھتے کس طرح دیکھ سکتے تھے۔ انسپکٹر آصف ان کا پیش رو سمجھا تھا اور وہ تھا بھی ان سب سے سینئر لیکن کارکردگی میں کسی رنگروٹ سے بھی تھا۔ فریدی عموماً اس کی باتوں کو ہنس کر ٹال دینے کا عادی تھا۔ آصف چونکہ اس سے عمر میں بڑا تھا اس لئے وہ اس کا احترام کرتا تھا لیکن کبھی کبھی خود اسی کی چھیڑ چھاڑ فریدی کو بے تکلفی ادہ کر دیتی تھی۔

''اسی لئے میں آپ سب سے کافی فاصلے پر بیٹھا ہوں۔''

''بچوں کا ہم لوگوں میں کام ہی کیا۔'' آصف نے کہا اور اپنا اوور کوٹ اتارنے لگا۔

فریدی اسے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ آصف نے جیب سے رومال نکالا اور ناک پر رکھ کر دو ا کر بہہ آوازیں نکالنے کے بعد ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

''آصف چچا.....!'' انسپکٹر سنگھ بولا۔ ''اب تمہارا بڑھاپا ہے بچے ہی انگلی پکڑ کر تمہیں

چلائیں گے۔''

انسپکٹر سنگھ بھی ایک نوجوان آدمی تھا۔فریدی سے اس کے گہرے تعلقات تھے۔ا
بھی انہی چند انسپکٹروں میں سے تھا جو اپنی عمر اور کارکردگی کی وجہ سے پرانے انسپکٹروں
تشنیع کا شکار ہوتے تھے۔

''ہمارے سامنے کے شیر خوار ہو۔'' آصف گردن اکڑا کر بولا اور سگریٹ سلگانے

''اور یہی شیر خوار کچھ دنوں کے بعد ڈی۔ایس۔پی اور ایس۔پی ہو جائیں
لیفٹیننٹ سعید نے کہا۔

لیفٹیننٹ سعید ملٹری کی سیکرٹ سروس سے مرکزی سی۔آئی۔ڈی میں آیا تھا اور ا
بھی محکمے کے نوجوان انسپکٹروں میں ہوتا تھا۔

''نوجوانی کے خواب کافی حسین ہوتے ہیں۔'' انسپکٹر آصف مسکرا کر بولا۔''ابھی
کے چکر میں پڑ کر ان خوبصورت دنوں اور سحر انگیز راتوں کو برباد نہ کرو۔ جاؤ میرے
رات اس لئے نہیں کہ تم یہاں سر کھپاؤ۔''

''پھر کہاں جائیں.....؟'' فریدی نے معصومیت سے پوچھا۔

''تم تو بیکار ہی پوچھ رہے ہو۔'' آصف نے طنز آمیز مسکراہٹ کی ساتھ کہا۔

''کیوں.....؟''

''سنا ہے تمہیں عورتوں کے قریب پہنچ کر چکر آنے لگتے ہیں۔''

اس پر ایک قہقہہ پڑا۔فریدی کے ہونٹوں پر اب بھی وہی خود اعتمادی کی مسکراہٹ

''چکر محض اس خیال سے آتے ہیں کہ آخر انہیں بوڑھے کس طرح سنبھالتے ہو
اس نے کہا۔''خصوصاً وہ بوڑھے جن سے پستہ قد عورتیں بھی نہیں سنبھالی جاتیں۔''

آصف چونک کر فریدی کو گھورنے لگا اور فریدی نے ایک چھت شگاف قہقہہ لگایا۔

''ایک بے تکی بات کہہ کر اس طرح قہقہہ لگانا بیوقوفی کی علامت ہے۔'' آصف بھنا

''میں دراصل یہ عرض کر رہا تھا۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔''جب بوڑھوں سے رقم
کو پناہ ملے گی تو ہم نوجوان بھی اس کے متعلق کچھ سوچ سکیں گے۔''

''کیا مطلب.....؟'' آصف پھر اُسے گھورنے لگا۔

''کیا آپ کچھ دیر قبل ہوٹل ڈی فرانس میں ایک پستہ قد عورت کے ساتھ نہیں ناچ رہے تھے؟''

''دوسروں کی ٹوہ میں رہنا کمینہ پن ہے۔'' آصف جھلا کر بولا۔

''خیر اس کمینے پن میں تو ہم سب سرکاری طور پر مبتلا ہیں۔'' فریدی نے قہقہہ لگایا۔''مسٹر
اس بات کے شاہد ہیں کہ میں پانچ بجے سے اسی کمرے میں موجود ہوں۔''

''تب تم نے کسی سے سنا ہوگا۔''

''مسٹر آپریٹر یہ بھی بتا سکتے ہیں کہ کوئی اس وقت سے میری کرسی کے قریب بھی نہیں آیا۔''
آپریٹر نے فریدی کی تائید کی۔

''کیوں استاد آصف.....!'' انسپکٹر بزجی نے قہقہہ لگایا۔''ہم تمہیں قطعی گھریلو آدمی سمجھتے تھے۔''

''جھوٹ ہے! بکواس ہے۔'' آصف نے جھلا کر کہا اور فریدی کو گھورنے لگا۔

''میں یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ آپ تین راؤنڈ ناچے تھے۔''

آصف نے بوکھلا کر اپنے کوٹ کے اوپری جیب پر نظر ڈالی۔ایک خوش رنگ رومال کا کونہ
نکلا ہوا تھا۔جسے اس نے جلدی سے اندر کر لیا۔

''اوہ.....اس رومال کی بناء پر تم ایسا کہہ رہے ہو۔'' آصف نے منہ سکوڑ کر کہا۔''ہو سکتا
کہ یہ کسی دوسرے کا ہو۔''

''نہیں جناب یہ قطعی آپ کا ہے۔'' فریدی نے خود اعتمادی کے ساتھ کہا۔

''اور یہی بات ظاہر کرتی ہے کہ آپ نے اپنی زندگی میں آج پہلی بار ہوٹل ڈی فرانس
رقص میں شرکت کی تھی۔''

''بالکل بکواس ہے۔''

''اگر یہ رومال کسی اور کا ہوتا تو وہ اسے اس کے صحیح مصرف میں لایا ہوتا۔''

''صحیح مصرف.....؟'' انسپکٹر بزجی نے فریدی کو ٹوکا۔

''جی ہاں یہ رومال ہوٹل ڈی فرانس والوں کی ایک احمقانہ جدت ہے۔ اگر آپ تین راؤنڈ
ٹکٹ خریدیں تو آپ کو ٹکٹوں کے ساتھ اس قسم کا ایک رومال بھی ملے گا جو قطعی اس قابل نہیں

ہوتا کہ کسی اونچے مذاق کی آدمی کے استعمال میں رہ سکے۔ پھر اگر یہ رومال واپس کردیا ایک راؤنڈ کا ٹکٹ مفت مل جاتا ہے۔ صرف اناڑی ہی اسے استعمال کے لئے رکھ لیتے ہیں جاننے والے اسے واپس کر کے ایک راؤنڈ مفت ناچ لیتے ہیں۔''

''تم میری توہین کر رہے ہو۔'' آصف گرجا۔

فریدی نے پھر قہقہہ لگایا۔ اس کے نوجوان ساتھی بھی دل کھول کر ہنس رہے تھے وقت وہ بھی ان کے ساتھ ہو گئے تھے۔ جوان سے پرخاش رکھتے تھے۔ آصف نے صورت بچاؤ کی نہ دیکھی تو وہ خود بھی ہنسنے لگا۔

''خیر..... خیر.....!'' آصف نے بلند آواز میں کہا۔ ''میری جیب میں یہ رومال کوئی بھی واقف کار اتنی باتیں بتا سکتا تھا۔''

''لیکن شاید وہ یہ نہ بتا سکتا کہ آپ کی ہم رقص پستہ قد تھی۔'' انسپکٹر سنگھ بولا۔

''یہ غلط ہے۔'' آصف نے بگڑ کر کہا۔

''قطعی صحیح ہے۔'' فریدی خود اعتمادی کے ساتھ بولا۔ ''اور یہ بھی صحیح ہے کہ آپ ناچتے ناچتے بری طرح لڑکھڑائے بھی تھے مگر گرے نہیں! ہاں تو جناب سونگ لینے سے اپنی طاقت اور عورت کے وزن کا اندازہ ضرور لگالیا کیجئے۔''

آصف منہ پھاڑے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''تم غلط کہتے ہو! تم وہاں نہیں تھے۔'' وہ آہستہ سے بولا۔

''مسٹر آپریٹر.....!'' فریدی نے آپریٹر کو مخاطب کیا۔

''یہ حقیقت ہے کہ مسٹر فریدی پانچ بجے سے یہیں اسی کمرے میں موجود ہیں شاید اپنا السٹر پہننے کے لئے گئے تھے۔'' آپریٹر نے کہا۔

''تب کسی اور نے اطلاع دی ہوگی۔'' آصف نے کہا۔

''کسی نے بھی نہیں..... یقین کیجئے۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

''تب تم آدمی نہیں ہو..... بھوت ہو۔''

''ہوسکتا ہے کہ یہ بات درست ہو۔'' فریدی کی آنکھوں میں شرارت آمیز چمک

وہ سگار سلگانے لگا۔

''مگر یار تمہیں یہ کس طرح معلوم ہوا کہ عورت پستہ قد تھی۔'' لیفٹیننٹ سعید نے پوچھا۔

''چھوڑو بھی کہاں کی باتیں لے بیٹھے۔'' انسپکٹر آصف نے اکتا کر کہا۔

''واہ چچا.....!'' انسپکٹر سنگھ نے قہقہہ لگایا۔ ''ذرا بچوں کو بھی تو لطف اندوز ہونے دیجئے۔''

فریدی شرارت آمیز نظروں سے آصف کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''جب کسی شریف آدمی کے سینے پر۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔ ''لپ اسٹک کا دھبہ دکھائی دے تو یہی سمجھنا چاہئے کہ عورت پستہ قد تھی۔ اگر کاندھے پر یہی دھبہ دکھائی دے تو عورت ہر میں دراز قد سمجھی جائے گی۔ لیکن یہ دھبے عموماً بے ساختگی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ مثلاً ناچتے ہوئے دونوں لڑکھڑا جائیں اور گرنے کے خوف کی وجہ سے لپ اسٹک کی تہہ بگڑنے کا دھیان نہ جائے۔''

آصف نے بوکھلا کر اپنے سینے پر نظر ڈالی۔ سفید قمیض پر ایک واضح قسم کا دھبہ موجود تھا۔

لڑکوں نے قہقہے لگائے اور وہ جھلاہٹ میں اٹھ کر باہر چلا گیا۔ قہقہے اور تیز ہو گئے۔

''کون جانے یہ حضرت اسے لے کر گر ہی پڑے ہوں۔'' انسپکٹر بزجی ہنستا ہوا بولا۔

''نہیں.....!'' فریدی نے کہا۔ ''اگر ایسا ہوا ہوتا تو وہ دھبہ پھیل جاتا۔ آصف صاحب رتے گرتے سنبھل گئے تھے۔''

''مگر یار تم نے پکڑا خوب۔'' لیفٹیننٹ سعید بولا۔ ''اپنا جواب نہیں رکھتے۔''

فریدی بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔ اتنے میں کینٹین کا بیرا کافی لے کر آیا۔ اسی کے پیچھے پے انسپکٹر آصف بھی داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر اب بھی غصے کے آثار تھے۔ ایک بار پھر آپریشن م قہقہوں سے گونج اٹھا۔ آصف ہونٹ سکوڑے ہوئے ایک پیالی میں کافی انڈیل رہا تھا۔

''میرے خیال سے تو اس وقت ٹھنڈا پانی زیادہ مناسب رہے گا۔'' لیفٹیننٹ سعید مسکرا ر بولا۔

''تم بدتمیز ہو۔'' آصف اس کی طرف پلٹ پڑا۔

''شٹ اپ.....!'' لیفٹیننٹ سعید پیر پٹخ کر کھڑا ہو گیا۔

آصف پیالی رکھ کر اُسے خونخوار نظروں سے گھورنے لگا۔ فریدی اٹھ کر ان کے ر
آ گیا۔

''سعید! مذاق کو مذاق ہی میں رہنے دو۔'' وہ اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

''میں نے اسے مذاق کی حدود سے نہیں نکالا۔'' سعید آصف کو گھورتا ہوا بولا۔

''خیر! چھوڑو..... فضولیات میں کیا رکھا ہے۔'' فریدی نے کہا اور اسے دوسری
دھکیل لے گیا۔

پھر وہ سب خاموشی سے کافی پیتے رہے۔ آصف اور سعید اب تک ایک دوسرے کو گھو
جا رہے تھے۔

دفعتاً ٹرانسمیٹر کے ریسیونگ سیٹ کی آواز بلند ہوگئی۔

''ٹک ٹکل ٹاک'' وہ سب چونک پڑے۔ ریسیونگ سیٹ سے آوازیں آتی رہیں۔
ٹکل ٹٹ لیٹ ٹکل ٹاک..... اولیو ہاورڈ..... ٹکل ٹیپ ٹیپ رافٹ..... سیسل براؤن.....
لاک لاک..... ٹافٹ.....!''

بولنے والا لہجے کے اعتبار سے دیسی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ وہ سب غور سے سنتے ر

''رک..... رک..... روفی ٹکل ٹاک..... پلیٹ ہاف..... ٹکل ٹکل..... ارے باپ۔''

''یہ چیخ کیسی؟'' فریدی اچھل کر بولا۔ وہ سب ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے

''ٹکل ٹکل'' کے فوراً بعد ایک چیخ سنائی دی تھی اور یہ چیخ قطعی دیسی تھی۔ چیخنے والا ار
چیخا تھا۔ پھر ہلکی ہلکی گھڑ گھڑاہٹ سنائی دینے لگی۔ ''ٹکل ٹکل'' اور دوسری آوازیں بھی سنائی
رہیں جن کے پس منظر میں گھر گھراہٹ برابر جاری تھی۔ پھر تھوڑی دیر بعد سناٹا چھا گیا
معلوم ہو رہا تھا جیسے ان کے ہونٹ سل گئے ہوں۔

سب سے پہلے فریدی ہی بولا۔

''میرے خیال سے یہ جس ٹرانسمیٹر کی آوازیں ہیں وہ کسی کار میں فٹ ہے۔''

وہ سب اس کی طرف دیکھنے لگے۔

''مگر یہ چیخ کیسی تھی؟'' وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

''تم ٹھیک کہتے ہو۔'' سعید اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔ ''یہ گھر گھراہٹ کسی کار
ہی کی تھی۔''

''لیکن یہ چیخ۔'' فریدی پر خیال انداز میں بولا۔ ''یہ کسی غیر ملکی کی نہیں تھی۔''

''تمہیں دھوکا ہوا ہے۔'' انسپکٹر بز جی نے کہا۔ ''وہ چیخ نہیں تھی۔''

''آپریٹر..... ریکارڈ لیا ہے؟'' فریدی نے آپریٹر سے پوچھا۔

''جی ہاں.....!''

''سناؤ.....!''

تھوڑی دیر بعد آپریٹر نے ریکارڈ سنایا۔ چیخ موجود تھی۔ ''ارے باپ'' صاف سنائی دیا۔

''آخر یہ ہے کیا بلا.....؟'' انسپکٹر سنگھ نے کہا۔

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ فریدی نیا سگار سلگا رہا تھا۔

''اس میں دو نام بھی لیے گئے ہیں۔'' وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''اولیو ہاورڈ اور سیسل براؤن۔''

''یہ لپ اسٹک کے دھبوں پر نظر رکھنے والوں کے بس کا روگ نہیں معلوم ہوتا۔'' آصف
نے مسکرا کر کہا۔

فریدی جواباً مسکرا کر رہ گیا۔

''اس بار تو وہی تیر ماریں گے جن سے عورتیں نہیں سنبھلتیں۔'' سعید نے قہقہہ لگایا۔

''میں تم سے بات نہیں کر رہا ہوں۔'' آصف تلخ لہجے میں بولا۔

''میں خود چھچھورے آدمیوں سے بات کرنا پسند نہیں کرتا۔''

''منہ میں لگام دو۔'' آصف کھڑا ہو گیا۔

''یار تم لوگ باز نہیں آؤ گے۔'' فریدی نے کہا اور سعید کو کھینچتا ہوا باہر لایا۔

''تم دخل مت دیا کرو۔'' سعید ہانپتا ہوا بولا۔ ''اس کے کیڑے جھاڑنے ہی پڑیں گے۔''

''اونہہ..... چلو..... آؤ..... تھوڑی تفریح ہو جائے۔ تم نے ابھی کھانا نہ کھایا ہوگا۔''

فریدی کی کیڈی لاک کولتار کی چکنی سڑک پر پھسل رہی تھی اور اس کا ذہن ان آوازوں
سے زیادہ اس چیخ میں الجھا ہوا تھا۔

''سپرنٹنڈنٹ نے ناحق اتنی بھیڑ اکٹھا کی تھی۔'' سعید بولا۔

''کیوں؟''

''اس قسم کے اشارے نہ تو اپنے یہاں ملٹری ہی میں رائج ہیں اور نہ ہی مرکزی سی آئی ڈی میں۔''

''یہ تو ہے۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔

''ظاہر ہے کہ یہ سب بیچارے انگلیوں کے نشانات کے ماہر ہیں۔''

''مگر یار.....وہ چیخ۔'' فریدی نے دھیرے سے کہا۔

''وہ اور زیادہ حیرت انگیز تھی۔ چیخ کے ساتھ ہی کچھ دیر کیلئے وہ آوازیں بند ہوگئی تھیں۔''

''اور پھر گھر گھراہٹ سنائی دی تھی۔'' فریدی نے کہا۔ ''اور ان آوازوں کا سلسلہ پھر جاری ہوگیا تھا۔''

''تم کسی خاص نتیجے پر پہنچے ہو؟'' سعید نے پوچھا۔

''فی الحال اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کسی ایسے ٹرانسمیٹر کی آوازیں تھیں جو کسی کار میں فٹ ہے۔''

سعید کچھ نہ بولا۔ وہ تھوڑی دیر تک سگریٹ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا پھر کہنے لگا۔

''اور وہ مجھے تقریباً زبانی یاد ہے۔'' فریدی بولا۔ ''لیکن یہ اشارے میرے لئے قطعی نئے تھے۔ دوسری جنگ عظیم میں بعض پارٹیوں نے نئے اشارے اختراع کئے تھے ان میں سے کچھ مجھے بھی معلوم ہیں لیکن یہ ان میں سے بھی نہیں تھے۔'' کیڈی لاک مے پول ہوٹل کے سامنے رک گئی۔

اور وہ دونوں اتر کر اندر چلے گئے۔ ایک حسین اور خوش گلو رقاصہ اسٹیج پر رقص کر رہی تھی۔ لیکن فریدی کا ذہن ان آوازوں میں الجھا ہوا تھا۔

چوٹ

سردی شباب پر تھی۔ شاہراہیں سنسان ہوچکی تھیں۔ خصوصاً شہر کے باہر تو قبرستان کی سی

خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ آدھی رات کے ستارے نداسی آنکھوں سے اپنے نیچے پھیلی ہوئی بیکراں خلاؤں میں گھور رہے تھے۔ کرائم رپورٹر انور نے بے خبری میں کروٹ لی اور سڑک کے نیچے لڑھک آیا۔ اس کے چاروں طرف سائیں سائیں کرتا ہوا جنگل بکھرا ہوا تھا اور سر پر سیاہ اور ٹھنڈی رات اپنے تاریک بازو پھیلائے منڈلا رہی تھی۔

دفعتاً وہ کراہ کر اٹھ بیٹھا اور بے ساختہ اپنے سر کی پشت پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ زخم سے بہے ہوئے خون کے منجمد لچھے بالوں میں پھیلنے لگے۔ وہ اس طرح اچھل کر کھڑا ہوگیا جیسے اس کا یہ فعل قطعی مشینی رہا ہو۔ نقاہت ضرور محسوس ہو رہی تھی اور رات کی تاریکی اسے معمول سے زیادہ گہری نظر آرہی تھی۔ لیکن پھر بھی اپنے اعضا میں چستی پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اس کی چھوٹی سی ٹارچ بدستور موجود تھی لیکن نہ جانے کیوں وہ اسے استعمال کرنے کے بجائے اپنی دکھتی ہوئی آنکھوں پر زور دینے لگا۔

سناٹے کا تسلسل بدستور قائم تھا۔ انور ایک درخت کے تنے کی آڑ میں کھڑا ہوکر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت آہستہ آہستہ واپس آرہی تھی۔ وہ کافی دیر تک اسی طرح کھڑا رہا۔ پھر جیب سے رومال نکال کر زخم پر باندھتا ہوا مغربی نشیب میں اترنے لگا۔ جھاڑیوں کی سرسراہٹ سناٹے میں پھیل رہی تھی۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ پھر رک کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی آہٹ کا منتظر ہو۔

پھر اس نے جیب سے ٹارچ نکالی اور جھاڑیوں میں روشنی ڈالنے لگا۔ اس کی موٹر سائیکل جوں کی توں موجود تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ شہر کی طرف واپس جا رہا تھا۔ سردی یونہی شدید اس پر سے طوفانی رفتار سے دوڑنے والی موٹر سائیکل پر ہوا کے طمانچے.....انور کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے زخم پر برف کے ہتھوڑے پڑ رہے ہوں۔ اس موسم میں شاید درد بھی منجمد ہوگیا تھا۔ زخم کی جگہ پر ایک بڑا سا دکھتا ہوا پتھر معلوم ہو رہا تھا اور سر اتنا بھاری لگ رہا تھا جیسے ذرا سی بے احتیاطی اسے گردن سے نیچے لڑھکا دے گی۔

شہر کی سنسان مگر روشن راہوں سے گزرتے وقت وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں موٹر سائیکل فٹ پاتھ پر نہ چڑھ جائے اس کے ہاتھ بُری طرح کانپ رہے تھے اور اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے

وہ پھر بیہوش ہو جائے گا۔

آخر کار اس نے ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ کے سامنے موٹر سائیکل روک دی۔ کچھ دور کھڑا ہوا سنتری چونک پڑا۔ وہ اسے شک آلود نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی انور ٹیلی فون کی طرف بڑھا اس نے آواز دی۔

''کون ہے؟''

انور رک گیا۔ سنتری اپنے جوتوں کی آواز سے سناٹے میں گونج پیدا کرتا ہوا اس قریب آیا۔

''کیا بات ہے؟''

''فون کروں گا۔''

''جانتے ہو کیا وقت ہے؟'' سنتری نے پوچھا۔

''دو.....!'' انور نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھ کر کہا۔

''پھر.....؟'' سنتری کی تیز نظریں انور کو ٹٹولنے لگیں۔

انور کو خیال آیا کہ بوتھ تو کبھی کا بند ہو چکا ہوگا۔

''اوہ..... مجھے دھیان نہیں تھا۔'' انور موٹر سائیکل کی طرف پلٹا۔

''ٹھہرو.....!'' سنتری نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ وہ پھر انور کے قریب آیا اور اس کی آنکھ میں دیکھنے لگا۔

''کہیں دنگا فساد کیا ہے؟'' اس کی نظریں چوٹ پر بندھے ہوئے رومال کی طرف اٹھ گئیں جس پر خون کا بڑا سا دھبہ دکھائی دے رہا تھا۔

''نہیں، گر گیا تھا۔''

''کہاں.....؟''

انور جھنجھلا گیا۔ کوئی اور موقعہ ہوتا تو شاید وہ اس کے منہ پر تھپڑ مارنے سے باز نہ آتا اس وقت جب کہ ایک قدم اٹھانا بھی دشوار معلوم ہو رہا تھا خون کا گھونٹ پی کر رہ ہی جانا پڑا۔

''فون کرنا ضروری ہے۔ میں اس حالت میں گھر تک نہیں پہنچ سکتا۔'' اس نے کہا۔

سنتری چند لمحے تک اسے دیکھتا رہا پھر ایک طرف اشارہ کر کے بولا۔

''تھانے سے کر دو۔''

''اوہ.....!'' انور کے جسم میں پھر سے توانائی آ گئی۔ وہ بھول ہی گیا تھا کہ قریب ہی تھانہ ہے۔

''اچھا دوست.....!'' انور نے مسکرا کر کہا۔ ''ذرا یہ موٹر سائیکل دیکھنا، تھانے والے مجھے ہی طرح پہچانتے ہیں۔''

اس کے جانے کے بعد بھی سنتری کافی دیر تک وہاں کھڑا رہا۔

تھانے کا انچارج انور کو اچھی طرح پہچانتا تھا اسے اس حال میں دیکھ کر مسکرایا۔ ''کہئے قبلہ ریت تو ہے؟''

''میں ذرا فون کروں گا۔''

اس نے فون کی طرف اشارہ کیا۔

انور نے ڈائل پر انگلی رکھی اور پھر پلٹ کر انچارج کی طرف دیکھنے لگا۔ جو معنی خیز انداز ں مسکرا رہا تھا۔

''یہ چوٹ کیسی ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''گر گیا تھا۔'' انور نے کہا اور نمبر ملانے لگا۔

''ہیلو..... فریدی صاحب ہیں..... اوہ..... آپ..... آپ جاگ رہے ہیں۔ میں انور ل رہا ہوں..... ولی گنج کے تھانے سے..... مجھ میں اتنی سکت نہیں ہے کہ آپ تک پہنچ سکوں۔ ذرا آئیے۔''

انور ریسیور رکھ کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ انچارج اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

''آخر بات کیا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''کوئی خاص بات نہیں۔''

''کیا انسپکٹر فریدی صاحب کو فون کیا ہے؟''

انور نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''تب تو کوئی خاص ہی بات ہوگی۔'' انچارج سر ہلا کر مسکراتا ہوا بولا۔

انور جواب دینے کی بجائے سگریٹ سلگانے لگا۔

''یقیناً کسی سے لڑ کر آرہے ہو۔'' انچارج نے کہا۔

''پتہ نہیں آپ لوگ مجھے بیل کیوں سمجھتے ہیں۔'' انور کے لہجے میں تلخی تھی۔

انچارج تھوڑی دیر تک اُسے پُرتمسخر انداز میں دیکھتا رہا پھر ایک طرف مڑ کر اونگھنے لگا۔

انور اپنے جسم کو گرم رکھنے کے لئے سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہا تھا۔

تقریباً پندرہ یا بیس منٹ کے بعد سنتری انور کی موٹر سائیکل دھکیلتا ہوا تھانے میں آیا۔ اسے غالباً یہ شبہ ہوا تھا کہ وہ کوئی مجرم تھا جو اس سے اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے موٹر سائیکل اس کی حفاظت میں دے کر خود کہیں فرار ہوگیا۔

انور کو انچارج کے قریب بیٹھا دیکھ کر اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

''صاحب آپ کی موٹر سائیکل برآمدے میں رکھی ہے۔'' اس نے انور سے کہا اور واپس چلا گیا۔

انچارج ایک لحظہ کے لئے چونک کر پھر اونگھنے لگا۔

ڈھائی بجے انسپکٹر فریدی تھانے میں داخل ہوا۔ انچارج نے چونک کر اس کی طرف دیکھا پھر کھڑا ہوگیا۔

''بڑی دیر سے پوچھ رہا ہوں۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔ ''مگر انہوں نے کچھ بتایا ہی نہیں۔''

فریدی نے انور کے سر پر بندھے ہوئے رومال کو بغور دیکھا..... پھر انچارج کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے اپنے سر کو جنبش دی۔

''آؤ چلیں.....!'' اس نے انور سے کہا۔ ''موٹر سائیکل یہیں رہنے دو۔''

انچارج نے اردلی کو آواز دی۔

''موٹر سائیکل اندر رکھ دو۔'' اس نے اردلی سے کہا۔

فریدی کی کیڈی لاک سنسان سڑکوں سے گزر رہی تھی۔

''تو تم اس کار کے پیچھے لگ گئے تھے؟'' فریدی نے کہا۔

انور بے ساختہ اچھل پڑا۔ وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فریدی کو گھور رہا تھا۔

فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

''آپ کو کیسے معلوم ہوا.....؟''

''میں نے تمہاری چیخ سنی تھی۔'' فریدی بولا۔

''اور اس پر بھی آپ نے مجھے وہاں پڑا رہنے دیا۔'' انور نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''تم غلط سمجھے! مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ تم تھے کہاں؟''

''پھر.....؟''

''میں نے تمہاری چیخ ٹرانسمیٹر پر سنی تھی اور تمہارا لہجہ صاف پہچانا تھا۔''

انور خاموش ہوگیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

''آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ کار تھی؟''

''وہ آسانی سے معلوم ہوگیا تھا۔ تمہاری چیخ کے فوراً بعد ہی کار اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی تھی اور کار کے انجن کی آواز کے ساتھ ہی کافی دیر تک وہ اشارے بھی سنے جاتے رہے تھے۔''

''میں کئی دنوں سے اس کار کے پیچھے لگا ہوا ہوں۔''

''ہوں.....!'' فریدی پرخیال انداز میں بولا۔ ''اس کے متعلق کچھ اندازہ بھی لگایا۔''

''اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ وہ کسی غیر ملک کے جاسوس ہیں۔''

''ان میں کسی کی شکل بھی دیکھی ہے؟''

''نہیں.....اس میں کامیاب نہیں ہوسکا۔''

''کار کا نمبر.....؟''

''اندھیرا تھا.....!''

''خیر.....!'' فریدی نے طویل سانس لے کر کہا۔ ''اطمینان سے باتیں کریں گے۔''

گھر پہنچ کر فریدی نے انور کے زخم کی ڈریسنگ کی اور تھوڑی دیر تک اس کے چہرے پر نظریں جمائے رہا۔

''برانڈی دوں.....؟'' اس نے پوچھا۔

''آپ جانتے ہیں کہ میں نہیں پیتا۔''

''اور میں تمہاری اصول پرستی کی قدر کرتا ہوں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''بہرحال سردی شدید ہے۔ ٹھہرو..... میں کافی بناتا ہوں۔''

''آپ.....؟''

''ہاں..... رات کو میں کسی نوکر کو جگانا پسند نہیں کرتا۔''

فریدی نے ہیٹر لاکر اس پر کافی کے لئے پانی رکھ دیا۔

''ہاں..... اب کہہ چلو.....!''

آج سے چار دن قبل میں رات کو تارجام سے آرہا تھا۔ راستے میں میں نے اس کار کو دیکھا اور اسے نظر انداز کر کے شہر واپس آ گیا۔ دوسری رات پھر یہی واقعہ پیش آیا۔ کار ٹھیک اسی مقام پر دکھائی دی لیکن میں جلدی میں تھا اور اس رات بھی میں نے اسے کوئی اہمیت نہ دی۔ تارجام میں میں نے تھوڑا سا بزنس بھی شروع کیا ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر رات گئے تک مجھے وہاں ٹھہرنا پڑتا ہے۔ بہرحال تیسری بار اس کار کو وہاں دیکھ کر مجھے اسے اہمیت دینی ہی پڑی۔ لہٰذا آج میں تارجام جانے کی بجائے سرشام ہی وہاں جا کر چھپ گیا۔''

انور سگریٹ سلگانے کے لئے رک گیا۔ فریدی کی نظریں ہیٹر پر رکھی ہوئی کیتلی پر جمی ہوئی تھیں۔

''ٹھیک دس بجے کار وہاں پہنچی میں قریب ہی جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھا۔'' انور سگریٹ طویل کش لے کر بولا۔ ''اور پھر کسی کے بولنے کی آواز سنائی دی۔ لہجہ یوروپین تھا۔ لیکن زبان..... اس کے متعلق خود آپ ہی کہہ چکے ہیں کہ وہ کسی قسم کے اشارے تھے۔''

انور خاموش ہو کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا جو ابھی تک کیتلی ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''میں جھاڑیوں سے نکل کر کار کی پشت پر آ گیا۔ دراصل میں بولنے والے کا چہرہ دیکھنا چاہتا تھا لیکن اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ کیونکہ کار میں اندھیرا تھا۔ البتہ میں نے یہ اندازہ ضرور لگا لیا کہ اس میں کئی آدمی تھے اور پھر شاید کسی نے پیچھے سے مجھ پر حملہ کیا۔''

''کار کا رنگ اور موڈل وغیرہ بتا سکو گے؟'' فریدی نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے کہ ۴۶ء کی فورڈ تھی۔''

تھوڑی دیر بعد کافی تیار ہو گئی۔

''اب اس وقت گھر تو جاؤ گے نہیں؟'' فریدی نے پوچھا۔

''نہیں.....!'' انور نے کہا۔ ''لیکن میں حمید کے کمرے میں نہیں لیٹوں گا۔''

فریدی کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ''نہیں..... وہ گھر میں ہے ہی نہیں۔''

''تب میں خوش نصیب ہوں۔ خواہ مخواہ بھیجا چاٹ کر رکھ دیتا ہے۔''

فریدی نے کافی کی پیالی انور کی طرف بڑھا دی۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ باہر قدموں کی آواز سنائی دی۔

سرجنٹ حمید کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے سیاہ سوٹ پر السٹر پہن رکھا تھا۔ فلٹ ہیٹ سر کی پشت پر چپکی ہوئی تھی اور بال پیشانی پر لٹک آئے تھے۔ کمرے میں ان دونوں کو بیٹھا دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا۔ شاید وہ یہ سمجھا تھا کہ فریدی سو گیا ہوگا اور وہ چپ چاپ اپنے کمرے میں چلا جائے گا۔ پھر صبح کو اس سے کہے گا کہ وہ تو گیارہ بجے ہی واپس آ گیا تھا۔ بہرحال انور کے سر پر پٹی بندھی دیکھ کر اس کے ذہن نے قلابازی کھائی اور قبل اس کے کہ فریدی اس سے اتنی رات گئے گھر آنے پر باز پرس کرتا..... حمید انور کو مخاطب کر کے بولا۔

''تو آپ یہاں مزے کر رہے ہیں اور وہ بے چاری رشیدہ پریشان ہو رہی ہے۔''

فریدی نے حمید کو گھور کر دیکھا۔

''جی ہاں۔'' حمید اپنی فلٹ ہیٹ اتار کر میز پر اچھالتا ہوا بولا ''آپ آج شام کو چند غنڈوں سے لڑ کر کہیں غائب ہو گئے تھے۔ اس وقت سے میں اور رشیدہ نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھانتے پھر رہے ہیں۔''

''کس نالی کا کیچڑ چاٹ کر آ رہے ہو؟'' انور نے مسکرا کر پوچھا۔

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی نے تیز لہجے میں پوچھا۔

''کہاں تھے؟''

''بتایا تو کہ رشیدہ کے ساتھ.....!''

''انور کی تلاش کر رہے تھے۔'' فریدی نے جملہ پورا کر دیا۔

''جی ہاں.....!''

''اور انور کہاں تھا.....؟''

''جہنم میں.....!'' حمید جھلا کر بولا اور کیتلی کا ڈھکن اٹھا کر دیکھنے لگا۔

''شامت آئی ہے۔''

''پتہ نہیں مجھے تو دکھائی نہیں دیتی۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا اور پیالی میں کافی انڈیلنے پھر انور کی طرف دیکھ کر بولا۔

''اب غنڈہ گردی بھی شروع کر دی ہے تم نے؟ یار کسی دن بند نہ کرادوں تمہیں۔''

''تم تھے کہاں.....؟'' فریدی نے سخت لہجے میں پوچھا۔

''تب معاملہ گڑبڑ معلوم ہوتا ہے۔'' حمید سنجیدگی سے بڑبڑایا اور فریدی کی طرف معصومیت سے بولا۔ ''ہائی سرکل نائٹ کلب میں۔''

''کل سے پھاٹک نہیں کھلے گا۔'' فریدی نے کہا۔

''آپ بات تو سمجھتے نہیں۔'' حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ ''میں جانتا ہوں کہ آج کل آپ نکل کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ لہٰذا قبل اس کے کہ میری موت آئے میں اگلے سارے گناہ معاف کرالینا چاہتا ہوں۔''

''بکومت.....!''

''اچھا نہیں بکوں گا۔ میں سمجھا تھا شاید آپ میری بکواس سننا چاہتے ہیں۔''

''میرے خیال سے شاید اب وہ کار اس جگہ نہ دکھائی دے۔'' فریدی نے انور سے پو

''میں خود بھی یہی سوچ رہا ہوں۔'' انور بولا۔

''تم ہمیشہ غلط سوچتے ہو۔'' حمید نے کہا۔

''پھر بولے تم.....!'' فریدی اسے گھورنے لگا۔

''لیکن غلط نہیں بولا۔''

''شٹ اپ.....!''

گلدان میں ہاتھی

''مثلاً یہ گلدان'' حمید نے مینٹل پیس سے ایک چینی کا گلدان اٹھا کر جھٹکے دار آواز میں کہا۔ میں چاہوں تو اس گلدان سے ہاتھی نکال سکتا ہوں۔''

''کیا بکتے ہو۔'' فریدی اسے گھور کر بڑبڑایا۔

''خدا کی قسم ہاتھی نکالوں گا۔''

انور بیزاری سے دوسری طرف دیکھ رہا تھا اور رشیدہ ہنس رہی تھی۔ وہ اس وقت ڈائننگ میں صبح کا ناشتہ کر رہے تھے۔ انور رات بھر گھر سے غائب رہا تھا۔ اس لئے رشیدہ نے صبح ہی فریدی کو فون کیا تھا۔ ایسے مواقع پر وہ ہمیشہ یہی کرتی تھی۔ بہرحال فریدی سے انور کے متعلق م ہونے پر وہ سیدھی یہیں چلی آئی تھی۔

حمید پر اب تک ہپناٹزم (عمل تنویم) کی مشقوں کا بھوت سوار تھا۔ اس لئے وہ عموماً بہت ہلکے قسم کا ناشتہ کرتا تھا۔ اس وقت بھی وہ تھوڑا سا پورج کھا کر اور ایک گلاس گرم گرم دودھ پینے بعد اٹھ گیا تھا اور اب ٹہل ٹہل کر کافی پی رہا تھا۔

''ہاں تو اس میں سے ہاتھی ضرور نکلے گا۔'' اس نے گلدان کو میز پر رکھ کر اسے رومال سے ل دیا۔

''چین سے بیٹھو ورنہ چانٹا ماردوں گا۔'' فریدی بولا۔

''ہپناٹزم میں وہ قوت ہے کہ وہ ہی چانٹا انور کے منہ پر بھی پڑ سکتا ہے۔'' حمید نے ہانک ما۔ ''لیکن ہاتھ بی رشیدہ کا ہوگا۔''

''رشیدہ کا سینڈل اور تمہارا سر بھی ہو سکتا ہے۔'' انور نے کہا۔

''اخلاقاً اسے بھی برداشت کرلوں گا۔ کیونکہ فی الحال تمہارا سر اس قابل نہیں ہے اور رشیدہ جو اپنے معمولات میں فرق بھی نہ ڈال سکیں گی کیونکہ رشیدہ صاحبہ یہ غذا آپ کے ناشتہ ہی ساتھ مہیا کرنے کی عادی ہیں۔''

"مجھے مت گھسیٹئے۔" رشیدہ نے مسکرا کر کہا اور کافی کا گھونٹ لے کر گلدان کی طرف

"آپ خود ہی اسکے ساتھ گھستی پھرتی ہیں۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "ورنہ یہ اس کا

"حمید تمہاری زبان بند ہوگی یا دوسرا راستہ اختیار کیا جائے۔" فریدی اسے گھور

"ہاں تو جناب .....اس گلدان سے ہاتھی برآمد ہوگا۔" حمید نے اس کی بات

"ارے انور.....اپنے دونوں ہاتھ الگ رکھو.....اگر انگلیاں پھنسائے رہے تو.....ہا

"اس کا جملہ پورا ہونے سے قبل ہی فریدی نے اس کا کان پکڑ کر باہر نکال دیا۔

حمید نے یہ سارا کھڑاگ اسی لئے پھیلایا تھا کہ اسے فریدی اور انور کی اس گفتگو

مل جائے جو چھڑنے ہی والی تھی۔ آج کل وہ سر کھپانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ وہ اچھی

تھا کہ ٹرانسمیٹر پر سنائی دینے والی آوازیں عنقریب ہی وبال جان بننے والی ہیں۔ انور

والے حادثے نے تو رہی سہی کسر بھی پوری کر دی تھی۔ بہرحال وہ دل ہی دل میں قہ

کمرے سے نکل گیا۔

اسکے جانے کے بعد رشیدہ نے اٹھ کر گلدان پر سے رومال ہٹایا اور پھر کھل کھلا کر

"کیا ہے.....؟" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

رشیدہ نے گلدان میز پر الٹ دیا۔

انور بھی بے اختیار مسکرا پڑا۔

پیتل کا ایک چھوٹا سا ہاتھی گلدان سے نکل پڑا تھا۔

"یار بڑا شوخ رو ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیکن میں اسے خوب سمجھتا ہوں۔ بظ

بچوں کی سی حرکت ہے لیکن اس کا مقصد میں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔"

"کیا.....؟" انور نے پوچھا۔

"بس ڈوج دے کر نکل گیا۔"

"یعنی.....؟"

"ہماری گفتگو میں حصہ نہیں لینا چاہتا تھا۔" فریدی پیتل کے ہاتھی پر نظریں جما

بولا۔ وہ تھوڑی دیر اس کی طرف دیکھتا رہا پھر دفعتاً چونک پڑا۔

"ذرا اسے اٹھانا تو.....!" اس نے رشیدہ سے کہا۔

شیدہ نے وہ کھلونا فریدی کی طرف کھسکا دیا۔

یدی اسے ہاتھ میں لے کر بغور دیکھتا رہا۔ پھر اسے میز پر رکھ کر انور کی طرف دیکھنے لگا۔

داز ایسا تھا جیسے وہ اپنے حافظے پر زور دے رہا ہو۔

حمید.....!" اس نے آواز دی جو برابر والے کمرے میں کھڑا ہلکے سروں میں سیٹی بجا رہا تھا۔

فرمایئے۔" اس نے وہیں سے کھنکھناتی ہوئی آواز میں ہانک لگائی۔

یہاں آؤ۔"

دوسرا کان میں اپنے لئے رکھنا چاہتا ہوں۔"

چلو.....!" فریدی کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

غلام حاضر ہے۔ زیادہ تاؤ کھانے کی ضرورت نہیں۔" حمید نے ڈرائنگ روم میں آ کر کہا۔

یہ ہاتھی کہاں تھا.....؟"

میں کیا بتا سکتا ہوں....." حمید لاپروائی سے بولا۔

بیکار باتیں مت کرو۔" فریدی نے زچ ہو کر کہا۔ "مذاق کے دوسرے مواقع بھی ہو سکتے ہیں۔"

یہ یہاں کیسے آیا.....؟" حمید نے رشیدہ سے پوچھا۔

گلدان میں تھا۔"

یدنے قہقہہ لگایا اور پھر ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہو گیا۔

انور..... یہ سب تمہاری بدولت ہوا۔" اس نے کہا۔

کیا مطلب.....؟" انور بھنا کر پلٹا۔

میں تم سے کہہ رہا تھا کہ انگلیوں میں انگلیاں پھنسا کر مت بیٹھو۔"

پھر وہی بکواس۔" فریدی بولا۔

اگر یہ ایسا نہ کرتا تو ہاتھی زندہ اور گوشت پوست میں ہوتا۔"

اچھا بیٹے ذرا قریب آؤ۔" فریدی نے پیتل کے ہاتھی کی دم پکڑ کر اسے گھماتے ہوئے کہا۔

س کی دم اس طرح گھوم رہی تھی جیسی وہ چوڑیوں پر کس دی گئی ہو۔ دیکھتے ہی دیکھتے دم

الگ ہوگئی اور اس کی جگہ ایک سوراخ دکھائی دینے لگا۔ فریدی اپنا ہاتھ پھیلا کر اسے اپنی
کی سطح تک لایا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس کھوکھلے ہاتھی کے اندر کچھ دیکھ رہا ہو
ہاتھی والا ہاتھ اپنے چہرے کے قریب نہیں لے گیا۔

''ذرا دیکھو تو اس میں کیا ہے؟'' فریدی نے ہاتھی حمید کے چہرے کے قریب
ہوئے کہا۔

حمید دیکھنے کے لئے جھکا لیکن سوراخ آنکھ کے بجائے ناک سے جا لگا اور حمید تلم
ہٹ گیا۔

وہ اس طرح منہ بنا رہا تھا جیسے چھینک روکنے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر دفعتاً اس پر
دورہ پڑ گیا۔

فریدی بے تحاشہ ہنس رہا تھا۔

''ارے..... ارے..... آق چھیں.....!'' حمید کمرے میں ناچ رہا
مصیبت.....آق چھیں۔''

انور اور رشیدہ متحیر تھے۔ وہ ہنس تو رہے تھے مگر احمقوں کی طرح۔ حمید برابر چھینکے
''یہ کیا.....آق چھ.....چھیں چھیں.....ارے۔'' وہ جھلاہٹ میں پیر پٹخنے لگا۔
''میں تمہاری ناک سے دوسرا ہاتھی برآمد کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔'' فر
کر بولا۔

''میں.....ہر.....آق چھیں.....جاؤں چھیں.....!'' حمید جھلا کر اپنے منہ پر تھپڑ
انور اور رشیدہ کبھی اس کی طرف دیکھتے تھے اور کبھی پیتل کے اس ہاتھی کی طرف۔
''ارے چھیں.....مچھیں.....بچاؤ.....بچھیں.....!'' وہ دھڑام سے ناشتے کی میز
''اسے پکڑو۔'' فریدی نے انور سے کہا اور اٹھ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔

انور نے حمید کو اٹھا کر ایک آرام کرسی پر ڈال دیا۔ اسے اب بھی چھینکیں آ رہی تھ
ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے ہاتھ پیر میں سکت نہ رہ گئی ہو۔ سرخ سرخ آنکھیں ا
سے ابلی پڑ رہی تھیں اور آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔

''اماں یہ کیا ہوا.....؟'' انور گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ اس کی آنکھوں سے بے بسی جھانکنے لگی تھی اور چھینکیں
بھی تک جاری تھیں۔

پیتل کا ہاتھی میز پر پڑا تھا اور رشیدہ جھکی ہوئی اسے بغور دیکھ رہی تھی۔ دفعتاً وہ کچھ اور جھکی
اور ہاتھی سے اپنا کان لگا دیا۔

''ارے.....!'' وہ اچھل کر میز سے الگ ہٹ گئی۔

''کیا ہوا.....؟'' انور چونک کر مڑا۔

''آواز.....اس میں سے آ رہی ہے۔''

انور تیزی سے میز کی طرف جھپٹا۔ اس نے جھک کر سنا اور احمقوں کی طرح منہ پھاڑ کر حمید
کی طرف دیکھنے لگا۔

''آواز.....!'' حمید اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ ''آؤ.....اچھیں.....چھیں۔''

اس نے پھر اپنا سر پیٹنا شروع کر دیا۔

فریدی ایک ہاتھ میں سرنج لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

''اس میں سے آواز آ رہی ہے۔'' انور نے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا۔

''حمید کا پیٹرنزم بول رہا ہوگا۔'' فریدی نے کہا۔

''پیٹرنزم کی.....چھیں.....'' حمید نے پھر اپنے منہ پر تھپڑ مارا۔

فریدی نے اس کے بازو میں انجکشن دے دیا۔ حمید کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ لیکن فریدی
کے چہرے سے بے اطمینانی کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ انور نے فریدی کو اس پیتل کے ہاتھی کی
طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ کیونکہ فریدی حمید کو چھیڑنے میں مصروف تھا۔

''میں منع کرتا تھا کہ پیٹرنزم کے چکر میں نہ پڑو۔''

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی چھینکیں اب کچھ کم ہو چلی تھیں۔ اس میں اتنی قوت بھی
نہ رہ گئی تھی کہ وہ اس ہاتھی سے نکلنے والی آواز پر اپنے چہرے کو متحیر بنا سکتا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر
فریدی نے انور کی بات ہنس کر کیوں ٹال دی تھی۔ وہ خود اس ہاتھی کو ایک معمولی سا کھلونا سمجھا

تھا۔لیکن اس کے اندر سے نکلنے والی وہ تیز قسم کی بو کیسی تھی جس سے اس پر چھینکوں کا دورہ پڑا تھا۔اس ہاتھی کے سلسلے میں اسے پچھلی رات یاد آ گئی۔

فریدی اٹھ کر انور اور رشیدہ کے پاس جا بیٹھا۔تھوڑی دیر بعد حمید کو چھینکوں سے نجات اور اس پر غنودگی طاری ہوگئی۔فریدی نے انور اور رشیدہ کو دوسرے کمرے میں چلنے کا اشارہ اور خود بھی اٹھا۔پیتل کا ہاتھی اس کے ہاتھ میں تھا۔

''آخر یہ ہے کیا بلا.....؟''انور نے دوسرے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔

''ایک دلچسپ چیز.....!''فریدی نے کہا۔''مگر یہ حمید کو کہاں ملا۔''

فریدی اسے پھر الٹنے پلٹنے لگا اس کے پیٹ میں ایک دوسرا سوراخ تھا۔جس کا قطر پونے انچ ضرور رہا ہوگا اور اس میں لکڑی کا ایک ٹکڑا پھنسا ہوا تھا۔یہ ٹکڑا بھی گول ہی تھا لیکن اس کی پر کئی ابھرے ہوئے نکیلے نشانات تھے۔ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کوئی بڑا ٹکڑا رہا ہو اور سوراخ کے پاس سے ٹوٹ گیا ہو۔

فریدی حسب عادت خاموش ہو گیا تھا انور اور رشیدہ کو الجھن ہونے لگی۔

انور تو اس کی عادات و اطوار سے بخوبی واقف تھا لیکن رشیدہ کو حقیقتاً اس کی خاموشی کھ رہی تھی۔

''آپ نے نہیں بتایا کہ ہے کیا.....؟''وہ بے صبری سے بولی۔

''کسی چھڑی کا دستہ۔''فریدی نے کہا اور ہاتھی کو میز پر رکھ کر سگار سلگانے لگا۔

''لیکن حمید صاحب کو یک بیک چھینکیں کیوں آنے لگی تھیں؟''

فریدی نے پھر ہاتھی کی دم علیحدہ کر کے اس کے نیچے سے نمودار ہونے والے سوراخ رشیدہ کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔''اس کی ناک اس سوراخ سے جا لگی تھی۔''

''شاید آپ زیادہ نہیں بتانا چاہتے۔''رشیدہ شوخی سے بولی اور انور اسے گھورنے لگا۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔''یہ تم نے کیسے سمجھ لیا۔اگر یہ بات ہوتی تو میں اس کا تذکرہ ہی چھیڑتا۔''

رشیدہ خاموش ہوگئی۔

فریدی تھوڑی دیر بعد پھر بولا۔

''تم نے اس میں جو آوازیں سنی تھیں اس پر مجھے قطعی حیرت نہیں کیونکہ میں اس کے متعلق پہلے ہی سے تھوڑا بہت جانتا تھا اور یہ بھی معلوم تھا کہ حمید کو اس کی شرارت کا مزہ بھی اسی کے ذریعے چکھایا جا سکتا ہے۔''

''تو کیا حمید اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔''انور نے کہا۔

''اگر جانتا ہوتا تو اپنا چہرہ اس کے قریب کبھی نہ لاتا۔''فریدی بولا۔

''بہر حال اس کے تین مصرف ہیں۔یہ کسی چھڑی کا دستہ بھی ہے۔اسے نسوار دان بھی سمجھا جا سکتا ہے لیکن حقیقتاً یہ ایک ننھا سا ٹرانسمیٹر ہے۔''

''ٹرانسمیٹر.....!''انور بے ساختہ اچھل پڑا۔

''ہاں.....ٹرانسمیٹر.....پچھلی جنگ میں جاپانی جاسوسوں نے اسے چین ملایا اور انڈیمان میں استعمال کیا تھا۔''

''لیکن آپ نے اسے ٹرانسمیٹر ہی کیسے سمجھ لیا تھا.....؟''رشیدہ حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولی۔''اسے بچوں کا کھلونا بھی سمجھا جا سکتا ہے۔''

''کئی وجوہات کی بناء پر''فریدی نے پر خیال انداز میں کہا۔''ایک تو یہ لکڑی کا ٹکڑا.....دوسرا سونڈ پر یہ ابھرا ہوا نوکیلا نشان اس کی چمک دیکھ رہی ہو۔یہ کرسٹل ہے۔آواز کی لہروں کا انجذاب اسی کرسٹل کے ذریعہ ہوتا ہے۔یہ لہروں کو اندر کی مشین بھی دکھاتا۔ممکن ہے کھولنے پر یہ کام کا نہ رہ جائے۔''

انور اور رشیدہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔

''یہاں پر اس کی موجودگی کوئی خاص معنی رکھتی ہے۔''فریدی تھوڑی دیر بعد خود بخود بڑبڑایا۔

''کہیں اس کا تعلق انہیں لوگوں سے نہ ہو۔''انور بولا۔

''نہیں.....وہ تو نہیں ہو سکتے۔''فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''کیوں.....؟''

''وہ آوازیں جو میں نے آفس کے ٹرانسمیٹر پر سنی تھیں وہ اس کے لئے قطعی بیکار ہیں۔ یہ صرف اسی ٹرانسمیٹر کی نشر کی ہوئی آوازیں قبول کرسکتا ہے، جو اسی کی ساخت سے مناسبت رکھتا ہو اور ہمارے ٹرانسمیٹروں کے لئے تو یہ بالکل ہی لایعنی ہے۔''

انور پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔ وہ خود بھی کافی ذہین، تیز اور طرار تھا لیکن فریدی کا سامنا ہوتے ہی کچھ اس طرح احساس کمتری کا شکار ہوتا کہ بعض اوقات تو خود کو بالکل ہی احمق تصور کرنے لگتا تھا۔

''مجھے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے۔'' فریدی پھر بولا۔ ''جیسے ملک میں بیرونی جاسوسوں کی خاصی بڑی تعداد موجود ہے۔''

''وہ تو ہمیشہ ہی رہتی ہے۔'' انور نے کہا۔

''لیکن فی الحال وہ کسی خاص چکر میں معلوم ہوتے ہیں۔ ورنہ ٹرانسمیٹر پر انہیں خاص قسم کے اشارے نشر کرنے کی ضرورت نہ محسوس ہوتی۔ خیر چھوڑو ہٹاؤ..... ہاں تو اس ہاتھی نما ٹرانسمیٹر کی بات ہو رہی تھی۔ اس کے استعمال کا ڈھنگ بڑا دلچسپ تھا۔ جاپانی جاسوس عموماً مذہبی پیشواؤں کے بھیس میں رہا کرتے تھے اور اس قسم کے ٹرانسمیٹر علانیہ طور پر لئے پھرتے تھے۔ ان کے عصا کے سر پر نصب ہوتے تھے۔ ان میں وہ اپنی نسوار بھی رکھا کرتے تھے اور نسوار سونگھنے کے بہانے مجمع عام میں بھی ان کے ذریعہ بہ آسانی پیغام بازی کرسکتے تھے۔''

''مجھے افسوس ہے کہ میں اس سے پہلے اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا۔'' انور بڑبڑایا۔ ''وہ یہ نسوار ہی تھی جس نے میاں حمید کو چھینکنے پر مجبور کر دیا تھا۔''

''یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''اگر اس کے متعلق زیادہ لوگ جانتے ہوتے تو یہ اتنی آزادی سے استعمال نہ کیا جاتا۔''

''تو اس کا مطلب.....!''

''مطلب بالکل صاف ہے۔'' فریدی نے پیتل کا ہاتھی اٹھا کر کہا۔ ''اس لکڑی کے ٹکڑے کو دیکھ رہے ہو۔ یہ کتنا صاف شفاف ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسے چھڑی سے علیحدہ ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ ورنہ اس لکڑی کے ٹکڑے پر خاصی میل جمع ہوتی۔''

انور نے سر ہلایا۔

''یعنی کوئی حال ہی میں اسے چھڑی کے دستے کے طور پر استعمال کرتا رہا ہے۔'' فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ ''اور پھر یہ کسی طرح چھڑی سے الگ ہوگیا۔ بہرحال اسے کوئی یہاں بھی آزادانہ طور پر ہی استعمال کرتا رہا ہے۔ ورنہ اسے چھڑی کے سرے پر لگانے کی کیا ضرورت تھی۔''

انور نے پھر سر ہلایا۔

فریدی کچھ دیر خاموش رہا پھر مسکرا کر بولا۔ ''لہٰذا تمہیں اس بات پر افسوس نہ کرنا چاہئے کہ تم اس قسم کے ٹرانسمیٹر سے پہلے واقف نہیں تھے۔ اس ٹرانسمیٹر کا راز عام نہیں ہے۔ مجھے اس کے متعلق ایک جاپانی جاسوس ہی سے معلوم ہوا تھا، جو اتفاقاً میرے ہاتھ لگ گیا تھا۔''

''تب پھر مجھے واقعی افسوس نہ ہونا چاہئے۔'' انور مسکرا کر بولا۔

فریدی کچھ اور کہنے جا رہا تھا کہ ایک نوکر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک طشتری تھی جس میں ایک ملاقاتی کارڈ رکھا ہوا تھا۔ فریدی نے کارڈ اٹھا کر پڑھا پھر اٹھتا ہوا بولا۔

''تمہیں تھوڑی دیر بیٹھنا پڑے گا۔''

''نہیں اب ہم بھی چلیں گے۔'' رشیدہ نے کہا۔ ''حمید صاحب کو ہوش آنے پر فون کر دیجئے گا۔ میرے خیال سے کوئی تشویش ناک بات نہیں۔''

''قطعی نہیں۔'' فریدی بولا۔

انور اور رشیدہ چلے گئے۔

شوہر کا بھوت

ڈرائنگ روم میں ایک نوجوان عورت فریدی کا انتظار کر رہی تھی۔ ملاقاتی کارڈ دیکھ کر ہی فریدی نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اس کے شناساؤں میں سے نہیں ہے۔ اس نے لیڈی ہملٹن کی

ہلکی زرد ساری پر سمور دار کالر کا لمبا کوٹ پہن رکھا تھا۔

ساری کا آنچل سر پر تھا۔ لمبی اور گھنیری پلکیں جھکی ہوئی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے زیادہ تر نظریں نیچی ہی رکھنے کی عادی ہو۔ کبھی کبھی اسکی نظریں دروازے کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔

فریدی کو ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ کھڑی ہوگئی۔

''تشریف رکھئے؟'' فریدی قدرے جھک کر بولا۔

وہ تھوڑی دیر تک خاموش کھڑی رہی پھر فریدی کو مخاطب کر کے کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

''کیا فریدی صاحب بہت زیادہ مصروف ہیں۔''

فریدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ایسا تو نہیں۔''

''کیا وہ مجھے تھوڑا سا وقت دے سکیں گے؟''

''کیوں نہیں.....!''

''تو پھر.....انہیں اطلاع دے دیجئے۔''

''فرمایئے.....میں ہی فریدی ہوں۔''

''اوہ آپ.....!'' عورت کے انداز میں استعجاب تھا۔

یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ لوگ جو فریدی سے ذاتی طور پر واقف نہیں تھے اسے بوڑھا ہی سمجھتے تھے۔ یہ عورت بھی شاید اسی خیال میں تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک فریدی کو اس طرح دیکھتی رہی جیسے اسے اس کے بیان پر شبہ ہو۔

''میں نے سنا ہے کہ آپ.....؟'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

''فرمایئے.....!'' فریدی سنجیدگی سے بولا۔ ''اس کمرے کی کوئی بات اس کی دیواروں سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔''

''میں نے سنا ہے کہ آپ پرائیویٹ طور پر بھی ضرورت مندوں کی مدد کرتے ہیں۔''

''جی ہاں اکثر ایسے اتفاقات بھی ہوئے ہیں۔''

عورت چند لمحے خاموش رہ کر کچھ سوچتی رہی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بات شروع

کرنے کے لئے مناسب الفاظ تلاش کر رہی ہو۔

فریدی استفہامیہ انداز سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی عمر ۲۵ اور ۲۸ کے درمیان میں رہی ہوگی۔ چہرہ حد درجہ پرکشش اور متین تھا۔ پیشانی کی ہلکی ہلکی سلوٹیں تمکنت ظاہر کر رہی تھیں۔ رنگ چمپئی تھا۔ بڑی بڑی نشیلی آنکھیں اور بوجھل پلکیں عجیب سی کیفیات کی حامل تھیں۔

''آپ نے پروفیسر چودھری کا نام تو سنا ہی ہوگا۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''پروفیسر چودھری۔'' فریدی اپنے ذہن پر زور دینے لگا۔

''ایشیاٹک سائنس کانگریس کے صدر.....!'' عورت نے کہا۔

''اوہ جی ہاں۔'' فریدی سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''وہ میرے شوہر ہیں۔''

''اوہ مسز چودھری۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''میں ذاتی طور پر ان سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتا ہوں۔ شاید ایک بار وہ اچانک کہیں غائب ہوگئے تھے۔''

''تب سے اب تک لاپتہ ہیں۔'' مسز چودھری نے کہا۔

''اوہ.....!''

''تقریباً چھ ماہ ہونے کو آئے.....لیکن.....!''

''لیکن کیا.....!'' فریدی چونک کر بولا۔

''میں وہی کہنا چاہتی ہوں جس کے لئے آپ کو تکلیف دی ہے۔''

فریدی آگے کی طرف جھک آیا۔

''وہ چھ ماہ قبل اچانک غائب ہوگئے تھے۔'' مسز چودھری مضمحل آواز میں بولی۔ ''میں نے پولیس میں بھی رپورٹ درج کرائی تھی۔ چھ ماہ تک ان کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہو سکا لیکن ادھر کئی دنوں سے.....!''

وہ پھر چپ ہوگئی۔

''کہئے.....کہئے!''

''ادھر کئی دنوں سے وہ کوٹھی میں دکھائی دیتے ہیں۔''

''کیا مطلب.....؟'' فریدی چونک کر بولا۔

''کافی رات گئے وہ کوٹھی میں ٹہلتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ لیکن ہم میں سے کسی ہمت نہیں کہ ان کا سامنا بھی کر سکے۔''

''صاف صاف کہئے۔'' فریدی بے چینی سے بولا۔

''ان کا چہرہ حد درجہ خوفناک ہوتا ہے۔ اندھیرے میں شعلے کی طرح دہکتا رہتا ہے۔''

''اوہ.....!'' فریدی بے چینی سے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

''اکثر وہ میرے قریب سے بھی گزرے ہیں لیکن میری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا بھی نہیں مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ان کی آنکھیں گردش ہی نہیں کر سکتیں۔''

عورت پھر خاموش ہوگئی۔

فریدی کا اشتیاق بڑھتا جا رہا تھا۔

''سارے نوکر خوفزدہ ہو کر کمروں میں جا چھپتے ہیں اور اب تو میں بھی یہی کرنے لگی ہوں۔''

''کتے بھونکتے ہیں؟'' فریدی نے پوچھا۔

''میرے یہاں کتے نہیں ہیں۔'' وہ بولتی گئی۔ ''میں کئی دنوں سے سوچ رہی تھی کہ کروں۔ نوکروں کا خیال ہے کہ چودھری کسی حادثے کا شکار ہوگئے اور یہ انہیں کا بھوت ہے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا سمجھوں۔ پہلی رات میں نے ان کے چہرے کی شعلگی کا ذکر کئے بغیر انہیں آوازیں بھی دی تھیں۔ لیکن وہ چونکتے تک نہیں۔ نہ ان کی پلکیں جھپکیں اور آنکھوں نے گردش کی۔ میں آپ سے کیا بتاؤں کہ وہ کتنے خوفناک معلوم ہوتے ہیں۔ اب معلوم ہوتا ہے جیسے پیروں کے علاوہ ان کا بقیہ جسم پتھر کا ہو۔ چلتے وقت ہاتھ بھی نہیں ہلتے میرے خدا۔''

اس نے جھک کر اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپالیا۔ فریدی کے ماتھے پر سوچ کی گہری لکیریں ابھر آئی تھیں۔

''اچھا وہ غائب کن حالات میں ہوئے تھے۔'' فریدی نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

''اچانک.....!'' وہ سر اٹھا کر بولی۔ ''ایک رات وہ اپنے کمرے میں سوئے اور دوسری

کمرے میں نہیں پائے گئے۔''

''ان کا کچھ سامان بھی غائب تھا۔''

''نہیں..... میرے علم میں تو کوئی ایسی چیز نہیں جو غائب ہوئی ہو۔''

''کپڑے تو پہنے ہی ہوں گے۔''

''نہیں! ان کے جسم پر وہی سلیپنگ سوٹ تھا جو وہ پہن کر سوئے تھے۔''

''اور سلیپنگ گاؤن.....!''

''وہ کمرے ہی میں موجود تھا۔''

''اور آپ نے ان کے غائب ہونے کی یونہی سرسری رپورٹ کر دی تھی۔'' فریدی نے پوچھا۔

''اس کے علاوہ اور میں کر بھی کیا سکتی تھی۔ میں نے رپورٹ درج کرادی اور برابر اعلیٰ حکام سے بات بھی کرتی رہی لیکن ہمیشہ یہی جواب ملا کہ تلاش جاری ہے۔''

''ہوں.....!'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''آپ نے انکے دوستوں سے بھی پوچھ گچھ کی ہوگی۔''

''جی ہاں! جتنے میرے علم میں تھے۔''

''اچھا آج کل پیش آنے والے واقعات کی رپورٹ بھی کی آپ نے؟''

''کس طرح کرتی۔ نہ جانے کیا بات ہے۔ معلوم نہیں کیا حادثہ پیش آئے۔ ویسے میں خود وہم پرست قسم کے واہموں کی قائل نہیں۔ میں نے نوکروں کو بھی منع کر دیا ہے کہ اس کا تذکرہ کسی سے نہ کریں۔''

''تو پھر آپ یہاں کیسے آئیں؟''

''پچھلی رات حالات نے دوسری شکل اختیار کر لی اور جب میری سمجھ میں کچھ نہ آیا تو آپ کے پاس چلی آئی۔''

فریدی اسے مشتبہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''حالات کی دوسری شکل سے آپ کی کیا مراد ہے۔'' اس نے پوچھا۔

''پچھلی رات وہ اوپری منزل میں چل رہے تھے۔ میں نیچے تھی۔ تھوڑی دیر بعد نیچے ہال میں اتر آئے اور ہمیں بھاگ کر ایک کمرے میں پناہ لینی پڑی۔ میرے ساتھ میرے تین ملازم

بھی تھے۔ہم نے کمرہ بند کرلیا اور پھر محسوس کیا کہ ہال کی روشنی گل ہوگئی۔ دفعتاً بھاگ دوڑ
آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے ہال میں بہت سے آدمی موجود ہوں۔ ایک
آدھ چیخیں بھی سنی گئیں۔ ہم میں سے کسی کے منہ سے آواز تک نہ نکلی۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے
سب بھاگتے ہوئے باہر چلے گئے ہوں۔ پھر دو آدمیوں کی آوازیں سنائی دیں جو کسی عجیب
غریب زبان میں گفتگو کررہے تھے اور دونوں کے لہجوں میں کتوں کی سی غراہٹ تھی۔ ایسا معلو
ہوتا تھا جیسے ان کے سینوں میں منوں بلغم اکٹھا ہو۔ وہ زبان نہ انگریزی تھی نہ جرمن، فرانسیسی
نہیں تھی۔ میرا خیال ہے کہ وہ اپنے یہاں بولی جانے والی مختلف زبانوں میں سے بھی نہیں تھی
پھر کوئی ہال میں گرا۔ ایک چیخ سنائی دی پھر بھاری قدموں کی آوازیں۔ شاید وہ دونوں بھا
رہے تھے۔ اس کے بعد بالکل سناٹا چھا گیا۔ ہم تقریباً آدھ گھنٹے تک اسی کمرے میں رہے
باہر نکل آئے۔ ہال میں روشنی کی لیکن اس وقت ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی جب ہم نے یہ د
کہ نہ تو کوئی کرسی اپنی جگہ سے ہلی تھی اور نہ کوئی چیز الٹی تھی۔ شیشے اور چینی کے بڑے بڑے گلدا
اپنی جگہوں پر بدستور رکھے تھے۔ ہنگامہ اتنا شدید ہوا تھا کہ پورے ہال میں ابتری ہونی چا
تھی۔ ہم لوگ جی کڑا کرکے باہر نکلے۔ باہر بھی سناٹا تھا۔ البتہ پائیں باغ کا پھاٹک کھلا ہوا دکھ
دیا۔ نوکر آگے بڑھتے ہوئے ڈر رہے تھے۔ میں ہمت کرکے آگے بڑھی۔ پھر ہم چاروں نے
کر پائیں باغ کا پھاٹک بند کیا۔ واپسی میں پھر ہمارے دانت خوف سے بجنے لگے۔ چودھ
صاحب اوپری منزل کی ایک کھڑکی میں دکھائی دیئے۔ ان کا چہرہ اندھیرے میں دہکتا ہوا دکھ
دیا اور ان کی آنکھیں ہمیں دیکھنے کے بجائے ٹھیک اپنے سامنے دیکھ رہی تھیں۔ ہم پھر بھاگ
اندر آگئے اور ہم چاروں نے ساری رات جاگ کر گزاری۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

عورت تھوڑی دیر تک فریدی کی طرف دیکھتی رہی پھر بولی۔

"اب بتایئے! میں کیا کروں؟"

"میں خود بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ آپ کو کیا مشورہ دوں۔"

"کیا میں پولیس کو اس کی اطلاع دے دوں۔"

"ہونا تو یہی چاہئے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ان کے غائب ہونے سے پہلے ان کا
کسی سے جھگڑا تو نہیں ہوا تھا۔"

"میرے خیال سے تو نہیں۔ وہ بہت زیادہ تنہائی پسند تھے۔ ان کے کسی سے ایسے تعلقات
ہی نہیں تھے کہ جھگڑے تک نوبت پہنچتی۔"

"لیکن کوئی نہ کوئی تو ایسا ضرور ہی رہا ہوگا جس سے ان کے زیادہ تعلقات رہے ہوں۔"

"یہ بتانا دشوار ہے۔" مسز چودھری سوچتی ہوئی بولی۔ "لیکن ٹھہریئے۔ یہاں صرف ایک
ہی ایسا آدمی ہے جس سے ملنے کیلئے وہ اکثر جایا کرتے تھے اور وہ خود کبھی ہمارے گھر نہیں آیا۔"

"کون.....؟"

"علم الاجسام کا ماہر پروفیسر درانی۔"

"اوہ.....!"

"وہ اکثر اس کے یہاں جایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ خود سے کبھی کسی اور سے ملنے
نہیں گئے۔ زیادہ تر لوگ انہیں سے ملنے کے لئے آیا کرتے تھے۔"

"کیا آپ ان غیر ملکیوں میں کسی کے متعلق کچھ بتا سکیں گی؟"

"شاید نہ بتا سکوں۔ کیونکہ مجھے ان کے اس قسم کے ملنے والوں یا ان کے مشاغل سے کوئی
خاص دلچسپی نہیں تھی۔"

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"میرے خیال سے ابھی آپ پولیس کو باقاعدہ طور پر مطلع نہ کریں۔ میں آج کسی وقت
آپ کے یہاں آؤں گا۔"

"میں زندگی بھر آپ کی شکر گزار رہوں گی۔"

اس عورت کی عجیب و غریب کہانی ختم ہوتے ہی فریدی پھر اس ہاتھی نما ٹرانسمیٹر کی گتھی
میں الجھ گیا۔ فی الحال وہ کوئی اور کیس لینا نہیں چاہتا تھا لیکن اس عورت نے ایک ایسی شخصیت کا
تذکرہ کردیا تھا کہ وہ دلچسپی لینے پر مجبور ہوگیا۔ یہ پروفیسر درانی کی شخصیت تھی۔ تعلیم یافتہ طبقوں
میں اس کا نام بہت عزت سے لیا جاتا تھا۔ لیکن دو ہی چار ایسے خوش قسمت رہے ہوں گے جنہوں

نے اسے دیکھا بھی ہو۔ وہ اپنی کوٹھی سے شاذونادر ہی نکلتا تھا اور وہ بھی بند گاڑی میں۔ روزانہ
میں تو وہ بند گاڑی بھی نظر نہیں آتی تھی اس سلسلے میں اس کے لئے کئی باتیں مشہور تھیں۔ کچھ
تھے کہ وہ اتنا بدصورت اور بے ہنگم ہے کہ پبلک کے سامنے آتے ہوئے شرماتا ہے۔ کچھ کا یہ خ
تھا کہ اسے دن میں کچھ بھائی ہی نہیں دیتا۔ زیادہ ذہین لوگ یہ سمجھتے تھے کہ وہ ایسا عجیب وغر
رویہ اختیار کر کے اپنی شہرت میں اضافہ کرنا چاہتا ہے۔ بہرحال وہ ہر اس شخص کیلئے معمہ تھا جو
متعلق تھوڑا بہت بھی علم رکھتا تھا۔ ویسے سارے ملک میں اسکی ٹکر کا ایک بھی ماہر علم الاجسام نہیں تھا

فریدی نے اس کی لیبارٹری کے متعلق بہت کچھ سن رکھا تھا۔ اس کے پاس قدیم اور جد
حیوانات کے بے شمار ڈھانچے تھے لیکن انہیں بھی شاید دو ہی چار آدمیوں نے دیکھا ہو۔ فریدی
انہیں خاص طور سے دیکھنا چاہتا تھا۔ لیکن وہاں تک پہنچنے کا کوئی مناسب حیلہ آج تک ہاتھ نہیں آیا تھا

مسز چودھری کو پھاٹک تک پہنچانے کے بعد فریدی مڑا ہی تھا کہ اسے حمید دکھائی دیا۔
برآمدے میں کلیجہ تھامے کھڑا تھا اور دو تین نوکر دور کھڑے مسکرا رہے تھے۔ فریدی نے انہیں گھ
کر دیکھا اور وہ چپ چاپ کھسک گئے۔

''کیوں کیا بات ہے؟'' فریدی نے برآمدے میں پہنچ کر پوچھا۔

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بدستور اسی انداز میں کھڑا آنکھیں پھاڑے پھاٹک کی
طرف دیکھ رہا تھا۔

''کیا بیہودگی ہے۔'' فریدی جھنجھلا کر بولا۔ ''تمہیں نوکروں کا بھی خیال نہیں ہوتا۔''

''نوکر میرے باپ تو نہیں۔'' حمید پلٹ پڑا۔ لیکن پھر مضمحل ہو کر پھاٹک کی طرف دیکھنے لگا

''ابھی تک تمہارا دماغ درست نہیں ہوا۔''

حمید نے پھر پلٹ کر فریدی کو دیکھا۔ لیکن اس بار اس کی آنکھوں سے غم جھانک رہا تھا
فریدی کو اس کی اس ایکٹنگ پر بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

حمید ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔ ''اے برادر یہ کس گلشن کی کلی تھی۔ کس بحر نا پیدا کنار کی
دُرِ خوش آب تھی۔ یہ کون تھی، جو میرے دل کے سمندر کے جوار کو پھاٹا کھلا کر چلی گئی۔''

''آ گئے اوقات پر.....!'' فریدی منہ بنا کر بولا۔

''آپ تو پتھر ہیں۔ اگر اسے والد صاحب قبلہ بھی دیکھتے تو زلیخا کی طرح دوبارہ جوانی کی
انگڑائی لیتے۔''

فریدی اس کا گریبان پکڑ کر اسے اندر کھینچ لے گیا۔

''وہ ٹرانسمیٹر تمہیں کہاں سے ملا تھا۔'' اس نے پوچھا۔

''ٹرانسمیٹر.....!'' حمید بوکھلا کر بولا۔ ''کہیں آپ کی عقل اسی کے ساتھ ہی تو نہیں چلی گئی۔''

''بکو مت..... وہ کھلونا نہیں بلکہ ٹرانسمیٹر ہے۔'' فریدی نے اکتا کر کہا۔

''تو کیا وہ آواز.....؟'' حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔

''تم نے سنی تھی.....؟'' فریدی نے پوچھا۔

''نہیں..... جب میں اس مصیبت میں مبتلا تھا تو انور اور رشیدہ نے کوئی آواز سنی تھی۔ میں
مذاق سمجھا تھا۔''

''تو کیا اس ٹرانسمیٹر پر چھینکیں براڈ کاسٹ کی جاتی ہیں۔'' حمید ہنس کر بولا۔

''نہیں وہ ایک تیز قسم کی نسوار تھی جس نے تمہیں چھینکنے پر مجبور کر دیا تھا۔''

پھر فریدی نے اسے سب کچھ بتا دیا۔ حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑے سن رہا تھا۔ فریدی
خاموش ہوتے ہی بولا۔ ''تو یہ بلا میں خود ہی اپنے گلے باندھ لایا ہوں۔''

''تمہیں وہ ملا کہاں تھا.....؟''

''جگہ کا نام شاید نہ بتا سکوں لیکن جگہ دکھا سکتا ہوں۔ پچھلی رات جب میں نائٹ کلب سے
لٹ رہا تھا تو میں نے اسے راستے میں پڑا پایا تھا..... مگر یہ عورت کون تھی؟''

''پھر بتاؤں گا۔'' فریدی نے کہا۔ ''تم ذرا جلدی سے کپڑے تبدیل کر ڈالو۔''

''آ.....اے پیاری شامت۔'' حمید چھت کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''مجھے تجھ سے محبت
لگی ہے کیونکہ تو کسی حال میں میرا پیچھا نہیں چھوڑتی۔''

نیا انکشاف

تھوڑی دیر بعد فریدی کی کیڈیلاک پھاٹک کے باہر نکلی۔ حمید فریدی کے برابر بیٹھا سے منہ بنا رہا تھا۔

''جان نکلنی شروع ہوگئی۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''بیکار تاؤ نہ دلایئے مجھے۔'' حمید نے کہا۔ ''آپ کبھی کوئی ڈھنگ کا کام نہیں کرتے۔''

''یعنی.....!''

''اس ٹرانسمیٹر کا چکر چھوڑ کر آپ کو اس بیچاری کی مدد کرنی چاہئے۔''

''شاید تم اس کی پوری کہانی بھول گئے۔'' فریدی ہنس کر بولا۔

''میں اب بھوتوں سے نہیں ڈرتا۔ بشرطیکہ وہ کسی عورت کا بھوت نہ ہو۔''

فریدی ہنس کر چپ ہوگیا۔

''بائم روڈ کی طرف چلئے۔'' حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''وہ اب تک میرے ذہن ہوئی ہے۔''

''تمہارا ذہن تو اچھا خاصا کانجی ہاؤز ہے۔''

''مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں نے ایک ہزار سال قبل اسے یونان میں دیکھا

''بہت اچھے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''کیا ابھی حال ہی میں رائیڈر ہیگرڈ کا کو پڑھا ہے؟''

''نہیں میں سچ کہہ رہا ہوں۔ وہ یونان کے کسی قدیم سنگ تراش کا شاہکار معلوم ہوتی

''یار حمید! میرا بھیجا مت چاٹ۔''

''قبلہ محترم میں آپ کو ایک مشورہ دینا چاہتا ہو..... ہاں داہنی طرف موڑ لیجئے۔''

''فرمایئے۔'' فریدی نے اسٹیئرنگ گھماتے ہوئے کہا۔

''آپ عورتوں سے خوفزدہ ہونا چھوڑ دیجئے۔ ورنہ آئندہ آپ کے دشمن آپ

لانے کی بجائے عورت پھینکا کریں گے۔''

فریدی بے اختیار مسکرا پڑا۔

''فرض کیجئے۔'' حمید پھر بولا۔ ''آپ کہیں سے گزر رہے ہیں اور ایک مجرم آپ کی تاک ں ہے۔ اس نے اپنے ہاتھوں پر ایک خوبصورت سی عورت سنبھال رکھی ہے جیسے ہی آپ زد پر ے اس نے عورت پھینک ماری اور آپ چیخ مار کر بیہوش ہوگئے۔ پھر اس نے اطمینان سے پ کی گردن ریتی اور چلتا بنا۔''

''یار کوئی کام کی بات کر۔'' فریدی اکتا کر بولا۔

''یہ کسی کام چور سے کہئے گا۔'' حمید نے کہا۔ ''اوہ ٹھیک یاد آیا۔ کیا آپ کسی ایسے مصنف کو ں کام چور کہیں گے جو انگریزی کے ناولوں کے پلاٹ چرا کر اردو میں ناول لکھتا ہو۔''

''کیوں اسے کیوں کام چور کہیں گے۔''

''بھئی مصنفوں کے کارناموں کو انگریزی میں ورک کہتے ہیں جس کے معنی اردو میں کام'' ہوئے۔ لہٰذا میری دانست میں چور قسم کے مصنفوں کو اردو میں کام چور کہا جاتا ہے۔''

''لیکن تم مصنفوں پر کیوں آ کودے۔''

''اس لئے کہ کہیں وہ کم بخت ٹرانسمیٹر نہ کود پڑے۔'' حمید نے اپنے پائپ میں تمباکو رتے ہوئے کہا۔ ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اس قسم کی چیزیں میرے یا آپ ہی کے ہاتھ یوں لگا کرتی ہیں۔ کسی اور راہگیر نے اسے کیوں نہیں اٹھایا۔ یہ ٹھوکریں میرے ہی مقدر میں یوں لکھی ہوئی تھیں۔ پچھلی رات والا حادثہ انور ہی کو کیوں پیش آیا۔ کیا یہ ضروری تھا کہ اسی میان میں وہ یہاں تارجام تک کی دوڑ لگایا کرتا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر کبھی کسی تذکرہ نویس نے ناواقعات کو لکھا تو لوگ سو فیصدی غپ سمجھیں گے۔''

''بیٹے حمید خاں! اسی قسم کے اتفاقات ہمیں مجرموں تک پہنچاتے ہیں ورنہ ہم ساری زندگی مک ٹوئیے مارتے رہیں۔ سراغ رساں غیب دان نہیں ہوتے۔''

''آخر اس قسم کے لغو اتفاقات پیش ہی کیوں آئیں۔'' حمید منہ بنا کر بولا۔ پھر چونک ا۔ ''روک دیجئے۔''

کیڈی لاک ایک جھٹکے کے ساتھ رک گئی۔ حمید اتر پڑا۔

''غالباً یہی جگہ تھی۔'' وہ چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''رات اندھیری تھی حمید صاحب۔'' فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا

''ٹھیک ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''میرے پاس ٹارچ تھی ورنہ اس کم بخت پر کیسے نظر پڑتی

''پھر بھی۔'' فریدی پر خیال انداز میں بولا۔ ''وہ کوئی ایسی عجیب وغریب چیز نہیں تھی گردوپیش بھی ٹارچ کی روشنی ڈالنے کی زحمت گوارا کرتے۔''

''یہ تو ٹھیک ہے۔'' حمید تذبذب کے عالم میں بولا۔ ''لیکن سامنے والی کوٹھی کے پھاٹک رکھے ہوئے پتھر کے شیر اس وقت ٹارچ کی روشنی کی زد میں تھے۔''

''تب ٹھیک ہوسکتا ہے کیونکہ اس سڑک پر ایسے شیر اور کہیں نہیں ہیں۔'' فریدی کوٹھی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ پھر دفعتاً چونک پڑا اور حمید کا ہاتھ اس زور سے دبایا کہ وہ بلبلا اٹھا۔

حمید کبھی فریدی کی غیر متحرک آنکھوں کی طرف دیکھتا اور کبھی کوٹھی کی طرف۔

''کیا یہ شیر پتھر کے نہیں ہیں؟'' حمید بوکھلا کر بولا۔

فریدی اپنی نظریں پھاٹک سے ہٹا کر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کا چہرہ سرخ ہوگیا اور آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔

''حمید! شاید اس بار بھی سہرا تمہارے ہی سر رہے گا۔''

''سہرا.....!'' حمید طنزیہ انداز میں بولا۔ ''لاحول ولا قوۃ..... توبہ کیجئے! بھلا آپ کے رہ کر سہرے کی نوبت کہاں آئے گی۔''

''ہشت.....!'' فریدی نے دبے ہوئے جوش کے ساتھ کہا۔ ''پھاٹک پر لگی ہوئی نیم پ دیکھ رہے ہو۔''

''میری آنکھیں کمزور نہیں ہیں۔ میں پڑھ بھی رہا ہوں۔ پروفیسر بی۔سی چودھر حمید نے کہا اور پھر یک بیک اچھل کر بولا۔ ''یہ اسی کی کوٹھی تو نہیں جو ابھی آپ سے ملنے گئی تھی

''تم ٹھیک سمجھے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''تو گویا کہ واقعی شامت آ گئی۔''

''کیوں؟ تم تو ابھی اس سے ملنے کے لئے بُری طرح بے تاب تھے۔''

''لیکن اب ان حالات میں نہیں ملنا چاہتا۔''

''کن حالات میں؟'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

''آپ اس کے گھر میں ہونے والے ہنگامے اور اس ہاتھی میں کوئی تعلق پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

''تو کیا میں غلطی کر رہا ہوں۔''

''نہیں..... غلطی تو مجھ سے ہوئی کہ اس وبال جان کو ٹھوکر سے ادھر اُدھر کر دینے کی بجائے اپنے ساتھ لیتا گیا۔''

''کیا بکتے ہو۔ آؤ اندر چلیں۔'' فریدی نے کہا اور حمید کا ہاتھ پکڑ کر کیڈی کی طرف لے آیا۔

انہیں دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ وزیٹنگ کارڈ ملتے ہی مسز چودھری خود ہی باہر نکل آئیں۔ اس کے چہرے پر مسرت کی لہریں تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے ان کی غیر متوقع آمد پر حیرت بھی ہے اور خوشی بھی۔

''آیئے..... آیئے..... بہت بہت شکریہ۔''

وہ انہیں ایک وسیع ہال میں لے آئی۔ فریدی کی نظریں زینے کی طرف اٹھ گئیں جو اوپری منزل کی طرف گیلری سے ملحق تھا۔

''میں سمجھی تھی شاید آپ نے مجھے ٹال دیا۔'' مسز چودھری بولی۔

''آپ غلط سمجھی تھیں۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''کیا آپ پچھلی رات کو اسی کمرے میں تھیں؟''

''جی ہاں.....!'' مسز چودھری متحیر ہو کر بولی۔ ''آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ یہاں کئی کمرے ہیں۔ آپ نے خصوصیت سے اسی کے متعلق کیوں پوچھا؟''

''کوئی خاص بات نہیں..... یہ میرا قیاس تھا۔''

''قیاس کی بھی کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے۔''

''بس یونہی۔'' فریدی نے کہا اور پورے ہال کو متجسس نظروں سے دیکھنے لگا۔

''آپ کی تعریف.....؟'' مسز چودھری نے حمید کی طرف اشارہ کیا جو دیا سلائی کا تنکا چبا

رہا تھا۔

''میرے ساتھی سرجنٹ حمید۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''انہیں اس لئے ساتھ لایا ہوں کہ بھوتوں کے اسپیشلسٹ ہیں۔''

''اوہ..... بڑی خوشی ہوئی۔'' مسز چودھری نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا لیکن حمید انداز میں سرد مہری تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ ڈھیلا چھوڑ دیا۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ اس وقت حمید کوئی بوکھلاہٹ کیوں نہیں سرزد ہوئی۔

''تو آپ لوگ لنچ میرے ہی ساتھ کھائیں گے۔'' مسز چودھری نے کہا۔

''اسکی ضرورت نہیں'' فریدی بولا۔ ''پھر کبھی! ہم لوگ فی الحال بہت زیادہ مصروف ہیں۔''

''میں نہیں مان سکتی۔'' مسز چودھری نے کہا۔

''آپ کی مرضی.....!'' حمید جلدی سے بولا۔

''میں ابھی حاضر ہوئی۔'' مسز چودھری نے کہا اور ہال سے چلی گئی۔

''یہ کیا حرکت..... میں تو ٹال رہا تھا۔'' فریدی نے کہا۔

''میں بھوتوں کا اسپیشلسٹ ہوں نا۔'' حمید نے دیدے پھرا کر کہا۔ ''اور آپ اسی مفاد کے تحت مجھے یہاں لائے ہیں لہٰذا میں نے جو کچھ مناسب سمجھا کیا۔''

''چغد ہیں آپ اچھے خاصے۔'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

''اگر آپ میرا چغد پن بھی ملاحظہ فرمانے کے موڈ میں ہوں تو اب کی بحیثیت چ متعارف کرا دیجئے۔''

''بکومت.....!''

''نہیں بکوں گا..... لیکن یہ بتایئے کہ آپ نے خصوصیت سے اسی کمرے کے متعلق کم بناء پر کہا تھا۔''

''تم واقعی چغد ہو۔'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''اتنا نہیں دیکھ سکتے کہ صرف اسی کمرے کے دروازے کی چٹخنی اس طرف ہے۔ دوسرے دروازوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ انہیں شاذ و نادر ہی کھولا جاتا ہوگا۔ اس دروازے کا پردہ سرکا ہوا ہے جس کا مطلب

یہ ہے کہ دروازہ باقاعدہ استعمال ہوتا ہے۔''

''میں اتنی ذرا ذرا سی باتوں پر دھیان نہیں دیتا۔'' حمید منہ بگاڑ کر بولا۔

''اسی لئے ہر موقع پر چغد ہو جاتے ہو۔''

''چغد کے ساتھ سلمہ ضرور استعمال کیا کیجئے۔ ہاں اُلو کے لئے اس کی قید نہیں کیونکہ وہ عموماً کسی کا ماتحت نہیں ہوا کرتا۔''

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ مسز چودھری واپس آ گئی۔

''چودھری صاحب کی لیبارٹری تو بڑی شاندار ہوگی۔'' فریدی دفعتاً اسکی طرف مڑ کر بولا۔

''جی ہاں..... کیا آپ دیکھیں گے؟''

''میں پوری کوٹھی دیکھنا چاہتا ہوں۔''

نچلے کمروں کو دیکھتے ہوئے وہ بالائی منزل پر آئے۔ یہیں پروفیسر چودھری کی شاندار لیبارٹری بھی تھی جہاں چاروں طرف بڑی بڑی میزوں پر شیشے کے آلات رکھے ہوئے تھے۔ دو ایک مختلف النوع مشینیں بھی نظر آئیں۔ ان میں چھ ہارس پاور کا ایک انجن بھی تھا۔

''میرے خیال سے پروفیسر کے غائب ہونے کے بعد سے یہاں کوئی تبدیلی نہ ہوئی ہوگی۔''

''نہیں! لیکن اکثر میں ان آلات کی صفائی اور دیکھ بھال کرتی رہتی ہوں۔''

''پچھلی بار آپ نے ان کی صفائی کب کی تھی؟''

''شاید ایک ہفتہ قبل.....!''

''اس کے بعد سے انہیں کسی نے نہیں چھوا.....!''

''نہیں۔''

''یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں۔ ممکن ہے نوکروں میں سے کسی نے چھوا ہو۔''

''مجھے اس کی توقع نہیں۔'' مسز چودھری بولی۔

فریدی جیب سے محدب شیشہ نکال کر آلات کا معائنہ کرنے لگا۔ دفعتاً وہ تھوڑی دیر بعد مڑا۔

''قریب آیئے۔'' فریدی نے مسز چودھری سے کہا۔

پھر وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر محدب شیشے کی مدد سے اس کی انگلیاں دیکھنے لگا۔

مسز چودھری کا ہاتھ کانپ رہا تھا اور چہرہ ایسا ہو گیا تھا جیسے کسی نے سرخ رنگ کی پچکاری ماردی ہو۔ حمید اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ البتہ فریدی کا چہرہ کسی پرسکون جھیل کی سطح کی طرح سپاٹ تھا۔

''ذرا اپنے تینوں نوکروں کو بھی بلا لیجئے۔'' فریدی نے اس کے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو دیکھ لینے کی بعد کہا۔

مسز چودھری کھڑکیوں کی طرف بڑھی۔

''ٹھہریئے۔'' فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''پچھلی رات آپ نے مسٹر چودھری کو کھڑکی میں دیکھا تھا.....؟''

مسز چودھری نے ایک کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

فریدی اس کی چوکھٹ کو غور سے دیکھ رہا تھا اور مسز چودھری اسے گھور رہی تھی۔

''نوکروں کو بلا لیجئے۔'' اس نے سر اٹھا کر کہا اور پھر اس کی نظریں محدب شیشے پر جم گئیں۔

مسز چودھری نے کسی نوکر کو آواز دے کر سبھوں کو اوپر لانے کو کہا۔

فریدی نے نوکروں کے ہاتھ بھی دیکھے اور انہیں رخصت بھی کر دیا۔ اس کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئی تھیں اور آنکھیں کسی گہری سوچ کا پتہ دے رہی تھیں۔

''آپ کو یقین ہے کہ انہیں کسی نے نہیں چھوا۔''

''مجھے یقین ہے.....لیکن ٹھہریئے۔ میں صرف اپنی اور نوکروں کی ذمہ داری لے سکتی ہوں۔''

''فون تو ہوگا ہی آپ کے یہاں؟'' فریدی نے پوچھا۔

''جی ہاں!''

''حمید.....!'' فریدی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ ''فنگر پرنٹ کے فوٹو گرافر کو یہاں آنے کے لئے فون کر دو۔''

حمید مسز چودھری کے ساتھ نیچے چلا گیا۔ فریدی کھڑکی سے پائیں باغ میں جھانک رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں واپس آ گئے۔ مسز چودھری کے چہرے پر تھکن کے آثار تھے۔

''کیا اوپری منزل اس وقت تک کے لئے مقفل کی جا سکتی ہے جب تک کہ ہمارے

افرنہ آ جائیں۔'' فریدی نے کہا۔

''جی ہاں.....!''

''بہتر ہے.....آپ کو تکلیف تو ہوگی۔''

تھوڑی دیر بعد وہ ہال میں بیٹھے ادھر اُدھر کی باتیں کر رہے تھے۔ اس دوران میں حمید نے بار بار مسز چودھری کو بے تحاشہ ہنسنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''پروفیسر درانی کے متعلق آپ کیا جانتی ہیں؟'' فریدی نے اچانک پوچھا۔

''میں کیا بتا سکتی ہوں جب کہ میں نے آج تک اسے دیکھا ہی نہیں۔''

''پروفیسر چودھری سے اس کے متعلق کچھ سنا تو ہوگا۔''

''سننے کو تو بہت کچھ سنا ہے۔''

''آخر وہ پبلک کے سامنے کیوں نہیں آتا۔''

''شاید اپنی بدصورتی کی بناء پر۔ وہ بہت ہی بے ڈول آدمی ہے۔ چودھری صاحب کا کہنا کہ کوئی اسے دیکھ کر اپنی ہنسی روک ہی نہیں سکتا۔ اکثر یونیورسٹی کے طلباء اس سے درس لیتے ہیں، انہوں نے بھی اسے نہیں دیکھا۔''

''بھلا وہ کیسے؟'' حمید نے ہمہ تن اشتیاق بن کر پوچھا۔

''اس کی لیبارٹری میں لاؤڈ اسپیکر فٹ ہے۔ طلباء وہاں بیٹھتے ہیں اور وہ اپنے کمرے سے درس دیتا ہے۔ اگر کسی طالب علم کو کوئی سوال کرنا ہو تو اس کیلئے ٹیلی فون استعمال کیا جاتا ہے۔''

''لیکن کبھی تو وہ باہر نکلتا ہی ہوگا۔'' حمید نے کہا۔

''ہاں! چودھری صاحب سے بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ ادھر دس بارہ سال سے گوشہ نشین ہو گیا ہے۔ اس سے پہلے وہ اتنا بے ہنگم نہیں تھا۔ جوانی کے زمانے میں وہ خاصا سوشل آدمی تھا۔''

''وہ تنہا ہی ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں اس کی ایک لڑکی بھی ہے۔ اسے میں نے دیکھا ہے، بڑی بھولی ہے۔ لیکن اس کے گھر کے گھٹے گھٹے ماحول نے اسے بھی نیم خبطی بنا دیا ہے۔ ایک بار وہ چودھری صاحب کے ہمراہ یہاں آئی تھی۔''

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ لنچ کیلئے گانگ بجا اور وہ تینوں ڈرائنگ روم کی طرف چلے گ
لنچ کے دوران میں فریدی نے مسز چودھری سے پوچھا۔

''چودھری صاحب غائب ہونے سے کچھ دن قبل کسی غیر ملکی سے ملے تھے؟''

''مجھے یاد نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ ان سے ملنے کے لئے جتنے بھی لوگ آتے
عموماً خشک طبیعتوں کے ہوا کرتے تھے اس لئے میں ان کا نوٹس ہی نہیں لیتی تھی اور
چودھری صاحب نے مجھے اس پر مجبور کیا۔''

''ویسے تو چودھری صاحب بھی خشک آدمی رہے ہوں گے۔'' حمید نے کہا۔

''قطعی نہیں..... گھریلو زندگی میں وہ قطعی خشک نہیں تھی۔''

''عجیب بات ہے۔'' حمید بولا۔

''ہم دونوں قطعی متضاد طبیعتوں کے مالک تھے۔'' مسز چودھری غمگین آواز میں
''انہیں سائنس سے پیار تھا اور مجھے آرٹ سے..... لیکن ہم دونوں کے یہ مختلف رجحانا
بنائے مخاصمت نہیں بنے۔ میں ان کی لیبارٹری سے اٹھنے والی بدبوؤں پر جھلایا کرتی تھی
انہوں نے میری بنائی ہوئی تصاویر کو ہمیشہ قدر اور پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا ہے۔ا
میری تصاویر کے موڈل بھی بنے ہیں۔ وہ مجھ سے آرٹ پر اسی انداز سے بحث کرتے تھے
خود بھی ایک اچھے آرٹسٹ اور میرے ہم ذوق ہوں۔''

''آپ مصور بھی ہیں۔'' حمید اسے تعریفی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

''کیوں نہیں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''تمہارے یہاں بھی تو تارا چودھری کا ایک شا
موجود ہے۔ وہ وینس کی تصویر۔''

''اوہ..... تارا چودھری آپ ہی ہیں۔'' حمید متحیر ہو کر بولا۔

لیکن فریدی اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اس کی یہ حیرت قطعی مصنوعی تھی۔ اسے بھلا اس
غرض ہو سکتی تھی کہ اس عورت کا سوشل اسٹیٹس کیا ہے۔ وہ تو ہر عورت کو صرف عورت سمجھتا تھا۔ اور بس

''تو وہ تصویر آپ نے خریدی تھی۔'' مسز چودھری نے مسکرا کر فریدی سے پوچھا۔

''جی ہاں..... پوری گیلری میں مجھے صرف وہی تصویر پسند آئی تھی اور نمائش کے اخ

کے دن میں نے اسے خرید لیا تھا۔ لیکن وہ آخر تک گیلری میں لگی رہی۔ بعد کو پتہ چلا کہ اول
م اسی تصویر کو ملا تھا۔''

''اس میں کیا بات پسند آئی تھی آپ کو.....؟''

''رنگوں کا امتزاج! جو چہرہ آپ نے پینٹ کیا تھا اس کی پس منظر کے لئے اداس شام کا
ب اور اس اداسی کے اظہار کے لئے مناسب رنگوں کا استعمال اور وہ چہرہ صحیح معنوں میں
یکی حسن کا حامل تھا۔''

''فریدی صاحب! آپ کے اندر کس کہنہ مشق مصور کی روح موجود ہے۔'' مسز چودھری
تعریفی نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ ''وہ دراصل پروفیسر درانی کی لڑکی عامرہ کا چہرہ تھا۔ اس
لئے میں نے اسی کو موڈل بنایا تھا۔''

لنچ ختم کرنے کے بعد وہ پھر ہال میں آ بیٹھے۔

تھوڑی دیر بعد فنگر پرنٹ سیکشن کے فوٹو گرافر بھی آ گئے اور لیبارٹری میں تصویریں لینے کا
شروع ہو گیا۔ مختلف قسم کے آلات کی تصویریں لی گئیں۔ اس کھڑکی کی چوکھٹ کی تصویر بھی لی
جس میں پچھلی رات کو پروفیسر چودھری کا بھوت دکھائی دیا تھا۔

مسز چودھری ان ساری مشغولیات کو حیرت کی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ لیکن وہ کچھ بولی نہیں۔

چلتے وقت فریدی نے اس سے کہا۔ ''اب آپ کوتوالی میں رپورٹ کر دیجئے کہ کچھ نامعلوم
کافی رات گئے آپ کی کوٹھی میں گھس کر آپ کے آرام میں مخل ہوتے ہیں اور وہ کوششوں
باوجود بھی ابھی تک نہ تو پہچانے جا سکے ہیں اور نہ پکڑے جا سکے ہیں..... اور ان کی اس
نگ کا مقصد بھی سمجھ میں نہیں آتا۔''

فوٹو گرافر جا چکے تھے۔

ڈائننگ میں فریدی پھاٹک کے قریب پوپی کسڈ کی کیاری میں جھک کر کچھ دیکھنے لگا۔

پھر اس نے ننھے ننھے پودوں میں ہاتھ ڈال دیا۔ دوسرے لمحے میں وہ ایک لمبی سی چھڑی کو
خیال انداز میں دیکھ رہا تھا۔ جس پر پالش نہیں تھی لیکن اس کی سطح بڑی نفاست کے ساتھ ہموار
گئی تھی..... بالکل سیاٹ اور چکنی..... پالش نہ ہونے کے باوجود بھی اس میں چمک تھی۔''

فریدی مسز چودھری کی طرف مڑا۔

''کیا میں اسے لے سکتا ہوں۔'' اس نے کہا۔

''شوق سے۔'' مسز چودھری نے قہقہہ لگایا۔

لیکن فریدی کی سنجیدگی دیکھ کر فوراً ہی سنبھل گئی۔

فریدی کی کیڈی لاک جا چکی تھی۔ لیکن وہ ابھی تک پھاٹک کے قریب کھڑی کچھ سوچ رہی تھی۔

گارساں

''اب آفس میں چل کر سر کھپایئے۔'' حمید منہ بگاڑ کر بڑبڑایا۔

''نہیں فی الحال آفس نہیں جائیں گے۔'' فریدی نے کہا۔

''آخر یہ ٹوٹی پھوٹی چھڑی..... شرم نہیں آتی۔''

''گھر چل کر بتاؤں گا کہ شرم کیوں نہیں آتی۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''اوہ..... تو آپ کا یہ خیال ہے کہ وہ ٹرانسمیٹر۔''

''چل کر دیکھیں گے۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ ''لکڑی کی ساخت تو یہی ہے اور اس کا سرا بھی ٹوٹا ہوا ہے۔''

حمید خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

''آلات پر آپ نے جو نشانات دیکھے تھے.....!''

''وہ مسز چودھری اور اس کے نوکروں کی انگلیوں کے نہیں تھے۔''

''تو پھر اس بھوت کے ہو سکتے ہیں..... آخر اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟''

''فی الحال کچھ بھی نہیں..... لیکن اس کی یہ حرکت حیرت انگیز ضرور ہے۔ چھ ماہ قبل

غائب ہو گیا اور اب بھوت بن کر نمودار ہوا ہے..... دوسری چیز یہ بھی قابل غور ہے کہ وہ سلیپنگ سوٹ ہی پہنے ہوئے غائب ہو گیا تھا حتیٰ کہ گاؤن بھی نہیں پہنا تھا..... اور اب اگر وہ ہاتھی اس لکڑی پر فٹ ہو جاتا ہے..... تو..... حمید صاحب! بس یہ سمجھ لیجئے کہ مزہ آ جائے گا۔''

حمید نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

''خیریت.....؟'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''مزہ آ رہا ہے۔'' حمید نے کہا اور سیٹی بجانے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''پروفیسر درانی سے کب مل رہے ہیں؟''

''ضروری نہیں کہ اس سے ملا ہی جائے۔''

''آپ ملئے یا نہ ملئے..... میں تو ملوں گا۔'' حمید نے کہا۔

''کیوں.....؟''

''میں وینس کی اس تصویر کو گوشت و پوست میں دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''یار تم آدمی ہو یا آدم خور۔''

''فی الحال میں بہت شدت سے بور ہوں۔'' حمید ڈرامائی انداز میں بولا۔ ''جب سے میں نے یہ سنا ہے کہ وینس کا موڈل وہی تھی۔ کیا نام بتایا تھا اس نے ..... عامرہ..... نام بھی بڑا خوفناک ہے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں برسوں سے یہ نام سنتا آیا ہوں۔ میں نے کئی بار سوچا ہے کہ میں وینس کی اس تصویر کو چوم لوں مگر وہ کافی اونچائی پر لگی ہوئی ہے۔ ایک بار سیڑھی لا رہا تھا کہ کتے بھونکنے لگے۔''

''بکو نہیں۔'' فریدی بیزاری سے بولا۔

''تو پھر کیا کروں؟''

فریدی اسے گھورنے لگا۔

''سامنے..... دیکھئے سامنے۔ کہیں جہنم میں نہ پہنچا دیجئے گا۔''

واقعی سڑک پر ٹریفک بہت زیادہ تھا۔ ذرا سی غلطی انہیں دوسری دنیا میں پہنچا سکتی تھی۔

فریدی اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے سامنے دیکھ رہا تھا۔

گھر پہنچ کر مہمان خانے کی طرف چلا گیا۔ کیونکہ اسی حصے کے ایک کمرے میں چودھری کی بنائی ہوئی تصویر آویزاں تھی۔ وہ بڑی دیر تک اسے دیکھتا رہا۔ تصویر یا اس لڑکی کوئی دلچسپی رہی ہو یا نہ رہی ہو لیکن وہ اس وقت فریدی کو تاؤ دلانے کے لئے ایسا کر رہا تھا نے سوچا تھا کہ وہ اس ماہ میں ایک یا دو ہفتے کی چھٹی لے کر کہیں باہر چلا جائے گا۔ لیکن ٹرانسمیٹر والا معاملہ بیچ میں آ کودا۔ لہٰذا ایسی صورت میں اس کی گلوخلاصی ناممکن تھی۔

تھوڑی دیر بعد ایک نوکر اسے تلاش کرتا ہوا وہاں آ پہنچا۔

فریدی اپنے سونے کے کمرے میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔

''تم کہاں چلے گئے تھے؟'' فریدی نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔

''آپ کے پاندان کے لئے ڈلیاں کتر رہا تھا۔'' حمید نے ناک پر انگلی رکھی اور بولا۔ لیکن اس کے انداز میں جھلاہٹ تھی۔

''اوسّور.....!'' فریدی نے اٹھ کر اسکا گریبان پکڑلیا۔ ''ہزار بار منع کیا کہ زنخوں کی طرح.....

''صحبت کا اثر.....!'' حمید جلدی سے بولا۔

''گٹ آؤٹ.....'' فریدی چیخا۔

''شکریہ.....!'' حمید بھی اسی انداز میں چیخ کر باہر چلا گیا۔ اس کے سونے کا کمرہ فریدی کے سلیپنگ روم سے ملحق تھا۔ وہ بھی اپنے پلنگ پر بیٹھ کر جوتے کے بند کھولنے لگا۔ حمید جانتا کہ آج رات اسے جاگنا بھی پڑے گا اور سردی بھی کھانی پڑے گی۔ بھلا فریدی اس بھوت درشن کئے بغیر کیسے رہ سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ آج خلاف معمول اس وقت اپنے سونے کمرے میں نظر آ رہا تھا۔ حمید کو اس ٹرانسمیٹر کے متعلق معلومات بہم پہنچانے کی خواہش ضرور لیکن وہ نہ جانے کیوں اس وقت فریدی کو تنگ کرنے پر تلا ہوا تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ اس کا کیا ہوا۔ ٹرانسمیٹر اس پر فٹ ہوا یا نہیں۔

اس نے غیر ارادی طور پر اٹھ کر ریڈیو کھول دیا۔ بی بی سی سے مغربی موسیقی براڈ کاسٹ ہو رہی تھی۔ دفعتاً اسے شرارت سوجھی اور اس نے اچھل اچھل کر انگریزی میں گانا شروع کر دیا۔

موت بھی سالی نہیں آنا مانگتا.....

ہو ہا.....ای.....او.....ای

او پیارا ابابیل لوگ تم اڑ جا رہا ہے

ہم کو بھی سنگ لے جائے گا کہ نہیں

نیلے آسمان میں اوپر چڑیا لوگ بھی اڑتا ہے

مگر ہم سالا اُلو کا پٹھا.....اود بلا ہے

موت بھی سالی نہیں آنا مانگتا.....

ہو ہا.....ای.....او.....ای

ای.....او.....ای

بطخ اپنے بچے کو دودھ پلا رہا ہے

اونٹنی انڈے دے رہا ہے

پیاری اور پیارا شاہ بلوط کے درخت پر چونچ ملا رہا ہے

گھاس ککرمتے کو چومتا ہے

ہم سالا بالکل اکیلا ہے

بیوی بچے کو ترس جائے گا

موت بھی سالی نہیں آنا مانگتا

ہو ہا.....او.....ای.....او

فریدی دروازے میں کھڑا بے بسی سے ہنس رہا تھا۔

''آخر تم چاہتے کیا ہو.....؟''

''ایک ہفتے کی چھٹی.....ای.....او.....ای''

''شٹ اپ.....!''

''ای.....او.....ای۔''

فریدی نے آگے بڑھ کر اس کا منہ دبا دیا لیکن اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ حمید کو اس پر غصہ کا تاؤ نہیں آیا۔ وہ اس کی گرفت سے نکل کر پھر ہلڑ مچانے لگا۔ نہ جانے کیا کیا بک رہا تھا۔

فریدی اسے سنجیدگی سے گھورتا رہا۔ پھر ہونٹ پھیلا کر بولا۔ ''تمہیں چھٹی مل جا
اور کمرے سے چلا گیا۔

حمید تھوڑی دیر تک کھڑا مسکراتا رہا۔ شاید اب اسے نئی شرارت سوجھی تھی۔ وہ بھ
چاپ اپنے کمرے سے نکل کر فریدی کے کمرے میں چلا گیا۔

فریدی لیٹنے ہی جا رہا تھا کہ حمید نے اس کے سرہانے کی گول میز پر سے پیتل کا ہاتھ
اور دیوار سے ٹکی ہوئی چھڑی کے سرے پر اسے فٹ کرنے لگا۔

فریدی کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ ہاتھی کے پیٹ میں پھنسے ہوئے لکڑی کے ٹکڑ
ایک ایک ریشہ چھڑی کے ناہموار سرے پر ٹھیک بیٹھا تھا۔

حمید نے پرخیال انداز میں سر ہلایا۔ وہ دراصل فریدی کی نقل کر رہا تھا۔ اس کے بعد
کے مخصوص انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

''یہ باوا آدم کا عصائے پیری ہے۔'' حمید نے فریدی کے لہجے کی نقل اتاری۔ تھوڑ
خاموش رہا پھر بولا۔ ''ہابیل اور قابیل کی جنگ کے بعد اس پر ابابیل نے قبضہ کر لیا تھا۔''

فریدی بے ساختہ ہنس پڑا۔

حمید نے ایک ہاتھ سینے پر رکھا اور آگے کی طرف جھکتے ہوئے دانت پر دانت جما کر
لگا۔ ''جب آپ ہنستے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دور کسی ویرانے کے ایک چھوٹے سے
میں چاندی کی گھنٹیاں بج رہی ہوں۔ جیسے کہکشاں کی ساری لڑیاں چھن چھن کرتی ایک دو
سے ٹکراتی سنگ مرمر کے فرش پر آ گری ہوں۔''

''جیسے تمہاری عقل.....!'' فریدی نے کہا۔ ''کسی ویرانے میں گھاس چر رہی ہو.....زبا
بچپنا بھی کھلنے لگتا ہے۔''

''تو جناب والا میں آپ کی طرح ٹھس تو نہیں ہو سکتا۔ خدا نے اچھا کیا کہ آپ کو عورت
کر مرزا غالب کے زمانے میں نہیں پیدا کیا ورنہ وہ پیشہ آبا کو شاعری پر ترجیح دیتے اور آج مجھ
اس حیرانی کا موقع نصیب نہ ہوتا کہ دل کو روؤں کی پیٹوں جگر کو میں۔''

''بک چکے.....؟''

''جی ہاں!''

''تو جا کر سو رہو۔ ہو سکتا ہے کہ یہ تمہاری زندگی کی آخری نیند ہو۔''

فریدی نے کہا اس کا لہجہ بتا رہا تھا کہ اس نے یہ بات مذاق میں نہیں کہی۔ حمید بھی یک
سنجیدہ ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

''جاؤ ہو سکتا ہے کہ یہ تمہاری آخری قہقہے رہے ہوں۔'' فریدی نے پھر کہا۔

''آخر بات کیا ہے؟'' حمید آہستہ سے بولا۔

''مقابلہ ایسے آدمی سے ہے کہ میں تمہیں دھوکے میں نہیں رکھ سکتا۔''

''یعنی.....!''

فریدی نے وہ چھڑی حمید کے ہاتھ سے لے لی اور اس کے نیچے لگی ہوئی لوہے کی سلاخ کو
دکھایا۔ پھر چھڑی کا اوپری حصہ حمید کے چہرے کے قریب لے گیا۔

''پڑھو.....!'' وہ آہستہ سے بولا۔

چھڑی کے اوپری حصے کی سطح پر مستطیل کی تھوڑی سی خلاء پیدا ہو گئی تھی۔

''گارساں.....!'' حمید جھک کر بڑبڑایا۔ پھر سیدھا ہو کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

''یہ نام سنا ہے کبھی۔''

''سنا تو ہے لیکن.....!''

''اس کے متعلق کچھ جانتے نہیں۔'' فریدی بولا۔ ''یہ دنیا کا خوفناک ترین آدمی ہے۔ پچھلی
جنگ عظیم میں جزائر انڈمان میں جاپانیوں کا داخلہ اسی کے دم سے ہوا تھا۔ چین کے بعض اہم مقامات
اسی کی بدولت نکل گئے تھے۔ بعد کو اس نے جاپانیوں کو بھی چکا دیا اور اتحادیوں سے جا ملا۔ پھر
اتحادیوں کو بھی ایک زیردست چوٹ دے کر روپوش ہو گیا تھا۔ بہرحال آج ساری دنیا کی حکومتیں
اس بات پر متفق ہیں کہ وہ جہاں دکھائی دے اسے گولی مار دی جائے۔''

حمید ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

''کیا فرانس کا باشندہ ہے؟'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں.....!''

''لیکن نام تو فرانسیسیوں ہی جیسا ہے۔''

''تم اسے فرنچ انڈو چائنیز کہہ سکتے ہو۔اس کا باپ انڈو چائنیز تھا اور ماں فرانسیسی۔ پیدائش انڈو چائنا میں ہوئی تھی۔''

''اور موت شاید ہمارے یہاں ہوگی۔'' حمید بولا۔

''ایسا نہ کہو..... یہ وہ شخص ہے جس کی دشمن ساری دنیا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ اب آسمان پر رہا ہوگا اور نہ تحت الثریٰ میں.....لیکن آج تک کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔''

''لیکن پروفیسر چودھری کی کوٹھی سے اس کا کیا تعلق.....؟'' حمید نے کہا۔

''یہی تو دیکھنا ہے۔'' فریدی نے کہا اور خاموش ہوگیا۔حمید کو اس کی فکرمندی میں بہت سراسیمگی بھی نظر آرہی تھی۔

''لیکن میں اسے اس لئے ڈھیل نہیں دے سکتا۔'' فریدی خود بخود بڑبڑایا۔''کہ اس چودھری کی کوٹھی کا تعلق معلوم کروں۔اگر وہ نظر آ گیا تو.....''

وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا پھر بولا۔

''مسز چودھری نے پچھلی رات کو دھینگا مشتی کی آوازیں بھی سنی تھیں۔اگر وہ وہاں تو انتہائی سراسیمگی کی حالت میں وہاں سے بھاگا ہے۔''

''کیوں.....؟''

''اس کا ثبوت وہاں اس ٹرانسمیٹر کی موجودگی ہے۔ وہ اتنا بدحواس تھا کہ ایسی چیز چھوڑ گیا جس سے اس کی شخصیت پر روشنی پڑ سکتی تھی۔''

''ممکن ہے..... چودھری کا بھوت.....!'' حمید بولا۔

''لیکن چودھری کا بھوت کیا بلا ہے؟''

فریدی نے فون کا ریسیور اٹھایا۔

''ہیلو.....آفس آف دی نیوز اسٹار.....ذرا انور صاحب کو فون پر بلا دیجئے۔'' وہ تھوڑی تک خاموش رہا پھر بولا۔

''ہیلو انور!..... میں بول رہا ہوں.....فریدی..... ہاں.....حمید بالکل ٹھیک ہے۔''

''اب کام ہے.....تم کبھی پروفیسر درانی سے ملے ہو؟.....وہی ماہر علم الاجسام.....جو پبلک میں نہیں آتا.....خیر مجھے اسی کی توقع تھی.....اسے بہت کم لوگوں نے دیکھا ہے.....اور میں بھی انہیں میں سے ہوں۔ ہاں تو اس سے ایک انٹرویو لینے کی کوشش کرو.....لیکن خیال رہے کہ وہ تمہیں ٹیلی فون ہی پر نہ ٹال دے.....عموماً پریس رپورٹروں کے ساتھ یہی برتاؤ کرتا ہے.....اور گھسنے کی کوشش کرنا.....میں اس کے متعلق جاننا چاہتا ہوں.....بہرحال تم اس سے بہ نفس نفیس ملو گے.....موضوع.....موضوع بہتیرے ہیں.....اچھا چلو موضوع بھی بتائے دیتا ہوں.....ابھی حال ہی میں برازیل کی پہاڑیوں میں کسی قدیم جانور کی ہڈیوں کا ڈھانچہ ملا ہے.....ساخت کے اعتبار سے وہ ایک ہاتھی سے بھی بڑے کنگاروں کا ڈھانچہ معلوم ہوتا ہے.....تم اسی کے متعلق اس کی رائے لے سکتے ہو.....بہرحال کوشش کرو.....اگر کامیابی ہوگی تو خیر.....ورنہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا جائے گا.....مجھے یقین ہے کہ تم اسے دیکھ کر اس کے کردار کے متعلق بہت کچھ بتا سکو گے.....اچھا۔''

فریدی نے ریسیور رکھ دیا۔

''کیوں کیا یہ کام میں نہیں کر سکتا تھا.....؟'' حمید منہ سکوڑ کر بولا۔

''تمہارے بس کا نہیں۔''

''میں دکھا دوں گا۔''

''بس بس میری مرضی کے بغیر کسی کام میں ٹانگ اڑانے کی کوشش نہ کرنا۔ ورنہ نتیجے کے تم ذمے دار ہوگے۔''

''آپ مجھ پر انور کو ترجیح دیتے ہیں۔''

''اماں کہہ دیا ایک بار کہ یہ کام تم نہ کر سکو گے۔تم رپورٹروں کے ٹیکٹ سے واقف نہیں۔''

''خیر ہوگا، مجھے کیا کرنا ہے۔''

''تمہیں بہت کچھ کرنا ہے۔ فی الحال جا کر سو جاؤ۔''

''زبردستی سو جاؤں.....؟''

''کیا تم کل تین بجے تک جاگتے نہیں رہے؟''

''یقیناً جاگتا رہا تھا مگر یہ ضروری نہیں کہ اس وقت نیند آ ہی جائے۔''

''بلاؤ اسے۔'' فریدی تلخ لہجے میں بولا۔ ''ورنہ اگر آج رات تم نے نیند کا نام لیا نہ سمجھو۔''

''آپ کے ساتھ کبھی خیریت رہ نہیں سکتی۔ کیونکہ وہ بھی مؤنث ہے۔''

''پھر آ گئے اسی مؤنث مذکر پر۔ یار میں تیرا سر کہاں دے ماروں۔''

''کسی نرم ولطیف سینے پر۔''

''دور ہو جاؤ۔'' فریدی نے اس کی گردن میں ہاتھ دے کر اسے کمرے سے باہر دھ

حمید اپنے کمرے میں چلا آیا۔ حقیقتاً اسے نیند پریشان کئے ہوئے تھی۔ سر میں ہ بھی ہونے لگا تھا۔ لیکن کل رات سے اب تک اتنے تحیر انگیز واقعات پیش آئے تھے کہ ذہن کی یکسوئی ہی رخصت ہو گئی تھی۔ لہٰذا ایسی حالت میں سو جانا کافی مشکل تھا۔

کسی نہ کسی طرح اسے نیند آ ہی گئی۔

آہنی گرفت

کرائم رپورٹر انور سگریٹ کا ایک طویل کش لے کر فکرمندانہ انداز میں رشیدہ کی طر جس کی انگلیاں برق رفتاری کے ساتھ ٹائپ رائٹر کے بورڈ پر دوڑ رہی تھیں۔

رشیدہ اور وہ دونوں ابھی تک نیو اسٹار ہی کے دفتر میں کام کر رہے تھے۔ عرصہ ہ کے راز[1] سے پردہ اٹھ چکا تھا اور وہ دونوں اب بھی بہترین دوستوں کی طرح ایک ساتھ تھے۔ کئی بار ان کی بعض ہمدردوں نے انہیں شادی کا مشورہ دیا اور رشیدہ راضی بھی ہو گئی لیک

[1] جاسوسی دنیا کا سترھواں ناول ''بھیانک جزیرہ'' جلد نمبر پانچ ملاحظہ فرمائیے۔

صاف انکار کر دیا۔ ان دونوں میں اکثر اب بھی نہ صرف لڑائی جھگڑے بلکہ دھول دھپے کی نوبت آ جاتی تھی۔ مگر یہ چیز دوستانہ شکر رنجی سے آگے نہ بڑھتی۔

''کچھ سوچا تم نے؟'' انور اسے گھور کر بولا۔

''ہاں.....!'' رشیدہ نے سر ہلا دیا۔

''کیا.....؟''

''یہی کہ اس بار پھر قرض لے کر کام چلانا پڑے گا۔''

''میں پروفیسر درانی کے متعلق پوچھ رہا ہوں۔'' انور جھلا کر بولا۔

''اوہ.....!'' رشیدہ معصومیت سے بولی ''اس کے متعلق میں نے یہ سوچا ہے کہ وہ واقعی ماہر سائنسدان ہے۔''

''چاٹا تو نہ کھاؤ گی۔''

''میرا گھونسہ ہضم کر سکو گے۔''

''رشو میں سچ مچ تھپڑ مار دوں گا۔''

''میں تمہاری گال کانوں تک پھاڑ دوں گی۔''

انور تھوڑی دیر تک اسے غصیلی نظروں سے دیکھتا رہا پھر ٹہلنے لگا۔

''اچھا ٹائپ کرو۔'' کچھ دیر بعد پھر وہ رشیدہ کی طرف مڑا۔

''کر تو رہی ہوں۔''

''یہ شیٹ نکال دو اور جو میں کہوں وہ ٹائپ کرو۔''

رشیدہ نے ناک بھوں سکوڑ کر وہ شیٹ الگ کر دیا اور دوسرا شیٹ چڑھانے لگی۔

''ڈیئر مسٹر انور.....!'' وہ بولنے لگا۔ ''حالانکہ مجھے تمہاری برادری اور تمہارے پیشے سے نفرت ہے اور میں نے آج تک کسی رپورٹر کو منہ نہیں لگایا لیکن میں تمہیں یہ شرف بخشنے کے لئے تیار ہوں..... برازیل کے پہاڑوں میں جو ڈھانچہ پایا گیا ہے اس کے متعلق اخبارات میں فکر خر قسم کی خیال آرائیاں نظر آ رہی ہیں اور میں کئی دنوں سے اپنے ملک کے جاہل لوگوں کی حرکتوں پر ماتم کر رہا ہوں۔ لہٰذا میں تمہیں یہ عزت بخشنا چاہتا ہوں کہ تمہارے اخبار کے لئے اس

کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کروں۔ میں آج پانچ بجے شام کو مل سکتا ہوں۔''

انور خاموش ہو گیا اور رشیدہ سر اٹھا کر تحیر آمیز نظروں سے اُس کی طرف دیکھنے لگی۔

''اس کا کیا مطلب.....؟''

''شیٹ نکال دو۔'' انور نے کہا۔ رشیدہ نے شیٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ انور اسے پڑھتا رہا۔ پھر اس نے اس کے نیچے فاؤنٹین پن سے پروفیسر درانی کے دستخط کر دیئے۔

''کیوں شامت آئی ہے۔'' رشیدہ سر ہلا کر بولی۔ ''میں نے سنا ہے کہ وہ بعض اوقات ہاتھ پائی تک اتر آتا ہے۔''

انور رشیدہ کی بات کا جواب دیئے بغیر ٹیلی فون کی طرف مڑا۔

''ہیلو.....!'' وہ ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں بولا۔ ''پروفیسر صاحب..... نہیں سیکریٹری نہیں..... ڈائریکٹنیٹ..... پروفیسر صاحب..... میں انور بول رہا ہوں..... عزت افزائی کا شکریہ..... لیکن میں فون پر انٹرویو نہیں لوں گا..... میں آپ کے سامنے بیٹھنا چاہتا ہوں۔''

اور پھر اس نے ایک جھٹکے کے ساتھ ریسیور رکھ دیا اور اپنا کان سہلانے لگا۔

''میں سمجھ گئی.....!'' رشیدہ نے قہقہہ لگایا۔ ''لیکن یہ نہ بھولو کہ ابھی تمہارے سر کے زخم کناروں پر بھی کھرنڈ نہیں جمی۔''

انور پھر کچھ نہ بولا۔

''تمہاری مرضی.....!'' رشیدہ پھر ٹائپ کرنے لگی۔ ''لیکن اگر تمہارے منہ کا ایک آدھ دانت کم ہوا تو میں تمہیں گھر میں نہ گھسنے دوں گی۔''

انور تھوڑی دیر تک اسے گھورتا رہا پھر بولا۔

''تم اس کے متعلق کیا جانتی ہو؟''

''آج سے دو ماہ قبل اس نے ڈیلی میل کے رپورٹر کی چٹنی بنا دی تھی۔''

''مجھے بھی معلوم ہے۔'' انور سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔

''اور جو راستہ تم اختیار کر رہے ہو وہ تو اسے بھیڑیا بنا دے گا۔''

''میں نے کبھی کوئی کام سوچ سمجھ کر نہیں کیا۔''

''تب تو ٹھیک ہے۔ موت بھی اطلاع دیئے بغیر ہی آتی ہے۔''

''شش.....!''

انور اپنی میز پر بیٹھ کر کام کرنے لگا۔ اس کی نظریں بار بار گھڑی کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔

''میں بھی چلوں گی۔'' رشیدہ تھوڑی دیر بعد بولی۔

''نہیں.....!''

''دیکھتی ہوں تم کس طرح روکتے ہو۔''

''اس طرح۔'' انور نے کہا اور اٹھ کر کمرے کے دروازے بند کر دیئے اس کمرے میں صرف وہی دونوں بیٹھے تھے۔ پہلے انور بیٹھتا تھا اور رشیدہ کی میز کمپوزیٹروں کے کمرے میں ہوا کرتی تھی لیکن بعد کو انور نے اسے بھی وہیں بلا لیا تھا۔

دروازہ بند کر کے وہ رشیدہ کی طرف آیا۔ اس کے دونوں کان مضبوطی سے پکڑ کر دو تین گہرے جھکولے دیئے اور پھر تین چار مرتبہ تھپڑ جھاڑ کر الگ ہٹ گیا۔

رشیدہ نے شور نہیں مچایا پہلے اسے گھورتی رہی پھر اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

''کمینے..... کتے..... سُور..... وحشی..... جنگلی..... یہ آفس ہے..... جہنم میں جاؤ۔''

آنکھیں خشک کر کے وہ پھر ٹائپ کرنے لگی۔ انور نے دروازہ کھول دیا اور اپنی کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ سلگانے لگا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ رشیدہ نے پھر کوئی بات نہیں کی۔ وہ بدستور سر جھکا کر ٹائپ کرتی رہی۔

گھڑی نے ساڑھے چار بجائے اور انور کمرے سے نکل آیا۔ رشیدہ نے سر اٹھا کر دیکھا تک نہیں۔ تھوڑی دیر بعد اس کی موٹر سائیکل پروفیسر درانی کی کوٹھی کی طرف جا رہی تھی۔ موٹر سائیکل اس نے پورٹیکو ہی میں پہنچ کر روکی اور دو منٹ تک انجن بند نہیں کیا۔ پوری کوٹھی شور سے گونج رہی تھی۔

ایک دبلا پتلا اور کافی لمبا آدمی برآمدے میں کھڑا اسے گھور رہا تھا۔ اس نے ہلکے نیلے رنگ کی سرج کا سوٹ پہن رکھا تھا اور گردن میں شوخ رنگوں والی ٹائی تھی۔ چہرہ سفید اور زندگی کے

صحت مند آثار سے قطعی محروم تھا۔ آنکھیں دھنسی ہوئی اور عرق آلود تھیں۔

انور نے اسے دیکھ کر انجن بند کر دیا اور اسٹینڈ گرا کر سیڑھیاں طے کرنے لگا۔

''کیا بات ہے؟'' وہ آدمی اسے خواب ناک انداز میں گھورتا ہوا بولا۔

''پروفیسر سے ملنا ہے۔'' انور لاپروائی سے بولا۔

''پروفیسر سے.....؟'' اس نے اس انداز میں دہرایا جیسے انور ملک الموت سے ملنے کا متمنی ہو

''خود انہوں نے مجھے بلایا ہے۔''

''انہوں نے! لیکن مجھے تو اس کی اطلاع نہیں۔''

''آپ ہیں کون؟'' انور نے اُسے گھور کر پوچھا۔

''ان کا سیکریٹری۔''

''لیکن انہوں نے مجھے بلایا ہے اور براہِ راست مجھ سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔''

''براہِ راست.....!'' وہ اس طرح بولا جیسے خواب میں بڑبڑا رہا ہو۔ اس کی نظریں ا
کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ نہ جانے کیوں انور کے ذہن میں ایک کینچلی چڑھا ہوا پرانا سا
کلبلانے لگا۔

''ہاں ہاں جناب براہِ راست.....!''

''ثبوت.....؟''

''ابھی کچھ دیر قبل میں نے فون پر ان سے بات کی تھی۔''

''خیر میں پوچھتا ہوں.....آیئے۔''

وہ دونوں ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل ہوئے۔ سیکریٹری نے ایک کرسی کی طرف
اشارہ کر کے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھایا۔

انور بیٹھ کر اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ذرہ برابر بھی سراسیمگی کے آثار نہیں
تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پروفیسر نے سچ مچ اُسے مدعو کیا ہو۔

سیکریٹری ماؤتھ پیس میں ہکلا رہا تھا۔

''یس سر.....ایک صاحب.....اوہ یس سر.....آپ نے انہیں بلایا تھا.....یس سر.....

یہی کہتے ہیں..... یس سر۔''

پھر وہ ماؤتھ پیس کو ہاتھ سے بند کر کے انور کی طرف مڑا۔ ''کیا نام بتایا تھا آپ نے؟''

''انور سعید۔''

سیکریٹری ماؤتھ پیس میں بولنے لگا۔

''یس سر.....انور سعید صاحب.....اچھا صاحب نہیں.....صرف انور سعید.....یس سر۔''

''مسٹر، آپ خود گفتگو کر لیجئے۔'' اس نے ریسیور انور کی طرف بڑھا دیا۔

''ہیلو.....!'' انور کو فون میں عجیب قسم کی غراہٹ سنائی دی۔

''کون ہو تم.....؟''

''انور سعید.....نیو اسٹار کا رپورٹر.....!''

''کیا ہے؟'' عجیب طرح کی آواز تھی۔

''آپ نے مجھے بلایا ہے۔''

''بکواس ہے.....تمہارا دماغ خراب ہے۔''

''تو پھر آپ نے مجھے کیوں پریشان کیا۔'' انور اس زور سے چیخا کہ کمرہ گونج اٹھا اور
سیکریٹری اسے گھورنے لگا۔ لیکن نہ جانے کیوں اس کے چہرے پر ایک اطمینان بخش مسکراہٹ تھی۔

انور اسے کنکھیوں سے دیکھ رہا تھا۔

''میں نے تمہیں نہیں بلایا۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''میرے پاس آپ کی تحریر موجود ہے۔'' انور جھلائے ہوئے انداز میں بولا۔ ''میرا وقت
بیقیمتی ہے۔''

''اچھی بات ہے۔'' تھوڑے توقف کے بعد آواز آئی۔ ''سیکریٹری۔''

انور نے ریسیور سیکریٹری کی طرف بڑھا دیا۔

''یس سر.....یس سر.....ویری ول سر.....!''

''جایئے۔'' وہ ریسیور رکھ کر انور کی طرف مڑا۔ ''راہداری کے آخری سرے پر داہنی طرف
جایئے گا۔''

''آپ چل کر دکھا دیجئے۔''

''میں.....اوہ.....!'' وہ ہکلایا۔ ''مجھے فون پر اس قسم کی کوئی ہدایت نہیں ملی۔''

انور چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر راہداری میں داخل ہوگیا۔ آخری سرے پر پہنچنے سے ہی اسے اپنی پشت پر ایک سریلی آواز سنائی دی۔

''ٹھہریئے۔''

انور چونک کر مڑا۔

اس سے کچھ فاصلے پر ایک دبلی پتلی اور خوبصورت سی لڑکی کھڑی تھی۔ اس کی بڑی آنکھیں کسی خونزدہ ہرنی کی آنکھوں سے مشابہ تھیں۔ چہرے پر ایک غم آلود اضمحلال طاری انور دل ہی دل میں اس کے حسن کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکا۔

''آپ ڈیڈی سے ملنے آئے ہیں؟''

''جی ہاں.....! غالباً آپ کا مطلب پروفیسر صاحب ہے۔''

لڑکی سر ہلا کر بولی۔ ''آپ اس سے پہلے بھی کبھی ان سے مل چکے ہیں؟''

''جی نہیں!''

لڑکی کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔

''خدارا ان سے کسی بات پر بحث نہ کیجئے گا۔''

''کیوں؟'' انور نے پوچھا۔

''کیا آپ نے ان کے متعلق کچھ نہیں سنا.....؟''

''نہیں۔''

''آپ کے سر پر پٹی کیسی بندھی ہوئی ہے؟'' لڑکی نے پوچھا۔

''چوٹ ہے۔''

''تب تو آپ خدارا واپس چلے جایئے.....جایئے۔''

''میں ان سے مل کر ہی جاؤں گا۔ انہوں نے مجھے بلایا ہے۔''

لڑکی تھوڑی دیر کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ ''جایئے! لیکن جیسے ہی انہیں کسی بات پر

آتش دان کی گول میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجا دیجئے گا۔ میں فوراً آجاؤں گی۔ داہنے ہاتھ کی طرف جانے والا کمرہ۔ لیکن اندر داخل ہونے سے پہلے تین بار دروازہ پر ہلکی ہلکی دستک ضرور دیجئے گا۔''

انور نے دروازے پر پہنچ کر دستک دی۔

''آجاؤ.....!'' اندر ایک غراہٹ نما بے ہنگم آواز سنائی دی۔

انور دروازے کو دھکا دے کر بے دھڑک اندر چلا گیا۔ ایک بڑی میز کے پیچھے اسے ایک نیم خلقت آدمی یا جانور کا سر دکھائی دیا۔ چہرے پر ڈاڑھی بھی تھی اور اس ڈاڑھی کی موجودگی کا وہ سر کسی ارنے بھینسے کا سر معلوم ہو رہا تھا۔

''گڈ ایوننگ پروفیسر.....!'' انور قدرے جھک کر بولا۔

''انگریز کی بچے ہو؟'' ایک چنگھاڑ سنائی دی۔

''اچھا السلام علیکم.....!''

''وعلیکم السلام.....تم جھوٹے ہو..... میں نے پہلے کبھی تمہیں نہیں دیکھا..... بیٹھ جاؤ۔'' سامنے بڑی میز کے سامنے رکھی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

انور بیٹھ گیا۔

پروفیسر درانی ایک چکر کھانے والی کرسی میں دھنسا ہوا تھا۔ انور نے محسوس کیا کہ سر کی بہ نسبت اس کا جسم بھی کافی پھیلاؤ رکھتا ہے۔

''وہ میری تحریر کہاں ہے؟'' پروفیسر کی چنگھاڑ پھر سنائی دی۔

انور نے ٹائپ کیا ہوا خط اس کی طرف بڑھا دیا۔

خط پڑھتے وقت پروفیسر درانی کا چہرہ حد درجہ خوفناک ہوگیا۔ اس کی سرخ سرخ آنکھیں ابل پڑیں.....اور پھر.....انور نے اس کے حلق سے نکلنے والی بے ہنگم آوازوں کو مصلحتاً نظر انداز کرنے کی کوشش کی۔

''یہ میرے دستخط نہیں ہیں۔'' وہ چنگھاڑ کر کھڑا ہوگیا اور اس کی عظیم الشان توند میز کے اوپر ابھر آئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے مغل طرز کی کسی عمارت کا گنبد متحرک ہوگیا ہو۔ وہ میز پر اپنے دونوں ہاتھ ٹیکے انور کو خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔ ایک ٹھنڈی سی لہر اسکے جسم میں دوڑ گئی۔

''میں کچھ نہیں جانتا۔'' انور نے لاپروائی سے کہا۔

''میں تمہیں سمجھاؤں گا۔'' وہ ایک جھٹکے کے ساتھ بیٹھتا ہوا بولا۔ ''میں اس ڈھانچے کے متعلق گفتگو کرنے کے لئے تمہیں بلاؤں گا۔ تمہیں..... تم..... جو ایک مائل بہ انحطاط نسل سے تعلق رکھتے ہو۔ تم جس کی ذہانت مینڈک اور چوہے کی ذہانت کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتی۔ تم پریس رپورٹر، کیچوے سے بدتر..... میں تمہیں بلاؤں گا..... ایک سائنٹیفک مسئلے پر اظہار خیال کرنے کیلئے۔ تمہارے اوپر تو ایک چمپنزی کی کھال بھی نامناسب معلوم ہوگی..... دفان ہو جاؤ۔''

''میں آپ کی زندگی میں دفن ہونے کے لئے تیار نہیں۔'' انور مسکرا کر بولا۔

''دفن نہیں دفان.....!'' وہ میز پر گھونسہ مار کر حلق کے بل چیخا اور کمرے میں کم از کم ہزار آوازیں بکھر گئیں۔

انور خاموش بیٹھا رہا۔ وہ دیدہ و دانستہ یہ بات ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ سے ذرہ برابر بھی خائف نہیں۔ پروفیسر درانی کی سانس پھول رہی تھی۔

''میں سمجھتا ہوں۔'' وہ دانت پیس کر ہانپتا ہوا بولا۔ ''تم نے میرا وقت برباد کرنے لئے یہ چال چلی ہے۔''

''بحیثیت بزرگ آپ کو میری اس شرارت پر ہنسی آنی چاہئے تھی۔'' انور سنجیدگی سے بولا

''ہنسی.....!'' پروفیسر اچھل کر بولا۔ ''مجھے کبھی ہنسی نہیں آتی۔ میں بندروں کی طرح دانت نکالنا پسند نہیں کرتا۔''

''تو پھر آپ کو بن مانسوں کی طرح خاک بھی نہ اڑانی چاہئے۔'' انور اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔

''کیا.....؟'' پروفیسر پھر کھڑا ہو گیا۔

''میرا خیال ہے کہ میں اس وقت دنیا کے عظیم ترین سائنٹسٹ سے گفتگو کر رہا ہوں۔'' اس کے لہجے میں بیزاری تھی۔

پروفیسر پھر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں پہلے سے بھی زیادہ شعلہ بار ہو گئی تھیں۔

''گٹ آؤٹ۔'' دفعتاً وہ اتنی زور سے چیخا کہ انور چونک پڑا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا لیکن اس نے بھی یہ طے کر لیا تھا کہ اپنے چہرے پر ایسے آثار پیدا نہ ہونے دے گا جن سے

ظاہر ہو سکے کہ وہ اس سے مرعوب ہو گیا ہے۔ حالانکہ اسے شروع ہی سے یہ محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی خونخوار ریچھ کے کٹہرے میں بند کر دیا گیا ہو۔

''اس ڈھانچے کے متعلق دنیا آپ کے خیالات کی منتظر ہے۔'' انور نے کہا۔

''دنیا کو اگر اس کی ضرورت ہوگی تو میرے پاس باقاعدہ طور پر وفد آئے گا۔ اس کے لئے میں کسی حقیر پریس رپورٹر سے گفتگو کرنا پسند نہیں کرتا۔ ناؤ گٹ آؤٹ۔''

''اچھا تو یہ حقیر پریس رپورٹر آپ کو اس فرعونیت کا مزہ چکھا دے گا۔'' انور جانے کے لئے اٹھتا ہوا بولا۔ دراصل اس کا مقصد حل ہو گیا تھا۔ فریدی نے اسے صرف اس کے عادات و اطوار اور حلیہ وغیرہ معلوم کرنے کے لئے ہدایت دی تھی۔

''مجھ پر اپنے چھچھوڑے کے ذریعے گندگی اچھالو گے۔'' پروفیسر اٹھتا ہوا بولا۔

''نہیں..... میں اتنی پست ذہنیت نہیں رکھتا۔'' انور جانے کے لئے مڑا۔

''ٹھہرو! کیا تمہیں ڈیلی میل کے رپورٹر کا حشر نہیں معلوم تھا۔''

''معلوم تھا..... اور اس وقت میں یہ سوچ رہا ہوں کہ شاید اس نے بھیڑ کا دودھ پیا تھا۔''

پروفیسر درانی اچھل کر میز کے پیچھے سے نکل آیا۔

انور کے سامنے دنیا کا آٹھواں عجوبہ کھڑا تھا۔ اس کا قد ساڑھے چار فٹ سے کسی طرح زیادہ نہ رہا ہوگا۔ مگر پھیلاؤ..... خدا کی پناہ..... انور سوچ رہا تھا کہ اگر کہیں اتفاق سے اس پر گر گیا تو اس کی ہڈیاں سرمہ ہو جائیں گی اور جسم امرود کی جیلی بن جائے گا۔

''لیکن تم نے شاید کسی گدھی کا دودھ پیا ہے۔'' پروفیسر انور کی طرف جھپٹا۔ انور اچھل کر ایک طرف ہو گیا اور پروفیسر اپنے زور میں دیوار سے جا ٹکرایا۔ اس کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی اور وہ پھر پلٹ پڑا۔ انور نے اندازہ لگایا تھا کہ اس کا بھاری بھرکم جسم اسے ہلنے جلنے سے بھی باز رکھتا ہوگا۔ لیکن اس کا پھرتیلا پن دیکھ کر اسے چکر آنے لگا۔ وہ جھپٹ جھپٹ کر اسے پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا اور انور سارے کمرے میں بھاگتا پھر رہا تھا۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ پروفیسر دروازے کی خاص طور پر حفاظت کر رہا ہے۔ کمرے کی چوڑائی کم تھی اسے خدشہ تھا کہ اگر اس نے ایک بار بھی اس کے قریب سے نکلنے کی کوشش کی تو موت ہی ٹانگ پکڑ لے گی۔ انور نے

پوری قوت لگا کر بڑی میز الٹ دی۔ پروفیسر زخمی شیر کی طرح دھاڑ کر اس کی طرف جھپٹا۔ انور جھک کر میز کی اوٹ میں ہوگیا۔ پروفیسر بھی دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر جھکا۔ انور نے ہائی جمپ کی مشق کا مظاہرہ کیا..... لیکن ..... اس کی ایک ٹانگ پروفیسر کے ہاتھ میں آ ہی گئی..... اور انتہائی الجھن کی حالت میں بھی اسے ہنسی آ گئی۔ وہ فرش پر اوندھا پڑا تھا۔ اس کی دونوں ٹانگیں پروفیسر کے ہاتھوں میں تھیں اور پروفیسر بھی اوندھا پڑا ہوا بن مانسوں کی طرح شور مچا رہا تھا۔ انور کو اپنی پنڈلیاں ٹوٹتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ لیکن اسے اطمینان تھا کہ اب پروفیسر خود قیامت تک نہ اٹھ سکے گا۔ تاوقتیکہ اس کی ٹانگیں نہ چھوڑ دے۔ انور کہنیاں زمین پر ٹیک کر اپنے کھسکنے کے لئے زور لگا رہا تھا۔

اس جدوجہد کے دوران میں انور کا سر کئی بار دیوار سے ٹکرا گیا تھا اور زخم پھر سے تازہ ہو گیا تھا۔ زخم پر بندھی ہوئی پٹی سے خون رسنے لگا۔ چہرے پر کئی جگہ خراشیں آ گئی تھیں۔ ناک کے قریب داہنے گال کا بہت سا چمڑہ نکل گیا تھا۔

پروفیسر نے بھی شاید تہیہ کر لیا تھا کہ وہ اس کی ٹانگیں نہ چھوڑے گا۔ دونوں ابھی تک زمین پر اوندھے پڑے تھے۔ پروفیسر نے چیخنا بند کر دیا تھا۔ البتہ اس کی چڑھتی ہوئی سانسیں کمرے میں گونج رہی تھیں۔

دفعتاً انور کو آبنوس کی گول میز کا خیال آیا۔ جو قریب ہی پڑی ہوئی تھی اور اس کی دسترس سے باہر نہ تھی۔ اس نے خود کو آدھے دھڑ سے اٹھایا اور میز پر رکھی ہوئی برقی گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔

تھوڑی دیر بعد راہداری میں تیز تیز قدموں کی آواز سنائی دی اور وہی لڑکی اندر گھس آئی۔

''ڈیڈی.....!'' وہ زور سے چیخی..... اور انور کی ٹانگوں پر پروفیسر کی گرفت پہلے سے زیادہ سخت ہوگئی۔

''ڈیڈی..... چھوڑ دو..... اسے۔''

''بھاگ جاؤ.....!'' پروفیسر غرایا۔

''میں اپنا گلا گھونٹ لوں گی۔'' وہ بلبلا کر رو پڑی۔

پروفیسر نے انور کے پیر چھوڑ دیئے اور انور اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

''جاؤ..... بھاگو.....!'' وہ انور کو دروازے کی طرف دھکیلتی ہوئی بولی۔ انور اس طرح نہیں بھاگنا چاہتا تھا لیکن اس سے اس کا رونا نہ دیکھا گیا۔ وہ کسی ننھی سی بچی کی طرح بلک بلک کر رو رہی تھی۔ اس نے انور کو باہر دھکیل کر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔

انور چند لمحے کھڑا لڑکی کے رونے کی آواز سنتا رہا۔ شاید پروفیسر اسے چمکار رہا تھا۔

وہاں مزید ٹھہرنا فضول سمجھ کر انور چل پڑا۔ اس کی حالت بڑی مضحکہ خیز تھی۔ سارے کپڑے سیتا ناس ہوگئے تھے اور اسے یہ سوچ سوچ کر شرم آ رہی تھی کہ ابھی اسے اسی حالت میں بہت سی سڑکوں سے گزرنا ہوگا۔

بہرحال وہ جوں توں گھر پہنچا۔

سات بج گئے تھے اور اندھیرا گہرا ہوگیا تھا۔

اس کے فلیٹ میں روشنی تھی۔ رشیدہ فلیٹ میں موجود تھی۔ انور کو اس حال میں دیکھ کر اس نے اپنے ہونٹ بھینچ لئے۔

چند لمحے خاموش کھڑی اسے گھورتی رہی پھر آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھی اور پھر دونوں ہاتھوں سے اس کے گالوں پر چانٹوں کی بوچھاڑ کر دی۔

''ٹونی..... کمینے..... کتے..... میں منع کرتی تھی۔''

انور خاموشی سے پٹتا رہا۔

پھر رشیدہ نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

انور اس کا نوٹس لئے بغیر کھڑکی کے قریب جا کر کھڑا ہوگیا۔ رشیدہ کی سسکیاں کمرے میں گونج رہی تھیں۔ انور کی نظریں باہر سڑک پر جمی ہوئی تھیں۔

پھر اس نے فون کا ریسیور اٹھایا اور فریدی کو فون کرنے لگا۔

شروع سے آخیر تک کی روداد دہرانے کے بعد اس نے ریسیور رکھ دیا اور رشیدہ کی طرف مڑ کر بولا۔

''میرے زخم صاف کر کے بینڈیج کر دو۔''

رشیدہ آنسو پونچھتی ہوئی اٹھی اور ڈریسنگ کا سامان درست کرنے لگی۔

انور سگریٹ سلگا کر ٹہلنے لگا۔

رشیدہ اب بھی روئے جا رہی تھی۔

''او.....رشیدہ کی بچی..... مجھے آنسوؤں سے نفرت ہے۔'' انور نے کہا اور اسے گھورنے

کچھ گھونسے کچھ فائر

نو بجے رات کو فریدی اور حمید آرلیکچو میں کافی پی رہے تھے۔ کچھ دیر قبل حمید انور کی مرمت پر دل کھول کر ہنس چکا تھا اور اب دونوں خاموشی سے کسی مسئلے پر غور کر رہے تھے۔

''کیا آپ کو واقعی پروفیسر درانی پر بھی شبہ ہے؟'' حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

''نہیں.....لیکن ہوسکتا ہے کہ وہ پروفیسر چودھری کے معاملے پر کچھ روشنی ڈال سکے۔''

''تو آخر انور کی حجامت بنوانے سے کیا فائدہ ہوا آپ کو.....؟''

''میں پروفیسر درانی کو اتنا پاگل نہیں سمجھتا تھا۔ بہرحال اس سے ملنے سے قبل میں اس شخصیت کے بارے میں اندازہ لگا لینا چاہتا تھا۔ وہ انتہائی ضدی مغرور اور احساس برتری کا معلوم ہوتا ہے۔ اس سے کوئی کام کی بات معلوم کرنے کے سلسلے میں کافی احتیاط برتنی پڑے گی''

''آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں جیسے وہ کوئی ہوّا ہو۔''

''یہ بات نہیں وہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔ ملک کے چوٹی کے لیڈر اس کا نام عزت سے لیتے ہیں اور اس کی بد دماغیوں کے باوجود بھی اس کا احترام کرنے پر مجبور ہیں۔ تم شاید خیال میں ہوگے کہ اس سے دھونس دھڑلے سے بھی کام نکل جائے گا۔''

''اچھا اگر وہ کمینگی ہی پر آمادہ ہوگیا تو کیا کیجئے گا۔'' حمید بولا۔

''طرح دینی پڑے گی حمید صاحب۔ اس کی علمیت کی بناء پر میں اس کا احترام کرتا ہوں۔

''آپ بھی عالم ہیں اسی لئے..... میں ٹھہرا جاہل..... ہمیشہ جوتے گانٹھتا رہتا ہوں اس لئے میرے ہاتھ میں تو جوتا ہوگا۔''

''تم انور سے زیادہ طاقت ور نہیں ہو۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''کیا فرمایا آپ نے.....خدا کی قسم پھر ایک دن یہی سہی۔''

''کیا.....؟''

''میری اور انور کی کشتی۔''

''آپ کشتی لڑیں گے؟'' فریدی تمسخرانہ انداز میں بولا۔

''آپ مجھے اتنا کمزور کیوں سمجھتے ہیں۔'' حمید اکڑ کر بولا۔ ''اچھا آپ ہی میرا پنجہ موڑ دیجئے۔''

حمید نے پنجہ آگے بڑھا دیا۔ فریدی نے اپنی انگلیاں اس میں پھنسائیں اور.....

''ارے.....ارے'' حمید بل کھانے لگا۔ ''توڑنے کو کب کہا تھا۔''

فریدی نے ہنس کر ہاتھ چھوڑ دیا۔

''اچھا اب اٹھنا چاہئے۔'' فریدی نے گھڑی کی طرف دیکھ کر کہا۔

''ٹھہریئے.....!'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''ذرا ایک بات اور سمجھ لینے دیجئے ورنہ بعد کو آپ مجھے الزام دیں کیونکہ آج کل مجھ پر کشت وخون بُری طرح سوار ہے۔''

فریدی استفہامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''ظاہر ہے کہ آپ کسی ارادے سے نکلے ہیں اور آپ یہ بھی کہہ چکے ہیں کہ وہ ایک خطرناک آدمی ہے اور آپ کو یہاں اس کی موجودگی کا یقین واثق ہے اور ہم دونوں تنہا وہاں جا رہے ہیں۔ آپ نے محکمے کو بھی اس سے باخبر نہیں کیا ہے۔ حالانکہ یہ بڑی اہم چیز تھی۔''

حمید خاموش ہوگیا۔

''تم اپنی کس بات کا جواب چاہتے ہو؟'' فریدی بولا۔ ''میرے خیال سے تم نے کوئی جواب طلب بات کہی ہی نہیں۔''

''ہم تنہا کیوں جا رہے ہیں؟''

''معاملات کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے..... ابھی ہم ان کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔''

فریدی بولا۔

''اور اگر معاملات نے ہمارا صحیح اندازہ لگالیا تو۔''

''بکومت..... گٹ آؤٹ۔''

ریسپشن روم میں آ کر انہوں نے اپنے اوور کوٹ پہنے۔ فلٹ ہیٹ اٹھائے ا کھڑے کرتے ہوئے باہر نکل آئے۔ ٹھنڈی ہوا ان کے گال سہلاتی ہوئی کانوں میں گھ تھی۔ سڑک پار کر کے ایک گلی میں گھستے وقت اُنہوں نے فلٹ ہیٹوں کے گوشے جھکا لئے۔

دوسری سڑک پر پہنچ کر وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئے اور ٹیکسی چل پڑی۔ حمید پائپ م بھرتا ہوا فریدی کی طرف مڑا۔ جو سیٹی بجانے کے انداز میں ہونٹ سکوڑے سامنے دیکھ رہا

''تم تو عورتوں کے بڑے گہرے نباض ہو۔'' دفعتاً وہ حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

''خیریت.....؟'' حمید نے پائپ سلگاتے رک کر کہا۔

''مسز چودھری نے مجھے یہ کیوں نہیں بتایا تھا کہ پروفیسر چودھری کے سارے جو موجود تھے اور وہ چپل بھی پلنگ ہی کے پاس پڑے پائے گئے تھے جنہیں وہ رات کو پہنا کرتا

''اس نے بتایا نہیں تو آپ کو معلوم کیسے ہوا.....؟''

''پولیس کی تفتیش رپورٹ سے۔''

حمید کسی سوچ میں پڑ گیا پھر مسکرا کر بولا۔

''میں یقیناً عورتوں کی نفسیات کا ماہر ہوں لیکن جوتوں اور چپلوں پر میری نظر نہیں ہیں۔ Leg Fetishism کا شکار نہیں۔''

''یقیناً ہو..... میں نے تمہیں انہیں عورتوں کے پیچھے بھاگتے دیکھا ہے جن کے پ اور حسین ہوتے ہیں کچھ تعجب نہیں کہ تم ان کے انگوٹھے بھی چوستے ہو۔''

''اس کی نوبت آنے سے پہلے ہی اپنا ہی انگوٹھا چوسنے لگتا ہوں۔''

''بات پھر ادھر اُدھر ہو گئی۔ میں نے وہ بات اس لئے کہی تھی کہ تم اس پر سنجیدگی سے گے۔''

''تو جناب اگر آپ سنجیدگی سے پوچھتے ہیں تو میں یہ عرض کروں گا کہ میں اسے مکار سمجھنے لئے تیار نہیں۔ بڑی پیاری عورت ہے۔''

''جذبات سے الگ رہ کر سوچو.....!''

''ناممکن فریدی صاحب۔ آپ قطعی غیر فطری بات کہہ رہے ہیں۔ کوئی مرد کسی ایسی عورت ے متعلق جذبات سے الگ رہ کر کچھ سوچ ہی نہیں سکتا جس کے ساتھ اس کے جنسی رشتے کا قیام ن ہو۔''

''کبھی کبھی یہ بھول جایا کرو کہ تم مرد ہو۔''

''یہ بھی غیر فطری ہے۔''

''میری مثال سامنے رکھو۔''

''آپ خود کو دھوکا دیتے ہیں۔ آپ کسی خطرناک Complex کے شکار ہیں۔''

''خیر چلو یہی سہی۔ میں اس کی تردید نہیں کرسکتا۔ اگر آدمی کے ساتھ Complexe نہ ہوں تو وہ اپاہج ہو جائے۔ مگر تم اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا۔''

''خدا نہ کرے کہ کبھی میرا دل ٹھنڈا ہو..... جس دن ایسا ہوا خودکشی کرلوں گا۔''

پروفیسر چودھری کی کوٹھی قریب ہی تھی۔ فریدی نے ٹیکسی رکوائی اور وہ دونوں نیچے اتر گئے۔ سڑک سنسان پڑی تھی اور اس کے کنارے بجلی کے کھمبے اپنی زرد روشنی سمیت بے کراں ات ہی کا ایک حصہ معلوم ہو رہے تھے۔

فریدی اور حمید سڑک چھوڑ کر عمارت کی پشت پر پھیلی ہوئی تاریکی میں چلے گئے۔

''میرا خیال ہے کہ چودھری کی کوٹھی یہی ہے۔'' فریدی بولا۔ تھوڑی دیر تک تاریکی میں ولی ہوئی عمارت کے نیچے سے اوپر تک دیکھتا رہا پھر کہنے لگا۔ ''تھوڑی بہت محنت تو کرنی ہی ے گی۔''

''یعنی.....؟''

''ٹھہرو بتاتا ہوں.....'' فریدی نے کہا اور دیوار کی طرف چلا گیا۔ حمید بھی بڑھا فریدی دیوار کے سہارے آگے بڑھ رہا تھا۔ ایک جگہ رک کر اوپر کی طرف دیکھنے لگا۔

''اس پائپ کے سہارے ہمیں اوپر جانا ہے۔'' فریدی نے سرگوشی کی۔

''اپنے بس کا روگ نہیں۔'' حمید بھنا کر بولا۔ ''پہلے سے بتا دیا ہوتا تو لنگوٹی باندھ کر آپ بھی کمال کرتے ہیں۔''

''کیا مصیبت آ گئی۔''

''السٹر ولسٹر لاد کر مجھ سے نہ چڑھا جائے گا۔''

''السٹر اتار دو۔''

''رکھوں کہاں.....؟''

''مجھے دو.....!'' فریدی نے کہا اور بیٹھ کر اپنے جوتے اتارنے لگا۔ جوتے جیبوں ٹھونس کر اس نے حمید کا السٹر کاندھے پر ڈالا اور فلٹ ہیٹ کو سر کی پشت پر چپکا کر پائپ سہارے اوپر چڑھنے لگا۔ حمید کو طوعاً و کرہاً اس کی تقلید کرنی پڑی۔ پائپ کے لوہے کی ٹھنڈک کے ہاتھوں کی ہڈیوں میں گھسی جا رہی تھی۔ تھوڑی دور چڑھنے کے بعد اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ فلٹ ہیٹ سرک کر نیچے چلی گئی اور وہ دل ہی دل میں کوئی اچھوتی اور نئی گالی تلاش کرنے لگا۔ پائپ سے ملی ہوئی کھڑکی صاف نظر آ رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے فریدی نے ایک ٹانگ کر کھڑکی کے اندر رکھی اور حمید کی نظروں سے غائب ہو گیا۔

حمید کی حالت ابتر تھی۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے پائپ گرفت سے اب نکلا تب سانس پھول گئی تھی۔ ہاتھ اور پیر پتھر کی طرح سخت اور بے حس ہوئے جا رہے تھے۔ بدقت وہ کھڑکی تک پہنچ ہی گیا۔ لیکن اگر فریدی اسے فوراً ہی سنبھال نہ لیتا تو وہ کھڑکی اس کے جنت کی کھڑکی ثابت ہوتی۔

کمرے میں اندھیرا تھا۔ حمید جوتے پہننے لگا۔ پھر فریدی نے اس کا اوور کوٹ اتار طرف بڑھا دیا۔ اتفاقاً اس کا ہاتھ حمید کے سر سے جا لگا اور وہ چونک کر بولا

''فلٹ ہیٹ کیا ہوئی۔''

''اس پر زمین کی قوتِ کشش غالب آ گئی۔''

''خیر.....اس بات کی خوشی ہے کہ تم ایسے موقعوں پر بھی اچھے جملے بول سکتے ہو۔''

فریدی نے جیب سے ٹارچ روشن کر کے چاروں طرف دیکھا۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ جو روم کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا رہا ہوگا اور گرد و غبار سے ظاہر ہو رہا تھا کہ عرصہ سے نہیں لی گئی۔ دروازہ باہر سے بند تھا۔ فریدی کو اس دروازے کا بھی ایک شیشہ کاٹنا سے قبل وہ پائپ ہی پر چڑھے چڑھے کھڑکی کا بھی شیشہ کاٹ چکا تھا۔ دروازے کے تالا نہیں تھا۔ اس لئے دروازہ کھول لینے میں کوئی دشواری نہ ہوئی۔ کمرے سے نکل کر وقت پیش نہیں آئی کیونکہ وہ دن ہی میں اوپری منزل کو اچھی طرح دیکھ بھال چکے تھے۔ ویل راہداری سے گزرتے وقت دفعتاً فریدی نے حمید کا شانہ دبایا۔ حمید بھی رک گیا۔ آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ وہ دونوں تیزی سے چلتے ہوئے ہال کی طرف والے زینوں چلے گئے۔ انہوں نے وہ آہٹ بیرونی زینوں پر سنی تھی۔

آنے والا تھوڑی دیر تک راہداری کی ایک کھلی کھڑکی کے قریب کھڑا رہا۔ تاروں بھرے کے پس منظر میں اس کے خطوط صاف نظر آ رہے تھے۔ وہ کوئی مرد تھا وہ آدھے دھڑ سے کے باہر جھکا اور پھر وہاں سے ہٹ کر پروفیسر چودھری کی لیبارٹری کے دروازے پر انہوں نے تالے میں کنجی گھمانے کی آواز سنی۔ دروازے ہلکی آواز کے ساتھ کھلے اور کی آہٹ دور ہوتی چلی گئی۔

وہ دونوں تیزی سے چلتے ہوئے لیبارٹری میں داخل ہو گئے۔ لیکن.....ابھی ان کی آنکھیں کو تلاش کر رہی تھیں کہ پیچھے سے کئی آدمی ان پر ٹوٹ پڑے اور پھر میزوں پر رکھے شیشے کے آلات چھنا چھن ٹوٹنے لگے۔ فریدی اور حمید کو ایک دوسرے کی خبر نہ رہی۔

وہ کل پانچ تھے۔

''شلائر! خود کو ہمارے حوالے کر دو۔'' دروازے پر کسی نے انگریزی میں کہا۔ لہجہ بھی اتھا۔ پانچوں کے ہاتھ رک گئے۔ فریدی کو چھینک آئی۔ پھر ایک دوسری چھینک سنائی دی لوگوں نے اندازہ لگا لیا کہ حمید کہاں ہے۔ شاید یہ اشارہ انہوں نے ایسے ہی مواقع کے لئے کیا تھا۔

فریدی ایک کرسی کی پشت پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔ شاید ان میں سے کوئی بھی یہ نہیں سوچ

سکتا تھا کہ ابھی اسی کمرے کی ایک کرسی اچھل کر دروازے میں کھڑے ہوئے آدمی پر پڑ
گی اور وہ زمین پر چاروں خانے چت ہوگا۔

اس کے گرتے ہی فریدی نے ایک ہاتھ سے ٹارچ نکالی اور دوسرے سے ریوالور سنبھ

''اَپ مائی لیڈس.....!'' وہ کھنکھناتی ہوئی آواز میں بولا۔ ٹارچ کی روشنی میں چو
اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے کھڑے تھے اور فریدی کے ریوالور کی نال ان کی طرف تھی۔

''حمید! ان کی ٹائیوں سے ان کے ہاتھ ان کی پشت پر باندھ دو۔'' فریدی نے اردو میں

''یہ سب کسی سفید نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔''

حمید تین کے ہاتھ باندھ چکا تھا۔ دفعتاً کسی نے پیچھے سے فریدی کے ریوالور والے ہا
زور سے ہاتھ مارا اور اس کی گردن پکڑ کر آگے کی طرف دھکا دیا۔ فریدی اس غیر متوقع حملے
لئے تیار نہیں تھا۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل گیا اور وہ منہ کے بل زمین پر جا رہا۔

''بھوت.....!'' اس نے حمید کی چیخ سنی۔

فریدی نے گرتے ہی ٹارچ بجھا دی اور لیٹے ہی لیٹے اچھل کر ایک بڑی میز کے نیچے
گیا۔ وہ تین آدمی جن کے ہاتھ حمید نہیں باندھ سکا تھا اس پر ٹوٹ پڑے۔ حمید نے ریوالور
کر فائر کر دیا۔ اس نے چودھری کے بھوت کا نشانہ لیا تھا۔ جس کا چہرہ اندھیرے میں شعلے
طرح دہک رہا تھا اور جس نے فریدی کو دھکا دیا تھا۔ فائر خالی گیا۔ حمید نے ایک میز الٹ د
کوئی دب کر چیخا۔

بھوت غائب ہو چکا تھا۔ میز پھر سیدھی ہوگئی اور کوئی اس کے نیچے سے نکل کر دروازے
طرف بھاگا۔

حمید نے پھر فائر کیا لیکن یہ بھی خالی گیا۔

''کیا کرتے ہو۔'' اسے فریدی کی آواز سنائی دی۔ ساتھ ہی کوئی دھم سے گرا۔ راہدا
میں بہت سے قدموں کی آہٹیں گونج رہی تھیں۔ پھر سکوت طاری ہوگیا۔

فریدی کی ٹارچ کی روشنی لیبارٹری میں پھیل گئی اور حمید نے دیکھا کہ فریدی ایک آدمی
سوار ہے۔

دونوں نے مل کر اسے اٹھایا۔ یہ انہیں میں سے تھا جن کے ہاتھ حمید نے باندھے تھے اس
کے ہاتھ ابھی تک بندھے ہوئے تھے۔ فریدی اسے کالر سے پکڑ کر کھینچتا ہوا ہال میں جانے والے
ینوں کی طرف چلا۔ حمید ان کے پیچھے تھا اس کے ایک ہاتھ میں ٹارچ تھی اور دوسرے میں ریوالور۔

ہال میں روشنی تھی اور وہ بالکل سنسان پڑا ہوا تھا۔ فریدی نے قیدی کو ایک صوفے میں
پھینک دیا اور صوفے کے ہتھے پر پیر رکھ کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ اس کی ناک سے خون
بہہ رہا تھا اور چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے۔

''کیوں بیٹے! یہ سب کیا ہے؟'' فریدی نے انگریزی میں پوچھا۔

وہ کچھ نہ بولا۔ فریدی نے اس کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا۔

''بولو نا چچا.....!'' حمید نے اس کی زخمی ناک پکڑ کر زور سے دبا دی اور وہ بیساختہ چیخ پڑا۔

دفعتاً سامنے والا کمرہ کھلا اور مسز چودھری باہر آتی دکھائی دی۔ وہ حد درجہ خوفزدہ نظر آ رہی
تھی۔ وہ فریدی اور حمید کی طرف بے تحاشہ دوڑی۔

''فریدی صاحب..... کیا ہوا.....؟ یہ سب کیا ہے؟ میں نے ابھی فائر کی آواز سنی تھی۔''

''کوئی بات نہیں ہم لوگ غافل نہیں تھے۔ کیا آپ نے اسے کبھی دیکھا ہے؟''

تارا چودھری اسے غور سے دیکھتی رہی پھر نفی میں سر ہلا کر بولی۔ ''میں نہیں جانتی..... لیکن
..... یہ..... کیا یہاں میری کوٹھی میں؟''

''جی ہاں..... یہاں کوئی حیرت انگیز بات ہونے والی ہے۔''

''کیا بہت سے تھے؟''

''جی ہاں.....!''

''اور وہ.....؟''

''چودھری صاحب کا بھوت.....!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''وہ اتفاق سے نکل گیا۔ لیکن
مطمئن رہئے نہ وہ چودھری صاحب ہیں اور نہ ان کا بھوت.....!''

''پھر.....؟''

''کچھ بھی نہیں۔'' فریدی صوفے کے پاس سے ہٹتا ہوا بولا۔ پھر حمید کی طرف مڑ کر کہا۔

''کوتوالی فون کردو۔''

''آپ کی پیشانی زخمی ہوگئی ہے۔'' تارا بولی۔

''فکر مت کیجئے۔''

''میں ڈریسنگ کا سامان لاتی ہوں۔ لیکن فریدی صاحب میں اب اس کوٹھی میں نہ رہ سکوں

''ٹھیک ہے۔'' فریدی نے سر ہلا کر کہا۔ ''آپ اسے پولیس کے حوالے کر کے کسی کے یہاں چلی جایئے۔''

دفعتاً قیدی کی چیخ سے ہال کی دیواریں جھنجھنا اٹھیں۔

وہ دونوں اچھل پڑے۔

قیدی زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا..... اور..... اس کے پیٹ میں ایک تیر پیوست تھا۔

اس نے کربناک انداز میں آخری جست لگائی..... اور گر کر ٹھنڈا ہو گیا۔

تارا چیخ کر فریدی کے بازوؤں میں آ گری۔

حمید جو دوسرے کمرے میں فون کر رہا تھا..... ریسیور پھینک کر ہال میں آ گیا۔

ہال میں قبرستان کی سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

پھر سب سے پہلے فریدی چونکا۔

انہوں نے پوری کوٹھی چھان ماری لیکن ایک نفس بھی نہ دکھائی دیا۔

بکرا مچھ

اسی رات کو پروفیسر چودھری کی کوٹھی میں پولیس نے ڈیرا ڈال دیا۔ پروفیسر چودھری بیوی کوٹھی چھوڑ کر اپنے ایک عزیز کے یہاں چلی گئی۔ اس کوٹھی میں ایسے عجیب و غریب حا

کسی یوروپین کی لاش ملنا معمولی بات نہ تھی۔ دوسرے ہی دن ملک کے اخبارات کے کالم کے لم سیاہ ہو گئے اور پروفیسر کے اچانک غائب ہو جانے والا واقعہ پھر سے کریدا گیا لیکن صحیح فات کا اظہار کسی نے نہیں کیا تھا اور کرتا بھی کیسے جب کہ..... فریدی ہی نے غلط رپورٹ دی ں۔ اس کے رپورٹ کے مطابق وہ اور حمید چودھری کی کوٹھی کے قریب سے گزر رہے تھے کہ وں نے کچھ آدمیوں کو مشتبہ حالت میں کوٹھی کے اندر داخل ہوتے دیکھا پھر وہاں انہیں ان سے ڈھائی بھی کرنی پڑی۔

چودھری کی بیوی نے پہلے ہی اپنی کوٹھی میں ہونے والے واقعات کی رپورٹ درج کرا دی ی۔ بس ان دونوں رپورٹوں کو ملا کر اخبارات نے عجیب عجیب کہانیاں تراشی تھیں۔

فریدی رات ہی سے بہت مصروف تھا۔ اس نے بے شمار فائل کھول رکھے تھے۔ لاتعداد ماہر اس کے سامنے پڑی تھیں اور وہ انہیں بغور دیکھ رہا تھا۔ ایش ٹرے راکھ سے بھر گیا تھا۔ قریباً دو بجے رات کو ان کی واپسی ہوئی تھی۔ تب سے وہ جاگتا ہی رہا تھا۔ حمید بھی اس کے رب ہی موجود تھا لیکن آرام کرسی پر۔ ویسے اگر وہ نوکیلے پتھروں پر بھی بیٹھا ہوتا تو اس کی نیند کو ئی نہیں روک سکتا تھا۔ پھر پچھلی رات کی ورزش اور دھول دھپے کے بعد کی تھکن..... وہ لمہان سے خراٹے لے رہا تھا۔

سورج طلوع ہو گیا تھا اور دھوپ پھیلتی جا رہی تھی۔ دفعتاً انور اور رشیدہ کمرے میں داخل ئے۔ انور کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور چہرے پر کئی نیلے اور سرخ نشانات نظر آ رہے تھے۔

انور فریدی کے سر پر بھی پٹی بندھی دیکھ کر مسکرایا۔

''آپ بھی زخمی ہو گئے؟''

فریدی نے کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔

''آپ نے مجھے اطلاع نہ دی۔'' انور بیٹھتا ہوا بولا۔

''مجھے اس کی توقع نہیں تھی۔'' فریدی نے کہا۔

''آپ خراٹے فرما رہے ہیں۔'' رشیدہ نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

حمید ان کی آوازیں سن کر جاگ پڑا تھا لیکن اس نے آنکھیں کھولنے کی زحمت گوارا نہ کی۔

''خرافے نشر کر رہا ہوں۔'' وہ آنکھیں بند کئے ہی کئے بڑبڑایا۔

''آخر بات کیا تھی؟'' انور نے فریدی سے پوچھا۔

فریدی نے مختصراً سارے واقعات دہرا دیئے۔ پھر تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔ ''ا نے ہم پر کسی کے دھوکے میں حملہ کیا تھا۔''

''کسی اور کے دھوکے میں.....؟'' انور بولا۔

''ہاں..... کیونکہ انہوں نے شلائر کے نام سے مخاطب کیا تھا۔''

''شلائر.....؟''

''ہاں شلائر۔'' فریدی سگار کا کش لے کر بولا۔ ''کیا تم نے کبھی یہ نام سنا ہے؟''

''ممکن ہے سنا ہو۔''

فریدی نے ایک تصویر انور کی طرف بڑھا دی جسے دیکھتے ہی وہ بے ساختہ چونک رشیدہ بھی جھک کر تصویر دیکھنے لگی۔

''یہ ناک.....!'' انور آہستہ سے بڑبڑایا اور فریدی کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

''یہ مغربی جرمنی کا ایک جاسوس ہے اور آج کل یہاں باضابطہ طور پر آیا ہوا ہے۔ حکومت کی طرف سے کوئی پیغام لے کر..... جس کی اطلاع ابھی تک ہمیں بھی نہیں ہو سکی۔ ہے کہ یہ گارساں ہی کے متعلق کچھ ہو۔''

''لیکن پروفیسر درانی کے یہاں اس کا کیا کام.....!'' انور نے بے چینی سے کہا۔

''پروفیسر درانی کے یہاں؟'' فریدی کے لہجے میں تحیر تھا۔

''جی ہاں..... میں نے اسے کل رات کو بارہ بجے پروفیسر کے سیکریٹری کے کمرے اس سے گفتگو کرتے دیکھا تھا۔''

''اوہ تو تم پھر وہاں گئے تھے؟'' رشیدہ انور کو گھور کر بولی۔

''میں بتاؤں۔'' حمید یک بیک انگڑائی لے کر اٹھ بیٹھا۔ ''پروفیسر کی لڑکی بڑی حسین ہے؟''

رشیدہ انور کو تیز نظروں سے دیکھنے لگی۔

انور فریدی سے کہہ رہا تھا۔ ''میں اسے تھوڑی سی سزا دیئے بغیر نہ مانوں گا اور اسی چکر

ل رات کو وہاں گیا تھا۔''

''یقیناً.....!'' حمید دیدے پھرا کر بولا۔ ''اگر تم اس کی لڑکی کو اُلو بنانے میں کامیاب ئے تو یہ اس کے لئے سخت ترین سزا ہوگی۔''

''حمید.....!'' فریدی اسے گھورنے لگا۔

''سرکار.....!'' حمید اسی لہجے میں جھکتا ہوا بولا۔

''اگر سنجیدگی سے نہیں بیٹھ سکتے تو چلے جاؤ۔''

''جو حکم.....!'' حمید مسکرا کر بولا اور کمرے سے نکل گیا۔

''تمہیں یقین ہے کہ وہ یہی تھا جس کی تم تصویر دیکھ رہے ہو۔'' فریدی نے انور سے پوچھا۔

''مجھے یقین کامل ہے۔''

''اوہ.....!'' فریدی کرسی کی پشت سے ٹک کر انور کی طرف دیکھنے لگا۔

''گارساں کی تصویر نہیں ہے آپ کے پاس.....؟'' انور نے پوچھا۔

''اس کا کوئی صحیح ریکارڈ کہیں نہیں ہے۔''

''لیکن ان ملکوں کے پاس تو ہونا ہی چاہئے جن کے لئے وہ کام کرتا رہا ہے۔''

''وہ بھی اس بات پر متفق ہیں کہ ان کے پاس اس کا صحیح ریکارڈ نہیں ہے۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔'' انور کچھ سوچتا ہوا بولا۔

''اس کی صحیح شکل تک تو معلوم نہیں کسی کو۔'' فریدی نے کہا۔ ''یہی وجہ ہے کہ وہ آج بھی زادی سے اس زمین پر چل رہا ہے۔ ورنہ اس کی دشمن ساری دنیا ہے۔''

''ممکن ہے وہ چودھری کا بھوت ہی گارساں ہو۔'' انور نے کہا۔

''لیکن آخر چودھری کی کوٹھی سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟'' رشیدہ بولی۔

''یہی سب سے بڑا سوال ہے۔'' فریدی نے کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔ پھر تھوڑی ر بعد بولا۔ ''اور اب یہ بات بھی سامنے آ گئی کہ شلائر بھی۔''

''کہیں وہ چودھری کا بھوت چودھری ہی نہ ہو۔'' رشیدہ نے کہا۔

''پہلے میں بھی یہی سمجھا تھا لیکن پچھلی رات یہ خیال ترک کر دینا پڑا۔''

''کیوں.....؟'' رشیدہ نے پوچھا۔

ظاہر ہے کہ چودھری پر اسرار طریقے پر غائب ہوگیا تھا اس کی کوئی معقول وجہ
چاہئے۔ پھر اچانک چھ ماہ بعد بھوت کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ ہی سارے
میں کچھ اور لوگ بھی دلچسپی لینے لگتے ہیں۔ اگر وہ چودھری ہے تو کسی خاص مصلحت کی بنا
بھوت بنا ہوگا۔ فرض کرلو کہ وہ اپنی کسی خاص چیز کی حفاظت کے لئے ایسا کر رہا ہے اور پھر
بھی اسی چیز کی تاک میں ہیں۔ چودھری انہیں اس بہروپ میں کوٹھی سے دور رکھنا چاہتا
پچھلی رات کو جب میں ان لوگوں سے نپٹ رہا تھا اسی نے مجھ پر پیچھے سے حملہ کیا تھا
چودھری ہی تھا تو اس نے ایسا کیوں کیا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ وہاں ایک سے زیادہ پارٹیاں
دکھا رہی ہیں۔ اگر وہ چودھری ہے تو اسے اس سے واقف ہونا چاہئے ورنہ اس نے یہ
کیوں بھرا ہے۔ ایسی حرکتیں عموماً بے بس آدمی ہی کیا کرتے ہیں۔ لیکن کل کی بات سے
ہو رہا ہے کہ وہ بے بس نہیں ہے۔ جن لوگوں سے میں لڑ رہا تھا ان پر اس کی موجودگی کا کو
نہیں ہوا تھا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اس کی حقیقت سے واقف ہیں اور وہ ان کی
سے۔ اب سوچو! چودھری اگر اتنا انتظام رکھ سکتا تھا تو پھر اسے بھوت کی شکل میں ظاہر ہو
کیا ضرورت تھی اور اگر وہ یہ جانتا تھا کہ کچھ لوگ اسے بھوت نہ سمجھیں گے تو پھر اس بہرو
سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

''پھر وہ کون ہے؟'' رشیدہ نے پوچھا۔

''کوئی بھی ہو لیکن چودھری نہیں ہوسکتا۔'' فریدی نے کہا اور پھر کچھ سوچنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے حمید کو آواز دی۔

''شیو کر رہا ہوں۔'' حمید نے دوسرے کمرے سے کہا۔

''اس کے بعد ذرا یہاں آجانا۔''

''اس ٹرانسمیٹر میں پھر کوئی آواز سنائی دی تھی؟'' انور نے پوچھا۔

''نہیں لیکن آفس کے ٹرانسمیٹر میں وہ اشارے پچھلی رات کو بھی سنے گئے تھے۔''

''وہ کار میرے ذہن میں ہے۔'' انور بولا۔

''قطعی بیکار ہے۔'' حمید نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''تمہیں بازار تک جانا ہے۔'' فریدی نے حمید سے کہا۔

''کیوں.....؟''

''ایک بڑی مچھلی اور ایک بکری کے بچے کا سر لاؤ۔''

حمید حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ کیونکہ اس قسم کی خرید و فروخت عموماً باورچی کیا کرتے تھے۔ فریدی کافی سنجیدہ نظر آرہا تھا۔

''باورچی سے کہئے.....آپ نے مجھے اتنا گھٹیا سمجھ لیا ہے۔''

''پھر وہی! میں کہتا ہوں فضول باتیں مت کرو.....نوکروں کو اس کا علم نہ ہونا چاہئے۔''

''مجھے اُلو مت بنائیے.....!''

''جاؤ.....!'' فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا اور حمید پیر پٹختا ہوا باہر چلا گیا۔

رشیدہ ہنسنے لگی۔

''اس کا اسکریو ہر وقت ڈھیلا ہی رہتا ہے۔'' انور نے کہا۔

''خبطی ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا ''مگر ہے شاندار آدمی۔ کل تو اس نے اس بھوت کا صفایا
ہی کردیا تھا۔ تھوڑا بہت کام چور ضرور ہے لیکن جب کوئی کام کرنے پر آجاتا ہے تو دنیا کی کوئی
طاقت اسے نہیں روک سکتی۔''

''لیکن بعض اوقات بہت تکلیف دہ ہو جاتا ہے۔'' انور نے کہا۔

''تم اس سے اچھی طرح واقف نہیں۔'' فریدی بولا۔ ''پروفیسر درانی کے یہاں نوکر کتنے ہیں؟''

''نوکر.....؟ شاید یہ نہ بتا سکوں کیونکہ مجھے وہاں اس کے سیکریٹری اور اس کی لڑکی کے
علاوہ اور کوئی نہیں نظر آیا۔''

حمید کپڑے پہن کر پھر اُسی کمرے میں آگیا۔

''تم ابھی گئے نہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''سنئے جناب۔'' حمید ہاتھ پھیلا کر بولا۔ ''میں ابھی اتنا بڑا سراغ رساں نہیں ہوا کہ ناشتہ
کرنا بھی بھول جاؤں۔''

''اوہ.....!'' فریدی نے انور اور رشیدہ کو مخاطب کر کے کہا۔ ''تم نے بھی ابھی ناشتہ نہ کیا ہو؟''

''کر چکے ہیں۔'' رشیدہ ہنس کر بولی ''اور اگر نہ بھی کیا ہوتا تو تب بھی یہی کہتے۔''

''کیوں.....؟''

''حمید صاحب کی حق تلفی کے خوف سے۔'' رشیدہ نے کہا۔

''جملہ کچھ جچا نہیں۔'' حمید نے بُرا سا منہ بنایا۔ ''مگر خیر میں اخلاقاً ہنسوں گا ضرور۔''

پھر اس نے زبردستی ایک زوردار قہقہہ لگایا اور سب ہنسنے لگے۔

حمید شاید ناشتے کے لئے کہتا آیا تھا کیونکہ اس کے آنے کے بعد ہی ناشتے کی ٹرالی آئی۔ ناشتے کے دوران بھی حمید کی زبان نہ رکی۔

''یار جلدی کرو۔'' فریدی اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''اڑن طشتریوں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔'' حمید نے فریدی کی بات اڑا کر رشیدہ سے مخاطب کیا۔

''وہی جو سب کا ہے۔''

''سب میں تو میں بھی آ گیا لیکن ان کے متعلق میرا کچھ خیال نہیں ہے۔''

''بہرحال دوسروں کے خیال سے تو متفق ہی ہو گے۔''

''دوسروں کی تو میری نظروں میں کوئی اہمیت ہی نہیں۔''

''اے حمید صاحب۔'' فریدی نے اسے پھر ٹوکا۔

''جناب والا.....! ہاں تو رشیدہ صاحبہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ میری نظروں میں ان خیالات کی کوئی اہمیت نہیں۔ نہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ کسی سیارے کے ہوائی جہاز ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ وہ کسی جنگ باز ملک کا کوئی مہلک ہتھیار ہیں۔ اللہ تمہیں نور ایمان عطا کرے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ رحمت خداوندی کے خوان ہیں جن میں بھنی ہوئی بٹیریں اور سیخ کے کباب پائے جاتے ہیں۔''

''اچھا تو میں خود ہی جاتا ہوں۔'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

''بس ایک کپ کافی اور..... آخر اتنی جلدی کیوں ہے؟'' وہ اپنی پیالی میں کافی انڈیلتا ہوا بولا۔

ناشتے کے بعد حمید چلا گیا۔

فریدی انور اور رشیدہ سے کافی دیر تک گفتگو کرتا رہا۔ چودھری کی گمشدگی کا بھی تذکرہ چھیڑا۔

''مجھے یقین ہے'' فریدی بولا۔ ''کہ چودھری خود سے غائب نہیں ہوا بلکہ اسے غائب کیا گیا ہے۔''

''واقعات کو آپ جس روشنی میں لے رہے ہیں اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔'' انور نے کہا۔

''لیکن ان سب باتوں کا کیا مطلب ہے؟'' رشیدہ بولی۔

''شاید مطلب بھی واضح ہو جاتا۔ لیکن حمید نے فائر کر کے سب گڑبڑ کر دیا۔'' فریدی نے کہا۔

''کیوں اس سے کیا ہوا.....؟''

''جو بھی پارٹیاں اس کوٹھی میں دلچسپی لے رہی ہیں وہ خود اس سلسلے میں احتیاط برتتی ہیں کہ ان کی موجودگی کا علم کسی کو نہ ہو سکے۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔''

''وہ یہ نہیں چاہتے کہ ان کی آپس کی جدوجہد کے سلسلے میں کوئی ایسی بات ہو جس کی خبر پولیس تک جا پہنچے۔ کل بھی ان میں سے کسی نے ریوالور نہیں استعمال کیا۔''

''حمید کے ذہن میں ابھی کچا پن ہے۔'' انور بولا۔

اتنے میں حمید بھی واپس آ گیا۔ شاید اس نے انور کا جملہ سن لیا تھا۔ منہ بنا کر کہنے لگا۔

''اور تمہارا ذہن پک کر سڑ گیا ہے۔ تم جیسے لونڈوں کی یہ مجال کہ میرے ذہن پر تنقید کریں۔''

''بات کہنے کا سلیقہ پیدا کرو۔'' انور اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔

''اکیلے کوئی کچھ نہیں پیدا کر سکتا۔'' حمید کچھ اور کہنے جا رہا تھا کہ فریدی بول پڑا۔

''لائے یا نہیں؟''

''لایا ہوں۔'' حمید نے تھیلا اس کے سامنے پٹخ دیا۔

''اب یہی بدسلیقگی ملاحظہ فرمایئے۔'' انور نے مسکرا کر کہا۔ ''باورچی خانے کے بجائے اسے یہاں اٹھا لائے۔''

''یہ چیز تمہارے اُبلے ہوئے ذہن کے لائق نہیں ہے۔'' حمید بولا۔ حالانکہ یہ حقیقت تھی کہ خود اسے بھی نہیں معلوم تھا کہ فریدی نے وہ سب کیوں منگوایا ہے۔

''حمید ٹھیک کہتا ہے..... یہ سب باورچی خانے کے لئے نہیں۔'' فریدی نے کہا۔ اور تھیلا اٹھا کر اس کے اندر دیکھنے لگا پھر تھوڑی دیر بعد اسے اٹھائے ہوئے کمرے سے چلا گ

''خدا خیر کرے۔'' حمید اپنے چہرے پر سراسیمگی کے آثار پیدا کر کے بولا۔

''کیوں.....؟'' رشیدہ اسے تحیر آمیز انداز میں دیکھنے لگی۔

''اب چپ چاپ یہاں سے کھسک لینا چاہئے۔ شاید فریدی صاحب کا پرانا مرض پھر ابھر آیا ہے۔''

''کیا بکتے ہو.....؟'' انور بڑبڑایا۔

''نہیں یار.....؟'' حمید غمزدہ صورت بنا کر آہستہ سے بولا۔ ''تم ان کی زندگی کے حالا اور ان کی ٹریجڈیز سے واقف نہیں ہو۔''

''کیا.....؟'' رشیدہ نے پراشتیاق لہجے میں پوچھا۔

''یہ میں نہیں بتا سکتا۔ لیکن یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ کسی بھی غیر معمولی شخصیت کا مالک انس چوٹ کھایا ہوا آدمی ہوتا ہے۔ آج دسمبر کی اٹھارہ تاریخ ہے نا۔''

حمید خاموش ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔

''آخر بتاتے کیوں نہیں؟'' رشیدہ بے چینی سے بولی۔

''ہر ماہ کی اٹھارہ تاریخ کو..... مگر نہیں..... کچھ نہیں میں مجبور ہوں۔''

''کس کی باتوں میں پڑی وہ۔'' انور منہ سکوڑ کر بولا۔

''انور تم نہیں جانتے۔'' شدت غم سے حمید کی آواز حلق میں پھنسنے لگی۔

انور بھی حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ کیونکہ حمید اس سے پہلے کبھی ایسے موڈ میں نظ نہیں آیا تھا۔

''آخر بتانے میں کیا حرج ہے؟'' رشیدہ کا اشتیاق بڑھتا جا رہا تھا۔

''ناممکن ہے۔ یہ اس صدی کے ایک بہت بڑے آدمی کی زندگی کا راز ہے۔'' حمید آہستہ سے بولا۔ ''لیکن اتنا بتا سکتا ہوں کہ پچھلے ماہ انہوں نے ایک مرغ اور ایک سانپ کے ساتھ بھی برتاؤ کیا تھا۔''

''یعنی.....؟''

''ایک سانپ اور ایک مرغ کو لڑا کر بڑی دیر تک روتے رہے تھے۔''

''غلط.....!'' رشیدہ ہنس پڑی۔ ''بھلا مرغ کس طرح لڑا ہوگا سانپ سے۔ مرغ تو پ کو دیکھ کر ہی مر جاتے ہیں۔''

''یہی تو بات ہے..... انہوں نے مرغ کو شراب پلا دی تھی۔''

''کیا بکتا ہے۔'' انور بے تحاشہ ہنس پڑا۔ لیکن حمید بدستور غمگین رہا۔ اس نے عجیب غمزدہ از میں رشیدہ کی طرف دیکھا جو سنجیدگی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

''اور پھر جب مرغ مر گیا تو وہ اور زیادہ روئے۔''

''تم ہمیں بے وقوف بنا رہے ہو۔'' رشیدہ ہنس پڑی۔

''میں تمہیں یقین نہیں دلانا چاہتا۔'' حمید پہلے سے بھی زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگا۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر رشیدہ بولی۔

''ہم کسی سے کہیں گے نہیں۔''

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ اس کے چہرے سے ہچکچاہٹ ظاہر ہو رہی تھی۔

''کوئی..... عورت.....!'' حمید اٹک اٹک کر بولا۔ پھر دفعتاً چونک کر کہنے لگا۔ ''نہیں ما..... رشیدہ صاحبہ میں مجبور ہوں۔''

رشیدہ کے چہرے پر الجھن کے آثار پھر ابھر آئے تھے اور وہ انور کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''فضول وقت برباد کر رہی ہو۔'' انور ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ حمید نے چھت کی طرف دیکھ کر طرح منہ بنایا جیسے غمگین سروں میں سیٹی بجائے گا۔ پھر انور کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''ور صاحب! میرا ہی جگر ہے کہ ایک نیم پاگل آدمی کے ساتھ دن رات رہتا ہوں۔ تم فریدی حب کی گھریلو زندگی سے واقف نہیں ہو..... اگر تم کسی آدمی کے کمرے میں.....!''

حمید پھر خاموش ہو گیا اور رشیدہ بے تابی سے کرسی پر پہلو بدلنے لگی۔

''میں ایک ہفتہ قبل کی بات کر رہا ہوں..... ایک رات تقریباً دو بجے میری آنکھ کھل گئی۔'' وہ خاموش ہو گیا۔

اور انور بھنا کر بولا۔ ''ارے تو بتاؤ نا.....!''

''دل نہیں چاہتا..... مگر خیر فریدی صاحب کے سامنے اس کا تذکرہ نہ آنے پائے آہستہ سے بولا۔ ''میں نے ان کے کمرے میں اچھل کود کی آوازیں سنیں اور گھبرا کر اپنے سے نکل آیا۔ ان کے کمرے میں خاصی ہڑبونگ مچی ہوئی تھی..... اوہ میرے خدا..... بڑے بالوں والی کتیا کو شراب پلا رہے تھے۔''

''بکواس ہے..... کتے شراب نہیں پیتے۔'' انور نے کہا۔

''لیکن وہ پلا رہے تھے..... فریدی جیسے ذہین آدمی کے لئے دنیا کی کوئی بات نہیں۔ شراب کسی جانور یا پرندے کے خون میں ملا کر دی جا رہی تھی۔ بہر حال اس کے نے جو کچھ دیکھا..... ہرگز نہ بتاؤں گا۔''

''چلو رشیدہ دیر ہو رہی ہے۔'' انور اٹھتا ہوا بولا۔

حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

''بتاؤ نا.....!'' رشیدہ انور کی بات نظر انداز کر کے بولی۔

''کیا فائدہ.....!'' حمید کی آواز رقت انگیز تھی۔ ''تم سن کر ہنسو گی۔ لیکن میں سچ کہ فریدی صاحب کو کبھی کوئی دردناک حادثہ پیش آیا ہے۔''

انور نے رشیدہ کی طرف دیکھا اور پھر جھٹکے کے ساتھ کرسی پر بیٹھ گیا۔ رشیدہ کے فی الحال اٹھنے کا ارادہ نہیں ظاہر ہو رہا تھا۔

''وہ کتیا کو شراب پلا کر تھوڑی دیر تک اس کی طرف دیکھتے رہے پھر سینے پر ہاتھ آہستہ سے کہا۔ 'قمر النساء ڈارلنگ..... پھر وہ شاید اس کی تھوتھنی سے اپنے ہونٹ ملانے تھے کہ بف کر کے وہ پیچھے ہٹ گئی۔ وہ پھر بولے۔ قمر النسا ڈارلنگ میں مر جاؤں گا۔ کتیا بھونکنے لگی تھی۔ بہر حال وہ اس کا منہ چومنے میں ناکام رہے۔''

''رشیدہ.....!'' انور کے لہجے میں جھلاہٹ تھی اور رشیدہ برابر ہنسے جا رہی تھی لیکن چہرہ بالکل ایسا ہی نظر آ رہا تھا جیسے وہ کسی لاش کے سرہانے بیٹھا ہو۔

''میں کہتا تھا کہ تم ہنسو گی۔ فریدی صاحب پر اسی قسم کے دورے پڑتے ہیں۔''

حمید کی آواز بھرا گئی اور اس کی آنکھوں میں رکے ہوئے آنسو گالوں میں ڈھلک آئے۔

رشیدہ یک بیک سنجیدہ ہو گئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی شریف آدمی کو غیر ارادی طور پر گالی دے بیٹھنے کے بعد ندامت کا اظہار کر رہی ہو۔

''اچھا آؤ.....!'' حمید رومال سے آنسو خشک کر کے اٹھتا ہوا بولا۔ ''میں تمہیں دکھاؤں۔ آج بھی کوئی نیا گل کھلے گا۔ لیکن تمہیں اس طرح چلنا ہوگا کہ تمہارے قدموں سے آواز پیدا نہ ہو۔''

وہ انہیں اوپری منزل پر لے آیا جہاں فریدی کی تجربہ گاہ تھی۔ حمید انہیں ٹھہرنے کا اشارہ کر کے پنجوں کے بل ایک کھڑکی کے قریب آ گیا۔ چند لمحے تجربہ گاہ میں جھانکتا رہا پھر پلٹ کر انہیں قریب آنے کا اشارہ کیا۔

وہ دونوں دبے پاؤں کھڑکی کے پاس آ گئے۔ فریدی ایک بڑی میز کے قریب کھڑا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں ایک ایسی مچھلی لٹکا رکھی تھی جس کا سر بکری کا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر عجیب قسم کی مسکراہٹ تھی۔

''اب چپ چاپ نکل چلو۔'' حمید آہستہ سے بولا اور وہ تینوں دبے پاؤں نیچے آ گئے۔

''اب تم لوگ جاؤ..... میری شامت آنے والی ہے۔'' حمید نے کہا۔

''کیوں.....؟ یہ کیا تھا.....؟''

''بکر مچھ.....!'' حمید سنجیدگی سے بولا۔ ''جب سوچتے سوچتے ان کا دماغ تھک جاتا ہے تو وہ ہمیشہ اسی قسم کی ایک مچھلی بناتے ہیں۔ اسے بکر مچھ کہتے ہیں اور دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور پھر میری گردن دبوچ کر انتہائی غصے میں کہتے ہیں کہ اس کی پوجا کرو۔''

''بکواس ہے۔'' انور نے کہا۔

''یار تم مجھ پر اعتماد نہیں کرتے۔ کیا تم نے انہیں یہ کہتے نہیں سنا تھا۔ حمید جانتا ہے کہ یہ باورچی خانے کے لئے نہیں ہے۔''

انور متذبذب نظر آنے لگا۔

''اچھا..... بس اب جاؤ..... میں نہیں چاہتا.....''

انور اور رشیدہ تھوڑی دیر تک خاموش کھڑے رہے پھر جانے کے لئے مڑے اور حمید بولا۔

''اب مجھے اپنی خیر منانی چاہئے۔''

جب اسے یہ اطمینان ہوگیا کہ وہ پھاٹک کے باہر پہنچ گئے ہوں گے تو اس۔ دار قہقہہ لگایا اور خود ہی اپنی پیٹھ ٹھونکنے لگا۔ پھر دفعتاً اسے فریدی دکھائی دیا۔ وہ زینہ اتر رہا تھا..... اسے احمقوں کی طرح ہنستا دیکھ کر رک گیا۔

''سب ٹھیک ہوگیا۔'' حمید نے قلقاری لگائی۔ ''رشیدہ میرے ساتھ شادی رضامند ہوگئی ہے۔ اس بات پر اس میں اور انور میں جھگڑا ہوگیا اور وہ دونوں چلے گئے

چوکور کنواں

دوسرے دن انور اپنے آفس میں نیو اسٹار کے ہم عصر اخبارات کے تازہ شمار تھا۔ دفعتاً وہ چونک پڑا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک مقامی اور کثیر الاشاعت اخبار تھا۔

''رشو.....!'' اس نے رشیدہ کو مخاطب کیا جو ٹائپ رائٹر پر سے ڈھکن اٹھا رہی تھی میں نہ کہتا تھا تم اس سؤر کو نہیں جانتیں۔''

''کسے.....؟ کیا بات ہے۔''

انور نے اخبار اس کی طرف پھینک دیا۔ رشیدہ نے پہلے ہی صفحہ پر ایک بے غریب آبی جانور کی تصویر دیکھی جس کا سر بکری کا تھا اور دھڑ مچھلی کا۔ اسی کے نیچے ایک میں کہا گیا تھا کہ اٹھارہ دسمبر کو انسپکٹر احمد کمال فریدی نے ایک ماہی گیر سے ایک ایسی چ ہے جس کا سر بکری کا ہے اور اس کے بعد فریدی کی افتادِ طبع کے متعلق ایک داستان تھی مطابق وہ عجائبات کا شوقین اور ایک عمدہ قسم کے چھوٹے موٹے عجائب خانہ کا مالک تھا۔

''کمال کا آدمی ہے۔'' رشیدہ اخبار رکھ کر بولی۔ ''وہ زو بھی تو رہا تھا..... کسی کو

باتوں پر یقین آ سکتا ہے۔''

طلسم ہوشربا پڑھی ہے تم نے؟'' انور نے پوچھا۔

''ہاں..... کیوں؟''

''اس کا ایک کردار عمرو عیار ہے۔''

''ہاں.....!''

''یہ کم بخت اس سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ عموماً خود کو بالکل احمق ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن اس کے زہریلے پن سے میں ہی واقف ہوں۔ جانتی ہو اس نے ہم لوگوں کو کیوں ٹال دیا تھا۔''

رشیدہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''اس نے یہ سب کچھ ہمیں ٹالنے ہی کے لئے کیا تھا۔ اگر ہم لوگ وہاں ٹھہرتے تو اسے ہماری گفتگو میں حصہ لینے پر مجبور ہونا پڑتا۔ معلوم نہیں ہمارے اس طرح چلے آنے پر اس نے فریدی صاحب سے کیا کہا ہوگا؟''

''لیکن اس تصویر کی اشاعت سے فریدی صاحب کا کیا مقصد ہوسکتا ہے۔'' رشیدہ نے پوچھا۔

''معلوم نہیں..... ان کے طریقے ذرا مشکل ہی سے سمجھ میں آتے ہیں۔''

رشیدہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ انور نے رشیدہ کو اشارہ کیا۔

''ہیلو.....!'' رشیدہ نے ریسیور اٹھایا۔ ''اوہ..... جی ہاں..... اچھا۔'' وہ پھر انور کی طرف مڑ کر بولی۔ ''تمہارا فون ہے۔ فریدی صاحب ہیں۔'' انور نے ریسیور رشیدہ کے ہاتھ سے لے لیا۔ ''ہیلو..... جی..... جی..... اچھا..... ابھی آیا.....!'' انور نے ریسیور رکھ دیا۔

''کہاں.....؟'' رشیدہ نے پوچھا۔

''پروفیسر چودھری کی کوٹھی پر۔ اگر کوئی کام پینڈنگ میں نہ ہو تو چلو۔''

وہ دونوں نیچے آئے۔ انور نے موٹر سائیکل فٹ پاتھ سے سڑک پر اتاری اور دونوں پروفیسر کی کوٹھی کی طرف روانہ ہوگئے۔

پھاٹک پر پولیس کا پہرہ تھا۔ لیکن شاید انہیں پہلے ہی سے مطلع کر دیا گیا تھا۔ اس لئے

انہوں نے انور کی موٹر سائیکل نہیں روکی۔ پورٹیکو میں دونوں اتر گئے۔ محکمہ سراغ رسانی کا ا
آدمی ان کی رہنمائی کے لئے برآمدے میں موجود تھا۔

فریدی اور حمید ایک کمرے میں خاموشی سے کھڑے کسی مسئلے پر غور کر رہے تھے۔ انور
رشیدہ کو دیکھ کر حمید نے قہقہہ لگایا اور رشیدہ جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

''مسز چودھری نہیں آئیں؟'' فریدی نے اس آدمی سے پوچھا جو انور اور رشیدہ کو یہ
تک لایا تھا۔

''جی نہیں۔''

'اچھا تو جاؤ.....!'' فریدی نے کہا۔ ''وہ بھی آ ہی رہی ہوں گی۔''

اس کے جانے کے بعد حمید نے مسکرا کر انور کی طرف دیکھا۔

''امید ہے کہ تم نے بکرمچھ کی تصویر آج کے مورننگ نیوز میں ضرور دیکھی ہوگی۔'' اس نے

''بھائی حمید! واقعی تم بڑے خطرناک آدمی ہو۔'' رشیدہ ہنس کر بولی۔

''انور کے سامنے ایسا نہ کہو۔'' حمید خشک لہجے میں بولا۔ ''ورنہ خودکشی کر لے گا۔''

فریدی کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ان کی گفتگو میں کوئی دلچسپی نہ لے رہا
وہ کمرے کے بیرونی دروازے میں کھڑا باہر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''یہ پروفیسر چودھری کے سونے کا کمرہ ہے۔'' دفعتاً اس نے مڑ کر انور سے کہا۔ ''وہ
سے غائب ہوا تھا اور وہ دروازہ جو ہال میں کھلتا ہے اندر سے بند پایا گیا تھا اور یہ دروازہ.....
اس نے بیرونی دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ انور دروازے کے قریب جا کر باہر دیکھنے لگا
دروازہ پائیں باغ کی طرف کھلتا تھا لیکن اس طرف کے حصے میں بدنظمی سی تھی۔ یہاں پھولوں
کیاریاں نہیں تھیں۔ اس طرف کی مہندی کی باڑھ کی بھی شاید عرصے سے خبر نہیں لی گئی تھی
حصہ دراصل سائڈ کا تھا۔

''قیاس ہے کہ وہ اسی دروازے سے نکل کر گیا تھا۔'' فریدی پھر بولا۔

''میں کہتا ہوں کہ اب اس کے پیچھے پڑنا ہی فضول ہے۔'' حمید نے اکتا کر کہا۔

''کیوں.....؟''

''چھ ماہ قبل کی بات ہے۔ لیکیر پیٹنے سے فائدہ۔''

''لیکیر.....!'' انور طنزیہ انداز میں ہنسا۔

''اچھا میاں ترم خاں۔'' حمید اپنا ہونٹ بھینچ کر بولا۔ ''تمہیں بھی دیکھ لیں گے۔''

''فضول باتوں سے کیا حاصل۔'' فریدی نے سگار سلگا کر کہا۔ حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ
میں قدموں کی آواز سنائی دی اور پھر دروازے میں مسز چودھری نظر آئی۔ انور اور رشیدہ کو
کر وہ کچھ ٹھٹکی لیکن پھر دلآویز انداز میں مسکراتی ہوئی بولی۔ ''مجھے شاید کچھ دیر ہوگئی۔ آج اپنے
گھر میں کتنی اجنبیت محسوس کر رہی ہوں۔''

''میں نے ایک خاص مقصد کے تحت آپ کو تکلیف دی ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''تکلیف تو دراصل میں نے ہی دی ہے۔'' مسز چودھری مسکرا کر بولی۔

''تھوڑی دیر کے لئے میں پھر وہی غم ناک موضوع چھیڑنا چاہتا ہوں۔''

فریدی نے کہا۔ ''کیا آپ مجھے چودھری صاحب کی مشغولیات کے متعلق کچھ بتا سکیں گی۔''

''میں پہلے ہی عرض کر چکی ہوں کہ مجھے ان کی مشغولیات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔''

''میرا مطلب ہے کہ جس زمانے میں وہ غائب ہوئے کیا کوئی ایسی بات آپ نے ان
میں نوٹ کی تھی جو آپ کے لئے باعث حیرت ہو۔''

مسز چودھری کچھ سوچنے لگی۔ پھر آہستہ سے بولی۔

''مجھے یاد نہیں پڑتا۔''

''آپ نے مجھ سے اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا کہ ان کی چپلیں بھی موجود تھیں۔''

حمید فریدی کے اس جملہ پر خاص طور سے مسز چودھری کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ لیکن اس
نے چہرے پر اضمحلال کے علاوہ کچھ اور نہیں پایا۔

''بات یہ ہے۔'' وہ مغموم آواز میں بولی۔ ''کہ میں اس خیال سے خوف کھاتی ہوں کہ وہ
اس دنیا میں نہیں ہیں۔''

فریدی اس کے چہرے کو بغور دیکھنے لگا۔ مسز چودھری کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ دفعتاً اس
نے اپنی لمبی لمبی پلکیں اٹھائیں اور فریدی کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر پھر نظریں جھکا لیں۔

''میں جانتی ہوں کہ اس کا کیا مطلب ہے مگر پھر بھی میں یہ نہیں سوچنا چاہتی۔''

''یعنی آپ کو اس حادثے کی توقع تھی۔'' فریدی نے پوچھا۔

''قطعی نہیں..... اس قسم کے حالات ہی نہیں تھے۔''

''پھر آپ نے یہ کس طرح اندازہ لگالیا کہ وہ اس دنیا میں نہیں۔''

اس نے اچانک نظریں اٹھائیں اور فریدی کو بغور دیکھنے لگی۔

''کیوں..... کیا آپ نے ابھی چپلوں کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔'' اس نے کہا۔ ''ظاہر ہے اگر وہ اپنے پیروں سے چل کر کہیں گئے ہوتے تو ان کے پیروں میں کم از کم چپلیں ضرور ہوتیں۔''

''اس وقت کی تکلیف دہی گراں تو نہیں گزری۔'' فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

''اوہ قطعی نہیں۔''

''فی الحال آپ کو تکلیف تو ضرور ہی ہوگی آپ کو اپنی کوٹھی چھوڑ دینی پڑی ہے۔''

''ظاہر ہے کہ دوسرے کے گھر میں آرام نہیں مل سکتا۔''

فریدی خاموش ہو کر باہر دیکھنے لگا۔ حمید انور اور رشیدہ کے چہروں پر اکتاہٹ کے آثار آرہے تھے۔

''کیا وہ کبھی حوض تھا.....؟'' فریدی نے باہر دیکھتے ہوئے ایک طرف اشارہ کیا۔

حمید وغیرہ کی نظریں ایک حوض پر جمیں جس کے پختہ کنارے زمین کی سطح پر ابھرے ہوئے تھے۔

''جی نہیں کنواں تھا۔'' مسز چودھری نے کہا۔ ''عرصہ ہوا پاٹ دیا گیا ہے۔''

''چوکور کنواں.....؟'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''جی ہاں.....!'' مسز چودھری بولی۔ ''یہ بھی چودھری صاحب کی افتادِ طبع کا نتیجہ تھا۔ ایک دن یونہی بیٹھے بیٹھے کہنے لگے کہ اگر چوکور کنواں بنوایا جائے تو کیسی رہے۔ اس وقت یہ بات ہنسی میں ٹل گئی لیکن دوسرے ہی دن انہوں نے کام شروع کرادیا۔ بہرحال مذاق ہی مذاق میں سینکڑوں روپے برباد ہوگئے۔ شروع میں تو اس میں پانی نکلا لیکن کچھ دنوں بعد وہ بالکل خشک ہوگیا اور پھر اسے پاٹ دیا گیا۔''

فریدی خاموشی سے سنتا رہا۔ مسز چودھری کی بات ختم ہوتے ہی بولا۔

''چودھری صاحب کے غائب ہوجانے کے بعد پاٹا گیا تھا۔''

''جی ہاں..... پٹائی کا کام انہوں نے ہی شروع کرایا تھا..... لیکن کام ختم ہونے سے پہلے ہی غائب ہوگئے تھے۔''

''اوہ.....!'' فریدی معنی خیز انداز میں انور کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''اندازاً کتنا کام باقی رہا ہوگا۔''

''یہ تو مجھے یاد نہیں رہا۔'' مسز چودھری کے لہجے میں اکتاہٹ تھی۔

''خیر.....!'' فریدی نے موضوع بدلا۔ ''حکومت نے چودھری صاحب کی تلاش کا کام باقاعدہ طور پر محکمہ سراغ رسانی کے سپرد کردیا ہے۔ حکومت کو صحیح معنوں میں ان کے متعلق تشویش ہے۔''

''تو میں یہاں کب تک واپس آسکوں گی؟''

''ابھی اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

مسز چودھری کچھ دیر خاموش رہی پھر بولی۔ ''آخر وہ لوگ کون ہیں جو کوٹھی میں گھس آئے تھے اور وہ کون تھا جس کے تیر لگا تھا.....؟''

''کچھ بھی نہیں معلوم ہوسکا۔'' فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ ''میں ایک بار پھر آپ سے اس وقت کی تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔''

مسز چودھری سمجھ گئی کہ فریدی اب اسے ٹالنا چاہتا ہے۔ وہ چند لمحے خاموش کھڑی رہی پھر بولی۔

''اجازت ہے؟''

''شوق سے! تکلیف کا بہت بہت شکریہ۔''

مسز چودھری چلی گئی۔ حمید نے فریدی کی طرف دیکھ کر بُرا سا منہ بنایا۔

''اتنی خوبصورت عورت سے تو ڈھنگ سے بات کیا کیجئے۔'' اس نے کہا۔

''اجازت ہے۔'' فریدی اس کی طرف مڑ کر بولا۔ ''بقیہ ڈھنگ کی باتیں آپ کر لیجئے۔''

''کیا وہ تصویر پروفیسر درانی کے لئے ہے۔'' انور نے پوچھا۔

''ہوں.....!'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''اس عورت کو اپنے شوہر کی کسی بات سے دلچسپی

ہی نہیں تھی۔"

"آپ کو یقیناً حیرت ہوگی۔" حمید نے طنز آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "کیونکہ آ
بیوی کا تجربہ نہیں۔ قبلہ فریدی صاحب میاں اور بیوی ایک ہی سانچے میں نہیں ڈھالے جا
اس لئے اللہ پاک کے حضور میں میرا مشورہ ہے کہ یا تو میاں بیوی کو ایک ہی سانچے
ڈھالا کرے یا پھر عورت اور مرد کے تعلقات پر سے بالکل کنٹرول ہٹا لے۔"

فریدی اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر باہر چلا گیا۔

"ہر وقت ٹائیں ٹائیں۔" انور نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"اور تم دونوں ٹائیں ٹائیں فش.....!" حمید نے رشیدہ کی طرف اشارہ کر کے کہا
پائپ بھرنے لگا۔

"یہ کیا بیہودگی ہے۔" انور اسے گھورنے لگا۔

"اپنا لہجہ ٹھیک کرو۔ ورنہ ٹٹو بنا دوں گا۔"

انور سگریٹ پھینک کر حمید کی طرف بڑھا اور حمید نے اپنا پائپ میز پر رکھ دیا۔
جھپٹ کر دونوں کے درمیان آ گئی۔

"تم خواہ مخواہ بیچ میں آ کودتی ہو۔" حمید نے رشیدہ سے کہا۔ انور نے رشیدہ کو ایک
ہٹا دیا.....اور پھر اس کا گھونسہ دیوار پر پڑا۔ انور جھلا کر پلٹا۔

"اتنی ہی سزا کافی ہے۔" حمید میز پر سے اپنا پائپ اٹھاتا ہوا پرسکون لہجے میں بولا
نے بڑی پھرتی سے وار خالی دیا تھا۔

رشیدہ انور کو دروازے کے باہر دھکیل لے گئی۔

"کیا بات ہے؟" فریدی نے سیدھے کھڑے ہو کر کہا۔ وہ اس بند اور چوکور کنوئیں
قریب کھڑا تھا۔

"کچھ نہیں۔" رشیدہ نے کہا۔ "میرے خیال سے انور اور حمید کو ایک جگہ اکٹھا نہ کیا جا

"یار میں عاجز ہوں اس گدھے سے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر حمید کو آواز دی

حمید لاپروائی سے پائپ پیتا ہوا باہر آیا۔

"کیوں..... کیا داغ دی شکایت۔" اس نے ہنس کر کہا۔ "اب آپ ہی بتایئے اگر میں
دیوار پر گھونسہ مارنے سے روکتا تو یہ الٹا مجھے بد اخلاق سمجھتا۔ عجیب الٹی کھوپڑی ہے۔ اگر
وہ مچھلی اس کے سر سے چپکاتے تو خاصا مناسب رہتا۔"

فریدی نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے پائیں باغ کے مالی کو آواز دی اور
ایک پھاوڑا لانے کو کہا۔

پھاوڑا آنے پر فریدی نے کنوئیں کی طرف اشارہ کر کے حمید سے کہا۔

"چلو کھودو.....!"

"کہیں میں بھنگ تو نہیں پی گیا۔" حمید فریدی کے چہرے کو بغور دیکھتا ہوا بولا۔

"جلدی کرو۔"

"ناؤ کے دکھاتے ہیں۔ میں کمزور نہیں ہوں۔" حمید نے کہا اور پھاوڑا اٹھا کر پل پڑا۔

"اس کے یہاں سات پشت سے یہی پیشہ ہوتا آیا ہے۔" انور نے قہقہہ لگایا۔

"بیٹے دعائیں دو رشیدہ کو..... ورنہ آج کسی گھورے پر کتوں سے لڑتے ہوئے نظر
تے۔" حمید بولا

حمید تھوڑی دیر تک کھودتا رہا پھر پھاوڑا رکھ کر فریدی کی طرف مڑا۔

"مجھے کھودنے سے انکار نہیں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ مجھے ذلیل کرنے پر تلے
ئے ہیں لیکن اتنا بتا دیجئے کہ یہ صرف میری سزا ہے یا آپ اس میں سے لنگوروں کا جوڑا برآمد
نے کی توقع رکھتے ہیں۔"

"ادھر ہٹ آؤ۔" فریدی نے کہا۔ حمید جلدی سے پھاوڑا چھوڑ کر ہٹ آیا۔

"کیا.....دھماکا ہوگا.....؟" اس نے اس انداز سے کہا کہ انور اور رشیدہ دونوں ہنس پڑے۔

"یار بیکار بھیجا مت چاٹ۔" فریدی ہاتھ ہلا کر بولا۔ پھر اس نے سول پولیس کے اے
ئی آئی کو بلا کر چند مزدوروں کے لئے کہا۔

"ایک قیاس کی بناء پر میں ایسا کر رہا ہوں۔" اس نے انور سے کہا۔ "یہ تو کلیہ ہے کہ
جری خود سے کہیں نہیں گیا اب اس کے جانے کی بھی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو اسے

یہیں کمرے ہی میں گلا گھونٹ کر مار ڈالا گیا یا زندہ لے جایا گیا۔ مار ڈالنے کی صورت میں
کی لاش کو کہیں اور نہ لے گئے ہوں گے جب کہ یہ آدھا یا وہ تہائی بھرا ہوا کنواں قریب ہی موجو

''اور اگر فرض کیجئے کہ وہ اسے زندہ ہی لے گئے ہوں تو۔'' حمید بولا۔

''میں اس کے امکان سے انکار تو نہیں کرتا مجھے اس پر بھی یقین کامل نہیں ہے کہ مار
کی صورت میں بھی انہوں نے اسے اسی کنویں میں دفن کیا ہو..... ممکن ہے وہ اس کو سر
نظر انداز ہی کر گئے ہوں۔''

''تو پھر اسے کھودنے سے کیا فائدہ؟''

''تو جناب حمید صاحب آپ جادوگر تو ہیں نہیں کہ ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر چودھر
لگالیں گے۔ یار تو مجھے ناولوں کا شرلاک ہومز کیوں سمجھتا ہے۔''

''خیر چلئے یہ بھی نہ سہی۔'' حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''اگر انہوں نے اس کی لاش یہاں
بھی ہوگی تو چھ ماہ بعد آپ کیا نکالیں گے؟ وہ کیڑے؟ جو خود بھی خاک ہو چکے ہوں گے۔''

''پھر بھی.....!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''مجھے اس چوکور کنوئیں کو دیکھنے کا شوق ہے۔''

''یوں دیکھنے کو آپ تحت الثریٰ بھی دیکھ سکتے ہیں۔ میں آپ کی آنکھیں نہ بند کروا

''اچھا اب براہِ کرم گھر تشریف لے جایئے۔'' فریدی اسے گھور کر بولا۔

''شکریہ۔'' حمید جانے کے لئے مڑا۔

انور وغیرہ کے آنے سے پہلے بھی فریدی اسے گھر واپس جانے کی تاکید کر چکا تھا۔
دراصل پروفیسر درانی کے فون کی توقع تھی اس لئے وہ چاہتا تھا کہ حمید گھر ہی پر موجود رہے
مچھلی کی تصویر دیکھ کر پروفیسر درانی کا چونکنا لازمی تھا۔ ماہر علم الاجسام ہونے کی حیثیت
ہمیشہ ایسی چیزوں کی طرف سب سے پہلے دوڑتا تھا۔ ایک بار شہر میں ایک گائے نے ایسا
تھا جس کے تین سر تھے۔ کئی لوگ اس کے خواہاں تھے لیکن درانی نے سب سے زیادہ ر
کر کے اسے خرید لیا تھا۔ اسی قسم کے کئی اور بھی واقعات تھے۔ جن کی بناء پر یہ سمجھا جاسکتا
وہ اس مچھلی کے لئے ضرور کوشش کرے گا۔''

فریدی کا خیال سو فیصدی صحیح نکلا۔ گھر پہنچتے ہی ایک نوکر نے بتایا۔

''کوئی صاحب صبح سے کئی بار فون کر چکے ہیں۔ انہوں نے اپنا فون نمبر بھی لکھوا دیا ہے کہ
جیسے ہی فریدی صاحب واپس آئیں انہیں بتائے ہوئے نمبروں پر فون کرنے کی تاکید کی جائے۔''

حمید نے نمبر دیکھے پھر ٹیلی فون ڈائریکٹری اٹھائی۔ وہ نمبر پروفیسر ہی کے ثابت ہوئے۔

تھوڑی دیر بعد حمید پروفیسر درانی کو فون کر رہا تھا۔

''کون.....؟'' دوسری طرف سے عجیب قسم کی آواز آئی۔

''انسپکٹر فریدی۔'' حمید بولا۔

''اوہ.....اچھا.....!'' غراہٹ سنائی دی۔ ''اس وقت تم پروفیسر درانی بیالوجسٹ سے ہم
کلام ہونے کا شرف حاصل کر رہے ہو۔''

حمید نے باقاعدہ کان کھڑے کئے اور ناک رگڑ کر بولا۔ ''اشرف! کون اشرف؟''

''اشرف نہیں شرف.....!'' غراہٹ کچھ تیز ہوگئی۔

''لیکن.....میں شرف نہیں ہوں۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے..... مجھے احمد کمال فریدی کہتے
ہیں۔ اکثر انگریز فراڈ بھی کہتے ہیں۔''

''جہنم میں گئے انگریز.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''کیا تم بالکل جاہل ہو؟''

''جی نہیں.....کامل بھی یہاں نہیں رہتے۔''

''کامل نہیں.....جاہل.....جاہل.....!'' بڑی زوردار چیخ سنائی دی اور حمید کا کان جھنجھنا اٹھا۔

''کاہل تو میں بہت ہوں..... پر آپ کام بتایئے۔''

''جہنم میں جاؤ.....!'' یہ بھی چیخ ہی تھی۔

حمید اپنی ہنسی روکنے کی کوشش کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد پھر آواز آئی۔

''میں وہ مچھلی خریدنا چاہتا ہوں۔''

''کون سی مچھلی.....؟''

''وہی جس کی تصویر مورننگ نیوز میں شائع ہوئی ہے۔''

''تو بکر محمد کہے نا.....!''

حمید نے ایک بے ہنگم قہقہے کی آواز سنی اور پروفیسر پھر بولنے لگا۔

''تم آدمی ہو یا مسخرے..... تم نے اس کا نام بھی رکھ دیا۔''

''اس کے علاوہ اور کیا نام ہوسکتا ہے؟'' حمید بے بسی سے بولا۔

''میں اسے خریدنا چاہتا ہوں۔ کیا قیمت مانگتے ہو؟'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''میں نہیں بیچنا چاہتا..... اس لئے کچھ قیمت نہیں مانگتا۔''

''تم لوگوں کو عقل کب آئے گی۔'' پروفیسر غرایا۔ ''تم اسے اپنے کمرے میں رکھ کر مرد بغلیں بجاؤ گے اور میں دنیا کے سامنے ایک نیا تجربہ پیش کروں گا۔''

''میں نہیں چاہتا کہ آپ ساری دنیا کو بغلیں بجانے پر مجبور کریں۔'' حمید نے کہا۔

''شٹ اپ.....!''

''یو شٹ اپ۔'' حمید نے ریسیور رکھ دیا اور سوچنے لگا کہ واقعی وہ خوفناک آدمی ہوگا۔ اس کی آواز ہی کم ڈراؤنی نہیں تھی۔

کچھ دیر بعد اسے ایک نئی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ فریدی اور اس کے ملاقاتیوں کا تا بندھ گیا تھا۔ وہ سب اس حیرت انگیز مچھلی کو دیکھنا چاہتے تھے۔ حمید بوکھلا گیا۔ اب انہیں کیا جواب دے۔ ظاہر ہے کہ اگر کسی نے اسے قریب سے دیکھ لیا تو پول کھل جائے گا۔ ان سے نے کہہ دیا کہ وہ ایک لیبارٹری میں بھجوادی گئی ہے جہاں اسے اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ زیا عرصہ تک خراب نہ ہوسکے۔

انہیں تو خیر کسی نہ کسی طرح سے ٹال دیا۔ لیکن دوسری مصیبت ذرا صبر آزما تھی۔ اس محکمے کے آفیسروں کے فون بھی آنے لگے وہ بھی اسے دیکھنا چاہتے تھے۔ خصوصاً ڈی۔ آئی۔ جی بُری طرح بے تاب تھا۔ حمید نے انہیں بھی وہی جواب دیا جس پر اسے تاکید کی گئی کہ لیبارٹ سے آتے ہی وہ ان تک پہنچائی جائے۔ ان کی بیویاں ان سے زیادہ بے چین تھیں، لہٰذا جب ایک بار پھر سوچنا پڑا کہ عورت زندگی کے ہر شعبے میں تکلیف دہ حد تک وبال جان ہوجاتی ہے اگر خود اس کی کوئی بیوی ہوتی اور وہ اس قسم کی کوئی لغو خواہش ظاہر کرتی تو وہ اس کی ناک اکھ ڈالتا (کان اکھاڑنے کی دھمکی تو سبھی دیتے ہیں)۔

بھنا کر اس نے پھر ریسیور اٹھایا اور پروفیسر چودھری کے فون کے نمبر ملانے لگا۔

''ہیلو..... پانچ سات تین آٹھ..... انسپکٹر فریدی صاحب کو فون پر بلایئے۔'' وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ''ہیلو..... میں اُلو کا پٹھا بول رہا ہوں..... وہ سالی بکر مچھ وبال جان ہوگئی ہے۔'' پھر اس نے پوری روداد دہرادی۔

''صبر کرو بیٹے۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''کنوئیں سے انسانی ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ برآمد ہوا ہے۔''

''کیا.....؟'' حمید بوکھلا کر سر کھجانے لگا۔

''انسانی ہڈیوں کا ڈھانچہ۔''

''لنگور کا ڈھانچہ ہوگا۔ پھر سے غور کیجئے۔''

''لنگور انگوٹھی نہیں پہنا کرتے۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

حمید نے ایک جھٹکے کے ساتھ ریسیور رکھ دیا اور بڑبڑانے لگا۔

''یہ معاملہ ابھی ختم نہیں ہوسکتا..... ہات تیری تقدیر.....!''

دفعتاً باہر کی گھنٹی بجنی شروع ہوگئی۔

''پھر کوئی آیا..... ہات تیری بکر مچھ کی.....!''

اس نے جھلا کر جست لگائی اور صوفے پر چڑھ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ان لوگوں سے کس طرح پیچھا چھڑائے، جو اس مچھلی کے درشن کے لئے جوق در جوق چلے آرہے تھے۔ نوکر نے ایک کارڈ لاکر دیا۔ یہ پروفیسر درانی کے پرائیویٹ سیکریٹری کا ملاقاتی کارڈ تھا۔ حمید جھلاہٹ میں دوڑتا ہوا ڈرائنگ روم میں آیا۔ پہلے سیکریٹری کو خونخوار نظروں سے گھورتا رہا پھر چیخ کر بولا۔ ''گٹ آؤٹ''

''جناب..... جناب.....'' سیکریٹری اٹھتا ہوا بولا۔

''بالکل نکل جاؤ..... دور ہوجاؤ۔'' حمید حلق کے بل چیخا۔ ''اگر اس سالے کا دماغ خراب ہے، تو میں بھی کوئی شریف آدمی نہیں۔ وہ کون ہوتا ہے میری مچھلی خریدنے والا..... سالا میری توہین کرتا ہے۔''

حمید نے اسے دھکے دے کر ڈرائنگ روم سے نکال دیا۔ اس کے جانے کے بعد وہ بڑبڑانے لگا۔ ''چلو یہ مرحلہ بھی بخیر وخوبی طے ہوا..... اب کیا کرنا چاہئے..... مگر یہ سالا گھنٹی پھر بجنی شروع ہوگئی تھی۔

حسین عیارہ

حمید دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا تھا۔ رات کے نو بج چکے تھے، لیکن فریدی ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ برآمد ہونے کے بعد ایک بار اس نے اس سے فون پر گفتگو کی تھی اور اس بات کی تاکید تو پہلے ہی کردی تھی کہ وہ اس وقت تک گھر پر موجود رہے جب تک کہ وہ واپس نہ آجائے۔ اس پابندی نے گویا اسے پاگل ہی بنادیا تھا۔ ویسے ہلکی قسم کی دیوانگی دن بھر طاری رہی تھی۔ اس کی زبان میں اس ''بکر مچھ'' کی زیارت کرنے والوں نے اسے ادھ مرا کردیا تھا۔ کسی کو ٹالا کسی کی خوشامدیں کیں اور کسی پر جھنجھلایا۔ دن بھر کی بک بک جھک جھک کی بناء پر اس کے سر میں ہلکا ہلکا درد ہوگیا اور اب وہ سوچ رہا تھا کہ کافی پیئے یا تھوڑی سی برانڈی سپ کرلے۔

دفعتاً اسے باہر کمپاؤنڈ میں رکھوالی کرنے والے کتوں کا شور سنائی دیا۔ پہلے اس نے اس کی طرف کچھ دھیان نہ دیا لیکن جب شور بڑھتا ہی گیا تو وہ جھنجھلا کر باہر نکل آیا۔ عمارت کے بائیں بازو کی طرف چاروں کتے ایک جگہ کھڑے اچھل اچھل کر بھونک رہے تھے۔ کبھی کبھی وہ ایک بند دروازے کے نیچے کی زمین سونگھنے لگتے تھے۔

حمید نے انہیں ڈانٹا لیکن ان کے جوش میں کمی واقع نہ ہوئی۔

''ابے تم میری جان کو آگئے۔'' وہ جھنجھلا کر بولا۔ ''جہنم میں جاؤ۔''

کتے بدستور دروازے کی زمین سونگھ سونگھ کر بھونکتے رہے۔ حمید کے ذہن میں ایک شبہ نے

مارا اور اس نے آگے بڑھ کر دروازے کو دھکا دیا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ پھر اس پر یہ روشن ہوگئی کہ کوئی اس دروازے سے اندر گھسا ہے کیونکہ اوپر کا ایک شیشہ ٹوٹا ہوا تھا، جو کچھ دیر قبل ہی توڑا گیا تھا۔

حمید نے تین کتوں کو تو وہیں چھوڑا اور ایک کا پٹہ پکڑ کر گھسیٹتا ہوا اندر لایا۔ پھر نوکروں کو جگا کر اس نے انہیں بھی ہوشیار کردیا۔ کتا شور مچاتا ہوا ایک طرف بھاگ رہا تھا۔ دفعتاً کمرے کا دروازہ دھڑاکے کے ساتھ بند ہوا اور حمید اس پر پل پڑا۔ کوئی دوسری طرف سے لگا کر چٹخنی چڑھانے کی کوشش کررہا تھا۔ حمید نے ایک بار پھر اپنی پوری قوت سے جھٹکا دیا۔ دوسری طرف کوئی گرا اور حمید بھی اپنے ہی زور میں اس پر جا پڑا۔ اسی کے پیچھے کتا بھی تھا جس نے ایک آدھ پنجے اسے بھی مارے۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ اچانک حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی کا جسم ہلکا ہوکر ہوا میں اڑنے لگا ہو۔ کیونکہ اس کے نیچے دبا ہوا جسم کسی مرد کا نہیں تھا۔ حمید کی گرفت ڈھیلی پڑگئی۔ قبل اس کے وہ تڑپ کر نکل جاتی اس نے اس کے بال مضبوطی سے جکڑ لئے ایک سریلی چیخ کمرے میں گونج اٹھی۔ بہرحال حمید کے حواس بجا ہوگئے تھے۔ اس نے ایک سے اس عورت کے بال پکڑ رکھے تھے اور دوسرے سے کتے کو دھکیلنے کی کوشش کررہا تھا جو اس میں تھا کہ اپنے شکار کی تکہ بوٹی کرڈالے۔

''پکڑو..... اس خبیث کو۔'' اس نے باہر کھڑے ہوئے نوکروں کو للکارا۔ نوکروں نے کتے کو قابو کرلیا اور شاید اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ حمید انہیں اپنی مدد کے لئے پکارے گا۔ حمید نے اس کے بالوں کو پکڑے ہوئے اسے روشنی میں لایا اور پھر اس کی گرفت ڈھیلی پڑگئی۔ ایک خوبرو عورت اس کے سامنے کھڑی تھی اور اس کے ہونٹوں سے خون بہہ رہا تھا۔ اس نے مغربی طرز کا لباس پہن رکھا تھا اور خود بھی کسی مغربی ہی ملک کی باشندہ معلوم ہوتی تھی۔

''کون ہو تم.....؟'' حمید نے اپنی آواز میں کرختگی پیدا کرتے ہوئے پوچھا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا اور حمید کو یہ دیکھ کر حیرت ہونے لگی کہ اس کے چہرے سے ذرہ برابر بھی سراسیمگی ظاہر نہیں ہورہی۔ فریدی کی صحبت میں رہ کر اسے تھوڑی بہت فرنچ اور جرمن بھی آگئی تھی۔ اس نے ان دونوں زبانوں میں بھی اپنا سوال دہرایا لیکن جواب ندارد۔ وہ اسے

دیوانوں کی طرح گھورے جا رہی تھی۔ دفعتاً اس کے ہونٹ کھلے۔

''پپ..... پپ..... پیہہ..... پی..... ہی ہی ہی ہی۔''

وہ حمید کے چہرے کے سامنے انگلی نچا کر بے تحاشہ ہنسنے لگی اور حمید گھبرا کر پیچھے ہٹ

''پاگل معلوم ہوتی ہے۔'' اس نے نوکروں کی طرف مڑ کر خوفزدہ آواز میں کہا۔ وہ منہ میں ہاتھ دے سکتا تھا لیکن کسی پاگل عورت سے بھڑنا اس کے بس کا روگ نہیں تھا۔ جر سمیلی[1] قوم کی ایک پاگل عورت سے اس کا سابقہ پڑا تھا پاگل عورتوں کو دیکھ کر ہی اس کی ر ہو جاتی تھی۔

وہ تھوڑی دیر تک ہنستی رہی پھر اس نے ایک ایسی حرکت کی کہ حمید نے بوکھلا آنکھیں بند کر لیں۔ شاید نوکروں کی بھی یہی حالت ہوئی تھی کیونکہ وہ اس کے قدموں صاف سن رہے تھے لیکن اپنی جگہوں پر اس طرح جمے ہوئے تھے جیسے پتھر کے ہو گئے ہوں۔

''کون ہو تم.....؟'' حمید نے اچانک فریدی کی آواز سنی اور آنکھیں کھول دیں۔

لیکن وہ اب بھی اسی حالت میں تھی۔ فریدی نے اس کا دوسرا ہاتھ بھی پکڑ کر اوپر اٹھ

اب وہ اس قابل ہو گئی تھی کہ حمید باقاعدہ اپنی آنکھیں کھول سکے۔ وہ لڑکی اب بھی خاموش

''حمید..... یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' فریدی انتہائی غصے میں اس کی طرف مڑا۔

''آپ..... بات.....'' حمید ہکلایا۔ ''بات تو سمجھ لیجئے..... یہ..... یہ..... پاگل۔

''کون ہو تم.....؟'' فریدی نے پھر لڑکی سے سوال کیا۔

لیکن وہ کچھ نہ بولی۔

فریدی کبھی حمید کو گھورتا، کبھی لڑکی کو اور کبھی قریب کھڑے ہوئے نوکروں کو۔

حمید نے جلدی جلدی اور ہکلا ہکلا کر اسے پوری بات سمجھانے کی کوشش کی او

''نوکروں سے پوچھ لیجئے۔''

اسے خوف تھا کہ فریدی کچھ اور نہ سمجھا ہو۔ فریدی نے نوکروں کو جانے کا اشارہ کیا کوڈرائنگ روم میں لے آیا۔ حمید بھی اس کے پیچھے تھا۔

---

[1] جاسوسی دنیا کا گیارہواں ناول ''پہاڑوں کی ملکہ'' جلد نمبر 3 ملاحظہ فرمائیے۔

''اس کے ہاتھ نہ چھوڑیئے گا..... ورنہ.....!'' حمید نے کہا۔

''بکو مت.....!'' فریدی جھنجھلا کر بولا۔ پھر لڑکی سے انگریزی میں پوچھنے لگا۔ ''تم کون ہو یہاں کیوں آئی تھیں.....؟''

''یہ سُور.....!'' لڑکی نے حمید کی طرف اشارہ کیا اور رو پڑی۔

''کیوں.....؟'' فریدی گرج کر بولا۔

''ارے خدا کی قسم.....'' حمید بوکھلا کر بولا۔ ''یہ مکار جھوٹی ہے..... نوکروں سے.....!''

''خاموش رہو۔'' فریدی چیخا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔ ''بہتر ہے کہ تم اسی وقت یہاں سے نکل جاؤ۔ میں تمہیں اتنا ذلیل نہیں سمجھتا تھا۔''

''آپ سنئے تو سہی۔''

''میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔''

''تو جہنم میں جایئے۔'' حمید نے جھلاہٹ میں اپنے قریب پڑی ہوئی چھوٹی میز کو ٹھوکر ری اور کمرے سے نکل گیا۔ اس نے تیزی سے پائیں باغ طے کیا اور پھاٹک کے باہر نکل گیا۔ ے اس کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ دفعتاً وہ چلتے چلتے رک گیا۔ تھوڑی دیر کھڑا کچھ سوچتا رہا ر پھاٹک کی طرف لوٹ آیا۔ سردی سے اس کے دانت بج رہے تھے لیکن وہ پتلون کی جیب میں تھ ڈالے پھاٹک سے چپکا کھڑا رہا۔ اسے اس لڑکی کے برجستہ جھوٹ پر حیرت ہو رہی تھی اور ں کی ذہانت پر بھی..... وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ لڑکی کس طرح کوٹھی میں داخل ہوئی تھی اور اس کا مقصد بھی اس کے ذہن میں نہیں تھا۔ وہ تو بس ایک ہی بات سوچ رہا تھا کہ اگر وہ اندر سے اکیلا باہر نکلی تو یہ تاریک سڑک کام دے گی۔

اب اسے فریدی پر بھی غصہ نہیں تھا۔ اسے یہ بھی یاد نہیں تھا کہ اس نے کن الفاظ میں اس کی توہین کی تھی۔ ٹھنڈک کے ساتھ بس ایک ہی خیال اس کے ذہن سے چپک کر رہ گیا تھا۔ پھاٹک کے اندر قدموں کی آواز سنائی دی اور وہ پیچھے سرک گیا۔ اس نے سیاہ سوٹ پہن رکھا تھا..... اس لئے تاریکی میں اس کے دیکھ لئے جانے کے امکانات کم تھے۔

فریدی اور وہ لڑکی پھاٹک پر آ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

''مجھے اس واقعے پر انتہائی افسوس ہے لیکن مجھے خوشی ہے کہ آپ بچ گئیں۔'' فر
سے کہہ رہا تھا۔

''میں اس کی رپورٹ ضرور کروں گی۔'' لڑکی کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

''بیکار.....!'' فریدی بولا۔ ''بات بڑھانے سے کیا فائدہ.....اس سے آپ کی بھی بدنامی

''خیر.....!'' لڑکی تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولی۔ ''یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ یہ
ملک ہے۔''

پھر حمید نے قدموں کی آواز سنی۔ وہ لڑکی اس کے قریب سے ہو کر گزری اور فر
واپس چلا گیا۔

حمید دبے پاؤں کچھ دور تک اسکے پیچھے چلتا رہا۔ پھر دفعتاً اس پر ٹوٹ پڑا۔

''ٹھہرو تو ڈارلنگ.....!'' وہ ہانپتا ہوا بولا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں آسمان کے سارے ستارے زمین پر اتر آئے۔ وہ
کنپٹی پر پڑا اور کچھ ستارے حمید کی آنکھوں میں گھس گئے اور وہ چکرا کر گر پڑا۔ کسی نے
اس پر حملہ کیا تھا۔

اور پھر اسے ہوش آیا تو اس نے خود کو اپنے بستر پر پایا۔ فریدی اس پر جھکا ہوا تھا۔

''حمید..... پیارے مجھے معاف کردو۔'' فریدی کے لہجے میں ندامت تھی۔

حمید اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنی دونوں کنپٹیاں سہلائیں، جو ابھی تک دکھ رہی
فریدی کو گھورنے لگا۔

''سچ مچ وہ مجھے چوٹ دے گئی۔'' فریدی پھر بولا۔

حمید نے قہقہہ لگایا اور چیخ کر بولا۔ ''ایشیا کا عظیم سراغ رساں زندہ باد۔''

پھر بُرا سا منہ بنا کر لیٹ گیا کیونکہ چیخنے پر اسے چکر آ گیا تھا۔

''یار وہ اس حالت میں تھی کہ میں یہی سمجھا۔'' فریدی پھر حمید پر جھک کر بڑبڑایا

ہاتھ کے اشارے سے جانے کو کہا۔

''آپ مجھے اتنا لوفر سمجھتے ہیں۔'' حمید منہ بنا کر بولا۔ ''لیکن میں.....مجھ پر کس

خا؟ میں سمجھا شاید آپ.....!''

''قطعی نہیں..... میں اسے پھاٹک تک چھوڑ کر واپس آیا۔ تم پر شدید غصہ تھا۔ اس لئے
کھانا بھی ٹال کر سیدھا سونے کے کمرے میں چلا آیا.....اور پھر .....وہ ٹرانسمیٹر .....اور وہ
چھڑی.....دونوں غائب تھے۔''

حمید نے پھر قہقہہ لگایا۔ اس وقت وہ خود کو ایک عظیم الشان ہیرو سمجھ رہا تھا.....حالانکہ وہ
اسے بھی پاگل بن کر ڈرا چکی تھی اور صاف نکلی جا رہی تھی لیکن پھر بھی وہ اس وقت فریدی کا مضحکہ
اڑانے پر تل گیا تھا۔ دفعتاً ایک خیال اس کے ذہن میں گونجا۔ آخر وہ ٹرانسمیٹر اور چھڑی کس
طرح لے گئی۔

''لیکن وہ غالباً خالی ہاتھ تھی۔'' حمید نے کہا۔

''اور وہ خود اس طرح تمہیں بیہوش بھی نہیں کر سکتی تھی۔'' فریدی اس کی آنکھوں میں
دیکھتا ہوا بولا۔ ''صاحبزادے اس لئے کوٹھی میں گھسی تھی کہ گھر کے سارے افراد کو کسی ایک جگہ اکٹھا
کرلے اور اس کے ساتھی اپنا کام کر جائیں۔ چاروں رکھوالی کرنے والے کتوں کی لاشیں باہر
کمپاؤنڈ میں پڑی ہوئی ہیں۔''

''ارے.....!'' حمید کے لہجے میں تحیر تھا۔ ''انہیں کس نے اور کب مارا.....؟''

''یہ تو میں نہیں بتا سکتا لیکن ان پر بھی وہی زہریلے تیر چلائے گئے ہیں۔ یہ چاروں تیر
بالکل ویسے ہی ہیں جیسا وہ تیر تھا۔''

''کون سا.....؟''

''وہی جس سے چودھری کی کوٹھی میں ایک غیر ملکی کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔''

حمید اپنی خشک زبان تالو سے رگڑنے لگا۔ فریدی تھوڑی دیر خاموش رہ کر پھر بولا۔ ''وہ
دونوں چڑیں کمرے میں نہ پا کر مجھے تمہاری مظلومیت کا احساس ہوا اور میں کوٹھی سے نکل کر
سڑک کی طرف دوڑا۔ حالانکہ یہ سو فیصدی حماقت تھی لیکن اگر مجھ سے یہ حماقت سرزد نہ ہوتی تو تم
گرفتاری سے اکڑ گئے ہوتے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ اس کے سر کا درد حد سے تجاوز کرتا جا رہا تھا۔

''میں سمجھا تھا۔'' اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ''کہ شاید اس کا تعلق پروفیسر درانی سے ہے۔''

''خوب یاد دلایا۔'' فریدی چونک کر بولا۔ ''اس ٹرانسمیٹر یا اس چھڑی کے جانے کا افسو
نہیں کیونکہ اس کے ذریعے مجھے جو کچھ معلوم کرنا تھا کر چکا۔ لیکن اس وقت اس لڑکی نے بچ
میرے لئے بڑی آسانیاں پیدا کر دیں۔''

''کیا مطلب.....؟''

''ابھی بتاتا ہوں۔'' فریدی نے کہا اور اپنے سونے کے کمرے میں چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا۔ حمید پر غنودگی طاری ہوگئی تھی۔ لیکن اس کی آہٹ پر وہ چو
پڑا۔ فریدی جانے کے لئے مڑا ہی تھا کہ اس نے آواز دی۔

''میں جاگ رہا ہوں۔''

''نہیں سو جاؤ۔''

''کیا بھوکا ہی سو رہوں۔'' حمید جھلا کر اٹھ بیٹھا۔

''شاید تم مرتے وقت بھی یہی کہو گے۔'' فریدی ہنس پڑا۔

اس نے ایک نوکر کو آواز دے کر وہیں کھانا لانے کو کہا اور شرارت آمیز نظروں سے حمید
دیکھتا رہا۔

''کیا مطلب.....؟'' حمید اسے گھورنے لگا۔

''یار مجھے اس لڑکی کی حرکت پر ہنسی آ رہی ہے۔ اس نے تو تمہارا سر ہی تڑوا دیا ہوتا.....
جانے میں کیا سوچ کر کچھ نہیں بولا..... ورنہ دل یہی چاہا تھا کہ تمہاری مرمت کر دوں۔''

''تو قبلہ فریدی صاحب۔'' حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ ''میں اتنا کمزور بھی نہ
ہوں جتنا ظاہر کرتا ہوں۔''

''میں جانتا ہوں کہ تم معمولی مرمت سے ٹوٹ پھوٹ نہیں سکتے۔'' فریدی مسکرایا۔

''خیر اگر کبھی اس کا موقع آ گیا تو یہ بھی ظاہر ہو جائے گا۔''

فریدی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ''میں نے جگدیش کو فون کیا ہے کہ میر
یہاں چوری ہوگئی۔ وہ رپورٹ لکھنے کے لئے آ ہی رہا ہوگا۔''

''لیکن آپ تو اس ٹرانسمیٹر اور گارساں والے معاملے کو چھپانا چاہتے تھے۔''

''غلطی اسے تو چھپانا ہی پڑے گا۔ ورنہ کسی وقت بھی موت سے ملاقات ہو سکتی ہے۔
گارساں نے خود کو آزاد رکھنے کے لئے بہت کشت و خون کیا ہے وہ ہم پر کہیں بھی اور کسی بھی
وقت حملہ کر سکتا ہے۔''

''پھر آپ نے چوری کی رپورٹ کیوں کی ہے۔''

''یہ پوچھو کہ کس چیز کی چوری کی رپورٹ کی ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''حقیقتاً وہ مچھلی
چرائی گئی ہے۔''

''مچھلی.....!'' حمید حیرت سے بولا۔ ''اسے تو آپ نے تصویر کھینچ جانے کے بعد ہی
باورچی خانے میں پہنچا دیا تھا۔''

''شاید ان گھونسوں نے تمہارے اسکریو ڈھیلے کر دیئے ہیں۔ صاحب زادے اگر اس کی
چوری کی رپورٹ نہیں کروں گا تو کل آفیسروں کو دکھاؤں گا کہاں سے۔ ظاہر ہے کہ وہ اس کے
ڈیکوریشن کے لئے بُری طرح بے چین ہیں۔ دوسری بات! رپورٹ لکھوانے کے سلسلے میں کسی نہ کسی
پر شبہہ بھی ظاہر کرنا پڑے گا۔ اس کے لئے میں نے پروفیسر درانی کو منتخب کیا ہے۔''

حمید حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ فریدی بولتا رہا۔ ''شبہے کی وجہ بھی لکھوانی پڑے
گی۔ اس کے لئے میں آج شام کا اخبار پیش کر دوں گا۔ جس نے یہ خبر چھاپی ہے کہ پروفیسر
درانی کے لاکھ اصرار کے باوجود بھی انسپکٹر فریدی نے اس عجیب و غریب مچھلی کو فروخت کرنے
سے صاف انکار کر دیا۔''

''آخر اس سے فائدہ.....؟'' حمید نے پوچھا۔

''اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ میں پروفیسر درانی کے گھر کی تلاشی لینے کے لئے وارنٹ حاصل
کر سکوں گا جس کے لئے میں بُری طرح بیتاب ہوں۔ اس کے گھر میں شلائر کی موجودگی کوئی
خاص معنی رکھتی ہے اور یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ شلائر کا تعلق پروفیسر چودھری کی کوٹھی میں ہونے
والے واقعات سے بھی ہے۔''

''اس ہڈیوں کے ڈھانچے کے متعلق تو میں بھول ہی گیا۔'' حمید نے کہا۔

''وہ پروفیسر چودھری ہی کا ہے۔''

''آپ یقین کے ساتھ کس طرح کہہ سکتے ہیں؟''

''انگلی کی ہڈی میں پھنسی ہوئی ایک انگوٹھی یہی ظاہر کرتی ہے۔ مسز چودھری نے ا شناخت کرلیا ہے۔''

''بڑا پیچیدہ معاملہ ہے۔'' حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ شاید وہ اس وقت اس معاملے بہت سنجیدگی سے غور کررہا تھا۔

''پیچیدہ ترین کہو۔'' فریدی نے سگار سلگانے کا ارادہ کرتے ہوئے کہا۔ پھر چونک کر بو

''ابھی تک کھانا نہیں آیا۔''

عامرہ

دوسری صبح حمید نے لباس کے انتخاب کے سلسلے میں سلیقے اور نفاست کی حد کردی۔ ایوننگ ان پیرس کی آدھی شیشی صاف ہوگئی۔ وہ مسز چودھری کی پینٹ کی ہوئی تصویر کو گوشت پوست میں دیکھنے جارہا تھا۔ پروفیسر درانی کے گھر کی تلاشی لینے کے سلسلے میں سارے انتظام مکمل ہوگئے تھے اور کوتوالی انچارج انسپکٹر جگدیش اس وقت فریدی ہی کی کوٹھی میں موجود تھا اس کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے اور وہ بار بار فریدی کی طرف نظریں اٹھاتا جو سلیپنگ گاؤن میں لپٹا ہوا شیو کررہا تھا۔

''معاملہ بڑے آدمی کا ہے۔'' وہ آہستہ سے بولا۔

''پھر.....؟'' فریدی ہاتھ روک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''وہاں آپ کی موجودگی قطعی غیر قانونی ہوگی۔''

''مجھے قانون نہ پڑھایئے۔'' فریدی خشک لہجے میں بولا۔

''آپ تو بگڑ گئے۔ میرا مطلب یہ نہیں تھا۔''

''بس جو میں آپ سے کہوں کرتے جایئے..... میں سب کچھ اپنی ذمہ داری پر کررہا ہوں۔''

جگدیش خاموش ہوگیا۔ وہ انسپکٹر فریدی کا بہت زیادہ احترام کرتا تھا اور اسے اتنی ترقی اسی کے طفیل نصیب ہوئی تھی۔ اس نے کئی پیچیدہ کیسوں میں نہ صرف اس کی رہنمائی کی تھی بلکہ عملی طور پر اس کا ہاتھ بٹایا تھا۔

''میں معافی چاہتا ہوں۔'' اس نے کہا۔

''معاف کیا گیا۔'' فریدی نے اکڑ کر کہا اور ہنسنے لگا۔ پھر سنجیدگی سے بولا۔

''جگدیش صاحب! یہ محض اس مچھلی کا معاملہ نہیں ہے۔''

''پھر.....؟''

''ابھی کچھ نہ پوچھو۔ آہستہ آہستہ خود ہی سب کچھ معلوم ہوجائے گا۔''

شیو کرچکنے کے بعد فریدی نے لباس تبدیل کیا اور پھر وہ ناشتے کی میز پر آبیٹھے۔

''اپنے کانسٹیبلوں اور محرر کو بھی ناشتہ بھجوادو۔'' فریدی نے جگدیش سے کہا پھر اس نے رحمی کو بلا کر اس کے متعلق ہدایات دیں۔

''بھائی حمید تو بڑے زوروں پر جارہے ہیں۔'' جگدیش اپنی ایک آنکھ دبا کر بولا۔

''تم بھی زوروں پر ہوتے۔ مگر تمہیں تو سڑی بسی وردی لادنی پڑتی ہے۔'' حمید نے کہا۔

''اور سنایئے! اس درمیان میں آپ کو کسی سے عشق ہوا یا نہیں؟''

''ایک برہمن کے لڑکے پر مرمٹا ہوں مگر کیا کروں کہ اس کے سیاں کوتوال ہیں اور وہ خود کوتوالی انچارج۔''

جگدیش جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

''یہ پروفیسر چودھری کا کیا معاملہ ہے۔'' اس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

''اتنا ہی میں بھی جانتا ہوں جتنا کہ تم.....!'' فریدی بولا۔

''مگر ہے معاملہ حیرت انگیز..... کہیں یہ اس کی عورت ہی کی حرکت نہ ہو..... سائنٹسٹ

عموماً خشک طبیعت کے ہوا کرتے ہیں۔ وہ ایک رنگین مزاج عورت ہے۔ آرٹسٹ بھی ہے۔ ہے کہ اس کے کسی عاشق نے اسے قتل کر کے یہیں دفن کر دیا ہو۔''

''ضروری نہیں کہ ہر آرٹسٹ عورت عاشق بھی رکھتی ہو۔'' فریدی نے کہا۔ ''ضروری کہ ہر رنگین مزاج عورت اپنے شوہر سے بے وفائی ہی کرے۔''

''آپ عورتوں کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔'' حمید نے کہا۔ ''اس لئے اس موضوع پر ڈالنے سے گریز کیا کیجئے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''لیکن پچھلی رات کو.....!''

''یہ حلوہ بھی کھایئے نا۔'' حمید جلدی سے بولا اور پھر اس کی زبان تیزی سے چلنے

''آپ کی خوراک روز بروز کم ہوتی جا رہی ہے۔ رنگ پیلا پڑتا جا رہا ہے۔ آنکھوں کے گرد پڑ گئے ہیں۔ دماغ جھائیں جھائیں کرتا ہوگا۔ خوب ڈٹ کر کھایا کیجئے ورنہ آنکھوں کے سا نیلی پیلی چنگاریاں اڑنے لگیں گی اور محصول ڈاک بذمہ خریدار ہو جائے گا۔''

''پچھلی رات.....!''

''بھائی جگدیش! تم تکلف کر رہے ہو۔'' حمید تیزی سے جگدیش کی طرف مڑ کر بولا۔ جیلی.....انڈے تم نے کھائے ہی نہیں.....اماں تم تو سبزی کور کبھی نہیں تھے۔''

''پچھلی رات بڑی خوشگوار تھی۔'' فریدی نے اکتا کر جملہ پورا کر دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہیں دیر نہ ہو جائے۔

ناشتے کے بعد ان کی پارٹی پروفیسر درانی کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئی۔

کمپاؤنڈ میں سناٹا تھا۔ برآمدے میں بھی کوئی نظر نہ آیا۔ ایک کمرے کے دروازے پر ایک تختی لگی ہوئی تھی جس پر ''سیکریٹری'' لکھا تھا۔ لیکن یہ کمرہ بھی بند تھا۔ پھر وہ صدر دروازے آئے اور فریدی بار بار گھنٹی کا بٹن دبانے لگا۔ پوری عمارت کا کوئی بھی دروازہ کھلا ہوا دکھائی نہیں دیا.....حتیٰ کہ کھڑکیاں تک بند تھیں۔

فریدی کافی دیر تک گھنٹی بجاتا رہا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد اندر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ دروازہ کھلا اور ایک خوبصورت سی بھولی بھالی لڑکی دکھائی دی جس کے ایک ہاتھ میں کنگھا تھا اور

دوسرا ہاتھ تیل میں ڈوبے ہوئے تھے۔

''کیا بات ہے؟'' اس نے غصیلی آواز میں پوچھا۔

''پروفیسر کو باہر بھیج دیجئے۔'' فریدی اپنی فلٹ ہیٹ اتارتا ہوا نرم لہجے میں بولا۔

''باہر.....!'' لڑکی اسے گھورتی ہوئی بولی۔ ''وہ کبھی باہر نہیں آتے۔ تم لوگ چپ چاپ جاؤ.....آج مجھے پہلی بار موقع ملا ہے کہ میں اپنے ڈیڈی کے بال سنوار سکوں۔''

''آپ ان سے کہئے کہ پولیس گھر کی تلاشی لینا چاہتی ہے۔''

''وہ میری نہیں سنیں گے! آپ لوگ جایئے۔''

''تب پھر ہمیں مجبوراً.....زبردستی گھر میں گھسنا پڑے گا''

''میں کچھ نہیں جانتی۔'' وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر ہنس کر بولی۔

''چلو میں تمہیں ڈیڈی سے ملاؤں.....اب وہ سب سے مل سکیں گے۔ میرے ڈیڈی بہت ے آدمی ہیں.....آیئے۔''

''سیکریٹری کہاں ہے؟'' فریدی نے پوچھا۔

''پتہ نہیں!''

وہ اس کے پیچھے گھر میں داخل ہوئے۔ پوری عمارت سنسان پڑی تھی۔ انہیں ایسا معلوم ہا تھا جیسے وہ کسی ویران مقبرے میں چل رہے ہوں۔ ان کے قدموں کی آوازیں اونچی چھت لے کمروں میں بازگشت پیدا کر رہی تھیں۔ لڑکی انہیں پروفیسر کے سونے کے کمرے میں لے آئی۔

اور پھر ان میں سے کئی اپنی چیخیں نہ روک سکے۔ پروفیسر اپنے پلنگ پر چت پڑا تھا لیکن اس کی گردن کٹی ہوئی تھی۔ خون بستر پر جم کر سیاہی مائل ہو چکا تھا۔ اس کے بال تیل سے بھیگے ئے تھے اور انہیں بڑے سلیقے سے سنوارا گیا تھا۔ شاید ڈاڑھی میں بھی کنگھا کیا گیا تھا۔

فریدی تحیر آمیز نظروں سے لڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''دیکھو! میرے ڈیڈی کتنے اچھے لگتے ہیں۔'' وہ مسکرا کر بولی اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے ئی اس کا گلا گھونٹ رہا ہو۔ ''وہ سب کے سب بت بنے کھڑے رہے۔''

''میں سوچا کرتی تھی کہ ڈیڈی کے سر میں تیل ڈالوں۔ ان کے بال سنواروں، گھنٹوں ان

کا سر سہلاؤں لیکن وہ مجھے اس کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ بڑے خراب ہیں ڈیڈی۔'' اس
اس طرح منہ بنایا جیسے ڈیڈی سے روٹھ گئی ہو۔ پھر ہنس کر بولی۔ ''مگر..... آج ڈیڈی نے کچھ
کہا۔ میں ایک گھنٹے سے ان کا سر دبا رہی تھی..... دیکھو..... دیکھو..... انہوں نے آج تمہیں
کچھ نہیں کہا..... ورنہ وہ ملنے والوں کو مار بیٹھتے تھے..... میرے ڈیڈی اچھے ہو گئے.....!'' ا
نے بچوں کی طرح تالی بجائی اور جھک کر مردہ پروفیسر کی پیشانی چوم لی۔

جنہیں اس بات کا خدشہ تھا کہ وہ رو پڑیں گے چپ چاپ کمرے سے نکل گئے۔ ان
حمید بھی تھا۔ وہ ایک دوسرے خالی کمرے میں جا کر بے تحاشہ رونے لگا۔

اس کے ذہن کی نہ جانے کون سی گرہ اچانک کھل گئی تھی۔

''یہ تمہارے ڈیڈی ہیں؟'' فریدی نے نرم لہجے میں پوچھا۔

''ہاں..... ہاں..... تمہیں یقین کیوں نہیں آتا..... میں سمجھ گئی۔'' وہ بچوں کی طرح
کر بولی۔ ''انہوں نے تمہیں مارا نہیں۔ اس لئے تم انہیں ڈیڈی نہیں سمجھتے..... ڈیڈی اچ
ہو گئے..... اب وہ کسی سے جھگڑا نہیں کریں گے..... کسی کو نہیں ماریں گے..... میں ڈیڈی
ڈرتی ہوں..... مگر انہوں نے مجھے کبھی نہیں مارا..... دیکھو دیکھو! آج ڈیڈی کے بال کتنے اچ
لگ رہے ہیں..... میرے ڈیڈی۔'' اس نے پھر لاش کی پیشانی چوم لی۔

''بی بی ہوش میں آؤ۔'' جگدیش کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

''میں بے ہوش کب ہوں۔ تمیز سے بات کرو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ میں عامرہ درا
ہوں۔'' اس نے کہا اور پروفیسر کے سرہانے بیٹھ کر اس کی ڈاڑھی میں کنگھا کرنے لگی۔

فریدی باہر نکل آیا۔ وہ حمید کو تلاش کر رہا تھا۔ اس نے اسے ایک کمرے میں روتے دیکھا

''حمید.....!'' فریدی نے اسکے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور اس نے جلدی سے آنسو پونچھ ڈالے

''اس لڑکی کو گھر لے جاؤ..... مسز چودھری کو فون کر کے بلا لینا۔''

حمید کی آنکھیں پھر بھیگنے لگیں۔

''مرد کے پہلو میں پتھر کا جگر ہونا چاہئے۔'' فریدی نے کہا اور پھر اُسی کمرے میں چلا آیا۔
جگدیش وغیرہ خاموش کھڑے تھے اور عامرہ سر جھکائے ہوئے اپنے مردہ باپ کے بالوں

کنگھی کر رہی تھی۔

''سنو بیٹی۔'' فریدی نے اسے مخاطب کیا۔ ''میں تمہارے ڈیڈی کا دوست ہوں..... کیا تم
رے گھر چلو گی؟''

''ڈیڈی نہیں جانے دیں گے۔'' اس نے شکایت آمیز لہجہ میں کہا۔ ''وہ مجھے کہیں نہیں
نے دیتے۔''

''میرے یہاں جانے سے نہیں روکیں گے۔''

''مگر میں ڈیڈی کو چھوڑ کر کہیں نہ جاؤں گی۔''

''ابھی واپس آ جانا..... شاباش..... بڑی اچھی بیٹی ہے۔''

''اچھا آپ کے یہاں ننھے ننھے بچے ہیں۔'' اس نے معصومیت سے پوچھا۔

''ہاں..... ہاں.....!''

''آپ کی بیوی پیانو پر گیت گاتی ہیں۔''

''ہاں..... تم چلو تو سہی..... سب کچھ ہے۔''

''لیکن میں انہیں کہوں گی کیا.....؟'' وہ خود سے باتیں کرنے لگی۔ ''ڈیڈی کے دوست
انا..... بس میں انہیں چچی ماں کہوں گی..... اور بچے کو منا بھیا..... میرا منا بھیا۔''

اس نے اپنے دونوں ہاتھ اس طرح سینے پر رکھ لئے جیسے سچ مچ کسی منا بھیا کو لپٹا رہی ہو۔

''میں چلوں گی۔'' وہ اٹھ کر بولی۔

فریدی اسے لے کر باہر آیا..... پھر اسے حمید کے سپرد کر کے فرانسیسی زبان میں بولا۔
اور صاحب کی بیوی اور ان کے چھوٹے بچوں کو بھی بلوا لینا۔'' اور مختصراً اسے سب کچھ بتا دیا۔

''کس زبان میں بول رہے ہیں آپ.....؟'' اس نے فریدی سے پوچھا۔

''فرانسیسی میں بیٹی! میں انہیں سمجھا رہا تھا کہ وہ تمہاری چچی ماں سے کہہ دیں گے کہ وہ
اری خوب خاطر کریں۔ تمہیں پیانو پر گیت سنائیں۔''

''یہ کون ہیں؟''

''میرے بھائی ہیں۔''

حمید اسے لے کر چلا گیا۔

''اچھا تو میاں جگدیش.....!'' فریدی نے کہا۔ ''اب تم آفیسروں کو فون کرنا شروع کرو۔''

''لیکن..... یہ آخر ہوا کیا.....؟''

''اس پر فون کرنے کے بعد غور کرنا۔''

آدھ گھنٹے کے اندر ہی اندر کوٹھی میں شہر کے سارے بڑے آفیسر اکٹھا ہو گئے۔

''آپ تلاشی کے لئے آئے تھے؟'' کلکٹر نے جگدیش سے پوچھا۔

''تو پھر یہاں ان کی موجودگی کیا معنی رکھتی ہے۔'' اس نے فریدی کی طرف اشارہ کیا۔

''میں اس تلاشی کے سلسلے میں نہیں آیا.....؟'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''یہ اور بات ہے میں اور یہ ایک ہی وقت پر یہاں پہنچے۔ میں دراصل پروفیسر چودھری والے کیس کے سلسلے یہاں آیا تھا۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ کل پروفیسر چودھری کے یہاں ایک بند کنوئیں سے ا ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ برآمد ہوا ہے اور ایک انگوٹھی کی بناء پر یہ سمجھا جا رہا ہے کہ وہ ڈھانچہ پرو چودھری ہی کا ہے۔ دونوں پروفیسروں کے قریبی تعلقات تھے اس لئے میں نے مناسب سمجھا پروفیسر درانی سے مل کر چودھری کے متعلق دریافت کروں..... لیکن..... اسے بھی کسی نے قتل کر دیا

کلکٹر خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''اس کی لڑکی کہاں گئی؟ نوکر کہاں ہیں؟''

''لڑکی کا دماغ الٹ گیا ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''نوکر تھے ہی نہیں..... ایک سیکریٹ تھا..... وہ بھی لاپتہ ہے۔''

''لیکن لڑکی ہے کہاں؟''

''میرے گھر پر..... میں نے اسے گھر بھجوا دیا..... یہاں اس کی موجودگی ٹھیک نہیں تھی۔''

''لیکن آپ نے یہ سب اپنی مرضی سے کیوں کر ڈالا۔''

فریدی اپنے محکمے کے ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف مڑا۔ شاید وہ اس سوال کا جواب اس سے دلوانا چاہتا تھا۔

''بات یہ ہے۔'' ڈی۔ آئی۔ جی جلدی سے بولا۔ ''انسپکٹر فریدی کے پاس ایک مخصوص اجازت نامہ ہے، جو انہیں اوپر والوں سے ملا ہے۔ مخصوص حالات میں وہ اس کی رو سے ملک

کہیں بھی کسی بھی کیس میں دخل انداز ہو سکتے ہیں۔''

''لیکن کم از کم ہمارا انتظار تو کیا ہوتا۔'' کلکٹر بولا۔

''یقین کیجئے کہ مجھے مجبوراً ایسا کرنا پڑا۔ اگر وہ تھوڑی دیر اور ٹھہرتی تو شاید اس کا ہارٹ فیل ہو جاتا اور ہمیں ایک متوقع گواہ سے ہاتھ دھونے پڑتے۔''

تھوڑی دیر بعد محکمہ سراغ رسانی کے فوٹو گرافر نے کیمرے سنبھال لئے۔

پورے کمرے کی متعدد تصویریں لی گئیں۔ فریدی بہت زیادہ مشغول تھا۔ لیکن کوئی کام کی ت دریافت نہ ہو سکی۔ قاتل یا قاتلوں نے کسی قسم کے نشانات نہیں چھوڑے تھے۔ ڈاکٹر نے بتایا ا قتل پچھلے بارہ گھنٹوں سے پہلے کسی وقت ہوا۔ اندازہ دس اور گیارہ بجے رات کے درمیان کا ا۔ دوسری طرف پولیس کی ایک پارٹی کوٹھی کی تلاشی لے رہی تھی۔

فریدی جائے واردات سے ہٹ کر ایک دوسرے کمرے میں آ گیا۔ اس کے ماتھے کی لیں ابھری ہوئی تھیں۔

اس نے پرخیال انداز میں سگار سلگایا اور اسے ہونٹوں میں دبائے کھڑا رہا۔ اتنے میں اس کے محکمے کا ڈی۔ آئی۔ جی بھی اسی کمرے میں آ گیا۔ فریدی نے سگار جلدی سے ہونٹوں سے نکالا ر پشت پر چھپا لیا۔

''تکلفات کی ضرورت نہیں۔'' اس نے کہا اور آگے بڑھ کر سگار پھر اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

''مجھے تو بہر حال ڈسپلن کا خیال رکھنا چاہئے۔'' فریدی بولا۔

''خیر..... خیر.....!'' ڈی آئی جی بزرگانہ انداز میں مسکرایا۔ ''اگر ضدی نہ ہوتے تو شاید اس نت میں تمہارا ماتحت ہوتا..... ہاں..... چھوڑو، ان باتوں کو..... تمہاری وہ مچھلی تو برآمد نہیں ہوئی۔''

''جناب والا..... وہ محض ایک سٹنٹ تھا۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''سٹنٹ تھا.....؟'' ڈی۔ آئی۔ جی نے حیرت سے کہا۔

''جی ہاں..... ہاتھ کی ایک معمولی سی صفائی..... بکری کا سر اور مچھلی کا دھڑ جمانا مشکل کام نہیں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے..... لیکن.....!''

''چودھری والے کیس کے سلسلے میں اس گھر کی تلاشی لینا چاہتا تھا۔'' فریدی نے اس کی

بات کاٹ کر کہا۔ ''لہٰذا میں نے یہ طریقہ اختیار کیا۔ مگر اب خود اس کا قتل یہ ظاہر کر رہا ہے کہ
سازش کی ڈور کہیں دور الجھی ہے۔'' فریدی نے اپنی آواز دھیمی کر دی۔

''اس درمیان میں پروفیسر چودھری کی کوٹھی غیر ملکی جاسوسوں کا اکھاڑہ بنی رہی ہے۔''

''کیا مطلب.....؟'' ڈی۔آئی۔جی چونک کر بولا۔

''اطمینان سے تنہائی میں بتاؤں گا۔'' فریدی نے کہا۔ ''لیکن اسے مصلحتاً ضابطے کی رپورٹ میں نہ دے سکوں گا۔''

''میں جانتا ہوں۔'' ڈی آئی جی مسکرا کر بولا۔ ''تم کسی کیس کے دوران تفتیش میں کم ڈھنگ کی رپورٹ نہیں دیتے۔''

''لیکن میں صرف آپ کو سب کچھ بتا دوں گا اور پھر آپ ہی اس کی راز داری کی اہمیت اندازہ لگا سکیں گے۔''

ڈی۔آئی۔جی چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد باقی آفیسر بھی چلے گئے۔ صرف ایک ڈی۔ایس۔پی تین سب انسپکٹر اور چند کانسٹیبل رہ گئے۔ لاش پوسٹ مارٹم کے لئے بھجوا دی گئی۔ باہر پریس رپورٹروں اور پبلک کا ہجوم تھا۔ پروفیسر کے قتل کی خبر آگ کی طرح شہر میں پھیل گئی تھی اور پھر ریڈیو کی لہروں نے اسے ساری دنیا میں منتشر کر دیا تھا۔

فریدی نے کوٹھی کا پھاٹک بند کروا دیا اور پھر اس نے کوٹھی کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ ایک گھنٹے کی تھکن کے باوجود بھی ایسی کوئی چیز نہ مل سکی جس سے کسی خاص راستے کی طرف رہنمائی ہو سکتی۔

فریدی کے ذہن میں کئی طرح کے خیالات ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں عامرہ ہی اپنے باپ کی قاتل نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ وہ اس گھر میں ایک طرح سے قید تھی اور قید بھی کیسی؟ قید تنہائی..... وہ اسے کہیں جانے نہیں دیتا تھا اور نہ کسی کو اپنے گھر میں قدم رکھنے دیتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے تنگ آ کر اسے قتل ہی کر دیا ہو۔ اور پھر اس کے بعد اچانک اس کا دماغ الٹ گیا ہو یا ممکن ہے کہ وہ مصلحتاً خود کو پاگل ظاہر کر رہی ہو۔

دوسری طرف سیکریٹری کا مسئلہ تھا۔ آخر وہ کہاں غائب ہو گیا تھا۔ عامرہ یہ بھی نہ بتا سکی تھی

پچھلی رات کو موجود تھا یا نہیں۔ اس کی شخصیت پر بھی کوئی روشنی نہ پڑ سکی۔ وہ کون تھا؟ اس کا
تھا؟ مستقل سکونت کہاں تھی؟ اکثر کاغذات پر اس کے دستخط ضرور ملے تھے لیکن دستخط سے
اندازہ لگانا ناممکن نہیں تو عام حالات میں دشوار ضرور ہوتا ہے اور پھر اس کے دستخط میں تو
سرے ہی سے غائب تھے۔ وہ صرف چند آڑی ترچھی لکیروں سے مرکب تھی۔ عامرہ کی
ذہنی یا اکتسابی کیفیت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس سے کوئی کام کی
معلوم ہو سکے۔

کوٹھی پر باقاعدہ پہرہ لگ گیا تھا اور اب ایک مجسٹریٹ کی موجودگی میں سامان کی فہرست
بنا رہی تھی۔

فریدی کی موجودگی غیر ضروری تھی کیونکہ وہ پہلے اپنے طور پر تلاشی لے چکا تھا۔ وہ گھر واپس
آیا۔ بیرونی برآمدے میں قدم رکھتے ہی اسے بچوں کے شور کی آواز سنائی دی۔ ڈرائنگ روم
میں پڑوسی داور صاحب کے بچے اکٹھا تھے اور عامرہ ان کے سب سے چھوٹے بچے کو
گود لئے بھینچ بھینچ کر پیار کر رہی تھی۔ اس کی عمر سولہ اور اٹھارہ کے درمیان رہی ہوگی۔ لیکن وہ
اس وقت ایک ننھی منی سی معصوم لڑکی لگ رہی تھی۔

فریدی کو دیکھتے ہی وہ بھاگ کر اس کے پاس آئی۔

''آپ آ گئے..... آپ کا گھر بہت اچھا ہے۔ چچی ماں اچھی ہیں۔ انہوں نے مجھے خوب
اور یہ منا بھیا۔'' اس نے زور سے بچے کو پیار کیا۔

''میں اسے نہیں دوں گی..... ڈیڈی کو بھی یہیں لائیے نا..... آپ ڈیڈی کے بہت اچھے
ہیں۔''

''ہاں بیٹی! میں انہیں بھی لاؤں گا۔'' فریدی اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

''مگر آپ چچی ماں سے بہت چھوٹے معلوم ہوتے ہیں۔'' عامرہ نے قہقہہ لگایا۔

''تم نے پیانو پر گیت سنا.....؟'' فریدی نے اس کی بات اڑا کر کہا۔

''چچی ماں کو گانا آتا ہی نہیں۔'' اس نے مایوسی سے کہا۔ ''مگر وہ دوسری جو ہیں انہوں نے
سنایا تھا۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ میں بھی تمہاری چچی ہوں۔ کیا وہ آپ کے بھائی کی بیوی ہیں؟''

اتنے میں مسز چودھری اور داور صاحب کی بیوی اندر سے آ گئیں اور دونوں کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ شاید وہ دیر تک روئی تھیں۔ فریدی سوچنے لگا کہ عامرہ مسز چودھری کو پہچان سکی۔

"عامرہ بیٹی۔" فریدی نے کہا اور مسز چودھری کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ "کیا تم انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا.....؟"

"نہیں ..... میں نے یہیں دیکھا ہے۔ مگر یہ بہت اچھی ہیں۔ انہوں نے مجھے کئی نظمیں سنائے تھے..... اب ڈیڈی کو لے آیئے نا..... میرے ڈیڈی یہاں آ کر خوب ہنسیں گے۔ آپ نے بندر بھی پال رکھے ہیں وہ ان کی اچھل کود دیکھ کر خوب ہنسیں گے..... مگر..... آپ بندروں اور اپنے پرندوں کی کافی دیکھ بھال رکھئے گا ورنہ ڈیڈی انہیں لیبارٹری میں لے جا کر کی چیر پھاڑ کر دیں گے۔"

"انہوں نے تمہاری تصویر بھی تو بنائی تھی۔" فریدی نے پھر مسز چودھری کی طرف اشارہ

"نہیں تو..... آپ جھوٹ کہتے ہیں۔"

"ہاں بیٹی..... تمہیں چودھری چچا یاد ہیں؟"

"کون چودھری چچا..... میں نہیں جانتی۔ جایئے! ہم کھیل رہے ہیں۔"

فریدی وغیرہ وہاں سے ہٹ آئے۔ عامرہ بچوں میں کھیل رہی تھی۔

"یک بیک یہ کیا ہو گیا؟" مسز چودھری نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "اس لڑکی حالت دیکھ کر تو میں اپنا غم بھول گئی ہوں۔"

"وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھی ہے۔" فریدی بولا۔ "وہ کئی گھنٹے تک باپ کی لاش کے پاس رہی ہے۔"

"اس بچی کا اب کیا ہو گا.....؟" مسز داور نے پوچھا۔

"فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتا..... حمید کہاں ہے؟"

"اپنے کمرے میں!"

فریدی حمید کے کمرے میں آیا۔ وہ ایک آرام کرسی پر نیم دراز چھت کی طرف دیکھ رہا

ی کی آہٹ پر چونکا۔

وہ تھوڑی دیر تک عجیب نظروں سے فریدی کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ "مجھ میں اس لڑکی کا ا کرنے کی سکت نہیں۔"

"کیا ہوا.....؟"

"اسے دیکھتے ہی میں اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں رکھ سکتا..... اس کا کیا انتظام کیا جائے۔"

"وہ بعد کو سوچیں گے۔" فریدی اٹھ کر دروازے کے قریب جاتا ہوا بولا۔ اس نے کاریڈر جا کر ادھر اُدھر دیکھا اور پھر اندر لوٹ آیا اور حمید کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر جھکا۔

"مسز چودھری پر اس لڑکی..... مگر نہیں..... میں تمہیں ایک بات بتانا بھول گیا تھا..... تم ون پر مسز چودھری کو سب کچھ بتا دیا ہو گا۔"

"نہیں..... میں نے اسے صرف بلایا تھا۔" حمید نے کہا۔ "میں خود بھی مسز چودھری پر اس کیل دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کی ایک بات مجھے شروع سے کھٹک رہی تھی کہ اس نے ایک ہی ت پر اس کی تصویر کیسے بنائی تھی۔ لوگ ہفتوں پوز دیتے ہیں تب جا کر کہیں تصویر مکمل ہوتی ۔"

"خیر..... یہ کوئی ایسی اہم بات نہیں..... ایک اچھا آرٹسٹ صرف چند گھنٹوں میں مکمل اسکیچ سکتا ہے..... یہ مت بھولو کہ اس تصویر میں زیادہ تر تارا چودھری کے تخیل کی رنگ آمیزی ۔ بہرحال تم نے بہت اچھا کیا۔ ہاں تو اس پر کیا ردعمل رہا.....؟"

"اس نے جیسے ہی عامرہ کو یہاں دیکھا بھونچکی رہ گئی اور سب سے پہلا یہی سوال کیا کہ کیا ہر صحیح الدماغ ہو گیا؟"

"ٹھیک.....!"

"اور پھر جب میں نے اسے پورا قصہ بتایا تو اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اسے قطعی نہیں پہچانا..... میں نے اسے یہ بھی یاد دلانے کی کوشش کی..... لیکن..... وہ یہی تی رہی..... کہ..... میں نے پہلے کبھی انہیں نہیں دیکھا۔"

"یار بڑی الجھن میں پڑ گیا ہوں۔" فریدی تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔ "شلائر کا نام میں

نے پروفیسر چودھری کی کوٹھی میں سنا تھا اور شلائر پروفیسر درانی کے یہاں بھی دیکھا گیا۔ چودھر
کا قتل پراسرار حالات میں ہوا اور پروفیسر درانی کا قتل بھی اس سے کم پراسرار نہیں ہے۔"

"کیوں نہ شلائر کو حراست میں لے لیا جائے۔" حمید نے کہا۔

"اس کے خلاف کوئی واضح ثبوت ہم کہاں سے لائیں گے۔ البتہ اس کی کڑی نگرانی ضر
شروع کردی گئی ہے۔ اس کا انتظام میں نے اسی دن کرلیا تھا جب انور نے مجھے اس کے متعلق
اطلاع بہم پہنچائی تھی۔"

حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "آخر عامرہ کا کیا انتظام کیا جائے..... مسز
اور مسز چودھری دونوں ہی اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہیں۔"

"میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔" فریدی نے کہا۔ "میں نے یہ سوچا ہے کہ اسے
ڈی۔آئی۔جی صاحب کے یہاں پہنچادوں۔ وہاں وہ ہر طرح محفوظ رہے گی اور ان کا خاندان
بھی خاصا بڑا ہے۔ چھوٹے بچے بھی کئی ہیں۔"

"یہ بہت اچھا رہے گا۔" حمید نے کہا اور پائپ سلگانے لگا۔ اس کے چہرے پر ابھی تک
کے آثار تھے۔

اندھیرے میں

پروفیسر درانی کی کوٹھی رات کی سیاہ چادر میں لپٹی کھڑی تھی۔ گیارہ بج چکے تھے۔ سامنے
سڑک سنسان پڑی تھی۔ کبھی کبھی ان سنتریوں کے کھانسنے کھنکھارنے کی آوازیں فضا میں منتشر
ہوجاتی تھیں، جن کا پہرہ پروفیسر کی کوٹھی پر لگایا گیا تھا۔ اکثر ان میں سے ایک آدھ بلند آواز میں
موسم کی ماں یا بہن سے اپنا رشتہ بھی ظاہر کردیتا۔ وہ پوری پوری ایمانداری سے اپنے فرائض انجام

رہے تھے۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد وہ دو دو کی ٹولیوں میں تقسیم ہوکر کوٹھی کا چکر بھی لگاتے
لیکن وہ اس سے بے خبر تھے کہ کوٹھی کی پشت پر کیا ہورہا ہے۔ شاید انہوں نے اس طرف
ہی فضول سمجھا تھا۔ کیونکہ دیواریں بہت اونچی تھیں اور ان کی دانست میں کسی آدمی کی دسترس
سے قطعی باہر تھیں۔

کوٹھی کی پشت پر دور تک لمبی گھاس کی جھاڑیوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ دفعتاً ایک طرف
سرکھڑاہٹ ہوئی اور جھاڑیوں سے ایک آدمی نکل کر کوٹھی کی طرف بڑھا۔ ٹھیک دیوار کے نیچے
پہنچ کر وہ ایک جگہ بیٹھ گیا۔ تاروں کی چھاؤں میں تھوڑی دیر تک اس کی پرچھائیں دکھائی دیتی
رہی پھر وہ یک بیک غائب ہوگیا۔

کچھ فاصلے پر دو آدمی اور جھاڑیوں سے نکلے لیکن وہ زمین پر پیٹ کے بل رینگ رہے
تھے۔ ان کا رخ بھی کوٹھی ہی کی طرف تھا۔ ان میں سے ایک رینگتے رینگتے رک گیا۔ دوسرا کچھ
آگے بڑھ کر پیچھے کی طرف مڑا اور آہستہ سے بولا۔

"کیا ہوا.....؟"

"ابھی تو کچھ بھی نہیں ہوا۔" دوسرے نے کہا۔ "لیکن اگر یہاں درانی کے بھوت سے
شرف ملاقات حاصل ہوا تو.....؟"

"حمید! خدا کے لئے....." پہلا کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ اس کی نظریں کوٹھی کے شمالی سرے
پر کچھ دیکھ رہی تھیں۔

"فریدی صاحب! میں آئس کریم ہوا جارہا ہوں۔"

"چپ.....!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

شمالی سرے سے ایک اور سایہ آگے بڑھ رہا تھا۔ فریدی اور حمید جہاں تھے وہیں رک گئے۔
دوسرا سایہ بھی اسی جگہ آکر غائب ہوگیا جہاں پہلا غائب ہوا تھا۔ فریدی ایک گڑھے میں رینگ
گیا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔ انہوں نے تین سائے اور دیکھے وہ بھی کوٹھی ہی کی طرف بڑھ
رہے تھے۔ دیوار کے نیچے پہنچ کر وہ زمین پر لیٹ گئے اور تیسرا دیوار سے ٹک کر کھڑا ہوگیا۔ پھر
دیوار کی جڑ میں روشنی کا ایک دھبہ دکھائی دیا۔ وہ دونوں غائب ہوچکے تھے۔ تیسرا بدستور دیوار

کے سہارے کھڑا رہا۔

''آنکھ مچولی کھیل رہے ہیں..... یار لوگ۔'' حمید اپنے سردی سے بجتے ہوئے دانتوں قابو پا کر آہستہ سے بولا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا وہ اندھیرے میں گھور رہا تھا۔ اس کی نظریں اس آدمی پر ہوئی تھیں، جو ابھی تک دیوار کے سہارے کھڑا تھا۔

''نقب.....!'' وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ ''مگر انہوں نے نقب لگائی کس وقت۔ پہلا آ دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو گیا تھا۔''

''اور ہم دونوں بھی۔'' حمید دانت کٹکٹا کر بولا۔ ''اگر تھوڑی دیر اور اسی طرح پڑے رہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غائب ہو جائیں گے۔''

''چپ.....!'' فریدی آہستہ سے بولا۔ وہ اپنے داہنے ہاتھ میں ایک بڑا سا پتھر تول رہا تھا

''ارے.....ارے.....!'' حمید سہم کر ایک طرف ہٹتا ہوا بولا اور فریدی کو بے ساختہ ہنسی آ گئی

''ابے تجھے نہیں مار رہا ہوں..... خدا کی قسم تم بڑے سُور ہو۔ آئے کیوں تھے؟''

''تو کیا آپ اسے مار رہے ہیں۔'' حمید نے سائے کی طرف دیکھ کر کہا۔

''ہاں..... بکو نہیں۔''

''شاید آپ کو مجھ سے زیادہ سردی لگ رہی ہے۔'' حمید اس کا پتھر والا ہاتھ پکڑتا ہوا بولا

''کیوں.....؟''

''اگر پتھر اسے لگنے کے بجائے دیوار سے لگا تو.....؟''

''مجھے اعتماد ہے کہ وہ اس کے سر ہی پر لگے گا۔''

''تب تو آپ کو بخار بھی معلوم ہوتا ہے۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔ ''اگر فرض کیجئے یہ پتھ اس کے سر پر بھی پڑا تو وہ اس قابل نہ رہ جائے گا..... کہ بعد کو ہم اسے شناخت کر سکیں۔''

''اس کے علاوہ اور کیا صورت ہو سکتی ہے؟ دیکھتے نہیں کہ اس کی پشت دیوار سے لگی ہ اور چہرہ ہماری طرف ہے۔''

''اگر آپ اس کا بصدق دل اعتراف کریں کہ حمید دنیا کا سب سے بڑا سراغ رساں ہے

کوئی نئی تدبیر سوچ سکتا ہوں۔''

''نہ صرف دنیا..... مریخ، زہرہ، عطارد مشتری وغیرہ کے سب سے بڑے اُلو ہو۔''

''چلئے خیر یہی سہی۔ میں اسے دیوار کے پاس سے ہٹانے جا رہا ہوں اور میرا ڈکشن کہتا کہ وہ ریوالور نہیں استعمال کرے گا۔ کیونکہ دوسری طرف مسلح پہرہ ہے۔''

''حمید صاحب! اسکریو نہ ڈھیلے ہوں۔'' فریدی نے کہا۔ ''کیا تمہیں وہ زہریلے تیر یاد نہیں؟''

''مجھے یقین ہے کہ اس کے پاس کمان نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ تیر ریوالور کی نال میں رکھ نہ پھینکے جاتے ہوں گے۔ آپ آخر ڈرتے کیوں ہیں؟''

فریدی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر حمید کو گھورنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ حمید ہی رہا ہے یا اس کے جسم میں کسی شیطان کی روح حلول کر گئی ہے۔

''شاید آپ پر گارساں کا خوف بُری طرح مسلط ہو گیا ہے۔'' حمید پھر بولا۔

''حمید پیارے.....'' فریدی تحیر آمیز لہجے میں آہستہ سے بولا۔ ''کیا واقعی تم اس وقت اسی میں ہو یا محض زبان طراری ہے؟''

''بات صرف اتنی سی ہے مرشد و مولائی۔ کہ میں اپنا خون کھولا کر سردی مٹانے کی کوشش کر رہا ہ..... لیکن خیر..... تیار ہو جایئے..... میں اسے میدان میں لاتا ہوں.....'' حمید نے کہا اور ھے کے باہر رینگ گیا۔ وہ جھاڑیوں کی طرف جا رہا تھا۔ تھوڑی دور چل کر وہ ذرا سا ابھرا اور لیٹ کر رینگنے لگا۔ فریدی نے دیوار سے لگے ہوئے آدمی کی طرف دیکھا۔ وہ آگے کی طرف ا ہوا شاید حمید کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر وہ بھی پھرتی سے زمین پر لیٹ گیا اور حمید کی ف تیزی سے رینگنے لگا۔ فریدی تیار تھا جیسے ہی وہ گڑھے کے قریب پہنچا اس نے اچھل کر اس گردن دبوچ لی۔ اس کا ایک ہاتھ اس کے منہ پر تھا لیکن وہ آدمی بھی کم طاقت ور نہیں معلوم ہ تھا۔ اگر حمید نے بھی آگے بڑھ کر اس کے سر پر ریوالور کا دستہ نہ رسید کر دیا ہوتا تو شاید وہ بڑی کی گرفت سے نکل ہی گیا تھا۔ وہ بیہوش ہو گیا۔ انہوں نے اپنی ٹائیاں کھولیں اور اس کے ہ جکڑ کر اسے گڑھے میں ڈال دیا۔ دفعتاً حمید کو پھر کچھ یاد آیا۔ اس نے جیب سے رومال ا کر اس کے منہ میں ٹھونس دیا اور فریدی کے رومال سے اس کے ہونٹوں پر پٹی سی باندھتا ہوا بولا۔

''اب اس کی روح کم از کم منہ کی طرف سے تو نہ نکل سکے گی۔''

''اس وقت تم نے وہ کام کیا ہے..... خیر میں تمہیں کم از کم سو روپے عیاشی کے لئے د دوں گا۔''

''خدا آپ کے بال بچوں کو بھی عیاشی نصیب کرے۔'' حمید نے ہاتھ اٹھا کر دعا دی۔

اور پھر وہ دونوں تیزی سے دیوار کے نیچے پہنچے۔ یہ دیوار پتھر کی تھی۔ پتھر کی بڑی بڑی سلا جوڑ کر بنائی گئی تھی۔ نیچے بنیاد سے ملی ہوئی ایک سل نکال دی گئی تھی اور ایک آدمی بہ آسانی رینگ کر اندر جا سکتا تھا۔

''تم باہر ہی ٹھہرو.....!'' اس نے حمید سے کہا۔ ''کوئی نکل کر جانے نہ پائے۔''

''اسی بات پر ایک گندی سی مثل یاد آ رہی ہے۔'' حمید بھنا کر بولا۔ ''مگر..... خیر..... اسے دہراؤں گا نہیں..... ممکن ہے اسی وقت شہادت نصیب ہو جائے۔''

فریدی اسے باہر چھوڑ کر اندر چلا گیا۔ وہ ایک تاریک راہداری میں تھا۔

چونکہ دن ہی میں اس نے یہ عمارت اچھی طرح دیکھ لی تھی اس لئے اسے یہ معلوم کر میں دشواری نہ ہوئی کہ وہ کوٹھی کے کس حصے میں ہے۔ پوری عمارت تاریک پڑی تھی اور کہیں سے کسی قسم کی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ اس نے ربر سول کے جوتے پہن رکھے تھے اس لئے وہ قدموں کی آواز پیدا کئے بغیر تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا..... دفعتاً وہ چونک پڑا..... ممکن ہے کہ وہ محض واہمہ رہا ہو۔ کیونکہ اس نے دبی سی نسوانی چیخ سنی تھی لیکن یہ معلوم کرنا دشوار تھا..... کہ آواز کدھر سے آئی تھی۔

راہداری سے نکل کر وہ ایک گیلری میں آیا۔ پھر بڑے ہال کی طرف مڑ ہی رہا تھا کہ اسے پھر وہی چیخ سنائی دی۔ اس بار اس نے آواز کا رخ معلوم کر لیا۔ ایک کمرے کی کھڑکی کے نیچے دو آدمی کھڑے کمرے کے اندر جھانک رہے تھے اور وہ آواز اسی کمرے سے آئی تھی۔ فریدی قریب ہی کے ایک ستون کی آڑ میں ہو گیا۔

یہ عمارت مغربی اور مشرقی طرز کا ایک دلکش امتزاج تھی۔ باہر سے تو وہ ایک خالص مغربی طرز کی عمارت معلوم ہوتی تھی لیکن اس کے اندر بھی صحن تھا اور اسے بڑی خوبصورتی سے بنایا گیا

یہ صحن دائرے کی شکل میں تھا۔ جس کے چاروں طرف گیلری تھی اور گیلری کے بعد برآمدے اور پھر کمروں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا جن کے درمیان کئی طویل راہداریاں تھیں۔ اگر کوئی کمروں کی پشت پر سے صحن کی طرف دیکھتا تو وہ اسے ایک وسیع کنواں معلوم ہوتا۔

تاروں کی دھندلی روشنی نے نہ صرف صحن بلکہ برآمدوں کو بھی نیم تاریک کر دیا تھا اور نیچے کی کوٹھی دونوں آدمی صاف نظر آ رہے تھے۔

''پیچھے ہٹو.....!'' وہی نسوانی آواز پھر سنائی دی اور فریدی کو دفعتاً اس لڑکی کی آواز یاد آ گئی جسے اور حمید کو چکا دے کر ٹرانسمیٹر نکال لے گئی تھی۔

''میں جانتا ہوں ریوالور خالی ہے۔'' ایک مرد کی آواز آئی۔ لیکن وہ بھی انگریزی ہی میں تھا اور اس کا لہجہ بھی غیر ملکی ہی تھا۔

''پیچھے ہٹو.....!'' وہ پھر چیخی۔ تھوڑے وقفے کے بعد کھڑکھڑاہٹ سنائی دی اور ایک فائر لیکن آواز اتنی ہلکی تھی کہ کوٹھی کے باہر والوں نے شاید ہی سنا ہو اور وہ چیخ..... بڑی دلخراش شاید اس لڑکی نے مرد کا خاتمہ کر دیا تھا۔

وہ دونوں آدمی جو کھڑکی کے نیچے کھڑے تھے کمرے کے دروازے کے قریب آ گئے۔ کوئی کمرے سے نکلا لیکن ان دونوں نے اسے دونوں طرف سے جکڑ لیا۔

''ریوالور چھین لو.....!'' ایک بولا۔

تھوڑی سی جدوجہد ہوئی اور لڑکی کے منہ سے گالیوں کا طوفان ابل پڑا۔ شاید دوسرے نے ریوالور چھین لیا تھا۔

''اسے کمرے میں لے چلو۔'' ایک نے کہا۔ یہ دونوں بھی انگریزی ہی میں گفتگو کر رہے تھے۔

وہ دونوں اسے اسی کمرے میں گھسیٹ لے گئے جس سے وہ نکلی تھی اور فریدی آہستہ سے کھڑکی کے قریب آ گیا۔

''روشنی کرو..... دیا سلائی جلا کر سوئچ ڈھونڈھ لو.....!'' مردانہ آواز سنائی دی۔ فریدی الرٹ ہو گیا۔

پہلے دیا سلائی جلی پھر کمرے کا بلب روشن ہو گیا۔

اور پھر فریدی نے وہ منظر دیکھا کہ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''سنہری بھیڑیئے۔'' وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

وہ لڑکی حقیقتاً وہی تھی جس نے اسے اور حمید کو اُلو بنایا تھا۔ وہ دونوں آدمی کافی قوی ہ اور خونخوار چہروں والے تھے۔

''لاؤ نکالو..... کیا لے جارہی تھیں۔'' ان میں سے ایک بولا۔ وہ دونوں اس لڑ طرف سے قطعی لاپرواہ نظر آرہے تھے، جو ان کے پیروں کے قریب ہی پڑی تھی۔ فریدی کو کے پیر صاف نظر آرہے تھے۔

''میں تم سے بالکل خائف نہیں ہوں۔'' لڑکی نے کہا۔

دونوں زور سے ہنسے اور پھر دوسرا بولا۔ ''لڑکی..... ہم نہیں چاہتے کہ تمہیں ننگا کریں خود ہی نکالو۔''

''میں کچھ نہیں لے جارہی ہوں۔ یہ مجھے زبردستی یہاں پکڑ لایا تھا۔'' لڑکی لاش کی طر اشارہ کرکے بولی۔

دونوں نے پھر قہقہہ لگایا۔

''یہ کون ہے؟'' پہلے نے پوچھا۔

''میں نہیں جانتی۔''

''ہم جانتے ہیں..... اور تم بھی جانتی ہو..... مگر بے بی تم کون ہو اور کس کے لئے کررہی ہو؟''

''تم لوگ نہ جانے کیا بک رہے ہو۔ میں نے ایک ایسے آدمی کو گولی ماری ہے جس مجھ پر مجرمانہ حملہ کیا تھا۔''

''لاؤ نکالو وہ ڈائری۔'' پہلا گرج کر بولا۔ ''تم جانتی ہو کہ تم نے شلائر کو قتل کیا ہے یہ بھی جانتی ہو کہ شلائر نے پچھلی رات کو اسی ڈائری کے لئے پروفیسر کو قتل کیا تھا۔ چلو بتاؤ کس کے لئے کام کررہی ہو؟''

''تم دونوں کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔'' لڑکی جھلا کر بولی۔

''چلو ڈک جلدی کرو۔'' پہلے نے اپنے ساتھی سے کہا۔ ''ہوسکتا ہے کہ اس کے ساتھ اور ی ہوں۔''

''وہ اندر نہ آسکیں گے۔ جیک دس پر اکیلا بھاری رہے گا۔ چلو لڑکی۔ نکالو جلدی..... تم ت خوبصورت ہو۔ ہم زبردستی نہیں کریں گے۔''

دفعتاً فریدی نے اپنی پشت پر قدموں کی آوازیں سنی اور کھڑکی سے ہٹ کر برابر والے رے میں گھس گیا۔ جو تاریک تھا۔ آنے والے چار تھے۔ ان میں سے ایک کھڑکی کے قریب آ گیا۔

''ہینڈز اپ.....!'' دوسرے لمحے میں فریدی نے ایک گرجدار آواز سنی اور ساتھ ہی لڑکی کا نہ بھی کمرے میں گونجا۔

''اچھا سنہرے بھیڑیو۔'' اس نے تیز آواز میں کہا۔ ''اگر پہچان سکتے ہو تو پہچان لو..... انہیں کے لئے کام کررہی ہوں۔''

فریدی کا سر چکرانے لگا۔ وہ حمید کے متعلق سوچ رہا تھا۔ آخر یہ چاروں کدھر سے آئے۔ ر ہے کہ اس نقب کے علاوہ کوئی اور راستہ اندر آنے کا نہیں تھا..... کیا حمید؟ کیا یہ اسے ختم رکے آئے ہیں؟ اس کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا..... لیکن وہ وہاں سے ہٹ نہ سکا..... الکہ کی ایسی ڈائری کا تھا جس کے لئے پروفیسر قتل کا گیا تھا۔

فریدی انہیں خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک مار پیٹ اور دھول دھپے کی آواز سنائی دی۔ کسی نے چیخ کر کہا۔ ''ایڈنا..... تم نکل جاؤ۔''

فریدی کمرے سے برآمدے میں کھسک آیا۔ صحن میں وہ سب ایک دوسرے پر پل پڑے ا اور لڑکی تیز تیز قدم بڑھاتی ہوئی برآمدے کی طرف آرہی تھی۔ فریدی دیوار سے چپک گیا ے ہی وہ اس کے قریب پہنچی وہ تیزی سے آگے جھکا۔ پھر اس کا ایک ہاتھ اس کے منہ پر تھا اور ر/اٹلاز کے اندر..... اس نے ڈائری نکال کر اپنی جیب میں ڈالی اور لڑکی کو کمر پر لاد لیا۔ یہ ہ اتنی پھرتی سے ہوا کہ لڑکی اپنی گلوخلاصی کے لئے ہاتھ پیر بھی نہ ہلا سکی۔ اس نے اس کا منہ ٹانک دبا رکھا تھا۔

اور ا منزل پر پہنچ کر اس نے اسے نیچے اتارا۔

"لڑکی..... اگر شور مچاؤ گی تو میں گلا گھونٹ کر تمہیں مار ڈالوں گا۔" اس نے بھیگے ہوئے لہجے میں کہا۔ بہر حال ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کوئی جرمن انگریزی بول رہا ہو۔ لڑکی بے حس و حرکت کھڑی رہی۔ پھر فریدی نے اس کی دونوں کنپٹیاں دبائیں اور وہ لہرا کر اس کے بازوؤں پر آرہی۔ وہ بیہوش ہوگئی تھی۔ فریدی نے اسے فرش پر ڈال دیا اور کمرے کے دروازے کو باہر بند کر کے تیسری منزل کی طرف لپکا۔ نیچے سے بدستور آوازیں آرہی تھیں۔ شاید ابھی تک ان میں کش مکش کا فیصلہ نہیں ہوا تھا۔

تیسری منزل کی چھتیں سپاٹ تھیں۔ فریدی بے تابی سے پشت والے حصے کی طرف بڑھا۔ اسے حمید کے لئے پریشانی تھی اور یہ پریشانی لحظہ بہ لحظہ بڑھتی جارہی تھی۔ اس نے نیچے جھانک کر دیکھا کوئی اسی جگہ دیوار سے چپکا کھڑا تھا جہاں اس نے حمید کو چھوڑا تھا۔

وہ سوچنے لگا کہ کہیں وہ انہیں چاروں کے ساتھیوں میں سے نہ ہو، جو بعد میں آئے تھے۔ فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر اس نے اپنے مخصوص انداز میں آہستہ آہستہ سیٹی بجائی۔ دیوار سے چپکا ہوا آدمی الگ ہٹ گیا۔ شاید وہ اوپر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ فریدی نے پھر سیٹی بجائی اور نیچے سے اس کا جواب آیا۔ فریدی نے اطمینان کا سانس لیا۔ پھر اس نے فاؤنٹین پن نکالا۔ جیب سے وہ ڈائری نکال کر اس میں سے ایک سادہ ورق پھاڑا اور ٹارچ کی روشنی میں لکھنے لگا۔ "فوراً پہرے والوں کی طرف جاؤ اور تین چار آدمیوں کو لے کر برآمدے میں آجاؤ..... میں دروازہ کھولتا ہوں۔"

پھر وہ کوئی چھوٹی سی وزنی چیز ڈھونڈھنے لگا جس سے اس کاغذ کو لپیٹ کر نیچے پھینک سکے۔ چھت پر اکھڑے ہوئے پلاسٹر کے بہت سے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے۔ اس نے ان میں سے ایک اٹھالیا۔

ٹارچ کی روشنی میں فریدی کی تحریر نیچے پہنچ گئی۔ حمید نے اسے اٹھا کر سگار لائٹر کی روشنی میں پڑھا اور پھر اسے جیب میں ڈال کر وہاں سے چل پڑا۔

فریدی تیزی سے نچلی منزل پر آیا۔ ان آدمیوں کی ہاتھا پائی اور غراہٹ ابھی تک جاری تھی۔ فریدی ہال سے گزرتا ہوا ایک ایسے کمرے میں آیا جس کا ایک دروازہ برآمدے میں کھلتا تھا۔

حمید دس پندرہ مسلح سپاہیوں کے ساتھ برآمدے میں موجود تھا۔ اس دوران میں اتفاق سے پولیس کی ایک گشتی لاری بھی آگئی تھی اور اس سے بھی کچھ مدد مل گئی تھی۔ وہ سب اندر داخل ہوئے مگر صحن میں سناٹا تھا۔ انہوں نے ٹارچیں روشن کیں۔ دو آدمی فرش پر اوندھے پڑے دکھائی دیئے۔ ان کے منہ سے خون بہہ رہا تھا اور چہرے نیلے پڑ گئے تھے۔ یہ وہی دونوں تھے جنہوں نے لڑکی کو پکڑا تھا۔ وہ چاروں انہیں بے دم کر دینے کے بعد شاید اس خیال کے تحت نکل گئے تھے کہ لڑکی بحفاظت اپنے ٹھکانے پہنچ گئی ہوگی۔

فریدی ان دونوں کو حراست میں لینے کے لئے کہتا ہوا اوپری منزل کی طرف روانہ ہوگیا۔ حمید بھی اس کے ساتھ تھا۔

"میرے بعد آنے والے چار آدمی نہ جانے کدھر سے آئے تھے۔" فریدی نے کہا۔

"اسی طرف سے جہاں آپ نے مجھے کھڑا کیا تھا۔" حمید بولا۔ "میں نے انہیں راستہ تو دے دیا تھا لیکن یہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ سب مل کر آپ کی چٹنی نہ بنادیں۔"

"بھلا راستہ کس طرح دیا تھا.....؟" فریدی نے کہا۔ پھر دفعتاً چونک کر بولا۔ "ارے تمہارے انہیں وہ اشارہ تو دکھائی ہی نہیں۔"

"کون سی.....؟"

"شلائر کی لاش.....!"

"کیا یہاں.....!"

"ہاں.....!" فریدی نے اوپری منزل پر پہنچ کر اس کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا جس میں وہ لڑکی بند تھی۔

جیسے ہی فریدی نے ٹارچ کی روشنی ڈالی حمید بیساختہ اچھل کر بولا۔ "ارے! آپ ہیں۔"

پھر اس نے بڑی پھرتی سے جھک کر اسے اٹھایا اور کاندھے پر ڈال لیا۔ وہ ابھی تک بیہوش تھی۔ وہ دونوں پھر نیچے اترنے لگے۔

"ہاں کس طرح راستہ دیا تھا.....؟" فریدی نے پوچھا۔

"بھئی..... پھر بتاؤں گا.....!" حمید تھوک نگل کر رہ گیا۔

''بیٹے زیادہ دماغ خراب نہ ہو۔''

نیچے پہنچ کر فریدی نے لڑکی کو بھی پولیس والوں کے سپرد کرنا چاہا لیکن حمید پھیل گیا۔ فری کو الگ لے جا کر کہنے لگا۔ ''یہ نہیں ہوسکتا۔''

''کیوں.....؟''

''میں انتقام ضرور لوں گا۔'' حمید نے کہا۔

''پاگل ہوا ہے؟ ابے اُلو..... جو کچھ تو نے سوچا ہے اسے انتقام نہیں احسان کہتے ہیں۔ کر عورت سے انتقام لینے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ اس کی گود کا بچہ چھین کر اسی کے سا اس کی ٹانگیں چیر ڈالی جائیں۔''

''نہیں..... میں تو.....!''

''چپ رہو..... گندے..... سُوَر.....!''

فریدی نے شلائر کی لاش بھی اٹھوا دی۔ وہ دونوں ابھی تک بیہوش تھے۔ البتہ لڑکی ہ میں آ گئی تھی اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر پولیس والوں کو دیکھ رہی تھی۔

''ہیلو سوئیٹی.....!'' حمید اس کے چہرے کے سامنے انگلی نچا کر بولا۔ ''اس وقت خام کیوں ہو۔''

لڑکی نے سر جھکا لیا۔

''ان سب کو لے جایئے۔'' فریدی نے گشتی لاری کے سب انسپکٹر سے کہا۔ ''کڑی نگ میں رکھئے گا۔ میں ابھی کوتوالی میں آ کر مفصل رپورٹ دوں گا۔''

دو مسلح کانسٹیبل فریدی اور حمید کے ساتھ رہ گئے۔ فریدی نے مختصراً سارا واقعہ حمید کو بتا کہا۔ ''شاید وہ نقب پچھلی ہی رات کو لگائی گئی تھی اور شلائر نے اسی کے ذریعے اندر داخل ہ پروفیسر کو ختم کیا تھا۔ مگر وہ کم بخت سیکریٹری کون تھا..... اور کہاں غائب ہوگیا۔ انور نے شلائ اسی سے تو گفتگو کرتے دیکھا تھا۔''

''اور وہ بڑا.....!''

''چپ.....!'' فریدی نے حمید کی بات کاٹ دی۔ ''اس کے متعلق پھر گفتگو کریں گے۔''

وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے اسی کمرے میں آ گئے جہاں سے شلائر کی لاش اٹھائی گئی تھی۔ یہاں ٹائیلز کا فرش تھا۔ انہیں ایک کونے کا ایک ٹائیل اکھڑا ہوا دکھائی دیا۔ فریدی نے خالی جگہ میں ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ ایک زمین دوز خانہ سا نظر آیا۔

''وہ یہیں تھی۔'' اس نے حمید کی طرف مڑ کر کہا اور اکھڑے ہوئے ٹائیل کو پھر اس کی جگہ پر جما دیا۔ دونوں پولیس والے کمرے کے باہر تھے۔ وہ دونوں بھی روشنی گل کر کے کمرے سے نکل آئے۔

''او مائی لارڈ.....'' فریدی اپنا سر تھپتھپا کر بولا۔ ''آج دماغ نہ جانے کہاں ہے۔ ہم اسے تو بھول ہی گئے جسے گڑھے میں ڈال آئے تھے..... لاحول ولا قوۃ۔''

وہ بیرونی دروازہ بند کر کے اسی نقب کے ذریعہ کوٹھی کی پشت پر پہنچے۔ گڑھے میں وہ آدمی بدستور موجود تھا اور اسی طرح بندھا ہوا چاروں طرف لڑھکتا پھر رہا تھا۔

''زیادہ جوش نہیں میرے سنہرے بھیڑیئے۔'' فریدی نے کہا اور سپاہیوں کی طرف مخاطب ہو کر اردو میں بولا۔ ''اسے بھی اٹھاؤ..... اسے بحفاظت کوتوالی تک پہنچانا تمہارا کام ہے۔ میں ایک خط دے رہا ہوں۔''

تھوڑی دیر بعد فریدی اور حمید مدہم سروں میں سیٹی بجاتے سڑکیں ناپ رہے تھے۔

''بہرحال تین سنہرے بھیڑیئے بھی پکڑے گئے جن میں ان کا سرغنہ بھی ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''سنہرے بھیڑیئے..... کیا مطلب.....؟''

''کیا یورپ کے سنہرے بھیڑیوں کے متعلق کچھ نہیں جانتے؟'' فریدی نے پوچھا۔

''فریڈرک اینڈ کو.....!'' حمید نے کہا۔ ''وہ جو مسولینی کو اتحادیوں کی قید سے نکال لے گئے تھے۔''

''وہی..... ان دونوں قیدیوں میں سے ایک فریڈرک ہی ہے۔''

''نہیں.....!'' حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ہاں صاحب زادے۔ مجھے حیرت ہے کہ آخر یہ سب یہاں کیا کر رہے ہیں اور پتہ نہیں

ابھی اور کتنے ہیں۔''

''تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ ہم پھر کچھ دنوں کے لئے بہت بڑے آدمی ہونے والے ہیں۔''

دونوں خاموش چلتے رہے۔ حمید پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

''اس لڑکی کا مجھے قیامت تک افسوس رہے گا۔''

''پھر کیڑے کلبلائے..... دوں گا ایک تھپڑ۔''

''وہ سو روپے کب دلوا رہے ہیں؟''

فریدی نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک کار تیزی سے آ رہی تھی اور اس کی ہیڈ لائیٹس کی روشنی سڑک پر پھیلی ہوئی تھی۔ وہ دونوں بائیں طرف سرک گئے۔ کار ان کے قریب پہنچ کر اچانک بائیں طرف مڑی اور فوراً ہی رک گئی۔ وہ دونوں اچھل کر پیچھے ہٹ گئے اور ابھی سنبھلنے بھی پائے تھے کہ کار سے کسی نے انہیں للکارا۔

''اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔''

ان کے ہاتھ اس طرح اٹھ گئے جیسے وہ کسی مشینی عمل کے تحت اٹھے ہوں۔ چار آدمی کار سے اترے۔ پانچواں ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھا رہا۔ ان چاروں کے ہاتھوں میں ریوالور تھے۔

''وہ ڈائری نکالو۔'' ان میں سے ایک اکھڑی اکھڑی انگریزی میں بولا۔

''وہ تو گئی۔'' فریدی نے بیساختہ کہا۔

''ان کی تلاشی لو۔'' ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھا ہوا آدمی نیچے اترتا ہوا بولا۔

''وقت مت برباد کرو۔'' فریدی نے کہا۔ ''وہ اس وقت تک کوتوالی کی تجوری میں پہنچ چکی ہوگی۔''

حمید سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی کیا سمجھ کر جھوٹ بول رہا ہے۔ چار چار ریوالوروں کی نالیں ان کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ لہٰذا ایسی صورت میں کوئی چال کارگر نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ لوگ تلاشی لئے بغیر نہ چھوڑیں گے۔

پانچویں نے فریدی کی جامہ تلاشی لی اور پھر حمید کا جسم ٹٹولنے لگا۔

''نہیں ہے۔'' پانچواں آدمی غرایا۔ ''اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے رکھو۔''

وہ پانچوں کار میں بیٹھ گئے اور کار تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ حمید نے اپنے ہاتھ گرا دیئے

اور فریدی بدستور اٹھائے رہا۔

''کیا سو گئے؟'' حمید اسے جھنجھوڑ کر بولا۔

''میں یہ سوچ رہا ہوں کہ وہ ڈائری ہے کیا بلا۔'' فریدی اپنے ہاتھ گرا کر بولا۔

''لیکن وہ ہے کہاں؟ میرے خیال سے اسے آپ نے ان لوگوں کو تو دیا نہیں تھا۔''

''وہ وہیں ہے جہاں پہلے تھی۔'' فریدی ہنس کر بولا۔

''یعنی.....؟''

''پروفیسر کی کوٹھی میں..... اسی زمین دوز خانے میں..... میں اتنا احمق نہیں کہ اسے ساتھ لئے پھروں..... لیکن ان کے فرشتے بھی یہ نہیں سوچ سکتے کہ وہ اب بھی وہیں ہے۔ پتہ نہیں اس کا کیا ہے۔''

نئی مصیبت

دوسرا دن سبھی کے لئے تحیر خیز تھا۔ وہ لڑکی سخت پہرے کے باوجود بھی حوالات سے غائب ہو گئی تھی۔ دوسروں کی نظروں میں تو یہ معاملہ انتہائی پراسرار تھا لیکن فریدی اور حمید اچھی طرح جانتے تھے کہ کیا واقعہ پیش آیا ہوگا۔ کیونکہ وہ اس لڑکی کے متعلق پہلے ہی سے بہت کچھ جانتے تھے۔ فریدی کے ایماء پر پہرے والے تین سپاہیوں کو حراست میں لے لیا گیا اور پھر جب ان پر بہت زیادہ تشدد کیا گیا تو انہوں نے حقیقت ظاہر کر دی۔ اس لڑکی نے ان پر بھی اپنا پرانا حربہ استعمال کیا تھا اور انہیں بھی جل دے کر بے داغ نکل گئی تھی۔

مقامی اخبارات کے غیر معمولی ضمیمے شائع ہو کر ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہے تھے۔ پروفیسر شوکت بہاری کا قتل کم پراسرار نہ تھا پھر اس کی ویران کوٹھی غیر ملکی جاسوسوں کی موجودگی اور ان کی مشتبہ

نقل وحرکت۔ ایک غیر ملکی جاسوس کی لاش دنیا کے مشہور شاطر فریڈرک اور اس کے ساتھیوں
گرفتاری۔ ان سب واقعات نے اخبار والوں کے لئے اچھا خاصا مواد مہیا کر دیا تھا وہ نہ
انداز سے ان پر نہ صرف اظہار خیال کر رہے تھے بلکہ بہت سے عجیب و غریب فیصلے بھی
کر دیئے تھے۔ لیکن گارساں کا کہیں تذکرہ نہیں تھا۔ اس کے متعلق فریدی، حمید انور رشیدہ اور
سراغ رسانی کے ڈی۔ آئی۔ جی کے علاوہ کسی اور کو کچھ نہیں معلوم تھا۔ یہ بھی فریدی کی خوش
ہی تھی کہ اتفاق سے گارساں کا ٹرانسمیٹر اس کے ہاتھ لگ گیا تھا اور وہ اس کی ساخت کے
پہلے ہی سے تھوڑی بہت معلومات رکھتا تھا۔ ورنہ شاید اس کے فرشتوں کو بھی گارساں کی ہو
نہ لگتی۔ کیونکہ وہ جاسوس جو اس کے خلاف نبرد آزما تھے اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے تھے۔
رات کو فریڈرک اور اس کے ساتھی نے اس لڑکی سے پوچھا بھی تھا کہ وہ کس کے لئے کام
ہے ممکن ہے کہ مرنے والے شلائر کو بھی اس کا علم نہ رہا ہو کہ وہ کس سے لڑ رہا ہے۔

فریڈرک اور اس کی دوسرے ساتھی کی حالت ابتر تھی۔ ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ وہ
سکیں گے۔ ان کا تیسرا ساتھی جسے فریدی اور حمید نے باندھ کر گڑھے میں ڈال دیا تھا کوئی
بات نہ بتا سکا جس سے چودھری یا درانی کے معاملات پر روشنی پڑتی۔ وہ برابر یہی کہے گیا کہ
اصل واقعات کا علم نہیں تھا۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فریڈرک ان کا سرگروہ تھا۔ اس کے
کے پانچ آدمی ابھی تک آزاد تھے۔ لیکن وہ ان کی نشاندہی نہ کر سکا۔ پوچھ گچھ کے دوران
اس نے نادانستہ طور پر یہ بات ظاہر کر دی کہ ٹرانسمیٹروں پر سنے جانے والے عجیب و غ
اشارات اسی کے گروہ والوں سے تعلق رکھتے تھے۔

پروفیسر درانی کا سیکریٹری ابھی تک لاپتہ تھا۔ اس کے متعلق تو یہ بھی نہ معلوم ہو سکا تھا
پروفیسر درانی کے پاس کب سے تھا۔ ممکن تھا کہ عامرہ اس پر روشنی ڈالتی لیکن وہ بھی اپنا
توازن کھو بیٹھی تھی۔ فریدی نے اپنی اسکیم کے ماتحت اسے ڈی۔ آئی۔ جی کے یہاں پہنچا
اور وہ اب ذہنی امراض کے ایک ماہر کے زیر علاج تھی۔

فریدی اور حمید دن بھر مصروف رہے۔ لڑکی کے نکل جانے کا انہیں بے حد افسوس تھا
اس مسئلے پر بار بار اسے چھیڑ رہا تھا۔

"جناب والا! اگر آپ میرے مشورے پر عمل کرتے تو یہ دن دیکھنا نہ نصیب ہوتا۔" وہ بار
ہی جملہ دہراتا تھا۔

شام کو پھر انہوں نے پروفیسر درانی کی کوٹھی کا رخ کیا۔ فریدی اس ڈائری کے لئے بُری
ح بے چین تھا۔ دن بھر وہ اسی کے متعلق سوچتا رہا تھا۔

جیسے ہی اس نے کوٹھی میں قدم رکھا پچھلی رات کے سارے واقعات ایک ایک کر کے اس
نکھوں کے سامنے آ گئے۔ اس کمرے کے دروازے جس میں اس نے ڈائری رکھی تھی اب
کھلے ہوئے تھے۔ فریدی نے آگے بڑھ کر فرش سے ٹائیل ہٹایا اور پھر..... اگر وہ یکلخت
ر کر پیچھے نہ ہٹ گیا ہوتا تو اس زمین دوز خانے سے پھن کاڑھ کر اچھلنے والے سانپ نے
اس ہی لیا تھا۔ حمید تو بوکھلا کر میز پر چڑھ گیا۔ دونوں حیرت سے آنکھیں پھاڑے اس
پ کو گھور رہے تھے، جو خانے سے نکل آنے کی جدوجہد میں مشغول تھا۔

"یار شاید پھر چوٹ ہو گئی۔" فریدی نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ سانپ کو مار ڈالنے کے بعد وہ اس خانے کی طرف متوجہ ہوئے۔ ڈائری
ب تھی۔ البتہ تہہ میں انہیں ایک لفافہ دکھائی دیا۔ فریدی نے اسے نکالا اوپر اسی کا نام تحریر تھا۔
ر اور حمید لفافے سے برآمد ہونے والے خط پر جھک پڑے۔

"مسٹر فریدی!

اپنے دو چار معمولی کارناموں پر پھول جانے والے عموماً احمق ہوا کرتے
ہیں۔ تم خود کو دنیا کا زیرک ترین آدمی سمجھنے لگے تھے اس لئے تمہارے لئے ایک
چھوٹی ہلکی سی چپت تجویز کی جاتی ہے اول تو میں یہی سمجھتی ہوں کہ تمہیں یہ سانپ
زندہ نہ چھوڑے گا لیکن اگر بدقسمتی سے بچ گئے تو یہ خط دیکھ کر ضرور سوچو گے کہ وہ
تمہیں ڈس ہی لیتا تو بہتر تھا۔ میں تمہیں یہ تعزیت نامہ محض اس لئے لکھ رہی ہوں
کہ مجھے بے وقوف آدمیوں سے دلچسپی ہے اور پھر تم تو صرف بیوقوف ہی نہیں بلکہ
کافی حسین بھی ہو۔ جاہلوں کی سی شجاعت بھی رکھتے ہو۔ بہرحال میں جب تک
تمہارے دیس میں ہوں تم میں ضرور دلچسپی لیتی رہوں گی..... اگر مجھ سے ملنا چاہو

تو چاند ماری کے میدان میں آج رات کو بارہ بجے مل سکتے ہو۔ میں وہاں تنہا ہوں گی۔ یہ لکھنا فضول ہے کہ تم بھی تنہا آنا..... خیر..... پوشیدہ طور پر کم از کم پندرہ بیس آدمی ضرور ساتھ لانا..... یہ تو تم نے دیکھ ہی لیا کہ میں تم اکیلے کے بس کا روگ نہیں۔ تمہاری جاہلانہ شجاعت سے توقع ہے کہ وہ تمہیں آج رات کو چاند ماری کے میدان میں ضرور لائے گی۔ اپنے اُس احمق ترین ساتھی کو ہرگز نہ لانا جسے دیکھ کر مجھے بارش میں بھیگے ہوئے اُلو یاد آ جاتے ہیں۔

وہی لڑکی"

آخری جملے پر حمید نے بُرا سا منہ بنایا اور فریدی کو گھورنے لگا جس کے چہرے پر غصہ آثار کی بجائے مسکراہٹ تھی۔

"یہ سب کچھ آپ کی بدولت ہوا۔" حمید بھنا کر بولا۔ "اگر آپ نے اسے میرے کر دیا ہوتا تو اس کی نوبت نہ آتی۔"

"چھوڑو یار.....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس خط نے..... مجھے نہ جانے کہاں سے پہنچا دیا۔ خدا کی قسم اگر یہ خط اسی لڑکی کا ہے تو مجھے اس پر پیار آنا چاہئے۔"

"اور اگر اس کے باپ نے لکھا ہے تو مجھے پیار آنا چاہئے۔" حمید جل کر بولا۔

"آؤ چلیں.....!" فریدی نے کہا۔

"میرا تو یہیں دفن ہونے کو دل چاہتا ہے۔"

"یار ہٹاؤ بھی..... دل چھوٹا مت کرو۔ اسے غلط فہمی ہوئی ہے۔ تم بھیگے ہوئے اُلو قطعی نہیں معلوم ہوتے۔"

"لیکن اس نے آپ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے حرف بحرف مجھے اتفاق ہے۔"

"مجھے فی الحال تم سے اتفاق ہے۔" فریدی نے کہا اور کمرے سے نکل آیا۔

یخ بستہ شام ہولے ہولے سیاہیوں میں تحلیل ہوتی جا رہی تھی۔ وہ دونوں کیڈی لاک میں بیٹھ گئے لیکن فریدی اس کا تصفیہ نہ کر سکا کہ انہیں کہاں جانا ہے۔

کافی دیر تک وہ یونہی بلا مقصد ادھر اُدھر مارے پھرے۔

"خیر..... یہ ایسا حادثہ نہیں کہ ہم میں سے کسی کا دماغ چل جائے۔" حمید نے فریدی کو ٹوکا۔

"م..... خر اس ڈائری میں کیا تھا.....؟" فریدی چونک کر بڑبڑایا۔

"داڑھی میں عموماً بال ہوا کرتے ہیں۔"

فریدی نے اسے گھور کر دیکھا اور پھر اسٹیئرنگ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"یہ خط بھی مجھے خالی از علت نہیں معلوم ہوتا۔" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ "یعنی یہ محض مذاق نہیں ہے۔"

"یعنی اس کا یہ مطلب ہوا کہ آج رات چاند ماری کے میدان میں ضرور تشریف لے جائیے گا۔"

"ارادہ تو یہی ہے۔"

"یعنی اس کے الفاظ میں آپ اپنی جاہلانہ شجاعت کا مظاہرہ کریں گے۔"

"یہی سمجھ لو۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "اس نے آپ کے حسن کی بھی تو تعریف کی ہے۔"

"اور تم اس لئے نہ جاؤ گے کہ وہ تمہیں بارش میں بھیگا ہوا اُلو سمجھتی ہے۔"

"خیر..... میری بات تو کیجئے مت۔" حمید نے کہا۔ "میں کہیں بھی آنکھ بند کر کے کودنے کا قائل نہیں ہوں۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔

"یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ میں نے اس ڈائری کے متعلق کوئی رپورٹ نہیں دی تھی ورنہ اور زیادہ لعنت اٹھانی پڑتی۔"

"آپ کو اسے وہاں چھپانا ہی نہ چاہئے تھا۔" حمید نے کہا۔

"حقیقتاً میں اس وقت یہ بھی بھول گیا تھا کہ مقابلہ گارساں سے ہے۔"

"مارئیے گولی۔" حمید اکتاہٹ کا اظہار کرتا ہوا بولا۔ "مجھے اب اس کیس سے بالکل دلچسپی نہیں رہی۔"

"کیوں.....؟"

''اتنی شاندار شکست کی بعد بھی آپ یہ سوال کرتے ہیں۔''

''یہ تو کوئی بات ہی نہ ہوئی۔ تم اسے شکست کس طرح کہہ سکتے ہو جبکہ ہمیں یہ تک نہیں معلوم کہ اس سارے ہنگامے کا مطلب کیا ہے؟ وہ چیز جو ہمارے ہاتھ سے نکل گئی اس کی اہمیت کیا تھی؟ ہوسکتا ہے کہ وہ ڈائری ہمارے لئے قطعی فضول رہی ہو..... اس کے بھی امکانات تھے کہ اسے پالینے کے بعد بھی ہمیں اُلو بننا پڑتا۔''

حمید بظاہر فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن اس کا ذہن کہیں اور تھا۔ فریدی بولتا رہا۔ ''ابھی تک ہم بالکل تاریکی میں ہیں۔ مختلف معاملات ایک دوسرے سے الجھ کر رہ گئے ہیں اور ہم ان میں سے کسی کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔''

''خیر..... اسے چھوڑیئے۔'' حمید نے کہا۔ ''یہ بتایئے کیا واقعی آپ چاند ماری کے میدان میں جائیں گے؟''

''ہاں.....!'' فریدی کے لہجے میں خود اعتمادی تھی۔

''یہ کہاں کی عقلمندی ہے۔ میں نے اس قسم کے چیلنج صرف بعض سڑے ہوئے جاسوسی ناولوں میں پڑھے تھے۔ بہرام کا ڈنڈا یا ڈنڈے کا بہرام وغیرہ قسم کے ناول ایسے خطوط سے بھرے پڑے ہیں۔ اس کے علاوہ میں نے کبھی یہ نہیں سنا کہ کسی مجرم نے سراغ رساں کو چیلنج کیا ہو۔''

''میں نے بھی نہیں سنا۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

حمید استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

فریدی پھر بولا۔ ''اسی لئے میں وہاں ضرور جاؤں گا۔''

''خیر اگر آپ کی قسمت میں شہادت ہی لکھی ہے تو کوئی آپ کو اس سعادت سے محروم نہیں کرسکتا۔''

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ گھر پہنچ کر وہ بھی خاموش ہی رہا۔ کھانے سے قبل اس نے ڈی آئی جی سے فون پر گفتگو کی، جو پروفیسر درانی کی لڑکی کے متعلق تھی۔ اس کے بعد اس نے کوتوالی بھی فون کیا تھا اور جگدیش سے کچھ دیر تک فریڈرک اور اس کے زخمی ساتھی کے بارے میں پوچھ گچھ کرتا رہا تھا۔ پھر حمید کے استفسار پر اس نے بتلایا تھا کہ ان دونوں کی حالت قابل

نہیں تھی۔ ان سے اس ہنگامے کی وجہ بھی نہیں معلوم ہوسکی۔

دس بجتے ہی وہ حمید کے روکنے کے باوجود بھی کہیں جانے کے لئے تیار ہوگیا۔

''خدارا.....!'' حمید نے کہا۔ ''وہاں جانے سے پہلے یہ تو سوچ لیجئے کہ آخر چاند ماری کا ہی کیوں؟ شہر کے گردونواح میں کئی اور سنسان علاقے بھی تو ہیں۔''

''میں یہ سوچ کر نہیں جارہا ہوں کہ وہاں حلوہ ملے گا۔'' فریدی بولا۔ ''چاند ماری کے انتخاب کے مقصد سے بھی بخوبی واقف ہوں۔ اس کا مقصد صرف یہی ہے کہ اگر ہم چلنے کی نوبت آجائے تو گردونواح کی آبادی والے اسے کسی فوجی مشق سے تعبیر کرکے ٹال جائیں۔''

''پھر بھی آپ جارہے ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''اور سنو.....!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''اس اللہ واسطے کی دعوت کا مقصد بھی تمہیں بتادوں۔ اس طرح وہ اس بات کا اندازہ لگانا چاہتے ہیں کہ میں نے اس ڈائری کا مطالعہ کیا ہے یا نہیں اور میں نے اس دعوت سے یہ اندازہ لگایا ہے کہ اس ڈائری میں ان کے متعلق نشان دہی ہے لہٰذا اگر میں وہاں نہ گیا تو وہ یہی سمجھیں گے کہ میں ان کے اصل ٹھکانے سے واقف ہوں اور اگر انہوں نے یہ سمجھ لیا تو ہم کسی وقت بھی ٹھکانے لگائے جاسکتے ہیں۔''

''تو اکیلے جانا کہاں کی عقلمندی ہے۔'' حمید نے کہا۔

''یہ تم سے کس نے کہا کہ میں اکیلے جارہا ہوں۔''

''پھر آپ نے مجھے تیار ہونے کے لئے کیوں نہیں کہا۔''

''اس وقت کے پروگرام میں تم نہیں ہو۔'' فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

''کیوں.....؟''

''بس یونہی..... جتنا کہا جائے اتنا ہی کرو۔'' فریدی جھنجھلا کر بولا۔

حمید نے پھر کچھ نہیں کہا۔ وہ جانتا تھا کہ اب بولنا ٹھیک نہیں۔ فریدی کے مزاج سے وہ اچھی طرح واقف ہوچکا تھا۔ اس کے اندازِ گفتگو ہی سے اسے معلوم ہوجاتا تھا کہ وہ کس موڈ میں کہاں تک کیا برداشت کرسکتا ہے۔

فریدی کے جانے کے بعد وہ پندرہ بیس منٹ تک اس جگہ سے ہلا بھی نہیں۔ اس کے ذہن رسانی کے تجربات میں شاید یہ پہلا کیس تھا جو اتنی واردات ہو جانے کے بعد بھی اب تک معمہ ہوا تھا۔ وہ سوچتا رہا اور کیس کے خاص خاص پہلو اس کے ذہن میں اجاگر ہوتے گئے۔ پروفیسر چودھری کے قتل کی دریافت..... اسی رات کو پروفیسر درانی کا قتل..... اور پھر دوسری رات کو ایک ایسے غیر ملکی جاسوس کا قتل جو ملک میں باضابطہ طور پر داخل ہوا تھا..... فریڈرک کی گفتگو کے حوالے سے اسی کا پروفیسر کا قاتل ثابت ہونا..... یورپ کے خونخوار ترین آدمیوں (سنہرے بھیڑیوں) کی ملک میں موجودگی۔ ان کا داخلہ تو قطعی غیر قانونی طور پر ہوا تھا کیونکہ ان کا کہیں بھی کوئی ریکارڈ نہ مل سکا..... کیا یہ اتنا کشت وخون محض اس ڈائری کے لئے ہوا تھا؟ اگر اس سوال کا جواب اثبات میں ہو سکتا تھا تو پھر اس ڈائری کی اہمیت کا سوال بھی قدرتی تھا کیا وہ اس مقصد کی کوئی گمشدہ کڑی تھی جس کے حصول کے لئے اتنا ہنگامہ برپا ہوا تھا۔

اچانک حمید نے چونک کر گھڑی کی طرف دیکھا۔ گیارہ بج رہے تھے۔ حالانکہ کچھ دیر قبل اس نے فریدی کی بات مان لی تھی لیکن اب وہ اسے تنہا خطرے کے منہ میں جاتے نہ دیکھ سکتا تھا۔ اس نے اٹھ کر سیاہ سوٹ پہنا، ریوالور جیب میں ڈالا اور گیراج سے موٹر سائیکل نکال کر چاند ماری کے میدان کی طرف روانہ ہو گیا۔

تیز اور سرد ہواہڈیوں میں گھستی معلوم ہو رہی تھی۔ ہاتھ ہینڈل پر اس طرح جمے ہوئے تھے کہ وہ بھی برف ہو گئے ہوں اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ انہیں قیامت تک ان پر سے نہ ہٹا سکے گا۔

فریدی کے دلائل اس کے ذہن نے تو قبول کر لئے تھے لیکن دل یہی کہہ رہا تھا کہ اس کا یہ اقدام دانشمندانہ نہیں تھا۔ اس نے یہ تو کہا تھا کہ وہ تنہا نہیں جائے گا لیکن آخر وہ اسے کیوں نہیں لے گیا۔ جیسے جیسے وہ اس موضوع پر سوچتا اس کی الجھن بڑھتی جاتی۔

چاند ماری کے میدان سے آدھ میل ادھر ہی اُسے موٹر سائیکل روک کر مشین بند کر دینی پڑی۔ کیونکہ وہ رائفلوں کی آوازیں صاف سن رہا تھا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔

اس کا ذہن کوئی فیصلہ نہ کر سکا لیکن وہ غیر ارادی طور پر موٹر سائیکل کو دھکیلتا ہوا پیدل آگے بڑھ رہا تھا۔ پھر اسے رائفل کے دہانوں سے نکلنے والے شعلے صاف نظر آنے لگے۔ اس نے

یں بھی سنیں جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے یقیناً آخری چیخیں تھیں۔ وہ چلتے چلتے رک ...اس کی زندگی میں شاید ہی کبھی کوئی ایسا واقعہ آیا ہو جب اس نے اتنی شدت سے بے بسی ی کی ہو۔ اسے یقین تھا کہ فریدی بھی یہیں کہیں موجود ہے۔ لیکن وہ کر ہی کیا سکتا تھا۔ ے میں آگے بڑھنا گویا موت کو دعوت دینا تھا۔ اچانک اس کے ذہن میں ایک نئی تدبیر ابھرا۔ کیوں نہ وہ شہر واپس جا کر اپنے ساتھ امداد لے آئے لیکن دوسرے ہی لمحے میں یہ بھی فضول معلوم ہوا اتنی دیر میں واقعات نہ جانے کون سا رخ اختیار کریں ہو سکتا ہے کہ اس تک یہ ہنگامہ ہی فرو ہو چکے۔ ایسی صورت میں مفت کی ندامت ہاتھ آئے گی۔ اسے پھر ں کے اس جملے کا خیال آیا جس کے مطابق وہ یہاں تنہا نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن اگر وہ اپنے روہی ایک آدمی لایا ہو..... تو.....؟

"جہنم میں گئے سب.....!" وہ جھنجھلاہٹ میں اپنا سر جھٹک کر بڑبڑایا۔ پھر تھوڑی دیر تک وچتا رہا۔ دفعتاً اس نے موٹر سائیکل کے داہنی طرف اُگی ہوئی جھاڑیوں میں دھکیل دیا اور یب میں اتر گیا۔ سڑک سے کچھ ہی دور پر دونوں طرف ڈھلوان میدان تھے۔ انہیں میدانوں ملسلہ آگے چل کر ایک ہو گیا تھا۔ چاند ماری کا اصل میدان حقیقتاً وہی تھا۔ ویسے تو یہ پورا علاقہ ی نام سے پکارا جاتا تھا۔

حمید کے ذہن میں کوئی واضح اسکیم نہیں تھی۔ وہ یونہی بلا مقصد ڈھلوان میدان میں اترتا ا تھا۔ دفعتاً اس نے محسوس کیا کہ پانچ چھ منٹ سے کوئی فائر نہیں ہوا۔ وہ جہاں تھا وہیں رک ا۔ اس کی کلائی پر بندھی ہوئی ریڈیم ڈائل کی گھڑی ساڑھے بارہ بجا رہی تھی۔ پندرہ منٹ گذر اور وہاں بدستور سناٹا رہا پھر اس نے چاند ماری کے میدان میں متعدد ٹارچوں کی روشنیاں گا جو ادھر اُدھر گردش کرتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد وہ بھی غائب ہو گئیں اور تاریکی سناٹے سے تھوڑی گوشیاں کرتی رہیں۔ حمید نے پھر گھڑی دیکھی۔ ایک بج رہا تھا۔ سردی نے اسے بدحال ر رکھا تھا اور اسے اپنی حماقت پر غصہ آ رہا تھا کہ اول تو وہ یہاں آیا ہی کیوں اگر آیا تھا تو اتنی دیر ک ٹھہرا کیوں رہا۔

وہ واپسی کے لئے مڑ ہی رہا تھا کہ اسے کچھ دور پر ایک آدمی دکھائی دیا جو غالباً کسی دوسرے

آدمی کو اپنی پیٹھ پر اٹھائے ہوئے تھا۔ حمید کچھ اور آگے بڑھ گیا۔ نیت دراصل تعاقب کی تھی۔ کچھ دور تک اس کے پیچھے چلتا رہا۔ پھر دفعتاً اس نے اپنے سردی سے سکڑے ہوئے ذہن کو ایک موٹی سی گالی دی اور ریوالور نکالا اور تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔

''اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔'' اس نے دانت کٹکٹا کر کہا چلنے والا رک گیا۔

حمید نے پھر اپنا جملہ دہرایا۔

''میرے دونوں ہاتھ پھنسے ہوئے ہیں۔'' اس نامعلوم آدمی نے جواب دیا اور حمید بے اختیار اچھل پڑا۔ کیونکہ آواز فریدی کی تھی۔

''آپ..... یہ..... کیا.....؟'' حمید ہکلایا۔

''ایک لاش.....!'' فریدی نے کہا۔ ''لیکن تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ کیا میں نے تمہیں منع نہیں کیا تھا؟''

''لاش.....!'' حمید دانت کٹکٹا کر بولا۔

''حماقت نہیں..... چپ چاپ چلے جاؤ۔''

''تو کیا میں جھک مارنے کے لئے آیا تھا۔'' حمید کو بھی غصہ آ گیا۔

''یقیناً..... میں نے تمہیں منع کر دیا تھا نا۔''

حمید یک لخت مڑا اور جھلاہٹ میں اسے اس کا بھی خیال نہ رہا کہ وہ چلنے کے بجائے دوڑ رہا ہے۔ سردی نے پہلے ہی دماغ خراب کر رکھا تھا اس پر سے غصہ۔

اوپر آ کر اس نے جھاڑیوں سے موٹر سائیکل نکالی اور شہر کی طرف چل پڑا۔ پھر اس نے ایک بار بھی پیچھے مڑ کر دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ اس سے پہلے کبھی اسے فریدی پر اتنا شدید غصہ نہیں آیا تھا۔ غصے کی بات بھی تھی۔ وہ تو اتنی دیر تک سردی سے سکڑتا اور رائفلوں کی آوازیں سنتا رہا اور آپ بدقت تمام ملے بھی، تو دھونس جماتے ہوئے۔

''سب کچھ جہنم میں جائے۔'' حمید دانت کٹکٹا کر بڑبڑایا اور اس کے دکھتے ہوئے ہاتھ موٹر کی گرفت ہینڈلز پر اور مضبوط ہو گئی۔ لیکن دوسرا لمحہ اس کے لئے حد درجہ سنسنی خیز تھا۔ موٹر سائیکل کی ہیڈ لائٹ کی روشنی میں اسے ایک بڑی سیاہ وین دکھائی دی جو سڑک پر اس طرح آڑی کھڑی

تھی کہ راستہ رک گیا تھا۔ اس نے بریک لگا کر موٹر سائیکل کو سڑک کے نیچے اتارنے کی کوشش کی لیکن تین ایسے آدمیوں نے اس کا راستہ روک لیا جن کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں اور انہوں نے ان کی نالیں سیدھی کر رکھی تھیں۔ حمید کو رکنا پڑا۔

''مشین بند کر دو.....!'' ایک نے انگریزی میں کہا۔ لہجہ غیر ملکی تھا۔ حمید نے مشین بند کر دی لیکن سیٹ پر بدستور جما رہا۔

''نیچے اتر آؤ۔''

''کیوں..... کس لئے؟ میری جیبیں بالکل خالی ہیں۔'' حمید نے لاپروائی ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

دفعتاً وین کا دروازہ کھلا اور اندھیرے میں حمید کو کسی عورت کے گھونگھریالے بال دکھائی دیئے۔ پھر ایک ننھی سی ٹارچ کی روشنی اس کے چہرے پر پڑی۔

''یہ وہ نہیں۔'' ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ ''لیکن یہ اس کا ساتھی ہے۔''

حمید نے آواز صاف پہچان لی اور پھر اسے یہ سمجھ لینے میں دشواری نہ ہوئی کہ وہ نادانستگی میں کن لوگوں سے آ بھڑا ہے۔

''تو پھر.....؟'' ان میں سے کسی نے پوچھا۔

''وہ بھی یہیں کہیں ہوگا۔ تلاش کرو۔'' لڑکی تحکمانہ لہجے میں بولی۔ ''اس کے ہاتھ پیر رسی سے جکڑ کر وین میں ڈال دو۔''

''نیچے اتر آؤ۔'' ایک نے آگے بڑھ کر رائفل کا کندہ حمید کے سینے میں مارا۔ حمید چپ چاپ اتر آیا اور موٹر سائیکل ایک طرف گر گئی۔ ان میں سے ایک نے اس کے دونوں ہاتھ اس کی پیٹھ پر باندھ دیئے۔

''اندر چلو.....!'' اسے گردن سے پکڑ کر وین میں دھکیل دیا گیا اور پھر اس کے دونوں پیر بھی باندھ دیئے گئے۔

''تم لوگ چلو.....!'' لڑکی نے کہا۔ ''میں اسے دیکھتی ہوں۔''

''فضول۔ ری جان۔'' حمید پڑے پڑے بڑبڑایا۔ ''تمہارے فرشتے بھی اسے نہ

پاسکیں گے۔"

"شٹ اپ.....!" کسی نے اس کے منہ پر تھپڑ مارا۔

"میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔" حمید چیخ کر بولا۔ "وہ آدمی نہیں بھوت ہے۔"

"شور مت مچاؤ۔"

دوسرا تھپڑ پڑا۔

حمید دانت پیس کر رہ گیا۔ اس وقت اس کے علاوہ.....وہ اور کر ہی کیا سکتا تھا۔

بُرے پھنسے

حمید کا بقیہ وقت بیہوشی کی حالت میں کٹا.....ایک تو سردی کی شدت، دوسرے اس کی ن رکنے والی زبان کے جواب میں تھپڑوں کی بارش اور پھر جب ان لوگوں نے یہ اندازہ لگالیا کہ وہ کسی طرح چپ نہ ہوگا تو انہوں نے اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔ کچھ دیر تک تو وہ اس بات کی کوشش کرتا رہا کہ اسے گھٹن کا احساس نہ ہونے پائے لیکن اس کا ذہن جلد ہی جواب دے گیا۔

دوسری بار جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے محسوس کیا جیسے وہ اوپر اٹھ رہا ہو۔ چاروں طرف کچھ اس قسم کی تاریکی تھی کہ وہ گھبرا کر اپنی آنکھیں پھاڑنے لگا۔ کہیں وہ اندھا تو نہیں ہوگیا۔ تھوڑی دیر تک وہ یہی سمجھتا رہا کہ اس کا سر چکرا رہا ہے لیکن پھر غور کرنے پر محسوس ہوا کہ سنسناہٹ اس کے ذہن کی نہیں ہوسکتی تھی اور اوپر اٹھنا محض وقتی احساس نہیں تھا۔ سنسناہٹ یقیناً کسی مشین ہی سے پیدا ہو رہی تھی اور وہ ایک کھردرے فرش پر چت لیٹا اوپر کی طرف اٹھ رہا تھا۔

تقریباً آدھ گھنٹہ گزر جانے کے باوجود بھی تاریکی میں کمی نہ ہوئی۔ اگر حمید کی کلائی اندھیرے میں چمکنے والے ڈائل گھڑی نہ ہوتی تو اسے یقین ہوجاتا کہ وہ اندھا ہوگیا ہے۔ وہ

کروٹ بھی نہیں لے سکتا تھا کیونکہ اس کا جسم چمڑے کے تسموں سے جکڑا ہوا تھا۔ اس کا سر ایک بار پھر چکرا گیا۔ کیا وہ کسی ہوائی جہاز پر تھا.....؟ مگر ہوائی جہاز.....اسے الجھن ہونے لگی۔ وہ اس سے پہلے بھی کئی بار ہوائی جہاز پر سفر کر چکا تھا سابقہ تجربات کی بناء پر وہ کس طرح سمجھ لیتا کہ وہ کسی جہاز پر ہے۔ ہوائی جہاز کی آواز کانوں کے پردے پھاڑ دیتی ہے۔ لیکن یہاں تو صرف ایک ہلکی سی سنسناہٹ تھی اتنی ہلکی کہ حمید پہلے اسے اپنے دماغ ہی کی سنسناہٹ سمجھا تھا۔

اس نے سر اٹھا کر دیکھا گھڑی کا ڈائل چمک رہا تھا لیکن ہاتھ ایسی پوزیشن میں نہیں تھا کہ وہ وقت دیکھ سکتا۔ اس نے دو ایک بار اپنے جسم کو جنبش دینے کے لئے زور لگایا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر کی جدوجہد نے اسے بالکل تھکا دیا اور اس نے نڈھال ہوکر آنکھیں بند کرلیں۔ وہ اپنی اس مصیبت کا ذمہ دار فریدی کو ٹھہرا رہا تھا۔ اگر اس نے اس سے اس طرح گفتگو نہ کی ہوتی تو وہ جھلا کر کبھی اتنی بدحواسی میں نہ بھاگتا۔

پھر اس کا ذہن اس لاش کی طرف گھوم گیا جسے فریدی نے اپنی پشت پر اٹھا رکھا تھا۔ آخر وہ کس کی لاش تھی؟ اور اس کا مقصد کیا تھا؟ حمید نے کراہ کر کروٹ لینے کی کوشش کی لیکن چمڑے کے تسمے اس کی ہڈیوں میں چبھ کر رہ گئے۔ اس بار اسے گلوخلاصی کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ اب کی ایک انتہائی منظم گروہ سے سابقہ ہے۔

اسے اپنے گرد پھیلی ہوئی تاریکی قبر کی تاریکی معلوم ہونے لگی اس کا دم گھٹ رہا تھا۔ سانسیں تیز اور بوجھل ہوگئی تھیں۔ اچانک اسے محسوس ہوا جیسے وہ برق رفتاری کے ساتھ نیچے جا رہا ہو۔ کانوں میں گونجنے والی سنسناہٹ نے اب دوسری شکل اختیار کرلی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے بے شمار ہلکی ہلکی سیٹیاں بج رہی ہوں۔ پھر ایک جھٹکا لگا.....آواز ختم ہوگئی اور ایک پاگل کردینے والا سناٹا ذہن پر مسلط ہوگیا۔ نہ جانے کیوں حمید کا دل چاہنے لگا کہ اپنے ہی دانتوں سے اپنی بوٹیاں نوچ ڈالے۔

دفعتاً اس کے دائیں طرف تاریکی میں ہلکی روشنی کا ایک چوکور دھبہ نظر آیا اور ساتھ ہی ٹھنڈی ہوا کا یک ریلا اس کے چہرے کا خون منجمد کرتا ہوا گزر گیا۔

چوکور دھبے میں سے دو تاریک سائے اندھیرے میں رینگ آئے۔ انہوں نے حمید کے

تسمے کھولے اور کھینچ کر تاریکی سے نکال لیا۔

آسمان پر آخر شب کے ستارے جماہیاں لے رہے تھے اور چاروں طرف اونگھتا ہوا سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ حمید نے پلٹ کر دیکھا۔ سگار کی شکل کا ایک دیو پیکر راکٹ زمین پر لٹکا ہوا تھا۔ اب معلوم ہوا کہ وہ ایک راکٹ میں سفر کرتا ہوا یہاں تک پہنچا ہے۔

حمید نے ڈوبتے ہوئے دل سے چاروں طرف نظریں دوڑائیں وہ ایک غیر آباد مقام پر کھڑا تھا..... حد نظر تک اونچی نیچی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں جن پر رات کا گہرا سرمئی غبار طاری تھا۔

''میں کہاں ہوں.....؟'' حمید اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بڑبڑایا۔

''جہنم میں.....!'' دونوں ہنس پڑے۔

حمید کو ان پر غصہ نہیں آیا۔ شاید زندگی میں پہلی بار اس نے اتنی بے بسی محسوس کی تھی۔

''چلو.....!'' وہ دونوں اسے ایک طرف دھکیلتے ہوئے بولے۔

حمید چلنے کی بجائے گھسٹ رہا تھا۔ اس کا ذہن بالکل سپاٹ ہو گیا تھا۔ دل میں نہ کوئی خیال تھا اور نہ کوئی ایسی خلش جسے ڈر یا غصے کے اثر سے تعبیر کیا جا سکتا۔ پیر اس طرح اٹھ رہے تھے جیسے وہ اس کا مشینی فعل ہو۔

تھوڑی دیر بعد حمید نے خود کو ایک ایسی عمارت کے سامنے پایا جو بدھ مذہب والوں کی عبادت گاہ معلوم ہو رہی تھی۔ وہ اسے کھینچتے ہوئے اندر لے گئے۔ عمارت کافی وسیع تھی۔ اس کے قبر نما کمروں میں کافوری شمعیں روشن تھیں۔ اسے ایک کمرے میں دھکا دے کر دروازہ باہر سے بند کر لیا گیا۔ حمید پیال کے ایک ڈھیر پر پڑا اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

نقاہت نے پھر اس کے ذہن پر قابو پا لیا۔ زمین پر ٹکے ہوئے دونوں ہاتھ پیال کے ریشوں سمیت آگے کی طرف پھسل گئے اور اسے اپنی ٹھوڑی پر لگنے والی چوٹ کا احساس تک نہ ہوا۔ قبر نما کمرے کی دھندلی روشنی پر گہری سیاہ تہیں چڑھتی چلی گئیں۔

دوسری صبح ایک آدمی اسے ٹھوکر مار مار کر بیدار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ حمید کراہ کر اٹھ بیٹھا۔ کمرے کی چھوٹی چھوٹی کھڑکیوں سے چمکدار دھوپ اندر رینگ آئی تھی۔ حمید نے اپنی جلتی ہوئی آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی پیٹھ پر ایک ٹھوکر پڑی اور وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اجنبی نے قہقہہ

لگایا اور اسے گریبان سے پکڑ کر کھینچتا ہوا کمرے سے نکال لے گیا۔

وہ ایک بڑے کمرے میں آئے جس کی دیواروں سے پتھر کی کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ کمرے کی چھت سات فٹ سے زیادہ بلند نہیں تھی۔ یہاں پانچ آدمی پتھر کی کرسیوں پر بیٹھے کسی اجنبی زبان میں گفتگو کر رہے تھے جو حمید کے لئے بالکل نئی تھی۔ ان کی قومیت کے بارے میں بھی کوئی اندازہ نہ لگا سکا۔ ان کی رنگت گندمی تھی اور بال گہرے سیاہ۔ اسے ان سب کے خدوخال میں یکسانیت بھی نظر آئی۔ آنکھیں تو قریب قریب سبھوں کی ایک جیسی تھیں۔ ان میں کچھ عجیب سی وحشت تھی۔

حمید کو دیکھ کر وہ خاموش ہو گئے۔ حمید نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا۔ یہ کسی مغربی ملک کا نمائندہ معلوم ہوتا تھا۔

ان پانچوں میں سے ایک نے اس سے کچھ کہا جس کے جواب میں اس نے کوئی بات لاپروائی کے ساتھ کہی اور حمید سے انگریزی میں بولا۔ ''ناشتے میں چائے پیتے ہو یا کافی؟'' اس کے لہجے میں کرختگی نہیں تھی۔

اس کا ساتھی اسے ایک دوسرے کمرے میں لایا جہاں ایک بڑی سی بھدی میز پڑی ہوئی تھی۔ کچھ بے ہنگم سی کرسیاں بھی تھیں۔ حمید نے ایک عجیب سی اشتہا انگیز خوشبو محسوس کی، جو شاید برابر والے کمرے سے آ رہی تھی۔ اس کے ساتھی نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ حمید بیٹھ ہی رہا تھا کہ اس کی نظریں کھڑکی سے گزر کر بیرونی مناظر میں ڈوب گئیں۔ برف سے ڈھکی ہوئی پہاڑیوں پر دھوپ چمک رہی تھی۔

اس کا ساتھی اسے چھوڑ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ حمید اٹھ کر کھڑکی کے قریب آ گیا۔ نزدیک و دور کی ساری پہاڑیاں برف سے ڈھکی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ براؤن رنگ کی سخت چٹانوں سے بنی ہوئی زمین پر سبزے کا نشان تک نہیں تھا۔ البتہ کہیں کہیں زرد رنگ کی کانٹے دار جھاڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ بڑے بڑے گوشت خور پرندے فضا میں چکر کاٹ رہے تھے۔ یہ چیلوں سے مشابہ تھے اور نہ گدھوں سے۔ ان کی رنگت سیاہ تھی چونچ کی بناوٹ سے حمید نے اندازہ لگایا کہ یہ گوشت خور ہی ہو سکتے ہیں۔ کبھی کبھی ان کی تیز اور کپکپاتی آوازوں سے سکوت

ٹوٹ جاتا۔

حمید بے سروپا خیالات میں ڈوبا رہا۔

تھوڑی دیر بعد اس کا ساتھی ہاتھوں پر ٹرے اٹھائے ہوئے اندر آیا جس میں ایک بڑی چائے دانی اور ایک کپ تھا۔ ایک پلیٹ میں تین چار چھوٹے چھوٹے بھنے ہوئے پرندے تھے پھر وہ اسے کمرے میں تنہا چھوڑ کر چلا گیا۔ حمید نے پیالے میں کافی انڈیلی۔ دو ہی تین گھنٹوں کے بعد اسے تمباکو کی یاد ستانے لگی..... پچھلی رات کے ہنگامے کے دوران میں اس کا پائپ اور تمباکو کی پاؤچ کہیں گر گئے تھے۔

ناشتہ ختم کرنے کے بعد وہ پھر کھڑکی کے قریب چلا گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر یہاں کیوں لایا گیا ہے۔ پچھلی رات ان آدمیوں میں اس لڑکی کی موجودگی سے یہ بات ثابت ہوگئی تھی کہ وہ اس وقت گارساں کا قیدی تھا اور کسی ایسی جگہ پہنچا دیا گیا تھا جہاں سے فرار بھاگنے کا سوال ہی نہ پیدا ہو سکے۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ اپنے ہی ملک کے کسی حصے میں ہے یا کسی دوسرے ملک میں۔ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ کیا وہ اپنے شہر سے یہاں تک اس راکٹ میں لایا گیا تھا؟ وہ اپنے ذہن پر زور دینے لگا کہ انہوں نے شہر کے کس حصے میں راکٹ اتارا ہوگا۔ کاش وہ فریدی کا کہنا مان گیا ہوتا۔ وہ کچھ سوچ سمجھ کر ہی اسے اپنے ساتھ نہ لے گیا ہوگا۔

حمید ان خیالات کو اپنے ذہن سے نکال پھینکنے کی کوشش کرنے لگا کیونکہ پچھتاوا فضول تھا۔ وہ اسے اس جال سے نکال سکتا تھا۔ فریدی کو شاید اس کی خبر ہی نہ ہو کہ اس پر کیا گزری۔

''ناشتہ کر چکے؟'' اسے اپنی پشت پر آواز سنائی دی۔

حمید چونک کر پلٹا۔ وہی آدمی جو اسے یہاں تک لایا تھا اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے واپس جا رہا تھا۔

حمید نے اسے آواز دے کر روکا۔

''اس لذیذ ناشتے کا بہت بہت شکریہ۔'' وہ مسکرا کر بولا۔ ''میں نے کئی گھنٹوں سے تمباکو نہیں پیا۔''

''سگار پیتے ہو.....؟'' اس نے پوچھا۔

''چلو سگار ہی سہی..... کچھ نہ کچھ تو ہونا ہی چاہئے۔ ورنہ مرنے کے بعد بھی جماہیاں آتی رہیں گی۔''

اس نے ہنس کر جیب سے سگار کیس نکالا اور حمید کی طرف بڑھا دیا۔

حمید سگار سلگا کر اس کے ساتھ چلنے لگا۔ وہ پھر اسی کمرے میں آیا جہاں اس نے ان پانچ آدمیوں کو دیکھا تھا۔ وہ آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ حمید کو دیکھ کر خاموش ہو گئے۔

''تم کون ہو.....؟'' ان میں سے ایک نے حمید کو انگریزی میں مخاطب کیا۔

''ایک سرکاری سراغ رساں۔'' حمید نے کہا۔ وہ جھوٹ نہیں بولنا چاہتا تھا۔ اس نے فریدی کئی بار یہ کہتے سنا تھا کہ اگر گارساں کو ہم پر اس بات کا شبہہ بھی ہو گیا کہ ہم لوگ اس کی کارکردگی سے واقف ہیں تو ہر حال میں موت ہمارے قریب ہی رہے گی۔

''تم یہاں کیوں لائے گئے ہو.....؟''

''مجھے ابھی تک بتایا نہیں گیا۔'' حمید نے کہا اور لاپروائی سے بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

''کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تم ابھی قتل کر دیئے جاؤ گے؟''

حمید کے جسم میں ایک ٹھنڈی سی لہر دوڑ گئی اور اس کا دل دھڑکنے لگا۔ لیکن اس نے حتی الامکان اپنے چہرے کو خوف کے آثار سے بچانے کی کوشش کی۔

''مجھے یہ بھی نہیں بتایا گیا..... اور اگر بتا بھی دیا جاتا تو میں کر ہی کیا سکتا تھا۔'' حمید نے کہا۔

''جانتے ہو کہ تم کس کے قیدی ہو.....؟''

''قیدی.....؟'' حمید چونک کر بولا۔ ''اگر یہ قید ہے تو میں زندگی بھر اسی حالت میں رہنے کے لئے تیار ہوں۔ تمہاری کافی مجھے بیحد پسند آئی۔ شاید برازیل کی تھی۔ اپنی طرف تو وہ ملتی ہی نہیں۔''

حمید خاموش ہو گیا۔ لیکن ان میں سے کسی کے بولنے سے قبل خود ہی بڑبڑانے لگا۔ ''مجھے معلوم کر کے خوشی ہوتی کہ میں کن لوگوں میں ہوں۔ شلائر کو ہم پہچان ہی چکے..... فریڈرک اور لگارتھیوں کو بھی پہچاننے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی لیکن تم لوگ ابھی تک معمہ بنے ہوئے ہو۔''

پانچوں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

''فریڈرک کو تم نے کیسے پہچانا.....؟'' ایک نے پوچھا۔

''میرا آفیسر بڑا ہمہ داں قسم کا آدمی ہے۔''

''تو اس نے ہمیں بھی پہچان لیا ہوگا۔''

''نہیں.....!'' حمید نے یقین دلانے والے انداز میں سر ہلا کر کہا۔ ''اگر اس نے پہچان ہوتا تو مجھے ضرور بتاتا۔''

''تمہارا آفیسر اس وقت کہاں ہوگا؟''

''کہیں نہ کہیں ضرور ہوگا۔'' حمید سوال کرنے والے کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''اب اسے کوئی نہ پا سکے گا۔''

''کیوں.....؟''

''میرے غائب ہو جانے پر وہ بہت زیادہ محتاط ہو گیا ہوگا۔''

''خیر گھبراؤ نہیں..... تمہاری تنہائی بہت جلد رفع ہو جائے گی۔''

''میں شادی تو ہرگز نہیں کروں گا چاہے مار ڈالو.....!'' حمید نے سنجیدگی سے کہا اور سب متحیر ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔

''شادی..... شادی سے کیا مطلب.....؟''

''اب شادی کا مطلب کیا بتاؤں..... شرم آ رہی ہے۔'' حمید نے کچھ ایسے انداز میں کہ وہ سب ہنس پڑے۔

''تم تنہائی رفع ہونے کا مطلب غلط سمجھے۔'' ایک بولا۔ ''میں یہ کہہ رہا تھا کہ عنقریب تم آفیسر بھی تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔''

''خام خیالی ہے۔'' حمید حقارت سے ہنستا ہوا بولا۔ ''اس پر قابو پانا آسان کام نہیں۔''

''کیوں.....؟''

''وہ بھیس بدلنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔''

''بھیس.....؟'' اجنبی کی ہنسی بھی تحقیر آمیز تھی۔ ''اطمینان رکھو..... وہ ہمارے مقابلے خود کو چوہا محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔''

''تو کیا تم اسے بھی مار ڈالو گے؟'' حمید نے بناوٹی خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

''اگر ضرورت سمجھی گئی تو ہمیں اسی میں آسانی ہوگی۔''

''شریف آدمیو! تم شاید اس سے اچھی طرح واقف نہیں ہو۔''

''وہ ڈائری کیا ہوئی.....؟'' ان میں سے ایک نے پوچھا۔

''جہنم میں گئی۔'' حمید جھنجھلا کر بولا۔ ''نہ جانے اس میں کیا تھا۔''

''تمہارا آفیسر تو جانتا ہی ہوگا۔''

''وہ بھی اسے نہیں دیکھ سکا تھا..... مگر ٹھہرو..... کیا وہ خوبصورت لڑکی تمہارے گروہ سے نہیں رکھتی؟''

''کیوں.....؟''

''کیا وہ ڈائری وہی نہیں اڑا لے گئی تھی۔ کیا اسی نے میرے آفیسر کو چاند ماری کے میدان آنے کے لئے چیلنج نہیں کیا تھا.....؟''

''تم دونوں وہاں ساتھ ہی گئے تھے؟'' حمید سے پھر سوال کیا گیا۔

''نہیں! وہ مجھ سے پہلے چلا گیا تھا۔''

''کوئی خاص اسکیم تھی؟''

''نہیں..... وہ مجھے اپنے ساتھ نہیں لے جانا چاہتا تھا۔''

''لیکن تم تو وہیں ملے تھے۔''

''ٹھیک ہے۔ مجھے یقین نہیں آیا تھا کہ وہ واقعی نہیں جائے گا اس لئے اس کے غائب ہونے کے بعد میں بھی اُدھر چلا گیا تھا۔''

''کیوں..... اس بے یقینی کی وجہ.....؟''

''میں اس کی فطرت سے اچھی طرح واقف ہوں۔''

''کیا وہ تمہیں وہاں ملا تھا.....؟''

''نہیں..... لیکن میں نے رائفلوں کی آوازیں ضرور سنی تھیں۔''

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر وہی آدمی بولا۔

''وہ کہاں مل سکے گا.....؟''

''میں نے کہا نا کہ اب اس کے فرشتوں کو بھی اسکے متعلق کچھ نہ معلوم ہوگا۔''

''کیوں.....؟''

''تم لوگوں کی..... کیوں..... سے تو میں عاجز آ گیا ہوں..... وہ اسی قسم کا آدمی ہے۔''

''وہ جتنی جلدی ہمارے ہاتھ لگ جائے گا..... اتنی ہی جلدی تمہاری رہائی بھی ہوگی۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''ہم تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتے کیونکہ تمہیں مارنے کا کام تو تمہارے شہر میں ہی ہوسکتا تھا۔''

''پھر.....؟''

''تمہارے آفیسر کی موجودگی میں ہمیں ایک بات کا تصفیہ کرنا ہے۔''

''اس کے متعلق میں نے جو کچھ بتایا ہے وہ سو فیصدی صحیح ہے۔''

''تمہاری مرضی.....!'' وہ اکتا کر بولا۔

موت کے دروازے پر

اس گم نام ویرانے میں رات کاٹنا بڑا خوفناک تھا۔ آج حمید کو زمین پر پڑی ہوئی پیال پر نہیں لیٹنا تھا۔ کمرے میں کوئی آتش دان نہیں تھا پھر بھی وہ اسی کو غنیمت سمجھ رہا تھا کہ اس کے نیچے پیال بھرا ہوا چمڑے کا بستر ہے۔ اوپر ایک نہیں تین تین کمبل ہیں یہ اور بات ہے کہ یہاں کی سردی کے اعتبار سے وہ بھی ناکافی رہے ہوں۔

اسے گرفتار کرنے والوں نے ابھی تک اسے کسی اذیت میں مبتلا نہیں کیا تھا۔ وہ سب اس سے اس طرح بے پرواہ نظر آتے تھے جیسے وہ ان کے ساتھیوں ہی میں سے ایک ہو۔ دن میں

ی دیر تک اس عمارت کے باہر بھی ٹہلتا رہا تھا اور قرب و جوار میں اسے اس عمارت کے علاوہ ئی دوسری عمارت نہیں دکھائی دی تھی۔ کوئی ایسا آدمی بھی نظر نہیں پڑا تھا جو اس عمارت کے افراد سے الگ ہوتا۔ عمارت کی پشت پر ایک دو ڈھائی سو فٹ گہری وادی تھی جس میں چند ٹوٹے وٹے جھونپڑے دکھائی دیتے تھے۔ لیکن یہ بھی ویران تھے۔ ہوسکتا ہے کہ کبھی آباد رہے ہوں۔ ید نے عمارت کے باشندوں سے اس مقام کے نام کے متعلق کئی بار استفسار کیا تھا لیکن کسی نے ئی جواب نہ دیا۔

دو بج گئے تھے لیکن ابھی تک اسے نیند نہیں آئی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور سگار سلگانے ہی رہا تھا کہ کھڑکی میں ایک تیز قسم کی روشنی کا کوندا سا لپکا اور کھڑکھڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ جو لمحے جاری رہ کر بند ہوگئی۔

حمید بستر سے کود کر کھڑکی کے قریب آ گیا۔ باہر اندھیرے میں وہی راکٹ نما مشین کھڑی ی۔ کچھ لوگ اس سے اتر رہے تھے۔ حمید نے اس لڑکی کی بھی آواز سنی۔ جس کی بدولت اتنی بازیاں کھانی پڑی تھیں۔

ان میں سے ایک نے ٹارچ روشن کی۔ دو آدمی ایک تیسرے آدمی کو کھینچ کر راکٹ سے نکال رہے تھے۔ اس کے چہرے پر روشنی پڑتے ہی حمید چونک پڑا۔ یہ فریدی تھا اور کافی نڈھال ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ ٹارچ بجھا دی گئی اور حمید ان کے قدموں کی آوازیں سنتا رہا۔

اب تو سونے کا سوال ہی نہیں تھا۔ فریدی بھی آ پھنسا..... یعنی یہاں سے رہائی کی رہی سہی ید بھی منقطع ہوگئی۔

حمید فریدی کے سامنے انتہائی خطرناک اور ڈراؤنے حالات میں بھی شیر ہو جایا کرتا تھا۔ وہ ل وقت بھی ایک انجانی سی تقویت محسوس کر رہا تھا۔ اچانک اس کی ساری صلاحتیں بیدار گئیں۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ ہلڑ ہی مچایا جائے، تھوڑی تفریح رہے گی۔

اور پھر وہ ہلڑ مچانے لگا۔

دروازہ کھلا۔ حمید کو قندیل کی روشنی میں دو سائے دکھائی دیئے۔ قندیل اسی لڑکی کے ہاتھ ں تھی جسے دیکھ کر حمید کا خون گھولنے لگتا تھا۔ اس کے ساتھ ایک مرد بھی تھا جس کی ناک پر پٹی

بندھی ہوئی تھی۔ یہ بھی مغرب ہی کے کسی ملک کا باشندہ معلوم ہوتا تھا۔ اس نے لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا۔

''بہت سُوَر آدمی بالوب ہوتا ہے۔''

حمید سمجھ گیا کہ اس کی ناک بُری طرح زخمی ہے اور وہ کچھ ایسی تکلیف میں مبتلا ہے کہ ناک سے آواز نکالتے ہوئے بھی ڈرتا ہے۔ اسی لئے وہ آدمی کو آدمی اور معلوم کو 'بالوب' کہہ رہا تھا۔

''ہیلو..... بھیگے اُلو.....!'' لڑکی نے حمید کو مخاطب کیا۔ ''شور کیوں مچا رہے ہو۔''

''اسے باہر بھیج دو تو بتاؤں۔'' حمید نے اس آدمی کی طرف اشارہ کیا۔

''کیا بکتے ہو؟'' وہ گرج کر بولا۔ لیکن اس کی زخمی ناک نے حمید کو خاک بھی سمجھنے نہ دیا۔

''میں چشمے کے بغیر تمہاری بات نہیں سمجھ سکتا۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا اور لڑکی کو آنکھ مار کر مسکرانے لگا۔

زخمی ناک والا گھونسا تان کر اس کی طرف بڑھا لیکن لڑکی درمیان میں آ گئی۔

''آرتھر! تم جاؤ..... میں اسے ٹھیک کر لوں گی۔ کیا تمہیں احکامات یاد نہیں؟''

زخمی ناک والے کا ہاتھ ڈھیلا ہو کر لٹک گیا۔

''دیکھو لڑکی.....!'' حمید سنجیدگی سے بولا۔ ''میں مرعوب ہو جانے والے لوگوں میں سے نہیں ہوں۔''

زخمی ناک والا چند لمحے حمید کو گھورتا رہا پھر کمرے سے چلا گیا۔

''تم واقعی بڑی ظالم ہو۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''فضول باتیں مت کرو۔ سو جاؤ..... یہ بھی میری شرافت ہے کہ میں نے تمہاری کھال نہیں کھنچوائی۔''

''میں تم سے استدعا کرتا ہوں کہ میری کھال ضرور کھنچوا لو۔ ممکن ہے کہ میں کھال کے بغیر ہی تمہیں کچھ حسین معلوم ہوں۔''

''خیر وہ وقت جلد ہی آنے والا ہے کہ تم ساری طراریاں بھول جاؤ گے۔''

''مجھے اپنے ہی ہاتھ سے ذبح کرنا۔'' حمید نے سینے پر ہاتھ رکھ کر ٹھیٹ ہندوستانی عشقیہ

انداز میں کہا۔

''بکواس بند کرو۔'' لڑکی مسکرا کر بولی۔ ''میں تمہیں ایک دلچسپ خبر سنانے آئی ہوں۔''

''ایک نہیں دو سناؤ۔''

''تمہارا آفیسر فریدی ایک حقیر کیڑے کی طرح ہمارے ہاتھوں بے بس ہو چکا ہے جس پر تمہارے ملک کو ناز تھا۔''

حمید نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور دیر تک ہنستا رہا۔ جب ہنس چکا تو بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

''اب میں تمہارے جال میں پھنس گیا تو اس بیچارے کی کیا حقیقت ہے۔ وہ تو دراصل میرا شاگرد ہے۔ کام میں کرتا ہوں اور نام اسکا مشہور ہوتا ہے۔ خیر..... چھوڑو..... ہٹاؤ..... پھر کیا رہی؟''

''کیا.....؟''

''بات یہ ہے۔'' حمید نے کہا اور خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی ہچکچاہٹ کے ساتھ بولا۔ ''مجھے بامعلوم ہوتا ہے جیسے میں تم پر عاشق ہو گیا ہوں۔''

''بکو نہیں..... چپ چاپ سو جاؤ۔ اگر شور مچاؤ گے تو سختی کرنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔''

''ریٹا ڈارلنگ..... میں مر جاؤں گا۔''

''شش..... میرا نام ایڈنا ہے۔''

''ایڈنا.....؟'' حمید اپنے ہونٹ چاٹتا ہوا بولا۔ ''کتنا پیارا نام ہے..... ایڈنا..... ارے او..... خدا کی قسم میں شاعر نہیں ہوں ورنہ اسی وقت ایک غزل کہہ کر تمہاری خدمت میں مطلع عرض کر دیتا۔''

''تمہارا نام حمید ہے نا.....!'' لڑکی ہنس کر بولی۔

''کسی دشمن نے اڑائی ہوگی۔ میرا نام ہمائیڈ ہے اور میں حضرت عیسیٰ کے گدھے کی بڑی عزت کرتا ہوں۔''

''بکو مت..... بدتمیز.....!'' لڑکی کا چہرہ بگڑ گیا۔

''اوہ معاف کرنا..... میں سمجھتا تھا کہ تم مذہبی عورت نہیں ہو۔''

''اچھا اب بکواس بند۔''

''چلو بند ہی سہی.....لیکن ایک بات اور بتادو.....وہ یہ کہ میں اپنے ہی ملک میں ہوں یا کہیں اور؟''

''تمہیں اس سے کوئی دلچسپی نہ ہونی چاہئے۔'' لڑکی نے خشک لہجے میں کہا ''تم صرف یہ سوچو کہ تمہیں سسکا سسکا کر مارا جائے گا یا ایک دم خاتمہ کر دیا جائے گا۔''

''بھئی مرنے جینے کی تو اپنی نظروں میں کوئی وقعت ہی نہیں اور پھر ایسی صورت میں جب کہ خنجر تمہارے ہاتھ میں ہو۔''

''شٹ اپ.....!'' ایڈنا نے کہا اور کمرے سے باہر چلی گئی۔

مجبوراً حمید لیٹ گیا۔

دوسرے دن صبح اسے پھر اسی بڑے کمرے میں لے جایا گیا جہاں وہ اس سے پہلے ان پانچوں آدمیوں سے گفتگو کر چکا تھا۔ اس وقت ان پانچوں کے علاوہ چھ آدمی اور تھے جن میں ایڈنا بھی شامل تھی اور اس کا وہ ساتھی بھی جس کی ناک پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ فریدی درمیان میں کھڑا تھا۔ حمید کو دیکھتے ہی اچھل پڑا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔

حمید نے لوگوں کی نظریں بچا کر ایڈنا کو آنکھ ماردی اور فریدی کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا

''موت کے منہ میں بھی تم اپنی بیہودگی سے باز نہیں آتے۔'' فریدی نے کہا۔

''وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن آپ کی آواز بھیک کیوں مانگ رہی ہے؟'' حمید بولا۔

فریدی کی آواز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سردی کی وجہ سے اس کا گلا بیٹھ گیا ہو۔

''سردی کا اثر ہے۔'' فریدی نے کہا اور کمرے کے دوسرے لوگوں کو گھورنے لگا۔

''تم وہی ہو جس نے اس لڑکی سے ڈائری چھینی تھی۔'' ایک نے فریدی کو مخاطب کیا۔

فریدی خاموش رہا تو اسی نے پھر کہا۔ ''میں تمہیں سے پوچھ رہا ہوں۔''

''میں اس وقت تک کسی بات کا جواب نہیں دے سکتا جب تک مجھے یہ نہ معلوم ہو جائے کہ میں کن لوگوں میں ہوں۔'' فریدی نے کہا۔

''تم بہت زیادہ بُرے لوگوں میں نہیں ہو۔''

''مجھے اور میرے ساتھی کو یہاں کیوں لایا گیا ہے؟'' فریدی نے پوچھا۔

''ضرورتاً.....!'' جواب ملا۔ ''تمہاری وجہ سے ہمارا بہت نقصان ہوا ہے۔''

فریدی انہیں معنی خیز نظروں سے دیکھتا رہا اور چند لمحے بعد بولا۔ ''تم قاتل ہو۔ سازشی تم نے ہمارے ملک کو دو عظیم سائنسدانوں سے محروم کر دیا۔''

''یہ غلط ہے۔'' ان میں سے ایک بولا۔ ''لیکن ہم ان کے قاتلوں سے واقف ہیں۔''

''تم لوگ ہو کون؟ چودھری کو کس لئے قتل کیا گیا؟ اس کا قاتل کون تھا.....؟'' فریدی نے کر کہا۔

''تم یہاں اس لئے نہیں لائے گئے کہ ہم تمہیں اس کی سراغ رسانی میں مدد دیں۔''

''ارے تو وہی بتاؤ نا..... میں بہت مشغول آدمی ہوں۔'' فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔

''تمہیں پروفیسر درانی کے گھر کی تلاشی لینے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی تھی؟''

''مجھے اس پر سازشی ہونے کا شبہہ ہوا تھا۔''

''فضول بحثوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔'' داہنی طرف کے دروازے سے آواز آئی۔

چونک کر مڑا۔ ایک لمبا تڑنگا آدمی فریدی کو گھور رہا تھا۔

''اس ڈائری میں کیا تھا.....؟'' اس نے فریدی کو مخاطب کیا۔

''تم مجھ سے بہتر جان سکتے ہو۔''

''تم نے اسے وہیں چھوڑ دیا تھا.....؟''

''تاکہ میرا بھی وہی حشر نہ ہو، جو پروفیسر درانی کا ہوا تھا۔''

''کیا مطلب.....؟'' اجنبی چونک کر بولا۔

''مطلب بھی مجھ ہی سے پوچھو گے؟'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''تم نے درانی کو کیوں قتل کیا؟ اس لڑکی نے شلائر کا خون کیوں بہایا؟ تم لوگوں نے فریڈرک اور اس کے ساتھی کو نیم کیوں کر دیا تھا؟ ظاہر ہے کہ اسی ڈائری کے لئے.....!''

''درانی کے قتل کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔ اسے شلائر ہی نے مارا تھا۔''

''اور پروفیسر چودھری.....؟'' فریدی بولا۔

''اس کا گلا میں نے ہی اپنے ہاتھوں سے گھونٹا تھا۔'' اجنبی نے کچھ ایسا منہ بنا کر کہا جیسے وہ

اس وقت بھی اپنے اس کارنامے کی لذت محسوس کر رہا ہو۔

''کیوں.....؟''

''یہ سب پوچھ کر کیا کرو گے؟'' اجنبی مسکرا کر بولا۔ پھر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا۔'' دونوں کو ٹھکانے لگا دو۔ اگر یہ اس ڈائری کے متعلق کچھ جانتے بھی ہیں تو انہوں نے سرکاری طور پر اس کی کوئی رپورٹ نہیں دی۔''

''میں اس ڈائری کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔'' فریدی نے کہا۔ ''لیکن جاننے کی خواہش ضرور رکھتا ہوں۔''

اجنبی کوئی جواب دیئے بغیر جانے کے لئے مڑا۔

''ٹھہرو میرے دوست.....!'' فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ اجنبی رک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ فریدی پھر بولا۔ ''ظاہر ہے کہ ہم لوگ یہاں سے واپس نہیں جا سکتے۔ کیونکہ ہم یہ نہیں جانتے کہ ہم کس مقام پر ہیں۔''

''پھر.....؟''

''مرنے سے پہلے میری ایک خواہش پوری کر دو۔''

''کیا.....؟'' اجنبی نے مسکرا کر پوچھا۔

''اس ڈائری میں کیا تھا.....؟ جس کے لئے اتنا ہنگامہ برپا ہوا۔''

''ننھے بچے.....!'' اجنبی نے قہقہہ لگایا۔ ''میں نے تمہاری شہرت سنی ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ تم تھوڑے بہت ذہین ضرور ہو گے۔''

''تو تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں ذہین نہیں ہوں۔''

''ذہین.....!'' اجنبی نے ایک تضحیک آمیز قہقہہ لگایا۔ ''اگر تم ذرہ برابر بھی ذہین ہوتے تو پروفیسر چودھری کے کنوئیں سے برآمد ہونے والے ہڈیوں کے ڈھانچے کو شہرت نہ دیتے۔ تم جانتے تھے کہ چودھری کا بھوت فرضی تھا۔ تم یہ بھی جانتے تھے کہ چودھری کے مکان میں ایک سے زیادہ ایسی پارٹیاں دلچسپی لے رہی ہیں جو ایک دوسرے کی مخالف ہیں۔ اگر تمہاری جگہ میں ہوتا تو اس ڈھانچے کو چپ چاپ دبا کر تماشا دیکھتا اور پھر مجھے یہ بات معلوم کر لینے میں ذرا بھی

دشواری نہ ہوتی کہ وہ سب کس لئے ہو رہا تھا۔''

''میں بہت پہلے اپنی شکست تسلیم کر چکا ہوں۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا اور حمید حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ فریدی کا یہ جملہ اس کے لئے ایک سانحہ تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ فریدی کی ہر دی ناقابل تسخیر ہے۔

''خیر سنو.....!'' اجنبی فخریہ انداز میں بولا۔ ''میں تمہارے ملک سے ایک قیمتی راز لئے جا رہا ہوں۔ میں اسے دنیا کے کسی بھی جنگ باز ملک کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہوں۔''

وہ خاموش ہو کر فریدی کی طرف پرغرور انداز میں دیکھنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''یہ ایک انتہائی خطرناک گیس کا فارمولا ہے.....ایسی گیس جن کی تھوڑی سی مقدار تقریباً دو سو میل کے گھیرے میں اثر انداز ہو سکتی ہے.....بستیوں کی بستیاں ویران کی جا سکتی ہیں۔ نہ اس میں بچ نکلنے کا ڈر نہ پکڑے جانے کا خوف.....بس ایک طرف سے چھڑکاؤ.....دو سو میل کے اندر کا ایک بھی جاندار کی روح زندہ نہیں رہ سکتا.....کیا سمجھے.....یہ تمہارے اسی پروفیسر چودھری کی ایجاد ہے اور اس ڈائری میں اسی کا فارمولا درج ہے۔''

''لیکن وہ ڈائری تو پروفیسر درانی کی ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''نہیں.....وہ چودھری ہی کی ڈائری ہے۔''

''تو چودھری کے یہاں تم لوگ اسی کی تلاش میں تھے؟'' فریدی نے پوچھا۔

''ہاں.....اور چودھری کا بھوت بھی میں ہی تھا.....لیکن تم اس عجیب و غریب پینٹ کی تعریف نہیں کرو گے؟ جس سے میرا چہرہ انگارے کی طرح دہکنے لگتا تھا۔''

''وہ میرے لئے کوئی نئی چیز نہیں۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

اجنبی چند لمحے حیرت سے اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ ''کیا واقعی تم اتنے نڈر ہو جیسا کہ ظاہر کرتے ہو؟''

''تم نے بھی اپنے احمق ساتھیوں کی طرح وہی بات چھیڑ دی۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''ہاں تو تمہیں اس گیس کا علم کیونکر ہوا تھا.....؟''

اجنبی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

''۱۹۵۰ء کی بین الاقوامی سائنس کانفرنس میں پروفیسر چودھری نے اس قسم کی گیس کی تشکیل کے امکانات پر اظہار خیال کیا تھا اور یہ بات کہی تھی کہ اس سے ایٹمی توانائی کی طرز تعمیری کام بھی لئے جاسکیں گے۔ پہلے میں نے اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ لیکن کچھ ہی دنوں بعد مجھے معلوم ہوا کہ مختلف ممالک کے جاسوس چودھری کے پیچھے لگ گئے ہیں۔ اس معاملے میں شلائر اور فریڈرک پیش پیش تھے۔ لیکن چودھری نے انہیں اس کی ہوا بھی نہ لگنے دی۔''

اجنبی خاموش ہوگیا اور تھوڑی دیر ٹھہر کر فریدی کو گھورتا ہوا پُرخیال انداز میں بولا۔

''شلائر اور فریڈرک نے چودھری کے اسسٹنٹ پر ڈورے ڈالے اور کسی طرح اس سے یہ معلوم کرلینے میں کامیاب ہوگئے کہ چودھری نے ایک مختصر سے تجربے کے بعد اس گیس کا فارمولا ترتیب دے لیا ہے اور پھر وہ بُری طرح چودھری کے پیچھے پڑ گئے۔ میں سب کچھ خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ ایک رات عجیب اتفاق پیش آیا۔ ہم تینوں الگ الگ ایک دوسرے سے مطلق بے خبر چودھری کی کوٹھی میں پہنچ گئے۔ میں نے تو یہ سوچا تھا کہ چودھری کو اغواء کروں گا۔ شاید ان دونوں کی بھی یہی سکیم رہی ہو۔ بہرحال میں اس وقت اس کمرے میں پہنچا۔ جب فریڈرک اور شلائر وہیں پر ایک دوسرے سے دست و گریبان تھے چودھری شائد سوتے سوتے جاگ پڑا تھا اور اس شش و پنج میں تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ میں نے چپکے سے کمرے میں داخل ہوکر بجلی بجھادی اور چودھری کو پیٹھ پر لاد کر لے بھاگا۔ لیکن مجھے ایک دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ شلائر اور فریڈرک کے ساتھی نیچے موجود تھے اور میں تنہا تھا۔ میں چوکر کنوئیں کے قریب والی جھاڑیوں میں گھس گیا۔ ان دونوں کے ساتھیوں کی نظر مجھ پر نہیں پڑی۔ چودھری کو سنبھالنا دشوار ہو رہا تھا۔ وہ مجھ سے زیادہ طاقتور نہیں تھا لیکن پھر بھی میں نے سوچا کہ کہیں اس جدوجہد میں ان لوگوں کی نظر ہم پر نہ پڑ جائے۔ لہٰذا میں نے چودھری کا گلا گھونٹنا شروع کیا۔ ارادہ صرف یہ تھا کہ اسے اس طرح بیہوش کردوں۔ مار ڈالنے کی نیت نہیں تھی۔ مگر تھوڑی دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ وہ مر چکا ہے۔ بہرحال میرا پورا پروگرام اپ سٹ ہوگیا۔ مجھے امید تھی کہ چودھری نے وہ فارمولا کہیں نہ کہیں لکھ ضرور چھوڑا ہوگا۔ میں نے چودھری کی لاش اس کنوئیں میں دبادی اور چپ چاپ واپس آ گیا۔

وہ پھر خاموش ہوگیا اور تھوڑی دیر بعد مسکرا کر بولا۔ ''لیکن تم نے جس طرح وہ ڈھانچہ اس

کنوئیں سے برآمد کیا قابل تعریف ہے۔ تمہاری ذہانت میں شبہ نہیں۔ لیکن مجھ سے یہ ہرگز نہ پوچھنا کہ میں کون ہوں۔''

''اوہو.....!'' فریدی نے قہقہہ لگایا۔ ''تو تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہیں نہیں جانتا۔''

اجنبی چونک پڑا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں مسکرا کر بولا۔ ''تمہیں اب اپنی چالبازیوں سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔''

''میرا خیال ہے کہ شاید تمہارے ساتھی بھی تمہاری اصلی شخصیت سے واقف نہ ہوں۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

''کیا.....؟'' اجنبی کی آنکھیں پھیل گئیں اور ان سے درندگی جھلکنے لگی۔

''خیر چھوڑو ہٹاؤ.....!'' فریدی نے ہنس کر کہا۔ ''تم نے وعدہ کیا تھا کہ میرے مرنے سے پہلے مجھے سب کچھ بتادو گے۔''

''تم جاسکتے ہو۔'' اجنبی نے کمرے کے بقیہ لوگوں سے کہا۔ وہ سب اس طرح اٹھے جیسے آخیر ہونے پر شاید انہیں اپنی جانوں سے ہاتھ دھونے پڑیں۔

''بیٹھ جاؤ.....!'' اجنبی نے فریدی اور حمید کو پتھر کی کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''آخر آپ کیا کرنے جارہے ہیں؟'' حمید نے اردو میں کہا۔

''بس دیکھتے جاؤ۔'' فریدی بولا۔

اجنبی خاموش تھا۔ اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ اب گفتگو شروع کرنے کے لئے یا تو مناسب الفاظ تلاش کر رہا ہے یا موضوع ڈھونڈ رہا ہو۔

دفعتاً باہر ایک ایسا خوفناک دھماکہ ہوا کہ وہ سب سناٹے میں آ گئے اور پھر اجنبی چیخ کر بے تحاشہ دروازے کی طرف دوڑا۔

آخری منظر

حمید منہ پھاڑے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''یہ کیا ہوا.....؟'' حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔

''ان کا زیپلن تباہ ہوگیا.....!'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''زیپلن یا راکٹ.....؟''

''حقیقتاً نہ وہ زیپلن تھا اور نہ راکٹ۔ کوئی نئی ایجاد تھی۔''

''لیکن آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ زیپلن ہی تباہ ہوا ہے۔'' حمید نے کہا۔

''اسے تباہ ہونا ہی تھا۔'' فریدی فخریہ انداز میں مسکرا کر بولا۔ ''ورنہ فریدی انہیں بے بس کس طرح کرتا۔''

حمید دروازے کی طرف بڑھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ فریدی نے اسے آنکھ کے اشارے سے روک دیا۔

دفعتاً باہر..... ''آگ.....آگ.....'' کا شور سنائی دیا۔

''بھاگو.....!'' فریدی دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

دونوں بے تحاشہ دوڑتے ہوئے باہر نکل آئے۔ اس راکٹ نما مشین کا ڈھانچہ آگ کی لپٹوں میں گھرا ہوا تھا۔ عمارت کے ایک حصے سے بھی شعلے بلند ہو رہے تھے۔ عمارت کے مکین مخالف سمت میں بے تحاشہ دوڑے جا رہے تھے۔

''یہ کیوں بھاگ رہے ہیں۔'' حمید نے احمقوں کی طرح پوچھا۔

''بھاگو، جلدی کرو۔'' فریدی بھی اسی طرف دوڑنے لگا۔ حمید بھی اس کے ساتھ دوڑ رہا تھا۔

''آخر یہ کیوں بھاگ رہے ہیں؟'' وہ ہانپتا ہوا بولا۔

''تم واقعی ڈیوٹ ہو۔'' فریدی نے کہا۔ ''اس عمارت میں اس کا میگزین بھی ہے۔ معلوم نہیں وہ ڈائری کہاں ہے۔''

حمید نے ایڈنا کو لڑکھڑاتے دیکھا لیکن اس کے ساتھیوں میں سے کوئی بھی اسے اٹھانے کے لئے نہ رکا۔ پھر اس نے زخمی ناک والے کو دیکھا۔ جو بقیہ ساتھیوں سے کٹ کر پلٹ پڑا تھا۔ اس نے جھک کر ایڈنا کو اٹھایا اور اپنے کاندھے پر لاد کر پھر دوڑنے لگا۔

دفعتاً پھر ایک زوردار دھماکہ سنائی دیا۔ حمید گھبرا کر مڑا۔ عمارت کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ وہ دونوں اور تیزی سے دوڑنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے ان سبھوں کو جالیا۔

وہ قوی ہیکل اجنبی جس سے وہ تھوڑی دیر قبل گفتگو کر رہے تھے کسی ایسی زبان میں اپنے ساتھیوں پر برس رہا تھا جو اُن کے لئے نئی تھی۔

''اے دوست.....!'' فریدی اس سے نرم لہجے میں بولا۔ ''اس ڈائری کا کیا ہوا؟ میں بقیہ داستان سننے کے لئے بے چین ہوں۔''

''داستان.....!'' وہ دانت پیس کر فریدی کی طرف لپکا۔ اگر وہ وار خالی نہ دیتا تو اس کا گھونسا اس کی پیشانی پر پڑتا۔

''اے دوست! تم نے وعدہ کیا تھا۔''

''شٹ اپ.....!'' اجنبی حلق کے بل چیخا اور اپنے ساتھیوں سے گرج کر بولا۔ ''ان دونوں کی دھجیاں اڑا دو۔''

''نہیں پیارے گارساں.....!'' ایک طرف سے آواز آئی۔

حمید نے چونک کر دیکھا۔ زخمی ناک والا اپنے دونوں ہاتھوں میں دو ریوالور تھامے کھڑا تھا۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ ''بقیہ داستان تمہیں سنانی پڑے گی..... اور تم سب اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے رکھو۔''

''اوہ.....شیفرڈ! کتے.....'' گارساں غصے میں اپنے بال نوچتا ہوا بولا۔

''وہ کتا تو چاند ماری کے میدان میں دفن ہے۔'' زخمی ناک والے نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

حمید اس کی آواز پہچان کر بے اختیار اچھل پڑا۔

یہ فریدی کی آواز تھی۔

لیکن فریدی تو اپنی صحیح شکل وصورت میں اس کے قریب کھڑا تھا۔ لیکن وہ پہلے سے کچھ دبلا

ضرور نظر آ رہا تھا۔

''ان کی ٹائیوں سے ان کے ہاتھ ان کی پشتوں پر جکڑ دو۔'' زخمی ناک والے نے فریدی اور حمید کو اشارہ کیا اور پھر دوسرے آدمیوں کو مخاطب کر کے بولا۔ ''تم صرف دس ہو اور میرے قبضے میں بارہ گولیاں ہیں اور یہ بھی سمجھ لو کہ میرا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا۔''

فریدی اور حمید بتائے ہوئے کام میں مشغول ہو گئے۔

ایک آدمی نے جدوجہد کرنی چاہی لیکن دوسرے ہی لمحے میں زخمی ناک والے کے ریوالور کا فائر اس کا کام تمام کر چکا تھا..... اور..... بقیہ لوگ کانپ کر رہ گئے۔

گارساں شعلہ باز نظروں سے زخمی ناک والے کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی ناک پر ابھی تک پٹی بندھی ہوئی تھی لیکن آواز سے اب ایسا نہیں معلوم ہو رہا تھا کہ اس کی ناک زخمی ہے۔

''میں کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔'' اس نے بے دردی سے ہنس کر کہا۔ ''تم سب یہیں سو جاؤ گے۔''

''ایڈنا ڈارلنگ..... اب بتاؤ۔'' حمید ایڈنا کے قریب پہنچ کر آہستہ سے بولا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ بدستور سر جھکائے کھڑی رہی۔

سب کو باندھ چکنے کے بعد وہ دونوں گارساں کی طرف متوجہ ہوئے۔ لیکن جیسے ہی وہ اس کے قریب پہنچے وہ ان دونوں پر ٹوٹ پڑا۔ زخمی ناک والے کے ریوالور سے پھر ایک شعلہ نکلا اور گارساں چیخ کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے اپنی بائیں ران داہنے ہاتھ سے دبا رکھی تھی۔ گولی ران میں لگی تھی۔ لیکن اس نے اپنا ہاتھ ران پر سے ہٹا لیا اور تن کر کھڑا ہو گیا۔ فریدی اور حمید جیسے ہی آگے بڑھے اس نے پھر ان پر حملہ کر دیا۔ فائر ہوا۔ اس بار گولی اس کے داہنے بازو پر لگی تھی۔ لیکن اس نے فریدی اور حمید کی گردنیں نہ چھوڑیں۔ حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی انگلیاں آہستہ آہستہ اس کی گردن میں اترتی جا رہی ہوں۔

ایڈنا اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے زخمی ناک والے کو گھور رہی تھی۔

زخمی ناک والے نے آگے بڑھ کر ریوالور کا دستہ گارساں کے سر پر مار دیا۔ وہ پھر ان دونوں کو چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے سر سے بھی خون بہنے لگا تھا اس نے جھنجھلاہٹ میں اپنا خون بھرا ہاتھ اپنے چہرے پر مل لیا اور پہلے سے بھی زیادہ خوفناک دکھائی دینے لگا۔ لیکن اس کے

جسم کے تناؤ میں اب بھی کوئی فرق نہ آیا تھا۔ وہ ایک زخمی شیر کی طرح دھاڑ رہا تھا۔

''ہاں پیارے..... وہ بقیہ داستان.....!'' زخمی ناک والا ہنس کر بولا۔ اب گارساں اس پر جھپٹ پڑا۔ لیکن اس بار اس نے فائر کرنے کے بجائے صرف پستول کے دستے سے کام لیا اور اس کی پیشانی سے بھی لہو رسنے لگا۔

''فضول ہے..... خبیث کے فرزند.....!'' زخمی ناک والے نے کہا اور اسے دھکا دے دیا۔ گارساں کولہوں کے بل دھب سے زمین پر آ رہا۔ وہ غصے میں شور مچاتا ہوا اپنے سر کے بال نوچ رہا تھا۔

''ہاں بیٹے! وہ بقیہ داستان۔'' زخمی ناک والے کے لہجے میں بلا کی سفاکی تھی۔

گارساں نے اس کی طرف تھوک دیا۔

''خیر بیٹے۔'' وہ ہنس کر بولا۔ ''تم نے اپنی داستان بڑے فخریہ انداز میں سنائی تھی۔ اب ذرا سی میری بھی سن لو..... جسے تم فریدی سمجھ رہے ہو۔ وہ فریدی کا ایک شاگرد انور ہے اور فریدی یہ خاکسار ہے۔''

حمید نے انور کی طرف دیکھا، جو فریدی کی شکل میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔ کتنا کامیاب میک اپ تھا۔

''تمہارے ساتھیوں نے مجھے چیلنج کر کے انتہائی حماقت کا ثبوت دیا تھا۔''

فریدی پھر بولا۔ ''چاند ماری کے میدان میں اتفاق سے تمہارا آدمی شیفرڈ میرے ہاتھ لگ گیا جسے میں پہلے بھی ہارلے بلڈنگ میں دیکھ چکا تھا۔ بہرحال میں نے گلا گھونٹ کر اس کا خاتمہ کر دیا۔''

حمید کے ذہن میں اس رات کے واقعات چکر لگانے لگے جب اس نے فریدی کو اپنے دروازے پر ایک لاش اٹھائے دیکھا تھا۔

''ہاں تو اے دنیا کے پراسرار ترین آدمی گارساں۔'' فریدی بولا۔ ''میں نے شیفرڈ کو وہیں برساتی کے گڑھے میں دفن کر دیا اور خود پر اس کا میک اپ کر کے ہارلے بلڈنگ پہنچ گیا۔ میرا اندازہ درست تھا۔ تمہارے سارے ساتھی وہیں مقیم تھے۔ میں نے اپنی ناک پر پٹی باندھ لی تھی تاکہ

ناک زخمی ہونے کا بہانہ کر کے آزادی سے اپنی آواز بدل سکوں..... تمہارے کسی آدمی کو مجھ
ذرہ برابر بھی شبہ نہ ہوا۔ پھر دوسرے دن جب وہ مجھے پکڑنے کی اسکیم بنا رہے تھے میں نے ایک
زبردست قسم کھائی اور عہد کیا کہ میں یا تو فریدی کو پکڑ لاؤں گا یا پھر زندگی بھر انہیں اپنی شکل
دکھاؤں گا..... لہٰذا میں فریدی کو پکڑ لایا۔"

فریدی نے انور کو آنکھ ماری۔

"اور یہ چوہیا.....!" فریدی نے ایڈنا کی طرف اشارہ کیا۔ "جو بڑی دانش مند تھی آخر
چکر میں آ ہی گئی۔"

گارساں پھر چیخ کر فریدی کی طرف جھپٹا مگر اسے پہلے ہی کی طرح زمین پر بیٹھ جانا پڑ
کیونکہ یہ اس کے سر پر تیسرا زخم تھا..... اور پہلے کے زخموں سے گہرا بھی۔

"اس کے بھی ہاتھ باندھ دو.....!" فریدی نے حمید اور انور سے کہا۔

گارساں زیادہ دیر تک جدوجہد جاری نہ رکھ سکا۔ اس کے جسم سے کافی خون بہہ گیا تھا۔

حمید نے اس کے دونوں ہاتھ پشت پر باندھ دیئے۔

"اور اس کا کیا ہوگا.....؟" حمید نے ایڈنا کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"اس کا آملیٹ بنے گا۔" فریدی ہنس کر بولا۔ پھر گارساں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔
ڈائری کہاں ہے؟"

گارساں پاگلوں کی طرح ہنس پڑا اور اس نے اپنا چہرہ گھما کر اس خاک کے ڈھیر کی طر
اشارہ کیا جو کچھ دیر قبل ایک عمارت کی شکل میں تھا۔

انور کو یقین نہ آیا۔ اس نے اس کی جامہ تلاشی لی لیکن ڈائری برآمد نہ کر سکا۔

"ہم واپس کس طرح جائیں گے؟" حمید نے پوچھا۔

"تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم اپنی سرزمین میں نہیں ہو؟"

"میرا تو یہی خیال ہے۔"

"غلط خیال ہے..... ہم رام گڈھ سے بمشکل تمام دس یا پندرہ میل کے فاصلے پر ہوں گے۔"

"رام گڈھ.....؟" حمید اچھل کر بولا۔

"ہاں تمہیں حیرت کیوں ہے۔"

"اپنے یہاں سے رام گڈھ کا فاصلہ کیا ہے؟" حمید نے کہا۔

"تقریباً ڈیڑھ ہزار میل۔"

"اور ہم نے چند گھنٹوں میں یہ مسافت طے کر لی تھی۔ میرا خیال ہے کہ بمشکل دو گھنٹے
ں ہوئے ہوں گے۔"

"انکی وہ اڑنے والی مشین انتہائی حیرت انگیز تھی۔ تمہیں یاد ہے کہ تم کہاں سے اڑے تھے؟"

"مجھے ہوش نہیں تھا۔"

"تمہیں سن کر حیرت ہوگی کہ وہ مشین ہارلے بلڈنگ کی چھت پر اترا کرتی تھی اور وہیں
پرواز بھی کرتی تھی۔ اس میں آواز اتنی کم پیدا ہوتی تھی کہ پڑوس والے تک اس کے وجود
لاعلم تھے اور اندھیری رات میں وہ لوگوں کی نظروں سے بچ کر پرواز کر جاتی تھی۔"

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ پھر گارساں سے کہنے لگا۔ "جانتے ہو تمہاری اڑنے
مشین کا کیا حشر ہوا.....؟"

گارساں کچھ نہ بولا۔

"یہ تمہارے ہی میگزین کے ایک ٹائم بم کا کرشمہ تھا۔ میں نے پچھلی رات کو اس عمارت کا
ایک گوشہ دیکھ ڈالا تھا اور وہ بم اس مشین میں آج صبح رکھا گیا تھا..... کیا سمجھے..... مجھے
ن نہیں آتا کہ تم وہی گارساں ہو جس کیلئے ساری دنیا حیران ہے..... مگر یار میں ناحق یہ کہہ رہا
ں اگر مجھے تمہارا وہ ہاتھی نما ٹرانسمیٹر اور وہ چھڑی نہ ملتی تو میں بھی اندھیرے ہی میں رہتا۔"

وہ قیدیوں کو لے کر عمارت کے ملبے کے قریب آئے۔ ڈائری کا خیال فضول ہی تھا اس کی
دھجیاں اڑ گئی ہوں گی۔

حمید اب بھی سوچ رہا تھا کہ اس ڈائری میں کیا تھا اور اس کا علم گارساں کو کس طرح ہوا
کیا اسی میں اس گیس کا فارمولا درج تھا؟

"یہ گاؤں.....!" فریدی گہری وادی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "آج سے چھ سال قبل
تھا۔ بدھ مذہب کے لوگوں کی آبادی تھی۔ اچانک ہیضہ پھیلا اور پورا گاؤں صاف ہو گیا اور

جو بچ گئے..... پھر انہوں نے ادھر کا رخ نہ کیا۔''

کارواں چل پڑا۔

قیدی آگے تھے اور وہ تینوں ان کے پیچھے چل رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں ریوالور تھے۔ ایڈنا کے ہاتھ بھی انور نے اپنی ٹائی سے باندھ دیئے تھے۔ قیدی سر جھکائے چل رہے تھے۔ ان کی چال سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سب اپنے کسی خاص عزیز کو دفن کر کے قبرستان سے لوٹ رہے ہوں۔

''بقیہ داستان تو رہ ہی گئی۔'' انور ہنس کر بولا۔

''بقیہ داستان مجھے معلوم ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''فریڈرک بیان دے کر مرا ہے۔ اس کے بیان سے میں نے جو نتائج اخذ کئے ہیں میرے خیال سے وہ غلط نہیں۔ پروفیسر چودھری کو دفن کر دینے کے بعد گارساں عرصہ تک اس خیال میں رہا کہ چودھری نے اس فارمولے کے متعلق کوئی تحریر ضرور چھوڑی ہوگی۔ فریڈرک اور شلائر چودھری کی تلاش میں رہے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ کہیں روپوش ہوگیا۔ شلائر بہت بڑا عیار تھا۔ اس نے کسی طرح چودھری کے اسسٹنٹ سے یہ معلوم کرلیا کہ چودھری کے سارے فارمولے اس کی ڈائری میں رہا کرتے تھے۔ لیکن وہ بھی اسی خیال میں تھا کہ چودھری ان کے خوف سے کہیں روپوش ہوگیا ہے۔ لہٰذا وہ اپنی ڈائری بھی اپنے ساتھ لے گیا ہوگا۔ اس کے برخلاف جب اس ڈائری کا علم گارساں کو ہوا تو اس نے چودھری کی کوٹھی میں اس کی تلاش شروع کر دی اور پھر جب اس نے یہ دیکھا کہ شلائر اور فریڈرک بھی چودھری کا چکر چھوڑ کر اسی ڈائری کی فکر میں پڑ گئے ہیں تو اس نے چودھری کے بھوت کا ڈھونگ رچایا تاکہ کم از کم چودھری کے گھر والے اس کی سرگرمیوں میں حارج نہ ہوسکیں۔ چودھری کے اسسٹنٹ نے دو ماہ تک اس کا انتظار کیا۔ پھر اس نے پروفیسر درانی کے یہاں ملازمت کرلی۔ اس کا وہ سیکریٹری جو لاپتہ ہے وہی تھا۔ لاپتہ کیا..... وہ بیچارہ بھی اب اس دنیا میں نہیں۔''

''کیوں اسے کیا ہوا.....؟'' انور چونک کر بولا۔

''شلائر نے اسے بھی ختم کر دیا۔'' فریدی نے کہا۔ ''فریڈرک سائے کی طرح شلائر کے پیچھے لگا رہتا تھا اور اسے اس کے متعلق سب کچھ معلوم تھا۔ وہ اس کے معمولی سے معمولی پروگرام

سے واقف رہتا تھا۔ ہاں تو پروفیسر درانی کو اپنے سیکریٹری پر بڑا اعتماد تھا جس دن اس کنوئیں سے چودھری کا پنجر برآمد ہوا تھا اسی دن شاید اس خبر سے متاثر ہو کر درانی نے سیکریٹری کو بتایا کہ چودھری نے اپنی کمشدگی سے دو دن قبل اسے اپنی ڈائری دی تھی اور کہا تھا کہ وہ اسے حفاظت سے رکھے کیونکہ اسے ان لوگوں میں کچھ غیر ملکی جاسوسوں کا شبہ ہوگیا تھا، جو اسے اس کے مداح کر گھیرے رہا کرتے تھے۔ سیکریٹری خود بھی عرصے سے اس ڈائری کی تلاش میں تھا۔ اس وقت نے درانی سے اس کے متعلق کوئی بات نہ کی۔ اسی دن اتفاق سے اس کی ملاقات شلائر سے ئی۔ وہ اسے ایک جرمن سائنسدان کی حیثیت سے جانتا تھا۔ اس نے اسے اکثر چودھری کے اتھ بھی دیکھا تھا۔ غالباً اس نے سوچا ہوگا اگر اسے ڈائری مل بھی گئی تو وہ کہاں اس کا سودا کرتا رے گا کیوں نہ اس کا تذکرہ اس جرمن سائنسدان سے کرے۔ لہٰذا اس نے شلائر سے اس کا کرہ کیا۔ وہ تو تھا ہی اسی چکر میں۔ معاملہ پچیس ہزار پر طے ہوگیا اور دونوں نے اسے پروفیسر انی کی کوٹھی میں تلاش کرنے کی اسکیم بنائی۔ لیکن بھلا شلائر اسے کس طرح گوارا کر لیتا کہ اس ز میں اس کا کوئی شریک بھی ہو۔ اس کے لئے اتنی ہی اطلاع کافی تھی کہ وہ ڈائری پروفیسر انی کی کوٹھی میں موجود ہے۔ اس نے اسی شام کو پروفیسر درانی کے سیکریٹری کو ٹھکانے لگا دیا۔ یڈرک نے اس جگہ کی نشاندہی کی تھی جہاں اس کی لاش دفن کی گئی تھی۔ میں تو ادھر پھنس گیا ن مجھے یقین ہے کہ پولیس نے اسے برآمد کرلیا ہوگا۔''

فریدی خاموش ہو کر سگار سلگانے لگا۔ وہ ابھی تک شیفرڈ ہی کے بھیس میں تھا اور اس کی ل پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ انور نے بھی اپنا میک اپ نہیں بگاڑا تھا۔

''ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا.....؟'' وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''ٹھیک ہے..... اسی رات کو لائر پروفیسر کی کوٹھی میں گھسا۔ فریدرک بھی اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ اسے اطمینان تھا کہ اگر وہ ائری شلائر کے ہاتھ لگ بھی گئی تو وہ اسے اس سے بزور حاصل کرلے گا۔ لیکن وہ اس تیسری رٹی سے خائف ضرور تھا۔ جس کے متعلق وہ کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ مرتے دم تک اسے اس کا علم ہوسکا کہ تیسری پارٹی کا تعلق گارساں سے تھا۔ بہرحال شلائر اس کی تلاش میں تھا کہ اس کی ملاقات پروفیسر درانی سے ہوئی۔ وہ اس کی خواب گاہ میں گھس گیا تھا۔ وہیں اسے پروفیسر سے دوچار ہونا

پڑا اور پھر اس نے اس سے پیچھا چھڑانے کے لئے اسے قتل کر دیا۔ دوسری رات کو شلائر نے ڈائری کا پتہ لگالیا.....اور اس کے بعد تو تم جانتے ہی ہو۔"

"اس کا افسوس ہے کہ وہ ڈائری ضائع ہوگئی۔" حمید بولا۔

"مجھے قطعی افسوس نہیں۔ اس کا ضائع ہوجانا ہی اچھا ہوا۔ کیونکہ آدمی ابھی ارتقا کی اس منزل پر نہیں پہنچا جہاں پر فرشتے کا گمان ہو سکے۔"

حمید اکتاہٹ میں مبتلا ہوجانے کے خوف سے اپنا ذہن ادھر اُدھر ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر ایڈنا کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

"ہیلو ڈارلنگ.....اب ہم لوگوں کے متعلق کیا خیال ہے کیا میں اب بھی تمہیں بارش میں بھیگا ہوا اُلو معلوم ہوتا ہوں؟"

"شٹ اپ.....!" وہ بھنا کر بولی۔

"خواہ مخواہ تمہاری عزت کرنے کو دل چاہتا ہے۔"

"خدا کے لئے مجھے پریشان مت کرو۔"

ایڈنا چلتے چلتے رک کر فریدی کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

"کیا بات ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"یا تو اس سے میرا پیچھا چھڑاؤ..... یا مجھے گولی مار دو۔"

"اچھا.....چلو.....تم آگے چلو۔" فریدی نے اس سے کہا اور حمید کی گردن پکڑ لی۔

"دیکھئے.....خدا کی قسم آپ ہر معاملے میں ٹانگ نہ اڑایا کیجئے۔"

"کیوں پریشان کر رہا ہے اسے؟"

"کیوں؟" حمید جھلا کر بولا۔ "کیا اسے مٹیلے کرنے کا ارادہ ہے۔ اگر ایسا خیال ہے تو میرے باپ کو بھی فرزندی میں قبول فرمایئے۔"

انور اس کی پیٹھ پر ایک دھول جما کر ہنسنے لگا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 26

دوہرا قتل

(مکمل ناول)

ہمزاد

جھن جھناک.....

نوکر کے ہاتھ سے تلوار نکل کر دور جا گری اور وہ احمقوں کی طرح منہ کھولے اور دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے کھڑا رہا۔

''چلو اٹھاؤ.....پھسڈی۔'' حمید اپنی تلوار کو خلاء میں گردش دیتا ہوا للکارا۔

''بیٹا یہ سپہ گری ہے.....ہنسی کھیل نہیں۔''

''اب میں ہاتھ جوڑتا ہوں صاحب۔'' نوکر گڑگڑا کر بولا۔

''ابے تم پٹھان ہو۔''

''باپ دادا رہے ہوں گے؟ میں تو.....!''

''چلو کچھ نہیں.....اٹھاؤ تلوار.....شاباش.....بس دو دو ہاتھ اور.....!''

''اور جو ابکی لگ ہی گئی؟''

''اچھا اچھا.....میں احتیاط کروں گا۔''

نوکر نے طوعاً و کرہاً پھر تلوار اٹھائی اور الٹے سیدھے ہاتھ مارنے لگا۔ حمید کو صبح سے اختلاج ہو رہا تھا۔ کئی بار کسی نئے مشغلے کی دریافت کے سلسلے میں ذہن کو جھٹکے دیئے، لیکن کچھ نہ سوجھا۔ اتوار کا دن تھا۔ فریدی بھی گھر پر موجود نہیں تھا کہ اُسی سے تھوڑی دیر بکواس کر کے دل بہلاتا۔ اُس نے اپنے اس اختلاج کے لئے بھی اتوار ہی کا دن مقرر کر رکھا تھا۔ عموماً سنیچر کی شام ہی سے

تجات میں مشغول ہو جاتا اور یہ سلسلہ کافی رات گئے تک جاری رہتا پھر سوتے سوتے تین بج تے اور اتوار کی صبح کو وہ معدے میں ہلکی سی گرانی لے کر بیدار ہوتا۔ معدے کے انجرات دل و غ سے ٹکراتے اور اختلاج شروع ہو جاتا۔ آج بھی یہی ہوا تھا۔ بڑی دیر تک اس کا اُکھڑا ہوا ن اُسے خیالی قلابازیاں کھلاتا رہا۔ آخر کار اس نے یہ فیصلہ کیا کہ کسی نوکر کو پکڑ کر تھوڑی دیر تک یرزنی ہی کی جائے۔ فریدی کی موجودگی میں وہ شاید اس کا خیال بھی دل میں نہ لاتا۔

نوکر بیچارہ بُری طرح خائف تھا۔ کئی بار تو اس کی چیخیں نکل گئی تھیں۔

ہر لحظہ اُسے ایسا ہی محسوس ہوتا تھا جیسے تلوار اب لگی اور تب لگی۔

''پوری قوت سے حملہ کرو۔'' وہ ہانپ رہا تھا۔

''اگر تمہارا ہاتھ رکا تو.....گردن صاف۔''

''ارے باپ رے۔'' وہ لرزتی ہوئی آواز میں چیخ کر پیچھے ہٹا۔

''دشمن سمجھ کر حملہ کرو۔'' حمید نے کہا۔

نوکر شروع ہی سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن جان بچتی نظر نہیں آتی تھی۔ اس ا پر اس نے جھلا کر تلوار ماری اور حمید نے قہقہہ لگایا۔

''شاباش.....!''

وہ پے در پے وار کرتا رہا۔ ظاہر ہے کہ اناڑی ہی تھا اس لئے جلد ہی ہانپنے لگا۔ وہ سمجھا تھا ، شاید اسی طرح پیچھا چھوٹ جائے گا، لیکن تھکن کے علاوہ اور کچھ ہاتھ نہ لگا۔ آخر وہ تلوار ٹک کر برآمدے کی طرف بھاگ نکلا۔ تقریباً سارے ہی نوکر یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے قہقہے بلند کئے۔

''چل بے نصیر.....!'' حمید نے ایک دوسرے نوکر سے کہا۔

''بخشئے سرکار.....!''

''چل بے۔'' حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔

پھر حمید اُسے گردن پکڑ کر لان پر کھینچ لایا۔

''ارے میں مرا.....!'' وہ گھٹی ہوئی آواز میں چلایا۔

''شوپ راؤ.....!''

مرتا کیا نہ کرتا..... اُسے بھی تلوار اٹھانی ہی پڑی، لیکن وہ اُسے اتنی احتیاط سے ہلا رہا تھا جیسے شیشے کی ہو۔ حمید نے جھپٹ کر تلوار ماری اور بوڑھا نصیرا ہائے کر کے چاروں خانے چت گر پڑا۔

اتنے میں ایک کار کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ حمید سمجھا شائد فریدی آ گیا۔ وہ نصیرا کی طرف دھیان دیئے بغیر مڑا..... کار فریدی کی نہیں تھی۔

ایک وجیہہ اور کافی تندرست جوان آدمی کار سے اتر رہا تھا۔ صورت حمید کے لئے بالکل نئی تھی۔ حمید نے تلوار کی نوک زمین پر ٹیک دی۔ دوسرا لمحہ یقیناً چونکا دینے والا تھا نہ صرف حمید بلکہ سارے نوکر حیرت زدہ رہ گئے۔ ایک ہی شکل وصورت کے دو آدمی اُن کے سامنے کھڑے تھے۔ ان کا لباس بھی یکساں تھا۔ قد میں بھی کوئی واضح فرق نہ نظر آیا۔ پھر وہ دونوں ان کی طرف بڑھے۔ دونوں کے پیر برابر سے اٹھ رہے تھے۔ ان کی چال میں بھی اختلاف نہیں تھا۔

''آداب عرض.....!'' دونوں نے ایک ساتھ کہا۔ ''آواز میں فرق رہا بھی ہو تو ایسے موقعے پر اس طرف دھیان دینے کا کسے ہوش رہتا ہے۔''

''فرمایئے.....!'' حمید بوکھلا کر بولا۔

''انسپکٹر فریدی صاحب سے ملنا ہے۔'' دونوں نے بیک وقت کہا۔

''وہ اس وقت موجود نہیں۔''

''یہ تو بہت بُرا ہوا۔'' اس بار بھی وہ ایک ساتھ ہی بولے۔

حمید ایک لحظہ انہیں گھورتا رہا پھر بولا۔

''آپ لوگ کہاں سے تشریف لائے ہیں۔''

''میڈغاسکر سے۔'' دونوں نے ایک ساتھ کہا۔

''اسم شریف.....!''

''صغیر شاہد.....!'' دونوں نے کہا۔

''اور آپ کا.....!'' حمید دوسرے سے مخاطب ہوا۔

''صغیر شاہد.....!'' دونوں نے دہرایا۔

''یعنی آپ دونوں کا.....!'' حمید نے حیرت سے کہا۔

''دو.....!'' دونوں متحیر ہو کر بولے۔ ''دو کون! میں تنہا ہوں! نہ جانے یہاں کے لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔ اگر فریدی صاحب نے بھی دو ہی کہا تب تو مصیبت آ جائے گی۔''

''یعنی.....!'' حمید چونک پڑا۔

''یعنی یہ کہ یہاں سب کے دماغوں میں فتور معلوم ہوتا ہے۔'' دونوں نے کہا۔ ''ایک کے دکھائی دیتے ہیں۔ میں خان بہادر ظہیر شاہد کا چھوٹا بھائی ہوں۔ میڈغاسکر میں میری تجارت ہے۔ کچھ دنوں کے لئے یہاں آیا ہوں..... آیا نہیں بلکہ شامت لائی ہے۔''

حمید سناٹے میں آ گیا..... اس نے پلٹ کر نوکروں کی طرف دیکھا، جو ایک ایک کر کے کھسکتے جا رہے تھے۔

''فریدی صاحب سے آپ کیوں ملنا چاہتے ہیں۔'' اس نے پوچھا۔

''سی آئی ڈی والوں نے تنگ کر رکھا ہے۔'' دونوں نے کہا۔

''کیوں.....؟'' حمید نے سوچے سمجھے بغیر سوال کیا۔

''انہیں بھی میں دو ہی نظر آتا ہوں۔'' دونوں بولے۔

''تو فریدی صاحب کیا کر سکیں گے۔''

''وہ میرے بھائی صاحب خان بہادر ظہیر شاہد کے دوست ہیں۔ شاید کچھ کر سکیں۔''

''کیا آپ میں سے ایک نہیں بول سکتا۔'' حمید نے کہا۔

''کیا لغویت ہے.....!'' دونوں چیخے۔

حمید چند لمحے انہیں گھورتا رہا پھر بولا۔

''میں فریدی صاحب کا اسسٹنٹ ہوں۔''

''بڑی خوشی ہوئی۔'' دونوں نے اپنے ہاتھ مصافحہ کے لئے بڑھا دیئے۔ حمید کا ہاتھ بھی ان کی طرف بڑھا لیکن اس کے ہاتھ میں اُن دونوں کے ہاتھ بیک وقت آ گئے۔ وہ دونوں قطعی یکساں تھے۔

''لیکن بیکار..... قطعی بیکار.....!'' انہوں نے مایوسی سے کہا۔ ''آپ کو بھی ایک کے دو

دکھائی دیتے ہیں۔"

حمید متحیر ضرور تھا لیکن اس پر جھنجھلاہٹ طاری ہو گئی۔

"کیا آپ کو دوسرا نہیں دکھائی دیتا۔" اس نے ایک سے کہا۔

"کہاں؟" وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر بولے۔ دیر تک دیکھتے رہے پھر انہوں نے مایوسی سے اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔ "کس مصیبت میں پھنس گیا۔ لعنت ہے اس سرزمین پر..... میں جلد سے جلد واپس چلا جاؤں گا۔"

حمید نے ایک بار پھر آنکھیں پھاڑ کر ان کی طرف دیکھا اور اپنا سر اس انداز میں سہلانے لگا جیسے دفعتاً دماغ میں گرمی چڑھ گئی ہو۔

"آپ مڈغاسکر سے ایک ہی پاسپورٹ پر آئے ہیں۔" اس نے گھبرا کر پوچھا۔

"اور نہیں تو کیا دس پر آتا.....!" وہ جھنجھلا کر بولا۔

"پاسپورٹ موجود ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"جی ہاں.....!" دونوں اپنے کوٹوں کی اندرونی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے بولے۔

انہوں نے پاسپورٹ نکالے اور حمید کی طرف بڑھا دیئے۔

حمید انہیں دیکھنے لگا۔ دونوں ایک ہی آدمی کے پاسپورٹ تھے۔ دونوں پر ایک ہی نام تحریر تھا۔ ولدیت بھی ایک ہی تھی۔ روانگی تاریخ اور مقام بھی ایک ہی تھے۔ اُس نے دونوں پاسپورٹوں کو اپنی جیب میں ڈال لیا۔

"تو آپ.....!" وہ بولا۔ "خان بہادر ظہیر ہی کے یہاں مقیم ہیں۔"

"جی ہاں.....!" انہوں نے جواب دیا۔

"بہتر..... آپ تشریف لے جایئے۔ میں فریدی صاحب کو وہیں بھیج دوں گا۔"

"پاسپورٹ.....!" دونوں نے ہاتھ بڑھائے۔

"اوہ..... معاف کیجئے گا.....!" حمید نے ایک پاسپورٹ نکال کر ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ دونوں نے اپنے ہاتھ گرا لئے۔ ان میں سے ایک کی آنکھوں میں الجھن کے آثار نظر آ رہے تھے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں دونوں ہنسنے لگے۔

"واہ جناب خوب مذاق ہے۔" انہوں نے کہا۔ "یہ تو آدھا ہے..... میں نے آپ کو پورا پاسپورٹ دیا تھا۔"

حمید اُسے بھی جیب میں ڈالتا ہوا بولا۔ "آپ کو دھوکہ ہوا ہے..... مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے آپ سے پاسپورٹ لیا ہی نہیں تھا۔"

"ہائیں.....!" دونوں منہ کھول کر اُسے گھورنے لگے۔

"آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔"

"مذاق نہ کیجئے....." انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں یہیں رک کر فریدی صاحب کا انتظار کروں گا۔"

"اچھا تو پھر اندر تشریف لے چلئے۔" حمید کی رگ شرارت پھڑکنے لگی تھی۔ وہ انہیں ڈرائنگ روم میں لے آیا۔ دونوں ایک ہی صوفے پر بیٹھ گئے۔ انہوں نے اپنی جیبوں سے سگریٹ نکالے۔ یہ بھی ایک ہی قسم کے تھے۔ دونوں نے ساتھ ہی سگریٹ سلگائے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ دونوں کسی مشین کے ذریعے حرکت کر رہے ہیں۔ دونوں کی یکساں حرکتوں میں توقف کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ حمید انہیں تحیر آمیز نظروں سے دیکھتا رہا۔ گھر کے سارے نوکر کھڑکیوں سے جھانک رہے تھے۔

"گھر والوں نے الگ ناطقہ بند کر رکھا ہے۔" انہوں نے کہا۔ "زندگی حرام ہو گئی..... یہاں آ کر پچھتایا۔"

"پاسپورٹ سنبھالئے۔" حمید نے ایک پاسپورٹ اُن کی طرف اچھال دیا جو اُن کے سامنے ہی جا کر گرا۔ لیکن انہوں نے اس کی طرف توجہ تک نہ دی۔

"مڈغاسکر میں آپ کا کب سے قیام ہے۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔ وہ انہیں لے تو آیا تھا لیکن اب اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُن سے کیا گفتگو کرے۔

"دس سال سے..... آدھا بھی واپس کر دیجئے۔" انہوں نے کہا۔

"شادی ہو چکی ہے آپ کی۔" حمید نے اُن کی بات نظر انداز کر کے پوچھا۔

"شادی.....!" دونوں نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "اسی لئے آیا تھا لیکن جس لڑکی سے رشتہ

طے تھا اُس نے بھی مجھے ایک تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔"

"آپ کی بھائی صاحب کیا کہتے ہیں۔"

"وہ بھی دو ہی کہتے ہیں۔"

"واقعی یہ بہت بڑا ظلم ہے۔" حمید نے منہ بنا کر کہا اور دوسرا پاسپورٹ بھی ان کی طرف پھینک دیا۔

"شکریہ۔" دونوں نے اپنے اپنے پاسپورٹ اٹھا کر جیبوں میں ڈال لئے۔ حمید تھوڑی دیر تک بیٹھا کچھ سوچتا رہا پھر اٹھتا ہوا بولا۔ "آپ تشریف رکھئے میں ایک منٹ میں حاضر ہوتا ہوں۔"

اندر آ کر اس نے سارے نوکروں کو اکٹھا کیا اور ان سے آہستہ آہستہ کچھ کہنے لگا۔ پھر وہ ڈرائنگ روم میں لوٹ آئے۔ دونوں ہم شکل ایک ہی انداز سے خاموش بیٹھے تھے۔

"نہیں آئے فریدی صاحب۔" انہوں نے پوچھا۔

"جی نہیں.....!" حمید نے کہا۔ اس کے چہرے پر شرارت اور بے چینی کے ملے جلے آثار نظر آ رہے تھے۔

دفعتاً دونوں طرف کے دروازوں سے چار چار نوکر برآمد ہوئے اور اُن دونوں پر ٹوٹ پڑے۔ تھوڑی جدوجہد کے بعد وہ سست پڑ گئے۔ ایک ایک کو چار چار نے پکڑ رکھا تھا۔

"اس بدتمیزی کا مطلب۔" دونوں رک رک کر بولے۔

"ابھی بتاتا ہوں.....!" حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

پھر دونوں کو الگ الگ کمروں میں بند کر دیا گیا۔

"اب کیا خیال ہے۔" حمید نے ایک کمرے کے باہر سے پوچھا۔ "کیا نام ہے تمہارا۔"

"آدھا صغیر شاہد.....!" اندر سے آواز آئی۔ "صغیر شاہد ایک بٹا دو۔"

دونوں کمرے ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر تھے اور یہ بات ناممکن تھی کہ ایک کی آواز دوسرے تک پہنچ سکے۔ حمید نے دوسرے کمرے کے پاس آ کر بھی وہی سوال دہرایا لیکن جواب من وعن تھا، جو پہلے آدمی سے ملا تھا۔

"اگر میں آدھے صغیر شاہد کو گولی مار دوں تو۔" حمید نے پوچھا۔

"دوسرا آدھا خود بخود مر جائے گا۔" جواب ملا۔

حمید دوسرے کمرے کی طرف بڑھا لیکن ابھی وہ درمیان ہی میں تھا کہ اس نے دو چیخیں سنیں۔ یہ دونوں انہیں کمروں سے بلند ہوئی تھیں۔ حمید نے جھپٹ کر دروازہ کھولا۔ ایک صغیر شاہد کمرے کے فرش پر چاروں خانے چت پڑا تھا۔ اُس کے دانت بیٹھ گئے تھے اور غشی کی ساری علامات موجود تھیں۔ پھر وہ بھاگ کر دوسرے کمرے کی طرف آیا۔ یہاں بھی وہی حال تھا۔ دونوں اپنی اپنی جگہوں پر بیہوش پڑے تھے۔ حمید نے انہیں اٹھوا کر پھر یکجا کر دیا۔ اور وہ اس طرح ہوش میں آ گئے جیسے بجلی کا کرنٹ لگتے ہی کوئی مشین چل پڑے۔

وہ چند لمحے سراسیمگی کے ساتھ ادھر اُدھر دیکھتے رہے پھر اس طرح اٹھ کر بیٹھ گئے جیسے انہیں کچھ دیر قبل کی کوئی بات یاد نہ ہو۔

"کیا آپ تھوڑا پانی پلوا سکیں گے۔" انہوں نے حمید سے کہا۔

"ضرور.....!" حمید خود ہی اٹھ کر پانی لینے چلا گیا۔ واپسی پر اس کے ہاتھ میں صرف ایک گلاس تھا۔ اُس نے وہی اُن دونوں کی طرف بڑھا دیا۔ دونوں نے ایک ساتھ گلاس پر ہاتھ ڈالے۔ حمید بے ساختہ ہنس پڑا۔ دونوں ایک ساتھ پانی پینے کی کوشش کر رہے تھے اور ان کے چہروں پر اس وقت بھی بلا کی سنجیدگی تھی۔ بالآخر دونوں نے اپنے منہ گلاس سے لگا دیئے اور سارا پانی ان پر الٹ گیا۔ پھر خالی گلاس حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے رومالوں سے اپنے منہ پونچھے۔ کپڑوں پر گرے ہوئے پانی کی طرف انہوں نے دھیان ہی نہیں دیا۔ حالانکہ شاید گریبانوں سے گزر کر اپنی اُن کے سینوں تک پہنچ گیا تھا۔

"آٹھ اور آٹھ کتنے ہوتے ہیں۔" حمید نے بوکھلا کر پوچھا۔ اُسے کچھ کچھ یقین ہو چلا تھا کہ وہ دونوں پاگل بھی ہیں۔

"آٹھ اور آٹھ ہوتے ہیں۔" انہوں نے جواب دیا۔

"میرا مطلب ہے کہ آٹھ اور آٹھ کی جمع کتنی ہوگی۔" حمید جلدی سے بولا۔

"اٹھاسی۔" انہوں نے کہا۔

"اگر میں آپ دونوں کے سر ٹکرا دوں تو کیا باقی بچے گا۔"

''بہت ہو چکا۔'' دونوں غصہ سے گھونسہ تان کر کھڑے ہو گئے۔ ''اگر آپ نے ''دونوں'' کہا تو اچھا نہ ہوگا۔''

''بیٹھئے بیٹھئے۔'' حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ ''میں یونہی مذاق کر رہا تھا۔''

''آپ بڑی دیر سے مذاق کر رہے ہیں۔ یہ اچھی بات نہیں۔''

''اب نہیں کروں گا۔'' حمید نے یقین دہانی والے انداز میں کہا۔

دونوں بیٹھ گئے۔

''آپ فضائی راستے سے آئے ہیں یا بحری راستے سے۔'' حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

''بحری راستے سے۔''

''جہاز والوں نے بھی آپ کو دو ہی سمجھا ہوگا۔''

''جی ہاں..... آج کل مجھے پوری دنیا پاگل نظر آتی ہے۔'' دونوں بولے۔

''آپ شروع ہی سے دو حصوں میں تقسیم ہیں۔''

''میرے نجی معاملات سے آپ کو کیا سروکار.....!'' دونوں نے کہا۔

''آپ یہاں سے مڈغاسکر تنہا گئے تھے۔'' حمید نے پھر سوال کیا۔

''ہائیں..... پھر وہی.....!'' دونوں آنکھیں پھاڑ کر بولے۔

حمید بوکھلا گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُن سے گفتگو کس طرح کرے اور کیا پوچھے۔ اس سے قبل بارہا اس کی نظروں سے تحیر خیز واقعات گذرے تھے، لیکن یہ اپنی نوعیت کا ایک ہی تھا۔

''تو آپ فریدی صاحب سے مل کر ہی جائیں گے۔'' اس نے پوچھا۔

''جی ہاں..... اب اس بات کا فیصلہ ہی ہو جانا چاہئے۔''

''فیصلہ.....!'' حمید اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ ''فیصلہ میں کئے دیتا ہوں۔''

پھر اس نے نوکروں کو پکارنا شروع کیا، جو دوسرے کمرے کی کھڑکیوں سے جھانک رہے تھے۔

''پکڑو انہیں۔''

قبل اس کے کہ وہ سنبھلتے نوکروں نے انہیں پھر قابو کر لیا۔

''تجربہ گاہ میں لے چلو.....!'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

وہ انہیں فریدی کی کیمیاوی تجربہ گاہ میں لایا۔

''کرسیوں میں جکڑ دو انہیں۔'' حمید نے نوکروں سے کہا لیکن اُسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی دونوں ہم شکلوں نے نہ تو اس پر احتجاج کیا اور نہ ہی گلو خلاصی کے لئے ہاتھ پیر مارے اور انہیں کرسیوں سے باندھا جا رہا تھا تو ان کے چہرے پر اتنا اطمینان تھا جیسے اُن کی تاج پوشی سلسلے میں یہ سارے انتظامات کئے جا رہے ہیں۔''

حمید نے دونوں کے چہروں کو خوب اچھی طرح ٹٹول کر دیکھا۔ پھر کچھ دیر تک محدب شیشے کی مدد سے ان کے خدوخال کا جائزہ لیتا رہا اور وہ اس طرح بیٹھے رہے جیسے ان کا ڈاکٹری معائنہ کیا جا رہا ہو۔

''یہاں درد ہوتا ہے۔'' انہوں نے اس وقت کہا جب حمید ایک کا داہنا جبڑہ ٹٹول رہا تھا۔

''دانت میں.....!'' حمید نے کہا اور میز سے زنبور اٹھاتا ہوا بڑبڑایا۔ ''نکال دوں دانت۔''

''نکال دیجئے۔'' دونوں نے لاپروائی سے کہا اور حمید زنبور رکھ کر انہیں گھورنے لگا۔

تقریباً آدھے گھنٹے تک وہ انہیں ٹھونک بجا کر دیکھتا رہا۔ اس نے وہ سارے ذرائع اختیار کئے جن سے کامیاب ترین میک اپ بھی ختم ہو سکتا تھا..... مگر..... اُن دونوں کے چہرے جوں کے توں رہے۔ بال برابر فرق بھی ظاہر نہ ہو سکا۔

''یارو میں ہار گیا.....!'' حمید بے بسی سے بولا۔ ''اب ختم کرو یہ مذاق۔''

''مذاق آپ کر رہے ہیں یا میں۔'' دونوں گرج کر بولے۔

''آپ دونوں ساتھ پیدا ہوئے تھے۔''

''ارے خدا تمہیں غارت کرے۔'' دونوں حلق کے بل چیخے اور ان کی کرسیاں الٹ گئیں۔

نوکروں نے کرسیاں پھر سیدھی کر دیں۔ وہ سب ہنسی سے دوہرے ہوئے جا رہے تھے۔

''کیا ہنگامہ ہے۔'' فریدی کی تیز آواز سنائی دی۔ حمید چونک کر مڑا۔ نوکر اس طرح سنجیدہ ہو گئے تھے جیسے انہیں ملک الموت نظر آ گیا ہو۔

''جاؤ اپنا کام کرو۔'' اُس نے سخت لہجے میں کہا اور وہ سب چپ چاپ باہر چلے گئے۔ پھر

وہ حمید کو گھور کر بولا۔ ''یہ کیا حرکت۔''

''ملاحظہ فرمایئے۔'' حمید نے اُن دونوں کی طرف اشارہ کیا۔

''کیوں باندھ رکھا ہے۔'' فریدی رک کر بولا۔ ''ظہیر کے بھائی کو۔''

''مگر دوسرا کون ہے۔''

''دوسرا.....؟'' فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔ ''بھنگ تو نہیں پی گئے۔ دوسرا کہاں ہے دوسرا کون؟''

الجھن

حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ نہ صرف بھنگ بلکہ تاڑی، شراب اور افیون وغیرہ وغیرہ کا کاک ٹیل پی گیا ہو کیونکہ فریدی نے یہ جملہ بڑی سنجیدگی سے کہا تھا۔

''خدا آپ کا بھلا کرے۔'' دونوں نے خوشی کا نعرہ لگایا اور بیساختہ اٹھ کھڑے ہونے کوشش میں کرسی سمیت منہ کے بل نیچے چلے آئے، فریدی نے دوڑ کر انہیں سیدھا کیا اور ان رسیاں کھولنے لگا۔

''آپ فرشتہ ہیں۔'' دونوں نے کہا۔ ''رحمت کا فرشتہ.....اس ملک میں آپ پہلے آد ہیں جسے ایک کے دو نہیں دکھائی دیتے۔''

''میں پاگل نہیں ہوں۔'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ''مجھے آپ کی دشواریوں کا ہے.....میں ابھی ظہیر ہی سے مل کر آ رہا ہوں۔''

''بھائی صاحب نے کہا تھا کہ آپ اُن کے دوست ہیں، لیکن آپ کے اسسٹنٹ نے بے حد پریشان کیا ہے۔ نہ جانے کن کن چیزوں سے میرا منہ دھلوایا کہ اب تک جلن ہو رہی ہے۔

''کیوں.....؟'' فریدی پھر حمید کو گھورنے لگا۔ حمید کچھ نہ بولا۔ وہ کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔

''مسٹر صغیر.....مجھے افسوس ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''مطمئن رہئے سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''اچھا تو پھر کبھی ملاقات ہوگی۔'' دونوں نے اپنے ہاتھ مصافحہ کے لئے بڑھا دیئے، فریدی بعد وہ حمید کی طرف مڑے۔

''اب آپ کو یقین آیا۔''

''بالکل قطعی.....'' حمید نے مسکرا کر کہا۔

اُن کے چلے جانے کے بعد حمید، فریدی کو عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ فریدی نے قہقہہ اس کی ساری سنجیدگی رخصت ہوگئی تھی اور آنکھوں میں شرارت آمیز چمک پیدا ہوگئی تھی۔

''فرمایئے حمید صاحب عقل بڑی یا آپ.....!''

''میرے خیال سے یہ دونوں جڑواں بھائی ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''واقعی تم نے بڑی گہری بات بتائی۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''میرا ذہن اتنا اونچا اڑ ہی سکتا۔''

حمید نے بُرا سا منہ بنایا اور کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

فریدی بھی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر خود بخود ہنس پڑا۔

''حمید صاحب۔'' اس نے کہا۔ ''شرارت اسے کہتے ہیں.....اچھے اچھے کا ناطقہ بند ہو گیا۔''

''کیا مطلب.....!'' حمید چونک کر بولا۔

''وہ جڑواں بھائی نہیں ہیں.....خود ظہیر بُری طرح پریشان ہے اور وہ وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتا کہ اُن دونوں میں سے اسکا بھائی کون ہے۔ یہی حال گھر کے سارے افراد کا ہے۔''

''تو جناب ایک پر دوسرے کا میک اپ بھی نہیں ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''میں اچھی طرح جان کر چکا ہوں۔''

فریدی پھر ہنس پڑا۔

''شرارت محض شرارت۔'' اس نے کہا۔ ''مگر ہمارے محکمے کی لئے ایک مستقل دردسری، مسٹر صغیر نے دنیا بھر کی شرارتوں کا ریکارڈ توڑ دیا۔''

''لیکن یہ دونوں ایک ساتھ سفر کس طرح کر سکے۔''

''انہوں نے ایک ساتھ ہرگز سفر نہیں کیا۔''

''لیکن میں نے ان کے پاسپورٹ دیکھے ہیں۔'' حمید بولا۔ ''دونوں میڈغاسکر سے ایک ہی تاریخ کو روانہ ہوئے ہیں۔''

''تو کیا ہوا..... اس سے یہ بات کب ظاہر ہوتی ہے کہ انہوں نے ایک ہی جہاز پر سفر کیا۔ اُس تاریخ کو میڈغاسکر سے تین جہاز روانہ ہوئے تھے۔''

''ظہیر شاہد صاحب کا کیا خیال ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''وہ قریب قریب پاگل ہو چکا ہے۔ وہی نہیں بلکہ گھر کا ہر فرد..... صاحبزادے میڈغاسکر سے اس لئے بلائے گئے تھے کہ ان کی شادی کر دی جائے۔ لڑکی گھر ہی کی ہے۔ اُس کے مرحوم چچا کی لڑکی۔''

''یہ حضرت میڈغاسکر میں کیا کرتے تھے۔''

''سونے اور چاندی کی کئی کانوں کا حصہ دار ہے۔ کافی دولت مند آدمی ہے اور یہ دولت خود اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ اپنی دولت کا بیشتر حصہ اپنی شرارتوں کی نذر کر دینے کا عادی ہے۔''

''تو اسے آپ سچ مچ شرارت ہی سمجھتے ہیں۔''

''پھر اور کیا سمجھوں؟ لیکن میرا خیال ہے کہ یہ اس صدی کی سب سے بڑی اور عجیب شرارت ہے۔''

فریدی خاموش ہو گیا۔ کچھ سوچتا رہا پھر خود بخود ہنس پڑا۔

''وہ ایک شرارت ہی کے سلسلے میں یہاں بھاگا تھا۔'' اس نے کہا۔ ''دس سال قبل کی بات ہے اس کے بڑے بھائی ظہیر شاہد کی شادی ہوئی اس ظالم نے اس کی بیوی کو حجلہ عروسی سے غائب کر کے کسی دوسرے کے کمرے میں پہنچا دیا اور بیوی کی جگہ ایک ساٹھ سالہ بوڑھیا کو بٹھا دیا، جو کرائے پر حاصل کی گئی تھی۔ میاں ظہیر گھونگھٹ الٹنے سے پہلے بڑی دیر تک رومانی قسم کے ڈائیلاگ بولتے رہے۔ پھر جو گھونگھٹ الٹا ہے تو بس مزہ آ گیا۔ جب بات کھلی تو صغیر کے پیچھے رائفل لے کر دوڑے۔ پھر صغیر کو یہاں سے بھاگنا پڑا۔ ظہیر حقیقتاً اُسے مار ڈالنے پر تل گیا۔''

''ظاہر ہے کہ اب بھی دونوں کے تعلقات کشیدہ ہوں گے۔'' حمید نے کہا۔

''نہیں ایسا تو نہیں۔ شادی کے لئے ظہیر ہی نے اُسے بلایا تھا۔''

وہ دونوں گفتگو کرتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آئے۔ فریدی کے بیڈ روم میں ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ کمرے سے واپسی پر اُس نے حمید سے کہا۔ ''ظہیر شاہد کا فون تھا۔''

''کیا بات ہے؟''

''نعیمہ ان دونوں سے لڑ پڑی ہے۔''

''نعیمہ کون۔''

''صغیر کی منگیتر.....!'' فریدی ہنس کر بولا۔ ''وہ دونوں اُس سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔''

''معاملہ بڑا دلچسپ ہے اگر اجازت ہو تو میں ان دونوں کو ایک کر دوں۔''

''وہ تو بڑی آسانی سے ہو سکتا تھا، لیکن دشواری یہ ہے کہ خود اس کے گھر والے اُسے شناخت نہ کر سکتے۔''

''مگر دونوں کی آوازوں میں خفیف سا اختلاف ہے۔'' حمید بولا۔

''میں نے بھی محسوس کیا ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''لیکن ظہیر اس کے باوجود بھی اُسے شناخت نہ کر سکتا۔''

''دنیا کا آٹھواں عجوبہ۔'' حمید بولا۔ ''اگر یہ محض شرارت ہے تو اس کے لئے واقعی بڑی بھاری جرمانہ ادا کرنی پڑی ہوگی۔''

''اس میں شک نہیں۔''

''ان پر کون سی فرد جرم عائد ہو سکتی ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''کوئی بھی نہیں..... کیونکہ ایک کے خلاف دوسرے کو کوئی شکایت نہیں اور اس وقت تک تو کیا ہی نہیں جا سکتا جب تک کہ اس حرکت کا مقصد نہ ظاہر ہو جائے۔''

''پھر آخر کیا ہوگا۔''

''کچھ بھی نہیں..... خاصی تفریح رہے گی۔'' فریدی ہنس کر بولا۔

''اگر اُن دونوں کو یہاں بلا کر رکھا جائے تو کیا ہرج ہے۔ ظہیر شاہد آپ کا خاصا گہرا دوست ہے۔'' حمید نے کہا۔

''بخشئے آپ تینوں مل کر زندگی تلخ کردیں گے۔'' فریدی نے کہا۔ ''آؤ چلتے ہو ظہیر کے یہاں۔''

''ابھی آپ وہیں سے تو آرہے ہیں۔''

''بلف تھا..... میں نے اُس سے صرف فون پر گفتگو کی تھی۔ لیکن ابھی جو فون آیا ہے اُس پر اُس نے مجھے گھر آنے کی دعوت دی ہے۔''

حمید تیار ہوگیا۔ دونوں باہر آئے۔

''میرا خیال ہے کہ یہاں سے جانے کے بعد اُن دونوں نے نعیمہ کو چھیڑا ہوگا۔'' فریدی نے کہا۔

کیڈی لاک کا رخ ظہیر کے گھر کی طرف تھا جو فریدی کی کوٹھی سے آدھ میل کے فاصلے پر رہا ہوگا۔

''نعیمہ کو کیوں چھیڑا ہوگا۔'' حمید نے سوال کیا۔ اُس کا ذہن اُن دونوں کو تنگ کرنے کی حرکتیں سوچ رہا تھا۔

''انہوں نے اُس سے کہا کہ محکمہ سراغ رسانی والوں نے بھی انہیں ایک تسلیم کرلیا ہے، لہٰذا اب شادی میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ کوئی معنی نہیں رکھتی۔ بھئی میرا خیال تو یہ ہے کہ صغیر نے یہ حرکت ہی اس لئے کی ہے کہ اس کی شادی نعیمہ سے نہ ہو سکے۔''

''تو وہ انکار بھی تو کرسکتا تھا..... ظاہر ہے کہ ظہیر صاحب کا دست نگر نہیں۔''

''ٹھیک ہے..... وہ ظہیر کا کہنا ٹال سکتا ہے لیکن اپنی دادی کا نہیں۔ ہیں تو وہ ان کی سوتیلی ہی دادی، لیکن دونوں اُن سے بہت محبت کرتے ہیں اور ڈرتے بھی ہیں۔ غالباً یہ انہیں کی خواہش ہے کہ صغیر کی شادی نعیمہ سے ہو۔''

''نعیمہ کافی خوبصورت ہوگی۔''

''کیوں.....؟''

''یہ اُسی سے پوچھ کر بتاؤں گا کہ وہ کیوں کافی خوبصورت ہے۔'' حمید نے کہا۔

کیڈی لاک خان بہادر ظہیر کی کوٹھی کے کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔

انہوں نے خان بہادر ظہیر کو دیکھا جو بے چینی سے برآمدے میں ٹہل رہا تھا۔ یہ چالیس سال کا ایک متین اور سنجیدہ آدمی تھا۔ پیشانی سے کچھ اوپر تھوڑے سے بالوں میں سفیدی تھی اور ایک پتلی سی سفید لہر پیچھے کی طرف مڑے ہوئے سیاہ بالوں میں کچھ عجیب لگتی تھی۔ آنکھوں کی

خواب ناک کیفیت اس کی نرم دلی کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ فریدی کو دیکھ کر وہ کچھ عجیب انداز میں مسکرا پڑا۔

''یار تم بھی بس کمال ہی کرتے ہو۔'' اس نے کہا۔ ''اُن بھوتوں نے تو اب زندگی اجیرن کردی۔''

''کیا ہوا.....!'' فریدی نے پوچھا۔

''کہتے ہیں محکمہ سراغ رسانی نے انہیں ایک تسلیم کرلیا ہے۔''

''اگر میں یہ نہ کہتا تو کہتا کیا۔'' فریدی ہنس کر بولا۔

''ہم سب تنگ آگئے ہیں۔ آؤ اندر چلو..... مجھے ڈر ہے کہ کہیں دادی جان جوتی لے کر دونوں پر پل نہ پڑیں۔ کل سے کئی بار دھمکا چکی ہیں۔''

''نعیمہ سے کیا باتیں ہوئیں۔''

''ہوئیں کیا..... ابھی تک ہو رہی ہیں۔ یار کیا بتاؤں کبھی غصہ آتا ہے اور کبھی ہنسی۔''

''نکال باہر کیجئے۔'' حمید نے کہا۔

''کسے نکال باہر کروں..... اُن میں سے ایک یقیناً صغیر ہے اور میں وثوق کے ساتھ کہہ نہیں سکتا کہ کون ہے۔ شرارت کی حد کردی سُور نے۔''

ظہیر رک کر کچھ سننے لگا پھر بولا۔ ''میرا خیال صحیح ہے۔ نعیمہ ابھی تک ان سے الجھی ہوئی ہے۔ یار سنو..... تم بھیس وغیرہ بھی شاندار بدلتے ہو کچھ بتاؤ..... میری مدد کرو۔''

''ان میں سے کسی نے اپنی شکل تبدیل نہیں کی ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''دونوں ہم شکل ہیں۔''

''پھر میں کیا کروں۔'' ظہیر بے بسی سے بولا۔

''ارے تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''دو چار دن تنگ کر کے راہِ راست پر آجائے گا۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن تمہارے محکمے والوں نے تو ناطقہ بند کر رکھا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ دونوں حراست میں نہ لے لئے جائیں۔''

''ہشت.....!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''قانوناً وہ گرفت میں نہیں آتے۔ کیا ہم شکل اور ہم نام ہونا جرم ہے۔ دونوں الگ الگ پاسپورٹ رکھتے ہیں اور قطعی قانونی طور پر یہاں آئے ہیں۔

مجھے تمہارا بھائی جینئس معلوم ہوتا ہے۔ اتنی شاندار شرارت شاید ہی کسی نے کی ہو۔"

وہ لوگ نشست کے کمرے میں آئے۔ فریدی کو دیکھ کر دونوں ہم شکل بے ساختہ اچھل پڑے اور نعیمہ کو مخاطب کر کے بولے۔

"یہ لو محکمہ سراغ رسانی بھی آ گیا۔ اب تمہیں میری بات ماننی ہی پڑے گی۔"

فریدی ہنسنے لگا۔ نعیمہ اُسے شکایت آمیز نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"فریدی صاحب۔" ہم شکلوں نے اُس سے کہا۔ 'خدارا اپنی زبان مبارک سے یہاں بھی میرے متعلق اظہار خیال فرما دیجئے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" فریدی نے حیرت سے کہا۔

"یہی کہ میں ایک ہوں۔"

"قطعی ایک ہیں آپ..... محکمہ سراغ رسانی اسے تسلیم کر چکا ہے۔"

"آداب.....!" دونوں نے جھک کر نعیمہ کو سلام کیا۔

نعیمہ بھنا کر اٹھی اور پیر پٹختی ہوئی کمرے سے چلی گئی۔ اس پر دونوں نے قہقہہ لگایا۔ نعیمہ نے اندر جا کر دادی جان سے نہ جانے کیا کہہ دیا کہ وہ چراغ پا ہو کر سیدھی نشست کے کمرے میں چلی آئیں۔ ان کی عمر ساٹھ ستر کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ چہرہ شفاف اور بارعب تھا لیکن اس پر مامتا کی نرمی تھی۔

"کیوں کمال میاں۔" انہوں نے فریدی کو مخاطب کیا۔ "تم نے بھی انہیں کم بختوں کی ہاں میں ہاں ملا دی۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر آپ سب اتنے پریشان کیوں ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"بس میاں بس..... تم بھی جان جلانے آ گئے۔ میں ان نکٹوں کا منہ جھلس دوں گی۔"

"دادی جان۔" دونوں ہم شکلوں نے ہانک لگائی۔ "آخر آپ اپنے صغیر سے اتنی بیزار کیوں ہو گئی ہیں۔"

"صغیر باز آ جا اپنی حرکت سے، میں پھر سمجھاتی ہوں، ورنہ جوتیوں سے تم دونوں کی خبر لوں گی۔"

"ہائے پھر وہی دونوں..... پھر وہی دونوں۔" ہم شکلوں نے باقاعدہ اپنا سر پیٹنا شروع

کر دیا۔ تھپا تھپ..... تھپا تھپ..... تھپا تھپ..... تھپا تھپ۔

اگر حمید اور فریدی آگے بڑھ کر اُنکے ہاتھ نہ پکڑ لیتے تو یہ سلسلہ نہ جانے کب تک جاری رہتا۔

دادی جان انہیں ایسی نظروں سے دیکھ رہی تھیں جیسے بلبلا کر رو پڑیں گی۔ غصے کے ساتھ ساتھ اگر بے بسی کا احساس بھی ہو جائے تو یہی کیفیت ہوتی ہے۔ ظہیر ہنس رہا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں بھی زچ ہو جانے کی آخری منزلیں جھلک رہی تھیں۔

"میں ابھی چلا جاؤں گا۔" دونوں نے روہانسی آواز میں کہا۔ "ہمیشہ کے لئے چلا جاؤں گا۔"

"دور ہو جاؤ کم بختو.....!" دادی جان جوتی اتارنے کے لئے جھکیں۔

"ہائے پھر وہی کم بختو.....!" دونوں بولے..... "مار لیجئے مگر دل نہ دکھایئے۔"

"جانے بھی دیجئے۔" فریدی اُن کے اور دادی جان کے درمیان میں آ گیا۔

فریدی نے بدقت تمام دادی جان کو سمجھا بجھا کر ڈرائنگ روم سے رخصت کر دیا۔

"صغیر مذاق کی بھی حد ہوتی ہے۔" ظہیر سنجیدگی سے بولا۔

"میں ابھی اس ملک سے تو نہیں جا سکتا لیکن اس گھر سے ضرور چلا جاؤں گا۔" دونوں نے ان کر کہا۔

"یار تم ہی سمجھاؤ۔" ظہیر نے فریدی کو مخاطب کیا۔

"اگر آپ کا معاملہ نہ ہوتا تو میں سمجھا دیتا۔" حمید نے اپنے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔

"کیا سمجھا دیتے۔" دونوں نے بھولے پن سے پوچھا۔

"یہی کہ لومڑی سال میں تیس انڈے دیتی ہے۔"

"ساڑے تیس.....!" دونوں نے سنجیدگی سے کہا۔ "میڈغاسکر کی لومڑیاں تو بعض اوقات ساڑھے اکتیس بھی دے ڈالتی ہیں۔ یہ تو مقدر کی بات ہے۔"

حمید جھنجھلا کر رہ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ دنیا میں کیا کوئی ایسا آدمی بھی ہے، جو اس کا ناطقہ بند کر سکے۔ بہرحال وہ خود کو جوابی کاروائی کی لئے تیار کرنے لگا۔

فریدی اس کا ارادہ بھانپ گیا تھا، اس لئے جلدی سے بولا۔

"اچھا بھئی میں تو چلا..... جب صغیر صاحب کو تم لوگوں کی بے بسی کا پورا پورا احساس

ہو جائے گا تو معاملات خود بخود اعتدال پر آ جائیں گے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" دونوں نے فریدی کو روک کر کہا۔

"صغیر میاں..... ابھی بچے ہو۔" فریدی نے کہا اور حمید کا ہاتھ پکڑ کر چل پڑا۔

باہر پورٹیکو میں نعیمہ دکھائی دی، جو ایک آدمی سے آہستہ آہستہ گفتگو کر رہی تھی۔ یہ نوجوان اور قبول صورت تھا۔ وضع قطع سے اسپورٹس مین بھی معلوم ہوتا تھا۔ فریدی اور حمید کو دیکھ کر وہ خاموش ہو گئی اور وہ نوجوان بھی ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

فریدی نے نعیمہ کی طرف دیکھ کر سر کو خفیف سی جنبش دی اور مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ نعیمہ بھی جواباً مسکرائی لیکن مسکراہٹ جاندار نہیں تھی۔ نعیمہ نہ بہت خوبصورت تھی اور نہ اُسے بدصورت ہی کہا جا سکتا تھا۔ البتہ اُس کی آنکھیں خمار آگیں ضرور تھیں اور غالباً اس میں یہی ایک کشش تھی۔ لباس کے معاملے میں ہلکے رنگوں کی دلدادہ تھی۔ اس وقت وہ ہلکے نارنجی دوپٹے میں خاصی دلکش لگ رہی تھی۔

"یہ مرد کون تھا.....!" حمید نے پوچھا۔

"اختر..... ظہیر کا پرائیویٹ سیکریٹری اور غالباً دور کے رشتے کا کوئی عزیز بھی، میں نے عموماً ان دونوں کو ہمیشہ ساتھ ہی دیکھا ہے۔"

پھر دونوں خاموشی سے کیڈی لاک پر بیٹھ گئے۔

"ہوٹل ڈی فرانس....." حمید نے اس انداز میں کہا جیسے اس نے کسی ٹیکسی ڈرائیور کو ہدایت دی ہو۔

"اچھا جی.....!"

"ہاں مرے سرکار چھ بج رہے ہیں..... ساڑھے چھ بجے وہاں ایک شاندار پروگرام ہے۔"

"میرے پاس وقت نہیں ہے۔" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"اچھا تو اتر جایئے گاڑی سے میں تو جاؤں گا۔"

"تشریف لے جایئے۔" فریدی نے کیڈی روک دی اور خود نیچے اتر گیا۔

حمید نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔

پراسرار قتل

ناشتے کی میز جلد ہی ویران ہو گئی۔ ہوا یہ کہ کسی بات پر حمید کو بے ساختہ ہنسی آ گئی اور کافی کا وہ گھونٹ جو حلق سے نہیں اترا تھا..... منہ سے نکل پڑا۔

پھر فریدی ناشتہ ختم کئے بغیر ہی اٹھ گیا۔

حمید تمباکو کا نیا ٹن لینے کے لئے اپنے بیڈ روم کی طرف جا ہی رہا تھا کہ فریدی کی خواب گاہ سے لگے ہوئے ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ فریدی ابھی تک کھانے ہی کے کمرے میں بیٹھا صبح کا اخبار دیکھ رہا تھا۔ حمید اس کی خواب گاہ میں چلا گیا۔

"ہیلو.....!" اُس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ "کون؟ ہاں..... ہاں..... ارے؟ کب؟ اوہ..... اچھا..... اچھا.....؟"

وہ ریسیور رکھ کر تیزی سے کھانے کے کمرے کی طرف بڑھا۔

"حقیقتاً ہم دونوں منحوس ہیں۔" حمید نے فریدی کو مخاطب کر کے کہا۔

"مجھے..... بیکار..... گھسیٹتے ہو..... اپنے ساتھ۔" فریدی اخبار پر نظریں جمائے ہوئے سا رک کر بولا۔

"نہیں آپ اور میں دونوں۔" حمید کی آواز کپکپا رہی تھی۔ "جہاں ہمارے قدم پڑتے ہیں اری شامت پہلے ہی سے ہماری منتظر رہتی ہے۔"

"کیا ہوا.....!" فریدی نے اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"وہی، جو اپنی تقدیر بن چکا ہے۔"

"بتاؤ نا کیا بات ہے۔"

"قتل..... میں پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ..... وہ دونوں.....!"

"جلدی سے کہہ چلو.....!" فریدی سگار سلگاتے سلگاتے رک کر بولا۔

"خان بہادر ظہیر کا سیکریٹری اختر قتل ہو گیا۔ ابھی ابھی جگدیش کا فون آیا ہے۔"

''مجھے خدشہ تھا.....!'' فریدی بڑبڑا کر کھڑا ہو گیا۔

''خدشہ.....!'' حمید حیرت سے بولا۔

''جگدیش نے کہاں سے فون کیا ہے۔''

''خان بہادر کی کوٹھی سے.....وہ آپ کا منتظر ہے۔''

کار اسٹارٹ کرتے وقت حمید کہہ رہا تھا۔''اس کی پشت میں دو خنجر پیوست ہیں۔''

''دو خنجر.....!'' فریدی چونک کر بولا۔

پھر حمید کافی دیر تک منتظر رہا کہ فریدی اس کے آگے بھی کچھ کہے گا۔لیکن وہ خاموش تھا۔ انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کچھ کہنا ضرور چاہتا تھا۔

''کیا نتیجہ اخذ کرتے ہیں آپ.....؟'' حمید نے خود ہی اس سے پوچھا۔

''نتیجہ.....بھلا دیکھے بھالے بغیر نتیجہ کیسے اخذ کیا جا سکتا ہے۔''

''دو خنجروں کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔''

''میں سمجھتا ہوں تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو.....ان دونوں کی طرف تمہارا خیال ہے۔''

''قطعی.....!'' حمید بے چینی سے بولا۔''میں نے آج تک یہ نہیں سنا کہ کسی قاتل نے بیک وقت دو خنجر استعمال کئے ہوں۔''

''جلدی کرنا چاہئے۔'' فریدی نے کار کی رفتار تیز کرتے ہوئے کہا۔''نئے ڈی۔ایس۔پی صاحب ذرا کافی عقلمند معلوم ہوتے ہیں۔جگدیش نے کیا کہا تھا کسی چیز کو ابھی تک ہاتھ تو نہیں لگایا گیا؟''

''نہیں۔''

خان بہادر کی کوٹھی کے پھاٹک پر دو مسلح پولیس کانسٹیبل موجود تھے۔فریدی نے باہر ہی کار روک دی۔انہوں نے کانسٹیبلوں کے قریب ہی نعیمہ کو بھی دیکھا جو ایک ننھے سے کتے کی زنجیر تھامے کانسٹیبلوں سے الجھ رہی تھی۔

''آخر کیوں نہیں جانے دیتے اندر.....'' وہ تیز لہجہ سے پوچھ رہی تھی۔

فریدی کو دیکھ کر دونوں سپاہی ایک طرف ہو گئے۔

''کیا معاملہ ہے۔'' نعیمہ نے فریدی سے پوچھا۔

''کیا تم گھر پر نہیں تھیں۔'' فریدی نے سوال کیا۔

''نہیں.....پولیس یہاں کیوں؟ کیا بات ہے بتایئے نا۔''

''تم کہاں تھیں؟''

''ہوا خوری کے لئے گئی تھی۔''

''کس وقت.....!''

''آخر آپ بتاتے کیوں نہیں۔'' وہ جھنجھلا کر بولی۔

''کسی نے اختر کو قتل کر دیا۔''

''کیا.....؟'' وہ تقریباً چیخ پڑی اور کتے کی زنجیر اس کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی۔وہ چند لمحے فریدی کی طرف خالی نظروں سے دیکھتی رہی پھر تیزی سے دوڑتی ہوئی اندر چلی گئی۔کتا بھونکتا ہوا زنجیر سمیت اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔فریدی کی نظریں اس کا تعاقب کرتی رہیں۔

''آؤ.....!'' وہ آہستہ سے بولا۔

برآمدے میں ہی خان بہادر سے ملاقات ہو گئی۔اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ہونٹوں کی خشکی پپڑیوں کے شکل میں تبدیل ہو گئی تھی۔

''اب کیا ہو گا۔'' وہ فریدی کی طرف بڑھ کر مضطربانہ انداز میں بولا۔

''لیکن یہ کب اور کہاں ہوا.....؟'' فریدی نے پوچھا۔

''لائبریری میں.....آؤ دیکھو.....ادھر آؤ.....کون کہہ سکتا ہے کہ وہ مر گیا۔''

ظہیر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بائیں باغ کی طرف لے جاتے ہوئے کہا۔پھر اُس نے ایک کھڑکی کی طرف اشارہ کیا جس سے اختر کا چہرہ صاف نظر آ رہا تھا۔اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ خلاء میں گھور رہا ہو۔اس کا رخ بائیں باغ ہی کی طرف تھا۔

''دیکھ رہے ہو۔'' ظہیر نے فریدی کو جھنجھوڑ کر کہا۔اس کی آواز کپکپا رہی تھی۔''وہ اب [illegible] نہیں.....مگر دیکھو تو.....'' وہ اپنے ہاتھ ملنے لگا۔

''تو یہ لائبریری ہی ہے نا.....!'' فریدی نے پوچھا۔

''ہاں.....صبح ہم میں سے کئی آدمیوں نے اسے اسی حالت میں دیکھا اور کوئی دھیان نہ دیا۔ پھر میں نے ہی اُسے پکارا اور جب کئی آوازیں دینے کے باوجود بھی اس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی تو میں جھنجھلا کر لائبریری میں گھس گیا.....اوہ.....میرے خدا.....جانتے ہو.....اُس کی پیٹھ میں دو خنجر ہیں.....دو خنجر۔''

دوسری کھڑکی میں ڈی۔ایس۔پی کا چہرہ دکھائی دیا۔ اس کے پیچھے جگدیش تھا۔

''اور وہ دونوں کہاں ہیں۔''

''اوہ.....وہ.....!'' اچانک ظہیر کی آواز بند ہوگئی۔ وہ تھوک نگل کر بولا۔ ''خدا کے لئے صغیر کو بچاؤ۔''

''کیوں.....؟''

''کچھ نہیں.....کچھ نہیں۔'' ظہیر مضطربانہ انداز میں بولا اور انہیں چھوڑ کر تیزی سے اندر چلا گیا۔

فریدی چند لمحے کھڑا اُس کھڑکی میں دیکھتا رہا پھر وہ بھی اندر جانے کے لئے مڑا۔

لائبریری میں پولیس والوں اور محکمہ سراغ رسانی کے فوٹو گرافروں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

مقتول کھڑکی کے قریب رکھی ہوئی لکھنے کی میز پر ایک ہاتھ رکھے بیٹھا تھا اور اُس کی پشت میں دو خنجر پیوست تھے۔

''ذرا دیکھئے۔'' حمید بیساختہ بولا۔ اُس کی نظریں خنجروں پر جمی ہوئی تھیں۔ دونوں ایک ہی ساخت کے تھے اور ان کے دستوں پر چھوٹے چھوٹے جواہرات نصب تھے۔

''میرے خیال سے لاش کو ہاتھ نہ لگایا گیا ہوگا۔'' فریدی نے جگدیش سے پوچھا۔

''جی نہیں.....!''

فریدی اور حمید لاش کے قریب آئے۔ فریدی جھک کر خنجروں کو دیکھنے لگا۔ حمید نے اس کے چہرے پر حیرت کے آثار دیکھے.....وہ تھوڑی دیر تک لاش پر جھکا رہا پھر سیدھا ہو کر پُرخیال انداز میں میز پر بکھری ہوئی چیزوں کی طرف دیکھنے لگا۔ مقتول کا ہاتھ میز پر اس طرح رکھا ہوا تھا جیسے وہ کسی چیز کو دبائے ہوئے ہو۔

پورے کمرے میں خاموشی مسلط تھی۔ ڈی۔ایس۔پی معنی خیز انداز میں فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''گھر والوں کے بیانات لئے گئے۔'' فریدی نے جگدیش سے پوچھا۔

''سرسری پوچھ گچھ ہوئی ہے۔ دراصل آپ کا انتظار تھا۔''

''تمہیں کس وقت اطلاع ملی تھی۔''

''آٹھ بجے۔''

فریدی اپنی گھڑی کی طرف دیکھنے لگا۔

''وہ دونوں ہم شکل.....!'' ڈی۔ایس۔پی بڑبڑایا۔

فریدی اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''وہ دونوں میڈ غاسکر سے آئے ہیں۔'' ڈی۔ایس۔پی پھر بولا۔ ''خود کو ایک کہتے ہیں، ایک ہی نام اور ولدیت رکھتے ہیں.....پھر بھی آپ کے محکمے نے اُن کے لئے کچھ نہیں کیا۔''

''کر ہی کیا سکتا ہے میرا محکمہ.....!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''اگر وہ خود کو ایک کہتے ہیں تو اُن کا شمار صرف پاگلوں میں ہوسکتا ہے۔ رہ گئیں بقیہ باتیں تو اُن کے لئے دنیا کا کوئی قانون انہیں مجرم قرار نہیں دے سکتا۔''

''لیکن کم از کم میں تو اب انہیں نہیں چھوڑ سکتا۔'' ڈی۔ایس۔پی نے کہا۔

''آپ کی مرضی۔'' فریدی اپنے شانوں کو لاپروائی سے جنبش دیتا ہوا بولا۔

پھر اُس کی ہدایت کے مطابق فوٹو گرافروں نے کئی زاویوں سے اُس لاش کے فوٹو لئے۔

وہ بڑی دیر تک محدب شیشے کی مدد سے لاش اور قرب و جوار کا جائزہ لیتا رہا۔

''سمجھ میں نہیں آتا کہ موت کس طرح واقع ہوئی۔'' فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ حمید چونک کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ شاید ڈی۔ایس۔پی نے بھی یہ بات سن لی تھی اور طنزیہ انداز مُسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''واقعی یہ بہت الجھا ہوا مسئلہ ہے۔ شاید آپ رات بھر شراب پیتے رہے ہیں۔''

''میں اس نیک عادت سے محروم ہوں۔'' فریدی کی جوابی مسکراہٹ بھی بڑی زہریلی تھی۔

"یہ خنجر..... جنہیں صرف اندھے ہی ٹٹول کر موت کا ذمہ دار قرار دے سکتے ہیں۔ میری نظروں میں ان کی کوئی وقعت نہیں۔"

"کیوں.....؟" ڈی۔ایس۔پی کی بھنوئیں تن گئیں۔

"موت ان خنجروں کی وجہ سے نہیں واقع ہوئی۔"

حمید اُسے اس طرح گھورنے لگا جیسے وہ سچ مچ پچھلی رات شراب پیتا رہا ہو۔

"بہت خوب.....!" ڈی۔ایس۔پی مسکرا کر بولا۔ "آپ تو سچ مچ اب شرلاک ہومز کے بھی کان کترنے لگے ہیں۔"

"معاف کیجئے گا.....!" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "سراغ رسانی کا فن میں نے جاسوسی ناولوں یا ہالی وڈ کی فلموں سے نہیں سیکھا۔"

"یعنی.....!" ڈی۔ایس۔پی کے لہجے میں تلخی تھی۔

"یعنی یہ کہ ذرا مقتول کا چہرہ اور بیٹھنے کا انداز ملاحظہ فرمایئے۔" فریدی نے کہا۔ "کیا آپ نے کبھی کسی ایسے آدمی کے چہرے پر اتنا سکون دیکھا ہے جس کی موت خنجر لگنے سے واقع ہوئی ہو۔"

"آپ تو شاعری کرنے لگے۔" ڈی۔ایس۔پی نے کہا۔

"جی ہاں اور مقطع سنتے ہی آپ پھڑک اٹھیں گے۔" فریدی پرسکون انداز میں بولا۔

"کیوں اپنی بھد کرایئے گا۔" حمید آہستہ سے بولا۔ لیکن پھر جو "ارے باپ" کہہ کر اچھلا ہے تو دروازے ہی کے پاس جا کر رکا۔

"کیا ہوا.....!" جگدیش اور ڈی۔ایس۔پی گھبرا کر بیک وقت بولے۔ حمید اپنی داہنی ران دبائے اور ہونٹ سکوڑے فریدی کو گھور رہا تھا۔

"ایک ننھی سی پن چبھونے کا یہ نتیجہ ہوا کہ میاں حمید اچھل کر اتنی دور گئے۔" فریدی نے اپنا ہاتھ اٹھ کر کہا۔ اُس کی چٹکی میں ایک پن دبی ہوئی تھی۔ "اور یہ۔" اُس نے لاش کی طرف اشارہ کیا۔ "خنجر لگنے کے باوجود بھی کرسی ہی پر جما رہا۔ وہ بھی اس انداز میں جیسے خنجر کی بجائے لڈو کھائے ہوں۔ کوتوال صاحب! اس قسم کے سنسنی خیز مناظر صرف جاسوسی ناولوں اور مار پیٹ کی فلموں ہی میں دکھائی دیتے ہیں۔ حقائق سے ان کا تعلق نہیں۔ اگر یہ خنجر لگنے سے پہلے زندہ ہوتا تو

ے بجائے فرش پر نظر آتا یا اس کا سر اس میز پر ہوتا۔ مرنے کے بعد بھی چہرے پر تشنجی کے
ے جاتے۔ ایک ہاتھ گود میں اور دوسرا میز پر رکھ کر نہ مرتا۔"

"کیا دو طاقتور آدمی اُسے کرسی ہی پر روکے رکھنے کے لئے کافی نہیں ہو سکتے۔"
ں۔پی نے کہا۔ "آپ نے شاید پہلے کبھی یہ بھی نہ دیکھا ہو کہ کسی آدمی کی جان لینے کے
وقت دو خنجر استعمال کئے گئے ہیں۔"

"خیر یہ تو کوئی بات نہ ہوئی..... ایک آدمی پر بیک وقت پانچ آدمی بھی حملہ کر سکتے ہیں۔
اہوں کہ آپ کے ذہن میں وہی دونوں ہیں۔"

"میں تو انہیں نہیں چھوڑ سکتا۔"

ریدی اُس کے جواب میں کچھ کہے بغیر پھر لاش پر جھک گیا۔

"یہ کیس اتنا تحیر خیز نہیں ہے جتنا کہ آپ سمجھ رہے ہیں۔" ڈی۔ایس۔پی نے پھر کہا۔

"میں ثابت کر سکتا ہوں کہ موت ان خنجروں سے نہیں واقع ہوئی۔" فریدی سر اٹھا کر
لہجے میں بولا۔

"اگر اجازت ہو تو یہ خنجر نکال لوں۔"

"جو دل چاہے کیجئے۔" ڈی۔ایس۔پی نے اس طرح کہا جیسے اُسے اس معاملے سے کوئی
انہ ہو۔

ریدی نے دونوں خنجر نکال لئے۔ اس کے لئے اُسے کافی زور صرف کرنا پڑا۔ لیکن لاش کی
وں کی توں رہی، جسم بالکل اکڑ گیا تھا۔

"اب دیکھئے۔" فریدی نے ڈی۔ایس۔پی کو مخاطب کیا۔ "یہاں پر تو خون کے دریا
چاہئے تھے..... اس کے برخلاف ایک دھبہ بھی نہیں دکھائی دیتا۔ کیا خیال ہے؟ لاش
ہو جانے کے بعد یہ خنجر گھونپے گئے تھے یا نہیں۔"

ریدی نے لاش کی پیٹھ ننگی کر دی۔

"اگر آپ ان خنجروں کو اُس کی موت کی وجہ قرار دیتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "تو پھر
اسے بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ مقتول کے جسم میں خون ہی نہیں تھا۔"

"پھر آخر یہ مرا کیسے۔" ڈی۔ایس۔پی نے جھینپے ہوئے انداز میں کہا۔

"یہ تو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ہی بتا سکے گی، بہرحال یہ صاف ظاہر ہے کہ قتل کا جو ظاہر کیا گیا ہے، حقیقتاً وہ موت کا باعث نہیں ہوا اور دیکھئے..... یہ زخم.....!" فریدی نے چھوٹے سے زخم کی طرف اشارہ کر کے کہا' جو خنجر والی جگہ سے کچھ اوپر تھا۔ "پہلے یہاں گھونپنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن پسلی کی ہڈی بیچ میں حائل ہوگئی۔"

ڈی۔ایس۔پی تھوڑی دیر کچھ سوچتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔

"میرے خیال سے اب یہاں میری موجودگی ضروری نہیں۔ آپ تو آ ہی گئے۔ جگدیش صاحب میں چلا۔ ہاں ان دونوں کیلئے وارنٹ گرفتاری قابل ضمانت ضرور نکلوایئے گا

ڈی۔ایس۔پی چلا گیا۔

"کیا چوٹ ہوئی ہے سالے کو۔" جگدیش مسکرا کر بڑبڑایا۔

فریدی اس کی طرف دھیان دیئے بغیر مقتول کی جیبیں ٹٹولنے لگا۔ پھر اس نے ا ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی جو میز پر رکھا ہوا تھا۔ حمید اور جگدیش بھی قریب آ گئے۔ ہاتھ ایک لفافہ تھا۔ فریدی نے اُسے اٹھا کر دیکھا۔ یہ بند تھا اور اس پر ڈاک کا ٹکٹ چسپاں تھا اوپر پتہ نہیں لکھا گیا تھا۔ فریدی نے لفافہ چاک کیا اور اندر کا خط نکالا۔ حمید اُسے بغور دیکھ فریدی کے ماتھے پر سلوٹیں ابھرتی آ رہی تھیں۔ پھر اُس نے خط کو تہہ کر کے لفافے میں ہوئے مقتول کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"کوئی خاص بات.....!" حمید نے پوچھا۔

فریدی نے چونک کر نفی میں سر ہلاتے ہوئے لفافہ جیب میں رکھ لیا۔

"لاش اٹھوا دو.....!" فریدی نے جگدیش سے کہا۔

ایمبولینس گاڑی پہلے ہی سے موجود تھی۔ لاش اٹھوا دی گئی۔ لائبریری میں کانسٹیبلوں کی ڈیوٹی لگا کر وہ لوگ باہر نکل آئے۔ کوٹھی کے افراد ڈرائنگ روم میں اکٹھا کنبہ نو آدمیوں پر مشتمل تھا۔ فریدی نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں، نعیمہ ان میں نہیں تھی دونوں ہم شکل خاموش کھڑے تھے۔ دادی جان کی آنکھوں کے پپوٹوں پر روتے

لیا تھا۔

"مقتول آپ کے یہاں کب سے تھا۔" فریدی نے ظہیر کو مخاطب کیا۔

"اختر کی پرورش ہی یہیں ہوئی تھی۔" ظہیر نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"رات کو آخری بار اُسے کس نے دیکھا تھا۔" فریدی نے گھر والوں پر اچٹتی سی نظر ڈالی۔

"غالباً میں نے.....!" ظہیر ہی بولا۔

"کس وقت.....!"

"دس بجے۔"

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔"

"میں بھی لائبریری ہی میں تھا..... میرے اور اُسکے علاوہ لائبریری سے کسی اور کو دلچسپی نہیں۔"

"اُس وقت وہ کیا کر رہا تھا۔"

"غالباً کچھ لکھ رہا تھا۔"

وہ لڑکی

"کیا وہ میز صرف اُسی کے استعمال میں رہتی تھی۔"

"ہاں..... وہ اسی کی میز تھی۔"

فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر اُس نے وہ دونوں خنجر نکال کر میز پر ڈال دیئے۔

خان بہادر ظہیر کے چہرے پر زردی پھیل گئی اور وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

دونوں ہم شکلوں کے چہروں پر مسکراہٹ تھی۔

"یہ دونوں خنجر میڈ غاسکر کے بنے ہوئے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

''اور سو فیصدی میرے ہیں۔'' ہم شکلوں نے ایک ساتھ کہا۔

''صغیر..... میں پاگل ہو جاؤں گا۔'' خان بہادر یک بیک چیخ پڑا۔

''صبر..... صبر.....!'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

حمید کو حیرت ہو رہی تھی کہ اُن دونوں نے ایسی حالت میں بھی اپنا ڈھونگ ختم نہیں کیا۔

''اسی لئے.....!'' فریدی انہیں گھور رہا تھا، اور پھر بولا۔ ''ڈی۔ایس۔پی کا خیال ہے تمہیں حراست میں لے لیا جائے۔''

''ٹھیک ہے۔'' دونوں نے پراطمینان لہجے میں کہا۔ ''شبہے میں وہ ضرور مجھے گرفتار کر سکتے ہیں۔''

''میں تمہارے ہاتھ جوڑتی ہوں۔'' دادی جان بلبلا پڑیں۔ ''اب ختم بھی کرو یہ حماقت۔''

''تو یہ دونوں خنجر بھی ایک ساتھ ہی استعمال کئے گئے ہوں گے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''پتہ نہیں.....!'' دونوں نے جواب دیا۔

''تو پھر تمہیں اختر کے قتل کے الزام میں حراست میں لے لیا جائے۔''

''لیکن حقیقتاً میں نے اُسے قتل نہیں کیا۔'' اس بار پھر دونوں ساتھ ہی بولے۔ ''اگر مجھے کرنا ہوتا تو اپنا خنجر استعمال نہ کرتا اور پھر میں اُسے قتل ہی کیوں کرنے لگا۔''

''خیر اس کا جواز میرے پاس موجود ہے۔ تم اُسے قتل کر سکتے تھے۔''

کمرے کے سارے لوگ فریدی کو گھورنے لگے۔ لیکن دونوں کی ظاہری حالت میں تبدیلی رونما نہ ہوئی۔

''صاف صاف کہو.....!'' ظہیر خوفزدہ آواز میں بولا۔

فریدی اُسے کوئی جواب دیئے بغیر جگدیش کی طرف مڑا۔ ''ان سب کے بیانات قلم کئے جائیں گے۔''

جگدیش باہر چلا گیا۔

''یار یہ سب کیا ہو رہا ہے۔'' ظہیر ایک قدم آگے بڑھ کر آہستہ سے بولا۔

''پلیز خان بہادر..... ظہیر شاہد۔'' فریدی نے ہاتھ اٹھا کر خشک لہجے میں کہا۔

خود حمید کو فریدی کا کہنا بہت بُرا معلوم ہوا۔ ظہیر اور فریدی ایک دوسرے کے گہرے دو

تھے اور اُن دونوں میں کافی بے تکلفی تھی۔ اُسے فریدی سے اس طرز گفتگو کی توقع نہ رہی ہوگی۔

ظہیر پھر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

دفعتاً بیرونی برآمدے میں بھاری قدموں کی آواز سنائی دی اور ایک بھاری بھرکم نوجوان لڑکھڑاتا ہوا کمرے میں گھس آیا۔ اُس کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ شراب پئے ہوئے ہے، فریدی نے اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھا۔ وہ کمرے میں مجمع دیکھ کر دروازے کے قریب ہی رک گیا تھا۔

''کیا یہ سچ ہے۔'' اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں ظہیر کو مخاطب کیا۔

ظہیر نے اثبات میں صرف سر ہلا دیا، کچھ بولا نہیں۔

''آپ کی تعریف.....!''

''یہ..... یہ..... میرے خالہ زاد بھائی شمس الحیات ہیں۔ پانچ دن قبل دہلی سے آئے ہیں۔'' ظہیر بولا۔

اتنے میں جگدیش ہیڈ محرر کو لے کر اندر آ گیا۔

''ظہیر صاحب کے علاوہ بقیہ حضرات باہر تشریف لے جائیں۔'' فریدی نے کہا۔

فریدی کے اس رویے کو ظہیر کے گھر کے لوگ حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ لیکن کوئی کچھ بولا نہیں۔

وہ ظہیر سے کافی دیر تک مقتول کے متعلق معلومات فراہم کرتا رہا۔ پھر بولا۔ ''ہو سکتا ہے کہ کسی نے صغیر اور اس کے ساتھی کو پھنسانے کے لئے ایسا کیا ہو۔ لیکن وہ بھی گھر ہی کا کوئی فرد ہو سکتا ہے۔''

ظہیر خاموشی سے فریدی کے چہرے پر نظریں جمائے رہا۔

''تم نے لاش دیکھی ہے۔ قاتل نے نہایت اطمینان سے اپنا کام کیا ہے۔ اس نے مقتول کی پشت میں خنجر مارے ہیں اور ساتھ ہی وہ اسے اس طرح سنبھالے بھی رہا ہے کہ وہ کرسی سے گر نہ سکے۔ یہ کام بہت اطمینان کا ہے اور یہ اطمینان کسی باہری کو نصیب نہیں ہو سکتا۔''

''میری الجھن دیوانگی کی حد تک بڑھتی جا رہی ہے۔'' ظہیر آہستہ سے بڑبڑایا۔ ''آخر گھر کا کوئی فرد یہ کرنے ہی کیوں لگا۔''

''کوئی خلش! کوئی پرخاش! تم کسی کے دل میں تو بیٹھے نہیں ہوئے ہو۔ بہتیرے لوگ کینہ

پرور ہوتے ہیں اور بلا کے شاطر بھی۔ مرتے دم تک یہ نہیں ظاہر ہونے دیتے کہ وہ کسی کی طرف سے کینہ بھی رکھتے ہیں۔"

"نہیں..... نہیں..... میری گھر میں کوئی ایسا نہیں ہے۔ سب اُسے چاہتے تھے۔" ظہیر مضطربانہ انداز میں بولا۔

"تو پھر مجبوری ہے۔" فریدی نے شانوں کو جنبش دے کر کہا۔ "صغیر کسی طرح نہ بچ سکے گا۔"

"صغیر..... یقیناً وہ دونوں پاگل ہیں۔" اُس نے پرخیال انداز میں کہا۔

"اگر پاگل نہ ہوتے تو آج انہیں ہوش آ گیا ہوتا۔"

"لائبریری سے ملی ہوئی کس کی خواب گاہ ہے۔"

"ایک سرے پر نعیمہ کا کمرہ ہے اور دوسرے سرے پر شمس کے لئے انتظام کیا گیا ہے۔"

"لیکن میرا خیال ہے کہ پچھلی رات کو شمس صاحب گھر میں نہیں تھے۔"

"ٹھیک ہے۔ کل رات وہ اپنے کسی دوست کے گھر پر تھا۔"

"اور ابھی واپس آئے ہیں۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"نعیمہ کو بھیج دو۔"

ظہیر باہر چلا گیا۔ اُسی کے ساتھ ہی فریدی نے حمید کو بھی باہر جانے کا اشارہ کیا۔ حمید بھی اسی کے ساتھ باہر آیا۔ برآمدے میں دوسرے لوگ بھی تھے۔

"نعیمہ کہاں ہے؟" ظہیر نے اپنی بیوی سے پوچھا۔

"ابھی ابھی میں نے اُسے اختر کے کمرے میں دیکھا تھا۔" ظہیر کی سالی فوزیہ نے کہا۔ یہ بھی ظہیر ہی کے ساتھ رہتی تھی اور بی۔ ایس۔ سی کے دوسرے سال میں تھی۔

"ہم اختر کا کمرہ بھی دیکھیں گے۔" حمید بولا۔

"آیئے۔" ظہیر نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں ایک کمرے کے سامنے رک گئے۔

ظہیر نے دروازے کو دھکا دیا لیکن وہ اندر سے بند تھا۔ برابر کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ ظہیر

کھڑکی کی طرف جھپٹا۔

"ارے.....!" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا اور وہ احمقوں کی طرح حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

حمید بھی آگے بڑھا۔

نعیمہ کمرے کے فرش پر بے حس و حرکت پڑی تھی۔ ظہیر نے اُسے پے در پے آوازیں دیں لیکن اُس میں جنبش بھی نہ ہوئی۔

"ارے تو کیا یہ بھی.....!"

"گھبرایئے نہیں۔" حمید نے کہا۔ "وہ صرف بیہوش معلوم ہوتی ہیں۔"

پھر گھر کے سارے افراد اور پولیس آفیسر وہیں اکٹھا ہو گئے۔ دروازے کا شیشہ توڑ کر اندر کی چٹخنی گرائی گئی۔

نعیمہ ابھی تک بیہوش تھی۔

"اس کمرے میں تالا ڈال کر چابیاں اپنے پاس رکھو۔" فریدی نے جگدیش سے کہا۔

فوزیہ حمید کے قریب کھڑی تھی۔ حمید نے اُس کی آنکھوں میں عجیب طرح کی چمک دیکھی۔ حمید نے محسوس کیا کہ وہ حسین ضرور ہے، لیکن اس میں نسوانیت بہت کم ہے۔ اُس کے اعضاء مضبوط تھے اور چہرے پر زندگی آمیز توانائی کے آثار تھے۔ اس وقت گھر بھر میں اُسی کا چہرہ پرونق نظر آ رہا تھا اور شاید آج صبح بھی وہ اپنے لباس پر فیوم چھڑکنا نہیں بھولی تھی۔

نعیمہ کو دوسرے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ اب فریدی خان بہادر کے مہمان شمس الحیات کی طرف متوجہ ہوا۔

"غالباً آپ کا کمرہ لائبریری کے مشرقی سرے پر ہے۔" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں.....!"

"اور آپ پچھلی رات کو گھر پر نہیں تھے۔"

"جی نہیں۔"

"کہاں تھے؟"

شاید وہ اس سوال کے لئے تیار نہیں تھا، ہچکچا کر بولا۔ ''اور اگر میں نہ بتا سکوں تو۔''

''میں آپ کو مجبور نہیں کروں گا۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا اور دونوں ہم شکلوں کی طرف پلٹ پڑا۔

''وہ خنجر آپ کہاں رکھتے تھے۔''

''سوٹ کیس میں۔'' دونوں نے جواب دیا۔

''میں صرف آپ سے پوچھ رہا ہوں۔'' فریدی نے اُن میں سے ایک کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''کیا جواب آپ کے کانوں تک نہیں پہنچا۔'' دونوں تلخ لہجے میں بولے۔

''نعیمہ کی بیہوشی کی وجہ بتا سکتے ہو۔''

''میں ڈاکٹر نہیں ہوں۔'' دونوں مسکرا کر بولے۔

''ایک کو الگ لے جاؤ۔'' فریدی جھنجھلا کر جگدیش کی طرف مڑا۔

جگدیش اور ایک دوسرے سب انسپکٹر نے ان سے ایک کو پکڑا اور دھکیلتے ہوئے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا لے گئے۔ دوسرا چپ چاپ وہیں کھڑا رہا۔

''اب یہ مذاق ختم کرو۔'' فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموشی سے فریدی کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ دفعتاً اُس کی پتلیاں اوپر کو چڑھنے لگیں جسم پر رعشہ طاری ہوا اور وہ لہرا کر زمین پر آ رہا۔

پھر جگدیش آتا ہوا دکھائی دیا۔

''وہ بیہوش ہو گیا۔'' اُس نے فریدی سے کہا۔ اور پھر چونک کر بولا۔ ''ارے یہ بھی۔''

فریدی نے جھک کر دیکھا۔ اس کے دانت بیٹھ گئے تھے اور وہ بھاری بھاری سانسیں لے رہا تھا۔

''بظاہر بیہوش ہی معلوم ہوتا ہے۔'' فریدی بولا۔

''دونوں بیہوش ہو گئے۔'' حمید ہنس پڑا۔

فریدی نے اُسے گھور کر دیکھا۔ خان بہادر ظہیر بہر حال اس کا دوست تھا اور اس کے گھر

میں ہونے والے حادثے کی وجہ سے گھر کی فضا پر ماتمی اثرات طاری تھے۔ فریدی کو اس کی ہنسی ناگوار گزری۔ حمید بھی جلدی سے سنبھل گیا۔

''یہ اس وقت تک ہوش میں نہیں آئیں گے جب تک کہ انہیں یکجا نہ کیا جائے۔'' اس نے کہا۔

''کیا مطلب.....!''

''مجھے ایک بار اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔''

فریدی نے اُسے بھی اٹھوا کر ڈرائنگ روم میں بھجوا دیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد جگدیش نے آ کر اطلاع دی کہ انہیں سچ مچ ہوش آ گیا۔

ظہیر نعیمہ کے کمرے میں تھا۔ اُسے جب اس بات کی اطلاع ملی تو وہ دوڑ آیا۔

''بھئی اب تو صغیر کی حرکتیں برداشت کی حد سے گذر گئی ہیں۔'' اس نے بے بسی سے کہا۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' فریدی بولا۔ ''نعیمہ کیسی ہے۔''

''اُسے ہوش آ گیا ہے۔''

''کیا ایسی حالت میں ہے کہ اُس سے کچھ پوچھا جا سکے۔''

''میرے خیال سے تو ٹھیک ہی ہے۔''

وہ دونوں نعیمہ کے کمرے میں آئے۔ وہ ایک بڑے تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ فریدی کو دیکھتے ہی اُس نے آنکھیں جھکا لیں۔ اُس کے چہرے پر کچھ اس قسم کا اضمحلال تھا جیسے وہ برسوں سے بیمار ہو۔

''صبح تم ہوا خوری کے لئے گئی تھیں؟'' فریدی نے نرم لہجے میں پوچھا۔

''جی ہاں.....!''

''کیا اسی دروازے سے۔'' فریدی نے اس دروازے کی طرف اشارہ کیا، جو لائبریری میں کھلتا تھا۔

''نہیں.....!''

''رات کس وقت سوئی تھیں۔''

''گیارہ بجے۔''

''تمہیں اس کا علم تھا کہ اختر لائبریری میں موجود ہے۔''

''جی ہاں۔''

''کس طرح.....!''

''دروازے کی درزوں سے لائبریری کی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔''

''اور تمہارے سونے کے وقت تک رہی۔''

''جی ہاں۔''

''لیکن تم نے یہ کیسے اندازہ لگایا کہ وہ اختر ہی تھا۔''

''بھائی جان اور اختر کے علاوہ رات کو لائبریری میں کوئی اور نہیں بیٹھتا تھا۔''

''کیا تم تھوڑی دیر کے لئے باہر جاسکتے ہو۔'' فریدی نے ظہیر سے کہا۔

''یہ بھی میری بدنصیبی ہے کہ یہ کیس میرے سپرد کیا گیا ہے۔ تمہیں یقیناً مجھ پر غصہ آرہا ہوگا۔''

''نہیں بھئی۔'' ظہیر بولا۔ ''میں تمہارے فرائض کی ادائیگی میں حارج نہیں ہوسکتا۔''

ظہیر چلا گیا۔

''ہاں تو یہ تم کس طرح کہہ سکتی ہو کہ تمہارے سونے کے وقت تک ظہیر اور اختر دونوں ہی لائبریری میں موجود نہیں تھے۔''

''نہیں بھائی جان چلے گئے تھے۔''

''تم نے اٹھ کر دیکھا تھا۔''

''نہیں۔''

''پھر تم کو ان کے چلے جانے کے متعلق کس طرح معلوم ہوا تھا۔''

''میں نے اُن کی گفتگو سنی تھی اور پھر قدموں کی آوازیں۔''

''کیا تم بتا سکو گی کہ اُن میں کیا گفتگو ہوئی تھی۔''

''گفتگو سمجھ میں نہیں آئی تھی۔''

''تم یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہو کہ وہ ظہیر ہی کے قدموں کی آواز تھی۔''

نعیمہ کچھ سوچنے لگی۔ اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ کسی الجھن میں پڑ گئی ہو۔

''بات یہ ہے کہ ان کے جانے کے بعد میں نے درز سے جھانک کر دیکھا تھا۔'' وہ ہچکچا کر بولی۔

''اس کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔''

''میرا سر چکرا رہا ہے۔'' نعیمہ اپنی کنپٹیاں دبا کر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''لڑکی..... مجھے تم سے ہمدردی ہے۔'' فریدی نرم لہجے میں بولا۔ ''میں جانتا ہوں کہ تم دل کھول کر رو بھی نہیں سکتیں۔''

دفعتاً نعیمہ کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں، چہرے کی زردی اور گہری ہوگئی۔

''میں سب کچھ جانتا ہوں۔ مجھے تم سے گہری ہمدردی ہے۔ ڈرو نہیں..... یہ بات مجھ تک ہی رہے گی۔''

نعیمہ ابل پڑی۔ رکے ہوئے آنسوؤں میں طغیانی آ گئی تھی۔

''اس کی پشت میں دو خنجر پائے گئے ہیں اور یہ دونوں صغیر اور اس کے ہم شکل کے ہیں۔'' فریدی نے کہا۔

وہ کچھ نہ بولی۔ فریدی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ ''تم اُس وقت اس کمرے میں کیوں گئی تھیں۔''

''یونہی، پاگل پن۔''

''تم دونوں کے متعلق کسی کو بھی علم تھا۔''

''میں نہیں جانتی..... کچھ نہیں جانتی۔ خدا کے لئے مجھے تنہا چھوڑ دیجئے۔''

''میں تمہیں پریشان کرنا نہیں چاہتا۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا اور اس کے کمرے سے چلا آیا۔

''نعیمہ کے پاس کسی کی موجودگی ضروری ہے۔'' فریدی نے ظہیر سے کہا۔

''آخر کیوں۔''

''یونہی! بہرحال یہ ضروری ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''تم جانتے ہو کہ میں کوئی غیر ضروری بات نہیں کرتا۔''

پھر اُس نے شمس الحیات کو مخاطب کیا۔ ''ہاں جناب! براہِ کرم اُس دوست کا نام اور پتہ بتائیے، جس کے یہاں آپ نے پچھلی رات گزاری تھی۔''

''مجبوری ہے۔''

''آپ قانون کو سختی پر مجبور نہ کریں تو بہتر ہے۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

دودھ کا پیالہ

تھوڑی دیر کے لئے سناٹا چھا گیا، وہ دونوں ہم شکل پھر برآمدے میں آ گئے۔ اُن کے چہروں پر بے اطمینانی نہیں تھی۔

شمس الحیات فریدی کو اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے گھور رہا تھا۔

''بتا دیجئے نا۔'' فوزیہ آہستہ سے بولی اور وہ نشے کی جھونک میں اُسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔

''بولو شمس..... خدا کے لئے بولو۔'' ظہیر نے جھنجھلا کر کہا۔ ''تم سب مجھے پاگل بنائے دے رہے ہو۔''

''چلئے..... میں بتاؤں گا۔'' شمس نے فریدی کو الگ چلنے کا اشارہ کیا۔

وہ دونوں ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ فریدی کو سچ مچ غصہ آ گیا تھا۔ وہ کافی ٹھنڈے دماغ کا آدمی تھا لیکن اس وقت اس کی الجھنیں بڑھ گئی تھیں۔ یہ حادثہ ایک ایسے آدمی کے گھر میں ہوا تھا جو اس کا بہترین دوست تھا اور وہ یہ بھی سمجھ چکا تھا کہ یہ حرکت گھر ہی کے کسی فرد کی تھی۔ ایسی صورت میں اُسے ایک طرف تو اپنے فرائض کا احساس تھا اور دوسری طرف اس دوستی کا خیال تھا، جو قریب قریب خاندانی تھی۔

فریدی اُسے ابھی تک گھورے جا رہا تھا۔

''میں..... دراصل.....!'' وہ کہتے کہتے رک گیا۔

''میرے پاس فالتو وقت نہیں ہے۔'' فریدی دانت پیس کر بولا۔

''آپ کو یقین نہ آئے گا۔''

''پھر وہی بکواس.....!''

''میں نے رات منٹو پارک میں گزاری تھی۔''

''منٹو پارک میں۔'' فریدی نے حیرت سے کہا۔

''جی ہاں.....!''

''کیا کرتے رہے۔ مگر نہیں..... اس وقت تم نشے میں ہو۔ خیر جب تک تمہیں ہوش نہ آ جائے..... تم حراست میں رہو گے۔''

''میں نے شراب ضرور پی رکھی ہے، لیکن میں قطعی ہوش میں ہوں۔''

''فضول.....!'' فریدی باہر جانے کیلئے مڑا۔ ''آپ بغیر اجازت کہیں جائیں گے نہیں۔''

اس پوچھ گچھ کے دوران میں حمید نے محسوس کیا کہ فریدی اُن دونوں ہم شکلوں کے بیہوش ہو جانے کے بعد سے انہیں قطعی طور پر نظر انداز کر رہا ہے۔

فرداً فرداً گھر کے سارے لوگوں کے بیانات قلم بند کئے جا چکے تھے۔ حمید یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ فریدی اُن سے مطمئن نہیں معلوم ہوتا۔ تھوڑی دیر بعد حمید نے جب انسپکٹر جگدیش کا روزنامچہ دیکھا تو ایک نئی بات معلوم ہوئی۔ وہ یہ کہ اُس میں نعیمہ کا بیان نہیں تھا..... اس کے متعلق اُس کے دل میں اُسی وقت سے خلش موجود تھی، جب اُس نے اُسے مقتول کے کمرے میں بیہوش دیکھا تھا۔ آخر اسی نے اختر کی موت سے اتنا اثر کیوں لیا تھا اور پھر وہ ایسے وقت میں اختر کے کمرے میں کیوں گئی جب کہ پولیس گھر میں موجود تھی۔ ایک نادان بچہ بھی ایسے مواقع پر محتاط ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ پولیس کی نظر گھر کے ایک ایک فرد پر تھی اور اُن میں سے کسی کا بھی بیان تشفی بخش نہیں تھا۔ خود حمید اُن میں سے کئی پر شبہے کی نظریں ڈال چکا تھا۔ دوسری طرف خود اختر کی موت کا معمہ اُسے الجھن میں ڈالے ہوئے تھا۔ آخر اس کی موت کس طرح واقع ہوئی۔ کیا واقعی وہ دونوں ہم شکل اس حادثے سے بے تعلق تھے۔ پھر اُن دونوں ہم شکلوں کا بیان جس میں انہوں نے دونوں خنجروں کو اپنی ملکیت تسلیم کر لیا تھا اور اُن کی شرارت اس خطرناک موقع پر

بھی برقرار تھی کیا وہ حقیقتاً شرارت تھی یا کوئی پراسرار سازش؟

گھر والوں نے ناشتہ نہیں کیا تھا۔ اب ایک بج رہا تھا۔ ضابطے کی کاروائی ختم ہو چکی تھی۔ فریدی نے شمس اور نعیمہ کے بیانات کو دوسری فرصت پر اٹھا رکھا تھا۔ جگدیش کو رخصت کرنے سے پہلے فریدی نے اُس سے تھوڑی دیر تک گفتگو کی۔ یہ گفتگو اُن دونوں ہم شکلوں کو حراست میں لینے کے متعلق تھی۔

"میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔" فریدی نے کہا۔ "تم اپنی ڈی۔ایس۔پی صاحب کو سمجھانے کی کوشش کرنا۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے اور تمہارے محکمے میں کسی قسم کی کوئی چپقلش ہو جائے۔"

"بہتر ہے۔" جگدیش بولا۔ "لیکن.....آپ.....!"

"کیا.....؟"

"میں نے اس سے پہلے کسی موقع پر آپ کو اتنی الجھنوں میں نہیں دیکھا۔"

"تم میرے اور ظہیر کے تعلقات سے واقف ہو۔"

پھر جگدیش چلا گیا۔ گھر میں صرف دو کانسٹیبل رہ گئے۔ ایک مقتول کے کمرے کے دروازے پر تھا اور دوسرا لائبریری میں جہاں واردات ہوئی تھی۔

فریدی نے پھر نعیمہ کے کمرے کا رخ کیا۔ وہ تکیے پر کہنیاں ٹیکے اور ٹھوڑی ہتھیلیوں پر رکھے ویران آنکھوں سے خلاء میں گھور رہی تھی۔ فریدی کو دیکھ کر اٹھ بیٹھی۔

"شمس سے اُس کے کیسے تعلقات تھے۔"

"تعلقات.....!" نعیمہ تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولی۔ "دونوں ایک دوسرے کو ناپسند کرتے تھے۔"

"ناپسندیدگی کی وجہ۔"

"میں نہیں جانتی۔" وہ کچھ جھنجھلا سی گئی۔

"میں جانتا ہوں کہ گھر بھر سے زیادہ تمہیں رنج پہنچا ہے۔ لیکن میں فرائض کی انجام دہی کے لئے مجبور ہوں۔"

نعیمہ پھر اُسے خوفزدہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"ہو سکتا ہے کہ اس کا قتل تمہاری ہی وجہ سے ہوا ہو۔"

"میری وجہ سے۔" نعیمہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

"ہاں کیا تم اسے کوئی اہمیت نہیں دیتیں۔"

"کسے.....!"

"نعیمہ مجھے سب کچھ معلوم ہے۔"

"کیا معلوم ہے؟"

"تم اس کے ساتھ بھاگنے والی تھیں۔ تمہیں صغیر پسند نہیں تھا۔ تم اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھیں۔"

نعیمہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ پھر اچانک ہذیانی انداز میں بولی۔ "نہیں.....نہیں.....یہ غلط ہے۔ اختر کو صغیر نے قتل نہیں کیا۔ آپ غلط سوچ رہے ہیں۔"

"پھر اُن دونوں کے خنجر۔"

"کچھ.....نہیں.....کچھ بھی نہیں.....خدارا.....اس گھر کو تباہی سے بچایئے۔"

"تو پھر بتاؤ نا کہ شمس اور اختر کے تعلقات اچھے کیوں نہیں تھے۔"

"رشک اور حسد! دادی جان اختر کو چاہتی تھیں اور گھر کے سیاہ و سفید کا مالک وہی تھا۔"

"ہوں.....کل رات کو شمس گھر پر نہیں تھا۔" فریدی نے کہا۔ "تم جانتی ہو۔"

"نہیں۔"

فریدی کچھ دیر خاموش رہا پھر کچھ پوچھنے ہی والا تھا کہ نعیمہ بولی۔

"مجھے حیرت ہے کہ لائبریری میں یہ سب کچھ ہو گیا اور میری آنکھ نہ کھلی۔ مجھے کبھی گہری نیند نہیں آتی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ پچھلی رات مجھے غشی کی طرح نیند آئی ہے۔ بس دودھ پی لیٹی اور سو گئی۔"

"دودھ.....!" فریدی کی نظریں چینی کے ایک بڑے پیالے پر جم گئیں، جو نعیمہ کے سرہانے والی چھوٹی سی گول میز پر رکھا ہوا تھا۔

وہ تیزی سے میز کی طرف بڑھا..... پیالے کی تہہ میں تھوڑا سا منجمد دودھ باقی تھا۔ فریدی

نے پیالے کو اٹھا کر سونگھا پھر رکھ دیا۔ اس کی نظریں نعیمہ کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

''کیا تم نے اس میں افیون کی خفیف سی بو نہیں محسوس کی تھی۔''

''ہیک سی معلوم ہوئی تھی۔ لیکن میں نے اُسے کوئی اہمیت نہیں دی۔ کیا کہا؟ افیون تھی۔''

''سو فیصدی افیون۔ تم نے دودھ کی رنگت پر بھی غور نہیں کیا تھا۔''

''ہیک اور رنگت ہی نے مجھے یہ سمجھنے پر مجبور کر دیا تھا کہ اُس میں دھواں لگ گیا ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے۔''

''غالباً مجرم یہ جانتا تھا کہ تمہاری نیند کھٹکے کی ہے۔''

نعیمہ کچھ نہ بولی۔ وہ حد درجہ متحیر نظر آ رہی تھی۔

''کل رات کو کمرے میں دودھ کون لایا تھا۔'' فریدی نے پوچھا۔

''گا گا.....!''

''گا گا.....کون.....!''

''نوکرانی ہے۔ دودھ روانہ ہی لاتی ہے۔''

''یہاں دودھ آنے کے بعد سے تم یہیں رہیں یا باہر بھی گئی تھیں۔''

''وہ عموماً دس بجے دودھ لاتی ہے کیونکہ میرے سونے کا وہی وقت ہے۔''

''باہر نہیں گئی تھیں۔''

''نہیں.....!''

فریدی تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر دودھ کا پیالہ اٹھا کر دروازے کی طرف بڑھا۔

''ٹھہریئے.....!'' نعیمہ نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

فریدی رک گیا۔

''کیا آپ مجھے بدنامی سے نہیں بچا سکتے۔''

''میں نے سوچا تو یہی ہے، لیکن دراصل اس کا دارومدار حالات پر ہے۔''

''میں برباد ہو چکی۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو امنڈ پڑے۔ ''لیکن بدنام ہونے کے بعد زندہ رہنا میرے بس سے باہر ہو جائے گا۔''

''کیا اختر کے ساتھ فرار ہونے کی صورت میں تم بدنامی سے بچ جاتیں۔''

''وہ بھی پاگل پن تھا۔'' نعیمہ نے اپنا منہ چھپا لیا۔

فریدی نے باہر آ کر اُس نوکرانی کو طلب کیا، جو نعیمہ کے لئے اُس کے کمرے میں دودھ لایا کرتی تھی۔ فریدی نے اس سلسلے میں کسی کو کچھ نہیں بتایا کہ وہ پیالے کے متعلق کیوں پوچھ گچھ کر رہا ہے۔

''کل رات کا دودھ اتنا پک گیا تھا کہ اُس میں بو آ گئی تھی۔'' فریدی نے پوچھا اور حمید لاکر اُسے گھورنے لگا۔

''نہیں تو.....صرف ایک ابال کے بعد میں نے اُسے بٹیا کے کمرے میں پہنچا دیا تھا۔'' رانی بولی۔

''دودھ کی رنگت کیسی تھی۔''

''جیسی ہوتی ہے۔''

''عورت! ٹھیک ٹھیک جواب دو۔'' فریدی جھنجھلا گیا۔ ''کیا تمہیں اس میں کچھ کچھ سیاہی دکھائی ہوئی۔''

اُس نے اُسے ہر طرح اطمینان دلانے کی کوشش کی کہ دودھ کی رنگت معمول کے مطابق تھی۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ دودھ کراؤن ڈیری فارم کی سربند بوتلوں میں آتا تھا اور اس نے اُسی وقت بوتل توڑ کر دودھ کو پکنے کے لئے دیگچی میں ڈال دیا تھا۔

''کیا تم اُسے چھوڑ کر باہر گئی تھیں۔'' فریدی نے پوچھا۔

''نہیں.....میں شروع ہی سے باورچی خانے میں بیٹھی رہی تھی۔''

''تمہیں یقین ہے کہ اس دوران میں کسی اور نے دودھ کو ہاتھ نہ لگایا ہوگا۔''

ملازمہ کچھ سوچنے لگی۔ فریدی بغور اُس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔

''میں اس کے متعلق یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتی۔''

''کیوں.....؟'' فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں نے تھوڑی دیر کے لئے پیالہ برآمدے میں چھوڑ دیا تھا۔''

''کیوں.....؟''

''میں دودھ لے کر جارہی تھی کہ فوزیہ بیٹا اچانک چلتے چلتے گر پڑیں اور ان کے دونوں گھٹنوں میں خراشیں آ گئیں۔ انہوں نے مجھ سے ٹنکچر آئیوڈین مانگا جو بڑی بیگم صاحبہ کے کمرے میں رہتی ہے۔ میں پیالہ وہیں چھوڑ کر ٹنکچر لینے دوڑی چلی گئی۔''

''وہ کہاں گری تھیں.....؟'' فریدی نے پوچھا۔

ملازمہ نے اُسے وہ جگہ دکھائی اور وہ میز جس پر اس نے دودھ کا پیالہ رکھا تھا۔

''پھر جب تم ٹنکچر لے کر واپس آئیں تو فوزیہ کہاں تھیں۔''

''اپنے کمرے میں۔''

''اور پیالہ.....!''

''وہیں تھا جہاں وہ رکھ گئی تھی۔''

''تم نے اُن کے گھٹنے میں آنے والی خراشوں کو دیکھا تھا۔''

''جی ہاں .....دونوں گھٹنوں پر کی بہت سی کھال ادھڑ گئی تھی اور خون رس رہا تھا۔''

''پھر تم نے وہ پیالہ نعیمہ کے کمرے میں پہنچا دیا۔''

''جی ہاں۔''

''ہوں.....!'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''تم جا سکتی ہو۔''

پھر اُس نے ادھر اُدھر دیکھا۔ اُسے دراصل فوزیہ کی تلاش تھی۔ لیکن وہ دکھائی نہیں دی پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ اپنے کمرے میں ہے۔ فریدی اُسے بلوانے کی بجائے خود ہی اس کمرے کی طرف چل پڑا۔

فوزیہ کی پشت دروازے کی طرف تھی اور وہ کھڑکی پر دونوں کہنیاں ٹیکے باہر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ فریدی کی آہٹ پر چونک کر مڑی۔

''میں آپ کو پھر تھوڑی سی تکلیف دینا چاہتا ہوں۔'' فریدی نے کہا۔

''فرمایئے.....!''

''پچھلی رات آپ کس طرح گری تھیں۔''

''اوہ.....وہ کچھ نہیں۔'' فوزیہ جھینپی ہوئی مسکراہٹ کیساتھ بولی۔ ''کس نے کہا آپ سے؟''

''بس یونہی تذکرہ سنا ہے۔ کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ وہ کیلے کا چھلکا ہی تھا جس پر آپ کا پاؤں پڑا تھا۔''

''جی نہیں.....کیا کیجئے گا پوچھ کر۔'' فوزیہ ہنس پڑی۔

''یہ بھی ضروری ہے.....کیلے کا چھلکا۔''

''جی نہیں.....غرارے کے پائینچے میں اٹک کر گری تھی۔''

''گرنے کے بعد آپ فوراً ہی اپنے کمرے میں چلی آئی ہوں گی۔''

''جی نہیں.....کچھ دیر اٹھنے میں بھی لگی ہوگی۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''مطلب یہ کہ آپ نے اُس ملازمہ کا انتظار برآمدے میں نہ کیا ہوگا جسے ٹنکچر لینے کو بھیجا تھا۔''

''نہیں میں کمرے میں چلی آئی تھی۔'' وہ دفعتاً سنجیدہ ہو کر بولی۔ ''کیا بات ہے۔''

''بہت ہی خاص بات ہے۔ ہاں تو ملازمہ اندازاً کتنی دیر بعد واپس آئی ہوگی۔''

''دو یا تین منٹ تو ضرور ہی لگے ہوں گے۔''

''اُس وقت برآمدے میں آپ دونوں کے علاوہ کوئی اور بھی تھا۔''

''میرے خیال سے تو نہیں۔''

''یہ ٹس صاحب کیسے آدمی ہیں۔''

''زیادہ اچھے تو نہیں.....لیکن اتنے بُرے بھی نہیں کہ کسی کو قتل کر دیں۔''

''میرا یہ مطلب نہیں۔ کیا وہ ہر وقت نشے میں ہوتے ہیں۔''

''میں نے تو عموماً انہیں نشے ہی میں دیکھا ہے۔''

''گھر میں کوئی افیون بھی استعمال کرتا ہے۔''

وہ پھر ہنس پڑی۔

''میں سنجیدگی سے پوچھ رہا ہوں۔''

''دادی جان۔''

''سنا ہے دادی جان اختر کو بہت چاہتی تھیں۔''

''جی ہاں.....لیکن.....افیون.....!''

''پچھلی رات نعیمہ نے جو دودھ استعمال کیا تھا اس میں افیون ملی ہوئی تھی۔''

''ہوسکتا ہے دادی جان اُسے بھی افیونی بنانا چاہتی ہوں۔'' فوزیہ نے شرارت آمیز لہجے میں کہا۔

''جی نہیں.....غالباً اختر کے قاتل نے اسی میں بہتری سمجھی ہو کہ نعیمہ کو بیہوش کردے کیونکہ عمو اُسے گہری نیند نہیں آتی اور اُسے یہ تو معلوم ہی رہا ہوگا کہ شمس رات کو اپنے کمرے میں نہیں ہوگا۔''

فوزیہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے فریدی کو دیکھ رہی تھی۔

''جس وقت آپ نے نوکرانی کو ٹنکچر کے لئے کہا تھا اس کے ہاتھ میں دودھ کا پیالہ تھا اور وہ اُسے وہیں میز پر رکھ کر چلی گئی تھی۔''

''میں نے دھیان نہیں دیا تھا۔'' فوزیہ نے کہا۔ ''اوہ.....میرے خدا تو کیا اُن دونوں پاگلوں نے۔''

''کیا وہ دونوں انہیں کے خنجر نہیں تھے۔'' فوزیہ بولی۔

''تھے کیوں نہیں.....لیکن وہ اتنے احمق بھی نہیں معلوم ہوتے کہ اپنے خنجر کسی لاش میں چھوڑ جائیں اور پھر خود ہی اس بات کا اعتراف کر چکے ہیں کہ وہ خنجر انہیں کے ہیں۔''

''پھر مجھے تو کم از کم اس گھر میں کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو اختر کو ختم کردینے کی فکر میں رہا ہو۔'' فوزیہ بولی۔

''ممکن ہے یہ حرکت کسی باہری کی ہو۔''

''ناممکن.....!'' فوزیہ بولی۔ ''کوئی باہری آدمی اس کی ہمت نہیں کرسکتا اور پھر آپ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ نعیمہ کو اسی لئے افیون دی گئی تھی کہ قاتل اپنا کام بے کھٹکے ہو کر کرسکے۔''

''نہ آپ یہ تسلیم کرتی ہیں اور نہ ہو۔''

''عقل چکر میں ہے۔'' فوزیہ اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

پھر فریدی نے اُس سے مزید سوالات نہیں کئے۔

پھانسی کی خواہش

آنکھ کھلتے ہی حمید نے جھلا کر تین بار لاحول پڑھی اور پھر دونوں کان دبا کر سونے کی کوشش نے لگا۔ مگر توبہ کیجئے۔ ٹیلی فون کی گھنٹی کی آواز اب بھی اس کے کانوں کے پردوں سے ٹکرا نی اور وہ سوچ رہا تھا کہ جب عورتوں سے پردہ اٹھ گیا تو کانوں کے پردوں کی موجودگی کیا ن رکھتی ہے۔ کاش کان کا پردہ ٹیلی فون کے موجد کی عقل پر پڑ گیا ہوتا.....مگر یہ سب کچھ نے کے بعد بھی ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی رہی.....حمید جھنجھلا کر اٹھ بیٹھا۔ پھر اُس نے بلند آواز دو تین بار ٹیلی فون کے موجد کی ماں بہن کی عزت افزائی کی اور جو ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا تو غصے کے مارے بھیجا تک کانپنے لگا۔ دو آدمی بیک وقت ''ہیلو.....ہیلو'' کر رہے تھے۔

''فریدی صاحب ہیں۔'' دو آوازیں سنائی دیں۔

''جہنم میں گئے۔'' حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔

''کب آئیں گے۔''

''جہنم سے کبھی کوئی واپس نہیں آیا ہے۔'' حمید بگڑ کر بولا۔

''معاف کیجئے گا.....!'' آوازیں آئیں۔ ''میں سمجھا شاید سرکاری آدمی ہونے کی وجہ سے۔''

''شٹ اپ.....!'' حمید چیخا۔

''بہت بہتر.....!''

سلسلہ منقطع ہوگیا۔

حمید نے پلنگ پر بیٹھ کر کھوپڑی سہلانی شروع کردی۔ ٹیلی فون کی گھنٹی پھر بج رہی تھی۔ ب کی حمید نے ٹیلی فون کے موجد کی دادی اور نانی تک بات پہنچا دی۔

''ہیلو.....!'' اُس نے ریسیور اٹھا کر جھٹکے دار آواز میں کہا۔

''معاف کیجئے گا۔'' اس بار پھر دو آوازیں سنائی دیں۔

''نہیں معاف کروں گا۔'' حمید چیخ پڑا۔ ''میں نے تم دونوں کی گرفتاری کا انتظام کرلیا ہے۔''

"دونوں..... پھر وہی دونوں۔ خدا تمہیں غارت کرے۔"

"بکواس بند کرو۔" حمید نے چیخ کر کہا۔

"کیا؟" دونوں نے کہا۔ "معاف کیجئے گا سنا نہیں۔"

"میں کہتا ہوں بکواس بند کرو۔" حمید اتنی زور سے چیخا کہ آواز پھٹ گئی۔

"پھر نہیں سنا! کیا آپ زور سے نہیں بول سکتے۔"

"ہاں تمہاری.....!" حمید نے ریسیور میز پر پٹخ دیا۔

وہ ان دونوں ہم شکلوں سے تنگ آ گیا تھا اور کل سے یہی سوچ رہا تھا کہ ان کی حجامت کس طرح بنائے، لیکن کوئی معقول تدبیر ابھی تک نہیں سوجھی تھی۔

فریدی رات سے غائب تھا۔ اس کی عدم موجودگی میں حمید اُسی کے کمرے میں سو گیا تھا۔ لیکن اب سوچ رہا تھا کہ اُس سے بڑی بھاری غلطی سرزد ہو گئی تھی۔ اگر وہ اپنے کمرے میں سوتا تو اتنے سویرے کیوں اٹھنا پڑتا۔ حالانکہ اُس کے سونے کے کمرے اور فریدی کے بیڈ روم میں ایک ہی دیوار حائل تھی، لیکن اگر وہ اپنے کمرے میں سویا ہوتا تو فریدی کے کمرے میں رکھے ہوئے فون کی گھنٹی اُسے نہ جگا سکتی۔

اُس نے ریسیور کو میز ہی پر پڑا رہنے دیا اور اٹھ کر باہر چلا گیا۔

سورج طلوع ہو رہا تھا۔ شاید حمید نے کئی ماہ بعد سورج طلوع ہونے کا ناگوار منظر دیکھا تھا۔ اس لئے اس نے زیادہ دیر تک اُس سے طبیعت بیزار کرنا مناسب نہ سمجھا۔

بیرونی برآمدے میں آ کر اُس نے دیکھا کہ فریدی ایک دیسی کتے کو کچے گوشت کے پارچے کھلا رہا ہے۔

"کیوں؟ کیا اب دیسی کتوں سے بھی شوق فرمایا جائے گا۔" اس نے بوکھلا کر کہا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ کتے کو انہماک سے دیکھ رہا تھا جو اپنا سر جھٹک جھٹک کر ایک بڑے سے پارچے کو نگلنے کی کوشش کر رہا تھا۔

فریدی نے ایک دوسرے پارچے پر ڈاک کا ایک ٹکٹ چپکایا اور کتے کے آگے ڈال دیا۔ وہ پہلا پارچہ اگل کر اس کی طرف لپکا۔

"ہائیں.....!" حمید اچھل کر بولا۔ "آپ کی طبیعت تو اچھی ہے نا۔"

"بکومت!" فریدی کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "بیٹھ جاؤ۔"

کتا ٹکٹ لگا ہوا پارچہ کھا چکنے کے بعد اگلے ہوئے ٹکڑے کو چبانے لگا۔

فریدی دوسرے پارچے پر ٹکٹ چپکا رہا تھا۔

"اے پروردگار....." حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "یہ خواب ہے یا بیداری..... میں زندہ ہوں یا مردہ.....!"

"کیا بک رہے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"ارے یہ ٹکٹ کیوں..... کیا ویسے پارچہ بیرنگ ہو جائے گا۔ ابے او کتے تو کتا ہے یا پوسٹ ماسٹر۔"

کتے نے اس کی مطلق پرواہ نہ کی۔ ممکن ہے اس نے سوچا ہو کہ آدمی بھونکا ہی کرتے ہیں۔

"مت ٹائیں ٹائیں کرو۔" فریدی بڑبڑا کر رہ گیا۔

اس نے پھر ایک پارچہ پھینکا۔ کتے نے اُسے اوپر ہی اوپر روک کر چبانا شروع کر دیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے منہ سے ایک تیز قسم کی آواز نکلی، جو بتدریج کم ہوتی گئی اور ساتھ ہی ساتھ اس کے اگلے پیر بھی آگے کی طرف پھیلتے گئے۔ وہ دونوں پیروں کے درمیان سر رکھے پلکیں جھپکاتا ہوا خاموشی سے مر رہا تھا۔

فریدی جھک کر اُسے دیکھنے لگا۔

"ٹھنڈا ہو گیا۔" اس نے سیدھے کھڑے ہو کر کہا۔

حمید کا عجیب عالم تھا۔ کبھی وہ فریدی کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی کتے کی طرف۔

فریدی کے ہاتھ میں تین ٹکٹ اور تھے..... اس نے انہیں احتیاط سے جیب میں رکھ لیا۔

"یہ کیا ہوا.....!" حمید نے احمقوں کی طرح پوچھا۔

"دکھائی نہیں دیتا۔"

"دکھائی دیتا ہے..... لیکن اس کی روانگی بذریعہ رجسٹری ہوئی ہے یا ہوائی ڈاک سے۔ آخر آپ مجھے اُلو کیوں سمجھتے ہیں۔ کیوں جان لی اس غریب کی۔"

''اسی طرح بیچارہ اختر بھی۔''

''کیا.....؟'' حمید پھر اچھل پڑا۔

''ہاں حمید صاحب۔ اس کی موت کا باعث بھی ایک ٹکٹ ہی ہوا ہے۔''

''یعنی.....!''

''تمہارا سر.....اتنی معمولی معمولی باتوں کی وضاحت مت چاہا کرو۔''

''بخدا میں نہیں سمجھا۔''

''کیا تمہیں وہ لفافہ یاد نہیں، جو مقتول کے ہاتھ کے نیچے دبا ہوا ملا تھا۔''

''اُسے تو میں بالکل ہی بھول گیا تھا۔''

''لفافے کا وہ حصہ ہاتھ کے نیچے تھا جس پر ٹکٹ چپکا ہوا تھا۔ غالباً اس نے ٹکٹ کو زبان پر رکھ کر نم کیا ہوگا اور پھر اُسے چپکاتے ہی چپکاتے ختم ہو گیا۔''

''زہر.....!'' حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ ''اتنا سریع الاثر۔''

''اس کتے کی موت تو دیکھ ہی چکے ہو۔ دیکھو نا.....اس پارچے کو کچلتے ہی کچلتے اس کی موت واقع ہو گئی۔ حلق کے نیچے اتارنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ ٹکٹ کے پیچھے لگی ہوئی گوند زہریلی ہے۔''

''کون سا زہر ہو سکتا ہے۔''

''پوٹاشیم سائینائیڈ.....!'' فریدی نے کہا۔ ''اس سے زیادہ سریع الاثر زہر دنیا میں کوئی اور نہیں۔ زبان پر رکھا اور بیڑا پار.....اختر کی لاش کی پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی یہی کہتی ہے کہ موت پوٹاشیم سائینائیڈ ہی سے واقع ہوئی ہے۔''

''یہ ٹکٹ تھے کہاں۔''

''اسی میز پر جہاں اُس کی لاش پائی گئی تھی۔''

''اور پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ملنے سے پہلے ہی آپ نے ان ٹکٹوں پر قبضہ کر لیا تھا۔''

''قطعی.....!''

''آپ کا ذہن ادھر پہنچا کیسے تھا۔''

''نہایت آسانی سے۔ یہ تو پہلے ہی ثابت ہو چکا تھا کہ موت خنجروں سے نہیں ہوئی تھی۔ وہ کوئی زہر ہی رہا ہوگا۔ لیکن اس موت میں بھی لاش کی وہ حالت نہ ہونی چاہئے تھی جس میں نے اُسے پایا، کیونکہ پوٹاشیم سائینائیڈ کے علاوہ ہر زہر تھوڑی دیر تک تڑپاتا ضرور ہے۔ لفافہ دیکھتے ہی میرا ذہن پوٹاشیم سائینائیڈ کے امکانات پر غور کرنے لگا تھا۔''

''اس لفافے میں کیا تھا؟''

''ایک خط، جو اس نے اپنے کسی دوست کو لکھا تھا۔ اُسی خط کے ذریعہ مجھے معلوم ہوا کہ وہ رقیبہ فرار ہو کر اُس دوست تک پہنچنے والے تھے۔''

''میں تو کہتا ہوں کہ یہ انہیں دونوں مردودوں کی حرکت ہے۔'' حمید بولا۔

''وہ اتنی دیدہ دلیری کے ساتھ قانون کو بے بس کر سکتے ہیں، قتل کی بھی ہمت رکھتے ہوں گے۔''

''فرزند من.....!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''پوٹاشیم سائینائیڈ استعمال کر چکنے کے بعد خنجروں کی حماقت کی کیا ضرورت تھی۔''

''ہمیں اُلو بنانے کے لئے۔ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ اگر ہم مجرم ہوتے تو لاش میں خنجر چھوڑنے کی حماقت کبھی نہ کرتے۔''

''خوب.....!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''آج کل کافی عقل مند ہو رہے ہو۔''

''اب آپ پوچھیں گے کہ انہیں یہ ظاہر کرنے کی ضرورت ہی کیوں محسوس ہوئی کہ اُن کا قتل اس قتل سے ہے۔''

''ضرور پوچھوں گا۔'' فریدی ہنس کر بولا۔

''ظاہر ہے کہ انہوں نے اُسے اسی لئے قتل کیا کہ وہ اس کے ساتھ بھاگ رہی تھی۔ تفتیش پر اگر یہ بات ظاہر ہو جاتی تو اُن دونوں پر ضرور شبہ کیا جاتا۔ لہٰذا انہوں نے علی الاعلان خود ہی خنجر لگا کر ہمیں شبہ ہی نہیں بلکہ یقین کر لینے کی دعوت دے دی۔ اس طرح ہم اس الجھن میں پڑ سکتے ہیں کہ ممکن ہے کسی اور نے انہیں پھنسانے کے لئے ان کے خنجر استعمال کئے ہوں۔''

''بہت اچھے.....تم یقیناً سوچنے کی عادت ڈال رہے ہو۔'' فریدی بولا۔

''کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔''

"نہیں..... تمہارے دلائل مان لینے کے قابل ہیں۔"

"پھر.....؟"

"پھر کیا.....؟"

"ان دونوں کو حراست میں لے لیا جائے۔"

"لیکن..... شمس کے لئے کیا کرو گے۔" فریدی بولا۔ "کیونکہ ابھی تک اس نے گھر سے غائب رہنے کی کوئی معقول وجہ نہیں بتائی۔ لیکن وہ تمہاری نظروں میں مشتبہ نہیں ہے۔"

"اسی حد تک.....!" حمید نے کہا۔ "جہاں تک اُس کے اس بے تکے بیان کا تعلق ہے کہ اس نے وہ رات منٹو پارک میں گزاری تھی۔ وہ ہمیں ابھی تک نشے ہی کی حالت میں ملا ہے۔ اس لئے اس کے بیان کی کوئی اہمیت ہی نہیں رہ جاتی۔ ایسی صورت میں اگر وہ منٹو پارک کے بجائے سعادت حسن منٹو پارک کا بھی حوالہ دے تو آپ کو بُرا نہ ماننا چاہئے۔"

فریدی مسکرانے لگا..... پھر اُس نے ہنس کر کہا۔ "تم اب بھی صبح اٹھنے کے فوائد کے قائل نہ ہو تو تم پر تین حرف۔"

حمید ضرورت سے زیادہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

"اگر آپ تسلیم کئے لیتے ہیں کہ وہ گھر میں نہیں تھا تو آپ کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ نعیمہ کے دودھ میں افیون اس نے نہیں ملائی تھی۔ پھر اس سے تو آپ انکار کر ہی نہ سکیں گے کہ سازش کا تعلق ایک سے زیادہ آدمیوں سے ہے۔"

"تم یہ بھی ٹھیک کہہ رہے ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"پھر آپ انہیں حراست میں کیوں نہیں لیتے۔"

"نہ لینے میں کیا حرج ہے ظاہر ہے کہ وہ کہیں جا تو سکتے ہی نہیں کیونکہ ان کے پاسپورٹ میرے پاس ہیں۔"

"لیکن میرا بھیجا تو کھا سکتے ہیں صبح سے فون کر کر کے دماغ خراب کر دیا سالوں نے۔"

"کیا کہہ رہے تھے۔"

"کچھ نہیں..... فضول بکواس۔ آپ کو پوچھا تھا۔" حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ پھر

چونک کر بولا۔ "یہ تو بتایئے! کیا آپ کی دانست میں مجرم کو یہ یقین تھا کہ مرنے والا رات کو کوئی خط ضرور لکھے گا اور پھر یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ وہ رات ہی کو اُسے لفافے میں بند کر کے ٹکٹ بھی چپکا دیتا۔ آخر اس نے ٹکٹ ہی کو کیوں زہر آلود کیا؟"

"میں اسی پر غور کر رہا ہوں۔" فریدی نے کہا "اور اب اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس نے اور ذرائع بھی استعمال کئے ہوں گے۔ نعیمہ کے دودھ میں افیون ملانے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ مجرم کو اپنی کامیابی کا سو فیصدی یقین تھا..... اور ظاہر ہے کہ وہ یقین محض ٹکٹ کی بناء پر نہیں ہو سکتا۔"

"ہو سکتا ہے اس نے اختر کے استعمال میں آنے والی دوسری چیزوں کو بھی زہر آلود کیا ہو..... مثلاً..... اوہ حمید صاحب۔ میں اُس صراحی کو تو بھول ہی گیا جو اُسی میز کے قریب رکھی ہوئی تھی۔ یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ میں نے لائبریری کو مقفل کرا دیا تھا۔"

"اچھا افیون کے متعلق کیا خیال ہے؟"

"اگر افیون اس ملازمہ نے نہیں ملائی تو وہ اس وقت دودھ میں ڈالی گئی جب وہ پیالے کو برآمدے میں چھوڑ کر ٹنکچر آیوڈین لینے چلی گئی تھی۔"

"ظہیر صاحب کی دادی افیون کی عادی ہیں۔" حمید بولا۔

"تو اس سے کیا.....؟"

"مطلب یہ کہ شاید انہیں کی افیون استعمال کی گئی ہو۔"

"کیا وہ خود ہی استعمال نہیں کر سکتیں۔"

"اچھا کیا اُن پر بھی شبہ ہے۔" حمید بولا۔

"کیوں نہیں..... جب شکوک کے اسباب موجود ہوں تو شبہ نہ کرنا بھی کفر ہے۔"

"یعنی.....!"

"اگر تمہارا یہ خیال صحیح ہے کہ وہ دونوں قاتل ہیں تو اس معاملے میں دادی ہی اُن کی مددگار ہو سکتی ہے۔ یہ دادی ہی کی خواہش تھی کہ صغیر کی شادی نعیمہ سے ہو۔ فرض کرو کسی طرح اُسے یہ علم ہو گیا ہو کہ نعیمہ اختر کے ساتھ فرار ہو رہی ہے لہٰذا اختر کی احسان فراموشی پر غصہ آنا لازمی ہے۔"

فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "مگر یار یہ پوٹاشیم سائینائیڈ.....

آخر مجرم نے اسے کس طرح حاصل کیا۔ عام زہروں کی طرح وہ آسانی سے نہیں دستیاب ہوتا۔"

حمید بھی کسی سوچ میں پڑ گیا۔ فریدی نے ایک نوکر کو بلا کر مردہ کتے کے متعلق کچھ ہدایات دیں اور پھر وہ دونوں اندر چلے گئے۔

میز پر شہر کے سارے روزنامے بکھرے ہوئے تھے۔ ناشتے کے دوران میں وہ دونوں انہیں الٹتے پلٹتے رہے۔ خان بہادر ظہیر کے یہاں ہونے والے حادثے کے متعلق طرح طرح کی قیاس آرائیاں ہوئی تھیں، لیکن کسی اخبار نے بھی موت واقع ہونے کی صحیح وجہ نہیں لکھی تھی۔ صرف اُن دونوں خنجروں کے سلسلے میں انواع و اقسام کی بحثیں تھیں۔ ظہیر کے خاندان میں دو ہم شکلوں کی موجودگی اور اُن کے یکساں عادات و اطوار کی داستان بھی شائع ہوئی تھی اور قتل کے متعلق ساری بحثوں کا مرکزی خیال وہی دونوں تھے۔

"یہ تم نے ریسیور میز پر کیوں ڈال دیا ہے۔" فریدی نے فون کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"اس وقت وہ دونوں بیڈ روم ہی میں ناشتہ کر رہے تھے۔ فریدی نے اٹھ کر ریسیور فون پر رکھ دیا۔"

"فون کی گھنٹی کا شور مجھے پسند نہیں۔" حمید نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

فریدی نے اسے گھور کر دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔

تھوڑی دیر بعد فون کی گھنٹی بجی۔

"ہیلو.....!" فریدی نے ریسیور اٹھالیا۔

"کون صاحب بول رہے ہیں۔" دوسری طرف سے دو آوازیں سنائی دیں۔

"فریدی.....!"

"اوہ.....آخر آپ نے ڈس کنکٹ کیوں کر رکھا ہے۔ ایک گھنٹے سے کوشش کر رہا ہوں۔"

"کہئے.....کیا بات ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"خدارا مجھے حراست میں لے لیجئے۔" دو آوازیں آئیں۔

"کیوں.....؟"

"گھر والوں نے پریشان کر ہی رکھا تھا اب اخبار والے بھی پیچھے پڑ گئے۔ سب نے مجھے دو لکھا ہے کوٹھی کے سامنے خلقت کا اژدھام ہے، جو مجھے دیکھنے کیلئے بے قابو ہے۔ یا تو ان سب

سے میرا پیچھا چھڑائیے یا پھر میرے خلاف جلد سے جلد جرم ثابت کر کے مجھے پھانسی دلوا دیجئے۔"

اور وہ تصویر

حادثے کے تیسرے دن فریدی نے شمس الحیات کو مقفل کمرے سے نکالا۔ اس نے اُسے پچھلی رات کو ایک کمرے میں بند کر دیا تھا تا کہ اسے شراب نہ مل سکے۔ اُس نے یہ سب اپنی ہی کوٹھی میں کیا تھا۔ وہ اسے تفریح کے بہانے ظہیر کے یہاں سے لایا تھا۔ اس وقت بھی وہ شراب پئے ہوئے تھا۔

جیسے ہی فریدی نے اُسے کمرے سے نکالا اُس کے منہ سے مغلظات کا طوفان امنڈ پڑا۔ جب وہ اچھی طرح بک چکا تو فریدی مسکرا کر بولا۔

"میرا احسان مانو کہ میں نے تمہیں ایک بہت بڑی ذلت سے بچالیا۔ کیا تمہیں سچ مچ حوالات ہی پسند ہے۔"

"حوالات....." شمس چیخ کر بولا۔ "کیسی حوالات! تم مجھے دھونس میں نہیں لے سکتے۔"

"دھونس کی ایک ہی رہی۔" حمید ہنس پڑا۔ "یار تم بھی اپنے نام ہی کی طرح عجیب معلوم ہوتے ہو۔ تمہارا نام شمس الحیات نہ جانے کیوں ہے؟ تمہیں تو ہفت تلخیات (Seven Bitter) ہونا چاہئے تھا۔"

"میں ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ کر دوں گا۔"

"اس میں بہت عرصہ لگے گا۔" حمید نے کہا۔ "لیکن یہ ضرور ہے کہ خود تمہارا وارنٹ گرفتاری ناقابل ضمانت بھی ہو سکتا ہے۔"

قبل اس کے کہ شمس الحیات کچھ کہتا فریدی اُسے مخاطب کر کے بولا۔

"دوشنبہ کی رات کو تم کہاں تھے؟"

شمس اُسے کچھ دیر تک گھورتا رہا پھر اس نے جھلا کر کہا۔ "کتنی بار بتاؤں کہ منٹو پارک میں تھا۔"

"کیوں.....؟" فریدی کی آنکھیں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"میں نہیں بتا سکتا۔"

"تب تم جھوٹے ہو۔"

"یہی سہی۔" شمس لاپروائی سے بولا۔ "میرے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ میں سچا ہوں۔"

"تب تو مجبوراً....." فریدی نے ٹیلی فون کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

شمس الحیات کی جماہی درمیان ہی سے ختم ہوگئی۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فون کی طرف دیکھ رہا تھا۔ فریدی نے اپنی انگلی ڈائل پر رکھی ہی تھی کہ اس نے کہا۔

"ٹھہریئے۔"

فریدی ریسیور اٹھائے ہوئے اس کی طرف مڑا۔

"ایک شرط ہے۔" شمس پھر بولا۔

"کیا.....؟" فریدی نے کہا۔ اس کی انگلی ابھی تک ڈائل ہی پر تھی۔

"آپ وہ بات اپنے ہی تک رکھیں گے۔"

"بات کی نوعیت معلوم کئے بغیر میں کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔"

"تو جانے دیجئے۔"

"شمس ایک بار پھر سمجھ لو۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "محض ظہیر کی خاطر میں وہ طریقے اختیار کرنے سے اجتناب کر رہا ہوں جس سے اسکے خاندان کی بدنامی ہو۔ اگر تم حوالات میں بند ہوئے تو تمہارا نام معہ ولدیت اور سکونت اخبارات میں ضرور شائع ہوگا اور تم تو یہ جانتے ہی ہو کہ مجھے اپنا فرض ہر حال میں ادا کرنا ہے۔ میں اپنے فرائض پر دوستی یا تعلقات کو ترجیح نہیں دے سکتا۔"

شمس تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر ہچکچاتا ہوا بولا۔

"میں ایک لڑکی کا انتظار کر رہا تھا۔"

"ویری فائن.....!" حمید اسے تعریفی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"تو کیا تم رات بھر اس کا انتظار کرتے رہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں..... اُس نے بارہ سے تین بجے کا وقت دیا تھا۔"

"خوب.....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "منٹو پارک میں..... بارہ سے تین بجے رات تک کا وقت۔"

"میں کہہ رہا تھا کہ میں اپنی صداقت کا کوئی ٹھوس ثبوت نہ پیش کر سکوں گا۔" شمس بڑبڑایا "کیونکہ وہ خط بھی ٹائپ کیا ہوا تھا اور تصویر..... تصویر بھی آسانی سے حاصل کی جا سکتی ہے۔"

پھر اس نے فریدی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "پھنس گیا..... میں بُری طرح پھنس گیا فریدی صاحب۔"

"کیا تم بغیر پیئے بھی بہکنے لگتے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں بہک نہیں رہا ہوں۔" شمس اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔ "مجھ پر یقیناً شبہ کیا جا سکتا ہے۔ میرے اور اختر کے تعلقات اچھے نہیں تھے۔ حادثے سے ایک روز قبل میری اس سے لڑائی بھی ہوگئی تھی۔"

"کس بات پر.....؟"

"بس یونہی! اُس میں ایک خاص عادت تھی۔ جب بھی وہ لڑکیوں میں بیٹھتا اور میں بھی موجود ہوتا تو مجھے تختۂ مشق بنانے کی کوشش کرتا تھا۔"

"کیا اس دن بھی اس نے یہی حرکت کی تھی۔"

"جی ہاں۔"

"کون کون موجود تھا۔"

"نعیمہ، فوزیہ اور ان کی تین سہیلیاں۔" شمس نے کہا۔ "اور میں نہایت بے باکی سے اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ اگر نعیمہ اور فوزیہ درمیان میں نہ آ جاتیں تو میں اس کا گلا ضرور گھونٹ دیتا۔"

"تمہیں گھر میں اس کی مقبولیت بھی ناپسند تھی.....؟" فریدی نے پوچھا۔

"مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ میرا گھر نہیں۔"

"تم اکثر ظہیر کے یہاں آتے رہتے ہو۔"

"جی ہاں اور اکثر زیادہ دنوں تک بھی قیام کرتا ہوں۔"

"کوئی خاص دلچسپی۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"مطلب یہ کہ..... خیر مجھے اس سے بحث نہیں۔ ہاں وہ لڑکی کون ہے۔ جس نے تمہیں منٹو پارک میں بلایا تھا۔"

"آپ نے پھر وہی سوال کیا.....؟" شمس کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کیا آپ یقین کریں گے کہ میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔"

یک بیک حمید اور فریدی دونوں کی دلچسپی بڑھ گئی۔

"یقین کیا جاسکتا ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"تو سنئے..... میں نے اُسے کبھی نہیں دیکھا۔ البتہ اس دوران میں مجھے اس کے تین خطوط موصول ہوئے ہیں۔ آخری خط کے ساتھ اس کی تصویر بھی تھی اور یہ سارے خطوط انگریزی میں ٹائپ کئے ہوئے تھے۔"

"کیا بذریعہ ڈاک موصول ہوئے تھے۔"

"جی ہاں..... اسی شہر سے پوسٹ کئے گئے تھے۔ اس نے لکھا تھا کہ وہ مجھے عرصے سے جانتی ہے اور محبت کرتی ہے..... وغیرہ وغیرہ۔"

"وغیرہ بھی کرتی ہے۔" حمید نے جلدی سے کہا۔

"شٹ اپ.....!" فریدی اس کی طرف تیزی سے مڑا۔

"تصویر کے ساتھ والے خط میں اس نے منٹو پارک میں ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی اور یہ بھی لکھا تھا کہ وہ ملاقات ہونے پر اپنے متعلق سب کچھ بتائے گی۔ حقیقتاً میں اسے کسی کی شرارت ہی سمجھا تھا۔ سو فیصدی شبہہ اختر پر تھا کیونکہ وہ ہمیشہ اسی فکر میں رہتا تھا کہ مجھے کسی طرح بیوقوف بنا کر لڑکیوں اور ان کی سہیلیوں کی دلچسپی کا سامان بہم پہنچائے۔"

"پھر بھی منٹو پارک دوڑے گئے تھے۔" حمید نے۔

"یہ خیال بھی تو تھا..... مگر ٹھہریئے..... بس ایک گھونٹ کہیں سے مل جاتی۔ صرف ایک گھونٹ۔" اس نے اپنے گلے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

فریدی نے حمید کو اشارہ کیا اور وہ چلا گیا۔ فریدی اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ شمس عادی قسم کا والا ہے، ایسے لوگ اعتدال کے ساتھ پینے پر بہکا نہیں کرتے۔

تھوڑی دیر بعد حمید وہسکی کا ایک بڑا پگ لایا۔

"جیو..... میرے دوست.....!" شمس بچوں کی طرح کھل گیا۔ "بڑے معاملہ فہم معلوم ہتے ہو۔ بخدا میں نئے دن کا آغاز پٹیالہ پگ ہی سے کرتا ہوں۔"

ایک ہی سانس میں اُس نے گلاس خالی کر دیا۔ پھر تھوڑی دیر تک اس طرح منہ چلاتا رہا منہ کے اندر گونجی ہوئی بو سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔

"میں عورت کے معاملے میں خاصا اُلو ہوں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ اس کے بے جان ے پر جوانی کا خون پھر سے جھلکیاں مارنے لگا تھا۔ وہ تھوڑی دیر ٹھہر کر بولا۔ "بڑی جلدی غلط میں مبتلا ہو جاتا ہوں، حالانکہ مجھے سو فیصدی یقین تھا کہ کوئی مجھے الو بنا رہا ہے لیکن پھر ..... پھر بھی میں نے اپنی وہ رات منٹو پارک میں برباد کی، سوچ رہا تھا ممکن ہے سچ ہی ہو۔"

"لیکن وہ نہیں آئی۔" فریدی نے کہا۔

"بالکل نہیں۔"

"وہ خطوط کہاں ہیں۔"

"گھر پر.....!"

فریدی نے معنی خیز انداز میں حمید کی طرف دیکھا۔

"کسی سے ان خطوط کا تذکرہ بھی کیا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں..... کسی سے بھی نہیں اور آپ کو بھی بتانے کا ارادہ نہیں تھا۔ مگر مفت کی رسوائی کون لے۔"

"میں تمہاری عقل مندی کی داد دیتا ہوں۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "اچھا چلو..... میں ذرا ن خطوط پر بھی ایک نظر ڈال لوں۔"

پھر وہ ظہیر کی کوٹھی پر آئے۔ اس درمیان میں فریدی اور حمید نے یہ بات محسوس کی تھی کہ مگر اُن دونوں کی آمد پر کچھ اکتایا اکتایا سا نظر آنے لگتا ہے۔ حمید نے اس کے متعلق فریدی ے بھی پوچھا تھا لیکن اس نے کوئی تشفی بخش جواب نہیں دیا۔

حمید نے اُن دونوں ہم شکلوں کو بھی دیکھا جو بیٹھے ایک ساتھ سر کھجا رہے تھے اور دونوں نے ایک ہی انداز میں اپنے ہونٹ بھی سکوڑ رکھے تھے۔

برآمدے سے فوزیہ گذر رہی تھی۔ انہیں دیکھ کر اپنے مخصوص انداز میں مسکرائی اور حمید یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ اس کی مسکراہٹ میں بڑی سکس اپیل ہے۔

''کہاں رہ گئے تھے شمس بھائی۔'' اس نے کہا۔

''میرے ساتھ تھے۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''پچھلی رات ہم ایک بجے تک شطرنج کھیلتے رہے۔''

پھر فوزیہ، فریدی اور حمید سے دو ایک رسمی باتیں کرنے کے بعد چلی گئی۔ اس دوران میں وہ شمس کو کچھ ایسی نظروں سے دیکھتی رہی تھی جیسے وہ اُسے پرے سرے کا بیوقوف سمجھتی ہو۔

تھوڑی دیر بعد فریدی اور حمید وہ خطوط دیکھ رہے تھے جن کے لئے وہ یہاں آئے تھے۔ تینوں خطوط انگریزی میں ٹائپ کئے ہوئے تھے اور ان پر بھیجنے والے کا نام نہیں تھا۔ خطوط سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی کو بیوقوف بنانے کے لئے ہی لکھے گئے ہیں۔ فریدی اُن خطوط پر غور کر رہا تھا اور حمید اُن کے ساتھ والی تصویر میں ڈوبا ہوا تھا۔

وہ کسی حسین لڑکی کی تصویر تھی۔ خدوخال کافی دلکش تھے۔

''دوسری رات.....!'' فریدی شمس کی طرف مڑ کر بولا۔ ''پھر تم دوسری رات منٹو پارک نہیں گئے۔''

''نہیں.....!''

''کیوں.....؟''

''دوسرے دن کافی عقل آ گئی تھی۔ حقیقتاً یہ اُسی کی شرارت تھی۔''

''کس کی.....؟''

''اختر کی؟ اگر وہ زندہ ہوتا تو ابھی یہ سلسلہ قائم ہی رہتا۔''

''ہوں.....!'' فریدی نے وہ خطوط جیب میں ڈال لئے۔ تصویر حمید کے پاس تھی۔

''کیا میں اندر آ سکتا ہوں۔'' کمرے کے دروازے پر دونوں ہم شکل کھڑے تھے۔

''صرف ایک.....!'' حمید بھنا کر پلٹا۔

''آخر آپ ہی کو مجھ سے اتنی دشمنی کیوں ہے۔'' انہوں نے حمید سے کہا۔

''دشمنی نہیں محبت کہو..... جب تم یہاں سے جانے لگو گے تو تمہارا ڈپلی کیٹ اپنے لئے لوں گا۔''

''ہائیں..... ڈپلی کیٹ..... پھر وہی۔'' دونوں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''معلوم نہیں یہ مذاق کب ختم ہوگا۔''

''پھانسی کے تختے پر.....!'' حمید اُن سے زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگا۔

''پیارے بھائی! کاش آپ سچ کہہ رہے ہوں۔ اس زندگی سے موت ہی بہتر ہے۔ حد ستم ظریفی کی۔ کبھی آپ کو بھی اسی طرح ایک سے دو ہونے کا اتفاق ہوا تو پتہ چل جائے گا۔''

فریدی اس طرح سوچ میں ڈوبا ہوا تھا جیسے وہ اُن کی گفتگو سن ہی نہ رہا ہو۔

''میں کیا بتاؤں..... میرے دوستو!'' حمید نے غم ناک لہجے میں کہا۔ ''میرا بس ہی نہیں..... ورنہ سب ٹھیک ٹھاک ہو جاتا۔''

''کیوں بس نہیں چلتا۔'' دونوں نے بھولے پن سے کہا۔ ''بس چلایئے۔ ورنہ میری زندگی برباد ہو جائے گی۔ میں ہر لڑکی کو دو نظر آتا ہوں۔ نعیمہ نے بھی شادی کرنے سے صاف انکار کر دیا۔''

''نعیمہ.....!'' حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی نے اُسے گھور کر دیکھا۔

غالباً اُسے خدشہ پیدا ہوا کہ کہیں حمید، نعیمہ اور اختر کے تعلقات پر روشنی ڈالنا نہ شروع کر دے، اُس نے ابھی تک یہ بات کسی پر ظاہر نہیں کی تھی۔

فریدی انہیں وہیں چھوڑ کر ظہیر کے پاس چلا آیا۔ اس نے وہ تصویر حمید سے لے لی تھی۔

''تمہارا ٹائپ رائٹر ٹھیک چل رہا ہے۔'' اس نے ظہیر سے پوچھا۔

''ہاں..... کیوں.....!''

''ایک خط ٹائپ کرنا ہے۔''

ظہیر فریدی کو اپنے دفتر والے کمرے میں لے آیا۔ فریدی ٹائپ رائٹر کے سامنے بیٹھ گیا۔

''میری موجودگی ضروری تو نہیں۔'' ظہیر نے پوچھا۔

"قطعی نہیں۔" فریدی نے کہا اور مشین پر کاغذ چڑھانے لگا۔ پھر اس نے اُن خطوط سے ایک نکال کر اس کی نقل کرنی شروع کر دی۔

پھر وہ اتنا محو ہو گیا کہ اسے نعیمہ کی آمد کی خبر تک نہ ہوئی، جو پچھلے دروازے سے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

فریدی اس وقت چونکا جب وہ اس کی پشت سے بیساختہ میز پر کچھ دیکھنے کے لئے جھکی۔ وہ ایک طرف سرک گیا۔ نعیمہ وہی تصویر دیکھ رہی تھی، جو فریدی کی بے خیالی کی وجہ سے میز ہی پر پڑی رہ گئی تھی۔

"یہ تصویر.....!" وہ سیدھی کھڑی ہو کر آہستہ سے بڑبڑائی۔ پھر جواب طلب نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگی۔

"کیوں.....؟" فریدی کی ٹٹولنے والی نظریں اس کے چہرے پر جم گئیں۔

"یہ یہاں کہاں.....؟" نعیمہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"میں سمجھا نہیں۔"

"کچھ نہیں۔" نعیمہ نے کہا اور تصویر اٹھا کر اپنے بلاؤز کے گریبان میں رکھ لی۔

"تمہیں شاید یہ نہیں معلوم کہ فی الحال یہ تصویر سرکاری ملکیت ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔" نعیمہ نے کہا۔ پھر اچانک اس کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔

"کیا تم اسے جانتی ہو۔"

"جاننا کیسا..... یہ میرے ہی البم کی ایک تصویر ہے۔ نہ جانے کس نے نکال کر یہاں ڈال دی۔"

"اوہ.....!"

"یہ میری ایک مرحوم سہیلی کی تصویر ہے۔"

"مرحوم سہیلی۔" فریدی کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "کیا ابھی حال ہی میں ان کا انتقال ہوا ہے۔"

"جی نہیں..... ایک سال کے لگ بھگ۔"

"اسی شہر میں رہتی تھیں۔"

"جی نہیں..... لکھنؤ میں تھی۔"

"اچھا تو یہ تصویر مجھے دے دو۔" فریدی نے کہا۔ "تم نے اپنا البم کب سے نہیں دیکھا۔"

"آخر آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"یونہی..... ضرورتاً..... تم اسے کہاں رکھتی ہو۔"

"بکس میں.....!"

"ذرا اُسے لاؤ تو.....!"

"مگر اس وقت ..... وہ دراصل فی الحال شمس بھائی کے پاس ہے۔ نہیں وہ ابھی واپس آئے یا نہیں؟"

"شمس کے پاس.....!" فریدی چونک کر بولا۔ "ان کے پاس کب سے ہے۔"

"کل ہی لے گئے تھے۔"

"بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

نعیمہ بیٹھ گئی۔ وہ بہت زیادہ متحیر نظر آ رہی تھی۔

"انہیں البم کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی۔"

"یہ تو میں نے نہیں پوچھا تھا۔ البتہ خود انہوں نے اپنی اکتاہٹ کا تذکرہ کر کے دل بہلانے کے لئے البم یا کوئی اور باتصویر قسم کا رسالہ مانگا تھا۔"

"کیا یہ تصویر اس وقت اس میں موجود تھی۔"

"یہ بتانا مشکل ہے..... میں نے دھیان نہیں دیا تھا۔"

"خیر..... تصویر مجھے دے دو۔ کسی وقت واپس مل جائے گی۔"

"آخر بات کیا ہے.....؟" نعیمہ نے اس کی طرف تصویر بڑھاتے ہوئے کہا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔ یہ بھی تفتیشی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔"

نعیمہ کے چہرے پر پائے جانے والے بے اطمینانی کے آثار بدستور قائم رہے۔

"شمس اپنے کمرے میں موجود ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "مگر ٹھہرو۔ تم یہ کس طرح کہہ سکتی

ہو کہ یہ تصویر تمہارے البم ہی سے نکالی گئی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ اُسی پوز کی دوسری کاپی ہو۔"

نعیمہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

"تمہیں تکلیف تو ہوگی۔" فریدی پھر بولا۔ "شمس اور سرجنٹ حمید کو یہاں بھیج دو..... وہ بھی تمہیں شمس ہی کے کمرے میں ملے گا۔"

نعیمہ جانے کے لئے اٹھی۔

"اور ہاں....." فریدی آہستہ سے بولا۔ "شمس سے اس تصویر یا البم کا تذکرہ مت کرنا۔ ہو سکے تو شمس کے چلے آنے کے بعد البم پر بھی ایک نظر ڈال لینا۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ یہ تصویر تمہارے ہی البم کی ہے یا نہیں۔"

نعیمہ چلی گئی۔ فریدی نے ٹائپ رائٹر سے کاغذ نکال کر جیب میں رکھ لیا اور سگار سلگانے لگا۔

فریدی یہ بھی سوچ رہا تھا کہ نعیمہ اس طرف اتفاقاً آ نکلی تھی یا کسی مقصد کے تحت۔

حمید اور شمس جلد ہی آ گئے۔ فریدی نے دونوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"تصویر کا معاملہ صاف ہو گیا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا اور شمس کے چہرے کا جائزہ لینے لگا۔

"کیا.....!"

"حقیقتاً تمہیں کسی نے بیوقوف بنایا تھا۔"

"کیسے معلوم ہوا۔"

"بس معلوم ہو گیا..... تمہیں یہاں سے اس لئے ہٹایا گیا تھا کہ مجرم بہ آسانی اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکے۔"

شمس کے چہرے سے اطمینان جھلکنے لگا۔

"اب تم پر کوئی پابندی نہیں۔" فریدی بولا۔ "لیکن تفتیش کے دوران میں تمہیں ٹھہرنا پڑے گا۔"

"اس لئے مجرم نے مقصد براری کے لئے تمہیں بھی استعمال کیا ہے۔"

"بھی کا کیا مطلب..... کیا کوئی اور بھی تھا.....؟"

"کیا تم نے اور چڑھالی ہے..... عادت اچھی نہیں کیا چھوڑ نہیں سکتے۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "خیر میں نے یہی بتانے کے لئے تمہیں بلایا تھا۔ اب اگر تم کہیں جانا چاہو تو

جا سکتے ہو۔"

زہر کی گمشدگی

شمس کے چلے جانے کے بعد بھی فریدی اور حمید اُسی کمرے میں بیٹھے رہے۔

فریدی اُسے اس تصویر کے متعلق بتا رہا تھا۔ اتنے میں نعیمہ واپس آ گئی۔

"کیوں.....؟" فریدی اس کی طرف مڑا۔

"نہیں ہے۔" نعیمہ آہستہ سے بولی۔

"ہوں..... اس کا تذکرہ کسی سے مت کرنا۔ لیکن البم واپس ملنے پر شمس سے یہ ضرور پوچھنا کہ وہ تصویر کہاں گئی۔"

"آپ نے مجھے ایک نئی الجھن میں ڈال دیا۔"

"بہتر یہ ہے کہ تم اپنی پرانی ہی الجھنوں میں مبتلا رہو۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

نعیمہ تھوڑی دیر کھڑی رہی پھر چپ چاپ کمرے سے چلی گئی۔

"آپ کا کھردرا لہجہ مجھے پسند نہیں۔" حمید نے کہا۔

فریدی اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر جیب سے ٹائپ کیا ہوا کاغذ نکال کر دیکھنے لگا۔

"ان خطوط کے لئے بھی یہی ٹائپ رائٹر استعمال کیا گیا ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"تو کیا شمس ہی.....!" حمید نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔"

"گویا اب بھی آپ کو یقین نہیں ہے۔" حمید نے کہا۔

"آخر اتنی ذرا سی بات پر یقین ہی کیوں کر لیا جائے۔"

''کمال کرتے ہیں آپ بھی..... کیا اس نے ہمیں اس تصویر اور خطوط کے ذریعہ بیوقوف بنانے کی کوشش نہیں کی۔''

''ہوسکتا ہے۔''

''ہوسکتا ہے..... نہیں بلکہ یہ حقیقت ہے۔'' حمید جھلا کر بولا۔

''ہوسکتا ہے کہ حقیقت ہی ہو۔''

''پھر وہی گول قسم کی بات.....!'' حمید بولا۔

''پھر کیا چاہتے ہو۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''میں چاہتا ہوں کہ اب اس قصے کو ختم کیجئے۔''

''کیسے ختم کروں۔''

''آپ معاملے کو خواہ مخواہ طول دے رہے ہیں۔''

''تو کچھ بکو بھی نا۔''

''ظاہر ہے کہ شمس نے ہمیں دھوکا دیا۔''

''ذرا آہستہ بولو۔'' فریدی نے کہا۔ ''ممکن ہے وہ خود ہی دھوکا کھا گیا ہو۔ اکثر فریب خوردہ ہمیں فریب کار معلوم ہوتے ہیں۔''

''میرے خیال سے اب آپ کو یہ پیشہ ہی ترک کر دینا چاہئے۔ پہلے آپ گھما کر ناک پکڑتے تھے اور اب۔''

''شش.....!'' فریدی نے اُسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ باہر قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

''ارے خدا تمہیں غارت کرے۔'' حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔ ''دونوں ہم شکل دروازے میں کھڑے ہانپ رہے تھے۔

''فریدی صاحب..... پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے۔'' دونوں نے ہانپتے ہوئے کہا۔

''تب تو تمہیں الٹا لٹکا کر تمہارے پیٹ سے پانی نکالنا پڑے گا۔'' حمید بیساختہ بولا۔

''پیارے بھائی! اس وقت میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔'' دونوں نے سنجیدگی سے کہا۔

''کیا بات ہے۔'' فریدی انہیں گھورنے لگا۔

''کوئی مجھے افیونی بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''کیا مطلب.....!''

''کسی نے میرے بکس میں افیون رکھ دی ہے۔''

''اوہ.....!'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ''کہاں..... چلو دیکھیں۔''

سچ مچ صندوق سے کافی مقدار میں افیون برآمد ہوئی۔ حمید نے جواب طلب نظروں سے فریدی کی طرف دیکھا۔

''میں اب یہاں نہیں ٹھہر سکتا۔'' دونوں نے کہا۔ ''میرے قیمتی خنجر گئے اور اب کوئی میری بھی بھلی تندرستی برباد کرنے پر تلا ہوا ہے۔''

''اسے ہاتھ تو نہیں لگایا۔'' فریدی افیون کو بغور دیکھتا ہوا بولا۔ ''یہ ایک براؤن رنگ کے کاغذ میں لپٹی ہوئی تھی۔''

''نہیں..... لیکن یہ آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔''

''کچھ نہیں۔'' فریدی نے کہا اور اُسے احتیاط سے اپنی جیب میں ڈال لیا۔

''ایک دوسرا جرم.....!'' حمید نے اُن دونوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

''میں نہیں سمجھا.....!'' دونوں بولے۔

''افیون کی ناجائز تجارت.....!''

''پیارے بھائی میرا مضحکہ مت اڑاؤ۔'' دونوں آبدیدہ ہو کر بولے۔ ''میں بہت مظلوم ہوں۔''

''تم صغیر ہو.....'' دفعتاً فریدی نے ان میں سے ایک کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

''جی ہاں.....!'' دونوں متحیر ہو کر بولے۔

''صرف تم.....!''

''صرف کا کیا مطلب.....؟'' دونوں نے معصومیت سے پوچھا۔

''جہنم میں جاؤ۔'' فریدی نے جھلا کر اُسے دھکا دے دیا۔

''کتنی بے عزتی ہو رہی ہے..... میں یہاں کیوں آیا..... کیوں آیا..... کیوں آیا۔''

پھر جوانہوں نے کیوں آیا کیوں آیا، کی تکرار کے ساتھ سر پیٹنا شروع کیا ہے تو فریدی اور حمید سے بھاگتے ہی بنی۔

دونوں انہیں اسی حالت میں چھوڑ کر باہر آ گئے۔

''میں پھر کہتا ہوں کہ انہیں حراست میں لے لیجئے۔'' حمید نے کہا۔

''فضول باتیں مت کرو۔''

''آپ اُن دونوں سے زیادہ عجیب نظر آ رہے ہیں۔'' حمید بھنا کر بولا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی کی کیڈی لاک کوتوالی کی طرف جا رہی تھی۔

''اب کہاں.....!'' حمید نے پوچھا۔

''کوتوالی! لائبریری والی صراحی کے پانی کے تجزیہ کی رپورٹ آ گئی ہوگی۔''

''آپ بیکار وقت ضائع کر رہے ہیں۔''

''کیوں.....؟''

''اگر یہ معلوم ہی ہو گیا کہ اُس صراحی کا پانی بھی زہر آلود تھا تو آپ کیا کر لیں گے۔''

''تم نے پھر بے تکی ہانکنی شروع کر دی۔''

''میں سچ عرض کر رہا ہوں حضور والا.....آپ صحیح مجرم کو زندگی بھر نہ پکڑ سکیں گے۔ حالانکہ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ مجرم گھر ہی کا کوئی فرد ہے۔''

''بڑی جلد! فیصلہ کر ڈالتے ہو۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''چلو میں اسے شروع ہی سے حل کر رہا ہوں کہ مجرم گھر ہی کا کوئی فرد ہے.....پھر.....!''

''پھر یہ کہ اختر مرحوم کا باقاعدہ عرس ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس کی موت بڑی پُر کرامت ہوئی ہے۔ دو دو خنجر لگے لیکن جسم سے خون تک نہ نکلا۔ بہرحال میرا اور آپ کا فرض ہے کہ اُس کے مریدوں کی صحیح تعداد معلوم کر کے کسی اہل دل کو اس کا سجادہ نشین بنا دیں۔''

''بکومت.....!'' فریدی آہستہ سے بولا اور پھر کسی خیال میں ڈوب گیا۔

کوتوالی پہنچ کر حمید کو اپنی ہنسی ضبط کرنا دشوار معلوم ہونے لگا کیونکہ صراحی والے پانی کے کیمیاوی تجزیہ کی رپورٹ اس کی دانست میں فریدی کے لئے مایوس کن تھی۔ پانی صرف پانی تھا۔

میں زہر کی آمیزش نہیں تھی۔

''اب بتایئے۔'' اُس نے چٹکی لی۔ ''اختر کی موت معجزہ ہے یا نہیں۔''

''یا پھر ہو سکتا ہے کہ قاتل و مقتول میں پہلے ہی سے کوئی سمجھوتہ رہا ہو۔ اس نے مقتول کے سامنے ہی ٹکٹ پر زہر لگایا ہوگا اور پھر اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا ہوگا لو پیارے چپکا دو اپنے لفافے پر.....اُس نے مجرم کا شکریہ ادا کر کے ٹکٹ پر لب لگا کر اسے لفافے پر چپکاتے ہوئے ہنسی خوشی جان دے دی ہوگی۔''

''واقعی.....اب پورا نظریہ بدلنا پڑے گا۔'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

''مجھے اُس پانی میں زہر کی آمیزش کی توقع تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر صرف ان ٹکٹوں کے مل ہوتے پر مجرم کو اپنی کامیابی کا یقین کیونکر ہو گیا تھا۔ کیا مجرم کو یقین تھا کہ مقتول خط ضرور لکھے گا۔ میرے خیال سے یہ تو اس صورت میں ممکن ہے کہ خود مجرم ہی نے اسے نہ صرف خط لکھنے کی ترغیب دی ہو بلکہ رات ہی کو اُسے پوسٹ کر دینے پر بھی اکسایا ہو۔''

''سرجنٹ حمید کبھی کوئی غلط رائے نہیں قائم کرتا۔'' حمید نے اپنی پیٹھ خود ہی ٹھونکتے ہوئے کہا۔

''تو پھر اس کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ خود نعیمہ ہی مجرم ہے۔''

''اب کہی آپ نے سچی بات۔'' حمید سنجیدگی سے بولا۔

''لیکن.....؟''

''لیکن ویکن کچھ نہیں.....سو فیصدی وہی ہے۔''

''بیٹے خاں.....اگر وہی ہوتی اس نے وہ لفافہ اس کے ہاتھ کے نیچے کبھی نہ چھوڑا ہوتا کیونکہ وہ خود اسی کی ذات سے تعلق رکھتا تھا اور اس میں اس کی بدنامی تھی۔''

''چلئے پھر مجرم ہاتھ آتے آتے نکل گیا۔'' حمید ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ اُس کی پیشانی پر ابھرتی ہوئی لکیریں گہرے تفکر کی غمازی کر رہی تھیں۔

انسپکٹر جگدیش نے اُسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

''میں صبح سے کئی بار آپ کو فون کر چکا ہوں۔ لیکن ہر بار لائین انگیج تھی۔''

''آج بھی ریسیور میز پر ڈال دیا گیا ہوگا۔'' فریدی نے حمید کو گھورتے ہوئے کہا پھر

جگدیش سے پوچھا۔ ''کیوں۔''

''یونیورسٹی سے ایک ایسی رپورٹ ملی ہے جس سے آپ کو دلچسپی ہوسکتی ہے۔''

''کیا.....!''

''وہاں کی لیبارٹری سے پوٹاشیم سائینائیڈ چرایا گیا ہے۔''

''اوہ.....کب.....!''

''وہاں کا منتظم بھی اس کے متعلق وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔'' جگدیش نے کہا۔

''لیکن یہ بات آج ہی معلوم ہوئی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ پچھلے دنوں چرایا گیا ہو۔ بہرحال آج اس کی شیشی غائب تھی۔''

''تحقیقات کیلئے کوئی گیا یا نہیں۔''

''ابھی نہیں۔'' جگدیش نے جواب دیا۔

''آؤ تو جلدی کرو۔''

جگدیش نے روزنامچے میں روانگی لکھی اور وہ سب یونیورسٹی کی طرف چل پڑے۔

شعبہ سائنس کی عمارت میں پہنچ کر انہیں لیبارٹری تلاش کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوئی۔

فریدی نے وہ جگہ دیکھی جہاں سے زہر کی شیشی غائب ہوئی تھی۔ لیبارٹری کے انچارج نے بتایا کہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ شیشی کب چرائی گئی۔

''لیکن پچھلی بار کب دیکھی گئی تھی۔'' فریدی نے پوچھا۔

''میں ہر ماہ اسٹاک چیک کرتا ہوں۔ چنانچہ آج سے ایک ہفتہ قبل جب میں نے اسٹاک چیک کیا تھا تو وہ موجود تھی۔''

''اس کے بعد بھی الماری کھولی گئی ہوگی۔''

''یقیناً.....!''

''لیکن کسی نے اس کے متعلق غور نہیں کیا۔''

''جی نہیں.....آج دراصل مجھے الماری کھولنے کا اتفاق ہوا اور میں نے محسوس کیا کہ وہ غائب ہے۔''

''اُس ایک ہفتے کے دوران میں آپ نے آج ہی الماری کھولی تھی۔''

''جی ہاں۔''

''آپ کے اسسٹنٹ کتنے ہیں۔'' فریدی نے پوچھا۔

''چار.....!''

''کیا وہ سب موجود ہیں۔''

''جی ہاں۔''

فریدی نے باری باری سے اُن چاروں اسسٹنٹوں سے بھی گفتگو کی لیکن جگدیش اور حمید کو معلوم ہوسکا کہ اس نے اس سے کیا نتائج اخذ کئے۔

بہرحال اُن چاروں کے بیان کے مطابق وہ الماری متعدد بار کھولی گئی تھی لیکن اُن میں سے کسی کو بھی زہر کی گمشدگی کا احساس نہیں ہوا۔ پوری الماری نیچے سے اوپر تک چھوٹی بڑی شیشیوں سے بھری پڑی تھی۔ ایسی صورت میں صرف اسی چیز پر توجہ دی جاسکتی ہے جس کی ضرورت ہے۔''

فریدی ایک بار پھر لیبارٹری انچارج کی طرف پلٹا۔

''اتنی شیشیوں کے درمیان آپ نے یہ بات کیسے مارک کرلی کہ پوٹاشیم سائینائیڈ کی شیشی غائب ہے۔''

لیبارٹری انچارج شائد اس سوال کے لئے تیار نہیں تھا۔

''بات یہ ہے۔'' وہ تھوڑی دیر ٹھہر کر بولا۔ ''میں یہاں رکھے ہوئے زہروں پر خاص طور سے نظر رکھتا ہوں۔''

''اس الماری میں کتنے قسم کے زہر ہوں گے۔'' دفعتاً فریدی نے سوال کیا۔

''کئی قسم کے۔'' لیبارٹری انچارج نے کہا۔

''آپ کو ان شیشیوں کی تعداد تو معلوم ہی ہوگی جن میں مختلف قسم کے زہر ہیں۔''

''تعداد.....جی ہاں.....لیکن نہیں ٹھہریئے۔'' وہ الماری کی طرف بڑھا۔

''اس کی ضرورت نہیں۔'' فریدی نے اُس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اُسے آگے بڑھنے سے

روک دیا۔

وہ اُسے چند لمحے گھورتا رہا پھر بولا۔ ''آپ زہروں پر خاص طور سے نظر رکھتے ہیں پھر بھی آپ ان کی شیشیوں کی صحیح تعداد نہیں بتا سکتے۔ لیکن پوٹاشیم سائینائیڈ کی شیشی کی گمشدگی کا احساس آپ کو ہو جاتا ہے..... کیا یہ عجیب بات نہیں۔''

''بھلا میں شیشیوں کی صحیح تعداد کس طرح بتا سکتا ہوں۔ ممکن ہے اسسٹنٹوں نے اس الماری کی بعض شیشیاں دوسری الماری میں رکھ دی ہوں۔''

''آپ کی یہ دلیل بھی کچھ بے تکی ہی سی معلوم ہوتی ہے۔ کیا آج آپ نے یہ بات ظاہر ہونے پر کہ اک شیشی غائب ہے بقیہ شیشیاں نہیں چیک کیں۔''

''جی نہیں۔''

''لہٰذا آپ کا یہ بیان سرے سے غلط معلوم ہوتا ہے کہ آپ زہروں پر خاص طور سے نظر رکھتے ہیں۔''

''نہ جانے آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔'' انچارج کچھ جھنجھلا گیا۔

''مائی ڈیئر سر.....!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''اس بات کا جواب آپ ہی دیں گے کہ وہ شیشی کہاں گئی۔ آپ، کے چاروں اسسٹنٹ اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کے حکم کے مطابق جو چیز جہاں سے اٹھائی جاتی ہے وہیں رکھی جاتی ہے۔ وہ بیچارے سہواً بھی ایسی حرکت نہیں کر سکتے کہ اس الماری کی کوئی شیشی کسی دوسری الماری میں رکھ دیں۔ پھر دوسری بات یہ کہ اگر آپ کے خیال کے مطابق اس الماری کی شیشیاں دوسری الماری میں بھی پہنچ سکتی ہیں تو پھر آپ صبح سے صرف اک ایک الماری پر کیوں زور دیتے رہے۔ آپ نے دوسری الماریاں بھی کیوں نہیں کھلوائیں۔''

''کھلوائی تھیں۔''

''بکواس۔ اگر آپ نے کھلوائی ہوتیں..... تو ہمیں ان کی زیارت سے محروم نہ رکھتے کیا آپ کے اسسٹنٹ جھوٹے ہیں۔''

''آپ کی گفتگو توہین آمیز ہے۔'' انچارج نے احتجاجاً کہا۔

''شٹ اپ۔'' فریدی نے انگلی اٹھا کر کہا۔ ''آپ خود کو حراست میں تصور کریں۔''

چور کے ہمدرد

سرجنٹ حمید نے بیٹھے ہی بیٹھے اکتا کر ایک طویل انگڑائی لی اور اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ نو بج چکے تھے لیکن فریدی ابھی تک اپنے سونے کے کمرے سے نہیں نکلا تھا۔ دروازہ بھی اندر سے بند تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے قدموں کی چاپ سنائی دیتی اور پھر سناٹا چھا جاتا۔ حمید صبح سے کئی بار دروازے پر دستک دے چکا تھا لیکن جواب ندارد۔

پچھلے دن کی حیرت انگیز گرفتاری کی یاد کچھ عجیب سے احساسات میں لپٹی ہوئی اب بھی حمید کے ذہن پر مسلط تھی۔ فریدی نے اُسے کس آسانی سے اپنے دلائل کے جال میں جکڑ لیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر صرف پولیس ہی والے تفتیش کے لئے گئے ہوتے تو اتنی جلدی اس نتیجہ پر پہنچنا مشکل تھا لیکن یہ بات اب بھی اس کے دل میں کھٹک رہی تھی کہ آخر ظہیر کے گھر میں ہونے والے حادثے سے اس کا کیا تعلق؟ فریدی اسے کس بناء پر اس سے منسلک کر رہا ہے۔ ضروری نہیں کہ یونیورسٹی سے چرایا ہوا زہر وہاں بھی استعمال کیا گیا ہو اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ابھی تک لیبارٹری انچارج نے اقبال جرم نہیں کیا تھا۔ ویسے ہر ایک کو یقین تھا کہ وہ یا تو خود مجرم ہے یا پھر زہر کی گمشدگی کے راز سے واقف ہے۔

حمید نے ایک بار پھر دروازے پر دستک دی اور چیخ کر بولا۔ ''میں جانتا ہوں کہ آپ زندہ ہیں، لیکن میں ضرور مر جاؤں گا۔''

''کیوں.....؟ کیا ہے۔'' فریدی نے ایک جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھول کر کہا۔ اُس کی آنکھیں سرخ تھیں اور بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ کمرے سے سگار کی بو کا ریلا آیا۔

''ناشتے کا وقت تو نکل گیا.....؟'' حمید نے مایوسی سے کہا۔

''تو مجھے کھا جاؤ..... کھاؤ.....!'' فریدی نے حمید کا گریبان پکڑ کر زور سے جھٹکا دیتے ہوئے کہا۔ ''کس گدھے نے تم سے کہا تھا کہ اکیلے ناشتہ نہ کرنا۔''

''تو اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے۔ ناشتے کی ایسی کی تیسی میں ویسی..... میں دوپہر کا

کھانا بھی نہ کھاؤں گا۔"

"کھانا.....!" فریدی نے اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا۔

حمید کمرے میں گھس گیا۔ پلنگ کے قریب والی میز پر متعدد چیزیں بکھری ہوئی تھیں، جن میں افیون بھی تھی، جو اُن دونوں ہم شکلوں کے پاس سے برآمد ہوئی تھیں۔ شمس کے خطوط بھی تھے اور خطوط کے ساتھ والی تصویر بھی۔ حمید فریدی کی طرف پلٹا۔

"یہ بات تھی۔" وہ مسکرا کر بولا۔ "عورت افیون اور عشقیہ خطوط۔ معلوم ہوتا ہے تھوڑی سی چکھی بھی گئی ہے۔ خدا مجھے معاف کرے۔"

"بکو نہیں..... ناشتے کے لئے کہہ دو۔"

"وہ تو خود بخود آ جائے گا..... لیکن مجھے بک لینے دیجئے۔"

"بکو.....!"

"پہلی بات تو یہ کہ اس بار آپ بُری طرح شکست کھائیں گے۔ دوسری بات یہ کہ آپ کی شکست مجھے کھائے گی۔ تیسری بات یہ ہے کہ اب آپ ہوائی قلعے بنانے لگے ہیں۔"

"تیسری بات کی وضاحت چاہتا ہوں۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"نیو یارک میں کسی نے ایک دواخانے سے زہر چرایا اور یہاں ایک آدمی کی موت واقع ہوگئی۔ ممکن ہے اسی دن لندن، پیرس اور انقرہ میں بھی زہر چرایا گیا ہو۔ آخر آپ نیو یارک ہی کے کان کیوں اینٹھنے لگے۔"

"بہتر ہے کہ پہلے ناشتہ کرلو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ورنہ ممکن ہے کہ پھر تمہیں ہاضمے کی بھی مہلت نہ ملے۔"

"معقول مشورہ ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا اور باہر چلا گیا۔

باورچی خانے میں ناشتے کے لئے کہہ کر وہ پھر واپس آ گیا۔

"تم دراصل.....!" فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"جی ہاں..... میں دراصل کیا.....؟"

"لیبارٹری انچارج صفدر اور اختر کی موت کا تعلق نہیں سمجھ سکے۔"

فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ پھر مسکرا کر کہنے لگا۔ "آخر ظہیر اس کی ضمانت لینے کے لئے تیار ہے۔"

"کیا.....؟" حمید اچھل پڑا۔

"جناب..... ظہیر کل سے کئی بار مجھے اس کے متعلق فون کر چکا ہے۔"

"تو کیا ظہیر.....؟" وہ حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ہوش..... نتائج اخذ کرنے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے۔ بس سنتے جاؤ۔ ظہیر نے مجھے بتایا کہ وہ صفدر کو بہت عرصہ سے جانتا ہے اور اس کی نیک چلنی کی ضمانت بھی لے سکتا ہے۔ ایک بار وہ اس کے یہاں اس کی آمد و رفت بھی تھی اور وہ دراصل فوزیہ کا ٹیوشن کئے ہوئے تھا۔"

"لیکن یہ ساری باتیں آپ کو اس وقت تو نہیں معلوم تھیں جب آپ نے اُسے گرفتار کیا تھا۔"

"ٹھیک ہے..... میں کب کہتا ہوں کہ معلوم تھیں۔ میں نے تو اسے اس جرم میں پکڑا تھا کہ اس نے زہر کی کمشدگی کی رپورٹ دے کر پولیس کو دھوکہ دینے کی کوشش کی تھی۔"

"تو اختر کو اسی نے زہر دیا۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں..... ظہیر کے بیان کے مطابق وہ پچھلے کئی ماہ سے وہاں نہیں تھا۔ تم بھی عجیب احمق ہو کیا وہ سارے حالات تمہارے ذہن سے یکسر محو ہو گئے جن کی بناء پر یہ اندازہ لگایا گیا تھا کہ گھر ہی کا کوئی فرد ہے۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ اُس گھر کے کسی فرد نے صفدر سے زہر حاصل کیا۔"

"بڑی دیر میں سمجھے حضور۔"

ناشتہ آ گیا تھا اس لئے پھر حمید کو کچھ پوچھنے کا ہوش نہ رہ گیا۔

اس نے دو تین لمبے لمبے ہاتھ مارے اور چائے انڈیلنے لگا۔

"ایک اور دلچسپ اطلاع۔" فریدی اس کی بدحواسی پر دھیان دیئے بغیر بولا۔ "صفدر اس گرلز شمس کے ذریعہ متعارف ہوا تھا۔ دونوں کسی زمانے میں ہم جماعت رہ چکے ہیں۔"

"وہ مارا.....!" حمید نے حلق پھاڑ کر چلانے کی کوشش کی لیکن منہ کا نوالہ غیر ارادی طور پر ٹائی پھنس گیا اور "وہ مارا" کا نعرہ مکمل نہ ہو سکا۔

''تم بالکل جنگلی ہی ہو کیا۔'' فریدی بھنا کر بولا۔

حمید اپنا سینہ پیٹ رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے پانی بہنے لگا تھا۔

پھر اس نے چاہا کہ پھنسا ہوا لقمہ چائے کے گھونٹ سے اتارا جائے لیکن فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''اغے.....اغے.....ہچ.....ہچ.....!'' ہچکی بھی شروع ہو گئی۔

''نہیں.....تم آج اسی طرح مر جاؤ۔'' فریدی نے کہا اور اس کی چائے کی پیالی چھین لی۔

''مرا.....ہچ.....!'' حمید سینہ پیٹتا ہوا بولا۔

''ضرور مرو.....!'' فریدی نے اس کی پیٹھ پر گھونسہ مارتے ہوئے کہا۔ جھٹکے سے نوالہ حلق کے نیچے اتر گیا۔

یہ واردات کھانے کی میز پر ہوئی تھی اس لئے حمید کو ذرا بھی غصہ نہ آیا۔ اُس کے ماتھے پر شکن تک نہ تھی۔

''میں شروع ہی سے کہہ رہا تھا۔'' حمید حلوے کی پلیٹ پر ہاتھ صاف کرتا ہوا بولا۔ ''میرا سو فیصدی شبہ شمس ہی پر تھا۔''

''تب تم بالکل چغد ہو۔'' فریدی نے چائے کی پیالی اس کی طرف سرکا دی۔

''افسوس کہ آپ کو آج ہی اس کی اطلاع ملی۔'' حمید منہ چلاتا ہوا بولا۔ ''ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر میرے کہنے پر عمل کرتے تو اتنے دنوں تک پریشان نہ ہونا پڑتا۔''

''یعنی.....!''

''شمس کو پہلے ہی گرفتار کر لینا تھا۔''

''شمس مجرم نہیں ہو سکتا۔'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

''کیوں.....!''

''غالباً اس وقت تمہارا دماغ بھی معدے میں چلا گیا ہے۔'' فریدی بولا۔ ''اگر شمس ہی مجرم ہے تو اسے یہ ظاہر کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی کہ وہ گھر میں تھا ہی نہیں۔ فرض کرو اگر وہ مجرم ہے بھی تو معمولی ذہانت کا آدمی نہیں۔ ٹکٹوں کو زہر آلود کر کے کسی کی جان لینے والا اتنا

نہیں ہو سکتا کہ اپنی بریت کیلئے اس قسم کے بھونڈے اور مشکوک ثبوت پیش کرے اور پھر سے بڑی بات تو یہ ہے کہ جب وہ گھر میں موجود ہی نہیں تھا تو دودھ میں افیون کس نے ملائی۔''

''یہی تو میں بھی کہتا ہوں کہ وہ اس وقت گھر میں داخل ہوا جب سب سو گئے تھے۔'' حمید ا۔

''پھر بھی افیون کا مسئلہ رہا جاتا ہے۔''

''کیا آپ کو یقین ہے کہ اس میں سچ مچ افیون تھی۔''

''عجیب احمق آدمی ہو۔ ارے اس پیالے کی پیندی میں لگے ہوئے دودھ کا باقاعدہ طور پر ی تجزیہ ہوا تھا۔''

''پھر آپ کی دانست میں مجرم کون ہے۔''

''سارے واقعات تمہارے سامنے ہیں۔ تم خود ہی اس کا فیصلہ کرو۔''

''میں غیب داں نہیں ہوں۔''

''تو کیا تم مجھے غیب داں سمجھتے ہو۔''

ناشتہ ختم کرنے کے بعد فریدی لباس تبدیل کرنے لگا۔

''تیار ہو جاؤ۔'' اس نے حمید سے کہا۔

''ہر وقت تیار رہتا ہوں۔''

''جلدی کرو.....زیادہ وقت نہیں ہے۔''

''کہاں چلنا ہے۔''

''جہنم میں۔''

''فی امان اللہ.....بندہ وہاں کی موجودہ اقتصادی حالت معلوم کئے بغیر ہرگز نہ جائے گا۔''

''گھونسہ تیار ہے۔'' فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

''تو کیا گھونسے ہی پر تشریف لے جائیے گا۔''

''چلو.....!'' فریدی نے اس کی گردن پکڑ کر اُسے اس کے کمرے میں دھکیل دیا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی کی کیڈی لاک ظہیر کی کوٹھی کی طرف جا رہی تھی۔

''بیچارا صفدر دھوکے میں مارا گیا۔'' فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

''کیوں.....؟''

''اگر اختر کی موت کی صحیح وجہ اخبارات میں شائع ہوئی ہوتی تو وہ قیامت تک پولیس کو زہر کی گمشدگی کی اطلاع نہ دیتا۔ وہ غریب یہی سمجھتا رہا کہ پولیس اس معاملے میں دھوکہ کھا گئی اور اب بھی یہی سمجھتا ہے اسی لئے اس نے ابھی تک اقبال جرم بھی نہیں کیا۔''

''کیا یہ حقیقت ہے کہ آپ نے ظہیر کو بھی نہیں بتایا کہ اس کی موت زہر سے واقع ہوئی تھی۔''

''اسے پولیس ہی کے چند آدمیوں کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔''

''تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اصل مجرم اب بھی مطمئن ہوگا۔''

''قطعی.....لیکن ساتھ ہی ساتھ اُسے یہ خوف بھی ہوگا کہ کہیں صفدر کچھ اگل نہ دے۔''

''صفدر نے اس کی گمشدگی کی رپورٹ ہی کیوں کی۔''

''اگر رپورٹ نہ کرتا تب بھی ایک نہ ایک دن اس سلسلے میں اسے جوابدہ ہونا ہی پڑتا۔ پوٹاشیم سائینائیڈ آسانی سے دستیاب نہیں ہوتا۔ آخر وہ اسٹاک کہاں سے پورا کرتا۔''

''لیبارٹری کے تجربات میں اس کی کھپت دکھا دیتا۔''

''اتفاق سے وہ کسی قسم کے تجربے میں کام نہیں آتا۔ وہ صرف اس لئے رکھا جاتا ہے کہ کیمسٹری کے طلباء اس کی نوعیت سے واقف ہوسکیں۔ بہرحال اس نے رپورٹ کرنے میں اس لئے جلدی کی کہ اس کے دل پر بوجھ تھا۔ وہ جلد از جلد اس الجھن سے گلو خلاصی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ جب اس نے دیکھ لیا کہ پولیس کی نظر تہہ تک نہیں پہنچ سکی اور لاش دفن بھی ہوگئی تو اس نے رپورٹ کردی۔''

حمید کسی سوچ میں پڑ گیا۔

اُن کی ملاقات سب سے پہلے ظہیر ہی سے ہوئی۔

''میں خود ہی تمہارے یہاں آنے کے متعلق سوچ رہا تھا۔'' ظہیر نے کہا۔

''کوئی خاص بات.....!'' فریدی نے پوچھا۔

''ابھی تک اُس نے اقبال جرم نہیں کیا.....جب تک پولیس اس میں کامیاب نہ ہوجا

ئی، ضمانت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

''تم لوگوں کے معاملات سمجھ ہی میں نہیں آتے، جب اُس غریب نے چرایا ہی نہیں تو قبال جرم کہاں سے کرے گا۔''

''پولیس کو یقین ہے کہ چور وہی ہے۔''

''آخر کس بناء پر۔''

''بناء وناء وہی لوگ جانیں۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

''میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ وہ بہت نیک آدمی ہے۔''

''ہر نیک آدمی اُسے نیک ہی سمجھے گا۔'' حمید بولا۔

''گھر کے سب لوگ موجود ہیں۔'' فریدی نے ظہیر سے پوچھا۔

''ہاں.....کیوں.....؟''

''میں اُن سب کی موجودگی ایک جگہ چاہتا ہوں۔''

وہ سب ڈرائنگ روم میں اکٹھا ہو رہے تھے۔ نعیمہ پر ابھی تک وہی سوگوارانہ اثرات طاری تھے۔ شمس اپنی نشیلی آنکھوں سے فریدی اور حمید کو گھور رہا تھا۔ دونوں ہم شکل آج کچھ بیزار بیزار سے نظر آرہے تھے۔ ظہیر کی آنکھوں میں ایک طرح کا احتجاج تھا جسے وہ اپنی طبعی خوش اخلاقی میں چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ صرف فوزیہ ایسی تھی جس کی حالت میں کوئی خاص تبدیلی نہ دکھائی دی۔ اس نے اپنے ہاتھ میں ایک فائیل دبا رکھا تھا شاید وہ یونیورسٹی جانے کے لئے تیار تھی۔

''اب آپ لوگ یونیورسٹی پر بھی حملہ کرنے لگے ہیں۔'' اس نے مسکرا کر فریدی سے کہا۔

''یونیورسٹی خود ہی اس نیک کام کی دعوت دیتی ہے۔ میں کیا کروں۔''

''کیا آپ کی دانست میں کوئی چور بھی پولیس کی مدد لے سکتا ہے۔''

''یہ چور کی ذہنی حالت پر مبنی ہے۔ لیکن افسوس کہ صفدر بہت زیادہ ذہین ہے۔ اُسے یہ سوچنا چاہئے تھا کہ کم از کم پوسٹ مارٹم کرنے والے اتنے احمق نہیں ہوا کرتے۔''

''کیا مطلب.....!'' فوزیہ اُسے گھورنے لگی۔

''آپ لوگوں میں سے ایک فرد کی سمجھ میں میرا مطلب بہ آسانی آ گیا ہوگا۔'' فریدی

پورے مجمع پر نظر ڈالتا ہوا بولا۔

''کیا.....؟'' ظہیر کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

''ہاں.....!'' فریدی اس کے چہرے پر نظر جما کر بولا۔ ''میں ایک حیرت انگیز بات بتانے آیا ہوں۔''

''بھئی بتاؤ نا..... مجھے الجھن ہو رہی ہے۔'' ظہیر بے چینی سے بولا۔

''اختر کی موت خنجروں کی وجہ سے نہیں ہوئی تھی۔''

''پھر.....!'' متعدد آوازیں کمرے میں گونج کر رہ گئیں۔ دونوں ہم شکلوں نے قہقہہ لگایا۔

''انسپکٹر فریدی زندہ باد'' دونوں چیخنے لگے۔ ''میں زندہ باد..... تم زندہ باد..... سب زندہ باد۔''

''شور نہیں۔'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا ''تم دونوں بھی ادھیڑے جاؤ گے میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم میں سے صغیر کون ہے۔''

''ہائیں پھر وہی دونوں۔'' دونوں اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ ''زندہ باد..... واپس..... بالکل واپس۔''

''بیٹھ جاؤ..... زیادہ بچپنا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔'' فریدی حد درجہ سنجیدہ نظر آنے لگا تھا۔

''ہاں تو ظہیر صاحب۔'' اُس نے ظہیر کی طرف مڑ کر کہا۔ ''تم صفدر کے لئے اتنے بے چین کیوں ہو۔''

''تمہارا لہجہ بڑا عجیب ہے۔''

''اس کی بھی وجہ ہے۔''

''یعنی.....!''

''میرے خیال سے یونیورسٹی سے چرایا ہوا پوٹاشیم سائینائیڈ اسی گھر میں استعمال کیا گیا ہے۔''

''سائینائیڈ.....!'' فوزیہ فریدی کو گھورنے لگی۔ ہر ایک کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

''حیرت کی بات نہیں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''تم تو سائنس کی طالبہ ہو..... پوٹاشیم سائینائیڈ کی زرداثری سے واقف ہی ہوگی۔ بیچارا اختر اسی کا شکار ہوا۔''

''لیکن خنجر.....!''

''خنجر..... خنجر ان دونوں کو پھنسانے کے لئے اس کی موت کے بعد استعمال کئے گئے۔''

''ہائے پھر وہی دونوں۔'' ہم شکلوں نے اپنی پیشانیوں پر ہاتھ مارے۔

''شٹ اپ.....!'' حمید نے انہیں گھونسہ دکھایا۔

مجرم

ڈرائنگ روم میں مکھیوں کی سی بھنبھناہٹ گونجنے لگی۔ فریدی خاموشی سے اُن کے چہروں کا جائزہ لے رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولا۔

''مجرم نے بڑا شاندار پلان بنایا تھا۔ بیچاری نعیمہ کو دودھ میں افیون دی گئی۔ شمس صاحب کو دھوکہ دے کر باہر رکھا گیا۔''

''میں نہیں سمجھا.....!'' ظہیر نے کہا۔

''شاید شمس صاحب مجھے وضاحت کی اجازت نہ دیں۔'' فریدی نے مسکرا کر شمس کی طرف دیکھا۔ جو اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔ فریدی نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹالیں اور آہستہ سے بولا۔

''لیکن مجرم نے یہ طریقہ اس لئے نہیں اختیار کیا تھا کہ وہ اختر کو آسانی سے ختم کر سکے۔ ظاہر ہے کہ پوٹاشیم سائینائیڈ اتنا زود اثر ہوتا ہے کہ اس کے شکار کو ایک بار کراہنے تک کہ مہلت نہیں ملتی۔''

''پھر.....!'' نعیمہ کی پرسکون آواز سنائی دی۔

''مجرم نے یہ طریقہ اس لئے استعمال کیا کہ وہ اُن دونوں خنجروں کی موت کی وجہ ظاہر کر سکے۔ خنجر لگنے پر آدمی چیختا اور تڑپتا بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ اُس چیخ پکار کی وجہ سے کم از کم لائبریری کے قریب کے کمروں میں سونے والے تو بیدار ہو ہی سکتے ہیں لہٰذا مجرم نے تمہیں افیون دی تا کہ تم صبح پولیس کو یہ بتا سکو کہ تم گہری نیند سوئی تھیں، جو کم از کم تمہارے لئے ناممکن تھا۔ گھر بھر جانتا ہے کہ تمہاری نیند ذرا سی آواز پر بھی ختم ہو سکتی ہی۔ اس طرح وہ پولیس کو اس بات کا یقین دلانا چاہتا تھا کہ اس نے وہ حالات پیدا کر دیئے تھے کہ قریب کے کمروں والے بھی قتل سے بے خبر رہے۔''

"لیکن.....افسوس.....!" فریدی تھوڑی دیر رک کر مغموم آواز میں بولا۔

"مجرم کو اس بات سے واقفیت نہیں تھی کہ لاش میں خنجر چبھانے سے خون نہیں نکلتا۔"

"اوہ.....خون تو واقعی نہیں تھا۔" کئی آوازیں آئیں۔

"اب میں اس قتل کی وجہ جاننا چاہتا ہوں۔" فریدی نعیمہ کی طرف مڑا۔

"میں کیا بتا سکتی ہوں۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"وہ تم نے ہی اس سے لکھوایا تھا۔"

"جی ہاں.....لیکن آپ نے وعدہ.....کیا تھا۔"

"میں ابھی تک اس وعدے پر قائم ہوں۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "تم اُس رات کو ظہیر کے چلے آنے کے بعد لائبریری میں گئی تھیں۔"

"جی ہاں۔"

"وہ خط لکھ چکا تھا۔"

"جی ہاں۔"

"اور تم نے اُسے اس وقت پوسٹ کر دینے پر مجبور کیا تھا۔"

نعیمہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کا چہرہ دفعتاً زرد ہو گیا تھا اور آنکھیں اس طرح غیر متحرک ہو گئی تھیں جیسے پتھرا گئی ہوں۔

"کیا وہ ٹکٹ چپکاتے ہی چپکاتے ختم نہیں ہو گیا تھا۔" فریدی کی گرجدار آواز سناٹے میں گونجی اور نعیمہ کرسی سے لڑھک کر زمین پر آ رہی، بقیہ لوگ اٹھ کر اس کی طرف دوڑے وہ بیہوش تھی۔

"کیا ہے یار.....آخر کیا معاملہ ہے۔" ظہیر جھنجھلا کر بولا۔

"معاملہ بالکل صاف ہے۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا اور پھر ظہیر کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "میرے دوست مجھے افسوس ہے کہ یہ ناگوار فرض مجھے ہی انجام دینا پڑا۔"

"تو کیا نعیمہ.....!" ظہیر بے ساختہ چیخ پڑا۔

"مجھے افسوس ہے۔"

"تم جھوٹے ہو۔" ظہیر کی دادی نے فریدی کے کوٹ کا کالر پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔

"خود نعیمہ نے ابھی ابھی اس کا اعتراف کیا ہے۔"

"کیا کہا ہے.....اُس نے.....اُس نے کچھ نہیں کہا۔" ظہیر بدحواسی سے بولا۔ پھر اُس نے بدقت تمام دادی جان کے ہاتھوں سے فریدی کا کالر چھڑایا۔

"ٹھیک ہے.....اس نے کچھ نہیں کہا۔ لیکن کیا آپ لوگوں میں سے کوئی یہ بتا سکتا ہے کہ اختر کو زہر کس طرح دیا گیا۔"

سب لوگ نعیمہ کو اسی حال میں چھوڑ کر فریدی کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"بتائیے نا.....!" فریدی نے پھر پوچھا۔

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔

"آپ نہیں بتا سکیں گے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "لیکن نعیمہ میرا اشارہ سمجھ گئی تھی۔ اُس نے سمجھ لیا تھا کہ مجھ پر پوری پوری حقیقت واضح ہو گئی ہے۔"

"یعنی.....!"

"زہر لفافے پر چپکائے جانے والے ٹکٹ کی پشت پر لگایا گیا تھا۔"

ظہیر تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔ "لیکن کیوں.....نعیمہ نے اُسے کیوں مارا.....؟"

"یہ نعیمہ ہی بتائے گی، لیکن اتنا میں بتا سکتا ہوں کہ وہ صغیر کے ساتھ شادی کرنا نہیں چاہتی تھی۔"

ظہیر کی دادی پھر ابل پڑیں۔

نعیمہ ابھی تک بیہوش تھی۔

فریدی نے مختصراً ساری داستان دہرا دی اور اس نے اس لفافے کا تذکرہ بھی کیا جس کے ذریعہ اُسے اختر اور نعیمہ کے تعلقات کا علم ہوا تھا۔

"اگر یہ بات تھی تو اس نے اسی کو کیوں مار ڈالا۔"

"یہ تو وہی بتائے گی۔"

"غلط ہے.....قطعی غلط۔"

فریدی ان ہم شکلوں کی طرف مڑا۔

"صغیر.....تم بتاؤ.....وہ انیون۔"

''میرے صندوق میں کسی نے رکھ دی تھی۔''

''سنا تم نے.....ان دونوں کو مشتبہ بنانے کے لئے یہ نعیمہ کا دوسرا حربہ تھا۔''

''پھر وہی دونوں۔''

''بکومت.....!'' فریدی انہیں گھور کر بولا۔ پھر ظہیر سے کہنے لگا۔ ''اُس افیون پر نعیمہ کی انگلیوں کے نشانات صاف موجود ہیں۔''

حمید کو توالی فون کر چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد انسپکٹر جگدیش زنانہ فورس کے ساتھ ظہیر کی کوٹھی پر پہنچ گیا۔ نعیمہ گرفتار کر لی گئی۔ انہوں نے لاکھ لاکھ کوشش کی وہ اُسی وقت اقرار جرم کر لے لیکن اُس نے چپ سادھ لی تھی۔ ظہیر اور شمس وہاں سے ہٹ گئے تھے۔ گھر والوں میں سے صرف وہی دونوں ہمشکل موجود تھے۔ جب نعیمہ کو پولیس کی لاری پر چڑھایا جانے لگا تو وہ دونوں اپنے ہاتھ ہلا کر بولے ''ٹاٹا'' اور پھر اندر چلے گئے۔

حمید اور فریدی دونوں ظہیر کے خاندان کے لئے مغموم تھے۔ انہیں کئی گھنٹے تک کوتوالی میں ٹھہرنا پڑا۔ شام کو واپسی پر انہوں نے ان دونوں ہم شکلوں کو ا

''بہت بُرا ہوا۔'' دونوں نے ہانک لگائی۔

''صغیر.....!'' فریدی نے اُن میں سے ایک کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''شرارت ختم کرو.....ورنہ میں تمہارے لئے بھی کوئی نہ کوئی سمبل نکال لوں گا۔''

اس نے دوسرے کو آنکھ ماری اور فریدی سے بولا۔ ''کس طرح اندازہ لگایا آپ نے۔''

دوسرا قطعی خاموش تھا۔ حمید بوکھلا کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

''میرا خیال ہے کہ یہ صرف آوازوں کا نقال ہے۔'' فریدی نے دوسرے کی طرف اشارہ کیا۔ ''ویسے نہ یہ ہماری زبان سمجھتا ہے اور نہ بول سکتا ہے۔ جب تم بولتے ہو تو یہ من عن تمہاری آوازوں کی نقل کرتا چلا جاتا ہے۔''

''خدا کی قسم آپ بالکل ٹھیک سمجھے۔'' صغیر حیرت سے بولا۔ ''دوسرا اب بھی خاموش اور ان دونوں سے بے تعلق نظر آ رہا تھا۔''

''لیکن میں نے اس دن تم دونوں سے الگ الگ بات کی تھی۔'' حمید نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' صغیر مسکرا کر بولا۔ ''وہ اردو میں صرف دو جملے بول سکتا ہے، جو میں نے بڑی دشواری سے رٹائے ہیں۔ ''آدھا صغیر.....شاہد.....صغیر شاہد ایک بٹا دو'' جب آپ دوسری بار اس کے پاس جانے لگے تھے تو میں نے چیخ ماری تھی، جس کا مطلب یہ تھا کہ اب بیہوش ہو جانے کا وقت آ گیا ہے۔ لہٰذا ہم دونوں بیہوش ہو گئے۔ بیہوش ہو جانے کا ڈھونگ بھی اسی لئے رچایا تھا کہ وہ مجھ سے الگ ہو کر اردو نہ بول سکے گا۔''

''لیکن تم نے یہ سب کیا ہی کیوں تھا۔'' فریدی نے پوچھا۔

''محض مذاق.....شرارت۔ میرا ارادہ تھا کہ دو ایک دن گھر والوں کو تنگ کرنے کے بعد حقیقت ظاہر کر دوں گا.....لیکن.....!''

''لیکن کیا.....؟''

''اسی دوران میں اختر قتل کر دیا گیا اور میرے خنجر استعمال کئے گئے۔ اس لئے میں نے کہا چلو یہی دیکھو اب قانون تمہارے لئے کیا کر سکتا ہے۔''

''کیا تم خائف نہیں تھے۔''

''تھوڑا بہت خوف ضرور تھا۔ لیکن میں نے کہا چلنے دو.....پھر نعیمہ سے متعلق بہتیری باتیں مجھے معلوم ہوئیں۔ وہ اول درجے کی آوارہ لڑکی ہے۔ میں نے اُسے اختر کے ساتھ.....!''

''مجھے معلوم ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''لیکن تمہیں یہ ہم شکل کہاں سے ملا تھا۔''

''میڈغاسکر سے..... یہ ایک اطالوی ہے۔ اب سے تین سال قبل میں نے اسے بھکاریوں کے ایک گروہ میں دیکھا تھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر گھنی ڈاڑھی تھی.....لیکن میرا ہم شکل..... مجھے اس سے بہت محبت ہے۔ یہ عموماً ڈاڑھی رکھتا ہے.....ورنہ میرے جاننے والوں کو بڑی دشواری ہو جائے۔ اس کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ یہ آوازوں کا بہترین نقال ہے۔''

''بہترین نہیں بلکہ حیرت انگیز کہنا چاہئے۔'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''تو اب تم نے یہ ڈرامہ بالکل ختم کر دیا۔''

''قطعی۔''

''اس تفریح میں تمہارے کتنے روپے صرف ہوئے ہوں گے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''تقریباً ساڑھے سات ہزار۔'' صغیر نے ہنس کر کہا۔ ''میں اس قسم کی تفریحات پر بے دریغ روپیہ صرف کرتا ہوں۔ میرے جاننے والے مجھے پاگل سمجھتے ہیں۔ لیکن میں کیا کروں، میری تفریح کا معیار ہی یہی ہے۔ معیار نہیں بلکہ نوعیت کہیئے۔ خود بیوقوف بننا اور دوسروں کو بیوقوف بنانا۔ پھر بھلا ہلکی پھلکی شرارت میں کیا رکھا ہے۔ بہرحال اس شرارت سے مجھے اتنا فائدہ ضرور تھا کہ آپ جیسی عظیم شخصیت سے ذاتی طور پر واقفیت ہوگئی۔ میرا دعویٰ تھا کہ مجھے کوئی نہ پکڑ سکے گا..... مگر..... اچھا یہ بتایئے۔ آپ نے کیسے اندازہ لگایا کہ میں ہی صغیر ہوں..... ایک بار اور آپ نے اتنی ہی خود اعتمادی کے ساتھ میرا ہاتھ پکڑا تھا۔''

''کوئی خاص بات نہیں..... یہ بولتا تو ہے تمہاری ہی جیسی آواز میں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ آواز کسی مشین سے نکل رہی ہو..... اس کے چہرے کا اتار چڑھاؤ، الفاظ کا ساتھ نہیں دیتا۔ اس لئے میں اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ اردو جانتا ہی نہیں۔''

''حقیقتاً آپ اس دور کے زیرک ترین آدمی ہیں۔''

''اچھا..... آپ بھی مجھے بیوقوف بنانے لگے۔'' فریدی ہنس کر بولا۔

''نہیں خدا کی قسم نہیں۔'' صغیر نے سنجیدگی سے کہا پھر حمید سے بولا۔ ''اور آپ کے متعلق میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ میں اور آپ مل کر ساری دنیا کو انگلیوں پر نچا سکتے ہیں۔''

''نہیں اس کے لئے میں اکیلا ہی کافی ہوں۔'' حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

اس جواب پر صغیر کچھ جھینپ سا گیا۔

''نعیمہ نے اقرار جرم کیا یا نہیں۔'' اس نے فریدی سے کہا۔ ''سمجھ میں نہیں آتا کہ اُس نے اختر کو کیوں مار ڈالا۔''

''کیا تمہیں اُن دونوں کے تعلقات کے بارے میں پہلے سے معلوم تھا۔''

''معلوم چہ معنی دارد..... میں نے حادثے سے قبل والی رات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اختر اسی لئے کافی رات گئے تک لائبریری میں بیٹھا کرتا تھا کہ دونوں کو عیاشی کے موقعے نصیب ہو سکیں۔''

''نعیمہ کو میں ایسی لڑکی نہیں سمجھتا تھا۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔ ''ایک اختر ہی پر منحصر نہیں

س کے تعلقات صفدر سے بھی تھے۔''

''اوہ.....!''

''اختر سے اس کا جھگڑا ہو گیا تھا۔'' فریدی نے کہا۔ ''وہ شادی تو کرنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ س نے شادی سے بچنے کے لئے اختر کو اس بات پر آمادہ کرنا چاہا تھا کہ وہ اُسے لے کر کہیں چلا جائے۔ اختر اس پر تیار نہیں ہوا۔ اس پر دونوں میں جھگڑا ہو گیا۔ نعیمہ فطرتاً ضدی اور زود رنج قسم کی لڑکی ہے۔ اُس نے اختر کا خاتمہ کر دینے کا تہیہ کر لیا۔ صفدر سے پہلے ہی اُس کی راہ و رسم تھی اور شاید کبھی شادی کے سلسلے میں بھی عہد و پیماں ہوئے تھے۔ لہٰذا اس نے تمہیں ختم کر دینے کے لئے اس سے پوٹاشیم سائینائیڈ طلب کیا۔ صفدر کا یہی بیان ہے کہ اس نے تمہارے ہی لئے اسکیم بنائی تھی اور اس نے اسے کچھ اس طرح بہلایا کہ اُسے پوٹاشیم سائینائیڈ دینا ہی پڑا۔ صفدر اُسے بُری طرح چاہتا تھا۔ نعیمہ نے اس سے کہا تھا کہ وہ دونوں ہم شکلوں میں سے صغیر کو پہچان گئی ہے۔ صغیر کی موت کا الزام آسانی سے دوسرے کے سر تھوپا جا سکے گا۔''

''بہت خوب.....!'' صغیر مسکرا کر بولا۔

''اگر وہ ایسا کر گذرتی تو واقعی بڑی دشواریاں پیدا ہو جاتیں کیونکہ تم دونوں انتہائی پراسرار بنے ہوئے تھے۔ کم از کم میں تو لاکھ برس پتہ نہ لگا سکتا کہ تمہیں کس نے اور کیوں مارا۔ ہاں تو وہ اپنی محبت کا واسطہ دے کر زہر حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ اس نے صفدر سے یہ بھی کہا تھا کہ اگر صغیر مر گیا تو خاندان والے اس کیلئے اسی کو منتخب کریں گے کیونکہ انہوں نے پہلے ہی یہ سوچ رکھا تھا کہ صغیر نہ آیا یا اس نے شادی سے انکار کر دیا تو پھر اس کی شادی صفدر سے کر دی جائے گی۔''

''کمال کر دیا۔'' صغیر بڑبڑایا۔

''بہرحال زہر حاصل ہو جانے کے بعد اس نے پھر اختر کی خوشامد کرنی شروع کر دیں کہ وہ اُسے بھگا لے جائے لیکن اختر کسی طرح تیار نہ ہوا۔ قصہ مختصر یہ کہ اس نے اسے اس بات پر تیار کر لیا کہ وہ اپنے کسی دوست کو خط لکھ دے کہ وہ فلاں دن اپنی محبوبہ کو لے کر اس کے یہاں پہنچ رہا ہے۔ پھر وہ اکیلی ہی وہاں چلی جائے گی اور اس سے یہ کہہ دے گی کہ اختر کہیں راستے میں رک گیا ہے، بعد کو آ جائے گا اس نے اُسے یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ کسی ایسے آدمی سے

واقف نہیں جس کے یہاں وہ کسی دوسرے شہر میں جا کر قیام کر سکے۔ اس طرح وہ اس کے لئے ایک تعارفی خط ہو جائے گا۔ پھر کچھ دنوں بعد وہ خود ہی کہیں اپنا انتظام کر لے گی۔ شاید اختر نے اپنی جان چھڑانے کے لئے اس قسم کا خط لکھنا منظور کر لیا۔ شام ہی سے نعیمہ نے اس کی اسٹیشنری میں زہر لگے ہوئے ٹکٹ رکھ دیئے تھے اور اسی دوران میں وہ تمہارے خنجر بھی چرا چکی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ شمس والے خطوط کا لطیفہ بھی سنو..... دو خطوط اُسے اختر ہی نے بھیجے تھے۔ وہ دراصل اُسے بیوقوف بنا کر لطف اندوز ہونا چاہتا تھا۔ نعیمہ کو اس کا بھی علم تھا۔ تیسرا خط خود اُس نے لکھ دیا اور اس کے ساتھ اپنے البم کی ایک تصویر بھی کر دی۔ تصویر دیکھ کر شمس صاحب کے الو سیدھے ہو گئے اور انہیں سچ مچ منٹو پارک کی سوجھ گئی۔ بہرحال وہ بیچارا مفت میں مارا گیا اور پھر جب اس کے ہاتھ کے نیچے سے وہ خط برآمد ہوا تو وقتی طور پر مجھے یقین ہو گیا کہ تم نے ہی اُسے قتل کیا ہے۔"

"بڑا الجھا ہوا کیس تھا۔" صغیر بولا۔

"صرف دو غلطیوں کی بناء پر وہ پکڑی گئی۔ ایک تو وہ افیون جس میں اس کی انگلیوں کے نشانات تھے..... دوسری غلطی تھی صفدر کی جلد بازی۔ اس نے زہر کی گمشدگی کی رپورٹ دینے میں بڑی جلدی کی۔"

"خیر صاحب..... یہ تجربہ بھی زندگی بھر یاد رہے گا۔" صغیر انگڑائی لے کر بولا۔

"مقدمے کے دوران میں تم دونوں کو یہیں ٹھہرنا پڑے گا۔"

"ہاں..... پھر وہی دونوں۔" صغیر کے ساتھ اس کا ہم شکل بھی بول پڑا۔ شاید اس نے اسے اشارہ کیا تھا۔

فریدی اور حمید ہنس پڑے۔

"اطالوی کے علاوہ کوئی اور زبان بھی جانتا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں.....!" دونوں نے ایک ساتھ کہا۔ "اچھا اب اجازت چاہوں گا۔"

دونوں نے ایک ساتھ اپنے ہاتھ مصافحہ کے لئے بڑھا دیئے۔

ختم شد

ابنِ صفی

جلد نمبر 9

جاسوسی دنیا

27- چار شکاری

28- بے گناہ مجرم

29- لاشوں کا آبشار



پیشرس

جو داستان پیش کی گئی ہے اپنی دلچسپی کے اعتبار سے ابن صفی کے دوسرے کارناموں سے کسی طرح بھی پیچھے نہیں۔ اس ناول میں سرجنٹ حمید نے صحیح معنوں میں خود کو فریدی کا جانشین ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ ایک خوفناک سازش کا شکار ہو کر قانون کی نظروں میں مجرم بن جاتا ہے اور اُسے روپوشی اختیار کرنی پڑتی ہے.... ایک ایسی لڑکی قتل کر دی جاتی ہے، جو سرجنٹ حمید کو کسی ریاست کا شہزادہ سمجھتی ہے.... کیوں سمجھتی تھی؟.... اس پر خود حمید کو بھی حیرت تھی.... ایک بینک کا ڈیڑھ من سونا خاک ہو جاتا ہے.... ایسے شکاری جو کوؤں کا شکار کھیلتے تھے.... بھلا سونے کی خاک اور کوؤں سے کیا تعلق ہو سکتا ہے.... لیکن فریدی اپنی حیرت انگیز معلومات کی بناء پر دونوں کا تعلق ڈھونڈ ہی نکالتا ہے.... حمید تنہا مجرموں کا مقابلہ کرتا ہے اور ایک جگہ شراب پی کر وہ کتوں کی طرح بھونکتا ہے.... مجبوراً فریدی کو اس پر ٹھنڈا پانی ڈالنا پڑتا ہے.... چاروں شکاری کیا کر رہے تھے.... انہوں نے جو ڈھونگ پھیلایا تھا اس کے لئے پس منظر میں کیا تھا؟

میرا دعویٰ ہے کہ آپ اس ناول کو بار بار پڑھیں گے۔

(پبلشر)

شامت

تین موٹر سائیکلیں برابر سے سڑک پر دوڑ رہی تھیں۔ سرجنٹ حمید نے کئی بار کوشش کی کہ اپنی موٹر سائیکل ان کے درمیان سے نکال لے جائے لیکن کامیاب نہ ہوا۔ وہ تینوں رہ رہ کر ایک ساتھ اس طرح لہریں لیتی تھیں کہ سڑک کی پوری چوڑائی اُن کے حیطۂ عمل میں آجاتی تھی۔ حمید ہارن پر ہارن دیتا رہا لیکن اُن تینوں سواروں کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ حمید کو تاؤ آگیا۔ اگر وہ تنہا ہوتا تو شاید اُسے تاؤ نہ آتا لیکن بات دراصل یہ تھی کہ پچھلی سیٹ پر اُس نے ایک خوبصورت سی لڑکی کو بھی لاد رکھا تھا اور وہ راستے بھر اُسے طرح طرح کے کرتب دکھا کر اُس کی سریلی چیخیں سنتا آیا تھا۔ ایک بار تو اس بیچاری کو بالکل یقین ہو گیا تھا کہ وہ دونوں موٹر سائیکل سمیت چکنا چور ہو جائیں گے۔ ہوا یہ کہ حمید نے ایک سائیکل سوار کے قریب سے گذرتے وقت اُس کی ٹوپی اچک لی۔ توازن جو گڑبڑایا تو موٹر سائیکل سڑک کے نیچے اُتر گئی۔ اگر حمید نے فوراً ہی ہینڈل نہ سنبھال لیا ہوتا تو موٹر سائیکل دس پندرہ فٹ گہری کھائی میں چلی گئی ہوتی۔

اس نے تو وہیں سے واپسی کے لئے ہلڑ مچانا شروع کر دیا تھا لیکن حمید پہلے ہی طے کر چکا تھا کہ بالی کیمپ کے اکلوتی ریستوران میں اسٹیک کھائے بغیر واپسی کا سوال ہی نہ پیدا ہوگا۔ اس لڑکی کا نام سارہ تھا۔ یہ اینگلو انڈین تھی لیکن اردو اتنی صاف بولتی تھی کہ اہل زبان کا دھوکا ہوتا تھا۔ البتہ بعض اوقات باتوں کی رو میں لہجہ نہ سنبھال پاتی تھی۔ اس کے اور حمید کے تعلقات کے متعلق

صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ وہ اس کی نئی دریافت تھی۔ ایک رقص گاہ میں ان کی ملاقات ہوئی اور پھر دونوں میں گاڑھی چھننے لگی۔

آج اتوار تھا۔ حمید فریدی سے کٹ کر سارہ کے ٹھکانے پر پہنچا اور اسے بالی کیمپ کی طرف لے اڑا۔ بالی کیمپ جنگ کے زمانے میں یقیناً کیمپ رہا ہوگا لیکن اب تو وہاں لوہے کے کئی کارخانے قائم ہوگئے تھے اور ان بارکوں میں مزدور رہنے لگے ہیں جن میں کبھی فوج رہا کرتی ہوگی۔ بہرحال پُر فضا جگہ ہونے کی بناء پر اب اُسے تفریح گاہ کی حیثیت سے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ تار جام جانے والی سڑک کی ایک شاخ مشرق کی طرف مڑ گئی ہے۔ یہی بالی کیمپ کا راستہ ہے۔ اس سڑک کا کوئی خاص نام نہیں ہے۔ نہ جانے کیوں؟ یہ اب تک صرف "بالی کیمپ والی سڑک" کہلاتی ہے اس کے شروع پر ایک کھمبے پر ایک تیر نصب ہے جس پر "بالی کیمپ" لکھا ہے اور بس! سڑک کے دونوں طرف سرسبز ٹیلے ہیں جن پر اکثر بھیڑوں کے ریوڑ دکھائی دیتے ہیں۔ تار جام کی سڑک سے کٹنے کے بعد بالی کیمپ تک درمیان میں کوئی آبادی نہیں ملتی۔

"سارہ ڈارلنگ....!" حمید گنگنایا۔ "ٹکرا دوں.... کسی سے۔"

"میں نہیں جانتی۔" سارہ کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔ "میری نس نس ٹوٹ گئی ہے۔"

"سارہ ڈارلنگ! اس وقت زندگی کا حسن بڑھ گیا ہے۔"

"تم سور ہو.... اب میں کبھی تمہارے ساتھ نہ نکلوں گی۔"

"اوہو.... تو تمہیں یقین ہے کہ تم آج زندہ جاؤ گی۔"

سارہ نے جھلا کر اُس کی پشت پر مکے جھاڑنے شروع کر دیئے۔ حمید نے موٹر سائیکل کو ایک گہری لہر دی اور آگے جانے والی موٹر سائیکلوں کے درمیان سے صاف نکال لے گیا لیکن وہ اپنے پیچھے بیٹھی ہوئی سارہ کی حرکات و سکنات سے قطعی لاعلم تھا۔ اُس نے اس سے اپنے کمال کی داد ضرور چاہی مگر یہ نہ دیکھ سکا کہ وہ ان تینوں کو کسی قسم کا اشارہ کر کے پھر اس کی پیٹھ پر دھولیں جمانے لگی تھی۔

"روکو! ارے روکو.... میں مری....!" دفعتاً اُس نے چیخنا شروع کر دیا۔

حمید نے رفتار کم کر کے موٹر سائیکل سڑک کے کنارے لگا دی۔

"ہائے....!" سارا سڑک کے کنارے بے تحاشہ گر کر کراہی۔

"کیا ہوا....؟" حمید اس پر جھک پڑا۔

"ہائے....!" سارہ سڑک کے کنارے بے تحاشہ گر کر کراہی۔

"کیا ہوا....؟" حمید اس پر جھک پڑا۔

"ہائے....!" وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر اینٹھ گئی۔ "پتہ نہیں.... کیا ہو گیا.... اُف.... ہائے۔"

تینوں موٹر سائیکلیں نظر سے اوجھل ہو گئی تھیں اور سڑک بالکل سنسان تھی۔

حمید اسے سہارا دے کر ٹیلوں کی طرف لے گیا۔

وہ گھاس پر لیٹ گئی۔

"آخر بتاؤ نا....!"

"پسلیوں میں.... نہ جانے کیا ہو گیا.... ہائے۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" حمید نے بوکھلا کر کہا۔ "اب یہاں کیا کیا جا سکتا ہے۔"

"مجھے دفن کیا جا سکتا ہے۔" سارہ جھلا کر بولی۔

"یہ بھی مجھ اکیلے کے بس کا روگ نہیں۔"

"سور ہو تم.... چپ رہو.... ہائے.... ہائے۔"

"اچھا تو چلو.... اب کیمپ تھوڑی دور ہے.... وہاں ڈسپنسری بھی ہے۔"

"چھوڑ دو مجھے.... چلے جاؤ یہاں سے۔ اُس نے گھاس پر لوٹ لگائی۔"

"یعنی تمہیں یہاں چھوڑ کر چلا جاؤں۔"

"اُف.... ہائے.... چپ رہو۔"

"اچھا چپ ہوں.... مگر....!"

"ہائے.... چپ....!"

"ارے.... پھر چپ۔"

حمید نے کئی بار جھنجھلا کر اپنا سر پیٹ لینے کا ارادہ کیا لیکن.... کامیاب نہ ہوا۔ سارا برابر کراہے جا رہی تھی۔ نہ وہ موٹر سائیکل پر بیٹھ کر بقیہ راستہ طے کرنے پر رضامند ہوتی تھی اور نہ یہی بتاتی تھی کہ تکلیف کی نوعیت کیا ہے۔ وہ سراسیمگی کی حالت میں اِدھر اُدھر دیکھ ہی رہا تھا کہ ٹیلے کی دوسری جانب سے ایک آدمی اُن کی طرف آتا نظر آیا۔ سارہ کو زمین پر تڑپتے دیکھ کر وہ

رک گیا۔ پھر اُس نے جواب طلب نظروں سے حمید کی طرف دیکھا۔ وضع قطع سے کسی اچھی سوسائٹی کا فرد معلوم ہوتا تھا۔

"کیا بات ہے؟" اُس نے حمید سے پوچھا۔

"اچانک دونوں پسلیوں میں کچھ.... نہیں بلکہ نہ جانے کیا ہو گیا ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"افوہ.... مطلب ہی پر تو میں بھی غور کر رہا ہوں۔"

"خیر! میرے لائق کوئی خدمت۔" اُس نے تشویش ناک لہجے میں پوچھا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔" حمید پر جھلاہٹ سوار ہو رہی تھی۔

"میرے خیال سے انہیں ادھر لے چلئے۔" اُس نے ٹیلے کی دوسری طرف اشارہ کر کے کہا۔ "ہمارے ساتھ ایک ڈاکٹر بھی ہے۔"

ٹیلے کے دوسری طرف والے نشیب میں تین چار آدمی مختلف قسم کی تفریحات میں مشغول تھے۔ اُن کے سازو سامان سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس طرف پکنک کی غرض سے نکل آئے ہیں۔ تھوڑے فاصلے پر ایک خوبصورت سی کار بھی کھڑی ہوئی تھی۔

حمید اور سارہ کو دیکھ کر وہ کھڑے ہو گئے۔ سارہ ہولے ہولے کراہتی ہوئی حمید کے سہارے چل نہیں بلکہ رینگ رہی تھی۔ ان کے ساتھ والے آدمی نے اپنا کوٹ اتار کر زمین پر بچھا دیا اور سارا کروٹ کے بل گر کر ہانپنے لگی۔

"ڈاکٹر....!" حمید کے ساتھ والے نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک کو مخاطب کیا۔ "اچانک ان کی طبیعت کچھ خراب ہو گئی ہے۔"

"اوہ....!"

"ڈاکٹر....!" حمید نے اپنے ذہن میں دہرایا اور بغور اُس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

خدوخال کچھ جانے پہچانے سے معلوم ہو رہے تھے۔ وہ سوچ میں پڑ گیا کہ آخر اُس نے اُسے کہاں دیکھا تھا۔ جب کچھ یاد نہ آیا تو اُس نے اپنے ذہن میں ابھرنے والے سوالیہ نشان کو تاریک گوشوں میں دھکیل دیا۔

ڈاکٹر سارہ پر جھکا ہوا اُس سے تکلیف کی نوعیت معلوم کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے سر

اٹھا کر کہا۔

"کوئی تشویش ناک بات نہیں! اکثر اچانک جھٹکوں کی بناء پر رگوں اور پٹھوں میں اس قسم کی تکلیف ہو جاتی ہے۔ میرے خیال سے تھوڑی سی برانڈی مناسب رہے گی۔"

"برانڈی....!" حمید نے سارہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہمارے پاس موجود ہے۔" ایک آدمی باسکٹ میں ہاتھ ڈالتا ہوا بولا۔

اُس نے گلاس میں تھوڑی سی برانڈی انڈیل کر سارہ کی طرف بڑھا دی۔ سارہ نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر کے زمین پر لڑھکا دیا اور پھر لیٹ گئی۔

سورج غروب ہونے میں ابھی دیر تھی۔ حمید شدت سے بور ہو رہا تھا۔ ساری تفریح کرکری ہو کر رہ گئی تھی۔ اب بالی کیمپ پہنچنے سے زیادہ اُسے واپسی کی فکر تھی۔ لیکن سارہ کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کم از کم ایک آدھ گھنٹے سے قبل واپسی کے لئے تیار نہ ہو سکے گی۔

حمید مجبوراً موٹر سائیکل بھی اسی طرف دھکیل لایا۔

"شاید آپ اسٹوڈنٹ ہیں۔" ڈاکٹر نے حمید کو مخاطب کیا۔

"جی ہاں۔" حمید نے خاکسارانہ انداز میں کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ آپ لوگوں کی تفریح میں خلل پڑا۔"

"نہیں بالکل نہیں۔" ڈاکٹر ہنس کر بولا اور اپنے آگے رکھے ہوئے گلاس میں برانڈی انڈیلنے لگا۔

بقیہ لوگوں نے بھی اپنے گلاس سنبھال رکھے تھے۔

"آپ بھی لیجئے۔" ڈاکٹر نے اپنا گلاس حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"جی.... شکریہ.... میں نہیں پیتا۔"

"مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔" ڈاکٹر نے قہقہہ لگایا۔

"حقیقت عرض کر رہا ہوں۔"

"کیا آپ نے کبھی نہیں پی۔"

"یہ بھی نہیں کہہ سکتا۔"

"دیکھئے میں غلط تو نہیں کہہ رہا تھا۔" ڈاکٹر نے پھر قہقہہ لگایا۔ "میں جانتا ہوں کہ آپ عادی نہیں۔ لیکن خیر جانے دیجئے بعض کمزور دماغ کے آدمی بہکنے کے خوف سے پینے سے گریز کرتے ہیں۔"

اس جملے پر حمید کو تاؤ آگیا اور پھر اُس نے یہ ثابت کرنے کے لئے گلاس اٹھالیا کہ وہ اعصابی کمزوری کا شکار نہیں ہے۔ اس نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اسے ایک ہی سانس میں خالی بھی کر دیا۔

اس نے فاتحانہ انداز میں سارہ کی طرف دیکھا اور وہ ڈاکٹر کو مخاطب کر کے بولی۔

"کیا آپ کی برانڈی مفت کی ہے۔"

"نہیں تو.... کیوں؟"

"آپ نے بہت بُرے آدمی کو دعوت دی ہے۔" اُس نے ہنس کر کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"آپ کو پوری بوتل کی یاد میں آنسو بہانے پڑیں گے۔"

"نہیں.... خیر.... اتنے پیکڑ نہیں معلوم ہوتے۔" ڈاکٹر حمید کی طرف دیکھ کر ہنسا۔

"حمید نے انتہائی بے تکلفی سے بوتل اٹھائی اور کافی مقدار میں برانڈی انڈیل کر سوڈے کی بوتل کھولنے لگا۔ ڈاکٹر حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ حمید کو دعوت دے کر سچ مچ حماقت کر بیٹھا ہو۔

"معاف کیجئے گا۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "دو تین پگ میں تو میرے کان بھی گرم نہیں ہوتے۔"

اُس نے دوسرا گلاس بھی پیا نہیں بلکہ پیٹ میں انڈیل لیا۔ شیخی میں آکر اُس نے یہ حرکت کر ڈالی لیکن یہ سوچ رہا تھا کہ سینے کی خراش عرصے تک تکلیف کا باعث بنی رہے گی۔ برانڈی کافی تیز اور پرانی معلوم ہوتی تھی۔ دوسرے آدمیوں کے چہروں پر تحیر کے آثار دیکھ کر اُس نے تیسرے گلاس کے لئے بوتل کی طرف ہاتھ بڑھایا اور سارہ ہنسنے لگی۔

"معاف کیجئے گا۔" ڈاکٹر نے بوتل اٹھاتے ہوئے کہا۔ "آپ بڑی بے دردی سے پی رہے ہیں۔ میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔"

اس نے بوتل باسکٹ میں ڈال دی۔

"دیکھئے آپ مہمان نوازی کی روایات کو پانی پلا رہے ہیں۔" حمید ہنس کر بولا۔ پھر دفعتاً اُسے احساس ہوا کہ واقعی چڑھ رہی ہے۔ وہ "پانی پھیرنے" کے محاورے کو غلط بول گیا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ نشے میں اُس نے روایات کو پانی پلا دیا۔ اس نے دوبارہ اپنے جملے پر غور کیا تو اُسے بڑے زور سے ہنسی آگئی۔

وہ لوگ بھی ہنسنے لگے اور حمید اپنے ذہن سے کشتی لڑنے میں مشغول ہو گیا۔ شراب واقعی بہت تیز تھی۔ اُسے اپنا جسم ہوا میں پینگیں لیتا ہوا معلوم ہونے لگا تھا۔ اُسے اپنی حماقت پر غصہ آیا اور نشے کی تیزی کچھ اور بڑھ گئی.... اور پھر جب شام کی ٹھنڈی ہوا نے اُس کے کان سہلائے تو مزہ ہی آگیا۔

"اب چلو اٹھو۔" اُس نے سارہ کو اس طرح ڈانٹا جیسے وہ اس کی بیوی ہو۔

"میری طبیعت ابھی ٹھیک نہیں ہوئی۔" سارہ جھلا کر بولی۔

"ایسی جلدی بھی کیا۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "ابھی بہت وقت ہے۔ پانچ ہی تو بجے ہیں۔"

پھر وہ سب سارہ اور حمید کو لڑتے چھوڑ کر آپس میں گفتگو کرنے لگے۔ یہ گفتگو سیاسی معاملات پر تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے حمید وغیرہ کی آمد سے قبل بھی اُن کا موضوع گفتگو سیاست ہی رہا ہو۔

ڈاکٹر شاید اپنے ساتھیوں کی کٹ حجتی سے عاجز آگیا تھا۔ اُس نے زچ ہو جانے والے انداز میں کہا۔ "بھئی جیسے بعض سرکاری معاملات کا علم بہت کم لوگوں کو ہوتا ہے اب تمہیں کس طرح سمجھاؤں۔ اچھا اسے یوں سمجھ لو! بہتیرے آدمیوں کو معلوم ہے کہ دلاور نگر سے سونے کی بھاری مقدار یہاں آنے والی ہے۔ لیکن شاید انہیں یہ نہ معلوم ہو کہ وہ کس تاریخ کو اور کس ٹرین سے آئے گی۔"

"معلوم کیوں نہ ہوگا۔" ایک آدمی بولا۔

"قطعی نہیں۔" ڈاکٹر نے سر ہلا کر کہا۔ "عوام کو ایسی باتیں نہیں معلوم ہونے پاتیں۔"

دفعتاً حمید فاتحانہ انداز میں ان کی طرف مڑا۔ اس کا دماغ اس وقت اس کی کھوپڑی کے اوپر لہرا رہا تھا۔

"کیا.... فر.... مایا آپ نے! عوام کو.... یہ باتیں نہیں معلوم.... ہا.... ہا.... پھس میں بھی عوام ہوں.... لیکن.... پھس.... میں جانتا ہوں۔"

ڈاکٹر ہنسنے لگا۔

"اس وقت تو آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ خلیل خاں آج کل شتر مرغ اڑاتے ہیں۔"

"ہاں.... آپ.... اڑاتے تو ہیں۔ خلیل خاں میرے چچا ہیں۔" حمید اپنے سینے پر ہاتھ مار

کر بولا۔

"واقعی چڑھ گئی ہے۔" ڈاکٹر نے کہا اور سب ہنسنے لگے۔ حمید کو غصہ آ گیا۔

"تم پر پھاڑ گئی ہے۔" وہ گرج کر بولا۔ "میں بتا سکتا ہوں کہ سونا کب آ رہا ہے۔"

"یار مت کان کھاؤ۔" ڈاکٹر بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "تمہیں پلا کر میں نے اپنے سر عذاب مول لے لیا۔"

"خدا قسم.... وہ تیرہ تاریخ کو سترہ ڈاؤن سے آئے گا۔"

وہ سب حلق پھاڑ کر ہنسنے لگے۔ حمید نے غصے میں اپنے ہی منہ پر تھپڑ مار لیا اور اتنا زوردار کہ اُسے لڑکھڑا کر دو تین قدم پیچھے ہٹ جانا پڑا۔

"شکر کرو کہ یہ تھپڑ میرے ہی منہ پر پڑا ہے۔" وہ دانت پیس کر بولا۔

"یار کیا آفت مول لی ہے۔" ڈاکٹر نے پریشانی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "اب اگر ان حضرت نے اس وقت موٹر سائیکل استعمال فرمائی تو سیدھے ملک الموت سے بغل گیر ہو جائیں گے۔"

"چوپ راؤ۔" حمید جھومتا ہوا بولا۔ "آؤ سارہ ڈارلنگ چالیں۔"

"ہرگز نہیں ایسی غلطی بھی نہ کیجئے گا۔" ڈاکٹر نے سارہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہائیں.... تم میری محبوبہ پر.... عاشق ہونے کی کوشش کر رہے ہو۔" حمید ڈاکٹر کو مکا دکھا کر بولا۔ "ہڈیاں چور کر دوں گا۔"

"صاحب زادے ہوش میں آؤ.... ورنہ....!"

"معاف کر دیجئے....!" سارہ گھبرا کر بولی۔ "یہ نشے میں ہیں۔"

"ڈارلنگ.... ڈارلنگ:... تم میری توہین کر رہی ہو۔"

"چپ رہو۔" سارہ نے اُسے ڈانٹا۔

"ہائے تم بھی ڈاکٹر ہو گئیں۔" حمید گلوگیر آواز میں بولا۔

"میں کہتی ہوں، بالکل زبان بند رکھو۔"

"ارے تو بتاؤ نا کہاں بند رکھوں۔"

"آپ واپس کس طرح جائیں گی۔" ڈاکٹر نے سارہ سے پوچھا۔ "یہ تو بائکل بیکار ہیں۔"

"اگر میں بیکار ہوں تو تم واہیات ہو۔" حمید حلق کے بل چیخا۔

"اگر آپ انہیں اور مجھے اپنی کار میں شہر تک پہنچا دیں تو بڑی مہربانی ہو گی۔" سارہ نے کہا۔

"اور آپ میں سے کوئی ان کی موٹر سائیکل پر بیٹھ لیں۔"

"ٹٹو پر بیٹھ لیں۔" حمید مکا تان کر سارہ کی طرف بڑھا۔

"آپ عجیب آدمی ہیں۔" ڈاکٹر نے اُسے پکڑ لیا۔

"ہٹ.... جاؤ.... میں اسے مار ڈالوں گا۔"

ان سب نے حمید کو پکڑ کر بٹھا لیا۔ سارہ بے تحاشہ ہنس رہی تھی۔

"ہنستی ہو.... گویا میں کتے کا پلا ہوں۔"

"چپ رہئے جناب.... آپ تو واقعی....!" ڈاکٹر بے بسی سے بولا۔

"نائیں چپ رہتا جناب.... آپ خود جناب۔"

ڈاکٹر کے ساتھی بہت زیادہ دلچسپی لے رہے ہیں۔ ڈاکٹر نے اُن سے کہا بھی کہ ان دونوں کو اُن کے ٹھکانے پر پہنچا دیا جائے لیکن انہوں نے دھیان نہ دیا۔

"آپ کا نام کیا ہے جناب!"

"کبھی نہیں.... بتاؤں گا.... تم لوگ مجھ کو اُلو سمجھتے ہو۔"

"نہیں نہیں.... ہم آپ کو اُلو سے بھی بڑی چیز سمجھتے ہیں۔"

"میں چیز ہوں....؟" حمید بگڑ کر بولا۔ "آپ خود چیز ہیں.... چیز.... چیزیں.... چیزوں.... چوزوں۔"

"میرے خیال سے آپ انہیں چھوڑیئے اور چلئے ہمارے ساتھ۔" ایک نے سارہ سے کہا۔

"نہیں یہ ناممکن ہے۔" سارہ بولی۔

"دیکھا تم نے.... دیکھا۔" حمید اس کے چہرے کے سامنے انگلی نچا کر ہنسا۔ تاریکی پھیلتی جا رہی تھی۔ حمید زمین پر داہنی کہنی ٹیک کر سارا کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"کیا کہتی ہیں آپ۔" ڈاکٹر نے سارہ سے پوچھا۔

"کچھ نا ہیں کہتی.... جاؤ.... چالے جاؤ۔" حمید نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔

"مان جاؤ ڈارلنگ۔" سارہ اس کا سر سہلا کر بولی۔

"ہائے.... ایسے بولو نا.... مان گیا.... چالو۔"

حمید لڑکھڑاتا ہوا اٹھا اور وہ سب زمین پر بکھرا ہوا سامان سمیٹنے لگے۔

کار میں بیٹھتے ہی حمید کا نشہ ہرن ہونے لگا کہ سارہ اُسے اس حالت میں اپنے کوارٹر میں تو ہرگز نہ لے جائے گی۔ سارہ نرس تھی اور ہسپتال کے سرکاری کوارٹر میں رہتی تھی اور حمید نے اُسے اپنی جائے رہائش کے متعلق آج تک کچھ نہ بتایا تھا۔ پھر فریدی اور اس کی باز پرس کا خیال آتے ہی اُس کے جسم پر کپکپی طاری ہوگئی! وہ شروع ہی سے اس جدوجہد میں مصروف تھا کہ نشے کو اپنے ذہن پر غالب نہ آنے دے مگر رہ رہ کر اٹھنے والی اس لہر کو کیا کرتا، جو اُسے بہکنے پر مجبور کر رہی تھی اچانک ذہن نے پھر پلٹا کھایا اور اُسے اپنے اوپر غصہ آنے لگا کہ آخر وہ فریدی سے اتنا ڈرتا کیوں ہے، یہ بزدلی ہے۔ کمزوری ہے.... بالکل کمزوری ہے۔

"میں پیوں گا.... اور پیوں گا....!" وہ حلق پھاڑ کر چیخا۔ "کسی کے باپ کا ساجھا۔"

"خرید کر پینا.... برخوردار....!" ڈاکٹر مسکرا کر بولا۔

"خرید کر پیوں گا.... پرید کر خیوں گا۔ سمجھتے ہو۔ میں بزدل نہیں ہوں۔"

مرمت

کمپاؤنڈ میں شور سن کر فریدی باہر نکل آیا۔ دو تین نوکر کتے خانے کے قریب کھڑے ہنس رہے تھے۔ وہ اُس طرف اندھیرا ہونے کی بناء پر اُن کے چہرے نہ دیکھ سکا لیکن ہر ایک کی آواز وہ بخوبی پہچان رہا تھا۔

"کیا بات ہے....!" اُس نے بلند آواز میں پوچھا۔

سناٹا چھا گیا۔ نوکر خاموش ہوگئے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُس نے کسی آدمی کو کتوں کی طرح بھونکتے سنا۔

"کیا بیہودگی ہے۔" اس نے جھنجھلا کر کہا۔ تینوں نوکر وہاں سے ہٹ کر پورٹیکو میں آگئے۔ بھونکنے کی آواز بدستور جاری تھی۔

"کیا ہے....؟" فریدی کو غصہ آگیا۔

"حمید صاحب۔" ایک نوکر نے کہا اور بے ساختہ ہنس پڑا۔

"اندر جاؤ۔" فریدی انہیں گھور کر بولا۔ پھر اُس نے حمید کو آواز دی لیکن وہ برابر بھونکتا رہا۔

فریدی جھنجھلاہٹ میں آگے بڑھا۔

حمید کتے خانے کے کٹہرے سے منہ ملائے زمین پر بیٹھا بھونک رہا تھا۔

"یہ کیا حرکت....!"

"بھوں....!" حمید نے نہایت سادگی سے جواب دیا۔

فریدی نے اُس کی گردن پکڑ کر اُسے ایک جھٹکے کے ساتھ کھڑا کر دیا۔

"چیاؤں.... چیاؤں.... چیاؤں۔" حمید اس طرح چلایا جیسے کوئی کتا پتھر کھا کر بھاگتے وقت آوازیں نکالتا ہے۔

"یہ بات ہے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ حمید کے منہ سے بو آرہی تھی۔ اتفاقاً اس کا ہاتھ اس کے کوٹ کی جیب سے ٹکرا گیا جس میں حمید نے بوتل ٹھونس رکھی تھی۔

ہوا یہ کہ شہر پہنچ کر حمید نے موٹر سائیکل تو دولت گنج کے تھانے میں چھوڑ دیا اور وہاں سے ٹیکسی کر کے ہوٹل ڈی فرانس میں آیا۔ یہاں اُس نے ڈرائی جن کی ایک بوتل خرید لی۔ چوتھائی بوتل وہیں صاف کر دی اور بقیہ جیب میں ڈال کر پھر ٹیکسی پر بیٹھا اور گھر آگیا۔

"کیوں سور.... یہ کیا حرکت۔" فریدی نے ایک ہاتھ سے اس کی گردن دبوچی اور دوسرے سے بوتل نکال کر زمین پر پٹخ دی۔

"میں بزدل نائیں ہوں۔" حمید پوری قوت سے چیخا۔

"نائیں کے بچے ابھی بتاتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور اسے کھینچتا ہوا اندر لے چلا۔

"او.... سارہ.... ڈارلنگ۔" حمید دردناک آواز میں چلایا۔

فریدی نے اُسے برآمدے کے فرش پر دھکیل دیا۔ سارے نوکر اکٹھا تھے۔

"اپنے اپنے کمروں میں جاؤ۔" فریدی ان کی طرف مڑ کر بولا۔

وہ سب چپ چاپ چلے گئے۔

"کیوں سور.... تم نے پھر شراب پی۔" فریدی نے اُس کے دونوں کان جھنجھوڑ کر کہا۔

"اُکھڑ گئے.... ہائے اُکھڑ گئے۔" حمید گالوں پر کان ڈھونڈ رہا تھا۔

"میں آج تمہیں زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

"سارہ ڈارلنگ.... اوہو ہو ہو۔"

فریدی اُسے دوبارہ اٹھا کر دھکے دیتا ہوا اندر لے جا رہا تھا۔

"اپنے ساتھ مجھے بھی بدنام کرتے ہو۔"

"میں پیوں گا.... پھر پیوں گا.... مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔" حمید جھومتا ہوا بولا۔

"میں اپنے باپ کی گود میں بیٹھ کر پیوں گا۔" پھر اُس نے کان پر ہاتھ رکھ کر ہانک لگائی۔

"پینے کے دن آئے پیئے جا۔"

اس کے بعد شائد وہ کمر پر ہاتھ رکھ ناچنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ فریدی نے اُس کی ٹانگوں میں اپنا پیر اڑا دیا اور وہ دھڑام سے زمین پر گر پڑا۔

"مار ڈالوں گا۔" حمید اٹھ کر فریدی کی طرف جھپٹا اور فریدی کو ہنسی آگئی اس نے پھر اپنی ٹانگ آگے بڑھا دی اور حمید پھر گر پڑا۔

اس بار وہ خود سے نہ اٹھ سکا فریدی نے کھینچ کھانچ کر اُسے سیدھا کیا۔

"کس نے پلائی ہے تمہیں۔" اُس نے حمید کو جھنجھوڑا۔

"بوتل نے.... بوتل میں مے ہے، مے میں نشہ.... ارے ہاں۔"

"تم نے پچھلی بار قسم کھائی تھی نا۔" فریدی نے پھر اس کا کان پکڑا۔

"مچھلی کب کھائی تھی۔"

"سارہ کون ہے؟"

"سارہ.... سارہ ہے! بارہ بارہ ہے۔ تیرہ چودہ ہے.... چودہ سہی ایک بٹا دو ہے۔"

فریدی نے اُسے دھکے مار مار کر ڈرائنگ روم سے بھی نکالا اور اب وہ اسے غسل خانے کی طرف لئے جا رہا تھا۔ اُس نے ایک ہاتھ سے حمید کی گردن پکڑی اور دوسرے سے نل کھول دیا۔ پانی کی تیز دھار حمید کے سر پر گر رہی تھی۔

"ارے.... ہوق.... ہوق.... پھو.... پھو.... ارے مرا.... پھو....!"

"پھر پیو گے۔"

"نہیں.... ارے.... پھو.... پھو.... مرا....!"

تھوڑی دیر تک یہی سلسلہ جاری رہا۔

پھر وہ اُس کے سونے کے کمرے میں لے آیا۔ حمید کا نشہ تو خاک اترتا البتہ اُس کا سر آہستہ آہستہ بھاری ہوتا جا رہا تھا اور وہ خاموشی سے فریدی کو اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا جیسے وہ اُس کے لئے کوئی اجنبی ہو۔ فریدی نے اس کا سر تولئے سے خشک کیا اور بھیگے ہوئے کپڑے اتارنے لگا۔

"تمہاری حرکتیں اب ناقابلِ برداشت ہوتی جا رہی ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ دراصل فریدی کا یہ جملہ ایک بے معنی بے ربطی کے ساتھ اس کے ذہن میں اترا تھا۔ اُس نے کچھ کہنا چاہا لیکن ذہن کا بوجھ اس کی زبان پر بھی حاوی ہو گیا اس کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ وہ اب چپ چاپ سو جائے۔

دوسری صبح وہ دونوں ایک دوسرے سے اینٹھے ہوئے تھے۔ حمید کو پچھلی رات کی ساری باتیں ایک بے ربط خواب کی طرح یاد تھیں۔ حمید شرمندہ بھی تھا اور وہ حقیقتاً فریدی کا سامنا کرتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ ناشتے کی میز پر بھی دونوں خاموش ہی رہے حمید محسوس کر رہا تھا کہ فریدی اس کی طرف دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کر رہا ہے۔

ناشتہ ختم کرنے کے بعد حمید ٹیکسی کر کے دولت گنج چلا گیا تھا۔ تھانے سے موٹر سائیکل لینی تھی۔ تھانے کا سیکنڈ آفیسر اس کا گہرا دوست تھا اس نے حمید کو چھیڑا۔ لیکن حمید کا موڈ اس قابل ہی نہیں تھا کہ وہ تھوڑی دیر رک کر اس سے گپ لڑاتا۔

وہ دولت گنج سے سیدھا آفس پہنچا۔ فریدی کی کیڈیلاک تو کمپاؤنڈ میں موجود تھی۔ وہ اپنے کمرے میں نہیں تھا۔ سرجنٹ رمیش اپنی ڈسک پر سر جھکائے کسی فائیل کی ورق گردانی کر رہا تھا۔ حمید کی آہٹ پر چونک پڑا۔

حمید اپنی ڈسک کی طرف بڑھا۔

"سننا تو یار ذرا۔" رمیش نے اُسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

"سن رہا ہوں۔" حمید نے مڑے بغیر جواب دیا۔

"آج صاحب کا موڈ اتنا بگڑا ہوا کیوں ہے۔"

"رات زیادہ پی گئے ہوں گے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"تو کیا پینے بھی لگے ہو۔"

"کب نہیں پیتا تھا۔"

حمید اپنی ڈسک پر آبیٹھا۔ اُس کی طبیعت بھاری ہو رہی تھی اور دل چاہ رہا تھا کہ کرسی ہی پر بیٹھے بیٹھے سو جائے۔ رہ رہ کر سارے جسم میں کچھ ایسی لہریں دوڑتی معلوم ہو رہی تھیں جو کبھی گرم جان پڑتیں اور کبھی ٹھنڈی! نتھنوں سے چنگاڑیاں سی نکل رہی تھیں۔

"آج انسپکٹر صاحب بھی کچھ جھنجھلائے ہوئے ہیں۔" رمیش بولا۔

حمید کوئی جواب دینے کی بجائے اپنی ڈسک آہستہ آہستہ کھٹکھٹانے لگا۔ رمیش چند لمحے اس کی طرف مضحکانہ انداز میں دیکھتا رہا۔ پھر فائیل کی ورق گردانی میں مشغول ہو گیا۔

حمید ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہا۔ ایک عجیب قسم کی اکتاہٹ اس کے ذہن پر مسلط تھی۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے زندگی کا سارا حسن ختم ہو گیا ہو۔ کائنات کی رگیں ٹوٹ رہی ہوں اور انہیں کے ساتھ رجائیت کا وہ تانا بانا بھی ٹوٹ رہا ہو۔ جو اس نے اپنی شخصیت کے گرد پھیلا رکھا تھا۔ ایک بے نام سی خلش اُس کے سینے میں رہ رہ کر چبھ رہی تھی۔

دفعتاً اُس کی نظریں یوں ہی غیر ارادی طور پر اُس فائیل کی طرف اٹھ گئیں۔ جسے سرجنٹ رمیش الٹ پلٹ رہا تھا۔

"ذرا ٹھہرو تو.....!" اس نے کہا اور تیزی سے اٹھ کر رمیش کے پاس پہنچ گیا۔ پھر اس نے وہ صفحہ چٹکی سے پکڑ لیا جسے رمیش الٹنے جا رہا تھا۔

اس کی نظریں اسی صفحے پر چپکی ہوئی ایک تصویر پر جم گئی تھیں۔ اچانک اسی کی طبیعت کا اضمحلال غائب ہو گیا اور سانسیں تیزی سے چلنے لگیں۔

اتنے میں فریدی آگیا۔ اُس نے ایک اچٹتی سی نظر حمید پر ڈالی اور اپنے میز پر رکھے ہوئے کاغذات الٹنے پلٹنے لگا۔

حمید پھر اپنی ڈسک پر آبیٹھا۔ رمیش کو اس کے رویے پر حیرت تھی۔ وہ کچھ سمجھ ہی نہ سکا اور حمید یہ بھول گیا تھا کہ وہ آفس کے کمرے میں بیٹھا ہے اور وہاں اس کے علاوہ دو آدمی اور بھی ہیں۔ رمیش تھوڑی دیر تک اسے گھورتا رہا پھر اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

حمید کا ذہن ایک بھورے رنگ کی ڈاڑھی کا ایک ایک بال چن رہا تھا۔ اور پھر جب وہ ڈاڑھی غائب ہو گئی تو حمید بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر کل ہی اُسے یہ یاد آگیا ہوتا کہ

سے ڈاکٹر کا چہرہ جانا پہچانا سا کیوں معلوم ہو رہا تھا تو اس وقت فریدی اُسے اینٹھنے کی بجائے اس کی پیٹھ ٹھونک رہا ہوتا۔

فریدی کے میز پر رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجی۔ اُس نے ریسیور اٹھا لیا۔

"یس.... فریدی اسپیکنگ .... اوہ جگدیش.... کیا بات ہے.... ہاں.... ہاں.... اچھا.... تو پھر.... یار مجھے ناحق تکلیف دیتے ہو.... کچھ رقابت.... و قابت کا سلسلہ رہا ہوگا۔ ان لوگوں کو اکثر اسی قسم کے حادثات سے دوچار ہونا پڑتا ہے.... کیونکہ.... یہ درجنوں چاہنے والے رکھتی ہیں.... چھوڑو.... چھوڑو.... میں بہت مصروف ہوں.... تھوڑی پوچھ گچھ کرو.... سب معلوم ہو جائے گا.... اس کے عاشقوں کی فہرست تیار کرنا زیادہ مفید ہوگا.... اماں بچے ہی رہو گے ہمیشہ.... اسکے ساتھ والیوں سے پوچھو.... اگر کوئی خاص دشواری ہو تو بتانا....!"

فریدی نے ریسیور رکھ کر سگار سلگایا اور حمید کو تیکھی نظروں سے دیکھتا ہوا رمیش سے مخاطب ہو گیا۔

"سول ہسپتال کی.... کوئی نرس تھی سارہ.... کسی نے اُسے قتل کر دیا۔"

"کیا....؟" حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

فریدی اس کا نوٹس لئے بغیر سگار پیتا رہا۔ حمید بیٹھ گیا۔ اُس کا سر چکرانے لگا تھا۔ سارہ قتل کر دی گئی کیوں؟ کس لئے؟ کس نے قتل کیا؟ مگر ممکن ہے کوئی اور سارہ ہو! لیکن پھر بھی اس کی الجھن رفع نہ ہوئی۔ وہ اٹھ کر تیزی سے فون کے قریب آیا۔

"ہیلو.....!" اُس نے ریسیور اٹھا لیا۔ اُس کا اندازہ پہلے ہی سے تھا کہ جگدیش سول ہسپتال ہی سے بولا ہوگا اس لئے اس نے وہیں کے لئے رنگ کیا۔ "سول ہسپتال.... ذرا انسپکٹر جگدیش کو فون پر بلا دیجئے۔"

اُسے زیادہ دیر تک انتظار نہ کرنا پڑتا۔ دوسری طرف سے جگدیش کی آواز آئی اور حمید بولنے لگا۔

"ہیلو.... میں فریدی بول رہا ہوں۔"

اس پر فریدی نے اُسے گھور کر دیکھا لیکن حمید بولتا ہی رہا۔ "کیا وہ کوارٹر ہی میں پائی گئی ہے.... اوہ.... کوارٹر کا نمبر کیا ہے.... سولہ.... اوہ.... اچھا۔"

حمید ریسیور رکھ کر اپنے ماتھے سے پسینہ پونچھنے لگا۔

فریدی پہلے سمجھا تھا کہ شاید حمید اُسے گھسنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن اُس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ چونک پڑا۔ حمید کی آنکھوں میں سراسیمگی تھی۔

"کیوں....؟" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

حمید اُسے باہر چلنے کا اشارہ کر کے کمرے سے نکل گیا۔

فریدی متحیرانہ انداز میں اُس کے پیچھے چل رہا تھا۔ دونوں لان پر نکل آئے۔

حمید چند لمحے فریدی کے چہرے پر نظریں جمائے رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "کل میں سارہ کے ساتھ تھا۔"

"تم....!"

"جی ہاں۔" اور میں یہ نہیں سمجھتا کہ اس کی موت رقابت کے سلسلے میں واقع ہوئی۔

"کیوں....؟"

"کل میں نادانستہ طور پر.... جہاں تک میرا خیال ہے ایک بہت بڑے مجرم سے جا ٹکرایا تھا۔"

"یعنی....!"

"سردار صفدر سے۔"

"کس سے....؟" فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"سردار صفدر سے۔" حمید نے کہا اور پچھلی شام کی پوری روداد سنا کر بولا۔ "میں دولت گنج کے تھانے میں اتر گیا تھا اور وہ لوگ اسے اس کے کوارٹر تک پہنچانے چلے گئے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ڈاکٹر.... سردار صفدر ہی تھا۔"

"ہو سکتا ہے تمہیں دھوکا ہوا ہو۔" فریدی بولا۔ "تم نے فائیل میں صرف تصویر دیکھی تھی یا رپورٹ پڑھنے کی بھی زحمت گوارا کی تھی۔"

"نہیں میں نے رپورٹ نہیں پڑھی۔"

"آج سے چھ ماہ قبل سردار صفدر ایک حادثے کا شکار ہو کر مر چکا ہے۔"

"ہوگا! لیکن ان معاملات میں میری نظریں بہت کم دھوکا کھاتی ہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ اگر اس تصویر سے ڈاڑھی نکال دی جائے تو اسی ڈاکٹر کا چہرہ برآمد ہوگا۔"

"ہوں.... لیکن وہ نرس...." فریدی آہستہ سے بولا۔ "کیا تم کل اُسے اس کے کوارٹر سے

لے گئے تھے۔"

"جی ہاں۔"

"ظاہر ہے کہ وہاں کچھ لوگوں نے تمہیں اس کے ساتھ ضرور دیکھا ہوگا۔"

"یقیناً....!"

"چلو یہی اچھا ہوا کہ تم دولت گنج ہی میں اُتر گئے تھے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "وہ تمہارے متعلق سب کچھ جانتی رہی ہوگی۔"

"نہیں.... میں نے اُسے اپنا نام شاہد بتایا تھا۔"

"ہوں.... مگر تمہیں کبھی عقل نہ آئے گی۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔

اگر تمہاری بات تسلیم کر بھی لی جائے تو یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ سارہ کے قتل میں انہیں لوگوں کا ہاتھ ہے۔"

"کسی طرح نہیں۔"

"پھر....؟"

"پھر یہ کہ.... میں سول ہسپتال جا رہا ہوں۔"

"دماغ خراب ہوا ہے۔" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔ "اگر کسی نے پہچان لیا تو زحمت میں پڑو گے۔"

"تو پھر آپ جائیے۔ میں نے اپنی زندگی کے چند بہترین لمحے اسکے ساتھ گذارے ہیں۔"

"آخری لمحہ بھی اُسی کے ساتھ گذارتے تو بہتر تھا۔" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

شہزادہ

تھوڑی دیر تک حمید پر بگڑتے رہنے کے بعد فریدی سول ہسپتال کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ اُسے اپنے ساتھ نہیں لے گیا۔ سارہ کے کوارٹر کے سامنے خاصی بھیڑ تھی اور وہاں کھڑے ہوئے کانسٹیبل بڑی دیر سے مجمع ہٹانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن انہیں اس میں کامیابی نہیں ہوئی تھی۔

"بہت اچھا ہوا کہ آپ آگئے۔" انسپکٹر جگدیش فریدی کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"کیا کوئی خاص بات ہے۔"

"بہت ہی خاص.... قتل تو زیادہ الجھا ہوا نہیں معلوم ہوتا۔ مگر ٹھہریئے! میرے ساتھ آیئے.... لاش اس کمرے میں ہے۔"

جگدیش اُسے لاش والے کمرے میں لے گیا۔ اینگلو انڈین نرس فرش پر چت پڑی تھی۔ کسی نے اس کا گلا گھونٹ کر خاتمہ کر دیا تھا۔ ڈاکٹر ابھی تک لاش کے قریب ہی موجود تھا۔ اس نے بتایا کہ موت پچھلی رات کو دس اور بارہ بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔

"دروازہ باہر سے بند تھا۔" جگدیش نے فریدی کو بتایا۔

"ہوں....!" فریدی نے بے خیالی میں سر ہلا دیا۔ اُس کی نظریں اُس میز پر جمی ہوئی تھیں جس پر پچھلی رات کا کھانا چنا گیا تھا.... دو کرسیاں آمنے سامنے پڑی تھیں کھانا دو آدمیوں کا معلوم ہوتا تھا اور شاید اس میں سے کچھ بھی نہیں کھایا گیا تھا۔

"تمہارا اندازہ کیا ہے۔" فریدی نے جگدیش کو مخاطب کیا۔

"قاتل .... مقتولہ کے لئے اجنبی نہیں تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ یہاں پچھلی رات کو غیر متوقع طور پر نہیں آیا تھا کیونکہ میز پر دو آدمیوں کا کھانا جیوں کا تیوں موجود ہے۔"

"قیاس غلط نہیں معلوم ہوتا۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"لیکن کھانے سے قبل ہی قاتل اس پر حملہ کر بیٹھا۔" جگدیش نے کہا "اور اسے ختم کرنے کے بعد چپ چاپ نکل گیا۔ مگر میں بڑی الجھن میں پڑ گیا ہوں۔"

"کیوں....!" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"ادھر آیئے۔" رمیش نے اُسے دوسرے کمرے میں چلنے کو کہا۔

اور پھر فریدی کو ایک تحیر خیز بات سے دوچار ہونا پڑا۔ اُس کے ہاتھ میں دو ٹائپ کئے ہوئے خطوط اور ایک تصویر تھی اور تصویر بھی کس کی؟ میاں حمید کی۔

"یہ ساری چیزیں مقتولہ کے بکس سے برآمد ہوئی ہیں۔" جگدیش نے کہا۔

فریدی اُن دونوں خطوط کو پڑھ رہا تھا۔ ان میں حمید نے سارہ کو دھمکی دی تھی کہ اگر تم نے اس کا ساتھ نہ چھوڑا تو میں تم دونوں کو قتل کر دوں گا۔ خطوط کے نیچے اُس نے اپنے پورے دستخط

ٹین پن سے کئے تھے اور نام کے ساتھ سرجنٹ بھی لکھا تھا اور دوسری بات یہ کہ وہ دونوں
ط خود فریدی ہی کے رائیٹنگ پیڈ کے کاغذوں پر ٹائپ کئے گئے تھے۔

"اور سنئے۔" جگدیش آہستہ سے بولا۔ "کل دن کو یہ ایک آدمی کے ساتھ موٹر سائیکل پر
ں گئی تھی۔ دیکھنے والوں نے اس آدمی کا جو حلیہ....!"

"وہ حلیہ بھی حمید ہی کا ہے۔" فریدی پر سکون لہجے میں بولا۔

"جی ہاں.... میں بڑی الجھن میں پڑ گیا ہوں لیکن مقتولہ کی ساتھ والی نرسوں نے اس آدمی
ام شاہد بتایا تھا۔"

"ہوں.... کیا اُن میں سے کسی کو یہ تصویر بھی دکھائی ہے۔"

"جی نہیں.... قطعی نہیں.... ان خطوط اور اس تصویر کا علم میرے علاوہ کسی اور کو نہیں۔"

"ٹھیک....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ہاں تم نے مجھے کیا اسی لئے فون کیا تھا۔"

"جی نہیں! یہ چیزیں تو فون کرنے کے بعد برآمد ہوئی ہیں۔ دوبارہ آپ کو فون کرنے ہی
رہا تھا کہ آپ آگئے۔"

"میں ذرا اُن نرسوں سے الگ الگ ملنا چاہتا ہوں۔ جنہوں نے اس کا نام شاہد بتایا ہے۔"

"میں بلواتا ہوں۔ سب میٹرن کے کوارٹر میں موجود ہیں۔"

فریدی وہیں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ جگدیش باہر جا چکا تھا اور فریدی متجسس نظروں سے
روں طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر پریشانی یا الجھن کے آثار قطعی نہ تھے اور نہ اُسے حمید
غصہ ہی آرہا تھا۔ اسے اس پر بھی جھلاہٹ نہیں تھی کہ حمید نے اُن خطوط کے لئے اُس کے پیڈ
کاغذ کیوں استعمال کیا جس پر اُس کا نام چھپا ہوا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد جگدیش ایک نرس کے ساتھ واپس آیا۔

"تمہارا نام....!" فریدی نے اُس سے پوچھا۔

"تھیوڈورا۔"

"سارہ کو کب سے جانتی تھیں۔"

"جب سے یہاں آئی تھی۔"

"کب سے تھیں....!"

"چھ ماہ قبل....!"

"اس کے ملنے والوں سے بھی کچھ واقفیت رکھتی ہو۔"

"ہسپتال والوں کے علاوہ صرف ایک آدمی سے اس کے تعلقات تھے وہ بھی ابھی حال ہی کے تھے۔"

"کس سے۔"

"شاہد سے۔"

"وہ کہاں رہتا ہے۔"

"یہ مجھے نہیں معلوم۔ لیکن اتنا بتا سکتی ہوں کہ میں نے آج تک شاہد کے علاوہ اسے اور کسی بیرونی آدمی کے ساتھ نہیں دیکھا۔"

"کیا وہ کل شاہد ہی کے ساتھ کہیں گئی تھی۔"

"جی ہاں۔"

"تم نے دیکھا تھا۔"

"جی ہاں۔"

"اور پھر وہ دونوں واپس آئے تھے۔"

"ان کی واپسی کے متعلق میں کچھ نہیں جانتی۔"

پھر فریدی نے حمید کی تصویر جیب سے نکال کر اُس کے سامنے ڈال دی۔

"اسے پہچانتی ہو۔" اس نے پوچھا۔

"اوہ! یہی تو وہ ہے شاہد۔" وہ بے ساختہ بولی۔

"تمہیں کس نے بتایا تھا کہ اس کا نام شاہد ہے۔"

"خود سارہ نے۔"

فریدی نے یکے بعد دیگرے اُن ساری نرسوں سے گفتگو کی جو حمید کو بحیثیت شاہد جانتی تھیں۔ بہر حال اس کے علاوہ کوئی اور بات معلوم نہ ہو سکی کہ وہ شاہد کے متعلق صرف اتنا ہی جانتی تھیں کہ اس کا نام شاہد ہے اور نام انہیں سارہ ہی سے معلوم ہوا تھا۔

"سارہ اُن کے متعلق کچھ اور بھی کہا کرتی تھی۔" فریدی نے ان سے پوچھا۔

پہلے اس نے انہیں فرداً فرداً الگ بلا کر سوالات کئے تھے اور اب وہ سب ایک ہی جگہ پر تھیں۔ اس کی اس بات کا جواب فوراً ہی نہیں ملا۔ اُن میں سے سبھی کے چہرے سوچ میں ڈوب گئے تھے۔

"ایک بات....!" ایک نرس بولی۔ "عجیب ہونے کی بناء پر مجھے اب تک یاد رہ گئی ہے ویسے اور کسی کا دھیان نہیں۔"

"کیا....؟"

ایک بار وہ باتوں کی رو میں کہہ گئی تھی کہ شاہد کی شخصیت پُر اسرار ہے جس دن اُس پر سے پردہ اٹھے گا دنیا حیرت زدہ رہ جائے گی۔

"اوہ....!" فریدی پُر خیال انداز میں اُسے دیکھنے لگا۔ "کچھ اور۔"

"اور.... کوئی خاص بات نہیں۔ ویسے وہ زیادہ تر اسی کی باتیں کیا کرتی تھی۔ بڑا خوش مزاج ہے۔ انتہائی ذہین، خوش سلیقہ اور مہذب وغیرہ وغیرہ۔"

فریدی نے انہیں رخصت کر دیا.... پھر وہ جگدیش کیطرف مڑ کر بولا۔ "مُرے پھنسے میاں حمید۔"

"تو کیا حمید نے.... واقعی....!" جگدیش چونک کر بولا۔

"میرا یہ مطلب نہیں کہ حمید نے اسے قتل کیا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "بھلا حمید اور رقابت! یار اس کی محبت رقابت والی ہوتی ہی نہیں۔ وہ تو بس لڑکیوں کا ساتھ چاہتا ہے۔ افلاطونی عشق پر یقین نہیں رکھتا۔"

"اور یہ خطوط۔"

"خطوط....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ذرا یہ تو سوچو کہ جب اس نے مقتولہ کو اپنا نام شاہد بتایا تھا تو پھر خطوط میں سرجنٹ حمید لکھنے کی کیا ضرورت تھی اور پھر خطوط بھی کیسے قتل کی دھمکی والے۔ نہیں جگدیش صاحب! اگر وہ ایسا کرتا بھی تو کم از کم میرے رائیٹنگ پیڈ کا کاغذ نہ استعمال کرتا۔"

"تو میں کب کہہ رہا ہوں کہ حمید صاحب قاتل ہیں۔" جگدیش جلدی سے بولا۔

"نہیں شبہ تو کرنا ہی پڑے گا۔" فریدی نے کہا۔ "اور ہاں یہ بھی سنو کہ یہ دستخط حمید ہی کے ہیں یا یوں سمجھو کہ بالکل ویسے ہی ہیں۔"

"تب تو....."

"نہیں اس بناء پر بھی یقین نہیں کیا جاسکتا کہ یہ حمید ہی کی حرکت ہے۔ کیونکہ ہم آئے دن ایسے نقلی دستخطوں سے دوچار ہوتے رہتے ہیں کہ اصل اور نقل میں تمیز کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔"

"لیکن ابھی اس نرس نے کہا تھا کہ سارہ نے شاہد کی پُر اسرار شخصیت کی طرف اشارہ کیا تھا۔" جگدیش نے کہا۔

"ہاں یہ بات ضرور تشویش ناک ہے۔ اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شاہد کی اصلیت سے واقف تھی بہر حال معاملہ پیچیدہ ہے۔"

"حمید صاحب ہیں کہاں۔" جگدیش نے پوچھا۔

"آفس میں۔"

جگدیش خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

"آپ نے ان لوگوں کو تصویر کیوں دکھادی۔"

"میں یہ بات چھپانا نہیں چاہتا کہ حمید بھی اس کیس میں مشتبہ حیثیت رکھتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "خیر تم تو ایک بار یہاں کی تلاشی لے ہی چکے ہو! ذرا میں بھی دیکھ لوں۔"

فریدی ایک ایک چیز کو بنظر غائر دیکھ رہا تھا۔ ایسے نشانات کی طرف سے تو اسے پہلے ہی مایوسی ہو چکی تھی، جو قاتل نے چھوڑے ہوں۔ اس کا خیال تھا کہ قاتل نے ہاتھوں میں دستانے پہن کر سارہ کا گلا گھونٹا تھا لیکن اس بات پر حیرت ضرور تھی کہ پاس پڑوس والوں کو بھی اس حادثے کی خبر نہ ہوئی۔ سارہ ایک تندرست لڑکی تھی آسانی سے تو نہ مری ہوگی۔

اُس کی کتابوں کی الماری دیکھتے وقت فریدی کو اعتراف کرنا پڑا کہ وہ ایک ستھرے مذاق کی لڑکی تھی الماری میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں تھی جو کسی گھٹیا مصنف کی ہوتی فحش قسم کا امریکی لٹریچر بھی نہیں دکھائی دیا۔

اس تلاشی کے دوران میں صرف ایک چیز کام کی مل سکی۔ یہ سارہ کی ڈائری تھی اور پھر وہ اس کے اوراق الٹ پلٹ رہا تھا ایک جگہ شاہد کا نام دیکھ کر اُس کی دلچسپی بڑھ گئی۔

مقتولہ نے خالص رومانی انداز میں لکھا تھا۔

"کیا سچ مچ میرے خواب حقیقت بن جائیں گے۔ میں بچپن ہی سے ایک ایسے شہزادے کے متعلق سوچتی آرہی ہوں جو مجھے اچانک مل جائے، مجھے چاہنے لگے لیکن ایک معمولی آدمی کی

حیثیت سے اور پھر اچانک یہ راز کھل جائے کہ وہ ایک شہزادہ ہے ہم دونوں حسین مرغزاروں میں ٹہلتے پھریں۔ بکراں وسعتوں میں اکیلے ہوں۔ نیلا آسمان دور کی پہاڑیوں پر جھکا ہوا معلوم ہو اور پہاڑوں پر ڈوبتے ہوئے سورج کی قرمزی کرنیں ہولے ہولے رینگ رہی ہوں۔ ہمارے سروں پر قازوں کی لمبی سی قطار پرواز کر رہی ہو اور ہمارے پیروں کے نیچے ٹھنڈی ٹھنڈی گھاس ہو۔ شہزادے کی پُر خواب آنکھیں میری روح کی گہرائیوں میں جھانک رہی ہوں۔ پھر وہ میرے زانو پر سر رکھ کر سو جائے۔ کاش میرے خوابوں کی تعبیر سچ مچ مجھے مل گئی ہو۔ میرا دل کہتا ہے کہ شاہد شہزادہ ہے۔ اُس کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجھ سے کچھ چھپانا چاہتا ہے۔ مجھے اس کی شخصیت پُر اسرار معلوم ہوتی ہے۔ میرا شہزادہ مجھے مل گیا ہے۔ میری حسین آرزو! شاہد شہزادہ ہے۔ ایک دن یہ راز ضرور کھلے گا۔"

فریدی سوچ میں پڑ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا حمید اُسے بیوقوف بنا رہا تھا۔ وہ کچھ بھی رہا ہو لیکن اب یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ سارہ اسے حمید کے نام سے نہیں جانتی تھی۔ فریدی نے پوری ڈائری دیکھ ڈالی۔ اس میں شاہد کا تذکرہ کئی جگہ کیا گیا تھا لیکن حمید کی اصل حیثیت کے متعلق کہیں ہلکا سا اشارہ بھی نہ ملا۔

"اسے بھی دیکھو....!" فریدی نے وہ ڈائری جگدیش کی طرف بڑھادی۔

تقریباً پندرہ بیس منٹ تک سکوت رہا.... اس دوران میں جگدیش ڈائری کی ورق گردانی کرتا رہا اور فریدی کمروں کی دوسری چیزیں الٹتا پلٹتا رہا۔

"بھئی کمال کر دیا حمید نے بھی۔" جگدیش آہستہ سے بڑبڑایا۔ "شہزادے صاحب۔"

"تمہاری کھوپڑی الٹ گئی ہے۔" فریدی بولا۔

جگدیش استفہامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ڈائری کی کسی تحریر سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ شاہد نے خود کو کسی شہزادے کی حیثیت سے پیش کیا ہو۔ مقتولہ خود اسے شہزادہ سمجھنے پر مصر دکھائی دیتی ہے کس بناء پر؟ ڈائری اس کا جواب نہیں دیتی۔"

"عجیب معاملہ ہے۔" جگدیش سر ہلا کر بولا۔

فریدی نے وہ ڈائری اُس سے لے کر اپنی جیب میں ڈال لی۔ تصویر اور خطوط بھی اُسی کے

پاس تھے۔

"بڑی دلچسپ سازش ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"سازش....؟" جگدیش چونک کر بولا۔

فریدی خاموش ہی رہا۔ تھوڑی دیر تک وہ کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"رپورٹ میں کیا لکھ رہے ہو!"

"یہی تو سوچ رہا ہوں۔" جگدیش فکر مندانہ انداز میں بولا۔ "اس تصویر اور خطوط نے بڑ الجھن میں ڈال دیا ہے۔"

"نہایت آسان طریقہ۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "تصویر اور خطوط کا تذکرہ سرے سے کر ہی نہیں۔"

"اور شاہد....؟"

"شاہد کا تذکرہ ضروری ہے اور اس کا بیان کیا ہوا حلیہ بھی لکھو۔"

"آپ نے تصویر انہیں ناحق دکھائی۔"

"اوہ.... چھوڑو.... یہ سب دیکھا جائے گا۔"

فریدی آفس واپس آگیا۔ حمید کمرے میں نہیں تھا وہ اور رمیش شاید چائے پینے کے کینٹین میں چلے گئے تھے۔ فریدی اپنی میز پر بیٹھ کر کام میں مشغول ہو گیا اس کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی خاص بات ہوئی نہ ہو۔ کچھ دیر بعد حمید اور رمیش واپس آگئے۔

"اوہ شہزادے صاحب۔" فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ اس کے ہونٹوں پر شرا آمیز مسکراہٹ تھی۔ حمید نے بیزاری سے منہ پھیر لیا۔

"کسی نے گلا گھونٹ کر اُسے مار ڈالا۔" فریدی نے رمیش سے کہا۔

"اچھا....!"

"کل وہ شاہد نامی ایک آدمی کے ساتھ کہیں گئی تھی۔ پولیس کا شبہ اسی پر ہے۔"

حمید چونک کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"شاہد کے متعلق خیال کیا جا رہا ہے کہ اس نے سارہ کو اپنے متعلق دھوکے میں رکھا تھا۔"

"وہ کس طرح....!" رمیش نے پوچھا۔

"اس نے مقتولہ سے کہہ رکھا تھا کہ وہ کسی ریاست کا شہزادہ ہے۔"

حمید کچھ بولنے کے لئے بے چین نظر آرہا تھا۔ لیکن فریدی اُسے الجھن میں چھوڑ کر پھر کام میں مشغول ہو گیا۔

جیسے ہی رمیش باہر گیا حمید فریدی کے پاس آبیٹھا۔ لیکن فریدی نے سر اٹھا کر دیکھنے تک کی زحمت گوارا نہ کی۔

سونے کی خاک

"شہزادے والی بات کیا تھی۔" حمید نے اکتا کر پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔ "عورتوں کے پیچھے دوڑنے والے عموماً اسی قسم کی حرکتیں کیا کرتے ہیں۔"

"دیکھئے مجھے زیادہ الجھن میں نہ ڈالئے۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"اور میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ اپنے چہرے پر قبرستانی فضا پیدا کرنے کی بجائے قہقہے لگائیے ورنہ.... یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ شام کے اخبارات میں شاہد کا حلیہ شائع ہو جائے گا۔"

"مجھے اس کی پرواہ نہیں۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "شہزادے والی بات۔"

"بتا تو چکا کہ شاہد نے خود کو شہزادہ ظاہر کیا تھا۔"

"قطعی.... غلط ہے۔" حمید نے کہا۔ "لیکن شہزادے والی بات میں خود آج تک نہ سمجھ سکا۔"

"کیا مطلب....!" فریدی چونک کر بولا۔

"وہ خود ہی اکثر مجھے پرنس کہہ کر مخاطب کیا کرتی تھی.... اور قطعی سنجیدگی سے.... اکثر جھنجھلا کر یہ بھی کہہ بیٹھتی تھی کہ تم آخر خود کو چھپاتے کیوں ہو۔"

فریدی متحیرانہ انداز میں حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تم نے اس سے شہزادہ سمجھنے کی وجہ نہیں پوچھی؟"

"اس کا اُس نے کبھی کوئی تشفی بخش جواب ہی نہیں دیا اور میں حقیقتاً یہی سمجھتا رہا کہ وہ مجھے بوقوف بنا رہی ہے لیکن آپ کو اس کا علم کیونکر ہوا....؟"

"اس کی ڈائری سے.... لیکن اُس میں بھی اس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔"

"عجیب معاملہ ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"مگر بیٹے خاں تمہیں ایسی حرکت نہ کرنی چاہئے تھی۔"

"کیا....!" حمید چونک کر بولا۔

"اُسے خط لکھنے کے لئے تمہیں میرے رائٹنگ پیڈ کا کاغذ نہ استعمال کرنا چاہئے تھا۔"

"خط....! میں نے آج تک اُسے کوئی خط لکھا ہی نہیں۔"

"تصویر دی تھی۔"

"میرا خیال ہے کہ میں نے اُسے اپنی کوئی تصویر بھی نہیں دی۔"

"لیکن یہ دونوں چیزیں اس کے یہاں سے برآمد ہوئی ہیں۔" فریدی نے تصویر اور خط اس کی طرف بڑھا دیئے۔

"خدا کی قسم....!" حمید خطوط پڑھ کر بوکھلا گیا۔ "مگر.... یہ دستخط بالکل ایسے ہی ہیں جو میں کرتا ہوں۔"

"ممکن ہے شراب کے نشے میں کبھی لکھ کر بھول گئے ہو۔" فریدی نے طنز آمیز لہجے میں کہا

"کہہ لیجئے! اب تو اُلو بن ہی گیا ہوں۔"

فریدی چند لمحے اُسے غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"اس سے تم ملے کس طرح تھے؟"

"ہوٹل ڈی فرانس کے ایک رقص کے دوران میں وہ خود ہی میری طرف جھکی تھی۔"

"اس کے دوسرے دوست بھی رہے ہوں گے۔"

"مجھے اُن کے متعلق علم نہیں۔ اُس نے کبھی کسی کا تذکرہ نہیں کیا۔"

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"اچھا گھامڑ خاں! مجھے ان لوگوں کے متعلق بتاؤ۔ جنہوں نے تمہیں شراب پلائی تھی۔"

"ان کے متعلق بھی آپ کو سب کچھ بتا چکا ہوں۔"

"تم نے اچانک ہی بالی کیمپ کا پروگرام بنالیا تھا یا یہ بات پہلے ہی سے طے تھی۔"

"میں نے دو دن پہلے ہی سے طے کر رکھا تھا۔"

"خوب....!" فریدی کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "بہر حال وہ خود ہی تم پر عاشق ہو گئی تھی۔"

"میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"اوہ....!" فریدی اپنی بائیں آنکھ دبا کر آہستہ سے بولا۔ "قصور تمہارا نہیں تمہارے کٹیلے پن کا ہے۔"

حمید بھنا کر کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھو پیارے بیٹھو! اس وقت تم میری مٹھی میں ہو۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں تمہیں نہایت آسانی سے پھانسی کے تختے تک پہنچا سکتا ہوں۔"

"ہونہہ.... پھانسی....!" حمید ہذیانی انداز میں ہنس پڑا۔

"اس ہنسی میں دلیری کا اظہار ضرور ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیکن آج رات شاید ہی تمہیں سونا نصیب ہو سکے۔"

"سونا....!" حمید زیر لب بڑبڑایا اور دفعتاً اس کے ذہن نے پچھلی شام کی دھندلی یادوں کی طرف جست لگائی۔ برانڈی کی بوشعور کی تہوں کو کلبلانے لگی اور پھر ذہن کے تاریک گوشوں میں سونے کا تصور جھلکیاں مارتا ہوا ابھرنے اور ڈوبنے لگا۔

"سونا.... سونا۔" وہ مضطربانہ انداز میں بیٹھ گیا۔

فریدی اُسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"کیا بات ہے۔"

"شاید کچھ سونے کی بات تھی۔" حمید اس طرح بولا جیسے خود سے باتیں کر رہا ہو۔

"ایکٹنگ اچھی کر لیتے ہو۔" فریدی نے منہ بنا کر کہا۔ "لیکن اس سے کام نہیں چلے گا۔ ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہے۔"

"بخدا سونے کی کچھ بات تھی۔"

"بکو مت....!" فریدی بگڑ کر بولا۔

"میں نے کیا کیا.... میں نے کیا کیا۔" حمید بے چینی سے ہاتھ مل رہا تھا۔

"تو کیا سچ مچ تمہیں نے۔" دفعتاً فریدی کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار پیدا ہو گئے۔

"کیا سچ مچ....؟" حمید اُسے گھورنے لگا۔

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔"

"خراب نہیں ہوا تو اب ہو جائے گا۔ مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔"

"ابے او گدھے کچھ بولے گا بھی یا پہیلیاں ہی بجھاتا رہے گا۔"

"میں نے نشے میں دلاور نگر سے لائے جانے والے سونے کا راز ظاہر کر دیا ہے۔"

"کیوں....؟ کس طرح....!"

"میں نشے میں تھا۔"

"کتنی بار کہو گے کہ تم نشے میں تھے۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

"سنئے تو سہی.... نشے کی ترنگ تو آپ جانتے ہی ہیں۔"

"ابے اچھی طرح جانتا ہوں.... تم بک بھی چکو۔"

"وہ غالباً گورنمنٹ کی پالیسیوں کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ ڈاکٹر نے انہیں مثال کے طور پر یہ بات بتائی کہ دلاور نگر سے لائے جانے والے سونے کی روانگی کی تاریخ سے عوام واقف نہیں ہوں گے۔ لیکن بہتوں کو یہ بات ضرور معلوم ہو گی کہ دلاور نگر سے سونا آنے والا ہے۔ میں نشے میں تو تھا ہی۔ اس بات پر میں نے ڈاکٹر کو للکار دیا کہ میں تاریخ ہی نہیں بلکہ اس گاڑی کے متعلق بھی بتا سکتا ہوں جس سے سونا لایا جائے گا۔"

"خوب....!" فریدی توجہ سے سن رہا تھا۔

"پھر میں نے انہیں اُس کے متعلق بتا دیا۔"

"کیا بتایا۔"

"تیرہ تاریخ کو سترہ ڈاؤن سے۔"

"تمہیں سو فیصدی یقین ہے کہ تم نے یہی بتایا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں.... کیا میں نے غلط بتایا۔"

"قطعی غلط بتا دیا۔ وہ سترہ تاریخ اور تیرہ ڈاؤن ہے۔"

"تب تو بڑا اچھا ہوا۔"

"کیا اچھا ہوا؟"

"یہی کہ سچ مچ میں نے انہیں دھوکا دے دیا۔"

"اپنی خیر مناؤ بیٹے۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "بلکہ خیر منانے سے بہتر تو یہ ہو گا کہ تم اُن لوگوں کو تلاش کرو۔"

حمید کچھ نہ بولا اور فریدی بھی خیالات میں ڈوب گیا۔ اُس کا ذہن بڑی تیزی سے مختلف قوتوں پر جست لگا رہا تھا۔

"تمہیں یقین ہے کہ وہ سردار صفدر ہی تھا۔" اس نے تھوڑی دیر بعد حمید سے پوچھا۔

"مجھے سو فیصدی یقین ہے لیکن اب اُس کے چہرے پر ڈاڑھی نہیں ہے۔"

"ہوں....!" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "حمید صاحب! اچھا ہی ہوا کہ یہ بات آپ کو یاد آ گئی ورنہ بہت سا وقت بیکار ضائع ہوتا۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"اگر واقعی تم نے اُسے قتل نہیں کیا تو کوئی اور کسی دوسرے اہم مسئلے سے وقتی طور پر ہماری توجہ ہٹانا چاہئے۔"

"سازش....!" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔

"یا پھر یہ کہ ہمارا کوئی دشمن ہی ہمیں تنگ کرنا چاہتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔"

"لیکن نہیں! مجھے پہلے ہی خیال پر زور دینا چاہئے کیونکہ سونے والی بات محض اتفاقیہ نہیں معلوم ہوتی۔"

"تو آپ کا یہ خیال ہے کہ تیرہ ڈاؤن پر ڈاکہ پڑے گا۔"

"ڈاکہ....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کیا تمہیں وہ ڈاکہ یاد نہیں جو آج سے دو ماہ قبل ٹو ڈاؤن پر پڑا تھا۔"

"مگر! میرے خیال سے کوئی نقصان نہیں ہوا تھا۔" حمید نے کہا۔

"ٹھیک ہے.... لیکن اُس ٹرین سے بھی وافر مقدار میں سونا آ رہا تھا۔"

"ہاں.... مجھے یاد ہے! ڈاکہ ڈالنے والے ناکام رہے تھے۔"

"تم انہیں ناکام سمجھتے ہو۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"کیوں؟ کیا سونا محفوظ نہیں رہا تھا؟ میرا خیال ہے کہ مسافروں کا بھی کوئی نقصان نہیں ہوا تھا۔"

"لیکن فرزند تم نے کب سے اخبار نہیں دیکھا....؟"

"کیوں....؟"

"وہ سارا سونا خاک ہو گیا۔"

"کب؟ کس طرح؟"

"کل کا اخبار دیکھا تھا۔"

"نہیں....!"

"ہاں کل تو تم بالی کیمپ کی سیر کر رہے تھے۔"

"سونا خاک کس طرح ہو گیا۔"

"آزاد بینک کا ڈیڑھ من سونا خاک ہو گیا اور یہ وہی سونا تھا جو اُسی ٹو ڈاؤن سے آیا تھا جس پر ڈاکہ پڑا تھا۔"

"رکھے ہی رکھے خاک ہو گیا۔"

"نہیں! اُسے اینٹوں کی شکل میں ڈھالنے کے لئے پگھلانے کی کوشش کی گئی تھی لیکن وہ پگھلنے کی بجائے خاک ہو گیا۔"

"ڈیڑھ من سونا۔" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"جناب! اور آپ نے ولاور نگر سے آنے والے سونے کی بھی مٹی پلید فرمانے کی کوشش فرمائی۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میں آپ کو مطلب سمجھانے کے لئے نہیں پیدا ہوا۔" فریدی منہ سکوڑ کر بولا۔

"میں آپ کا مطلب سمجھ گیا۔"

"لیکن خواہ مخواہ بچہ بننے کی خواہش بھی پریشان کئے رہتی ہے۔"

"یہ بات نہیں جب آپ کوئی بات سمجھانے لگتے ہیں تو مجھے بڑا مزہ آتا ہے۔"

"چاپلوسی بند حمید صاحب! میں آپ کو پھانسی سے نہیں بچا سکوں گا۔"

"پھانسی کی....!" حمید جھنجھلا کر گالی بکتے بکتے رہ گیا۔

"پھانسی کی توہین نہ کرو کہیں اُسے سچ مچ غصہ نہ آجائے۔"

"فریدی صاحب! میں موت سے نہیں ڈرتا۔"

"جیتے رہو فرزند! کسی عورت کو قتل کر دینے کے بعد جوانمرد ہی ایسی باتیں کیا کرتے ہیں۔"

حمید نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا اور اُٹھ کر اپنی ڈسک پر چلا گیا۔

"بیکار! تمہاری جھلاہٹ تمہیں بے گناہ نہیں ثابت کر سکتی۔ شہزادے صاحب۔" فریدی ہنس کر بولا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔

"ایک ماہ کی چھٹی کی درخواست لکھو۔"

"کیوں....؟"

"جو میں کہہ رہا ہوں وہ کرو۔"

حمید درخواست لکھنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد اُس نے وہ کاغذ فریدی کی طرف بڑھا دیا۔ فریدی نے درخواست لے کر رکھ لی اور بولا۔

"اب چپ چاپ گھر چلے جاؤ۔"

حمید چند لمحے کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔

"کیا تم نے سنا نہیں۔" فریدی سر جھکائے ہوئے بولا۔

"حمید نے بے چوں و چرا موٹر سائیکل اٹھائی اور گھر کی طرف چل پڑا۔ اُس کے ذہن پر سارہ چھائی ہوئی تھی۔ حالانکہ اُس نے اس کی لاش نہیں دیکھی تھی لیکن پھر بھی تصور کی آنکھ اُس کے شوخ چہرے پر غبار آلود چادر دیکھ رہی تھی۔ خفیف سے کھلے ہوئے نرم و نازک ہونٹ جو عموماً خاموشی کی حالت میں کھل جاتے تھے۔ دھندلائی ہوئی آنکھیں۔ وہ آنکھیں، جو سرور کی ہلکی سی لہر پر بھی جگمگا اٹھتی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ.... اگر وہ لوگ سازشی ہی تھے تو انہوں نے اُسے کیوں مار ڈالا۔ اگر وہ اُس کے گروہ سے تعلق رکھتی تھی تب بھی اُسے مار ڈالنے کی وجہ؟ پھر اُسے پچھلی باتیں یاد آگئیں.... آخر وہ اُسے کسی ریاست کا پرنس سمجھنے پر کیوں مصر تھی.... ممکن ہے یہ بھی چال رہی ہو! لیکن.... اگر چال تھی تو اُس نے اس کے متعلق ڈائری میں کیوں لکھا؟"

وہ اُن دونوں خطوط کے متعلق بھی سوچ رہا تھا آخر فریدی کے پیڈ کے کاغذ کیونکر حاصل کئے گئے ہوں گے۔ کیا کوئی نوکر بھی اس سازش میں شریک ہے؟ پھر اس کے خیال کی رو سونے

والے معاملے کی طرف مڑ گئی۔ فریدی کے گفتگو کے انداز سے اس نے یہ مطلب اخذ کیا تھا کہ ٹرین پر ڈاکہ ڈالنے والوں نے شاید اصل سونے کی جگہ ایسا سونا رکھ دیا تھا جو حدت سے پگھلنے کے بجائے خاک ہو جانے کی خاصیت رکھتا تھا۔

پھر ایک نیا خیال اس کے ذہن میں ابھرا۔ کہیں یہ سب کچھ اسی لئے تو نہیں کیا گیا کہ فرید اس قتل میں الجھ جائے اور سازشی اپنی مقصد براری میں مصروف رہیں.... وہ سوچتا رہا لیکن شہزادے والا معاملہ اس ڈھانچے کے کسی خانے میں فٹ نہیں ہو رہا تھا۔ وہ اس کیس میں بُر طرح پھنس گیا۔ البتہ ان دونوں خطوط کی موجودگی اُسے تھوڑا بہت اطمینان دلا رہی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ دستخطوں کے ماہر اصل اور نقل میں بہ آسانی فرق ڈھونڈ لیں گے۔ اس کی دانست میں سازشیوں نے خطوط کا اضافہ کر کے ایک زبردست غلطی کی تھی! اگر کہیں انہوں نے صرف تصویر ہی پر قناعت کی ہوتی تو اس کی گلو خلاصی مشکل ہی تھی۔ حمید کی موٹر سائیکل سڑکوں کو فراٹے بھر رہی تھی۔ بس وہ غیر ارادی طور پر مختلف موڑوں پر اُس کا رخ پھیرتا جا رہا تھا۔ ویسے وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ اُسے گھر جانا ہے یا کہیں اور....!"

کوّوں کے شکاری

اُسی شام کو کرنل فریدی حمید کے ہونٹوں اور ناک کے نتھنوں کی مرمت کر رہا تھا۔ حمید نے بڑی دیر سے اپنی کھانسی تک روک رکھی تھی۔ تقریباً ایک گھنٹے تک عمل جاری رہا۔ پھر فریدی نے اس کے سامنے آئینہ رکھ دیا اور حمید اپنی ہنسی کسی طرح نہ روک سکا۔ ہونٹ کافی موٹے نظر آ رہے تھے اور نتھنے پھولے ہوئے معلوم ہو رہے تھے۔ اُس پر سرخی بھی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے شدید نزلے کی شکایت کی بناء پر اُس نے بار بار رومال استعمال کیا ہو۔

"بس اب بالکل ٹھیک ہے۔" فریدی بولا۔ "ہونٹوں اور نتھنوں پر تیل کی قسم کی کوئی چیز لگنے دینا۔ یہ میک اپ مہینوں کے لئے کافی ہے۔"

"بڑی مصیبت میں پھنس گیا۔"

"اسی لئے کہتا ہوں فرزند کہ عورت کا چکر بُرا ہوتا ہے۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"واقعی بُرا ہوتا ہے.... اب دیکھئے نا کہ عورت ہی کے چکروں میں پڑ کر ہم دونوں پیدا ہو گئے۔"

فریدی نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ یہ نہیں کہ وہ اس جملے پر جھینپ گیا تھا یا اس تذکرہ کو ٹالنا چاہتا تھا۔

"لیکن مجھے کب تک اس طرح رہنا ہوگا۔" حمید نے پوچھا۔

"جب تک کہ معاملات صاف نہ ہو جائیں۔"

"مگر اس طرح تو میں اور زیادہ مشکوک ہو جاؤں گا۔"

"اس کی پرواہ نہ کرو۔" فریدی شانوں کو جنبش دے کر بولا۔ "میرا دعویٰ ہے کہ تم حشر تک پہچانے جا سکو گے۔ اک ذرا تاریک شیشوں کی عینک لگائے رہا کرنا۔"

"لیکن میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔"

فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میری بے عزتی ہو۔" اس نے کہا۔

"بے عزتی کیوں؟"

"اگر تمہیں ایک گھنٹے کے لئے بھی حوالات دیکھنی پڑی تو میرے لئے ڈوب مرنے کا مقام ہوگا۔"

"آخر آپ یہ کیوں سمجھتے ہیں کہ میں پکڑ ہی لیا جاؤں گا۔"

"یہ بھی کوئی پیچیدہ بات ہے؟" اس نے سوالیہ انداز میں کہا۔ "تم نہایت آسانی سے پکڑ لئے جاؤ گے؟ کیا تم یہ بھول گئے کہ تم نے واقعی اسے قتل نہیں کیا؟ ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ تمہیں پھنسانے ہی کے لئے کیا گیا ہے جو لوگ میرے رائیٹنگ پیڈ کا کاغذ حاصل کر سکتے ہیں، جو تمہارے دستخط بنا سکتے ہیں کیا وہ تمہیں حوالات تک پہنچانے کے لئے کوئی چال نہ چلیں گے۔ شام کے ایک اخبار میں مقتولہ کی تصویر شائع ہوئی ہے۔ اگر فرض کرو اُن آدمیوں میں سے کوئی پولیس کو یہ اطلاع دے دیتا ہے کہ اس نے پچھلی شام کو اسی شکل و صورت کی لڑکی کو تمہارے حلئے کے ایک آدمی کے ساتھ دیکھا تھا تو پھر تم کہاں ہو گے۔ مزید شہادت کے لئے وہ کسی نہ کسی سارہ کے ساتھ والی نرسوں کو بھی پیش کرا سکتے ہیں۔ خیریت اسی میں ہے کہ جو کچھ میں کہوں چپ چاپ

کرتے چلو! تم یہ بھی جانتے ہو کہ ڈی۔ایس۔پی سٹی سے میرے تعلقات اچھے نہیں۔"

ابھی شاید فریدی نے اپنی بات ختم بھی نہ کی تھی کہ بیرونی برآمدے میں کئی قدموں کی آہٹیں سنائی دیں اور دوسرے ہی لمحے میں ڈی۔ایس۔پی سٹی دو سب انسپکٹروں اور تین کانسٹیبلوں سمیت ان دونوں کے سامنے پہنچ چکا تھا۔ڈی۔ایس۔پی نے چاروں طرف دیکھا۔

"سرجنٹ حمید کہاں ہے۔" اس نے فریدی کو مخاطب کیا۔

"وہ تو بعد کو بتاؤں گا۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "آپ یہ بتائیے کہ اس کمرے تک کس طرح پہنچے۔"

"میں سرجنٹ حمید کے متعلق پوچھ رہا ہوں۔"

"میں آپ کو شریفوں کی طرح رہنے کا سلیقہ سکھانے کے متعلق سوچ رہا ہوں۔"

"کیا مطلب....؟"

"کسی کے گھر داخل ہونے کا یہ طریقہ نہیں۔"

"آپ کس سے باتیں کر رہے ہیں؟" ڈی۔ایس۔پی بگڑ کر بولا۔

"ایک قانون شکن سے جو خود کو قانون کا محافظ کہتا ہے۔"

ڈی۔ایس۔پی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔غصے کی بات بھی تھی۔فریدی نے اُس کے ماتحتوں کے سامنے اُسے اُدھیڑ کر رکھ دیا تھا وہ اندر ہی اندر بُری طرح کھول رہا تھا اور فریدی یہ سوچ رہا تھا کہ اس کی محنت جو اس نے حمید کے میک اپ پر صرف کی ہے بیکار نہیں گئی۔ حمید نے بھی اپنے چہرے پر تحیر کے آثار پیدا کر لئے تھے۔ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس غیر متوقع گفتگو پر شدت سے متحیر ہو۔

"میں پوچھ رہا ہوں کہ سرجنٹ حمید کہاں ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم! لیکن یہ طریقہ....!"

"طریقے وریقے کو فی الحال الگ رکھئے۔" ڈی۔ایس۔پی سرد لہجے میں بولا۔ "میرے پاس اس کا وارنٹ گرفتاری ہے۔"

"کیا....؟" فریدی چونک کر بولا۔ "کیوں؟"

"ایک نرس کے سلسلے میں اُسے مشتبہ سمجھا گیا ہے۔"

"اوہ.... لیکن....؟" فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا! آہستہ آہستہ اس کے چہرے سے

جھنجلاہٹ کے آثار غائب ہوتے جا رہے تھے اور ڈی۔ایس۔پی کے ہونٹوں پر ایک تفخر آمیز مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔

"کیا آپ صبح موقع واردات پر نہیں تھے؟"

"تھا کیوں نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن حمید....!"

"کیا نرسوں نے آپ ہی کے سامنے شاہد کا حلیہ نہیں بیان کیا تھا۔"

"کیا تو تھا.... لیکن.... محض اس بناء پر حمید ہی کیوں.... لیکن ٹھہریئے۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔اُس کے ماتھے پر لکیریں ابھر آئی تھیں۔ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی الجھن میں ہو۔ڈی۔ایس۔پی اُسے گھورتا رہا پھر چند لمحوں کے بعد بولا۔

"میرے پاس وقت کم ہے۔"

"بات یہ ہے کہ میں بھی فکر میں پڑ گیا ہوں۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "وہ آج دوپہر کو ایک ماہ کی چھٹی کی درخواست میرے حوالے کر کے سعید آباد چلا گیا ہے۔"

"کیوں....؟"

"اس نے تو مجھ سے یہ کہا تھا کہ وہاں اس کا کوئی قریبی عزیز سخت بیمار ہے۔"

"ہوں.... عزیز کا پتہ۔"

"پتہ اُس نے نہیں بتایا۔"

ڈی۔ایس۔پی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"میں اس گھر کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"شوق سے.... لیکن ہر کام قانون کے اندر رہ کر ہو گا۔" فریدی بولا۔

"یعنی....!"

"تلاشی کا وارنٹ دکھایئے۔ دو گواہوں کی بھی ضرورت پیش آئے گی.... اور آپ تو خیر اپنی جامہ تلاشی کی اجازت تو دے ہی دیں گے۔"

"سب کچھ ہو جائے گا۔" ڈی۔ایس۔پی غرایا۔

ایک سب انسپکٹر فریدی کے دو پڑوسیوں کو بلا لایا۔ پھر دوسری کاروائیوں کے بعد ڈی۔ایس۔پی تلاشی شروع کرنے ہی جا رہا تھا تو فریدی نے اُسے روک کر کہا۔

"ٹھہریئے! ایک بنیادی غلطی کی تلافی کسی طرح نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اس وقت تلاشی قطعی غیر قانونی سمجھی جائے گی۔"

"کیا مطلب....!"

"آپ لوگ میری نادانستگی میں اندر داخل ہوئے ہیں۔ اگر آپ نے آتے وقت خود ہی کوئی مشتبہ چیز کہیں ڈال دی ہو تو۔"

"آپ عجیب آدمی ہیں۔" ڈی۔ ایس۔ پی جھنجھلا کر بولا۔

"قاعدے کی بات میں نے کہہ دی۔ اب جیسا آپ کا دل چاہے....!"

"آپ سرکاری کام میں حارج ہو رہے ہیں۔"

"جی نہیں! میں نے صرف ایک قانونی نکتہ آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں ضرور تلاشی لوں گا۔" ڈی۔ ایس۔ پی پیر پٹخ کر بولا۔

"یوں تو آپ اس عمارت میں آگ بھی لگا سکتے ہیں.... حاکم ٹھہرے۔"

"مسٹر فریدی آپ حد سے بڑھ رہے ہیں۔"

"جی نہیں میں آپ کو بھی حد ہی میں رکھنا چاہتا ہوں۔"

"تلاشی لی جائے گی۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے غصیلی آواز میں کہا۔

"میں آپ کو روکتا تو نہیں۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا اور سگار سلگانے لگا۔

دو گھنٹے کی عرق ریزیوں کے باوجود بھی ڈی۔ ایس۔ پی کوئی ایسی چیز برآمد نہ کر سکا جس کی بناء پر حمید قانون کی مزید گرفت میں آ سکتا۔

وہ تھک ہار کر پھر اُسی کمرے میں آ گیا جس میں اُس نے فریدی اور حمید کو چھوڑا تھا۔

"اگر آپ رات کو کھانا میرے ہی ساتھ کھائیں تو مجھے خوشی ہوگی۔" فریدی نے اس سے کہا۔

"جی نہیں شکریہ۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے ہونٹ سکوڑ کر کہا اور عمارت میں اپنے وزنی جوتوں کی گونج پیدا کرتا ہوا باہر چلا گیا۔ دونوں گواہ بھی پولیس والوں کے ساتھ ہی رخصت ہو گئے تھے۔

"کیوں! حمید صاحب! اب کیا خیال ہے۔" فریدی اُس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"خدا کی قسم اگر آپ کا تعلق سٹیج سے ہوتا تو سارے ملک میں آپ کی اداکاری کا ڈنکا بج جاتا۔"

"اسٹیج پر ڈنکا نہیں طبلہ بجتا ہے.... اب چھوڑو یہ باتیں۔ ہوٹل ڈی فرانس میں تمہارے انتظام کر دیا گیا ہے.... دفع ہو جاؤ۔"

"وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن....!"

"عجیب آدمی ہو.... میں کہتا ہوں اب چپ چاپ چل دو۔ ہوٹل ڈی فرانس میں کمرہ نمبر ۔ تمہارا نام سعید جو ہے اور تم ایک کشمیری سیاح ہو۔ کشمیر میں تمہاری جاگیر ہے۔"

"اور میں عموماً جاگیر ہی میں انڈے دے دیا کرتا ہوں۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"تم یہ مت سمجھو کہ تمہیں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنا پڑے گا۔" فریدی نے کہا۔ "اس ایک چھٹی کے منٹ منٹ کا حساب لے لوں گا۔"

"یعنی....!"

"تمہیں اُن چار شکاریوں پر نظر رکھنی ہے۔"

"کون سے چار شکاری۔"

"وہی، جو شہر میں کوے مارتے پھرتے ہیں۔"

"اور میں اُن کے پیچھے مکھیاں مارتا پھروں گا۔"

"اگر نہیں پھرو گے تو پھر پھانسی کا تختہ....!"

"کیا مطلب.... بھلا ان کا اس معاملے سے کیا سروکار۔"

"ایک شبہ ہے۔"

"کیا....!"

"تم جانتے ہو کہ ابھی میں اس کا اظہار نہیں کروں گا۔"

"چلئے! میں پوچھتا ہی نہیں۔" حمید بولا۔ "ویسے میں خود انہیں اور ان کی کمپنی کو سرے سے سمجھتا ہوں۔"

"کیوں....؟"

"اگر میں فی الحال بتانا مناسب نہ سمجھوں تو!" حمید نے فریدی کے لہجے کی نقل اتاری۔

"انہوں نے شہر میں کوے مارنے کا اجازت نامہ بلدیہ سے حاصل کیا ہے۔" فریدی بولا۔

"مجھے ایسے اجازت ناموں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ حکومت نے ایک بار ان دو ڈاکٹروں کی

بھی تو مدد کی تھی جو آدمی کو کتوں کی سی قوت عطا کر دینے کا دعویٰ کرتے تھے۔ کیا یہ نیا ڈھونگ بھی اسی قسم کا نہیں ہے۔ ہونہہ کوے کے پروں سے کاغذ بنائیں گے۔ بھلا وہ کاغذ کس کام آئے گا۔"

"وہ بیک وقت کاغذ بھی ہوگا اور کپڑا بھی۔ اُس سے نہایت عمدہ قسم کے پیراشوٹ بنائے جا سکیں گے۔"

"اور وہ پیراشوٹ!" حمید ہنس کر بولا۔ "ہوابازوں کو نیچے لانے کی بجائے اوپر لے جائیں گے۔"

"اچھا تو تم اسے مذاق سمجھ رہے ہو۔"

"جی نہیں! میں نہایت سنجیدگی سے عرض کر رہا ہوں۔"

اسے سارہ کی موت یاد آگئی اور اس پر پھر پہلی سی دل گرفتگی کے آثار طاری ہونے لگے مگر سوال اب بھی اُس کے ذہن میں چبھ رہا تھا کہ ان شکاریوں سے اس معاملے کا کیا تعلق؟ فریدی سے اُس کی توقع نہیں تھی کہ وہ بات کو اسی وقت صاف کر دے گا۔ بہر حال اُس نے سنجیدگی سے اس مسئلے کو کریدنا شروع کر دیا۔

"ذرا یہ تو سوچئے کہ وہ کاغذ یا کپڑا مہنگا کس قدر پڑے گا۔"

"مہنگا.... بھلا مہنگا کیوں پڑے گا۔" فریدی نے کہا۔

"کمال کرتے ہیں آپ بھی، کیا آپ کی نظر کارتوسوں کی گرانی پر نہیں۔ یہ بھی ضرور نہیں کہ وہ ایک ہی فائر میں ایک کوا بھی مار لیں! لہٰذا یہ کتنا مہنگا پڑے گا یہ تو آپ جانتے ہی ہیں۔"

فریدی کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

حمید اس مسئلے پر اپنے نکتہ نظر سے کچھ اور بھی روشنی ڈالنا چاہتا تھا فریدی کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "کوے کا شکار آسان نہیں ہوتا۔ میرا خیال ہے کہ اگر میں کوشش کروں تو پانچ کارتوس برباد کرنے کے بعد بھی شاید کامیاب نہ ہو سکوں۔"

"خیر وہ تمہاری طرح احمق نہیں ہیں۔ اگر وہ بندوق ہی سے کوؤں کا شکار کرتے ہوتے تو انہیں پاگل خانے بھجوا دیتا۔" فریدی نے کہا۔

"پھر....؟"

"کیا کبھی شکار کے دوران میں تمہیں کوؤں کے جھنڈ کا سامنا کرنا پڑا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

لے جاسوسی دنیا کا ناول "احمقوں کا چکر" جلد نمبر 3 ملاحظہ فرمائیے۔

"میاں صاحب زادے! جہاں تم نے ایک فائر کیا! کوے تمہارے ساتھ ہو لئے وہ آگے آگے اور تم ان کے پیچھے بعض اوقات تو کم بخت چیخ چیخ کر شکار کا سارا مزا کرکرا دیتے ہیں۔ یہ لوگ دراصل کوؤں کی اسی عادت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ جہاں انہوں نے بستی میں دو ایک فائر کیے ان کے ساتھ ہو لئے۔ اس طرح یہ لوگ ان کوؤں کو بستی کے باہر ایک جگہ ہنکا لے جاتے ہیں جہاں انہوں نے پہلے ہی سے بڑے بڑے جال لگائے ہیں وہ دراصل کوے پھنساتے ہیں مارتے نہیں! میونسپل ایریا میں بندوق چلانا منع ہے اسلئے انہوں نے خاص طور پر اجازت نامہ حاصل کیا ہے۔"

"لیکن سارہ کے قتل سے ان کا کیا تعلق ہے۔" حمید نے جلدی سے پوچھا۔ مگر اسے مایوسی ہوئی۔ وہ سمجھتا تھا شاید فریدی باتوں کی رو میں کچھ نہ کچھ ضرور اگل دے گا۔

"ایک بار کہہ دیا کہ میں ابھی اسے واضح نہیں کرنا چاہتا کیونکہ فی الحال میں قیاسات ہی کے اسٹیج میں ہوں۔"

"چلئے قیاس ہی سہی۔" حمید بولا۔

"فضول ہے۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "اب جاؤ۔"

حمید ہوٹل ڈی فرانس کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستہ بھر اس کا ذہن ان شکاریوں اور ان کی کمپنی میں الجھا رہا، جو ایک نئی ایجاد کے سلسلے میں حکومت اور عوام کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ چاروں شکاری بجائے خود اپنی کمپنی کی اچھی خاصی پبلسٹی تھے جس وقت وہ اعلیٰ قسم کے شکاری سوٹ میں ملبوس کاندھوں پر بندوقیں لٹکائے شہر میں داخل ہوئے تو ان کے گرد اچھی خاصی بھیڑ لگ جاتی۔ وہ چاروں کافی وجیہہ اور مضبوط ہاتھ پیر والے تھے۔ تعلیم یافتہ بھی معلوم ہوتے تھے۔ عوام سے گفتگو کرتے وقت ان کے لہجوں میں حد درجہ شائستگی اور ملائیت ہوتی تھی۔ کالجوں کے بعض منچلے طلباء انہیں راہ چلتے روک کر کسی قریبی ریستوران میں چائے کے لئے مدعو کرتے اور وہ ان کی دعوت خندہ پیشانی سے قبول کر لیتے اور پھر چائے کے دوران میں اپنی کمپنی کی اسکیم کی تفصیلات کے بارے میں بتاتے۔ شروع شروع میں محکمہ سراغ رسانی کے بعض افراد نے انہیں شک کی نظروں سے دیکھا تھا لیکن آخر کار انہیں بھی اپنی رائے بدل دینی پڑی۔ اخبارات نے بھی اُن کے متعلق بہت کچھ لکھا تھا۔ کسی نے اس اسکیم کا مضحکہ اڑایا تھا اور کسی نے اسے "ترقی کی طرف ایک اور قدم" سے تعبیر کیا تھا۔ بہر حال جتنے منہ اتنی باتیں۔ البتہ حکومت

کی امداد کا انحصار اسکیم کی کامیابی پر تھا۔

جھڑپ

دوسرے دن کے اخبارات میں حمید کی فراری کا حال بڑی بڑی حاشیہ آرائیوں کے ساتھ شائع ہوا۔ بات معمولی نہیں تھی۔ ایک ایسے آدمی پر قتل کا الزام عائد کیا گیا تھا جس نے قانون کی محافظت کے سلسلے میں کئی بار موت کا سامنا کیا تھا۔

ایک اخبار میں حمید اور سارہ کی تصاویر بھی چھپی تھیں۔ حمید نے جب یہ تصویریں دیکھیں تو سکتے میں آگیا۔ اُسے کوئی ایسا موقع یاد نہ آیا جب اُس نے سارہ کے ساتھ کوئی تصویر کھنچوائی ہو۔ تصویر کھنچوانے کے مسئلے پر وہ ہمیشہ بدکتا رہتا تھا۔ اس نے آج تک کسی عورت کے ساتھ تصویر نہیں کھچوائی تھی۔ اس تصویر کو دیکھ کر اُسے سچ مچ یقین آگیا کہ سارہ سازشیوں سے ملی ہوئی تھی... کیا وہ خود بھی اُس سازش سے بے خبر تھی۔ کیا اُن سازشیوں نے محض سونے کی روانگی کے بعد اُسے اس لئے قتل کر دیا کہ کہیں یہ بات ظاہر نہ ہو جائے۔

حمید انہیں خیالات میں الجھا ہوا سڑکیں ناپ رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ پبلک میں اپنے متعلق چہ میگوئیاں بھی سنتا جا رہا تھا۔ ایک جگہ تو اُسے بیساختہ ہنسی آگئی۔ ایک صاحب ایک مجمع میں فرما رہے تھے۔ "ارے صاحب میرے خیال سے تو وہ جاسوس بھی کوئی ڈاکو ہی تھا۔ ارے آپ ہنستے ہیں.... جناب والا.... کیا نام تھا اس کا.... بہرام ڈاکو.... بہرام ڈاکو ہمیشہ پولیس آفیسر کے بھیس میں رہا کرتا تھا.... اس کی اصلی صورت سے کوئی واقف ہی نہیں تھا۔"

اس پر ایک طالب علم ہنس پڑا اور کہنے لگا۔ "بہرام کا وجود نہیں تھا.... بہرام دراصل لیبلانک کے ناولوں کے ایک ڈاکو آرسین لوپن کا اردو ترجمہ ہے۔"

وہ صاحب بگڑ کر بولے۔ "چلئے یہ ایک ہی رہی۔ آپ بچے ہیں کیا جانیں میاں میں نے اپنے دادا کی زبانی سنا تھا! اُن سے بہرام کا بڑا یارانہ تھا۔ وہ دلی میں کوتوال تھے۔ آپ شاید یہ بھی نہ جانتے ہوں کہ بہرام تھا کون۔ کس خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ خیر تمہیں تو یہ بھی ہوائی ہی معلوم ہوگی۔ تمہارا نہیں انگریزی تعلیم کا قصور ہے۔ بہرام دراصل بہادر شاہ ظفر کا پڑپوتا تھا۔ انگریزوں

انتقام لینے کے لئے ڈاکو بن گیا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ خود بہادر شاہ ظفر ہی بہرام تخلص کرتے تھے۔" طالب علم نے ہنس کر کہا۔

حمید دل ہی دل میں قہقہے لگاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ وہ اس وقت دراصل اُن چاروں شکاریوں کی تلاش میں نکلا تھا۔ اس نے آج تک فریدی کے قیاسات کو قیاسات ہی کی حدود میں نہیں دیکھا تھا۔ اُس کے شبہات عموماً حقیقت ہی ثابت ہوئے تھے۔

دفعتاً اُسے کوؤں کا شور سنائی دیا! بیشمار کوے فضا میں منڈلا رہے تھے وہ سب ایک عمارت پر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد شکاری دکھائی دیئے۔ اُن میں سے ایک نے فائر کیا۔ کوے پھر شور مچاتے ہوئے اُڑے۔ حمید بھی ان دونوں کے پیچھے ہو لیا۔ کوے تھوڑی دور اڑنے کے بعد کسی عمارت یا درخت پر بیٹھ جاتے تھے اور جیسے ہی وہ دونوں شکاری اُن کے نزدیک پہنچتے پھر اڑ کر شور مچانے لگتے تھے۔ اس طرح وہ شکاری انہیں بستی کے باہر نکال لائے۔

یہاں پہنچ کر ان شکاریوں نے اپنی بندوقیں جھاڑیوں میں ڈال دیں اور خود ایک سایہ دار درخت کے نیچے لیٹ گئے۔ انہوں نے حمید کو دیکھ لیا تھا اور ان کے چہروں پر ایسی مسکراہٹ تھی جیسی کسی ایسے میزبان کے چہرے پر ہوتی ہے جو ایک معزز مہمان کے استقبال کا شرف حاصل کر رہا ہو۔

حمید نے ایک درخت پر گوشت کے بڑے بڑے لوتھڑے لٹکے ہوئے دیکھے جن کے گرد بے شمار چیلیں منڈلا رہی تھیں۔ کوؤں کا جھنڈ اُن پر ٹوٹ پڑا۔

"اِدھر آجایئے۔" ایک شکاری نے حمید کو مخاطب کیا۔

حمید چپ چاپ اُن کے پاس جا کر بیٹھ گیا جس درخت کے نیچے وہ لیٹے ہوئے تھے اُس کے تنے سے ایک موٹی سی ڈور لٹک رہی تھی جس کا سلسلہ اوپر ہی اوپر دوسرے درخت سے جا ملا تھا۔ جہاں گوشت کے لوتھڑے نظر آرہے تھے۔

"کیا آپ لوگوں کا تعلق اُس کمپنی سے ہے جو پروں سے....!"

"جی ہاں....!" ایک شکاری بولا۔ "آپ شاید یہاں اجنبی ہیں۔"

"کیوں....؟" حمید چونک پڑا۔

"شروع میں ہمارے ساتھ ایک جم غفیر ہوا کرتا تھا لیکن اب یہ چیز لوگوں کے لئے نئی نہیں

رہی۔ پھر بھی باہر سے آنے والے اب بھی اکثر ہمارے ساتھ ہو لیتے ہیں۔"

"میں نے اخبارات میں آپ لوگوں کی اسکیم کے بارے میں پڑھا تھا۔" حمید بولا۔

شکاری خاموش ہو کر اس درخت کی طرف دیکھنے لگا۔

"اس طرح بہتیری چیلیں اور دوسرے گوشت خور پرندے بھی پھنس جاتے ہوں گے۔" حمید نے کہا۔

"جی ہاں بعد کو ہم انہیں چھوڑ دیتے ہیں۔"

"کیا آپ مجھے ایک گدھ عنایت کریں گے۔" حمید بولا۔

"گدھ.... بھلا گدھ کیا کیجئے گا۔" ایک شکاری سنجیدگی سے بولا۔

"آپ ہنسیں گے۔" حمید نے احمقانہ انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔

"نہیں قطعی نہیں۔" شکاری نے یقین دلایا۔

"آدمی کی بعض خواہشات بڑی احمقانہ ہوتی ہیں۔" حمید بولا۔ "بچپن ہی سے میری یہ خواہش رہی ہے کہ میں ایک گدھ پالوں لیکن میری یہ خواہش آج تک نہ پوری ہو سکی۔"

دوسرا شکاری جو اونگھ رہا تھا یہ بات سن کر اٹھ بیٹھا اور حمید کو تضحیک آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ "مجھے افسوس ہے کہ آپ کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی آپ کا دولت خانہ کہاں ہے۔"

"دولت خانہ۔" حمید نے شرمائے ہوئے انداز میں کہا "میں کوئی مہاجن نہیں ہوں خطہ کشمیر میرا وطن ہے اور ایک چھوٹا موٹا زمیندار۔"

"خیر نہ آپ چھوٹے ہیں اور نہ موٹے۔ لیکن زمیندار ضرور معلوم ہوتے ہیں۔ خیر جناب آپ کی خواہش ضرور پوری کر دی جائے گی۔"

"حمید جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دفعتاً ایک ٹرک آ کر اُن کے قریب رک گیا اگلی نشست پر صرف ایک آدمی تھا جو صورت سے پیشہ ور ڈرائیور نہیں معلوم ہوتا تھا۔ ایک شکاری نے اٹھ کر درخت کے تنے سے لٹکتی ہوئی ڈور کا سرا کھینچ لیا اور پھر بے شمار پرندوں کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ اور اُن کی چیخوں سے فضا مکدر ہو گئی۔

درخت پر پھیلا ہوا جال پرندوں سمیت لڑھکتا نیچے آ رہا۔ بہت کم پرندے جال کی زد سے نکل پائے تھے۔ دونوں شکاری اٹھ کر جال کی طرف لپکے۔ حمید بھی اُن کے پیچھے دوڑا۔ شاید

ں بھی اُس کے لئے ایک بالکل ہی نئی قسم سے تعلق رکھتا تھا۔ ٹرک پر آیا ہوا آدمی بدستور اپنی
پر بیٹھا رہا۔

جال میں کوؤں کے علاوہ چند چیلیں بھی تھیں اور دو ایک گدھ بھی۔ بقیہ پرندے ابھی تک
رچاتے ہوئے اُس درخت کے گرد منڈلا رہے تھے۔ حمید بھی شکاریوں کے ساتھ جال پر جھک
اور جب وہ اُسے سنبھالنے کی کوشش کر رہے تھے اس نے ان میں سے ایک کی جیب سے اس کا
س اڑا لیا۔

اُن دونوں کو اُس کی خبر تک نہ ہوئی لیکن ٹرک میں بیٹھا ہوا آدمی اس کی حرکت دیکھ رہا تھا۔
بدنے پہلے ہی یہ بات محسوس کر لی تھی کہ وہ اُس آدمی کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے اور حقیقتاً اسی چیز
نے اُسے اس حرکت پر اکسایا تھا۔

اُس نے اُن دونوں کو جال اٹھانے میں مدد دی اور اُن کے ساتھ ٹرک تک آیا۔ جال پرندوں
یت ٹرک پر ڈال دیا گیا۔

"شکریہ۔" ایک شکاری حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "آپ ہمیں اپنا ایڈریس دے دیں گدھ
نچا دیا جائے گا۔"

"ہوٹل ڈی فرانس! کمرہ نمبر تیرہ.... اور میرا نام سعید جوہے۔"

"اُف فوہ۔" ڈرائیور بولا۔ "تو آپ کشمیری ہیں! لیکن لب ولہجہ کشمیریوں جیسا نہیں ہے۔"

"میں عرصے تک اس صوبے میں رہا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"لیکن افسوس کہ اس کے باوجود بھی آپ شریف سوسائٹی کے قابل نہیں بن سکے۔"

"کیا مطلب....!" حمید بگڑ کر بولا۔

"پرس نکالو....!" ڈرائیور نے گرج کر کہا۔

حمید بے تحاشہ مخالف سمت میں بھاگنے لگا۔

"ٹھہرو! ورنہ گولی مار دوں گا۔" ڈرائیور نے للکارا۔ اس نے سچ مچ ریوالور نکال لیا تھا۔

حمید نے پلٹ کر دیکھا اور رک گیا۔ ڈرائیور ٹرک سے اُتر آیا تھا۔

"ادھر آؤ....!" اُس نے گرج کر کہا۔

حمید اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے ان کی طرف بڑھنے لگا۔ لیکن ڈرائیور اس بات سے

قطعی لاپرواہ تھا کہ دوسرا لمحہ خود اُس کے لئے بھی خطرناک ہو سکتا ہے۔ حمید ان سے تین قدم کے فاصلے پر رک گیا۔

"اپنا پرس نکالو اس کے جیب سے۔" ڈرائیور نے ایک شکاری سے کہا۔

اب شکاری نے گھبرا کر اپنی جیبیں ٹٹولیں اور بے اختیارانہ انداز میں حمید پر جھپٹا۔

دفعتاً حمید چیخ مار کر زمین پر گر پڑا اور پھر ڈرائیور کو یہ تک سمجھنے کی مہلت نہ ملی کہ ریوالور اس کے ہاتھ سے کس طرح نکل گیا۔

دوسرے لمحے میں حمید ان کی طرف ریوالور تانے انہیں ٹرک کے پاس سے ہٹا رہا تھا۔

"تمہاری جیبوں میں جو کچھ بھی ہو نکال کر زمین پر ڈال دو۔"

دونوں شکاری سراسیمگی کا شکار ہو گئے تھے۔ البتہ ڈرائیور کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ دونوں اپنی بندوقیں بھی ٹرک میں رکھ چکے تھے۔ اس لئے اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ وہ حمید کے حکم کی تعمیل کرتے۔ بادلِ ناخواستہ انہوں نے اپنی جیبوں سے وہ سب کچھ نکالا جو نقدی کی شکل میں تھا۔

"داہنی طرف منہ کرو۔" حمید گرج کر بولا۔

زمین پر پڑا ہوا مال غنیمت سمیٹتا ہوا وہ پھر للکارا۔ "چل پڑو.... چلتے جاؤ.... مڑ کر دیکھا اور موت نے چپت لگائی۔ شاباش.... لفٹ رائٹ.... لفٹ رائٹ.... لفٹ.... لفٹ!"

اور جب وہ بیس پچیس گز آگے بڑھ گئے تو وہ اچھل کر ٹرک میں آ بیٹھا۔

وہ تینوں گالیاں بکتے ہوئے ٹرک کے پیچھے دوڑ رہے تھے لیکن اب حمید کو پانا آسان کام نہیں تھا۔

شہر کے قریب پہنچ کر اس نے ٹرک چھوڑ دیا اور پیدل چل پڑا۔

وہ جلد سے جلد کیفے ڈی فرانس کی رہائش ترک کر دینا چاہتا تھا کیونکہ اس حلیہ میں اس نے خود کو مشکوک بنا لیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ لوگ اس واقعے کی رپورٹ ضرور کریں گے۔

ہوٹل ڈی فرانس پہنچ کر اُس نے حساب بے باق کیا اور ایک ویٹر کو بند گاڑی لانے کی ہدایت دیتا ہوا پھر اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔ اس کا کل سامان ایک بستر اور ایک سوٹ کیس پر مشتمل تھا۔

پندرہ منٹ بعد ویٹر واپس آ گیا۔ حمید نے سامان اُس سے بھجوا دیا وہ دراصل اس فکر میں تھا کہ گاڑی والے کی نظر اُس پر نہ پڑنے پائے۔

تھوڑی دیر بعد بند گھوڑا گاڑی شہر کے پُر رونق حصوں سے گذر رہی تھی اور حمید اندر بیٹھا اطمینان سے اپنے چہرے پر ملائم اور گھونگھریالے بال چپکانے کی کوشش کر رہا تھا وہ اس صفائی سے گاڑی میں داخل ہوا تھا کہ کوچوان کی نظر اس پر نہیں پڑ سکی تھی اور سیٹ پر بیٹھتے ہی اُس نے گاڑی کا دروازہ بند کر دیا تھا اور اندر ہی سے اس کوچوان کو نیاگرا ہوٹل کی طرف چلنے کو کہا تھا۔ نیاگرا ہوٹل شہر سے باہر ایک پُر فضا مقام پر واقع تھا۔ مناظر فطرت کے رسیا عموماً وہیں قیام کیا کرتے تھے۔ لیکن ہوٹل اتنا مہنگا تھا کہ عام آدمی وہاں ناشتہ کرنے کی ہمت بھی شاذ و نادر ہی کیا کرتے تھے۔ حمید نے اس ہوٹل کا نام محض اس واسطے لیا تھا کہ وہ شہر سے دور تھا۔ اس طرح دورانِ سفر میں اُسے اتنا وقت مل جاتا کہ وہ فریدی کے میک اپ پر ایک دوسرا میک اپ بہ آسانی کر سکتا تھا۔

اس نے آئینے پر آخری اور تنقیدی نظر ڈالی۔ سیاہ رنگ کی گھونگھریالی ڈاڑھی میں اس کا چہرہ عجیب لگ رہا تھا۔ اس نے تاریک شیشوں کی عینک آنکھوں پر جماتے ہوئے گاڑی کا دروازہ کھولا، پھر سیٹ کی پشت سے ٹک کر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ نیاگرا ہوٹل ہی میں ٹھہرتا۔ یہاں تک تو وہ محض لئے آیا تھا کہ اپنی شکل اطمینان سے تبدیل کر سکے۔ اگر نیاگرا ہوٹل میں اُسے کوئی کمرہ نہ بھی ملتا تو وہ پھر شہر واپس جا سکتا تھا۔ لیکن اس کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ کمرہ بہ آسانی مل گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ فریدی کو فون کر رہا تھا۔

"سعید جو بول رہا ہے.... فی الحال نیاگرہ کے چالیس نمبر میں قیام ہے۔ وجہ پھر بتاؤں گا.... ئی.... نہیں بتاتا.... ضروری بات! اگر اُن چاروں میں کوئی کوتوالی میں رپورٹ لکھائے تو.... لوکے پٹھے کو مطلع کر دیجئے گا۔"

فریدی وجہ پوچھتا ہی رہ گیا لیکن حمید نے ریسیور رکھ دیا۔

اُس نے کمرہ بند کر کے اطمینان سے لوٹی ہوئی رقم کا جائزہ لیا۔ کل دو سو ستائیس روپے تھے۔ نیاگرہ میں دو تین دن قیام کرنے کے لئے یہ رقم کافی ہی نہیں بلکہ بہت تھی۔ چار بجے فریدی نے سے فون پر کال کیا۔ اُس نے بتایا کہ شکاریوں نے اپنے لٹنے کی رپورٹ پولیس کو دی ہے۔ آدمی س نے خود کو کشمیری ظاہر کیا تھا۔ انہیں لوٹ کر چلتا بنا۔

"دیکھئے....!" حمید بولا۔ "آپ کو یہ سن کر خوشی ہو گی کہ اس معاملے کو اختتام تک پہنچائے

بغیر اپنے اوپر کاہلی مسلط نہ ہونے دوں گا۔"

"اب کیا سوچ رہے ہو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"کچھ نہیں حالات کا منتظر ہوں۔"

"اطلاعات دیتے رہنا۔"

"اگر ضروری سمجھا تو.....!"

"کیڑے زیادہ نہ کلبلائیں تو بہتر ہے۔" فریدی کا تلخ لہجہ سنائی دیا۔

"میں نکما نہیں ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔" دوسری طرف سے جھلائی ہوئی آواز آئی اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

حمید نے فون پر ہیڈ ویٹر کو اطلاع دی کہ وہ ناشتہ ڈائننگ روم ہی میں کرے گا۔

شام کا لباس پہن کر وہ نیچے آیا۔ وہ ہر ہر قدم پر رک کر کچھ سوچنے لگتا تھا۔ پھر اچانک اُس نے اپنی رفتار تیز کر دی اور ڈائننگ روم ہی میں آکر دم لیا۔ اس کی صورت تو فلسفیوں جیسی ہو گئی تھی اب وہ اپنے حرکات و سکنات سے بھی یہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ سو فیصد فلسفی ہے۔

لیکن یہاں پہنچتے ہی اچانک اس پر بدحواسی طاری ہو گئی۔ کیبن نمبر آٹھ میں چاروں شکار چائے پی رہے تھے۔ وہ آہستہ سے ایک طرف ہٹ گیا لیکن نمبر سات خالی تھا۔ اس وقت جلت یہی تقاضہ ہو سکتا تھا کہ وہ اسی کیبن میں جا کر بیٹھ جائے۔

بیٹھتے ہی اس نے گھنٹی بجائی۔ ویٹر نے ناشتے کا سامان میز پر لگا دیا۔

حمید کے کان کیبن نمبر آٹھ کی طرف لگے ہوئے تھے۔

"ٹرک کہاں ملا تھا۔" اُن میں سے کسی نے پوچھا۔

"باٹم روڈ کے چوراہے پر۔"

"تم دونوں خاصے اُلو ہو۔"

"بھلا ہم کیا جانتے کہ اس کا مقصد کیا تھا۔ اس قسم کے لوگ ہمارے پیچھے لگے ہی رہا کرتے ہیں۔"

"خیر.... بہر حال یہ اچھا کیا کہ رپورٹ کر دی۔"

"اور سنئے اُس نے اپنا پتہ حقیقتاً صحیح بتایا تھا۔ میں نے ہوٹل ڈی فرانس میں پتہ لگایا ہے لیکن

ہمارے پہنچنے سے دو گھنٹے قبل ہی جا چکا تھا۔ بہر حال پولیس اب اُس گاڑی والے کی تلاش میں ہے، جو اُسے وہاں سے لے گیا تھا۔"

حمید نے جلدی جلدی ناشتہ کیا اور سیدھا اپنے کمرے میں چلا آیا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ اس نے میک اپ کر چکنے کے بعد گاڑی کی کھڑکیاں کھول کر غلطی کی تھی اُسے کوچوان کے سامنے تو آنا ہی نہ چاہئے تھا۔ اگر وہ چاہتا تو نیاگرا ہوٹل پہنچنے پر بھی خود کو کوچوان کی نظروں سے بچا سکتا تھا۔

جال

اس نے سوچا کہ کیوں نہ فریدی کو اُس گاڑی بان کے متعلق فون کر دے کہ وہ اُسے پولیس کے ہتھے نہ چڑھنے دے۔ گاڑی کا نمبر اُسے اچھی طرح یاد تھا اور یہ بھی محض اتفاق تھا ورنہ نمبر دیکھنے یا یاد رکھنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ تو اتفاقاً اُس کی نظر نمبروں پر پڑ گئی تھی اور ساتھ ہی اُسے یہ یاد آ گیا تھا کہ اُس کی بیمہ کی پالیسی کا بھی یہی نمبر ہے۔ اس طرح گاڑی کا نمبر اُسے یاد رہ گیا تھا۔

حمید نے فون کا ریسیور اٹھا کر پھر رکھ دیا۔

اس کے ذہن میں ایک نئی چال اُبھر رہی تھی۔ تین چار منٹ تک اُس کے چہرے پر کچھ عجیب سے آثار دکھائی دیتے رہے پھر وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ "فون تو کر ہی دینا چاہئے۔"

اُس نے پھر ریسیور اٹھایا۔ لیکن فریدی گھر پر موجود نہیں تھا۔ وہ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اس کی انگلی فون کے ڈائیل پر گھومنے لگی۔

"ہیلو.... انسپکٹر جگدیش.... اوہ تو اچھا تم ہی ہو.... میں فریدی بول رہا ہوں.... کہو وہ گاڑی ملی یا نہیں۔"

"کون سی! دوسری طرف سے آواز آئی۔"

"اماں وہی کشمیری والا کیس۔"

"جی نہیں.... ابھی نہیں ملی.... لیکن آپ....!"

"ہاں میں اس میں تھوڑی بہت دلچسپی لے رہا ہوں۔" حمید بولا۔ "دیکھو اگر وہ مل بھی جائے

تو اس کی رپورٹ پر فی الحال عمل درآمد نہ کرنا۔"

"بہت بہتر.... لیکن....!"

"لیکن یہ کہ تم ہمیشہ احمق رہو گے۔ ارے بھائی جو میں کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو۔"

"بہت بہتر۔"

ریسیور رکھ کر حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔ لیکن وہ اب بھی یہ سوچ رہا تھا کہ کہیں فریدی اور جگدیش کی ملاقات نہ ہو جائے۔

"اونہہ....!" اُس نے سر جھٹک کر اپنا سوٹ کیس کھولا اور ایک ریوالور نکال کر جیب میں ڈال لیا۔ اب وہ زینے طے کر کے ڈائننگ ہال کی طرف جا رہا تھا۔

اس نے ان چاروں شکاریوں کو ہال سے اٹھ کر باہر جاتے دیکھا اور تھوڑے فاصلے سے ان کا تعاقب کرنے لگا۔ اس کا خیال غلط نہیں نکلا۔ اس نے پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ بیرونی پارک کی طرف جا رہے ہیں۔

پارک میں پہلے سے بھی کچھ لوگ موجود تھے۔ حمید ان چاروں سے زیادہ دور نہ ہونے کی بنا پر ان کی گفتگو صاف سن رہا تھا۔

"لو یار....!" ان میں سے ایک کہہ رہا تھا "بعض اوقات میں واقعی حماقت کر بیٹھتا ہوں۔ باتوں کی رو میں کار سے انجن کی کنجی تک نہیں نکالی۔"

"اور دوسری حماقت مجھ سے سن لو۔" دوسرا آدمی بولا۔ "تم نے کار قطعی غلط جگہ کھڑی کی ہے۔ اس وقت میں نے تمہاری دل شکنی کے خیال سے تمہیں ٹوکا نہیں۔ نیاگرا میں آنے والی کاریں عموماً گیرج میں کھڑی کی جاتی ہیں، لیکن تم باہر ہی چھوڑ آئے ہو۔"

"اونہہ! چھوڑو بھی سب چلتا ہے۔" تیسرے نے کہا۔

چاروں ایک بنچ پر بیٹھ کر سگریٹ سلگانے لگے۔

گیرج عمارت کی پشت پر تھا۔ وہ کافی طویل اور تقریباً چالیس پچاس حصوں پر مشتمل تھا۔ ہر حصے پر نمبر پڑے ہوئے تھے اسے ایک چوکیدار کنٹرول کرتا تھا۔ جب بھی کوئی کار اس طرف آتی چوکیدار حصے روشن کر دیتا۔ اس کے سامنے ایک چارٹ ہوتا تھا جس پر وہ خالی اور بھرے حصوں میں نشانات لگایا کرتا تھا۔ بہر حال گیرج کو کنٹرول کرنے کا طریقہ سائنٹیفک اور بالکل نیا تھا۔ ورنہ

ابڑا گیراج ایک چوکیدار کے بس کا روگ نہیں تھا۔

شکاریوں کی گفتگو سننے کے بعد حمید چپ چاپ وہاں سے کھسک گیا۔ گیرج سے تھوڑے صلے پر اُسے بادامی رنگ کی ایک کار کھڑی دکھائی دی۔ اُس نے اندر جھانک کر دیکھا تالے میں بی لگی ہوئی تھی۔ وہ کار کو اسٹارٹ کر کے گیراج کے قریب لایا۔ چوکیدار نے ایک حصے کے نمبر شن کر دیئے اور حمید نے کار اندر لے جا کر کھڑی کر دی۔ پھر اُس نے انجن کھول کر اُس پر دست فقت پھیرا لیکن کنجی بدستور لگی رہنے دی۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر پارک میں آ گیا۔ چاروں شکاری اب بھی اسی بنچ پر بیٹھے ہوئے تھے اور یدبے چینی سے اُن کے اٹھنے کا انتظار کر رہا تھا۔

اُسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ اٹھ کر گیرج کی طرف چلے حمید تھوڑے صلے سے اُن کا تعاقب کر رہا تھا۔ اندھیرا کافی پھیل گیا تھا اور گیرج کے آخری سرے والے کیمپ سٹ کی روشنی پورے حصے کو روشن کرنے کے لئے کافی نہیں تھا۔ شاید وہ چاروں کار کو اس جگہ پاکر متحیر تھے۔ آخر کار چوکیدار نے اُن کی رہنمائی کی لیکن انہیں اُس کی زبانی یہ سن کر حیرت وئی کہ کسی ایسے آدمی نے کار کو گیرج میں پہنچایا تھا جو اُن میں سے نہیں تھا۔

ایک شکاری نے اندر جا کر کار کو باہر نکالنا چاہا لیکن کار اسٹارٹ ہی نہ ہوئی۔ میاں حمید نے نجن پر ذرا گہرے قسم کا ہاتھ پھیرا تھا۔

آخر ان تینوں کو بھی اُس کی مدد کے لئے اندر جانا پڑا۔

گیرج کے قرب و جوار کے حصے بالکل ویران تھے اور چوکیدار بھی اپنی جگہ پر واپس جا چکا تھا۔ میدنے جیب میں ہاتھ ڈال کر ریوالور کا دستہ مضبوطی سے پکڑ لیا۔ دوسرے لمحے میں وہ گیرج کے ندر تھا۔

"کیا یہ کشمیری آپ لوگوں کی مدد کر سکتا ہے۔" اس نے ریوالور نکالتے ہوئے کہا۔

"تم....!" ایک چونک کر بولا۔

"ہاں میں.... ذرا اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو اور ہاں وہ میرا گدھ کہاں ہے!"

چاروں اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے سکتے کے عالم میں کھڑے رہے۔

"تم نے میرے خلاف رپورٹ دے کر اچھا نہیں کیا۔"

"ہم پھر رپورٹ کریں گے۔" ایک نے بگڑ کر کہا۔

"ذرا آہستہ فرزند....!" حمید بولا۔ "یہ ریوالور بغیر آواز کا ہے۔ شور پسند نہیں کرتا۔"

"تم ہو کون۔"

"تمہاری تجارت کے حصے کا جائز حق دار! یہاں ہر نیا کام شروع کرنے والا ہمارا حصہ ضرور نکالتا ہے۔ نہ صرف میرا.... بلکہ میرے گروہ کا بھی.... کیا سمجھے؟"

"نہ جانے کیا الٹی سیدھی ہانک رہے ہو۔ جانتے ہو شریف آدمیوں کو پریشان کرنا جرم ہے۔"

"یہ بھی جانتا ہوں اور تمہاری شرافت سے بھی اچھی طرح واقف ہوں۔ بہر حال معاملے کی بات کرو۔"

"کیسا معاملہ....!"

"اچھی بات ہے۔" حمید نے دھمکی دی۔ "اگر بلی کھاتی نہیں تو ڈھلکا دیتی ہے۔ اچھا تو میں چلا.... نہ تم میرا کچھ بگاڑ سکتے ہو اور نہ پولیس۔ سردار صفدر کو میں لونڈا سمجھتا ہوں۔"

حمید ریوالور کا رخ اُن کی طرف کئے ہوئے دروازے کی جانب بڑھنے لگا۔

"ٹھہرو....!" ان میں سے ایک آہستہ سے بولا۔ "تم کون ہو....!"

"ارے تم مجھے نہیں جانتے۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "حالانکہ میں تم لوگوں کے متعلق سب کچھ جانتا ہوں اور تمہاری ایک حرکت کی بناء پر تم سے سخت متنفر بھی ہوں۔"

"کون سی حرکت....!"

"اس اینگلو انڈین نرس کا قتل! تمہارا مقصد دوسری طرح بھی حل ہو سکتا تھا۔ مگر نہیں سردار صفدر.... جابر کے کسی شاگرد کی طرح ذہین نہیں ہو سکتا۔"

"جابر.... کون جابر....!"

"تم جابر کو بھی نہیں جانتے۔ تب تو تم نے ناحق اس کاروبار میں ہاتھ لگایا ہے۔"

"کون سا کاروبار....!"

"اوہو....!" حمید ہنس پڑا۔ "تو کیا آزاد بینک کا سونا یونہی خاک ہو گیا۔"

"تم کون ہو۔" چاروں کے منہ سے بیک وقت نکلا۔ ان کی آوازیں خوفزدہ تھیں۔

"جابر[1] کا ایک شاگرد.... وہ جابر جو اپنے وقت کا ایک ذہین ترین آدمی تھا۔ وہ جابر جس کی

[1] جابر کے کارناموں کیلئے جاسوسی دنیا کے ناول "خطرناک بوڑھا" اور "مصنوعی ناک" جلد نمبر 2 پڑھئے۔

جگہ ایک غار تھا اور اس کے باوجود بھی وہ ہر طرح کی آواز پر قادر تھا۔"

چاروں خاموش رہے اور حمید پھر بولا۔

"تم نے شاید اُس جاسوس کو بھی ٹھکانے لگا دیا۔"

"نہیں یہ غلط ہے۔" ایک بولا۔

"ہوگا! مجھے اس سے سروکار نہیں۔" حمید لاپروائی سے بولا۔ "میں تو اپنا حصہ چاہتا ہوں.... ور یہ لو.... اپنے روپے.... جابر کا کوئی شاگرد گروہ کٹ یا گھٹیا قسم کا لٹیرا نہیں ہوتا۔ یہ تو محض تم لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے تھا۔"

حمید نے جیب سے نوٹ نکال کر اُن کے سامنے پھینک دیئے۔

وہ چاروں کچھ نہیں بولے حمید نے پھر کہا۔

"میں یہیں اسی ہوٹل میں ٹھہروں گا.... تنہا.... کمرے کا نمبر چالیس ہے۔ اس کے باوجود بھی میرا دعویٰ ہے کہ میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ویسے ریوالور کی گولی سے مجبوری ہے وہ بھی اگر اندھیرے سے چلائی جائے۔ لیکن اس پر بھی تم نہ بچ سکو گے کیونکہ مجھ جیسے پانچ آدمی تمہارے راز سے واقف ہیں اور میں انہیں کا نمائندہ ہوں۔"

"ریوالور جیب میں رکھ لیجئے۔" ایک شکاری آہستہ سے بولا۔ "اس پر غور کیا جائے گا۔"

حمید نے ریوالور جیب میں ڈال لیا۔

پھر وہ چاروں حمید سمیت گیرج سے باہر آ گئے۔

"آؤ میرے ساتھ۔" حمید نے کہا اور وہ سب پھر ڈائننگ ہال میں آ گئے۔

"نہیں یہاں ٹھیک نہیں ہے۔" اُس نے پھر کہا اور انہیں اپنے کمرے میں لے آیا۔

اُن میں سے ایک آدمی کو حمید بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں اُسے الجھن میں ڈالے ہوئے تھیں۔ اس کا ذہن بار بار دہرا رہا تھا "کہاں دیکھا ہے۔ کہاں دیکھا ہے۔"

پھر دفعتاً اُسے اُس ڈاکٹر کی آنکھیں یاد آ گئیں جس نے اُسے شراب پلائی تھی۔ حمید نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"معاملات طے ہو جائیں تو زیادہ بہتر ہے۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

"ہم بڑی دیر سے آپ کے اس مذاق سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔" اُس شکاری نے کہا جسے

حمید پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔

"خیر....!" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا۔"

"آپ اعتراف کرتے ہیں کہ آپ وہی ہیں جس نے ان دونوں کو لوٹا تھا؟" شکاری نے پوچھ

"ہاں! اور وہ فون رکھا ہوا ہے! تم پولیس کو اطلاع دے دو کہ تم نے اُس آدمی کو پالیا ہے حمید نے لاپروائی سے کہا۔

وہ چاروں عجیب قسم کی کش مکش میں مبتلا ہو گئے تھے۔ جانی پہچانی آنکھوں والا آہستہ سے بولا

"ہم سے کس قسم کا سمجھوتہ کرنا ہے؟"

"آدھا.... آدھا....!"

"یعنی....!"

"تیس سیر سونا اور وہ جو دلاور نگر سے آرہا ہے۔"

"بلیک میل کرنا چاہتے ہو۔"

حمید نے قہقہہ لگایا اور دیر تک ہنستا رہا۔ پھر بولا۔

"بلیک میل شریف آدمیوں کو کیا جاتا ہے۔ اگر تم ہمارا حصہ نہیں دو گے تو ہم زبردستی چھین لیں گے۔"

"یہ بات ہے۔" شکاری کی بھنویں تن گئیں۔

"سنو تم چار ہو اور میں اکیلا۔ مجھے گھور کر نہ دیکھو۔" حمید ہنس پڑا۔

شکاری پھر کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔

حمید نے خود ہی چھیڑا۔ "ہم تمہاری ایک ایک بات سے باخبر ہیں۔ کیا تم نے شہر کے مشہور جاسوسوں کو دوسری طرف الجھا دینے کے لئے سارہ کو قتل نہیں کیا۔"

"ذرا آہستہ بولو۔" شکاری نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"سردار صفدر مجھے یقین ہے کہ تم ناسمجھی سے کام نہ لو گے۔"

"کیا....!" شکاری اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھو بیٹھو....!" حمید نے پُر سکون لہجے میں کہا۔ "میرے علاوہ میرے پانچ ساتھی بھی تمہیں اچھی طرح پہچانتے ہیں۔"

دوسرے شکاری بھی کھڑے ہو گئے۔ انہیں اپنے ریوالور نکال لینے کا موقع مل گیا تھا۔ لیکن حمید کے تیز قہقہے سن کر اُن کے ہاتھ کانپ گئے۔

"فضول ہے دوستو! پانچ خوفناک آدمی بھوتوں کی طرح تمہارے پیچھے لگ جائیں گے اور وہ مجھ سے بھی زیادہ شاطر ہیں۔"

سردار صفدر نے اپنے ساتھیوں کو ڈانٹا اور انہوں نے پھر اپنے ریوالور جیبوں میں ڈال لئے۔

"چلو منظور....!" اُس نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن میری بھی دو شرائط ہیں۔"

"کیا....؟"

"تمہیں اپنے ساتھیوں کو بھی مجھ سے ملانا پڑے گا۔"

"دوسری شرط....؟" حمید نے پوچھا۔

"بیٹھے بیٹھے حصہ نہیں ملے گا۔ تمہیں ہمارا ہاتھ بٹانا پڑے گا۔"

"دوسری شرط قطعی منظور ہے۔" حمید ہنس کر بولا۔ "لیکن پہلی شرط کے سلسلے میں مجھے دہرانا پڑے گا کہ میں جابر کا شاگرد ہوں۔"

"صاف صاف کہو۔"

"بالکل صاف ہے وہ پانچ آدمی بھی ہاتھ بٹائیں گے لیکن وہ تم پر ظاہر نہیں کئے جا سکتے۔"

"سمجھوتے کے لئے اعتبار شرط۔" سردار صفدر نے سنجیدگی سے کہا۔

"استاد جابر معاملے کا پکا تھا لیکن وہ کسی پر اعتبار نہیں کرتا تھا۔"

"تب تو پھر سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔"

"تمہاری خوشی۔" حمید لاپروائی سے بولا۔ "ویسے سترہ ڈاؤن پر تمہیں سونا تو کیا لوہا بھی نہیں ملے گا۔"

"کیا مطلب....!" صفدر چونک کر بولا۔

"تم شاید یہ بھول رہے ہو کہ اس لونڈے نے تمہیں یہ اطلاع نشے کی حالت میں دی تھی۔"

"تم یہ بھی جانتے ہو۔" سردار صفدر کا منہ حیرت سے پھیل گیا۔

"میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ ہمیں ایک ایک حرکت کا علم ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ سونا حقیقتاً کب آئے گا۔"

"کب آئے گا....؟"

"سردار صفدر میں نشے میں نہیں ہوں۔" حمید نے قہقہہ لگایا۔

صفدر نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُس کی آنکھیں گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ آخر کا طویل سانس لے کر بولا۔ "اچھا دوست! مجھے منظور ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی بتادوں کہ میر بازوں کو زندہ نہیں رہنے دیتا۔"

"استاد جابر کا بھی یہی اصول تھا۔" حمید نے خندہ پیشانی سے کہا۔

"کل دس بجے کارخانے میں آجاؤ۔" صفدر اٹھتا ہوا بولا۔ "لیکن اگر اس دوران میں پو کے ہتھے چڑھ جاؤ تو ہمیں الزام نہ دینا کیونکہ اس گاڑی کی تلاش جاری ہے۔"

"اُس کی فکر مت کرو۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔ "میرے ساتھیوں نے کوچوان کو سنبھا ہے۔ جابر کے شاگرد کچا کام کبھی نہیں کرتے۔"

"اچھا تو شب بخیر۔"

اعلیٰ ترین اخلاق کے مظاہرے کے طور پر حمید انہیں گیرج تک نہ صرف چھوڑنے آیا گاڑی کا انجن ٹھیک کرنے میں انہیں مدد بھی دی۔

ایک انکشاف

اُن کی کار چلی بھی گئی لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے حمید اپنی جگہ پر جم سا گیا ہو۔ وہ درا فریدی تک پہنچنے کے لئے بُری طرح بے چین تھا۔ غیر متوقع طور پر حالات نے نئی کروٹ تھی۔ اب اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کا دوسرا قدم کیا ہونا چاہئے اور پھر وہ اس پر اپنی گذاریوں کا رعب بھی ڈالنا چاہتا تھا۔

یہاں ٹیکسی کی توقع فضول تھی کیونکہ یہاں زیادہ تر ایسے ہی ذی حیثیت لوگ آتے تھے کی اپنی کاریں ہوں۔ اُس نے سوچا چلو پیدل ہی سہی کبھی نہ کبھی تو پہنچ ہی جائے گا۔ لیکن اُ خوش نصیبی ہی کہنا چاہئے کہ پھاٹک سے باہر قدم نکالتے ہی اُسے ایک ٹیکسی دکھائی دی۔ جو سڑ کے کنارے کھڑی تھی اور اس کا ڈرائیور ٹارچ کی روشنی میں انجن پر جھکا ہوا تھا۔ شاید کوئی خ

گئی تھی۔

"شہر چلو گے بھئی۔" حمید نے لہک کر پوچھا۔

"کیوں نہیں.... مگر شاید کچھ دیر لگ جائے۔" ڈرائیور بدستور سر جھکائے ہوئے بولا۔

"پرواہ نہیں.... میں انتظار کروں گا۔" حمید دروازہ کھول کر اندر بیٹھتا ہوا بولا۔

دو تین منٹ بعد انجن اسٹارٹ ہو گیا۔

"کہاں جائیے گا۔" ڈرائیور نے کھڑکی سے حمید پر جھکتے ہوئے پوچھا۔

"تیرہ سو مرسٹ اسٹریٹ۔" حمید نے جواب دیا اور ڈرائیور اپنی سیٹ پر آبیٹھا۔

"انسپکٹر فریدی کے یہاں جائیے گا۔" ڈرائیور بولا۔

حمید اچھل پڑا اور اس کا ہاتھ بے اختیار جیب کی طرف گیا۔ ڈرائیور بدستور اسٹیئرنگ کرتا رہا۔

"کیا تم جانتے ہو۔"

"ہاں....!" ڈرائیور بولا۔ "فریدی کو بھی اور فریدی کے پٹھے حمید کو بھی۔"

حمید نے ریوالور کی نال اس کی پشت سے لگادی۔

"روکو! ورنہ گولی ماردوں گا۔"

"مارو....!" ڈرائیور نے لاپروائی سے کہا اور اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔ ٹیکسی بدستور چلتی رہی۔

"روکو....!"

"واہ یہ اچھی زبردستی ہے۔" ڈرائیور نے کہا۔ "اچھا چلو کرایہ بھی مت دینا۔"

"میں سچ مچ ماردوں گا۔" حمید گرج کر بولا۔

"سچ مچ مارو....!" ڈرائیور ہنس کر بولا۔ "لیکن تمہارے ریوالور کی گولیاں تو میرے پاس ہیں۔"

حمید نے غور کیا تو حقیقتاً ریوالور کو بالکل خالی پایا۔

"کیوں ہے نا یہی بات!" ڈرائیور نے کہا۔ "بہت چالاک بنتے تھے۔ آج ایک اناڑی کی جیب سے پرس غائب کر کے تم اپنی ہاتھ کی صفائی پر پھول گئے تھے۔ اَب بتاؤ کیسی رہی.... سردار صفد لودھو کا دینا آسان کام نہیں۔"

حمید کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ لیکن اُس نے جی کڑا کر کے قہقہہ لگا ہی دیا اور پھر پرجوش انداز میں بولا۔

"میرے پانچوں ساتھی....!"

"سرے سے بنڈل ہیں۔" اس کی بات کاٹ دی گئی۔

"جابر کے شاگرد....!" حمید ہکلایا۔

"نرے چغد ہیں۔" ڈرائیور بیچ ہی میں بول پڑا۔

"لیکن میں نہیں ہوں۔" حمید جھلا کر بولا۔

"تم چغد سے بھی کمتر ہو۔"

دفعتاً حمید نے ریوالور پھینک کر اُس کی گردن پکڑلی۔

"خیر تم میں اتنی طاقت نہیں معلوم ہوتی لیکن میں گاڑی درخت سے ٹکرائے دیتا ہوں۔"

اور حمید نے اچانک محسوس کیا کہ ڈرائیور کی دھمکی عملی جامہ پہننے ہی والی ہے۔اس نے گردن چھوڑ دی اور بدحواس ہو کر سیٹ پر گر گیا۔

ڈرائیور بُری طرح ہنس رہا تھا۔

کار شہر کی سڑکوں سے گذرتی ہوئی سومرسٹ اسٹریٹ کی طرف ہولی اور حمید پاگل ہو جانے کی حد تک الجھنے لگا اسے توقع تھی کہ وہ کہیں اور لے جایا جائے گا۔ لیکن وہ سومرسٹ اسٹریٹ....!

ٹیکسی فریدی کی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی اور حمید کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں چھوٹ رہی تھیں۔ ٹیکسی پورٹیکو میں رک گئی۔

"اُتریئے سرکار....!" ڈرائیور مڑ کر بولا اور حمید کے منہ سے چیخ نکل گئی ڈرائیور کی گھنی ڈاڑھی غائب تھی اور فریدی کی طنز آمیز مسکراہٹ اُس کے سینے میں کچوکے لگا رہی تھی۔

"معاف کیجئے گا.... میں پہچان گیا تھا۔" حمید کھسیانی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"ضرور ضرور.... اسی لئے میرا گلا بھی گھونٹا جا رہا تھا.... چلو اترو۔"

وہ دونوں ٹیکسی سے اُتر کر اندر آئے۔

"لیکن اس کی کیا ضرورت تھی۔" حمید جھلا کر بولا۔

"میں نے سوچا کہ کہیں تم اپنی کارگذاری پر مغرور نہ ہو جاؤ اسلئے ایک ہلکا سا ڈوز ضروری ہے۔"

"آپ واقف ہیں۔"

"تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں وہاں جھک مار رہا تھا۔" فریدی نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

"اگر ضرورت پڑ جاتی تو میں تمہارے اُن پانچوں ساتھیوں میں سے ایک کا رول تو ادا کر ہی دیتا۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ میں نے کوئی بڑا کارنامہ سرانجام نہیں دیا۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

"میں یہ تو نہیں کہتا۔ آج میرا دل چاہتا ہے کہ میں تم پر فخر کروں۔"

اس جملے پر حمید کے تلوؤں سے کھوپڑی تک تری دوڑ گئی۔

"لیکن آپ نے میرے ریوالور سے کارتوس کس طرح غائب کئے تھے۔"

"جب تم ٹیکسی میں بیٹھ رہے تھے اُس وقت میں نے ریوالور تمہاری جیب سے نکال لیا تھا اور جن ٹھیک ہو جانے کے بعد جب میں نے تم سے گفتگو کی تھی اُسی وقت وہ تمہاری جیب میں واپس ی چلا گیا تھا۔"

"کمال ہے۔"

"لیکن تم نے انہیں لوٹا کس طرح تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

حمید نے پورا واقعہ دہرانے کے بعد کہا۔ "میں نے آپ کا نام لے کر جگدیش سے کہہ دیا تھا وہ گاڑی بان کی اطلاع پر تفتیش نہ کرے۔"

"یار تم سچ مچ عقل مند ہوتے جا رہے ہو۔" فریدی اُسے گھور کر بولا۔ "کیوں نہ ہو خود بھی تو نے ہو۔"

"جناب میں شروع ہی سے عقل مند ثابت ہو رہا ہوں۔" حمید نے اکڑ کر کہا۔ "اب آپ کیا ماتے ہیں سردار صفدر کے متعلق۔"

"ٹھیک ہے وہ سردار صفدر ہی ہے۔" فریدی بولا۔ "اُس کی موت ہی کچھ مشکوک قسم کی ئی تھی۔ جلی ہوئی عمارت سے جو لاش نکلی تھی وہ کسی اور کی رہی ہوگی۔"

"لیکن یہ تو بتایئے کہ آپ کو ان کاریوں پر شبہ کس طرح ہوا۔"

"کوؤں کی وجہ سے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"ہاں! میں نے ایک بار کوے ہی کی وجہ سے سونے کو خاک ہوتے دیکھا تھا۔"

حمید رک کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ سمجھتا تھا کہ فریدی کچھ اور بھی کہے گا لیکن اُسے

مایوسی ہوئی اور مایوسی کا لازمی نتیجہ جھلاہٹ تو ہوتی ہی ہے۔

"میں نے بھی ایک بار۔" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "کوے ہی کی وجہ سے آدمی کو اہوتے دیکھا ہے۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"بچپن میں مجھے کیمیا گری کا خبط تھا۔" اُس نے کہا اور اسی سلسلے میں میں نے سونے کو خاک ہوتے بھی دیکھا تھا۔

"لیکن کوے۔" حمید بے صبری سے بولا۔

"وہی بتانے جارہا ہوں۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "میرے والد صاحب کے ایک دوست کیمیا گر تھے۔ وہ اکثر ہمارے ہی یہاں آکر تجربے کیا کرتے تھے۔ اُن کے پاس کئی ایسے نسخے تھے جو صدہا سال سے سینہ بسینہ منتقل ہوتے ہوئے ان تک پہنچے تھے۔ اُن کی دیکھا دیکھی مجھے بھی کا چسکا لگ گیا۔ اُن دنوں ایک شعر جو دراصل کیمیا کا نسخہ تھا میرے والد اور اُن کے دوست کے درمیان موضوع بحث بنا ہوا تھا۔ چلو تمہیں وہ شعر بھی سنادوں۔

گفت از شیخ مغرب، زرنیخ و سرب و زیبق گو گرد و طوطیارا

درخونِ تیرہ ترکن اور ابنار درکن، عجلت مکن خدارا

ہاں تو جناب اس نسخے میں "خون تیرہ" کا معمہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ ابجد کے قاعدے سے بھی زور مارا گیا لیکن لاحاصل! آخر سوچا گیا کہ کوے کے خون سے شروعات کی جائے۔ پھر ہر جاندار شے کے خون کا تجربہ کیا گیا جو کامیاب نہ ہوسکا۔ کوے کے خون والا تجربہ ایک حد تک کامیاب رہا تھا اس سے جو دھات تیار ہوئی تھی وہ سونے کی سی رنگت رکھتی تھی لیکن جب اُسے نوسادر چھڑک کر پگھلایا گیا تو وہ دھات خاک کی شکل میں تبدیل ہوگئی۔

"ارے....!" حمید کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

فریدی پھر خاموش ہوگیا تھا۔ حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر خون تیرہ کا معمہ حل ہوجائے تو سونا بن جائے گا۔"

"قطعی....!"

"اور یہ زیبق وغیرہ کیا ہے۔"

"زیبق پارہ کو کہتے ہیں۔ زرنیخ ہڑتال کو۔ سرب معنی سیسہ۔ گوگرد گندھک کو اور طوطیا تم نے ہی ہوگے۔ کیونکہ اس کا دوسرا اہم قافیہ لفظ تم پر صادق آتا ہے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کیا کیا جانتے ہیں۔"

"میں کچھ بھی نہیں جانتا۔" فریدی نے معصومیت سے کہا۔

"تو آپ کو کیمیا کے اور بھی نسخے معلوم ہوں گے۔"

"سینکڑوں۔"

"کوئی کامیاب بھی ہوا۔"

"ایک بھی نہیں! ارے میاں یہ خبط ہے۔ دھاتوں کی شکل تبدیل کی جاسکتی ہے لیکن اصلیت نہیں۔ عربوں نے اسے بطور فن اختیار کیا تھا اور اسے الکیمیا کے نام سے پکارتے تھے۔ مغربیوں نے اسے اپنا کر الکمی بنالیا۔ پھر اسی کو کیمسٹری کا نام دے کر اس کا دائرہ بہت وسیع کردیا گیا۔"

"لیکن میں نے سنا ہے۔" حمید بولا "کہ بہتیرے سادھو جڑی بوٹیوں کے ذریعہ کھری چاندی اور اسونا بنالیتے ہیں۔۔"

فریدی ہنسنے لگا.... پھر بولا۔

چلو ایک سادھو صاحب کی غزل اسی موضوع پر سن لو۔

تین پات کا بروا جیہہ کا جانے سب کوئے

ہائے پھولے باٹے پھولے، پھولے بارہ ماس

رنگ نکال کے بنگ میں ڈالو ٹرتے چاندی ہوئے

اب اگر ہمت ہو تو ڈھونڈ نکالو اس تین پتیوں والے پودے کو جس میں سال بھر پھول آتے رہتے ہیں جسے ہر شخص جانتا ہے اُس کے پھول کا رنگ نکال کر رانگے میں ڈالو چاندی ہوجائے گا۔ دوسرے بزرگوار فرماتے ہیں۔

دھات سے دھات لڑا مرے پوتا

کہاں کی بوٹی کہاں کا بوٹا

"یعنی جڑی بوٹیوں کا چکر فضول ہے۔ دھات کو دھات سے لڑاؤ چاندی یا سونا بن جائے گا۔ سے پاس دھات سے دھات لڑانے کا نقشہ بھی موجود ہے۔ لیکن حمید صاحب سب بکواس

ہے۔ پھر وہی کہوں گا کہ اصلیت نہیں بدلتی صرف رنگ تبدیل ہوتا ہے۔"

"میں کوشش کروں گا۔" حمید نے کہا۔

"اور اُسی دن میرے ہی ہاتھوں جیل میں نظر آؤ گے۔"

"کوئی آسان سا نسخہ بتایئے۔"

"ختم کرو یہ قصہ اور کام کی بات کرو۔" فریدی اکتا کر بولا۔

"میں خون تیرہ کا معمہ ضرور حل کروں گا۔"

"اور نتیجے کے طور پر خوک تیرہ ہو جاؤ گے۔"

"یعنی.... مجھے فارسی کم آتی ہے۔"

"کالا سور....!"

"اوہ تو کالے سور کا خون!" حمید جلدی سے بولا۔

"بکو مت! وقت کم ہے۔" فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔

حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"شہزادے والی بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی۔"

"وہ بات....!" فریدی پُر خیال انداز میں بولا۔ "جہاں تک میں سمجھا ہوں وہ بیچارہ دھوکے ہی میں ماری گئی۔ خیر اس مسئلے کو فی الحال ملتوی رکھو! تو تم کل دس بجے اُن لوگوں سے مل رہے ہو۔"

"خیال تو یہی ہے۔"

"لیکن اب تم مجھ سے نہیں ملو گے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا....؟"

"انہیں تمہاری طرف سے پورا پورا اطمینان ہونا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔ "میں خود ضروری سمجھوں گا تمہیں کہیں نہ کہیں مل جاؤں گا۔"

"آخر آپ کی اسکیم کیا ہے۔"

"میں انہیں اس وقت پکڑنا چاہتا ہوں جب وہ ٹرین میں ڈاکہ مار رہے ہوں۔"

"اوہ....!"

"دوسری بات یہ کہ تمہیں کوؤں کا صحیح مصرف معلوم کرنا ہے۔"

"مگر.... وہ تو ابھی آپ بتا ہی چکے ہیں۔" حمید بولا۔

"ضروری نہیں کہ میرا خیال درست ہی ہو۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔

"ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آخر یہ لوگ خود کو شہرت کیوں دے رہے ہیں۔ یہ کام نہایت خاموشی سے بھی ہو سکتا تھا۔"

"انہوں نے بڑا نفسیاتی طریقہ اختیار کیا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "چھپ کر کام کرنے والے عموماً قانون سے ڈرتے ہی رہتے ہیں اور یہی خوف بعض اوقات ان سے ایسی غلطیاں کرا دیتا ہے کہ ان کی گردن قانون کے ہاتھ میں آجاتی ہے۔ اس کے برخلاف کسی قسم کا ہنگامہ برپا کر کے کام کرنے والوں کو بڑی تقویت رہتی ہے اور یہ تقویت ان میں خود اعتمادی پیدا کر کے انہیں غلطیوں سے بچاتی ہے۔"

"کیا انہوں نے کوئی غلطی نہیں کی۔"

"میں یہ تو نہیں کہتا کہ اُن سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ انہوں نے یہی ایک زبردست غلطی کی کہ تمہیں شراب پلا کر تم سے کوئی بات معلوم کرنے کی کوشش کی۔ اور یہ بھی اندازہ نہ لگا سکے کہ حقیقتاً تمہیں نشہ ہو گیا ہے یا صرف ترنگ میں ہو۔"

"پھر....!"

"میرے کہنے کا مطلب دراصل یہ تھا....!"

دفعتاً ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ فریدی نے ریسیور اٹھا لیا! گفتگو کرتے وقت اس کے ماتھے پر سلوٹیں اُبھر آئیں اور پھر وہ ریسیور رکھ کر حمید کی طرف مڑا۔

"سنا! تم نے جگدیش تھا! اُس گاڑی کا پتہ لگ گیا جس میں تم نیاگرا ہوٹل تک گئے تھے۔ ہوٹل ڈی فرانس کے ویٹر نے اُسے شناخت کر لیا ہے.... اور کوچوان گاڑی میں مردہ پایا گیا ہے۔ اُس کی داہنی کنپٹی پر گولی لگی ہے۔"

"ارے....!"

"ہاں.... اور اب تمہارا نیاگرہ ہوٹل واپس جانا درست نہیں۔ ان لوگوں نے تمہیں ایک

دوسرے قتل میں بھی پھانسنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اب بھی تر
اصلیت سے واقف نہیں۔"

شکاری کی چال

بارہ بجے رات کو حمید آر لکچو میں ایک کمرہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ آر لکچو بھ
کے اعلیٰ ترین ہوٹلوں میں سے تھا۔

فریدی نے اس کا پرانا میک اپ بگاڑ کر اُسے دوسری شکل میں تبدیل کر دیا تھا اور یہ شکل
اتنی غیر دلچسپ اور معمولی تھی کہ وہ بھی آدمیوں کی اس بے پناہ بھیڑ میں آ گیا تھا، جو دیکھنے و
پر کوئی اثر قائم کئے بغیر گذر جاتی ہے۔

دوسرے دن صبح وہ ایک ٹیکسی کر کے اُس کارخانے کی طرف روانہ ہو گیا جہاں کوؤں
پروں سے ایک حیرت انگیز چیز بنائی جانے والی تھی جو بیک وقت کاغذ بھی تھی اور کپڑا بھی۔
کارخانے کی عمارت جس کے بعض حصے ابھی زیر تعمیر ہی تھے۔ دولت گنج کے اُس ویران علا
میں واقع تھی جہاں گرمیوں کے موسم میں شہر کے بعض ٹھیکیدار اینٹوں کے پزاوے لگایا کر
تھے۔ کارخانے میں داخلہ منیجر کی اجازت سے ہوتا تھا اس لئے ابھی تک صرف شہر کے
اشخاص ہی اندر تک پہنچ سکے تھے لیکن اسکولوں اور کالجوں کے طلباء کو اجازت مل جاتی تھی مگر
کے لئے بھی انہیں اپنے پرنسپل یا ہیڈ ماسٹر کے سفارش نامے لانے پڑتے تھے۔

حمید پھاٹک پر روکا گیا۔ جنرل منیجر کا آفس چہار دیواری کے اندر تھا اُس نے چوکیدار کو
سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ ایک ضروری کام کے سلسلے میں جنرل منیجر سے ملنا چاہتا ہے لیکن
نے اندر نہ جانے دیا۔

"اچھا تو پھر میرا نام ہی جنرل منیجر تک پہنچا دو۔" اُس نے کہا۔

چوکیدار اس پر تیار ہو گیا۔ حمید نے جیب سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکال کر اُس پر "جابر" لکھا
چوکیدار کو دے کر اطمینان سے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ چوکیدار نے وہ پرچہ ایک دوسر
آدمی کو دے دیا۔

تھوڑی دیر بعد حمید طلب کر لیا گیا۔ جنرل منیجر کے کمرے میں وہ چاروں شکاری موجود تھے۔
کے علاوہ ایک آدمی اور بھی تھا، شاید اس سازش میں جنرل منیجر کا رول ادا کر رہا تھا۔ چاروں
اری حمید کو حیرت سے دیکھنے لگے کیونکہ یہ وہ تو نہیں تھا جس سے انہوں نے پچھلی رات نیاگرہ
گفتگو کی تھی۔

"میں وہی ہوں۔" حمید اُن کی طرف قدرے جھک کر بولا۔ "اور تمہیں یہ بتانے کے لئے آیا
کہ کوچوان والے واقعے سے ہم لوگ قطعی مرعوب نہیں ہوئے۔"

"میں نہیں سمجھا۔" سردار صفدر نے اپنے چہرے پر الجھن کے آثار پیدا کر کے کہا۔

"تم نے اُسے اسی لئے تو مار ڈالا ہے کہ پولیس میرے خلاف اپنی جدوجہد کچھ اور تیز کر دے۔"

"یہ غلط ہے! ہم نے اُسے دیکھا بھی نہیں۔"

"خیر چھوڑو....!" حمید لاپروائی سے بولا۔ "میرے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں۔"

"سترہ ڈاؤن والی بات حقیقتاً غلط تھی۔" سردار صفدر نے کہا۔

"بہت دیر میں سمجھے۔" حمید حقارت آمیز ہنسی کے ساتھ بولا۔

"شاید.... سراغ رسانوں کو اس کا علم ہو گیا ہے۔"

"میں ایسا نہیں سمجھتا....!" حمید نے کہا۔

"کیوں....؟"

"جہاں تک میرے علم میں ہے! ابھی تک کوئی اس کے متعلق سوچ ہی نہیں سکا۔"

"لیکن....!" سردار صفدر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اخبارات بار بار پچھلے ڈاکے کا حوالہ دے
ہے ہیں۔"

"دے رہے ہوں گے۔" حمید نے کہا۔ "لیکن یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آئی کہ سونا بدل
یا گیا تھا۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید خود ہی بولا۔

"تم نے اُس لڑکی کو مار کر غلطی کی۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اُسی قتل کے سلسلے میں یہاں کا
بہترین دماغ تمہارے راستے پر نہ لگ جائے۔"

"کون....؟"

"وہی فریدی! جس کی کھال اُدھیڑنے کے لئے میں عرصے سے بے تاب ہوں۔ تمہیں اس کا علم نہ ہو کہ سرجنٹ حمید کو اُسی نے غائب کر دیا ہے اور اب اس قتل کے معاملے میں ا ہے۔ تم نے ایک دوسری غلطی اور بھی کی ہے۔ اُسے شاہد ہی بنا رہنے دینا تھا۔ اس کی طرف تم نے سارہ کو جو خط لکھے تھے اُن میں حمید کے دستخط نہ کرنے چاہئیں تھے۔ تمہیں شاید یہ نہ ہو کہ فریدی کے ہاتھ سارہ کی ڈائری لگ گئی ہے اور اس سے اُس نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ اُسے بحیثیت حمید جانتی ہی نہیں تھی۔"

"یار تم بڑے کام کے آدمی ہو۔" سردار صفدر حیرت سے بولا۔

"یہی نہیں میرے دوست! میں یہ بھی جانتا ہوں کہ دلاور نگر والا سونا کب اور کس سے آئے گا۔"

"تم سبھی کچھ جانتے ہو۔ مگر یہ کوئی اچھی بات نہیں۔" سردار صفدر ہنس کر بولا۔

"لیکن اگر تم کوؤں کے پروں کا استعمال ثابت نہ کر سکے تو....!" حمید نے سنجیدگی سے پو

سردار صفدر پھر ہنس پڑا۔

"شاید اب تم اس پر بھی کچھ روشنی ڈالو گے۔" اُس نے کہا۔

"نہیں.... کیونکہ میں اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا البتہ اس پر یقین ضرور ہے کہ ک کے پروں سے کبھی کچھ نہ بنا سکو گے۔"

"تم ابھی ہماری تکنیک سے واقف نہیں ہو اسی لئے ایسا کہہ رہے ہو۔" صفدر سنجیدگی بولا۔ "آؤ میں تمہیں دکھاؤں۔"

حمید اٹھ کر اُن کے ساتھ ہو لیا۔ وہ اس عمارت میں آئے جہاں مشینوں کا شور گونج رہا تھ

"یہ دیکھو....!" سردار صفدر نے دھنکے ہوئے پروں کے ایک ڈھیر کی طرف اشارہ کیا۔

"ٹھیک ہے! بہت صفائی سے دھنکے گئے ہیں۔" حمید نے سیاہ رنگ کا تھوڑا سا سفوف لیکر میں مسلتے ہوئے کہا۔ "لیکن اسے ایسے ریشوں میں کس طرح تبدیل کرو گے جن سے تار بنایا جا سکے

"ایسا ممکن ہے۔" سردار صفدر بولا۔ "ہم نے ایک ایسی چیز دریافت کر لی ہے جس کے ذ سے ریشوں میں تبدیل کیا جا سکے گا۔"

سردار صفدر اُسے باتوں میں لگائے ایک دوسرے کمرے میں لایا۔ دروازے میں قدم رکھتے

د کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ ایک سب انسپکٹر اور دو پولیس کانسٹیبل شائد ان کا انتظار کر رہے تھے۔

حمید اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر سردار صفدر کو گھورنے لگا اور صفدر زہریلی ہنسی کے تھ بولا۔

"ہاں تو اب تم ان شریف آدمیوں سے معاملہ طے کر لو۔"

"بہتر ہے۔" حمید نے لاپروائی کی نہایت شاندار ایکٹنگ کی۔ "لیکن اس سے کوئی فائدہ نہیں! لوم نہیں اب تم کون سی چال چلنے والے ہو میں پھر کہتا ہوں کہ ہم میں کوئی باعزت سمجھوتہ جانا چاہئے.... نہیں نہیں مجھے اپنا سرمایہ چاہئے۔"

"سن لیا آپ نے۔" سردار صفدر نے سب انسپکٹر کی طرف مڑ کر کہا۔

"آپ حراست میں لئے جاتے ہیں۔" سب انسپکٹر نے حمید سے کہا۔

"کیوں....؟ کس لئے؟"

"آپ ان لوگوں پر چند بے بنیاد الزامات لگا کر انہیں بلیک میل کرنا چاہتے ہیں۔"

حمید سردار صفدر کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور آہستہ سے بولا۔

"اور تم نے انہیں یہ نہیں بتایا کہ کل میں نے ہی تمہارے تین آدمیوں کے روپے چھینے تھے رمیں نے ہی اُس کو چوان کو قتل کیا ہے۔"

"کیا....؟" سب انسپکٹر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ سردار صفدر کے چہرے پر بھی سراسیمگی اری ہو گئی تھی۔ اُس نے شائد سب ا ر اس کے متعلق نہیں بتایا تھا۔

"جی ہاں۔" دفعتاً حمید ر ہانسی آواز میں بو ۔ "ان کم بختوں نے مجھے برباد کر دیا۔ اپنے اس بے تکے کام میں میرا روپیہ لگوا کر میرا دیوالہ نکال دیا اور اب میں جو اس پر احتجاج کرتا ہوں تو مجھے رح طرح کی دھمکیاں دیتے ہیں۔ ابھی کل ہی انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ تمہیں پھنسوا دوں گا۔ ل ان کے آدمیوں کو کسی نے لوٹ لیا اور انہوں نے میرے گرد جال بن دیا۔ کہتے ہیں کہ اس کی بلہ تمہیں بھجوائیں گے۔"

"کیوں....؟" سب انسپکٹر صفدر کی طرف مڑا۔

"جھوٹ سراسر جھوٹ۔ ہم نے یہ کبھی نہیں کہا۔"

"بہر حال آپ کے اس جملے کی بے ساختگی یہی بتاتی ہے کہ یہ حقیقتاً آپ کے حصے دار ہیں۔"

سب انسپکٹر مسکرا کر بولا۔

"نن.... نہیں.... غلط ہے۔" سردار صفدر ہکلا کر رہ گیا۔

"کیا آپ مجھے نہیں پہچانتے۔" حمید نے سب انسپکٹر سے کہا۔

"جی نہیں۔"

"تار جام والے سیٹھ دھنی رام کا نام تو سنا ہی ہوگا۔"

"جی ہاں.... جی ہاں۔"

"میں وہی ہوں۔"

"اوہ....!"

"غلط.... بالکل بکواس۔" سردار غضبناک آواز میں چیخا۔ "اس نے بھیس بدل رکھا ہے۔"

"چلئے یک نہ شد دو شد۔" حمید ہنس کر بولا۔ "شاید تمہارا دماغ ہی خراب ہو گیا ہے۔ وہ میاں تمہیں میرا سرمایہ واپس کرنا پڑے گا۔"

"میک اپ ہے۔" سردار صفدر مکا تان کر ہوا میں لہراتا ہوا بولا۔

"چلئے صاحب! اس کا بھی اطمینان کر لیجئے۔" حمید نے سب انسپکٹر سے کہا۔ "منہ دھلوایئے میرا۔"

"نہیں صاحب۔" سب انسپکٹر جھلا کر بولا۔ "آپ ان لوگوں کے خلاف باقاعدہ رپورٹ کیجئے۔ خواہ مخواہ میرا اتنا وقت برباد ہوا۔"

"ٹھہریئے۔" حمید نے جلدی سے کہا۔ "میں بھی چلتا ہوں آپ کے ساتھ ورنہ یہ لوگ مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے۔"

"یہ بات ہے! اچھا رپورٹ میں یہ بھی لکھوایئے گا۔ چلئے میرے ساتھ۔"

"ٹھہریئے۔" صفدر گھبرا کر بولا۔ "سیٹھ دھنی رام جی.... مجھے آپ کے مذاق منظور ہیں۔"

"دیکھا آپ نے۔" حمید ہنس کر بولا۔

"اگر آپ نے سمجھوتہ کر بھی لیا تو پولیس ان لوگوں پر دھوکہ دہی کے سلسلے میں مقدمہ ضرور چلائے گی۔"

"انسپکٹر صاحب.... ذرا ٹھہریئے۔" سردار صفدر لجاجت سے بولا۔

پھر ہرے رنگ کے کاغذات کی ایک ہلکی سی جھلک دکھائی دی، جو صفدر کے جیب

سب انسپکٹر کی جیب میں غروب ہو گئی۔

"خیر....!" سب انسپکٹر ہنس کر بولا۔ "آپ دونوں شریف آدمی ہیں بات بڑھانے سے کیا فائدہ۔"

پولیس والے چلے گئے! سردار صفدر اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھ رہا تھا۔

"لوہے کے چنے دیکھے ہیں تم نے۔" حمید ہنس کر بولا۔

"تم حقیقتاً یہاں سے زندہ نہیں جا سکتے۔" صفدر چیخ کر بولا۔

"ارے تم نے پھر وہی شروع کر دیا۔"

دفعتاً تین چار آدمی حمید پر ٹوٹ پڑے۔ اُس نے جدوجہد کرنی چاہی لیکن سردار صفدر نے ہاتھ اور نکال لیا۔

"چلو یہ بھی کر کے دیکھ لو۔" حمید اطمینان سے بولا۔ اُسے یقین تھا کہ فریدی اُس کی طرف سے بے خبر نہیں ہوگا۔

"میرے پانچ ساتھی۔"

"انہیں بھی جہنم رسید کروں گا۔" صفدر دانت پیس کر بولا۔

"خیر دیکھا جائے گا۔"

"گرم پانی اور تولیہ لاؤ۔" صفدر نے اپنے ایک آدمی سے کہا۔ پھر حمید سے بولا۔ "میں تمہاری اصلی صورت دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"وہ تو تم بڑی دیر سے دیکھ رہے ہو۔"

گرم پانی فوراً ہی آ گیا۔ شاید وہ انجن کی ٹنکی سے لایا گیا تھا۔

سردار صفدر کو بڑی مایوسی ہوئی۔ سارا پانی ختم ہو گیا لیکن حمید کے چہرے میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ حمید پہلے ہی سے مطمئن تھا۔ فریدی نے اُس میک اپ کے سلسلے میں اپنا مخصوص طریقہ اختیار کیا تھا۔ اس میک اپ کو ایمونیا کے علاوہ دنیا کی کوئی دوسری چیز ختم نہیں کر سکتی تھی۔

"تمہارے ساتھی کہاں ہیں؟" سردار صفدر نے جھنجھلا کر پوچھا۔

"جہاں کہیں بھی ہوں گے چند گھنٹوں کے اندر اندر تم سے آ بھڑیں گے۔" حمید بولا۔ "اور اب میں تم سے کسی قسم کا سمجھوتہ کرنے کے لئے بھی تیار نہیں۔ تم ناقابل اعتماد ہو۔ تم نے جولین کو تو اپنی اسکیم میں شریک کر لیا تھا لیکن یہ نہ سوچا کہ میں بھی کچھ کر سکتا تھا۔"

"کیا کر سکتے تھے؟"

"تمہارا راز فاش کر سکتا تھا۔"

"لیکن ثبوت نہ مہیا کر سکتے۔" سردار صفدر نے قہقہہ لگایا۔

"لیکن یہ تو ثابت ہی کر سکتا تھا کہ تم سردار صفدر ہو۔"

"خیر وہ موقع تو تمہارے ہاتھ سے نکل ہی گیا۔" سردار صفدر نے کہا۔

"میں اپنے معاملات خود ہی طے کرنے کا عادی ہوں۔"

"ابھی طے ہوا جاتا ہے تمہارا معاملہ بھی.... مگر نہیں.... ابھی تو وہ پانچ بھی باقی ہیں۔" حمید بدستور مسکراتا رہا۔

"دلاور نگر والا سونا کب آ رہا ہے۔" سردار صفدر نے دفعتاً حمید کی گردن دبا کر کہا۔

اسے دو آدمیوں نے بُری طرح جکڑ رکھا تھا۔ اس لئے وہ جدوجہد نہ کر سکا۔ صفدر کی گرفت تنگ ہوتی جا رہی تھی۔ تھوڑی سی دیر تک وہ برداشت کرتا رہا۔ لیکن پھر اس کی کنپٹیاں سنسنا لگیں اور آنکھوں کے سامنے گہرا تاریک دھواں لہرانے لگا۔ دھوئیں کے لہریئے تہہ بہ تہہ چلے گئے اور پھر مکمل تاریکی.... گہرا اندھیرا۔

اور پھر دوبارہ ہوش آنے پر ایک بہت ہی تیز قسم کی روشنی کے احساس سے اس کی آنکھیں دکھنے لگیں۔ چھت سے لگا ہوا ایک بہت بڑا بلب چکا چوند پیدا کرنے والی روشنی پھیلا رہا تھا۔

تھوڑی دیر تک وہ حیرت سے چاروں طرف دیکھتا رہا اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ بہت بڑے صندوق میں بند ہو۔ کمرہ چوکور تھا اور شاید دیواروں کی اونچائی بھی اتنی ہی رہی ہو فرش کی لمبائی یا چوڑائی تھی۔ اس میں کوئی دروازہ تھا اور نہ کھڑکی حتیٰ کہ دیواروں میں کہیں جوڑ بھی نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ البتہ چھت کے قریب ہر دیوار میں ایک ایک روشندان تھا میں ہوا صاف کرنے والے پنکھے گردش کر رہے تھے اگر حمید کو وہ پنکھے نہ دکھائی دیتے تو وہ سمجھتا کہ وہ کسی قبر میں دفن کر دیا گیا ہے اور اب نکیرین سوال و جواب کیلئے آنے ہی والے ہیں۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ دفعتاً اُس کے منہ سے حیرت کی چیخ نکل گئی۔

"سونا....!" وہ بے ساختہ بولا اور اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

اتنا سونا شاید زندگی میں پہلی بار دیکھنا نصیب ہوا تھا۔ صندوق نما کمرے کے ایک گوشے

سونے کا بہت بڑا ڈھیر جگمگا رہا تھا۔

پھر اُسے اور بھی چیزیں نظر آئیں اور اُن چیزوں نے اُسے کیمیا کا وہ نسخہ یاد دلا دیا جس پر اُس نے اور فریدی نے کافی دیر تک بحث کی تھی۔

سیسے کی بڑی بڑی سلاخیں ہڑتال۔ گندھک اور طوطیا کے ڈھیر۔ پتھر کی بڑی بڑی بوتلیں جن میں پارہ بھرا ہوا تھا۔

حمید اپنی موجودہ حالت بھول کر فریدی کے اندازے پر عش عش کرنے لگا۔ حقیقتاً وہ ابھی تک خود کو اس کیس کا ہیرو سمجھتا رہا تھا۔ مگر اس وقت وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا کہ اگر فریدی کی ہمہ گیر معلومات کا ذخیرہ آڑے نہ آتا تو وہ بڑی مصیبت میں پھنس گیا تھا۔

شروع سے اب تک کے واقعات تیزی سے اُس کے ذہن میں گردش کرنے لگے مگر ایک غلش.... بیچاری سارہ.... اور وہ شہزادے والی بات.... وہ بیچاری مفت میں ماری گئی۔ مگر کون جانے وہ سچ مچ ان کی ساتھی ہی رہی ہو اور انہوں نے کسی اور مصلحت کی بناء پر اُسے قتل کر دیا ہو۔ بہرحال غیر شعوری طور پر اُس کا ذہن اس خیال سے گریز کر رہا تھا کہ وہ اسی کی بدولت ماری گئی۔

متحرک خزانہ

تھوڑی دیر بعد حمید اُس صندوق نما کمرے کی دیواریں ٹٹولتا پھر رہا تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ یہاں کس طرح لایا گیا۔ چاروں دیواریں سپاٹ اور چکنی پڑی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا اُسے یہیں مرنا پڑے گا۔

اُسے گھٹن ہونے لگی لیکن وہ اپنے دماغ کو ٹھنڈا رکھنے کی حتی الامکان کوشش کر رہا تھا۔ گھٹن کا احساس تازہ ہوا کی کمی پر نہیں تھا۔ نہ جانے کس طرح اُن پنکھوں نے اس کمرے کی فضا کو اس قابل بنا رکھا تھا کہ اس میں آدمی زندہ رہ سکے۔ ویسے بظاہر کوئی ایسی صورت نظر نہیں آتی تھی جسے تازہ ہوا کی گذر کا ذریعہ سمجھا جا سکتا۔

اس نے آنکھ بند کر کے یہ محسوس کرنے کی کوشش کی کہ اس کے گرد بیکراں وسعتیں ہیں اور سر پر نیلا آسمان پھیلا ہوا ہے۔ وہ دراصل اس احساس سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا کہ وہ ایسی

دیواروں میں مقید ہے جن میں کوئی دروازہ نہیں ہے کیونکہ یہی احساس ساری گھٹن کا باعث تھا گھٹن اس پر غشی بھی طاری کر سکتی تھی اور موت کا ذریعہ بھی بن سکتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ یہ بھی بھول گیا کہ وہ ایک بہت بڑے راز کی تہہ تک پہنچ گیا ہے۔ سو ڈھیر اُسے بے وقعت معلوم ہونے لگا وہ یہ بھی نہیں سوچ رہا تھا کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ اُ کارخانے میں داخل ہوئے بارہ گھنٹے گذر چکے تھے کبھی کبھی وہ گھڑی کی طرف دیکھ لیتا تھا۔ دس چکے تھے اور اُسے اپنے جسم میں نقاہت سی محسوس ہونے لگی تھی۔ نہ جانے اُس نے کتنی دیر پائپ نہیں پیا تھا لیکن تمباکو نوشی کی خواہش بھی جیسے مر گئی تھی۔

حقیقت تو یہ تھی کہ وہ تازہ دم ہونا ہی نہیں چاہتا تھا اُسے اپنے ذہن کی اونگھتی ہوئی کیفیت اس وقت بڑی غنیمت معلوم ہو رہی تھی اور وہ تصوریت کے مکتب خیال کے فلسفیو طرح اس کیفیت کو ماحول سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ تمباکو کے تین کش اس کیفیت کا خاتمہ کر دیتے اور وہ پھر سے اُسی گھٹن کا شکار ہو جاتا۔ آہستہ آہستہ اس غنودگی طاری ہوتی گئی اور وہ فرش پر ایک طرف لڑھک گیا۔

پھر شاید وہ کسی قسم کا شور ہی تو تھا جس سے اُس کی نیند اچٹ گئی تھی وہ اچھل کر کھڑا ہو لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ پھر چکرا کر گر پڑا۔ صندوق نما کمرہ ہل رہا تھا۔ اُس کے فرش کے اُسے کچھ ایسی گھڑگھڑاہٹیں محسوس ہو رہی تھیں جیسی ریل کے پہیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ قمقمہ جو چھت میں روشن تھا اچانک بجھ گیا۔ حمید سمجھا شائد اُس کی زندگی ہی کا چراغ گل ہو گھٹن کے لئے وہ دیواریں ہی کیا کم تھیں اُس پر سے اندھیرا۔

اور پھر وہ اپنی اُن آوازوں پر قابو نہ پا سکا جو ہسٹریا کے کسی مریض کی چیخوں سے مشابہ تھیں۔

کمرہ تیزی سے اوپر کی طرف اٹھ رہا تھا۔ پھر دفعتاً اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے اُس کی چھت ٹھوس چیز سے ٹکرائی ہو۔ آوازیں تھم گئیں اور بلب پھر سے روشن ہو گیا۔ کمرہ بھی غیر متحرک تھا۔

پھر سامنے کی دیوار شق ہوتی معلوم ہوئی اور آخر کار ایک چھ فٹ اونچے اور تین فٹ چوڑ دروازے سے تاروں بھرا آسمان دکھائی دیا اور ساتھ ہی عجیب قسم کا شور بھی سنائی دیا۔ حمید بے ساختہ جست لگائی اور باہر نکل آیا۔ باہر بارود کی بو پھیلی ہوئی تھی اور قریب ہی کہیں ہو رہے تھے۔ حمید نے پلٹ کر کمرے کی طرف دیکھا جس میں اب بھی بلب روشن تھا۔ پھر

نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ وہ ایک ایسی جگہ پر کھڑا ہوا تھا جہاں چاروں طرف اونچی اونچی جھاڑیاں تھیں اور یہ جگہ کافی طویل و عریض تھی۔ اُس نے محسوس کیا کہ یہاں کا فرش پختہ ہے۔ بھلا اس پختہ فرش کے گرد جنگلی اور خود رو جھاڑیوں کا مطلب؟ حمید کے ذہن میں سوال تیزی سے گونجا لیکن فی الحال اس میں اتنی تاب نہیں تھی کہ اس پر مزید غور کرتا۔

دفعتاً پھر ریل کے پہیوں کی سی گھڑگھڑاہٹ سنائی دی اور وہ کمرہ زمین میں دھنسنے لگا۔ حمید اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُس پختہ فرش کی طرف دیکھ رہا تھا اور اُسے حیرت ہو رہی تھی کہ آخر وہ کمرہ کہاں گیا۔ فرش بالکل برابر تھا۔ حمید نے گھبرا کر اپنی ران میں زور سے چٹکی لی اور پھر اُسے یقین آ گیا کہ وہ اب تک خواب نہیں دیکھ رہا تھا.... اُس نے کتنی ہی دیا سلائیاں پھونک ڈالیں۔ لیکن فرش میں کہیں کوئی دراڑ یا رخنہ نہیں دکھائی دیا اور ساتھ ہی یہ بات بھی اُس پر واضح ہو گئی کہ وہ کسی ٹینس کورٹ میں کھڑا ہے۔

گولیوں کی آوازیں بند ہو گئی تھیں لیکن اب بھی کبھی کبھی کسی کی چیخ یا کراہ سنائی دے جاتی تھی۔ حمید ٹینس کورٹ سے نکل آیا اور یہ دیکھ کر اُسے حیرت نہیں ہوئی کہ وہ اُس کارخانے ہی کی چہار دیواری میں ہے۔ چاروں طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا کہ اُس اندھیرے میں آہستہ آہستہ رینگتا ہوا چہار دیواری کے پھاٹک کی طرف بڑھ رہا تھا۔ دفعتاً پھر دھینگا مشتی اور توڑ پھوڑ کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ایک آدھ فائر بھی ہوئے۔

اب حمید کو فریدی کا خیال آیا۔ وہ اُس کی طرف سے غافل تو نہ رہا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے حملہ ہی کر دیا ہو۔ مگر پھر خیال آیا کہ فریدی وافر ثبوت اکٹھا کئے بغیر اس قسم کا کوئی اقدام نہیں کر سکتا۔ وہ اُس کے غائب ہو جانے کے سلسلے میں تلاشی تو لے سکتا تھا لیکن حملہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

حمید عمارت کے سرے پر پہنچ کر مڑ ہی رہا تھا کہ اُس نے کسی کو تیزی سے دوڑ کر اپنی طرف آتے دیکھا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ اچھل کر دیوار سے جا لگا۔ دوڑنے والا اُس کے قریب گذر گیا تھا۔ پھر اُس نے ایک دوسرے آدمی کو بھی اسی طرف آتے دیکھا۔ وہ بھی دوڑ ہی رہا تھا۔ حمید چونک پڑا۔ [illegible] نے والے کی شکل نہیں دکھائی دی تھی لیکن اُس کے دوڑنے کا انداز تا

رہا تھا کہ وہ فریدی ہے۔ اس کی یہ دوڑ بھی نوعیت کے اعتبار سے کم حیرت انگیز نہیں تھی۔ فر
نے تقریباً چھ ماہ تک اس طرح دوڑنے کی مشق کی تھی۔ دوڑتے وقت وہ اپنے پورے جسم کو
ایسے زاویوں میں رکھتا تھا کہ انتہائی مشاق قسم کا کوئی نشانہ باز بھی اُسے اس حالت میں گولی نہیں
سکتا تھا۔ مشق کے ابتدائی دور میں حمید اس پر غلیل سے چھوٹی چھوٹی کنکریاں چلایا کرتا تھا
ایک وقت بھی آیا جب فریدی نے اس حالت میں اُسے ریوالور چلانے پر مجبور کیا۔

حمید نے سوچا کہ اُسے اپنی طرف متوجہ کرے لیکن قبل اس کے کہ وہ سنبھلتا فریدی
ہو چکا تھا۔ بہر حال اُسے اب یقین ہو گیا تھا کہ پولیس کمپاؤنڈ میں موجود ہے۔

وہ پھر آہستہ آہستہ پھاٹک کی طرف بڑھنے لگا۔ دفعتاً کسی طرف سے دو آدمی اُس پر
پڑے اور وہ قطعی بے بس ہو گیا۔ پھر وہ دونوں اُسے کھینچ کر روشنی میں لائے۔ حمید نے
پولیس کانسٹیبلوں کے نرغے میں پایا۔

انہوں نے تقریباً پندرہ بیس آدمیوں کو ہتھکڑیاں پہنا رکھی تھیں۔ انسپکٹر جگدیش
ڈی۔ ایس۔ پی سٹی بھی موجود تھے۔ حمید کو وہ سب انسپکٹر بھی دکھائی دیا جسے سردار صفدر نے
کے لئے بلایا تھا۔

"سیٹھ دھنی رام....!" وہ چیخ کر حمید کی طرف بڑھا۔

"اوہ....!" ڈی۔ ایس۔ پی سٹی بھی اس کی طرف مڑا۔

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اُسے فریدی دکھائی دیا جو سردار صفدر کو بالوں سے پکڑ کر کھینچ
لا رہا تھا۔ سردار صفدر کی پیشانی سے خون بہہ رہا تھا اور وہ اس طرح اچھل اچھل کر چل رہا تھا
اُس کا ٹخنہ یا کولہا اُتر گیا تھا۔ فریدی نے اُسے ایک کرسی میں دھکیل دیا۔

"سیٹھ دھنی رام تو مل گئے۔" جگدیش نے حمید کی طرف اشارہ کیا۔

فریدی نے اُس کی طرف دھیان دیئے بغیر سردار صفدر سے گرج کر پوچھا۔ "سرجنٹ
کہاں ہے؟"

"میں کیا جانوں! میں نہیں جانتا۔"

"میں جانتا تھا.... میں جانتا تھا۔" حمید بے اختیار چیخ پڑا۔

"کیا جانتے تھے؟" فریدی اس کی طرف تیزی سے مڑا۔

"ان کم بختوں نے میرا دیوالہ نکال دیا۔ میں مر جاؤں گا۔" حمید بدحواس ہو کر زمین پر بیٹھتا
ہوا بولا۔ "میرا ہارٹ فیل ہو رہا ہے ارے میں مرا۔"

اور پھر اُس نے ایسی آوازیں نکالنی شروع کر دیں جیسے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے گا۔

"جھوٹا ہے.... جھوٹا ہے۔" صفدر اپنی رانیں پیٹ کر چیخا۔ "یہ جابر کا شاگرد ہے.... جابر کا۔"

"ارے میں مرا.... میرا روپیہ....!" حمید نے پھر ہانک لگائی۔

"مکار.... سور.... کمینے....!" سردار صفدر چلایا۔

"ہائے میں نے اُسی وقت پولیس کو اطلاع کیوں نہ دی۔" حمید تقریباً رو کر بولا۔

"کب؟ کیا بات تھی؟" ڈی۔ ایس۔ پی نے پوچھا۔

"یہ سالے....!" حمید نے کہا اور شاید پھر وہ دو چار گالیاں بھی بکنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ
ڈی۔ ایس۔ پی نے اُسے ڈانٹ دیا۔

"سیدھی طرح بتاؤ۔"

"انہوں نے نہ جانے کیوں ایک اینگلو انڈین لونڈیا کو ایک پولیس والے کے پیچھے لگا دیا تھا اور
پھر وہ مار ڈالی گئی۔"

"بکواس ہے....!" سردار صفدر چیخا۔

"تم تھے کہاں۔" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"ارے کیا بتاؤں.... دھنی رام نے وہ دھن دیکھا ہے کہ بس رے بس۔"

"صاف صاف بتاؤ۔"

"ان لوگوں میں مجھے ایک تہہ خانے میں بند کر رکھا تھا جس میں سونا پڑا ہے۔"

سردار صفدر کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"کہاں ہے.... وہ تہہ خانہ....!"

"اب تو پتہ نہیں کہاں ہے۔ ویسے کچھ دیر قبل ٹینس کورٹ پر تھا۔"

اس پر سردار صفدر نے ایک قہقہہ لگایا اور بولا۔ "آپ لوگ ایک پاگل آدمی کے چکر میں
پڑے ہوئے ہیں۔ ٹینس کورٹ پر تہہ خانہ.... چہ خوب۔"

"ہائے.... میرا.... روپیہ.... میں مرا۔" حمید نے پھر ہانک لگائی۔

وہ رات حمید کو بھی مجرموں کے ساتھ ہی حوالات میں بسر کرنی پڑی۔ سردار صفدر اور اُس کے ساتھیوں کو کڑی نگرانی میں رکھا گیا تھا حالانکہ اُن پر لگائے ہوئے الزامات میں سے ایک کا بھی ثبوت بہم نہیں پہنچا تھا لیکن سردار صفدر کے باندھ لئے جانے کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ ایک مجرم تھا جس کو اب تک مردہ تصور کیا جاتا رہا تھا۔ رات بھر فریدی ایک ایک کر کے انہیں بلاتا رہا.... اور پھر صبح صرف حمید کو حوالات سے نکال لیا گیا۔ وہ ابھی تک سیٹھ دھنی رام ہی والے میک اپ میں تھا۔ فریدی اُسے الگ لے گیا۔

"وہ تہہ خانے والی بات کیا سچ نہیں تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"قطعی ٹھیک تھی۔"

"لیکن اُن میں سے کسی نے بھی اُس کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔ البتہ تمہارا معاملہ بالکل صاف ہو گیا ہے۔"

"شہزادے والی بات کیا تھی۔" حمید نے بیساختہ پوچھا۔

"پھر بتاؤں گا۔" فریدی نے کہا۔ "فی الحال یہ تہہ خانے والی بات صاف ہونی چاہئے ورنہ کچھ بھی نہ ہوا۔"

"میں نے آپ کو جو کچھ بھی بتایا ہے اُس میں سر مو فرق نہیں۔"

"مگر وہ ٹینس کورٹ!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کل رات بھی دیکھا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

"کیا اُن میں سے کسی نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ وہ نقلی سونا بناتے رہے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں....؟"

"پھر میرا معاملہ کس طرح صاف ہوا۔"

"انہوں نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ وہ دلاور نگر سے لائے جانے والے سونے پر ڈاکہ ڈالنا چاہتے تھے اور محض اس کے متعلق صحیح اطلاع حاصل کرنے کے لئے انہوں نے سارہ کو پھانسا تھا۔"

فریدی حمید کو اُس کمرے میں لایا جہاں محکمہ سراغ رسانی اور سول پولیس کے آفیسر بیٹھے تھے۔

"کہئے سیٹھ صاحب! آپ ان لوگوں کے چکر میں کیسے پھنس گئے تھے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے

حمید سے پوچھا۔

"جناب والا یہ سیٹھ دھنی رام نہیں ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کیا؟ کیا میں نہیں پہچانتا۔" ڈی۔ آئی۔ جی منہ بنا کر بولا۔

"یہ سیٹھ دھنی رام کی نقل ہے۔ میرا سرجنٹ حمید۔ اگر یہ نہ ہوتا تو ہم ان تک مشکل ہی سے پہنچ پاتے۔"

پھر فریدی شروع سے پوری داستان دہراتا ہوا بولا۔ "اس بیچارے کو پھانسنے کے لئے اُن لوگوں نے بڑا شاندار پلان بنا رکھا تھا۔ ایک رات جب یہ ہوٹل ڈی فرانس کے رقص میں حصہ لے رہا تھا مجرموں کے دو آدمیوں نے جو اُس اینگلو انڈین نرس کے قریب کھڑے ہوئے تھے اس کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ شہزادہ بہت اچھا ناچ رہا ہے اور پھر انہوں نے بلند آواز میں اس پراسرار شہزادے کی داستان چھیڑ دی جو عام آدمیوں کی طرح زندگی بسر کرنے کے شوق میں اپنی ریاست سے یہاں بھاگ آیا تھا۔ سارہ نے اُن کی گفتگو صاف سنی اور چونکہ وہ فطرتاً رومان پسند تھی اس لئے اُس نے خود ہی حمید کی طرف جھکنا شروع کر دیا۔ حمید نے اُسے اپنا نام شاہد بتایا کیونکہ وہ پبلک لائف میں عموماً اپنی اصلیت چھپانے کے اصول پر کاربند ہے۔"

"اچھی عادت ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی سر ہلا کر بولا۔

"دونوں دو ہی تین دنوں میں کافی گھل مل گئے۔" فریدی نے کہا۔ "پھر ایک دن دو تین مجرم سارہ سے ملے اور اُسے بتایا کہ وہ اُس کے دوست شہزادہ شاہد کی ریاست کے جاسوس ہیں اور اس سے یہ استدعا کی کہ وہ شہزادے کو راہ راست پر لانے میں ان کی مدد کرے، سارہ کا یقین اور بھی پختہ ہو گیا۔ ویسے اس نے حمید سے کئی بار پوچھا کہ وہ اپنی شہزادگی کو پردہ راز میں کیوں رکھنا چاہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ حمید اس سازش سے آگاہ نہیں تھا۔ اس لئے وہ اس بات کو سارہ کا مذاق سمجھتا رہا۔ وہ لوگ برابر سارہ سے ملتے رہتے تھے۔ سارہ نے انہیں بتایا کہ وہ اس بات کا اعتراف ہی نہیں کرتا کہ وہ شہزادہ ہے اس پر انہوں نے اُس سے کہا کہ وہ کسی دن اُسے کسی ایسی جگہ لائے جہاں وہ لوگ پہلے ہی سے موجود ہوں پھر وہ لوگ اُسی کی زبان سے کہلوا دیں کہ وہ حقیقتاً شہزادہ ہے۔ اس طرح سارہ نے جھریالی کی سیر کا پروگرام بنایا اور وہاں اُن لوگوں نے حمید کو شراب پلا کر دلاور نگر سے آنے والے سونے کے متعلق اطلاعات بہم پہنچانے کی کوشش کی۔ اتفاق سے حمید نے نشے کی

جھونک میں انہیں غلط اطلاع دے دی۔ لیکن وہ اُسے سچ ہی سمجھے تھے۔ پھر اُسی رات کو انہوں سارہ کو قتل کر دیا تاکہ حمید کو مشتبہ بنا کر محکمہ سراغ رسانی کو اُسی حادثے کے پیچھے لگا دیں آسانی سے اپنا کام کرتے رہیں۔ اُسی دوران میں آزاد بینک کے سونے کے متعلق اخبارات آگیا.... اور میری توجہ کوؤں کے شکاریوں کی طرف مبذول ہو گئی۔"

"لیکن ابھی تک اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا کہ وہ نقلی سونا بنا کر اصلی سونے کی جگہ کھپا تھے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"اتفاق سے حمید صاحب اس تہہ خانے کی سیر بھی کر آئے ہیں جہاں سونے کا زبردست ڈھیر تھا اور وہ ساری چیزیں بھی تھیں جن سے نقلی سونا بنایا جاتا ہے۔"

"لیکن وہ تہہ خانہ ہے کہاں....!"

"مجھے یقین ہے کہ میں اُسے کھود نکالوں گا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

اُسی دن دوپہر کو فریدی اور حمید پولیس پارٹی کے ساتھ اس کارخانے میں مزید چھان کر رہے تھے۔ سب سے پہلے وہ ٹینس کورٹ میں گئے۔

"سخت حیرت ہے۔" فریدی متفکرانہ انداز میں بولا۔ "اگر وہ کسی مشینی نظام کے تحت حر کرتا ہے تو وہ خود بخود اوپر کس طرح آیا اور پھر نیچے کیسے چلا گیا۔ خیر یہ بتاؤ کہ جب اُس نے اٹھنا شروع کیا تھا تو تم کیا کر رہے تھے۔"

"زندگی سے بیزار ہو رہا تھا۔"

"اونہہ! مذاق چھوڑو۔ میرا مطلب یہ ہے کہ تم سے نادانستگی میں کوئی ایسی حرکت تو ہوئی تھی جس سے مشین چل پڑی ہو۔"

"میں شاید اس وقت گہری نیند سو رہا تھا۔" حمید نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

دفعتاً فریدی کچھ سوچتے سوچتے چونک پڑا۔ اُس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ وہ تھوڑی دیر تک اسی طرح کھڑا رہا۔ پھر اُس کے قدم سے مشینوں والی عمارت کی طرف اٹھنے لگے۔

حمید بھی اُسی کے ساتھ ہی ساتھ عمارت میں داخل ہوا۔ دونوں کئی کمروں سے گذ ہوئے ہوئے ایک بڑے کمرے میں آئے جہاں تاروں اور کئی قسم کی مشینوں کا جال سا پھیلا

ہا۔ فریدی کچھ دیر تک خیالات میں ڈوبا رہا۔ پھر اُس نے آگے بڑھ کر ایک ڈائنامو چلا دیا جس ے ساتھ ہی کمرے کی ساری مشینیں چلنے لگیں اور ان کے شور سے کان پھٹنے لگے۔

فریدی پھر کچھ دیر تک رک کر شاید کچھ یاد کرنے کی کوشش کرتا رہا۔

اچانک وہ حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

"اس کھڑکی سے ٹینس کورٹ صاف نظر آتا ہے۔ تم ذرا اُدھر کا دھیان رکھنا۔"

حمید کی نظریں کھڑکی سے گذر کر ٹینس کورٹ پر جم گئی تھیں۔ دفعتاً وہ چیخ پڑا۔

"وہ آیا.... ارے پھر غائب۔"

پھر وہ فریدی کی طرف مڑا جو ایک مشین کے پہیے کو پکڑے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ کورٹ میں لڑے ہوئے کانسٹیبل بھی چیخنے لگے تھے اس کی حالت تو دیکھنے کے قابل تھی جو اُس کمرے کے ساتھ ہی اٹھتا چلا گیا تھا اور پھر اُس کے غائب ہوتے ہی زمین کی سطح پر آگیا تھا۔

وہ دونوں دوڑتے ہوئے ٹینس کورٹ میں آئے۔ حمید نے جتنی چیزیں اُس متحرک کمرے میں پچھلی رات کو دیکھی تھیں جوں کی توں موجود نظر آئیں۔

آفیسروں کو فون کیا گیا۔

اس واقعے کے آدھ گھنٹے کے بعد فریدی اُسی مشینوں والے کمرے میں اپنے آفیسروں کو اُس پہیے کے متعلق بتا رہا تھا۔

"پچھلی رات کو میری اور سردار صفدر کی مڈبھیڑ اسی کمرے میں ہوئی تھی۔ پھر میں اُسے ڈھکیلتا ہوا اس پہیے تک لایا تھا۔ اتفاقاً وہ اس ہینڈل سے ٹکرایا اور پہیہ گھوم گیا۔ میں اُسے ہینڈل ہی پر دبائے رہا۔ کسی طرح وہ پھر میری گرفت سے نکل گیا اور پہیہ اپنی اصلی حالت پر آگیا۔ اس وقت جب میں حمید سے اس کے متعلق گفتگو کر رہا تھا تو اچانک مجھے رات کی بات یاد آگئی اس وقت بھی مشین چل ہی رہی تھی۔ اس کمرے کی پوری مشینری کا تعلق اُسی متحرک تہہ خانے سے معلوم ہوتا ہے۔"

آزاد بینک کا سارا اصلی سونا اسی تہہ خانے سے برآمد ہوا اور کافی مقدار میں نقلی سونا بھی ملا۔

یہ سارا ہنگامہ ختم ہو جانے کے بعد سے اب تک سرجنٹ حمید کیمیا کے نسخوں کے چکر میں پڑا ہوا ہے۔ خصوصاً "خون تیرہ" کا معمہ تو اُس کے لئے سوہان روح بن گیا ہے وہ روز ہی کسی نہ کسی

کالی جاندار شے کا خون کر ڈالتا ہے.... کالی بلی.... کالا کتا.... کالی مرغی.... البتہ ہاتھیوں سے پہلے بھی محبت کرتا تھا اور اب بھی کرتا ہے۔

ایک دن ایک کلوٹی سی لڑکی کو بھی پکڑ لایا تھا لیکن بعد میں فریدی کو بتایا کہ اسے اس کا نام یتیم یتیم سا معلوم ہوا تھا اس لئے اُس نے اُسے ذبح نہیں کیا۔

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 28

بے گناہ مجرم

(مکمل ناول)

پیش رس

اس ناول کی کہانی اپنے پیچیدہ پلاٹ کے اعتبار سے دنیا کی چند انتہائی پُراسرار کہانیوں میں سے ایک ہے۔ ایک شخص جو قاتل ہے مگر جو بے گناہ ہے۔ ایک عورت جس نے شوہر کو دھوکا دیا! ایک عجیب و غریب گڑیا! ایک آدمی جو گرمیوں میں پاگل ہو جاتا ہے، جس کی مونچھیں، ابرو، پلکیں، چندیا سب کچھ صاف تھی! قتل کا ایک حیرت انگیز کیس! جس میں میاں حمید بے پناہ طور پر دلچسپی لے رہے ہیں۔ حمید کے انوکھے لطیفے، اس کے قہقہے آپ کبھی نہ بھول سکیں گے۔ فریدی نے زیادہ پریشانی نہیں اٹھائی۔ مگر ایک منزل پر پہنچ کر وہ بھی چکرا جاتا ہے۔ ابن صفی کا یہ دلچسپ پُراسرار کارنامہ آپ بار بار پڑھیں گے۔

پبلشر

دو چیخیں

پرویز اس وقت چونکا جب شیشے کی دوات اس کی مٹھی میں چکنا چور ہو گئی۔ شیشے کے ٹکڑے ں نے فرش پر ڈال دیئے اور سیاہی بھرا ہوا ہاتھ میز پوش کے کونے میں پونچھنے لگا۔ آس پاس ئی بھی موجود نہیں تھا، البتہ مینٹل پیس پر رکھی ہوئی گھڑی کی "ٹک ٹک" اُسے ایسی لگی جیسے کوئی دی اُس کی حالت پر افسوس ظاہر کرنے کے لئے "چہ چہ" کر رہا ہو۔

پرویز چند لمحے گھڑی کو گھورتا رہا پھر اُس نے میز پر سے پیپر ویٹ اٹھا کر اس زور سے گھڑی ر مارا کہ وہ بھی جھنجھناتی ہوئی فرش پر آگری۔

راہداری میں قدموں کی آواز سنائی دی اور اُس کا بوڑھا نوکر رانو دروازے کے سامنے پہنچ کر ٹھٹک گیا۔

"بھاگ جاؤ۔" پرویز نے چیخ کر دوسرا پیپر ویٹ اٹھایا۔

رانو سامنے سے ہٹ کر چند لمحے وہیں کھڑا رہا اور پنجوں کے بل چلتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ وہ تین سال سے پرویز کے ساتھ تھا اور اس عرصے میں اُس نے اُسے ایک بار بھی ہنستے تو کیا مسکراتے بھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کی دانست میں اس کا آقا دنیا کا عجیب ترین آدمی تھا۔ دنیا کا عجیب ترین جوان، جو انتہائی خوبصورت ہونے کے باوجود بھی اپنی شخصیت کو خاک میں ملا رہا تھا، جو دولتمند ہونے کے باوجود بھی دولت کی طرف سے قطعی بے پروا تھا۔ رانو نے آج تک اس کے کسی دوست کو نہیں دیکھا تھا۔ اس سے کبھی کوئی ملنے کے لئے نہیں آیا تھا۔ اور نہ وہ خود ہی کہیں باہر جاتا تھا۔ اس کا وقت یا تو اس عمارت کے کمروں میں گزرتا یا پھر پائیں باغ میں! جب اُس نے یہ کوٹھی خریدی تھی تو پائیں باغ کی چہار دیواری زیادہ سے زیادہ تین چار فٹ بلند رہی ہو گی، لیکن کوٹھی خریدنے کے بعد اس نے سب سے پہلا کام یہی کیا کہ چہار دیواری کافی اونچی کرا دی اور

سلاخوں دار پھاٹک بدلوا کر ایسا پھاٹک لگوایا جسے بند کرا دینے کے بعد دوسری طرف کی چیز دکھائی دیں۔ پڑوسیوں نے بھی اُس کی اس حرکت کو حیرت کی نظروں سے دیکھا تھا۔

رانو کو اس کی ہر عادت غیر معمولی معلوم ہوتی تھی اور ہر مشغلہ انتہائی خوفناک، وہ اوقات پائیں باغ میں جال لگا کر ننھے ننھے پرندے پکڑتا۔ پھر ان میں سے نروں کو اڑا دیتا لیکن پرندوں کو ایسی ایسی اذیتیں دے کر مارتا کہ رانو کے رونگھٹے کھڑے ہو جاتے۔ وہ ان کے پر نو انہیں ایسی جگہ ڈال دیتا جہاں چیونٹیاں بکثرت ہوتیں۔ پھر وہ گوشت کے اُن لوتھڑوں کی اتنی محویت سے دیکھتا جیسے اس کی روح نور کے سمندر میں غوطے لگا رہی ہو۔

تتلیوں کو پکڑ کر ان کے پروں کو گوند سے چپکا دیتا اور پھر ان کے ننھے ننھے پروں کو ایک کر کے بلیڈ سے کاٹتا۔ درختوں پر دوڑتی ہوئی گلہریوں پر چاقوؤں سے نشانہ لگاتا اور نوکیلے والے چاقو ان کے جسموں سے گذر کر شاخوں میں پیوست ہو جاتے اور وہ اسی طرح پھنسی پھڑپھڑاتی اور کربناک آوازیں نکالتی رہتیں۔

رانو کبھی اس سے نفرت کرتا اور کبھی اُسے اس پر رحم آنے لگتا۔ رحم اس وقت آتا جب اُسے یونہی بلاوجہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر روتے دیکھتا۔

گھر میں چار نوکر تھے جن میں مالی بھی شامل تھا۔ یہ سب اپنے مالک سے بظاہر بیزار تھے اُسے چھوڑ نہیں سکتے تھے کیونکہ وہ نوکروں کے معاملہ میں بڑا فراخ دل تھا۔ ان کی فروگذاشت انہیں کبھی کچھ کہتا نہیں تھا۔ اخراجات کا حساب تو خیر آج تک لیا ہی نہیں تھا۔ تنخواہیں اچھی دیتا تھا۔ ان میں سے اگر کبھی کوئی بیمار ہو جاتا تو ایسی تندہی سے اس کی دیکھ بھال کرتا جیسے وہ کوئی عزیز ہو!

بوڑھے رانو کو افیون کی لت تھی۔ اس کا بار بھی پرویز ہی سنبھالے ہوئے تھا۔ مالی ہر با شام کو شراب ضرور پیتا اور بے طرح پیتا تھا۔ اسکے اخراجات بھی پرویز ہی کی جیب سے نکلتے۔

اگر وہ کبھی ان پر خفا بھی ہوتا تو بعد میں معافی ضرور مانگ لیتا۔ لہٰذا آج بھی یہی ہو تھوڑی دیر تک اسی کمرے میں بیٹھا رہا۔ پھر باہر نکل آیا۔ اس کے چہرے پر نرمی کے آثار ہو گئے تھے اور حلقوں سے اُبل پڑنے والی آنکھیں پھر بوجھل سی نظر آنے لگی تھیں۔ اس کی اداسی لوٹ آئی تھی معمول کے اوقات میں وہ عموماً ایک انتہائی غمزدہ آدمی معلوم ہوتا تھا۔

"رانو....!" اس نے رانو کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا، جو اس کی طرف پشت کئے کھڑا پائیں غ میں کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ چونک کر مڑا اور گھبرا کر دو تین قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"تم نے بُرا تو نہیں مانا۔" پرویز آہستہ سے بولا۔

"نہیں سرکار! بالکل نہیں....!" رانو کی باچھیں کھل گئیں۔ "مگر سرکار مجھے بڑا دکھ ہوتا ہے۔"

"کس بات کا۔"

"آپ اپنی بالکل خبر نہیں لیتے.... آپ کسی ڈاکٹر....!"

"تو کیا تم مجھے پاگل سمجھتے ہو...." پرویز نے اس کی بات کاٹ دی۔ لیکن اُس کے لہجے میں ب بھی نرمی تھی۔

"نہیں صاحب.... مگر آپ کی صحت۔"

"مجھے کیا ہوا۔" پرویز اپنے چوڑے چکلے سینے اور بازوؤں کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"مگر صاحب رئیسوں کی یہ شان نہیں کہ ایک کونے میں بند بیٹھے رہیں۔"

پرویز بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"باہر کی دنیا بڑی حسین ہے صاحب۔" رانو پھر بولا۔

"ہو سکتا ہے۔"

رانو نے محسوس کیا کہ آج پرویز کا موڈ کچھ ٹھیک ہے، ورنہ اس سے قبل کئی بار اس مسئلے پر جھنجھلا چکا تھا۔ وہ جب بھی اس کی تنہائی پسندی کے سلسلے میں کچھ کہتا پرویز کو غصہ آجاتا اور وہ اُسے سخت دست کہہ کر دوسری طرف نکل جاتا۔ اُس نے سوچا کہ آج وہ مسئلہ بھی چھیڑے جس کے متعلق پوچھنے کی آج تک ہمت نہیں پڑی تھی، نہ صرف رانو بلکہ دوسرے ملازمین بھی اُس معاملے کی تہہ تک پہنچنے کے لئے بُری طرح بے تاب تھے۔ لیکن اُن میں سے کسی نے بھی پرویز سے کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ رانو کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ بات کس طرح چھیڑے۔

آخر کار وہ سوچتا ہی رہ گیا.... اور پرویز.... وہ تو کبھی کا اندر جا چکا تھا۔

وہ معاملہ تھا بھی بڑا خوفناک! انہیں ڈر تھا کہ کہیں اس کی اطلاع پولیس کو نہ ہو جائے لیکن خود انہوں نے اس کا تذکرہ باہر کسی سے نہیں کیا۔

بات دراصل یہ تھی کہ اُس کمرے تک اُن کی رسائی ہی نہیں تھی جہاں وہ سب کچھ ہوتا تھا

ورنہ نوکر تو آسمان میں تھگلی لگاتے ہیں۔ اس کمرے کے دروازے میں ایک بڑا سا قفل پڑا جس کے کھلنے اور بند ہونے کا انحصار ہندسوں کی ترتیب پر تھا۔ اور وہ ترتیب پرویز کے علا کسی کو نہیں معلوم تھی۔ دروازے کے سارے رخنے بند کر دیئے گئے تھے، اس لئے باہر سے حال دیکھنا قطعی ناممکن تھا۔

پرویز کا معمول تھا کہ وہ ہر رات کھانا کھانے کے بعد اس کمرے میں ضرور جاتا تھا سارے نوکر لرزنے لگتے تھے۔ کمرے کے اندر سے "شراپ شراپ" کی آوازیں آتیں معلوم ہوتا جیسے کوئی کسی پر کوڑے برسا رہا ہو۔ پھر کسی عورت کی چیخیں سنائی دینے لگتیں۔

تھوڑی دیر بعد پرویز باہر نکل کر کمرے کو مقفل کر دیتا۔ اس کے چہرے پر ایسی بہمیت ہوتی کہ نوکر اُس سے آنکھ ملانے کی بھی ہمت نہیں کر سکتے تھے۔

یہ بات آج تک کسی کی سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ وہ عورت کون تھی؟ اور کیا وہ اُسی میں بند رہا کرتی تھی؟ اگر وہ اس کمرے ہی میں رہتی تھی تو اب تک زندہ کیسے تھی؟ پرویز سلسلہ تقریباً دو ماہ سے شروع کر رکھا تھا تو کیا وہ کچھ کھائے پیئے بغیر دو ماہ سے زندہ تھی کمرے کا دروازہ دن میں کبھی نہیں کھولا جاتا تھا۔ رات کو بھی پرویز خالی ہاتھ ہی اندر جا بہر حال یہ معمہ کسی طرح حل نہیں ہو سکا تھا۔

کبھی کبھی نوکر یہ بھی سوچنے لگتے تھے کہ کہیں وہ کوئی خبیث روح نہ ہو، رانو اکثر راز انداز میں بقیہ نوکروں سے کہتا۔

"صاحب پر ضرور کسی چڑیل کا سایہ ہے، حسین اور تندرست آدمیوں پر اکثر چڑیلیں ہو جاتی ہیں اور زندگی بھر پیچھا نہیں چھوڑتیں۔"

اس پر مالی کہتا۔

"میں ہوتا تو سالی کی چوٹی کاٹ لیتا۔"

"بڑے تیس مار خاں ہیں۔" بندو کہتا۔

"ابے ہاں ہاں۔" مالی چھاتی پر ہاتھ مار کر کہتا۔ "ذرا عاسک ہو کر دیکھے تو سالی، ابے دادا نے بھی ایک چڑیل کی چوٹی کاٹی تھی اور مرتے دم تک اسے ازار بند میں باندھے رہے۔"

"بھلا ازار بند میں کیوں باندھے رہے۔" بندو پوچھتا۔

"بس ازار بند ہی میں تو ہاتھ نہیں لگاتیں۔" رانو محققانہ انداز میں بولتا۔

"اچھا بابا کیا یہ سچ ہے۔ چڑیلوں کے پنجے پیچھے اور ایڑیاں آگے ہوتی ہیں۔"

رانو اپنے ہونٹوں کو دائرے کی شکل میں لا کر ہلا دیتا۔

"یار اپنے اوپر تو کوئی چڑیل بھی عاسک نہیں ہوتی۔" بندو آہ بھر کر کہتا۔

"بس کر یار میرے! اگر جو کہیں کوئی سن ہی رہی ہو تو۔" شکور بول پڑتا۔

"کھدا قسم اپنے کو تو چڑیل ہی مل جاتی۔" بندو اس طرح اکڑ کر کہتا جیسے اپنے ساتھیوں پر ظاہر کر رہا ہو کہ وہ چڑیلوں سے نہیں ڈرتا۔

شروع شروع میں انہیں رات رات بھر نیند نہیں آتی تھی لیکن پھر آہستہ آہستہ وہ اس کے عادی ہوتے گئے تھے اور انہیں یقین ہو گیا تھا کہ وہ چڑیل اس کمرے سے نکل کر کم از کم انہیں نقصان نہیں کرے گی، پہلے وہ یہی سمجھے تھے کہ وہ سچ مچ کوئی عورت ہی ہے، مگر جب کچھ عرصہ گزر گیا تو انہیں اپنا خیال بدل دینا پڑا۔ اگر وہ کوئی عورت تھی تو اس نے اپنی رہائی کے لئے ہنگامہ کیوں نہیں کیا۔ اگر وہ وہاں قید تھی تو کسی وقت دن میں بھی تو اس کی آواز سنی جاتی۔

رانو بڑی دیر تک کھڑا اس معاملے پر غور کرتا رہا۔ پھر اس نے "اونہہ" کہہ کر اپنے شانوں کو جھٹک دیا۔ آخر اُسے ان معاملات میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی؟ سات بج گئے تھے اور اندھیرا گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ باورچی خانے میں سیخوں پر بھونے جانے والے مرغ مسلم کی خوشبو فضا میں تیرتی پھر رہی تھی۔ رانو نے بیچ سے زمین پر تھوک کر آستین سے ہونٹ صاف کئے اور سونے سے قبل الی افیون کی چسکی کے خیال میں مگن ہو گیا۔ مرغ کی روغن دار ملائم ہڈیوں کا تصور بھی اس کی روح کی جڑیں سہلانے لگا تھا اس نے سوچا کہ سالا مرغ بھی اگر ہاتھی کے برابر ہوتا تو مزہ آجاتا۔

رانو اندر لوٹ آیا۔ پرویز آنکھیں بند کئے ایک آرام کرسی پر پڑا تھا۔ اور وہ کھانے کے وقت تک اسی طرح پڑا رہا۔

رانو باورچی خانے کے دروازے پر آکر بیٹھ گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ صاحب زیادہ سے زیادہ ایک ٹانگ کھائیں گے۔ کاش دوسری ٹانگ اسے مل جاتی۔ مگر وہ سالا بندو بھلا کیوں اسے دینے لگا۔ وہ ٹانگ کھلائے گا.... شکورا کو جو اُسے اکثر اپنے ایک عزیز کے یہاں لے جاتا ہے جسکی لونڈیا کرنیٹوں کے بھی کان کاٹتی ہے۔ اُس کے حصے میں شاید پیٹھ کی ہڈی آئے۔

گھڑی نے آٹھ بجائے۔ پرویز کھانا کھا کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ملازموں نے برتن
اور باورچی خانے میں آبیٹھے۔ رانو نے پہلے ہی تہیہ کرلیا تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہوگا مرغ کی
ہی پر ہاتھ مارے گا۔ لہٰذا کھانا سامنے رکھ کر انہوں نے جھگڑنا شروع کردیا۔ مالی رانو کا طرفدار ہو

"میں خوب سمجھتا ہوں۔" رانو سر ہلا کر بولا۔ "مگر بیٹا اس سے کچھ نہیں ہوتا۔"

"لو! تھرو۔" بندو نے پورا مرغ رانو کے سامنے پٹخ دیا۔

"مطلب کیا ہے تیرا....؟" رانو بگڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"چل بیٹھ بھی بابا۔" شکور اُس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھاتا ہوا بولا۔ "چل تو ہی کھالے۔ ہی ہی ہی

"اب تو سالے پر تھوکوں بھی نہیں۔" رانو نے پانی کا گلاس ہونٹوں سے لگاتے ہوئے کہا

"آج اسی کی بات مان لیتے۔" مالی بڑبڑایا اور پھر بندو بھی پھٹ پڑا۔

لیکن ان کا یہ جھگڑا دیر تک قائم نہ رہ سکا۔ پہلے انہوں نے کسی عورت کی چیخ سنی اور اس
بعد ہی کسی مرد کی چیخ سنائی دی۔

چاروں حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

"صاحب۔" رانو نے آہستہ سے کہا اور چاروں کھڑے ہوگئے کیونکہ پرویز کی چیخ انہوں
پہلی بار سنی تھی۔

پھر وہ چاروں اس کمرے کی طرف دوڑے۔ راہداری میں اندھیرا تھا۔ انہوں نے قریب
کسی کی گہری گہری سانسوں کی آواز سنی۔

"رانو.... بندو....!" پرویز کی گھٹی گھٹی آواز آئی۔ "روشنی۔"

اس راہداری کا بلب کئی دن ہوئے فیوز ہو گیا تھا اور ابھی تک اُسے بدلا نہیں گیا تھا اس
یہاں عموماً اندھیرا ہی رہتا تھا۔

بندو ٹارچ لانے کے لئے دوڑا۔

"کیا بات ہے صاحب۔" رانو نے پوچھا۔

"بات.... بات.... پتہ نہیں۔" پرویز ہانپتا ہوا بولا۔

اتنے میں ٹارچ آگئی۔ نوکروں نے پرویز کی حالت کو بڑی حیرت کی نظروں سے دیکھا
کی آنکھیں خوف سے پھیل گئی تھیں۔ چہرے پر پسینے کی بوندیں پھوٹ رہی تھیں اور وہ اس

ہا تھا جیسے دمے کا مریض ہو۔ اُس نے مڑ کر اس پُر اسرار کمرے کی طرف دیکھا جس کا
ازہ کھلا ہوا تھا۔ پھر اس نے کپکپاتے ہوئے ہاتھ سے ٹارچ پکڑی اور کمرے کی طرف بڑھنے
نوکر خوفزدہ تھے، اس لئے ان میں سے کسی نے بھی آگے بڑھنے میں جلدی نہیں کی، وہ آٹھ
قدم پیچھے ہی تھے کہ پرویز کمرے میں داخل ہوا اور نوکروں نے پھر اس کی چیخ سنی، وہ جہاں
وہی رک گئے۔ ہر ایک کے دل کی دھڑکنیں اس کے سر میں دھمکتی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں،
م بخود کھڑے رہے۔ انہیں شاید پرویز کے پکارنے کا انتظار تھا۔ پھر انہوں نے پرویز کو کمرے
نکلتے دیکھا۔ ٹارچ روشن تھی اور وہ لڑکھڑاتا ہوا راہداری طے کر رہا تھا۔ وہ ان کے قریب سے
گیا ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے ان کی موجودگی کا علم ہی نہ ہو۔

وہ بھی اس کے پیچھے چل پڑے۔ اس نے ایک بار بھی پلٹ کر ان کی طرف نہیں دیکھا۔

برآمدے میں پہنچ کر وہ اسی آرام کرسی پر گر گیا جس پر شام سے لیٹا ہوا تھا۔

"صاحب۔" رانو سہمی ہوئی آواز میں بولا۔ "کیا بات ہے؟"

"پانی....!" پرویز کی آواز میں بہت زیادہ نقاہت تھی۔

پانی پی چکنے کے بعد اُس نے پھر آنکھیں بند کرلیں اور پھر کسی نے بولنے کی ہمت نہیں کی۔
سوچ رہا تھا کہ وہ آج اس کمرے کو کھلا ہی چھوڑ آیا ہے؟.... آخر کیوں؟.... اور آج وہ خود
کیوں دوبار چیخا تھا؟

"پولیس کو فون کردو۔" پرویز تھوڑی دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"پولیس کو....!" رانو تقریباً چیخ پڑا۔

"ہاں۔"

"کس لئے صاحب! کیوں؟"

"میں نے اُسے مار ڈالا ہے۔"

"کسے؟" رانو کا دم گھٹنے لگا۔

"ان سے کہہ دو کہ میں بے گناہ ہوں.... میں نے اُسے مار ڈالا ہے.... میرے خدا....
ماہے؟ تم ابھی تک گئے نہیں! فون کردو! کوتوالی کا نمبر تین سو پندرہ ہے.... جاؤ۔"

"کیا کہہ دوں۔" رانو تھوک نگلتا ہوا بولا۔

"بہرے ہو! کیا سنا نہیں۔" پرویز اس طرح بولا جیسے خود اُسے اپنی آواز نہ سنائی دے
ہو۔ "کہہ دو یہاں قتل ہو گیا ہے۔"

پُراسرار لاش

سرجنٹ حمید نے اندھیرے میں ٹھوکر کھائی اور گرتے گرتے بچا۔ فریدی نے پلٹ کر
کی روشنی ڈالی اور حمید بیٹھ کر اُس پتھر کو سہلانے لگا جس سے ٹھوکر لگی تھی۔

"یہ کیا حماقت؟" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

"برابر کر رہا تھا، کہیں بُرا نہ مان گیا ہو۔"

"بالکل ہنسی نہیں آئی۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"ظاہر ہے کہ اس پتھر نے بھی میرے معافی مانگنے پر مسکرا کر یہ نہیں کہا کہ کوئی بات نہیں

"اٹھو نہیں تو ٹھوکر مارتا ہوں۔" فریدی بولا۔

"البتہ اس معاملے میں پتھر آپ سے زیادہ بلند واقع ہوا ہے۔" حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں کہ تم ہنسنے ہنسانے کے چکر میں پڑ کر بالکل احمق ہو گئے"
فریدی بولا۔

"اور میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ اس پتھر سے بھی بدتر ہیں۔"

"بکو مت! زیادہ بچپنا بھی کھلنے لگتا ہے۔"

"شاید پانچ سو پچھترویں بار آپ یہ جملہ دہرا رہے ہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔"
ہے کہ پانچ سو چھترویں بار بھی آپ یہی جملہ دہرائیں گے۔ لہٰذا اب اس میں کچھ ردوبدل کیجئے

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید نے پھر کہا۔

"بہتر یہ ہو گا کہ اس جملے کی ترتیب بدل دیجئے۔ مثلاً زیادہ کھلنے بھی لگتا بچپنا۔ مت بکو
اس جملے کے الفاظ کے شروع کے حروف میں الٹ پھیر کر دیجئے جیسے بت بکو! بیادہ زچپنا کھلی
لگتائے.... یا پھر آخر کے حروف۔"

"یار خدا کے لئے پیچھا چھوڑو۔"

"چھوڑ دیا۔" حمید لاپروائی سے بولا۔ "لیکن میں کل سے اس چکر میں نہیں پڑوں گا۔"

"وہ تو پڑنا ہی ہو گا۔"

"سنئے جناب!" حمید جھلا کر بولا۔ "یا تو میں خودکشی کر لوں گا یا اس ڈاکٹر کو گولی مار دوں گا جس
نے آپ کو ہوا خوری کا مشورہ دیا ہے۔ بھلا کوئی تک ہے۔ سارے شہر کا پیدل چکر لگاتے پھریئے۔"

"خودکشی سے بہتر تو یہ ہو گا کہ تم کسی تندرست آدمی کے ساتھ کہیں بھاگ جاؤ جو تمہیں
ہاکر کھلا سکے۔"

"بالکل نہیں.... بچا یہ جملہ۔" حمید کھرکھراتی ہوئی آواز میں بولا۔

"فکر نہیں۔"

"اور یہ بھی نہیں کہ سڑکوں ہی کے چکر کاٹے جائیں۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

"کھائیاں اور نالے بھی پھلانگئے۔ ڈاکٹر نے دھکے کھانے کے لئے نہیں، ہوا خوری کے لئے
ا تھا۔ ساری دنیا اتنی ترقی کر گئی ہے، مگر اپنے یہاں کے ڈاکٹر ڈیوٹ کے ڈیوٹ ہی رہے۔ اس
انے میں جب کہ سارے کام مشینوں سے لئے جا رہے ہیں نہ جانے ہوا خوری کم بخت کیوں
جعت پسندی کے چکر میں پھنسی ہوئی ہے۔"

"اوہو.... تو آپ ہی سوچئے نا کوئی ترقی یافتہ طریقہ۔" فریدی طنزیہ لہجے میں بولا۔

"سوچ لیا ہے؟" حمید نے اکڑ کر کہا۔

"فرمایئے۔"

"سائیکل کا پمپ.... گھر بیٹھے ہوا خوری فرمایئے۔"

فریدی ہنس پڑا۔

"ترکیب استعمال کیلئے پتہ لکھا ہوا لفافہ اور چار آنے کے ٹکٹ ارسال فرمایئے۔" حمید پھر بولا۔

"چلتے رہو چپ چاپ۔" فریدی نے اُسے دھکا دیا۔

"سچ کہتا ہوں زندگی سے جی اُچاٹ ہو گیا ہے۔" حمید نے کسی تھکے ہوئے بوڑھے کی طرح
ہا۔ "اب میں بقیہ زندگی یاد خدا میں گذارنے کے لئے جنوبی امریکہ چلا جاؤں گا۔ یہ بھی کوئی
ندگی ہے۔ بس تھکتے رہو۔ اس کی ضرورت ہو یا نہ ہو۔ اگر کچھ کام نہیں تو پیدل چلو۔"

فریدی خاموشی سے چلتا رہا۔ وہ پانچ بجے سے اب تک کئی میل کا چکر لگا چکے تھے۔ ادھر کئی

دنوں سے فریدی نے اپنے ایک ڈاکٹر دوست کے مشورے پر ہوا خوری کا مشغلہ شروع کر
اس کے ساتھ حمید کو بھی گھسٹنا پڑتا تھا۔ یعنی اس کا وہ فالتو وقت جو رقص گاہوں اور نائٹ کا
میں صرف ہوتا تھا اب ہوا خوری کی نذر ہو گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ حمید نے اس پر ضرورت سے
ہلڑ مچایا ہو گا۔ تاؤ تو اُسے دراصل اس بات پر آتا تھا کہ آخر یہ خواہ مخواہ ہوا خوری کا بھوت
سوار ہو گیا۔ ہوا خوری یا پیدل چلنے کا مشورہ انہیں لوگوں کو دیا جاتا ہے، جو کسی مرض میں
ہوں، لیکن یہاں اس قسم کی کوئی بات نہیں تھی۔

"تو آپ نہیں بتائیں گے؟" حمید تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔

"کیا....؟"

"یہی کہ آخر ڈاکٹر نے یہ مشورہ دیا ہی کیوں؟"

"اس لئے کہ آج کل تمہیں گہری نیند آتی ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"مجھے....!" حمید بوکھلا کر بولا۔

"ہاں.... ہاں تمہیں۔"

"اور اس نے مشورہ آپ کو دیا ہے۔"

"یہ مشورہ میں نے تمہارے ہی لئے طلب کیا تھا۔"

"یعنی اتنے دنوں سے آپ مجھے اُلو بنا رہے ہیں۔"

"اُلو نہیں آدمی بنا رہا ہوں۔ اُلو تو تم سوتے وقت ہو جاتے تھے۔ ادھر سے البتہ اس
میں کچھ افاقہ معلوم ہوتا ہے۔"

"یعنی....!"

"سوتے وقت اس بُری طرح شور مچاتے تھے کہ خدا کی پناہ.... اور یوں کہ ساری
صاف سمجھ میں آتی تھیں اور وہ ساری باتیں اتنی بدبودار ہوتی تھیں کہ ناک پھٹنے لگتی تھی۔"

"مثلاً....!"

"مثلاً یہ کہ ہائے ہائے کیا رنگت ہے۔ ارے مار ڈالا، کیا مسکراہٹ ہے، چال ہے کہ
یہی نہیں بلکہ عورتوں کی قسمیں اور ان کے عادات و خصائل بھی گنوانے لگتے ہو۔ لمبی ناک
نفاست پسند ہوتی ہے۔ چھوٹی آنکھ والی خوشامد پسند اور کینہ توز ہوتی ہے۔ کلوٹیاں گاڑھی

رتی ہیں۔ بڑے دانتوں والی حاسد اور شکی ہوتی ہے اور بھی نہ جانے کیا کیا اَلا بَلا۔"

"تو کیا یہ بدبودار باتیں تھیں۔" حمید نے بھنا کر پوچھا۔

"نہیں بڑی اونچی باتیں تھیں۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔

"بہر حال آپ کل سے مجھے اس طرح نہیں ٹہلا سکتے بھلا کوئی تک ہے.... واہ وا....؟"

"اوہ....!" دفعتاً فریدی چلتے چلتے رک گیا۔ وہ اس وقت ایک آبادی کی پشت سے گذر رہے
تھے۔ اُنکی بائیں طرف بڑی بڑی عمارتوں کا ایک لامتناہی سا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ حمید بھی رک گیا۔

ٹارچ کی روشنی کا دائرہ ایک عمارت کی دیوار پر جم گیا تھا۔

"نقب....!" فریدی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

دیوار میں ایک اتنا بڑا سوراخ نظر آ رہا تھا جس سے ایک آدمی بیٹھ کر بہ آسانی گذر سکتا تھا۔
یوار سے نکالی ہوئی اینٹیں نیچے ڈھیر تھیں۔ فریدی نے ادھر اُدھر دیکھا یہ عمارت دوسری
مارتوں سے قطعی الگ تھی۔

وہ دونوں دیوار کے نیچے آ گئے۔ چاروں طرف گہرا سناٹا تھا اور جھینگروں کی مسلسل جھائیں
جھائیں بھی اندھیرے ہی کا ایک جزو معلوم ہو رہی تھی۔ فریدی نے ٹارچ بجھا دی اور دیوار سے
ل کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے ایک پتھر اٹھا کر نقب کے مہرے میں پھینکا جس کے گرنے کی آواز
نائی دی۔ اس کے بعد پھر سناٹا چھا گیا۔

دوسرے لمحے میں وہ دونوں اندر پہنچ گئے اور ٹارچ کی روشنی زمین پر پڑتے ہی حمید اچھل کر
پیچھے ہٹ گیا۔ ایک عورت کمرے کے فرش پر اوندھی پڑی تھی۔

"کیا مطلب....!" حمید نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔

اس کمرے میں دوسری طرف ایک ہی دروازہ تھا جو کھلا ہوا تھا۔ کھڑکیاں نہیں تھیں۔ ایک
رف ایک بڑا سا لکڑی کا صندوق رکھا ہوا تھا۔ اسی کے سامنے دوسرے گوشے میں ایک چھوٹی سی
ل میز تھی، جس پر سیاہ رنگ کا ایک بکس تھا۔

فریدی تھوڑی دیر تک عورت پر جھکا رہا پھر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"لاش....!" اس نے آہستہ سے کہا۔

"خدا آپ پر رحمت نازل کرے۔" حمید بڑبڑایا۔

"تم یہیں ٹھہرو۔" فریدی نے کہا اور دروازے سے نکل گیا۔ راہداری سنسان پڑی تھی وہ بے پاؤں چل رہا تھا۔ راہداری کے سرے پر پہنچ کر اُس نے آوازیں سنیں۔ وہ کچھ دیر کے رکا اور پھر یک دم برآمدے میں آگیا۔ گفتگو کرنے والے ٹھٹک گئے اور وہ جو آرام کرسی پر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

فریدی انہیں تیز نظروں سے گھورتا رہا، بقیہ چار آدمی نوکر معلوم ہوتے تھے۔

"کیا بات ہے؟" فریدی نے خود ہی سکوت توڑا۔

"آپ کون ہیں؟" پرویز کی آواز میں خوف تھا۔

"کیا آپ اس سے واقف ہیں کہ اس عمارت کے ایک کمرے میں....!" فریدی کا جملہ ہونے سے پہلے ہی پرویز پھوٹ پڑا۔

"میں بے قصور ہوں.... وہ میرے ہاتھوں مری ہے۔ مگر میں بے قصور ہوں۔"

فریدی نے محسوس کیا جیسے وہ ہوش میں نہ ہو۔

"وہ کون ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"وہ....!" پرویز اس طرح چونکا جیسے یک بیک سوتے سوتے جاگ پڑا ہو۔ "وہ کون۔ اس کی آنکھیں آہستہ آہستہ بند ہونے لگیں اور ہونٹوں پر ایک خفیف سی مسکراہٹ کی دکھائی دی پھر اگر فریدی آگے بڑھ کر اُسے سنبھال نہ لیتا تو وہ سیدھا زمین پر ہی آیا ہوتا۔ آنکھیں بند تھیں اور سانسیں رک رک کر آرہی تھیں۔ فریدی نے اُسے آرام کرسی پر ڈال

"کیا بات ہے۔" فریدی نوکر کی طرف مڑا۔

وہ سب ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

"فون ہے یہاں۔" فریدی نے پھر سوال کیا۔

"نہیں....!" رانو ہکلایا۔ "پڑوس میں ہے۔"

"کوئی ڈاکٹر قریب ہے۔"

"جی ہاں....!"

"بلا لاؤ اُسے، میں پولیس کا آدمی ہوں۔"

رانو جانے لگا۔

"ٹھہرو....!" فریدی نے کہا اور راہداری کے سرے پر جا کر حمید کو آواز دی۔ حمید شاید راہداری ہی میں فریدی کی آواز پر دوڑ پڑا۔

"ان کے ساتھ جاؤ۔" فریدی نے رانو کی طرف اشارہ کر کے حمید سے کہا۔ "کوتوالی فون کر دینا.... اور ڈاکٹر....؟"

حمید نے پرویز کی طرف دیکھا۔

"بیہوش ہو گیا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "جلدی کرو۔"

حمید رانو کے ساتھ چلا گیا۔

"وہ عورت کون ہے؟" فریدی نے بقیہ نوکروں سے پوچھا۔

"کون عورت....؟" تینوں بیک وقت بولے اور فریدی حیرت سے انہیں دیکھنے لگا۔

"کیا یہاں چوری بھی ہوئی ہے؟"

"نہیں تو....!" شکورا بولا۔ شاید اُس نے اپنے خوف پر قابو پالیا تھا۔ تھوڑی دیر رک کر اُس نے کہا۔ "مگر صاحب نے ابھی پولیس کو فون کرنے کے لئے کہا تھا۔"

"میرے ساتھ آؤ۔" فریدی نے کہا اور راہداری کی طرف جانے لگا۔ سرے پر پہنچ کر وہ مڑا۔ تینوں نوکروں نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہیں کی تھی۔

"کیوں....؟" اس کی آواز بلند ہو گئی۔

"آپ ہیں کون۔" بندو خوفزدہ آواز میں بولا۔ "اندر کیسے آئے۔ پھاٹک تو بند ہے۔"

"میں تمہیں یہی دکھانا چاہتا ہوں کہ میں کیسے آیا۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

مالی آنکھیں پھاڑے فریدی کو دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اُسکے منہ سے بے ہنگم سی آوازیں نکلنے لگیں۔

"اُبے اُبے۔" بندو اور شکور روہانسی آواز میں چیخے اور پھر انہوں نے بھی مالی کے سر میں سر ملانا شروع کر دیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے تینوں کو فرنجک ہو گئی ہو۔

"چپ رہو۔" فریدی انہیں ڈانٹ کر ان کی طرف بڑھا لیکن اُس کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی تینوں لہرا کر زمین پر گر پڑے۔

"کیا مصیبت ہے۔" فریدی دانت پیس کر بولا۔ وہ تینوں بھی بیہوش ہو چکے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے۔ کبھی وہ راہداری کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی چاروں کی طرف۔

ایک خیال تیزی سے اُس کے ذہن میں گونجا۔ کہیں یہ مکاری تو نہیں کر رہے ہیں۔ پ
اعتراف جرم اُسے یاد آرہا تھا۔ ساتھ ہی نوکروں کی لاعلمی بھی اس کے ذہن میں تھی۔ انہوا
گھر میں کسی عورت کے وجود سے لاعلمی ظاہر کی تھی۔ پھر وہ نقب؟ آخر بات کیا ہے؟

وہ دس پندرہ منٹ تک خیالات میں کھویا رہا۔ چاروں آدمی ابھی تک بیہوش پڑے
قدموں کی آواز سن کر وہ چونکا۔ حمید اور رانو ڈاکٹر کو لے آئے تھے۔

"اوہ.... یہ بھی گئے۔" حمید نوکروں کی طرف دیکھ کر بولا۔ "مجھے یقین تھا کہ ایسا ضرور ہو

"کیوں....؟"

"بوڑھے سے جو کچھ معلوم ہوا تھا اس کی بناء پر میں نے یہی اندازہ لگایا تھا۔"

فریدی اس پر کوئی دوسرا سوال کرنے کی بجائے ڈاکٹر کی طرف مڑا، جو پرویز پر جھکا ہو
دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے سر اٹھا کر کہا۔

"یہ بیہوش نہیں! نیند ہے۔ گہری نیند، جو شاید آسانی سے نہ ٹوٹ سکے۔ کیا یہ اکسو
خوابی) کا مریض ہے۔"

"پتہ نہیں۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

تینوں نوکروں کے متعلق ڈاکٹر نے بتایا کہ ان کی بیہوشی کی وجہ غالباً خوف ہے۔

"ایک لاش بھی ہے۔" فریدی نے ڈاکٹر سے کہا۔

"لاش....!" ڈاکٹر کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"جی ہاں۔ میرے ساتھ آیئے۔" فریدی نے کہا اور حمید سے بولا۔ "تم یہیں ٹھہرو۔"

پھر وہ رانو کو بھی اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کرتا ہوا راہداری کی طرف بڑھ گیا۔

لاش دیکھ کر رانو چیخ پڑا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر لاش سیدھی کر دی اور رانو سے
"یہ کون ہے؟"

"ہم.... میں.... نہیں جانتا۔"

"کبھی نہیں دیکھا....؟"

"نہیں.... کبھی نہیں۔" رانو نے کہا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نقب کی طرف دیکھنے لگا۔

ڈاکٹر لاش کو دیکھتا رہا۔ اس نے فریدی کے ہاتھ سے ٹارچ لے کر مقتولہ کی گردن دیکھ

لڑا ہو کر بولا۔

"آخر بات کیا ہے۔ پولیس کو اطلاع ہوئی یا نہیں۔ اسے گلا گھونٹ کر مارا گیا ہے۔"

"میرا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور بات ابھی تک میری سمجھ
یں بھی نہیں آئی۔"

ریوالور کی کہانی

پولیس آگئی تھی۔ حمید نے خاص طور سے جگدیش کو فون کیا تھا اور اتفاق سے وہ اُس وقت
وتوالی ہی میں موجود تھا۔ تینوں نوکروں کو ہوش آگیا تھا۔ لیکن پرویز کی حالت بدستور وہی تھی۔
اکٹر نے بھی اُس کے سلسلے میں کوئی قطعی فیصلہ کرنے سے گریز کیا تھا۔ نوکروں سے پوچھ گچھ پر
یہ بات ثابت ہو گئی تھی کہ وہ حقیقتاً بے خوابی کا مریض تھا۔ اکثر پندرہ پندرہ دن تک اُسے نیند
ہیں آتی تھی۔

پرویز اور اُس کی مشغولیات کے متعلق ہر ایک نے حیرت سے سنا۔ رانو کا بیان دوسروں سے
یادہ مربوط اور واضح تھا اس لئے فریدی بار بار اسی سے سوال کر رہا تھا۔

"ہم یہاں تین سال سے ہیں۔" رانو کہہ رہا تھا۔ "لیکن ہم نے یہاں کبھی کوئی عورت نہیں دیکھی۔"

"اور تمہیں یہ یقین ہے کہ وہ نقب آج ہی کسی وقت لگائی گئی ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں! کل میں پچھواڑے کی طرف سے گذرا تھا۔ اس وقت میں نے نقب نہیں دیکھی تھی۔"

"اپنے مالک کی پچھلی زندگی کے متعلق بھی کچھ جانتے ہو۔"

"جی نہیں! نہ مجھے اُن کے رشتے داروں ہی کے متعلق کچھ معلوم ہے۔"

"کیا وہ ہمیشہ سے عجیب و غریب حرکتیں کرتا رہا ہے۔"

"میں نے ابھی بتایا نا آپ کو۔ کمرے والا معاملہ شاید دو ڈھائی ماہ پہلے شروع ہوا تھا۔"

"تو یہاں کبھی کوئی آتا ہی نہیں تھا۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں.... اوہ ٹھہریئے.... جی ہاں چینی ہی معلوم ہوتا تھا۔"

"تم پھر بہکنے لگے۔"

"نہیں حضور! اب سے ڈھائی تین ماہ پہلے ایک چینی صاحب کے پاس آیا تھا۔ وہ اپنے ر
ایک بہت بڑا صندوق لایا تھا۔ وہی صندوق جو ابھی آپ نے اس کمرے میں دیکھا ہے۔"

فریدی چونک کر رانو کو گھورنے لگا پھر آہستہ سے بولا۔

"اور اسی کے بعد ہی سے تمہیں اس کمرے میں کسی عورت کی چیخیں سنائی دینے لگی تھیں

"جی ہاں....!" رانو جلدی سے بولا۔

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"تمہارے مالک کے پاس خطوط وغیرہ بھی آتے رہے ہوں گے۔"

"آتے تھے اور اکثر کتابوں کے پارسل بھی آیا کرتے تھے۔ صاحب بھی خطوط لکھا کرتے تھے

"کہاں سے آئے تھے۔"

"یہ تو نہیں بتا سکتا۔ میں پڑھا لکھا نہیں۔"

"تمہارے ساتھیوں میں سے کوئی بتا سکے گا۔"

"جی نہیں وہ بھی میری ہی طرح ہیں۔"

"مگر تمہارا لب ولہجہ تو پڑھے لکھے لوگوں جیسا ہے۔"

"صحبت کا اثر ہے سرکار! میں ہمیشہ بڑے ہی لوگوں کے پاس رہا ہوں۔"

"تمہارے مالک کا ذریعہ معاش کیا تھا۔"

"یہ میں نہیں جانتا لیکن بینک سے میں ہی روپے لایا کرتا ہوں۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر وہ سب لاش والے کمرے میں دوبارہ آئے۔ لاش ابھ
وہیں پڑی تھی۔ فریدی نے اُس بڑے صندوق کا ڈھکن اٹھایا جس کے متعلق رانو نے بتایا تھ
میں لمبے ریشوں والی خشک گھاس اور کاغذ کی ردی بھری ہوئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ا
کبھی کوئی چیز پیک کی گئی ہو۔ فریدی کے اشارے پر کانسٹیبلوں نے صندوق میں بھری ہوئی
فرش پر الٹ دی۔ فریدی دیر تک اُسے ٹارچ کی روشنی میں دیکھتا رہا پھر حمید نے دیکھا کہ
کاغذ کا ٹکڑا تہہ کر کے اپنی جیب میں رکھ رہا ہے۔

"یہ تو ظاہر ہے کہ جو کچھ بھی ہوا اندھیرے میں ہوا۔" فریدی چاروں طرف ٹارچ کی
ڈالتا ہوا بولا۔

"کیوں اندھیرے میں کیوں؟" جگدیش بولا۔

"تم دیکھ رہے ہو کہ یہاں اس کمرے میں الیکٹرک فٹنگ نہیں ہے۔" فریدی نے آہستہ سے
ا۔ "اور مجرم یہاں جو کچھ بھی کرتا رہا ہے اس کے لئے اس نے موم بتیاں استعمال کی ہیں۔ کیا یہ
لی ہوئی موم بتیوں کا موم نہیں ہے؟" اس نے ایک طاق کی طرف اشارہ کیا۔ کچھ دیر چپ رہ کر
ر بولا۔ "لیکن آج یہاں موم بتی بھی نہیں تھی۔ غالباً مجرم کو یہ یاد نہیں کہ کمرے میں موم بتی
ہیں ہے۔"

"لیکن وہ آوازیں جو روزانہ سنی جاتی تھیں۔" حمید نے کہا۔ اس کا کیا مطلب تھا۔ اس عورت
کے متعلق تو یہی سوچا جا سکتا ہے کہ یہ اس نقب کے ذریعے اندر داخل ہوئی۔

"اور! پرویز نے اس پر حملہ کیا تھا؟ اگر یہ صورت بھی تھی تو گلا گھونٹ دینے کی کوئی وجہ سمجھ
ں نہیں آتی۔ پرویز اسے مار ڈالے بغیر بھی بے دست وپا کر سکتا تھا۔ کیونکہ وہ جسم کی بناوٹ کے
عتبار سے کافی طاقتور معلوم ہوتا ہے اور اس عورت کو تم دیکھ ہی رہے ہو۔"

"ممکن ہے پرویز بھی اُسے بھوت ہی سمجھا ہو۔" حمید نے کہا۔ "جس طرح نوکر آپ کو
بھوت سمجھے تھے۔ اس کمرے سے متعلق ساری چیزیں ان لوگوں کی طرح پُراسرار ہیں۔"

"پرویز کے لئے نہیں ہو سکتیں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کیونکہ اس کے پُراسرار بنانے
کا ذمہ دار وہی ہے۔"

"میرے خیال سے اس عورت کے متعلق پڑوس میں چھان بین کرنی چاہئے۔" حمید نے کہا۔

"نوکر فراڈ ہیں۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ نے اس کہانی پر اعتبار
کیسے کر لیا۔"

"محض اس لئے کہ اُن تینوں نوکروں کی بیہوشی مصنوعی نہیں تھی اور نہ اُن آوازوں میں
بناوٹ تھی، جو بیہوش ہونے سے قبل اُن کے حلق سے نکلی تھیں۔"

"ڈاکٹر بھی اُن کا پڑوسی ہے۔" حمید نے کہا۔ "ممکن ہے وہ بھی اس سازش میں شریک ہو۔"

"یوں تو ہم بھی اسی نقب کے ذریعے اندر داخل ہوئے تھے۔" فریدی نے مسکرا کر
کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ ہم نے ہی اس عورت کو یہاں بھیجا ہو۔ کیوں بھئی جگدیش؟"

جگدیش ہنسنے لگا۔

"پرویز کی نیند....!" حمید مضحکانہ انداز میں مسکرایا۔ "اس نیند کے متعلق کیا خیال ہے"

"کیا تم سمجھتے ہو کہ ڈاکٹر کی تشخیص غلط ہے۔" فریدی اس کی طرف مڑا۔

"میں نے تو ایسی نیند کے متعلق آج تک نہیں سنا، جو بیہوشی سے بھی زیادہ گہری ہو۔

"کیوں؟ کیا نواب[1] وجاہت مرزا کی نیند تمہیں یاد نہیں۔"

حمید جواب دینے کی بجائے لاش کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں نے شاید اسے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

تب تو معاملہ صاف ہے فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "تم بھی اس سازش میں شریک ہوتے ہو۔ ورنہ اس وقت میرا اور تمہارا یہاں کیا کام! تم مجھے اس طرف لائے ہی کیوں تھے۔

"میں لایا تھا۔" حمید بھنا کر بولا۔

"شاید آپ انہیں پھر پھنسانا چاہتے ہیں۔" جگدیش نے ہنس کر کہا۔

تھوڑی دیر بعد لاش اٹھوا دی گئی اور وہ لوگ برآمدے میں آبیٹھے۔ پرویز اب تک کرسی ہی پر تھا۔

"بیہوش ہونے سے قبل اس نے اعتراف جرم کیا تھا۔" فریدی بولا۔ "لیکن یہ ہے کون اس کے ملازمین اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ ویسے آدمی دولت مند معلوم ہوتا ہے۔"

فریدی کھڑا ہو گیا۔

"تم لوگ یہیں ٹھہرو۔" اس نے کہا اور باہر نکل گیا۔

"اب دیکھئے۔" حمید بولا۔ "تھوڑی ہی دیر ٹھہرنا پڑتا ہے یا قیامت تک۔"

"آپ بُری طرح اکتائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔" جگدیش نے کہا۔

"معلوم ہوتا ہوں۔ چہ خوب! گویا آپ کو اس میں شبہ ہے۔"

"اتنا عمدہ کیس ملا ہے آپ لوگوں کے شایان شان۔"

"کیا....؟" حمید چیخ کر بولا۔ "گویا میں کیسوں کے لئے مرا کرتا ہوں۔"

"نہیں بڑے بھائی بگڑتے کیوں ہو۔" جگدیش ہنس پڑا۔

"تم نہیں جانتے کہ میں اس وقت کتنا دکھی ہوں۔"

"کیوں....؟"

---

[1] جاسوسی دنیا کا پہلا ناول "دلیر مجرم" ملاحظہ فرمائیے۔

"کسی عورت کی لاش دیکھ کر مجھے سب سے پہلے یہی خیال آتا ہے کہ اس کی زندگی میں اُسے
وں نہ ملا۔"

"فرض کیجئے کہ آپ زندگی ہی میں اس سے مل لئے ہوتے تو۔"

"تو اس وقت میں ایک ہی نظر دیکھ کر بتا دیتا کہ وہ کون ہے اور کہاں رہتی تھی۔" حمید نے
ادگی سے کہا۔

جگدیش ہنسنے لگا۔

"کیوں! کیا میں نے کوئی بیوقوفی کی بات کہہ دی۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔

جگدیش کی ہنسی تیز ہو گئی۔

"شاید تم بھی گئے۔" حمید مایوسی سے بولا۔

جگدیش ہنستا رہا۔

"ارے....!" دفعتاً حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا....؟" جگدیش نے بھی اس کی تقلید کی۔ حمید تاریک راہداری کی طرف دیکھ رہا تھا۔
دیش کے ساتھ تین کانسٹیبل بھی کھڑے ہو گئے تھے۔

"وہی عورت۔" حمید نے سرگوشی کی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔

"کون عورت....!" جگدیش نے پوچھا۔

"وہی.... جس کی لاش۔"

"کیا؟" جگدیش سہمی ہوئی آواز میں بولا۔

حمید نے جھپٹ کر جگدیش کے ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا اور راہداری کی طرف دوڑا۔

"ٹھہرو.... ٹھہرو۔" جگدیش نے اُسے آواز دی۔ لیکن وہ جا چکا تھا۔ جگدیش وغیرہ راہداری
کے سرے پر آکر کھڑے ہو گئے لیکن اُن میں سے کوئی بھی آگے بڑھنے کی ہمت نہیں کر رہا تھا۔
انہوں نے ایسی آوازیں سنیں، جو عموماً دھینگا مشتی کی صورت میں پیدا ہوتی ہیں۔ ساتھ ہی حمید
گھٹی گھٹی سی آواز بھی سنائی دی۔ وہ جگدیش کو پکار رہا تھا۔

"کون ہے.... خبردار" جگدیش نے للکار کر زمین پر پیر پٹخے لیکن اپنی جگہ سے ہلا نہیں۔ پھر
نے پلٹ کر کانسٹیبلوں کی طرف دیکھا۔ لاش والے کمرے میں کوئی دھمک سے زمین پر گرا اور

ساتھ ہی کسی کے دوڑنے کی آواز آئی اور پھر سناٹا چھا گیا۔

جگدیش نے حمید کو آوازیں دیں لیکن جواب ندارد۔ اس نے رانو کے ہاتھ سے ٹارچ لی اور آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔

کمرے میں پہنچ کر انہوں نے عجیب منظر دیکھا۔ حمید زمین پر اوندھا پڑا اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے ہاتھوں میں اتنی طاقت بھی نہ رہ گئی کہ وہ اُن پر زور دے کر اٹھ سکے۔ جگدیش نے جلدی سے جھک کر اُسے اٹھایا لیکن وہ اُس سے لپٹ پڑا۔

"ارے.... ارے میں ہوں۔" جگدیش بوکھلا کر بولا۔ لیکن حمید اس کی گردن میں ہاتھ جھٹکا دے چکا تھا۔ اگر سپاہی آگے بڑھ کر اُسے سنبھال نہ لیتے تو وہ سر کے بل زمین پر چلا آیا ہو

"ہوش میں آؤ.... میں جگدیش ہوں۔" جگدیش خوفزدہ آواز میں چیخا۔

حمید گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا اور اس نے اس طرح اپنے سر کو جھٹکے دینے شروع کر دیئے بیہوشی کے اثرات سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہو۔

"جگدیش....!" وہ گھٹی ہوئی آواز میں بولا۔ "تم کہاں مر گئے تھے وہ دو تھے۔"

"کون؟"

"پتہ نہیں۔" حمید جگدیش کے ہاتھ سے ٹارچ لے کر چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ .... وہ تمہارا ریوالور لے گئے۔"

"کیا....؟" جگدیش تقریباً چیخ پڑا۔

"دیکھتے کیا ہو! آگے بڑھو...." حمید بوکھلا کر بولا اور نقب کے راستے باہر نکل گیا۔ جگ وغیرہ بھی اس کے پیچھے لپکے۔

دوسری طرف تاریکی اور سناٹے کی حکومت تھی۔ حمید بدحواسی میں اِدھر اُدھر بھاگتا تھا۔ جگدیش اور اس کے ساتھی بھی اُس کا ساتھ دے رہے تھے وہ رکتا تو رکتا جاتے بھاگتا کے پیچھے دوڑتے۔

"اب کہیں وہ بھی ہاتھ سے نہ جائے۔" حمید نے چیخ کر کہا اور نقب کے راستے پھر کوٹھی داخل ہو گیا۔ پرویز بدستور آرام کرسی پر پڑا تھا۔

"حمید صاحب۔" جگدیش ہانپتا ہوا بولا۔ "بہت بُرا ہوا.... میرا ریوالور.... اب کیا ہو گا

"میں کیا جانوں۔" حمید بھنا کر بولا۔ "سراسر تمہاری غلطی ہے۔ اگر تم لوگ بھی میری مدد لئے پہنچ گئے ہوتے تو کبھی ایسا نہ ہوتا۔"

جگدیش بدحواس ہو کر ایک کرسی پر گر گیا۔

"ملازمت گئی۔" وہ بڑبڑایا۔ "معطل ہو جاؤں گا۔ مقدمہ چلے گا۔"

"اگر انہوں نے مجھے مار ہی ڈالا ہوتا تو۔" حمید غصہ سے بولا۔

"تم نے میرا ریوالور کیوں نکالا تھا۔" جگدیش چیخا۔

"میں نے نہیں نکالا تھا۔" حمید نے گردن جھٹک کر لاپروائی سے کہا۔

"مت بکو۔" جگدیش نے جھلاہٹ میں گھونسا تان کر کہا۔

"کیا بات ہے۔" فریدی کی آواز سنائی دی۔ وہ دروازے میں کھڑا حمید اور جگدیش کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"میرا بیڑا غرق کر دیا انہوں نے۔" جگدیش فریدی کی طرف مڑا۔

"کیا بات ہے۔" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" حمید گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "یک بیک بیٹھے بیٹھے نہ جانے کیا ہو گیا۔ اتنا تو میں نے دیکھا تھا کہ ذرا سا اونگھ گئے تھے۔"

"مت بکو۔" جگدیش حلق کے بل چیخا اور پھر اچانک اس کے چہرے پر بے بسی چھا گئی۔

"آخر بتاتے کیوں نہیں۔" فریدی بگڑ کر بولا۔

جگدیش نے غصیلی اور روہانسی آواز میں پورا واقعہ دہرایا۔

"تم بھنگ تو نہیں پی گئے۔" حمید بُرا مان کر بولا۔ "یہ سالا سچ مچ بھوت خانہ معلوم ہوتا ہے۔"

"کیا بات ہے۔" فریدی حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا اور پری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "ارے آپ کا دماغ بھی پھر گیا۔" حمید بے بسی سے بولا۔ "کان دیکھئے کوے پر غصہ اتارنے سے کیا فائدہ۔"

"دیکھو میں بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔"

"تو آپ اچھی طرح کب پیش آتے ہیں۔"

"حمید....!"

"سرکار والا! ابھی اور اسی وقت میرا استعفیٰ منظور فرمایئے۔"

دفعتاً فریدی جگدیش کے ریوالور ہولسٹر کی طرف دیکھنے لگا۔

"جگدیش کیا تم واقعی ہوش میں نہیں ہو۔" فریدی اُسے گھور کر بولا۔

"جی....!" جگدیش گھبرا کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا ریوالور تمہارے ہولسٹر میں موجود نہیں ہے؟"

جگدیش نے بے اختیارانہ انداز میں ہولسٹر میں ہاتھ ڈالا اور پھر "ارے" کہہ کر پڑا.... ریوالور موجود تھا۔

"اُلو کی دم فاختہ۔" حمید نے دانت پیس کر جگدیش کو گھورتے ہوئے کہا۔

جگدیش کا حلیہ دیکھنے کے قابل تھا۔

"ایشور قسم ان لوگوں سے پوچھ لیجئے۔" جگدیش بوکھلا کر بولا۔ کانسٹیبلوں اور پرو نوکروں نے حیرت آمیز انداز میں بڑبڑانا شروع کر دیا۔

فریدی حمید کی طرف مڑا لیکن وہ اتنی دیر میں راہداری کے بیرونی سرے تک پہنچ چ اُس نے تیز تیز قدموں سے پائیں باغ طے کیا اور پھاٹک سے گذر کر سڑک پر آگیا اور پھر اُ ایک طرف کھڑے ہو کر جو ہنسنا شروع کیا ہے تو پیٹ دباتے دباتے اس کا بُرا حال ہو گیا۔

اُس نے اس وقت جگدیش کے ساتھ وہ شرارت کی تھی کہ جگدیش شاید مرتے دم اسے نہ بھلا سکے۔ حقیقتاً اُسے کچھ بھی نہیں دکھائی دیا تھا اور نہ اس وقت اُس کے ذہن میں شرارت تھی۔ اس نے محض جگدیش کو ڈرانے کے لئے مردہ عورت کے بھوت کا حوالہ دے اُس کا ریوالور چھینا تھا لیکن جب اس نے یہ محسوس کیا کہ جگدیش اور اُس کے ساتھی خوف کے سے کمرے تک آنے کی بھی ہمت نہیں کر رہے ہیں تو دفعتاً اس کے ذہن نے قلابازی کھائی نئی شرارت اس کے رگ وریشے میں کلبلانے لگی۔ پھر اس نے خود ہی ایسی اچھل کود مچائی جیسے کئی آدمیوں سے لڑ رہا ہو۔ بھاگنے اور گرنے والوں کی ایکٹنگ بھی خود ہی کی.... اور پھر جگ اسے اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا تو اس نے چپ چاپ ریوالور اُس کے ہولسٹر میں سرکا دیا تھا۔

اول تو خالی پیٹ میں ہنسی شاذونادر ہی آتی ہے لیکن اگر زیادہ دیر تک آتی تو پھر ریاح گولے اس بُری طرح آنتوں میں ٹھوکر مارتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ لہٰذا حمید کے معدے پر مصرعہ صادق آرہا تھا۔ "رہتے رہتے دل میں تیرا درد بھی ہو گیا۔" پیٹ میں معدے کی جگہ

بہت بڑا دکھتا ہوا گولا محسوس ہو رہا تھا۔

وہ شہر کی طرف چل پڑا۔ بھوک کے مارے بُرا حال تھا۔ یہاں کسی سواری کا دستیاب ہونا بھی مشکل ہی نظر آرہا تھا۔ کبھی کبھی ایک آدھ کار گذر جاتی تھی۔ وہ ٹیکسی نہ ہوتی تھی۔ بہرحال وہ پیدل ہی چلنے کا تہیہ کر کے سڑک چھوڑ کر عمارتوں کے پشت والے ویران حصے میں آگیا۔ سڑک سے جانے میں زیادہ وقت صرف ہوتا اور چلنا بھی بہت پڑتا۔

حمید چلا تو آیا تھا لیکن حقیقتاً اُس کا ذہن اُسی قتل میں الجھا ہوا تھا۔ پرویز اس کمرے میں روزانہ کسی عورت کو چیخنے پر مجبور کرتا تھا۔ اگر وہ مقتولہ ہی تھی تو اتنے دنوں تک کمرے میں بند کیونکر رہی دن میں اس نے شور کیوں نہیں مچایا۔ پھر اُس نقب کا کیا مطلب تھا۔ وہ غیر ملکی آدمی اُس بڑے صندوق میں کیا لایا تھا۔ دفعتاً حمید کو یاد آیا کہ فریدی نے اس بکس سے کوئی کاغذ نکال کر جیب میں رکھا تھا۔ وہ چلتے چلتے رک گیا۔ کہیں قریب ہی سے پٹرول کی تیز بو آرہی تھی۔

پٹرول کی بو

حمید آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تاریکی میں گھور رہا تھا۔ دفعتاً اُسے اپنی بائیں جانب والے نشیب میں ٹارچ کی روشنی دکھائی دی۔ تقریباً دو ڈھائی سو گز کے فاصلے پر جھاڑیوں کے قریب ایک آدمی نظر آرہا تھا جس کے ہاتھ میں ٹارچ تھی۔ ٹارچ کی روشنی میں حمید کو ایک دوسرا انسانی مجسمہ دکھائی دیا، جو ایک سفید چادر میں لپٹا ہوا زمین پر پڑا تھا۔ قریب ہی پٹرول کا ٹین رکھا تھا۔ اُس آدمی نے ٹین اٹھا کر چادر میں لپٹے ہوئے جسم پر پٹرول انڈیلنا شروع کیا۔ ہوا کے جھونکے پٹرول کی بو کو دور دور تک پھیلا رہے تھے۔

حمید نے کچھ سوچے سمجھے بغیر اسے للکارنا شروع کر دیا۔

"خبردار! گولی مار دوں گا۔"

اس آدمی کے ہاتھ سے ٹارچ گر گئی اور وہ ایک ہی جست میں جھاڑیاں پار کر کے نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ حمید اپنی پوری قوت سے دوڑ رہا تھا اس نے زمین پر پڑے ہوئے آدمی کے پاس سے ٹارچ اٹھائی اور جھاڑیوں میں گھس گیا لیکن پندرہ بیس منٹ سر مارنے کے باوجود بھی بھاگنے والے

کا نشان نہ ملا۔

تھک ہار کر وہ پھر اسی جگہ واپس آگیا۔ چادر میں لپٹا ہوا جسم اب بھی اسی حالت میں پڑا
حمید نے اُس کے چہرے سے چادر اٹھائی اور چیخ کر دو تین قدم پیچھے ہٹ گیا۔

کیا یہ اسی عورت کی لاش نہیں تھی۔ وہ لاش جسے تھوڑی دیر قبل پولیس اٹھالے گئی تھ
پھر یہ یہاں کیسے۔ کیا اس پُر اسرار آدمی نے اس پر اس لئے پٹرول نہیں چھڑکا تھا کہ اُسے
دے؟ آخر وہ کون تھا اور اسے لاش کس طرح ملی۔

وہ پھر آگے بڑھا۔ مقتولہ کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ حمید پھر ٹھٹک گیا۔ اسے یاد آرہا تھ
اُس نے جو لاش کمرے میں دیکھی تھی اس کی آنکھیں بند تھیں۔ لیکن یہ کھلی ہوئی آنکھیں زن
سے بھرپور معلوم ہو رہی تھیں۔ حمید نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا جو دبا ہی چلا گیا۔ وہ پھر
کر پیچھے ہٹ آیا؟ کیا اس کا سر پلپلا ہے۔ یعنی سر میں ہڈی ہی نہیں۔ خوف کی ایک ٹھنڈی سی لہ
کے جسم میں دوڑ گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔

اس نے پھر جی کڑا کر کے اس کے پیر ٹٹولے لیکن وہاں بھی ہڈی ندارد۔ ایک خیال
سے اُس کے ذہن میں گونجا اور اس نے اس جسم سے لپٹی ہوئی چادر کھینچ کر ایک طرف ڈال
اور پھر اُسے یہ سمجھ لینے میں دشواری نہ ہوئی کہ وہ مجسمہ ربر کا تھا۔ لیکن یہ بھی کم حیرت
دریافت نہ تھی۔ آخر اس کا کیا مطلب! ربر کا مجسمہ؟ جو ہو بہو مقتولہ کی نقل تھا۔

حمید تھوڑی دیر کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر اُس نے اس مجسمے کو اٹھایا اور چل پڑا.... مجسمہ
بھاری نہیں تھا۔ تھوڑی دور چل کر وہ پھر لوٹ پڑا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اس واقعے کا تعلق
اسی معاملے سے نہ ہو۔ لہٰذا پٹرول کے ٹین اور اُس چادر کو وہیں چھوڑ دینا نامناسب معلوم ہو
لیکن اس سلسلے میں سب سے بڑی دشواری یہ تھی کہ وہ اُن سب چیزوں کو لاتا کس طرح۔
منٹ تک سوچتا رہا پھر اس نے پٹرول کا ٹین اور چادر جھاڑیوں میں چھپادی۔

وہ اسی وقت پرویز کے مکان پر جا کر فریدی کو بھی اس کی اطلاع دے سکتا تھا لیکن
دوسری اسکیم کے تحت جو اُسے اسی وقت سوجھی تھی اس نے واپس جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

اس نے اس مجسمے کو کاندھے پر اٹھایا اور چل پڑا۔ اُسے سب سے زیادہ فکر اس بات کی
نوکروں کی نظر اُس مجسمے پر نہ پڑنے پائے۔ آخر کار وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ وہ

یدی کے کمرے میں پہنچا اور مجسمے کو اس کے بستر پر ڈال کر چادر سے ڈھک دیا۔

اُس سے فراغت حاصل کر کے اُس نے کھانے کے لئے ہلڑ مچانا شروع کر دیا.... اور پھر
ایہ پہلا لقمہ بھی نہ اٹھایا تھا کہ فریدی اور جگدیش بھی آگئے۔

"آج تمہاری خیریت نہیں۔" فریدی اُسے مکا دکھا کر بولا۔

"اطلاعاً عرض ہے کہ میں بھی کسی سے کمزور نہیں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور جلدی
لدی منہ چلانے لگا۔

"بیٹھو بھئی جگدیش۔" فریدی ڈائننگ ٹیبل کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "میں کپڑے بدل
ر آتا ہوں بے تکلف شروع کر دو۔ میں بھی آکر شریک ہو جاؤں گا۔"

فریدی اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

"اور سناؤ بھائی جگدیش بہت دنوں بعد ملاقات ہوئی۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "کھاؤ نا یار
بس شروع ہو جاؤ! فریدی صاحب ابھی شیو کریں گے۔"

"میں تم سے ناراض ہوں۔" جگدیش نے گردن اکڑا کر کہا۔ "تم نے میرا بڑا مضحکہ اڑایا۔
کانسٹیبلوں کے سامنے تمہیں ایسی حرکت نہ کرنی چاہئے تھی۔"

"خدا کی قسم! کسی دن بیچ بازار میں تمہاری بے عزتی کروں گا۔" حمید بگڑ کر بولا۔

"اگر فرض کرو وہ حادثہ حقیقت پر مبنی ہوتا تو تم نے میری گردن ہی کٹوادی تھی۔"

جگدیش بغلیں جھانکنے لگا.... حمید بولتا رہا۔

"تمہارے محکمے میں لومڑیوں کے علاوہ آج تک کوئی اور دوسرا جانور نظر نہ آیا.... چوڑیاں
پہن....!"

دفعتاً حمید کے منہ کا نوالہ باہر نکل پڑا اور اس کے منہ سے عجیب طرح کی آوازیں نکلنے لگیں۔

"اہ.... اہ.... اہ.... ایہہ۔"

اور اس لمبی سی "ایہہ" کے بعد وہ کرسی سے لڑھک کر زمین پر چلا آیا۔

جگدیش نے پلٹ کر دیکھا۔ فریدی اُسی مجسمے کو گردن سے پکڑے ہوئے آرہا تھا۔ حمید کو اس
طرح گرتے دیکھ کر اُس نے اُسے زمین پر ڈال دیا اور حمید کی طرف لپکا۔

جگدیش حمید کی بجائے زمین پر پڑے ہوئے مجسمے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"سنو بھئی۔" فریدی نے اُسے اپنی طرف متوجہ کر کے کہا۔ "کیا تم بھی ڈر رہے ہو۔ ربر کا مجسمہ ہے۔ میاں حمید بیہوش ہو گئے ہیں۔"

فریدی کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی۔ جگدیش بھی اس کے قریب فریدی چند لمحے حمید پر جھکا رہا تشویس آمیز لہجے میں بڑبڑاتا رہا۔ پھر اس نے اس کے دونوں پکڑ کر جو زور لگایا ہے تو وہ "اکھڑ گئے" کا نعرہ مار کر کھڑا ہو گیا۔

"کہاں تھا یہ مجسمہ....؟" فریدی نے دونوں ہاتھوں سے اس کی گردن دبوچ کر پوچھا۔

"ارے میں.... خیں.... خیں.... میں کیا جانوں۔"

حمید اس کے ہاتھ جھٹک کر پیچھے ہٹ گیا۔

"اس سے کام نہیں چلے گا برخوردار....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "شرارت کے نشے میں اپنا رومال اسی کے نیچے چھوڑ آئے تھے۔"

"تب تو مجبوری ہے۔" حمید اپنے کان سہلاتا ہوا بولا۔

"فضول باتیں مت کرو۔"

"میرے ایک دوست نے تحفتاً پیش کیا ہے۔" حمید منہ چلاتا ہوا بولا۔

"تین دن تک سونے نہیں دوں گا۔" فریدی نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

حمید نے درویشوں کی طرح ہاتھ اٹھا کر شعر پڑھا۔

"قبر میں جی بھر کے سونا زندگی کی نیند کیا

زہرو راہِ عدم اٹھ اب سویرا ہو گیا"

"سچ کہتا ہوں! مارتے مارتے سویرا کر دوں گا۔" فریدی بولا۔

"راستے میں پڑی ملی تھی۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"غلط کہتے ہو.... میرا خیال ہے کوئی اسے جلانے جا رہا تھا۔"

"جی....!" حمید نوالا ہاتھ سے رکھ کر بولا.... اُسے حیرت ہو رہی تھی کہ فریدی اس پر کیونکر پہنچا۔ پٹرول کی بو بھی اُس میں باقی نہیں رہ گئی تھی۔

"جناب۔" فریدی پُر سکون آواز میں بولا۔ "مذاق میں مت ٹالو.... یہ بہت ضروری ہے"

حمید نے رک رک کر پورا واقعہ دہرایا۔ لیکن اُس کا ہاتھ اور منہ تیزی سے چل رہے

ے خدشہ تھا کہ فریدی واقعات سن لینے کے بعد جائے واردات کی طرف ضرور دوڑے گا۔ لہٰذا ب تو بھر ہی لیا جائے۔

"اور تم وہ چادر اور پٹرول کا ٹین وہیں چھوڑ آئے۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"بہت احتیاط سے ایک جگہ چھپا آیا ہوں۔"

"اچھا تو ختم کرو کھانا۔"

"ختم سرکار۔" حمید نے پانی کا گلاس چڑھا کر ڈکار لی اور پیٹ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ "آپ ل بھی کھا لیجئے۔"

"واپسی پر۔" فریدی جگدیش کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"جی ہاں.... اور کیا؟" جگدیش نے اٹھتے ہوئے کہا۔

فریدی نے گیرج سے جیپ نکالی۔

"چلو تمہیں ڈرائیو کرو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"بہت بہتر۔" حمید نے کہا۔ لیکن فریدی اس کی آنکھوں کی شرارت آمیز چمک نہ دیکھ سکا۔

سڑک سے گذر کر جیپ ویران راستوں پر ہولی۔ حمید جان بوجھ کر اُسے بہت زیادہ ناہموار لن پر چلا رہا تھا۔

"یار بس بھی کرو۔" جگدیش کراہ کر بولا۔ ذرا ہی سی دیر میں جیپ کے جھٹکوں نے اس کی نس ا ڈھیلی کر دی تھی۔ فریدی خاموش بیٹھا رہا۔ پتہ نہیں وہ حمید کی اس حرکت کو جان بوجھ کر نظر از کر رہا تھا یا خیالات میں اس بُری طرح کھویا ہوا تھا کہ اس کی طرف دھیان ہی نہیں ہوا۔

"کیوں....؟" حمید نے فریدی کو مخاطب کیا۔ "آپ نے اس کا اندازہ کیسے لگایا کہ کوئی اسے نے جا رہا تھا۔"

"تم اسی لئے پوچھ رہے ہو نا کہ پٹرول کی بو تو اڑ گئی تھی؟" فریدی نے پوچھا۔

"قطعی!"

"لیکن کانوں کے سوراخوں میں خفیف سی بو باقی رہ گئی تھی اور پھر اس کے بالوں میں ایک دیا ائی بھی الجھی ہوئی ملی تھی۔ بہر حال تم چوک گئے۔ اس آدمی کو پکڑنا تھا۔"

"پرویز کا کیا ہوا؟"

"ہم اسے ہسپتال بھجوا کر آئے ہیں، اس کی نیند میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔"

اچانک حمید نے بریک لگائی اور جگدیش کا سر اس کی پیٹھ سے ٹکرا گیا۔

"سنبھل کر بیٹھو۔" حمید نے انجن بند کرتے ہوئے کہا اور نیچے اُتر گیا۔

پٹرول کا ٹین اور چادر بدستور اُسی جگہ موجود تھے جہاں حمید نے انہیں چھپایا تھا۔

پھر وہ انہیں اُس مقام پر لایا جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ فریدی ٹارچ کی روشنی میں قر
جوار کی زمین کا جائزہ لینے لگا۔ ایک جگہ تین چار دیا سلائیاں پڑی ہوئی ملیں۔

"غالباً گھبراہٹ میں گر گئی ہوں گی۔" فریدی بولا۔ "آدمی بہت زیادہ دلیر نہیں ہوتا۔"

زمین سخت تھی اس لئے قدموں کے نشانات دیکھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ پھ
فریدی نے اس کے امکانات کو نظر انداز نہیں کیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ واپس لوٹ رہے تھے۔

"پرویز کے نوکروں کا کیا ہوا۔" حمید نے پوچھا۔

"کچھ نہیں! ان کا کیا ہوتا۔"

"بہر حال بڑا پیچیدہ معاملہ ہے۔" حمید نے کہا۔

"اب نہیں رہ گیا۔" فریدی بولا۔ "تھوڑی دیر قبل ضرور تھا۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"میں تم سے کب کہتا ہوں کہ سمجھو۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

پھر بقیہ راستہ خاموشی ہی سے طے ہوا۔

گھر پہنچ کر فریدی اور جگدیش نے کھانا کھایا۔ دورانِ طعام میں جگدیش نے اس کیس
متعلق کئی بار گفتگو کرنی چاہی لیکن فریدی نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ خود بھی ابھی معاملا
نوعیت کو بخوبی نہیں سمجھ پایا ہے۔

جگدیش کے چلے جانے کے بعد فریدی نے خود ہی گفتگو چھیڑ دی۔

"اگر یہ ربر کا نمونہ نہ ملتا تب بھی ہم اس نتیجے پر ضرور پہنچتے۔"

"کس نتیجے پر۔" حمید نے پوچھا۔

"یہی کہ اس کمرے میں ایک ربر کا مجسمہ تھا۔"

"تو کیا وہ اُسی کمرے میں تھا۔"

"جناب۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "اُس بڑے صندوق میں وہ مجسمہ ہی لایا گیا تھا۔"

"کہاں سے؟"

"شہر کی ایک جاپانی فرم سے جو کھلونوں کا کاروبار کرتی ہے۔ غالباً پرویز نے باقاعدہ آرڈر
ے کر اُسے بنوایا تھا اور میرا خیال ہے کہ اس پر کافی پیسہ صرف ہوا ہوگا۔"

"فرم کے متعلق آپ کو کیسے معلوم ہوا؟" حمید نے پوچھا۔

فریدی نے جیب سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکال کر حمید کے سامنے رکھ دیا۔ اس پر "جاپانیز
جنٹس کارپوریشن۔" چھپا ہوا تھا۔

"یہ پرچہ اُسی صندوق میں ملا تھا۔" فریدی بولا۔

"بات کچھ کچھ سمجھ میں آتی ہے۔" حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ بھی فی الحال
اس ہی ہے۔"

"چلو قیاس ہی سہی! لیکن یہ بات تو ماننی ہی پڑے گی کہ ابھی تم اسی مجسمے کی شکل کی ایک لاش
کھ چکے ہو۔ اور وہ بھی پرویز کی کوٹھی کے ایک پُراسرار کمرے میں۔"

"چلئے مان لی میں نے یہ بات.... پھر....؟"

"پھر یہ کہ پرویز کے عجیب و غریب عادات و اطوار۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اچھا صاحب زادے تم نے اُس چھوٹے اور سیاہ رنگ کے صندوق کو بھی دیکھا ہوگا۔ جو ایک
وٹی سی میز پر رکھا ہوا تھا۔"

"کچھ یاد تو پڑتا ہے۔"

"اُسے بھی دیکھنے کی زحمت گوارا کی تھی تم نے۔"

"نہیں۔"

"اگر تم دیکھتے بھی تو اُس کی اہمیت کو نظر انداز کر جاتے۔"

"کیوں؟ کیا چیز تھی اس میں۔"

"کچھ بھی نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "وہ حقیقتاً گراموفون تھا۔"

"گراموفون؟" حمید نے احمقوں کی طرح دہرایا۔

"ہاں گراموفون؟.... کیا سمجھے؟"

"گراموفون ہی سمجھا؟"

"ڈیوٹ ہو! آخر اس کمرے میں گراموفون کا کیا کام؟ اور وہ بھی صرف گراموفون ندارد۔ پورے گھر میں ایک بھی ریکارڈ نہ مل سکا۔"

"تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔" حمید نے کہا۔ "میرے خیال سے وہ ایک ہونے کی بناء پر اس کمرے میں ڈال دیا گیا ہوگا۔ وہ کمرہ غالباً اسٹور روم کی حیثیت سے ا جاتا ہے۔ کیونکہ نہ تو اس میں الیکٹرک فٹنگ ہے اور نہ کھڑکیاں وغیرہ۔"

"ٹھیک ہے! لیکن گراموفون کی اُن استعمال شدہ سوئیوں کے بارے میں کیا کہو گے میز پر پائی گئی ہیں۔"

"تو کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ چیخیں۔"

"بہت دیر میں سمجھے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "پرویز روزرات کو ایسا ریکارڈ بجاتا تھا صرف چیخیں تھیں۔"

"لیکن وہ ریکارڈ۔"

"اس مجسمے کی طرح وہ بھی گراموفون سے غائب کر دیا گیا۔"

"فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا اور پھر حمید لاکھ کوششوں کے باوجود بھی اُ پر آمادہ نہ کر سکا۔"

وہ کون تھی

دوسری صبح فریدی نے سب سے پہلے اسپتال فون کیا۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ پرویز کی نیند جاری ہے اور یقین کے ساتھ یہ بتانا دشوار ہے کہ اس کا سلسلہ کب ختم ہوگا۔ ہو سکتا کے لئے سر کے آپریشن کی ضرورت بھی پیش آئے۔

فریدی ریسیور رکھ کر کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے سر اٹھا کر

رے کی طرف دیکھا۔ حمید ابھی تک خراٹے لے رہا تھا۔ فریدی نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا س کی ہدایت تھی کہ سوتے وقت کمرے کو کبھی مقفل نہ کیا جائے۔

"حمید....!" فریدی نے آواز دی۔

"ارے.... ہر.... ہر.... ہٹ.... ٹخ.... ٹخ۔" حمید نے بڑبڑا کر کروٹ لی۔

اور پھر فریدی نے جھنجھوڑ کر اُسے کھڑا کر دیا۔

"کیا مصیبت ہے؟" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔

"خیر مجھے کیا۔ میں کہے دیتا ہوں کہ حمید صاحب نہیں ملنا چاہتے۔" فریدی لاپروائی سے بولا۔

"کس سے....!" حمید نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"ایک لڑکی ڈرائنگ روم میں تمہارا انتظار کر رہی ہے۔"

"لڑکی....!" حمید نے حیرت سے کہا پھر ہنس پڑا۔ "مجھے گھس رہے ہیں، بہت اچھے۔"

"تمہاری مرضی۔" فریدی شانوں کو جنبش دے کر جانے کے لئے مڑا۔

"ٹھہریئے۔ آپ نے میرے بڑے حسین خواب کا خون کر دیا ہے۔ میں خواب دیکھ رہا تھا جیسے میں مویشی خانے کا منشی بنا دیا گیا ہوں۔"

"تھے تو اسی قابل۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔

اور پھر حمید کو یقین کر لینا پڑا کہ حقیقتاً کوئی لڑکی ڈرائنگ روم میں اس کا انتظار کر رہی ہے۔ اس نے جلدی جلدی شیو کیا اور لباس تبدیل کر کے باہر نکلا تو فریدی کو ناشتے کی میز پر دیکھا جو نہایت اطمینان سے بیٹھا کافی کی چسکیاں لے رہا تھا۔

حمید کو پھر خیال آیا کہ شاید اُس نے اُسے اُلو بنایا ہے۔ لہٰذا وہ ڈرائنگ روم کی طرف جانے کی بجائے سیدھا ناشتے کی میز کی طرف بڑھا۔

"آج موسم خوشگوار ہے۔" اُس نے اپنے سامنے کی پلیٹ سیدھی کرتے ہوئے کہا۔

"کل بھی خوشگوار تھا۔" فریدی بولا۔

"امید ہے کہ پرسوں بھی رہے گا۔" حمید نے کہا اور کافی انڈیلنے لگا۔

"تو کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ چلی گئی۔" فریدی چونک کر بولا۔

"مجھے اُسی وقت سے معلوم ہے جس وقت آپ نے اس کی آمد کی خوشخبری سنائی تھی۔" حمید

لاپروائی سے بولا۔

"تم شاید مذاق سمجھے ہو۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "یہ لو۔"

اس نے اس کی طرف کاغذ کا ایک ٹکڑا بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اپنا پتہ دے گئی ہے اور کہہ گئی ہے کہ جلدی کی وجہ سے وہ انتظار نہیں کر سکتی۔ حمید صاحب کو بھیج دیجئے گا.... تم اُسے کب سے جانتے ہو۔"

حمید نے تحریر پر نظر ڈالی، لیکن مس رعنا سلیم کی شخصیت اس کے ذہن کے گوشے میں نہ ابھری۔ سرسری جان پہچان والیوں میں بھی شاید اس نام کی کوئی نہیں تھی۔

پتہ چار بٹا سولہ۔ دارو والا بلڈنگ تھا۔ اُسے یہ بھی یاد نہیں آرہا تھا کہ اس نے کبھی اُس عمارت ہی میں قدم رکھا ہو۔

"میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہے؟" حمید کاغذ پر نظر جمائے ہوئے آہستہ سے بولا۔

"بکتے ہو۔" فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"آپ کو یقین نہ آئے گا۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "لڑکی فراڈ معلوم ہوتی ہے، خیر میں دیکھوں گا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید تھوڑی دیر تک انتظار کرتا رہا کہ شاید کچھ کہے لیکن اس کی مسلسل خاموشی نے خود اُسے ہی بولنے پر مجبور کر دیا۔

"آج کا پروگرام۔"

"کوئی خاص نہیں۔" فریدی نے بے دلی سے کہا۔

"کیا آپ اس کیس میں دلچسپی نہیں لے رہے ہیں۔"

"قطعی لے رہا ہوں۔"

"پھر....؟"

"پھر کیا؟ ابھی تک کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچا۔"

"اگر میری موجودگی ضروری نہ ہو تو....!" حمید جملہ ختم کئے بغیر ہی خاموش ہو گیا۔

"میں جانتا ہوں کہ وہ تمہاری پرانی شناسا ہے اور تم اُس سے ملنے کے لئے ضرور جاؤ گے بہر حال میں تمہیں روکتا نہیں۔"

"شکریہ....!" حمید نے سعادت مندانہ انداز میں کہا۔

تھوڑی دیر بعد حمید کی موٹر سائیکل دارو والا بلڈنگ کی طرف جا رہی تھی۔ دارو والا بلڈنگ شہر کی مشہور عمارتوں میں سے تھی۔ اس کی شہرت کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اس کی تیسری منزل پر محکمہ خوراک کے دفاتر تھے۔ پہلی دوسری اور چوتھی منزلوں کے فلیٹ رہائش کے لئے استعمال ہوتے تھے اور ان کا کرایہ اتنا زیادہ تھا کہ صرف ذی حیثیت لوگ ہی اُن میں رہ سکتے تھے۔

حمید چوتھی منزل پر پہنچ کر سولہ نمبر کے فلیٹ کے سامنے رک گیا، جو مقفل تھا۔ دروازے کی داہنی جانب مس رعنا سلیم کے نام کی تختی نظر آئی اس کا رہا سہا شبہہ بھی رفع ہو گیا۔ ورنہ راستہ بھر وہ سوچتا آرہا تھا کہ کہیں احمق نہ بننا پڑے۔ وہ فریدی کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھا۔ جب بھی حمید اُسے چوٹ دینے کی کوشش کرتا اس کی طرف سے جوابی کاروائی ضرور ہوتی۔ پچھلی رات اُس نے اُسے اُس مجسمے کے سلسلے میں بیوقوف بنانے کی کوشش کی تھی لہٰذا اُسے خدشہ تھا کہ فریدی اُس کا بدلہ ضرور لے گا۔

حمید کھڑا سوچ رہا تھا کہ برابر والے فلیٹ سے ایک لڑکی نکلی اور حمید کو وہاں کھڑے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ حمید نے پہلی ہی نظر میں اس کا پورا جائزہ لے لیا تھا۔ وہ ایک قبول صورت اور الٹرا موڈرن قسم کی لڑکی تھی۔ عمر اٹھارہ انیس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ نیلے اسکرٹ میں وہ کافی حسین لگ رہی تھی۔

حمید نے اپنی فلٹ ہیٹ اتاری اور مودبانہ انداز میں بولا۔

"کیا آپ مس رعنا سلیم کے متعلق کچھ بتا سکیں گی۔"

لڑکی نے تحیر آمیز نظروں سے اُسے دیکھا اور پھر خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"آپ ٹھہریئے۔ میں انہیں بلائے دیتی ہوں۔ غالباً نچلی منزل میں ہوں گی۔"

حمید اُس کا انتظار کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک گرانڈیل قسم کے ادھیڑ آدمی کیساتھ واپس آئی۔ پھر وہ تو اپنے فلیٹ میں چلی گئی اور وہ آدمی کھڑا حمید کو گھورتا رہا۔ اس نے خاکی گبرڈین کے پتلون پر چوڑی دھاریوں والی بنیائین پہن رکھی تھی۔ حمید نے یہ بھی محسوس کیا کہ وہ نشے میں ہے۔

"کیوں.... بیٹا؟" وہ بھاری بھر کم آواز میں غرایا۔

"کیا مطلب....!" حمید کی بھنویں تن گئیں۔

"ڈھمپ کٹل! مطلب پوچھتے ہو۔" اُس نے ہنس کر کہا۔ "کہاں ہے لونڈیا؟"

"ہوش میں ہو یا نہیں۔" حمید کو غصہ آگیا۔

"لونڈیا کہاں ہے؟ مارتے مارتے ڈھمپ کٹل بنادوں گا۔ بتاؤ لونڈیا کہاں ہے ڈھمپ کٹل۔"

"شٹ اپ....!"

"شٹ اپ سے کام نہیں چلے گا ڈھمپ کٹل۔ کل رات وہ تمہارے ہی ساتھ گئی تم ڈھمپ کٹل اب ردا جانے آئے ہو۔ بتاؤ ورنہ بھیجا پھاڑ دوں گا۔"

حمید چکرا گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ برابر والے فلیٹ میں دستک دے یا اُسی الجھارہے۔ اُسے ساتھ لانے والی اتنی بے تکلفی سے اپنے فلیٹ میں چلی گئی تھی جیسے تھوڑی دیر قبل اُس سے اور حمید سے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔

"میں رعنا سلیم کے متعلق پوچھ رہا تھا۔" حمید نے نرمی سے کہا۔

"اور نہیں تو کیا میں اُس کی ماں کے بارے میں کہہ رہا ہوں ڈھمپ کٹل! بتاؤ لونڈیا کہاں ہے۔"

"ہوں۔" حمید اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "اور یہ ڈھمپ کٹل کیا ہے۔"

"ڈھمپ کٹل ہے۔ بتاؤ لونڈیا کہاں ہے۔"

اس بار حمید کی زبان نہیں چلی بلکہ ہاتھ چلا۔ وہ نشے میں تو تھا ہی۔ تھپڑ کا بار نہ سنبھال سکا لڑکھڑایا تو پیٹھ کھڑکی سے جا لگی۔ کھڑکی شائد اندر سے بند نہیں تھی۔ اس کے دونوں پٹ کھل گئے اور توازن برقرار نہ رکھ سکنے کی بناء پر اس کی کمر دوہری ہو گئی۔ اس کے منہ سے ایک کریہہ نکلی اور وہ دونوں ہاتھوں سے کمر تھام کر بیٹھ گیا۔ اس پر سے حمید نے ایک ٹھوکر بھی جڑ دی۔

لیکن دوسرا لمحہ ایسا نہیں تھا کہ اُسے اس آدمی کی طرف دھیان دینے کا موقعہ ملتا وہ بیٹھا رہا تھا اور ارد گرد کے فلیٹوں سے لوگ نکلنے لگے تھے

حمید کی نظریں کھڑکی سے گذر کر کمرے کے اندر لگی ہوئی ایک بڑی تصویر پر جم گئیں اور سو فیصدی اسی عورت کی تصویر تھی جس کی لاش وہ پچھلی رات کو پرویز کے یہاں دیکھ چکا تھا۔ نے پھر ایک اچٹتی سی نظر ان لوگوں پر ڈالی جو فلیٹوں سے نکل کر بالکنی میں جمع ہو رہے تھے۔ اسکرٹ والی لڑکی چوٹ کھائے ہوئے آدمی کو فرش سے اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ حمید اس بات پر بڑی حیرت ہو رہی تھی کہ فلیٹ والوں نے یہ تک جاننے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی

کہ کیا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے انہیں چوٹ کھانے والے سے ذرہ برابر بھی ہمدردی نہ ہو۔

"سالے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ ڈھمپ کٹل۔" وہ پھر اٹھ کر حمید کی طرف جھپٹا۔ لیکن اس حمید کی ٹانگ چل گئی اور اُسے خود ہی اعتراف کرنا پڑا کہ اس نے اس سے پہلے کبھی اتنی شاندار اس (غالباً فارسی میں "چپ راست") نہیں ماری تھی۔ وہ پھر ڈھیر ہو گیا اور اس بار اس کا سر ار سے ٹکرا گیا۔ وہ بیہوش ہو گیا تھا۔

نیلے رنگ کے اسکرٹ والی لڑکی پھر نیچے کی طرف جانے لگی۔

"ٹھہرو۔" حمید نے اُسے مخاطب کیا۔ "ادھر چلو! تم نیچے نہیں جا سکتیں۔"

"کیوں؟" وہ پلٹ کر حمید کو گھورنے لگی۔

"اپنے فلیٹ میں جاؤ۔" حمید تحکمانہ لہجے میں بولا۔

"نہیں جاتی.... تم کون ہو۔ میں ابھی پولیس کو اطلاع دیتی ہوں۔"

"میں پولیس کا باپ ہوں.... اندر جاؤ۔"

لڑکی نے تماشائیوں کی طرف دیکھا لیکن ان میں سے کسی نے بھی اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کی۔

معاملات آہستہ آہستہ حمید کی سمجھ میں آتے جا رہے تھے۔

"لڑکی.... مجھے سختی پر مجبور نہ کرو۔ میں تمہیں اچھی طرح پہچانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں یہ شریف آدمی تمہاری طرف داری کیوں نہیں کر رہے ہیں۔ اندر جاؤ۔"

بیہوش آدمی ابھی تک وہیں پڑا ہوا تھا کسی نے یہ بھی دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا۔ دفعتاً حمید نے آگے بڑھ کر اس لڑکی کا ہاتھ پکڑا اور اُسے اس کے فلیٹ میں دھکیل کر دروازہ باہر سے بند کر لیا۔

"آپ کون ہیں؟" تماشائیوں میں سے ایک نے پوچھا۔

"سرکاری آدمی۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "ذرا ادھر آیئے۔"

حمید رعنا سلیم کے فلیٹ کی کھلی ہوئی کھڑکی کے سامنے کھڑا تھا۔ اُس آدمی کے قریب پہنچتے ہی اُس نے تصویر کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"وہ رعنا سلیم ہی ہے۔"

"جی ہاں!" اس نے سر ہلا کر کہا اور حمید کی طرف حیرت سے دیکھنے لگا۔

"اس کا رعنا سے کیا تعلق ہے۔" حمید نے بیہوش آدمی کی طرف اشارہ کیا۔

"تعلق! کیا بتاؤں۔" اس نے کہا۔ "ان سب نے مل کر ہماری زندگی تلخ کر رکھی ہے۔ ہی کیا آپ نے جو مارتھا کو نیچے نہیں جانے دیا ورنہ وہ اس کے ساتھیوں کو بلا لاتی۔"

"ان دونوں کے علاوہ کوئی اور بھی لڑکی یہاں ایسی ہے۔"

"نہیں..... صرف یہی دونوں..... اور یہ ٹائیگر۔" اس نے بیہوش آدمی کی طرف ا کر کے کہا۔ "ایک خطرناک قسم کا غنڈہ ہے۔ ان دونوں سے پیشہ کراتا ہے۔"

"کیا اس کا نام ٹائیگر ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"نام کوئی نہیں جانتا۔ وہ خود کو فخریہ ٹائیگر کہتا ہے اور امریکی ڈاکوؤں کی طرح کا لباس پہنتا ہے

"ہوں..... یہاں کہیں قریب فون ہے۔"

"جی ہاں..... میرے فلیٹ میں۔" تماشائیوں میں سے ایک نے کہا۔ "میرے ساتھ آیئے

"آپ لوگوں نے پولیس کو اس کی اطلاع کیوں نہیں دی۔" حمید نے اس سے پوچھا۔

"اپنی شامت بلواتے یہ اور اس کے ساتھی ہمیں زندہ نہ رہنے دیتے۔ معاف کیجئے گا پو خود اس سے پیسے کھاتی ہے۔"

تھوڑی دیر بعد حمید انسپکٹر جگدیش کو فون کر رہا تھا۔

"ہیلو..... انسپکٹر جگدیش..... میں حمید بول رہا ہوں..... مقتولہ کی رہائش کا پتہ چل گیا۔ والا بلڈنگ کی چوتھی منزل پر فوراً پہنچو۔"

حمید سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی کو مقتولہ کا ٹھکانہ کیسے معلوم ہوا۔ اُسے اُس کے نام کا کیونکر ہوا۔ یہ بات تو اُس کی سمجھ میں اچھی طرح آگئی تھی کہ اس وقت فریدی نے دراصل سے پچھلی رات والی شرارتوں کا بدلہ لیا تھا۔

"اس غنڈے کے دوسرے ساتھی کہاں ہوں گے۔" حمید نے ایک سے پوچھا۔

"نیچے پہلے مالے میں فرینڈز ہوٹل جو ہے نا۔ وہ اسی سالے کا ہے اور اس کے ساتھی وہ ہوتے ہیں۔"

دارو والا بلڈنگ سے کوتوالی زیادہ دور نہیں تھی اس لئے جگدیش کو وہاں پہنچنے میں دیر نہ لگی

"فریدی صاحب کہاں ہیں۔" جگدیش نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" حمید بولا۔ "سب سے پہلے اُن غنڈوں کو پکڑنا ہے۔"

فلیٹ والوں کی شناخت پر ٹائیگر اور اس کے ساتھیوں کو حراست میں لے لیا گیا۔ ٹائیگر کو ہوش آگیا تھا اور وہ بوکھلائی ہوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ نیلے اسکرٹ والی مارتھا بھی حراست میں لے لی گئی۔ یہ بات تو ظاہر ہی ہو چکی تھی کہ وہ لوگ ان لڑکیوں سے پیشہ کراتے تھے لہٰذا حمید نے اُن سے رعنا کے متعلق پوچھ گچھ شروع کی۔

"تم نے یہ کیسے اندازہ لگا لیا تھا کہ کل رات کو رعنا جس کے ساتھ تھی وہ میں ہی تھا۔" حمید نے مارتھا کو مخاطب کیا۔

"میں نے اس کی شکل نہیں دیکھی تھی۔" مارتھا نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن اس نے سوٹ اسی قسم کا پہن رکھا تھا۔"

"کیا وہ یہاں آیا تھا؟"

"نہیں۔"

"پھر تم نے انہیں کہاں دیکھا تھا۔"

"آر لکچو میں۔"

"تو تم نے اس کا چہرہ نہیں دیکھا۔"

"نہیں۔"

"یہاں اُس کے پاس کون کون آتا تھا۔"

"یہاں کوئی نہیں آتا۔" مارتھا نے کہا اور سر جھکا لیا۔

"سوسائٹی گرلز والا رویہ ہوگا ان کا۔" جگدیش مسکرا کر بولا۔

"کچھ ایسے آدمیوں کے متعلق بتا سکتی ہو جن کے ساتھ تم نے اُسے کبھی دیکھا ہوگا۔"

"یہ بتانا مشکل ہے۔ ہم دونوں کبھی ساتھ نہیں رہے۔"

"کیا تم جانتی ہو کہ کسی نے اُسے پچھلی رات کو قتل کر دیا؟"

"کیا.....؟" مارتھا چیخ اٹھی۔ اس کی آنکھیں خوف اور حیرت سے پھیل گئیں تھیں۔

"صاحب ہم بے قصور ہیں۔" ٹائیگر ہاتھ جوڑ کر گڑگڑایا۔ اس کے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

حمید رعنا سلیم کے فلیٹ کی تلاشی لینے کے متعلق سوچنے لگا۔

ایک تصویر

واپسی پر حمید کا سینہ فخر سے پھولا ہوا تھا۔ پورٹیکو میں قدم رکھتے ہی اُس نے انگریزی م میں سیٹی بجانی شروع کر دی۔ تلاشی کے دوران میں اس نے چند ایسی چیزیں دریافت کی تھیں کی اس کی نظروں میں بڑی اہمیت تھی۔

نوکروں سے معلوم ہوا کہ فریدی تجربہ گاہ میں ہے۔ حمید بڑی شان سے زینے طے کر اوپری منزل پر پہنچا۔ فریدی ٹسٹ ٹیوب میں کوئی سیال شے ڈالے ہوئے اسپرٹ لیمپ کی گر ش دے رہا تھا۔ حمید کی آہٹ پر اس نے سر اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا اور پھر مشغول ہو گ

حمید تھوڑی دیر تک خاموش کھڑا رہا لیکن جب فریدی اس کی طرف متوجہ نہ ہوا تو وہ خود ہی ب

"رعنا سلیم آپ کے حسن کی بڑی تعریف کر رہی تھی۔"

"میں جانتا ہوں کہ تم کوئی حماقت کر کے آئے ہو۔" فریدی بدستور سر جھکائے ہوئے بو

"جی ہاں! میں نے اُس سے آپ کی شادی طے کر دی ہے۔"

"شکریہ۔" فریدی لاپروائی سے بولا اور پھر ٹسٹ ٹیوب کو اسپرٹ لیمپ سے ہٹا کر آنکھ کے قریب لے جاتا ہوا بڑبڑایا۔ "یہ ذرات تحلیل نہیں ہو سکتے۔"

"خواہ میری کھوپڑی تحلیل ہو کر دریائے نربدا ہو جائے۔" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھی بولا۔

"کیا مضائقہ ہے؟ لیکن یہ ذرات۔"

"میں کہتا ہوں آخر اس طرح اُلو بنانے کی کیا ضرورت تھی۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"محض اس لئے کہ میں تمہیں انگلی پکڑ کر نہیں چلانا چاہتا۔"

"نہیں بلکہ گردن پکڑ کر دھکا دینا چاہتا ہوں۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"سنو! اس کیس کو تمہیں ہی نپٹانا ہے۔ میں آج کل بہت مشغول ہوں۔" فریدی نے ک ٹسٹ ٹیوب کی سیال شے ایک برتن میں انڈیل دی۔ پھر اس نے رومال سے دونوں ہاتھ

کے سگار سلگایا اور حمید کے چہرے پر نظریں جماتا ہوا بولا۔ "بک چلو۔"

"بک بک بک۔" حمید نے ٹہلنا شروع کر دیا اس حرکت میں جھنجھلاہٹ بھی شامل تھی۔

فریدی ہنس پڑا۔

"میں کہتا ہوں اگر میں پٹ جاتا تو۔" حمید پلٹ پڑا۔

"آئندہ کے لئے سعادت مند ہو جاتے اور کیا۔"

حمید نے سوچا کہ زیادہ بات بڑھانا مناسب نہیں آخر اسے اپنی کارگزاریوں کی دھاک بھی تو انی تھی۔

"آپ کو اس کا نام اور پتہ کیسے معلوم ہوا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"اس کے ملاقاتی کارڈ سے، جو اس کے پرس سے برآمد ہوا تھا۔"

"رات آپ نے اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔"

"کیوں؟"

"یونہی....!"

"اس تصویر کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔" حمید نے اپنی جیب سے ایک تصویر نکال کر یڑی کے سامنے ڈال دی۔ یہ اُسی تلاشی کے دوران میں ملی تھی۔

"معاملہ بالکل صاف ہو گیا۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

اُس تصویر کے متعلق حمید نے بھی کچھ سوچا تھا لہٰذا وہ فریدی کی رائے معلوم کرنے کے ئے بے چین ہو گیا۔

"اور یہ کہ وہ ایک پیشہ ور قسم کی سوسائٹی گرل تھی۔" حمید نے کہا اور پوری روداد دہرا دی۔

فریدی خاموش ہو گیا۔ اس کا چہرہ صاف بتا رہا تھا کہ وہ بہت تیزی سے سوچ رہا تھا۔ دفعتاً وہ ئی خیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"اس نے اُن دونوں کو آرلکچو میں کس وقت دیکھا تھا؟" فریدی نے پوچھا۔

"ساڑھے چھ اور سات کے درمیان۔"

"ٹھیک۔" فریدی پھر سوچ میں پڑ گیا۔

حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا لیکن پھر فریدی کی خاموشی برداشت سے باہر ہو گئی۔

"ابھی آپ نے کہا تھا کہ معاملہ صاف ہو گیا۔"

"اوں!" فریدی نے چونک کر انگڑائی لی اور حمید کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"معاملہ قطعی صاف ہو گیا۔ پرویز حقیقتاً وہاں اس عورت کی موجودگی سے لاعلم نے اسی ربر کے مجسمے کے دھوکے میں اس کی گردن دبادی۔"

"کیا پرویز کو ہوش آ گیا۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"پھر آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔"

"اس سلسلے میں جتنے بھی واقعات پیش آئے ہیں انہیں یکجا کر کے ترتیب دے لو او کی پچھلی زندگی اور اسکے عادات واطوار کی روشنی میں ان کا جائزہ لو۔ بات سمجھ میں آجا۔

"مجھے ان لوگوں کے بیان پر شبہ ہے۔" حمید بولا۔

"کیوں؟"

"مجھے وہ بھی اس سازش میں شریک معلوم ہوتے ہیں۔"

"کیا تم قتل کے مقصد سے واقف ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں؟"

"پھر تم نے لفظ سازش کیسے استعمال کیا۔"

"میرا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی پرویز سے ملے ہوئے ہیں۔"

"غلط سمجھے.... یہ ہو سکتا ہے کہ وہ سب یا ان میں سے کوئی اُس آدمی سے تعلق رَ کی وجہ سے یہ حادثہ رونما ہوا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"یہ قتل پرویز سے نادانستگی میں کرایا گیا ہے۔"

"کس طرح؟"

"جس طرح تمہاری کھوپڑی الٹ گئی ہے۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "میں جانتا ہو وقت تمہارا ذہن اس عورت میں الجھا ہوا ہے جسے پولیس کے سپرد کر آئے ہو۔"

"اس سے میں بہت بڑے بڑے کام لینے کا ارادہ رکھتا ہوں۔" حمید اکڑ کر بولا۔

"بکو مت۔" فریدی تجربہ گاہ سے نکل کر نیچے چلا گیا۔ حمید نے منہ بنا کر اپنے شانے سکوڑے ، بھی اُس کے پیچھے چل پڑا۔

فریدی ابھی زینوں ہی پر تھا کہ باہر کی گھنٹی بجی۔ شاید کوئی ملاقاتی تھا۔ وہ کچھ دیر صحن میں کھڑا بن جب کوئی کسی کا ملاقاتی کارڈ لے کر اندر نہ آیا تو وہ خود ہی ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا۔ والا شاید اُسی کے محکمے سے تعلق رکھتا تھا ایسے لوگوں کے لئے ملاقاتی کارڈ کی رسمی قید نہیں ۔ وہ عموماً گھنٹی استعمال کرنے کے بعد ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر اس کا انتظار کرتے تھے۔

حمید برآمدے ہی میں تھا کہ فریدی ڈرائنگ روم سے واپس آ گیا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک تھا۔

"کچھ نہیں.... فضول.... میں پہلے ہی سمجھا تھا۔" وہ کاغذ پر نظریں جمائے ہوئے بڑبڑایا۔

"کیا....!"

"فنگر پرنٹ والوں کی رپورٹ ہے۔ پٹرول کے ٹین پر تمہاری انگلیوں کے نشانات کے علاوہ لچھ نہیں ملا۔"

"اس نے دستانے پہن رکھے ہوں گے؟"

"ہاں کافی ہوشیار آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"ہوگا.... اُس معاملے کو بھی تو صاف کیجئے نا۔" حمید اکتا کر بولا۔

فریدی تھوڑی دیر تک اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔

"پرویز نے اُس عورت کی نقل کیوں تیار کرائی تھی۔"

"بدبختی تھی سالے کی۔" حمید نے بھنا کر کہا۔

"اور چیخوں والا ریکارڈ کیوں بنوایا تھا۔" فریدی رو میں بولتا رہا۔ "اس کی شخصیت اتنی پُراسرار تھی؟ وہ دنیا سے بے تعلق اُس عمارت میں کیوں بند رہتا تھا؟ اس کے اندر اذیت پسندانہ بات کیوں پیدا ہوئے تھے؟"

حمید خاموش رہا۔

"اس نے دو ماہ قبل جاپانیز مرچنٹس کارپوریشن کے ذریعہ ایک ایسا مجسمہ تیار کرایا، جو ایک رت کی نقل تھا۔ ایک ایسا ریکارڈ تیار کرایا جس میں صرف چیخیں تھیں۔ کل رات اُسے اس

کمرے میں مجسمے کی بجائے اُس عورت کی لاش ملی جس کی نقل وہ مجسمہ تھا۔ پھر تم نے کسی آدمی کو دیکھا، جو اس مجسمے کو جلانے کی کوشش کر رہا تھا اس کا مطلب یہ ہوا کہ کل رات اس جگہ اس کی ہم شکل عورت نے لے لی تھی۔ آخر پرویز نے اُسے مار کیوں ڈالا؟ اور اعتراف کے ساتھ ہی ساتھ اپنی بے گناہی کیوں ثابت کرتا رہا۔"

فریدی خاموش ہو کر حمید کی طرف دیکھنے لگا پھر آہستہ سے بولا۔ "مرچنٹس کارپوریشن منتظم نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ وہ مجسمہ خاص طور سے آرڈر دے کر بنوایا گیا تھا۔ اس لئے پرویز نے اس عورت کی پوری تصویر دی تھی ساتھ ہی ریکارڈ کا آرڈر بھی۔"

"چلئے میں سمجھ گیا کہ وہ مجسمہ بنوایا گیا تھا؟" حمید نے کہا۔ "لیکن میں اس پر کیسے یقین کہ پرویز نے اُسے نادانستگی میں مار ڈالا۔"

"اس کی بھی وجہ ہے تم اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھ سکتے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ تم اس نقب کو کیوں بھول گئے۔ چلو خیر اسے بھی جانے دو۔ پرویز نے اگر اسے جان مار ڈالا تھا تو اس نے اُس کی لاش کو ٹھکانے کیوں لگا دیا اس کے لئے کافی موقع تھا ظاہر ہے رات بھر بھی اس کمرے میں بند رہتا تو کسی نوکر کی ہمت اس کے قریب آنے کی نہ پڑتی اُس کمرے ہی سے خائف تھے۔

"نہیں۔" حمید نے کہا۔ "میں اُس نقب کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ اُس نقب ہی کی رہا ہوں کہ پرویز نے اُسے جان بوجھ کر قتل کیا تھا اور اسے ٹھکانے لگا دینے کی کوشش اُس نے اُسے مار ڈالنے کے بعد خود ہی نقب لگائی مگر نہیں.... اگر یہ بات تھی تو وہ کمرے کس طرح پہنچی تھی۔"

فریدی نے قہقہہ لگایا۔ "بس بوکھلا گئے۔ چلو سنو! تمہارے پاس اس کا کوئی ثبوت اُس نے اُسے جان بوجھ کر یا اپنے ہوش میں قتل کیا۔ ہو سکتا ہے کہ میری تھیوری غلط ہو نے امکانات ہی کی روشنی میں اُسے مرتب کیا ہے۔ میری دانست میں کسی شخص نے، جو اس کے معمولات سے اچھی طرح واقف تھا اس عورت کو نقب کے راستے کمرے میں اُسے وہیں ٹھہرنے کی تاکید کر کے وہ ریکارڈ اور مجسمہ وہاں سے نکال لے گیا اور ہو سکتا نے وہاں دیا سلائی اور موم بتی بھی غائب کر دی ہو۔ اس کے جانے کے بعد پرویز اندر دا

اندھیرے میں اس عورت کو مجسمہ ہی سمجھ کر اس کا گلا گھونٹنے لگا ہو۔"

"بھلا مجسمے کا گلا گھونٹنے سے کیا مراد؟" حمید نے اُسے ٹوکا۔

"تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ گراموفون پر چیخوں کا ریکارڈ لگا کر اُس مجسمے کی پوجا کرتا رہا ہوگا۔ کیا نہیں نوکروں کا بیان یاد نہیں۔ کیا پرویز کی ان حرکتوں کا علم نہیں جو وہ ننھے ننھے پرندوں گلہریوں اور تتلیوں کے ساتھ کیا کرتا تھا۔ کیا تم اس کا مطلب بتا سکتے ہو کہ وہ نر پرندوں کو چھوڑ کر صرف مادہ پرندوں ہی کو کیوں اذیت دیتا تھا.... بہرحال" وہ تھوڑی دیر رک کر پھر بولا۔ "میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر وہ عورت اُسے روزِ روشن میں کہیں مل جاتی تو وہ اُسے زندہ نہ چھوڑتا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ.....!"

"قطعی! میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ اُس سے یہ قتل نادانستگی میں سرزد ہوا۔"

"آخر وہ کون ہو سکتی ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

"عورت.... عورت.... عورت۔" فریدی دانت پیس کر بولا۔

حمید اُسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

"یہ ایک ایسی ضرورت ہے جس سے پیچھا چھڑانا محال ہے؟ یہ صرف انہیں لمحات میں تم پر جان دیتی ہے جب تم نے اُس کے جذبات ابھار دیئے ہوں اور اس کے علاوہ وہ صرف ماں بن سکتی ہے، بہن بن سکتی ہے اور بیٹی بن کر وفادار رہ سکتی ہے۔"

"میں نہیں سمجھا؟" حمید بوکھلا کر بولا۔

"کچھ نہیں میں نے ایک غیر متعلق بات شروع کر دی تھی۔ ویسے مختصراً یہ کہ رعنا کبھی نہ کبھی پرویز کی بیوی ضرور رہی ہوگی۔"

"بیوی!" حمید تقریباً چیخ پڑا۔

"قیاس ہے۔ فی الحال میرے پاس اس کا واضح ثبوت نہیں۔"

"اگر وہ اس کی بیوی تھی تو میں بیویوں کے مستقبل سے مایوس ہوں۔"

"بیوی!" فریدی پُرخیال انداز میں بڑبڑایا۔ "شٹ اپ.... اس لفظ کو بار بار نہ دہراؤ۔"

"کیا کفن اور کافور دکھائی دینے لگتا ہے آپ کو۔" حمید ہنس پڑا۔

فریدی پھر کسی خیال میں ڈوب گیا۔

"نہ آپ شادی کرتے ہیں اور نہ دوسروں ہی کو شادی شدہ دیکھ سکتے ہیں۔" حمید نے چٹکی لی

"میں نہیں چاہتا کہ تمہارا محبوب ترین موضوع گفتگو دیر تک جاری رہے۔" اس نے کچھ چند لمحے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے کچھ سوچتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ "بہر حال وہ عو بھی دھوکے ہی میں ماری گئی۔"

"کیوں؟"

"تم شاید کچھ اور سوچ رہے ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "وہ وہاں مرنے کی نیت سے تو نہ آئی ہوگی

"ظاہر ہے۔"

"میرا تو خیال ہے کہ پرویز یہ جانتا ہی نہ رہا ہوگا کہ وہ بھی اسی شہر میں مقیم ہے۔" فریدی بجھا ہوا سگار سلگا کر کہا۔ "تم بالکل اُلو ہو! تم نے مجھے فون کیوں نہیں کیا۔ اُس دوسری لڑکی حراست میں نہ لینا تھا۔"

"کیوں....؟"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"ہزاروں حلیے تھے۔ خیر جو کچھ بھی ہوا بہتر ہی ہوا۔ اب کیا کرنا ہے؟" وہ سوالیہ نظروں حمید کو دیکھنے لگا۔

"غالباً پرویز کی بیہوشی رفع ہونے کا انتظار ہی بہتر رہے گا۔" حمید بولا۔

"مہمل۔" فریدی بڑبڑایا۔ "اس سے کیا ہوگا۔ وہ زیادہ سے زیادہ اپنا اور اس عورت کا نا ظاہر کروے گا۔ اس آدمی کے متعلق شاید وہ بھی کچھ نہ بتا سکے جو اس قتل کا باعث بنا ہے۔"

"کیوں؟"

"پھر وہی کیوں؟" فریدی جھنجھلا گیا۔ "تم آدمی ہو یا کسی کی نقل۔ یا افیون کھا رکھی ہے اس آدمی کو یہ یقین ہوتا کہ پرویز کی شخصیت پر روشنی ڈال سکے گا تو وہ ایسی حرکت ہی نہ کرتا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی کہنا کیا چاہتا ہے۔

"اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اُس نے اس عورت کو پرویز ہی کے ہاتھوں کیوں قتل کرایا فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔

"ضرور دیکھئے۔" حمید نے بے دلی سے کہا۔ وہ حقیقتاً اس لڑکی کے متعلق سوچنے لگا تھا جسے

پولیس کے حوالے کر آیا ہے۔ ان دنوں اس کی زندگی کچھ خشک سی گذر رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ تفتیش ہی کے بہانے اس سے تھوڑے بہت تعلقات پیدا کر لیتا تو یہ پہاڑ سے دن اور اُجاڑ سی راتیں اتنی گراں نہ گذرتیں وہ سوچتا رہا اور فریدی بولتا رہا۔ "پرویز کی نیند کا سلسلہ شاید ابھی ختم نہ ہو۔ سالہا سال کی بے خوابی کا شکار ذہن کچھ دن آرام ضرور کرے گا جس خلش نے اُسے نیند سے محروم کر دیا تھا وہ رفع ہو گئی۔"

"کون سی خلش؟" حمید چونک کر بے خیالی میں بولا۔

"یہ خلش کہ حمید کی موت فریدی کے ہاتھوں واقع ہوگی۔" فریدی نے اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"آخر آپ آج کاٹنے کو کیوں دوڑ رہے ہیں۔"

"تمہیں یہاں آنے کی بجائے آرلکچو میں جانا چاہئے تھا، ممکن ہے کہ وہ دونوں وہاں روز جاتے رہے ہوں۔"

"میں کہتا ہوں سیدھا راستہ اختیار کیجئے۔" حمید نے کہا۔ "پرویز کے نوکروں میں سے کوئی اس آدمی کو ضرور جانتا ہوگا۔ کیونکہ پرویز کا کوئی نوکر ہی اُسے پرویز کے معمولات سے باخبر کر سکتا ہے۔"

"مجھے یقین ہے کہ وہ سب اس سے لاعلم ہیں۔" فریدی کے لہجے میں خود اعتمادی تھی۔

دوسرا پاگل

تین دن گذر گئے۔ لیکن پرویز کی حالت میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ پھر بھی ڈاکٹروں کو توقع تھی کہ وہ خود ہی کسی وقت ہوش میں آجائے گا۔

اس دوران میں فریدی اور حمید دونوں بے حد مشغول رہے۔ حمید نے اپنے شبہے کے مطابق پرویز کے نوکروں کو ہر طرح ہلایا جلایا لیکن کوئی کام کی بات معلوم نہ ہو سکی۔ آرلکچو کی تحقیقات میں بھی مایوسی ہی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس سے فریدی نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ رعنا اور وہ گم نام آدمی روزانہ کے گاہکوں میں سے نہیں تھے۔ فریدی پرویز کے کاغذات میں بھی الجھا رہا۔ یہ بھی تو دیکھنا تھا کہ آخر پرویز کون ہے۔ اس کا ذریعہ آمدنی کیا ہے؟ اس کے دوسرے اعزہ بھی ہیں؟ اگر ہیں تو کہاں ہیں؟ حمید اس کی مصروفیات میں مخل نہ ہوا اور نہ ہی اس نے اس سے یہی دریافت کیا کہ اسے

کچھ کامیابی ہوئی یا نہیں اس کی وجہ دراصل یہ تھی کہ دارو والا بلڈنگ کے غنڈے مار تھا سمیر ضمانت پر رہا ہوگئے تھے اور حمید مار تھا کے ساتھ مصروف تفتیش تھا۔ فریدی نے بھی اس طرف دھیان نہیں دیا۔

آج بھی حمید نے پہلے ہی سے کوئی خاص قسم کا پروگرام بنا رکھا تھا لہٰذا جب فریدی نے اُسے اپنے ساتھ چلنے کو کہا تو وہ پھیل گیا۔

"میں کہیں نہیں جاسکتا! خواہ مخواہ مجھے بور نہ کیجئے۔ میں پرویز والے معاملے میں الجھا ہوا ہوں۔"

"اسی سلسلے میں تمہیں تکلیف دی جارہی ہے۔" فریدی بولا۔

"کیوں آپ نے تو کہا تھا کہ میں کسی دوسرے معاملے میں مصروف ہوں۔"

"فی الحال میں نے اُسے ملتوی کردیا ہے۔"

"لیکن میں دوسرا پروگرام بنا چکا ہوں۔"

"شٹ اپ....!" فریدی بگڑ کر بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم آج کل اسی بہانے کس قسم کا پروگرام بنا رہے ہو۔ تم کل رات بھی مار تھا کے ساتھ آر لکچو میں رقص کررہے تھے۔"

"تو پھر....!" حمید نے آنکھیں نکال کر کہا۔ "میں اس کی پوجا کرکے تو مجرم تک پہنچ نہیں سکتا۔"

"چلو کپڑے پہنو۔" فریدی نے اُسے اس کے کمرے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی کی کیڈیلاک کمپاؤنڈ سے سڑک پر نکل رہی تھی۔

"اب تو بتا دیجئے کہ ہمیں کہاں جانا ہے۔" حمید بے بسی سے بولا۔

"سعید آباد۔"

"کیا....؟" حمید اچھل کر بولا۔

"کیوں کوئی خاص بات۔"

"کون سا سعید آباد۔" حمید نے پھر پوچھا۔

"تو کیا اس صوبے میں کئی سعید آباد ہیں۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔

"جانتے ہیں آپ کتنی دور ہے سعید آباد۔"

"اٹھاسی میل۔"

"اس بھاگ دوڑ کا مطلب۔"

"پرویز کے سلسلہ نسب کا پتہ چل گیا ہے۔"

"جو غالباً عوج بن عنق سے ملتا ہوگا۔" حمید نے بیزاری سے کہا۔

"وہ سعید آباد کے ایک رئیس کا لڑکا ہے۔"

"کیسے معلوم ہوا۔"

"پرویز کے کاغذات سے۔" فریدی نے کہا۔ "اس کا سوتیلا بھائی اب بھی غالباً سعید آباد ہی رہتا ہے۔"

"سوتیلا بھائی؟" حمید چونک کر بولا۔

"ہاں.... لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہمارا شکار وہی ہو۔ ویسے بظاہر اس حادثے کا مقصد یہی ہوسکتا ہے کہ پرویز کی دولت ہتھیائی جائے۔"

"کیوں؟ یہ کس طرح؟"

"یہ اس طرح کہ اگر اُس شخص کا پتہ نہیں لگتا تو پرویز کا راستہ پھانسی کے تختے تک بالکل صاف ہے؟"

"اوہ....!"

"لیکن یہ بات پھر بھی صاف نہیں ہوئی کہ اس پُراسرار آدمی کو پرویز کے معمولات کا علم کیونکر ہوا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔

تین گھنٹے بعد وہ سعید آباد پہنچ گئے۔ دن ڈھل رہا تھا اور اس چھوٹے سے شہر پر اضمحلال سا طاری ہوتا جارہا تھا۔ سرور لاج تک پہنچنے میں انہیں کوئی دشواری نہ ہوئی۔ یہ پتھر کی سلوں سے بنی ہوئی ایک بہت بڑی عمارت تھی جس کے سامنے ایک کشادہ پائیں باغ تھا۔ باغ کی چہار دیواری جدید طرز کی تھی۔

فریدی کی کیڈی پھاٹک سے گذرتی ہوئی پورٹیکو میں جاکر رک گئی۔

حمید کی نظریں جوہر چیز کا مضحکہ خیز پہلو تلاش کرلینے میں کافی مشاق تھیں یہاں بھی محروم نہ رہ سکیں۔ اس نے برآمدے میں ایک عجیب الخلقت آدمی دیکھا۔ یہ تھا تو نوجوان العمر ہی لیکن کسی نے اپنا حلیہ بڑا مضحکہ خیز بنا رکھا تھا۔ اگر ڈھنگ سے ہوتا تو اس کی شخصیت یقیناً جاذب توجہ

ہوتی۔ اس نے نیلے رنگ کی سلک کا ایک لمبا سا لبادہ پہن رکھا تھا اور پیروں میں غالباً
کھال کے سلیپر تھے۔ ڈاڑھی مونچھیں صاف تھیں۔ سر کے نچلے حصوں میں گھنے اور سیا
بیچ کا حصہ بالکل صاف اور سپاٹ تھا۔ شاید اس نے اپنی بھنوئیں بھی مونڈ رکھی تھیں۔

فریدی اور حمید کو کار سے اترتے ہوئے دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا لیکن کچھ بولا نہیں۔ چہرے پر ایسی الجھن کے آثار نظر آرہے تھے جو تنہائی پسند آدمیوں کی طبیعت کا خاصہ ہو

"ہیلو....!" اس نے اپنی آنکھوں کو گردش دی۔

فریدی اور حمید اس کے قریب پہنچ چکے تھے۔ حمید کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اُ کے درمیانی حصے کی صفائی میں قدرت کا ہاتھ نہیں تھا بلکہ اُس پر اُسترہ چلایا گیا تھا۔

"کیا تنویر صاحب تشریف رکھتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"تنویر صاحب تشریف رکھتے ہیں فرمایئے۔" وہ کھنکھناتی ہوئی آواز میں بولا۔

فریدی نے اپنا ملاقاتی کارڈ اس کی طرف بڑھایا۔

"سی آئی ڈی انسپکٹر! گڈ گاڈ....! ہلو۔" وہ فریدی کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"میں تنویر صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"ملئے.... ملئے.... تشریف رکھئے۔" اس نے کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔

حمید نے معنی خیز انداز میں اس کی طرف دیکھا اور پھر فریدی کو گھورنے لگا۔

"اے منڈو!" اس نے شاید کسی نوکر کو پکارا۔ "بیگم صاحب کو بولو، سب دودھ بہا جار

"تو آپ ہی تنویر صاحب ہیں۔" فریدی نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

"جی ہاں۔" تنویر نے ہاتھ ملانے کے بجائے اپنی چھڑی فریدی کے ہاتھ میں د۔ دروازے کی طرف دیکھ کر چیخا۔ "ارے بھئی دودھ بہا جارہا ہے۔"

حمید پر تولنے لگا۔ اگر وہ تنہا ہوتا تو اس کا سر ضرور سہلاتا۔

"نہیں بہہ رہا ہے۔" دروازے سے ایک مترنم قسم کی نسوانی آواز آئی۔

حمید اور فریدی چونک کر مڑے۔ عورت قبول صورت اور دلکش تھی۔ عمر بیس کے درمیان میں رہی ہوگی۔ دونوں کھڑے ہو گئے۔

"بیگم آپ سے ملئے.... فرید احمد صاحب! سی آئی ڈی انسپکٹر۔"

فریدی۔" فریدی نے مسکرا کر قدرے جھکتے ہوئے تصحیح کی۔

تشریف رکھئے۔" بیگم نے پھر حمید کے کانوں میں شربت کی پچکاری لگائی۔

سب دودھ بہہ گیا؟" تنویر نے بچوں کی طرح اُس سے پوچھا۔

نہیں بہا؟" وہ جھنجھلا کر بولی۔

میں پرویز صاحب کے متعلق کچھ پوچھنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

پرویز بھائی!" مسز تنویر چونک پڑی۔ "ہاں ہاں فرمایئے۔"

انہیں ایک حادثہ پیش آگیا ہے؟"

سب اور کہاں؟" عورت تقریباً چیخ کر بولی۔

اوہ....!" تنویر ہاتھ ہلا کر بولا۔ "یہ پوچھو! زندہ ہے یا مر گئے۔"

حمید نے اُسے عجیب نظروں سے دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔

چپ رہئے۔" مسز تنویر بگڑ کر بولی۔ پھر فریدی کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ "کہاں پیش آیا بات ہے ہمیں تقریباً تین چار سال سے ان کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔"

"ہم اُن کے متعلق صرف ایک ہی بات معلوم کرنا چاہتے ہیں۔" تنویر پھر بولا۔ "زندہ ہیں یا ۔ اگر بیمار ہیں تو کب تک مر جانے کی امید ہے اور یہ کہ کچھ بینک بیلنس بھی ہے یا خالی ہاتھ ہے ہیں۔"

"تنویر ڈارلنگ.... خدا کے لئے۔" مسز تنویر ہاتھ اٹھا کر بولی۔

"وہ کئی دنوں سے بیہوش ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"ویری گڈ۔" تنویر اپنی ران پر ہاتھ مار کر اچھلا۔ "تب تو جلد ہی مرنے کی امید کی جاسکتی ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ مرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔" حمید نے اُسے آنکھ مار کر کہا۔

"ہائے سب دودھ بہا جارہا ہے" تنویر نے بیوی کی طرف دیکھ کر ہانک لگائی۔

"نہیں بہہ رہا ہے۔" وہ دانت پیس کر بولی۔ پھر فریدی سے مخاطب ہوئی "بتایئے نا کیسے ش ہوئے؟"

"انہوں نے ایک عورت کو مار ڈالا ہے۔"

"ہائے غضب!" مسز تنویر سینے پر ہاتھ مار کر اچھل پڑی۔

"ایک عورت نے انہیں مار ڈالا۔ ہپ ہپ ہرا۔" تنویر تالی پیٹنے لگا۔

"چپ رہو.... چپ رہو۔" اس کی بیوی اُسے جھنجھوڑ رہی تھی۔

بمشکل تمام تنویر خاموش ہوا۔ فریدی اُسے تیز نظروں سے گھور رہا تھا۔

"میں آپ سے کیا عرض کروں۔" اس کی بیوی جھینپے ہوئے انداز میں کہہ رہی تھی "گرمیاں شروع ہوتے ہی یہ ایسے ہو جاتے ہیں۔"

"تو اس خاندان میں سبھی ایسے ہوئے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"مطلب یہ کہ یہ مرض موروثی تو نہیں۔" فریدی بولا۔

"پرویز بھائی نے کسے قتل کر دیا۔ وہ کون عورت تھی؟"

"رعنا سلیم۔"

"نام تو بڑا حسین ہے۔" تنویر بولا۔ "خود بھی حسین رہی ہو گی۔ ارے بھئی دودھ بہا جا رہا۔"

"نہیں بہہ رہا ہے۔" اُس کی بیوی اس کا شانہ تھپکتی ہوئی بولی۔

"رعنا سلیم کون تھی؟" اس نے فریدی سے پوچھا۔

فریدی نے جیب سے وہی تصویر نکالی، جو حمید کو رعنا سلیم کے فلیٹ کی تلاش کے سلسلے میں ملی تھی۔ اس میں پرویز اور رعنا سلیم دونوں ساتھ تھے۔

"یہ عورت....!" مسز تنویر بے اختیار چیخی۔ "ہائے غضب ثمینہ باجی۔"

اُس نے اپنا منہ بازوؤں میں چھپا لیا۔

"ثمینہ....!" تنویر آہستہ سے بڑبڑایا۔ "لاؤ دیکھوں تو۔"

اُس نے تصویر زمین سے اٹھالی۔

"بے شک ثمینہ ہی ہے۔" اس نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔ پھر اپنی بیوی کی دیکھا جو بازوؤں میں منہ چھپائے رو رہی تھی۔ وہ اُس کے شانے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "ارے.... سارا دودھ بہا جا رہا ہے۔"

"دیکھا آپ نے۔" وہ فریدی کی طرف شکایت آمیز نظروں سے دیکھ کر بولا۔ "یہ بیوی ہے۔"

"ثمینہ سے پرویز کا کیا تعلق تھا۔" فریدی نے اُس کی بات کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

"وہ پرویز کی بیوی تھی۔ اس کے ہاتھوں ماری گئی.... اور یہ بیوی بھی....!"

"چپ رہو۔" مسز تنویر چیخ پڑی۔

"کیا ان دونوں کے تعلقات اچھے نہیں تھے؟" فریدی نے پوچھا۔

"پتہ نہیں!" تنویر منہ چڑھا کر بولا۔ "تم نے خواہ مخواہ میری ننھی منی بیوی کو رلا دیا۔ ثمینہ اس کی چچازاد بہن تھی.... ہائے سب دودھ بہا جا رہا ہے۔"

"محترمہ ہونے والی بات ہو کر رہتی ہے۔" فریدی نے اُسے دلاسا دیا۔

"کیوں مار ڈالا.... انہوں نے کیوں مار ڈالا۔"

"یہ تو ان کے ہوش میں آنے پر معلوم ہو گا۔"

"کیا ہوش میں آجانے کے امکانات ہیں۔" تنویر نے پوچھا۔

"کیوں نہیں۔"

"تب تو بیہوشی ہی فضول ہے۔" تنویر بولا۔ "یار کچھ ان کے بینک بیلنس کے متعلق تو بتاؤ۔"

"تنویر تم جانور ہو.... بالکل جانور۔" اس کی بیوی چیخی۔

"یہ دیکھئے یہ میری بیوی ہے.... میری جان میں بھی تمہیں مار ڈالوں گا۔"

"تمہارا خاندان ہی خونی ہے۔"

"پاندان! کیا کہا پاندان۔" تنویر بڑبڑایا۔ پھر فریدی سے پوچھنے لگا۔ "آخر خاندان کے نام پر مجھے پاندان کیوں یاد آجاتا ہے۔"

تنویر کے بیوی نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔ "چلو! اندر چلو۔"

"مائی ڈیئر انسپکٹر رخصت۔" تنویر نے فریدی کی طرف دیکھ کر مایوسی سے کہا۔ "یہ پاگل عورت مجھے قبر ہی میں دھکیل کر دم لے گی۔ ہائے سب دودھ بہا جا رہا ہے۔"

"نہیں بہہ رہا! اندر چلو۔" وہ اُسے دروازے کی طرف دھکیلتی ہوئی فریدی سے بولی۔ "میں ابھی آتی ہوں۔"

فریدی اور حمید عجیب نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد مسز تنویر واپس آگئی۔

"ہاں اب بتایئے انسپکٹر صاحب۔" اُس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "پوری گرمیاں مصیبت سے گذریں گی۔"

"میرا خیال ہے کہ پرویز صاحب کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں تھی۔"

"ان لوگوں کی نسل ہی ایسی ہے۔" وہ رازدارانہ انداز میں بولی۔ "ان کے باپ بھی تھوڑے سے جھکی تھے۔"

"پرویز اور ثمینہ کے تعلقات کیسے تھے؟" فریدی نے پوچھا۔

"پہلے تو اچھے تھے۔"

"پہلے سے کیا مطلب۔"

"پانچ سال قبل ہم سب اکٹھا رہا کرتے تھے۔ اس وقت ان کے باپ حیات تھے۔ ان کے انتقال کے بعد بٹوارہ ہو گیا۔ پرویز نے اپنی غیر منقولہ جائیداد بیچ ڈالی اور ثمینہ کو لے کر کہیں چلے گئے۔ اس کے بعد ان کا کچھ پتہ نہیں کبھی سننے میں آیا کہ افریقہ میں ہیں.... اور کبھی جنوبی افریقہ میں۔"

"ثمینہ آپ کی چچازاد بہن تھی۔"

"جی ہاں۔"

"اس کے والدین کا پتہ بتایئے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میرے علاوہ ان کا کوئی عزیز قریب زندہ نہیں۔"

"تنویر صاحب کے علاوہ پرویز کا کوئی اور وارث۔" فریدی نے پوچھا۔

"خدا کے لئے تنویر صاحب کی باتوں پر دھیان نہ دیجئے گا۔ گرمیوں بھر اُن کی یہی حالت رہے گی۔ اکثر مجھ سے کہتے ہیں کہ خدا کرے تم مر جاؤ تو میں دوسری شادی کروں۔ وہ بھی مر جا۔ تو تیسری کروں اور اسی طرح چوتھی.... پانچویں.... کل کہہ رہے تھے کہ میں اپنی پلکیں بھی کا ڈالوں گا۔ کبھی کبھی کہتے ہیں کہ چہرے پر اُبھری ہوئی ناک بُری لگتی ہے۔ خوبصورت آدمیوں چہرہ بالکل سپاٹ ہونا چاہئے۔ بعض اوقات اپنے دونوں کان پکڑ کر اکھاڑنے کی کوشش کر۔ ہیں۔ کہتے ہیں یہ کیا ادھر اُدھر نکلے ہوئے ہیں کیا خدا یہاں کنول کے پھول نہیں لگا سکتا تھا۔"

حمید ہنسنے لگا اور آہستہ سے بولا۔ "انہیں ایک شفاخانے میں داخل کرا دیجئے۔ ڈاکٹر حمید شفاخانہ.... تین دن میں ٹھیک ہو جائیں گے۔"

"اور یہ دودھ کا کیا قصہ ہے۔" فریدی نے پُر خیال انداز میں پوچھا۔

"دن رات باورچی خانے میں دودھ پکواتے رہتے ہیں۔ ذرا ذرا سی دیر بعد کہتے ہیں دیکھو ہ بہا جا رہا ہے۔ دودھ کبھی استعمال نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ مجھے صرف بالائی پڑنے کا منظر بڑا ن لگتا ہے۔ ہاں آپ نے کسی ڈاکٹر کا نام بتایا تھا۔"

"کوئی نہیں! یونہی۔" فریدی نے جلدی سے کہا۔ "تو پرویز کا کوئی اور وارث نہیں۔"

"جی نہیں! لیکن خدارا.... تنویر صاحب کی بات کو کوئی اہمیت نہ دیجئے گا۔" مسز تنویر نے کہا۔

کار میں لاش

کافی رات گئے فریدی اور حمید سعید آباد سے واپس ہو رہے تھے انہوں نے بڑی دیر تک اِدھر مر سر مارا تھا۔ سعید آباد کی کوتوالی میں بھی کچھ دیر ٹھہرے تھے۔ یہاں ساری پوچھ گچھ تنویر ہی ے متعلق ہوئی تھی۔ تنویر کے خاندان سے واقفیت رکھنے والے بھی یہ نہ بتا سکے کہ پرویز نے ان بود و باش اختیار کر رکھی تھی۔ تنویر کے متعلق سب نے تصدیق کی کہ گرمیوں میں اس کا اغی توازن گڑبڑا جایا کرتا ہے۔

تنویر کا شمار سعید آباد کے نیک نام اور خدا ترس لوگوں میں ہوتا تھا۔ فریدی نے اس کے علق جو معلومات فراہم کی تھیں انہیں مدِ نظر رکھتے ہوئے کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ پرویز لے معاملے میں اس کا بھی ہاتھ ہو سکتا ہے۔

"مگر اس کا پاگل پن عجیب ہے۔" حمید نے کہا۔

"ہے تو۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "لیکن۔"

وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"میں اس سے ایک بار پھر ملوں گا؟" حمید نے کہا۔

"مگر پاگلوں سے تو تم ڈرتے ہو۔"

"سنجیدہ قسم کے پاگلوں سے نہیں۔ میں انہیں پاگلوں سے ڈرتا ہوں جن سے جان پہچان نہ ہو۔ اچھا بھلا بتایئے میں کبھی آپ سے ڈرا ہوں۔"

فریدی شاید جواب دینے کے موڈ میں نہیں تھا یا پھر شاید کچھ اور سوچ رہا تھا۔

"آپ شاید اس کی بیوی کے متعلق سوچ رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "ہونا بھی چا
قدرتی بات ہے۔ جب کوئی مجرد آدمی کسی شادی شدہ جوڑے کو دیکھتا ہے تو دل میں ٹیس
اٹھتی ہے۔ اگر آج آپ شادی شدہ ہوتے تو آپ کی بیوی بھی بیچاری ملنے والوں سے یہی کہ
آپ ان کی باتوں کا بُرا نہ مانئے گا۔ یہ چوبیسوں گھنٹے سراغ رساں رہتے ہیں۔"

"یہ بات بھی اب صاف ہو گئی کہ ثمینہ پرویز کی بیوی تھی۔" فریدی بولا۔ "لیکن پیشہ کرتی تھ

"ٹھیک یاد آیا! آپ نے اس اطلاع سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ پرویز کی بیوی ہی ہو سک
آخر آپ نے اس کا اندازہ کیسے لگا لیا تھا۔" حمید نے کہا۔

فریدی کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "صرف بیوی ہی کی بیوفائی کسی آدمی کو اتنا بھیا
سکتی ہے۔"

"کیوں؟ کیا کسی محبوبہ کی بے وفائی آدمی کو انتقام پر نہیں اکسا سکتی۔" حمید نے کہا۔

"اکسا سکتی ہے لیکن ایسے معاملات میں یہ آگ دیر تک نہیں سلگتی.... محبوبہ کسی دوسر
ہو کر بچے جننے میں مشغول ہو جاتی ہے اور عاشق کچھ دنوں تک تو دردناک قسم کے فلمی گیت
رہتا ہے پھر وہ بھی اپنی راہ لگ لیتا ہے یا زیادہ تاؤ باز ہوا تو موقع ملنے پر انتقام لے لیتا ہے لیکن و
پہلی فرصت میں۔ زیادہ دنوں تک یہ روگ نہیں پالتا۔"

"لیکن میں نے تو ایسے بھی عاشق دیکھے ہیں جو محبوبہ کے بچوں سے خود کو ماموں
کہلواتے ہیں۔" حمید بولا۔ "مگر پرویز۔"

"پرویز تین سال سے تنہا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "ممکن ہے اُسے علم ہی نہ رہا ہو کہ ا
بیوی کہاں ہے اور کیا کر رہی ہے جب کوئی عورت اپنے شوہر کو چھوڑ دیتی ہے تو خواہ شوہر ک
سے محبت رہی ہو یا نہ رہی ہو اس کی مردانگی کو ضرور ٹھیس لگتی ہے۔ وہ اسے اپنی مردانگی کی
سمجھتا ہے اور ایک چوٹ کھائے ہوئے سانپ کی طرح انتقام کے لئے بیتاب رہتا ہے۔ پرویز
مجسمہ اسی لئے بنوایا تھا کہ اپنے اندر بھڑکتی ہوئی آگ پر چھینٹے دیتا رہے۔"

"کیا آپ اسے درست اور جائز سمجھتے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"یہ کسی معلم اخلاق سے پوچھو۔"

"نہیں میں آپ ہی سے پوچھتا ہوں۔ آپ کی ٹانگ تو دنیا کے ہر معاملے میں اڑی ہوئی ہے۔"

فریدی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "میرے خیال میں شادی عورت اور مرد کے
رمیان محض ایک سماجی معاہدہ ہے۔ اگر طرفین میں سے کوئی اس معاہدے کا احترام نہ کرے تو
ں کی سزا موت تو نہ ہونی چاہئے کیونکہ دنیا کا کوئی قانون عہد شکنی پر اتنی سخت سزا نہیں دیتا۔"

"مگر سوال پھر اُسی جھنجھلائی مردانگی، پر آپڑتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"جھنجھلائی ہوئی نہیں بلکہ مشتبہ مردانگی کہو۔"

"مشتبہ کیوں؟"

"ایسے معاملات میں بیوی کو قتل کر دینے والے معموماً اپنی مردانگی میں شبہ رکھتے ہیں۔ لہٰذا
ن کی غیر شعوری خواہش یہ ہوتی ہے کہ اپنی جنسی کمزوری کے اُس چلتے پھرتے اشتہار کو ہمیشہ
کے لئے ختم کر دیں اور یہ لاشعوری خواہش عموماً دیوانگی کی حد تک بڑھے ہوئے غصے کا لبادہ اوڑھ
ر ظاہر ہوتی ہے۔ یعنی یہ خواہش منطقی شعور کو احتساب کا موقع ہی نہیں دیتی اور عمل یعنی قتل
رزد ہو جاتا ہے۔"

"تو اسکا یہ مطلب ہوا کہ بیویوں کی بد چلنی کی وجہ عموماً شوہروں کی جنسی کمزوری ہوتی ہے۔"

"نہیں ایسا تو نہیں بہتیرے نامردوں کی بیویاں انتہائی پارسا ہوتی ہیں اور بہتیرے جوان
ردوں کی طوائفوں سے بھی بدتر۔ مثلاً وہ عورت جو جنسی بوالہوسی کا شکار ہے۔ فولاد کے آدمی کی
بھی پابند نہیں رہ سکتی۔ اُسے تو بس اپنی زندگی میں ہر آن اور ہر لحظہ نیا پن چاہئے۔"

"جنسی ابولہوسی کی وجہ کیا ہوتی ہے؟"

"ہوتی ہوگی کچھ مجھے یا تمہیں اس موضوع پر کوئی مضمون نہیں لکھنا ہے۔" فریدی اکتا کر بولا۔

"لیکن راستہ تو کاٹنا ہے۔" حمید نے جھٹکے دار آواز میں کہا۔

"تو عورت ہی کا تذکرہ کیوں۔" فریدی کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

"محض اسلئے کہ مجھے ایک عورت نے جنم دیا ہے اور عورت ہی قبر تک پہنچائے گی شعر سنئے۔

حباب آسا میں دم بھرتا ہوں تیری آشنائی کا،
نہایت غم ہے اس قطرے کو دریا سے جدائی کا"

"ابے سور یہ تصوف کا شعر ہے۔" فریدی ہنستا ہوا بولا۔

"یا شیخ! میں جانتا ہوں۔ ہمہ اوست کا دم بھرتا ہوں۔ جب عورت بھی وہی اور مرد بھی وہی تو پھر یہ حجاب کہاں تک درست ہے۔ یہ سارے قطرے ایک دن مل کر دریا بن جائیں گے۔"

"ظالم تو تو فرائڈ سے بھی دس ہاتھ آگے نکل گیا۔ اس نے پوری انسانی زندگی کو جنسیت کے سانچے میں ڈھالا تھا اور تو نے جنسیت کے ڈانڈے ابدیت سے ملا دیئے۔"

"میں اس موضوع پر ایک کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"تو ہتھکڑیوں کا ایک جوڑا ابھی سے مخصوص کر لیا جائے۔"

"کیوں ہتھکڑیاں کیوں۔ واہ جناب Sun Bath اور Health جیسے رسالے تو کھلے عام فروخت ہوں اور میری محققانہ تصنیف پر یہ عتاب.... کتاب کا نام "عشق مجازی سے عشق حقیقی تک ہوگا۔"

"لکھو گے کیا؟" فریدی مسکرا کر بولا۔

"یہی لکھوں گا کہ عورت اور مرد کے تعلقات پر کسی طرح کی پابندی عائد نہ کرنا حسن از سے کھلی ہوئی غداری ہے۔ غداروں کو کسی طرح معاف نہیں کیا جا سکتا۔ تصوف زندہ باد اور بقیہ سب کچھ مردہ باد۔ علماء کرام بائیکاٹ وغیرہ وغیرہ۔"

"تمہارے والد صاحب ابھی زندہ ہیں۔"

"اور میری کتاب پڑھ کر اُن کی زندگی اور بڑھ جائے گی۔" حمید ہنس کر بولا۔ "کیا سمجھتے ہو پ میرے ابا میاں کو.... میں جو کچھ بھی ہوں انہیں کی بدولت ہوں۔ یہ تصوف میں۔ ہیں سے سیکھا ہے۔ ایک بار کا لطیفہ سنئے۔"

حمید نے رک کر ایک زوردار قہقہہ لگایا اور پھر بولا۔ "میں یہی کوئی بارہ تیرہ برس کا رہا ہوا گا۔ ابا میاں کے شباب کا زمانہ تھا۔ ایک رات ایک صاحبہ مردانخانے میں تشریف لائیں.... میں دوڑا ہوا والدہ صاحبہ کے پاس گیا اور انہیں گھبراہٹ میں یہ خبر دی کہ ابا میاں ابھی ابھی دو تین بوتلیں اپنے ساتھ لائے ہیں، اور انہوں نے مردانخانے کا دروازہ بند کر لیا ہے۔ والدہ صاحبہ اُن کی رنگین مزاجی سے تو واقف تھیں لیکن یہ بوتلوں والی اطلاع اُن کے لئے بالکل نئی تھی۔ غ میں وہ چھت پر چڑھیں اور ادھر ہی سے مردانخانے میں چلی گئیں۔ پھر میں جو بھاگا ہوں تو چچا یہاں جا کر پناہ لی۔ مگر دوسرے دن اس بُری طرح ادھیڑا گیا ہوں کہ خدا کی پناہ۔"

"ابے سور۔" فریدی ہنسنے لگا۔

"دوسرا لطیفہ سنئے! اُس وقت میری عمر پانچ یا چھ سال رہی ہوگی۔ ابا نے ایک دن مجھ سے پوچھا کہ تم بڑے ہو کر کیا بنو گے۔ میں نے جواب دیا رنڈی۔ وہ منہ پھاڑ کر مجھے گھورنے لگے پھر بولے کیا بکتا ہے۔ میں نے کہا امی خالہ جان سے کہہ رہی تھیں کہ آپ رنڈیوں کو بہت چاہتے ہیں۔"

"کیوں غپ ہانک رہا ہے۔" فریدی بولا۔

"خدا قسم۔"

"خیر حمید صاحب! اگر تم مرد نہ ہوتے تو رنڈی ہی ہوتے۔"

"ہائے ہائے کیا زمانہ تھا۔" حمید سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "بارہ تیرہ برس کی عمر میں مجھے ایک صاحب کی بیوی سے عشق ہو گیا تھا.... ہائے.... خدا کی قسم میں اس کے مہندی لگے ہوئے نرم و نازک ہاتھ کبھی نہ بھلا سکوں گا اور وہ اُبھرے ہوئے ہونٹوں کے گرد لرزتی باریک سی نتھ۔"

"نتھ! لاحول ولا قوۃ۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنایا۔ "کیا وہ تمہاری کوئی رشتہ دار تھی۔"

"ہاں! میرے باپ کے چھوٹے سالے کی بیوی۔"

"یعنی تمہاری ممانی۔" فریدی نے حیرت سے کہا۔

"اب تو ممانی ہی ہیں۔ مگر اُس زمانے میں میں نے سنجیدگی سے خواہش کی تھی کہ کاش وہ میری بیوی ہوتیں۔"

"تم سے بڑا سور آج تک میری نظروں سے نہیں گذرا؟"

"آپ تو سور کہہ کر رہ گئے لیکن ابا میاں اور امی نے خاصی پٹائی کی۔"

"کیا انہیں معلوم ہو گیا تھا۔" فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں نے کبھی چھپ کر عشق نہیں کیا۔" حمید بولا۔ "ایک دن میں نے ممانی کو ایک عدد خط لکھ دیا۔ لکھا کیا تھا ایک ناول سے نقل کر دیا تھا۔ اس پر ممانی نے میرے کان تھام کر دو تھپڑ اور ماموں نے ہزاروں قہقہے لگائے۔ والدین تک خبر پہنچی تو انہوں نے الگ ادھیڑا۔"

"اس کے بعد پھر کبھی سامنا کرنے کی ہمت پڑی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"خدا کی قسم! ماموں کے سامنے انہیں آنکھ مار کر مونچھوں پر تاؤ دیا کرتا تھا وہ دونوں میاں بیوی تو یہی سمجھتے تھے کہ میں نے ان کی چڑھ نکال رکھی ہے۔ مگر میں سنجیدگی سے عاشق ہوا تھا۔"

"اور اب۔"

"اب تو وہ سو فیصدی ممانی ہو گئی ہیں۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "لیکن اب میں اپنے ذہن کو کریدتا ہوں تو اُس نتھ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہاتھ آتا۔ مجھے دراصل اُن کی نتھ سے عشق تھا۔ ہر وہ شخص جو مجھ سے قریب ہے اُسے میں تصور میں نتھ ضرور پہناتا ہوں۔ مثلاً آپ سے محبت ہے آپ کی عدم موجودگی میں جب بھی آپ کی تصویر میرے ذہن پر ابھری آپ کی ناک میں نتھ ضرور ہوتی ہے اور نتھ کے بیچ میں سگار۔"

"مارتے مارتے اُلو بنا دوں گا۔" فریدی جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"میں نے لمبی لمبی ڈاڑھیوں پر نتھیں لہراتی محسوس کی ہیں۔" حمید نے غمگین آواز میں کہا۔

کیڈی لاک سنسان سڑک پر پھسلتی جا رہی تھی۔ دفعتاً مخالف سمت سے ایک کار برق رفتاری سے آئی اور گزر گئی۔

"کیوں....؟" فریدی بے ساختہ چونکا۔ "کیا یہ چیخ نہیں تھی۔"

اس نے اپنی کار کی رفتار کم کر دی اور پلٹ کر دیکھنے لگا۔ دوسری چیخ حمید نے بھی صاف سنی لیکن آواز دور کی تھی۔ فریدی نے تیزی سے کیڈی پیچھے کی طرف موڑ لی۔ سڑک کے دونوں طرف گھنی جھاڑیوں اور چھیول کے گنجان جنگلوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ دو تین فرلانگ آگے ایک کار کھڑی ہوئی دکھائی دی جس کا انجن بند نہیں کیا گیا تھا۔

کار کے قریب پہنچ کر انہوں نے عجیب منظر دیکھا۔ اگلی سیٹ کی بائیں جانب کا دروازہ کھلا تھا۔ ایک آدمی جس کا سر پائیدان پر ٹکا ہوا تھا اور بقیہ حصہ کار کے اندر دکھائی دیا۔ فریدی نے گاڑی کی روشنی نہیں گل کی تھی۔ لیکن یہ کار ہیڈ لائیٹس کی رینج میں نہ ہونے کی بناء پر کافی رو میں نہیں تھی۔

"ٹارچ لاؤ۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

حمید کیڈی کی طرف دوڑا۔ وہ ٹارچ تو نکال لایا، لیکن انجن بند کرنا وہ بھی بھول گیا تھا۔ فریدی نے اوندھے پڑے ہوئے آدمی کو سیدھا کیا۔ چہرے پر ٹارچ کی روشنی پڑتے ہی وہ چونک اٹھا۔

"اوہ.... کہیں دیکھا ہے اسے.... مگر یہ مر چکا ہے۔"

نرخرے پر تیز قسم کے ناخنوں کے نشانات تھے۔ کسی نے نرخرا اس شدت سے دبایا تھا ناخن گوشت میں اُتر گئے تھے۔

"وہ اسی طرف ہو گا۔" فریدی تیزی سے بائیں سمت کی جھاڑیوں کی طرف مڑا۔ ٹارچ حمید ہاتھوں میں تھی۔ جب تک وہ اُسے روشنی دکھائے فریدی جھاڑیوں میں کود چکا تھا۔ حمید بھی پھر وہ دونوں دور تک چھیول کے جنگلوں میں گھستے چلے تھے۔ دفعتاً فریدی نے حمید سے کہا۔

"تمہیں وہیں ٹھہرنا چاہئے تھا۔ چلو.... واپس چلو۔" وہ پھر سڑک کی طرف دوڑا۔

فریدی نے جھاڑیوں میں گھسنے سے پہلے نہ تو اپنی گاڑی کا انجن ہی بند کیا تھا اور نہ روشنی ہی بجھائی تھی۔

"یا تو کیڈی گئی یا وہ کار۔" فریدی نے حمید سے کہا۔ وہ دوڑ رہا تھا۔

"کیوں....؟" حمید ہانپتا ہوا بولا۔

"سڑک پر روشنی نہیں دکھائی دیتی۔"

وہ پوری قوت سے دوڑنے لگے تھے، فریدی کا اندازہ درست نکلا۔ لاش والی کار غائب تھی اور فریدی کی کیڈی کا انجن بند کر کے روشنی گل کر دی گئی تھی۔

"جلدی کرو۔" وہ جھپٹ کر کار میں بیٹھا لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ کسی زخمی بھیڑیئے کی طرح غرا رہا تھا۔ کئی بار کی کوشش کے باوجود بھی انجن اسٹارٹ نہ ہوا۔

"کیا حماقت ہوئی ہے۔" وہ نیچے اُتر کر انجن کا ڈھکن اٹھاتا ہوا بولا۔ "ٹارچ ادھر لاؤ۔"

"چوٹ دے گیا۔" حمید چاروں طرف دیکھتا ہوا بڑبڑایا۔

"جلد بازی ہمیشہ بُرے نتائج سے دوچار کرتی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "مجھ سے غلطی ہوئی۔"

"کار موڑی نہیں گئی۔" فریدی نے ٹارچ کی روشنی زمین پر ڈالتے ہوئے کہا۔ پھر دفعتاً تیزی سے جھکا۔ دوسرے لمحے میں حمید نے اس کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی دیکھی جس پر ہیرے کے ننھے چھوٹے چھوٹے نگ جگمگا رہے تھے۔ فریدی اُسے جیب میں ڈال کر کیڈی کی طرف جھپٹا۔ وہ سعید آباد کی طرف جا رہے تھے لیکن اس بار گاڑی کی رفتار بہت تیز تھی۔

"کیا آپ نے کسی کو دیکھا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"تو پھر اس بدحواسی کا کیا مطلب۔"

"اچھا تو تم یہ سمجھتے ہو کہ اس لاش نے یہ سب حرکتیں کی ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ واقعات کے اُس ڈرامائی انداز نے اُسے کچھ سمجھنے ہی نہیں دیا تھا مرنے والے کے نرخرے پر ناخنوں کے نشانات نہ دیکھتا تو مشکل ہی سے یقین آتا کہ وہ موت نہیں مرا۔ کار ڈرائیور کرتے کرتے ہارٹ فیل بھی تو ہو سکتا ہے؟

فریدی خاموشی سے اسٹرنگ پر جھکا ہوا تھا۔ کیڈی ساٹھ میل کی رفتار سے دوڑ رہی تھی تقریباً تیس میل نکل آئے تھے اور سعید آباد بہت زیادہ دور نہیں رہ گیا تھا۔ دفعتاً انہیں روشنی دکھائی دی اور پھر جلد ہی اُس روشنی کا معمہ بھی حل ہو گیا۔ سامنے بیچ سڑک پر ایک کار میں گھری کھڑی تھی۔ فریدی نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا اور کیڈی روک دی۔

"جانتے ہو! وہ کس کی لاش تھی۔" اس نے بے چینی سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔"

"یہ جاپانیز مرچنٹس کارپوریشن کا وہی ایجنٹ تھا جس نے وہ مجسمہ پرویز کے یہاں پہنچایا اب قاتل نے اس کی لاش بھی جلادی۔"

دیوار پھٹتی ہے

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اُس نے کیڈی اسٹارٹ کر دی۔ بمشکل تمام اُس نے آگے بڑھایا۔ یہ بھی بڑا خطرناک کام تھا کیونکہ جلتی ہوئی کار کے شعلوں نے سڑک چوڑائی کو گھیر رکھا تھا بس مقدر ہی تھا کہ کیڈی آگے نکل گئی۔

"اب کہاں۔" حمید نے کہا۔

"سعید آباد.... سرور لاج۔"

"اوہ تو کیا....؟"

"میں تنویر کو چیک کروں گا۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "آخر اس نے بھنویں کیوں کرر کھی ہیں۔ سر کا درمیانی حصہ کیوں منڈوا دیا ہے۔"

"تو کھوپڑی چیک کریں گے آپ اس کی۔" حمید مضحکانہ انداز میں بولا۔

کیڈی کی رفتار اور تیز ہو گئی۔ حمید نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کیطرف دیکھا۔ دو بج رہے

"کیا آپ تنویر پر شبہ کر رہے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"قطعی۔"

"وجہ۔"

"میں اس وقت کسی بحث میں پڑنے کے لئے تیار نہیں۔ میں نے اس کے متعلق ایک بہت ی اہم بات نہیں معلوم کی۔"

"کیا....؟"

"یہی کہ وہ عموماً گرمیوں میں ہمیشہ اپنی بھنوؤں وغیرہ کی صفائی کرا دیتا ہے۔"

"بھئی میرا خیال ہے کہ اگر اس کا اس معاملے سے کوئی تعلق ہوتا تو وہ پرویز کے بینک بیلنس وغیرہ کے متعلق کچھ نہ پوچھتا۔"

"ظاہر ہے کہ وہ خود کو پاگل بنا کر پیش کر رہا ہے۔" فریدی بولا۔

"تو کیا وہ ہر سال گرمیوں میں پاگل بننے کی مشق کرتا ہے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن مجھے اس پر یقین ہے کہ وہ پاگل نہیں ہے۔"

"آخر اس یقین کی کوئی وجہ بھی ہو گی۔" حمید نے کہا۔

"اس کی آنکھیں.... پاگلوں اور ہوش مندوں کی آنکھوں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔"

"چلئے صاحب۔" حمید اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔

تھوڑی دیر بعد کیڈی سرور لاج کے سامنے پہنچ کر رک گئی۔ پھاٹک بند تھا۔ تقریباً آٹھ یا دس منٹ تک انہیں پھاٹک ہلانا پڑا۔ شاید چوکیدار سو رہا تھا۔

"کون ہے؟" اندر سے بھرائی ہوئی آواز آئی۔

"پولیس....!"

"پپ.... پپ.... پولیس.... کیوں؟"

"دروازہ کھولو۔" حمید نے پھاٹک پر لات ماری۔

"شش یہ نہیں۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"بیگم صاحب کے حکم کے بغیر.... نہیں کھل سکتا۔" اندر سے آواز آئی۔

"اُن سے کہو انسپکٹر فریدی ہے۔"

اندر قدموں کی چاپ سنائی دی جو بتدریج دور ہوتی گئی۔

"آخر آپ کس طرح چیک کریں گے۔" حمید آہستہ سے بولا۔

"بس دیکھتے رہو۔"

"اگر وہ تنویر ہی رہا ہوگا تو محتاط ہو گیا ہوگا اور پھر میرا خیال ہے کہ اس کی بیوی بھی اس حرکتوں سے لاعلم نہ ہوگی۔"

"خدا جانے۔"

"اگر وہ تنویر ہی تھا۔" حمید بولا۔ "تو یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ وہ واپس ہی آگیا ہو۔ کیونکہ کار تو اس نے جلادی تھی۔"

"ٹھیک ہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن یہ تو سوچو کہ اُس نے وہ کار وہیں کیوں نہ جلادی جہا اُس نے اُسے پہلے چھوڑا تھا۔ اتنی دور جانے کے بعد جلانے کی وجہ کے متعلق بھی تو غور کرو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی ہی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"اُس نے یہ سارے انتظامات پہلے ہی سے کر رکھے ہوں گے۔ ہم یہاں سے سات بجے گئے تھے۔ ساڑھے آٹھ بجے یہاں سے ایک میل ٹرین جاتی ہے جو تقریباً دو گھنٹے میں ہمارے تک پہنچ جاتی ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ جانے سے پہلے اس نے اُسی مقام پر جہاں وہ کار جل تھی ایک موٹر سائیکل چھپادی ہو۔"

"تو اُسے یہاں لاکر مارنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔"

"شہر میں اُسے لاش جلانے کا موقع نہ ملتا۔"

"پھر بھی اسی وقت یہاں آنے کی منطق میری سمجھ سے باہر ہے۔" حمید نے کہا۔

"کیوں؟"

"ظاہر ہے کہ وہ اپنی کار بھی دیکھ چکا ہے۔ اُس نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ یہ ہم ہی ہیں۔ اس وہ کافی محتاط ہو گیا ہوگا۔"

"میں کہتا ہوں تم بس دیکھتے جاؤ۔"

"اندھیرے میں دکھائی بھی تو نہیں دیتا۔" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

اندر پھر قدموں کی آہٹیں سنائی دیں۔

"کیا بات ہے.... کون صاحب ہیں۔" بیگم تنویر کی کپکپاتی ہوئی مترنم آواز آئی اور حمید کی آنکھیں یک بیک جاگ اٹھیں۔

"میں ہوں انسپکٹر فریدی۔" فریدی نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔

"کیا بات ہے۔" اندر سے آواز آئی پھر بیگم تنویر نے شاید چوکیدار کو مخاطب کیا۔ "پھاٹک دو۔"

کڑکڑاہٹ کے ساتھ پھاٹک کھلا اور فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

"مسز تنویر مجھے افسوس ہے لیکن اس وقت یہاں میرا آنا بہت ضروری تھا۔"

"فرمائیے! اگر دیر تک ٹھہرنا ہو تو اندر چلئے۔" اس کے لہجے میں اکتاہٹ تھی۔

وہ سب ایک بڑے کمرے میں آئے۔ مسز تنویر نے گہرے نیلے رنگ کی سلک کا سلیپنگ گاؤن پہن رکھا تھا.... اور پیروں میں سیاہ مخملی چپلیں تھیں۔ چہرہ اس وقت پہلے سے زیادہ حسین ہو رہا تھا۔

وہ فریدی اور حمید کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھنے لگی۔

"آپ کا خاندان خطرے میں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"جی؟" وہ بے ساختہ چونک پڑی۔

"تنویر صاحب کہاں ہیں۔"

"اپنے کمرے میں سو رہے ہیں.... بات کیا ہے؟" اُس کی آواز کپکپا رہی تھی۔

"ذرا انہیں جگا دیجئے۔"

"جگا دوں.... لیکن...." لہجے میں ہچکچاہٹ تھی۔ "آخر آپ بتاتے کیوں نہیں۔"

"محترمہ میں آپ کو ان الجھنوں میں نہیں ڈالنا چاہتا۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

"اور میں آپ کو یقین دلانا چاہتی ہوں کہ اُن سے کسی معاملے پر گفتگو کرنا فضول ہے۔"

"کیا ان کا ذہنی توازن اتنا ہی بگڑا ہوا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"ایک بات اور.... کیا وہ ہمیشہ ایسی حالت میں اپنی یہی وضع قطع بنائے رہتے ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"بھنویں وغیرہ صاف کرادیتے ہیں۔"

"جی ہاں! لیکن آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"بہتر یہی ہوگا آپ انہیں جگادیں۔"

"اور اگر فرض کیجئے وہ نہ جاگے تو۔"

"جاگیں گے کیوں نہیں۔" فریدی نے اتنے بھولے پن سے پوچھا کہ حمید اس پر
ہوتے ہوتے رہ گیا۔

"وہ اکثر تین تین دن تک نہیں جاگتے۔" مسز تنویر بولی۔

حمید چونک کر اُسے گھورنے لگا لیکن فریدی کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُ
کوئی غیر متوقع بات نہ سنی ہو۔

"اوہو....!" فریدی بولا۔ "تو انکے اور پرویز صاحب کے مرض کی نوعیت ایک ہی ہے

"کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر کے، جو سونا شروع کرتے ہیں تو اکثر تیسرے
دروازہ کھلتا ہے۔ اس دوران میں کتنا ہی شور مچایئے! دروازہ پیٹئے لیکن شاید وہ کروٹ تک
لیتے۔ ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ جب یہ کیفیت ہو تو انہیں اٹھایا ہی نہ جائے۔ اگر وہ زبردستی جگائے
اُن کا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔"

"بالکل یکساں حالات ہیں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ پھر چونک کر کہنے لگا۔ "محترمہ
زور دیجئے۔ کیا آپ کا کوئی ایسا عزیز بھی ہے جسے پرویز اور تنویر صاحبان کا ترکہ پہنچ سکے۔"

"کوئی نہیں.... کوئی بھی نہیں۔ خدارا مجھے الجھن میں نہ ڈالئے۔"

"تنویر صاحب کس وقت سونے کے لئے گئے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"آپ لوگوں کے جانے کے بعد ہی انہوں نے کھانا کھایا اور اس کے بعد سونے چلے گ

"اندازاً کیا وقت رہا ہوگا۔"

"غالباً ساڑھے سات۔"

"کیا آپ مجھے اُن کے کمرے تک لے چلیں گے۔"

"کچھ بتایئے بھی۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔ "اس طرح خواہ مخواہ تنگ کرنے سے کیا فائدہ

"محترمہ میں ایک بار پھر تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔" فریدی نے معذرت کی

ا چاہتا تھا کہ آپ کو کسی الجھن میں ڈالوں۔ لیکن اب بتانا ہی پڑے گا۔"

فریدی نے مختصراً پرویز کی روداد دہرادی۔ لیکن اس نے یہ نہیں بتایا کہ پرویز کی بیوی اُسے
کر طوائفوں کی سی زندگی بسر کرنے لگی تھی۔ اُس کے متعلق اُس نے یہ بتایا کہ دونوں کسی
ں کی بناء پر علیحدہ ہوگئے تھے۔ پرویز کو اس قدر غصہ تھا کہ اُس نے اپنی بیوی کا ایک مجسمہ بنوا کر
انتقامی جذبے کی تسکین کا درجہ پیدا کرلیا تھا۔ پھر اُس نے یہ بتایا کہ کسی نے اس کی بیوی کو
کہ دے کر اُس کمرے میں پہنچادیا جہاں وہ مجسمہ رکھا ہوا تھا اور پرویز نے مجسمے ہی کے دھوکے
اُس کا گلا دبادیا۔"

تنویر کی بیوی بہت زیادہ خوفزدہ نظر آرہی تھی۔

"آپ ڈر رہی ہیں نا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں اسی لئے آپ کو کچھ نہیں بتانا چاہتا تھا۔"

"نہیں میں ڈر نہیں رہی ہوں۔ آخر وہ کون ہو سکتا ہے۔"

"وہ ایسا ہی آدمی ہو سکتا ہے جسے پرویز کی موت کے بعد کوئی فائدہ پہنچ سکے۔ ظاہر ہے کہ وہ
ی سے نہ بچ سکے گا۔ میں تنویر صاحب کے لئے بہت فکر مند ہوں۔"

مسز تنویر بہت زیادہ بے چین ہوگئی۔

"اور سنئے! میں نے ابھی راستے میں اُس ایجنٹ کی لاش دیکھی ہے جس کی معرفت پرویز نے
مجسمہ بنوایا تھا۔ لہٰذا مجھے واپس آنا پڑا۔ اس لئے کہ جلد یا بدیر آپ لوگوں پر بھی حملہ ہو سکتا ہے
قاتل کو پرویز صاحب اور اس مجسمے کے متعلق ایجنٹ ہی سے معلوم ہوا ہوگا۔"

"اور اس نے اس ایجنٹ کو بھی مار ڈالا۔"

"جی ہاں۔" فریدی جلدی سے بولا۔ "میں پرویز صاحب کا کمرہ دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"میں عرض کر چکی ہوں نا کہ وہ اندر سے دروازہ بند کر کے سوتے ہیں۔"

"آپ کی مرضی۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "میں نے آپ کو خطرات سے آگاہ کردیا۔ اب
پ جائیں۔"

"ٹھہریئے! میں بھلا کیا کر سکتی ہوں۔ آپ خود چل کر دیکھ لیجئے کہ کمرہ اندر سے مقفل ہے۔"

"چلئے!" فریدی بولا۔

مسز تنویر ایک کمرے کے سامنے پہنچ کر رک گئی۔ فریدی نے دروازے کو دھکا دیا۔ لیکن وہ

اندر سے بند تھا۔ اس نے کوئی ایسا سوراخ یا جھری تلاش کرنے کی کوشش کی جس سے اندر جا سکے۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ دروازے کے دونوں طرف کھڑکیاں تھیں لیکن وہ بھی بند اور اُن میں بھی شیشے نہیں تھے۔"

کمرے کے اندر سے بجلی کا پنکھا چلنے کی آواز آ رہی تھی۔

کافی اونچائی پر ایک روشندان نظر آیا جو کھلا ہوا تھا اور اس کے اندر گہرے نیلے رنگ کی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔

"دوسری طرف بھی دروازہ ہوگا۔" فریدی نے آہستہ سے پوچھا۔

"نہیں۔"

"کوئی کھڑکی۔"

"کھڑکی بھی نہیں ہے۔"

"یعنی اگلی دیوار کے بعد کوئی دیوار نہیں ہے۔ اگر دروازہ ہوتا تو مکان کی پشت پر کھلتا۔"

"جی ہاں۔"

"عجیب بات ہے۔" فریدی بولا۔ "وہ کمرہ بھی ایسا ہی تھا جس میں پرویز کی بیوی کی لاش گئی تھی۔ عجیب معاملہ ہے مگر ہاں! اس میں تو نقب لگائی گئی تھی۔"

"خدا کے لئے کچھ کیجئے۔" مسز تنویر مضطربانہ انداز میں بولی۔

"بانس کی سیڑھی ہوگی۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"ذرا جلدی سے منگوایئے۔" فریدی نے کہا۔

نوکر بھی بیدار ہو گئے تھے اور وہ کچھ دور پر کھڑے ان لوگوں کو عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد سیڑھی آ گئی۔ فریدی نے اُسے روشندان سے لگا دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے چڑھ گیا۔ کمرے کے اندر نیلے رنگ کی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ مسہری پر تکلف بستر ضرور لگا ہوا تھا۔ لیکن وہ بالکل خالی تھی۔ تنویر کا پیلے رنگ کا لبادہ جو اس نے پہن رکھا تھا، ہینگر پر لٹکا ہوا نظر آیا۔ دوسری طرف یا اِدھر اُدھر کی دیواروں میں نہ کوئی دکھائی دی اور نہ دروازہ۔

فریدی چپ چاپ نیچے اتر آیا۔ پھر نوکروں کو مخاطب کر کے بولا۔

"تم لوگ جا کر آرام کرو۔"

"کیا بات ہے۔" مسز تنویر اُسے جھنجھوڑ کر بولی۔ فریدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔ وہ نوکروں کے چلے جانے کا منتظر رہا۔

"محترمہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ مجھے اس طرح اُلو بنائیں گے۔" اس نے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔" مسز تنویر کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کمرہ بالکل خالی ہے۔"

"جی۔" اُس نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ "ناممکن.... قطعی ناممکن۔"

"آپ خود دیکھ لیجئے۔" فریدی نے روشندان کی طرف اشارہ کیا۔

مسز تنویر چند لمحے فریدی کے چہرے پر نظر جمائے رہی پھر سیڑھی کی طرف بڑھی۔

فریدی اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔

روشندان میں جھانکتے ہی وہ بے اختیار چیخ پڑی۔ سیڑھی کے ڈنڈے اس کی گرفت سے نکل گئے اگر فریدی نے جھپٹ کر اُسے ہاتھوں پر نہ روک لیا ہوتا تو وہ بھی اپنی چچازاد بہن ثمینہ کے پاس پہنچ گئی ہوتی۔ وہ بیہوش تو نہیں ہوئی تھی لیکن حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکتی۔ فریدی نے اُسے برآمدے میں پڑی ہوئی کرسی پر ڈال دیا۔

اب حمید سیڑھی پر چڑھ رہا تھا۔ روشندان میں جھانکنے پر اُسے یہ سمجھنے پر مجبور ہو جانا پڑا کہ تنویر کی بیوی نے انہیں دھوکے میں رکھا تھا۔ وہ نیچے واپس آنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ سامنے کی دیوار میں نیچے سے اوپر تک ایک دراڑ سی پڑ گئی جو دیکھتے ہی دیکھتے کافی کشادہ ہوتی جا رہی تھی۔ حمید نے پیچھے پلٹ کر.... فریدی وغیرہ کو چپ رہنے کا اشارہ کیا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اُس نے جیب سے ریوالور نکال لیا۔ فریدی مسز تنویر کیطرف سے بے خبر نہیں تھا۔ حمید کو ریوالور نکالتے دیکھ کر اُس نے مسز تنویر کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اس کی چیخ کسی طرح نہ رک سکتی۔

ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا اور دیوار پھر برابر ہو گئی۔ لیکن یہ تنویر نہیں تھا۔ اس کے بال گھنگھریالے اور پیچھے کی طرف مڑے ہوئے تھے، خدوخال جاذب توجہ اور دلکش تھی، جوان اور صحت مند تھا۔

"خبردار....!" حمید نے روشندان سے للکارا۔ "اگر بھاگنے کی کوشش کی تو گولی ماردوں گا۔"

اس نے گھبرا کر اوپر دیکھا اور روشندان میں ریوالور دیکھ کر اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لئے۔

"کیا بات ہے؟" فریدی نے نیچے سے پوچھا۔

"دروازہ توڑ دیجئے۔"

حمید نے محسوس کیا کہ وہ آدمی آہستہ آہستہ دیوار کی طرف کھسک رہا ہے۔

"اپنی جگہ کھڑے رہو۔" حمید نے للکارا۔ فریدی دروازے سے شانہ لگائے زور کر رہا تھا۔ دروازہ کچھ زیادہ مضبوط نہیں معلوم ہوتا تھا۔ ادھر دروازے میں چڑچڑاہٹ ہوئی اور اُدھر نہ جانے کیا ہوا کہ حمید سیڑھی سمیت دیوار پر پھسلتا ہوا نیچے چلا آیا۔ خیریت یہ ہوئی کہ ریوالور نہیں چلا۔ دروازہ ٹوٹ چکا تھا۔ فریدی حمید کی پرواہ کئے بغیر اندر گھس پڑا۔ کمرہ خالی تھا اور سامنے والی دیوار درمیانی خلا بدستور قائم تھی۔ فریدی دیوانہ وار اُس سے گذر کر مکان کی پشت پر آ گیا۔ کافی فاصلہ پر سامنے ایک تاریک سایہ دوڑ رہا تھا۔ فریدی نے بے تحاشہ اس کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیا۔

فریدی نے اُسے جلد ہی جالیا۔ بہر حال وہ بہت زیادہ طاقت ور ثابت نہیں ہوا۔ شاید وہ گھبرایا ہوا بھی تھا۔ اس لئے اس نے جلد ہی ہاتھ پیر ڈال دیئے۔

تھوڑی دیر بعد وہ تنویر کے ڈرائنگ روم میں اس طرح بیٹھا ہوا تھا کہ اُس کے دونوں ہاتھ اس کی پشت پر بندھے ہوئے تھے اور پیر بھی آزاد نہ تھے۔

تنویر کی بیوی برابر چیخے جا رہی تھی۔ "ہائے تنویر کہاں ہیں۔ تنویر کیا ہوئے۔"

"تم اپنی انگوٹھی وہیں چھوڑ آئے تھے۔" فریدی نے اس آدمی سے مسکرا کر کہا۔

وہ کچھ نہیں بولا۔ بدستور سر جھکائے بیٹھا رہا۔

"آخر اتنی جلدی کیا تھی۔" فریدی اپنی جیب سے انگوٹھی نکالتا ہوا بولا۔ "کل اس کا خاتمہ کر دیتے۔"

"انگوٹھی۔" مسز تنویر انگوٹھی کی طرف دیکھ کر چیخی۔ "یہ انگوٹھی کس کی ہے۔"

"اس کی؟" فریدی نے بندھے ہوئے آدمی کی طرف اشارہ کیا۔

"غلط.... بکواس! یہ تنویر کی ہے۔"

"اور یہ کون ہے؟" فریدی نے اس آدمی کی طرف اشارہ کیا۔

"میں نہیں جانتی۔"

"آپ اپنے شوہر کو نہیں جانتیں! حیرت ہے۔" فریدی نے کہا اور بڑھ کر اس آدمی کے سر کے بال نوچ لئے۔ پھر بھنویں بھی نوچ ڈالیں۔ ہونٹوں پر سے پلاسٹک کے ٹکڑے نوچے۔

تنویر اپنی مصنوعی وحشت سمیت اُن کے سامنے تھا۔ اس کی بیوی نے چیخ ماری اور گر کر بیہوش ہو گئی۔

پاگلوں کی کہانی

اس کیس نے شہر میں سنسنی پھیلا دی تھی۔ اخباروں کے کرائم رپورٹر کوتوالی اور محکمہ سراغ رسانی کی عمارتوں کے گرد چکر لگا رہے تھے۔ تنویر حوالات میں تھا اور پرویز کو بھی پچھلی رات کو گرفتار آپکا تھا لیکن ڈاکٹروں کی ہدایت کے مطابق کسی نے بارہ گھنٹے تک اس سے کوئی گفتگو نہ کی۔

مقتول ایجنٹ کے متعلق چھان بین کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ تنویر کے گہرے دوستوں میں سے تھا۔ جس کار میں ان دونوں نے سفر کیا تھا وہ کارپوریشن کی ملکیت تھی۔ تنویر کی بیوی بھی اس ایجنٹ کو جانتی تھی لیکن بقیہ معاملات سے اُسے کوئی سروکار نہ تھا۔

تنویر نے بڑی مشکلوں سے اعتراف جرم کیا تھا۔ سول پولیس تو اپنے سارے حربے استعمال کر کے ہار گئی تھی۔ آخر فریدی نے وہ طریقہ استعمال کیا، جو دوسروں کی نظروں میں انتہائی احمقانہ تھا۔ حمید تو سمجھا کہ شاید فریدی کے دماغ میں بھی فتور واقع ہو گیا ہے لیکن تنویر کا بیان ہے کہ اگر یہ سلسلہ کچھ دیر اور جاری رہتا تو وہ سچ مچ پاگل ہو جاتا۔

فریدی نے اُسے ایک بڑی سی میز پر چت لٹا کر اس کے ہاتھ پیر اس طرح کس دیئے تھے کہ وہ جنبش نہ کر سکے۔ پھر اس نے اس کے سر کے دونوں طرف دو تختیاں کھڑی کر کے ان میں کیلیں ٹھکوا دیں۔ اب اس کا سر بھی جنبش نہیں کر سکتا تھا۔ آنکھیں چھت کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ پھر اُس نے ایک ہانڈی منگوائی اور اس کی پیندی میں چھوٹا سا سوراخ کر کے اس میں ذرا سا بڑا ٹھونس دیا۔ ہانڈی میں پانی بھرا گیا اور وہ عین تنویر کے سر پر چھت سے لٹکا دی گئی۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد ایک ایک بوند تنویر کی پیشانی پر ٹپکتی رہی۔ تقریباً آدھ گھنٹے تک وہ خاموش رہا پھر کسی نے بڑبڑانا شروع کر دیا۔ "وہ آئی.... وہ گری.... آ.... آ.... آ.... آئی.... گری....

گگ.... گگ.... گگ.... گری۔"

پھر وہ چیخنے لگا۔ "میں پاگل ہو جاؤں گا.... ہٹاؤ.... اس ہانڈی کو.... فریدی کمینے سور... ہٹاؤ.... وہ گری.... ارے میری پیشانی پھٹی۔ چھوڑ دو مجھے.... بتاتا ہوں.... بتاتا ہوں... میں نے ہی ثمینہ کو اس کمرے میں پہنچایا تھا۔ میں نے ہی ایجنٹ کو مارا تھا۔ وہ گری.... ارے م مرا.... میں پاگل....!"

پھر اس نے سب کچھ اگل دیا۔ وہ ثمینہ سے پرویز کے ایک دوست کی حیثیت سے ملا تھا چو اس نے بھیس بدل رکھا تھا اس لئے وہ اُسے پہچان نہ سکی۔ تنویر کو اس کے مجسمے کے متعلق ایجنٹ ہی سے معلوم ہوا تھا۔ وہ ایجنٹ تنویر کو دونوں حیثیتوں سے جانتا تھا۔ تنویر کی حیثیت بھی اور اُس بدلے ہوئے بھیس میں مسٹر شمشاد کی حیثیت سے بھی۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا دونوں ایک ہی ہیں۔ اس قسم کے مجسمے اور ریکارڈ کا آرڈر چونکہ ایک نئی اور حیرت انگیز بات اس لئے اس نے اس کا تذکرہ تنویر سے بھی کیا۔ وہ تصویر بھی دکھائی جس کے مطابق مجسمے کی تیا ہوئی تھی۔ اس سے پہلے حقیقتاً تنویر کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ پرویز بھی اسی شہر میں موجود اس اطلاع پر اس نے خفیہ طور پر چھان بین کی تو اُسے معلوم ہوا کہ پرویز تقریباً تین سال سے رہ رہا ہے۔ ثمینہ اس کے ساتھ نہیں ہے۔

ثمینہ سے جس طرح اس کی ملاقات ہوئی اس کی تفصیل بھی بڑی دلچسپ تھی۔ تنو شروع ہی سے گرمیوں کے زمانے میں جنسی دیوانگی کے دورے پڑا کرتے تھے لیکن وہ خواہشات کی تکمیل کھلم کھلا نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ اسے اپنی بیوی سے بڑی محبت تھی اور وہ خا قسم کی جنسی دیوانگی جس کا وہ شکار تھا اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایسی نہیں تھی کہ کسی ایک پر قنا کرتی۔ تنویر نیک نام بھی رہنا چاہتا تھا اور اپنی ضرورت بھی اس کے پیش نظر تھی لہٰذا اس گرمیوں کے زمانے میں خود کو سچ مچ کا پاگل بنا کر پیش کرنا شروع کر دیا۔ بھیس بدلنے کی غرض وہ ہمیشہ اپنے سر کے بال اور بھنویں منڈوا دیا کرتا تھا اور اپنی عجیب و غریب نیند کے بہانے تین دن تک گھر سے غائب رہتا۔ یہ ایام قرب و جوار کے شہروں یا سعید آباد ہی کی طوائفوں گذارا کرتے تھے یہاں آتا تو اسی ایجنٹ کے یہاں ٹھہرتا اور دونوں مل کر عیاشی کرتے۔ ایجنٹ تھا کہ وہ کس مجبوری کی بناء پر بھیس بدلا کرتا ہے۔ لیکن اسے یہ قطعی نہیں معلوم تھا کہ وہ پر

بھائی ہے۔

ایک رات شہر کے ایک حصے میں تنویر کو ثمینہ مل گئی۔ اس رات وہ ایجنٹ اس کے ساتھ نہیں تھا۔ تنویر نے ثمینہ کا تعاقب کر کے اس کی جائے رہائش کا پتہ لگا لیا اور ایک دن اُسے راہ میں روک کر اس سے پوچھا کہ وہ ثمینہ تو نہیں ہے۔ اس نے ثمینہ کو بتایا کہ وہ پرویز کا ایک دوست ہے اور اس کے یہاں اس کی تصویر دیکھ چکا ہے۔ ثمینہ نے اُسے بتایا کہ ان دونوں میں ناچاقی ہو چکی ہے اور پرویز اُس سے ناراض ہے۔ اس پر تنویر نے اُسے یہ اطلاع دی کہ وہ تو اُسے پوجتا ہے۔ محاورۃً نہیں بلکہ حقیقتاً اس نے اس کا ایک مجسمہ بنوایا ہے اور وہ سچ مچ اس کی پرستش کرتا ہے۔ ثمینہ بے قرار ہو گئی۔ کئی سال طوائفانہ زندگی بسر کرنے کے بعد وہ پھر سے گھر بسانے کے خواب دیکھنے لگی۔ اس اطلاع نے اس کا مستقبل روشن کر دیا تنویر نے اس کا اندازہ پہلے ہی لگا لیا تھا کہ پرویز نے وہ مجسمہ کس لئے بنوایا ہے۔ اگر چیخوں والا ریکارڈ بھی ساتھ ہی نہ بنواتا تو شاید وہ بھی یہی سمجھتا کہ اس نے وہ مجسمہ اپنی محبت کی تسکین ہی کے لئے بنوایا ہے۔

اس کمرے کے متعلق جس میں وہ مجسمہ رکھا گیا تھا ایجنٹ سے پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا۔ کمرے کی ساخت کے بارے میں معلوم کرنے کے بعد اس نے اندازہ لگایا کہ وہ کسی کونے ہی پر ہوگا۔ ایک رات وہ پرویز کی کوٹھی کی پشت پر پہنچا۔ ایک روشندان سے چیخوں کی ہلکی ہلکی آوازیں آ رہی تھیں اور پھر اس نے اچھی طرح اطمینان کر لیا کہ مجسمہ اسی کمرے میں ہے۔

اس دوران میں وہ ثمینہ سے برابر ملتا رہا۔ وہ اس بات کو اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر کبھی وہ پرویز کے سامنے چلی گئی تو وہ اُسے زندہ نہ چھوڑے گا۔ لہٰذا اس نے پروگرام بنانا شروع کیا کہ اسے کسی طرح اُس مجسمے والے کمرے میں پہنچا کر مجسمہ غائب کر دیا جائے۔ اس طرح سانپ بھی مرے گا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے گی۔ پرویز کی پھانسی کے بعد اس کی دولت بھی ہتھے چڑھے گی۔

ثمینہ نے پرویز کا پتہ بہت پوچھا۔ مگر تنویر نے نہ بتایا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ روزِ روشن میں بھی وہ اس سے ملی کہ وہ اس پر حملہ ضرور کرے گا مگر یہ حملہ کسی کے بیچ بچاؤ کرا دینے پر ناکام بھی ہو سکتا ہے۔

تنویر نے اس سے کہا کہ وہ پرویز کو متحیر کرنا چاہتا ہے کیوں نہ وہ اُسے اس کمرے میں پہنچا کر اس کا مجسمہ غائب کر دے۔ ثمینہ نے اس تجویز کو پسند کیا پھر وہ دونوں ایک رات وہاں جا پہنچے۔

تنویر کو اندر پہنچایا اور وہاں سے وہ مجسمہ اور ریکارڈ لے کر رفو چکر ہو گیا۔ یہ بات تو اُسے ایجنٹ سے معلوم ہو گئی تھی کہ پرویز نے اُس مجسمے کے معاملے میں بڑی راز داری سے کام لیا تھا حتیٰ کہ اُس نے نوکروں کو بھی اس کی ہوا تک نہیں لگنے دی تھی۔

سرجنٹ حمید ایک ایک کا ہاتھ پکڑ کر کہتا پھر رہا تھا کہ فریدی اس صدی کا عظیم ترین پاگل ہے کہ اس نے ایک پاگل پن کی حرکت کر کے اس پاگل سے سب کچھ اگلوا لیا.... اب وہ اس تیسرے پاگل کی روداد سننے کے لئے بے چین تھا جس نے سونے کا ریکارڈ توڑ دیا تھا۔ حالات کے مضحکہ خیز پہلو اس کے ذہن میں ہلچل مچائے ہوئے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ایک شوہر بیوی سے محروم ہو گیا اور ایک بیوی شوہر سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ بات صرف اتنی تھی کہ دونوں نے تصوف کی راہ پر زور سے دوڑ لگا دی تھی۔

شام کو فریدی اور حمید ہسپتال پہنچے۔ پرویز تکیے سے ٹیک لگائے بستر پر نیم دراز تھا۔ وہ دونوں اس کے قریب جا کر بیٹھ گئے۔

"میرا خیال ہے کہ میں پہلے بھی آپ حضرات کو دیکھ چکا ہوں۔" اس نے نقیہہ آواز میں کہا۔

"حادثے والی رات کو۔" فریدی بولا۔

دفعتاً پرویز کے چہرے پر مردنی چھا گئی اور تھوک نگل کر خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"میری دانست میں آپ قطعی بے قصور ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن اب میں زندہ نہیں رہنا چاہتا۔" پرویز مضمحل آواز میں بولا۔

"کیا آپ کو معلوم ہو گیا؟"

"جی ہاں اخبار.... ایک مریض کی عنایت سے اخبار مجھے مل گیا تھا۔"

"بہر حال تنویر حراست میں ہے۔"

"اس نے جو کچھ بھی کیا اچھا ہی کیا۔ میں نہیں چاہتا کہ اسے کوئی گزند پہنچے۔ ثمینہ جب بھی میرے سامنے آتی میں اس کے ساتھ یہی برتاؤ کرتا۔"

"شروع میں تو آپ دونوں کے بہت اچھے تعلقات تھے۔" فریدی نے کہا۔

"تعلقات.... میں اُسے سچ مچ پوجتا تھا۔ لیکن میں اس کے متعلق ہمیشہ دھوکے ہی میں رہا۔ میں اُسے پاک باز سمجھتا رہا۔ لیکن یہ حقیقت بعد کو واضح ہوئی کہ شادی سے پہلے ہی اس کے

تعلقات بہتیروں سے رہ چکے تھے۔ وہ حقیقتاً ایسی نہیں تھی کہ کسی ایک ہی کی ہو رہتی۔ اسی کی بدولت میرے اور تنویر کے درمیان بٹوارہ ہوا تھا۔ وہ ایسی جگہ رہنا ہی نہیں چاہتی تھی جہاں کوئی نہ کوئی ہر وقت اس کے سر پر مسلط رہے۔ رقیہ بڑی نیک عورت ہے اسی لئے ثمینہ نے اس کے ساتھ رہنا گوارا نہ کیا؟"

"رقیہ کون؟" فریدی نے پوچھا۔

"تنویر کی بیوی۔ ابھی ابھی یہاں سے اٹھ کر گئی ہے۔ کسی طرح تنویر کو بچایئے ورنہ وہ بے موت مر جائے گا۔"

"محال ہے۔" فریدی بولا۔ "اس کی گردن پر دو دو خون ہیں۔"

پرویز خاموش رہا لیکن اُس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ شدید ترین قلبی اذیت میں مبتلا ہے۔

"کیا آپ کو معلوم تھا کہ ثمینہ بھی اسی شہر میں موجود ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں! وہ اب سے چار سال پہلے میرے ایک دوست کے ساتھ فرار ہو گئی تھی اور اس کے بعد سے پھر مجھے اس کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہوا۔ بہر حال انتقام کی آگ نے مجھے قریب قریب پاگل کر دیا تھا۔"

"لیکن آپ نے اسے مار کس طرح ڈالا۔" فریدی نے پوچھا۔ "کیا آپ کو اس کا احساس نہیں ہوا تھا کہ آپ ایک ذی روح کا گلا گھونٹ رہے ہیں۔"

"اسے سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ جیسے ہی میں اندر داخل ہوا کچھ کہے سنے بغیر مجھ سے لپٹ گئی۔ اس وقت میں نے نقب کی طرف خیال نہیں کیا تھا۔ دفعتاً میرے دونوں ہاتھ اس کی گردن پر جا پڑے اور غیر شعوری طور پر میری گرفت سخت ہو گئی۔ نوکروں نے مجھے بتایا تھا کہ انہوں نے چیخیں سنی تھیں لیکن مجھے اس کا بھی ہوش نہیں۔ میری سمجھ میں نہ آیا کہ کیا ہو گیا۔ دوبارہ جب میں ٹارچ منگوا کر اندر گیا تو وہ مجسمہ بھی موجود نہیں تھا۔ نقب کی طرف میں نے اُس وقت بھی دھیان نہیں دیا تھا۔ اس کے متعلق تو مجھے آج ہی اخبار کے ذریعہ معلوم ہوا۔

فریدی اور حمید کچھ دیر رسمی گفتگو کرتے رہے پھر اٹھ آئے۔

"آج آر لکچو میں بڑا زوردار پروگرام ہے۔" حمید نے راستے میں کہا۔

"ابھی تمہارا دل پروگراموں سے نہیں بھرا۔" فریدی بولا۔

"پتہ نہیں آپ آدمی ہیں یا بلوٹنگ پیپر۔"

فریدی کچھ نہیں بولا۔

"ایک بات آج تک سمجھ میں نہ آئی۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "کوئی شوہر اپنی بیوی کی بدچلنی نہیں برداشت کر سکتا۔ لیکن عموماً بیویاں اپنے شوہروں کی بدچلنی برداشت کرتی رہتی ہیں۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟"

"لیکن تمہاری بیوی تمہیں کبھی نہ برداشت کر سکے گی۔" فریدی بولا۔

"تو کیا میں بدچلن ہوں۔" حمید بگڑ کر بولا۔

"نہیں تم تو فرشتے ہو۔"

"معاف کیجئے گا۔ جناب میں لڑکیوں سے صرف دوستی کرتا ہوں۔"

"ہر پڑھا لکھا بدچلن یہی کرتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا کہا۔" حمید چیخ کر بولا۔ "بدچلن کہہ لیجئے لیکن اگر پڑھا لکھا کہا تو اچھا نہ ہوگا۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"اگر ہم اس وقت آر لکچو ہی میں کھانا کھائیں تو کیا حرج ہے۔" حمید نے کہا۔

وہ دونوں آر لکچو میں آئے۔ ڈائننگ ہال میں ابھی تھوڑی بہت گنجائش تھی۔ حمید نے ا
ایسی میز پر قبضہ جما لیا جس کے گرد و پیش کئی خوبصورت لڑکیاں تھیں۔

"افوہ یار! تم بھی کہاں آ مرے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا ان لڑکیوں سے وحشت ہو رہی ہے وہ کیسی رہے گی۔" حمید نے ایک لڑکی کی طر
آنکھوں سے اشارہ کیا۔

"خدا نے چاہا تو ہمیشہ بخیریت رہے گی.... ادھر اُدھر مت دیکھو.... اے بوائے مینو لاؤ

فریدی نے مینو دیکھ کر کچھ چیزوں کا آرڈر دیا اور پھر کئی کنکھتے ہوئے قہقہے اس کے کا
میں گونجنے لگے۔ قریب کی میز پر بیٹھی چار لڑکیاں حمید کی طرف دیکھ دیکھ کر ہنس رہی تھ
فریدی نے حمید کی طرف دیکھا جو سر جھکائے نہایت سنجیدگی سے طرح طرح کے منہ بنا رہا تھا۔

"کیا بیہودگی ہے۔" فریدی نے اُسے آہستہ سے جھڑکا۔

"نہ جانے کیا ہو گیا ہے ہونٹوں میں۔" حمید نے سر اٹھا کر سنجیدگی سے کہا۔ "کھجلی.... کیسی کھجلی۔"

اس نے فریدی کو بھی منہ چڑھا دیا۔

"میں جاتا ہوں.... گدھے سور! پبلک مقامات پر بیہودگی کھل جاتی ہے۔"

"اب بتائیے کھجلی کو کیا کروں۔"

"جوتے سے کھجلاؤں گا۔" فریدی بگڑ کر بولا۔

بہر حال حمید نے وہ رات فریدی پر حرام کر دی۔

اور اس کیس کے سلسلے میں بعد کے واقعات میں صرف یہی بات بہت زیادہ اہم ہے کہ
الت نے پرویز کو قتل کی نیت نہ رکھنے کی بناء پر بری کر دیا۔ فاضل جج نے تجویز میں لکھا تھا کہ
ارادتاً نہیں بلکہ اضطراری کیفیت کے تحت سرزد ہوا تھا۔ جس کی وجہ خوفزدگی بھی قرار دی
کتی ہے۔ عدالت کی نظروں میں صحیح معنوں میں مجرم تنویر ہی تھا۔ ثمینہ کے معاملے میں اسے
سال قید بامشقت کی سزا دی گئی اور ایجنٹ کے قتل کے سلسلہ میں سزائے موت۔

مسز تنویر کی حالت بہت ابتر تھی۔ فیصلہ سنتے ہی وہ عدالت میں بیہوش ہو گئی۔ زندہ تو وہ اب
ہے لیکن ہڈیوں کا ڈھانچہ ہو کر رہ گئی ہے۔ پرویز ہر طرح اس کا خیال رکھتا ہے، لیکن اس کے
ن میں اُتر جانا اس کے بس کی بات نہیں۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 29

لاشوں کا آبشار

(مکمل ناول)

پیش رس

"لاشوں کا آبشار" ایک عظیم مصنف کی عظیم ترین تخلیق ہے! یہ وہ ناول ہے جس کا ہر لفظ، ہر جملہ اپنی جگہ پر نفسیاتی حقیقتوں کے ذخیرے رکھتا ہے۔اس کے پورے ماحول میں ایک ایسی کشش اور جاذبیت ہے کہ ابتدا سے انتہا تک ہر کردار، کسی ڈرامہ کے افراد کی طرح ہنستا، بولتا، چیختا نظر آتا ہے۔

اس کہانی کا مرکزی کردار کرنل فریدی اور حمید کے بجائے ایک مجرم ہے مگر ایسا مجرم جو سماج اور سوسائٹی کے لئے ہمیشہ سے ایک مسئلہ رہا ہے، ایسا عجیب و غریب سوال.... جس کا جواب اب تک نہ دیا جا سکا ہے!

اس ناول میں شاید ہی کوئی ایسا کردار ہو جسے آسانی سے بھلایا جا سکے! کنول کو آج تک لوگ یاد کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اُسے پھر موقع دیا جائے! حمید کی اور اس کی دلچسپ چھیڑ چھاڑ خصوصاً ابتدائی حصے میں اس کا برتاؤ قہقہہ انگیز ہے! نادرہ ایک مجہول سی لڑکی ہے جس کی شکل صرف ایک بار دکھائی دیتی ہے لیکن اس کی چال.... ذہن میں چپک کر رہ جاتی ہے۔ مسٹر

کیو جو اس ناول کا مرکزی کردار ہے اپنی خوفناک آنکھوں سمیت ہر جگہ نا آتا ہے۔

اس ناول کا وہ حصہ عجیب و غریب ہے جہاں مصنف نے پاگل خانے تصویر کشی کی ہے۔ یہ تصویر اتنی مکمل، اتنی جاندار اور انسانی ہمدردی لبریز ہے کہ بے اختیار.... آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔

حمید کے قہقہے اس کی شرارتیں، اس کے جملے، اس کا حیرت انگیز جو بڑی سے بڑی مصیبتوں میں بھی قہقہے لگانے کے بارے میں سوچ ہے، ایک انوکھی دنیا کی تعمیر کرتے ہیں۔

اور پھر کرنل فریدی.... جیسا عظیم سراغ رساں اپنے کمال عروج پر نظر آتا ہے۔

پبلشر

الف لیلیٰ کی ایک رات

ہلکی سردیوں کی ایک خوشگوار رات تھی لیکن یہ خوشگواری اُسی وقت تک قائم رہی جب تک سرجنٹ حمید کو راستہ بھٹک جانے کا احساس نہیں ہوا۔ وہ سر شام ہی دلاور نگر سے چل پڑا تھا۔ کام کچھ اتنا ہی ضروری تھا کہ اس نے ٹرین کے وقت کا انتظار کرنے کے بجائے فریدی کی کار استعمال کی تھی۔ واپسی پر شام ہو گئی۔ تھوڑی دور تو وہ پختہ سڑک سے آیا پھر اس خیال سے کہ سفر مختصر ہو سکے اس نے ایک جگہ کار کو ایک کچے راستے پر موڑ دیا۔ یہ اس نے اپنی یادداشت کے بھروسے پر کیا تھا۔ اس کی دانست میں ایک بار فریدی نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ بہر حال حمید کو یقین تھا کہ اس نے کار غلط راستے پر نہیں موڑی تھی۔

اُسے شہر پہنچنے کی کچھ اتنی جلدی تھی کہ اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ کیڈلاک جیسی شاندار گاڑیاں کچے راستوں کے لئے نہیں ہوتیں۔

مطلع غبار آلود ہونے کی وجہ سے چاندنی ہلکی تھی اور جنگل کے سناٹے سے اس کی ہم آہنگی بڑی دلکش لگ رہی تھی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اگر رفیق سفر تنہائی نہ ہوتی تو اس وقت کیڈی کے پہیوں کے نیچے کی ناہموار زمین نہ جانے کتنے جہانوں کی سیر کرا دیتی اس وسیع کائنات کے رشتے میں پروئے ہوئے دو دلوں کے کتنے راز فاش ہوتے۔ اس کے ذہن کی سطح پر کئی حسین چہرے اُبھر آئے اور وہ ان میں سے کسی ایک کو اپنے گرد بکھری ہوئی بیکراں خوبصورتی کا ایک حصہ بنانے کے لئے منتخب کرنے لگا۔

بہر حال اس کا ذہن شاعرانہ خیالات کی وادیوں میں بھٹکتا رہا اور وہ خود جنگل میں.... جب کافی دیر ہو گئی اور وہ بد گد کا عظیم الشان درخت نہ ملا جہاں سے اسے بائیں طرف مڑنا تھا تو اچانک

وہ سارے شاعرانہ خیالات سراسیمگی کی دلدل میں جا پھنسے۔ اس دوران میں نہ تو اسے وقت کا احساس رہ گیا تھا اور نہ یہی دھیان تھا کہ سڑک سے کتنا فاصلہ طے کر چکا ہے۔ کیڈی کے انجن سے کچھ اس قسم کی آوازیں نکلنے لگی تھیں جیسے پانی تھوڑا ہی رہ گیا ہو۔ پٹرول تو خیر ٹنکی میں کافی تھا کار کے پچھلے حصے میں بھی کئی ٹین بھرے رکھے تھے۔

اس نے کار روک دی لیکن انجن بند نہیں کیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر کار اسی طرف موڑ دی جدھر سے آیا تھا۔ ایک جگہ پہنچ کر اُسے دو راستے نظر آئے جو مختلف سمتوں میں چلے گئے تھے اور ان کے درمیان گھنا جنگل تھا۔ حمید کے لئے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو گیا کہ وہ ان میں سے کس راستے سے آیا تھا۔ اُس نے نیچے اُتر کر پہیوں کے نشانات دیکھنے شروع کئے لیکن بدقسمتی سے زمین اتنی سخت تھی کہ وہ نشانات نہ ملنے پر اس میں سما بھی تو نہیں سکتا تھا اور آسمان تو خیر ازل سے دور ہے۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ آخر کار اس نے جیب ٹٹول کر ایک روپیہ نکالا اور دونوں راہوں کو ذہن میں رکھ کر ٹاس کیا۔ روپیہ آواز کے ساتھ زمین پر گرا اور وہ جھک کر دیکھنے لگا۔

"ہیڈ.....!" وہ آہستہ سے بڑبڑایا اور کار اسٹارٹ کر دی۔ اب وہ تن بہ تقدیر ایک راہ پر ہو لیا۔

کچھ دیر پہلے کی حسین چاندنی کفن یا کسی مقدس کنواری کی طرح بور لگنے لگی تھی۔ روپہلی چادر اور سناٹے کا ربط ٹوٹ چکا تھا۔ وہ حسین چہرے جو کچھ دیر قبل ذہن کی سطح پر اُبھرے۔ جھلاہٹ کے غبار میں چھپ گئے اور وہ پختہ سڑک! وہ آدھ گھنٹہ چلتے رہنے کے باوجود بھی نہ ملی۔

کیڈی کا سنجیدہ ترین انجن پیاس سے بے قابو ہو کر شور مچانے لگا تھا۔

"شامت ہے شامت۔" حمید نے بڑبڑا کر کیڈی روک دی۔

چند لمحے بے حس و حرکت بیٹھا رہا پھر نیچے اُتر آیا۔

پانی کا مسئلہ بہت ضروری تھا ورنہ بھٹکنے کو کیا؟ دو چار گھنٹے اور سہی لیکن پانی ہی کہاں مل جاتا۔ اگر وہ سڑک ہی سڑک چلا ہوتا تو کہیں نہ کہیں کامیابی ضرور ہو جاتی۔ آتے وقت راستے میں اس نے کئی تالات دیکھے تھے مگر یہاں جنگل میں اگر کوئی ہوتا بھی تو ضروری نہیں کہ اس کی رسائی

ممکن ہو ہی جاتی۔

وہ کھڑا کچھ سوچ رہا تھا کہ دفعتاً اُسے اپنے سامنے کچھ دور پر روشنی دکھائی دی جو کچے راستے سے اٹھ کر سامنے کی جھاڑیوں پر پھیل گئی اور پھر ایک آواز سنائی دینے لگی جو کسی ٹرک ہی کے انجن کی ہو سکتی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک تیز رفتار ٹرک جھاڑیوں سے نکل کر مخالف سمت میں مڑ گیا۔ حمید سوچنے لگا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سڑک ہی کی طرف سے آئی ہو۔

وہ پھر کیڈی میں جا بیٹھا اور اسی طرف چل پڑا جدھر سے ٹرک آیا تھا۔

کچھ دور چلنے کے بعد اچانک اُسے پھر رک جانا پڑا۔ بائیں طرف ایک کشادہ راستہ تھا۔ نہ صرف ہموار بلکہ باقاعدہ دونوں طرف مالتی کی گھنی جھاڑیاں تھیں لیکن خود رو نہیں۔ ان کی کاٹ چھانٹ اور باقاعدگی کسی آدمی کی مرہون منت تھی۔ یہ راستہ ایک چھوٹے سے سلاخوں دار پھاٹک پر ختم ہو گیا تھا جو بند نہیں تھا۔ مدھم چاندنی میں ایک سفید سی عمارت کے آثار نظر آرہے تھے۔ حمید کو حیرت تو ضرور ہوئی لیکن کیڈی کے لئے پانی کی ضرورت نے اسے بڑھنے نہیں دیا۔ اس نے کار موڑی اور پھاٹک سے گذر کر بائیں باغ میں پہنچ گیا۔ جو اپنی وسعت کے اعتبار سے باغ سے بھی بڑی کوئی چیز تھی۔ جس کے درمیان میں ایک بڑی سی عمارت تھی لیکن طول و عرض کی مناسبت سے اس کی اونچائی غالباً بہت ہی کم تھی۔ سامنے ایک طویل برآمدہ تھا جس میں برقی قمقمے روشن تھے۔ قریب ہی کہیں سے گھڑگھڑاہٹ کی آواز آرہی تھی جو غالباً کسی زیادہ طاقت والے ڈائنامو کی تھی۔

برآمدے کے سامنے والی روش پر مڑنے کی بجائے حمید نے کیڈی اسی طرف روک دی۔

برآمدے میں کوئی نہیں تھا اور آس پاس بھی کوئی نہ دکھائی دیا۔ حمید نے سوچا کہ اس جدید طرز کی عمارت میں جسے ڈائنامو کے ذریعے روشن کیا جاتا ہے گھنٹی ضرور ہو گی۔

وہ کیڈی سے اُتر ہی رہا تھا کہ دفعتاً اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

اگر یہ تشبیہہ گھٹیا اور پرانی نہ ہوتی تو وہ یہی سوچتا کہ وہ چہرہ سیاہ پردے کی اوٹ سے اسی طرح نکلا تھا جیسے بدلی سے چاند نکل آئے سفید سلک کا لمبا لبادہ ہلکورے لیتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا اور اس لبادے کے اوپر سیاہ بل کھائے ہوئے گیسوؤں میں ایک خوابناک اور سلگتا ہوا سا چہرہ جس کے خدوخال آنکھوں میں گدگدی پیدا کر رہے تھے اور جب وہ برآمدے کی روشنی کی زد سے نکل کر

روش پر اُتر آئی تو دھندلی چاندنی میں گویا جان پڑ گئی۔

وہ حمید سے ایک گز کے فاصلے پر کھڑی اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھی اور حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے اپنے جسم کی مشین چلتے چلتے دفعتاً گئی ہو۔

"آپ کون ہیں؟" تیز قسم کی سرگوشی سنائی دی اور حمید کو ایسا معلوم ہوا جیسے چاندنی بول اٹھی ہو۔

"مم.... مسافر....!" وہ ہکلا کر رہ گیا۔

"کیا چاہئے؟" اس بار گھنٹیاں سی بج اٹھیں اور حمید یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ اس کی آواز میں بھی بڑی سیکس اپیل ہے۔

"پانی....!" حمید نے کیڈی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "ختم ہو گیا ہے۔"

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کم سے کم الفاظ استعمال کرنے کی کوشش کیوں کر رہا ہے لڑکی واپس چلی گئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ہولے ہولے ہوا میں تیرتی چلی جا رہی ہو۔

حمید نے جیب سے رومال نکال کر پسینے کی وہ بوندیں خشک کیں جو اس دوران میں اس کے چہرے پر پھوٹ آئی تھیں۔ دل اس طرح دھڑک رہا تھا جیسے وہ لڑکیوں کے معاملے میں بالکل اناڑی ہی ہو۔ اس سے پہلے کبھی اسے کسی لڑکی کا قرب نہ نصیب ہوا ہو۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر برآمدے میں دکھائی دی اور اس نے حمید کو اشارے سے بلایا۔

حمید کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ برآمدے کے قریب پہنچ کر وہ رک گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ وہی لڑکی ہے جو کچھ دیر قبل اس کے قریب چاندنی میں کھڑی تھی؟ لباس تو وہی تھا لیکن شکل صورت کے معاملے میں اُسے اپنی یادداشت پر پورا پورا اعتماد تھا۔ یہ وہ لڑکی تو ہرگز نہیں تھی کچھ دیر قبل اسکے حواس خمسہ پر بُری طرح چھا گئی تھی۔ البتہ اس کی آنکھیں بھی خوابناک تھیں۔

"راستہ بھٹک گئے ہو۔" اس نے آہستہ سے پوچھا۔ آواز میں اتنی دلکشی نہیں تھی۔

"جی ہاں.... کیا آپ براہِ مہربانی کار کے لئے پانی دلوا سکیں گی۔"

"مجھے یقین نہیں آتا کہ تم آدمی ہو۔" لڑکی نے سنجیدگی سے کہا۔

"جی....؟" حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"سچ بتاؤ کیا تم آدمی ہو۔" اس بار اس کی آواز شدت جذبات سے کپکپا رہی تھی۔

"اس پر میں نے ابھی تک غور ہی نہیں کیا۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "اگر پانی....!"

"آپ کھانا بھی میرے ہی ساتھ کھائیں گے۔" لڑکی اس کی بات کاٹ کر بولی۔ "میں نے پچاس سال بعد آدمی دیکھا ہے۔"

یہ سن کر حمید کو بھی سنجیدہ ہو جانا پڑا۔ اس کے لئے یہ خیال بھی توہین آمیز تھا کہ کوئی لڑکی ہنس رہی ہو۔

"تب تو آپ مجھے دیر تک دیکھئے۔" حمید نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" لڑکی نے حمید کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے بڑے پیار سے پوچھا۔

"ڈمباسٹر....!" حمید بولا۔ "اور آپ کا۔"

"کنول؟" اس نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔ "میں ایک تالاب میں اُگی تھی۔"

حمید بدقت تمام ہنسی ضبط کر کے بولا۔ "اور.... میں.... مجھے کچھ شکاری ہمالیہ پہاڑ سے پکڑ لائے تھے۔ مجھے وہ دن اچھی طرح یاد ہے۔"

"ہمالیہ پہاڑ سے؟" لڑکی نے پُر اشتیاق لہجے میں کہا۔ "اندر چلو.... یا یہیں بیٹھ جاؤ۔"

حمید نے وہیں بیٹھنا زیادہ مناسب سمجھا۔

"ہاں تو تم کس طرح لائے گئے تھے؟" لڑکی نے پوچھا۔

حمید چند لمحے غور سے اُسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "کیا آپکے والد صاحب گھر پر تشریف نہیں رکھتے۔"

"والد صاحب کیا ہوتا ہے؟"

"بہت بُرا ہوتا ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "اگر گھر پر موجود ہو تو آپ جیسی صاحبزادیاں بلی بلی بنی رہتی ہیں۔"

"بلی بھیگ جانے پر اچھی نہیں لگتی۔" وہ نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر بولی۔

"میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اگر آپ پانی دلوا دیتیں....!"

"پانی! اوہ.... کھانے کے بعد۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"تب تو آدمی نہیں معلوم ہوتے۔" لڑکی نے مایوسی سے کہا۔

"اچھا مجھے بھوک ہے.... منگوائیے کھانا۔"

"طالوت.... او طالوت۔" لڑکی نے کسی کو آواز دی۔

حمید بے اختیار جھک پڑا۔ سامنے والے دروازے سے ایک گرانڈیل حبشی جھپٹ کر آیا جس نے زمانہ قدیم کے حبشی غلاموں کا سا لباس پہن رکھا تھا۔ وہ سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

"کھانا یہیں لاؤ۔" لڑکی نے اس سے کہا۔

حبشی کے جانے کے بعد حمید اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

"طالوت بڑا وفادار جانور ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔ "جب میں تالاب میں اُگی تھی تو یہ کی شکل میں کائیں کائیں کرتا ہوا میرے گرد منڈلانے لگا تھا۔"

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں آ پھنسا ہے۔ اس ویرانے میں اس قسم کی عمار موجودگی ہی کم حیرت انگیز نہ تھی۔

"ہاں تو آپ ہمالیہ سے کس طرح لائے گئے تھے؟" لڑکی نے پوچھا۔

"باندھ کر۔" حمید بولا۔ "اس وقت میرے پورے جسم پر ایک ایک فٹ لمبے بال تھے۔"

"ہاں! لیکن اب تو نہیں ہیں۔"

"وجہ یہ ہے کہ میں روز صبح اوپر سے نیچے تک شیو کر ڈالتا ہوں۔ سر پر تھوڑے سے یادگار چھوڑ دیئے ہیں۔"

"اوہ....!"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔ "اور وہ صاحبہ کہاں اُگی تھیں جو آپ سے مجھے ملی تھیں۔"

"کون؟ کیا یہاں؟" لڑکی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں....!"

"لیکن یہاں تو میرے اور طالوت کے علاوہ اور کوئی نہیں۔"

"تو پھر مجھے دھوکا ہوا ہوگا۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اُسے اُ کے بیان پر یقین نہیں آیا تھا۔ ہر چند کہ وہ اُسے شرارت ہی سمجھ رہا تھا پھر بھی اس مکان اور کے مکینوں کے متعلق کچھ معلوم کرنے کے لئے بے چین ہو گیا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ عمارت زیادہ پرانی نہیں ہے۔" حمید پُر خیال انداز میں بولا۔

"ہاں! کل یہ کچھ تھی اور آج کچھ ہے۔ منٹوں میں بنتی اور بگڑتی ہے۔" لڑکی نے کہا۔

"غالباً اس سلسلے میں کسی انگوٹھی یا چراغ سے مدد لی جاتی ہوگی۔" حمید نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

"اوہ....!" وہ چونک کر حیرت سے بولی۔ "تو آپ جانتے ہیں۔"

"کیا....؟"

"یہی کہ میں ایک جن کے قبضے میں ہوں۔"

"جی ہاں۔ میں نے آپ کے متعلق الف لیلےٰ میں یہی پڑھا تھا۔" حمید چڑ کر بولا۔ "ویسے کیا میں آپ کے والد صاحب کا نام پوچھ سکتا ہوں۔"

"والد صاحب۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔ "آخر یہ کیا بلا ہے؟"

"مجھے یقین ہے کہ اس وقت وہ بلا گھر میں موجود نہیں ہے۔" حمید نے اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"آپ کچھ خفا معلوم ہوتے ہیں۔"

"مجھے جلدی ہے! اگر آپ پانی دلوا دیتیں تو اچھا تھا۔ ویسے میں پھر کبھی بھی حاضر ہو سکتا ہوں۔"

"کیا میں اتنی بُری ہوں۔" لڑکی ٹھنڈی سانس بھر کر بولی۔

"آپ غلط سمجھیں مجھے جلد واپس جانا ہے۔"

حمید کو یقین ہو چلا تھا کہ وہ پاگل ہے۔

"طالوت.... او طالوت۔" لڑکی نے حبشی کو آواز دی۔

وہ پھر جھپٹ کر باہر نکلا۔

"کھانا لاؤ۔"

اس نے ایک میز اٹھا کر ان کے درمیان میں رکھ دی اور اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر واپس آیا۔ وہ اپنے ہاتھوں پر ایک بڑا سا خوان اٹھائے ہوئے تھا۔

جیسے ہی خوان میز پر رکھا گیا حمید کے دیوتا کوچ کر گئے۔ خوان میں ایک بڑا سا سانپ کنڈلی مارے پھن اٹھائے بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھیں روشنی میں چمک رہی تھیں۔

حمید نے بیٹھے ہی بیٹھے جست لگائی اور دوسرے لمحے میں وہ برآمدے کے نیچے تھا۔

"پیارے.... میری جان۔" لڑکی چیختی ہوئی جھپٹی۔

اُس نے حمید کو دبوچ لیا اور آہستہ آہستہ کہنے لگی۔ "یہ طالوت.... سور بڑا کمینہ ہے۔ تم ڈر گئے؟"

"نہیں....!" حمید دانت بھینچ کر بولا۔ "شاید یہ پاگل خانہ ہے۔"

"دولت خانہ۔" لڑکی نے سنجیدگی سے تصحیح کی۔

حبشی خوان اٹھا کر پھر اندر چلا گیا۔ وہ شروع سے اب تک مشین کی طرح حرکت کرتا آیا تھا اس دوران میں ایک بار بھی اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا تھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کیا وہ کسی جال میں پھنسنے والا ہے۔

"خفا ہو کر نہ جاؤ۔" لڑکی نے اُسے برآمدے کی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔

حمید کا عجیب حال تھا۔ غصہ ہنسی اور ندامت تینوں نے ایک ساتھ اس پر یلغار کر دی تھی لڑکی اُسے پھر برآمدے میں کھینچ لے گئی۔

"یہ طالوت.... واقعی بڑا کمینہ ہے میں معافی چاہتی ہوں۔"

حمید حقیقتاً اس فکر میں تھا کہ کسی طرح نکل بھاگے۔

"تو آپ پانی....!"

"آج رات یہیں ٹھہر جاؤ تو کیا حرج ہے۔" وہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔

"کیوں؟"

"آج وہ جن نہیں آئے گا۔

"محترمہ! یہ بیسویں صدی ہے۔" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "آج کل کے لئے شرارت بیکار ہے۔"

"شرارت! میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

حمید نے سوچا کہ اس طرح سر مارنا فضول ہے۔ کیوں نہ وہ بھی انہیں خرافات پر اتر آئے لہٰذا وہ اپنے حرکات و سکنات میں ڈرامائی انداز پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ کیا یہ چاندنی کل بھی اتنی ہی حسین تھی۔" حمید کی آواز خوابناک تھی۔

"چاندنی....!" لڑکی نے سسکی سی لی۔

"ایسی ہی چاندنی تو تھی جب میں۔" حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"کیا؟" لڑکی کی آنکھیں کچھ اور نشیلی ہو گئیں۔ حمید افق میں دیکھنے کی ایکٹنگ کر رہا تھا۔

"وہاں.... اس پار.... جہاں بہار کے خوش گلو پرندے.... طربیہ گیت گاتے ہیں سنہری

یلی خوبانیاں.... تمہیں شہد یلی پر اعتراض تو نہیں۔"

"نہیں! اعتراض کیوں ہوتا۔"

"میں سمجھا شاید تم اسے قواعد کے رو سے غلط قرار دے دو۔"

"محبت کرنے والے قواعد کی پرواہ نہیں کرتے۔" لڑکی سنجیدگی سے بولی اور حمید سوچنے لگا اب اتنی ڈھیٹ لڑکی سے کبھی ملاقات نہ ہو۔

"تو تم محبت کرنا چاہتی ہو۔" حمید دردناک آواز میں کراہا۔ لیکن اس کی آواز دبی دبی سی تھی۔ اس کا بھی تو خیال تھا کہ اگر ابا میاں قسم کے کوئی بزرگ گھر پر موجود ہی ہوئے تو کیا ہوگا۔

"سچ سچ بتاؤ تم کون ہو۔" لڑکی اُس کا ہاتھ دبا کر بولی۔

"اُدھر چلو....!" حمید نے مالتی کی جھاڑیوں کی طرف اشارہ کیا۔

وہ دونوں برآمدے سے اُتر کر روش طے کر کے لان پر آ بیٹھے۔ لڑکی سوالیہ انداز میں اُس کی دیکھ رہی تھی۔

"میری داستان بہت درد بھری ہے۔" حمید ایک آہ جگر خراش کھینچ کر بولا۔ "اے غنچہ دہن گل.... اندام میں رہنے والا شہر بے نیل و مرام کا ہوں اور لوگ مجھے شہزادہ امرود بخت کہتے ہیں۔"

حمید نے محسوس کیا کہ وہ لڑکی ایک بے تحاشہ قسم کے قہقہے کو نہایت صفائی سے دبا گئی۔ لتا رہا۔

"میرے باپ شہنشاہ شلجم نصیب نے مجھے پیدا کرنے کے سلسلے میں ایک خانہ باغ ترتیب دیا جب دستور نجومیوں سے حکم لگوادیا کہ بارہ برس تک عورتیں میری شکل نہ دیکھنے پائیں لیکن بہرحال شہنشاہ شلجم نصیب کہ جب میں پانچ ہی سال کا تھا تو ایک عورت نے مجھے اس طرح دیکھا بس اُس دن سے یہ حال ہے کہ میں صحرا صحرا جنگل جنگل مارا پھرتا ہوں۔ لہٰذا کبھی پٹرول کبھی پانی ختم۔ اس غریب الوطنی میں ایک بیمہ کمپنی کے ایجنٹ کے چکر میں پڑ کر کار بھی مار پڑی۔"

حمید آہ سرد بھر کر خاموش ہو گیا۔

"کیا سوچنے لگے۔" لڑکی تھوڑی دیر بعد بولی۔

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تمہیں اُس روسیاہ جن کے پنجے سے کس طرح چھڑاؤں۔"

"آہ میں اس نابکار خوک پیکر سے تنگ آگئی ہوں۔"

"ایک تدبیر ذہن میں آئی ہے۔"

"کیا؟" لڑکی نے پُر اشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"پتہ لگاؤ کہ اس نے اپنی زندگی کا بیمہ کرایا ہے یا نہیں۔"

"نہیں کرایا۔ میں پوچھ چکی ہوں۔" لڑکی ایک بیساختہ قسم کی مسکراہٹ کو دبا کر بولی۔

"تب تو میں اُسے کسی بیمہ ایجنٹ کے چکر میں پھنسا کر تمہیں صاف نکال لے جاؤں گا۔"

"سچ....!" لڑکی اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"ایک بار میں نے بھی اسی طرح اپنی جان بچائی تھی۔"

"کیسے؟ کیا بات تھی۔"

"اب سے ایک سال پہلے کی بات ہے۔" حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔" صحرا پھرتا پھراتا ایک شہر میں جا نکلا.... کہ نام جس کا نگار سلطانہ تھا۔ شہر پناہ کے پھاٹک نے ایک جم غفیر دیکھا۔ بہت سے لوگ ایک گدھے کو پکڑے اس کی ناز برداریوں میں تھے۔ جیسے ہی میں نے پھاٹک میں قدم رکھا گدھے نے دولتیاں جھاڑیں اور ان لوگوں سے کر تیر کی طرح میری طرف آیا اور میری ٹانگوں میں سے اس طرح نکلا کہ میں دوسرے اس کی پیٹھ پر سوار تھا۔ لوگوں نے تالیاں بجائیں نعرے لگائے اور ٹوپیاں اچھالیں۔ پھر انہ مجھے گدھے پر سے اُترنے نہ دیا اور مجھے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے جلوس کی شکل بڑھے۔ میں نے ایک شخص سے کہ مرد عقیل و فہیم معلوم ہوتا تھا اس عزت افزائی کی و تو اس نے کہا کہ 'جہاں پناہ بادشاہ بنا دیئے گئے'۔!"

"بادشاہ۔" لڑکی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! یہ اس ملک کی رسم تھی! جب بادشاہ مر جاتا تھا تو لوگ ایک گدھے کو پکڑ کرا بادشاہ کا انتخاب کیا کرتے تھے۔ گدھا جسے اپنے اوپر سوار کرالیتا وہی بادشاہ بنا دیا جاتا۔ ا یقیناً بڑی اچھی تھی لیکن اس مرد عاقل نے ایک بات اور بھی بتائی جسے سن کر مجھے وجہ میں گدھے سے اُتر جانا پڑا۔"

حمید خاموش ہو کر پائپ سلگانے لگا۔

"کیا بات تھی!" لڑکی بے چینی سے بولی۔

اس نے بتایا کہ مرتے وقت یہ گدھا بادشاہ پر سوار ہو جاتا ہے اور اس وقت تک نہیں اُترتا اُس کا دم نہ نکل جائے۔ بہر حال میں نے گدھے سے اُتر کر شور مچانا شروع کر دیا کہ کی آنکھیں کمزور معلوم ہوتی ہیں۔ مجمع نے کہا کہ شاہی گدھے کی توہین نہیں برداشت کی نہیں اس کی آنکھوں کی کمزوری کا ثبوت پیش کرنا پڑے گا۔ بات بڑھ گئی آخر فیصلہ یہ ہوا ھے کو کسی ماہر امراض چشم کے پاس لے جایا جائے۔ قصہ مختصر یہ کہ گدھے کی آنکھیں ٹسٹ ئیں اور واقعی وہ کمزور نکلیں.... گدھے کے لئے چشمہ خریدا گیا۔ چشمہ لگتے ہی کمبخت نے ی ہی طرف رخ کیا۔ میں نے پھر غل غپاڑہ مچایا کہ یہ نشے میں معلوم ہوتا ہے۔ ان لوگوں ھے کو پکڑ لیا۔ کیونکہ انتخاب کی ساعت ٹل چکی تھی۔ انہوں نے کہا کہ انتخاب کل ہوگا۔ ھا تمہارے ہی ساتھ رہے گا۔ تو اے نازنین پری تمثال وہ گدھا میرے پیچھے لگ گیا۔ جھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس سے کس طرح پیچھا چھڑاؤں۔ آخر ایک تدبیر سوجھ گئی۔ میں بیمہ کمپنی کے ایجنٹ کی تلاش شروع کر دی۔ تقدیر مہربان تھی کہ جلد ہی مل گیا۔ میں نے گدھے کا تعارف کرایا اور وہاں سے نو دو گیارہ ہو گیا۔ پھر کافی رات گئے ایجنٹ کے ٹھکانے ہ گیا۔ گدھا وہاں موجود نہیں تھا۔ میں نے وہ رات ایجنٹ ہی کے یہاں بسر کی اور رات بھر ے سونے کے لالچ میں میں نے اس سے وعدہ کر لیا کہ میں بھی اپنی زندگی کا بیمہ کرالوں گا۔ ے دن صبح ہی صبح میں اُسے اپنے ساتھ لے کر شہر پناہ کے پھاٹک پر پہنچ گیا۔ پہلے دن کی ج بھی کافی بھیڑ تھی۔ گدھا چشمہ لگائے اداس کھڑا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی سے بیزار ہو۔ جیسے ہی دونوں وہاں پہنچے وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا میری طرف بڑھنے کمپنی کے ایجنٹ نے کنکھار کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا اور اس پر نظر پڑتے ہی گدھے کا گیا۔ ایجنٹ اس کے پیچھے دوڑتا ہوا چیخ رہا تھا۔ سنئے تو سہی مسٹر۔ خدارا مستقبل کے لئے کچھ چئے۔ آپ کے چھوٹے چھوٹے بچے.... آپ کے بوڑھے ماں باپ.... آپ کی عزیز از نیقہ حیات...." پھر گدھے نے کسی طرح جان نہ بچتی دیکھ کر ایک کنویں میں چھلانگ اس طرح میں بادشاہ بنتے بنتے بچ گیا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ وہ گدھا کثرت سے برانڈی پیتا

تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔"

لڑکی بے تحاشہ ہنس رہی تھی۔ حمید نے اتنی دیر میں بناوٹ کا سارا جال توڑ دیا تھا۔ وہ دیر تک ہنستی رہی پھر یکایک سنجیدہ ہو گئی اور مضمحل آواز میں بولی۔

"پیارے امرود بخت مجھے کسی طرح نکال لے چلو۔ ہائے یہ چاندنی رات اور اُس کا جن کا تصور بھی میرے لئے تکلیف دہ ہے۔"

"اگر تمہیں یقین ہے کہ اُس نے اپنی زندگی کا بیمہ نہیں کرایا تو تمہیں اس قید دلوادوں گا۔ دوسری بات یہ کہ اب مجھے جانا چاہئے.... اور پانی۔"

"نہ جاؤ پیارے امرود بخت....!" لڑکی ٹھنک کر بولی۔

"اف فوہ! مجھے بیمہ کمپنی کا ایک ایجنٹ بھی تو تلاش کرنا ہے۔"

"اچھا کھانا تو کھالو۔"

"بخشئے! اگر اس بار وہ طالوت کا بچہ....!"

"او ہو! تم سمجھے نہیں تھے۔ دراصل کھانا تیار نہ رہا ہوگا۔ اسی لئے اس نے جھلا کر کی ہوگی۔"

"خیر! آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ واقعی آپ کمال کی آدمی ہیں۔ جب بھی گذروں گا آپ سے ضرور ملوں گا۔ اب تو آپ سنجیدگی سے اپنا تعارف کرا دیجئے۔"

لڑکی حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"میں سمجھی نہیں۔"

حمید نے سوچا اب اسے کچھ اور سمجھانا بیکار ہے۔ پھر کبھی سمجھا جائے گا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں برآمدے میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ دونوں میں وہی پہلا تکی گفتگو چھڑی ہوئی تھی۔ لیکن حمید سوچ رہا تھا کہ کھانے بہت لذیذ ہیں۔ خصوصاً شا کھاتے وقت اسے سچ مچ نیند آنے لگی۔ باہر چاندنی کی خنک چادر پھیلی ہوئی تھی اور اس خوشبودار شاہی ٹکڑے گل رہے تھے۔ آنکھوں کے پپوٹوں میں گدگدی ہو رہی تھی اور ہڈی میں سرور انگیز لہریں تھیں اس کا داہنا ہاتھ چمچے سمیت اٹھا ہی رہ گیا اور اُسے گہری نیند

آسمانی فائر

نہ جانے کب تک حمید پر وہ عجیب و غریب نیند طاری رہی۔

دوسرے دن.... اگر سورج کی کرنیں سیدھی اس کے چہرے پر نہ پڑتیں تو وہ سوتا ہی رہتا۔ حال نیند کا سلسلہ ٹوٹ گیا اور اُسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ کیڈی ہی میں سفر کر رہا تھا لیکن پچھلی سیٹ پر لیٹے لیٹے وہ کھڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ ڈرائیو کرنے والے کی پشت اُس کی طرف تھی اور وہ پکٹر فریدی کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔

پچھلی رات کے سارے واقعات حمید کے ذہن میں چکر لگا رہے تھے۔ اُس نے ایک بار پھر نھیں مل کر چاروں طرف دیکھا اور اُسے یقین آ گیا کہ وہ خواب نہیں دیکھ رہا ہے۔ ساتھ ہی یدی کی آواز بھی سنائی دی۔

"آرام فرمایئے! آرام فرمایئے آپ اٹھ کیوں بیٹھے۔"

حمید نے جست لگائی اور اُس کے برابر پہنچ گیا۔ کیڈی شہر میں داخل ہو رہی تھی۔

"میں کہاں تھا؟" حمید نے بے ساختہ پوچھا۔

فریدی نے اُسے گھور کر دیکھا اور پھر سامنے دیکھنے لگا۔

"میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔" حمید نے پھر کہا۔

فریدی اپنے ہونٹ بھینچے خاموش رہا۔ حمید کی بوکھلاہٹ اور بڑھ گئی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یدی نے اُسے معلوم نہیں کہاں اور کس حال میں پایا ہو۔

"میں تمہارا تبادلہ کرا دینے کے متعلق سوچ رہا ہوں۔" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔

"تبادلہ تو رات ہی کو ہو گیا ہوتا.... مگر....!"

"میں کوئی سڑی بسی داستان یا اس حرکت کا جواز سننے کے لئے تیار نہیں۔"

"میں کہتا ہوں میری بات تو سنئے۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔"

"اچھا تو یہی بتا دیجئے کہ میں آپ کو کہاں اور کس حال میں ملا تھا۔"

"حمید! بکواس مت کرو۔"

"بڑی مصیبت ہے۔"

وہ دونوں پھر خاموش ہوگئے۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ اسے یقین تھا کہ فریدی اس کی داستان سن کر صرف قہقہے لگائے گا۔ یہ بھی اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ پچھلی رات کو اُسے بے وقوف بنایا گیا تھا۔ شاہی ٹکڑے کھاتے وقت طاری ہونے والی غنودگی اُسے یاد تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ پھر اُس کے بعد کیا ہوا؟ کیا فریدی اُسے اسی عمارت سے لایا ہے یا کہیں اور سے؟ کوٹھی پہنچ کر فریدی حمید کی طرف دیکھے بغیر اترا اور اندر چلا گیا۔ حمید چند منٹ بیٹھا کچھ سوچتا رہا پھر کیڈی گیراج میں لے جاکر کھڑی کردی۔

فریدی اندرونی برآمدے میں ٹہل رہا تھا اور اس کا موڈ زیادہ خراب تھا۔ حمید چپ چاپ آکر دروازے میں کھڑا ہوگیا۔ فریدی نے ایک بار پھر اسے گھور کر دیکھا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔

حمید کی الجھن بڑھتی جارہی تھی۔ آخر فریدی نے اُسے کہاں اور کس حال میں پایا تھا۔

وہ بھی اس کے کمرے میں چلا گیا۔

"بہتر یہی ہے کہ تم اس وقت کہیں ٹل جاؤ۔" فریدی اس کی طرف مڑ کر بولا۔

"میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"میرا موڈ بہت خراب ہے۔"

"آپ تو اس طرح تاؤ کھا رہے ہیں جیسے میں آپ کی کنواڑی لڑکی ہوں۔" حمید اوپر کا ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "اور آپ نے مجھے کسی غیر مرد کے ساتھ دیکھ لیا ہو۔"

فریدی پھر اُسے گھورنے لگا۔

"اگر آپ فوراً ہی سیدھے نہ ہوگئے تو شاید آپ کو پچھتانا پڑے۔" حمید نے کہا۔

"بک چلو۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "لیکن تمہاری ان حرکتوں کی بناء پر مجھے بڑی ندامت ہوتی ہے۔"

"کن حرکتوں کی بناء پر؟"

"مجھے چڑھا رہے ہو؟" فریدی تیز لہجے میں بولا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کو کیا ہوگیا ہے۔"

"بہتر یہی ہے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔"

"کیا ہمیشہ کے لئے۔" حمید نے ڈرامائی انداز میں پوچھا۔

"گٹ آؤٹ۔"

"میں کچھ نہیں کہتا۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "اگر آپ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں تو مبتلا رہئے ہاں اتنا تو بتا دیجئے کہ آپ نے مجھے کہاں اور کس حال میں پایا تھا۔"

فریدی اُسے غور سے دیکھ رہا تھا ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ حمید کے الفاظ کو تولنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"کیوں؟" وہ آہستہ سے بولا۔

"بات کچھ ایسی ہی ہے کہ جس پر آپ یقین نہیں کریں گے۔"

"ہوں!" فریدی اپنے ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔

"میں اگلی سیٹ پر تھا یا پچھلی پر۔"

"پچھلی پر.....!"

"اور کار کہاں تھی۔"

"سڑک کے کنارے۔" فریدی تلخ لہجے میں بولا۔

"سڑک کے کنارے۔" حمید نے اپنی کھوپڑی سہلاتے ہوئے دہرایا۔

"اب کوئی ایسی داستان دہرا دو جس پر مجھے یقین آجائے۔"

"اُف فوہ! یہ تو میں پہلے ہی سے جانتا تھا کہ آپ یقین نہ کریں گے۔"

"ضرور یقین کروں گا۔ کیونکہ تمہارے ساتھ شمپین کی دو خالی بوتلیں بھی تھیں۔"

"بوتلیں؟" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"چلو بور مت کرو! دفع ہو جاؤ۔"

"عجیب مصیبت ہے۔"

"جاؤ بابا جاؤ.... میری طرف سے جہنم میں جاؤ۔ میں اب کسی بات کیلئے کچھ نہیں کہوں گا۔"

"میں شاید جہنم سے بھی اسی طرح نکال دیا جاؤں۔" حمید اپنے جیب میں پڑے ہوئے پائپ کو ٹٹولتا ہوا بولا۔

"تمہارے ساتھ کون تھا۔"

"کیا کسی دوسرے کا سراغ بھی پایا جاتا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"آئینہ دیکھو....!" فریدی نے ڈریسنگ ٹیبل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

حمید کو اپنے گالوں پر لپ اسٹک کے دھبے نظر آئے۔

"میں سچ کہتا ہوں کہ آپ یقین نہ کریں گے۔" حمید فریدی کی طرف مڑ کر بولا۔

"خیر آپ یقین کریں یا نہ کریں مجھے وہ داستان دہرانی ہی پڑے گی۔" حمید نے کہا۔

اور پھر اس نے الف لیلیٰ والی داستان شروع کر دی۔ فریدی لاپروائی سے سنتا رہا۔ نہ تو اُسے ہنسی آئی اور نہ اُس نے کسی موقع پر حیرت ہی کا اظہار کیا جب حمید سب کچھ کہہ چکا تو فریدی کے ہونٹوں پر ایک خفیف سی مسکراہٹ کی جھلک دکھائی دی۔

"یہ کہانی بیسویں صدی کے معیار سے مطابقت نہیں رکھتی۔" اس نے کہا۔ "لیکن شاید تم نہیں جانتے کہ وہ عمارت کس کی ہے؟"

"نہیں میں نہیں جانتا۔"

"اگر جانتے ہوتے تو اس سے کم از کم اس قسم کی کوئی داستان منسوب نہ کرتے۔"

"کیوں؟ وہ کس کی ہے۔"

"ڈاکٹر نارنگ ایم۔ پی کی۔"

"ڈاکٹر نارنگ کی؟" حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ڈاکٹر نارنگ وہ پھر بڑبڑایا۔

اُسے حقیقتاً حیرت تھی۔ ڈاکٹر نارنگ نہ صرف اُس شہر بلکہ پورے ملک کے مشہور تر آدمیوں میں سے تھا۔ نہ صرف اعلیٰ حکام بلکہ وزراء تک اس کا احترام کرتے تھے۔ بہر حال حمید متحیر تھا کہ وہ اس ڈرامے سے کیا مطلب اخذ کرے جو پچھلی رات اس عمارت میں کھیلا گیا تھا۔ حمید یہ بھی جانتا تھا کہ ڈاکٹر نارنگ غیر شادی شدہ تھا۔ لہٰذا یہ بھی نہیں سوچا جا سکتا کہ وہ اس کی لڑکی رہی ہو گی۔

"کیوں؟ کیا سوچنے لگے؟" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اب اصل واقعہ بیان کر جاؤ۔"

"خدا کی قسم میں نے جو کچھ بھی کہا ہے اس میں ایک فیصدی بھی جھوٹ نہیں۔"

فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"خیر....!" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔ "میں پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ آپ یقین نہ کریں گے۔"

پہلی لڑکی.... وہ نہ جانے کون تھی اور کیا تھی۔ کتنی عجیب تھی.... چال کتنی حیرت انگیز تھی۔"

"حیرت انگیز نہیں بلکہ قیامت کہو۔" فریدی منہ بنا کر بولا۔ "تمہاری بدولت مجھے کافی شرمندگی ہوئی ہے۔ پولیس کی ایک گشتی لاری لے کر تمہاری تلاش میں جانا پڑا اور تم جس حال میں ملے اس کا تو اس یہی تقاضا تھا کہ میں ڈوب مرتا۔"

"پھر آپ نے وہی بات کہی۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "آپ کیوں ڈوب مرتے کیا میں آپ کی کچھ محترمہ ہوں۔"

فریدی کو پھر غصہ آ گیا اور حمید موقع کی نزاکت کا احساس کر کے اُس کی پیٹھ تھپکنے لگا۔

"خفا ہونے کی ضرورت نہیں۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "ایک بار دیکھا ہے، اور دوسری بار ملنے کی ہوس ہے میں اسی عمارت کے قریب ہی کہیں ایک جھوپڑی ڈالنے والا ہوں۔"

"چھوڑو ختم کرو۔" فریدی اکتا کر اٹھتا ہوا بولا۔ "اب اگر تم نے کبھی بلا ضرورت شراب استعمال کی تو میں تمہیں دھکے دے کر نکال دوں گا۔"

"اس وقت ایشیا کا عظیم ترین سراغ رساں بچوں کی سی باتیں کر رہا ہے۔" حمید نے ہونٹ چبا کر کہا اور فریدی پلٹ پڑا۔ قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتا حمید پھر بولا۔ "اگر میں آپ کو دلاور نگر کے قریب ہی کہیں ملا تھا تب تو یقیناً میں نے شمپین کی دو بوتلیں صاف کر دی ہوں گی۔ غضب خدا کا شمپین کی دو بوتلیں اور میں ابھی تک زندہ ہوں۔ کیا میں دلاور نگر کے قریب ہی ملا تھا۔"

"نہیں۔" فریدی نے بیزاری سے کہا۔

"پھر کتنا فاصلہ رہا ہو گا۔"

"فضول وقت نہ برباد کرو۔" فریدی لاپروائی سے بولا حمید کے خیال دلانے پر وہ بھی اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور کرنے لگا تھا۔ حمید اسے دلاور نگر سے تقریباً پینتیس چالیس میل کے فاصلے پر ملا تھا۔ شمپین کی دو بوتلیں صاف کر دینے کے بعد اتنی دور کا سفر شاید فولاد کے آدمی سے بھی نہ ہو سکتا اور یہ چیز بھی تقریباً ناممکن تھی کہ حمید نے اتنا سفر کر چکنے کے بعد رک کر دو بوتلیں پی ڈالی ہوں۔ یہ بات فریدی بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ حمید شراب کا عادی نہیں ہے۔

"رہی بات یہ کہ اگر کوئی عورت وہاں اس کے ساتھ آئی اور اسی کی ترغیب پر حمید نے یہ حرکت کر ڈالی تو پھر وہ خود کہاں گئی۔ ظاہر ہے کہ وہ اتنی دور پیدل تو نہ گئی ہو گی۔

فریدی نے پھر حمید کی طرف دیکھا جو اس طرح ہونٹ سکوڑے بیٹھا تھا جیسے سیٹی بجا ارادہ کر رہا ہو۔

"آج تمہیں پاگل خانے میں داخل ہونا ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا....؟" حمید بے ساختہ اچھل پڑا اور فریدی کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ دوڑ

"پاگل.... خانے.... میں۔" فریدی ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔ "میرا خیال۔ ساجد حقیقتاً پاگل نہیں ہے۔"

"کون ساجد؟"

"کرنل فرید والا کیس بھول گئے۔"

"کرنل فرید۔" حمید اپنے ذہن پر زور دیتا ہوا بولا۔

"چھ ماہ قبل کی بات ہے۔" فریدی نے کہا۔ "بھلا تمہیں کیوں یاد ہوگی۔ کرنل فر پراسرار طریقے پر قتل کر دیا گیا تھا اور جس کی بہن غائب ہو گئی تھی۔"

"نہ جانے کتنوں کی بہنیں روزانہ غائب ہوتی رہتی ہیں۔ میں کہاں تک خیال رکھوں۔ مسکرا کر بولا۔

"تب پھر تمہیں اس کیس کی تفصیل کہاں یاد ہوگی۔ معاملہ تقریباً دب ہی گیا تھا۔ لیکن رات کو....!"

دفعتاً ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو! فریدی بول رہا ہے.... ارے۔"

فریدی کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹ پڑا.... اور اس نے مضطربانہ انداز میں اُسے اٹھایا۔ "ہیلو.... ہیلو.... کہاں.... کیسے؟.... آتا ہوں۔" وہ ریسیور رکھ کر تیزی سے دروازے کی طرف مڑا۔

"چلو....؟" وہ دروازے کی طرف بھاگا۔

حمید اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔

گیراج سے کار نکالتے وقت اُس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ حمید نے کبھی اسے اس حال نہیں دیکھا تھا۔

"کیا بات ہے۔" اس نے گھٹی گھٹی سی آواز میں پوچھا۔

"وزیر خزانہ۔" فریدی تھوک نگل کر بولا۔ "وزیر خزانہ بھرے مجمع میں قتل کر دیئے گئے۔"

"بھرے مجمع میں۔" حمید اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔

کیڈیلاک سڑک پر فراٹے بھرتی رہی اور وہ دونوں خاموش رہے۔ نہ تو حمید نے یہ پوچھا کہ حادثہ کہاں ہوا اور نہ ہی فریدی نے بتایا۔ اس کی آنکھیں ونڈ اسکرین پر جمی ہوئی تھیں اور ہاتھ اسٹیئرنگ پر حرکت کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ اور بقیہ جسم قطعی بے جان معلوم ہوتا تھا۔

حمید کار میں لگے ہوئے آئینے میں دیکھ دیکھ کر اپنے چہرے سے لپ اسٹک کے دھبے صاف کر رہا تھا۔

"اپنے یہاں سے کس کس کی ڈیوٹی تھی۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"کئی انسپکٹر تھے، سپرنٹنڈنٹ بھی تھے۔ بڑی حیرت کی بات ہے۔ وزیر خزانہ کی مخالفت کہیں بھی نہیں تھی۔ نیک نام وزراء میں سے تھے۔"

"یہ حادثہ کہاں ہوا۔"

"یونیورسٹی میں.... وہ شعبہ فلکیات کا افتتاح کر رہے تھے۔ تفصیل نہیں معلوم ہو سکی۔"

"قاتل ضرور پکڑ لیا گیا ہوگا۔" حمید بولا۔

"قاتل....!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "کسی نے شاید قاتل کی شکل بھی نہ دیکھی ہو۔"

"کیوں....؟" حمید چونک کر بولا۔

"میں اس وقت تمہیں یہی بتانے جا رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔"

"کیا؟"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی پیشانی پر سلوٹیں پڑی ہوئی تھیں۔

اگر کوئی اور موقعہ ہوتا تو حمید اس کی خاموشی پر جھنجھلا جاتا۔ لیکن خود اس کا ذہن اس بُری طرح الجھ گیا تھا کہ اسے اپنے سوال کا دھیان تک نہ رہا۔

یونیورسٹی کی کمپاؤنڈ پولیس والوں سے بھری تھی۔ ہر طرف سرخ پگڑیاں اور خاکی ٹوپیاں نظر آ رہی تھیں۔ خصوصاً جلسہ گاہ جو کئی بڑے بڑے شامیانوں پر مشتمل تھی عجیب افراتفری کا عالم تھا۔ فریدی اور حمید بھیڑ میں گھستے چلے گئے۔ ڈائس کے گرد پولیس آفیسروں نے گھیرا ڈال دیا تھا

ڈائس پر شہر کے اعلیٰ حکام اور کچھ معززین سرگوشیاں کر رہے تھے۔ انہیں میں فریدی کے محکمہ
آئی۔جی اور ڈی۔ آئی۔جی بھی تھے۔ ڈائس کے داہنے سرے پر ایک مذہبی پیشوا دعائیں پڑھ رہا تھا۔

فریدی کو دیکھ کر ڈی آئی جی نے اسے ڈائس پر آنے کا اشارہ کیا۔

گولی مقتول کی پیشانی پر لگی تھی۔ حمید نے لاش پر سے اپنی نظریں فوراً ہی ہٹالیں وہ
بدبخت کے متعلق سوچ رہا تھا جس نے اتنے اچھے آدمی کو موت کی آغوش میں دھکیل دیا تھا۔
میں ان کی علم دوستی اور خداترسی کی دھوم تھی۔ نہ جانے کتنے یتیم اور بیوائیں انہیں کے سہار
زندگی بسر کر رہی تھیں۔

فریدی تھوڑی دیر تک لاش کی طرف دیکھتا رہا پھر ڈی۔ آئی۔جی اُسے ڈائس کے
اتار لے گیا۔ حمید بھی ساتھ تھا۔

"میں نے ہی تمہیں فون کیا تھا۔" ڈی۔ آئی۔جی فریدی سے کہہ رہا تھا۔ "اُف میرے خد
نہ جانے وہ کیا بلا تھی۔ میں یہیں موجود تھا.... وہ تقریر کر رہے تھے۔"

"قاتل....؟" فریدی نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"کہاں کا قاتل، کیسا قاتل، نہ جانے وہ کیا چیز تھی۔ شکل تو را نقل جیسی نہیں تھی؟
آواز ویسی ہی تھی۔"

فریدی پُرخیال انداز میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"فضا میں تیرتی ہوئی آئی تھی۔" ڈی۔ آئی۔جی کہتا رہا۔ "بس ایک لحظہ ڈائس کے سا
معلق رہی اور آنریبل منسٹر دوسرے لمحے میں نیچے تھے۔"

"اور وہ پھر اسی طرح واپس گئی جیسی آئی تھی؟" فریدی نے کہا۔

ڈی۔ آئی۔جی اثبات میں سر ہلا کر بولا۔ "پھر میں نے تو دیکھا نہیں۔ لوگوں کا بیان ہے کہ
تیر کی طرح اوپر چڑھتی چلی گئی.... اور پھر نظروں سے غائب ہو گئی۔"

حمید سوچ رہا تھا کہ کیا فریدی پہلے ہی سے واقف تھا۔ اس کا یہ جملہ کہ کسی نے شاید قاتل
شکل بھی نہ دیکھی ہو۔ اسی پر دلالت کرتا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔

"آنریبل منسٹر تقریر کر رہے تھے؟" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں انہوں نے تقریر شروع ہی کی تھی۔"

"مائیک سے کتنے فاصلے پر تھے۔"

"وہی جو فاصلہ عموماً رکھا جاتا ہے۔"

"مائیک کہاں گیا؟" فریدی مضطربانہ انداز میں چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"مائیک.... بھئی مائیک سے کیا۔" ڈی۔ آئی۔جی نے بے دلی سے کہا۔ "پتہ نہیں اس
افراتفری میں کیا ہوا۔"

"میں مائیک کو چیک کرنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے کسی کے حواس درست نہیں۔ تمہیں کیا الزام دوں۔" ڈی۔ آئی۔جی نے کہا اور
ڈائس کی طرف چلا گیا۔

فریدی متجسسانہ نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

"آخر مائیک کیوں۔" حمید آہستہ سے بولا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا وہ بھی ڈائس کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے ڈائس پر کھڑے ہو کر
روں طرف نظریں دوڑائیں۔

"اوہ....!" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا اور وہ ڈائس سے اُتر کر سیدھا اُس طرف پہنچا
اں مائیکروفون کے لوازمات اکٹھا تھے۔ وہ چند لمحے اُن کا جائزہ لیتا رہا پھر حمید سے بولا۔

"تم یہیں ٹھہرو.... یہ ساری چیزیں روکی جائیں گی۔"

وہ پھر ڈی۔ آئی۔جی کے پاس واپس آیا۔

"میں نے وہ سارا اس سامان رکوا دیا ہے؟"

"کون سا....؟" ڈی۔ آئی۔جی نے پوچھا۔

"مائیکروفون کے لوازمات۔"

"بھئی اس سے کیا ہوگا۔" ڈی۔ آئی۔جی جھنجھلا کر بولا۔

"کیا وہ مشین اتنی بڑی تھی کہ اس میں کم از کم ایک آدمی بیٹھ سکے۔" فریدی نے سوال کیا۔

"نہیں اتنی بڑی نہیں تھی۔"

"تب پھر مشینیں اپنی آنکھ سے نہیں دیکھتیں۔ میٹرو کمپنی میں جہاں سے مائیکروفون آیا ہے
کچھ فرصت میں پہرہ لگا جائے تاکہ کوئی چیز ادھر سے اُدھر نہ ہونے پائے۔"

"اور....!" ڈی۔ آئی۔ جی اُسے غور سے دیکھنے لگا۔

"جلدی کیجئے۔" فریدی نے کہا اور بھیڑ میں غائب ہو گیا۔

دوسرا حملہ

ایک گھنٹے کے اندر اندر پورا ملک سراسیمگی کا شکار ہو گیا تھا۔ اخبارات کے ضمیمے چھپ رہے تھے شہر میں تو ایسا سناٹا تھا جیسے قبرستان ہو۔ دوکانیں بند تھیں۔ سڑکوں پر فوجی دستے گشت کر رہے تھے۔ راہ گیر سرگوشیوں میں گفتگو کرتے ادھر سے اُدھر نکل جاتے اگر کسی کے ہونٹوں مسکراہٹ بھی آئی تو وہ دوسرے ہی لمحے میں چونک کر اس طرح سنجیدہ ہو جاتا جیسے اس سے یہ لاش کے سرہانے سرزد ہوئی ہو۔

وزیر خزانہ بہت اچھے آدمی تھے اور جب کوئی بہت اچھا آدمی قتل کر دیا جاتا ہے تو کائنات ذرہ ذرہ سوگوار معلوم ہونے لگتا ہے۔ ہوائیں تک آہیں بھرنے لگتی ہیں۔

عام آدمیوں سے زیادہ وہ لوگ پریشان تھے جن کی ذمہ داری مقتول کی جلسہ گاہ سے صحیح سلامت واپس جانے ہی پر ختم ہو سکتی تھی۔ محکمہ سراغ رسانی کی عمارت کے بڑے کمرے میں سب اکٹھا تھے۔

آئی۔ جی کا چہرہ اُترا ہوا تھا اور اس کے گرد بیٹھے ہوئے دوسرے آفیسر ایک دوسرے سے سرگوشیاں کر رہے تھے۔ چند لمحے پیشتر ان کے درمیان.... گرما گرم بحثیں ہوئی تھیں اور بے فیصلہ ہوئے بغیر ختم بھی ہو گئیں تھیں۔

اُس آسمانی رائفل کا مسئلہ اتنا آسان نہیں تھا کہ چند گھنٹوں کی نشست میں اس کی تہہ تک پہنچا جا سکتا۔ اس کے متعلق تو اتنا بھی نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ وہ آئی کس سمت سے تھی اور گئی کس سمت۔ دیکھنے والے صرف اتنا بتا سکتے تھے کہ وہ ایک لمبے اور لمبائی کی مناسبت سے بہت ہی چوڑے صندوق کی شکل کی تھی۔ فائیر کی آواز ایسی ہی تھی جیسی کسی رائفل کی ہوتی ہے۔

انسپکٹر آصف انسپکٹر ماتھر کی طرف جھکا ہوا آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔ "شرلاک ہومز کے چچا صاحب ندارد ہیں۔ خواہ مخواہ میٹرو والوں کے پیچھے پڑ گیا ہے۔ میرے شیر کی ہر بات نرالی ہو

بھلا مائیکروفون سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔"

انسپکٹر ماتھر کوئی جواب دینے کے بجائے دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔ آئی۔ جی اپنی بھاری گھراتی آواز میں کہہ رہا تھا۔ "یہ درست ہے کہ اس آسمانی حربے کے سامنے سبھی بے بس تھے ن سوال تو یہ ہے کہ کسی ایسے حربے کا وجود ہی کیوں! آخر ہم سب کس لئے ہیں۔ مجھے اپنے محکمے فر تھا۔"

کوئی کچھ نہ بولا۔ سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔

"مجھے سب سے زیادہ شکایت تم سے ہے۔" آئی۔ جی کی آواز پھر سنائی دی۔

اور ان سب کی نظریں دروازے کی طرف اٹھ گئیں کیونکہ آئی۔ جی ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔ وازے میں انسپکٹر فریدی دکھائی دیا۔ اس کے پیچھے سرجنٹ حمید تھا۔ دونوں کے چہروں سے لن کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں کچھ نہ کر سکا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور ایک خالی کرسی پر بیٹھ ۔ حمید کے رینک کا کوئی آدمی میٹنگ میں موجود نہیں تھا۔ اس لئے وہ الٹے پاؤں واپس چلا گیا۔

"مائیکروفون کا کیا قصہ تھا؟" آئی۔ جی نے پوچھا۔

"ایک خیال پیدا ہوا تھا۔ لیکن فی الحال کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکا۔ ویسے میں اب بھی یہی اہوں کہ اس حادثے کا کچھ نہ کچھ تعلق مائیکروفون سے ضرور ہے۔"

"کیوں؟"

"ابھی سائنس نے اتنی ترقی نہیں کی کہ مشینیں آدمی کی قوت ارادی کی پابند ہو جائیں۔ وہ ئیں کسی میکانکی ہی سسٹم کے تحت چلتی ہوں گی۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔

"ٹھیک ہے! کہتے جاؤ۔" آئی۔ جی بولا۔ "میں سمجھ رہا ہوں۔ وہ یقیناً وائرلس ہی سے کنٹرول ا جاتی ہو گی۔"

"اور اس میں ٹیلی ویژن سسٹم کا بھی دخل معلوم ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اسی لئے میں مائیک پر زور دے رہا ہوں۔"

"کیوں؟"

"اگر ہم یہ نہیں تسلیم کرتے تو پھر ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ وہ کسی آدمی کی قوت ارادی کی پابند ہے۔ اسے چلانے والے نے سوچ لیا کہ آنریبل منسٹر کو ختم کرنا ہے۔ لہٰذا وہ مشین ان کی تلاش میں چل پڑی۔"

آئی۔ جی کچھ نہ بولا۔ شاید اسے فریدی کا لہجہ ناگوار گزرا تھا۔

"شاید آپ کو وہ اڑن بم یاد نہیں۔" انسپکٹر آصف فریدی کو مخاطب کر کے بولا۔ "جو کچھ جنگ عظیم میں جرمنوں نے استعمال کئے تھے۔"

"اڑن بم....!" آئی۔ جی آصف کو گھورنے لگا۔ "ان کا یہاں کیا سوال؟"

"اڑن بموں کا سسٹم دوسرا تھا۔" فریدی نے آصف کو مخاطب کیا۔ "ان کی اڑان اور ع میں سمت اور فاصلے کے تعین کو دخل تھا۔ اس لئے وہ بعض اوقات غلط جگہوں پر بھی گر پڑ ہیں۔ فرض کیجئے وہ برلن سے لندن کے لئے روانہ ہوگئے تو وہ ادھر اُدھر بھٹکتے ہوئے لندن نہ پہنچیں گے۔ انہیں کنٹرول کرنے والی مشین انہیں لندن کی سمت برلن اور لندن کے درم فاصلہ کا تعین کر کے روانہ کرے گی۔ بس اتنے ہی فاصلے پر پہنچ کر وہ گر جائیں گے چاہے وہ لن ہو چاہے کوئی اور جگہ۔ سمت کے تعین میں ذرا سی بھی غلطی انہیں لندن کے بجائے کہیں اور سکتی ہے۔"

"غیر متعلق بحث سے کیا فائدہ۔" آئی۔ جی نے اُسے ٹوکا۔

"ہاں تو جناب والا میں یہ عرض کر رہا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ آنریبل منسٹر کے گر افراتفری کے دوران میں مائیکروفون بدل دیا گیا۔"

آئی۔ جی حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"وہ شخص جو میٹرو کمپنی کی طرف سے مائیکروفون پر مامور تھا، حراست میں ہے۔" فر پھر بولا۔ "اس کے بیان سے معلوم ہوا ہے کہ جلسہ شروع ہونے سے آدھا گھنٹہ قبل مائیکرو خراب ہو گیا تھا۔ اُس نے اُسے بنانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا۔ اتنے میں ایک آدمی یہ تجویز پیش کی کہ کمپنی سے دوسرا منگوالیا جائے چونکہ مائیکروفون کی دیکھ بھال کرنے والا اس لئے اس نے خود جانا مناسب نہ سمجھا۔ اس پر اس نامعلوم آدمی نے کہا کہ اگر وہ مائیکروفو طلبی کے لئے تحریر دے دے تو وہ منٹوں میں لا سکتا ہے۔ محافظ نے منیجر کے نام ایک پرچہ

دیا اور وہ آدمی دوسرا مائیکروفون لے آیا۔"

"اوہ....!"

"لیکن جلسہ گاہ میں بعد کو جو مائیکروفون ملے۔ اُس میں کوئی خاص بات نہ تھی۔"

"خاص بات؟"

"یعنی ان کا میکینزم وہی تھا جو عام طور پر ہوتا ہے۔"

"اُس دوسرے آدمی کا پتہ چلا۔" آئی۔ جی نے پوچھا۔

"جی نہیں! اس میٹرو کے منیجر کا بیان ہے کہ دوسرا کوئی مائیکروفون جلسہ گاہ میں گیا ہی نہیں رنہ اس صورت و شکل کا کوئی آدمی اس تک پہنچا تھا۔ دوسرا مائیکروفون جو جلسہ گاہ میں ملا تھا اس ے متعلق اس نے بتایا کہ وہ میٹرو کمپنی کا نہیں تھا۔ ویسے اس پر میٹرو کمپنی ہی کا نام درج تھا۔ بٹرولاوڈا اسپیکر سروس۔"

آئی۔ جی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔

"حقیقتاً تم محکمے کی ناک ہو۔"

فریدی کے ساتھیوں کے منہ چڑھ گئے لیکن ڈی۔ آئی۔ جی بے اختیار مسکرا پڑا تھا۔ یہ سکراہٹ کچھ ایسی ہی تھی جیسے کوئی باپ اپنے بچے کی تعریف کسی دوسرے سے سن کر کھل اٹھے۔

تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر آئی۔ جی نے کہا۔

"تو اب کیا کرنا چاہئے۔"

"ڈی۔ آئی۔ جی صاحب میرے طریقہ کار سے بخوبی واقف ہیں۔" فریدی تھوڑے توقف کے بعد بولا۔

اس پر ڈی۔ آئی۔ جی نے آئی۔ جی کی طرف جھک کر آہستہ سے کچھ کہا اور آئی۔ جی پر خیال انداز میں سر ہلانے لگا۔

کچھ دیر پورے کمرے میں سرگوشیاں ہوتیں رہیں پھر آئی۔ جی کی آواز سنائی دی۔

"بہر حال آپ لوگ اپنی آنکھیں کھلی رکھئے۔ یہ کیس خاص طور سے کسی کے سپرد نہیں کیا جا رہا ہے۔ ہر ایک کو کوشش کرنی ہے۔"

اس مختصر سی ہدایت کے بعد میٹنگ برخواست ہوگئی۔ سب چلے گئے لیکن فریدی وہیں

موجود رہا۔

"اب بتاؤ۔" ڈی۔ آئی۔ جی فریدی کی طرف مخاطب ہوا۔ آئی۔ جی کی نظریں بھی اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"میں نے پچھلی رات اس رائفل کو پرواز کرتے دیکھا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"کیا....؟" دونوں بیک وقت بولے۔

"اور میرا خیال اُسی طرف گیا تھا۔"

"تو کیا تم پہلے ہی سے اس کے متعلق جانتے تھے۔" آئی۔ جی نے پوچھا۔

"تھوڑا بہت۔"

"پھر بھی تم نے کچھ نہ کیا؟"

"کل رات سے قبل مجھے اُس کے وجود پر یقین نہیں تھا۔" فریدی نے کہا۔ "حقیقتاً کل رات بھی مجھے یقین واثق نہیں تھا۔ اس کا تو اس وقت خیال آیا جب میں نے حادثے کی خبر سنی تھی۔"

"تم نے اُسے کہاں دیکھا تھا؟"

"شہر کے اُتری حصے میں وہ زیادہ بلندی پر نہیں تھی۔"

"کدھر گئی تھی؟"

"مشرق کی سمت!" فریدی نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ لوگ اس کا امتحان کر رہے تھے۔"

"تو کیا تم ان لوگوں سے بھی واقف ہو۔"

"جی نہیں۔"

"بہر حال تم نے اپنی معلومات کو چھپا کر اچھا نہیں کیا۔" آئی۔ جی کا لہجہ ناخوشگوار تھا۔

"جناب والا.... معلومات کی نوعیت ہی ایسی نہیں تھی کہ جس پر فوری ایکشن کیا جاسکتا۔"

"یعنی....!"

فریدی نے ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "آپ کو کرنل فرید کا کیس تو یاد ہوگا۔"

"کرنل فرید۔" ڈی۔ آئی۔ جی ذہن پر زور دیتا ہوا بولا۔ "وہ جس کی بہن....!"

"جی ہاں! وہی....!"

"کیا کیس تھا؟" آئی۔ جی نے پوچھا۔

"کرنل فرید! ایک ریٹائرڈ فوجی تھا۔" فریدی بولا۔ "دولت مند مگر شریف قسم کے لوگوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ اب سے چھ ماہ قبل کسی نے اسے اس کی کوٹھی ہی میں قتل کر دیا۔ اس کی بہن قتل والی رات ہی سے غائب ہے اس کا پرائیویٹ سیکریٹری اس حادثے کے بعد پاگل ہو گیا تھا جو آج بھی پاگل خانے میں ہے۔ بہن کرنل ہی کے ساتھ رہتی تھی۔"

"لیکن اس معاملے سے اس کا کیا تعلق....؟" آئی۔ جی اکتا کر بولا۔

"وہی عرض کرنے جا رہا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "ایک ہفتہ قبل کی بات ہے کہ ایک ایسے آدمی سے ملاقات ہوئی جو کرنل کے پرانے ساتھیوں میں سے تھا۔ دوران گفتگو میں اس سے پتہ چلا کہ کرنل ایک اچھا میکینک اور انجینئر بھی تھا۔ وائرلیس اور ٹیلی ویژن اس کے محبوب ترین موضوعات تھے اور وہ پچھلے کئی سالوں سے اس فکر میں تھا کہ انہیں کی بنیادوں پر کوئی حربہ تیار کرے اس وقت میں نے اس بیان کو کوئی اہمیت نہ دی تھی لیکن جب پچھلی رات پرواز کرتی ہوئی وہ شے مجھے نظر آئی تو قدرتی طور پر اس شخص کے الفاظ مجھے یاد آگئے۔"

"کیس کا انچارج کون تھا؟" آئی۔ جی نے پوچھا۔

"غالباً انسپکٹر سدھیر۔" فریدی نے کہا۔ "میں اس زمانے میں گارساں[1] والے معاملے میں الجھا ہوا تھا۔ بہر حال کرنل کے قتل کی نہ تو آج تک وجہ معلوم ہو سکی اور نہ قاتل ہی کا سراغ ملا اور اس کی بہن کی حیرت انگیز روپوشی ابھی تک پردہ راز میں ہے۔ سدھیر کا خیال ہے کہ شاید وہ بھی قتل میں شریک تھی۔ لیکن میں واقعات کی روشنی میں ایسا سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔ کرنل کا سیکریٹری پولیس کو عجیب حالت میں ملا تھا۔ کرنل کی بہن کے بستر پر خون کے چھوٹے چھوٹے دھبے تھے اور وہ اس طرح بے ترتیب تھا کہ جیسے اس پر سونے والے کو کسی سے جدوجہد کرنی پڑی ہو۔"

"نوکر کہاں تھے۔" آئی۔ جی نے پوچھا۔

"شاگرد پیشہ میں جو کوٹھی سے کافی فاصلے پر ہے اور انہیں صبح ہی اس حادثے کی اطلاع ہوئی تھی۔"

"کچھ اسکا بھی اندازہ ہے کہ ان تمام معاملات میں کس کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔" آئی۔ جی نے پوچھا۔

"فی الحال کچھ نہیں کہا جاسکتا۔"

کافی دیر تک ان تینوں میں بحثیں ہوتیں رہیں۔ لیکن آخر میں نتیجہ وہی صفر، نہ کوئی فیصلہ ہو سکا اور نہ طریق کار ہی کا تعین کیا جاسکا۔

---

[1] "خوفناک ہنگامہ" جلد نمبر 8 ملاحظہ فرمائیے۔

فریدی کے دوسرے ساتھی مائیکروفون کے محافظ کے بتائے ہوئے حلیے سے چمٹے ہوئے تھے وہ انہیں ریٹائرنگ روم میں چھوڑ کر مسکراتا ہوا باہر آ گیا۔

شہر کی حالت اب تک ویسی ہی تھی۔ ویرانی اور سوگواری میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ فریدی کی کیڈیلاک تیزی سے سڑک پر پھسل رہی تھی۔ حمید اور وہ خاموش تھے غالباً وہ دونوں اس سے بھی بے خبر تھے کہ ایک دوسری کار کیڈیلاک کا تعاقب کر رہی ہے۔

"فی الحال ساجد ہی والی کڑی اپنے ہاتھ میں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کون ساجد۔" حمید نے پوچھا۔

"وہی کرنل فرید کا سیکریٹری جو پاگل خانے میں ہے۔ اس سے کرنل کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم ہو سکا تھا۔ بنے ہوئے پاگلوں کو راہ راست پر لانا بڑا دشوار کام ہے اور کرنل کی بہن کا سراغ! نہ تو اُس کا کوئی فوٹو ہی دستیاب ہو سکا اور نہ مکمل حلیہ! حلیے کے متعلق اختلاف بیانیاں پائی جاتی ہیں۔ البتہ ایک چیز سب کے بیانات میں مشترک ہے اور وہ ہے اس لڑکی کی چال۔ سب یہی کہتے ہیں کہ چلتے وقت وہ زمین سے کچھ اوپر تیرتی ہوئی سی معلوم ہوتی ہے۔"

"کیا؟" حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔ لیکن اس کی حیرت ایک سیکنڈ بھی قائم نہ رہ سکی۔ کیونکہ اسے ایسا معلوم ہوا جیسے اس کے کان کے قریب ہی ایک فائر ہوا ہو۔ دوسرے ہی لمحے میں فریدی کی چیخ سنائی دی اور حمید کے چہرے پر لاتعداد چھریاں سی آ کر لگیں کیڈیلاک ایک جھٹکے کے ساتھ رک گئی۔

"یہ حادثہ ایک سنسان سڑک پر ہوا تھا۔ دو ایک لوگ جو ادھر سے گذر رہے تھے فریدی کی کار کی طرف جھپٹے۔ فریدی اپنی پیشانی دبائے حمید پر جھکا ہوا تھا۔ جس کا سر سیٹ کی پشت سے ٹک کر ایک طرف ڈھلک گیا تھا۔ حمید کے چہرے پر کئی جگہ خون رس رہا تھا اور وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ فریدی نے اسے سنبھالنے کے لئے اپنی پیشانی سے ہاتھ ہٹا لیا اور اس کے چہرے پر بھی خون کی چادر پھیل گئی۔

"ٹھہریئے۔ ٹھہریئے۔" ایک راہگیر اس کی مدد کے لئے لپکا۔ چار پانچ آدمی کار کے گرد اکٹھا ہو گئے تھے۔

کھڑکی کا شیشہ چکنا چور ہو گیا تھا۔

فریدی نے اطمینان کا سانس لیا۔ حمید کے گولی نہیں لگی تھی۔ کھڑکی کے شیشے کے ٹکڑوں نے اس کا چہرہ زخمی کر دیا تھا اور خود فریدی کی پیشانی کا زخم بھی انہیں ٹکڑوں کے لگنے کا نتیجہ تھا۔

اس نے رومال سے اپنا چہرہ صاف کیا اور راہگیر سے بولا۔

"ٹھیک ہے! سب ٹھیک ہے۔"

"کسی نے اس پیلی کار سے گولی چلائی تھی۔" دوسرے نے کہا۔ "میں نے خود دیکھا تھا۔ یہ کیا فت آ گئی ہے اس شہر میں۔"

"گولی! نہیں کسی شریر بچے نے پتھر پھینکا تھا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کمال کرتے ہیں آپ ارے جناب مین نے خود دیکھا تھا۔"

"آپ کو دھوکا ہوا ہو گا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور کار اسٹارٹ کر دی۔

راہگیر حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ گئے۔

کیڈیلاک سول ہسپتال کی طرف جا رہی تھی۔

حمید تھوڑی دیر بعد کسمسایا اور کراہ کر سیدھا ہو گیا۔ سامنے لگے ہوئے آئینے پر نظر پڑتے ہی یک ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ اس کا سارا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"چھوٹا مت۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "گھبراؤ نہیں زخم گہرے نہیں ہیں۔ ننھی ننھی رچیں معلوم ہوتی ہیں۔"

"اوہ آپ بھی تو۔"

"میری فکر مت کرو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "بس تقدیر ہی تھی.... ورنہ.... گولی میرے اپنے شانے کو چھوتی ہوئی نکل گئی ہے۔ اگر کوٹ میں شولڈر پیڈ نہ ہوتا، تو ہڈی صاف تھی۔ البتہ پچھلی سیٹ برباد ہونے کا افسوس ہے۔"

حمید نے پلٹ کر دیکھا۔ پچھلی سیٹ میں بڑا سا سوراخ تھا۔

"تو کیا وہی رائفل تھی۔" حمید بوکھلا کر بولا۔

"نہیں گولی ایک کار سے چلائی گئی تھی۔"

"کار سے۔"

"ہاں اور وہ محض تمہاری وجہ سے نکل گئی۔ میں سمجھا شاید تم اللہ کو پیارے ہو گئے۔"

"کاش گولی میرے ہی لگی ہوتی۔" حمید ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔ "اب میرے چہرے پر شمار رنگ کے داغ ہوں گے اور کوئی لڑکی میری طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کرے گی۔"

"لڑکی....!" فریدی نے منہ بنا کر کہا اور اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبالیا۔

"ہائے۔" حمید آہستہ سے کراہا۔

"میں نے مائیکروفون کے معاملے میں ہلڑ مچا کر غلطی کی تھی۔" فریدی بولا۔

پُراسرار مسٹر کیو

اُس حیرت انگیز رائفل کے متعلق نہ صرف شہر یا ملک بلکہ ساری دنیا میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ خصوصاً شہر کے لوگ تو بُری طرح سہمے ہوئے تھے۔ ملک کی سربرآوردہ ہستیاں خوف اور اندیشوں کا شکار ہو گئی تھیں۔

دوسرے دن کے اخبار نے وزیر خزانہ کے قتل کے ساتھ ہی محکمہ سراغ رسانی کے بہترین افراد پر حملے کی بھی خبر چھاپی تھی۔ اخبار بیچنے والے گلی کوچوں میں چیختے پھر رہے تھے۔

"محکمہ سراغ رسانی کے دو آفیسروں پر بھی قاتلانہ حملہ، دونوں آفیسر اپنے زخموں کی ڈریسنگ کرانے کے بعد حیرت انگیز طریقے پر غائب ہو گئے۔"

یہ فریدی اور حمید کے زخمی اور غائب ہونے کی خبر تھی۔ انہوں نے سول ہسپتال میں اپنے زخموں کی ڈریسنگ کرالی تھی اور پھر اپنے محکمے کے اعلیٰ آفیسروں کو اطلاع دیئے بغیر روپوش ہو گئے تھے۔ اخبارات کی اطلاع تو دراصل یہی تھی لیکن عام آدمی اسے کیا سمجھتے کہ اسی دن محکمہ سراغ رسانی کے ڈی۔ آئی۔ جی کی کار دلاور نگر کی طرف کیوں جا رہی تھی۔

ڈی۔ آئی۔ جی کے ساتھ سپرنٹنڈنٹ اور دو انسپکٹر بھی تھے۔ ڈی۔ آئی۔ جی خود کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ پینتیس میل پختہ سڑک پر چلنے کے بعد کار ایک کچے راستے پر مڑ گئی۔ پھر وہ اُس عمارت میں داخل ہوتی دکھائی دی جس میں سرجنٹ حمید نے ایک حیرت انگیز رات گذاری تھی۔

ڈاکٹر نارنگ ایم۔ پی عمارت میں موجود تھا۔ اُسے محکمہ سراغ رسانی کے آفیسروں کو اپنی کوٹھی میں دیکھ کر حیرت نہ ہوئی کیونکہ وہ مقتول منسٹر کے گہرے دوستوں میں سے تھا۔

ڈاکٹر نارنگ دوہرے بدن کا ایک لمبا تڑنگا آدمی تھا۔ عمر پچاس اور ساٹھ کے درمیان میں رہی ہوگی۔ لیکن صحت مند ہونے کی بناء پر یہ کہنا دشوار تھا کہ وہ بڑھاپے کی سرحدوں میں قدم رکھ چکا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ گفتگو کرنے کا عادی تھا اور دوران گفتگو میں اپنی نظریں مخاطب کے چہرے سے ہٹائے رکھتا تھا۔ اس کے متعلق مشہور تھا کہ اُسے کبھی کسی سے کرخت آواز میں گفتگو کرتے ہوئے نہیں سنا گیا۔

"میں اُن تمام لوگوں سے مل رہا ہوں۔" ڈی۔ آئی۔ جی کہہ رہا تھا۔ "جن سے مقتول منسٹر کے قریبی تعلقات تھے۔"

"میں بھی انہی بدنصیبوں میں سے ایک ہوں۔" ڈاکٹر نارنگ کی آواز کپکپا گئی۔

پھر ڈی۔ آئی۔ جی کافی دیر تک مقتول کے دوسرے دوستوں کے متعلق پوچھ گچھ کرتا رہا۔ جب واپسی کیلئے بالکل تیار تھا تو اُس نے اچانک ڈاکٹر نارنگ سے کہا۔ "مجھے ایک شکایت بھی ہے۔"

"کہئے۔" ڈاکٹر نارنگ نے میز پر رکھے ہوئے گلدان کی طرف نظر جماتے ہوئے کہا۔

"یہاں پرسوں رات کو میرے محکمے کے ایک آدمی کے ساتھ بڑا خطرناک مذاق کیا گیا۔"

"یہاں....!" ڈاکٹر نارنگ چونک پڑا۔ "میں نہیں سمجھا۔"

"کسی صاحبزادی نے اُسے کوئی نشہ آور چیز کھلا دی تھی۔"

"صاحبزادی نے۔" ڈاکٹر نارنگ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں، وہ راستہ بھٹک کر ادھر نکل آیا تھا۔"

"اُسے غلط فہمی ہو گئی ہوگی۔ یہ حادثہ کہیں اور پیش آیا ہوگا۔"

"اُسے یقین ہے؟"

"تب اس نے خواب ہی دیکھا ہوگا۔" ڈاکٹر نارنگ مسکرا کر بولا۔ "یہاں ہمیشہ اس عمارت کا منظم چند نوکروں کے ساتھ رہتا ہے اور وہ بھی میری ہی طرح تجرد کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ میں زیادہ تر شہر میں رہتا ہوں۔ کبھی کبھی ادھر بھی آنکلتا ہوں۔ پرسوں میں یہاں نہیں تھا۔ یہاں کسی لڑکی کی موجودگی سرے ہی سے مضحکہ خیز معلوم ہوتی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس طرف اس ساخت کی کوئی اور عمارت نہیں۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"نہیں۔"

"اس نے بالکل یہی نقشہ بتایا تھا۔ جو میں اس عمارت کا دیکھ رہا ہوں۔" ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔

"مجھے حیرت ہے۔"

"اس نے ایک حبشی غلام کا بھی تذکرہ کیا تھا۔"

"حبشی غلام۔" ڈاکٹر نارنگ بے ساختہ ہنس پڑا۔ "تب تو اُس نے حقیقتاً خواب دیکھا ہوگا۔"

"دو لڑکیاں تھیں۔" ڈی۔ آئی۔ جی اس کی بات نظر انداز کر کے بولا۔ "ان میں سے ایک ایسی تھی جسے ہم عرصہ سے تلاش کر رہے ہیں۔"

ڈاکٹر نارنگ یک بیک سنجیدہ ہو گیا اور پھر اس نے کسی کو آواز دی۔ چند لمحے بعد ایک خوبصورت نوجوان اندر داخل ہوا۔ جس نے سمر کا سوٹ پہن رکھا تھا اور گردن میں شوخ رنگوں کی ٹائی تھی۔

"پرسوں رات کو یہاں کون تھا۔" ڈاکٹر نارنگ نے اس سے پوچھا۔

"جج.... جی.... کوئی بھی تو نہیں.... کوئی نہیں۔" منتظم ہکلانے لگا۔

"جھوٹ مت بولو۔"

"جی کوئی نہیں.... میں.... سس.... سچ....!"

"ہکلا کیوں رہے ہو... کوئی ضرور تھا۔" ڈاکٹر نارنگ کی آواز بلند ہو گئی اور سیکریٹری کانپنے لگا۔

"جج.... جی.... مم.... معافی چاہتا ہوں۔"

"کون تھا....؟"

"ڈائرکٹر ناگر....!"

"یہ کیا بلا ہے۔"

"فلم ڈائرکٹر، میرا دوست ہے۔ ادھر شوٹنگ کی غرض سے آیا تھا۔ میں نے آپ کی اجازت کے بغیر ٹھہرا لیا تھا۔ معافی چاہتا ہوں۔"

"کوئی حبشی بھی تھا ان کے ساتھ۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"اور دو لڑکیاں بھی۔"

"جی نہیں صرف ایک تھی کنول۔"

"کسی مسافر کو بیوقوف بنایا گیا تھا؟" ڈاکٹر نارنگ نے پوچھا۔

"جی ہاں.... وہ کنول کی شرارت تھی.... میں منع کرتا رہا.... مگر؟"

"اُسے کوئی نشہ آور چیز دی گئی تھی۔" نارنگ نے پوچھا۔

"نشہ آور.... اوہ.... شاید وہ اسی لئے سو گیا تھا۔"

"صاف صاف بتاؤ۔"

"اُسے بیوقوف بنانے کا پروگرام کنول ہی نے بنایا تھا۔" منتظم نے کہا اور شروع سے آخیر تک پوری داستان دہرانے کے بعد بولا۔ "کنول اور حبشی کے علاوہ کوئی اور اُس کے سامنے نہیں گیا۔ پھر کنول نے اُسے کھانا کھلایا اور کھاتے ہی کھاتے وہ سو گیا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کوئی نشہ آور چیز تھی۔ پھر ہم اُسے اسی کی کار میں ڈال کر سڑک پر چھوڑ آئے تھے۔"

"تم جانتے ہو کہ تم لوگوں نے کتنا بڑا جرم کیا ہے؟" نارنگ بولا۔ "اگر وہ سانپ اُسے کاٹ لیتا تو۔"

"جی.... دراصل اُس میں زہر نہیں تھا۔ ناگر اُسے کسی سین کی شوٹنگ کے لئے لایا تھا۔"

"لیکن کسی کو کوئی نشہ آور چیز کھلا دینا بھی جرم ہے۔"

"میں معافی چاہتا ہوں۔" منتظم گڑگڑایا۔

"لڑکیاں دو تھیں۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے پوچھا۔

"جی نہیں ایک تھی۔"

"تمہاری بدولت مجھے ذلت نصیب ہوئی۔" ڈاکٹر نارنگ کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا وہ ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف مڑ کر بولا۔ "آپ اسے لے جائیے اور جو کاروائی مناسب سمجھئے کیجئے۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

"میں معافی چاہتا ہوں۔" منتظم پھر گڑگڑانے لگا۔

"دوسری لڑکی کون تھی۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے گرج کر پوچھا۔

"جج.... جی.... دوسری لڑکی.... مم.... ناگر کی محبوبہ تھی۔"

"تم نے اب تک اُسے چھپایا کیوں تھا۔"

"وہ.... نن.... ناگر....!"

"گھبراؤ نہیں۔" ڈی۔ آئی۔ جی نرم لہجے میں بولا۔ "میں نارنگ جی کی بدنامی کے خیال سے

تمہیں درمیان میں نہ لاؤں گا۔"

منتظم تھوڑی دیر تک سر جھکائے کھڑا رہا۔ پھر تھوک نگل کر بولا۔ "پہلے وہی لڑکی باہر آئی تھی پھر اُس نے اندر جا کر اُس مسافر کا تذکرہ کیا۔ ناگر اندر تھا اس نے جھانک کر باہر دیکھا اور کچھ سے تھوڑی دیر تک سرگوشیاں کرتا رہا۔ پھر اُس نے کنول کو باہر بھیج کر اس لڑکی کو ایک کمرے میں بند کر دیا۔ میں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگا کہ وہ مسافر دراصل ایک ایسا رئیس ہے جو اس کی محبو پر ڈورے ڈالنے کی فکر کر رہا ہے.... وہ اُسے اچھی طرح بیوقوف بنا کر رخصت کرے گا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے کہا کہ میں اس لڑکی کا تذکرہ کسی سے نہ کروں کیونکہ وہ اسے بعض پروڈیوسروں سے چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"تمہیں اس لڑکی سے گفتگو کرنے کا اتفاق ہوا تھا۔"

"جی نہیں وہ بہت کم گفتگو کرتی تھی اور اس کی آنکھوں....!"

"ہاں ہاں کہو! گھبراؤ نہیں۔"

"اس کی آنکھوں سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ بیداری میں بھی کوئی خواب دیکھ رہی ہو۔"

"تم ناگر کو کب سے جانتے ہو۔"

"پچھلے ماہ اس سے شہر میں ملاقات ہوئی تھی۔"

"یہاں پہلی بار آیا تھا۔"

"نہیں دوسری بار۔ اس سے پہلے بھی اس نے یہاں دو تین دن تک قیام کیا تھا۔ لیکن اس وقت وہ اکیلا ہی تھا۔"

"اس کا پتہ۔"

"سولہ پرنس اسکوائر.... دولت گنج۔"

"سپرنٹنڈنٹ نے پتہ نوٹ کیا اور ڈی۔ آئی۔ جی نے ہاتھ کے اشارے سے گفتگو کا سلسلہ ختم کر دیا۔"

"جاؤ....!" ڈاکٹر نارنگ سیکریٹری کو گھورتا رہا۔ پھر ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔ "مجھے اس واقعے کا افسوس ہے۔"

"اب بہتر یہی ہے کہ تم اپنا بستر گول کرو۔"

"حضور میں تباہ ہو جاؤں گا۔" منتظم گڑگڑایا۔

"تمہیں بیس منٹ کے اندر اندر کوٹھی چھوڑ دینی ہے۔" ڈاکٹر نارنگ نے خشک لہجے میں کہا اور اٹھ کر باہر چلا گیا۔

منتظم اس کے عادات و اطوار سے اچھی طرح واقف تھا اور اس لہجے کو خوب سمجھتا تھا۔ چار و ناچار اس نے اپنی ضروری چیزیں ایک سوٹ کیس میں بھریں اور باہر نکل آیا۔ ڈاکٹر نارنگ مالتی کی جھاڑیوں کے قریب آم کے درخت کے سائے میں کھڑا تھا۔ اس نے منتظم کو جاتے دیکھا اور منہ پھیر لیا۔

سوٹ کیس وزنی تھا۔ کبھی وہ اُسے ہاتھ میں لٹکاتا اور کبھی کاندھے پر رکھ لیتا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ یہ بھی سوچتا جا رہا تھا کہ کب تک اور کہاں تک اس طرح جائے گا۔

کچے راستے کے دوسرے موڑ تک پہنچتے پہنچتے اس کے دونوں ہاتھ شانوں سے علیحدہ ہوتے معلوم ہونے لگے۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح وہ پختہ سڑک تک پہنچ ہی گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کدھر جائے۔

دفعتاً سمت مخالف سے ایک کار آتی دکھائی دی۔ چونکہ ونڈ اسکرین سورج کے سامنے نہیں تھا اس لئے کار ڈرائیو کرنے والے کا چہرہ صاف نظر آ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی اور وہ ہاتھ اٹھا کر چیخا۔ "ناگر....!"

کار اس کے قریب آ کر رک گئی۔

"ہیلو راجن.... کہاں؟" کار ڈرائیو کرنے والے نے کہا۔

"ارے یار کیا بتاؤں.... شاید اس وقت پیدل ہی شہر جانا پڑتا۔"

"بھلا کیوں؟ چلو سوٹ کیس اندر رکھ دو۔"

راجن نے پچھلی سیٹ کی کھڑکی کھول کر سوٹ کیس رکھ دیا۔ اب اس نے دیکھا کہ پچھلی سیٹ پر ایک آدمی اور بھی تھا۔ اس نے مسکرا کر سوٹ کیس رکھوانے میں مدد دی۔ راجن کے لئے صورت نئی تھی۔

"ادھر آ جاؤ۔" ناگر نے اگلی سیٹ کی کھڑکی کھولتے ہوئے کہا۔

راجن بیٹھ گیا اور کار چل پڑی۔ رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔

"پولیس تمہاری تلاش میں ہے۔" راجن ہانپتا ہوا بولا۔ "تمہاری ہی وجہ سے مجھے ملاز
سے ہاتھ دھونے پڑے۔ میں تمہیں منع کر رہا تھا۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی تھی۔ وہ آدمی درا
محکمہ سراغ رسانی کا کوئی آفیسر تھا۔ یار سچ بتاؤ وہ لڑکی کون تھی۔"

ناگر ہنسنے لگا۔ "پرواہ مت کرو پیارے۔ میرا بہت بڑا.... کاروبار ہے۔"

"مگر.... میں نے پولیس کو سب کچھ بتا دیا ہے۔ البتہ تمہارا پتہ بتاتے وقت مجھے ہوش تھا.... اور میں نے صحیح پتہ نہیں بتایا۔"

"کسی بات کی فکر مت کرو۔" ناگر گردن جھٹک کر بولا۔

"سچ سچ بتاؤ، وہ لڑکی کون ہے۔"

"میری محبوبہ! میں اُسے کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتا۔"

"کہیں سے بھگا کر لائے ہو۔"

"ہاں....!" ناگر نے کہا اور اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔

کار ایک کچے راستے پر مڑ گئی۔

"ادھر کہاں؟" راجن نے پوچھا۔

"جلد پہنچیں گے کم از کم دس میل کا فرق پڑ جائے گا۔"

راستہ آٹھ دس فٹ سے زیادہ چوڑا نہیں تھا۔ دونوں طرف سرکنڈوں کی اونچی اونچی اور جھاڑیاں تھیں۔

"اور کیا پوچھا تھا پولیس والوں نے۔"

"اور تو کچھ بھی نہیں لیکن حیرت ہے کہ انہوں نے مجھے اس خیال سے گرفتار نہیں کیا اس میں ڈاکٹر نارنگ کی بدنامی تھی اور ڈاکٹر نارنگ نے مجھے اس طرح نکال دیا۔"

"فی الحال تم شہر میں کہاں جاتے۔" ناگر نے پوچھا۔ "کیا کوئی تمہارا دوست یا عزیز وہاں ہے۔"

"کوئی نہیں! میں تمہارے ہی پاس جاتا اور پھر کوئی اور انتظام کرتا۔"

ناگر نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر راجن بولا۔

"یار وہ کنول بڑی تیز لڑکی ہے۔"

"کیوں.... کہیں عاشق تو نہیں ہو گئے اس پر۔" ناگر نے بھدا سا قہقہہ لگایا۔

"پتہ نہیں کیوں وہ میرے ذہن پر بُری طرح چھا گئی ہے۔"

"تو پھر عشق اور کسے کہتے ہیں۔"

"عشق بہت اونچی چیز ہے۔" راجن سنجیدگی سے بولا۔

دفعتاً راجن کے پیچھے بیٹھے ہوئے آدمی نے دونوں ہاتھوں سے اس کی گردن پکڑ لی۔ راجن نے تڑپ کر پلٹنا چاہا لیکن دوسرے لمحے میں اس کے منہ پر ایک گھونسہ پڑا.... اور کار رک گئی۔ کار کے اندر شدید قسم کی جدوجہد ہو رہی تھی۔ ناگر نے دوسرا گھونسہ مارا اور راجن کی نکسیر ٹوٹ گئی لیکن وہ بھی کمزور نہیں تھا۔ اس نے پیچھے بیٹھے ہوئے آدمی کے ہاتھ اپنی گردن سے ہٹا دیئے ناگر نے پھر ہاتھ اٹھایا لیکن اس بار اسی کا جبڑہ راجن کے ہاتھوں بیکار ہو گیا۔

راجن کار سے نیچے کود گیا۔ وہ دونوں بھی اس کی طرف جھپٹے لیکن شاید راجن لڑنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ وہ بے تحاشہ ایک طرف دوڑنے لگا.... وہ دونوں اس کا تعاقب کر رہے تھے۔ دفعتاً داہنی طرف کی جھاڑیوں سے ایک فائر ہوا۔ راجن نے بھاگتے بھاگتے چیخ کر ایک جست لگائی اور گر کر تڑپنے لگا۔ اس کی کنپٹی سے خون کا فوارہ نکل رہا تھا۔

تعاقب کرنے والے رک کر ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ پھر دونوں اس طرف جھپٹے جدھر سے فائر ہوا تھا۔ جھاڑیاں سنسنا پڑی تھیں۔ البتہ ان میں بارود کی ہلکی سی بو پھیلی ہوئی تھی۔ دونوں چند لمحے ادھر اُدھر دیکھتے رہے پھر راجن کی طرف لوٹ آئے جو ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

انہوں نے کار کا پچھلا حصہ کھول کر پٹرول کے تین کنستر نکالے اور انہیں لاش پر خالی کرنے لگے۔

"نہ جانے کون تھا؟" ناگر کے ساتھ والے نے کہا۔

"مسٹر کیو (Q) کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔"

"مسٹر کیو!" دوسرا کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ "آخر یہ مسٹر کیو ہے کون؟"

"کام کرو کام۔" ناگر نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ "کہیں تمہاری کھوپڑی میں بھی چھٹانک بھر سیسہ نہ اُتر جائے۔"

"یار میں تنگ آ گیا ہوں.... اس کام سے۔" دوسرا بولا۔

"معلوم ہوتا ہے.... سچ مچ.... موت منڈلا رہی ہے تمہارے سر پر۔"

پٹرول ڈال دینے کے بعد وہ لاش سے دور ہٹ گئے۔ پھر ناگر نے ایک دیا سلائی سلگا کر لاش

کی طرف اچھال دی۔ دوسرے ہی لمحے میں وہاں آگ ہی آگ تھی۔ واپسی پر انہیں کار میں
پرچہ ملا جس پر تحریر تھا "اپنے کام سے کام رکھو! اور حکم کی تعمیل کرو! مسٹر کیو کے متعلق پھر
موت کو دعوت دینا ہے۔"

حمید پاگل خانے میں

سرجنٹ حمید نے چیتھڑے لگا رکھے تھے۔ آنکھوں میں وحشت تھی اور شیو بڑھا ہوا تھا۔ با
بے ترتیب تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ان میں برسوں سے تیل نہ پڑا ہو۔ سر میں خس و خاشا
اور گرد و غبار کا عالم یہ ظاہر کر رہا تھا جیسے وہ سچ مچ پاگل ہو۔ چہرے پر متعدد چھوٹے چھوٹے زخم
جن پر کھرنڈ جمنے لگی تھی۔ اس کے شناساؤں میں سے اگر کوئی اُسے اس حال میں دیکھ لیتا تو ہرگز
پہچان سکتا۔

وہ تین دن سے اس توقع پر شہر بھر میں مارا مارا پھر رہا تھا کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ اُسے پا
خانے بھجوا دے۔ لیکن وہ ابھی تک تو اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔ اس دوران میں ا
نے متعدد شرارتیں کی تھیں مگر لوگوں نے اسے پاگل خانے بھجوا دینے کی بجائے اس کی حرکتو
میں خاصی دلچسپی لی۔ عموماً اس کے پیچھے ہر وقت چھوٹے چھوٹے بچوں کی خاصی بھیڑ ہوا کرتی تھ

اس نے فریدی سے کہا کہ اس دردسری سے کیا فائدہ، براہِ راست اسے پاگل خانے میں
دیا جائے۔ لیکن فریدی نے اسے مناسب نہ سمجھا۔ فریدی کا کہنا تھا کہ مجرم بہت منظم معا
ہوتے ہیں۔ ذرا سی غلطی پوری اسکیم پر پانی پھیر سکتی ہے۔

جس دن سے ان دونوں پر حملہ ہوا تھا فریدی بہت زیادہ محتاط ہو گیا تھا۔ خود روپوشی اختیا
کر کے اسی نے ڈی۔ آئی۔ جی سے استدعا کی تھی کہ وہ ڈاکٹر نارنگ سے مل کر حمید والے معاملے
تحقیق کرے.... اور یہ معاملہ تو اب کافی روشنی میں آ چکا تھا کہ وہ لڑکی جو حمید کو اس عمارت
پہلے نظر آئی تھی کرنل فرید کی روپوش بہن نادرہ ہی تھی۔ ڈی۔ آئی۔ جی نے ڈاکٹر نارنگ کے
سے جو پتہ حاصل کیا تھا وہ سرے ہی سے بیکار ثابت ہوا۔ اس عمارت میں ناگر نام کا کوئی آدمی نہ
رہتا تھا اور فلمی دنیا میں بھی کوئی اس نام سے واقف نہیں تھا۔ نہ کنول نامی کسی ایکٹریس ہی کا سرا

ل سکا اور اس خبر نے توڈی۔ آئی۔ جی کی رہی سہی امیدوں پر پانی ہی پھیر دیا کہ ڈاکٹر نارنگ نے
پنے منیجر کو اسی دن بر طرف کر دیا تھا۔ بہر حال اب راجن کی بھی تلاش جاری تھی۔

ان دو تین دنوں کے دوران میں حمید کو بعض اوقات ایسا محسوس ہونے لگتا جیسے وہ سچ مچ
اگل ہو گیا ہو۔ وہ قریب قریب ہر وقت دعا مانگا کرتا تھا کہ اے پاک پروردگار اپنی پہلی فرصت
یں پاگل خانے بھجوا دے۔ ورنہ یہ پیچھے پیچھے تالیاں بجاتے ہوئے چلنے والے شریر بچے مجھے سچ مچ
اگل بنا دیں گے۔ اپنی اسکیم کامیاب ہوتے نہ دیکھ کر اس نے کئی بار سوچا کہ اب عورتوں کو بھی
چھیڑنا شروع کر دے لیکن پھر خیال آیا کہ عورتوں کو چھیڑنے والے کو کسی طرح معاف نہیں کیا
جاتا خواہ پاگل آدمی ہو خواہ پاگل کتا۔ بعض اوقات تو لوگ ایسے پاگل کتے کو بھی مار مار کر آدمی
نا لیتے ہیں۔

آج صبح ہی سے وہ ادھر اُدھر اچھل کود مچاتا پھر رہا تھا۔ کسی کو مسکرا کر آنکھ مارتا، کسی کو منہ
چڑھایا اور کسی کو چونچ دکھاتا۔ صبح ہی صبح اس نے سب سے پہلی شرارت یہ کی تھی کہ ایک چوراہے
کے گول چبوترے پر جا چڑھا تھا۔ ٹریفک کا سپاہی موجود نہیں تھا۔ اس لئے اسے اس کے فرائض
انجام دینے میں کوئی دشواری نہ ہوئی۔ وہ ناچ ناچ کر گزرتی ہوئی کاروں کو گذرنے اور رکنے کے
اشارے کرتا۔ ڈرائیور ہنس ہنس کر اُسے گھونسہ دکھاتے اور گذر جاتے۔

وہ تقریباً آدھے گھنٹے تک یہی کرتا رہا۔ پھر ڈیوٹی والا ٹریفک کانسٹیبل آ گیا اور اُس نے بدقت
تمام اُسے چبوترے سے ہٹایا لیکن وہ بھی اسے پاگل خانے بھجوا دینے پر آمادہ نظر نہیں آتا تھا۔ حمید
دل ہی دل میں اُسے گالیاں دے کر وہاں سے ہٹ گیا۔

لیکن آج اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ پاگل خانے ضرور جائے گا۔

بڑے چوک میں پہنچ کر سچ مچ اُسے اپنی قسمت جاگتی معلوم ہونے لگی۔ اس نے ڈسٹرکٹ
مجسٹریٹ کو دیکھا جو اپنی کار سے اُتر کر فٹ پاتھ پر چڑھ رہا تھا۔ حمید نے سوچا کہ یہ آخری موقعہ
ہے۔ اگر یہ بھی ہاتھ سے نکل گیا تو پھر مرتے دم تک پاگل خانے کا دیدار نصیب نہیں ہوگا۔

"ہائے جانی سنو تو سہی۔" حمید ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے پیچھے لپکتا ہوا بولا۔

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ چلتا رہا۔

"او نیلی ہیٹ.... پلٹ میری جان.... ہائے رکو جانی.... نیلی ہیٹ.... نیلی ہیٹ۔"

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ پلٹ پڑا۔

حمید نے سینے پر ہاتھ مارا اور اُسے آنکھ مار کر مسکرانے لگا۔

"مری جان.... اب تو رحم کرو، عاشق دلگیر پر۔"

پتہ نہیں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے دل پر کیا گذر رہی تھی۔ البتہ اس کے ڈرائیور نے جھپ کر حمید کی گردن پکڑلی اور حمید اس سے لپٹ پڑا۔

اس طرح اُسے پاگل خانے پہنچنے کا موقع نصیب ہو گیا۔

پاگل خانے کے پھاٹک کے قریب ہی اندر کی جانب ڈسپنسری تھی جس کے آگے ب کا سائبان پڑا ہوا تھا۔ حمید نے بے شمار آدمی دیکھے جو انتہائی سنجیدگی سے کسی نہ کسی کام میں مشغو تھے۔ کوئی پھولوں کی کیاریوں میں پانی دے رہا تھا۔ کوئی مہندی کی باڑھ کتر رہا تھا۔ کوئی رسی بٹ تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ یہ پاگل تو کسی طرح نہیں ہو سکتے۔

اُسے ڈسپنسری والے سائبان کے نیچے ایک بنچ پر بٹھا دیا گیا۔ اچانک ایک صاحب جو کافی تڑنگے تھے اُس کے سامنے آکر کھڑا ہو گئے۔ حمید کا دل دھڑکنے لگا لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی سوچ تھا کہ وہ خود بھی تو پاگل ہے۔ اگر کسی سے ہاتھا پائی کی نوبت آگئی تو اسے تکلیف نہ کرنا پڑے گی۔

وہ صاحب تھوڑی دیر تک حمـ لوگھورتے رہے پھر انہوں نے کولہے ہلانا شروع کر دیئے۔

"ابے.... ابے.... یہ کیا کر ہا ہے۔" سائبان کے نیچے سے کسی نے للکارا۔

"بھائی کے سامنے دم ہلا رہا ہوں۔" اُن صاحب نے آنکھوں سے حمید کی طرف اشا کر کے کہا۔

وہ دوسرا آدمی بھی چبوترے پر چڑھ آیا۔ اس کے چہرے پر لمبی سی ڈاڑھی لہرا رہی تھی ا آنکھوں میں بلا کی سنجیدگی تھی۔

"دُم....!" اُس نے اپنی ڈاڑھی پکڑ کر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اس طرح ہلائی جاتی ہے.... ا تک تمہارا دماغ صحیح نہیں ہوا۔"

پھر اُن میں سے ایک ڈاڑھی ہلاتا رہا اور دوسرا کولہے مٹکاتا رہا۔

حمید نے اٹھ کر ناچنا شروع کر دیا۔ عافیت اسی میں نظر آئی۔ آخر وہ بھی پاگل ہی تو تھا۔

جو لوگ ادھر اُدھر کاموں میں مشغول تھے وہ بھی ایک ایک کر کے اکٹھا ہونے لگے۔ بڑ

مشکل سے پاگل خانے کے منتظموں نے اس ہنگامے کو فرو کیا۔

تھوڑی دیر بعد حمید کا طبی معائنہ شروع ہوا جو اتنی جلدی اور لاپروائی سے ختم کر دیا گیا کہ حمید کو حیرت ہونے لگی۔

بہر حال ڈاکٹر نے رپورٹ میں لکھا کہ وہ ایسا پاگل نہیں تھا جسے کہیں الگ باندھ کر رکھا جائے۔ حمید کے چیتھڑے اُتروا کر پاگل خانے کا لباس پہنایا گیا جو ایک جانگھیا ایک شلوکے اور ایک وضع سی ٹوپی پر مشتمل تھا۔

اُسے باغ میں نئی کیاریاں کھودنے اور کھاد ڈالنے پر لگا دیا گیا۔

حمید کی نظریں اُسے ڈھونڈ رہی تھیں جس کے لئے وہ یہاں آیا تھا۔

اس کے ساتھ اور بھی کئی آدمی اُسی کام پر لگے ہوئے تھے۔ وہ انہیں بار بار گھورنے لگتا تھا کہ آخر انہیں پاگل کیسے سمجھ لیا جائے۔ وہ سب نہایت سنجیدگی اور خاموشی سے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔

دفعتاً باغ کے باہر اس جگہ شور سنائی دیا جہاں کچھ پاگل رسیاں بٹ رہے تھے۔ حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ایک پاگل ایک درخت کے تنے سے چمٹا ہوا چیخ رہا تھا۔ "مار ڈالوں گا.... سالے کو.... دھت تیری کی....!"

وہ اپنا سینہ تنے سے ٹکائے زور کر رہا تھا۔ پاگل خانے کے دو محافظ اُس کی طرف جھپٹے۔ پہلے تو انہوں نے اُسے ہٹانے کی کوشش کی لیکن جب کامیاب نہ ہوئے تو اس پر کوڑے برسانے شروع کر دیئے۔ مگر وہ درخت سے لپٹا ہی رہا اور پھر کچھ دیر بعد بیہوش ہو کر گر پڑا۔ ڈسپنسری سے اسٹریچر آیا اور اسے اس پر ڈال کر مریضوں کے وارڈ میں پہنچا دیا گیا۔ حمید کے ساتھی خاموشی سے پھر اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے۔

تھوڑی دیر بعد ان میں سے ایک بولا۔

"اس کے لاشعور میں بچپن ہی سے ظالمانہ رجحانات پرورش پاتے رہے ہیں۔"

حمید بوکھلا کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ یہ پچاس بچپن سال کا ایک قوی الجثہ آدمی تھا۔ چہرے پر گھنی اور بڑی ڈاڑھی تھی۔ پیشانی کشادہ اور چمکدار تھی۔ آنکھیں غمناک اور دھندلی تھیں ناک کے جوڑ پر نظر آنے والا نشان ظاہر کر رہا تھا کہ وہ اب سے پہلے کبھی چشمہ لگاتا رہا ہو گا۔

"لاشعور حیوانی جبلتوں کا گہوارہ ہے۔" اس نے ایک پاگل کو مخاطب کر کے کہا۔ "سمجھے کچھ؟"

پاگل نے نفی میں سر ہلا دیا اور پہلے پاگل نے کہا۔ "ایک قسم کا منطقی شعور سمجھ لو۔ اختیار بھی کہہ سکتے ہو۔ منطقی شعور دراصل حیوانی جبلتوں کے لئے ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ مگر تم اسے کیا سمجھو گے۔ خیر اسے یوں سمجھو میں اس وقت ناچنا چاہتا ہوں لیکن مجھے نہ ناچنا چاہئے منطقی شعور کہتا ہے کہ تم یونیورسٹی کے پروفیسر ہو۔ تمہیں ہرگز نہ ناچنا چاہئے.... لیکن میں ناچ شروع کر دیتا ہوں۔"

اس نے سچ مچ گا گا کر ناچنا شروع کر دیا۔

سیاں نے انگلی مروڑی رے.... رام کسم شرما گئی میں۔

وہ ٹھمک ٹھمک کر اپنی انگلی مروڑتا اور شرماتا رہا اور ساتھ ہی گھنی ڈاڑھی میں فاحشہ عورتوں کی طرح مسکرانے کی کوشش بھی کرتا جا رہا تھا۔

"شڑاپ۔" ایک محافظ کا کوڑا اس کی پیٹھ پر پڑا اور وہ تلملا کر دوہرا ہو گیا۔ جب محافظ چلا تو اس نے گھٹنوں میں منہ دیکر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ یہ پاگل بھی غیر شعوری طور پر جابر قوتوں سے خائف رہتے ہیں ورنہ محافظ بس اس کے ایک ہی تھپڑ کافی ہوتا۔ وہ حقیقتاً کوئی پڑھا لکھا آدمی معلوم ہوتا تھا کچھ تعجب نہیں کہ اس کا پروفیسر والا حوالہ درست ہی رہا ہو۔

تھوڑی تھوڑی دیر بعد مختلف حصوں سے شور اٹھتا پھر "شڑاپ شڑاپ" کی آوازیں آتیں اور سکوت طاری ہو جاتا۔

شام ہو گئی لیکن وہ نہ ملا جس کی حمید کو تلاش تھی۔ پانچ کے گھنٹے کے ساتھ ہی کام روک دیا جاتا تھا۔ لیکن اب بھی بعض ایسے تھے جو کام ہی سے چمٹے رہنا چاہتے تھے اور انہیں کام سے الگ کرنے کے لئے بھی محافظ کو کوڑے پھٹکارنے پڑتے اور پھر جب وہ سب اپنی بارکوں کی طرف لوٹ رہے تھے تو ایک پاگل نے حمید کے قریب آ کر آہستہ سے کہا۔

"کل تک میرا گھونسلہ مکمل ہو جائے گا اور پھر میں اڑ کر اس میں جا چھپوں گا.... انڈے دوں گا۔ بچے نکالوں گا.... چوں.... چوں.... چرر چرر چرر....!"

پھر وہ راستے بھر چوں چوں چرر چرر کرتا گیا۔

بارکوں کے قریب پہنچ کر حمید شش و پنج میں پڑ گیا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ کسی نے اسے ت کے قیام کے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا۔ یہاں مختلف قسم کی عمارتیں تھیں۔ بعض عمارتوں میں ں کوٹھریاں تھیں جن میں لوہے کی سلاخوں والے دروازے تھے۔ ان میں غالباً خطرناک قسم پاگل رکھے جاتے ہوں گے۔ ایک بہت بڑا ٹین کا شڈ بھی تھا۔ جس کے نیچے بے شمار پلنگ تھے پر نمبر پڑے ہوئے تھے۔

حمید سوچ رہا تھا کہ اسے بھی پاگل پن کی کوئی نہ کوئی حرکت ضرور کرنی چاہئے لیکن پھر نظوں کے کوڑے کا خیال کر کے اس کی روح لرز گئی۔

دفعتاً اسے قریب ہی کہیں بھینس کے ڈکرانے کی آواز سنائی دی اس نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک ں نیم کے درخت سے پیٹھ رگڑ رگڑ کر بھینسوں کی سی آوازیں نکال رہا تھا۔ حمید چونک پڑا۔ انکہ اس کا چہرہ ڈاڑھی اور مونچھوں سے ڈھکا ہوا تھا لیکن خدوخال وہی تھے، وہی آنکھیں.... یہ جد ہی تھا۔ حمید نے فریدی کے فائل میں گھنٹوں اس کی تصویر دیکھ کر اس کے خدوخال کو ذہن ن کرنے کی کوشش کی تھی۔

جیسے ہی حمید اس کے قریب پہنچا اس نے جھپٹ کر اس کے سینے میں سر اڑا دیا اور پیچھے کی ف ریلنے لگا۔ حمید نے قدم جما دیئے تھے۔ اس نے اس کا سر اپنے بازوؤں میں جکڑ کر آہستہ سے ۔ "بیٹے.... بیٹے ساجد.... تم پاگل نہیں ہو۔"

ساجد تڑپ کر اُس کے بازوؤں سے نکل گیا۔ وہ اُسے حیرت اور خوف کے ملے جلے انداز ے گھور رہا تھا۔

کرنل کی اڑنے والی رائفل نے وزیر خزانہ کا خون کر دیا۔ حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ئے کہا۔ "نادرہ ابھی تک غائب ہے۔ اب تمہیں بولنا ہی پڑے گا اور اگر نہیں بولو گے تو بہت ت طریقے اختیار کئے جائیں گے۔"

"تم کون ہو۔" ساجد خوفزدہ آواز میں بولا۔

"میں کوئی بھی ہوں۔ لیکن تمہیں بولنا ہی پڑے گا۔"

"میں کچھ نہیں.... جج.... جانتا.... میں پپاگل....!"

"ہونہہ پاگل!.... پاگل تو میں بھی ہوں۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ یہاں

میڈیکل ٹسٹ قاعدے سے ہوتا ہی نہیں۔ محض پچھلی ہسٹری دیکھ کر پاگل پن کی قسم کا تعین کر کے نمبر لگا دیئے جاتے ہیں۔ چلو بیٹے اگلو جلدی اس قسم کی حرامخوری ہر محکمے میں ہو رہی ہے۔"

"میرا.... شائد.... میرا وقت بھی قریب آگیا ہے۔" ساجد آہستہ سے بڑبڑایا۔

"تو کیا تم نے ہی کرنل کو قتل کیا تھا۔"

"نہیں! ہرگز نہیں۔"

"پھر تمہاری موت کیوں قریب آگئی ہے۔"

"مار ڈالو.... مار ڈالو.... لیکن مار ڈالنے سے پہلے کسی بلی کی طرح مجھے چوہا سمجھ کر کھا مت۔" ساجد نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپالیا۔

"جب تم مجرم نہیں ہو تو تمہیں کس بات کا ڈر ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"بہلاؤ نہیں مجھے۔" ساجد کانپتا ہوا بولا۔ "مارنا ہے تو مار ہی ڈالو.... اب تو تمہیں یہ معلوم ہو گیا کہ میں پاگل نہیں ہوں۔"

حمید اس کے ایک ایک لفظ پر غور کر رہا تھا۔ اس طرح اچانک جھپٹ بیٹھنے کا اس پر جو ردِ عمل ہوا تھا وہ بھی اس کے پیش نظر تھا۔

"تم خواہ مخواہ ڈر رہے ہو۔" حمید اسکے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا اور وہ چیخ کر پیچھے ہٹ گیا۔

"میرا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے ہے۔" حمید پھر بولا۔

ساجد کسی خوفزدہ شکاری کی طرح دبک رہا تھا۔

"اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تمہیں یہاں سے نکال کر پولیس والوں کے سپرد کر دیا جائے تو کوئی اعتراض نہیں۔"

"نہیں.... نہیں!" ساجد مضطربانہ انداز میں بولا اور تھوڑی دیر تک اسے غور سے دیکھنے کے بعد کہنے لگا۔

"تو تم مسٹر کیو کے آدمیوں میں سے نہیں ہو۔"

"مسٹر کیو؟" حمید حیرت سے بولا۔ "یہ کون بلا ہے۔"

"مجھے بچاؤ۔" ساجد بچوں کی طرح سسکیاں لیتا ہوا بولا۔

"ڈرو نہیں!" حمید نرم لہجے میں بولا۔ "یہ مسٹر کیو کون ہے۔"

"میں نہیں جانتا۔"

"تم نے پھر وہی ضد شروع کر دی۔"

"خدا کی قسم میں نہیں جانتا۔ میرا خیال ہے کہ شاید ہی کسی کو اُس کے متعلق کچھ معلوم ہو۔ بہر حال مجرموں کا ایک جم غفیر اس کا تابع فرمان ہے۔"

"اور تم بھی انہیں میں سے ایک ہو۔"

"مم.... میں۔" وہ ہکلا کر رہ گیا۔

"گھبراؤ نہیں۔ تم سرکاری گواہ بنا کر چھوڑ دیئے جاؤ گے۔"

"میں یہیں بہتر ہوں۔" وہ جلدی سے بولا۔ "شاید مسٹر کیو مجھے بیچ عدالت میں بھی زندہ نہ چھوڑے۔"

"اوہ....! تو کیا وہ ایسا ہی خطرناک آدمی ہے۔"

ساجد صرف سر ہلا کر رہ گیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"وہ ہزاروں آدمیوں کا شہنشاہ ہے۔" ساجد تھوڑی دیر بعد بولا "لیکن ان میں سے شاید ہی کسی کو معلوم ہو کہ ایک کا دوسرے سے کیا تعلق ہے۔"

"ہوں۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "میں سمجھ گیا! تم کس طرح اس کے چکر میں پھنسے تھے۔"

ساجد نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ اس کے چہرے سے ہچکچاہٹ ظاہر ہو رہی تھی۔

"میں دراصل! مجھ سے ایک بار ایک جرم سرزد ہو گیا تھا جس کے متعلق میں یہ سمجھتا تھا کہ اس پر ہمیشہ پردہ پڑا رہے گا۔"

"چلو میں تم سے اس کے متعلق کچھ نہیں پوچھوں گا۔" حمید جلدی سے بولا۔

"لیکن....!" ساجد بولتا رہا۔ "مسٹر کیو کو اس کا علم تھا۔ اس نے مجھے بلیک میل کیا۔ مجھے اس کی طرف سے ایک خط ملا جس میں اُس جرم کی تفصیل درج تھی اور مجھے دھمکی دی گئی تھی کہ اگر میں نے مسٹر کیو کی ہر خواہش کے آگے سر نہ جھکا دیا تو اس کی اطلاع پولیس کو دے دی جائے گی۔"

"تو تم نے اسے کس طرح مطلع کیا تھا کہ تمہیں منظور ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ٹیلی فون کے ذریعے! اس نے مجھے نمبر لکھا تھا.... کہ اگر مجھے منظور ہو تو اس نمبر پر فون کر دوں۔"

"نمبر یاد ہے؟" حمید نے کہا۔

"ہاں.... تھری زیرو۔"

"تھری زیرو!" حمید حیرت سے بولا۔ "یہ تو ٹیلی فون ایکسچینج کا نمبر ہے۔"

"میں جانتا ہوں.... لیکن نمبر یہی تھا۔" ساجد بولا۔

"پھر....؟"

"پھر اس نے مجھے دوسرے خط کے ذریعہ کرنل فرید کے یہاں سیکریٹری کی جگہ کرنے کی کوشش کا حکم دیا۔"

"اسی رائفل کے لئے۔" حمید نے پوچھا۔

"ہاں.... لیکن کرنل فرید بہت چالاک آدمی تھا۔ اس نے مجھے اس کی ہوا بھی نہ لگنے دی اور دوسری حیرت انگیز بات یہ کہ کرنل فرید بھی مسٹر کیو کے گروہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے قتل سے تین چار دن قبل مجھے اس کا علم ہوا تھا۔ اتفاق سے میرے ہاتھ دو تین ایسے خطوط لگ گئے جو مسٹر کیو نے اسے لکھے تھے۔ بہر حال مسٹر کیو کو بھی اس پر اعتماد نہیں تھا اُس نے مجھے اس کے پیچھے لگا دیا تھا۔ جس رات اس کا قتل ہونے والا تھا مجھے مسٹر کیو کی طرف سے ایک خط موصول ہوا جس میں کہا گیا تھا کہ میں رات کرنل فرید کے گھر پر نہ رہوں۔ مسٹر کیو کا وجود مجھے عرصہ سے الجھن میں ڈالے ہوئے تھا۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ میں اس کا سراغ لگاؤں۔ چنانچہ میں نے اس کے حکم کی تعمیل نہ کی اور یہ دیکھنے کے لئے کہ اس نے یہ حکم کیوں دیا ہے میں کرنل کے مکان ہی میں چھپا رہا اور تقریباً بارہ بجے رات کو کسی نے پیچھے سے میرے سر پر کوئی وزنی چیز ماری اور میں بیہوش ہو گیا۔ دوسری صبح میں نے خود کو ایک کمرے میں مقفل پایا اور باہر پولیس والوں کے بھاری بھرکم جوتوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ان میں سے کچھ قتل کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ میں بُری طرح گھبرا گیا۔ پولیس والوں سے زیادہ مسٹر کیو کا خوف دامنگیر تھا۔ لہٰذا فوری طور پر اس کے علاوہ اور کچھ نہ سوجھا کہ پاگل بن جاؤں۔"

ساجد خاموش ہو گیا۔ حمید بھی کچھ سوچ رہا تھا۔ وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

"آخر وہ لوگ اس کی بہن کو کیوں لے گئے۔"

"وہ اس رائفل کے متعلق سب کچھ جانتی تھی۔ شائد استعمال کا طریقہ بھی اسے معلوم

تھا۔" ساجد نے کہا۔

"کیا وہ لڑکی بہت کم سخن تھی۔"

"بہت زیادہ۔" ساجد نے کہا۔

"اس کی چال کیسی تھی؟"

"چال ہی تو سب کچھ تھی۔ میں نے اپنی زندگی میں ایسی چال نہیں دیکھی ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ زمین سے کچھ اوپر تیر رہی ہو۔"

"مسٹر کیو! یا اس کے ساتھیوں کے متعلق اور بھی کچھ جانتے ہو۔"

"کچھ بھی نہیں! بتایا نا کہ میں تقریباً چھ ماہ تک کرنل کے ساتھ رہا لیکن مجھے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ وہ بھی مسٹر کیو ہی کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔ شاید اسے بھی میرے متعلق علم نہ رہا ہو۔"

"لیکن تمہیں اس کے یہاں ملازمت کس طرح مل گئی۔"

"مسٹر کیو کے خوف نے دلائی تھی وہ ملازمت۔ ظاہر ہے کہ اگر میں وہ ملازمت حاصل نہ کر سکتا تو میرا بھانڈا پھوٹ جاتا۔ جس کی دھمکی مسٹر کیو پہلے ہی دے چکا تھا۔ لہٰذا میں نے سر توڑ کوشش کی اور کامیاب ہو گیا۔ ہو سکتا ہے کہ اس میں مسٹر کیو ہی نے کوئی اور طریقہ اختیار کیا ہو۔"

"لیکن! تم کہہ چکے ہو کہ کرنل نے تم پر رائفل کا راز کبھی نہ ظاہر ہونے دیا۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ وہ تمہاری حقیقت سے واقف تھا۔"

"مجھے یقین ہے کہ وہ قطعی واقف نہیں تھا۔" ساجد بولا۔

"بہر حال اُس رائفل نے ایک بہت بڑے آدمی کی جان لے لی۔ خیر اب تم کیا کہتے ہو۔ یہیں رہنا چاہتے ہو یا کوئی اور انتظام کیا جائے۔"

"نہیں میں یہیں بہتر ہوں۔" اس نے کہا اور ایک طرف چلا گیا۔ حمید دیر تک کھڑا اندھیرے میں گھورتا رہا۔

رنگ اور بھنگ

دوسری صبح سرجنٹ حمید بہت مضمحل تھا۔ پاگلوں کے خوف سے اُسے رات بھر ٹھیک سے

نیند نہیں آئی تھی اور ویسے بھی سوتا ہی کہاں۔ اس کیلئے خاص طور پر کوئی انتظام نہیں کیا گیا پورے پاگل خانے میں بد نظمی ہی بد نظمی نظر آتی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا یہاں کے عملہ دماغوں میں بھی فتور ہے۔ اُسے رات بھر ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے بیٹھا رہنا پڑا تھا۔

صبح ہوتے ہی وہ پاگل پھر بارکوں اور سائبانوں سے جانوروں کی طرح ہانک دیئے گئے انسانی مشینیں پھر چل پڑیں۔ ان کی آنکھیں ویران تھیں اور چہرے ہر قسم کے جذبات سے عاری۔ صرف ان کے جسم حرکت کر رہے تھے۔ جب کبھی اُن میں سے کسی کے ذہن کی رو اس پر کوڑے برسنے لگتے اور جب وہ درد سے بے تاب ہو کر چیختا تب بھی اس کے چہرے پر کے احساس کے آثار نہ ہوتے۔ آنکھیں بدستور ویران اور کھوئی کھوئی ہوتیں۔ بس یہ معلو جیسے یہ آواز کسی مشین ہی سے نکلی ہو۔

حمید پھر اپنے پچھلے ہی دن والے کام میں آلگا۔ بھوک کے مارے بُرا حال تھا۔ پچھلی بھی اُسے بھوکا ہی رہنا پڑا تھا۔ کیونکہ ابلی ہوئی پتلی اور بدبو دار دال باجرے کی سخت روٹیو ساتھ حلق سے نہ اتاری گئی تھی۔ بہر حال اب اُسے خوف تھا کہ کہیں اس بھوک کی حالت محافظوں کے کوڑے نہ کھانے پڑیں۔ آج اسے ان لوگوں میں ساجد بھی دکھائی دیا جو ایک درخت کے نیچے چٹائی بن رہا تھا۔ اس کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے اور آنکھوں سے جھانک رہا تھا۔ وہ تقریباً دو گھنٹے سے سر جھکائے بیٹھا چٹائیاں بن رہا تھا۔ وہ کبھی کبھی کسی خوفزدہ کی طرح سر اٹھا کر اپنی پشت کی طرف دیکھنے لگتا اس کے قریب ہی کچھ اور بھی تھے۔ وہ بھی ا طرح خاموشی سے اپنے کاموں میں مصروف نظر آرہے تھے۔

دفعتاً حمید نے ایک چیخ سنی اور اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ساجد اپنے قریب بیٹھے ہوئے ایک پر ٹوٹ پڑا۔ قبل اس کے کہ محافظ اس کی طرف دوڑتے اس کا سر کئی بار نیم کے تنے سے ٹکر ساتھ ہی اس کے منہ سے کسی بگڑے ہوئے کتے کی سی غراہٹ بھی نکل رہی تھی۔ دو محافظ بھی بُری طرح بھنبھوڑ ڈالا۔ کئی محافظ اور آگئے انہوں نے اسے رسیوں سے جکڑ کر ان بار کو طرف روانہ کر دیا جہاں خطرناک قسم کے پاگل رکھے جاتے تھے۔

حمید سوچ رہا تھا کہ کیا وہ اب سچ مچ پاگل ہو گیا ہے۔ یا پھر یہ مسٹر کیو سے محفوظ رہنے لئے دوسری حکمت عملی تھی۔ ظاہر ہے کہ اب اسے ایک الگ کمرے میں بند کر دیا جائے گا او

تک باہر نہ نکالا جائے گا جب تک ڈاکٹروں کو یقین نہ ہو جائے کہ وہ اب کسی پر حملہ نہیں ہ گا۔

ہنگامہ فرو ہونے کے ایک گھنٹے بعد ایک محافظ حمید کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ نیچے جھک کر ے کی پشت پر پڑے ہوئے نمبر دیکھے اور حمید سے اٹھنے کو کہا۔

"چپ.... پیاؤں۔" حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"چل بے۔" اُس نے حمید کی گردن پکڑ کر دھکا دیا۔ حمید چپ چاپ اس کے ساتھ چلنے لگا۔ ڈسپنسری کے سائبان کے نیچے ایک آدمی کھڑا ڈاکٹر سے گفتگو کر رہا تھا۔ وہ حمید کی طرف ر مسکرایا۔ حمید سمجھ گیا کہ وہ فریدی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ سوچنے لگا کہ کمال کا بدلا ہے ظالم نے.... مسٹر کیو کیا مسٹر کیو کا باپ بھی اسے نہیں پہچان سکتا۔ فریدی نے اس پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح اسے پاگل خانے سے نکال لائے گا۔ حمید نے دل ہی ں قہقہہ لگایا اور سوچنے لگا۔ آج پھنسے ہو دوست۔ مری جان۔ فریدی صاحب۔ اب کم از کم نے پریشان کئے بغیر نہ مانوں گا۔

"آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔" وہ ڈاکٹر صاحب سے دردناک آواز میں کہہ رہا تھا۔

"یہ میرا سگا بھائی ہے اور میں اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ بڑی مشکل سے ڈسٹرکٹ یٹ صاحب اس پر راضی ہوئے ہیں۔" پھر وہ حمید کی طرف مڑ کر بڑے پیار سے بولا۔

"بو میاں۔"

"بھائی جان۔" بو میاں سلمہ جھپٹ کر اُس سے لپٹ گئے اور وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔

حمید نے دل میں سوچا کہ غضب کا ایکٹر ہے۔ اس گھبراہٹ میں کتنا بے ساختہ پن تھا۔ یہ ہٹ کتنی قدرتی تھی۔ اگر سگا بھائی بھی پاگل ہو جائے تو لوگ غیر شعوری طور پر اس سے سہی رہتے ہیں۔

"مانتا ہوں استاد۔" حمید نے دل میں کہا۔ "مگر میں تمہیں تنگ ضرور کروں گا۔"

وہ اپنے ساتھ کپڑے بھی لایا تھا۔ سفید کرتا اور پاجامہ۔ پاگل خانے کے کپڑے اتروا لئے گئے۔

پاگل خانے کے باہر ایک کار کھڑی ہوئی تھی۔ حمید اچھل کر اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور کار چل ا۔ حمید اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر پھیر کر اُسے چکار رہا تھا۔ راستہ خاموشی سے طے ہوتا رہا۔ حمید

سوچ رہا تھا کہ شاید فریدی اس کی افتادِ طبع کی بناء پر خاموش ہے۔ سوچتا ہوگا کہ اگر میں
میں پہل کی تو حمید نچائے بغیر نہ چھوڑے گا۔ خیر صاحب دیکھنا ہے کہ یہ خاموشی کتنی
رہتی ہے۔ حمید سوچ رہا تھا کہ وہ ان تکالیف کا گن گن کر بدلہ لے گا جو اُسے پاگل خانے میں
پڑیں تھیں وہ اونگھتا اور سوچتا رہا.... ڈیڑھ دن کی تھکن اور پچھلی رات کی بیداری کے اثرات
کے ذہن پر حاوی ہوتے گئے اور وہ سیٹ کی پشت سے لگ کر خراٹے لینے لگا۔

پھر اسی وقت اس کی آنکھ کھلی جب اسے جھنجھوڑ کر جگایا گیا۔

کار ایک عالی شان عمارت کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ کار سے اُتر کر اِدھر اُدھر دیکھنے
کچھ بولنے ہی والا تھا کہ اپنی شرارت والی اسکیم کا خیال آ گیا۔

"غررر.... غررر.... غرچ....!" اس نے حلق سے آواز نکالی اور اپنی دانست میں
کے ساتھ گھسٹنے لگا جو اس کا ہاتھ تھامے اندر کھینچے لئے جا رہا تھا۔

متعدد راہداری کے چکر کاٹنے کے بعد وہ ایک بڑے کمرے میں پہنچے اور پھر حمید کی
مچ فنا ہو گئی۔ کمرے کے وسط میں وہی حبشی طالوت کھڑا تھا۔ جسے اُس نے اپنی الف لیلیٰ والی
ڈاکٹر نارنگ کے بنگلے میں دیکھا تھا۔ اس کا سر چکرانے لگا۔ لیکن.... وہ سوچ رہا تھا کتنی زبر
غلطی ہوئی اب اسے سچ مچ فریدی پر غصہ آنے لگا تھا۔ اگر اس نے یقینی طور پر کوئی ڈھنگ کی
بتا دی ہوتی تو وہ مجرموں کے ہاتھ میں کیوں پڑتا.... مگر.... خیر.... اس نے شروع
کوئی ایسی بات نہیں کی تھی جس کی بناء پر اُسے پاگل نہ سمجھا جاتا۔ اس نے مذاق ہی مذاق میں
تک اپنا پاگل پن برقرار رکھا تھا اور یہاں سے نکل بھاگنے کا بس ایک یہی حربہ رہ گیا تھا۔ حمید
دل و دماغ کو متوقع اور غیر متوقع ہر قسم کے حادثات کا مقابلہ کرنے کے لئے قوت ارادی
تحت منظم کرنے لگا۔ حمید کے ساتھی نے اسے طالوت کی طرف دھکیل دیا۔ طالوت اپنے
چوڑے بازو پھیلائے آگے کی طرف جھکا ہوا تھا۔ حمید نے اُس کے جسم سے ٹکراتے ہی
میں ہاتھ ڈال کر دو عدد بوسے اس کے رخساروں پر رسید کر دیئے۔

طالوت کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور وہ اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ حمید چاروں خانے چت
گرا۔ طالوت حیرت سے آنکھیں پھاڑے حمید کو گھور رہا تھا۔ حمید پھر اٹھ کر اس کی طرف جھ
طالوت نے اپنے دونوں ہاتھ آگے طرف تان دیئے۔ حبشی بڑا قد آور تھا۔ حمید شاید اس

ں سے بھی نچا رہا ہو۔ طالوت اُسے ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا اور حمید اس لئے بار بار اچھل
لہ شاید دو چار بوسے اور نصیب ہو جائیں۔ ویسے اسکے منہ کی بدبو سے اس کا دماغ پھٹا جا رہا تھا۔
وہ شخص جو حمید کو اپنے ساتھ لایا تھا بے تحاشہ قہقہے لگا رہا تھا۔ پھر اچانک وہ سنجیدہ ہو کر
ی میں غرایا۔ "یہ بنا ہوا پاگل ہے۔ تمہیں اسے راہِ راست پر لانا ہے۔"

"نہیں.... نہیں....!" حبشی غلط سلط انگریزی میں چیخا۔ "یہ سچا پاگل ہے۔"

"بکو نہیں! اسے ٹھیک کرو۔"

"کیوں.... تم جھوٹے پاگل ہو۔" حبشی نے کھسیانے انداز میں پوچھا۔

"بھوں.... بھوں۔" حمید کتے کی طرح بھونکنے لگا۔ حبشی کا منہ چوم لینے کی کوشش ابھی
اری تھی۔

"کتیا کے بچے۔" حبشی نے ہنس کر اس کی گردن دبوچی اور حمید چوٹ کھائے ہوئے کتے کی
"چیاؤں چیاؤں" کرنے لگا۔ طالوت پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔ وہ حمید کو چھوڑ چھاڑ کر الگ ہٹ
ھی پیٹ دباتا اور کبھی منہ۔

"خاموش خاموش۔" دوسرا آدمی حلق پھاڑ کر چیخا۔

طالوت کی ہنسی رکنے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔ حمید اب دوسرے آدمی کی طرف جھپٹا۔ پہلے تو
کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار نظر آئے۔ لیکن دوسرے لمحے میں سنبھل کر اس نے جو
ہاتھ جھاڑا ہے تو میاں حمید کو دن میں تارے نظر آ گئے۔ وہ اس کے لئے تیار نہیں تھا لہٰذا
ا برقرار نہ رکھ سکنے کی بناء پر ڈھیر ہو گیا۔ لیکن وہ بھی طے کر چکا تھا کہ چاہے جان چلی جائے
ت نہیں تسلیم کروں گا۔ وہ جھپٹ کر پھر اٹھا اور یہی حرکت دہرا دی۔

حبشی پیٹ دبائے پورے کمرے میں ناچتا پھر رہا تھا۔ حمید کی اس حرکت نے تو اسے بے دم
ا۔

"کیا ہلڑ ہے۔" دوسرے کمرے میں ایک تیز قسم کی نسوانی چیخ سنائی دی اور ایک لڑکی اندر
آئی۔ لیکن اب حمید اپنے چہرے پر تحیر کے آثار پیدا کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ حمید اسے
انداز کر کے طرح طرح کی حرکتیں کرتا ہوا حبشی ہی کے پیچھے دوڑتا رہا۔

"طالوت۔" دوسرے آدمی نے اُسے پھر للکارا! "خاموش رہو! ورنہ گولی مار دوں گا۔"

اچانک وہ سہم کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ دراصل اب اس میں ہنسنے کی سکت ہی نہ رہ گئی تھی۔ اس نے سوچا کہ اب تھوڑی سی خدمت اس لڑکی کی بھی کرنی چاہئے۔

اس نے ڈرامائی انداز میں اپنے دونوں ہاتھ جوڑے اور قدیم ہندوستانی رقص کا ایک پوز بنا ہوا لڑکی کے سامنے جھک گیا۔ پھر اس کے بعد کتھک کے بول بولتا ہوا جو ناچاہے تو ایک ساتھ کلی، بھارتیہ ناٹیم اور منی پور کے وہ وہ پینترے دکھائے ہیں کہ حبشی پر تو گویا ملک الموت ہی ہو گیا۔ لڑکی بھی ہنس رہی تھی اور وہ دوسرا آدمی کبھی ہنستا تھا اور کبھی جھنجھلا کر پیر پٹخنے لگتا۔

"یہ پاگل نہیں ہے.... ہرگز نہیں ہے۔" وہ حلق کے بل چیخا اور حمید کا گریبان پکڑ لیا۔ "پاگل نہیں ہو۔ میں تمہاری کھال اڑا دوں گا۔"

حمید نے دانت نکال کر قہقہہ لگایا جو اتنا ہذیانی قسم کا تھا کہ لڑکی خوفزدہ آواز میں چیخ پڑی۔

دفعتاً قریب ہی کسی کمرے میں فائر کی آواز سنائی دی اور ساتھ ہی شیشوں کے ٹوٹ کر گرنے سے چھناکے بھی پیدا ہوئے۔ کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں حمید نے قہقہہ لگایا۔ وہ سمجھا شاید پولیس آ گئی۔

"اسے دیکھو۔" دوسرے آدمی نے حبشی سے کہا اور لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر کمرے سے نکل راہداری میں رک کر وہ دونوں شاید اندازہ لگانے لگے کہ آواز کس کمرے سے آئی تھی۔ پھر ایک کمرے میں گھس گئے۔ سامنے والی کھڑکی کا ایک شیشہ ٹوٹ کر زمین پر بکھر گیا تھا اور کمرے میں بارود کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ مرد کی نظر سامنے والی میز پر پڑی جس پر ایک بوتل رکھی تھی۔ جھپٹ کر اُس کے قریب آیا۔ بوتل کے نیچے ایک کاغذ کا ٹکڑا دبا ہوا تھا جس پر کچھ تحریر تھا وہ اٹھا کر پڑھنے لگا۔

"کیا ہے؟" لڑکی اس کے قریب پہنچ کر بولی۔

"مسٹر کیو۔" اُس نے سرگوشی کی۔ لڑکی کھڑکی کی طرف بڑھنے لگی۔ لیکن اس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"اس کی سزا موت ہے۔" وہ سہمی ہوئی آواز میں بولا۔ "مسٹر کیو کو دیکھنے کی خواہش ہی جرم ہے۔"

"ہوں! جیسے میں جانتی نہیں۔" لڑکی بڑے ناز سے چلک کر بولی۔

"نہیں.... تم نہیں.... جان سکتیں۔" وہ مضطربانہ انداز میں بولا۔

"تم مسٹر کیو ہو۔" لڑکی نے سنجیدگی سے کہا۔

مرد نے ایک ڈراؤنا سا قہقہہ لگایا اور لڑکی کا ہاتھ پکڑے ہوئے پھر اسی کمرے میں آ گیا جہاں کو چھوڑ گیا تھا۔ بوتل جس میں کوئی سیال شے بھری ہوئی تھی اس کے ہاتھ میں تھی۔

یہاں حمید اور حبشی دونوں ہی تھک کر بیٹھ گئے تھے۔

"اسے مضبوطی سے پکڑو۔" اس نے حبشی سے کہا۔ حمید اس کے ہاتھ میں بوتل دیکھ کر پہلے راتھا حبشی نے اُسے اس طرح جکڑ لیا تھا کہ ہاتھ پیر ہلانا بھی مشکل نظر آنے لگا۔

لڑکی کے ساتھی نے بوتل سے عرق نکال نکال کر اس کے منہ پر چھینٹے مارنے شروع یئے۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ چہرے پر چپکے ہوئے پلاسٹک کے ٹکڑے اپنی جگہ چھوڑ رہے اُسے یقین ہو گیا کہ اب جان بچنی محال ہے۔ بہرحال وہ تن بہ تقدیر ہو بیٹھا۔

ایک ایک کر کے پلاسٹک کے سارے ٹکڑے نکال لئے گئے اور دفعتاً وہ لڑکی چیخ اٹھی۔

"ارے.... یہ تم ہو! امرود بخت۔"

حبشی اُسے چھوڑ کر الگ ہٹ گیا۔ حمید تن کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"ہاں.... میں.... سرجنٹ حمید؟.... اور اب واپس جا رہا ہوں۔"

حمید دروازے کی طرف مڑا لیکن حبشی جھپٹ کر درمیان میں آ گیا۔

"اس کا مطلب۔" حمید لڑکی کے ساتھی کی طرف مڑ کر بولا۔

"انسپکٹر فریدی کہاں ہے؟" اس نے پوچھا۔

"میں نہیں جانتا لیکن تمہیں پچھتانا پڑے گا۔" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"پاگل خانے کیوں گئے تھے؟" اُس نے اس بات کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"تم ہو کون؟" حمید بگڑ کر بولا۔

مرد نے پھر حبشی کی طرف دیکھا اور اس نے حمید کو پکڑ لیا۔ حمید نے تعرض نہیں کیا تھا۔ وہ نا تھا کہ ہاتھ پیر مارنے کا وہی انجام ہو گا جو کسی دلدل میں پھنسے ہوئے آدمی کا ہوتا ہے۔ وہ ہی طرح اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ حبشی کی قوت کا عشر عشیر بھی نہیں رکھتا۔

"فریدی کہاں ہے۔" مرد نے آگے بڑھ کر حمید کے منہ پر تھپڑ مارا۔

حمید حتی الامکان پرسکون رہنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم جانتے ہو کہ میں اتنی آسانی سے تمہارے ساتھ کیوں چلا آیا۔" حمید نے اس سے پوچھا۔
وہ حیرت سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔ اسے شاید یہ توقع نہیں تھی کہ حمید اتنا پرسکون فر آئے گا۔

"میں جانتا تھا کہ تم ڈاکٹر ناگر ہو۔"

"پھر....؟"

"میں سوچ رہا تھا کہ ممکن ہے اس طرح کنول سے ایک بار پھر ملاقات ہو جائے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

کنول اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے خاموش کھڑی تھی۔ حمید کے اس جملے پر اس کے چہرے پر سرخی پھیل گئی۔

"سنو ناگر! یا جو کچھ بھی تمہارا نام ہو۔ میں اس لڑکی کو تم سے چھین لے جاؤں گا۔" حمید نے پھر کہا۔

"فریدی کہاں ہے۔" ناگر گرج کر بولا۔

"کنول! میں وہ دلچسپ رات ابھی تک نہیں بھولا۔" حمید نے ناگر کی سنی ان سنی کر کے بڑے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

اسی بار پھر ناگر نے ایک بھرپور ہاتھ حمید کے منہ پر مارا اور حمید تو حقیقتاً اس وقت کمال ہو کر رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا اسے توہین اور چوٹ کا کچھ احساس ہی نہ ہو۔

"میں پتھر ہوں میرے دوست....!" اُس نے قہقہہ لگایا۔ "مجھے ڈر ہے کہ کہیں تمہیں اس ہاتھ کی ڈریسنگ نہ کرانی پڑے۔"

"میں تمہیں مار ڈالوں گا۔" ناگر حلق کے بل چیخا۔

"کوئی نئی بات نہیں۔ ہزاروں بار یہ جملہ سن چکا ہوں اور ہزاروں ہی لاشیں میں نے اپنے قدموں میں دیکھی ہیں۔"

"پیس ڈالو اسے۔" ناگر نے حبشی کو مخاطب کیا اور حبشی کی گرفت تنگ ہونے لگی۔

حمید کو اپنی ہڈیاں کڑکڑاتی معلوم ہو رہی تھیں۔ لیکن وہ حتی الامکان کوشش کر رہا تھا کہ اس کا جسم ڈھیلا نہ ہونے پائے۔ اپنے ذہن کو درد کے احساس سے بچانے کے لئے اس نے بڑبڑانا

شروع کر دیا۔

"کنول! میں تمہیں اس جن کے.... قبضے سے نکال لے جاؤں گا.... بیمہ کمپنی کا ایجنٹ مل ہے۔"

"شٹ اَپ....!" کنول نے اُسے ڈانٹا۔ پھر اپنے ساتھی سے کہنے لگی۔ "اس سے کیا فائدہ۔ ہے میں حکم کی تعمیل نہیں کر رہے ہو۔ مار ڈالنے کا حکم تو نہیں۔"

دفعتاً ایسا معلوم ہوا جیسے ناگر ہوش میں آ گیا ہو۔

"چھوڑ دو۔" اُس نے طالوت سے کہا۔

اور حمید ایک صوفے پر جم گیا۔

"ایک سگریٹ پلاؤ گے۔" اس نے بڑی لاپروائی سے ناگر کو مخاطب کیا۔

"کیا یہ پاگل نہیں ہے۔" لڑکی حیرت سے بولی۔

"نہیں۔" ناگر کے لہجے میں سختی تھی۔

حمید ہنسنے لگا۔ کنول اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

"کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تم قتل بھی کئے جا سکتے ہو۔" اُس نے آہستہ سے پوچھا۔

"تمہارے لئے میں دس بار قتل ہونا منظور کر لوں گا۔" حمید نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

ناگر کنول کی طرف پلٹا۔ "اپنے کمرے میں جاؤ۔" اس کا لہجہ تحکمانہ تھا۔ کنول کی پیشانی پر بل پڑ گئیں۔ حمید نے اس کی آنکھوں میں نفرت کی ہلکی سی جھلک دیکھی لیکن پھر وہ دوسرے لمحے میں مسکرانے لگی۔ اس نے ایک اچٹتی سی نظر حمید پر ڈالی اور کمرے سے چلی گئی۔

"میں نے تم سے ایک سگریٹ مانگی تھی۔" حمید نے ناگر کو مخاطب کیا۔ ناگر کے چہرے پر ید قسم کی الجھن کے آثار تھے۔ اس نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر حمید کے سامنے ڈال ۔ ایسا معلوم ہوا جیسے اس سے یہ حرکت بے خیالی میں ہوئی ہو۔

"مگر نہیں ایسی حالت میں سگریٹ پینے سے ممکن ہے مجھے غش ہی آ جائے؟" حمید نے بڑبڑا کہا۔

"کیوں؟" ناگر نے چونک کر پوچھا۔

"میں کل رات سے بھوکا ہوں۔" حمید نے کہا۔ "پاگل خانوں کی غذا ہوش مندوں کے لئے

قطعی ناموزوں ہے اور پھر میں تو کھانے کی میز سے بعض اوقات محض اس لئے اٹھ جاتا ہوں کہ کسی طشتری سے کچے مسالے کی بو نہ آتی ہو۔"

"تم پاگل خانے کیوں گئے تھے۔" ناگر نے بیساختہ پوچھا۔

"ایک آدمی کی تلاش میں! جس کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ وہ بنا ہوا پاگل ہے۔" حمید نے کہا۔ وہ جانتا تھا کہ کچھ چھپانا بے کار ہے۔ مجرم ان کی اسکیم سے واقف ہو گئے ہیں ورنہ وہ اس وقت یہاں نہ ہوتا۔

"لیکن یہ اطلاع غلط ثابت ہوئی۔" حمید بولتا رہا۔ "کیونکہ آج ہی اُس نے ایک دوسرے پاگل کو قریب قریب ختم ہی کر دیا ہے اور اب اُسے خطرناک پاگلوں کی کوٹھری میں بند کر دیا گیا ہے۔"

"تم اُس سے ملے تھے۔"

"نہیں.... اُسے تو میں نے اس وقت پہچانا جب محافظ اُسے زنجیروں میں جکڑے ہوئے کوٹھڑی کی طرف لے جا رہے تھے۔"

"وہ کون ہے۔" ناگر نے پوچھا۔

"تم آخر مجھے یہاں لائے کس لئے ہو۔" حمید نے بات اڑا دی۔ "اس رات کو مجھے بیوقوف بنانے کا کیا مطلب تھا۔"

"دیکھو دوست....!" ناگر نرم لہجے میں بولا۔ "بہتر یہی ہے کہ تم فریدی کا پتہ بتا دو۔ ورنہ یہ بڑی خراب جگہ ہے۔"

"اس کا علم یہاں داخل ہوتے ہی ہو گیا تھا۔" حمید نے کہا۔ "میں پوچھتا ہوں۔ تم لوگ کون ہو اور کیا چاہتے ہیں۔"

"ہم لوگ بہت بُرے ہیں اور فریدی کا پتہ چاہتے ہیں۔" ناگر مسکرا کر بولا۔

"اور یہ حقیقت ہے کہ مجھے نہیں معلوم، کوئی نہیں بتا سکتا کہ وہ اس وقت کہاں ہو گا۔"

"یہاں....!" ناگر چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "ضد کا نتیجہ موت ہی ہوا کرتی ہے۔"

"میں سمجھتا ہوں کہ تم لوگ آج بھی مذاق ہی کر رہے ہو۔" حمید نے ایسی سنجیدگی سے کہا جس میں لاپرواہی بھی شامل تھی۔

"اے....!" ناگر حبشی کی طرف دیکھ کر چیخا۔ "ترکیب نمبر تیرہ۔"

حمید کو جلد ہی معلوم ہو گیا کہ ترکیب نمبر تیرہ کیا چیز تھی۔ حبشی اُسے گود میں اٹھا کر ایک دوسرے کمرے میں لے گیا۔ پھر اسکے دونوں ہاتھ پشت پر جکڑ دیئے گئے اور ناگر نے کوڑا سنبھالا۔

چھلانگ لگانے والا

حمید کی آنکھ کھلی تو چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ پورے جسم میں کچھ اس قسم کی رنجش تھی جیسے اس کی کھال اتار کر کسی نے اُسے نمک کے ڈھیر میں دبا دیا ہو۔

پچاس کوڑے تک تو اُس نے گنے تھے۔ لیکن اس کے بعد اسے ہوش نہیں رہ گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اچھا ہی ہوا کہ اُسے فریدی کے پروگرام کا علم نہیں تھا ورنہ ممکن تھا کہ وہ اس اذیت سے بچنے کے لئے سب کچھ بتا ہی دیتا اپنی زندگی میں شاید پہلی بار اس نے اتنی بے بسی محسوس کی تھی لیکن پھر بھی یہ یقین کر لینے کی کوئی وجہ نہیں سمجھ میں آ رہی تھی کہ فریدی اس کی طرف سے غافل ہو گا۔

اچانک ایک تیز قسم کی روشنی کا بڑا سا دھبہ اس کی پشت کی طرف اندھیرے میں رینگ آیا۔ حمید چونک پڑا۔ لیکن وہ اتنی ہی تیزی سے مڑ نہ سکا۔ کیونکہ جسم کو جنبش دینے کا خیال ہی اذیت ناک تھا۔

کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی اور سوئچ آن کرنے کی آواز کے ساتھ ہی کمرے میں روشنی پھیل گئی۔

یہ کنول تھی۔ لیکن وہ پہلے کی طرح تر و تازہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ حمید نے اسے دیکھ کر آنکھیں بند کر لیں.... وہ تھوڑی دیر تک کھڑی اُسے دیکھتی رہی پھر اس کے قریب ہی زمین پر دو زانو بیٹھ گئی۔

حمید نے پھر آنکھیں کھولیں اور تکلیف کی شدت سے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔

"تم بتا کیوں نہیں دیتے۔" کنول نے سرگوشی کی۔

"میں نہیں جانتا۔" حمید نے نحیف آواز میں کہا۔ "اور اگر جانتا بھی ہوتا...."

"یہ لوگ تمہیں مار ڈالیں گے۔" کنول کی آواز دردناک تھی۔

"کون؟"

"میں تمہارے لئے کیا کروں۔" کنول کی آواز میں بے چینی اور بے بسی تھی۔

حمید نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کنول متحیرانہ انداز میں دیکھنے لگی۔

"تم کیا کرو۔" حمید بولا۔ "وہی کوڑا اٹھالاؤ.... اور تم بھی شروع ہو جاؤ۔"

کنول نے اپنے دانت اتنی سختی سے بھینچ لئے کہ جبڑوں کا گوشت اُبھر آیا۔ شاید وہ آنسوؤں کے ایک بیساختہ قسم کے ابال کو روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ کچھ نہ بولی۔ البتہ اس کی غمگین آنکھیں حمید کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"تم کل رات سے بھوکے ہو۔" اُس نے پھر سرگوشی کی۔

"ٹھیک یاد آیا۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "کیا تم آج مجھے وہی خواب آور دوا نہیں دے سکتیں۔ مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے میرے جسم پر دہکتے انگاروں سے لکیریں کھینچ دی گئی ہوں۔"

وہ سچ مچ رو پڑی۔ لیکن اُس نے جلد ہی اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور خوفزدہ نظروں سے دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔

کہیں دور بھاری قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی جو رفتہ رفتہ نزدیک آتی گئی اور پھر حبشی اپنے ہاتھوں پر ایک بڑا سا پیالہ اٹھائے ہوئے نظر آیا اُسے دیکھتے ہی کنول حمید سے بلند آواز میں بولی۔

"میں کہتی ہوں تمہیں بتانا ہی پڑے گا ورنہ سسکا سسکا کر مار ڈالے جاؤ گے۔"

"میں نہیں جانتا۔" حمید نحیف آواز میں بولا۔

حبشی نے پیالہ کنول کے قریب رکھ دیا۔ چند لمحے خونخوار آنکھوں سے حمید کی طرف دیکھتا رہا پھر چلا گیا۔

کنول نے چمچے سے حمید کے منہ میں دودھ ٹپکانا شروع کیا۔

"میں... تمہیں... اس جن... کے قبضے سے..." حمید رک رک کر بولتا رہا۔ "ضرور... رہائی دلاؤں گا۔"

کنول کچھ نہ بولی۔

"مجھے یقین ہے۔" حمید اسے ہاتھ کے اشارے سے روک کر بولا۔ "اس میں بھی کوئی چال ہو سکتی ہے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"تم مجھ سے ہمدردی جتا کر مجھ سے کچھ معلوم کرنا چاہتی ہو۔"

کنول نے انکار میں سر ہلا دیا۔ وہ منہ سے تو کچھ نہ بولی لیکن اس کی آنکھیں بہت کچھ کہہ رہی تھیں.... اور حمید کا دعویٰ تھا کہ مرتے دم تک عورتوں کی آنکھوں کی زبان سمجھتا رہے گا۔

"تم نے اس رات مجھے بیوقوف کیوں بنایا تھا۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"نہیں بتا سکتی.... لیکن.... تم کسی طرح یہاں سے نکل جاتے تو اچھا تھا۔"

"کیوں....؟"

"یونہی۔"

"مسٹر کیو کا خوف۔" حمید نے کہا اور کنول بے ساختہ اچھل پڑی اور اس کے بعد اس سے جو فعل سرزد ہوا وہ قطعی اضطراری تھا۔ وہ جھپٹ کر دروازے کی طرف گئی اور ادھر اُدھر جھانک کر پھر واپس آ گئی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ تھوک نگل کر آہستہ سے بولی۔

"خاموش رہو.... تم....!"

"باہر کوئی ہے۔" حمید نے پوچھا۔

اس نے نفی میں سر ہلا دیا اور پھر بیٹھ کر اُس کے حلق میں دودھ ٹپکانے لگی۔

"خدا کے لئے۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولی۔ "یہاں کسی کے سامنے اس کا نام نہ لینا ورنہ اسی وقت ختم کر دیئے جاؤ گے۔"

"تم نے اسے دیکھا ہے۔"

"کسی نے نہیں دیکھا۔"

"تم اُس کے پھندے میں کس طرح پھنسیں۔"

"یہ سب مت پوچھو۔"

"ناگر کون ہے!"

"یہاں سے نکلنے کے لئے کچھ سوچو۔" وہ جلدی سے بولی۔

"تمہارا نام کنول ہے یا کچھ اور۔"

"یہی ہے! یہی ہے۔" وہ بے چینی سے بولی۔ "تم اتنے مطمئن کیوں ہو۔"

"میں ہر حال میں مطمئن رہتا ہوں۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"تب تم بھی جن ہی معلوم ہوتے ہو۔" کنول نے پیالے کی طرف اشارہ کیا۔

چوٹوں کی تکلیف معمولی نہیں تھی لیکن حمید کسی طرح بھی یہ نہیں ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ وہ خوفزدہ ہے یا اس نے کوڑوں کی اُس بارش کو ذرہ برابر بھی اہمیت دی ہے۔

"تم بہت اچھی ہو۔" حمید اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہوا پیار بھرے لہجے میں بولا۔

"تم سچ مچ امرود بخت ہی معلوم ہوتے ہو۔" کنول مسکرا پڑی۔ "کچالو بن گیا ہے تمہارا مگر اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے۔"

"اگر اس وقت منہ میں دودھ نہ ہوتا تو کچالو کے نام پر پانی بھر آیا ہوتا۔"

کنول صرف مسکرا کر رہ گئی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ ساجد کی بات ٹھیک ہی نکلی کسی "مسٹر کیو" کا وجود ضرور ہے اور یہ لوگ بھی اس سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کا دل چاہا کہ کرنل کی بہن نادرہ کے متعلق بھی پوچھے لیکن فوراً خیال آ گیا کہ وہ اپنی پاگل خانے والی ناکامی کی داستان ناگر کو سنا چکا ہے۔

اس کا ذہن پھر بوجھل ہوتا جا رہا تھا۔ پیالے کا دودھ ختم ہونے سے پہلے ہی اُس نے ہاتھ اٹھا کر کنول کو روک دیا۔ وہ تھوڑی دیر تک بیٹھی اس کو دیکھتی رہی پھر اُس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ کی جھلک دکھائی دی۔ حمید نے نیند کے دباؤ سے جھکتی ہوئی پلکوں کو زبردستی اٹھا کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"شکریہ! میرے لئے یہی بہتر ہے۔ آج کی خواب آور دوا زیادہ فائدہ مند ثابت ہوگی۔"

اور پھر وہ سو گیا۔ کنول تھوڑی دیر بیٹھی اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتی رہی اور پھر اٹھ کر باہر چلی گئی۔ وہ راہداری کے موڑ پر پہنچی تھی کہ کسی سے ٹکرا گئی۔ پیالہ ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا۔

یہ ناگر تھا اور بُری طرح بدحواس نظر آ رہا تھا۔

"پولیس....!" وہ ہانپتا ہوا بولا۔ "طالوت کہاں ہے۔"

"باورچی خانے میں۔"

"چلو....!" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر دوڑتا ہوا بولا۔ "پولیس نے گھیرا ڈال دیا ہے۔"

باورچی خانے سے انہوں نے طالوت کو لیا اور ایک تاریک راہداری میں گھستے چلے گئے۔

تھوڑی ہی دیر میں پوری عمارت پولیس والوں کے بھاری قدموں کی آوازوں سے گونج

گئی۔ گوشہ گوشہ چھان لیا گیا لیکن حمید کے علاوہ اور کوئی نہ ملا۔ حمید گہری نیند سو رہا تھا۔ پولیس والوں نے اسے اس کی کوٹھڑی سے نکال کر ڈرائنگ روم کے ایک صوفے پر ڈال دیا۔ پھر وہ عمارت کی تلاشی لینے میں مشغول ہو گئے اور انہیں اس کا بھی دھیان نہ رہا کہ وہ حمید کو تنہا چھوڑ آئے ہیں۔ کوتوالی انچارج انسپکٹر جگدیش کے ساتھ دو سب انسپکٹر تھے اور وہ تینوں اس کامیابی کے خیال میں مگن تھے کہ ہر قسم کے خدشات سے گویا محفوظ ہی ہو گئے تھے۔

جب وہ تلاشی لے کر پلٹے تو ان کے پیروں سے زمین نکل گئی۔ ڈرائنگ روم خالی اور حمید غائب تھا۔ وہ پھر دیوانوں کی طرح پوری عمارت میں پھیل گئے۔ لیکن لاحاصل حمید کا کہیں پتہ نہیں تھا۔

حمید کو یقین تھا کہ اس کی نیند خود بخود نہیں ٹوٹی کیونکہ آنکھیں کھلتے ہی اسے اپنے منہ میں کسی کڑوی یا کسیلی چیز کا مزہ محسوس ہوا اور ایک خاص قسم کی بو بھی اس کے ذہن میں گونج رہی تھی۔ وہ کراہ کر اٹھ بیٹھا۔ بستر بہت ہی نرم اور پر تکلف تھا اور ملائم تکیوں سے ویسی ہی خوشبو آ رہی تھی جیسے وہ اپنے تکیوں کے لئے استعمال کرتا تھا۔ کمرہ بھی وہ نہیں تھا جس کے فرش پر چت لیٹے لیٹے اس نے کنول کے ہاتھ سے دودھ پیا تھا۔ اس کی نظریں کھلی ہوئی کھڑکی کے باہر رینگ گئیں۔ چاندنی چھٹکی ہوئی تھی.... لیکن یہ کیا؟ چاندنی کی کرنیں زمین پر مچلتی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں۔ یہ ایسی تعجب خیز بات تھی کہ وہ اپنی تکالیف کا احساس کئے بغیر اچھل کر کھڑا ہو گیا اور جھپٹ کر کھڑکی کے قریب پہنچا لیکن دوسرے ہی لمحے میں دل چاہا کہ اپنے منہ پر تھپڑ مارے۔ چاند کی کرنیں زمین پر نہیں بلکہ دریا کی لہروں پر مچل رہی تھیں۔ کھڑکی سے تقریباً دس بارہ فٹ نیچے دریا بہہ رہا تھا۔ داہنی طرف اسے پل نظر آیا اور پھر وہ کسٹم ہاؤس کی عمارت کو بھی پہچان گیا ثالیہ وہ اسی عمارت کے کسی کوارٹر میں تھا۔ دفعتاً اسے اپنے پیچھے قدموں کی آواز سنائی دی اور وہ چونک کر مڑا۔ دروازے میں ایک آدمی نظر آیا جس کی شکل حمید کے لئے نئی تھی۔

"ڈرو نہیں۔" وہ مسکرا کر بولا اور حمید اس کی آواز پہچان کر اچھل پڑا۔

"یہ فریدی تھا۔"

وہ چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

"آپ کے پاس ریوالور ہوگا؟"

"ہاں! کیوں؟" فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"تھوڑی دیر کے لئے ادھار دے دیجئے۔"

"کیوں؟"

"میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کو گولی ماردوں۔" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔

فریدی اس کے قریب آکر کھڑا ہو گیا اور اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔

"اگر تم اس وقت مجھے توپ سے بھی اڑا دو تو بُرا نہ مانوں گا! میرے اچھے بیٹے۔"

"ذرا پیٹھ دیکھئے میری۔"

"میں دیکھ چکا ہوں.... اور اس کے لئے ان کا جسم کا ایک ایک ریشہ ادھیڑ ڈالوں گا۔"

فریدی نے اُسے پلنگ پر لٹادیا۔ تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر حمید داستان بیان کر چلا۔ حالانکہ اس نے سب سے پہلے اسی کے متعلق معلوم کرنا چاہا تھا کہ وہ یہاں تک کیسے پہنچا۔ لیکن فریدی نے اُسے مجبور کر دیا کہ وہ خود اپنی روداد پہلے سنائے۔ جیسے ہی حمید نے مسٹر کیو کا نام لیا فریدی تقریباً اچھل پڑا۔ وہ تحیر خیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"کچھ نہیں.... کہتے چلو.... پھر بتاؤں گا۔"

حمید نے بیان جاری رکھا اور جب وہ خاموش ہوا تو فریدی نے پوچھا۔

"وہ لڑکی.... یعنی نادرہ بھی کہیں نظر آئی تھی۔"

"نہیں.... لیکن مسٹر کیو کے نام پر چونکے کیوں تھے۔ کیا آپ پہلے سے اس کی شخصیت واقف ہیں۔"

"ہاں.... لیکن اس کی اس حیثیت کے متعلق شاید خواب میں بھی نہ سوچ سکتا۔" فرید خیال انداز میں بولا۔

"یعنی....!" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اس نام کا تعلق سیکرٹ سروس والوں سے ہے۔"

"آپ انہیں جانتے ہیں۔"

"میں صرف ان کی تعداد جانتا ہوں۔ وہ پانچ ہیں اور یہی نام استعمال کرتے ہیں کہاں

اور کون ہیں؟ اس کا پتہ نہیں۔ میں نے کبھی اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی کہ ان کا پتہ لگاؤں۔ وہ بھی بہر حال سرکاری ہی آدمی ہیں۔"

"اور اُن کا ٹیلی فون نمبر بھی تھری زیرو ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ہاں....!"

"اور یہی ٹیلی فون نمبر ایکسچینج کا بھی ہے۔"

"ہاں؟ اور شاید یہی چیز تمہیں الجھن میں ڈالے ہوئے ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"قطعی....!"

"مسٹر کیو کے لئے ٹیلی فون ایکسچینج میں خاص طور سے انتظام کیا گیا ہے۔ مسٹر کیو کے لئے کوئی کال آتے ہی ٹیلی فون آپریٹر اس کا سلسلہ ایک ٹرانسمیٹر سے ملا دیتا ہے۔ اس طرح ایکسچینج سے مسٹر کیو کے لئے ٹیلی فونک ٹرانسمشن ہو جاتا ہے اور آپریٹر تک کو اس بات کا پتہ نہیں چلنے پاتا کہ یہ کال کہاں کے لئے آئی تھی۔"

"تو اس کا مطلب ہے کہ سیکرٹ سروس والے ہی....!"

"نہیں حمید صاحب۔" فریدی مضطربانہ انداز میں بولا۔ "اتنی جلدی کوئی فیصلہ صادر کر دینا ٹھیک نہیں ہے۔ بہت دنوں بعد ایسا کیس ملا ہے جس میں ذہنی اور جسمانی دونوں طرح کی ورزشیں کرنا پڑیں گی۔"

وہ خاموش ہو کر سگار سلگانے لگا اور حمید بولا۔

"حمید صاحب! اگر اپنی کھال میں صحیح سلامت رہے تو؟"

"یار مجھے حقیقتاً ساری زندگی اس کا افسوس رہے گا کہ تم اس حال کو پہنچ گئے۔" فریدی نے کہا۔

"خیر آپ کا یہ افسوس میری بیٹھ کی سوزش نہیں کم کر سکتا۔"

"مگر یہ تو سوچو کہ کنول نے تمہیں دودھ پلایا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"بھینس کا دودھ پلایا تھا۔" حمید جلدی سے بولا اور فریدی ہنسنے لگا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ.... راجن.... ڈاکٹر نارنگ کی دیہی جائیداد کا منیجر کہاں غائب ہو گیا؟" اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"اوہ....!" حمید متاسفانہ لہجے میں بولا۔ "مجھے اس کے متعلق کنول سے پوچھنا چاہئے تھا....

خیر.... اب آپ بتایئے کہ یہ کم بخت شہزادہ امرود بخت.... کچالو خصال بن لر یہاں تک کیسے پہنچا۔"

"حقیقتاً اس حادثے کی تمام تر ذمہ داری مجھ پر ہی ہے۔" فریدی نے کہا اور پھر اپنے جوتے اتار کر اطمینان سے بیٹھتا ہوا بولا۔ "میں نے تمہارے پاگل خانے پہنچنے والے واقعے کو شہرت دی تھی۔"

"شہرت دی تھی۔" حمید حیرت اور غصے میں بولا۔

"جس لئے شہرت دی تھی اس میں کامیابی بھی ہوئی لیکن ایک جگہ دھوکا کھا گیا.... خیر... بہر حال میں نے اس لئے اس معاملے کو شہرت دی تھی کہ مجرموں پر اس کا ردعمل دیکھ سکوں میں جانتا تھا کہ وہ تم پر قابو پانے کی کوشش ضرور کریں گے۔ چنانچہ ایک آدمی نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کا جعلی اجازت نامہ بنایا اور اسے لے کر پاگل خانے پہنچ گیا۔ تم نے پاگل خانے سے تھوڑے فاصلے پر ایک دوسری کار بھی دیکھی ہوگی جس کے پیچھے گرائپ واٹر کا اشتہار لگا ہوا تھا میں نے اس کمپنی سے اس مقصد کے لئے حاصل کی تھی.... بہر حال میں نے اس پر تم دونوں تعاقب کیا۔"

فریدی رک کر سگار سلگانے لگا۔

"اور اس کے باوجود آپ اتنی دیر میں پہنچے۔" حمید بھنا کر بولا۔

"سنتے تو جاؤ! اس عمارت کے سامنے پہنچ کر میں الجھن میں پڑ گیا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ ا میں مغربی جرمنی کا سفیر رہتا ہے اور وہیں اس کا دفتر بھی ہے۔ تم جانتے ہی ہو کہ ایسے موقع جس قسم کی کاروائیاں ہوتی ہیں۔ میں نے نگرانی کیلئے رمیش اور وحید کو وہاں کر دیا اور خود ڈی۔ آئی۔ کے پاس پہنچا۔ بہر حال وہاں کی تلاشی کا اجازت نامہ حاصل کرنے میں دیر ہو گئی اور پھر جب وہا گھیرا ڈالنے کا انتظام کیا جا رہا تھا تو اچانک یہ اطلاع ملی کہ عمارت دراصل خالی ہے۔ سفیر کا دفتر دن ہوئے کسی دوسری عمارت میں منتقل ہو گیا ہے۔ دھوکا دراصل اس لئے کھا گیا کہ وہاں سفارت خانے کا بورڈ نہیں ہٹایا گیا تھا یا ممکن ہے کہ خود مجرموں ہی نے دوسرا لگا دیا ہو۔ بہر حال باہر تو بورڈ لگا ہوا تھا اور اندر ایک جگہ ایک تختی پر لکھا ہوا ملا۔ 'کرائے کے لئے خالی ہے' خیر... بے چارے جگدیش وغیرہ تو یہی سمجھ رہے ہوں گے کہ تم پھر مجرموں کے ہاتھ میں پڑ گئے۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔

"تو وہ لوگ گرفتار ہو گئے۔"

"کہاں.... کوئی ان کی گرد کو بھی نہ پا سکا۔ البتہ ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ پولیس نے دو گھنٹے تک جھک مارنے کے بعد ایک چور دروازے کا پتہ لگا لیا ہے جو ایک پتلی سی گلی میں کھلتا ہے اور جدھر کسی نے دھیان تک نہیں دیا تھا۔ یعنی ادھر پولیس نہیں تھی۔"

انور بھی کام کر رہا ہے یا نہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"میں نے ابھی تک تو اُسے بلایا نہیں۔" فریدی پر خیال انداز میں بولا۔ "سب کو ایک ساتھ بلوا دینا مناسب نہیں سمجھا۔ یہ کیس بڑا پیچیدہ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ کچھ تازہ دم لوگ بھی موجود رہیں۔ ہو سکتا ہے کہ حالات کوئی دوسرا رخ اختیار کر لیں۔ فی الحال.... میں نے یہ انتظام چاہا ہے کہ ملک بھر میں اس وقت تک مائیکروفون استعمال نہ کیا جائے جب تک ایکسپرٹ یہ اطمینان نہ کر لیں کہ اس میں کوئی دوسرا سسٹم بھی تو نہیں پایا جاتا۔"

"ملک بھر میں....؟" حمید حیرت سے بولا۔

"جناب.... یہ کوئی ملک گیر تنظیم معلوم ہوتی ہے۔"

کچھ دیر خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔

"میرا خیال ہے کہ دانتوں پسینہ آجائے گا۔ کیونکہ اس مسٹر کیو نے بڑا عجیب طریقہ اختیار کیا ہے۔"

"لیکن آپ تو سیکرٹ سروس....!"

"ٹھیک ہے۔" فریدی حمید کی بات کاٹ کر بولا۔ "یہ نہیں سوچا جا سکتا کہ سیکرٹ سروس والے اس قسم کی کوئی حرکت کریں گے۔ اس کیس میں یہی تو ایک اہم نکتہ ہے میرا خیال ہے کہ وہ انچوں سیکرٹ سروس والے دوسری دنیا میں پہنچ چکے ہیں۔"

"کیوں؟"

"ظاہر ہے کہ ان کی زندگی میں تو یہ ناممکن ہے کہ کوئی ان کا نام استعمال کر سکے۔"

وہ دونوں پھر خاموش ہو گئے۔ فریدی خیالات میں ڈوبا ہوا تھا اور حمید کا ذہن نیند کے تانے بانے میں الجھتا جا رہا تھا۔ دفعتاً وہ فریدی کی آواز سن کر چونک پڑا اور ساتھ ہی ایسا معلوم ہوا جیسے نیچے دریا میں کوئی وزنی چیز کافی اونچائی سے گری ہو۔ قبل اس کے کہ وہ کچھ سمجھتا فریدی کھڑکی سے چڑھ کر دریا میں چھلانگ لگا چکا تھا۔ حمید پہلے تو اچھل کر کھڑکی کے قریب گیا پھر دروازے کی طرف بھاگا۔ آگے ایک چھوٹا سا صحن تھا۔ حمید دروازہ کھول کر مکان کے باہر آگیا۔ باہر سناٹا تھا۔

غالباً رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ گھاٹ بھی بالکل سنسان تھا اور پل پر آمد و رفت بھی ہو چکی تھی۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔

وہ شاید ایک منٹ تک بے حس و حرکت کھڑا دریا کی سطح پر نظریں جمائے رہا۔ کچھ دو بڑی بڑی لہریں گرداب کی شکل میں اٹھ رہی تھیں۔ کبھی کبھی کوئی سیاہ سی چیز سطح پر ابھرتی اور ڈوب جاتی۔

حمید کا جسم اور دماغ دونوں ہی تقریباً بیکار تھے۔ یہاں تک وہ محض اضطراری فعل کے پہنچا تھا اور اب اسے ایک منٹ کھڑا ہونا بھی دوبھر معلوم ہو رہا تھا۔ صرف ایک سوال اس ذہن میں تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ فریدی نے دریا میں چھلانگ کیوں لگائی؟

وہ وہیں زمین پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے محسوس کیا کہ کوئی تیرتا ہوا اسی طرف آرہا ہے۔ فریدی نے کنارے پہنچ کر کسی دوسرے آدمی کو پانی سے کھینچ کر باہر نکالا۔

خوفناک آنکھیں

فریدی اُسے کاندھے پر اٹھائے ہوئے گھر کے اندر چلا گیا۔ حمید اس کے پیچھے تھا۔ رو میں پہنچتے ہی حمید کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔ فریدی نے اسے فرش پر ڈال کر اُس پیٹ سے پانی نکالنے کی تدبیریں شروع کر دی تھیں۔

"ہیلو....!" دفعتاً وہ رک کر بولا۔ پھر مڑ کر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا یہ وہی نہیں ہے جو تمہیں پاگل خانے سے لے گیا تھا۔"

"ناگر....!" حمید آہستہ سے بولا۔

فریدی بدستور مشغول رہا۔ اُس نے اس کے گیلے کپڑے اتار کر اُسے ایک چادر میں لپیٹ د

حمید کھڑکی کے قریب کھڑا باہر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ بھی کوئی تو نہیں۔ پھر وہ صحن کی طرف جھپٹا اور باہر کے دروازے میں کنڈی لگا کر واپس آگیا۔ فریدی کر پر بیٹھا بے ہوش آدمی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس کی دواؤں کا بکس فرش پر کھلا رکھا تھا اور اُس اپنے ہاتھ میں انجکشن والی سرنج سنبھال رکھی تھی۔

"تم کھڑے کیوں ہو؟"

"ہمیں غافل نہ رہنا چاہئے۔" حمید جلدی سے بولا۔ "کہیں یہ کوئی چال نہ ہو۔"

"جو کچھ بھی ہے ابھی ظاہر ہو جائے گا۔" فریدی پرسکون لہجے میں بولا۔ "تم اس آرام کرسی لیٹ جاؤ.... مگر نہیں تمہاری پیٹھ اس قابل نہیں۔ بہتر تو یہی ہے کہ.... اچھا ذرا ادھر آؤ۔"

پھر وہ اُسے برآمدے میں لا کر بولا۔ "اسے شاید دو تین منٹ بعد ہوش آجائے۔ جب تک ں نہ کہوں تم اس کے سامنے مت آنا۔ یہاں اس پلنگ پر لیٹ جاؤ۔ بلکہ سو جاؤ تو بہتر ہے۔"

"کیا آپ نے اسے کودتے دیکھ لیا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"اس نے پل پر سے چھلانگ لگائی تھی۔" فریدی بولا۔

"پتہ نہیں کیا بات ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ یہ مسٹر کیوہی کا کسی قسم کا عتاب ہو۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا.... اس نے برآمدے میں پڑے ہوئے پلنگ کی طرف اشارہ کیا اور کمرے میں چلا گیا۔

ناگر کو ہوش آگیا تھا۔ وہ پلنگ پر چت پڑا متحیرانہ انداز میں چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ فریدی پر نظر پڑتے ہی اچھل کر بیٹھ گیا۔ چند لمحے خوفزدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اس طرح اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لئے جیسے دفعتاً اس کی بینائی ہی رخصت ہو گئی ہو۔ وہ بُری طرح کانپ رہا تھا۔ "مجھے جہنم میں جھونک دو! میں خود ہی کود جاؤں گا.... مگر میرا قصور.... مجھے میرا قصور بھی تو بتاؤ.... یا پھر مجھے مرہی جانے دو.... اس طرح ادھیڑو مت.... ایک چوہے کی طرح بے بس نہ کرو۔"

وہ خاموش ہو گیا پھر دفعتاً حلق پھاڑ کر چیخا۔ "سنا تم نے۔"

"سن لیا....!" فریدی آہستہ سے بولا۔

"میں ایسی زندگی پر موت کو ترجیح دیتا ہوں۔" ناگر نے اپنی آنکھوں پر سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا۔

لیکن وہ اب بھی فریدی کے چہرے کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

"اگر تم وعدہ کرو کہ آئندہ کبھی اقدام خودکشی نہ کرو گے تو میں تمہیں پولیس کے حوالے نہ کروں۔" فریدی نے کہا۔

ناگر نے ایک لحظے کے لئے فریدی کی طرف دیکھا اور پھر نظریں ہٹالیں۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم نے خودکشی کی کوشش کیوں کی تھی۔" فریدی پھر بولا۔

"میں کچھ نہیں جانتا۔" ناگر نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"یعنی تم ارادتاً نہیں گرے تھے۔" فریدی اسے پر خیال انداز میں دیکھ رہا تھا۔

"مجھے جانے دو۔" ناگر اٹھتا ہوا بولا۔

"جاؤ....!" فریدی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ دکھائی دی۔ وہ اسے شرارت آمیز نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر بولا لیکن شاید اس بار کسی ریوالور کی گولی کو تمہارے بھیجے کا راستہ تلاش کرنا پڑے۔

ناگر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ پھر پلنگ پر گر کر اپنا برہنہ جسم چادر سے چھپانے لگا۔

"ڈرو نہیں!" فریدی نرم لہجے میں بولا۔ "تم اب قطعی محفوظ ہو۔ یہاں میری موجودگی میں کوئی تم پر ہاتھ بھی نہیں اٹھا سکتا۔ ویسے میں یہ ضرور جاننا چاہوں گا کہ تم دریا میں خود کودے تھے یا کسی نے تمہیں پھینکا تھا۔"

"میں نہیں جانتا۔"

"پھر وہی ضد....!"

"میں کچھ نہیں جانتا۔ میرے ذہن میں صرف یہی ایک خیال تھا کہ کود جاؤں بس کود گیا۔"

"اور وہ تمہارا اپنا خیال نہیں تھا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کیا....؟" ناگر پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"یہی کہ تم خود سے نہیں کودے تھے۔"

"تم کون ہو؟" ناگر خوفزدہ آواز میں بولا۔

"ڈرو نہیں! میں ان میں سے نہیں جنہوں نے تمہیں چھلانگ لگانے پر مجبور کیا تھا۔"

"پھر آخر کون ہو۔"

"بتاتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور میز پر رکھے ہوئے کپڑے اٹھا کر اُسے دیتا ہوا بولا۔ "انہیں پہن لو۔"

ناگر نے قمیض اور پتلون پہنی! لیکن اس کی تحیر آمیز نظریں بار بار فریدی کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔

"آؤ میرے ساتھ۔" فریدی نے برآمدے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

جیسے ہی ناگر کی نظر حمید پر پڑی وہ لڑکھڑا گیا۔ اگر فریدی سہارے کے لئے اپنا بازو آگے نہ کر دیتا تو اس کا سر دیوار سے ٹکرا گیا تھا۔

حمید بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"اب بتاؤ بیٹے ناگر صاحب۔" وہ طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

ناگر نے آنکھیں بند کر لیں۔

"غالباً.... اب تم یہ سمجھ گئے ہو گے کہ میں کون ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"پولیس....!" ناگر کانپتا ہوا بولا۔

"میں یہ بھی جانتا ہوں۔" فریدی نے حمید کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "کہ تم پر یہ ساری مصیبتیں اس کی وجہ سے نازل ہوئیں تھیں۔"

"کیا....؟ مم.... میں نہیں سمجھا۔" ناگر ہکلایا۔

"تم نے اُسے پولیس والوں کیلئے چھوڑ دیا تھا اور خود فرار ہو گئے تھے۔ لہٰذا تمہارے مسٹر کیو....!"

ناگر کی ایک بے ساختہ قسم کی چیخ نے فریدی کا جملہ نہ پورا ہونے دیا۔

"تم جھوٹے ہو۔" ناگر نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا اور کمرے میں بھاگ گیا۔

پھر فریدی اور حمید نے بدحواسی کے عالم میں اسے پلنگ کے نیچے گھستے دیکھا۔

"بس....!" حمید نے قہقہہ لگایا۔ "چلو خیر! میں تمہیں سول پولیس کے رحم و کرم پر چھوڑتا ہوں۔" فریدی نے اسے بدقت تمام پلنگ کے نیچے سے نکالا۔

"تم.... تم.... مسٹر کیو کے آدمی ہو۔" ناگر ہذیانی انداز میں بک رہا تھا۔ "میں کہیں نہیں بچ سکتا۔ کسی طرح نہیں بچ سکتا۔"

"تو تمہیں اسی طرح یقین دلایا جا سکتا ہے کہ تمہیں پولیس کے حوالے کر دیا جائے۔" فریدی نے کہا۔

"جھوٹ.... بلف.... دھوکا.... مسٹر کیو کا نام اسکے آدمیوں کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔"

"لیکن اس کا نام مسٹر کیو تو نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ہو یا نہ ہو۔ لیکن اس نام سے بھی کوئی واقف نہیں ہے۔"

"ایسا تو نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس کے ساتھیوں کے علاوہ دو اور آدمی بھی ہیں جو اس نام سے واقف ہیں۔"

"کون؟"

"انسپکٹر فریدی اور سرجنٹ حمید۔"

"تت.... تو.... آپ.... مسٹر فریدی.... ہیں۔" ناگر کے لہجے میں حیرت تھی۔

فریدی مسکراتا رہا۔ ناگر تھوڑی دیر تک خاموش رہنے کے بعد پھر بولا۔

"تو پھر.... خدا کے لئے.... مجھے کسی بند گاڑی میں جیل خانے بھجوا دیجئے.... ورنہ وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا.... اور میں نے ابھی تک کوئی ایسا جرم نہیں کیا جس کی سزا موت ہو۔"

"تم یہاں ہر طرح محفوظ رہو گے۔" فریدی نے کہا۔ "بشرطیکہ جو کچھ پوچھوں اس کا سچ جواب دو۔"

"میں سب کچھ کروں گا۔ مجھے بچایئے۔"

"تم جانتے ہو کہ مسٹر کیو حقیقتاً کون ہے؟"

"یہ میں نہیں جانتا۔"

"اسے کبھی دیکھا ہے۔"

"نہیں۔"

"اس رات جب تم نے سرجنٹ حمید کو ڈاکٹر نارنگ کے یہاں بے وقوف بنایا تھا تمہارے ساتھ کتنی لڑکیاں تھیں۔"

"دو....!"

"جو حمید سے پہلے ملی تھی کون تھی؟"

"یہ میں نہیں جانتا۔ مسٹر کیو کے حکم سے میں اسے وہاں لے گیا تھا۔"

"تمہارے پاس وہ کب سے تھی۔"

"اسی دن آئی تھی۔ جس دن میں وہاں گیا تھا۔"

"کہاں سے آئی تھی۔"

"میں یہ بھی نہیں جانتا۔ مسٹر کیو کے حکم کے مطابق میں سڑک کے کنارے کھڑی ہوئی اس

بند گاڑی میں بیٹھ گیا تھا.... وہ لڑکی.... حبشی.... اور کنول.... تینوں مجھے اس میں ملے تھے۔"

"کنول کون ہے۔"

"اس نے مجھ سے آج تک نہیں بتایا۔"

"ڈاکٹر نارنگ کے منیجر راجن سے تمہاری جان پہچان کس طرح ہوئی تھی۔"

"مسٹر کیو کے حکم کے مطابق میں نے اُس سے دوستی پیدا کی تھی۔"

"کیا راجن بھی اُسی کے آدمیوں میں سے تھا۔"

"کہہ نہیں سکتا.... ہو سکتا ہے کہ رہا ہو۔ مسٹر کیو کے گروہ کے لوگ ایک دوسرے کو اس وقت تک نہیں جانتے جب تک کہ مسٹر کیو خود نہ چاہے۔"

"راجن تمہیں اس کے بعد ملا تھا۔"

"رر.... راجن....!" ناگر ہکلا کر رہ گیا۔

"جھوٹ نہیں سنوں گا۔" فریدی اُسے تیز نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔

"اُسے مسٹر کیو نے ختم کر دیا۔"

"کیسے؟"

"مجھے مسٹر کیو کی طرف سے حکم ملا کہ میں راجن کو دلاور نگر والی سڑک سے لے کر جھریالی کے جنگل میں مار ڈالوں۔ مدد کے لئے ایک آدمی بھی دیا گیا تھا۔ حکم تھا کہ لاش کو پٹرول چھڑک کر جلا دیا جائے۔"

"تو تم دونوں نے اُسے مار ڈالا۔"

"نہیں....!" ناگر گھبرا کر بولا۔

"پھر....؟"

"جب وہ ہم سے چھٹ کر بھاگ رہا تھا تو کسی نے سرکنڈوں کی جھاڑیوں سے اُس پر فائر کر دیا۔ لیکن لاش ہمیں ہی جلانی پڑی تھی۔"

"دوسرا آدمی کون تھا۔"

"پتہ نہیں.... اس دن کے بعد سے اب تک نہیں دکھائی دیا۔"

"خیر اب یہ بتاؤ کہ تم اس کے چکر میں کس طرح پڑے تھے۔"

ناگر تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "اس نے مجھے بلیک میل کیا تھا۔"

پھر اس نے اسی قسم کی ایک داستان دہرادی جیسی حمید کو پاگل خانے میں ساجد نے سنا
تھی۔ ناگر دراصل منشیات کی ناجائز تجارت کرتا تھا۔ مسٹر کیو نے اسے ایک خط کے ذریعہ دھم
دی تھی کہ اگر اُس نے اس کے احکامات کے آگے سر نہ جھکا دیا تو وہ اس کا راز فاش کردے گا
اُسے بھی یہی ہدایت ملی تھی کہ وہ اپنے فیصلے سے فون کے ذریعے آگاہ کرے۔ نمبر وہی "تم
زیرو" تھا۔

"ٹیلی فون کرنے کے متعلق کوئی اور بھی ہدایت ملتی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں.... کہ گفتگو شخصی ٹیلی فون کی بجائے کسی پبلک ٹیلی فون بوتھ سے کی جائے۔"

"اس کے بعد کسی قسم کی گفتگو یا مشورے کے لئے کون سا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔" فرید
نے پوچھا۔

"مسٹر کیو کے خطوط یا تو بذریعہ ڈاک آتے ہیں یا کسی دوسرے پُراسرار طریقے سے مجھ تک
پہنچتے ہیں۔"

"پُراسرار طریقے سے۔" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں.... آج ہی! جب میں آپ کے ساتھی کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کررہا
مسٹر کیو نے مکان کے ایک حصے میں فائر کرکے ہمیں اپنی طرف متوجہ کیا۔ جب ہم کمرے میں
گئے تو ہمیں اُس کا خط ملا اور ساتھ ہی ایک بوتل بھی جس میں غالباً سیال ایمونیا تھی۔ خط میں
ہدایت تھی کہ میک اپ بگاڑنے کے لئے بوتل کا عرق استعمال کیا جائے۔"

"اوہ....!" فریدی نے ہونٹ سکوڑ کر کہا تھوڑی دیر کے لئے پھر خاموشی چھا گئی۔

"وہ لڑکی کہاں ہے.... کنول....!" حمید نے پوچھا۔

فریدی اسے گھورنے لگا اور حمید نے مسکرا کر منہ پھیر لیا۔

"کنول.... میں نہیں جانتا کہ وہ اب کہاں ہے۔" ناگر نے کہا۔

"لیکن تم تینوں ساتھ ہی تو بھاگے ہوگے۔" فریدی بولا۔

"ہم وہاں ساتھ ہی پہنچے تھے جہاں ہمیں خطرات کے وقت پناہ لینے کا حکم ملا تھا۔ اس کے بعد
میں یہاں چلا آیا۔"

"کہاں گئے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔ لیکن ناگر نے فوراً ہی جواب نہ دیا۔

"کیا.... میں یقین کرلوں کہ آپ میری حفاظت کریں گے۔" ناگر نے پوچھا۔

"حتی الامکان....!" فریدی کا مختصر سا جواب تھا۔

"ہم لوگ! بیلی روڈ کی کوٹھی نمبر سترہ میں گئے تھے۔"

"کس کی کوٹھی ہے۔"

"اس کا علم مجھے نہیں۔ پہلی ہی بار وہاں گیا تھا۔"

"پھر....!"

ناگر خاموش ہوگیا۔ اس پر پھر رعشہ طاری ہوگیا تھا۔

"اس کی یاد بھی میرے لئے پریشان کن ہے۔" وہ کانپتا ہوا بولا۔

"سنو دوست!" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "ایک بات اور بھی واضح کرتا چلوں وہ یہ کہ مجھے
اور حقیقت میں فرق کرنے کا کافی سلیقہ ہے۔"

"میں جو کچھ بھی کہنے جارہا ہوں اس میں ذرہ برابر بھی جھوٹ نہیں۔" ناگر بولا۔

"خیر.... چلو....!" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"وہاں اس عمارت کے ایک کمرے میں مجھے کسی کی آواز سنائی دی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا
دروازے کے ٹوٹے ہوئے شیشے سے دو خوفناک آنکھیں مجھے گھور رہی تھیں۔ سرخ سرخ
آنکھیں۔ میری ہمت نہیں تھی کہ میں کسی طرح نظریں چرا سکتا۔ میں ان کی طرف دیکھتا رہا
مجھے ایسا محسوس ہوتا رہا جیسے میرے جسم کی ساری طاقت ان خوف ناک آنکھوں میں کھنچی
جارہی ہو۔ پھر مجھے ایک تیز قسم کی سرگوشی سنائی دی۔ ایسا معلوم ہوا جیسے وہ آواز ان آنکھوں سے
آرہی ہو۔ مجھ سے کہا جارہا تھا کہ میں ایک بند گاڑی میں پل تک جاؤں اور وہاں سے دریا میں
چھلانگ لگادوں۔ میں خاموشی سے مڑا اور باہر نکل آیا۔ اس وقت میرے ذہن میں صرف ایک ہی
بات تھا کہ مجھے دریا میں چھلانگ لگانی ہے.... اچھی طرح یاد نہیں کہ میں پیدل پل تک آیا یا میں
یقیناً کسی بند گاڑی میں یہاں تک کا سفر کیا۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر فریدی تیز نظروں سے اس کے چہرے کو ٹٹولتا ہوا
"اُس آسمانی رائفل کے بارے میں کیا جانتے ہو۔"

"آسمانی رائفل.... میں اسکے متعلق کچھ نہیں جانتا۔" ناگر نے کہا۔ "کیا وہ بھی مسٹر کیو...؟"

"غالباً....!" فریدی اٹھ کر ٹہلتا ہوا بولا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر فریدی اس کی طرف مڑ کر بولا۔

"میں نے تمہیں اس سے محفوظ رکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ لیکن اگر تم نے مجھے دھوکا دینے کی کوشش کی تو شاید میں تمہارے مسٹر کیو سے بھی زیادہ خوفناک ثابت ہوں۔"

"میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں.... میں....!"

ناگر کی آواز حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔ فریدی چونک کر پلٹا۔ دروازے میں تین آدمی کھڑے تھے تینوں کے ہاتھوں میں ریوالور تھے اور اُن کے چہرے سیاہ نقابوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔

بموں کی بارش

فریدی کے سکون میں کسی قسم کا فرق نہ آیا۔ اُس کے ہونٹوں پر ایک زہریلی سی مسکراہٹ پھیل رہی تھی اور آنکھوں سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی ڈرامے کا ریہرسل دیکھ رہا ہو۔

"مکان چھوٹا ہے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "اور مہمانوں کا تانتا بندھ گیا ہے۔"

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" آنے والوں میں سے ایک نے سرگوشی کی حمید اور ناگر نے ہاتھ اٹھا دیئے۔ لیکن فریدی بدستور کھڑا مسکراتا رہا۔ ناگر بُری طرح کانپ رہا تھا۔

"مارنا مت۔" دفعتاً فریدی چیخا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے اس نے ان تینوں آدمیوں کے کھڑے ہوئے کسی آدمی کو مخاطب کیا ہو۔ تینوں چونک کر مڑے لیکن دوسرے ہی لمحے میں کے ریوالور زمین پر تھے اور فریدی اُن پر پل پڑا تھا۔ وہ تینوں ایک ساتھ پیچھے کی طرف الٹ حمید نے بے تحاشہ چھلانگ لگائی اور زمین پر پڑے ہوئے ریوالوروں پر قبضہ کر لیا۔

"ابے او گیدڑ کے بچے۔" حمید نے ناگر کو للکارا۔ لیکن اس نے سر اٹھانے کی بھی ہمت نہ کی وہ اسے اُسی حال میں چھوڑ کر باہر نکل آیا۔ فریدی ان تینوں سے گتھا ہوا تھا۔

"ہینڈز اپ۔" حمید آہستہ سے بولا اور فریدی انہیں چھوڑ کر الگ ہٹ گیا اور ان تینوں نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لئے۔

تھوڑی دیر بعد حمید اور ناگر انہیں رسیوں سے جکڑ رہے تھے اور فریدی ریوالور لئے کھڑا تھا۔

"اب یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔" فریدی نے حمید سے کہا۔ "تم دونوں یہیں ٹھہرو میں ابھی آیا۔"

وہ باہر چلا گیا اور حمید قیدیوں کے چہروں سے نقاب نوچنے لگا۔

"ان میں سے کسی کو پہچانتے ہو۔" حمید نے ناگر سے پوچھا۔

ناگر نے نفی میں سر ہلا دیا۔

وہ تینوں سر جھکائے زمین پر بیٹھے رہے۔

"تمہیں کس نے بھیجا تھا۔" حمید نے انہیں مخاطب کیا۔

لیکن انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ ان میں سے دو تو خائف نظر آتے تھے۔ لیکن ایک کے چہرے پر اب بھی خوفناک عزائم کی جھلک تھی وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی اندر داخل ہوا۔

تینوں کو اٹھایا گیا۔ ان کے ہاتھ ان کی پشت پر بندھے ہوئے تھے۔

باہر کھڑی ہوئی کار میں انہیں دھکیل دیا گیا۔ اگلی نشست پر فریدی اور ناگر بیٹھے پچھلی پر حمید اور مجرموں میں سے دو نیچے تھے اور تیسرا سیٹ پر۔

"تعاقب کا خیال رکھنا۔" فریدی نے حمید سے کہا اور کار اسٹارٹ کر دی۔

حمید پچھلے شیشے سے سڑک کی طرف دیکھتا رہا.... پھر ان کی کار جنگل کی طرف مڑ گئی۔

پل کے قریب والے کوارٹر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ان لوگوں نے جاتے وقت اسے بند کرنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ ان کے جانے کے تقریباً آدھ گھنٹے بعد ایک دوسری کار آکر وہاں رکی اور اس پر سے ایک آدمی نیچے اترا۔ اس کے علاوہ اس کار میں اور کوئی نہیں تھا۔

اُس نے بھی اپنا چہرہ سیاہ نقاب سے چھپا رکھا تھا۔ وہ چند لمحے کھڑا ادھر اُدھر دیکھتا رہا پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا کوارٹر کے دروازے کے قریب آکر رک گیا۔ شاید وہ آہٹ لے رہا تھا۔ اُس نے جھانک کر اندر دیکھا۔ پھر ایک کنکری اٹھا کر کوارٹر کے اندرونی سائبان پر پھینکی۔ ٹین کا سائبان چیخ اٹھا لیکن اس کے علاوہ اور کوئی آواز نہ سنائی دی۔

دوسرے لمحے میں وہ کوارٹر کے اندر تھا۔ صحن میں ایک کرسی الٹی ہوئی ملی جس کا ایک پایہ ٹوٹا ہوا تھا۔ تینوں قیدیوں کے نقاب فرش پر پڑے ہوئے تھے۔ اس نے انہیں اٹھا کر دیکھا اور ایک عجیب طرح کی آواز اس کے منہ سے نکلی جو کسی بھیڑیئے کی غراہٹ سے بہت کچھ مشابہ تھی۔

پھر وہ برآمدے میں آیا چند لمحے ادھر اُدھر دیکھتا رہا۔ کمرے کا بلب روشن

کمرے میں اُسے ناگر کے بھیگے ہوئے کپڑے ملے جنہیں اس نے بہت احتیاط سے اپنے
میں پکڑ لیا۔ تھوڑی دیر کمرے کی مختلف چیزیں الٹنے پلٹنے کے بعد وہ کمرے سے نکل آیا۔ ناگر
کپڑے کار میں ڈال دیئے۔ اگلی سیٹ سے ایک چھوٹا سا صندوق اٹھایا جس سے ایک بڑا سا تار
رہا تھا۔ زمین پر جھک کر اُس نے فریدی کی کار کے نشانات دیکھے اور وہ صندوق ایک پہیئے کے
پر رکھ دیا۔ تار کا سلسلہ موٹر کی بیٹری سے ملاتے ہی صندوق کی سطح روشن ہو گئی۔ صندوق کا
حصہ دراصل شیشے کا تھا۔ اس کے نیچے ایک بڑی سی سوئی تھی جو آہستہ آہستہ حرکت کر
تھی۔ سوئی کے گرد و پیش بے شمار چھوٹی چھوٹی آڑی، ترچھی، اور سیدھی لکیریں تھیں۔
کہیں قوسیں، دائرے اور زاویئے بھی نظر آ رہے تھے۔ سوئی اپنا چکر پورا کرنے سے قبل ہی
جگہ رک گئی۔ اُس نے جھک کر دیکھا۔

تھوڑی دیر بعد اس کی کار بھی اُدھر ہی جا رہی تھی جدھر فریدی کی گئی تھی۔

رات ڈھل رہی تھی اور چاند افق کی طرف جھک رہا تھا۔ سناٹے کی چادر کائنات پر محیط
چھیول کے جنگلوں میں گھستے ہی فریدی کو کار کی رفتار کم کر دینی پڑی تھی راستہ ناہموار
بار بار حمید سوچنے لگتا تھا کہ کہیں کار الٹ ہی نہ جائے۔ چاند کے غروب ہوتے ہی اندھیرا پھیل گ

دفعتاً حمید کے منہ سے عجیب سی آواز نکلی۔

"کیا بات ہے۔" فریدی نے چونک کر پوچھا۔

"تعاقب....!"

"کیا....؟"

"جی ہاں.... جھاڑیوں میں.... ابھی دور ہیڈ لائٹیں چمکیں تھیں.... غالباً کوئی کار ہی ہے"

"کک.... کون؟" ناگر ہکلا کر رہ گیا۔

تینوں قیدیوں نے اچھلنا شروع کر دیا تھا۔

"ذرا ان کی کنپٹی سہلاؤ۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

حمید کے تین ہی گھونسوں نے انہیں خاموش کر دیا۔ گھونسے کنپٹیوں پر مارے گئے تھے۔

"ان میں سے کوئی ہوش میں تو نہیں۔" فریدی نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

حمید انہیں اچھی طرح ہلا کر دیکھنے کے بعد بولا۔ "سب ٹھیک ہے۔ اوہ وہ روشنی پھر....
ب ہی معلوم ہوتی ہے۔"

فریدی نے کار روک دی لیکن انجن بند نہیں کیا۔ پھر وہ ناگر کو بازو سے پکڑ کر اتر گیا۔ حمید
کے پیچھے تھا۔

وہ تینوں قریب کی جھاڑیوں میں چھپ گئے۔

تھوڑی دیر بعد انہیں سچ مچ ایک کار دکھائی دی جو اُن کی کار سے تھوڑے فاصلے پر رک گئی
اور اس کی ہیڈ لائٹس کی روشنی ان کی کار کے پچھلے حصے پر پڑ رہی تھی۔ حمید نے ریوالور نکال
ایک آدمی کار سے اُتر کر نیچے کھڑا ہو گیا۔

"شش....!" فریدی حمید کا بازو پکڑ کر آہستہ سے بولا۔ "اسے کار کے قریب آنے دو۔"

اس آدمی کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ فریدی کی کار کی طرف بڑھنے کا ارادہ
رہا ہو۔ وہ چند لمحے اسی طرح کھڑا رہا.... پھر اپنی کار میں بیٹھ کر اسے پیچھے کیطرف لے جانے لگا۔

"چلو بڑھو....!" فریدی آہستہ سے بولا۔ "کوئی خطرناک ارادہ۔ اس کے قریب ہی رہو۔"

وہ تینوں اُس کی کار کے ساتھ ہی ساتھ پیچھے کی طرف چلتے رہے۔ کار کافی پرانے ماڈل کی اور
تھی۔ اس لئے اس کا انجن خاصا شور مچا رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ فریدی نے جھاڑیوں کی
کھڑاہٹ کی بھی پرواہ نہیں کی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ انجن کے شور میں جھاڑیوں کی آوازیں
جائیں گی۔ تقریباً ایک فرلانگ کا فاصلہ طے کرنے کے بعد کار رک گئی اور انجن بند ہو گیا۔
کی اور سناٹے کا وہی عالم تھا۔

"آخر یہ کیا کرنے جا رہا ہے۔" حمید نے سرگوشی کی۔

"دیکھتے جاؤ۔" فریدی بولا۔

ناگر کانپ رہا تھا۔

"اماں تم آدمی ہو یا بید مجنوں۔" فریدی نے اُس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "ریوالور کی
سامنے ہی رکھنا، ورنہ کہیں اپنے ہی گولی نہ مار لو۔"

پھر وہ حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "ضرورت کے وقت فائر کرنے کی اجازت ہے۔"

وہ تینوں سینے کے بل رینگتے ہوئے جھاڑیوں سے نکلے.... لیکن کار بالکل خالی تھی۔

"وہیں مار لیتے تو بہتر تھا۔" حمید بڑبڑایا۔

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک زوردار دھماکا سنائی دیا۔ پھر دوسرا اور ایسا معلوم ہوا، پورے جنگل میں آگ لگ گئی ہو۔

"بھاگو....!" فریدی حمید کا ہاتھ کھینچتا ہوا بولا۔

وہ تینوں تیزی سے پیچھے کی طرف دوڑ رہے تھے۔

"آخر.... بب.... بات کیا ہے۔" حمید ہانپتا ہوا بولا.... ایک دھماکا اور ہوا۔

"شاید اس نے کار پر بم مارا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور اب ادھر اُدھر پھینک رہا ہے۔"

"مم.... مسٹر کیو....!" ناگر نے رونی آواز میں پوچھا۔

پھر دھماکہ ہوا۔ کار کے انجن کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔

"جھاڑیوں میں.... گھسیں؟" حمید نے پوچھا۔

"بس بھاگتے رہو.... ایسی حماقت نہ کرتا۔ یہ بم غالباً ادھر ادھر کی جھاڑیوں ہی میں جا رہے ہیں۔"

"تب تو مارے ہی گئے۔ میں پہلے ہی کہہ رہا تھا۔" حمید ہانپتا ہوا بولا۔

"بیٹے! حمید خاں! اس وقت اُس سے الجھنا ٹھیک نہیں۔ معلوم نہیں اسکے پاس کتنے اور بم ہوں۔" کار کی ہیڈ لائیٹس کا عکس سامنے کی جھاڑیوں کے اوپری حصے پر پڑ رہا تھا۔ کار شاید کسی نشیب میں تھی۔ ایک دھماکہ کہیں قریب ہی ہوا اور تیز قسم کی روشنی کے ساتھ ہی انہوں نے آنچ بھی محسوس کی۔ دوسرے ہی لمحے میں کار سر پر تھی۔ تینوں نے داہنی طرف کی جھاڑیوں میں چھلانگ لگادی۔ فریدی نے پلٹ کر کار پر فائر کیا۔ دو ریوالور اور چلے۔ لیکن کار تیزی سے گزر گئی۔ وہ ابھی تک فائر کئے جا رہے تھے۔

"چلو بس بھی کرو۔" فریدی جھلائی ہوئی آواز میں بولا۔

کار کے انجن کی آواز کہیں دور سنائی دے رہی تھی۔ رفتہ رفتہ وہ بھی سناٹے میں گھل مل گئی۔

"بڑی چوٹ ہوئی۔" حمید بولا۔

"اس کے علاوہ نہیں کہ اب پیدل چلتے چلتے کچومر نکل جائے گا۔" فریدی نے کہا۔ "بموں کا اسٹاک ختم ہو گیا تھا۔"

"چلئے کار کی خبر لیں۔" ناگر بولا۔

"کار.... شاید کار کے ٹکڑے بھی نہ ملیں۔ کیا تم روشنی نہیں دیکھ رہے ہو۔ آگ چاروں طرف پھیل رہی ہے۔ بس اب یہاں سے نکل چلو۔"

"مجھ میں اب چلنے کی بھی تاب نہیں۔" حمید ہانپتا ہوا بولا۔

"چلو تو آؤ میری پیٹھ پر۔" فریدی نے کہا۔

فریدی نے اُسے پیٹھ پر لاد لیا۔ آگ پھیلتی جا رہی تھی.... ناگر کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ فریدی اب بھی اتنی ہی آسانی سے دوڑ رہا تھا جتنی آسانی سے اب تک دوڑتا آیا تھا۔ ناگر کی سانس بری طرح پھول رہی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ کاش سانس ہی درست کرنے کا موقع مل جاتا۔

سڑک پر پہنچ کر فریدی نے حمید کو اتار دیا۔ ناگر گر کر زمین پر ہانپنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ مسٹر کیو کے گروہ میں تم سب سے کچے تھے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اگر.... میں.... میں.... آپ کے ساتھ.... نہ ہوتا.... تو.... میرا ہارٹ فیل ہو جاتا۔"

"وہ کار کس کی تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"سرکاری۔" فریدی بولا۔ "بھئی جلدی کرو! کم از کم دس میل پیدل چلنا پڑے گا۔"

"کیا بے بسی ہے۔" حمید مضمحل سی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"ہے تو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن اگر ایسے میں تمہیں کوئی لڑکی مل جائے تو۔"

"جہنم میں گئی لڑکی۔" حمید غرا کر بولا۔

"کیوں بھئی ناگر۔"

"جی.... مجھے تو آپ مسٹر کیو سے بھی زیادہ عجیب معلوم ہوتے ہیں۔"

"وہ تینوں مفت میں مارے گئے۔" حمید نے کہا۔

"بھئی چلتے رہو۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"مجھے تو اب بھی یقین نہیں کہ میں زندہ ہوں۔" ناگر خوف زدہ آواز میں بولا۔

"کیوں....؟"

"مسٹر کیو! ایسے آدمیوں کو زندہ نہیں چھوڑتا جنہیں سمجھتا ہے کہ وہ پولیس کے ہاتھ لگ

جائیں گے۔"

"مگر! تم کہتے ہو کہ کسی نے اُسے آج تک دیکھا ہی نہیں ہے۔"

"جی ہاں!"

"پھر اسے کس بات کا خوف ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر اس کے ساتھیوں کو پولیس پکڑ بھی لے تو خود اس پر ہاتھ پڑنا محال ہے۔"

وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ کسی کو اس کا نام ہی معلوم ہو سکے۔

"اوہ....!" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ "ٹھیک ہی تو ہے۔ اگر پولیس کو یہ معلوم ہو کہ کوئی مجرم سیکرٹ سروس والوں کی ٹیلی فونک ٹرانسمشن سروس استعمال کر رہا ہے تو اسے بند کر دے گی اور مسٹر کیو ایک بہت بڑی آسانی سے محروم ہو جائے گا۔"

"تب تو یار ناگر۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "تمہیں مر ہی جانا چاہئے۔"

"جج.... جی...." ناگر چلتے چلتے رک گیا۔

"ہاں! تمہیں مر جانا چاہئے۔"

"لیکن....!" وہ تھوک نگل کر بولا۔ "آپ نے وعدہ کیا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں نے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں مسٹر کیو سے بچاؤں گا۔ لہٰذا میں اسی وقت تمہیں دو بار بچا چکا ہوں۔ لیکن میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ تمہیں زندہ رہنے دوں گا۔"

ناگر کے منہ سے ایسی آوازیں نکلنے لگیں جیسے اُسے فرنجک ہو گئی ہو۔

"چپ رہو گھاگس....!" حمید اس کی پیٹھ پر گھونسہ جھاڑ کر بولا۔

"میں مر جاؤں گا۔" ناگر نے گھٹی گھٹی سی آواز میں کہا۔

"اچھا! تو لڈو بانٹنے کی بات ہو رہی تھی۔" حمید نے بڑے بے دردی سے قہقہہ لگایا۔ "ظاہر ہے کہ مارے جاؤ گے تو ضرور مر جاؤ گے۔"

"مجھے معاف کر دیجئے۔" ناگر گھگھیا کر بولا۔

"ابھی نہیں! مر جاؤ گے تب۔" حمید نے جھلا کر کہا اور فریدی ہنسنے لگا۔

"واقعی تم بڑے ڈرپوک ہو۔" فریدی اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "مجھے حیرت ہے کہ مسٹر کیو جیسے محتاط آدمی نے تمہیں کس طرح اپنے گروہ میں شامل کر لیا تھا اور مجھے تو اب اس میں بھی شک

کہ تم منشیات کی ناجائز تجارت کرتے رہے ہو۔ ایسے لوگ بھی تھوڑے کیا کافی دلیر ہوتے ہیں۔"

ناگر کچھ نہ بولا۔

"خیر میں تمہیں خود نہیں ماروں گا۔" فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "تمہیں خودکشی کرنی ہے گی۔"

"خودکشی۔"

"ہاں.... ظاہر ہے کہ مسٹر کیو نے تمہیں ہپنوٹائیز کر کے خودکشی ہی کے لئے بھیجا تھا اور اُس نے تمہارے پیچھے کسی کو لگا بھی دیا تھا جس نے اسے اطلاع دی کہ تم مرنے سے بچا لئے گئے ہو۔"

"پھر....؟"

"پھر یہی کہ تمہیں خودکشی کر ہی لینی چاہئے ورنہ مسٹر کیو کو بڑا دکھ ہوگا اور میں نہیں چاہتا اس بے سہارا یتیم کا دل دکھے۔"

"آپ مذاق کر رہے ہیں۔" ناگر خوفزدہ آواز میں ہنسا۔

"ویسے! تم رہتے کہاں ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہمیں جانا کہاں ہے۔" حمید نے جھلا کر پوچھا۔

"بکو مت.... ہاں.... تم نے نہیں بتایا۔"

"پرنس لین میں۔"

"مالدار آدمی معلوم ہوتے ہو۔" فریدی نے کہا۔ پھر قدرے توقف سے پوچھا "اور کون ہے تمہارے ساتھ۔"

"کوئی نہیں.... میں تنہا رہتا ہوں۔"

"تب خودکشی کے لئے گھر ہی مناسب رہے گا۔"

"نہیں! نہیں۔" ناگر کانپتا ہوا بولا۔ "میں بالکل ویسا ہی محسوس کر رہا ہوں.... دریا میں کودنے سے قبل.... نہیں.... میں خودکشی نہیں کروں گا۔"

"کیا محسوس کر رہے ہو۔" حمید نے پوچھا۔

"بالکل یہی کہ مجھے خودکشی کر لینی چاہئے۔ دریا میں کودنے سے قبل بھی یہی ایک خیال میرے ذہن میں تھا کہ مجھے دریا میں کود جانا چاہئے.... نہیں نہیں میں مرنا نہیں چاہتا۔"

"تم اپنے گھر میں خودکشی کرو گے۔" فریدی نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔
ناگر کے مُنہ سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی اور بیہوش ہو کر گر پڑا۔

خفیہ پیغام

تیسرے دن پرنس لین کی کوٹھی نمبر گیارہ میں ناگر کی لاش پائی گئی۔ داہنی کنپٹی پر گولی
تھی۔ پولیس کو اس نتیجے پر پہنچنا پڑا کہ وہ خودکشی کا کیس تھا۔ کیونکہ قریب پڑے ہوئے ریوالور
دستے پر مرنے والے ہی کے انگلیوں کے نشانات ملے تھے۔ کوٹھی کی تلاشی لینے پر کافی مقدار
کوکین برآمد ہوئی اور پھر کچھ کاغذات بھی ملے۔ جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ مرنے والا بڑے پیا
پر منشیات کا ناجائز لین دین کرتا تھا۔

کوٹھی کے باہر کافی بھیڑ تھی جس میں اخباروں کے رپورٹر بھی تھے۔ پولیس نے کسی کو
اندر نہیں جانے دیا۔ سرجنٹ حمید تھوڑی دیر تک کھڑا لوگوں کی چہ میگوئیاں سنتا رہا پھر وہاں
چل پڑا۔ اس کے چہرے پر گھنی مونچھیں تھیں اور آنکھوں پر تاریک شیشوں کا چشمہ.... لبا
شکاریوں جیسا پہن رکھا تھا۔ اُس نے ایک ٹیکسی کی اور پھر روزنامہ نیو اسٹار کے دفتر کے قریب اُتر گ

دفتر کے سامنے والے ریستوران میں داخل ہو کر اُس نے ادھر اُدھر دیکھا۔ دوسر
کنارے پر بیٹھے ہوئے ایک آدمی نے مسکرا کر اُسے آنکھ ماری اور حمید تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا
کے قریب پہنچ گیا۔

"کیا رہا؟" اس آدمی نے پوچھا۔

"تمہاری خودکشی خاصی کامیاب رہی۔" حمید بیٹھتا ہوا بولا۔

ناگر ہنسنے لگا۔ اس کے چہرے پر بھی فریدی نے اپنی استادی دکھائی تھی۔ اتنا شاندار میک ا
تھا کہ خود ناگر ہی پہلے اچنبھے میں پڑ گیا تھا۔

"کافی بھیڑ ہو گی۔" ناگر نے پوچھا۔

"کچھ مت پوچھو تمہاری شادی پر بھی اتنے آدمی اکٹھا نہ ہوتے۔"

"لیکن لاش کہاں ملی تھی۔"

"اوہ! یہ بھی کوئی بڑی بات ہے۔" حمید اپنی نقلی مونچھوں کو اینٹھتا ہوا بولا۔ "سول ہسپتال
ایک لاوارث مردہ لے کر اُس پر تمہارا میک اپ کر دیا گیا۔"

"لیکن.... مردے میں خون کہاں سے آیا ہو گا۔"

"یار تم ڈیوٹ ہو! ارے بکرے کا خون۔ ویسے تم بھی کسی بکرے سے کم نہیں ہو۔" حمید نے
"اب تم خودکشی کی وجہ بھی پوچھو گے۔"

"یقیناً....!"

"تمہارے مسٹر کیو کو مطمئن کرنے کے لئے۔ ورنہ وہ تمہیں پاتال میں بھی نہ چھوڑتا۔"

"کوئی اور وجہ۔" ناگر نے پوچھا۔ "ظاہر ہے کہ آپ لوگوں کو مجھ سے ہمدردی نہیں ہو سکتی۔"

حمید تھوڑی دیر تک اُسے غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"مجھے اب بھی تم پر شبہ ہے۔"

"کس بات کا۔" ناگر چونک کر بولا۔

"یہی کہ کہیں تمہاری کھوپڑی میں بھیس کے بجائے عقل تو نہیں بھری ہوئی ہے۔" حمید
ہاتھ اور اشارے سے ایک ویٹر کو بلا کر اس سے بولا۔

"ایک کام کرو گے.... اوہ اچھا.... ٹھیک! یہ سامنے اخبار کا دفتر ہے نا! یہاں ایک مس
ہیں.... جانتے ہو گڈ.... تو یہ لفافہ انہیں دے آؤ۔ کیا سمجھے؟"

حمید نے اس طرح اسے آنکھ ماری جیسے اس لفافے میں کوئی عشقیہ خط ہو۔

"اور یہ لو اپنا انعام۔" اُس نے ایک روپیہ اُس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ ویٹر سلام کر کے چلا گیا۔

"کیوں اُستاد۔" ناگر اپنی ایک آنکھ دبا کر مسکرایا۔

"ناگر....!" حمید نے سنجیدگی سے اُسے مخاطب کیا۔

"فرمایئے۔"

"تم نے کبھی عشق کیا ہے۔"

"کس سے۔"

"کسی سے۔"

"ہاں....!" ناگر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "مجھے زندگی کے ہر حصے میں دولت سے عشق رہا ہے۔"

"دھت....!" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "تم فلسفی معلوم ہوتے ہو.... خیر تمہیں کنول نہیں پسند آئی تھی۔"

"دولت کسی ایک کنول کی پابند نہیں ہوتی۔" ناگر مسکرا کر بولا۔ "مگر وہ دوسری.... اُس میں اُسے کبھی نہ بھلا سکوں گا۔"

"اوہو! بر سبیل تذکرہ.... یہ تو بتاؤ کہ اس رات کیا مجھے پہچان کر بے وقوف بنایا گیا تھا۔"

"قطعی....!" ناگر سر ہلا کر بولا۔ "کنول تمہیں پہچانتی تھی۔ اُس نے تو یہاں تک بتا دیا تھا وہ کیڈیلاک مسٹر فریدی کی تھی۔ حمید صاحب! میرا خیال ہے کہ کنول اس گروہ کے بہتر دماغوں میں سے ہے اور اس حبشی کی تو اس سے روح فنا رہتی ہے۔"

"ہے زوردار....!" حمید نے اپنے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔

"دنیا کی مکار ترین لڑکی کہہ لو۔" ناگر بولا۔

تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر ناگر ہی بولا۔

"اب ہمیں کیا کرنا ہے۔"

"ہدایات کا انتظار۔"

"مسٹر فریدی کہاں ہوں گے۔"

"خدا ہی جانے! تمہارے مسٹر کیو کو بھی دانتوں پسینہ آجائے گا۔"

"میں بھی کچھ ایسا ہی محسوس کر رہا ہوں۔" ناگر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کیا یہ کم حیرت انگیز کہ میں نے خودکشی بھی کر لی ہے اور زندہ بھی ہوں۔ میری جگہ دراصل جیل خانہ میں ہونی چاہ تھی۔ لیکن محکمہ سراغ رسانی کے ایک آفیسر کے ساتھ بیٹھا غپیں مار رہا ہوں۔"

"شش....!" حمید نے اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اس کی نظریں دروازے کی رف ہوئی تھیں جہاں کرائم رپورٹر انور[1] اور محکمہ سراغ رسانی کا بوڑھا انسپکٹر آصف داخل ہو رہے تھے

انور ایک جواں سال خوبصورت، ذہین مگر لاپرواہ آدمی تھا۔ بظاہر تو ایک معمولی کرائم رپو تھا۔ لیکن شہر میں ہونے والے جرائم سے اس کا تھوڑا بہت تعلق ضرور ہوا کرتا تھا۔ لیکن ہوشیار تھا کہ قانون کی گرفت میں آنے سے قبل ہی کوئی نیا فتنہ کھڑا کر کے الگ ہو جاتا۔ کے آفیسروں میں فریدی کے علاوہ اور کسی سے نہیں دبتا تھا۔ فخریہ کہتا تھا کہ میں فریدی کا شاگ

[1] انور اور رشیدہ کے کارناموں کے لئے جلد نمبر 4 اور جلد نمبر 5 ملاحظہ فرمایئے۔

ں رشیدہ اس کی دوست تھی۔ دونوں ایک ہی دفتر میں کام کرتے تھے اور ایک ہی فلیٹ میں ہتے تھے۔ رشیدہ کافی حسین مگر مضبوط اعضاء کی لڑکی تھی۔ چال ڈھال میں نسوانیت کی بجائے الغ قسم کی مردانگی رکھتی تھی۔

انسپکٹر آصف محکمہ سراغ رسانی کے ان آفیسروں میں سے تھا جو عموماً دوسرے کے کاندھے رکھ کر بندوق چلانے کے قائل تھے۔ اس پر جب بھی کوئی آفت آتی وہ انور کے پیچھے لگ جاتا۔ س سے مدد کا طالب ہوتا، کبھی خوشامدیں کرتا اور کبھی دھونس دھڑلے سے کام نکالنے کی کوشش رتا۔ انور اُسے عموماً "بوڑھے بیٹے" کہہ کر مخاطب کرتا۔ وہ تینوں حمید اور ناگر کے قریب ہی ایک الی میز پر آبیٹھے۔

انور آصف سے کہہ رہا تھا۔ "چلو جلدی سے آرڈر پلیس کرو۔"

"تم ہمیشہ گردن ہی کاٹنے کی فکر میں رہتے ہو۔" آصف ہنس کر بولا۔ "خیر.... بوائے۔"

اس نے ویٹر کو بلا کر تین آدمیوں کے لئے لنچ کا آرڈر دیا۔

"ہوں.... اب کہہ چلو۔" انور رشیدہ کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"ظاہر ہے کہ تم اس موقعے پر نچلے نہ بیٹھو گے۔" آصف نے کہا۔ "میں یہی کہنا چاہتا تھا کہ مجھ سے مل کر کام کرو تو کیا حرج ہے؟"

"چلو منظور ہے۔ میں مرتے دم تک تم سے مل کر کام کرتا رہوں گا۔ کام بھی تو بتاؤ۔"

"اڑنے لگے آخر! میرا خیال ہے کہ تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔"

"خیر یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے۔" انور مسکرا کر بولا۔

"آخر وہ رائفل.... کس کی ہو سکتی ہے۔" آصف نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میری ہی ہے۔" انور نے سنجیدگی اور لاپروائی سے کہا۔

"پھر وہی۔" آصف بگڑ کر بولا اور رشیدہ ہنسنے لگی۔

حمید اور ناگر آئس کریم کھانے میں مشغول تھے۔

"تمہارے استاد۔" آصف تھوڑی دیر کے بعد بولا۔ "تو نہ جانے کس چوہے کی بل میں جا گھسے ہیں۔"

"اور آخیر میں یقیناً کسی ہاتھی کی سونڈ پکڑے ہوئے برآمد ہوں گے۔" انور بولا۔

"ہونہہ.....!" آصف نے بُرا سا منہ بنایا۔

ویٹر نے کھانا میز پر لگا دیا تھا۔

"بہر حال تم اطلاعات چاہتے ہو۔" انور نے کہا۔ "لہٰذا سب سے بڑی اطلاع یہ ہے کہ ابھی تک میں تو خود ہی اندھیرے میں ہوں۔"

"میں اسے تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔"

"تم تو شائد اسے بھی تسلیم نہ کرو کہ بعض اوقات تم بڑے حسین معلوم ہوتے ہو۔ بہر سبیل تذکرہ میرے پاس سگریٹ بھی نہیں ہیں۔"

"تم ڈاکو ہو۔" آصف بگڑ کر بولا۔ "میرے پاس زیادہ پیسے نہیں ہیں۔"

"کیوں! کیا اب اس فیشن ایبل بوڑھی عورت سے کچھ نہیں ملتا جس نے مارٹن روڈ پر خانہ کھول رکھا ہے۔"

آصف تحیر آمیز نظروں سے انور کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر کچھ بڑبڑاتے ہوئے اس نے جیب سے پرس نکالا۔

انور نے ویٹر کو آنکھ کے اشارے سے بلا کر آہستہ سے کہا۔ "اسٹیٹ ایکسپریس کے دو ٹن۔"

"دو نہیں ایک۔" آصف جھلا کر بولا۔

"اس عورت کے پاس ایک لڑکی بھی.....!"

آصف نے انور کو جملہ نہ پورا کرنے دیا۔ دس کا ایک نوٹ نکال کر ویٹر کے ہاتھ میں تھما ہوا جلدی سے بولا۔ "چلو بھاگ کر جاؤ دو ہی لانا۔"

پھر وہ قہر آلود نظروں سے انور کو گھورنے لگا۔ رشیدہ دوسری طرف منہ پھیر کر مسکرا رہی تھی۔

"آج کل میں بڑی پریشانیوں میں مبتلا ہوں۔" انور سر جھکائے ہوئے بڑبڑانے لگا۔ "فلیٹ تین ماہ کا کرایہ چڑھ گیا ہے۔ لانڈری والے نے تقاضوں کی بھرمار کر رکھی ہے۔ رشیدہ کا اُ قرض دار ہوں۔"

"یار تم کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔" آصف بے بسی سے بولا۔

"صرف دو سو روپے مجھے بطور قرض دے دو۔" انور اسی طرح سر جھکائے ہوئے بولا۔ "پا پائی ادا کر دوں گا۔"

"میں کوئی قارون ہوں۔" آصف نے جھلا کر کہا۔

"خیر نہ دو۔" انور نے معصومیت سے کہا۔ "ویسے میں دوسرا طریقہ بھی اختیار کر سکتا ہوں۔"

"تم کچھ نہیں کر سکتے۔" آصف بھڑک اٹھا۔

"یہ تو تم سچ کہہ رہے ہو۔" انور نے ٹھنڈے پانی کا گلاس چڑھا کر پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

سگریٹ آگئے اور ویٹر میز صاف کر کے چلا گیا۔ آصف انور کو بدستور گھورتا رہا۔

"تم خود کو نہ جانے کیا سمجھنے لگے ہو۔" اُس نے کہا۔

"ایک ایسا یتیم جو قطعی بے سہارا ہو۔" انور مسمسی صورت بنا کر بولا۔

آصف کی جھلاہٹ اور بڑھ گئی اور وہ رشیدہ کی طرف مڑ کر بولا۔

"تم بھی نہیں سمجھا تیں اسے! مجھے یقین ہے کہ کسی دن بڑی مصیبت میں پھنس جائے گا۔"

"کبھی کبھی سمجھا دیا کرو بھئی۔" انور نے سنجیدگی سے کہا اور رشیدہ ہنس پڑی۔

آصف بل ادا کر کے اٹھنے لگا۔

"تو تم میری مدد نہیں کرو گے۔" انور نے کہا۔

"نہیں.... نہیں.... نہیں۔"

"خیر اب اس عورت کی خیر نہیں.... اور جو کچھ بھی بیان وہ عدالت میں دے گی ظاہر ہے۔"

"تم مجھے بلیک میل کرنا چاہتے ہو۔"

"جتنی بھی طرح دیتا ہوں اتنا ہی تم سر پر چڑھتے ہو۔"

"خیر اگر میں سر پر چڑھا ہوتا تو تم ٹوٹی ہوئی ہڈیوں اور لوتھڑوں کا ڈھیر ہوتے۔"

"آخر تم چاہتے کیا ہو۔" آصف ایک جھٹکے کے ساتھ بیٹھتا ہوا بولا۔

"تم میری مدد کرو! میں تمہاری مدد کروں گا اور ساتھ ہی دعا کروں گا کہ خدا میرا اور تمہارا بیڑا پار کر دے۔"

"تم مجھ سے ایک حبہ بھی نہیں لے سکتے۔"

"تمہاری مرضی! میں زبردستی کا قائل نہیں۔" انور نے آہستہ سے کہا اور اس کے چہرے پر فرشتوں کی سی معصومیت نظر آنے لگی۔

"اچھا پچھلے ہی مہینے میں مجھ سے ڈھائی سو لے چکے ہو۔"

"یہ بھی تو سوچو کہ تم نے پچھلے مہینے میں لوہے کی چور بازاری کے سلسلے میں ڈیڑھ ہزار کمائے تھے۔"

"آہستہ بولو۔" آصف ادھر اُدھر دیکھ کر بولا۔ "عجیب لغو آدمی ہو۔"

"بہر حال اگر تم نے ڈیڑھ ہزار میں سے ڈھائی سو نکال دیئے تو کون سا بڑا کمال کیا۔"

"میں ایک پائی بھی نہ دوں گا۔"

"مانگتا کون ہے تم سے۔" انور بھی بگڑ کر بولا۔ "میں براہِ راست اسی سے معاملہ طے کرلوں گا۔"

"کیا....!" آصف اچھل کر بولا۔ "تم اس سے بات بھی نہیں کر سکتے۔"

"بات!" انور سنجیدگی سے بولا۔ "میں اسے فلمی گیت تک سناؤں گا۔"

"خیر دیکھ لوں گا۔"

"تمہاری آنکھیں کمزور معلوم ہوتی ہیں۔ چشمہ لگا کر دیکھنا۔"

"اچھا....!" آصف دانت پیستا ہوا بولا۔ "دیکھا جائے گا۔"

وہ تیزی سے ریستوران سے نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد ہی ناگر اور حمید بھی اٹھ گئے۔

رشیدہ انور کو مسکراتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"تم کسی دن ضرور پھنسو گے۔" اس نے کہا۔

"شکار نکل گیا۔" انور ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

"ہر مہینے تو لوٹتے ہو! غریب کو۔"

"غریب کہتی ہو۔ اس لکھ پتی کو۔ اس سے بڑا راشی شاید پورے محکمے میں کوئی نہ ہو۔"

"حالت تو چماروں جیسی بنائے رکھتا ہے۔"

"نوابی کر کے گردن تھوڑا ہی کٹوائے گا۔" انور بولا۔

"ابھی ابھی فریدی صاحب کا خط ملا۔" رشیدہ نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"کیا لکھا ہے؟"

"جیمس اینڈ جعفری کی فرم کے لئے ایک لیڈی اسٹینو ٹائپسٹ کی جگہ نکلی ہے! آج ہی انٹرویو فریدی صاحب نے لکھا ہے کہ میں انٹرویو میں جاؤں۔"

"تو گویا.... وہ چاہتے ہیں کہ تم اس فرم میں ملازمت کرلو۔"

"اور کیا....؟"

"میرے لئے کچھ نہیں لکھا۔"

"نہیں.... بہت ممکن ہے کہ آگے چل کر تم بھی جھونکے جاؤ۔"

"شاید یہ میرے لئے پہلا اتفاق ہے کہ شہر میں ہونے والے کسی جرم کے متعلق لاعلم ہوں۔"

رشیدہ کی نظریں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"اوہ....!" انور پر خیال انداز میں بولا۔ "میرا خیال ہے کہ یہ وہی راکفل والا چکر ہے۔ وہ کہاں۔ یہ سب کچھ نہیں لکھا۔"

"خط کس سے ملا۔"

"یہیں کے ایک ویٹر سے۔"

"ہوں۔ میرا خیال ہے کہ فریدی صاحب کے ہاتھ کوئی کڑی آگئی ہے۔ اسی لئے ان پر حملہ ہوا تھا۔"

"ہو سکتا ہے.... وہ مائیکروفون والا معاملہ بھی معمولی نہیں تھا۔"

"اور شاید وہی حملے کا باعث بھی تھا۔ فریدی صاحب کے اس انکشاف نے اس عجیب و غریب اسلحے کو قریب قریب بیکار ہی کر دیا۔"

"سرجنٹ حمید کا بھی کہیں پتہ نہیں۔" رشیدہ بولی۔

"ساتھ ہی ہوگا۔"

"اچھا تو اب وقت ہو رہا ہے.... میں چلی۔" رشیدہ کلائی کی گھڑی دیکھ کر اٹھتی ہوئی بولی۔

"کچھ پیسے ہیں تمہارے پاس۔" انور نے کہا۔ "تنخواہ پر لے لینا۔"

"ایک پائی بھی نہیں.... میں نہیں دے سکتی۔"

"نہ جانے کیوں آج بہت حسین لگ رہی ہو۔"

"نہیں میں حبشن ہوں۔" رشیدہ نے منہ بنا کر کہا اور باہر نکل گئی۔

انور انتہائی تلخی سے ہونٹ سکوڑے ہوئے سیٹی بجانے کی کوشش کر رہا تھا۔

ڈراؤنا آدمی

جیمس اینڈ جعفری کا دفتر رحمٰن لاج کے تین چار فلیٹوں پر مشتمل تھا۔ شہر کی بڑی فرموں میں جیمس اینڈ جعفری کا بھی شمار ہوتا تھا۔ فرم کا ایک پارٹنر جعفری ہی اس کا جنرل منیجر بھی تھا دوسرے حصے دار غیر ملکی تھے۔ جیمس سب سے بڑا حصہ دار اور ہالینڈ کا باشندہ تھا لیکن وہ یہاں نہیں رہتا تھا۔ اس کی یہاں کی تجارت کی دیکھ بھال اس کا مختار مسٹر ہر شفیلڈ کرتا تھا۔ وہ بھی ہر ماہ کے اختتام ہی پر دفتر میں آتا تھا۔ مختصر یہ کہ فرم حقیقتاً جعفری ہی کی کارکردگی کی بناء پر چل رہی تھی۔

جعفری کے کمرے کے سامنے ایک بڑا کمرہ تھا جس میں اس کی سیکریٹری راحیلہ بیٹھتی تھی اور شاید یہی کمرہ ملاقاتیوں کے لئے بھی تھا۔ حالانکہ انٹرویو کا وقت دو بجے تھا لیکن نو ہی بجے سے امیدوار آنے لگی تھیں۔ دو بجتے بجتے تو خاصی بھیڑ ہو گئی۔ ان میں سبھی نوجوان اور قبول صورت تھیں۔ جو نہیں بھی تھیں انہوں نے بننے کی کوشش کی تھی۔ انہیں میں رشیدہ بھی نظر آرہی تھی۔ ابھی تک اس کا نمبر نہیں آیا تھا۔ انٹرویو کے لئے اندر جانے سے پہلے ہر لڑکی اپنے پرس سے چھوٹا سا آئینہ نکال کر اپنے بالوں اور چہرے پر تنقیدی نظریں ضرور ڈالتی تھی۔ بعض لڑکیاں ہونٹوں پر لپ اسٹک کی نئی تہہ چڑھانے لگتیں۔ رشیدہ نے اپنا پرس ٹٹولا لیکن اس میں کیا تھا۔ انور نے اسے ایک کنگھا تک تو رکھنے نہیں دیتا تھا۔ لپ اسٹک تو خیر اس نے برسوں سے نہیں استعمال کی تھی۔ انور کا قول تھا کہ لپ اسٹک لگانے سے حسن کی عصمت دری ہو جاتی ہے اور چہرے سے فاحشہ پن ٹپکنے لگتا ہے۔ البتہ ہلکے سے پاؤڈر اور اتنے ہلکے سے روج پر کہ سرخی قدرتی معلوم ہو اسے کوئی اعتراض نہیں تھا۔

ابھی کئی لڑکیاں باقی تھیں کہ سیکریٹری نے آکر رشیدہ کا نام لیا۔

رشیدہ لاپرواہی سے اٹھی اور اس کے ساتھ ہولی۔ سیکریٹری نے دروازہ کھولا اور رشیدہ جنرل منیجر مسٹر جعفری کے کمرے میں داخل ہوئی۔

دو سرخ اور خوفناک آنکھیں اس کی طرف اٹھیں اور رشیدہ کانپ گئی۔ بھاری جبڑوں اور تیکھے خدوخال کا ایک ڈراؤنا آدمی اُسے گھور رہا تھا۔ اس کے شانے کافی چوڑے اور بھرے ہوئے تھے۔ پیشانی اونچی اور بال گھونگھریالے تھے لیکن نہ جانے کیوں اُن میں کوئی دلکشی نہیں تھی۔

"آہم....!" اس نے غرا کر سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

رشیدہ بیٹھ گئی۔ لیکن نہ جانے کیوں اس کا حلق خشک ہونے لگا تھا ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے جسم ریشہ ریشہ کانپ رہا ہو۔

"آہم.... نام....!" وہ غرایا۔

"رشیدہ....!" وہ سر جھکائے ہوئے بولی۔

"تعلیم....!"

"بیچلر آف آرٹس۔"

"نانسنس، گریجویٹ کہو.... لڑکی بھی بیچلر.... ایبسرڈ۔"

"گریجویٹ....!" رشیدہ گھبرا کر بولی۔

"لپ اسٹک کبھی نہیں استعمال کرتیں یا آج ہی نہیں کی۔"

"کبھی نہیں۔"

"گڈ....!"

پھر اس نے اپنی سیکریٹری کی طرف مڑ کر پوچھا۔ "کوئی اور بھی ایسی ہے جس نے لپ اسٹک لگا رکھی ہو۔"

"جی نہیں۔" سیکریٹری کی کپکپائی ہوئی سی آواز سنائی دی۔

"سب کو رخصت کر دو۔" وہ غرایا۔ "اور اگر تم نے بھی اس کا استعمال ترک نہ کیا تو تمہیں بھی رخصت کر دیا جائے گا.... سمجھیں۔"

"جی ہاں۔" وہ مری ہوئی آواز میں بولی اور باہر چلی گئی۔

"ڈکٹیشن....!" اس نے رشیدہ کی طرف کاغذ اور پنسل سرکاتے ہوئے کہا۔

رشیدہ کا ہاتھ کانپ رہا تھا لیکن وہ پنسل پکڑ کر بیٹھ گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ بول رہا تھا اور رشیدہ کا ہاتھ تیزی سے چل رہا تھا۔ اس نے ایک بار بھی سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں کی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر ایک بار بھی اس سے نظریں چار ہو گئیں تو وہ جسمانی اور ذہنی دونوں حیثیتوں سے بیکار ہو جائے گی۔

"بس....!" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "جاؤ اسے ٹائپ کرو۔"

رشیدہ کمرے سے چلی آئی۔ بڑے کمرے میں سیکریٹری کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ وہ اپنی میز پر سر اوندھائے بیٹھی تھی اور اس کے جسم کی متواتر جنبشوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ سسک سسک کر رو رہی ہے۔ رشیدہ چپ چاپ بیٹھ کر ٹائپ کرنے لگی۔ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کہ فریدی نے کہاں پھنسا دیا۔

تھوڑی دیر بعد گھنٹی بجی اور سیکریٹری اچھل کر سیدھی ہو گئی۔ اس نے جلدی جلدی اپنی آنکھیں خشک کیں لباس درست کیا اور اندر چلی گئی۔ رشیدہ نے محسوس کیا کہ اس نے اپنے ہونٹ صاف کر ڈالے ہیں۔

رشیدہ ٹائپ کر چکنے کے بعد انتظار کرتی رہی۔ سیکریٹری اندر تھی۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا وہ سوچ رہی تھی کہ کہیں وہ یہ نہ سمجھے کہ وہ اتنی دیر تک ٹٹول ٹٹول کر ٹائپ کرتی رہی۔ لیکن اس کی بھی ہمت نہیں تھی کہ جعفری کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹاتی۔

جیسے ہی سیکریٹری کمرے سے نکلی وہ کھڑی ہو گئی۔

"ہو گیا۔" رشیدہ آہستہ سے بولی۔ سیکریٹری نے سر کو خفیف سی جنبش سے دروازے کی طرف اشارہ کیا اور اپنی میز پر بیٹھ گئی۔

رشیدہ اندر چلی گئی۔

"آہم.... سٹ ڈاؤن۔" جعفری غرایا۔

رشیدہ نے بیٹھتے ہوئے شیٹ اُس کی طرف بڑھا دی۔

"ٹھیک! پہلے کہاں کام کیا ہے۔"

"نیو اسٹار کے دفتر میں۔"

"وہاں سے کیوں چھوڑا۔"

"زائد سٹاف میں تھی۔"

"آہم! کتنی تنخواہ تھی۔"

"ڈھائی سو۔"

"لیکن یہاں صرف دو سو ملیں گے۔"

"مجھے منظور ہے۔" رشیدہ آہستہ سے بولی۔

"گڈ!" اس نے گھنٹی کی طرف ہاتھ بڑھاتے بڑھاتے رک کر کہا۔ "ایک بات اور.... تم اپنے کام سے کام رکھو گی۔ وہ بات جس سے تمہیں کوئی سروکار نہ ہو اپنی دلچسپیوں کی لسٹ پر نہیں لاؤ گی۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"آہم.... کچھ نہیں.... بس۔" اس نے گھنٹی بجائی اور سیکریٹری پھر اندر آ گئی۔

"انہیں کام بتاؤ۔" اس نے ایک کاغذ پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔

سیکریٹری رشیدہ کو لے کر بڑے کمرے میں چلی آئی۔ اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں اور ناک کے نتھنے سرخ ہو گئے تھے۔ اس نے ایک فائل نکال کر رشیدہ کے سامنے ڈال دیا۔

"تاریخ وار ٹائپ کرتی جاؤ۔ ایک ایک نقل بھی ہو گی۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

رشیدہ صرف اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔ ویسے وہ اس سے بہت کچھ پوچھنا چاہتی تھی۔ وہ فائل سے کاغذات نکال کر ٹائپ کرنے بیٹھ گئی۔

تھوڑی دیر بعد جعفری اپنے کمرے سے نکل کر اُن کی طرف دھیان دیئے بغیر باہر چلا گیا۔ اس کے جوتوں کی چڑچڑاہٹ کافی دیر تک سنائی دیتی رہی۔

رشیدہ ٹائپ کر رہی تھی لیکن اس کا ذہن اسی عجیب و غریب آدمی میں الجھا ہوا تھا اور اس کی سیکریٹری راحیلہ تو اس سے بھی عجیب تر معلوم ہو رہی تھی۔ یہ ایک دبلی پتلی سی کافی خوبصورت لڑکی تھی۔ آنکھیں بڑی اور پلکیں گھنیری تھیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ہر وقت کسی انجانے نشے سے بوجھل رہتی ہوں۔ رشیدہ نے اسے آفس میں روتے دیکھا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ وہ اگر اپنے مالک کا رویہ اپنے لئے توہین آمیز سمجھتی ہے تو یہاں کیوں پڑی ہوئی ہے جعفری جیسا وحشی بھی آج تک اس کی نظروں سے نہیں گذرا تھا۔ اس نے اس غریب لڑکی سے کتنی بے دردی سے باتیں کی تھیں۔ شاید وہ عورت کا احترام کرنا جانتا ہی نہیں تھا۔

رشیدہ سوچتی رہی اور اس کی انگلیاں تیزی سے Key Board پر چلتی رہیں۔ اس نے یہ نکتہ محسوس کیا کہ راحیلہ اس کے قریب ہی آ کر بیٹھ گئی ہے۔

"کیا تمہیں کہیں اور ملازمت نہ ملتی۔" اس نے رشیدہ کو مخاطب کیا اور رشیدہ چونک پڑی۔

"ملازمت کہاں ملتی ہے آج کل۔" رشیدہ منہ بنا کر بولی۔

"دو ہی تین ہفتوں میں تمہارے گالوں کی ہڈیاں اُبھر آئیں گی۔"

"کیوں....!"

"اوہ! کیا تم نے کچھ نہیں محسوس کیا۔" وہ ہذیانی انداز میں بولی۔ "کیا وہ آدمی ہے درندہ وحشی....!"

"لیکن.... یہی میں بھی سوچ رہی تھی کہ آخر تم....!"

"میں....!" وہ رشیدہ کی بات کاٹ کر بولی۔ "میں مجبور ہوں۔ میری ایک اندھی بہ ہے چھ بھائی بہن ہیں۔ وہ سب چھوٹے ہیں۔ اگر میں یہاں ملازمت ترک کردوں تو ان کا کیا مجھے یہاں تین سو روپے ملتے ہیں۔ زہر کی تین سو بوندیں، تین سو خنجر، جو چاہو سمجھ لو۔"

"یہ ہمیشہ ایسا ہی رہتا ہے۔" رشیدہ نے پوچھا۔

"ہمیشہ.... تم ہر وقت یہی محسوس کرو گی کہ تم پر ایک سانپ پھن اٹھائے مسلط ہے نہیں کب ڈس لے۔"

"تم یہاں کب سے ہو۔"

"ڈیڑھ سال سے.... اور یہ ڈیڑھ سال ایسے معلوم ہوئے ہیں جیسے ڈیڑھ ہزار برس گذ ہوں۔"

"اس فرم کی خاص تجارت کیا ہے۔"

"لوہے کا سامان، سمندر پار کی ادویات، چمڑہ اور بھی کچھ ایسی چیزیں جن کیلئے خاص اسٹاف۔"

"جنرل منیجر کا قیام کہاں ہے۔"

"خدا ہی جانے۔"

"کیوں؟" رشیدہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"وہ ایک قطعی غیر سوشل آدمی ہے۔ کم از کم میں تو قطعی نہیں جانتی کہ وہ کہاں رہتا۔ اس کی کیا مشغولیات ہیں۔"

"بیوی بچے ہیں۔" رشیدہ نے پوچھا۔

"بیوی بچے۔" راحیلہ زہر خند کے ساتھ بولی۔ "جانوروں کے بیوی بچے نہیں ہوا کر۔ دور کہیں جوتوں کی چڑچڑاہٹ سنائی دی اور راحیلہ اچھل کر اپنی میز پر جا بیٹھی۔ رشـ

انگلیاں Key Board پر دوڑنے لگیں راحیلہ گھبراہٹ میں ایک فائل الٹ رہی تھی۔ جوتوں کی چڑاہٹ قریب ہوتی جارہی تھی اور پھر کمرہ گونجنے لگا۔ جعفری دونوں کی میزوں کے درمیان رک گیا۔ دونوں اس طرح کام میں مشغول نظر آرہی تھیں جیسے انہیں اس کے آنے کی اطلاع ہی نہ ہو۔ البتہ راحیلہ کانپ رہی تھی۔

"آہم....!" جعفری غرایا۔ "غپیں لڑ رہی تھیں.... لڑکی۔" اس نے رشیدہ کو مخاطب کیا۔

"م جتی ہو.... لیکن.... آفس ٹائم میں.... صرف کام ہونا چاہئے۔"

وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ رشیدہ بدحواسی سے ٹائپ کرتی رہی۔ اس کے چلے جانے کے بعد ں اس نے سر نہیں اٹھایا۔ اس کی آواز اب تک اس کے سر میں دھمک پیدا کر رہی تھی اور راحیلہ بالکل پیلی پڑ گئی تھی۔

چار بجے پوری عمارت گھنٹیوں کی آواز سے گونج اٹھی۔ رشیدہ نے سر اٹھا کر دیکھا۔ راحیلہ لیں اٹھا اٹھا کر الماری بند کر رہی تھی۔ شاید یہ کام ختم ہونے کی گھنٹی تھی۔ رشیدہ بدستور ٹائپ تی رہی۔

"مشین بند کرو۔" راحیلہ نے اس کے قریب آکر کہا۔

"یہ شیٹ تو نکال لوں۔" رشیدہ بولی۔

"نہیں گھنٹی بجنے کے بعد کوئی کام نہیں کر سکتا۔"

"خیر اگر تم کچھ اور بھی سننا چاہتی ہو تو مجھے اعتراض نہیں۔" راحیلہ نے منہ بنا کر کہا اور اپنا ٹ بیگ اٹھانے لگی۔

"ٹھہرو۔" رشیدہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اس نے جلدی جلدی شیٹ ٹائپ رائٹر سے نکالا اور سرے کاغذات سمیٹ کر فائل میں رکھ دیئے۔

پھر وہ دونوں آفس سے نکل آئیں۔

"تو ہم گہرے دوست ہیں۔" رشیدہ مسکرا کر بولی۔ "آؤ چائے پئیں۔"

"چائے۔" راحیلہ کی آواز کھوئی کھوئی سی تھی۔ "مجھے فوراً ہی گھر پہنچنا ہوتا ہے.... ماں ر گی ہے نا۔ دوسری بہنیں بھی چھوٹی ہیں۔ اگر میں تھوڑا بہت وقت تفریحات کے لئے وقف کردوں تو.... مجھے دراصل یہاں سے جا کر کھانا تیار کرنا ہوگا۔"

"تو پھر مجھے اپنا گھر ہی دکھادو۔"

"اوہ بڑی خوشی سے۔" راحیلہ کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "ضرور چلو، ماں بہت خوش ہوگی۔ کوئی دوست نہیں، مجھ جیسی مردہ دل سے کون دوستی کرے گا۔ آج کل دوستیاں تو عموماً کلبوں باروں اور ریسٹورانوں تک محدود ہوتی ہیں۔ اوہ..... ابھی تک بس نہیں آئی۔"

"ٹیکسی سے چلیں گے۔" رشیدہ نے لاپروائی سے کہا۔

"ٹیکسی.....!" راحیلہ نے اس طرح دہرایا جیسے رشیدہ نے ہوائی جہاز کہا ہو۔

"ہاں..... ہاں..... میرے پاس کافی پیسے ہیں۔ میں اکیلی ہی ہوں نا..... کافی پیسے بچتے ہیں۔"

"تم اکیلی ہو۔" راحیلہ اسے اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے وہ کوئی عجوبہ ہو۔

رشیدہ نے ایک ٹیکسی رکوائی اور دونوں اس میں بیٹھ گئیں۔ پھر اُس نے راحیلہ سے پتہ پوچھ کر شوفر کو بتایا اور ٹیکسی چل پڑی۔ راحیلہ اب تک رشیدہ کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

"تمہارا کوئی مرد دوست نہیں۔" رشیدہ نے پوچھا۔

"نہیں کوئی نہیں۔" راحیلہ مضطربانہ انداز میں بولی۔ "میں نے آج تک اس کی ہمت ہی نہیں کی۔"

"کیوں؟"

"میں اپنی ہی ذات سے بڑی خائف رہتی ہوں کہ میرے ہی جذبات مجھے تنکے کی طرح جانے کدھر بہالے جائیں گے پھر میری اندھی ماں کا کیا بنے گا۔ میرے ننھے ننھے بھائی بہن۔"

راحیلہ کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے تھے جنہیں وہ دوسری طرف منہ پھیر کر پینے کی کوشش کر رہی تھی۔

رشیدہ کچھ نہ بولی اور اس لڑکی کی بیچارگی پر غور کر رہی تھی۔ دونوں خاموش تھیں۔

دفعتاً راحیلہ چیخ پڑی..... وہ سامنے ہی دیکھ رہی تھی۔

ٹیکسی کے ڈرائیور کی لاپرواہی تھی یا سامنے سے آنے والی کار میں بیٹھے ہوئے آدمی کی خطا کہ دونوں کاریں بس ایک فٹ کے فاصلے پر رک گئیں۔ بریکوں کی آواز سنائی دی اور وہ دونوں سیٹ کی پشت سے ٹکرا گئیں۔

دوسرے لمحے میں انہوں نے غراہٹ قسم کی آواز سنی جو جنرل منیجر جعفری کی آواز کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ اپنی کار سے اُتر کر سیدھا ٹیکسی کی طرف آیا کھڑکی کھول

شوفر کو گریبان سے پکڑ کر نیچے کھینچ لیا۔ اس نے ان دونوں کی طرف دھیان تک نہ دیا تھا۔

ڈرائیور کو دو تین ہاتھ جھاڑنے کے بعد وہ نہایت سکون سے اپنی کار میں جا کر بیٹھ گیا اور کار چل پڑی۔

ڈرائیور کئی منٹ تک گالیاں بکتا رہا۔ ٹیکسی کے گرد اچھی خاصی بھیڑ اکٹھا ہو گئی تھی۔

"کیوں صاحب میری غلطی تھی۔" وہ ٹیکسی میں بیٹھتا ہوا ان دونوں کی طرف مڑ کر بولا۔

"نہیں.....!" رشیدہ نے آہستہ سے کہا۔

"خیر سالے کو پھر کبھی دیکھ لوں گا۔ اُسے بھی یہیں رہنا ہے اور مجھے بھی۔"

ٹیکسی روانہ ہو گئی مگر ڈرائیور بدستور بڑبڑائے جا رہا تھا وہ کچھ اس قسم کی باتیں کر رہا تھا جیسے شہر میں جتنے بھی قتل ہوتے ہیں اسی کے دم سے اور جتنی بھی بدمعاشیاں پھیلی ہوئی ہیں ان سب کا روح رواں وہی ہے۔ دنیا میں اب تک جتنے بھی سرکش گذرے ہیں انہیں اسی نے نیچا دکھایا تھا۔

رشیدہ اور راحیلہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبانیں پھیر رہی تھیں۔

حمید کی شرارت

تقریباً آٹھ بجے رشیدہ راحیلہ کے گھر سے واپس آئی۔ راحیلہ کے متعلق اس نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ ایک سعادت مند بیٹی اور محنت کرنے والی بہن ہے۔ اگر کوئی اور موقع ہوتا تو وہ اس کی گھریلو زندگی کے متعلق سوچ سوچ کر کافی دیر تک لطف اندوز ہوتی مگر اس کا ذہن تو اپنی فرم کے جنرل منیجر جعفری میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ اگر انسپکٹر فریدی نے اسے نہ بھیجا ہوتا تب بھی اور کسی موقع پر اس کی شخصیت رشیدہ کے ذہن پر ایک بہت بڑا سوالیہ نشان ضرور پیدا کرتی۔

وہ سوچ رہی تھی کہ آخر اس نے یہ کیوں کہا تھا کہ وہ اپنے کام سے کام رکھے گی کیا وہاں کوئی ایسا کام بھی ہوتا تھا جو کسی دوسرے کی کھوجی طبیعت میں بے چینی پیدا کر سکتا ہو۔

وہ فٹ پاتھ پر پیدل چل رہی تھی۔ دفعتاً اُس کے قریب سے گذرتے ہوئے دو آدمیوں نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی۔ وہ دبی زبان سے اسی عجیب و غریب رائفل کا تذکرہ کر رہے تھے جس نے پُراسرار طریقے پر وزیر خزانہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ انداز گفتگو ایسا تھا جیسے

وہ اس کے متعلق کچھ جانتے ہوں اور ان آدمیوں سے بھی واقف ہوں جنہوں نے اسے استعمال کیا تھا۔

رشیدہ چپ چاپ ان کا تعاقب کرنے لگی کیونکہ وہ ان کی حقیقت سے ناواقف تھی۔ ان میں ایک سرجنٹ حمید تھا اور دوسرا ناگر، حمید نے جان بوجھ کر یہ حرکت کی تھی۔ وہ ابھی تک شکاری والے بھیس میں تھا اور اس کے چہرے پر گھنی مونچھیں تھیں۔ رشیدہ کو دیکھ کر اس کی رگِ شرارت پھڑک اٹھی تھی اور اس نے اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے رائفل کا تذکرہ چھیڑا۔ دن بھر کی کوفت کے بعد وہ تھوڑی سی تفریح بھی کرنا چاہتا تھا۔ آج وہ اور ناگر ٹیلی فون ایکسچینج کے گرد منڈلاتے رہے تھے۔ ٹیلی فون ایکسچینج میں اُسی دن محکمہ سراغ رسانی کے دو تین آدمی بحیثیت ٹیلی فون آپریٹرز داخل ہوئے تھے۔ انہیں فریدی کی طرف سے ہدایت ملی تھی کہ مسٹر کیو کے پیغامات پر نظر رکھیں اور انہیں نوٹ کر کے اس تک پہنچائیں۔ حمید دن بھر کی رپورٹ لے کر جا ہی رہا تھا کہ رشیدہ نظر آ گئی۔

حمید اور ناگر نے ایک ریستوران کا رخ کیا۔ رشیدہ پیچھے لگی رہی وہ ان کے قریب ہی کی ایک خالی میز پر جا بیٹھی۔ حمید اور ناگر سرگوشیوں میں گفتگو کرتے رہے۔ بظاہر وہ رشیدہ کی طرف سے لاعلم نظر آ رہے تھے۔

رشیدہ نے کافی منگوائی لیکن اسے پتہ نہیں کہ کب ختم ہو گئی۔ وہ دراصل ان کی گفتگو سننے کی کوشش کر رہی تھی۔

اپنی چائے ختم کرنے کے بعد حمید اور ناگر اٹھ گئے۔ رشیدہ کا شبہ یقین کی حد تک پہنچ چکا تھا۔ اس نے جلدی سے بل ادا کیا اور باہر نکل آئی۔ دونوں فٹ پاتھ پر آہستہ چل رہے تھے۔ سڑک سے گذر کر وہ ایک گلی میں مڑ گئے۔ رشیدہ کافی فاصلے پر ان کا تعاقب کر رہی تھی۔ نہ جانے کتنی پیچ در پیچ گلیوں سے اسے گذرنا پڑا۔ وہ دونوں کہیں رکنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔

وہ پھر ایک تاریک گلی میں مڑے اور رشیدہ جیسے ہی اس گلی میں داخل ہوئی اس نے محسوس کیا کہ دونوں کے قدموں کی آوازیں آنی بند ہو گئی ہیں۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اندھیرے میں گھور رہی تھی۔ دفعتاً کوئی ٹھنڈی سی چیز اس کی کنپٹی سے آ لگی۔

"خبردار۔" ایک سرگوشی سنائی دی۔ "آواز نکلی اور کھوپڑی صاف۔ بغیر آواز کا ریوالور

ہے.... آگے چلو.... چلو....!"

اب ریوالور کی نال اس کی پیٹھ پر تھی اور وہ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہی تھی۔

"داہنے مڑو.... چلتی رہو.... ٹھیک.... اب رک جاؤ۔"

نالے میں کنجی گھمانے کی آواز سنائی دی اور کوئی دروازہ چرچراہٹ کے ساتھ کھلا۔ گلی میں عجیب طرح کی سیلی سیلی سی بدبو گونج رہی تھی۔

"چلو اندر چلو.... شاباش۔" سرگوشی پھر سنائی دی۔ حمید حتی الامکان اپنی آواز بدلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ رشیدہ پرلے سرے کی چالاک اور ذہین ہے اگر پہچان گئی تو ساری تفریح کرکری ہو جائے گی۔ ان کے پیچھے دروازہ بند ہو گیا۔ پھر سوئچ اون کرنے کی آواز آئی اور راہداری روشن ہو گئی۔ رشیدہ نے خود کو انہیں دونوں کے درمیان میں پایا۔ گھنی مونچھ والے شکاری کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔

"آگے بڑھئے.... محترمہ۔" سرجنٹ حمید نے نہایت ادب سے کہا۔

"اس کا مطلب....!" رشیدہ بگڑ کر بولی۔

"اندر لغت موجود ہے۔ مجھے مطلب زبانی نہیں یاد رہا کرتے۔"

"مجھے جانے دو.... ورنہ شور مچاؤں گی۔"

"اونچی سے اونچی عورت سے بھی میں یہی توقع رکھتا ہوں۔" حمید لاپروائی سے بولا۔ "چلئے۔"

رشیدہ بے بسی سے چلنے لگی۔ وہ ایک کمرے میں آئے جہاں کئی پرانی اور زنگ خوردہ کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔

"تشریف رکھئے۔" حمید نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ رشیدہ بیٹھ گئی۔

"مجھے یاد نہیں آ رہا ہے کہ میں آپ کو یہاں کس لئے لایا ہوں۔" حمید نے ذہن پر زور دینے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا بیہودگی ہے۔" رشیدہ بگڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"جاؤ ایک چھرا تلاش کرو۔" حمید نے ناگر کو مخاطب کر کے کہا۔ ناگر مسکراتا ہوا چلا گیا۔

"بیٹھئے بیٹھئے۔" حمید رشیدہ کی طرف دیکھ کر خشک لہجے میں بولا۔ "مجھے جو لڑکی پسند آتی ہے

اُسے میں اپنی پہلی فرصت میں ذبح کر ڈالتا ہوں۔"

رشیدہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔

"اس لئے ذبح کر ڈالتا ہوں کہ وہ کسی اور کو نہ پسند آجائے۔" حمید نے پھر کہا۔

"بکو نہیں! مجھے جانے دو۔" رشیدہ جی کڑا کر کے بولی۔

"افسوس!" حمید مغموم آواز میں بولا۔ "میں سمجھا تھا کہ تم پہلی ہی نظر میں مجھ پر عاشق ہو گئی ہو گی۔"

رشیدہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کہیں وہ کسی پاگل کے ہتھے نہیں چڑھ گئی۔ اتنے میں ناگر ایک بڑا سا چھرا لے کر آگیا۔ حمید نے ہاتھ میں لے کر اس کی دھا دیکھی پھر بگڑ کر بولا۔

"اس سے تو موم کی عورت بھی نہ ذبح ہو گی۔ جا کر تیز کرو۔"

ناگر چھرا لے کر پھر چلا گیا۔

"جب سے تمہیں دیکھا ہے۔" حمید سینے پر ہاتھ رکھ کر ٹھیٹھ عشقیہ انداز میں بولا۔ "دل کبھ نیچے کبھی اوپر.... تمہارا خون کتنا لذیذ ہو گا۔ اور تمہاری بوٹیاں .... ہائے.... ہائے.... بغ ریشے کا گوشت.... ہولے ہولے احتیاط سے چباؤں گا۔ بوٹیاں دانتوں کے نیچے پھسلیں گی... ہائے.... ہائے۔"

وہ اچھل اچھل کر زور زور سے سینہ پیٹنے لگا۔

رشیدہ کانپنے لگی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا لہرانے لگا۔

"سنتی ہو۔" حمید نے پھر ہانک لگائی۔ "تمہاری انگلیوں کی ہڈیاں.... رسیلی ہڈیاں.... کر کر چباؤں گا۔"

رشیدہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اگ یہ پاگل ہے تو اس کا ساتھی تو پاگل نہیں ہو سکتا۔ کس وبال میں پھنس گئی۔

"ڈرو نہیں بھئی۔" حمید بچوں کی طرح ٹھنک کر بولا۔ "ڈر کر تم سارا مزہ کرکرا کر دو گی۔"

"مجھے جانے دو۔" رشیدہ گھٹی گھٹی سی آواز میں چیخی۔

"اس مکان کی دیواریں خاص طور سے بنائی گئی ہیں۔" وہ پُر سکون لہجے میں بولا۔ "تم اچھ

چیخ چیخ کر دیکھ لو کوئی جو مدد کو آئے۔ چلو تمہیں ان لڑکیوں کی ہڈیاں اور کھوپڑیاں دکھاؤں ں پہلے کھا چکا ہوں۔ ارے اب تو رال بھی ٹپکنے لگی۔ کہاں مر گیا۔ بھائی، اے کیا ابھی تک ہی نہیں تیز ہوا۔"

"خدا کے لئے مجھے جانے دو۔"

"کیا تم نہیں چاہتیں کہ میں تمہیں کھا جاؤں۔"

"نہیں....!" رشیدہ بوکھلا کر بولی۔

"اگر میں تمہیں چھوڑ دوں تو مجھے یاد رکھو گی۔"

"ہاں....!" رشیدہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے اور کیا سن رہی ہے۔

"تمہارا نام کیا ہے۔"

"رشیدہ....!"

"تب تو میں تمہیں ہرگز نہ چھوڑوں گا۔"

"کیوں....؟"

"رشیدہ جو نام ہے تمہارا۔ ہر وہ نام مجھے بہت پیارا لگتا ہے جس میں شین ہو رشیدہ.... ہائے۔"

وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر ہانک لگائی۔ "ابے تیز ہو گیا چھرا۔"

"تیز کر رہا ہوں۔" کسی دوسرے کمرے سے آواز آئی۔

"جلدی کرو۔"

"نہیں.... نہیں....!" رشیدہ گھگھیائی۔

"ارے.... واہ.... یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ سب سے پہلے تمہارے ہونٹ کاٹوں گا پھر لوں کا گوشت اتاروں گا.... ہائے ہائے۔"

وہ کسی ندیدے آدمی کی طرح منہ چلانے لگا۔

"بچاؤ.... بچاؤ۔" رشیدہ زور سے چیخی۔

حمید ہنسنے لگا۔ دور کہیں بھاری قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی ہلی جلدی زینے طے کر رہا ہو۔

"چپ رہو.... چپ رہو۔" حمید دھیرے سے بولا۔ "میرا باپ آرہا ہے۔"

"بچاؤ....!" رشیدہ پھر چیخی۔

"عجیب احمق لڑکی ہو۔ خدا غارت کرے تمہیں۔ سارا مزہ کرکرا کر دیا۔"

قدموں کی آوازیں نزدیک ہوتی جارہی تھیں۔ پھر ایک دروازہ کھلا اور رشیدہ کو انسپکٹر فرید دکھائی دیا۔ وہ چیخ کر اس کی طرف جھپٹی اور قریب قریب اس پر گر پڑی۔

"بچایئے! بچایئے مجھے اس پاگل سے۔"

"پاگل....!" فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں.... پپ پاگل.... مجھے ذبح کرنا چاہتا تھا.... چھرا.... چھرا.... تیز ہو رہا ہے۔"

"سمجھا! ٹھہرو کہاں چلے۔" فریدی نے حمید کو للکارا۔

حمید رک گیا۔

"یہ کیا حرکت تھی۔" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔ رشیدہ سیدھی کھڑی ہو گئی تھی جو سے کبھی حمید کی طرف دیکھتی تھی اور کبھی فریدی کی طرف۔

"حمید! میں تم سے سچ مچ تنگ آگیا ہوں۔"

"حمید....!" رشیدہ نے آہستہ سے دہرایا اور اس نے ہونٹ بھینچ لئے۔ وہ آہستہ آہستہ کی طرف بڑھی اور پھر اچھل کر اس کے بال مٹھی میں جکڑ لئے دوسرے لمحے میں وہ اسے صوفے پر گرائے اس پر چڑھی بیٹھی گھونسوں اور تھپڑوں کی بارش کر رہی تھی۔ فریدی بے تحا ہنس رہا تھا اور حمید ہنس تو وہ بھی رہا تھا لیکن رشیدہ کی چٹکیوں اور بکوٹوں کی وجہ سے اس کی ہنسی کراہیں اور چیخیں بھی شامل ہو گئی تھیں۔ بدقت تمام فریدی نے انہیں الگ کیا۔ اس دوران بھی آگیا تھا اور اس کے ہاتھ میں ابھی تک چھرا دبا ہوا تھا۔

"ابھی تک میرا دل نہیں بھرا۔" رشیدہ ہانپتی ہوئی بولی۔

"اور ابھی میری تھکن بھی دور نہیں ہوئی۔ انور واقعی بڑا خوش قسمت ہے۔"

"بے حیا۔" رشیدہ نے بھنا کر کہا۔

"کسی عورت کے ہاتھ سے پٹنے میں بڑی لذت پائی جاتی ہے۔"

"اچھا تو ٹھہرو۔" رشیدہ پھر بڑھی لیکن فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر حمید سے کہا۔ "اب پیٹوں گا تمہیں۔"

"خدا کی قسم بڑی کوفت ہو گی مجھے۔" حمید ڈھٹائی سے بولا اور ہنستا ہوا کمرے سے چلا گیا۔

"تم کیسے پھنس گئیں اس کے چکر میں۔" فریدی نے پوچھا۔

رشیدہ نے سارے واقعات دہرا دیئے۔

"عاجز ہوں اس سور سے۔" فریدی نے کہا۔

"خیر میں بھی کسی موقعے سے وہ مزہ چکھاؤں گی کہ یاد ہی کرے گا۔"

"بھئی ابھی نہیں.... بہت کام کرنا ہے۔"

"میں نے جیمس اینڈ جعفری میں ملازمت کر لی ہے۔"

"بہت خوب۔ جعفری کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کرو اور ادھر اُدھر بھی نظر رکھنا۔"

"کیا اس کا تعلق اسی رائفل....!"

"ہاں.... ہاں.... لیکن کسی کام میں جلدی کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"وہ بڑا خوفناک اور پرلے سرے کا وحشی ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" فریدی پُر خیال انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "تمہیں میری طرف سے برابر ہدایات ملتی رہیں گی۔ جب ضرورت سمجھوں گا تو انور کو بھی شریک کر لوں گا ویسے اس کا خیال کیا ہے۔"

"کچھ بھی نہیں! وہ کہتا ہے کہ ابھی تک میں کچھ سمجھ ہی نہیں سکا۔"

"معاملہ ہی ایسا ہے۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "تم نے اپنا صحیح نام ہی بتایا تھا نا۔"

"جی ہاں۔"

"ٹھیک ہے! میں سوچ رہا تھا کہ کہیں تم غلط نام نہ بتاؤ۔ اس طرح اسے شبہ ہو جاتا۔"

"تو کیا اس طرح شبہ نہ ہو گا۔" رشیدہ نے کہا۔ "شہر کے سارے جرائم پیشہ قریب قریب میرے اور انور کے نام سے تو واقف ہی ہیں۔"

"فکر مت کرو۔ تم وہاں اکیلی نہیں ہو۔" فریدی بولا۔ پھر اس نے حمید کو آواز دی۔

حمید دانتوں میں پائپ دبائے ہوئے اس شان سے داخل ہوا جیسے کچھ دیر قبل اس نے کوئی بہت بڑا معرکہ سر انجام دیا ہو۔ رشیدہ کو بھی ہنسی آ ہی گئی۔

"رشیدہ کو گلی کے موڑ تک پہنچا آؤ۔" فریدی نے کہا۔

"میں خود چلی جاؤں گی۔" رشیدہ دروازے کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

"ایسا بھی کیا۔" حمید اس کے پیچھے چل پڑا۔ ناگر بھی اس کے ساتھ تھا۔

رشیدہ کو پہنچا کر دونوں لوٹے۔

فریدی کمرے میں ان کا انتظار کر رہا تھا۔ حمید کو دیکھتے ہی برس پڑا۔

"نہ موقع دیکھتے ہو نہ محل! آخر اسے یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی۔ گدھے کہیں کے! شرم نہیں آئی پٹتے ہوئے۔"

"آپ کو آگئی.... یہی کافی ہے۔ میں اور آپ الگ تھوڑا ہی ہیں۔" حمید جیب سے دن بھر کی رپورٹ نکالتا ہوا بولا۔ "مسٹر کیو کے نام کئی پیغامات تھے۔ نمبر ۱ نہیں ملا۔ نمبر ۲..... نہیں ملا.... بہر حال دن میں تقریباً پچاس آدمیوں نے "نہیں ملا" کی ہانک لگائی۔ سبھوں نے پبلک ٹیلی فون بوتھ استعمال کئے تھے۔ پیغام نمبر ۵۳.... سب ٹھیک ہے.... نمبر ۵۴.... دیکھ لیا جائے گا نمبر ۵۵ انتظار ہو گیا.... نمبر ۶.... آج رات کو.... نمبر ۵۷.... بنگلہ خالی ہے! کوئی نیا منیجر ابھی تک نہیں رکھا گیا۔"

"آخری پیغام....!" فریدی پُر خیال انداز میں بولا۔ "غالباً ڈاکٹر نارنگ کے متعلق ہے۔"

"اوہ ٹھیک یاد آیا.... یہ تو بھول ہی گیا تھا۔" حمید نے کہا۔ "آج تین بجے شام کو کسی نے ڈاکٹر نارنگ پر بھی حملہ کیا تھا.... حملہ آور پکڑا نہیں گیا۔"

"کہاں.... کس طرح۔" فریدی چونک کر بولا۔

"بیچ بازار میں.... مین روڈ پر.... وہ کار میں جا رہا تھا کہ کسی نے گولی چلائی لیکن وہ بچ گیا۔ شیشے کے کچھ ٹکڑے اس کے جسم پر لگے ہیں۔"

"اوہ....!" فریدی کی پیشانی پر شکنیں اُبھر آئی تھیں۔

"رمیش! جیون اور اختر!" حمید بولا۔ "جیمس اینڈ جعفری کے دفتر کی نگرانی کر رہے ہیں۔ آخر انہیں وہاں کیوں لگایا گیا ہے۔ کیا وہی مسٹر کیو ہو سکتا ہے۔ جعفری ہے تو خوفناک۔ رشیدہ وہاں کیا کرے گی۔"

"دیکھتے جاؤ۔" فریدی نے کہا اور پھر کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

ڈکٹا فون

مسٹر کیو کا مسئلہ ابھی تک فریدی اور حمید ہی تک محدود تھا یا پھر خود اسی کے گروہ والے اس سے واقف تھے۔ رشیدہ تک کو فریدی نے اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا اور اس کا محکمہ تو خیر اندھیرے میں تھا ہی۔ اس بار بھی اس نے حسب عادت محکمے کو اپنی مشغولیات کی باقاعدہ رپورٹ پیش کر دی تھی۔ ڈی۔ آئی۔ جی تک کو اس کا علم نہیں تھا کہ فریدی کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے۔ فریدی نے اپنے ماتحتوں میں سے پانچ چھ خاص قسم کے آدمیوں کو مختلف کاموں پر لگا رکھا تھا لیکن وہ بھی یہ نہیں جانتے تھے کہ انہیں ہدایات کہاں سے مل رہی ہیں۔

بہر حال مسٹر کیو کا نام تاریکی ہی میں رہتا اگر واقعات نے دوسرا رخ اختیار نہ کر لیا ہوتا اور بد اس واقعے کا ذمہ دار بھی فریدی ہی تھا کہ مسٹر کیو کو خود ہی اپنا نام ظاہر کر دینا پڑا۔ فریدی کو ے سے علم تھا کہ اس نام کو سیکرٹ سروس کے بعض ممبر استعمال کرتے رہے ہیں۔ لہٰذا حمید اور کے تجربات سامنے رکھ کر اُس نے اس کے متعلق تفتیش شروع کر دی۔ ہو سکتا ہے کہ مجرم سے واقف ہو گیا ہو اور اس نے اب کسی قسم کی پردہ داری مناسب نہ سمجھی ہو۔

ناگر کی مصنوعی خودکشی والے دن کے بعد سے ٹیلی فون ایکسچینج میں مسٹر کیو کے نام کے مات موصول ہونے بند ہو گئے تھے۔

جس دن ناگر کی مصنوعی خودکشی منظر عام پر آئی اسی دن ڈاکٹر نارنگ ایم۔پی پر حملہ کیا گیا ن وہ بال بال بچ گیا۔ اسی رات کو ایک دوسرا حادثہ ہوا۔ وہ بھی اپنی نوعیت کے اعتبار سے معمولی ں تھا۔ ڈاکٹر نارنگ ہی کے گروپ کے دو پارلیمنٹری ممبر اپنی قیام گاہوں پر قتل کر دیئے گئے۔ سری صبح کو ان کے سر جسموں سے الگ پائے گئے اور انتہائی کوششوں کے باوجود بھی اس قسم کے نشانات نہ مل سکے جن سے قاتلوں پر روشنی پڑتی۔

عوام میں خوف کی لہر دوڑ گئی تھی اور خواص کو تو ہر لحظہ ملک الموت کی جھلکیاں دکھائی دیتی تھیں۔ پہلے وزیر خزانہ انتہائی پُر اسرار طریقے پر قتل ہوئے پھر ڈاکٹر نارنگ پر شہر کی سب سے بڑی سڑک پر اعلانیہ حملہ کیا گیا اور اسی رات کو پارلیمنٹ کے دو اور ممبر قتل کر دیئے گئے لہٰذا اس کی سراسیمگی لازمی تھی۔

محکمہ سراغ رسانی کی عمارت میں تو گویا زلزلہ آگیا تھا۔ آئی۔جی سے لے کر معمولی لباس والے تک بوکھلاہٹوں کا شکار نظر آرہے تھے۔ سارا عملہ آج پھر بڑے کمرے میں اکٹھا البتہ فریدی اور حمید موجود نہ تھے اور وہ پانچ مخصوص سادہ لباس والے بھی نہیں تھے جنہیں نے خود ٹریننگ دی تھی۔

ڈی۔ آئی۔جی اور آئی۔جی میں کسی خاص مسئلے پر بحث ہورہی تھی کہ ایک کلرک ڈی۔ آئی۔جی کو مطلع کیا کہ اس کی فون کال ہے۔

ڈی۔ آئی۔جی اٹھ کر چلا گیا تقریباً دو تین منٹ تک خاموشی رہی پھر ڈی۔ آئی۔جی کی پر ایک انسپکٹر نے کچھ کہنا چاہا لیکن اس نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے روک دیا۔

"ڈاکٹر نارنگ ایم پی کا فون تھا۔" اُس نے آئی۔جی سے کہا۔ "کوئی خاص بات معلوم ہے۔ مجھے بلایا ہے۔ آواز سے خوفزدہ معلوم ہوتے تھے۔"

"میرا خیال تو یہ ہے کہ اب یہ سب اپنی حفاظت کیلئے آدمی بھی مانگیں گے۔" آئی۔جی ڈی۔ آئی۔جی چند لمحے بیٹھا کچھ سوچتا رہا پھر کمرے سے باہر چلا گیا۔

ڈاکٹر نارنگ اپنی شہری قیام گاہ کے کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا جیسے ہی ایک نوکر ڈی۔ آئی۔جی کا ملاقاتی کارڈ لا کر وہ خود ہی صدر دروازے تک دوڑا چلا گیا۔

"اوہ.... آپ آگئے شکریہ۔" وہ ڈی۔ آئی۔جی سے مصافحہ کرتے ہوئے مضطربانہ انداز بولا۔ "چلئے.... اندر چلئے.... اوہ! میں اس تکلیف دہی کے لئے شرمندہ ہوں۔ میں خود بھی آپ تک پہنچ سکتا تھا مگر....؟"

وہ اُسے نشست کے کمرے میں لے آیا۔

"بیٹھئے! بیٹھئے۔ آپ جانتے ہیں کہ پرسوں مجھ پر حملہ ہوچکا ہے اور رات کو میرے ساتھی....!" ڈاکٹر نارنگ تھوک نگل کر رہ گیا۔ پھر ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔ وزیر بھی میرے گہرے دوستوں میں سے تھے۔ میں کچھ سمجھ نہیں سکتا۔ میری.... ہم لوگوں کی سے تو پورا ملک واقف ہے....!"

"جی ہاں۔" ڈی۔ آئی۔جی سر ہلا کر بولا۔ "یہی تو باعث حیرت ہے سارے کے مخلص اور بے ضرر محب وطن تھے۔"

"اور اب.... ایک ایسی بات ہوئی ہے۔" ڈاکٹر نے خوف زدہ انداز میں چاروں طرف دیکھتے کہا۔ پھر مضطربانہ اٹھا اور دروازے تک گیا۔ ایک لمحہ ادھر اُدھر دیکھتا رہا اور لوٹ کر آہستہ لا۔ "آج صبح مجھے ایک دھمکی آمیز خط ملا ہے کسی نامعلوم آدمی کی طرف سے۔"

اس نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک لفافہ نکال کر ڈی۔ آئی۔جی کی طرف بڑھا دیا۔

ڈی۔ آئی۔جی لفافے سے خط نکال کر پڑھنے لگا۔ معمولی کاغذ پر ٹائپ کیا ہوا تھا۔

"ڈاکٹر نارنگ ایم پی.... خوش قسمت تھے کہ کل بچ گئے۔ بہر حال تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ اپنا دیہی بنگلہ ایک ماہ کے لئے بالکل خالی کردو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تمہارا بھی وہی انجام ہوگا جو وزیر خزانہ اور تمہارے دو ساتھیوں کا ہوچکا ہے۔ اگر تم اسے محض دھمکی سمجھو تو یہ تمہاری بھول ہوگی۔ اس سلسلے میں پولیس سے مدد لینا وقت کی بربادی کے علاوہ اور کچھ نہ ہوگا۔ وزیر خزانہ کی موت ہزاروں کے مجمع میں ہوئی تھی تمہارے دونوں ساتھی بھرے پُرے گھروں میں مار ڈالے گئے لیکن کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ کافی عقل مند آدمی ہو۔ اس لئے توقع ہے کہ حکم کے خلاف نہ کروگے۔ فقط

مسٹر کیو۔"

"مسٹر کیو!" ڈی۔ آئی۔جی آہستہ سے بڑبڑایا اور جواب طلب نظروں سے ڈاکٹر نارنگ کی دیکھنے لگا۔

"اب بتایئے میں کیا کروں۔"

"آپ کی حفاظت کا انتظام کیا جائے گا مگر یہ مسٹر کیو۔"

"میں نہیں جانتا یہ کون ہے۔" ڈاکٹر نارنگ نے بے چینی سے کہا۔ "لیکن کیا آپ کے اقدامات مجھے بچا سکیں گے۔"

ڈی۔ آئی۔جی کے چہرے پر گہرے تفکر کے آثار تھے۔ وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

"کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ کسی نے آپ سے مذاق کیا ہو۔"

"مذاق! مجھ سے کون.... مذاق کرے گا۔ شاید آپ بھول رہے ہیں کہ پرسوں مجھ پر حملہ

بھی ہو چکا ہے۔"

"تو سنئے! میں آپ کو یہی مشورہ دوں گا کہ چپ چاپ بنگلہ خالی کر دیجئے۔ کیا وہاں آپ کے ملازمین ہیں؟"

"جی ہاں!"

"تو انہیں وہاں سے ہٹا دیجئے۔ بقیہ ہم دیکھ لیں گے اور آپ زیادہ تر گھر ہی رہیں تو بہتر ہے۔"

ڈی۔ آئی۔ جی تھوڑی دیر تک اسے تسلیاں دیتا رہا پھر وہ خط اس سے لے کر واپس آ گیا۔

آئی۔ جی اس کا منتظر تھا۔ وہ دونوں اپنے مخصوص ریٹائرنگ روم میں چلے آئے۔

ان دونوں کے درمیان مسٹر کیو کی شخصیت زیر بحث تھی۔

"جہاں تک میرے علم میں ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی کہہ رہا تھا۔ "یہ نام سیکرٹ سروس والے استعمال کرتے ہیں اور اس کا علم میرے محکمے میں فریدی کو ہو تو ہو اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہی ایک ایسا ہے جو متعلق اور غیر متعلق ہر بات پر نظر رکھتا ہے۔"

"لیکن سیکرٹ سروس والے....!" آئی۔ جی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"اسی الجھن میں بڑی دیر سے مبتلا ہوں۔" ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔

"آخر یہ فریدی رپورٹ کیوں نہیں دے رہا ہے۔" آئی۔ جی کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

"کبھی نہیں دیتا اور میرے خیال سے اچھا ہی کرتا ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔ "خصوصاً معاملہ تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جس میں انتہائی راز داری سے کام لیا جائے۔"

"میں اسے درست نہیں سمجھتا۔ رپورٹ تو اسے دینی ہی چاہئے۔"

"کون سمجھائے اُسے! زیادہ کہئے تو استعفیٰ تیار ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ محض فطری میلان کی بنا پر اس محکمے میں آیا ہے۔ ورنہ خاندانی دولت اتنی کثیر رکھتا ہے جو کئی پشتوں کے لئے کافی ہو سکتی ہے۔"

"کچھ بھی ہو اتنی خودسری نہیں برداشت کی جا سکتی۔" آئی۔ جی کی آواز غصے میں کانپ رہی تھی۔

ڈی۔ آئی۔ جی کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "وہ جب بھی اس طرح غائب ہوا ہے کچھ نہ کچھ کر کے ہی واپس آیا ہے۔ گارساں[1] ہی والے کیس کو لیجئے۔"

"آپ خواہ مخواہ اُس کی طرف داری کر رہے ہیں۔" آئی۔ جی بگڑ کر بولا۔

ڈی۔ آئی۔ جی کچھ نہ بولا لیکن اس کا چہرہ بھی غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔

[1] جوبلی نمبر "خوفناک ہنگامہ" ملاحظہ فرمائیے۔

آئی۔ جی پھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اردلی نے چق ہٹا کر آپریشن روم کے انچارج کی آمد کی اطلاع دی۔

"بلالو....!" آئی۔ جی بولا۔

آنے والے نے ایک کاغذ بڑھاتے ہوئے ڈی۔ آئی۔ جی سے کہا۔ "آپ کے نام ٹرانسمیٹر پر یہ پیغام موصول ہوا ہے۔"

ڈی۔ آئی۔ جی نے کاغذ لے لیا۔ یہ پیغام محض اشاراتی الفاظ (Code Words) میں تھا۔

دفعتاً ڈی۔ آئی۔ جی کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک پیدا ہوئی اور وہ دبے ہوئے جوش کے ساتھ بولا۔

"دیکھا آپ نے! ہمیں مسٹر کیو کے متعلق آج ہی معلوم ہوا ہے لیکن فریدی پہلے سے جانتا تھا۔"

"یعنی....؟"

"سنئے!" ڈی۔ آئی۔ جی کاغذ پر نظریں جمائے ہوئے بولا۔ "جناب والا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ مسٹر کیو نے خود ہی اپنے کو ظاہر کر دیا اور یہ بات بھی آپ سے پوشیدہ نہ ہو گی کہ یہ نام سیکرٹ سروس کے پانچ ممبران استعمال کرتے تھے۔ جب مجھے پہلی بار مجرم مسٹر کیو کے نام سے آگاہی ہوئی تو میں نے سیکرٹ سروس والوں کی تلاش شروع کر دی میں نے ان کے ٹھکانے کا پتہ لگا لیا ہے۔ لیکن وہ خود نہیں ملے اور نہ ان کے ٹرانسمیٹر ہی کا سراغ مل سکا۔ ٹیلی فون ایکسچینج میں بھی پرسوں رات سے اب تک مسٹر کیو کے نام کوئی پیغام نہیں موصول ہوا۔ حالانکہ پچھلا ریکارڈ بتاتا ہے کہ ہر گھنٹے میں آٹھ دس پیغامات اس کے نام ضرور ہوتے تھے۔ آپ اس سلسلے میں سیکرٹ سروس کے ہیڈ کوارٹر سے گفت و شنید کیجئے۔ ویسے میں تو یہی سمجھنے پر مجبور ہوں کہ وہ پانچوں عرصہ ہوا ٹھکانے لگا دیئے گئے۔"

ڈی۔ آئی۔ جی خاموش ہو کر فخریہ انداز میں آئی۔ جی کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہوں....!" آئی۔ جی نے اپنے ہونٹ بھینچ لئے اور اس طرح اپنے جوتوں کی طرف دیکھنے لگا جیسے ان سے جواب طلب کر رہا ہو۔

"تو کوئی سیکرٹ سروس والوں کی آڑ میں یہ سب کچھ کر رہا ہے۔" آئی۔ جی تھوڑی دیر بعد بولا۔

"اس کے علاوہ اور کیا سوچا جا سکتا ہے۔"

"پھر کیا کیا جائے۔"

"میرے خیال سے سیکرٹ سروس والوں کے ہیڈ کوارٹر سے تحقیق ضروری ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" آئی۔جی نے کہا اور میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ چپراسی اندر داخل ہوا۔

"آپریشن روم کے انچارج کو سلام دو۔" آئی جی نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد انچارج آگیا۔

"یہ پیغام....!" آئی۔جی کاغذ اس کی طرف بڑھاتا ہوا "سیکرٹ سروس کے ہیڈ کوارٹر کے لئے.... جواب فوراً چاہئے۔"

آپریشن روم کے انچارج کے جانے کے فوراً بعد کئی منٹ تک خاموشی رہی پھر ڈی آئی جی بولا۔

"میرا خیال ہے کہ فریدی کسی سیدھے ہی راستے پر لگ گیا ہے۔"

"لیکن مجھے اس کا یہ رویہ قطعی پسند نہیں۔" آئی۔جی نے تلخ لہجے میں کہا۔ "ضروری نہیں کہ وہ ہر معاملے میں دانش مند ہی ثابت ہو۔ اسے دوسروں سے بھی مشورہ کرنا چاہئے۔"

ڈی۔ آئی۔جی شاید بات بڑھانا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔

"بات تو ٹھیک ہی ہے! اگر ہماری لاعلمی میں کسی مصیبت میں پھنس گیا تو ہمیں اطلاع تک نہ ہوگی۔ خیر اگر مل گیا تو میں سمجھانے کی کوشش کروں گا۔"

"سمجھاؤ نہیں بلکہ مجبور کرو۔"

"یہ بہتر ہے۔"

وہ دونوں پھر خاموش ہوگئے۔ دونوں کے چہرے گہرے تفکر کا پتہ دے رہے تھے۔ دفعتہً ڈی۔ آئی۔جی چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"یہ آواز کیسی تھی۔" وہ آہستہ آہستہ بڑبڑایا۔

"آواز کہاں....!"

"کچھ کھرکھرسی تھی۔"

آئی۔جی ہنسنے لگا۔ پھر سنجیدہ ہو کر بولا۔ "واقعی ہم لوگوں کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں رہی۔ غالباً اس الماری میں کوئی چوہا ہے۔"

"چوہا! وہ دیکھئے! سنئے یہ آواز کچھ ایسی ہی ہے جیسی مائیکروفون میں ہاتھ لگنے یا کسی دوسری چیز رگڑ سے پیدا ہوتی ہے۔"

آئی۔جی غور سے سننے لگا پھر سر ہلا کر ڈی۔ آئی۔جی کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھتا ہوا ا۔ "ہے تو۔"

ڈی۔ آئی۔جی نے الماری کھول کر دیکھا۔ وہاں کتابوں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا لیکن آواز ڑے تھوڑے وقفے کے بعد برابر سنائی دیتی رہی۔ دفعتاً اُس نے الماری کے پیچھے جھانک کر دیکھا اس کے منہ سے ایک تحیر آمیز سی آواز نکل گئی۔

"ڈکٹافون!....!" وہ آئی۔جی کی طرف مڑ کر بولا۔ "یہاں ڈکٹافون کا کیا کام۔"

دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ آئی۔جی نے آپریشن روم کے ارج کو پھر بلوایا۔ لیکن اس نے بتایا کہ محکمے کے سارے ڈکٹافون آپریشن روم ہی میں موجود ہیں اس کمرے میں تو کبھی کوئی ڈکٹافون لایا ہی نہیں گیا۔

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ کوئی ہماری گفتگو سنتا رہا ہے۔" آئی۔جی نے کہا۔

اس انکشاف پر محکمے کی عمارت کو ایک دوسرے زلزلے سے دوچار ہونا پڑا۔ سارے کمرے ان مارے گئے اور نتیجے کے طور پر پانچ عدد سٹ اور بھی برآمد ہوئے۔

لیکن ان کا سلسلہ کہاں سے تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک انسپکٹر نے اس کا بھی پتہ لگالیا۔ ٹیلی فون ے تاروں پر لپٹے ہوئے باریک باریک تار دکھائی دیئے جن کا سلسلہ دوسرے کھمبے تک جا کر ختم گیا تھا اور وہیں سے تار نیچے کی طرف لائے گئے تھے۔ دوسرا کھمبہ دراصل مہندی کی ایک بے تیب باڑھ کے درمیان میں تھا اور اس کی بے مرمت شاخیں کافی اونچائی تک پھیلی ہوئی تھیں۔ سلئے ان تاروں کا آسانی سے دیکھ لیا جانا تقریباً ناممکن ہی سا تھا۔

پھر مہندی کی باڑھ سے ملی ہوئی مالتی کی جھاڑیوں میں ڈکٹافون کا ریسیونگ سیٹ بھی مل گیا۔ ں کی تلاش کے سلسلے میں کافی ہنگامہ برپا ہو گیا تھا اور ڈی۔ آئی۔جی سوچ رہا تھا کہ ان سے ایک الیائی غلطی سرزد ہو گئی ہے۔

"ہم سے غلطی ہوئی۔" ڈی۔ آئی۔جی نے کہا۔ "اب اس آدمی کا پتہ چلنا دشوار ہے جو انہیں تعمال کرتا ہے۔"

ایک آلہ سماعت جو دوسروں کی لاعلمی میں ان کی پوشیدہ گفتگو سننے کے لئے استعمال کیا ہے۔

"غلطی تو سچ مچ ہوئی۔" آئی۔جی مضمحل آواز میں بولا۔

"اگر فریدی ہوتا....!"

آئی۔جی کے حلق سے نکلنے والی غصیلی آواز نے ڈی۔ آئی۔جی کو جملہ مکمل نہ کرنے دیا۔

"کیا ہوتا۔" آئی۔جی جھنجھلا کر کہہ رہا تھا۔ "تم لوگوں نے اسے فوق البشر کا درجہ دے رکھا ہے اور اسی لئے اس کا دماغ عرش پر رہتا ہے۔"

ڈی۔ آئی۔جی خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ اب کچھ بولے گا ہی نہیں۔

کچھ دیر بعد وہ پھر اسی کمرے میں آ بیٹھے جہاں ڈکٹافون کا پہلا سیٹ ملا تھا۔ وہ دونوں خاموش ہی تھے اور ان کے چہروں پر ناگواری کے اثرات پائے جا رہے تھے۔

آپریشن روم کے انچارج کے قدموں کی آہٹ نے خاموشی کا طلسم توڑ دیا۔ وہ آئی۔جی کے سامنے ایک کاغذ رکھ کر واپس چلا گیا۔

یہ سیکرٹ سروس کے ہیڈ کوارٹر والوں کی رپورٹ تھی جو ٹرانسمیٹر پر موصول ہوئی تھی۔ آئی۔جی پڑھنے لگا۔

"پانچوں آدمی کام کر رہے ہیں۔ تین دن قبل ان کی تنخواہیں ادا کی گئی ہیں۔ ان کی جا رہائش کے متعلق کسی کو کوئی علم نہیں۔ جب ضرورت محسوس ہوگی ان سے معلوم کر لی جائے گی۔ لیکن اس کے لئے بھی اوپر سے آئے ہوئے احکامات ہی کار آمد ثابت ہو سکیں گے۔"

آئی۔جی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر سر ہلا کر بولا۔

"عجیب بات ہے۔"

"ہے تو عجیب ہی۔" ڈی۔ آئی۔جی نے کہا۔ اس کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا کہ اب وہ اس موضوع پر گفتگو نہیں کرنا چاہتا لیکن وہ حقیقتاً فریدی کے اس خیال سے متفق تھا کہ سیکرٹ سروس والے بھی مار ڈالے گئے اور اب وہ یہ سوچ رہا تھا کہ ڈاکٹر نارنگ کے دیہی بنگلے کی خفیہ نگرانی شروع کرا دے۔

سعی لاحاصل

ایک دن رشیدہ بہت سویرے آفس پہنچ گئی۔ لیکن یہ محض اتفاق نہیں تھا بلکہ اُس نے دیر

ایسا کیا تھا۔ تین چار دنوں کے دوران اس نے جیمس اینڈ جعفری فرم کے متعلق بہت کچھ معلوم کر لیا تھا اور جعفری کے سلسلے میں یہ بات خاص طور سے نوٹ کی تھی کہ وہ اکثر اپنے کمرے میں بیٹھے ہی بیٹھے حیرت انگیز طور پر غائب ہو جایا کرتا تھا۔ جعفری کے کمرے کا دروازہ اسی بڑے کمرے میں کھلتا تھا جس میں رشیدہ اور راحلہ بیٹھا کرتی تھیں۔ اس کے علاوہ دوسری طرف صرف کھڑکیاں تھیں اور ان میں بھی لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ ورنہ یہ خیال ہوتا کہ وہ باہر جانے کے لئے ان کھڑکیوں ہی کو استعمال کرتا ہوگا۔ لہٰذا رشیدہ کا خیال تھا کہ اس کے کمرے میں ایک دروازہ ہے اور وہ اسے ڈھونڈھ نکالنا چاہتی تھی۔ اسے اطمینان تھا کہ جعفری دس بجے سے پہلے آفس میں نہیں آئے گا ورنہ شاید وہ اس کی ہمت بھی نہ کرتی۔ کیونکہ محض اس کی آنکھوں ہی سے اُس کی روح فنا ہونے لگتی تھی۔ آٹھ بج رہے تھے ساڑھے نو بجے قبل راحلہ کے آنے کا بھی امکانات نہیں تھے۔

صفائی کرنے والا کمرے کی صفائی کر کے جا چکا تھا اور چپراسی بڑے کمرے کے باہر اسٹول پر بیٹھا بڑے مزے سے سگریٹ پی رہا تھا۔ رشیدہ کو خلاف معمول اتنے سویرے دیکھ کر اسے حیرت ہوئی لیکن رشیدہ نے پچھلے دن کے بقیہ کام کو نپٹانے کا بہانہ کر کے اس کی حیرت زیادہ نہ بڑھنے دی۔ حالانکہ یہ چیز جیمس اینڈ جعفری کی فرم کے قاعدے کے خلاف تھی۔ لیکن چپراسی شاید یہ سوچ کر چپ ہو رہا کہ مس صاحبہ ابھی نئی پھنسی ہیں۔ جس دن منیجر صاحب نے کان کھول دیئے سب ٹھیک ہو جائے گا۔

رشیدہ فائیل نکال کر ٹائپ کرنے بیٹھ گئی لیکن چپراسی کا مسئلہ؟ وہ سوچ رہی تھی کہ اسے کس طرح ٹالا جائے۔ دفعتاً اُسے اُس نے آواز دی۔

"دیکھو....!" اُس نے کہا۔ "مجھے دو درجن لفافوں اور اتنے ہی پوسٹ کارڈوں کی ضرورت ہے اگر لا دو تو بڑا کام کرو۔ ابھی کافی وقت ہے۔"

"لا دوں گا! مس صاحب۔" وہ دانت نکال کر بولا۔ "یہ بھی کوئی کام میں کام ہے۔"

رشیدہ پانچ کا نوٹ نکال کر اُسے دیتی ہوئی بولی۔ "بقیہ تمہارے ناشتے کے لئے۔"

"ارے.... ہی.... ہی.... ہی" چپراسی نے ایک بار پھر دانت نکال دیئے۔

رشیدہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ ڈاکخانہ اتنی دور تھا کہ آدھ گھنٹے سے قبل اس کی واپسی ناممکن

تھی۔ اس نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ جعفری کے کمرے کا دروازہ کھولا۔ یہاں کچھ زیادہ فرنیچر نہیں تھا۔ سامنے ایک بڑی سی میز تھی اور اُس کے پیچھے ایک چکر کھانے والی کرسی اور ایک تجوری، دونوں بازوؤں میں دو بڑی بڑی الماریاں تھیں جن کی چوڑائی نے دونوں طرف کی دیواروں کو تقریباً ڈھک لیا تھا۔ رشیدہ نے سب سے پہلے دونوں الماریوں کے پیچھے جھانک کر دیکھا۔ دیواریں سپاٹ تھیں۔ پھر وہ میز کی طرف بڑھی۔ کرسی کے پیچھے لکڑی کا ایک بڑا صندوق نظر آیا جو مقفل نہیں تھا۔ رشیدہ نے یونہی بے خیالی میں اُس کا ڈھکن اٹھا دیا.... اور پھر! دوسرے لمحے میں اُس کی سانس بُری طرح پھول رہی تھی۔ پورا صندوق ریوالورز سے بھرا ہوا تھا اور سب بالکل نئے تھے۔

رشیدہ نے جیمس اینڈ جعفری کی تجارت کے متعلق اچھی طرح چھان بین کی تھی اور اُسے یقین تھا کہ اسلحہ جات کی تجارت اس فرم میں نہیں ہوتی تھی۔ اس نئی دریافت سے پیدا ہو جانے والے جوش نے فی الحال چور دروازے کا خیال تو اس کے ذہن سے نکال ہی دیا۔ صندوق کا ڈھکن بند کر کے وہ الٹے پاؤں اپنے کمرے میں واپس آ گئی۔

وہ کچھ دیر تک اپنی میز پر بیٹھی ہانپتی اور چہرے سے پسینہ پوچھتی رہی پھر یکبارگی اٹھی اور باہر نکل آئی۔ اُسے محکمہ سراغ رسانی کے ان آدمیوں میں سے کسی کی تلاش تھی جنہیں فریدی۔ جیمس اینڈ جعفری کے دفتر کے قرب و جوار میں رہنے کی تاکید کی کر دی تھی۔

سامنے والے ریستوران میں اُسے ایک جانے پہچانے چہرے کی جھلک دکھائی دی۔ سرجنٹ حمید تھا اور اب تک اسی شکاری ہی والے بھیس میں تھا۔ رشیدہ نے تیزی سے سڑک پار کی اور ریستوران میں داخل ہو گئی۔

"ہلو....!" حمید نے مسکرا کر اُسے آنکھ ماری۔

"میں نے ایک نئی دریافت کی ہے۔" رشیدہ ادھر اُدھر دیکھ کر بولی۔ "اس کیبن میں اٹھ چلو۔"

وہ دونوں کیبن میں آ کر بیٹھ گئے اور رشیدہ نے پردہ کھینچ دیا۔ پھر اُس نے جلدی جلدی کارنامہ دہرایا۔

"تمہیں یقین ہے کہ اسلحہ کی تجارت ہوتی ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"سو فیصدی یقین ہے۔"

"اچھا تو تم یہیں بیٹھو۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "ابھی آفس میں واپس نہ جانا۔ اس چپراسی کو بھی رہو اور اس سے جو کچھ بھی منگوایا ہے باہر ہی لے لو تو بہتر ہے پھر تم نہایت آسانی سے اسے سمجھا سکتی ہو کہ تم ابھی آفس واپس نہ جاؤ گی۔ کیونکہ تمہیں ایک دوسرا ضروری کام یاد آ گیا ہے۔ سمجھ گئیں۔"

"اچھا پھر....!"

"اپنے وقت سے آفس جاؤ گی۔"

"ٹھیک! لیکن اگر چپراسی نے اس کا تذکرہ کسی سے کر دیا تو۔"

"دیکھا جائے گا.... تم نے ضرورتاً تو ملازمت کی نہیں ہے۔"

حمید ریستوران سے چلا گیا اور رشیدہ باہر آ بیٹھی۔ اس نے بیرے کو بلا کر ناشتے کا آرڈر دیا اور چپراسی پر نظریں جما دیں۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں چپراسی نکل نہ جائے۔

چپراسی خلاف توقع جلد ہی نظر آ گیا۔ لیکن ساتھ ہی رشیدہ کو ایک دوسرا خیال بھی آ گیا۔ وہ فری میں اپنا فائل میز پر ہی چھوڑ آئی تھی اور اُس کی عدم موجودگی میں اس کا وہاں پایا جانا قطعی مناسب تھا لہٰذا اس نے چپراسی کو باہر ہی روکنے کا خیال ترک کر دیا۔ ابھی ساڑھے آٹھ ہی بجے تھے۔

اس نے جلدی جلدی الٹا سیدھا ناشتہ کیا اور باہر نکل آئی۔ آفس پہنچی تو چپراسی لہک کر اٹھا۔

"میں ذرا ناشتہ کرنے چلی گئی تھی۔" رشیدہ نے اس سے لفافے اور پوسٹ کارڈ لیتے ہوئے کہا۔ چپراسی نے بقیہ پیسے بھی واپس کرنے چاہے لیکن رشیدہ نے لینے سے انکار کر دیا۔ چپراسی سلام کر کے بڑبڑانے لگا۔ "خدا آپ کا بھلا کرے۔ بچے کے لئے چپل ہو جائے گی۔ مس صاحب۔ میرے آٹھ بچے ہیں۔ بہت غریب آدمی ہوں۔ یہاں کل ساٹھ روپے ملتے ہیں نہ انعام نہ دعش۔ خدا آپ کا بھلا کرے۔"

"چچ چچ....!" رشیدہ غمناک انداز میں سر ہلا کر بولی۔ "میں کسی دن تمہارے بچوں سے ملنے کے لئے آؤں گی۔"

"ارے.... آپ مس صاحب.... ہم غریب آدمی ہیں۔"

"غریب سے کیا ہوتا ہے ہمارے بھائی ہو۔"

"خدا آپ کا بھلا کرے۔" چپراسی پیشانی کی طرف ہاتھ لے جاتا ہوا بولا۔ "مگر.... مس

صاحب ایک بات کہوں.... آپ نئی ہیں۔"

"کیا.... کہو کہو۔"

"صاحب بڑا بُرا آدمی ہے۔ کسی کی عزت کو عزت نہیں سمجھتا اس کا حکم ہے کہ نہ وقت سے پہلے آؤ اور نہ وقت کے بعد رکو۔ ولایت ہو آیا ہے نا۔ پانچ برس وہاں رہا ہے۔ کہتا ہے سب کام قاعدے سے ہونا چاہئے۔ اگر اسے کبھی معلوم ہو گیا کہ آپ وقت سے پہلے آئی تھیں.... تو۔"

"اوہ....!" رشیدہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔ "تو میں چلی جاؤں۔"

"ہاں مس صاحب وہ بہت بُرا آدمی ہے۔"

"تو تم کسی سے کہو گے نہیں۔"

"ارے نہیں صاحب۔"

رشیدہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ ایک بہت بڑا مسئلہ خود بخود حل ہو گیا تھا اس نے جلدی سے فائل کو الماری میں ڈالا اور اپنا ہینڈ بیگ سنبھالتی ہوئی باہر نکل آئی۔

بقیہ وقت اُس نے دوسری سڑک کے ایک ریستوران میں گزارا اور ٹھیک سوا نو بجے وہاں سے آفس چل پڑی۔ آفس پہنچتے ساڑھے نو بج گئے۔ بڑے کمرے میں دو پولیس انسپکٹر چند کانسٹیبلوں کے ساتھ موجود تھے اور راحیلہ کھڑی انہیں گھور رہی تھی۔ شاید وہ بھی ابھی ابھی آئی تھی۔ اس نے رشیدہ کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا اور اپنی میز پر بیٹھ گئی۔ رشیدہ نے ہم چہرے پر حیرت کے آثار پیدا کئے اور راحیلہ سے سر کے اشارے سے ان کی موجودگی کا مطلب پوچھا راحیلہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

رشیدہ نے اپنا فائل نکالا اور ٹائپ رائٹر سنبھال بیٹھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے سر اٹھا کر ایک سب انسپکٹر کو مخاطب کیا۔ "کس کا انتظار ہے آپ کو۔"

"جعفری صاحب کا۔" اس نے جواب دیا۔

اتنے میں راحیلہ شاید کسی کاغذ کے لئے جعفری کے کمرے میں جانے لگی لیکن سب انسپکٹر نے اُسے روک دیا۔

"کیوں؟" راحیلہ گھبرا کر بولی۔

"یونہی! تشریف رکھئے۔"

راحیلہ بیٹھ گئی۔ اُس کے چہرے پر الجھن کے آثار نظر آ رہے تھے۔

"آخر بات کیا ہے؟" رشیدہ نے حیرت سے پوچھا۔

"کوئی بات نہیں۔" سب انسپکٹر نے کہا اور سگریٹ سلگانے لگا۔

ٹھیک دس بجے جعفری دفتر میں داخل ہوا۔ پولیس والوں کو دیکھ کر ایک لمحے کے لئے ٹھٹکا انہیں گھورتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

"آہم....!" غراہٹ سنائی دی۔ "کیا بات ہے۔"

"اس کمرے کی تلاشی لینی ہے۔" سب انسپکٹر بولا۔

"کیوں؟"

"اوپر سے حکم ملا ہے اور یہ رہا تلاشی کا وارنٹ۔"

"آہم....!" جعفری کی غراہٹ بڑھ گئی۔ "اس حماقت کا مقصد۔"

"ہم یہاں فضول باتیں سننے کے لئے نہیں آئے۔" ایک سب انسپکٹر بگڑ کر بولا پھر اس نے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا اور وہ دندناتا جعفری کے کمرے میں گھستے چلے گئے۔ رشیدہ کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا اور وہ بار بار اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔

"شاید ان لوگوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" جعفری نے رشیدہ اور راحیلہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میں جیمس بارٹلے کا فائل لینے اندر جا رہی تھی۔" راحیلہ نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔ "لیکن انہوں نے مجھے اندر نہیں جانے دیا۔"

"ان کی شامت آئی ہے۔" جعفری بلند آواز میں بولا اور رشیدہ متحیر رہ گئی۔ کیونکہ اس نے جملہ دراصل پولیس والوں کو سنانے ہی کے لئے کہا تھا۔

جعفری اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ اسکے بعد راحیلہ بھی اٹھی اور رشیدہ نے اس کی تقلید کی۔

سب انسپکٹر بکس کا ڈھکن اٹھائے اپنے ساتھیوں کو گھور رہا تھا اور بکس بالکل خالی تھا۔ رشیدہ کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اچھا ہی ہوا کہ جعفری پولیس والوں کی طرف متوجہ تھا ورنہ رشیدہ کے چہرے کی بدلتی ہوئی حالتوں سے کم از کم کھٹک ضرور جاتا۔

"آخر مطلب کیا ہے؟" جعفری گرج کر بولا۔

"ار.... بات یہ ہے۔" سب انسپکٹر گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "ہمیں اطلاع ملی ہے کہ

یہاں.... اس کمرے میں کوئی چور دروازہ ہے۔"

جملہ ختم ہونے سے پہلے ہی دوسرے سب انسپکٹر نے کمرے کی دیواروں کو کھٹکھٹانا شروع کر دیا تھا۔

"گٹ آؤٹ۔" جعفری حلق کے بل چیخا۔ اُس کی خوف ناک آنکھیں اُبل پڑی تھیں اور چہرہ پہلے سے کہیں زیادہ ہیبت ناک معلوم ہونے لگا تھا۔

"لینگویج پلیز....[1]"

"آئی[2] سے گٹ آؤٹ۔" جعفری ایک قدم آگے بڑھتا ہوا بولا۔

"مجھے مجبور نہ کیجئے کہ میں آپ کو حراست میں لے لوں۔ آپ اس طرح براہِ راست حکومتی اہلکاروں کی توہین کر رہے ہیں۔"

دفعتاً جعفری اپنا رویہ بدل کر آہستہ سے بولا۔ "مجھے افسوس ہے! لیکن آپ کو بھی یہ چاہئے کہ معزز اور بے ضرر شہریوں کی توہین کرتے پھریں۔ فرض کرو کہ اگر یہاں کوئی چور دروازہ ہے بھی تو حکومت کو اس سے کیا واسطہ۔"

"کچھ دیر قبل...." سب انسپکٹر چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "یہاں سے کچھ غیر قانونی اشیاء اسی چور دروازے سے باہر لے جائی گئی ہیں۔"

"یقیناً.... حکومت نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔" جعفری نے تلخ لہجے میں کہا اور اس سب انسپکٹر سے بولا، جو دیواریں کھٹکھٹاتا پھر رہا ہے۔ "کیوں؟ پلاسٹر اور وقت برباد کر رہے ہو۔ یہ رہا چور دروازہ۔"

اُس نے بڑی میز کو دھکا دیا اور وہ ایک تیز قسم کی آواز کے ساتھ چکنے فرش پر پھسلتی ہوئی دوسری طرف چلی گئی۔ پھر اس نے مینٹل پیس پر رکھے ہوئے ایک آدھے مجسمے کا سر گھما کر کھٹاکے کی آواز کے ساتھ فرش کا درمیانی حصہ کھسک گیا اور ایک تاریک سی خلاء ظاہر ہو گئی۔

"یہ ہے وہ چور دروازہ۔" جعفری غرایا۔

پولیس والے کبھی حیرت سے اسے دیکھتے تھے اور کبھی تہہ خانے کے تاریک دہانے کو۔

"جاؤ دیکھو.... کیا ہے اس میں۔" جعفری پھر غرایا۔ "شاید وہ غیر قانونی اشیاء اسی کی راہ رہی ہوں.... جاؤ نا.... وہاں بھیڑیئے نہیں ہیں۔"

---

[1] اپنی زبان سنبھالئے [2] میں کہتا ہوں نکل جاؤ۔

ایک سب انسپکٹر تہہ خانے کی طرف بڑھا لیکن پھر رک کر جعفری کی طرف دیکھنے لگا جو کرسی پر بیٹھ کر اپنا پائپ سلگانے لگا تھا۔ اس نے اپنی بھنوئیں تان کر سب انسپکٹر کی طرف دیکھا اور پائپ کو دانتوں میں دبائے ہی دبائے کہنے لگا۔ "جاؤ نا.... لیکن میں تمہارا ساتھ نہ دے سکوں گا۔ تمہارے پاس برباد کرنے کے لئے وقت نہیں۔"

وہ سب انسپکٹر تین کانسٹیبلوں کے ساتھ نیچے اُتر گیا۔ دوسرا اوپر ہی رہا۔

"لڑکیو! بیٹھ جاؤ۔" جعفری رشیدہ اور راحیلہ کی طرف دیکھ کر بولا۔ "ابھی یہ لوگ نٹ کا تماشہ دکھائیں گے۔"

"میں کہتا ہوں۔" سب انسپکٹر نے جھلا کر کہا۔ "آپ اتنے بد تہذیب کیوں ہیں۔"

"آہم.... آدمی کو پہچان کر برتاؤ کرنے کا عادی ہوں۔ میں تمہارے محکمے پر ہرجانے اور بالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ کروں گا.... مذاق ہے۔"

تھوڑی دیر بعد انسپکٹر واپس آگیا اس کے چہرے سے پریشانی ظاہر ہو رہی تھی اپنے ساتھی کی طرف دیکھ کر بولا۔ "شراب کی پیٹیاں ہیں.... اور غالباً....!"

"جناب....!" جعفری نے اُس کی بات کاٹ کر مضحکانہ انداز میں کہا۔ "اور فرم کے پاس لایتی شراب درآمد کرنے کا لائسنس بھی ہے۔"

"پیٹیاں کھلی ہیں یا بند۔" انسپکٹر نے اپنے ساتھی سے پوچھا۔

"بند ہیں۔"

"تو وہ کھولی جائیں گی۔"

"کھولو....!" جعفری لاپروائی سے بولا۔

تقریباً دو گھنٹے تک کام جاری رہا لیکن پیٹیوں میں شراب کی بوتلوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہ نکلا۔ تہہ خانے میں کسی دوسرے دروازے کی بھی تلاش کی جا رہی تھی لیکن بے سود.... پولیس والے ہانپتے ہوئے تہہ خانے سے نکل آئے۔

"میں پورے آفس کی تلاشی لوں گا۔" ایک بولا۔

"ضرور لو....!" جعفری غرایا۔ "کم از کم دو لاکھ ہرجانے کا دعویٰ کروں گا۔"

رشیدہ کی حالت ابتر تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ فریدی کو کیا جواب دے گی۔ آفس کے

دوسرے کمروں کی بھی تلاشی لی گئی لیکن نتیجہ وہی صفر۔ ریوالور تو کیا ریوالور کی تصویر بھی نہ مل سکی۔ تلاشی ختم ہونے کے بعد جعفری نے چنگھاڑ چنگھاڑ کر سارا دفتر سر پر اٹھالیا۔ پولیس والوں کے چلے پر بھی وہ کافی دیر تک بیٹھا کسی غصیلے بلڈاگ کی طرح غراتا رہا۔

آفس ٹائم کے بعد رشیدہ باہر نکلی تو بُری طرح گھبرائی ہوئی تھی۔ بس سٹینڈ پر حمید سے ملاقات ہوگئی۔ شاید وہ وہاں اسی کا انتظار کر رہا تھا۔

"کیوں؟ کیا یہ اسی رات کا بدلہ تھا۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"خدا کی قسم مجھے خود حیرت ہے۔" رشیدہ جلدی سے بولی۔ "میں یہی سوچ رہی تھی کہ تم یہی سمجھو گے۔"

"بہر حال مجھے کافی شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔" حمید نے کہا۔ "اس وجہ سے اور پریشانی ہے کہ میں نے فریدی صاحب سے مشورہ لئے بغیر تلاشی کا وارنٹ نکلوالیا تھا۔"

"پھر اب بتاؤ میں کیا کروں۔" رشیدہ بے بسی سے بولی۔

"اس لڑکی سے میرا تعارف کرا دو جو تمہارے کمرے میں بیٹھی ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"مت فضول بکو۔" رشیدہ نے یک بے جان سے مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "وہ بہت شریف لڑکی ہے۔"

"لڑکی تو ہے.... اگر وہ کمینی ہوتی تو میں اسے برداشت کر لیتا۔"

"کسی وقت تو سنجیدہ ہو جایا کرو۔"

"کبھی نہیں۔ آج صبح تمہاری ہی بدولت سنجیدہ ہو گیا تھا۔ نتیجے میں یہ ذلت نصیب ہوئی خیر اچھا پھر سہی! ٹاٹا۔"

وہ فٹ پاتھ پر رینگنے والی بھیڑ میں غائب ہو گیا۔

دو مکار

آرلکچو میں بڑا شاندار پروگرام تھا۔ سردیوں کی خوشگوار رات تھی اور اس لئے اور بھی خوشگوار تھی کہ دوسرے دن اتوار تھا۔

سرجنٹ حمید اور ناگر بیٹھے بڑی دیر سے رقص میں شرکت کرنے والوں کا جائزہ لے رہے تھے۔ یہاں وہ کسی خاص مقصد کے تحت نہیں آئے تھے۔ دن بھر کی دوڑ دھوپ اور تھکن نے انہیں نڈھال کر دیا تھا۔ ناگر تو جس وقت سے آیا تھا برابر بیئر پیئے جا رہا تھا۔ حمید اس وقت شکاری کے لباس میں نہیں تھا۔ البتہ میک اپ وہی پرانا تھا۔ اس نے عمدہ قسم کا ڈنر سوٹ پہن رکھا تھا اور آنکھوں میں ہیرے ڈال لئے تھے۔ بہر حال وہ اس وقت راجپوتوں کی کسی شاہی نسل کا ایک متمول فرد معلوم ہو رہا تھا۔ چڑھی ہوئی گھنی سیاہ مونچھیں ظاہری وجاہت میں خاص اضافہ تھیں۔

"ابے او ڈانگر۔" حمید ناگر کی بوتل پر کاگ رکھتا ہوا بولا۔ "اب بس کرو۔"

"باس! ابھی سے باس۔" ناگر انگلی نچا کر بولا۔

"ارے تمہیں بیئر سے بھی نشہ ہو جاتا ہے۔"

"چوتھی بوتل ہے.... ہی ہی ہی میں کیا نشہ۔"

"ابے چل بھی سکو گے اب تم! مینڈک کہیں کے۔"

"مینڈک ہی ہی ہی.... مینڈک.... مینڈک کا اچار کھایا ہے تم نے کبھی۔"

"مت بور کرو۔" حمید بھنا کر بولا۔

"آج میں بہت اداس ہوں۔" ناگر رک رک کر بولا۔

"نہیں دیوداس ہو.... مت دماغ چاٹو۔"

"دیوداس بھی پیتے پیتے مر گیا تھا.... اور میں بھی کسی دن پیتے پیتے مر جاؤں گا.... مم.... کنور صاحب.... میں حمید صاحب کہنے جا رہا تھا.... کیا نام بتایا تھا آپ نے۔"

"کنور رنجیت سنگھ۔ اگر تم ذرا بھی بہکے تو الٹا ہاتھ رسید کروں گا۔"

"میں تم سے کمزور نہیں ہوں.... ہاں۔" ناگر بھنوئیں چڑھا کر بولا۔

"نہیں نہیں تم رستم ہو۔" حمید نے جلدی سے کہا۔ وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں ناگر نشے میں ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ دفعتاً اس کی نظریں جعفری پر جم گئیں جو کاؤنٹر پر بار مین سے باتیں کر رہا تھا۔

"ناگر ڈیئر۔" حمید بولا۔ "کیا تم اسے جانتے ہو۔"

ناگر نے مڑ کر دیکھا۔ اس وقت جعفری مجمعے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یک بیک حمید نے محسوس کیا جیسے ناگر کا نشہ ہی ہرن ہو گیا ہو۔ وہ پلٹ کر خوفزدہ نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔ ساتھ

ہی وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان بھی پھیرتا جارہا تھا۔

"کیوں....!" حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"اس کی آنکھیں....!" ناگر آہستہ سے بڑبڑایا۔

"تمہیں پسند نہیں آئیں۔" حمید نے ہنس کر کہا۔

"میں جارہا ہوں۔" ناگر اٹھنے لگا۔

"بیٹھو....!" حمید اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"آنکھیں.... مجھے نہ روکئے۔"

"بیٹھو....!" حمید نے زبردستی اُسے بٹھادیا۔ ناگر بُری طرح کانپ رہا تھا۔

"بیئر اور منگاؤں۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں....!" ناگر نے آہستہ سے کہا۔ وہ اب بھی مڑ مڑ کر جعفری کی طرف دیکھتا جارہا تھا

"آخر بات کیا ہے۔"

"وہ آنکھیں۔"

"ارے تو بولو نا بابا! یہ شعر ہے یا مصرعہ۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ وہی آنکھیں ہیں جنہوں نے مجھے دریا میں چھلانگ لگانے پر مجبور کیا تھا۔

"اوہ.... تمہیں یقین ہے۔"

"بالکل ویسی ہی ہیں۔"

"تو خیر بھاگنے کی ضرورت نہیں۔"

"میری جان نہ لیجئے۔"

"چپ بے.... ڈیوٹ۔"

ناگر ایک طرف گردن ڈال کر بیٹھ گیا۔

"وہ تمہیں اس میک اپ میں پہچان نہ سکے گا۔" حمید نے اسے تسلی دی۔

"کون؟ کیا کہہ رہے ہیں آپ.... ارے۔"

"چپ رہو پھسڈی۔"

"خیر جان تو جانی ہی ہے کیوں نہ میں ہی....!" ناگر کا کانپتا ہوا ہاتھ اُس کی جیب کی طرف

بڑھا تھا۔

"خبردار.... پاگل ہوئے ہو۔" حمید نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"مجھے یقین ہے کہ یہی مسٹر کیو ہے۔" ناگر کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

"بکو نہیں.... محض آنکھوں کی بناء پر.... اور پھر تم یقین کے ساتھ کس طرح کہہ سکتے ہو وہ آنکھیں تمہارے مسٹر کیو ہی کی ہیں۔"

"پھر یہ ہے کون....!" ناگر نے پوچھا۔

"جیمس اینڈ جعفری کی فرم کا جنرل منیجر مسٹر جعفری۔"

"اوہ تب تو۔" ناگر کی آواز میں پھر کپکپاہٹ تھی۔ "تب تو.... پھر آخر فریدی صاحب نے ں کے پیچھے آدمی کیوں لگائے ہیں۔"

"پتہ نہیں! چلو چھوڑو۔ ہمیں اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کرنا ہے۔ جیسا کہا جائے گا کریں ے۔ ہائے کیا کیا یلا یلیاں نظر آرہی ہیں۔"

"یلا یلیاں کیا؟" ناگر نے پوچھا۔ لیکن وہ اب بھی خوفزدہ نظروں سے جعفری ہی کی طرف یکھے جارہا تھا۔

"ابے تم یلا یلی نہیں سمجھے۔"

"نہیں۔"

"یلا یلی خوبصورت لڑکی کو کہتے ہیں لفظ "لڑکی" میں "ڑ" مجھے بہت گراں گزرتا ہے اور پھر ب صورت لڑکی اُسے تو لچکیلا ہی سا نام دینا چاہئے۔ یلا یلی بہت مناسب ہے۔"

"زبردستی خواہ مخواہ۔" ناگر نے منہ بنایا۔ وہ دراصل کسی طرح جعفری کے خیال سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ جواب ہال میں نہیں تھا۔

"زبردستی کیوں؟ ذرا اس یلا یلی کی آنکھیں تو دیکھو۔" دفعتاً حمید چونک کر بولا۔

حمید ایک لڑکی کو بڑی توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"واقعی لاجواب آنکھیں ہیں۔" ناگر بڑبڑایا۔

"لیکن تم کو کسی اور کی آنکھیں بھی یاد آرہی ہوں گی۔"

"کس کی؟"

"خدا کی قسم یہ کنول کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔" حمید سیدھا ہو کر بولا۔

"کنول....!" ناگر ہنسنے لگا۔ "شاید آپ اس کی شکل بھول رہے ہیں۔"

"اور شاید وہ بھی تمہاری موجودہ شکل بھول جائے۔"

"تو کیا میک اپ ہے۔" ناگر نے پوچھا۔

"قطعی! یہ آنکھیں اور یہ گردن جھٹکنے کا مخصوص انداز کنول ہی کا ہو سکتا ہے۔" حمید اپنی جگہ سے اٹھتا ہوا بولا۔

آرکسٹرا شروع ہو گیا تھا۔ لوگ رقص کے لئے اپنی جگہیں چھوڑ رہے تھے حمید جھپٹ کر اس لڑکی کے قریب پہنچا۔

"کیا میں آپ سے رقص کی درخواست کر سکتا ہوں۔" اس نے بڑے سلیقے سے جھک کر کہا۔

"جج.... جی ہاں.... مجھے خوشی ہوگی۔"

اس دوران میں آرکسٹرا نے دھن بدلی اور والز بجنے لگا۔ وہ دونوں رقاصوں کی بھیڑ میں آ گئے۔ لڑکی نے اپنا جسم تان کر ٹھوڑی آگے کی طرف نکالی اور کولہوں کو پیچھے ہٹا کر حمید کے کاندھوں پر زور ڈال دیا اور حمید نے اسے گول گول چکر دینے شروع کر دیئے۔

"آپ کو والز کا بڑا سلیقہ ہے۔" حمید آہستہ سے بولا۔

"شکریہ۔"

"آپ کے بال بڑے حسین ہیں۔"

"اور آپ کی مونچھیں۔" لڑکی مسکرائی۔ "حالانکہ نقلی ہونے کی وجہ سے ایسی معلوم ہو ہیں جیسے کسی امرود پر گھاس اگ آئی ہو۔"

"اوہو....!" حمید نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "لیکن آپ کی آنکھوں کے کنول ہمیشہ شاداب رہیں گے۔"

لڑکی ایک طویل سانس لے کر بولی۔ "تو تم نے پہچان لیا.... امرود بخت۔"

"دور ہی سے پہچان گیا تھا۔"

"تو پھر گرفتار کرا دو نا۔"

"ہے ہے! تمہیں میں گرفتار کراؤں گا.... تمہیں یلا یلی کو....!"

"یہ کیا بلا ہے۔"

"میری لغت میں انتہائی حسین لڑکی کو کہتے ہیں۔"

"تم مکار ہو.... ہرجائی کہیں کے! میں تمہیں کئی دنوں سے دیکھ رہی ہوں۔"

"پھر بھی تمہارے مالک نے مجھے گولی کا نشانہ نہیں بنایا۔" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"بھلا تم جیسے الا بلا کو۔"

"میں الا بلا ہوں۔" حمید نے بُرا مان کر کہا۔

"بگڑو نہیں میری لغت میں الا بلا انتہائی شریر لڑکے کو کہتے ہیں۔"

"کنول ڈارلنگ مجھے حیرت ہے کہ تم ابھی تک زندہ ہو۔ بے چارے ناگر کا تو بہت بُرا حشر ہوا۔"

"اُس مسخرے کا حشر۔" کنول ہنس کر بولی۔ "واقعی بہت بُرا ہوا ہے۔ بیئر کی چار چار بوتلیں ہی نشست میں صاف کر دیتا ہے۔"

"ارے تم اُسے بھی پہچان گئی ہو۔"

"کیوں نہیں! مجھے عرصہ سے تم لوگوں کی تلاش تھی۔"

"کیوں....!"

"مالک کا حکم! اور جس دن میں نے اطلاع دے دی تم لوگ ٹھکانے لگا دیئے جاؤ گے۔"

"ابھی تک کیوں نہیں دی۔"

"میری مرضی۔"

"کل کہاں ملو گی۔"

"کہیں نہیں.... لیکن تمہارے گروگھنٹال کا پتہ آج تک نہ چل سکا۔"

"اور تو یہ کہو! اس طرح پتہ لگانا چاہتی ہو۔"

"یہ تم کہہ رہے ہو جسے میں نے تکلیف سے بچانے کے لئے خواب آور دوا دی تھی۔"

"اس ہمدردی کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔" حمید ہنس کر بولا۔

"مجرم بھی آدمی ہی ہوتے ہیں اور ہر ایک کے لئے ان کے سینے میں پتھر کا ٹکڑا نہیں ہوتا۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔ "تو.... تم آج تک اپنے مالک کی شخصیت کے متعلق کچھ نہیں معلوم کر سکیں۔"

"نہیں.... اب میں اسے پھانسی کے تختے ہی پر پہنچانا پسند کروں گی۔"

"یہ تبدیلی کیوں؟"

"محض اسلئے کہ وہ آدمی نہیں جانور ہے۔ اُسے بہتے ہوئے خون سے پیار ہے وہ بھیڑیا ہے۔"

"جعفری کو جانتی ہو۔"

"کون.... وہی خوفناک آدمی.... جو ابھی کاؤنٹر پر تھا۔"

"ہاں.... وہی۔"

"آج کل اُس کے پیچھے پولیس لگی ہوئی ہے۔" کنول بولی۔

"کیا خیال ہے کہیں وہی تو تمہارا مالک نہیں۔"

"پتہ نہیں.... ویسے میں نے اسے اپنی لسٹ پر رکھ لیا ہے۔"

"لسٹ پر۔"

"ہاں مجھے بھی تو تمہاری ہی طرح مجرموں کی تلاش رہتی ہے۔"

"کیوں....؟"

"جس کے متعلق ذرا بھی شبہ ہو اکہ یہ کسی قسم کا مجرم ہو سکتا ہے میں اس کے پیچھے لگ جاتی ہوں اور پھر اس کے متعلق معلومات فراہم کر کے اپنے مالک کو اطلاع دیتی ہوں اور پھر وہ اسے بلیک میل کر کے اپنے گروہ میں شامل ہونے پر مجبور کر دیتا ہے۔"

"تمہاری یہی ڈیوٹی ہے۔"

"ہاں....!"

"فی الحال میری سب سے بڑی آرزو یہی ہے کہ....!"

"کیا....؟"

"ہم سے مل کر کام کرو نا۔" حمید نے اپنی آنکھیں نشیلی بنا کر آہستہ سے کہا۔

"یہ کسی طرح ممکن نہیں۔"

"اونہہ.... چکر پورا نہیں ہوا۔" حمید نے اس کی بات کاٹ دی۔ "بایاں پیر.... ٹھیک.... کنول ڈارلنگ تم سچ مچ بڑی پیاری ہو۔"

"تم سور ہو۔ مجھے بے وقوف مت بناؤ۔" کنول نے اس کے شانے پر چٹکی لی۔

"تم ایک محبت بھرے دل کے متعلق بہت کچھ جانتی ہو۔" کنول نے منہ بنا کر کہا۔ "تم روز کسی نہ کسی لڑکی کو بیوقوف بناتے ہو۔ ہرجائی ہو تم.... ہری چک۔"

"میں نے آج تک کسی لڑکی کو بے وقوف نہیں بنایا البتہ بنتا ہی رہا ہوں اور یہی وجہ ہے کہ اب تک کنوارا ہوں۔" حمید کی آواز گلوگیر ہو گئی اور وہ بولتا رہا۔ "بہتیری لڑکیوں نے مجھ سے شادی کا وعدہ کیا۔ لیکن بعد میں کیڑے نکال دیئے کسی نے کہا کہ تمہاری ایک ٹانگ چھوٹی ہے اور کسی بڑی.... اچھا تمہیں بتاؤ.... اتنی دیر سے ناچ رہا ہوں تم نے کچھ محسوس کیا؟"

"نہیں تو....!"

"اگر ایک ٹانگ چھوٹی ہوتی تو میں باقاعدہ پھدکتا ہوتا۔ ایک لڑکی نے یہ کہہ کر میرا دل توڑ کہ کھٹائی دیکھ کر میری رال ٹپکنے لگتی ہے۔ ایک نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ میں بڑھاپے میں کل کھوسٹ معلوم ہونے لگوں گا۔"

"اور میں یہ کہتی ہوں کہ تم سے بڑا مکار آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا.... وہ لڑوں کی مار مجھے اب تک یاد ہے اور اس پر تمہارا رویہ۔ کوئی اور ہوتا تو اُس کے منہ سے آواز بھی نکلتی۔"

"خوب یاد دلایا۔" حمید نے کہا۔ "وہ لڑکی نادرہ کہاں ہے۔"

"پتہ نہیں.... اب میرے ساتھ نہیں ہے۔"

"کنول ڈارلنگ.... میں مرتے دم تک تمہیں یاد رکھوں گا.... ہائے وہ پہلی ملاقات وہ چاندنی رات اب بھی اکثر ذہن کے تاریک گوشوں میں پھسل آتی ہے۔ کاش یہ کم بخت تمہارا مالک درمیان میں حائل نہ ہوتا۔ میں اُسے کسی دن تھری زیرو پر فون کر دوں گا۔"

"بہت اچھے۔" کنول نے قہقہہ لگایا۔ "اس طرح تم مجھ سے یہ پوچھنا چاہتے ہو کہ اب اس سے رابطہ قائم کرنے کا کیا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔"

"چلو یہی سمجھ لو.... ویسے تم مجھے مکار تو سمجھتی ہی ہو۔" حمید معصومیت سے بولا۔

"فی الحال پیغام رسانی کے لئے آدمی استعمال کئے جا رہے ہیں۔ لیکن مجھے یہ نہیں معلوم کہ ان آدمیوں تک اُس کے پیغام کس طرح پہنچتے ہیں۔"

دفعتاً حمید کی نظر ناگر کی طرف اٹھ گئی جو میز پر سر اوندھائے بیٹھا تھا۔ اس نے رقص میں

بھی شرکت نہیں کی تھی اور پھر اسے جعفری دکھائی دیا جو ناگر کے قریب ہی کھڑا کسی عورت سے باتیں کر رہا تھا۔ عورت کی پشت حمید کی طرف تھی۔ اتنے میں آرکسٹرا بند ہو گیا تھا۔ رقاص اپنی میزوں کی طرف لوٹنے لگے۔ جعفری سے گفتگو کرنے والی عورت مجمعے کی طرف مڑی اور حمید نے اسے ایک ہی نظر میں پہچان لیا۔ وہ رشیدہ تھی۔

شریف بھیڑیا

رشیدہ اس وقت کسی طرح جعفری سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی۔ اگر اسے ذرہ برابر شبہ بھی ہوتا کہ جعفری اسے یہاں مل جائے گا تو وہ ادھر کا رخ ہی نہ کرتی۔ دن بھر کی کوفت دور کرنے یہاں چلی آئی تھی۔ ویسے اسے یہاں جعفری کو دیکھ کر حیرت ضرور ہوئی۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ وہ بہت ہی خشک اور غیر سوشل قسم کا آدمی ہے اور پھر اسے بھول کر بھی یہ توقع نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ اس سے ہنس ہنس کر باتیں کرے گا۔ بہر حال وہ اس کے اس رویہ پر کھٹک ضرور گئی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ شاید جعفری کو اس کی تلاشی والی حرکت کا علم ہو گیا تھا اور اب وہ اس طرح اسے کسی جال میں پھنسانے کی کوشش کر رہا ہے۔

رشیدہ نے سرجنٹ حمید اور ناگر کو بھی دیکھا تھا۔ دوسرا راؤنڈ شروع ہوتے ہی حمید پھر اسی لڑکی کے ساتھ ناچنے لگا تھا جس کے ساتھ اس نے پہلے رقص کیا تھا۔ ناگر کو میز پر سر اوندھا دیکھ کر اس نے یہ اندازہ لگایا کہ وہ شاید زیادہ پی گیا ہے۔ کیونکہ شراب کی بوتل اب بھی اس کی میز پر رکھی ہوئی تھی۔

"آؤ.... لاؤنج میں چلیں۔" جعفری نے دوسرا راؤنڈ شروع ہوتے ہی رشیدہ سے کہا۔

لاؤنج بالکل خالی تھی۔ وہاں بیٹھنے والے سب کے سب رقص میں شرکت کرنے چلے گئے تھے۔

جعفری نے بیٹھتے ہوئے جھک کر آہستہ سے کہا۔ "لڑکی تم نے مجھے دھوکہ کیوں دیا۔"

رشیدہ کو اپنی روح جسم سے پرواز کرتی معلوم ہونے لگی۔ وہ اس سے آنکھیں چرا رہی تھی۔

"تم شاید میری آنکھوں کی طرف دیکھنا پسند نہیں کرتیں۔" جعفری نے خوفناک آواز میں ہنس کر کہا اور جیب سے تاریک شیشوں کی عینک نکال کر لگالی۔ کچھ دیر رشیدہ کی گھبراہٹ سے غائب

لطف اندوز ہوتا رہا پھر نرم لہجے میں بولا۔ "میں نے تمہارے متعلق سب کچھ پتہ لگالیا ہے۔"

رشیدہ کو ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔

جعفری بولتا رہا۔ "تم نے کہا تھا کہ تم نیو اسٹار کے زائد اسٹاف میں تھیں۔ لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم وہاں سے ایک رقم کو خرد برد کر دینے کے الزام میں نکالی گئی ہو۔"

رشیدہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ حقیقتاً انور نے یہی چال چلی تھی۔ غالباً اس کے لئے اسے فریدی سے یہی مشورہ ملا تھا۔ رشیدہ کی علیحدگی کی وجہ غبن دکھائی گئی تھی۔

رشیدہ نے جلد ہی اپنی حالت پر قابو پالیا اور بڑے مسکین لہجے میں بولی۔ "پھر میں کیا کرتی۔ بھوکوں مرتی۔ اگر میں علیحدگی کی اصل وجہ ظاہر کر دیتی تو مجھے کون ملازم رکھتا۔"

"کتنی رقم تھی؟"

"صرف ساڑھے تین سو روپئے جو میں نے ایک سول ایجنٹ سے زر ضمانت کے طور پر وصول کر کے بعض ضروریات پر صرف کر دیئے تھے۔ میرا ارادہ تھا کہ تھوڑا تھوڑا کر کے کسی طرح ٹھیک کر دوں گی۔ مگر اچانک اس ایجنٹ کی ملاقات براہِ راست منیجر سے ہو گئی۔"

"خیر.... فکر نہ کرو۔ مجھے توقع ہے کہ تم کم از کم میرے ساتھ ایسا نہ کرو گی۔ ویسے میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم بڑی دلیر لڑکی ہو اور میں کم از کم ہر دلیر فرد کو دولت مند دیکھنا پسند کرتا ہوں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔" رشیدہ نے کہا۔

جعفری نے ایک ویٹر کو اشارے سے بلا کر کافی کے لئے کہا اور پھر رشیدہ کی طرف مڑ کر بولا۔ "میں تمہیں دولت مند دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"جی....!" رشیدہ کا دل پھر دھڑکنے لگا تھا۔ لیکن اس بار وجہ خوف نہیں تھی، بلکہ اپنے مقصد میں کامیابی کا خیال اس کے ذہن میں ہیجان برپا کئے ہوئے تھا۔

"تمہیں دولت مند دیکھنا چاہتا ہوں۔ اپنے مخصوص اسٹاف میں جگہ دینے کے متعلق غور کر رہا ہوں۔"

"آپ کا بہت بہت شکریہ۔" رشیدہ کی آواز کپکپا رہی تھی۔

"لیکن لڑکی! ایک بات ذہن میں رکھنی پڑے گی کہ تم مجھے دھوکہ دینے کی کوشش نہیں کرو گی۔"

"دھوکا! نہیں کبھی نہیں۔ دھوکہ تو میں نے انہیں بھی نہیں دیا۔ میری نیت درست تھی۔

میں کسی نہ کسی طرح وہ رقم ضرور پوری کر دیتی۔"

جعفری تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"تمہیں میرے لئے تھوڑی سی سراغ رسانی کرنی پڑے گی۔"

"سراغ رسانی۔" رشیدہ چونک پڑی۔

"ہاں! دفتر ہی میں۔" جعفری پر خیال انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ میرے دفتر میں بھیڑوں کی کھال میں کچھ بھیڑیے بھی گھس آئے ہیں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"اس شہر میں میرے کچھ حریف بھی ہیں جو مجھے نقصان پہنچانے پر تلے رہتے ہیں۔ تلاش والا واقعہ تم بھولی نہ ہو گی۔ میرا خیال ہے کہ یہ سب کچھ دفتر ہی کے کسی فرد کے اشارے پر ہوا تھا۔"

"اوہ.... لیکن....!"

"مجھے یقین ہے کہ یہی بات ہے۔" جعفری ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "کل سے تمہاری تنخواہ پانچ سو روپے ماہوار لگے گی اور اس سراغ رسانی کے سلسلے کے اخراجات الگ.... بولو! کر سکو گی۔"

"ضرور کر سکوں گی۔" رشیدہ بڑبڑائی۔ "پانچ سو روپے۔ آپ بہت اچھے ہیں اور آپ اتنی بھی دیتے تو میرا فرض تھا۔ مالک کے نمک حراموں کو جہنم رسید ہی ہونا چاہئے۔"

"مجھے تم سے یہی توقع تھی۔" جعفری مسکرا کر بولا۔

"دونوں خاموشی سے کافی پیتے رہے" پھر جعفری بولا۔ "یہ راؤنڈ ختم ہونے سے پہلے ہی ہمیں اٹھ جانا ہے میں تمہیں اس وقت ایک ایسے شخص سے ملانا چاہتا ہوں جس کے پیچھے تم کل ہی سے لگ جاؤ گی۔"

"بہتر ہے۔" رشیدہ نے جلدی جلدی کافی پی اور پھر جعفری بل ادا کر کے اٹھا۔ دونوں دوسرے دروازے سے باہر نکل آئے۔ جعفری کی کار قریب ہی کھڑی تھی۔ اُس نے اگلی سیٹ کی کھڑکی کھولی اور رشیدہ اس کا شکریہ ادا کر کے اندر بیٹھ گئی۔ جعفری اُس کے برابر بیٹھ کر اسٹیئرنگ کرنے لگا۔ کار شہر کی سڑکوں سے گزر رہی تھی۔ رشیدہ نے موج میں آ کر راحیلہ کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

"میں جانتا ہوں وہ بڑی ایماندار لڑکی ہے۔" جعفری بولا۔

"آپ سے ڈرتی بہت ہے۔"

"میں دیدہ دانستہ اس پر سختی کرتا ہوں۔"

"کیوں؟"

"کہانی خوبصورت لڑکی ہے اگر کسی جال میں پھنس گئی تو.... اس کا خاندان تباہ ہو جائے گا۔ اس کی بیوہ اندھی ماں....!"

"آپ جانتے ہیں۔"

"کیوں نہیں۔" جعفری بولا۔ "میں اسی لئے اس پر سختی کرتا ہوں کہ وہ سنگھار کرنا چھوڑ دے۔ دفتر کے کئی کلرکوں نے اس پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن میں نے معاملات کو آگے نہ بڑھنے دیا۔"

"سچ مچ آپ فرشتہ ہیں۔"

کار شہر کی ایک ویران سڑک پر جا رہی تھی۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں۔" دفعتاً رشیدہ چونک کر بولی۔

"بس اب دور نہیں ہے۔ میں دراصل ایک آدمی کی عدم موجودگی میں تمہیں اُس سے ملانا چاہتا ہوں۔"

رشیدہ خاموش ہو گئی مگر اس کا دل دھڑکنے لگا۔

"کیا تم ڈر رہی ہو۔" جعفری ہنس کر بولا۔ "میری نظروں میں عورتوں کا بہت احترام ہے۔"

اس نے یک بیک ایسی شکل بنائی جیسے کچھ سننے کی کوشش کر رہا ہو۔ دفعتاً اس نے رشیدہ سے کہا۔ "کیا کار ڈرائیو کرنا جانتی ہو۔"

"جی ہاں۔"

"اچھا تو چند منٹوں کے لئے اسٹیئرنگ سنبھال لو۔"

رشیدہ نے اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھا اور وہ اچھل کر پچھلی سیٹ پر چلا گیا۔

"فکر مت کرو، اسٹیئرنگ کرتی رہو۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

وہ پچھلا شیشہ گرا کر اندھیرے میں گھورنے لگا۔ بہت دور سڑک پر ایک بہت بڑا اور متحرک تاریک دھبہ سا دکھائی دے رہا تھا یہ دراصل ایک کار تھی۔ جس کے ہیڈ لائیٹس روشن نہیں تھیں۔ غالباً جعفری کی کار کا تعاقب کیا جا رہا تھا۔ جعفری نے سیٹ کے نیچے ہاتھ ڈال کر ایک

رائفل نکالی جس کی نال میں نیچے کی طرف ایک بڑی سی ٹارچ فٹ تھی۔

"چلتی رہو۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "ڈرنا مت میں فائر کرنے جارہا ہوں۔"

"کیوں....؟" رشیدہ کانپ کر بولی۔

"چسفورڈ کمپنی کا کوئی آدمی ہمارا تعاقب کررہا ہے۔"

"قتل! نہیں نہیں۔" رشیدہ بوکھلا گئی۔

"اوہ....!" جعفری غرایا۔ "میں صرف اس کی کار کا ایک ٹائر پھاڑنے جارہا ہوں۔"

اُس نے رائفل سیدھی کی۔ ٹریگر پر انگلی رکھتے ہی ٹارچ روشن ہوگئی اور ساتھ ہی فائر ہوا۔ گولی تعاقب کرنے والی کار کے اگلے پہیے پر لگی تھی۔

غیر ارادی طور پر رشیدہ کا ہاتھ گیئر پر جا پڑا.... اور کار کی رفتار کم ہوگئی۔

"کیا کررہی ہو۔" جعفری غرایا اور رشیدہ کو رفتار پھر تیز کردینی پڑی۔ جعفری پھر بولا۔

"بہت ڈرپوک ہو تم۔"

"مجھے کشت وخون سے دلچسپی نہیں۔" رشیدہ نے کہا۔

"تو کیا میں خونی ہوں۔" جعفری بگڑ کر بولا۔

"جی نہیں۔" رشیدہ نے جلدی سے کہا۔

جعفری پھر اگلی سیٹ پر آبیٹھا اور کار ڈرائیو کرنے لگا۔

"مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم پہلے کسی زمانہ میں پولیس سے مل کر کام کیا کرتی تھیں۔ اب بھی کرتی ہو یا نہیں۔" جعفری اس کی طرف گھورتے ہوئے بولا۔

"حالات پر منحصر ہے۔" رشیدہ نے بے پروائی سے کہا لیکن اس کا دل پھر دھڑکنے لگا تھا۔

"انور تمہارا شوہر ہے۔"

"نہیں صرف دوست ہے۔"

"بڑے کام کا.... آدمی ہے اگر اُسے بھی میرے ہی فرم میں لے آؤ تو کیا حرج ہے۔"

"ہرگز نہیں۔ بلکہ میں آپ سے یہ استدعا کروں گی کہ میری تنخواہ میں اضافے کا علم اُسے ہونے پائے۔"

"کیوں....؟"

"میرے زیادہ تر روپے وہی ہضم کرلیتا ہے اور اب تو مجھے اس سے کچھ کچھ نفرت سی ہوچلی ہے۔ داستار کے دفتر والی رقم دراصل اسی پر صرف ہوئی تھی۔ اس سور نے میری ذرا بھی مدد نہ کی۔"

"تو تم اس سے الگ ہونا چاہتی ہو۔"

"میں تو چاہتی ہوں لیکن وہ میرا پیچھا نہ چھوڑے گا۔"

"اور اگر میں چھڑادوں تو۔"

"عمر بھر آپ کا احسان مانوں گی۔"

"اچھا میں کوشش کروں گا۔ ویسے وہ سو فیصدی پولیس کا پٹھو ہے۔"

"ایسا تو نہیں.... وہ پولیس والوں سے رقم اینٹھنا خوب جانتا ہے۔ انہیں اس بُری طرح بلیک میل کرتا ہے کہ خدا کی پناہ۔"

"مجھے معلوم ہے۔" جعفری نے کہا اور کار کی رفتار سست ہوگئی۔ تھوڑی دور چل کر ایک کچے راستے پر مڑی اور شاید ایک یا ڈیڑھ فرلانگ کی مسافت طے کرنے کے بعد رک گئی۔ جعفری نیچے اُترا۔ رشیدہ بھی اُتری لیکن سہمی سہمی سی نظروں سے اندھیرے میں گھور رہی تھی۔ یہاں چاروں طرف جھاڑیاں ہی جھاڑیاں نظر آرہی تھیں اور سامنے ایک چھوٹا سا مکان تھا جس کی کھڑکیوں سے زرد رنگ کی ہلکی روشنی چھن رہی تھی۔ دونوں مکان میں داخل ہوئے اور جعفری نے دروازہ بند کرکے ایک وحشتناک قہقہہ لگایا۔

رشیدہ سہم کر پیچھے ہٹ گئی۔ جعفری کی آنکھیں حد درجہ بھیانک نظر آنے لگی تھیں۔

"کیوں چوہیا۔" اُس کی غراہٹ بلند ہوگئی۔ "تو ایک بھیڑیئے کو راستہ دکھانے کی کوشش کررہی تھی۔"

رشیدہ چیخ مار کر ایک صوفے پر گر گئی۔

جعفری نے پھر ایک قہقہہ لگایا لیکن یہ قہقہہ معنوی اعتبار سے قہقہہ ہرگز نہیں تھا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی شیر دھاڑ کر رہ گیا ہو۔

رشیدہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے پڑی تھی۔

"فریدی ہی نے بھیجا تھا نا تجھے۔"

"نہیں.... نہیں.... یہ جھوٹ ہے۔" رشیدہ خوفزدہ آواز میں چیخی۔

"مجھے جھوٹا کہتی ہے۔"

"ہاں....؟"

"کیا....؟"

"نہیں نہیں....!"

"تیرے جسم کا ایک ایک ریشہ الگ کردوں گا اور کسی کو کانوں کان تک خبر نہ ہوگی۔"

رشیدہ کچھ نہ بولی اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس پر غشی طاری ہو رہی ہو۔

"بتاؤ! فریدی کہاں ہے؟" جعفری نے اس کی گردن ٹٹولتے ہوئے کہا اور پھر اس کی گر سخت ہوگئی۔

"بتاتی ہوں۔" رشیدہ گھٹی گھٹی سی آواز میں بولی اور جعفری نے اُس کی گردن چھوڑ دی

"میں نہیں جانتی۔" اُس نے اپنی گردن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "پانی....پانی۔"

"تم نہیں جانتیں۔"

"ہاں اس نے مجھے ایک خط کے ذریعے آپ کے یہاں ملازمت کرنے کا مشورہ دیا تھا۔"

"اور تم نے ملازم ہوتے ہی اپنا کام شروع کر دیا۔ کیوں کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ شہر میں جتنے قتل ہوئے ہیں ان میں میرا ہاتھ ہے۔"

"یہ میں نہیں جانتی۔ اس نے صرف یہ لکھا تھا کہ میں ہوشیاری سے سب کچھ دیکھتی او رہوں۔"

"تمہارے علاوہ اور بھی کوئی ہے۔"

"میں نہیں جانتی۔"

"خیر....اب اس وقت تک تمہاری رہائی ناممکن ہے جب تک تم یہ سب کچھ اگل نہ دو"

جعفری نے رشیدہ کی گردن پکڑ کر اسے سیدھا کھڑا کر دیا اور اس کے دونوں ہاتھ پشت لے جا کر انہیں ایک پتلی سی ڈور سے باندھنے لگا۔ دفعتاً ان دونوں پر ایک بہت ہی تیز قسم کی پڑی اور فوراً ہی غائب ہوگئی۔ جعفری غراتا ہوا کھڑکی کی طرف جھپٹا۔ باہر بدستور تاریکی ہوئی تھی۔ اس نے کھڑکی کے باہر چھلانگ لگادی۔ پھر وہ دیوانوں کی طرح قرب و جوار میں پھر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہانپتا ہوا کمرے میں واپس آگیا۔ رشیدہ کے دونوں ہاتھ پشت پر بنا

ہوئے تھے....اور....وہ چپ چاپ کھڑی تھی۔

"تمہارے حمایتی۔" وہ گرج کو بولا۔ "لیکن دیکھنا ہے کہ وہ تمہیں یہاں سے کس طرح لے جاسکتے ہیں۔ پولیس....ہوں....پولیس میرے نزدیک بے جان کھلونا ہے، جس کی اسپرنگ جب چاہوں توڑ دوں۔ تلاشی میں کیا ملا تھا انہیں اور تم نے کیا دیکھا تھا....ہنہہ....!"

گرفتاری اور فرار

رشیدہ کو غائب ہوئے دس دن گذر گئے تھے۔ اس دوران میں انور نے جیمس اینڈ جعفری کا پورا دفتر ہلا کر رکھ دیا لیکن کوئی نتیجہ نہ برآمد ہوا۔ جعفری نے رشیدہ سے جو کچھ بھی کہا تھا سچ کر دکھایا۔ پولیس اس کا بال بھی بیکا نہ کر سکی۔ ایک طرف اس نے خود محکمہ پولیس ہی پر ہرجانے اور ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ دائر کر رکھا تھا اور دوسری طرف رشیدہ کے خلاف ایک رپورٹ بھی درج کرائی تھی۔ اس نے اس پر الزام لگایا تھا کہ وہ اس کی تجوری کا تالا توڑ کر پندرہ ہزار روپے کے نوٹ نکال لے گئی ہے ثبوت میں اس نے رشیدہ کا ہینڈ بیگ پیش کر دیا جو اسے ٹوٹی ہوئی تجوری کے پاس ہی پڑا ملا تھا۔ تجوری کے ہینڈل پر رشیدہ کے انگلیوں کے نشانات تک مل گئے۔ یہ تجوری اسی کے کمرے میں رکھی رہتی تھی۔ اس واقعے والی شام کو جعفری نے رشیدہ کو تجوری کی کنجی دے کر اس میں سے کچھ نکالنے کو کہا تھا۔ اس طرح تجوری کے ہینڈل پر اس کی انگلیوں کے نشانات باقی رہ گئے تھے اور جعفری نے اُس وقت تک انکی حفاظت کی تھی جب تک پولیس نے انہیں دیکھ نہیں لیا تھا۔

نہ صرف انور بلکہ حمید اور اس کے دوسرے ساتھی بھی اس کے لئے سرگرداں تھے۔ البتہ فریدی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اب تو حمید کو بھی اس کا علم نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے؟ حمید کو یقین کامل تھا کہ رشیدہ کو جعفری ہی نے غائب کیا ہے کیونکہ اس نے ان دونوں کو وقوعے والی رات کو آرلکچو میں ساتھ دیکھا تھا۔ اسے اب رہ رہ کر افسوس ہو رہا تھا کہ اُس نے ان دونوں پر نظر کیوں نہ رکھی۔

اس دوران میں بھی کئی حادثات رونما ہوئے تھے۔ ڈی۔ آئی۔ جی کی ہدایت کے مطابق ڈاکٹر نارنگ نے اپنا دیہی بنگلہ خالی کرادیا تھا اور ڈی۔ آئی۔ جی نے اس کی نگرانی کرنے کے لئے محکمہ سراغ رسانی کے دو انسپکٹر مقرر کر دیئے تھے لیکن دوسری صبح ان دونوں کی لاشیں ملیں۔ اُن کے

سر بڑی بے دردی سے کچلے گئے تھے اور لاشیں راستے پر ڈال دی گئی تھیں اسی رات کو ڈاکٹر نارنگ پر ایک بار پھر حملہ ہوا۔ اس کے بیان کے مطابق جب وہ رات کا کھانا کھا کر پائیں باغ میں ٹہل رہا تھا تو کسی نے اس پر چھرے سے حملہ کیا اور اس کا داہنا بازو زخمی ہو گیا۔ زخم زیادہ گہرا نہیں تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ حملہ آور کو پہچان نہیں سکا تھا۔ اگر وہ لڑنے پر آمادہ نہ ہو گیا ہوتا تو حملہ آور دوسرا وار ضرور کرتا۔ اس کے نوکروں نے اس کی چیخ سنی تھی۔

ان حادثات کے بعد ڈاکٹر نارنگ کے دیہی بنگلے اور شہری رہائش گاہ پر مسلح پولیس کا پہرہ لگا دیا گیا۔ لیکن ایک رات بنگلے کے پہرے داروں پر کسی نامعلوم آدمی نے دیسی بم پھینکے۔ نتیجہ کے طور پر ایک ہلاک ہو گیا اور تین کے گہرے زخم آئے۔ البتہ اس کی شہری رہائش گاہ پر پھر کوئی حادثہ نہیں ہوا۔

اب تو ڈی۔ آئی۔ جی کو بھی فریدی پر تاؤ آنے لگا تھا۔ محکمہ سراغ رسانی پر چاروں طرف سے بوچھاڑیں ہو رہی تھیں۔ حکومت نے پورے ملک کے بہترین دماغ ایک جگہ اکٹھا کر دیئے تھے لیکن نتیجہ کچھ بھی نہیں ہوا۔ پھر یہ خبر بھی گشت کرنے لگی تھی کہ حکومت عنقریب برطانوی حکومت سے استدعا کر کے اسکاٹ لینڈ یارڈ کے نامور جاسوسوں کی خدمات حاصل کرنے والی ہے۔

ڈی۔ آئی۔ جی اپنے آفس میں بیٹھا بُری طرح کھول رہا تھا کہ چپراسی نے ایک کارڈ لا کر پیش کیا۔ ڈی۔ آئی۔ جی پیشانی پر شکنیں ڈالے اس کارڈ کو چند لمحے گھورتا رہا پھر جھنجھلائی ہوئی آواز میں بولا۔ "آنے دو۔"

نیوا سٹار کا کرائم رپورٹر انور سعید چق ہٹا کر اندر داخل ہوا۔

"بیٹھ جاؤ۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے مضطربانہ انداز میں کہا جس میں جھنجھلاہٹ بھی شامل تھی۔ "وہ لڑکی ملی یا نہیں۔"

"وہ تو نہیں ملی۔" انور نے کہا۔ "لیکن اس کا سراغ معہ ثبوت مل گیا ہے۔"

"یعنی....!" ڈی۔ آئی۔ جی نے گھورتے ہوئے پوچھا۔

انور نے جیب سے ایک تصویر نکال کر اس کی میز پر رکھ دی۔

"یہ کیا۔" ڈی۔ آئی۔ جی اُس پر جھکتا ہوا بولا پھر سیدھا ہو کر انور کو گھورنے لگا۔ انور کچھ نہ بولا۔

"بولتے کیوں نہیں، یہ کون ہے؟" ڈی۔ آئی۔ جی نے جھنجھلا کر پوچھا۔

"جیمس اینڈ جعفری کا جنرل منیجر جعفری.... اور دوسری رشیدہ ہے۔"

"اوہ....!" ڈی۔ آئی۔ جی کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"اور غالباً یہی مسٹر کیو ہے۔" انور بولا۔ "اُسے کسی طرح علم ہو گیا کہ رشیدہ کو فریدی صاحب نے اس کی فرم میں ملازمت کرنے کی ترغیب دی تھی لہٰذا اس نے اُسے غائب کر دیا اور اس کی چالاکیوں سے تو آپ واقف ہی ہوں گے کہ اس نے کس طرح پولیس پر ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ کیا ہے اور کس خوش اسلوبی سے رشیدہ کو چور ثابت کر کے اس کے خلاف رپورٹ بھی درج کرا دی ہے۔"

ڈی۔ آئی۔ جی اس تصویر کو برابر گھورے جا رہا تھا۔ یہ جعفری اور رشیدہ کی تصویر تھی جس میں وہ رشیدہ کے دونوں ہاتھ اس کی پشت پر باندھ رہا تھا۔

"تمہیں یہ ملی کہاں سے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے پوچھا۔

"ایک خط کے ساتھ فریدی صاحب کی طرف سے موصول ہوئی ہے۔"

"فریدی۔" ڈی۔ آئی۔ جی چونک کر بولا۔ "وہ ہے کہاں.... خط لاؤ۔"

"پتہ نہیں.... وہ کہاں ہیں۔" انور جیب سے خط نکالتا ہوا بولا۔ "دستی خط.... آر لکھنو کے ایڈریس سے ملا تھا۔"

کاغذ پر صرف دو سطریں تحریر تھیں۔

"تصویر بھیج رہا ہوں اور مجھے امید ہے کہ تم صحیح نتیجے پر پہنچو گے اُسے ڈی۔ آئی۔ جی صاحب کے پاس لے جاؤ.... "ف"

"مائی گاڈ....!" ڈی۔ آئی۔ جی حیرت سے بولا۔ "تو یہی شخص مسٹر کیو ہے۔"

"میرا تو یہی خیال ہے۔" انور نے کہا۔

"اچھا تو تم جاؤ۔" ڈی۔ آئی۔ جی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "اخبار میں اس کے متعلق کچھ نہیں آنا چاہئے۔"

"بہتر ہے۔" انور نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

دوسرا لمحہ ڈی۔ آئی۔ جی کے لئے انتہائی ہیجان آفریں تھا۔ وہ خط اور تصویر لئے ہوئے آئی۔ جی کے دفتر کی طرف لپکا۔

پھر آدھے گھنٹے کے اندر ہی اندر جیمس اینڈ جعفری کے دفتر کا محاصرہ کر لیا گیا۔ کسی کو سانس

لینے کی مہلت بھی نہ ملی لیکن خود جعفری کا کہیں پتہ نہ تھا۔ پولیس نے عمارت کا گوشہ گوشہ چھان مارا۔ جعفری کے کمرے والا تہہ خانہ بھی دیکھا گیا لیکن لاحاصل.... دفتر کا سارا عملہ حراست میں لے لیا گیا۔ ڈی۔ آئی۔ جی کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنے منہ پر تھپڑ مارے۔ جلدی میں اس نے ایک زبردست غلطی کی تھی۔ محاصرے سے پہلے اسے معلوم کر لینا چاہئے تھا کہ جعفری دفتر میں موجود بھی ہے یا نہیں۔ آئی۔ جی بھی اس کے سر الزام تھوپ رہا تھا۔ حالانکہ وہ خود بھی عقل رکھتا تھا۔ اس کش مکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند لمحوں کے بعد وہ دونوں ہی متفقہ طور پر فریدی کو بُرا بھلا کہہ رہے تھے۔

"کیا حماقت کی ہے اس لونڈے نے خود کو نہ جانے کیا سمجھ رکھا ہے۔" آئی۔ جی بولا۔

"میں خود بھی یہی سوچ رہا تھا۔ آخر اس کرائم رپورٹر کو تصویر بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔ "خود آرائی کا نتیجہ ہمیشہ خراب ہوتا ہے۔"

"بہت ہو چکا۔" آئی۔ جی پھنکارا۔ "پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے۔ میں آج ہی اسے معطل کر ہوں اور ساتھ ہی اس کی گرفتاری کا وارنٹ بھی جاری کراؤں گا۔ بہت سر چڑھایا گیا ہے۔ میں کم ایسے آدمی کا وجود اپنے محکمے میں برداشت نہیں کر سکتا جو ڈسپلن برقرار نہ رکھ سکے۔"

ڈی۔ آئی۔ جی کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ ڈی۔ آئی۔ جی نے ریسیور اٹھا لیا۔ چند لمحے بُرا سا منہ بنائے ہوئے سنتا رہا پھر ایک طویل "اچھا" کے ساتھ ریسیور پٹخ دیا۔

آئی۔ جی سوالیہ انداز سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ تو جان ہی کو آ گیا ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی بڑبڑایا۔

"کون....؟" آئی۔ جی نے پوچھا۔

"ڈاکٹر نارنگ.... اب نہ جانے کون سی آفت ٹوٹی ہے کہ بلا رہا ہے۔"

"ابھی کیا ہے! یہ سارے لیڈر ناطقہ بند کر دیں گے۔ فریدی کے لونڈا پن کی وجہ سے بنا بنایا کھیل بگڑ گیا۔"

ڈی۔ آئی۔ جی دو انسپکٹروں کے ساتھ ڈاکٹر نارنگ کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا۔ ڈاکٹر نارنگ برآمدے میں کھڑا پائیں باغ میں پھیلے ہوئے کبوتروں کے لئے دانہ ڈال رہا تھا۔

"فرمایئے۔" میں آج بہت مشغول ہوں۔" ڈی۔ آئی۔ جی اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"کیا؟ میں نہیں سمجھا!" ڈاکٹر نارنگ نے حیرت سے کہا۔

"آپ نے فون کیا تھا مجھے۔" ڈی۔ آئی۔ جی جھنجھلا کر بولا۔

"میں نے.... نہیں تو۔"

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔" ڈی۔ آئی۔ جی بے بسی سے بولا۔ "وہ مسٹر کیو بھی ہاتھ آتے آتے رہ گیا۔"

"کیا کیسے.... یہاں کیوں کھڑے ہیں۔ اندر چلئے۔" ڈاکٹر نارنگ بولا۔

وہ لوگ ملاقاتی کمرے میں آ کر بیٹھ گئے۔

"کیا مسٹر کیو کی شخصیت ظاہر ہو گئی۔" ڈاکٹر نارنگ نے پوچھا۔

"جی ہاں! لیکن اسے فی الحال اپنے ہی تک محدود رکھئے گا۔ سر دست تو وہ نکل بھی گیا ہے۔ ن زیادہ دیر تک نہ بچ سکے گا۔ سارے ملک میں وائرلس کے ذریعہ اس کا حلیہ جاری کر دیا گیا ہے۔"

"کون ہے وہ؟"

"جیمس اینڈ جعفری کا جنرل منیجر جعفری۔" ڈی۔ آئی۔ بولا۔

قبل اس کے کہ ڈاکٹر نارنگ کچھ کہتا کمرے کے ایک گوشے میں غراہٹ سی سنائی دی۔

"جعفری حاضر ہے۔"

وہ سب چونک کر مڑے۔

جعفری ایک دروازے میں کھڑا انہیں خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا اور اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ جس کا رخ انہیں کی طرف تھا۔ وہ چاروں اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

"کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے۔" جعفری غرایا۔ "مسٹر کیو پر ہاتھ ڈالنا آسان کام ں۔ ڈی۔ آئی۔ جی صاحب۔"

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سبھوں کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ البتہ ڈاکٹر نارنگ کے ہونٹوں پر عجیب رح کی مسکراہٹ تھی۔ جعفری نے پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ہتھکڑیوں کا جوڑا نکالا اور ے ایک انسپکٹر کی طرف اچھالتا ہوا بولا۔ "اپنے ڈی۔ آئی۔ جی اور ڈاکٹر نارنگ کے ہاتھوں میں ڈالو.... چلو.... جلدی کرو۔"

انسپکٹر نے طوعاً و کرہاً ایک ہتھکڑی ڈی۔ آئی۔ جی کے اور دوسری ڈاکٹر نارنگ کے ہاتھ میں

ڈال دی۔ دوسرے سب انسپکٹر کا ہاتھ جیب کی طرف جا ہی رہا تھا کہ جعفری نے اسے للکارا
"خبردار میں سر سے پیر تک آنکھیں ہی آنکھیں رکھتا ہوں۔"

"یہ کیا لغویت ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی جھلا کر چیخا۔

"سر کار ناراض نہ ہوں۔" جعفری قدرے جھک کر بولا۔ اس کا ایک ہاتھ اس کے سر پر تھا
اس نے اپنے بال مٹھی میں جکڑے اور ایک جھراٹا سا مارا۔ بالوں کے ساتھ چہرے کی کھال بھی
اترتی چلی گئی اور جب وہ سیدھا ہوا تو ڈی۔ آئی۔ جی اور دونوں انسپکٹر بے ساختہ چیخ پڑے۔ "فریدی"

دفعتاً ڈاکٹر نارنگ ڈی۔ آئی۔ جی پر ٹوٹ پڑا۔ دونوں کے داہنے اور بائیں ہاتھ ایک ساتھ
جکڑے ہوئے تھے اور دوسرے دائیں بائیں آزاد تھے۔ دونوں ایک ساتھ زمین پر آرہے۔ قبل
اس کے کہ وہ لوگ سنبھلتے ڈاکٹر نارنگ اٹھ کر بھاگا۔ پتہ نہیں اس نے کس طرح اپنا ہاتھ ہتھکڑی
سے نکال لیا تھا۔ ہتھکڑی بدستور بند تھی۔ فریدی ڈاکٹر نارنگ کے پیچھے دوڑا۔ اس کے پیچھے
تینوں بھی بھاگے۔ وہ سارے کمروں میں ناچتے پھر رہے تھے اور ڈاکٹر نارنگ کا کہیں پتہ نہ تھا۔

"میں بھی شاید پاگل ہو گیا ہوں۔" فریدی نے کہا اور ایک سمت دوڑنے لگا۔ ایک کمرے میں
پہنچ کر وہ ایک لحظہ کے لئے رکا۔ یہاں ایک میز الٹی پڑی تھی غالباً وہ دیوار سے لگی رہی ہو گی۔

"یہ ہتھکڑی لو۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے اپنے ہاتھ میں جھولتی ہوئی ہتھکڑی کی طرف دیکھ
کہا۔ ایک انسپکٹر نے آگے بڑھ کر ہتھکڑی نکال دی۔

فریدی دیوار سے لگے ہوئے ایک ایک ریک پر زور آزمائی کر رہا تھا۔ دفعتاً ریک اپنی جگہ سے
کھسک کر ایک طرف ہو گیا۔ سامنے دروازہ تھا وہ چاروں دیوانہ وار اندر گھسے۔

"بڑا غلط طریقہ تھا۔" ڈی۔ آئی۔ جی بڑبڑا رہا تھا۔

"جناب والا۔" فریدی نے مڑے بغیر کہا۔ "آپ محاصرہ کر کے تو اُسے پکڑ ہی نہیں سکتے
تھے۔ اس عمارت کے نیچے سرنگوں اور تہہ خانوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ گھبرائیے نہیں! میں جانتا
ہوں کہ وہ کہاں گیا ہو گا۔"

وہ ایک کشادہ سرنگ میں دوڑ رہے تھے۔ اُن میں سے ہر ایک کچھ نہ کچھ بولنا چاہتا تھا لیکن ان
کے دم گھٹ رہے تھے۔ سرنگ تاریک اور متعفن تھا۔

"لیکن سنو تو سہی۔" ڈی۔ آئی۔ جی ہانپتا ہوا بولا۔ "ہم کہاں جا رہے ہیں۔"

"ہائی روڈ پر نکلیں گے۔ موٹروں کے کارخانہ کے پاس۔ گھبرائیے نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ
وہیں گیا ہو گا۔ موٹروں کا کارخانہ اسی کا ہے۔ اس نے وہاں سے ایک موٹر لی ہو گی اور سیدھا ساگر
چلا گیا ہو گا۔" فریدی نے کہا۔

"مجھے تو اب بھی یقین نہیں آرہا ہے کہ وہ مسٹر کیو ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"اس سرنگ میں دوڑتے وقت بھی نہیں۔" فریدی کے لہجے میں تمسخر تھا۔ آئی۔ جی کچھ نہ بولا۔

"آخر اتنا اُدھم مچانے کی کیا ضرورت تھی۔" ایک انسپکٹر بولا۔

"اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔" فریدی بولا۔ "ذرا رفتار اور تیز کیجئے۔"

تھوڑی دیر بعد انہیں روشنی دکھائی دی۔ پھر تین زینوں پر نظر پڑی دوسرے لمحے میں وہ باہر
ایک بڑا سا پتھر ایک طرف پڑا تھا جو غالباً ڈاکٹر نارنگ کے نکلنے سے پہلے سرنگ کے دہانے پر
آرہا ہو گا۔ چاروں طرف کروندے کی کانٹے دار اور بے ترتیب جھاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔
ان نے بروقت تمام راستہ بنایا اور باہر نکلے۔ سڑک زیادہ دور نہیں تھی۔ وہ دوڑتے ہوئے جنرل
گیراج تک آئے۔ کم از کم ڈی۔ آئی۔ جی کے لئے تو یہ نئی اطلاع تھی کہ وہ گیراج ڈاکٹر نارنگ
کی ملکیت تھا۔ گیراج کا منتظم باہر ہی مل گیا۔

"ڈاکٹر صاحب آئے تھے۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"جی ہاں۔" اس نے کہا۔

"تنہا ہی تھے۔" فریدی گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔ گیراج کا منتظم دونوں انسپکٹروں کو
حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ انہوں نے ریوالور اور کارتوسوں کی پیٹیاں لگا رکھی تھیں۔ منتظم نے
جواب میں سر ہلا دیا۔

"اُف فوہ۔" فریدی نے بے چینی سے کہا۔ "انہیں منع کیا گیا تھا کہ تنہا باہر نہ نکلیں۔ کتنا
عرصہ ہے ان کے لئے.... کدھر گئے۔"

"ایک کار لے کر اُدھر گئے ہیں۔" منتظم نے ایک طرف اشارہ کیا۔

"کوئی اور گاڑی فالتو ہے۔"

"جی ہاں ہے۔"

"فون بھی ہے یہاں.... اچھا ذرا گاڑی جلدی سے نکلوائیے۔ ان کی جان کو خطرہ ہے۔"

فریدی مضطربانہ انداز میں ہاتھ ملنے لگا۔

"فون ہے! آیئے۔" منتظم گھبرا گیا تھا۔ فریدی نے فون پر ہاتھ ڈالا۔

"ہیلو.... کوتوالی.... ڈی۔ آئی۔ جی آف انٹیلی جنس اسپیکنگ.... ساگر مینشن کا محاصرہ فوراً کر لیا جائے۔ زیادہ سے زیادہ آدمیوں سمیت.... فوراً.... جلدی۔"

ریسیور رکھ کر فریدی باہر بھاگا۔ کار باہر کھڑی تھی۔ اس نے جھپٹ کر اسٹیئرنگ سنبھالا اور اس کے ساتھی بھی بیٹھ گئے۔ کار تیزی سے بیلی روڈ کی طرف مڑی اور دونوں انسپکٹروں کے سر ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔

لاشوں کی بارش

"اُف فوہ! کتنا بے وقوف بنے ہیں ہم لوگ.... اس کی گرفتاری کے بعد بھی شاید کسی مشکل ہی سے یقین آئے کہ وہ خود ہی مسٹر کیو ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"میرے پاس ثبوتوں کا انبار عظیم ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"حمید کہاں ہے۔"

"پتہ نہیں! ہوگا کہیں۔" فریدی بولا۔ "اس بار میں نے انہیں بھی دھوکے میں رکھا۔ جنہیں خود ہی کام پر لگایا تھا۔" ایک لمحے کے لئے خاموشی رہی پھر فریدی نے کہا۔

"حمید تک کو اس کا علم نہیں کہ مسٹر کیو کون ہے۔ وہ اب بھی جعفری کی تلاش میں ہوگا۔"

"لیکن.... کیوں؟"

"اطمینان سے عرض کروں گا۔ فی الحال تو میں بھی امید و بیم کی حالت میں ہوں۔"

"اگر نکل گیا تو بہت بُرا ہوگا۔"

"ساگر مینشن کے علاوہ اور کہیں نہیں جا سکتا۔" فریدی نے کہا۔

"یقین کی کوئی وجہ۔"

"ہیڈ کوارٹر وہی ہے پانچ دنوں سے متواتر میں اسی چکر میں رہا ہوں اور یقین واثق ہو جانے پر ان اقدام کا فیصلہ کیا تھا۔ اُف فوہ! آج تو یہ فاصلہ کسی طرح کم ہی نہیں ہو رہا ہے۔"

"دیکھو رفتار کم کرو۔ ہم شہر کے آباد حصے میں داخل ہو رہے ہیں۔"

"غالباً پولیس اب تک وہاں پہنچ گئی ہوگی۔" فریدی نے رفتار کم کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن تم نے فون پر! اُف فوہ.... بڑی غلطی کی۔" ڈی۔ آئی۔ جی بے چینی سے پیشانی رگڑنے لگا۔

"جی.... کیسی غلطی۔"

"تم نے انہیں یہ نہیں بتایا کہ نارنگ ہی مسٹر کیو ہے۔ اگر وہ انہیں دھوکہ دے کر نکل گیا تو۔"

"مجھے یقین ہے کہ اگر وہاں پولیس پہنچ بھی گئی ہوگی تو ابھی شاید ہی عمارت میں داخل ہو سکی ہو۔"

"کیوں؟"

"وہاں مسٹر کیو کے ساٹھ ستر آدمی رہتے ہیں اور ڈاکٹر نارنگ کا ذہنی توازن فی الحال بگڑ گیا ہے ورنہ وہ اس طرح نہ بھاگتا۔ ظاہر ہے کہ وہ اتنا محتاط آدمی تھا۔ خود اس کے آدمیوں کو اس کا علم نہیں کہ مسٹر کیو کون ہے۔ اس نے ہر طرح اپنی مضبوطی کر رکھی تھی۔ اگر وہ اس طرح نہ بھاگتا تو اسے مجرم ثابت کرنے میں مجھے دانتوں پسینہ آجاتا اور میں نے یہ ڈرامائی انداز محض اس لئے اختیار کیا تھا کہ اسے اچانک ذہنی طور پر انتشار میں مبتلا کر دوں اور وہ گرفتاری کے وقت ردعمل کے طور پر کوئی اضطراری حرکت کر بیٹھے مگر مجھے اس کا گمان بھی نہیں تھا کہ وہ بند ہتھکڑی سے ہاتھ نکال لے گا۔"

"واقعی تم اس سے بھی زیادہ بھیانک ہو۔" ڈی۔ آئی۔ جی فریدی کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "اگر خدانخواستہ کہیں تم بھی غیر قانونی راستوں پر نکل گئے ہوتے تو ہم لوگوں کے لئے ایک مستقل دردِ سر ہو جاتے۔"

فریدی ہنسنے لگا۔ دفعتاً اس نے کار کی رفتار بالکل کم کر دی اور ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف دیکھ کر آہستہ سے بولا۔ "سن رہے ہیں آپ۔"

"ارے! یہ تو مشین گنوں کی آوازیں ہیں۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے اچھل کر کہا۔

"وہ دیکھئے۔" فریدی نے سامنے اشارہ کیا۔ سڑک سنسان پڑی تھی اور ساگر مینشن سے چاروں طرف گولیاں برس رہی تھیں۔ پولیس کا کہیں پتہ نہ تھا۔

فریدی نے بڑی پھرتی سے کار بیک کی۔ اگر وہ دو ڈھائی سو گز اور آگے بڑھ گئے ہوتے تو کار گولیوں کی زد پر آجاتی۔ فریدی نے کار کو اگلی گلی میں موڑ دیا۔ ساگر مینشن مقابل سمت کی لائن میں

تھی۔ گلی کے اندر سہمے ہوئے آدمیوں کا ہجوم تھا اور پولیس والے بھی سراسیمگی کا شکار ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ رہے تھے۔ فریدی کار روک کر کود پڑا۔ وہ سب بھی اترے، اور بھیڑ میں گھستے چلے گئے۔

آگے چل کر ایس۔ پی سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ وہ ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف جھپٹا۔

"ہمارے آنے سے قبل ہی گولیوں کی بارش ہو رہی تھی۔" وہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا "میرے خدا نہ جانے کتنی لاشیں ساگر مینشن کے سامنے پڑی ہیں.... اور.... آیئے میرے ساتھ۔"

ایس۔ پی انہیں لے کر ایک عمارت میں داخل ہو گیا۔ اوپری منزل پر پہنچ کر اُس نے ایک کمرے کے روشندان کی طرف اشارہ کیا۔

وہ سب روشندانوں سے جھانکنے لگے۔ یہ عمارت ٹھیک ساگر مینشن کے سامنے تھی اور یہ لوگ اس کے عقبی راستے سے داخل ہوئے تھے۔

روشندانوں سے آنکھیں لگاتے ہی فریدی اور اس کے ساتھیوں کے منہ سے بیک وقت "ارے" نکل گیا۔ گولیاں ساگر مینشن کے اُن نلوں سے نکل رہی تھیں جو غالباً بارش کا پانی نکلنے کے لئے لگائے گئے تھے۔ ایک ایک فٹ باہر نکلے ہوئے نل جن کا جھکاؤ غالباً پچھتر ڈگری کے زاویئے سے سڑک کی طرف تھا۔

"ایسے ہی نل۔" ایس۔ پی بولا۔ "پوری عمارت میں چاروں طرف لگے ہوئے ہیں۔ غالباً چوتھی سمت بھی گولیاں برس رہی ہوں گی۔"

ساگر مینشن کے ٹھیک نیچے فٹ پاتھ پر لاشوں کے ڈھیر تھے۔

"مگر وہ لاشیں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "وہ تو گولیوں کی زد میں نہیں۔ وہاں ان کا ڈھیر کیا معنی رکھتا ہے۔"

"اور.... اُف۔" عمارت کا ایک مکین آگے بڑھ کر ہانپتا ہوا بولا۔ "مجھ سے پوچھئے.... میرے خدا.... میرے حواس درست نہیں۔ وہ لاشیں ساگر مینشن ہی سے گری ہیں۔ لاشوں کا آبشار.... خدا کی قسم.... لاشوں کا آبشار۔ وہ اس طرح گر رہی تھیں جیسے بارش ہو رہی ہو۔ سب سے پہلے لاشیں گریں اور پھر.... ان نلوں سے گولیاں نکلنے لگیں۔ میرا بھائی.... ہائے کہیں وہ بھی.... نہ مارا گیا ہو.... میرے خدا.... اس کا کچھ پتہ نہیں۔"

وہ خاموش ہو کر الٹے پاؤں دوڑتا ہوا نیچے چلا گیا۔ گولیاں برابر سے جا رہی تھیں۔

فریدی نے ایک بار پھر فٹ پاتھوں پر پڑی ہوئی لاشوں کی طرف دیکھا اور نیچے اُتر آیا۔

"تو اس نے اپنے ساتھیوں کو بھی ٹھکانے لگا دیا۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"اب کیا کیا جائے۔" ڈی۔ آئی۔ جی پاگلوں کی طرح آنکھیں نکال کر بولا۔

"فون.... یہاں اس عمارت میں کوئی فون ہے۔" فریدی ایس۔ پی کی طرف مڑا۔

"وہ تو ہو گا ہی! یہ بتایئے کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے کہا۔

"مسٹر کیو۔" فریدی مضطربانہ انداز میں بولا۔ "وہ اس عمارت میں موجود ہے۔"

ایسا معلوم ہوا جیسے ایس پی پر بم گر پڑا ہو۔ وہ حیرت سے منہ اور آنکھیں پھاڑے کھڑا رہا۔

"کیوں بھئی! فون ہے یہاں۔" فریدی ایک آدمی کی طرف مڑا جو غالباً اسی عمارت کا کوئی فرد تھا۔

"جی ہاں! آیئے میرے ساتھ۔"

وہ دونوں تیزی سے اترے۔ دوسرے لمحے میں فریدی کی انگلی ٹیلی فون کے ڈائیل پر چل رہی تھی۔ اُس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ "ہیلو.... ہیلو۔"

جواب میں ایک خوفزدہ سی نسوانی آواز سنائی دی۔

"ڈاکٹر نارنگ سے کہو۔" فریدی گرجا۔ "کب تک گولیاں چلیں گی۔ ساگر مینشن کا ایک نفس زندہ نہ بچے گا۔ مجھے معلوم ہے کہ ساگر مینشن ایک سیدھی سادی سی عمارت ہے۔"

"وہ پاگل ہو گیا ہے۔" گھٹی گھٹی سی آواز آئی۔ "مجھے بچاؤ.... میں ایک کمرے میں پھنسی پڑی ہوں۔ دروازے پر ایک بڑی وزنی الماری آگری ہے۔ میں اُسے ہٹا نہیں پا رہی ہوں۔ مجھے بچایئے۔"

"تم کون ہو؟" فریدی نے حیرت سے پوچھا۔

"ایک بے بس لڑکی۔ اسے نہیں معلوم کہ میں زندہ بچ گئی ہوں۔ ورنہ وہ مجھے بھی نہ چھوڑے گا.... بچاؤ۔"

"کیا وہ تنہا ہے۔"

"ہاں.... اس نے سبھوں کو مار ڈالا ہے اور اب ایک مرکزی مشین پر بیٹھا ساری مشینوں کو کنٹرول کر رہا ہے۔ خدارا کسی طرح آؤ۔ وہ پاگل ہو گیا ہے میں نہیں جانتی کہ اس کا اس معاملے سے کیا تعلق ہے۔"

"وہ.... وہی تمہارا مسٹر کیو ہے۔ تم کنول تو نہیں۔"

"جی ہاں.... جی ہاں.... آپ کون ہیں.... کہاں سے بول رہے ہیں۔"

"فریدی.... چپ چاپ پڑی رہو۔ وہ کس کمرے میں ہے۔"

"لائبریری کے قریب والے میں جس میں مشینیں فٹ ہیں۔ فریدی صاحب خدا کے لئے مجھے بچایئے۔ اس نے سب کو مار ڈالا نادرہ.... کرنل کی بہن کو بھی۔"

"لیکن.... اس نے تنہا.... ان سبھوں کو کس طرح مار ڈالا۔"

"اُوہ.... بڑے خوفناک طریقے سے۔ اس نے عمارت میں داخل ہوتے ہی سبھوں کو اکٹھا کیا اور کہا کہ مسٹر کیو کا حکم ہے کہ تم سب اوپر چلو۔ پھر اس نے ان سبھوں کو اوپری منزل پر لے جاکر چھت کے سرے پر کھڑا کیا۔ خدا کی پناہ میں بھی انہیں میں تھی۔ پھر اچانک اس نے ایک برین گن اٹھائی اور گولیاں برسانے لگا۔ اُس کی آنکھوں میں خون تھا اور وہ اندھا ہو رہا تھا۔ میں کسی نہ کسی طرح نکل گئی اور اب میں اس کمرے میں۔ پھنسی ہوئی گولیوں کی آوازیں سن رہی ہوں۔ خدا کے لئے جلد پہنچئے۔"

"اچھا لڑکی۔" فریدی ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "چپ چاپ پڑی رہو۔ میں آ رہا ہوں۔" وہ ریسیور رکھ کر جانے کے لئے مڑا۔

ڈی۔ آئی۔ جی وغیرہ بھی اُسی کمرے میں آگئے تھے۔

"کیسے جاؤ گے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے پوچھا۔

"جس طرح بھی بن پڑے گا۔ جانا تو ہے ہی۔ وہ تنہا ہے اور ایک مشین کے ذریعہ الل بندوقوں کو کنٹرول کر رہا ہے۔"

"نہیں.... اس حالت میں.... بھلا میں کیسے جانے دوں گا۔ اب میرے خیال سے اسے تھکنے ہی دو۔ لوگ ہوشیار ہو گئے ہیں اور اب کسی کے مرنے کا امکان نہیں۔ ڈی۔ آئی۔ جی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"وہاں ایک زندگی خطرے میں ہے۔ ایک ایسی لڑکی جس سے ہمیں تھوڑی بہت مدد بھی ملی ہے۔ میں اُسے اس کے رحم و کرم پر کسی طرح نہیں چھوڑ سکتا۔"

"پاگل نہ بنو۔" ڈی۔ آئی۔ جی اس کا بازو پکڑتا ہوا بولا۔

"میں آپ کا حکم نہ ماننے پر مجبور ہوں۔" فریدی نے پلٹ کر اُسے ایسی نظروں سے دیکھا کہ ڈی۔ آئی۔ جی کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے وہ کسی پاگل کی ویران آنکھیں رہی ہیں۔ بے حس اور خوفناک۔ فریدی ہاتھ چھڑا کر آگے بڑھا۔ لیکن ایس۔ پی دروازے میں حائل ہو گیا تھا۔

"براہِ کرم ہٹ جایئے۔ وہاں تک پہنچنا کچھ مشکل کام نہیں۔ تھوڑی سی ہمت کی ضرورت ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ کس کمرے میں ہے۔ عمارت میری دیکھی ہوئی ہے۔ وہ بس اندھوں اور پاگلوں کی طرح گولیاں برسا رہا ہے۔"

"لیکن جاؤ گے کس طرح۔" ڈی۔ آئی۔ جی بے چینی سے بولا۔

"وہ سارے نل دو دو فٹ کے فاصلے پر لگے ہوئے ہیں۔ اگر میں کسی دو نلوں کے درمیانی حصے کو ذہن میں رکھ کر چلوں تو گولیوں سے بچ سکتا ہوں۔"

"خطرناک! انتہائی خطرناک.... ہرگز نہیں۔" ڈی۔ آئی۔ جی چیخ کر بولا۔

لیکن اتنی دیر میں فریدی ایس۔ پی کو دھکا دے کر باہر نکل چکا تھا۔

"پکڑو.... اسے پکڑو.... پاگل.... سور۔" ڈی۔ آئی۔ جی بے تابانہ اس کے پیچھے دوڑا لیکن فریدی گلی میں بھرے ہوئے آدمیوں کی بھیڑ میں غائب ہو چکا تھا۔

وہ لوگ پھر کھڑکیوں کے قریب آگئے اور پھر انہوں نے فریدی کو نیچے فٹ پاتھ پر دیکھا۔ وہ اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر گولیاں گر گر کر گرد و غبار اڑا رہی تھیں۔ ڈی۔ آئی۔ جی نے اوپر سے کچھ پھر آواز دی لیکن اس نے سر اٹھا کر دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی۔ اس کی نظریں پائپ پر جمی ہوئی تھیں اور پھر وہ چل پڑا لوگ چیخنے لگے۔ پھر اس نے اتنی تیزی سے سڑک پار کی جیسے بجلی چمک گئی ہو۔ دوسرے فٹ پاتھ پر پہنچ کر وہ مڑا اور ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلانے لگا۔

"ہے کوئی اس کی ٹکر کا۔" ڈی۔ آئی۔ جی ہنس پڑا۔ یہ ہنسی عجیب قسم کی تھی۔ کچھ گلوگیر سی تھی جس میں شاید کچھ آنسوؤں کی نمی بھی شامل تھی۔ حقیقتاً اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

"زندہ باد بیٹے! زندہ باد۔" وہ ہاتھ مل کر بڑبڑایا۔

فریدی نے نچلے سارے دروازوں پر نظریں دوڑائیں لیکن سب کے سب بند تھے۔ تیسری منزل کی ایک کھڑکی کھلی نظر آ رہی تھی اور اسی سے ملا ہوا ایک موٹا سا پائپ تھا جو نیچے تک چلا آیا

تھا۔ فریدی نے اپنے جوتے اتارے کوٹ کی جیب سے ریوالور نکال کر پتلون کی جیب میں ڈالا اور کوٹ بھی اتار کر وہیں فٹ پاتھ پر پھینکا۔ اب وہ اسی پائپ کو پکڑ کر اوپر چڑھ رہا تھا۔

اسے بد قسمتی ہی کہنا چاہئے کہ جب وہ اوپر پہنچ کر کھڑکی میں داخل ہو رہا تھا تو ریوالور اس کی جیب سے نکل کر نیچے فٹ پاتھ پر جا پڑا۔ فریدی نے جھک کر دیکھا اور پھر بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑایا۔

"اونہہ! جہنم میں جائے۔"

کمرہ خالی تھا۔ وہ آگے بڑھا۔ پیروں میں جوتے نہیں تھے۔ اس لئے وہ کوئی آواز پیدا کئے بغیر بہ آسانی نقل و حرکت کر رہا تھا۔

عمارت کا پورا نقشہ اس کے ذہن میں تھا۔ وہ دوسری منزل پر اتر آیا۔ مشین گنیں اب تک چل رہی تھیں۔ لائبریری کے قریب پہنچ کر وہ ایک لحظہ کے لئے رکا پھر آہستہ آہستہ اس کمرے کی طرف بڑھا جس کا پتہ کنول نے دیا تھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ڈاکٹر نارنگ کی پشت دروازے کی طرف تھی اور وہ مجنونانہ انداز میں ایک پہیئے کو تیزی سے گھمائے جا رہا تھا۔ فریدی پنجوں کے بل چلتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور پھر یکلخت ڈاکٹر نارنگ پر ٹوٹ پڑا۔ ڈاکٹر نارنگ کسی زخمی سانپ کی طرح پلٹا اور پہیہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ دونوں گتھ گئے تھے۔ ڈاکٹر نارنگ کسی پاگل کتے کی طرح فریدی کو بھنبھوڑ رہا تھا۔ ایک تو ویسے ہی کافی طاقتور تھا اور پھر اس وقت کا کیا پوچھنا دوسرے ہی لمحے فریدی کی قوت جواب دینے لگی۔ گولیوں کی آواز بند ہو گئی تھیں۔ فریدی نے اپنی پوری قوت سے نارنگ کی گرفت سے نکلنے کی جدوجہد شروع کر دی۔

"خبردار نارنگ۔" دفعتاً دروازے کی طرف سے ایک نسوانی آواز آئی۔ "الگ ہٹو ورنہ گولی مار دوں گی۔"

کنول دروازے میں ریوالور لئے کھڑی تھی۔ نارنگ کے حلق سے عجیب طرح کی ڈراؤنی آواز نکلی اور فریدی کو بس اتنا محسوس ہو سکا جیسے وہ بھی نارنگ ہی سے لپٹا ہوا کوئی فٹ اچھل گیا ہو۔ پھر اس نے کنول کی گھٹی گھٹی سی چیخ سنی۔ نارنگ ایک ہاتھ سے فریدی سے نپٹ رہا تھا اور دوسرے سے اس نے کنول کو دبوچ رکھا تھا۔ کنول کے ہاتھ سے ریوالور نکل کر دور جا پڑا۔ وہ کنول کو بُری طرح دبا رہا تھا اور کنول کے حلق سے ایسی آوازیں نکل رہی تھیں جیسے اس کا دم گھٹ رہا ہو۔

فریدی نے بائیں ہاتھ سے ڈاکٹر نارنگ کی ناک دبا کر ایک زوردار جھٹکا دیا اور اس کا سر اس کے

بغل کے نیچے آ گیا۔ فریدی کی گرفت سخت ہوتی گئی۔ داہنے ہاتھ سے وہ کنول کو الگ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو اس نے جھلا کر نارنگ کی گدی پر ایک گھونسہ رسید کر دیا۔ اس نے کنول کو چھوڑ دیا اور وہ بے جان سی فرش پر آ رہی۔ ڈاکٹر نارنگ فریدی کی گرفت سے آزاد ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ فریدی کا دوسرا گھونسہ اس کے پیٹ پر پڑا اور وہ بلبلا کر دوہرا ہو گیا۔ اس کا سر فریدی کی گرفت سے نکل گیا تھا۔ قبل اس کے کہ وہ سنبھلتا تیسرا گھونسہ اس کی ناک پر پڑا اور وہ کسی مرتے ہوئے بھینسے کی طرح ڈکرا کر چت ہو گیا۔

دوسرے لمحے میں فریدی اس کے سینے پر سوار تھا اور اس کے نہ رکنے والے ہاتھ نارنگ کے چہرے پر گھونسوں کی بارش کر رہے تھے۔

پولیس آ گئی۔ ڈی۔ آئی۔ جی ساتھ تھا۔ فریدی نارنگ کو چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ نارنگ بے ہوش تھا۔ فریدی کسی شرابی کی طرح لڑکھڑا رہا تھا۔ قمیض تار تار ہو گئی تھی۔ بال بکھرے تھے۔ چہرے پر کئی جگہ سے خون رس رہا تھا۔ ڈی۔ آئی۔ جی نے اُسے سہارا دینا چاہا لیکن وہ جھپٹ کر کنول کے پاس پہنچا جو بے حس و حرکت فرش پر پڑی ہوئی تھی۔

"یہ ابھی زندہ ہے۔" فریدی پاگلوں کی طرح حلق پھاڑ کر چیخا۔ "جلدی کرو۔ اسے ہسپتال لے جاؤ۔ جلدی.... نبض کمزور چل رہی ہے۔"

بے ہوش نارنگ کے ہتھکڑیاں لگا دی گئیں۔ اسے اٹھانے سے پہلے کنول کو وہاں سے ہٹا دیا گیا۔

فریدی نے فاتحانہ انداز سے نارنگ کی طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ماجو اسی کے چہرے سے بہتے ہوئے خون میں ڈوبی ہوئی تھی۔

ڈی۔ آئی۔ جی اسے سہارا دیئے ہوئے اپنے رومال سے اسکے چہرے کا خون خشک کر رہا تھا۔

"اُسے ہسپتال بھجوا دیا۔" فریدی نے آہستہ سے پوچھا۔

"ہاں! ہاں.... تم مطمئن رہو۔ سب ٹھیک ہو رہا ہے۔"

"درندہ۔" فریدی نے نارنگ کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اور ایک ہاتھی سے بھی زیادہ طاقتور! پتہ نہیں اور کون کون سی حیوانی قوتیں رکھتا ہے۔ ایک زہریلے سانپ کی طرح پینوٹائیز بھی کر سکتا ہے۔ کرنل کی بہن کو اس نے ہپناٹزم ہی کے اثر میں لے رکھا تھا اور وہ رائفل بھی یہیں کہیں ہو گی۔ وہ بے چاری لڑکی.... اس کی لاش بھی یہیں کہیں ہو گی۔"

"اچھا! اب تم چلو یہاں سے۔" ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔

"اوپری منزل پر کچھ لاشیں ضرور ہوں گی۔"

"اوہ.... چھوڑو.... سب دیکھ لیا جائے گا.... چلو۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے اُسے دروازے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔ "مگر نہیں پچھلی طرف سے چلیں گے۔ سڑک پر مجمع تمہیں اور مجرم کو دیکھنے کے لئے بے تاب ہے۔"

وہ دونوں پچھلے دروازے سے نکل کر دوسری سڑک پر پہنچے۔ ڈی۔ آئی۔ جی نے ایک سب انسپکٹر سے کار لانے کے لئے کہا۔

"میں شاید ننگے پیر ہوں۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "اور میرے جسم پر چیتھڑے ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ تمہارا کوٹ اور جوتے نہ جانے کہاں ہوں گے۔ ریوالور تو اٹھا لیا گیا تھا لیکن اُن کی طرف دھیان نہیں گیا۔"

اس سڑک اور ساگر مینشن سے ایک سو پچیس لاشیں اٹھائی گئیں۔ شہر میں ایک بار پھر خوف وہراس پھیل گیا تھا۔ لوگوں کو اس کی خوشی تو ضرور تھی کہ ایک اتنا خوفناک مجرم گرفتار کر لیا گیا لیکن ساتھ ہی وہ دل گرفتہ بھی تھے کہ ایک دن میں ایک سو پچیس جانیں چلی گئیں۔ زیادہ تر لوگوں نے پہلے اسے افواہ ہی تصور کیا کہ مسٹر کیو ڈاکٹر نارنگ تھا۔ لیکن پھر یقین تو کرنا ہی پڑا۔ سرجنٹ حمید اور ناگر نے طالوت حبشی اور نادرہ کی لاشیں شناخت کیں۔

مسٹر کیو عدالت میں

محکمہ سراغ رسانی کا ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ شہر کے سارے بڑے حکام موجود تھے۔ انور او رشیدہ کو پہلی صف میں جگہ ملی تھی۔ سرجنٹ حمید ناک بھوں چڑھائے پھٹا پھٹا پھر رہا تھا۔ فرید کی تقریر کے دوران میں ایک مرتبہ بھی اس نے ہال میں قدم رکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی کیس کی تمہید کے بعد فریدی ایک لمحے کے لئے رکا اور پھر مجمع پر ایک اچٹتی سی نظر ڈال کر بولا "ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ مسٹر کیو کی شخصیت بڑے عجیب طریقے پر پردہ راز میں تھی۔ مجھے پہلے ہی سے علم تھا کہ سیکرٹ سروس کے پانچ آدمی اس نام کو استعمال کر رہے ہیں۔ میں ان کے ٹھکانے سے واقف نہیں تھا۔ لیکن اس اطلاع کے بعد اُن کے متعلق چھان بین کرنا ضرور

ہو گیا۔ بہر حال مختصراً یہ کہ میں نے ان کے ٹھکانے کا پتہ تو لگا لیا لیکن نہ تو ان کے ٹرانسمیٹر کا سراغ ملا اور نہ خود ان کا۔ کافی غور وخوض کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ انہیں شاید مجرموں نے ختم ہی کر دیا۔ لیکن سیکرٹ سروس کا ہیڈ کوارٹر برابر یہی کہے جا رہا تھا کہ وہ نہ صرف موجود ہیں بلکہ اپنی تنخواہیں بھی لے رہے ہیں۔ بات عجیب تھی۔ مگر میں اپنے ہی نظریئے پر جما رہا۔ آخر آج ڈاکٹر نارنگ نے اس بات کا اعتراف کر ہی لیا کہ اس نے ان پانچوں کو ختم کر کے ان کی چیزوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ ایک طرف وہ انہیں اپنے جرائم کا بھی آلہ کار بناتا رہا اور دوسری طرف سیکرٹ سروس کے ہیڈ کوارٹر سے بھی رابطہ قائم رکھا حتیٰ کہ ان پانچوں کی تنخواہیں تک حاصل کرتا رہا۔ اس طرح وہ حکومت کے اہم رازوں میں بھی دخیل ہوتا گیا۔

"لیکن اس کا مقصد کیا تھا....؟" کسی نے سوال کیا۔

"مقصد.... اس نے اپنے خلاف لگائے ہوئے الزامات کا اعتراف کر لیا ہے لیکن.... مقصد مقصد کے متعلق کہتا ہے کہ اس کا اظہار عدالت ہی میں کرے گا۔"

"تمہارا کیا خیال ہے؟" ڈی۔ آئی۔ جی نے بے چینی سے پوچھا۔

"میرا خیال! میرا خیال یہ ہے کہ ان کے سارے جرائم کے پس منظر میں کوئی اہم تنظیم نہیں تھی۔ اگر اس نے اقتدار حاصل کرنے کے لئے ایسا کیا تھا تو میدان سیاست کے بہترین کھلاڑیوں کو اپنے بس میں کرنے کی کوشش کرتا لیکن اس کے برعکس اس کے آدمیوں میں سبھی قانون کے مجرم نظر آتے ہیں۔ معمولی چور اُچکے، قاتل، سازشی اور قانوناً ناجائز اشیاء کی تجارت کرنے والے۔ بہر حال میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ سب کچھ محض دہشت اور انتشار پھیلانے کے لئے تھا اور وہ بھی قطعی بلا مقصد! میں اسے ایک طرح کا جنون ہی سمجھنے پر مجبور ہوں۔ میرا دعویٰ ہے کہ ڈاکٹر نارنگ کسی خطرناک کومپلکس کا شکار ہے۔"

"خیر یہ بات بھی کھل ہی جائے گی۔ تم اپنا بیان جاری رکھو۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"اس کے ساتھی ناگر کی مصنوعی خودکشی کے متعلق تو بتا ہی چکا ہوں۔ اگر ایسا نہ کرتا تو ڈاکٹر نارنگ اُسے کسی حال میں بھی زندہ نہ چھوڑتا۔ اس کا طریقہ شروع ہی سے یہ رہا ہے کہ اگر وہ اپنے کسی ساتھی کے متعلق یہ محسوس کر لیتا تھا کہ وہ پولیس کے ہتھے چڑھ جائے گا تو وہ اسے زندہ ہی نہیں چھوڑتا تھا۔ مقصد اس کا یہ تھا کہ مسٹر کیو کا نام بھی پردہ راز ہی میں رہے۔ بہر حال میری

احتیاط سے اتنا تو ہوا کہ ناگر بچ گیا۔ لیکن مسٹر کیو کو اس کی خودکشی پر یقین نہیں آیا تھا۔ اس لئے اس نے خود ہی اپنا نام اپنے ہی ذریعہ سے ظاہر کر دیا۔ اس میں بھی اس کی ایک گہری چال تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ خود ہر طرح کے شبہات سے بالاتر رہے۔ چونکہ سب سے پہلے اس کا دیہی بنگلہ مگر سراغ رسانی کے ایک فرد سرجنٹ حمید کو مشتبہ معلوم ہوا تھا اس لئے اس نے ہر طرح سے اپنی صفائی ضروری سمجھی اور میں تو یہاں تک کہنے کے لئے تیار ہوں کہ اگر حمید کو اس بنگلے میں وہ حادثہ نہ پیش آیا ہوتا تو ہم آج بھی ان سارے جرائم کی روح رواں سے ناواقف ہوتے۔ ڈاکٹر نارنگ نے اپنے ساتھیوں کی اس حماقت پر پردہ ڈالنے کے لئے اتنے پاپڑ بیلے کہ اس سے غلطیاں ہی سرزد ہوتی چلی گئیں اور نتیجے کے طور پر اسے قانون کی گرفت میں آجانا پڑا.... ہاں تو.... کرنل فرید کے سیکریٹری ساجد اور نارنگ کے ساتھی ناگر کے بیان سے مجھے اس کے طریقہ کار کا علم ہوا۔ جو بڑا عجیب تھا۔ وہ ایسے مجرموں کو بلیک میل کر کے اپنے گروہ میں شامل کر لیتا تھا جن کے جرائم سے پولیس بھی لاعلم ہوتی تھی اور اس کے لئے وہ سیکرٹ سروس والوں کا ٹرانسمیٹر استعمال کرتا تھا۔ اس طرح وہ اپنے ساتھیوں کے لئے بھی معمہ بنا ہوا تھا۔ اس نے یہ چیز بھی ان کے ذہن نشین کرا دی تھی کہ اگر ان میں سے کسی نے کبھی مسٹر کیو کی شخصیت کا راز معلوم کرنے کی کوشش کی تو ختم کر دیا جائے گا اور اس نے کئی یوں کے ساتھ یہی برتاؤ بھی کیا۔ صرف ساجد ہی ایسا تھا جو بچ گیا۔ وہ بھی اگر پاگل خانے کی رہ لینا تو اس کی زندگی بھی ناممکن تھی۔"

"بھئی.... وہ جعفری والا واقعہ۔" ڈی۔ آئی۔ جی مضطربانہ انداز میں بولا۔

"اسی کی طرف آرہا ہوں۔" فریدی نے مسکراتے ہوئے تقریر جاری رکھی۔ جب مجھ پر اور حمید پر حملہ ہوا تو میں نے یہی مناسب سمجھا کہ روپوش ہو جائیں۔ مجھ سے دراصل ایک زبردست غلطی ہوئی تھی۔ اس مائیکروفون والے واقعے میں بھی مجھے راز داری ہی برتنی چاہئے تھی۔ بہرحال مجھ پر وہ حملہ ڈاکٹر نارنگ کی جھلاہٹ ہی کا نتیجہ تھا۔ اس طرح میں نے اس کا ایک محیر العقول حربہ قطعی بیکار کر دیا تھا۔"

"وہ اڑنے والی رائفل کہاں ہے۔" متعدد آوازیں آئیں۔

"ابھی تک نہیں برآمد ہو سکی۔ ڈاکٹر نارنگ نے ابھی تک اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔ بہرحال میں اپنی روپوشی کے لئے کسی اچھی سی جگہ کی تلاش میں تھا اسی دوران میں میں نے فیصلہ

یا کہ ایسی صورت میں کسی ایک جگہ رہنا ٹھیک نہیں تھا ابھی میں شہر ہی تک محدود تھا کہ ساجد اور ر کے تجربات کا علم ہوا اور میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ مسٹر کیو پر ہاتھ ڈالنے کا ایک طریقہ ہو سکتا ہے کہ میں بھی مجرموں کا رول ادا کر کے اس تک پہنچوں۔ کچھ ایسے جرائم کروں جو مسٹر کیو کو نی طرف متوجہ کر لیں اور وہ مجھے بھی بلیک میل کر کے اپنے گروہ میں شامل ہونے پر مجبور رے۔ میں اسی اُدھیڑ بن میں مصروف ایک شام راجروپ نگر کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں ب کار الٹی ہوئی کار پر نظر پڑی۔ وہ غالباً ایک درخت سے ٹکرا کر الٹی تھی۔ وہ سڑک عموماً ویران ار رہتی ہے۔ اس لئے شاید ابھی تک کسی نے اس طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ بہرحال اس کار میں ھے جیمس اینڈ جعفری کا جنرل منیجر جعفری دکھائی دیا جو بہت زیادہ زخمی ہو گیا تھا۔ اس کے منہ سے راب کی بو آرہی تھی۔ بس اسی وقت اچانک میری اسکیم مرتب ہو گئی۔ جعفری دیکھنے میں خاصا اوٹا معلوم ہوتا ہے اور کچھ خبطی سا بھی ہے۔ شہر میں نہیں رہتا۔ دیہاتوں اور غیر آباد مقامات اس نے چھوٹے چھوٹے مکانات بنوا رکھے ہیں۔ انہیں میں اس کا قیام رہتا ہے۔ میری اس کی نہی رسمی سی ملاقات تھی۔ میں نے سوچا اس سے کام لینا زیادہ مناسب رہے گا۔ میں نے اسے الٹی ئی کار سے نکال کر اپنی گاڑی میں ڈالا اور راجروپ نگر کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں میں نے فری کو اپنے ایک دوست ڈاکٹر شوکت کے سپرد کیا اور اسے ساری باتیں سمجھا دیں۔ مجھے توقع ی تھی کہ جعفری کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا اور یہی ہوا۔ وہ ہوش میں آنے کے بعد ڈاکٹر وکت ہی کا مہمان رہا۔ بہرحال اس کے دفتر میں کسی کو میرے متعلق ذرہ برابر بھی شبہ نہ ہوا اور میان ہی کیوں دیتا۔ دفتر والے تو اس سے لرزتے ہی رہا کرتے تھے.... پھر میں نے رشیدہ کو اس ے دفتر میں جگہ دی۔ شروع ہی سے ارادہ تھا کہ اپنے جرائم کے ذریعہ رشیدہ ہی کو بناؤں گا۔ اسے ا کا ذرہ برابر بھی علم نہ تھا کہ وہ فریدی جس نے اسے وہاں ملازمت کرنے کی ترغیب دی ہے۔ دہی جعفری بھی ہے۔ اس طرح اس کے دل میں بناوٹ نہیں ہونے پائی.... جس دن دفتر کی اشی ہوئی اسی دن میرا نام مسٹر کیو کی لسٹ میں آگیا۔ اس کے آدمی میرے متعلق اور زیادہ علومات فراہم کرنے کی کوشش کرتے رہے.... اس کے گروہ کی ایک لڑکی کنول نے اس کا پتہ الیا تھا کہ اس تلاشی میں رشیدہ ہی کا ہاتھ تھا۔ بہرحال میں رشیدہ کو لے اڑا۔ مسٹر کیو کا کوئی آدمی ری کار کا تعاقب کر رہا تھا میں نے اس کا ایک ٹائر پھاڑ دیا۔ محض اسے یہ باور کرانے کے لئے کہ

میں اُسے پولیس کا کوئی آدمی سمجھا ہوں۔ جس مکان میں رشیدہ کو لے گیا تھا وہ جعفری ہی کا ہے اور ایک غیر آباد مقام پر واقع ہے۔ میں نے کئی دنوں سے وہیں بود و باش اختیار کر رکھی تھی اور برابر یہ محسوس کرتا رہا تھا کہ اس کی نگرانی ہو رہی ہے۔ لیکن میں بظاہر بے پروا نظر آتا رہا۔ ہاں، تو جب میں رشیدہ کو باندھ رہا تھا تو ہم پر ایک تیز قسم کی روشنی پڑی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ کسی فلیش کیمرے کی ہے۔ اس پر میں نے چیخ چلا کر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ وہ کسی پولیس والے کی حرکت تھی۔ میں نے عمداً رشیدہ سے ساری گفتگو اونچی آواز میں کی تھی۔ لیکن اب یہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اسے مسٹر کیو کے آدمی نہ اٹھالے جائیں۔ کیونکہ انہیں کسی ایسے آدمی کی شدت سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی جو فریدی کا پتہ اور نشان جانتا ہو۔۔۔۔ دوسرے دن صبح ہی میں نے رشیدہ کو بے ہوش کر کے ایک ٹرک میں ڈالا اور اس کے اوپر پیال لاد دیا۔ اس طرح اسے بھی راجروپ نگر پہنچایا اس وقت میں جعفری کی شکل میں نہیں تھا۔ نگرانی کرنے والے اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکے تھے۔ اس لئے میدان صاف تھا۔۔۔ دوسرے دن آفس میں مجھے وہی تصویر ملی جو میں نے بعد میں انور کو بھیج دی تھی۔ تصویر کے ساتھ ہی مسٹر کیو کا ایک دھمکی آمیز خط بھی تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ اگر میں اس کے گروہ میں نہ شامل ہوا اور اس کے احکامات کی تعمیل نہ کی تو وہ تصویر پولیس کے حوالے کر دی جائے گی۔ میرا جواب اس نے ایک ویران جگہ پر مانگا تھا۔ میں نے جواب لکھ کر وہاں رکھ دیا۔ خط و کتابت جاری رہی۔ جس کے ذریعہ اس نے مجھے کئی جرائم کی ترغیب دی۔ بہر حال میں پیغام رسانی کے طریقے کا راز جاننے کا کوشاں رہا۔ پھر مجھے جلد ہی معلوم ہو گیا کہ اس کے خطوط کئی ہاتھوں سے گذرتے ہوئے مجھ تک پہنچتے ہیں۔ اسی طرح وہ خط بھی کئی ہاتھوں سے گذرتا ہوا ساگر مینشن تک پہنچا تھا اور پھر وہاں سے اسے کوئی نامہ بر کبوتر ڈاکٹر نارنگ تک پہنچا دیتا تھا اور ڈاکٹر نارنگ کا ٹائپ کیا ہوا خط کبوتر ہی کے ذریعے ساگر مینشن تک پہنچتا تھا۔ مجھے کئی دنوں تک ان کبوتروں کا تعاقب کرنا پڑا تب جا کر یہ راز کھلا کہ وہ ڈاکٹر نارنگ کی کوٹھی پر اترتے ہیں۔ پھر میں نے اپنی کئی راتیں چوروں کی طرح ساگر مینشن اور نارنگ کی کوٹھی کی تلاشی لینے میں صرف کیں اور جب مکمل طور پر اس بات کا یقین ہو گیا کہ اصل مجرم نارنگ ہی ہے تو میں نے وہ تصویر انور کو بھیج دی۔ جب جعفری کے دفتر کی تلاشی ہو رہی تھی تو اس وقت میں سڑک ہی پر موجود تھا۔ لیکن دوسرے بھیس میں۔ ڈی۔ آئی۔ جی کی واپسی پر میں نے انہیں ڈاکٹر

نارنگ کی طرف سے فون کیا۔۔۔۔ اور پھر جو کچھ بھی ہوا آپ جانتے ہی ہیں۔"

تمام واقعات صاف ہو چکے تھے لیکن لوگ نارنگ کا بیان سننے کے لئے بے تاب تھے۔ جس ن عدالت میں ڈاکٹر نارنگ کا بیان ہونے والا تھا کہیں تل رکھنے کی بھی جگہ نہیں تھی۔ صرف خواص ہی کا داخلہ ہو سکا تھا۔ عوام سڑک پر اور عدالت کے صحن میں بھرے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر نارنگ نے بڑی شرافت سے استدعا کی تھی کہ باہر والوں تک اس کی آواز پہنچنے کے لئے مائیکرو ون کا انتظام کیا جائے۔ پہلے اس کی یہ درخواست مسترد کر دی گئی لیکن جب اُس نے اس بات کا یقین دلایا کہ ملک کے مفاد کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہے گا تو درخواست منظور کر لی گئی اس نے یہ بھی کہا کہ اگر وہ کوئی ایسی بات شروع کرے تو مائیکروفون کا سلسلہ منقطع بھی کیا جا سکتا ہے۔۔۔۔ بڑی عجیب درخواست تھی۔

نارنگ قیدیوں کے کپڑے پہنے ہوئے کٹہرے میں بیٹھا تھا۔ لیکن یہ بڑی عجیب بات تھی کہ پہلے سے بھی زیادہ تندرست نظر آ رہا تھا۔ چہرہ سرخ تھا اور آنکھوں میں عجیب طرح کی چمک نظر آ رہی تھی۔ جب وہ اپنا بیان دینے کے لئے کھڑا ہوا تو عدالت میں سناٹا چھا گیا۔ پھر حلف دینے کی رسم شروع ہونے والی تھی کہ اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "کسی موہوم ہستی کو درمیان میں لانے کی ضرورت نہیں میں جو کچھ بھی کہوں گا سچ ہی کہوں گا۔ البتہ میں بہتے ہوئے خون کی قسم کھا سکتا ہوں۔ کیونکہ خون ریزی ہی میرا مذہب رہا ہے۔ لوگ میرے جرائم کا مقصد جاننے کے لئے بے تاب ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ جو مقصد کسی مذہب کا ہو سکتا ہے وہی میری خونریزی کا بھی تھا۔ مذہب انفرادی اور اجتماعی سکون کا ذریعہ ہے اور میں صرف انفرادیت میں یقین رکھتا ہوں محض اس لئے کہ اجتماعی زندگی نے مجھے حرامی قرار دیا تھا۔

حرامی! ہاں میں حرامی ہوں۔۔۔۔ میری سنجیدگی پر کئی منہ حیرت سے کھل گئے ہیں۔ کچھ مسکرا بھی رہے ہیں اور آنریبل چیف جسٹس یہ سوچ رہے ہیں کہ شاید اب میں پاگل پن کا ڈھونگ رچانے جا رہا ہوں۔ اپنے کپڑے پھاڑ ڈالوں گا اور پھر اس وقت تک پھانسی سے بچا رہوں گا جب تک مجھے پاگل خانے میں قیام کرنا پڑے گا۔۔۔۔ نہیں میں باہوش و حواس کہہ رہا ہوں کہ میں حرامی ہوں۔ میں اپنی ماں کی شادی کے ٹھیک پانچویں مہینے میں پیدا ہوا تھا۔ اس سانحے پر اس نے تو خودکشی کر لی تھی لیکن وہ شخص جس سے اُس کی شادی ہوئی تھی۔۔۔۔ میں اس کا تذکرہ اتنے عامیانہ

انداز میں کر کے اس کی توہین کر رہا ہوں.... وہ دنیا کا عظیم ترین شخص تھا میں تو اُسے خدا تک کہنے کے لئے تیار ہوں۔ اس نے مجھے اپنے بیٹے کی طرح پالا اور پھر دوسری شادی نہ کی.... ہوش سنبھالنے پر مجھے یہ سمجھایا گیا کہ حرامی کہتے کسے ہیں.... میری ماں کا شوہر اس پر جھنجھلاتا اور اپنی بوٹیاں نوچتا۔ گاؤں بھر سے اس نے دشمنی مول لے لی لیکن پھر بھی وہ میرے لئے دوسروں سے لڑتا رہا۔ عورتیں اپنے بچوں کو میرے ساتھ کھیلنے سے روکتی تھیں میں بچپن ہی سے بڑا حساس تھا۔ مجھ پر عرصہ حیات تنگ ہو گیا۔ کچھ اور بڑا ہوا تو سوچنے لگا کہ آخر حرامی ہونے میں میرا اپنا کیا قصور ہے۔ میرے پالنے والے نے تنگ آ کر مجھے شہر کے ایک ہوسٹل میں بھیج دیا۔ بچپن ہی سے ذہین تھا۔ لکھنے پڑھنے میں دل زیادہ لگتا تھا.... میں تعلیم حاصل کرنے میں مصروف ہو گیا۔ لیکن وہاں بھی مشکل سے ایک ہی سال سکون سے گزار پایا۔ دوسرے سال اسی ہوسٹل میں میرے گاؤں کے دو ایک لڑکے اور بھی آ گئے۔ مجھے پھر وہی آوازیں سنائی دینے لگیں.... "ڈاکٹر نارنگ، ایک لحظہ کے لئے رکا۔ عدالت میں سناٹا چھا گیا تھا۔ وہ چند لمحے مجمعے کو گھورتا رہا پھر گرج کر بولا۔ "مجھے بتاؤ میں کیا کرتا.... مجھے جواب دو؟ اگر کوئی مادر زاد لنگڑا ہو تو لوگوں کو اس سے ہمدردی ہوتی ہے۔ مادر زاد اندھے ہندوؤں میں سورداس اور مسلمانوں میں حافظ کہلاتے ہیں.... لیکن میں.... کیا میں بذات خود ایک بہت بڑی مجبوری.... نہیں تھا، کیا میں ایک بیماری کی طرح نہیں پیدا ہوا تھا۔ اگر میں شاستر پڑھ لیتا تب بھی حرامی ہی رہتا۔ اگر قرآن بھی حفظ کر لیتا تو لوگ مجھے حافظ کہتے ہوئے ہچکچاتے۔ آخر کیوں! کیا میں بھی ایک لنگڑے یا اندھے کی طرح اپنی پیدائش کے معاملے میں بے بس نہیں تھا.... زانی اور زانیہ اگر تائب ہو جائیں تو خدا ان کے گناہ معاف کر دیتا ہے لیکن میں تمہارے خدا سے پوچھتا ہوں کہ آخر اس نے حرامی کو کیوں اپنے بندوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے.... وہ جس کا میں نطفہ ہوں وہ اگر تائب ہو کر مولوی یا پنڈت ہو گیا ہو گا تو لوگ اس کے قدم چوم رہے ہوں گے اور وہ بہشت یا سورگ کی آس لگائے بیٹھا ہو گا... لیکن.... میں.... میں کس طرح خود کو بدل سکتا ہوں۔ میں حرامی ہوں۔ کوئی عادت نہیں ہوں کہ بدل جاؤں.... میں ماضی.... حال.... اور مستقبل تینوں سے محروم ہوں۔ حال محض اس لئے کامیاب رہا کہ میں خود کو چھپانے میں کامیاب ہو گیا۔ اگر واقعی کوئی دوسری زندگی بھی ہے تو.... میں اس سے بھی مایوس ہوں کیونکہ بعض مذاہب حرامی کو ہر حال میں جہنمی قرار دیتے ہیں

ہیں کہ حرامی ہر حال میں مرنے سے قبل خود کو جہنم کا مستحق بنا لیتا ہے چلئے حرامی کو راہِ مستقیم سے بھی محروم کر دیا گیا۔ پھر آخر کیا کرے کہاں جائے۔ بتاؤ نا.... بولو.... جواب دو۔"

ڈاکٹر نارنگ خاموش ہو کر مجمع کو کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔

"کوئی نہیں بولے گا۔" اس نے زہر خند کے ساتھ تقریر پھر شروع کر دی۔ "میں بہت گے بڑھ آیا۔ لوگ یہ جاننے کے لئے بیتاب ہوں گے کہ ایک حرامی ایم۔پی کیسے بن گیا۔ اسے حق کس طرح مل گیا۔ میں انہیں مایوس نہ کروں گا۔ ہاں تو میں اس ہوسٹل سے فرار ہو گیا اور یہ کر لیا کہ کسی ایسی جگہ چلا جاؤں گا جہاں مجھے کوئی جانتا نہ ہو۔ میں اس میں آج تک کامیاب رہا۔ نے گھٹیا سے گھٹیا مزدوریاں کیں مگر تعلیم نہ چھوڑی۔ سیاست میں ایم۔اے کرنے کے بعد باقاعدہ طور پر میدان سیاست میں اتر آیا لیکن وہ حرامی والا کومپلکس اب بھی مجھے بے چین کئے ہے تھا۔ مجھے آدمی سے نفرت تھی۔ میں سوچتا تھا کہ اگر کسی کو یہ معلوم ہو گیا کہ میں حرامی ں تو ساری عظمت آن کی آن میں ڈھیر ہو جائے گی۔ جھنجھلاہٹ نے میری خون کی پیاس بڑھا ۔ کسی بھی آدمی کو بے بس کر کے مجھے سچی خوشی حاصل ہوتی تھی۔ میں ایک ایسے مبارک ت کے خواب دیکھا کرتا تھا جب ایک ایسی قوت میرے ہاتھوں میں ہو کہ لوگ اس کے آگے بے بس ہو کر رہ جائیں۔ مجھے اقتدار کی خواہش نہیں تھی۔ میں تو لوگوں کو خوفزدہ دیکھنا چاہتا تھا۔ نیوں کی کراہیں اور مرنے والوں کی ہچکیاں سننا چاہتا تھا.... میں حرامی تھا اسلئے خود کو جہنم کا تحق بنا رہا تھا.... جہنم....!"

نارنگ نے رک کر قہقہہ لگایا۔ "جہنم.... کیا شہر اس دوران میں جہنم نہیں تھا کیا میں اس م کا مستحق ہرگز نہ بنتا۔ میرا خیال ہے کہ دنیا کے نیک اور شریف آدمیوں میں کم از کم پانچ دی حرامی ضرور ہوں گے لیکن وہ اس لئے قابل نفرت نہیں ہیں کہ ان کی ماؤں نے انہیں یہ بتایا ہو گا کہ وہ حرامی ہیں۔ لہٰذا وہ سو فیصدی بہشت کے مستحق ہیں۔"

ڈاکٹر نارنگ کی آواز دھیمی پڑ گئی اور وہ مسکرا کر بولا۔ "میں نے اپنے جرائم کا اعتراف کر لیا ، اور ابھی میں بعض مضحکہ خیز قسم کے فیصلے سنوں گا۔"

"آرڈر.... آرڈر....!" جج میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

"میں اب بھی وقت کا سب سے بڑا آرڈر ہوں۔" ڈاکٹر نارنگ نے قہقہہ لگایا۔ "اس مقدمے

کے دوران میں میں نے کئی بار عدالت کی توہین کی ہے۔ اس لئے پھانسی کے ساتھ توہین عدالت کے سلسلے میں چھ ماہ کی سزا ضرور رکھی گئی ہوگی۔ لہٰذا میں عدالت سے درخواست کروں گا کہ پھانسی کے بعد ہی مجھے چھ ماہ کی سزائے قید دی جائے۔"

حاضرین کے قہقہے کسی طرح رک نہ سکے۔

عدالت نے پھر میز پر موگری بجانی شروع کر دی۔

عدالت برخواست ہونے پر فریدی بہت زیادہ سنجیدہ نظر آرہا تھا۔ حمید کے چھیڑنے پر آہستہ سے بولا۔

"اگر یہ غلط راستے پر نہ نکل گیا ہوتا تو بڑا عظیم آدمی ہوتا۔"

"اونہہ۔۔۔!" حمید نے بُرا سا منہ بنایا۔ "کنول کا کیا رہا۔"

"وہ اور ناگر سرکاری گواہ کی حیثیت سے پیش ہوئے ہیں! ظاہر ہے کہ بری ہو جائیں گے۔"

"وہ را نکل نہ جانے کیا ہوئی۔"

"کیا تم پچھلی کارروائیوں کے دوران سوتے رہے ہو۔ اُس نے اسے اسی وقت تباہ کر دیا تھا جب میں نے مائیکروفون کے امتناع کے لئے آرڈر نکلوائے تھے۔"

ڈاکٹر نارنگ کی پھانسی کا منظر بھی عجیب تھا جنہوں نے اسے اس وقت دیکھا تھا ان کا بیان ہے کہ وہ گوشت و پوست کا آدمی تو معلوم ہی نہیں ہوتا تھا۔ اس کے چہرے پر خوف یا اضمحلال کی جگہ شگفتگی تھی۔ جب اس سے اس کی آخری خواہش پوچھی گئی تو مسکرا کر بولا۔ "پوچھنے سے کیا فائدہ جبکہ پوری ہی نہ کی جاسکے۔ میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ جتنے بھی موجود ہیں انہیں بڑے بے دردی سے قتل کر دوں۔ آخری خواہش پوچھنے کا ڈھکوسلہ بھی عجیب ہے! اچھا خیر چلو! اگر پوچھنا ہی ہے تو ایک بڑی معمولی سی خواہش پوری کر دو۔ میرے مرنے سے پہلے یہی کہہ دو کہ ڈاکٹر نارنگ حرامی نہیں ہے۔"

وہ تھوڑی دیر تک خاموشی سے کھڑا اس مجمعے کو دیکھتا رہا جیسے گویا سانپ سونگھ گیا تھا۔ پھر اس نے ایک زہریلا سا قہقہہ لگایا اور بلا تکان پھانسی کے تختے پر چڑھ گیا۔

ختم شد

ابنِ صفی

جلد نمبر 10

جاسوسی دنیا

30- مونچھ مونڈنے والی

31- گیتوں کے دھماکے

32- سیاہ پوش لٹیرا



پیشرس

عظیم مصنف ابن صفی نے ایک بار پھر یہ ثابت کر دیا کہ صرف ان ہی کا قلم ان کے قائم کئے ریکارڈ توڑ سکتا ہے۔ انہوں نے یہ بات منوائی کہ اردو ادب میں ایک نئی تاریخ کا اضافہ کرنے والا قلم اپنے اندر وہ شگفتگی اور شادابی رکھتا ہے جسے دیکھ کر گل و لالہ کی رعنائی شرما جاتی ہے۔ اس کے اندر بے پناہ طاقت ہے کہ کبھی وہ رومان کے سمن زاروں کی لوریاں سناتا ہے۔ کبھی دیوار قہقہہ کی چلتی پھرتی صورتیں لاتا ہے کہ ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ جائیں۔ کبھی استعجاب کا سمندر ہے۔ کبھی پیچیدہ، پُر اسرار، سنسنی خیز واقعات کے حسین طلسم کی فسوں کاری ابن صفی کے اسی کمال نے انہیں لاکھوں انسانوں کا محبوب مصنف بنادیا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اردو میں کسی مصنف کو اپنی زندگی میں اتنی مقبولیت حاصل نہیں ہوئی جو ابن صفی کو حاصل ہے۔

پبلشر

تفریح

ستمبر کی ایک اداس شام تھی۔

سرجنٹ حمید کی اکتاہٹیں اپنی انتہائی منزلیں طے کر رہی تھیں۔ صبح سے وہ منہ باندھے گھر ہی پر پڑا رہا تھا نہ کوئی تفریح تھی اور نہ دلچسپی! فریدی پر آج کل مطالعے کا بھوت سوار تھا لہٰذا وہ ہر وقت لائبریری ہی میں پڑا رہتا تھا۔ حکم تھا کہ اس سے کوئی غیر ضروری بات نہ کی جائے۔

مسٹر کیو والے کیس سے فرصت پاکر اُس نے تین ماہ کی چھٹی لے لی تھی، جو اس شرط پر ملی تھی کہ ضرورت پڑنے پر اُسے طلب بھی کیا جاسکتا ہے۔ جب اُس نے چھٹی کی درخواست دی تھی تو حمید نے کافی دیر تک بغلیں بجائی تھیں کیونکہ اسے توقع تھی کہ یہ چھٹیاں زیادہ تر تفریحات ہی میں گزریں گی لیکن جب فریدی نے لائبریری کی راہ لی تو اس کی امیدوں پر اوس پڑ گئی۔

ممکن ہے کہ وہ شام دوسروں کے لئے حسین رہی ہو۔ لیکن حمید کو تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے جلو میں کفن اور کافور کی ٹھنڈک لئے ہوئے آئی ہو۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُسے رنگین کس طرح بنائے۔ فلموں سے تو اس کی طبیعت ہی اچاٹ ہو گئی تھی۔ وہی گھسے پٹے پلاٹ۔ وہی پرانی ریں ریں ٹیں ٹیں۔ ایک لڑکی اور لڑکا جن کا ایک دوسرے پر عاشق ہو کر شادی کے لئے ادھار کھانا ضروری۔ لڑکے یا لڑکی کے والدین کی ناراضگی برحق۔

ایک عدد ویلین کی خرمستیاں یا مست خرامیاں لازمی۔ ایک بے ہنگم سے اور چغد قسم کے کومیڈین کی موجودگی لازمی۔ اس پر سے غزلوں اور گیتوں کے ردے ولادت اور رحلت پر ہیروئن کی غزلیں، جو عموماً سیاہ لباس اور گلیسرین کے آنسوؤں کے ساتھ ہوتی ہیں۔ قصاب کی چھری سے

کم نہیں۔ دیکھو تو دیکھو ورنہ ٹکٹ کے داموں سمیت جہنم میں جاؤ۔

رہ گئے ہالی ووڈ کے فلم توان کا کیا پوچھنا۔ ٹانگوں کے علاوہ اور کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا۔ پلاٹ ٹانگیں! سینریو! ٹانگیں! اسکرین پلے ٹانگیں، مقصد بھی ٹانگیں ہی اور نتیجے کے طور پر صرف یکے ٹانگے والوں کی چاندی اور شریف قسم کے طالب علم اپنی مدد آپ کرنے کے صلے میں پیتل کی طرح زرد۔

حمید نے جھنجھلا کر صبح کے اخبار الٹنے شروع کر دیئے۔ اسے توقع تھی کہ شہر میں کہیں نہ کہیں کوئی تفریحی پروگرام ضرور ہوگا۔ آخر کار ایک اخبار کے مقامی خبروں کے کالموں میں ہوٹل ڈی فرانس کے تفریحی پروگرام پر نظر پڑ گئی۔ حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔

اور پھر جب وہ تیار ہو کر نکلا تو برآمدے میں فریدی سے مڈبھیڑ ہو گئی۔

"کیوں؟ کہاں....!" فریدی نے اسے نیچے سے اوپر تک گھورتے ہوئے پوچھا، وہ ایک نیچی سی آرام کرسی پر نیم دراز کسی کتاب کے مطالعے میں غرق تھا۔ بائیں طرف ایک پائی تھی جس پر زرد کور کا ٹیبل لیمپ روشن تھا۔ حمید بھنا کر پلٹ پڑا۔

"میں نے آپ کو سینکڑوں بار سمجھا دیا کہ ٹوکا مت کیجئے۔"

"شامت آئی ہے۔" فریدی نے کتاب بند کر کے میز پر رکھ دی۔

"جی نہیں جا رہی ہے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ فریدی اسے چند لمحے گھورتا رہا پھر کتاب اٹھا کر دوبارہ اس پر نظریں جما دیں۔

پہلے حمید نے سوچا تھا کہ باہر نکل کر کیڈی لاک نکالے گا۔ لیکن اب وہ پیدل ہی جا رہا تھا۔ جھنجھلاہٹ کچھ اور بڑھ گئی تھی اور اسی جھنجھلاہٹ کے تحت وہ سوچ رہا تھا کہ اب فریدی ناقابل برداشت حد تک خشک ہو گیا تھا اور کم از کم اب وہ تو اس کے ساتھ کسی طرح رہ نہیں سکتا اور کہا آپ کو اپنا پتھریلا پن مبارک آخر آپ دوسروں کی جان کو کیوں آجاتے ہیں۔ گھسے رہئے لائبریری میں کون منع کرتا ہے۔ لیکن دوسروں کو تو زندہ رہنے دیجئے۔

ہوٹل ڈی فرانس کی رقص گاہ ہمیشہ کی طرح آج بھی پررونق نظر آ رہی تھی۔ رقص شروع ہونے میں ابھی دیر تھی۔ حمید نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں کہ شائد کوئی شناسا مل جائے۔ لیکن مایوسی ہی ہوئی۔

چوبی فرش کے دونوں طرف کی گیلریوں میں ابھی تک کچھ پچھلی میزیں خالی تھیں۔ حمید ایک اچھی سی جگہ تلاش کر کے بیٹھ گیا۔ وہ جگہ اچھی اس لئے تھی کہ قریب ہی کی میز پر ایک کافی حسین سی لڑکی ایک انتہائی بے ڈھنگے اور بدصورت آدمی کے ساتھ بیٹھی ہوئی غالباً شیری یا پورٹ پی رہی تھی۔

حمید کی آمد پر وہ لڑکی اس پر ایک اچٹتی سی نظر ڈال کر دوبارہ اپنے گلاس کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔ حمید نے سوچا کہ اسے اپنی طرف پھر سے متوجہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس کی دانست میں یہ اس کی کھلی ہوئی توہین تھی کہ کوئی ایک بار اس کی طرف دیکھ کر دوبارہ نہ دیکھے....؟

میز پر مینو نہیں تھا۔ حمید نے ایک ویٹر کو اشارے سے بلایا۔

"آج کیا کیا ہے۔" اُس نے اس سے پوچھا۔

"سبھی کچھ صاحب۔ مٹن چاپ، برین چاپ، مٹن کٹلٹ... اسٹیک... میکرونی.... پڈنگ۔"

"میں تم سے موسم کا حال نہیں پوچھ رہا ہوں۔" حمید بگڑ کر بلند آواز میں بولا۔ لڑکی چونک کر اُس کی طرف دیکھنے لگی اور ویٹر کچھ گھبرا گیا۔

"جی صاحب۔"

"میں پوچھتا ہوں تلے ہوئے چوزے ہوں گے۔" حمید نے بھنا کر کہا۔

"ہاں صاحب.... چکن روشڈ....!"

"رولڈ گولڈ....!" حمید نے تحیر آمیز سنجیدگی سے کہا۔ "کیا مسخرہ پن ہے۔"

"رولڈ گولڈ نہیں.... چکن روشڈ۔" ویٹر زور سے بولا۔

"تو لاؤ نا ایک پلیٹ جھک کیوں مار رہے ہو۔"

لڑکی اپنے ساتھی کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگی اور وہ آہستہ سے بولا۔ "بہرا معلوم ہوتا ہے۔"

ویٹر چلا گیا۔ حمید کا مقصد حل ہو گیا تھا اس نے یہ حرکت محض اسی لئے کی تھی کہ لڑکی وقتاً فوقتاً اُس کی طرف دیکھتی رہے۔

آہستہ آہستہ خالی میزیں بھی بھرنی شروع ہو گئیں تھیں۔ تھوڑی دیر بعد ویٹر واپس آ گیا۔

"پروگرام کس وقت سے شروع ہوگا۔" اس نے ویٹر سے پوچھا۔

"آٹھ بجے سے۔"

"آٹھ بجے ہیں۔" حمید بگڑ گیا۔ "آٹھ نہیں آٹھ ہزار ہوں تو مجھ سے کیا! میں وقت پوچھتا ہوں اور آپ بچوں کی تعداد بتاتے ہیں۔ کسی دیہات سے پکڑ کر آئے ہو کیا۔"

لڑکی پھر ہنسنے لگی اور ویٹر نے بُرا سا منہ بنایا۔

"آٹھ بجے صاحب! ایٹ کلاک شارٹ....!" ویٹر زور سے بولا۔

"تو ایسا بولو نا۔" حمید نے کہا اور پلیٹ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ویٹر گردن جھٹک کر جا چکا تھا۔

"بہرا ہونا بھی عذاب ہی ہے۔ لڑکی اپنے ساتھی سے کہہ رہی تھی۔ کتنا خوش سلیقہ آدمی معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس عیب نے اس کی شخصیت ہی برباد کر دی۔"

حمید سر جھکائے کھانے میں مشغول رہا۔

لڑکی کے ساتھی نے کوئی دوسرا تذکرہ چھیڑ دیا۔ لڑکی بڑی دلکش تھی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اس سے کس طرح جان پہچان پیدا کرے۔

"ذرا.... دیکھو! اُدھر....!" لڑکی اپنے ساتھی سے مضطربانہ انداز میں بولی۔

حمید سمجھا شائد اس بار بھی اشارہ اسی کی طرف ہوا ہے۔ لہٰذا وہ سر جھکائے ہوئے کنکھیوں سے اُن کی طرف دیکھنے لگا۔ لیکن اس کا خیال درست نہیں تھا۔ لڑکی کی نظریں کچھ فاصلے پر بیٹھے ہوئے ایک دوسرے آدمی کی جانب اٹھی ہوئی تھیں۔ وہ بھی اپنی میز پر تنہا ہی تھا۔ ظاہری حالت سے معزز اور دولت مند معلوم ہوتا تھا۔ اگر چہرے پر بڑی بڑی اور گھنی مونچھیں نہ ہوتیں تو کچھ کم عمر معلوم ہوتا۔ آنکھیں بڑی اور پیشانی کشادہ تھی۔ وہ بھی کبھی کبھی کنکھیوں سے اس عجیب غریب جوڑے کو دیکھ لیتا تھا۔

"میرے خیال میں یہ مونچھ بھی ہمارے پیمانے کے مطابق ہے۔" لڑکی نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"ہے تو....!" اس کا ساتھی بے دلی سے بولا۔ "لیکن اب مجھے اس مکھی مار کام سے دلچسپی نہیں رہ گئی۔"

"ہوش میں ہو یا نہیں۔" لڑکی اسے گھورنے لگی۔

اس کا ساتھی کچھ نہ بولا۔ لیکن اس کے چہرے پر بیزاری کے آثار تھے۔

گفتگو بڑی عجیب تھی۔ حمید کو چونکنا پڑا لیکن وہ بدستور سر جھکائے ہوئے چوزوں کو آہستہ

آہستہ ادھیڑنے میں مصروف رہا۔ البتہ اس کے کان انہیں دونوں کی طرف لگے ہوئے تھے۔

"تم جانتے ہو کہ مجھے غصہ بھی آسکتا ہے۔" لڑکی پھر بولی۔

"میں نے انکار تو نہیں کیا۔" اس کے ساتھی نے گھٹی گھٹی سی آواز میں کہا۔ پھر وہ دوسری طرف منہ پھیر کر بیٹھ گیا اور وہ لڑکی اس بڑی مونچھوں والے کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ حمید کی دلچسپی بڑھ رہی تھی۔ اس نے گھنی مونچھوں والے کو مسکراتے دیکھا۔ لڑکی بھی بڑے میٹھے انداز میں مسکرا رہی تھی۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ اپنے ساتھی کو بھی اس طرح دیکھتی جا رہی تھی جیسے وہ یہ سب کچھ اس کی نادانستگی میں کر رہی ہو۔ اس کے ساتھی نے اس کی طرف سے منہ پھیر رکھا تھا۔

جلد ہی بڑی مونچھوں والا بُری طرح بے چین نظر آنے لگا۔

حمید بیٹھا دیکھتا رہا۔ دفعتاً لڑکی کا ساتھی اس کی طرف مڑا اور لڑکی اپنے گلاس کی طرف متوجہ ہو گئی اور وہ بڑی مونچھوں والا بھی چونک کر اپنے سامنے رکھی ہوئی پلیٹوں پر جھک گیا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ اس نے اسے کہاں دیکھا تھا۔ صورت کچھ جانی پہچانی سی تھی۔ اس نے ذہن پر زور دیا لیکن یاد نہ آیا۔ بہر حال تھوڑی دیر بعد وہ اسے پہچاننے کی کوشش ترک کر کے موجودہ دلچسپ حالات کا جائزہ لینے لگا۔

"میں ذرا باتھ روم تک جاؤں گا۔" لڑکی کا ساتھی اٹھتا ہوا بولا۔

اس کے چلے جانے کے بعد دونوں میں اشارے کنائے ہونے لگے۔ اتنے میں رقص کے لئے موسیقی شروع ہو گئی۔ لڑکی نے چوبی فرش کی طرف اشارہ کیا۔ بڑی مونچھ والا مضطربانہ انداز میں اپنی کرسی سے اٹھ رہا تھا۔

پھر حمید نے ان دونوں کو رقص کرنے والوں کی بھیڑ میں گم ہوتے دیکھا۔ لڑکی کا ساتھی ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ یہ سب کچھ تو ہوا لیکن حمید محسوس کر رہا تھا کہ وہ بڑے گھاٹے میں رہا ہے کیونکہ اب ہال میں کوئی ایسی صورت نظر نہیں آرہی تھی جو عمدہ قسم کی ہمرقص ثابت ہو سکتی۔ مجبوراً اُسے ایک ایسی صورت کا انتخاب کرنا پڑا جو تیس یا پینتیس سے کم نہیں تھی۔

اس کی طبیعت کافی بیزار تھی، اس لئے وہ اپنی ہمرقص سے گفتگو کے مواقع ٹال رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اس لڑکی اور بڑی مونچھ والے کے قریب پہنچ گیا۔

لڑکی اس سے کہہ رہی تھی۔

"آپ کے بازو! فولاد کی طرح سخت ہیں۔"

"اوہ! نہیں تو....!" مونچھ والا بے ڈھنگے پن سے ہنسا۔

"آپ کی آنکھیں بہت حسین ہیں۔"

"آپ مجھے بنا رہی ہیں۔"

"نہیں میں سچ کہتی ہوں۔ اوہ کاش ہم رات بھر اس طرح ناچتے رہیں۔"

"وہ آپ کے ساتھی کہاں گئے۔"

"کہیں بیٹھا پی رہا ہوگا اور پھر کتے کی طرح قے کرے گا۔" وہ نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر بولی۔

"آپ کے کوئی عزیز ہیں۔"

"ہاں....!" ایک ایسا بدگوشت جسے آپریشن کے ذریعہ الگ کرانے میں بھی تکلیف ہوگی۔

"یعنی....!"

"میرا شوہر ہے! خود کو انتہائی شریف ظاہر کر کے مجھ سے شادی کی۔ لیکن میرا دل ہی جانتا ہے۔ کئی کئی بوتلیں ایک ہی نشست میں صاف کر دیتا ہے.... یہی نہیں.... اب کیا بتاؤں۔"

"واقعی آپ کے ساتھ بڑا ظلم ہوا ہے۔" بڑی مونچھ والے نے کہا اور پھر اس کے بعد وہ موجودہ سسٹم کی برائیوں سے متعلق رٹے رٹائے جملے دہرانے لگا۔

"اب وہ رات بھر غائب رہے گا۔ یہاں ڈھیر ساری چڑھا کر کمسن لڑکوں کی تلاش میں نکل جائے گا۔ سور کمینہ.... کتا....!"

"ارے یہ بات بھی ہے۔" مونچھ والا ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "گولی مار دینے کے قابل ہے۔"

"اب آپ ہی بتائیے۔" لڑکی نے کہا۔ "اگر میں جھنجھلا کر اُس سے انتقام نہ لوں تو کیا کروں۔ عرصے تک شرافت کی زندگی بسر کرتی رہی۔ لیکن اب میں انتقام پر اتر آئی ہوں۔ پھر چاہے کوئی آوارہ سمجھے یا....!"

"آپ قطعی حق بجانب ہیں۔" بڑی مونچھ والا جلدی سے بولا۔ "مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔"

"اُس راؤنڈ کے بعد ہم گھر چلیں گے۔" لڑکی نے کہا۔

"ضرور.... ضرور....!" مونچھ والے کی آواز دردناک ہوگئی۔ "آپ جیسی حسین لڑکی

اور... اُف... یہ دنیا بڑی ظالم ہے۔ اگر آپ کہیں تو میں آپ کو اس سے نجات دلوا سکتا ہوں۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔" لڑکی بولی۔ "چھاتی پر مونگ دلنے والا محاورہ تو آپ جانتے ہی ہوں گے۔"

"اوہ اچھی طرح۔" مونچھ والے نے قہقہہ لگایا۔ "اچھا ہے ایسے آدمیوں کے ساتھ یہی برتاؤ ہونا چاہئے۔ آپ کی یہ اسپرٹ بڑی دقیع ہے جب تک ایسا نہ ہوگا آوارہ قسم کے شوہر راہِ راست پر نہ آئیں گے۔ ویسے کیا آپ کو یقین ہے کہ اُسے ہمارے مشاغل کا علم نہ ہوگا۔"

"قطعی نہیں! وہ شائد اب یہاں موجود بھی نہ ہو۔ دو ایک بوتلیں خرید کر کبھی کا چل دیا ہوگا۔"

حمید سوچ رہا تھا کہ یہ لڑکی اس کی جیب ضرور کاٹے گی۔ اس نے تہہ کر لیا کہ ان دونوں کا تعاقب ضرور کرے گا۔ اب اس نے ان کے قریب رہنا مناسب نہ سمجھا۔ دور سے بھی بہ آسانی ان پر نظر رکھ سکتا تھا۔

ادھر اس کی ہم رقص بڑی دیر سے اُسے گفتگو پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی اور وہ بدستور بہرا بنا ہوا تھا۔

"آپ بہت اچھا ناچتے ہیں۔" ہم رقص بولی۔

جواب میں حمید نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کیطرف دیکھ کر کہا۔ "آٹھ بج کر دس منٹ!"

"کیا؟" ہم رقص حیرت سے بولی۔

"نہیں گھڑی ٹھیک چل رہی ہے۔" حمید نے معصومیت سے کہا۔

"شائد آپ اونچا سنتے ہیں۔" ہم رقص مسکرا کر بولی۔

"تین بھائی ہیں۔" حمید نے کہا اور وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

"بھلا اس میں ہنسنے کی کیا بات۔" حمید بگڑ کر بولا۔

"میں نے یہ نہیں پوچھا تھا۔" اُس نے زور سے کہا۔

"پھر کیا کہا تھا....؟"

"میں نے کہا تھا کہ آپ بہت اچھا ناچتے ہیں۔"

"ناشتے کا وقت....!" حمید حیرت سے بولا۔ "بھلا یہ بھی کوئی ناشتے کا وقت ہے۔"

ہم رقص پھر ہنس پڑی۔

"کیا آپ بچپن ہی سے بہرے ہیں۔" اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"کہاں ٹھہرے ہیں؟ کون ٹھہرے ہیں؟" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"ٹھہرے نہیں بہرے۔" وہ جھنجھلا کر اُس کے کان میں چیخی۔

حمید اُسے گھورنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

"جی ہاں میں بہرہ ہوں۔ لیکن آپ کو اس طرح میرا مذاق اڑا کر دل نہ دکھانا چاہئے۔"

"میں نے مذاق کب اڑایا۔"

"خیر... اور بھی جو کچھ دل چاہے کہہ لیجئے۔ میں بڑا بدنصیب ہوں۔" حمید گلوگیر آواز میں بولا۔

"ارے.... آپ تو خواہ مخواہ....!" ہم رقص نے اُس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔

"نہیں میں واقعی بڑا بدنصیب ہوں۔" حمید بولا۔ "اسی عیب کی وجہ سے آج تک میری شادی نہ ہو سکی۔"

"شادی کریں گے آپ....؟" اس نے ہنس کر پوچھا۔

"جی ہاں! دادی کا انتقال ہو گیا۔" حمید نے رونی صورت بنا کر کہا۔ "بڑی نیک تھیں۔ بے چاری مجھے پیار سے چندھڑ کہا کرتی تھیں جس کے معنی مجھے آج تک نہ معلوم ہو سکے۔"

ہم رقص بے تحاشہ ہنس پڑی۔

"آپ کو غم ناک تذکروں پر بھی ہنسی آتی ہے۔" حمید پھر بگڑ گیا۔

"آپ، نہ جانیں کیا الٹا سیدھا سنتے ہیں۔" وہ بھی جھنجھلا گئی۔

"پھر کیا کہا تھا آپ نے....!"

"کچھ نہیں....!"

"کچھ تو کہا تھا۔ واہ یہ اچھی رہی۔ کیا خدا نے مجھے اس لئے بہرا کیا تھا کہ لوگ مجھے تنگ کریں۔"

"میں نے کہا تھا۔" وہ اس کے کان میں منہ لگا کر بولی۔ "آپ رقص گاہوں میں نہ آیا کریں۔"

"کیوں....؟"

"ورنہ کسی دن کوئی لڑکی آپ کی مرمت کر دے گی۔"

"محبت کر دے گی۔" حمید نے احمقوں کی طرح کہا۔ "میری ایسی قسمت کہاں۔"

"جہنم میں جاؤ۔" عورت بڑبڑائی۔

"نہیں پہلے آپ اپنا نام بتایئے۔ میں بعد کو بتاؤں گا۔"

"کس مصیبت میں پھنس گئی۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔

"خیر نہ بتایئے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "میرے بدنصیب کان اس قابل ہی نہیں ہیں کہ آپ کا پیارا پیارا نام سن سکیں۔"

عورت نے جھلا کر ایک جھکولا لیا اور حمید کی گرفت سے نکل گئی۔

وہ آگے جا رہی تھی اور حمید اس کے پیچھے تھا۔ گیلری میں پہنچ کر وہ ایک کرسی پر گر گئی۔

"کیا ہوا۔ کیا بات ہے۔" حمید گھبرائے ہوئے انداز میں اس پر جھکتا ہوا بولا۔

"پیچھا چھوڑو میرا۔" اس نے بگڑ کر کہا۔

حمید اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کیا طبیعت خراب ہے۔"

"نہیں! نہیں! نہیں! میرا پیچھا چھوڑ دو۔"

"سیدھا توڑ دوں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "کیا سیدھا توڑ دوں۔"

عورت نے جھلا کر اپنے دونوں ہاتھ پیشانی پر مار لئے۔

"سر توڑ دوں۔" حمید کھسیانے انداز میں ہنس کر بولا۔ "نہیں آپ مذاق کر رہی ہیں۔"

وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ تھوڑی دیر تک حمید کو شعلہ باز آنکھوں سے دیکھتی رہی پھر اُس کے منہ سے اس طرح کی آوازیں نکلنے لگیں جیسے ہسٹریا کا دورہ پڑ گیا ہو۔ "جنگلی.... گنوار.... احمق....!"

وہ تیزی سے مڑی اور جب وہ دروازے سے باہر نکل رہی تھی تو حمید کے ہونٹوں پر عجیب قسم کی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے جیب سے پائپ نکالا اور کرسی کی پشت سے ٹک کر تمباکو بھرنے لگا۔

وہ دونوں رقص کر رہے تھے۔ حمید انہیں دیکھتا رہا۔ پائپ سلگا کر وہ پھر اٹھا اس کی نظریں دراصل اس لڑکی کے بدصورت ساتھی کو تلاش کر رہی تھیں، اس نے پورے ہوٹل کا گوشہ گوشہ چھان مارا لیکن وہ نہ ملا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ وہ اس کا شوہر تو کسی طرح نہیں ہو سکتا۔

وہ پھر گیلری کی طرف لوٹ آیا۔

تھوڑی دیر بعد پہلا راؤنڈ ختم ہو گیا۔ دوسروں کے ساتھ وہ دونوں بھی گیلری میں لوٹ آئے۔ وہ اس میز پر تھے جس پر پہلے وہ لڑکی اور اس کا بدصورت ساتھی بیٹھے تھے۔

حمید کرسی کی پشت سے ٹکا ہوا پائپ پیتا رہا۔

"میں ذرا اسے دیکھ لوں۔" لڑکی اٹھتی ہوئی بولی۔

اس کی عدم موجودگی میں بڑی مونچھ والا مضطربانہ انداز میں بار بار پہلو بدلتا رہا۔ کبھی انگلیوں سے میز کا کونہ کھٹکھٹاتا۔ کبھی دیا سلائی سے دانت کھتیرنے لگتا۔ اس کے دونوں پیر غیر ارادی طور پر ہل رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد لڑکی واپس آ گئی۔

"چلیں....!" بڑی مونچھ والا بے چینی سے بولا۔

لڑکی کے سر کی خفیف سی جنبش کے ساتھ وہ اٹھ گیا۔

حمید انہیں باہر جاتے دیکھتا رہا۔ جیسے ہی وہ دروازے سے گزرے وہ بھی پائپ کی جلی ہوئی تمباکو جھاڑ کر کھڑا ہو گیا۔ باہر کئی ٹیکسیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ دونوں انمیں سے ایک پر بیٹھ گئے۔

حمید بھی ایک دوسری پر بیٹھتا ہوا ڈرائیور سے آہستہ سے بولا۔ "اس ٹیکسی کا تعاقب کرنا ہے.... لیکن ذرا فاصلے سے.... پولیس....!"

ٹیکسی چل پڑی۔

مونچھ مونڈنے والی

رات تاریک تھی۔

دونوں ٹیکسیاں شہر کے مشرقی سرے کی آبادی کی طرف جا رہی تھیں۔ بائم روڈ کے چوراہے پر پہنچ کر اگلی ٹیکسی داہنی طرف مڑ گئی۔ دور تک دو منزلہ عمارات کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔

اگلی ٹیکسی کچھ دور چلنے کے بعد ایک عمارت کے سامنے رک گئی۔ سڑک پر اندھیرا تھا۔ حمید نے بھی اپنی ٹیکسی کافی فاصلے پر رکوائی اور پھر جب اگلی ٹیکسی واپسی کے لئے مڑ رہی تھی تو سرجنٹ حمید اس سے کچھ زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔

ان دونوں نے پائیں باغ کا پھاٹک بند نہیں کیا تھا۔ اس لئے حمید کو اندر داخل ہونے میں کوئی دشواری نہ ہوئی۔ حالانکہ عمارت کے برآمدے کا بلب روشن تھا لیکن مہندی کی اوٹ میں ہونے کی وجہ سے حمید روشنی کی زد سے باہر تھا۔ اس نے یہ سب کچھ تو کر لیا تھا لیکن اب سوچ رہا تھا کہ اگلا قدم کیا ہونا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ وہ عمارت کے اندر تو گھس نہیں سکتا تھا۔

بہر حال وہ اسی پر غور کرتا ہوا آہستہ آہستہ عمارت کے داہنے بازو کی طرف رینگ رہا تھا۔ دفعتاً کسی کمرے میں روشنی ہوئی اور کھڑکیوں کے شیشوں کے چمکدار عکس اندھیرے کے سینے پر جم گئے۔ حمید کا دل دھڑکنے لگا۔ شاید وہ اسی کمرے میں تھے۔

دوسرے لمحے میں حمید کھڑکی کے شیشے سے کمرے کے اندر جھانک رہا تھا۔

لڑکی ایک آرام کرسی پر نیم دراز سگریٹ کے ہلکے ہلکے کش لیتی ہوئی ادھ کھلی آنکھوں سے مونچھ والے کیطرف دیکھ رہی تھی اور وہ اس کے سامنے کھڑا صحیح معنوں میں بغلیں جھانک رہا تھا۔

لڑکی نے مسکرا کر کچھ کہا اور وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ حمید تک لڑکی کی آواز نہیں پہنچی کیونکہ کھڑکی بند تھی۔ پھر اس نے لڑکی کو مونچھ والے کے قریب جاتے ہوئے دیکھا.... اور پھر وہ دونوں اتنے قریب ہو گئے کہ دونوں کے جسم ایک دوسرے کو چھونے لگے۔ مونچھ والے کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ لڑکی کے شانوں پر رکھ دیئے اور احمقوں کی طرح مسکرانے لگا۔ دفعتاً سامنے والے دروازے سے ان پر ایک تیز قسم کی روشنی پڑی اور مونچھ والا اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا۔ دروازے میں لڑکی کا بدصورت ساتھی کھڑا اسے خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا اور اس کے گلے میں ایک فلیش کیمرہ لٹک رہا تھا۔

اس نے کیمرہ اتار کر ایک طرف ڈال دیا اور بڑی مونچھ والے پر ٹوٹ پڑا۔

کچھ دیر بعد لڑکی اور اس کا ساتھی اسے ایک کرسی سے باندھ رہے تھے۔ شائد اب مونچھ والے میں جدوجہد کی سکت نہیں رہ گئی تھی۔

اسے کرسی میں اچھی طرح جکڑ دینے کے بعد لڑکی نے ایک میز کی دراز سے استرا نکالا۔ لڑکی کا ساتھی مونچھ والے کا سر اپنی گرفت میں جکڑے ہوئے تھا.... اور پھر دوسرے لمحے میں لڑکی سے جو حرکت سرزد ہوئی اس نے حمید کی آنکھوں کو اپنے حلقوں سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ اس کی مونچھ مونڈ رہی تھی۔

ادھر اچانک ایک جھلائے ہوئے کتے نے غرا کر حمید کی ٹانگ پکڑلی۔ حمید بے تحاشہ اچھلا۔ ٹانگ تو اُس کی گرفت سے نکل گئی لیکن وہ خود ایک کیاری میں جا پڑا۔ کتا دوبارہ اس پر جھپٹا اور اٹھتے اٹھتے اس نے اس کے کوٹ کا دامن پکڑ لیا۔ حمید نے دو تین گھونسے جھاڑ دیئے۔ لیکن کتا بھی کم نہیں تھا۔ اس بار اس نے اس کے ہاتھ پر منہ مارا لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ حمید بے تحاشہ بھاگ رہا تھا اور وہ اس کے پیچھے تھا۔ لڑکی شائد برآمدے میں کھڑی ہوئی اُسے آوازیں دے رہی تھی۔

سڑک پر پہنچتے پہنچتے بُری حالت ہو گئی۔ کتا تھا کہ برابر تعاقب کئے جا رہا تھا۔ اس کی غراہٹ کے ساتھ ہی ساتھ حمید کسی کے پیروں کی تیز آواز بھی سن رہا تھا۔ کتے کے پیچھے بھی شائد کوئی دوڑ رہا تھا۔ حمید نے سوچا کہ اب معاملہ گڑبڑ ہے۔ اگر وہ لڑکی کا ساتھی ہوا تو اسے فوراً ہی پہچان لے گا۔ پیچھے دوڑنے والے نے کتے کو آوازیں دینی شروع کر دیں تھیں۔ پھر حمید نے محسوس کیا کہ کتے کا جوش بھی کچھ کم ہوتا جا رہا ہے۔ شاید کتے کے مالک نے کتے کو پکڑ لیا تھا۔

"ٹھہر جاؤ۔" اس نے شاید حمید کو آواز دی۔

اب حمید نے بھاگنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر کسی شبہے کے تحت اس نے کتے کو دوبارہ چھوڑ دیا تو مصیبت ہی آجائے گی۔ وہ رک گیا۔

آنے والا کتے کا پٹہ پکڑے ہوئے اس کے ساتھ قریب قریب گھسٹتا ہوا آ رہا تھا۔ کتے کے منہ سے ابھی تک ہلکی ہلکی غراہٹ نکل رہی تھی۔ سڑک پر اندھیرا تھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اگر وہ لڑکی کا ساتھی ہے اور اسکے پاس اتفاق سے ٹارچ نہ ہوئی تو پہچان لئے جانے کا امکان نہیں رہ جاتا۔

"تم کون ہو؟" آنے والے نے کڑک کر پوچھا۔

"پہلے اپنا لہجہ درست کرو۔" حمید بھنا کر بولا۔

"اوہ....!" وہ یک لخت نرم پڑ گیا۔ "لیکن آپ کمپاؤنڈ میں کیوں داخل ہوئے تھے۔"

"نعیم صاحب سے ملنا تھا۔" حمید نے کہا۔

"کون نعیم صاحب۔"

"اوہ تو کیا.... وہ کوٹھی نمبر چوراسی نہیں تھی۔"

"جی نہیں.... قطعی نہیں! وہ تو.... اس کا نمبر پینتالیس ہے۔"

"تب تو یقیناً مجھ سے غلطی ہوئی۔" حمید نے کہا۔ "جیسے ہی کمپاؤنڈ میں داخل ہوا یہ مصیبت

آ گئی۔ اب تو کپڑے بھی اس قابل نہیں رہ گئے کہ اس وقت نمبر چوراسی تک پہنچ سکوں۔"

"کیا آپ ادھر پہلے کبھی نہیں آئے۔" اس کے لہجے میں شبہ جھلک رہا تھا۔

"جی نہیں! اس شہر میں شائد تیسری بار آیا ہوں۔"

وہ تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ پھر ندامت آمیز لہجے میں بولا۔

"مجھے افسوس ہے۔ ویسے میرے لائق کوئی خدمت....!"

"جی نہیں شکریہ۔" حمید کے لہجے میں تلخی تھی۔

وہ تیزی سے واپسی کے لئے مڑا۔

کچھ دور چلنے کے بعد اس نے محسوس کیا کہ کتے والا بھی واپس جا رہا ہے۔

اس کے ذہن میں بیک وقت کئی خیال گونج رہے تھے۔ آخر یہ سب کیا تھا۔ انہوں نے اس کی مونچھ کیوں صاف کر دی۔ اس آدمی کو دیکھتے ہی لڑکی نے اس کی مونچھ کے متعلق گفتگو کی تھی؟ تو کیا وہ اسے اسی لئے پھنسا کر لائی تھی کہ اس کی مونچھ صاف کر دی جائے اور وہ کیمرہ.... غالباً اس کے ساتھی نے ان دونوں کی تصویر لے کر مونچھ والے کو بلیک میل کرنے کی دھمکی دی تھی تاکہ وہ پولیس کو اس واقعے کی اطلاع نہ دے سکے۔ حمید اب بھی سوچ رہا تھا کہ وہ اس سے پہلے بھی اسے کہیں دیکھ چکا ہے۔

ان خیالات کے ساتھ ہی ایک دوسرا خیال بھی اسے بے چین کئے ہوئے تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اس حالت میں فریدی سے مڈبھیڑ ہو گئی تو اس کی پوزیشن کیا ہو گی؟ کیا وہ اسے پیش آئے ہوئے واقعات کی صداقت باور کرا سکے گا۔

وہ چلتا رہا۔ وہ ایسے راستوں سے گزرنے کی کوشش کر رہا تھا جن پر زیادہ بھیڑ بھاڑ نہ ہو۔ شہر میں داخل ہو کر وہ زیادہ تر تاریک گلیوں میں گھستا رہا۔ کپڑوں کی حالت اتنی ابتر تھی کہ اسے روشنی میں آتے ہوئے شرم محسوس ہو رہی تھی۔

گھر پہنچ کر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ یعنی فریدی کا سامنا ہو گیا۔ وہ ابھی تک برآمدے میں بیٹھا کتاب چاٹ رہا تھا۔ حمید کو اس حالت میں دیکھ کر بے اختیار مسکرا پڑا۔

"کسی لڑکی کے باپ یا عاشق کا کارنامہ....!" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور پھر کتاب پر نظریں جما دیں۔

"چلئے یہی سہی۔" حمید نے بھنا کر کہا اور اندر جانے لگا۔

"ٹھہرو.... ذرا قریب آؤ۔" فریدی کی معنی خیز نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ آہستہ سے بولا۔ "میں نے اندازہ لگانے میں جلدی کی تھی۔ غالباً وہ لڑکی کے باپ یا عاشق کا کتا تھا.... یقیناً وہی تھا کیوں؟ اور تم کئی جگہ گرے بھی ہو۔ اوہ غالباً کسی کیاری میں۔ گیلی مٹی اور پتیوں کے رگڑ کے نشانات.... کیا کسی کھڑکی پر بھی چڑھنے کی کوشش کی تھی۔ نہیں برخوردار تم جھوٹ نہیں بول سکو گے۔ کیونکہ کھڑکی کی سلاخوں پر شائد حال ہی میں کتھئی رنگ پھیرا گیا ہے جو گیلا تھا۔ سفید کوٹ پر تین لمبی لمبی براؤن دھاریاں جن کے فاصلے برابر ہیں.... یہی بتاتی ہیں۔"

"اور بھی کچھ بتاتی ہیں....!" حمید دانت پیس کر بولا۔

"ہاں.... آں.... ذرا اور روشنی میں آؤ.... بیٹھ جاؤ.... ٹھیک۔"

فریدی نے الیکٹرک لیمپ کا شیڈ اتار دیا اور تیز قسم کی روشنی میں حمید پہلے سے بھی زیادہ مضحکہ خیز لگنے لگا۔ فریدی آگے جھک کر کچھ دیکھتا رہا۔ پھر ایک طویل سانس لے کر حمید کو گھورنے لگا۔

"تو اب یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے۔" اس نے کہا۔

"میں نہیں پوچھوں گا کہ آپ کس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔" حمید جل کر بولا۔

"نہ پوچھنا ہی اچھا ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن میں بغیر پوچھے ہی بتاؤں گا۔ وہ کوئی معمر عورت تھی۔ چھی چھی۔ لاحول ولا قوۃ۔"

"کیا!" حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔ آخر فریدی کو اس کا علم کیسے ہوا۔ کیا وہ معمر عورتوں کی بو سونگھ سکتا ہے۔ اسے اپنی ہم رقص یاد آگئی جسے اس نے الو بنایا تھا۔ وہ چند لمحے فریدی کو حیرت سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "نہیں یہ جھوٹ ہے۔"

"بکتے ہو۔" فریدی نے خود اعتمادی سے کہا اور کتاب پر نظریں جما دیں۔

"آخر بتایئے نا! آپ کو کیسے معلوم ہوا۔"

فریدی نے کتاب بند کر کے میز پر رکھ دی۔ چند لمحے شرارت آمیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے کے بعد آگے کی طرف جھک کر اُس کے کوٹ کے اوپری بٹن پر ہاتھ رکھ دیا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ لمبے لمبے بال اپنی چٹکی میں دبائے ہوئے تھا۔

"یہ سفیدی مائل بال.... کیا تم کوئی بالدار جانور ہو کہ اس قسم کے بال تمہارے کوٹ کے بٹن میں الجھے ہوئے پائے جائیں۔"

حمید جھینپ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ بال اسی وقت الجھے ہوں گے جب اس کی ہم رقص تڑپ کر اس کی گرفت سے نکلی تھی۔

"میں نے ضرورتاً ایسا کیا تھا۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"ٹھیک ہے ساری باتیں ضرورتاً ہی تو ہوتی ہیں۔ جب لڑکیاں لفٹ دینا چھوڑ دیتی ہیں تو....!"

"آپ غلط سمجھے۔" حمید جلدی سے بولا۔

"کیا میں کچھ کہہ رہا ہوں۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ اس نے متنبی کرنے کے خیال سے تمہیں آزمائشی طور پر استعمال کیا ہو۔"

"آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔"

"واقعی یہ بہت بُری بات ہے کہ تم جیسے سنجیدہ آدمی کا مذاق اڑایا جائے۔" فریدی غم ناک لہجے میں بولا۔ "بہر حال نتیجہ کیا نکلا۔ متنبی کرے گی یا نہیں۔"

"اگر آپ سنجیدگی سے نہیں سننا چاہتے ہیں تو....!" حمید اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی فریدی بھی اٹھا۔

"بچ بچ کھانا کھایا تھا یا نہیں۔" وہ حمید کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "وہ کتا غالباً اس کے لڑکے کا ہو گا۔" حمید ایک جھٹکے کے ساتھ الگ ہو گیا اور فریدی بولتا رہا۔

"کاش میں بھی وہ جانفزا منظر دیکھنے کے لئے وہاں موجود ہوتا۔ کیا باغ ہی میں وہ تمہیں متنبی کرنے لگی تھی۔"

"بس بس اس کے آگے سراغ رسانی کی حدیں ختم۔" حمید نے ایک زہریلا سا قہقہہ لگایا۔

"چلو کھانا کھائیں۔" فریدی اسے دروازے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔ "ویسے تم کسی نہ کسی دن دردِ سری کا باعث ضرور بنو گے۔"

حمید نے اپنے کمرے میں جا کر لباس تبدیل کیا۔ وہ اس وقت فریدی سے نہیں بھڑنا چاہتا تھا۔ لیکن کھانے کی میز پر دوبارہ ملاقات ہونا ضروری تھا۔ گھڑی ساڑھے بارہ بجا رہی تھی۔

اتنی رات گئے کھانا فریدی کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ مطالعہ یا کسی دوسری مصروفیت کی بناء پر اکثر ایسا ہو جاتا تھا۔ ایسے حالات میں نوکروں کے لئے ہدایت تھی کہ وہ اس کے انتظار میں بیٹھے نہ رہیں۔ حمید سوچ رہا تھا کہ فریدی خود ہی میز پر کھانا لگا رہا ہوگا۔ ایسے موقعوں پر وہ نوکروں کو کبھی نہ جگاتا تھا۔

واپسی پر حمید کا اندازہ درست نکلا۔ فریدی کھانے کے میز پر اس کا منتظر تھا اور کوئی نوکر موجود نہیں تھا۔ حمید اپنا واقعہ دہرانے کے لئے بُری طرح بے چین تھا۔ لیکن سوچ رہا تھا کہ ان شبہات کی موجودگی میں جن کا اظہار فریدی طنزیہ انداز میں پہلے ہی کر چکا ہے اس کی کہانی پر مشکل ہی سے یقین کرے گا۔

"گھر میں چاہے جس طرح رہو۔" فریدی کھانے کے دوران میں بولا۔ "لیکن باہر تمہیں ایک پروقار آدمی ہونا چاہئے۔"

"آپ میری بات تو سنتے نہیں.... اپنی ہی کہے جا رہے ہیں۔"

"چلو.... سناؤ۔" فریدی مردہ سی آواز میں بولا۔

"آپ یقین بھی کریں گے۔ معاملہ بظاہر مضحکہ خیز مگر حالات کی بناء پر عجیب بھی ہے۔"

"بکو بھی۔"

حمید نے پوری داستان مختصراً دہرا دی۔ فریدی درمیان میں ہنستا اور مسکراتا رہا۔

"تو آپ کو یقین نہیں آیا۔" حمید منہ بنا کر بولا۔

"اگر فرض کرو یقین بھی کر لوں تو پھر....!"

"یعنی یہ کوئی ایسی خاص بات ہی نہیں۔"

"یہ بھی نہیں کہتا۔ لیکن میں فی الحال صرف مطالعہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"پہلی بار آپ کی زبان سے اس قسم کا جملہ سن رہا ہوں۔" حمید بولا۔

"ہاں.... آں.... یہ بھی کوئی ایسی خاص بات نہیں۔ ہمیشہ موڈ یکساں نہیں رہتا۔"

"تو میں یہ سمجھ لوں کہ اب آپ آہستہ آہستہ بڑھاپے کی طرف قدم بڑھا رہے ہیں۔"

"لغو! میں کبھی بوڑھا نہیں ہو سکتا۔"

"خوش فہمی ہے آپ کی۔" حمید ہنس کر بولا۔ "کبھی آئینہ دیکھئے چہرہ پیلا پڑ گیا ہے۔ گالوں کی

ہڈیاں ابھر آئی ہیں۔ ہونٹ خشک ہو گئے ہیں اور آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں بھی اڑنے لگی ہوں گی۔ خیر شادی سے تو جی چراتے ہی ہیں اگر کہئے تو کسی جاپانی دواخانے سے خط و کتابت کر دوں۔"

"ضرور کرو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "ورنہ بوڑھیوں سے لاشوں پر اتر آؤ گے۔"

"بہر حال آپ اس معاملے میں دلچسپی نہ لیں گے۔"

"کبھی تم بھی تو کچھ کیا کرو۔" فریدی بولا۔ "اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو اس طرح نہ بھاگتا۔"

"خیر میں اسلئے بھاگا کہ جس سے ملاقات ہوئی تھی وہ میرا کوئی دور کا بھی عزیز نہیں ہوتا تھا۔"

"حالانکہ ہمیشہ کتوں ہی کے ساتھ بندھے رہے ہو۔" فریدی مسکرایا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر فریدی نے پوچھا۔

"اور اس مونچھ والے نے کوئی جدوجہد نہیں کی تھی۔"

"کی تھی۔" حمید نے کہا۔ "لیکن بُری طرح جکڑا ہوا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ اس حالت میں تصویر لینے کا یہی مقصد ہو سکتا ہے کہ وہ ان کے خلاف کوئی کاروائی نہ کر سکے۔"

"لیکن آخر مونچھ مونڈنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔" حمید نے کہا۔ "پہلے تو میں یہ سمجھا کہ شائد وہ دونوں اسے لوٹیں گے۔"

"کیوں....؟" فریدی چونک کر بولا۔ "یہ کتے کیوں بھونک رہے ہیں۔"

کمپاؤنڈ کی رکھوالی کرنے والے السیشن بری طرح شور مچا رہے تھے۔

"اونہہ بھونک رہے ہوں گے۔" حمید نے کہا۔ دونوں کھانا کھا چکے تھے۔

"شائد کوئی پھاٹک بھی ہلا رہا تھا۔ ذرا دیکھو تو۔"

حمید سننے لگا.... پھر بولا۔ "ہاں ہے تو۔ اتنی رات گئے کون احمق ہو سکتا ہے۔"

حمید ٹارچ لے کر باہر نکلا۔ حقیقتاً کوئی پھاٹک ہلا ہلا کر آوازیں دے رہا تھا اور کتے پھاٹک کے سامنے شور مچا رہے تھے۔ حمید برآمدے کا بلب روشن کر کے آگے بڑھا۔

اور پھر پھاٹک پر ٹارچ کی روشنی ڈالتے ہی وہ چونک پڑا کیونکہ یہ وہی آدمی تھا جس کی کچھ دیر قبل مونچھ مونڈی گئی تھی۔

"کیا فریدی صاحب ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں....!" حمید نے پھاٹک کھولتے ہوئے کہا۔

روداد

فریدی بھی برآمدے میں نکل آیا تھا اور آنے والے کو تجسس آمیز نظروں سے گھور رہا تھا۔ آنے والے کی حالت بھی کچھ کم عجیب نہیں تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس پر گھبراہٹ اور شرم کا حملہ ایک ساتھ ہوا ہو۔

"ارے....!" دفعتاً فریدی چونک کر بولا۔ "یہ تم ہو نجمی۔"

"ار....ہاں.... لیکن....!" آنے والے نے اپنا ہاتھ اوپری ہونٹ پر رکھ لیا۔

"خیریت! اتنی رات گئے۔ آؤ اندر چلو۔ لیکن یہ تبدیلی۔"

"اسی لئے.... میں دراصل اسی لئے آیا ہوں۔"

حمید حیرت سے دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔ اب اسے یاد آیا کہ اس نے اسے کہاں دیکھا تھا۔ اس کا نام نجمی تھا۔ تار جام کے ایک کارخانے کا منیجر تھا اور فریدی سے اس کے قریبی تعلقات تھے۔ ویسے حمید سے شاید ایک ہی بار ملاقات ہوئی تھی۔

تینوں ڈرائینگ روم میں آکر بیٹھ گئے۔ نجمی کے انداز سے ابھی تک ہچکچاہٹ ظاہر ہو رہی تھی۔

"کیا بات ہے؟" فریدی نے کہا۔ "تمہاری مونچھیں تو بڑی شاندار تھیں۔"

"ہاں تھیں تو....!" نجمی ایک طویل سانس لے کر بولا۔

"اب ان سے دوبارہ کیا سننے گا۔" حمید نے جلدی سے کہا۔ "ظاہر ہے کہ بتانے میں بہت دیر لگائیں گے۔"

"جی....!" نجمی چونک کر حمید کی طرف مڑا۔

"جی ہاں۔ ایسی عورتوں سے ہزاروں سال میں ایک ہی بار ملاقات ہوتی ہے۔"

"تو کیا....!" نجمی یک بیک اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "آپ جانتے ہیں۔"

"جی ہاں! اس عمارت کا تعلق شہر کی ساری عمارتوں سے ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"بیٹھو بیٹھو....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ اس کی دلچسپی بڑھتی جا رہی تھی۔ نجمی کبھی حمید کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی فریدی کی طرف۔

"اب غالباً آپ کی سمجھ میں آگیا ہوگا۔" حمید فریدی کی طرف دیکھ کر فخریہ انداز میں بولا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ لوگوں کو اس کا علم کیونکر ہوا۔" نجمی بے چینی سے بولا۔

"اور.... پھر بھی آپ نے میرے لئے کچھ نہ کیا۔"

"حمید تمہیں پہچان نہیں سکا تھا۔" فریدی نے کہا اور پھر دوسری بات یہ کہ معاملے کی نوعیت سمجھے بغیر کوئی اقدام کیونکر ممکن تھا۔

"نوعیت! نوعیت تو خود میری سمجھ میں نہیں آئی۔" نجمی بولا۔ "بہرحال کچھ ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں کہ میں پولیس کو بھی باقاعدہ طور پر مطلع نہیں کر سکتا۔"

"سمجھا۔" فریدی نے سر ہلا کر کہا۔ "غالباً وہ فلش کیمرہ تمہیں ایسا کہنے پر مجبور کر رہا ہے۔"

"قطعی.... اوہ تو آپ سب کچھ جانتے ہیں۔"

"پھر بھی میں تمہارے ہی منہ سے سننا پسند کروں گا۔"

"میں شروع سے بتاتا ہوں۔" نجمی گلا صاف کر کے بولا۔

"نہیں! صرف اس وقت سے جب تم ٹیکسی میں اس کے گھر جا رہے تھے۔"

"لیکن آپ کو یہ سب کیسے معلوم ہوا۔"

"سرجنٹ حمید تم سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھے۔"

"اوہ....!" نجمی حمید کو جھینپے ہوئے انداز میں دیکھنے لگا۔

"ہاں تو پھر....!" فریدی نے اُسے ٹوکا۔

"ٹیکسی میں وہ ایک فاحشہ عورت کی طرح مجھے اکساتی رہی۔" نجمی نظریں نیچی کر کے بولا۔

"اس کے اس رویے پر میں بُری طرح نروس تھا کیونکہ آج تک کسی ایسی عورت سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔ گھر پہنچ کر اُس نے بہت ہی بیہودہ قسم کی باتیں شروع کر دیں۔ میری عادت کچھ ایسی ہے کہ میں عورت کو عورت ہی کے روپ میں دیکھنا پسند کرتا ہوں، یعنی اس میں کم از کم تھوڑا بہت تو شرم کا مادہ ہونا چاہئے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اپنی زندگی میں کبھی اتنا نروس نہیں ہوا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں۔ پہلی ملاقات تھی۔ لیکن وہ جنسی مسائل پر اتنی بے باکی سے

گفتگو کر رہی تھی جیسے دو مرد انتہائی بے تکلف ہو جانے کے بعد آپس میں کرتے ہوں گے بہر حال وہ میرے قریب آکر کھڑی ہو گئی اور میں نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے شانوں پر رکھ دیئے۔ اتنے میں ہم پر ایک تیز قسم کی روشنی پڑی وہ اس کے ساتھی کے کیمرے کی تھی۔ وہ مجھ سے ٹوٹ پڑا اور چونکہ میں بہت زیادہ نروس ہو گیا تھا۔ اس لئے جلد ہی زیر کر لیا گیا۔"

نجمی خاموش ہو گیا۔

"اور پھر اس لڑکی نے تمہاری مونچھ صاف کر دی۔" فریدی پر خیال انداز میں بولا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں لوگوں کا سامنا کس طرح کروں گا۔" نجمی نے کہا۔ "کیا اسے میرا پاگل پن نہ سمجھیں گے۔ ایسی شاندار مونچھیں آسانی سے نہیں پرورش پاتیں۔"

"اس کے بعد کیا ہوا؟" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"ان کا کتا شائد باہر کسی پر جھپٹ پڑا تھا۔ اس لئے وہ دونوں مجھے بندھا ہوا چھوڑ کر چلے گئے پھر تھوڑی ہی دیر بعد میں نے انہیں برابر کے کمرے میں بلند آواز میں گفتگو کرتے سنا۔ وہ اپنے ساتھی کو بُرا بھلا کہہ رہی تھی۔ کہہ رہی تھی کہ اس نے اسے جانے ہی کیوں دیا۔ ممکن ہے وہ کوئی ایسا آدمی رہا ہو جس سے کچھ نقصان پہنچ سکے۔ اس کا ساتھی اسے مطمئن کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن وہ اپنی ہی بات پر اڑی ہوئی تھی، بہر حال ان کی واپسی پر میں نے بھی چیخنا شروع کر دیا۔ اس پر اس کے ساتھی نے میری توجہ اپنے کیمرے کی طرف مبذول کرائی۔ اس نے کہا کہ اگر میں نے کسی سے بھی اس واقعے کا تذکرہ کیا یا پولیس کی مدد لی تو وہ مجھ پر مقدمہ چلا دے گا۔ ثبوت میں وہ تصویر پیش کی جائے گی۔ اس کے بعد اس نے الٹا مجھ پر ہی برسنا شروع کر دیا اور وہ کمبخت عورت کہنے لگی کہ اس نے خود کو ایک مشہور نجومی ظاہر کیا تھا لہٰذا میں اپنی قسمت کا حال معلوم کرنے کے لئے اسے گھر لائی۔ لیکن یہ مجھ پر مجرمانہ حملہ کرنا چاہتا تھا۔ اس پر اس کے شوہر نے چھرا نکال لیا لیکن وہ اسے روک کر بولی کہ اتنی ہی سزا کافی ہے۔ ایسے کمینے آدمیوں کے چہرے پر مونچھ نہ ہونی چاہئے۔ مجھے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے میں نے کئی بوتلیں چڑھالی ہوں۔ آخر کار انہوں نے دھکے دیکر مجھے گھر سے نکال دیا اور میں نے ایک بے بس چوہے کیطرح بھاگ نکلنے میں ہی عافیت سمجھی۔"

نجمی خاموش ہو گیا۔ فریدی کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئی تھیں۔

"مونچھ مونڈتے وقت کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی تھی۔" حمید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"جی نہیں۔" جواب بھی سنجیدگی ہی سے دیا گیا اور فریدی حمید کو گھورنے لگا۔

"اب میں یہ سوچ رہا ہوں کہ کہیں وہ مجھے اس تصویر کے ذریعہ بلیک میل نہ کرے۔"

"ہو سکتا ہے۔" فریدی بولا۔ "ممکن ہے اس سازش کی تہہ میں یہی مقصد ہو۔ لیکن آخر یہ مونچھ والا معاملہ .... اس کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ وہ مونچھ مونڈے بغیر بھی اس مقصد میں کامیاب ہو سکتے تھے۔"

"پھر اب بتایئے میں کیا کروں۔ اوہ .... ٹھیک یاد آیا۔ مونچھ صاف کر دینے کے بعد وہ دونوں مجھ پر جھکے ہوئے کچھ دیر تک میرے چہرے کو بغور دیکھتے رہے تھے۔"

فریدی اسے پُر خیال انداز میں دیکھنے لگا۔

"غالباً وہ اس بات کا اندازہ لگا رہے ہوں گے کہ دوبارہ ہاتھ صاف کرنے کی امید کب تک کی جائے۔" حمید بولا۔

"بکو مت....!" فریدی اسے گھورنے لگا۔ پھر نجمی سے بولا۔ "بھئی! فی الحال تم سکوت ہی اختیار کرو۔ بہتر یہ ہو گا کہ تم اب شہر ہی مت آؤ۔ ہاں کیا انہوں نے تمہارا پتہ بھی پوچھا تھا۔"

"قطعی نہیں! نام تک نہیں پوچھا تھا۔"

"بہر حال! اگر اس دوران میں وہ تمہیں بلیک میل کر کے کچھ رقم اینٹھنا چاہیں تو مجھے مطلع کرنا۔ یہ کوئی سازش معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا میں فی الحال جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہتا۔"

"اور شائد" حمید نے کہا۔ "اس سے پہلے بھی کئی مونچھیں مونڈی جا چکی ہیں۔"

"کیوں....؟"

"اس لڑکی نے اپنے ساتھی سے کہا تھا کہ یہ مونچھ بھی ہمارے پیمانے کے مطابق ہے۔"

"ہو سکتا ہے تمہارا خیال بھی درست ہو۔" فریدی بولا۔

"لیکن فی الحال میں کیا کروں!" نجمی بے چینی سے بولا۔

"یعنی....!"

"لوگ میرا مضحکہ اڑائیں گے۔ میں انہیں اس کے متعلق کیا بتاؤں گا۔"

"بھئی اب اس کے لئے کیا کہا جا سکتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "بہر حال عورتوں کا چکر بُرا ہوتا ہے۔ اگر تم میں یہ کمزوری نہ ہوتی تو اس کی نوبت کیوں آتی۔"

"چلئے یہ اور رہی۔" حمید ہنس کر بولا۔ "آپ اسے کمزوری فرماتے ہیں۔"

"نہیں بڑی شہزوری ہے۔" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "تمہارے تو مونچھیں بھی نہیں ہیں۔ البتہ کان یا ناک ضرور کٹوا بیٹھو گے۔"

"کس مصیبت میں پھنس گیا۔" نجمی بڑبڑایا۔

"کچھ نہیں صبر کرو۔" فریدی کا لہجہ تلخ تھا۔ "لوگ اگر پوچھیں تو کہہ دینا کہ بہت زیادہ نشے کی حالت میں سگریٹ سلگا رہا تھا کہ ایک طرف دیا سلائی لگ گئی۔ لہٰذا مونچھ بدنما معلوم ہونے لگی تھی....!"

"اس لئے بقیہ اُسترے کی نذر ہو گئی۔" حمید بولا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر نجمی آہستہ سے بولا۔

"خیر آپ لوگ آرام کیجئے۔ اب میں سیدھا تار جام ہی جاؤں گا۔"

اس کے جانے کے بعد کچھ دیر تک خاموشی ہی رہی۔

"فرمایئے سرکار۔" حمید بولا۔ "اب کیا خیال ہے۔"

"خیال یہ ہے کہ اس عظیم کائنات میں سب سے عجیب تخلیق عورت کی کھوپڑی ہے۔"

"یعنی...

"میرا خیال تھا کہ تم اردو سمجھ لیتے ہو گے۔" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"میں آپ کے خیال کی تائید کرتا ہوں۔ لیکن عورت کی کھوپڑی۔"

"کسی عورت ہی کی کھوپڑی کسی مونچھ والے کا اوپری ہونٹ ٹٹولنے کے لئے اتنی شاندار اسکیم سوچ سکتی ہے۔"

"واہ! ہو سکتا ہے کہ یہ اس کے ساتھی کی اسکیم ہو۔" حمید نے کہا۔

"حالات کی روشنی میں تو ایسا نہیں معلوم ہوتا۔" فریدی نے کہا۔ "کیا تم نے یہ نہیں بتایا تھا کہ اس کے ساتھی نے مونچھ کا تذکرہ سن کر بیزاری ظاہر کی تھی۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ شائد وہ اس کا نوکر ہے۔"

"ممکن ہے۔" حمید نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔ "مگر اس کا مقصد۔"

"اوپر ہونٹ ٹٹولنا۔ اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔"

"لیکن کیوں....؟"

"میں لال بجھکڑ تو ہوں نہیں۔" فریدی نے بیزاری سے کہا۔

"کاش میرے بھی مونچھیں ہوتیں۔"

"نہیں ہیں تو ہو جائیں گی۔" فریدی بولا۔ "کل تمہیں اپنی مونچھ منڈوانی پڑے گی۔"

"مجھے.... اوہ سمجھا نقلی۔"

"اور اس کے لئے دن بھر تمہارے چہرے کی مرمت کرنی پڑے گی۔"

"کیوں.... دن بھر کیوں؟"

"اوہو! تو کیا معمولی مونچھیں مونڈ واؤ گے۔ وہ جو ایک جھٹکے ہی میں اکھڑ جائیں۔ بیٹے خاں پلاسٹک کا ایک چہرہ بنانا پڑے گا۔"

"لیکن ذرا حسین سا۔" حمید جلدی سے بولا۔

"ہاں.... آں.... ایک گدھے کے چہرے پر سیاہ مونچھیں بہت کھلیں گی۔"

"میں سوچ رہا ہوں کہ بے چارا نجمی حقیقتاً کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہ گیا۔"

"تم بھی کسی دن اپنی شامت لاؤ گے۔"

"شامت نہیں بلکہ حجامت کہئے۔" حمید بولا۔ "مگر جناب! میں اتنا احمق نہیں۔"

"آپ.... پدی کے شوربے۔" فریدی نے ہونٹ سکوڑ لئے۔ "نپولین، ہٹلر اور میسولینی بھی عورت کے معاملے میں احمق تھے۔"

"بس ایک آپ عقل مند ہیں۔" حمید بھنا کر بولا۔ "نپولین، ہٹلر اور میسولینی ہی جیسے لوگ عورتوں سے تعلقات رکھتے ہیں ڈرپوک نہیں۔"

فریدی ہنسنے لگا اور حمید بکتا ہی گیا۔ "خبر لیجئے اپنی! کسی پہاڑی لنگور کی خدمات حاصل کیجئے، ورنہ وی۔ پی بیرنگ ہو جائے گا۔"

"ارے واہ رے میرے سورما۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کیا لندن کی وہ رات بھول گئے جب ایک عورت نے تمہارا گریبان پکڑ کر تم سے خود کو ماں کہلوالیا تھا۔"

"نشے میں تھی سالی۔ اگر باپ بھی کہلواتی تو کہہ دیتا۔ پھر اس سے کیا۔"

"اور حالت کیا تھی تمہاری اس وقت۔ ہاتھ پیر کانپ رہے تھے، حمید خاں کے! ایسا معلوم

ہوتا تھا جیسے قصائی پر بکری چڑھ بیٹھی ہو۔"

"ہاتھ پیر کانپ رہے تھے۔" حمید نے جھینپا ہوا سا قہقہہ لگایا۔ "بہت خوب۔ وہ تو کہئے کہ چھوڑ کر خود ہی ہٹ گئی ورنہ.....!"

"سچ مچ ماں بنالیتا۔" فریدی نے جملہ پورا کردیا۔

"بس ایک واقعہ لے کر لکیر پیٹ رہے ہیں۔"

"نہیں میں تمہیں سنجیدگی سے مشورہ دیتا ہوں کہ اب یہ حرکتیں چھوڑ دو۔ ورنہ پھنسو گے کسی دن۔"

"حمید خاں کے اصول دوسرے ہیں۔" حمید اکڑ کر بولا۔ "کبھی کسی لڑکی کے ساتھ اس کے گھر نہیں جاتا۔ اگر شادی شدہ ہے تو سب سے پہلے اس کے شوہر سے دوستی کرتا ہے۔ اگر شادی شدہ نہیں تو اس کی شادی کی فکر پہلے۔ اگر شادی نہ ہو سکے تو پھر مجبوراً اُس کے ابا میاں سے عشق کرنا پڑتا ہے۔ اگر ابا میاں بھی نہ ہوں تو پھر پڑوسیوں سے رسم و راہ..... اس پر ایمان رکھتا ہے کہ عورت ایک ایسی بیل ہے جو ہمیشہ پاس کے درخت پر چڑھتی ہے۔"

"آخر فائدہ ہی کیا ہے اس سے۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ وہ حمید کی باتوں میں ذرہ برابر بھی دلچسپی نہیں لے رہا تھا۔ اس کا ذہن تو دراصل نجمی والے کیس میں الجھا ہوا تھا لیکن وہ حمید کو باتوں میں الجھائے رکھنا چاہتا تھا۔ اس کی بھی وجہ تھی کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ حمید کی بکواس اس کے ذہن کو ایسے نقطے پر پہنچا دیتی تھی جہاں اسے سارے الجھاوے ایک سیدھی لکیر معلوم ہونے لگتے تھے۔

"فائدہ پوچھتے ہیں آپ۔" حمید اپنے دیدے پھرا کر بولا۔ "تفریح فریدی صاحب! بعض اوقات ایسے دلچسپ واقعات پیش آتے ہیں کہ بس مزہ ہی آجاتا ہے۔ مثلاً میں ایک ایسی عورت سے واقف ہوں جس نے عاشق کے ساتھ ہی ساتھ ایک عدد شوہر بھی پال رکھا ہے۔ آپ نے بعض اوقات سنا ہوگا کہ کچھ لڑکیاں اپنے کتوں کو پیغام بری کی ٹریننگ دیتی ہیں اور انہیں کے ذریعہ ان کی خط و کتابت چلتی ہے۔ بالکل یہی حال اس عورت کا بھی ہے۔ اس نے شاید شوہر اسی لئے پال رکھا ہے۔ آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ وہی بے چارہ اس عورت اور اس کے عاشق کی خط و کتابت کا واحد ذریعہ ہے۔"

"بھلا وہ کس طرح؟" فریدی نے سامنے کی دیوار پر نظر جمائے ہوئے پوچھا۔

"نہایت آسانی سے۔ شوہر اور عاشق دونوں آپس میں گہرے دوست ہیں۔ عاشق صاحب شوہر کو کبھی رومال میں کشیدہ کاری کے لئے کپڑا اور ریشم کی ریلیں عنایت کرتے ہیں اور کبھی بھابی کے لئے کتابیں بھجواتے ہیں۔ ریشم کی ریلوں کے نلکوں میں خطوط ہوتے ہیں۔ کتابوں کی جلدیں بیچ سے دو کی جاتی ہیں اور ان میں خطوط رکھ دیئے جاتے ہیں۔ وہ دونوں میرے بھی دوست ہیں، لیکن انہیں اس کا پتہ نہیں کہ میرے ان دونوں سے تعلقات ہیں، لہٰذا اس طرح مجھے الگ الگ ان کی داستانیں سننے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ دوسری دلچسپ بات عاشق کا بیان ہے کہ ان دونوں کے تعلقات اس وقت سے ہیں جب محترمہ صرف بارہ سال کی تھی اور وہ حضرت پندرہ سال کے۔ شوہر سلمہا کو اس بات کا غم کھائے جارہا ہے کہ ان کی بیوی انہیں بالکل الو سمجھتی ہے بھلا بتایئے ایسی حالت میں وہ انہیں الو ہی سمجھ کر بڑا احسان کرتی ہے..... اب سوچئے کیا یہ تفریح ایسی بُری ہے۔ میں عورتوں کا اسپیشلسٹ ہوں فریدی صاحب۔ صرف ایک بار مجھے کسی عورت سے ملا دیجئے۔ اگر پہلی ہی ملاقات میں اس کی پوری ہسٹری نہ بتادوں تو کان کتر لیجئے۔"

"خوب.....!" فریدی بے خیالی میں بولا۔

"ایک ایسی عورت کو بھی جانتا ہوں جو اپنے سوتیلے بھانجے سے عشق کرتی ہے۔"

"کیا فضول بک رہے ہو۔" فریدی بڑبڑایا۔

"ایک سوتیلی.....!"

"اب چانٹا مار دوں گا۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا، اسی کے ساتھ حمید بھی اٹھا۔

"فریدی صاحب یہ دنیا محض فلسفہ اور منطق ہی نہیں ہے۔ کبھی ریاض کے بندھنوں سے نکل کر حمید کی دنیا میں بھی آیئے اگر آپ جھنجھلا کر اپنی آنکھیں نہ پھوڑ لیں کان نہ اکھاڑ ڈالیں تو میرا ذمہ۔"

"شٹ اپ.....!" فریدی انگڑائی لیتا ہوا بولا۔

"اسی لئے کہتا ہوں کہ شادی کرڈالئے۔"

"چل بے۔" وہ حمید کو دھکا دیتا ہوا بولا۔ "رات کافی گزر گئی ہے۔ بکواس بند، اب سو میں کے۔"

حمید کی حجامت

دوسرے دن فریدی نے دس بجے تک سارے انتظامات مکمل کر لئے۔ اُسے اُن دونوں کی نقل و حرکت کے متعلق فون پر اطلاعات ملتی رہیں۔ پھر اُس نے اپنے پانچ چھ گھنٹے تجربہ گاہ میں صرف کئے اور تقریباً چار بجے اُس نے وہ مصنوعی خدوخال ترتیب دے لئے، جو اسے حمید کے چہرے پر فٹ کرنے تھے۔ فریدی پلاسٹک میک اپ کا ماہر تھا۔ اس نے یہ آرٹ دراصل ایک بوڑھے آئرش ایکٹر سے سیکھا تھا۔ لندن میں اس سے اس زمانے میں ملاقات ہوئی تھی جب وہ وہاں زیر تعلیم تھا، چونکہ سراغ رسانی کا اسے بچپن ہی سے شوق تھا اس لئے وہ ایسے لوگوں کی تلاش میں رہتا تھا، جن سے اس فن کے لوازمات کے متعلق کچھ سیکھ سکے۔

چھ بجے تک حمید کا حلیہ بالکل ہی تبدیل ہو گیا اور ایک انتہائی باوقار آدمی نظر آنے لگا، چہرے پر شاندار قسم کی گھنی مونچھیں تھیں۔

ساڑھے سات بجے فریدی کو فون پر اطلاع ملی کہ وہ لڑکی تنہا آر لکچو میں داخل ہوئی ہے۔ حمید بالکل تیار تھا۔ وہ دونوں ساتھ ہی گھر سے نکلے لیکن پھاٹک پر پہنچ کر ان کی راہیں الگ ہو گئیں۔

حمید جانتا تھا کہ آر لکچو میں آج کوئی خاص پروگرام نہیں ہے۔ لیکن ہوٹل میں قدم رکھتے ہی فون پر ملی ہوئی اطلاع کی تصدیق ہو گئی وہ وہاں موجود تھی۔

آج حمید نے خاص طور پر ایسے جوتوں کا انتخاب کیا تھا جن کی تیز قسم کی گوئجلی چڑچڑاہٹ مردوں تک کو قبر سے اٹھنے پر مجبور کر سکتی تھی۔ ہوٹل میں داخل ہوتے ہی نہ صرف وہ لڑکی بلکہ دوسرے لوگ بھی اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ حمید اس لڑکی کے قریب ہی والی ایک میز پر بیٹھ گیا لیکن اس کی پشت لڑکی کی طرف تھی۔

لڑکی تھوڑی دیر تک مضطربانہ انداز میں اسے دیکھتی رہی پھر بے چینی سے پہلو بدلنے لگی۔ اس کے چہرے پر ہچکچاہٹ کے آثار تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سرعت سے کسی فیصلے پر پہنچنے

کی کوشش کر رہی ہو۔ اس نے ایک بار اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر اٹھ کر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی حمید کی پشت پر پہنچ گئی۔

"راشد صاحب۔" وہ اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ "اس طرح چوری چوری۔"

حمید چونک کر مڑا۔ شائد اپنی زندگی میں پہلی بار اُس نے حیرت ظاہر کرنے کی اتنی شاندار ایکٹنگ کی تھی۔

وہ چند لمحے سراسیمگی کے عالم میں اسے گھورتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔

"شائد.... آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ مجھے نصرت کہتے ہیں۔"

"جی....!" لڑکی حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولی۔ پھر اچانک ہنس کر کہنے لگی۔ "بہت اچھے راشد صاحب.... ایکٹنگ کامیاب ضرور ہے.... لیکن آپ مجھے اُلو نہیں بنا سکتے۔"

"میں نہیں سمجھا محترمہ۔" حمید نے منہ بگاڑ کر کہا۔ "بھلا میں اس کی جرأت کیسے کروں گا جبکہ میں آپ کو جانتا ہی نہیں۔"

"اف فوہ۔" لڑکی بے جان سی ہو کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ "میرے خدا.... اتنی مشابہت۔"

حمید چپ چاپ اسے دیکھتا اور اس کی حرکت پر متحیر ہوتا رہا۔

"میں اس بے تکلفی کی معافی چاہتا ہوں۔" وہ تھوڑی دیر بعد پھر بولی۔ "لیکن میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ خود راشد صاحب کے گھر والے بھی دھوکا کھا سکتے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"بہر حال میں شرمندہ ہوں۔"

"اس کی بھی ضرورت نہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "اب تو جان پہچان ہو ہی گئی۔ آپ بھی اپنا تعارف....!"

"مجھے پروین کہتے ہیں لیکن حقیقتاً میں شرمندہ ہوں۔"

"چھوڑیئے بھی۔ میرے لئے یہی فخر کیا کم ہے کہ اچانک اس طرح آپ جیسی مہذب اور حسین خاتون سے ملاقات ہو گئی۔"

وہ کچھ نہ بولی۔

"اکثر اس قسم کے اتفاقات پیش آتے رہتے ہیں۔" حمید ہنس کر کہنے لگا۔ "یہیں اسی شہر میں

کچھ عرصہ پیشتر دو حیرت انگیز ہم شکل [1] وارد ہوئے تھے اور دونوں خود کو ایک کہتے تھے ایک ساتھ بولتے تھے۔ چلتے تھے اور سوتے تھے۔ دونوں کا نام صغیر شاہد تھا۔"

"مجھے یاد ہے۔" لڑکی نے کہا۔ "ان پر شائد قتل کا بھی تو الزام تھا۔"

"بالکل وہی۔ آپ ٹھیک سمجھیں۔ یہ دنیا بڑی عجیب ہے۔ اکثر بڑے دلچسپ آدمیوں سے ملاقات ہوئی ہے۔ کل ایک صاحب سے اچانک ملنے کا اتفاق ہوا۔ دوران گفتگو میں رک رک مایوسی سے کہنے لگے کہ آپ بھی بیوقوف نہیں معلوم ہوتے۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ اس جملے کا مطلب پوچھا تو فرمایا کہ میں نے کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ دنیا کا ہر پانچواں آدمی بیوقوف ہے۔ میں اب تک پانچ پانچ کی ہزاروں ٹولیوں سے تبادلہ خیال کر چکا ہوں لیکن مجھے آج تک کوئی نہ ملا۔"

لڑکی ہنسنے لگی۔ "میرے خیال سے انہیں دوسرے تیسرے اور چوتھے ہی آدمی ملے ہوں گے۔"

"کیا کہا جائے۔" حمید گردن جھٹک کر بولا۔ "اور سنئے! کئی دن ہوئے ایک شریف اور مہذب قسم کے آدمی کو ایک نیم کے درخت پر چڑھتے دیکھ کر مجھے رک جانا پڑا۔ وہ صاحب خفیف ہو کر بولے۔ مجھ سے بڑی حماقت ہوئی۔ مجھے دراصل چند کھجوریں درکار تھیں لیکن اوپر چڑھ جانے پر معلوم ہوا کہ یہ تو نیم کا درخت ہے۔ ویسے یہ بات ثابت ہو ہی گئی کہ سارے درختوں کی پتیاں اوپر ہی ہوتی ہیں، لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ اتروں کس طرح۔ میں نے پوچھا چڑھے کس طرح تھے کہنے لگے سیڑھی لگا کر میں نے چاروں طرف دیکھا مگر کوئی سیڑھی نظر نہ آئی۔ اس پر خود ہی بولے سیڑھی سامنے والے مکان پر موجود ہے۔ میں نے صاحب خانہ سے سیڑھی کے لئے کہا تھا وہ بیچارے لے آئے اور اوپر چڑھ آنے کے بعد میں نے ان کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور تکلیف دہی کی معافی چاہتے ہوئے عرض کیا کہ اب آپ تکلیف نہ کریں وہ سیڑھی لیکر واپس چلے گئے۔ اب اگر آپ تھوڑی سی تکلیف کریں تو میں یہ ثابت کر سکتا ہوں کہ سیڑھی کے بغیر اترنا بھی محال ہے۔"

لڑکی نے کھنکتا ہوا سا قہقہہ لگایا۔

"آپ بہت دلچسپ آدمی ہیں۔" وہ آہستہ سے بولی۔ "میری خوش قسمتی ہے کہ آپ سے ملاقات ہو گئی۔ ویسے آپ کرتے کیا ہیں۔"

"قیمتی پتھروں کی تجارت کرتا ہوں۔" حمید بولا۔

"اوہ کیا سچ مچ....!" لڑکی تقریباً چیخ پڑی۔

[1] جاسوسی دنیا کا انتہائی دلچسپ ناول "دوہرا قتل" جلد نمبر 8 ملاحظہ فرمائیے۔

"اوہو تو یہ کون سی ایسی بڑی حیرت انگیز بات ہے۔" حمید ہنسنے لگا۔

"یہ بات نہیں۔ مگر خیر جانے دیجئے۔ آپ کو تکلیف ہو گی۔"

"فرمائیے! فرمائیے میں حاضر ہوں۔"

"بات کچھ عجیب سی ہے۔ کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔"

"بالکل۔ بے تکلفی سے فرمائیے۔"

"ایک لمبی کہانی ہے۔"

"فکر نہیں۔ دو چار گھنٹوں میں ختم ہی ہو جائے گی۔"

"ایسی بھی نہیں۔" لڑکی ہنسنے لگی۔

"میں استدعا کرتا ہوں کہ مجھے خدمت کا موقع عنایت کیجئے۔"

"بات دراصل یہ ہے۔" وہ جھینپے ہوئے انداز میں بولی۔ "ایک گھریلو جھگڑا ہے۔ ہم دراصل دو بہنیں ہیں۔ والد کے ترکے میں ہمیں آٹھ انگوٹھیاں بھی ملی تھیں۔ بٹوارہ بڑی بہن کے ہاتھوں ہوا۔ والد کی زندگی میں مجھے کیا سب کو اس کا علم تھا کہ ان انگوٹھیوں کے نگینے بہت بیش قیمت ہیں لیکن جب میں نے اپنی چار انگوٹھیاں پرکھوائیں تو ان کے سارے نگینے نقلی ثابت ہوئے۔ بڑی بہن کی انگوٹھیوں کا بھی یہی حشر ہوا۔ لیکن میں سوچتی ہوں کیا یہ ممکن نہیں کہ بڑی بہن نے جوہری کو ملا لیا ہو۔ جس نے ہماری انگوٹھیاں پرکھی تھیں۔"

"ممکن ہے.... بہت ممکن ہے۔" حمید پر خیال انداز میں سر ہلا کر بولا۔ اسے اس لڑکی کی ذہانت پر حیرت ہو رہی تھی۔ کتنی برجستہ کہانی تھی۔

"میں چاہتی ہوں کہ کوئی میرا دوست ہو جس پر میں اعتماد کر سکوں۔ میری بہن کی انگوٹھیاں بھی پرکھ لیتا۔"

"میں حاضر ہوں۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "اگر کہئے تو ابھی.... اسی وقت۔"

"ارے.... اب اس وقت کیا.... آپ کو تکلیف ہو گی۔"

"قطعی نہیں.... میری یہ شام بالکل فالتو ہے۔"

"اچھا تو پھر....!"

"بسم اللہ....!" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"لیکن میرا خیال ہے کہ ابھی آپ نے کچھ کھایا پیا نہیں۔" لڑکی نے کہا۔

"واپسی پر.... کیا آپ واپس نہ آئیں گی۔"

"کیوں نہیں؟"

"تو پھر چلئے۔"

باہر انہوں نے ایک ٹیکسی کی اور چل پڑے، لڑکی اس سے بالکل ملی ہوئی بیٹھی تھی۔

"میرے خاندان والوں سے میری نہیں بنتی۔" لڑکی نے کہا۔

"کیوں؟" حمید نے مسکرا کر پوچھا۔

"میں ذرا آزاد خیال ہوں اور فطرت کی پرستار ہوں۔ اخلاقیات پر یقین نہیں رکھتی۔"

"اوہ! تب تو آپ بہت اونچی ہیں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ڈھکوسلوں کی قطعی قائل نہیں ہوں دو اور دو چار والی صاف باتیں۔ انسانی زندگی پر بے جا قیود کی سختی سے مخالفت کرتی ہوں۔"

"بے جا قیود کی سختی سے آپ کی کیا مراد ہے۔"

"بہتیری باتیں ہیں۔ مثال کے طور پر جنسی تعلقات ہی کر لیجئے۔ ان پر عائد شدہ پابندیوں سے متنفر ہوں لیکن کیا کیا جائے کہ آدمی ابھی اتنا بیدار نہیں ہوا کہ ان معاملات کو سمجھ سکے۔ مثلاً اگر میں آپ کی کوئی ضرورت پوری کر دوں تو آپ مجھے آوارہ سمجھنے لگیں گے۔"

"ہرگز نہیں۔" حمید انتہائی سنجیدگی سے بولا۔ "میں خود بھی اس کا قائل ہوں۔ گوڈون[1] کی پولیٹیکل[2] جسٹس پڑھی ہے آپ نے۔"

"پڑھی ہے۔" لڑکی بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "لیکن گوڈون بھی مخلص نہیں تھا اگر وہ عورت اور مرد کے تعلقات پر کسی قسم کی پابندی کا قائل نہیں تھا تو اس نے شیلی پر دعویٰ کیوں دائر کیا تھا اگر وہ مخلص ہوتا تو شیلی سے اسلئے ناراض نہ ہو جاتا کہ وہ اسکی لڑکی میری گوڈون کو بھگا لے گیا تھا۔"

"ٹھیک کہتی ہیں آپ....!" حمید سر ہلا کر بولا۔ "اس بات پر میں آپ سے متفق ہوں۔"

حمید سوچ رہا تھا کہ وہ نہ صرف ذہین بلکہ کافی تعلیم یافتہ بھی معلوم ہوتی ہے، ورنہ گوڈون کے متعلق اتنی سچی بات کہہ دینا معمولی تعلیم کا نتیجہ نہیں ہو سکتا۔

"گوڈون کا یہ کارنامہ" لڑکی نے کہا۔ "اس وقت کا ہے جب وہ باپ نہیں بنا تھا.... پولیٹیکل

[1] Godwin [2] Political Justice (سیاسی انصاف)

جسٹس جنسی جھلاہٹ ہی کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔ اس میں خلوص نہیں۔ لیکن میرا دعویٰ ہے کہ میں اس معاملے میں گوڈون سے زیادہ مخلص ہوں کیونکہ میری شادی ہو چکی ہے۔ لہٰذا میرے لئے جنسی جھلاہٹ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"قطعی نہیں.... قطعی نہیں۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "میں آپ کے خیالات کی قدر کرتا ہوں۔"

"آپ یہ بھی نہ سمجھئے گا کہ میں کسی قسم کے جنسی جنون میں مبتلا ہوں۔ میری ذہنی حالت قطعی نارمل ہے۔"

"یقیناً....!" حمید نے کہا۔ "جنسی جنونیوں کی تو شکل ہی سے ظاہر ہو جاتا ہے۔"

"مجھے عرض کرنے دیجئے کہ آپ غلط کہہ رہے ہیں۔" لڑکی بولی۔ "جنسی جنونی عام حالات میں بڑے معصوم صورت اور فرشتہ خصلت ہوتے ہیں۔ شرمیلا پن تو انکے کردار کا جزو لازم ہوتا ہے لیکن جب وہ دورہ پڑتا ہے تو وہ بیوی بیٹی، بہن یا شوہر، بیٹا، بھائی میں بھی تمیز نہیں کر سکتے۔"

"ہو سکتا ہے" حمید نے کہا۔ "اس کے متعلق میری معلومات زیادہ نہیں ہیں۔"

"مطالعہ بڑی عمدہ چیز ہے۔" لڑکی اپنے جسم کو بل دے کر انگڑائی لیتی ہوئی بولی۔ اس گفتگو کے دوران میں ان کا رہا سہا فاصلہ بھی ختم ہو گیا تھا اور حمید اس خیال کو اپنے ذہن سے نکال پھینکنا چاہتا تھا کہ وہ اس وقت کسی عورت کے قریب بیٹھا ہوا ہے۔

تھوڑی دیر بعد حمید پھر اسی عمارت میں داخل ہو رہا تھا جہاں پچھلی رات ایک کتا اس سے بڑے اخلاق سے پیش آیا تھا۔ لڑکی اسے ڈرائینگ روم میں لے آئی۔ پھر کچھ دیر کے لئے غائب ہو گئی۔ واپسی پر اس نے معذرت کے ساتھ حمید کو بتایا کہ اس کی بہن گھر پر موجود نہیں ہے لیکن تھوڑی دیر بعد آجائے گی۔

"کوئی بات نہیں۔ میں انتظار کروں گا۔" حمید صوفے پر نیم دراز ہوتا ہوا بولا۔

دونوں میں مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ پھر وہ لڑکی باتوں کی رو میں اسی صوفے کے ہتھے پر آ بیٹھی جس پر حمید بیٹھا ہوا تھا۔

"اوہ کیا آپ کی یہ آنکھ مصنوعی ہے۔" وہ حمید پر جھکتی ہوئی بولی۔ پھر اتنا جھکی کہ اُن کے چہروں کے درمیان زیادہ فاصلہ نہ رہ گیا۔ ٹھیک اسی وقت فلیش کیمرے کی روشنی ان پر پڑی اور وہ دونوں اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ لڑکی کا بدصورت ساتھی انہیں قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔

"بچاؤ! مجھے بچاؤ۔" لڑکی چیختی ہوئی اُس کی طرف دوڑی۔

"کیوں بے! یہ کیا حرکت۔" بدصورت آدمی حمید پر ٹوٹ پڑا۔ حمید نے مزاحمت نہ کی۔ اُس کے منہ سے تحیر آمیز آوازیں نکل رہی تھیں، جب وہ دونوں مل کر اسے صوفے میں ہا چکے تو لڑکی بولی۔ "کیوں مکار! تم میرے ساتھ اسلئے آئے تھے کہ میری تقدیر کا حال بتاؤ گے۔"

"دھوکا! دھوکا۔" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔ "تم جھوٹی ہو، مکار ہو! تم مجھے انگوٹھیوں"

"شٹ اپ.... ابھی بتاتی ہوں۔" اس نے میز کی دراز سے استرا نکالتے ہوئے کہا۔

"تم جیسے کمینے آدمی کے چہرے پر مونچھیں اچھی نہیں لگتیں۔"

"کیا....؟" حمید چیخا۔ "میں پولیس....!"

"میں تم پر مقدمہ چلاؤں گا۔ تمہاری اس وقت کی تصویر عدالت میں پیش کروں گا۔" لڑ ساتھی غرایا۔

حمید نے ہاتھ پیر ڈھیلے کر دیئے۔

"اگر تم نے اس واقعے کے متعلق کسی سے کچھ کہا تو یہ تصویر تمہیں جہنم میں پہنچادے گی۔"

لڑکی کا ساتھی حمید کے سر کو اپنی گرفت میں لیتا ہوا بولا۔ لڑکی نے پہلے ہی حملے میں آدھی مونچھ صاف کر دی۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں لڑکی کا ساتھی اچھل کر الگ ہٹ گیا۔ فریدی دروازے میں کھڑا انہیں گھور رہا تھا اور اس کا داہنا ہاتھ پتلون کی جیب میں تھا۔

"کون ہو تم! بلا اجازت گھر میں گھسے۔" لڑکی پلٹ کر تیز لہجے میں بولی۔

"بس یونہی...!" فریدی مسکرایا۔ "میرے لئے کوئی خطرہ نہیں تھا کیونکہ میں مونچھ نہیں رکھتا۔"

آدھی مونچھوں میں حمید کا چہرہ بڑا مضحکہ خیز لگ رہا تھا اور وہ دونوں سراسیمگی کا شکار ہو گئے تھے۔

"ادھر آؤ۔" فریدی نے لڑکی کے ساتھی سے کہا۔

"میں کہتا ہوں تم یہاں کیسے آئے۔" وہ بگڑ کر بولا۔

"چلو!" فریدی نے ریوالور نکال لیا تھا۔ وہ چپ چاپ اس کے قریب چلا آیا۔ فریدی نے بائیں ہاتھ سے اُس کی گردن میں لٹکا ہوا کیمرہ اتارتے ہوئے کہا۔ "اسے کھول دو۔"

لڑکی اور اس کے ساتھی نے حمید کو کھول دیا۔

"بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ دونوں نے تعمیل کی۔ حمید اپنی آدھی مونچھ پر تاؤ دے رہا تھا۔

"یہ سب کیا لغویت ہے۔" فریدی نے انہیں کچھ دیر تیز نظروں سے گھورتے رہنے کے بعد کہا۔

"اس نے میری.... بیوی....!" مرد جملہ پورا نہ کر پایا۔

"بکواس.... یہ پولیس کا آدمی ہے۔"

"تم جھوٹ بول کر مجھے رعب میں نہیں لے سکتے۔" لڑکی کا ساتھی بولا۔

"میں تمہاری ہڈیاں توڑ سکتا ہوں اور یہ بھی غلط ہے کہ یہ تمہاری بیوی ہے۔ کیا کل بھی تم نے ایک دوسرے آدمی کی حجامت نہیں بنائی تھی۔ کیا تم اسے اسی لئے پھانس کر یہاں نہیں لائی تھی۔ لڑکی اگلو۔ میں بہت بُرا آدمی ہوں۔"

لڑکی کی آنکھوں میں پریشانی کی بجائے غم جھانک رہا تھا۔

"آپ کون ہیں۔" اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"پولیس....!"

"بہت بُرا ہوا، بہت بُرا۔" اس نے کہا اور اپنے ساتھی کو قہر آلود نظروں سے گھورنے لگی۔

"پچھلی رات جسے تمہارے کتے نے دوڑایا تھا وہ یہی تھا۔" فریدی نے حمید کی طرف اشارہ کیا۔ "اوہ وہ بہروپ بھی جسے تم نے کل ہوٹل ڈی فرانس دیکھا تھا۔ بہرحال تم دونوں چوہوں کی طرح جال میں پھنس گئے ہو۔"

لڑکی کبھی فریدی کیطرف دیکھتی تھی اور کبھی حمید کیطرف۔ دفعتاً وہ اپنے ساتھی پر گرجنے لگی۔

"میں تجھ سے پہلے ہی کہتی تھی کہ ہمیں انسپکٹر فریدی سے ملنا چاہئے۔ مگر تو نہ مانا اب بولو ساری عزت خاک میں مل گئی یا نہیں۔"

"کیا تم فریدی کو جانتی ہو۔" فریدی نے حیرت سے کہا۔

"نہیں! لیکن یہ سنا ہے کہ وہ مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں۔" لڑکی روہانسی آواز میں بولی۔

"کون سی مصیبت ٹوٹی ہے تم پر....!" فریدی کی مسکراہٹ طنز آمیز تھی۔

لڑکی جواب دینے کی بجائے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

وہ کون تھی؟

اور یہ حقیقت ہے کہ فریدی اور حمید اسے اس طرح روتے دیکھ کر چند لمحوں کے لئے بھول گئے کہ وہ ایک عیار ترین عورت تھی۔ وہ کسی ایسی معصوم بچی کی طرح ہچکیاں لے رہی تھی جس کی کوئی ڈھکی چھپی غلطی اچانک پکڑلی گئی ہو۔ اس کے ساتھی کے چہرے پر خفت آثار تھے اور وہ اسے چپ کرانے کی کوشش کر رہا تھا۔

فریدی چند لمحے خاموش رہا پھر یک بیک اس کا موڈ بگڑ گیا۔

"سنو! لڑکی تمہارے آنسوؤں کا سیلاب مجھے اس گھر سے نہیں بہا سکتا۔" فریدی نے تلخی سے کہا۔

لڑکی نے سر اٹھا کر کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن ہچکیوں نے الفاظ کا گلا گھونٹ دیا۔

سرجنٹ حمید سوچ رہا تھا کہ اس رونے میں بناوٹ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ہچکیوں میں بڑی سا خستگی تھی اور وہ قدرتی ہی معلوم ہو رہی تھی۔

حمید اس کے قریب بیٹھ کر اُس کا شانہ تھپکنے لگا اور دوسرے ہاتھ سے وہ اپنی آدھی مونچھ کبھی نیچے کر رہا تھا اور کبھی اوپر۔

"کیا بات ہے کچھ بولو۔" اُس نے نرم لہجے میں کہا۔

وہ بدستور روتی رہی، لیکن اب ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی ہچکیوں کو دبانے کی کوشش کر رہی ہو۔

"تم اس وقت انسپکٹر فریدی ہی کے سامنے ہو۔" حمید نے پھر کہا۔

"جی!" وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی اور فریدی حمید کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔

"بیٹھو بیٹھو!" فریدی ہاتھ اٹھا کر خشک لہجے میں بولا اور حمید کو سچ مچ اس پر تاؤ آنے لگا۔ سوچ رہا تھا کہ اس پتھر پر عورت کے آنسو بھی اثر انداز نہیں ہوتے، خود اس کا خیال تھا کہ عورت کے آنسو پہاڑ کو رائی بنا سکتے ہیں۔

وہ دوبارہ بیٹھ گئی۔ اس کے آنسو تو رک گئے تھے لیکن ہچکیوں کا تار ابھی نہیں ٹوٹا تھا۔

"میری مخ.... خشک.... قسمتی ہے کہ آپ....!" وہ اس سے آگے نہ کہہ سکی کیونکہ آنسو پھر امنڈنے لگے تھے۔ اُس نے جھک کر اپنا چہرہ زانوؤں میں چھپالیا۔ اس بار رونے کی رفتار پہلے سے بھی زیادہ تیز تھی حمید اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے لگا لیکن فریدی کی تیز نظروں کے مقابلہ میں اپنا یہ فعل دیر تک جاری نہ رکھ سکا! البتہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھانا برحق تھا۔ اگر وہ اس وقت دو اجنبیوں کے درمیان میں نہ ہوتا تو فریدی سے ضرور لڑ پڑتا۔ نہ جانے کیوں اس کے ذہن پر فی الحال اس لڑکی کی مظلومیت چھا گئی تھی۔ اور وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ کچھ دیر قبل اس نے اور اس کے ساتھی نے اسے بڑی بے دردی سے پچھاڑ کر صوفے میں جکڑ دیا تھا۔

"کیا کہنا چاہتی ہو۔" فریدی زور سے گرجا۔ "کہو! ورنہ تضیع اوقات سے یہی بہتر سمجھوں گا کہ تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں۔"

وہ سہم کر چپ ہو گئی لیکن سر نہیں اٹھایا۔ حمید کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر آنکھیں بند کر لے تاکہ اسے نہ تو فریدی کا چہرہ دکھائی دے سکے اور نہ وہ کھردری آواز ہی سن سکے.... بہر حال تھوڑی دیر بعد وہ راہ پر آ گئی۔

"میں دنیا کی انتہائی بدنصیب عورت ہوں۔" اس نے کہا۔

"خوب....!" فریدی اسے گھورنے لگا۔

"میں نے پہلے ہی چاہا تھا کہ آپ سے مدد لوں لیکن اس نے....!" وہ اپنے ساتھی کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گئی۔

"یہ جملہ تم پہلے بھی کہہ چکی ہو۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"لیکن آپ کا رویہ کہہ رہا ہے کہ جو کچھ بھی میں کہوں گی آپ اس پر یقین کرنے کے لئے تیار نہ ہوں گے۔"

"ضروری نہیں۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ کیمرہ ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا لیکن ریوالور جیب میں رکھا جا چکا تھا۔

"یعنی....!" اس کے لہجے میں مسرت تھی۔ "تو پھر میں امید رکھوں کہ آپ میری مدد کریں گے۔"

"حالات پر منحصر ہے۔"

"اوہ!" اس کے چہرے پر پھر مایوسی کی تہیں جم گئیں۔ وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔ "میں یہ نہیں کہتی کہ مجھ سے کوئی جرم سرزد نہیں ہوا نہ صرف اس لئے کہ میں اچھی خاصی شکلیں بگاڑتی رہی ہوں بلکہ میں نے قانون کی آنکھ میں دھول جھونکنے کی بھی کوشش کی ہے۔"

وہ خاموش ہو گئی۔ لیکن فریدی نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے کی بھی ضرورت نہ سمجھی البتہ حمید سوچ رہا تھا کہ قانون کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔

"وہ کس طرح....!" حمید نے پوچھا۔

"ایک لمبی داستان ہے۔" وہ طویل سانس لے کر بولی۔ "لیکن مجھے توقع ہے کہ اسے سن کر آپ کو مجھ پر رحم ضرور آئے گا۔"

"سنے بغیر ہی میں آپ کے لئے ہمدردی محسوس کر رہا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"شکریہ....!" اس نے بیان جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "آپ یقین کریں گے کہ میں ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں۔ میں! جواب تک شریف آدمیوں کو پھانس پھانس کر ان کی شکلیں بگاڑتی رہی میں سب کچھ صاف صاف کہہ دینا چاہتی ہوں۔ پھر آپ کو اختیار ہے۔"

"میرے خیال سے تمہیں تمہید کو زیادہ طول دینے کی ضرورت نہیں۔" فریدی اپنی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"زیادہ وقت نہیں لوں گی۔ میں جانتی ہوں کہ آپ کی بے اعتباری کسی طرح رفع نہ ہو سکے گی پھر بھی خیر.... میں دلاور نگر کے مشہور تاجر سیٹھ اکرام مرحوم کی لڑکی ہوں۔ مجھے اپنا خاندانی حوالہ دیتے ہوئے شرم آ رہی ہے، لیکن میں سب کچھ کہہ دینا چاہتی ہوں، میرے علاوہ ان کے اور کوئی اولاد نہ تھی چونکہ بہت ہی بچپن میں ماں کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا۔ اس لئے میری معقول تعلیم و تربیت کے لئے مجھے ایک مشن اسکول کے بورڈنگ ہاؤز میں داخل کرا دیا گیا۔ یہ بات بھی قابل اظہار ہے کہ والدہ کی موت کے بعد والد صاحب نے دوسری شادی نہ کی....!"

ابھی بات یہیں تک پہنچی تھی کہ دفعتاً کسی کمرے سے گولی چلنے کی آواز آئی اور ساتھ ہی ایک چیخ بھی سنائی دی۔ وہ چاروں بے تحاشہ اچھل پڑے۔ چند لمحے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھتے رہے پھر فریدی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"تم یہیں ٹھہرو۔" اس نے حمید سے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

"یہ کیا تھا....؟" لڑکی خوفزدہ آواز میں بولی اور اس کا ساتھی صرف تھوک نگل کر رہ گیا۔

حمید ان دونوں کو ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ لیکن اس نے ان کے چہروں پر خوف اور حیرت کے ملے جلے آثار کے علاوہ اور کچھ نہ پایا۔

لڑکی صوفے سے اٹھ کر کمرے کے دروازے کی طرف بڑھی اسی کے ساتھ ہی حمید بھی اٹھا۔ لیکن وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ لڑکی کا ساتھی بھی لوہے کی ایک موٹی سی سلاخ داہنے ہاتھ میں تولتا ہوا آہستہ آہستہ اس کے پیچھے بڑھ رہا ہے۔ دروازے کے قریب پہنچ کر لڑکی حمید کی طرف مڑی۔

اور پھر.... دوسرے ہی لمحے میں حمید کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچ گئے۔ کہکشاں زمین پر اتر آئی۔ لڑکی کے ساتھی کا داہنا ہاتھ چل گیا تھا اور لوہے کی سلاخ حمید کے سر پر بیٹھی تھی۔ وہ چکرا کر دھڑام سے زمین پر آ رہا۔

ادھر فریدی عمارت کے دوسرے حصوں میں دوڑتا پھر رہا تھا لیکن ابھی تک کوئی ایسی چیز نہ ملی تھی جو اس فائر اور چیخ پر روشنی ڈال سکتی۔ تھک ہار کر وہ پھر اسی کمرے کی طرف لوٹ رہا تھا کہ اس نے کسی کے گرنے کی آواز سنی لیکن اس کا اندازہ نہ لگا سکا کہ آواز کدھر سے آئی تھی۔ پھر ایک اور چیز نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی۔ پائیں باغ میں ایک سے زیادہ آدمیوں کے دوڑنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

فریدی بھی جھپٹ کر باہر نکلا۔

"اُف.... فوہ.... ارے خبردار.... گولی مار دوں گا۔" فریدی کے منہ سے عجیب آواز میں الفاظ نکلے۔ پائیں باغ میں دوڑنے والے نامعلوم آدمی اس کی کار پر بیٹھ کر فرار ہو چکے تھے۔ فریدی پھاٹک کی طرف دوڑا لیکن وہ کتا آج بھی کافی خوش اخلاقی کے موڈ میں تھا جس نے پچھلی رات کو حمید کی آؤ بھگت کی تھی۔ اگر فریدی اسے فوراً ہی ریوالور کا نشانہ بنا دیتا تو اس نے اس کی بھی ٹانگ پکڑ لی ہوتی۔

اس کی کیڈی کی عقبی روشنی بہت دور اندھیرے میں چمک رہی تھی۔ بہر حال کار ریوالور کی رینج سے باہر ہو چکی تھی۔

دفعتاً ایک خیال تیزی سے اس کے ذہن میں ابھرا اور وہ بے تحاشہ اس کمرے کی طرف دوڑنے لگا جہاں اس نے ان لوگوں کو چھوڑا تھا۔

اور پھر وہاں پہنچ کر اُس نے فرش پر حمید کو اوندھا پڑا پایا۔ اس کے سر کی پشت سے خون بہہ رہا تھا اور وہ خود کسی اور ہی دنیا میں تھا۔ لڑکی اور اس کا ساتھی غائب ہو چکے تھے۔ فریدی کی آنکھیں سرخ ہو گئیں، جیسے ان میں محاورۃً نہیں حقیقتاً خون اتر آیا ہو۔

پھر حمید کو ہوش میں آنے کے لئے نہ جانے کتنے عالموں سے گزرنا پڑا۔ آنکھ کھلتے ہی اسے یہ محسوس کر کے حیرت نہیں ہوئی کہ وہ اپنے ہی کمرے میں ہے۔ اپنی مسہری پر اپنے ہی تکیے پر سر رکھے لیٹا ہوا ہے اور اس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی ہے ایک ایک کر کے سارے واقعات اسے یاد آ گئے۔ فریدی دوسرے کمرے میں کسی سے فون پر گفتگو کر رہا تھا اور گفتگو حمید کے قیاس کے مطابق اسی واقعے کے بارے میں تھی اور پھر اس نے اس کا اندازہ بھی لگا لیا کہ مجرم ہاتھ سے نکل گئے۔ حمید سوچنے لگا کہ فریدی کا موڈ بہت زیادہ خراب ہوگا۔ اسے اس کا بھی اعتراف تھا کہ جو کچھ بھی ہوا وہ اسی کی غفلت کا نتیجہ تھا۔ اگر وہ اس کے آنسوؤں سے پگھل نہ گیا ہوتا تو اس کی نوبت نہ آتی۔ اس وقت اسے اس بات کا اعتراف بھی کر لینا پڑا کہ فریدی عورت کی فطرت کے مطالعہ کے معاملے میں بھی اس پر فوقیت رکھتا ہے۔

بہر حال اب وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی کا سامنا کس طرح کرے گا۔ اس کے نوکیلے طنز کے نشتر کس طرح برداشت کر سکے گا۔ ظاہر ہے کہ اس وقت وہ سخت غصے کی حالت میں ہوگا۔ وقتی طور پر اسے کسی نہ کسی طرح موڈ میں لانا ہی پڑے گا ورنہ شامت آنے میں دیر نہ لگے گی۔ کیونکہ معاملہ ایک عورت کا ہے۔ عورت.... حمید کی سب سے بڑی کمزوری۔

فریدی کا آدھا بجھا ہوا سگار اور دیا سلائی کی ڈبیہ میز پر رکھی دیکھ کر حمید نے اندازہ لگایا کہ فریدی کچھ دیر قبل اسی کمرے میں تھا اور ان چیزوں کی موجودگی اس بات کی دلیل تھی کہ وہ پھر یہیں واپس آئے گا۔

حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ خلاف توقع اسے زیادہ نقاہت نہیں محسوس ہو رہی تھی اور سر میں بھی اتنی تکلیف نہیں تھی جتنی کہ ایسی صورت میں بہر حال ہونی چاہئے تھی۔ شائد یہ فریدی ہی کے کسی انجکشن کا نتیجہ تھا.... ہاں تو.... حمید نے کمرے کے وسط میں کھڑے ہو کر ایک عامیانہ

رقص کا پوز بنایا۔ کچھ دیر اپنے جسم کو تولتا رہا پھر ناچ ناچ کر گانے لگا۔

دیورا بے ایمان:.... ہو دیورا بے ایمان

مارے میاں سے چھپ چھپ کر انکھیاں.... کھینچے دل کی کمان

ہو دیورا بے ایمان۔

اچانک فریدی کمرے میں داخل ہوا لیکن حمید کی سنجیدگی بدستور قائم رہی۔ وہ بڑے لچکیلے انداز میں ناچ رہا تھا۔ بھنویں ایک خاص انداز میں تن تن کر گر رہی تھیں، چہرے پر ایسے شکایت آمیز آثار پائے جا رہے تھے، جیسے وہ سچ مچ بحیثیت بھابی کسی دیور کی خوش فعلیوں کا شکوہ کر رہا ہو۔

"حمید! حمید....!" فریدی تحیر آمیز انداز میں چیخا۔

"لوٹے والی عمریا کا مان.... ہو دیورا بے ایمان.... ہو دیور....!"

فریدی حقیقتاً بوکھلا گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ اس چوٹ کا اثر نہ ہو۔ بعض اوقات ایسی حالت میں ذہنی توازن بگڑ جانے کا بھی احتمال رہتا ہے۔

"حمید کیا ہو گیا ہے تمہیں۔"

"کھینچے دل کی کمان.... مارے اکھیوں کی جان....!" حمید نے سچ مچ فریدی کو بڑے شرمیلے انداز میں آنکھ ماری اور اس سے یہی سب سے بڑی غلطی سرزد ہوئی۔ اگر وہ تھوڑی دیر تک فریدی کی نظروں سے اپنی نظریں بچائے رکھتا تو یہ تماشہ کچھ دیر اور جاری رہ سکتا تھا۔ بہر حال فریدی سے نظر ملتے ہی دیوانگی کا پردہ فاش ہو گیا۔

"اوہ....!" فریدی معنی خیز انداز میں بولا۔ حمید ناچتا رہا۔ ایک بار آگے بڑھ کر اُس نے فریدی کی بلائیں بھی لیں۔ لیکن فریدی کی سنجیدگی میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آیا۔ آخر اُس نے ایک نوکر کو آواز دی اور اس کے آجانے پر بولا۔

"حمید کی حالت خراب ہے، چوٹ کا ذہن پر بُرا اثر پڑا ہے۔ میں نے خون بند کر کے غلطی کی۔"

"جی سرکار۔"

"تھوڑا خون اور نکلنا چاہئے ورنہ یہ ہمیشہ کے لئے پاگل ہو جائے گا۔"

"ارے....!"

"ہاں! اسے پکڑ کر تجربہ گاہ تک لے چلنا ہے، وہاں میں اس کے بازو میں نشتر لگا کر اتنا خون

نکال لوں گا....!"

فریدی کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی حمید کے دیوتا کوچ کر گئے۔

"اور کسی کو بلاؤں....!" نوکر نے پوچھا۔

"نہیں ہم دونوں ہی کافی ہوں گے۔"

حمید ناچتے ناچتے سہم کر رک گیا۔ فریدی اور نوکر آگے بڑھے۔

"ٹھہریئے۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں اپنا اطمینان کرنا چاہتا تھا کہ میرا سر شانوں پر موجود بھی ہے یا نہیں۔"

"تو اطمینان ہو گیا ہو گا۔" فریدی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"جی ہاں موجود ہے۔"

"لیکن میں ابھی مطمئن نہیں ہوا۔" فریدی اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"کیوں؟"

"بس یونہی....!" فریدی نوکر کی طرف دیکھ کر بولا۔ "پکڑو....!"

"مار ڈالوں گا بے۔" حمید اسے گھونسہ دکھا کر حلق کے بل چیخا۔ نوکر سہم کر پیچھے ہٹ گیا۔

"جاؤ....!" فریدی نوکر کی طرف مڑ کر بولا۔ وہ چپ چاپ کھسک گیا۔

"یہ کیا حرکت تھی؟" اس نے حمید کو مخاطب کیا۔

"جھینپ مٹا رہا تھا۔" حمید نے بڑے خلوص سے کہا۔

"جانتے ہو! وہ لوگ کیڈیلاک بھی لے گئے۔" فریدی بگڑ کر بولا۔

"ارے۔" حمید کے چہرے پر سچ مچ اضمحلال طاری ہو گیا۔ جس میں شرمندگی کے آثار بھی شامل تھے۔

"بڑے فطرت شناس بنے پھرتے ہیں عورتوں کے۔" فریدی کا منہ بگڑ گیا۔

"میں اپنی غلطی پر نادم ہوں۔"

"کدھر سجدہ کروں۔" فریدی ہنس پڑا۔ "کیڈی کے جانے کا اتنا غم نہیں جتنی اس بات کی خوشی ہے کہ زندگی میں پہلی بار تمہارے چہرے پر ندامت کے آثار دیکھ رہا تھا۔"

"میری ہی بدولت یہ سب کچھ ہوا۔" حمید نے کہا۔

"اب تو دعویٰ نہیں کرو گے۔ عورتوں کو سمجھنے کا۔"

"ضروری نہیں کہ ہمیشہ دھوکہ ہی کھاتا رہوں۔" حمید بولا۔

"دنیا جانتی ہے کہ عورتوں میں صرف ماں کے آنسو سچے ہوتے ہیں۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"لیکن کیڈی۔"

"مل جائے گی کہیں نہ کہیں۔ وہ اپنے ساتھ عذاب نہیں رکھیں گے۔ کیڈی کہیں نہیں جا سکتی۔"

"لیکن وہ لوگ تو نکل ہی گئے۔"

"مجھے اس کی بھی پرواہ نہیں۔ کیونکہ میں اس عورت کی شخصیت سے واقف ہو گیا ہوں۔"

"کون ہے۔"

"جے سیکا۔"

"کیا؟" حمید تقریباً اچھل پڑا۔ "مگر جے سیکا کس طرح! اسکی تصویر میرے ذہن میں ہے۔"

"یہ نہ بھولو کہ وہ بھی بھیس بدلنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی اور ایک بہترین اداکارہ بھی ہے اس کا اندازہ تو تمہیں اسی وقت ہو گیا ہو گا۔"

"تو کیا آپ نے اسے پہچان لیا تھا۔"

"نہیں! کاش ایسا ہوتا۔ وہ کئی بار مجھے دھوکہ دے کر نکل چکی ہے۔ لیکن اب کی ایسا نہیں ہو گا۔"

"پھر آپ نے اسے کس طرح پہچانا۔"

"جس استرے سے وہ مونچھیں صاف کیا کرتی تھی، اس کے دستے پر اس کی انگلیوں کے نشانات ملے ہیں۔ اس کی انگلیوں کے نشانات جنہیں میں ایک ہی نظر میں پہچان سکتا ہوں۔ حمید اس بار اسے سلاخوں کے پیچھے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

ایک لاش

جے سیکا ایک ایسی عورت تھی جس کے کارناموں کو صحیح معنوں میں محیر العقول کہا جا سکتا تھا۔ نسلاً وہ ایک اینگلو انڈین تھی۔ کافی تعلیم یافتہ اور کئی زبانوں کی ماہر تھی۔ ماہر یوں کہ اسے ان

زبانوں کے لہجوں پر بھی قدرت حاصل تھی۔ خصوصاً اردو تو اس طرح بولتی تھی جیسے وہ اس کی مادری زبان ہو۔ پولیس پچھلے تین برسوں سے اس کی گرفتاری کے لئے کوشاں تھی لیکن اسے ہمیشہ ناکام ہی رہنا پڑتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ وہ میک اپ کی بھی ماہر تھی۔ اس کے خلاف ابھی تک صرف دھوکہ دہی اور بلیک میلنگ ہی کے الزامات تھے۔ قتل سے اس کے ہاتھ رنگین نہیں ہوئے تھے یا ہو سکتا ہے کہ وہ قاتلہ بھی رہی ہو لیکن پولیس کو اس کا علم نہ ہو۔ اکثر مجرم اس معاملے میں بڑے خوش قسمت ہوتے ہیں۔

فریدی عرصہ سے اُس کے چکر میں تھا۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ کبھی اس نے دل لگا کر اس کے لئے کوشش نہیں کی تھی۔ ہمیشہ یہی سوچ کر رہ جاتا تھا کہ عورت ہی تو ہے جب چاہوں گا گرفت میں لے لوں گا۔ بہر حال جے سیکا ہر طرف سے بے پرواہ اپنے مقاصد کے حصول میں لگی رہی تھی۔ اس نے ملک کے کئی بڑے بڑے دولت مندوں کو بلیک میل کر کے ان سے خاصی رقمیں اینٹھی تھیں۔ ویسے اس کا ایک کارنامہ خاص طور سے مشہور تھا جس میں اس نے ملک کے ایک مشہور کروڑ پتی کا دیوالہ نکال دیا تھا۔ اس بے چارے کو دراصل فلمی پریوں سے عشق لڑانے کا خبط تھا۔ جے سیکا اس سے ایک فلمی اسٹار کے بھیس میں ملی۔ ایک ایسی فلم سٹار کے بھیس میں جس کا شمار ملک کی بہترین ایکٹریسوں میں ہوتا تھا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ سیٹھ صاحب دیوالیہ ہو گئے اور جب یہ راز کھلا تو ان کے پاس دماغ کے علاوہ کوئی اور ایسی چیز نہ رہ گئی تھی جسے کھو دینے پر انہیں افسوس ہوتا۔ لہٰذا انہیں پاگل خانے کی راہ لینی پڑی، جہاں وہ اب بھی قیام پذیر ہیں۔

بہر حال وہ اب تک قانون کے شکنجوں سے بچی ہوئی تھی۔

فریدی کی زبانی جے سیکا کا نام سن کر حمید الجھن میں پڑ گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شائد وہ فریدی کو پہچانتی تھی تب ہی تو اُس نے فریدی کو اُلو بنانے کے لئے خود اسی کا حوالہ دیا تھا.... لیکن پھر؟ اگر وہ فریدی کو پہچانتی تھی تو اسے بھی پہچانتی رہی ہو گی۔ مگر یہ بات اس کی سمجھ میں نہ آئی۔ وہ سوچنے لگا کہ اگر وہ اس سے واقف ہوتی تو ہوٹل ڈی فرانس میں اس بہراپن والی ایکٹنگ کے دھوکے میں نہ آتی.... پھر؟.... وہ سوچتا رہا۔ حتیٰ کہ اسے نیند آ گئی.... اور رات بھر خواب میں اس کے سر پر ہتھوڑے چلتے رہے۔

دوسری صبح بیدار ہوتے ہی اُس نے فریدی کی زبانی یہ خوشخبری سنی کہ کیڈی لاک باتھم روڈ کے چوراہے پر کھڑی ہوئی مل گئی۔

"اور ذرا اسے دیکھو۔" فریدی کاغذ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا حمید کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ جس پر تحریر تھا۔ "فریدی صاحب! آپ بہت بڑے آدمی ہیں لہٰذا چھوٹے چھوٹے معاملات میں آپ کی دخل اندازی کسی طرح نہیں برداشت کی جا سکتی۔ پچھلی رات دھوکا کھا جانے کا شکریہ۔ اور میں عرصے تک اس بات پر فخر کر سکوں گی کہ مجھے آپ کی کیڈی پر سفر کرنے کا شرف حاصل ہو چکا ہے۔ خط کے ساتھ ہی دس روپے کا ایک نوٹ بھی چھوڑے جا رہی ہوں تاکہ آپ کو مجھ پر غصہ نہ آئے۔ بہر حال کیڈی کے جائز استعمال کے سلسلے میں یہ حقیر معاوضہ قبول فرمایئے۔ اگر میں خوش قسمتی سے سرجنٹ حمید کو بھی پہچانتی ہوتی تو آپ کو تکلیف نہ اٹھانی پڑتی.... خیر.... بہت بہت شکریہ۔ شائد آپ کے فرشتے بھی نہ جان سکیں کہ میں کون ہوں اور کیا کر رہی ہوں۔ بہر حال بہت سی دعائیں اور لاتعداد پیار قبول فرمایئے۔"

"لاتعداد پیار۔ قبول فرمایئے۔" حمید اپنا داہنا گال رگڑتا ہوا بولا۔

"پھر بہکے۔" فریدی اسے گھورنے لگا۔

"اوہ.... لاحول ولا قوۃ.... خیر کوئی بات نہیں۔ ویسے میرا خیال ہے کہ وہ آپ پر جان دینے لگی ہے۔"

"بکو مت۔"

"اوہ تو کیا آپ بھی.... خدا میری مغفرت کرے۔"

"چوٹ ہی پر ہاتھ رسید کر دوں گا۔ سیدھے ہو جاؤ۔"

"سیدھا ہو گیا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔

"مجھے افسوس ہے کہ وہ کیمرہ بھی ہاتھ سے نکل گیا۔"

"کیوں؟ اس سے کیا ہوتا؟.... کیا وہ تصویر...."

"نہیں! تصویر تو فضول ہی ہو چکی تھی۔ ظاہر ہے کہ تم دونوں میک اپ میں تھے۔" فریدی نے کہا۔ "بات دراصل یہ ہے کہ بناوٹ کے اعتبار سے وہ کیمرہ میرے لئے بالکل ہی نیا تھا۔"

"تو پھر.....؟"

"کچھ بھی نہیں؟" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

"یہ بدحواسی۔" حمید ہنس پڑا۔ "غالباً یہ ان لاتعداد پیاروں کا اثر ہے۔ مگر دعائیں بھی تو لکھ ہیں ظالم نے.... بعض محبوباؤں میں بھی بڑی ماتا ہوتی ہے۔"

"جسے صرف تم ہی محسوس کر سکتے ہو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "پچھلی رات شائد تمہاری سعادت مندی ہی زور کر گئی تھی۔"

حمید جواب دینے کے بجائے ہلکی آواز میں سیٹی بجانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد ناشتے کی میز پر پھر جے سیکا کے متعلق گفتگو چھڑ گئی۔

"پتہ نہیں اس کے ساتھ اور کتنے تھے۔"

"کب.....؟"

"پچھلی رات کو۔"

"ان دونوں کے علاوہ اس عمارت میں اور کوئی نہیں تھا۔" فریدی نے کہا۔

"میرا خیال بھی یہی ہے۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "بلکہ میں تو یہاں تک کہنے کے لئے تیار ہوں کہ ہم دونوں بھی اس عمارت میں نہیں تھے۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"کیوں؟ کیا میں نے کوئی غلط بات کہی تھی۔" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"قطعی نہیں! آپ تو بانسری بجا رہے تھے۔"

"اوہ! غالباً اس فائر اور اس چیخ نے تمہیں غلط راستے پر لگا دیا ہے۔"

"کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں۔" حمید اپنے سر پر بندھی ہوئی پٹی پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

"خیر ابھی ہم وہیں چلتے ہیں۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

ناشتہ ختم کرنے کے بعد انہوں نے لباس تبدیل کیا اور اسی عمارت کی طرف چل پڑے جہاں پچھلی رات حمید شہادت کے درجے پر فائز ہوتے ہوتے رہ گیا تھا۔

عمارت سنسان پڑی تھی۔ سب سے پہلے وہ اس کمرے میں پہنچے جہاں انہوں نے جے سیکا اور اس کے ساتھی سے گفتگو کی تھی۔ فریدی چند لمحے اس صوفے کو گھورتا رہا جس پر جے سیکا بیٹھی

روتی رہی تھی۔ پھر حمید کو وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کر کے کمرے سے چلا گیا۔ حمید کھڑا ہو کر اس کا انتظار کرتا رہا۔ تقریباً دس منٹ بعد فریدی لوٹ آیا۔ پھر حمید نے اس کو اسی صوفے پر بیٹھتے دیکھا، جس پر رات کو جے سیکا بیٹھی تھی۔

"حمید صاحب تیار ہو جایئے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کس لئے؟"

"دوسری چوٹ نہ کھاؤ گے۔"

"بحمد اللہ کہ قطعی بھوک نہیں۔" حمید پیٹ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں قریب ہی کہیں ایک فائر ہوا اور ساتھ ہی کسی کی چیخ بھی سنائی دی۔ حمید بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

فریدی ہنس رہا تھا۔

"دیکھا تم نے۔"

"آخر یہ ہے کیا بلا۔"

"جے سیکا کی ذہانت کا ایک حسین ثبوت۔ سچ مچ شیطان کی بھتیجی ہے۔"

"لیکن میں نے تو سنا ہے کہ آپ کی کوئی بھتیجی ہی نہیں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ٹھیک سنا ہے تم نے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "آؤ اب میں تمہیں ایک چیز دکھاؤں۔"

اس نے صوفے کے ہتھے کو ٹٹول کر ایک جگہ کا کپڑا اکھاڑ دیا۔ پھر حمید کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"ذرا دیکھنا یہاں اس بٹن کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔"

حمید نے جھک کر صوفے کے ہتھے پر لگے ہوئے سوئچ پر ہاتھ رکھ دیا۔ فائر اور چیخ کی آواز پھر سنائی دی۔ حمید معنی خیز انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ اب فریدی فرش پر بچھا ہوا قالین الٹ رہا تھا۔

"اور یہ دیکھو۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ "ان تاروں کا سلسلہ اس بٹن سے اس جگہ تک گیا ہے جہاں وہ مشین فٹ ہے۔"

"مشین.....!"

"ہاں ایک چھوٹی سی مشین ہے جسے میں اپنے عجائبات میں رکھنا پسند کروں گا..... آؤ۔"

وہ دونوں دو چھوٹے چھوٹے کمروں سے گزر کر ایک بڑے کمرے میں پہنچے، جہاں بارود کی پھیلی ہوئی تھی۔ فریدی ایک میز کے قریب جا کر رک گیا جس پر ریڈیو رکھا ہوا تھا۔

"یہ کیا ہے۔" فریدی نے ریڈیو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تربوز.....!"

"دلچسپی نہیں لے رہے ہو شائد تم۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ پھر اُس نے ریڈیو کے سامنے والا ڈھکن الگ کر دیا اور اندر کی مشین کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "اس طرف وہ حصہ ہے جس سے فائر ہوتا ہے اور ادھر یہ دو چھوٹے پہیے..... جب یہ تیزی سے گردش کرتے ہوئے ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں تو چیخ کی آواز پیدا ہوتی ہے کیوں ہے نا شاندار..... تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ بہت ذہین عورت ہے۔"

"کاش آپ سے اس کا جوڑ الگ سکتا۔"

"کسی وقت تو اپنا ذہن ان لغویات سے خالی رکھا کرو۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

"اس کیس میں نہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "آپ کسی دوسرے موقعے پر مجھے نصیحت کر سکتے ہیں۔ مجھے ایک عورت نے چوٹ دی ہے، فریدی صاحب بہت ممکن ہے کہ دنیا کا نقشہ ہی بدل جائے، جے سیکا میرا شکار ہے اور آپ جانتے ہیں کہ میں اپنے شکار کو ذبح نہیں کرتا۔"

"دیکھو تمہارے سر کی پٹی ڈھیلی ہو رہی ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"خیر دیکھئے گا۔" حمید نے کہا اور تن کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"تمہارے بس کی عورت نہیں حمید صاحب۔"

"اسی لئے میں آپ کے ساتھ جوڑا لگا رہا تھا۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"خیر اب اتنی بھی ذہین نہیں۔"

"تو کیا آپ مجھے اتنا گھٹیا سمجھتے ہیں کہ میں جے سیکا پر بھی ہاتھ نہ ڈال سکوں گا۔"

"نہیں تو! ضرور ڈالو! میں نے روکا تو نہیں۔ خیر ختم کرو یہ باتیں پچھلی رات میں اس عمارت کا اچھی طرح جائزہ نہیں لے سکا تھا۔"

وہ دونوں اس کمرے سے نکل کر دوسرے کمروں کے چکر لگانے لگے۔ حمید کچھ بیزار بیزار سا نظر آ رہا تھا اور حرکات و سکنات سے جھنجھلاہٹ بھی مترشح تھی۔ فریدی آگے بڑھتا تھا تو وہ رک

جاتا اور جب فریدی کہیں رکتا تو حمید اس طرح اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ جاتا جیسے اسے وہاں فریدی کی موجودگی کا علم ہی نہ ہو۔

دفعتاً اُس نے فریدی کی تحیر زدہ آواز سنی اور پلٹ کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ فریدی ایک کمرے کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ حمید رک گیا۔ اتنے میں فریدی نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا۔ حمید نے اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار دیکھے۔ وہ دروازے کی طرف بڑھا اور پھر اسے سچ مچ جھرجھری آ گئی۔ کمرے کے فرش پر جے سیکا کے بدصورت ساتھی کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ کسی نے اس کے پیٹ میں چھری مار کر آنتیں تک باہر نکال لی تھیں۔

فریدی خاموشی سے لاش پر جھکا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے سر اٹھا کر کہا۔

"اسے یہاں نہیں قتل کیا گیا۔ لاش کہیں باہر سے لائی گئی ہے اور اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ خون کی ایک بوند بھی کہیں نہ ٹپکنے پائے۔ مگر پچھلی رات سے اب تک یہاں پہرہ لگا رہا ہے۔ آخر یہ لاش یہاں آئی کس طرح؟"

حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"کیوں؟ کیا آپ ابھی جے سیکا کی ذہانت کے قصیدے نہیں پڑھ رہے تھے۔"

"جے سیکا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "یہ جے سیکا کی حرکت نہیں ہو سکتی۔"

"کیوں.....؟"

"ظاہر ہے کہ لاش کو یہاں لانے میں کافی دشواری پیش آئی ہو گی۔ بہر حال یہ کسی نہ کسی طرح یہاں لائی گئی۔ اگر وہ جے سیکا ہوتی تو یہاں سے خالی ہاتھ واپس نہ جاتی۔ کم از کم اپنی وہ حیرت انگیز مشین تو لے ہی گئی ہوتی۔ نہیں جے سیکا نہیں ہو سکتی۔ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں وہ اس طرح کے خطرات نہیں مول لیتی۔ یہاں اس لاش کی موجودگی کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ کسی نے یا تو پولیس کو چیلنج کیا ہے یا پھر وہ جے سیکا کو خوفزدہ کرنا چاہتا ہے۔"

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔"

"شائد تم یہ بھول رہے ہو کہ جے سیکا بھی اب تک کچھ تو کرتی رہی ہے۔ آخر وہ بڑی مونچھ والوں کو تختہ مشق کیوں بنائے ہوئی تھی۔ میرے خیال سے تو اس کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ اسے کسی خاص آدمی کی تلاش تھی، جس کی مونچھ مونڈ دینے کے بعد وہ اسے پہچان لینے کی بھی

توقع رکھتی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی خطرناک آدمی ہو اور اس طرح اس نے جے سیکا کو خوفزدہ کر کے اس کی سرگرمیوں کو روکنے کی کوشش کی ہو.... بہر حال میں یہی سمجھنے پر مجبور ہوں کہ جے سیکا کی حرکت نہیں ہو سکتی۔"

فریدی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"ذرا پہرے داروں کے انچارج کو بلاؤ۔"

حمید کے جانے کے بعد فریدی پھر لاش کی طرف ہو گیا۔ اس کے ماتھے پر گہری لکیریں ابھر آئی تھیں۔ حمید واپس آ گیا۔ پہرے داروں کے انچارج کی بدحواسی قابل دید تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے موت کا فرشتہ اس کی روح کی بنیادوں پر ضربیں لگا رہا ہو۔

"میں جانتا ہوں کہ تم اس سے لاعلم ہو۔" فریدی نرم لہجے میں بولا۔

"یقین کیجئے کہ ہم رات بھر ہوشیار رہے ہیں۔"

"لیکن اس سے غافل رہے کہ عمارت کا پچھواڑہ بھی ہوا کرتا ہے۔ خیر یہاں اس لاش کے پاس ٹھہرو۔"

فریدی اور حمید کمرے سے نکل آئے۔ وہ دونوں عمارت کے آخری کنارے کی طرف جا رہے تھے۔ بہر حال انہیں جلد ہی وہ جگہ مل گئی جہاں سے لاش اندر لائی گئی تھی۔

اس کے لئے مجرموں نے کوئی حیرت انگیز طریقہ نہیں اختیار کیا تھا۔ عمارت کی پشت سے نقب لگائی گئی تھی۔ فریدی نقب کے مہرے سے باہر نکل گیا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔

"اتنی احتیاط کے باوجود بھی مجرم چوک ہی گئے۔" فریدی بولا۔

"کیوں....؟"

"یہ نشان! ادھر دیوار پر....!"

دیوار پر خون بھری ہوئی تین انگلیوں کے نشان تھے۔

"میرا تو یہی خیال ہے کہ یہ حرکت صرف جے سیکا ہی کی ہو سکتی ہے۔" حمید نے کہا۔ "ممکن ہے اپنے ساتھی پر سے اس کا اعتماد اٹھ گیا ہو۔"

"لیکن حمید صاحب! آخر وہ اسے یہاں کیوں لائی۔"

"پولیس کو سراسیمگی میں مبتلا کرنے کے لئے۔"

"میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔" فریدی بولا۔ "وہ صرف ایک ذہین اور چالاک عورت ہے۔ اس نے پولیس کو کبھی چیلنج نہیں کیا۔ وہ الجھاوؤں سے دور بھاگتی ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا.... اور پھر فریدی نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد محکمہ سراغرسانی کے فنگر پرنٹ سیکشن کے فوٹوگرافر بھی وہاں پہنچ گئے۔

فریدی نے پولیس کو ابھی تک ان معاملات کے متعلق اندھیرے ہی میں رکھا تھا لیکن اب اسے پوری روداد دہرانی پڑی۔

لاش اٹھ جانے کے بعد فریدی اور حمید کافی دیر تک اس عمارت میں ٹھہرے رہے۔ دونوں کے ذہن دو مختلف راستوں پر بھٹک رہے تھے۔ حمید کو یقین تھا کہ اس حرکت کی ذمہ دار جے سیکا ہی تھی۔

گونگی لڑکی

واپسی پر سرجنٹ حمید پھر چہکنے لگا تھا۔ لیکن اگر اسے اس کا علم ہوتا کہ گھر پر اس کی شامت اس کا انتظار کر رہی ہے تو شائد وہ فریدی کو اس طرح نہ چھیڑتا وہ جے سیکا ہی والے مسئلے پر اسے تنگ کر رہا تھا۔

"مائی ڈیئر فریدی صاحب۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "مجھے یقین ہے کہ آپ جے سیکا کی طرف جھک رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ اسے قاتل قرار دینے میں آپ کو تامل ہے۔"

"دماغ مت چاٹو۔"

"میں آپ کا دل چاٹ جاؤں گا کیونکہ اس میں فی الحال کسی تصویر....!"

"شٹ اپ....! مجھے سوچنے دو۔"

"عشق کو سوچ بچار سے کیا تعلق۔ عشق تو اندھا ہوتا ہے لہٰذا اندھوں کو سوچنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔"

"فضول باتیں مت کرو۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "جب کوئی ڈھنگ کی بات نہیں سوجھتی تو بے تکی ہانکنے لگتے ہو۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ جے سیکا سے ایک بار پھر ٹکرانے کی خواہش اس کے ذہن میں جڑ پکڑ
جا رہی تھی۔ اس سے قبل کبھی کسی مجرم سے اس نے اتنی پرخاش نہیں محسوس کی تھی۔ اس نے
کئی بار جرائم پیشہ عورتوں سے دھوکا کھایا تھا لیکن یہ واقعہ نوعیت کے اعتبار سے ایسا نہیں تھا جسے
سرسری طور پر ٹال دیتا جے سیکا کا خیال آتے ہی وہ جھنجھلاہٹ میں اس بات کا فیصلہ نہیں کر پاتا تھا
کہ موقع ملنے پر اُس کے ساتھ کیا برتاؤ کرے گا۔

"مجھے حیرت ہے۔" حمید تھوڑی دیر بعد سنجیدگی سے بولا۔ "کہ آپ اسے آج تک نظر انداز
کیوں کرتے رہے۔"

"فرصت ہی نہیں ملی کہ اس کی طرف دھیان دیتا۔"

"ہم سے بڑی غلطی ہوئی۔" حمید نے کہا۔

"کیسی غلطی؟"

"ہمیں فی الحال اس کے ساتھی کی لاش دبا دینی چاہئے تھی۔"

"اس سے ہوتا کیا؟"

"ہوتا کیا؟ میں اس کا بھوت بن کر جے سیکا کو کھا جاتا۔" حمید نے کہا۔

"یعنی اس کا میک اپ۔ قطعی فضول تھا۔ اس طرح ہم اس کے قاتلوں کو کبھی نہ پا سکتے۔ وہ گئی
جے سیکا۔ تو تم اسے اسی وقت پکڑ سکتے ہو لیکن میں اسے فضول ہی سمجھتا ہوں کیونکہ اس سے بھی
ہم قاتلوں تک نہ پہنچ سکیں گے۔"

"اونہہ....!" حمید اکتا کر بولا۔ "چلئے میں اسے تسلیم کئے لیتا ہوں کہ جے سیکا اس کی قاتل
نہیں ہے، لیکن اسے حراست میں لے لینے میں کیا حرج ہے۔ اس طرح کم از کم اس ہڑبونگ کا
مقصد تو ظاہر ہو جائے گا۔"

"میں یہی بہتر سمجھوں گا کہ تم صرف اس کا تعاقب کرتے رہو۔ اس کی حرکات و سکنات پر
کڑی نگرانی رکھو۔"

"اس کے خیال کا تعاقب کروں۔" حمید نے چڑھ کر کہا۔

"بتاؤں گا۔ زیادہ جلدی کی ضرورت نہیں۔"

گھر پہنچ کر انہیں ایک لفافہ ملا جس پر فریدی کا نام اور پتہ ٹائپ کیا ہوا تھا۔ نوکر نے بتایا کہ ان

کی عدم موجودگی میں ایک عورت ان سے ملنے کے لئے آئی تھی۔ تھوڑی دیر تک انتظار کرتی رہی
پھر وہی لفافہ چھوڑ کر چلی گئی۔

لفافہ کھولتے ہی فریدی کے منہ سے تحیر زدہ سی آواز نکلی۔ حمید بھی جھک پڑا لیکن دوسرے
ہی لمحے میں طرح طرح کے منہ بننے لگے۔ لفافے سے خط کے ساتھ ہی ایک تصویر بھی برآمد
ہوئی تھی.... اور وہ تصویر.... ایسی تھی کہ فریدی حمید کی طرف گھورے بغیر نہ رہ سکا۔

"خدا کی قسم...!" حمید حلق پھاڑ کر بولا۔ "میں نے آج تک اس عورت کی شکل بھی نہیں دیکھی۔"

فریدی فی الحال اس کی طرف سے توجہ ہٹا کر خط پڑھنے میں مشغول ہو گیا تھا۔

"مائی ڈیئر فریدی صاحب۔

میرا ساتھی رات سے غائب ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کے ہاتھ پڑ گیا ہے۔ لہٰذا خیریت
اسی میں ہے کہ چپ چاپ اسے رہا کرا دیجئے ورنہ پھر آپ اس تصویر کا مطلب تو سمجھ ہی گئے ہوں
گے۔ میں تین بجے تک اس کی رہائی کا انتظار کروں گی اگر کوئی بات میری توقع کے خلاف ہوئی تو
میں اپنا کام کر گزروں گی۔"

"یہ تصویر جعلی نہیں معلوم ہوتی۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔ "مجھے یقین ہے کہ یہ کیمرہ
ٹرک نہیں ہو سکتی۔"

"میں کس طرح یقین دلاؤں کہ میں نے یہ صورت آج تک خواب میں بھی نہیں دیکھی۔"
حمید بوکھلا کر بولا اور فریدی کے ہاتھ سے خط لے کر پڑھنے لگا۔ اس کے بعد کچھ دیر تک اس
کی نظریں تصویر پر جمی رہیں.... اور پھر یکایک چونک کر کہنے لگا۔ "مگر یہ صوفہ.... کیا یہ وہی
صوفہ نہیں ہے جس پر کل رات جے سیکا میرے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔"

"ہے تو وہی....!" فریدی پرخیال انداز میں بولا۔

"اور اس عورت کی پوزیشن بھی وہی ہے، جو تصویر لیتے وقت جے سیکا کی تھی۔"

"میرے خیال سے یہ بھی درست ہے۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن پھر اس کی صورت کس طرح بدل گئی۔" حمید بڑبڑایا۔

"اسی لئے میں پھر اسی کیمرے کی ساخت کے متعلق سوچنے لگا ہوں۔"

"تو کیا وہ کوئی میک اپ توڑ کیمرہ ہے۔"

"سو فیصدی یہی بات تھی۔ لیکن کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ جے سیکا کی اصلی صورت ہے۔"

"کیوں؟" حمید چونک کر بولا۔ "ایسی صورت میں اور کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"قطعی نہیں! حمید صاحب! تم بڑے جنجال میں پھنس گئے ہو۔"

"کیوں؟"

"کیا اس عورت کی تصویر بھی تم نے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔"

"نہیں.... کبھی نہیں۔"

"دلاور نگر کے سیٹھ جگومل کی گونگی بھانجی کے اغواء کے متعلق بھی کچھ جانتے ہو۔"

"بس اتنا ہی کہ آج سے ایک ماہ قبل وہ غائب ہو گئی تھی۔"

"اور ابھی تک غائب ہے۔" فریدی نے کہا۔ "بیٹے حمید خاں تمہارے ساتھ یہ اسی کی تصویر ہے۔"

"کیا....؟ نہیں.... بھلا یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ کیا کل رات والی عورت گونگی تھی۔"

"گونگی تو نہیں تھی لیکن اس نے دوہرا میک اپ ضرور کر رکھا تھا۔ اپنی اصلی صورت کلاوتی کا میک اپ کر رکھا تھا اور اس پر دوسرا جس میں وہ پروین کے نام سے یاد کی جاتی تھی۔"

فریدی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"مگر وہ کیمرہ! مجھے حیرت ہے کہ وہ جے سیکا کے پاس کہاں سے آیا۔"

"کیوں؟"

"ایسے کیمرے صرف لندن کے اسکاٹ لینڈ یارڈ کے لئے مخصوص ہیں۔ اس ساخت کے کیمرے دنیا میں اور کہیں نہیں۔ سخت حیرت ہے۔ آخر جے سیکا.... اور پھر وہ اس کے استعمال سے بھی واقف معلوم ہوتی ہے۔"

"صحیح استعمال سے.... کیا مطلب....؟"

"ان کی ٹیکنیک ہے۔ یہ ہر ایک قسم کے میک اپ کی تہوں سے گزر کر اصلی صورت کی تصویر لیتے ہیں۔"

"لیکن یہ جے سیکا کی اصلی صورت تو نہیں۔" حمید نے کہا۔

"وہی بتانے جا رہا ہوں اگر میک اپ پر ریشم کے کپڑوں کا ایکسٹریکٹ لگا لیا جائے تو مادہ البنفشی کرنیں میک اپ سے گزر کر جلد کی اصلی سطح تک نہیں پہنچ پاتیں اس لئے اصلی شکل کی

تصویر بھی نہیں آتی۔ یہ کیمرے دراصل ایکسرے کی بنیادوں پر بنائے گئے ہیں۔ ہاں تو کہنے کا مطلب یہ کہ اس نے اپنی صورت پر اُس گونگی لڑکی کلاوتی کا میک اپ کر کے اس پر ریشم کے کپڑوں کا ایکسٹریکٹ لگایا اور پھر اس پر سے پروین والا میک اپ....!"

فریدی خاموش ہو کر سگار سلگانے لگا۔ تھوڑی دیر تک اُس کی پیشانی پر شکنیں ابھری رہیں اور پھر آنکھوں میں وہی پہلی سی نیم غنودگی کے آثار نظر آنے لگے۔

"اب بتاؤ۔" اس نے سگار کو ایش ٹرے پر رکھتے ہوئے حمید کو مخاطب کیا۔ "آخر اس دوسرے میک اپ کی کیا ضرورت تھی۔ اگر وہ لوگوں کو بلیک میل کرنے کے لئے یہ سب کچھ کرتی تھی تو دوہرے میک اپ کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ اس صورت میں مونچھیں مونڈنے والی حرکت بھی تضیع اوقات اور پاگل پن سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔"

"آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔" حمید اکتا کر بولا۔ وہ حقیقتاً اس تصویر میں الجھا ہوا تھا۔

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ معاملہ کچھ کچھ صاف ہو چلا ہے۔ اُس نے وہ دوہرا میک اپ صرف ایک آدمی کے لئے کیا تھا۔"

"کس کے لئے۔"

"اسی کے لئے جس کی اسے تلاش تھی۔ وہ کسی مقصد کے تحت اس کو اور کلاوتی کو یکجا کرنا چاہتی تھی۔"

"لیکن وہ ہے کون؟"

"اللہ میاں سے پوچھ کر بتاؤں گا۔" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "تم مجھے غیب دان کیوں سمجھتے ہو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر فریدی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"بہر حال حمید صاحب ڈیڑھ بج رہا ہے۔ تین بجے تک اگر اُس نے اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنا دیا تو تمہارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں نظر آئیں گی۔"

"کیوں کس لئے؟" حمید چونک پڑا۔

"کیا تم گونگی کلاوتی کے متعلق اتنا جانتے ہو کہ اسے اغوا کیا گیا ہے؟"

"پھر اور کیا جاننا چاہئے۔" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

"یہی کہ اس سازش کی وجہ تین کروڑ روپیوں کا بنک بیلنس ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"تو اب اچھی طرح سمجھ لو۔ کیونکہ ہتھ کڑیوں اور بیڑیوں کی جھنکاریں پائل کی جھنکاروں کی طرح سرور انگیز نہیں ہوتیں۔ گونگی کلاوتی متوفی سیٹھ جیجو مل کی اکلوتی لڑکی ہے۔ جیجو مل اس وقت مر گیا تھا جب وہ بچہ تھی۔ مرتے وقت اس نے تین کروڑ کا بینک بیلنس چھوڑا تھا۔ وصیت کے مطابق کلاوتی کا ماموں اس کا متولی قرار پایا۔ بالغ ہو جانے کے بعد وہ ان تین کروڑ روپیوں کی براہِ راست مالک ہو جائے گی۔ یعنی تین ماہ بعد وہ اس کی حق دار ہو جائے گی۔ کسی نے اس سے پہلے ہی اُسے اڑا دیا۔ اب اگر وہ تین ماہ گزر جانے کے بعد شادی شدہ حیثیت میں منظر عام پر آتی ہے تو سیٹھ جگو مل کا پتہ ہی کٹا۔ سمجھو.... غالباً اب بالکل ہی سمجھ گئے ہو گے۔"

"میں اس جے سیکا کی بچی کو ذبح کر ڈالوں گا۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"کیا فائدہ ہو گا اس سے۔ اگر تمہیں گھنٹے کے لئے بھی حوالات نصیب ہوئی تو میں تمہیں گولی مار دوں گا۔ کیا سمجھے۔"

"تو پھر میں کیا کروں۔"

"جے سیکا کا تعاقب۔"

"پھر آپ نے وہی کہا۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "کیا ہوا کا تعاقب کروں۔"

"میں ابھی بتاؤں گا۔ اب اٹھو۔ تمہارے چہرے پر تھوڑا رندا چلا دیا جائے۔ ورنہ.... یہ تو جانتے ہی ہو۔"

وہ اسے ساتھ لے کر تجربہ گاہ کی طرف جانے لگا۔ ایک نوکر کو ہدایت کر دی کہ اگر کوئی فون آئے تو اسے بلا لیا جائے۔

تھوڑی دیر بعد حمید کے چہرے کی مرمت شروع ہو گئی۔

"کیا آپ جے سیکا کے ٹھکانے سے واقف ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"عرصے سے.... اس کے کئی ٹھکانے ہیں۔ فی الحال مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ اس وقت کہاں ملے گی۔"

"کمال کرتے ہیں آپ بھی۔" حمید بھنا کر بولا۔ "جب آپ اس کے ٹھکانوں سے واقف

تھے تو آپ نے اسے اب تک ٹھکانے کیوں نہیں لگا دیا تھا۔"

"ضرورت نہیں سمجھی تھی۔"

"کیوں! کیا وہ بہت بڑے بڑے جرائم کی مرتکب نہیں ہوئی۔"

"ہوئی ہو گی۔ لیکن وہ ایسے نہیں تھے جن سے دلچسپی لیتا۔ عام طور پر بلیک میلنگ اس کا ذریعہ معاش رہی ہے اور اس کے شکار عیاش قسم کے دولت مند لوگ ہی ہوتے ہیں۔ اونچے طبقے کے عیاش لوگوں سے مجھے ذرہ برابر بھی ہمدردی نہیں اور نہ مجھے ایسے قانون سے دلچسپی ہے جو ان کی عیاشیوں پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے۔"

"بہت اونچے اڑ رہے ہیں آج۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"کب نہیں اڑتا۔ اچھا باتیں بند۔ تمہارا اوپری ہونٹ یونہی ہر وقت دست بدعا رہتا ہے اور جب بولنے لگتے ہو تو ناک سے جاملتا ہے۔ ذرا بھینچو اسے.... ٹھیک.... لیکن یاد رہے کہ میک اپ کے باوجود بھی تمہاری آنکھوں پر تاریک عینک ہونی چاہئے۔ جے سیکا کی نظریں بہت تیز ہیں، جو اسکاٹ لینڈ یارڈ کا مخصوص کیمرہ غائب کر سکتی ہے نری ڈیوٹ ہی نہ ہو گی۔"

"بہر حال اس کے دن پورے ہو گئے۔"

"اوہو....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔"

"کیا مطلب....!"

"اگر اسکے دن پورے ہو گئے ہیں تو تم پر کسی دائی یا نرس ہی کا میک اپ زیادہ مناسب رہتا۔"

حمید جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"عجیب بات ہے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "محاورہ ایک ہی ہے لیکن استعمال کے معاملے میں جنس کی تبدیلی کے ساتھ ہی اس کے معنی بھی بدل جاتے ہیں۔"

"محاورے پر ایک یاد آئی۔" حمید نے کہا۔ "ایک صاحب کی سسرال سے خبر آئی کہ ان کی بیوی کا پاؤں بھاری ہو گیا ہے۔ محاوروں کے معاملے میں ذرا کچے تھے۔ سمجھے شائد Elenantisis (فیل پا) ہو گیا ہے۔ فوراً گھبرا کر تار دیا کہ روپے بھیج رہا ہوں۔ علاج شروع کر دو۔ جواب میں بذریعہ تار پوچھا گیا کہ کس بات کا علاج۔ اس پر آپ نے ایک لمبا چوڑا تار روانہ کیا۔ مرض خطرناک۔ ابھی شروعات۔ علاج کارگر ہو جائے گا۔ ورنہ پھر زندگی بھر اس سے پیچھا

چھڑانا محال ہو جائے گا۔ وہاں سے جواب آیا جو شائد ان کے سسر نے دیا تھا کہ بزرگوں سے مذ
کرتے شرم نہیں آتی۔ اس پر بڑا تاؤ آیا ان حضرت کو اور یہ تو آپ جانتے ہیں کہ ہم لوگوں کو غ
عموماً اردو ہی میں آتا ہے۔ لہٰذا اس بار انہوں نے اردو میں خط لکھا۔ پتہ نہیں آپ لوگ کیسے ب
علاج کیجئے ورنہ منہ کی کھانی پڑے گی۔ روپے بھیج چکا ہوں۔ ایک ایک پائی میری بیوی کے علاج
صرف ہونی چاہئے۔ ورنہ میں اپنے قریب کسی ایسی عورت کا وجود برداشت نہ کر سکوں گا جس
ایک پاؤں یا دونوں پاؤں بھاری ہوں۔ اللہ آپ لوگوں کو عقل سلیم عطا فرمائے ادھر ان
سسرال والے بھی غالباً شاہ مدار اور غازی میاں کے معتقدین میں سے تھے۔ بُری طرح تاؤ
گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ طلاق تک کی نوبت آگئی۔"

"بند کرو بکواس۔" فریدی جھنجھلاہٹ میں اس کا اوپری ہونٹ دبا کر بولا۔ "منع کر دیا کہ
مت۔"

"میک اپ کی ایسی تیسی۔" حمید جھلا کر الگ ہٹ گیا۔

"تمہاری مرضی! تین بجنے میں پچیس منٹ رہ گئے ہیں۔"

"میرے مرنے میں صرف پچیس منٹ رہ گئے ہیں۔" حمید حلق پھاڑ کر چلایا۔

فریدی نے پھر اسے کھینچ کھانچ کر سیدھا کیا اور اس کے چہرے کی مرمت پھر شروع ہو گئی

"کاش میں اپنی ماں کے پیدا ہونے سے پہلے ہی مر گیا ہوتا۔" حمید نے کچھ اس انداز میں
کہ فریدی کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔ ساتھ ہی ایک نوکر نے تجربہ گاہ میں داخل ہو کر فون کی اطلا
دی۔ فریدی نیچے چلا گیا۔

میک اپ مکمل ہو چکا تھا اور حمید تحیر آمیز انداز میں بار بار آئینے کی طرف دیکھ رہا تھا
سوچ رہا تھا کہ کیا فریدی اسے مچھلی کے شکار کے چارے کے طور پر استعمال کرنا چاہتا ہے۔ پھ
خواہش اس کے دل میں چٹکیاں لینے لگی کہ کاش وہ اتنا ہی حسین اور پرکشش ہوتا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی واپس آگیا۔

"اچھا حمید صاحب اب آپ جا سکتے ہیں۔ جمشید منزل نمبر ۱۴ میں مس مالا جگدیش تنہا
شکار ہے۔"

"یعنی جے سیکا۔"

"ہاں ہاں اس کے کئی نام ہیں، اور بے شمار شکلیں۔ اب دفع ہو جاؤ۔"

"میرے مرنے کے بعد آپ کی جائیداد کا وارث کون ہوگا۔" حمید بڑبڑاتا ہوا زینے طے
کر رہا تھا۔

اپنی اپنی گھات

رات اپنے سیاہ بازو پھیلائے کائنات پر جھپٹ رہی تھی۔

سرجنٹ حمید چار بجے سے مس مالا جگدیش کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ وہ اس وقت سے اب تک شہر کے مختلف حصوں کے چکر لگاتی رہی تھی۔ اس دوران میں حمید نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اپنے ساتھی کے قتل سے باخبر ہو گئی ہے۔ اس نے اسے پریس رپورٹروں سے اس کے متعلق پوچھ گچھ کرتے سنا تھا۔

تقریباً سات بجے وہ کیفے کاسینو میں داخل ہوئی۔ یہ اطالوی طرز کا ایک صاف ستھرا کیفے تھا اور اتنا مہنگا بھی نہیں تھا کہ متوسط طبقے کے لوگ اس کی طرف دیکھنے کی بھی ہمت نہ کر سکتے۔

مس مالا یا جے سیکا بھری ہوئی میزوں پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالتی ہوئی کاؤنٹر کے کلرک کی طرف چلی گئی، جو اسے دیکھ کر تعظیماً کھڑا ہو گیا۔

حمید ایک خالی میز پر جم گیا تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد اُسے اس کا اندازہ لگا لینے میں دشواری نہ ہوئی کہ یہ کیفے جے سیکا ہی کی ملکیت تھا۔ پہلے اس نے کاؤنٹر کلرک کے رجسٹروں کی پڑتال کی۔ پھر ویٹروں کو بلا کر شاید کچھ ہدایات دینے لگی۔

حمید کے ذہن میں کچھ نئے کیڑے کلبلائے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس طرح کسی کا تعاقب کرنا کم از کم اسے زیب نہیں دیتا اور فریدی کو اسے اس گھٹیا قسم کے کام پر ہرگز نہ لگانا چاہئے تھا۔ وہ اپنے محکمے کے کئی انسپکٹروں سے زیادہ ذہین اور تجربہ کار تھا۔ لہٰذا اس کے لئے اتنا واہیات کام تجویز کرنا فریدی کی زیادتی تھی۔ نہیں ہرگز نہیں۔ وہ فریدی کی انگلی پکڑ کر کب تک چلتا رہے گا۔ کچھ اپنی عقل بھی استعمال کرنی چاہئے۔ لہٰذا.... وہ اپنی عقل ٹٹولنے لگا۔

بات کچھ بھی نہ تھی۔ اس سے پہلے وہ کئی بار مجرموں کا تعاقب کر چکا تھا اور کچھ ایک دو دن

نہیں بلکہ ہفتوں لیکن یہ معاملہ ایک عورت کا تھا اور عورت بھی ایسی جس نے حمید کو بیوقوف
تھا۔ پھر وہ کافی حسین بھی تھی۔ حمید کی نظروں سے اس کا اصلی چہرہ آج تک نہ گزرا تھا مگر
نے اس کے حسن کے حیرت انگیز تذکرے ضرور سنے تھے۔ مس مالا کے میک اپ میں کچھ
دلکشی نہیں تھی۔ بس ایک معمولی سا چہرہ۔ ان ہزاروں میں سے ایک جو دن میں سینکڑوں
نظروں سے گزرتے ہیں، لیکن ان میں سے کسی کی بھی تصویر ذہن میں محفوظ نہیں رہتی۔

بہر حال حمید سوچ رہا تھا کہ خود کو جے سیکا تک پہنچنے کا کون سا طریقہ اختیار کرے وہ یہ
محسوس کر رہا تھا کہ جے سیکا اسے بار بار گھور رہی ہے۔ پہلے تو وہ کچھ جھجکا تھا کہ کہیں اسے اس
شبہ نہ ہو گیا ہو لیکن بعد میں یہ خیال دل سے نکال دینا پڑا۔ وجہ یہ ہوئی کہ اسے اپنے وہ چند لمحے
یاد آگئے جو اس نے میک اپ کے بعد آئینے کے سامنے گزارے تھے۔ حقیقت دراصل یہ تھی
اس کے نقلی خدوخال بڑے دلآویز تھے اور اسی تعاقب کے دوران میں راہ چلتی ہوئی بے
لڑکیوں نے اسے گھور گھور کر دیکھا تھا۔

حمید اپنے اگلے اقدام کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ ایک باوردی سب انسپکٹر پولیس کیفے
داخل ہوا۔ ساتھ ہی حمید کے ذہن نے بھی جست لگائی۔ طریقہ کار بجلی کے کوندنے کی طر
شعور پر لپکا۔ سب انسپکٹر اسی کی طرف آرہا تھا۔ شاید اس کی پشت والی میز اس کی منزل مقص
تھی۔ حمید نے میز پر دھات کا وزنی ایش ٹرے اٹھا کر مٹھی میں دبالیا۔

جیسے ہی سب انسپکٹر نے اس کے قریب سے گزرنا چاہا اس کے پیر تیزی سے اس کی راہ
حائل ہو کر پھر اپنی جگہ پر واپس آگئے اور سب انسپکٹر بے خیالی میں پیٹ کے بل فرش پر
ہو گیا۔

"ارے.... اوہ!" حمید بے اختیارانہ انداز میں اس پر جھک پڑا۔ کچھ اور لوگ بھی اپنی جگہ
سے اٹھے۔

سب انسپکٹر بھاری بھر کم جسم کا ایک معمر آدمی تھا۔ اس لئے خود نہ اٹھ سکا۔ حمید نے
طرح کھینچ کھانچ کر اُسے اٹھایا۔ بے چارے کی عجیب حالت تھی۔ غصہ جھینپ اور کھسیاہٹ
امتزاج نے اس کے چہرے کو بڑا مضحکہ خیز بنادیا تھا۔

"کون تھا وہ....!" سب انسپکٹر مجمع کو گھورتا ہوا بھرائی ہوئی آواز میں چیخا۔ "جس نے

پیروں میں ٹانگ اڑائی تھی۔"

"ٹانگ اڑائی تھی۔" کئی تحیر زدہ آوازیں سنائی دیں۔

"ہاں.... کون تھا وہ....!" وہ پھر مجمع کو گھورنے لگا لیکن کوئی کچھ بولا نہیں۔ پھر وہ تیزی
سے جے سیکا کی طرف مڑا۔

"آپ کا ہوٹل غنڈوں کا اکھاڑہ بنا ہے۔"

"ایسا نہ کہئے۔" جے سیکا لچکیلی آواز میں بولی۔ "آپ شریف آدمیوں کی توہین کر رہے ہیں۔"

"قطعی نامناسب بات ہے۔ آپ اپنے الفاظ واپس لیجئے۔" ایک آدمی نے بڑھ کر کہا۔

"تو تمہیں تھے۔" سب انسپکٹر اسے گھورنے لگا۔

"تمیز سے بات کیجئے گا جناب۔"

"ارے داروغہ.... جی.... بیکار بات بڑھانے سے کیا فائدہ۔" حمید نے کہا۔ "چلئے جانے
بھی دیجئے۔"

اور پھر وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک خالی میز کی طرف لے جاتا ہوا بولا۔ "کمینوں کے منہ لگنے
سے کیا فائدہ۔"

جے سیکا حمید کو تحیر آمیز نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

حمید تھوڑی دیر تک سب انسپکٹر کو ہموار کرتا رہا۔ پھر وہ کچھ کھائے پئے بغیر ہی اٹھ کر
چلا گیا۔ حمید نے ویٹر کو بلا کر کھانے کا آرڈر دیا۔

جے سیکا کاؤنٹر سے اٹھ کر سیدھی اس طرف آئی۔

"کیا میں آپ کا تھوڑا سا وقت لے سکتی ہوں۔" اس نے حمید سے پوچھا۔

"اوہ! تشریف رکھئے۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"بیٹھئے بیٹھئے! میں اسی پولیس والے کے متعلق بات کروں گی۔"

"فرمایئے۔"

"کیا کہہ رہا ہے۔"

"وہی جو عموماً یہ لوگ کہا کرتے ہیں۔" حمید لاپروائی سے بولا۔

"میرا پرانا دشمن ہے۔" جے سیکا مضطربانہ انداز میں بولی۔ "اب ضرور تنگ کرے گا۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"یہ کیفے میرا ہے نا۔"

"اوہ بڑی خوشی ہوئی۔"

"لیکن میرا خیال ہے کہ میں نے اس سے پہلے آپکو یہاں کبھی نہیں دیکھا۔" جے سیکا نے کہا

"میں اس شہر ہی میں اجنبی ہوں۔"

"خوب تب تو آپ میری مدد کر سکتے ہیں۔" جے سیکا پر خیال انداز میں بولی۔

"فرمایئے میں حاضر ہوں۔"

"یہاں نہیں۔" وہ اٹھتی ہوئی بولی۔ "میرے ساتھ آیئے۔ آپ کا کھانا وہیں آجائے گا۔"

وہ دونوں ایک طویل اور نیم تاریک راہداری سے گزر کر ایک کمرے میں آئے۔

"تشریف رکھئے۔" جے سیکا ایک کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

پھر تھوڑی دیر تک خاموش رہی۔ حمید آرام کرسی پر نیم دراز جے سیکا کے گداز جسم کے لچکیلے خطوط کا جائزہ لے رہا تھا۔ دفعتاً وہ اس کی طرف مڑی۔ اس کے داہنے ہاتھ میں ایک ننھا چمکدار پستول تھا۔

"اب بتاؤ۔" وہ مسکرا کر بولی۔ "تمہیں جنبش کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہاتھ اوپر اٹھالو۔"

"اگر نہ اٹھاؤں تو۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "ویسے تم بھی اپنے قبیلے کی ہی معلوم ہوتی ہو۔"

"تم نے اس سب انسپکٹر کو گرا کر اُس کے ہولسٹر سے ریوالور کیوں نکالا تھا۔"

"اوہ تو تم یہ بھی دیکھ رہی تھیں۔" حمید حیرت سے بولا۔

جے سیکا ہنس پڑی۔

"اور پھر تم نے اس کے ہولسٹر میں میرا ایک وزنی ایش ٹرے ڈال دیا تھا۔"

"مجھے انکار تو نہیں۔" حمید مسکرایا۔ "یہ دیکھو.... یہ رہا۔"

"ہاتھ اوپر اٹھائے رکھو۔" جے سیکا گرج کر بولی۔

"تمہاری آواز بڑی رسیلی ہے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "کاش تم اتنی حسین نہ ہوتیں۔"

"ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔"

"چلو میں تمہارا دل نہیں توڑوں گا۔" حمید اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتا ہوا بولا۔

"تم نے یہ حرکت کیوں کی تھی۔" جے سیکا نے پوچھا۔

"اگر تم بہت زیادہ حسین ہوتیں تو یہ بھی بتا دیتا۔" حمید لاپروائی سے بولا۔

"میں تمہیں اسی حالت میں پولیس کے حوالے کر سکتی ہوں۔"

"کیوں! میں نے کیا کیا ہے۔" حمید نے معصومیت سے پوچھا۔

"اوہو! اتنے بھولے۔" جے سیکا ہنس پڑی پھر سنجیدہ ہو کر بولی۔ "مجھے اس کی وجہ بتاؤ ورنہ میں ابھی پولیس کو فون کرتی ہوں۔"

"اور اس طرح تم میری جیب سے وہ ریوالور برآمد کرالو گی۔"

"ہاں....!"

"لیکن وہ اب میری جیب میں نہیں۔"

"تم جھوٹے ہو۔"

"تلاشی لے لو میری جان۔"

"بدتمیزی نہیں۔" وہ بگڑ کر بولی۔

"کیوں کیا مری جان گالی ہے۔"

"بکو مت! تم کون ہو؟"

"تین بٹا آٹھ۔" حمید لاپروائی سے بولا۔ "تمہارا پستول مجھے پسند آیا۔ اب اسے احتیاط سے رکھنا۔"

"میں پولیس انسپکٹر نہیں ہوں۔"

"لیکن وزن میں اس سے بہت زیادہ ہلکی ہو۔"

"اگر تم نہیں بتاتے تو میں پولیس کو فون کرتی ہوں۔" اس نے فون کے ڈائل پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

"ضرور کر دو! اور ہاں ان سے یہ بھی کہہ دینا کہ آتے وقت تمباکو کا ایک ڈبہ بھی لیتے آئیں۔ میں نے بڑی دیر سے پائپ نہیں پیا۔ پرنس ہنری پیتا ہوں۔"

"میں کہتی ہوں ضد سے کیا فائدہ۔"

"میں کہتا ہوں کہ وہ ریوالور تمہارے ڈسک سے برآمد ہوگا۔"

"کیا....؟"

"ہاں... پیاری لڑکی... میرا نام اناڑی خاں نہیں... میں ہر وقت ہوشیار رہنے کا عادی ہوں۔"

"تم آخر ہو کون....؟"

"ایک بہت بُرا آدمی۔ لیکن تم کون ہو۔"

"ایک شریف عورت۔"

"بڑی خوشی ہوئی مل کر۔ میں عرصہ سے کسی شریف عورت کی تلاش میں تھا۔"

"تمہاری وجہ سے میرے ہوٹل کی بدنامی ہوئی۔"

"ابھی تو نہیں ہوئی.... لیکن....!"

"ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔"

"کمال کرتی ہو۔ میں کہہ چکا ہوں کہ ریوالور میری جیب میں نہیں۔ میں نے بڑی دیر سے پائپ نہیں پیا۔"

جے سیکا کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔ وہ تھوڑی دیر تک حمید کو گھورتی رہی پھر اس نے اپنا ننھا سا پستول بلاؤز کے گریبان میں رکھ لیا۔

"آج معلوم ہوا کہ عورتیں پستول کہاں رکھتی ہیں۔"

جے سیکا دوسری طرف دیکھنے لگی اور حمید اٹھ کر اُس کے قریب چلا گیا۔

"کہتا تو ہوں کہ تلاشی لے لو۔"

وہ اسے پھر کچھ دیر تک گھورنے کے بعد بولی۔

"خطرناک آدمی معلوم ہوتے ہو۔"

"ابھی تو کچھ بھی نہیں۔ لیکن شائد تم صبح کے اخبار میں اسی سب انسپکٹر کی خودکشی کا حال پڑھو اور یہ معلوم کر کے ضرور چونکو گی کہ اس کا سرکاری ریوالور اس کے ہاتھ میں دبا ہوا پایا گیا۔"

"اوہ....!" جے سیکا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔ "لیکن تم مجھے یہ سب کچھ بتا رہے ہو؟"

"مجھے یقین ہے کہ ہم دونوں ہم پیشہ ہیں۔"

"بکواس ہے۔"

"اوہ.... تو کیا تم.... مجھے اپنے پستول کا لائسنس دکھا سکو گی۔"

"کیوں نہیں؟"

"جھوٹ مت بولو۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "میری معلومات بہت وسیع ہیں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اس شہر میں صرف تین عورتوں کے پاس پستول لائسنس ہے اور رمس مالا جگدیش ان میں سے نہیں۔"

"تم تو کہتے تھے کہ تم اس شہر میں اجنبی ہو۔"

"جس کی اصلیت سے کوئی واقف نہ ہو، اسے اجنبی ہی کہا جائے گا۔" حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔

تھوڑی دیر تک پھر خاموشی رہی۔ پھر حمید خود بخود بڑبڑانے لگا۔ "جب جیب ہلکی ہو جائے تو قتل بھی کرنے پڑتے ہیں۔"

"تو تم قاتل بھی ہو۔" جے سیکا بولی۔

"ابھی تک تو نہیں تھا۔ لیکن آج رات.... بیس ہزار روپے تھوڑے نہیں ہوتے۔"

"اور اس قتل کو خودکشی ثابت کرنے کے لئے مقتول ہی کا ریوالور استعمال کرو گے۔ آخر کیوں؟ قتل کی وجہ!.... بیس ہزار روپے کون دے گا۔"

"جو قتل کرائے گا۔"

"کون؟"

"تم میری بیوی نہیں ہو کہ سب کچھ بتا دوں گا۔" حمید بگڑ کر بولا۔

"ہونہہ! تم یہاں سے ہتھکڑیوں میں جاؤ گے۔" جے سیکا سنجیدگی سے بولی۔

"نہیں جے سیکا میری جان۔"

"کیا....؟" جے سیکا اچھل کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ بلاؤز کے گریبان سے دوبارہ پستول نکالتی، حمید نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔

"پستول کی ضرورت نہیں۔" حمید ہنس کر بولا۔ "تمہاری ایک نظر ہی کافی ہے۔"

"چھوڑو مجھے۔" وہ زور لگانے لگی۔

"کھا تھوڑا ہی جاؤں گا۔" حمید شکایت آمیز لہجے میں بولا۔

"میں شور مچاتی ہوں۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ "عورت چاہے جتنا بڑھ جائے۔ عورت ہی رہے گی۔ جے سیکا کو شور مچانے کی دھمکی دیتے ہوئے شرم آنی چاہئے۔"

"تم کون ہو؟" وہ حمید کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔ فریدی نے حمید کو تاریک شیشوں کی عینک لگانے کا مشورہ دیا تھا لیکن حمید نے اندھیرا ہوتے ہی اسے آنکھوں سے ہٹا دیا تھا۔

"مجھے یاد نہیں کہ والدین نے میرا کیا نام رکھا تھا۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "ویسے نارنگ مجھے نمرود کہا کرتا تھا۔"

"ڈاکٹر نارنگ.... یعنی....!" جے سیکا ہکلائی۔ "مسٹر کیو[1]....وہ خوفناک آدمی۔"

"ہاں....!" حمید گلوگیر آواز میں بولا۔ "اس نے مجھے بیٹے کی طرح پالا تھا اور صرف میں ہی یہ جانتا تھا کہ وہی مسٹر کیو ہے۔ افسوس کہ ہمارا قافلہ لٹ گیا۔ اس نے وقتی پاگل پن کے تحت اپنے ان ساتھیوں کو مار ڈالا تھا جن تک اس کا ہاتھ پہنچ سکتا تھا لیکن اس کے بقیہ ساتھیوں کے متعلق پولیس کچھ نہ معلوم کر سکی۔ اس نے مرتے دم تک ان کا پتہ نہیں دیا۔"

"ہاتھ تو چھوڑو میرے۔" جے سیکا آہستہ سے بولی۔

حمید نے اس کے ہاتھ چھوڑ دیئے اور وہ ایک آرام کرسی پر گر گئی۔

"مسٹر کیو کی نظر تم پر بھی تھی لیکن اسے وقت ہی نہ مل سکا۔"

"تو اب تم نے مسٹر کیو کی جگہ سنبھالی ہے۔" جے سیکا نے کہا۔

"نہیں میں اکیلا رہ گیا ہوں۔ مجھے چند ساتھیوں کی ضرورت ہے۔"

"ساتھیوں یا غلاموں کی۔" جے سیکا طنز آمیز لہجے میں بولی۔

"حسب حیثیت برتاؤ کرنے کا عادی ہوں۔ اب مثلاً تم ہو۔ اگر تم میری ساتھی ہو جاؤ تو میں تمہیں برابری کا درجہ دوں گا کیونکہ ہم دونوں برابر کی صلاحیتوں کے مالک ہیں۔"

جے سیکا کسی سوچ میں پڑ گئی۔

---

[1] مسٹر کیو جیسے خوفناک آدمی کی داستان کیلئے جاسوسی دنیا کا خاص نمبر "لاشوں کا آبشار" ملاحظہ فرمائیے۔

دو مکار

حمید تین دن تک جے سیکا کے ساتھ سر مارتا رہا۔ دونوں میں سمجھوتہ ہو گیا تھا۔ ابھی تک یہ بات نہیں معلوم ہو سکی تھی کہ وہ اس سے کیا کام لینا چاہتی ہے۔ حمید نے اپنی کارگزاریوں کی اطلاع فریدی تک پہنچا دی تھی لیکن اس طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا تھا۔ جس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ حمید کا یہ اقدام غیر مناسب نہیں تھا۔

جے سیکا اس کے لئے بڑی دلچسپ ثابت ہوئی تھی۔ تین ہی دنوں میں دونوں اس طرح گھل مل گئے تھے جیسے برسوں سے ساتھ رہتے چلے آ رہے تھے۔ وہ دن بھر کہیں غائب رہتی اور حمید گھر پر پڑا اونگھتا رہتا۔ اس سے آگے بڑھنا اس نے مناسب نہ سمجھا تھا۔ سر شام وہ واپس آتی اور پھر دونوں کافی رات گئے تک ہوٹلوں، رقص گاہوں اور باروں کے چکر لگاتے رہتے۔

حمید نے مونچھ مونڈنے والے مسئلے کو قصداً نہیں چھیڑا تھا۔ وہ اپنی ہمہ دانی سے اسے اتنا مرعوب نہیں کرنا چاہتا تھا کہ اسے اس پر شبہ ہو جائے کیونکہ جے سیکا بہر حال ایک ذہین عورت تھی۔ عورتیں یوں بھی فطرتاً شکی ہوتی ہیں۔ اس پر اگر اسے تھوڑی بہت ذہانت بھی نصیب ہو جائے تو پھر کیا کہنا۔ وہ اپنے وجود پر شبہ کرنے لگتی ہے۔

آج رات بڑی خوشگوار تھی۔ حمید نے سوچا تھا کہ نکھری ہوئی چاندنی کا لطف شہر سے باہر کسی پرفضا مقام پر اٹھائے گا۔ لیکن جے سیکا شاید آج اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو گئی تھی جس کے لئے اسے تین دن تک سرگرداں رہنا پڑا تھا۔

"آج ہو گا تمہاری صلاحیتوں کا امتحان۔" اس نے حمید کو مخاطب کیا، جو آرام کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے پائپ پی رہا تھا۔

"کیا نٹوں کی طرح رسے پر چلنا ہو گا، جے سیکا ڈارلنگ! تمہارے لئے میں سوئی کے ناک سے بھی گزر سکتا ہوں۔"

"ہاں ہاں! بس آج دیکھ لیا جائے گا۔ ویسے باتیں تو خاصی بنا لیتے ہو۔"

"ہونہہ! معلوم ہوتا ہے کہ تم مجھے آگ کے سمندر میں چھلانگ لگانے کا مشورہ دو گی۔"

"نہیں! ایک بہت معمولی سی بات۔"

"یعنی....!"

"میں ایک آدمی کی گردن میں ہاتھ ڈالوں گی اور تمہیں ہم دونوں کی تصویر لینی پڑے گی۔"

"لاش کھینچنی پڑے گی اس کی۔" حمید بھنا کر بولا۔ "اُس اُلو کے پٹھے کی تصویر لوں گا میں!.... اور تم اس کی گردن میں ہاتھ ڈالو گی۔ تمہارا وہ ہاتھ جڑ سے کاٹ ڈالوں گا سمجھیں۔"

"بیکار باتیں مت کرو۔ یہ بزنس ہے اور پھر تم میرا ہاتھ کیوں کاٹو گے۔ تم ہو کون؟ مجھ سے صرف کاروباری معاملات میں سمجھوتہ ہوا ہے۔"

"اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تم سے عشق بھی ہو جائے گا تو میں کسی قسم کا سمجھوتہ نہ کرتا۔"

"نمرود! بکواس مت کرو۔ تم سے پہلے والا نمرود تمہاری طرح احمق نہیں تھا۔"

"نہ رہا ہو گا۔ ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں کہ مجھے تم سے عشق ہو گیا ہے اور تمہیں بھی مجھ سے عشق کرنا پڑے گا۔ سمجھیں۔"

"تب پھر ہمارا معاہدہ ختم۔" جے سینکا منہ بنا کر بولی۔

"کیوں....؟"

"مجھے دولت کے علاوہ اور کسی چیز سے عشق نہیں۔"

"تمہیں مجھ سے عشق کرنا پڑے گا۔" حمید نے میز پر گھونسہ مار کر کہا۔ "ورنہ میں تمہاری گردن توڑ دوں گا۔"

"بھلا گردن توڑنے سے کیا ہو گا۔" جے سیکا مسکرا کر بولی۔

"مر جاؤ گی۔"

"پھر....!"

"مرنے کے بعد تم عشق سے انکار نہ کر سکو گی اور میں تمہیں چپ چاپ پوجتا رہوں گا۔ مجھے تو دراصل تمہاری روح سے عشق ہے۔ جسم میرے لئے قطعی بے کار ہے۔ اس لئے میں اس کا قیمہ کر کے کباب بناؤں گا۔"

"چلو اٹھو! فضول وقت برباد کر رہے ہو۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہوئی بولی۔

"جے سیکا ڈارلنگ اپنی اصل صورت دکھا دو۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"اگر تم نے آج کامیابی حاصل کر لی تو تمہاری یہ خواہش بھی پوری کر دی جائے گی۔" جے سیکا نے سنجیدگی سے کہا۔

"تو کیا وہ اتنا ہی خطرناک کام ہے۔"

"قطعی! جس وقت ہمیں یہ کارنامہ سرانجام دینا ہو گا ہم کچھ خطرناک آدمیوں کے درمیان میں ہوں گے۔"

"لیکن.... یہ تصویر کیوں؟"

"بعد کو بتاؤں گی۔ اگر ہم کامیاب ہو گئے تو.... دونوں ہاتھ سے دولت سمیٹیں گے۔"

"صرف تم سمیٹو گی.... میری دولت تو تم ہی ہو۔"

"اوہو.... تو پھر....؟" جے سیکا کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"سمیٹنا دونوں ہاتھوں سے۔" حمید نے جملہ پورا کر دیا۔

"پھر بیکار باتوں پر آ گئے ہو۔ چلو اٹھاؤ وہ کیمرہ۔ میں نے نیا بلب فٹ کر دیا ہے۔ دو ایک فالتو بھی رکھ لئے ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد وہ ایک سیاہ رنگ کی کار میں بیٹھے شہر کی سڑکیں ناپ رہے تھے۔ لیکن اس سے بے خبر تھے کہ ایک دوسری کار ان کا تعاقب کر رہی ہے۔

"سنو....!" حمید نے جے سیکا کو مخاطب کیا۔ "میرے خیال سے اگر تم مجھے پوری سچویشن سے پوری طرح باخبر کر دیتیں تو بہتر تھا ورنہ ہو سکتا ہے کہ میں کہیں چوک جاؤں۔"

"اس عمارت میں کل آٹھ ہوں گے۔" جے سیکا نے کہا۔ "ان میں سے ایک بڑا خطرناک ہے۔ بڑی مونچھ والا اور اسی کے ساتھ میری تصویر لی جائے گی۔"

"کام خطرناک ہے۔" حمید تذبذب میں پڑ گیا۔

"ڈر گئے۔"

"نہیں.... لیکن.... تم نے مجھے دن ہی سے بتا دیا ہوتا تو میں کوئی طریقہ کار متعین کرنے کی کوشش کرتا۔"

"سوچنے سمجھنے کے لئے صرف پندرہ منٹ درکار ہوتے ہیں۔" جے سیکا بولی۔

حمید الجھن میں پڑ گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا واقعی فریدی ہی کا خیال سچ تھا۔ کیا جے سیکا آدمی کو پاگل ہے جس کی اسے تلاش تھی۔ اگر ایسا ہے تو اسے فریدی کو اس سے مطلع کرنے مہلت تو ملنی چاہئے۔

"کیوں نہ میں دو ایک آدمیوں کو طلب کر لوں۔" حمید نے کہا۔

"نہیں میں زیادہ بھیڑ اکٹھا کرنا نہیں چاہتی۔" جے سیکا بولی۔ "میرے ذہن میں ایک تدبیر ہے

"تو بتاؤ نا.... تمہارے عشق میں۔"

"پھر شروع کر دی بکواس۔ کام کی بات کرو۔"

"جانتی ہو.... ہندی میں کام کسے کہتے ہیں۔"

"اب میں چانٹا مار دوں گی۔" جے سیکا جھنجھلا کر بولی۔

"ہاں تو وہ تدبیر کیا تھی۔" حمید نے پوچھا۔ جے سیکا تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔

"اس عمارت کے سامنے پہنچ کر میں پاگل بن جاؤں گی۔ ظاہر ہے کہ وہاں بسنے والے ضرور نکل آئیں گے۔ اگر ان میں وہ بڑی مونچھ والا بھی ہوا تو کام بن جائے گا۔"

"کس طرح.... پوری بات ختم کر کے رکا کرو۔" حمید بولا۔

"جیسے ہی میں اس سے لپٹوں.... تصویر لے لینا۔"

"میں اس اُلو کے پٹھے کو بھونسہ بنا دوں گا۔" حمید بگڑ کر بولا۔ "تم اس سے لپٹو گی۔ اس کی مونچھیں اور تمہاری گردن اکھاڑ دوں گا۔"

"تم ناکارہ ثابت ہوئے۔" جے سیکا اداسی سے گردن ہلا کر بولی۔

"یعنی تم میری محبوبہ! میرے سامنے اس سے لپٹو گی اور میں دیکھوں گا۔"

"میں تمہاری محبوبہ ہوں۔" جے سیکا دانت پیس کر بولی۔

"اور نہیں تو کیا لونڈی ہو۔ نوکرانی وغیرہ وغیرہ ہو۔"

"شکل دیکھی ہے کبھی آئینے میں۔" جے سیکا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولی۔

"ایک حبشی نے سکندر سے بھی یہی پوچھا تھا۔ لہٰذا میں اتنے تاریخی سوال کو جواب نہیں دے سکتا۔ تاریخ اور جغرافیہ سے مجھے ازلی بیر ہے۔"

جے سیکا نے کار روکتے ہوئے کہا۔ "اتر جاؤ نیچے۔ اب کبھی دکھائی نہ دینا۔"

"ہائیں! تو کیا تم اندھی ہو جانے کا ارادہ رکھتی ہو۔" حمید اچھل کر بولا۔

"اترو! تم بہت زیادہ غیر سنجیدہ آدمی ثابت ہوئے۔ مجھے اپنی حماقت پر افسوس ہے۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے مجھ سے عشق کر کے حماقت کی۔" حمید نے معصومیت سے کہا۔

جے سیکا نے دانت پیس کر گیئرز پر ہاتھ رکھا اور کار پھر چل پڑی۔ حمید بڑبڑاتا رہا۔

"واہ یہ اچھی رہی۔ ہم رقیبوں کے فوٹو اتارتے پھریں.... اور وہ بھی کس حالت میں.... مر جانے کا مقام ہے۔ تم تو غالب کے زمانے کی محبوباؤں سے بھی زیادہ خطرناک نکلیں۔"

"خدا کے لئے تنگ مت کرو۔" جے سیکا اکتائے ہوئے انداز میں بولی۔

"تو ایسا بولو ناں۔" حمید دانت پر دانت جما کر منمنایا۔

پھر راستہ خاموشی سے گزرتا رہا۔ ایک جگہ اچانک جے سیکا نے کار روک لی۔

"کوئی تعاقب کر رہا ہے۔" وہ پیچھے مڑ کر دیکھتی ہوئی بولی۔ "میں بڑی دیر سے محسوس کر رہی ہوں۔"

حمید نے بھی مڑ کر دیکھا۔ دور کسی کار کی ہیڈ لائیٹس دکھائی دے رہی تھیں۔

سڑک سنسان تھی۔ آنے والی کار کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔

"انجن بند کر دو۔" حمید آہستہ سے بولا۔ جے سیکا نے بے چوں و چرا تعمیل کی۔

حمید تیزی سے نیچے اتر کر انجن پر اس طرح جھک گیا جیسے اس میں کوئی خرابی واقع ہو گئی ہو۔

جیسے ہی وہ کار ان کے قریب سے گزری ایک فائر ہوا اور ساتھ ہی جے سیکا کی چیخ سنائی دی۔

پھر دوسرا فائر ہوا لیکن حمید صاف بچ گیا۔ ویسے وہ زمین پر لڑھک ضرور گیا تھا۔ کار کی عقبی سرخ روشنی دور اندھیرے میں چمک رہی تھی۔

جے سیکا چیخ کر نیچے کود پڑی۔

"ارے تو کیا تم زندہ ہو۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"اور تم.... اور تم....!" جے سیکا کی آواز کپکپا رہی تھی۔

"میں تو شائد مر گیا ہوں.... پتہ نہیں.... ٹھیک نہیں بتا سکتا۔"

"کہاں لگی....!"

"دل میں.... ہائے۔"

حمید نے پھرتی سے اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ لیکن جے سیکا ابھی تک نیچے ہی کھڑی ہوئی اسے گھور رہی تھی۔

"کیا تم بھی مر گئیں۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "بیٹھو بھی۔"

جے سیکا اس کے برابر بیٹھ گئی۔ لیکن وہ خاموش تھی۔ حمید نے کار اسٹارٹ کر دی۔

"واپس چلو۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"ہونہہ.... میں نے اس نامعلوم آدمی کا چیلنج قبول کر لیا ہے۔"

"نہیں واپس۔"

"بکو مت....!" حمید نے تحکمانہ لہجے میں کہا اور جے سیکا ایک گھٹی گھٹی سی سسکی کے ساتھ اس کے شانے سے لگ گئی۔

"کیا وہی بڑی مونچھ والا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"شائد۔" وہ آہستہ سے بولی۔ اگلی کار کی رفتار پہلے سے بہت زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ حمید اپنی کار کی رفتار ایک سی رکھی۔

"عورتیں ہمیشہ بڑے ٹیڑھے ترچھے راستے اختیار کرتی ہیں۔ تمہارا مقصد دوسری طرح پورا ہو سکتا تھا۔"

"میں میں سمجھی۔"

"اوہ... لیکن تم مجھے احمق کیوں سمجھتی ہو۔" حمید نے کھردرے لہجے میں کہا۔ "میں سب کچھ سمجھ گیا ہوں اور یہ بات ابھی میری سمجھ میں آئی ہے۔ میں نے فائر کرنیوالے کی جھلک دیکھ لی تھی۔ اسکی مونچھیں بڑی تھیں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ایک گونگی لڑکی اسکے قبضے میں ہے۔"

"تم کس طرح جانتے ہو۔" جے سیکا اچھل پڑی۔

"جس طرح تم جانتی تھیں۔ اگر تم نے مجھے پہلے بتایا ہوتا تو گھر بیٹھے ہی سب کچھ ہو سکتا تھا۔ اس طرح تم دوہرے میک اپ کی زحمت سے بھی بچ جاتیں۔"

"تم جانتے ہو۔"

"ہاں مری جان! تم صرف عورت ہو۔ میں جانتا ہوں کہ یہ اسکارٹ لینڈ یارڈ کا انٹی ایج کیمرہ ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم نے دوہرا میک اپ کر رکھا ہے۔ گونگی کلاوتی کے

اپ پر ریشم کے کپڑوں کا ایکسٹریکٹ لگا کر مس مالا کا میک اپ کیا گیا ہے۔ اگر تم پہلے سے بتاتیں تو میں اس بڑی مونچھ والے کا میک اپ کر لیتا اور پھر گھر بیٹھے وہ تصویر تیار ہو جاتی جس کے ذریعہ تمہیں دولت پیدا کرنی ہے۔"

جے سیکا کچھ نہ بولی۔ وہ کچھ سوچ رہی تھی۔ دفعتاً حمید نے محسوس کیا جیسے کوئی سخت سی چیز اس کے بائیں پہلو میں چبھ رہی ہو۔

"کار پھیرو! ورنہ گولی مار دوں گی۔" جے سیکا کے لہجے میں سختی تھی۔ پھر حمید کو یہ سمجھنے میں کوئی دشواری نہ ہوئی کہ پہلو میں چبھنے والی چیز پستول کی نال تھی۔

"جہنم میں جاؤ.... مجھے کیا کرنا۔" اس نے کار موڑ لی۔

"تم کون ہو....؟"

"الو کا پٹھا۔" وہ ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "ہٹاؤ یہ پستول وستول۔ مجھے شور مچانے والی چیزوں سے نفرت ہے۔ میں تو گلا گھونٹ کر مارتا ہوں۔"

"اور تم انسپکٹر فریدی یا سرجنٹ حمید ہو۔" جے سیکا کے لہجے میں زہریلا طنز تھا۔

حمید اس ریمارک پر بوکھلا گیا۔ لیکن اس نے کسی طرح کی پریشانی ظاہر نہ ہونے دی۔

"نہیں میں شرلاک ہومز ہوں۔ پیارے ڈاکٹر واٹسن.... اور ابھی میں تمہیں ہندوستانی حقہ پلاؤں گا۔" حمید نے یہ کہہ کر کار روک دی۔

"چلو! ورنہ فائر کر دوں گی۔"

"کر دو....!" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

جے سیکا شاید ہچکچا رہی تھی۔ دفعتاً حمید نے جھٹکا مارا اور دوسرے لمحے میں پستول اس کے ہاتھ میں تھا۔ جے سیکا اس سے لپٹ پڑی۔ لیکن حمید نے پستول کو دور کہیں اندھیرے میں پھینک دیا۔

"اب میں تمہارے کباب تلوں گا۔" حمید بولا۔ "سرجنٹ حمید کے سر پر ہتھوڑا مار کر بچ نکلنا آسان کام نہیں۔ میرا زخم اس وقت بھی دکھ رہا ہے۔ شاید میک اپ کے نیچے سڑ بھی گیا ہو۔"

جے سیکا تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔

"اگر تم سرجنٹ حمید ہو تو میں تمہیں بہت عرصے سے چاہتی ہوں۔ تم ہمیشہ میرے خوابوں میں رہے ہو.... میں نے تمہیں پوجا ہے۔"

"میں بھی تمہیں پوجوں گا.... گھبراؤ نہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"مگر تم بے درد اور ظالم ہو۔" جے سیکا کے لہجے میں شکایت تھی۔

"نہیں میں خواجہ میر درد ہوں۔" میرا ایک شعر سنو

دھول دھپا اس سراپا ناز کا شیوہ نہیں
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش دستی ایک دن

"ہائے میرے ہاتھ ٹوٹے۔" جے سیکا منمنا کر کراہی۔

"فکر مت کرو۔ تمہارے ٹوٹے ہاتھ بطور یادگار اپنے البم میں رکھوں گا۔"

"ارے ظالم...."

"ظالم نہیں غالب تخلص کرتا ہوں۔ دوسرا شعر سنو

کعبہ جاؤ گے اسی منہ سے جناب غالب
وہ الگ باندھ کے رکھا ہے جو مال اچھا ہے

موت کا پھندہ

تھوڑی دیر بعد جے سیکا کی کار فریدی کی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔

حمید نے اسے بڑے بے دردی سے کھینچ کر باہر نکالا۔

"کیا اب میں عورت نہیں.... حسین.... کنول کی پنکھڑیوں کی طرح۔" جے سیکا نے سے بڑبڑائی

"نہیں تم اب بھی جمہوریۂ دل کی پریذیڈنٹ ہو مری جان۔" حمید اسے پورٹیکو کی طرف دھکا دیتا ہوا بولا۔

فریدی کہیں جانے کے لئے تیار تھا، جے سیکا کو اس حال میں دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ پھر سنجیدہ نظر آنے لگا۔

"اسے کیوں لائے۔" وہ حمید کی طرف مڑا۔

"کیوں....؟" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کھولو ہاتھ۔" فریدی کے لہجے میں سختی تھی۔

حمید نے گردن جھٹک کر جے سیکا کے ہاتھ کھولنے شروع کر دیئے۔

"بھاگ جاؤ۔" فریدی نے جے سیکا سے کہا۔

"ارے.... ارے یہ جے سیکا ہے۔" حمید بوکھلا کر بولا۔

"میں جانتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "اور یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ کیا چاہتی ہے۔"

جے سیکا خاموش کھڑی رہی۔

"کیا چاہتی ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"کلاوتی کا اغواء۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "اس پر پولیس کا ہاتھ پڑنے سے پہلے ہی اسے ان لوگوں کے قبضے سے نکال لے جانا چاہتی ہے تاکہ اس کے عیوض اس کے ماموں سے تین لاکھ روپے حاصل کر سکے۔"

"اور اسی لئے آپ اسے نکل جانے کا موقع دے رہے ہیں۔" حمید کے لہجے میں تلخی تھی۔

"جے سیکا جیسی ننھی منی مجرموں پر ہاتھ ڈالنا میری شان کے خلاف ہے۔" فریدی نے کہا۔

"خواہ وہ سر ہی کیوں نہ پھاڑ دیں۔" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

"وہ میرے ساتھی کی حرکت تھی۔" جے سیکا آہستہ سے بولی۔

"تمہارے ساتھی کا قاتل شیر سنگھ ہے۔" فریدی نے جے سیکا کی طرف دیکھ کر کہا۔

"مجھے معلوم ہو گیا ہے۔"

"کون شیر سنگھ....!" حمید نے پوچھا۔

"وہی جس کے لئے مونچھوں کی صفائی ہوا کرتی تھی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ پھر جے سیکا کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "کیا تم اسے پہچانتی نہیں تھیں۔"

"جی نہیں۔" جے سیکا بولی۔ "میں نے اس کے متعلق صرف یہ سن رکھا تھا کہ وہ اسی شہر میں مقیم ہے۔ اس کے چہرے پر گھنی مونچھیں ہیں اور اوپری ہونٹ پر برابر کے دو تل ہیں جن میں ایک سیاہ ہے اور دوسرا سرخ۔"

"اور انہیں تلوں کے لئے تم مونچھیں صاف کیا کرتی تھیں۔"

جے سیکا نے گردن جھکالی۔

"میرا پھٹا ہوا سر انتقام انتقام چیخ رہا ہے۔" حمید نے ہانک لگائی۔

"میرا سر حاضر ہے۔" جے سیکا سنجیدگی سے بولی۔

فریدی حمید کو گھورنے لگا۔

"جاؤ.....!" فریدی اس کی طرف دیکھ کر بولا۔ "لیکن ان تین لاکھ روپیوں کا خیال دل سے نکال دو۔ تم مس مالا کی حیثیت سے باعزت زندگی بھی بسر کر سکتی ہو۔ فریدی سے الجھنا عورت کے بس کا روگ نہیں۔"

"مجھے شرمندگی ہے۔" جے سیکا اٹھتی ہوئی بولی۔

اس کے چلے جانے کے بعد حمید دیر تک فریدی کو گھورتا رہا۔

"کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں۔" حمید مایوسی سے سر ہلا کر بولا۔ "میں سوچ رہا تھا کہ آپ جھکے بھی تو ایک کی طرف۔"

"ابھی بچے ہو۔"

"بڑھاپا آپ ہی کو مبارک ہو۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "لیکن کیا میں اس وقت کی معلو کے متعلق کچھ معلوم کر سکتا ہوں۔"

"ہوں.....اوں۔" فریدی اس کے گلے میں لٹکا ہوا کیمرہ اتارتا ہوا بولا۔ "خود ہی چھو سمجھدار عورت ہے۔"

وہ تھوڑی دیر تک کیمرے کو الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ پھر اسے میز پر رکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"چلو اٹھو.....!"

"کہاں؟"

"شیر سنگھ اور اس کے ساتھیوں کی گرفتاری کے لئے۔"

"وہ ہیں کہاں؟"

"جہاں اس وقت تمہیں جے سیکا لے جا رہی تھی۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"جو کام میں نے تم سے لینا تھا وہ پھر دوسروں سے لینا پڑا۔ آخر جے سیکا سے مل بیٹھنے

ضرورت تھی۔"

"تو نقصان کیا ہوا۔"

"اگر تمہیں نقصان کا بھی احساس نہیں تو تم دو کوڑی کے آدمی ہو۔"

"آخر ہوا کیا؟"

"ابھی معلوم ہو جائے گا۔ میں نے چاہا تھا کہ صرف جے سیکا کے پیچھے لگ کر اس کی مشغولیات کا جائزہ لو۔ ظاہر ہے کہ وہ شیر سنگھ کی تلاش میں تھی۔ لہٰذا ہم تھوڑے وقت میں اس کی جانفشانیوں سے فائدہ اٹھا سکتے تھے، لیکن تمہیں تو بس ایک عورت چاہئے خواہ وہ کوئی ہو۔"

"ارے تو میں نے کون سی غلطی کی۔"

"تضیع اوقات.....!"

"اور آپ ہی نے کون سا بڑا تیر مارا۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ "اس سے یہ بھی تو نہ پوچھ سکے کہ وہ کلاوتی کے ماموں سے تین لاکھ روپے کس طرح حاصل کرتی۔"

"غیر ضروری باتوں میں پڑنا میرا کام نہیں اور پھر یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ اس نے تین لاکھ روپیوں کے انعام کا اعلان کیا تھا۔ کوئی بھی کلاوتی کو اس تک پہنچا کر یہ انعام حاصل کر سکتا ہے۔"

"تو گویا اب آپ اس کے مستحق ہیں۔"

"جی نہیں! مجھے اس کا خیال بھی نہیں اور نہ کلاوتی والے کیسے سے دلچسپی ہے۔ مجھے تو ایک ایسے عادی مجرم کو پکڑنا ہے جو کئی خون کرنے کے باوجود بھی اب تک پولیس کی گرفت سے بچا رہا ہے۔"

"کون! وہی شیر سنگھ!"

"جناب.....!"

"اور آپ اس کی قیام گاہ سے واقف ہو گئے ہیں۔"

"جے سیکا کی بدولت۔" فریدی بجھا ہوا سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"بہرحال اس بار ہمیں کولمبس بننا پڑے گا۔" حمید بولا۔ "چلے تھے ہندوستان کی تلاش میں پہنچ گئے امریکہ۔"

"ایسا تو نہیں ہوا۔ شیر سنگھ کی شخصیت شروع ہی سے ہمارے سامنے رہی ہے یہ اور بات ہے

کہ ہم اس کا نام نہ جانتے رہے ہوں۔ ظاہر ہے کہ جے سیکا کو اسی کی تلاش تھی۔"

"لیکن یہ شیر سنگھ ہے کون؟ کوئی مشہور آدمی تو نہیں معلوم ہوتا۔"

"مشہور تو نہیں لیکن خطرناک ہے اور اگر اس کے جرائم پر پردہ نہ پڑا ہوتا تو مشہور ہو ہوتا۔ باتوں میں وقت نہ ضائع کرو۔ چلو اٹھو۔"

"اسی حلیے میں۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں اب میک اپ کی ضرورت نہیں۔ بہت ممکن ہے کہ ان لوگوں نے تمہیں جے ہ کے ساتھ دیکھا ہو۔"

حمید نے تھوڑی دیر قبل کا واقعہ دہرا دیا۔

"تو تم اب تک کیوں خاموش رہے تھے۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "سب چوپٹ کر دیا تم نے۔"

"کیوں....؟"

"میرا خیال ہے کہ مجرم پھر ہاتھ سے گیا۔ اب میں پولیس کی مدد لینا مناسب نہیں سمجھتا چلو اٹھو۔"

فریدی نے حمید کو لیبارٹری میں لے جا کر اس کا میک اپ بگاڑ دیا۔

تھوڑی دیر بعد ان کی کیڈی لاک سنسان سڑکوں پر دوڑ رہی تھی۔ بارہ بج رہے تھے اور ش کی ہنگامہ پرور فضا پر آہستہ آہستہ اضمحلال طاری ہوتا جا رہا تھا۔

"مجھے توقع نہیں کہ وہ لوگ اب اس عمارت میں موجود ہوں۔" فریدی کہہ رہا تھا۔ "انہیں شبہ ہو گیا ہے کہ جے سیکا ان کی قیام گاہ سے واقف ہو گئی ہے۔ ورنہ وہ خواہ مخواہ تم دونوں پر گولیاں نہ چلاتے۔"

"تو بتایئے اب میں کیا کروں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "میرا دل بُری طرح ٹوٹ گیا اور اب میں سوچ رہا ہوں کہ خودکشی کے بجائے شادی کر لوں۔"

"اس کے علاوہ کچھ اور بھی رہتا ہے ذہن میں۔"

"کیوں نہیں بچوں کی ایک شاندار ٹیم، بچوں کی والدہ محترمہ کا پاندان اور اس کا خاندان.... کہتے ہیں کہ لیلیٰ کو مجنوں کے سسرال کا کتا بھی پیارا تھا۔"

"دماغ مت چاٹو۔"

"آپ نے میرا دل توڑا ہے، میں آپ کا دماغ چاٹوں گا۔"

"میں نے کیوں توڑا ہے۔"

"اتنے دنوں تک جھک مارتا رہا۔ اتنا بڑا خطرہ مول لے کر جے سیکا کو پھانسا انعام کیا ملا، وہی ٹائیں ٹائیں فش۔ ایک تعریفی جملہ بھی زبان سے نہ نکل سکا۔"

"تمہارے اس کمال کا عرصے سے معترف ہوں۔" فریدی بولا۔ "تم واقعی عورتوں کو پھانسنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ لیکن یہ کوئی ایسا باعزت مشغلہ نہیں کہ اس کی تعریف کی جائے۔"

فریدی نے کار روک دی اور دونوں اتر کر ایک طرف پیدل چلنے لگے۔ یہاں دور تک دورویہ مکانوں کی قطاریں تھیں۔ وہ دونوں تاریکی میں غائب ہو گئے۔

اور پھر ان کی کار کے عقب سے ایک تاریک سایہ ابھر کر آہستہ آہستہ اسی طرف رینگنے لگا جدھر وہ دونوں گئے تھے۔

فریدی اور حمید تعاقب کرنے والے سے بے خبر آگے بڑھتے رہے۔

ایک کافی طویل و عریض لیکن تاریک عمارت کے قریب پہنچ کر وہ دونوں رک گئے۔ سایہ ان کا تعاقب ختم کر کے دوسری طرف چلا گیا۔

پوری عمارت تاریک تھی۔ کسی روشندان یا کھڑکی میں رمق برابر بھی روشنی نہیں دکھائی دے رہی تھی۔

دونوں نے کھلے ہوئے پھاٹک سے گزر کر پائیں باغ طے کیا اور پورٹیکو کے قریب والی مہندی کی باڑھ کی اوٹ میں دب گئے۔ پھر فریدی نے ایک پتھر اٹھا کر ایک کھڑکی پر مارا۔ شیشہ ٹوٹنے کی آواز آئی اور پتھر سنگین فرش پر گرا۔ اس کے بعد پھر وہی لامتناہی سناٹا.... دس پندرہ منٹ گزرنے کے بعد فریدی نے پھر وہی حرکت دہرائی۔ لیکن کوئی خاص نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ سوائے اس کے کہ شیشوں کی جھنکار اور پتھر کی آواز سے کسی درخت پر بیٹھا اُلو چونک کر چیخنے لگا۔

حمید نے بُرا سا منہ بنایا کیونکہ اُلو کی آواز بھی انہیں چند چیزوں میں سے تھی جس سے حمید کی روح عموماً فنا ہونے لگتی تھی۔

"چیل بول رہی ہے شائد۔" حمید آہستہ سے بولا۔

"تمہارا بڑا بھائی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں.... جھوٹ.... آپ تو بڑی دیر سے خاموش ہیں۔"

"چھوڑو.... نہیں کوئی نہیں۔ میرا خیال ٹھیک تھا۔ یہ عمارت اب ویران ہے۔"

"مگر.... وہ کیا.... اوپر دیکھئے۔" یک بیک حمید بولا۔

اوپر کی منزل کی ایک کھڑکی سے کوئی آدھے دھڑ سے نیچے کی طرف جھانک رہا تھا۔ دھندلے آسمان کے پس منظر میں اس کا سر اور شانے صاف نظر آرہے تھے۔

"اوہ....!" فریدی آہستہ سے بولا۔ "چلو لیٹ جاؤ چپ چاپ۔"

وہ زمین پر لیٹ کر سینے کے بل پورٹیکو کی طرف رینگنے لگا۔

برآمدے میں پہنچ کر دونوں سانس لینے کے لئے رکے۔ اندر کسی قسم کی کوئی آہٹ نہ تھی۔ فریدی نے آگے بڑھ کر دروازے کو ہلکا سا دھکا دیا جو بغیر کسی آواز کے کھل گیا۔

پھر وہ دبے پاؤں ایک تاریک راہداری سے گزر رہے تھے۔ اچانک فریدی رک گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ سننے کی کوشش کر رہا ہو۔

دفعتاً ایک تیز قسم کی نسوانی چیخ سنائی دی، جو بتدریج گھٹتی گئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی عورت کا گلا گھونٹ دیا ہو۔ آواز کہیں قریب ہی سے آئی تھی، فریدی تیزی سے ایک طرف جھپٹا۔ حمید نے ریوالور نکال لیا تھا اور اس کے بائیں ہاتھ میں ٹارچ تھی۔

حمید کافی پیچھے رہ گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ٹارچ ضرور تھی لیکن وہ بوکھلاہٹ میں یہ بھول گیا تھا کہ ٹارچ اندھیرے ہی کے لئے ہوتی ہے۔ وہ بھٹکتا رہا اچانک چند دروازوں کے شیشوں سے مدھم سی روشنی دکھائی دی۔ حمید تیزی سے جھپٹا۔ یہ روشنی فریدی کی ٹارچ کی تھی اور وہ ایک عورت کو اپنے داہنے ہاتھ پر سنبھالے اس کی گردن سے رسی کا پھندا نکال رہا تھا۔

دوسرے لمحے میں حمید بھی کمرے کے اندر تھا۔

حمید نے پہلی ہی نظر میں اندازہ لگا لیا کہ وہ ایک قبول صورت اینگلو انڈین لڑکی تھی اور یا بیہوش تھی یا مر چکی تھی۔

"ابھی زندہ ہے۔" فریدی نے مڑ کر آہستہ سے کہا۔ "باہر چلو اسے ہوا کی ضرورت ہے۔"

"لیکن....!" حمید ہکلایا۔

"جلدی کرو۔ ٹارچ بجھا دو۔ راستے کا مجھے اندازہ ہے۔" فریدی نے کہا اور بے ہوش لڑکی

اندھے پر لاد لیا۔

باہر پائیں باغ میں بدستور سناٹا تھا۔ فریدی نے اُسے لان پر ڈال کر آہستہ سے کہا۔

"تم یہیں ٹھہرو۔ یہ ابھی ہوش میں آجائے گی۔"

پھر وہ تیزی سے اٹھا اور برآمدے میں پھیلی ہوئی تاریکی میں غائب ہو گیا۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے، جو چیخ اس نے سنی تھی اگر وہ اسی بے ہوش لڑکی کی تھی تو اس کا مطلب ہوا کہ اس عمارت میں اس کے علاوہ بھی کوئی اور موجود ہے۔ یا کچھ دیر پہلے تھا اور وہ پھندہ شائد اسی نے اس کی گردن میں ڈالا تھا۔ بہر حال اس کا اس طرح وہاں کھڑے رہنا خطرے سے خالی نہیں دکھائی دیتا۔ حمید بھی اس لڑکی سے تھوڑے ہی فاصلے پر لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر تک اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کی لیکن پھر خیال آیا کہ اس لڑکی کو دیکھنا چاہئے کہیں ہوش آتے ہی شور نہ مچانا شروع کر دے۔

وہ آہستہ آہستہ سینے کے بل کھسکتا ہوا اس کے قریب پہنچا۔ اس کی سانسیں باقاعدگی کے ساتھ چل رہی تھیں اور بظاہر کوئی خطرہ نہیں تھا۔

"آخر وہ کون تھی؟" حمید کے ذہن میں ایک بڑا سا سوالیہ نشان پیدا ہوا۔ اگر وہ انہیں لوگوں میں سے نہیں تھی تو اس کا کیا مقصد ہو سکتا تھا۔ پھر ایک نیا خیال.... ایسا خیال جس نے حمید کو بے اختیار چونکا دیا۔ کہیں وہ جے سیکا تو نہیں ہے؟ جے سیکا بھی اینگلو انڈین ہی تھی اور حمید اس کی اصلی شکل سے ناآشنا تھا۔ وہ ایک بار پھر اس پر جھکا۔ خدوخال بڑے دلآویز تھے اور خصوصاً تاروں کی دھندلی روشنی میں تو وہ ایسی لگ رہی تھی جیسے خواب کی کہر آلود فضا میں کوئی جانی پہچانی سی صورت جس سے ماضی کی کچھ حسین یادیں وابستہ ہوں۔ حمید کا ذہن موجودہ سچویشن کو فراموش کر کے شاعری کرنے لگا، لیکن حسین خیالوں کے تانے بانے جلد ہی ٹوٹ گئے۔ اندر کہیں ایک فائر ہوا تھا اور پھر اس نے ایک چیخ بھی سنی تھی۔

اس کا ہاتھ بے اختیار ریوالور پر گیا لیکن وہ اٹھ نہ سکا کیونکہ دوسرے ہی لمحے میں کوئی اس پر سوار ہو کر اس کا گلا گھونٹ رہا تھا۔ حمید نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے جن میں قوت تو معلوم ہو رہی تھی لیکن نرمی اور نزاکت بھی رکھتے تھے۔ حمید کو زیادہ قوت نہ استعمال کرنی پڑی۔ اس نے اس کے ہاتھ بہ آسانی ہٹا دیئے.... اور پھر سچی بات تو یہ ہے کہ اس کے سارے جسم سے پسینہ

چھوٹ پڑا۔ کیونکہ وہی بے ہوش لڑکی اس پر سوار تھی۔

"جے سیکا ڈارلنگ.....!" حمید آہستہ سے منمنایا۔

وہ اچھل کر ہٹ گئی لیکن اس کے دونوں ہاتھ ابھی تک حمید ہی کی گرفت میں تھے۔

"کتنی حسین رات ہے۔" حمید آہستہ سے بولا۔ وہ یہ بھی بھول گیا کہ اس نے ابھی کی آواز سنی تھی۔

"سرجنٹ حمید.....!" وہ بڑبڑائی۔

"وہی.....اور اس کے بعد جو کچھ بھی سمجھنا چاہو سمجھ لو۔"

"میری گردن میں کسی نے پھندا لگایا تھا۔"

"جواب بھی برقرار ہے۔" حمید نے کہا۔ "کیا تم فریدی صاحب کا مشورہ بھول تھیں۔"

"میں مدد کرنا چاہتی تھی۔"

"کیا یہ ہوش میں آگئی۔" قریب ہی کہیں فریدی کی آواز سنائی دی۔ حمید نے اس کے چھوڑ دیئے اور خود بھی اٹھ کر بیٹھ گیا۔

بدلتے نقشے

"تم آخر مانی نہیں۔" فریدی جے سیکا سے کہہ رہا تھا۔

"میری نیت میں فتور نہیں تھا۔ میں آپ کی مدد کرنا چاہتی تھی۔"

"لومڑی والی گھاتیں مجھ پر نہیں چلیں گی۔" فریدی اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"اب میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں۔ بہر حال ابھی آپ یقین کر لیں گے۔"

"وہ کس طرح۔"

"میں جانتی ہوں کہ کلاوتی اس عمارت میں موجود ہے۔ وہ بھاگتے وقت اسے اپنے نہیں لے جا سکے۔ میں آپ کے یہاں سے سیدھی یہیں آئی تھی۔"

"لیکن وہ آدمی جس نے تمہارے پھانسی لگانے کی کوشش کی تھی؟" فریدی بولا۔

"ٹھیک ہے! انہوں نے کلاوتی کی حفاظت کے لئے ایک آدمی ضرور چھوڑا ہوگا۔"

"خیر وہ تو ختم ہو چکا۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن کلاوتی؟ وہ اس عمارت میں نہیں۔ پوری ارت میں ایک لاش کے علاوہ اور کچھ نہ ملے گا۔"

"مگر وہ اتنے بیوقوف بھی نہیں ہو سکتے کہ کلاوتی کو ایسی جگہ چھوڑ جاتے جہاں اس پر بہ سانی نظر پڑ سکتی۔"

"تم تو یہ کہنا چاہتی ہو کہ یہاں کوئی تہہ خانہ بھی ہے۔"

"جی ہاں.....!"

"ہوں.....اچھا تو آؤ۔"

"میں آپ کے احسان کا بدلہ چکانا چاہتی ہوں۔" جے سیکا اٹھتی ہوئی بولی۔

"کیسا احسان.....؟" فریدی نے پوچھا۔

"یہی کہ آپ نے مجھ پر قابو پانے کے باوجود بھی پولیس کے حوالے نہیں کیا۔"

فریدی خاموشی سے چلتا رہا۔

اندر پہنچ کر جے سیکا سارے کمرے روشن کرتی گئی۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے تم اس عمارت سے اچھی طرح واقف ہو۔" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں اور اسی حماقت کے نتیجے میں مجھے پھانسی کا پھندا نصیب ہوا تھا۔ لیکن اگر میں اتنی جان بین نہ کرتی تو اس تہہ خانے تک پہنچ بھی نہ سکتی تھی۔"

ایک کمرے میں حمید نے ایک لاش دیکھی جسکے سینے سے خون ابل کر فرش پر پھیل گیا تھا۔

"یہ محض اپنی حماقت سے مرا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کس لئے۔"

"خواہ مخواہ لپٹ پڑا تھا اور یہی نہیں! یہ ریوالور بھی نکال لیا تھا لیکن اس کا علم نہیں تھا۔ اندھیرے میں جدوجہد ہو رہی تھی۔ دفعتاً ریوالور چل گیا جسکی نال اسی کے سینے کی طرف تھی۔"

"میں سمجھی تھی شائد.....!"

"نہیں میں بلاوجہ اپنا ہاتھ رنگنا پسند نہیں کرتا۔" فریدی بولا۔

جے سیکا ایک جگہ رک گئی۔ کچھ دیر ادھر اُدھر دیکھتی رہی پھر جھک کر فرش پر بچھا ہوا قالین

اٹھانے لگی۔

چند لمحوں بعد فریدی اور حمید ایک چوکور پتھر کی سل ہٹانے کی کوشش کر رہے تھے۔ رقبہ سولہ مربع فٹ رہا ہوگا۔ بمشکل تمام وہ اسے فرش کی سطح سے ابھار سکے۔

تہہ خانے میں پہنچنے کے لئے انہیں چودہ سیڑھیاں طے کرنی پڑیں۔ فریدی کے پاس ٹارچ تھی اور وہ جے سیکا کے پیچھے تھا اور پھر حمید۔

سامنے ایک بڑی سی مسہری تھی جس کے چاروں طرف پلنگ پوش اس طرح لٹک رہے تھے اس کے پائے بھی نہیں دکھائی دے رہے تھے، جے سیکا نے سوئچ دبا کر بلب روشن کر دیا۔

مسہری پر گونگی کلاوتی بیہوش پڑی تھی۔

"دیکھا آپ نے۔" جے سیکا فریدی کی طرف مڑی۔

"کچھ اور بھی دیکھ رہا ہوں۔" فریدی بھنویں تان کر بولا۔ اس کی نظریں مسہری پر ہوئے پلنگ پوش کے ایک کونے پر جمی ہوئی تھیں۔ دفعتاً جے سیکا اچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔ ہی حمید کی نظر اس پستول پر پڑی جو جے سیکا نے نکال لیا تھا اور اسکا رخ انہیں دونوں کی طرف

"اپنی جگہ سے جنبش نہ کرنا۔" اس نے فریدی اور حمید کو للکارا۔

پھر پلنگ پوش کے لٹکتے ہوئے گوشے ہٹے اور مسہری کے نیچے سے پانچ آدمی نکل آئے ان میں ایک بڑی مونچھوں والا بھی تھا انہوں نے فریدی اور حمید کو گھیرے میں لے لیا۔

"انس.... پکٹر.... فریدی۔" جے سیکا نے منہ ٹیڑھا کر کے کہا اور پھر یک بیک ہنس

"خوب....!" فریدی بھی جواباً مسکرایا۔ البتہ حمید پر بوکھلاہٹ کا دورہ پڑ چکا تھا۔ اس کی میں نہیں آ رہا تھا کہ یک بیک یہ کیا ہو گیا۔ وہ ابھی تک جے سیکا کو دوست سمجھ رہا تھا اور پیشتر اسی بڑی مونچھ والے نے ان دونوں پر کار میں گولیاں چلائی تھیں۔ جے سیکا اس کی تھی۔ لیکن اب یہ کیا ہو گیا۔

"اب یہ تہہ خانہ....!" جے سیکا نے کہا۔ "تم دونوں کا مقبرہ بنے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "اور تم جیسے لوگ کبھی کبھی آ کر یہاں قوالیاں کریں گے۔"

ایک پل کے لئے جے سیکا کے چہرے پر تحیر کے آثار پیدا ہوئے لیکن پھر اسی طرح

گئے۔ جیسے بادل کے کسی ٹکڑے کی وجہ سے ایک لحظہ کے لئے دھوپ نکل کر غائب ہو جائے۔

"تم خود کو بہت چالاک سمجھتے تھے۔" جے سیکا بولی۔ "لیکن حقیقتاً تم احمق ہو۔"

"احمق نہیں بلکہ گاؤدی کہو۔" فریدی مسکرایا۔

"تم سوچتے ہو گے کہ یک بیک یہ کیا ہو گیا۔"

"یہ میں نے تھوڑی دیر قبل سوچا تھا۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "تم شائد یہ سمجھتی ہو کہ میں تمہارے اور شیر سنگھ کے سمجھوتے سے واقف نہیں تھا۔ بھولی عورت فریدی کسی مجرم کو اس طرح نہیں چھوڑا کرتا جیسے اس نے چند گھنٹے پیشتر تمہیں چھوڑ دیا تھا۔ مجھ سے سنو پورا واقعہ۔ اپنے بدصورت ساتھی کو تمہیں نے قتل کیا تھا۔ وہ ذرا کمزور دل کا آدمی تھا نا۔ تم نے سوچا کہ کہیں وہ پولیس کے ہاتھوں میں پڑ کر سارا راز نہ کھول دے۔ تم اس رات اسے اس عمارت میں لے گئی تھی تمہیں اپنی کچھ چیزیں وہاں سے نکالنی تھیں۔ تمہارے ساتھی نے عمارت کی عقبی دیوار کی کچھ اینٹیں نکالیں اسی دوران میں اس کا انگوٹھا زخمی ہو گیا۔ اس دیوار میں مقتول ہی کے خون بھرے انگوٹھے کے نشانات تھے، جنہیں میں نے قاتل کے انگوٹھے کے نشانات کی حیثیت سے شہرت دی تھی، ننھی لڑکی ابھی تمہاری ذہانت اس سطح پر نہیں پہنچی جہاں وہ مردوں کو دھوکا دے سکے پھر تم نے وہ تصویر بھیج کر مجھے دھوکا دینے کی کوشش کی۔ اسی دوران میں اچانک تمہیں وہ مل گیا جس کی تمہیں تلاش تھی یعنی شیر سنگھ۔ تم نے اس سے سمجھوتہ کر لیا۔ ادھر سرجنٹ حمید بھی اپنی حماقت سے تمہارے چکر میں پڑ گیا تھا۔ پہلے دن تم نے اسے نہیں پہنچانا، لیکن دوسری رات کو تمہیں معلوم ہو گیا کہ وہ سرجنٹ حمید ہے۔"

جے سیکا خاموش کھڑی رہی۔ حمید فریدی کو گھورنے لگا تھا۔

"حمید کی یہ ایک بہت بڑی کمزوری ہے کہ وہ خواب میں بڑبڑایا کرتا ہے، بہر حال سوتے وقت اس نے اپنا راز غیر شعوری طور پر اگل دیا۔ اسکے بعد تم نے شیر سنگھ سے مل کر مشورہ کیا۔ اس نے رائے دی کہ فریدی اور حمید کو راستے سے ہٹا دیا جائے، ورنہ کلاوتی میعاد پوری ہونے سے پہلے ہی ہاتھ سے نکل جائے گی۔ بہر حال اسی کے مشورے کے مطابق تم نے حمید کو تصویر والے معاملے پر آمادہ کیا۔ پھر شیر سنگھ نے سوچی سمجھی سکیم کے تحت تم دونوں پر فائر کئے۔ کیوں ہے نا یہی بات۔"

فریدی نے خاموش ہو کر مجرموں پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی۔ وہ بے حس و حرکت کھڑے

ہوئے تھے۔

"تم نے دیدہ دانستہ۔" فریدی نے جے سیکا کو مخاطب کیا۔ "حمید کو اپنا پستول چھیننے دیا تھا۔ اور ہاں یہ تو بتانا ہی بھول گیا کہ تمہیں اس بات کا شبہ ہو گیا تھا کہ میرے اور آدمی بھی اکثر تمہارے پیچھے لگے رہتے ہیں اور اس وقت.... اس وقت تم نے اپنے گلے میں رسی کا پھندا اسی لئے ڈالا تھا کہ مجھے ٹٹول سکو۔ یہ معلوم کر سکو کہ میں تنہا ہوں یا میرے ساتھ پولیس بھی ہے، اگر تمہیں یہ معلوم ہو جاتا کہ میرے ساتھ پولیس بھی ہے تو تم مجھے اس تہہ خانے میں نہ لاتیں اور اب تم ہم دونوں کو مار ڈالو تاکہ کلاوتی کے بالغ ہونے کا وقفہ پورا ہو جائے، میری زندگی میں تو یہ ناممکن ہے کہ وہ بالغ ہونے سے پہلے ہی اپنے خاندان میں واپس نہ پہنچ جائے۔"

"تمہاری یہ آرزو ضرور پوری کی جائے گی۔" جے سیکا نے قہقہہ لگایا۔ ساتھ ہی اس نے پستول کا ٹریگر بھی دبا دیا۔ لیکن فائر کی بجائے صرف ایک ہلکی سی آواز ہوئی۔ فریدی پھرتی سے چند قدم پیچھے ہٹا.... اب اس کے ہاتھ میں اعشاریہ تین آٹھ کا ریوالور تھا اور وہ سب ہی اس کی زد میں تھے، جے سیکا بوکھلاہٹ میں ٹریگر دباتی ہی چلی گئی لیکن نتیجہ وہی صفر۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"ننھی لڑکی! میں تمہارے بس کا روگ نہیں۔ تمہارے پستول کی گولیاں اسی وقت نکل گئی تھیں، جب میں نے تمہیں رسی کے پھندے سے نکال کر کاندھے پر لادا تھا۔"

"جے سیکا ڈارلنگ۔" حمید نے نعرہ لگایا اور اچھل کر جے سیکا کو دبوچ لیا۔

فریدی کی نظر بہک گئی۔ وہ صرف آدھ سیکنڈ کے لئے حمید کی طرف متوجہ ہوا تھا کہ ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ شیر سنگھ اس سے لپٹ پڑا تھا۔ پھر اس کے چاروں ساتھیوں نے بھی یلغار کر دی۔ حمید کو بوکھلاہٹ میں کچھ نہ سوجھا تو جے سیکا کو دبوچے ہوئے مسہری کے نیچے گھس گیا۔ وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر اسے گالیاں دے رہی تھی۔

تھوڑی دیر تک وہ چیختی رہی پھر خاموش ہو گئی۔ ادھر فریدی ان پانچوں سے گتھا ہوا تھا۔ دفعتاً مسہری کے نیچے سے فائر ہوا اور شیر سنگھ کے ساتھیوں میں سے ایک اچھل کر دور جا پڑا اور پھر فائر ہوا دوسرا اپنی ران دبائے ہوئے ڈھیر ہو گیا۔

"ابے او سور ذرا دیکھ بھال کر۔" فریدی چیخا۔

اب اس کے مقابلے میں صرف تین رہ گئے تھے۔ فریدی کبھی ان کی گرفت میں آجاتا اور کبھی نکل جاتا۔ حمید نے مسہری کے نیچے سے پھر فائر کیا۔ تیسرے کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔

"کیا کر رہا ہے.... باہر نکل گدھے۔" فریدی پھر چیخا۔

اتنے میں اس کا گھونسہ شیر سنگھ کی کنپٹی پر پڑا اور وہ بھی ڈھیر ہو گیا۔

"خبردار....!" حمید نے باہر نکل کر للکارا۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔ "اب دیواروں کو للکار رہے ہو سور۔"

فریدی نے باقی بچے ہوئے ایک آدمی کی ٹانگ پکڑ لی، جو سیڑھیوں کی طرف بھاگ رہا تھا۔ اس کے گرتے ہی حمید نے سر پر ریوالور کا کندہ رسید کر دیا۔ وہ بھی بے ہوش ہو گیا۔

"تمہاری بدولت۔" فریدی حمید کا گریبان پکڑ کر جھٹکا دیتا ہوا بولا۔ "اتنی دھینگا مشتی کرنی پڑی۔"

"آپکی بدولت... میرا رومان کرکرا ہو گیا۔ اگر میں اسے بیہوش نہ کر دیتا تو وہ پھر نکل بھاگتی۔"

"ہوں....!" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "جب تک یہ نہیں معلوم ہوا تھا کہ اس کا پستول خالی ہے جان نکلی ہوئی تھی۔"

"جی نہیں میں اس کا پستول چھین لینے کی فکر میں تھا۔" حمید تڑ سے بولا۔

"مسہری کے نیچے کیوں گھسے تھے۔" فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔ "یہ کیا لغویت تھی۔"

"میں نے سوچا کہ کہیں اس دھینگا مشتی میں دب کر ٹوٹ پھوٹ نہ ہو جائے۔ آخر کو عورت ہی ہے بیچاری۔"

حمید نے مسہری کے نیچے ہاتھ ڈال کر جے سیکا کو باہر گھسیٹ لیا وہ بے ہوش تھی اور اس کے ہونٹوں سے خون بہہ رہا تھا۔

"جنگلی....!" فریدی اسے گھور کر بولا۔

"اب میں کیا کروں! لاکھ بچانے کے باوجود بھی پنکچر ہو گیا۔ جے سی ڈارلنگ یو۔ آر ونڈر فل بٹ آئی ایم اے فائیٹنگ بل۔ فرام کابل۔ ناؤ بی کام اینڈ پیس فل....!"

"چپ رہو....!" فریدی نے ڈانٹا۔

"بالکل.... بالکل....!" حمید نے سنجیدگی سے کہا اور پھر اچھل کر نعرہ لگایا۔

"اس جنگ کا ہیرو میں ہوں۔ سرجنٹ حمید.... زندہ.... باغ.... خ.... خ....!"

وہ اس زور سے چیخا کہ حلق چھل گیا اور کھانسی آنے لگی۔

فریدی نے اس کی پیٹھ پر ایک گھونسہ جڑ دیا۔

"جاؤ! اوپر بڑے کمرے میں ٹیلی فون ہے۔ پولیس کو اطلاع دے دو۔"

"ارے تو کیا.... واقعی آپ نے پولیس کا انتظام نہیں کیا تھا۔" حمید بولا۔

"نہیں بیٹے۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ آج ہی کامیابی نصیب ہو جائے گی اور جو کچھ میں ابھی جے سیکا سے کہا تھا اس میں زیادہ تر بلف تھا جو کامیاب رہا۔"

"اور وہ خواب میں بڑبڑانے والی بات۔"

"میں بہت عرصے سے تمہیں خواب میں بڑبڑاتے سنتا آرہا ہوں اور قریب قریب روزانہ یہ جملہ بڑے ڈرامائی انداز میں دہراتے ہو کہ میں سرجنٹ حمید ہوں۔ میں دنیا کا مشہور ترین ہوں۔ چلو جلدی کرو، پولیس کو فون کر دو۔ یہ بیچاری کلاوتی ابھی تک بے ہوش ہے۔ شائد کوئی خواب آور دوا دی گئی ہے۔"

"لیکن آپ یہ جانتے تھے کہ وہ شیر سنگھ سے ملی ہوئی ہے۔"

"ہا ہا جاؤ بھی! وقت مت برباد کرو۔ میں اس کی طرف سے غافل نہیں تھا۔"

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 31

گیتوں کے دھماکے

(مکمل ناول)

خونی آگ

ادھر کچھ دنوں سے سرجنٹ حمید پر موسیقی کا بھوت سوار ہو گیا تھا۔ دن ہے تو وائیلن اور رات ہے تو وائیلن۔ اس دن رات کی ریں ریں ٹیں ٹیں سے عاجز آ کر فریدی نے ایک دن اُس کے دونوں کان پکڑ کر وائیلن سمیت گھر سے باہر نکال دیا۔ حمید بڑی دیر تک کھڑا دیہاگ کا خیال اَلاپتا رہا لیکن فریدی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔

آخر حمید نے وائیلن تو وہیں چھوڑا اور خود چل پڑا۔ کچھ عرصہ قبل فلم لائین کے کچھ آدمیوں سے اُس کی دوستی ہو گئی تھی۔ انہیں میں فلم آرٹ پروڈکشن کا میوزک ڈائریکٹر رمیش بھی تھا۔ دوستی کا مقصد حقیقتاً کچھ اور تھا لیکن بھرم بنائے رکھنے کے لئے حمید کو موسیقی کا سہارا لینا پڑا اور اس نے ایک عدد وائیلن بھی خرید لیا۔ وائیلن کا سبق لینے کے بہانے وہ اُس سے تقریباً روزانہ ملتا۔ ملاقات کبھی گھر پر ہوتی اور کبھی اسٹوڈیو میں۔

گھر میں ملاقات زیادہ سود مند ثابت ہوتی تھی کیونکہ رمیش کی داشتہ کم سن بھی تھی اور حسین بھی۔ کسی اچھے گھرانے کی اغواء شدہ لڑکی تھی اور اغواء کا باعث شاید فلم لائین کا چکر ہی بنا تھا۔ بہر حال وہ نہ جانے کتنوں کا نشانہ بنتی ہوئی رمیش تک پہنچی تھی اور رمیش نے اُسے بطور داشتہ گھر میں ڈال لیا تھا۔

حمید نے گھر سے نکل کر رمیش ہی کے گھر کی راہ لی لیکن وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ رمیش

اسٹوڈیو میں ہے۔ اُس کی داشتہ شلی بھی گھر پر موجود نہیں تھی۔ مجبوراً اُسے اسٹوڈیو کا رخ کرنا پڑا۔

اسٹوڈیو کے ایک بڑے کمرے میں خاصہ ہنگامہ برپا تھا۔ تقریباً پندرہ بیس افراد کے بولنے اور ہنسنے کی آوازوں نے کچھ عجیب سی فضا پیدا کر رکھی تھی۔ کبھی کبھی کوئی پیانو یا کسی دوسرے ساز کو الٹے سیدھے سروں میں چھیڑ دیتا اور کانوں کے پرخچے اڑنے لگتے۔

فلم کی مہورت ہو چکی تھی اور اب میوزک ٹیک کرنے کے لئے ریہرسل پر ریہرسل ہو رہے تھے۔ حمید کو ان ریہرسلوں میں بڑا لطف آتا تھا۔ خصوصاً اُس وقت تو اُس کے پیٹ میں چوہے کودنے لگتے تھے جب فلم کا فائننسر سیٹھ جھنکو مل بھنکو مل نخریلی ہیروئن کی ناز برداریاں کرنے لگتا۔

یہ بڑی مشہور ہیروئن تھی۔ حمید اُسے سینکڑوں بار پردۂ سیمیں پر دیکھ چکا تھا اور ہر بار یہ خواہش اُس کے دل میں چٹکیاں لے چکی تھی کہ کاش کوئی ایسی ہی جذباتی، خوش سلیقہ اور حسین عورت اُس کی زندگی بھر کی ساتھی بن سکتی۔

لیکن جب پہلی مرتبہ اُس نے اُسے گوشت و پوست میں دیکھا تو بمشکل تمام اپنی اوبکائی روک سکا۔ ملاقات رمیش کے گھر ہی پر ہوئی تھی۔ وہ بھی ایسی حالت میں کہ وہ نشے میں دھت تھی۔ میک اپ اڑ چکا تھا۔ بال پریشان اور جب وہ آنکھیں بھینچ کر ہنستی تو ہونٹوں کے دونوں کنارے ٹھوڑی کی طرف جھک کر ایک بے ڈھنگی سی قوس بنا لیتے۔ حمید پہلے تو یہی سمجھا کہ شاید وہ اسے منہ چڑھا رہی ہے لیکن پھر یقین آ گیا کہ صورت ہی ایسی ہے پھر دوسری ملاقات اُس وقت ہوئی تھی جب وہ نشے میں نہیں تھی لیکن پھر بھی وہ اُسے اتنی اچھی نہ لگی جتنی اچھی فلم میں معلوم ہوئی تھی۔

اسٹوڈیو میں قدم رکھتے ہی اُس پر بوکھلاہٹ کا دورہ پڑ گیا۔ کیونکہ ہیروئن سیٹھ جھنکو مل کی گردن تھامے جھٹکے لگا رہی تھی اور سیٹھ کی بتیسی اس طرح نکلی پڑ رہی تھی جیسے اُس کی تاج پوشی ہو رہی ہو۔ اتنے میں ہوٹل کا لڑکا خالی گلاس سمیٹنے کے لئے آ گیا۔ ہیروئن سیٹھ کو چھوڑ کر اُس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"سالا.... تم اندھا ہے۔ کولڈ ڈرنگ میں مکھی تھا۔" وہ اُس کی پیٹھ پر دو ہتھڑ جھاڑ کر بولی۔

"مس صاب....!" لڑکا ہکلایا۔

"مس صاحب کا جنا.... پیسہ نائیں ملے گا۔"

"ایسا مت دیکھو۔" سیٹھ کے چھچھوند لگے ہوئے پیدے دانت باہر نکل پڑے۔ "مر جائے گا غریب۔"

لڑکا گلاس سمیٹ کر بھاگ گیا اور وہ پھر سیٹھ کی گردن پکڑ کر جھول گئی۔

رمیش پیانو پر تھا اور شلی اُس کے کاندھے پر ہاتھ ٹیکے کھڑی تھی۔ رمیش کو شاید رقاصہ کے تیار ہو جانے کا انتظار تھا لیکن وہ ڈائریکٹر سے کسی بات پر الجھی ہوئی تھی۔ یہ فلمی دنیا کی سب سے کامیاب اور مشہور رقاصہ تھی۔ اُس نے بہتیری مناسب اور نامناسب شرائط کے ساتھ کنٹریکٹ کیا تھا اس لئے ڈائریکٹر اور میوزک ڈائریکٹر دونوں ہی کو اُس کا تاؤ سنبھالنا پڑتا تھا۔ اُس کے خدوخال دلکش تھے خصوصاً نچلے ہونٹ کا درمیانی خم تو قیامت تھا۔

رمیش کی داشتہ شلی حمید کو دیکھ کر مسکرائی۔ اُس نے آہستہ سے کچھ کہا اور رمیش بھی مسکرانے لگا۔

"اتنے ریہرسل سمجھ میں نہیں آتے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"کچھ نہیں.... یہ سالا سیٹھ زیادہ سے زیادہ دنوں تک عیاشی کرنا چاہتا ہے۔" رمیش آہستہ سے بولا۔

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اُسے اپنی پشت پر ایک ہذیانی قسم کا قہقہہ سنائی دیا۔ وہ چونک کر مڑا۔ ایک لحیم شحیم آدمی آگے کی طرف جھکا ہوا بلیوں کی طرح رمیش کی آنکھوں میں گھور رہا تھا۔

"ہو ہو۔" اُس نے دونوں ہونٹ سکوڑ کر بڑا سا دائرہ بنایا۔

حمید نے محسوس کیا کہ وہ بُری طرح پئے ہوئے ہے۔

"یہ کیا بیہودگی ہے؟" رمیش جھنجھلا کر بولا۔

"تو م.... بجاؤ.... ہم ناچے گا.... گلاوتی نائیں ناچے گا۔"

رمیش نے منہ پھیر لیا۔

"ہی.... ہی.... ہی۔" وہ شلی کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگا۔ "تو م بڑا سندر ہے.... امارہ دل کارانی۔"

رمیش دانت پیستا ہوا اٹھا۔ دوسرے لمحے میں اُس کا ہاتھ شرابی کے گریبان پر تھا اور پھر ایک گھونسہ اُس کی ٹھوڑی کے نیچے پڑا تو ستارے ہی ناچ گئے ہوں گے اُس کی آنکھوں کے

سامنے۔ لوگ دوڑ پڑے۔

"کیا بابا.... میوجک ڈائریکٹر صاحب۔" سیٹھ ہانپتا ہوا بولا۔

"خون پیؤں گا....!" شرابی اٹھ کر رمیش کی طرف جھپٹا لیکن دو تین آدمی بیچ میں آ گئے۔

"کیا بات ہے؟" ڈائریکٹر آگے بڑھ کر بولا۔

"کوئی بات نہیں۔" رمیش چیخ کر بولا۔ "میں کام نہیں کروں گا۔"

"کیا مصیبت ہے۔" ڈائریکٹر نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔ "میں تو بڑے جنجال میں پھنس گیا۔"

"سب آپکی کمزوری کا نتیجہ ہے۔" رمیش بولا۔ "میں کہتا ہوں ایسے لوگ یہاں آئیں ہی کیوں؟"

"میوجک ڈائریکٹر صاحب تم ہمارے دوست کو جلیل کیا۔" سیٹھ بگڑ گیا۔

"میں سالے کا خون پی لوں گا۔"

"میوجک ڈائریکٹر صاحب۔"

"سیٹھ صاحب۔ اگر یہ کل سے یہاں آیا تو میں نہیں آؤں گا۔"

"آئے گا کیسے نہیں۔ کنٹریکٹ سائین کیا ہے۔ نہیں آئے گا تو ہم مکدمہ چلادے گا۔"

"اور میں چھرا مار کر تمہاری توند برابر کر دوں گا۔"

"تم ہم کو بھی جلیل کیا۔" سیٹھ بھنا کر ناچ گیا۔

اس ہنگامے کے دوران میں کسی نے ہیروئن کا پیر کچل دیا۔ اُس نے ایک چیخ ماری اور اچھل کر صوفے پر ڈھیر ہو گئی۔

سیٹھ بوکھلا کر اُس کی طرف دوڑا۔

"کیا ہوا.... کیا ہوا....؟"

"تمہاری ماں کا خصم.... ہائے.... ارے.... رے۔" ہیروئن کراہی۔

"ارے رام.... کھون.... ڈاکٹر....!" سیٹھ حلق پھاڑ کر چیخا۔

"ارے.... ارے.... ہائے۔"

شرابی کو لوگوں نے چھوڑ دیا تھا۔ وہ بھی اب ہیروئن ہی کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ حمید رمیش اور شلی الگ کھڑے تھے۔

"آؤ چلیں۔" رمیش آہستہ سے بولا۔ "اس کتا خصی کی توقع نہیں تھی۔ میں تو اب آؤں گا۔ دیکھتا ہوں سالا کیا کرلیتا ہے۔" وہ تینوں کمرے سے باہر نکل آئے۔

"یہ روز کا دھندا ہے حمید صاحب۔" رمیش کہہ رہا تھا۔ "جب تک انڈسٹری پر جاہل اور قسم کے لوگ چھائے رہیں گے یہی ہوتا رہے گا۔ جنہیں علم کی دولت ملی ہے جو ذہین ہیں اُن کے پاس پیسہ نہیں ہے۔"

"لیکن یہ تھا کون؟" حمید نے پوچھا۔ "میرا خیال ہے کہ میں اسے پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہوں۔"

"ضرور دیکھا ہوگا۔ اول درجے کا بدمعاش اور کمینہ ہے۔ سیٹھ کو لڑکیاں سپلائی کرتا ہے۔"

"نام کیا ہے؟"

"ڈرجن....!" شلی نے کہا۔ "کیا اُسے اپنی لسٹ پر چڑھائیے گا۔"

"آدمی خطرناک معلوم ہوتا ہے۔" حمید بولا۔

"کئی بار شلی کو چھیڑ چکا ہے۔" رمیش نے کہا۔ "اور اب شاید اُس کی موت ہی آگئی ہے۔"

"نہیں نہیں۔ جھگڑا کرنے کی ضرورت نہیں۔ اب میں یہاں نہیں آؤں گی۔"

وہ ریستوران میں آکر بیٹھ گئے۔

شلی بڑی شوخ لڑکی تھی لیکن اس وقت اُس کے چہرے پر صحت آثار سرخی نہیں تھی۔ سرخی جو ہنستے وقت کچھ اور گہری ہو جاتی تھی۔ اُس کی عمر انیس بیس برس کے قریب رہی ہوگی لیکن چہرے پر پکاپن نہیں تھا۔ بچپن کے سارے نقوش معصومیت سمیت ابھی تک باقی تھے اُسے دیکھ کر یہ کہنا دشوار تھا کہ وہ اب کنواری نہیں رہی۔ جسم کہرا اور نازک تھا اور یہ نزاکت کچھ وقت اور زیادہ واضح ہو جاتی جب وہ اپنی سبک سی لانبی گردن میں سفید ریشمی رومال لپیٹ لیتی تھی پتہ نہیں یہ اُس کی اختراع تھی یا ضرورتاً ایسا کرتی تھی۔

"چھوڑو یار....!" حمید رمیش کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "کہاں کی بوریت لے بیٹھے۔ میں ان کو دیکھ لوں گا۔"

"اور میں کب پرواہ کرتا ہوں۔" رمیش نے چھوکرے کو آواز دی۔

"آپ کیوں چپ ہیں۔" حمید نے شلی سے پوچھا۔

"نہیں تو۔" اُس کے ہونٹوں پر ایک مضمحل سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "درجن اچھا آدمی نہیں ہے۔"

"اسی وقت بند کرادوں؟" حمید بولا۔

"کیا ضرورت ہے۔" رمیش نے کہا۔ "میں ایسوں کو سیدھا کرنا جانتا ہوں۔ میرے ہاتھ صرف پیانو ہی پر نہیں چلتے۔ گلا بھی گھونٹ سکتے ہیں۔"

"تمہارا گھونسہ بڑا شاندار تھا۔" حمید بولا۔

رمیش اپنے چوڑے چکلے سینے کا جائزہ لے رہا تھا۔

وہ ابھی کافی ختم نہیں کرپائے تھے کہ فلم کا ڈائریکٹر مسعود آگیا۔

"شکر ہے تم یہیں مل گئے۔" مسعود نے رمیش کو مخاطب کیا۔ رمیش کے ہونٹ پہلے سے بھی زیادہ تلخ انداز میں سکڑ گئے۔ چند لمحے خاموشی رہی پھر مسعود ہی بولا۔

"آج کے واقعے پر مجھے افسوس ہے۔ شاید دوبارہ اس کی نوبت نہ آئے۔"

"ہوں....!" رمیش سگریٹ سلگانے لگا۔

"اب وہ اسٹوڈیو میں نہیں آئے گا۔" مسعود نے کہا۔

"آئے یا نہ آئے۔ میں اب نہیں آؤں گا۔"

"یار کہہ تو دیا.... میں اب وعدہ کرتا ہوں۔"

"مسعود صاحب۔ دوستی اپنی جگہ پر اور بزنس....!"

"چھوڑو یار۔ ختم کرو۔ میں بہت پریشان ہوں۔"

دونوں میں بڑی دیر تک ردوقدح ہوتی رہی۔ آخر مسعود نے کسی نہ کسی طرح رمیش کو راضی ہی کرلیا۔

"شلی تم گھر جاؤ۔" رمیش نے کہا۔

"کیوں؟ میں نہیں جاتی۔ ساتھ چلیں گے۔"

"آج سبھی مجھے تنگ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔" رمیش جھنجھلا کر بولا۔

"اوہو! تو بات کیا ہے۔" شلی نے منہ پھلا لیا۔

رمیش اٹھ کر مسعود کے ساتھ چلا گیا۔ حمید اور شلی بیٹھے رہے۔ حمید اُس کی پیالی میں دوبارہ

کافی انڈیلنے لگا۔

"غصے کی حالت میں اور زیادہ حسین ہو جاتی ہو۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"اور اگر اسی حالت میں ہاتھ اٹھ جائے تو ریٹا ہیورتھ معلوم ہونے لگتی ہوں۔"

"بڑے نازک ہیں تمہارے ہاتھ۔" حمید اُس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

"اوہ.... سچ کہہ رہے ہیں آپ....؟" شلی خوشی ظاہر کرتی ہوئی بولی۔

"بالکل.... تم بڑی حسین ہو۔"

"بینک بیلنس کتنا ہوگا تمہارا؟" شلی نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"زیادہ نہیں.... یہی کوئی.... بیس بائیس ہزار۔"

"بس.... لیکن رمیش لکھ پتی ہے اور اب میں کسی کروڑ پتی کے خواب دیکھ رہی ہوں۔"

"مگر تم تو کہتی تھیں کہ تمہیں رمیش سے محبت ہے۔"

"محبت.... محبت تو مجھے تم سے بھی ہے۔" شلی نے بڑی معصومیت سے کہا۔ "مجھے فضول آدمی سے محبت ہو جاتی ہے۔"

"تو کیا میں فضول ہوں؟"

"ہر وہ آدمی فضول ہے جو کسی مخصوص عورت کے پیچھے وقت اور پیسہ برباد کرتا ہے۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ ہر عورت.... عورت ہوتی ہے۔ چاہے وہ شلی ہو چاہے سڑک کے کنارے گھسٹنے والی کوئی مفلوج بھکارن۔"

"مگر وہ شلی کی طرح حسین نہیں ہو سکتی۔"

"حسن" شلی نے تلخ ہنسی کے ساتھ کہا۔ "حسن تمہارے کس کام آتا ہے۔ حسن سے تمہیں کیا ملتا ہے؟"

حمید بوکھلا گیا۔ اُسے اُس سے ایسی گفتگو کی توقع نہ تھی۔ وہ اُسے صرف ایک کھلنڈری اور بے پرواہ لڑکی سمجھتا تھا۔ اُسے خواب میں بھی گمان نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ اتنی کھردری قسم کی حقیقت پسند ثابت ہو گی۔

"شلی.... مجھے معاف کرنا۔" وہ یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ "میری شخصیت کا پس منظر

تاریک ہے۔ بچپن میں میں بھی میں پیار کی مٹھاس سے محروم رہا ہوں۔ باپ دن میں کم از کم چھ بار ضرور پیٹتا تھا اور ماں دن بھر کوستی رہتی تھی.... پھر تم سمجھ ہی سکتی ہو کہ ان حالات میں پروان چڑھا ہوا بچہ کیسا ہو گا۔"

"کیا میری باتوں سے تمہیں تکلیف پہنچی ہے؟" شلی نے بڑے پیار بھرے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں.... تم نے ٹھیک ہی تو کہا تھا.... گدھ صرف لاش نوچا کرتے ہیں۔ چاہے وہ کتے کی ہو یا سور کی۔"

شلی ہنس پڑی۔ "جب کوئی ہنسوڑ آدمی سنجیدہ ہونے کی کوشش کرتا ہے تو میں بے اختیار ہنس پڑتی ہوں۔"

"نہیں شلی مجھے افسوس ہے۔"

"مجھے بھی افسوس ہے۔ لیکن سنو۔ بُرے لوگ بھی بااصول ہوتے ہیں۔ میں آج کل صرف رمیش کی پابند ہوں۔"

"ویسے تمہیں حقیقتاً اُس سے محبت نہیں ہے۔" حمید نے کہا۔

"اوہو۔ تم نے پھر وہی بات چھیڑ دی۔ میں نے کہا نا کہ مجھے اس کائنات کے ذرے ذرے سے محبت ہے۔ مجھے اُن سے بھی نفرت نہیں جو مجھے اس زندگی میں لائے تھے۔ مجھے اُس سے بھی نفرت نہیں جس نے دو ماہ تک میرے جسم کا بیوپار کیا تھا۔ میں نے اُن سب کو اس طرح نظر انداز کر دیا جیسے بچپن کے زمانے میں اپنے پیروں میں چبھ جانے والے کانٹوں کو نکال کر مطمئن ہو جایا کرتی تھی۔"

"اگر تم شاعری نہیں کر رہی ہو تو دنیا کی عجیب ترین عورت ہو۔" حمید بولا۔

"اچھا ہی ہوا کہ میں نے تمہیں ایک بات نہیں بتائی ورنہ تم اُسے ممتاز مفتی کی کہانی سمجھ بیٹھتے۔"

"اوہ تو تمہیں ادب سے بھی دلچسپی ہے؟"

"میں جاہل تو نہیں ہوں حمید صاحب۔" شلی نے بُرا مان کر کہا۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" حمید جلدی سے بولا۔ "ہاں.... وہ بات کیا تھی؟"

"مجھے ایک آدمی سے نفرت ہے حالانکہ اُس نے مجھے جسموں کے ایک بیوپاری کے پنجے سے

رہائی دلائی تھی پھر اپنے گھر میں پناہ بھی دی۔ میری کفالت کرتا رہا لیکن جانتے ہو مجھے اُس سے کیوں نفرت ہو گئی؟ مجھے خود بھی حیرت ہے۔ مجھے اُس سے اس لئے نفرت ہو گئی کہ اُس نے اُن مہربانیوں کا معاوضہ نہیں طلب کیا اور میں تمہیں یہ بھی بتاؤں کہ وہ فرشتہ نہیں ہے۔ اُس کی زندگی زیادہ تر طوائفوں ہی میں بسر ہوتی ہے۔"

"لیکن تم اُس سے متنفر کیوں ہو گئیں؟" حمید نے حیرت سے کہا۔

"میں نہیں جانتی۔"

"تم نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ یہ واقعہ لاشعور کے کسی افسانے کا مرکزی خیال بن سکتا ہے۔"

"چھوڑو بھی ہم کہاں کی باتیں لے بیٹھے۔" شلی اکتا کر بولی۔ "تم مجھے اپنے فریدی صاحب سے کب ملا رہے ہو۔ میں نے انہیں کبھی نہیں دیکھا صرف کارنامے سنے ہیں۔ بڑے خوفناک آدمی ہوں گے۔"

"اگر تم اس شہر میں رہتی ہو تو تم نے کہیں نہ کہیں ضرور دیکھا ہو گا۔ لیکن تمہارے دل میں بھولے سے بھی یہ خیال نہ آیا ہو گا کہ اس شخص کے ہاتھ سینکڑوں خوفناک آدمیوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ یا یہ وہی شخص ہو سکتا ہے جس کی شہرت ساری دنیا میں ہے۔"

"تو کب ملا رہے ہو؟"

"کسی مناسب موقع پر۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "لیکن تمہارے سینے میں جو ننھا سا دل ہے اُسے گھر ہی پر چھوڑ دینا۔"

"کیوں....؟"

"خطرناک آدمی ہے۔ اس شہر کی بے شمار عورتیں اُس پر مرتی ہیں لیکن وہ کسی کو جوتے کی نوک پر بھی نہیں مارتا۔"

"بہت خوب صورت آدمی ہیں؟" شلی نے پوچھا۔

"خیر.... مجھ سے زیادہ خوبصورت نہیں ہے۔"

"تمہاری شکل میں زنانہ پن ہے۔" شلی نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا....؟" حمید منمنایا۔ "تمہارے چہرے پر خدا نے چاہا تو ڈاڑھی نکل آئے گی۔"

شلی کچھ کہنے ہی والی تھی کہ باہر سے ایک آدمی بھاگتا ہوا آیا اور اُس نے کسی آدمی کو مخاطب

کر کے زور سے کہا۔ "اسٹوڈیو میں بم پھٹا ہے۔"

"کیا....؟" شلی حمید کی طرف دیکھتے ہوئے حیرت سے بولی۔ "اسٹوڈیو میں بم پھٹا ہے؟"

حمید اٹھ کر اُس آدمی کے قریب آیا جس نے یہ اطلاع دی تھی۔

"کہاں بم پھٹا ہے؟" اُس نے اُس سے پوچھا۔

"اسٹوڈیو میں.... میوزک ڈائریکٹر....!"

"کیا؟" شلی تقریباً چیخ پڑی۔

"میوزک ڈائریکٹر کے چیتھڑے اڑ گئے۔"

شلی بے تحاشہ اسٹوڈیو کی طرف بھاگ رہی تھی۔ حمید نے اُسے آوازیں بھی دیں لیکن وہ بھاگتی ہی گئی.... پھر اُس نے اُن لوگوں کو دیکھا جو اسٹوڈیو سے نکل کر سڑک پر دوڑ رہے تھے۔ اندر ہنگامہ برپا تھا۔ فلم کی رقاصہ بے ہوش پڑی تھی۔ اُس کے داہنے بازو سے خون بہہ رہا تھا۔ ڈائریکٹر مسعود کی پیشانی زخمی تھی۔ دو ایک اور بھی ایسے نظر آئے جو زخمی ہو گئے تھے لیکن رمیش کا کہیں پتہ نہ تھا۔

حمید اُس کمرے کی طرف بڑھا جس میں کچھ دیر قبل ریہرسل ہو رہا تھا۔

"ٹھہرو.... اندر مت جاؤ۔ کون ہو تم....؟" ایک آدمی چیخا۔

"کیوں؟"

"وہاں ایک لاش ہے۔"

"کس کی لاش....؟"

"رمیش کی.... پیانو میں بم تھا۔ شاید ٹائم بم.... لیکن آپ کون ہیں؟"

"پولیس.... میرا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے ہے۔"

وہ آدمی گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"کیا وہ پیانو بجا رہا تھا....؟" حمید نے پوچھا۔

"جی ہاں.... پیانو کے پرخچے اڑ گئے ہیں اور رمیش.... وہ پہچانا نہیں جا سکتا۔ چہرے کا گوشت قیمہ قیمہ ہو کر جھول گیا ہے۔"

"شلی کہاں ہے؟" حمید چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"پتہ نہیں....!" اُس آدمی نے کہا اور وہاں سے ہٹ گیا۔ تھوڑی دیر کی جستجو کے بعد یہ یقین ہو گیا کہ شلی وہاں موجود نہیں ہے۔

دوسرا دھماکہ

"تم گدھے ہو۔" فریدی جھنجھلا کر حمید کی طرف پلٹا۔ وہ بڑی دیر سے کمرے میں ٹہل رہا تھا اور حمید ایک کرسی پر بیٹھا مضطربانہ انداز میں اپنے پیر ہلا رہا تھا۔

"مجھے خوشی ہوتی۔ اگر تم بھی اُس وقت اس پیانو کے قریب موجود ہوتے۔" فریدی کہہ رہا۔ "عورت.... عورت.... عورت.... عاجز آ گیا ہوں۔"

"یہ تو دیکھئے کتنا عمدہ کیس لایا ہوں آپ کے لئے۔" حمید نے کہا۔

"کیا خاص بات ہے اس کیس میں۔"

"کوئی خاص بات ہی نہیں۔"

"تو بتاؤ نا....؟"

"پیانو میں ٹائم بم....!"

"کوئی نئی بات نہیں۔"

"اور شلی اچانک غائب ہو گئی۔"

"ٹھیک ہے.... تو تم اس سے کیا سمجھے؟" فریدی بولا۔

"یہی کہ اُس کا بھی ہاتھ ہو سکتا ہے۔"

"گدھوں جیسی باتیں نہ کرو۔" فریدی نے کہا۔ "وہ اُسے زہر دے کر بھی غائب ہو سکتی تھی۔ اگر اُسے غائب ہی ہونا تھا تو ٹائم بم کبھی نہ استعمال کرتی۔ ٹائم بم اسی لئے استعمال ہوتے ہیں کہ مجرم کی شخصیت چھپی رہے۔"

"تو پھر....؟"

"بہت معمولی کیس ہے۔ اسے سول پولیس والوں ہی کے لئے رہنے دو۔" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "حادثے کی وجہ رقابت معلوم ہوتی ہے۔ کیا وہ بہت حسین تھی؟"

"بہت سے بھی کچھ زیادہ۔"

"اور تم نے اُسے اسٹوڈیو میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔"

"جی ہاں....!"

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "وہ درجن۔ کیا اس سے پہلے بھی کبھی رمیش سے اُس کی لڑائی ہوئی تھی....؟"

"پتہ نہیں....!" حمید نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ کسی نے اُس لڑکی کو غائب کر دیا۔"

"اور وہ بے چاری آپ سے ملنے کے لئے بُری طرح بے تاب تھی۔" حمید نے کہا۔

"کیوں؟"

"میں نے آپ کے حسن کی تعریف کر دی تھی۔"

"شکریہ....!" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

اُس نے سگار سلگا کر پُر خیال انداز میں اپنی نظریں میز پر رکھے ہوئے گلدان پر جما دیں۔

"اگر میں خود ہی اس کیس کی تفتیش کروں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہ ہو گا؟"

"میں جانتا ہوں۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔

"کیا جانتے ہیں؟"

"ضروری نہیں سمجھتا کہ اس کا اظہار بھی کیا جائے۔ بہر حال تم جہنم میں بھی جا سکتے ہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔"

"وہاں تو آپ بھی چلیں گے میرے ساتھ۔" حمید مسکرا کر بولا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی۔

"تو پھر میں کیڈی لے جاؤں؟" حمید نے پوچھا۔

"دفع ہو جاؤ۔"

حمید نے لباس تبدیل کر کے کیڈی لاک گیراج سے نکالی۔

رمیش والے حادثے کا آج تیسرا دن تھا۔ شلی بدستور غائب تھی۔ پولیس نہ تو اب تک اُس کا سراغ پا سکی تھی اور نہ یہی معلوم ہو سکا تھا کہ رمیش کی جان لینے کا مقصد کیا تھا۔ صرف یہی ایک

رائے قائم کی جاسکتی تھی کہ وہ ایک ٹائم بم تھا جس کے ذریعے اُس کی زندگی کا خاتمہ کیا گیا۔

حمید کا شبہہ درجن پر تھا۔ لیکن وہ بھی مستقل نہیں تھا۔ کئی دوسرے خیالات اسکی بھی کر دیتے تھے۔ ایک تو یہی کہ اگر اُس نے ہی پیانو میں بم رکھا ہوتا تو اُس موقعہ پر رمیش سے جھگڑا کرتا اور یہ بات تقریباً ناممکن تھی کہ اُس نے جھگڑے کے بعد یہ حرکت کی ہو۔ کیونکہ جھگڑے کے بعد سے بم پھٹنے تک کے درمیانی وقفے میں ایک سیکنڈ کے لئے بھی وہ کمرہ خالی نہیں ہوا تھا۔ اگر حمید فریدی کے ظاہر کردہ خیال کی روشنی میں اس معاملے کو دیکھتا تب تو تقریباً پندرہ آدمی ایسے نکل آتے جن پر شبہہ کیا جاسکتا کیونکہ شلنی پر دانت رکھنے والے بے شمار تھے۔

کیڈی لاک چکنی اور شفاف سڑکوں پر پھسلتی رہی۔ حمید یونہی بلا مقصد نہیں نکلا تھا۔ ان دنوں میں اُس نے کئی بار سوچا تھا کہ وہ دلکش خدوخال والی فلمی رقاصہ سے ضرور ملے گا جس کی اُس حادثے میں زخمی ہو گیا تھا۔

سورج غروب ہو رہا تھا اور نارنجی شعاعیں شہر کی عظیم الشان عمارتوں کے بالائی حصوں کو تھپکیاں دے رہی تھیں۔ حمید نے کیڈی لاک شہر کے اُس حصے کی طرف موڑ دی جہاں زیادہ تر دولت مند طبقہ آباد تھا۔ اسپرنگ کاٹج جہاں وہ رقاصہ کلاوتی رہتی تھی ایک خوبصورت بنگلہ تھا۔ حمید کیڈی کو پائیں باغ کے پھاٹک سے گذار کر اندر لیتا چلا گیا۔ کلاوتی لان پر ٹہل رہی تھی اور اُسکے ساتھ درجن بھی تھا اور وہ اس وقت بھی نشے ہی میں معلوم ہو رہا تھا۔ کیڈی لاک دیکھ کر وہ دونوں رک گئے۔

اور پھر جب کلاوتی نے حمید کو دیکھا تو بے اختیار چونک پڑی۔ کبھی وہ کیڈی کی طرف دیکھتی تھی اور کبھی حمید کی طرف۔ البتہ درجن کے رویے میں ایسے شرابیوں کی سی بے نیازی تھی جو قوت برداشت سے زیادہ پی لیتے ہیں۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں مخل ہوا۔" حمید نے کلاوتی کے قریب پہنچ کر کہا۔

"اوہ! نہیں تو.... میرا خیال ہے کہ آپ بے چارے رمیش کے دوستوں میں سے ہیں۔"

"آپ کا خیال درست ہے۔" حمید نے اپنا ملاقاتی کارڈ اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں اس وقت اُس حیثیت سے نہیں ہوں۔"

کارڈ دیکھ کر کلاوتی کی حیرت اور زیادہ بڑھ گئی۔

"تو کیا آپ....!" وہ ہکلائی۔ "آپ شائد حادثے کے وقت بھی تو وہاں موجود تھے؟"

"مجھے افسوس ہے کہ میں اُس کمرے میں نہیں تھا۔"

"ورنہ آپ اُسے بچا لیتے؟" درجن نے ایک بے ہنگم قہقہہ لگایا اور پتلون کی جیب سے شامپین کی بوتل نکال کر چسکیاں لینے لگا۔

"میں خاص طور سے تمہیں چیک کرنا چاہتا ہوں۔" حمید تلخ لہجے میں بولا۔

"تم کون ہوتے ہو مجھے چیک کرنے والے۔" درجن بگڑ گیا۔

"درجن.... پلیز ڈونٹ بی سلی۔" کلاوتی جلدی سے بولی۔ "آپ محکمہ سراغ رسانی کے سرجنٹ حمید ہیں۔"

"اوہو.... بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔" درجن آگے بڑھ کر گرم جوشی سے ہاتھ ملاتا ہوا بولا۔ "مجھے درجن خاں آرتھر سنگھ کہتے ہیں۔"

اس بار اُس نے بوتل میں بچی کھچی بھی حلق میں انڈیل کر بوتل ایک طرف لان پر ڈال دی اور سگریٹ سلگانے لگا۔

"معاف کیجئے گا۔ میں کسی کو سگریٹ آفر نہیں کرتا۔" اُس نے بے ڈھنگے پن سے ہنس کر کہا۔

"تم حادثے کے وقت کہاں تھے؟" حمید نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے.... یاد.... نہیں۔" درجن نے ایک ایک لفظ کو گھسیٹتے ہوئے کہا۔ "جہاں کہیں بھی رہا ہوں گا بوتل میرے ہاتھ میں رہی ہوگی۔ آپ کون سی پیتے ہیں۔"

"تم پر شبہ کیا جا رہا ہے کہ وہ بم تم نے ہی رکھا تھا۔" حمید اپنا اوپر ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"اوہ تو آپ کب تک اس طرح کھڑے رہیں گے۔" کلاوتی نے حمید سے کہا۔

"جب تک مجھ پر شبہ رہے گا۔" درجن نے پھر قہقہہ لگایا اور حمید خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

"آپ کا زخم اب کیسا ہے؟" حمید نے کلاوتی سے پوچھا۔

"کوئی خاص تکلیف نہیں۔ معمولی خراشیں تھیں۔ عجیب بات ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کون ہو سکتا ہے۔"

"میرے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔" درجن نے قہقہہ لگایا۔

"اگر تم خاموش نہیں بیٹھ سکتے تو چلے جاؤ۔" کلاوتی بگڑ کر بولی اور اُس کے نچلے ہونٹ کا دلآویز خم کچھ اور زیادہ حسین ہو گیا۔ حمید نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ

درجن کسی طرح دفع ہی ہو جائے تو اچھا ہے۔

"کلاوتی تم میری توہین کر رہی ہو۔" درجن جھوم کر بولا۔ "توہین۔ درجن خان آرتھر کی توہین بہت گراں پڑے گی۔"

"تم مجھے ایک پولیس آفیسر کے سامنے دھمکا رہے ہو۔" کلاوتی نے تلخ لہجے میں کہا۔

"پولیس آفیسر....!" درجن اپنی چھاتی ٹھونک کر بولا۔ "میں پولیس آفیسر کے باپ کی بھی آنکھیں ملا سکتا ہوں۔ میرا نام درجن خان آرتھر سس.... سس....!"

قبل اس کے کہ وہ جملہ پورا کرتا حمید نے گریبان پکڑ کر اُسے لان چیئر سے اٹھا دیا۔ درجن کا مکا اُس کے کان کے قریب سے نکل گیا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں حمید کا گھونسہ اُس کے جبڑے پر پڑا۔ درجن دونوں ہاتھوں سے اپنی ٹھوڑی تھام کر زمین پر اکڑوں بیٹھ گیا۔

کلاوتی بُری طرح کانپ رہی تھی۔

"ہاں تو میں پوچھنے کے لئے آیا تھا کہ کیا آپ کچھ ایسے لوگوں کے نام بتا سکیں گی جن سے رمیش کی دشمنی رہی ہو؟" حمید نے لان چیئر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"جی.... ہاں.... جی.... نہیں.... بھلا میں کیا؟" کلاوتی کی نظریں زمین پر بیٹھے ہوئے درجن پر جمی ہوئی تھیں پھر وہ خوفزدہ نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگی۔

"بیٹھ جائیے۔" حمید نے نرم لہجے میں کہا۔

کلاوتی بیٹھ گئی لیکن اُس کی نظریں اب بھی درجن پر جمی ہوئی تھیں۔ لیکن حمید اُس کی طرف سے اس طرح لاپرواہ نظر آرہا تھا جیسے کسی دماغ چاٹنے والے بچے کو پیٹ کر بھول گیا ہو۔ درجن نے آہستہ آہستہ اپنے دونوں ہاتھ منہ پر سے ہٹائے اور خون تھوکنے لگا۔ پتہ نہیں دانتوں کے درمیان میں آکر زبان کٹ گئی تھی یا کوئی دانت ہی ہل گیا تھا۔

وہ پھر کھڑا ہو گیا اور حمید کو اس طرح گھورنے لگا جیسے کچا ہی کھا جائے گا۔ حمید بدستور کلاوتی ہی کی طرف متوجہ رہا۔ کلاوتی بوکھلا گئی تھی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس وقت درجن سے ہمدردی کرنی چاہئے یا بے رخی اختیار کرنی چاہئے۔

"رمیش سے آپ کے قریبی تعلقات تھے یا یونہی محض شناسائی تھی؟"

"جی....!" وہ چونک کر بولی۔

"میں تمہیں دیکھ لوں گا۔" درجن بڑبڑایا۔

"جاتے ہو یا اب دوسرا طریقہ اختیار کروں؟" حمید اُس کی طرف مڑے بغیر بولا پھر کلاوتی سے کہا۔ "آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟"

"جی بات دراصل یہ ہے کہ اس وقت میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" کلاوتی نے کھوکھلی آواز میں جواب دیا۔ وہ درجن کو پائیں باغ کے پھاٹک سے گذر کر جاتے دیکھ رہی تھی۔

درجن کے جاتے ہی حمید نے یک بیک محسوس کیا جیسے کلاوتی کے چہرے سے سراسیمگی کے آثار غائب ہو گئے ہوں۔

"تو آپ وہی سرجنٹ حمید ہیں انسپکٹر فریدی کے اسسٹنٹ....؟" کلاوتی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ لوگ یہی کہتے ہیں لیکن آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟"

"میں رمیش کو بہت عرصے سے جانتی ہوں۔ ہم دونوں کلاس فیلو بھی رہ چکے ہیں اور فلمی دنیا میں میری رسائی اُسی کے ذریعے ہوئی تھی۔" کلاوتی مسکرا کر بولی۔ "اب آپ پوچھیں گے کہ تمہیں رمیش سے محبت تو نہیں تھی۔"

"اس قسم کے سوالات عموماً کیمرے کے سامنے کیے جاتے ہیں۔" حمید بھی جواباً مسکرایا۔

"آپ غلط سمجھے۔" کلاوتی نے کہا۔ "میں نے یہ بات سنجیدگی سے کہی تھی۔ کیا آپ فلمی حلقوں میں گشت کرنے والی افواہوں سے واقف نہیں۔"

"جی نہیں....!"

"اوہ.... کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ شلی کے کسی عاشق کی حرکت تھی اور کچھ کہتے ہیں کہ کسی عورت نے جو رمیش کو چاہتی تھی جھنجھلا کر اُسی کو ختم کر دیا۔"

"لیکن شلی خود بھی غائب ہے؟" حمید نے کہا۔

"اُس کے متعلق یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ خوف کی وجہ سے روپوش ہو گئی ہے۔ اس خیال سے فرار ہو گئی ہے کہ پولیس اُسے بھی تنگ کرے گی۔"

"اوہ....!" حمید پُر خیال انداز میں بولا۔ "یہ درجن کیسا آدمی ہے؟"

"درجن....!" کلاوتی کے لہجے میں ہچکچاہٹ تھی۔ "پتہ نہیں۔ میں اُس سے زیادہ واقف نہیں۔ ہماری ملاقات اسی فلم کے کنٹریکٹ کے دوران میں ہوئی تھی۔ البتہ اتنا جانتی ہوں کہ وہ

سیٹھ کے گہرے دوستوں میں سے ہے۔"

"کیا سیٹھ بھی شلی پر دانت لگائے ہوئے تھا۔"

"سیٹھ....!" کلاوتی ہونٹ سکوڑ کر بولی۔ "وہ ہر اُس عورت کے لئے تڑپتا رہتا ہے جو اُس کی دسترس سے باہر ہو۔"

"شلی کے متعلق بھی کچھ بتا سکیں گی؟" حمید نے پوچھا۔

"اس سے زیادہ نہیں کہ وہ رمیش کے پاس آنے سے پہلے باقاعدہ پیشہ کرتی تھی۔"

دفعتاً حمید کو ایک بات یاد آگئی۔

"کیا آپ اُس شخص سے بھی واقف ہیں جس نے پہلی بار شلی کو پیشہ ورانہ زندگی سے نجات دلائی تھی؟"

"نہیں۔ میں اُس کے متعلق کچھ نہیں جانتی۔" کلاوتی نے بے توجہی سے کہا۔ وہ کچھ خاموش رہی اور پھر بولی۔ "آج صبح سے سر میں بڑا شدید درد ہے۔"

"اچھا....!" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔ ویسے مجھے توقع ہے آپ پولیس کا ہاتھ ضرور بٹائیں گی۔"

"میں....!" کلاوتی چونک کر بولی۔ "بھلا میں کیا ہاتھ بٹا سکتی ہوں۔"

"آپ بہت کچھ کر سکتی ہیں۔ رمیش کو آپ نے قریب سے دیکھا ہے۔"

"بہر حال ویسے مجھے خوشی ہوگی۔ اگر کسی کام آسکوں۔" کلاوتی نے کہا۔

وہاں سے نکل کر حمید سوچ رہا تھا کہ اب کہاں جائے۔ سوچا اسٹوڈیو ہی کی طرف چلنا چاہئے لیکن پھر خیال آیا کہ رمیش کی موت کے سلسلے میں ایک ہفتے کے لئے کام بند رہے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ کلاوتی سے وہ محض اس لئے ملا تھا کہ اُسے اپنے ساتھ کسی قسم کی تفریح کے لئے لے جا سکے گا لیکن وہ ضرورت سے زیادہ بور ثابت ہوئی۔ اُس کے خیالات کی رو بھٹکتے بھٹکتے ایک جگہ رک گئی۔ پھر دفعتاً اُسے اُس لڑکی کا خیال آیا جو اُسے مسٹر کیو[1] والے کیس کے دوران میں ملی تھی اور وہ اُس کے متعلق سوچنے لگا.... وہ تھی تو اسی شہر میں لیکن حمید کو اس کا پتہ نہیں معلوم تھا۔ البتہ یہ ضرور سنا تھا کہ اب اُس نے مجرمانہ زندگی سے توبہ کر لی ہے۔

حمید نے کیڈی لاک کا رخ کوتوالی کی طرف موڑ دیا۔ اُسے یقین تھا کہ انسپکٹر جگدیش

[1] مسٹر کیو کے کارناموں کیلئے جاسوسی دنیا کا خاص نمبر "لاشوں کی آبشار" جلد نمبر 9 ملاحظہ فرمائیے۔

لڑکی کنول کا پتہ ضرور جانتا ہوگا لیکن کوتوالی میں قدم رکھتے ہی اُس کے ذہن کو دوسری طرف جھکنا پڑا۔ کیونکہ کوتوالی میں انسپکٹر فریدی کی موجودگی کسی اہم ہی معاملے کی بناء پر ہو سکتی تھی....

فریدی اُسے دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرایا۔

"آپ یہاں.... کوئی خاص بات....؟" حمید نے پوچھا۔

"بات تو وہی ہے لیکن اب خاص ہو گئی ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"اُسی اسٹوڈیو میں دوسرا دھماکہ۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "پیانو کے پرخچے اڑ گئے اور رمیش کے اسسٹنٹ کا بھی وہی حشر ہوا جو اس کا ہوا تھا۔"

"لیکن آرٹ پروڈکشن والوں نے تو کام بند کر رکھا تھا۔"

"صرف شوٹنگ بند تھی۔" فریدی نے کہا۔ "آج یہ فیصلہ ہوا تھا کہ رمیش کا اسسٹنٹ اُس کی ترتیب دی ہوئی دھنوں کی مشق کرے۔ خصوصاً اُن دھنوں کی جو ناچوں کیلئے بنائی گئی تھیں۔"

فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچتا ہوا پھر بولا۔ "لیکن اب مجھے اپنا خیال بدل دینا پڑا ہے۔ وہ ٹائم بم نہیں تھے۔"

"پھر....؟"

"معمولی بم.... جو سیفٹی کیچ ہٹنے سے پھٹ سکتے ہیں۔"

اغواء

حمید حیرت سے فریدی کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ ٹائم بم نہیں تھے تو اُن کے سیفٹی کیچ ہٹے کس طرح.... خود بخود تو ہٹنے سے رہے۔

"تمہیں یہ بات مضحکہ خیز معلوم ہو رہی ہوگی۔" فریدی نے کہا۔

"قطعی.... یہ ناممکن ہے۔"

"لیکن تم اسے محض اتفاق نہیں سمجھ سکتے کہ دونوں بم ایک ہی گیت بجانے کے دوران میں پھٹے تھے۔" فریدی نے کہا۔

"ایک ہی گیت....؟" حمید نے حیرت سے کہا۔ "لیکن آپ کو اس کا علم کس طرح پہلے حادثے میں تو یہ بات سامنے نہیں آئی تھی؟"

"ہاں.... آں....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "دوسرے حادثے کے سلسلے میں یہ نوٹ کی گئی اور یہی وجہ ہے کہ میں اُسے ٹائم بم نہیں سمجھ سکتا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ دراصل پولیس کی پہلے حادثے رپورٹ دیکھ رہا تھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اگر وہ ٹائم بم بھی نہیں تھے تو خود بخود پھٹے کس طرح پھر کیا یہ ضروری تھا کہ وہ ایک مخصوص گیت بجانے ہی کے دوران میں پھٹتے۔

"آپ اب تک تھے کہاں؟" دفعتاً فریدی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

"اوہ.... میں ذرا کلاوتی کو ٹٹول رہا تھا۔"

"کلاوتی کون....؟"

"وہی رقاصہ جس کے رقص کے دوران میں پہلا واقعہ ہوا تھا۔ وہ بھی زخمی ہو گئی تھی۔"

"تو تم اُسے ٹٹول رہے تھے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"او.... ہم.... یعنی کہ.... محاورہ....!"

"ہوں.... تو پھر....؟"

"وہاں ایک آدمی کی مرمت بھی کرنی پڑی۔"

"کس کی؟"

"درجن کی۔" حمید نے کہا اور واقعات دہرا دیئے۔

"وقت اور انرجی دونوں کی بربادی۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "اگر یہ بات صحیح ہے دونوں حادثے ایک ہی گیت پر پیش آئے تو ہمیں ایک ایسے آدمی کی تلاش جاری رکھنی پڑے اُس گیت سے بخوبی واقف ہو۔"

"ایک ہی کیوں....؟" حمید نے حیرت سے پوچھا۔

"ظاہر ہے کہ یہ حرکت دس آدمیوں نے نہ کی ہو گی۔"

حمید تھوڑی دیر تک سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھتا رہا پھر جھنجھلا کر بولا۔

"فریدی صاحب.... احمقوں کے تاجدار یعنی اس نابکار کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔"

"جلدی کی ضرورت نہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "ویسے تمہارے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ ایکٹروں کو ٹٹولتے رہو۔"

حمید جھنجھلا کر دروازے کی طرف بڑھا۔

"ٹھہرو.... میں بھی چلتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

اُن کی کیڈی لاک ایک بار پھر اسپرنگ کاٹیج کی طرف جا رہی تھی۔

"خدا کی قسم بڑی زوردار عورت ہے۔" حمید دانت پر دانت جما کر بولا۔ "خصوصاً اُس کا نچلا ہونٹ۔"

"تو تم نے اُسے اچھی طرح ٹٹول لیا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ویسے فلم کی ہیروئن ریکھا کے متعلق کیا خیال ہے؟"

"وہ آپ کے لئے مناسب رہے گی۔"

"ابے میں اس کے لئے پوچھ رہا ہوں۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

"پھر....؟" حمید نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"اُس کے اور رمیش کے تعلقات کیسے تھے؟" فریدی نے پوچھا۔

"تعلقات کے بارے میں نہیں بتا سکتا۔ ویسے یہ ضرور سنا ہے کہ مسعود کو رمیش سے کنٹریکٹ کرنے کی رائے اُسی نے دی تھی۔"

"مسعود کیسا آدمی ہے؟"

"خوبصورت آدمی ہے۔ لڑکیاں اُس پر مر سکتی ہیں۔"

"پھر بکواس شروع کی تم نے۔ چانٹا مار دوں گا۔"

"پھر کیا پوچھا تھا آپ نے؟"

"بکو نہیں۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔

"آخر آپ شلی کو کیوں نظر انداز کر رہے ہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ رمیش محض اُسی کی وجہ سے مارا گیا۔"

"لیکن یہ دوسرا آدمی۔ میں نے تھوڑی ہی دیر میں اُس کے متعلق چھان بین کر لی ہے۔ اُس

کاشلی سے کوئی تعلق نہیں تھا۔" فریدی نے کہا۔

"بہت ممکن ہے کہ یہ ہمارے ناکام ترین کیسوں میں سے ایک ہو۔"

"کیوں....؟"

"مجرم نے وہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ مشکل ہی سے اُس پر ہاتھ پڑ سکے گا۔"

"اس میں تو شک نہیں۔" فریدی بولا۔

کیڈی لاک رک گئی۔ آٹھ بج گئے تھے اور اسپرنگ کاٹج کی کھڑکیوں میں لگے ہوئے رنگ شیشے روشن نظر آرہے تھے۔ پائیں باغ میں اندھیرا تھا۔ وہ دونوں اُتر کر برآمدے میں آ برآمدہ بھی تاریک ہی تھا۔ فریدی جیب سے ٹارچ نکال کر گھنٹی کا سوئچ تلاش کرنے لگا۔

اندر سے گھنٹی کی مدھم سی آواز آرہی تھی۔ دو منٹ گذر گئے لیکن اسپرنگ کاٹج کے مکینوں نے گھنٹی کی طرف دھیان نہ دیا۔

"کیا معاملہ ہے؟" حمید نے آہستہ سے سرگوشی کی۔

فریدی نے دروازے کو دھکا دیا لیکن وہ اندر سے بند تھا۔ انہوں نے کھڑکیوں کی بھی آزمائش کی لیکن یا تو وہ اندر سے بند تھیں یا اُن میں لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ اندر جانے کا راستہ تلاش کرتے ہوئے وہ بنگلے کے پشت پر آگئے اور پھر انہیں ایک دروازہ دکھائی دیا جس کا ایک پٹ کھلا ہوا تھا۔

وہ دونوں اندر پہنچ چکے تھے۔ سناٹے کا یہ عالم تھا جیسے کبھی کوئی اس عمارت میں رہا ہی نہ ہو۔ روشنی البتہ کئی کمروں میں تھی۔ دونوں نے پھر ایک دوسرے کیطرف معنی خیز نظروں سے دیکھا۔

ایک کمرے میں جو غالباً نشست کے لئے تھا انہیں غیر معمولی ابتری دکھائی دی۔ ایک صوفہ الٹا پڑا تھا۔ چھوٹی گول میز بھی فرش ہی پر نظر آرہی تھی۔ سوڈے کا سائیفن وہائٹ ہارس کی بوتل جس کی شراب بہہ گئی تھی۔ ٹوٹے ہوئے گلاس۔ یہ سب بھی زمین پر تھے اور عمارت میں دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

فریدی سیٹی بجانے والے انداز میں ہونٹ سکوڑے ہوئے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

"اور یہ؟" حمید بے ساختہ بولا۔ جس نے ابھی ابھی الٹا ہوا صوفہ سیدھا کیا تھا۔ اُس کی نظریں زنانہ سینڈل پر جمی ہوئی تھیں۔ اُسی کے قریب ایک رومال پڑا ہوا ملا جس پر تازہ خون

دھبے تھے۔

"یہ سینڈل کلاوتی ہی کا ہے۔" حمید تھوک نگل کر بولا۔ "آج شام اُس نے یہی پہن رکھا تھا۔"

"اور وہ تنہا تھی؟" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں.... درجن....!"

"میں نوکروں کے متعلق پوچھ رہا تھا۔"

"نوکر.... نہیں مجھے تو کوئی بھی نہیں دکھائی دیا تھا۔" حمید بولا۔ "ہم باہر لان پر تھے۔"

"نوکروں کی عدم موجودگی حیرت انگیز ہے۔" فریدی نے کہا۔ "میرے خیال سے کلاوتی ایک مال دار ایکٹریس تھی۔"

"تھی.... کیا مطلب....؟" حمید چونک کر بولا۔ "کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ مار ڈالی گئی؟"

"فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتا۔" فریدی نے ڈرائنگ روم سے نکلتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں پھر اُسی دروازے میں کھڑے ہوئے تھے جدھر سے بنگلے میں داخل ہوئے تھے۔ فریدی جھک کر ٹارچ کی روشنی میں دروازے کے نیچے کی زمین کا جائزہ لینے لگا۔ پھر کچھ دیر اسی طرح چلتے رہنے کے بعد لوٹ آیا۔

"دو ٹوٹے ہوئے گلاس۔" فریدی پُر خیال انداز میں بڑبڑانے لگا۔ "لیکن نشانات ایک ہی آدمی کے پیروں کے ہیں.... خیر آؤ۔"

وہ پھر ڈرائنگ روم میں واپس آگئے۔

فریدی گلاس کے ٹکڑوں کو نہایت احتیاط سے اپنے رومال میں اکٹھا کر رہا تھا۔

"کسی تیسرے آدمی کا وجود نہیں ثابت ہوتا۔" اُس نے حمید سے کہا۔ "اس لئے خیال ہوتا ہے کہ کلاوتی کسی اجنبی کے ساتھ نہیں تھی۔ آنے والا کم از کم اُس سے اتنا بے تکلف ضرور تھا کہ دونوں نے ساتھ بیٹھ کر شراب پی اور پھر اُس کے بعد تھوڑی سی جدوجہد ہوئی۔ ہو سکتا ہے کہ ان دونوں میں سے کسی کے چوٹ بھی آئی ہو۔ کیونکہ اس رومال پر خون کے دھبے...."

فریدی نے ابھی بات پوری نہیں کی تھی کہ مکان کے کسی حصے میں گھنٹی بجنے لگی۔

"کوئی ملاقاتی۔" فریدی بڑبڑایا۔

دونوں صدر دروازے کی طرف بڑھے۔

دوسرے لمحے میں ایک ادھیڑ عمر کا نحیف آدمی اپنی عرق آلود اور بے جان آنکھوں
انہیں گھور رہا تھا۔

"اوہ.... آپ کو بڑی تکلیف ہوئی۔" وہ مسکرا کر بڑبڑایا۔ "کیا کلاوتی کسی کام میں
ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہم سنیچر کی شام کو نوکروں کو چھٹی دے دیتے ہیں۔"

"کیا آپ یہیں رہتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی.... میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" بوڑھے کی حیرت بڑھ گئی۔

"بات دراصل یہ ہے کہ یہاں کوئی غیر معمولی واقعہ ہو گیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"براہِ کرم پہیلیاں نہ بجھایئے۔" اُس نے جھنجھلا کر کہا۔ "میں ہارٹ ٹروبل کا مریض
ذرا سی الجھن بھی مجھے موت کے قریب پہنچا دیتی ہے۔"

"کلاوتی کا اغواء۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"کیا؟ آپ کون ہیں؟"

"پولیس....!"

بوڑھا اجنبی جھپٹ کر اندر جانے لگا۔

"ٹھہریئے۔" فریدی اُسکے شانے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ "آپ کا کلاوتی سے کیا تعلق ہے"

"میں.... میں اُس کا چچا ہوں۔"

"یہیں رہتے ہیں آپ....؟"

"جی ہاں.... لیکن.... یہ اغواء.... میری طبیعت بگڑ رہی ہے۔"

حمید اُسے سہارا دے کر ایک دوسرے کمرے میں لے گیا۔

"لیکن.... اغواء....!" وہ ایک آرام کرسی پر گرتا ہوا بڑبڑایا۔

"آپ نے گھر کس وقت چھوڑا تھا؟" فریدی نے پوچھا۔

"آج صبح۔ میں سینٹرل اسٹوڈیو میں ساؤنڈ انجینئر ہوں.... لیکن یہ اغواء۔"

"ہم لوگ اس مسئلے پر زیادہ روشنی نہ ڈال سکیں گے۔" فریدی نے کہا۔

"ہم دراصل رمیش والے کیس کے سلسلے میں یہاں آئے تھے۔ لیکن....!"

"ابھی ابھی میں نے وہاں دوسرے حادثے کے متعلق سنا ہے۔" بوڑھے نے کہا۔

"ٹھیک.... ہمیں تھوڑی معلومات فراہم کرنی تھیں۔ لیکن اس سے پہلے ہی کلاوتی غائب
کر دی گئی۔"

بوڑھے کے چہرے پر بے چینی کے آثار تھے اور وہ بار بار اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

"کیا آپ کسی ایسے آدمی کا نام بتا سکتے ہیں جسے اس سلسلہ میں مشتبہ سمجھا جا سکے؟" فریدی
نے پوچھا۔

"میں.... نہیں.... کلاوتی کے سارے ملنے والے شریف ہیں اور میں اپنے ملنے والوں میں
سے بھی کسی کو ایسا نہیں سمجھتا۔ لیکن ٹھہریئے۔ ایک آدمی۔ مجھے اُس کا یہاں آنا پسند نہیں تھا اور
کلاوتی بھی شاید اُسے اخلاقاً ہی برداشت کرتی تھی۔"

"درجن....؟" حمید نے پوچھا۔

"اوہ.... تو آپ جانتے ہیں اُسے.... آپ ٹھیک سمجھے.... درجن.... وہ ایک اوباش اور
پرلے سرے کا غنڈا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ کلاوتی اُسے اخلاقاً ہی کیوں برداشت کرتی تھی۔"

"کیا وہ اکثر یہاں آتا رہتا تھا؟" فریدی نے پوچھا۔

"تقریباً روز ہی....!" بوڑھے نے کہا۔ "میں کیا کروں....!"

"رمیش سے کلاوتی کے کیسے تعلقات تھے؟"

"دونوں کبھی کلاس فیلو تھے اور رمیش ایک حد تک اُس کا استاد بھی تھا اور وہ اُسی کے توسط
سے فلم لائن میں آئی تھی۔"

"کبھی اُن میں کسی بات پر جھگڑا بھی ہوا تھا؟"

"میری یادداشت میں تو نہیں۔"

"اچھا تو مسٹر.... آر....!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

"مجھے ستیش ورما کہتے ہیں۔" بوڑھا بے چینی سے بولا۔ "مگر کلاوتی کا کیا ہو گا؟"

"گھبرایئے نہیں۔ پوری کوشش کی جائے گی۔" فریدی نے کہا۔

اُس نے گلاسوں کے ٹکڑے رومال میں لپیٹ کر جیب میں ڈال لئے۔ تھوڑی دیر بعد کیڈی
اپر نگ کالج سے لوٹ رہی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ یہ درجن ہی کی حرکت ہے۔" حمید نے کہا۔ "آج شام اُس نے کلاوتی کو

دھمکی بھی دی تھی اور میں یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ کلاوتی نے اُس دھمکی سے اثر بھی لیا ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر حمید نے کہا۔

"وہ اُس سے خائف بھی معلوم ہوتی تھی۔ اُس کے جانے کے بعد اُس نے مجھ سے کچھ باتیں کی تھیں۔"

"ہوں.... میں یہ نہیں کہتا کہ اس اغواء میں درجن ہی کا ہاتھ ہے۔" فریدی بولا۔ "رمیش والے واقعے سے اُس کا کچھ نہ کچھ تعلق ضرور ہے۔ شلی غائب ہوئی۔ وہ رمیش کی بیوی تھی۔ رمیش کے اسسٹنٹ کا بھی وہی حشر ہوا جو خود اُس کا ہوا تھا پھر کلاوتی غائب کر دی گئی۔ رمیش سے قریبی تعلقات رکھتی تھی۔"

"آخر آپ درجن کو اس طرح کیوں نظر انداز کر رہے ہیں؟" حمید بولا۔

"نظر انداز تو نہیں کر رہا ہوں۔ ہاں ابھی وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"حادثے سے پہلے وہ رمیش سے بھی لڑ گیا تھا۔" حمید نے کہا۔

"لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ اُس نے اُس وقت وہ بم پیانو میں نہیں چھپایا تھا کیونکہ لڑائی کے بعد سے مشق شروع ہونے تک وہ کمرہ ایک منٹ کے لئے بھی خالی نہیں رہا تھا۔"

"ہوگا۔" حمید بیزاری سے بولا۔ "مجھے اب اس کیس سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔"

"کیوں....؟"

"بس یونہی۔"

"یہ کہو بیٹے کہ اب دلچسپی کا سامان ہی نہیں رہ گیا۔ تم ہمیشہ ایسے ہی کیسوں میں دلچسپی لیتے ہو جن سے کوئی لڑکی بھی منسلک ہو۔"

"یہی سمجھ لیجئے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "اپنا مقدر بھی شاید کھارے پانی کی روشنائی سے لکھا تھا.... آئی اور بس نکل گئی.... پھر سے اڑ گئی.... ہات تیری۔"

حمید باہر پھیلے ہوئے اندھیرے کو گھونسہ دکھا رہا تھا۔

"خدا کے لئے اب تم شادی کر ڈالو۔" فریدی بڑبڑایا۔

"مت بور کیجئے۔"

"پھر کیا چاہتے ہو؟"

"ایک ایسی لڑکی جو بیوی نہ ہو۔"

"چلو میں اُسے شوہر ہی بنا دوں گا۔" فریدی بولا۔

"آپ ہی کر ڈالئے اپنی شادی۔"

"میری شادی سے تمہیں کیا فائدہ پہنچے گا۔"

"فائدہ مجھے ہی تو پہنچے گا۔" حمید اپنی ایک آنکھ دبا کر پھوہڑ پن کے ساتھ ہنسا۔

"لونڈے ہو۔"

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟" حمید نے پوچھا۔

"کیلاش ہوٹل....!"

"یہ کہاں ہے؟ میرے خیال سے کوئی اچھا ہوٹل نہ ہوگا۔"

"تمہارا خیال درست ہے۔" فریدی نے کہا۔ "وہ ایک گھٹیا سا ہوٹل ہے اور بار بھی ہے۔ درجن اس وقت وہیں مل سکے گا۔"

"تو کیا آپ درجن سے واقف ہیں؟" حمید نے حیرت سے کہا۔

"کیوں نہیں۔ میں اُسکی سات پشتوں سے واقف ہوں۔ کئی بار کا سزا یافتہ ہے۔ اکثر اپنا نام بدلتا رہتا ہے۔ اب سے تین سال قبل جگدیش چترکار کے نام سے مشہور تھا۔ وہ بڑا اچھا مصور بھی ہے۔"

"مگر رمیش نے تو مجھے بتایا تھا کہ وہ سیٹھ جھنگو مل کو لڑکیاں سپلائی کرتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"سبھی کچھ کرتا ہے۔"

کیڈی لاک ایک تنگ و تاریک گلی کے سامنے رک گئی۔

"تم یہیں بیٹھو۔" فریدی نے کہا۔ "درجن تمہیں اچھی طرح پہچانتا ہے۔"

"میں یہاں جھک نہیں ماروں گا۔"

"بیٹھو بیٹے خاں۔" فریدی اُس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "اس ہوٹل میں لڑکیاں نہیں ہیں۔"

حمید پائپ سلگا کر بھنبھنانے لگا۔

گلی بہت زیادہ تاریک تھی۔ اگر فریدی کے پاس ٹارچ نہ ہوتی تو ایک قدم بھی چلنا دشوار ہو جاتا۔ تقریباً سو گز چلنے کے بعد تھوڑی سی جگہ میں روشنی کا ایک دھبہ سا دکھائی دیا۔ شاید یہ روشنی کسی عمارت کے کھلے ہوئے دروازے سے آ رہی تھی۔

فریدی دروازے کے سامنے پہنچ کر رک گیا۔ اندر مختلف قسم کے تمباکوؤں کے دھوئیں، سستی شرابوں کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ کمرہ کافی کشادہ تھا۔ تقریباً ڈیڑھ درجن میزیں ضرور ہوں گی۔ داہنی طرف کاؤنٹر تھا۔ جس پر ایک پستہ قد اور مضبوط جسم والا بارٹنڈر کھڑا شیشے کے جگ میں بیئر انڈیل رہا تھا۔

فریدی پر نظر پڑتے ہی جگ والا ہاتھ کانپنے لگا۔ اُس نے مجمع پر ایک گھبرائی ہوئی سی نظر دوڑائی اور جگ ہاتھ سے رکھ کر بڑے سعادتمندانہ انداز میں فریدی کو سلام کیا۔

فریدی نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی اور سیدھا اُس کے پاس چلا گیا۔

"میں یہاں ایک ضرورت سے آیا ہوں۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔ "اپنا کام جاری رکھو۔ تمہارے لئے کوئی پریشانی کی بات نہیں۔"

بارٹنڈر معنی خیز انداز میں سر ہلا کر پھر جگ میں شراب انڈیلنے لگا۔

فریدی درجن کو پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔ وہ ایک میز پر بیٹھا شطرنج کھیلنے میں مشغول تھا۔ میز پر شراب کی بوتل اور دو گلاس بھی تھے۔ فریدی اُس کی پشت والی ایک میز پر جم گیا۔

"لم ڈھگ ڈھگ....!" درجن نے اپنا کوئی مہرہ بڑھایا۔

"لم ڈھگ ڈھگ.... شہہ بچو.... تمہاری ماں کی آنکھ۔" درجن بڑبڑایا۔

"شہہ کی ماں کی آنکھ....!" اُس کا ساتھی چال چل کر بولا۔ "فرزیں بچاؤ۔ لم ڈھگ ڈھگ....!"

"لم ڈھگ ڈھگ کی ماں کی آنکھ۔ فرزیں بچا۔ بچایا ہے۔ یہ لے بیٹا.... بیٹا کی ماں کی آنکھ۔"

فریدی کچھ دیر یونہی بیٹھا رہا پھر اٹھ کر کاؤنٹر پر چلا آیا۔

"یہ یہاں کس وقت سے بیٹھا ہوا ہے۔" اُس نے بارٹنڈر سے پوچھا۔

"کون....؟"

"درجن....!"

"درجن.... میں نہیں جانتا وہ کون ہے۔"

فریدی نے درجن کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ! جگدیش چترکار۔" بارٹنڈر نے کہا۔ "شاید ساڑھے چھ بجے سے۔"

"یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہو؟"

"جی ہاں۔ میں اس پر خاص طور سے نظر رکھتا ہوں۔"

"کیوں؟"

"ہلڑ بہت مچاتا ہے اور اکثر لوگوں سے لڑ بھی بیٹھتا ہے۔"

فریدی کچھ اور بھی پوچھنے والا تھا کہ ایک آدمی اندر داخل ہوا۔ پہلے اُس نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں اور پھر سیدھا درجن کی طرف چلا گیا۔ اُس نے جھک کر درجن سے کچھ کہا اور درجن اپنے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ لیے ہوئے کھڑا ہو گیا.... اچانک اُس کی نظر فریدی پر پڑی اور اُس کا موڈ یک لخت بگڑ گیا۔

وہ آنے والے پر بُری طرح گرجنے لگا تھا۔ "کس نے پوچھا تھا تم سے.... تم کون ہوتے ہو سوال دینے والے۔ پتہ نہیں کیا مزہ آتا ہے سالوں کو۔ ابے ہم دونوں کھیل رہے ہیں تم چال دینے والے کون۔"

آنے والا گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا اور درجن پھر بیٹھ کر کھیل میں مشغول ہو گیا۔

"دیکھ لیا آپ نے؟" بارٹنڈر نے فریدی سے کہا۔

"ہوں....!" فریدی کی نظریں نئے آنے والے پر جمی ہوئی تھیں جو اب بھی اُسی جگہ کھڑا درجن کو گھور رہا تھا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں ندامت یا غصے کی بجائے حیرت تھی۔

"تم اُس سے اس کا تذکرہ نہیں کرو گے۔" فریدی بارٹنڈر کی طرف مڑا۔

"نہیں صاحب.... ایسا ہو سکتا ہے۔"

نیا آنے والا باہر جا رہا تھا۔ اس کے بعد ہی فریدی نے بھی ہوٹل چھوڑ دیا۔ حمید کیڈی لاک میں پڑا اونگھ رہا تھا۔ فریدی کے جھنجھوڑنے پر سیدھا ہو گیا۔

"آ گئی....؟" وہ بوکھلا کر بولا۔

"کیا بکتے ہو۔"

"لاحول ولا قوۃ.... آپ ہیں۔"

"چلو اترو جلدی.... تمہیں اُس آدمی کا تعاقب کرنا ہے۔"

"کہاں.... اوہ.... اچھا میں اُس کا قیمہ کر دوں گا تاکہ پھر کبھی تعاقب نہ کرنا پڑے۔ سالی

زندگی ہے یا مصیبت۔ اِدھر بھاگو.... اُدھر جاؤ۔ تعاقب.... گولی.... مار دھاڑ.... اپنی بھی ناڈیا کی کوئی فلم بن کر رہ گئی ہے۔ کاش آپ ہنٹر والی ہی ہوتے۔"

ایک حماقت

سرجنٹ حمید تھوڑی دیر تک تو اُس کا تعاقب بڑے ٹھنڈے دماغ سے کرتا رہا پھر اچانک اس کے اسکریو ڈھیلے ہونے لگے۔ جھنجھلاہٹ میں وہ ہمیشہ اپنی کھوپڑی کی حدود سے تجاوز کر کے شیخ چلی ہو جاتا تھا۔ پہلے اُس نے سمجھا تھا کہ اگر اس نامعلوم آدمی کو دور جانا ہوگا تو کم از کم ٹیکسی ضرور کرے گا کیونکہ اُس کی ظاہری وضع یہی ثابت کر رہی تھی کہ وہ کوئی متمول آدمی ہے۔ بہر حال حمید کو مایوسی ہی ہوئی کیونکہ وہ تقریباً ایک میل پیدل چلنے کے بعد بھی پیدل ہی چلتا رہا۔

"اچھا بیٹھا میں تو پیدل نہیں چل سکتا۔" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔ "اور تمہیں بھی ٹیکسی ہی لے جاؤں گا۔"

کچھ دیر بعد وہ ایک ویران سڑک پر آ گئے جس کے دونوں طرف تھوڑے تھوڑے فاصلے پر معمولی قسم کے مکانات تھے۔ حمید نے جھک کر پتھر کا ایک نوکیلا سا ٹکڑا اٹھایا۔

آگے چلنے والے کے سر پر ہیٹ نہیں تھی اس لئے پتھر کا وہ ٹکڑا غیر معمولی طور پر کارآمد ثابت ہوا۔ اُس کے منہ سے صرف ایک بے ساختہ قسم کی چیخ نکل سکی اور بس۔

حمید شور مچاتا ہوا اُس کے پیچھے دوڑا اور قرب و جوار کے مکانات کی کھڑکیاں کھلنے لگیں۔ تھوڑے دیر میں خاصی بھیڑ اکٹھا ہو گئی۔ چوٹ کھانے والا بے ہوش ہو گیا تھا۔ حمید کو پھر ہوش آ گیا۔ لیکن اس بار وہ اپنے مقدر کو کوس رہا تھا۔ اُس نے تو دراصل یہ سوچا تھا کہ وہ چوٹ کھا کر صرف اس حد تک بے کار ہو جائے گا کہ حمید کو اُسے سہارا دے کر دوسری سڑک پر لے جانا پڑے گا جہاں وہ ایک ٹیکسی کر کے اُسے اس کے ٹھکانے پر پہنچا دے گا۔ اس طرح اُسے پیدل چلنے سے نجات بھی ملے گی اور اُس کی جائے رہائش کا پتہ بھی معلوم ہو جائے گا۔

لوگ اُس سے حادثے کے متعلق پوچھنے لگے تھے۔

"میں ذرا فاصلے پر تھا۔" اُس نے بے دلی سے کہا۔ "دفعتاً میں نے اس کی چیخ سنی اور بھاگ کر

یہاں پہنچا تو یہ....!"

"ہسپتال لے چلو۔" کسی نے کہا۔

"لیکن یہ چوٹ کیسے آئی؟" دوسرا بولا۔ پھر اُس نے حمید سے پوچھا۔ "کوئی تیسرا آدمی بھی تھا؟"

"ممکن ہے رہا ہو۔ میں نے دیکھا نہیں۔" حمید کی جھنجھلاہٹ بڑھ رہی تھی۔

دفعتاً کچھ دور پر کسی کار کی ہیڈ لائیٹس کی روشنی دکھائی دی۔

"چلو یہ بھی اچھا ہوا۔" ایک بولا۔

دو تین آدمیوں نے ہاتھ اٹھا کر کار رکوائی لیکن دوسرے ہی لمحے میں حمید کو مجمعے میں چھپنا پڑا۔ کیونکہ کار سے اترنے والا درجن تھا۔ لوگ اُس سے زخمی کو کسی ہسپتال تک پہنچا دینے کی استدعا کر رہے تھے۔ درجن نے ٹارچ کی روشنی میں بے ہوش آدمی کا چہرہ دیکھا اور پھر حمید کو خود درجن کے چہرے پر ایسے آثار دکھائی دیئے جیسے وہ اُس آدمی کو پہچانتا ہو۔

اُس نے دو تین آدمیوں کی مدد سے اُسکو کار میں ڈالا اور کار فراٹے بھرتی ہوئی آگے نکل گئی۔

حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ الٹ گیا ہو۔ سر نیچے اور ٹانگیں اوپر.... لیکن کرتا کیا۔ اُس سے یہ حرکت اُسی طرح سرزد ہوئی تھی جیسے کسی بچے کے ہاتھوں نادانستگی میں بندوق چل گئی ہو۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ مجمع آہستہ آہستہ صاف ہو رہا تھا۔ پھر ایک دوسری کار کی ہیڈ لائیٹس دکھائی دیں اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ اُس کے قریب سے گذر گئی۔ حمید نے اندھیرا ہونے کے باوجود بھی اُسے پہچان لیا۔ یہ فریدی کی کیڈی لاک تھی۔

حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔ شاید فریدی درجن کا تعاقب کر رہا تھا۔ حمید پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اور مدھم سروں میں سیٹی بجاتا ہوا ایک گلی سے گذر کر دوسری سڑک پر نکل آیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ چلو جان بچی۔ فریدی سے کوئی خوب صورت سا جھوٹ بول دیا جائے گا۔ کئی گھنٹوں کی کوفت سے نجات ملی تھی۔ موسم ذرا خوشگوار تھا۔ اُس نے سوچا کہ کیوں نہ تھوڑی سی بیئر ہی پی جائے۔ کم از کم ذہنی تھکن تو رفع ہی ہو جائے گی۔ کیفے ڈی کورسیکا سامنے ہی تھا۔ اُسے قائم ہوئے زیادہ دن نہیں گذرے تھے اور حمید اُس کی تعریف بھی سن چکا تھا۔ لیکن ابھی تک وہاں جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اُس نے یہ بھی سنا تھا کہ وہاں کی کاؤنٹر کلرک ایک خوبصورت سی لڑکی ہے۔

کیفے میں بہت زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔ صرف چند خوش پوش جوڑے نظر آ رہے تھے۔ ح نے کاؤنٹر کی طرف دیکھا اور باچھیں کھل گئیں۔ کیونکہ وہ کاؤنٹر کلرک جس کی تعریفیں کن تھا اُس کے لئے اجنبی نہیں تھی۔ یہ وہی لڑکی کنول تھی جس سے مسٹر کیو والے کیس کے دوران میں ملاقات ہوئی تھی۔ حمید بڑی شان سے ٹہلتا ہوا کاؤنٹر تک گیا۔ کنول سر جھکائے کچھ لکھ رہی تھی۔

"اتنی مشغولیت....!" حمید آہستہ سے بولا اور کنول چونک پڑی۔

"اوہو.... تم ہو۔" کنول ایک بے ساختہ قسم کی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ اُس کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی تھی اور آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔

"بڑی بے مروت نکلیں۔" حمید نے ہونٹ سکوڑ لئے۔

"ہوں! بتاتی ہوں ابھی۔" کنول نے کہا اور ایک ویٹر کو آواز دے کر کرسی لانے کو کہا۔

"بتاؤ گی کیا.... اگر مل نہیں سکتی تھیں تو کم از کم فون ہی پر اپنا پتہ تو بتا سکتی تھیں۔"

"بیٹھو....!" کنول نے قلم ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔ "اِدھر کیسے نکل آئے۔"

"چلا جاؤں۔"

"ارر.... مطلب یہ نہیں۔"

"آج کل کھنکھری ہوئی ہو۔"

"شاید آج کوئی نہیں ملی۔" کنول نے مسکرا کر کہا۔

"لڑنے کا ارادہ ہے؟" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "تم مجھے اتنا آوارہ کیوں سمجھتی ہو۔"

"آوارہ نہیں بلکہ عورت خور۔"

"شکریہ۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر اٹھتا ہوا بولا۔ "دوبارہ ملنے کی جرأت نہ کروں گا۔"

"ارے ارے بیٹھو۔ تم آج کل اتنے چڑچڑے کیوں ہو رہے ہو۔"

"ہر بدنصیب آدمی چڑچڑا ہوتا ہے۔" حمید بیٹھتا ہوا بولا۔ "میرا مقدر اُس وقت لکھا گیا تھا جب اُلوؤں، خچروں اور گدھوں کی تقدیر کا مسئلہ درپیش تھا۔"

"آخر بات کیا ہے؟" کنول نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"پھر شادی ہوتے ہوتے رہ گئی۔" حمید گلوگیر آواز میں بولا اور کنول کو ہنسی آ گئی۔

"میں سمجھی تھی شاید پھر بادشاہ بنتے بنتے رہ گئے۔" کنول نے کہا۔ "تمہارا وہ لطیفہ مجھے بھی مجھے زندگی بھر یاد رہے گا۔"

"میں کچھ پینا چاہتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"ٹھنڈا پانی....؟" کنول نے مسکرا کر پوچھا۔

"کوئی تیز قسم کی شراب....!"

"شراب؟ یہ تم کب سے پینے لگے۔"

"میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ اب دیوداس ہی بن کر زندہ رہ سکتا ہوں۔" حمید آہ بھر کر بولا۔

"چلو فضول باتیں مت کرو۔ کافی پیو گے؟"

"کافی سے بھی زیادہ۔" حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ "تمہیں یہاں سے چھٹی کب ملتی ہے؟"

"اس وقت میری ڈیوٹی نہیں تھی لیکن دوسرا کلرک ایک گھنٹہ کی چھٹی لے کر گیا تھا اب تک واپس نہیں آیا۔"

حمید چند لمحوں کے لئے خاموش ہو گیا۔ اُس کا ذہن پھر کچھ دیر پہلے کی حماقت کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ آخر فریدی کو کیا جواب دے گا۔ اور اب اپنی وہ حرکت اُسے بھی مضحکہ خیز معلوم ہو رہی تھی۔ حمید سوچتا رہا۔ کنول اُس کے چہرے پر تفکر کے آثار دیکھ کر بولی۔

"کیوں؟ کیا بات ہے۔ آج تم بہت بجھے بجھے سے نظر آ رہے ہو؟"

"اُوں....!" حمید چونک پڑا۔ "کوئی خاص بات نہیں۔"

پھر اُس نے ایک ویٹر کو اشارے سے بلا کر آہستہ سے کہا۔ "وہسکی اور سوڈا پیالہ پیگ۔"

"کیا واقعی؟" کنول حیرت سے بولی۔

"مجھے حیرت ہے کہ تم ایک سوسائٹی گرل ہو کر اس قسم کے سوالات کرتی ہو۔"

"کیوں؟" کنول تنک کر بولی۔ "ضروری نہیں کہ میں بھی بُری چیزوں کو اچھی سمجھوں۔"

"ختم کرو۔" حمید نے بُرا سا منہ بنایا۔ "میں بھی عادی نہیں۔ کبھی کبھی غم غلط کرنے کے لئے پی لیتا ہوں۔"

"اور فریدی صاحب؟" کنول نے پوچھا۔

سنسنی جاسوسی دنیا کا خاص نمبر "لاشوں کا آبشار" جلد نمبر 9 ملاحظہ فرمائیے۔

"میرے شیر کو کوئی غم ہی نہیں، غلط کیا کرے گا۔ پتھر ہے وہ شخص کسی ریگستان کی طرح۔"

"میں ایسے آدمیوں کی بہت عزت کرتی ہوں۔"

"وہ ہوتے ہی اسی لئے ہیں کہ اُن کی عزت کی جائے۔" حمید بولا۔

ویٹر نے گلاس لا کر رکھ دیا۔

"یہاں کاؤنٹر پر نہیں۔" کنول نے کہا۔ "وہیں جاؤ۔"

حمید گلاس لے کر ایک خالی میز پر چلا آیا۔ دو ہی تین گھونٹوں کے بعد کنپٹیاں گرم ہو گئیں پھر گلاس ختم ہونے سے قبل ہی اُس نے ویٹر کو بلا کر دوسرے پیگ کا آرڈر دے دیا۔

بہر حال اُسے تیسرا پیگ زمین سے اٹھا کر آسمان پر لے گیا اور وہ اچھل اچھل کر ستاروں کو پکڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُسے ہنسی آگئی۔ نشے کی لہر نے اُسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا۔ بجلی کے قمقموں کو ستارے سمجھ بیٹھنا غیر شاعرانہ بات تو نہیں تھی لیکن ہال میں بیٹھے ہوئے دوسرے لوگ ہنسنے لگے تھے اور کنول بھی جھنجھلا اٹھی تھی۔ حمید اپنی جگہ سے اٹھ کر کاؤنٹر پر آیا۔ شراب کی قیمت ادا کر دینے کے بعد آہستہ سے بولا۔

"اچھا.... میری جان! اب میں حج کرنے جا رہا ہوں۔"

"بڑے فضول آدمی ہو۔" کنول ہونٹ سکوڑ کر بولی۔

"ہاہا.... فاضل کی جمع فضول.... ہاہا....!"

"تم جب نشے میں اپنے آپ کو سنبھال نہیں سکتے تو پیتے ہی کیوں ہو؟"

"کیا؟ میری توہین کر رہی ہو.... ہمپ....!"

"کیا تم اس حالت میں گھر پہنچ جاؤ گے؟"

تھوڑی دیر تک دونوں میں تکرار ہوتی رہی۔ حمید کہہ رہا تھا کہ پیدل جاؤں گا لیکن کنول ٹیکسی کے لئے مصر تھی۔ آخر اُس نے دو ویٹروں کی مدد سے حمید کو ایک ٹیکسی میں لاد دیا۔

"کہاں چلوں؟" ڈرائیور نے پوچھا۔

"جہاں.... جی چاہے۔" حمید جھوم کر بولا۔

"سومرسٹ اسٹریٹ....!" کنول نے کہا۔

"نائیں.... سومرسٹ مآم.... ریزرس ایج.... مجھے نروان کے راستے پر لے چلو۔"

"بلا بلیاں.... فل فلوٹیاں۔"

ٹیکسی چل پڑی۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں کے ساتھ نشہ بھی گہرا ہوتا گیا اور پھر اُسے اپنی کچھ دیر قبل والی حماقت بھی یاد آنے لگی.... زخم.... پتہ نہیں کتنا گہرا ہو۔ ممکن ہے وہ کوئی شریف آدمی رہا ہو.... اُس کی بیوی.... اُس کے بچے.... بچوں کی نانی.... بوڑھی نانی.... بے چاری.... اُس پر حمید کو خود اپنی نانی یاد آگئی اور اُس کے منہ سے ایسی آواز نکلی جیسے وہ چیخ چیخ کر رونے کی خواہش کو دبانے کی کوشش کر رہا ہو۔

"بھائی ڈرائیور....!" اُس نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"جی صاحب....!"

"بھائی ڈرائیور! اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

"جی صاحب۔"

"بھائی ڈرائیور مجھے جہنم میں لے چلو.... میں بڑا گنہگار ہوں۔"

ڈرائیور کچھ نہ بولا۔ حمید نے اُسے پھر پکارا۔

"جی صاحب۔"

"تمہاری کتنی بیویاں ہیں؟"

"پانچ....!" ڈرائیور ہنس کر بولا۔

"اور تم ہنستے ہو.... ہائیں.... یعنی خوش ہو.... پانچ بیویاں.... میرے ایک بھی نہیں ہے اور میں خوش نہیں ہوں.... تم پانچ رکھ کر بھی خوش ہو۔"

"تو پھر لے چلوں صاحب۔" ڈرائیور نے پوچھا۔

"کہاں؟"

"جہاں بیویاں ملتی ہیں.... پانچ.... دس.... پندرہ....!"

"پندرہ....!" حمید پُر مسرت لہجے میں چیخا۔ "پیارے ڈرائیور بلکہ ڈرائیور صاحب بہادر.... تم پر خدا کی رحمتیں نازل ہوں ضرور لے چلو۔"

ڈرائیور نے ٹیکسی شہر کے چکلے کی طرف موڑ دی۔

اور یہ بھی ایک دلچسپ اتفاق تھا کہ ٹھیک اُسی وقت فریدی کی کیڈی لاک بھی اُسی بالا خانے

کے نیچے پہنچ گئی جہاں حمید لے جایا جا رہا تھا۔ فریدی خاموشی اور حیرت سے حمید کو ڈرائیور لیتے ہوئے اوپر جاتے دیکھتا رہا۔

کیا حمید واقعی اتنا ہی ذہین اور کار آمد ہو سکتا ہے؟ وہ سوچتا رہا جس بات کا سراغ اُسے بعد ملا تھا کیا حمید نے اُسے اتنی جلدی معلوم کر لیا؟

اُس نے سوچا کہ اب اُس کا اوپر جانا فضول ہے۔ حمید بہتیری کام کی باتیں معلوم کر کے آئے گا۔ لیکن ایک سوال اُس کے ذہن میں پیدا ہوا.... اُس نے تو اُسے ایک آدمی کا تعاقب کرنے کے لئے کہا تھا اور پھر اُس نے اُسی آدمی کو درجن کی قیام گاہ پر زخمی حالت میں دیکھا۔ فریدی چند لمحے اُس معاملے پر غور کرتا رہا۔ پھر سر کی ایک خفیف سی جنبش کے ساتھ اسٹارٹ کر دی۔ وہ دراصل کئی دنوں سے رمیش والے معاملے میں دلچسپی لے رہا تھا لیکن اُس نے یہ بات حمید پر ظاہر نہیں کی تھی اور پھر اُسی اسٹوڈیو میں رونما ہونے والے دوسرے حادثے نے اُس کی تمام تر توجہ اپنی طرف مبذول کرا لی تھی۔

اگر حمید کو ذرہ برابر بھی احساس ہو گیا ہوتا کہ فریدی نے اُسے کسی طوائف کے کوٹھے چڑھتے دیکھ لیا ہے تو اُس کا ہارٹ فیل ہو جانے میں کوئی کسر نہ رہ جاتی۔

ڈرائیور نے اُس سے دو گنے دام وصول کئے اور اپنی راہ لی۔

دوسرے لمحے میں چار عدد نوجوان طوائفیں حمید کو گھیرے ہوئے تھیں۔ حمید نے طرح اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھ لیا جیسے اُسے کچھ سجھائی نہ دے رہا ہو۔

"ایک.... دو.... تین.... چار....!" اُس نے اُن چاروں کو گن کر بلند آواز میں بتانا لگائی۔ "ہائیں پیارے ڈرائیور صاحب.... یہ تو چار ہی ہیں۔"

"تشریف رکھئے۔" ایک بولی۔

"نہیں رکھتے تشریف و شریف.... پندرہ.... پندرہ....!"

"ہائیں! تم پندرہ نہیں جانتیں.... پندرہ.... ففٹین! یعنی پندرہ عدد۔"

"آپ بیٹھئے تو.... اکیلے اکیلے پی آئے۔" ایک شوخ قسم کی طوائف نے حمید کا ہاتھ بٹھاتے ہوئے کہا۔

"ہاتھ چھوڑو میرا۔" حمید منمنایا۔ "میں بڑا مذہبی آدمی ہوں.... تم نامحرم ہو۔ استغفراللہ

"اور پیو گے؟" ایک اُس کا سر سہلا کر بولی۔

"اب کیا پئیں گے۔" دوسری نے کہا۔ "بہت کمزور معلوم ہوتے ہیں۔"

"کیا....؟" حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "ارے ہے کوئی۔" اُس نے شہنشاہوں کی طرح تالی بجائی۔ پھر جیب سے پرس نکال کر ایک ہرا نوٹ کھینچا اور اکڑ کر کہنے لگا۔ "منگاؤ.... جتنی دل چاہے منگاؤ.... جانتی ہو میں کون ہوں.... مگر نہیں یہ راز کی بات ہے.... ہرگز نہ بتاؤں گا کہ میں سرجنٹ حمید ہوں۔"

"نہیں پیارے تم راجہ اندر ہو۔" سر سہلانے والی نے سو کا نوٹ اُس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"ہاہا.... تم غلط سمجھیں.... میں ہندو نہیں.... برادرانِ اسلام ہوں.... ہاہا.... زندہ باد۔"

انہوں نے بمشکل تمام اُسے کھینچ کھانچ کر بٹھا دیا۔ ورنہ اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ برادرانِ اسلام کو مخاطب کر کے ایک تقریر کر ڈالے۔

"کیا اس شہر میں نئے آئے ہو؟" ایک نے حمید سے پوچھا۔ یہ اب تک بالکل خاموش رہی تھی۔

حمید یک لخت اُس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ نشے میں بھی اُسے اُس کی آواز کچھ جانی پہچانی سی محسوس ہوئی اور پھر جب اُس نے اُس کے خدوخال پر غور کیا تو ایک دوسرا چہرہ یاد آیا۔ شلی کا چہرہ.... لیکن وہ شلی نہیں تھی۔ ویسے اُس کے چہرے میں کوئی چیز ایسی ضرور تھی جو اُسے شلی کی یاد دلا رہی تھی اور آواز تو بالکل ویسی ہی تھی۔

"کیا پوچھا تھا تم نے؟" حمید نے اُسے چند لمحے غور سے دیکھتے رہنے کے بعد کہا۔

"کیا تم اس شہر میں اجنبی ہو؟"

"اجنبی.... میں اس شہر کا راجہ ہوں.... ہی! ارے منگاؤ نا.... نشہ اکھڑ رہا ہے۔"

"آتی ہے پیارے۔" سر سہلانے والی نے اس بار اُس کے گال بھی سہلا دیئے.... پھر اُس نے ایک طوائف کو اشارہ کیا.... وہ اندر چلی گئی۔

"مجھ سے کہا گیا تھا کہ تم پندرہ ہو۔" حمید بولا۔

"ہم میں سے ہر ایک پندرہ ہے۔" سر سہلانے والی نے کہا۔

حمید کچھ دیر تک اُس کے جملے پر غور کرتا رہا۔ پھر یک بیک چیخ اٹھا۔ "ارے باپ! فلسفہ.... تم تو فلسفہ بولنے لگیں.... معلوم ہوتا ہے بور کرو گی.... ارے بابا۔ میں کوئی ادیب وادیب نہیں

ہوں.... اور نہ یہاں عبرت پکڑنے آیا ہوں۔"

اتنے میں شراب آگئی۔ وہ طوائف شاید اسی لئے اندر گئی تھی۔ واپسی پر اُس کے ہاتھ میں دیسی شراب کا ایک گلاس تھا۔ حمید نے بڑی بے صبری سے گلاس پر جھپٹا مارا۔ لیکن ہونٹوں کے قریب لے جاتے ہی اُس کا منہ بگڑ گیا۔

"یہ کون سی ہے بھئی؟"

"وہسکی ہے پیارے۔" سر سہلانے والی نے کہا۔

"کون سی وہسکی....؟"

"بلیک ڈنکی....!" اُس نے جواب دیا۔ "وہائٹ ہارس کے مقابلے کی چیز۔"

حمید نے قہقہہ لگایا۔ "مری گڑیا۔ تم بہت ذہین معلوم ہوتی ہو۔"

پھر اُس نے جلد ہی گلاس خالی کر کے اپنا سینہ پیٹنا اور حلق مسلنا شروع کر دیا۔

"کچھ کھاؤ گے؟" ایک نے پوچھا۔

"اب پوچھتی ہو۔ جب کلیجے کی دھجیاں.... اڑ.... ہچ.... گئیں.... ہچ....!"

"چڑھ گئی؟"

"پتہ نہیں.... ہچ.... ہچ.... کسی قاضی.... ہچ.... قاضی کو بلاؤ۔"

"قاضی! بھلا قاضی کو کیوں؟"

"میں تم.... ہچ.... آروں.... چاروں.... کو نک ہچ.... نکاح میں لانا.... ہچاہتا ہوں۔"

چاروں نے قہقہہ لگایا۔ حمید بھی ہنسنے لگا۔

"گانا سنو گے؟" ایک نے پوچھا۔

"ضرور سناؤں گا۔ کون سا سنو گی؟.... ہچ....!"

"جو دل چاہے۔" سر سہلانے والی اس بار اُس کے دونوں کان سہلا کر بولی۔

حمید نے فلٹ ہیٹ اس طرح چہرے پر جھکا لی جیسے گھونگھٹ نکالا ہو۔

"مارے نجریا..!" اُس نے لچک کر ہانک لگائی۔ "سنوریا رے کاہے مارے بنجریا... مارے بنجریا۔"

اور پھر اُس نے اس قدر ہلڑ مچایا کہ چاروں تنگ آگئیں۔

اسی دوران میں کسی نے دروازے پر دستک دی۔ ایک نے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

حمید کے دیوتا کو چ کر گئے۔ سامنے فریدی کھڑا اُسے قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔ پہلے تو حمید کو اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آیا.... لیکن.... پھر یقین کرنا ہی پڑا۔

ایک خط

حمید آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھتا رہا۔ فریدی اُن چاروں کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"ہم خالی نہیں۔" اُن میں سے ایک نے فریدی سے کہا۔

"خالی نہیں۔" حمید بڑبڑایا۔ "سب حلق تک بھری ہوئی ہیں۔"

"تم میں سے شلی کی بہن کون ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"کیوں؟ آپ کون ہیں؟"

"پولیس....!"

"کیوں....؟ یہاں.... کوئی.... آپ کسے پوچھ رہے ہیں؟"

"شلی کی بہن۔" حمید نے ہانک لگائی۔ "ہا.... یہ ہے شلی کی بہن۔"

حمید نے اُس کی طرف اشارہ کیا جسے دیکھ کر اُسے شلی یاد آگئی تھی۔ چاروں حیرت سے اُسے دیکھنے لگیں۔

"شلی کہاں ہے؟" فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔

"میں نہیں جانتی کہ آپ کس کا تذکرہ کر رہے ہیں۔"

"کیا تم میں سے کوئی اسے پہچان سکتی ہے؟" فریدی نے جیب سے ایک تصویر نکال کر اُن کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

وہ تصویر پر جھک پڑیں۔

"ہاں.... یہ تو اُسی کی بہن ہے۔" ایک نے کہا۔

"کیا نام ہے تمہارا....؟" فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔

"کملا....!"

"اور اس کا....!" فریدی نے تصویر کی طرف اشارہ کیا۔

"بملا....!"

"شلی نہیں؟"

"جی نہیں۔"

"یہ کہاں ہے؟"

"پتہ نہیں....!"

"مجھ سے سنئے۔" وہ بولی جس نے حمید سے سو روپے کا نوٹ اینٹھا تھا۔ "بملا کو ایک گاہک سے عشق ہو گیا تھا۔ اس لئے وہ اُس کے ساتھ چلی گئی.... دو ماہ پہلے کی بات ہے۔"

"اُس گاہک سے واقف ہو....!"

"نہیں....!"

"نام تو جانتی ہی ہو گی؟"

"جی نہیں....!"

فریدی نے کچھ اور تصویریں نکالیں۔

"اسے پہچانتی ہو؟"

"نہیں....!"

اُس نے یکے بعد دیگرے کئی تصویریں دکھائیں لیکن اُن میں سے کوئی کسی کو بھی نہ پہچان سکا۔

حمید بھی قریب آ گیا تھا۔ اُس کے منہ سے دیسی شراب کے بدبودار بھپکے نکل رہے تھے۔

فریدی نے اُسے پیچھے دھکیل دیا۔ اور وہ توازن برقرار نہ رکھ سکنے کی بناء پر دیوار سے جا ٹکرایا۔

چاروں طوائفیں کانپنے لگیں۔

"کیا تم دونوں کو کچھ آدمی کہیں سے اغواء کرا لائے تھے؟" فریدی نے شلی کی بہن سے پوچھا۔

"نہیں تو....!"

"یعنی تم دونوں شروع سے یہی پیشہ کرتی رہی ہو؟"

"جی ہاں۔"

"تمہارے والدین....؟"

"ٹھہریئے جناب۔" حمید سے نوٹ اینٹھنے والی ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "آپ شاید یہ بھول رہے

ہیں کہ ہم کسبیاں ہیں۔"

"مطلب....؟" فریدی اُسے تیز نظروں سے گھورنے لگا۔

"والدین صرف شریفوں میں پائے جاتے ہیں۔" وہ بڑے تلخ لہجے میں بولی۔

"ہائیں.... تم نے پھر فلسفہ شروع کر دیا۔" حمید زور سے بڑبڑایا جو دیوار سے اس طرح چپکا ہوا کھڑا تھا جیسے وہ اُسے فریدی کی باز پرس سے بچا لے گی۔

"اُس شخص کا حلیہ بتا سکتی ہو جو شلی کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"حلیہ....!" شلی کی بہن اپنے ذہن پر زور دینے لگی۔ "اچھا خاصا.... آدمی تھا۔ سنجیدہ.... شریف.... حسین.... ماتھا چوڑا تھا.... ناک لمبی جس کی نوک اوپری ہونٹ پر جھکی ہوئی تھی۔ آنکھیں بڑی اور چمکیلی ہونٹ بہت پتلے اور سرخ تھے۔ ٹھوڑی نوکیلی تھی۔"

"اُس کے پیشے کے متعلق بھی کچھ نہیں بتا سکتیں؟"

"نہیں.... وہ ہمیشہ خاموش رہتا تھا۔ آتا.... چپ چاپ بیٹھا رہتا اور جیب میں جو کچھ بھی ہوتا نکال کر فرش پر ڈال جاتا تھا۔"

"بڑی رقمیں....؟" فریدی نے سوال کیا۔

"جی ہاں۔ دو ڈھائی سو سے کم کبھی نہیں ملا۔"

"اور صرف شلی ہی اُس پر عاشق ہوئی؟"

"آخر بات کیا ہے؟" وہی بولی جس نے حمید کے کان سہلائے تھے۔

"بڑی خاص بات جو بتائی نہیں جا سکتی۔" حمید نے ہانک لگائی۔

"تم خاموش رہو گے یا نیچے پھینک دوں۔" فریدی غرایا۔

حمید سہم کر دیوار سے چپک گیا۔

"بات یہ ہے کہ شلی ایک جرم کے سلسلے میں پولیس کی نظروں میں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"جرم....!" شلی کی بہن کانپ گئی۔ "کیسا جرم....؟"

"یہ نہیں بتایا جا سکتا۔" فریدی نے کہا۔ "کیا تمہارے یہاں کبھی ایسے لوگ بھی آتے ہیں جن کا تعلق فلمی دنیا سے ہو؟"

"کتنے ہی آتے جاتے رہے ہیں۔"

"اُن میں کوئی خاص آدمی۔"

"اگر کوئی آیا بھی ہوگا تو اُس نے ہم پر یہ نہ ظاہر کیا ہوگا کہ وہ خاص ہے یا عام۔"

"ہوں... اچھا... ہو سکتا ہے کہ تمہیں کو توالی طلب کیا جائے۔ یہاں اس شہر میں اُس وقت تک تمہاری موجودگی ضروری ہے جب تک پولیس تم پر سے نقل و حرکت کی پابندی نہ ہٹا لے۔"

وہ چاروں خوفزدہ نظر آنے لگی تھیں۔ اب فریدی نے حمید کی گردن پکڑی۔

"معاذ اللہ۔" حمید کانپ کر بولا۔ "گر گر گردن ٹوٹی۔"

فریدی نے اُسے دروازے کی طرف دھکا دیا۔

اُن چاروں کی حیرت اور زیادہ بڑھ گئی۔

"ذرا ٹھہریئے۔" سر سہلانے والی آہستہ سے بولی۔ فریدی حمید کی گردن تھامے ہوئے مڑا

"کیا یہ آپ کے ساتھ....؟"

"ہاں! یہ میرا ساتھی ہے۔"

طوائف نے بلاؤز کے گریبان سے نوٹ نکال کر فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

"کیوں؟"

"یہ ان کا ہے۔"

"اوہ سمجھا۔" فریدی نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر کچھ سوچا پھر مسکرا کر بولا "رکھو... اور یہی نہیں۔"

اُس کا ہاتھ حمید کے کوٹ کی اندرونی جیب کی طرف گیا۔

"یہ بھی لو۔" اُس نے حمید کا پرس بھی طوائف کی طرف بڑھا دیا اور یہ بھی دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ اس میں اور کتنے روپے ہیں۔ "رکھو... رکھو... یہ بڑا مال دار آدمی ہے۔"

"نہیں... غلط... غلط... ظلم...!" حمید منہ اوپر اٹھا کر بڑبڑایا۔

"شٹ اپ...!"

طوائف ہچکچا رہی تھی۔ فریدی نے پرس زمین پر ڈال دیا۔ پھر اُس نے حمید کی کلائی سے گھڑی کھولی۔ ٹائی کا بیش قیمت پن نکالا۔ انگشتریاں اتاریں اور انہیں بھی فرش پر ڈال دیا۔

"مجھے افسوس ہے کہ سردیوں کا زمانہ ہے۔ ورنہ میں اس کے کپڑے تک اتروا دیتا۔" فریدی

نے کہا اور انہیں حیرت زدہ چھوڑ کر حمید کو دھکے دیتا ہوا نیچے اترنے لگا۔

"لٹ گئی دنیا میری.... او دنیا بنانے والے۔"

"خاموش رہو ورنہ مار ہی ڈالوں گا۔" فریدی نے ڈانٹا۔

"نہیں گائیں گے جناب۔" حمید رو پڑا۔ "میرے ہاتھ میں پتھر نہیں.... ورنہ.... آپ کو بھی گھر پہنچا دیتا۔"

فریدی خاموش رہا۔ حمید تھوڑی دیر تک روتا رہا۔ پھر ہنسنے لگا۔

"ہاہا.... شلی کی بہن بلی.... انسپکٹر فریدی.... ہاہاہا.... کہاں سے خریدی....؟"

"خاموش رہو.... ورنہ منہ میں رومال ٹھونس دوں گا۔" فریدی بولا۔

"کیا رومال ٹھونسو گے؟ آؤ ٹھونسو.... گولی مار دوں گا۔ گردن مروڑ دوں گا۔"

"ضرور.... ضرور.... رات بھر ٹھنڈے پانی کے ٹب میں غوطے دوں گا۔"

"ہاہا....!" حمید نے پھر قہقہہ لگایا۔ "کون ہے جو مجھ سے ناکیں ملا سکے.... ہاہا.... انسپکٹر فریدی.... انسپکٹر خریدی.... انسپکٹر ندیدی.... انس....!"

گھر پہنچ کر فریدی نے اُسے تھوڑی سی سزا دینی چاہی لیکن پھر کچھ سوچ کر رک گیا۔

دوسرے دن حمید شرمندگی کی وجہ سے اُس کے سامنے نہیں آیا۔

پچھلی رات کے دھندلے دھندلے واقعات اب بھی اُس کے ذہن میں تھے۔ اُسے یاد تھا کہ فریدی نے اُسے لوٹ کھسوٹ کر تقریباً ڈیڑھ ہزار کی مالیت کی چیزیں طوائفوں کے حوالے کر دی تھیں۔ پرس، انگشتریاں جن میں قیمتی پتھر تھے۔ گھڑی اور ٹائی کا پن.... اُسے سب کچھ یاد تھا لیکن اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ فریدی سے آنکھیں چار کر سکتا اور خود اُس کا ضمیر اُسے ملامت کر رہا تھا۔

وہ اُس وقت تک ناشتے کی میز پر نہیں گیا جب تک کہ فریدی نے بلوا نہیں بھیجا۔

آج ناشتے کی میز پر فریدی کا دوسرا اسسٹنٹ رمیش بھی موجود تھا۔ نہ جانے کیوں حمید کو اُس کی موجودگی بُری طرح کھل گئی۔ لیکن وہ بولا نہیں۔ اگر کوئی دوسرا موقع ہوتا تو وہ اُسے تنگ کر ڈالتا۔

"تو پھر تمہارا کیا خیال ہے؟" فریدی رمیش سے کہہ رہا تھا۔ "کل رات میں نے درجن کی

قیام گاہ بھی دیکھ لی اور یہی اندازہ لگایا کہ ہمارے پاس فی الحال اُس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہو سکتا ہے کہ اُس کا ہاتھ کلاوتی کے اغواء میں ہو۔ لیکن ابھی یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ کلاوتی کے اغواء بھی میوزک ڈائریکٹر ہی والے کیس سے تعلق رکھتا ہے۔ البتہ شلی کی شخصیت پُر اسرار ہے۔ اُس نے اپنے متعلق یہ بات مشہور کر رکھی تھی کہ وہ کسی اعلیٰ خاندان کی فرد ہے اور فلم میں کام کرنے کا شوق اُس کی بربادی کا باعث بنا تھا لیکن تحقیقات کرنے پر یہ بات بھی غلط ثابت ہوئی۔ وہ ایک خاندانی طوائف تھی اور نہ کسی نامعلوم آدمی نے اُس سے اُسکا پیشہ ترک کرایا تھا۔ بہر حال اس کیس میں شلی کی شخصیت کافی اہمیت رکھتی ہے۔ آخر وہ حادثے کے فوراً بعد ہی غائب کیوں ہو گئی۔"

"لیکن یہ بموں والا معاملہ....؟" رمیش نے کہا۔ "آپ کہتے ہیں کہ وہ ٹائم بم نہیں تھے پھر خود وہ پھٹے کس طرح؟ اور آپ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ دونوں ایک ہی گیت بجانے کے دوران میں پھٹے تھے۔"

"اوہ.... یہ....!" فریدی پُر خیال انداز میں بولا۔ "نہایت معمولی بات ہے لیکن اس میں محنت کافی صرف ہوئی ہو گی اور یہ پلان بنانے والا کافی ذہین رہا ہو گا۔ اُسے پیانو میں ایک اچھی خاصی مشین فٹ کرنی پڑی ہو گی اور اس کا تعلق اُس سُروں سے رہا ہو گا جن کے ذریعے وہ گت بجتی رہی ہو گی۔ اُن سُروں کے امتزاج سے اُس مشین میں حرکت پیدا ہوتی رہی ہو گی اور اسی حرکت سے بموں کے سیفٹی کیچ ہٹ جاتے رہے ہوں گے۔"

"میں نہیں سمجھا۔" رمیش نے بے بسی سے سر ہلا دیا۔

"چلو یوں سمجھو۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "ایک ٹائپ رائٹر کی مثال لے لو۔ فرض کرو تمہیں اے سے لے کر ایف تک کا سلسلہ وار ٹائپ کرنا ہے۔ مجھے اس پر یقین ہے کہ تم کم از کم ایک بار ضرور اس طرح ٹائپ کرو گے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم اس کے علاوہ کچھ اور بھی ٹائپ کرو گے۔ میں نے اُس ٹائپ رائٹر میں ایک بم رکھ دیا اور اُس کے اندر کچھ ایسی کاروائی کر دی کہ جب تم اے سے لے کر ایف تک سلسلہ وار ٹائپ کرو تو اُس کا سیفٹی کیچ ہٹ جائے۔ تم نے ٹائپ کرنا شروع کر دیا۔ جب تک اے سے ایف تک سلسلہ وار ٹائپ نہیں کیا بجتے رہے۔ لیکن جیسے ہی تم اس ترتیب پر آئے سیفٹی کیچ ہٹ گیا اور ٹائپ رائٹر سمیت تمہارے چیتھڑے اڑ گئے۔"

"سمجھ گیا.... اوہ.... یہ بات کتنی واضح تھی۔" رمیش اپنا جوش دباتا ہوا بولا۔

"ایسے موقع پر ٹائم بم کا استعمال لایعنی ہے کیونکہ وہ وقت کا پابند ہوتا ہے۔ ایک مخصوص وقت پر اُس کا پھٹنا لازمی ہے۔"

اس گفتگو کے دوران میں فریدی حمید کو اس طرح نظر انداز کیے رہا جیسے وہ وہاں موجود ہی نہ ہو۔ حمید نے بھی مصلحتاً خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔

"جرم کا مقصد ابھی پردہ راز ہی میں ہے۔" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔

"اور مجرم کی شخصیت.... ہو سکتا ہے کہ وہ بھی سامنے آ جائے۔ لیکن شلی کا معاملہ صاف ہوئے بغیر یہ ناممکن ہے۔ شیشے کے گلاسوں کے وہ ٹکڑے جو کلاوتی کے گھر پر ملے تھے اُن میں سے کچھ پر صرف کلاوتی کی انگلیوں کے نشانات مل سکے ہیں۔"

رمیش کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک نوکر ایک ملاقاتی کارڈ لایا۔ فریدی نے کارڈ لے کر دیکھا اور اُس کی دونوں بھنویں مل گئیں۔

"ڈائریکٹر مسعود۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ "اُسے ڈرائینگ روم میں بٹھاؤ۔"

نوکر چلا گیا۔ پھر ناشتے کے اختتام تک فریدی خاموش ہی رہا۔ ناشتہ ختم کرنے کے بعد وہ اٹھ کر ڈرائینگ روم کی طرف چلا گیا۔

"کیوں اُستاد؟" سرجنٹ رمیش نے حمید کو مخاطب کیا۔ "آج بہت چپ چپ سے ہو؟"

"بزرگوں کا قول ہے کہ ایک خاموشی ہزار بلائیں ٹالتی ہے۔" حمید بولا۔

"ارے۔ اسی کیس میں رہ گئے۔ کتنی ہی فلم ایکٹریسوں سے گٹھ جوڑ ہو سکتا ہے۔"

"مجھ سے بُری بُری باتیں مت کیا کرو۔" حمید نے کسی اللہ والے کا پوز بنایا۔

"اخاہ.... یہ کب سے حمید صاحب؟" رمیش طنزیہ لہجے میں بولا۔

"بھجا مت چاٹو۔"

"معلوم ہوتا ہے کہیں پٹے ہو۔"

"چائے دانی پھوڑ دوں گا تمہارے سر پر۔" حمید بھنا کر کھڑا ہو گیا۔

"ہوش میں ہو یا نہیں۔" رمیش کو بھی تاؤ آ گیا۔

حمید ٹال گیا۔ دل تو چاہا تھا کہ الجھ پڑے لیکن پھر کچھ سوچ کر رہ گیا۔ دونوں پندرہ بیس منٹ

تک خاموش بیٹھے رہے۔ پھر فریدی واپس آگیا۔

"لو بھئی رمیش ایک اور نئی بات۔" فریدی بیٹھتا ہوا بولا۔ "مسعود ایک نیا شوشہ چھو ہے۔ یہ رہا وہ خط جو اُسے کسی نامعلوم آدمی کی طرف سے موصول ہوا ہے۔"

اُس نے کاغذ کا ایک ٹکڑا میز پر رکھ دیا جس پر انگریزی ٹائپ میں تحریر تھا۔

"مسعود! اس فلم کی شوٹنگ فوراً بند کر دو۔ کہانی، اسکرین پلے اور ڈائیلاگ سب کچھ پھا پھینک دو۔ ورنہ تم سب کا وہی حشر ہوگا جو رمیش اور اُس کے اسسٹنٹ کا ہوا۔ تم میں سے کو کلاوتی کی طرح غائب ہوگا اور کوئی سرِ عام مارا جائے گا۔ اسے پہلی اور آخری وارننگ سمجھو۔"

رمیش خط پڑھ چکنے کے بعد سوالیہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

فریدی کے ماتھے پر سلوٹیں ابھری ہوئی تھیں۔

کارگذاری

مطلع ابر آلود تھا۔ خنکی بڑھ گئی تھی۔ رات کو آٹھ ہی بجے تھے لیکن شہر کی بعض سڑکیں ویران ہو چکی تھیں۔

سرجنٹ حمید السٹر کے کالر کھڑے کیے فلٹ ہیٹ کا گوشہ چہرے پر جھکائے تیزی سے راستہ طے کر رہا تھا۔ بیڈن روڈ پر پہنچ کر وہ ایک تاریک عمارت کے سامنے رک گیا۔ چند لمحے بے حس و حرکت دیوار سے کھڑا رہا۔ پھر السٹر کی جیب سے لکڑی کی ایک تختی نکالی جس پر تحریر تھا "کرا کے لئے خالی ہے۔" وہ آہستہ آہستہ اُس جگہ پہنچا جہاں کسی کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی اور چند لمحوں کی جدوجہد کے بعد اُس نے نام کی تختی کی جگہ اپنے ساتھ لائی ہوئی تختی لگا دی۔

بیڈن روڈ شہر کی اُن سڑکوں میں سے ہے جن پر زیادہ آمد و رفت نہیں رہتی۔ ایک طرف چند عمارتیں ہیں اور دوسری طرف پولو گراؤنڈ ہے۔ پولو گراؤنڈ کے آگے دیہی علاقے شروع ہو جاتے ہیں۔

سرجنٹ حمید نے اس وقت پولو گراؤنڈ ہی والے حصے کی ایک عمارت کے سامنے یہ عجیب و غریب حرکت کی تھی۔ اس کام سے فارغ ہو جانے کے بعد وہ چند لمحے ساکت و سامت کھڑا رہا

جیسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ سننے کی کوشش کر رہا ہو۔

پھر وہ عمارت کے عقبی حصے کی طرف چل پڑا۔ اُس کے جانے کے دس پندرہ منٹ بعد ہی تاریکی میں دو سائے اور دکھائی دیئے جو آہستہ آہستہ عمارت کی طرف بڑھ رہے تھے۔

پھاٹک کے قریب پہنچ کر جہاں حمید نے تختی لگائی تھی وہ رک گئے۔ انہوں نے بھی لمبے کوٹ پہن رکھے تھے اور اُن کے فلٹ ہیٹ ان کے چہرے پر جھکے ہوئے تھے۔

ان میں سے ایک نے جیب سے ایک چھوٹی سی ٹارچ نکالی اور پھر دوسرے ہی لمحے میں روشنی کا ننھا سا دائرہ حمید کی لگائی ہوئی تختی پر پڑ رہا تھا۔

"عجیب آدمی ہو۔" پہلا دوسرے کی طرف جھنجھلا کر مڑا۔

"لیکن.....!" دوسرا بولا۔ "آج دوپہر کو تو یہاں ڈاکٹر جیرالڈ کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔"

"عمارت بھی تاریک ہے۔" پہلا کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "تمہیں یقین ہے کہ وہ تمہاری نظروں کا دھوکا نہیں تھا۔"

"اب میں کیا عرض کروں۔ ضرور کچھ گڑبڑ ہے۔" دوسرے کی آواز کپکپا رہی تھی۔

"خیر! دیکھتا ہوں۔" پہلے نے آگے بڑھ کر سلاخوں دار پھاٹک کھولنے کی کوشش کی جو اندر سے بند تھا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" وہ دوسرے کی طرف مڑ کر بولا۔

پھر وہ دونوں پھاٹک پر چڑھ کر دوسری طرف اُترتے ہوئے نظر آئے۔

پائیں باغ میں سناٹا تھا۔ پورٹیکو اور برآمدے میں بھی سناٹے اور تاریکی ہی کا راج تھا۔

"اندر کوئی ہے۔" پہلے نے دوسرے سے سرگوشی کی۔ "یہاں اس کھڑکی سے دیکھو۔ وہ روشنی کی پتلی سی لکیر۔ شاید وہ کسی دروازے کی جھری ہے۔"

برآمدے میں تین دروازے تھے۔ باری باری سے اُن پر زور آزمائی کی گئی لیکن وہ اندر سے بند تھے۔

"چلو.....!" پہلا بولا۔ "دوسری طرف سے دیکھیں۔"

برآمدے سے پورٹیکو میں آتے ہوئے ایک لڑکھڑایا۔ اس سے پہلے کہ دوسرا سہارا دیتا وہ ایک گملے سمیت نیچے جا پڑا۔ سناٹے میں آواز دور تک پھیلی..... پھر وہ ابھی اٹھنے بھی نہیں پایا تھا

کہ کسی نے عمارت کا دروازہ کھول کر برآمدے کی بجلی جلادی۔

فریدی آنے والے کو گھور رہا تھا اور سرجنٹ رمیش اپنے کپڑے جھاڑ رہا تھا۔

"کیا مطلب....؟" برآمدے میں کھڑا ہوا آدمی بڑبڑایا۔ "آپ لوگ کون ہیں؟"

"پولیس....؟" فریدی کی آواز میں غراہٹ تھی۔

"لیکن....اس طرح....میں نہیں سمجھا۔"

"میں بھی کچھ سمجھنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "ایک ایسی عمارت پر جو خالی نہ ہو۔ خالی بورڈ لگانے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟"

"میں پھر نہیں سمجھا۔ یہ ڈاکٹر جیرالڈ کا بنگلہ ہے۔"

"میرے ساتھ آیئے۔" فریدی بولا۔

"کیوں....؟"

"میں آپ کو دکھادوں۔" فریدی نے پھاٹک کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

فریدی اُس آدمی کو اپنے ساتھ پھاٹک تک لایا اور پھر جیسے ہی اُس نے ٹارچ کی روشنی پلیٹ پر ڈالی حواس باختہ ہوگئے۔ کیونکہ "کرائے کے لئے خالی ہے" والی تختی غائب تھی اور اُس کی جگہ ڈاکٹر جیرالڈ کی نیم پلیٹ لٹک رہی تھی۔

"مجھے شبہہ ہے!" اُس آدمی نے سخت لہجے میں کہا۔ "تم لوگ کون ہو؟"

فریدی نے اوزیٹنگ کارڈ جیب سے نکال کر اُس کی طرف بڑھادیا۔

"اوہ...لیکن میں...نہیں سمجھ سکتا۔" وہ ٹارچ کی روشنی میں وزیٹنگ کارڈ پڑھ کر بڑبڑایا۔

"میرے پاس یہاں کی تلاشی کا وارنٹ ہے۔" فریدی نے کہا۔

"تلاشی....یعنی....آخر کیوں۔ ٹھہریئے۔ میں ڈاکٹر صاحب کو جگادوں۔ وہ بیمار ہیں۔"

وہ آدمی تیز تیز قدم بڑھاتا ہوا بائیں باغ طے کرنے لگا۔ فریدی اور رمیش بھی اُسکے پیچھے تھے۔

فریدی رمیش سے آہستہ آہستہ کہتا جارہا تھا۔ "تم بہت بے تکے گرے۔ سب چوپٹ ہوگیا۔"

"تشریف رکھئے۔" اُس آدمی نے ایک بڑے کمرے میں روشنی کرتے ہوئے کہا۔ "میں ڈاکٹر صاحب کو اطلاع کرتا ہوں۔ جگانا پڑے گا۔"

وہ اُن دونوں کو چھوڑ کر چلا گیا۔

سرجنٹ حمید بنگلے کی پشت پر دبکا ہوا تھا۔ نیچے ایک گہرا نالہ تھا جس میں پانی نہیں تھا اور نالے کے دوسرے کنارے پر گھنی جھاڑیوں کا سلسلہ تھا جو دور تک پھیلا ہوا تھا۔ نہ جانے کیوں حمید کو رہ رہ کر ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ابھی کوئی نہ کوئی واقعہ ضرور پیش آئے گا۔ تختیوں والا لطیفہ بھی کامیاب رہا تھا۔ اُس نے دیوار کی اوٹ سے فریدی کی بوکھلاہٹ دیکھی تھی اور دل ہی دل میں بے ساختہ ہنس پڑا تھا۔ اگر کہیں وہ ہنسی ہونٹوں پر آجاتی تو سارا کھیل ہی بگڑ گیا ہوتا۔

یہ دراصل فریدی کے خلاف ایک انتقامی کاروائی تھی۔ اس دوران میں فریدی نے اُسے لفٹ دینی چھوڑ دی تھی۔ اُس کی جگہ رمیش کا دور دورہ تھا۔ نہ وہ اُس سے کسی کام کے سلسلے میں مشورہ لیتا اور نہ کسی کام کے لئے کہتا۔ حتیٰ کہ اُس کے پاس میوزک ڈائریکٹر والے کیس کے جو کاغذات تھے وہ بھی اُس نے لے لئے تھے۔

حمید کو یہ ساری باتیں بہت گراں گذر رہی تھیں لیکن وہ خاموش ہی رہا اور پھر اُس نے تہیہ کرلیا کہ فریدی کو کوئی کام ڈھنگ سے کرنے کا موقع ہی نہ دے گا اور رمیش کی حجامت بنانے کے متعلق تو وہ کئی دنوں سے سوچ رہا تھا۔

آج شام کو رمیش نے فریدی کو اطلاع دی تھی کہ اُس نے بیڈن روڈ کے ایک بنگلے میں ایک ایسی عورت کو دیکھا ہے جو شلی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ اُس نے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ بنگلہ رات کو عموماً تاریک ہی رہا کرتا ہے لیکن دن کو اُس میں آدمی دکھائی دیتے ہیں۔ حمید دوسرے کمرے سے اُن کی گفتگو سن رہا تھا۔

بس پھر اُس نے بھی اپنی شرارت کی اسکیم مرتب کرلی۔ کچھ پتہ نہیں فریدی گھر میں اُس کی موجودگی سے واقف تھا یا نہیں۔ بہرحال بھول کر بھی وہ نہیں سوچ سکتا تھا کہ حمید اُس سے بھی ٹکرا جانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

حمید کو یہ بھی معلوم تھا کہ فریدی یا تو تنہا آئے گا یا صرف رمیش اُس کے ساتھ ہوگا۔ ایسے معاملات میں وہ پہلے بذات خود اچھی طرح چھان بین کرلیتا تھا۔ پھر اُسے مقامی پولیس کے علم میں لاتا تھا۔ شلی والی بات چونکہ سنی سنائی تھی اس لئے اُس نے آج بھی اپنا اطمینان کئے بغیر پولیس کو مطلع کرنا مناسب نہ سمجھا۔

حمید بنگلے کی عقبی دیوار سے چپکا کھڑا تھا۔ دفعتاً اُسے کچھ دور پر دیوار کے نیچے ہی ہلکی سی

روشنی دکھائی دی اور ایسا معلوم ہوا جیسے دو سائے دیوار سے نکل کر نالے میں اُتر گئے ہوں اور اُ
مشاق آنکھوں سے اندھیرے میں بھی یہ بات پوشیدہ نہ رہ سکی کہ اُن میں ایک یقیناً عورت تھی

حمید کے کانوں میں سیٹیاں سی بجنے لگیں۔ تو کیا واقعی رمیش کی اطلاع درست تھی؟ سینے کے بل رینگتا ہوا نالے میں اُتر گیا۔ پھر اُس نے دیکھا وہ دونوں بھی بالکل اُسی طرح زمین رینگتے ہوئے نالے کے دوسرے کنارے کی طرف جا رہے ہیں۔

حمید اُن سے پہلے ہی دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ اُس مقام کی طرف رینگتا رہا جہاں اُن دونوں کے پہنچنے کی توقع تھی اور شاید ایک ہی منٹ کے وقفے میں وہ اُن کے قریب کی جھاڑیوں میں چھپا ہوا اُن کی گفتگو سن رہا تھا۔

پھر بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ حمید اُس عورت کی آواز نہ پہچان لیتا جس کے چکر میں عمر تک رہ چکا تھا۔ وہ یقیناً شملی ہی تھی۔ لیکن مرد کی آواز حمید کے لئے نئی تھی۔

"تم یہیں ٹھہرو۔" مرد اُس سے کہہ رہا تھا۔ "میں ذرا آس پاس دیکھ لوں۔ ممکن ہے انہوں نے محاصرہ کر رکھا ہو۔"

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" شملی بولی۔

"بس یہیں چپ چاپ کھڑی رہو۔ جھاڑیاں تمہارے قد سے کافی اونچی ہیں۔ ڈرو نہیں۔ کوئی بات نہیں۔"

حمید کا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اُس آدمی کے جانے کے بعد بھی وہ تھوڑی دیر تک بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ پھر اچانک آگے بڑھ کر اُس نے اپنا ہاتھ شملی کے منہ پر رکھ دیا۔ تڑپی لیکن گرفت مضبوط تھی۔

"چپ... پولیس....!" حمید نے اس انداز میں سرگوشی کی کہ اُس کی آواز پہچانی نہ جا سکے۔ دوسرے لمحے میں وہ اُسے کمر پر لادے اُس طرف بھاگ رہا تھا جہاں اُس نے کار کھڑی کی تھی۔

"تو مجھے چلنے دو نا۔" شملی آہستہ سے بولی۔

"پکڑی جاؤ گی.... خطرہ ہے۔ چپ۔"

پھر شملی بے حس و حرکت ہو گئی۔

کار کی پچھلی سیٹ پر اُسے ڈال کر حمید نے اُس کا گلا گھونٹنا شروع کر دیا۔ بایاں ہاتھ اُس

منہ پر تھا۔ شملی جو ابھی تک شاید اُسے اپنے ہی آدمیوں میں سے سمجھتی رہی تھی بُری طرح مچلنے لگی تھی۔ لیکن اُسے بے ہوش ہی ہو جانا پڑا۔ لگی بھی تو تھی ایک ایسے جنونی کے ہاتھ جس پر شرارت اور حماقت کا بھوت سوار تھا۔

حمید نے کھڑکیوں کے پردے کھینچ دیئے اور اُسے لے بھاگا۔

کار شہر میں پہنچ کر کیفے کاسینو کی طرف جا رہی تھی۔ وہیں جہاں کنول کاؤنٹر کلرک تھی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اگر کنول وہاں موجود نہ ہوئی تو کیا ہوگا۔ اُسے یہ بھی یاد نہیں آ رہا تھا کہ اُس نے اُس رات کو کنول سے اُس کا پتہ بھی پوچھا تھا یا نہیں.... یہ بھی ضروری نہیں کہ کیفے کا کوئی آدمی اُس کی جائے رہائش سے بھی واقف ہو۔

حمید کی الجھن بڑھنے لگی۔ فی الحال اُس کی دانست میں کنول ہی ایسی تھی جو اُسے تھوڑی بہت مدد دے سکتی تھی۔

کیفے کاسینو پہنچ کر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ کنول موجود نہیں تھی۔ لیکن اُسے بھی حمید کی خوش قسمتی ہی کہنا چاہئے کہ دوسرا کاؤنٹر کلرک کنول کی جائے رہائش سے واقف تھا۔

اُس وقت نہ جانے کیوں حمید کی نظر ہر بات کے تاریک ہی پہلو پر تھی۔ اب وہ سوچنے لگا تھا کہ اگر کنول گھر پر بھی نہ ملی تو کیا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کہیں اور چلی گئی ہو۔

پتہ سیدھا سادہ تھا۔ لہٰذا حمید کو کنول کا کوارٹر ڈھونڈ لینے میں کوئی دشواری نہ ہوئی۔ کنول گھر پر موجود تھی۔ حمید کے ساتھ ایک خوبصورت اور بے ہوش عورت کو دیکھ کر پہلے تو وہ یہی سمجھی کہ شاید وہ اس وقت بھی پیئے ہوئے ہے۔

"سنئے جناب حمید صاحب۔" وہ کھرے لہجے میں بولی۔ "میرا گھر عیاشی کا اڈا نہیں بن سکتا۔"

"تم غلط سمجھیں۔" حمید بوکھلا کر بولا۔ "یہ ایک بہت ضروری عورت ہے۔"

"میں جانتی ہوں کہ خوبصورت عورتیں ہر حال میں بہت ضروری ہوتی ہیں۔"

"میں ابھی سب کچھ تم کو سمجھا دوں گا۔" حمید نے کہا اور بے ہوش شملی کو کار سے نکال کر کوارٹر میں پہنچا دیا۔

"عجیب آدمی ہو۔ پاس پڑوس والے کیا کہیں گے؟"

"اُن سے کہہ دینا کہ میرا بہنوئی میری بہن کو بغرض علاج یہاں لایا ہے۔" حمید نے لاپروائی

سے کہا۔

"کیا بکتے ہو؟" کنول جھنجھلا گئی۔

"چلو بیٹھو... نہیں تو گردن مروڑ دوں گا۔" حمید نے اُسے ایک آرام کرسی میں دھکیلا

کنول حیرت سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"خواہ مخواہ شبہات میں مبتلا ہو۔" حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ "یہ ایک عورت ہے جس کی تلاش میں پورے شہر کی پولیس سرگرداں ہے۔"

"کون....؟"

"شلی.... تم نے فلم آرٹ اسٹوڈیو کے حادثات کے متعلق سنا ہی ہوگا۔"

"اوہ.... تو یہ وہی عورت ہے.... میوزک ڈائریکٹر کی داشتہ....؟"

"خیر چلو.... سمجھ تو گئیں۔" حمید نے پائپ سلگا کر کہا۔

"لیکن اسے یہاں کیوں لائے ہو؟"

"کچھ ایسی ہی بات ہے۔ اگر میری مدد کرنے کا وعدہ کرو تو پوری داستان دہرائی جاسکتی

"میں وعدہ نہیں کر سکتی۔ تم سے خوف محسوس ہوتا ہے۔"

"اوہ.... یہ کنول بول رہی ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "وہ کنول جس نے مر

راستہ کاٹا تھا۔"

"شاید میں اس وقت مکھن کے سمندر میں غوطے لگا رہی ہوں۔" کنول نے سنجیدگی۔

حمید کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"میں فریدی سے ٹکرا گیا ہوں اور اُن حضرت کو سبق دیئے بغیر نہ مانوں گا۔"

پھر اُس نے پوری داستان دہرا دی۔ کنول ہنستی رہی۔

"میں کوئی مدد نہیں کر سکتی۔" آخر کو اُس نے کہا۔

"مجھے جانتی ہو۔ میں کون ہوں۔" حمید بھنویں تان کر بولا۔

"ہاں.... ہاں.... ایک ایسا آدمی جو تین پیگ وہسکی میں اُلو ہو جاتا ہے۔"

"خیر.... دیکھا جائے گا۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ پھر اُس نے بے ہوش شلی کو اٹھ

کوشش کی۔

"ٹھہرو.... یہ ایسے نہیں جاسکتی۔ میں فریدی صاحب کو فون کرتی ہوں۔"

"مار ڈالوں گا۔" حمید دانت پیس کر بولا۔ کنول نے ایک کھنکتا ہوا سا قہقہہ لگایا۔

"میں تمہیں اُلو سمجھتی ہوں۔" کنول بولی۔ "آخر کرنا کیا چاہتے ہو خواہ مخواہ ایک کیس بگاڑ کر رکھ دیا۔ اگر فریدی صاحب اسے اس مکان سے برآمد کرتے تو کئی اور گرفتاریاں بھی عمل میں آسکتی تھیں۔"

"میں فریدی صاحب کو تنگ کر ڈالوں گا۔" حمید نے کہا اور اپنے ہونٹ بھینچ لئے۔

شلی میں ہوش کے آثار پائے جانے لگے تھے۔ اُس کی پلکیں کپکپا رہی تھیں۔ نچلے ہونٹ میں خفیف سی جنبش تھی۔

"سنو....!" حمید نے سرگوشی کی۔ "یہ ہوش میں آرہی ہے۔ تم یہیں بیٹھو میں کمرے میں جارہا ہوں۔"

"کیوں؟"

"میں چھپ کر ردعمل کا مشاہدہ کروں گا۔ تم بالکل خاموش رہنا.... اس کی کسی بات کا جواب نہ دینا۔ سمجھیں۔"

ایک پاگل ایک لاش

فریدی اور رمیش، ڈاکٹر جیرالڈ کی خواب گاہ میں بیٹھے رہے۔ تھوڑی دیر بعد وہ آدمی واپس آگیا۔

"چلئے.... ڈاکٹر صاحب یاد فرما رہے ہیں۔ وہ بے چارے اٹھ بھی نہیں سکتے۔ اس وقت بھی ایک سو تین بخار ہے۔"

فریدی اور رمیش اُس کے ساتھ ایک چھوٹے سے کمرے میں آئے۔ یہ کسی کی خواب گاہ تھی۔ سامنے ایک پلنگ تھا جس پر ایک آدمی سر سے پیر تک چادر تانے پڑا تھا۔ اُن کی آہٹ پر اُس نے منہ کھول دیا۔ وہ اُسے کوئی غیر ملکی سمجھے ہوئے تھے لیکن اگر اُس کا نام جیرالڈ تھا تو وہ ایک دیسی عیسائی سے زیادہ کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ چہرہ پلپلا، رنگت گندمی، شیو بڑھا ہوا جس میں زیادہ تر سفید ہی

بال تھے۔ آنکھوں سے نقاہت ظاہر ہو رہی تھی۔

"مجھے حیرت ہے جناب۔" وہ دبی دبی سی آواز میں بولا۔ "میں سالہا سال سے باعزت گذار رہا ہوں اور پھر مجھے حیرت ہے کہ آپ ایک ہسپتال کی تلاشی لینے آئے ہیں۔"

"ہسپتال....؟" فریدی نے دہرایا۔

"جی ہاں! میں پندرہ سال سے یہاں پریکٹس کر رہا ہوں۔ لوگ مجھے ذہنی امراض کا اسپیشلسٹ سمجھتے ہیں۔ دو تین کمرے میں نے ایسے مریضوں کے لئے مخصوص کر رکھے ہیں جو باقاعدہ طور پر یہاں قیام کر کے اپنا علاج کرا سکیں۔"

"لیکن آپ نے یہاں کوئی ایسا بورڈ نہیں لگایا ہے؟" فریدی نے کہا۔

"ضرورت نہیں سمجھی۔ پریکٹس شہر میں کرتا ہوں۔ بورڈ اس لئے نہیں لگایا کہ ہر کس و ناکس یہاں قیام کر بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ میرا طریقہ علاج بہت مہنگا پڑتا ہے۔ صرف ایک مخصوص طبقہ ہی اتنے مصارف برداشت کر سکتا ہے۔"

"آج کل آپ کے یہاں کتنے مریض ہیں؟"

"صرف ایک.... ایک عورت جس پر ہسٹریا کے دورے پڑتے ہیں۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اُس نے شلی اور کلاوتی کی تصاویر جیب سے نکالیں۔

"ان میں سے کوئی؟" اُس نے تصویریں اُن کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اس دوران میں ان میں سے تو کوئی آپ کی مریضہ نہیں رہی؟"

تصویروں پر نظر پڑتے ہی ڈاکٹر چونک پڑا۔ اور اب وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ پھر اُس نے شلی کی طرف دیکھا جو اُسے بغور دیکھ رہا تھا۔

"جی ہاں.... یہی تو ہے.... اس پر ہسٹریا کے دورے پڑتے ہیں۔" اُس نے شلی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یہ یہاں کب سے ہے؟"

"تقریباً ایک ہفتہ سے۔"

"کس نے داخل کرایا تھا....؟" فریدی نے پوچھا۔

"اُس کے شوہر نے.... وہ بھی اُسی کے ساتھ مقیم ہے۔"

"یہیں....؟"

"جی ہاں....!" ڈاکٹر نے کہا۔ پھر اُس آدمی کی طرف دیکھ کر بولا جو فریدی کو یہاں تک لایا تھا۔ "غالباً وہ دونوں سو رہے ہوں گے۔"

"پتہ نہیں.... ویسے میں نے آٹھ ہی بجے اُس کمرے کی روشنی گل کرا دی تھی۔" اُس نے جواب دیا۔

"مجھے اُس کمرے تک لے چلئے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

"آخر بات کیا ہے؟" ڈاکٹر نے پریشان لہجے میں پوچھا۔

"پولیس کو اُس عورت کی ضرورت ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"جاؤ.... کمرہ دکھا دو....!" ڈاکٹر نے اُس آدمی سے کہا۔

وہ تینوں راہداری سے گذر کر ایک کمرے کے قریب پہنچے جس کا دروازہ بند تھا اور کھڑکیوں میں روشنی نہیں تھی۔

"ساگر صاحب۔" ہمراہی نے دروازے پر دستک دی۔

متواتر کئی بار دستک دینے کے باوجود بھی اندر سے کوئی آواز نہ آئی۔ فریدی آگے بڑھا اُس نے ہینڈل گھما کر دروازے کو دھکا دیا۔ شاید وہ اندر سے بند نہیں تھا۔ کمرے میں تاریکی تھی۔

"ساگر صاحب۔" ہمراہی نے پھر آواز دی۔ مگر جواب ندارد۔ فریدی نے ٹارچ روشن کی۔ کمرہ خالی تھا۔ دو پلنگ تھے جن پر بستر لگے ہوئے تھے۔ ایک بستر شکن آلود تھا لیکن دوسرے پر شاید کوئی بیٹھا بھی نہیں تھا۔

ہمراہی حیرت سے کبھی فریدی کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی بستروں کی طرف۔

"آپ کو یقین ہے کہ وہ اس کمرے میں تھے؟" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں جناب! میں نے خود ہی انہیں بجلی بجھا دینے کی تاکید کی تھی۔"

"کیا وہ اس وقت مکان کے کسی دوسرے حصے میں بھی ہو سکتے ہیں؟"

"کیا بتاؤں!" وہ پریشان لہجے میں بولا۔ "ہم تو یہی توقع رکھتے ہیں کہ مریض اپنے ہی کمروں میں ہوں گے۔"

"میں.... پورا مکان دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"آیئے.... عجیب بات ہے.... حیرت انگیز۔" ہمراہی مضطربانہ انداز میں بڑبڑا رہا تھا۔

پوری عمارت پر سناٹا طاری تھا۔ ہمراہی جدھر سے گذرتا بجلی کا بلب روشن کر دیتا۔ ایک گوشہ دیکھتے پھر رہے تھے۔ مکان کے آخری سرے پر پہنچ کر ہمراہی کے منہ سے ایک چیخ سی آواز نکلی۔

"یہ دروازہ....!" وہ ایک کھلے ہوئے دروازے کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "شاید طرف سے نکل گئے۔"

فریدی نے باہر نظر دوڑائی۔ اندھیرے میں گھنی جھاڑیوں کے سلسلے کے علاوہ اور کچھ نہیں آرہا تھا۔ پھر وہ کافی دیر تک اُن جھاڑیوں میں جھک مارتے رہے لیکن کچھ بھی ہاتھ نہ آیا۔

البتہ یہ بات فریدی کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ اگر وہ ایک ہی آدمی تھا تو اُس نے وقت دو کام کیسے کیے۔ ظاہر ہے کہ نام کی تختی ہٹا کر "خالی ہے" کا بورڈ لگانے اور پھر انہیں بدلنے میں کچھ نہ کچھ وقت ضرور صرف ہوا ہوگا۔ کیا مجرم پہلے ہی سے اُنکی آمد سے باخبر ہو گیا تھا؟

ڈاکٹر کے کمرے میں واپس آکر فریدی کچھ اور معلومات بہم پہنچانے کی کوشش کرنے لگا۔ ڈاکٹر نے اُسے بتایا کہ مریضہ کے شوہر نے کہا تھا کہ وہ اُس کی شہرت سن کر سعید آباد سے یہاں آیا تھا۔ پھر فریدی نے اُس آدمی کا حلیہ پوچھا۔ ڈاکٹر کے بیان کرنے پر وہ اس کے علاوہ اور کچھ اندازہ نہ لگا سکا کہ شلی کو طوائفانہ زندگی سے نکال کر یہاں اس ہسپتال تک لانے والا ایک ہی آدمی تھا۔ اُن طوائفوں نے بھی یہی حلیہ بتایا تھا۔

واپسی پر فریدی رمیش سے کہہ رہا تھا۔ "تمہارے اس طرح گرنے سے سارا کھیل بگڑ گیا۔"

کچھ دور چلنے کے بعد وہ کیڈی تک پہنچ گئے۔

فریدی کا موڈ بہت زیادہ خراب ہو گیا۔ اور رمیش دل ہی دل میں شرمندہ تھا۔ سوچ رہا تھا پہلی بار آگے بڑھنے کا موقع ملا تھا وہ اس طرح برباد ہو گیا۔ اُسے خود بھی احساس تھا کہ اگر وہ گر نہ ہوتا تو مجرم کسی طرح بھی فرار نہیں ہو سکتے تھے۔ لیکن پھر وہ تختیاں کیسے بدلی گئیں۔ اس صورت میں تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ مجرم پہلے ہی سے ہوشیار تھے اور انہوں نے ہمارا وقت برباد کرنے کے لئے تختیاں بدلیں۔ پھر اسی دوران میں نکل گئے۔

"آج کل آپ حمید صاحب سے کیوں ناراض ہیں۔" رمیش نے دفعتاً پوچھا۔

"اوں.... کچھ نہیں کوئی خاص بات نہیں۔ وہ آرام کرنا چاہتا ہے۔" فریدی نے کہا اور پھر خاموش ہو گیا۔

"میں کیا بتاؤں.... مجھے شرمندگی ہے۔ میری وجہ سے۔"

"اوہ.... کوئی بات نہیں.... اتفاق ہی تو ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔ "مگر وہ تختیوں والا معاملہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ آخر مجرموں کو ہمارے پروگرام کا علم کیونکر ہوا۔"

"تو کیا یہ ڈاکٹر مشتبہ نہیں ہے؟" رمیش نے پوچھا۔

"نہیں میرا خیال ہے کہ وہ کچھ نہیں جانتا۔ اگر وہ اس سازش میں شریک ہوتا تو ہرگز اس کا اعتراف نہ کرتا۔ کیونکہ مجرم تو نکل ہی چکے تھے۔"

تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر رمیش بولا۔

"آخر کلاوتی کہاں گئی۔ شلی کا پتہ تو لگ ہی گیا۔"

"ضروری نہیں کہ کلاوتی کا تعلق اسی کیس سے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"فلمی دنیا میں اس اغواء سے خاصا ہنگامہ برپا ہو گیا ہے۔ ڈائریکٹر رمیش کی موت سے لوگوں نے اتنا اثر نہیں لیا جتنا کہ اس اغواء سے۔"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ الجھن کے آثار اُس کے چہرے سے مترشح تھے۔

"کیوں نہ ہم اس وقت درجن کو بھی چیک کر لیں۔" اُس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "اُس کے حرکات و سکنات مشتبہ ضرور ہیں لیکن ابھی تک اُس کے خلاف کوئی واضح ثبوت نہیں مل سکا۔"

"خطرناک آدمی ہے....!" رمیش بولا۔

فریدی نے کار گھمائی۔

درجن ایک پرانی وضع کی عمارت میں رہتا تھا۔ عمارت کافی بڑی تھی اور اُس میں دو منزلیں تھیں۔ نچلی منزل میں تین حصے تھے جن میں کرایہ دار رہتے تھے اور اوپری منزل پر درجن کا قبضہ تھا۔

نیچے ایک چوکیدار بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ اُن دونوں کی قدموں کی آہٹ پر چونک پڑا۔

"درجن صاحب ہیں؟" فریدی نے پوچھا۔

چوکیدار اوپر کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔ "کھڑکیوں میں روشنی تو ہے۔ ضرور ہوں گے۔"

"کیا ابھی یہاں کوئی آیا تھا....؟"

"پتہ نہیں صاحب درجنوں آیا جایا کرتے ہیں۔" چوکیدار جھنجھلا کر بولا۔

وہ کچھ چڑچڑے مزاج کا معلوم ہوتا تھا۔ فریدی نے ایک ہی نظر میں تاڑ لیا کہ وہ افیونی ہے۔

"اُف فوہ! بڑے میاں! تم ناراض ہو گئے۔" فریدی اُس کا شانہ تھپ تھپا کر بولا۔ "کیا بیگم سے ملاقات نہیں ہوئی؟"

"اپنا کام کیجئے۔" بوڑھے نے جھلا کر کہا اور جیب میں ہاتھ ڈال کر بیڑی اور دیا سلائی ٹٹولنے لگا۔

فریدی نے پرس نکال کر پانچ کا ایک نوٹ کھینچا۔ بوڑھا حیرت سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"جاؤ.... ابھی ٹھیکے کی دکان کھلی ہو گی۔" فریدی نے اُس کی طرف نوٹ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اپنے لئے افیون اور میرے لئے چرس لیتے آنا۔"

"چرس....!" وہ فریدی کو نیچے سے اوپر تک گھورتا ہوا بولا۔ "آپ چرس پیتے ہیں؟"

"ہاں ابھی حال ہی میں شروع کی ہے۔ اوپر بیٹھ کر پیئوں گا۔" فریدی اپنی بائیں آنکھ مسکراتا ہوا بولا۔ "اور وہ لونڈیا ہے یا چلی گئی؟"

"درجن بابو کی بہن....؟" بوڑھے نے پوچھا۔

"ہاں! کیوں بڑے میاں۔ زوردار ہے کہ نہیں۔"

"پتہ نہیں صاحب۔" بوڑھا اُس کے ہاتھ سے نوٹ لے کر بولا۔ "کتنی پڑیاں لاؤں؟"

"چار.... تو وہ ہے یا چلی گئی؟"

"پتہ نہیں۔ میں نے دیکھا بھی نہیں۔ سنا تھا کہ وہ بیمار تھی اور بے ہوشی کی حالت میں یہاں لائی گئی تھی۔"

"کب کی بات ہے؟"

"شاید منگل کی رات کو۔"

"ہوں....!" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔ "تو بجے کے بعد سے اب تک یہاں کوئی آیا تھا؟"

"نہیں صاحب۔" وہ جلدی سے بولا۔ "کہیں دکان بند نہ ہو جائے۔ کوئی نہیں آیا۔ درجن بابو بھی آج شام سے نیچے نہیں اترے۔"

"ہاں اچھا.... جاؤ جاؤ۔"

بوڑھا تقریباً دوڑتا ہوا احاطے سے نکل گیا۔

"رمیش....!" فریدی بولا۔ "تم یہیں چوکیدار کی پلنگ پر لیٹ جاؤ۔ میں اوپر جاتا ہوں۔ ٹھیکے یہاں سے دور ہے کچھ دیر لگے گی۔"

پھر فریدی دبے پاؤں زینے طے کرتا ہوا اوپر جا رہا تھا۔ دروازہ اندر سے بند تھا اور اندر تاریکی تھی۔ شاید اُس دروازے کے بعد کوئی راہداری تھی۔ فریدی کو اس بات کا یقین تو ہو ہی گیا تھا کہ وہاں کوئی عورت بھی ہے۔ ورنہ اُس سے پہلے کی تفتیش کا ماحصل تو یہی تھا کہ درجن وہاں تنہا رہتا تھا مگر اب اُس کی ایک بیمار بہن بھی پیدا ہو گئی تھی۔ منگل کی رات.... اُسی رات کلاوتی کا بھی قتل ہوا تھا اور اُسی رات سرجنٹ حمید نے درجن کے ایک ساتھی کا سر بھی پھاڑا تھا۔ جو غالباً پولیس ہوٹل میں درجن کے اغواء والی کامیابی کی خبر ہی دینے آیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی نیچے اتر آیا۔ بوڑھا چوکیدار ابھی تک واپس نہیں آیا تھا اور اُس کی پلنگ پر لیٹا ہوا رمیش سیاہ لباس میں اندھیرے ہی کا ایک جزو معلوم ہو رہا تھا۔

"اوپر....!" فریدی اوپری منزل کی کھڑکیوں کی طرف دیکھتا ہوا آہستہ سے بولا۔ "روشنی تو ہے لیکن زندگی کے آثار نہیں۔ میرا تو خیال ہے کہ کوئی ہے ہی نہیں۔ ویسے دروازہ اندر سے بند ہے۔"

"پھر....؟" رمیش اٹھتا ہوا بولا۔

"تم یہیں رہو۔ بوڑھا اگر آ جائے تو اُسے باتوں میں لگائے رکھنا۔ میں دوسری طرف سے چڑھتا ہوں۔"

رمیش چپ چاپ لیٹ گیا اور فریدی چکر کاٹ کر عمارت کی پشت پر پہنچا۔ دوسری طرف سے اوپری منزل پر پہنچنا آسان تو تھا مگر ساتھ ہی خطرناک بھی تھا۔ کیونکہ یہ عمارت ایک گنجان آباد حصے میں تھی۔ اگر وہ پائپ کے سہارے اوپر چڑھنے کی کوشش کرتا تو آس پاس کے لوگوں کی نظریں پڑ سکتی تھیں۔ لیکن چند ہی لمحوں کی چھان بین کی بناء پر یہ مشکل بھی آسان ہو گئی۔

دوسرے لمحے میں وہ ایک ایسے پائپ کے سہارے اوپر چڑھ رہا تھا جو ایک ٹوٹی ہوئی دیوار کی آڑ میں تھا اور اوپر سے اُسے نیم کی گھنی شاخوں نے چھپا لیا تھا۔ اوپر پہنچ کر البتہ اُسے پھر تھوڑی سی دشواری پیش آئی۔ ایک کھڑکی کھلی ہوئی ضرور تھی لیکن پائپ سے کافی فاصلے پر تھی۔ اُس تک

پہنچنا بظاہر آسان تو تھا لیکن خطرے سے خالی نہیں۔ کارنس پر پیر رکھنے کے بعد صرف تھو
پھرتی اُسے کھڑکی تک پہنچا سکتی تھی۔ لیکن عمارت بہت پرانی تھی اور اس میں لکھوری اینٹ
گئی تھیں جنہیں شورا چاٹنے لگا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ فریدی کارنس سمیت ہی نیچے آ پڑتا۔
شاخیں بھی دور تھیں۔ فریدی کی جھنجھلاہٹ عود کر آئی۔ وہ جھنجھلاہٹ جو اُسے خطرنا
خطرناک کام کر ڈالنے پر مجبور کر دیتی تھی۔

اُس نے کارنس پر داہنا پیر رکھ کر جست لگائی۔ کھڑکی کی چوکھٹ پر اُس کے ہاتھ جم
لیکن ساتھ ہی آنکھوں کے سامنے تارے بھی ناچ گئے۔ کارنس کی اینٹیں اکھڑ کر بھر بھرا
نیچے چلی گئیں اور وہ ایک جھٹکے کے ساتھ چوکھٹ میں جھول گیا۔ حاضر دماغی اور قوت ارا
تھی جس نے سہارا دیا ورنہ اُس کا جسم ہڈیوں اور لوتھڑوں کا ڈھیر نظر آتا۔ چوکھٹ پر زور د
وہ اچھلا اور پھر وہ دوسری طرف تھا۔ تاریکی اور تعفن اُس کی منتظر تھی۔ سیلن کی بساند
ابابیلوں کے بیٹ کی بدبو سے اُس کا دم گھٹنے لگا۔

چاروں طرف سناٹا تھا۔ مکان کے عقبی حصے میں تاریکی تھی۔ لیکن اگلے کمروں میں رو
نظر آ رہی تھی۔ فریدی اندھیرے میں سمٹا سمٹا تا آگے بڑھ رہا تھا۔ کمروں کے قریب پہنچ کر
گیا۔ دو تین منٹ گذر گئے لیکن کہیں کوئی ہلکی سی بھی آواز نہ آئی۔ بس ایک کلاک کسی
کمرے میں "ٹک ٹک" کیے جا رہا تھا۔

فریدی نے ایک کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ روشنی ضرور تھی لیکن کمرہ خالی تھا۔ وہ آ
بڑھا۔ برابر کے دوسرے کمرے کی بھی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ لیکن اُس کھڑکی سے جھانکتے ہی
کے منہ سے عجیب سی آواز آواز نکلی اور وہ بے دھڑک کمرے میں گھستا چلا گیا۔

سامنے درجن کی لاش لٹک رہی تھی اور رسی کا دوسرا سرا چھت کی ایک شہتیر کے گرد لپ
تھا۔ خودکشی کے سارے آثار موجود تھے۔

فریدی اس لاش کو عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں اُس پر جم سی گئی تھیں
اس کا پورا جسم بے حس و حرکت تھا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے اُس کمرے میں دو لا
ہوں۔ ایک وہ جو رسی میں جھول رہی تھی اور دوسری وہ جو زمین پر کھڑی تھی۔

دفعتاً کسی منڈیر پر دو بلیاں رونے لگیں اور فریدی چونک کر اس طرح چاروں طرف دیکھ

جیسے نیند سے چونکا ہو۔

وہ آہستہ آہستہ لاش کی طرف بڑھا۔ چند لمحے نیچے سے اوپر تک اُسے دیکھتا رہا پھر اُس کی
ب کی طرف ہاتھ بڑھایا جس میں ایک تہہ کیا ہوا کاغذ دکھائی دے رہا تھا۔

اُس نے بڑے پر سکون انداز میں کاغذ نکال لیا۔ اُس پر سرخ روشنائی سے کچھ تحریر تھا۔

پھر وہ شاید ایک ہی منٹ بعد دیوانہ وار ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں دوڑتا پھر رہا تھا۔

ایک کمرے کے دروازے میں اُس نے تالا پڑا دیکھا۔ تالے سے کنجی بھی لٹک رہی تھی۔

اور پھر جب دروازہ کھلا تو ایک نئی مصیبت.... کمرے کا بلب روشن تھا اور کلاوتی کمرے کے
وسط میں مادر زاد برہنہ کھڑی فریدی کو گھور رہی تھی۔ نہ وہ ذرہ برابر جھجکی اور نہ اُس کے چہرے پر
کسی قسم کے تغیر کے آثار پیدا ہوئے۔

دفعتاً اُس کے منہ سے ایک باریک مگر تیز آواز نکلی۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کسی ریلوے انجن نے
سیٹی دی ہو.... پھر وہ فریدی پر ٹوٹ پڑی۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا کلاوتی کے نوکیلے ناخن اُس
کے چہرے کے گوشت میں پیوست ہو گئے۔

اُس نے اُسے دھکا دیا اور وہ فرش پر گر پڑی۔ لیکن پھر اٹھی۔ اس بار فریدی نے اُس کے
دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور اُسے دوبارہ دھکا دے کر بجلی کی سی تیزی کے ساتھ کمرے سے نکلا اور
دروازہ بند کر لیا۔ اندر کلاوتی ریلوے کے انجن کی طرح سیٹیاں بجاتی اور "چھک چھک" کرتی رہی۔

فریدی چپ چاپ کھڑا رہا۔ انتہائی سردی کے باوجود بھی اُس کا چہرہ پسینے سے تر ہو گیا تھا۔ تھوڑی
دیر کے لئے اُس کا ذہن برف کی سل کے مانند ہو گیا۔

"ٹو.... او.... او....!" کلاوتی اندر چیخ رہی تھی۔ "چھک.... چھک.... چھک.... ہری
جھنڈی.... لال جھنڈی.... ہری جھنڈی.... لال جھنڈی۔"

فریدی تیزی سے زینوں کی طرف جھپٹا اور دروازہ کھول کر نیچے اُتر آیا۔ یہاں بوڑھا چوکیدار
فنون کی پینک میں رمیش کو داستان امیر حمزہ سنا رہا تھا۔

"ہاں تو ں.... جناب.... صاحب قراں کو فوج ظفر موج نے لقا حرام زادیں کیں۔
لشکر پر چھاپاں ماراں.... بختیار رک دونوں ہاتھوں سے چوں تڑپیٹ رہاں تھاں۔"

"رمیش....!" فریدی نے اُسے جھنجھوڑا۔ "کوتوالی فون کرو یہاں ایک لاش ہے۔"

"جی کیا....؟" رمیش چونک کر کھڑا ہو گیا۔

"جلدی کرو۔ سول ہسپتال یہاں سے نزدیک ہے۔ فون کر دو۔"

"آپ کیں چرس....!" بوڑھے نے منہ اوپر اٹھا کر کہا۔

فریدی اُس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر پھر اوپر چڑھ گیا۔

موت کی سی خاموشی.... کلاوتی بھی چپ ہو گئی تھی۔

معصوم شکاری

شلی ہوش میں آ گئی تھی لیکن پلکیں جھکائے بغیر چھت کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ دوسرے کمرے میں تھا اور کنول ایک آرام کرسی پر نیم دراز توجہ اور دلچسپی سے شلی کو دیکھ رہی تھی۔ شلی کی پلکیں پھر جھکنے لگیں۔ ایک پل کے لئے اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔ پھر اپنے ہاتھوں سے ملنے لگی۔ چند لمحوں بعد وہ تحیر آمیز نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ کنول پر نظر پڑتے ہی بے ساختہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"ساگر صاحب کہاں ہیں؟" اُس نے کنول سے پوچھا۔

"ساگر صاحب! اوہ وہ ابھی آ جائیں گے!" کنول پر خلوص انداز میں مسکرائی۔

"تم کون ہو؟"

"ایک دوست....!"

"ساگر صاحب تمہارے کون ہیں؟"

"وہ.... اوہ.... وہ میرے بھائی ہیں۔"

شلی تھوڑی دیر تک سر تھامے اور آنکھیں بند کئے بیٹھی رہی پھر آہستہ سے بڑبڑائی۔

"میں پاگل ہو جاؤں گی۔"

کنول اُس کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔

"کیوں؟ کیا بات ہے؟" وہ اُس کی ٹھوڑی پکڑ کر اُس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

"ساگر صاحب نے میرا گلا کیوں گھونٹا تھا۔ اب تو مجھے خوف معلوم ہوتا ہے۔ آخر یہ سب

ہو رہا ہے؟"

"اچھا.... تو وہ عورت تمہیں ہو۔" یک بیک کنول کی بھنویں تن گئیں۔ "تم میرے بھائی کو برباد کر رہی ہو۔"

"میں؟" شلی نے حیرت سے کہا۔ "نہیں.... نہیں.... وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔ میرا اُن کا کوئی سروکار نہیں۔ وہ میری مدد کرنا چاہتے تھے۔"

"اور تم انہیں اپنا سگا بھائی سمجھتی ہو؟" کنول کے لہجے میں تلخی تھی۔

"نہیں میں یہ بھی نہیں کہتی۔ کیا یہ ضروری ہے کہ کسی ایسے آدمی کو جس سے کوئی تعلق نہ ہو بھائی ہی سمجھا جائے۔"

"پھر وہ کیوں تمہارے لئے دھکے کھاتے پھر رہے ہیں؟" کنول بولی۔

"بہن ناراض نہ ہو۔ میں بہت بدنصیب عورت ہوں۔"

"ہر آوارہ عورت پکڑ لئے جانے کے بعد یہی کہتی ہے۔"

"تو تم مجھے جانتی ہو۔" شلی نے کہا۔

"اچھی طرح! اور یہ بھی جانتی ہوں کہ تمہارے ہاتھ خون سے رنگے ہوئے ہیں۔"

"نہیں.... نہیں.... یہ جھوٹ ہے.... غلط ہے.... میں کچھ نہیں جانتی۔"

"اور تمہاری بدولت....!" کنول کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ وہ غور سے شلی کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"میں نے ساگر صاحب کو بہت دفعہ سمجھایا ہے۔" شلی نے جلدی سے کہا۔ "کہ وہ کیوں میری بدولت تکلیفیں اٹھا رہے ہیں۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا کہ پولیس سے چھپتی پھروں۔ میں اپنی بے گناہی ثابت کر دوں گی.... اور پھر یہ کوئی جرم تو تھا نہیں کہ میں رمیش کے ساتھ رہتی تھی۔ کیا یہ ضروری ہے کہ میں اس کی موت کی ذمہ دار قرار پاؤں۔"

"تو وہ تمہیں پولیس سے چھپا رہے ہیں....؟"

"ہاں.... اور میں اب اس زندگی سے تنگ آ گئی ہوں۔ مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں۔"

"مجھے تم سے کوئی ہمدردی نہیں۔" کنول ہونٹ سکوڑ کر بولی۔ "تم نے میرے بھائی کو تباہ کر دیا۔"

دفعتاً شلی اُسے تیز نظروں سے گھورنے لگی۔ اُس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور سانس پھول رہی تھی۔

"میں نے نہیں۔ انہوں نے مجھے تباہ کیا ہے۔" وہ چیخ پڑی۔ اس کے آگے بھی اُس نے کہنا چاہا لیکن شاید الفاظ نہیں ملے۔ البتہ وہ بھوکی شیرنی کی طرح کنول کو گھور رہی تھی۔

"مجھے معاف کرنا۔" اچانک وہ خود کو سنبھال کر دھیمے لہجے میں بولی۔ "وہ میرے لئے اب بھی تکلیف اٹھا رہے ہیں۔ لیکن مجھے سمجھاتے کیوں نہیں کہ اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ اس طرح وہ خود بھی خطرے میں ڈال رہے ہیں۔ میرے اس طرح غائب ہو جانے پر پولیس کا شبہہ یقین میں تبدیل ہو گیا ہوگا۔ کیا اس طرح انہوں نے اپنی بھی پوزیشن خطرے میں نہیں ڈالی؟"

"ہوں....!" کنول کی ہنسی زہریلی تھی۔ "میں بھی عورت ہوں۔ عورتوں کو خوب سمجھتی ہوں اور پھر طوائف۔"

"خاموش رہو۔" شلی اتنے زور سے چیخی کہ اُس کی آواز پھنس گئی اور پھر وہ تیزی سے اٹھی۔ دروازے کی طرف بڑھنا ہی چاہتی تھی کہ کنول نے اُس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔

"تم اسطرح نہیں جا سکتیں۔" اُس نے کہا۔ "کیا سچ مچ میرے بھائی کو پھنسانے کا ارادہ ہے؟"

شلی رک گئی اور وہ اس طرح کنول کو دیکھ رہی تھی جیسے ابھی ابھی ہوش میں آئی ہو۔

"بیٹھ جاؤ۔" کنول نے اُس کا گال تھپکتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

شلی بے جان سی ہو کر آرام کرسی میں گر گئی۔

"مجھے معاف کر دو....!" اُس نے تھوڑی دیر بعد مردہ آواز میں کہا۔ کنول اٹھ کر پانی لائی.... اُسے بغور دیکھتی رہی۔ شلی کے چہرے سے تھکن کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ انداز سے معلوم ہو رہا تھا جیسے اب وہ کچھ نہیں کہے گی اور اب اُس نے خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔

کنول اُس کے قریب کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی اور آہستہ آہستہ اُس کا شانہ تھپکنے لگی۔

"سنو! شلی....!" وہ اپنی آواز میں نرمی پیدا کر کے بولی۔ "ساگر بے وقوف ہے۔ اُس نے بہت بڑی حماقت کی۔ تمہیں اس طرح نہ چھپانا چاہئے تھا۔ کیا تم جانتی ہو کہ رمیش کا اسسٹنٹ اُسی کا شکار ہو گیا۔"

"میں نہیں سمجھی۔" شلی اُسے حیرت سے دیکھنے لگی۔

"وہ رمیش کی ترتیب دی ہوئی دھنوں کی مشق کر رہا تھا کہ اچانک پیانو ایک دھماکے

ساتھ پھٹ گیا۔"

"اوہ....!" شلی کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"اور اب اسی لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ معاملات کو زیادہ نہ الجھایا جائے۔ ورنہ ساگر اپنے ساتھ پورے خاندان پر تباہی لائے گا۔ تم خود سوچو.... میں نے اتنی سی دیر میں اندازہ لگا لیا ہے کہ تم بہت سمجھ دار اور حساس ہو۔"

"تو بتاؤ میں کیا کروں؟" شلی سسکی لے کر بولی اور اُس کے طفلانہ خدوخال کی معصومیت کچھ اور بھی بڑھ گئی۔

"سب کچھ مجھے بتا دو۔ ساگر بے عقل ہے۔ شروع ہی سے ٹیڑھے ترچھے راستے اختیار کرنے کا عادی رہا ہے۔ سیدھی سادی باتوں کو الجھائے بغیر اُسے چین ہی نہیں آتا.... اور پھر وہ ایسی ایسی حماقتیں کرتا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔"

"تم میرے متعلق کیا جانتی ہو؟" شلی نے تھوڑی دیر خاموش رہ کر سوال کیا۔

"اتنا ہی جتنا اخبارات میں شائع ہوا ہے۔ اور اس وقت ساگر تمہیں یہاں چھوڑ گیا ہے۔ تمہارا نام بتا کر کہہ گیا ہے کہ تمہیں چھپایا جائے۔"

"اخبارات میں میرے متعلق کیا شائع ہوا ہے؟" شلی نے پوچھا۔

"یہی کہ تم نے لوگوں کو اپنے متعلق دھوکے میں رکھا تھا۔ تم اپنے متعلق پروپیگنڈہ کرتی رہی تھیں کہ تم کسی اعلیٰ خاندان کی فرد ہو۔ لیکن محکمہ سراغ رسانی کی اطلاعات کے مطابق حقیقتاً ایک پیشہ ور طوائف تھیں۔"

"ٹھیک ہے۔" شلی نے کہا۔ "یہ سب کچھ ساگر صاحب کی ایماء پر ہوا تھا۔"

"میں یہی پوچھنا چاہتی ہوں کہ یہ سب کیوں اور کس طرح ہوا؟"

"میں سچ مچ ایک پیشہ ور طوائف تھی۔ میری ایک بہن بھی ہے جو اب بھی پیشہ کرتی ہے۔ ہمارے ساتھ کئی اور بھی تھیں۔ اتفاقاً ساگر صاحب ہمارے یہاں آنے لگے لیکن وہ کبھی اس طرح نہ آئے جیسے دوسرے لوگ آتے تھے۔ آتے اور خاموش بیٹھے رہتے اور پھر جاتے وقت پرس میں جو کچھ بھی ہوتا وہیں نکال کر ڈال جایا کرتے تھے۔"

شلی نے خاموش ہو کر گلاس سے دو تین گھونٹ لئے چند لمحے میز پر رکھے ہوئے گلدان پر

نظریں جمائے رہی پھر آہستہ سے بولی۔

"میں اُن کی طرف کھنچنے لگی۔ میں اپنے پیشے سے بیزار تھی اور یہ خواہش تو بچپن ہی سے رکھتی تھی کہ دنیا کے سامنے ایک فنکار کی حیثیت سے آؤں۔ میرے ساتھ کی دوسری لڑکیاں ساگر صاحب کو احمق سمجھتی تھیں۔ لیکن میں اُن کی بڑی عزت کرتی تھی۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ساگر صاحب دوسری لڑکیوں کی عدم موجودگی میں آئے اور ہم گھنٹوں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہتے۔ ساگر صاحب کو میں نے اپنے شوق کے متعلق بتایا۔ انہوں نے فلمی زندگی شروع کرنے کی رائے دی لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتایا کہ مجھے اپنی اصلیت چھپانی پڑے گی۔ کیونکہ آج کل پیشہ ور طوائفوں کی فلمی دنیا میں دال نہیں گلتی۔ انہوں نے کہا.... کہ فی الحال اس پیشے کو ترک کر کے فلمی سوسائٹی میں گھسنے کی کوشش کرو۔ لوگوں سے یہ بتاؤ کہ تم ایک اچھے خاندان کی لڑکی ہو۔ فلم کے شوق میں چند بُرے آدمیوں کے ہاتھ لگ گئیں اور انہوں نے تم سے کچھ دن پیشہ بھی کرایا۔ اس طرح تم کسی نہ کسی اچھے آدمی کی ہمدردیاں حاصل کر لو گی۔ اندازِ گفتگو کے معاملے میں ذرا رومانی بنتی رہنا۔"

شلی پھر خاموش ہو گئی۔ کنول توجہ اور دلچسپی سے سن رہی تھی۔ لیکن اُس کی خاموشی پر اُس نے اُسے ٹوکا نہیں شلی کچھ دیر بعد بولی۔

"اس طرح ساگر صاحب مجھے طوائف کے کوٹھے سے اُتار کر اپنے گھر لائے۔ مجھے اپنے ساتھ ہوٹلوں میں لے جاتے رہے۔ خصوصاً اُن ہوٹلوں میں جہاں فلمی دنیا سے تعلق رکھنے والے آیا کرتے تھے ایک رات ایک رقص گاہ میں انہوں نے مجھے دور سے میوزک ڈائریکٹر رمیش کو دکھایا اور بولے یہ ایک شریف آدمی ہے اور فلمی دنیا میں کافی وقعت کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے.... اگر یہ کسی طرح تم پر مہربان ہو جائے تو تم ترقی کے اعلیٰ مدارج آسانی سے طے کر سکو گی۔ ساگر صاحب نے مجھے انگریزی اور فرانسیسی طرز کے ناچ بھی سکھائے تھے۔ میں نے وہیں رقص گاہ میں رمیش کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش شروع کر دی اور آخر کار میدان میرے ہاتھ رہا۔ رمیش نے مجھ سے رقص کی درخواست کی اور پھر ہم کئی راؤنڈ ناچے۔ رمیش مجھ سے بُری طرح متاثر نظر آرہا تھا۔ دوسرے دن اُس نے مجھے اپنے گھر پر مدعو کیا اور میں نے اُسے اپنے حالات بتائے جو ساگر صاحب نے سمجھائے تھے۔ رمیش اور زیادہ متاثر ہوا۔ کہنے لگا کہ تم مجھے

دھوکے میں بھی رکھ سکتی تھیں۔ اگر اپنی پیشہ ورانہ زندگی کے متعلق مجھے نہ بتاتیں تو میں نہایت آسانی سے اندھیرے میں رہ سکتا تھا۔ تم سچ مچ شریف اور خاندانی معلوم ہوتی ہو اور اگر اب تم باعزت طور پر زندگی بسر کرنا چاہتی ہو تو میں ہر ممکن مدد دینے کے لئے تیار ہوں۔ کچھ دنوں بعد میں نے اُسے اپنی اور اُس آدمی کی فرضی لڑائی کی داستان سنائی جس نے مجھے طوائفانہ زندگی سے نکالا تھا اور پھر رمیش ہی کے ساتھ رہنے لگی۔ رمیش کا ارادہ تھا کہ وہ اب خود بھی فلمیں پروڈیوس کرے گا اور اُس نے مجھ سے وعدہ کیا کہ اپنی پہلی فلم میں مجھے ہیروئن کا رول دے گا۔

دوسرے کمرے میں سرجنٹ حمید بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔

شلی بولتی رہی۔ "میں اس کے بعد بھی ساگر صاحب سے ملتی رہی تھی۔ ساگر صاحب مجھ سے کہا کرتے تھے کہ میں چاہتا ہوں کہ رمیش تم سے مرعوب ہو جائے۔ وہ میوزک ڈائریکٹر ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اُسے موسیقی کا سبق دینے لگو۔ انہوں نے مجھے میوزک سکھانا شروع کر دیا۔ اسی دوران میں رمیش کا مسعود سے کنٹریکٹ ہو گیا۔ رمیش اس فلم کی میوزک کو سال رواں کا بہترین کارنامہ بنانا چاہتا تھا لہٰذا وہ دن رات دھنوں اور گیتوں کی تشکیل میں مصروف رہنے لگا۔ انہیں دنوں ساگر صاحب نے مجھے رقص کی ایک انوکھی گت سکھائی۔ مقصد یہ تھا کہ میں رمیش پر اپنے کمالات کا رعب ڈالوں۔ ساگر صاحب کا اندازہ بالکل درست تھا۔ جب میں نے رمیش کے سامنے وہ گت بجائی تو وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ میں نے کہا اگر یہ تمہیں پسند ہے تو اسے تم اپنے لئے استعمال کر سکتے ہو۔"

شلی پھر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔ حمید کی بے چینی بڑھ گئی تھی۔ اس دوران میں کئی بار اُس کا دل چاہا تھا کہ شلی کے سامنے چلا جائے۔ لیکن.... پھر.... نہ جانے کیوں رک گیا تھا.... وہ سوچ رہا تھا کہ کنول کی اداکاری نے یہ مسئلہ منٹوں میں حل کر دیا۔ ورنہ کتنے ہی پاپڑ بیلنے پڑتے۔

"تو پھر رمیش نے وہ گت اپنالی تھی؟" کنول نے پوچھا۔

"ہاں.... اور دوسروں نے بھی اسے بے حد پسند کیا۔" شلی نے کہا۔

"جس دن پیانو میں دھماکہ ہوا میں اسٹوڈیو کے ریستوران میں ایک پولیس آفیسر کے ساتھ چائے پی رہی تھی۔"

"پولیس آفیسر کے ساتھ؟" کنول نے حیرت سے کہا۔

"وہ ایک منچلا سا پولیس آفیسر ہے نا.... سرجنٹ حمید۔"

"وہ....!" کنول معنی خیز انداز میں سر ہلا کر بولی۔

"پھر اچانک کسی نے ریستوران میں آکر بم پھٹنے کی خبر سنائی اور رمیش کا نام بھی لیا میں [illegible] کر بے تحاشہ اسٹوڈیو کی طرف بھاگی۔ راستے میں ساگر صاحب مل گئے۔ انہوں نے کہا کہ تم وہاں جانا ٹھیک نہیں۔ اگر پولیس کو تمہارے صحیح حالات کا علم ہو گیا تو وہ تم پر شک کرے گی۔ مجھے اپنے ساتھ لے گئے اور اس دن سے چھپاتے پھر رہے ہیں۔ میں بیڈن روڈ کے ایک پرائیو ہسپتال میں ہسٹیریا کی ایک مریض کی حیثیت سے قیام پذیر تھی۔ ساگر صاحب بھی میرے سا ہی رہتے تھے۔ اُس وقت اچانک کچھ پولیس والے وہاں کی تلاشی لینے کیلئے آپہنچے اور ہمیں بھاگنا پڑا۔"

"تم کبھی سچ مچ ہسٹیریا کی مریض رہی ہو؟" کنول نے پوچھا۔

"نہیں کبھی نہیں۔ لیکن اس دوران یہ ضرور محسوس کرتی رہی ہوں کہ مجھ پر کسی قسم کے دورے ضرور پڑیں گے۔ ویسے مجھے اُس ہسپتال میں کسی ہسٹیریا کے مریض کی ایکٹنگ ضرور کر پڑتی تھی۔"

"ساگر اس بات سے بھی واقف تھا کہ تم کسی پولیس آفیسر کی بھی دوست ہو؟" کنول نے پوچھ

"نہیں۔ میں نے اُن سے اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ کسی خاص مقصد کے تحت نہیں۔ میں نے اُس کی ضرورت ہی نہیں محسوس کی۔"

کنول تھوڑی دیر خاموش رہی پھر آہستہ سے بولی۔ "ٹھہرو۔ میں تمہیں ایک آدمی سے ہوں وہ تمہاری مدد کرے گا۔"

اُس نے حمید کو آواز دی اور جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوا شلی اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ کبھی وہ کنول کی طرف دیکھتی تھی اور کبھی حمید کی طرف۔

"دھوکا....!" وہ آہستہ سے بڑبڑائی۔

"بہت بڑا دھوکا۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "اتنا بڑا کہ تم اب بھی ساگر کو اپنا ہمدرد سمجھ رہی ہ

شلی سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ چند لمحے اُسی طرح بیٹھی رہی پھر آہستہ سے بولی۔

"تو وہ تم تھے.... اور یہ ساگر کی بہن۔"

"ساگر....!" حمید نے کہا۔ "نہیں یہ ساگر کی بہن نہیں ہے۔ اگر یہ طریقہ اختیار نہ کر

تو تم سچی بات کبھی نہ بتاتیں اور تم شاید یہ بھی جانتی ہو کہ رمیش اور اُس کا سسٹنٹ تمہاری ہی وجہ سے مرے۔"

"میری وجہ سے؟" شلی خوف زدہ آواز میں بولی۔ اُس کے پیر کانپ رہے تھے اور چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔

حمید نے فاؤنٹین پن جیب سے نکالا اور کاغذ کے ایک ٹکڑے پر چار متوازی لکیریں کھینچیں اور اُن پر موسیقی کے مخصوص نشانات بنانے لگا۔ پھر وہ کاغذ شلی کی طرف بڑھا دیا۔

"کیا یہی وہ گت تھی جو ساگر نے تمہیں سکھائی تھی؟" اُس نے پوچھا۔

"یہ.... میں یہ سب نہیں جانتی۔" شلی اُس پر نظریں جمائے ہوئے بولی۔ "ان لکیروں کو کوئی ماہر ہی سمجھ سکے گا۔ میں تو بس یونہی الٹے سیدھے دو ایک ساز بجا لیتی ہوں۔"

حمید نے ہونٹ سکوڑے اور سیٹیوں میں وہی گت دہرا دی۔ اُسے وہ گت اچھی طرح یاد ہو گئی تھی کیونکہ فریدی اس دوران میں اُسے کئی بار وائیلن پر بجا چکا تھا۔

"یہی تھی....!" شلی نے کہا۔

"تب تو وہ مارا....!" حمید اچھل کر بولا۔

"آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" شلی آہستہ سے بڑبڑائی۔ "میں کچھ نہیں سمجھ سکتی۔"

اُس کے چہرے پر شدید الجھن کے آثار تھے۔

"ایک بہت بڑی سازش۔" حمید نے کہا۔ "اور تم اس میں ایک بے جان مہرے کی طرح کام میں لائی جاتی رہی ہو۔ اسی گت کو بجانے کے دوران میں رمیش مرا تھا اور یہی تھی وہ گت جس نے اُس کے اسسٹنٹ کی جان لی۔"

"میں کچھ نہیں سمجھی۔" شلی بے بسی سے بولی۔

"تمہاری سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔" حمید نے کہا۔ "بہتری اسی میں ہے کہ اب تم ساگر کے ہاتھ لگنے کی کوشش نہ کرنا۔" پھر اُس نے سب کچھ شلی کو سمجھا دیا۔

شلی کے چہرے پر ذہنی کشمکش کے آثار تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے حمید کی باتوں پر یقین نہ آیا ہو۔

"میں تمہیں یہاں اس لئے لایا ہوں کہ تم پولیس اور ساگر دونوں کی نظروں سے محفوظ

رہو۔" حمید پھر بولا۔

"پھر! یہ ایک اور الجھن.... تم مجھے دونوں سے کیوں بچانا چاہتے ہو؟" شلی نے کہا۔

"کیا بتاؤں!" حمید مسکرا کر بولا۔ "بس یہ سمجھ لو کہ سول پولیس کے رنگروٹ ڈھولک بجا کے ماہرین میں سے تسلیم کیے جاتے ہیں۔ اگر تم ایک دن کے لئے بھی حوالات....!"

"کیا بکنے لگے۔" کنول جھنجھلا کر بولی اور اُس کی انگلیاں حمید کی گردن میں پیوست ہو گئیں۔

"معاف کرنا۔" حمید اپنی گردن چھڑا کر بولا۔ "میں یہ بھول گیا تھا کہ تم بھی عورت ہو۔"

"حمید صاحب۔ میں کیا کروں۔" شلی تھوک نگل کر بولی۔

"چپ چاپ یہیں چھپی رہو اور مجھے ساگر کی قیام گاہ کا پتہ بتاؤ۔ حالانکہ وہ اب وہاں نہ رہ سکے گا۔ مگر پھر بھی مجھے تم سے ہمدردی ہے۔"

خودکشی کیوں؟

آٹھ بجے صبح سرجنٹ حمید گھر پہنچا۔ لائبریری کے قریب سے گذرتے وقت اُس نے محسوس کیا کہ فریدی اندر ٹہل رہا ہے۔ وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ فریدی نے اُسے آواز دی۔ حمید ایک لمحے کے لئے رکا۔ اپنی گردن اکڑائی اور سینہ تان کر انگلش لارڈوں کی طرح ہندوستانی پہاڑی کوؤں کی چال چلتا ہوا لائبریری میں داخل ہو گیا۔

فریدی آبی فلالین کی پتلون اور چمڑے کی جیکٹ پہنے لائبریری میں ٹہل رہا تھا۔ بال پریشان اور آنکھیں سرخ تھیں۔ میز پر رکھا ہوا ایش ٹرے سگار کے ٹکڑوں سے بھر گیا تھا۔

"کہاں تھے؟" فریدی نے بڑے نرم لہجے میں پوچھا۔ جس میں پیار کی بھی جھلک تھی۔

حمید کسی آئس کریم کے ڈھیر کی طرح پگھل گیا۔ لیکن دفعتاً اُس کی نظریں لکڑی کی تختیوں پر پڑیں جن پر اُس نے پچھلی رات کو دستِ شفقت پھیرا تھا۔

"شہر ہی میں تھا۔" حمید نے لاپرواہی سے خشک لہجے میں جواب دیا۔

"درجن کی خودکشی کے متعلق معلوم ہوا یا نہیں؟"

"درجن کی خودکشی؟" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

جلد نمبر 10

"ہاں اُس نے خودکشی کر لی.... اور ساتھ ہی اپنے سارے جرائم کا اعتراف بھی کر لیا ہے۔ دیکھو....!"

فریدی نے میز پر رکھا ہوا کاغذ حمید کی طرف بڑھا دیا جس پر تحریر تھا۔

"میں درجن خاں آرتھر سنگھ۔ بہوش و حواس اس بات کا اعتراف کر رہا ہوں کہ رمیش اور اُس کے اسسٹنٹ کی موت کا ذمہ دار میں ہی ہوں۔ لیکن اب مجھے افسوس ہے۔ کیونکہ اُن کی موت سے مجھے کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ نہ تو فلم کی شوٹنگ ہی رکی اور نہ میں کلاوتی ہی کو حاصل کر سکا.... اوہ.... میں اب اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ آدمی کو کسی دوسرے کے گوشت پوست یا خیال سے محبت نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک ذہنی یا روحانی رشتہ ہے۔ کلاوتی پاگل ہو گئی ہے۔ یعنی میری اور اُس کی ذہنی ہم آہنگی ناممکن ہے۔ اس لئے میں خودکشی کر رہا ہوں۔ میں نے یہ سب اسی کے لئے کیا تھا۔ رمیش کو اسی لئے ختم کیا تھا کہ کلاوتی آزاد ہو جائے۔ کلاوتی جو رمیش سے محبت کرتی تھی لیکن وہ کلاوتی.... رمیش کی موت کے بعد پاگل ہو گئی۔ فلم کی شوٹنگ رکوانے میں میرا انتقامی جذبہ کام کر رہا تھا۔ اس فلم کی کہانی میری اپنی تھی جو میرے دوستوں کے ذریعہ ڈائریکٹر مسعود تک پہنچی اور اُس نے اسے اپنا لیا۔ میں جانتا ہوں کہ کہانی بہت مقبول ہو گی۔ لہٰذا میں یہ برداشت نہ کر سکا کہ وہ کسی اور کے نام سے منسوب کی جائے۔ میں نے پہلے ہی سے تہیہ کر لیا تھا کہ اس فلم کی شوٹنگ نہ ہونے دوں گا۔ یہ بات بھی مجھے پہلے ہی سے معلوم تھی کہ اس بار مسعود اپنی فلم کی میوزک رمیش سے دلوائے گا۔ میں نے سوچا کہ بس اب کیا ہے ایک تیر سے دو شکار ہوں گے۔ پھر میں نے ایک پروگرام بنایا.... ایک مکمل ترین اسکیم۔ اپنے ایک گرگے کے ذریعہ بھلا نامی طوائف کو فلمی دنیا میں بلوایا۔ اُس کی ملاقات رمیش سے کروائی۔ آخر وہ بطور داشتہ مجنو کے ساتھ رہنے لگی۔ لوگ اُسے شلی کے نام سے جانتے تھے۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ زیادہ تفصیل میں جاؤں۔ شلی بیڈن روڈ کے ایک پرائیویٹ ہسپتال میں ہے۔ ڈاکٹر جیرالڈ کا ہسپتال۔ وہ بے چاری بالکل بے قصور ہے۔ اُسے اس سازش کا علم نہیں۔ اُسے یہ نہیں معلوم کہ اُسے جو گت سکھائی گئی وہی رمیش کی موت کا پیغام تھی۔ اُس نے وہ گت رمیش کو سکھائی اور اُدھر میں نے اسٹوڈیو کے پیانو میں کاروائی کر دی۔ اُسی گت کے سروں سے ایک بم کا سیفٹی کیچ اینچ ہوا۔ کلاوتی کا اغواء محض اس لئے کرنا پڑا کہ وہ اُس موقع پر موجود تھی۔ جب شلی نے رمیش کو وہ

گت بتائی تھی۔ لہٰذا جس دن دوسرا حادثہ ہوا.... میں نے کلاوتی کو غائب کرادیا لیکن افسو
کہ کلاوتی ذہنی طور پر مجھ سے دور ہوگئی۔ اور اب میں یہ سوچتا ہوں کہ میں نے اُس پر ظلم
ایک نہیں ایسے سینکڑوں جرائم میری ذات سے وابستہ ہیں اور اب میں زندگی میں اپنے
کشش نہیں محسوس کرتا۔ اس لئے خودکشی کررہا ہوں اور پھر میں اتنا گیا گذرا بھی نہیں
دوسرے کو اپنے گلے میں پھانسی کا پھندہ ڈالنے کی اجازت دے دوں۔ شلی میرے ایک
ساگر کے ہمراہ ڈاکٹر جیرالڈ کے ہسپتال میں مقیم ہے۔ ساگر کو اُس سے محبت ہوگئی ہے
اُسے کہیں دور نکال لے جانا چاہتا ہے۔ ساگر کا بھی صرف اتنا ہی قصور ہے کہ وہ شلی کو پہلے
تھا اور اُس نے میرے ہی ایماء پر اُسے وہ گت سکھائی تھی۔ ویسے اُن دونوں موتوں کا ذمہ
ہی ہوں۔"

حمید نے خط ختم کرکے ایک طویل سانس لی اور فریدی کی طرف دیکھنے لگا جو نیا سگار
جارہا تھا۔ ایک ہلکا سا کش لے کر اُس نے حمید کو تیکھی نظروں سے دیکھا پھر مسکرانے لگا۔

"اور تم.....!" اُس نے کہا۔ "اس قابل ہو کہ سمجھ دار آدمیوں کی عبرت کے لئے
گھر کے کٹہرے میں بند کردیئے جاؤ۔"

حمید نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس کا ذہن شلی کی بیان کی ہوئی داستان میں الجھا ہوا
سوچ رہا تھا کہ اس داستان میں ایک جگہ درجن کا نام نہیں آیا تھا اور خود درجن بھی اس کا ا
کرتا ہوا نظر آتا ہے کہ شلی سچ مچ اس سازش سے بے خبر تھی لیکن اُس نے یہ نہیں بتایا تھا
وقت کلاوتی بھی موجود تھی جب اُس نے رمیش کو وہ گت سکھائی تھی۔

"اس قسم کی حرکتیں کرنے سے پہلے۔" فریدی لکڑی کی تختیوں کی طرف اشارہ کر
"ہاتھوں میں دستانے ضرور پہننا چاہئے۔ ورنہ انگلیوں کے نشانات جہنم میں پہنچا دیتے ہیں۔"

حمید کا دل دھڑکنے لگا۔ لیکن فریدی پھر کچھ سوچنے لگا تھا۔ دفعتاً اُس نے سر اٹھا کر کہا
تم نے درجن کے ایک ساتھی پر پتھر چلایا تھا اور اب یہ دوسری حماقت کی اگر یہ حرکت
سے بھی سرزد ہوتی تو میں اسے زندگی بھر نہ معاف کرتا۔"

"میں نے غلطی نہیں کی۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "میں جانتا تھا کہ آپ رمیش کو ساتھ
جارہے ہیں۔ کوئی نہ کوئی حماقت ضرور کریں گے.... لہٰذا.... میں.....!"

نوکر کمرے میں ایک وزیٹنگ کارڈ لے کر داخل ہوا اور حمید جملہ نہ پورا کرسکا۔ فریدی
وزیٹنگ کارڈ پڑھ کر ڈرائینگ روم کی طرف چلا گیا۔ اُس کے پیچھے حمید بھی پہنچا۔ یہاں
ڈی۔ایس۔پی سٹی دو انسپکٹروں کے ساتھ فریدی کا انتظار کررہا تھا۔

"آپ خواہ مخواہ اس معاملے کو الجھا رہے ہیں!" ڈی ایس پی نے کہا۔

"خواہ مخواہ الجھا رہا ہوں۔" فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اور کیا.... ایک سیدھی سی بات بھی آپ کے ذہن میں پیچیدگی اختیار کرلیتی ہے۔"

"تو آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں اسے خودکشی ہی سمجھوں؟" فریدی مسکرا کر بولا۔

اب تو حمید کو بھی چونکنا پڑا۔

"انسپکٹر صاحب ضروری نہیں کہ آپ کے ہاتھ میں آیا ہوا ہر کیس پیچیدہ ہو۔" ڈی ایس پی
نے کہا۔

"میں کسی غیر پیچیدہ کیس میں ہاتھ ہی نہیں لگاتا۔" فریدی لاپروائی سے بولا۔

"اچھا تو پھر یہی بتایئے نا کہ یہ خودکشی نہیں ہے؟" ڈی ایس پی کے لہجے میں اکتاہٹ تھی۔

"سنئے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ لاش کے جیب سے برآمد ہونے والی تحریر سرخ
روشنائی میں ہے لیکن اُس گھر میں نہ کوئی ایسی دوات ملی جس میں سرخ روشنائی ہو اور نہ کوئی ایسا
فاؤنٹین پن۔"

"کمال کرتے ہیں آپ بھی۔" ڈی ایس پی ہنس کر بولا۔ "ممکن ہے اُس نے وہ خط گھر کے
باہر ہی کہیں لکھا ہو۔"

"ٹھیک ہے... اچھا خیر... ہمیں ایک بار پھر وہیں چلنا پڑے گا۔ یہاں آپ نہ سمجھ سکیں گے۔"
فریدی کھڑا ہوگیا اور حمید سے بولا۔ "گیراج سے گاڑی نکالو۔"

تھوڑی دیر بعد وہ سب درجن کے گھر کی طرف جارہے تھے۔

اُس عمارت کے گرد پولیس کا پہرہ تھا اور حادثے والے کمرے کی کوئی چیز اِدھر اُدھر نہیں کی
گئی تھی۔ صرف لاش ہٹائی گئی تھی اور پاگل کلاوتی کو ہسپتال روانہ کردیا گیا تھا۔

فریدی وغیرہ حادثے والے کمرے میں کھڑے تھے۔

"ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا۔" فریدی بولا۔ "یہ خط یہیں اسی عمارت میں لکھا گیا تھا۔ ذرا یہ دیکھئے۔"

فریدی نے فرش پر پڑے ہوئے سرخ رنگ کے ایک دھبے کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ بات واضح ہو چکی۔" اُس نے پھر کہنا شروع کیا۔ "کہ اس گھر میں نہ سرخ روشنائی ہے نہ کوئی ایسا فاؤنٹین پن جس میں سرخ روشنائی ہو۔ پھر یہ دھبہ کہاں سے آیا جو پرانا بھی نہیں معلوم ہوتا۔ غالباً اس پر ابھی تک کسی کا پیر بھی نہیں پڑا اور اس دھبے کی بناوٹ بھی آپ دیکھ رہے ہیں۔ ننھی ننھی چھینٹوں سے بنی ہوئی یہ لمبی سی لکیر کسی فاؤنٹین پن ہی کی روشنائی چھڑکنے کا نتیجہ ہو سکتی ہے۔"

"چلئے مان لیا اسے۔" ڈی ایس پی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"اچھا اب اس تحریر کو دیکھئے۔" فریدی نے جیب سے درجن کا خط نکالتے ہوئے کہا۔ "اس پر ان دھبوں کے متعلق کیا کہتے ہیں۔"

"اوہو! کیا یہ کوئی بڑا مشکل سوال ہے؟"

"آسان ہی سہی! لیکن میں اس کا جواب چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"ظاہر ہے کہ یہ کاغذ تحریر کے خشک ہونے سے پہلے ہی تہہ کر دیا گیا تھا۔ اس لئے یہ دھبے پڑ گئے۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن ذرا غور سے دیکھئے۔" فریدی نے کہا۔ "پوری تحریر خشک ہو گئی تھی لیکن اوپر کی لائن کے یہی دو تین الفاظ خشک ہونے سے رہ گئے تھے اور یہ قطعی ناممکن ہے کہ پوری تحریر کے بعد کے الفاظ تو خشک ہو جائیں اور شروع کے الفاظ گیلے ہی رہیں۔"

"اکثر ایسا بھی ہوتا ہے۔" ڈی ایس پی بولا۔

"لیکن اُسی صورت میں جب روشنائی زیادہ ہو جائے لیکن یہاں اس کے آثار بھی نہیں ہیں۔ صریحاً ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے پہلی لائن کے شروع کے یہ الفاظ "میں درجن خان آرتھر سنگھ" بعد میں لکھے گئے ہیں اور جلدی میں روشنائی خشک ہونے سے قبل ہی کاغذ تہہ کر دیا گیا ہو اور "بہوش و حواس" سے پہلے کا ایک لفظ کاٹا گیا ہے۔ اس پر لگائے ہوئے نشان کی روشنائی بھی گیلی تھی کیونکہ اس کا دھبہ بھی یہ رہا۔"

"پھر.....؟" ڈی ایس پی کی آنکھوں سے الجھن جھانک رہی تھی۔

"جہاں تک میرا خیال ہے یہ تحریر "میں بہوش و حواس" ہی سے شروع کی گئی تھی لیکن

"میں" کاٹ دیا گیا اور اس سے پہلے چھوٹی ہوئی جگہ پر "میں درجن خان آرتھر سنگھ" کا اضافہ کیا

"میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" ڈی۔ایس۔پی نے کہا۔

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ شروع کے الفاظ جو بعد کو لکھے گئے درجن نے نہیں لکھے تھے۔"

فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ کیا فرق ہے ان میں؟" ڈی۔ایس۔پی جھنجھلا کر بولا۔

"شاید آپ کو طرزِ تحریر کے ماہرین کی رپورٹ پر یقین آ جائے۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

چند لمحے خاموشی رہی۔ ڈی۔ایس۔پی کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اب کچھ اور پوچھے گا۔ البتہ اُس کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار تھے۔

"آپ اس نتیجے پر کس طرح پہنچے؟" حمید نے پوچھا۔ "سرسری طور پر کیا غور سے بھی دیکھنے سے مجھے اس تحریر میں انداز کا فرق نہیں نظر آیا۔"

"پہلے میں نے بھی فرق نہیں محسوس کیا تھا اور کوتوال صاحب کا یہ کہنا بھی درست ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے اُس نے پہلے چند الفاظ بعد ہی میں لکھے ہوں۔ مگر یہاں ایک نشان اور بھی ہے..... یہ رہا ہلکا سا سرخ نشان جو باریک باریک متعدد لکیروں سے بنا ہے۔ یہ اُس آدمی کے انگلی کا نشان ہے جس نے اس کاغذ کو تہہ کیا تھا۔ اُس کی انگلی میں سرخ روشنائی لگی ہوئی تھی اور وہ غالباً کاٹ دی گئی تھی جب اُس نے فاؤنٹین پن کو جھٹکا دے کر روشنائی چھڑکی تھی۔ لیکن درجن کی انگلیاں صاف تھیں اُن پر ذرہ برابر بھی سرخی نہیں ملی۔"

"تو اس کا یہ مطلب کہ پوری تحریر درجن کی نہیں ہے؟" ڈی۔ایس۔پی نے کہا۔

"نہیں۔ قطعی اُسی کی ہے۔ مجھے تو صرف چند الفاظ پر شبہہ ہے۔ میں اس کی دوسری بعض تحریروں سے بھی اُس کا مقابلہ کر چکا ہوں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ اس طرح قلم پکڑتے ہیں کہ اُنکی بیچ کی انگلیوں میں ناخنوں کے قریب تھوڑی سی روشنائی ضرور لگ جاتی ہے اور کچھ لوگوں کے ہاتھ بالکل بے داغ رہتے ہیں۔ درجن دوسری ہی قسم کے لوگوں میں سے تھا۔"

"چلئے میں نے سب کچھ تسلیم کر لیا۔" ڈی۔ایس۔پی اکتا کر بولا۔ "آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"یہ خودکشی نہیں بلکہ قتل ہے۔" فریدی نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "یہ تحریر کسی نامعلوم آدمی نے ورجن سے لکھوائی تھی اور اُسے یہاں سے شروع کرایا تھا۔ "میں بہوش و حواس اس بات کا اعتراف کرتا ہوں اور پھر اُس نے ورجن کا گلا گھونٹ دیا۔ اس کے بعد اُس نے اپنے قد سے چھوٹی ہوئی جگہ میں ورجن خان آرتھر سنگھ کا اضافہ کر دیا۔ اور یہ کوئی مشکل کام نہیں کہ کرسی پر مردہ آدمی کی گردن رسی کے پھندے میں ڈال دی جائے۔"

"ہو تو سکتا ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ یہی ہوا ہو۔ ابھی تک آپ نے جو کچھ کہا ہے وہ محض قیاس ہے۔ ایسا قیاس جس پر حقیقت کا گمان ہو سکے۔ مگر گمان اور حقیقت میں فرق ہے۔ اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ موت رسی کے پھندے سے نہیں واقع ہوئی تو اُسی صورت میں اسے قتل سمجھا جا سکتا ہے۔"

فریدی ڈی۔ایس۔پی کی بات پر چند لمحے مسکراتا رہا پھر بولا۔

"کوتوال صاحب۔ واقعی آپ کا اعتراف کافی وزن دار ہے۔ ظاہر ہے کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں یہی ہوگا کہ ورجن کی موت دم گھٹنے کی وجہ سے واقع ہوئی اور دم دونوں ہی صورتوں میں گھٹ جاتا ہے۔ چاہے ہاتھ سے گردن دبائی جائے چاہے رسی کا پھندا موت کا باعث ہو۔ لیکن کوتوال صاحب مجھے افسوس ہے کہ آپ پچھلی رات کو یہاں موجود نہیں تھے اور نہ آپ نے وہ رپورٹ ہی اچھی طرح پڑھی ہے جو میں نے آپ کو ہیڈ محرر کو ڈکٹیٹ کرائی تھی؟"

"کیوں؟ کیا مطلب؟" ڈی۔ایس۔پی اُسے گھور کر بولا۔

"جلدی میں مجرم ایک بڑی فاش غلطی کر بیٹھا تھا۔ اگر وہ اپنا فاؤنٹین پن بھی یہاں ڈال جاتا اور ایک دوسری غلطی نہ کرتا تو میرے فرشتے بھی اس نتیجے پر نہ پہنچ سکتے۔"

"کون سی غلطی؟" ڈی۔ایس۔پی بولا۔

"دیکھئے بتاتا ہوں۔" فریدی نے چھت سے لٹکتی ہوئی رسی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "یہاں پر ایک کرسی پڑی تھی اور لاش رسی میں جھول رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ ورجن نے اُسی کرسی پر کھڑے ہو کر رسی کا پھندا گلے میں ڈالا ہوگا اور پھر کرسی کو لات مار کر ہٹا دیا ہوگا۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔

"ہاں ہاں۔ میں سمجھ رہا ہوں۔" ڈی۔ایس۔پی نے بے چینی سے کہا۔

"اچھا.... اچھا۔ اگر یہ بات تھی تو مرنے والے کے پیر کرسی کی سطح سے نیچے ہونے چاہئے میں غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں؟"

"نہیں صاحب بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ کہہ بھی چکئے۔" ڈی۔ایس۔پی نے کہا اور فریدی بے اختیار مسکرا پڑا۔

"لیکن کوتوال صاحب! جب میں نے لاش کے نیچے کرسی سیدھی کی تو ورجن کے پیر کرسی کی سطح سے تقریباً نو انچ اونچے تھے۔"

"کیا؟" ڈی۔ایس۔پی چونک پڑا۔ "آپ کو یقین ہے؟"

"اپنے ہیڈ محرر سے پوچھ لیجئے گا۔ میں نے اُس کی توجہ اس چیز کی طرف مبذول کرائی تھی لیکن شاید وہ سمجھ ہی نہ سکا تھا۔"

"اگر یہ بات تھی تب تو.... آپ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔" ڈی۔ایس۔پی مضطربانہ انداز میں بولا۔

"جی ہاں۔ مجرم جلدی میں تھا۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "اُس نے ورجن کا گلا گھونٹا اور اسے لٹکا دیا۔ پھر فاصلے کا خیال رکھے بغیر ایک کرسی اُسی کے نیچے الٹ دی۔"

ڈی۔ایس۔پی کچھ دیر خاموش رہ کر پھر بولا۔

"اور کلاوتی کا پاگل پن۔"

"اُس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ البتہ اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اگر اُس کے پاگل پن کی وجہ رمیش کی موت تھی تو وہ اغواء سے پہلے ہی پاگل کیوں نہیں ہوئی۔ حالانکہ وہ خود اُسی حادثے کے نتیجے میں تھوڑی بہت زخمی ہو گئی تھی۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" ڈی۔ایس۔پی سر ہلا کر بولا۔

"اور بے چارا ورجن.... وہ اس بساط پر ایک معمولی مہرے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا تھا۔ پتہ نہیں اُس لڑکی شملی کا کیا انجام ہوا؟"

"وہ میرے جیب میں رکھی ہوئی ہے۔" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا؟" فریدی چونک کر اُس کی طرف مڑا۔

"کچھ نہیں۔" حمید نے بڑی معصومیت سے سر ہلا دیا۔

اجنبی دوست

واپسی پر فریدی خیالات میں ڈوبا ہوا کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ حمید بھی خاموش تھا اور سوچ
کہ فریدی کو شلی کے متعلق کس طرح بتائے۔

"تو کیا کلاوتی بنی ہوئی پاگل ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"تم مت بولو مجھ سے۔ تمہاری بدولت کیس برباد ہو گیا۔"

"ضروری نہیں کہ آپ کی سوچی ہوئی ہر بات درست ہی ہو۔" حمید نے کہا۔ "آپ
ہیں کہ میری وجہ سے کیس بگڑ گیا ہے اور میں یہ کہتا ہوں کہ آپ کو درجن کی خودکشی
ثابت کرنے کے لئے جو آسانیاں بہم پہنچی ہیں اُن کا ذمہ دار میں ہی ہوں۔"

"یعنی تمہارا مطلب یہ ہے کہ یہ ساگر ہی کی حرکت ہے؟"

"سو فیصدی جناب والا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "ہسپتال سے بھاگ کر وہ سیدھا
کے یہاں آیا اور جلدی میں اُس سے ایسی حماقتیں سرزد ہوئیں کہ قتل خودکشی نہ بن سکا۔ اُ
نے کرسی سے لاش کے فاصلے کا تناسب ذہن میں رکھا ہوتا تو اپنا فاؤنٹین پن بھی وہیں چ
ہوتا تو کیا آپ اس نتیجے پر پہنچ سکتے تھے؟"

"قیامت تک نہیں۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "خط کے طرز تحریر کے مبہم سے ف
طرف دھیان بھی نہ دیتا۔"

"بہر حال کہنے کا یہ مطلب کہ...." حمید بولا۔ "اگر اُس نے یہ کام اطمینان سے سرا
ہوتا تو پولیس روپیٹ کر بیٹھ گئی ہوتی اور مجھے کہنے دیجئے کہ اُسے یہ بے اطمینانی میری ہی ب
نصیب ہوئی۔"

"کیوں.... تمہاری وجہ سے کیوں؟"

"میری ہی وجہ سے جناب۔" حمید اکڑ کر اپنا سینہ پیٹتا ہوا بولا۔

"ابے تو کچھ کہے گا بھی.... یا یونہی....!"

"شلی میرے جیب میں رکھی ہوئی ہے۔"

"یعنی....؟"

"میں نے شلی کو پچھلی رات پکڑ لیا تھا۔"

"کیا....؟ کیوں بکتے ہو۔"

"خدا کی قسم....!"

"کہاں ہے وہ؟"

"کنول کے کوارٹر میں۔"

"کنول کون....؟"

"اوہو.... اتنی جلدی بھول گئے۔ وہی مسٹر کیو والی۔"

"اوہ! لیکن تم نے رات ہی مجھے اس کی اطلاع کیوں نہیں دی؟"

"اگر آپ سیدھے نہ ہو جاتے تو اس وقت بھی نہ بتاتا۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"تو یہ بات ہے۔" فریدی نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "شلی کے پکڑے جانے کی بناء
پر ساگر نے بوکھلا کر یہ حرکت کر ڈالی۔ بہر حال یہ ماننا پڑے گا کہ ساگر معمولی ذہانت کا آدمی
نہیں۔ وہ شروع ہی سے اس بات پر زور دیتا چلا آرہا ہے کہ اُس نے یہ جرائم محض فلم کی شوٹنگ
رکوانے کے لئے کیے ہیں۔ حالانکہ یہ بات نہیں معلوم ہوتی۔ درجن کے خط میں اُس نے درجن
اور کلاوتی کے عشق کا قصہ چھیڑا ہے۔ یہ بھی بے سروپا معلوم ہوتا ہے۔ کلاوتی پاگل ضرور ہو گئی
ہے لیکن اس کی وجہ صدمہ نہیں معلوم ہوتا۔ اُسے کسی تدبیر سے پاگل بنایا گیا ہے۔"

"میں نے شلی سے ساگر کی مستقل قیام گاہ کا پتہ لے لیا ہے۔ کیوں نہ وہاں بھی دیکھ لیں۔"
حمید نے کہا۔

"فضول ہے۔ اُس کا وہاں پایا جانا قطعی غیر فطری ہوگا۔ کیونکہ اُس نے درجن سے اس بات کا
اعتراف کرا دیا ہے کہ وہ خود بھی اس سازش میں شریک تھا۔ لیکن قتل کا الزام اپنے سر نہیں لیا۔
بہر حال وہ اسی جرم کو چھپانے کے لئے پولیس کی نظروں سے چھپنے کی کوشش ضرور کرے گا۔"

"ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ درجن نے اُس سے لکھوایا کس طرح ہوگا۔" حمید نے کہا۔

"یہ کوئی مشکل کام نہیں۔ ظاہر ہے کہ درجن بھی اس سازش میں شریک تھا اور تم یہ بھی

جانتے ہو کہ وہ ہر وقت نشے میں رہتا تھا۔ ساگر نے اُس سے کہا ہوگا کہ اب پولیس اُن کے پیچھے پڑنے والی ہے۔ لہٰذا کیوں نہ اُسے غلط راستے پر لگایا جائے۔"

فریدی خاموش ہوگیا۔ حمید بھی تھوڑی دیر تک چپ رہا پھر بے چینی سے بولا۔ "ہاں تو پھر.....؟"

"فی الحال اس مسئلے کو الگ ہی رکھو۔" فریدی بولا۔ "ہاں..... شلی نے کیا بتایا تھا؟"

حمید نے مختصراً شلی کا بیان دہرادیا۔ فریدی کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"بہتر یہی ہے کہ اُسے چپ چاپ وہاں سے نکال کر حوالات میں پہنچا دیا جائے اور اس معاملے کو شہرت نہ دی جائے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کنول کے گھر پر پہنچے۔ کنول نے چھٹی لے رکھی تھی۔ شلی اور وہ دونوں بے خبر سو رہی تھیں۔ اُن کے نندا سے چہرے دیکھ کر حمید کو بھی خیال آیا کہ وہ بھی پچھلی رات کو نہیں سویا تھا اور پھر اُس کی پلکیں بھی نیند کے دباؤ سے جھکنے لگیں۔

شلی متحیرانہ انداز میں فریدی کو دیکھ رہی تھی۔

اور پھر جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ وہ حوالات کے لئے لے جائی جارہی ہے تو وہ کسی ننھی بچی کی طرح رونے اور سسکنے لگی۔

"کیوں..... اسے یہیں رہنے دیا جائے۔" حمید نے فریدی کو الگ لے جاکر کہا۔

"نہیں..... یہ ناممکن ہے۔ کیس بہت پیچیدہ ہوگیا ہے اور اب میں کوئی رسک لینے کیلئے تیار نہیں۔"

"اس کی معصومیت..... دیکھئے کس طرح رو رہی ہے۔"

"میں شاعر نہیں ہوں حمید صاحب۔"

"آنر حرج ہی کیا ہے؟"

"بہت بڑا حرج۔ اسے میں سمجھ سکتا ہوں۔"

سرجنٹ حمید راستے بھر شلی کو تسلیاں دیتا رہا۔ "تمہیں وہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ سب ٹھیک کرلوں گا اور تمہیں سرکاری گواہ بنا کر چھوڑ دیا جائے گا۔"

پھر تھوڑی دیر بعد اُس نے شلی سے پوچھا۔

"تم نے رمیش والے حادثے کے دن مجھ سے کہا تھا کہ تمہیں ساگر سے نفرت تھی۔

لئے کہ اُس نے تم سے اپنے احسانات کا معاوضہ طلب نہیں کیا تھا۔"

شلی نے جواب نہیں دیا۔ اُس نے صرف ایک بار اُس کی طرف دیکھا اور نظریں جھکالیں۔

حمید کے استفسار پر بولی۔

"مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے کہا تھا۔"

"لیکن تم نے اس کا تذکرہ ہی کیوں کیا تھا۔" حمید نے کہا۔ لیکن پھر فوراً ہی سنبھل گیا۔ کہ یہ ایک قطعی غیر ضروری سوال تھا اور اس کا ذمہ دار اُس کا نیند سے دبتا ہوا ذہن تھا۔

"حمید صاحب۔" شلی بولی۔ "اس زمانے کی باتیں چھوڑیئے۔ مجھ پر ہیروئن بننے کا بھوت سوار تھا اور میں ہر ایک سے رومانی اور ڈرامائی انداز میں گفتگو کیا کرتی تھی۔ وہ بھی ایک بکواس تھی..... لیکن.....!"

"لیکن..... کیا.....؟"

"مجھے یقین نہیں آتا کہ..... ساگر صاحب کی سازش سے یہ سب کچھ ہوا ہو..... وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔"

فریدی اگلی سیٹ پر تھا۔ شلی کے اس جملے پر مسکرانے لگا۔

"درجن اور ساگر کے تعلقات کیسے تھے؟" اُس نے شلی کو مخاطب کیا۔

"وہ شاید درجن کو جانتے بھی نہ ہوں۔"

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ درجن نے خودکشی کرلی؟"

"میں نہیں جانتی..... کب؟" شلی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کبھی اُس سے بھی تمہارے تعلقات رہے ہیں؟" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں کبھی نہیں۔"

"کچھ پڑھی لکھی ہو..... اردو آتی ہے تمہیں؟"

"جی ہاں.....!"

فریدی نے جیب سے درجن کا خط نکال کر دیتے ہوئے کہا۔ "درجن کی جیب سے یہ خط برآمد ہوا ہے۔"

شلی خط پڑھنے لگی۔ حمید اُس کے چہرے کی طرف بغور دیکھ رہا تھا۔ شلی کی آنکھیں آہستہ

آہستہ پھیلتی رہیں اور خط ختم کرتے ہی اُس کا سر پیچھے کی طرف ڈھلک گیا۔

"شلی....!" حمید نے اُس کے ہاتھ سے خط لے کر اُس کا شانہ ہلایا۔

"جی" اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ چہرے کی نقاہت اور بڑھ گئی تھی وہ کچھ دیر خاموش پھر اپنی پیشانی رگڑتی ہوئی بڑبڑانے لگی۔ "میں نہیں سمجھ سکتی کہ یہ کیا ہو رہا ہے.... کیوں ہو رہا ہے.... ساگر صاحب۔"

"کیا یہ سچ ہے کہ کلاوتی اُس وقت موجود تھی جب تم نے رمیش کو وہ گت سکھائی تھی؟" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں.... مجھے یاد پڑتا ہے کہ وہ موجود تھی۔"

"کیا ساگر دن رات تمہارے ساتھ رہتا تھا؟"

"جی نہیں۔ صرف رات بسر کرتے تھے۔"

"کیا کام کرتے تھے؟"

"یہ کبھی نہیں بتایا۔"

شلی کو حوالات میں دے کر وہ پھر چل پڑے۔ حمید کچھ دل گرفتہ سا ہو گیا تھا۔ شلی اس وقت بھی رونے لگی تھی جب اُسے لوہے کی سلاخوں دار دروازوں کے پیچھے لے جایا جا رہا تھا۔

"مجھے بھی افسوس ہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن یہ ضروری ہے لڑکی سازش سے باخبر معلوم ہوتی۔"

فریدی خاموشی سے کار ڈرائیو کر رہا تھا اور سرجنٹ حمید کھڑکی سے سر ٹیکے ہوئے سونے کی کوشش میں مصروف تھا۔ نیند سے بوجھل ذہن پر خوشی اور رنج کے ردعمل کا خیال ہی فضول۔

"ایک بات ابھی تک سمجھ میں نہ آئی۔" دفعتاً فریدی بولا اور حمید چونک کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ اپنی نیند سے بوجھل آنکھوں کو زبردستی پھاڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"آخر وہ درجن کے مکان کے اندر پہنچا کیسے؟" فریدی نے کہا۔

"اوپری منزل کافی اونچائی پر ہے۔ صدر دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس کے علاوہ بھی میں کسی قسم کے امکانات کو نہیں چھوڑا۔ لیکن ابھی تک یہ بات نہ معلوم ہو سکی۔"

"ممکن ہے وہ باقاعدہ طور پر اندر گیا ہو۔" حمید نے کہا۔

"لیکن اُس کی واپسی پر صدر دروازہ اندر سے کس نے بند کیا۔ درجن مر چکا تھا اور کلاوتی اول پاگل تھی اور دوسرے وہ کمرہ مقفل تھا جس میں وہ پائی گئی تھی۔"

"بیلی کوپٹر کے ذریعہ اُترا ہوگا۔" حمید نے کہا اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔

فریدی تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "آؤ چلو۔ لگے ہاتھ ساگر کی وہ قیام گاہ بھی دیکھ لیں جس کا پتہ شلی نے بتایا ہے۔"

"ضرور.... شیکھ.... دیکھ لیجئے۔" حمید آنکھیں بند کیے ہوئے بڑبڑایا۔

کیڈی سڑکوں پر دوڑ رہی تھی۔

"کیا سو گئے؟" فریدی نے حمید کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"شوہر بڑا مظلوم جانور ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

"کیا بکتے ہو۔" فریدی بھنا کر بولا۔

"جی...!" حمید نے آنکھیں کھول دیں اور گھبرائی ہوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"میں بھی رات بھر جاگا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"ضرور جاگے ہوں گے۔ آپ کا ٹائپ دنیا سے نرالا ہے۔" حمید نے کہا اور پھر اونگھنے لگا۔

پرنس اسکوائر آ گیا تھا۔ فریدی نے کیڈی روک دی۔ حمید آنکھیں ملتا ہوا سیدھا ہو گیا۔

"کہاں پہنچے؟" اُس نے فریدی سے پوچھا۔

"جہنم میں....!" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"کب تک قیام رہے گا؟"

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر آگے بڑھ گیا۔

پرنس اسکوائر ایک بہت بڑی عمارت تھی۔ اس میں درجنوں فلیٹ تھے۔ فریدی اور حمید اوپری منزل پر پہنچ کر داہنے ہاتھ کی طرف مڑ گئے۔ اس لائن کی تیسرے فلیٹ کے دروازے پر ایلومینیم کا بورڈ "باسو" کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی.... اور دروازہ باہر سے مقفل نہیں تھا۔ فریدی نے دستک دی۔ اندر بھاری قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور پھر دروازہ کھل گیا۔ ایک پستہ قد اور سیاہ فام آدمی کھلے ہوئے دروازے میں کھڑا انہیں گھور رہا تھا۔

"کیا ساگر صاحب تشریف رکھتے ہیں؟" فریدی نے پوچھا۔

"ساگر صاحب۔ کون ساگر صاحب؟ یہاں کوئی ساگر واگر نہیں رہتا۔"

"آپ کا کیا نام ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"کیوں؟" وہ فریدی کو غصیلی نظروں سے گھورنے لگا۔

فریدی نے جیب سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر اُس کی طرف بڑھا دیا۔

"اوہ بابا.... پولیس....!" وہ آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "نہیں مسٹر! یہاں کوئی ساگر نہیں میں.... مسٹر.... ارے.... بی۔ ایل باسو ہوں۔"

ایک آدمی جو اُدھر سے گذر رہا تھا پولیس کا نام سن کر رک گیا۔ بی۔ ایل۔ باسو نے اُس کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "باجو والے بھائی سے پوچھ لیجئے۔ یہاں کوئی ساگر نہیں رہتا۔"

"نہیں رہتا۔" وہ دانت پیس کر بولا۔ "سالا بھیجا چاٹ گیا۔ تم بولتا ہے نہیں رہتا.... صاحب.... ہم سے بولا تھا۔ ہم باسو صاحب کا دوست ہے۔ سالا رات بھر ستار بجاتا چھوکریاں رکھتا تھا۔ سونے نہیں دیتا تھا.... سالا طبلہ بھی بجاتا تھا۔"

فریدی باسو کو گھورنے لگا۔

"بائی گاڈ.... ایشور کسم.... میں نہیں جانتا۔ ایک مہینے بعد آج ہی آیا ہوں یہاں" نے کہا۔

"تم تو نہیں تھا۔" پڑوسی نے کہا۔ "مگر اُس سالے کو یہاں ٹکا گیا تھا۔"

"میں نے کسی کو نہیں ٹکایا تھا۔ میں کسی ساگر کو نہیں جانتا۔"

"تم کہاں گئے تھے؟" فریدی نے پوچھا۔

"پاور ہاؤس میں اسسٹنٹ انجینئر ہوں۔ ایک مہینے کی چھٹی لے کر مدراس گیا تھا۔"

"اور تم نے اپنے فلیٹ کی کنجی کسی کو نہیں دی تھی؟"

"نہیں صاحب بالکل نہیں۔"

"اور جب تم گھر میں داخل ہوئے تو تمہیں کوئی تبدیلی نہیں محسوس ہوئی؟"

"بالکل نہیں.... جیسے میں چھوڑ گیا تھا ویسا ہی پایا۔"

"ساگر کا حلیہ کیا تھا....؟" فریدی نے باسو کے پڑوسی سے پوچھا۔

اس پر اُس نے وہی حلیہ بتایا جو وہ لوگ اب تک سنتے آئے تھے۔ پھر فریدی نے شلی

کے متعلق سوالات کیے اور اُس کے جوابات سے اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ شلی بھی اُس کے ساتھ تھی۔

"اس حلیے کے کسی آدمی سے تمہاری جان پہچان ہے؟" فریدی نے باسو سے پوچھا۔

"نہیں صاحب، میں کسی آدمی کو نہیں جانتا جس کی ناک طوطے کی چونچ جیسی ہو۔"

"میں تمہارا گھر اندر سے دیکھنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"شوق سے آیئے۔ چلے آیئے۔ میں تنہا ہی رہتا ہوں۔"

فریدی اور حمید کافی دیر تک فلیٹ کا گوشہ گوشہ دیکھتے رہے لیکن کہیں کوئی خاص بات نہ معلوم ہوئی۔

اور پھر تھوڑی دیر بعد وہ تھکے ہارے گھر کی طرف جا رہے تھے۔ فریدی کا منہ لٹکا ہوا تھا.... اور حمید وہ ہر بات سے بے پروا بڑے آرٹسٹک انداز میں اونگھ رہا تھا۔ کبھی کبھی چونک کر ذرا سی آنکھیں کھولتا اور اُس کا سر پھر جھکولے لینے لگتا۔

گھر پر رمیش فریدی کا انتظار کر رہا تھا اور اُس نے وہ خبر سنائی کہ فریدی اچھل پڑا اور اس کیس کی گمشدہ کڑیاں بڑی سرعت سے خالی جگہوں کو پُر کرنے لگیں لیکن حمید پر کوئی خاص اثر نہ ہوا۔ وہ کھڑے کھڑے اونگھ رہا تھا۔

یہ کون؟

فریدی نے حمید کو غسل خانے میں دھکیل دیا۔ اُس کی طبیعت بُری طرح جھلائی ہوئی تھی۔ لیکن کرتا ہی کیا۔ بہر حال ٹھنڈے پانی سے غسل کر لینے کے بعد نیند اسی طرح غائب ہو گئی جیسے کبھی اُس کا وجود ہی نہ رہا ہو۔ سردیوں کے دنوں میں ٹھنڈا پانی کچھ ایسا ہی قاتل ہوتا ہے۔

اور پھر جب وہ دونوں گھر سے نکلے تو حمید کافی چاق و چوبند نظر آ رہا تھا۔

"اب کہاں؟" حمید نے پوچھا۔

"کیا تم واقعی اُس وقت سنجیدگی سے اونگھ رہے تھے جب رمیش نے ایک نئی اطلاع دی تھی۔" فریدی نے کہا۔

"میں صدقِ دل سے اونگھ رہا تھا جناب۔" حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔

"رمیش نے بتایا ہے کہ پچھلی رات کو درجن کے گھر کے قریب بجلی گھر کا ایک ٹرک آیا تھا اور وہاں کے تاروں کی شاید کوئی خرابی درست کی گئی تھی۔"

"تو پھر.....؟"

"اوہ تم نہیں سمجھے۔ بجلی گھر کے ٹرکوں میں لکڑی کی سیڑھیاں فٹ ہوتی ہیں۔ کیا تم نے خیال نہیں کیا کہ درجن کے گھر کی ایک دیوار میں بجلی کے تاروں کا ایک بریکٹ لگا ہوا ہے۔ اس عمارت کے بوڑھے چوکیدار نے بتایا ہے کہ وہ ٹرک وہاں تقریباً ایک یا ڈیڑھ گھنٹے تک رکا تھا اور ایک آدمی سیڑھی سے دیوار پر چڑھ کر تار ٹھیک کرتا رہا تھا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی چند لمحے خاموش رہنے کے بعد کہنے لگا۔

"ساگر بیڈن روڈ والے ہسپتال سے نو بجے فرار ہوا تھا اور تم یہ جانتے ہی ہو کہ پاور ہاؤز پو گراؤنڈ سے نزدیک ہی ہے۔ اگر وہ وہاں سے ایک ٹرک لے کر درجن کے گھر تک آہستہ آہستہ بھی گیا ہوگا تو اُسے اس کام کیلئے کافی وقت مل گیا ہوگا۔ ہم لوگ وہاں تقریباً گیارہ بجے پہنچے تھے۔"

"تو پاور ہاؤز میں پتہ لگانے سے کیا ہوگا؟" حمید نے کہا۔ "ظاہر ہے کہ وہاں سے ٹرک چرا بھاگا ہوگا۔ میرے خیال سے تو ناکامی ہی ہوگی۔"

"شاید تم بھول رہے ہو کہ مسٹر بی۔ ایل باسو بھی پاور ہاؤز میں اسسٹنٹ انجینئر ہیں۔ وہ مسٹر باسو! جن کے فلیٹ پر ایک ماہ تک ایک ایسا آدمی قبضہ کئے رہا جو مسٹر باسو کیلئے بالکل اجنبی تھا۔"

حمید سوچ میں پڑ گیا۔

"حمید صاحب اس کیس میں سچ مچ مزا آرہا ہے۔" فریدی پھر بولا۔

"مجھے بھی مزہ آرہا ہے۔ اگر نمونیہ ہو گیا تو اور مزہ آئے گا۔ اگر مر گیا تو پھر مزہ ہی مزہ۔ قیامت تک چین کروں گا۔ ویسے مجھے اس کا افسوس ہے کہ کلاوتی سے ملاقات نہ کر سکا۔"

"اچھا ہی ہوا کہ تم نہیں تھے۔ ورنہ اڑی ہوئی ہیٹ پکڑنے دوڑتے۔ لیڈی جہانگیر والا واقعہ یاد ہے نا.....؟"

پاور ہاؤز پہنچ کر وہ سیدھے چیف انجینئر کے کمرے میں چلے گئے۔ فریدی کا ملاقاتی کارڈ دیکھ کر وہ بہت تپاک سے ملا۔

"تشریف رکھئے۔" اُس نے قلم کو قلم دان میں رکھتے ہوئے کہا۔

"میں تھوڑی سی تکلیف دینا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"فرمائیے۔"

"یہ معلوم کرنا ہے کہ کل رات کو نو بجے سے گیارہ بجے تک تاروں کی مرمت کرنے والے کہاں کہاں گئے تھے۔"

"کوئی خاص بات.....؟" چیف انجینئر نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"ٹھہریئے۔ میں بتاتا ہوں۔" اُس نے کہا اور میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ چپراسی اندر داخل ہوا۔

"ٹرکوں والا رجسٹر لاؤ۔" اُس نے چپراسی سے کہا اور فریدی کیطرف سگرٹوں کا ڈبہ بڑھا دیا۔

"شکریہ...!" فریدی نے ایک سگریٹ نکال کر سلگاتے ہوئے کہا۔ "آج صبح بڑی سردی تھی۔"

"جی ہاں..... تھی تو..... ہوا ہی کرتی ہے۔" چیف انجینئر ہنسنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد چپراسی رجسٹر لے کر واپس آگیا۔

چیف انجینئر نے رجسٹر دیکھ کر مایوسانہ انداز میں سر ہلا دیا۔

"نہیں جناب۔ کل رات کو اتفاق سے کہیں بھی کوئی ٹرک نہیں گیا۔"

"مگر مجھے تو اطلاع ملی ہے کہ کل رات کو سیتا بازار کے علاقے میں کوئی ٹرک گیا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"مگر یہاں کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔" چیف انجینئر بولا۔ "اکثر ڈرائیور اپنی ذاتی ضروریات کے سلسلے میں بھی ٹرک لے جاتے ہیں۔ مگر کوئی اس کا اعتراف نہ کرے گا۔"

"میں اعتراف کرالوں گا۔" فریدی مسکراتا ہوا بولا۔ "کیا آپ براہِ کرم رات والے ڈیوٹی ڈرائیوروں کے نام لکھوا دیں گے؟ کیا میں یہ کاغذ لے سکتا ہوں؟ شکریہ.....!"

فریدی نے پیپر ویٹ کے نیچے دبے ہوئے کاغذوں میں سے ایک سادہ کاغذ نکال لیا۔ چیف انجینئر رجسٹر میں دیکھ دیکھ کر نام بولتا رہا اور فریدی لکھتا رہا۔ لیکن حمید فریدی میں ایک خاص قسم کی تبدیلی محسوس کر رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ آپے میں نہ ہو۔ اُس نے جلدی جلدی نام لکھے

اور کاغذ کو تہہ کر کے جیب میں رکھتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"اس تکلیف دہی کا بہت بہت شکریہ۔" اُس نے چیف انجینئر سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

دونوں باہر نکل آئے۔ فریدی کی آنکھوں کی وہ خوفناک چمک بڑھتی جا رہی تھی جو ایسے موقعے پر دکھائی دیتی تھی جب اُس کے شکار تک اُس کا ہاتھ پہنچ چکا ہو۔

فریدی نے ڈرائیوروں سے سرسری طور پر پوچھ گچھ کی اور پھر وہ دونوں وہاں سے پڑے۔ کار کی رفتار بہت تیز تھی۔ تھوڑی ہی دور چلنے کے بعد فریدی نے ایک ریستوراں کے سامنے کار روک دی۔

اور پھر وہ ایک کیبن میں بیٹھے ہوئے حیرت سے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ رہے تھے۔ حمید کو تو حیرت ہی تھی لیکن فریدی کی آنکھوں میں کچھ اور بھی تھا۔

"کیا سمجھے؟" وہ آہستہ سے بولا۔

"یہ سمجھا کہ ابھی اور دھکے کھانے پڑیں گے۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"نہیں پیارے مجرم ہاتھ آ گیا۔"

"کہاں....؟" حمید اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا۔

"کیا تم نے چیف انجینئر کو غور سے نہیں دیکھا؟" اُس نے جیب سے وہی کاغذ نکالتے کہا جس پر اُس نے ڈرائیوروں کے نام لکھے تھے۔ اُس نے اُسے میز پر رکھ دیا۔ لیکن اُس کی ڈرائیوروں کے نام کے بجائے ایک ہلکے سے نیلے نشان پر تھیں۔ پھر اُس نے درجن والا نکالا اور اُس پر پڑے ہوئے سرخ نشان کو دوسرے کاغذ والے نیلے نشان سے ملانے لگا۔

"ٹھیک....!" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ "اس میں کوئی شبہہ نہیں ہو سکتا چیف انجینئر ہی ہمارا شکار ہے۔"

"کمال کرتے ہیں آپ بھی بھلا کس طرح.... ساگر کا حلیہ!"

"ذرا تصور میں اُس کی ناک کی نوک ہونٹوں پر جھکا دو۔ کیا ساگر کا حلیہ سامنے نہیں آ کشادہ پیشانی اور پتلے پتلے ہونٹ۔"

"تو کیا میک اپ؟"

"ہاں.... اور صرف ناک کا.... پلاسٹک میک اپ۔ اُسے نوکیلا بنا کر ہونٹوں پر جھکا

اور پھر سب سے اہم بات تو یہ کہ دونوں نشانات مل گئے سر مو فرق نہیں۔"

"کیسے نشانات؟"

"یہ نشان.... درجن کے خط والا۔ روشنائی بھری ہوئی انگلی کا نشان۔ ابھی جب ہم اُس کے کمرے میں پہنچے تھے تو وہ کچھ لکھ رہا تھا۔ قلم پکڑنے کا وہی انداز تھا جس سے بیچ کی انگلی میں ناخن کے قریب سیاہی بھر جاتی ہے۔ جب اُس نے قلم رکھا.... تو میں نے دیکھا کہ اُس کی انگلی میں سیاہی بھری ہوئی تھی اور اُس نے بے خیالی میں وہی انگلی اس سادے کاغذ پر رکھ کر اُس کی سیاہی خشک کرنے کی کوشش کی تھی۔ لہٰذا میں نے جان بوجھ کر یہی کاغذ پیپر ویٹ کے نیچے سے نکال کر اُس پر نام لکھے۔"

"تب تو وہ مارا۔" حمید اپنی رانیں پیٹنے لگا۔

"بچنا نہیں....!" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

انہوں نے جلدی جلدی چائے پی اور پھر پاور ہاؤز کی طرف چل پڑے اور اس بار وہ دروازے پر دستک دیئے بغیر چیف انجینئر کے کمرے میں گھس گئے۔

"فرمایئے۔" وہ انہیں گھورتا ہوا بولا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "ویسے میں یہ اطلاع دینے آیا ہوں کہ درجن کی لاش کرسی کی سطح سے نو انچ اونچی تھی۔ اس لئے اُسے خودکشی نہیں کہا جا سکتا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" چیف انجینئر کے لہجے میں حیرت تھی۔

"مطلب یہ کہ چالاک سے چالاک مجرم بھی ایک نہ ایک دن ضرور پکڑا جاتا ہے۔"

"اور جرم کی وجہ بھی معلوم کر لی جاتی ہے۔" چیف انجینئر مسکرا کر بولا۔

اُس کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور وہ دونوں اس کی زد پر تھے۔ "لیکن پیارے سراغ رساں۔ یہ تو سوچو کہ میں نے اتنے قتل کیوں کیے ہیں۔"

"وہ بعد کو سوچا جائے گا۔" فریدی لاپروائی سے بولا۔ "ریوالور جیب میں رکھ لو۔ باہر پولیس ہے۔"

"ہونے دو۔ مجھے اب کسی کی پرواہ نہیں.... لیکن وجہ جرم زندگی بھر نہ معلوم کر سکو گے۔ اتنا بتا سکتا ہوں کہ اصل نشانہ رمیش ہی تھا۔"

"کیوں؟ آخر اس کی وجہ۔ رمیش بڑا پیارا آدمی تھا۔" فریدی نے کہا۔ وہ دراصل اُسے باتوں میں الجھا کر ریوالور چھین لینے کی فکر میں تھا۔

"پیارا آدمی تھا۔" چیف انجینئر نے دانت پیس کر دہرایا اور اُس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

"لیکن اُس کے اسسٹنٹ کو کیوں مارا....؟"

"محض یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ فلم کی شوٹنگ رکوانا چاہتا تھا۔ میں پھر کہتا ہوں کہ میں نے اتنا ٹیڑھا راستہ اسی لئے اختیار کیا تھا کہ وجہ جرم کبھی منظر عام پر نہ آسکے۔"

"درجن سے وہ تحریر کس طرح لی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔ لیکن ریوالور اب بھی اُس کی نظر میں تھا اور ساتھ ہی وہ یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ چیف انجینئر بھی اُس کی طرف سے غافل نہیں ہے۔ چیف انجینئر ہنسنے لگا۔

"میں نے اُسے دھوکا دیا تھا۔ شروع ہی سے وہ میرے لئے کام کر رہا تھا اور شروع ہی سے میری یہ اسکیم تھی کہ رمیش کے بعد اُسے اور شلی کو بھی ٹھکانے لگادوں گا۔ لیکن بیچ میں کلاوتی آکودی۔ آخر اُسے بھی غائب کرنا پڑا۔ اور میں نے اُس پر اپنا ایک نسخہ آزما کر اُسے پاگل کر دیا شلی پر بھی تجربہ کر رہا تھا۔ لیکن اُس پر اثر نہ ہوا بس اتنا ہی ہوتا تھا کہ جب اُسے ڈوز دیا جاتا تھا ایک ہسٹیریا قسم کا دورہ پڑ جاتا تھا اور وہ پھر ٹھیک ہو جاتی تھی۔"

"لیکن درجن کو دھوکا کس طرح دیا تھا؟" فریدی نے پوچھا۔ حمید بھی اسی تاک میں تھا کہ موقع ملتے ہی ریوالور پر ہاتھ ڈال دے۔

"میں نے جب دیکھا کہ شلی غائب ہو گئی تو یہی مناسب سمجھا کہ اب اس کیس کو فوراً ہی دوسرا ٹرن دے دوں۔ میں نے درجن کو کل حالات بتائے اور اُس سے کہا کہ میں یہ جرم ڈائریکٹر مسعود کے سر تھوپنا چاہتا ہوں اور ڈائریکٹر مسعود کا طرز تحریر اُس کے طرز تحریر سے ملتا جلتا تھا۔ اس کے لئے میں نے اُسے مسعود کی تحریر کا نمونہ دکھایا جو دراصل میں نے ہی لکھا تھا۔ میں شروع ہی سے درجن کے طرز تحریر کی نقل اتارنے کی کوشش کرتا رہا تھا کیونکہ میری اسکیم یہی تھی کہ اس سازش کے سارے مہروں کو ٹھکانے لگادوں گا۔ لیکن افسوس جلدی میں کچھ حماقتیں کر بیٹھا۔ مگر مجھے کوئی افسوس نہیں۔ میرا مشن کامیاب ہو گیا۔ آج سے سات سال پہلے جس بات کا بیڑا اٹھایا تھا اُسے پورا کر دکھایا۔"

"لیکن رمیش کو تم ریوالور کا نشانہ بھی بنا سکتے تھے؟" فریدی نے کہا۔

"احتیاط۔ یہ سب کچھ میں نے اسی لئے کیا کہ مجھ پر پولیس کا ہاتھ نہ پڑ سکے۔ مگر اس کا مطلب نہیں کہ میں اپنی زندگی محفوظ رکھنے کے لئے اتنی احتیاط برتنا چاہتا تھا۔ نہیں پیارے سر

رسماں ایسی بات نہیں۔ میری نظروں میں موت وحیات میں کوئی وقعت نہیں.... میں پولیس کے ہاتھوں میں پڑنے سے اس لئے ڈرتا تھا کہ وجہ جرم ظاہر ہو جائے گی اور وجہ جرم ظاہر ہونے کا نتیجہ یہ ہوتا کہ.... ایک بہت بڑا اور معزز خاندان تباہ ہو جاتا۔"

"لیکن تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ تم اس وقت پولیس کی دسترس سے باہر ہو۔" فریدی نے کہا۔

"جب تک میرے ہاتھ میں ریوالور ہے میں یہی سمجھوں گا۔ اچھا اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" چیف انجینئر نے کہا۔

حمید نے ہاتھ اٹھا دیئے لیکن فریدی بدستور کھڑا رہا۔

"تم بھی اٹھاؤ۔" اُس نے گرج کر کہا.... دفعتاً حمید نے بڑے زور سے چیخ ماری۔

انجینئر جھک پڑا۔ بس ایک ہی پل کے لئے اُس کی نظریں اٹھیں تھیں کہ فریدی کا ہاتھ اُس کے ریوالور پر پڑ گیا۔ لیکن انجینئر کی گرفت بھی ڈھیلی نہیں تھی۔ وہ میز پر بایاں ہاتھ ٹیک کر اچھلا اور فریدی سمیت دوسری طرف فرش پر جا رہا۔

کمرے کے سامنے خاصی بھیڑ اکٹھا ہو گئی تھی۔ کچھ لوگوں نے اپنے چیف انجینئر کی مدد کے لئے کمرے میں گھسنا چاہا لیکن حمید نے انہیں روک دیا۔ انہیں روکنے کے لئے لفظ پولیس ہی کافی تھا۔ ادھر وہ دونوں فرش پر قلابازیاں کھا رہے تھے۔

دفعتاً ایک فائر ہوا اور فریدی اچھل کر الگ ہٹ گیا۔ گولی انجینئر کے نچلے جبڑے کو توڑتی ہوئی سر سے نکل گئی۔ شاید آدھے منٹ تک اُس کا جسم اینٹھتا رہا۔ پھر ٹھنڈا پڑ گیا۔

اور پھر یہ داستان اس طرح ختم ہوئی کہ آج تک نامکمل ہے۔ فریدی عرصہ تک اسی ادھیڑ بن میں رہا کہ وجہ جرم کیا تھی؟ اُس نے انجینئر کے خاندان والوں کا بھی پتہ لگالیا۔ رمیش کے اعزہ سے بھی ملا جو ملک کے جنوبی حصے کے باشندے تھے۔ مگر وجہ جرم آج تک نہ ظاہر ہو سکی اور نہ یہی ثابت ہو سکا کہ اُسکے اور رمیش کے خاندانوں میں کبھی کوئی ایک دوسرے سے واقف رہا ہو۔

کلاوتی آج بھی پاگل خانے میں ہے اور شلی وہ اب پھر بھلا ہو گئی ہے۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 32

سیاہ پوش لٹیرا

(مکمل ناول)

مسخرہ بھیڑیا

پلازا تھیٹر ہال میں رستم و سہراب کا ڈرامہ ہو رہا تھا۔ ملک کے شمالی حصے کی ایک مشہور تھیٹریکل کمپنی نے جو ملک کا دورہ کر رہی تھی پلازا تھیٹر کا ہال کچھ دنوں کے لئے کرائے پر حاصل کرلیا تھا اور کئی دنوں سے اپنے کمالات کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ اس دوران میں اس نے کئی ڈرامے اسٹیج کئے تھے جن میں رستم و سہراب بہت زیادہ مقبول ہوا تھا۔ لہٰذا آج جب کہ وہ اس شہر میں اپنا آخری پروگرام پیش کرنے جا رہی تھی پبلک کے اصرار پر اُسے "رستم و سہراب" ہی اسٹیج کرنا پڑا۔

ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ پبلک آخری ایکٹ کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔ آخری ایکٹ جس میں رستم و سہراب کی جنگ تھی۔ باپ بیٹے کی لڑائی.... باپ بیٹے جو نادانستگی میں ایک دوسرے سے لڑ گئے تھے۔ وہ سہراب جو اپنے باپ کی تلاش میں نکلا تھا ایک سازش کا شکار ہو کر اپنے باپ سے لڑ پڑا تھا۔

آخری ایکٹ کے لئے پردہ اٹھا اور ہال تالیوں سے گونجنے لگا۔

میدان جنگ کا منظر تھا۔ اسٹیج کے داہنے سرے سے نوجوان سہراب روشنی میں آیا اور اس کی چنگھاڑتی ہوئی آواز ہال کی محدود فضا میں ارتعاش پیدا کرنے لگی۔

"ایرانیو! ہے کوئی تم میں ایسا جو افراسیاب کے ایک ادنیٰ غلام سے ٹکرا سکے۔ میں وہ ہوں جس نے اژدھوں کے کلے چیر کر رکھ دیئے ہیں۔ میں طوفان سے لڑا ہوں۔ میں نے دیوؤں کی

کھوپڑیاں توڑی ہیں۔ میری ایک ضرب پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیتی ہے۔ آؤ میرے سامنے۔ میں کوندے کی لپک ہوں.... میں زلزلہ ہوں.... میں طوفان ہوں.... میری طرح سے شیر اپنے غاروں میں جا چھپتے ہیں۔"

سہراب چیختا رہا۔ پھر تماشائیوں کی نظریں رستم کے پر ہیبت چہرے کی طرف اٹھتی ہوئی اسٹیج کے بائیں گوشے سے آہستہ آہستہ روشنی میں آرہا تھا۔

اسٹیج پر زہر سے ڈوبا ہوا ایک قہقہہ لہرایا۔

"ننھے بچے....!" رستم کی گھن گرج سنائی دی! بھاگ جا! شاید تیری ماں مر گئی ہے! اور تجھے ایرانیوں کے مقابلے پر آنے سے روک دیتی۔"

"تو کون ہے؟" سہراب نے حقارت سے پوچھا۔

"شہنشاہ کیکاؤس کا ایک ادنیٰ غلام.... ایران کا ایک معمولی سپاہی۔"

"جا کسی بڑے کو بھیج دے۔" سہراب نے حقارت سے کہا۔ "کسی معمولی آدمی کے بچوں کو یتیم کرنے سے مجھے کیا فائدہ ہوگا۔"

"بڑے ہمیشہ بڑوں ہی کے مقابلہ پر آتے ہیں۔" رستم نے کہا۔ "چل حربہ کر! معصوموں کی طرح شتر غمزے نہ دکھا۔"

"ہاتھی کو! مچھر کی بھنبھناہٹ پر غصہ نہیں آتا۔" سہراب مسکرا کر بولا۔ "جا میں تجھے معاف کرتا ہوں۔ ایران سے کہہ دے کہ سہراب کے مقابلے کے لئے اپنے روئیں تنوں کو نکالے۔"

"چھوکرے! اجل تیرے سر پر ناچ رہی ہے۔"

"میں پھر سمجھاتا ہوں کہ میرے مقابلے کے لئے کسی بڑے کو بھیج!" سہراب بولا ورنہ خود ہی گھس پڑوں گا۔ شہنشاہ افراسیاب کے مور چھل کے لئے مجھے کیکاؤس کی ڈاڑھی اکھاڑنی ہے۔"

"خاموش بے ادب" رستم نے تلوار کھینچ لی اور جھنجھلاہٹ میں وار کر بیٹھا.... سہراب اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا اور اس نے بھی تلوار کھینچ لی۔

"چھوکریوں کی طرح ناچنے والے سنبھل....!" رستم نے دوسرا وار کیا۔

سہراب نے پھر خالی دے کر ہاتھ مارا۔ رستم نے اُس کی تلوار اپنی تلوار پر روک لی اور سہراب کو ریلتا ہوا پیچھے کی طرف لے چلا۔ سہراب ایک جگہ رک کر زور کرنے لگا۔ پھر دفعتاً

جل دے کر ایک طرف ہٹا.... تو رستم منہ کے بل نیچے چلا آیا۔ تماشائیوں نے قہقہہ لگایا۔

رستم اٹھا تو لیکن سہراب پر دوبارہ جھپٹنے کے بجائے تماشائیوں کی طرف منہ کر کے پلتھی مار کر فرش پر بیٹھ گیا۔ لوگ ہنستے رہے۔ اچانک رستم نے بھی ہنسنا شروع کر دیا اور اس بُری طرح کہ کبھی پیٹ دباتا تھا اور کبھی پیٹھ۔ تماشائی حیران رہ گئے۔

اس سے پہلے جب یہ ڈرامہ اسٹیج ہوا تھا تو کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی۔ سہراب الگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُسے دیکھنے لگا تھا.... پھر عجیب قسم کا ہنگامہ برپا ہو گیا.... تماشائیوں کے شور میں پردہ میٹر کی آواز دب کر رہ گئی جو اسٹیج کے داہنے گوشے سے رستم کو ماں بہن کی گالیاں دے رہا تھا۔ مگر رستم کی ہنسی کسی طرح نہ رکی۔ پردہ کھینچوانے کی کوشش کی گئی اس وقت اس کمبخت کو بھی نہ جانے کیا ہو گیا تھا۔ اپنی جگہ سے کھسکا ہی نہیں منتظمین کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یک بیک یہ کیا ہو گیا اور وہ اب کیا کریں۔ رستم مجمع کو گھورتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ اس نے تلوار پھینک دی ایک ہاتھ سر پر رکھا اور دوسرا کمر پر رکھ کر ناچنے لگا۔ پھر اپنی بھاری اور بے سری آواز میں گانا بھی شروع کر دیا۔

"ارے بلم ہر جائی.... بلم موہے چھیڑو نا.... سجن موہے چھیڑو نا.... آ.... آ.... آں۔"

پھر کسی نہ کسی طرح پردہ کھینچا گیا۔ اسٹیج کا ہنگامہ تو فرو ہو گیا۔ لیکن تماشائی ابھی تک شور مچا رہے تھے۔ تقریباً دو منٹ تک یہی کیفیت رہی۔ پھر ایک پستہ قد آدمی ایک ہاتھ میں مائیک لگائے ہوئے پردے سے باہر آیا۔

"خواتین و حضرات! ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے کسی دشمن نے رستم کو بھنگ پلا دی ہے۔"

قہقہوں سے پورا ہال گونج اٹھا۔ وہ کچھ اور بھی کہتا رہا۔ لیکن اس قدر شور ہو رہا تھا کہ مائیک کی آواز بھی دب گئی تھی۔ پھر اچانک کسی نے اُس کے منہ پر کیلے کے چھلکے کھینچ مارے۔

"کسی گوشے میں کوئی عورت چیخی۔ اور پورے ہال میں اندھیرا ہو گیا۔ کرسیاں ٹوٹنے لگیں۔ لوگ اندھیرے میں ایک دوسرے پر گر پڑے۔ عورتیں چیختی رہیں۔"

گھونسوں اور تھپڑوں کی آوازیں بھی آرہی تھیں۔ کئی منٹ تک یہ ہنگامہ جاری رہا۔ پھر کچھ پولیس والے ٹارچیں روشن کئے ہوئے اندر داخل ہوئے۔

اسی کے ساتھ ہی ہال میں بھی روشنی ہو گئی۔ جو جہاں تھا وہیں تھم گیا نہ جانے کتنی کرسیاں چور ہو گئی تھیں۔ بہتیرے آدمیوں کے چہروں پر خون کی لکیریں تھیں۔ کئی عورتیں بیہوش پڑی ہوئی تھیں۔

دفعتاً باکس میں ایک عورت چیخنے لگی۔ "میرا ہار.... میرا ہار۔"

اور وہ عورتیں جو بیہوش پڑی تھیں انہوں نے بھی ہوش میں آتے ہی اپنے کسی نہ کسی زیور کا نام لے کر چیخنا شروع کیا۔

پولیس نے آناً فاناً سارے دروازے مقفل کرا دیئے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ آج اس شہر کے جگر لٹیرے کو پکڑ ہی لے گی جس نے پچھلے ایک ماہ سے سارے شہر میں طوفان بدتمیزی برپا کر رکھا تھا۔ جہاں کوئی انوکھی ڈکیتی ہوتی پولیس کا خیال اُسی حیرت انگیز آدمی کی طرف جاتا۔ اب تک وہ شہر میں کئی بڑی وارداتیں کر چکا تھا۔ لیکن اسکا طریقہ کار ایسا تھا کہ سن کر بے اختیار ہنسی آجاتی تھی۔ شہر کے اخبارات اس کا تذکرہ مسخرے بھیڑیئے کے نام سے کرتے تھے۔ وہ انتہائی پھرتیلا اور چابک دست تھا۔ بات کی بات میں لوگوں کو اُلو بناتا اور اپنا اُلو سیدھا کر کے یہ جا وہ جا۔ نظروں سے غائب۔"

بعض لوگوں نے اس کی صرف جھلکیاں دیکھی تھیں! اُن کے بیان کے مطابق وہ سر سے پیر تک سیاہ تھا۔ سیاہ پتلون۔ سیاہ جیکٹ اور چہرہ بھی سیاہ۔ کچھ کا کہنا تھا کہ وہ اپنا چہرہ سیاہ نقاب سے چھپائے رہتا ہے اور کچھ کہتے تھے کہ اس کا چہرہ ہی سیاہ تھا اور چہرے کی سیاہی اس کے لباس کی سیاہی سے مختلف نہیں تھی۔

غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں.... اور بیچاری پولیس.... اُسے تو ایک بار بھی اس کا تعاقب کرنے کا شرف نہیں حاصل ہو سکا تھا۔

اور پھر اُسے پولیس والوں کے لئے "ہوا" بننے میں دیر نہ لگی۔ پتہ کھڑکا اور بندہ بھڑکا والا مثل پولیس والوں پر صادق آگئی تھی۔ انہیں دن دہاڑے اس کے خواب آنے لگے تھے۔

اس وقت انہوں نے رستم کو بھنگ پلا دینے والا واقعہ سنا تو انہیں یہ یقین کر لینے میں دیر نہ لگی کہ یہ حرکت بھی اُس مسخرے بھیڑیئے کی ہے۔ آج سے چار دن قبل اُس نے اس سے بھی زیادہ مضحکہ خیز حرکت کی تھی۔

شہر کے ایک متمول تاجر کی لڑکی کی شادی تھی۔ بارات کی واپسی سے قبل ایک بڑے کمرے

جہیز کا سامان سجا دیا گیا تھا۔ رات کا وقت تھا کمرے میں بہت زیادہ پاور والے بلب روشن تھے۔ مہمانوں کا مجمع جہیز کا دیدار کر ہی رہا تھا کہ اچانک تیس چالیس فاختائیں پر پھڑپھڑاتی ہوئی مہمانوں پر ٹوٹ پڑیں۔ بھلا بجلی کی روشنی میں چندھیائے ہوئے پرندے یہ کب دیکھتے ہیں ان کا مقابل کوئی سیٹھ ہے یا ساہوکار، بیرسٹر ہے یا پروفیسر، کوئی شریف شہری ہے یا حاکم وقت۔ ہال بھگدڑ پڑ گئی بمشکل تمام اُن فاختاؤں کو باہر نکالا گیا اور پھر جب لوگوں کو ہوش آیا تو معلوم ہوا کہ خلیل خاں اپنا کام کر گئے۔ یعنی زیورات کا ڈبہ غائب تھا۔

تفتیش کرنے پر اتنا ہی معلوم ہو سکا کہ ایک آدمی جس نے بجلی گھر کے مستریوں جیسا لباس پہن رکھا تھا اپنے کاندھے پر ایک بہت بڑا تھیلا لادے ہوئے جہیز کے کمرے کی طرف گیا تھا کیونکہ شادی کے سلسلے میں پورا گھر بجلی کے رنگین قمقموں سے سجایا گیا تھا اس لئے کسی کو اس پر شبہ بھی نہیں ہوا تھا۔ دیکھنے والے یہی سمجھے کہ وہ الیکٹرک کمپنی کا مستری ہی ہوگا۔ لیکن یہ بات اُن بے فرشتوں کو بھی نہیں سوجھ سکتی تھی کہ اُس کی پیٹھ پر لدے ہوئے تھیلے میں بجلی کے تاروں کی بجائے فاختائیں ہوں گی۔

یہی نہیں.... کئی اور بھی ایسے ہی مضحکہ خیز واقعات شہر میں ظہور پذیر ہوئے تھے۔ ان دنوں ہر سوسائٹی میں وہ دیدہ دلیر مسخرہ موضوع گفتگو بنا رہا تھا۔ اخبارات اس کے متعلق نت نئی کہانیاں تراشتے تھے اور وہ صحیح معنوں میں پبلک کا ہیرو بن کر رہ گیا تھا۔ پبلک کی اُس سے ہمدردی کی ایک وجہ اور بھی تھی وہ یہ کہ اب تک اُس نے کوئی خون نہیں کیا تھا۔ وہ تو چھلاوا تھا چھلاوا اِدھر آیا اُدھر گیا۔ لہٰذا لکیر پیٹنے والوں کو کیا ضرر؟

ہاں تو پلازا تھیٹر کے سارے دروازے مقفل کرا دیئے گئے۔ پولیس افسر نے اعلان کر دیا کہ کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ منیجر نے اپنی بہتری اسی میں دیکھی کہ پولیس آفیسر ہی سے اس کا بھی اعلان کرا دے کہ اب بقیہ ڈرامہ نہ پیش کیا جا سکے گا۔ یہ سب کچھ تو ہوا لیکن خود پولیس آفیسر کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کا دوسرا قدم کیا ہونا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنے بڑے معمیمیں کسے بگیر تا۔ اس حیرت انگیز لٹیرے کی شخصیت ابھی تک راز تھی۔ اگر وہ محض شہرت پائی ہوئی علامات کا سہارا لیتا تو اُسے کم از کم پچاس آدمیوں کو تو ضرور ہی حراست میں لینا پڑتا۔ کیونکہ سردیوں کا زمانہ تھا اس لئے بہتیرے فوجی سیاہ جیکٹوں سیاہ پتلونوں اور سفید دستانوں میں نظر آرہے تھے۔ رہ

گئی روسیاہ پتہ اس کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ یوں تو ہال میں سینکڑوں ہی کلوٹے رہے ہوں گے وہ خاص قسم کی روائتی سیاہی کسی کے چہرے پر نہیں تھی۔ ویسے اگر پولیس ان کلوٹوں کو شروع کر دیتی تو نہ جانے کتنے مصنف شاعر افسانہ نگار اور آرٹسٹ قسم کے بے ضرر لوگ حوالات میں پہنچ جاتے۔

بڑی دیر بعد یہ بات پولیس آفیسر کی سمجھ میں آئی کہ ہال کا صرف ایک دروازہ کھولا جائے اور لوگ ایک ایک کر کے باہر نکلیں۔ باہر کھڑے ہوئے پولیس کانسٹیبل اُنکی تلاشیاں لیتے جائیں۔

تماشائیوں نے یہ تجویز سنی تو الف ہو گئے۔ لیکن حکم حاکم مرگ مفاجات۔ کان دبانے پڑے۔ اس طرح ہال خالی ہونے میں تقریباً تین گھنٹے گذر گئے۔ لیکن لوٹے ہوئے زیورات کے پاس سے برآمد نہ ہوئے۔

اس سے فرصت پاکر پولیس آفیسر تھیٹریکل کمپنی کے اداکاروں کی طرف متوجہ ہوا۔ رم نشہ کم ہو گیا تھا اور وہ اپنی حرکت پر سخت شرمندہ تھا۔ لیکن قصور اس بیچارے کا نہیں تھا۔

"تم نے بھنگ کیوں پی تھی۔" پولیس آفیسر نے ڈپٹ کر پوچھا۔

"جناب والا مجھے علم نہیں تھا کہ میں بھنگ پی رہا ہوں۔ میں تو اُسے کولڈ ڈرنک سمجھ کر پی گیا تھا۔"

"کہاں سے آیا تھا۔"

"منیجر صاحب نے بھجوایا تھا۔"

"میں۔ ..... نہیں تو۔" پستہ قد منیجر اچھل کر بولا۔ "میں کیا جانوں۔"

"کون لایا تھا۔"

"مس زرینہ.....!"

"مس زرینہ کون ہے؟" پولیس آفیسر نے اپنے گرد کھڑے ہوئے اداکاروں کو تیز نظر سے دیکھ کر پوچھا۔

"جی میں ہوں۔" ایک خوبصورت سی لڑکی آہستہ سے بولی۔

"کیوں.....؟"

"مجھ سے یہی کہا گیا تھا کہ وہ مسٹر اشرف کے لئے ہے۔"

"کس نے کہا تھا؟"

"میں اس کا نام نہیں جانتی۔ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بہر حال وہ منیجر صاحب کے کمرے ہی طرف سے آیا تھا۔"

"کیسا تھا..... اس کا حلیہ؟"

"گھنی ڈاڑھی تھی اور اس نے سیاہ جیکٹ اور سیاہ پتلون پہن رکھی تھی۔ ہاتھوں میں سفید نے تھے۔"

"اوہ.....!" پولیس آفیسر پیر پٹخ کر بولا۔ "پہلے کیوں نہیں بتایا تم نے۔"

"کسی نے پوچھا ہی نہیں۔ میں سمجھی تھی کہ شاید مسٹر اشرف نے خود ہی کولڈ ڈرنک منگوایا تھا۔"

یہ گفتگو اسٹیج کے پیچھے گرین روم میں ہو رہی تھی۔ سارے ایکٹر اور پولیس والے وہیں اکٹھے ہو گئے۔ دفعتاً ہال میں کسی کی چیخ سنائی دی۔ کوئی متواتر چیخے جا رہا تھا۔ پولیس والے دوڑ پڑے۔ انہیں ہال میں اپنی ہی برادری کا ایک آدمی دکھائی دیا۔ یعنی ایک کانسٹیبل جو ایک ستون سے چمٹا ہوا بُری طرح چیخ رہا تھا۔ اس کا منہ ستون ہی کی طرف تھا اور ایک لمبی سی چھڑی اس کی گردن میں چبھی ہوئی تھی۔ جس کا دوسرا سرا دو کرسیوں کے درمیان میں پھنسا دیا گیا تھا۔

"یہ کیا حرکت.....؟" پولیس آفیسر حلق پھاڑ کر چیخا اور ستون میں چمٹا ہوا کانسٹیبل گھبرا کر پلٹ پڑا۔

"ارے آپ..... وہ..... وہ.....!" کانسٹیبل ہکلایا۔

"کیا بکتے ہو۔"

"جی ہاں..... وہ لے گیا۔ سارے زیورات یہاں تھے۔" اس نے کوڑے کرکٹ کے ڈبے کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے چاہا کہ اُسے پکڑ لوں لیکن اُس نے پستول نکال لیا۔ مجھ سے کہا کہ ستون سے چمٹ جاؤ۔ پھر میری گردن پر پستول کی نال رکھ دی اور کہا کہ اگر یہاں سے ہٹے تو گولی مار دوں گا۔"

"ابے یہ پستول ہے۔" پولیس آفیسر نے چھڑی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"مگر حضور! اُس نے پستول ہی.....!"

"خاموش رہو۔ گدھے کہیں کے۔" پولیس آفیسر گرجا۔ "کدھر گیا ہو۔"

"حضور میری گردن پر تو.....!"

"بکواس بند کرو۔" پولیس آفیسر آپے سے باہر ہو گیا۔ پھر اُس نے بقیہ کانسٹیبل کو للکارا۔

"تلاش کرو۔"

کانسٹیبل بے تحاشہ اِدھر اُدھر دوڑنے لگے۔

"تم خود کو معطل سمجھو۔" پولیس آفیسر نے مظلوم کانسٹیبل سے کہا۔

"نہیں.... نہیں.... سرکار میں بے قصور ہوں۔"

"بے قصور کے بچے! وہ محض تیری وجہ سے نکل گیا۔"

"حضور میری پستول پر گردن....!"

"شٹ اپ....!" پولیس آفیسر کی آواز کئی حصوں میں تقسیم ہو گئی۔

نقلی ہیرے

سرجنٹ حمید صبح ہی سے انسپکٹر فریدی کی ناک میں دم کئے ہوئے تھا۔ اتوار کا دن تھا۔ فر نے ناشتہ کر کے لائبریری کی راہ لی تھی۔ سرجنٹ حمید جسے مطالعہ سے ازلی بیر تھا اس حرکت کسی طرح برداشت نہ کر سکا۔ اس نے سوچا کہ جھنجھلانا اور تاؤ کھانا بیکار ہے۔ کیوں نہ وہ بھی آ مطالعہ شروع کر دے۔ وہ اسی کے پیچھے ہی پیچھے لائبریری میں گھسا۔

فریدی نے اپنی مخصوص آرام کرسی پر لیٹ کر ایک کتاب کھول لی۔ حمید اُس الماری قریب آ کر رک گیا جس میں ریاضی کی کتابیں تھیں۔ اُس نے ارتھمیٹک کی ایک کتاب نکالی پر سے سادے کاغذ اٹھائے اور ایک جگہ جم گیا۔ یہ کتاب فریدی کے زمانہ طالب علمی سے رکھتی تھی۔ فریدی نے اس زمانے کی ساری کتابیں بڑی احتیاط سے رکھ چھوڑی تھیں۔ ان "الف سے اُلو" والی کتاب سے لے کر اُس وقت تک کی کتابیں پائی جاتی تھیں جب وہ ایم کر لینے کے بعد آکسفورڈ یونیورسٹی میں جرائم پر ریسرچ کر رہا تھا۔

سرجنٹ حمید نے کتاب کھولی اور اس طرح سر ہلا ہلا کر کاغذ پر پنسل گھسنے لگا جیسے سچ مچ مشکل سوال حل کر رہا ہو۔ کبھی کبھی وہ ناک پر پنسل کی نوک رکھ کر کچھ سوچنے لگتا تھا۔ دفعتہ نے فریدی کو مخاطب کیا۔

"ذرا یہ سوال تو بتایئے گا.... اگر باپ کی عمر بیٹے کی بیوی کی عمر کی چوگنی ہو تو بیٹے کی ع

جبکہ باپ اور بیٹے کی عمر کا تناسب بیوی اور بیٹے کی عمر کے تناسب کے برابر ہو لیکن حقیقتاً ایسا نہ ہو۔"

فریدی اسے چند لمحے گھورتا رہا پھر بولا۔ "نکل جاؤ یہاں سے۔"

حمید بدستور ناک پر پنسل کی نوک رکھے خلا میں نظریں جمائے رہا۔ اُس نے ایک بار بھی فریدی کی طرف دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُس نے فریدی کا جملہ سنا ہی نہ ہو۔ فریدی بے اختیار مسکرا پڑا۔ وہ اُسے دیکھتا رہا۔

حمید نے پنسل کی نوک ناک پر سے ہٹا کر کان میں ڈالی اور اسے آہستہ آہستہ گھمانے لگا۔ پھر اس نے رائفل کی پینٹنگ پر نظریں جمائے ہوئے پائپ کے تمباکو کے ڈبے سے ایک چٹکی تمباکو نکال کر منہ میں ڈال لی۔ فریدی ہنس پڑا۔ لیکن حمید چونکا تک نہیں۔ اس کی سنجیدگی بدستور قائم تھی۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے تمباکو کی کڑواہٹ کی وجہ سے بُرا سا منہ بنایا اور فریدی کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"کیا میں نے پچھلی رات کو کونین کھائی تھی۔"

"گھونسہ کھاؤ گے اب تم۔ نکل جاؤ یہاں سے۔"

"اچھا دوسرا سوال بتا دیجئے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "کسی چار ہزار مکعب گز کمرے کا پلاسٹر اکھاڑنے میں کتنا وقت صرف ہو گا جب کہ سترہ مکعب فٹ پلاسٹر اکھاڑنے میں کوئی وقت ہی نہیں صرف ہوتا۔"

"خدا کے لئے مت بور کرو۔"

"مکعب کسے کہتے ہیں۔"

"میں گردن دبا کر مار ڈالوں گا۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

"ایک آدمی کی گردن سولہ انچ موٹی ہے اور ایک انچ دبانے میں دو پونڈ قوت صرف ہوتی ہے تو سولہ انچ دبانے میں کتنی قوت صرف ہو گی۔ جواب روپے آنے اور پائی میں نکالو۔"

"آخر چاہتے کیا ہو۔"

"میں چاہتا ہوں کہ آپ کتاب بند کر دیں۔ کتاب سے باہر کی دنیا بڑی حسین ہے۔"

"کیوں جھک مار رہے ہو۔ میں نے تمہیں کسی بات سے تو روکا نہیں۔" فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔

"میرے لئے یہی کوفت کیا کم ہے کہ کتابیں آپ کو چاٹے ڈال رہی ہیں۔"

فریدی چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔

"لغویت چھوڑو۔ ویسے کیا تمہیں اس وقت فرصت ہے۔"

"کیوں؟"

"میرا ایک کام کردو؟"

"ٹالنا چاہتے ہیں آپ مجھے! یقین رکھئے کہ میں نہیں پڑھنے دوں گا۔"

"خیر میں مجبور نہیں کروں گا۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا اور پھر پڑھنے لگا۔

حمید نے کتاب بند کر کے شیلف میں لگادی اور پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ "کیا کام تھا۔"

"کچھ نہیں....!" فریدی نے کتاب پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

"اچھا تو پھر.... آٹھ بارہ، سولہ اور بیس کا عادِ اعظم مشترک نکالئے.... جواب من میں چھٹانک میں چاہئے۔ فری پاس اور کنسیشن بالکل بند رہے گا۔"

فریدی کچھ نہیں بولا۔ لیکن اُس کے چہرے سے جھنجھلاہٹ کے آثار بدستور قائم تھے۔

"تو نہیں بتائیں گے آپ کام....!" حمید نے پوچھا۔

"نہیں....!"

"اچھا تو پھر ایک سوال ہی بتا دیجئے۔"

"بھاگ جاؤ سور!" فریدی جھلا کر کھڑا ہو گیا۔

حمید جھک کر میزوں اور کرسیوں کے نیچے دیکھنے لگا۔ پھر سیدھا کھڑا ہو کر مایوسانہ انداز میں سر ہلاتا ہوا بولا۔ "شائد بھاگ گیا سور۔"

فریدی بڑبڑاتا ہوا لائبریری سے چلا گیا۔ اسی کے ساتھ حمید بھی باہر نکلا۔

فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھالیا اور "ہیلو! ہاں! بھئی میں کیا بتاؤں سخت عدیم الفرصت ہوں.... لیکن ٹھہرو۔ میں کسی کو بھیجتا ہوں۔ پولیس میں تو رپورٹ ہو گی ہی... اچھا.... اچھا.... مجھے کل ہی معلوم ہوا تھا.... لیکن بتایا نا کہ آج کل بہت مشغول ہوں۔"

فریدی ریسیور رکھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ لیکن حمید شائد آج پٹنا ہی چاہتا تھا۔ اس کی ناک بھی اُدھر ہی گھوم گئی۔ لیکن خلاف توقع فریدی کا موڈ بدل ہی گیا تھا۔ اُس نے حمید کو بڑے پیار سے مخاطب کر کے کہا۔

"حمید میاں سلمہٗ! ظاہر ہے کہ میرے بعد میری جائیداد کے وارث تم ہی ہو گے۔"

"بجا ارشاد ہوا قبلہ و کعبہ۔" حمید قدرے جھک کر بولا۔ "کہاں بھیجنے کا ارادہ ہے۔"

"بُری جگہ نہیں ہے۔ تم یقیناً پسند کرو گے۔"

"کام کی نوعیت! پیر و مرشد۔"

"رابعہ نکہت کو جانتے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"وہی نک چڑھی جو تمباکو کے دھوئیں سے نفرت کرتی ہے۔" حمید بولا۔

"مجھے نہیں معلوم۔ میں تو اُس سے صرف ایک ہی بار ملا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"فرگوسن کے جنرل منیجر کی لڑکی ہے۔"

"جی ہاں! میں جانتا ہوں فرمایئے۔"

"وہ کسی معاملے میں میرا مشورہ چاہتی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"میں وہ معاملہ بھی جانتا ہوں۔ آپ کو شاید یہ نہیں معلوم کہ آج کل پھر میں باقاعدہ اخبار پڑھنے لگا ہوں۔"

"ہوں! اچھا کیا سمجھے۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"پلازا تھیٹر والے واقعے میں اُسے بھی چوٹ ہوئی تھی۔ اس کا ہار۔"

"ٹھیک.... وہ بُری طرح سر ہو گئی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ملنے کے لئے وقت مانگ رہی ہے۔ کل سے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم اُس سے مل لو۔"

"مجھے نک چڑھی لڑکیوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ آپ اُسے ٹال ہی کیوں نہیں دیتے۔"

"اف فوہ! یہ ٹالنا نہیں تو اور کیا ہے۔ میں ایک بار مل کر اس کی رام کہانی سن لوں۔ ظاہر ہے کہ اس معاملے میں ہاتھ نہیں ڈالوں گا۔"

"کیوں....؟"

"بھئی مجھے اس لٹیرے کے معاملے میں کوئی الجھاوا نظر نہیں آتا۔ بس ذرا پھرتیلا ہے سول کیس آپ سنبھال لے گی۔"

"مگر میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اس کا کیس ہمارے یہاں آنے ہی والا ہے۔"

"ہوگا....! ایک میں ہی تو نہیں۔ اور بھی ہیں۔"

"بہر حال یہ ماننا پڑے گا کہ ہے بڑا شاطر۔"

"ہے تو۔"

"تو اس سے میں کیا کہوں گا۔" حمید نے پوچھا۔

"موقعے پر جو سوجھ جائے۔"

حمید نے لباس تبدیل کیا۔ گیراج سے کیڈی نکالی اور چل پڑا۔ وہ رابعہ نکہت کی ٹھوڑی متعلق سوچ رہا تھا۔ جس کے درمیانی گڑھے میں بڑی سیکس اپیل تھی اور اُسے اس کے گداز بھی یاد آرہے تھے جس پر سنہرے رنگ کے ننھے ننھے روئیں تھے اور پیروں کے انگوٹھوں بناوٹ کا خیال تو اس کی ریڑھ کی ہڈی میں گدگداہٹ ہی پیدا کرنے لگا تھا۔

مگر وہ ذرا بد مزاج تھی۔ غصے کی حالت میں اُس کے ہونٹ کھل جاتے تھے اور وہ پہلے بھی زیادہ حسین نظر آنے لگتی تھی۔ حمید نے اُسے اکثر شہر کی مشہور تفریح گاہوں میں دیکھا اُس کے متعلق یہ رائے قائم کی تھی کہ وہ بہت مغرور ہے۔ اپنے ایک مخصوص حلقہ احباب آگے نہیں بڑھتی تھی اور شائد اُن سے بھی اتنی بے تکلف نہیں تھی کہ کوئی اسے "تم" مخاطب کر سکے۔ بہر حال آج وہ اُسے بہت زیادہ قریب سے دیکھنے جارہا تھا۔

رابعہ نے اس کا استقبال بڑے مایوسانہ انداز میں کیا۔ حمید کو یہ بات بہت کھلی لیکن موقع کا منتظر رہا۔

"کیا فریدی صاحب اتنے ہی مشغول ہیں کہ مجھے پندرہ منٹ بھی نہیں دے سکتے۔" نے کہا۔

"میرے خیال سے ضرور یہی بات ہے۔" حمید بولا۔

"لیکن معاملہ بہت پیچیدہ ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ "لیکن میری آمد میں فریدی صاحب کا شامل ہے۔"

"اوہو! میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" وہ جلدی سے بولی۔

"غالباً معاملہ اسی ہار کا ہے۔" حمید نے کہا۔ "پلازا تھیٹر والی ڈکیتی کا شکار آپ بھی ہوئی تھ

"جی ہاں۔ آپ نے اخبارات میں پڑھا ہی ہوگا۔ پولیس نے میرا بیان بھی لکھ لیا ہے؟"

"اور میرا خیال ہے کہ اس میں ذرہ برابر بھی پیچیدگی نہیں۔"

"قطعی نہیں۔" رابعہ نے سر ہلا دیا۔

"پھر....!"

"ٹھہریئے! میں وہ ہار لاتی ہوں۔"

"جی....!" حمید چونک پڑا۔ "کیا مطلب۔"

"ابھی آئی۔"

"رابعہ چلی گئی اور حمید سوچ میں پڑ گیا۔ کسی نے اس کا ہار اتار لیا تھا اور وہ ہار لینے گئی ہے۔ یہ س قسم کی پیچیدگی ہو سکتی ہے۔ کیا واقعی کوئی پیچیدگی ہو گئی ہے۔ پہلے تو حمید سمجھا تھا کہ وہ اسی بانے سے فریدی سے رومان لڑانا چاہتی ہے۔"

رابعہ واپس آگئی اُس کے ہاتھ میں ایک ہار تھا۔ ہیروں کا ہار جس کی چمک آنکھوں میں خیر گی پیدا کر رہی تھی۔

"یہ ہار اس خط سمیت کل واپس آگیا ہے۔" اس نے ہار اور خط حمید کی طرف بڑھ دیئے۔

حمید خط پڑھنے لگا۔

"محترمہ!

بُری بات ہے۔ مجھے تو اس میں کہیں بھی وہ ہیرا نظر نہ آیا جس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ کیا اس میں ایک بھی ہیرا نہیں۔ پورا ہار امیٹیشن کا ہے۔ لیکن امیٹیشن اعلیٰ قسم کا ہے۔ کوئی ماہر ہی اسے پرکھ سکے گا۔ بہر حال آپ کا ہار شکریئے کے ساتھ واپس کیا جارہا ہے۔ اس کی تاریخی اہمیت کا پروپیگنڈہ کر کے دل بہلاتی رہیئے۔ آپ کا مخلص

سیاہ پوش"

حمید نے خط ختم کر کے جواب طلب نظروں سے رابعہ کی طرف دیکھا۔

"اگر یہ امیٹیشن ہے تو ضرور بدلا گیا ہے۔" رابعہ بولی۔ "اب سے تین ماہ قبل یہیں کا ایک مشہور جوہری اسے دیکھنے کے لئے آیا تھا اور اس نے اس بات کی تصدیق کی تھی کہ سارے ہیرے اعلیٰ قسم کے ہیں۔"

"آپ نے کل کے بعد بھی اسے کہیں پرکھوایا۔" حمید نے پوچھا۔

"جی ہاں! اسی جوہری نے اب یہ کہہ دیا ہے کہ یہ سچ مچ امیٹیشن کا ہے۔"

"کون لایا تھا اسے۔"

"ایک لڑکا جس نے اس مردود کی شکل اچھی طرح نہیں دیکھی تھی۔ ویسے اس کا بیان ہے کہ اُس کے چہرے پر گھنی ڈاڑھی تھی۔"

"آپ نے پولیس کو اس واقعے کی بھی اطلاع دی یا نہیں۔"

"جی نہیں۔"

"کیوں؟"

"عجیب الجھن ہے۔ بات یہ ہے کہ ہمارے خائد ان والے اس ہار کے متعلق بہت بڑی بڑی باتیں کر چکے ہیں۔ اب اس طرح امیٹیشن ثابت ہو جانا بڑی سبکی کی بات ہوئی۔"

"ہوں! ٹھیک ہے!" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "یہ بھی تو سوچئے کہ اُس مردود نے اس قسم کی حرکت شائد پہلی بار کی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس نے بدل لیا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ہار تو وہ لے ہی گیا تھا۔"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"ڈیڈی انگلینڈ میں ہیں۔ انہیں شائد ہار کے غائب ہو جانے کا اتنا ملال نہ ہوتا جتنا اس بات کا ہوگا کہ اُسے نقلی قرار دے کر واپس کر دیا گیا۔"

"ہوں.... اور.... ہو سکتا ہے کہ کسی نے یہیں اسے بدل دیا ہو۔"

"یہ بھی ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ یا تو میری گردن میں رہتا ہے یا سیف میں.... کنجی میرے ڈیڈی کے پاس رہتی ہے۔"

"دنیا میں شائد ہی کوئی ایسا سیف ہے جسے کنجی کے بغیر نہ کھولا جا سکے۔"

"بہر حال یہی وہ الجھاوا ہے جس کے لئے میں فریدی صاحب کا تھوڑا وقت لینا چاہتی تھی۔"

"اگر میں ہی اس مسئلے کو حل کر دوں تو۔"

"اپنی خوش نصیبی سمجھوں گی۔"

"اچھا تو اسے اپنے ساتھ لئے جا رہا ہوں۔"

"بہتر ہے۔ لیکن میں نہیں چاہتی کہ یہ بات مشہور ہو۔"

"مطمئن رہئے۔ ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔" حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "گھر کے نوکروں کو اس کا علم ہو ہی گیا ہوگا۔"

"جی نہیں۔ کسی کو نہیں معلوم۔"

"یہ بہت اچھا ہے۔ میں شام کو آپ سے پھر ملوں گا۔"

"تکلیف کا بہت بہت شکریہ۔"

"کوئی بات نہیں۔"

حمید الجھن میں پڑ گیا تھا۔ واپسی میں اُس نے کیڈی کو توالی کی طرف موڑ دی۔ وہ اس بات کو ٹھیک کرنا چاہتا تھا کہ پلازا تھیٹر میں لٹنے والی عورتوں میں سے کسی اور کو بھی تو انہیں حالات سے دوچار نہیں ہونا پڑا تھا۔ اس کا پتہ لگانا بہت ضروری تھا۔ اگر اس قسم کا کوئی دوسرا واقعہ بھی ہوا ہے تب تو اُس لٹیرے کا طریقہ کار یہی رہا ہوگا۔

چڑچڑا شوہر

کوتوالی سے حمید نے اُن عورتوں کے پتے حاصل کئے جو پلازا تھیٹر والی ڈکیتی کا شکار ہوئی تھیں اور پھر یکے بعد دیگرے اُن سے ملتا پھرا لیکن ان میں سے کسی کے ساتھ بھی یہ واقعہ پیش نہ آیا تھا۔ جس سے رابعہ دوچار تھی۔ لسٹ پر صرف ایک نام اور باقی رہ گیا تھا۔ حمید نے سوچا درد سری فضول ہے۔ لیکن پھر کسی خیال کے تحت چل پڑا۔

نعمان منزل ریلوے اسٹیشن کے قریب واقع تھی اور اُس علاقے کی اُن چند عمارتوں میں سے تھی جنہیں شاندار کہا جا سکتا تھا۔ حمید کیڈیلاک کو پائیں باغ کے اندر لیتا چلا گیا۔ لیکن اُسے پورٹیکو سے اِدھر ہی روک دینا پڑا کیونکہ پورٹیکو میں پہلے ہی سے ایک کار کھڑی ہوئی تھی۔ حمید اندر جانے سے قبل ہی سوچنے لگا کہ وہ کیسی ہوگی۔ نام تو بڑا لچکیلا تھا۔ زہرہ جمال۔ پتہ نہیں کسی جمال کی زہرہ تھی یا زہرہ جیسا حسن رکھتی تھی۔ حمید نے اپنا وزیٹنگ کارڈ اندر بھجوا دیا۔ پھر اُسے بیرونی ڈرائنگ روم میں انتظار کرنا پڑا۔ یہاں بڑے بڑے فریموں میں کئی دلکش چہرے نظر آ رہے تھے۔ انتظار کی اکتاہٹ سے پیچھا چھڑانے کے لئے حمید اندازہ لگانے لگا کہ ان میں سے زہرہ

جمال کون ہو سکتی ہے اور پھر ایک کھرکھراتی ہوئی سی آواز نے اُسے چونکا دیا۔

"فرمایئے۔"

حمید کھڑا ہو گیا۔ ایک دبلا پتلا سا بوڑھا آدمی اُسے گھور رہا تھا۔ ٹھوڑی پر گھنے بالوں والی فرنچ کٹ ڈاڑھی تھی۔ ایک آنکھ پر شیشہ چڑھائے ہوئے تھا۔ جس کا سیاہ فیتہ اس کی گردن میں تھا۔ واسکٹ۔ سیاہ پتلون اور سفید قمیض میں وہ ایک خاصا فیشن ایبل بوڑھا معلوم ہو رہا تھا۔

"میں پلازا تھیٹر والے۔"

"جی ہاں....!" اُس نے بڑے تلخ لہجے میں حمید کی بات کاٹ دی۔ "سب یہیں آتے ہیں میرا خیال ہے کہ اس حادثے کا شکار اکیلی بیگم ہی نہیں ہوئی تھیں۔"

لفظ "بیگم" سن کر حمید نے اپنے اوپر تقریباً سو بار لعنت بھیجی اور سوچنے لگا کہ اس بوڑھے بیگم کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ بڑھاپے میں بھی وہی نام استعمال کرے جو جوانی میں کرتی تھی۔ کھوسٹ کی بیگم.... زہرہ جمال.... لاحول ولا قوۃ.... اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اُس نے چار کچے کریلے چبا لئے ہوں۔ مگر اب چونکہ چلا ہی آیا تھا اس لئے تھوڑی دیر جھک مارنا حق تھا۔

"بات دراصل یہ ہے۔"

"ہر بات دراصل ہی ہوتی ہے۔" بوڑھے نے پھر اُسے جملہ پورا نہ کرنے دیا۔ در نقل کوئی بات ہے۔"

حمید کو بڑا تاؤ آیا۔ لیکن صرف مسکرا کر رہ گیا۔

"شاید آپ اس وقت غصے میں ہیں۔" حمید بولا۔

وہ چند لمحے حمید کو گھورتا رہا پھر بولا۔

"مسٹر! خدارا اب آپ لوگ پیچھا بھی چھوڑیئے۔ جو کچھ گیا واپس نہیں آسکتا۔ لیکن یہ کا انصاف ہے کہ مردے پر دولتیں اور... زندگی حرام ہو گئی۔ ایک ہی بات کو کہاں تک دہرایا جا۔

دفعتاً قریب ہی کے کسی کمرے میں ایک بڑی سریلی سی آواز گونج کر رہ گئی۔ حمید محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے کانوں میں کھٹ مٹھے شربت کی پچکاری ماردی ہو۔

"میرا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے ہے اور یہ کیس ابھی تک سول پولیس کے پاس تھا۔" نے کہا۔

"میں سمجھتا ہوں۔" بوڑھے نے کہا۔ "آپ سرجنٹ ہیں۔ آپ کے بعد کوئی انسپکٹر صاحب یف لائیں گے۔ ان کے بعد کوئی سپرنٹنڈنٹ پھر ڈی۔ آئی۔ جی صاحب۔ آئی جی صاحب تک تعمیت ہے۔ لیکن اگر کہیں آنریبل ہوم منسٹر بھی اس کیس میں دلچسپی لے بیٹھے تو مجھے گھر کر بھاگنا پڑے گا۔"

"اُف فوہ! ڈارلنگ....!" سریلی آواز ڈرائینگ روم میں گونج کر رہ گئی۔ حمید چونک کر مڑا۔ لے دروازے میں ایک جوان العمر عورت کھڑی تھی۔ "کیوں خواہ مخواہ بات کا پتنگڑ بنا رہے ہو۔ فائدہ۔"

"بیگم! بھئی تم کہاں چلی آئیں۔ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں! آج ٹھنڈک بہت ہے۔" بوڑھا ہلاہٹ میں آگے بڑھتا ہوا بولا۔

حمید نے محسوس کیا جیسے عورت نے اُس کا نوٹس ہی نہ لیا ہو۔ وہ دروازے سے صوفوں کے ب آگئی۔

"تشریف رکھئے۔" اُس نے حمید سے کہا۔ حمید بیٹھ گیا۔ سامنے والے صوفے پر وہ خود بھی گئی۔ بوڑھا منہ کھولے کھڑا رہا۔ حمید اُس عورت کے متعلق سوچنے لگا تھا کہ اتنی سریلی آواز کی ا ہونے کی بناء پر اُسے کوئل ہی سے تشبیہہ دی جاسکتی ہے حالانکہ وہ خاصی کلوٹی تھی مگر تھی ل۔ سارا حسن اس کی آنکھوں میں تھا۔ عمر انیس بیس سے زیادہ نہ رہی ہو گی۔ حمید کو سیاہی مائل لڈیز کے گلے یاد آگئے۔ رسیلے! لیکن شیرینی کے ساتھ ہی ہلکا سا نمک بھی رکھنے والے۔

"محترمہ زہرہ جمال!" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"جی ہاں۔" زہرہ بولی۔ پھر بوڑھے کی طرف پلٹ کر بڑے پیار بھرے لہجے میں کہا۔ "آپ کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے۔"

"آں.... ہاں.... کافی!" بوڑھا جو شائد کچھ اور سوچ رہا تھا چونک پڑا۔ "لیکن تمہاری بہت ٹھیک نہیں ٹھنڈک....!"

"میں ابھی آتی ہوں۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔

بوڑھا حمید کو گھورتا ہوا چلا گیا۔

"ہاں تو فرمایئے۔" اس نے حمید کو مخاطب کیا۔

"یہ جمال صاحب بہت غصہ دار آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"کون جمال صاحب۔"

"یہ آپ کے....!"

"اوہو! آپ کو غلط فہمی ہوئی۔" وہ ہنس کر بولی۔ "میرا نام ہی زہرہ جمال ہے۔ جمال سے ر یہ نہیں کہ میرا نام شوہر کے نام سے مرکب ہے۔ اُن کا نام تو صغیر بابر ہے۔"

حمید دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ اگر آپ کا نام زہرہ جمال ہے تو میں سارے ستارو کو لتار کا پلاسٹر کرادوں گا۔ زہرہ کی مٹی کیوں پلید فرمائی۔ آپ کے والدین نے اگر آسمان ہی پ پھینکنے کا حوصلہ تھا ویسے پوری رات پڑی ہوئی تھی۔

"خیر بہر حال۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔ "بات یہ ہے کہ اب اس معاملے میں محکمہ ر رسانی بھی دلچسپی لے رہا ہے۔"

"ہاں.... تو پھر....!" وہ حمید کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے بولی۔

"شائد آپ کا نکلس تھا۔"

"جی ہاں.... اور وہ اُس وقت اتارا گیا تھا جب ہال میں روشنی ہو گئی تھی۔"

"روشنی میں۔"

"ہاں.... میں باکس میں تھی۔ پیچھے سے کسی نے مجھے دھکا دے کر نکلس اُتار لیا۔"

"آپ نے اُسے دیکھا نہیں۔"

"صرف ہلکی سی جھلک دیکھی تھی اور اسکے متعلق اتنا ہی بتا سکتی ہوں کہ وہ سیاہ لباس میں تھ

"چہرہ بھی سیاہ تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"اتنا نہیں دیکھ سکی۔"

حمید جلد سے جلد پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ اپنی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "اس کے آپ کچھ اور معلومات بھی فراہم کر سکیں۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

دفعتاً ایک خیال حمید کے ذہن کی سطح پر غیر متوقع طور پر ابھر آیا۔

اُس نے جیب میں رکھی ہوئی عورتوں کی فہرست نکالی۔ ان کے نام اور پتے بلند آوا

ہرانے کے بعد بولا۔ "ان میں سے کسی کو آپ جانتی ہیں۔"

"میں ان میں سے سبھی کو جانتی ہوں۔ ان میں سے تین تو میری عزیز ترین دوست ہیں۔"

"کون کون۔"

"رابعہ نگہت، سعیدہ سلطان اور صابرہ زیدی۔"

"رابعہ نگہت صاحبہ کا ہار بہت قیمتی تھا۔" حمید نے کہا۔

"جی ہاں مجھے اس کا افسوس اپنے نکلس سے زیادہ ہے۔"

"بھلا کیوں!" حمید نے بڑی آرٹسٹک قسم کی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"ظاہر ہے کہ وہ میرے نکلس سے کہیں زیادہ قیمتی تھا اور رابعہ کو میں بہت عزیز رکھتی ہوں۔ اس ہار کا ایک ہیرا تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔"

"بقیہ دوسری عورتوں کو بھی آپ بخوبی جانتی ہوں گی۔"

"جی ہاں۔ بات یہ ہے کہ ہم سب ویمنز کلچر سنٹر کے ممبر ہیں۔"

"اوہ....؟" حمید کچھ سوچ کر رہ گیا۔

"معاف کیجئے گا۔" زہرہ مسکرا کر بولی۔ "میرا خیال ہے کہ شائد پولیس اُس لٹیرے کو پکڑنے میں ناکام رہے گی۔"

"کیوں؟"

"اتنے دن تو ہو گئے۔ ابھی تک پولیس نے کیا کر لیا۔"

"آپ اور رابعہ ساتھ ہی گئی تھیں۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں۔ مجھے تو دوسرے دن اخبارات سے معلوم ہوا تھا کہ وہ بھی شکاروں میں سے تھی۔"

"آپ تنہا ہی گئی تھیں۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں تو۔ میرے ساتھ وہ ڈاکو بھی تھا۔" زہرہ ہنس کر بولی۔ حمید بھی ہنسنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شائد یہ گلاب جامن بے تکلف ہونا چاہتی ہے۔

"ارے بھئی بیگم....!" بوڑھے کی آواز پھر سنائی دی۔

"ڈیئر! میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔ تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہو۔" زہرہ نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

بوڑھا آکر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ حمید نے بھی سوچا کہ اب بڑے میاں کو تنگ ہی کرنا چاہئے۔

"ہاں تو آپ کتنے دنوں سے ویمنز کلچر سنٹر کی ممبر ہیں۔" حمید نے زہرہ کو مخاطب کیا۔

"یہ سوال قطعی غیر ضروری ہے۔" بوڑھا اپنی کمسن بیوی کے بولنے سے پہلے ہی بول پڑا۔

"بابا صاحب! بالکل ضروری ہے۔" حمید نے کہا۔

"کیا مطلب! بابا صاحب۔" بوڑھا اپنی آواز میں جوانی کی لہر پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہو بولا۔ "آپ کو شریف آدمیوں سے تخاطب کا بھی سلیقہ نہیں۔"

"معاف کیجئے گا۔ مجھے ندامت ہے۔ عادت سے مجبور ہوں۔ بزرگوں کو اسی طرح مخاطب کرتا ہوں۔"

"تفتیش ختم ہوئی یا نہیں۔" بوڑھا ہتھے سے اکھڑ گیا تھا۔

"جی نہیں دو ایک سوالات اور کروں گا۔"

"ڈارلنگ.... پلیز....!" زہرہ اپنے شوہر کا بازو پکڑ کر اٹھاتی ہوئی منمنائی۔ سرکاری آدمیوں سے ایسی باتیں نہیں کی جاتیں۔"

"سرکاری آدمی.... ہونہہ.... سرجنٹ!" بوڑھا منہ بگاڑ کر بولا۔ "مسٹر! میں بھی سپرنٹنڈنٹ بس رہ چکا ہوں۔ میں نے ایسی تفتیش آج تک نہ دیکھی نہ سنی۔"

"زمانہ بدل چکا ہے۔ ڈارلنگ....!" زہرہ اُسے دروازے کی طرف کھینچتی ہوئی بولی۔ "تم زیادہ زور سے باتیں کرتے ہو تو میرا دل دھڑکنے لگتا ہے۔ ہٹو بھی ڈیئر اندر چلو....!"

حمید کو ہنسی آرہی تھی لیکن ضبط کئے رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اچھا تو یہی وہ حضرت ہیں.... صغیر بابر.... ریٹائرڈ ایس۔پی جنکے متعلق اُس نے سن رکھا تھا کہ وہ قبر میں بھی اپنے ساتھ ایک عورت لے جائیں گے۔ تب تو یہ بیچارہ حق بجانب ہے۔ عیاش لوگ عموماً اپنی بیویوں پر کڑی نظر رکھتے ہیں اور پھر یہاں تو معاملہ ایک ایسے عیاش کا تھا جو بڑھاپے میں بھی ایک نوجوان بیوی رکھتا تھا۔

"اچھا تو میاں صغیر بابر صاحب۔" حمید نے دل میں کہا۔ "میں تمہاری زندگی تلخ کردوں گا۔ تم نے بھی تو آخر جوانی میں بہتوں کی زندگیاں تلخ کی تھیں۔"

حمید کو وہ کہانیاں یاد آنے لگیں جو اس نے صغیر بابر کے متعلق سن رکھی تھیں۔ صغیر بابر

میں جب وہ صرف ایک سب انسپکٹر تھا اپنے علاقے کے لئے عذاب ہو جایا کرتا تھا۔ لوگ اُس کے ٹالے کے لئے دعائیں مانگا کرتے تھے۔ اس کے علاقے کے لوگ اپنی جوان بہو بیٹیوں کو وقت تک کے لئے کہیں باہر بھیج دیتے تھے جب تک اُس کا قیام وہاں رہتا تھا۔ اس نے نہ کتنی بار راتوں سے دلہنیں غائب کرادی تھیں۔ اُس کی رشوت میں عورت ضرور شامل ہوا تھی اور اب یہی صغیر بابر حمید کو ہنسی آگئی۔

"معاف کیجئے گا۔" زہرہ نے کہا جو اپنے شوہر کو اندر چھوڑ کر واپس آگئی تھی۔ "صغیر صاحب چڑچڑے ہوگئے ہیں۔ ویسے کیا آپ صرف سرجنٹ ہیں؟ آپ کی گاڑی تو بڑی شاندار ہے۔"

"جی ہاں کیڈی لاک ہے۔"

"کیڈی لاک!" اُس نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

"جی ہاں۔ اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"اوہ.... کچھ نہیں.... یونہی....!"

"میں یہ پوچھنا چاہتا تھا۔" حمید نے کہا۔ "ویمنز کلچر سینٹر کی ممبر آپ کب سے ہیں۔"

"شائد ڈیڑھ سال سے۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔ جن عورتوں کے زیورات غائب ہوئے ہیں وہ سب ہی ویمنز کلچر سنٹر کی ممبر تھیں۔"

"جی ہاں.... ہے تو عجیب بات۔" وہ سر ہلا کر بولی۔

"کیا مجھے تمام ممبران خواتین کے پتے مل سکیں گے۔"

"ہاں کیوں نہیں۔ سیکریٹری سے ملئے۔"

"لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ یہ بات مشہور ہو جائے۔"

وہ کچھ دیر تک سوچتی رہی پھر بولی۔

"اچھا۔ میں کوشش کروں گی۔ لیکن آپ ملیں گے کہاں۔"

"جب بھی ملنا ہو چار دو چھ پر فون کر دیجئے۔"

"بہت بہتر! لیکن ابھی تک آپ نے اپنا تعارف نہیں کرایا۔" زہرہ جمال مسکرا کر بولی۔

"مجھے حمید کہتے ہیں۔"

"سرجنٹ حمید.... اوہ....!" زہرہ جمال چہک کر بولی۔"فریدی حمید اینڈ کمپنی کے لوگوں کے تو بڑے چرچے رہتے ہیں۔ بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔"

حمید کی نظریں اُس کے سینڈلوں پر جمی ہوئی تھیں جن سے اُس کے پیروں کی سبک انگلیاں جھانک رہی تھیں۔ پیروں کی بناوٹ کی دلکش ہے۔ حمید نے سوچا۔

اس کے بعد زہرہ جمال کی زبان کی قینچی جو چلی ہے تو پیچھا چھڑانا ہی محال ہو گیا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اب اٹھ کر بھاگے۔ اگر کہیں بڑے میاں نے ایک چکر اور لگالیا تو ستم ہی ہو جائے گا۔ شائد وہ اُسے کوئی بہت بڑا دلاسہ دے کر آئی تھی۔

حمید بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا اور زہرہ جمال نے اُس کے مشہور کیسوں کا تذکرہ چھیڑ دیا تھا۔

"ارے بھئی بیگم!" صغیر بابر پھر چڑھ دوڑا۔"ختم ہوئی انکوائری۔"

حمید نے اطمینان کا سانس لے کر اٹھتے ہوئے کہا۔"ہاں! تکلیف کا بہت بہت شکریہ۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ ہی وہ مشہور زمانہ ایس۔پی صغیر بابر ہیں اسے میں اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ اچانک آج آپ سے پہلے ملاقات ہو گئی اور میں اپنی گستاخیوں کی معافی چاہتے ہوئے ایک بار پھر عرض کرتا ہوں کہ آپ ہر معاملے میں میرے بزرگ ہیں۔"

بوڑھے نے اُسے تیکھی نظروں سے دیکھتے ہوئے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھادیا۔ پھر مصافحہ کرتے وقت حمید نے زہرہ جمال کی طرف مڑ کر کہا۔"شائد میں پھر آپ کو تکلیف دوں۔"

"کیوں؟ اب کیوں؟" بوڑھا بھرائی ہوئی آواز میں چیخا۔ وہ بڑبڑاتا رہا اور حمید مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔

لٹیرے کی زبردستی

واپسی پر شام ہو گئی!

نوکر نے اُسے بتایا کہ کوئی صاحبہ اُسے کئی بار فون کر چکی ہے۔ فریدی کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ اس کے جانے کے بعد سے اب تک لائبریری ہی میں ہے۔ حمید کو پھر تاؤ آ گیا۔

"بس اب میں آخری سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔" اُس نے لائبریری میں پہنچ کر زور سے کہا۔

"آ گئے تم۔"

"ابھی نہیں آیا۔ سوال یہ ہے کہ ایک آدمی دن میں پچاس مرتبہ بور ہوتا ہے۔ اگر پچاس ایک وقت بور ہونا شروع کر دیں تو پاس پڑوس والوں کا کیا حال ہو گا جب کہ ایک میل سترہ فٹ گز کا ہوتا ہے۔"

فریدی نے کتاب ایک طرف رکھ دی اور اٹھ کر حمید کی پیٹھ ٹھونکتا ہوا بولا۔"بہت اچھے! تجویز یہ ہے کہ چلو تفریح کریں گے۔"

"ہائیں۔" حمید اچھل کر بولا۔"اب اس وقت تفریح جب بولنے کی بھی سکت نہیں رہ گئی۔"

"تو کیا صبح سے اب تک صغیر بابر ہی کے یہاں رہے۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا؟" حمید آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فریدی کو دیکھنے لگا۔

"یہ مشکل سوال کیا ہے تم نے۔" فریدی مسکراتا ہوا بولا۔"مگر یہاں بھی فون ہے اور صغیر کے گھر پر بھی ہے۔"

"یعنی....!"

"لا یعنی....! یعنی کہنے کی عادت ترک کر دو۔ صغیر بابر نے فون پر تمہاری شکائت کی تھی۔"

"کیا شکائت کی تھی؟"

"یہی کہ تم اُس کا اور اُس کی بیوی کا بھیجا چاٹ رہے ہو؟"

"اب چاٹوں گا۔" حمید اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ وہ کچھ اور بھی کہنے جا رہا تھا کہ ایک نوکر نے فون کی اطلاع دی۔

حمید لائبریری سے فریدی کے کمرے میں آیا۔

"ہیلو....!"

"فون صاحب بول رہے ہیں۔" دوسری طرف سے نسوانی آواز آئی۔

"سرجنٹ حمید۔ آپ کون ہیں۔"

"اوہ حمید صاحب۔ میں زہرہ جمال۔ کئی بار فون کر چکی ہوں۔ وہ دیکھئے ایک پتہ تو آپ اسی وقت نوٹ کر لیجئے۔"

حمید بے اختیار مسکرا پڑا۔

"ذرا ٹھہریئے۔" وہ تھوڑی دیر کے لئے رکا اور پھر اس طرح "ہاں ہاں" کرنے لگا جیسے کچھ پتہ نوٹ کر رہا ہو۔

"بہت بہت شکریہ۔" اس نے خالص بچکانے لہجے میں کہا۔ "آپ بہت اچھی ہیں۔ دوپہر سے آپ ہی کے متعلق سوچ رہا ہوں۔"

"کیا سوچ رہے ہیں۔"

"یہی کہ آپ بہت اچھی ہیں اور مجھے نہ جانے کیوں ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے ہم دونوں بچپن میں ساتھ کھیلے ہوں۔ میں نے آپ کی گڑیا چھین کر پھاڑ دی ہو۔ آپ نے میرا منہ نوچا ہو اور میں نے آپ کی چوٹی کھینچی ہو.. اوہ معاف کیجئے گا شائد میں پاگل پن کی باتیں کر رہا ہوں۔"

حمید نے دوسری طرف قہقہے کی آواز سنی۔

"آپ بڑی دلچسپ باتیں کرتے ہیں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"معاف کیجئے گا۔ میں بعض اوقات باتوں کی رو میں یہ بھول جاتا ہوں کہ مخاطب کون۔"

حمید دردناک آواز میں بولا۔

"ارے.... کوئی بات نہیں۔"

"اچھا اب فی الحال اجازت چاہتا ہوں۔" حمید نے کہا اور ریسیور رکھ کر جانے کے لئے فریدی دروازے میں کھڑا اسے گھور رہا تھا۔

"کون تھی۔"

"زہرہ جمال.... کیپٹن بابر کی بیوی۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"اور تم اُس سے ایسی باتیں کر رہے تھے۔"

"کیوں! کون سی ایسی بُری باتیں تھیں۔"

"وہ بُرا آدمی ہے۔" فریدی بولا۔

"اور میں ایک شریف آدمی ہوں۔ بہر حال آپ اس چکر میں نہ پڑیئے۔ میں اس بڑھاپے کو لالہ زار بنا دوں گا۔"

"دیکھو فرزند!" فریدی اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ "اس میں خواہ مخواہ بدنامی ہوتی ہے اور پھر اُس بیچارے کا دل دکھا کر تمہیں کیا ملے گا۔"

"بیچارا کہہ رہے ہیں آپ اُسے۔ سرکار والا اُس نے بھی لاکھوں کا دل دکھایا ہے۔"

"اور مجھے افسوس ہے کہ تمہارے بڑھاپے پر بھی یہی داغ لگنے والا ہے۔"

"جناب مجھے غلط سمجھے ہیں۔" حمید نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ "میں شریف عورتوں کی عزت کرتا ہوں۔ میں نے کبھی کسی شریف عورت کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اور خدا کی قسم میں نے کمینی عورتوں سے بھی اپنا دامن بچایا ہے.... اور....!"

ٹیلی فون کی گھنٹی پھر بجنے لگی۔ حمید نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہلاؤ....!" وہ گنگنایا۔ "حمید اسپیکنگ۔"

"اوہ.... حمید صاحب.... دیکھئے ایک پتہ اور یاد آگیا ہے۔ لکھ ہی لیجئے تو بہتر ہے۔"

"اچھا ٹھہریئے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "ہاں.... بولئے۔"

وہ سن کر "ہاں ہاں" کرتا رہا۔ پھر اُس نے جلدی سے "شکریہ" کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

"دیکھا آپ نے۔" حمید نے فریدی کی طرف مڑ کر کہا۔ "یہ تو میری ہی جان کو آگئی۔"

"تم نے بُرا کیا حمید صاحب۔" فریدی بولا۔

"نہیں ایسا بُرا بھی نہیں۔ آپکو شاید یہ نہیں معلوم کہ میں اس لٹیرے میں دلچسپی لے رہا ہوں۔"

"ہوں.... اچھا پھر....!"

"بیٹھ جایئے۔" حمید نے کہا۔ "ایک لمبی داستان ہے۔ رابعہ نکہت والا معاملہ یقیناً الجھاوے والا ہے۔"

فریدی سگار سلگانے لگا۔

حمید اپنی اور رابعہ کی گفتگو دہرا رہا تھا۔ فریدی کی پیشانی پر شکنیں تھیں۔ لیکن ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی تھی۔ پورے واقعات دہرانے کے بعد حمید نے رابعہ والا ہار فریدی کیطرف بڑھا دیا۔

فریدی چند لمحے ہار کو غور سے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ "واقعی حیرت انگیز نقل ہے۔ عمدہ قسم کا امیٹیشن! یعنی نقل ہونے کی صورت میں بھی اس کی قیمت ایک ہزار سے کسی طرح کم نہ ہوگی۔"

"میں نے سوچا۔" حمید نے کہا۔ "کہ میں ان ساری عورتوں سے ملوں جو پلازا تھیٹر میں لوٹی گئی تھیں۔ بہر حال کسی نے ایسی کوئی رپورٹ نہیں دی جو رابعہ کو پیش آئے ہوئے واقعے سے مطابقت رکھتی۔ انہیں میں زہرہ جمال بھی تھی۔"

"ٹھیک.... لیکن اسی پر کیوں زیادہ زور دے رہے ہو۔"

"پہلی بات تو یہ کہ صغیر بابر کی ضد میں۔ دوسری بات ابھی نہیں بتاؤں گا۔"

"کیوں....!"

"مناسب نہیں سمجھتا۔" حمید نے فریدی کے لہجے کی نقل اتاری۔

"تمہاری مرضی۔"

"لیکن میں ایک مسئلے پر آپ سے ضرور بحث کرنا چاہتا ہوں۔" حمید بولا۔

"کس مسئلے پر۔"

"اسی ہار کے متعلق۔ ظاہر ہے کہ رابعہ نے نقلی ہار نہ پہنا ہوگا۔ لیکن اگر وہ اصلی تھا تو اس لٹیرے نے یہ حرکت کیوں کی۔ اور کسی کے ساتھ تو اس نے ایسا نہیں کیا۔"

"سوال زیادہ بحث طلب نہیں معلوم ہوتا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ رابعہ نے نقلی ہی ہار پہنا ہو۔"

"اور پھر خواہ مخواہ ہمیں تکلیف دی ہو۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

تم نہیں سمجھے۔ ضروری نہیں کہ رابعہ اس سے واقف ہی رہی ہو کہ وہ نقلی ہار پہنے ہوئے ہے۔

"تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہار گھر ہی میں کسی نے بدل دیا۔"

"سیدھی سی بات ہے۔" فریدی نے کہا۔ "تم خود سوچو! اگر یہ حرکت اُسی لٹیرے کی ہے تو اس کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔ اگر وہ اس سے پہلے بھی اس قسم کی کوئی حرکت کر چکا ہوتا تو بھی سمجھ میں آ جاسکتا تھا۔ لہٰذا ایسی صورت میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ ہار گھر ہی میں بدلا گیا اور رابعہ کو اس کی خبر نہیں ہوئی۔ حتیٰ کہ وہ اُسے استعمال بھی کرتی رہی۔"

"لیکن وہ تو کہتی ہے کہ گھر میں اس کا بدلا جانا ممکن ہی نہیں۔"

"کوئی بات ناممکن نہیں ہوتی۔" فریدی بولا۔ "ویسے تم اس ہار کے متعلق بعض اہم باتیں نہیں جانتے یہی وجہ ہے کہ....!"

ابھی جملہ پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی پھر بجی۔

"لاحول ولا قوۃ۔" حمید جھنجھلا کر کھڑا ہو گیا۔

"ہیلو....!"

"کون صاحب بول رہے ہیں۔" دوسری طرف سے ایک گھٹی گھٹی سی نسوانی آواز آئی۔

"سرجنٹ حمید....!"

"اوہ۔ حمید صاحب خدا کے لئے جلدی آیئے۔ میں خطرے میں ہوں۔"

"آپ کون ہیں؟"

"رابعہ.... رابعہ نکہت.... جلد آیئے۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

"کیوں! کون تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"رابعہ! کہتی ہے جلد آیئے۔ میں خطرے میں ہوں۔"

"خطرہ! کس قسم کا خطرہ۔"

"یہ نہیں بتلایا۔"

فریدی نے گھڑی کی طرف دیکھا ساڑھے سات بجے تھے۔

"چلے جاؤ۔" فریدی نے کہا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ اُس پر اس قدر مہربان کیوں ہو گئے ہیں۔"

"بھئی اس سے تو میں صرف ایک ہی بار ملا ہوں لیکن اس کے باپ سے میرے بڑے اچھے تعلقات ہیں۔ چلے جاؤ۔ مگر ایک بات کا خیال رکھنا۔"

"کیا....؟"

"یہی کہ میرے اور اُس کے باپ کے بڑے اچھے تعلقات ہیں۔"

"اور آپ میرے باپ ہیں۔" حمید جھلا کر بولا۔ "کہیں آپ کو اس کے باپ سے کوئی استدعا کرنا پڑے۔ میرے خیال سے تو آپ ہی تشریف لے جایئے۔"

"چلو بچپنا چھوڑو۔ میں تمہیں کافی شریف سمجھتا ہوں۔"

"سرکار والا۔ وہ ایک الٹرا موڈرن لڑکی ہے۔ میں نہیں جاسکتا۔ اگر اُس نے زبردستی میری مونچھ برباد کر دی تو کیا ہوگا۔"

"بکواس مت کرو۔ جاؤ۔"

"نہیں جاتا۔" حمید اکڑ کر بولا۔ "آپ اپنے الفاظ واپس لیجئے۔ آپ مجھے اتنا بُرا کیوں سمجھتے

ہیں۔"

"چلو واپس لے لئے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

حمید کو بہت زور سے بھوک لگ رہی تھی۔ مگر چونکہ معاملہ ایک خوبصورت لڑکی کا تھا۔ اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ اب رات کا کھانا نصیب بھی ہوگا یا نہیں۔ کوئی دوسرا معاملہ ہوتا تو ایسی صورت میں فریدی ہی کو کھا جاتا۔ لیکن اس وقت اس نے کھانے کا نام تک نہ لیا۔ رابعہ کی آواز سے سچ مچ گھبراہٹ مترشح تھی۔ حمید بھی سوچ رہا تھا کہ آخر وہ کس قسم کا خطرہ ہو سکتا ہے۔ پھر وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ رابعہ گھر پر تنہا نہیں تھی۔ تین نوکر بھی تھے لہٰذا وہ کوئی بڑا ہی خطرہ ہو سکتا ہے۔ کیا وہ خطرہ اسی ہار سے متعلق تھا۔ حمید کو فریدی کا ادھورا جملہ بھی یاد آ گیا جو ٹیلی فون کی گھنٹی کی وجہ سے پورا نہ ہو سکا تھا اس ہار سے کچھ بہت ہی خاص قسم کے واقعات وابستہ ہیں۔ کہ بھی کسی جاسوسی ناول کے ہار ہی کی طرح کشت و خون کا باعث ہو سکتا ہے۔

کیڈی لاک کولتار کی چکنی سڑک پر پھسلتی رہی اور حمید سوچتا رہا۔ دسمبر کی خنک ترین رات تھی۔ کچھ دن قبل قریب کے ایک دیہی علاقے میں ژالہ باری ہو چکی تھی اس لئے سردی پہلے کئی گناہ زیادہ بڑھ گئی تھی۔ حمید کے ہاتھ اسٹیئرنگ پر ٹھٹھر رہے تھے۔ وہ جلدی میں دستانے بھی بھول گیا تھا۔ اُس نے بائیں ہاتھ سے اپنے اوور کوٹ کے کالر کھڑے کر لئے۔

رابعہ کی کوٹھی کے پائیں باغ کا پھاٹک کھلا ہوا تھا۔

پائیں باغ میں سناٹا تھا۔ حمید نے کیڈی پورٹیکو میں کھڑی کر دی اور گھنٹی پر ہاتھ رکھ متواتر تین بار بٹن دبانے پر اندر قدموں کی آواز سنائی دی۔ دروازہ کھلا سامنے رابعہ کھڑی تھی اس کے ہونٹ خشک تھے اور چہرہ زرد نظر آ رہا تھا۔ پرغرور انداز میں تنی رہنے والی بھنویں ڈھ پڑ گئی تھیں۔

وہ دروازہ کھول کر پیچھے ہٹ گئی اور سرجنٹ حمید نے السٹر اور فلٹ ہیٹ اُتار کر برآمد میں لگی ہوئی کھونٹیوں پر لٹکا دیئے۔

"مجھے افسوس ہے کہ نوکر لاپتہ ہیں۔" رابعہ آہستہ سے بولی۔

"لاپتہ ہیں۔" حمید نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"جی ہاں.... اندر آیئے۔" وہ تھوک نگل کر بولی۔

رابعہ نے حمید کے اندر ہوتے ہی دروازہ بند کر دیا۔ پھر وہ ایک بڑے کمرے میں آئے جہاں ش دان میں کوئلے سلگ رہے تھے۔

"وہ آیا تھا۔" رابعہ آہستہ سے بولی۔

"کون؟" حمید نے چونک کر پوچھا۔

"وہی لٹیرا۔"

"کیا....؟"

"جی ہاں! وہی لٹیرا۔ میں نوکروں کیلئے فکر مند ہوں۔ وہ کمبخت نہ جانے کہاں جائیں گے۔"

"لیکن وہ آیا کیسے۔ کیا بات تھی۔"

"اسی ہار کے چکر میں آیا تھا۔ اس نے مجھے ریوالور دکھا کر تجوری کھلوائی۔ اس میں رکھی ہوئی چیزیں الٹتا پلٹتا رہا۔ اس میں اور بھی زیورات تھے۔ لیکن اس نے کسی میں بھی ہاتھ نہیں لگایا۔ پھر نی صندوق بھی کھلوائے۔ بہر حال وہ اچھی طرح تلاشی لے کر گیا ہے۔"

"نوکر کہاں تھے۔"

"جہاں انہیں اس وقت ہونا چاہئے تھا۔ ایک تو باورچی تھا اور دو نوکر رات کے کھانے کے لئے شائد اس وقت میز ٹھیک کر رہے ہوں۔ میں لائبریری میں تھی۔"

"آپ نے پولیس کو کیوں نہیں فون کیا۔" حمید نے شبہ آمیز لہجے میں پوچھا۔

"میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ میں اس ہار کے معاملے کو پبلک اسکینڈل نہیں بنانا چاہتی۔"

"آپ نے نوکروں کو تلاش نہیں کیا۔" حمید نے پوچھا۔

"ہمت ہی نہیں پڑی۔ تب سے آپ کے آنے تک اسی کمرے میں رہی ہوں جہاں وہ مجھے چھوڑ گیا تھا۔"

"تھا کیسا....؟"

"ویسا ہی جیسا اس کے متعلق مشہور ہے! سیاہ جیکٹ! سیاہ پتلون۔ سفید دستانے اور چہرہ۔ میں اتنا سیاہی آج تک کسی کے چہرے پر نہیں دیکھی۔ وہ سیاہی اس کے کپڑوں کی سیاہی سے مختلف تھی۔ میں نے افریقہ کے نیگرو لوگوں کو بھی دیکھا ہے مگر وہ بھی اتنے سیاہ نہیں ہوتے۔ ان

کی رنگت بھی جاندار ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کھال کے نیچے خون موجود ہے۔ مگر اس چہرے کی رنگت بے جان تھی۔

بندر کا بچہ

"حمید نے نوکروں کو ڈھونڈنے کی مہم شروع کر دی۔ اُسے یقین تھا کہ وہ یہیں مکان کے کسی حصے ہی میں ہوں گے۔"

اُس کا خیال صحیح نکلا جیسے ہی اُس نے ایک چھوٹے سے کمرے کا دروازہ کھولا اسے تینوں نوکر فرش پر پڑے ہوئے نظر آئے۔ لیکن وہ ایک میٹھی میٹھی سی بو کے احساس کو کسی طرح نہ دبا سکا۔ کمرے میں قدم رکھتے رکھتے وہ یک بیک اس طرح پیچھے ہٹ گیا جیسے اُسے کچھ یاد آ گیا ہو۔

"کیا بات ہے!" رابعہ چونک کر بولی۔

"فی الحال یہاں سے دور ہی رہئے۔" حمید نے کہا اور وہ دونوں دور جا کر کھڑے ہو گئے۔ رابعہ حیرت سے کبھی فرش پر پڑے ہوئے نوکروں کو دیکھتی تھی اور کبھی حمید کو.... وہ بھی اس طرح جیسے حمید کوئی عجوبہ ہو۔

"کیا بات ہے۔" اس نے پوچھا۔

"کچھ محسوس کیا آپ نے۔"

"کیا؟ کس چیز کی طرف اشارہ ہے؟ میں نہیں سمجھی۔"

"میٹھی میٹھی سی بو۔"

"ہاں.... آں.... شاید ہے تو کچھ.... لیکن....!"

"ایک خواب آور گیس! جس کی زیادہ مقدار موت بھی لا سکتی ہے۔ سنتھیلک گیس ہے۔"

"اوہو! تو یہ نوکر....!" رابعہ چیخ پڑی۔

"خدا ہی جانے!" حمید مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "جب تک موجود ہے کمرے میں جانا ٹھیک نہیں۔"

وہ تقریباً پندرہ منٹ تک وہاں کھڑے رہے۔ دونوں خاموش تھے اور ان کی نظریں نوکروں

پر جمی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد ایک نوکر نے کروٹ لی اور رابعہ اُسے آوازیں دینے لگی۔ دفعتاً وہ اُچھل کر اٹھ بیٹھا۔ پہلے چندھیائی ہوئی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھتا رہا پھر اٹھ کر دروازے کی طرف بھاگا۔

"نصیر....!" رابعہ نے اُسے پھر آواز دی۔

وہ تیر کی طرح ان کی طرف آیا اور اُن کے قریب کھڑا ہو کر ہانپنے لگا۔

"کیا بات تھی!" حمید نے اُسے گھور کر پوچھا۔

"وہ.... وہ.... سرکار.... بندر کا بچہ....!"

"کیا بکتے ہو۔" رابعہ بولی۔

"حضور! کچھ نہیں معلوم۔ بندر کے بچے کے پیچھے یہاں تک آئے۔ پھر کچھ نہیں معلوم۔"

"بندر کا بچہ! کیا بک رہے ہو۔ صاف صاف بتاؤ۔" حمید نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"جی ہاں ڈرائنگ روم میں.... میز ٹھیک کر رہا تھا۔ کھڑکی میں ایک بندر کا بچہ نہ جانے کہاں سے آ گیا۔ صاحب کیا بتاؤں بس آدمی کا بچہ لگ رہا تھا۔ ہم نے اُسے روٹی دکھا کر اندر بلا لیا۔ پھر پکڑنے کی کوشش کرنے لگے اسے گھیر کر اس کمرے میں لے گئے۔ پھر نہ جانے کیا ہوا۔"

حمید نے زیادہ تفصیل جاننا مناسب نہیں سمجھا۔ ظاہر ہے کہ جو شخص بھرے مجمعے میں فاختائیں اڑا کر زیورات کا ڈبہ لے سکتا ہو اس کے لئے تین آدمیوں کو بیوقوف بنا دینا بڑی بات نہیں ہو سکتی۔ تھوڑی دیر کی جدوجہد کے بعد وہ دونوں بھی ہوش میں آ گئے۔ لیکن ان کی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ چکر پر چکر آ رہے تھے۔ شائد ان دونوں پر گیس کافی اثر انداز ہوئی تھی۔

"کس مصیبت میں پڑ گئی۔" رابعہ بڑبڑا رہی تھی۔ "مجھے معلوم ہوتا تو وہ ہار پہن کر ہی نہ جاتی۔"

"اتفاقات ہی مصیبت لاتے ہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "کیا آپ مجھے وہ ساری چیزیں دکھا سکیں گی جن کی وہ تلاشی لے کر گیا ہے۔"

"چلئے۔"

"سب سے پہلے اُس نے تجوری دیکھی۔ انگلیوں کے نشانات کے لئے تو سر مارنا ہی فضول تھا۔ کیونکہ رابعہ کے بیان کے مطابق اُس نے دستانے پہن رکھے تھے۔ حمید کا خیال تھا ممکن ہے وہ کوئی اور چیز چھوڑ گیا ہو۔ کوئی ایسی چیز جس سے اُس کی شخصیت پر روشنی پڑ سکے!

وہ زمین پر ایک گھٹنا ٹیکے تجوری کا نچلا خانہ دیکھ رہا تھا کہ اُس کی نظر رابعہ کے پیروں پر پڑ گئی۔ وہ اس کے قریب ہی کھڑی ہوئی تھی اور اس نے دو پٹیوں والے سیاہ مخملی چپل پہن رکھے تھے۔ مرمر سے تراشے ہوئے سبک پیر جن کا فاصلہ حمید کے چہرے سے ایک فٹ سے زیادہ نہ رہا ہوگا.... پیروں کے انگوٹھوں کا درمیانی ابھار.... حمید کا سر چکرانے لگا۔ اس کا ایک بہت پرانا کومپلیکس ذہن کے تاریک گوشے میں کلبلانے لگا تھا۔

"میرے خیال سے یہ فضول رہے گا۔" وہ اٹھتا ہوا بڑبڑایا۔ "سوچنے کے لئے بیس منٹ! کیا یہاں تنہائی مل سکے گی۔"

رابعہ اُسے ایک کمرے میں لے آئی۔

"آپ کو بہت تکلیف ہوئی... کیا بتاؤں۔" اس نے کہا۔ چند لمحے کھڑی رہی اور پھر چلی گئی۔

حمید ایک صوفے میں ڈھیر ہو گیا۔

کوئی یقین کرے یا نہ کرے۔ ایک مخصوص بناوٹ کے زنانے پیر اس کی بہت بڑی اور پرانی کمزوری تھے۔ اُس وقت اس کی سانسیں اس طرح چڑھی ہوئی تھیں وہ کسی پہاڑ کی چوٹی سر کرنے کے بعد تھک کر گر پڑا ہو۔ بہتوں کو یقین نہ آئے گا۔ لیکن یہ حقیقت تھی کہ وہ طالب علمی کے زمانے میں محض ایک لڑکی کے پیروں کی خاطر ڈیڑھ سو میل کا سفر کیا کرتا تھا۔ یہ اُس کے ایک قریبی عزیز کی لڑکی تھی اور بے حد حسین پیر رکھتی تھی۔ حمید کو ہر دوسرے تیسرے ماہ محض اُس کے پیروں کے دیدار کے لئے ایک لمبے سفر کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑتی تھیں۔ خواہ حمید کے چاہنے والوں کو قے ہی کیوں نہ ہو جائے لیکن یہ بات بھی بتانی ہی پڑے گی کہ اس نے ایک بار اُس لڑکی کے پیر کا انگوٹھا چوسا بھی تھا اور عرصہ تک اس کے پیر کی بو کسی نفیس قسم کی شراب کے نشے کی طرح اس کے ذہن پر مسلط رہی تھی۔ وہ بس اُس کے پیر دیکھا کرتا تھا۔ انگوٹھوں کی بناوٹ تو اسے پاگل ہی کر دیتی تھی۔ اس کی سب سے بڑی خواہش تھی کہ وہ اُس کے پیر کا انگوٹھا چوس ڈالے۔ اور یہ خواہش ایک دن اچھے خاصے پاگل پن میں تبدیل ہو گئی۔ وہ بچپن ہی سے ذہین اور فتنہ پرداز تھا۔ آخر اُسے ایک تدبیر سوجھ ہی گئی۔ گرمیوں کے دن تھے۔ گھر کے لوگ دوپہر کا کھانا کھا کر مگر مچھوں کی طرح اونگھنے لگے تھے۔ انہیں میں وہ لڑکی بھی تھی حمید نے اُس کے پیر کے انگوٹھے میں ایک پن اس صفائی سے چبھائی کہ وہ چیخ مار کر جاگ تو پڑی لیکن یہ نہ سمجھ سکی کہ بات

ی۔ حمید "سانپ سانپ" کا غل مچاتا ہوا ایک طرف دوڑتا چلا گیا۔ پھر بدحواسی کی نہایت عمدہ ی کرتا ہوا واپس آیا۔ گھر میں کہرام پڑ گیا۔ دیہات کے سیدھے سادھے لوگ تھے۔ گھرانا داروں کا تھا۔ اگر معاملہ کسی کسان یا نچلے طبقے کے آدمی کا ہوتا تو لڑکی کے انگوٹھے پر خون کی ی بوند دیکھ کر فوراً بتا دیتا کہ وہ کم از کم سانپ کے دانت کا نشان تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔

بہر حال گھر میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ حمید نے لڑکی کا پیر پکڑ کر پنڈلی کو ایک پتلی سی ڈور سے یا اور پھر اُس کا انگوٹھا چوسنے لگا۔ کئی لوگوں نے اس پر حیرت ظاہر کی لیکن حمید نے کہا کہ وہ چوس رہا ہے اور اس نے انہیں تھوک کر بھی دکھایا۔ تھوک ہلکے نیلے رنگ کا تھا۔ لوگ چکرا کسی نے چیخ کر کہا کہ تم اپنی جان کیوں دے رہے ہو۔ اس پر اس نے انہیں بتایا کہ وہ کالج میں نا ہے اور کالج میں سب کچھ سکھایا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ مردہ مینڈک میں جان بھی ڈال دی جاتی بہر حال وہ چوس چوس کر نیلے رنگ کا جھاگ تھوکتا رہا اور لڑکی بلبلا بلبلا کر روتی رہی۔ ایسا م ہو رہا تھا جیسے وہ بیہوش ہو جائے گی۔ جب حمید کا دل بھر گیا تو اس نے پُر اطمینان انداز میں لا کر انگوٹھا چھوڑ دیا اور پھر باہر جا کر اُس نے اپنے منہ سے نیلی روشنائی کی ٹکیہ نکالی جو آدھی زیادہ گھل گئی تھی۔

اور پھر جب ایک گھنٹہ گذر جانے کے بعد بھی لڑکی نہ مری تو حمید کی شہرت جنگل کی آگ طرح سارے گاؤں میں پھیل گئی۔ گھر والے تو گویا اُسے سر پر بٹھائے پھر رہے تھے۔

حمید نے احتیاطاً اتنی زمین ہی کھود ڈالی جتنے حصے میں اس نے نیلی روشنائی تھوکی تھی۔ رات کھانے پر اُسے اپنا منہ پیٹنا پڑا۔ بھلا زہر کی تیزی کی وجہ سے اس کی زبان کیوں نہ کٹتی اور کٹی ئی زبان پر نمک اور مرچ کا مزہ وہی جانے جس پر بیتی ہو۔ لڑکی اب بھی زندہ ہے اور اب اُسے ئی لڑکی نہیں کہتا۔ البتہ کئی چھوٹے چھوٹے بچے اُسے "اماں" ضرور کہتے ہیں۔ وہ اب بھی حمید کی سان مند ہے لیکن اُس کے پیر بھدے ہو چکے ہیں۔

پندرہ منٹ گذر گئے۔ حمید چپ چاپ صوفے پر پڑا رہا۔ وہ رابعہ کے پیر بھول جانا چاہتا تھا۔ ہا سال کی دبی ہوئی خواہش ایک بار پھر جاگ اٹھی تھی۔ انگوٹھا.... اس کا ضدی ذہن نگوٹھا... انگوٹھا" کی تکرار کئے جا رہا تھا۔ اُس نے جھنجھلا کر اپنے گال پر تھپڑ مار لیا۔ ٹھیک اُسی وقت ہو کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ ٹھٹک گئی۔ شائد اس نے حمید کو اپنے گال پر تھپڑ مارتے دیکھ لیا تھا۔

"بڑے مچھر ہیں یہاں....!" حمید کھسیانی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"نہیں.... تو.... ممکن ہے ایک آدھ بھولا بھٹکا کہیں رہ گیا ہو۔ ورنہ یہاں تو روز ہی چھڑکا جاتا ہے۔"

"ممکن ہے! میرا خیال ہو!" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "اچھا تو پھر اب اجازت ہے۔"

"جائیے۔" رابعہ بے چینی سے بولی۔

"ویسے میں جانے سے پہلے آپ کا تھوڑا سا وقت ضرور لوں گا۔" حمید نے کہا اور ذہن آواز دی۔ "انگوٹھا" لیکن حمید نے اس کے پیروں کی طرف دیکھنے کی جرأت نہ کی۔

"اگر آج رات یہیں ٹھہریں تو کیا حرج ہے۔" رابعہ نے دبی زبان سے کہا۔

"نوکروں کا حال تو آپ دیکھ ہی چکے۔"

"اوہ....!" حمید ہنس پڑا۔ "مجھے یقین ہے کہ وہ اب نہیں آئے گا۔"

"میں فریدی صاحب سے اجازت لئے لیتی ہوں۔" رابعہ نے کہا۔

"اوہو.... ذیکھئے نا.... بات دراصل یہ ہے کہ.... میں.... اب کیا بتاؤں۔"

"میرا خیال ہے کہ میری بات فریدی صاحب نہیں ٹالیں گے۔ ڈیڈی کے گہرے دوستوں میں سے ہیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن شائد آپ کو مجھے گھر ہی سے نکال دینا پڑے۔" حمید نے معصومیت سے کہا۔

"کیوں....؟"

"مجھے اکثر سوتے سوتے فرنجک ہو جاتی ہے۔ ابھی پرسوں کی رات کی بات ہے کہ فرنجک ہو گئی اور جب مجھے ہوش آیا تو میں نے محسوس کیا کہ فریدی صاحب کے پیر کا انگوٹھا رہا ہوں اور وہ میرے سر پر طبلہ بجا رہے ہیں۔"

رابعہ ہنس پڑی۔

"حمید صاحب میں نے سنا ہے کہ آپ بڑے لطیفہ گو ہیں چلئے آج رات بھر لطیفے ہی سنا

"اوہ.... لطیفے.... خیر.... مگر میں.... اچھا میں ابھی واپس آجاؤں گا۔"

"کوئی خاص کام....!"

"میں نے ابھی کھانا نہیں کھایا۔"

"اور اس کے لئے آپ اتنی دور جائیں گے۔ میں نے بھی کھانا نہیں کھایا" کہ اگر دس پانچ

"بات دراصل یہ ہے....." حمید کی نظریں پھر اُس کے پیروں پر پڑ گئیں اور ذہن میں جھٹکا پیدا ہوا۔

"کیا بات ہے۔" رابعہ نے پوچھا۔

"اوہ! کوئی خاص بات نہیں۔"

حمید اُس کے ساتھ کھانے کی میز پر آیا اور پھر اُس ہار کے متعلق گفتگو چھڑ گئی۔

"آپ زہرہ جمال صاحبہ کو جانتی ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"زہرہ جمال۔ شاید آپ صغیر بابر کی بیوی کے متعلق پوچھ رہے ہیں۔"

"جی ہاں.... وہی....!"

"میں اُسے خود سے کبھی جاننے کی کوشش نہ کرتی۔ لیکن وہ خود ہی....!" رابعہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"اونچے طبقے کی عورتوں میں گھستی ہے۔" حمید نے جملہ پورا کر دیا۔

"آں.... ہاں.... اونچے طبقے کی بات تو نہیں۔ صغیر بابر خود بھی کافی دولت مند ہے۔ میں تعلیم یافتہ اور الٹرا موڈرن لوگوں کی بات کر رہی تھی۔"

"آپ بھی ویمنز سنٹر کی ممبر ہیں۔"

"جی ہاں.... یہ کباب لیجئے۔"

"شکریہ۔" کیا زہرہ جمال وہاں کی ممبروں میں کافی مقبول ہے۔"

"ہے تو لیکن....!" رابعہ ہونٹ سکوڑ کر رہ گئی۔

حمید معنی خیز انداز میں اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"لیکن آپ نے اس کا تذکرہ کیوں چھیڑا ہے۔" وہ تھوڑی دیر بعد پوچھ بیٹھی۔

"بس یونہی.... آج اس سے بھی ملا تھا۔ اس کا بھی تو نکلس پلازا تھیٹر ہی میں اُتارا گیا تھا۔"

"فریدی صاحب میرے ہار کے متعلق کیا کہتے ہیں۔"

"اُن کا بھی یہی خیال ہے کہ وہ گھر ہی میں بدلا گیا ہے۔"

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ گھر میں ایسی حرکت کون کرے گا۔" رابعہ بولی۔ "کیا ان نوکروں میں سے کوئی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں ڈیڈی کو کیا جواب دوں گی۔"

کھانا ختم کر چکنے کے بعد وہ پھر ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے۔ حمید نے زہرہ جمال کا تذکرہ پھر چھیڑ دیا۔

"اس کی مقبولیت کی وجہ پوچھئے تو میں بتاؤں۔" رابعہ نے کہا۔ "وہ خطرناک حد تک چاپلوس واقع ہوئی ہے۔ ان حلقوں میں بھی درانہ گھستی ہے جہاں کوئی اُسے منہ لگانا بھی پسند نہیں کرتا۔"

"خیر اُس کی مکاری اور چاپلوسی کی عادت کا اندازہ میں نے پہلے ہی لگا لیا تھا۔" حمید بولا۔

"کس طرح! کیا بات تھی۔"

"مجھے علم القیافہ میں بھی تھوڑا سا دخل ہے، جس عورت کے پیر کے انگوٹھے میں جڑ کے قریب اوپر کی طرف ایک گہری لکیر ہو۔ وہ عموماً مکار اور چاپلوس ہوتی ہے۔"

"اوہو! تو آپ لکیروں کے بھی ماہر ہیں۔ ذرا میرے انگوٹھے بھی تو دیکھئے گا۔" رابعہ ایک شوخ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ اور حمید کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

رابعہ اٹھ کر حمید کے قریب آ گئی اور اس نے اپنا دایاں پیر چپل سے نکال کو صوفے کے بازو پر رکھ دیا۔ حمید کی قمیض سردی کے باوجود بھی پسینے سے بھیگنے لگی۔ اس نے جھک کر انگوٹھے کی طرف دیکھا اور کانپتے ہوئے ہاتھ سے اس کی جڑ ٹٹولنے لگا۔

"جی نہیں.... نہیں ہے۔" وہ تھوک نگل کر بولا۔

"خیر شکر ہے۔" رابعہ پھر مسکرائی اور اپنی کرسی کی طرف لوٹ گئی۔

حمید کا حلق خشک ہو رہا تھا اور ذہن چیخ رہا تھا۔ "ابے چوس۔ ابے چوس۔" سانسیں تھیں آندھیاں۔ چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ رابعہ حیرت سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ حمید کی نظریں اس کے چہرے کی طرف اٹھیں اور وہ بوکھلا کر بولا۔

"مم.... میرا خیال ہے.... کہ وہ گیس میرے سسٹم پر بھی اثر انداز ہوئی ہے۔ پتہ نہیں کیوں سر چکرا رہا ہے۔ آپ موزے کیوں نہیں پہنتیں.... کتنی شدید سردی ہے۔"

"تو پھر آپ آرام کیجئے۔ میں فریدی صاحب کو فون کئے دیتی ہوں۔"

"شش.... شکریہ....!"

"ڈاکٹر کو فون کروں۔"

"اوہ نہیں.... اس کی ضرورت نہیں.... اور پھر آپ اس ہار والے معاملہ کو چھپانا بھی تو چاہتی ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے۔"

"اوہو.... مجھے بار بار شرمندہ نہ کیجئے۔ میں تو اس وقت بھی آپ کے ہار ہی کے متعلق سوچ رہا ہوں۔ ویسے عرض ہے کہ آپ اپنا کمرہ مقفل کر کے سوئیے گا۔"

"کیوں.... کیا بات ہے۔" رابعہ خوفزدہ آواز میں بولی۔

"وہ میری فرنجک....!" حمید بولا اور رابعہ ہنس پڑی۔

"مجھے ڈر ہے کہ آپ کو اپنا ہی انگوٹھا چوسنا پڑے گا۔" اس نے کہا اور حمید بھی ہنسنے لگا۔

بد اخلاق کتے

حمید کو کافی رات گئے تک نیند نہیں آئی۔ وہ اپنے اس کومپلکس سے عاجز آ گیا تھا۔ کئی بار نیکوانیلیس بھی کرانے کی کوشش کی تھی لیکن بیچارے عامل کو کومپلکس کی بنیادی وجہ ہی نہ مل سکی۔ بہرحال سوتے وقت بھی اس کے ذہن پر رابعہ کے پیر مسلط رہے۔ لیکن صبح جب آنکھ کھلی تو سب سے پہلے کلوٹی زہرہ جمال یاد آئی اور ذہن میں رابعہ کا یہ جملہ گونج رہا تھا کہ وہ حد درجہ چاپلوس واقع ہوئی ہے اور فیشن ایبل عورتوں میں زبردستی گھستی ہے۔

رابعہ بھی شائد رات کو دیر تک جاگتی رہی تھی اور ابھی تک سو رہی تھی کہ حمید بھاگ نکلا۔ نوکر سے کہتا گیا کہ ایک ضروری کام یاد آ گیا ہے ورنہ جاگنے کا انتظار کرتا۔

گھر پہنچا تو پائیں باغ کے پھاٹک ہی پر فریدی سے مڈبھیڑ ہو گئی۔

"صبح بخیر....!" فریدی نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر کہا۔

"نہ صرف بخیر بلکہ ہاتھ پیر بھی بخیر۔ خدا آپ پر صحرائے بخد کے اونٹ نازل کرے۔"

"خیریت! بڑے اداس نظر آ رہے ہو۔"

"خودکشی کا ارادہ ہے۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔

"طریقہ کون سا اختیار کرو گے۔"

"کسی سے کہوں گا کہ گردن پر دونوں پیر رکھ کر کھڑی ہو جائے۔"

"کیا بات ہے پسر.... آخر صبح ہی صبح خودکشی کی کیسے سوجھی۔"

"میں اپنے اُس کو مپلکس سے عاجز آگیا ہوں۔"

"کون سا کو مپلکس۔ تمہارے ساتھ ایک ہی دو تو نہیں ہیں۔"

"وہی پیر والا۔" اب میں اس وقت تک رابعہ کے یہاں نہیں جاؤں گا جب کہ آپ فون پر پہلے ہی سے موزے پہن رکھنے کی ہدایت نہ دے دیں گے۔

"اوہ تو یہ بات ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "رابعہ کے پیر اسی قسم کے ہیں تب تو بڑی بات ہے۔"

"کیا اچھی بات ہے۔"

"یہی کہ اب میں تمہارا یہ مرض دور کرادوں گا۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیسے دور کرادیں گے۔ میں نہایت سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں کہ اس کے لئے کچھ کیجئے۔"

"بھئی یہ لاشعوری گتھیاں ہیں اور ان کا علاج بھی ہے۔ بشرطیکہ اس گتھی یا مرض کا سبب دریافت ہو جائے.... مگر خیر میں سبب دریافت کئے بغیر ہی تمہارا معقول علاج کرادوں۔"

"کیسے ... کس طرح.... میں سنجیدہ ہوں فریدی صاحب۔"

"میں بھی غیر سنجیدہ نہیں۔ طریقہ علاج کے لئے ایک واقعہ سن لو! پھر میں تمہارے کے طریقے پر روشنی ڈالوں گا۔ چلو اندر چلیں۔ میں آج بہت خوش ہوں۔"

"اس بہت خوشی کی وجہ۔"

"آج تم ہر بات کی وجہ ہی پوچھنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہو.... چلو....!"

وہ دونوں برآمدے میں آکر بیٹھ گئے۔

"ہاں تو حمید صاحب!" فریدی بولا۔ "وہ واقعہ سنئے۔ ایک صاحب کے ساتھ عجیب تھی۔ جب بھی بیچارے خود کو اندھیرے میں محسوس کرتے چیخ مارتے اور بیہوش ہو جا انہیں بھی تمہاری ہی طرح تحلیل نفسی کی سوجھی۔ جس ماہر نفسیات کے پاس گئے وہ سچ تھا۔ اس نے کو مپلکس کی وجہ دریافت کرلی۔ بات یہ تھی کہ وہ صاحب بچپن میں ایک ا

ایک سیاہ رنگ کے کتے سے ٹکرا گئے تھے۔ کتا کٹکھنا تھا اس نے انہیں بھنبھوڑ ڈالا اور یہ ہو گئے۔ اس وقت اتنے چھوٹے تھے کہ جوانی تک اس واقعے کو بھول ہی گئے۔ لیکن ذہن ں خاص قسم کی خوفناک سچویشن کی گرہ پڑی رہ گئی۔ لہٰذا وہ کتے والی بات تو بھول گئے تھے لیکن اب بھی اُن پر بیہوشی طاری کردینے کے لئے کافی ہوا کرتا تھا۔ ماہر نفسیات نے ایک رات کے ہاتھ میں ریوالور دیا اور انہیں ایک ایسی جگہ لے گیا جہاں اندھیرا تھا اور اس نے وہیں ایک گ کا کتا پہلے ہی سے چھوڑ رکھا تھا۔ قصہ کوتاہ اس نے ان سے اس کتے کو اندھیرے ہی میں کرادیا۔ اور پھر اس دن سے اندھیرے کا خوف ان پر نہیں طاری ہوا۔"

"اتنا میں سمجھ گیا۔" حمید نے کہا۔ "لیکن میرا کیس اس سے مختلف ہے۔"

"تمہارا کیس خوف کا نہیں پسند کا ہے۔ اس کے لئے صرف نفرت ہی سودمند ہو سکتی ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"یوں سمجھو.... تمہارا مرض بھی ہسٹریا ہی کی طرح ایک ذہنی مرض ہے اور تم یہ بھی ہو کہ ہسٹریا کے دورے اُس وقت پڑتے ہیں جب مریض ذہنی کشمکش کو شعوری طور پر کسی نتیجہ خیز حل کی طرف نہیں لے سکتا۔ دورے روکنے کی دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو مریض کو ں کا حل مل جائے یا پھر کش مکش کی طرف متوجہ ہی نہ ہونے دے۔ مثلاً نفرت کا جذبہ، اس لئے یہ تدبیر زیادہ مناسب رہتی ہے کہ مریض کے سامنے ایک دودھ دینے والی گدھی رکھی ئے اور اس سے کہا جائے کہ دراصل اس گدھی کا دودھ ہی اُس کا علاج ہے۔ دورے کا آثار ظاہر ہوتے ہی اُسے گدھی کا دودھ پلایا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ مریض متنفر ہی نہیں بلکہ سخت زار بھی ہو جائے گا۔"

"آج آپ واقعی موڈ میں معلوم ہوتے ہیں۔" حمید ہنس کر بولا۔ "لیکن میرا علاج۔"

"تمہارا علاج گدھی کی لات ہے۔ ایک ایسی شاندار لات جسے کھا کر تم سنبھل نہ سکو اور ہزار دو پیسے والا معمہ حل ہو جائے۔ بڑی خوشی اس بات کی ہے کہ مجھے اس خاص قسم کے پیر کا مل گیا جو تمہیں بدحواس کردیتا ہے۔"

"یعنی....!"

"رابعہ کا پیر۔ اب میں تمہارا علاج کرلوں گا۔ تمہیں کسی بلند مقام پر کھڑا کر کے رابعہ سے

استد عا کروں گا کہ ایک ایسی لات جھاڑے کہ تم اوندھے منہ نیچے چلے جاؤ۔ تمہارا سر پھٹ جا
اور منہ بھرتا ہو جائے۔ ہاتھ پیر ٹوٹ جائیں اور جب تم چھ ماہ بعد ہسپتال سے برآمد ہو تو اس
کے پیروں کے خیال ہی سے تمہاری روح فنا ہونے لگے۔"

"ہیئر ہیئر۔" حمید تالی بجانے کی بجائے اپنا سر پیٹ کر چیخا۔ "واقعی آپ اس وقت بہ
خوش معلوم ہوتے ہیں۔ کیا آپ کا بھی کوئی کومپلکس رفع ہو گیا۔"

"ہو سکتا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ویسے یہ خبر تمہارے لئے کافی دلچسپ ثابت ہوگی
اس لٹیرے نے پچھلی رات مجھ پر بھی ہاتھ صاف کر دیا۔"

"کیا....؟" حمید اچھل پڑا۔ "کس طرح؟"

"پہلے یہ بتاؤ کہ رابعہ نے تمہیں کیوں بلایا تھا۔ اُس نے مجھ سے فون پر اتنا ہی کہا تھا کہ
تمہیں رات بھر کے لئے روک رہی ہے اور مفصل حالات تم ہی سے معلوم ہوں گے۔"

حمید نے پچھلی رات کی داستان دہرا دی۔

"فریدی کچھ سوچتا رہا پھر سر ہلا کر بولا۔" تو شاید اس نے وہاں کے بعد ادھر ہی کا رخ کیا

"بات کیا ہے۔" حمید نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"وہ رابعہ والا نقلی ہار لے گیا۔" فریدی نے جیب سے ایک لفافہ نکالتے ہوئے کہا۔ "ا
پڑھو۔"

حمید نے لفافہ لے کر خط نکالا۔

"فریدی صاحب۔

میں ایک بے ضرر آدمی ہوں۔ ایڈونچر کا شائق ہونے کی بناء پر میں نے یہ راستہ اختیا
ہے۔ خطرات میں پڑنے اور نکل جانے میں مجھے جو لذت ملتی ہے وہ آج تک کسی دوسری چیز
نہیں ملی۔ ڈاکے تفریحاً ڈالتا ہوں اور لوٹی ہوئی چیزیں پھر اُن کے مالکوں کو واپس کر دیتا ہوں۔
تک میں نے یہاں جتنی بھی وارداتیں کی ہیں ان کا مال غنیمت آہستہ آہستہ واپس کر رہا ہوں۔
اگر وہ لوگ پولیس کو اس کی اطلاع نہ دیں تو یہ ان کی نیت کا قصور ہے نہ کہ میرا۔ اگر آپ
طریقوں کو کام میں لا کر تفتیش شروع کریں تو میرے قول کی سچائی آپ پر روشن ہو جائے
رابعہ نکہت کا ہار واپس لے جا رہا ہوں۔ یہ ایک بڑا اچھا مشغلہ ہاتھ آیا ہے۔ میں اصلی ہا

ں گا اور پھر اُسے رابعہ نکہت تک پہنچانا میرا فرض ہو گا۔ نقلی ہار اس لئے لے جا رہا ہوں کہ مجھے
ں کی اصل تلاش کرنی ہے۔ یہ میری تفریح ہے۔ فریدی صاحب ان وارداتوں کا مقصد حقیقتاً
ں کو لوٹنا نہیں ہے۔ آپ بہت بڑے آدمی ہیں لہٰذا اس چھوٹے اور سیدھے سادھے معاملے میں
ل دینا آپ کے شایان شان نہیں۔ پولیس کو الجھنے دیجئے اور پھر میں تو حکومت کی ایک خدمت
ی انجام دے رہا ہوں۔ یعنی میں نہیں چاہتا کہ قانون کے محافظ کاہل ہو جائیں میں نے انہیں
ی چاق و چوبند کر دیا ہے۔ اتنا تو آپ بھی تسلیم کریں گے۔ مجھے افسوس ہے کہ اس وقت مجھے
پ کے کتوں کا اخلاق خراب کرنا پڑا۔ اس کیلئے معافی کا خواستگار ہوں۔ معاف کر دینا آپ نے۔

آپ کا خادم سیاہ پوش"

حمید خط ختم کر کے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

اس وقت نہ جانے کیوں اسے فریدی کی مسکراہٹ بڑی دلکش معلوم ہو رہی تھی۔

"آپ گھر پر موجود تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"موجود تھا اور جاگ رہا تھا۔ مگر یار اس مسخرے کی حرکتوں پر غصے کی بجائے ہنسی آتی ہے۔"

"خط کا آخری مرحلہ۔" حمید نے کہا۔ "کتوں کے ساتھ کون سی بداخلاقی کی تھی۔"

فریدی ہنس پڑا۔ "اس نے رکھوالی کرنیوالے ایشین کتوں کو شراب پلا دی تھی۔" فریدی بولا۔

"شراب پلا دی تھی۔" حمید بھی ہنس پڑا۔ "لیکن کس طرح۔"

"کسی جانور کے خون میں ملا کر.... وہ کنستر جس میں خون تھا کمپاؤنڈ میں ملا۔ اُس کے قریب
ی جن کی دو خالی بوتلیں بھی پڑی ہوئی تھیں۔"

"کمال ہے۔ حقیقتاً غصے کی بجائے پیار آ رہا ہے۔ اُس پر۔" حمید نے کہا۔

"اب سنو کتوں کی حالت۔ پہلے تو کمبخت کمپاؤنڈ میں روتے اور اپنے ساتھ دوسرے کتوں کو
بھی رلاتے رہے پھر اندر گھس آئے۔ میں لائبریری میں تھا۔ چاروں وہاں پہنچے اور میرے گرد
بیٹھ کر اس طرح رونا شروع کر دیا جیسے سرجنٹ حمید اللہ کو پیارے ہو گئے ہوں۔"

حمید پھر ہنس پڑا۔

"میں بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ
کمبختوں کو ہو کیا گیا۔ کئی بار انہیں بھگایا لیکن پھر موجود۔ اس طرح منہ اٹھا اٹھا کر روتے رہے

جیسے سچ مچ کسی کی تعزیت کر رہے ہوں۔ سارے نوکر بھی لائبریری ہی میں آ گئے اور میں نے انہیں کسی طرح پکڑوا کر بند ھوا دیا۔ لیکن میاں حمید وہ اس وقت تک روتے رہے جب تک کہ اُن کا نشہ نہیں اتر گیا۔ تقریباً دو بجے سونے کے لئے اپنے کمرے میں پہنچا تو ہار غائب تھا۔ تم اسے وہیں چھوڑ گئے تھے نا۔ اور پھر یہ خط ملا۔ بڑی دیر بعد یہ بات سمجھ میں آئی کہ اس نے کتوں کا اخلاق کر طرح خراب کیا ہوگا۔ باہر آیا کمپاؤنڈ میں کنستر اور شراب کی بوتلیں دیکھ کر قیاس کو حقیقت تسلیم کر لینا پڑا۔ کہو... ہے نا جینئس۔"

"واقعی بے ضرر آدمی ہے.... ورنہ وہ کتوں کو شراب کی بجائے زہر بھی دے سکتا تھا۔"

"مگر وہ ابھی لونڈا ہے۔" فریدی اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ وہ سمجھتا ہے کہ شائد میں بہرام ڈاکو اور آرسین لوپن کے قصے پڑھ پڑھ کر سراغ رساں بنا ہوں۔"

"کیوں....؟" حمید چونک پڑا۔

"وہ جو کچھ بھی خود کو ظاہر کر رہا ہے حقیقتاً ویسا نہیں ہے۔"

"بھلا آپ یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ اُس نے لوٹی ہوئی ساری چیزیں اُن کے مالکوں کو واپس ہی کرنی شروع کر دی ہوں۔"

"ہو سکتا ہے! لیکن وہ اس حرکت سے بھی مجھے مطمئن نہیں کر سکتا۔ یہ مانتا ہوں کہ اس نے ابھی تک اپنی کسی واردات کے سلسلے میں قتل نہیں کیا۔ لیکن میں اُسے محض ایڈونچر سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔ وہ کسی بڑے جرم کے لئے زمین ہموار کر رہا ہے۔"

"آپ کسی معاملے کو سیدھی طرح سوچ ہی نہیں سکتے۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"فریدی صاحب آپ اپنے ہی کو کیوں نہیں دیکھتے۔ شائد ہمارے آئی۔ جی صاحب کے پاس بھی اتنی ڈگریاں نہ ہوں گی۔ جتنی آپ کے پاس ہیں۔ دولت کی بھی آپ کے پاس کمی نہیں۔ اس کے باوجود بھی انسپکٹری یا کتا خصی فرما رہے ہیں۔ اپنی ترقی بھی خود ہی رکوا دیتے ہیں آخر کیوں؟"

"افتادِ طبع....!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"پھر آپ کو اس کی افتادِ طبع پر کیوں شبہ ہے۔"

"میں خطر پسند طبیعتوں کے وجود کا منکر نہیں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ صرف زیورات پر کیوں اکتفا کرتا ہے۔ اس نے ابھی تک زیورات

علاوہ اور کسی چیز پر بھی ہاتھ صاف نہیں کیا اور وہ انہیں واپس بھی کر دیتا ہے۔ ایڈونچر تو میں سمجھوں گا کہ وہ کسی سفارت خانے میں گھس پڑے۔ سرکاری مال خانوں پر بھی حملہ کرے۔ ان سے کوئی اہم چیز نکال لے جائے اور پھر اُس کے نرغے سے نکل جانے کے دوسرے مواقع پیدا کئے جا سکتے ہیں۔"

حمید تھوڑی دیر کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ یہ بات سچ مچ قابل غور ہے۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ خلاء میں نظریں جمائے ہوئے سگار کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا۔

حمید کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ "تو کیا اب آپ اس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔"

"بہت معمولی سی۔" فریدی بولا۔ "رابعہ کا ہار ایک اچھا خاصا کلیو ہے۔ مجھے ایسے کیسوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی جس میں کوئی کلیو نہ ہو۔ جسمانی ورزش کے ساتھ ہی ساتھ میرے لئے ذہنی جمناسٹک بھی ضروری ہے۔"

"تو ہار والے معاملے میں آپ کو کوئی الجھاوا نظر آ رہا ہے۔"

"ہاں کچھ معلوم تو ہوتا ہے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "ویسے زہرہ جمال پر کڑی نظر رکھو۔"

"کیوں! کیا آپ بھی اس کے متعلق کچھ سوچ رہے ہیں۔"

"ہاں کیوں نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "وہ سیاہ فام ہونے کے باوجود بھی بڑی دلکش ہے۔"

"ارے باپ رے باپ....!" حمید اپنا منہ پیٹنے لگا۔ "بیچارے بوڑھے کا چالیسواں ہو گیا۔"

"بکو مت....! کیا ناشتہ کر کے آئے ہو۔"

"ناشتہ! ارے میں رات سے بھوکا ہوں۔"

"پھر بکواس۔ اگر رات سے بھوکے ہوتے تو مجھے کھا گئے ہوتے۔ چلو.... اٹھو۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن آپ نے میرے مرض کے متعلق کچھ نہیں کہا۔"

"کہہ دیا! علاج کے لئے کم از کم چھ ماہ کی چھٹی لو۔ ابھی اچھا ہے۔ رابعہ تمہاری احسان مند ہے۔ بلا تکلف لات مار دے گی۔"

"میں بہت سنجیدہ ہوں فریدی صاحب۔"

"جہنم میں جاؤ۔"

حمید کی حیرت

اتفاق سے اُسی شام کو ویمنز کلچر سنٹر کی ممبروں کی ماہانہ میٹنگ تھی اور کچھ تفریحی پروگرام بھی تھے۔ حمید نے اپنا پروگرام پہلے ہی سے بنا رکھا تھا۔ اُس نے فریدی کی وہ کار نکالی جو عموماً گیرج ہی میں بند رہا کرتی تھی اور اسے بہت ہی خاص قسم کے مواقع پر استعمال کیا جاتا تھا۔ حمید نے اپنے میں ٹیکسیوں والا میٹر فٹ کر دیا۔

میک اپ پہلے ہی کر لیا تھا۔ گھنی مونچھیں اور فرنچ کٹ ڈاڑھی مین وہ بڑا عجیب لگ رہا تھا۔ ڈاڑھی اور مونچھوں کا رنگ بھورا تھا۔ نہ جانے کب کا سڑا بسا سوٹ نکال کر پہن لیا۔ بہر حال کوئی ایسا سرحدی پٹھان معلوم ہو رہا تھا جس نے اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ مہذب دنیا میں گذارا ہو۔

فریدی نے اُسے دیکھا اور بے اختیار مسکرا پڑا۔

"بہت اچھے۔ لیکن تم آج کل اتنے محنتی کیوں نظر آ رہے ہو۔" اُس نے پوچھا۔

"رابعہ کا انگوٹھا۔" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔

"فریدی کا گھونسہ....!" فریدی مکا تان کر بولا۔

"حمید کا بھوسہ....!" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا اور کار اسٹارٹ کر دی۔

اور پھر اب یہ بتانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ وہ صغیر بابر کی کوٹھی کی طرف جا رہا تھا۔ پھاٹک کے قریب سے گذرتے وقت اُس نے رفتار بہت کم کر دی۔ یہ دیکھ کر اُسے اطمینان ہوا کہ صغیر بابر کی کار بھی پورٹیکو ہی میں کھڑی ہے۔

اس نے کچھ دور آگے جا کر کار روک دی۔ چند لمحے اندر بیٹھا ہلکے سروں میں سیٹی بجاتا رہا۔ پھر نیچے اُتر کر انجن کھولا اور اس پر اس طرح جھک گیا جیسے اُس میں کوئی خرابی ہو گئی ہو۔

اسٹپنی کھول کر اُس نے چند اوزار نکالے اور خواہ مخواہ اچھے خاصے انجن سے الجھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد صغیر بابر کی کار پھاٹک سے نکلی۔ حمید نے ایک ہی نظر میں دیکھ لیا کہ زہرہ جمال اکیلی ہے۔ بوڑھا ڈرائیور کار ڈرائیو کر رہا ہے۔

کار کافی دور نکل گئی تو حمید نے بھی اپنی کار اسٹارٹ کر دی۔ وہ کافی فاصلے سے زہرہ جمال کا تعاقب کر رہا تھا۔

سینٹر کی عمارت کے سامنے پہنچ کر اگلی کار رک گئی اور حمید نے اپنی کار کی رفتار کم کر دی۔ اُس نے زہرہ جمال کو کار سے اُتر کر عمارت میں داخل ہوتے دیکھا۔ اُس کے ڈرائیور نے بھی دوسری گاڑیوں کی قطار کے ساتھ لگا دی۔

حمید آگے نکل گیا۔ اس نے اپنی کار عمارت کی پشت پر روک دی اور اتر کر اُس جگہ چلا آیا جہاں کاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ ان میں سے کئی کے ڈرائیوروں کو وہ اچھی طرح پہچانتا تھا۔ شہر کے مشہور اور اعلیٰ طبقے کے لوگوں سے متعلق تھے۔ ویمنز کلچر سینٹر تھا ہی اعلیٰ طبقے کی عورتوں کے لئے۔ ویسے تو اس کی ممبر شپ کے لئے کوئی خاص قسم کی قیود نہیں تھیں۔ لیکن شہر کی عورتوں کا احساس کمتری انہیں یہاں لانے ہی کیوں لگا۔

سینٹر صرف عورتوں کے لئے تھا۔ مردوں کا داخلہ قطعی ممنوع تھا۔

حمید بھی عمارت کے طویل برآمدے میں آ بیٹھا۔ جہاں دوسرے خدمت گار، چپراسی اور بیرے بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے حمید کو گھور کر دیکھا لیکن کوئی کچھ بولا نہیں۔ حمید نے پاکٹ شو کا پیکٹ نکالا ایک سگریٹ نکال کر اُس کا کونا ڈبیہ پر ٹھونکتا رہا پھر دیا سلائی کے متعلق ٹٹول کر مایوسانہ انداز میں ہونٹ سکوڑتے ہوئے زہرہ جمال کے ڈرائیور کی طرف دیکھا۔

"چلے گا بھائی؟" اُس نے ٹھیٹھ کابلی لہجے میں پوچھا۔

زہرہ جمال کے ڈرائیور نے چپ چاپ دیا سلائی بڑھا دی۔

"کبھی پیو....!" حمید اُس کی طرف پیکٹ بڑھاتا ہوا بولا۔

"نہیں خان ہم بیڑی پیتا ہے۔" ڈرائیور نے بڑی خوش اخلاقی سے اس کی دعوت رد کر دی۔

"جیسا تمہاری....!" حمید پیکٹ جیب میں رکھتا ہوا بولا۔

اس نے سگریٹ سلگا کر صحیح معنوں میں چرسیوں کی طرح دم لگایا اور کھانسیوں کے ٹھکوں کے درمیان بولا۔ "تمہارا بیگم صاب اندر اوتا۔"

"اچھا....!" ڈرائیور نے اس طرح سر ہلا دیا جیسے وہ کسی بہرے آدمی سے مخاطب ہو۔

حمید کا ارادہ تھا کہ وہ اس سے زہرہ جمال کے متعلق کچھ معلومات بہم پہنچائے گا اور رہا تھا کہ تصویر کے کسی رخ کو روشنی میں لائے۔ دفعتاً اُس نے پے در پے ہارن کی آواز پہلے تو اُس نے دھیان نہ دیا۔ پھر جب یہ سلسلہ جاری ہی رہا تو اُس نے سوچا کہ کہیں دوسری کار کا ہارن نہ ہو۔ اسے خیال آیا کہ اُس نے جلدی میں کار بے قاعدہ طور پر کھڑی کر دی تھی وہ ٹریفک کانسٹیبل کی نظر پر نہ چڑھ گئی ہو۔

وہ وہاں سے اٹھ کر عمارت کی پشت پر آیا۔ اس کا خیال صحیح تھا۔ اُسی کی کار کا ہارن تھا آوازیں اب بھی جاری تھیں۔ شائد کوئی اندر بیٹھا ہوا ہارن بجا رہا تھا۔ حمید کو پہلے تو حیر پھر فوراً ہی خیال آگیا کہ اُس نے اس میں ٹیکسی کا میٹر فٹ کر رکھا ہے۔

اُس نے انتہائی ادب آمیز طریقے پر کار کی کھڑکی سے اندر جھانکا اور دوسرے ہی اگر اُس نے خود کو سنبھال نہ لیا ہوتا تو شائد اُس کے منہ سے ایک حیرت زدہ سی آواز نکل

پچھلی سیٹ پر زہرہ جمال بیٹھی تھی۔

"ٹمپل روڈ.....!" اُس نے آہستہ سے کہا۔

"اچا میم ساب۔ ولے میٹر خراب ہے۔" حمید نے مؤدبانہ کہا۔

"فکر مت کرو۔" زہرہ نے کہا اور حمید نے کار اسٹارٹ کر دی لیکن سوچ رہا تھا کہ مطلب ہو سکتا ہے۔ وہ صدر دروازے سے عمارت میں داخل ہوئی تھی اور پھر پچھلے دروا نکل کر اب ایک ٹیکسی میں سفر کر رہی تھی۔ جب کہ خود اسی کی کار عمارت کے سامنے اور ڈرائیور کو غالباً اس نے اسی دھوکے میں رکھا تھا کہ وہ عمارت کے اندر ہی موجود ہے۔

زہرہ جمال اس وقت سفید جارجٹ کی ساری اور سفید ہی بلاؤز میں کافی نکھری ہو ہو رہی تھی۔ کالی رنگت کا سلونا پن کچھ اور ابھر آیا تھا۔

ٹمپل روڈ پر پہنچتے ہی اُس نے ہوٹل پام گرو کے سامنے کار رکوائی اور اتر گئی۔ دس نوٹ حمید کے ہاتھ پر رکھ کر وہ پھاٹک کی طرف مڑی۔ چند لمحے کھڑی اِدھر اُدھر دیکھتی اندر چلی گئی۔ حمید نے بھی اِدھر اُدھر دیکھا اور میٹر کو نکال کر سیٹ پر ڈال دیا۔

اب وہ اپنی کار ہوٹل کے گیرج میں لے جا رہا تھا۔ چونکہ اس نے ٹیکسی والا میٹر نا اس لئے واچ مین نے کوئی اعتراض نہ کیا۔

ج میں پہنچ کر اُس نے سب سے پہلے بند گلے کا کوٹ اُتار پھینکا جس کے نیچے اس نے ں اور سفید سوئٹر پہن رکھی تھی۔ کار کے ڈیش بورڈ کے اوپر لگے ہوئے آئینے میں دیکھ نے نہایت احتیاط سے اپنی ڈاڑھی الگ کی۔ پھر سیاہ رنگ کے خضاب کی شیشی نکال کر اپنی وچھیں رنگ ڈالیں۔ اب وہ سیاہ اور گھنی مونچھوں والا ایک خوبرو جوان نظر آرہا تھا۔ اس نے پر آخری نظر ڈالی اور انجن کو لاک کر کے نیچے اتر آیا۔

ردو یا تین منٹ کے بعد وہ ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں نظر آرہا تھا۔ لیکن زہرہ جمال کا کہیں ۔ حمید ایک خالی میز پر بیٹھ کر پر تشویش نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ دوسرے ہی ایک ویٹر اس کے سر پر موجود تھا۔

ٹھہرو! ابھی مجھے ایک صاحب کا انتظار ہے۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "ویسے کیا ابھی کوئی سفید ساڑی اور سفید بلاؤز میں یہاں آئی تھیں۔ رنگ سلونا ہے۔"

یٹر بڑے ادب سے مسکرایا اور اپنی گردن کو مایوسانہ انداز میں ہلاتا ہوا چلا گیا۔

ر پھر وہ کہاں گئی۔ حمید سوچنے لگا۔ پھر اسے خیال آیا کہ ہوٹل کے داہنے اور اور بائیں ں میں قیام کرنیوالوں کیلئے کمرے بھی ہیں ممکن ہے وہ انہیں میں سے کسی ایک میں گئی ہو۔

حمید چند لمحے بیٹھا سوچتا رہا پھر اٹھ کر باہر چلا آیا۔ دفعتاً اس کی نظریں بائیں بازو والے کمروں ف اٹھ گئیں اور وہ بے اختیار چونک پڑا۔ زہرہ جمال ایک کمرے کا دروازہ مقفل کر کے مڑی تاکہ اس کی اور حمید کی نظریں چار ہو گئیں۔ حمید کی حیرت اور زیادہ بڑھ گئی۔ اب وہ تھوڑی ل کی بھولی بھالی زہرہ جمال نہیں تھی۔ اس کی سادگی رخصت ہو چکی تھی۔ یہی نہیں بلکہ اب کے متعلق شائد کوئی غیر شناسا آدمی یہ سوچ بھی نہ سکتا کہ وہ ایک باسلیقہ اور شستہ مذاق کی ت ہے۔ اس نے گہرے سرخ رنگ کی ساری باندھ رکھی تھی البتہ بلاؤز غالباً پہلے ہی کا تھا۔ نے اُسے پہلے بھی دو بار قریب سے دیکھا تھا۔ لیکن اسے یاد نہیں آرہا تھا کہ ان دونوں مواقع ں کے ہونٹ لپ اسٹک سے رنگے رہے ہوں یا کالے کلوٹے گالوں پر گہرے قسم کا روج رہا ہر حال وہ اس وقت ایک حد درجہ پھوہڑ اور گھناؤنی عورت نظر آرہی تھی۔ اس نے اپنے میں اس طرح کے گنگورے نکال رکھے تھے جیسے عموماً ہر گھٹیا قسم کی طوائف نکالے رہتی ہر آمدے سے نیچے اترتے وقت اس نے منہ پر اس انداز سے رومال رکھ لیا کہ ناک کا کچھ

حصہ اور ہونٹ بالکل چھپ گئے۔

حمید کو زہرہ جمال پر شبہ ضرور تھا لیکن اسے خواب میں بھی اس کا گمان نہیں تھا کہ ایک پراسرار حقیقت بن کر اس کے سامنے آئے گا۔ اس کے شبے کی ابتداء زہرہ جمال کی کی ممبری سے ہوئی تھی کیونکہ وہ ساری عورتیں جو پلازا تھیٹر میں لٹی تھیں سب ہی کلچ ممبر تھیں اور زہرہ جمال ان سے اچھی طرح واقف تھی۔ اس شبے کے باوجود بھی حمید خیال تک نہیں آیا تھا کہ وہ ان سازشوں میں دیدہ و دانستہ کوئی عملی حصہ بھی لے رہی ہے کے ذہن میں صرف ایک امکانی وقوعہ تھا۔ یہ کہ کوئی زہرہ جمال کو دھوکے میں ڈال کر اعلیٰ طبقہ کی عورتوں اور ان کے قیمتی زیورات کے متعلق معلومات بہم پہنچایا کرتا ہے اور بعید از قیاس بھی نہیں تھی کیونکہ حالات ہی ایسے تھے۔ زہرہ کے متعلق رابعہ سے ملی ہوئی اطلاعات کا ماحصل یہ تھا کہ زہرہ ایک غریب گھرانے کی لڑکی تھی اور اس کی شادی بوڑھے بابر سے محض دولت کے لالچ میں کردی گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اونچے طبقے کی عورتوں مل بیٹھنے کے لئے نت نئے طریقے اختیار کرتی رہتی تھی۔ یہاں تک کہ رابعہ کی بہم پہنچائی اطلاعات تھیں اور اس کے آگے کی خلاء خود حمید کے ذہن نے پر کی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اپنی شکل و صورت کے معاملے میں احساس کمتری کا شکار تھی۔ اس لئے یہ بات بعید از قیاس ہو سکتی کہ کوئی خوبصورت مرد اُسے آسانی سے اپنی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب نہ ہو جا حمید کو ذاتی طور پر بھی اس کا تجربہ ہو چکا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی ایسا ہی آدمی باتوں ہی باتوں اُس سے اپنے کام کی باتیں معلوم کر لیتا رہا ہو۔ اور پھر اس نے اس پر بھی ہاتھ صاف کر دیا پولیس اس کے امکانات پر غور کرنے کی زحمت ہی نہ گوارا کر سکے۔

بہر حال حمید کو اس پر اسی بات کا شبہ تھا کہ وہ نادانستگی میں کسی آدمی کو اُس کے کام کی بتا دیا کرتی ہے اور آج اُس نے اس کا تعاقب بھی اسی لئے کیا تھا کہ وہ اُس کے مرد دوستوں واقفیت حاصل کر سکے۔ مگر اب اُسے یہ سوچنے پر مجبور ہو جانا پڑا کہ خود زہرہ بھی ان وارد کے سلسلے میں کوئی بہت ہی اہم رول انجام دے رہی ہے..... ورنہ اس طرح چھپ کر میٹنگ بھاگنے کا کیا مطلب ہو سکتا تھا۔ آخر اس نے ہوٹل پام گرو میں کمرا کیوں لے رکھا تھا اور پھر سے ایک دہقانی قسم کی پھوہڑ طوائف کے روپ میں برآمد ہونے کا کیا مقصد تھا۔

حمید دوسری طرف منہ پھیر کر اُسے کنکھیوں سے دیکھتا رہا۔ وہ بدستور منہ پر رومال رکھے ں کی طرف جا رہی تھی۔ اس کے گذر جانے کے بعد حمید خود بھی آہستہ آہستہ چلتا ہوا پھاٹک قریب آیا۔

زہرہ جمال سڑک کے کنارے کھڑی ہوئی ایک ٹیکسی میں بیٹھ رہی تھی۔ پھر حمید نے گاڑی دوسری سڑک کی طرف مڑتے دیکھا۔ وہ پھرتی سے ایک ٹیکسی میں بیٹھتا ہوا ڈرائیور سے بولا۔

"اسی گاڑی کے پیچھے چلو! مگر ذرا فاصلے سے۔"

ڈرائیور اس کی طرف مڑ کر معنی خیز انداز میں مسکرایا اور حمید نے بھی جوابی مسکراہٹ کے ساتھ بائیں آنکھ دبا دی۔

"ذرا آہستہ۔" حمید بڑبڑایا۔ "اس کے قریب پہنچنے کی ضرورت نہیں۔"

"کیا صاب آپ بھی..... ہی ہی ہی!" ٹیکسی ڈرائیور ہنسا۔ "اگر اس کا شوق ہے تو میں لے ول۔"

"نہیں یار..... چیز ہے۔" حمید دانت پر دانت جما کر بولا۔

"واہ صاب!" ڈرائیور پھر ہنس پڑا۔ "اپن کو تو وہ اپنی ٹیکسی سے بھی زیادہ چلی ہوئی جان پڑتی ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔

سورج غروب ہو رہا تھا اور خنکی بڑھ رہی تھی۔ حمید کے جسم پر صرف ایک قمیض اور ایک ہلکی سی سویٹر تھی۔ کھلی ہوا میں آتے ہی کان منجمد ہونے لگے۔

"آپ کہو تو.....!" ڈرائیور بڑبڑایا۔ "اگر طبیعت خوش نہ کر دوں تو مونچھ اکھاڑ کر کتے کی دم ں باندھ دینا۔ شہر میں کسی سے پوچھ لینا جماخان کہاں ملے گا۔ تو بہ تو بہ بڑا بول نہیں بولتا۔"

"ضرور ضرور جماخان!" حمید نے کہا۔ "مگر ذرا آہستہ پیارے..... میں نہیں چاہتا کہ وہ مجھے دیکھ لے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"ارے واہ صاحب! ڈر کاہے کا۔ کہو تو بیچ سڑک پر کھینچ لوں سالی کو۔ اگر نہ کھینچ لوں تو سہنان کی ماں کا کونڈا کر دینا۔"

"نہیں بھائی نہیں۔"

"خیر اپن کو کیا۔" وہ مایوسی سے گردن ہلا کر بولا اور رفتار کم ہو گئی۔

وہ کئی سڑکوں سے گذرتے ہوئے ارجن پورے کی طرف مڑ گئے۔ یہاں سڑک کے دونوں طرف اونچی اونچی عمارتیں تھیں لیکن نہایت ہی بھدی اور بد وضع۔ پلاسٹر ادھڑا ہوا۔ دیواریں قلعی اور مرمت سے بے نیاز۔ بعض عمارتیں تو کائی جمتے جمتے پوری کی پوری سیاہ ہو گئی تھیں۔ حمید جانتا تھا کہ ان عمارتوں میں سے ہر ایک میں کم از کم پچاس ساٹھ کمرے ضرور ہیں اور کمرے میں دس دس آدمی رہتے ہیں۔ رہتے نہیں بلکہ ان کا سامان رہتا ہے۔ وہ بیچارے تو فٹ پاتھ پر راتیں گذارتے ہیں۔

دو عمارتوں کی درمیانی گلی کے سامنے زہرہ جمال کی گاڑی رک گئی۔ حمید کی گاڑی کافی فاصلے پر تھی۔ اس نے زہرہ جمال کو ٹیکسی سے اُتر کر گلی میں داخل ہوتے دیکھا۔ جب تک حمید کی گاڑی وہاں پہنچی وہ نظروں سے غائب ہو چکی تھی۔

وہ ٹیکسی والے کو فارغ کر کے گلی میں آیا جہاں تاریکی، گندگی اور بدبو کے علاوہ پوری گلی سنسان پڑی تھی۔

اس لمبی گلی میں دونوں طرف تین چار گلیاں اور بھی تھیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ اسے ہرگز اس کی توقع نہیں تھی کہ وہ اس علاقے میں ملے گی جہاں مزدوروں اور نچلے طبقے کے لوگوں کے علاوہ اور کوئی نہیں رہتا۔ وہ تھوڑی دیر تک ناک پر رومال رکھے گلیوں کے چکر کاٹتا رہا پھر اکتا کر سڑک پر آ گیا۔

ایک تار

دوسری صبح سرجنٹ حمید بہت زیادہ اداس تھا۔ پچھلی رات وہ ارجن پورے سے ہوٹل بلا گردو آ کر بڑی دیر تک زہرہ جمال کا انتظار کرتا رہا تھا۔ لیکن پھر اکتاہٹ بڑھ جانے کی وجہ سے اُسے بھاگنا ہی پڑا۔ اس نے غیر قانونی طور پر زہرہ جمال کے کمرے کی تلاشی بھی لینی چاہی تھی۔ لیکن اس میں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ ہوٹل کا رجسٹر دیکھنے پر معلوم ہوا تھا کہ زہرہ جمال وہاں مس رگھو کے نام سے مستقل طور پر مقیم تھی اور ہوٹل کا کاؤنٹر کلرک اسے ایک پیشہ ور پرائیویٹ نرس کی

حیثیت سے جانتا تھا۔ بہر حال زہرہ جمال بڑی پُر اسرار حیثیت اختیار کر چکی تھی۔

پچھلی رات کی ناکامی کا حمید کو اس قدر افسوس تھا کہ وہ اس وقت بھی پلنگ پر پڑے ہی پڑے پیچ و تاب کھانے کے علاوہ اور کچھ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

کسی نے اس کے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ حمید نے بُرا سا منہ بنا کر دروازہ کھول دیا۔

"کیا وقت ہوا ہے؟" فریدی نے دروازہ کھلتے ہی پوچھا۔

"کیا آپ کی گھڑی بند ہو گئی۔"

"میں آج پھر کہتا ہوں کہ اگر میں نے سات بجے کے بعد تمہیں پلنگ پر دیکھا تو بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔"

"میں نے آج پھر سن لیا۔" حمید لاپروائی سے بولا۔

"دماغ صحیح ہے یا نہیں۔"

حمید نے زبردستی ایک قہقہہ لگایا اور پھر یک بیک سنجیدہ ہو کر بسورنے لگا۔

فریدی کو ہنسی آ گئی۔

تھوڑی دیر بعد دونوں ناشتے کی میز پر زہرہ جمال کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔

"تم اس چکر میں نہ پڑو کہ وہ کہاں جاتی ہے یا کیا کرتی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "صرف اس کے دوستوں کا پتہ لگاؤ۔"

"شاید آپ کی نیند بھی پوری نہیں ہوئی۔" حمید نے مضحکانہ انداز میں مسکرا کر کہا۔

"کیوں....؟"

"کمال کرتے ہیں۔ بھلا اس کے دوستوں کا پتہ پھر کس طرح چلے گا۔"

"تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ سیاہ پوش ان مزدوروں، نعلبندوں اور لوہاروں میں سے کوئی ہے جو ارجن پورے میں رہتے ہیں۔"

نہیں میں یہ تو نہیں سوچتا لیکن اس پر ضرور غور کر رہا ہوں کہ وہ ان عمارتوں میں سے کسی ایک کمرہ کو کرائے پر لے کر اُسے کس مقصد کے لئے استعمال کر سکتا ہے۔

"چلو یہی سہی۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "تم کو اس بات پر یقین آ چکا ہے کہ وہ باقاعدہ طور پر سیاہ پوش سے ملی ہے۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ اُس نے نہایت صفائی سے اس بات کا اعتراف کیوں

کرلیا تھا کہ وہ پلازا تھیٹر میں لٹ جانے والی عورتوں سے واقف ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر وہ دانستہ طور پر اس کی مددگار ہوتی تو یہ ظاہر کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتی کہ وہ اُن عورتوں سے واقف تھی اور اب تو وہ بیچاری تمہارے لئے کلچر سنٹر کی ساری ممبروں کے نام اور پتے فراہم کر رہی ہے۔ صبح سے اب تک میں نے فون پر چھ عورتوں کے پتے ریسیو کئے ہیں اور وہ شائد تم سے ملنا بھی چاہتی ہے۔"

"لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کی پچھلی رات والی عجیب حرکتوں سے کیا مطلب اخذ کروں۔ آخر اس نے ہوٹل پام گردو میں ایک پرائیویٹ نرس کی حیثیت سے کمرہ کیوں لے رکھا ہے۔ اپنا نام کیوں بدل دیا ہے۔"

"سنو بیٹے۔" فریدی سگار کا کش لے کر بولا۔ "اس سیاہ پوش میں بھی محض رابعہ کے ہار کی وجہ سے دلچسپی لے رہا ہوں۔"

"یعنی آپ کو اس سیاہ پوش سے کوئی دلچسپی نہیں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"قطعی نہیں۔"

"آخر کیوں!"

"بس یونہی! میں اس میں اس وقت دلچسپی لوں گا جب وہ کوئی بھاری جرم کر بیٹھے۔ کیا تم نے.... مگر نہیں تم نے کہاں دیکھا ہوگا۔"

"کیا....؟"

"آج کا اخبار....!"

"کیا ہے آج کے اخبار میں۔" حمید اخبار کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ لیکن اسے اٹھا بھی نہ پایا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

"ذرا دیکھنا بھئی!" فریدی منہ بگاڑ کر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ زہرہ جمال ہے۔"

حمید اخبار ہاتھ میں دبائے ہوئے فریدی کے کمرے میں چلا گیا۔ فریدی کا خیال صحیح نکلا وہ زہرہ جمال ہی تھی اور اپنی دانست میں اُس نے حمید کو ایک بڑی عجیب اطلاع بہم پہنچائی تھی۔ وہ یہ کہ اُس اُسے واپس مل گیا تھا۔

"آپ کو یقین ہے کہ وہ آپ ہی کا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"جی ہاں! کیوں نہیں۔"

"کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کہیں وہ آپ کے نیکلس کی نقل تو نہیں....!"

"اوہ.... آپ نے تو مجھے الجھن میں ڈال دیا۔ لیکن مجھے اصلی اور نقلی نگینوں کی تمیز نہیں۔"

"تو ایسا کیجئے نا کہ کسی جوہری سے پرکھوا کر اپنی پہلی فرصت میں مجھے مطلع کیجئے۔ نہ جانے کیوں آپ سے ملنے کو بہت دل چاہتا ہے۔"

حمید نے اس کے جواب میں ایک کھنکتا ہوا سا قہقہہ سنا جس کی سیکس اپیل فون پر بھی برقرار تھی۔

"تو آپ ملتے کیوں نہیں۔ کس نے منع کیا ہے۔"

"ہاں.... آں.... لیکن صغیر صاحب سے خوف معلوم ہوتا ہے۔ وہ کچھ شکی قسم کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

"تو پھر کہیں اور ملئے۔"

"آج شام کو آر لکچو میں۔" حمید نے کہا۔

"نہیں.... کیفے کاسینو کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"چلئے وہ بھی ٹھیک رہے گا۔" حمید نے کہا۔ "تو پھر کس وقت...."

"سات بجے! میں وہاں آپ کا انتظار کروں گی۔ اپنے ساتھ کچھ اور پتے بھی لاؤں گی۔"

"شکریہ....!" حمید نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔ کیفے کاسینو کے نام پر اسے کنول یاد آگئی تھی جو کیفے کاسینو میں کاؤنٹر کلرک تھی کنول جو ایک اچھی سراغ رساں بھی تھی۔

واپسی پر حمید نے فریدی کو زہرہ جمال کے نکلس کی واپسی کی خبر سنائی۔

"اخبار نہیں پڑھا تم نے۔" فریدی نے پوچھا۔ "ایڈیٹر کے خطوط کا کالم دیکھو۔"

حمید نے خطوط والا کالم نکالا۔

"ڈیئر ایڈیٹر....

مسخرہ بھیڑیا آپ کی وساطت سے یہ خبر اپنے چاہنے والوں کو پہنچانا چاہتا ہے کہ اس نے اس شہر میں اب تک جتنی بھی وارداتیں کی ہیں اُن کا مال غنیمت مالکوں کو واپس کر رہا ہے۔ مسخرہ بھیڑیا حقیقتاً لٹیرا نہیں۔ اُسے تو صرف قانون سے چھیڑ چھاڑ کرنے میں لطف آتا ہے اور مسخرہ

بھیڑیا اپنے ۔پاہنے والوں کو مطلع کرنا چاہتا ہے کہ وہ کچھ دنوں تک ان کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے گا۔ وہ ایک نئے اور دلچسپ مسئلے میں الجھ گیا ہے۔ پبلک کو معلوم ہوگا کہ مسخرے بھیڑیئے نے ترمذی خاندان کا تاریخی ہار بھی اڑالیا تھا۔ لیکن پبلک کو یہ اطلاع دیتے وقت مسخرے بھیڑیئے کو افسوس ہو رہا ہے کہ وہ ہار نقلی تھا۔ اُس ہار کو بھی واپس کر دیا گیا لیکن رابعہ نکہت صاحبہ کو بھی یہ بات نہیں معلوم تھی کہ وہ ہار نقلی ہے۔ انہوں نے ۱۶ر جنوری کو صبح دس بجے وہ ہار سیٹھ نانو بھائی جوہری سے پرکھوایا۔ اس پر جوہری صاحب کو بھی حیرت ہوئی کیونکہ وہ تین ماہ قبل اسی ہار کو ایک انتہائی بیش قیمت چیز کی حیثیت سے پرکھ چکے تھے۔ محترمہ رابعہ حیران ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ مسخرے بھیڑیئے ہی نے یہ حرکت کی ہے۔ اسی نے اُن کا اصلی ہار دبا کر ان کی خدمت میں اُس کی نقل پیش کر دی ہے۔ محترمہ رابعہ یقین کریں کہ مسخرہ بھیڑیا لٹیرا ضرور ہے لیکن اپنے اصولوں کا خون نہیں کرتا۔ مسخرہ بھیڑیا اُن کا نقلی ہار دوبارہ واپس لایا ہے اور اب وہ اصلی ہار کی تلاش میں ہے لیکن وہ یہ کام مفت نہیں کرے گا۔ اصلی ہار مل جانے پر وہ اُسے ان تک پہنچا تو دے گا لیکن اس ہار کا بڑا اور تاریخی ہیرا حق المحنت کے طور پر اپنے پاس ہی رکھ لے گا۔

آپ کی بہترین دعاؤں کا متمنی

مسخرہ بھیڑیا۔"

"یہ تو ہو ۔ُرا ہوا۔" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیوں۔ ۔اکیوں ہوا۔"

"رابعہ نہیں چاہتی تھی کہ یہ معاملہ پبلک میں آئے۔"

"ایک نہ ایک دن تو اُسے آنا ہی پڑتا۔"

"پتہ نہیں یہ بات کہاں تک سچ ہے کہ اس نے دوسرے لوگوں کو بھی چیزیں واپس دی ہیں۔"

"قطعی واپس کر دی ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "کل میں پتہ لگا چکا ہوں اور ان میں کوئی چیز بھی نقلی نہیں۔"

"پتہ نہیں اس کا مقصد کیا ہے۔"

"ظاہر ہو جائے گا۔" فریدی کے لہجے میں خود اعتمادی تھی۔

ٹیلی فون کی گھنٹی پھر بجی اور حمید کو پھر فریدی کے کمرے تک جانا پڑا اور اسے پھر وہی سریلی آواز سنائی دی۔ زہرہ جمال اُسے بتا رہی تھی کہ نکلس کے نگینے نقلی نہیں تھے۔ آخر میں اُس نے کہا کہ وہ کیفے کا سینو والا پروگرام بھولے نہیں۔

واپسی پر حمید نے دیکھا کہ فریدی ایک براؤن رنگ کا کاغذ ہاتھ میں لئے اُس پر نظریں جمائے ہوئے ہے۔ حمید نے ایک ہی نظر میں بھانپ لیا کہ وہ کہیں سے آیا ہوا تار ہے۔ فریدی نے کاغذ کو تہہ کر کے جیب میں رکھ لیا۔ لفافہ میز ہی پر پڑا رہا۔ اس پر فریدی ہی کا پتہ تحریر تھا۔

"خیریت....!" حمید نے پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "ہاں فون پر کون تھا۔"

"جی کا جنجال یعنی محترمہ جمال۔"

"کوئی نیا پتہ....!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"نہیں نکلس کے متعلق اطلاع کہ نگینے اصلی ہیں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کی نظریں حمید کے چہرے پر تھیں لیکن ذہن کہیں اور تھا۔

"آپ تو سچ مچ شرلاک ہومز ہوتے جا رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"آہ! واٹسن میرے عزیز....!" فریدی مضحکانہ انداز میں مسکرا کر بولا۔ "خدا منشی تیرتھ رام فیروز پوری کی مغفرت کرے کہ انہوں نے مجھے اردو میں لا کر بات بات پر آہ بھرنے پر مجبور کر دیا اور میری مٹی اس طرح پلید کی کہ اردو والے مجھے مولوی شرلاک ہومز مدظلہ سمجھنے لگے۔ میں انگریزی کے بجائے لکھنو کا باشندہ ہو کر رہ گیا۔"

"چھوڑیئے! میں اس وقت بہت مغموم ہوں۔"

"غم کی وجہ پیارے ڈاکٹر واٹسن۔ بلکہ واٹس میرے عزیز رشتے دار.... وغیرہ وغیرہ۔"

"فریدی صاحب! میں سچ مچ اداس ہوں۔"

"تم اداس نہیں۔" اگر تم لفظ اداس کی اصلیت سے واقف ہوتے تو کبھی ایسا نہ کہتے۔"

"کیوں....؟ اس کی اصلیت....؟" حمید بولا۔

"ہاں پیارے یہ حقیقتاً الو داس تھا جو کثرت استعمال سے بگڑتے بگڑتے اداس رہ گیا۔"

حمید صرف مسکرا کر رہ گیا۔ تھوڑی دیر بعد خاموشی رہی۔ پھر فریدی بولا۔

"اب تم زہرہ جمال کے پیچھے نہیں جاؤ گے۔"

"کیوں....؟" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"وقت برباد کرنے سے کیا فائدہ۔"

"ارے! ابھی کچھ ہی دیر پہلے آپ نے کہا تھا کہ زہرہ جمال کے دوستوں کا پتہ لگاؤ۔"

"کافی دیر پہلے کی بات ہے۔ اب پوری بساط ہی مل گئی ہے۔"

"یعنی....!"

"پھر وہی۔ یعنی.... جو کہا جائے وہ کرو۔"

"نہیں کرتا۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"مت کرو۔ ویسے اگر کہیں باہر جانا ہو تو ایک تار دے دینا۔"

"آخر آپ نے اتنی جلدی اسکیم کیوں بدل دی۔ کیا زہرہ جمال مشتبہ نہیں ہے۔ کیا میں نے خود ہی اپنی آنکھوں سے عجیب قسم کی حرکتیں کرتے نہیں دیکھا ہے۔"

حمید اُسے عجیب نظروں سے دیکھتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی کا دماغ تو نہیں چل گیا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر فریدی بجھا ہوا سگار سلگا کر بولا۔

"تم نے کہا تھا کہ سیاہ پوش تمہارا شکار ہے۔"

"اب بھی یہی کہتا ہوں۔"

"لیکن تم اس پر ہاتھ نہ ڈال سکو گے۔"

"ہو سکتا ہے۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

"لیکن اگر میرے کہنے پر عمل کرو تو یہ کچھ ایسا مشکل بھی نہیں۔"

"فرض کر لیجئے میں نے عمل کرنے کا وعدہ کر لیا۔"

"تو پھر میں بھی فرض کئے لیتا ہوں کہ تم رابعہ کے عاشقوں کی تعداد ضرور معلوم کرو گے۔"

"فرض کیجئے یہ بھی ہو گیا۔"

"اگر یہ بھی ہو جائے تو پھر تمہیں یہ معلوم کرنا ہو گا کہ وہ خود کس کیطرف زیادہ جھک رہی ہے۔"

"ہوں۔" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "تو میں عاشقوں کی فہرست تیار کرنے کے لئے پیدا ہوا ہوں۔"

"نہیں! احمقوں کی تعداد میں اضافہ کرنے کے لئے.... تم جانو! میرا کام تو رکتا ہی نہیں۔"

"آپ مجھے چیلنج کر رہے ہیں۔" حمید اکڑ کر بولا۔ "اچھا دیکھ لوں گا۔"

"میں اس پر بھی قادر ہوں کہ تمہیں کوئی شرارت نہ کرنے دوں گا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "رمیش والا کیس بھول گئے۔"

"اب دھوکا نہ کھا سکوں گا اور ہاں فرزند میں اس کا بھی ذمہ دار نہ ہوں گا۔ اگر میرے ریوالور کی گولی دھوکے میں تمہارا ہی سر کھول دے۔"

حمید کوئی جواب دینے کی بجائے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی سے اس الجھے ہوئے نقشے کے بارے میں کچھ معلوم کر لینا آسان نہ ہو گا۔ پہلے اس نے زہرہ جمال کے پیچھے لگایا تھا اور اب رابعہ کے پیچھے لگا رہا تھا۔ آخر اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ رابعہ تو بالکل ہی بے ضرر معلوم ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف زہرہ جمال کی نقل و حرکت صریحی طور پر کسی خطرناک سازش کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ آخر اُسے چھوڑ کر رابعہ کیوں؟

فریدی نے ایک نوکر کو آواز دے کر کہا۔ "لائبریری سے تار کا فارم لاؤ۔"

تھوڑی دیر بعد وہ تار کا ایک سادہ فارم سامنے رکھے فاؤنٹین پن ہاتھ میں لئے کچھ سوچ رہا تھا۔ حمید فی الحال ان معاملات کو اپنے ذہن سے دھکا دے کر صرف رابعہ کے حسین پیروں کے متعلق سوچ رہا تھا۔ پھر خیالات کی رو زہرہ جمال کے پیروں کی طرف بہک گئی۔ اُس کے پیر بھی کچھ ایسے بُرے نہیں تھے۔ لیکن سنگ موسیٰ اور سنگ مرمر میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

اس دوران میں فریدی نے تار کے فارم پر لکھنا شروع کر دیا۔

"ترمذی خاندان کے ہار کے متعلق سکوت اختیار کرو۔ اسے پبلک میں نہ آنا چاہئے۔ متعلقین سے خفیہ طور پر بات چیت کر سکتے ہو۔ ہر نئے واقعے سے مطلع کرنا۔"

تحریر کے نیچے فریدی نے اپنا پورا نام اور عہدہ لکھا۔ تار سعید آباد کے کسی آدمی کے لئے تھا جسے حمید نہیں جانتا تھا اور نہ اس سے پہلے اس نے کبھی اس کا نام ہی سنا تھا۔

لٹیرے کا لباس

حمید نے رابعہ کے مداحوں کی فہرست تو تیار کرلی تھی لیکن ابھی تک یہ نہ معلوم کرسکا تھا کہ وہ خود بھی کسی میں دلچسپی لے رہی ہے یا نہیں۔ اس نے اس دوران میں اکثر سوچا تھا کہ ضروری نہیں کہ فریدی کا ہر فیصلہ حقیقت کے مطابق ہو۔ دھوکا کھائے ہوئے ذہن کی منطق بھی غلط راستے پر جا پڑتی ہے۔ فریدی بھی انسان ہی تھا اور پھر سراغ رساں جو ہمیشہ واقعات کو اپنے قائم کردہ قیاسات کی روشنی میں دیکھتا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ ہر قیاس حقیقت ہی کی طرف لے جائے۔ حمید کئی دن تک زہرہ جمال اور رابعہ کے متعلق سوچتا رہا۔ زہرہ اس کی نظروں میں مشتبہ تھی۔ رابعہ کے خلاف اس کے پاس کسی قسم کا کوئی ثبوت نہیں تھا۔ آخر فریدی اس کے عاشقوں کی فہرست کیوں تیار کرا رہا تھا۔ اُس نے کئی بار اُسے اس مسئلے پر بولنے کے لئے اکسایا لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ فریدی یہی کہہ کر ٹال دیتا کہ ابھی بعض معاملات خود اس کے ذہن میں بھی صاف نہیں ہوئے ہیں۔ لہٰذا وہ فی الحال اس مسئلے پر روشنی نہ ڈال سکے گا۔

اس نے اسے زہرہ جمال کا پیچھا چھوڑ دینے کا مشورہ دیا تھا۔ لیکن حمید نے اُسے قابل قبول نہیں سمجھا۔ وہ اب بھی فرصت کے اوقات میں زہرہ جمال کی تاک میں رہا کرتا تھا۔ کئی بار ملاقات کے بعد اس نے اس کا اندازہ تو لگا ہی لیا تھا کہ زہرہ جمال اپنی زندگی سے مطمئن نہیں۔ اور وہ ہر اس آدمی کی طرف جھک سکتی ہے جس سے اسے تھوڑی سی بھی لفٹ مل جائے۔

رابعہ اس دوران میں بہت زیادہ پریشان رہی تھی اور اسی پریشانی میں اُس نے اپنے باپ کو خط دے دیا تھا جو اسی کے بیان کے مطابق کسی تجارتی کام کی غرض سے ان دنوں لندن میں مقیم تھا۔ اب اس کی آمد کی منتظر تھی۔

سیاہ پوش لٹیرا خاموش تھا۔ اخبارات میں خط شائع کرانے کے بعد سے اب تک اس نے کوئی واردات نہیں کی تھی۔ حمید نے.... اس کے متعلق بھی بہت سوچا تھا ایک بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ آخر اس لٹیرے نے رابعہ کا نقلی ہار واپس کرنے کے بعد ہی سے دوسروں

کی بھی کیوں واپس کرنی شروع کردی تھیں۔ اگر وہ اپنے ہی بیان کے مطابق حقیقتاً لٹیرا نہیں تھا تو پہلے ہی سے دوسری چیزوں کی واپسی شروع کر دیتا۔

یہ بڑی عجیب گتھی تھی۔ ظاہر ہے کہ اُسے یقین کامل تھا کہ پولیس اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتی تھی اگر وہ اصلی ہار پر قابض ہو گیا تھا تو پھر اُسے اس بات کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی تھی کہ وہ اس کی نقل پیش کر کے رابعہ کو دھوکے میں ڈالے اور پھر وہ اتنا احمق نہیں ہو سکتا تھا کہ اپنی اس چالاکی کی بناء پر خود کو پولیس سے محفوظ سمجھ لیتا کیونکہ لوٹی ہوئی چیزیں واپس کر دینے سے وہ قانونی گرفت سے بچ تو سکتا نہیں تھا۔ پھر آخر اس ہڑبونگ کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔

حمید نے اس پر بہت غور کیا لیکن یہ گتھی نہ سلجھی۔ فریدی بھی اس پر روشنی ڈالنے کے لئے تیار نظر نہیں آتا تھا۔ بہر حال حمید کو یقین کامل ہو گیا تھا کہ اس لٹیرے پر قابو پانے کا واحد ذریعہ زہرہ جمال ہو سکتی ہے۔ اُس نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا کئی بار اس کا تعاقب بھی کر چکا تھا۔ لیکن ہوٹل پام گرود میں اس دن کے بعد سے پھر نہیں دکھائی دی تھی اور نہ حمید کی دانست میں وہ پھر رجن پورے ہی کی طرف گئی تھی۔ صغیر بابر سے بھی حمید کی چھیڑ چھاڑ جاری تھی اور صغیر اس چھیڑ چھاڑ کی بناء پر کھسکنا ہو جانے کی حد تک پاگل ہو گیا تھا۔ اس نے حمید کے آفیسروں تک اس کی شکایت پہنچا دی تھی لیکن ان سے ایسا جواب ملا تھا جس نے اُسے اپنی ہی بوٹیاں نوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ بات دراصل یہ تھی کہ پولیس کو سیاہ پوش کی بدولت بڑی شرمندگی اٹھانی پڑی تھی۔ اس لئے وہ کسی کی کچھ نہیں سن رہی تھی۔ سیاہ پوش کو پکڑ لینے کے لئے ہر طرح کے طریقے اختیار کئے جا رہے تھے خواہ جائز ہوں خواہ ناجائز۔

آج بھی حمید زہرہ جمال کے گھر کی طرف جاتے ہوئے راستے میں سوچ رہا تھا کہ آج صغیر بابر سے کس طرح نپٹے گا۔ صغیر بابر کی چڑچڑاہٹ سے لطف اندوز ہونا آج کل اُس کی بہترین تفریح تھی۔ لیکن آج اُسے اس کے گھر پر پہنچ کر مایوسی ہوئی۔ صغیر بابر موجود نہیں تھا۔ زہرہ جمال حمید کو دیکھ کر کھل اٹھی۔ وہ اس دوران میں اس سے بہت زیادہ بے تکلف اور مانوس ہو گئی تھی۔

"چائے پئیں گے یا کافی۔" زہرہ نے پوچھا۔

"تاڑی....!" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"خیر مہمانوں کے لئے تو چرس بھی مہیا کی جا سکتی ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ آپ مجھے بھی مہمان سمجھتی ہیں۔"

"چھوڑیئے! آج میں رمبا اور والز کے ریکارڈ خرید لائی ہوں۔" زہرہ جمال بولی۔

"والز بڑی مشکل چیز ہے۔ اگر آپ کو رمبا ہی آجائے تو بڑی بات سمجھوں گا۔" حمید نے کہا۔ "لیکن سیکھے گا کہاں۔"

"یہیں گھر میں ہمارے پاس گراموفون بھی ہے۔"

"گھر میں....؟" حمید تیزی سے اپنا سر سہلا کر بولا۔ "لیکن بابا صاحب کا کیا بنے گا۔"

"پھر آپ نے بابا صاحب کہا۔" زہرہ جمال تنک کر بولی۔ "انسانیت کے یہ معنی تو نہیں کہ آپ بڑھاپے کا مذاق اڑائیں۔"

"اوہو! آپ تو بگڑ گئیں۔ بھئی میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ نانا فرنویس کا نام سنا ہے آپ نے لوگ انہیں بچپن میں بھی نانا صاحب کہتے تھے۔ انگریزوں کے بچے بھی بابا ہی کہلاتے ہیں۔"

"آپ اُن کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔" زہرہ بولی۔

"اونہہ ختم بھی کیجئے۔" حمید نے اکتا کر کہا۔ "اگر انہوں نے میرے ساتھ آپ کو رقص کرتے دیکھ لیا تو وہ آپ کو رس ملائی نہیں کھلائیں گے۔"

"جی نہیں! وہ بہت آزاد خیال ہیں۔"

"پھر آخر مجھے کھانے کیوں دوڑتے ہیں۔"

"پولیس والے انہیں پسند نہیں کرتے۔"

"کیا؟" حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"جی ہاں! اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔" زہرہ جمال ہنس کر بولی۔ "کیوں شریف آدمی پولیس والوں کو پسند نہیں کرتے۔"

"معاف کیجئے گا۔" حمید نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ "مجھے نہیں معلوم تھا کہ اب صغیر صاحب کا شمار بھی شریف آدمیوں میں ہونے لگا ہے۔"

"پھر آپ نے حملہ کیا۔"

"اوہو معلوم ہوتا ہے آج آپ لڑیں گی۔ میں نے تو صرف ان کی پچھلی زندگی کی طرف سا اشارہ کیا تھا۔"

"چلئے بس رہنے دیجئے! کوئی مرد فرشتہ نہیں ہوتا۔ پہلے اپنے گریبان میں منہ ڈالئے۔"

"ٹائی کھولنی پڑے گی۔" حمید نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر مغموملہجے میں کہا اور زہرہ ہنس پڑی۔

"آپ کی باتیں بہت دلچسپ ہوتی ہیں۔ دل بہل جاتا ہے۔ ورنہ میں کبھی آپ سے بات تک نہ کرتی۔"

"میں واقعی بہت بُرا آدمی ہوں۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اب دیکھئے خواہ مخواہ آپ ہی کے پیچھے لگ گیا ہوں۔ آپ سوچتی ہوں گی شاید....!"

"میں کچھ نہیں سوچتی۔" زہرہ جلدی سے بولی۔ "سوچنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ عموماً بُرے آدمی بُرے خیالات رکھتے ہیں۔"

حمید دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کلوٹی چوہیا تو مجھ پر اپنی پارسائی کا رعب ڈالنا چاہتی ہے۔ اس نے ایک اچٹتی ہوئی نظر اس کے سلونے چہرے پر ڈالی اور دفعتاً اُسے ہوٹل پام کا واقعہ یاد آگیا۔ کتنا فرق تھا۔ وہ چہرہ اُسے اب تک نہیں بھولا تھا۔ جس پر روج اور لپ سٹک گہری تہیں تھیں۔ سیاہ رنگت پر گہری لپ اسٹک! کتنا کریہہ چہرہ تھا۔ اگر حمید شروع ہی سے اس کے پیچھے نہ لگ گیا ہوتا تو اُسے اس حال میں دیکھ کر شائد پہچاننے میں بھی دشواری ہوتی۔ وہ یہی سوچ کر رہ جاتا کہ پھٹیچر طوائف صغیر بابر کی بیوی زہرہ جمال سے بڑی مشابہت رکھتی ہے۔

"کیا سوچنے لگے۔" دفعتاً زہرہ بولی۔ "کیا میری کوئی بات بُری لگی ہے۔"

"اوں.... ہوں.... نہیں تو....!" حمید چونک کر بولا۔ وہ بڑے خواب ناک انداز میں زہرہ جمال کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"خیریت....!" زہرہ ایک شوخ مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"مجھے یاد آرہا ہے کہ شائد میں سرجنٹ حمید ہوں۔"

"بہت دیر میں یاد آیا۔" زہرہ ہنس پڑی۔

"اور مجھے وہ وعدہ بھی یاد آرہا ہے جو میں نے اپنے باپ سے کیا تھا۔"

"کیا وعدہ کیا تھا۔"

"یہی کہ خود میں کبھی باپ بننے کی کوشش نہ کروں گا۔" حمید نے کہا اور بڑے ڈرامائی انداز سے واپس جانے کے لئے مڑا.... سامنے صغیر بابر نظر آیا جو اپنی فرنچ کٹ ڈاڑھی کو مٹھی میں

جکڑے ہوئے حمید کو گھور رہا تھا۔ حمید نے جھک کر اُسے بڑے ادب سے سلام کیا۔

"میں کہتا ہوں آخر تم چاہتے کیا ہو۔" وہ چیخ کر بولا۔

"یہی کہ آپ مجھے اپنا بھتیجا سمجھیں۔" حمید نے نظریں نیچی کر کے شرماتے ہوئے ٹھیٹ سعادتمندانہ لہجے میں کہا۔

"کیا....؟ تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔ تم کس سے باتیں کر رہے ہو۔"

"چچا سے۔" حمید نے سر ہلا کر مغموم آواز میں کہا۔

"چلے جاؤ یہاں سے۔" صغیر حلق پھاڑ کر چیخا۔

"ڈارلنگ! ڈارلنگ....!" زہرہ آگے بڑھ کر اُس کا شانہ تھپکتی ہوئی بولی۔

"آخر آپ مجھ سے خفا کیوں رہتے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"ابے تو کیا میں تیرا باپ ہوں اچھی زبردستی ہے۔"

"مجھے اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میں تو بھتیجا ہی بننا چاہتا تھا۔ لیکن اگر آپ بیٹا بنانے پر مصر ہیں تو چلئے یہی سہی۔"

"میں تمہیں گولی مار دوں گا۔"

"ارے ارے.... ڈارلنگ....!" زہرہ اُسے ایک طرف کھینچتی ہوئی بولی۔ "چلئے اپنے کمرے میں۔ حمید صاحب آپ جا سکتے ہیں۔"

حمید نے محسوس کیا کہ زہرہ کے لہجے میں جھلاہٹ تھی جو اس کے خیال کے مطابق قطعی مصنوعی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ زہرہ ایک عمدہ قسم کی اداکارہ بننے کی بھی صلاحیتیں رکھتی ہے۔ زہرہ صغیر کو شائد کسی دوسرے کمرے میں لے گئی تھی۔ حمید وہیں کھڑا رہا۔ کئی منٹ گذر گئے لیکن زہرہ واپس نہ آئی۔ حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے بھرے بازار میں اُس کے سر پر چپت ماردی ہو۔ اُسے زہرہ سے اس بات کی توقع نہیں تھی کہ وہ کسی ایسے موقع پر اس سے اتنی سرد مہری سے پیش آئے گی۔ کتنے خشک لہجے میں کہا تھا اُس نے۔ "حمید صاحب آپ جا سکتے ہیں۔"

چنانچہ حمید صاحب نے اپنے جبڑے ڈھیلے چھوڑ دیئے اور منہ لٹکائے ہوئے باہر کی طرف جانے لگے۔

صغیر بابر کسی کمرے میں غرا رہا تھا اور ساتھ ہی زہرہ کی کھنکتی ہوئی سی ہنسی کی آوازیں بھی

ہی تھیں۔ شائد وہ اُسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

دفعتاً حمید چلتے چلتے رک گیا۔ ایک کمرے کے کھلے ہوئے دروازے سے اُس کی نظریں اندر طرف رینگ رہی تھیں۔ فرش پر ایک سیاہ پتلون ایک سیاہ جیکٹ پڑی تھی۔ انہیں کے قریب بید دستانے بھی تھے۔ حمید نے اِدھر اُدھر دیکھا اور کمرے میں چلا گیا۔ دستانوں کے نیچے سے ند کا ایک ٹکڑا جھانک رہا تھا۔ حمید نے اُسے چٹکی سے پکڑ کر کھینچ لیا اور دوسرے لمحے میں اُس کی ھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔

کاغذ پر تحریر تھا۔

"ان کپڑوں کو جلا دو۔"

"وہ مارا۔" اُس نے دل ہی دل میں نعرہ لگایا۔ فریدی کی منطق غلط ہو گئی۔ وہ سوچنے لگا اب وں گا ایشیا کے عظیم سراغ رساں کو۔ اگر فریدی کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے میں نے رہ کا پیچھا چھوڑ دیا ہوتا تو یہ کیس اللہ کو پیارا ہو گیا ہوتا۔

چند ہی منٹوں میں حمید نے ساری کوٹھی سر پر اٹھالی۔

صغیر بابر کی حالت قابل دید تھی۔ آنکھیں سرخ ہو گئیں تھیں۔ منہ سے جھاگ اڑ رہا تھا وہ دیر سے کچھ کہنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن شائد الفاظ ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

"یقین جانئے حمید صاحب۔" زہرہ تھوک نگل کر بولی۔ "ہم لوگ اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے.... نہ جانے یہ کس کی حرکت ہے۔"

ٹھیک ہے۔ حمید خشک لہجے میں بولا۔ "بعض حالات میں یہ بھی ہوتا ہے۔"

"بیگم!" صغیر جھٹکے دار آواز میں بولا۔ "سب تمہارا قصور ہے۔ میں تم سے پہلے ہی کہتا تھا یہ ئی قابل اعتماد نہیں ہے... دوست... دوست... میں تنگ آ گیا ہوں تمہاری حماقتوں سے۔"

"اس کا مطلب!" حمید اُسے گھور کر کڑے لہجے میں بولا۔

"مطلب! تم نے یہ سب کیا ہے۔ پھنسانا چاہتے ہو لیکن لونڈے ہو دیکھ لوں گا۔"

"زبان کو لگام دیجئے۔"

"میں گولی مار دوں گا۔" صغیر بابر کا جسم کانپنے لگا تھا۔

زہرہ جمال اُسے پھر کسی طرف گھسیٹ لے گئی۔ لیکن اس بار اُس نے واپسی میں دیر نہیں لگائی۔

"حمید صاحب خدا کے لئے پریشان مت کیجئے۔" زہرہ جمال کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

"بہت خوب۔" حمید نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "آپ بھی یہی کہنا چاہتی ہیں کہ میں نے ہی یہ کپڑے اس تحریر کے ساتھ یہاں ڈال دیئے ہیں.... ہاں ذرا یہ تو فرمایئے کہ میں آپ لوگوں کو پھنسانا کیوں چاہوں گا۔"

"اوہ.... آپ بھی ان کی بات لے بیٹھے۔ غصے میں اُن کی عقل خبط ہو جاتی ہے۔"

"فکر نہیں.... میں ابھی اسے سب کچھ سمجھائے دیتا ہوں۔" صغیر کی کھرکھراتی ہوئی آواز سنائی دی۔ وہ پھر واپس آگیا تھا۔ لیکن اب اُس کی آنکھوں میں غصے کی بجائے بے بسی کی جھلکیاں نظر آرہی تھیں۔ وہ بڑبڑاتا رہا۔ "میرا نام صغیر بابر ہے.... سمجھے.... تم جیسے لونڈوں کو اب میں سبق دے سکتا ہوں۔"

"آپ زبان بند کرتے ہیں یا نہیں۔"

"چلے جاؤ یہاں سے۔" صغیر بابر گرجا۔

"ہونہہ.... ابھی.... ابھی تو میں نے کوتوالی فون کیا ہے۔"

"میں نے بھی فون کیا ہے۔" صغیر بابر حلق کے بل چیخا اور اُسے کھانسی آنے لگی۔

"آپ سے خدا ہی سمجھے گا۔" زہرہ نے بڑے تلخ لہجے میں حمید سے کہا اور صغیر بابر کاؤچ تھپکنے لگی۔

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اس کی فنکارانہ صلاحیتوں پر دل ہی دل میں عش عش کر رہا سوچ رہا تھا کہ وہ کسی فلم میں ہر طرح کے رول بڑی آسانی سے انجام دے سکتی ہے۔ حمید نے کمرے کے دروازے پر ایک کرسی ڈال لی اور اس طرح جم گیا جیسے پتھر کا بت ہو اُس سے تھوڑے ہی فاصلے پر زہرہ جمال اور صغیر بابر منہ لٹکائے بیٹھے تھے۔ کبھی کبھی وہ تیکھی نظروں سے حمید کی طرف دیکھتے اور پھر سر جھکا لیتے۔

باہر کوئی ملاقاتی گھنٹی بجا رہا تھا۔ ایک نوکر کارڈ لے کر آیا۔

"بلاؤ.... سیدھے یہیں لاؤ۔" صغیر بابر منہ پھاڑ کر بولا۔

آنے والا فریدی تھا۔ حمید نے دراصل اسی کو فون کیا تھا اور یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ صغیر بابر نے بھی اسی سے حمید کی شکایت کی تھی۔

قبل اس کے حمید کچھ کہتا صغیر بابر خود ہی اپنی جھٹکے دار آواز میں پوری داستان دہرا چلا۔ حمید بھی کچھ کہنے کے لئے منہ کھولتا فریدی اُسے اس طرح گھورنے لگتا جیسے آواز نکلتے ہی چبا ڈالے گا.... کسی نہ کسی طرح صغیر بابر کی بات ختم ہوئی اور فریدی اُسے وہاں سے ہٹا لے گیا۔

الجھن

حمید اور زہرہ تنہا رہ گئے۔

"میں آپ کو ایسا نہیں سمجھتی تھی۔" زہرہ نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔

"اور میں کب آپ کو ایسا سمجھتا تھا۔"

"تو کیا آپ نے اس پر یقین کر لیا ہے۔ میں قسم کھانے کیلئے تیار ہوں کہ وہ کپڑے....!"

"نہ نہ.... اس کی کیا ضرورت ہے۔" حمید طنزیہ انداز میں بولا۔ "آپ تو اس کی بھی قسم کھا لیں گی کہ آپ کو ہوٹل پام گرو کا پتہ بھی نہیں معلوم.... اور.... ارجن....!"

"خدا کے لئے آہستہ....!" زہرہ اِدھر اُدھر دیکھ کر خوفزدہ آواز میں بولی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں سانس پھول رہی تھی۔

اتنے میں فریدی آگیا۔ لیکن اس نے زہرہ کیطرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہ کی۔

"وہ تحریر کہاں ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

حمید نے جیب سے کاغذ کا ٹکڑا نکال کر اُس کی طرف بڑھا دیا۔ فریدی اسے چند لمحے دیکھتا رہا پھر تہہ کر کے جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ "چلو....!"

"کہاں؟" حمید حیرت سے اُس کا منہ دیکھنے لگا۔

فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کھینچتا ہوا دروازے کی طرف لے جانے لگا۔ زہرہ دونوں کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

"تو بتاتے کیوں نہیں۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "انہیں اسی طرح چھوڑ جایئے گا۔"

"ہاں بکو مت....!" فریدی نے کہا اور حمید کی جھنجھلاہٹ بڑھ گئی۔

اس کا دل چاہا کہ اچھل کر فریدی کے کاندھے پر چڑھ جائے۔ گلے سے ٹائی کھول کر اس کے

ہونٹوں میں لگام کی طرح پھنسا دے.... اور "ٹخ ٹخ" کرتا ہوا اس قدر دوڑائے کہ فریدی گھوڑے کی طرح ہنہنانے لگے۔

باہر نکل کر فریدی اسے کیڈلاک میں دھکا دیتا ہوا بولا۔ "تشریف رکھئے۔"

کیڈیلاک چل پڑی۔ حمید آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ شاید اس وقت اس کی بھی وہی کیفیت تھی جو اس سے کچھ دیر قبل صغیر بابر کی تھی۔ کہنے کے لئے ذہن میں بہت کچھ گونج رہا تھا لیکن جھنجھلاہٹ گلا گھونٹ رہی تھی۔ زبان پکڑ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ فریدی ایسے معاملے کو اس طرح لاپرواہی سے کیوں نظر انداز کیا۔ وہ صغیر بابر سے اپنی توہین کا بدلہ بھی نہیں لے سکا تھا۔ اپنی دانست میں وہ زہرہ جمال کو ایسے نقطے پر کھینچ لایا تھا جہاں وہ سب کچھ اگل دیتی لیکن فریدی نے سب چوپٹ کر دیا۔ اسی جھنجھلاہٹ کے دوران میں حمید کے ذہن میں ایک خیال ابھر آیا۔ کہیں فریدی نے حسد میں تو ایسا نہیں کیا؟ جب اُس نے دیکھا کہ حمید کامیابی کے اس قدر قریب ہو گیا ہے تو اُس نے بھیڑ مار دی.... ضرور یہی بات ہو سکتی ہے۔ یہ نیا خیال اس کے ذہن میں جڑ پکڑنے لگا اور اُس نے بڑی کراہت سے فریدی کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

فریدی اس وقت ضرورت سے زیادہ خوش مزاج نظر آرہا تھا۔ اس نے دو ایک بار حمید پر اچٹتی ہوئی نظریں ڈالیں اور جوش ملیح آبادی کے لہجے میں گنگنانے لگا۔ "اے جان من.... جانان من۔"

اس پر حمید کی سلگتی ہوئی ہڈیاں باقاعدہ لو دے اٹھیں۔ لیکن وہ پھر بھی کچھ نہ بولا۔

"اس وقت تم نے وہ کام کیا ہے کہ تمہاری پیٹھ جوتے سے ٹھونکنے کو دل چاہتا ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"بس بس خاموش رہئے۔" حمید ابل پڑا۔

"موسم تو خاموش رہنے کا نہیں۔" فریدی کو ہنسی آگئی۔

"فریدی صاحب میں لونڈا نہیں ہوں۔"

"اچھا چلو یہ ایک نئی بات معلوم ہوئی۔"

"مجھے اتار دیجئے۔" حمید کا غصہ تیز ہو گیا۔

"بُری بات! ماں مارے گی۔" فریدی نے اس طرح کا منہ بنا کر کہا جیسے وہ کسی چھ ماہ کے بچے کو چمکار رہا ہو۔

"خدا کی قسم اچھا نہ ہوگا۔"

"شٹ اپ! تمہیں ابھی اس حرکت پر افسوس کرنا پڑے گا۔"

"ضرور ضرور....!" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔ "مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ کو اس بار سراغ رسانی سے توبہ نہ کرنی پڑے۔"

"بہت اچھے۔" فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"ضروری نہیں کہ آپ ہر معاملے میں عقلمند ہی ثابت ہوں۔"

"میں آج تک کسی معاملے میں عقل مند نہیں ثابت ہوا۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

حمید تھوڑی دیر خاموش رہا پھر یکلخت برس پڑا۔

"میں ہرگز یہ نہیں چاہتا تھا کہ آپ اس کامیابی کا پورا پورا ذمہ دار مجھے ظاہر کریں۔ میں نے کبھی اکیلے اپنے لئے کچھ نہیں کیا۔ اپنا الو سیدھا کرنے کا ایک یہی طریقہ تو نہیں ہو سکتا تھا۔ جو آپ نے اس وقت اختیار کیا....؟"

"کیا بکتا ہے۔" فریدی ناک سکوڑ کر اور آنکھیں بھینچ کر بولا۔

"بک نہیں رہا بلکہ فرما رہا ہوں۔" حمید نے گردن اکڑا کر کہا۔

"اچھا فرما چکے۔"

"جناب۔"

"بہتر ہے ابھی تھوڑی ہی دیر میں آپ کی آنکھوں کا اپریشن ہو جائے گا۔"

"مجھے اب اس معاملے سے کوئی دلچسپی نہیں۔" حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔

"چلو مجھے اس کا بھی افسوس نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تم نے ابھی تک اس میں کام ہی کون سا کیا ہے۔"

"کیا....!" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔ "میں نے کچھ کام ہی نہیں کیا۔"

"قطعی نہیں! اب تک وقت برباد کرتے رہے ہو۔"

"میں ڈیش بورڈ سے اپنا سر ٹکرا دوں گا۔"

"خبردار! چانٹا مار دوں گا۔ ڈیش بورڈ میں شیشے ہی شیشے ہیں۔" فریدی نے اتنی سنجیدگی سے کہا کہ حمید جھلاہٹ کے باوجود بھی مسکرا پڑا۔ بہر حال اب اُسے بھی یہ بات سوچنی ہی پڑی تھی کہ

آخر فریدی نے ایسا رویہ کیوں اختیار کیا ہے وہ اُن آدمیوں میں سے نہیں جو خواہ کسی قسم کی شرمندگی مول لیتے ہیں۔ پھر اُسے زہرہ جمال کی سراسیمگی یاد آگئی۔ ہوٹل پام گروو اور ارجن پورے کے حوالے پر وہ بُری طرح خائف نظر آنے لگی تھی۔

"کیا سوچنے لگے۔" فریدی نے ڈانٹ کر پوچھا۔

"آپ سے مطلب.....!" حمید پھر جھلا گیا۔

"اب میں ہی پھینک دوں گا تمہیں نیچے۔"

"خواہ مخواہ بور کر رہے ہیں۔" حمید بڑبڑانے لگا۔

"حمید اگر تم میری بیوی ہوتے تو ہنٹر دں سے کھال گرا دیتا۔"

"اگر آپ ہنٹر والی ہوتے تو میں آپ سے شادی کر لیتا۔"

"اور پھر اگر میں ایک ٹانگ بھی رکھ دیتا تو تمہاری پسلیاں چور ہو جاتیں۔"

حمید کچھ نہ بولا وہ بات کرنے کے موڈ ہی میں نہ تھا۔

کیڈی کو تار کی چکنی سڑکوں پر پھسلتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد حمید نے محسوس کیا کہ وہ شہر کے باہر جا رہے ہیں۔ اونچی اونچی عمارتیں بہت پیچھے رہ گئی تھیں اور حدِ نظر تک میدان یا کھیت نظر آ رہے تھے۔ ڈوبتے ہوئے سورج کی زرد کرنیں درختوں کی چوٹیوں پر کپکپا رہی تھیں۔ ہڈیوں میں اتر جانیوالی سرد ہوا نے حمید کے کان سہلانے شروع کر دیئے تھے۔ اس نے کوٹ کا کالر کھڑا کر لیا۔

"تمہارا اسٹر لیتا آیا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "پچھلی سیٹ پر پڑا ہے۔"

"لیکن ہم جا کہاں رہے ہیں۔"

"سعید آباد.....!"

"کیوں.....؟"

"آج کل درد کی دوا وہیں ملتی ہے۔"

دفعتاً حمید کو وہ تار یاد آگیا جو فریدی نے کچھ دن پہلے سعید آباد ہی کے کسی آدمی کو دیا تھا اور اس میں ترمذی خاندان کے ہار کا تذکرہ تھا۔ حمید کی الجھن بڑھ گئی۔ لیکن وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ فریدی اُسے ابھی کچھ نہ بتائے گا۔ وہ فریدی کی اس بُری عادت سے تنگ آگیا تھا۔ لوگوں کو اچانک حیرت زدہ کر دینے..... کی عادت۔ آج تک یہ بات اُس کی سمجھ ہی میں نہ آسکی تھی کہ یہ عادت

دی کے کردار کے کسی جزو کی پختگی تھی یا کوئی کمزوری۔ بہر حال یہ اُس کی بہت پرانی عادت
کسی کیس کے دوران میں وہ اُس کے متعلق کھل کر کبھی کوئی بات نہیں کہتا تھا۔ لوگوں کو
ے میں ڈال کر اچانک کسی راز سے پردہ اٹھانے میں شاید اُسے کسی قسم کی لذت ہی محسوس
تی تھی۔ اکثر اس کے آفیسر تک اس کی اس عادت پر بُری طرح جھنجھلا جاتے تھے۔ لیکن چونکہ
م کا آدمی تھا اس لئے زبان سے کچھ نہیں کہتے تھے۔ وہ اس کی افتادِ طبع سے بھی تو واقف تھے۔ ذرا
ئی بات مرضی کے خلاف ہوئی استعفیٰ پیش۔

حمید بیٹھا دل ہی دل میں جھنجھلاتا رہا۔

"حمید صاحب توقع ہے کہ آج ہم اُس مسخرے بھیڑیئے سے ٹکرا ہی جائیں۔" فریدی نے کہا۔

"توقع کی وجہ.....!"

"فی الحال بلا وجہ ہی سمجھو۔"

"تو پھر یہی بتانے کی کیا ضرورت تھی۔ بس اب خاموش رہئے۔ میں بیس کا پہاڑا یاد کر رہا ہوں۔"

سردی بڑھتی جا رہی تھی۔ حمید نے پچھلی سیٹ سے السٹر اٹھا کر کاندھے پر ڈال لیا۔ سورج
ب ہو چکا تھا اور اب افق پر بکھرے ہوئے شوخ رنگوں پر بھی سیاہی غالب آتی جا رہی تھی۔
ار کے لہلہاتے ہوئے کھیتوں پر کہرے کی چادر مسلط ہو گئی تھی۔ اب بھی پرندے شور مچا رہے
ے مگر ان کی آوازیں کہیں دور سے آتی معلوم ہو رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد کیڈی کی ہیڈ لائیٹس روشن ہو گئیں۔ اندھیرے کے ساتھ ہی ساتھ حمید کی
جھن بھی بڑھتی جا رہی تھی۔

"وہ اُس دن آپ نے تار کسے دیا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"گڈ! اب تم نے ایک کام کی بات پوچھی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ہم وہیں چل رہے ہیں۔"

"میں اس کا نام بھول گیا۔"

"سعید الظفر.....!" فریدی گیئر بدلتا ہوا بولا۔ کیڈی کی رفتار تیز ہو گئی۔ ڈیش بورڈ پر رفتار کی
سوئی ساٹھ اور ستر کے درمیان حرکت کر رہی تھی۔

"اس سے اور رابعہ کے ہار سے کیا تعلق۔"

"گھبراؤ نہیں! توقع ہے کہ تعلق بھی جلد ہی ظاہر ہو جائے گا۔ بہر حال رابعہ بھی تمہیں

وہیں ملے گی۔"

"کہاں؟"

"سعید الظفر کے یہاں۔" فریدی نے کہا۔

اچانک حمید کو ایک بات یاد آگئی۔ فریدی نے اس سے رابعہ کے چاہنے والوں کی فہرست تیار کرنی تھی اور یہ بھی معلوم کرنا چاہا تھا کہ خود رابعہ کس طرف جھک رہی ہے۔ وہ خود تو دوسری بات معلوم کرنے سے قاصر رہا۔ لیکن اب سوچ رہا تھا کہ شاید سعید الظفر وہی ہے جس کی طرف رابعہ بھی مائل ہے۔ شائد فریدی نے خود ہی اس کا پتہ لگالیا لیکن آخر اس سے اور ہار والے معاملے سے کیا تعلق۔

"لیکن رابعہ وہاں کیوں ہوگی۔" حمید نے پوچھا۔

"اللہ کی مرضی۔" فریدی حلق کے بل بولا۔

"اُلو سال میں کتنے انڈے دیتا ہے۔" حمید بھنا گیا۔

"جتنے اللہ دلوا دیتا ہے۔"

"اللہ آپ کی روح کیوں نہیں قبض کر لیتا۔" حمید چیخ کر بولا۔

"اب ہمارا پلان یہ ہے۔" فریدی اُسکی بات پر دھیان نہ دیتا ہوا سنجیدگی سے بولا۔ "ہمیں ایک عمارت میں غ قانونی طور پر داخل ہونا پڑے گا۔ ہمارے چہروں پر گیس ماسک ہوں گے اور...!"

"دم پر مدا بندھا ہوا ہوگا۔" حمید اس کی بات کاٹ کر بولا۔ جملے کے بے ساختگی پر فریدی ہنسی آگئی۔

"آخر کھانے کیوں دوڑ رہے ہو۔" اُس نے کہا۔

"آپ مجھے اُلو کیوں بنا رہے ہیں۔"

"بیٹے خاں! قبل از وقت کچھ نہیں بتاؤں گا۔ کیونکہ اسی کیس میں ایک جگہ دھوکہ کھا کر شرمندگی مول لے چکا ہوں۔ یہ نہ بھولو کہ ہم بھی معمے کو حل کرنے کے لئے امکانی قیاسات کا سہارا لیتے ہیں جو غلط بھی ہو سکتے ہیں۔" فریدی نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھا اور پھر کہنے لگا۔ "اس کیس میں میں نے کتنی قلابازیں کھائی ہیں۔ پہلے تمہیں زہرہ کے پیچھے لگایا پھر اس سے ہٹا کر رابعہ کی طرف نظر رکھنے کی ہدایت کی اور پھر تمہیں یہ بھی یاد ہوگا میں نے کہا تھا مجھے اس لٹیرے

دلچسپی نہیں لیکن اب میں بھی دلچسپی لینے پر مجبور ہو گیا ہوں۔"

حمید خاموشی سے سنتا رہا۔ اتنی دیر میں اس کا دماغ کافی حد تک ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

"کیا سعید الظفر وہی آدمی ہے جس کی طرف رابعہ خود مائل ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں! اگر میرا قیاس غلط نہیں تو تم بہت جلد ہی بات سے واقف ہو جاؤ گے۔"

"ابھی آپ گیس ماسک کا تذکرہ کر رہے تھے۔ کیا سنجیدگی سے؟"

"ہاں بھئی! ہمیں اس لٹیرے سے بھی تو بھڑنا ہے۔ کیا تم بھول گئے کہ اُس نے رابعہ کے کمرے کو سلانے کے لئے سنتھیلک گیس استعمال کی تھی۔ اگر ہم نے گیس ماسک نہ استعمال کئے تو ممکن ہے کہ ہمیں بھی گہری نیند کا لطف اٹھانا پڑے۔ کافی ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ بہت پھرتیلا ہے۔ اگر ہم ایک لحظہ کے لئے بھی چوک گئے تو اس کا ہاتھ لگنا محال ہو جائے گا۔"

"لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ اس نے وہ گیس استعمال کس طرح کی ہوگی۔" حمید نے کہا۔

"نہایت آسانی سے۔" فریدی اپنی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "اُسے شیشے کی کھوکھلی گیندوں میں محفوظ کیا جا سکتا ہے۔ اور شیشے کی گیندیں جیب میں ڈال کر بڑی آسانی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جائی جا سکتی ہیں۔"

"تو آپ کو یقین ہے کہ اس وقت اُس سے مڈبھیڑ ہو جائے گی۔"

"حالات تو ایسے ہی ہیں۔"

"آپ اُس کی قیام گاہ سے واقف ہو گئے ہیں۔"

"اچھی طرح! لیکن یہ اُس کی قیام گاہ نہیں ہے جس میں ہمیں اس وقت داخل ہونا ہے۔"

"پھر....!"

"سعید الظفر کے گھر میں ہمیں چوروں کی طرح داخل ہونا پڑے گا۔"

حمید اس پر پھر کوئی سوال کرنا چاہتا تھا لیکن خاموش ہی رہا۔ فریدی اُس کے کسی ایسے سوال کا جواب ہرگز نہ دیتا جس سے ان باتوں پر روشنی پڑتی جنہیں وہ فی الحال ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا اور جواب وہ ویسے بھی نہیں بولنا چاہتا تھا کیونکہ کھلے ہوئے منہ کے ذریعہ سردی کی ٹھنڈی لہر حلق کے نیچے بھی اتر سکتی تھی اور چہرہ تو پہلے ہی سن ہو چکا تھا اس نے کنکھیوں سے فریدی کی طرف دیکھا جس میں کوئی ظاہری تبدیلی نظر نہیں آرہی تھی وہ اتنے سکون کے ساتھ سرد ہوا کے

تھپیڑوں کا مقابلہ کر رہا تھا جیسے وہ موسم بہار کے خوشگوار اور مہکتے ہوئے جھونکے ہوں اس کا سر اب بھی پچھلی نشست پر پڑا ہوا تھا۔

ساڑھے سات بجے وہ سعید آباد میں داخل ہوگئے۔ سب سے پہلے انہوں نے ایک ریستوران میں کافی کے کئی کپ پیے۔ حمید کھانے کیلئے بھی کہتا رہا۔ لیکن فریدی نے اس کی اجازت نہ دی۔

"اگر تم نے کھانے پر غصہ اتارا تو کسی کام کے نہ رہ جاؤ گے۔" اُس کا مختصر سا ریمارک تھا۔

ہار کا راز

فریدی نے کیڈی ایک پرائیویٹ گیرج میں کھڑی کر دی اور دونوں پیدل چل پڑے۔ فریدی کے ساتھ ایک سوٹ کیس تھا جس میں شائد گیس ماسک تھے۔ انہوں نے اپنے اسٹروں کے کالر کھڑے کر رکھے تھے اور ہیٹ کے گوشے آگے کی طرف اس طرح جھکا رکھے تھے کہ چہرے نہیں نظر آ رہے تھے۔

"آپ کی باتوں سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ آپ کو کامیابی کا یقین ہے۔" حمید نے کہا۔

"یقین نہ ہوتا تو آتا ہی کیوں۔"

"لیکن لٹیرے کی شخصیت کے متعلق ابھی شبہہ ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"میں جانتا تھا کہ تم کھائے پیے بغیر عقلمندی کی بات ہرگز نہ کرو گے۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔

"رابعہ بھی وہاں ہوگی۔ خدا کرے اُس نے کھلے پنجوں والے سینڈل نہ پہن رکھے ہوں۔"

"فکر نہ کرو۔ وہ آسانی سے ٹوٹ جانے والے جوتے پہن کر ہرگز نہ آئی ہوگی۔"

حمید نے پھر کچھ نہ کہا۔

وہ چلتے رہے۔ حمید کے ذہن میں ہیجان برپا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ زہرہ جمال اور صغیر بابر کو فریدی نے جان بوجھ کر نظر انداز کیا تھا یا وہ حقیقتاً بے گناہ تھے اور کوئی شخص اس معاملے میں خواہ مخواہ الجھا کر اپنا الو سیدھا کرنا چاہتا تھا۔ مگر زہرہ جمال کی مشتبہ نقل و حرکت ہوٹل پام گرود کے حوالے پر اس کی سراسیمگی۔ بہر حال اتنی بات تو اس کی سمجھ میں آ ہی گئی

معاملہ خواہ کچھ ہو صغیر بابر اس سے واقف نہیں تھا۔ کیونکہ زہرہ کی بوکھلاہٹ یہی ظاہر کر رہی ہے.... اگر فریدی عین موقعے پر دخل نہ دیتا تو اُس نے اس سے کچھ اگلوا ہی لیا تھا۔ وہ اس خوف سے کچھ بتا دیتی کہ کہیں اس کی اطلاع صغیر بابر کو نہ ہو جائے.... خیر دیکھنا ہے اب فریدی صاحب کیا بڑا تیر مارتے ہیں۔

"تم پھر خاموش ہوگئے۔" فریدی نے کہا۔ "چہکتے چلو پیارے! جب اس کی ضرورت ہوتی ہے تو تم کڑک ہو جاتے ہو۔"

"میں مرغی ہوں۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"نہیں بلکہ چوزے۔" فریدی نے کہا۔ "آخر تم پر جھلاہٹ کیوں سوار ہے۔ دماغ ٹھنڈا رکھو ورنہ کوئی حماقت کر بیٹھو گے۔"

"شائد اب ہم اپنے شہر کی طرف پیدل واپس جا رہے ہیں۔" حمید بولا۔

"آج کا اخبار پڑھا تھا تم نے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں.... جس دن دیر میں سو کر اٹھتا ہوں اخبار رہ ہی جاتا ہے۔"

بہر حال آج اس لٹیرے کے خط پر بڑا شاندار تبصرہ شائع ہوا ہے۔ مبصر نے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس لٹیرے نے ترمذی خاندان کو دھوکا دیا ہے۔ اصلی ہار شروع ہی سے اسی کے پاس رہا ہے اس نے اس کی نقل ترمذی خاندان والوں کو واپس کی تھی۔ دوسروں کی چیزیں واپس کرنے کا مطلب یہ ہے کہ لوگ اسے جھوٹا نہ سمجھیں اور وہ اس ہار میں لگے ہوئے تاریخی ہیرے کو آسانی سے ہضم کر جائے۔ مبصر نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ دو ہی چار دنوں میں وہ اخبار کی اخبار کے ذریعے ہار کی جستجو کے سلسلے میں اپنی ناکامی کا اعتراف کر لے گا اور اس طرح معاملہ ختم ہو جائے گا۔"

"آپ کیا کیا خیال ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"یہی خیال ہے لیکن میرے ذہن میں واقعے کی دوسری شکل ہے۔"

"یعنی....!"

"ابھی کچھ ہی دیر بعد وہ شکل میرے ذہن سے باہر آ جائے گی۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور حمید پھر جھنجھلا گیا۔ لیکن وہ سوچنے لگا کہ جھنجھلانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اس معرکے سے پہلے

اگر ذہن کو ٹھنڈا ہی رکھا جائے تو بہتر ہے۔ مگر آخر معرکے کی نوعیت کیا ہوگی۔

"لیکن خدارا....!" حمید بولا۔ "کہیں جھونکنے سے پہلے یہ تو بتا دیجئے کہ مجھے کرنا کیا ہوگا۔"

"کچھ نہیں بس اتنا خیال رکھنا پڑے گا کہ وہ نکل کر جانے نہ پائے اور شاید تھوڑی سی جنگ بھی کرنی پڑے۔ اگر کسی وجہ سے میری مرتب کردہ اسکیم فیل ہوگئی تو ہمیں ایک پائپ کے سہارے دیوار پر چڑھنا پڑے گا۔"

"پائپ.... میرے خدا۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "اس وقت تو ہاتھوں میں چپک کر رہ جائے گا۔"

"کچھ بھی ہو! اگر لٹیرا زیادہ ہوشیار ثابت ہوا تو چڑھنا ہی پڑے گا۔"

"آخر آپ کی اسکیم کیا تھی۔"

"نہیں مانو گے۔ خیر سنو۔ آج وہ نو بجے سعید الظفر سے ملنے کے لئے آرہا ہے اور اسی نے رابعہ کو بھی بلوایا ہے۔ وہ ان سے ہار کے متعلق کوئی گفتگو کرے گا۔ سعید الظفر کو اس نے لکھا تھا کہ اگر اس معاملات کے متعلق پولیس کو معلوم ہوا یا اس نے پولیس سے ساز باز کرنے کی کوشش کی تو نتائج اچھے نہیں ہوں گے۔ سعید الظفر نے مجھے مطلع کر دیا۔ لیکن رابعہ نے سانس تک نہ لی۔"

"پھر آپ کو رابعہ کی آمد کے متعلق کیسے معلوم ہوا۔" حمید نے پوچھا۔

"سعید الظفر ہی سے معلوم ہوا۔"

"آخر یہ سعید الظفر ہے کون؟ اس کا اس معاملے میں کیا تعلق؟"

"ابھی یہ نہ پوچھو۔ مجھے اب بھی کچھ شبہات ہیں۔"

"نہیں پوچھوں گا۔ اس واقعے کے بعد بھی نہ پوچھوں گا۔ چلئے اپنی اسکیم بیان کیجئے۔"

"سعید الظفر کے مکان میں ایک چور دروازہ ہے۔ لٹیرا اُسی کے ذریعے عمارت میں داخل ہو کر سعید الظفر کے مکان کے باہر نو بجے اس کا انتظار کرے گا۔ میں نے اسے تاکید کر دی ہے کہ وہ واپسی میں چور دروازہ اندر سے بند نہ کرے لیکن اگر اس لٹیرے نے خود ہی بند کر دیا تو مجبوراً ہمیں پائپ کا سہارا لینا پڑے گا.... فکر نہ کرو اندھیری رات ہے۔"

"اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں۔"

"فرزند من! وہ لٹیرا بڑا گھاگ ہے۔ اس نے خط میں یہ بھی لکھا ہے کہ وہ اپنا پورا پورا اطمینان کئے بغیر عمارت میں داخل نہ ہوگا۔"

"یعنی....!"

"اندر رابعہ اور سعید کے علاوہ کوئی اور تو موجود نہیں۔ باہر کے سارے دروازوں کے متعلق پہلے ہی اطمینان کر لے گا کہ وہ اندر سے مقفل ہیں یا نہیں۔ اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ اگر سعید نے پولیس کی مدد لی تو وہ پولیس کے ہاتھ تو لگنے سے رہا البتہ بعد کو سعید سے سمجھ لے گا۔"

"یہ ماننا پڑے گا جناب کہ ہے بڑا بے جگر آدمی۔" حمید نے کہا۔

وہ دونوں نیم تاریک گلیوں سے گذر رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر کھلی جگہ میں نکل آئے۔ ان کے سامنے ایک سڑک تھی اور سڑک کے پار چند بڑی عمارتیں نظر آرہی تھیں جو ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر تھیں۔ وہ سڑک کے کنارے کنارے مشرق کی طرف چلنے لگے۔ چاروں طرف اندھیرے اور سناٹے کا راج تھا۔ رات کہر آلود تھی۔ سڑک کے سامنے والی عمارتوں کی روشنیاں کہر کی وجہ سے دھندلی نظر آرہی تھیں۔ اچانک فریدی داہنی طرف مڑا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی.... اور پھر وہ ایک لمبا چکر کاٹ کر انہیں عمارتوں کی پشت پر پہنچ گئے جو انہیں گلی سے نکلتے ہی دکھائی دی تھی۔

یہ جگہ ایسی نہیں تھی کہ کوئی بے احتیاطی سے چل سکتا۔ چاروں طرف جھاڑیوں کے سلسلے کھڑے ہوئے تھے۔ حمید نے ٹارچ نکالنی چاہی لیکن فریدی نے روک دیا۔

"چپ چاپ میرے پیچھے چلے آؤ۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ کچھ دور چلنے کے بعد فریدی نے حمید کا ہاتھ دبا دیا۔ ایک عمارت کے نیچے کسی آدمی کا دھندلا اور متحرک سایہ نظر آرہا تھا۔ دونوں جھاڑیوں میں بیٹھ گئے۔

"وہ غالباً سعید ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "یہاں بیٹھنا بھی ٹھیک نہیں۔ وہ ٹوٹی ہوئی دیوار دیکھ رہے ہو ہمیں وہاں تک پہنچنا ہے۔"

"سعید کی نظر ہم پر پڑ سکتی ہے۔" حمید بولا۔

"وہ جانتا ہے۔ لیکن ہمیں اُس لٹیرے سے چھپنا ہے۔ ہم سینے کے بل رینگتے ہوئے وہاں بہ آسانی پہنچ سکتے ہیں۔ چلو۔"

"یہاں سانپ بھی ہو سکتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"یہ مت بھولو کہ تمہارے ساتھ ایک اژدھا بھی ہے۔" فریدی نے کہا اور سوٹ کیس کو

دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر کہنیوں کے بل زمین پر کھسکنے لگا۔

چند لمحوں کی جدوجہد کے بعد وہ ٹوٹی ہوئی دیوار کی اوٹ میں پہنچ گئے۔

سایہ عمارت کے نیچے ٹہلتا رہا۔ فریدی نے اپنی ریڈیم ڈائل والی گھڑی کی طرف دیکھا۔ نو بجنے میں صرف پانچ منٹ رہ گئے تھے۔ اس نے سوٹ کیس کھول کر گیس ماسک نکالے۔ ایک خود پہن لیا اور دوسرا حمید کے چہرے پر چڑھا دیا۔ پھر انہوں نے لیٹے ہی لیٹے پٹیاں بھی کس لیں۔ ان سے تھوڑے ہی فاصلے پر کٹی ہوئی جھاڑیوں کا ایک خشک ڈھیر پڑا تھا۔ فریدی نے اُسے سمیٹ سمیٹ کر اپنے اور حمید کے اوپر پھیلا لیا۔

"ارے! ارے! یہ کیا کر رہے ہیں۔" حمید بڑبڑایا۔

"چپ چاپ پڑے رہو۔ وہ اپنا اطمینان کرنے ادھر ضرور آئے گا۔" فریدی بولا۔

اُن کے ایک طرف دیوار سے نکلی ہوئی اینٹوں کا ڈھیر تھا اور دوسری طرف سے وہ خشک گھاس کے ڈھیر میں چھپ گئے تھے۔ ان کے چہروں پر گیس ماسک پہلے ہی سے تھے۔ اس لئے سانس لینے میں کوئی دشواری نہیں محسوس ہو رہی تھی۔ چند لمحوں بعد حمید نے محسوس کیا کہ گھاس کے ڈھیر پر ٹارچ کی روشنی پڑ رہی ہے پھر پہلے جیسا اندھیرا پھیل گیا۔

انہوں نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔

چند لمحے رک کر فریدی نے سر ابھارا اور دوسری طرف سے آواز آئی۔ "وہ کون۔"

پھر حمید نے اپنے سر پر ایک کتے کو بھونکتے سنا۔ اگر فریدی نے اس کا ہاتھ نہ دبا دیا ہوتا تو وہ اچھل ہی پڑا تھا۔ پھر ساتھ ہی یہ بات بھی سمجھ میں آگئی کہ یہ کتا نہیں بلکہ خود فریدی ہی تھا۔ اب جو حمید پر ہنسی کا دورہ پڑا ہے تو مصیبت ہی آگئی۔ لیکن اُس نے آواز نہ نکلنے دی۔ فریدی برابر بھونکے جا رہا تھا۔ حمید کو اس کی اس صلاحیت کا علم آج ہی ہوا تھا۔ بالکل کتے کی آواز تھی۔ سر مو فرق نہیں تھا۔ وہ نزدیک و دور کے کچھ اور کتوں کی بھی آوازیں سن رہا تھا۔ جو جواباً بھونکنے لگے تھے۔ حمید نے پھر دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔

فریدی بھونکتا ہی رہا۔ چند لمحے گذر گئے۔ فریدی خاموش ہو کر حمید کی طرف پلٹا۔

"یہ کیا حرکت تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"بھئی بڑا چالاک ہے۔ اُس نے باہر ہی کھڑے کھڑے آواز کے ساتھ دروازہ بند کیا تھا کہ اگر

ارب و جوار میں ہو تو یہ سمجھ کر باہر آئے کہ وہ اندر چلے گئے۔ لہٰذا میں نے جیسے ہی سر ابھارا نظر پڑ گئی۔ اگر میں کتے کی طرح بھونکنے نہ لگتا تو وہ فوراً ہی ٹارچ روشن کر لیتا۔

"تو کیا ہوتا۔" حمید نے کہا۔ "اگر باہر ہی اُسے پکڑ لیتے تو کون سا فرق پڑتا۔"

"وہ لذت نہ ملتی جو دوسری صورت میں نصیب ہوگی۔" فریدی نے کہا "آؤ.... ہوشیار وہ چلا وہ ہے۔"

وہ دونوں دروازے کے قریب آئے۔

"دیکھا تم نے۔" فریدی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "دروازہ بھی اس نے بند کیا ہے اب اس کا وہ اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا کہ اس پائپ کے سہارے اوپر جائیں۔"

پائپ قریب ہی تھا۔ جو شائد چھت پر کا پانی نکالنے کے لئے لگایا گیا تھا۔ فریدی نے جوتے جیب میں ٹھونسے اور پائپ پر چڑھنے لگا۔ اُس کے نیچے حمید بھی تھا جو شائد اس موقعے پر تو یہی اپنے مقدر کو گالیاں دے رہا ہوگا۔

اوپر پہنچ کر فریدی تو جوتے پہن رہا تھا اور حمید اپنے دونوں ہاتھ اس طرح رگڑ رہا تھا جیسے یقین ہی نہ ہو کہ وہ ہاتھ ہی ہیں۔ شائد ٹھنڈے لوہے کی رگڑ سے ہتھیلیوں کا خون تک منجمد ہو گیا تھا۔

"جوتے پہنو....!" فریدی نے کہا۔

"شاید فلیٹ نیچے ہی رہ گیا۔" حمید بولا۔

"جلدی کرو یار! یہ مذاق کا وقت نہیں۔"

تھوڑی دیر بعد وہ ایک دیوار کے طاق پر پیر رکھ کر نچلی چھت پر اُتر رہے تھے ان کے کرپ جوتوں سے ذرہ برابر بھی آواز نہیں ہو رہی تھی۔ فریدی نے شائد یہ عمارت پہلے ہی سے دیکھی تھی اس لئے گہرا اندھیرا ہونے کے باوجود بھی وہ نہایت آسانی سے آگے بڑھ رہا تھا۔

نیچے پہنچ کر وہ ایک کمرے کے قریب سے گذر رہے تھے کہ انہیں رک جانا پڑا.... دروازہ کھلا تھا اور اندر کی روشنی باہر برآمدے کے ایک حصے پر پڑ رہی تھی۔ اندر سے کسی کے بولنے کی آواز آ رہی تھی۔ انہوں نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ رابعہ اور سعید الظفر کرسیوں پر بیٹھے تھے ان کے سامنے وہی سیاہ پوش لٹیرا ایک کرسی پر پیر رکھے کھڑا تھا۔

لٹیرا کہہ رہا تھا۔ میں سب کچھ جانتا ہوں۔ اُس ہار کی پوری ہسٹری مجھے معلوم ہے۔ یہ کہہ شائد وہ اپنے جملوں کا اثر اُن دونوں کے چہروں پر دیکھنے کے لئے رک گیا تھا۔

حمید نے اُسے پہلی بار دیکھا تھا۔ اور ابھی تک اُس کے متعلق جو کچھ بھی سنا تھا وہ غلط نہیں ثابت ہوا تھا۔ وہ حقیقتاً سر سے پیر تک سیاہ تھا اور اُس کے چہرے کی سیاہی کپڑوں کی سیاہی سے مختلف نہیں تھی۔ چہرے پر نقاب بھی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ گفتگو کرتے وقت اس کے ہونٹ اس طرح ہلتے تھے جیسے سب کے ہلتے ہیں۔ آنکھوں کے قریب بھی کوئی ایسی بات نظر نہیں آرہی تھی جس کی بناء پر یہ سمجھ لیا جاتا کہ وہ اپنا چہرہ سیاہ نقاب میں چھپائے ہوئے ہے۔

کچھ دیر خاموش رہ کر وہ پھر بولا۔ "میرے پاس اس کا واضح ثبوت موجود ہے کہ اصلی محترمہ رابعہ کے والد ذکی ترمذی صاحب نے غائب کیا تھا۔"

"یہ غلط ہے۔" رابعہ چلا کر بولی۔ "ڈیڈی! ہرگز ایسا نہیں کر سکتے۔ میں اُن کے متعلق یہ سوچ بھی نہیں سکتی۔"

"آپ یقین کریں یا نہ کریں۔ لیکن میں سعید الظفر کو یقین دلادوں گا۔ ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے جنکے تحت ذکی صاحب کو ایسا کرنا پڑا۔ کیوں سعید الظفر صاحب آپ یقین کریں گے یا نہیں۔"

"ابھی میں کس طرح کہہ سکتا ہوں۔" سعید بولا۔

"اچھا ایک بات تو آپ مانتے ہی ہیں کہ اس ہار کی ہسٹری کا علم ترمذی خاندان یا آپ خاندان کے علاوہ اور کسی کو نہیں۔"

"یہ بات میں مان لوں گا۔"

"غلط میں بھی اس کی ہسٹری سے واقف ہو گیا ہوں اور یہ واقفیت اسی کی تلاش کے دوران میں بہم پہنچی ہے۔ سنئے! اگر میں کہیں غلط کہوں تو ٹوک دیجئے گا کیا وہ ہار کئی پشتوں پہلے آپ خاندان کی ایک لڑکی کے ذریعے ترمذی خاندان میں نہیں پہنچا تھا۔ اُس لڑکی کی شادی ترمذی خاندان کے ایک فرد کے ساتھ ہوئی تھی اور وہ ہار جہیز میں دیا گیا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کے متعلق ایک وصیت بھی تھی جو آج بھی قانونی حیثیت رکھتی ہے۔ اب وصیت اگر غلط کہوں تو ٹوک دیجئے گا۔ وصیت میں یہ تھا کہ اگر ترمذی خاندان کی اُس شاخ میں جس میں خلیلی خاندان کی لڑکی بیاہی جارہی ہے اگر کسی زمانے میں تنہا اولاد کوئی لڑکی ہو تو وہ اُسی صورت

ہار کی مالک بن سکتی ہے جب وہ خلیلی خاندان میں واپس آجائیگی اور اگر خلیلی خاندان میں کوئی نہ ہو تو ہار ترمذی ہی خاندان کی ملکیت رہے گا۔ ہاں تو سعید صاحب! اگر رابعہ ترمذی سے سعید الظفر خلیلی کو بیاہی جاتی ہیں تو یہ ہار ان کی ملکیت رہے گا ورنہ نہیں۔"

یہ کون

حمید نے پلٹ کر فریدی کی طرف دیکھا۔ فریدی نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی۔ جس کا شاید یہ تھا کہ سیاہ پوش کا بیان درست ہے۔

رابعہ نے سر جھکا لیا تھا اور سعید الظفر سیاہ پوش کو آنکھیں پھاڑے گھور رہا تھا۔

"لیکن!" سیاہ پوش ہلکے سے قہقہے کے ساتھ بولا۔ "سعید الظفر خلیلی اور رابعہ ترمذی کی شادی ہرگز نہیں ہو سکتی۔ کیوں محترمہ رابعہ غلط کہہ رہا ہوں۔"

رابعہ کچھ نہ بولی۔

"ذکی ترمذی صاحب جانتے ہیں کہ یہ شادی نہیں ہو سکتی اسی لئے انہوں نے انتہائی پُر اسرار طریقے سے وہ ہار غائب کر دیا۔ اصلی کی جگہ نقل رکھ دی اور نقل قانونی طور پر خلیلی خاندان کو ادا کر دی جاتی۔ لیکن درمیان میں.... میں آکودا.... اور ہار کا راز ظاہر ہو گیا۔"

"غلط ہے بکواس ہے۔ رابعہ تیز لہجے میں بولی۔ ڈیڈی ایسی اوچھی حرکت ہرگز نہیں کر سکتے۔"

"یقین کیجئے محترمہ رابعہ یہی ہوا ہے۔" اُس نے کہا۔ "اس کا تاریخی ہیرا بہت قیمتی ہے۔ شائد مغربی ممالک اس کے ڈیڑھ لاکھ پونڈ تک دے گذریں۔ ذکی صاحب آسانی سے اسے خاندان میں واپس نہیں جانے دیں گے۔ کیوں سعید صاحب کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔"

"ہو سکتا ہے کہ آپ صحیح کہہ رہے ہوں.... لیکن وہ ہار۔" سعید بولا۔

"اس وقت بھی میرے پاس موجود ہے۔" سیاہ پوش ہلکی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "میں نے بنا لیا ہے۔ ضرورت پڑی تو میں وہ جگہ بتادوں گا جہاں سے یہ مجھے ملا ہے اور میں ذکی ترمذی کے خلاف ثبوت بھی فراہم کروں گا۔ میں حقیقتاً ڈاکو نہیں ہوں۔ لیکن اُس ہیرے کے متعلق اظہار خیال کر چکا ہوں کہ میں اُسے بطور حق المحنت رکھ لوں۔ ہار کے دوسرے ہیرے بھی

کم قیمت نہیں رکھتے۔ خلیلی خاندان کی مالی حالت مضبوط کرنے کیلئے وہ بھی کافی ہوں گے۔ آپ لوگ اطمینان سے بیٹھے رہیں۔ ابھی وہ ہیرا ہار سے الگ کر کے ہار آپ کو واپس کئے دیتا ہوں۔"

سعید الظفر بے چینی سے کرسی پر پہلو بدلنے لگا۔ رابعہ زرد ہو گئی تھی۔

سیاہ پوش نے جیب سے ہار نکالا اور اُسے روشنی میں لہراتا ہوا بولا۔ "مجھے خوشی ہے کہ خاندان کے دن اب پھر جائیں گے۔ دوسرے ہیرے بھی کافی قیمتی ہیں۔"

پھر اُس نے ایک ننھا سا اوزار نکالا اور اُسے استعمال کرنے ہی جا رہا تھا کہ فریدی ہاتھ میں ریوالور لئے ہوئے اندر داخل ہوا۔

"زیادہ بے صبری اچھی نہیں۔" اُس نے بھاری آواز میں کہا۔

ہار اور اوزار سیاہ پوش کے ہاتھ سے چھٹ پڑے سیاہ پوش اچھل کر الگ ہٹ گیا۔ وہ بوکھلائی ہوئی نظروں سے ان دونوں آدمیوں کو دیکھ رہا تھا جن کے چہرے گیس ماسک میں چھپے ہوئے تھے۔ رابعہ اور سعید الظفر بھی کھڑے ہو گئے تھے۔

"پیارے مسخرے بھیڑیئے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو میں جانتا ہوں کہ تم نے اپنے لباس کے نیچے بلٹ پروف پہن رکھا ہے لیکن میں سینے پر کبھی گولی نہیں مارتا۔ میرے ہاتھوں تم لنگڑے ضرور ہو سکتے ہو۔"

"تم کون ہو۔" مسخرہ بھیڑیا اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"ٹک چڑھا بچھ.....!" سرجنٹ حمید نے کہا۔ "اور میں ایک خوش طبع بجو ہوں۔"

سیاہ پوش خاموش رہا۔

"اس کے جیب سے۔" فریدی نے حمید کو مخاطب کیا۔ "سنتھیلک گیس کے گولے ریوالور نکال لو۔"

حمید آگے بڑھ کر اُس کی جیبیں ٹٹولنے لگا۔ اُس نے شیشے کی دو گیندیں اور ایک ریوالور نکال کر میز پر رکھ دیا اور پھر اُسے ٹٹولنے لگا اس نے حمید کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور اس طرح کہ اپنی کلائی کی ہڈیاں کڑکڑاتی معلوم ہونے لگیں پھر اُس نے حمید کے دونوں ہاتھ موڑ کر اپنے سامنے کر لیا۔ حمید کا سینہ فریدی کے ریوالور کے سامنے تھا۔

"ریوالور زمین پر ڈال دو۔" سیاہ پوش گرج کر بولا۔ "ورنہ میں اسے مار ڈالوں گا۔"

خوش طبع بجو کی سانس پھولنے لگی تھی۔ خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ غصہ سے۔

فریدی نے ریوالور زمین پر ڈال دیا۔ لٹیرا حمید کی آڑ لئے الٹے پیروں پیچھے کی طرف کھسکا۔ دفعتاً حمید نے اپنی ایک ٹانگ اُس کے پیروں میں اڑا دی اور وہ دونوں میز سے ٹکراتے ہوئے زمین پر آ رہے۔ میز الٹ گئی پھر شیشے کی گیندوں کے ٹوٹنے کی آواز سے کمرہ گونج اٹھا۔

"سعید.....رابعہ.....!" فریدی چیخا۔ "باہر جاؤ۔ بھاگو۔"

وہ دونوں جھپٹ کر کمرے سے نکل گئے۔ حمید لٹیرے سے گتھا ہوا تھا اور کمرہ دھوئیں سے بھرا جا رہا تھا۔ تیز قسم کی میٹھی بو پھیل رہی تھی۔

فریدی نے آگے بڑھ کر لٹیرے کے سر پر ٹھوکر ماری لیکن شائد اُس پر اثر تک نہ ہوا۔ دفعتاً زور سے کراہا۔

فریدی نے بدقت تمام دونوں کو الگ کیا۔

لٹیرا قریب قریب بے بس ہو گیا تھا۔ فریدی اُسے گردن سے پکڑے ہوئے باہر لایا اور پھر اس نے اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں۔

"خدا کے لئے مجھے ذلیل نہ کرو۔" لٹیرا بڑبڑایا۔

"ذلیل ہی کرنا ہے اسی لئے تمہیں یہاں آ کر پکڑا ہے۔ ورنہ تم تو میری چٹکی میں تھے۔" فریدی نے کہا۔

دھواں پوری عمارت میں پھیلتا جا رہا تھا۔ سعید اور رابعہ اپنی ناکوں پر رومال رکھے کھڑے کانپ رہے تھے۔

"اوپر کھلی چھت پر چلو۔" فریدی نے انہیں اشارہ کیا۔ جب تک دھواں زائل نہ ہو جائے نیچے مت آنا۔

وہ سب زینے طے کرنے لگے۔ خوش طبع بجو مسخرے بھیڑیئے کو بڑی بے دردی سے دھکے دے رہا تھا۔

اوپر پہنچ کر فریدی اور حمید نے اپنے گیس ماسک الگ کر دیئے۔

"آپ لوگ۔" رابعہ حیرت سے چیخ پڑی۔ حمید لٹیرے کو ٹٹول رہا تھا۔ دفعتاً فریدی کی طرف گھوم کر بولا۔ "اُس نے نیچے سے اوپر تک اپنے لباس میں بلٹ پروف لگا رکھے ہیں۔ صرف پنڈلیاں

خالی ہیں۔ مگر بیٹا تم اتنے روسیاہ کیوں ہو۔"

"بلٹ پروف اور گیس کی گیندوں ہی کے بل بوتے پر تو یہ سب کچھ کر تا رہا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور یہ روسیاہی ایک جدید ترین ماسک کی ہے جو بیک وقت ایک مصنوعی چہرہ بھی ہے اور گیس ماسک بھی۔ اس کی جیکٹ کے نیچے آکسیجن کی تھلیاں بھی ہوں گی۔"

"مجھے کہیں اور لے چلو۔ میں استدعا کرتا ہوں۔" لٹیرا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"سنو دوست! میں تمہیں یہیں ذلیل کرنا چاہتا ہوں۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ ایک مفلس اور بھوکا جیب کترا تو اپنے جرم کی پاداش میں جیل بھگتے اور تم اتنے بڑے مجرم محض اس لئے رعایت چاہتے ہو کہ تم فریدی کے دوست ہو۔"

"یہ آپ کا دوست ہے۔" رابعہ چیخ پڑی۔ حمید بھی حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"بدقسمتی سے۔" فریدی نے کہا اور اُس نے لٹیرے کے چہرے کی طرف اپنا ہاتھ بڑھادیا۔ لیکن وہ پھر فریدی سے لپٹ پڑا حالانکہ اُس کے دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں پھر بھی وہ کسی وحشی درندے کی طرح نکل بھاگنے کی جدوجہد کر رہا تھا۔ حمید نے پیچھے سے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔ اس پر بھی جب وہ باز نہ آیا تو حمید اُسے گرا کر اُس کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔

فریدی نے مصنوعی چہرہ الگ کر دیا لیکن اندھیرا ہونے کی وجہ سے کوئی اُسے دیکھ نہ سکا۔

"رابعہ ادھر آؤ۔" فریدی نے کہا اور جیب سے ٹارچ نکال کر لٹیرے کے چہرے پر روشنی ڈالی۔

"ڈیڈی....!" رابعہ کے منہ سے چیخ نکل آئی۔

"ذکی ماموں....!" سعید الظفر بھی چیخا۔

لٹیرا آنکھیں بند کئے چپ چاپ پڑا رہا۔ حمید بھی اس کی شکل دیکھتے ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"یہ آپ نے کیا کیا ڈیڈی۔" رابعہ اس پر گر کر سسکیاں لینے لگی۔ "اوہ.... ڈیڈی آپ نے بہت بُرا کیا۔ ڈیڈی ہم منہ دکھانے کے قابل نہیں رہ گئے۔ ڈیڈی آپ تو لندن میں تھے۔"

ڈیڈی زندہ تھا۔ ہوش میں تھا۔ لیکن شائد اسے آنکھیں کھولتے شرم آرہی تھی۔ دوسری طرف حمید آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فریدی کو گھور رہا تھا۔

"فریدی صاحب!" سعید آگے بڑھ کر بولا۔ "میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ اس معاملے کو دبا دیا جائے۔"

"بھئی آخر کس طرح۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"اگر آج والی اسکیم کی اطلاع آپ دونوں حضرات کے علاوہ اور کسی کو نہیں تو آسانی ہی سے جائے گا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید نے ذکی ترمذی کو اٹھایا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا.... نہ تو وہ کچھ بول رہا اور نہ سر ہی اٹھا رہا تھا۔

"اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔" سعید الظفر پھر بولا۔ "یہ بات مجھ تک ہی رہے گی۔"

"میں آپ کی شکر گذار ہوں سعید بھائی۔" رابعہ نے ہچکیوں کے درمیان کہا۔

وہ سب اوپری منزل کے ایک کمرے میں آئے۔ سعید نے سوئچ آن کر دیا۔ کمرے میں روشنی ہو گئی۔

"حمید ہتھکڑیاں نکال دو۔" فریدی نے کہا اور حمید حیرت سے اُس کا منہ دیکھنے لگا۔ فریدی نے سر کی جنبش سے اشارہ کیا۔ حمید نے آگے بڑھ کر ہتھکڑیاں نکال دیں۔

ذکی بدستور سر جھکائے رہا۔

"ذکی صاحب!" فریدی بولا "یہ مت سمجھئے گا کہ میں اپنے تعلقات کی بناء پر آپ کو چھوڑ رہا ہوں۔ رابعہ بڑی اچھی لڑکی ہے۔ یہ میں اُس کی خاطر کر رہا ہوں وہ پھر بھی آپ سے بہتر ہے کہ اس نے اُسی قیمتی ہار کو ٹھکرا کر اپنی پسند کی شادی کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ میں اس لئے آپ کو چھوڑ رہا ہوں کہ رابعہ کی زندگی برباد نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ آپ کی گرفتاری کے بعد وہ حقیقتاً کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جاتی۔"

فریدی نے حمید سے ہار لے کر میز پر ڈال دیا۔ پھر وہ سعید الظفر کی طرف مڑ کر بولا۔ "مجھے امید ہے کہ آپ اپنے وعدے کے مطابق اُسے راز ہی رکھیں گے۔"

"ہمیشہ ہمیشہ! میں بھی آپ کا شکر گذار ہوں۔"

فریدی نے حمید کو واپس چلنے کا اشارہ کیا۔

سعید الظفر ان کے پیچھے تھا مگر ان دونوں باپ بیٹی نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔ سعید الظفر خاموش تھا جب وہ دونوں پچھلے دروازے سے نکل رہے تھے تب بھی وہ کچھ نہ بولا۔

دروازہ بند ہو گیا۔ فریدی نے جھاڑیوں سے سوٹ کیس نکال کر اُس میں گیس ماسک رکھ دیئے۔

حمید بولا۔ "اب میرا دل چاہتا ہے کہ میں کتے کی طرح بھونکنے لگوں۔"

ایسا بھی ہوتا ہے فرزند! اگر اس نے اپنے کارناموں کے دوران میں کسی کو زخمی بھی کر دیا ہوتا تو میں اُسے نہ چھوڑتا۔

"رابعہ حقیقت سے ناواقف تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"قطعی! وہ یہی سمجھے ہوئے تھی کہ ذکی لندن میں مقیم ہے۔ حالانکہ وہ محض ذکی کا پروپیگنڈہ تھا۔ وہ سرے سے انگلینڈ گیا ہی نہیں تھا میں نے انگریزی سفارت خانے میں چھان بین کی تھی۔ اس نام سے کوئی ویزا دیا ہی نہیں گیا تھا۔ البتہ اُس نے پاسپورٹ ضرور بنوالیا تھا۔"

وہ دونوں چل پڑے۔ فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ "ہار کی ہسٹری تو تم اُسی کی زبانی سن چکے ہو۔ مجھے پوری ہسٹری نہیں معلوم تھی۔ بس اتنا جانتا تھا کہ وہ خلیلی خاندان سے ترمذی خاندان میں آیا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ خلیلی خاندان سعید آباد میں آباد ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ پُراسرار طریقے پر غائب ہوا تھا اس لئے میں نے سوچا کہ خلیلی خاندان میں بھی اس کے متعلق پوچھ گچھ کرائی جائے۔ لہٰذا میں نے سعید آباد میں اپنے ایک ایجنٹ کو تار دے کر اُس ہار کے متعلق اہم باتیں معلوم کرائیں اور پھر میں نے سعید الظفر کو بھی تار ہی کے ذریعے تاکید کی کہ وہ ہار کے متعلق اپنی زبان بند کرے۔ یہیں سے میرا ذہن ذکی کی طرف منتقل ہوا تھا اور میں نے تمہارے ذریعہ یہ معلوم کرنے کی کوشش کی تھی کہ رابعہ کسی کو چاہتی تو نہیں۔ تم پتہ نہیں لگا سکے لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ سعید الظفر کی بجائے کسی اور سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ ذکی اُسے اس سے باز نہ رکھ پاتا تو ہار کا سب سے قیمتی ہیرا دابا بیٹھنے پر تل گیا۔ اور پھر اُس نے نقاب پوش لٹیرے کی حیثیت سے ہنگامہ برپا کرنا شروع کر دیا۔ اس وقت اگر وہ ہیرا نکال کر یہاں سے نکل گیا ہوتا تو رابعہ اور سعید یہی سمجھتے کہ ہیرا سیاہ پوش ہی لے گیا ہے اور سیاہ پوش کا پھر نام بھی نہ سنائی دیتا۔"

"لیکن آخر اتنی اودھم مچانے کی کیا ضرورت تھی۔ خود ذکی ہی ہار کی چوری کی رپورٹ درج کر سکتا تھا۔ اپنے گھر میں مصنوعی چوری کرا دیتا۔"

"پھر بھی ہار ہضم نہ ہوتا۔ جب پولیس کو اس کی ہسٹری معلوم ہوتی تو وہ کھلم کھلا خود اُسی پر شبہ کرتی اور اگر کہیں اُسے یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ رابعہ سعید کی بجائے کسی اور سے شادی کر رہی ہے تو جانتے ہو کیا ہوتا۔"

"بالکل سمجھ گیا۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "مگر وہ کالی گھٹا زہرہ جمال۔"

فریدی بے ساختہ ہنس پڑا۔ پھر سنجیدگی سے بولا۔ "تم تو عورت کے نبض شناس ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے اعتراف ہے۔" حمید نے بڑی سعادت مندی سے کہا۔

"لیکن زہرہ کو نہ پہچان سکے۔ حمید صاحب وہ بڑی عظیم عورت ہے۔ اگر اپنے سینڈل کا سایہ بھی تمہارے سر پر ڈال دے تو تم فرشتہ ہو جاؤ۔ جانتے ہو اُس نے وہ کمرہ ہوٹل پام گرو میں کیوں لے رکھا ہے۔"

"پتہ نہیں آپ کیا اوٹ پٹانگ ہانک رہے ہیں۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"اوٹ پٹانگ نہیں پیارے۔ وہ سچ مچ ایک بڑی تجربہ کار نرس ہے۔ اپنے شوہر سے چھپ کر غریبوں کی مدد کرتی ہے۔ ارجن پورے کے مزدور تو اُسے پوجتے ہیں وہ خود ہی اس بات کا پتہ لگائے رکھتی ہے کہ کسی کے یہاں بچہ ہونے والا ہے اور وہ اپنی خدمات نہ صرف بلا معاوضہ پیش کرتی ہے بلکہ اُن کے لئے دوائیں بھی اپنے ہی خرچ پر فراہم کرتی ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ "ضروری نہیں کہ ہر بدصورت عورت کسی خوبصورت مرد سے لفٹ مل جانے پر اُس کے قدموں ہی میں آرہے۔ زہرہ جمال صرف ہنس مکھ اور خوش اخلاق ہے۔ اگر کوئی مرد اس کی خوش اخلاقی کو لگاوٹ سمجھ لے تو اس میں اس کا کیا قصور.... اور تم صغیر بابر کو بوڑھا بھی نہ سمجھو۔ اس کے اندر شائد شیطان حلول کر گیا ہے۔ وہ اب بھی دس عورتیں رکھ سکتا ہے۔ مگر بڑھاپے نے اُسے شکی ضرور کر دیا ہے اور وہ زہرہ کے ہر ملنے والے کو مشتبہ نظروں سے دیکھتا ہے۔ بہرحال تم زہرہ کی وضع قطع سے دھوکا کھا گئے تھے۔ اچھا تم ہی بتاؤ کہ اگر اس کے طبقے کا کوئی آدمی اُسے اُس پھوہڑ قسم کے میک اپ میں دیکھ لیتا تو کیا وہ اُسے زہرہ ہی سمجھتا۔ میرا خیال ہے کہ اُسے گمان تک نہ ہوتا وہ صرف اتنا ہی سوچ کر رہ جاتا کہ وہ زہرہ سے بڑی مشابہت رکھتی ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ دونوں گیرج تک پیدل ہی آئے۔ فریدی نے کیڈی نکالی۔ "سخت بھوک لگی ہے۔" حمید اپنے پیٹ پر ہاتھ مار کر بولا۔

"اوہو! میں تو بھول ہی گیا تھا۔ چلو کہیں کھالیں۔" فریدی نے کہا اور کیڈی اسٹارٹ کر دی۔

"لیکن زہرہ کے یہاں اُن کپڑوں اور خط کی موجودگی کا کیا مطلب تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"مطلب صاف ہے....!" فریدی بولا۔ "ذکی کو شائد معلوم ہو گیا تھا کہ تم زہرہ پر کسی قسم

کا شبہ کر رہے ہو۔ اس لئے خود اس نے ہمیں اس طرف الجھائے رکھنے کے لئے یہ حرکت زہرہ اور بابر کی نادانستگی میں کی تھی۔ خیر میاں ختم کرو۔ اب مجھے اخبارات میں سیاہ پوش کی طرف سے ایک خط شائع کرانا پڑے گا کہ اس نے رابعہ کا ہار تلاش کر کے اُس تک پہنچا دیا ہے اور اب شہر سے ہمیشہ کے لئے باہر جا رہا ہے۔"

"ہائے وہ انگوٹھا۔" حمید سینہ پیٹ کر بولا۔ "اگر میں آپ کی جگہ ہوتا تو اُس کے باپ کو چھوڑ دینے کے سلسلے میں انگوٹھا چوسنے کی شرط ضرور پیش کرتا۔"

"چپ بے۔" فریدی نے اُس کی پیٹھ پر دھول جھاڑ دی۔

ختم شد

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

ابنِ صفی

لد نمبر
11

جاسوسی دنیا

33- برف کے بھوت

34- پرہول سناٹا

35- چیختے دریچے



پیشرس

جاسوسی دنیا کا تینتیسواں کارنامہ اور چھٹا خاص نمبر ہے۔ اس کی کہانی ٹیکم گڈھ اور سیتل گھاٹی کے خوفناک ماحول کے گرد گھومتی ہے۔ برفانی پہاڑیوں اور گھپاؤں میں ایک ایسی طلسماتی فضا ملتی ہے جہاں پہنچ کر آدمی سب کچھ بھول جاتا ہے.... پہاڑیوں پر ڈیڑھ فٹ لمبے پنجوں کے نشانات اور برف کے بھوت، واہمہ نہ تھے۔ انہیں لوگوں نے دیکھا تھا پُر اسرار طور پر نوجوان عورتوں اور مردوں کا غائب ہونا ایک بھیانک سازش کا نتیجہ تھا۔ مگر سازشی اور مجرم کون تھا؟

یہ ایک عجیب و پُر اسرار کہانی تھی۔

فریدی اپنے انوکھے انداز سے اس راز سے پردہ اٹھاتا ہے۔ پہلی بار اُس کا مقابلہ ایسی شخصیت سے ہوتا ہے، جو صرف مجرم نہیں ہے بلکہ انسانیت کا دشمن ہے۔ اُس کے بھیانک ارادے ساری دنیا کے لئے تباہ کن ہیں۔ فریدی اپنی زندگی کی بازی لگا کر اُس سے مقابلہ کرتا ہے۔

فریدی کے ساتھیوں میں غزالہ، شہناز، میجر نصرت کے علاوہ آپ کو عجیب و غریب شخصیتیں اور بھی ملیں گی۔ ان میں ایک فرزانہ ہے جسے بڑے بڑے الفاظ بولنے کا خبط ہے۔ دوسرا قاسم ہے، جو اب طاقتور ہے، موٹا ہے، بھدا ہے۔ بیوقوف ہے مگر انتہائی مخلص ہے، جسے عشق کی تلاش ہے۔ مگر عشق جس سے کوسوں دور بھاگتا ہے۔

گرومی کا کردار عجیب و غریب ہے۔ وہ ذہن پر ایک عجیب تاثر چھوڑ جاتا ہے اور ڈاکٹر سڈلر! میرا دعویٰ ہے کہ آپ اُسے کبھی نہ بھول سکیں گے۔

ابن صفی کے جادو نگار قلم نے اس بار تحیر و استعجاب کی آتشبازیوں میں رن و طلسمات کے قہقہہ آفرین پھول کھلائے ہیں۔ ایک بار پھر انہوں نے ثابت کر دیا کہ ان کے قلم کی انگڑائیوں میں لافانی دلچسپیوں اور انوکھے پن کا خزانہ پوشیدہ ہے۔ ایک شہنشاہ کی طرح وہ جب اور جس طرح چاہتے ہیں اپنے قلم کو دلچسپ سمتوں میں موڑ دیتے ہیں۔ برف کے بھوت اُن کے خوشہ چینیوں کے لئے ایک بار پھر

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں؟ کے لئے

کا پیغام لاتا ہے۔

پبلشر

پُراسرار نشانات

موسم بہار کا آخری پرندہ بھی دردناک آوازوں میں کراہتا ہوا اڑ گیا۔

ٹیکم گڈھ کی پہاڑیوں میں برف گرنے لگی تھی۔ پہاڑی نالوں کی سطحیں جم گئیں تھیں لیکن اُن کے نیچے اب بھی پانی بہہ رہا تھا اور جہاں برف کی تہہ زیادہ موٹی نہیں تھی وہاں سے لہریں تک صاف دکھائی دیتی تھیں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ سورج نکل آتا اور چند ہی گھنٹوں میں برف کی تہہ پگھل جاتی اور نالے پھر اپنی پہلی سی طوفان خیزیوں کے ساتھ بہنے لگتے۔

درختوں کی شاخیں پتیوں سے محروم تھیں۔ البتہ سدا بہار درخت اب بھی اپنی سبز قبا سمیت پُر غرور انداز میں سر اٹھائے کھڑے تھے۔

سردیوں میں ساری رونق ختم ہو جاتی ہے۔ درختوں کے تنوں سے لپٹی ہوئی خودرو بیلیں اپنے زرد نیلے اور سرخ پھولوں سمیت سیاہ رنگ کی پتلی ڈوریوں کی شکل میں تبدیل ہو کر جھولتی رہ جاتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی نے گوشت چھوڑ کر ہڈیاں پھینک دی ہوں۔

اس موسم میں میدانوں کے وہ سیاح بھی نہیں دکھائی دیتے جو رومان کی تلاش میں یہاں آتے ہیں۔ وہ تخیل پرست نوجوان بھی نہیں نظر آتے جو موسم بہار میں یہاں کے لکڑی کے مکانوں میں بیٹھ کر اسٹرونگ قسم کی کافی اور تلخ تمباکو والے سگاروں کے ساتھ خود کو سوئٹزر لینڈ کے کسی گاؤں میں محسوس کرتے ہیں۔

سردیوں کے موسم میں اگر ٹیکم گڈھ کی پہاڑیوں میں رائفلوں کی آوازیں نہ گونجتی رہیں تو اُسے مردوں کی بستی بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ بڑے بالوں والی لومڑیوں اور بھیڑیوں کے شکاری ہی

یہاں تھوڑی سی زندگی پیدا کر دیتے ہیں۔ وہ بھی یہاں کے مقامی باشندے نہیں ہوتے، میدانی علاقوں سے آتے ہیں۔ علاقائی حکومت معقول معاوضے پر انہیں شکار کی اجازت دے دیتی ہے اور انہیں کی بدولت شونگلو قوم کے افراد سردیوں میں بھی تھوڑی بہت کمائی کرتے رہتے ہیں۔ وہ شکار کئے ہوئے جانوروں کی کھالیں اتارتے ہیں اور اُن میں نمک لگا کر اس طرح پیک کرتے ہیں کہ وہ کافی عرصے تک ٹینری کی شکل دیکھے بغیر بھی خراب نہیں ہوتیں۔ ان کے علاوہ یہاں سردیوں میں دوسرے مزدوروں کو عموماً ہاتھ پر ہاتھ رکھے ہی بیٹھا رہنا پڑتا ہے۔

شکاریوں کی بدولت یہاں کے کئی ہوٹل سردیوں میں بھی آباد رہتے ہیں لیکن ان میں سب سے زیادہ اہمیت "فزارو" کو حاصل ہے۔ مقامی باشندے اسے "رشک ارم" بھی کہتے ہیں۔ موسم بہار میں تو یہ سچ مچ رشک ارم ہی معلوم ہوتا ہے۔ یہ اتنی بلندی پر واقع ہے کہ یہاں سے دور دراز کے پہاڑی سلسلوں کی برفانی چوٹیاں صاف دکھائی دیتی ہیں اور اسی بناء پر زیادہ تر شکاری یہیں قیام کرتے ہیں۔ یہاں سے انہیں اپنے شکار پر نظر رکھنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے۔

"فزارو" لکڑی کی ایک خوبصورت اور سادہ سی عمارت ہے۔ مسافروں کے قیام کے لئے اس میں بیس کمرے ہیں۔ اس کی بیرونی دیواریں، جو بڑے بڑے گول شہتیروں کو جوڑ کر بنائی گئی ہیں بھورے رنگ کے وارنش سے رنگی ہوئی ہیں۔ اندر کی طرف لگے ہوئے سپاٹ تختوں پر سفیدے کا پینٹ ہے اور اندر سے یہ دیواریں پہلی نظر میں لکڑی کی نہیں معلوم ہوتیں۔

آج مطلع صبح سے ابر آلود تھا اور برف گرنے کے سارے امکانات موجود تھے۔ لیکن فزارو کی چمنیاں سنسان پڑی تھیں، حتیٰ کہ باورچی خانے کی چمنی سے بھی دھواں نہیں اٹھ رہا تھا۔

ٹیکم گڈھ کا ایک پولیس آفیسر چند کانسٹیبلوں کے ساتھ صبح ہی سے وہاں موجود تھا اور فزارو کے منیجر کا چہرہ اس طرح سفید پڑ گیا تھا جیسے اُس پر بھی برف کے ذرات کہ تہہ جم گئی ہو۔ یہ ایک بھاری بھر کم مگر معصوم صورت آدمی تھا۔ عمر پچاس اور ساٹھ کے درمیان رہی ہوگی۔ آنکھیں بڑی اور عمر کی مناسبت سے غیر معمولی طور پر چمکیلی تھیں۔ چہرا بھرا ہوا تھا لیکن اُس پر کرختگی کے بجائے نرماہٹ تھی۔ ایسی نرماہٹ جسے عام طور پر نرم دلی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس وقت وہ بہت زیادہ مضطرب نظر آرہا تھا۔ کبھی وہ ڈائننگ ہال میں بیٹھے ہوئے پولیس والوں کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی برف سے ڈھکی ہوئی پہاڑیوں پر نظریں جما دیتا تھا۔

"لڑکی کا کیریکٹر کیسا تھا۔" دفعتاً پولیس آفیسر نے اُسے مخاطب کیا۔

"کیریکٹر.....!" منیجر آہستہ سے بولا۔ "میری دانست میں تو وہ بُری لڑکی نہیں تھی۔"

"آپ اپنی دانست کو رہنے ہی دیجئے۔" پولیس آفیسر نے منہ بگاڑ کر کہا۔ "میں دوسروں کی رائے پوچھتا ہوں۔"

"تب بھی آپ زیادتی کر رہے ہیں۔" منیجر ایک پھیکی سی مسکراہٹ کیساتھ بولا۔ "دوسروں کی رائے دوسروں سے پوچھئے۔"

پولیس آفیسر اس تلخ جواب کو اپنے ایک ساتھی کی طرف متوجہ ہو کر ٹال گیا۔

منیجر مضطربانہ انداز میں اپنی انگلیاں کاؤنٹر پر کھٹکھٹاتا رہا۔

تھوڑی ہی دیر بعد ڈائننگ ہال میں چھ متنفس داخل ہوئے جن میں چار عورتیں اور دو مرد تھے۔ مردوں میں ایک بوڑھا مگر وجیہہ اور کافی تندرست تھا۔ دوسرا ایک قبول صورت اور قوی الجثہ نوجوان تھا۔ عورتوں نے اپنی کھال والی سرمائی ٹوپیاں اس طرح جھکا رکھی تھیں کہ خدوخال کا صحیح اندازہ لگانا دشوار تھا۔ ان سبھوں نے لمبی لمبی پوستینیں پہن رکھی تھیں۔

"فرمائیے۔" منیجر اُن کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ پولیس والے بھی انہیں گھور رہے تھے۔

"مجھے رشید الزماں کہتے ہیں۔" معمر آدمی نے کہا۔ "کیا آپ کو ہمارا تار نہیں ملا۔"

"اوہو.....جی ہاں.... تار ملا تھا.... مگر مجھے افسوس ہے کہ میں کوئی خدمت نہ کر سکوں گا۔"

"کیوں؟" نوجوان اُسے گھور کر بولا۔

"ساری لڑکیاں چلی گئیں۔ یہاں ایک حادثہ ہو گیا ہے۔" منیجر ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

"لڑکیاں! حادثہ۔" معمر آدمی کے لہجے میں حیرت تھی۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"جی ہاں لڑکیاں.... وہی تو سب کچھ تھیں۔ نہ میں کھانا پکا سکتا ہوں اور نہ سرو کر سکتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے! ٹھیک ہے۔" معمر آدمی نے سر ہلا کر کہا۔ لیکن وہ اب بھی جواب طلب نظروں سے منیجر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"اور پھر آپ کے ساتھ لیڈیز بھی ہیں۔" منیجر نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ واقعہ معلوم ہونے کے بعد وہ خود بھی یہاں ٹھہرنا پسند نہ کریں گے۔"

"تو بتائیے ناواقعہ۔" نوجوان جھنجھلا کر بولا۔ "آخر اب ہم کہاں جائیں گے۔ آپ کو ایک ماہ

پہلے ہی مطلع کر دیا گیا تھا۔"

"جناب والا! آپ کا غصہ بجا ہے۔" منیجر نے غم انگیز انداز میں کہا۔ "لیکن حادثات اچانک ہی ہوتے ہیں۔"

پولیس والے بدستور خاموش بیٹھے رہے۔ البتہ اُن کا آفیسر اُس مختصر سی ٹولی کو بڑی عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"کچھ بتایئے گا بھی...." نوجوان بولا۔

منیجر پولیس والوں کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔ چند لمحے کچھ سوچتے رہنے کے بعد اُس نے کہا۔ "ہماری ایک لڑکی کو کوئی پچھلی رات اٹھالے گا۔ برف پر ڈیڑھ فٹ لمبے....!"

اس کا جملہ ابھی پورا نہیں ہوا تھا کہ پولیس آفیسر میز پر ایک زوردار گھونسہ مار کر کھڑا ہو گیا۔ وہ سب چونک کر اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ نوجوان نے اُسے نیچے سے اوپر تک گھور کر دیکھا۔

"فضول باتیں نہیں۔" پولیس آفیسر نے منیجر کو مخاطب کیا۔ "اپنے بزنس کی باتیں کیجئے۔"

"جناب والا! وہی کہنے جا رہا تھا۔" منیجر کی خوش اخلاقی میں اب بھی کوئی فرق نہ آیا۔ پھر اُس نے اجنبیوں کی طرف مڑ کر کہا۔ "ساری لڑکیاں خائف ہو کر شہر چلی گئی ہیں اور میں فی الحال دوسرے ملازمین کا انتظام نہیں کر سکتا، بلکہ ہو ہی نہیں سکتا۔ نئے آدمی آپ کی تکلیف کا باعث ہوں گے۔"

"اس کی فکر نہ کیجئے۔" نوجوان مسکرا کر بولا۔ "ہم اپنی خدمت آپ کر لیں گے۔ ہمیں صرف جگہ چاہئے۔"

"وہ تو اب تو.... تب تو کمرے ایک ماہ قبل ہی سے مخصوص کر دیئے گئے تھے.... مگر لیڈیز۔"

"لیڈیز کے لئے بھی آپ فکر مند نہ ہوں۔" نوجوان نے کہا۔ "ہمارے چار ساتھی سامان کے ساتھ آ رہے ہیں۔ ہم لیڈیز کی بھی حفاظت کر لیں گے۔"

"آخر بات کیا ہے؟" معمر آدمی نے پوچھا۔

اس اثناء میں پولیس آفیسر میز سے اٹھ کر اُن کے قریب آ گیا تھا۔ اُس نے ان سے پوچھا۔

"آپ لوگ کون ہیں اور کہاں سے تشریف لائے ہیں۔"

"مسافر ہیں کچھ دن شکار کھیلیں گے اور واپس چلے جائیں گے۔" نوجوان نے کہا اور پھر منیجر

کی طرف مڑ کر بولا۔ "تو پھر ہمیں ہمارے کمرے دکھا دیجئے۔"

"مسافر....!" پولیس آفیسر نے جھنجھلا کر کہا۔ "میں آپ سے آپ کا نام اور پتہ پوچھ رہا ہوں۔"

"ابھی ہم سب ہوٹل کے رجسٹر میں اپنا نام اور پتہ تحریر کریں گے۔" اس نے خندہ پیشانی سے جواب دیا۔

عورتیں بے اختیار مسکرا پڑیں۔ منیجر اٹھ کر انہیں کمرے دکھانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ پولیس آفیسر اُسے گھور کر بولا۔ "ابھی ان کمروں کی طرف کوئی نہیں جا سکتا۔"

منیجر بے بسی سے مسافروں کی طرف دیکھنے لگا۔

"ظاہر ہے کہ ہم اس کمرے میں نہ جائیں گے۔" نوجوان نے آفیسر سے کہا۔

"کس کمرے میں۔" آفیسر کی آنکھوں سے شبہ جھانکنے لگا۔

"جہاں واردات ہوئی ہے۔"

"آپ کو کیا علم کہ واردات کسی کمرے میں ہوئی ہے۔" آفیسر نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"بالکل سامنے کی بات ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "ظاہر ہے کہ اُسے سوتے وقت ہی کوئی اٹھالے گیا ہو گا اور اس موسم میں وہ کسی کمرے ہی میں سوئی ہو گی۔"

آفیسر اُسے چند لمحے گھورتا رہا پھر منیجر سے بولا۔ "کمرے کے دروازے کے سامنے والے فرش پر میں کسی قسم کے نئے نشانات دیکھنا پسند نہ کروں گا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"مطلب یہ کہ میں فوٹو گرافروں کا انتظار کر رہا ہوں۔" آفیسر نے کہا۔ "اُن کے آنے سے قبل کسی کو اُس طرف سے نہ گذرنا چاہئے۔"

"بہت بہتر۔" منیجر بولا۔ "لیکن آپ لوگوں کے کمرے ادھر نہیں ہیں۔"

پولیس آفیسر کچھ کہے بغیر اپنے ساتھیوں کی طرف مڑ گیا۔

منیجر نے سر کے اشارے سے آنے والے کو اندر چلنے کو کہا۔

ڈائننگ ہال سے نکلتے ہی معمر آدمی نے منیجر سے پوچھا۔ "آخر بات کیا ہے؟"

"کیا بتاؤں جناب.... انہونی! پچھلی رات بھی کسی وقت برف باری ہوئی تھی اور اس کے

بعد ہی یہ واقعہ پیش آیا۔ یہاں کی لڑکیوں میں سے ایک جو اپنے کمرے میں سوئی تھی پُر اسرار طور پر غائب ہو گئی۔ باہر کھڑکی کے نیچے برف میں ڈیڑھ فٹ لمبے انسانی پیروں کے نشانات ملے ہیں۔"

"کیا....؟" نوجوان چلتے چلتے رک گیا۔ اُس کے ساتھ سب ٹھہر گئے۔ عورتوں نے اپنی بالدار ٹوپیاں اوپر کر لیں۔ اُن کے چہروں پر استعجاب اور خوف کے ملے جلے آثار تھے۔

"جی ہاں۔" منیجر سر ہلا کر بولا۔ "ڈیڑھ فٹ لمبے نشانات جواب بھی قائم ہیں اور کمرے کے اندر بھیگے ہوئے پیروں کے دھبے جو خشک ہو جانے کے بعد بھی موجود ہیں۔"

"اُس کے غائب ہو جانے کے متعلق صبح معلوم ہوا؟" نوجوان نے پوچھا۔

"جی ہاں.... اور پھر بقیہ لڑکیاں کسی طرح نہ رک سکیں۔ مجھے انتہائی افسوس ہے کہ میں آپ کی خدمت سے محروم ہو گیا۔ فزار واپنی سروس کے لئے پورے شہر میں مشہور ہے۔"

"تو اب یہ پولیس والے کیا کر رہے ہیں؟" نوجوان نے کہا۔

"کریں گے کیا؟ مجھے پریشان کر رہے ہیں۔ یہ لوگ میرے متعلق کوئی اچھی رائے نہیں رکھتے کیونکہ میں اپنی لڑکیوں پر کڑی نظریں رکھتا ہوں۔ انہیں غلط راستوں پر نہیں جانے دیتا۔"

وہ گفتگو کرتے ہوئے اُن کمروں کے سامنے آ گئے۔

"آپ کے پاس کمرے تو کل بیس عدد ہیں۔" نوجوان بولا۔ "ایک ایک کمرہ اُن لڑکیوں کے قبضے میں ہو گا۔ ویسے ہی بر سبیل تذکرہ.... کتنی لڑکیاں یہاں تھیں۔"

"آٹھ.... لیکن اُن کے لئے صرف دو کمرے ہیں۔"

"تو وہ لڑکی اس کمرے میں تنہا نہیں تھی۔"

"تنہا تھی! وہ دراصل ہیڈ ویٹریس تھی۔ اس لئے الگ سوتی تھی۔ اُس کا چھوٹا کمرہ الگ ہے اُسی سے ملا ہوا دوسرا بڑا کمرہ ہے جس میں بقیہ سات سوتی تھیں۔"

"انہوں نے بھی پچھلی رات کو کوئی آواز نہیں سنی تھی۔" نوجوان نے پوچھا۔

"جی نہیں.... یہ دیکھئے یہی آپ کے کمرے ہیں۔ میں نے اس کا خاص خیال رکھا تھا کہ سب ایک ساتھ ہوں۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔ میں اُن حضرات کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔"

"اوہ شکریہ.... آپ جا سکتے ہیں۔" نوجوان نے کہا۔

منیجر کے قدموں کی آوازیں دور ہوتی گئیں۔

"کیوں فریدی میاں۔" معمر آدمی نے مسکرا کر کہا۔ "اب بھلا تمہارا دل شکار میں کیوں لگنے لگا۔"

عورتیں ہنس پڑیں۔ لیکن ان کی آوازوں میں خوف تھا۔

"نہیں ضروری نہیں کہ یہ کیس مجھے اپنی طرف متوجہ ہی کر لے۔" فریدی بولا۔

کچھ دیر بعد وہ سب ایک ہی کمرے میں بیٹھے راستے کی تھکن اتار رہے تھے۔

کمرے کے آتشدان میں کچھ کچھ آگ باقی تھی اور انہیں کوئلوں کی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔

"میں کوئلوں کے لئے کہتا آؤں۔" نوجوان اٹھتا ہوا بولا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ راہداری میں بھاری قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔

آنے والا وہی پولیس آفیسر تھا جس سے کچھ دیر قبل ان کی گفتگو ہوئی تھی۔

"کیا آپ حضرات اپنے نام اور پتے نوٹ کرا دیں گے۔" اُس نے اپنی نوٹ بک کے اوراق الٹتے ہوئے کہا۔

نوجوان کے ماتھے پر بل پڑ گئے لیکن دوسرے ہی لمحے میں مسکرا کر کہا۔

"ضرور ضرور مجھے احمد کمال کہتے ہیں اور آپ نواب رشید الزماں صاحب ہیں۔"

اس کے بعد اس نے پتے بھی لکھا دیئے۔

"آپ کے کچھ اور بھی ساتھی ہیں۔" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"جی ہاں.... چار.... وہ بھی آ ہی رہے ہوں گے۔ ان میں سے ایک صاحب ساجد حمید ہیں دوسرے قاسم رضا۔ تیسرے کرنل شمشاد اور چوتھے.... زاہد کریم۔"

"آپ کچھ خیال نہ کیجئے گا۔" پولیس آفیسر نے نام اور پتے لکھ لینے کے بعد کہا "یہاں قیام کرنے والے تمام مسافروں کے نام اور پتے ہمیں نوٹ کرنے پڑیں گے اور پھر آپ کے ساتھ تو خواتین بھی ہیں.... لیکن انہیں یہاں اس موسم میں تکلیف ضرور ہو گی۔"

وہ چند لمحوں کے لئے رکا پھر اس کی طنز میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔ "مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ہمارے ملک کی خواتین بھی سردیوں کے شکار میں دلچسپی لینے لگی ہیں اور یہ حقیقتاً ایک حیرت انگیز بات ہے۔"

قبل اس کے کہ نواب رشید الزماں جھلا کر کچھ کہتے وہ کمرے سے جا چکا تھا۔

"عجیب بدتمیز آدمی ہے۔" نواب صاحب کی لڑکی غزالہ بولی۔

"ڈر گئے ہیں۔" فریدی مسکرا پڑا۔

"یہ آپ نے اپنا پتہ اور پیشہ غلط کیوں لکھایا ہے۔" غزالہ نے اس سے کہا۔

"مصلحتاً.... یہاں لوگوں سے ملنے ملانے میں شکار کا مزا کرکرا نہیں کرانا چاہتا۔" فریدی بولا۔

اس نے یہ بات حقیقتاً بالکل ٹھیک کہی تھی۔ شکار کا مزہ واقعی کرکرا ہو جاتا، یہاں اس کے بہتیرے جان پہچان والے تھے اور ان کے علاوہ نئے بھی پیدا ہو سکتے تھے۔ محکمہ سراغ رسانی کا سپرنٹنڈنٹ میجر نصرت تو اُسے کسی طرح ہوٹل میں ٹھہرنے ہی نہ دیتا۔

"ہمیں حراساں کرنے کی سعی لاحاصل۔" ایک عورت بڑبڑائی اور فریدی بُرا سا منہ کر دروازے کے باہر دیکھنے لگا۔ یہ عورت راستہ بھر اس کے لئے باعث کوفت بنی رہی تھی اسے گفتگو کے دوران میں بڑے بڑے الفاظ بولنے کا خبط تھا۔ یہ نواب صاحب کے دوست کرنل شمشاد کی لڑکی فرزانہ تھی۔

شکار کا پروگرام فریدی ہی نے بنایا تھا لیکن اُسے گمان بھی نہ تھا کہ کچھ عورتیں بھی گلے لگ جائیں گی۔ سرجنٹ حمید کے لئے تو دلچسپی کا بہترین سامان ہو گیا تھا لیکن فریدی مستقل طور پر اکتاہٹ کا شکار تھا۔

"مجھے ڈائننگ ہال میں ٹھہرنا چاہئے۔" فریدی نے نواب رشید الزماں سے کہا "ورنہ کہیں حمید صاحب اُس آفیسر سے لڑ نہ پڑیں۔"

حمید کی پرانی دوست شہناز نے ناک سکوڑ کر غزالہ کی طرف دیکھا اور غزالہ مسکرا پڑی۔

"حمید صاحب غیر شعوری طور پر بذلہ سنج واقع ہوئے ہیں۔" فرزانہ نے ہنس کر کہا۔

فریدی کے لئے کمرے میں ٹھہرنا دشوار ہو گیا۔

فریدی کو فرزانہ سے سچ مچ ضد سی ہو گئی تھی کیونکہ عورتوں کو شکار کے لئے اسی نے اکسایا تھا۔ اُسی نے سب سے پہلے نواب رشید الزماں کی لڑکی غزالہ کو اس پر آمادہ کیا پھر زاہد کریم کی بیوی صوفیہ بھی تیار ہو گئی۔ یہ ایک نوگرفتار جوڑا تھا.... یعنی ان کی شادی حال ہی میں ہوئی تھی۔ زاہد کریم نواب رشید الزماں کے رشتہ داروں میں سے تھا۔

فریدی کمرے سے اٹھ کر ڈائننگ ہال میں چلا آیا۔ یہاں اب بھی خاصی بھیڑ اکٹھا ہو گئی تھی۔

کچھ اور آفیسر بھی آ گئے تھے۔ ان میں محکمہ سراغ رسانی کا سپرنٹنڈنٹ میجر نصرت بھی تھا۔ فریدی نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ ورنہ وہ شاید اس طرح بے دھڑک ڈائننگ ہال میں داخل نہ ہوتا۔

"ہیلو....!" میجر نصرت متحیرانہ انداز میں فریدی کی طرف مڑا۔ "ارے آپ۔"

مصافحہ کرتے وقت فریدی اُسے ایک خالی گوشے کی طرف کھینچ لے گیا۔

"تو کیا ان نئے آنے والوں میں سے آپ بھی ہیں۔" میجر نصرت نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"آپ نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔" بوڑھے میجر نصرت نے مسکرا کر بزرگانہ انداز میں کہا۔ "میری موجودگی میں ہوٹل کا قیام.... زیادتی ہے آپ کی۔"

"میں جانتا تھا کہ آپ کو شکایت ہو گی لیکن میرے ساتھ اور بھی ہیں۔"

"ان کا بھی انتظام ہو سکتا تھا۔"

"دراصل ہم شکار کی غرض سے آئے ہیں اور یہ ہوٹل اس کے لئے بہت مناسب ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میجر نصرت ہنس کر بولا۔ "نہ یہاں آپ کے قدم آتے اور نہ یہاں ایک دلچسپ واردات ہوتی۔"

"اوہ.... تو کیا آپ کی نظروں میں ان نشانات کی کوئی اہمیت نہیں۔" فریدی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"آپ نے وہ نشانات دیکھے۔"

"نہیں! ابھی تو نہیں۔"

"آیئے میرے ساتھ۔ یہ ٹیکم گڈھ ہے یہاں آئے دن اس طرح کے شعبدے نظر آتے ہیں۔" میجر نصرت نے کہا۔

وہ دونوں باہر جانے لگے۔ وہ آفیسر جس نے فریدی وغیرہ کے نام اور پتے لکھے تھے انہیں حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"شعبدے! میں نہیں سمجھا۔" فریدی بولا۔

"اوہو....!" میجر نصرت نے کہا۔ "تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ڈیڑھ فٹ لمبے پیروں کے نشانات کسی ذی روح کے ہیں۔"

فریدی کچھ نہ بولا.... وہ دونوں اُس کھڑکی کے نیچے آئے جہاں وہ عجیب و غریب نشانات اب بھی موجود تھی۔ اُن سے تھوڑے ہی فاصلے پر دو کانسٹیبل اُن کی حفاظت کر رہے تھے۔

فریدی نے اُن نشانات پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور زمین سے بارہ فٹ اونچی کھڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔ اتنے میں کچھ اخبارات کے رپورٹر آ گئے۔ انہوں نے برف پر پڑے ہوئے نشانات کے فوٹو لینے چاہے لیکن کانسٹیبلوں نے روک دیا۔

"میں بھی آپ کو یہی مشورہ دوں گا۔" میجر نصرت فریدی سے کہہ رہا تھا۔ "خواتین کا یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔"

"کیا اس سے پہلے بھی کبھی یہاں اس قسم کا کوئی واقعہ ہوا ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"واقعہ! تو کوئی نہیں ہوا۔" میجر نصرت نے کہا۔ "لیکن پچھلے پندرہ دنوں سے اس قسم کے نشانات مختلف جگہوں پر دیکھے جا رہے ہیں۔"

"پندرہ دن سے۔" فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔ اس کی نظریں بڑی بے چینی سے گرد و پیش کا جائزہ لے رہی تھیں۔

ٹھیک کھڑکی کے نیچے دو نشانات تھے۔ ان کے علاوہ اور کہیں اس قسم کا کوئی نشان موجود نہیں تھا۔

"بڑی عجیب بات ہے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "گویا وہ دیو آسمان سے ٹپکا تھا۔"

"فریدی صاحب! میرا خیال ہے کہ جس وقت برف گر رہی تھی اُس وقت یہ واردات ہوئی اور بقیہ نشانات پُر ہو گئے اور وہ دونوں نشانات برف باری ختم ہو جانے کے بعد بنائے گئے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے.... مگر کیا! ان نشانات کے علاوہ صبح یہاں کچھ دوسرے ایسے نشانات بھی دیکھے گئے تھے، جو ان کی طرح غیر معمولی نہ رہے ہوں۔"

"جی نہیں.... برف کی سطح بے داغ تھی۔ کم از کم دو سو گز کے رقبے میں کوئی دوسرا نشان نہیں تھا۔"

"تب تو پھر میرے خیال سے یہ بات بھی درست نہیں کہ برف باری کے بعد یہ نشان بنائے گئے۔ ظاہر ہے کہ آنے والا اپنے ہی پیروں سے چل کر یہاں تک آیا ہوگا۔"

میجر نصرت کچھ نہ بولا۔ اُس کی نظریں کھڑکی پر جمی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر کے لئے سکوت

طاری ہو گیا۔ کھڑکی سے البتہ کچھ آوازیں آ رہی تھیں۔ اندر شائد محکمہ سراغ رسانی کے فوٹو گرافر نشانات کے فوٹو لے رہے تھے۔

"اچھا اندر والے نشانات....!" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔

"آیئے وہ بھی دکھاؤں۔" میجر نصرت نے کہا۔

"نہیں پھر دیکھ لوں گا۔" فریدی نے کہا۔ اُس کی نظریں اپنے بقیہ ساتھیوں پر جمی ہوئی تھیں۔

سرجنٹ حمید اور دوسرے لوگ بار بردار قلیوں کے ہمراہ ہوٹل کی طرف آ رہے تھے۔ سرجنٹ حمید نے اپنے ہاتھ میں ایک سوٹ کیس لٹکا رکھا تھا۔ وہ سب لمبی لمبی پوستینیں اور بالدار ٹوپیاں پہنے ہوئے تھے۔

کرنل شمشاد ادھیڑ عمر اور گٹھیلے جسم کا آدمی تھا۔ اس کی فرنچ کٹ ڈاڑھی بھورے رنگ کی تھی جس میں کہیں کہیں سفید بال بھی نظر آ رہے تھے۔ لیکن چہرے کی جلد پر بڑھاپے کے آثار نہیں تھے۔ آنکھیں سخت گیر آدمیوں کی سی تھیں۔ خدوخال تیکھے تھے لیکن وہ اُسی وقت تک غصہ ور معلوم ہوتا تھا جب تک خاموش رہتا تھا اور جب گفتگو کرتا تو کم از کم کسی نئے آدمی کو تو اپنے قیاس پر سخت شرمندگی ہوتی تھی۔ شرمندگی کی بات بھی تھی کیونکہ کرنل کا لہجہ ہمیشہ محبت آمیز ہوا کرتا تھا۔ آواز میں بلا کی نرمی تھی۔ بہرحال بسا اوقات لوگ اس کی شکل سے اس کے کردار کا غلط ہی اندازہ لگاتے تھے۔

زاہد کریم چھریرے بدن کا نوجوان تھا۔ اس میں کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی جو اسے عام آدمیوں سے مختلف ظاہر کرتی۔

البتہ تیسرا آدمی قاسم رضا ایسا تھا جو اپنے ڈیل ڈول کے اعتبار سے پوری پارٹی میں نمایاں نظر آ رہا تھا۔ بس وہ ایسا ہی تھا کہ اس کے ملنے والے ابھی تک یہی فیصلہ نہیں کر پائے تھے کہ اُسے ایک مینار نما گنبد سمجھیں یا گنبد نما مینار۔ سرجنٹ حمید نے اس کے متعلق صرف ایک جملہ اپنی ڈائری میں نوٹ کیا تھا۔ وہ یہ کہ قاسم شاید عوج بن عنق کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔

بہرحال قاسم کی انتہائی درجہ لمبائی اور چوڑائی دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کئے بغیر نہیں رہتی تھی۔ بقول حمید چونکہ اس کی کھوپڑی سطح سمندر سے بہت اونچی تھی اس لئے وہاں سال بھر برف جمی رہتی تھی۔

فریدی اپنے ان چاروں ساتھیوں کو نشیب سے چڑھائی کی طرف آتے دیکھتا رہا۔ میجر نصرت کو کوئی خاص بات یاد آگئی تھی۔ اس لئے وہ اپنے ماتحتوں کو روشنی بخشنے کے لئے اندر چلا گیا تھا۔

فریدی کے ساتھی سڑک چھوڑ کر اُسی ٹیکرے پر چڑھ آئے جس سے ہوٹل کو راستہ جاتا تھا۔

حمید سب سے آگے تھا اور اس طرح جھوم جھوم کر چل رہا تھا جیسے بہت زیادہ تھک گیا ہو۔

فریدی کھڑکی کے پاس سے ہٹ گیا۔ ہوٹل کے سامنے اب بھی بھیڑ تھی اور پولیس والوں کی خاکی ٹوپیاں دور سے بھی پہچانی جاسکتی تھیں۔

دفعتاً سرجنٹ حمید چلتے چلتے رک گیا۔ اُس کے ساتھ والے اُس سے دو چار قدم آگے بڑھ گئے۔ لیکن پھر انہیں بھی رک کر حمید کی طرف پلٹنا پڑا۔ فریدی اُن کے قریب پہنچ چکا تھا۔

"کیا بات ہے۔" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"کیا یہ سب ہمارے استقبال کیلئے تشریف لائے ہیں۔" حمید نے مجمع کی طرف دیکھ کر کہا۔

"نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ایک دلچسپ کیس۔"

"کیس....!" حمید کے ہاتھ سے سوٹ کیس چھوٹ پڑا۔ "تو یہ نامراد ہم سے پہلے ہی پہنچ گیا۔"

"یہ کیا بیہودگی۔" فریدی نے جھک کر سوٹ کیس اٹھاتے ہوئے کہا۔

لیکن حمید چپ چاپ کھڑا رہا۔ اُس کی پھٹی پھٹی سی ویران آنکھیں خلاء میں کسی نامعلوم نقطے پر جمی ہوئی تھیں۔ یکایک وہ بھد سے برف پر بیٹھ گیا۔

"حمید....!" فریدی نے جھنجھلا کر اُسے مخاطب کیا۔

لیکن حمید دوسرے لمحے میں چت ہو چکا تھا۔ کرنل شمشاد وغیرہ بوکھلا کر اُس کی طرف دوڑے.... بار بردار قلیوں نے بھی شاید سامان رکھنا ہی چاہا تھا کہ فریدی نے انہیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ اس وقت اُسے سچ مچ حمید کی اس حرکت پر غصہ آگیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ سور نہ موقع دیکھتا ہے اور نہ محل بس اپنی حرکتوں سے سروکار۔

قلی سامان اٹھائے ہوئے اس کے ساتھ کمروں تک آئے اور وہ سامان رکھوا ہی رہا تھا کہ قاسم حمید کو اپنے ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔ حمید شاید اب تک بیہوش تھا۔ قاسم کے چہرے پر ایک غم آلود سی سنجیدگی طاری تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے ہاتھوں پر کوئی لاش اٹھائے ہوئے ہو۔

نواب رشید الزماں وغیرہ بوکھلا کر آگے بڑھے لیکن فریدی نے پلٹ کر دیکھا بھی نہیں۔

پھر قاسم اُسے مسہری پر لٹانے ہی جا رہا تھا کہ حمید اس کے ہاتھوں سے پھسل گیا۔

"شکریہ۔" اُس نے آہستہ سے کہا اور ایک خالی کرسی پر بیٹھ کر بڑے بے تعلقانہ انداز میں کمرے کا جائزہ لینے لگا۔

قاسم نے احمقوں کی طرح منہ بنا کر ایک جھینپا جھینپا سا قہقہہ لگایا اور پھر اس طرح سنجیدہ ہو گیا جیسے اُن کے کان یاناک سے چوہا نکل پڑا ہو۔

تین شکاری

سب لوگ بے ساختہ ہنس پڑے لیکن بات کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ کرنل شمشاد اور زاہد کریم شاید نیچے رہ گئے تھے۔

"حمید صاحب! کوئی نیا شگوفہ۔" فرزانہ کی ٹھٹکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

حمید نے فوراً ہی اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی کتاب نکالی اور اس کے ورق الٹتا رہا پھر اُسے دوبارہ جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ "برف میں ننھے ننھے پودے سڑ جاتے ہیں لہٰذا آج کل نہ شگوفے ہوتے ہیں اور نہ پھول۔"

قاسم نے ایک بے ہنگم سا قہقہہ لگایا۔

اتنے میں میجر نصرت کمرے کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ حمید کی کرسی دروازے کے سامنے ہی تھی۔

"اوہو.... آپ.... کیا بات تھی۔" میجر نصرت نے پوچھا۔

"ارے میجر صاحب۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "آیئے.... آیئے۔"

"آپ کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔" میجر نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ پھر اجنبیوں کو دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

فریدی مسکراتا ہوا اُس کی طرف مڑا۔

"آیئے میں آپ کا تعارف اپنے ایک بزرگ سے کراؤں۔" اُس نے نواب رشید الزماں کی

طرف اشارہ کر کے کہا۔

"اوہ.... ضرور.... ضرور۔"

تھوڑی دیر بعد پھر اُس کیس کی گفتگو چھڑ گئی اور جب حمید کو واردات کے متعلق معلوم ہوا تو اس نے اُلوؤں کی طرح اپنے دیدے پھرانے شروع کر دیئے۔ پھر اُس نے قاسم کو اشارہ کیا اور وہ دونوں اٹھ کر کمرے کے باہر چلے آئے۔

"سنا! تم نے۔" حمید نے قاسم سے کہا۔ "ڈیڑھ فٹ لمبے نشانات... تمہارے پیر کا سائز کیا ہوگا۔"

"حمید بھائی.... میں اس وقت مغموم ہوں۔" قاسم گلوگیر آواز میں بولا۔

"ہائیں۔" حمید اچھل کر بولا۔ "اتنے لمبے چوڑے ہو کر بھی مغموم ہو۔"

"حمید بھائی میری زندگی میں ایک بہت بڑی ٹریجڈی ہو گئی ہے۔"

"مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ لیکن تم اتنی بلندی پر واقع ہوئے ہو کہ میں تمہیں دلاسہ دینے سے معذور ہوں۔"

یہ حقیقت تھی حمید اُس کے شانوں سے بھی نیچا تھا۔

"حمید بھائی! میں سچ مچ مغموم ہوں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ زاہد کریم کی بیوی اُس کے ساتھ آئی ہے۔"

"ہاں.... آں لیکن تمہیں کیوں پریشانی ہے۔"

"بہت بڑی ٹریجڈی۔" قاسم بسور کر بولا۔

"مت بور کرو یار مرے۔" حمید اکتا کر بولا۔ "چلو ہم بھی ان نشانات کی زیارت کر آئیں۔"

دونوں ڈائننگ ہال سے گزر کر باہر جانے لگے۔

"حمید بھائی۔ یہاں سے میری واپسی محال ہے۔ میں یہیں مر جاؤں گا۔ برف میں دفن ہو جاؤں گا اور جب برف پگھلے گی تو حمید بھائی.... میری لاش...." قاسم کی آواز پھر آ گئی۔

حمید نے سر اٹھا کر دیکھا۔ قاسم رومال سے اپنی آنکھیں خشک کر رہا تھا۔

"حمید بھائی! مجھے اُلو مت سمجھئے۔ میری زندگی بڑی دکھ بھری ہے۔" قاسم نے کہا۔

"عشق ہو گیا ہے کسی سے۔" حمید نے پوچھا۔

"ابھی تو نہیں ہوا۔" قاسم نے حماقت آمیز سنجیدگی سے کہا۔

حمید نے ایک بار پھر اُسے گھور کر دیکھا۔

پولیس والے شائد اپنا کام ختم کر چکے تھے کیونکہ اُن نشانات کے گرد اب کافی بھیڑ نظر آ رہی تھی۔ جیسے ہی قاسم اور حمید وہاں پہنچے لوگوں کی دلچسپی اُن نشانات سے ختم ہو گئی۔ وہ سب قاسم کو تحیر آمیز نظروں سے دیکھنے لگے تھے اور اُن میں سے بہتیروں کی نظریں اُسکے پیروں پر بھی تھیں۔

"ارے سچ مچ حمید بھائی۔" قاسم بڑبڑایا۔ "اتنے بڑے پیر!.... اُف فوہ۔"

ان نشانات کے متعلق یہ قاسم کا پہلا اور آخری جملہ تھا۔ اس کے بعد اُس نے پھر اپنے غموں کا تذکرہ شروع کر دیا۔ حمید بہت شدت سے بور ہو رہا تھا۔ نشانات کو دیکھتے ہی اُس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ فریدی کے دل پر اس وقت کیا گزر رہی ہوگی۔ حمید کو اب شکار کی تفریح کی سلامتی خطرے میں نظر آ رہی تھی اور وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ کہیں عورتوں کو کسی دوسری جگہ منتقل نہ کر دیا جائے۔

"حمید بھائی.... میں مر جاؤں گا۔" قاسم نے پھر ہانک لگائی۔

"یہاں نہیں۔" حمید بھنا کر بولا۔ "آؤ میرے ساتھ۔"

وہ اُسے ڈائننگ ہال میں لایا۔

"بیٹھو.... اگر تم نے مجھے اپنی دکھ بھری داستان نہ سنائی تو میں تمہیں گولی مار دوں گا۔"

اس جملے پر قاسم نے ایسا منہ بنایا جیسے بُرا مان گیا ہو۔

"میں واقعی بڑا بد نصیب ہوں۔" اُس نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

"شروع ہو جاؤ.... اب کسی تمہید کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی اور ہاں سنو منظر نگاری کی ضرورت نہیں۔"

"منظر نگاری۔" قاسم نے حیرت سے کہا "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"مطلب یہ کہ جب دو دل آپس میں ملتے ہیں تو قریب ہی کہیں نہ کہیں کوئی چھوٹی سی ندی ضرور ہوتی ہے یا تو سورج غروب ہوتا رہتا ہے یا غروب ہی نہیں ہوتا یعنی رات ہوتی ہے اور ستارے مسکرا اٹھتے ہیں۔ کہکشاں رمبا یا فوکس ٹروٹ شروع کر دیتی ہے۔"

"واہ.... حمید بھائی۔" قاسم ہنسنے لگا۔

حمید اُسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتا رہا اور وہ خود کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ تھوڑی دیر

تک خاموشی رہی پھر قاسم بولا۔ "اچھا حمید بھائی.... بھلا میری کیا عمر ہوگی۔"

"ساڑھے دس سال۔"

"نہیں آپ کو میری جان کی قسم۔"

"او بابا! میں کیا بتاؤں ڈیل ڈول سے چار ہزار برس قبل کے معلوم ہوتے ہو۔"

"حمید بھائی میں صرف اٹھائیس سال کا ہوں۔"

"چلو مان لیا.... پھر!"

"اچھا میری بیوی کی کیا عمر ہوگی۔"

"کیا! ارے تمہاری بیوی کی عمر۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ہاں.... ہاں بیوی کی۔"

"تم واقعی چغد ہو کیا۔ میں کیا جانوں۔"

"پھر بھی اندازاً۔" قاسم نے اتنی سنجیدگی سے کہا جیسے حمید اس کی بیوی کو بھی دیکھ چکا ہو۔

"کیا میں نے تمہاری بیوی کو دیکھا ہے۔" حمید جھلا کر بولا۔

"اوہ.... حمید بھائی.... وہ صرف چودہ برس کی ہے۔ میرے باپ نے زبردستی مجھے قتل کر دیا۔"

"فکر مت کرو۔ میں قاتل کا سراغ لگاؤں گا۔" حمید اکتا کر بولا۔

"حمید بھائی جب میں کسی عورت اور مرد کو ہنس ہنس کر باتیں کرتا دیکھتا ہوں تو دل چاہتا ہے کہ دھاڑیں مار مار کر روؤں۔"

"کیوں....!" حمید نے مضحکانہ انداز میں پوچھا۔

"حمید بھائی میری زندگی کی سب سے بڑی ٹریجڈی۔"

"پہلے ایک بات کا فیصلہ کر لو کہ تم یہی جملہ کتنی بار دہراؤ گے۔"

"میرا دنیا میں کوئی ہمدرد نہیں۔" قاسم سچ مچ بسورنے لگا۔

"مت بور کرو۔"

"میں خودکشی کر لوں گا۔"

"گھر پہنچ کر۔" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "ورنہ تمہاری نومن کی لاش ہم سے تو نہ

اٹھے گی۔"

"ہائے اپنا کوئی نہیں۔" قاسم نے گلوگیر آواز میں کہا اور اپنا منہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔

حمید اُسے قہر آلود نظروں سے گھورنے لگا۔ قاسم اُس کی دلچسپیوں کا بہترین سامان تھا لیکن بعض اوقات وہ بڑی شدت سے بور کرنے لگتا تھا۔ دونوں کی دوستی زیادہ پرانی نہیں تھی مگر قاسم تھوڑے ہی عرصے میں حمید کا گرویدہ ہو گیا تھا۔

"حمید بھائی میں رونا چاہتا ہوں۔" قاسم تھوڑی دیر بعد بولا۔

"کیوں بابا! کیوں بکو بھی۔" حمید نے دانت پیس کر کہا۔

"حمید بھائی! میں نہیں جانتا کہ میاں بیوی کی محبت کس چڑیا کا نام ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر فریدی اسی ہوٹل میں قیام پر مصر رہا تو بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ظاہر تھا کہ لڑکیوں کی موجودگی کے بغیر سروس ناممکن تھی اور پھر اگر کسی ہوٹل میں قیام کرنے کے بعد ذاتی کام بھی خود ہی انجام دینے پڑے تو گھر کی یادوں سے کس طرح نکل سکے گی۔ تفریح دراصل ماحول سے فرار کا نام ہے اگر تفریح کے دوران میں پچھلے ماحول کی یاد دل میں کچوکے لگاتی رہے تو پھر وہ تفریح ہی کہاں رہ گئی۔

حمید پائپ سلگا کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

"حمید بھائی۔" قاسم نے پھر کچھ کہنا چاہا۔

"تمہیں گانا آتا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"کیوں.... ہاہاہا۔" وہ احمقوں کی طرح ہنسنے لگا۔ قاسم کی ہنسی کا انداز عجیب تھا۔ بس وہ ہنستا تھا بات بات پر ہنس دیتا تھا۔ مگر اس کا چہرہ ہر قسم کے اثرات سے عاری ہوتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُس ہنسی کا اُس کے دل سے ذرہ برابر بھی تعلق نہ ہو۔

"اٹھو یہاں سے۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

قاسم اٹھ ہی رہا تھا کہ فریدی اور میجر نصرت بھی وہیں آ گئے۔ دونوں میں اُسی کیس کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ وہ بھی اُسی میز پر آ گئے اور حمید نے نہ جانے کیوں کھسک جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

"مگر وہ کھڑکی۔" فریدی کہہ رہا تھا۔ "ظاہر ہے کہ وہ اُسے اندر سے بند کر کے سوئی ہو گی۔"

"بھئی وہ بھوت تھا نا۔" میجر نصرت مسکرا کر بولا۔ "پولیس نے اسے باور کر لیا ہے وہ غیر معمولی نشانات عرصہ سے یہاں شہرت پا رہے ہیں۔"

فریدی سگار سلگانے لگا۔

"لیکن غنیمت یہی ہے کہ وہ بھوت ابھی تک کسی کو نظر نہیں آیا ورنہ ٹیکم گڈھ بڑی دلچسپ جگہ ہے۔" میجر نصرت پھر بولا۔

"پولیس والوں کا برتاؤ یہاں کے منیجر کے ساتھ اچھا نہیں ہے۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"یہاں اُس کے متعلق کوئی بھی اچھی رائے نہیں رکھتا۔" میجر نصرت بولا۔

"کیوں؟"

"بھئی بات یہ ہے کہ ابھی ہمارے یہاں ہر معاملے میں مشرقیت برقرار ہے لہٰذا کسی ایسی جگہ منیجر قسم کے آدمی کے لئے لوگ بُرے ہی خیالات رکھیں گے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"فزارو کے علاوہ اور کسی ہوٹل میں لڑکیاں نہیں ہیں۔"

"اوہ....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیکن وہ بُرا آدمی تو نہیں معلوم ہوتا۔"

"ہاں.... آں.... اس کے چہرے پر بڑھاپے میں بھی بڑا بھولا پن موجود ہے لیکن میں اپنے پچپن سالہ تجربات کی بناء پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ بعض حالات میں چہرہ دل کی غمازی نہیں کرتا۔"

تھوڑی دیر کے لئے پھر خاموشی چھا گئی۔ حمید پائپ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا۔ قاسم اس طرح پہلو بدل رہا تھا جیسے وہ زبردستی وہاں بٹھایا گیا ہو اور اخلاقاً خود پر جبر کر رہا ہو۔

"بہر حال۔" فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ "آپ اس واقعے کو کوئی غیر معمولی حادثہ سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔"

"قطعی۔" میجر نصرت نے کہا۔ "میں بھوتوں اور شیطانوں پر یقین نہیں رکھتا۔"

"یہ اچھی بات ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

قاسم نے بھاڑ سا منہ پھاڑ کر انگڑائی لی اور اس طرح ہونٹ سکوڑ کر کھڑکی سے نظر آنے والی

پہاڑیوں کو دیکھنے لگا جیسے کہہ رہا ہو خیر اگلی انگڑائی پر تمہارا صفایا ہو جائے گا۔

"آپ نے عورتوں کے لئے کیا سوچا۔" میجر نصرت نے پوچھا۔

"کچھ نہیں.... وہ ساتھ ہی قیام کرنے پر مصر ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"میں تو اسے مناسب نہیں سمجھتا۔ ویسے آپ لوگوں کو اختیار ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ انمیں سے کوئی عورت ایسی نہیں ہے جس پر میں کسی قسم کا دباؤ ڈال سکوں۔"

"خوب یاد آیا۔" میجر نصرت نے مسکرا کر کہا۔ "آخر اب آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے۔"

"شادی۔" سرجنٹ حمید نے دفعتاً چونک کر کہا۔ پھر میجر نصرت کو ایسی نظروں سے دیکھنے لگا جیسے اُس نے فریدی کو گلے میں ایک عدد ٹائم پیس لٹکائے رکھنے کا مشورہ دیا ہو۔

فریدی ہنسنے لگا۔ پھر اُس نے میجر نصرت سے کہا۔

"بھئی میجر صاحب! شادی دراصل والدین کے شوق کی چیز ہے اور میں اتفاقاً والدین سے محروم ہو چکا ہوں۔"

"ہو.... اُو۔" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔ "یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ میں آپ کے لئے والدین کا پورا سیٹ مہیا کر سکتا ہوں۔"

"جی....!" میجر نصرت نے حمید کی طرف مڑ کر پوچھا۔

"جی ہاں! فریدی صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں اگر والدین نہ ہوئے تو بیوی خود ہی والدین بن بیٹھتی ہے۔"

میجر نصرت ہنس پڑا۔ قاسم خاموش بیٹھا رہا اور جب بات اس کی سمجھ میں بھی آ گئی تو اُس نے ایک اتنا زوردار قہقہہ لگایا کہ دیواریں تک جھنجھنا اٹھیں۔

میجر نصرت حیرت سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ شائد قاسم نے بھی موقع کی مضحکہ خیز صورت حال کا اندازہ لگا لیا تھا۔ اس لئے اُس نے اچانک اپنا قہقہہ روک دیا اور بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کسی تیز رفتار موٹر کے چاروں پہیوں میں پورے بریک لگ گئے ہوں۔

"غالباً یہاں کی انکوائری ختم ہو گئی۔" فریدی نے کہا۔

"ہاں... ارے.... مجھ سے سنئے۔ یہ اُسی منیجر کی حرکت ہے۔" میجر نصرت آہستہ سے بولا۔

"منیجر کی۔"

"جناب! شائد وہ راہ پر نہیں آئی تھی۔"

"ہوں۔" فریدی نے دوسرا سگار سلگالیا۔

حمید نے قاسم کو آنکھ ماری اور وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"بڑی تھکن ہے۔" حمید بھی انگڑائی لیتا ہوا اٹھ گیا۔

پھر وہ دونوں اپنے کمروں کی طرف جا رہے تھے۔ راہداری میں انہیں تین آدمی ملے جو انہیں کی طرح پوستینیں اور بالدار ٹوپیاں پہنے ہوئے تھے اور ان کے کاندھوں پر رائفلیں لٹکی ہوئی تھیں۔ وہ تینوں انہیں دیکھ کر حقارت آمیز انداز میں مسکرائے۔

"کیا آپ لوگ بھی شکاری ہیں۔" ان میں سے ایک نے انہیں مخاطب کیا۔

یہ بھاری چہرے اور موٹی گردن والا ایک قد آور آدمی تھا۔ لمبائی میں قاسم سے تھوڑا ہی کم رہا ہوگا۔ لیکن ٹھوڑی اور جبڑوں کی بناوٹ کہہ رہی تھی کہ وہ قاسم کی طرح بیوقوف نہیں ہے۔ آنکھوں سے سخت گیری، کمینگی اور کمینہ توزی مترشح تھی۔

"شکاری ہیں! لیکن پیشہ ور نہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"ہم پہلے ہی سمجھ گئے تھے۔ پیشہ وروں کے ساتھ عورتیں نہیں ہوا کرتیں۔" بھاری چہرے والا ہلکے سے قہقہے کے ساتھ بولا۔

"جی....!" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر آگے بڑھ گیا۔

وہ تینوں بے ڈھنگے پن سے ہنستے ہوئے ڈائینگ ہال کی طرف چلے گئے۔

"ماروں سالوں کو۔" قاسم پوستین کی آستین چڑھانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔

حمید نے اُسے گھور کر دیکھا اور وہ چپ چاپ اُس کے پیچھے چلنے لگا۔

حمید جانتا تھا کہ قاسم لڑنے بھڑنے میں سب سے آگے ہی رہتا ہے۔ وہ اپنے ڈیل ڈول کی مناسبت سے اتنا ہی طاقت ور بھی تھا اور یہ بات محض سنی سنائی نہیں تھی۔ خود حمید کو بھی ایک بار اس کا تجربہ ہو چکا تھا۔ قاسم نے اس کی موجودگی میں ایک آدمی کو اُس کی موٹر سائیکل سمیت سڑک کے داہنے کنارے سے اٹھا کر بائیں کنارے پر رکھ دیا تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ ایک بار حمید اور قاسم کسی سڑک سے پیدل گذر رہے تھے۔ اچانک سڑک کے کنارے کھڑے ہوئے ایک موٹر سائیکل سوار نے سہواً قاسم کی پینٹ پر تھوک دیا۔ قاسم کو بڑا تاؤ آیا۔ بات زیادہ بڑھی تو موٹر

سائیکل والا شائد قاسم کو گالی دے بیٹھا۔ قاسم جواب میں گالی تو نہ دے سکا لیکن احتجاجاً اُس نے اُسے موٹر سائیکل سمیت اٹھا کر دوسرے کنارے پر رکھ دیا۔

پتہ نہیں کیوں وہ حمید کا اتنا گرویدہ ہو گیا تھا۔ حالانکہ اُسے غصہ بڑی جلدی آجاتا تھا لیکن وہ حمید کی تلخ سے تلخ بات کا بھی بُرا نہیں مانتا تھا۔ ویسے وہ اگر حمید پر اپنی ایک ٹانگ بھی رکھ دیتا تو اُس کی ہڈیاں پسلیاں برابر ہو جاتیں۔

وہ دونوں اُسی کمرے میں آئے جہاں سے اٹھ کر گئے تھے۔ اب وہاں کرنل شمشاد اور زاہد کریم کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

"کہئے حمید صاحب کیا بات تھی۔" کرنل شمشاد نے پوچھا۔

"کچھ نہیں! وہی پیروں کے عجیب و غریب نشانات کا چرچہ چل رہا ہے۔"

"میں آپ کی بیہوشی کے متعلق پوچھ رہا تھا۔"

"اوہ.... وہ۔" قاسم ہنسنے لگا۔

"پتہ نہیں کیوں چکر سا آ گیا تھا۔" حمید جلدی سے بول پڑا۔ غزالہ صوفیہ اور شہناز مسکرا رہی تھیں۔

"عالم گرسنگی میں عموماً یہی ہوتا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"جی ہاں! جی ہاں۔" قاسم احمقانہ انداز میں سر ہلانے لگا۔

"حیوانات، نباتات، حتیٰ کہ جمادات پر بھی گرسنگی کا ردعمل ہوتا ہے۔" فرزانہ پھر بولی۔

"میرے خیال سے یہ ایک عقدہ لائی خل ہے۔" قاسم نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"ہائیں۔" حمید اُسے گھور کر بولا۔ "یہ عقدہ لائی خل کیا بلا ہے۔"

"میں بھی شائد یہ لفظ پہلی بار سن رہی ہوں۔" فرزانہ نے کہا۔

"اوہو! آپ لوگ لائی خل نہیں جانتے.... چچ.... چچ.... مجھے افسوس ہے۔" قاسم نے اپنے بڑے بڑے دانتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ شاید آپ نے لائنجل کی مٹی پلید کی ہے۔" نواب صاحب ہنس کر بولی۔

"نہیں صاحب لائی خل! میں جاہل نہیں ہوں۔" قاسم نے بُرا مان کر کہا۔

"لائنجل۔" حمید نے بھنا کر کہا۔ "لا.... ین.... حل۔"

"تو پھر ہوگا۔" قاسم نے اتنی معصومیت سے کہا کہ سب بے ساختہ ہنس پڑے۔

"میں نے سنا ہے کہ ویسے ہی نشانات مختلف جگہوں پر کئی دنوں سے دیکھے جا رہے ہیں۔" کرنل شمشاد نے کہا۔

"حیرت انگیز بات ہے۔" نواب صاحب بولے۔

"یقیناً اُس پُر اسرار ہستی کا قد کم از کم پندرہ فٹ ضرور ہوگا۔" حمید بولا۔

"اور سنئے۔" حمید نے نواب صاحب کو مخاطب کیا۔ "میں خوفزدہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ وہ نشانات میرے ہی پیروں کے ہیں۔"

"بھئی میری تجویز تو یہی ہے کہ لڑکیاں یہاں نہ ٹھہریں۔" نواب صاحب نے کہا۔

"واہ چچا جان۔" فرزانہ بولی۔ "آخر ہم میں بھی تو خود اعتمادی ہونی چاہئے۔"

"بھئی تم کرنل کی بیٹی ہو۔" نواب صاحب ہنس کر رہ گئے۔

"یہاں ٹھہرنے میں کیا حرج ہے ابا جانی۔" غزالہ بولی۔ "ہم کہیں رہیں اور آپ کہیں۔"

حمید کچھ بولنے ہی والا تھا کہ ہوٹل کا منیجر خود ہی اپنے ہاتھوں پر ایک بڑا سا ٹرے اٹھائے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

"مجھے سخت افسوس ہے۔" اُس نے ناشتے کا ٹرے میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "جو کچھ بھی مجھ سے بن پڑا ہے، حاضر کر رہا ہوں۔"

"اوہو! آپ نے ناحق تکلف کی۔" نواب صاحب نے کہا۔ "ہم نے تو کہا تھا کہ یہ سب کچھ خود ہی کر لیں گے۔"

"ایک صاحب ڈائننگ ہال میں ہیں انہیں بھیج دیجئے گا۔" حمید نے اُس سے کہا۔

"بس اتنا ہی سا ناشتہ۔" قاسم نے بڑی اداسی سے کہا۔

"تمہارے لئے اونٹ مسلم آئے گا۔" حمید بولا۔

"قاسم صاحب آپ ہلکی غذائیں استعمال کیا کیجئے۔" فرزانہ نے کہا۔

"جیسے ریشم، روئی اور ٹریننگ پیپر وغیرہ۔" حمید بولا۔

"حمید بھائی مجھے بھوک پر غصہ آجاتا ہے۔" قاسم نے بُرا مان کر کہا۔

شائد فرزانہ کچھ کہنے والی تھی کہ فریدی آگیا۔ انہوں نے اپنی کرسیاں میز کے قریب کھسکالیں۔ غزالہ چائے بنانے لگی۔

ناشتے کے دوران میں پھر اُس کیس کے متعلق گفتگو چھڑ گئی۔

"ان لوگوں نے کمرے کی چھت کی طرف دھیان نہیں دیا۔" فریدی بولا۔

"کیوں چھت سے کیا مطلب۔" حمید نے کہا۔

"اگر چھت سے کوئی مطلب نہیں تو پھر ہمیں یہ بات باور ہی کر لینی پڑے گی کہ وہ کسی مافوق الفطرت ہستی کے پیروں کے نشانات ہیں۔"

"آخر باور کر لینے میں کیا حرج ہے۔" غزالہ نے کہا۔

"اوہ! تو آپ بھی اس پر یقین رکھتی ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کیا آپ کو اپنی حویلی[1] کے پُر اسرار واقعات یاد نہیں۔"

غزالہ کچھ نہ بولی۔

"ویسے میں نے اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھی کہ انہیں اس کی طرف توجہ دلاتا۔" فریدی نے کہا۔

ناشتہ ختم کر چکنے کے بعد فریدی رائفلوں کا جائزہ لینے لگا اور حمید کی جان میں جان آئی۔ اگر وہ رائفلوں میں دلچسپی لینے کے بعد ہوٹل کی چھت پر چڑھ دوڑنے کا ارادہ ظاہر کرتا تو حمید کی تفریح کی عافیت خطرے میں نظر آنے لگتی۔

اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ فضا دھندلا گئی تھی اور برف گرنے کے آثار نظر آرہے تھے۔

ایک فائر

انہوں نے دن بھر آرام کیا۔ شکار کا پروگرام دوسرے دن سے تھا۔

فریدی بہت شدت سے بور نظر آرہا تھا۔ عورتوں کی موجودگی اُسے بُری طرح کھل رہی تھی۔ صبح سے کئی آدمی عورتوں کی موسم سرما کے شکار میں شرکت پر تضحیک آمیز باتیں کہہ چکے تھے۔ قاسم، حمید اور فریدی ایک ہی کمرے میں تھے۔ زاہد کریم اور اس کی بیوی صوفیہ کے لئے ایک کمرہ مخصوص کر دیا گیا تھا۔ شہناز اور غزالہ نواب صاحب کے ساتھ تھیں۔ کرنل شمشاد اور

---

[1] جاسوسی دنیا کا ناول "پُر اسرار کنواں" ملاحظہ فرمائیے۔

اس کی لڑکی فرزانہ چوتھے کمرے میں بند تھے۔

شام کو فریدی اٹھ کر نواب صاحب کے کمرے میں چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی قاسم نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

"ہائیں! ہائیں۔" حمید بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔

قاسم پلنگ پر اوندھا پڑا پھول پچک رہا تھا۔

"ارے کیا ہوا تمہیں.... ڈانگر کہیں کے۔"

"حمید.... بھائی.... بس رو لینے دیجئے۔"

"شرم نہیں آتی تمہیں.... اتنا بڑا ڈیل ڈول....!"

"ڈیل ڈول کی ایسی تیسی۔" قاسم جھنجھلا کر بیٹھ گیا۔ "لعنت ہے اس ڈیل ڈول پر۔"

"آخر غصے کی وجہ پیارے۔" حمید نے آگے بڑھ کر اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ہوئے کہا۔

"غصے کی وجہ۔" قاسم رومال سے آنسو پونچھتا ہوا بولا۔ "میری شادی کو چھ ماہ گزرے لیکن میں اب بھی کنوارا ہوں۔"

"کیا مطلب۔" حمید آنکھیں کھول کر بولا۔

"سالی مجھے دیکھ کر غل غپاڑہ مچاتی ہے۔ چیخ کر بے ہوش ہو جاتی ہے۔"

"واقعی۔"

"حمید بھائی میں جھوٹ نہیں بولتا۔" قاسم کی آواز پھر گلوگیر ہو گئی۔ "میں اسی غم میں گھل رہا ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے پیارے قاسم۔"

"میری شادی میرے باپ نے زبردستی کر دی۔ وہ سرمایہ دار ضرور ہیں۔ مگر بنیا ٹائپ کے علم کے روشنی سے محروم! وہ صرف دولت سمیٹنا جانتے ہیں آدمی کی ان کی نظروں میں کوئی وقعت نہیں۔"

حمید خاموشی سے سنتا رہا پھر انتہائی سنجیدگی سے بولا۔

"حمیدہ بانو سے کشتی لڑو گے۔"

"میں نے سوچا تھا۔" قاسم نے اتنی ہی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "لیکن والد صاحب...."

"تم نے سوچا تھا۔" حمید تحیر آمیز انداز میں چیخا۔

"ہاں۔" قاسم سر ہلا کر بولا۔ "وہ یہی تو کہتی ہے نا کہ جو مجھے زیر کر لے گا اُسی سے شادی کر لوں گی۔"

حمید سنجیدگی سے کچھ سوچتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ "کرنل صاحب کی لڑکی سے عشق کرو گے۔"

"کیا....؟" قاسم نے آگے جھک کر سرگوشی کی۔

"فرزانہ سے عشق۔"

قاسم تھوک نگل کر منہ چلانے لگا۔

"کرنل صاحب تمہیں بہت پسند کرتے ہیں۔" حمید نے سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ "کئی بار کہہ چکے ہیں کہ یہ جوان تو جنرل بننے کے لائق ہے۔"

"اچھا....!" قاسم احمقانہ انداز میں آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"ہاں اور لڑکی بھی کافی تندرست ہے۔"

"ہے تو!.... مگر.... عشق....!"

"کیوں؟ کیا بات ہے؟"

"عشق کیسے کروں گا مجھے آتا ہی نہیں۔ میں نے کبھی نہیں کیا۔"

"بگھی میں جوتے گئے ہو کبھی۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

قاسم ہنس پڑا۔

دروازے پر قدموں کی آواز سنائی دی اور قاسم بوکھلا گیا کیونکہ آنے والی فرزانہ ہی تھی۔ اس کے ساتھ شہناز بھی تھی۔

"کیوں حمید صاحب! کیا آپ بھی مریضانہ ذہنیت کے حامل ہو گئے۔" فرزانہ نے کہا۔

"نہیں تو.... ذرا قاسم کو ایک صحت مند مشورہ دے رہا تھا۔"

قاسم نے بوکھلا کر کچھ کہنا چاہا اور اس کے منہ سے بیک وقت کئی طرح کی آوازیں نکل کر رہ گئیں۔ فرزانہ اور شہناز ہنسنے لگیں۔

"میں بھی تو سنوں کہ کیا مشورہ تھا۔" فرزانہ نے کہا۔

"یہی کہ یہ حضرت کرنل سے قریب ہو جائیں تو بہتر ہے۔"

اس جملے پر قاسم کا حلیہ بُری طرح بگڑ گیا۔ وہ آنکھیں پھاڑے حمید کو گھور رہا تھا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"اوہ مطلب صاف ہے۔"

"کچھ نہیں.... ہاہا....!" قاسم اپنی دانست میں بچاؤ کی کوئی صورت نہ دیکھ کر شور مچانے والے انداز میں ہنسنے لگا۔

"میں انہیں یہ مشورہ دے رہا تھا کہ یہ فوج میں ملازمت کر لیں۔" حمید نے کہا۔

"خیر وہ سب ٹھیک ہے لیکن اس وقت کمرے میں پڑے رہنا کہاں کی دانشمندی ہے، ذرا باہر نکل کر دیکھئے۔ مغربی گوشے سے بادل سرک گئے ہیں اور شفق کا رنگ برف پوش پہاڑیوں میں بکھر گیا ہے۔"

حمید نے مسکرا کر شہناز کو آنکھ ماردی اور وہ بُرا سا منہ بنا کر کھا جانے والے انداز میں اُسے گھورنے لگی۔

"فریدی صاحب کہاں ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"چھت پر۔"

"چھت پر....!" حمید اچھل پڑا۔

"اور آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔" شہناز لچک کر بولی۔

"شفق کی بہار دیکھ رہے ہیں یا....!"

"جی نہیں کچھ نشانات۔" شہناز نے اس کی بات کاٹ دی۔

"باقی رہے گا کب تک نام و نشان ہمارا۔" حمید دردناک انداز میں گنگنانے لگا۔

شہناز اور فرزانہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرائیں۔

"بدِ آفرینش ہی سے آدمی تن آسانی کا جویا رہا ہے۔" فرزانہ نے کہا۔ "میں نے آپ تک اُن کا پیغام پہنچا دیا اب آپ جانیں۔"

وہ دونوں چلی گئیں۔

"دیکھا تم نے۔" حمید نے اٹھ کر جوتا پہنتے ہوئے قاسم سے کہا۔ "وہ خود ہی تم سے عشق کرنا

چاہتی ہے۔"

"خود ہی.... مجھ سے ہی ہی ہی۔" قاسم ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر ہنسنے لگا۔

"ابے تم دیکھتے نہیں کہ تمہارے ہی ڈیل ڈول کے الفاظ استعمال کرتی ہے۔ بدِ فرینش.... ہونہہ۔"

"تو حمید بھائی سچ مچ.... پھر میں.... مگر کیسے؟"

"میں بتاؤں گا۔"

"تو پھر بتایئے نا۔"

"ذرا ایک ٹھنڈی سانس تو بھرو۔" حمید نے کہا۔

قاسم ٹھنڈی سانس لینے کے لئے اپنے پھیپھڑوں میں ہوا کھینچنے لگا۔ لیکن درمیان ہی میں سے ہنسی آگئی۔

"تم نہیں کر سکو گے عشق۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

فریدی گم شدہ ہیڈ ویٹرس کے کمرے کی چھت پر کھڑا نیچے کی طرف دیکھ رہا تھا وہ تنہا تھا اور لکڑی کی سیڑھیوں کے ذریعے اوپر تک پہنچا تھا۔ آخری منزل یا دوسری منزل کی سپاٹ چھتوں پر جانے کے لئے باقاعدہ زینے نہیں تھے۔ فریدی اس طرح خیالات میں ڈوبا ہوا تھا اُسے حمید کے آنے تک کی خبر نہ ہوئی۔ حمید بھی تنہا ہی تھا اس نے تو کوشش کی تھی کہ قاسم کو بھی اوپر سنبھالے جائے لیکن قاسم نے صاف انکار کر دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ لکڑی کی معمولی سی سیڑھی کا بوجھ نہ سنبھال سکے گی۔

"ہے ہے۔" حمید سسکی لے کر بولا۔ "آج شفق کتنی حسین لگ رہی ہے۔"

"اُوں۔" فریدی چونک کر مڑا۔ چند لمحے تفکر آمیز انداز میں حمید کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ "میں نے تمہیں شاعری کرنے کے لئے نہیں بلایا۔"

"وہ تو میں جانتا ہوں کہ آپ مجھ سے اپنا مرثیہ لکھوائیں گے۔" حمید منہ بنا کر بولا۔

"ان لڑکیوں کو کسی طرح سمجھاؤ کہ یہاں ان کا ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔"

"اوہ تو کیا یہ بات ایسی ہی تھی کہ تیسری منزل پر کہی جائے۔"

"اونہہ! ارے بابا میں اُس کیس میں دلچسپی نہیں لے رہا ہوں۔ میں نے تمہیں شکار کے لئے

جگہ تجویز کرنے کے لئے بلایا ہے۔"

"رہائشی کمروں سے بہتر اور کوئی جگہ نہیں۔" حمید نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"بکنے لگے۔"

"سنئے جناب! میں پتھر کا نہیں ہوں مجھے سردی لگ رہی ہے اور میں زیادہ دیر تک کسی کھلی جگہ پر ٹھہر نہیں سکتا۔"

"تم آئے ہی کیوں تھے۔" فریدی نے جیب سے دوربین نکال کر لگاتے ہوئے کہا۔

"آدمی کا احمق پن دیکھئے۔" حمید بولا۔ "ظاہر ہے کہ لومڑیاں کھائی نہیں جاتیں اور محض ان کی کھالیں حاصل کرنے کے لئے اتنے دھکے کھانا عقل مندی نہیں۔ کیا بتاؤں یہ بات مجھے پہلے نہ سوجھی ورنہ میں وہیں آپ کو لومڑیوں کی کھالیں خرید دیتا۔ ایک دو نہیں بلکہ درجنوں۔"

"بکو مت۔"

"بہت بہتر۔" حمید واپسی کے لئے مڑتا ہوا بولا۔ "نیچے ہی ملاقات ہوگی۔ یہ جگہ چونکہ خط استوا سے بہت دور ہے لہٰذا مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرا جغرافیہ خطرے میں نہ پڑ جائے۔"

حمید نے چند ہی زینے طے کئے تھے کہ دفعتاً اس نے فائر کی آواز سنی اور ساتھ ہی کوئی چھت پر دھم سے گر پڑا۔

"کیا ہوا؟" حمید چیخ کر مڑا اور پھر تیزی سے اوپر جانے لگا۔ اس کا سر چھت کی سطح سے تقریباً ایک ہی بالشت ابھرا تھا کہ اُسے فریدی کی آواز سنائی دی۔

"نیچے جاؤ۔"

فریدی چھت پر اوندھا پڑا سیڑھیوں کی طرف رینگ رہا تھا۔

حمید دیوار کی طرف منہ کئے ہوئے تین چار سیڑھیاں نیچے اُتر گیا۔

"اتر جاؤ۔" فریدی کی آواز پھر سنائی دی۔ حمید نے وہیں سے چھلانگ لگا دی اور نیچے پہنچ کر فریدی کو سیڑھی سے اترتے دیکھتا رہا۔

"کیا ہوا.... کیا بات ہے۔" حمید نے بوکھلا کر پوچھا۔

"کچھ نہیں! صرف ٹوپی بدلنی پڑے گی۔" فریدی مسکرا کر بولا اور اپنے سر سے بالدار ٹوپی اتار کر حمید کے چہرے کے قریب کر دی۔

ٹوپی کے اوپری حصے میں ایک بڑا سا سوراخ تھا اور اس کی نوعیت کہہ رہی تھی کہ وہ کسی رائفل کی گولی کا نتیجہ ہے۔

"یہ کیا ہوا۔"

"سوارخ....!" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "کیا تم نہیں جانتے کہ سوراخ کسے کہتے ہیں۔"

"لیکن یہ ہوا کیسے۔"

"اس طرح ہوا کہ اگر کچھ اور نیچے ہوتا تو میں تمہارے احمقانہ سوالات سے ہمیشہ کیلئے بچ جاتا۔"

"گولی۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔ "لیکن آئی کدھر سے۔ آیئے باہر دیکھیں۔"

"سنو بیٹے۔" فریدی نے اُس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "دوسرے سوراخ والے جسم کو لاش کہیں گے۔ ویسے تم اس کا تذکرہ ساتھیوں سے مت کرنا۔"

"لیکن کچھ نہ کچھ تو کرنا چاہئے۔" حمید مضطربانہ انداز میں بولا۔

"صرف اتنا ہی کہ چل کر ہوٹل کے منیجر کو اپنی لطیفہ گوئی سے محظوظ کرو۔ لیکن ٹھہرو! جاؤ پہلے میرے صندوق سے دوسری ٹوپی نکال لاؤ۔ اُسے رکھتے آنا۔"

حمید قریب قریب دوڑتا ہوا اپنے کمرے تک آیا۔ فریدی کے صندوق سے ٹوپی نکالی اور قاسم کی گھوں گھوں پر دھیان دیئے بغیر باہر نکل گیا۔

دونوں ڈائننگ ہال میں پہنچے۔

منیجر کاؤنٹر پر کہنیاں ٹیکے خلاء میں گھور رہا تھا۔ ان کے قدموں کی آہٹ پر چونک کر مسکرانے لگا۔ اس کی مسکراہٹ بڑھاپے میں بھی بڑی دلآویز تھی۔

"مجھے بڑا افسوس ہے آپ لوگوں کو بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔" اس نے کہا۔

"قطعی نہیں.... ویسے میں نے سنا ہے کہ آپ کو دو ایک آدمی مل گئے ہیں۔" فریدی بولا۔

"جی ہاں! ایک باورچی اور دو خادم۔"

"چلئے یہ بھی غنیمت ہے۔" فریدی نے کہا اور ایک اچٹتی سی نظر ڈائننگ ہال پر ڈالی۔ دو آدمیوں کے علاوہ وہاں اور کوئی نہیں تھا۔ حمید نے انہیں پہلی نظر میں پہچان لیا۔ یہ انہیں تینوں شکاریوں میں سے تھے۔ جن سے وہ صبح ہی الجھتے الجھتے رہ گیا تھا۔ اس وقت بھاری چہرے والا ان میں نہیں تھا۔

فریدی اور حمید کاؤنٹر کے قریب جا کر کھڑے ہو گئے۔

"کیوں جناب۔" فریدی نے منیجر کو آہستہ سے مخاطب کیا۔ "کبھی آپ کے ہوٹل میں کوئی قتل بھی ہوا ہے۔"

"قتل....!" منیجر یک بیک چونک پڑا۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"اب میں آپ کو قتل کا مطلب کس طرح سمجھاؤں۔"

"نہیں صاحب! یہاں کبھی قتل و قتل نہیں ہوا۔"

"میں نے یونہی پوچھا تھا۔" فریدی نے جیب سے سگار کیس نکالتے ہوئے کہا۔ "لیجئے۔"

"جی شکریہ! مجھے تمباکو سے رغبت نہیں۔"

فریدی نے ایک سگار سلگا لیا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ نے یہ سوال کیوں کیا؟" منیجر آہستہ سے بڑبڑایا۔ جیسے اُس نے خود سے کہا ہو۔

"اوہو! آپ الجھن میں نہ مبتلا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ پھر ہال میں بیٹھے ہوئے دونوں آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ "شکاری۔"

"جی ہاں! اور آپ ہی لوگوں کی طرح میرے لئے اجنبی ہیں۔"

"یعنی۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ اس سیزن کے علاوہ اور کبھی یہاں نہیں ٹھہرے۔"

"کب سے مقیم ہیں۔"

"تقریباً ایک ماہ سے۔"

"تب تو انہوں نے کافی شکار کر لیا ہوگا۔"

"مجھے اس کے متعلق علم نہیں لیکن میں آپ لوگوں کو ایک مشورہ ضرور دوں گا۔ وہ بھی محض اس لئے کہ آپ کے ساتھ لیڈیز بھی ہیں۔ یہاں کسی شکاری سے دشمنی مت مول لیجئے گا۔ خصوصاً پیشہ ور شکاریوں سے۔ کیونکہ سیزن ختم ہونے پر جب برف پگھلتی ہے تو دو چار لاشیں ضرور نکلتی ہیں۔ آج تک کوئی سیزن خالی نہیں گیا۔"

"اوہ....!" فریدی نہ صرف سنجیدہ ہو گیا بلکہ اس کی آنکھوں سے حیرت بھی جھانکنے لگی تھی

س کے متعلق حمید نے اندازہ لگایا کہ وہ سو فیصدی مصنوعی تھی۔

"جی ہاں! پچھلے سال تین لاشیں ملی تھیں اور وہ تینوں شکاری تھے۔ ان میں سے ایک کا قیام یہاں فزارو میں تھا۔"

"پولیس نے کچھ نہیں کیا۔" فریدی نے پوچھا۔

"پولیس....!" منیجر تمسخر آمیز لہجے میں بولا۔ "پولیس نے ان لاشوں کو اٹھوا کر ان کا پوسٹ مارٹم کرا دیا تھا۔"

"اگر ہم یہیں کاؤنٹر پر کھڑے کھڑے کافی پئیں تو کیا حرج ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کوئی حرج نہیں جناب۔ ابھی لیجئے اسٹرونگ یا لائٹ۔"

"اسٹرونگ وِد کریم۔"

منیجر چلا گیا۔ وہ دونوں وہیں کاؤنٹر پر کھڑے رہے۔

"یہ شکاری۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "ان کے ساتھ ایک اور بھی تھا۔"

"میں جانتا ہوں.... میں نے صبح دیکھا تھا۔"

"اور وہ تیسرا صورت سے کوئی اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔"

"صورتیں اکثر دھوکا بھی دیتی ہیں۔"

منیجر واپس آ گیا۔ شائد وہ کچن میں کافی کے لئے کہنے گیا تھا۔

"آخر یہ شکاری آپس میں لڑ کیوں جاتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"اس کی بھی ایک وجہ ہے۔" منیجر بولا۔ "شکار کے لئے کوئی جگہ مخصوص نہیں ہے۔ ہونا یہ چاہئے کہ سرکاری اجازت ناموں کے ساتھ مختلف پارٹیوں کے لئے جگہ کا تعین بھی کر دیا جائے کیونکہ کئی مقامی اخبارات نے حکام کی توجہ اس طرف مبذول کرانے کی کوشش کی ہے لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔"

"یہ تو واقعی بُری بات ہے۔" فریدی نے کہا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر کافی آ گئی۔

"آپ کی وہ لڑکی۔" فریدی کافی کے کپ میں شکر ڈالتا ہوا بولا۔ "کیا یہاں کسی سے اُس کی دشمنی تھی۔"

"نہیں جناب وہ بڑی نیک لڑکی تھی۔"

"اوہ! لیکن نیک آدمیوں کے بھی تو دشمن ہوتے ہیں۔ ان کی نیکی ہی دوسروں کی دشمنی کی وجہ بن جاتی ہے۔"

"ہوتے ہوں گے مگر.... اُس کا کوئی دشمن نہیں تھا کیونکہ وہ کسی سے زیادہ ملتی ہی نہیں تھی۔"

"اغواء کی وارداتیں یہاں عام ہوں گی۔"

"نہیں جناب میرے ہوٹل میں یہ پہلا واقعہ ہے۔"

"آپ غلط سمجھے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہاں سے مراد ٹیکم گڈھ تھی۔"

"ٹیکم گڈھ کیلئے اغواء کی وارداتیں نئی نہیں اور ایسی وارداتیں عموماً سردیوں میں ہی ہوتی ہیں۔"

"سردیوں میں۔" فریدی کچھ سوچنے لگا۔

"لیکن وہ پُراسرار نشانات! ٹیکم گڈھ کے لئے نئے ہیں۔" منیجر نے کہا۔

"نئے ہیں.... مگر میں نے سنا ہے کہ وہ اس سے قبل بھی مختلف مقامات پر دیکھے گئے ہیں۔"

"جی ہاں! یہ اسی سیزن کی بات ہے شاید پندرہ بیس دنوں سے اُنکے متعلق سنائی دینے لگا ہے۔"

ہال کے چوبی فرش سے جوتے کی آوازیں پھیل رہی تھیں۔

فریدی اور حمید نے مڑ کر دیکھا۔ بھاری چہرے والا شکاری ہال میں داخل ہو چکا تھا۔

حماقتیں

"گڈ ایوننگ منیجر۔" اس نے منیجر کو مخاطب کیا۔

"ایوننگ جنٹلمین۔"

"میں بھی گرم کافی کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔"

"ضرور ضرور!" منیجر نے کاؤنٹر پر رکھی ہوئی گھنٹی بجاتے ہوئے کہا۔ "اسٹرونگ۔"

"اسٹرونگسٹ پوسیبل۔"

وہ بائیں کہنی کاؤنٹر پر ٹیک کر داہنے ہاتھ کی انگلیوں سے اپنی رائفل کا کندہ کھٹکھٹانے لگا، جو اس کے کاندھے سے لٹکی ہوئی تھی۔ اس وقت حمید کو اس کا چہرہ پہلے سے بھی زیادہ خوفناک معلوم

ہو رہا تھا۔ فریدی نے اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھا اور پھر کافی پینے لگا۔

"آپ لوگوں کو بھی تکلیف ہو رہی ہے۔" منیجر نے اس سے کہا۔

"ہمیں کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔" شکاری مسکرا کر بولا۔

"شکار کیسا ہو رہا ہے۔"

"انتہائی خراب نہ ہونے کے برابر۔ اس بار گرومی کی پارٹی بڑی زبردستیوں پر اُتر آئی ہے۔ کیا کروں میرے پاس زیادہ آدمی نہیں ہیں ورنہ ایک ایک کو سیدھا کر دیتا۔ ایسے میں تو دبنا ہی پڑتا ہے۔"

"آپ لوگ کدھر جا رہے ہیں۔"

سیتل گھاٹی کی طرف! شکار سچ مچ اُدھر ہی ہے۔ مگر گرومی کے کتے بھی اُدھر ہی جا رہے ہیں۔"

"پتہ نہیں اس بار گرومی صاحب، فزارو میں کیوں نہیں ٹھہرے۔"

"اُسے شاید معلوم تھا کہ میں اس بار فزارو میں قیام کروں گا۔"

"تو آپ پہلے بھی یہاں آتے رہے ہیں۔" منیجر نے پوچھا۔

"برابر.... میں تقریباً دس سال سے یہاں آ رہا ہوں۔" شکاری نے ویٹر کے ہاتھ سے کافی کی ٹرے لیتے ہوئے کہا۔ اسکے دونوں ساتھی ڈائننگ ہال کے ایک گوشے میں شطرنج کھیل رہے تھے۔

"گرومی صاحب اس بار کہاں ٹھہرے ہیں۔" منیجر نے پوچھا۔

"شہر میں.... لیکن ہوٹل میں نہیں۔ انہوں نے کوئی بلڈنگ کرائے پر لی ہے؟"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر بھاری چہرے والا فریدی کی طرف مڑ کر بولا۔ "خصوصاً آپ لوگوں کو بڑی دشواریاں پیش آئیں گی۔ آپ بالکل نئے معلوم ہوتے ہیں۔"

"مقصد تفریح ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "اگر شکار نہ بھی ملے گا تو ہمیں افسوس نہ ہوگا۔"

"ٹھیک ہے! ٹھیک ہے۔" شکاری ہنس پڑا۔ "ویسے یہ بطخوں اور ہرنوں کا شکار نہیں ہے۔"

"میں تو ہاتھیوں اور شیروں کے شکار کو بھی اس سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔" فریدی نے کہا۔

"بہت خوب۔ جناب کا اسم شریف۔"

"ایکس، وائی، زیڈ کچھ بھی سمجھ لیجئے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "نام شکار نہیں کھیلا کرتے۔"

"یہاں تو گرومی کا نام ہی شکار کھیلا کرتا ہے۔" شکاری نے سنجیدگی سے کہا۔

"اوہ تو وہ اتنا خوفناک ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"اگر آپ کی پارٹی نے بھی سیتل گھاٹی کا رخ کیا تو اُس سے کسی رسمی تعارف کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔"

"سیتل گھاٹی۔" فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ہم وہیں شکار کھیلیں گے۔"

شکاری نے کچھ اس قسم کا قہقہہ لگایا جیسے اُس نے کسی بچے کی زبان سے کوئی حماقت انگیز بات سنی ہو۔

پھر اُس نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کیا۔ "دوستو! آخر کار ہمیں ایک آدمی تو ایسا ملا تو سیتل گھاٹی میں علانیہ شکار کھیلے گا۔"

وہ دونوں پہلے وہیں بیٹھے اُسے دیکھتے رہے پھر شطرنج کی بازی چھوڑ کر اٹھ آئے۔

"یہ جیالے۔" اس نے فریدی اور حمید کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "سیتل گھاٹی...."

"میرا خیال ہے۔" فریدی نے اُس کی بات کاٹ دی۔ "آپ تہذیب کی حدود سے آگے بڑھ رہے ہیں۔"

"اوہ! مجھے افسوس ہے۔" شکاری یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔

"آپ کی تعریف۔" اُن میں سے ایک نے کہا۔

"تعریف میں بھی نہیں جانتا۔" بھاری چہرے والے نے کہا۔ "لیکن صورت سے مستقل مزاج آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ ٹھوڑی اور ناک کی بناوٹ کہہ رہی ہے کہ سفاکی اور نرم دلی دونوں موجود ہیں۔"

"قیافے کی داد دینی پڑے گی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ میں مرد کتنے ہیں۔" بھاری چہرے والے نے پوچھا۔

"چھ.... اور....!"

"کیا آپ ہم سے تھوڑی دیر تک گفتگو کرنا پسند کریں گے۔" شکاری نے فریدی کی بات کاٹ کر پوچھا۔ فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ وہ چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔

"ضرور! بڑی خوشی سے۔"

"تو آیئے؟" شکاری ڈائننگ ہال کی میزوں کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

حمید الجھن میں پڑ گیا تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر فریدی کو ہو کیا گیا ہے؟ کچھ

ہی دیر قبل اُس پر حملہ ہو چکا تھا اگر گولی ایک انچ نیچے لگی ہوتی تو اس وقت اس کی تجہیز و تکفین کا مسئلہ درپیش ہوتا۔ اس کے باوجود بھی وہ اتنا پُرسکون نظر آ رہا تھا جیسے وہ سب محض مذاق ہو۔ شکاریوں کی آپس کی خلش کے متعلق وہ منیجر سے سن چکا تھا اور اب یہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ اسی بھاری چہرے والے کی حرکت نہ رہی ہو۔

وہ پانچوں ایک گوشے میں آ بیٹھے۔

"ہاں تو میرے دوست....!" بھاری چہرے والے نے فریدی کو مخاطب کیا۔ "گرومی بڑا خطرناک آدمی ہے۔ وہ اپنے کسی بھی حریف کو زندہ دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ دس سال کے عرصے میں میں نے اپنے تیرہ ساتھی ضائع کئے ہیں۔"

"کیا وہ گرومی ہی کا شکار ہوئے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"قطعی! اس کی پارٹی ہمیشہ طاقتور رہتی ہے اور وہ ہمیشہ مکاری سے مارتا ہے۔"

"پولیس کچھ نہیں کرتی۔"

"پولیس آج تک اس کے خلاف ثبوت نہیں بہم پہنچا سکی۔"

"کوئی اور بھی پارٹی ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"بہتیری تھیں لیکن اب میری پارٹی کے علاوہ اور کوئی نہیں رہ گئی۔ اب کوئی ٹیکم گڈھ کی طرف رخ بھی نہیں کرتا۔ اس بار بھی میرے ساتھ چودہ آدمی آئے تھے لیکن اب یہی دو مرد رہ گئے ان کے علاوہ اور سب نے پیٹھ دکھائی۔"

فریدی نے سگار کیس نکال کر میز پر رکھ دی۔ بھاری چہرے والے نے ایک سگار نکال کر سلگاتے ہوئے کہا۔ "میں دس سال سے اس کے مقابلے پر جا رہا ہوں۔ اب یا تو میں اُس کے ہاتھ سے مارا جاؤں گا یا وہ خود میرے ہاتھوں جہنم رسید ہو گا۔"

"تو پھر وہ بھی آپ کی تاک میں رہتا ہو گا۔" فریدی نے پوچھا۔

"قطعی! وہ کئی بار مجھ پر حملہ کر چکا ہے۔"

"یعنی اگر اس کا بس چلے تو وہ آپ کو گولی مار دینے سے بھی دریغ نہ کرے۔"

"جی ہاں! بالکل یہی بات ہے۔"

فریدی کچھ سوچنے لگا.... کچھ دیر خاموش رہ کر اس نے بھاری چہرے والے سے پوچھا۔

"ہوٹل کی واردات کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔"

"واردات....! میں اسے حیرت انگیز کہتا۔ لیکن ڈیڑھ فٹ لمبے پیروں کے نشانات مجھے شبہے میں ڈال رہے ہیں۔"

"کیوں؟ شبہہ کس بات کا؟" فریدی نے پوچھا۔

"وہ نشانات یہاں قریباً ایک ماہ سے دیکھے جا رہے ہیں۔ سب سے پہلے وہ سیتل گھاٹی میں دیکھے گئے تھے اور اب بھی زیادہ تر وہیں دکھائی دیتے ہیں۔"

"لیکن یہ شبہہ کیوں!" فریدی نے کہا۔

"میں انہیں کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ بھی گرومی کی کوئی شرارت ہو۔"

"ہو سکتا ہے لیکن اس کا مقصد بھی ہوگا۔ آخر مقصد کیا ہو سکتا ہے۔"

"دوسری پارٹی کو خوف زدہ کرنا۔" بھاری چہرے والے نے کہا۔ "ظاہر ہے کہ کمزور دل کے آدمی ایسی صورت میں سیتل گھاٹی کا رخ نہ کریں گے۔"

فریدی صرف سر ہلا کر رہ گیا۔

"گرومی آپ لوگوں کا بھی دشمن ہو جائے گا۔" بھاری چہرے والا پھر بولا۔

"مگر ہماری دشمنی شائد اُسے بہت مہنگی پڑے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"آپ ناواقفیت کی بناء پر ایسا کہہ رہے ہیں۔ گرومی سچ مچ شیطان کا نظفہ ہے۔"

"ہم لوگوں سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔" حمید نے کہا۔ "وہ شروع ہی سے خاموش تھا لیکن اب اس کی زبان میں کھجلی ہونے لگی تھی۔"

"اُس سے بھڑنا آسان نہیں۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "شکار تو ہم بہر حال کھیلیں گے۔"

"کب سے ارادہ ہے۔"

"کل سے۔"

"اور سیتل گھاٹی میں ہی۔"

"جی ہاں وہیں۔"

"خیر میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ آگے آپ کو اختیار ہے۔" شکاری بولا۔

"ہم اس پر غور کریں گے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"ویسے اگر کبھی ہمارے تعاون کی ضرورت محسوس ہو تو بلا تکلف کہہ دیجئے گا۔"

"شکریہ۔" فریدی نے بجھا ہوا سگار سلگا کر کہا۔

"ان نشانات کے متعلق آپ نے کوئی واضح خیال نہیں ظاہر کیا۔" حمید نے کہا۔

"میں نے اپنا شبہہ ظاہر کر دیا۔ وہ بھی اس بناء پر کہ وہ زیادہ تر سیتل گھاٹی میں دیکھے گئے ہیں اور اگر اس لڑکی کے اغواء میں گرومی ہی کا ہاتھ ہے تو اس سے بڑا چھچھورا شائد ہی روئے زمین پر دوسرا ہو۔"

"گرومی ہے کون؟" فریدی نے پوچھا۔

"ایک پیشہ ور شکاری۔ اس سے زیادہ میں بھی نہیں جانتا۔"

سلسلہ گفتگو زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا۔ نواب صاحب نے فریدی کو بلوا بھیجا تھا۔ دوسری منزل پر جاتے وقت فریدی نے حمید سے کہا۔

"کیا خیال ہے۔"

"شائد وہ ہم سے تعاون کرنا چاہتا ہے۔"

"اگر واقعی گرومی اُسی کے بیان کے مطابق نکلا تو۔" فریدی نے کہا۔

"ہڈیاں توڑ دیں گے اُس کی۔ میرا پٹھا اس کی ٹانگیں چیر کر پھینک دے گا۔"

"کون! قاسم.... بھئی بڑا بے وقوف آدمی ہے۔"

"بہترین تفریح ہے۔" حمید ہنس کر بولا۔ "میں اُسے عشق پر آمادہ کر رہا ہوں۔"

"یعنی....!"

"وہ فرزانہ سے عشق کرے گا۔"

"لاحول ولا قوۃ.... یار اس لڑکی کے گفتگو کے انداز سے میں بُری طرح اُکتا گیا ہوں۔"

فریدی نواب صاحب کے کمرے میں چلا گیا اور حمید نے اپنے کمرے کی راہ لی۔ یہاں قاسم کی "گھوں گھوں" کے ساتھ چند سریلے قہقہے بھی گونج رہے تھے۔ اندر پہنچ کر اس نے عجیب ہنگامہ دیکھا۔ غزالہ، شہناز، فرزانہ اور صوفیہ چاروں موجود تھیں۔ کمرے کی ایک چھوٹی میز ٹوٹی پڑی تھی۔ حمید نے اپنی رائفل فرش پر پڑی دیکھی جس کی نال بیچ سے ٹیڑھی ہو گئی تھی۔ آتش دان کو

اشتعال دینے والی لوہے کی موٹی سلاخ اس طرح مڑی ہوئی تھی کہ اس کے دونوں سرے ایک دوسرے سے مل گئے تھے۔

اور پھر اس نے قاسم کو دیکھا، جو سامنے کھڑا ٹوٹے ہوئے گلاس کے ٹکڑے چبا چبا کر تھوک رہا تھا۔

"ابے یہ کیا کیا؟" حمید اپنی رائفل اٹھاتا ہوا چیخا۔

"سیدھی کر دوں گا حمید بھائی۔" قاسم نے شیشے کا ٹکڑا چباتے ہوئے بڑے اطمینان سے کہا۔

حمید آنکھیں پھاڑے اُسے گھور تا رہا۔

"اب میں یہ دونوں کرسیاں۔" قاسم نے لڑکیوں کو مخاطب کیا۔ "اپنی بغلوں میں دبا کر توڑ دوں گا۔"

"دماغ خراب ہوا ہے۔" حمید پھر چیخا۔

"حمید بھائی صرف یہی دونوں کرسیاں۔" قاسم نے بڑی سنجیدگی سے کہا اور وہ چاروں ہنس پڑیں۔

"شامت آئی ہے۔ کیا یہ میرے تمہارے باپ کی کرسیاں ہیں۔"

"اور قاسم بھائی وہ سوٹ کیسوں والا کھیل۔" شہناز اٹھلا کر بولی۔

"ابے مار ہی ڈالوں گا۔" حمید مکا تان کر بولا۔

قاسم کھسیانی ہنسی کے ساتھ ایک طرف بیٹھ گیا۔

"حمید صاحب۔" فرزانہ بولی۔ "آپ نے ہمیں اتنے شاندار کمالات سے محروم کر دیا۔"

"آپ بھی کچھ فرمایئے۔" حمید نے جل کر شہناز کو مخاطب کیا۔

"وہ سوٹ کیسوں والا کھیل۔" شہناز نے قاسم سے کہا۔

"سنو....!" حمید جھلا کر بولا "ایک کھیل مجھے بھی آتا ہے۔"

"وہ کیا ہے حمید صاحب۔" غزالہ نے مسکرا کر پوچھا۔

"کمرے کا سارا سامان ایک جگہ اکٹھا کر دیجئے۔ پھر اُس پر پٹرول چھڑک دیجئے۔"

"میں پٹرول بھی پی سکتا ہوں۔" قاسم نے شرما کر کہا۔

"میں تمہیں پٹرول پلاؤں گا۔" حمید دانت پیس کر بولا۔

"حمید صاحب آج آپ کچھ مخمور المزاج سے نظر آ رہے ہیں۔" فرزانہ بولی۔

"آؤ چلیں۔" غزالہ نے شہناز سے کہا۔

"نہیں بھئی! اب حمید صاحب بھی کمالات دکھائیں گے۔" صوفیہ مسکرا کر بولی۔

"ضرور! ضرور۔" حمید نے اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا۔ "قاسم چت لیٹ جاؤ۔"

"کیوں؟ ہاہاہا۔"

"میں بھی کچھ دکھاؤں گا۔" حمید نے اپنے سوٹ کیس میں ہاتھ ڈال کر کچھ ٹٹولتے ہوئے کہا۔

"چلئے لیٹ گیا۔" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

ساتھ ہی کڑکڑاہٹ سنائی دی۔ حمید نے ایک بڑا سا شکاری چاقو کھول لیا تھا۔

قاسم بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔

"میں اس کی گردن کاٹ کر پھر جوڑ دوں گا۔" حمید نے لڑکیوں سے کہا۔

اس کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔ وہ سب ہنس پڑیں لیکن حمید کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تک نہ آئی۔

"ڈرو نہیں قاسم۔" حمید نرم لہجے میں بولا۔ "تمہیں ذرا بھی تکلیف نہ ہوگی۔"

"ہم.... مگر۔"

"کچھ نہیں.... گردن الگ کر کے پھر جوڑ دوں گا۔"

"نہیں.... نن.... نہیں۔"

"ڈرو مت۔" حمید چیخ کر بولا۔

لڑکیاں سنجیدہ ہو گئیں۔

"لیٹ جاؤ قاسم۔" حمید پھر گرجا۔

فرزانہ نے پھر اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ حمید نے اسکی طرف دیکھا تک نہیں۔

"قاسم....!"

قاسم حیرت سے منہ پھاڑے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

لڑکیوں نے آپس میں کچھ اشارے کئے اور وہاں سے چلی گئیں۔

"کیوں بے ڈفر۔" حمید چاقو ایک طرف ڈال کر بولا۔ "یہ کیا حرکت تھی۔"

"حمید بھائی خفا ہو گئے۔"

"خفا کے بچے! ان پر اپنی طاقت کا رعب ڈال رہے تھے۔"

"آپ ہی نے تو کہا تھا۔" قاسم جھلا کر بولا۔

"کیا کہا تھا میں نے۔"

قاسم نے شرما کر سر جھکا لیا۔ اُس کے ہونٹ ذرا سے کھلے۔ پھر ایک شرمیلی سی مسکراہٹ کے ساتھ نظریں جھکائے ہوئے اس نے کہا۔ "آپ نے نہیں کہا تھا کہ فرزانہ سے عشق کر لو۔"

"ہائیں۔" حمید اچھل کر بولا۔ "تو یہ تم عشق کر رہے تھے۔"

"مطلب یہ کہ....!"

"اب میں سمجھا! حمید اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "اسی طرح تم بیوی سے بھی عشق جتاتے ہو گے۔"

قاسم منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسنے لگا۔

"اور تم نے ڈیڑھ ہزار کی رائفل برباد کر دی۔"

قاسم نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"اب ہنستے ہو بے شرم۔"

"حمید بھائی۔" قاسم اٹھتا ہوا بولا۔ "رائفل کی نال یہ رہی۔"

اس نے صندوق کے پیچھے سے رائفل کی نال نکال کر پلنگ پر ڈال دی۔

"پھر یہ کیا ہے۔"

"کچے لوہے کی نلکی.... دیکھئے کتنی خوبصورتی سے فٹ کی ہے۔" قاسم نے قہقہہ لگایا۔

حمید کو سچ مچ اپنی عقل پر رونا آگیا۔ کیونکہ رائفل کی نال ٹوٹ سکتی تھی ٹیڑھی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے جھینپ مٹانے کے لئے کہا۔

"تمہیں دوسری نالی ملی کہاں سے۔"

"میں اس قسم کی چیزیں اپنے ساتھ رکھتا ہوں۔ اس وقت کئی کھیل رہ گئے۔ اچھا آپ ہی دیکھئے۔"

"حمید اُسے گھورنے لگا۔ قاسم نے ایک ہاتھ سینے پر رکھ کر بُرا سا منہ بنایا۔"

"یوہا.... ہپ.... انگا۔" اس کا منہ کھل گیا۔ دانتوں کے درمیان ایک بڑا سا لوہے کا گولا

پھنسا ہوا تھا۔

"ہپ....!" گولا منہ سے نکل کر فرش پر گر پڑا۔

"یوما.... ہپ.... انگا.... ہپ....!" دوسرا گولا نکالا۔

اس نے پے در پے سات آٹھ گولے منہ سے نکالے۔

"گلاس کتنے توڑے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"چار گلاس اور ایک میز جو سڑی ہوئی لکڑی کی تھی۔ اُسے توڑنے میں چوتھائی قوت بھی کام نہیں آئی۔ ان سب کی قیمت میں ادا کر دوں گا۔"

"تم نے خود بخود کرتب دکھانے شروع کر دیئے تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں.... فرزانہ نے استدعا کی تھی۔"

"خواہ مخواہ استدعا کی تھی۔ اُسے کیسے معلوم ہوا کہ جگر بھی ہو۔"

"وہ تو میں نے ہی بتایا تھا۔" قاسم نے شرما کر کہا۔

"ارے آؤ بھینسے....! یہ لونڈیوں کی طرح لچکتا کیوں ہے۔"

"حمید بھائی! ایک گھونسے میں برابر کر دوں گا۔" قاسم کو غصہ آگیا۔

"ہمیشہ جاہل رہو گے۔" حمید سٹپٹا کر بولا۔ "فردوسی کا شاہنامہ پڑھا ہے۔"

"نہیں پڑھا۔" قاسم نے جھٹکے دار آواز میں کہا۔

"تب ہی تمہیں تاؤ آگیا۔ اے شہ زور وقت! شہنشاہ کیکاؤس رستم کو پیار سے بھینسا کہا کرتا تھا۔"

"مجھے بھینسے پر اعتراض نہیں۔ لونڈیوں کی طرح کیوں کہا۔"

حمید کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ فریدی آگیا۔ اُس نے تحیر آمیز نظروں سے کمرے کا جائزہ لیا اور پھر اُن دونوں کو گھورنے لگا۔

"یہ سب کیا ہے۔"

قاسم کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا۔

حمید مسکرا کر بولا۔ "ہم لوگ ایک نیا تجربہ کر رہے ہیں۔"

"میز کیسے ٹوٹی... اوہ... شائد یہ گلاس کے ٹکڑے میں... ارے یہ رائفل کی نال کو کیا ہوا۔"

"قاسم صاحب بڑے امن پسند ہیں۔" حمید نے کہا۔ "انہوں نے تہیہ کیا ہے کہ دنیا بھر کی

رائفلیں توڑ دیں گے اور توپ کے گولے یہ اپنے منہ سے نکالتے ہیں۔ پچھلے سال اپنے یہاں کے عجائب خانے سے جو توپ غائب ہوئی تھی قاسم کے ہپ میں موجود ہے۔"

"مجھے لغویات پسند نہیں ہیں۔" فریدی جھنجھلا کر بولا اور قاسم چپکے سے کھسک گیا۔

"کیا بات تھی۔" قاسم کے جاتے ہی فریدی نے پوچھا۔

"غزالہ وغیرہ پر اپنی طاقت کا رعب ڈال رہا تھا۔ وہ مڑی ہوئی سلاخ دیکھئے ایک گھونسہ مار کر میز توڑ دی اور یہ رائفل.... خیر اس میں تو اس نے فراڈ کیا تھا۔ نال دوسری فٹ کر دی تھی، جو کچے لوہے کی تھی اور یہ گولے... اول درجہ کا شعبدہ باز ہے۔ اس کی یہ خصوصیت آج ہی معلوم ہوئی۔"

"ہوں.... تم نے مجھے اس سے پہلے کبھی کیوں نہیں ملایا۔"

"کیوں؟"

"کام کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"فی الحال میں اس سے ایک بہت بڑا کام لینے والا ہوں۔" حمید نے کہا۔

فریدی کسی سوچ میں تھا۔ پتہ نہیں اُس نے حمید کی بات پر دھیان دیا تھا یا نہیں، بہر حال اُس نے حمید کے اس جملے پر کچھ نہیں پوچھا۔

"سیتل گھاٹی تمہاری دیکھی ہوئی ہے۔" اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"مجھے کچھ یاد نہیں.... بہت عرصے کی بات ہے۔" حمید نے کہا۔

"خیر.... آج رات کو ہمیں سیتل گھاٹی چلنا ہے۔"

"کیوں....!"

"مجھے گرومی اور اس کے ساتھیوں سے ملنا ہے اور پھر لومڑیوں کا شکار تو عموماً رات ہی کو ہوتا ہے۔ قاسم سے کہو کہ وہ بھی تیار رہے۔"

"اور لوگ بھی جائیں گے۔"

"نہیں.... صرف ہم تینوں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اگر میری ٹوپی میں آج سوراخ نہ ہوتا تو میں سیتل گھاٹی کا رخ نہ کرتا۔ ضرورت ہی کیا تھی۔ ہمارا مقصد تو محض تفریح تھا۔" حمید سوچ میں پڑ گیا۔

خوفناک وادی

رات اندھیری نہیں تھی۔ ٹیکم گڈھ کی پہاڑیاں برف کی کی سفید چادر اوڑھے اونگھ رہی تھیں۔ آسمان سفید بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ چاند اگر ایک پل کے لئے بھی بادلوں کے کسی رخنے سے جھانکنے لگتا تو اونگھتی ہوئی پہاڑیاں گویا چونک سی پڑتیں۔ لامتناہی ہی سناٹا بڑا پُر اسرار معلوم ہو رہا تھا۔

فریدی حمید اور قاسم سیتل گھاٹی کی طرف جا رہے تھے۔ اُن کی رائفلیں ان کے شانوں سے لٹکی ہوئی تھیں۔ قاسم نے اپنی پیٹھ پر کچھ سامان بھی لاد رکھا تھا۔ اس میں ایک پوری چھولداری بھی تھی۔ کافی کا ایک بہت بڑا تھرموس تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی چھوٹی چھوٹی چیزیں جنہیں پیٹھ پر لاد کر قاسم نے رسی سے بندھوا لیا تھا اور وہ اب اتنی آسانی سے برف پر چل رہا تھا جیسے وہ سارا بوجھ اُسی کے جسم کا ایک حصہ رہا ہو۔

سیتل گھاٹی کے قریب پہنچ کر انہوں نے فائروں کی آوازیں سنیں۔ وہ چلتے چلتے رک گئے۔ قاسم نے اپنے کاندھے سے رائفل اتار لی۔

"ابھی نہیں۔" فریدی اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

پھر وہ چٹانوں کے ایک سلسلے کی اوٹ میں چلنے لگے۔ ان کے ہاتھوں میں لمبی لمبی چھڑیاں تھیں جن سے وہ زمین پر پڑی ہوئی برف میں سطح کا اندازہ لگاتے چل رہے تھے۔ فریدی کی نظریں خاص طور سے قاسم پر تھیں اور وہ اسے بار بار ہدایات دے رہا تھا۔ اس کے باوجود بھی وہ کئی جگہ گرتے گرتے بچا تھا۔

تھوڑی دیر بعد فائروں کی آوازیں اب بھی سنائی دیئے جاتی تھیں۔ وہ چلتے رہے سردی کے مارے بُرا حال تھا۔ لیکن اُس کے منہ سے شکایت کا ایک جملہ بھی نہیں نکلا تھا۔ کیونکہ شکار کی تجویز پر اس نے بڑے زور و شور سے فریدی کی تائید کی تھی۔ یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ کچھ لڑکیاں بھی ان کے ساتھ ہوں گی اُس کا جوش و خروش اور زیادہ بڑھ گیا تھا۔ لہٰذا اب اسے سردی کی شکایت کرتے ہوئے شرم آ رہی تھی۔

وہ پھر رک گیا۔ کیونکہ اس بار فائر اُن کے قریب ہی کہیں ہوا تھا۔ چٹانوں کا سلسلہ عبور

کر کے وہ گھاٹی میں اتر گئے۔

"بڑی حیرت کی بات ہے۔" حمید نے کہا۔ "شکار کہیں نظر نہیں آتا لیکن فائر برابر ہو رہے ہیں۔"

"شکار کو بلا رہے ہیں۔" قاسم بڑبڑایا۔

"کیا.... کیا بک رہے ہو۔" حمید نے کہا۔

"اوہ کیا۔" دفعتاً فریدی چونک کر بولا۔

ان دونوں کی نظریں بھی اُدھر ہی اٹھ گئیں جدھر فریدی دیکھ رہا تھا۔ قریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر برف کا ایک ننھا ٹیلا متحرک نظر آ رہا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" حمید خوفزدہ آواز میں بولا۔

"پتہ نہیں۔"

برف کا تودہ رینگتا ہوا ایک چٹان پر چڑھ رہا تھا۔

"بھوت.... بھوت....!" قاسم کانپنے لگا۔

"چپ....!" فریدی نے قاسم کا شانہ دبا دیا۔

چٹان پر چڑھ کر وہ تودہ دو چٹانوں کی درمیانی دراڑ میں اُتر گیا۔ پھر انہیں ایسا معلوم ہوا کہ جیسے تودہ یک بیک سمٹ کا اونچا ہو گیا ہو۔ ایک پل کے لئے چاند نے بادلوں سے جھانکا اور پوری وادی چمک اٹھی۔ چٹانوں کی دراڑ میں کوئی نہیں تھا۔

"ہائیں! غائب۔" قاسم بڑبڑایا۔

"آؤ۔" فریدی نے کہا اور وہ اسی دراڑ کی طرف بڑھنے لگے۔

"میرے خیال سے وہ کوئی سفید ریچھ تھا۔" حمید نے کہا۔

"ہشت....!" فریدی بولا۔ "سفید ریچھ صرف ٹنڈرا میں پائے جاتے ہیں۔"

وہ پھر خاموشی سے چلتے رہے۔ فائروں کی آوازیں بند ہو گئی تھیں۔

وہ اُسی دراڑ کے قریب پہنچے۔ جہاں وہ سفید متحرک شے غائب ہو گئی تھی۔

"ارے....!" حمید یک لخت اچھل پڑا۔

برف پر ڈیڑھ فٹ لمبے پیروں کے نشانات نظر آ رہے تھے۔

فریدی نے جیب سے ٹارچ نکالی اور دراڑ میں گھستا چلا گیا۔ نشانات کچھ ہی دور بعد ختم ہو گئے

تھے۔ آگے دوسری طرف جانے کا راستہ تھا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر اپنی چھڑی برف میں گاڑ دی، جو دھنستی ہی چلی گئی۔ آخر کار وہ چھڑی نکال کر پیچھے ہٹ آیا۔

"شاید گڑھا زیادہ گہرا ہے۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔ پھر اس کی ٹارچ کی روشنی دور تک پھیل گئی۔ سامنے برف کی سطح بے داغ نظر آ رہی تھی۔

"آخر وہ گیا کدھر۔" فریدی چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"بڑی سردی ہے۔" قاسم بڑبڑایا۔

"چلو باہر نکلیں۔" فریدی نے کہا۔ "صبح دیکھیں گے۔"

وہ دراڑ سے نکل آئے۔ پہلے ہی جیسا پُر اسرار سناٹا فضا پر مسلط تھا۔

"شکار کہاں ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

کوئی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد فریدی نے کہا۔

"واقعی یہ بات حیرت انگیز ہے۔ پھر یہ گولیاں کیسی چل رہی تھیں۔ آوازیں اُدھر سے آئی تھیں۔" فریدی نے دور تک پھیلے ہوئے چٹانوں کے سلسلے کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"پھر وہی....!" حمید اچھل پڑا۔ جدھر فریدی نے اشارہ کیا تھا۔ اُدھر ہی پھر اُسے برف کا ایک متحرک تودہ دکھائی دے رہا تھا۔

"ہے تو۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

قاسم ان کے پیچھے تھا۔ وہ دونوں یہ نہ دیکھ سکے کہ قاسم اپنی رائفل سیدھی کر رہا ہے وہ اس وقت چونکے جب انہوں نے فائر کی آواز سنی۔

قاسم شاید اب دوسرے فائر کے لئے بھی تیار تھا۔ یہ بات انہوں نے محسوس کی تھی کہ وہ تو گولی لگنے کے باوجود بھی رینگ رہا تھا۔ فریدی قاسم کو روک بھی نہ پایا تھا کہ اس نے دوسرا فائر کر دیا۔ گولی لگی لیکن وہ شے برابر رینگتی رہی۔

"کیا کر رہے ہو؟" فریدی نے اُسے ڈانٹا۔

"کیا زندہ پکڑیئے گا۔" قاسم نے بڑے بھولے پن سے پوچھا۔

"ہاں.... آگے بڑھو۔ اُسے تم ہی پکڑ سکو گے۔" فریدی بولا۔

قاسم نے بڑے اطمینان سے رائفل کاندھے پر لٹکائی اور پھر شاید دوڑ لگانے کا ارادہ کر رہا تھا

کہ فریدی نے اُسے پکڑ لیا۔

"برف میں دفن ہو جاؤ گے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "اوھر سے آؤ۔"

فریدی آگے تھا قاسم اور حمید اسکے پیچھے چل رہے تھے۔ اس سفید شے کے رینگنے میں تیز رفتاری نہیں تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے چند لمحے پیشتر لگی ہوئی گولیوں کا احساس تک نہ ہو۔

فریدی نے اس پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ اس کے باوجود بھی اس کی رفتار میں کوئی فرق نہ آیا۔ عمل کر بیٹھتا۔ وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے اُسے بلندی سے اترتے دیکھتا رہا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی اندھی اور بہری شے ہو۔

"قاسم! فائر کرو۔" فریدی نے پلٹ کر کہا۔ مگر اب نہ جانے کیوں قاسم کی گھگھی بندھ گئی تھی۔ کاندھوں پر سوار ہو جائے گا۔

"فف... فر... فردی لگ رائی اے۔" قاسم کے منہ سے عجیب طرح کی آوازیں نکلنے لگیں۔

"کیا ہوا؟" فریدی نے تحیر آمیز لہجے میں کہا۔ حیرت کی بات بھی تھی۔ ابھی کچھ ہی دیر پہلے کارتوس باقی تھے۔

قاسم نے اُس پر نہ صرف فائر کئے تھے بلکہ دوڑ کر اُسے پکڑ لینے کا بھی ارادہ رکھتا تھا۔

"سردی ہے.... جج.... جناب۔" قاسم نے کانپتے ہوئے کاندھے سے رائفل اتار دی۔ لیکن وہ اس کے ہاتھ ہی میں جھولتی رہ گئی۔

"قاسم....!" حمید نے اُسے جھنجھوڑا۔

فریدی نے اپنی رائفل اتار دی اور فائر کر دیا.... لیکن لاحاصل۔ اس کا نشانہ ٹھیک تھا لیکن اس شے میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ پھر فریدی دوسرا فائر کرنے جا رہا تھا کہ اچانک اُس سفید شے کا رخ ان کی طرف پھر گیا اور وہ اوپر جانے کی بجائے نیچے اترنے لگی۔ فریدی نے پھر ٹارچ روشن کی اور اس بار انہوں نے اُسے بالکل صاف دیکھ لیا۔ برف کا ایک ڈھیر تھا جس نے آدمی کے جسم کی شکل اختیار کر لی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی آدمی گھٹنوں اور ہتھیلیوں کے بل رینگ رہا ہو۔

قاسم کے منہ سے نکلنے والی آوازیں تیز ہو گئیں اور اب تو حمید بھی اس کا ساتھ دے رہا تھا۔

"شٹ اپ۔" فریدی نے چیخ کر کہا لیکن اُن پر کوئی اثر نہ ہوا۔

فریدی نے پھر فائر کیا اس بار وہ گھٹنوں کے بل چلنے والی شے اچھل کر آدمیوں کی طرح دونوں پیروں پر کھڑی ہو گئی۔ یہ ایک قد آور برف کا آدمی تھا۔ اس کے علاوہ اور کہا بھی کیا جا سکتا تھا۔ اگر سفید ریچھ کہا جاتا تو اس کے کھڑے ہونے کا انداز اس خیال کو جھٹلا دیتا۔ سفید بن مانس کا بھی خیال فضول تھا کیونکہ بن مانس بھی آدمیوں کی طرح سیدھا نہیں کھڑا ہو سکتا۔

فریدی نے پھر فائر کیا۔ اس بار اس نے سینے کا نشانہ لیا تھا۔ لیکن اس کی رفتار میں لڑکھڑاہٹ تک نہ پیدا ہوئی۔ وہ نہایت اطمینان سے آہستہ آہستہ چٹان سے اتر رہا تھا۔

"ارے.... بھبھ.... بھاگئے۔" حمید ہکلایا۔

اب تو فریدی بھی کچھ چکرا سا گیا تھا۔ لیکن اس حد تک بھی نہیں کہ حمید کے مشورے پر قاسم بوکھلا کر برف پر بیٹھ گیا اور حمید کی حالت سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس کے

فریدی نے اب فائر کرنا بے کار سمجھا۔ ویسے اس کی رائفل کی میگزین میں ابھی سات کارتوس باقی تھے۔

"اگر بھاگے تو موت کو دعوت دو گے۔" فریدی نے پلٹ کر حمید اور قاسم سے کہا۔

"مم.... موت....!" قاسم روہانسی آواز میں بولا۔

"ہاں! ہم نہیں جانتے کہ برف کے نیچے کہاں کیا ہے؟"

"ارے باپ رے باپ۔" قاسم نے گھگھیا کر کلمہ پڑھا اور حمید کو سچ مچ موت یاد آ گئی۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔ پتہ نہیں وہ اپنی خود اعتمادی کو تقویت دے رہا تھا یا اس نے ان دونوں کا دل بڑھانے کے لئے قہقہہ لگایا تھا۔

برف کا بھوت چٹان سے اُتر کر نیچے کھڑا ہو گیا۔ وہ ان سے ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر رہا ہو گا۔

فریدی نے پھر رائفل سیدھی کی.... فائر ہوا.... لیکن وہ بدستور کھڑا رہا۔ یہ بات سوچی بھی نہیں جا سکتی تھی کہ فریدی کا نشانہ خطا کر رہا ہو گا۔

فریدی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ برف کا بھوت اپنی جگہ پر جم سا گیا تھا۔ اچانک کسی عورت کی چیخ سناٹے میں دور تک لہراتی چلی گئی۔ آواز عقب سے آئی تھی۔ فریدی بے ساختہ پلٹا۔ حمید اور قاسم بھی اُدھر ہی دیکھنے لگے۔ لیکن وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ فریدی پھر اُس عجیب و غریب شے کی طرف مڑا اور اس کے منہ سے ایک تحیر آمیز آواز نکلی۔ برف کا بھوت غائب ہو چکا تھا۔

"کیا تماشہ ہے۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر اُن دونوں کی طرف مڑ کر بولا۔ "قاسم تم بڑے

بزدل نکلے۔ مجھے تم سے ایسی امید نہیں تھی۔"

"مگر.... وہ.... تو....!" قاسم ہکلا کر رہ گیا۔

"چلو آگے بڑھو۔"

وہ تینوں لوٹ رہے تھے۔

"مگر وہ آواز کیسی تھی۔ کسی عورت کی چیخ۔" حمید نے کہا۔

"رہی ہو گی۔" فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔ "تم تو اس قابل ہو کہ تمہیں گولی ماردی جائے"

"جی ہاں! اور اگر میں بھوتوں سے کشتی لڑنے لگوں تو زندہ رہنے دیا جاؤں گا۔"

"پھر تم نے بھوت کا نام لیا۔" فریدی بھنا کر بولا۔

"توبہ توبہ۔" حمید اپنا منہ پیٹنے لگا۔ "لاحول ولا قوۃ! وہ تو میرے دادا جان تھے۔"

"اچھا بکو نہیں۔"

"ارے تو آپ ہی نے کیوں نہیں لپک کر اُس سے مصافحہ کیا۔ میں تو پیدائشی ڈرپوک بزدل ہوں۔"

"اگر وہ بھوت تھا تو قریب کیوں نہیں آیا۔" فریدی بولا۔

"فریدی صاحب! خدا کے لئے چپ رہئے۔" قاسم گھگھیا کر بولا۔

"ورنہ تم دونوں بیوہ ہو جاؤ گے۔ ارے تم نے پہلے کیا سمجھ کر فائر کیا تھا۔"

"پتہ نہیں! مجھے کچھ یاد نہیں۔ میں شائد اس وقت اونگھ رہا تھا۔" فریدی ہنس پڑا۔

اُس نے ایک چٹان پر سے تھوڑی سی جگہ کی برف ہٹائی اور بیٹھ گیا۔

"کیا رات یہیں گذرے گی۔" حمید نے پوچھا۔

"خیال تو یہی ہے۔" فریدی نے جواب دیا۔

"یہ تو ٹھیک نہیں!" قاسم بڑبڑایا۔

"چلو تھرموس مجھے دو۔" فریدی نے کہا۔

قاسم نے کافی کا تھرموس کاندھے سے اُتار کر فریدی کو دے دیا۔

"برف ہٹا کر بیٹھ جاؤ۔ یہ بڑی اچھی بات ہے کہ ہوا ساکن ہے ورنہ ٹھہرنا محال ہو جاتا۔"

"یہاں بیٹھنے سے کیا فائدہ۔" قاسم نے کہا۔

"یہ نہ بھولو کہ ہم یہاں شکار کھیلنے آئے ہیں۔" فریدی بولا۔

"حج کرنے تو آئے نہیں۔" حمید جھنجھلا گیا۔ "اگر ہم شکار نہ کھیلیں....!"

"بکو مت۔" فریدی نے اُسے جملہ نہ پورا کرنے دیا۔ "میں تمہیں زبردستی نہیں لایا ہوں۔"

"لیکن میں آپ کو زبردستی لے جاؤں گا۔" حمید نے کہا۔

"فضول باتوں سے پرہیز کرو۔"

"مجھے ڈاکٹر نے برف سے پرہیز بتایا تھا۔" قاسم بولا۔ "میں گرمیوں میں بھی برف سے پرہیز کرتا ہوں۔"

"تو پھر چلے کیوں آئے۔"

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ برف اس طرح گرتی ہے۔" قاسم گڑگڑا کر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ سانس لینے میں برف کے ذرات پھیپھڑوں میں بھی داخل ہو جاتے ہوں گے۔"

"کھوپڑی میں بھی جاتے ہیں۔" فریدی نے تھرموس سے کافی انڈیلتے ہوئے کہا۔

"اور عقل منجمد ہو جاتی ہے۔ سنا ہے تم فرزانہ سے عشق کر رہے ہو۔"

"حمید بھائی! اللہ قسم تم بہت بُرے آدمی ہو۔" قاسم نے شرما کر کہا۔

"مگر وہ بہت دلیر لڑکی معلوم ہوتی ہے۔" فریدی بولا۔

"تو میں کب بزدل ہوں۔" قاسم نے کہا اور پھر سنبھل کر بولا۔ "ارے ہش! لاحول.... سے کیا مطلب۔"

حمید کچھ سوچ رہا تھا۔ اُس کے دماغ نے قلابازیاں کھانی شروع کر دی تھیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ فریدی کو کس طرح یہاں سے لے جائے۔ دفعتاً ایک بات اُسے سوجھ گئی اور وہ غمزدہ آواز میں بولا۔

"لڑکیوں نے بہت بُرا کیا۔ انہیں وہاں سے ہٹ جانے والی تجویز منظور کر لینی چاہئے تھی۔ یہ ہم ابھی دیکھ ہی چکے ہیں کہ اس بھوت پر گولیاں بھی نہیں اثر کرتیں۔"

"میرا کیا بگڑتا ہے۔ آپ بھگتیں گی۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں.... نہیں.... یہ نہیں ہو سکتا۔" قاسم مضطربانہ انداز میں کھڑا ہو گیا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ بھی کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ حمید کی تدبیر کامیاب رہی۔ فریدی کو اٹھنا

ہی پڑا۔

دوسری صبح وہ دن چڑھے تک سوتے رہے لیکن سب سے پہلے فریدی ہی کی آنکھ کھلی۔ بری طرح دروازہ پیٹ رہا تھا۔ فریدی نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ یہ نواب رشید الزماں تھے بُری طرح گھبرائے ہوئے نظر آرہے تھے۔

"تم نے فرزانہ کو تو نہیں دیکھا۔" انہوں نے پوچھا۔

"کیوں، کیا بات ہے۔ ہم تو سو رہے تھے۔"

"پتہ نہیں وہ کہاں ہے۔ صبح پانچ بجے اٹھ کر باہر نکلی تھی۔ ہم سمجھے شائد صوفیہ کے کمرے میں گئی ہوگی۔ لیکن وہ وہاں بھی نہیں ہے۔"

"پانچ بجے کے بعد سے اب خبر لی ہے آپ نے۔"

"زاہد بھی ابھی ہی بیدار ہوا ہے۔ اُس کا کمرہ کھلنے پر معلوم ہوا کہ فرزانہ وہاں نہیں ہے۔ سمجھ رہا تھا کہ وہ صوفیہ کے ساتھ سو رہی ہوگی۔"

"نیچے دیکھا آپ نے۔"

"نہیں.... ابھی نہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ ڈائینگ ہال میں ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "کرنل صاحب کہاں ہیں۔"

"سو رہے ہیں۔ میں نے انہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا۔"

قاسم اور حمید بھی بیدار ہو چکے تھے۔ قاسم آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نواب رشید الزماں کو گھور رہا

"چلئے نیچے دیکھیں۔" فریدی نے اوور کوٹ پہنتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں بھی تیار ہو گئے۔

وہ چاروں زینے طے کرتے ہوئے ڈائینگ ہال میں آئے۔

ڈائینگ ہال میں فرزانہ اور منیجر کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ فرزانہ ایک کرسی پر اکڑی بیٹھی اور منیجر اُس کے سامنے بڑے مودبانہ انداز میں کھڑا ہوا تھا۔

"میرا نام چنگیز خاں ہے۔" فرزانہ گرج کر بولی۔

"جی ہاں۔" منیجر نے جھک کر کہا۔

"ارے....!" نواب رشید الزماں حیرت سے منہ پھاڑے ہوئے فریدی کی طرف مڑے فریدی مسکرا رہا تھا۔

منیجر نے اُن لوگوں کو دیکھ کر وہاں سے ہٹنا چاہا لیکن فرزانہ نے ڈانٹ کر کہا۔

"باادب.... سر قلم کر دیا جائے گا۔"

منیجر ان کی طرف دیکھ کر بڑی بے بسی سے مسکرایا۔ نواب رشید الزماں کو شائد غصہ آگیا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر بولے۔

"فرزانہ یہ کیا ہو رہا ہے۔"

فرزانہ پہلے انہیں پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتی رہی پھر اُس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اُس نے چیخ کر کہا۔

"کون ہو تم! اس طرح بے ادبی سے ہمارے دربار میں چلے آئے۔ ہمارے پیروں کو بوسہ دو۔"

"کیا بک رہی ہو لڑکی۔" نواب صاحب غصے سے کانپنے لگے۔

"اس گستاخ کا سر قلم کر دیا جائے۔" فرزانہ دونوں ہاتھوں سے میز پیٹتی ہوئی بولی۔

فریدی کی مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی اور اب وہ اُسے بڑی سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔ حمید بھی متحیر تھا اور قاسم کی حالت تو عجیب تھی۔ کبھی معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہنس پڑے گا اور کبھی رو دینے والے انداز میں منہ بنانے لگتا تھا۔

وہ کیا تھا

کرنل شمشاد کو جگایا گیا اور وہ کسی نہ کسی طرح سے فرزانہ کو اوپر لے گیا۔ اُن کے ساتھ نواب صاحب، حمید اور قاسم بھی چلے گئے لیکن فریدی نیچے رہا۔

"کیا بات تھی۔" اُس نے منیجر کو مخاطب کیا۔

"جناب والا میں خود بھی نہ سمجھ سکا۔ آپ لوگوں کے آنے سے قبل میں یہی سمجھ رہا تھا کہ صاحبزادی شائد مذاق فرما رہی ہیں۔"

"یہاں کتنی دیر سے تھی۔"

"آپ کے آنے سے شائد دس منٹ قبل تشریف لائی تھیں۔"

"اوپر ہی سے آئی تھی۔"

"اس پر میں نے غور نہیں کیا۔" منیجر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "کیا ان پر کسی قسم کے دورے پڑتے ہیں۔"

"شائد۔" فریدی آہستہ سے بولا اور کچھ سوچنے لگا۔

"ڈاکٹر کو بلاؤں۔" منیجر نے کہا۔

"ذرا ٹھہریئے۔" فریدی نے کہا اور اوپری منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

سب لوگ کرنل شمشاد کے کمرے میں اکٹھا تھے۔ فرزانہ اب بھی ایک کرسی پر اکڑی بیٹھی اپنے گرد کھڑے ہوئے لوگوں کو گھور رہی تھی۔

"تم کون ہو۔" اُس نے قاسم سے گرج کر پوچھا۔

"مم.... میں.... قاسم ہوں.... جی ہاں۔"

"ہم تمہیں اپنا میر لشکر بنائیں گے۔" فرزانہ بولی۔ "ان سب کو دھکے دے کر یہاں سے نکال دو۔"

"فرزانہ کیا بک رہی ہو۔" کرنل شمشاد چیخا۔

"اس بوڑھے کی گردن توڑ دی جائے۔" فرزانہ دانت پیس کر بولی۔ "تعمیل ہو۔"

اُس نے یہ بات قاسم کو مخاطب کر کے کہی تھی۔ قاسم بوکھلائے ہوئے انداز میں کرنل شمشاد کی طرف دیکھنے لگا۔

"آپ لوگ باہر چلئے۔" حمید نے غزالہ، شہناز اور صوفیہ کو مخاطب کر کے کہا۔

وہ تینوں باہر نکل آئیں، حمید بھی اُن کے پیچھے تھا۔

"آخر یہ اسے ہوا کیا۔" غزالہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔

"میرا خیال ہے کہ وہ کسی قسم کا دورہ ہے۔" حمید نے کہا۔

"دورہ! مگر میرا خیال ہے کہ اس سے پہلے کبھی نہیں پڑا۔"

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتی ہیں۔"

"ہم دونوں بہت عرصے سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔" غزالہ نے کہا۔

"اچھا آپ لوگ اپنے کمروں میں جایئے! حمید نے کہا اور انہیں وہیں کھڑا چھوڑ کر پھر کرنل کے کمرے میں چلا گیا۔"

کرنل فرزانہ کے ہاتھ اور پیر باندھ رہا تھا اور وہ بُری طرح چیخ رہی تھی۔

فریدی نے منیجر کو ڈاکٹر کے لئے فون کیا۔

"مجھے چھوڑ دو۔" فرزانہ چیخ رہی تھی۔ "سالار اعظم کیا دیکھتے ہو۔ تمہارے سامنے ماپدولت کی توہین ہو رہی ہے۔"

سالار اعظم بے چارہ دم بخود کھڑا طرح طرح کے منہ بنا رہا تھا۔

"میرے خیال سے انہیں یہاں تنہا رہنے دیا جائے۔" فریدی نے کرنل شمشاد سے کہا۔

"جیسا بہتر سمجھئے!" کرنل شمشاد بولا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہو گیا۔"

وہ سب کمرے سے نکل آئے اور اُسے باہر سے مقفل کر دیا گیا۔

"کیا اس قسم کے دورے بہت دنوں سے پڑتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی نہیں! کبھی نہیں۔ میں کیا کروں۔" کرنل شمشاد مضطربانہ انداز میں بولا۔

"تعجب ہے۔" فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔

فرزانہ اندر چیخ رہی تھی۔

قاسم حمید کو اپنے کمرے کی طرف کھینچ رہا تھا۔ حمید سمجھا شائد وہ اس سلسلے میں اُسے کوئی بہت ہی اہم بات بتانا چاہتا تھا۔ کمرے میں پہنچ کر حمید اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"حمید بھائی بہت بُرا ہوا۔" قاسم نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"ہوں۔"

"مجھے اُس پر گولی نہ چلانی چاہئے تھی۔"

"کیوں؟"

"اوہو.... اب کیا بتاؤں.... بس نہ چلانی چاہئے تھی۔"

"آخر کیوں.... کوئی وجہ۔"

"اُس بھوت نے اب فرزانہ کو جکڑ لیا ہے۔"

"فرزانہ ہی کو کیوں جکڑا ہے۔"

"اب کیا بتاؤں۔" قاسم فکر مند لہجے میں بولا۔ "ایک واقعہ یاد آ رہا ہے۔ ایک بار ایک صاحب نے ایک بھوت کو چھیڑ دیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اُن کی بیوی پر آ گیا۔"

"ہوش میں ہو یا نہیں۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

"کیوں خفا کیوں ہوتے ہو حمید بھائی۔"

"کیا فرزانہ تمہاری بیوی ہے۔"

"نن.... نہیں.... مگر.... وہ عشق۔"

"اَخاہ! تو یہ کہئے چونکہ آپ اس سے عشق کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اس لئے وہ اس پر آ گیا۔"

"یہی.... یہی بات ہے حمید بھائی۔" قاسم خوش ہو کر بولا۔

"اچھی بات ہے.... میں ذرا کرنل صاحب کو مطلع کر دوں۔"

"ارے.... ارے.... یعنی کہ....!"

"میں اُن سے صرف یہ کہوں گا کہ فرزانہ کی موجودہ حالت کا ذمہ دار قاسم ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "بقیہ تم خود کہہ سن لینا۔"

حمید دروازے کی طرف بڑھا لیکن قاسم نے لپک کر اس کی کمر پکڑ لی۔

"یہ کیا؟"

"ارے تو کیا سچ مچ۔" قاسم جھنجھلا گیا۔

قاسم نے حمید کو چھوڑ دیا کیونکہ فریدی اُسے آواز دے رہا تھا۔ لیکن حمید کے ساتھ وہ بھی باہر نکل آیا۔

"شکاریوں کو چیک کرو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"کیوں؟"

"پھر پوچھنا۔" فریدی نے کہا اور کرنل شمشاد کے کمرے کی طرف چلا گیا۔

"کیا معاملہ ہے۔" قاسم نے حمید سے پوچھا۔

"کچھ نہیں! جاؤ اندر بیٹھو۔" حمید نے کہا اور ڈائننگ ہال میں جانے کے لئے سیڑھیاں طے کرنے لگا۔

تینوں شکاری ڈائننگ ہال میں ناشتہ کر رہے تھے۔ رائفلیں اس وقت بھی اُن کے کاندھوں سے لٹک رہی تھیں۔ بھاری چہرے والے نے حمید کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی۔

"آیئے!" اُن میں سے ایک نے حمید کو دعوت دی۔

"اوہ....! شکریہ۔" حمید بڑے بے تکلفی سے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتا ہوا بولا۔ "بعض اوقات اپنی غیر دانستہ مندانہ حرکتیں وبال جان ہو جاتی ہیں۔"

"کیوں! خیریت۔" بھاری چہرے والے نے پوچھا۔

"ہمارے ساتھ کی ایک خاتون پر کسی قسم کا دورہ پڑ گیا ہے۔"

"اب کیا حال ہے۔ ابھی مجھے منیجر سے معلوم ہوا تھا۔"

"کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔"

شکاری چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"میرے خیال سے سروی.... آپ لوگوں نے واقعی غلطی کی خواتین کو ہرگز نہ لانا چاہئے تھا۔"

"کہئے کل رات کا شکار کیسا رہا۔" حمید نے پوچھا۔

"کچھ نہیں ملا۔ کل ہم نے دوسری طرف قسمت آزمائی تھی۔ اگر میرے ساتھ چار آدمی بھی اور ہوتے تو میں سیتل گھاٹی کو کبھی نہ چھوڑتا۔"

"اگر ہم اور آپ تعاون کر لیں تو....!" حمید نے کہا۔

"اوہ.... تب تو.... تب تو گروی کو اپنی ولادت کا صحیح وقت بھی یاد آ سکتا ہے، مگر اس میں ایک دشواری ہے۔"

"وہ کیا؟"

"آپ لوگ یہاں اجنبی ہیں۔ پتہ نہیں وہ کب اور کہاں آپ کو گھیر لیں۔"

دفعتاً حمید کو محسوس ہوا کہ اس نے ایک بہت ہی لایعنی سی بات چھیڑ دی ہے۔ ظاہر ہے کہ فریدی نے ایسے موقعے پر انہیں چیک کرنے کے لئے کہا تھا جس کا تعلق شکار سے قطعی نہیں تھا لیکن اب اُسے اُلجھن ہونے لگی تھی کہ آخر وہ انہیں کس طرح چیک کرلے۔ پتہ نہیں فریدی کے ذہن میں کیا تھا۔

حمید نے ایک آدمی کو ڈائننگ ہال میں داخل ہوتے دیکھا، جو وضع قطع سے ڈاکٹر معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے اپنے ہاتھ میں ایک ہینڈ بیگ لٹکا رکھا تھا۔

"ڈاکٹر صاحب آ گئے۔" منیجر نے کاؤنٹر سے حمید کو مخاطب کیا۔

"اچھا تو اجازت دیجئے۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

ڈاکٹر کرنل شمشاد کے کمرے کی طرف چلا گیا اور حمید فریدی کو تلاش کرنے لگا جو اُن چاروں کمروں میں سے کسی میں بھی نہیں تھا۔ اُس نے اس کے متعلق سب پوچھا لیکن کسی کو اس کا علم نہیں تھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اگر وہ باہر جاتا تو اُسے ڈائننگ ہال سے ضرور گزرنا پڑتا۔ پھر آخر وہ کہاں گیا۔ کیا فرزانہ کے سلسلے میں اُس نے کوئی اہم بات دریافت کی ہے۔

آخر کار تھوڑی سی تلاش کے بعد وہ اُسے ایک غسل خانے میں مل گیا۔

"ڈاکٹر آگیا ہے۔" حمید نے اُسے اطلاع دی۔

"ہوں...!" فریدی مڑ کر بولا۔ "تم نے شکاریوں کو چیک کیا۔"

"وہ تینوں ڈائننگ ہال میں موجود ہیں۔" حمید نے کہا۔

"رات کہاں تھے؟"

"باہر.... لیکن سیتل گھاٹی کے علاوہ کہیں اور تھے۔"

"یہاں کس وقت آئے۔"

"پتہ نہیں۔" حمید نے کہا۔

"یہ آپ نے کیا چک کیا ہے۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر فریدی نے کہا۔ "فرزانہ یہاں اسی غسل خانے میں آئی تھی۔"

"ضرور آئی ہوگی۔" حمید بے دلی سے بولا۔

"اور اُسے جو کچھ بھی ہوا یہیں ہوا۔"

"حمید کچھ نہ بولا اُس کی طبیعت اکتا گئی تھی۔ یہاں آیا تھا تفریح کی غرض سے مگر ایک کیس سر پر سوار ہو گیا۔

وہ غسل خانے سے نکل آئے۔ کرنل شمشاد کے کمرے کے سامنے نواب رشید الزماں وغیرہ کھڑے سرگوشیاں کر رہے تھے۔ شائد ڈاکٹر اور کرنل شمشاد اندر تھے۔ فرزانہ کی چیخیں بھی اب نہیں سنائی دیتی تھیں۔

"بیہوش ہو گئی ہے۔" نواب صاحب فریدی کو دیکھ کر بڑبڑائے۔

"ڈاکٹر کیا کہتا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ابھی تو کچھ نہیں معلوم ہوا.... دیکھ رہا ہے۔"

"میں میجر نصرت کو فون کرنے جا رہا ہوں۔ عورتوں کا یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں ہے۔"

"کیوں.... کیا بات ہے۔" نواب رشید الزماں گھبرا کر بولے۔

"کوئی بات نہیں۔ ویسے ہی کہہ رہا ہوں ان سے کہئے کہ ضد اچھی نہیں ہوتی۔"

غزالہ قریب ہی کھڑی ہوئی تھی۔

"آپ خود نہیں کہہ سکتے۔" اُس نے کہا۔

"نہیں! اگر میرا کہنا نہ مانا گیا تو مجھے غصہ آجائے گا۔"

غزالہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا کر رہ گئی۔ نواب رشید الزماں کمرے کی طرف متوجہ ہو گئے تھے کیونکہ ڈاکٹر باہر آرہا تھا۔

ڈاکٹری رپورٹ تو دوسروں کے لئے بڑی مبہم تھی۔ لیکن فریدی اس پر اس طرح چونکا تھا جیسے وہ انہیں امکانات پر غور کرتا رہا ہو۔ ڈاکٹر نے دورے کی وجہ اعصابی نظام میں خلل بتائی تھی۔ لیکن خلل کی وجہ خود اس کی سمجھ میں بھی نہیں آسکی تھی۔ اُس نے بیہوشی کے تدارک کے لئے انجکشن دیا تھا لیکن اس کی ذمہ داری نہیں لی تھی کہ ہوش میں آنے کے بعد اُس کی ذہنی حالت اعتدال پر آجائے گی۔

فریدی ایک نئی الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ ہوٹل ہی میں ٹھہرے یا سیتل گھاٹی کی طرف جائے۔ اُس نے پچھلی رات ہی کو تہیہ کر لیا تھا کہ دن کو وہاں کے اُن مقامات کا جائزہ ضرور لے گا جہاں وہ پُر اسرار شے نظر آئی تھی۔

اُس نے میجر نصرت کو فون کیا لیکن اُس وقت وہ نہ تو آفس میں موجود تھا اور نہ گھر پر۔ بہر حال وہ شدت سے اس بات کی ضرورت محسوس کر رہا تھا کہ عورتوں کو شہر پہنچا دیا جائے۔

کرنل شمشاد کی گھبراہٹ لحظہ بہ لحظہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ ابھی تک فرزانہ کو ہوش نہیں آیا تھا۔ ڈاکٹر جا چکا تھا۔ لیکن اُس نے تاکید کر دی تھی کہ ہوش آنے پر اُسے فوراً مطلع کیا جائے۔

قاسم کی پارٹی کے سارے افراد کرنل کے کمرے میں موجود تھے۔ دفعتاً حمید کو قاسم کا خیال آیا اور اُس کی عدم موجودگی اُسے بڑی عجیب لگی۔ اُس نے فریدی سے اُس کے متعلق پوچھا بھی لیکن اُس نے لاعلمی ظاہر کی۔

حمید اپنے کمرے کی طرف آیا۔ قاسم وہاں بھی نہیں تھا۔ البتہ حمید نے یہ بات ضرور محسوس

کی کہ قاسم کی پوستین اور رائفل بھی موجود نہیں ہے۔

وہاں سے وہ سیدھا ڈائننگ ہال میں آیا اور پھر منیجر سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ قاسم کچھ دیر قبل اُدھر سے گذر کر باہر گیا تھا۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ اُس کے پاس رائفل بھی تھی۔ حمید نے اُن تینوں شکاریوں کے متعلق پوچھا۔

"وہ اپنے کمروں میں ہوں گے۔" منیجر نے کہا۔

اور پھر اُس کے بیان کی تصدیق ہوگئی۔ تینوں شکاری اپنے کمروں میں موجود تھے۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر قاسم کہاں گیا۔

اُس نے اس کی اطلاع فریدی کو دی۔

"کیا وہ اس سے پہلے بھی ٹیکم گڈھ آچکا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"کبھی نہیں۔" حمید نے جواب دیا۔

"عجیب احمق آدمی ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کہیں وہ سیتل گھاٹی کی طرف نہ چلا گیا ہو۔ تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ فرزانہ کو ہوش آگیا ہے اور وہ اب بالکل ٹھیک ہے۔ اُسے قطعی نہیں یاد کہ اُس پر دورہ بھی پڑا تھا۔ وہ یہی سمجھ رہی ہے کہ ابھی سو کر اٹھی ہے۔"

"کوئی ذہنی مرض۔"

"پتہ نہیں.... چلو جلدی کرو۔ کہیں وہ تمہارا ڈیوٹ کسی مصیبت میں نہ پھنس جائے ویسے یہاں کوئی بہت خطرناک کھیل کھیلا جارہا ہے۔"

قاسم کی چیخ

حمید اور فریدی سیتل گھاٹی کے لئے روانہ ہوگئے۔ راستوں کی برف پگھل گئی تھی البتہ کہیں کہیں گڑھوں اور چٹانوں کی دراڑوں میں اب بھی نظر آرہی تھی۔

راستہ صاف ہونے کی وجہ سے وہ خاصی تیز رفتاری سے چل رہے تھے۔ اُن کے خیال کے مطابق قاسم اگر سیتل گھاٹی کی ہی طرف گیا تھا تو انہیں توقع تھی کہ وہ اسے کہیں نہ کہیں راستے ہی میں پالیں گے۔

"تو پھر آپ نے عورتوں کے متعلق کیا سوچا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"میجر نصرت کو فون تو کیا تھا۔ لیکن وہ تھا ہی نہیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

کچھ دیر خاموشی رہی پھر حمید بولا۔

"یہ بھوتوں والا معاملہ سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر اُن شکاریوں کے بیان کے مطابق وہ اُن کی مخالف پارٹی ہی کا کوئی شعبدہ ہے تو پھر وہ اسی سیزن میں کیوں نظر آیا۔"

"ہو سکتا ہے کہ پچھلے سیزن میں انہوں نے کوئی اور حرکت کی ہو۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن ہوٹل کی لڑکی کے اغواء کو کس خانے میں فٹ کیا جائے۔"

"یہی دیکھنا ہے۔"

"دوسری بات یہ کہ آپ فرزانہ والے معاملے میں مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"تمہارا خیال ٹھیک ہے۔ میں اس دورے کو مرض نہیں سمجھتا۔"

"آخر کیوں؟"

"اس کی بھی وجہ ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اس قسم کے دورے فی نفسہٖ مرض نہیں ہوتے بلکہ کوئی مرض رفتہ رفتہ بڑھ کر دورے کی وجہ بنتا ہے۔ لیکن یہاں معاملہ قطعی مختلف ہے۔ ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ اعصابی نظام میں اچانک کوئی خلل واقع ہوا ہے اور پھر وہ ہوش آنے پر قطعی صحیح الدماغ ثابت ہوئی ہے۔ اب سنو! یہ اچانک قسم کے خلل دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو خود اعصابی نظام ہی کے کسی رد عمل کی بناء پر واقع ہوتا ہے مثلاً کسی صدمے کی وجہ سے اعصابی نظام میں اچانک کوئی تبدیلی پیدا ہو کر خلل بن جائے دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی دوا یا زہر اس کا باعث ہو۔ پہلی صورت عموماً مستقل ہوتی ہے یعنی وہ خلل مستقل طور پر قائم رہ سکتا ہے۔ لیکن دوسری صورت میں خلل دیرپا نہیں ہوتا مثال کے طور پر شراب کے استعمال کو لے لو۔ جب تک شراب کا اثر اعصاب پر رہتا ہے آدمی حواس میں نہیں رہتا لیکن اثر زائل ہوتے ہی اس کی ذہنی حالت اعتدال پر آجاتی ہے۔ فرزانہ کا دوبارہ ہوش میں آجانا ثابت کرتا ہے کہ اُس نے کوئی ایسی چیز استعمال کی تھی جس نے تھوڑی دیر کے لئے اس کا دماغ الٹ دیا۔"

"استعمال کی تھی۔" حمید چونک کر بولا۔ "یعنی.... آپ کا مطلب ہے...."

"میرا مطلب صرف اتنا ہے کہ وہ کوئی دماغ الٹ دینے والی چیز تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اُس نے

نادانستگی میں اُسے استعمال کیا ہو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی کی بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔ لیکن مقصد سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ فرزانہ بچہ تو تھی نہیں کہ سوچے سمجھے بغیر ایسی کوئی چیز استعمال کر بیٹھتی۔

وہ دونوں خاموشی سے راستہ طے کر رہے تھے۔

سیتل گھاٹی سنسان پڑی تھی، چونکہ پچھلی رات کو مزید برف باری نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے صرف نشیب ہی کی زمین میں تھوڑی بہت برف نظر آرہی تھی یا پھر چٹانوں کے رخنے برف سے پُر تھے۔ وہ دونوں چٹانوں کا سلسلہ پار کر کے دوسری طرف پہنچے اور پھر انہوں نے قاسم کی آواز سنی، جو عربی میں کچھ پڑھ رہا تھا۔

اس کی پشت ان کی طرف تھی اور وہ ایک چٹان پر پیر لٹکائے بیٹھا تھا۔ فریدی ہنس پڑا۔ لیکن قاسم اتنا محو تھا کہ شاید اس نے اس کی آواز نہیں سنی۔

"یہ کیا پڑھ رہا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"درود تاج۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "بھوتوں کو بھگانے کے لئے۔"

وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے اُس کے پیچھے پہنچ گئے۔ قاسم کو خبر تک نہ ہوئی۔ شاید اس نے آنکھیں بھی بند کر رکھی تھیں اور جھوم جھوم کر درود تاج پڑھ رہا تھا۔

حمید نے اس کے کاندھے پر ہاتھ مارا.... اور پھر.... دفعتاً قاسم درود تاج بھول گیا اور اس کے منہ سے خوف زدہ سی آوازیں نکلنے لگیں۔ سر شانوں میں گھسا جا رہا تھا۔ اس نے پیچھے پلٹ کر دیکھنے کی بھی ہمت نہ کی۔

فریدی اور حمید ہنس پڑے۔

"ارے....!" قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا اور پھر اس نے بھی احمقوں کی طرح ہنسنا شروع کر دیا۔

"یہ کیا ہو رہا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"سب ٹھیک ہو گیا۔" قاسم سر ہلا کر بولا۔ "میں نے یہ سرزمین بھوتوں سے صاف کر دی۔"

"خوف....!" فریدی مسکرا کر بولا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"حمید بھائی! ان کا کیا حال ہے۔" قاسم نے سر جھکا کر شرماتے ہوئے پوچھا۔

"سب ٹھیک ہے۔ اب وہ تمہیں سالار اعظم بنانے کی بجائے متنبی کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔"

قاسم کچھ نہ بولا۔

"حمید....!" فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔ "وہ دراڑ کیا ہو گئی جہاں وہ پچھلی رات کو غائب ہوا تھا۔"

"اوہ.... واقعی.... ادھر ہی تو تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے.... اور گول چٹان.... لیکن دراڑ کیا ہو گئی۔"

"میں نے سب کچھ غائب کر دیا۔" قاسم نے قہقہہ لگایا۔ "مجھے سفلی عمل بھی آتے ہیں۔ لیکن میں نے صرف علوی سے کام لیا ہے۔ میں نے ان بھوتوں کو جلا دیا۔"

"آؤ ذرا دیکھیں تو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"ذرا آسمان کی طرف بھی دیکھتے رہئے گا۔ میرا خیال ہے کہ برف باری ضرور ہو گی۔"

"اوہ چلو!" فریدی نے کہا۔ "میں یہاں کے بہتیرے اچھے قسم کے غاروں سے واقف ہوں۔ جہاں ہم پناہ لے سکیں گے۔ کرنل ڈکسن[1] والے کیس نے مجھے ٹیکم گڈھ کے چپے چپے سے واقف کرا دیا تھا۔"

"سب بے کار ہے۔" قاسم نے بڑی خود اعتمادی سے کہا۔

"ٹھیک کہتے ہو۔ چلو آگے بڑھو۔" فریدی نے اسے دھکیلتے ہوئے کہا۔

کافی دیر تک چھان بین کرتے رہنے کے باوجود بھی اس دراڑ کا پتہ نہ چلا جہاں وہ پہلا بھوت غائب ہوا تھا۔ پھر وہ اس چٹان پر آئے جہاں پر انہوں نے دوسرا بھوت دیکھا تھا لیکن یہاں بھی انہیں کوئی بات نہ معلوم ہو سکی۔

"حمید صاحب! اب میں بڑے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ہمیں ہوٹل میں روکے رکھنے کے لئے فرزانہ پر کوئی دوا آزمائی گئی تھی۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں؟"

"میں نے غسل خانے میں انجکشن لگانے کی ایک باریک سی سوئی پائی تھی۔"

"تو کیا.... انجکشن....!"

"میرا خیال یہی ہے۔ ورنہ غسل خانے میں انجکشن کی سوئی کا کیا کام اور پھر اگر وہ کچھ دن

---

[1] کرنل ڈکسن کے لئے "نیلی روشنی" جلد نمبر 6 ملاحظہ فرمائیے۔

پہلے کی ہوتی تو پیروں کے نیچے دب دب کر اُس کی رنگت بگڑ گئی ہوتی۔"

"کیا فرزانہ نے ہوش میں آنے کے بعد انجکشن کا تذکرہ کیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"میں اتنی دیر تک ٹھہرا ہی نہیں کہ اسے معلوم کرتا۔"

"فریدی صاحب۔" قاسم بڑے سعادت مندانہ لہجے میں بولا۔ "یقین کیجئے کہ میں نے سب ٹھیک کر دیا ہے۔ اگر پھر کوئی گڑبڑ ہوئی تو آپ پر ایک جلالی عمل کروں گا۔"

"اچھا.... اچھا....!" فریدی ہنس کر بولا۔

حمید نے آسمان کی طرف دیکھا اور اس کے دیوتا کوچ کر گئے۔ پورا آسمان بادلوں سے ڈھک گیا تھا۔

"اب نکل ہی چلئے تو بہتر ہے۔" اس نے کہا۔ "برف باری ہونے ہی والی ہے۔"

فریدی جواب بھی نہ دینے پایا تھا کہ فضا میں باریک باریک سفید ذرات اڑنے لگے۔

"اُوہ.... یہ تو آہنی گئی۔" فریدی بڑبڑایا۔ "آؤ میرے ساتھ۔"

وہ تیزی سے ایک طرف چلنے لگے۔ فریدی ان کے آگے تھا۔

"قاسم سنبھل کر۔" فریدی نے کہا۔

"ٹھیک ہے.... چلتے رہئے۔"

وہ دو چٹانوں کی ایک درمیانی دراڑ میں گھسے۔ برف تیزی سے گرنے لگی تھی اور خلاء میں سفیدی کے علاوہ اور کچھ نہیں دکھائی دے رہا تھا۔

"چلو اندر چلو۔" فریدی نے ایک غار کے دہانے کی طرف اشارہ کیا۔

لیکن پھر اس نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روک دیا۔ اس کی وجہ حمید کی بھی سمجھ میں آگئی تھی۔ غار کے دہانے سے کچھ ایسی خوشبو آرہی تھی جیسے اندر گوشت بھونا جارہا ہو۔

حالانکہ دراڑ کا دہانہ اوپر سے تنگ تھا۔ لیکن پھر بھی برف کے ذرات اُن پر گر رہے تھے۔

"کوئی اندر ہے؟" حمید نے سرگوشی کی۔

"چلو! ممکن ہے شکاریوں میں سے کوئی ہو۔" فریدی نے کہا اور غار کے دہانے میں اُتر گیا۔ قاسم اور حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔

اندر دھندلی دھندلی سی روشنی تھی۔ ایک جگہ آگ جل رہی تھی۔ جس کے قریب دو آدمی

بیٹھے کوئی پرندہ بھون رہے تھے۔ ان کے غار میں داخل ہونے پر ان میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یہ ان کے لئے کوئی غیر متوقع بات نہ رہی ہو۔ ان میں سے ایک نے انہیں مخاطب کر کے کچھ کہا لیکن جواب نہ پا کر اس نے انہیں غور سے دیکھا اور پھر اچانک اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے اسپرنگ پر بیٹھا رہا ہو۔ اس کا ساتھی بھی کھڑا ہو گیا۔

"مجھے افسوس ہے۔" فریدی نے کہا۔ "برف باری کی وجہ سے ہمیں یہاں پناہ لینی پڑی۔"

ان لوگوں کے چہروں پر روشنی صاف نہیں پڑ رہی تھی اس لئے وہ انہیں گھورتا ہوا ان کے قریب آگیا۔ فریدی اور حمید پر سے نظریں ہٹا کر اُس نے قاسم کو نیچے سے اوپر تک دیکھا۔

پھر اس نے اپنے ساتھی کو مخاطب کر کے کہا۔ "تم تو کہتے تھے کہ وہ صرف تین ہیں۔ اس کا ساتھی بھی آگ کے پاس سے ہٹ کر اُن کے قریب آگیا۔"

"لیکن یہ لوگ....!" دوسرا کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"ہم لوگ یہاں اجنبی ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "اس کی نظریں ایک آدمی پر جمی ہوئی تھیں جو کافی قوی الجثہ اور لاپرواہ نظر آرہا تھا۔ پھر اس کی نظریں ان دو رائفلوں پر پڑیں جو ایک پتھر سے ٹکی ہوئی تھیں۔"

"شکاری....؟" پہلے نے پوچھا۔

"جی ہاں۔" فریدی بولا۔

"کس ٹولی سے تعلق ہے۔"

"ہم پیشہ ور شکاری نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "تفریحاً چلے آئے ہیں۔"

"اوہ! قیام کہاں ہے؟"

"فزارو میں....!"

پہلے نے دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا اس کے بعد وہ پھر قاسم کو گھورنے لگا۔

"کیا.... آپ لوگ وہی تو نہیں جنہوں نے پچھلی رات ان خبیثوں پر گولیاں چلائی تھیں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" فریدی نے اپنے چہرے پر استعجاب پیدا کر کے کہا۔

"کل رات آپ لوگ یہاں آئے تھے۔" اس نے پوچھا۔

"نہیں تو۔"

"آپ کو کس نے بتایا کہ شکار یہاں ملے گا۔"

"اوہ...." فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا "کل فزارو میں تین شکاریوں سے ملاقات ہوئی تھی۔ انہوں نے ہمیں بتایا کہ شکار صرف سیتل گھاٹی میں ملتا ہے۔"

"تین شکاری۔" پہلا دانت پیس کر بڑبڑایا۔

"کیوں؟ کیا انہوں نے ہمیں غلط مشورہ دیا تھا۔" فریدی نے بڑی سادگی سے پوچھا۔

"اوہ.... نہیں تو.... یہاں واقعی بہت شکار ہے۔"

"تب تو بہت اچھا ہے۔" فریدی ایک پتھر کے ٹکڑے پر بیٹھتا ہوا بولا۔ پھر اس نے حمید اور قاسم کو بھی بیٹھنے کو کہا۔

دونوں اجنبی بھی بڑے بے تعلقانہ انداز میں آگ کے قریب جا بیٹھے۔

"اگر سردی زیادہ لگ رہی ہو تو یہاں آ جایئے۔" ان میں سے ایک نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"جی شکریہ! ہم بالکل ٹھیک ہیں۔" فریدی بولا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ شائد وہ دونوں گرومی کی پارٹی کے آدمی ہیں۔ وہ تجسس آمیز نظروں سے غار کا جائزہ لیتا رہا۔

"آپ لوگوں کا شکار کیسا رہا۔" دفعتاً فریدی نے پوچھا۔

"یہ سیزن ابھی تک بڑا خراب رہا ہے۔" ان میں سے ایک بولا۔ "شائد برف تیزی سے گر رہی ہے۔ دیکھنا چاہئے ورنہ ممکن ہے کہ غار کا دہانہ ہی بند ہو جائے۔"

"بات تو ٹھیک ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔

"ٹھہریئے! ہم دیکھتے ہیں۔" ایک نے کہا اور اسی کے ساتھ دوسرا بھی اٹھ گیا۔

"ہم بھی چلتے ہیں۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

"ان کے اٹھتے اٹھتے ہی وہ دونوں غار کے دہانے سے نکل گئے لیکن حمید نے محسوس کیا کہ غار کے دہانے کے قریب گری ہوئی برف کو دوسری طرف سرکانے کی بجائے دراڑ کے دہانے کی طرف کھسکا رہے تھے۔ وہ دوبارہ غار کے دہانے کی طرف لوٹے اور بہت سی برف اپنے بیلچوں کے ذریعے گھسیٹ لے گئے۔ یہ سلسلہ جاری رہا اور وہ تینوں مطمئن ہو کر اندر بیٹھے رہے۔ پتھر پر بیلچوں کی رگڑ سے پیدا ہونے والی آواز جاری تھی۔

فریدی وغیرہ نے اٹھ کر دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہ کی۔ بس بیلچے چلنے کی آوازیں سنتے رہے اور پھر شکار کی باتیں چھڑ گئیں۔ دفعتاً فریدی تھوڑی دیر بعد چونکا۔

"اوہ.... ہمیں بھی ان کی مدد کرنی چاہئے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

دہانے کے باہر چٹانوں پر بیلچے چلتے معلوم ہو رہے تھے۔ وہ باہر نکل آئے اور قاسم بے ساختہ ہنس پڑا۔ ہنسی حمید کو بھی آئی۔ لیکن بیساختہ قسم کی نہیں تھی۔ فریدی نے البتہ بہت بُرا منہ بنایا تھا۔

کچھ دور پر ان کے سامنے ہی ایک خارش زدہ لومڑی پڑی تھی اور ایک بیلچہ اس کے پیروں سے بندھا ہوا تھا۔ وہ آزاد ہونے کے لئے اپنے جسم کو جنبش دے رہی تھی اور بیلچہ ایک پتھر سے رگڑ کھا کر آوازیں پیدا کر رہا تھا۔

"دیکھا تم نے۔" فریدی نے حمید کو مخاطب کیا۔ "کم بخت اس طرح ہمیں دھوکا دے کر نکل گئے۔"

"مگر جائیں گے کہاں؟" حمید بولا۔ "برف کتنی گہری گر رہی ہے۔ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا۔"

فریدی دوڑتا ہوا دراڑ کے دہانے تک گیا اور چند لمحے رک کر پھر پلٹ آیا۔

"کسی طرف نکل گئے۔" خیر قاسم تم یہیں ٹھہرو۔ ہوشیار رہنا اور حمید تم میرے ساتھ آؤ۔"

قاسم کو دراڑ کے دہانے پر چھوڑ کر فریدی اور حمید دوبارہ غار میں داخل ہوئے۔

"اپنا سارا سامان بھی چھوڑ گئے۔" فریدی نے ان کی رائفلوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اور پھر اچانک ایک دوسری چیز نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی۔ یہ کسی عورت کا شب خوابی کا لبادہ تھا۔ اس نے لپک کر اُسے اٹھالیا اور پھر اسے اس پر کئی جگہ خون کے دھبے بھی دکھائی دیئے۔

دفعتاً قاسم کی خوفناک چیخ سے پوری دراڑ گونج اٹھی۔

آنکھ کھلی تو

حمید اچھل کر باہر بھاگا۔ قاسم دراڑ کے دہانے کے قریب زمین پر اکڑوں بیٹھا گھٹنوں میں منہ دیئے ہوئے درود تاج پڑھ رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"ہپ.... حمید.... بھائی.... بھبھ....!"

"کھڑے ہو جاؤ۔" فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

قاسم نے دونوں ہاتھوں سے اپنی کمر دبائی اور بوڑھوں کی طرح کراہ کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا بات تھی؟" فریدی نے پوچھا۔

"کوئی کسر رہ گئی۔ اب میں سفلی عمل کروں گا۔" قاسم بولا۔

"کیا بک رہے ہو۔"

"اللہ قسم ابھی ابھی ادھر سے گزرا ہے۔" قاسم نے دراڑ کے دہانے کی طرف اشارہ کر کے

"کون....؟"

"وہی رات والا بھوت۔"

فریدی دراڑ کے باہر دیکھنے لگا لیکن برف باری کی زیادتی کی وجہ سے دراڑ کے دہانے پر سفید رنگ ایک پردہ سا ہلتا نظر آ رہا تھا اور اس پار کی کسی چیز کی دھندلی سی جھلک بھی نہیں دکھائی دیتی تھی۔

"کہاں دیکھا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"یہاں.... بالکل دراڑ سے لگ کر نکلا تھا۔" قاسم نے کہا۔

"تمہیں دھوکا ہوا ہو گا۔"

"دھوکا.... نہیں اللہ قسم۔"

"تو اس بُری طرح چیخنے کی کیا ضرورت تھی۔" حمید نے کہا۔

"حمید بھائی.... بھوت تھا۔"

"ختم کرو بے کار باتیں۔" فریدی نے کہا۔ "حمید تم اس سرے پر ٹھہرو اور قاسم تم اپنی جگہ رہو گے۔"

"اور آپ....!" قاسم بولا۔

"ابھی بتاتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور پھر غار میں اتر گیا۔ حمید اور قاسم دراڑ کے دو دہانوں میں کھڑے رہے۔

برف باری تھمنے کے آثار نہیں تھے۔ کبھی فضا میں چھائی ہوئی سفید دھند لاہٹ ہلکی ہو اور کبھی گہری۔ دراڑ کے دہانے پر برف کے دو دو فٹ اونچے ڈھیر ہو گئے تھے اور ان کی اونچائی

اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔

"یار اس بیلچے کو لومڑی کے پنجے سے رہائی دلوانی چاہئے۔" حمید نے قاسم کو مخاطب کیا۔

"کیوں.... پڑا رہنے دو۔" قاسم بڑبڑایا۔

حمید کچھ کہنے والا تھا کہ فریدی غار سے باہر آ گیا۔ اس کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار تھے۔ حمید اُسے چند لمحے غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"کیا بات ہے؟"

"ان برخوردار کی بدولت۔" فریدی قاسم کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔

"کیا مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے۔" قاسم گڑبڑا کر بولا۔

"کچھ نہیں تم یہیں ٹھہرو اور اپنے وظیفے بلند آواز میں پڑھتے رہنا۔" فریدی نے کہا۔ پھر اس نے حمید کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

غار میں پہنچ کر اس نے اس پتھر کی طرف اشارہ کیا جس پر حمید نے غائب ہو جانے والوں کی رائفلیں دیکھی تھیں۔ اب رائفلیں وہاں نہیں تھیں۔

"ہم بمشکل تمام دو یا تین منٹ دراڑ میں ٹھہرے ہوں گے۔" فریدی نے کہا "اور اتنی ہی دیر میں نہ صرف رائفلیں بلکہ وہ شب خوابی کا لبادہ بھی غائب ہو گیا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ دراصل اس وقت اس کا ذہن کام ہی نہیں کر رہا تھا۔ انتہائی گرم کپڑوں اور قیمتی پوستین کے باوجود بھی سردی کے مارے اس کا بُرا حال تھا۔ اس پر اس اطلاع کا کوئی خاص اثر نہ ہوا۔ اس کے ذہن میں غار کی نیم تاریک فضا اور الاؤ میں جلنے والے پرندے کی چراندھ کا ایک نیم خوابیدہ سا احساس موجود تھا اور بس۔

"کیا تم بھی بھوتوں کے متعلق سوچنے لگے۔" فریدی اسے خاموش دیکھ کر بولا۔

"اوں.... ہاں.... میں کچھ نہیں سوچ رہا ہوں۔"

فریدی کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے جھک کر الاؤ سے ایک جلتی ہوئی لکڑی اٹھائی اور آہستہ سے بولا۔ "مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔ غار کے دوسرے دہانے کا مجھے خیال نہیں رہ گیا تھا۔ اب سے ڈیڑھ سال قبل میں نے اپنی تین راتیں اسی غار میں گزاری تھیں۔"

وہ جلتی لکڑی اٹھائے کشادہ غار کے ایک طرف بڑھ رہا تھا۔ حمید کا دل تو نہیں چاہتا تھا کہ

لیکن وہ مجبوراً ساتھ دیتا رہا۔ آگے چل کر ایک تنگ سا موڑ تھا اور پھر اس کے آگے راستہ تھا۔ حمید جھنجھلا کر اٹھا۔ بھلا وہ دوسرا دہانہ کہاں ہے۔

فریدی اس کی طرف مڑا۔

"ضروری نہیں کہ آپ کی یادداشت ہمیشہ اچھی ثابت ہوتی رہے۔" حمید نے جلے بھنے میں کہا۔

"کیوں.... کیا ہوا؟"

"سنئے! میرا موڈ بہت خراب ہے۔" حمید بھنا کر بولا۔ "مجھے اس پر مجبور نہ کیجئے کہ میں ہو کر گرتی ہوئی برف میں ناچنے لگوں۔"

"آخر کچھ کہو بھی تو۔"

"کیا وہ دوسرا دہانہ صرف آپ ہی کو دکھائی دے رہا ہے۔" حمید جھنجھلاہٹ میں چیخ پڑا۔

"اوہ.... یہ بات ہے۔ اچھا ادھر آؤ۔"

فریدی غار کے انتہائی سرے سے پیٹھ لگا کر اسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

دفعتاً حمید کا دل بڑے زور سے دھڑکا۔ قاسم نے بھی ابھی وہ بھوت دیکھا تھا تو کیا فرید بھی کسی بھوت کا سایہ ہو گیا ہے یا اس بھوت ہی نے فریدی کی شکل اختیار کر لی ہے۔

حمید بڑی تیزی سے یہ سب کچھ سوچتا چلا گیا۔ سردی کی شدت سے مضمحل ہوتا ہوا سب کچھ سوچ سکتا ہے۔ ایسی حالت میں حمید خود پر بھی بھوت سوار ہو جانے کا شبہہ کر سکتا ہے پھٹی پھٹی آنکھوں سے فریدی کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کے ذہن کی پراگندگی نے دھندلی میں فریدی کے سر پر سینگ بھی اگا دیئے۔

جلتی ہوئی لکڑی بجھنے لگی تھی۔ حمید کو فریدی کا چہرہ حد درجہ بھیانک نظر آنے لگا اور پھر وہ چیخ مار کر بھاگا۔

فریدی اس کے چہرے کی بدلتی ہوئی حالت کو بغور دیکھتا رہا تھا۔ وہ بھی اس کے پیچھے قاسم نے حمید کو اس طرح غار سے نکلتے دیکھا تو اس کے بھی ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

"بھاگو....!" حمید گھٹی گھٹی سی آواز میں چیخا۔

قاسم نے بھی چیخ مار کر دراڑ کے باہر چھلانگ لگا دی اور پھر فریدی نے ان دونوں کو

کے ذرات کی دھند میں غائب ہوتے دیکھا۔

پہلے تو وہ سمجھا تھا کہ حمید پر شائد شرارت کا بھوت سوار ہے لیکن اب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو گیا۔ برف اتنی تیزی سے گر رہی تھی کہ دس قدم دور کی بھی کوئی چیز نہیں دکھائی دیتی تھی۔ وہ چند لمحے کھڑا انتظار کرتا رہا۔ پھر اس نے ان دونوں کے نام لے لے کر چیخنا شروع کر دیا.... مگر جواب ندارد۔

"کیا حماقت ہے۔" وہ دانت پیس کر بڑبڑایا۔ برف باری کی رفتار لحظہ بہ لحظہ تیز ہوتی جا رہی تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دراڑ کا دہانہ تھوڑی ہی دیر بعد برف سے ڈھک جائے گا۔ فریدی نے کسی نہ کسی طرح خارش زدہ لومڑی کے پیروں سے بیلچہ کھولا اور وہ خوں خوں کرتی ہوئی غار میں گھس گئی۔

پھر وہ بیلچے کی مدد سے دراڑ کے دہانے پر اکٹھا ہوتی ہوئی برف ہٹانے لگا۔ حمید اور قاسم کا اب تک کہیں پتہ نہ تھا۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ اگر حمید کا وہ فعل محض مذاق تھا تو اسے زیادہ دیر تک برقرار نہ رہنا چاہئے تھا۔ آخر وہ کیا سمجھ کر اس طرح بھاگا وہ یہ بات سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ حمید یک بیک اتنا خوفزدہ ہو گیا تھا۔

وہ بیلچے سے برف ہٹاتا رہا.... رہ رہ کر وہ حمید اور قاسم کو آوازیں بھی دیتا جا رہا تھا۔ پھر اچانک خاموش ہو گیا۔ اس طرح چیختے رہنا بھی حماقت ہی تھی۔ برف ہٹاتے ہٹاتے تھک گیا تو بیلچہ ایک طرف ڈال کر بیٹھ گیا لیکن اس طرح کہ دراڑ کے دونوں طرف نظریں رہ سکیں۔ وہ مطمئن نہیں تھا کیونکہ اسے یقین تھا کہ کچھ پُراسرار نامعلوم آدمی اس کے قریب ہی کہیں موجود ہیں اور کسی وقت بھی اس پر حملہ کر سکتے ہیں۔ غار میں پائے جانے والے اجنبیوں کا اس طرح بھاگنا ان کی نیت کے فتور کی کھلی ہوئی دلیل تھی۔ لیکن ان کا مقصد کیا تھا۔ اگر وہ گرومی ہی کی پارٹی کے آدمی تھے تو انہوں نے خود کو مشتبہ بنانے کی کوشش کیوں کی۔ اگر وہ سکون اور اطمینان سے غار ہی میں بیٹھے رہتے تو فریدی ان کا کیا لیتا اور پھر یہ بات قانوناً جرم بھی نہیں تھی۔ بہر حال ان کے اس طرح بھاگ جانے پر وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ شب خوابی کا لبادہ اسی لڑکی کا نہ رہا ہو جسے فرار و سے اٹھایا گیا تھا اور پھر وہ لوگ اپنی جان پر کھیل کر اس لبادے کو وہاں سے اٹھا بھی تو لے گئے تھے۔

پھر ایک خیال اور بھی آیا.... وہ یہ کہ کہیں وہ لوگ اسے پہچانتے نہ ہوں۔ اگر یہ بات تھی تو

وہ خود بھی خطرے میں تھا۔ اس نے ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا۔ حقیقتاً وہ بڑے خطرے میں تھا۔ سوچ رہا تھا کہ اگر ان کی تعداد دو سے زیادہ ہوئی تو جان بچانا مشکل ہو جائے گا۔ اسے اس وقت بڑی آسانی سے گھیر کر مارا جا سکتا تھا اس کے لئے صرف تین ہی آدمی کافی ہوتے۔ دو تو غار کے دہانے کے دونوں دہانے سنبھال لیتے اور ایک دوسری طرف سے غار کے دہانے پر آ جاتا۔

غار کے دوسرے دہانے کے متعلق حمید کو دراصل غلط فہمی ہوئی تھی اگر وہ فریدی کے بلانے پر اس کے قریب چلا جاتا تو اس دوسرے دہانے کو بہ آسانی دیکھ لیتا۔ وہ دراصل اوپر کی طرف تھا۔ ایک تنگ راستہ جو ایک ڈھلان کی شکل میں دس گیارہ فٹ اوپر کی طرف چلا گیا تھا۔

قصور اس کا نہیں بلکہ اس کے تھکے ہوئے ذہن کا تھا۔ پچھلی رات شائد تین بجے سونا نصیب ہوا تھا اور پھر سردی کی شدت! اونگھتے ہوئے ذہن نے داہنے کو تقویت دی اور وہ فریدی ہی کو بھوت سمجھ بیٹھا۔ پھر اس طرح بے تحاشا بھاگا کہ برف باری کی پرواہ کئے بغیر دراڑ سے نکل گیا۔ اس نے قاسم کو بھی بھاگتے دیکھا تھا۔ لیکن آگے چل کر گردوپیش کے اڑتے ہوئے سفید ذرات نے اُسے قریب قریب اندھا کر دیا۔ اب نہ وہ اس دراڑ ہی کی طرف جا سکتا تھا اور نہ آگے ہی بڑھ سکتا تھا کیونکہ اب اس کے ذہن کی وہ نیم غنودہ سی کیفیت ختم ہو گئی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں سچ مچ کسی گڑھے ہی میں نہ گر پڑے۔ اس نے بوکھلا کر تھوڑی سی جگہ میں چکر کاٹنے شروع کر دیئے۔ اسے کسی آدمی کی پے در پے چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ چیخنے والا کون ہے۔ اگر ایک بار بھی وہ چیخیں اس کے کان پڑ جاتیں تو وہ آواز کی طرف چل پڑتا اور پھر اسی دراڑ تک پہنچ جاتا کیونکہ وہ درحقیقت فریدی تھا جس کی آواز اس کے کانوں تک مدہم قسم کی چیخ بن کر پہنچ رہی تھی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اس وقت نہ اسے فریدی کا خیال تھا اور نہ قاسم کا.... بس وہ ایک محدود سی جگہ میں چکر لگا رہا تھا۔

اچانک اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے برف کا ایک بہت بڑا ڈھیر اس پر آ رہا ہو۔ وہ زمین پر گر پڑا لیکن برف کا وہ ڈھیر جو اس پر مسلط ہو گیا تھا۔ انتہائی قوت صرف کرنے کے باوجود بھی اس پر مسلط ہی رہا۔ یہ عجیب بات تھی کہ نیچے دبا ہوا برف کا بستر بڑا ملائم تھا۔ لیکن اوپر کا ڈھیر جمی ہوئی برف کی طرح سخت تھا۔ پھر اس نے ایسا محسوس کیا جیسے وہ اوپر کی طرف اٹھ رہا ہو۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ خود اس ڈھیر پر مسلط ہو گیا۔ لیکن اس جدوجہد میں اس کے قویٰ جواب دے چکے تھے

رفتہ رفتہ اس پر غشی طاری ہوتی جا رہی تھی۔ اچانک سفیدی پر تاریکی کے غلاف چڑھ گئے۔

پتہ نہیں اُسے کس وقت ہوش آیا۔ چاروں طرف تاریکی تھی۔ ایسا گھنا اندھیرا جس میں روشنی کا ہلکا سا دھبہ بھی نہیں تھا۔ ہوش آتے ہی سب سے پہلے اسے اس بات کا احساس ہوا کہ اس کا جسم ہموار زمین پر نہیں ہے۔ اس نے اٹھنا چاہا لیکن جسم کو جنبش نہ دے سکا۔ آہستہ آہستہ اس کا ذہن صاف ہوتا جا رہا تھا۔

چند لمحوں کے بعد اس نے کسی آدمی کی آواز سنی جو شہد کی مکھیوں کی طرح بھنبھنا رہا تھا۔ آواز قریب ہی سے آ رہی تھی۔ حمید اندھیرے میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔ لیکن بے سود.... آواز لحظہ بہ لحظہ بلند ہوتی جا رہی تھی اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہ آواز کسی پھوٹ پھوٹ کر رونے والے کی آواز میں تبدیل ہو جائے گی۔

"ہائیں.... قاسم....!" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔

"غغ.... غغ.... غوں.... غمید بھائی۔"

"میں اس وقت سفلی کر رہا ہوں۔ بھوت نے مجھے بوتل میں بند کر دیا ہے۔" قاسم نے کہا اور بلند آواز میں بڑبڑانے لگا۔ "لوٹک لوٹا.... جھوٹک جھوٹا.... ہلدی کی گانٹھ.... کٹاری کی آنکھ.... انار بندھوں کٹار باندھوں.... باندھو چپکل چشک بھیروں.... بھیروں.... بھیروں۔"

"چپ رہو۔" حمید نے اسے ڈانٹا۔

"ارے ارے.... گڑبڑ نہ کرو۔" قاسم نے ہانک لگائی۔

"بکواس بند کرو۔ فریدی صاحب کہاں ہیں۔"

"پتہ نہیں.... لوٹک لوٹا.... جھوٹک جھوٹا.... ہلدی کی.... گگ.... گانٹھ....!"

قاسم بڑبڑا رہا تھا اور حمید اپنی پوستین کے نیچے ریوالور کا ہولسٹر تلاش کرنے لگا۔ لیکن وہ کارتوس کی پیٹی سمیت غائب تھا۔ رائفل کے متعلق تو خیر اس نے پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ اس کے پاس نہیں ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ چلتے وقت اس نے گھڑی بھی نہیں لگائی تھی کہ اس کے اندھیرے میں چمکنے والے ہندسوں سے وقت ہی کا اندازہ لگا سکتا۔

دفعتاً اسے سگار لائٹر یاد آیا۔ لیکن اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے اسے ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں اُسے بھی نہ نکال لیا گیا ہو۔ اس اندھیرے میں وہ امید کی آخری کرن تھی۔ آخر جی کڑا

کر کے اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ سگار لائٹر موجود تھا۔

جیسے ہی اس نے سگار لائٹر جلایا قاسم کے منہ سے خوفزدہ سی آوازیں نکلنے لگیں۔ لیکن وہ کہاں؟ حمید آنکھیں پھاڑے چاروں طرف گھورتا رہا۔ لیکن قاسم کہیں نہ دکھائی دیا۔ البتہ اس آواز وہ صاف سن رہا تھا۔

شائد اب قاسم نے سفلی اور علوی دونوں قسم کے عمل ایک ساتھ شروع کر دیئے تھے۔

یہ ایک کافی کشادہ غار تھا لیکن چاروں طرف سے بند۔ کہیں بھی کوئی رخنہ نظر نہیں آ تھا۔ حمید کا دم گھٹنے لگا۔

"ارے! ہو ہو ہو۔" قاسم کی آواز غار میں گونج رہی تھی۔

دشمن شکاری

برف باری ختم ہو جانے کے بعد فریدی، قاسم اور حمید کو بڑی دیر تک تلاش کرتا رہا لیکن نہ ملے۔ تشویش لحظہ بہ لحظہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ دونوں کسی گڑھے گر کر برف میں دفن نہ ہو گئے ہوں۔

وہ کب تک انہیں تلاش کرتا.... آخر تھک ہار کر فزارو کی طرف لوٹنا پڑتا۔ وہ یہ بھی سو رہا تھا ممکن ہے وہ دونوں فزارو ہی پہنچ گئے ہوں لیکن یہ خیال محض ایک دل بہلانے والا خیال رہا۔ اسی خیال کے ساتھ اُسے یہ بھی سوچنا پڑتا تھا کہ اگر حمید فزارو پہنچ گیا ہوتا تو کچھ آدمیوں اپنے ساتھ لے کر اُس کی تلاش میں واپسی ضرور آتا۔

بہر حال فزارو پہنچ کر فریدی کو یقین آ گیا کہ وہ دونوں یقیناً برف ہی میں کہیں دب کر رہ ہیں۔ اُس نے میجر نصرت کو فون کیا وہ آفس ہی میں موجود تھا۔ فریدی فون پر اُسے وضاحت ساتھ کچھ نہ بتا سکا۔ ویسے اُس نے اُس سے جلد سے جلد فزارو پہنچ جانے کی استدعا کی تھی۔

فریدی نے اپنے پچھلی رات کے کارناموں کے متعلق نواب رشید الزماں وغیرہ کو کچھ نہ بتایا تھا لیکن اب بتانا ہی پڑا۔ حمید اور قاسم کا انجام سن کر وہ سب سناٹے میں آ گئے۔ شہناز چہرے سے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دے گی۔

"میاں تم نے بڑی غلطی کی۔" نواب رشید الزماں بولے۔ "آخر ایسی صورت میں وہاں جانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔"

"مجھے یقین ہے کہ وہ بھوت نہیں تھے۔" فریدی نے کہا۔

"چلو یہی سہی لیکن ہم سے بھی تو تذکرہ کرنا چاہئے تھا۔"

غزالہ نے بھی کچھ کہنا چاہا لیکن پھر رک گئی۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔" فریدی بولا۔

"چلو انہیں تلاش کریں۔" کرنل شمشاد نے کہا۔

"میں آپ کو نہیں جانے دوں گی۔" اُس کی لڑکی فرزانہ نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"مجھے میجر نصرت کا انتظار ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "میرا ذہن اس وقت کام نہیں کر رہا ہے پتہ نہیں حمید کو کیا ہو گیا تھا اور وہ اس طرح کیوں بھاگا تھا۔"

"فریدی صاحب۔" کرنل شمشاد نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "آپ لوگ یقیناً کسی شیطانی چکر میں پڑ گئے ہیں۔ آپ کا جوانی کا خون ہے اور ابھی آپ پہاڑ سے بھی ٹکرا سکتے ہیں۔ میں بھی آپ ہی کی طرح بد ارواح کا قائل نہیں تھا۔ لیکن 1944ء میں لیبیا کے محاذ پر مجھے قائل ہی ہو جانا پڑا۔"

"ہو سکتا ہے۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ وہ بہت زیادہ بے چین نظر آ رہا تھا اس کے لئے یہ خیال انتہائی تکلیف دہ تھا کہ وہ اب حمید کو کبھی نہ دیکھ سکے گا۔ لیکن پھر بھی رہ رہ کر دروازے کی طرف اس انداز سے دیکھ لیتا تھا، جیسے اُسے توقع ہو کہ ابھی حمید اپنے مخصوص لہجے میں کوئی نیا شوشہ چھوڑتا ہوا کمرے میں داخل ہو گا وہ تھوڑے دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"اب آپ لوگ براہِ کرم یہاں سے کہیں اور چلنے کی تیاری کیجئے۔" فریدی نے کہا۔

"کہاں چلیں۔" نواب رشید الزماں نے پوچھا۔

"میجر نصرت کہیں نہ کہیں انتظام کریں گے۔" فریدی نے کہا اور پھر یک بیک اس طرح چونک پڑا جیسے کوئی بات یاد آ گئی ہو۔ اُس کی نظریں فرزانہ کے چہرے پر جم گئیں اور فرزانہ آنکھیں چرانے لگی۔

"آپ صبح غسل خانے گئی تھیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"کیوں؟ جی ہاں....!"

"وہاں اندھیرا رہا ہوگا۔"

"تھا تو.... لیکن آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"پانچ بجے سے سات بجے تک آپ کہاں تھیں۔"

"شائد غسل خانے سے واپس آکر میں پھر سو گئی تھی۔"

"یہ آپ کو اچھی طرح یاد ہے کہ آپ غسلخانے گئی تھیں۔"

"جی ہاں۔"

"اس سلسلے میں کوئی خاص بات بھی آپ کو یاد ہے۔"

"خاص بات۔" فرزانہ کچھ سوچنے لگی۔ پھر دفعتاً اُس نے اپنے دائیں بازو کو ہاتھ سے دبا کر سامنہ بنایا۔

"کوئی تکلیف....!" فریدی نے پوچھا۔

"پتہ نہیں کس چیز نے کاٹ لیا ہے۔" فرزانہ نے آستین سمیٹ لی۔

بازور پر ایک اُبھرا ہوا چھوٹا سا نشان تھا۔ فرزانہ نے اُسے ہولے سے دبایا اور "سی" کرنے لگی۔

فریدی نے اٹھ کر اُسے دیکھا اور پھر اپنی کرسی پر آبیٹھا۔

"انجکشن کا نشان۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا؟" کرنل شمشاد نے چونک کر کہا۔

"انجکشن کا نشان۔" فریدی نے دوہرایا۔ پھر کرنل کو مخاطب کر کے پوچھا۔ "ڈاکٹر نے انجکشن دیا تھا۔"

"پنڈلی میں۔"

"آپ کو اچھی طرح یاد ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

اب فرزانہ اپنی پنڈلیاں بھی ٹٹولنے لگی تھی۔

"جی ہاں مجھے اچھی طرح یاد ہے۔"

"تو پھر ان کی وہ کیفیت اسی انجکشن کا نتیجہ تھی، جو بازو پر لگایا گیا ہے۔"

"لیکن کس نے لگایا۔"

"یہ تو محترمہ فرزانہ ہی بتا سکیں گی۔" فریدی نے کہا۔

"مجھے نہیں معلوم۔" فرزانہ بولی۔

"تب یہ انجکشن غسل خانے ہی میں دیا گیا تھا۔"

"آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" نواب رشید الزماں بڑبڑائے۔

"کسی کو ہماری آمد گراں گذری ہے۔" فریدی بولا۔

"کسے....!" زاہد کریم چونک کر بولا۔

"یہ میں نہیں جانتا۔" فریدی نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ آپ لوگ واپس ہی جایئے۔"

"یہ ناممکن ہے۔" فرزانہ نے کہا۔ "جب تک حمید صاحب وغیرہ نہیں مل جاتے سب یہیں یام کریں گے۔"

"مجھے توقع نہیں کہ وہ دونوں زندہ ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "وہ معمولی برف باری نہیں تھی بلکہ برف کا طوفان تھا.... اچھا....!"

فریدی کھڑا ہو گیا۔ "معاف کیجئے گا۔ میں اس وقت زیادہ گفتگو کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

وہ لوگ خاموشی سے اُس کی شکل دیکھتے رہے کوئی کچھ بولا نہیں۔

فریدی ڈائینگ ہال میں چلا آیا۔ وہ بے چینی سے میجر نصرت کا انتظار کر رہا تھا۔ تین بج گئے تھے۔ اس کی خواہش تھی کہ رات ہونے سے قبل ایک بار اور سیتل گھاٹی کھنگال ڈالی جائے۔

اس نے ان تینوں شکاریوں کو بھی دیکھا، جو ایک میز پر کافی پی رہے تھے۔

بھاری چہرے والے نے فریدی کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے آہستہ سے سر ہلایا۔

"معاف کیجئے گا۔ میں مخل ہوا۔" فریدی نے ان کے قریب پہنچ کر کہا۔ "کیا آپ ہمیں ہمارے ساتھیوں کو ڈھونڈھنے میں مدد دے سکتے ہیں۔"

"آپ کے ساتھیوں کو کیا ہوا۔" بھاری چہرے والے نے حیرت سے کہا۔

"وہ دونوں غائب ہو گئے.... سیتل گھاٹی میں...." فریدی نے کہا اور پچھلی رات سے اب تک کے سارے واقعات دہرا دیئے۔ لیکن اس نے شب خوابی کے اس لبادہ کا تذکرہ نہیں کیا جو اُسے غار میں ملا تھا۔

"وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔" بھاری چہرے والا آہستہ سے بڑبڑایا۔

"یعنی....!"

"کیا اب بھی یہ بتانے کی ضرورت رہ جاتی ہے کہ وہ دونوں گرومی کے ساتھی تھے۔" شکا نے کہا۔

"لیکن وہ بھوت۔" فریدی بولا۔

"میں نے آج تک نہیں دیکھے۔" شکاری کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "حالانکہ میں نے شکار زیا رات ہی کو کھیلا ہے۔ البتہ پیروں کے نشانات اکثر دیکھے ہیں۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر شکاری ہی بولا۔ "مجھے افسوس ہے کہ آپ کے دو سا ضائع ہوگئے۔ میرے سینے پر تو ایک دو نہیں اٹھارہ داغ ہیں۔"

"لیکن وہ دونوں آدمی تو ہمیں دیکھ کر بہت زیادہ سہم گئے تھے۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ.... آپ اُن کے بل میں گھس تو گئے تھے۔" شکاری بولا۔ "میں دس سال سے جھک رہا ہوں لیکن مجھے حسرت ہی رہ گئی کہ ان کی کوئی کمین گاہ مجھے مل سکتی۔"

"برف باری کے اوقات میں آپ لوگ کہاں پناہ لیتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہمیں ایک اچھا سا غار مل گیا ہے۔" بھاری چہرے والے نے کہا اور پھر قاسم اور حمید موت پر اظہار افسوس کرنے لگا اور اس کے انداز گفتگو سے معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے اُن کی م کا سو فیصدی یقین ہو۔

ساڑھے تین بجے کے قریب میجر نصرت آگیا۔ فریدی نے اُسے بھی سارے واقعات بتاد۔ میجر نصرت متحیرانہ انداز میں سب کچھ سنتا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "سیتل گھاٹی مخدوش جگہ ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے پہلے ہی آپ کو اُسکے متعلق کیوں نہیں بتا دیا تھا۔"

"میں جانتا ہوں۔" فریدی بولا۔ "اور میں نے شکار کا ارادہ تو قطعی ترک کر دیا تھا لیکن بھوتوں کے مسئلے نے مجھے الجھا لیا۔"

"چھوڑیئے! آپ بھی کہاں کی بات لے بیٹھے۔ یہ بھی شکاریوں ہی کی حرکت ہے۔ غا کوئی ایسی پارٹی ہے جو دوسری پارٹیوں کو سیتل گھاٹی میں شکار کھیلنے سے باز رکھنا چاہتی ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن ہم نے اُن پر لاتعداد فائر کئے تھے۔" فریدی نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور پھر اٹھتا ہوا بولا۔ "بہر حال رات ہونے سے قبل ہمیں ایک بار اور وہاں دیکھ لینا چاہئے۔"

پھر ایک گھنٹے کے اندر اندر سیتل گھاٹی میں ٹیکم گڈھ پولیس فورس کے نوجوان پھیل گئے ایک ایک چپہ چھان مارا گیا۔ شونگلو قوم کے مزدوروں نے برف سے بھرے ہوئے گڑھے کھنگال ڈالے۔ مگر قاسم اور حمید کا سراغ نہ ملا۔ اس پر میجر نصرت تو کافی اداس ہو گیا تھا لیکن فریدی کے ذہن کے تاریک گوشوں میں امید کی کرنیں دوبارہ رینگ آئی تھیں۔

رات ہوتے ہوتے وہ سیتل گھاٹی سے لوٹ آئے۔

اب فریدی نے گرومی کے متعلق معلومات بہم پہنچانی شروع کیں۔ میجر نصرت نے بتایا کہ وہ مشتبہ ضرور ہے لیکن پولیس کے پاس اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔ میجر نصرت ہی سے اُسے گرومی کی جائے قیام بھی معلوم ہو گئی۔ اُسکے معمولات کے متعلق بھی کچھ باتیں معلوم ہوئیں۔

فریدی نے یہی چاہا تھا کہ اسی وقت اپنے ساتھیوں کو کسی دوسری جگہ منتقل کر دے لیکن میجر نصرت نے معذوری ظاہر کی اور یہ معاملہ دوسرے دن پر ٹل گیا۔

میجر نصرت کی روانگی کے بعد فریدی اپنے کمرے میں آیا اور پھر جب آدھ گھنٹہ بعد وہ کمرے سے نکل رہا تھا تو غزالہ سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ غزالہ فریدی کے کمرے میں ایک اجنبی کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ فریدی کے چہرے پر گھنی ڈاڑھی اور چڑھی ہوئی مونچھیں تھیں۔ وضع قطع سے وہ اب بھی شکاری ہی معلوم ہو رہا تھا۔ رائفل اُس کے کاندھے پر لٹک رہی تھی۔

"ڈر گئیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"ارے آپ.... یہ کیا؟"

"میں ذرا باہر جا رہا ہوں۔"

"جی آپ نہیں! آپ نہیں جا سکتے۔" غزالہ نے کہا۔ "جو ہوا سو ہوا۔ اب ہم واپس جائیں گے کل ہی۔"

"صرف آپ لوگ۔" فریدی نے کہا۔ "جب تک اُن کی لاشیں نہ مل جائیں میں انہیں مردہ سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔"

"تو اس طرح کہاں جا رہے ہیں۔ شکل کیوں تبدیل کی ہے۔"

"تو بتا کر جایئے.... کہاں جا رہے ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے۔"

"آخر آپ اتنے ضدی کیوں ہیں۔" غزالہ جھنجھلا گئی۔

"میں خود بھی اکثر یہی سوچتا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اچھا آپ کمرہ بند کر دیجئے گا۔"

فریدی تیز تیز قدم بڑھاتا ہوا دوسری راہداری میں مڑ گیا۔ سامنے سے شہناز آ رہی تھی اور اس نے شاید فریدی کو دیکھ لیا تھا۔ غزالہ کے قریب آ کر اس نے پوچھا۔ "یہ کون تھا۔"

"ایک پاگل تھا.... خبطی تھا.... آدمی نہیں تھا۔" غزالہ پیر پٹخ کر بولی۔ اس بیچاری نے سینکڑوں بار اپنے ہوائی قلعوں میں فریدی کو دلیپ کمار بنا کر دیکھا تھا مگر یہ اپنے گوشت و پوست میں ہمیشہ شیخ مختار ثابت ہوا تھا۔ اس وقت بھی اسے توقع تھی کہ وہ اپنے لہجے میں بے اختیاری اور پیار کا انداز پیدا کر کے اس کی جامد حسیات کو متحرک کر سکے گی۔

"میں نہیں سمجھی۔" شہناز نے کہا۔

"اس کمرے میں کون رہتا ہے۔"

"فریدی صاحب۔" شہناز نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"حمید صاحب نے کوئی شرارت فرمائی ہے۔" غزالہ ہونٹ سکوڑ کر بولی۔ "خواہ مخواہ سب کو پریشانیوں میں مبتلا کر دیا۔"

شہناز کو غزالہ کا جملہ اتنا گراں نہیں گزرا جتنا کہ لہجہ ناگوار معلوم ہوا۔ اُسے بہر حال حمید سے انسیت تھی اور یہ انسیت نئی نہیں تھی۔ سالہا سال سے وہ دونوں ایک دوسرے سے بے تکلف تھے لیکن چونکہ دونوں تعلیم یافتہ اور سمجھدار تھے اس لئے انہیں عشق کا روگ نہیں لگا تھا۔

شہناز صرف ہونٹ چبا کر رہ گئی۔ وہ غزالہ کی جھلاہٹ کی وجہ بھی جانتی تھی اگر کوئی اور موقعہ ہوتا تو وہ اس پر طنز کئے بغیر نہ مانتی لیکن آج وہ خود بہت زیادہ پریشان تھی۔

غزالہ نے فریدی کا کمرہ مقفل کیا اور اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

فریدی نے ڈائننگ ہال سے گذرتے وقت محسوس کیا کہ منیجر اُسے تحیر آمیز انداز میں گھور رہا ہے اور اب حقیقتاً اُسے اپنی جلد بازی پر افسوس ہونے لگا۔ ظاہر ہے کہ ہوٹل میں واردات ہونے کے بعد سے منیجر ہر ایک پر کڑی نظریں رکھنے لگا تھا۔ ہوٹل کے کمروں سے کسی ایسے

آدمی کا برآمد ہونا جسے اُس نے داخل ہوتے نہ دیکھا ہو یقیناً ایک حیرت انگیز بات تھی۔

فریدی نے ہوٹل سے نکل کر شہر کی راہ لی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ منیجر اُس کے متعلق ہر ایک سے پوچھتا پھر رہا ہوگا۔ وہ دراصل اس وقت گروی کی تلاش میں نکلا تھا۔ میجر نصرت سے اس کا حلیہ بھی اُسے معلوم ہو گیا تھا اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ گروی اس وقت شہر کے ایک ایسے ہوٹل میں ملے گا جس میں بار بھی ہے وہ اب یہ بھی سوچ رہا تھا کہ اُسے وہاں شکاریوں کی وضع میں نہ جانا چاہئے۔ راستے برف سے ڈھکے ہوئے تھے کہیں کہیں تو گھٹنوں تک پیر برف میں دھنس جاتے تھے۔

سردی شباب پر تھی۔ اون کے استر والے لانگ بوٹ ٹھنڈے لوہے کی طرح پنڈلیوں سے چپکے معلوم ہو رہے تھے۔ مگر فریدی کے ذہن میں صرف ایک بات تھی۔ حمید کی بازیابی.... اُسے موسم کی اذیت کا احساس نہیں تھا۔

اس نے شہر پہنچ کر رائفل میجر نصرت کے یہاں رکھوا دی۔ میجر نصرت گھر پر موجود تھا۔ وہ کافی دیر تک آنکھیں پھاڑے فریدی کو گھورتا رہا تھا اور پھر جب خود فریدی ہی نے اپنا تعارف کرایا تو وہ بے اختیار ہنس پڑا۔ فریدی کو اُس نے ایک نئی اطلاع دی۔ وہ یہ کہ سیتل گھاٹی میں پولیس کا ایک دستہ تعینات کر دیا گیا ہے۔

وہاں سے فریدی اُس ہوٹل میں آیا جہاں پر گروی سے ملاقات ہو جانے کی توقع تھی اور پھر اُسے گروی کو پہچان لینے میں دشواری نہ ہوئی۔ گروی ان آدمیوں میں سے نہیں تھا جو اپنی شخصیت کے اعتبار سے کسی بھیڑ میں ضرر ہو کر رہ جاتے ہیں۔ میجر نصرت نے اس کی خاص نشانی اس کی پیشانی پر پڑی ہوئی ایک ترچھی اور گہری لکیر بتائی تھی، جو بائیں آنکھ کے اوپری حصے سے داہنی کنپٹی تک پھیلی ہوتی تھی۔ یہ غالباً کسی زخم کا نشان تھا۔ عمر ساٹھ سال کے قریب رہی ہوگی لیکن جسم کی بناوٹ کے اعتبار سے وہ اب بھی کافی مضبوط معلوم ہوتا تھا۔ چہرے پر گھنی سپید مونچھیں تھیں۔ جنہوں نے نچلے ہونٹ کو بھی ڈھک لیا تھا۔ آنکھیں سرخ تھیں پتہ نہیں یہ شراب کا عارضی اثر تھا یا صفراوی مزاج رکھنے والوں کی آنکھوں کی طرح وہ رات کو عموماً سرخ ہی رہا کرتی تھیں۔

وہ اس وقت میز پر تنہا تھا اور اس کے سامنے شامپین کی دو خالی بوتلیں پڑی تھیں اور تیسری آدھی ہو چکی تھی۔ اس کی نظریں خلاء میں نہ جانے کس چیز پر جمی ہوئی تھیں اور اس کا بایاں شانہ رہ

رہ کر ایک خاص انداز میں جنبش کرنے لگتا تھا اور اسی کے ساتھ ہی اس کی مونچھیں سمٹنے اور پھیلنے لگتی تھیں۔

فریدی قریب ہی ایک میز پر دونوں ہاتھ ٹیک کر کھڑا ہو گیا اور چندھیائی ہوئی آنکھوں چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی دہقان پہلی بار شہر آیا ہو۔

ایک ویٹر لپک کر اُس کے قریب آیا۔

"میں برف ہو گیا ہوں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "مجھے کافی چاہئے.... گرم کھولتی ہوئی

ویٹر اُسے بیٹھنے کا اشارہ کرتا ہوا چلا گیا۔ فریدی کو بیٹھے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ دفعتاً گرومی نے اس کی طرف دیکھا اور ٹھیک اُسی وقت فریدی کی میز کے قریب سے گزرنے والے کچھ لوگوں میں سے ایک نے اس کی مصنوعی ڈاڑھی پکڑ کر کھینچ لی۔ فریدی یہ بھی نہ دیکھ سکا کہ وہ کون تھا پھر پانچ یا چھ آدمیوں کی وہ پارٹی قہقہے لگاتی ہوئی ایک دروازے میں داخل ہو گئی۔ گرومی ہونٹ تحیر آمیز انداز میں ذرا سے کھلے اور پھر بند ہو گئے۔ اُس نے اتنی سختی سے دانت پر دانت جمائے کہ جبڑوں کے مسلس اُبھر آئے۔

فریدی کے ہونٹوں پر صرف مونچھیں رہ گئی تھیں۔

گرومی اپنی جگہ سے اٹھ کر فریدی کے قریب آیا اور اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر تحیر آمیز انداز میں آہستہ سے بولا۔ "کیوں دوست.... کون ہو تم۔"

"فرشتہ....!" فریدی بڑے معصومانہ انداز میں مسکرایا۔

"نقلی ڈاڑھی میں۔" گرومی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"وہ ڈاڑھی نہیں گالوں کی پوستین تھی.... آج بڑی ٹھنڈک ہے۔" فریدی اپنی ہتھیلیاں ایک دوسری سے رگڑتا ہوا بولا۔

بُرے پھنسے

نار کے بہت تھوڑے حصے میں روشنی تھی۔ سگار لائیٹر کی روشنی ہی کتنی۔

حمید حیران حیران آنکھوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ آخر قاسم کہاں تھا۔ آواز

قریب ہی کہیں سے آ رہی تھی لیکن حمید کا ذہن کچھ اس طرح چکرایا ہوا تھا کہ وہ کئی منٹ تک آواز کی سمت کا اندازہ نہ لگا سکا۔ اس دوران میں وہ لائیٹر کو جلاتا اور بجھاتا رہا۔

وہ جب بھی لائیٹر جلاتا قاسم کی آواز اچانک تیز ہو جاتی۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے لائیٹر کا شعلہ اس کے جسم کے کسی حصے سے جا لگا اور تکلیف کی وجہ سے اس کی چیخ نکل جاتی ہو۔

بڑی دیر کے بعد یہ بات حمید کی سمجھ میں آئی کہ آواز نیچے سے آ رہی ہے۔ اس بار جیسے ہی اُس نے لائیٹر جلایا اور قاسم کی چیخ نکلی وہ آواز کی سمت چل پڑا اور پھر اس کی نظر ذرا سا بھی چوک جاتی تو وہ ایک گڑھے میں ہوتا۔ اُس نے لائیٹر نیچے کیا۔ گڑھا کیا تھا اچھا خاصا کنواں تھا لیکن گہرائی پانچ یا چھ فٹ سے زیادہ نہیں تھی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسے خاص طور پر پتھر تراش کر بنایا گیا ہو۔ دہانے کا دائرہ اپنی باقاعدگی کے اعتبار سے کسی پرکار کا رہین منت معلوم ہوتا تھا۔ حمید نے قاسم کو دیکھا جو اُسی گڑھے کی تہہ میں اکڑوں بیٹھا سر گھٹنوں میں دیئے اپنا سفلی عمل دہرا رہا تھا۔ حمید کو ہنسی آ گئی۔

"اولمڈھگ....!" حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے۔"

"ہائیں.... حمید بھائی۔" قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کے شانے گڑھے کے باہر نکلے ہوئے تھے۔ پھر اُس نے لائٹر کی روشنی میں اُس گڑھے کا جائزہ لیا اور ہنسنے لگا۔

"لاحول ولا قوۃ.... میں سمجھا تھا شاید بوتل میں بند ہوں۔" قاسم نے کہا اور گڑھے کے اوپر دونوں ہاتھ جما کر باہر آ گیا۔

"مگر.... حمید بھائی.... ہم کہاں ہیں۔"

"فریدی صاحب کی سسرال میں۔ مگر خدارا مجھ سے یہ نہ پوچھنا کہ اُن کی شادی کب اور کہاں ہوئی تھی۔"

"کیا رات ہو گئی۔" قاسم نے جماہی لے کر کہا۔

"رات کے بچے ہم کسی غار میں بند کر دیئے گئے ہیں۔"

"تب تو رات مزے میں کٹے گی۔" قاسم دوسری جماہی لیتا ہوا بولا۔ "مگر یہاں مچھر بکثرت معلوم ہوتے ہیں۔"

حمید نے لائیٹر بجھا دیا وہی تو اس اندھیرے میں ڈوبتے کو تنکے کا سہارا تھا اگر اُس کی بھی

اسپرٹ ختم ہو جاتی تو کیا ہوتا۔

حمید تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "قاسم اگر ہم اسی غار میں مر گئے تو کیا ہوگا۔"

"حمید بھائی.... مرنے کی بات نہ کرو مجھے رونا آجاتا ہے۔"

"تو پھر یہاں سے کس طرح نکلیں گے مجھے تو کوئی ایسا راستہ نظر نہیں آتا۔"

"لیکن ہم یہاں پہنچے کس طرح۔" قاسم نے کہا۔ "میں گر پڑا تھا مجھے اچھی طرح یاد حمید بھائی تم بھاگے کیوں تھے۔"

"ختم کرو یہ قصہ.... کچھ سوچو۔" حمید جلدی سے بولا۔

"میں بہت دیر سے سوچ رہا ہوں کہ کچھ سوچوں.... مگر....!"

حمید کچھ سوچتا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "ہم یہاں پہنچے کس طرح۔"

"حمید بھائی مجھے عمل پڑھنے دیجئے ورنہ کوئی مصیبت آجائے گی۔"

حمید نے پھر لائٹر جلایا اور وہ کنارے کنارے آگے بڑھنے لگے۔ غار کافی کشادہ تھا۔

حمید نے محسوس کیا کہ وہ اس سے پہلے بھی آدمیوں کی قیام گاہ بنتا رہا ہے۔ اُسے ایک کچھ پھٹے پرانے کپڑے دکھائی دیئے۔ حمید نے انہیں پیر سے پھیلا دیا۔ اُن کے نیچے اُسے آدھ جلی موم بتیاں ملیں۔ اُس نے انہیں اٹھایا اور نہایت احتیاط سے جیب میں ڈال لیا۔ اُ سے ایک روشن کرلی اور سگار لائٹر بجھا دیا۔ موم بتیوں کا ملنا ایک بہت بڑا سہارا تھا۔

"حمید بھائی۔" قاسم نے سرگوشی کی۔ "بھوت بھی موم بتیاں جلاتے ہیں۔"

"قاسم! تم زندہ رہنا چاہتے ہو یا مرنا۔" حمید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کک.... کیوں....!" قاسم اُس کی سنجیدگی پر بوکھلا گیا۔

"اگر مرنا چاہتے ہو تو دوسری بات ہے.... ورنہ فی الحال بھوت کا خیال دل سے نکال اس وقت ہم آدمیوں کی قید میں ہیں۔"

"آدمیوں کی قید میں؟"

"ہاں.... بھوت مومی شمعیں نہیں جلاتے ہیں۔"

"یہی تو میں بھی کہہ رہا تھا۔" قاسم نے سر ہلا کر کہا۔ "تب تو حمید بھائی بیٹھو۔"

قاسم بڑے اطمینان سے پالتھی مار کر بیٹھ گیا۔

"کیوں؟"

"ارے جب آدمیوں نے ہمیں بند کیا ہے تو کوئی نہ کوئی راستہ ضرور ہوگا۔ جب وہ دوبارہ واپس آئیں گے دیکھ لیا جائے گا۔"

"ہم نہتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"چھوڑو بھی حمید بھائی.... دیکھا جائے گا۔ ویسے بھوک بہت زور سے لگ رہی ہے۔" قاسم نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔ "نیند بھی آرہی ہے۔"

"تو تم صرف بھوتوں سے ڈر رہے تھے۔"

"اور کیا....!" قاسم نے کہا۔ "میں تو دراصل بھوت کے خیال سے پریشان تھا اور آدمیوں میں اپنے باپ کے علاوہ اور کسی سے نہیں ڈرتا۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید اُس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "آؤ اٹھو باہر نکلنے کا راستہ تلاش کریں۔"

"چلو....!" قاسم کھڑا ہو گیا۔

"دفعتاً حمید نے پھونک مار کر موم بتی بجھا دی۔"

"کیا ہوا۔" قاسم نے سرگوشی کی۔

"کوئی آرہا ہے.... چلو ادھر اس طرف۔ آجاؤ۔"

کئی قدموں کی آوازیں غار میں گونج رہی تھیں لیکن وہ دور ہی ہوتی گئیں۔ پھر سناٹا چھا گیا۔

"یہ کیا تھا۔" قاسم نے آہستہ سے پوچھا۔

"کوئی آرہا ہے.... چلو ادھر اس طرف آجاؤ۔"

کئی قدموں کی آوازیں غار میں گونج رہی تھیں لیکن وہ دور ہی ہوتی گئیں۔ پھر سناٹا چھا گیا۔

"یہ کیا تھا۔" قاسم نے آہستہ سے پوچھا۔

"پتہ نہیں.... چپ چاپ بیٹھے رہو۔"

حمید سوچ رہا تھا کہ وہ آوازیں غار کے باہر کی نہیں ہو سکتی تھیں کیونکہ باہر اب بھی کافی برف ہوگی۔ لیکن اگر غار کے اندر ہی کی آوازیں تھیں تو غار کتنا لمبا چوڑا ہے۔

وہ دوبارہ اٹھ ہی رہا تھا کہ اُسے پھر کچھ آوازیں سنائی دیں۔

"یہ کیا ہے۔" قاسم نے پوچھا۔

حمید نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آوازیں دور کی تھیں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے لکڑی کے صندوق میں کیلیں جڑی جا رہی ہیں اور یہ سلسلہ دیر تک قائم رہا۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔ اچانک اُسے غار کی ایک اندرونی چٹان پر سرخ سی روشنی دکھائی دی جو رفتہ رفتہ گہرا ہو کر پھیلتی جا رہی تھی۔

اب انہوں نے قدموں کی آوازیں سنیں۔ حمید سمجھ گیا کہ کوئی روشنی لے کر آ رہا ہے چٹان پر روشنی پڑ رہی تھی غالباً اسی کے سامنے کوئی راستہ تھا۔

قدموں کی آوازیں قریب آتی جا رہی تھیں۔ پھر چٹان کی اوٹ سے ایک بڑا سا شعلہ بار طرف لپکا۔ قاسم اور حمید اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

دوسرے لمحے چار آدمی اُن کے سامنے کھڑے تھے۔ دو کے ہاتھوں میں مشعلیں تھ انہوں نے اپنے چہرے سیاہ نقابوں سے چھپا رکھے تھے اور اُن کے جسموں پر لمبی لمبی پوستینیں تھیں وہ چاروں مؤدبانہ انداز میں قاسم اور حمید کے سامنے جھکے۔ قاسم بوکھلا کر حمید کی ط دیکھنے لگا۔

"معزز مہمانوں سے استدعا کی جاتی ہے کہ طعام تناول فرمالیں۔" اُن میں سے ایک نے

حمید بھی سناٹے میں آ گیا۔ اُسے اس کی توقع نہیں تھی۔ وہ تو سمجھ رہا تھا کہ آنے و انہیں یا تو مار ڈالیں گے یا کسی اذیت میں مبتلا کریں گے۔

"آپ کون ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"فرشتے۔" چاروں نے ایک ساتھ کہا۔

"کبھی بھوت۔" قاسم بڑبڑانے لگا۔ "اور کبھی فرشتے۔ کہیں ہمارا دماغ تو نہیں چل گیا۔"

"سنئے جناب۔" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "اس طرح کسی آدمی کو قید کر دینا بہت بڑا جرم ہے۔"

"قید.... قید سے کیا مطب۔" اُس نے تحیر آمیز آواز میں کہا۔

"مطلب پولیس بتائے گی۔"

"پولیس.... یہ کیا چیز ہے۔" اس بار بھی اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

اچانک اُن میں سے ایک دوسرا آدمی بولا۔ "کہیں یہ لوگ خود کو دنیا میں تو نہیں سمجھ رہے ہ

"ضرور یہی بات ہے۔" پہلے نے سر ہلا کر کہا اور قاسم کے منہ سے ایک لمبی سی "ہائیں" نکل رہ گئی۔

"سنو....!" حمید جھلا کر بولا۔ "ہماری رائفلیں اور ریوالور ہمیں واپس دے دو۔ پھر ہمارا ٹھکانہ اڑاؤ۔ نہتوں کے منہ پر تھوکنا بہادری نہیں ہے۔"

"ارے یہ سچ مچ خود کو دنیا میں محسوس کر رہے ہیں۔" ایک مشعل بردار بولا۔

وہ چاروں بھی بظاہر نہتے ہی تھے۔ حمید نے قاسم کو اشارہ کیا۔

"دیکھئے.... یہ سب بیکار ہے۔" ایک بولا۔ "یہ دنیا نہیں ہے۔ لباڈگی سے کام نہیں چلے گا۔ شرافت سے چلئے اور کھانا کھا لیجئے کیونکہ ابھی آپ دونوں کے تابوت بھی تیار کرنے ہیں۔"

"تابوت.... یعنی.... کک....!" قاسم تھوک نگل کر بولا۔

"دفعتاً حمید کے چہرے پر نرماہٹ دوڑ گئی اور اس نے بڑے میٹھے لہجے میں کہا۔ "چلئے۔"

قاسم لاکھ احمق سہی لیکن اسے حمید کے رویئے میں بے ساختہ قسم کی تبدیلی دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔

پھر وہ ایک سرنگ نما راستے سے گزر رہے تھے۔ دونوں مشعل بردار حمید اور قاسم کے آگے تھے اور دو آدمی اُن کے پیچھے چل رہے تھے۔ سرنگ زیادہ کشادہ نہیں تھی اس لئے قاسم کو جھک کر چلنا پڑ رہا تھا۔

مشعلوں میں جلنے والا ایندھن شائد کسی چیز کی چربی میں ڈبویا گیا تھا۔ جس کی چراندھ سے کم از کم حمید کا دم الٹنے لگا تھا۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد وہ پھر ایک کافی کشادہ غار میں پہنچ گئے۔ یہ غار سو فیصدی انسانی کارنامہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کا فرش مسطح تھا اور چاروں طرف کی چٹانوں کو اتنی خوش سلیقگی سے تراشا گیا تھا کہ وہ کسی عمارت کی دیواریں معلوم ہو رہی تھیں۔ چھت میں اعلیٰ قسم کی نقاشی تھی۔ جابجا موی شمعیں جل رہی تھیں۔ حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ فرعون کی قبر میں گھس آیا ہو۔

یہاں بظاہر کسی طرف سے بھی ہوا آنے کی گنجائش نہیں تھی۔ لیکن پھر بھی شمعوں کی لویں تھرتھرا رہی تھیں اور گھٹن کا احساس بھی نہیں تھا۔

قاسم آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ آخر وہ ڈری ڈری سی آواز میں بڑبڑایا۔

"حمید بھائی۔"

حمید بھائی کچھ نہ بولے کیونکہ انہیں بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے یہاں چا طرف کفن میں لگائے جانے والے عطر اور کافور کی ملی جلی خوشبو پھیلی ہوئی ہو۔

"آپ لوگوں کے تابوت...." ہمراہیوں میں سے ایک نے کہا۔ "ایسے فرسٹ کلاس کہ دیکھ کر طبیعت خوش ہو جائے گی۔ ان کے اندر اسپرنگ دار گدے لگائے گئے ہیں۔"

"تو ہماری روحیں ابھی قبض نہیں کی گئیں۔" حمید نے بڑے بھولے پن سے پوچھا۔

"کیا مطلب....!" قاسم اچھل پڑا۔

چاروں ہنس پڑے۔

دفعتاً قاسم کی نظر دستر خوان پر پڑی، جو ایک کونے میں بچھا ہوا تھا اور جس پر قابیں اور چینی ہوئی تھیں۔ وہ اس قبرستانی ماحول کو بھلا کر کسی ندیدے بچے کی طرح منہ چلانے لگا۔

"آیئے! کھانا حاضر ہے۔" ایک نے کہا۔ "فضول باتوں میں وقت برباد کرنے سے کیا فائد قبل اس کے کہ حمید کچھ کہتا قاسم دستر خوان پر جم گیا۔ پھر اس نے ہانک لگائی۔

"آؤ.... آؤ حمید بھائی۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"چلو بیٹھ جاؤ۔" ایک آدمی نے حمید کی گردن میں ہاتھ دے کر دستر خوان کی طرف دیا۔ حمید پلٹ پڑا ایسے مواقع پر اس کا ہاتھ کبھی غلط نہیں پڑتا تھا۔ دھکا دینے والا دوسری طرف دیوار سے جا ٹکرایا۔ حمید دوسرے پر ٹوٹ پڑا۔

بات اب قاسم کی سمجھ میں آئی وہ شور مچاتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ چاروں حمید پر پل پڑے قاسم نے ایک کی ٹانگ پکڑ لی۔ وہ ایک ٹانگ پر اچھلنے لگا۔ اب اس نے اس کو بازوؤں سے پکڑ سے بلند کیا اور اس کے ایک ساتھی پر پٹخ دیا۔ دونوں بیک وقت ڈھیر ہو گئے۔

بقیہ دو آدمی حمید کو چھوڑ کر قاسم سے لپٹ پڑے اور پھر تھوڑی ہی دیر کی جدوجہد کے ان کی گردنیں بھی اس کے بازوؤں میں آ گئیں۔

"حمید بھائی۔" قاسم چیخا۔ "تم جلدی سے کھالو۔ پھر انہیں پکڑو تو میں بھی کھالوں۔"

"ارے! خدا تمہیں غارت کرے۔" حمید دانت پیس کر بولا۔ "کھانے کے بچے نکلو یہاں سے جلد

"بھوک میں چلا نہ جائے گا۔" قاسم مسمسی صورت بنا کر بولا۔

اس کے دونوں شکار اس کے بازوؤں میں پھنسے ہوئے بُری طرح مچل رہے تھے اور قاسم ان کی طرف سے اس طرح بے پرواہ نظر آ رہا تھا جیسے اس نے دو شریر بچوں کو قابو میں کر لیا ہو۔

"ان دونوں کے سر لڑاؤ اور نکل چلو۔ شاباش۔" حمید نے گھگھیائے ہوئے لہجے میں کہا۔

قاسم نے ایک کے سر پر اپنا سر دے مارا اور وہ چیخ مار کر کسی چھپکلی کی طرح پٹ سے فرش پر گر پڑا۔ پھر وہ دوسرے کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کرنے جا رہا تھا کہ خود اس کے منہ سے ڈری ڈری سی چیخیں نکلنے لگیں۔

دروازے میں برف کا بھوت کھڑا تھا۔ موی شمعوں کی روشنی میں اس کا سفید جسم بڑا خوف ناک لگ رہا تھا۔ دفعتاً اس نے اپنا ایک ہاتھ ان دونوں کی طرف بڑھایا اور اس عمارت نما غار میں برف کے ذرات اڑنے لگے۔ قاسم کی آخری چیخ دل ہلا دینے والی تھی۔ وہ ایک بہت بڑے شہتیر کی طرح دھم سے زمین پر آ رہا۔ حمید دیوار سے لگا سہما کھڑا تھا۔ موی شمعیں گل ہو گئیں اور برف کے مہین ذرات حمید کے چہرے سے ٹکراتے رہے۔ آخر اس کا بھی وہی حشر ہوا جو قاسم کا ہوا تھا۔

گرومی

گرومی فریدی کو گھورتا رہا اور فریدی سوچ رہا تھا کہ شائد یہ ہوٹل اس کا مستقل اڈہ ہے اور یہاں کا سارا عملہ اس کے ہاتھ میں ہے ورنہ کسی دوسرے آدمی کو اس کی مصنوعی ڈاڑھی نوچنے کی جرأت کیسے ہوتی۔

فریدی نے بڑی بے پروائی سے چاروں طرف دیکھا اور اپنے گالوں کے بچے کھچے بال صاف کر کے بڑبڑانے لگا۔ "یہ لڑکا کہاں مر گیا۔ کتنی سردی ہے۔"

اس کی مونچھیں اب بھی برقرار تھیں۔

گرومی کرسی گھسیٹ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"کون ہو تم؟" اس بار اس نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ تمہیں اس سے کیا سروکار۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "اپنا کا

"تم بچ کر نہیں جا سکو گے۔" گرومی کی سرخ سرخ آنکھوں سے لویں سی نکلتی معلوم ہونے لگیں

"کیوں؟" فریدی اپنی داہنی بھنوئیں تیکھے انداز میں تان کر بولا۔

گرومی جواب دینے کی بجائے اُسے گھورنے لگا۔

"سنو دوست۔" فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔ "اگر ڈاڑھی اکھاڑنے والا تمہارا ہی آدمی میں تمہیں حشر تک معاف نہ کروں گا۔"

"ہونہہ.....!" پہلے گرومی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور پھر یہ مسکر بتدریج ہنسی اور ہنسی قہقہے میں تبدیل ہوتی گئی۔

فریدی خاموشی سے گھورتا رہا۔ لیکن انداز میں خوف کی بجائے شوخی تھی۔

ویٹر کافی کی ٹرے لایا لیکن میز پر ڈاڑھی والے کو نہ پا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے؟" گرومی نے اُسے مخاطب کیا۔

"وہ ڈاڑھی والا کدھر ہوتا! سالا ہڑم ہو گیا۔" ویٹر بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"چلو ایک ہی بات ہے۔" گرومی نے کہا۔ "اسے یہاں رکھ دو اور میری بوتلیں بھی یہیں اٹھ

گرومی کے اس رویہ پر فریدی کو اپنا پہلا خیال ترک کر دینا پڑا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ گر حیثیت یہاں ایک معزز گاہک سے زیادہ نہیں۔

"اس شرافت کا شکریہ۔" فریدی کافی انڈیلتا ہوا مسکرا کر بولا۔

گرومی کچھ نہ بولا۔ اس کی بوتلیں بھی اسی میز پر آ گئیں۔ اس نے خالی بوتلوں کو بڑ سے اپنے سامنے رکھ لیا اور چوتھی بوتل سے گلاس میں انڈیلنے لگا۔

"تم یہ نہ سمجھنا کہ میرے فولادی پنجوں سے بچ کر نکل جاؤ گے۔" گرومی شامپین ہونٹوں تک لے جاتے ہوئے رک کر بڑبڑایا۔

"اپنی خیر مناؤ۔" فریدی نے اسی انداز میں کہا۔ "تمہارے آدمی نے میری ڈاڑھی اچھا نہیں کیا۔"

"وہ میرا آدمی نہیں تھا۔" گرومی جھنجھلا کر بولا۔ "میں اُسے نہیں جانتا۔"

"تم جھوٹے ہو۔" فریدی نے بڑے توہین آمیز لہجے میں کہا۔

"کیا؟" گرومی غرایا۔ وہ اُسے قہر آلود نظروں سے گھورتا رہا پھر اس نے اپنے گلاس کو

ریدی کے چہرے پر الٹ دی۔

فریدی اچھل کر کھڑا ہو گیا اور قبل اس کے کہ گرومی بھی اپنی کرسی چھوڑتا اس نے میز الٹ ی۔ وہ کرسی اور میز سمیت فرش پر جا رہا۔ لوگ چاروں طرف سے دوڑ پڑے لیکن ان کی توجہ ریدی سے زیادہ گرومی کی طرف تھی۔

فریدی کے لئے اتنا ہی موقع کافی تھا۔ وہ لوگوں کو بھیڑ میں ملتا ہوا دروازے سے باہر نکل یا۔ لیکن اس نے وہاں سے چلا جانا مناسب نہ سمجھا۔

یہ ہوٹل شہر کے ایک بھرے پُرے حصے میں تھا لیکن اس وقت وہاں قبرستان کا سا سناٹا تھا۔ ڑکوں پر آمد و رفت زیادہ نہیں تھی۔ کبھی کبھی ایک آدھ آدمی برف میں لڑکھڑاتے نظر آ جاتے تھے۔ مکانات کی کھڑکیوں کے شیشوں تک پر دبیز پردے کھینچ دیئے گئے تھے۔ چاروں طرف تاریکی کا راج تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے زندگی بھی ٹھٹھر کر ساکت ہو گئی ہو۔

فریدی تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا ایک مکان کی پشت پر آیا اور اپنی مصنوعی مونچھیں الگ لر دیں۔ سر سے بال دار ٹوپی اتار کر اُسے الٹ لیا۔ بال پیشانی پر بکھر کر الٹی ٹوپی سر پر منڈھ لی۔ ہ لی پوستین۔ تو وہ ایک عام وضع کی تھی۔ ٹیکم گڈھ کے سینکڑوں افراد کے پاس ویسی ہی پوستین رہی ہو گی۔

اور پھر جب وہ روشنی میں آیا تو گرومی بھی اُسے نہ پہچان سکا۔ فریدی کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بہت زیادہ پی گیا ہو۔ ہوٹل کے باہر کھڑے ہوئے لوگوں نے اُسے دیکھا اور ہنسنے لگے۔ کیونکہ اس نے اپنی ٹوپی کا استر اوپر کر رکھا تھا۔

گرومی کی کھلکھلاتے کتے کی طرح غرایا۔ فریدی نے محسوس کیا کہ وہ اب تنہا نہیں ہے۔ اس کے دو آدمی اور تھے۔ فریدی بھی ان کے قریب کھڑے ہوئے لوگوں میں مل گیا۔

"گیا کدھر.....؟" گرومی کا ایک ساتھی کہہ رہا تھا۔

"میں نے نہیں دیکھا۔ آؤ چلیں۔" گرومی نے کہا اور تینوں ایک طرف چلنے لگے۔ بقیہ لوگ پھر ہوٹل میں چلے گئے۔ فریدی وہیں دیوار سے لگا کھڑا انہیں جاتے دیکھتا رہا۔ جب وہ کافی دور نکل گئے تو وہ بھی ان کے پیچھے روانہ ہو گیا۔

اسے زیادہ دیر تک نہیں چلنا پڑا۔ تقریباً دس منٹ بعد اس نے انہیں ایک بڑے مکان میں داخل ہوتے دیکھا۔

پھر تھوڑی دیر بعد فریدی اس مکان کی چھت پر تھا۔ لیکن اسے جلد ہی اپنی حماقت پر تا آنے لگا۔ مکان میں کوئی صحن نہیں تھا اس لئے اندر داخل ہونے کے امکانات کا سوال ہی نہیں تھا۔ البتہ فریدی نے آتش دان کی چمنیوں کی تعداد سے مکان کے کمروں کی تعداد کا اندازہ ضرور لگالیا۔ جب وہ ایک چمنی کے قریب سے گزر رہا تھا تو اسے کچھ آوازیں سنائی دیں جن میں سے اس نے گروی کی آواز صاف پہچان لی۔

اس نے رک کر اپنے کان چمنی سے لگا دیئے۔

"تم میں سے کون تھا جس نے اُس کی ڈاڑھی اکھاڑی تھی؟" گروی کی غراہٹ سنائی دی۔

کئی سیکنڈ تک دوسری آواز نہ آئی۔

"بولو.... کیا تم بہرے ہو۔" گروی ہی بولا۔

"کوئی نہیں.... ہم میں سے کوئی نہیں تھا۔" کئی آوازیں بیک وقت سنائی دیں۔

"کوئی باہر تو نہیں۔"

"کوئی بھی نہیں.... سب موجود ہیں۔"

"لیکن کیوں موجود ہیں۔" گروی حلق پھاڑ کر چیخا۔ "تمہارا اس وقت یہاں کیا کام۔"

چند سیکنڈ خاموشی رہی پھر ایک آواز سنائی دی۔ "سیتل گھاٹی میں پولیس کا پہرہ ہے۔"

"ہم نے سوچا.... سیتل گھاٹی۔"

"کچھ نہیں۔" گروی نے چیخ کر بولنے والے کی بات کاٹ دی۔ "کام نہ رکنا چاہئے۔ میں کچھ نہیں جانتا.... چلے جاؤ.... نکلو.... دنیا کے سارے گدھے میرے ہی پلے پڑے ہیں۔"

چند لمحوں کے بعد فریدی نے بہت سے قدموں کی آوازیں سنیں۔ پھر سناٹا چھا گیا۔

وہ چمنی کے قریب سے ہٹ کر چھت کے کنارے آ گیا۔

نیچے کچھ لوگ مکان سے نکل رہے تھے۔ یہ تعداد میں گیارہ تھے۔ فریدی انہیں اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک کہ وہ نشیب میں نہیں اتر گئے۔

پھر وہ بھی چپکے سے اترا اور اُن کے پیچھے روانہ ہو گیا۔ تعاقب کا مقصد محض یہ دیکھنا تھا کہ لوگ کدھر جاتے ہیں۔

لیکن وہ سیتل گھاٹی کی طرف نہیں جا رہے تھے۔ فریدی کافی دیر تک ان کے پیچھے پھرتا

متوقع واقعہ پیش نہیں آیا۔ بس وہ بستی کے باہر اکا دکا لومڑیوں کو شکار کرتے رہے۔ فریدی کو تھی کہ وہ ان کے ذریعہ حمید اور قاسم کا سراغ پا سکے گا۔ وہ ان کی شکلیں بھی دیکھنا چاہتا تھا اندھیرے میں یہ بات ناممکن تھی۔ اس کے ذہن میں ان دونوں شکاریوں کی صورتیں محفوظ جن سے سیتل گھاٹی کے ایک غار میں مڈبھیڑ ہوئی تھی اور جو آخر کار انہیں جل دے کر نکل گئے تھے۔ اگر وہ دونوں واقعی گروی ہی کی پارٹی سے تعلق رکھتے تھے تو پھر حمید اور قاسم نا مشکل نہ ہوگا۔ فریدی کو یقین تھا کہ اس غار میں پیش آنے والے واقعات کے ذمہ دار وہی شکاری تھے۔

فریدی انہیں شکار میں مشغول چھوڑ کر پھر مکان کی طرف پلٹا جہاں گروی تھا۔ بارہ بج چکے ور سناٹے میں لومڑیوں کی آوازوں کے علاوہ اور کچھ نہیں سنائی دے رہا تھا۔ کبھی کبھی ایک فائر کی آواز بھی فضا میں لہرا کر رہ جاتی۔

گروی کے مکان کی کھڑکیوں میں اب بھی روشنی نظر آ رہی تھی۔ اس نے اندازہ لگایا کہ ا تنہا ہے۔ وہ اب بھی ایک کمرے میں بیٹھا شراب پی رہا تھا اور خالی بوتلیں اس نے بڑے سے اپنے سامنے سجا رکھی تھیں۔

فریدی سوچنے لگا کہ کہیں قاسم اور حمید اسی مکان میں نہ ہوں۔ اس نے مکان کے آخری ے کی ایک کھڑکی کا شیشہ توڑا۔ اندر ہاتھ ڈال کر چٹخنی گرائی اور پھر دوسرے لمحے میں وہ اندر تھا۔

یہاں سات چھوٹے چھوٹے کمرے تھے، جو ایک کے علاوہ سارے خالی نظر آ رہے تھے اور کمرے میں گروی اپنی خالی اور بھری بوتلوں کے ساتھ تنہا تھا۔

فریدی پورے مکان کا چکر کاٹ کر گروی کے کمرے کے سامنے رک گیا۔ مکان میں اُسے ایسی چیز نہ مل سکی جو قانوناً قابل گرفت ہوتی۔ فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بڑی بے باکی گروی کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ گروی کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔ قبل اس کے کہ اس ھ جیب کی طرف جاتا، فریدی نے ریوالور نکال لیا۔

"اپنے دونوں ہاتھ میز پر رکھ لو۔" فریدی نے کہا۔

گروی نے بے چوں و چرا تعمیل کی۔ فریدی کو اس بات پر سخت حیرت تھی کہ گروی ہوٹل بھی پیتا رہا تھا اور اب بھی پی رہا تھا لیکن اس کی ظاہری حالت سے ہرگز ایسا نہیں معلوم ہوتا

تھا کہ وہ بہت زیادہ پی گیا ہے۔ فریدی کے داخل ہوتے ہی اس کے چہرے پر تحیر کے آثار ضرور پیدا ہوئے تھے لیکن اب وہ بالکل پر سکون نظر آرہا تھا۔

"تم کون ہو؟" اُس نے بڑے ملائم لہجے میں پوچھا۔

"وہی جس کے منہ پر تم نے شراب پھینکی تھی۔" فریدی نے کہا۔

گرومی نے میز پر زور دے کر اٹھنا چاہا۔

"تکلیف نہ کرو۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔ "میں بہت پُر امن آدمی ہوں۔ لیکن چھیڑ دیئے جانے پر خونخوار بھی ہو جاتا ہوں۔ تمہیں میرے دونوں ساتھیوں کا پتہ بتانا پڑے گا۔"

"ساتھیوں کا پتہ.... کیسے ساتھی۔"

"گرومی میں بہت بُرا آدمی ہوں۔"

"آدمی نہیں.... بچے ہو۔" گرومی مسکرا کر بولا۔ "بیٹھ جاؤ۔ میرے پاس شامپین کی پیٹیاں ہیں.... کچھ ملاؤ گے یا سادی پیو گے۔ میں تو ہمیشہ سادی پیتا ہوں۔"

"میرے دونوں ساتھی کہاں ہیں۔"

"سنو....!" گرومی اپنا نچلا ہونٹ چبا کر بولا۔ "گرومی کا بڑھاپا بھی خطرناک ہے۔ تم اپنا مطلب بیان کر جاؤ۔ تم شائد مجھے تنہا سمجھ رہے ہو۔"

"مجھے کچھ سمجھنے کی ضرورت نہیں۔" فریدی لاپروائی سے بولا۔ "اور نہ میری تمہاری پہلے کی لڑائی ہے۔ میں تو صرف اپنے ساتھیوں کی واپسی چاہتا ہوں اور یہ بتانا چاہتا ہوں کہ گھاٹی پر تمہارا اجارہ نہیں ہے۔"

"بیٹھ جاؤ نوجوان۔" گرومی کا لہجہ پھر نرم ہو گیا۔ "ریوالور جیب میں رکھ لو۔ گرومی بچپن سے ان کھلونوں کا شائق رہا ہے۔ کیا تم غرتاش کے ساتھی نہیں ہو۔"

"غرتاش!" فریدی نے بھنویں سکوڑ کر کہا۔ "میں نہیں جانتا یہ کون ہے۔"

"تب پھر میرا تمہارا کیا واسطہ۔"

"اگر واسطہ نہیں تھا تو تمہارے کسی ساتھی نے میری ڈاڑھی کیوں اکھاڑی۔"

"غلط ہے وہ میرا ساتھی نہیں تھا۔"

"اگر نہیں تھا تو تم خواہ مخواہ مجھ سے کیوں اُلجھ رہے تھے۔" فریدی نے اسے گھورتے ہوئے

"میرے بچے! بیٹھ جاؤ۔" گرومی نے بوتل سے شراب انڈیلتے ہوئے کہا۔ "اب میں کچھ کچھ سمجھ رہا ہوں۔ تم شائد ان شکاریوں میں سے ہو جو فزارو میں ٹھہرے ہوئے ہیں جن کے ساتھ عورتیں بھی ہیں۔"

"ٹھیک سمجھ رہے ہو۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن مجھ پر کوئی فقرہ نہ چل سکے گا۔ میں اپنے ساتھیوں کو لے کر ہی جاؤں گا۔"

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں تمہارے ساتھیوں کے متعلق کچھ نہیں جانتا لیکن غرتاش....!" گرومی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ چند لمحے اس کی پیشانی پر گہرے تفکر کی سلوٹیں پڑی رہیں پھر وہ آہستہ سے بولا۔ "تم صرف دو ساتھیوں کے لئے پھر رہے ہو۔ میں نے دس سال میں ساٹھ ستر کھوئے ہیں اور اس طرح کہ صرف آٹھ یا دس لاشیں مل سکی تھیں۔"

فریدی اُسے تیز نظروں سے گھور تا رہا تھا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی بولا۔ "تو کیا وہ دونوں تمہارے ساتھیوں میں سے نہیں تھے، جو ہمیں سیتل گھاٹی کے ایک غار میں ملے تھے۔"

"مجھے علم ہے! وہ میرے ہی آدمی تھے۔ انہوں نے تمہیں غرتاش کی پارٹی کا آدمی سمجھا تھا۔"

"اسی لئے وہ ہمیں دھوکا دے کر نکل گئے تھے۔" فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اور اسی لئے انہوں نے میرے دو ساتھیوں کو کسی طرح پکڑ لیا۔"

"میں نہیں جانتا کہ تمہاری غلط فہمی کس طرح رفع ہو گی۔" گرومی آہستہ سے بڑبڑایا اور گلاس سے منہ لگا لیا۔

"اور وہ سفید بھوت۔" فریدی کے لہجے میں طنز تھی۔ "ان کے متعلق کیا کہو گے۔"

"مجھے ان کی ذرہ برابر پرواہ نہیں سمجھے۔" گرومی میز پر گھونسہ مار کر بولا۔

"بہت خوب۔" فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "گرومی صاحب! کسی پیشہ ور شکاری سے تمہاری گفتگو نہیں ہو رہی ہے۔"

"تم بڑی دیر سے میری توہین کر رہے ہو۔" گرومی چیخ کر بولا۔ "چلے جاؤ یہاں سے۔"

"میں اپنے ساتھیوں کو لے کر جاؤں گا۔" فریدی نے آہستہ سے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں جانتا۔" گرومی نے اپنے ہاتھ کو زور سے جھٹکا دیا اور میز پر رکھی ہوئی خالی بوتلیں

فرش پر گر کر ٹوٹ گئیں۔ فریدی کی حالت میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہ ہوئی۔

"اور وہ شب خوابی کا لبادہ۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کیا وہ فزارو سے اغواء کی ہوئی نہیں تھا۔"

"بند کرو یہ بکواس ورنہ منہ توڑ دوں گا۔" گرومی چیخ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھیں فریدی گویا انگارے برسا رہی تھیں۔

"بیٹھے رہو! ورنہ میرا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا۔" فریدی نے کہا۔ "اگر یقین نہ ہو تو دیکھ ساتھ ہی اس نے کمرے میں روشن مومی شمعوں میں سے ایک پر فائر کیا۔ گولی اس کی پڑی اور وہ بجھ گئی لیکن اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں۔

"بہت اچھے۔" گرومی نے متحیرانہ لہجے میں تعریف کی۔ "واقعی تم بے مثال نشانہ باز ہو..... اچھے لڑکے میں تمہارے ساتھیوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اور وہ شب خوابی کا لبادہ

دفعتاً گرومی کی آواز گلوگیر ہو گئی اس کے ہونٹ کانپنے لگے اور آنکھیں بھر آئیں۔

"وہ میری لڑکی کا ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "میں اسے تین سال سے اپنے سینے لگائے ہوئے ہوں۔ ٹھہرو میں اسے لاتا ہوں۔"

"میں بھی ساتھ چل رہا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"آؤ۔" گرومی نے لاپروائی سے کہا۔

فریدی اس کے پیچھے چلنے لگا۔ ریوالور اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔

ایک کمرے میں آ کر گرومی نے ایک صندوق کھولا اور پھر شب خوابی کا ایک لبادہ نکال فریدی کے سامنے کر دیا۔ نظر پڑتے ہی فریدی نے اُسے پہچان لیا۔ حقیقتاً یہ وہی لبادہ تھا، جو اس سیتل گھاٹی کے ایک غار میں دیکھا تھا۔

"اگر کوئی یہ ثابت کر دے کہ یہ لبادہ فزارو والی لڑکی کا ہے تو میں خودکشی کر لوں گا۔" غم ناک لہجے میں بولا۔

"خیر اس کی بھی شناخت ہو جائے گی۔" فریدی نے کہا۔ "مجھے صرف اپنے ساتھ واپسی سے غرض ہے۔"

"ہونہہ۔" گرومی بڑے کھردرے لہجے میں بولا۔ "اگر لاشوں کی صورت میں واپسی

ہو بھی غنیمت ہے ورنہ سیتل گھاٹی میں لاپتہ ہو جانے والے شائد قیامت ہی میں مل سکیں۔"

دفعتاً ایک نئے خیال نے فریدی کے ذہن میں سر اُبھارا۔

"یہ غرتاش کون ہے۔" اس نے پوچھا۔

"غرتاش! تم غرتاش کو نہیں جانتے۔ کیوں کیا وہ فزارو میں مقیم نہیں ہے۔"

"فزارو میں۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "وہ بھاری چہرے والا تو نہیں۔"

"وہی ہے وہی ہے۔" گرومی سر ہلا کر بولا "اور مجھے یقین ہے کہ اسی نے تمہیں میرا پتہ بتایا ہوگا۔ اب میں بالکل سمجھ گیا۔ وہ ہمیں لڑا کر خود اطمینان سے سیتل گھاٹی میں شکار کھیلنا چاہتا ہے۔ کچھ تعجب نہیں کہ تمہارے آدمیوں کو غائب کر دینے میں اسی کا ہاتھ ہو۔"

فریدی کچھ سوچنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔ "کیا تم نے اس کے کئی آدمیوں کو نہیں مار ڈالا۔"

"وہ جھوٹا ہے..... مکار ہے۔ ہم قاتل نہیں ہیں۔ لیکن غرتاش جب بھی میرے ہتھے چڑھ گیا میں اُسے زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

"کیوں؟"

"پوچھتے ہو کیوں! میں تین سال سے اپنی لڑکی کا ماتم کر رہا ہوں۔ مجھے اس کی لاش بھی نہیں ملی۔ یہ لبادہ سیتل گھاٹی کے ایک غار میں ملا تھا۔"

"کیا اسے اغواء کیا گیا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں..... اور میں....." گرومی اس کے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا۔ فریدی نے ریوالور جیب میں ڈال لیا اور اسے سہارا دے کر اسی کمرے میں لایا جہاں وہ اس سے پہلے تھے۔

پھر اس نے ایک گلاس لبریز کر کے گرومی کی طرف سرکا دیا۔

"گرومی! مجھے افسوس ہے۔" وہ اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "اب میں سب کچھ سمجھ گیا۔ خیر دیکھ لیا جائے گا۔"

گرومی خاموشی سے شراب پیتا رہا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر اس نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میں دس سال سے یہاں شکار کھیل رہا ہوں۔ لیکن یہ بھوت پہلی بار دکھائی دیئے ہیں۔

میرے ایک دلیر ساتھی نے اس پر فائر بھی کیے تھے لیکن وہ خود دوسرے دن تیز قسم کے بخار میں مبتلا ہو کر مر گیا۔ اب ہم ادھر جاتے ہی نہیں جدھر وہ دکھائی دیتے ہیں۔ میں نے سنا ہے تم نے بھی ان پر فائر کیے تھے۔"

حیرت انگیز سفر

حمید کی آنکھ کھلی تو پھر اُسی اندھیرے سے واسطہ پڑا۔ لیکن اس بار وہ خود اس اندھیرے کے ساتھ ہی ساتھ حرکت کر رہا تھا۔ کافی دیر تک آنکھیں پھاڑنے کے بعد یہ بات اس کی سمجھ میں آئی کہ وہ سچ مچ قبر میں لیٹا ہوا ہے اور وہ قبر حرکت کر رہی ہے اور اس کی اونچائی اتنی بھی نہیں کہ وہ اٹھ کر بیٹھ سکے۔

اُس نے گھبرا کر دو تین بار کلمہ پڑھا اور اپنے دنیاوی اعمال یاد کر کے رو دینے کا ارادہ کر رہا تھا کہ ایک تیسری بات اس کی سمجھ میں آئی یعنی وہ قبر کمبل کی تھی اور اسے کچھ کچھ روشنی کا بھی احساس ہو رہا تھا۔ اس نے قبر کی چھت کو انگلی سے چھو کر دیکھا۔ وہ حقیقتاً کمبل ہی تھا، جو اس پر منڈھا ہوا تھا۔

اب جو اس نے غور کیا تو اُسے بہت سے قدموں کی آوازیں بھی سنائی دیں۔

تو کیا وہ اس کا جنازہ تھا؟ اس خیال سے پھر حمید کی گھگھی بندھ گئی۔

مگر جنازے پر کمبل؟ وہ پھر سوچنے لگا۔ شائد سردیوں میں یہی ہوتا ہو۔

"میں زندہ ہوں.... بھائی۔" اس نے ہانک لگائی۔ "ارے.... بھا.... آ.... آ.... ئی۔

"چپ چاپ لیٹے رہو۔" کسی نے گرج کر کہا۔ "تم مر گئے ہو۔"

"ارے حمید بھائی۔" حمید نے قاسم کی آواز سنی جو باقاعدہ رو رہا تھا۔ "ہم مر گئے ہیں۔ اب کیا ہوگا۔ مرنے کے بعد.... بھوک بھی تو خوب کھل جاتی ہے۔ مگر مرنے کے بعد پھر نہیں آتی۔"

حمید نے خوب اچھی طرح اپنی آنکھیں ملیں اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر احتیاطاً خود اپنے ہی اتنے زور سے چٹکی لی کہ آنکھیں نکل پڑیں۔ جب اچھی طرح اطمینان ہو گیا

نہیں دیکھ رہا ہے تو اُس نے کروٹ لی اور اس سے اُسے یہ سمجھنے میں مدد ملی کہ وہ کینواس کے ایک اسٹریچر پر لیٹا ہوا ہے جس پر بانس کی قمچیاں لگا کر کمبل ڈال دیا گیا ہے۔ اُس نے کمبل کا کونا ذرا سا اٹھا کر باہر کی طرف دیکھا۔ اسے کئی مسلح آدمی نظر آئے جو اس کے اسٹریچر سے کچھ دور ہٹ کر چل رہے تھے اور خود اس کا اسٹریچر شائد چار آدمیوں کے کاندھوں پر تھا۔

"ارے کمینو! مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔" حمید نے ایک سریلی قسم کی نسوانی آواز سنی۔

"ہائیں.... ارے.... ہو۔" اس نے قاسم کی آواز سنی۔

"آپ لوگ جنت میں جا رہے ہیں۔" کسی نے بڑے نرم لہجے میں کہا۔

"وہاں باورچی خانہ بھی ہے یا نہیں۔" قاسم نے غالباً اپنے پیٹ پر ہاتھ مار کر پوچھا۔

"اوہ تو کیا آپ بھوکے ہیں۔" کسی نے پوچھا۔

"اب مرنے کے بعد کیا جھوٹ بولوں گا۔" قاسم بگڑ گیا۔

"چلو بھئی تابوت زمین پر رکھ دو۔" آواز آئی۔

حمید کا تابوت بھی زمین پر رکھ دیا گیا۔ کمبل ہٹایا گیا.... قمچیاں نکالی گئیں حمید اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پندرہ بیس مسلح آدمیوں کے ساتھ تین تابوت تھے۔

تیسرے تابوت پر نظر پڑتے ہی حمید کی عاقبت روشن ہو گئی۔ اس میں ایک بڑی خوبصورت لڑکی تھی جو شائد خوف کی وجہ سے اور زیادہ خوبصورت نظر آ رہی تھی۔ قاسم بھی اپنے تابوت پر پالتھی مارے بیٹھا اُسی کو گھور رہا تھا اور اس کا تابوت اٹھانے والے آٹھ آدمی اس طرح ہانپ رہے تھے جیسے اُن کا دم نکلنے والا ہو۔

یہ بھی کوئی پہاڑی ہی علاقہ تھا لیکن یہاں کہیں برف نہیں نظر آ رہی تھی۔ دور تک بھورے رنگ کی چٹانیں پھیلی ہوئی تھیں۔ سورج شائد سر پر تھا۔

قاسم کے سامنے کھانا چن دیا گیا۔ حمید کو بھی محروم نہ رکھا گیا۔ لیکن وہ لڑکی کھانے پر رضامند نہیں معلوم ہوتی تھی۔ قاسم نے بڑھ بڑھ کر ہاتھ مارنے شروع کر دیے۔ اُس کے سامنے ایک مسلم بھیڑ کا بچہ بھنا رکھا تھا۔

"حمید بھائی۔" وہ منہ چلاتا ہوا بولا۔ "مجھے تو موت اور زندگی میں کوئی فرق نہیں دکھائی دیتا۔"

"فرق اور فتور تو دراصل تمہاری کھوپڑی میں ہے۔" حمید بھنا کر بولا۔

اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ ان لوگوں کا رویہ اُن کے ب
بُرا نہیں تھا۔ آخر وہ کون تھے اور کیا چاہتے تھے۔ غار میں بھی انہوں نے ان کے ساتھ خو
کوئی بدسلوکی نہیں کی تھی حالانکہ وہ چاہتے تو انہیں بڑی آسانی سے مار ڈالتے۔ حمید نے کنکھی
سے اُس لڑکی کی طرف دیکھا وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ کھانا اُس کے سامنے بھی تھا۔ لیکن اُس
اُسے ابھی تک ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔

حمید سوچنے لگا کہ آخر وہ کون ہو سکتی ہے۔ دفعتاً اُسے فزارو کی اغواء والی بات یاد آگئی۔
ڈیڑھ فٹ لمبے پیروں کے نشانات.... کہیں یہ وہی لڑکی تو نہیں ہے فزارو سے بھگایا گیا تو
سیتل گھاٹی میں بھوتوں کی موجود گی۔

یہ بات اُس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ رات کو اُس بھوت کی آمد پر چاروں طرف سے
غار میں برف کے ذرات کہاں سے آگئے تھے۔ حمید کو اچھی طرح یاد تھا کہ وہ ذرات اُس بھو
کے جسم میں سے نکلے تھے اور رفتہ رفتہ اُن کی مقدار اتنی بڑھ گئی تھی کہ حمید کا دم گھٹنے لگا تھا۔

اگر وہ بھوت دراصل آدمی ہی تھا تو اُس کے ہاتھ اٹھاتے ہی برف کے ذرات کس طر
اڑنے لگے تھے اور اگر وہ واقعی کوئی مافوق الفطرت ہستی ہی تھا تو ان آدمیوں سے اُس کا کیا تعلق۔

حمید نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور پھر کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اُس
ہمراہی کافی مہذب اور مہمان نواز تھے۔ حمید نے ایک بات اور محسوس کی۔ ان میں سے صرف
آدمی گفتگو کر رہے تھے بقیہ خاموش تھے اور وہ لوگ جو زیادہ تر خاموش رہتے تھے۔ اکثر آپس
کسی ایسی زبان میں گفتگو کرنے لگتے تھے جو حمید کے لئے نئی تھی۔ حمید نے اندازہ لگا لیا تھا کہ
چاروں اردو بولنے والے تو وہی تھے جنہوں نے ان دونوں کو ایک غار سے نکال کر دوسرے
تک پہنچایا تھا۔

اُس نے کنکھیوں سے اُس لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ خوفزدہ تھی۔ چاروں آدمی بڑے مہذ
طریقے پر اُس سے کھانا کھا لینے کی استدعا کر رہے تھے۔

قاسم بھیڑ کا گوشت نوچنے میں منہمک ہو گیا تھا

"ذرا ہاتھ روک کر۔" حمید نے اُسے ڈانٹا۔

"پتہ نہیں پھر کب ملے۔" قاسم مایوسی سے بولا۔

"گھبرائیے نہیں۔" چاروں میں سے ایک نے کہا۔ "ہمارے پاس کافی ذخیرہ ہے۔"

"تو کیا ہم سچ مچ مر گئے ہیں۔" قاسم نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"جی ہاں! لیکن آپ کو کچھ دور پیدل چلنا پڑے گا۔ ہمارے آدمیوں میں اتنی سکت نہیں۔"

"تب تو پھر بڑی جلدی بھوک لگ جائے گی۔" قاسم نے اداس لہجے میں کہا۔

"فکر نہ کیجئے۔ کھانے کا سامان بہت ہے۔"

"یہ کیا مذاق ہے۔" دفعتاً لڑکی چیخی۔ "میں پاگل ہو جاؤں گی۔"

"کیا یہ بھی مر گئی ہے۔" قاسم نے آہستہ سے پوچھا۔

"جی ہاں۔" ساتھی نے جواب دیا۔

"تو کیا مرنے کے بعد بھی آدمی پاگل ہو سکتا ہے۔"

"پتہ نہیں۔" ہمراہی نے کہا اور پھر حمید سے پوچھا۔ "کچھ اور چاہئے۔"

"جی ہاں! تھوڑی سی افیون تاکہ میں اپنی موت سے اچھی طرح محظوظ ہو سکوں۔ ویسے کیا آپ بتا سکیں گے کہ ہنالولو کس عرض البلد پر ہے اور نیو فاؤنڈ لینڈ پر سال بھر کہر کیوں پڑتی رہتی ہے۔"

"میں بتا سکتا ہوں۔" قاسم اپنی چھاتی ٹھونکتا ہوا بولا۔ "نیو فاؤنڈ لینڈ پر کہر نہیں بلکہ باورچی انوں کا دھواں چھایا رہتا ہے۔ وہاں کے لوگ کھانے پکانے کے بہت شائق ہیں۔"

لڑکی کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آپ بھی کھا لیجئے نا۔" حمید نے اُس سے کہا۔

"آپ کون ہیں۔" لڑکی نے پوچھا۔

"میں بھی آپ ہی کی طرح آدمی ہوں اور میری موت سیتل گھاٹی میں واقع ہوئی تھی شائد آپ کا انتقال فزارو میں ہوا تھا۔"

"جی ہاں! میں فزارو ہی میں تھی۔ لیکن یہ سب بکواس ہے۔ یہ لوگ نہ جانے کون ہیں اور ہمیں نہ معلوم کہاں لے جا رہے ہیں۔"

"ہم جنت میں جا رہے ہیں حمید بھائی۔" قاسم نے کہا۔

"چپ رہو۔" حمید نے اُسے ڈانٹا۔

"ہائیں! مجھے ڈانٹ رہو۔ اٹھا کر پٹخ دوں گا۔" قاسم کھانا چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"مجھے جانتے ہو یا نہیں۔" حمید کی بھنویں تن گئیں۔

"تو تم ڈانٹتے کیوں ہو۔"

"چلو کام کرو اپنا۔" حمید نے کہا اور پھر لڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"میرے خیال سے کھانا چھوڑ دینا عقل مندی نہیں۔"

"اور کیا .... بالکل حماقت ہے۔" قاسم پھر بول پڑا۔ "اب موت تو آئے گی نہیں تکلیف ضرور ہو گی۔"

لڑکی نے تھوڑا بہت کھالیا۔ ہمراہیوں نے بھی کھانا کھایا اور وہ لوگ پھر چل پڑے۔ اب اور حمید دونوں پیدل چل رہے تھے لیکن لڑکی اسٹریچر ہی پر تھی۔

حمید اُن چاروں کے برابر چل رہا تھا اُس نے انہیں مخاطب کر کے کہا۔ "آپ لوگ اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اب یہ مذاق ختم ہی کر دیجئے تو اچھا ہے۔"

"کیسا مذاق! ہم نہیں سمجھے۔"

"ہم آخر کہاں جا رہے ہیں۔"

"جنت میں۔ بڑی پُر فضا وادی ہے۔ کھانے پینے کا سامان وافر۔ درختوں پر انگوروں کی چھائی ہوئی .... رسیلی خوبانیاں۔ شہد میں ڈوبے ہوئے سیب .... اور خوبصورت عورتیں .... کے علاوہ اور کیا ہو گا۔"

"لیکن ہم زبردستی وہاں کیوں لے جائے جا رہے ہیں۔"

"اچھے آدمیوں کی جگہ جنت ہی ہے۔"

"اور کیا حمید بھائی۔" قاسم سر ہلا کر بولا۔ "میں اپنے ابا جان کو تو وہاں ہرگز نہ آنے دوں اور وہ سالی .... میں اُسے طلاق دیتا ہوں .... طلاق .... طلاق .... طلاق .... کسی مرگھلے کلرک سے شادی کر لے گی۔"

قاسم چند لمحے خاموش رہا پھر اُس نے پوچھا۔ "جنت میں تو خاصی تگڑی عورتیں ہوں گی کوئی میری طرح بھی ہے۔"

"بہت جناب .... بہت۔" ایک نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "کئی تو بالکل آپ ہی قد کی ہیں۔"

"اوہ .... لیکن ہم کب تک وہاں پہنچیں گے۔" قاسم ہونٹ چباتا ہوا بولا۔

"صرف دو دن لگیں گے جناب۔"

قاسم اپنی بھونڈی اور بے ڈھنگی آواز میں گنگنانے لگا۔

"کچھ زور سے سنائیے تو ہم بھی لطف اندوز ہوں۔" ایک نے کہا۔

"اجی! مجھے گانا وانا نہیں آتا۔" قاسم نے شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"نہیں نہیں تم بہت اچھا گاتے ہو۔" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

قاسم تھوڑی دیر تک جھینپے جھینپے سے قہقہے لگاتا رہا پھر کان پر ہاتھ رکھ کر تان ماری۔

اُن کے آجانے سے جو آجاتی ہے گھر میں رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ سسرال کا حال اچھا ہے

اُس کی گونجیلی اور بھاری آواز دور تک چٹانوں میں پھیلتی چلی گئی۔ اچانک قاسم بالکل ہی بے سُرا ہو گیا اور پھر شرما کر کہنے لگا۔ "یہ نہیں دوسرا۔"

اُس نے پھر کان پر ہاتھ رکھا اور قوالی کے طرز میں حلق پھاڑنے لگا۔

"آہے .... اُمم کیا ہے .... اَہے دا .... شمشیر وسناں .... آں .... آں .... آں .... دل .... اَہے اول .... اول .... اول .... طاؤس و رباب .... آخر شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر۔"

"ارے او کم بخت۔" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔ "کیا قوالی کر رہا ہے۔"

"میں کیا جانوں! میں نے ریڈیو ٹمبکٹو سے سنا تھا۔" قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا اور پھر شروع ہو گیا۔

ہمراہی بہت زیادہ سنجیدہ تھے اور ان کی اس سنجیدگی سے نہ جانے کیوں حمید کو خوف معلوم ہو رہا تھا۔ حالانکہ ابھی تک وہ ان کے ساتھ نرمی ہی کا برتاؤ کرتے رہے تھے لیکن پھر بھی حمید اُن کی طرف سے مطمئن نہیں تھا اور ہوتا بھی کیسے جبکہ اُسے ان ساری باتوں کی غرض و غایت نہیں معلوم تھی۔ نہ جانے کون تھے اور کیا ارادہ رکھتے تھے۔

قاسم قوالی ختم کر کے تھکے ہوئے گدھوں کی طرح ہانپنے لگا۔

"حمید بھائی! ہنستی ہے۔" قاسم اُس کے قریب آ کر بڑے رازدارانہ انداز میں بولا۔

"کون! کیا بک رہے ہو۔"

"ارے وہی جو اب بھی اپنے جنازے پر سوار ہے۔"

"قاسم۔ کیا تم واقعی یہی سمجھ رہے ہو کہ تم مر چکے ہو۔"

"اور کیا.... مگر مجھے ذرہ برابر بھی افسوس نہیں ہے۔ بھلا تکلیف ہی کون سی ہے۔ جنت میں تگڑی تگڑی عورتیں.... وہ دیکھو حمید بھائی پھر ہنس رہی ہے۔"

"تم زندہ ہو قاسم! اگر ذرا سی بھی ہمت کرو تو ہم آزاد ہو سکتے ہیں۔"

"نہ.... نہ.... بس معاف کرو۔ تمہیں یقین کیوں نہیں آتا۔ رات دیکھ چکے ہو۔ رات تم ہی نے مجھے ورغلایا تھا۔"

"تم پاگل ہو گئے ہو۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"پاگل ہی سہی.... وہ پھر ہنسی۔"

وہ چلتے رہے حتیٰ کہ شام ہو گئی۔ سورج افق میں جھکنے لگا۔ ننگی چٹانوں پر شام کی سرخ سرخ دھوپ بڑی بھلی لگ رہی تھی۔ خنکی بھی پہلے سے بڑھ گئی تھی۔ لیکن حمید اب سب میں دلچسپی لینے کے موڈ میں نہیں تھا۔ پہاڑی راستوں کی تھکن سے وہ نڈھال ہو چکا تھا۔ قاسم کا بھی بُرا حال تھا مگر شائد جنت کی تگڑی تگڑی عورتوں کے خیال نے اُس کا حوصلہ ٹوٹنے نہیں دیا۔

سورج غروب ہونے کے بعد بھی وہ چلتے رہے شائد انہیں کسی خاص جگہ پر پہنچنا تھا۔ ہمراہیوں نے تیز چلنا شروع کر دیا تھا۔ حمید اور قاسم بھی ان کے ساتھ گھسٹ رہے تھے۔

پھر اندھیرا پھیل گیا اور ہمراہیوں نے ٹارچیں نکال لیں۔

تقریباً آدھ گھنٹہ چلتے رہنے کے بعد وہ ایک جگہ رک گئے۔ قلیوں نے سامان اُتارا اور پھر وہ سب ایک غار میں اُتر گئے۔ یہاں مومی شمعیں روشن کر دی گئیں۔ یہ غار بھی اندر سے فن تعمیر کا ایک بہترین نمونہ تھا۔ دیواروں پر اعلیٰ قسم کی نقاشی تھی اور ایک جگہ سنگی مسند پر مہاتما بدھ کی مورتی نصب تھی۔ غالباً یہ ہزاروں سال قبل بدھ درویشوں کا مٹھ رہا ہوگا۔

اچانک حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اُس کی ساری تھکن رفع ہو گئی ہو۔ مومی شمعوں کی ٹھنڈی روشنی، مہاتما بدھ کی پُرسکون مسکراہٹ کے ساتھ اُس کی روح کی گہرائیوں میں اترتی جا رہی تھی۔ وہ یہ بھی بھول گیا کہ وہ کسی کا قیدی ہے۔ کچھ اجنبی اُسے کسی نامعلوم منزل کی طرف لے

جا رہے ہیں۔ معلوم نہیں وہ کون ہیں اور اس سے کیا چاہتے ہیں۔ اُسے اپنے انجام کا بھی اندیشہ نہیں تھا اس کی روح اب سے ہزاروں سال پہلے کی دنیا میں بھٹکنے لگی تھی۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اس غار میں تنہا ہو جیسے وہ بھی مومی شمعوں کی طرح پگھلا جا رہا ہو.... تنہائی.... بلکی سرخ روشنی بدھ کا ملکوتی تبسم.... ان کے علاوہ وہاں اور کچھ نہیں تھا پھر حمید کو محسوس ہوا جیسے وہ قہقہے لگا رہا ہو۔ مگر بے آواز جیسے وہ رقص کر رہا ہو مگر اعضا بے حس و حرکت.... وہ چیخ رہا تھا۔ وہ رقص کر رہا تھا۔ لیکن اُس کی زبان کے قریب گھنٹیاں سی بج اٹھیں۔ حمید چونک پڑا۔ اس کی ہم سفر اس کے پہلو میں کھڑی مورتی کو بڑی عقیدت سے دیکھ رہی تھی۔

حمید نے سر ہلا دیا۔ اس کی روح اب بھی پرانی دنیا میں بھٹک رہی تھی۔ اُس کی ہم سفر کا چہرہ ہلکی سرخ روشنی میں چمک رہا تھا۔ حمید کے ذہن میں قدیم مندروں کی مٹھوں کی دیوداسیوں کا تصور اُبھرا.... اور وہ اُسے اس تقدس آمیز روشنی میں کوئی مقدس کنواری معلوم ہونے لگے۔

"آپ کون ہیں۔" لڑکی نے پوچھا۔

"میں....!" حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

لڑکی اُسے بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔

"آپ لوگ اتنے مطمئن کیوں ہیں۔"

"اوہ.... جی ہاں۔" بیک وقت حمید کو ہوش آ گیا۔ اُس نے چاروں طرف دیکھ کر آہستہ سے کہا۔ "مصلحت۔"

غار میں قافلے کے سارے افراد موجود تھے لیکن وہ شب بسری کے انتظام میں اس طرح مصروف تھے کہ انہوں نے ان دونوں کی طرف دھیان نہیں دیا یا پھر وہ دینا ہی نہیں چاہتے تھے۔

"نہ جانے ہم کہاں اور کیوں لے جائے جا رہے ہیں۔" لڑکی نے کہا۔

"آپ ان لوگوں کے ہاتھوں میں کس طرح پڑی تھیں۔" حمید نے پوچھا۔

"مجھے کچھ یاد نہیں۔ میں ایک رات اپنے کمرے میں سوئی تھی۔ آنکھ کھلی تو میں وہاں ہونے کی بجائے ایک غار میں تھی۔"

"فرار و میں تین شکاری مقیم تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"جی ہاں... تھے تو۔"

"اُن کے متعلق آپ کا خیال ہے۔"

"اوہ.... وہ بہت شریف تھے۔"

"پچھلے سال گرومی نام کا کوئی شکاری فزارو میں ٹھہرا تھا۔"

"جی ہاں.... اور وہ یقیناً اچھا آدمی نہیں تھا۔ نہ جانے کیوں اس سیزن میں ہمارے یہاں نہیں ٹھہرا۔"

"کیوں وہ اچھا آدمی کیوں نہیں تھا۔"

"ہر وقت شراب پیتا رہتا تھا۔ جھگڑالو اور غصہ ور تھا۔"

"ہوں....!" حمید کچھ سوچنے لگا۔

"حمید بھائی.... کھانا کھالو۔" قاسم نے اُسے آواز دی۔

"بہر حال۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ "بہتری اسی میں ہے کہ ہم لوگ چپ چاپ چلتے رہیں اور آپ کھانا نہ چھوڑیئے۔ میرے ساتھی کو دیکھئے کتنا مست ہے۔"

"احمق معلوم ہوتے ہیں۔" لڑکی مسکرائی۔

پھر وہی غار

گرومی کی فراہم کردہ معلومات میں اصلیت رہی ہو یا نہ رہی ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ فریدی نے جو کچھ بھی کہا اس سے ملنے کے بعد ہی کہا۔ ٹیکم گڈھ پولیس کے گذشتہ ریکارڈ میں اُسے بعض حیرت انگیز باتیں ملیں۔ متواتر کئی سال سے سردیوں کے موسم میں بہتیرے آدمی غائب ہو جاتے تھے۔ بوڑھوں اور بچوں کے غائب ہونے کی کوئی رپورٹ کبھی نہیں درج کرائی گئی تھی۔

فریدی نے اپنے ساتھیوں کو فزارو سے ہٹا دیا اور خود وہیں مقیم رہا۔ اُس کی تجویز تو یہ تھی کہ سب لوگ واپس چلے جائیں لیکن کسی نے بھی اُسے منظور نہ کیا۔ پھر اُس نے صرف عورتوں کی واپسی پر زور دیا لیکن یہ بات بھی رد کر دی گئی۔

فزارو میں غرتاش اور اس کے ساتھی اب بھی مقیم تھے۔ حالانکہ گرومی نے ان کے خلاف کافی زہر اگلا تھا لیکن فریدی کے پاس ان کے خلاف کوئی واضح ثبوت نہیں تھا۔ لیکن وہ اُن سے

ہوشیار ضرور رہتا تھا۔

وہ اس بات کے امکانات پر بھی غور کرتا رہا تھا کہ وہ حرکت تیسری پارٹی کی بھی ہو سکتی ہے۔ یہ بات تو اُس پر واضح ہو گئی تھی کہ اس دن اُس کی مصنوعی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرنے والا گرومی کی پارٹی کا آدمی نہیں تھا کیونکہ وہ اُس کے ساتھیوں کی اور اُس کی گفتگو چھپ کر بھی سن چکا تھا۔

سینل گھاٹی سے پولیس کا پہرہ ہٹا لیا گیا تھا اور یہ فریدی ہی کی ایماء پر ہوا تھا۔ آج دوپہر کو ہی کافی برف باری ہوئی تھی اور شام تک آسمان بادلوں سے ڈھکا رہا تھا۔ لیکن رات ہوتے ہی بادل چھٹ گئے تھے اور برف کی سفید چادر پر کبھی کبھی چاندنی کی خشمگین نظر آنے لگتی تھی۔

فریدی شام ہی سے ایک غار میں جا گھسا تھا۔ آج اُس کے ارادے حقیقتاً خطرناک نظر آرہے تھے۔ اُس کے پاس آج رائفل کی بجائے ٹامی گن تھی اور کاندھے پر ایک بہت بڑا جال تہہ کیا ہوا تھا۔

غار میں اندھیرا تھا اور فریدی ایک کونے میں دبکا ہوا تھا۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ اُسے غار میں کسی دوسرے آدمی کے داخلے کی توقع تھی۔ اُس کی آنکھیں دراصل ایک سوراخ سے لگی ہوئی تھیں، جو ٹھیک اُس جگہ کے سامنے تھا جہاں اُسے بھوت دکھائی دیئے تھے۔ فریدی تنہا تھا اُس کے ساتھیوں نے اس مہم میں حصہ لینا چاہا تھا لیکن فریدی نے انکار کر دیا تھا۔ غزالہ تو اب تک اُس کی مخالفت کرتی رہی تھی۔

جس غار میں فریدی اس وقت بیٹھا تھا یہ بھی اُس کی ایک پرانی دریافت تھی۔ لیکن وہ اس بات پر مطمئن نہیں تھا کیونکہ دوسرے لوگ بھی اس سے واقف ہو سکتے تھے۔

ٹھیک دس بجے اس غار کے دہانے پر قدموں کی آواز سنائی دی۔ یقیناً کوئی اُسی غار میں گھسا تھا۔ فریدی سوراخ چھوڑ کر ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں ہو گیا، جو غار کے آخری سرے سے تھوڑا ہی ہٹا ہوا تھا۔

آنے والے نے ٹارچ روشن کی اور غار کا جائزہ لیتا رہا۔ فریدی پتھر کی اوٹ میں ہونے کی وجہ سے روشنی کی زد سے باہر تھا۔ اُس نے محسوس کیا کہ آنے والا بھی اُسی پتھر پر بیٹھ گیا ہے جس پر تھوڑی دیر قبل وہ خود بیٹھا ہوا تھا اور غالباً وہ اسی سوراخ سے جھانک بھی رہا تھا۔

فریدی چپ چاپ پڑا رہا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد خود اُسے اپنی ناکارگی کھلنے لگی وہ سوچ رہا تھا کہ

آخر یہ کون ہو سکتا ہے اُس نے کچھ دیر اور انتظار کیا لیکن جب دیکھا کہ وہ ابھی تک اُسی طرح بیٹھا ہوا تھا تو اُس نے پتھر کی اوٹ میں دبکے رہنا مناسب نہ سمجھا۔

وہ چپکے سے اٹھا اور ٹامی گن کی نال اُس کی پیٹھ پر رکھ دی۔

"خاموش" فریدی آہستہ سے بولا۔ "اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔"

اس نے بے چوں و چرا تعمیل کی۔ فریدی نے ٹارچ نکالی اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اُس کے منہ سے حیرت زدہ سی آواز نکل گئی۔

یہ فزارو کا منیجر تھا اور اس کے چہرے پر اب بھی وہی معصوم مسکراہٹ تھی۔

"آپ یہاں کیسے؟" فریدی نے پوچھا۔

"یہی سوال میں آپ سے بھی کر سکتا ہوں۔" منیجر نے مسکرا کر کہا۔

فریدی کو اطمینان تھا کہ وہ اُسے پہچان نہ سکے گا کیونکہ اُس نے میک اپ کر رکھا تھا اور یہ میک اپ معمولی نہیں بلکہ اُس کا مخصوص ترین میک اپ تھا جو ایمونیا کے بغیر بگڑ ہی نہیں سکتا تھا۔

"آپ شائد فزارو کے منیجر ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"اور میرے خیال سے یہ کوئی بُری بات نہیں۔"

"میں پوچھتا ہوں تمہارا یہاں کیا کام۔" فریدی نے گرج کر پوچھا۔

"اوہ.... آپ کون ہیں۔"

"میری بات کا جواب دو۔" فریدی نے کہا۔

"اول تو آپ کی بات ہی میری سمجھ میں نہیں آئی۔" منیجر سنجیدگی سے بولا۔ "دوسری بات یہ کہ آپ اس قسم کے سوالات کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ ویسے اخلاقاً میں آپ کو یہ بتا سکتا ہوں کہ ڈیڑھ فٹ لمبے پیروں والے بھوت دیکھنے کی خواہش مجھے یہاں لائی ہے۔"

"آپ کون ہیں جناب والا۔" اُس نے بڑی خوش اخلاقی سے پوچھا۔

"اور تمہیں یقین ہے کہ وہ یہیں سے دکھائی دیں گے۔"

منیجر نے کوئی جواب نہ دیا اور فریدی یہ بھی نہ محسوس کر سکا کہ دوسرے لمحے میں یقیناً اُس کا ہاتھ اُس کے ٹارچ والے ہاتھ پر پڑے گا۔

ساتھ ہی ایک بھرپور گھونسہ بھی فریدی کے جبڑے پر پڑا۔ ٹامی گن بھی اُس کے ہاتھ سے

نکل گئی اور پھر وہ بھوتوں پر جال ڈالنے کی حسرت دل ہی میں لئے ہوئے چند لمحوں کے لئے بے حس و حرکت ہو گیا کیونکہ گرتے وقت اُس کا سر پتھر سے ٹکرا گیا تھا۔

جب اُسے ہوش آیا تو اُس نے دیکھا کہ پانچ چھ مسلح آدمی اپنے ہاتھوں میں مشعلیں اٹھائے اُس کے گرد کھڑے ہیں لیکن اُن میں فزارو کا منیجر نہیں تھا۔ فریدی نے چپ چاپ پڑے ہی رہنا مناسب سمجھا کیونکہ وہ بالکل تنہا ہو چکا تھا۔

وہ کچھ دیر تک کھڑے سرگوشیاں کرتے رہے۔ پھر چار آدمیوں نے مل کر فریدی کو اٹھایا مشعلیں بجھا دی گئیں۔ بالکل اندھیرا چھا گیا اور اب فریدی کے لئے باقاعدہ طور پر آنکھیں کھلی رکھنا قطعی آسان ہو گیا تھا۔

غار سے نکل کر وہ لوگ چٹانوں کے سلسلے کے نیچے ہی نیچے پچھم کی طرف بڑھنے لگے۔ کئی بار فریدی کا دل چاہا کہ اُن سے الجھ پڑے اور اب حقیقتاً وہ اس پوزیشن میں تھا کہ اُن سے اکیلے ہی نپٹ سکتا تھا کیونکہ اس کا ہاتھ ایک اٹھانے والے کے ہولسٹر میں جھول رہا تھا اگر وہ چاہتا تو بہ آسانی اُس کے ہولسٹر سے ریوالور نکال لیتا۔ لیکن وہ اپنی طبیعت پر جبر کرتا رہا۔

کچھ دور چلنے کے بعد وہ ایک غار میں گھسے اور انہوں نے پھر مشعلیں روشن کر لیں۔ فریدی کو آنکھیں بند کر لینی پڑیں لیکن اس کی پلکیں اب بھی ذرا سی کھلی ہوئی تھیں۔

تھوڑی دیر کے بعد اُس نے محسوس کیا کہ وہ ایک سرنگ میں داخل ہو رہے ہیں۔ اُسے سرنگ ہی کہا جا سکتا تھا کیونکہ یہ راستہ کسی طرح سے بھی غیر مسطح نہیں تھا۔ یقیناً یہ ایک انسانی کارنامہ تھا۔

سرنگ سے گذر کر وہ ایک مٹھ میں پہنچے۔ فریدی کو فرش پر ڈال دیا گیا اور ایک آدمی کے علاوہ اور سب وہاں سے چلے گئے۔ ایک بار پھر فریدی کے دل میں آئی کہ کچھ نہ کچھ کرنا ہی چاہئے لیکن اس نے اس خواہش کو زیادہ نہ ابھرنے دیا۔ بس وہ بے حس و حرکت پڑا رہا۔ وہاں رک جانے والا آدمی اس کے پیروں کے پاس کھڑا اسے گھور رہا تھا۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ اگر انہیں اسے مار ڈالنا ہی مقصود ہوتا تو وہی ختم کر دیتے۔ آخر وہ اسے یہاں کیوں اٹھا لائے ہیں۔ دفعتاً اُسے ٹیکم گڈھ پولیس آفس کے پرانے فائل یاد آ گئے جن میں اس نے مردوں اور عورتوں کے اغواء کی رپورٹیں دیکھی تھیں۔ گروہی کے غائب ہو جانے والے ساتھی یاد آئے جن کی لاشیں نہیں مل

سکی تھیں اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ کہ ابھی حال ہی میں قاسم اور حمید بھی اسی سیٹل
میں غائب ہو گئے تھے۔

"میں کہاں ہوں۔" اس نے اپنے قریب ہی ایک نسوانی آواز سنی۔

یہ بھی گویا معجزہ ہی تھا کہ آواز کی طرف فریدی کی گردن نہیں گھومی۔ ورنہ ایسے موقعو
سرزد ہونے والے افعال سو فیصدی اضطراری ہوتے ہیں اور ان میں ارادے کو قطعی دخل
ہوتا۔ اس کے قریب کھڑے ہوئے آدمی نے آہستہ سے کچھ کہا جسے فریدی نہ سن سکا۔

"تم کون ہو.... میں کہاں ہوں۔" آواز پھر آئی۔ لیکن فریدی کو اپنے کانوں پر یقین نہ
کیونکہ وہ آواز فرزانہ کی تھی۔ فریدی اس آواز کو ہزاروں میں پہچان سکتا تھا۔ کیونکہ اسے اس آ
سے نفرت تھی۔

اب بھی اس نے اپنی حالت میں کوئی تغیر نہ پیدا ہونے دیا۔ فرزانہ شائد کھڑی ہو گئی تھی۔

"تشریف رکھئے۔" اس آدمی نے کہا۔ "آپ محفوظ ہیں۔ تشویش کی بات نہیں۔"

فرزانہ ہلڑ مچانے لگی لیکن وہ آدمی خاموش رہا۔ لیکن جب فرزانہ باہر نکل جانے کے
دریچے کی طرف جھپٹی تو اس نے بڑے پر سکون لہجے میں کہا۔

"اُدھر موت ہے۔"

فرزانہ یک بیک رک گئی۔ فریدی اب بھی چپ چاپ پڑا رہا۔ وہ اس ڈرامے کے دوسر
سین کا منتظر تھا۔

تھوڑی دیر بعد بقیہ لوگ پھر واپس آ گئے۔ ان کے ساتھ دو عدد اسٹریچر تھے۔ ان میں
آدمیوں نے فرزانہ کو پکڑ لیا اور ایک نے اس کے بازو میں کسی چیز کا انجکشن دے دیا۔ فرزانہ چیخ
رہی وہ اب بھی کافی مغلق الفاظ میں ان لوگوں کو بُرا بھلا کہہ رہی تھی۔ نہ جانے کس طرح فریدی
اپنی ہنسی ضبط کئے رہا لیکن اس وقت اس پر یہ بات روشن ہو گئی کہ فرزانہ عادتاً بڑے بڑے الفا
بولتی ہے اس کا مقصد خود نمائی ہرگز نہیں۔

آہستہ آہستہ فرزانہ کی آواز دبتی گئی اور پھر سکوت طاری ہو گیا۔

فریدی اور فرزانہ کو اسٹریچروں پر ڈال کر وہ لوگ پھر چل پڑے۔

اس بار وہ جس سرنگ میں داخل ہوئے تھے کافی طویل معلوم ہوتی تھی۔ چار آدمیوں نے

یں سنبھال رکھی تھیں۔

فریدی اب بھی خاموش تھا لیکن اسٹریچروں کے استعمال ہی سے اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ
یا معلوم ہوتا ہے۔

تقریباً دو گھنٹے کے بعد وہ سرنگ سے باہر نکلے۔ فریدی نے گردن گھما کر دیکھا دو آدمی سرنگ
دہانے کو بند کر رہے تھے۔ یہاں فریدی پر دو تین کمبل ڈال دیئے گئے لیکن جیسے ہی وہ لوگ
ہوئے فریدی نے منہ کھول دیا۔

بادل بالکل ہی پھٹ گئے اور نکھری ہوئی چاندنی میں پہاڑیاں نہا گئی تھیں۔ سناٹے میں صرف
وں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اس سے فریدی نے اندازہ لگایا کہ شاید اس طرف برف
نہیں ہوئی ورنہ قدموں کی آوازوں میں اتنی گونج نہ ہوتی۔

فریدی کا دل دھڑک رہا تھا۔ خوف سے نہیں بلکہ اس خیال سے کہ وہ عنقریب کسی بہت ہی
ے راز سے دوچار ہونے والا ہے۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ لوگ اسے کہاں لے جائیں گے اور اس سے کیسا برتاؤ
ں گے۔ فرزانہ کے ساتھ بھی ان لوگوں نے کسی قسم کی سختی نہیں کی تھی اور شائد انجکشن
اس لئے دیا تھا کہ وہ بے ہوش ہو جائے اور اسے ان راستوں کا علم نہ ہو سکے جن سے وہ کہیں
لے جائی جانے والی تھی۔

اسے بھی فطرت کی ستم ظریفی ہی کہنا چاہئے کہ سردی کی شدت کے باوجود بھی فریدی کی
نیند سے بوجھل ہوتی جا رہی تھیں۔ فریدی نے نیند کے خلاف ذہنی جنگ شروع کر دی۔ وہ
ت بھر چلتے رہے اور فریدی جاگتا رہا۔ وہ اپنے ذہن میں سمتوں کے نقشے مرتب کرتا جا رہا تھا۔

صبح ہوتے ہوتے فرزانہ کو ہوش آ گیا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھتی رہی۔
یڈی کا اسٹریچر اس کے اسٹریچر کے برابر ہی تھا۔ اس نے اس کی سہمی ہوئی شکل دیکھی اور
چنے لگا کہ آخر وہ کس طرح پھنس گئی کیا اسے نصرت کے مکان سے نکال کر لایا گیا ہے۔ اگر ایسا
ہے تو دوسری عورتیں بھی محفوظ نہیں۔

صبح کے ناشتے کے لئے وہ لوگ رک گئے۔ فریدی محسوس کر رہا تھا کہ اس کے مسلح ہمراہی
ہنائی اطاعت شعار قسم کے غلاموں کی طرح پیش آ رہے تھے۔ فرزانہ انہیں بُرا بھلا کہہ رہی تھی

لیکن ان میں سے کسی کی پیشانی پر شکن تک نہیں تھی۔

"آپ ان لوگوں کے ہاتھ کس طرح لگیں۔" فریدی نے فرزانہ سے کہا۔ "میرا خیال کہ میں نے آپ کو فزارو میں دیکھا تھا۔"

"میں کچھ نہیں جانتی.... میں ایک پولیس آفیسر کے یہاں تھی.... اور ایک دو پولیس آفیسر کی تلاش میں فزارو آئی تھی۔ فزارو سے واپسی پر بلائے آسمانی کی طرح کوئی الجھ والی چیز مجھ پر گری اور پھر مجھے کچھ یاد نہیں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد فرزانہ نے پوچھا۔ "آخر یہ کون ہیں اور ہمیں کہاں جا رہے ہیں۔"

"پتہ نہیں۔" فریدی نے سر ہلا دیا۔

"آپ کون ہیں۔"

"میں.... ایک شکاری ہوں۔ مگر یہ لوگ بہت اچھے معلوم ہوتے ہیں۔"

اس سفر میں کئی بار ہمراہیوں نے فریدی سے پیدل چلنے کی استدعا کی لیکن اس نے منظور نہ کیا۔ اس نے اپنے گھٹنوں میں تکلیف کا بہانہ کر کے اسٹریچر ہی پر پڑے رہنا مناسب سمجھا البتہ کسی جگہ قیام ہونے کی صورت میں وہ لنگڑا لنگڑا کر تھوڑا بہت ٹہل ضرور لیتا تھا۔

فرزانہ نے اپنی فصیح اور بلیغ تقریروں سے اس کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ لیکن کبھی کبھی رونے کا دورہ بھی پڑ جاتا تھا۔ فریدی نے اسے اب تک نہیں بتایا تھا کہ وہ کون ہے۔ ویسے وہ تسلیاں ہی دیتا رہتا تھا۔

تیسرے دن وہ اسی وادی میں پہنچ گئے جہاں قاسم نے ایک فیصلہ کن جنگ کی تھی۔ فریدی کے ہمراہی بہت زیادہ سراسیمہ نظر آنے لگے تھے کیونکہ وادی کے نشیب میں بسا ہوا ویران نظر آ رہا تھا اور وہاں انہوں نے کچھ لاشیں بھی دیکھیں پھر جب وہ اس سنگی عمارت داخل ہو گئے تو ان میں سے کئی کے منہ سے چیخیں نکل گئیں۔ حالانکہ وہ کافی تھکے ہوئے تھے انہوں نے قیام نہ کیا۔ فریدی محسوس کر رہا تھا کہ وہ جلد سے جلد اس وادی سے نکل جا کوشش کر رہے ہیں، انہیں عمارت میں بھی پندرہ بیس لاشیں نظر آئی تھیں اور ان کی بدبو کے سے پوری عمارت میں کہیں بھی ناک نہیں دی جا رہی تھی۔

فرزانہ کے تو حواس غائب تھے۔ اس نے جو چپ چاپ سادھی تو پھر فریدی کے متوجہ کرنے پر بھی اس کے منہ سے آواز نہ نکل سکی۔ نہ اب وہ ہمراہیوں کو بُرا بھلا کہہ رہی تھی اور نہ اپنے ڈیڈی کو یاد کر کے روتی تھی۔

قاسم کی درندگی

تیسرے دن قافلہ ایک سرسبز وادی میں داخل ہو رہا تھا اور یہاں سے شائد پیدل چلنے والوں کی صعوبتوں کا خاتمہ ہو جانے کو تھا وہ ایک چھوٹے سے گاؤں میں تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرے۔

یہ گاؤں تیس چالیس چھوٹے چھوٹے جھونپڑوں پر مشتمل تھا۔ وسط میں پتھر کی عمارت تھی۔ قاسم، حمید اور وہ لڑکی عمارت کے اندر لے جائے گئے اور یہاں بھی ان کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کی گئی۔

دوپہر کا کھانا ان کے سامنے لگایا گیا۔ تو ایک بہت چھوٹے سے قد کا مسخرہ آ کر اچھلنے کودنے لگا۔ غالباً وہ ان کا دل بہلا رہا تھا۔

قاسم بے تحاشہ قہقہے لگا رہا تھا۔ حمید کو مسکرانے کی بھی فرصت نہیں تھی اس کا ذہن اس عجیب و غریب سفر کی نوعیت میں الجھ کر رہ گیا تھا اور ہر لحظہ اسے کسی اچانک حادثے کا اندیشہ پریشان کئے رہتا تھا۔

اس عمارت میں پہلے سے بھی کچھ آدمی موجود تھے اور ان کا رویہ بھی انتہائی خادمانہ تھا۔ ان میں سے کسی نے ایک بار بھی ہمراہی لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ لڑکی کا خوف بالکل رفع ہو گیا تھا لیکن اب خوف کی جگہ گہرے قسم کے تحیر نے لے لی تھی۔ دستر خوان پر وہی تینوں اکیلے تھے۔ سامنے دو خادم دست بستہ کھڑے تھے۔ دستر خوان اور خادموں کے درمیان میں بونا مسخرہ اچھل کود رہا تھا۔

"حمید بھائی.... ذرا اس چوزے کو دیکھنا۔" قاسم نے بونے کی طرف دیکھ کر کہا۔

دوسرے ہی لمحے میں ایک بونی کمرے میں داخل ہوئی اور وہ بھی بونے ہی کی طرح اچھلنے کودنے لگی۔

"ارے.....!" قاسم حیرت سے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "بوتی بھی۔"

وہ چند لمحے منہ پھاڑے انہیں دیکھتا رہا پھر بولا۔ "اے قربان جاؤں پاک پروردگار تیری قدرت کے۔ بونے کے لئے بوتی بھی پیدا کر دی۔ کیوں حمید بھائی۔ ہی ہی ہی۔"

"اس عمارت کے لوگ بھی بڑے شائستہ معلوم ہوتے ہیں۔" حمید نے لڑکی سے کہا۔

"میں تو اب سچ مچ پاگل ہو جاؤں گا۔ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔"

"وہم کا کوئی علاج ہی نہیں۔" قاسم نے کسی فلسفی کی طرح خود اعتمادی کے لہجے میں کہا۔

"وہم! کیا وہم۔" حمید اسے تیز نظروں سے گھورنے لگا۔

"یہی وہم کہ ہم لوگ دوسری دنیا میں نہیں ہیں۔" قاسم نے کہا۔ "آپ لوگوں کو زندہ مبارک رہے میں تو سو فیصدی مر چکا ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ نے بونے کے لئے بوتی پیدا کی ہے میرا کچھ نہ کچھ انتظام ضرور کر دیا ہو گا۔"

لڑکی نے دوسری طرف منہ پھیر لیا اور حمید قاسم کو کھا جانے والی نظروں سے گھورنے لگا۔

"کیا میں غلط کہہ رہا ہوں..... حمید بھائی۔"

"بکواس بند کرو۔"

"ہائیں..... پھر توہین کی۔" قاسم بگڑ کر کھڑا ہو گیا۔ حمید اس کا شانہ تھپکنے لگا۔

دوپہر کا کھانا ختم کر چکنے کے بعد بھی وہ وہیں بیٹھے رہے۔ تھوڑی دیر بعد انہیں ایک خادم اپنے ساتھ ایک بڑے کمرے میں لے گیا جہاں بستر پہلے ہی سے موجود تھے۔ دو دن کی تھکن کے بعد انہیں پہلی بار گہری نیند آئی تھی۔ وہ چار بجے تک مردوں کی طرح پڑے رہے پھر ایک ہیجان انگیز شور نے حمید کو جگا دیا۔ پہلے تو وہ کچھ نہ سمجھا اسے صرف شور کا احساس ہو رہا تھا۔ پھر جیسے جیسے ذہن نیند کے اثرات سے چھٹکارا پاتا گیا شور کی نوعیت سمجھ میں آتی گئی۔

یہ پے در پے فائروں کی آوازیں تھیں اور ان میں آدمیوں کی چیخیں بھی شامل تھیں۔ حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ لڑکی بھی اٹھ بیٹھی تھی لیکن قاسم اس طرح مچل مچل کر کروٹیں بدل رہا تھا جیسے مچھروں کی زیادتی اس کی نیند میں خلل انداز ہو رہی ہو۔

"قاسم.....!" حمید نے اُسے جھنجھوڑا۔

"اوں ہوں..... ڈاب..... ڈاب..... کباب.....!" وہ منہ چلاتا ہوا دوسری کروٹ ہو گیا۔

پھر حمید نے اُسے اس طرح جھنجھوڑا کہ اٹھنا ہی پڑا۔ وہ چند لمحے آنکھیں مل مل کر طرح طرح کے منہ بناتا رہا پھر جماہی لے کر اچانک اچھل پڑا۔ شائد شور کی آواز اب اُس کے ذہن میں صاف ہوئی تھی۔

"ہائیں! حمید بھائی یہ کیا ہو رہا ہے۔" وہ آنکھیں پھاڑ کر آہستہ سے بولا۔

"پتہ نہیں! لیکن یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ اب موت نہ آئے گی۔" حمید نے کہا۔

دوسرا لمحہ اُن کے لئے انتہائی تشویش ناک تھا کیونکہ ایک گولی سنسناتی ہوئی سیدھی دروازے کے سامنے سے گذری تھی۔ اب شور و غل عمارت کے نچلے حصے میں ہو رہا تھا اور کچھ اس قسم کی وحشت ناک چیخیں سنائی دینے لگی تھیں جیسے لوگ گولیاں کھا کھا کر ڈھیر ہو رہے ہوں۔

دفعتاً دو آدمی رائفلیں سیدھی کئے ہوئے کمرے میں گھس آئے۔ دونوں نے بیک وقت چیخ کر کچھ کہا اور رائفلوں کی نالیں اُن کی طرف تان لیں۔ اُن دونوں کے چہرے بڑے خوف ناک تھے۔ انہوں نے بھیڑ کی کھال کا لباس پہن رکھا تھا اور اُن کے سروں پر سیاہ ٹوپیاں تھیں جن کے بال اتنے لمبے تھے کہ اُن کی آنکھوں تک لٹک آئے تھے۔

"قاسم! ہاتھ اٹھا دو۔" حمید نے اپنے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں اٹھاتا۔" قاسم نے جھنجھلا کر کہا وہ بھی طرح طرح کی غصیلی شکلیں بنا کر انہیں گھور رہا تھا۔

لڑکی ڈر کر حمید سے لپٹ گئی تھی۔

ان میں سے ایک نے پھر چیخ کر کچھ کہا۔ الفاظ حمید کی سمجھ میں نہیں آئے۔

پھر اُسی وضع قطع کے کئی اور آدمی کمرے میں گھس آئے۔ ان میں سے ایک نے لڑکی کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ اُس کی چیخ دل ہلا دینے والی تھی۔

"قاسم خدا کے لئے۔" حمید بڑبڑایا۔ "کوئی حماقت نہ کرنا۔"

"حمید بھائی دیکھتے نہیں سالوں کو۔"

"دیکھ رہا ہوں۔ لیکن ہم نہتے ہیں۔ چپ چاپ دیکھو لیکن خائف نہ ہونا۔ یہ بھوت نہیں ہیں۔ بھوت رائفل نہیں رکھتے۔"

"اچھا..... میں نہیں ڈروں گا۔" قاسم نے سعادت مندانہ انداز میں سر ہلایا۔

وہ لوگ انہیں رائفلوں کے کندھے سے دھکیلتے ہوئے باہر نکال لائے۔

حمید نے صحن میں اپنے ہم سفروں میں کئی کی لاشیں دیکھیں۔ اُن میں کچھ زخمی بھی تھے، جو بیہوشی کی حالت میں بھی کراہ رہے تھے۔ برآمدے میں تخت پر ایک گرانڈیل آدمی کھڑا مرنے والوں کو حقارت آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ یہ شائد ان وحشیوں کا سردار تھا۔ حمید نے کچھ ہم سفروں کو رسیوں سے جکڑا بھی دیکھا۔ اُن میں وہ چاروں بھی تھے جو اردو بولتے تھے۔ انہوں نے بڑی ندامت آمیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھا۔

"یہ جانور ہمارے دشمن ہیں۔" اُن میں سے ایک نے کہا۔

لڑکی کو دیکھ کر وحشیوں کا سردار ہونٹ چاٹنے لگا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کچھ کہا جس کے جواب میں انہوں نے قہقہے لگائے اور لاشوں کو روندتے ہوئے تخت کے قریب آگئے۔

پھر سردار حمید اور قاسم کو گھورنے لگا۔

اتنے میں دو آدمی بونی عورت کو پکڑ لائے۔ اس کا قد تین فٹ سے زیادہ نہ رہا ہوگا۔ اُس نے اُسے بازوؤں سے پکڑ کر اچھال دیا۔ پھر اُسے ہاتھوں پر روک کر اپنے ایک ساتھی کی طرف اچھال دیا۔ اُس نے بھی ہاتھوں پر روک کر تیسرے کی طرف اچھال دیا۔ بونی کے منہ سے ڈری ڈری چیخیں نکل رہی تھیں اور وہ لوگ بے تحاشہ قہقہے لگا رہے تھے۔

"یہ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔" حمید نے ایک ہمراہی سے پوچھا۔

"یہ ہمارے دشمن، یہ ہمیں قیدی بنا کر اپنے علاقے میں لے جائیں گے۔"

"تمہارے اور آدمی کہاں ہیں۔"

"یہاں سے بیس میل کے فاصلے پر دوسری چوکی ہے۔"

دفعتاً حمید نے لڑکی کی چیخ سنی۔

وحشیوں کا سردار اُس کے گال چٹکیوں میں دبائے کچھ کہہ کہہ کر ہنس رہا تھا۔ بونی بدستور اچھالی جا رہی تھی اور اس کی چیخیں بھی گونج رہی تھیں۔

پھر سردار لڑکی کو چھوڑ کر اپنے ساتھیوں کے دلچسپ مشغلے میں شریک ہو گیا۔ اُس نے بونی کی ایک ٹانگ پکڑ لی اور اسے گردش دینے لگا لیکن اب وہ چیخ نہیں رہی تھی۔

چکر دیتے ہوئے اُس نے اُسے ایک بار چھوڑ دیا اور وہ اس کے ہاتھ سے نکل کر سامنے والی

دیوار سے جا ٹکرائی۔

اور پھر وہ منظر کم از کم حمید سے تو نہ دیکھا گیا۔ اس کی کھوپڑی پاش پاش ہو گئی تھی۔

"خدا کی قسم۔" قاسم رسیوں میں زور کرنے لگا۔ "میں نہیں دیکھ سکتا۔ اس شیطان کے بچے کو بھی اسی طرح ماروں گا۔ چاہے میرے پرخچے اڑ جائیں۔"

"قاسم احمق نہ بنو.... صبر کرو۔" حمید نے کہا۔

وحشیوں نے اب بونے کی لاش اچھالنی شروع کر دی تھی۔ وہ اس مشغلے میں اس طرح منہمک تھے کہ اپنے قیدیوں کی طرف دیکھنا بھی بھول گئے۔ قاسم رسیوں سے زور آزمائی کر رہا تھا۔ یکایک رسیاں ٹوٹ گئیں۔ اُس نے قریب ہی پڑی ہوئی ایک رائفل اٹھائی اور اس کی نال پکڑے ہوئے وحشیوں کے مجمعے میں گھس گیا۔ سب سے پہلے اُس نے رائفل کا ایک کندہ اُن کے سردار ہی کے سر پر جھاڑ دیا۔ قاسم کی قوت تو بہر حال اظہر من الشمس تھی اُس پر طرہ یہ کہ وہ غصے میں تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سردار پہلی ہی چوٹ میں ڈھیر ہو گیا۔ قبل اسکے کہ وحشیوں کو کچھ سمجھنے کا موقع ملتا قاسم نے تین آدمیوں کو گرا دیا۔ اُس نے رائفل کو ڈنڈے کی طرح پکڑ رکھا تھا اور اُسے کسی مشاق لٹھ باز کی طرح گردش دے رہا تھا۔ وحشیوں کے سر میں نہ جانے کیا سمائی کہ انہوں نے بھی وہی حرکت کرنا شروع کر دی ورنہ شائد قاسم کی پیشانی پر پڑی ہوئی ایک ہی گولی اس کا کام تمام کر دیتی۔

وحشی حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہے تھے۔

"لڑکی کیا دیکھ رہی ہو۔" حمید نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ "ہمیں کھول دو۔"

لڑکی نے گھبرائی ہوئی نظروں سے ادھر اُدھر دیکھا اور ایک مردے کی کمر سے خنجر کھینچ کر اُن کی رسیاں کاٹنی شروع کر دیں۔ وحشی چاروں طرف سے قاسم پر ٹوٹ پڑے تھے اور انہیں کسی بات کا ہوش نہیں رہ گیا تھا۔ قیدیوں میں آٹھ آدمی تھے اور ان کی رائفلیں وہیں لان میں پڑی ہوئی تھیں۔ انہوں نے چھوٹتے ہی اپنے دشمنوں کو نشانہ پر رکھ لیا۔ جب تک وحشی سنبھلتے اُن کے چار آدمی کام آچکے تھے۔ انہوں نے دوسری باڑھ ماری تین اور گرے۔ قاسم نے یہ ماجرہ دیکھا تو دھڑ سے زمین پر گر گیا۔

دونوں طرف سے پھر گولیاں چلنے لگیں۔ حمید کے ہمراہیوں نے ستونوں کی اڑ لے لی تھی اور اُن کے دشمن کھلے میں تھے۔ تیسری باڑھ نے اُن کے قدم اکھاڑ دیئے لیکن بھاگ نکلنے کے

سارے راستے خود انہوں نے ہی مسدود کر دیئے تھے۔

اب وہ تعداد میں صرف پانچ رہ گئے تھے۔

گولیاں چلتی رہیں ایک اور گرا۔ پھر باقی چار نے بچاؤ کی کوئی صورت نہ دیکھ کر اپنی رائفلیں پھینک دیں اور زمین پر اوندھے گر گئے۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ چاروں اسی جگہ بندھے کھڑے تھے۔

قاسم نے بیہوش سردار کو اٹھا کر تخت پر ڈال دیا اور دونوں ہاتھوں سے رائفل کی نال اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے وہ اس کے اٹھنے کے انتظار میں ہو۔

"یہ کیا کر رہے ہو۔" حمید نے کہا۔

"اپنی قسم پوری کروں گا۔" قاسم ہانپتا ہوا بولا۔ "جیسے ہی اٹھے گا بس ایک ہی ہاتھ میں کھوپڑی کے چار ٹکڑے کر دوں گا۔"

"یہ نہ کیجئے تو بہتر ہے۔" ایک ہمراہی نے کہا۔ "اُسے قیدی بنا کر لے چلنا ہی زیادہ بہتر ہو"

"ہرگز نہیں۔" قاسم نے کہا اور جھک کر سردار کے سر سے ٹوپی اتار لی۔

"انہیں سمجھایئے۔" ہمراہی نے حمید سے کہا۔ "اسے زندہ لے جانا ہمارے لئے زیادہ مفید ہو

حمید نے قاسم کو سمجھانا چاہا لیکن وہ پھیل گیا۔

"کیا آپ انہیں کسی تدبیر سے باز رکھ سکتی ہیں۔" ہمراہی نے لڑکی سے پوچھا۔

"ہو سکتا ہے۔" لڑکی نے بڑی بے رخی سے کہا۔ "لیکن اُس صورت میں جب ہمیں اس کا مقصد بتا دیا جائے۔"

"محترمہ! ہم فی الحال اس سے معذور ہیں۔"

"تب ادھر بھی مجبوری ہی ہے۔" لڑکی نے کہا۔

"ہرگز نہ مانوں گا۔" قاسم غصیلی آواز میں بولا۔ "مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔ غضب ان درندوں نے اسی ننھی سی جان کو تماشا بنا کر مار ڈالا۔ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں.... میں اس سرکا گودا ناک کے راستے بہاؤں گا۔"

قاسم نے اب اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنا مناسب نہ سمجھ کر ایک ٹھوکر اُس کے پر جھاڑ دیا اور وہ ایک ذبح کئے ہوئے مرغ کی طرح تڑپنے لگا۔ پھر اٹھ کر بھاگا لیکن اس کی آنکھ

ند تھیں قاسم نے پھر ایک ہاتھ مار دیا۔

تھوڑی دیر بعد اس کی لاش کو پہچاننا بھی ناممکنات میں سے ہو گیا۔ نہ ناک کا پتہ تھا اور نہ ہانے کا صرف اس کے دہانے کے بڑے بڑے دانت باہر نکلے ہوئے تھے۔

اس کے چاروں ساتھی اس طرح کانپ رہے تھے جیسے انہیں سردی لگ کر بخار آ گیا ہو۔

رکی نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا تھا۔

"قاسم تم نے بہت بُرا کیا۔" حمید نے کہا۔

"چلو چلو! نہیں تو ابھی ایک ہاتھ جھاڑ دوں گا پر اٹھا ہو کر رہ جاؤ گے۔" قاسم بولا۔

اُس پر سچ مچ خون سوار ہو گیا تھا۔ اُس نے ہمراہیوں سے پوچھا۔ "ان چاروں کے لئے کیا کہتے ہو۔ جلدی کرو۔ بھوک کے مارے میرا دم نکلا جا رہا ہے۔"

"جناب والا۔" ایک نے کہا۔ "ہم یہی درخواست کریں گے کہ انہیں قیدی بنا کر لے جایا جائے۔"

"تم لوگ واقعی بڑے بے حیا معلوم ہوتے ہو۔" قاسم مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔

"آپ بہت تھک گئے ہیں.... اب تھوڑا آرام کر لیجئے۔"

"آرام کر لوں.... اور کھانا.... الا قسم پیارے دم نکلا جا رہا ہے۔"

"آپ چلئے تو اپنے کمرے میں۔" ہمراہی نے گڑگڑا کر کہا۔ "کھانا بھی آ جائے گا۔"

پھر حمید اُسے کسی نہ کسی طرح بہلا پھسلا کر کمرے کی طرف لے گیا۔

قاسم بڑی دیر میں ٹھنڈا ہوا۔

"اب کیا خیال ہے تمہارا۔" حمید نے پوچھا۔ "مر گئے ہو یا زندہ ہو۔"

"یہ سب سالے بھی چار سو بیس معلوم ہوتے ہیں۔" قاسم نے کہا۔ "آج رات کو انہیں بھی ٹھنڈا کرو اور نکل چلو۔"

"کہاں نکل چلیں.... کہاں.... بھٹکتے پھریں گے۔" حمید بولا۔ "مجھے تو ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے یہ ہماری زندگی کا آخری سفر ہے۔"

"تو کیا ہم واقعی مر جائیں گے۔" قاسم نے غمناک لہجے میں پوچھا۔

"دیکھو! کیا ہوتا ہے۔ ویسے اب کچھ گڑبڑ نہ کرنا۔ چپ چاپ دیکھتے جاؤ۔"

قاسم اس انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا جیسے حمید کی بات اس کی سمجھ میں نہ آئی ہو۔

مل گئے

فریدی کے ہمراہی بڑی تیزی سے راستہ طے کر رہے تھے۔ شائد انہیں اپنی تھکن کا احساس نہیں تھا۔

"آخر آپ لوگ اتنے خوفزدہ کیوں ہیں۔" فریدی نے اُن میں سے اس آدمی سے پوچھ اردو بول اور سمجھ لیتا تھا۔

"ہمارے دشمن ہماری گھات میں ہیں۔"

فریدی نے اب اسٹریچر پر لدے رہنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ کچھ دیر قبل دیکھی ہوئی لاش اب بھی اس کے ذہن میں چکر لگا رہی تھیں۔ ہمراہیوں سے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ وہ خطرے میں ہیں

"ٹیکم گڈھ میں آپ لوگوں کا کہاں قیام تھا۔" فریدی نے ہمراہی سے پوچھا۔

"پورے ٹیکم گڈھ میں۔" ہمراہی نے مسکرا کر کہا لیکن اس کی مسکراہٹ میں زندگی نہیں تھی

چاروں طرف ہری بھری پہاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ یہ حصہ گڈھ سے کم بلند ہے ورنہ یہاں اس موسم میں سبزی کا نام بھی نہ ہونا چاہئے تھا۔ سردی ضرور لیکن اتنی زیادہ نہیں جتنی ٹیکم گڈھ میں ہوتی تھی۔

دن ڈھلتے ڈھلتے وہ لوگ منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ یہ ایک گاؤں تھا اور یہاں ایک بڑی سی کی عمارت تھی جس کے سامنے مسلح آدمیوں کا ایک دستہ پہرہ دے رہا تھا۔

فریدی کے ہمسفروں میں سے ایک نے اپنی جیب سے پیلے رنگ کی ایک جھنڈی نکالی اُسے اپنی رائفل کی نال پر لگا کر تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا مسلح محافظ دستے کے قریب پہنچ گیا۔

پھر فرزانہ کا اسٹریچر بڑے ادب و احترام کے ساتھ عمارت کے اندر پہنچا دیا گیا۔ فریدی کے ساتھ بھی کوئی بدسلوکی نہ کی گئی۔

انہیں ایک کمرے میں پہنچایا گیا۔

فرزانہ کے لئے یہ لمحہ حیرتوں کا لمحہ تھا۔ فریدی البتہ بہت پُر سکون تھا۔ کمرے میں قاسم حمید ایک لڑکی کے ساتھ موجود تھے۔ قاسم سو رہا تھا حمید اور وہ لڑکی بیدار تھے۔

"ارے آپ....!" حمید فرزانہ کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

آپ یہاں۔" فرزانہ تقریباً چیخ پڑی۔

ر حمید نے فریدی کی طرف دیکھا اور اسے اجنبیوں میں سے سمجھ کر پھر فرزانہ کی طرف و گیا۔

آپ یہاں کیسے پہنچیں۔"

گردش تقدیر۔" فرزانہ نے فریدی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "میری ہی طرح آپ بھی ں۔"

اوہ....!" حمید نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔

فعتاً قاسم نے سوتے سوتے چیخ ماری اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

وہ اپنی سرخ سرخ آنکھیں پھاڑے بڑبڑا رہا تھا۔ "وہ بھاگا.... سر کچل دو.... بونا.... بونی.... اور بچاؤ.... گردن نکل گئی.... ہاتھ نکل گئے.... سر کچل دو۔"

حمید اس پر ٹوٹ پڑا اور بڑی جدوجہد کے بعد اُسے دوبارہ لٹانے میں کامیاب ہو سکا۔

"انہیں کیا ہوا۔" فرزانہ نے پوچھا۔

"بڑا تیز بخار ہو گیا ہے۔ کسی کو پہچانتا نہیں۔" حمید بولا۔

"کیا ان لوگوں میں کوئی ڈاکٹر نہیں ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی نہیں.... لیکن وہ لوگ اسے کوئی دوا دے رہے ہیں۔"

"مسموم انجرات دماغ کی طرف مائل پرواز ہیں۔" فرزانہ نے تشویشناک لہجے میں کہا۔

"بلکہ معدے میں دماغ کی طرف ان کا انتقال زمانی و مکانی ہو رہا ہے۔" حمید جل کر بولا اور اپنی ہنسی کسی طرح نہ روک سکا۔

فرزانہ اس طرف مڑ کر بولی۔ "یہ دونوں حضرات ہمارے ساتھ کے ہیں۔"

"بڑی خوشی ہوئی لیکن...." فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا کیونکہ ہمراہیوں میں سے ایک کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔

"آپ لوگوں کا کھانا بھی یہیں بھیج دیا جائے یا الگ کھائیں گے۔" اُس نے پوچھا۔

"کھانا....!" قاسم نعرہ مار کر کھڑا ہو گیا۔ "کہاں ہے کھانا۔"

حمید وغیرہ بھونچکے رہ گئے۔ کیونکہ وہ تو یہی جانتے تھے کہ قاسم بیہوش پڑا ہے۔

"کہاں ہے کھانا۔" اُس نے ڈپٹ کر پوچھا۔ پھر اُس نے دروازے کی طرف بھاگ
اسکی کمر سے لپٹ گیا۔ لیکن وہ بھلا حمید کے بس کا تھا۔ کھانے کے متعلق پوچھنے والا بھی بو

"آپ ہٹ جایئے۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

اُس نے قاسم کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے قاسم حلق پھاڑ کر چیخ رہا تھا۔ لیکن پھر وہ ا
جنبش نہ کر سکا۔ حمید حیرت سے اُس اجنبی کو دیکھ رہا تھا۔

"آیئے۔" فریدی نے حمید کو اشارہ کیا۔

اُن دونوں نے اُسے پھر پلنگ پر ڈال دیا۔

"ارے غضب خدا کا.... یہ کیا ستم ہے۔ بھوکوں مار ڈالا۔" قاسم چیختا رہا۔

"ارے قاسم صاحب۔" فرزانہ بولی۔ "آپ کے لئے مقاطعہ جوئی ہی مناسب ہے

"ارے.... ہائیں۔" قاسم آنکھیں پھاڑ کر اُسے دیکھنے لگا۔ پھر دونوں ہاتھوں
مل کر دوبارہ اُس کے چہرے پر نظریں جمادیں۔

"حمید بھائی۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "میں کہاں ہوں۔"

"وہیں جہاں پہلے تھے۔"

"لیکن آپ۔" وہ فرزانہ کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

"آپ بھی آ پھنسی ہیں۔"

وہاں انہیں قیام کئے ہوئے تین دن گذر چکے تھے اور ان تین دنوں میں قاسم نے
بند کر دیا تھا اور اب اسی مسئلے پر حمید قاسم کو بور کر رہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ شکاری نے فرزانہ سے عشق شروع کر دیا ہے۔" حمید بڑی سنجیدگی

"اگر ایسا ہے تو میں شکاری کو زندہ نہیں چھوڑوں گا، جو فرزانہ کے ساتھ آیا ہے
پُر جوش لہجے میں بولا۔

"سنو قاسم! وہ شکاری تم سے زیادہ طاقتور معلوم ہوتا ہے۔"

"مجھ سے زیادہ.... ہونہہ.... ابھی میں اس کی گردن توڑ سکتا ہوں۔" قاسم نے ا
مٹھیاں بھینچ لیں۔

"اوہو.... تو کیا آپ مجھ سے زیادہ طاقت ور ہیں۔" دروازے کے قریب سے

قاسم دونوں پلٹ پڑے۔ شکاری دروازے میں کھڑا تھا۔

ارے! ہی ہی ہی۔ میں تو مذاق کر رہا تھا۔" قاسم ہنسنے لگا۔

در یہ حقیقت تھی کہ قاسم اُس دن والے واقعے کے بعد سے مار پیٹ کے مواقع سے
لگا تھا۔ اس نے وحشیوں کے سردار کو بڑی بے دردی سے مار ڈالا تھا۔ لیکن وہ رات کو
سوتے چیخنے لگتا۔ کبھی نیند ہی میں اٹھ کر بھاگتا اور اس طرح گر پڑتا جیسے اس نے وحشیوں
دار کو دیکھا ہو۔

آپ کچھ خیال نہ کیجئے گا۔" حمید نے فریدی سے کہا۔ "یہ بڑے پر مذاق آدمی ہیں۔"

اوہ.... کوئی بات نہیں۔ میں جانتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور پھر اُس نے گفتگو کا رخ بدل
بڑی دیر تک اس عجیب و غریب سفر کے متعلق باتیں کرتے رہے۔

میرا خیال ہے کہ ہم لوگ پاگلوں کے ہتھے چڑھ گئے ہیں۔"

کیوں؟" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

اس طرح تشدد سے لائے تھے اور اب اتنے اخلاق سے پیش آ رہے ہیں کہ ہر وقت کئی
گار ہمارے پاس موجود رہتے ہیں۔ جیسے ہم کسی ریاست کے شاہی مہمان ہوں۔ آخر اس کا
مد ہو سکتا ہے۔"

بس دیکھئے جایئے۔" فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

تنے میں وہ دونوں ہمسفر بھی وہاں آ گئے۔

اب تو بتا دیجئے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

اوہو! اتنی جلدی کیا ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔ "خوب گھومئے پھریئے تھکن
ئے۔ ایسی عظیم الشان جگہ آپ کو روئے زمین پر نہ ملے گی۔"

کیا ہم بغیر پابندی کے باہر نکل سکتے ہیں؟" فریدی نے پوچھا۔

کیوں نہیں! بڑی خوشی سے۔ یہاں ہر گلی کوچے میں آپ کا شاندار استقبال ہوگا۔ یہ لیجئے۔"
اس نے جیب سے چاندی کے تین بیج نکالے، جو عقاب کی شکل کے تھے اور اُن پر کسی
م زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا۔

"یہ بیج آپ کو کہیں بھٹکنے نہ دیں گے۔ آپ جب بھی محسوس کریں کہ آپ راستہ بھول

رہے ہیں تو کسی کو بھی بیچ دکھا دیجئے گا۔ وہ آپ کو یہیں پہنچا دے گا۔"

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔" قاسم قہقہہ لگا کر بولا۔ "لیکن وہ تگڑی تگڑی عورتیں کہ

"ایک دو نہیں! درجنوں حاضر کر دی جائیں گی۔"

"درجنوں! ہاہا۔" قاسم نے پھر قہقہہ لگایا۔ "یعنی بہت سی.... یعنی عورتیں... خوف نہ کھائیں گی.... ہاہاہا۔"

"جی ہاں.... وہ آپ سے محبت کریں گی۔"

"محبت.... ہی ہی۔" قاسم دانتوں میں انگلی دبا کر شرما گیا۔

حمید کا دل چاہ رہا تھا کہ جوتا لے کر پل پڑے۔

"وہ لڑکی کہاں ہے، جو میرے ساتھ آئی تھی؟" فریدی نے دریافت کیا۔

"وہ بھی آرام سے ہیں۔"

"میں اسے اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں۔" فریدی بولا۔

"دیکھا حمید بھائی.... میں نہ کہتا تھا۔" قاسم نے غصیلی آواز میں کہا۔

"بہت بہتر جناب۔" ہمسفر فریدی کی طرف دیکھ کر بولا۔ "وہ یہیں پہنچا دی جا۔ لاتا ہوں۔"

وہ چلا گیا.... اور قاسم فریدی سے الجھ پڑا۔

"تم کون ہو۔ اُسے اپنے ساتھ رکھنے والے۔"

"آپ بعض اوقات بہت زیادہ بدتمیز ہو جاتے ہیں۔" فریدی بگڑ کر بولا۔

"دیکھو میاں شکاری میں! میں گردن توڑ دیا کرتا ہوں۔" قاسم غرا کر بولا۔

"قاسم کیا بک رہے ہو؟" حمید بوکھلا کر بولا۔

"چپ رہو حمید بھائی۔ میرا غصہ بڑا خراب ہے۔"

"انہیں اپنا غصہ اور زیادہ خراب کرنے دیجئے آپ خواہ مخواہ دخل دے رہے ہیں۔" مسکرا کر بولا۔

"ہائیں....!" قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "تم مجھ سے لڑو گے مجھ سے۔" قا کا رنگ یک بیک اتر گیا اور وہ آہستہ سے پھر کرسی پر ڈھیر ہو کر فریدی کو گھورنے لگا۔

"ابھی بچے ہو بچے۔" فریدی مسکرایا۔ قاسم کچھ کہنے جا رہا تھا کہ بیچ سے حمید نے اس کی بات دی۔

"مجھے اس احمق کی زیادتیوں پر ندامت ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "بے وقوف آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"کیا کہا؟" قاسم پھر غرایا۔ لیکن حمید نے اس کا شانہ تھپک کر اُسے خاموش کر دیا۔

فریدی کو اس بات کی خوشی تھی کہ حمید اُسے اتنے قریب سے دیکھنے پر بھی نہ پہچان سکا اور یہ حال اس کے میک اپ کی خوبی تھی اور اس کا یہ مطلب تھا کہ وہ اب آنکھوں کی بناوٹ بھی بدل کرنے پر قادر ہو گیا تھا۔

فریدی جب باہر جانے کے لئے تیار ہونے لگا تو حمید اور قاسم بھی اس کا ساتھ دینے پر مصر ہو گئے لیکن فریدی نے ان لوگوں کو سمجھا بجھا کر روک دیا۔

فریدی تھوڑی دیر تک پہاڑیوں کے پُر پیچ راستوں پر اِدھر اُدھر بے مقصد گھومتا رہا اس کے بعد وہ وہاں سے نکل کر آبادی کی طرف چل پڑا۔ کچھ دور چلنے کے بعد فریدی اپنے سامنے ایک آدمی کو آتا ہوا دیکھ کر یک بیک چونک پڑا۔ اور وہ جان بوجھ کر اُس آدمی سے ٹکرا گیا۔

"تم کیسا آدمی ہے۔ دیکھ کر نہیں چلتا۔" وہ ناخوشگوار لہجہ میں بولا۔

"جب تم اچھی طرح اردو بول سکتے ہو تو کیوں اپنی زبان خراب کر رہے ہو؟" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"ایں.... کیا مطلب۔" وہ آدمی فریدی کو گھورنے لگا۔

"مطلب وطلب کچھ نہیں جانتا۔ یہ بتاؤ کہ تم فزارد ہوٹل سے کب یہاں آئے۔"

"کیا....؟" وہ آدمی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فریدی کو دیکھنے لگا۔

"آپ مجھے اس طرح کیوں گھور رہے ہیں؟" فریدی مسکرایا۔

"میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔"

"اس کی کوشش نہ کرو۔ یہ بتاؤ تم رہتے کہاں ہو۔"

"جی.... جی میں....!"

"گھبراؤ نہیں میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔"

"میں اس وقت بہت جلدی میں ہوں۔" اُس آدمی کے لہجے میں گھبراہٹ تھی۔

"یہاں سے واپس جانا چاہتے ہو؟" فریدی نے سوال کیا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"سب کچھ ہو سکتا ہے کل مجھ سے یہیں پر ملنا۔"

فریدی یہ کہتا ہوا آگے بڑھ گیا اور وہ آدمی اپنی جگہ پر کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد فریدی کو پھر ایک جانی پہچانی صورت نظر پڑی۔ وہ غوث تھا' کوکین فروش اور کئی دفعہ کا سزا یافتہ۔ وہ ایک قبائلی کے ساتھ بڑے رازدارانہ طریقے سے کر رہا تھا۔ فریدی اُسے دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ "یہ غوث بھی یہاں آ گیا۔" وہ اپنے دل میں بڑبڑ ایک چھوٹے سے ٹیلے کے پیچھے چھپ کر اس کی گفتگو سننے لگا۔

جب وہ اپنی بات ختم کر کے جانے کے لئے مڑے اور غوث تنہا رہ گیا تب فریدی نے سے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"کون؟" غوث یک دم اچھل پڑا۔

"آپ کا پرانا دوست....!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں آپ کو نہیں جانتا۔" غوث اپنا نچلا ہونٹ سکوڑ کر بڑی بے اعتنائی سے بولا۔

"ٹھیک ہے۔ کوکین کی زیادتی دماغ پر زیادہ اثر کرتی ہے۔ خاص کر اس وقت جب وہ کرنے کے لئے اپنے کو بالکل آزاد پاتا ہے۔"

"آخر تم کون ہو اور اس بکواس سے تمہارا کیا مطلب ہے۔" غوث کے لہجہ میں استعجاب

"ہاں اب تم مجھے کیوں پہچاننے لگے۔ یار کوکین کی آمدنی میں اب میں تم سے حصہ نہ مانگ اطمینان رکھو۔"

"تم پاگل ہو۔" غوث بگڑ گیا۔

"دیکھو بلاوجہ غصہ دکھانے سے کوئی فائدہ نہیں یہ بتاؤ کہ کیسی کٹ رہی ہے۔ جگہ بہت اچھی تجویز کی ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"مگر تم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو۔"

"اس لئے کہ تم میرے پرانے ساتھی ہو۔"

"تم جھوٹ بولتے ہو۔" غوث پھر چلایا۔

"بھئی دیکھو اب مذاق نہ کرو کیا تم دو سال تک جھریالی جیل میں میرے ساتھ نہیں رہے کیا س سے قبل تین بار جیل نہیں جا چکے ہو کیا تمہارا نام غوث نہیں ہے۔"

"اچھا بس کرو میرے بھائی اب یہ بتا دو کہ تم کون ہو؟" غوث گڑگڑا کر بولا۔

"میں تمہارا ساتھی قامت خاں ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"غلط میرا کوئی ساتھی اس نام کا نہیں ہے۔" غوث کے لہجہ میں پھر جھلاہٹ تھی۔

"تو پھر نہ ہوگا۔' فریدی بڑی سادگی سے بولا اور پھر جانے کے لئے مڑ گیا۔

"ارے بھائی۔" غوث بڑے خوشامدانہ لہجہ میں بولا۔ "میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں مجھے صرف یہ بتا دو کہ تم کون ہو اور یہاں کس طرح سے آئے۔"

"جس طرح سے تم لائے گئے ہو۔"

"لیکن تم مجھے کیسے جانتے ہو؟"

"میں تمہیں اس وقت سے جانتا ہوں جب تم پرانی کوٹھی والی گلی میں کچی شراب بنایا کرتے تھے۔"

"میں پاگل ہو جاؤں گا۔" غوث نے اپنے بال کھینچ لئے۔

"اس کی ضرورت نہیں۔" فریدی مسکرایا۔ "میں تمہیں صرف اس شرط پر سب کچھ بتا سکتا ہوں کہ تم مجھ سے دوستی کر لو۔"

"منظور....!" غوث نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔

"اچھا اب میرے ساتھ آؤ۔" فریدی غوث کو لئے ہوئے پہاڑی کے ایک غیر آباد حصہ کی طرف چلا گیا۔

کافی دیر بعد جب فریدی وہاں سے لوٹا تو وہ بالکل تنہا تھا اور اس کی سانس بُری طرح پھول رہی تھی۔ وہ جلدی جلدی قدم بڑھاتا ہوا اپنی قیام گاہ کی طرف جا رہا تھا۔

اس طرح سے فریدی کئی آدمیوں سے ملا لیکن اس کی خبر حمید وغیرہ کو نہیں ہوئی۔ وہ روزانہ شام کو گھومنے کے بہانے نکل جاتا اور کئی گھنٹے کے بعد واپس لوٹتا اور پھر ایک دن فریدی اچانک غائب ہو گیا

فریدی کی واپسی

چھ دن بعد ایک شام کو جب فریدی واپس آیا تو اُس کے چہرے پر بڑی تازگی نظر آ رہی تھ

"بھئی حمید صاحب۔" اُس نے ہنس کر کہا۔ "واقعی یہ جگہ عجوبہ روزگار ہے۔"

"کیوں کیا دیکھا آپ نے اور آپ تھے کہاں؟"

"یوں ہی ذرا شکار۔ ہاں میرے مشاہدات تو سنئے۔" فریدی نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"یہاں کے باشندے حد درجہ کاہل ہیں۔ اُن کی کاہلی کا یہ عالم ہے کہ ہر کام کا اختصار دریا کر کے اُس پر عمل کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ تفریحات بھی اس سے نہیں بچتیں۔"

"وہ کس طرح۔"

"مثال کے طور پر انہوں نے شکار کی جگہ ٹیبل ہنٹنگ[1] کو دی ہے۔" فریدی ہنس کر بو

"میز پر بیٹھی ہوئی مکھیوں کو ایئر گن سے شکار کرتے ہیں۔"

حمید ہنس پڑا۔ فرزانہ بھی ہنسنے لگی۔ البتہ قاسم منہ پھلائے رہا۔

"یہاں کے باشندے ایک دوسرے کو دیکھ کر اس طرح بسورتے ہیں جیسے رو پڑیں گے اُن کا سلام ہے۔ سڑکوں پر چلنے والے چار چھ قدم چلتے ہیں اور پھر رک کر سوچنے لگتے ہ عورتیں آپس میں گفتگو کرتی ہیں تو ایسا جان پڑتا ہے جیسے بین کر رہی ہوں۔ ہر شخص بیزار بیزا نظر آتا ہے۔ ہر عورت اپنے ساتھ ایک بکرا رکھتی ہے اور کبھی کبھی یہ بکرے مردوں سے پڑتے ہیں۔ تندرست ترین بکرا رکھنے والی عورت کو خطاب ملتا ہے اور حمید صاحب ہم لو قربانی کے بکرے ہیں۔"

"اور اس کا مقصد....!" حمید نے پوچھا۔

"مقصد بے حد خطرناک ہے۔" میں نے ساری معلومات فراہم کر لی ہیں۔ ساری دنیا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ٹیکم گڈھ کے آگے بنجر اور غیر آباد علاقے ہیں۔ لیکن یہ غلط ہے۔ جیسے آپ دیکھ رہے ہیں۔ کسی نے کبھی اس طرف آنے کی زحمت ہی نہیں گوارا کی۔ یہاں تک کہ ادھر سے ہوائی جہاز بھی نہیں گذرتے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ٹیکم گڈھ کا اتری پہاڑی سلسلہ

[1] میز کا شکار

عبور ہے اور ہماری طرف کے لوگ اُن پہاڑی گپھاؤں کو نہیں دیکھ سکتے، جو شائد اشوک زمانے کی ہیں۔ پہاڑوں کے اندر ہی اندر ایک میل لمبی سرنگ ہے، جو ان گپھاؤں سے مغرب رف چلی آئی ہے۔ اُسی کے ذریعے ان لوگوں نے کافی فائدہ اٹھایا ہے۔ اور وہ برف کے ت.... وہ شائد اسی سال کی ایجاد ہیں۔"

"برف کے بھوت....!" قاسم اچھل پڑا۔

حمید بڑی تیکھی نظروں سے فریدی کو گھور رہا تھا۔

"اور آپ جانتے ہیں کہ میں سرجنٹ حمید ہوں ڈیوٹ نہیں ہوں۔"

"جی میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" فریدی سٹپٹا گیا۔

"مطلب؟" حمید جھلا کر بولا۔ "آخر اس میں کون سی مصلحت تھی۔"

"ہاں حمید بھائی.... ذرا بڑھ کے.... زندہ نہ جانے پائے۔" قاسم کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھو....!" حمید اُس کو گھور کر بولا۔ پھر فریدی سے کہنے لگا۔ "آپ شکل تبدیل کر سکتے لیکن آپ اس وقت کم از کم حمید کی نظروں سے نہیں چھپ سکتے۔ جب آپ اپنا کارنامہ بیان رہے ہوں۔ سمجھے جناب! آواز بدل دینے سے گفتگو کا مخصوص انداز نہیں بدلا کرتا۔"

قاسم اور فرزانہ حیرت سے حمید کی طرف تکنے لگے۔

"فریدی صاحب سے ملئے۔" حمید نے فرزانہ سے کہا۔

"کیا....؟" فرزانہ چیخی۔

"ہائیں....!" قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"معجزہ! فرق عادات۔" فرزانہ سینے پر ہاتھ رکھے اور آنکھیں پھاڑے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "اتقائے عالم میں فریدی صاحب جیسے عجوبہ کی مثال ملنی دشوار ہے.... بوالعجب.... بوالعجب۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"آخر یہ لوگ ہمیں کیوں پکڑ لائے۔"

"میں نے کہا نا کہ ہم قربانی کے بکرے ہیں۔ بہر حال کل صبح تک کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔ میں نے سوچا تھا کہ آج تمہیں اپنے ساتھ رکھوں گا لیکن...." فریدی سوچنے لگا۔

"اچھا ٹھہرو.... میں تمہیں تھوڑی دیر بعد بتاؤں گا۔" فریدی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

موت کے ہرکارے

رات تاریک تھی۔

فریدی پتھریلی زمین کے ناہموار راستوں سے گذرتا ہوا ایک سنگی عمارت کے قریب ٹھہر گیا۔

اُس نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ ایک بھیانک سناٹا ماحول پر طاری تھا۔ اُس نے اُ طرف دیکھا۔ شیشے کی کھڑکیاں بند تھیں۔ لیکن ان پر روشنی کی چھوٹ پڑ رہی تھی۔ اس دو علاقے میں ایک ایسی عمارت کا وجود فریدی کے لئے تعجب خیز تھا۔ اچانک اسے ہلکی ہلکی سی کی آواز سنائی دی اور پھر ایک عجیب قسم کی زہریلی بدبو پھیل گئی۔

فریدی نے ناک پر رومال رکھ لیا۔ کسی نے اوپر کی کھڑکی کھول دی اور گہرے رنگ کا دھواں پھیلنے لگا۔ فریدی اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا۔ کھڑکی سے کوئی شخص جھانک رہا تھا۔

وہ جب تک کھڑا رہا فریدی نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہیں کی۔ مگر جب دوبارہ اُس کھڑکی بند کر دی تب وہ آہستہ آہستہ دیوار کی طرف بڑھا۔ پتھر کے بڑے بڑے ٹکڑوں کو کاٹ بنائی گئی اس پرانی عمارت کی دیواروں پر جابجا شگاف پڑ گئے تھے اور پتھروں کی نوکیں باہر نکل تھیں۔ صرف انہیں کے سہارے فریدی اوپر تک پہنچ سکتا تھا۔ صدر دروازے کی طرف سے اتنا سخت تھا کہ ادھر سے جانے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔

فریدی نے اپنے پنجے گڑا دیئے اور پتھروں کے سہارے اوپر چڑھنے لگا۔ سسکیوں کی آواز نزدیک آتی جا رہی تھیں اور ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی تکلیف کی شدت سے کراہ رہا ہو۔

فریدی کھڑکی کے نزدیک پہنچ گیا تھا۔ اچک کر وہ کمرے کے بغل والی کھلی چھت پر آ اتنے میں کھڑکی پھر کھلی۔

"کون ہے؟" ایک بھاری بھرکم آواز فضا کے سناٹے کو چیرتی ہوئی گونجی۔

کھڑکی کھول کر اپنا آدھا دھڑ باہر نکالے ایک آدمی چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

فریدی دیوار سے اس طرح چپک گیا کہ اس پر نگاہ نہ پڑ سکے اور تھوڑی دیر بعد جب کھڑکی ہو گئی تو وہ پھر چھت سے کمروں کی طرف بڑھا۔

چھت کی طرف ایک محراب تھی اور اندر کئی کمرے تھے۔ راہداری سے گذرتے ہوئے اس کمرے کے سامنے رک گیا جہاں سے روشنی نکل رہی تھی۔

دروازہ اندر سے بھڑا ہوا تھا۔ فریدی نے ہلکے سے دھکا دیا اور اندر داخل ہو گیا۔

ایک بڑا وسیع کمرہ تھا جسے لیبارٹری کی شکل دی گئی تھی۔ فاسفورس کی تیز بو سے کمرہ بسا ہوا تھا۔ بیچ میں آرام کرسی پر ایک آدمی پڑا ہوا تھا۔ اُس کی آنکھیں کھلی تھیں اور وہ ایک ٹک چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔

فریدی کے اندر داخل ہونے پر بھی اُس کے اندر کوئی حرکت نہ ہوئی۔ اُسی طرح اس کی نگاہیں چھت کی طرف ٹنگی رہیں۔

فریدی نے اس کے قریب پہنچ کر ہاتھوں کو جھنجھوڑا۔

"یہ کیا کرتے ہو.... ارے...." پیچھے سے ایک آواز سنائی دی۔

فریدی نے گھوم کر دیکھا۔

"اوہ.... تم ہو۔" آنے والے نے کہا۔ "کیسے آئے۔"

فریدی کے چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ پھیل گئی جیسے وہ بہت ڈر گیا ہو۔ آدمی اُسے اب تک دیکھ رہا تھا۔

"کیا یہ مر گیا۔" فریدی کے منہ سے نکلا۔

"ہاں.... مگر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"اس لئے کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میرا بھی حشر ایسا ہی نہ ہو۔"

اس نے بڑے زور کا قہقہہ لگایا۔

"بیٹھ جاؤ....!" اُس نے فریدی سے کہا۔

فریدی بیٹھ گیا۔

"دراصل میں تمہاری جرأت اور بہادری سے بہت خوش ہوں۔ ورنہ حشر تو تمہارا بھی یہی ہو سکتا تھا۔ اب دیکھو.... تم ادھر سے دیوار کے سہارے چڑھ کر آئے.... پھر چھت پر کھڑے ہے۔ تم سمجھ رہے تھے کہ تمہیں کوئی نہیں دیکھ رہا ہے مگر بات ایسی نہیں تھی اور اگر میں چاہتا تو میں اُسی وقت ختم کر دیتا مگر اس کی کوئی ضرورت نہیں محسوس کی گئی۔"

"آخر اس طرح لوگوں کے لائے جانے کا مقصد کیا ہے؟ ہم واپس جانا چاہتے ہیں۔"

"کیا تمہیں کوئی تکلیف ہے۔" اُس آدمی کے لہجے میں نرمی آگئی۔

"نہیں تکلیف تو کوئی ایسی خاص نہیں.... لیکن....!"

"تم شائد بھول رہے ہو کہ یہاں سے جانے کے بعد تمہارا پھانسی پا جانا یقینی ہے گڈھ میں فزارو میں ٹھہرے تھے؟"

"ہاں....!"

"تم نے فزارو کے منیجر کو اپنی ٹامی گن سے دھمکایا۔ جانتے ہو اس سے قتل عمد کا جرم بنتا ہے؟"

"ہاں....!"

"پھر.... تم پر مقدمہ چلے گا اور تمہیں پھانسی ہو جائے گی۔"

"ہوں....!" فریدی نے کہا۔

"کچھ پڑھے لکھے ہو۔"

"ہاں....!"

"کیا ہاں، ہوں کئے جا رہے ہو۔ کیا اسی لئے میرے پاس آئے تھے۔"

"ڈاکٹر سڈلر....!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ ان میں بھیانک سرخی جھلک اٹھی۔ "یہ آدمی کون تھا۔"

ڈاکٹر ایک لمحہ کے لئے بھونچکا رہ گیا.... وہ فریدی کو بڑی حیرت سے دیکھنے لگا۔

"تم.... تم کون ہو.... یہ نام تمہیں کس نے بتایا۔"

فریدی بے اختیار ہنسنے لگا۔ وہ اٹھ کر میز کے قریب آگیا۔

"تم ابھی تو مجھے بچوں کی طرح پڑھا رہے تھے اور اب یکایک صرف اپنا نام سن کر گھبرا گئے۔"

"کون ہو تم؟" ڈاکٹر سڈلر گرجا۔ وہ فریدی کی طرف جھپٹا۔

"اوہ! ڈاکٹر! ذرا صبر سے کام لو۔ تمہیں کم از کم آج کی رات خون سے پرہیز کرنا ہے کی بو تمہارے تجربے اور سالہا سال کی محنت کو غارت کر دے گی۔"

ڈاکٹر سڈلر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"تم جانتے ہو! تم یہاں سے بچ کر نہیں جا سکتے۔" ڈاکٹر نے پُر سکون لہجے میں کہا۔

"اب اگر بتا رہے ہو تو یہ میری معلومات میں ایک اضافہ ہوگا۔"

ڈاکٹر سڈلر بے بسی کے عالم میں کھڑا تھا۔ فریدی کے ہاتھ میں نہ تو پستول تھا اور نہ رائفل۔ مگر پھر بھی وہ اتنا مطمئن تھا جیسے ڈاکٹر بالکل بے بس ہو۔

باہر شور و غل کی آواز آ رہی تھی۔ ڈاکٹر یک بیک چونکا۔

"پیارے! اس طرح نہ گھبراؤ.... باہر کوئی بھوت نہیں ہے۔" فریدی کے لہجے میں طنز جھلک رہا تھا۔ "میرے کچھ ساتھی ہیں۔ انہیں میں ہدایت دے آیا ہوں۔ وہ آ رہے ہوں گے۔"

"تم.... کمینے.... وحشی۔" ڈاکٹر نے دانت پیستے ہوئے آگے بڑھنا چاہا۔

"دیکھو یہ بُری بات ہے۔ میں بالکل نہتا ہوں۔ تمہیں اس طرح آگے نہ بڑھنا چاہئے۔" فریدی نے ہنستے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر سڈلر غصہ سے بے قابو ہو رہا تھا۔ اُس نے شیشے کی ایک نلکی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"چچ چچ! یہ کیا کرتے ہو۔ کھڑے رہو۔ یہ تو تم اچھی طرح سمجھ رہے ہو کہ میرے پاس کیا ہے؟ اس چھوٹی سی شیشی میں بھرے ہوئے مادے کے یہ ذرات جنہیں تم نے اتنی محنت سے بنایا ہے میری انگلیوں کی ذرا سی جنبش سے بکھر جائیں گے پھر اس کی تیاری میں تمہیں ایک مدت لگ جائے گی۔ تم مر کر بھی اسے تیار نہ کر پاؤ گے! اس لئے! میرے پیارے ڈاکٹر سڈلر! جہاں کھڑے ہو وہیں کھڑے رہو۔ ورنہ میں اس شیشی کو توڑ ڈالوں گا۔"

فریدی پُر سکون لہجے میں کہتا رہا۔ باہر شور کی آوازیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ لوگ دروازہ توڑ رہے ہوں۔

"دیکھو! میرے ساتھی آگئے۔ ان میں ایک تو وہ ہے جس نے تمہارے دشمن قبیلہ کے سردار کا سر توڑ ڈالا تھا۔ دوسرا میرا ساتھی ہے لیکن تمہیں یہ سن کر تعجب ہوگا کہ تمہارے اکثر وہ ساتھی بھی جو میرے ساتھ ہیں جنہیں تم اغواء کرلائے تھے اور پھر جن کو ذرا دھمکا کر پولیس کے خوف سے تم نے اپنے قابو میں کر رکھا تھا۔"

"آخر تم کون ہو؟ اور اس سب بکواس سے تمہارا کیا مطلب ہے؟"

"میں کون ہوں؟ تم نہیں جانتے؟ ڈاکٹر میرا نام سن کر تمہیں بخار آجائے گا۔ تم کانپنے لگو گے۔"

باہر شور بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ حمید اور قاسم اور ان کے ساتھی پھاٹک توڑ کر شائد اندر داخل

ہو چکے تھے۔

اچانک ڈاکٹر سڈلر نے ایک زور کی چیخ ماری اور چکرا کر گر پڑا۔

فریدی اس وقت بہت کچھ سنبھالا لینے کے بعد بھی اپنے کو قابو میں نہ رکھ سکا۔ اسے ہوا کہ شائد ڈاکٹر نے آخری وقت قریب دیکھ کر خود کشی کر لی ہے۔ فریدی اس کے ہاتھ سرنج دیکھ چکا تھا۔ اُس نے شیشی پر سے اپنے ہاتھ ہٹائے اور ڈاکٹر کی طرف بڑھا۔

ڈاکٹر بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بند نہیں۔

فریدی اُس کے قریب پہنچ کر رک گیا۔

قاسم کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ باہر گولیاں اب تک چل رہی تھیں۔ اسے فریدی کو اپنے پیر میں کوئی چیز چبھتی ہوئی محسوس ہوئی۔ بے خیالی میں وہ اچھلا اور دوسرے ڈاکٹر سڈلر کی مکمل گرفت میں تھا۔ ڈاکٹر نے اُسے کرسی سے باندھ دیا تھا درد کے مارے فرید سارا جسم پھٹا جا رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے سارے جسم میں سوئیاں تیر رہی ہوں۔

ڈاکٹر سڈلر اُس کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"کہو صاحب زادے۔" اُس نے قہقہہ لگایا۔ "اب خیریت کا خط لکھتے رہنا۔ ڈاکٹر سڈلر لڑنا آسان کام نہیں ہے۔"

"تم بھی نہ بچ سکو گے۔" فریدی پُر سکون لہجے میں بولا۔

"ابے جا مسخرے! تو نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے؟" ڈاکٹر سڈلر حقارت سے بولا۔ اچانک وہ اور میز پر ہاتھ رکھ کر اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے کوئی پروفیسر کلاس روم میں لڑکوں کے سامنے لیکچر دیتا ہے۔

"مسٹر! تم کیا کرنے آئے تھے یہاں۔ پتہ نہیں تمہاری ہمت کیسے پڑی۔ خیر! تم معمولی آدمی ہو۔ حماقت کر بیٹھے۔ اب نتیجہ بھگتنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ بلا وجہ تم نے اپنی موت کو دعوت دی ورنہ میرا تمہارا کیا مقابلہ؟" وہ پُر جوش لہجے میں بولا۔ "میری ایجاد پر دنیا کانپ اٹھے گی۔ دنیا کا ملک مجھے خریدنا چاہے گا اور جانتے ہو اس وقت میری قیمت کیا ہو گی؟ پانچ ملین ڈالر! کبھی ڈالروں کا نام خواب میں بھی سنا ہے؟ نہیں سنا ہو گا مجھے یقین ہے۔" وہ آپ ہی آپ پھر بڑبڑانے لگا۔ "باہر یہ لوگ اتنا شور کیوں کر رہے ہیں یہ کمبخت راحیل بلا وجہ ساری میگزین خالی کئے جا

رہے۔ ارے آنے دو! دو منٹ سے زیادہ ان کو مرنے میں دیر نہیں لگے گی۔"

ایک چیخ فضا میں اُبھری۔

"اوہ! غضب ہو گیا۔ راحیل شائد زخمی ہو گیا۔ اُسی کی آواز معلوم ہوتی تھی۔ اے مسٹر! ٹھہرو! مجھ سے سن لو تاکہ تمہیں حسرت نہ رہ جائے کہ مرنے سے پہلے کسی باوقار آدمی سے مقابلہ نہیں پڑا۔ مگر ٹھہرو.... مجھے راحیل کے مرنے کا افسوس کرنے دو۔ بڑا وفادار آدمی تھا۔ مگر تھا بڑا ظالم.... میں نے اپنی آنکھوں سے اُسے گلا گھونٹتے دیکھا ہے۔ مجھے خون بہانے میں ذرا بھی مزہ نہیں آتا۔ مگر اس سور کو پتہ نہیں کون سی لت تھی۔ اب یہی دیکھو! میں اگر چاہوں تو مچھر کی طرح تمہیں مسل کر رکھ دوں.... مگر نہ.... مجھے جان لیتے ہوئے رحم آتا ہے۔ ایک یاد کو مارنے سے کیا۔ گلا گھونٹ دیا۔ گولی مار دی! چھرا بھونک دیا۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ میری ایجاد دیکھو! لوگوں نے بم بنائے جن کے پھٹنے سے درجہ حرارت بڑھ جائے گا اور میں جو ایجاد کر رہا ہوں اُس سے درجہ حرارت نقطہ انجماد پر پہنچ جائے گا۔ ہر چیز جم جائے گی۔ چلتے ہوئے آدمیوں کا خون بند ہو جائے گا۔ ان کی رگیں پھٹ جائیں گی۔ مرنے میں صرف چند سیکنڈ لگیں گے۔

بس آج کی رات اور! میرا تجربہ قریب قریب مکمل ہو چکا ہے۔ میں دو روز بعد یہاں سے چلا جاؤں گا۔ پھر یہ حسین وادی وحشی قبائلیوں کے قبضہ میں آجائے گی۔ اس کا حسن بگڑ جائے گا۔ اُسے بڑی محنت سے میں نے تیار کیا تھا۔ مگر افسوس....!"

ڈاکٹر سڈلر نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور فریدی کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔

"ہیلو! مسٹر.... مگر بھئی مکاری کی حد نہیں ہوتی۔ تم تو ایسا منہ بنا رہے ہو جیسے مرنے کا ارادہ کر رہے ہو؟ یہ کیا بد تمیزی ہے! میں نے تمہیں صرف نیم بیہوشی کا ہلکا سا انجکشن دیا تھا۔" ڈاکٹر سڈلر ہنستے ہوئے بولا۔

نیچے اب بھی شور ہو رہا تھا۔ وہ لوگ شائد ڈاکٹر کے آدمیوں کو ختم کر کے سیڑھیاں طے کر رہے تھے۔

اتنے میں وسل کی آواز سنائی دی۔

"پولیس....!" ڈاکٹر سڈلر بڑبڑایا۔ "یہ کتے کہاں سے آگئے۔ انہیں راستے کا پتہ کیسے چلا۔ ضرور کسی نے غداری کی.... مگر....!" وہ آپ ہی آپ رک گیا۔

"کیا ان کے دل سے بھوت کا خوف نکل گیا۔ یہ تو بہت بُرا ہوا.... خیر دوستو آؤ! اب اس کمرے میں دو لاشیں ملیں گی۔ ایک اُس نوجوان کی اور دوسرے میرے تجربے کے بعد ڈاکٹر سڈلر تو جاتا ہے۔ تم اب اُس کی گرد بھی نہ پاسکو گے۔" وہ مسکراتے ہوئے ایک کم طرف بڑھا۔

"ماسٹر! دنیا کا ہر آدمی ہائیر سکسول یا شدید قسم کی جنسی خواہشات کا شکار ہوتا ہے۔ یہ میرے ساتھ بھی ہے۔ اب دیکھ لو کہ ایسے وقت میں بھی بغیر عورت کے نہیں بھاگ سکتا ڈاکٹر سڈلر نے کہا۔ اُس نے دراز سے کچھ کاغذات نکالے اور انہیں جلانے لگا۔

"اب یہ فارمولا کسی کو نہ معلوم ہو سکے گا۔" اس نے پھر کہا اور شیشی اٹھا کر جیب میں ر

"کتنی عورتیں! اور کتنے مرد لایا! افسوس کہ اب سب مر جائیں گے۔ مریں مجھے کیا؟ ایک دن تو مرتے ہی! آج ہی مر جائیں۔ کیا فائدہ ان کے بچنے سے، انہیں تو میں نے اکٹھ لئے کیا تھا۔ میں نہ مارتا تو قیطاری مار ڈالتے۔ پولیس پکڑ لیتی۔"

ڈاکٹر سڈلر بڑبڑاتے ہوئے دوسرے کمرے میں گیا اور ذرا ہی دیر بعد نکل آیا۔

فریدی خاموش کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے اپنے ہونٹ بھینچ رکھے تھے۔ رہ رہ کر آنکھیں چمک اٹھتیں۔ وہ اس طرح ڈاکٹر سڈلر کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے کسی بات کا منتظر ہو۔

نیچے کا شور بھیانک ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر سڈلر نے اپنے خونخوار کتے چھوڑ دیئے تھے۔ یہ لوگ فریدی کے اکسانے پر اس جہنم سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے آخری جدوجہد تھے۔ وہاں کتوں کو دیکھ کر گھبرا اٹھے۔ اُن کے قدم اُکھڑ رہے تھے۔ مگر ڈاکٹر کے ساتھی تھوڑے رہ گئے تھے۔

ڈاکٹر سڈلر بہت جھلایا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ فریدی کی جگہ اگر کوئی دوسرا ہوتا تو شا پہچان بھی نہ پاتا! سینٹل گھاٹی میں جو بھوت دیکھے گئے تھے ان میں اور ڈاکٹر میں کوئی فرق فریدی کو دیکھ کر اُس نے ایک قہقہہ لگایا۔

"تمہارے ساتھی بڑے بدتمیز معلوم ہوتے ہیں۔ انہیں اتنا بھی خیال نہیں کہ ایک دان سفر کی تیاری کر رہا ہے...." وہ ہنسا اور اچانک اُس کی آواز میں سختی پیدا ہو گئی۔ "ٹیکم گ بھی کچھ گڑبڑ ہے۔ ابھی میں نے وائرلیس سے فزارو میں منیجر اور غرتاش سے بات کرنی

کوئی جواب نہیں آیا۔ شاید پولیس کے ہتھے چڑھ گئے۔"

نیچے ہنگامہ اور تیز ہو گیا تھا۔ لوہے کے جنگلے دار دروازوں پر پولیس زور آزمائی کر رہی تھی۔ چاروں طرف بوٹوں کی کھڑکھڑاہٹ اور سیٹیوں کی آواز گونج رہی تھی۔

"تم سمجھ رہے ہو گے کہ میں پاگل ہوں، جو اتنا وقت خراب کر رہا ہوں۔ مجھے انتظار ہے اور انتظار کا وقت باتوں ہی میں کٹتا ہے۔"

بے چینی سے ٹہلتے ہوئے اُس نے گھڑی دیکھی۔

چھن کی آواز ہوئی اور کھڑکی کا ایک شیشہ ٹوٹ کر گر پڑا۔

"ارے غضب ہو گیا۔ یہ لوگ چھت پر آ گئے۔"

ڈاکٹر سڈلر کے منہ سے نکلا۔ اُس نے شیشے کی ایک پتلی سی نلکی اٹھائی اور اسے اسپرٹ لیمپ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"لو میاں! اب یہ بظاہر بیکار سی چیز کار آمد ہو جائے۔ پانچ منٹ بعد یہ پھٹے گی اور اس میں سے ایک باریک دھوئیں کی دھار نکلے گی اور وہ تم سب لوگوں کے لئے کافی ہو گی۔"

لو تیز سے بھڑک رہی تھی۔ ڈاکٹر سڈلر اُسے اسپرٹ لیمپ کے قریب لے گیا۔

"سب تیار ہے۔" پیچھے سے کسی نے کہا۔

ڈاکٹر سڈلر نے گھوم کر دیکھا۔

"اچھا....!" ڈاکٹر کے لہجے میں خوشی جھلک رہی تھی۔

آنے والا جیسے ہی مڑا ویسے ہی ڈاکٹر کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔

تابڑ توڑ کئی گولیاں کھڑکیوں کے شیشے توڑتی ہوئی گذر گئیں۔

ہوا یہ کہ فریدی اب تک بڑی خاموشی سے ڈاکٹر سڈلر کی بات سن رہا تھا۔ اس سے پہلے جب ڈاکٹر کی نظر بچی تھی وہ اپنی کرسی کھسکا کر میز کے قریب ہوتا گیا تھا۔ دوبارہ جب ڈاکٹر واپس آیا تو وہ اس کے بالکل قریب تھا۔ جیسے ہی ڈاکٹر مڑا، فریدی کرسی سمیت اس پر گر پڑا۔

ڈاکٹر اس غیر متوقع حملہ کے لئے تیار نہیں تھا۔ سنبھلتے سنبھلتے وہ گر پڑا۔ اُس کے ہاتھ سے شیشے کی نلکی گر پڑی تھی۔ اُس نے اٹھنا چاہا مگر اُس کے اٹھنے سے قبل ہی فریدی نے اپنے جسم سے پھر اُس کو دھکا دیا۔

ڈاکٹر کا ساتھی، جو اُسے اطلاع دینے آیا تھا۔ یہ دیکھتے ہی پلٹ پڑا۔ بے تحاشہ اُس نے فریدی پر کرسی کھینچ ماری۔ فریدی غالباً اس کے لئے تیار تھا ذرا سا جیسے وہ ہٹا پوری کرسی ڈاکٹر سڈلر کے اوپر پڑی۔

جھنجھلا کر اُس نے لوہے کا ایک موٹا سا رول اٹھایا۔

اتنے میں دو آدمی کھڑکیوں کے راستے سے اندر کود آئے۔

"حمید بھائی.... دیکھتے ہو سالے کو۔" کہتے ہوئے قاسم ڈاکٹر کے ساتھی پر ٹوٹ پڑا۔

حمید نے جلدی جلدی فریدی کی رسیاں کھول دیں۔ اُس کی آنکھوں میں جیسے خون اُتر آیا تھا۔

ڈاکٹر سڈلر خاموش پڑا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ وہ بازی ہار گیا ہے لیکن اب بھی امید تھی۔ حمید کو فریدی کی طرف متوجہ پاکر اور قاسم کو اپنے ساتھی سے لڑتا ہوا دیکھ کر ڈاکٹر سڈلر نے موقع کو غنیمت جانا۔ چپکے چپکے وہ سرکتا ہوا دروازے کے قریب آیا اور پھر جلدی سے اٹھ کر بھاگا۔

حمید نے دیکھ لیا بے اختیار اُس نے کئی گولیاں خالی کر دیں۔

اور پھر یکایک دہشت کے مارے اُس کے ہاتھ سے پستول چھوٹ کر گر پڑا۔ سیتل گھاٹی والا بھوت اُس کے سامنے تھا۔ وہ گولیاں برسا رہا تھا اور گولیاں اس پر اثر نہیں کر رہی تھیں۔

فریدی چھوٹتے ہی ڈاکٹر کی سمت میں دوڑا۔ پہلے کمرے کو پار کرتے ہی اُسے شعلے دکھائی دیئے۔ ڈاکٹر نے بھاگتے ہوئے آگ لگا دی تھی۔

"حمید.... نیچے اتر جاؤ۔" فریدی وہیں سے چلایا۔

آگ بڑی تیزی سے پھیل رہی تھی۔ لکڑی کے تختے ٹوٹ رہے تھے اور بڑے بڑے پتھروں کے ٹکڑے ہوا میں اڑ رہے تھے۔

حمید اور قاسم پولیس کے ہمراہ عمارت خالی کر چکے تھے۔ ڈاکٹر سڈلر کے سب ہی ساتھی یا تو مارے گئے یا گرفتار کئے جا چکے تھے۔ آگ بجھانے کا کام تیزی سے جاری تھا۔ مگر ایسا لگتا تھا جیسے ساری عمارت جلا کر ہی آگ دم لے گی۔

مگر اس ہنگامے میں فریدی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ حمید چاروں طرف اُسے ڈھونڈ رہا تھا۔ گھبرا گھبرا کر وہ میجر نصرت سے پوچھتا اور پھر ڈھونڈھنے لگتا۔

اچانک آگ کے شعلوں میں فریدی اُسے دکھائی دیا۔ وہ جلتی ہوئی ایک شہتیر کے سہارے

آگے بڑھ رہا تھا۔

"فریدی صاحب! خدا کے لئے۔" حمید چلایا۔ اس کی آواز بھرا گئی۔ وہ پاگلوں کی طرح دوڑا۔

"دیکھ رہے ہو.... خدا کی قسم.... یہ آدمی کا کام نہیں ہے.... فریدی صاحب۔" حمید پھر چلایا۔ "لوٹ آیئے...." وہ دوڑنے لگا۔

مگر فریدی نے کوئی دھیان نہیں دیا۔ وہ تیزی سے ایک طرف کود گیا۔ ڈاکٹر سڈلر بھاگ رہا تھا۔ اُس نے اپنے فرار کے راستے خود ہی مسدود کر دیئے تھے۔

فریدی اس کے پیچھے پیچھے آرہا تھا۔ ایک کنگورے کے پاس آکر وہ رکا۔ چاروں طرف شعلے بھڑک رہے تھے۔ فریدی کو نہ پاکر اُس نے اطمینان کی سانس لی۔ پنجوں کے بل اُس نے اترنا چاہا۔

ایک آہنی ہاتھ اس کی گردن پر پڑا۔ ڈاکٹر تلملا کر مڑا۔

سامنے فریدی کھڑا تھا۔

"تمہیں اب بھی شبہہ ہے کہ تم زندہ بچ سکو گے؟" دانت پیستے ہوئے وہ فریدی کی طرف بڑھا۔

"ڈاکٹر.... فریدی اپنے شکار کو زندہ پکڑنا بھی جانتا ہے۔"

"فریدی.... تم.... تم ہندوستانی کتے۔" ڈاکٹر پھٹی پھٹی نگاہوں سے گھورتا ہوا بولا اور پھر بے تحاشہ وہ فریدی پر ٹوٹ پڑا۔

فریدی ذرا سا ہٹا۔ پھر اُس نے تان کر ایک گھونسہ ڈاکٹر کی ناک پر جما دیا۔ پھر دوسرا پھر تیسرا، پھر چوتھا۔

ڈاکٹر سڈلر لڑکھڑایا اور پھر تیورا کر گر پڑا۔ اُس کا سارا منہ خون سے تر تھا۔

فریدی کئی جگہ سے بُری طرح جل گیا تھا۔ جا بجا خراشیں آگئی تھیں۔ کنگورے پر کھڑے ہو کر وہ چلایا۔

نیچے لوگ آگ بجھانے کے سلسلے میں بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ فریدی کی آواز سن کر وہ ٹھہر گئے۔ منٹوں میں رسیوں کے ذریعہ ڈاکٹر سڈلر اور فریدی نیچے اتار لئے گئے۔

فریدی کو دیکھ کر حمید کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ مگر وہ منہ پھلا کر بیٹھ گیا۔

"شکار کھیلنے تشریف لائے تھے! بڑے بالوں والی لومڑیوں کا شکار! ہونہہ!" حمید بڑبڑانے لگا۔

امن کا دشمن

دوسرے ہی دن سب لوگ ٹیکم گڈھ لوٹ آئے۔

غرتاش اور اُس کے دو ساتھی اور فزارو کا منیجر پہلے ہی حراست میں لے لیا گیا تھا۔ ڈاکٹر سڈ تو پولیس کی حراست میں تھا ہی۔

تمام واقعات اس طرح اچانک اور ڈرامائی طور پر پیش آئے تھے کہ ہر شخص حیران تھ خصوصاً ڈاکٹر سڈلر کی شخصیت اور اُس کے بھوت کا راز بھی لوگوں کیلئے ایک معمہ سے کم نہ تھا۔

میجر نصرت کے یہاں فریدی کی دعوت تھی۔ حمید اُس روز بہت چہک رہا تھا۔ بغل م قاسم دانتوں میں انگلیاں دبا کر شرما رہا تھا۔

"حمید بھائی.... وہ مجھے گھور رہی ہے۔"

"تم بھی گھورنا شروع کردو۔"

"سچ....!" قاسم نے کہا اور باقاعدہ طور پر آنکھیں نکال کر فرزانہ کو گھورنے لگا۔

"اُن کا وہ سامان تو آپ نے دیکھ ہی لیا ہوگا جس کے ذریعہ وہ بھوتوں کا بہروپ بھرتے تھ سفید فرکا وہ لباس، جو رات کو برف کی طرح سفید نظر آتا تھا۔ ڈیڑھ فٹ لمبے مصنوعی پنجے جے جوتوں کی طرح پہنتے تھے اور لباس کے نیچے پہننے کے بلٹ پروف اور سب سے زیادہ حیرت اُ وہ مشین جس سے وہ برف کے ذرات منتشر کرتے تھے۔ اس کا ایک ربڑ کا پائپ برف میں ڈال جاتا تھا اور دوسرا سرا مصنوعی بھوت کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ مشین چلتے ہی برف کے ذرات پا میں کھنچنے لگتے تھے اور ہاتھ والا سرا انہیں بڑے فورس کے ساتھ منتشر کرتا رہتا تھا۔"

فریدی میجر نصرت کو سمجھا رہا تھا۔ حمید بھی آکر بیٹھ گیا تھا۔

"لیکن مقصد.... آخر اس سے انہیں فائدہ کیا ہوا۔"

"حمید صاحب! یہی تو اصل کہانی ہے۔ ڈاکٹر سڈلر پر جنگ کے بعد اس کی حکومت غداری، بغاوت اور سازش کے الزام میں مقدمہ چلایا تھا۔ لیکن کسی نہ کسی طرح وہ نکل بھاگنے کامیاب ہوا۔ اس کے دو سال بعد اخباروں میں یہ خبر شائع ہوئی کہ ٹیکم گڈھ کے نزدیک ایک

دیکھا گیا تھا۔ میرے حافظہ میں یہ چیز محفوظ تھی۔ اسی زمانہ میں اغواء کی وارداتیں ہونے جسے بدقسمتی سے یہ سمجھا گیا کہ لوگ دراصل برف باری اور شکار کی وجہ سے مر رہے ہیں ں نے اپنی سمجھ کے مطابق تاویل کی اور ڈاکٹر سڈلر کا مقصد بھی یہی تھا۔ اُس نے خوب فائدہ اشوک اعظم کے زمانے کی گپھاؤں اور سرنگوں کے ذریعہ وہ پہاڑیوں کے اس پار پہنچ گیا پر اُس نے اپنی لیبارٹری قائم کی۔ لیکن جلد ہی ایک خطرہ اُس کے سامنے آگیا۔ وہاں پر بسنے لے قیطاری قبیلہ کے لوگ اُس کے دشمن ہوگئے اور اُس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ڈاکٹر نے اُس قبیلہ کی عورتوں کو پکڑوالیا تھا۔ اُسے اپنے زہریلے، مہلک اور تباہ کن آلات کے تجربے کے مردوں کی بھی ضرورت تھی۔ چنانچہ ان کی طرف سے خطرہ دیکھ کر اُس نے بلیک میلنگ شروع کی.... اُس نے ایسے لوگوں کو اپنے گرد اکٹھا کرنا شروع کیا، جو جرائم پیشہ تھے اور پھر انہیں ذریعہ اُس نے اغواء کی وارداتیں شروع کردیں، جو مرد یہاں سے جاتے تھے اُن میں سے اکثر کے تجربے کا شکار ہو جاتے تھے اور پیشتر قیطاریوں سے لڑنے کے لئے رکھے جاتے تھے۔

گرومی کی لڑکی غائب ہونے کے بعد لوگوں کا دھیان جب سیتل گھاٹی کی طرف گیا اور خود ی بھی اس شکست پر جھنجھلا کر منتقمانہ کاروائیوں پر اتر آیا تو ڈاکٹر سڈلر نے بھوت کا ناٹک رچا لوگوں کو توہمات میں پھنسا کر خوف زدہ کرنا چاہا۔

میں جب یہاں آیا ہوں اور میرے سامنے فرزانہ کی بیہوشی اور پاگل پن کا واقعہ گذرا ہے، ب ہی سے مجھے یقین ہوگیا تھا کہ اس کے پیچھے کوئی بہت زبردست دماغ ہے وہ انجکشن اس قسم کا کہ اس کے بارے میں اپنے یورپ کے قیام کے درمیان میں نے سنا تھا۔ معاً میرا ذہن ڈاکٹر ڈلر کی طرف گیا۔ میں نے واقعات کی کڑیاں ملانی شروع کردیں۔ پرانے ریکارڈ دیکھے۔ واقعات انوعیت پر غور کیا اور میرا شک یقین میں بدل گیا۔ یہاں تک کہ ایک رات مجھے بھی ایک عام شکاری سمجھ کر پکڑا گیا۔ غرتاش اور فزارو کا منیجر ڈاکٹر سڈلر کے خفیہ ایجنٹ کا کام کررہے تھے۔ نہیں کے آدمیوں کے ذریعہ میں اور مجھ سے پہلے حمید اور قاسم ڈاکٹر سڈلر کی لیبارٹری تک پہنچے

انے ایک چھوٹی موٹی سی ریاست قائم کررکھی تھی۔ اگرچہ سرنگ کے ذریعہ مجھے لے جایا ہ تھا اور اس بات کی پوری کوشش کی گئی تھی کہ راز داری سے کام لیا جاسکے پھر بھی میں اپنے ذہن میں سمتوں کے ذریعے رستوں کے نقشے مرتب کرتا گیا۔ وہاں پہنچنے کے بعد مجھے کئی مجرم

ایسے دکھائی دیئے جنہیں میں جانتا تھا۔ خفیہ طور پر میں معلومات حاصل کرتا رہا۔ ڈا
ساتھیوں میں سے کئی ایسے تھے جو وہاں سے نکل بھاگنا چاہتے تھے۔ انہوں نے سارا راز ا
غوث نے اس سلسلے میں سب سے زیادہ مدد دی۔ اسی نے مجھے بتایا کہ سات دن بعد ڈاک
یہاں سے چلا جائے گا۔ وقت کم تھا۔ میں اُسی شام کو وہاں سے روانہ ہو گیا۔ قیطاریوں کے
یقین دلانے کے بعد کہ انہیں ڈاکٹر سڈلر کی چیرہ دستیوں سے نجات مل جائے گی۔ مجھے ا
بھی بڑی مدد ملی اور جو راستہ چھ دن میں طے ہونا تھا وہ صرف ڈھائی دن میں طے ہو گیا۔ ٹیکا
پہنچ کر سب سے پہلے غرتاش اور فزارو کے منیجر کو حراست میں لیا گیا۔ پھر میجر نصرت کو
دے کر میں واپس لوٹ آیا۔ میں نے ایک ایک گھڑی کا حساب لگایا تھا۔ میجر نصرت گو کہ ا
چلے اور اُسی رات کو پہنچے جب انہیں پہنچنا چاہئے تھا۔ مگر پھر بھی انہیں ایک گھنٹہ کی دیر ہو
اتنی پریشانی اٹھانی پڑی۔" فریدی رک گیا اور اس نے ایک گہرا کش لیا۔

"مگر آپ نہتے کیوں گئے تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"اُس کے کمرے میں پستول لے کر جانا بے کار تھا۔ پھر میرا مقصد اُسے زندہ گرفتار
اس لئے کہ وہ کوئی معمولی مجرم نہیں ہے۔ اس نے ساری دنیا کو تباہی کے غار میں دھکیلنے
بنایا تھا اور اگر وہ اپنی ایجاد میں کامیاب ہو گیا ہوتا تو کسی جنگ باز ملک کے ہاتھ اُسے فر
کر کے امن کے لئے ایک مستقل خطرہ بن جاتا۔" فریدی نے کہا۔

"فریدی صاحب! پھر وہ تگڑی تگڑی عورتوں کا لالچ اور اتنی خاطر کیوں کرتے تھے؟
نے معصومیت سے کہا۔

"یہ نہیں جانتے کہ قربانی کے بکروں کی قربانی سے پہلے خوب خاطر کی جاتی ہے۔"
نے کہا۔ سب لوگ ہنسنے لگے۔ قاسم پہلے تو پاگلوں کی طرح سب کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر آ
آپ ہنسنے لگا۔

واپسی پر قاسم راستے بھر چہکتا رہا۔

"آپ تو جانتے ہی ہیں فریدی صاحب۔" ایک دن اُس نے شرما کر کہا۔

"کیا جانتا ہوں۔"

"وہی.... یعنی کہ.... حمید بھائی نے جو ایک بار مجھ سے کہا تھا۔"

"کیا کہا تھا۔"

"یہی کہ تم وہ کر لو۔"

"کیا کر لو۔"

"یہی تو کہا تھا کہ اُن سے وہ کر لو.... تو وہ ہو گیا.... انہیں بھی اور مجھے بھی۔"

"کیا ہو گیا؟ کچھ تو بتاؤ۔" فریدی بھی تفریح کے موڈ میں تھا۔

"اجی وہی.... ہی ہی ہی۔" قاسم دانتوں تلے انگلی دباتے ہوئے نظریں جھکا کر آہستہ سے
"عشق۔"

"عشق....!" فریدی نے حیرت سے کہا۔ "اتنا بڑا ڈیل ڈول لے کر عشق کرتے ہوئے
ں شرم نہ آئے گی۔"

"شرم تو آتی ہے۔" قاسم نے بڑی معصومیت سے کہا۔

"اور میں نے سنا ہے کہ تمہاری شادی بھی ہو چکی ہے۔"

"ہو تو چکی ہے.... مگر....!"

"مگر کیا؟"

"وہ مجھ سے ڈرتی ہے۔ مجھے دیکھتے ہی چیخ مار کر بیہوش ہو جاتی ہے۔ ارے لاحول.... چیخ مار کر۔"

"تم نے یقیناً کسی موقع پر اُسے ڈرا دیا ہو گا۔"

"اجی نہیں.... لاحول ولا.... میں تو اُس سے شروع ہی سے ہنسی مذاق کرتا رہا ہوں۔"

"اچھا.... ذرا بتانا تو.... میں بھی دیکھوں کہ تمہارے ہنسی مذاق کا کیا معیار ہے۔"

"میں کبھی کسی سے ہنسی مذاق نہیں کرتا۔ بہت سنجیدہ آدمی ہوں۔" قاسم نے کہا۔ "مگر
رے دوستوں نے مجھے سمجھا دیا تھا کہ پہلے ہنسی مذاق کرنا۔ تو جناب میں نے جاتے ہی مذاق ہی
ق میں مسہری کے دونوں پائے پکڑ کر.... اُسے مسہری سمیت سر سے اونچا اٹھا لیا۔ بس
سب وہ نہ جانے کیا سمجھی کہ چیخ مار کر بیہوش ہو گئی۔ الا قسم میں ہنس رہا تھا کوئی غصے میں تھوڑا ہی
ا کیا تھا۔"

فریدی ہنسنے لگا اور قاسم پھر بولا "میں نے اُسے تین طلاقیں زبانی دے دی ہیں اگر زیادہ تاؤ
لایا گیا تو لکھ کر بھی دے دوں گا۔ تو پھر آپ کیا کہتے ہیں۔"

"کس کے لئے۔"

"یہی کہ اگر وہ ہو جائے تو کیا حرج ہے۔"

"کیا ہو جائے....!"

"ہی ہی ہی.... شش.... شادی۔"

"فرزانہ سے۔" فریدی نے بگڑ کر پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"کیوں بکتے ہو.... اس کے بڑے بڑے الفاظ ہضم کر سکو گے۔"

"میں لغات کا مطالعہ شروع کر دوں گا۔ آپ وہ کرا دیجئے۔"

"وہ کرنل کی بیٹی ہے۔"

"تو میں کسی بھٹیارے کی اولاد نہیں ہوں۔" قاسم بگڑ کر بولا۔ "اگر کرنل صاحب انکار کر دیں گے تو میں سو بار انکار کر دوں گا۔ کیا سمجھتے ہیں وہ اپنے کو۔ میں کسی اور سے وہ کرلوں ہاں.... ایسے ایسے کرنل میری جیب میں رکھے رہتے ہیں.... ہاں۔"

قاسم بڑبڑاتا رہا اور سورج غروب ہو گیا۔

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 34

پرہول سناٹا

(مکمل ناول)

پیش رس

"پر ہول سناٹا" میں ابن صفی نے ایک نیا تجربہ کیا ہے۔

مجرم ذہن کس طرح اپنے حالات پر پردہ ڈالتا ہے؟ وقت آنے پر ا
کتنا بے رحم، سفاک اور درندہ صفت ثابت ہو سکتا ہے؟ اس کا اندازہ اس کہا
کے دو بھیانک کرداروں سے ہو سکے گا۔ اس کہانی کی دوسری اہم خصوصیت
یہ ہے کہ وہ لوگ جو سوسائٹی کے ایک اہم رکن سمجھے جاتے ہیں، جن کے
عزت و وقار کی داستانیں زبان زد ہوتی ہیں وہ اگر جرائم پر اتر آئیں تو کتنے
خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔

"پر ہول سناٹا" ہمیں ابن صفی کے ان گذشتہ کارناموں کی بیساختہ یا
دلاتا ہے جن میں "فریدی اور لیونارڈ"، "مصنوعی ناک"، "موت کی
آندھی" اور "نیلی روشنی" خاصی شہرت رکھتے ہیں۔

"پر ہول سناٹا" پڑھ کر آپ یہ محسوس کریں گے کہ ابن صفی کا یہ
شاہکار اپنے ان سابقہ کارناموں کو کہیں پیچھے چھوڑ گیا ہے۔ اب تک انہوں
نے جتنے بھی کارنامے پیش کیے ہیں "پر ہول سناٹا" تحیر و استعجاب، اسرار،
سراغرسانی رونگٹے کھڑے کر دینے والے واقعات کے اعتبار سے سب سے
بازی لے گیا ہے۔ فریدی نے جو کارنامے انجام دیئے ہیں وہ اپنی جگہ پر اٹل
ہیں لیکن حمید بھی اس بار بہت آگے رہا ہے۔

پبلشر

خبطی اجنبی

سرجنٹ حمید حقہ پی رہا تھا۔ عادتاً یا ضرورتاً نہیں بلکہ شرارتاً۔ مقصد فریدی کو تاؤ دلا کر بند
رے سے باہر نکالنا تھا۔ حقہ ایک نوکر کا تھا جسے حمید نے فریدی کے بند دروازے کے قریب رکھ
کش لگانے شروع کر دیئے تھے۔

فریدی کے کمرے کا دروازہ ایک جھٹکے کے ساتھ کھلا۔

فریدی چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر آگے بڑھ کر اس نے اس کے دونوں کان پکڑ لئے، حمید
ں کے باوجود بھی نہایت پُر سکون انداز میں حقہ پیتا رہا۔

بہرحال حقے کے نے اس وقت اس کے منہ سے نکلی جب فریدی نے فرشی پر ٹھوکر رسید
ردی۔ حقہ پھسلتا ہوا صحن میں جا گرا۔

حمید ذرہ برابر پرواہ کئے بغیر فریدی کے کمرے میں جا گھسا اور پھر اس نے بچوں کی طرح
فلتاری لگا کر اپنا انگوٹھا چوسنا شروع کر دیا۔ فریدی بھی اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں گھسا تھا۔

"آپ بھی چوسئے نا۔" حمید نے اپنے منہ سے انگوٹھا نکال کر کہا اور پھر چوسنے لگا اور ساتھ
ی وہ شرارت آمیز نظروں سے سینما کی اس چھوٹی مشین کو دیکھ رہا تھا جو فریدی نے ایک اونچے
سٹول پر فٹ کر رکھی تھی۔

"ہم بھی چھینما دیکھیں گے۔" حمید نے بچوں کی طرح تتلا کر کہا۔ "پھلیدی چھاہپ.... ہم
بھی چھینما دیکھیں گے۔"

"اچھا تو تم شائد یہ سمجھ رہے ہو کہ میں نے یہ اپنی دلچسپی کے لئے نکالی ہے۔" فریدی ایک
خشک سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"نہیں حضور! میں سمجھتا ہوں کہ ابھی آپ بوڑھے نہیں ہوئے۔" حمید نے منہ سے انگوٹھا
نکال کر کہا۔ "ویسے اس کام کے لئے کمرہ بند کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"بکو مت۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "تم حقہ کیوں پی رہے تھے؟"

"ہاتھی کی دم تو نہیں چوس رہا تھا۔" حمید نے بھی اُسی انداز میں کہا۔

"ہزار بار سمجھا دیا کہ موقع محل دیکھا کرو۔"

"اوہو! تو کیا حقہ آپ کے موقع محل میں حارج ہو رہا تھا۔" حمید ہاتھ نچا کر بولا۔ "خوب! اب ہم حقہ بھی نہ پئیں۔ کبھی کبھار تھوڑی سی منہ کا مزہ بدلنے کے لئے پی لو تو مصیبت اور حقہ بھی نہ پینے دیا جائے گا۔ سنا آپ نے! کان کھول کر سنئے! حقہ پیا جائے گا۔ میرے باپ دادا سب حقہ پیتے آئے ہیں۔ آپ شخصی آزادی پر حملہ کر رہے ہیں۔"

"گلا گھونٹ کر مار ڈالوں گا۔"

"فکر نہیں۔" حمید لاپروائی سے بولا۔ "قاتل کا سراغ مجھے آسانی سے مل جائے گا۔"

"نکل جاؤ۔" فریدی نے اُسے دروازے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

"ایک ریل دیکھ کر جاؤں گا۔" حمید بولا۔ "کہئے تو پاس پڑوس کے بچوں کو پھسلا کر لے آؤں ان سے کم از کم دو دو پیسے تو وصول ہی ہو جائیں گے۔"

فریدی کوئی جواب دینے کی بجائے مشین پر فلم کی ریل چڑھانے لگا۔ پھر سامنے والی دیوار اس نے عکس ڈال کر دیکھا اور مشین بند کر دی۔

حمید اوٹ پٹانگ باتیں کرتا رہا لیکن شائد فریدی نے کان نہ دھرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ اس نے اسے دھکے دے کر کمرے سے نکالا اور کمرے کو مقفل کرنے کے بعد اس کی گردن پکڑے ہوئے لائبریری میں آیا۔

"سنو....!" وہ اُسے جھنجھوڑ کر بولا۔ "ابھی یہاں ایک نیم پاگل آدمی آئے گا اور تم اپنی زبان کو قابو میں رکھو گے! سمجھے۔"

"تو گردن چھوڑیئے نا۔" حمید جھنجھلا کر اس کی گرفت سے نکل گیا۔ چند لمحے بُرا سا منہ بنائے اُسے گھورتا رہا پھر جھلا کر بولا۔ "کیا میں گدھا ہوں۔"

اس کے بعد وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا لیکن فریدی نے بڑے پُر خلوص انداز میں سر ہلا کر اُس کے ادھورے جملے کی تائید کر دی۔

"آپ ریچھ نچایئے۔" حمید چیختا رہا۔ "ڈگڈگی بجایئے! مجھے کیا.... اور اگر آپ یہاں کسی

اجنبی کو مدعو کر رہے ہیں تو مجھ سے مطلب! میری زبان فالتو نہیں ہے، جو آپ کے گھٹیا کام کے سلسلے میں تکلیف اٹھائے۔ آخر آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں۔"

"اُلو....!" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"مجھے جملہ پورا کرنے دیجئے۔" حمید گردن جھٹک کر بولا۔

بات کچھ اور بڑھتی لیکن ایک نوکر نے یہ سلسلہ ختم کر دیا۔ اسکے ہاتھ میں ایک ملاقاتی کارڈ تھا۔

"اوہ ٹھیک ہے۔" فریدی کارڈ پر ایک اچٹتی سی نظر ڈال کر بولا۔ "انہیں بٹھاؤ۔"

فریدی اپنے کمرے میں چلا گیا اور حمید نے ڈرائنگ روم کی راہ لی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ملاقاتی کون ہو سکتا ہے۔ وہ وزیٹنگ کارڈ پر اس کا نام بھی نہیں پڑھ پایا تھا۔

ڈرائنگ روم میں ایک پستہ قد لیکن بھاری بھرکم آدمی نظر آیا جس کی پشت دروازے کی طرف تھی اور وہ شائد دیوار سے لگی ہوئی ایک پینٹنگ دیکھ رہا تھا۔ حمید کی آہٹ سن کر اچانک پلٹا۔ آدمی معمر تھا لیکن خدوخال بچکانہ تھے۔ چہرہ بھرا ہوا اور ڈاڑھی مونچھوں سے بے نیاز تھا۔ رخساروں کی جلد کی ہلکی سی نیلاہٹ کہہ رہی تھی کہ وہ روزانہ شیو کرنے کا عادی ہے۔ آنکھوں میں طفلانہ شوخی کی ہلکی سی جھلک تھی جو اس کی کشادہ پیشانی کے پُر وقار نشیب و فراز کی موجودگی میں کسی شعر کی شترگربگی کی طرح کھٹکتی تھی۔ عمر چالیس اور پچاس کے درمیان میں رہی ہوگی۔ وہ چائنا سلک کی پتلون اور ہلکی نارنجی رنگ کی ریشمی قمیض میں ملبوس تھا۔

حمید کو دیکھ کر اس طرح چونک کر خوش آمدید کہنے والے انداز میں مسکرایا جیسے حمید اس کا پرانا شناسا ہو۔ لیکن پھر سنبھل گیا اور اس کے چہرے پر فوری خجالت کے آثار نظر آنے لگے۔

"میرے ساتھ ایک صاحب اور تھے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "وہ چند لمحے کیلئے باہر گئے ہیں۔"

"تشریف رکھئے۔" حمید نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

"میں یہ پینٹنگ دیکھ رہا تھا۔" اس نے خواب ناک آواز میں کہا۔ حمید وہ تصویر دیکھنے لگا جس کی طرف اجنبی کا اشارہ تھا۔ یہ کسی استوائی خطے کی تصویر تھی جس میں ربر کے اونچے اونچے درخت تھے اور پیش منظر میں کچھ سیاہ فام آدمی اپنے کاندھوں پر ربر اکٹھا کرنے کے برتن اٹھائے چلتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

"پتہ نہیں۔" اجنبی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں نے ان آدمیوں

اور درختوں کو قریب سے دیکھا ہو۔ ٹھہریئے! مجھے سوچنے دیجئے۔"

دفعتاً حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی آنکھوں کی طفلانہ شوخی یک بیک غائب ہو گئی اور اس کی جگہ ایک ایسی سنجیدگی نے لے لی ہو جو عموماً ساٹھ یا ستر سال کے تجربات کا نتیجہ ہوتی ہے۔ کشادہ پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں اور چہرے پر بے چینی کے آثار پیدا ہو گئے۔ یہ کیفیت شاید منٹ تک رہی پھر وہ گردن جھٹک کر بولا۔ "اونہہ! ہوگا کچھ! آخر میں کچھ یاد کرنے کی کوشش کیوں کر رہا ہوں۔"

اس نے یہ جملہ اس انداز میں کہا تھا جیسے خود کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہو۔ پھر اس نے فریدی سے کہا۔ "ایسا بھی تو ہوتا ہے۔ کم از کم میرے ساتھ اکثر ایسا ہوا ہے۔ میں جو خواب بھی دیکھتا ہوں اس کے متعلق خواب ہی میں سوچنے لگتا ہوں کہ یہ خواب تو میں پہلے بھی کبھی دیکھ چکا ہوں۔ غالباً آپ بھی....!" اس کا جملہ پورا نہیں ہوا تھا کہ فریدی آگیا۔

"اوہو.... انسپکٹر صاحب۔" اجنبی مصافحہ کرنے کے لئے فریدی کی طرف بڑھتا ہوا۔ "آپ یہاں کہاں۔"

"میں یہیں رہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن ناصر میاں نے تو مجھ سے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ آپ کے یہاں آرہے ہیں۔ وہ گئے ہیں ابھی آجائیں گے۔"

"نہ بتایا ہوگا۔ ناصر میرے گہرے دوستوں میں سے ہیں۔"

"وہ تو میں جانتا ہوں۔" اجنبی نے کہا اور پھر اس تصویر کی طرف دیکھنے لگا۔

فریدی اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا اور اجنبی پر اچانک اتنی محویت طاری ہو گئی تھی جیسے اُسے وہاں اپنے علاوہ دوسرے آدمیوں کی موجودگی کا احساس نہ ہو۔

"کیا آپ کو کچھ یاد آرہا ہے۔" فریدی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

وہ چونک کر فریدی کی طرف مڑا اور اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"مجھے کیا یاد آرہا ہے؟" اُس نے آہستہ سے کہا پھر اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔ "میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھے کیا یاد آرہا ہے.... لیکن یہ درخت.... اور یہ سیاہ فام آدمی.... میں شائد انہیں جانتا ہوں۔ نہ جانے کیوں.... نہ جانے کیوں.... کیا آپ بتا سکیں گے کہ یہ کہاں کا منظر ہے۔"

"جنوبی امریکہ.... آمیزن بیسن۔" فریدی نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

حمید ان دونوں کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ اجنبی نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر اپنی جیبیں ٹٹولیں اور سگریٹ کا پیکٹ نکال کر بولا۔ "کبھی نہیں.... میں جنوبی امریکہ کبھی نہیں گیا.... پھر مجھے یہ سب کیوں محسوس ہوتا ہے؟"

"اکثر ہوتا ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"آپ بھی محسوس کرتے ہیں۔" اجنبی نے پُر اشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں سبھی محسوس کرتے ہیں۔ آیئے آپ کو اپنا گھر دکھاؤں۔"

"ضرور.... ضرور۔" اجنبی مسکرا کر بولا۔

پھر فریدی اُسے پوری عمارت میں گھما کر اس کمرے میں لایا جہاں اُس نے سینما کی مشین تیار کر رکھی تھی۔

"ناصر تو کہتے تھے کہ آپ انسپکٹر ہیں۔" اجنبی نے کہا۔ "لیکن آپ تو لارڈوں کی طرح رہتے ہیں۔ انگلینڈ میں میرا ایک دوست لارڈ جیروم ہے۔ اس کا مکان بھی اتنا شاندار نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ کا عجائب خانہ ہی کم از کم چالیس ہزار پاؤنڈ کا ہوگا۔"

"ہو سکتا ہے.... یہ سرمایہ دراصل خاندانی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اور اس کے باوجود بھی آپ انسپکٹری کرتے ہیں۔" اجنبی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اب میں آپ کو کچھ دلچسپ فلمیں دکھاؤں گا۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ! ضرور ضرور.... کیا خود آپ کی فوٹو گرافی ہے۔"

"نہیں! لیکن میری پسندیدہ ریلیں ہیں۔"

حمید سوچ رہا تھا کہ آخر وہ کون ہے؟ کیا فریدی نے وہ مشین اسی کے لئے فٹ کی تھی۔ ناصر کا حوالہ اجنبی نے دیا تھا فریدی کے دوستوں میں سے تھا اور حمید بھی اُسے اچھی طرح جانتا تھا۔ لیکن ناصر اس وقت تھا کہاں؟ اجنبی کے بیان کے مطابق وہی اُسے یہاں تک لایا تھا۔ فریدی سے تو اُس کی توقع مضحکہ خیز تھی کہ وہ اپنے کسی مہمان کو اچھل کود والی فلمیں دکھا کر محظوظ کرے گا۔

"ذرا دروازہ بند کر دینا۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

پھر کمرے میں اندھیرا ہو جانے کے بعد فریدی نے مشین کا سوئچ آن کر دیا سامنے والی دیوار

پر تصویروں کا عکس پڑنے لگا۔

حمید کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے یہ دیکھا کہ مناظر ربر کے جنگلوں کے سیاہ فام آدمی درختوں کے تنوں سے ربر اکٹھا کرنے کے برتن لٹکا رہے تھے۔ کہیں تنور سورا خ کئے جا رہے تھے کہیں بھرے ہوئے برتن اتارے جا رہے تھے۔ ریل چلتی رہی.... اجنبی چیخنے لگا۔

"یورو کاشی.... سومسٹ اِٹ راؤٹ.... زیبو.... گیٹالی.... اِٹ رال بون۔"

وہ پھر خاموش ہو گیا۔ یہ زبان حمید کی سمجھ میں نہ آ سکی۔ البتہ وہ دھندلی روشنی میں اجنبی کا تمتماتا ہوا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی قسم کا جوش دبانے کی کوشش کر رہا ہو۔ فریدی چپ چاپ مشین چلاتا رہا۔ حمید نے فریدی کی طرف دیکھا جس کا داہنا ہاتھ تو مشین سے الجھا ہوا تھا لیکن آنکھیں اجنبی کے چہرے پر تھیں۔

ریل ختم ہو گئی اور حمید نے کمرے میں روشنی کر دی۔ اجنبی چونک کر اس طرح اپنی آنکھیں ملنے لگا جیسے سوتے سوتے جاگا ہو۔ پھر اس نے چندھیائی ہوئی آنکھوں سے فریدی اور حمید کو دیکھنا شروع کر دیا۔

"انسپکٹر صاحب۔" اس نے فریدی کو مخاطب کیا۔ "یہ ریل بہت اچھی ہے۔ اتنی اچھی ہے.... مگر شاید میں پاگل ہو گیا ہوں۔"

"کیوں کیا بات ہے۔" فریدی نے اپنے چہرے پر تحیر کے آثار پیدا کر کے کہا۔

"میں آخر کیوں محسوس کرتا ہوں۔ آپ کہتے ہیں.... دیکھئے میں پھر بھول گیا۔" وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

فریدی چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر بولا۔

"آپ کہتے ہیں کہ آپ جنوبی امریکہ نہیں گئے لیکن ابھی آپ آمیزن کے باشندوں کی زبان بول رہے تھے۔"

"میں....!" اجنبی کے لہجے میں حیرت تھی۔ "نہیں تو.... میں کیا جانوں آمیزن کی زبان۔"

"اوہ.... مجھے پورا جملہ یاد ہے۔" فریدی نے کہا۔ "یورو کاشی.... سومسٹ اِٹ راؤٹ....

بو.... گیٹالی اٹ رال بون.... جس کا مطلب یہ ہے کہ الگ ہٹو.... برتن ہٹاؤ.... یہ بالکل ہے.... اور غالباً زیبو اور گیٹالی آدمیوں کے نام ہیں۔"

اجنبی متحیرانہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھتا رہا پھر یک بیک اس کی طفلانہ شوخی لوٹ آئی وہ مسکرا کر بولا۔ "آپ مذاق کر رہے ہیں۔ مجھے تو کچھ بھی نہیں معلوم۔ نہ میں نے آج تک یہ بان سنی ہے اور نہ جنوبی امریکہ میں رہا ہوں.... آپ یقین کیجئے۔"

حمید کو بڑی حیرت ہوئی کیونکہ اس نے بھی اسے کسی غیر ملکی زبان میں کچھ بڑبڑاتے صاف نا سنا تھا اس کی بے چینی بڑھ گئی۔ وہ اس پُر اسرار آدمی کی شخصیت سے بُری طرح متاثر ہو رہا ہا کمرے میں سناٹا چھا گیا تھا اور اب فریدی مشین پر کوئی دوسری ریل چڑھا رہا تھا۔ حمید سوچ رہا ہا کہ آخر فریدی نے اس اجنبی سے یہ بات منوانے کی کوشش کیوں نہیں کی کہ ابھی ابھی اس کے منہ سے کسی غیر ملکی زبان کے الفاظ نکلے تھے۔ اس کے برعکس فریدی کے انداز سے ایسا علوم ہو رہا تھا جیسے اسے اس مسئلے سے کوئی دلچسپی ہی نہ ہو۔

کمرے میں پھر اندھیرا ہو گیا اور دوسری ریل چلنے لگی۔ اس کا موضوع شکار تھا۔ فریدی نے یکے بعد دیگرے چار ریلیں اور دکھائیں، جو مختلف موضوعات پر تھیں۔

اس دوران میں کوئی خاص بات رونما نہیں ہوئی۔ اجنبی پُر سکون انداز میں بیٹھا دیکھتا رہا۔ کبھی کبھی اس کے منہ سے تحسین یا حیرت کے جملے نکل جاتے تھے اور یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ اس کی جگہ کسی دوسرے کا بھی یہی رویہ ہو سکتا تھا۔ حمید کی اکتاہٹ بڑھنے لگی۔

فریدی نے آخری ریل چڑھائی تو حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔ یہ ریل میکسیکو کے چرواہوں کی زندگی سے متعلق تھا۔ ایک جگہ اچانک اجنبی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ جس منظر پر اس کی یہ کیفیت ہوئی وہ بھی کسی غیر معمولی بات کا حامل نہیں تھا۔

دو چرواہے آپس میں لڑ رہے تھے۔ لڑتے لڑتے وہ ایک چٹان پر پہنچ گئے جو زمین سے بہت زیادہ اونچی تھی۔ ان میں سے ایک نے دوسرے کو چٹان سے دھکیل دیا اور وہ توازن برقرار نہ رکھ سکنے کی بناء پر اچھل کر نیچے چلا آیا۔

"راشد....!" اجنبی کی چیخ سے کمرہ جھنجھنا اٹھا۔ "راشد.... راشد!"

پھر اس نے دو تین جھکولے لئے اور منہ کے بل فرش پر گر پڑا۔

حمید نے بوکھلا کر کمرے میں روشنی کر دی اور اُسے اٹھانے کے لئے لپکا۔

"صوفے پر ڈال دو۔" فریدی نے اس طرح کہا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

اجنبی بیہوش ہو چکا تھا۔ سرجنٹ حمید نے اُسے بدقت تمام اٹھایا اور صوفے پر ڈال دیا۔

چونکہ آدمی وزن دار تھا اس لئے حمید کو دانتوں پسینہ آ گیا۔

اب وہ فریدی کو ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے خود اُسی کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہو۔

"کیا بھٹیار خانہ پھیلا رکھا ہے آپ نے۔" حمید نے کہا۔

"تم نے سنا ہوگا۔" فریدی نے درویشانہ انداز میں انگلی اٹھا کر کہا۔ "کہ یاجوج ماجوج کا ظہور قرب قیامت کی دلیل ہوگا۔"

"کوئی کیس....!"

"ہو سکتا ہے کہ ایسا ہی ہو جائے۔"

"بہر حال آپ مجھے زندہ نہ رہنے دیں گے۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ "اور اس یاجوج ماجوج۔"

جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی ایک نوکر نے کسی دوسرے ملاقاتی کی اطلاع دی۔

"یہیں بلا لو۔" فریدی نے نوکر سے کہا۔

تھوڑی دیر بعد ایک ایسا آدمی کمرے میں داخل ہوا جسے حمید اچھی طرح جانتا تھا۔ یہ فریدی کا دوست میجر ناصر تھا۔ حمید کو یاد آ گیا کہ بیہوش ہو جانے والے نے بھی ناصر کا حوالہ دیا تھا۔

میجر ناصر نے متفکرانہ انداز میں بیہوش اجنبی کی طرف دیکھ کر آہستہ سے سر ہلایا اور فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا ان پر بیہوشی کے بھی دورے پڑتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں.... ابھی تک تو ایسا نہیں ہوا؟"

"بہرحال یہ بیہوش ہو گئے ہیں۔" فریدی نے کہا.... پھر وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "راشد کون ہے۔"

"اوہ.... تو کیا انہوں نے راشد کا نام لیا تھا۔" میجر ناصر نے حیرت سے کہا۔

فریدی اقرار میں سر ہلا کر جواب طلب نظروں سے ناصر کی طرف دیکھنے لگا۔

"راشد ان کا اکلوتا لڑکا ہے۔ وہ بھی انہیں کے ساتھ جنوبی امریکہ میں تھا لیکن اب انہیں اس کے متعلق بھی کچھ یاد نہیں۔"

"تم نے یہ نہیں بتایا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"خیال نہیں رہا تھا۔"

"میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ان کی یادداشت واپس لائی جا سکتی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ی تک جن ماہرین نے ان کا علاج کرنے کی کوشش کی ہے انہوں نے کوئی مناسب طریقہ ر نہیں کیا۔"

"تو یہ ہوش میں کس طرح آئیں گے۔" ناصر نے کہا۔

"اگر تمہارا یہ کہنا صحیح ہے کہ یہ اس سے قبل کبھی اس طرح بیہوش نہیں ہوئے تو ہوش میں ، پر ان کی یادداشت واپس بھی آ سکتی ہے۔ ویسے ان کا خود بخود ہوش میں آنا ہی بہتر ہوگا۔"

"ہم سب ان کے لئے پریشان ہیں۔" ناصر نے کہا۔

حمید کی جھنجھلاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔ لیکن اُس نے تہیہ کر لیا کہ فریدی سے اس کے متعلق ہ پوچھے گا ظاہر ہے کہ وہ اس اجنبی سے پہلے ہی سے واقف رہا ہوگا۔ اگر واقف تھا تو اس نے ی اس کا تذکرہ کیوں نہیں کیا۔

حمید چپ چاپ کمرے سے نکل آیا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اس اجنبی کے متعلق کہاں سے ات فراہم کر سکے گا۔ ناصر کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا کہ اجنبی سے اس کے قریبی تعلقات ۔ لہٰذا ایسے موقع پر میجر ناصر کی خوبصورت سالی زرینہ کا خیال آنا ضروری تھا اور ملاقات" یہ ایک اچھی خاصی "تقریب" ہاتھ آئی تھی۔

حمید نے کپڑے پہنے اور گھر سے نکل بھاگا۔ زرینہ ایک گورنمنٹ ہائی سکول میں مسٹرس تھی۔

حمید نے کار اسی راستے پر لگا دی۔ دونوں ایک دوسرے سے واقف ضرور تھے لیکن یہ واقفیت تکلفی کی حد تک نہیں تھی۔ حالانکہ حمید نے کئی بار محسوس کیا تھا کہ زرینہ اس سے بے تکلف چاہتی ہے لیکن بعض وجوہات کی بناء پر خود اس نے ہی اسے مناسب نہیں سمجھا۔ ان میں سے ے خاص وجہ یہ تھی کہ وہ فریدی کے ایک دوست کی سالی تھی۔ ویسے خود اس کا ایمان اس پر تھا کہ اگر دوستی کی چودھویں پشت میں بھی کسی سالی کا وجود ہو تو وہ سو فیصدی حلال ہے۔

ایک زخمی ایک لاش

حمید نے اسکول کے پھاٹک کے سامنے سڑک کے دوسرے کنارے پر کیڈیلاک روک دی۔ غالباً اسکول میں چھٹی ہو گئی تھی اور طالبات باہر نکل رہی تھیں۔ وہ زرینہ کے انتظار میں کیڈی ہی میں بیٹھا رہا۔

تقریباً بیس منٹ بعد زرینہ پھاٹک میں دکھائی دی۔ وہ تنہا تھی۔ شائد وہ سب کے بعد رخصت ہوئی تھی۔ حمید کار اسٹارٹ کر کے اسے موڑنے ہی جا رہا تھا کہ اس نے قریب ہی کے ایک اسٹال سے ایک آدمی کو نکل کر زرینہ کی طرف بڑھتے دیکھا یہ بات کچھ ایسی اہم نہ تھی لیکن دوسرے واقعے نے حمید کو کار موڑنے سے روک دیا۔ بک اسٹال کے برابر والے چائے خانے ایک چھوٹے قد کا چینی جھانک رہا تھا۔ حمید نے محسوس کیا کہ اس کی توجہ کا مرکز وہ آدمی۔ بک اسٹال سے نکل کر زرینہ سے گفتگو کر رہا ہے۔ حمید نے کیڈی کا انجن بند کر کے اپنے فلٹ کا گوشہ چہرے کی طرف جھکا لیا۔

وہ آدمی چند لمحے زرینہ سے کچھ کہتا رہا۔ حمید زرینہ کے چہرے پر تحیر کے آثار دیکھ رہا پھر اس نے انہیں ٹیکسیوں کے اڈے کی طرف جاتے دیکھا۔ پستہ قد چینی ان کا تعاقب کر رہا تھا زرینہ اور اس کا ساتھی ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئے اور ٹیکسی گھوم کر حمید کے قریب ہی سے گئی۔ پھر اس نے ایک دوسری ٹیکسی میں تعاقب کرنے والے چینی کو بھی دیکھا۔ اس کی آگے والی ٹیکسی کا تعاقب کر رہی تھی۔

جب دوسری ٹیکسی تقریباً چار سو گز کے فاصلے پر نکل گئی تو حمید نے بھی اپنی گاڑی طرف موڑ دی۔ تینوں کاریں تھوڑے تھوڑے فاصلے سے چل رہی تھیں۔ چونکہ سڑک پر کا طومار تھا۔ اس لئے اس قسم کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھا کہ کوئی کسی کا تعاقب کر رہا ہے زرینہ اور اس کا ساتھی ہوٹل ڈی فرانس میں اتر گئے۔ چینی کی ٹیکسی بھی رک گئی تھی لیکن اندر ہی بیٹھا رہا۔ شائد اسے ان کے داخلے کا انتظار تھا۔

وہ دونوں اندر چلے گئے اس کے بعد چینی بھی اپنی ٹیکسی سے اترا۔

حمید نے چینی کی ٹیکسی کے قریب سے گذرتے وقت محسوس کیا کہ وہ حقیقتاً ٹیکسی نہیں

ٹیکسیوں کے اڈے پر کھڑی ہونے والی ایک پرائیویٹ کار تھی۔ اس کا ڈرائیور بھی چینی ہی تھا۔

حمید نے کار کا نمبر نوٹ کر لیا۔

ہوٹل ڈی فرانس کے ڈائننگ ہال میں ابھی زیادہ بھیڑ نہیں ہوئی تھی۔

ہال کے وسط میں چھوٹی چھوٹی میزیں تھیں اور دونوں بازوؤں میں آمنے سامنے کیبنوں کے سلسلے تھے۔

حمید نے ایک کیبن میں زرینہ اور اس کے ساتھی کو دیکھا۔ دونوں بیٹھ چکے تھے اور اب اس کا ساتھی دوبارہ اٹھ کر پردہ کھینچ رہا تھا۔ برابر والے کیبن میں چینی موجود تھا۔ بظاہر اس کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ یونہی بلا مقصد اس کیبن میں بیٹھ گیا ہو۔

حمید ان دونوں کیبنوں کے سامنے والے کیبن میں بیٹھ گیا۔ وہ قریب ہی بیٹھنے کی کوشش تا لیکن خدشہ یہ تھا کہ کہیں زرینہ کی نظر اس پر نہ پڑ جائے۔

زرینہ کا اس اجنبی کے ساتھ ہونا اتنا تحیر آمیز نہیں تھا جتنا کہ ایک غیر ملکی کا ان دونوں کا تعاقب کرنا۔ اگر حمید اس چینی کو نہ دیکھتا تو شائد یہ سوچنے کی بھی زحمت گوارا نہ کرتا کہ ان دونوں تعاقب کیا جائے۔

ویٹر نے چینی کی میز پر چائے کی کشتی رکھ دی اور شائد اسی کی ہدایت کے مطابق اُس نے ن کا پردہ بھی کھینچ دیا۔

حمید کی میز پر بھی کافی آ گئی تھی اور وہ ہلکی ہلکی چسکیاں لیتا ہوا سوچ رہا تھا کہ آخر اس تعاقب کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ اگر وہ رومان بازی کا سلسلہ تھا۔ تب بھی اس میں کسی چینی کا دلچسپی لینا تحیر انگیز نہیں تو جاذب توجہ ضرور ہو سکتا تھا۔

اور پھر یہ بات بھی ظاہر ہو گئی تھی کہ وہ دونوں اُس چینی سے واقف نہیں تھے کیونکہ حمید کے قیاس کے مطابق اس دوران میں انہوں نے اس چینی کو کئی بار دیکھا تھا اور اس سے اسی طرح بے تعلق معلوم ہوئے تھے جیسے وہ ان کے لئے اجنبی ہو۔

حمید کی نظریں کیبنوں کی طرف لگی ہوئی تھیں۔

تقریباً پانچ یا چھ منٹ بعد چینی اپنے کیبن سے نکلا اور سیدھا باہر چلا گیا۔

حمید شش و پنج میں پڑ گیا کہ اب کیا کرے۔ وہیں ٹھہرے یا اس کا تعاقب دوبارہ شروع

کردے۔ بہر حال اس نے یہی فیصلہ کیا کہ وہیں ٹھہرے گا۔ اسے گھر پہنچنے سے قبل ہی اس اجنبی کے متعلق معلومات فراہم کرنی تھیں۔ اس کا مقصد محض اتنا تھا کہ وہ بھی فریدی پر اپنی دانی کا رعب ڈال سکے۔ چند لمحے کے بعد اس کا ذہن اصل موضوع سے بہک گیا اور وہ زرینہ حسن کے متعلق سوچنے لگا۔ پھر شائد وہ چاہِ زنخداں پر کسی استاد کا شعر یاد کرنے کی کوشش رہا تھا کہ اچانک ہال میں ایک زور دار دھماکہ ہوا۔ حمید نے ایک تیز قسم کی روشنی کا جھماکا کیا۔ ساتھ ہی دو چیخیں سنائی دیں اور زرینہ والے کیبن کے پردے میں آگ لگ گئی۔ کسی نکلنا چاہا لیکن جلتا ہوا پردہ اس سے الجھ گیا۔ اور وہ پردہ سمیت باہر فرش پر گرا۔ اس بار چیخ تھی۔ کئی کرسیاں الٹ گئیں۔ کچھ میزیں گریں اور پورا ہال آگ کے شور سے گونج اٹھا زرینہ کی طرف جھپٹا۔ زرینہ ہوش میں تھی اور خود کو آگ سے بچانے کی کوشش کر رہی حمید نے جلتا ہوا پردہ کھینچ کر الگ کر دیا۔ ساری کے آنچل میں آگ لگ گئی تھی۔

"باہر نکلو.... باہر نکلو۔" کوئی چیخ رہا تھا۔ داہنے بازو کے سارے کیبنوں کو آگ نے لپیٹ میں لے لیا تھا۔ حمید نے بدقت تمام ہاتھوں سے پیٹ پیٹ کر زرینہ کے آنچل کی آگ اور اسے کھینچتا ہوا ہجوم سے باہر نکال لے گیا۔ پورے ہوٹل میں ابتری پھیل گئی تھی۔ لوگ کمپاؤنڈ میں کھڑے شور مچا رہے تھے۔ اس میں سے کسی کو شائد اس کا بھی ہوش نہیں تھا کہ کیبن میں دھماکہ ہوا وہاں سے ایک عورت نکلی تھی جس کے کپڑے میں آگ لگی ہوئی تھی۔

حمید اُسے باہر کمپاؤنڈ میں نکال لایا۔

"میں چل نہیں سکتی۔" زرینہ لڑکھڑا کر کراہی۔ "میرے پیر میں جلتی ہوئی چھریاں گھس گئی ہیں"

کچھ لوگ دوڑتے ہوئے ان کے پاس سے گذر گئے۔

حمید اُسے پارک میں لے آیا۔

"مجھے زمین پر ڈال دیجئے۔" زرینہ گھٹی گھٹی سی آواز میں بولی۔

شور بڑھتا جا رہا تھا۔ شائد آگ پھیل رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہوٹل کا کمپاؤنڈ آدمیوں سے بھر گیا۔ ان میں کچھ باوردی کانسٹیبل بھی تھے۔

حمید محسوس کر رہا تھا کہ زرینہ پر غشی طاری ہو رہی ہے اور وہ اب اپنے پیروں پر کھڑی نہیں ہو سکتی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

"آپ کا ساتھی کہاں ہے۔" حمید نے زرینہ سے پوچھا۔

"اوہ.... میں گری.... سنبھالئے.... ساتھی؟.... میں نہیں جانتی۔"

حمید نے اُسے گھاس پر لٹا دیا۔

اب پارک میں بھی آدمی اکٹھا ہوتے جا رہے تھے اور انہوں نے حمید اور زرینہ کے گرد بھیڑ لگا لی تھی۔ اگر زرینہ زمین پر نہ پڑی ہوئی ہوتی تو کوئی اس کی طرف دھیان بھی نہ دیتا۔

دفعتاً حمید کی نظر ایک کانسٹیبل پر پڑ گئی، جو اُسے اچھی طرح جانتا تھا۔ حمید نے اسے بلا کر، تو ان لوگوں کو وہاں سے ہٹوایا جو اس کے گرد اکٹھا ہو رہے تھے پھر اسی کی مدد سے وہ زرینہ کو تک لایا۔

تھوڑی دیر بعد زرینہ پچھلی سیٹ پر بیہوش پڑی تھی اور کار سول ہسپتال کی طرف جا رہی تھی۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد زرینہ کو ہوش آیا۔ وہ سول ہسپتال کے ایک بستر پر پڑی کراہ رہی تھی اور ڈاکٹر اس کی زخمی پنڈلیوں کو دیکھ رہا تھا۔ دونوں پنڈلیوں سے جا بجا خون رس رہا تھا۔

"اندر شیشے کی کرچیں معلوم ہوتی ہیں۔" ڈاکٹر نے حمید سے کہا۔ "آپریشن کے بغیر ان کا نا مشکل ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی بم تھا۔"

حمید نے فریدی کو فون کیا اور اُسے جلد از جلد سول ہسپتال پہنچ جانے کی تاکید کی۔ زرینہ ش میں ضرور تھی لیکن اس پر ایک ہذیانی کیفیت سی طاری تھی۔ درد سے کراہتے وقت وہ بے ربط جملے دہرانے لگتی تھی۔

فریدی نے ہسپتال پہنچنے میں دیر نہ کی.... وہ سمجھا تھا کہ شائد حمید ہی کو کوئی حادثہ پیش آیا ہے۔ لیکن زرینہ کو اس حال میں دیکھ کر بھی اسے کچھ کم حیرت نہ ہوئی، استفسار پر حمید نے قعات دہرا دیئے۔

"ٹھیک ہے تو پھر وہ اس کا ساتھی ہی رہا ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

"کون؟"

"تمہارے فون سے پہلے مجھے اطلاع ملی تھی کہ ہوٹل ڈی فرانس میں آگ لگ جانے سے یک آدمی جل کر مر گیا۔ آگ کی وجہ ایک پُر اسرار دھماکہ تھا۔" فریدی نے کہا۔ کچھ دیر خاموشی ہی پھر فریدی ہی بولا۔ "تمہیں یقین ہے کہ وہ دھماکہ اسی کیبن میں ہوا تھا جسمیں یہ دونوں تھے۔"

حمید نے کچھ سوچتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اس دوران میں زرینہ پر غنودگی طاری ہو گئی تھی۔ اچانک اُسے پھر ہوش آگیا اور فر
دیکھ کر اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔

"لیٹی رہو....!" فریدی آہستہ سے بولا۔

"فریدی.... بھائی۔" زرینہ رو پڑی۔

فریدی اور حمید خاموش رہے، جب زرینہ چپ ہوئی تو فریدی نے پوچھا۔

"وہ کون تھا....؟"

"میں نہیں جانتی۔"

"تو پھر تم اس کے ساتھ کیوں چلی گئی تھیں۔"

"وہ سلمان چچا کے متعلق کچھ بتانا چاہتا تھا۔"

"کیا....؟" فریدی چونک کر بولا۔

"وہ.... اُن کے پاگل پن کی وجہ بتانا چاہتا تھا۔"

"کیا بتایا....؟" فریدی کے لہجے میں بے چینی تھی۔

"وہ صرف اتنا بتا پایا تھا کہ وہ بھی سلمان چچا کے ساتھ جنوبی امریکہ میں تھا۔ بس دھما
میرے پیروں میں چھریاں سی لگیں.... اور پھر مجھے کچھ ٹھیک یاد نہیں۔"

"کیا وہ تمہیں پہلی بار ملا تھا۔"

"جی ہاں.... اور جب اس نے اچانک یہ کہا کہ وہ مجھے سلمان چچا کے متعلق کچھ بتانا چا
تو میں اس کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گئی۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اکیلا ان کے پاگ
کے راز سے واقف ہے اور اس نے استدعا کی تھی کہ وہ جو کچھ بتائے اس کے سلسلے میں اس کا
کہیں نہ دیا جائے اور فریدی بھائی.... وہ کچھ ڈرا ڈرا سا تھا۔"

"تو وہ ان کے متعلق کچھ نہیں بتا پایا۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی نہیں.... کچھ بھی نہیں۔"

"اچھا اب تم آرام کرو۔" فریدی نے کہا۔ "پولیس کو بیان دیتے وقت اس بات کا خیال
کہ کوئی بات غلط نہ کہہ جاؤ۔ پورا واقعہ من و عن بیان کر دینا۔ میں ناصر کو فون کرتا ہوں۔"

فریدی اور حمید باہر آئے۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ فریدی کسی خیال میں الجھا ہوا ہے۔

"میں نے اس چینی کی کار کا نمبر نوٹ کر لیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"تمہارا اتنا ہی بتا دینا کافی ہے کہ اس کے دہانے کے بائیں گوشے پر ایک ابھرا ہوا سرخ رنگ
ہے۔"

"تو کیا آپ اُسے جانتے ہیں۔"

"اچھی طرح.... اس کا نام وانگ لی ہے اور وہ دوسرا جو کار چلا رہا تھا غالباً تیہ چن رہا ہو گا۔"

"تو آپ دونوں سے واقف ہیں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"وانگ کرنل داراب کا پرائیویٹ سیکریٹری ہے اور تیچن موٹر ڈرائیور۔"

"کرنل داراب....!" حمید چونک کر بولا۔ "وہی.... جو ہر ماہ شہر کے اعلیٰ حکام کی دعوتیں
ہے۔"

"تم ٹھیک سمجھے.... آؤ....!" فریدی نے کہا اور برآمدے سے اتر کر کیڈی کی طرف روانہ
یا۔

"کہاں....؟" حمید نے پوچھا۔

"چلو.... آج تفریح کا موڈ ہے۔"

کیڈی روانہ ہو گئی۔ حمید زرینہ کے سلمان چچا میں الجھا ہوا تھا اور غالباً یہ بات تو اس کے ذہن
اصاف ہی ہو گئی تھی کہ زرینہ کا "سلمان چچا" اس اجنبی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا جسے
فریدی نے فلمیں دکھائی تھیں۔

"یہ سلمان کا کیا واقعہ ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"بہت دلچسپ.... اور اب تو اور زیادہ دلچسپ ہو گیا ہے۔"

"اور دنیا کی ساری دلچسپیاں آپ نے اپنے لئے وقف کرا لی ہیں" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

"غالباً تم اسی کے متعلق معلوم کرنے کے لئے زرینہ کے پیچھے لگے تھے۔" فریدی نے کہا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ فریدی سے اس کے بارے میں کچھ نہ پوچھے گا۔ لیکن
اوقت شائد فریدی ہی زیادہ باتیں کرنے کے موڈ میں تھا۔

"ڈاکٹر سلمان اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔ لیکن اس کا کیس اس حیثیت سے عجیب ہے کہ وہ

صرف اپنی جنوبی امریکہ کی رہائش کے متعلق سب کچھ بھول گیا ہے اور دوسرے معاملات
قطعی صحیح الدماغ ہے۔ حتیٰ کہ اُسے اپنے بچپن کی باتیں تک یاد ہیں۔"

"وہ یہاں کب سے مقیم ہے۔"

"پچھلے ایک ماہ سے۔ ناصر اس کا سگا بھتیجا ہے۔ سلمان کا ایک بیٹا راشد بھی تھا۔ وہ اُسے
بھول گیا ہے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ آج فلم دیکھتے وقت اس نے راشد کا نام لیا تھا۔ ویسے ناصر
ہے کہ راشد کے متعلق پوچھنے پر اس نے حیرت ظاہر کی تھی۔ پھر اس سے یہ کہا گیا کہ راش
کے بیٹے کا بھی تو نام تھا اس پر اس نے ناصر اور اُس کے گھر والوں کا مضحکہ اڑایا اور پھر سنجیدگی
یہ بات کہی کہ اگر وہ لاولد نہ ہوتا تو لوگ اس کا مذاق کیوں اڑاتے۔"

"وہ وہاں کرتا کیا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"ربر اکٹھا کرنے والی ایک فرم کا منیجر تھا۔"

"تب تو اس کے متعلق وہیں سے معلومات فراہم کی جاسکتی ہیں۔"

"جتنی معلومات اب تک فراہم ہو چکی ہیں ان کے علاوہ امکان نہیں۔" فریدی نے
"فرم کے کارکنوں کا بیان ہے کہ ڈاکٹر سلمان تین سال تک مانا اُوز کے پاگل خانے میں رہے
اور پھر جب اس کی حالت کچھ سنبھل گئی تو اُسے واپس بھیج دیا گیا۔ اس کے
راشد کی اچانک گمشدگی کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔ تین سال قبل وہ ڈاکٹر سلمان کے
ساتھ رہتا تھا....!"

اچانک حمید کو کچھ یاد آگیا اور اس نے فریدی کو جملہ پورا نہ کرنے دیا۔

"آپ نے کہا تھا کہ وہ ہوش میں آنے کے بعد ٹھیک بھی ہو سکتا تھا۔"

"ہاں لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔ ہوش میں آنے کے بعد بھی اس میں کوئی ذہنی تغیر نہیں
ہوا۔ بہر حال مجھے توقع ہے کہ میں اس کی یادداشت واپس لانے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔"

"لیکن یہ نیا معاملہ....!" حمید بولا۔

"ٹھیک ہے اور اب اسی لئے میں یہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا ہوں کہ وہ یادداشت کھو بیٹھنا کسی
معمولی حادثے کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ آخر وہ جل کر مرنے والا اس کے متعلق کیا بتانا چاہتا تھا۔"

"آپ کہتے ہیں کہ وہ دونوں چینی! کرنل داراب کے آدمی ہیں؟ میں کس طرح

ں۔"

"یقین نہ کرنے کی وجہ۔" فریدی اُسے گھور کر بولا۔

"ارے کرنل داراب.... اتنا معزز آدمی۔ میرا خیال ہے کہ وہ اپنے نوکروں کے کردار پر
حرف آنا پسند نہ کرے گا اور پھر آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ یہاں نیچے سے اوپر تک سارے
م کسی نہ کسی طرح اس کے احسان مند ضرور ہیں۔"

"اوہ.... فریدی کو اس کی پرواہ نہیں۔ میں تو عرصہ سے اس کے خلاف کسی بہانے کی تلاش
تھا۔"

"آخر کیوں؟"

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اس نے اتنی دولت جائز وسائل سے پیدا کی ہے۔"

"اوہ! اس طرح تو آپ کو شہر کے سارے سرمایہ داروں کی گردنیں اتارنی پڑیں گی۔"

"وہ صورت دوسری ہے.... داراب تو قانون کی آنکھوں میں دھول جھونک رہا ہے۔"

"آخر کیا کرتا ہے!"

"سن کر ہنسو گے۔"

"پھر بھی۔"

"وہ یورپ اور امریکہ کے باشندوں کو چرسی بنا رہا ہے۔"

"چرسی! میں نہیں سمجھا۔"

"تم چرسی نہیں سمجھتے۔"

"تو کیا وہ یورپ اور امریکہ کے لئے چرس برآمد کرتا ہے۔"

"جناب....!" فریدی نے کہا۔

"میں پہلی بار سن رہا ہوں۔ تو آپ اب تک کیوں سوتے رہے۔"

"میرے پاس اس کا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں تھا اور نہ اب ہے۔ ویسے اس پر یقین ضرور ہے
کہ اس گروہ کا تعلق صرف داراب سے ہے جس کے ذریعے یہ کام ہوتا ہے۔ بہر حال مجھے یہ سن
کر حیرت ہو رہی ہے کہ انگریز یا امریکن چرسی بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کبھی کبھی مجھے
خود آپ پر بھی شبہ ہونے لگے۔ آپ اونگھ تو نہیں رہے ہیں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔

پھر ان کی کار پولیس ہسپتال کے سامنے رک گئی۔

یہاں انہوں نے اس آدمی کی لاش دیکھی جو ہوٹل ڈی فرانس کی آگ کا شکار ہو گیا تھا۔ کا چہرہ اس طرح بگڑ گیا تھا کہ شناخت مشکل تھی۔ انسپکٹر جگدیش نے فریدی کو یہ اطلاع مرنے والے کے ساتھ کوئی عورت بھی لاپتہ ہے۔

"وہ عورت....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تمہیں سول ہسپتال میں مل جائے گی۔"

"تو کیا وہ.... وہی عورت ہے۔" جگدیش کے لہجے میں حیرت تھی۔ "وہاں کے انچا فون ہوٹل ڈی فرانس کی زخمی عورت کے لئے آیا تھا۔"

"ہاں وہ وہی عورت ہے اور اس کا بیان خاصی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کا بیان من و ع جائے۔ معاملات کو دوسری شکل دینے کی کوشش نہ کی جائے۔"

"مگر.... کوتوال صاحب۔" انسپکٹر جگدیش کے لہجے میں ہچکچاہٹ تھی۔

"اگر اس کے خلاف ہوا تو سمجھ لو کہ زلزلہ آجائے گا۔" فریدی نے کہا اور حمید کو باہر اشارہ کر کے خود بھی نکل آیا۔

نئی بات

کار کے قریب پہنچ کر حمید شائد پائپ سلگانے کے لئے رک گیا۔

"چلو جلدی کرو۔" فریدی مضطربانہ انداز میں بولا۔

"کیوں کیا آفت آگئی۔" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

"زرینہ خطرے میں ہے۔" فریدی نے کیڈی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کی باتیں....!" حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"بھلا بتاؤ کہ اس وقت یہاں تیہ چن کا کیا کام۔"

"کہاں....؟"

"یہیں ہسپتال میں۔" فریدی نے کہا۔ "میں نے اُسے ڈاکٹر کے کمرے میں داخل

کیا تھا۔ غالباً وہ اپنے شکار کا انجام دیکھنے آیا ہے۔ زرینہ زندہ ہے ممکن ہے وہ یہ سمجھیں کہ ڈاکٹر سلمان کا راز معلوم ہو گیا ہے جو لوگ ہوٹل میں ٹائم بم رکھ سکتے ہیں ان کے لئے کسی ہسپتال میں ئی واردات کر بیٹھنا مشکل نہ ہو گا۔"

حمید ہنسنے لگا.... فریدی نے اُسے گھور کر دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔

"بعض اوقات آپ کی حالت کسی ایسی بیوہ کی سی ہو جاتی ہے جو اپنے اکلوتے لڑکے کے لئے پریشان ہو۔ آخر آپ جگدیش سے کیوں الجھ پڑے تھے۔ آخر وہ زرینہ کا بیان غلط کیوں لکھنے لگا۔"

"تمہیں شائد اس کا علم نہیں کہ آج کل نیا ڈی۔ایس۔پی سٹی ریکارڈ اچھا رکھنے کے لئے ے گھپلے کر رہا ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید نے پوچھا۔

"آپ یہاں کیوں آئے تھے۔"

"جس لئے آیا تھا وہ نہ ہو سکا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لاش کی شناخت مشکل ہے لیکن چینی تیہ چن۔"

"دوسرے کا کیا نام بتایا تھا۔"

"وانگ لی.... سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ڈاکٹر سلمان سے ان لوگوں کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ پھر بقیہ راستہ خاموشی ہی سے طے ہوا اور وہ سول ہسپتال پہنچ گئے۔ یہاں بھی تک پولیس نہیں آئی تھی۔ حالانکہ ہسپتال کے انچارج نے زرینہ کے متعلق کوتوالی فون کر دیا تھا۔

ناصر اور اس کے گھر والے ڈاکٹر سلمان سمیت ہسپتال میں موجود تھے۔ فریدی کو دیکھ کر ناصر اس کی طرف بڑھا۔

"مجھے افسوس ہے۔" فریدی نے کہا۔ "غالباً آپ لوگ زرینہ سے مل چکے ہوں گے۔"

"ہاں ہم سب بُری طرح پریشان ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ آدمی چچا صاحب کے متعلق ہم لوگوں کو کیا بتانا چاہتا تھا۔"

"مناسب تو یہی ہو گا کہ اب تم اپنے چچا کو کڑی نگرانی میں رکھو۔ میں یہاں پر ان کی موجودگی

پسند نہیں کرتا۔ انہیں گھر لے جاؤ۔ زرینہ کی دیکھ بھال ہو جائے گی۔" فریدی نے کہا۔

"کیا کوئی خاص بات۔" ناصر نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بچوں کی سی باتیں نہ کرو۔ وہ جو سلمان صاحب کے متعلق کچھ بتانا چاہتا تھا جل بھ زرینہ اس حال میں پڑی ہے۔ میں تم سے پھر باتیں کروں گا۔ بس سلمان صاحب اکیلے گھ نکلنے پائیں.... سمجھے۔"

"ابھی زرینہ کا بیان نہیں ہوا۔"

"اوہ.... ہو جائیگا.... اگر تم یہیں ٹھہرنا چاہتے ہو تو.... ان لوگوں کو گھر پہنچا کر واپس آ

"کیا زرینہ کے لئے پرائیویٹ وارڈ میں انتظام نہیں ہو سکتا۔"

"ہو سکتا ہے.... لیکن میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔"

ناصر اپنے گھر والوں کو لے کر واپس گیا۔

فریدی اور حمید جنرل وارڈ میں آئے۔ زرینہ جاگ رہی تھی اور ہوش میں تھی۔ ڈا انہیں بتایا کہ "جب تک پولیس بیان نہ لکھ لے گی آپریشن نہیں ہوگا۔"

فریدی نے فون کا ریسیور اٹھایا اور جب وہ کوتوالی فون کرنے لگا تو حمید نے اس کے ل جھلاہٹ محسوس کی۔

"ہیلو.... یس انسپکٹر فریدی اسپیکنگ.... کون ڈی۔ ایس۔ پی صاحب.... جی ہاں میں ہسپتال سے بول رہا ہوں۔ ہوٹل ڈی فرانس کے حادثے میں مرنے والے کی ساتھی یہاں ہے۔ اس کے پیروں میں زخم ہیں۔ ابھی تک اس کا بیان قلمبند نہیں ہوا۔ اس سے پہلے آپریشن کے لئے تیار نہیں۔"

پھر حمید نے فریدی کو دانت پیستے دیکھا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

شائد دوسری طرف سے کچھ کہا گیا تھا جس کے جواب میں فریدی نے کہا۔

"جی ہاں.... میرے اس مخصوص اختیار کا تعلق وزارت داخلہ سے براہِ راست ہے۔ معاملے میں مناسب سمجھوں ہر وقت دخل انداز ہو سکتا ہوں۔"

پھر فریدی نے ایک جھٹکے کے ساتھ ریسیور رکھ دیا۔

"کیا بات ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"کچھ نہیں شائد اس کا ستارہ بھی گردش میں ہے۔ کہتا ہے کہ تم مداخلت کرنے والے کون واشائد وہ اب خود ہی بیان لینے کے لئے آئے۔"

"کون؟ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی۔" حمید نے پوچھا۔

فریدی سگار سلگانے لگا۔ اس کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار ابھی تک باقی تھے۔

بیس منٹ کے اندر ہی اندر ڈی۔ ایس۔ پی سٹی! دو انسپکٹروں اور ایک محرر کے ساتھ سول ہسپتال پہنچ گیا۔

فریدی اور حمید قطعی بے تعلقانہ انداز میں کھڑے رہے اور فریدی کے رویئے سے تو ایسا ظاہر ہو رہا تھا جیسے ڈی۔ ایس۔ پی سٹی اس کا ماتحت ہو۔

"آپ ہمیشہ غلط طریقہ اختیار کرتے ہیں۔" اس نے فریدی سے کہا۔

"اتنا غلط بھی نہیں کہ قتل کے کیسوں کو خودکشی میں تبدیل کر کے ریکارڈ بناؤں۔" فریدی بڑی خوش اخلاقی سے بولا۔

لیکن ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ پتہ نہیں یہ غصہ تھا یا خجالت تھی۔

اگر سول ہسپتال کا انچارج وہاں نہ آجاتا تو شائد بات بڑھ جاتی۔

ڈی۔ ایس۔ پی سٹی بڑا تلخ مزاج آدمی تھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں ہاتھا پائی کی نوبت نہ آجائے۔ شہر کی کوتوالی کی تاریخ میں وہ پہلا بد تمیز کوتوال تھا جو اپنے ماتحتوں کو ماں بہن کی گالیاں دینے سے بھی گریز نہ کرتا تھا۔ چند ہی روز قبل وہ ایک سب انسپکٹر پر ہنٹر لے کر جھپٹا تھا۔

بہر حال ہسپتال کے انچارج کے آجانے پر معاملہ جہاں کا تہاں رہ گیا۔

کوتوال اپنے آدمیوں سمیت ڈاکٹر کے ساتھ جنرل وارڈ کی طرف چلا گیا۔

"کیوں آپ نہ چلئے گا۔" حمید نے فریدی سے کہا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ سگار کے لمبے لمبے کش لے رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے کسی سرکش جذبے کو دبانے کی کوشش کر رہا ہو۔

یہ دونوں برآمدے میں کھڑے تھے۔

"کہیں بیان میں گڑبڑ نہ پیدا کر دی جائے۔" حمید پھر بولا۔

"دیکھا جائے گا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"تو پھر یہاں کھڑے رہ کر جھک مارنے سے کیا فائدہ۔"

"میں وانگ لی کو دیکھ رہا ہوں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"وانگ لی....!" حمید نے چونک کر کہا۔ "کہاں ہے؟"

"میری جیب میں۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

حمید اس کی جیبیں ٹٹولنے لگا۔

"حمید خدا کے لئے سنجیدہ ہو جاؤ۔" فریدی نے کہا۔

"میں کیوں ہو جاؤں رنجیدہ! ابھی میں یتیم نہیں ہوا۔"

"بکو مت! آؤ.... اب ہم جنرل وارڈ میں مسٹر وانگ لی سے ملاقات کریں گے۔"

حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ فریدی کیا بک رہا ہے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد اس حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے یہ دیکھا کہ وانگ لی (وہی چینی جس کا اس نے تعاقب کیا زرینہ کے بستر کے قریب موجود ہے۔ وہ ڈی۔ایس۔پی سٹی سے کچھ کہہ رہا تھا اور ڈی۔ایس۔پی سٹی کے ہونٹوں پر ایک بڑی انکسار آمیز قسم کی مسکراہٹ تھی۔ محرر زرینہ کا بیان قلم بند کر رہا تھا۔

فریدی حمید کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور آہستہ سے بولا۔ "غالباً وہ کرنل داراب کی طرف سے کسی نئی دعوت کی خوشخبری لایا ہے۔"

فریدی اور حمید اُن سے کافی فاصلے پر کھڑے تھے۔ فریدی کی آنکھوں سے ایسا ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ سچ مچ اونگھ رہا ہو۔ لیکن حمید جانتا تھا کہ اس کا کیا مطلب ہے۔

اس پر ایسی کیفیت اُسی وقت طاری ہوتی تھی جب وہ اپنا کوئی ارادہ تبدیل کر رہا ہوتا تھا۔ لیکن اس موقع پر اُس میں یہ تغیر دیکھ کر حمید کو حیرت ضرور ہوئی۔

بیان ختم ہو جانے کے بعد زرینہ کے بستر کے قریب، ٹرالی لائی گئی اور اُسے اس پر ڈال آپریشن تھیٹر کی طرف روانہ کر دیا گیا۔

ڈی۔ایس۔پی واپس جانے کے لئے مڑا تو اس کی نظر ان دونوں پر پڑی۔

"کسے یقین آئے گا اس پر۔" اس نے فریدی کو مخاطب کر کے کہا۔

"کس بات پر۔" فریدی نے انگریزی میں پوچھا اور حمید کو پھر حیرت ہوئی۔ فریدی بلاوجہ کبھی کسی غیر ملکی زبان میں گفتگو نہیں کرتا تھا۔

"اس لڑکی کے بیان پر۔" ڈی۔ایس۔پی نے کہا۔

"وہ تو واقعی مضحکہ خیز ہے۔" فریدی نے پھر انگریزی ہی میں کہا۔ "لیکن مجھے اس سے بحث نہیں۔ میں تو یہ جانتا تھا کہ اس کے آپریشن میں جلدی کی جائے۔"

"اس دلچسپی کی وجہ۔"

"اوہ....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "بہت معمولی سی۔ زرینہ میرے ایک دوست کی عزیز ہے۔ سرجنٹ حمید کو زخمی حالت میں ہوٹل ڈی فرانس میں ملی اور وہ اُسے یہاں لے آئے۔"

"وہ کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی ہے۔" ڈی۔ایس۔پی نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔ مجھے اس کے بیان سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

اس گفتگو کے دوران میں حمید وانگ لی کو گھور رہا تھا۔

"کیا آپ یہیں ٹھہریں گے۔" ڈی۔ایس۔پی نے کہا۔

"آپریشن ہو جانے تک۔" فریدی بولا۔

ڈی۔ایس۔پی چلا گیا۔ وانگ لی اس کے ساتھ تھا۔

حمید تھوڑی دیر تک فریدی کو طنز آمیز نظروں سے دیکھتا رہا پھر جلے بھنے لہجے میں بولا۔

"ظاہر ہے کہ وہ ڈی۔ایس۔پی ہے آپ کو ہر حال میں دبنا پڑے گا۔"

"ہوں.... تو تم یہ چاہتے تھے کہ میں اُس سے کشتی لڑتا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن اتنا دبنا بھی نہ چاہئے تھا۔"

"سنو برخوردار.... میں سراغ رساں ہوں نارزن نہیں۔"

"لیکن کچھ دیر قبل تو آپ اس طرح تاؤ کھا رہے تھے جیسے اس سے کشتی لڑیں گے۔"

"میں تو بڑی دیر سے بے تکی باتیں کر رہا ہوں۔" فریدی اس کا ہاتھ پکڑ کر کیڈی کی طرف گھسیٹتا ہوا بولا۔ "چلو معاملہ صاف ہو گیا۔ اب وہ لوگ شائد زرینہ کے پیچھے نہ پڑیں۔ وانگ لی پر یہ بات ظاہر ہو گئی ہے کہ مرنے والے نے زرینہ کو کوئی خاص بات نہیں بتائی ہے اور پولیس کو اس کے بیان پر یقین نہیں ہے۔ انہیں مطمئن کر دینے کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔"

"اوہ تو کیا اسی لئے آپ اچانک بھیڑ بن گئے تھے۔"

"بس سمجھنے کی کوشش کیا کرو۔ ویسے ابھی تمہارے منہ سے دودھ کی بو آتی ہے۔"

"میں نے شام کو آئس کریم کھائی تھی۔" حمید نے بڑی معصومیت سے کہا۔

کیڈی پھر چل پڑی۔

"اب تو نیند آ رہی ہے۔" حمید جماہی لے کر گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"ساڑھے گیارہ بج رہے ہیں۔"

"آج تو رات بھر تفریح کی ٹھہری ہے۔" فریدی نے کہا۔

"رات بھر تفریح۔" حمید اچھل کر بولا۔ "ہائیں.... یہ آپ فرما رہے ہیں قبلہ پتھر صاد

"شور مت مچاؤ۔" فریدی نے کہا۔ "تم نے کبھی کرنل داراب کی لڑکی کو بھی دیکھا ہے

"اتفاق نہیں ہوا.... میں نے تو خود کرنل داراب کو بھی آج تک نہیں دیکھا۔ صرف ہے اور اس کا نام مجھے قطعی پسند نہیں۔ بعض والدین نام کے معاملے میں بڑے پھوہڑ ثابت ہیں۔ بھلا بتایئے داراب.... دھرداب.... لاحول ولا قوۃ۔"

"اس کی لڑکی بڑی حسین ہے۔"

"آپ کے اسٹینڈرڈ کے مطابق ہو گی اور آپ جانتے ہیں کہ مجھے تیس سے اوپر کی ء سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"کیا خیال ہے.... اس بار اس کی دعوت قبول کر لی جائے۔"

"کیوں کیا.... وہ آپ کو بھی مدعو کرتا ہے۔"

"نہ صرف مجھے بلکہ تمہیں بھی۔ لیکن میں نے اس کا دعوت نامہ تم تک کبھی پہنچنے ہی نہیں

"کیوں؟"

"میں جانتا تھا کہ ایک دن مجھے اُس سے الجھنا ہی پڑے گا۔"

"آپ خواہ مخواہ لٹھ لے کر اُس کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ کیا یہ ضروری ہے کہ داراب بھ سیکریٹری کی حرکتوں سے تعلق رکھتا ہو۔"

"ضروری تو نہیں لیکن امکانات ہیں۔"

"امکانات کی وجہ۔"

"وجہ نہیں بتائی جائے گی۔" فریدی نے کہا۔ "تمہیں شائد یہ نہیں معلوم کہ بہت دنو ایک گہری نیند سے چونکا ہوں۔"

"اوہ....!" حمید نے بہت زیادہ سنجیدگی سے کہا۔ "کیا افیون سے شوق فرمانے لگے تھے۔"

"نہیں! میری دو شخصیتیں ہیں۔ ایک معمولی فریدی ہے اور دوسرا غیر معمولی فریدی۔"

"میری تین شخصیتیں ہیں۔" حمید نے اتنی ہی سنجیدگی سے جواباً کہا۔ "ایک اُلو حمید.... دسرا اُلو کا پٹھا حمید تیسرا اُلو کے پٹھے کا پٹھا حمید۔"

"اور ہمیشہ یہی رہو گے۔" فریدی نے ہونٹ سکوڑ لئے اور دفعتاً اُس نے کیڈی روک دی۔

حمید نے چاروں طرف دیکھا وہ شہر کے ایک پُر رونق حصے میں تھے اور فریدی بائیں طرف کی عمارتوں کے سلسلے میں ایک سائن بورڈ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

یہ ایک چھوٹا سا چینی ریستوران تھا جس کے متعلق حمید نے سن رکھا تھا کہ یہاں مینڈکوں کا فورمہ نہایت نفاست کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے اور ٹوسٹ کے مکھن پر گندی نالیوں کے زندہ دار کیڑے چپکائے جاتے ہیں۔

فریدی انجن بند کر کے نیچے اُترا اور حمید کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے ریستوران میں گھس گیا۔

سامنے کاؤنٹر پر ایک فربہ اندام چینی کھڑا تھا۔ فریدی کو دیکھتے ہی بے اختیار چونک کر مسکرانے کی کوشش کرنے لگا۔

"آج رات خوشگوار ہے مسٹر چیانگ۔" فریدی نے اپنا فلٹ ہیٹ اتار کر کہا۔

"یس یور آنر۔" چینی نے اس قدر جھک کر کہا کہ اس کی پیشانی کاؤنٹر سے لگ گئی۔

حمید متحیر رہ گیا۔ اُسے خواب میں بھی گمان نہیں تھا کہ فریدی کے مراسم چینیوں سے بھی ہو سکتے ہیں۔

"تم کافی موٹے ہو گئے ہو۔" فریدی نے کہا اور چینی نے دانت نکال دیئے لیکن اس کی آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا۔

"حضور والا تشریف رکھیں۔" چینی جھک کر اپنے ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ "اور میں جلد سے جلد اس عزت افزائی کی وجہ جاننا چاہوں گا ویسے میں آج کل باعزت طور پر زندگی بسر کر رہا ہوں۔"

"میں جانتا ہوں۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "ضروری نہیں کہ میری آمد ہمیشہ تمہارے لئے پریشانی ہی کا باعث ہو۔"

چینی کچھ نہ بولا۔ چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر اس نے کہا۔ "کچھ پیش کروں۔"

"نہیں شکریہ۔ ادھر سے گذر رہا تھا سوچا تم سے بھی ملتا چلوں اور میرا یہ سوچنا بلاوجہ نہیں

چینی کے چہرے پر پھر گھبراہٹ کے آثار پیدا ہوگئے۔ فریدی نے تھوڑی توقف

کہا۔ "تم جنوبی امریکہ میں رہ چکے ہو نا۔"

"جی ہاں..... جی ہاں جناب۔"

"میں نے سوچا تم سے وہاں کے متعلق معلومات بہم پہنچاؤں۔ میں عنقریب جنوبی ا

جانے والا ہوں۔"

"ضرور ضرور..... میرے لائق جو خدمت ہو..... فرمایئے۔"

"ماناؤز ہی میں تھے تم شائد۔" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں وہیں تھا جناب۔"

"بھئی! چلو مجھے وہیں کے متعلق کچھ بتاؤ۔ ویسے میں ایک دوسرے آدمی سے بھی پوچ

تھا مگر اتفاق سے وہ پاگل ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر سلمان..... وہ ماناؤز کی جیفرسن ربر سپلائی کمپنی کا منیج

بڑا اچھا آدمی ہے، بیچارا پاگل ہو گیا۔"

"ڈاکٹر سلمان..... جیفرسن ربر سپلائی کمپنی.....!" چینی اس طرح بڑبڑایا جیسے حافظے

دے رہا ہو۔

"ہاں بیچارا ڈاکٹر سلمان! جو پچھلے تین سال تک ماناؤز کے پاگل خانے میں رہا۔ بڑے

آدمی تھا۔ وہاں اس کی موجودگی میں مجھے کوئی تکلیف نہ ہوتی۔ لیکن وہ تین سال سے پاگل ہے

"ڈاکٹر سلمان! وہی بچوں کی سی شکل والا پستہ قد بوڑھا تو نہیں؟" چینی نے پوچھا۔

"وہی وہی..... کیا تم اُسے جانتے ہو؟"

"جی ہاں جناب۔ لیکن مجھے یہ سن کر حیرت ہو رہی ہے کہ وہ پچھلے تین سال پاگل خانے رہا۔

"کیوں؟"

"میری یادداشت بھی بُری نہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک سال قبل ہم دونوں ما

کی ایک دعوت میں شریک ہوئے تھے اور وہ بالکل صحیح الدماغ تھا۔ اس کے بعد بھی ہم دونوں

ایک دوسرے سے ملتے رہتے تھے۔"

"ہوگا..... مجھے یہی اطلاع ملی تھی۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "ہاں تو تم مجھے یہ بتاؤ کہ

ماناؤز کے کس حصے میں زیادہ آرام ملے گا۔"

چینی نے اُسے ماناؤز کے جغرافیائی حالات بتانے شروع کر دیئے۔ بہر حال حمید کا تحیر لحظہ بہ

بڑھتا ہی گیا کیونکہ ڈاکٹر سلمان کے متعلق ایک نئی بات معلوم ہو جانے کے بعد بھی فریدی

نے اس کا تذکرہ نہیں چھیڑا۔

میزبان غائب

سرجنٹ حمید تین دن سے اس کوشش میں لگا ہوا تھا کہ فریدی کسی طرح اُسے کچھ بتا دے،

لیکن ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ ویسے اُسے یقین تھا کہ فریدی بہت کچھ جانتا ہے.....

خصوصاً ڈاکٹر سلمان کی شخصیت تو اُس کے لئے ایک قسم کا عذاب بن کر رہ گئی تھی۔ وہ ہر وقت اسی

کے متعلق سوچتا رہتا تھا۔ ڈاکٹر سلمان ایک معمہ تھا جو اب تک اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ ناصر

وغیرہ کا بیان تھا کہ وہ تین سال تک پاگل خانے میں رہ چکا ہے لیکن اس چینی نے اس کی تردید

کر دی تھی اور فریدی کے انداز سے صاف ظاہر ہوتا تھا جیسے اُسے چینی کے بیان پر یقین آگیا ہو۔

ادھر ہوٹل ڈی فرانس والے حادثے کے بعد سے ڈاکٹر سلمان پولیس اور مقامی اخبارات کی

طبع آزمائی کے لئے ایک اچھا خاصا موضوع بن کر رہ گیا تھا۔ پولیس حقیقتاً چکر میں پڑ گئی تھی۔ ڈاکٹر

سلمان کا پاسپورٹ کہتا تھا کہ وہ جنوبی امریکہ سے آیا ہے اور ڈاکٹر سلمان کا یہ عالم تھا کہ وہ جنوبی

امریکہ کے نام پر لوگوں کو مارنے دوڑتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ لوگوں نے اُس کی چڑھ نکال لی ہے۔

اسے پولیس کے لئے ایک مستقل دردِ سر ہی کہنا چاہئے۔ اگر ہوٹل ڈی فرانس والا حادثہ نہ

ہوتا تو خیر کوئی بات نہ تھی! کیونکہ آمیزن کے خط سے اُسے سرکاری طور پر واپس کیا گیا تھا۔

وہاں کی حکومت نے یہاں کی حکومت کو صاف طور پر مطلع کر دیا تھا کہ وہ ڈاکٹر سلمان کو اپنے یہاں

کے شہری حقوق عطا کرنے سے معذور ہے۔ ڈاکٹر سلمان نے شائد پاگل ہونے سے قبل وہاں کی

حکومت سے اس کے شہری حقوق حاصل کرنے کی درخواست کی تھی۔ وہاں کے کاغذات کے

مطابق ڈاکٹر وہاں دس سال سے مقیم تھا اور وہاں کا قانون اس بات کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ کسی

غیر ملکی پاگل کو وہاں رکھا جائے۔ کاغذات سے یہ بھی ثابت ہوتا تھا کہ اُس نے پاگل خانے
تین سال گذارے تھے۔

یہ ساری باتیں حمید کے پیش نظر تھیں اور اس چینی کا بیان بھی، اُسے نہ جانے کیوں غلط نہ
معلوم ہوتا تھا.... ہو سکتا ہے کہ اس پر یقین کر لینے کی خواہش غیر شعوری طور پر اس کے متعا
فریدی کے رویئے کی پابند رہی ہو۔

دوسری طرف ڈاکٹر سلمان بھی بنا ہوا پاگل نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ اگر اُسے پاگل ہی
تھا تو وہ مکمل طور پر پاگل بنا ہوتا۔ دوسروں کو مستقل طور پر شبہے میں نہ رکھتا اور پھر سب سے ب
بات تو یہ کہ اگر وہ پاگل بنا ہی تھا تو اُس کا مقصد کیا ہو سکتا تھا۔

ہوٹل ڈی فرانس والے حادثے کے متعلق پولیس تفتیش کر رہی تھی لیکن ابھی تک مجر
مجرموں کا سراغ نہیں ملا تھا۔ فریدی نے حمید کو سختی سے تاکید کر دی تھی کہ وہ اس کیس
متعلق کسی سے کوئی گفتگو نہ کرے۔

حمید کو اس بات پر بھی حیرت تھی کہ فریدی نے ناصر سے اپنی اور ریستوران والے چینی
گفتگو کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ ناصر کے گھر والے تو خاص طور پر اس مسئلے میں الجھے ہوئے تھے
آخر وہ پُر اسرار آدمی ڈاکٹر سلمان کے متعلق زرینہ کو کیا بتانا چاہتا تھا اور اُس نے اس کے
زرینہ ہی کا انتخاب کیوں کیا تھا؟

بہر حال حمید کو اس کیس میں ہر ہر قدم پر الجھاوے ہی الجھاوے نظر آ رہے تھے۔ اُسے
فیصدی یقین تھا کہ ہوٹل ڈی فرانس کے حادثے کا ذمہ دار وانگ لی ہی تھا اور یہ بات فریدی
بھی تسلیم کر لی تھی لیکن اُس کے باوجود بھی ابھی تک اس کے خلاف کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا
تھا۔ حمید کی دانست میں فریدی نہ تو خود ہی کچھ کر رہا تھا اور نہ پولیس ہی کو اس بات سے آ
کر دینے پر آمادہ نظر آتا تھا۔

لیکن وہ اس کیس سے بے تعلق بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کیونکہ اس نے اس بار کرنل داراب
کی دعوت قبول کر لی تھی اور اپنے ساتھ حمید کو بھی لے جا رہا تھا۔

بلاوا ساڑھے تین بجے شام کے لئے تھا اور پروگرام میں شام کی چائے اور رات کا کھانا
شامل تھا۔

وہ دونوں ٹھیک ساڑھے تین بجے گلزار پیلس کے سامنے پہنچ گئے۔ یہی داراب کی رہائش گاہ
عمارت بڑی شاندار تھی اور اس کا نام "گلزار محل" قطعی نامناسب نہیں تھا۔

وہ ایک عظیم الشان پھاٹک سے گذر کر خاص عمارت میں داخل ہوئے۔ ایک ویٹر ان کی
ئی کر رہا تھا۔ پھر وہ ایک کافی وسیع کمرے کے سامنے پہنچے۔

یہاں ایک دوسرے ویٹر نے ان کے وزیٹنگ کارڈ پڑھ کر ان کے ناموں کا اعلان کیا۔ کمرے
درہ بیس افراد موجود تھے لیکن نشستوں کی زیادتی کہہ رہی تھی کہ ابھی بہت سے مہمان باقی ہیں۔

حمید نے ایک قوی ہیکل بوڑھے کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا۔ اس کا قد سات فٹ سے کسی
کم نہ رہا ہوگا۔ جسم گٹھا ہوا اور مضبوط تھا۔ چہرے پر گھنی سفید مونچھیں تھیں۔ شائد ان میں
ایک بھی سیاہ بال نہیں تھا۔ سر کے بال بھی برف کی طرح سفید تھے اور ان کی سفیدی کہہ
تھی کہ وہ اسی سال سے کم نہیں۔ لیکن جسم کی بناوٹ کا تقاضا تھا کہ اُسے چالیس سال سے
سمجھنا مبالغہ آرائی ہوگی۔

"زہے قسمت....!" وہ فریدی سے ہاتھ ملاتا ہوا مسکرا کر بولا۔ "میں تو سمجھا تھا کہ شائد
لوگ مجھے پسند نہیں کرتے۔"

اس نے حمید سے ہاتھ ملاتے وقت بھی اسی گرمجوشی کا مظاہرہ کیا۔ پھر وہ انہیں ایک میز پر
جہاں ایک خوبصورت عورت پہلے ہی سے بیٹھی تھی۔

"نادرہ ان سے ملو۔ آپ انسپکٹر فریدی ہیں اور آپ سرجنٹ حمید اور یہ میری لڑکی نادرہ ہے۔"

"آپ انسپکٹر فریدی۔" نادرہ نے حیرت سے کہا اور ان دونوں سے مصافحہ کر کے بیٹھتی ہوئی
ا۔ "اگر آپ ہی انسپکٹر فریدی ہیں تو.... آپ کے سارے کارنامے یقیناً معجزے تھے۔"

کرنل داراب بھی اُسی میز کے قریب بیٹھ گیا۔

فریدی نے عورت کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

"میں اکثر افسوس کرتا تھا کہ آپ مجھے اس لائق نہیں سمجھتے تھے۔" کرنل داراب نے کہا۔

"مجھے شرمندگی ہے۔" فریدی بولا۔ "اب میں آپ سے کیا عرض کروں کہ کتنا مشغول رہتا ہوں۔"

"مشغولیت میں تو سبھی مبتلا رہتے ہیں۔" عورت نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن آدمی کا آدمی پر
بھی تو کچھ حق ہوتا ہے۔"

"بہر حال آپ میری نیت پر شبہ نہیں کر سکتیں۔" فریدی کی مسکراہٹ بڑی لچکیا
"آج مجھے فرصت تھی اس لئے حاضر ہو گیا۔"

سچ مچ فریدی کی مسکراہٹ اتنی دلآویز تھی کہ حمید ہزار جان سے عاشق ہوتے ہوئے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرنے لگا کہ فریدی بالکل ہی بنجر نہیں ہے اور حسین چیزیں اس اثر انداز ہو سکتی ہیں۔

کرنل داراب کی لڑکی نادرہ بڑی حسین تھی۔ حمید نے اس کی عمر کا اندازہ چوبیس پچ لگ بھگ لگایا تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ اس کی نکھری ہوئی رنگت کو برسات کی چاندنی سے دے یا جاڑوں کی چاندنی سے۔

"مجھے معاف کیجئے گا.... میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔" کرنل داراب اٹھتا ہوا بولا۔

"اوہ.... کوئی بات نہیں.... اکیلے ہم ہی تو نہیں ہیں۔" فریدی نے کہا۔

حمید کنکھیوں سے اُسے جاتے دیکھتا رہا۔ کرنل داراب ایک ایسی میز کے قریب جا بیٹ ضلع کا کلکٹر کچھ دوسرے افسروں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آتا کہ آپ ہی انسپکٹر فریدی ہیں۔" نادرہ نے کہا۔

"کیوں؟" فریدی نے حیرت سے پوچھا۔

"میں سمجھتی تھی کہ آپ کم از کم ڈیڈی ہی کی طرح معمر ہوں گے.... اور انتہائی خوفناک ہر وقت تیوریوں پر بل پڑے رہتے ہوں گے.... لیکن نہ آپ معمر ہیں اور نہ خوفناک۔ چڑے بھی نہیں معلوم ہوتے۔"

پھر وہ حمید کی طرف دیکھنے لگی۔ نہ جانے کیوں حمید کا دل دھڑک رہا تھا اور اس کی نہیں آرہا تھا کہ وہ اتنی پرکشش کیوں ہے؟ لیکن پھر خود اُسے ہی اپنے اس حماقت انگیز خیال آگئی۔ وہ کوئی فلسفی یا سائنٹسٹ تو تھا نہیں کہ کشش کے اسباب و علل پر غور کرتا۔ وہ تو مداح تھا! آنکھوں کی گہرائیوں میں جھانکنے کا ماہر تھا اور یہ جانے بغیر اُن گہرائیوں میں اترتا کہ آنکھ کے پہلے پردے کو "اسکلے رونک" دوسرے کو "کورائیڈ" اور تیسرے کو "رے ٹینا" کہتے

"اور آپ کو بھی میں کافی بھاری بھر کم سمجھتی تھی۔" اُس نے حمید سے کہا۔

"ارے نہیں صاحب! میں بھی یونہی ہوں۔" حمید نے شرما کر کہا۔

"میں آپ لوگوں سے ملنے کے لئے بُری طرح بیتاب تھی۔ لیکن میرے ذہن میں آپ
وں کی جو تصویریں تھیں، ان سے میں خائف بھی رہتی تھی۔"

"خدا کرے اب آپ کا خوف رفع ہو گیا ہو۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"میں اب بالکل خائف نہیں.... آپ دونوں.... بہت.... اچھے ہیں۔"

"شکریہ۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

تھوڑی دیر بعد ویٹر چائے سرو کرنے لگے۔ نادرہ اُسی میز پر بیٹھی رہی۔

دروازے کے قریب کھڑے ہوئے ویٹر نے پھر دو ناموں کا اعلان کیا اور حمید بے اختیار وم پڑا۔ یہ نام میجر ناصر اور ڈاکٹر سلمان کے تھے۔

حمید نے فریدی کی طرف دیکھا لیکن اس کی حالت میں کوئی تغیر نہیں ہوا تھا۔

"ڈاکٹر سلمان" نادرہ آہستہ سے بڑبڑائی اور ان دونوں نئے آنے والوں کو گھورنے لگی۔ پھر نے معنی خیز نظروں سے فریدی کی طرف دیکھا۔

"یہ وہی ڈاکٹر سلمان تو نہیں ہے جس کے متعلق اخبارات میں آرہا ہے۔" اس نے کہا۔

"جی ہاں.... وہی ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"تو کیا ڈیڈی اسے جانتے ہیں۔" وہ اس طرح بڑبڑائی گویا خود سے مخاطب ہو۔

فریدی اور حمید خاموش رہے۔

کرنل داراب نے ناصر اور سلمان کا خیر مقدم بھی پُر جوش انداز میں کیا۔

"ان کا کیس تو بڑا دلچسپ ہے۔" نادرہ بولی۔

"لیکن مجھے اس میں کہیں بھی دلچسپی نظر نہیں آتی۔" فریدی نے کہا۔

کیوں....؟ کیا آپ ہوٹل ڈی فرانس کا حادثہ بھول گئے۔"

"یاد ہے لیکن میری نظروں میں اس کی بھی کوئی اہمیت نہیں۔ ایسے عشق و رقابت کے کھیل سے دن ہوتے رہتے ہیں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ لڑکی نے صحیح بیان نہیں دیا۔ حالانکہ وہ میرے ایک عزیز دوست کی عزیزہ ہے لیکن حقیقت ہر حال میں حقیقت ہی رہتی ہے۔"

"حقیقت....!"

"جی ہاں.... حقیقت یہ ہے کہ ہوٹل ڈی فرانس میں جل مرنے والا اس کا کوئی عاشق تھا وہ دراصل اس کے کسی دوسرے عاشق کی حرکت تھی۔ لڑکی نے بدنامی کے خیال سے ڈاکٹر سلما والا افسانہ تراش لیا۔"

"نہیں....!" نادرہ نے حیرت سے کہا۔

"یقین کیجئے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اگر مرنے والا زندہ ہوتا تو حقیقت سامنے آجاتی۔"

"تو پھر پولیس کیوں جھک مار رہی ہے۔"

"اس کی مرضی.... میں نے اپنے خیال سے سب کو آگاہ کر دیا ہے۔"

"عجیب بات ہے۔"

"قطعی نہیں! حالات نے اسے عجیب بنا دیا ہے۔"

"کیسے حالات۔"

"ڈاکٹر سلمان کا پاگل پن اور اس نامعلوم آدمی کی موت۔"

"میں پھر نہیں سمجھی۔"

"چھوڑیئے بھی" حمید اکتا کر بولا۔ "خوش مذاق عورتوں کو ایسی فضول باتوں میں نہ پڑنا چاہئے"

"اگر آپ کہتے ہیں تو میں چھوڑے دیتی ہوں۔" نادرہ نے مسکرا کر کہا۔

فریدی بھی ہنسنے لگا۔ حمید کو پھر حیرت ہوئی کہ فریدی کو ہنسی کیسے آئی۔ کیونکہ نادرہ نے جملہ بڑے بھونڈے پن سے کہا تھا۔ لہجے میں بھی مزاج کا انداز نہیں تھا۔

"سلمان صاحب آپ کے دوست ہیں۔" نادرہ نے فریدی سے پوچھا۔

"جی نہیں.... میجر ناصر ہیں اور زرینہ ان کی بیوی کی بہن ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "سلمان یہاں پہلی بار آیا ہے۔"

"جی ہاں.... میں نے تو پہلی ہی بار دیکھا ہے۔"

"اور ناصر....!"

"وہ اکثر آئے ہیں.... ڈیڈی انہیں جانتے ہیں۔"

"اس کیس کے متعلق آپ کے ڈیڈی کا کیا خیال ہے۔"

"انہیں ان چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ تو صرف شطرنج کے ماہر ہیں۔ دن رات کسی نہ کسی کو پکڑے بساط بچھائے رہتے ہیں۔ ابھی دیکھئے گا چائے کے بعد وہ شطرنج ضرور نکالیں گے اور پھر کھانے کے وقت تک کھیلتے رہیں گے۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی اور اسی دوران میں وانگ لی بھی کمرے میں دکھائی دیا۔

"آپ کے ڈیڈی کی چینیوں سے بھی دوستی ہے۔" فریدی نے نادرہ سے پوچھا۔

"نہیں تو.... اوہ.... وہ.... وہ تو اپنا وانگ ہے۔ ڈیڈی کا پرائیویٹ سیکریٹری۔"

"اوہ... اچھا...." فریدی مسکرا کر بولا۔ "کرنل صاحب بڑے باذوق آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

"کیوں!"

"چینی لوگ بڑے اچھے پرائیویٹ سیکریٹری ثابت ہوتے ہیں۔"

"مگر وانگ لی تو پکا حرامزادہ ہے۔" نادرہ ہنسنے لگی۔

"کیوں؟"

"وہ مجھ میں اور ڈیڈی میں اکثر لڑائی کرا دیتا ہے۔"

"وہ کس طرح۔"

"بہتیرے طریقے ہیں۔"

"آپ نے کبھی دو چینیوں کو آپس میں گفتگو کرتے سنا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"روز ہی سنتی ہوں۔ ہمارا ڈرائیور بھی چینی ہے۔ تیہ چن....!" وہ ہنس کر بولی۔ "بتایئے تیہ چن کے کیا معنی ہوتے ہیں۔"

"دوسرا پکا حرامزادہ۔" حمید نے بڑی سنجیدگی سے کہا اور نادرہ بے تحاشہ ہنسنے لگی۔

"کبھی چار پانچ چینیوں کو اکٹھا دیکھئے۔" فریدی نے کہا۔ "اس طرح چیاؤں چیاؤں کرتے ہیں کہ کتے کے پلے یاد آجاتے ہیں۔ ان دونوں کے دوست تو آئے ہی رہتے ہوں گے۔"

"جی نہیں! یہاں تو کوئی نہیں آتا۔" نادرہ نے کہا۔

"کبھی انہیں ایک جگہ دیکھئے۔ بڑا لطف آئے گا۔"

حمید نے کرنل داراب کو پھر اپنی طرف آتے دیکھا۔ وہ خالی کرسی پر بیٹھ کر ڈاکٹر سلمان کی طرف دیکھتا ہوا فریدی سے بولا۔

"یہ حضرت مجھے پاگل تو نہیں معلوم ہوتے۔"

"نہیں! بالکل پاگل نہیں ہے۔ صرف یادداشت کھو بیٹھا ہے۔"

"مگر وہ تو ابھی انگلینڈ اور فرانس کی باتیں کر رہا تھا۔" کرنل داراب نے کہا۔ "اگر یادداشت کھو بیٹھا ہوتا تو اسے اپنی پچھلی زندگی کے متعلق کچھ بھی نہ یاد ہوتا۔"

"ایسا بھی ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "وہ صرف اپنی جنوبی امریکہ کی رہائش کے بھول گیا ہے۔"

"ممکن ہے! اس قسم کے کیس بھی ذہنی امراض کے سلسلے میں ملتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کسی ایسے حادثے کا شکار ہوا ہو جو بھلا ہی دینے کے قابل رہا ہو۔ جس حادثے کے بعد اس سوچا ہو کہ کاش وہ جنوبی امریکہ میں نہ ہوتا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ حادثہ اس کے اکلوتے بیٹے کی گ ہو۔ ناصر میرا دوست ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ اس کا ایک بیٹا بھی تھا۔ لیکن خود سلمان اس انکار کرتا ہے۔ مگر اسکے لڑکے کی پیدائش یہیں ہوئی تھی اور دوسروں کو وہ اچھی طرح یاد ہے۔

"اگر یہ بات ہے تو واقعی بیچارہ قابل رحم ہے۔"

چائے ختم ہو گئی اور مہمان مختلف قسم کے تفریحات میں مشغول ہو گئے۔ کچھ بلیرڈ روم بلیرڈ کھیل رہے تھے۔ بعض برج کھیلنے میں مصروف ہو گئے۔ کچھ صرف باتیں کر رہے تھے۔ ا گوشے میں ایک شاعر اپنا کلام سنا رہا تھا اور ایک صاحب نے لڑکیوں کے ہاتھ دیکھ کر ان کی قسمت کا حال بتانا شروع کر دیا تھا۔

کرنل داراب فریدی وغیرہ کے پاس سے اٹھ کر کہیں اور چلا گیا تھا لیکن نادرہ اب تک کے ساتھ تھی۔ اکثر لوگوں نے اُسے اپنے کھیلوں میں شریک کرنا چاہا لیکن اسے ان کھیلوں۔ زیادہ حمید کے چٹکلوں میں مزہ آ رہا تھا اور حمید نے بھی نہ جانے کیوں یہ طے کر لیا تھا کہ وہ آج اپنے لطیفوں کا ذخیرہ ختم کر دے گا۔

انہیں تفریحات میں آٹھ بج گئے اور پھر کھانے کا گانگ بجا۔

ڈائننگ روم میں بھی بڑا اچھا انتظام تھا۔ جب لوگ اپنی نشستوں پر بیٹھ چکے تو انہیں خیال کہ ایک کرسی خالی ہے اور یہ خالی کرسی خود صاحب خانہ یعنی کرنل داراب کی تھی۔

تین چار منٹ انتظار کرنے کے بعد پھر گانگ بجایا گیا۔ لیکن کرنل داراب نہ آیا۔

نادرہ وانگ لی کے ساتھ اٹھ گئی۔ دو ایک ایسے لوگ بھی اٹھ گئے جو شائد گھر والوں سے بہت یادہ بے تکلف تھے۔

دو منٹ گذر گئے۔ لیکن وہ لوگ واپس نہ آئے۔ مہمانوں میں سرگوشیاں ہو رہی تھیں۔ دفعتاً ی آدمی چیختا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

"کسی نے کرنل کو چھری ماردی۔" اس نے چیخ کر کہا اور پھر الٹے پاؤں کمرے سے نکل گیا۔

ل اٹھ اٹھ کر اُس کے پیچھے دوڑنے لگے۔ فریدی اور حمید بھی اٹھے۔

کرنل داراب ایک کمرے میں اوندھا پڑا تھا اور اُس کے داہنے کاندھے میں ایک خنجر پیوست ا۔ اسی کے قریب نادرہ بھی پڑی ہوئی تھی۔ شاید وہ اُسے اس حال میں دیکھ کر بیہوش ہو گئی تھی۔

فریدی آگے بڑھ کر کرنل پر جھک گیا۔

عجیب لڑکی

وانگ لی بھوکے شیر کی طرح غرا رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ وہ اپنی زبان سے کچھ کہتا بھی جا رہا ا اور آخر کار اس نے انگریزی میں ایک بہت بڑی قسم کھائی وہ اپنے مالک پر حملہ کرنے والے کو نہ چھوڑے گا۔

پھر اس نے بیہوش نادرہ کو اٹھا کر ایک صوفے پر ڈال دیا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔" فریدی نے سر اٹھا کر کہا۔ "زخم گہرا نہیں ہے۔"

پولیس ہسپتال کا ڈاکٹر آگے بڑھا اور فریدی ایک طرف ہٹ گیا۔

ڈاکٹر نے جیسے ہی خنجر اُس کے شانے سے نکالا۔ کرنل داراب کو ہوش آ گیا۔ اس کے منہ سے ایک ہلکی سی کراہ نکلی اور اس نے اپنے ہونٹ بھینچ لئے۔

"کوٹ اتار لیجئے۔" ڈاکٹر نے کہا۔

کرنل داراب نے کوٹ اتار کر اپنا بایاں شانہ کھول دیا۔ خون بہہ رہا تھا۔

"فرسٹ ایڈ کا بکس۔" کرنل داراب نے وانگ لی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کون تھا.... یہ کیا ہوا۔" کلکٹر نے آگے بڑھ کر کہا۔

"ارے!" کرنل داراب کی نظریں بیہوش نادرہ کی طرف اٹھ گئیں۔ "اسے کیا ہوا؟" تابانہ انداز میں اٹھ کر اُس کی طرف جھپٹا۔

"اوہو....!" کچھ نہیں ڈاکٹر اسے پکڑتا ہوا بولا۔ "بیہوش ہو گئی ہیں۔ ٹھیک ہو جائیں آپ بیٹھئے۔ حرکت کرنے سے خون زیادہ نکل جائے گا۔"

"پہلے اُسے ہوش میں لائیے.... میں ٹھیک ہوں۔"

وانگ فرسٹ ایڈ کا بکس لے آیا۔ پولیس ہسپتال کا ڈاکٹر مرہم پٹی کرنے لگا۔

"کون تھا؟" کلکٹر نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" کرنل بولا۔ "میں اسے دیکھ نہیں سکا۔ اس نے پیچھے سے حملہ کیا تھا۔"

"آپ اس کمرے میں کس وقت آئے تھے۔"

کرنل اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھنے لگا۔

"شائد بیس منٹ پہلے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"کسی پر شبہ ہے۔"

"نہیں میرے نوکروں میں سے کوئی ایسا نہیں ہو سکتا۔"

حمید نے معنی خیز انداز میں فریدی کی طرف دیکھا، جس کے ہونٹوں پر ایک خ مسکراہٹ تھی۔ وہ سامنے والی میز کے نیچے کچھ دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے اپنی نظریں ہٹالیں۔ حمید نے بھی ادھر دیکھا لیکن اُسے میز کے نیچے کوئی خاص چیز دکھائی نہ دی۔

"خنجر کے دستے پر نشانات ہوں گے۔" ڈی۔ایس۔پی سٹی نے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب کی انگلیوں کے۔" فریدی نے طنز آمیز لہجے میں کہا۔

"جی....!" ڈاکٹر چونک کر اُس کی طرف مڑا۔

"اوہو! میرا مطلب یہ نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ اگ نشانات رہے بھی ہوں گے تو اب انہیں آپ کی انگلیوں نے ناقابل شناخت بنا دیا ہو گا۔"

"تو آپ ہاتھ لگانے سے قبل خاموش کیوں رہے تھے۔" ڈی۔ایس۔پی سٹی نے بگڑ کر

"بھلا میں آپ کے سامنے کیا زبان کھولتا۔" فریدی نے طنز آمیز لہجے میں کہا۔

"آپ اپنا لہجہ ٹھیک کیجئے۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ اس وقت وردی میں نہیں ہیں اور نہ میں ڈیوٹی پر ہوں۔"

"بیکار کی بحث....!" کلکٹر نے دخل اندازی کی۔

دونوں خاموش ہو گئے۔ ڈی۔ایس۔پی سٹی اسے کھا جانے والے انداز میں گھور رہا تھا اور ریدی کے ہونٹوں پر وہی جھنجھلاہٹ پیدا کر دینے والی مسکراہٹ تھی جس کی موجودگی میں اس ے بعض آفیسروں کو احساس کمتری ہونے لگتا تھا۔

"فریدی صاحب۔" کرنل نے اُسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ "یہ دوسرا حملہ ہے۔ آج سے پندرہ دن قبل کسی نے مجھ پر پائیں باغ میں گولی چلائی تھی۔"

"اوہ....!" فریدی حیرت سے بولا۔ "اور آپ نے پولیس کو مطلع نہیں کیا۔"

"جی نہیں.... میں خود اس بات کا پتہ لگانا چاہتا تھا کہ حملہ آور کون تھا اور اس نے ایسی حرکت کیوں کی تھی۔"

"اس رازداری کی کوئی خاص وجہ تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں.... اگر میں رپورٹ بھی کرتا تو آپ لوگ یہی پوچھتے کہ کسی پر شبہ تو نہیں۔ میں کیا بتاتا۔ نادرہ.... نادرہ کہاں ہے۔"

"وانگ انہیں ان کے بیڈ روم میں لے گیا ہے۔" ایک نوکر نے کہا۔

"ہوش آیا۔"

"جی ہاں.... اب وانگ نے انہیں سلا دیا ہے۔"

"مجھے افسوس ہے۔" کرنل نے ڈریسنگ ہو جانے کے بعد کوٹ پہنتے ہوئے کہا۔ "چلئے اب کھانے میں دیر نہ ہونی چاہئے۔"

"میرے خیال سے آپ آرام کیجئے۔" کسی نے کہا۔

"مجھے کوئی خاص تکلیف نہیں ہے۔" کرنل نے لاپروائی سے کہا۔

اس دوران میں ڈی۔ایس۔پی سٹی کمرے میں رکھی ہوئی چیزوں کا اس طرح جائزہ لیتا پھر رہا تھا جیسے اُسے ان میں سے کسی پر شبہ ہو۔

حمید کو اس بات پر حیرت تھی کہ آخر فریدی کیوں خاموش ہے۔

"یہاں سوائے کشت و خون کے اور کچھ نہیں۔" ڈاکٹر سلمان بڑبڑا رہا تھا۔ "ہمارے یہاں

سے انسانیت کا جنازہ نکل چکا ہے۔ اب بھی اگر لوگ ہوش میں آجائیں تو بہتر ہے۔ یہ ناممکن
تو پھر خون پانی کی طرح بہتا رہے گا۔" ڈاکٹر سلمان بولا۔ "دنیا سرائے فانی ہے۔ چار دن کی زند
میں ہٹ دھرمیاں اپنے ہی ہاتھوں اپنا گلا گھونٹتی ہیں۔"

"اونہہ سب چلتا ہے۔" کرنل نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "میں ذرہ برابر بھی خائف نہیں ہوں۔

"ایک مصور شیطان کو بناتا ہے۔" ڈاکٹر سلمان بولا۔ "دوسرے اُسے دیکھ کر ڈرتے ہ
لیکن! مصور نہیں ڈرتا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" کرنل نے اُسے گھور کر کہا۔

"اگر باتیں سمجھ میں آجائیں تو پھر وہ باتیں نہیں رہتیں۔" ڈاکٹر سلمان نے احمقوں کی طر
ہنس کر کہا اور پھر وہ کسی شریر بچے کی طرح اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر مسکرانے لگا۔

مقامی حکام اسے گھور رہے تھے۔

سب لوگ ڈائننگ روم کی طرف چل پڑے۔ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی نے کرنل کو روک لیا
فریدی اور حمید ان کے پیچھے تھے۔

"آپ نے اس پاگل کو کیوں مدعو کیا ہے۔" اس نے کرنل سے پوچھا۔

"یونہی تفریحاً! میں اُسے دیکھنا چاہتا تھا۔ میجر ناصر سے میری جان پہچان ہے۔"

"لوگ کہتے ہیں کہ وہ صرف جنوبی امریکہ کے معاملے میں پاگل ہے۔" ڈی۔ ایس۔ پی۔
کہا۔ "لیکن وہ ابھی ہوشمندی کی باتیں کر رہا تھا۔"

فریدی اور حمید کچھ بولے بغیر کمرے سے باہر نکل آئے۔ انکے بعد کرنل اور ڈی۔ ایس۔ پی
بھی نکلے۔

کھانے کی میز پر لوگ ان کا انتظار کر رہے تھے۔

کھانے کی ٹرالی آئی۔ لوگ اپنی پلیٹیں سیدھی کرنے لگے۔ دفعتاً ڈاکٹر سلمان کی پلیٹ پر ایک
بلی کودی اور پلیٹ کے کئی ٹکڑے ہوگئے۔

لوگ پہلے چونکے پھر ہنسنے لگے۔ حمید نے محسوس کیا کہ فریدی ایک روشندان کی طرف دیکھ
رہا ہے۔ پھر اس کی نظریں ٹوٹی ہوئی پلیٹ سے گذرتی ہوئی سلمان کے چہرے پر جم گئیں۔

بلی جو شائد پالتو تھی اس کے بعد میز پر بیٹھی "میاؤں میاؤں" کرتی رہی۔

"مردود کم بخت۔" کرنل نے گردن سے پکڑ کر بلی کو ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ "ڈاکٹر
ب کے لئے دوسری پلیٹ لگاؤ۔"

"آپ کے چوٹ تو نہیں آئی۔" فریدی نے میز پر ہاتھ ٹیک کر سلمان کی طرف جھکتے
ے کہا۔

"جی نہیں.... شکریہ۔"

فریدی پھر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ ایک نوکر نے ڈاکٹر سلمان کے سامنے سے ٹوٹی ہوئی پلیٹ
ٹکڑے ہٹا دیئے۔

ڈاکٹر سلمان نے مسکرا کر کرنل داراب کی طرف دیکھا۔

"اس بلی نے کس کا راستہ کاٹا۔" ڈاکٹر سلمان نے کہا۔

"اوہ چچا جان۔" میجر ناصر نے جلدی سے اُسے اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ "کرنل صاحب
کے بہت شائق ہیں۔"

"مجھے بھی بلیوں سے دلچسپی ہے۔" ڈاکٹر سلمان نے بچوں کی طرح خوش ہو کر کہا۔

پھر لوگ کھانے میں مشغول ہوگئے۔ حمید کے سامنے ایک لڑکی تھی جس نے سنہری فریم کی
ی عینک لگا رکھی تھی اور جب وہ عینک سے اُسے دیکھتی تو اُسے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اس
ل کی بینائی بڑھ رہی ہو۔ لیکن وہ ڈاکٹر سلمان اور کرنل داراب کی بے تکی گفتگو کے متعلق
سوچ رہا تھا۔ کیا وہ گفتگو بامعنی تھی۔ آخر کرنل داراب پر حملہ کس نے کیا تھا.... کیا؟ ڈاکٹر
نا؟ مگر وہ تو اُن ہی لوگوں کے پاس موجود تھا۔

حمید نے کرنل داراب کی طرف دیکھا۔ وہ اتنے اطمینان سے کھانا کھا رہا تھا جیسے کچھ دیر قبل
بات ہی نہ ہوئی ہو۔

حمید اس لڑکی کے متعلق بھی سوچ رہا تھا جسے وانگ نے سلا دیا تھا اور اس کا اس طرح چپ
ہو جانا حمید کو بڑا غیر فطری سا معلوم ہو رہا تھا۔ اُسے نوکر کی بات اچھی طرح یاد تھی۔ اس
نے کہا تھا کہ نادرہ ہوش میں آگئی تھی لیکن وانگ نے اُسے سلا دیا ہے۔

حمید فریدی کی آواز سن کر چونکا۔ وہ کرنل داراب سے کہہ رہا تھا۔

"نادرہ صاحبہ نہیں آئیں۔"

"اوہ....!" کرنل داراب نے وانگ کی طرف گھور کر دیکھا۔

"میں نے انہیں سلا دیا۔" وانگ نے کہا۔ "میں جانتا تھا کہ وہ ہوش میں آنے کے بعد بھر روتی رہیں گی۔ اس لئے میں نے اسے مارفیا کا انجکشن دے دیا۔"

"تم نے اچھا کیا؟" کرنل داراب اپنی پلیٹ کیطرف متوجہ ہوتا ہوا بولا۔ "نادرہ بہت روتی

"مگر مارفیا تو ان کے سسٹم پر بہت بُرا اثر ڈالے گا۔" فریدی نے کہا۔

"جانتا ہوں! مگر کیا کروں۔ وہ رونا شروع کرتی ہے تو کسی چھ ماہ کے بچے کی طرح روتی جاتی ہے۔" کرنل نے کہا۔

"اور نتیجہ غشی ہوتا ہے۔" وانگ نے ٹکرا لگایا۔

فریدی بھی کھانے میں مشغول ہو گیا۔

حمید کو حیرت تھی کہ کرنل اس دوران میں نہ تو ایک بار بھی کراہا اور نہ اس کے چہ سے تکلیف کے آثار ظاہر ہوئے۔ شائد دوسرے لوگ بھی اس پر متحیر تھے، لہٰذا کسی نے کہ

"کرنل صاحب کی مضبوطی کی داد دینی پڑتی ہے۔ میں تو کم از کم چار دن پلنگ سے نہ اٹھ

"میرا پورا جسم گولیوں سے چھلنی ہے۔" کرنل نے مسکرا کر کہا۔

اس پر ڈاکٹر سلمان نے جھوم کر شعر پڑھا۔

"سنگ و آہن بے نیاز غم نہیں
دیکھ ہر دیوار و در سے سر نہ مار"

لوگ اسے گھورنے لگے۔ ناصر نے کچھ کہنا چاہا لیکن ڈاکٹر سلمان نے اُسے ہاتھ کے سے روک کر سنجیدگی سے کہا۔ "کیا لوگوں کو یہ شعر پسند نہیں آیا۔"

"لیکن یہ کون سا موقع تھا۔" ڈی۔ ایس۔ پی جھنجھلا کر بولا۔

"ہر اچھا شعر موقع محل سے بے نیاز ہوتا ہے۔" ڈاکٹر سلمان نے کہا۔

پتہ نہیں کدھر سے آواز آئی، حمید محسوس نہ کر سکا کیونکہ اس آواز کا فوری رد عمل دینے والا تھا۔ اس لئے اس کا ذہن اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ہوا یہ کہ کسی نے دبی زبان سے جنوبی امریکہ کا نام لے لیا۔ اچانک ڈاکٹر سلمان نے ماری اور اپنی پلیٹ میز پر پٹخ کر کھڑا ہو گیا۔

"جاہل ہو، کمینے ہو۔" وہ مجمع کو گھورتا ہوا پھر چیخا۔ "تم نے میری چڑھ نکال لی ہے۔"

پھر وہ اس طرح پیچھے ہٹا کہ اس کی کرسی الٹ گئی، لیکن وہ خود نہیں گرا۔

حیرت زدہ مہمان اسے کمرے سے باہر جاتے دیکھ رہے تھے۔ شائد پندرہ بیس منٹ تک خاموشی رہی پھر ناصر گلا صاف کر کے اٹھتا ہوا بولا۔ "میں انہیں.... نہیں لانا چاہتا تھا.... مگر کرنل صاحب نے۔"

"مجھے افسوس ہے۔" کرنل نے آہستہ سے کہا۔ "جنوبی امریکہ کا نام ناحق لیا گیا۔"

ناصر بھی کھانا چھوڑ کر ڈاکٹر سلمان کے پیچھے چلا گیا۔

ناصر کے جانے کے بعد کمرے میں مکھیوں کی سی بھنبھناہٹ گونجنے لگی۔ کرنل کے چہرے پر گہرے تفکر اور خجالت کے آثار تھے۔ جوں توں کھانا ختم ہوا اور وہ لوگ کافی پینے کے لئے برآمدے میں آ بیٹھے۔

"بڑے افسوس کی بات ہے۔" کلکٹر نے ڈی۔ ایس۔ پی سے کہا۔ "ہماری موجودگی میں اس قسم کی کوئی واردات ہو جائے۔"

"اوہ.... جانے بھی دیجئے۔" کرنل نے کہا۔ "مجھے آج کی دعوت برباد ہونے کا افسوس ہے۔ ڈاکٹر سلمان ناراض ہو کر چلے گئے۔"

"یہ شخص میرے لئے کم از کم معمہ بن کر رہ گیا ہے۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے کہا۔

"اسے پاگل کون کہے گا۔" کلکٹر نے کہا۔

"کیا ممکن نہیں کہ ہم میں ہی سے کسی نے کرنل صاحب پر حملہ کیا ہو۔" فریدی کی آواز سنائی دی اور یک بیک سناٹا چھا گیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے اس نے سب کو کوئی گندی سی گالی دے دی ہو۔

"غالباً آپ نے یہ جملہ کہنے سے پہلے یہ بھی سوچ لیا ہو گا کہ یہاں کون کون موجود ہے۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے جھنجھلا کر کہا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

سب آفیسر بُری طرح بھنا گیا۔ یہ اسسٹنٹ اکسائز کمشنر تھا۔ اس نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"کیا میں محکمہ سراغ رسانی کے لائق انسپکٹر سے یہ پوچھ سکوں گا کہ ہم میں سے کوئی کرنل پر کیوں حملہ کر ؟"

"اوہو! آپ لوگ خواہ مخواہ ناراض ہو رہے ہیں۔ میں نے تو محض ایک امکانی با تھی۔" فریدی بولا۔

"مسٹر فریدی۔" کرنل ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "یہ ایک بیکار بحث ہے۔ کمشنر صاحب ٹھ رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس بات کو یہیں ختم کر دیا جائے۔"

"کیا آپ حملہ آور سے واقف ہیں۔" فریدی نے اچانک پوچھا۔

"جی نہیں۔"

"تب تو پھر واقعی آپ کی انسانیت اس قابل ہے کہ پوجی جائے۔ آپ یہ بھی نہیں چا حملہ آور کا پتہ لگا کر اسے سزا دی جائے۔"

حمید کے کان کھڑے ہو گئے اور ساتھ ہی کان کھڑے ہو جانے کا محاورہ بھی اُس کے میں گونجا۔ لیکن بات ایسی چھڑ گئی تھی کہ وہ اس مضحکہ خیز محاورے کے کمزور پہلوؤں جمناسٹک نہ کر سکا۔ کرنل خاموش ہو گیا اور فریدی کہہ رہا تھا۔ "یا پھر یہ بات ہے کہ آپ حم سے واقف ہیں اور اسے بچانا چاہتے ہیں۔ انداز سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ اس واقعے کی رپورٹ بھی نہ درج کرائیں گے۔"

"رپورٹ.... اوہ.... ہاں۔" کرنل اس طرح بولا جیسے یک بیک نیند سے چو "رپورٹ ضرور درج کرائی جائے گی.... میں تو یہ کہہ رہا تھا۔ فی الحال اسمگلے کو بھو چاہئے۔ آج کی ساری تفریح ویسے ہی برباد ہو چکی ہے۔"

"یہ دوسری صورت ہے۔" کرنل فریدی نے کہا۔ "اچھا اب میں اجازت چاہوں گا۔"

"ارے! ابھی سے۔" کرنل نے کہا۔

"جی ہاں.... پھر کبھی حاضر ہوں گا۔"

"ضرور ضرور.... میں عرصہ سے آپ کی صحبت کا متمنی ہوں۔"

سرجنٹ حمید بھی کھڑا ہو گیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ ابھی اٹھنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ عینک لڑکی بڑے دلآویز انداز میں مسکرا رہی تھی۔

وہ دونوں پھاٹک کے قریب آئے لیکن فریدی باہر نکلنے کی بجائے داہنی طرف مڑ مہندی کی قد آدم باڑھ ان کے لئے ایک اچھی خاصی دیوار تھی۔ وہ برآمدے میں بیٹھے ہو

مہمانوں کے قہقہے صاف سن رہے تھے لیکن اس طرف اندھیرا ہونے کی وجہ سے فریدی دیکھ لئے جانے کے خوف سے بے پرواہ ہو کر آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ جلد ہی عمارت کے داہنے بازو کی پشت پر پہنچ گئے۔ حمید خاموشی سے فریدی کا ساتھ دے رہا تھا لیکن اسے الجھن ہو رہی تھی کہ اچانک ایک بے نام سا خوف اس کے ذہن پر مسلط ہو گیا تھا۔

اب فریدی دیوار سے لگ کر چل رہا تھا اور حمید سوچ رہا تھا کہ اگر کسی خوش اخلاق کتے سے ملاقات ہو گئی تو مزا ہی آجائے گا۔ وہ ایک ایسی کھڑکی کے قریب رک گیا جس کے شیشوں میں روشنی نظر آ رہی تھی۔ یہاں حمید نے کسی عورت کے دبے دبے سے قہقہے کی آواز سنی۔

فریدی کھڑکی کے قریب سے ہٹ آیا۔ غالباً یہ حمید کے لئے اشارہ تھا۔ حمید نے جھانک کر دیکھا۔

نادرہ ایک مسہری پر بیٹھی بُری طرح ہنس رہی تھی اور کرنل داراب کا ڈرائیور تیہ چن آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہا تھا۔ اُس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی۔

فریدی واپس جانے کے لئے مڑا۔ مڑنے کے انداز میں ایسی بیسا ختگی تھی کہ حمید کو ہنسی آگئی اسے ایسا معلوم ہوا جیسے فریدی نے اپنی بیوی کو کسی غیر سے محو اختلاط دیکھ لیا ہو۔

تھوڑی دیر بعد فریدی کی کیڈی سومرسٹ اسٹریٹ کی طرف واپس ہو رہی تھی۔

"آخر آپ بُرا کیوں مان گئے۔" حمید نے کہا۔

"اسے وانگ نے مورفیا کا انجکشن دے کر سلا دیا تھا نا۔" فریدی نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"آخر معاملہ کیا تھا۔ کرنل داراب نے اس حملے کو کوئی اہمیت کیوں نہیں دی۔"

"مائی ڈیئر حمید! بلکہ حمید میرے عزیز! کیا تم نادرہ سے عشق نہ کرو گے۔"

"آپ کے کہنے سے تو کبھی نہ کروں گا! کیا معاملہ ہے؟"

"معاملہ نہیں بلکہ معاملات ہیں۔ ان میں ایک معاملہ گھر پہنچ کر پیش کروں گا اور تم چوٹی والے تماشائیوں کی طرح تالیاں بجاؤ گے۔"

"کیا....؟ کوئی خاص بات۔"

"تم خود ہی اندازہ لگا لو گے۔ بہت ممکن ہے کہ میرے کیبل کا بھی جواب آگیا ہو۔"

"کیبل! کیوں.... کیا کوئی خاص بات۔"

"تم شائد اونگھ رہے ہو! اگر اب تم نے تیسری بار کسی خاص بات کا مطالبہ کیا تو چانٹا مار دونگا۔"

"جہنم میں گئی خاص بات۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "میں یہ سوچ رہا ہوں کہ نادرہ مورفیا انجکشن کے باوجود بھی کیوں جاگ رہی تھی۔ اس کے باپ کو کسی نے چھرا مار دیا تھا اور وہ اطمینان سے قہقہے لگا رہی تھی جیسے وہ محض مذاق رہا ہو۔ وہ اُسے دیکھنے کے لئے بھی نہیں آئی تھی اور آپ کے کیبل کا جواب.....! وہ گیا جہنم میں۔ کیونکہ اس کے متعلق مجھے حشر تک کچھ نہ معلوم ہو سکے گا اور میں نے نادرہ سے عشق کرنے کا تہیہ کر لیا ہے۔"

حیرت انگیز انکشاف

حمید راستے بھر اوٹ پٹانگ باتیں بکتا رہا۔ فریدی خاموش رہا۔ گھر پہنچ کر فریدی نے کہا "ریفریجریٹر سے دودھ کی ایک بوتل نکال لاؤ۔"

"ہائیں دودھ پئیں گے آپ۔"

فریدی نے نوکر کو آواز دی، جو غالباً خواب گاہ میں اس کا بستر درست کر رہا تھا۔

"دیکھو! دو پیالے! ایک دودھ کی بوتل لاؤ اور شکور سے کہو کہ کتے خانے سے دو پلے اٹھا لائے۔"

حمید نے آنکھیں پھاڑ کر فریدی کو دیکھا اور اپنی گدی سہلانے لگا۔ نوکر چلا گیا اور فریدی کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

"اب آپ مجھ سے شتر مرغ کی بولی بولنے کے لئے تو نہ کہیں گے۔" حمید نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"تمہیں ابھی گدھے کی طرح چیخنا پڑے گا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"بہتر ہے! شب بخیر۔" حمید اپنے کمرے کی جانب مڑ کر بولا۔ "مجھے کتے کے پلوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"ٹھہرو فرزند! ابھی شائد ہمیں پھر ایک معمولی سا سفر کرنا پڑے۔"

"میں جھک مارنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ ابھی مجھے نقشہ عشق ترتیب دینا ہے۔"

"نقشہ عشق! میں نہیں سمجھا۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"فضول ہے۔" حمید فریدی کے لہجے کی نقل اتارتا ہوا بولا۔ "میں وقت سے پہلے کچھ نہیں کہتا۔"

"خوب.....!" فریدی جواباً مسکرایا۔

حمید کچھ اور کہنے جا رہا تھا کہ نوکر مطلوبہ چیزیں لے کر آ گیا۔

"اندر رکھو۔" فریدی نے خواب گاہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ پھر حمید سے بولا۔ "ہاں تو صاحب پلوں کے آتے ہی کھیل شروع ہو جائے گا۔"

"اور اس کے بعد آپ کتوں کو کاٹنے دوڑیں گے۔" حمید نے بیزاری سے کہا۔

راہداری میں پلوں کا شور سنائی دے رہا تھا۔ فریدی کمرے میں چلا گیا۔ حمید باہر ہی کھڑا رہا۔ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ فریدی کیا کرنے جا رہا ہے۔ وہ اس سے قبل بھی فریدی کو جانوروں پر قسم کے تجربات کرتے دیکھ چکا تھا۔ مگر اس وقت کی بات ہی الگ تھی۔ آخر اچانک اس کو اُسے کسی قسم کے تجربات کا خیال کیوں آیا۔

کتے کے پلے فریدی کے پاس پہنچا دیئے گئے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے حمید کو آواز دی۔

حمید نے اندر پہنچ کر پلوں کو دودھ پیتے دیکھا۔ دونوں الگ الگ اپنے سامنے رکھے ہوئے ں پر ٹوٹے پڑ رہے تھے اور فریدی بڑے انہماک سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"کیا یہ کسی آنجہانی قسم کے کتے کی یادیں۔"

حمید جملہ پورا نہیں کر پایا تھا کہ ایک پلا خود بخود اچھل کر دور جا گرا اور پھر کسی ذبح کئے ہوئے غ کی طرح تڑپنے لگا۔ دوسرا پلا بدستور دودھ پیتا رہا۔

گر کر تڑپنے والا پلا اپنے پیالے کا آدھا دودھ بھی نہیں پی سکا تھا۔ وہ شائد آدھے منٹ تک ہا رہا پھر ساکت ہو گیا۔

فریدی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آ گیا۔ پھر اس نے اُسے دو تین بار جھنجھوڑا لیکن اس جنبش بھی نہ کی۔

"ختم ہو گیا۔" فریدی حمید کی طرف دیکھ کر بڑبڑایا۔

"دوسرا پلا پہلے ہی جیسے انہماک کے ساتھ دودھ پی رہا تھا۔

حمید کو حیرت ضرور ہوئی لیکن وہ اس وقت نہ جانے کیوں فریدی کو غصہ دلانا چاہتا تھا۔

"اب آپ دوسرے پلے کو اس کی موت پر رونے کے لئے مجبور کریں گے۔" اس

"نہیں تمہاری عقل پر۔" فریدی کا لہجہ خشک تھا۔

اُس نے ختم ہو جانے والے پلے کے پیالے سے کوئی سفید سی چیز نکال کر فرش پر ڈا

"یہ کیا؟" حمید چونک کر بولا۔

"اس پلیٹ کا ٹکڑا جس پر بلی کودی تھی۔"

"کیا....؟" حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"ہاں فرزند....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اسی پلیٹ کا ٹکڑا جو ڈاکٹر سلمان کے آ ہوئی تھی۔"

"مگر وہ تو خالی تھی۔"

"تو اس سے کیا ہوا۔ بعض زہر ایسے بھی ہیں جن کا محلول خشک ہو جانے کے بعد بھ رہتا ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"اس پلیٹ میں کسی زہر کا محلول لگا کر خشک کر لیا گیا تھا۔ اگر ڈاکٹر سلمان اس پلیٹ میں تو ہمیں اس تجربے کا موقع نہ ملتا۔"

"تو اسکا یہ مطلب ہوا کہ کوئی کرنل اور ڈاکٹر دونوں کا خاتمہ کر دینے کی کوشش میں لگا ہوا

"چلو! تم نے بھی یہی سوچا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "جب تمہارا بھی یہی خیال ہے عام آدمی تو نہایت آسانی سے دھوکا کھا سکتا تھا۔ اب ذرا یہ سوچو کہ ڈاکٹر سلمان کھانا کھا مر جاتا تو کیا ہوتا۔"

"ہمیں اور زیادہ تیز رفتاری سے جھک مارنا پڑتی۔" حمید نے جل کر کہا۔ وہ دراصل یہ کہ فریدی اسے سب کچھ بتا دے۔

"ٹھیک کہتے ہو۔" فریدی نے کہا۔ "تمہاری جھک سچ مچ ماری جاتی کیونکہ تم ڈاکٹر سلما قریب بیٹھے تھے۔"

"کیوں؟ اس سے کیا ہوا؟"

"بہت کچھ ہوا حمید صاحب۔" فریدی نے بجھا ہوا سگار سلگا کر کہا۔ "جب وہ اس طر

ے مر جاتا تو اس کی پلیٹ میں پڑے ہوئے کھانے کا تجزیہ کیا جاتا۔ ظاہر ہے کہ پلیٹ خالی تھی لئے پورے کھانے کا زہر آلود ہونا ثابت ہوتا۔ لیکن وہی کھانا تو دوسرے بھی کھا رہے ے۔ اس لئے یہ بات ثابت ہو جاتی کہ زہر صرف اسی کی پلیٹ میں ملایا گیا تھا۔ پھر اس کی دو نہیں ہوتیں یا تو وہ زہر خود ڈاکٹر سلمان ہی نے ملایا ہوتا یا پھر اس کے قریب کے کسی دوسرے ی نے۔

حمید حیرت سے فریدی کو دیکھ رہا تھا۔ فریدی چند لمحے سگار کے کش لیتا رہا پھر بولا۔

"ہاں تو جناب! اگر ڈاکٹر سلمان اس طرح مر جاتا تو لوگ اس وقت ہرگز یہ نہ سمجھتے کہ وہ زہر ر سلمان ہی کے لئے تھا۔"

"کیوں؟ یہ کیوں نہ سمجھتے۔" حمید نے بے چینی سے پوچھا۔ وہ اب بھی بار بار مردہ پلے کی ف دیکھنے لگتا تھا۔

"سیدھی سی بات ہے۔" فریدی نے کہا۔ "کھانے سے قبل کرنل داراب پر حملہ ہو چکا تھا۔ ل یہی سمجھتے کہ وہ زہر کرنل ہی کے لئے تھا لیکن دھوکے میں ڈاکٹر سلمان پر تان ٹوٹ گئی۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی، پھر حمید نے پوچھا۔ "پلیٹ کا ٹکڑا آپ کے ہاتھ کیسے لگا۔ میرا یال ہے کہ سارے ٹکڑے ایک نوکر سمیٹ لے گیا تھا۔"

"لیکن تمہیں یہ یاد نہیں کہ میں اس سے قبل ہی ڈاکٹر کی خیریت دریافت کرنے کے لئے ں کی طرف جھکا تھا۔"

"اوہ.... تو آپ کو پہلے ہی شبہ ہو گیا تھا۔"

"جناب۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔

"شبے کی وجہ۔"

"وہ! خیر وجہ بھی سن لو۔ وہ بلی خود نہیں کودی تھی بلکہ روشندان سے پھینکی گئی تھی۔ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں۔ میں نے دو ہاتھوں کی ہلکی سی جھلک دیکھی تھی جنہوں نے بلی کو سنبھال رکھا تھا۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ زہر آلود پلیٹ رکھنے والے کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ کوئی دوسرا آدمی اس کا شکار ہونے جا رہا ہے تو اس نے خود ہی پلیٹ توڑ دی۔"

"ابھی ہم مطلب نہیں اخذ کر رہے ہیں۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"تو پھر کیا بات ہو سکتی ہے۔"

"یہی دیکھنا ہے! ویسے اب تم ڈاکٹر سلمان کا وہ بے تکا جواب یاد کرو، جو اس نے پلیٹ کے بعد کرنل کو مخاطب کر کے کہا تھا۔"

"مجھے یاد نہیں۔"

"اس نے کہا تھا کہ اس بلی نے کس کا راستہ کاٹا۔"

"ہاں! کہا تو تھا۔" حمید کسی سوچ میں پڑ گیا۔

"اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہوٹل ڈی۔ فرانس والے معاملے میں وانگ کا ہاتھ تھا اور یہ بھی یاد ہو گا کہ اس حادثے کا شکار ہونے والا زرینہ کو ڈاکٹر سلمان کے متعلق کچھ بتانا چاہتا حمید فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اس نے چند لمحے بعد کہا۔

"تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر سلمان ہوٹل ڈی فرانس والے حادثے کے متعلق کچھ جانتا ہے۔"

"ابھی میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔" فریدی نے کہا اور دوسرا سگار سلگانے لگا۔

پھر اس نے نوکر کو آواز دی اور اس سے کمرے سے ساری چیزیں ہٹانے کو کہا۔

نوکر کو کتے کے پلے کی لاش دیکھ کر حیرت نہیں ہوئی کیونکہ وہ آئے دن اس قسم تجربات سے دوچار ہوتا تھا۔ تجربوں ہی کے لئے فریدی نے سانپ تک پال رکھے دوسرے حیوانات کا ذخیرہ بھی قریب قریب اسی مقصد کے لئے تھا۔

"اب تو مجھے کرنل سے زیادہ ڈاکٹر سلمان میں دلچسپی لینی پڑے گی۔" فریدی نے تھوڑ بعد کہا۔ "تمہیں چیانگ کا بیان تو یاد ہی ہو گا۔"

"یاد ہے۔" حمید بولا۔ "لیکن اس کی کوئی سند نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ وانگ اور کرنل ساتھیوں میں سے ہو۔"

"نہیں۔" فریدی نے خود اعتمادی کے ساتھ کہا۔ "چیانگ کا تعلق ان لوگوں سے نہیں بھی منشیات کی ناجائز تجارت کرتا ہے لیکن کسی گروہ سے منسلک نہیں۔ اس معاملے میں وہ سے چالاک رہا ہے۔ وہ مجرم جو کسی پر کبھی بھروسہ نہیں کرتا بڑی مشکل سے قانون کی گرفت

ے۔ چیانگ بھی اسی قسم کا ایک مجرم ہے۔ وہ خود ہی چانڈو بناتا ہے اور اُسے اپنے مخصوص ں کے ہاتھ فروخت کرتا ہے اس کی تجارت کا کوئی حصہ دار نہیں! حتیٰ کہ اس کے ملازموں واس بات کا علم نہیں کہ وہ منشیات کی ناجائز تجارت کرتا ہے۔"

"پھر آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔" حمید نے اکتا کر کہا۔

"میں کہنا چاہتا ہوں کہ چیانگ کے بیان پر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔"

"اور آپ ماناُوز کے حکام کے بیان پر بھی یقین کرتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"جب تک میرے کیبل کا جواب نہ آجائے یقین کرنا ہی پڑے گا۔"

"کہاں سے جواب آئے گا۔"

"ماناُوز سے۔" فریدی نے کہا۔ "فی الحال اس تذکرے کو یہیں چھوڑو۔"

"میں ہر تذکرے کو یہیں چھوڑ دینے پر تیار ہوں لیکن خواہ مخواہ بور نہ کیجئے۔"

"آپ جا سکتے ہیں۔" فریدی نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

"سلمان اور کرنل میں کیا تعلق ہے۔"

"جو تم میں اور ایک گدھے میں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "اچھا۔ زاویۂ منفرجہ اور صنعتِ حسن تعلیل میں کیا ہے۔"

"چانٹا مار دوں گا۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

"چانٹے کو فنی اصطلاح میں کیا کہتے ہیں۔"

"تمہارا سر! بھاگ جاؤ.... ورنہ....!"

ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ فریدی نے جملہ ادھورا چھوڑ کر ریسیور اٹھا لیا۔

حمید نے محسوس کیا کہ فون پر گفتگو کرتے وقت فریدی کے چہرے پر کبھی تحیر کے آثار پیدا ہو جاتے اور کبھی تفکر کے! گفتگو طویل تھی۔ آخر کار فریدی نے ریسیور رکھ کر ایک طویل سانس لی اور اب اس کے چہرے سے شدید قسم کی بے چینی ظاہر ہو رہی تھی۔

"چیانگ کو کسی نے قتل کر دیا۔" اس نے حمید کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"چیانگ کو۔" حمید حیرت سے بولا۔ "کب۔"

"کچھ دیر قبل! رمیش کا فون ہے۔ اُسے میں نے چیانگ کی نگرانی کے لئے مقرر کیا تھا۔"

تھوڑی دیر بعد حمید اور فریدی پھر باہر آ رہے تھے۔ راستے بھر دونوں خاموش رہے۔ سڑکوں کی رونق قریب قریب ختم ہو گئی تھی۔ کیونکہ ساڑھے بارہ کا عمل ہو چکا تھا۔ لیکن کے چینی ریستوران کے سامنے اب بھی کافی بھیڑ تھی اور اس بھیڑ میں سرخ پگڑیاں بھی آ رہی تھیں۔

فریدی اور حمید کو ریستوران میں داخل ہونے میں کوئی دشواری نہ ہوئی۔ کوتوالی انچا انسپکٹر جگدیش اندر تھا۔ اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے اور حمید پر بھی کچھ کم بدحوا طاری ہوئی۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ چیانگ کے برابر ہی ایک پولیس کانسٹیبل کی بھی لاش ہوئی ہے۔ جگدیش اور اس کے ساتھیوں کی ہیئت کذائی بھی قابل دید تھی۔ انہوں نے کرسیاں میزیں الٹ کر انکی آڑ لے رکھی تھی اور ان کے ریوالور ایک بند دروازے کی طرف اٹھے ہوئے

"ادھر آ جایئے۔" جگدیش فریدی کو دیکھ کر چیخا۔ "وہ اندر موجود ہے۔ ہمارا ایک آدمی ا شکار ہو گیا۔"

فریدی نہایت اطمینان سے چلتا ہوا اس الٹی ہوئی میز کے قریب پہنچا جس کے پیچھے جگد اور اس کے دو ساتھی تھے۔

"اِدھر آ جایئے۔" جگدیش مضطربانہ انداز میں بولا۔

"وہ دوسری طرف سے نکل گیا ہوگا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"ادھر کوئی راستہ نہیں۔" جگدیش نے کہا۔ "ادھر آ جایئے۔"

"اونہہ!" فریدی ہونٹ سکوڑ کر میز کی اوٹ پر بیٹھ گیا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔

"وہ چیانگ کا پرائیویٹ کمرہ ہے۔" جگدیش نے کہا اور پھر اپنے ساتھیوں سے بولا۔ "اُدھ خیال رکھنا ایک راؤنڈ اور چلاؤ۔"

بیک وقت پانچ چھ فائر ہوئے اور شیشے کے کچھ برتن ٹوٹ کر فرش پر آ رہے۔

"وہاں چیانگ کے علاوہ اور کوئی نہیں جاتا تھا۔" جگدیش بولا۔ "یہ اس کے نوکروں نے ہے۔ ایک گھنٹہ قبل کی بات ہے کہ چیانگ نے اندر جانے کے لئے دروازہ کھولا! بس ایک فائر اور گولی اس کی پیشانی پر پڑی اور وہ الٹ کر ادھر آ گرا۔ اس کی اطلاع ہمیں آپ ہی کے ایک آدمی

لی تھی، بہر حال ہم جب یہاں پہنچے تو اندر سناٹا تھا اور باہر بھیڑ تھی۔ پھر جیسے ہی ہمارے ایک نے دروازہ کھولا اس کے بھی گولی لگی۔ اس بیچارے کی لاش بھی چیانگ کے برابر ہی پڑی ہے۔ پھر کسی نے دروازہ کھولنے کی ہمت نہیں کی۔

پھر کچھ دیر خاموشی کے بعد فریدی نے کہا۔ "لیکن یہ طریقہ تو فضول ہے کب تک اس ح جھک مارتے رہو گے۔"

"تو پھر آپ ہی بتایئے۔" ایک سب انسپکٹر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"بتاؤ بھئی۔" فریدی نے حمید کی طرف مڑ کر کہا۔ "تم یہ بھی دیکھ رہے ہو کہ مرحوم بیل اور چیانگ کے قد ایک سے ہیں۔ شائد ایک آدھ انچ کا فرق ہو تو ہو.... اور حمید صاحب بھی دیکھ رہے ہو کہ دونوں کی پیشانیوں ہی پر گولیاں لگی ہیں۔ میرے خیال سے تو ورزش بیالیس ہی مناسب رہے گی۔"

"ورزش نمبر بیالیس۔" حمید نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "اوہ ٹھیک ہے.... اچھا.... ئی صاحب اپنا ریوالور عنایت کریں گے۔"

"میرے خیال سے اس کی ضرورت ہی نہ پیش آئے گی۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

حمید نے ایک میز الٹ دی اور جگدیش کا ریوالور ہاتھ میں لے کر میز کو آگے کی طرف یلتا ہوا دروازے کی سمت بڑھنے لگا۔

"بے فکری سے بڑھتے رہو۔" فریدی نے کہا۔ "دروازہ اندر سے بند نہیں ہوگا۔"

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔" جگدیش نے کہا۔

"بس دیکھتے رہو۔" فریدی لاپروائی سے بولا اور سگار سلگانے لگا۔ ریستوران کے باہر لوگوں تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ لیکن دروازے پر کھڑے ہوئے کانسٹیبل کسی کو اندر نہیں آنے دیتے البتہ سامنے کی بھیڑ ہٹانے سے وہ قاصر رہے تھے۔

حمید کھسکتا ہوا بند دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ پھر اس نے میز کے پائے دروازے سے اڑا یئے۔ دروازہ کھلا اور ایک فائر ہوا۔

گولی سامنے کی دیوار سے ٹکرائی اور حمید اچھل کر پیچھے ہٹ آیا۔ اسپرنگ دار دروازہ پھر بند ہو گیا۔

"ڈرو نہیں۔" فریدی نے آواز دی۔ "ذرا یہ دروازہ پھر کھولنا۔"

حمید نے میز آگے کی طرف کھسکائی۔ دروازہ پھر کھل گیا۔ پھر فائر ہوا اور گولی دیوار اسی جگہ لگی جہاں پہلے لگی تھی۔

"بس ٹھیک ہے ہٹ آؤ۔" فریدی نے کہا۔

حمید لوٹ آیا۔ لیکن وہ ٹٹولنے والی نظروں سے فریدی کو دیکھ رہا تھا۔

"ہاں تو جگدیش صاحب۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تمہیں مایوسی تو نہیں ہوئی۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" جگدیش نے بے بسی سے کہا۔

"خیر مطلب بھی سمجھائے دیتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور اٹھ کر دروازے کے قریب اس نے آڑ کے لئے کسی میز یا کسی چیز کا سہارا نہیں لیا تھا۔ دروازے کے سامنے کھڑے جگدیش کی طرف مڑا۔

"جگدیش صاحب۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "اندر والا گونگا تو نہیں لیکن بہرا ضرور نے اب بھی دروازہ اندر سے بند نہیں کیا ہے۔"

جگدیش نے کوئی جواب نہیں دیا وہ اور اس کے ساتھی حیرت سے منہ کھولے فرید رہے تھے۔ فریدی نے جھک کر دروازہ کھولا۔ تیسرا فائر ہوا اور گولی اس کے سر سے تق فٹ کی اونچائی سے گذر گئی اور ٹھیک اسی جگہ لگی جہاں پچھلی دو گولیاں لگی تھیں۔ فریدی دروازہ بند ہو گیا۔

بھیانک رات

دوسرا لمحہ حد درجہ سنسنی خیز تھا۔ فریدی کے عقب میں دروازہ بند ہو چکا تھا اور اندر قسم کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ ادھر جگدیش اور اس کے ساتھیوں کو سکتہ سا ہو گیا۔ ان کی دروازے پر جمی ہوئی تھیں۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور پھر گولی چلی لیکن کوئی سامنے دکھائی نہ دیا۔

"جگدیش اور حمید اندر آ جاؤ۔" فریدی کی آواز سنائی دی لیکن لہجہ قطعی پر سکون تھا۔ جگدیش نے حمید کی طرف دیکھا۔

"آؤ....!" حمید دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

وہ دونوں اندر داخل ہو گئے لیکن فریدی کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ دونوں بوکھلا کر دروازہ کی طرف پلٹے۔ دروازہ بند ہو چکا تھا اور فریدی سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"تمہارا مجرم!" اس نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔ پھر دھوئیں کے مرغولے چھوڑتا ہوا بولا۔ "مجھے افسوس ہے کہ تم اسے کوئی سزا نہ دے سکو گے۔ ہو سکتا ہے کہ تمہیں اپنے ہی منہ پر تھپڑ مارنے پڑیں۔"

"مجھے الجھن میں نہ ڈالئے۔" جگدیش نے بے بسی سے کہا۔

"چلو ادھر دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جاؤ۔" فریدی نے دونوں سے کہا۔

پھر وہ تینوں دروازے کے قریب دیوار سے لگ کر کھڑے ہو گئے۔

"اب اُدھر بائیں طرف والی دیوار پر دیکھو جہاں تین کھونٹیاں لگی ہوئی ہیں۔ بیچ والی کھونٹی پر نظر رکھنا۔"

فریدی کے دروازہ کھولتے ہی فائر ہوا۔ بیچ والی کھونٹی سے دھوئیں کی پتلی سی لکیر نکل کر بل کھا رہی تھی۔

"میرے خدا۔" جگدیش تھوک نگل کر منہ چلانے لگا۔

اس بار فریدی نے دروازے میں اسٹاپر لگا دیا اور وہ کھلا ہی رہا۔

"آؤ....!" فریدی مسکرا کر طنزیہ لہجے میں بولا۔ "یہی وقت کارگذاری کا ہے۔"

"وافر مقدار میں ناجائز منشیات ملیں گی۔ چانڈو۔ افیون۔ کوکین اور چرس وغیرہ۔"

"کیا چیانگ اس سے ناواقف تھا۔" جگدیش نے کھونٹی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"یہ تو کسی طرح ممکن ہی نہیں۔" فریدی بولا۔ "یہ کوئی ایک دو گھنٹے یا ایک دو دن کا کام تو ہو نہیں سکتا کہ چیانگ کی لاعلمی میں ہو گیا ہو۔"

"تو اس کا یہ مطلب کہ اس نے خودکشی کی۔" حمید بولا۔

"یہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔" فریدی نے کہا۔ "اس کمرے میں تقریباً ایک پاؤنڈ اسٹرائچنین[1] بھی موجود ہے۔ اگر اسے خودکشی ہی کرنا ہوتی تو وہ اسے استعمال کرتا۔ چینی فطرتاً سکون پسند ہوتے ہیں۔ خودکشی کے لئے شاذ و نادر ہی آتشکیر اسلحے استعمال کرتے ہیں۔"

---

[1] ایک مہلک زہر

"تو پھر اسے کیا کہا جائے۔" حمید اکتا کر بولا۔

"اتنی جلدی کیوں ہے۔" فریدی نے کہا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ وہ دونوں بھی باہر آ گئے۔ باہر مجمع شور مچا رہا تھا۔

"اس بھیڑ کو یہاں سے ہٹاؤ۔" فریدی نے جگدیش سے کہا۔

کانسٹیبل کی موت کی وجہ سے بڑی سنسنی پھیل گئی تھی۔ لیکن جب بقیہ لوگوں کو خود بخود چلنے والی گولیوں کا حال معلوم ہوا تو ان کے چہرے لٹک گئے۔

ریستوران کے سامنے سے بھیڑ ہٹا دی گئی تھی۔ لیکن لوگ منتشر نہیں ہوئے تھے۔ تھوڑی دور ہٹ کر وہ پھر ایک جگہ اکٹھا ہو گئے تھے۔

اس وقت فریدی اور حمید تنہا ایک گوشے میں کھڑے تھے اور جگدیش چیانگ اور مقتول کانسٹیبل کی لاش اٹھوانے میں مشغول تھا۔ فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں ابھری ہوئی تھیں۔ اچانک وہ حمید کو مخاطب کر کے بولا۔

"یہ انتظام بہت پرانا معلوم ہوتا ہے۔ شاید چیانگ ہی نے اسے بنایا ہو.... لیکن آج ہی اُسے کسی دوسرے نے چیانگ کی ناواقفیت میں استعمال کیا ہے۔"

"لیکن مقصد کیا ہو سکتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"اگر ڈاکٹر سلمان والے واقعے کو اس سے منسلک کر دو تو مطلب صاف ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اس نے ڈاکٹر سلمان کے متعلق ایک ایسی اطلاع بہم پہنچائی تھی جو عام اطلاعات سے مختلف تھی.... اور وہ آدمی جو ہوٹل ڈی فرانس میں جل مرا تھا وہ بھی ڈاکٹر سلمان ہی کے متعلق کوئی خاص بات بتانا چاہتا تھا۔"

"آخر اتنا اودھم مچانے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ لوگ ڈاکٹر سلمان کا بھی خاتمہ کر سکتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"ابھی کچھ دیر قبل اسی کی کوشش کی گئی تھی۔" فریدی بولا۔ "لیکن اس بلی نے.... خیر ٹھہرو! ہمیں چیانگ کے ملازموں سے ضرور گفتگو کرنی چاہئے۔"

ریستوران میں کام کرنے والے پانچ آدمی باہر موجود تھے اور یہ سب مقامی باشندے تھے۔ فریدی نے کافی دیر تک ان سے گفتگو کی اور نتیجے کے طور پر اُسے چند باتیں معلوم ہوئیں۔ پہلی تو

کہ چیانگ اس کمرے کو خواب گاہ کے طور پر استعمال کرتا تھا۔ دوسری بات یہ کہ چیانگ کے علاوہ اس کمرے میں کوئی نہیں جاتا تھا۔ حتیٰ کہ ان نوکروں میں سے بھی کسی نے آج تک اس کمرے کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ چیانگ اپنے ملاقاتیوں کو بھی وہاں نہیں لے جاتا تھا۔ آخری بات سب سے زیادہ اہم تھی۔ انہوں نے بتایا کہ آج دوپہر کو ایک لمبا اور دبلا پتلا انگریز چیانگ کے پاس آیا تھا اور انہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ چیانگ اُسے اپنے سونے کے کمرے میں لے گیا حالانکہ وہ اپنے ملاقاتی کو وہاں نہیں لے جاتا تھا۔ اور وہ انگریز نوکروں کے لئے بالکل اجنبی تھا۔ انہوں نے اسے وہاں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

جگدیش نے ایک ایک کر کے ملازموں کے بیانات قلمبند کرنے شروع کر دیئے تھے۔ واپسی سے قبل ایک بار پھر فریدی نے چیانگ کے کمرے کا گہرا جائزہ لیا۔ لیکن وہ حمید یا جگدیش کے کسی سوال کا جواب نہیں دے رہا تھا۔ ان دونوں نے بھی تھک ہار کر خاموشی اختیار کر لی۔

بہرحال حمید کے لئے یہ ایک ناکام ترین سفر تھا۔ واپسی پر اس نے فریدی سے کچھ نہیں پوچھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کا ذہن نیند کے دباؤ سے بوجھل ہوتا جا رہا تھا۔

سڑکیں بالکل سنسان ہو گئی تھیں اور ابھی ابھی اطراف کے کسی کلاک ٹاور نے دو بجائے تھے۔ فریدی کی کیڈی لاک کرنل واراب کی کوٹھی کی طرف جا رہی تھی۔ حمید اونگھ رہا تھا اور فریدی کے ماتھے پر گہری سلوٹیں تھیں۔

"کیا سو گئے ہو۔" فریدی نے اُسے ایک ہاتھ سے جھنجھوڑا۔

"نہیں مر گیا۔" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔ "بیٹھے بیٹھے بھی نہیں سونے دیتے۔"

"بیٹھے بیٹھے تمہیں دفن کر دوں گا۔"

"دھمکی دیتے ہیں!" حمید پھر حلق پھاڑ کر چیخا۔

"یہ کیا بیہودگی ہے۔"

"یہاں تو اپنی شرافت بھی بیہودگی ہو جاتی ہے۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "میں آپ سے ہرگز نہ پوچھوں گا کہ آپ اس وقت کہاں جا رہے ہیں۔"

"میں ہرگز نہ بتاؤں گا کہ فی الحال ہم ایک بار پھر کرنل کی کوٹھی کی طرف جائیں گے۔" فریدی نے کہا۔ "ویسے یہ بات بھی تم پر ظاہر کر دوں کہ تم حقیقتاً مر گئے ہو اور اب تم یہ باتیں بنانے

کی بھی سکت نہیں رہ گئی۔ یہ اور بات ہے کہ اب بھی عادتاً دوسروں کو ہنسانے کی کوشش کرتے ہ
لیکن ایک اکتائے ہوئے بھانڈ کی طرح۔"

"اور میں بھی آپ سے عرض کروں فریدی صاحب کہ آپ بالکل بجھ کر رہ گئے ہیں۔ ا
اگر آپ اردو میں عشقیہ شاعری شروع کردیں تو زیادہ بہتر رہے گا۔"

"تم کام چور اور نکمے ہوگئے ہو میرے محکمے کو اب تمہاری ضرورت نہیں اگر تم خود ہ
شرافت سے استعفا نہیں دے دوگے تو میں تمہیں نکلوادوں گا۔"

فریدی نے یہ بات سنجیدگی سے غصیلے لہجے میں کہی تھی۔ حمید نے ایک بار اُسے آنکھیں پھا
کر دیکھا اور اس کی نیند رفع ہوگئی۔ اُسے فریدی کے اس جملے پر سچ مچ غصہ آگیا تھا۔

"جہنم میں گیا آپکا محکمہ! سو بار لعنت ہے ایسی زندگی پر میں ابھی اور اسی وقت استعفے دوں گا۔"

"میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔" فریدی کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

"میں بھی جھک نہیں مار رہا ہوں۔" حمید نے بھی اسی لہجے میں کہا۔

"گاڑی سے اُتر جاؤ۔"

"ہزار بار لعنت ہے اس گاڑی پر۔" حمید غصے کی وجہ سے آگے نہ کہہ سکا۔

اچانک فریدی نے قہقہہ لگایا اور اس کی طرف جھک کر آہستہ سے بولا۔ "نیند کہاں گئی فرزند"

حمید بُری طرح جھینپ گیا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنے منہ پر تھپڑ لگائے۔ اب یہ بات ا
کی سمجھ میں آئی کہ فریدی نے اس کی غنودگی ختم کرنے کے لئے اُسے غصہ دلایا تھا۔

"میں خواب میں بڑبڑا رہا تھا۔" اُس نے بڑی ڈھٹائی سے کہا اور فریدی ہنسنے لگا۔

وہ کرنل داراب کی کوٹھی کے قریب پہنچ رہے تھے۔ فریدی نے کیڈی روک دی اور د
دونوں اُتر کر پیدل کوٹھی کی طرف چل پڑے۔

"یہ بھی بڑی اچھی بات ہے کہ کرنل کو کتے پالنے کا شوق نہیں۔" حمید نے کہا۔

"ایسا کبھی مت سوچنا۔" فریدی بولا۔ "اس کے پاس چار خونخوار کتے ہیں۔"

"لیکن ادھر آنے کا مقصد کیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"کوٹھی میں گھسیں گے۔" فریدی نے کہا۔

"اور آپ چار عدد خونخوار کتوں کے وجود کے بھی قائل ہیں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

کوٹھی کا پھاٹک تقریباً سو گز کے فاصلے پر رہ گیا تھا۔ اچانک ایک کار ان کے قریب سے گذری اور ٹھیک پھاٹک کے سامنے رک گئی۔ فریدی اور حمید جہاں تھے وہیں ٹھہر گئے۔

کار سے ایک طویل القامت آدمی اترا۔ تاروں کی چھاؤں میں وہ صاف نظر آرہا تھا لیکن اتنی روشنی نہیں تھی کہ اس کا چہرہ دیکھا جاسکتا۔ پھاٹک کے قریب جاکر اس نے کوئی چیز کمپاؤنڈ کے اندر پھینکی اور کتے بھونکنے لگے۔ پھر وہ تیز رفتاری سے کار کی طرف واپس آیا اور پائیدان پر ایک پیر رکھ سگریٹ سلگانے کے لئے جھکا۔ جیسے ہی اس کے چہرے پر دیا سلائی کی روشنی پڑی۔ حمید چونک پڑا۔ یہ کوئی انگریز تھا لیکن اس کا چہرہ کسی زندہ آدمی کا چہرہ نہیں معلوم ہو رہا تھا۔ گالوں کی ہڈیاں بد نما ہونے کی حد تک ابھری ہوئی تھیں اور گال بیٹھے ہوئے تھے۔

سگریٹ سلگا کر وہ کار میں بیٹھ گیا اور کار چل پڑی۔ اب فریدی اور حمید اپنی کار کی طرف بھاگ رہے تھے۔ انہوں نے کرپ سول جوتے پہن رکھے تھے ورنہ ان کے قدموں کی آوازیں دور دور تک پھیلتیں۔

انہوں نے اپنی گاڑی کے قریب پہنچنے میں دیر نہ کی۔ حمید نے پلٹ کر دیکھا آگے جانے والی کار کی ٹیل لائٹ کسی ڈوبتے ہوئے ستارے کی طرح دھندلی ہوتی جارہی تھی۔ فریدی کی کیڈی لاک اس کے تعاقب میں تیز رفتاری سے آگے بڑھنے لگی۔

"اس کا حلیہ۔" حمید بولا۔ "چیانگ کے نوکروں کے بتائے ہوئے حلئے سے مختلف نہیں معلوم ہوتا۔"

"ہوں!" فریدی کا مختصر ترین جواب تھا۔ وہ کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"یہ بات نوکر بھی نہیں بتا سکے کہ چیانگ اس اجنبی کے چلے جانے کے بعد بھی ایک آدھ بار اس کمرے میں گیا تھا یا نہیں۔"

"کیوں! اس سے کیا۔"

"عقل کے ناخن لو صاحبزادے۔ یہ ایک اہم ترین نکتہ ہے۔ ظاہر ہے کہ چیانگ نے اس کمرے میں وہ سب کچھ اپنی موت کے لئے انہیں بنایا تھا۔ اس کا مقصد دراصل یہ تھا کہ اگر کوئی اس کی نادانستگی میں وہاں داخل ہونے کی کوشش کرے تو اس کا خاتمہ ہو جائے لہٰذا وہ جب چاہتا رہا ہوگا اس میکنزم کو کار آمد بنالیتا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ خود ہی دھوکے میں اس کا شکار ہو گیا ہو۔ اس

انگریز کے متعلق یہی تو سوچا جاسکتا ہے کہ اس نے چیانگ کی نادانستگی میں اُس کی مشین کا سوئچ کر دیا ہوگا لیکن اگر چیانگ اس کے چلے جانے کے بعد بھی رات سے قبل ایک آدھ مرتبہ کمرے میں گیا ہوگا تو یہ خیال غلط ہو جاتا ہے۔"

آگے والی کار تار جام کی سڑک پر مڑ گئی۔ فریدی نے اَبڈی کی ہیڈ لائیٹس بجھا دی تھیں آگے والی کار کی ٹیل لائٹ کے سہارے چل رہا تھا۔ سڑک ویسے ہی سنسان پڑی تھی اس لئے لائیٹس بجھا دینے کے بعد کوئی خاص دشواری پیش نہیں آئی۔

حمید اونگھتا رہا اور کیڈی رینگتی رہی۔ بات یہ تھی کہ تار جام والی سڑک پر مڑتے ہی اگلی کا رفتار کم ہو گئی تھی لہٰذا فریدی کو بھی کیڈی کی رفتار کم کر دینی پڑی۔ پچھلے پہر کی ملگجے اندھیر میں دونوں کاریں آگے بڑھ رہی تھیں اور چاروں طرف اتھاہ سناٹا تھا۔ اچانک اگلی کار کی رفتار زیادہ تیز ہو گئی۔ فریدی بھی گیئر بدلنے ہی جا رہا تھا کہ اس نے قریب ہی ایک نسوانی چیخ سنی۔ عورت متواتر چیخ رہی تھی۔ "بچاؤ.... بچاؤ.... بچاؤ۔"

حمید بھی بوکھلا کر سیدھا ہو گیا۔

"روکئے نا۔" حمید نے ڈیش بورڈ پر ہاتھ ڈال دیا۔ چیخیں بدستور جاری تھیں۔

فریدی نے کیڈی روک دی۔ آگے والی کار کی ٹیل لائٹ اندھیرے میں غائب ہو چکی تھی وہ دونوں کیڈی سے اُتر گئے۔ سامنے کمٹالی کا طویل و عریض میدان اندھیرے میں ڈوبا ہوا پڑا تھا کچھ دور پر کسی عورت کی دھندلی پرچھائیں اچھل کود رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ چیخیں بھی ہو رہی تھیں۔

فریدی نے ٹارچ نکالی۔ دوسرا لمحہ انتہائی متحیر کن تھا۔ روشنی کے دائرے کی زد میں ا جوان العمر عورت اچھل اچھل کر اس طرح چیخ رہی تھی جیسے اسے ذبح کیا جا رہا ہو۔ آس پاس دور دور تک کسی کا پتہ نہیں تھا۔ چاروں طرف تاریکی اور سناٹے کا راج تھا اور چیخیں بھی تاریکی سناٹے کا ایک جزو معلوم ہو رہی تھیں۔

حمید کو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سناٹے ہی کی چیخیں ہوں۔ نہ جانے کیوں! اس وقت کمٹالی کے میدان کا سناٹا اُسے بڑا پُر ہول معلوم ہو رہا تھا۔

"کیا معاملہ ہے۔" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر زور سے چیخا۔ "ارے تو چیختی کیوں ہو بھاگ آ

"خاموش رہو۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"کمال کرتے ہیں آپ بھی پتہ نہیں کس مصیبت میں بیچاری مبتلا ہے۔" حمید نے کہا اور کچھ بوجھے بغیر عورت کی طرف دوڑ پڑا۔ فریدی اسے آوازیں ہی دیتا رہ گیا۔

لیکن حمید!.... جیسے ہی وہ عورت کے قریب پہنچا پہلے تو وہ زمین سے تین فٹ کی بلندی پر ہو گیا پھر دھم سے زمین پر گر پڑا۔ اس کے بعد وہ بھی اسی عورت کی طرح اچھل کود رہا تھا اس کے منہ سے چیخیں تو نہیں نکل رہی تھیں لیکن وہ بڑے سہمے ہوئے لہجے میں "ارے ے!" کر رہا تھا۔

"حمید....!" فریدی نے اُسے آواز دی۔

"اِدھر.... ارے.... اَبے.... ہش.... ہش.... ادھر مت آیئے۔" حمید اچھلتا ہوا چیخا۔

فریدی خود بھی کچھ بوکھلا سا گیا تھا۔

"کیا بات ہے۔" اس نے آواز دی۔

"بات.... ارے تیری کی.... ارے ارے.... پتہ نہیں.... ہونہہ.... ہونہہ۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اُس نے اپنی فلٹ ہیٹ اتار کر اس طرف اچھال دی۔ وہ ا اُن دونوں کے قریب جا کر گری.... اور اس وقت تو فریدی کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے یہ دیکھا کہ اس کی ہیٹ بھی ان ہی دونوں کی طرح اچھلنے لگی ہے۔

عورت اب صرف اچھل رہی تھی اور اس کی چیخیں بند ہو گئی تھیں۔ حمید تو "ارے ارے" کرتا رہ گیا تھا۔ ویسے فریدی محسوس کر رہا تھا کہ اب وہ بھی سست پڑتا جا رہا ہے۔

اگر فریدی کی ہیٹ نہ اچھل رہی ہوتی تو شاید وہ اُسے مذاق سے زیادہ اہمیت نہ دیتا اور اس عالم ا کمٹالی کے میدان کا پُر ہول سناٹا۔ خود فریدی کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک ٹھنڈی سی لہر دوڑ گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کا اگلا قدم کیا ہونا چاہئے۔ اس وقت اس کے ذہن میں لاتعداد خیال ایک دوسرے سے الجھ کر رہ گئی تھیں، دفعتاً پیچھے سے اس کے سر پر کوئی وزنی چیز گری۔

"جھائیں.... جھائیں۔" گرنے سے قبل ہی دوسری چوٹ.... اور پھر کمٹالی کے میدان کا ہوا اندھیرا قبر کی تاریکی میں تبدیل ہو گیا۔

فریدی نہ جانے کب تک بیہوش رہا اور پھر جب اُسے ہوش آیا تو اُجالا پھیل چکا تھا اور وہ اپنی

کار کی پچھلی سیٹ پر پڑا تھا۔ حمید اگلی سیٹ پر نہ جانے بیہوش پڑا تھا یا سو رہا تھا۔ فریدی اس پر جھک ہی رہا تھا کہ اسکی نظر ڈیش بورڈ کے آئینے پر پڑی اور وہ چونک پڑا۔ اسکے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی

"حمید....!" اس نے حمید کو جھنجھوڑا.... اور حمید "ارے ارے" کرتا ہوا بوکھلا کر اٹھ بیٹھا

"ہائیں....!" اس نے چاروں طرف دیکھا اور آنکھیں ملنے لگا۔

"چلو ادھر ہٹو۔" فریدی نے اُسے اسٹیئرنگ کے سامنے سے ہٹاتے ہوئے کہا۔ اس کی نظر اس کاغذ کے ٹکڑے پر جمی ہوئی تھیں، جو اسٹیئرنگ سے چپکا ہوا تھا۔

"میرے بچو۔" اس نے کاغذ کی تحریر بلند آواز میں پڑھی۔ "کچھ راز ایسے بھی ہیں جن کا ہی رہنا بہتر ہے۔"

حمید بھی جھک کر اُسے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے احمقوں کی طرح فریدی کی طرف مڑ کر کہا۔

"بڑی سچی بات ہے.... خدا کی قسم مجھے حیرت ہے کہ میں زندہ کیسے ہوں۔"

"بکو مت....!" فریدی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

وہ کیڈی سے باہر آ گیا۔ اب غالباً وہ اس جگہ کا اندازہ لگا رہا تھا جہاں اس نے حمید اور ا نامعلوم عورت کی اچھل کود دیکھی تھی۔

اور وہ خط

حمید فریدی کے سر پر بندھی ہوئی پٹی کو دیکھ رہا تھا۔ یکایک پچھلی رات کی یادوں کے دھ کے نقوش اس کے ذہن کی سطح پر اُبھرنے لگے۔ اُسے یاد آ رہا تھا کہ اس نے اس وقت فریدی کی غصیلی آواز سنی تھی۔ جب خود اس کا ذہن آہستہ آہستہ بیہوشی کی دلدل میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ اُ فریدی کے ساتھ رہتے ہوئے کئی سال ہو چکے تھے اور وہ اس کے عادات و اطوار سے بخوبی واقف تھا۔ اس لئے اس کی مخصوص قسم کی غصیلی آواز سنتے ہی اُسے معلوم ہو گیا تھا کہ شائد فریدی کسی نے حملہ کیا ہے۔

"دیکھئے! اُدھر کہاں جا رہے ہیں۔" حمید چیخا۔ فریدی اسی مقام کی طرف جا رہا تھا جہاں پچھلی رات اُسے ایک حیرت انگیز تجربہ ہوا تھا۔

فریدی رک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"ابھی سر نیچے ہو گا اور ٹانگیں اوپر....!" حمید اُسے روکنے کے لئے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"وہ طلسم سامری غالباً اب ختم ہو چکا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

اور حمید نے دیکھا کہ فریدی ٹھیک اسی جگہ پر کھڑا ہے جہاں وہ "اچھل کود" میں مبتلا ہو گیا تھا۔ حمید نے بھی ڈرتے ڈرتے قدم بڑھائے اور فریدی کے پاس پہنچ گیا۔

"اب تو معاملہ ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔" حمید بولا۔

فریدی جھک کر زمین پر کچھ دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر سیدھا ہو گیا۔ اس کی متجسس نگاہیں گرد و پیش کا جائزہ لے رہی تھیں۔ دفعتاً کسی خاص چیز نے اس کی توجہ اپنی جانب سے مبذول کرالی۔ وہ تین چار قدم آگے بڑھ کر جھکا۔ حمید نے اُسے کچھ اٹھاتے دیکھا۔

یہ ایک طلائی ہیئر کلپ تھا جس کے درمیان میں پھول کی شکل میں تین ہیرے جگمگا رہے تھے۔ فریدی اُسے اپنے چہرے کے قریب لے کر بغور دیکھ رہا تھا۔ اچانک اس کے منہ سے ایک ہلکی سی آواز نکلی اور وہ معنی خیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا وہ! کرنل کی لڑکی نادرہ تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"کون.... اوہ.... وہ۔" حمید بوکھلا کر بولا۔ "کیوں؟"

"جو میں پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔"

"اتنا سمجھنے بوجھنے کا ہوش کسے تھا۔"

"ہوں تو گویا قیامت آ گئی تھی۔" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"جی کیا فرمایا آپ نے! حضرت اگر میری جگہ ہوتے تو پتہ چلتا۔"

"مجھے تم سے ایسی غیر سنجیدگی کی توقع نہیں تھی۔" فریدی نے کہا۔

"کیا؟" حمید منہ پھاڑ کر بولا۔ "خدا کی قسم سر پھوڑ لوں گا اپنا۔ کیا آپ نے اپنی ہیٹ کا انجام نہیں دیکھا تھا۔"

"کیا تمہیں کچھ دکھائی دیا تھا۔"

"چودہ طبق روشن ہو گئے تھے.... سبحان اللہ۔"

"ارے تو کچھ بکو گے بھی۔"

"اپنی فلٹ ہیٹ سے پوچھ لیجئے۔"

"جہنم میں جاؤ۔" فریدی نے کہا اور پھر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"کیا یہ نادرہ کا ہے۔" حمید نے ہیئر کلپ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ختم کرو یہ قصہ۔" فریدی کیڈی لاک کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"یہ آپ کے سر پر پٹی کیسی بندھی ہوئی ہے۔" حمید نے پوچھا۔

فریدی نے کوئی جواب دیئے بغیر کیڈی اسٹارٹ کر دی۔ وہ شہر کی طرف واپس جا رہے تھے۔ حمید نے سوچا کہ اب فریدی کسی بات کا جواب نہ دے گا۔ لہٰذا وہ خود ہی بڑبڑانے لگا۔

"میری زندگی میں یہ پہلا تجربہ تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی پُر اسرار قوت مجھے اچھا اچھال کر زمین پر پٹخ رہی ہو۔ اگر میں ہوش بجانہ رکھتا تو ہڈیاں چور ہو جاتیں۔ آپ فوق الفطر چیزوں پر یقین نہیں رکھتے لیکن میرا دعویٰ ہے کہ اگر آپ پھنسے ہوتے تو کفر ٹوٹ جاتا۔"

"فوق الفطرت۔" فریدی ہونٹ بھینچ کر مسکرایا۔ "جو چیز ہماری سمجھ میں نہیں آتی اُسے فوق الفطرت کہتے ہیں، حالانکہ حقیقتاً وہ بالکل معمولی ہوتی ہیں۔"

"ذرا فرمایئے گا.... وہ کون سی معمولی چیز تھی، جو مجھے اوپر کی طرف اچھال رہی تھی۔"

"تمہیں کسی قسم کی مشینی قوت اچھال رہی تھی۔"

"آپ کو تو مشینوں کے خواب آنے لگے ہیں۔" حمید ہنس پڑا۔

"میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔ تم پچھلی رات کو تاروں کے ایک جال پر اچھل کود رہے تھے اور اس جال کا تعلق کسی مشین سے تھا۔"

"جال....!" حمید حیرت سے بولا۔ "کیا وہ پچھلی رات آپ کو دکھائی دیا تھا۔"

"نہیں میں نے اس وقت اس کے نشانات دیکھے ہیں۔ کمٹالی کی زمین ملائم ہے۔"

"اور وہ عورت۔"

"میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کون تھی۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ویسے یہ ہیئر کلپ فیصدی نادرہ ہی کا ہے۔ کل رات اس نے اُسے اپنے بالوں میں لگا رکھا تھا۔ اس کی پشت پر اس کا بھی موجود ہے.... یہ دیکھو! نادرہ داراب....!"

حمید ہیئر کلپ کو ہاتھ میں لے کر تھوڑی دیر تک الٹتا پلٹتا رہا پھر بولا۔ "مجھے بھی یاد پڑتا ہے

کل نادرہ کے بالوں میں تھا.... اگر یہ بات ہے تو آخر آپ نے کرنل کو ڈھیل کیوں دے

ہے۔"

"میں ابھی کچھ سمجھنا چاہتا ہوں۔ اس معاملے میں اکیلا کرنل ہی نہیں معلوم ہوتا۔" حمید تھوڑی دیر تک ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے ہلکے سروں میں سیٹی بجانی ع کر دی۔ فریدی کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی شدید الجھن میں مبتلا ہے۔

زوہ آہستہ سے بولا۔ "دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو اس آدمی نے ہمیں دھوکا دے کر تار جام سڑک پر لگا دیا تھا یا پھر اس کی کار میں ٹرانسمیٹر فٹ تھا جس کے ذریعہ اس نے اپنے ساتھیوں ارے متعلق مطلع کر دیا تھا لیکن سوال تو یہ ہے کہ انہوں نے ہمیں زندہ کیوں چھوڑ دیا۔ یہی بلکہ میرے سر کی مرہم پٹی بھی کر گئے۔ صرف یہی ایک چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ال ہمارے ہی لئے بچھایا گیا تھا اور وہ عورت فراڈ تھی.... لیکن نادرہ کا ہیر کلپ۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ نادرہ ہی رہی ہو۔" حمید بولا۔ "کیا آپ نے اسے پچھلی رات کو مشکوک ت میں نہیں دیکھا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کرنل داراب کی دھمکی ہو۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

گھر پہنچ کر فریدی کو وہ کیبل ملا جس کا اُسے کئی دن سے انتظار تھا۔ فریدی بغور اُسے پڑھتا ۔ پہلے تو اس کے چہرے پر ایک خاص قسم کی چمک پیدا ہوئی لیکن پھر جلد ہی وہ معمول پر آ گیا۔

"تم نے دیکھا۔" اس نے حمید کو مخاطب کیا۔ "ڈاکٹر سلمان کی یاد داشت پر بُرا اثر کیوں پڑا۔ ا کا جوان بیٹا راشد.... دراصل ایک چٹان سے گر کر مر گیا تھا اور میرا خیال ہے کہ اسی حادثے ناء پر وہ اپنی یاد داشت ہی کھو بیٹھا.... تمہیں یاد ہو گا.... جب میں اسے اُسے فلم دکھا رہا .... بتا سکو گے کہ اس نے کس سین پر راشد کا نام لیا تھا۔"

"غالباً وہ دو چرواہوں کی لڑائی کا سین تھا اور ان میں سے ایک چٹان سے گر کر مر گیا تھا۔"

"ٹھیک ہے.... اس سین پر اس کی یاد داشت لوٹتے لوٹتے رہ گئی تھی۔ خیر وہ ایک الگ بحث ہے لیکن حمید صاحب یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس نے راشد کا نام چرواہے کے گر جانے کے د نہیں لیا تھا بلکہ اسی وقت راشد راشد چیخنے لگا تھا، جب وہ دونوں چٹان پر لڑ رہے تھے۔"

"تو پھر....؟"

"تو پھر یہ کہ .... راشد کی موت کسی اچانک حادثے کی بناء پر واقع نہ ہوئی ہو گی۔ ہو سکتا کہ کسی سے اس کی لڑائی ہوئی اور ڈاکٹر سلمان وہاں موجود رہا ہو.... ورنہ پھر کیا وجہ ہے کہ نامعلوم آدمی یہ نہیں چاہتے کہ سلمان کی صحیح حالت سے کوئی واقف ہو سکے۔"

"آپ کرنل داراب کا نام صاف صاف کیوں نہیں لیتے۔" حمید نے کہا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی نظریں پھر کیبل پر جم گئی تھیں۔

"اور دوسری بات۔" اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "یہ حقیقت ہے کہ ڈاکٹر سلمان نے پاگل خانے کی شکل تک نہیں دیکھی۔ چیانگ کا بیان صحیح تھا اور مانا اوز کے حکام جھوٹے ہیں۔ وہ سرکاغذات جو وہاں سے بھیجے گئے ہیں ڈاکٹر سلمان کو وہاں کے حقوق شہریت مل گئے تھے یادداشت کھو بیٹھنے کی بناء پر اُسے پھر یہاں دھکیل دیا گیا اور یہ ظاہر کیا گیا کہ اسے ابھی شہریت ملے ہی نہیں تھے۔"

"کیوں....؟ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ آخر انہوں نے اُسے تین سال تک پاگل خانے رکھنے کی افواہ کیوں اڑائی ہے۔"

"بہانہ....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "تاکہ اسے واپس بھیجا جا سکے اور اس میں اس فرم کا بھی ہاتھ معلوم ہوتا ہے۔ اُس نے اسے پیچھا چھڑانے کے لئے یہ سب کچھ کیا ہے۔"

"لیکن یہ اطلاعات کس نے بہم پہنچائی ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"ایک پرائیویٹ خبر رساں ایجنسی نے جس کا تعلق مانا اوز کی ایک پرائیویٹ سراغ رساں ایجنسی سے ہے۔"

"تو کیا یہ مانا اوز سے نہیں آیا!" حمید نے کیبل کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"نہیں.... یہ برٹش گی آنا سے آیا ہے۔" فریدی نے کہا اور کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد پھر بولا۔ "حمید صاحب یہ کیس بڑا پیچیدہ ہے۔ اتنا تو میں بھی جانتا ہوں کہ کرنل داراب ایسے گروہ کو کنٹرول کرتا ہے جس کا پیشہ منشیات کی ناجائز درآمد اور برآمد کرنا ہے! لیکن ڈاکٹر سلمان.... ڈاکٹر سلمان کا اس معاملے سے کیا تعلق؟ یہ بات بھی مجھے معلوم ہے کہ کرنل داراب کا کچھ نہ کچھ تعلق جنوبی امریکہ خصوصاً برازیل کے ایک حصے سے بھی ہے کیونکہ اس کی ڈاک وہاں سے آتی ہے۔"

"تب تو معاملہ صاف ہے۔" حمید نے کہا "اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ ڈاکٹر سلمان کا لڑکا کسی لڑائی کے نتیجے میں مارا گیا ہے تو ہو سکتا ہے کہ اس میں کرنل داراب کا ہاتھ رہا ہو اور اسی لئے وانگ نے اس آدمی کو ختم کر دیا، جو زرینہ کو ڈاکٹر کے متعلق کچھ بتانا چاہتا تھا.... چیانگ بھی مارا گیا، جو لڑکے کے متعلق کوئی اہم بات جانتا تھا۔ کرنل کے یہاں سلمان کو زہر دینے کی بھی کوشش کی گئی۔"

"اور اس سے پہلے کرنل پر بھی حملہ ہو چکا تھا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "چیانگ نے اتنا ہی بتایا تھا کہ سلمان پچھلے سال پاگل خانے میں نہیں تھا.... اور یہ بات دوسرے ذرائع سے بھی معلوم ہو سکتی تھی۔"

ایک نوکر نے کمرے میں داخل ہو کر ایک ملاقاتی کا کارڈ پیش کیا۔

"ناصر ہے۔" فریدی نے کارڈ کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اسے یہیں بلا لاؤ۔"

ناصر کے آنے تک خاموشی رہی۔ حمید کچھ بیزار سا نظر آ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر تھوڑی سی مہلت مل جاتی تو کرنل کی خیریت پوچھنے کے بہانے نادرہ سے مل آتا۔

"یہ تمہارے سر میں کیا ہوا۔" ناصر نے پوچھا۔

"یونہی ایک معمولی سی چوٹ آ گئی ہے۔"

"کیسے؟"

"ارے چھوڑو یار.... کل رات تمہارے چچا کی وجہ سے دعوت میں بڑی بے لطفی رہی۔"

"بھئی میں تو لے جانا ہی نہیں چاہتا تھا لیکن خود کرنل ہی نے خواہش کی تھی۔" ناصر نے کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔ جہاں جنوبی امریکہ کا نام آیا وہ وحشیوں کی طرح لپٹ پڑنے کے لئے جھپٹتے ہیں.... اور یہ لو.... یہ ان کی کمپنی کے ایک ڈائریکٹر کا خط ہے۔"

ناصر نے ٹائپ کیا ہوا ایک خط فریدی کی طرف بڑھا دیا اور جب فریدی اُسے پڑھنے کے لئے میز پر پھیلا رہا تھا تو ناصر نے کہا۔ "میں کچھ دنوں سے چچا صاحب کے متعلق ان کی فرم سے خط و کتابت کر رہا تھا۔ آخر یہ جواب آیا ہے۔"

تحریر یہ تھی

"مائی ڈیئر ناصر!

آپ کے خطوط ملے اور میں یہ خط آپ کو اس لئے لکھ رہا ہوں کہ صرف آپ مطمئن

ہو جائیں۔ اس کی پبلسٹی نہ کیجئے گا کیونکہ اس میں میری فرم اور مقامی حکومت کی بدنامی ہوگی حقیقت ہے کہ یہاں ڈاکٹر سلمان کو حقوق شہریت مل چکے تھے۔ اچانک ان کا لڑکا ایک حادثہ کا شکار ہو گیا۔ سلمان صاحب شائد جائے وقوع پر موجود تھے۔ وہاں سے انہیں بیہوشی کی حالت اٹھا کر لایا گیا۔ وہ تین دن تک بیہوش پڑے رہے اور جب انہیں ہوش آیا تو وہ اپنی یادداشت بیٹھے تھے۔ میں آپ کو پوشیدہ طور پر مطلع کر رہا ہوں کہ وہ پاگل خانے نہیں رکھے گئے تھے بلکہ لوگ انہیں اپنی نگرانی میں رکھتے تھے۔ ان کی عجیب کیفیت تھی۔ کبھی وہ بالکل پاگل ہو جاتے اور کبھی ٹھیک ہو جاتے تھے۔ البتہ انہیں بیٹے اور حادثے کے متعلق کبھی کچھ نہ یاد آیا۔ تین تک ہم انہیں سنبھالتے رہے پھر ہم نے سوچا کہ انہیں ان کے وطن بھجوا دیا جائے۔ ڈاکٹر نے کمپنی کی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں اور ہم اس کے لئے ان کے مشکور تھے، لہٰذا ہم غیر قانونی طور پر بھاری رشوت دے کر حکام کو اس بات پر راضی کیا کہ وہ ان کے حقوق شہریت ختم کر کے آپ کی حکومت سے ان کی واپسی کے لئے کہیں اور اس پر یہ ظاہر کریں کہ ڈاکٹر سے کو حقوق شہریت دیئے ہی نہیں گئے تھے اور ان کی درخواست زیر غور تھی۔ اسی کے لئے سلمان کے پاگل پن کی آڑ لی گئی اور یہ ظاہر کیا گیا کہ انہیں پاگل خانے میں بھی رکھا جا چکا ہے۔

بہر حال! ہماری دعائیں ان کے ساتھ ہیں اور ہمیں خوشی ہے کہ وہ اپنے وطن اپنے آدمیوں میں پہنچ گئے ہیں۔ ہم ان کا ڈیڑھ لاکھ روپیہ جس میں ان کا ذاتی اندوختہ اور کمپنی کا فنڈ شامل عنقریب منتقل کرا دیں گے۔

تاکید ہے کہ اس خط کو پڑھنے کے بعد ضائع کر دیا جائے۔

آپ کا مخلص

آرتھر ڈی بیسکومب"

فریدی نے خط پڑھ کر حمید کی طرف بڑھا دیا۔ چند لمحے وہ کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"وہ لفافہ کہاں ہے جس میں خط آیا ہے۔"

"لفافہ..... میرا خیال ہے کہ وہ ضائع ہو گیا۔ تلاش کے باوجود نہیں ملا۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ یہ خط ماناؤز سے ہی آیا ہے۔"

"ہاں بھئی! لفافے پر وہاں کا ٹکٹ تھا۔"

"اور مہر کہاں کی تھی۔"

"اونہہ! یار تم تو جان کو آجاتے ہو! مہر پر میں نے غور نہیں کیا تھا۔"

"اور لفافہ بھی ضائع ہو گیا..... خیر..... تم نے چینی ریستوران کے مالک چیانگ کی حیرت موت کے متعلق پڑھا ہوگا۔"

"ہاں ہاں..... کیوں؟"

"وہ بھی تمہارے چچا کے متعلق کوئی اہم بات جانتا تھا۔"

"یار یہ معاملہ کیا ہے..... کہیں میں پاگل نہ ہو جاؤں۔ آخر چچا صاحب کی شخصیت اتنی پراسرار کیوں بنتی جا رہی ہے۔"

"یہ تو تمہارے چچا ہی بتا سکیں گے۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا اور حمید چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"کاش چچا کچھ بتا سکتے۔" ناصر بولا۔

"کل رات وہ گھر کتنے بجے پہنچے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"مجھے علم نہیں۔"

"تو تم ان کی طرف سے اتنے لاپرواہ رہتے ہو۔"

"ارے بھئی وہ بچے تو ہیں نہیں..... اور نہ پاگل ہیں جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے۔ جنوبی امریکہ کے حوالے کے علاوہ اور کوئی چیز ذہنی طور پر انہیں اتنا متاثر نہیں کرتی کہ وہ آپے سے باہر ہو جائیں۔ اکثر وہ تنہا سینما بھی جاتے ہیں اور ان کی نارمل حالت کو دیکھتے ہوئے کسی کو کوئی تشویش نہیں ہوتی۔"

"ان کے ملنے والے بھی آتے رہے ہوں گے۔" فریدی نے پوچھا۔

"اکثر.....!"

"ایسے لوگ بھی آتے ہیں جو تمہارے لئے اجنبی ہوں۔"

"ابھی تک تو ایسا نہیں ہوا۔"

"اچھا اب خط کو پھاڑ کر جلا دو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس لئے کہ یہ قطعی فضول اور بچکانہ ہے۔ ویسے کیا تم نے اس کا تذکرہ اپنے چچا سے کیا تھا۔"

"پہلے یہ بتاؤ کہ یہ فضول اور بچکانہ کیوں ہے۔"

"کمپنیوں کے ڈائریکٹر گدھے ہانکنے والے نہیں ہوتے۔ ممکن ہے اپنے یہاں ہو دوسرے ممالک میں ایسا نہیں ہوتا۔ اس ڈائریکٹر نے اپنے ایک بہت بڑے جرم کا اعت ہے۔ میرے بھولے بچے اس قسم کی تحریریں باپ کو بھی نہیں دی جاتیں ذرا یہ تو بتانا! اس خط کو بے احتیاطی سے کہیں ڈال دیا تھا۔"

"نہیں تو.... یہ میری ڈائری میں تھا۔"

"لفافے سمیت۔"

"مجھے اچھی طرح یاد نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ خود میں نے ہی لفافہ اس طرح کھولا دوبارہ استعمال کے قابل نہ رہ گیا ہو اور میں نے ہی اُسے پھینک دیا ہو۔ آخر تم لفافے کو اتنا کیوں دے رہے ہو۔"

"کچھ نہیں.... پھر غور کریں گے۔" فریدی نے کہا۔ "میرے سر میں تکلیف بڑھ گئی

حمید سمجھ گیا کہ فریدی اب اس مسئلے پر ناصر سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔

ناصر دو چار منٹ بیٹھ کر چلا گیا اور فریدی اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

"آخر آپ لفافے کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔"

"وہ خط مانا اُوز سے نہیں آیا۔"

"محض اس بناء پر کہ لفافہ کھو گیا ہے۔" حمید بولا۔

"میں کبھی کوئی بات کمزور بنیادوں پر نہیں کہتا فرزند!" فریدی نے ایک آرام کر دراز ہو کر کہا۔ "اس میں شک نہیں کہ ربر سپلائی کمپنی کے ایک ڈائریکٹر آرتھر ڈی ہیسکا نام اس پر چھپا ہوا تھا لیکن وہ کاغذ ہمارے ہی ملک کے ایک مل کا بنا ہوا تھا۔ اس پر ایک غیر ملکی کا لیٹر پیڈ چھپوانے والے احمق نے یہ نہیں سوچا کہ بعض کاغذوں پر کارخانوں کا واٹر مارک ہوتا ہے۔"

"کرنل داراب کی حرکت۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔ "سو فیصدی اسی کی حرکت۔ نے یہ خط محض اس لئے بھجوایا ہے کہ ڈاکٹر سلمان کے متعلق گہری تفتیش نہ کی جائے۔"

"لیکن....!" فریدی چھت کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "اس خط کی تحریر غلط نہیں

بلکہ بدی حقیقت ہے۔"

دو خوفناک آدمی

فریدی کئی دن تک زیادہ مشغول رہا۔ حمید کے ہر استفسار کا جواب اس کے پاس یہی ہوتا تھا کہ وہ ابھی کسی مسئلے پر روشنی نہیں ڈال سکتا کیونکہ ابھی وہ خود ہی یقین اور شبہات کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ اس دوران میں حمید نے اسے شکل تبدیل کر کے بھی کئی بار گھر سے باہر جاتے دیکھا تھا لیکن وہ حمید کی مشغولیت میں مخل نہیں ہوا۔ اس نے اس سے ایک بار بھی یہ نہیں پوچھا کہ وہ آج کل کرنل داراب کی لڑکی نادرہ کے ساتھ مختلف ریستوران اور تفریح گاہوں میں کیوں دکھائی دیتا ہے۔ نادرہ حمید سے بہت زیادہ بے تکلف ہو گئی تھی اور کرنل داراب بھی شائد ان دونوں کی دوستی کو پسند کرتا تھا۔

ایک رات حمید کو داراب کی کوٹھی میں بارہ بج گئے اور وہ اٹھنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ کرنل داراب نے اُسے رات وہیں بسر کرنے کو کہا۔ حمید کو حیرت ہوئی اور کچھ خوف بھی محسوس ہوا۔ وہ ہچکچا ہی رہا تھا کہ کرنل نے کہا۔

"میں فریدی صاحب کو فون کئے دیتا ہوں۔ میرے خیال سے انہیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ بات یہ ہے کہ آج میں باتیں کرنے کے موڈ میں ہوں اور اس معاملے میں آپ جیسا رفیق ملنا مشکل ہے۔ نادرہ آپ کی بہت تعریف کرتی ہے۔"

اپنے متعلق ایک خوبصورت لڑکی کے باپ سے اس قسم کا جملہ سن کر حمید سر تا بقدم مکھن ہو کر رہ گیا اور اس کی سعادتمندی نے جوش مارا تو وہ یہ بھی بھول گیا کہ کرنل داراب سے ربط و ضبط بڑھانے کا مقصد کیا تھا۔ وہ یہ بھی بھول گیا کہ فریدی کرنل داراب کے متعلق ثبوت مہیا کرنے کی فکر میں ہے۔ اس وقت اسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے کرنل نے اسے اپنی فرزندی میں لے لینے کا تہیہ کر لیا ہو۔

یہ گفتگو ڈرائنگ روم میں ہوئی تھی۔ کھانا کھا چکنے کے بعد سے اب تک وہ وہیں بیٹھے حمید کے لطیفوں سے محظوظ ہوتے رہے تھے۔ کرنل اور نادرہ کے ساتھ وانگ بھی تھا۔ حمید نے رات

وہیں بسر کرنے کا وعدہ کر لیا۔

"تو کیا رات بھر باتیں ہوں گی۔" نادرہ نے کہا۔

"میں نے کہا نا کہ آج میرا موڈ باتیں کرنے کا ہے۔" کرنل بولا۔

"تب تو میں چلی۔" نادرہ نے انگڑائی لے کر کہا۔ "مجھے نیند آ رہی ہے۔"

"ہاں ہاں تم جاؤ۔" کرنل بولا۔ "تمہیں زیادہ نہ جاگنا چاہئے۔"

نادرہ نے بڑے دلآویز انداز میں مسکرا کر حمید کو "شب بخیر" کہا اور لچکتی ہوئی چلی گئی۔

حمید کو ایسا معلوم ہوا جیسے وہ حلوہ سمجھ کر صابن کا ٹکڑا کھا گیا ہو۔ اگر اُسے یہ معلوم ہوتا نادرہ اس گفتگو میں حصہ نہ لے گی تو وہ کبھی وہاں قیام کرنے کا وعدہ نہ کرتا۔

"حمید صاحب! اگر آپ کو چینی رقص و موسیقی سے دلچسپی ہو تو تیہ چن کو بلواؤں۔"

"جی ہاں بہت۔" حمید اُسے دل ہی دل میں گالیاں دیتا ہوا بولا۔ "میرے والد صاحب کو بھ چینی رقص و موسیقی سے بہت زیادہ دلچسپی تھی اور دادا کا تو خیر انتقال ہی چین میں ہوا تھا۔"

"کیا واقعی۔" کرنل داراب نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں! اور میرے باپ کو چین اور چینیوں سے اتنی محبت تھی کہ انہوں نے میرا قومی نا چینی زبان میں رکھا تھا۔"

"کیا نام تھا!" کرنل نے پوچھا۔

"چیاؤں میاؤں!" حمید نے اتنی سنجیدگی سے کہا کہ کرنل داراب بیساختہ ہنس پڑا۔

وانگ اردو نہیں سمجھتا تھا اس لئے وہ بت بنا بیٹھا رہا۔ آخر کرنل نے اس سے تیہ چن کو بلا کو کہا۔

وانگ چلا گیا۔ حمید شام ہی سے ایک بات بڑی شدت سے محسوس کر رہا تھا وہ یہ کہ کرنل داراب کچھ پریشان پریشان سا نظر آ رہا تھا۔ اکثر وہ اس کے جملوں پر بے ساختہ ہنس تو پڑتا تھا لیکن پھر فوراً ہی وہ ہنسی اس طرح کسی قسم کی تشویش کے آثار میں بدل جاتی جیسے اچانک سورج کے سامنے بادل آ جائیں۔

تیہ چن کے آ جانے کے بعد کمرے میں خاصا ہلڑ مچ گیا تھا۔ وہ اور وانگ حلق پھاڑ پھاڑ کر گا رہے تھے اور تیہ چن ناچ بھی رہا تھا۔

تیہ چن نے نقلیں شروع کر دیں۔ اس نے کبھی کسی انگریز عورت کو بچہ جنتے دیکھا تھا اس نے کراہنے اور گناہوں کو یاد کر کے توبہ کرنے کی نقل پر تو حمید کو بھی اُچھو ہو گیا۔

تالیاں دو بج رہے تھے، جب حمید پر یکایک حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ تیہ چن سیامی طوائفوں کی رہا تھا اور وانگ اس کا گاہک بنا تھا۔

چانک حمید کی نظریں عقبی دروازے کی طرف اٹھ گئیں اور وہ "ارے" کہہ کر کھڑا ہو گیا۔

بھی متوجہ ہو گیا۔ چانک حمید نے ایسا محسوس کیا جیسے کرنل کا چہرہ سفید پڑ گیا ہو! وانگ اور اس طرح سہم کر کھڑے ہو گئے تھے، جیسے انہوں نے اپنی موت سامنے دیکھ لی ہو۔

ڈاکٹر سلمان دروازے میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔

فتاً کرنل نے چیخ کر کہا۔ "وانگ تیہ چن یہ بچ کر جانے نہ پائے۔"

سلمان نے قہقہہ لگایا اور مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ "تیہ چن اور وانگ تمہاری نمک حرام نہیں ہیں۔"

"وانگ! میں کیا کہہ رہا ہوں۔" کرنل جھلا کر بولا۔ مگر ان دونوں چینیوں نے اپنی جگہ سے بھی نہ کی۔

"ہونہہ! بس۔" ڈاکٹر سلمان نے قہقہہ لگایا "تم صرف ایک ننھے منھے سے سراغ رساں کو رکے یہ سمجھے تھے کہ شائد آج کی رات بھی ٹل جائے گی۔ آج کی رات تو اس صورت میں ٹلتی اگر تم شہر کے سارے حکام کو جمع کر لیتے۔"

اب تو حمید کے کان کھڑے ہوئے اور وہ بُری طرح بوکھلا گیا۔

"وانگ اور تیہ چن.... تم نے دھوکا دیا۔" کرنل بڑبڑایا۔

"نمک حرامی اچھی چیز نہیں.... تمہیں پہلے ہی سوچنا چاہئے تھا کہ دوسرے بھی تمہیں دے سکتے ہیں۔"

"تم کامیاب نہیں ہو سکو گے۔" کرنل غرایا۔

"ابھی اور اسی وقت۔" سلمان نے ہنس کر کہا۔ "آج مجھے اپنے ہاتھ خون سے بھرنے پڑیں اور یہ بیچارہ جاسوس تو مفت میں مارا جائے گا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" حمید نے کہا۔

"مطلب یہ کہ میں تمہیں مار ڈالوں گا۔"

حمید کو ہنسی آگئی! اُسے یقین ہو گیا تھا کہ شائد اس پر پھر پاگل پن کا دورہ پڑا ہے۔

اس نے سوچا کہ اسے چھیڑنا چاہئے۔ اُسے اس بات کا بھی دھیان نہ رہا کہ ابھی ابھی سا کو دیکھ کر کرنل کے چہرے پر موت کی سی سفیدی چھا گئی تھی۔

"آپ کبھی جنوبی امریکہ گئے ہیں۔" حمید نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"میری عمر ہی جنوبی امریکہ میں گذری ہے۔" سلمان نے سنجیدگی سے کہا۔ "اور یقین کہ میرے اس اعتراف کا تذکرہ کرنے کے لئے تم زندہ نہیں رہو گے۔"

پھر اس نے وانگ اور تیہ چن کو مخاطب کر کے کہا۔ "اس کے ہاتھ اور پیر اپنی ٹائیوں سے جکڑ دونوں نے اپنی ٹائیاں کھولیں اور حمید مرنے مارنے پر آمادہ ہو گیا۔ لیکن دوسرے ہی میں ڈاکٹر سلمان کے ہاتھ میں اعشاریہ تین آٹھ کا ریوالور نظر آرہا تھا۔

"لڑکے!" اس نے کہا۔ "موت کسی کنواری دوشیزہ کا نام نہیں اور کرنل داراب تم بھی جگہ سے جنبش نہیں کرو گے۔"

حمید کے ہاتھ اس کی پشت پر جکڑ دیئے گئے۔ پھر ان دونوں چینیوں نے اُسے فرش پر گ اس کے پیر بھی باندھ دیئے۔

"ہاں تو اب تم کیا کہتے ہو۔" سلمان نے کرنل کو مخاطب کیا۔ "ان آخری دو آدمیوں کا بھی تم نے دیکھ لیا جن پر تمہیں اعتماد تھا۔"

حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ پچھلے واقعات ایک ایک کر اس کی نظروں میں پھرنے لگے۔ لیکن موجودہ حالت ان سے بالکل مختلف تھی۔ سلمان کو وہ بے ضرر آدمی سمجھتا تھا اور بڑی حد تک قابل رحم بھی۔ لیکن یہاں تو بساط ہی الٹ گئی تھی۔

کرنل داراب خاموش تھا ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ پھانسی کے تختے کے قریب پہنچا دیا گیا

"تم خاموش کیوں ہو۔" سلمان پھر بولا۔ "تم نے اپنے سارے حربے آزما لئے۔ ڈاکٹر سا کو پولیس کی نظروں میں پُراسرار بنانے کی کوشش کی۔ تم نے ڈاکٹر سلمان کو پولیس آفیسروں سامنے مار ڈالنے کی اسکیم بنائی۔ لیکن تمہاری ہی بلی نے تمہارا راستہ کاٹ دیا۔ تمہیں اپنے آد پر اعتماد تھا انہوں نے بھی تمہارا ساتھ چھوڑ دیا۔ اب تمہاری خاموشی فضول ہے۔"

کرنل داراب تھوک نگل کر رہ گیا۔

"بولو۔" ڈاکٹر سلمان جھنجھلا کر بولا۔ "ورنہ آخری مرحلہ تمہاری موت پر ختم ہو گا۔"

"بکواس ہے۔" کرنل نے چیخ کر کہا۔ "میری ہڈیوں میں بھی پانی نہیں ہے۔"

"میں جانتا ہوں کہ اُن میں انناس کا شربت ہے۔" ڈاکٹر سلمان نے قہقہہ لگایا اس لئے قبر کا ریزبیریٹر تمہارے لئے زیادہ موزوں رہے گا۔"

"میں تم تینوں کی گردنیں توڑ سکتا ہوں۔" کرنل اٹھتا ہوا بولا۔

"اس ریوالور میں سائیلنسر لگا ہوا ہے۔" سلمان نے مسکرا کر کہا۔ "قطعی آواز نہیں ہو گی اور نہار ادم اتنی ہی آسانی سے نکل جائے گا جتنی آسانی سے ٹوسٹ پر مکھن لگایا جا سکتا ہے۔"

"سلمان مجھے غصہ نہ دلاؤ۔" دفعتاً کرنل کے نتھنے پھول گئے اور آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم غصے میں بلیوں کی طرح خرخر کرنے لگتے ہو۔"

"تم چیانگ کے قاتل ہو۔" کرنل نے کہا۔ "میں تمہیں گرفتار کرا سکتا ہوں۔"

"تو تم اس سے کب پاک ہو۔" ڈاکٹر سلمان ہنس کر بولا۔ "تمہارا ہاتھ ہوٹل ڈی فرانس والے حادثے میں تھا لیکن میں نے کبھی اُسے کوئی اہمیت نہیں دی۔"

حمید ان کی اس عجیب و غریب گفتگو کو اتنی دلچسپی سے سن رہا تھا کہ اسے اپنی موجودہ حالت کا بھی احساس نہیں رہ گیا تھا۔ وانگ اور تیہ چن سر جھکائے کھڑے تھے۔

"سلمان میں سچ کہتا ہوں کہ تم یہاں سے زندہ بچ کر نہ جا سکو گے۔" کرنل بولا۔

"کیا ابھی تمہاری بساط پر کوئی مہرہ باقی رہ گیا ہے۔" سلمان نے کہا۔

"اس گھر کا ہر ستون ایک آدمی ہے۔" کرنل بولا۔

"اوہ....!" ڈاکٹر سلمان نے قہقہہ لگایا۔ "میں جانتا ہوں کہ یہاں مختلف جگہوں پر ڈائنامائٹ لگے ہوئے ہیں اور تم جب چاہو اس عمارت کے پرخچے اڑا سکتے ہو۔ شائد تمہاری اس میز میں بھی ان کا سوئچ ہو گا مگر میرے بیٹے تمہیں شاید یہ نہیں معلوم کہ ڈاکٹر سلمان نے ان کی مین لائن پہلے ہی کاٹ دی ہے۔"

"او ڈاکٹر کے بچے۔" حمید نے پڑے پڑے ہانک لگائی۔ "میں بہت بُرا آدمی ہوں۔"

"خاموش رہو۔" کرنل اس پر الٹ پڑا۔

حمید پھر بوکھلا گیا۔

"تو میں تمہیں خاموش ہی کر دوں۔" ڈاکٹر سلمان بڑبڑایا۔ پھر اس نے وانگ سے کہا۔ "اس کا گلا گھونٹ دو۔"

حمید نے بے بسوں کی طرح مچلنا شروع کر دیا۔ وہ دل ہی دل میں اپنے اس غلط رجحا گالیاں دینے لگا جس کی بدولت اُسے یہاں رکنا پڑا تھا۔ حالانکہ اس کی دانست میں حالات م خیز تھے لیکن پھر بھی وہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ ایک نہیں دو پاگلوں کے چنگل میں پڑ گیا ہے۔

وانگ اس پر جھک پڑا تھا اور گلا دبانے کے لئے اُسے چت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کرنل تمہارا بھی یہی حشر ہوگا۔" ڈاکٹر سلمان نے کہا۔ "بہتر ہے کہ راہ پر آجاؤ۔"

"میں تم تینوں کے لئے تنہا کافی ہوں۔" کرنل غرایا۔

"تیہ چن۔" ڈاکٹر سلمان نے آہستہ سے کہا۔ "کرنل داراب کو سمجھا دو۔"

"ابے او سلمان کے بچے! تیری شامت آئی ہے۔" حمید گھٹی گھٹی سی آواز میں چیخا۔ ا گردن وانگ کی گرفت میں آگئی تھی۔ قریب تھا کہ اس کا دم گھٹ جائے کہ اچانک ایک روشندان سے ڈاکٹر سلمان پر کود پڑا۔ دونوں ایک زور دار دھماکے کے ساتھ فرش پر گر وانگ اچھل کر الگ ہٹ گیا۔

ڈاکٹر سلمان کا ریوالور حمید کے قریب آگرا تھا۔ لیکن اس کے ہاتھ اس کی پشت پر بند ہوئے تھے۔ حمید دونوں پیر میز کے پائے پر ٹیک کر آگے کھسک آیا۔

اس طرح ریوالور اس کے نیچے دب گیا۔

کمرے کے دوسرے لوگ ڈاکٹر سلمان سمیت روشندان سے کودنے والے کی طرف ہو گئے تھے۔

"تم....!" ڈاکٹر سلمان غرایا۔ "یہ کیا حرکت۔"

"جناب والا کسی نے مجھے اوپر سے پھینک دیا۔" کودنے والے نے کہا۔

"کیا....؟" ڈاکٹر سلمان نے چونک کر کہا۔

کرنل داراب نے قہقہہ لگایا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ اب سلمان کے ہاتھ میں ریوالور نہیں۔

"تم نے کون سی مین لائن کاٹی تھی ڈاکٹر۔" اس نے مضحکانہ انداز میں کہا۔ "مین لائن

رہی ہے ورنہ اُسے یہ نہ معلوم ہوتا کہ کسی نے اُسے نیچے پھینک دیا جس رات تم پر بلی کودی تھی اس کے بعد سے میں نے عمارت کے سارے روشندانوں کا بھی انتظام کر لیا تھا۔ ان کے سامنے پھیلے ہوئے تاروں میں ہر وقت کرنٹ رہتا ہے۔"

"کرنٹ....!" کودنے والے نے کہا۔ "یہ غلط ہے۔ مجھے الیکٹرک شاک نہیں لگا تھا۔ کسی نے نیچے پھینکا تھا۔"

ڈاکٹر سلمان روشندان کی طرف دیکھنے لگا۔

اچانک کرنل داراب اس پر ٹوٹ پڑا اور وہ سب آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ اسی دوران میں کسی طرح حمید کے ہاتھ کھل گئے۔ کرنل داراب پر وانگ اور اس کے دوسرے ساتھی نے یورش کر دی تھی اور ڈاکٹر سلمان الگ کھڑا آہستہ آہستہ تیہ چن کو کچھ ہدایات دے رہا تھا۔ حمید سوچنے لگا کہ دو دشمنوں کی لڑائی کے دوران میں اُسے دخل نہ دینا چاہئے بلکہ ان میں سے ایک کے خاتمہ کا انتظار کرنا ہی زیادہ مناسب رہے گا۔ ریوالور تو اس کے ہاتھ آ ہی چکا تھا۔ وہ دیوار کی طرف کھسک گیا اور اپنے دونوں ہاتھ پشت پر لے جا کر وہ بالکل ویسا ہی بن گیا جیسے پہلے تھا لیکن اس کے دونوں ہاتھ اب آزاد تھے اور ان میں سے ایک میں ریوالور تھا اور چہرہ میز کے نیچے تھا۔

اس نے تیہ چن کو باہر جاتے دیکھا اس دوران میں وانگ اور سلمان کے ساتھی نے کرنل داراب کو بے قابو کر لیا تھا۔

"اسے کرسی سے باندھ دو۔" ڈاکٹر سلمان نے کہا۔

"دیکھتے ہی دیکھتے کرنل کو ایک کرسی سے باندھ دیا گیا۔ اتنے میں تیہ چن بھی واپس آگیا۔"

"سب ٹھیک ہے۔" اس نے ڈاکٹر سلمان کو مخاطب کر کے کہا۔ "لوگ اپنی اپنی جگہوں پر موجود ہیں۔ ساتھیوں نے اس جاسوس کو پکڑ لیا ہے جس نے گومس کو روشندان سے پھینکا تھا۔"

حمید کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ فریدی نہ رہا ہو۔

بہر حال وہ اپنے موقعے کا انتظار کرنے لگا اور یہ بھی تو دیکھنا چاہتا تھا کہ آخر ڈاکٹر سلمان اور کرنل داراب کا معاملہ کیا ہے۔

"کیا وہ تنہا ہی تھا۔" سلمان نے تیہ چن سے پوچھا۔

"ہاں وہ اکیلا ہی تھا۔"

"اچھا ان سے کہو کہ وہ اسے ٹھکانے لگادیں۔" ڈاکٹر سلمان نے اس قدر آہستگی سے کہ حمید نہ سن سکا ورنہ شائد وہ اسی وقت ہنگامہ برپا کر دیتا۔ تیہ چن پھر باہر چلا گیا۔

ڈاکٹر سلمان نے کچھ کاغذات اپنی جیب سے نکالے اور فاؤنٹین پن نکالتا ہوا بولا۔

"چلو ان پر اپنے دستخط کر دو۔"

"کیا ہے؟" کرنل اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"تمہاری زندگی کا ضمانت نامہ۔ اس پر دستخط کرنے کے بعد تمہاری زندگی محفوظ ہو گی۔ ورنہ موت ہر حال میں لازمی ہے۔ ان میں سے ایک میں تم اس بات کا اعتراف کرو گے نے آج سے تین سال قبل مانا اُوز میں ڈاکٹر سلمان کے لڑکے راشد کو قتل کرادیا تھا۔"

"یہ جھوٹ ہے۔ صریحاً جھوٹ ہے۔" کرنل چیخا۔

"کچھ بھی ہو تمہیں اس پر دستخط کرنے پڑیں گے۔"

"میں فضول بکواس سننا پسند نہیں کرتا۔" کرنل نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "میں صرف خاص مطالبہ پورا کر سکتا ہوں۔"

"اور اس کے بعد پولیس کو بھی مطلع کر سکتے ہو۔" سلمان نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"یاد رکھو اب ہمارا خاص مطالبہ تو ہر حال میں پورا ہو گا۔ لیکن ان تین کاغذات پر دستخط کرنے کی صورت میں تم مار دیئے جاؤ گے۔"

"تین کاغذات۔"

"ہاں ایک کے متعلق تو تم ابھی سن ہی چکے ہو۔ دوسرا اعتراف.... تم نے ایک ایسے کو ہوٹل ڈی فرانس میں قتل کرادیا تھا جو زرینہ کو ڈاکٹر سلمان کے پاگل پن کا راز بتانے جا رہا

کرنل داراب کچھ نہ بولا۔

"تیسرا اعتراف۔" ڈاکٹر سلمان کاغذات پر نظر ڈالتا ہوا بولا۔ "تمہیں معلوم تھا کہ ریستوران کا مالک چیانگ بھی راشد کے قتل کے راز سے واقف تھا۔ اس لئے تم نے اس کے کمرے میں لگے ہوئے آٹو میٹک الیکٹرک ریوالور کا سوئچ آن کرادیا تھا۔ نتیجے کے طور پر نہ چیانگ بلکہ ایک کانسٹیبل کا بھی خاتمہ ہو گیا۔"

"یہ جھوٹ ہے۔" کرنل تھوک نگل کر ہکلایا۔

نمبر 11

"میں جانتا ہوں کہ یہ جھوٹ ہے۔" سلمان نے کہا۔ "لیکن تمہاری زندگی کی ضمانت! تم اس ف کی بناء پر پولیس کو ہمارے خلاف اکسا نہ سکو گے اور نتیجے کے طور پر تمہیں زندہ رہنا پڑے نہیں زندہ رکھنے میں مصلحت یہ ہے کہ معاملات زیادہ آگے نہ بڑھیں گے ہاں شاباش چلو ی سے دستخط کر دو! تم کافی سمجھدار آدمی ہو۔"

ڈاکٹر سلمان نے کاغذات اور قلم اس کی طرف بڑھا دیئے۔ کرنل داراب چند لمحے کچھ سوچتا ہرا اس نے دستخط کر دیئے۔

"شکریہ۔" ڈاکٹر سلمان کاغذات کو تہہ کر کے جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ "اب تم قطعی آزاد ہمارے جانے کے بعد تمہارے گھر ہی کا کوئی فرد تمہیں کھول دے گا۔ فی الحال وہ سب بیہوش ے ہیں۔ میں آئندہ بھی تم سے اچھے تعلقات رکھوں گا۔ لیکن ہاں۔"

ڈاکٹر سلمان رک کر ہنسنے لگا پھر بولا۔ "جنوبی افریقہ کا نام کبھی نہ لینا ورنہ ہو سکتا ہے کہ میں ں پتھر مار دوں۔"

کچھ دیر تک سناٹا رہا پھر ڈاکٹر سلمان بولا۔ "وانگ اس جاسوس کی لاش کو ٹھکانے لگانا ہے۔" اشارہ حمید کی طرف تھا۔ وانگ اس وقت اس کا گلا چھوڑ کر ہٹا تھا جب ڈاکٹر سلمان کا ایک تھی اچانک روشندان سے کود پڑا تھا۔ اس وقت سے اب تک وانگ بھی یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ حمید کام تمام کر چکا ہے۔

وانگ حمید کی طرف بڑھا اور حمید نے لیٹے ہی لیٹے میز کے نیچے سے اس کے پیر پر فائر ردیا۔ ریوالور میں سچ مچ سائیلنسر لگا ہوا تھا اس لئے آواز نہ ہوئی اور وانگ چیخ مار کر الٹ گیا۔ سب گ اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور اتنی دیر میں حمید نے اپنے پیر سمیٹ کر انہیں کھول لیا۔

"اس شہر میں آج تک کوئی بڑا مجرم کامیاب نہیں ہوا۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"تم سب اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔ یہ انسپکٹر فریدی اور سرجنٹ حمید کی مملکت ہے! کیا سمجھے! جنوبی امریکہ۔"

ڈاکٹر سلمان حیرت سے منہ پھاڑے اُسے گھورتا رہا۔ وانگ زمین پر پڑا کراہتے کراہتے رک گیا تھا۔ تیہ چن سلمان کا ساتھی اور کرنل داراب سکوت میں تھے۔

"جنوبی امریکہ۔" حمید نے قہقہہ لگایا۔ "بیٹا سلمان جنوبی امریکہ! تم سب قاتل ہو۔ اب میں

اپنی حفاظت کے خیال سے تم سب کو یہیں مار ڈالوں گا۔"

آخری بازی

وانگ زمین پر پڑا کراہ رہا تھا۔ تیہ چن اور سلمان اور اس کا ساتھی دم بخود تھے۔ مگر کرنل ر
چہرے پر اچانک زندگی کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

"لیکن تمہیں مار ڈالنے سے پہلے۔" حمید نے کہا۔ "میں یہ جاننا چاہوں گا کہ یک بیک تمہار
یادداشت کیسے واپس آ گئی۔"

"چلو خیر تمہیں یہ تو یاد آیا۔" ڈاکٹر سلمان بچوں کی طرح چہک کر بولا۔ "میں اس سوچ میں
پڑ گیا تھا کہ تمہیں اس حالت میں یقین کس طرح دلاؤں گا اور یہ سب تو مجھے مجبوراً کرنا پڑا ہے اگ
یہ نہ کرتا تو کرنل کبھی اپنے جرائم کا اعتراف نہ کرتا۔ اس نے میرے بیٹے کا خون چھپانے کے
دو قتل اور کئے ہیں۔"

"یہ جھوٹ ہے! سفید جھوٹ ہے۔" کرنل چیخا۔

"خاموش رہو کرنل۔" حمید نے اُسے ڈانٹ دیا۔ پھر اس نے ڈاکٹر سلمان سے پوچھا۔ "ہا
وہ مطالبہ.... اُن تین اعترافات کے علاوہ تم نے اور کس چیز پر دستخط لئے ہیں۔"

"میں اپنا پلان اطمینان سے بتاؤں گا۔" ڈاکٹر سلمان نے کہا۔ "اگر میں یہ طریقہ اختیار
کرتا تو کرنل کبھی میری تین کروڑ روپے کی رقم میرے نام دوبارہ منتقل نہ کرتا۔ میں انسپکٹر فرید
کے سامنے تفصیل سے یہ سارے واقعات رکھوں گا اور میرا دعویٰ ہے کہ وہ اچھل پڑیں گے
آپ جانتے ہیں! اُس دعوت والی رات کو میرے مار ڈالنے کی سازش کی گئی تھی۔ میرے سا
رکھی ہوئی پلیٹ زہر میں ڈبوئی گئی تھی۔ لیکن میرے ایک ہمدرد نے بروقت امداد کی۔ اگر میں
جاتا تو یہی کہا جاتا کہ وہ زہر دراصل کرنل ہی کے لئے تھا کیونکہ نامعلوم قاتل کا پہلا حملہ ناکام
تھا اور وہ حملہ خود کرنل ہی نے اپنے اوپر کیا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ ہی سے اپنے شانے میں چھر
اتار دی تھی۔ بہرحال مجھے زہر دلوا دینے کے بعد بھی وہ محفوظ رہتا۔ بھلا شہر کے حکام جن میں
اتنا ہر دلعزیز ہے کیسے اس بات پر یقین کر لیتے کہ کرنل جیسا شریف آدمی کسی کو زہر بھی دے سکتا

قصہ کوتاہ.... میری خواہش ہے کہ آپ ابھی اسی وقت یہ کاغذات دیکھ لیجئے۔ ممکن ہے
قانونی خامی رہ گئی ہو۔"

ڈاکٹر سلمان نے آگے بڑھ کر کاغذات حمید کی طرف بڑھا دیئے۔ حمید نے بائیں ہاتھ سے
ان پکڑے ہی تھے کہ داہنے ہاتھ سے ریوالور نکل گیا۔ پہلے تو اس کے نچلے جبڑے پر قیامت
گری اس کا سر پشت کی دیوار سے ٹکرا گیا۔

"شاباش....!" ڈاکٹر سلمان نے قہقہہ لگایا۔ "یہ فریدی اور حمید کی مملکت ہے۔"

ڈاکٹر سلمان کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور حمید چاروں خانے چت پڑا اُسے گھور رہا تھا۔

"تیہ چن۔" ڈاکٹر سلمان کسی درندے کی طرح غرایا۔ "اس کا گلا گھونٹ دو۔"

"گلا گھونٹنے کی کیا ضرورت ہے۔" تیہ چن آگے بڑھ کر انگریزی میں ہکلایا۔ "لائیے ریوالور
دیجئے۔" اس نے سلمان کے ہاتھ سے ریوالور لے لیا۔ پھر اُس نے زمین پر پڑے ہوئے
کارتوس اٹھا کر سلمان کے حوالے کئے اور ریوالور جیب میں ڈالتا ہوا بولا۔ "نہیں گلا ہی گھونٹنا زیادہ
بہتر رہے گا۔"

اس نے اپنی دونوں آستینیں چڑھائیں اور پھر اچانک پلٹ کر سلمان کی گردن پکڑ لی۔

"ارے! ارے۔" ڈاکٹر سلمان حیرت زدہ آواز میں بولا۔

"ہائیں یہ کیا۔" سلمان کا ساتھی چیخا۔ وانگ نے حرکت بھی نہ کی کیونکہ وہ بیہوش پڑا تھا۔

حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

سلمان تیہ چن کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن گرفت مضبوط تھی۔

"زندہ باد تیہ چن۔" کرنل داراب چیخا۔ "شاباش! تم میرے بیٹے ہو۔ اس موذی کو ختم کر دو۔"

"کھڑا کیا دیکھتا ہے گومس کے بچے۔" سلمان نے اپنے ساتھی کو للکارا۔

وہ جھپٹا لیکن تیہ چن غافل نہیں تھا۔ گومس اس کے قریب پہنچنے بھی نہیں پایا تھا کہ اس کی
لات چل گئی اور گومس منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔

"شاباش....!" کرنل چیخا۔ وہ رسی کے بلوں سے آزاد ہونے کی انتہائی کوشش کر رہا تھا لیکن
کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔

"سرجنٹ۔" کرنل داراب نے حمید کو مخاطب کیا۔ "تم بھی تیہ چن کی مدد کرو۔ اسی میں ہم

سب کی نجات ہے۔ میں تمہاری غلط فہمیاں دور کردوں گا۔ تم نہیں جانتے کہ ڈاکٹر سلمان کون ہے۔

اس پر بھی حمید کی کھوپڑی پر برف جمی رہی۔ بات خاک بھی سمجھ میں نہ آئی اور وہ احمقوں طرح سلمان کے ساتھی پر ٹوٹ پڑا۔ جو قریب قریب فرش سے اٹھ ہی چکا تھا۔

"ٹھیک ہے! بالکل ٹھیک ہے۔" کرنل بڑبڑایا۔ "تم بھی تیہ چن کی طرح سمجھدار ہو۔ تمہاری بڑی تعریفیں کرتی ہے۔ کاش اس وقت وہ تمہیں جنگ کرتے دیکھتی۔"

حمید اس وقت سو فیصدی اُلو ہو رہا تھا۔ ویسے ہی اس کے سر میں یہ بات سما گئی تھی کہ اس اس وقت پالا مار لیا تو فریدی عرصے تک شرمندہ رہے گا اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے ایک حسین لڑکی کا باپ اس حسین لڑکی کا حوالہ دے کر اس کا دل بڑھا رہا تھا۔ بہر حال حمید جوش میں آکر گومس کی اچھی خاصی مرمت کر دی اور اسی دوران میں اس کا سر کئی بار دیوار ٹکرا دیا اور پھر وہ بھی وانگ کے برابر ہی لمبا لمبا لیٹ گیا۔ اس سے فرصت پاکر حمید تیہ چن سلمان کی کشتی دیکھنے لگا۔ پستہ قد ڈاکٹر سلمان بڑا پھرتیلا تھا۔ وہ بار بار کسی لیسدار مچھلی کی طرح چن کی گرفت سے پھسل جاتا تھا۔

"اب سرجنٹ تم مجھے کھول دو۔" کرنل نے حمید سے کہا۔

حمید جھومتا ہوا اس کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ تیہ چن نے انگریزی میں کہا۔

"سرجنٹ وہ دونوں ٹائیاں اٹھا کر سلمان کے ہاتھ باندھ دو۔"

تیہ چن سلمان کو اوندھا گرا کر اس کی پیٹھ پر سوار ہو گیا تھا اور اُس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر دیئے تھے۔ اچانک سلمان کسی غیر ملکی زبان میں زور سے چیخا۔ جس پر تیہ چن نے ہنس کر کہا "میں اُن سب کو پہلے ہی ٹھکانے لگا چکا ہوں۔"

"واہ .... وا.... شاباش....!" کرنل نے قہقہہ لگایا۔ "تیہ چن میں تمہیں بہت بڑا آدمی بنادوں گا۔"

"جناب کا شکریہ۔" تیہ چن نے بڑے سعادت مندانہ انداز میں کہا۔

اس دوران میں حمید نے ڈاکٹر سلمان کے ہاتھ باندھ دیئے تھے اور اب پیر باندھ رہا تھا۔

پھر تیہ چن نے ڈاکٹر سلمان کو گریبان سے پکڑ کر اٹھایا اور ایک کرسی پر ڈال دیا۔

"تیہ چن زندہ باد۔" کرنل نے نعرہ لگایا اور پھر آہستہ سے بولا۔ "تیہ چن! سرجنٹ نے بہت

دی ہے اور یہ ہمارے پیشے سے بھی واقف ہو گئے ہیں لہٰذا انہیں بھی سنبھال لو۔"

حمید بوکھلا گیا۔ تیہ چن نے آگے بڑھ کر اُس کا گریبان پکڑ لیا۔ حمید کے لئے اب لپٹ جانے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا۔ لیکن اُسے بڑی حیرت ہوئی جب تیہ چن نے اس کے دونوں گال چوم کر اُس کا گریبان چھوڑ دیا۔

"ہم چینیوں میں رسم ہے۔" اس نے حمید سے کہا۔ "کہ مار ڈالنے سے پہلے ہم اپنے دشمن کا منہ ضرور چومتے ہیں تاکہ وہ ہماری طرف سے کدورت لے کر قبر میں نہ جائے۔"

"تم بڑے پُر مذاق ہو تیہ چن!" کرنل ہنس پڑا۔

"اور سنو میرے دوست۔" تیہ چن نے حمید سے اردو میں کہا۔ "اس شہر میں صرف دو واقف رہتے ہیں، ایک انسپکٹر فریدی اور دوسرا سرجنٹ حمید۔"

"ارے تم اردو بھی بول سکتے ہو تیہ چن۔" کرنل نے حیرت سے کہا۔

"ہاں کرنل۔" تیہ چن نے اردو ہی میں کہا۔ "میں دنیا کی پچیس زبانوں پر قدرت رکھتا ہوں۔"

"تم کسی اہل زبان کی طرح اردو بول لیتے ہو۔"

"ہاں کرنل۔"

حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑے تیہ چن کو دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ اب یہ تیہ چن کی آواز نہیں تھی۔

"اور تم اردو بولنے میں ہکلاتے بھی نہیں ہو۔" کرنل نے کہا۔ "حالانکہ اپنی مادری زبان بولنے میں بھی ہکلاتے ہو۔"

"کرنل....!" حمید تیزی سے کرنل کی طرف مڑ کر بولا۔ "یہ تیہ چن نہیں بلکہ تمہاری اور سلمان کی موت ہے۔"

"کیا....؟" کرنل اور سلمان کے منہ سے بیک وقت نکلا۔

"ہاں کرنل سرجنٹ حمید ٹھیک کہہ رہا ہے۔" تیہ چن نے اردو ہی میں کہا۔ "اس نے پہلے بھی ایک سچی بات کہی تھی کہ یہ انسپکٹر فریدی اور حمید کی مملکت ہے۔"

"تم.... تم....!" ڈاکٹر سلمان ہکلا کر رہ گیا۔

"ہاں میں انسپکٹر فریدی ہوں۔ تیہ چن بیچارا تو کل رات سے میری قید میں ہے لیکن کہو کبھی ایسا میک اپ دیکھا تھا۔"

فریدی خاموش ہو گیا اور کمرہ قبرستان معلوم ہونے لگا۔

"یہ کیا لغویت ہے۔" تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر سلمان غصیلی آواز میں بولا۔ "تم نے آ
دونوں کو کیوں باندھ رکھا ہے۔ میں تم پر مقدمہ قائم کر دوں گا۔"

"دھیرج! میرے عقلمند ترین انسان۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اس وقت تمہارا ایک
بھی آزاد نہ ہو گا۔ تمہارے وہ پندرہ آدمی بھی حوالات میں ہوں گے، جنہیں تم نے اس
کے گرد پھیلا دیا تھا اور تمہارے ساتھی گومس کو میرے ہی ایک آدمی نے تم پر پھینکا تھا۔
شاید یہ نہیں معلوم کہ میں چھ دن سے تمہارے پیچھے لگا رہا ہوں۔"

"بکواس ہے! مجھے کھول دو ورنہ اچھا نہ ہو گا۔ تم اگر فریدی ہو تو نہ جانے کیوں میرے
پڑ گئے ہو۔ تم نے میری چڑھ نکالی۔ لوگ جنوبی امریکہ کا نام لے کر مجھے چڑھاتے ہیں۔"

"اُف فوہ۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "تو کیا اتنے اعترافات کے بعد بھی تم اپنے پاگل پن کی آڑ لو گے"

"بالکل....!" سلمان ہنس کر بولا۔ "تم دونوں کے علاوہ اور کون جانتا ہے.... عدالت
بھی جانبدار شہادت کو قابل اعتماد نہیں سمجھتی اور کرنل بھی شائد میرا ہی ساتھ دیں۔"

"بالکل! ہم دونوں ایک ہی ناؤ پر سوار ہیں۔" کرنل نے کہا۔

"مگر وہ اعترافات جو تمہاری جیب میں موجود ہیں۔" فریدی بولا۔

"اوہ....!" سلمان ہنس پڑا۔ "کرنل بڑی صفائی سے کہہ سکتے ہیں کہ انسپکٹر فریدی نے میری
پر پستول کی نال رکھ کر ان اعترافات پر دستخط کرائے تھے تاکہ مجھ سے اپنی پرانی دشمنی نکال سکیں۔"

"ڈاکٹر سلمان۔" فریدی بگڑ کر بولا۔ "کیا چیانگ کے قتل میں تمہارا ہاتھ نہیں تھا۔
نے اسے اس لئے نہیں مروا ڈالا کہ وہ تم سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ تم بھی
کے ناجائز لین دین کرنے والے ایک گروہ کے سرگرم کارکن ہو۔ وہ گروہ جو بین الاقوامی گرو
جا سکتا ہے۔ مانا اُوز کی برٹش ربر سپلائی کمپنی جس کا ہیڈ آفس مانا اُوز ہے۔ کیا کرنل داراب بھی
کی ایک شاخ کا انچارج نہیں ہے۔ وہ شاخ جو یہاں کام کر رہی ہے۔ کیا تم نے اپنے بیٹے کی موت
اپنی یادداشت کھو بیٹھنے کا بہانہ نہیں بنایا تھا۔"

"تم بہت کچھ جانتے ہو۔" ڈاکٹر سلمان مسکرا کر بولا۔ "لیکن سب بیکار ہے تم کسی بات
ثبوت بہم نہ پہنچا سکو گے۔ کیا فائدہ.... مجھ سے ایک کروڑ روپیہ لو اور مزے کرو۔ تم ایک نو

ر کے ہو لہٰذا تمہیں نوابوں ہی کی شان سے رہنا چاہئے۔"

"میں رشوت لئے بغیر بھی نوابوں کی طرح رہ سکتا ہوں.... شکریہ۔" فریدی نے خشک
میں کہا۔ "اور کرنل داراب تم! تم پر بھی خون ہے۔ ہوٹل ڈی فرانس والے حادثے میں مارا
نے والا تمہارا منتظر ہے۔"

داراب کچھ نہ بولا لیکن ڈاکٹر سلمان نے پُر تشویش لہجے میں پوچھا۔ "تم میرے متعلق اور کیا
نتے ہو۔"

"سب کچھ جانتا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کرنل یہاں کی شاخ کا انچارج تھا۔ اس نے
ناجائز تجارت کا تین کروڑ روپیہ مار کر اپنے نام سے بینک میں جمع کرا دیا۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ
نے یہاں کی شاخ کو بالکل ہی الگ کر لیا اور خود ہی پورے کاروبار کا مالک بن بیٹھا گروہ والوں
ھے بڑھا دیئے اس لئے وہ بھی اس کی مٹھی میں آ گئے۔ اب ضرورت اس بات کی ہوئی کہ ہیڈ
ں کسی کو اس کی سرکوبی کے لئے بھیجے۔ اس کی نظر انتخاب تم پر ہی پڑی، مگر دشواری یہ تھی کہ
ہاں کے حقوق شہریت لے چکے تھے اس لئے اگر تم یہاں آتے بھی تو ایک معینہ مدت تک کے
اور یہ ضروری نہیں تھا کہ تم اس معینہ مدت میں کامیابی حاصل ہی کر لیتے۔ لہٰذا دوسری چال
گئی۔ تمہارے ہیڈ آفس نے وہاں کے حکام کو بھاری رشوت دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ
ارے شہری حقوق سلب کر لئے جائیں اور تمہیں پاگل قرار دے کر پھر تمہیں تمہارے شہر میں
بلوا دیا جائے، چنانچہ یہی ہوا لیکن تم پورے پاگل نہیں بنے۔ اگر پورے پاگل بنتے تو تمہیں ہماری
مت پاگل خانے میں بھجوا دیتی اور ظاہر ہے کہ پھر وہ کام نہ ہو سکتا جس کے لئے تم یہاں بھیجے
ے تھے۔ لہٰذا تم اپنی یادداشت کھو بیٹھے اور وہ بھی محض جنوبی امریکہ کے سلسلے میں۔ پلان ذہانت
ے بھرپور تھا۔ تم نے وہ طریقے اختیار کئے جس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ تمہارے بیٹے کی اچانک
ت کی وجہ سے یہ ذہنی تبدیلی ہوئی ہے۔ اس طرح تم ماہر نفسیات کے لئے ایک کلاسیکل قسم
ے کیس بن گئے۔ ایک طرف ماہر نفسیات تم میں دلچسپی لیتے رہے اور دوسری طرف تم اپنا کام
ستے رہے۔ کرنل داراب تمہاری آمد کے مقصد سے واقف تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ تم اچھے
اسے ہو۔ بیٹے کی موت نے تم پر کبھی کوئی بُرا اثر نہیں ڈالا تھا، لہٰذا اس نے کوشش کی کہ تمہیں
پولیس کی نظروں میں اور زیادہ پُر اسرار بنا دے اور پولیس تمہارے پیچھے لگ جائے اور نتیجے کے طور

پر تمہیں یہاں سے بھاگنا پڑے۔ اس مقصد کے لئے وانگ نے ایک بیروزگار آدمی کو پھانسا
زرینہ دکھائی گئی۔ وانگ نے اُسے ایک پیکٹ دیا اور سمجھا دیا کہ وہ زرینہ سے ملے اور اس سے
کہ وہ اُسے ڈاکٹر سلمان کے متعلق ایک راز کی بات بتانا چاہتا تھا۔ ہوٹل ڈی فرانس اس کام
لئے تجویز کیا گیا۔ اس پیکٹ میں ایک ٹائم بم تھا لیکن اس آدمی سے کہا گیا کہ اس میں گھڑی
وہ گھڑی آٹھ بج کر پانچ منٹ پر زرینہ کو دی جائے گی، لیکن اس بم کے پھٹنے کا وقت ساڑھے
بجے تھا۔ وہ غریب آٹھ بج کر پانچ منٹ ہونے کے انتظار میں اسے جیب ہی میں ڈالے
بہر حال وہ ساڑھے سات بجے اس کی جیب میں پھٹ گیا۔ اس غریب کو جتنا بتایا گیا وہ اتنا ہی
سکا۔ ٹائم بم اس کی جیب میں تھا۔ اس لئے زرینہ صرف زخمی ہو گئی۔ مقصد بھی یہی تھا کہ
زندہ رہے اور اس کے متعلق پولیس کو بیان دے۔ یہ تو ہوئی کرنل داراب کی حرکت اور
اپنی حرکتیں سنو۔ تم بھی اس فکر میں تھے کہ پولیس کو کرنل پر کسی قسم کا شبہ ہو جائے اور اس
لئے تم نے مجھے اور حمید کو منتخب کیا۔ اپنے لمبے بیوقوف کے ذریعہ ہم دونوں کو کمٹالی کے
میں پھانسا اور اپنی ایک مشین کے ذریعے خاصے کرتب دکھائے۔ وہ مشین اس وقت
آدمیوں کے قبضے میں ہو گی، حالانکہ تم نے اُسے بہت چھپا کر رکھا۔ بہر حال صبح ہوش میں
کے بعد جب ہم لوگ جائے وقوع پر پہنچے تو ہمیں وہاں نادرہ کا ایک ہیئر کلپ ملا جس کا مطلب
تھا کہ اچھل کود مچانے والی نادرہ ہی تھی اور وہ جال کرنل نے پھیلایا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا
لوگ کرنل کے پیچھے لگ جائیں اور کرنل بوکھلا کر کاروبار ان تین کروڑ روپیوں سمیت تم
حوالے کر دے۔ ویسے حقیقتاً تو دونوں کی کوشش یہی تھی کہ اصل معاملے کی خبر پولیس
ہونے پائے اور تم میں سے کسی ایک کا کام بن جائے۔ کیوں کرنل تم خاموش کیوں ہو کیا میں
کہہ رہا ہوں۔ ویسے تمہیں اس لئے شکست ہوئی کہ سلمان نے تمہارے آدمیوں کو توڑ لیا۔"

کرنل کچھ نہ بولا لیکن سلمان نے کہا۔ "میں آج تمہاری ذہانت کا قائل ہوں مگر میرے
تم ہمارے خلاف کوئی ثبوت بہم نہ پہنچا سکو گے۔ میرے آدمی لوہے کے بنے ہیں وہ مر جائیں
لیکن اقبال نہ کریں گے۔"

"محض تمہارا ہی اعتراف کافی ہے ڈاکٹر۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

اس دوران میں حمید نے گومس اور وانگ کو بھی باندھ لیا تھا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی

سلمان نے کہا۔ "میں تمہیں دو کروڑ دے سکتا ہوں۔"

"دو سو کروڑ پر بھی فریدی پیشاب کرتا ہوا نظر آئے گا اس لئے کہ وہ دنیا کا سب سے بڑا
ن ہے! کیوں حمید۔"

"سچ ہے پیر و مرشد۔" حمید نے کہا پھر سلمان سے بولا۔ "ارے میاں تم مجھے صرف ایک
ٹی خرید دینے کا وعدہ کرو تو میں تمہارا بیڑا پار کر سکتا ہوں۔"

"میرا کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔" سلمان نے ایک ہذیانی قسم کا قہقہہ لگایا۔ "تم دونوں ابھی
رے ہو۔ تمہیں قانون کے سبق دے سکتا ہوں۔ تم میرے خلاف کوئی ثبوت مہیا نہ کر سکو گے۔"

"وہ تو بڑی دیر سے مہیا ہو رہا ہے۔" فریدی بولا۔ "یہ فریدی اور حمید کی مملکت ہے اس لئے
اں کبھی کوئی کام کچا نہیں ہوتا.... ادھر دیکھو۔"

فریدی نے میز پر رکھے ہوئے ریڈیو سیٹ پر سے کور اٹھاتے ہوئے کہا۔ "یہ ایک بڑا طاقتور
انسمیٹر ہے۔ اس کے ذریعہ میرے محکمے کے آپریشن روم میں ہماری گفتگو ریکارڈ کی جا رہی
گی۔ کرنل کو حیرت ہو گی کہ اس کا ریڈیو ٹرانسمیٹر میں کیسے تبدیل ہو گیا۔ بالکل اسی طرح جیسے
یدی تیہ چن میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ میں چھ دن سے تمہارے ساتھ ہوں۔ ڈاکٹر سلمان! کبھی
نگ کی شکل میں رہا ہوں اور کبھی تیہ چن کی شکل میں، اس سے تم اندازہ لگا ہی سکتے ہو کہ میں کتنا
ہانتا ہوں اور یہ بھی بتا دوں کہ تم میری نظروں پر اس وقت چڑھے تھے جب ناصر نے تمہارے
یک ڈائریکٹر کا خط مجھے دکھایا تھا۔ وہ تمہاری ایک زبردست غلطی تھی.... دوسری دنیا میں ایسی
رکت نہ کرنا ورنہ وہاں بھی تمہیں پھانسی ہو جائے گی.... کیا سمجھے۔"

کرنل اور ڈاکٹر سلمان نے گردنیں ڈال دی تھیں۔ حمید انہیں چھیڑ رہا تھا۔ لیکن وہ خاموش
تھے۔ اندھیرا چھٹ گیا تھا اور پو پھوٹ رہی تھی۔ لیکن ایسے وقت میں بھی کرنل کے کمرے کا سناٹا
رگھٹ کے سناٹے کی طرح پر ہول تھا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 35

چیختے دریچے

(مکمل ناول)

پیش رس

"چیختے دریچے" ان شاہکار ناولوں میں سے ایک ہے جس کی مقبولیت کا راز اس کے عجیب و غریب کردار اور ان کی مضحکہ خیز خصوصیات ہیں۔ ڈاکٹر زیٹو، پروفیسر چنگھاڑنی اور پروفیسر ٹی۔ اے جھوس کے نام ہی ایسے ہیں، جو قہقہہ انگیز ہیں ان کی خصوصیات اور بھی حیرت انگیز ہیں۔ مثلاً ٹی۔ اے جھوس کو ایک اصیل مرغ کی تلاش ہے اور پروفیسر چنگھاڑنی ایک انڈے سے تین زردیاں پیدا کر چکا ہے۔ اسی طرح ایک ایسی لڑکی بھی ہے جو ٹماٹر سے چڑھتی ہے، جس کے لئے ایک انوکھا لفظ "بوں ژر" ایک مصیبت بن گیا ہے۔

یہ تمام واقعات، جو بظاہر محض تفریحی نظر آتے ہیں، دراصل ایک دلکش اور سنسنی خیز کہانی کی کڑیاں ہیں اور جرائم کے ایسے پہلو سامنے آتے ہیں، جو چونکا دینے والے بھی ہیں اور قابل غور بھی! اس کہانی کی سب سے بڑی خصوصیت اس کا تحیر اور اس کا مجرم ہے! مجرم کے سامنے آتے ہی قاری کے ذہن کو جھٹکا لگتا ہے اور پھر وہ بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے اور ابتدا کی تفریحات کی نوعیت بالکل ہی سنجیدگی میں بدل جاتی ہے۔

پبلشر

لنگڑی کوٹھی

سرجنٹ حمید بہت زیادہ اداس تھا۔ اُداسی کی بات بھی تھی۔ اُسے توقع تھی کہ قیام کسی ہوٹل میں ہوگا جہاں دلچسپیاں ہوں گی، لیکن جلال آباد پہنچ کر فریدی نے ایک ایسے ہوٹل قیام کیا جہاں دلچسپی تو الگ رہی کوئی چیز سلیقے کی نہیں تھی۔

فریدی کو اچانک جلال آباد آنے کی سوجھی تھی اور اس نے اپنے بینک سے کافی روپیہ آباد کے ایک بینک میں منتقل کرادیا تھا۔ اُس نے حمید کو اپنے اس سفر کی وجہ نہیں بتائی حقیقت تو یہ ہے کہ حمید نے پوچھنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی تھی! وجہ بھی صاف تھی۔ تجربات کی بناء پر حمید کو یقین تھا کہ وہ پوچھنے پر بھی نہ بتائے گا لہٰذا خواہ مخواہ اپنی زبان کو تھکانا بہتر نہ معلوم ہوا۔

حمید اپنی زندگی کی یکسانیت سے عاجز آچکا تھا اس لئے اس نے سوچا کہ تھوڑی سی تبدیلی غنیمت ہے! یہی کیا کم تھا کہ وہ اپنے شہر سے دور ایک دوسرے شہر کی فضا میں سانس لے ایسے شہر میں جہاں نہ اس کا آفس تھا اور نہ وہ میز تھی جس پر وہ دن بھر بیٹھ کر فائلوں میں سر کرتا تھا۔

پچھلی شام کو وہ جلال آباد پہنچے تھے اور آج صبح سے فریدی کسی کا منتظر تھا۔ اس بار حمید۔ نے تہیہ کرلیا تھا کہ وہ کسی بات میں بھی دخل نہ دے گا۔ اس کا اندازہ تو اُسے پہلے ہی ہو گیا فریدی کسی بہت ہی اہم کام کے سلسلے میں آیا ہے۔ حمید خود کو ہر بات سے قطعی بے تعلق کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ٹھیک نو بجے کسی نے ان کے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔

"آجاؤ۔" فریدی نے کہا، جو ایک آرام کرسی پر پڑا آج کا اخبار دیکھ رہا تھا۔

"ایک خاتون....!" ویٹر نے اندر داخل ہو کر کہا۔

"آنے دو....!" فریدی نے اخبار رکھ کر سیدھے بیٹھتے ہوئے کہا۔

دوسرے لمحے میں حمید کے مرجھائے ہوئے چہرے پر تازگی دوڑ گئی کیونکہ اندر آنے والی ورت نہ صرف جوان تھی بلکہ حسین بھی تھی۔

فریدی اُسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور حمید کو بھی اس کی تقلید کرنی پڑی۔

"اوہ آپ ہیں۔" عورت کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ لہجے میں ہلکی سی خوشی بھی شامل تھی۔

"بیٹھئے۔" فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

حمید کو اس کا چہرہ کچھ جانا پہچانا سا معلوم ہو رہا تھا لیکن یہ یاد نہیں آرہا تھا کہ اُس نے اُسے ہاں اور کب دیکھا تھا۔

"مجھے توقع تھی کہ ڈیڈی آپ ہی کو بھیجیں گے۔" عورت نے فریدی سے کہا اور پھر وہ حمید طرف دیکھنے لگی۔

"یہ سرجنٹ حمید ہیں۔" فریدی بولا۔

"اوہ.... اچھا.... مجھے بڑی خوشی ہے کہ آپ لوگ تشریف لائے۔ اب میں کافی مطمئن وگئی ہوں۔"

حمید نے فریدی کی طرف گھور کر دیکھا اور پھر ہونٹ سکوڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ کس قسم کا ڈیڈی ہو سکتا ہے جس نے فریدی جیسے سنگ خار کو اپنی بے بی کے پاس بھجوادیا اور فریدی صاحب دوڑتے چلے آئے۔

"جاوید صاحب کی ضمانت ہو گئی؟" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں! پرسوں رہا ہوئے ہیں اور ایک عجیب بات ہے۔ پرسوں وہ ذرہ برابر بھی فکر مند نہیں نظر آتے تھے، لیکن کل رات سے ان کی حالت ابتر ہے۔"

اس پر حمید نے عورت کو گھور کر دیکھا اور اُسے سو فیصدی یقین ہو گیا کہ جلال آباد بھی اس کی شامت ہی لے آئی ہے۔ حمید فطرتاً کام چور یا کاہل نہیں تھا لیکن فریدی کی طرح ہر وقت اپنے کام کا بھوت سوار کئے رکھنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔

"حالت ابتر ہونے سے آپ کی کیا مراد ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"یعنی ایک طرف وہ یہی کہے جا رہے ہیں کہ میں بے گناہ ہوں اور دوسری طرف انہیں جانے کیوں اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ انہیں پھانسی ہو جائے گی۔ کل رات سے بہت زیادہ پریشان ہیں۔ پچھلی رات ان کی وجہ سے گھر کا کوئی فرد نہیں سو سکا۔"

"کیا بات تھی؟"

"بس بار بار اٹھ کر ٹہلتے تھے اور پھر اُن پر غشی کا دورہ پڑ جاتا تھا۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "کیا انہوں نے اس کا اعتراف کر لیا ہے کہ وہ رو انہیں کا تھا۔"

"جی ہاں انہوں نے بے دھڑک اپنا بیان دیا تھا اور یہ بات پولیس کو جتا بھی دی گئی کہ کسی اُن کو پھنسانے کے لئے سازش کی ہے اور گرفتار ہونے سے قبل بھی وہ ہنس ہنس کر کہا کرتے کہ ان کا بال بھی کوئی بیکا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ بے گناہ ہیں۔ مگر کل رات سے انہیں نہ جانے ہو گیا ہے۔"

"پولیس نے انہیں شبہے کی بناء پر گرفتار کیا تھا؟" فریدی نے پوچھا۔

"شبہہ کہاں! پولیس کو تو یقین ہو گیا ہے۔ انہوں نے جاوید کو سخت اذیتیں دی ہیں، اعتراف جرم نہ کرا سکے اور فریدی بھائی کل رات سے خود جاوید ہی نے کہنا شروع کر دیا ہے انہیں اب کوئی پھانسی سے نہیں بچا سکتا۔"

"عجیب بات ہے۔" فریدی بولا۔ "انہوں نے اقرار جرم نہیں کیا... اور یہ بھی کہتے ہیں پھانسی...!"

"اسی پر تو حیرت ہے۔" عورت نے اُس کی بات کاٹ دی۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا معا ہے اور وہ کچھ بتاتے بھی نہیں۔"

فریدی تھوڑی دیر کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "کیا وہ کل شام کو کہیں باہر گئے تھے۔"

"جی ہاں گئے تو تھے۔"

چند لمحے خاموشی رہی۔ حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔

فریدی اُس کی طرف مڑ کر بولا۔ "بڑا دلچسپ کیس ہے۔"

"اچھا...!" حمید نے حیرت کا اظہار کیا۔ لہجے میں ہلکا سا طنز بھی شامل تھا اور طنز کی تہہ میں ظاہٹ تھی۔

فریدی پھر اُس عورت سے مخاطب ہو گیا۔ "آخر انہوں نے اس بات کا اعتراف کیوں کر لیا ر وہ رومال انہیں کا تھا، اُسے وہ بڑی آسانی سے نظر انداز کر سکتے تھے۔"

"وہ ایک بہت بڑی مجبوری تھی۔" عورت نے مغموم لہجے میں کہا۔ "گھر کے تقریباً سارے اور اس کے بہتیرے احباب اُس رومال کو پہچانتے تھے۔"

"کیا اس میں کوئی خاص بات تھی۔"

"اسے بد قسمتی ہی کہنا چاہئے۔ وہ رومال دراصل فرانس سے اُن کے ایک دوست نے بھیجا اُس میں یہ خصوصیت تھی کہ اس پر بنی ہوئی تصویریں اندھیرے میں چمکنے لگتی تھیں اور چمکنے والے حروف میں اس پر اُن کا نام بھی لکھا ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ چیز انوکھی تھی اس لئے جاوید اُسے قریب قریب اپنے سارے دوستوں کو دکھایا تھا اور گھر والے تو خیر واقف ہی تھے۔"

"اُس عمارت میں کوئی نہیں رہتا۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی نہیں.... وہ شکستہ حالت میں ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ کو وہاں تک لے چلوں۔"

"میں خود ہی دیکھ لوں گا۔ آپ مطمئن رہئے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن آپ جاوید سے بھی بات کا تذکرہ نہ کیجئے گا کہ آپ کسی سے مدد لے رہی ہیں۔ دوسری بات کیا اس عورت کے متعلق آپ مجھے کچھ بتا سکیں گی۔"

"اتنا ہی کہ وہ اچھی عورت نہیں تھی۔"

"کیا وہ آپ کے گھر کے قریب ہی کہیں رہتی تھی۔"

"تھوڑے ہی فاصلے پر.... اور ایک بات اور بھی سننے میں آ رہی ہے۔ وہ یہ کہ اُس کی زندگی بیمہ شدہ تھی۔ پچاس ہزار کا بیمہ تھا۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ اس کے شوہر ہی کی حرکت ہو سکتی ہے۔ اس نے بیمے کا روپیہ حاصل کرنے کے لئے اُسے قتل کرا دیا۔"

"خیال بُرا نہیں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "آپ نے ابھی کہا ہے کہ وہ اچھی عورت نہیں تھی۔"

"میں کیا بہتیرے یہی کہتے ہیں۔ وہ پرلے سرے کی اوباش تھی۔"

"جاوید صاحب سے اُس کے تعلقات تو نہیں تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"بظاہر تو ایسا نہیں معلوم ہوتا لیکن پولیس نے اپنی رپورٹ میں یہی لکھا ہے۔"

"آپ کو یقین نہیں ہے۔" فریدی نے سوال کیا۔

"میں جاوید کے متعلق ایسا نہیں سوچ سکتی۔ وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔"

"ہوں.....!" فریدی کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر اس نے پوچھا۔ "کیا یہ بات مقتولہ کے شوہر نے پولیس کو بتائی تھی۔"

"اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

"شوہر بوڑھا آدمی ہے۔"

"جی نہیں۔"

"اس کی مالی حالت کیسی ہے۔"

"وہ ایک دولت مند تاجر ہے۔"

"کیا مقتولہ کا آپ کے یہاں آنا جانا تھا۔"

"نہیں! وہ ہمارے یہاں کبھی نہیں آئی۔"

"اور جاوید صاحب! کیا اس کے شوہر سے ان کے تعلقات تھے۔"

"غالباً کاروباری حد تک۔"

"کیا جاوید صاحب کا بھی کوئی کاروبار ہے۔"

"جی نہیں..... وہ دادا جان کے تجارتی نمائندے ہیں۔"

تھوڑی دیر کے لئے پھر سکوت ہو گیا..... اب حمید بُری طرح الجھنے لگا تھا۔

"کیا آپ کو معلوم ہے کہ بیمہ کس کمپنی کا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"یورپین انشورنس کمپنی کا۔"

"اوہ.....!" فریدی پھر کچھ سوچنے لگا۔

حمید بھی کچھ بولنے کے لئے بُری طرح بے تاب تھا۔

"اُس عورت کی کوئی چھوٹی بہن بھی ہے۔" حمید نے پوچھا اور فریدی نے جلدی سے کہا۔ "جمید

نے انہیں پہچانا نہیں۔ یہ ہمارے ڈی۔ آئی۔ جی کی بڑی صاحبزادی محترمہ سعیدہ ہیں۔"

حمید سناٹے میں آگیا۔ بہر حال اُسے خوشی ہوئی کہ فریدی نے اُسے بیچ ہی میں ٹوک دیا۔ وہ نہ جانے کیا بک گیا ہوتا۔

"اوہو! بڑی خوشی ہوئی۔" حمید نے پائپ سلگانے کا ارادہ ملتوی کرتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اُس کی ایک چھوٹی بہن ہے اور اس کے شوہر کے ہی پاس رہتی ہے۔" سعیدہ نے کہا اور فریدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"یہ بہت اچھی بات ہے۔" اس نے کہا۔ "ہمیں اس سے بہت مدد ملے گی۔ ہاں ایک بات، جاوید صاحب سے ملاقات کب ہو سکتی ہے۔"

فریدی کے اس سوال پر حمید کو حیرت ہوئی۔ ظاہر ہے کہ فریدی کسی خاص کام کے لئے یہاں آئی۔ جی ہی کی طرف سے بھیجا گیا تھا اور اس کام سے اس جاوید کا بھی تعلق تھا۔ پھر آخر فریدی اُس سے ملاقات کے سلسلے میں اس طرح کیوں پوچھ رہا تھا۔

"ہاں یہ سوال غور طلب ہے۔" سعیدہ کے چہرے پر تشویش کے آثار پیدا ہو گئے، وہ چند لمحے کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔

"پرویز صاحب کو تو آپ نے دیکھا ہی ہے اور شائد وہ بھی آپ کو پہچانتے ہیں۔ آج شام کو میں انہیں پرویز صاحب ہی کیساتھ برادر ہوڈ کلب بھجواؤں گی۔ برادر ہوڈ کلب کی عمارت.....!"

"مجھے معلوم ہے! جلال آباد میرا دیکھا ہوا ہے۔" فریدی نے اُس کی بات کاٹ دی۔ "مجھے یقین ہے کہ پرویز صاحب مجھے پہچان جائیں گے۔ خیر فکر نہیں۔ میں انتظام کر لوں گا۔"

اس کے بعد فریدی نے کسی نامعلوم کیس کے سلسلے میں اور بھی بہت سی معلومات بہم پہنچائیں۔ حمید کی اکتاہٹ بڑھتی رہی، چونکہ اُسے کسی بات کا علم نہیں تھا اس لئے وہ خاموش بیٹھا ہوا تھا اور اسے اپنی یہی بیکاری کھل رہی تھی، ورنہ کسی خوبصورت عورت کا قرب ہی اُسے چہکانے کے لئے کافی ہوتا تھا۔

لیکن اُسے جلد ہی بولنے کا موقع مل گیا کیونکہ اب وہ دونوں ذاتیات پر گفتگو کر رہے تھے۔

"اور آج کل کیا مشغلہ ہے۔" سعیدہ کہہ رہی تھی۔ "کہئے آپ اب بھی سانپ پالتے ہیں۔"

"جی ہاں! اب تھوڑے سے رہ گئے ہیں! صرف ڈیڑھ سو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"تھوڑے سے۔" سعیدہ حیرت سے بولی۔ "ڈیڑھ سو کم ہیں۔"

"پہلے میرے پاس پانچ سو سانپ تھے۔" فریدی بولا۔

"جی ہاں۔" حمید بولا۔ "اس محکمے میں آنے سے قبل ہم لوگ بین بھی بجایا کرتے تھے۔"

سعیدہ بے اختیار مسکرا پڑی اور فریدی ہنس کر بولا۔ "حمید صاحب بڑے دلچسپ آدمی ہیں۔"

"میں نے سنا ہے۔" سعیدہ نے کہا اور اپنے داہنے ہاتھ کے ناخن دیکھنے لگی۔

اور پھر جب سعیدہ چلی گئی تو حمید سر کے بل کھڑا ہو گیا۔ لیکن فریدی۔ وہ پھر اخبار دیکھنے تھا۔ حمید نے دیکھا کہ فریدی نے اس کی اس حرکت کی طرف توجہ ہی نہیں دی تو وہ اپنی ا حالت پر آ گیا۔

"آپ شائد یہ سوچ رہے ہوں گے میں آپ سے کچھ پوچھوں گا؟" حمید نے چیخ کر پوچھا۔

"پوچھو! کیا پوچھنا چاہتے ہو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"مردنگ کسے کہتے ہیں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ "میں آپ سے ہرگز یہ نہ پوچھو گا کہ آپ یہاں کس لئے تشریف لائے ہیں۔"

"مجھے خوشی ہو گی۔" فریدی نے کہا اور ہاتھ بڑھا کر ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا لیا۔ دوسرے لم میں وہ کسی سے گفتگو کر رہا تھا۔

"نمبر پلیز! اوہ شکریہ۔ دیکھئے ذرا رفعت صاحب کو کنکٹ کر دیجئے۔ شکریہ! ہیلو! کیا رفعت صاحب ہیں.... اوہ.... اچھا.... روئی کا بازار کیسا ہے.... کیا.... دو پیسے گر گئے.... میرے خ کل بازار پھر چڑھے گا۔ اُسے لکھ لیجئے۔ اگر آج شام کو برادر ہوڈ کلب میں میرا سات بجے تک انتظار کیجئے گا تو بہتر ہو گا.... مجھ سے تعاون کیجئے۔ اگلے مہینے تک ہم یہاں کے کاٹن کنگ ہو گے.... برادر ہوڈ کلب.... جی ہاں.... میز نمبر پندرہ میرے لئے مخصوص ہے.... اسی انتظار کیجئے.... بس سات بجے آ جایئے.... شکریہ۔"

فریدی نے ریسیور رکھ کر سگار سلگایا.... اور پھر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو برادر ہوڈ کلب.... سیکریٹری صاحب.... اوہ.... دیکھئے میں لکی ایکسچینج سے بول رہا ہوں.... رفعت نعیم کے نام سے آج شام کے لئے میز نمبر پندرہ بک کر لیجئے.... اوہ شکریہ....

ت شکریہ.... میں رفعت نعیم ہی بول رہا ہوں۔"

فریدی ریسیور رکھ کر حمید کی طرف مڑا اور بڑے دلآویز انداز میں مسکرانے لگا۔

"یہ آپ نے روئی کا کاروبار کب سے شروع کر دیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"آج ہی سے.... کیا یہ تمہیں پسند نہیں۔"

"مجھے صرف یہ پسند ہے کہ روئی کی کاشت کرنے والے سراغ رساں نہیں ہوتے۔ کیا آج یٹیو نہیں کریں گے۔"

"جب کوئی اچھا جملہ نہ سوجھا کرے تو خاموش ہی رہا کرو۔"

"میں تو صبح ہی سے خاموش ہوں۔" حمید نے کہا اور پھر کچھ نہ بولا۔

اس کا اندازہ تو کوئی موٹی عقل رکھنے والا بھی لگا سکتا تھا کہ وہ کوئی قتل کا کیس تھا جس کا قتل ہ عورت تھی اور جاوید غالباً شبہے میں دھر لیا گیا تھا اور اب اس نے فریدی کی زبان سے ایک رانام سنا تھا۔ رفعت نعیم! آخر یہ کون تھا؟ فریدی نے اُسے فون پر دھوکا کیوں دیا۔ اس سے کہا ورا اس نے پندرہ نمبر کی میز بک کرائی ہے، لیکن بعد میں بکنگ بھی رفعت ہی کے نام سے کرا ڈالی۔

فریدی اخبار میں ڈوب گیا تھا اور حمید کا ذہن ان معاملات میں الجھ رہا تھا۔ آخر سعیدہ کا اس ملے سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ اتنا تو اُسے پہلے سے بھی معلوم تھا کہ ڈی۔ آئی۔ جی کی لڑکی ل آباد میں بیاہی گئی تھی۔ تو کیا یہ جاوید اس کا شوہر تھا؟ مگر پھر یہ رازداری کیسی؟

اس نے سر اٹھا کر فریدی کی طرف دیکھا۔ فریدی بھی اس دوران اسی کیطرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"کیوں....؟" فریدی مسکرا دیا۔

"کچھ نہیں....!" حمید نے بڑی معصومیت سے کہا۔

"چلو کہیں گھوم آئیں۔" فریدی بولا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں صرف اپنے محور پر گھومتا ہوں۔" حمید نے بڑی بے تعلقی سے کہا۔

"یہ جملہ کہا ہے تم نے بڑی دیر بعد۔ چلو پہنو کپڑے۔ میں یہاں تمہاری دلچسپیوں میں حارج ہوں گا۔ تمہارے نقطہ نظر سے جلال آباد بڑی اچھی جگہ ہے۔"

"سنئے جناب۔" حمید بھنا کر بولا۔ "میں آج کل سراغ رسانی کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"لاحول ولا قوۃ! حمید صاحب آپ اور سراغ رسانی! آپ میں سراغ رسانی کی صلاحیت بھی

ہے! میں تو آپ کو صرف مسخرہ سمجھتا ہوں۔"

"چلئے یہی سہی! آپ مجھے تاؤ نہیں دلا سکتے۔"

"تاؤ تو صرف شاہی نسلوں کے لوگوں کو آتا ہے۔" فریدی نے فخریہ انداز میں سینہ تان

"میں جانتا ہوں کہ آپ کا سلسلہ براہِ راست محمد تغلق سے ملتا ہے۔" حمید ہونٹ

بولا۔ "لیکن ضروری نہیں کہ آپ ذرا ذرا سی بات پر اس کا حوالہ دیتے پھریں۔"

"جب کوئی تمہاری تعریف کرتا ہے تو دل چاہتا ہے کہ اس کا گلا گھونٹ دوں۔"

"میں جانتا ہوں کہ خودکشی آپ کیلئے مقدر ہو چکی ہے۔" حمید نے پائپ سلگاتے ہوئے کہ

"بہرحال مجھے افسوس ہے کہ مفت میں تمہیں اتنی شہرت نصیب ہو گئی۔" فریدی ہوا بولا۔ "تو تم نہیں چلو گے۔"

"جی نہیں.... میں اپنی پچھلی نیند پوری کروں گا۔"

فریدی نے پھر کچھ نہیں کہا۔ حمید اُسے باہر جانے کے لئے لباس تبدیل کرتے دیکھتا رہا

"اچھا تو پھر چھ بجے شام کو برادر ہوڈ کلب کے قریب ملنا۔" فریدی نے کہا اور آ

آخری نظر ڈالتا ہوا ایک چھوٹا سا سوٹ کیس اٹھا کر باہر نکل گیا۔

حمید سچ مچ سونا چاہتا تھا۔ پچھلی رات اُسے اچھی طرح نیند نہیں آئی تھی۔ اُس نے ویٹ کر دوپہر کا کھانا منگوایا۔

اور جب وہ کھانا ختم کرنے کے بعد لیٹنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ نے جھلا کر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو....!" دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز آئی۔ "کون! فریدی بھائی۔"

"جی نہیں سرجنٹ حمید۔"

"اوہ دیکھئے میں سعیدہ بول رہی ہوں۔" لہجے میں گھبراہٹ تھی۔ "فریدی بھائی سے دیجئے کہ پچھلی رات کو بھی لنگڑی کوٹھی میں وہ عجیب و غریب روشنیاں دکھائی دیں تھیں۔ ا پڑوسی نے اطلاع دی ہے۔"

گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

حمید اور ٹماٹر

سلسلہ منقطع ہو جانے کے بعد بھی حمید بوکھلاہٹ میں کئی سیکنڈ تک "ہیلو ہیلو" کرتا رہا اور ب اُسے کوئی جواب نہ ملا تو ریسیور کو اس طرح گھورنے لگا جیسے سارا قصور اسی کا ہو۔

اگر اُسے یہ معلوم ہوتا کہ سعیدہ کہاں سے بول تھی تو وہ اُسے دوبارہ فون کر کے یہ ضرور تا کہ یہ لنگڑی کوٹھی کس چڑیا کا نام ہے۔ اب کوٹھیاں بھی لولی لنگڑی ہونے لگیں۔ بہرحال وہ صرف ایک بات کے متعلق بڑی سنجیدگی سے سوچ رہا تھا۔ یہی کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے، رے سے نکل بھاگے۔ ورنہ یہ کم بخت ٹیلی فون زندگی تلخ کر دے گا۔ اسے اس نامعقول ایجاد بڑی نفرت تھی۔ اگر اس کا موجد ایک بار بھی اُسے دستیاب ہو جاتا تو وہ اُسے پھٹے پرانے ں کا ہار پہنائے بغیر نہ مانتا۔

ٹیلی فون کا استعمال وہ طوعاً و کرہاً کرتا تھا اور گفتگو کرتے وقت اس بات کی کوشش کرتا تھا کہ کا چہرہ کسی لاش کے چہرے کی طرح بیجان نظر آئے۔ ایسے مواقع پر اُسے اپنے سیکشن کا ہیڈ ب ضرور یاد آتا تھا، جو فون پر اپنے آفیسروں سے گفتگو کرتے وقت بڑی عاجزی سے دانت ا دیا کرتا تھا۔ وہ لڑکیاں یاد آتیں، جنہیں حمید نے فون پر گفتگو کرتے وقت مسکراتے لجاتے اور اتے دیکھا تھا۔

وہ سب اُسے اُلو کے پٹھے اور احمق معلوم ہوتے تھے اسی لئے فون پر گفتگو کرتے وقت وہ پُر چہرے کو بیجان بنائے رکھنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔

اس نے بڑی کراہت کے ساتھ ریسیور رکھ دیا اور بکس سے کپڑے نکالنے لگا۔ وہ اپنے ذہن اس بے سروپا کیس میں نہیں الجھانا چاہتا تھا.... جاوید.... رفعت نعیم.... سعیدہ.... زلہ.... اندھیرے میں چمکنے والا رومال.... اور لنگڑی کوٹھی.... لاحول ولا قوۃ! اندھا ان.... کانی عمارت! گونگا بگلہ! اس نے جھلا کر سوٹ کیس پٹخ دیا۔

لباس تبدیل کر کے وہ فارغ ہی ہوا تھا کہ پھر فون کی گھنٹی بجی۔ اُس نے دانت پیس کر ریسیور اٹھایا۔

دوسری طرف سے شائد سعیدہ ہی کہہ رہی تھی۔ "فریدی صاحب! کیا فریدی صاحب ہیں۔"

"جی نہیں میں سرجنٹ حمید ہوں۔ فریدی صاحب کہیں باہر گئے ہیں۔"

"اوہ.... جاوید پر بیہوشی کا دورہ پڑ گیا ہے۔ خیر جانے دیجئے۔ میں پھر ملوں گی۔ میں پریشان ہوں۔"

"جی....!"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔ حمید ایک جھٹکے کے ساتھ ریسیور رکھ کر دروا کی طرف مڑ گیا۔

ہوٹل سے نکل کر فٹ پاتھ پر کھڑا ہو کر وہ سوچ رہا تھا کہ کہاں جائے۔ اس سے قبل کئی بار جلال آباد آ چکا تھا۔ اس لئے اُسے زیادہ الجھن نہیں ہوئی۔ بہر حال اُس نے فٹ پا کھڑے ہی کھڑے تہیہ کر لیا کہ اس ہوٹل میں تو ان کا قیام نہیں رہے گا۔

بس وہ یونہی بے مقصد ایک طرف چلنے لگا۔

تقریباً ایک گھنٹے تک آوارہ گردی کرنے کے بعد وہ ایک ایسی عمارت کے سامنے کھڑ جس کے ایک حصے پر اُسے "کرایہ کے لئے خالی ہے" کا بورڈ نظر آ رہا تھا۔

عمارت کافی طویل و عریض تھی جس کے سامنے ایک خوبصورت پائیں باغ کی چہار دیو پر مختلف قسم کی پھولدار بیلیں پھیلی ہوئی تھیں۔

حمید سوچنے لگا کہ کیوں نہ اس مکان کے لئے بات چیت کی جائے۔ یہ بات تو اس پر ظا ہو چکی تھی کہ یہاں اُن کی مدت قیام طویل بھی ہو سکتی تھی۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو فریدی اپ روپیہ جلال آباد کے بینکوں میں کیوں ٹرانسفر کراتا۔

حمید نے دیکھا۔ پائیں باغ کا پھاٹک کھلا ہوا تھا۔ اس نے اپنی ٹائی کی گرہ درست کی اور چہ پر رومال پھیرتا ہوا پھاٹک میں داخل ہو گیا۔ سامنے ایک لمبی سی روش تھی، جو عمارت برآمدے کی سیڑھیوں تک چلی گئی تھی۔ روش پر دورویہ مہندی کی باڑھیں تھیں۔ حمید۔ سب ایک ہی نظر میں دیکھ لیا، ورنہ شاید اس کی نوبت ہی نہ آتی کیونکہ جیسے ہی اس نے پھاٹک قدم رکھا تھا ایک بھاگتا ہوا نوجوان اس سے آ ٹکرایا تھا۔ پھر جونہی وہ جھپٹ کر اس کے سامنے ہٹا کوئی چیز بڑی قوت سے اس کی پیشانی پر پڑ کر پھٹ گئی اور اس کا چہرہ بھیگ گیا۔ اگر آنکھیں ہی بند نہ ہو جاتیں تو شائد وہ چپچپی اور پھسلنے والی سیال چیز اُس کی آنکھوں میں بھی چلی گئی ہوتی۔

حمید نے بوکھلا کر نیچے دیکھا۔ یہ ایک ٹماٹر تھا اور سامنے برآمدے میں ایک لڑکی اپنے ہا

میں دوسرا ٹماٹر لئے ہوئے اُسے گھور رہی تھی۔ حمید نے جیب سے رومال نکال کر چہرہ صاف کیا۔ ٹماٹر کے کچھ بیج اس کے کوٹ کے کالر پر بھی پڑے تھے۔ انہیں انگلیوں سے جھٹکتا ہوا وہ آگے بڑھا ہی تھا کہ کسی نے پیچھے سے اس کی کمر پکڑ لی۔ یہ وہی نوجوان تھا جس سے وہ ٹکرایا تھا۔ اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "بس خدا کے لئے! چپ چاپ یونہی کھڑے رہئے۔"

"کیوں! یہ کیا بدتمیزی ہے۔" حمید جھلا کر پلٹا۔

"میں معافی چاہتا ہوں، لیکن خدا کے لئے بس یونہی کھڑے رہئے۔ وہ چلی جائے۔"

"براہِ کرم آپ سامنے سے ہٹ جائیے۔" برآمدے سے آواز آئی۔ حمید اُس لڑکی کو دیکھنے لگا۔ آواز بڑی سریلی اور ریڑھ کی ہڈی میں سرسراہٹ پیدا کر دینے والی تھی۔

"مسٹر! خدا کے لئے۔" نوجوان حمید کی کمر پکڑے ہوئے آہستہ سے بڑبڑایا۔

"اگر آپ نہیں ہٹیں گے۔" لڑکی نے چیخ کر کہا۔ "تو چوبیس ٹماٹر آپ کو برداشت کرنے پڑیں گے۔"

حمید بُری طرح بوکھلا گیا۔

"دھمکی! محض دھمکی۔" نوجوان آہستہ سے بولا۔ "آپ ہرگز نہ ہٹئے گا۔"

"اسلم! سامنے آؤ۔" لڑکی نے پھر للکارا۔ "ورنہ اڑتالیس ٹماٹر۔"

"آپ بھاگتے کیوں نہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"ناممکن.... بالکل ناممکن.... بھاگنے کی صورت میں مجھے اڑتالیس ٹماٹر برداشت کرنے پڑیں گے۔"

"سنئے جناب....!" لڑکی نے چیخ کر حمید کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ "آپ نہیں جانتے تو یہ لیجئے۔"

ساتھ ہی اس کے چہرے پر دوسرا ٹماٹر پڑا۔

حمید کی قوت برداشت جواب دے گئی۔ وہ پلٹ کر اس نوجوان سے لپٹ پڑا۔

"شکریہ! شکریہ!" برآمدے سے آواز آئی۔ "آپ ہٹ جائیے۔"

دفعتاً حمید کی رگ شرارت بھی پھڑک اٹھی۔ اس نے اُس نوجوان کو دبوچ کر اپنے سامنے کر لیا۔

"شکریہ۔" لڑکی برآمدے سے چیخی اور ایک ٹماٹر اُس نوجوان کے چہرے پر پڑا۔

"چھوڑئے....!" نوجوان مچلنے لگا۔

"خدا کے لئے.... مسٹر!" حمید نے اُسی کے لہجے میں التجا کی۔

ٹماٹر لگتے رہے۔ حمید اپنی پوری قوت صرف کر رہا تھا۔ نوجوان پہلے تو اس کی گرفت سے جانے کے لئے جدوجہد کرتا رہا۔ لیکن پھر اُس نے بھی بے بسی سے ہنسنا شروع کر دیا۔

"ٹماٹر ختم ہو گئے۔" برآمدے سے آواز آئی۔ "بقیہ پھر کبھی۔"

حمید نے اُسے چھوڑ دیا لیکن وہ اس کے حملے کے لئے تیار تھا۔ اُسے توقع تھی کہ وہ چھو ہی ہاتھاپائی پر آمادہ ہو جائے گا۔ مگر وہ کچھ کہنے کی بجائے دوڑتا ہوا برآمدے کی طرف چلا گیا۔ اُسے دیکھ کر ہنس رہی تھی۔

حمید جب برآمدے میں پہنچا تو وہ شائد اندر جا چکا تھا۔ لڑکی البتہ اب تک وہیں تھی اور حیر متحیرانہ انداز میں دیکھ رہی تھی۔

"کیا ڈیڈی سے ملنا ہے۔" لڑکی نے اُس سے پوچھا۔

"جی ہاں.... میں دراصل اس خالی حصے کے لئے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

لڑکی حسین تھی لیکن اس کی آنکھیں بہت کمزور معلوم ہوتی تھیں کیونکہ اُس نے بڑ موٹے شیشوں کی عینک لگا رکھی تھی۔

"خالی حصے کے لئے گفتگو کرنے سے کیا فائدہ۔" لڑکی نے خشک لہجے میں کہا اور حمید اُ گھورنے لگا.... اس کا یہ جواب قطعی بے تکا تھا۔

"میں اُسے کرائے پر لینا چاہتا ہوں۔"

"کرائے پر لینا چاہتے ہیں۔" لڑکی آنکھیں پھاڑ کر بولی۔ "بھلا اتنا بڑا مکان آپ سے اٹھے گا۔

حمید جھنجھلا گیا۔

"آپ کے ڈیڈی کہاں تشریف رکھتے ہیں۔"

"آپ غیر ضروری الفاظ استعمال کرنے کے عادی معلوم ہوتے ہیں۔" لڑکی نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ "خیر مجھے کیا؟ ویسے آپ پوچھ سکتے تھے کہ ڈیڈی کہاں ہیں.... اونہہ.... تشریف .... اور پھر رکھتے ہیں! غیر ضروری الفاظ....!"

"کیا شریف آدمیوں پر ٹماٹر پھینکنا کوئی ضروری حرکت ہے۔" حمید جل کر بولا۔

"اوہ.... وہ اسلم! بہت بور کرتا ہے۔ صبح سے ٹماٹر کی خصوصیات پر لیکچر دے رہا تھا۔ مجھ

ل وٹامنز سے چڑ ہے۔ میں اے سے زیڈ تک سارے وٹامنز پر لعنت بھیجتی ہوں۔"

"آپ کے ڈیڈی۔"

"میرے ڈیڈی۔" اُس نے جلدی سے بات کاٹ دی۔ "بہت بڑے سائنٹسٹ ہیں۔ وہ آج مرغی کے ایک انڈے میں تین زردیاں پیدا کرنے کے امکانات پر غور کر رہے ہیں۔"

"اوہ کیا سچ؟" حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"جی ہاں! کیا میں جھوٹ کہہ رہی ہوں۔"

"تب تو آپ مجھے فوراً اُن کے پاس لے چلئے! انہیں میری ضرورت ہے۔"

"ضرورت تو انہیں صرف ایک عدد اصیل مرغے کی ہے۔" لڑکی نے مایوسی سے کہا۔

"میں ایک اصیل مرغے کے فرائض بھی انجام دے سکتا ہوں۔" حمید نے بڑی سعادت ی سے کہا۔

"اوہ.... اچھا تو آیئے۔" لڑکی نے جھپٹ کر اس کا ہاتھ پکڑا اور ایک کمرے میں گھسیٹ لے ۔ لیکن پھر اچانک اُس نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور رک کر اُسے گھورتی ہوئی بولی۔

"کیا کہا تھا آپ نے۔"

"میں نے یہ عرض کیا تھا کہ میں اصیل مرغا مہیا کر سکتا ہوں۔"

"تو آیئے.... ڈیڈی آپ کی بہت عزت کریں گے۔ میں آپ کو ان کی تجربہ گاہ میں لئے تی ہوں۔"

تجربہ گاہ میں پہنچ کر حمید کو ہنسی ضبط کرنا دشوار ہو گیا۔ کیونکہ ایک انتہائی سنجیدہ صورت اور مر آدمی ایک مرغے کو گھیر گھیر کر ایک گوشے میں اونگھتی ہوئی مرغی کی طرف ہانک رہا تھا۔ ا کے ایک ہاتھ میں انجکشن لگانے والی سیرنج تھی۔

حمید اور اُس لڑکی کو دیکھ کر اُس نے اپنا بایاں ہاتھ اٹھایا اور آہستہ سے بولا۔ "پلیز.... پلیز ھر ہی ٹھہریئے۔"

تقریباً پانچ چھ منٹ تک وہ مرغ کے ساتھ اچھلتا کودتا رہا پھر رک کر مایوسی سے سر ہلاتا ہوا ا۔ "موڈ میں نہیں ہے۔"

اسی دوران میں وہ شائد اُن دونوں کی موجودگی بھی بھول گیا تھا۔

"اوہو! سلیمہ!" وہ ان کی طرف مڑتے ہی چونک پڑا۔ پھر اپنی ناک پر عینک جماتا ہوا بولا۔ "آپ کی تعریف۔"

"آپ اصیل مرغ مہیا کر سکتے ہیں۔" سلیمہ نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ "آپ کو کرائے پر مکان بھی چاہئے۔"

"تشریف رکھئے! تشریف رکھئے۔" اُس نے جھک کر ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "بیٹی سلیمہ آپ کے لئے چائے کو کہو۔"

سلیمہ چلی گئی۔

"اصیل مرغ....!" سلیمہ کا ڈیڈی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "میں عرصے سے تلاش میں ہوں مگر یہاں سب دوغلے ملتے ہیں۔ آپ کو مکان بھی چاہئے۔"

"اب تو ہر قیمت پر چاہئے۔"

"کیوں؟" بوڑھا اسے گھورنے لگا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ میرے ساتھی پروفیسر چنگھاڑنی بھی اسی چکر میں ہیں۔"

"کس چکر میں ہیں؟"

"اب وہ کوشش کر رہے ہیں کہ ایک انڈے میں کم از کم پانچ زردیاں پیدا کی جائیں۔"

"کیا....؟" بوڑھا اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"جی ہاں.... چار زردیوں تک انہیں کامیابی ہوئی ہے۔"

"افسوس" بوڑھا اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر آرام کرسی پر گر گیا.... وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے حمید کی طرف دیکھ رہا تھا.... حمید کچھ نہ بولا۔

"چار زردیوں تک کامیابی اور میں دو بھی نہیں پیدا کر سکا۔" بوڑھا بڑبڑا رہا تھا۔ "نہیں نہیں مسٹر میں یقین نہیں کر سکتا۔ کیا نام بتایا تھا آپ نے۔"

"پروفیسر چنگھاڑنی۔" حمید بولا۔

"میرے خدا.... چار زردیاں.... میری زندگی برباد ہو گئی.... میں تباہ ہو گیا۔"

"پروفیسر چنگھاڑنی نے مرغی کے انڈے سے کچھوے کے بچے نکالے تھے۔" حمید نے کہا۔

"میرے پیارے لڑکے۔" بوڑھا حالت جوش میں کھڑا ہو گیا۔ "کہاں ہے وہ قابل قدر

...کچھوے کے بچے میں سے مرغی کے انڈے.... دنیائے سائنس میں ایک عظیم کارنامہ۔"

"میں دنیا کے دو عظیم سائنسدانوں کو ایک جگہ اکٹھا کرنا چاہتا ہوں۔" حمید نے کہا۔ "کیا آپ ...کان کرائے پر....!"

"مفت میرے پیارے لڑکے۔" بوڑھے نے اُس کی بات کاٹ دی.... "بالکل مفت.... ...وفیسر چرگاڑنی۔"

"چنگھاڑنی۔" حمید نے تصحیح کی۔

"ٹھیک ہے! ٹھیک ہے۔" بوڑھا سر ہلا کر بولا۔ "پروفیسر چنگھاڑنی کے لئے میں پوری عمارت ...ف کر سکتا ہوں۔ لیکن میں بہت اداس ہو گیا ہوں.... پانچ زردیاں.... میرے خدا۔"

"انہوں نے زردیوں کی رنگت تک تبدیل کر دی ہے۔ ایک ہی انڈے میں چار مختلف رنگوں ...زردیاں تھیں! سبز، سرخ، نیلی اور پیلی۔"

"بس کیجئے.... بس کیجئے۔" بوڑھا ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ورنہ مجھے بلڈ پریشر ہو جائے گا۔ اف ...رے خدا.... چار زردیاں.... انقلاب دنیائے سائنس میں عظیم انقلاب اوہ پیارے پروفیسر ...ھاڑنی۔ تم انسانیت کے بہت بڑے محسن ہو.... چار زردیاں۔"

"تو پھر آپ مکان کے لئے کیا کہتے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"جب دل چاہے آجائیے.... ضرور آئیے۔"

"کرایہ کیا ہوگا۔"

"کچھ نہیں.... بالکل نہیں.... پروفیسر چنگھاڑنی سے کرایہ نہیں لیا جائے گا۔"

"یہ تو مناسب نہیں۔" حمید بولا۔

"قطعی مناسب ہے مسٹر....!"

"لوگ مجھے ڈاکٹر زیٹو کہتے ہیں...." حمید نے شرما کر کہا۔

"مائی ڈیئر.... ڈاکٹر زیٹو.... چشم ما روشن دل ما شاد ماں۔ شوق سے آپ لوگ تشریف ...ئیے۔ آپ میرے مہمان رہیں گے، لیکن وہ اصیل مرغ نہ بھولئے گا۔"

"میں کل ہی ا... لکھ دوں گا۔ پروفیسر چنگھاڑنی کے گھر پر پانچ درجن اصیل مرغ ہیں۔"

"پانچ درجن اصیل۔" بوڑھا حیرت سے بولا۔ "مائی ڈیئر ڈاکٹر زیٹو.... پروفیسر چنگھاڑنی

پرستش کے قابل ہیں۔"

"آپ پروفیسر سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔" حمید نے کہا۔

"قطعی ڈاکٹر زیٹو.... قطعی۔" بوڑھا سر ہلا کر بولا۔ "ڈاکٹر زیٹو.... آپ ڈاکٹر ہیں۔ جگر خراب ہے۔ خون خراب ہے۔ کیا آپ میرا طبی معائنہ کرنے کی زحمت گوارا کریں گے۔"

"میں دراصل آئس کریم کا ڈاکٹر ہوں۔" حمید نے شرما کر کہا۔

"آئس کریم کا ڈاکٹر۔" بوڑھے نے منہ چلا کر آہستہ سے کہا۔

"جی ہاں.... ایک نئی قسم کی آئس کریم ایجاد کرنے کے سلسلے میں نبراسکا یونیورسٹی نے ڈاکٹریٹ دی تھی۔"

"اوہو! آپ بھی موجد ہیں۔" بوڑھا اس کا ہاتھ دباتا ہوا بولا۔ "ڈاکٹر زیٹو آپ بھی انسان کے بہت بڑے محسن ہیں۔"

سلیمہ چائے کی ٹرے لئے ہوئے اندر داخل ہوئی۔

"سلیمہ! پروفیسر چنگھاڑنی آرہے ہیں۔" بوڑھے نے اُسے مخاطب کیا۔

"پروفیسر چنگھاڑنی۔" سلیمہ نے حیرت سے کہا۔

"تم پروفیسر چنگھاڑنی کو نہیں جانتیں۔ ارے وہ انسانیت کا محسن۔ قابل قدر پروفیسر چنگھا جواب تک چار زردیوں والے انڈے پیدا کر چکا ہے۔ جس نے کچھوے کے بچے سے مرغی انڈے نکالے ہیں۔"

"ڈونٹ ٹاک اِٹ ڈیڈی۔" وہ منہ سکوڑ کر بولی۔

"ڈاکٹر زیٹو سے پوچھ لو۔"

"ڈاکٹر زیٹو....!" لڑکی حمید کو گھورنے لگی۔

"آپ ٹماٹر کھایا کیجئے۔" حمید نے اُس سے کہا۔ "وہ ایک صحت مند غذا ہے۔"

"کیا....؟" سلیمہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ "آپ مجھے بور کریں گے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ آپ ٹماٹر کے فوائد سے واقف نہیں۔"

"بکواس بند کیجئے۔" سلیمہ چیخ کر بولی۔ اس کا چہرہ غصے سے ٹماٹر ہو گیا۔ "آپ احمق ہیں۔" اُس نے پیر پٹخ کر کہا اور کچھ بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے چلی گئی۔

"اوہ مائی ڈیئر ڈاکٹر زیٹو....!" بوڑھے نے انکسار آمیز لہجے میں کہا۔

"بے بی کو ٹماٹر کے تذکرے پر غصہ آجاتا ہے۔ وہ اسلم ہے نا! اس سے بڑی جنگ ہو جاتی ہے۔ ٹماٹر اُس کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔"

"اسلم صاحب کون ہیں؟"

"صاحب نہیں.... وہ میرا بھتیجا ہے۔" بوڑھے نے رازدارانہ انداز میں کہا۔ "میرا ارادہ ہے کہ میں بے بی سے اُس کی شادی کر دوں.... مگر ٹماٹر....!"

"کیوں.... ٹماٹر کیوں؟"

"اوہ اُسے ٹماٹر بہت پسند ہیں.... وہ دن رات ٹماٹروں کے قصیدے پڑھا کرتا ہے، لیکن بے بی.... اُسے ٹماٹروں سے نفرت ہے۔ میں نے کہا نا کہ ٹماٹر اُسکی سب سے بڑی کمزوری ہے۔"

"لیکن میں اُسے ٹماٹر کھلا سکتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"ناممکن! مائی ڈیئر زیٹو.... بالکل ناممکن ہے۔"

"ٹماٹر لی آئس کریم.... کیا خیال ہے؟"

"گڈ! ایکسیلنٹ! ڈاکٹر زیٹو ونڈر فل!" بوڑھے نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر تیز قسم کی سرگوشی کی۔

"میں پروفیسر چنگھاڑنی کا دست راست ہوں۔" حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اچھا اب اجازت دیجئے۔"

"ارے میں کس قابل ہوں کہ اجازت دوں۔" بوڑھے نے خاکسارانہ انداز میں کہا۔ پھر ہڑبڑی سے بولا۔ "ارے چائے تو رکھی ہی رہ گئی۔ لیجئے ڈاکٹر زیٹو۔"

ڈاکٹر زیٹو پھر بیٹھ گیا۔ دونوں خاموشی سے چائے پیتے رہے۔ بوڑھا کبھی کبھی کونے میں کھڑی اونگھتی ہوئی مرغی کو پر تشویش نظروں سے دیکھنے لگتا تھا۔

"اسے ٹماٹر کی آئس کریم کھلایئے۔ یہ کچھ مغموم سی معلوم ہوتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"ٹماٹر کی آئس کریم۔" بوڑھا اُسے گھورنے لگا۔

"یہ بہت ضروری ہے۔ پروفیسر چنگھاڑنی ہمیشہ یہی کرتی ہیں۔ ورنہ چار زردیاں مشکل کام ہے۔ ٹماٹر کا رس کسی کنواری لڑکی کے ہاتھوں نکلوایا جائے۔ کیا سمجھے اور مرغ کو بھی کھلایئے وہ کچھ دنوں کے لئے نامرغ ہو جائے گا۔ ایسی صورت میں آپ اُسے شیری پورٹ اور وہسکی کی کاک ٹیلی

پلا کر دوبارہ اصلی حالت پر لا سکتے ہیں۔ کیا سمجھے، تین زردیوں کا ذمہ میں لیتا ہوں۔"

فریدی کی عجیب حرکت

تقریباً نو بجے رات کو حمید ہوٹل میں واپس آیا۔ فریدی کمرے میں موجود تھا اور اُس کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔ فریدی نے اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھا، لیکن کچھ بولا نہیں۔

مگر جب حمید کپڑے اتارنے لگا تو اس نے کہا۔

"ٹھہرو! ہم اسی وقت یہ ہوٹل چھوڑ رہے ہیں۔"

"کیوں! خیریت.... اب کہاں جھک مارنے کا ارادہ ہے۔"

"میں یہاں کا حساب صاف کر چکا ہوں۔ تم ٹیکسی لے آؤ۔"

"کہاں چلئے گا۔"

"کسی دوسرے ہوٹل میں؟"

"ہوٹل بیکار ہے۔" حمید نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"آپ گھورتے کیوں ہیں؟"

"چلو! جلدی جاؤ! ورنہ کسی الجھن میں پڑ جائیں گے۔"

"میں نے ایک مکان کا انتظام کیا ہے۔"

"کیا مطلب....؟"

"آپ مکان کا مطلب نہیں سمجھتے۔ آج جانے کیا بات ہے کہ ہر آدمی پروفیسر ٹی۔اے جھوس بنا جا رہا ہے۔"

"کیا بک رہے ہو۔"

"میں نے ایک مکان کا انتظام کر لیا ہے۔ بڑی آرام دہ جگہ ہے۔ آپ کو صرف تھوڑی سی مرغ بازی کرنی پڑے گی۔ اپنا نام پروفیسر چنگھاڑنی بتانا پڑے گا۔"

"دماغ خراب ہوا ہے۔"

"اور آپ کو یہ ظاہر کرنا پڑے گا کہ آپ ایک بہت بڑے سائنسدان ہیں۔ ایک انڈے سے چار زردیاں پیدا کر چکے ہیں اور اب پانچویں کے امکانات زیرِ غور ہیں۔"

"بیہودہ بکواس پھر کسی وقت پر اٹھا رکھو۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

اس پر حمید نے دن بھر کی کارگذاریوں کی رپورٹ پیش کر دی۔ فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"اس کا نام کیا ہے؟"

"پروفیسر ٹی۔اے جھوس۔"

"ٹی۔اے جھوس۔" فریدی یادداشت پر زور دیتا ہوا بولا۔ "وہی تو نہیں جس کی ایک آنکھ خراب ہی ہے۔"

"ہائیں! تو کیا آپ اُسے جانتے ہیں۔" حمید اچھل پڑا۔

"اس کی سات پشتوں سے واقف ہوں۔ وہ ایک بہت بڑا احمق ہے۔ اُسے تجربات کا خبط ہے، تمہیں یہ معلوم کر کے حیرت ہو گی کہ وہ ایک بہت ہی معمولی پڑھا لکھا آدمی ہے۔ ویسے ذکاوت ہے اور خود کو سائنسدان ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے اور جرمن سائنسدانوں کی سی وضع بنائے رکھتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے فرزند کہ وہ مجھے پہچانتا ہے۔"

"میک اپ....!" حمید بولا۔ "آپ ایک معمر آدمی کا میک اپ کر لیجئے۔"

"تو ضرورت ہی کیا ہے.... کہیں اور ٹھہریں گے۔"

"میں تو وہیں ٹھہروں گا.... میرا نام ڈاکٹر زیٹو ہے اور میں آئس کریم کا ماہر ہوں۔ کیا سمجھے۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"تم برادر ہوڈ کلب میں کیوں نہیں ملے۔"

"بتایا تو کہ میں مکان تلاش کر رہا تھا۔"

"رفعت نعیم بھی قتل کر دیا گیا۔"

"رفعت نعیم.... اوہ.... وہی جسے آپ نے فون کیا تھا۔"

"ہاں وہی.... وہ بیچارہ کلب آیا تھا۔ بڑی دیر تک پندرہ نمبر کی میز پر میرا انتظار کرتا رہا لیکن میں نے تو دراصل اُسے دیکھنے کے لئے بلایا تھا۔ اُس سے ملنے کا ارادہ قطعی نہیں تھا۔ جب وہ انتظار

کرتے کرتے تھک گیا تو اس نے میز مخصوص کرانے والے کے متعلق سیکریٹری سے پوچھا۔
سیکریٹری ہنس پڑا۔ کیونکہ میں نے وہ میز خود رفعت نعیم ہی کے نام سے مخصوص کرائی تھ
بہر حال وہ بڑی دیر تک سیکریٹری سے الجھتا رہا اور پھر وہ اٹھ کر چلا گیا۔ اب مجھے جاوید اور پر
انتظار تھا، لیکن وہ دونوں سرے سے آئے ہی نہیں.... ہاں تو.... رفعت نعیم کے جانے کے
لمحوں کے بعد باہر شور سنائی دیا۔ پھر برآمدے میں میں نے رفعت نعیم کی لاش دیکھی۔ اُس
بائیں پسلی میں ٹھیک دل کے مقام پر ایک خنجر پیوست تھا لیکن قاتل کو کسی نے نہیں دیکھا تھا۔

"لیکن یہ رفعت نعیم تھا کون؟"

"مقتولہ کا شوہر۔"

"آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے مقتولہ میری منکوحہ رہی ہو۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "میں
بھی نہیں جانتا کہ وہ دوسرا جاوید کون اُلو کا پٹھا ہے۔"

"جاوید.... سعیدہ کے شوہر کا چھوٹا بھائی ہے اور اس پر رفعت نعیم کی بیوی کے قتل کا الزام ہے

"تو آپ جاوید سے اُسکے گھر پر کیوں نہیں ملے۔ آخر اتنی رازداری کی کیا ضرورت تھی۔

"بتاتا ہوں۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "مقتولہ کی لاش ایک اجاڑ سی ٹوٹی پھوٹی عما
میں پائی گئی اور وہ عمارت دراصل سعیدہ کے سسرال والوں کی ملکیت ہے۔ لاش کے قریب
کارومال پایا گیا ہے۔"

"اور اس عمارت کا نام لنگڑی کوٹھی ہے۔" حمید اپنے دیدے نچا کر بولا۔

"تو تم تفصیل سے واقف ہو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"پچھلی رات کو پھر لنگڑی کوٹھی میں روشنی دیکھی گئی تھی۔"

"کیا....؟" فریدی یک بیک کھڑا ہو گیا۔

"جی ہاں.... سعیدہ کے بعض پڑوسیوں نے کچھ عجیب و غریب قسم کی روشنیاں دیکھی تھیں۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"آپ کے جانے کے بعد سعیدہ نے فون پر کہا تھا۔"

"اوہ....!" فریدی اٹھ گیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "اس واردات کے بعد پولیس
نے نہ صرف جاوید کو گرفتار کر لیا بلکہ اُس کے خاندان والوں کو بھی پریشان کرتی رہی۔ سعیدہ

ں کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ وہ کیوں نہ اپنے باپ کو پورے واقعات لکھ کر اُن سے
لب کرے لیکن جاوید کے دادا میاں نے اُسے اپنی شان کے خلاف سمجھ کر اُس کی تجویز
ردی۔ سعیدہ بہت پریشان تھی۔ اُس نے خفیہ طور پر ڈی۔ آئی۔ جی صاحب کو خط لکھا۔ اس
ہے کہ خاندان کی عزت خاک میں ملنے والی ہے اور دادا صاحب اپنی جھوٹی خودداری لئے
ں۔"

کیوں! آخر وہ بوڑھا مخالفت کیوں کر رہا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

جھکی ہے.... بہو کے میکے والوں سے مدد لینا کسر شان سمجھتا ہے، بہر حال ڈی۔ آئی۔ جی کی
کے مطابق چھپ کر اس کیس کی تفتیش کرنی ہے۔"

"کیا وہ خاندان لنگڑی کوٹھی میں مقیم ہے۔"

"نہیں لنگڑی کوٹھی تو ایک قدیم طرز کی عمارت کے کھنڈروں کا نام ہے، لیکن وہ ان کی
عمارت سے ملحق ہے۔"

"اور ان روشنیوں کا کیا قصہ ہے؟"

"لوگوں کا خیال ہے کہ لنگڑی کوٹھی بدارواح کا مسکن ہے۔ وہاں اکثر راتوں کو ڈراؤنی چیخیں
نی گئی ہیں۔ بسا اوقات لوگوں کو روشنی بھی دکھائی دی ہے۔"

"آ گئی شامت۔" حمید اپنا داہنا گال رگڑتا ہوا بولا۔

"رفعت نعیم کے اچانک قتل کے بعد یہ کیس بڑا دلچسپ ہو گیا ہے۔ پہلے تو یہ سوچا جا سکتا
کہ رفعت نعیم نے بیمے کے پچاس ہزار روپے حاصل کرنے کے لئے اپنی بیوی کو قتل کر دیا،
اب ہم اُسے کیا کہیں گے۔"

"رفعت نعیم کا کوئی وارث جو اُس کی موت کے بعد فائدہ اٹھا سکے۔" حمید بولا۔

"رفعت نعیم کا کوئی ایسا وارث نظر نہیں آتا۔ میں نے آج دوپہر کو چھان بین کی تھی۔ البتہ
ملکی ایک سالی ہے، جس کا قیام اسی کے ساتھ تھا مگر وہ غیر شادی شدہ ہے۔"

"کیا غیر شادی شدہ عورتیں قتل نہیں کر سکتیں۔"

"کر سکتی ہیں، لیکن وہ لڑکی پیدائشی اپاہج ہے۔ اُس کی دونوں ٹانگیں بیکار ہیں۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی بولا۔ "جاوید کا رویہ بڑا مشکوک ہے۔ پرسوں تک وہ خوش رہا ہوگا یقین تھا کہ اس کی بے گناہی ثابت ہو جائے گی۔ لیکن کل سے اُس پر دورے پڑنے لگے ہیں اور اُسے بار بار پھانسی کا پھندا اپنے سامنے لٹکتا دکھائی دیتا ہے۔ آخر اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ کل تک اس کی یہ حالت ہے اور آج رفعت قتل کر دیا گیا۔"

"یہ چیز غور طلب ہے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"اب دوسری بات.... رفعت کے قتل کے بعد میں یہ مناسب نہیں سمجھتا کہ ہم اس ہوٹل میں ٹھہریں۔ ظاہر ہے کہ وہ میز میں نے ہی مخصوص کرائی تھی اور اس کے لئے فون پر بھی گفتگو کی تھی، جسے ہوٹل کے ٹیلی فون آپریٹر نے ضرور سنا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ کل کے اخبارات میں رفعت نعیم کے قتل کی کہانی شائع ہو اور اُس میز کا بھی تذکرہ آئے۔"

"بات تو ٹھیک ہے" حمید سر ہلا کر بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ ٹیلی فون آپریٹر کو آپ کی کال یاد آجائے۔"

فریدی پھر کچھ سوچنے لگا۔

"اچھا ٹھہرو....!" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

دوسرے لمحے میں وہ اپنے ایک چھوٹے سوٹ کیس سمیت غسل خانے میں تھا۔

اور پھر جب آدھ گھنٹے کے بعد غسلخانے کا دروازہ کھلا تو حمید کے سامنے مغربی وضع کا ایک بوڑھا کھڑا تھا اُس کے چہرے پر فرنچ کٹ ڈاڑھی تھی اور گالوں پر جھریاں پڑی ہوئی تھیں۔ حمید اُسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔

"ڈاکٹر زیٹو۔" فریدی نے اُسے کپکپاتی ہوئی آواز میں مخاطب کیا۔ "تمہیں یہ سن کر خوشی نہ ہوگی کہ پروفیسر ٹی۔ اے جھوس جاوید کے رشتہ داروں میں سے ہے اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ تم اُسی سے جا ٹکرائے۔ اُس کے یہاں رہ کر ہم بہتیری معلومات حاصل کر سکیں گے۔"

"شامت....!" حمید دانت پیس کر بولا۔ "کہیں چین نہیں ہے۔ لعنت ہے اس زندگی پر مقدر ہی واہیات ہے۔ لیکن یہ جھوس کیا بلا ہے۔ میں نے آج تک اس قسم کی کنیت نہیں سنی۔"

"چنگھاڑنی اور زیٹو کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"وہ تو میں نے اُسی وقت گڑھ لئے تھے جب میں نے پھاٹک پر لگی ہوئی نیم پلیٹ پر اس کا نام دیکھا تھا۔"

"وہ خود کوٹی۔ اے جھوس لکھتا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "پہلے وہ شاعری کرتا تھا اور اپنا تخلص سمیت طیب علی موج لکھتا تھا۔ اچانک اس پر علم الحیوانات کا بھوت سوار ہوا اور اُس نے پسندانوں کی وضع اختیار کر لی۔ موج کو جھوس کر دیا اور خود کوٹی۔ اے جھوس لکھنے لگا۔"

"آپ کہتے ہیں کہ وہ جاوید کا رشتہ دار ہے۔ لیکن ان وارداتوں میں اسی کا ہاتھ نہ ہو۔ اُس پہلے بھی تو ہمیں اس قسم کے کئی خبطی پروفیسروں سے واسطہ پڑ چکا ہے۔"

"پتہ نہیں۔ ویسے تم کئی بار اس سے پہلے بھی نادانستگی میں صحیح مجرموں سے ٹکرا چکے ہو۔" کچھ سوچتا ہوا بولا۔ چند لمحے خاموش رہ کر وہ پھر کہنے لگا۔ میں مناسب نہیں سمجھتا کہ تم بھی اصلی صورت میں منظر عام پر آؤ۔ کل کا اخبار ہمارے لئے خطرناک ہوگا۔"

"مگر میں تو پروفیسر جھوس سے اپنی اصلی صورت میں مل چکا ہوں۔"

"اسی لئے میں نہیں چاہتا کہ ابھی ہم وہاں جائیں۔ کل کا اخبار اور دیکھ لیا جائے اور یہ معلوم کر لیا جائے کہ ہوٹل کے ٹیلی فون آپریٹر نے اخبار دیکھ کر کوئی رپورٹ تو نہیں دی۔"

"پھر آپ ہی کچھ فرمائیے۔ میں تو اس وقت اُس ٹماٹر بیزار لڑکی کے متعلق سوچ رہا ہوں۔ وہ بھی اپنے باپ ہی کی طرح سنکی ہے۔"

"لڑکیوں کے علاوہ اور تم سوچ ہی کیا سکتے ہو۔" فریدی نے بیزاری سے کہا۔

"لڑکیوں کے علاوہ میں اُن کے منگیتروں کے متعلق بھی سوچتا ہوں، اور یہ بھی سوچتا ہوں کہ بیچارے منگیتر کیوں کہلاتے ہیں۔ اگر چھچھوندر کہلاتے ہوتے تو ہمیں بھی یہی کہنا پڑتا۔"

وہ ابھی اپنی بکواس جاری ہی رکھنا چاہتا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ اُس نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ سامنے ایک باوردی سب انسپکٹر پولیس کھڑا تھا اور اس کے پیچھے ہوٹل کا ویٹر تھا۔ سب انسپکٹر نے تیز نظروں سے کمرے کے اندر دیکھا اور پھر مڑ کر ویٹر کو واپس جانے کا اشارہ کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ پہلے وہ باری باری سے فریدی اور حمید کو گھورتا رہا پھر اس نے۔ "آپ دونوں حضرات کے نام شائد احمد کمال اور ساجد حمید ہیں۔"

"دونوں میرے لڑکے ہیں۔" فریدی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ حمید نے دیکھا کہ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔

سب انسپکٹر اُسے متحیرانہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"یہ ساجد حمید ہے۔" فریدی نے حمید کی طرف اشارہ کیا۔ "اپنے بڑے بھائی احمد کمال ساتھ سائے کی طرح لگا رہتا ہے کیونکہ احمد کمال کچھ مخبوط الحواس سا تھا۔ کئی دن ہوئے وہ گھر نکل بھاگا۔ ساجد اس کے ساتھ ہی رہا۔ کمال نے یہاں اس ہوٹل میں قیام کیا۔ ساجد بھی یہیں پڑا۔ اس نے مجھے یہاں سے تار دیا۔ ہم لوگ دولت آباد کے رہنے والے ہیں۔ میرا نام والا تعلق ہے۔ ہائے میں بہت دیر میں پہنچا.... میرا بچہ.... میرا احمد کمال....!"

فریدی اس طرح خاموش ہو گیا جیسے اپنی آواز پر قابو پانے کی کوشش کر رہا ہو۔ حمید دیکھا معاملہ نازک سا ہے لہٰذا اس نے بھی نتھنے پھلا پھلا کر دو چار آنسو نکال لئے تھے اور ناک بل شوں شوں کر رہا تھا۔

"کیا بات ہے!" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"ساجد کا بیان ہے کہ اس نے آج....!" فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"آپ خاموش کیوں ہو گئے کہئے۔" سب انسپکٹر نے ٹوکا۔

"آج اس نے شائد سینما یا تھیٹر میں اپنے لئے ایک نشست مخصوص کرائی تھی اور اس اپنا نام رفعت نعیم بتایا تھا۔"

"جی....!" سب انسپکٹر چونک کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"آپ بھول گئے۔" حمید نے ہچکی لے کر ٹکڑا لگایا۔ "کسی کلب میں شائد ایک سو بارہ نمبر میز مخصوص کرائی تھی۔"

"پندرہ نمبر کی میز۔" سب انسپکٹر جلدی سے بولا۔ "برادر، ہوڈ کلب۔"

"ہڈ ہڈ کلب۔" فریدی اس طرح دیکھنے لگا جیسے وہ بہرہ ہو۔

"جی نہیں! برادر ہوڈ کلب! میز نمبر پندرہ۔" سب انسپکٹر نے ذرا اونچی آواز میں کہا۔

"ممکن ہے یہی رہا ہو۔" حمید بولا۔

"پھر دوپہر کو ساجد غسلخانے میں تھا کہ کمال کہیں غائب ہو گیا، اور ساجد اس کی تلاش نکل گیا۔ شام کو میں ہوٹل پہنچا تو ان کا کمرہ بند تھا۔ میں نیچے بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ ساجد واپس آیا۔ ہم دونوں کمرے میں آئے.... اور ہائے.... میرا کمال۔" فریدی منہ ڈھانپ رونے لگا۔

ابا جان۔" حمید گھٹی گھٹی سی آواز میں چیخا اور پھر اُس کے منہ سے "بھوں بھوں" ایسی نکلنے لگیں، جیسی عموماً ضبط کرنے کی کوشش کے سلسلے میں بے اختیارانہ نکلتی ہیں۔

"آخر بات کیا ہے؟" سب انسپکٹر جھلا کر بولا۔

"میرے بیٹے کی لاش....!" فریدی گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔

"لاش....!" سب انسپکٹر پھر اچھل پڑا۔ "کہاں ہے لاش۔"

"غسلخانے میں۔" فریدی لڑکھڑاتا ہوا اٹھا۔ "آیئے.... ہائے کیا اُس کے مرنے کے دن تھے۔"

فریدی دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ اس کے پیچھے سب انسپکٹر بھی گھسا۔ ساتھ ہی حمید نے کے گرنے کی آواز سنی۔ وہ حیرت سے منہ کھولے کھڑا رہا۔ شائد ایک منٹ بعد فریدی اپنے جھاڑتا ہوا باہر نکلا۔

"اور تم کھڑے منہ دیکھ رہے ہو۔" اس نے غسلخانے کا دروازہ بند کرتے ہوئے پُر اطمینان میں کہا۔ "نکلو یہاں سے مغربی سرے پر، جو زینہ ہے وہ تمہیں باورچی خانے میں پہنچا دے گا، کا بیرونی دروازہ گلی میں ہے۔ ٹیکسی اسٹینڈ پر میرا انتظار کرنا۔"

حمید نے کچھ کہنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ فریدی بولا۔ "چلو جاؤ.... کسی قسم کی بکواس نہیں۔"

حمید چپ چاپ کمرے سے نکل آیا۔ مغربی گوشے والے زینوں نے اُسے باورچی خانے میں دیا.... پھر وہاں سے ٹیکسی اسٹینڈ تک راہ سیدھی تھی۔

حمید ٹیکسی اسٹینڈ پر کھڑا سوچ رہا تھا کہ آخر اس حماقت کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ فریدی نے سب انسپکٹر کو یقیناً بیہوش کیا ہے۔ اس بار اُسے اس کا طریق کار کچھ عجیب سا معلوم ہو رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اُس نے فریدی کو دیکھا، جو ایک ہاتھ میں سوٹ کیس لٹکائے ہوئے بڑے بان سے اس کی طرف چلا آ رہا تھا۔ اُس کے قریب پہنچ کر اُس سے مخاطب ہونے کی بجائے وہ ٹیکسی ڈرائیور سے گفتگو کرنے لگا۔

حمید کا ذہن کچھ اس بُری طرح الجھا ہوا تھا کہ اُس نے ان کی گفتگو پر دھیان تک نہ دیا۔ اس نظریں بار بار ہوٹل کیطرف اٹھ جاتی تھیں جس کا فاصلہ ٹیکسیوں کے اڈے سے زیادہ نہیں تھا۔

"چلو بیٹھو۔" فریدی نے حمید کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ وہ چونک کر اُس کی طرف الرڈرائیور ان کے لئے ٹیکسی کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد ٹیکسی شہر کے ویرانے کی طرف جارہی تھی۔ حمید کچھ پوچھنے کے لیے بیتاب تھا۔ کئی بار بولنا بھی چاہا، لیکن فریدی نے اس کا شانہ دبادیا۔ ٹیکسی پختہ سڑک سے اُتر کر کچی پر ہولی تھی۔ دھچکے لگ رہے تھے اور ہر دھچکے پر ڈرائیور بڑبڑاتا جارہا تھا۔

"ڈرائیور گاڑی روک دو۔" دفعتاً فریدی نے کہا۔

ڈرائیور ٹیکسی روک کر اُس کی طرف مڑا۔

"ہم آگے نہیں جائیں گے۔" فریدی نے کہا۔ ڈرائیور آنکھیں پھاڑ کر اُسے گھورنے لگا۔

"یہ لو....!" اُس نے جیب سے دس دس کے پانچ نوٹ نکالے، ڈرائیور کی حیرت بڑھ گئی۔ معاملہ صرف بیس روپیوں پر طے ہوا تھا اور انہیں شہر سے دس میل کے فاصلے پر جے رام پور ڈاک بنگلے تک جانا تھا، لیکن ابھی آدھا فاصلہ بھی نہیں طے ہوا تھا۔

"دیکھتے کیا ہو! رکھو ان روپیوں کو ورنہ گولی ماردوں گا۔" فریدی نے گرج کر کہا اور ساتھ ہی اس کے جیب سے ریوالور بھی نکل آیا۔ حمید کی بوکھلاہٹ پھر بڑھ گئی، لیکن وہ کچھ بولا نہیں... ادھر ڈرائیور نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے نوٹ پکڑ لئے۔ اس کی نظریں اب بھی فریدی کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"ہمارے سوٹ کیس میں کوتوال شہر کے لڑکے کی لاش ہے! کیا سمجھے۔" فریدی اپنی ایک آنکھ دبا کر بولا۔

ڈرائیور کو گویا سانپ سونگھ گیا۔

"جی صاحب۔" اُس نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

فریدی سوٹ کیس لئے ہوئے نیچے اُتر گیا۔ حمید بھی اُترا۔ لیکن اُسے اختلاج ہونے لگا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر فریدی کرنا کیا چاہتا ہے۔

"چلو جاؤ۔ گاڑی پھیرو! اگر پلٹ کر دیکھا تو گولی ماردوں گا۔" فریدی نے ڈرائیور سے کہا۔ "اس واقعے کی رپورٹ پولیس میں ضرور کرنا تمہیں وہاں سے بھی انعام ملے گا۔ اس سوٹ کیس میں کوتوال شہر کے لڑکے کی لاش ہے۔ چلو بھاگ جاؤ۔"

کار فراٹے بھرتی ہوئی چلی گئی۔ فریدی حمید کیطرف مڑ کر بولا۔ "ابھی واپس چلتے ہیں۔ دولت آباد والی بس آرہی ہوگی، لیکن اس سے پہلے ہمیں دوسرا میک اپ کرنا پڑے گا۔ کہو کیسی رہی۔"

"کیا بوریت پھیلائی ہے آپ نے۔"

"بس دیکھتے جاؤ۔ اس کیس میں ذہنی جمناسٹک نہیں کرنا چاہتا اس بار تم مجھے ایک بالکل ہی نئے کا موجد پاؤ گے۔"

سوٹ کیس میں موت

دوسری صبح جلال پور کے اخبار بیچنے والوں کے لئے بڑی منفعت بخش تھی۔ شائد ٹیکسی نے بھی رات کو رپورٹ داغ دی تھی اور وہ حراست میں لے لیا گیا تھا۔ اخبارات نے بڑی حاشیہ آرائیاں کی تھیں۔ فریدی اور حمید ریلوے اسٹیشن کے ویٹنگ روم میں بیٹھے ایک دوسرے پر سامنے پھیلائے ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔

"میں آپ کو بالکل ہی نئے روپ میں دیکھ رہا ہوں۔" بالآخر حمید بولا۔

"کیا تمہیں میرا یہ روپ پسند نہیں آیا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"معاف کیجئے گا مجھے ایسی حرکتوں سے دلچسپی نہیں۔ اگر پکڑے گئے تو پہلے تو عزت اتر ہی جائے گی۔"

"کون! یہ موٹی عقل والے ہمیں پکڑیں گے۔ کیا تم وہ تجوری والا کیس بھول گئے جس میں تم نے اپنے ہی شہر میں کیا کچھ نہیں کر ڈالا تھا۔"

"مگر مجھے یہ طریقہ بالکل پسند نہیں۔"

"تم خود کو دھوکا دے رہے ہو۔ ورنہ یہ حقیقت ہے کہ جو کچھ مجھے پسند ہے وہی تم بھی پسند کرتے ہو۔"

"غلط فہمی ہے آپ کی۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "اور میں یہ جتا دینا چاہتا ہوں کہ اب مجھے کام کرنے سے کوئی روک نہیں سکتا۔"

"ایک نہیں چار فرزند.... مگر ابھی مجھے بور مت کرو۔"

"میں تو چلا ڈاکٹر جھوس کے یہاں۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

سنسنی خیز داستان کے لئے جاسوسی دنیا کا ناول "تجوری کا راز" جلد نمبر 1 پڑھئے۔

"اس شکل میں۔" فریدی اس کی مصنوعی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

"کسی خوبصورت سے میک اپ میں۔" حمید بڑبڑایا۔ "خدا کی قسم میں اس کی عینک... ہائے ہائے"

"شٹ اپ فضول باتیں چھوڑو۔ اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ جاوید پریشان کیوں ہے۔"

"اور مجھے یہ دیکھنا ہے کہ ملک الموت آج کل کیا تخلص کر رہے ہیں۔"

"ہشت....!"

"اب میں سمجھا۔" حمید سنجیدگی سے سر ہلا کر بولا۔

"کیا سمجھے؟"

"یہی کہ اگر ایٹمی قوت کو مکھیاں اور مچھر مارنے میں صرف کیا جائے تو انسانیت کی بہت بڑی خدمت ہو سکتی ہے۔"

"پھر بکواس کرنے لگے۔"

"ارے سرکار میں تو ازلی خبطی ہوں لیکن کیا میں ایشیاء کے عظیم ترین سراغ رساں سے پوچھنے کی زحمت گوارا کر سکتا ہوں کہ اس نے ایک معمولی سے قتل کے کیس میں اتنا پیچیدہ راستہ کیوں اختیار کیا ہے۔"

"ایشیا کا عظیم ترین سراغ رساں کبھی کبھی تفریح کے موڈ میں آتا ہے۔"

"اور یہ تفریح۔" حمید ہونٹ بھینچ کر ہنسا۔ "کچھ اس قسم کی ہے کہ بال بچے دار سر انسپکٹروں کو غسلخانہ دیکھا دیا جاتا ہے۔ مانتا ہوں فریدی صاحب پچھلی رات آپ سے غلطی ہوئی ٹیکسی ڈرائیور سے دراصل یہ کہنا چاہئے تھا کہ میرے سوٹ کیس میں کوتوال شہر کی بیوی کے پرانے سینڈل ہیں اور ان سینڈلوں سے میں اپنی محبوبہ کے ابا کا مقبرہ تعمیر کروں گا۔"

"یہ تو دیکھو کہ وہ اخبارات، جو جاوید کو ایک کھلا ہوا مجرم گردان رہے تھے وہی اب اُس بیگناہی ثابت کرنے پر تل گئے ہیں۔"

"تو آپ نے یہ سب کچھ اسی لئے کیا تھا۔"

"ارادہ تو نہیں تھا، مگر یہ سب کچھ اچانک ہو گیا۔" فریدی نے کہا۔

"ایک بات کی خوشی ہے کہ یہاں کی پولیس سست نہیں ہے۔ برادر ہوڈ کلب میں حادثہ ہوتے ہی وہ پہلی ہاتھ آئی ہوئی کڑی پر دوڑ گئے اگر وہ سب انسپکٹر اچانک نہ پہنچ جاتا تو واقعات کی

نہ ہوتی۔"

"لیکن وہ بیچارہ ٹیکسی ڈرائیور مفت میں پکڑا گیا۔"

"وہ چھوڑ دیا جائے گا.... اُسے فی الحال شبہے میں روکا گیا ہوگا۔"

"لیکن آپ جاوید کو نہ دیکھ سکے۔"

"جاوید۔" وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "جاوید کی پوزیشن میرے ذہن میں صاف نہیں ہے۔"

"آپ اُس کی طرف سے مشکوک ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"مشکوک نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ اس کا رومال لاش کے قریب ہی پایا گیا ہے۔"

"تو پھر آپ نے خواہ مخواہ اتنی اچھل کود کیوں کی۔"

"سانپ کو اس کے بل سے نکالنے کے لئے۔"

"کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ ارے صاحب اب تو صحیح مجرم مطمئن ہو گیا ہوگا۔"

"سانپ اس وقت تک بل سے نہیں نکلتا جب تک اپنی سلامتی کی طرف سے مطمئن نہیں ہو جاتا۔ مجرم یا مجرموں کو اس بات کی فکر ہوگی کہ ان کا جرم اپنے سر منڈھنے والے کون ہو سکتے ہیں۔"

"اگر فرض کیجئے جاوید ہی ہوا تو۔"

"ہم اُسے سعیدہ کی رپورٹ کے خلاف ہشاش بشاش پائیں گے۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔ "مقتولہ رفعت نعیم کی بیوی تھی۔ اس کی پالیسی پچاس ہزار کی تھی۔ اُسے کسی نے قتل کر دیا۔ اس کے بعد رفعت نعیم بھی مارا گیا.... ورنہ شبہہ اس پر بھی ہو سکتا تھا۔"

"اور کیا تم نے اخبار میں یہ نہیں دیکھا کہ رفعت کی زندگی بھی بیمہ شدہ تھی، اس کی پالیسی بھی پچاس ہزار کی تھی۔"

"تب تو معاملہ صاف ہے۔ یہ کسی ایسے آدمی کی حرکت ہے جسے ان دونوں کی موتوں سے فائدہ پہنچ سکتا ہے۔"

"اُس اپاہج لڑکی کے علاوہ اور کسی کو کوئی حق نہیں پہنچتا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"اگر میں اس اپاہج لڑکی کو ایک نظر دیکھ لوں تو کیا حرج ہے۔" حمید نے کہا۔

"ختم کرو! یہ قصہ! ہم کب تک یہاں بیٹھے رہیں گے۔"

"جب تک کہ کسی ٹرین سے کوئی خوبصورت لڑکی نہ اترے۔ آپ نہیں جانتے! حسین چہ ایک اچھا شگون ہے۔"

"چلو اٹھو....!"

"بہتر ہے! اب غالباً میر کلو کی سرائے میں قیام ہوگا۔"

"اگر وہیں پناہ مل جائے تب بھی غنیمت ہے۔" فریدی بولا۔

"کیوں؟"

"آج سے جلال آباد میں دو آدمی ایک ساتھ مشتبہ نظروں سے دیکھے جائیں گے، خصوص ہوٹلوں میں۔"

"تب تو پھر پروفیسر جھوس۔"

"یہی میں بھی سوچ رہا ہوں۔"

"لیکن میں میلاد خوانوں جیسی ڈاڑھی لگا کر ہرگز نہ جاؤں گا۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔ "آپ کی ڈاڑھی آرٹسٹک ہے۔"

فریدی نے دھکے دے کر اُسے ویٹنگ روم سے باہر نکالا۔

"لیکن اُس سامان کا کیا ہوگا، جو ہوٹل میں رہ گیا۔" حمید نے کہا۔

"وہ اس وقت کوتوالی میں ہوگا اور مٹی کے شیر اُسے اچھی طرح الٹ پلٹ کر دیکھ رہے ہوں گے۔ بہرحال اب بہتیرا سامان دوبارہ خریدنا پڑے گا۔ میرے خیال سے تجویز یہ بہتر رہے گی کہ تم ضروری سامان خرید کر پروفیسر جھوس کے یہاں چلے جاؤ۔ اُس سے کہنا کہ تم پروفیسر چنگھاڑنی کے اسسٹنٹ ہو۔ ڈاکٹر زیٹو کے متعلق پوچھے تو کہہ دینا کہ پروفیسر نے اُسے اصیل مرغوں کے لئے کہیں بھیجا ہے۔"

"مگر میری ڈاڑھی۔"

"بغیر ڈاڑھی کے بھی تم پہچانے نہ جاسکو گے۔"

"مگر مجھے یہ صورت پسند نہیں۔"

"ارے او کم بخت کیا تم یہاں عشق لڑانے آئے ہو۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

"نہ لڑانے کی قسم تو کھا کر نہیں آیا۔"

"جہنم میں جاؤ۔" فریدی بڑبڑاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ حمید اس کے پیچھے لپکا۔ اس کے ہاتھ میں ی کیس تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس سوٹ کیس کی بدولت وہ دھرا نہ جائے۔

فریدی اسٹیشن سے باہر نکلتے ہی ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر کسی طرف چل دیا تھا۔ حمید کبھی سوٹ پر قہر بھری نظریں ڈالتا تھا اور کبھی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرنے لگتا تھا۔

چند لمحے وہ اپنی گدی سہلاتا رہا پھر اسٹیشن کے اندر چلا گیا۔ ویٹنگ روم میں پہنچ کر اس نے اُدھر نظریں دوڑائیں اور میدان صاف دیکھ کر سوٹ کیس سمیت ایک غسلخانے میں گھس گیا۔

یہاں اس نے آئینے کے سامنے اپنی ڈاڑھی الگ کی۔ پھر سوٹ کیس کھول کر دو تین شیشوں تھوڑا تھوڑا سیال لے کر اپنے چہرے پر ملتا رہا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پہلا میک اپ بالکل ختم ہوگیا اس کی اصل صورت ظاہر ہوگئی۔ اس اثناء میں اس نے اندر لگا ہوا پائپ پوری دھار سے کھول تاکہ باہر والے غسلخانہ خالی نہ سمجھ کر دروازے کو دھکا دینے کی زحمت گوارا نہ کریں۔

پندرہ بیس منٹ کی محنت سے اُس نے اپنے خدوخال بدل دیئے اور انہیں ایک حد تک ب توجہ بھی بنالیا۔ معاملہ چونکہ ایک خوبصورت لڑکی کا تھا اس لئے اس نے فریدی کی گذشتہ تیں بالکل ہی فراموش کردی تھیں۔ فریدی کا قول تھا کہ سراغ رساں کا میک اپ ایسا ہونا ہئے کہ وہ عام آدمیوں کی بھیڑ میں کسی نمایاں خصوصیت کا حامل نہ ہو، سوائے ایسے حالات میں ہ کہ وہ خود ہی لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہو۔

یہ موقع بھی کچھ اسی قسم کا تھا کہ حمید کو اُس کے قول پر عمل کرنا چاہئے تھا۔ مقامی ۔آئی۔ڈی کے آدمی شہر کے چپے چپے پر پھیل گئے تھے اور وہ کسی مشتبہ آدمی کو چیک کئے بغیر قدم بھی آگے نہیں بڑھنے دے رہے تھے۔

حمید سوٹ کیس لٹکائے ہوئے غسلخانے سے برآمد ہوا۔ وہ ایک شدید قسم کی الجھن میں مبتلا اور الجھن کی وجہ وہ سوٹ کیس تھا جس میں فریدی نے وہ سب اہم چیزیں رکھ لی تھیں جنہیں اسنے اپنے سامان کے ساتھ ہوٹل میں چھوڑنا مناسب نہ سمجھا تھا۔ اُسے الجھن بالکل نہ ہوتی مگر اسنے غسلخانے سے نکلتے ہی ویٹنگ روم کے دروازے سے کچھ پولیس کانسٹیبلوں کو دیکھ لیا تھا جو ڑکے نیچے پڑے ہوئے مسافروں کے سامان کی تلاشیاں لے رہے تھے۔

حمید نے چاہا کہ چپ چاپ نظریں بچا کر نکل جائے، لیکن ان کانسٹیبلوں کے انچارج نے

اُسے دیکھ لیا۔

"اے ہے مسٹر۔" اُس نے اُسے آواز دی۔

حمید رک گیا۔ سب انسپکٹر اُسے گھورتا ہوا تیزی سے آگے بڑھا۔ اُس کی نظریں اُس کے چہرے پر اس طرح جمی ہوئی تھیں، جیسے وہ اُسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر وہ اپنی نوٹ بک کھول کر اُس کے صفحے پر نظر جمائے ہوئے بڑبڑانے لگا۔ "اونچی پیشانی.... رنگت گوری.. ڈاڑھی مونچھیں صاف.... پیلا سوٹ کیس۔"

اُس نے نوٹ بک بند کر کے چٹکی بجائی اور حمید کو گھورتا ہوا بولا۔ "ہمیں تمہاری تلاش تھی۔"

"کیوں! کس لئے؟" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"اوہ! اب یہ بھی بتانا پڑے گا۔" اُس نے طنز آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ پھر اُس کے اپنے ساتھیوں نے چیخ کر کہا اور وہ حمید کے گرد اکٹھا ہو گئے۔

"آخر بات کیا ہے!" حمید تیز لہجے میں بولا۔

"سوٹ کیس میں کیا ہے۔"

"ڈاڑھیاں.... مونچھیں.... پاؤڈر! کریم! عطر! لیونڈر.... اور میک اپ کا دوسرا سامان۔"

"اور کوکین....!" سب انسپکٹر زہر خند کے ساتھ بولا۔

"کیا....!" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "ایک فلم ایکٹر کے پاس کوکین کا کیا کام۔"

"فلم ایکٹر....!"

"جی ہاں کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ملک کے مشہور فلم ڈائریکٹر مسٹر سلمان اپنی تاریخی فلم 'محمد شاہ رنگیلے' جلال آباد کی تاریخی عمارت میں فلمانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ہماری پوری ٹیم دوسری ٹرین سے یہاں پہنچے گی۔"

"مگر ہمیں اطلاع ملی ہے کہ آپ کے سوٹ کیس میں افیون اور کوکین ہیں۔"

"جو چیزیں میں نے آپ کو بتائی ہیں ان کے علاوہ آپ کو اور کچھ نہیں ملے گا۔" حمید نے جھنجھلا کر سوٹ کیس سب انسپکٹر کے سامنے پٹخ دیا۔

"اُسے کھولئے۔"

"آپ ہی کھولئے۔" حمید منہ بگاڑ کر بولا۔ "اس میں تالا نہیں ہے۔"

سب انسپکٹر نے سوٹ کیس کھول ڈالا اور حمید دم سادھے کھڑا رہا۔ اس کے ذہن میں اخبار کا جملہ گونج رہا تھا۔ اخبارات نے پچھلی رات کے مجرموں کے متعلق یہ بھی لکھا تھا کہ شائد ان میں سے ایک نے بوڑھے کا میک اپ کر رکھا تھا۔

سب انسپکٹر پانچ چھ منٹ تک سوٹ کیس کو الٹتا پلٹتا رہا۔ پھر سیدھے کھڑے ہو کر اپنے ہاتھ جھاڑتا ہوا مسکرا کر بولا۔ "مجھے افسوس ہے لیکن کیا کیا جائے ہمیں تو شبہے میں تلاشی لینی ہی پڑتی تھی، مجھے امید ہے کہ ڈائریکٹر سلمان صاحب کو ہمارا شہر ہر لحاظ سے پسند آئے گا۔"

"اگر اُن کے سوٹ کیس میں بھی افیون نہ ہوتی۔" حمید بولا۔

"اوہ کیا کیا جائے۔" سب انسپکٹر ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ "پھر اُس نے پلٹ کر اپنے ماتحتوں کو ہدایات دینی شروع کر دیں۔"

حمید نے سوٹ کیس بند کیا اور اطمینان سے ٹہلتا ہوا ٹیکسیوں کے اڈے تک آیا۔ اُسے فریدی پر بری طرح غصہ آ رہا تھا۔

بہر حال سوٹ کیس اس کے لئے وبال جان ہو رہا تھا اور وہ کسی نہ کسی طرح اُس سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ اس نے ایک ریستوران کے ایک کیبن میں گھس کر چائے کا آرڈر دیا، لیکن اب اسے اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ کیبن میں پردہ تو تھا ہی نہیں، ورنہ اس نے سوچا تھا کہ ناشتے کے دوران میں سوٹ کیس سے اشد ضروری چیزیں نکال کر اُسے وہیں چھوڑ دے گا۔

اتنے میں ناشتہ آ گیا اور وہ طوعاً و کرہاً نوالے ٹھونستا رہا۔ اُس نے سوٹ کیس ایک کونے میں چھوڑ دیا تھا۔ بات تو کچھ بھی نہیں تھی، لیکن یہاں پھر فریدی کے اصول اس کا بھیجا پھاڑ رہے تھے۔ فریدی کا کہنا تھا کہ کسی کیس کی تفتیش کے دوران میں ایسے پولیس والوں کے ہتھے چڑھ جاؤ جنہیں تم جانتے نہ ہو تو اُن پر اپنی حقیقت ہرگز نہ ظاہر ہونے دو۔

جھلاہٹ میں اس کا دل چاہا کہ اپنے ہی منہ پر تھپڑ مارنا شروع کر دے۔ چائے کی ایک پیالی ختم کر کے اُس نے دوسری لبریز کی اور اُسے اپنے ہونٹوں کی طرف لے ہی جا رہا تھا کہ ایک زور دار دھماکہ ہوا۔ پیالی اس کے ہاتھ سے چھوٹ پڑی اور وہ خود اچھل کر میز پر چڑھ گیا.... دوسرے لمحے میں اس نے میز پر سے چھلانگ لگائی کیونکہ دھوئیں میں اس کا دم گھٹنے لگا تھا، لیکن اس کی حاضر دماغی کی داد دینی پڑتی ہے کیونکہ کیبن سے باہر نکلتے ہی اُس نے چاروں طرف زور

سے کہا۔

"یہ کیا ہوا....؟ یہ دھماکہ کہاں ہوا۔"

وہ لوگ، جو اس کے کیبن کی طرف بے تحاشہ بڑھ رہے تھے رک گئے۔ "ارے آگ" ان میں سے کسی نے چیخ کر کہا۔ کیبن جل رہا تھا۔ سارے لوگ آگ آگ کا شور مچاتے ہوئے سڑک پر آگئے۔ حمید بھی انہیں میں تھا اور وہ چپکے سے کھسک گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھا ہوا اپنے چہرے کا پسینہ خشک کر رہا تھا اور اس کی سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی۔ دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں سے اُس سوٹ کیس کے چیتھڑے اڑتے دیکھے تھے، جس سے وہ پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ اُسے اچھی طرح یقین تھا کہ فریدی اس قسم کا جان لیوا مذاق نہیں کر سکتا اور پھر اس وقت بھی اُسے سوٹ کیس میں کوئی ایسی خطرناک چیز نہیں نظر آئی تھی جب وہ ویٹنگ روم کے غسلخانے میں میک اپ کر رہا تھا۔ پھر آخر وہ ٹائم بم کہاں سے ٹپکا تھا۔ اچانک اُسے وہ سب انسپکٹر یاد آیا جس نے اس سوٹ کیس کی تلاشی لی تھی۔ مگر وہ اس قسم کی کوئی حرکت کیوں کرتا۔ حمید خیالات میں الجھا رہا اور ٹیکسی پروفیسر جھوس کی کوٹھی کے سامنے رک گئی۔

اتفاق سے سلیمہ برآمدے ہی میں کھڑی ہوئی تھی۔ حمید بڑے ادب سے اپنی فلٹ ہیٹ اتار کر تھوڑا سا جھکا اور پھر سیدھا ہو گیا۔

"کیا پروفیسر جھوس تشریف رکھتے ہیں۔"

"جی ہاں.... فرمایئے۔" سلیمہ رک رک کر بولی۔ وہ حمید کو عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی عجوبہ ہو۔

"کیا پروفیسر چنگھاڑنی آگئے۔"

"جی نہیں!" سلیمہ نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "ان کا فون آیا تھا کہ ان کا سیکریٹری سامان لے کر آئے گا۔"

"میں اُن کا سیکریٹری ہوں۔"

"ہوں گے۔" اُس نے لاپروائی سے کہا اور جانے کے لئے مڑی۔

"اوہ.... سنئے تو سہی۔"

"محض سننے کافی تھا۔ اس میں تو سہی کے اضافے کی کیا ضرورت تھی۔"

"میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔"

"شوق سے لے جایئے۔"

"کہنے کا مطلب یہ ہے۔" حمید ہکلایا۔

"تو آپ کہیں گے بھی اور مطلب بھی بتائیں گے۔ گویا بور کریں گے۔"

"مجھے پروفیسر جھوس کے پاس لے چلئے۔"

"چلئے! پہلے ہی کہہ دیا ہوتا اتنا وقت کیوں برباد کیا؟"

وہ اسے کمرے میں لے آئی جہاں پچھلے روز حمید نے پروفیسر جھوس سے ملاقات کی تھی۔ ہی سلیمہ نے پروفیسر کو یہ بتایا کہ وہ پروفیسر چنگھاڑنی کا سیکریٹری ہے پروفیسر بے اختیار اچھل ر مضطربانہ انداز میں اپنا داہنا ہاتھ ہلا کر بولا۔ "اوہو! مائی ڈیئر سر! فوراً شرما روڈ کے کیفے ڈی رس میں پہنچئے۔ پروفیسر چنگھاڑنی آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہاں ایک ایسے مرغ کو ذبح نے سے بچانا چاہتے ہیں جس میں پانچ زردیاں پیدا کرنے کی صلاحیتوں کے امکانات پائے جاتے ۔ پروفیسر نے پندرہ منٹ قبل مجھے فون کیا ہے۔ جلدی کیجئے ڈیئر مسٹر سیکریٹری۔

حمید الٹے پاؤں واپس ہوا۔ سلیمہ بھی اسکے ساتھ تھی۔ برآمدے میں اُس نے اُسے روک لیا۔

"آخر یہ کیا مذاق ہے۔" اُس نے حمید کو گھور کر کہا۔

"میں نہیں سمجھا! محترمہ۔"

"یہ چنگھاڑنی کیا بلا ہے۔"

"جھوس کسے کہتے ہیں۔" حمید نے اُسی کے لہجے کی نقل اتاری۔

"اوہ یہ تو انگریزوں کی حرکت ہے۔" سلیمہ ٹر سے بولی۔ "کم بختوں نے موج کو جھوس یا۔ بالکل اُسی طرح جیسے ٹھاکر کو ٹیگور کر دیا۔"

"اور اُدھر چند دراوڑ نسل کے جرمنوں نے پروفیسر چکارنی کو بگاڑ کر چنگھاڑنی بنا دیا۔"

"جرمن دراوڑ نہیں آریائی نسل سے ہیں۔" سلیمہ جھنجھلا کر بولی۔

"ضروری نہیں کچھ دراوڑ بھی ہیں بلکہ میں تو یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ وہ قوالی بھی سنتے ہ"

"فضول! آپ مسخرے ہیں۔"

"جی نہیں میں سائنٹسٹ ہوں۔ میں شلجم کے بیج سے ٹماٹر اگا سکتا ہوں۔"

"کیا؟" سلیمہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر چیخی۔

"جی ہاں اور اس میں اتنے ہی وٹامن پائے جا سکتے ہیں جتنے کہ انڈے میں ہوتے ہیں۔"

"جتنی جلد ہو سکے یہاں سے چل دیجئے ورنہ میرا غصہ بڑا خراب ہے۔"

"کیوں محترمہ.....!" حمید نے سہم جانے کی ایکٹنگ کی۔ "کیا مجھ سے کوئی گستاخی ہوئی؟"

"آپ جاتے ہیں یا میں اپنے کتوں کو آواز دوں۔"

حمید نے بڑے ادب سے فلٹ ہیٹ اتاری اور قدرے جھک کر ایک معزز مہمان کی طرح رخصت ہو گیا۔

تیسری لاش

فریدی کیفے ڈی سائپر لیس میں حمید کا انتظار کر رہا تھا۔ حمید راستے بھر سوچتا آیا تھا کہ شاید فریدی اُسے نئے میک اپ کی وجہ سے نہ پہچان سکے۔

کیفے ڈی سائپر لیس ایک چھوٹا سا لیکن سلیقے کا کیفے تھا۔ وہاں بمشکل تمام پندرہ یا بیس میزیں رہی ہوں گی، لیکن اس کے باوجود بھی وہ کم از کم متوسط طبقے کے لوگوں کے لئے بہت مہنگا پڑتا تھا۔

فریدی دروازے کے قریب ہی والی میز پر بیٹھا تھا۔ جیسے ہی حمید اندر داخل ہوا فریدی نے مسکرا کر اُسے آنکھ ماری۔

"واقعی آپ انتہائی خطرناک ہیں۔"

"کیوں! کیا اسلئے کہ تمہیں ایک ہی نظر میں پہچان لیا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ذرا آہستہ بولئے"

"آہستہ و آہستہ کی ایسی تیسی۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "اگر آپ میری جان لینا چاہتے ہیں تو ویسے ہی گولی مار دیجئے۔"

"خیریت۔" فریدی اُسے گھور کر بولا۔ "کیا بات ہے۔ سچ مچ تم کچھ جھلائے ہوئے معلوم ہو رہے ہو۔"

ہیں صاحب میں تو فلمی مسخرے گوپ کی طرح خوش ہوں۔ لیکن اس کا افسوس ضرور ں بڑا سخت جان ہوں۔"

چھ بکو گے بھی۔"

ں آپ کی اسکیم کے مطابق مر نہیں سکا۔" حمید نے اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا اور پھر لنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ فریدی نے ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے کہا۔

س وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

خاہ! تو میں مذاق کر رہا ہوں۔ آخر سوٹ کیس میں بم رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔"

بم.....!" فریدی چونک کر بولا۔ "کیا بکتے ہو۔"

کیا؟ آپ نے اس میں بم نہیں رکھا تھا۔"

یدی کوئی جواب دینے کے بجائے پُر خیال انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ چند اُس نے کہا۔

تم نے وہ سوٹ کیس کہاں چھوڑا تھا۔"

چھاتی سے تو چپکائے رہا تھا آپ پوچھتے ہیں کہاں چھوڑا تھا۔"

آخر بات کیا ہوئی؟"

ید چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر اُس نے شروع سے آخر تک پورا واقعہ دہرا دیا۔

صرف اُسی سب انسپکٹر نے تلاشی لی تھی۔" فریدی نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

نہیں اس کے سسرال والے بھی آئے تھے۔"

حمید خدا کے لئے سنجیدہ ہو جاؤ۔"

اگر میں سنجیدہ نہ ہوتا تو خودکشی کر لیتا جناب۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ اس کے ماتھے پر سلوٹیں اُبھر آئی تھیں اور ہر وقت نیم غنودگی کی سی میں رہنے والی آنکھوں میں ہلکی سی چمک پیدا ہو گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "تو مطلب یہ ہے کہ کچھ نامعلوم لوگ موجودہ حالت میں بھی ہماری اصلیت سے واقف ہیں۔"

"کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ بم اسی سب انسپکٹر نے رکھا تھا۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"اس کے متعلق وثوق سے نہیں کہا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ تلاشی کے دوران میں کسی

دوسرے نے یہ حرکت کی ہو۔"

"ناممکن ہے۔" حمید نے خود اعتمادی کے ساتھ کہا۔ "میری نظریں ایک پل کے لِ سوٹ کیس سے نہیں ہٹی تھیں۔"

"تمہاری نظریں بہک بھی سکتی ہیں۔" فریدی بولا۔ "مثال کے طور پر میں تمہیں ہ کر کے تمہاری جیبوں سے اس کینے کے چمچے چھریاں اور کانٹے برآمد کر سکتا ہوں۔"

"اچھا تو پچھلی رات آپ ہی نے میری جیب کاٹی تھی۔"

"حمید فضول بکواس نہیں.... یہ کام کا وقت ہے۔"

"اگر یہی حالت رہی تو انشاءاللہ جلد ہی کام تمام ہو جائے گا۔"

"وہ لوگ کون ہو سکتے ہیں۔" فریدی پُر خیال انداز میں زیرِ لب بڑبڑایا۔

"میرے داماد کے ساڑھو کے سالے کے بھتیجے کے دادا زاد بھائی۔"

فریدی اُسے محض گھور کر رہ گیا۔ انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کچھ بولنے پر اُس خیالات کی کڑیاں ٹوٹ کر بکھر جائیں گی۔

"میں کہتا ہوں اگر وہ سوٹ کیس میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں کہاں ہوتا۔" حمید میز پر مار کر بولا۔

"جہنم میں۔" فریدی جیب سے سگار کیس نکالتا ہوا بڑبڑایا۔ اس نے خالی الذہنی کے سے میں ایک سگار منتخب کیا اور اُسے ہونٹوں میں دبا کر پھر کچھ سوچنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

"کیا وہ ریلوے پولیس کا عملہ تھا۔"

"جی ہاں! ریلوے پولیس ہمیشہ حاملہ رہتی ہیں۔"

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

"اس دھماکے کے بعد سے میں اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہوں اور اب مجھے ایسا محسوس ہو جیسے میری کھوپڑی پر ربڑ کی کاشت ہوتی ہو۔ آج اتوار ہے اور کل جمعرات ہو گی۔ سات د میں صرف ایک یہی محترمہ مونث ہیں! یہی وجہ ہے کہ روز جمعرات رہتی ہے۔"

فریدی اُسے قہر آلود نظروں سے گھورتا رہا اور حمید کی بڑبڑاہٹ جاری رہی۔ "ذرا دیکھ آپ کے فاؤنٹین پن میں کیا وقت ہوا ہے۔ میرا فاؤنٹین پن تو ساڑھے بارہ بجا رہا ہے۔ دیے

میں ایک گیت گانا چاہتا ہوں! جس کے بول ہیں، نندی رے نندی تیری گھوڑی چنے کے میں۔"

"میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔" فریدی غرایا۔

"ربر کی کاشت برباد ہو جائے گی اور نتیجے کے طور پر چیونگم سے محروم ہو جائیں گے۔"

"حمید کیوں شامت آئی ہے۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا کیونکہ اب اس کی توجہ کا مرکز دو لڑکیاں بن گئی تھیں جو ابھی ابھی اگر اُن کے قریب ہی کی میز پر بیٹھی تھی۔

وہ چند لمحے انہیں دیکھتا رہا پھر فریدی کی طرف جھک کر آہستہ سے بولا۔ "دونوں نکچڑھی م ہوتی ہیں۔"

فریدی سچ مچ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ حمید نے سوچا کہ اب اُسے زیادہ تاؤ دلانا مناسب اس لئے وہ سنجیدہ ہو جانے کی کوشش کرنے لگا۔

"اور اس جاوید کا کیا رہا۔" اس نے اپنے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ "میں اُسے ایک دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"کیا کرو گے۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "یہ ساری چیزیں تم جیسے غیر سنجیدہ آدمی کی کی نہیں۔"

"سنئے جناب۔" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "کیا آپ سچ مچ یہ چاہتے ہیں کہ میں ما ہو جاؤں۔ اگر اس حادثے کے بعد بھی آپ کو میری خوش طبعی گراں گذر رہی ہے تو میں باز اس دھندے سے! چنا جور گرم بیچ کر زندگی بسر کر لوں گا۔"

"بس اتنے ہی میں پاگل ہو جانے کا خدشہ لاحق ہو گیا۔" فریدی نے زہر خندہ کے ساتھ کہا۔ "زمانے کی کئی کئی دن سنناتی ہوئی گولیوں کے درمیان گذارے ہیں۔"

"خیر آپ کی بات الگ ہے۔" حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ "نہ میں بارود پھانکتا ہوں اور نہ پٹرول ہوں۔"

"تمہیں صرف ندیدے کتے کی طرح عورتوں کے پیچھے بھاگنا آتا ہے۔"

حمید پائپ سلگانے لگا۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ حمید پائپ سلگانے کے بعد پھر لڑکیوں کی

طرف متوجہ ہو گیا تھا اور وہ لڑکیاں صرف اپنے سامنے رکھی ہوئی پلیٹوں کی طرف دھیان رہی تھیں۔

حمید کچھ کہنے کے لئے فریدی کی طرف مڑا۔ لیکن فریدی کی کرسی خالی تھی۔ وہ بوکھ چاروں طرف دیکھنے لگا۔ میز پر وہ سگار جوں کا توں پڑا تھا جسے فریدی نے گفتگو کے دوران میں کے لئے نکالا تھا۔

حمید اس کا انتظار کرتا رہا۔ پندرہ منٹ گذر گئے اور پھر حمید کی اکتاہٹ بڑھنے لگی۔ وہ ا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ایک چھوٹا سا لڑکا اس کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے جیب میں ڈال کر ایک مڑا تڑا سا کاغذ نکالا اور حمید کے ہاتھ میں پکڑا کر کھڑا ہو گیا۔ کاغذ پر تحریر تھا۔ لڑکے کو ایک چونی دے دو اور تم فوراً جی روڈ کے کراسنگ پر آجاؤ۔" نیچے فریدی کے دستخط

حمید نے لڑکے کو چونی دی۔ جی روڈ کا چوراہا زیادہ دور نہیں تھا۔

حمید نے فریدی کو دیکھا، جو ایک ٹیکسی کے پائیدان پر پیر رکھے شائد اسی کا انتظار کر قریب پہنچنے پر اس نے اُسے اندر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی بیٹھ گیا۔ ٹیکسی چل پڑی۔

"اس طرح کیوں غائب ہوئے تھے۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"جاوید۔" فریدی زیرِ لب بڑبڑا کر رہ گیا۔

"کیا یہ ٹیکسی ڈرائیور۔"

"نہیں وہ اگلی ٹیکسی میں ہے۔"

"کہاں تھا۔"

"وہیں جہاں ہم بیٹھے ہوئے تھے۔ میں وہاں وقت گذاری نہیں کر رہا تھا۔"

"وہاں تھا۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"وہاں وہ کسی کا انتظار کر رہا تھا اور جب تم اُن لڑکیوں کو سونگھنے میں مشغول تھے تو ایک نے فٹ پاتھ سے اُسے کسی قسم کا اشارہ کیا تھا۔ جس کے جواب میں وہ وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ اب دونوں اگلی ٹیکسی میں جا رہے ہیں۔"

"دوسرا آدمی کون ہے؟"

"کوئی بھی ہو.... لیکن وہ اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا۔"

"آپ نے مجھے وہیں کیوں نہیں بتایا۔"

"تم سنجیدہ نہیں تھے۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "بعض اوقات تم شدت سے کھلنے لگتے ہو۔"

حمید خاموش رہا۔

فریدی کی ٹیکسی آگے جانے والی ٹیکسی سے کافی فاصلے پر تھی۔

"کیا آپ محض اس بناء پر اس کا تعاقب کر رہے ہیں کہ اس کا ساتھی صورت سے اچھا آدمی معلوم ہوتا۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"میں صبح ہی سے اس کا تعاقب کر رہا ہوں۔" فریدی بولا۔

"لیکن آپ تو اسے پہچانتے ہی نہیں تھے۔"

"میں صبح اُس کے گھر گیا تھا۔"

"گھر گئے تھے۔" حمید نے متحیرانہ لہجے میں دہرایا۔

فریدی خاموش رہا۔ اس کی نظریں آگے والی ٹیکسی پر جمی ہوئی تھیں۔

حمید تنگ آکر پروفیسر جھوس کی لڑکی کے متعلق سوچنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد اگلی ٹیکسی میونسپل گارڈن کے پھاٹک پر رک گئی۔

"آگے بڑھ چلو۔" فریدی نے ڈرائیور سے کہا اور پچھلے شیشے سے باہر کی طرف دیکھنے لگا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔ ان کی ٹیکسی آگے نکل آئی تھی۔ رکی ہوئی ٹیکسی سے دو آدمی اتر کر میونسپل گارڈن میں داخل ہو گئے۔ فریدی نے مڑ کر ڈرائیور سے ٹیکسی روکنے کو کہا۔

میونسپل گارڈن کا شمار شہر کی بہترین تفریح گاہوں میں ہوتا تھا۔ باغ کے مشرقی سرے پر اُتری جانب ایک طویل و عریض دارالمطالعہ تھا جس کی بالائی منزل بعض پبلک تقریبات کے موقعوں پر نشست گاہ کا کام بھی دیتی تھی۔

فریدی نے باغ میں داخل ہو کر ان دو آدمیوں کی طرف اشارہ کیا، جو دارالمطالعہ کی طرف جا رہے تھے۔ پھر انہوں نے ان دونوں کو اوپری منزل کے زینوں پر چڑھتے دیکھا۔

جاوید کے متعلق اندازہ لگانے میں حمید کو بھی کوئی دشواری نہ ہوئی کیونکہ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا اور آنکھوں میں عجیب طرح کی وحشت پائی جاتی تھی۔ ویسے چند روز پیشتر وہ یقیناً ایک قبول صورت اور ہنس مکھ نوجوان رہا ہوگا۔

فریدی اور حمید بھی اوپری منزل پر پہنچ گئے اور انہیں اُن دونوں کی نظروں سے اوجھل رہنے میں کوئی دشواری نہ ہوئی کیونکہ ہال کے ایک گوشے میں فرنیچر کا انبار لگا ہوا تھا۔ وہ دونوں اس گیلری سے گذرتے ہوئے اُس دریچے میں داخل ہوگئے جس کے سامنے فرنیچر کا انبار تھا۔

جاوید کا ساتھی ایک لحیم شحیم آدمی تھا جس نے صرف ایک پتلون اور قمیض پہن رکھی تھی۔ کمر میں فولادی کیلیں جڑی ہوئی چمڑے کی پٹی تھی اور اس کا بھاری جبڑہ اس کی اذیت پسند طبیعت کی غمازی کر رہا تھا۔

"میں سمجھتا تھا کہ تم سمجھدار آدمی ہو۔" وہ جاوید سے کہہ رہا تھا۔

"میں مجبور ہوں.... بالکل مجبور ہوں۔" جاوید کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

"کوئی یقین نہیں کر سکتا۔" دوسرا آدمی لاپروائی سے شانے ہلا کر بولا۔

"تم لوگ کروڑ پتی ہو۔"

"میں کیسے بتاؤں کہ دادا جان....!"

"دادا جان۔" دوسرا آدمی طنزیہ لہجے میں بات کاٹ کر بولا۔ "میں کس طرح یقین کرلوں کہ انہیں تمہاری زندگی عزیز نہیں۔"

"میں نے انہیں یہ نہیں بتایا۔"

"تو بتا دو نا۔"

"وہ پولیس کو اطلاع دے دیں گے۔"

"جس کا نتیجہ تمہاری پھانسی کی شکل میں ظاہر ہوگا۔" دوسرا آدمی مسکرا کر بولا۔

"میں جانتا ہوں، وہ ضدی آدمی ہیں۔ انہیں سمجھانا بیکار ہوگا۔"

"تو پھر تم انتظار کرو۔" دوسرے آدمی نے کہا۔

"میں قیامت تک نہیں کر سکتا۔ میرے ہاتھ میں کچھ نہیں۔"

"یہ غلط ہے! جھوٹ بولنے کی کوشش نہ کرو۔ میں جانتا ہوں کہ بزنس تمہارے ہاتھ میں ہے۔"

"لیکن میں صرف منیجر ہوں۔ حسابات دادا جان رکھتے ہیں۔ بینک میں بھی انہیں کا نام چلتا ہے۔"

"تم جانو۔" دوسری آدمی نے پھر لاپروائی سے اپنے شانوں کو حرکت دی۔

"میں تھوڑا.... تھوڑا کر کے۔"

"فضول ہے۔" اس نے جاوید کی بات کاٹ دی۔ "میں سمجھا تھا کہ تم آج معاملات صاف کر لے۔ مگر تم بڑے ناسمجھ ثابت ہوئے۔ خیر پولیس خود ہی سمجھ لے گی۔"

دوسرا آدمی جانے کے لئے مڑا۔

"ٹھہرو تو سہی۔" جاوید اُسے روک کر بولا۔ "میں اس وقت پندرہ ہزار دے سکتا ہوں۔"

"پچاس ہزار یکمشت۔ اگر ایک ہفتہ کی بھی دیر ہوئی تو ایک لاکھ.... اس کے بعد تو پھر تم ہی ہو۔"

"بقیہ میں جلد ہی دے دوں گا۔"

"بیکار ہے! ہمیں یکمشت چاہئے۔ ایک مالدار آدمی کی زندگی کیلئے یہ رقم بہت زیادہ نہیں ہے۔"

"تب تو مجھے خودکشی ہی کرنی پڑے گی۔"

"بہت مناسب ہے۔" دوسرا آدمی بے دردی سے بولا۔ "ہم ایک جھنجھٹ سے بچ جائیں تمہاری وجہ سے ہمارا بہت وقت برباد ہوتا ہے۔"

جاوید اُسے ایک لمحہ گھورتا رہا۔ اُس کے سُتے ہوئے بیجان چہرے پر دفعتاً سرخی جھلکنے لگی اور اُس نے اُس کی آنکھوں میں ایک خوفناک چمک دیکھی۔

"تم ایک ہفتے کی بھی مہلت نہیں دے سکتے۔" اُس نے دوسرے آدمی سے کہا۔ "میں صرف مہلت کے لئے تمہیں پندرہ ہزار دے سکتا ہوں۔ اور پچاس ہزار کا انتظام میں ایک ہفتے میں کر لوں گا۔"

"میں کیا کروں دوسرے نہیں مانتے۔" اس بار دوسرے آدمی کا لہجہ نرم تھا۔

"کیا مہلت کے لئے پندرہ ہزار ایسے کم ہیں۔"

"بولو... جلدی کرو.... یہ لو۔" جاوید کا ہاتھ جیب میں گیا اور پھر باہر نکل آیا۔ اُس کی گرفت میں اعشاریہ دو پانچ کا ننھا سا پستول چمک رہا تھا۔ دوسرا آدمی چونک کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"نکالو....!" جاوید کی آنکھیں سرخ ہوگئیں۔ "وہ بنڈل میرے حوالے کر دو۔ ورنہ یہیں ڈھیر کر دوں گا۔"

دوسرا آدمی حیرت سے آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھتا رہا۔

"نکالو....!" جاوید دانت پیس کر بولا۔

حمید کچھ کہنے کے لئے فریدی کی طرف پلٹا، لیکن وہ پھر غائب ہو چکا تھا۔ اُسے حیرت تو لیکن وہ اس مسئلے کو ایک لمحے سے زیادہ کے لئے اپنے ذہن میں نہ رکھ سکا کیونکہ ہال کا منظر اُس کہیں زیادہ تحیر انگیز تھا۔

"اچھا! تو اب تم اس طرح دھمکاؤ گے۔" دوسرا آدمی جاوید سے کہہ رہا تھا۔

"پیکٹ نکالو۔" جاوید غرایا۔ اس کے جواب میں دوسرا آدمی جس نے اپنی حالت پر قا تھا، ہلکا سا قہقہہ لگا کر بولا۔ "میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ وہ پیکٹ اپنے ساتھ لاتا اور تم یہ سمجھو کہ میں تنہا ہوں۔"

دفعتاً حمید نے اپنے داہنے شانے پر بوجھ سا محسوس کیا۔ وہ چونک کر مڑا۔ دوسرے ہی میں ایک ریوالور کا ٹھنڈا لوہا اس کی کنپٹی سے چپک گیا۔

"چلو آواز نہ نکلے۔" بھاری بھرکم آدمی نے دریچے کی طرف اشارہ کیا۔ حمید چپ چاپ لگا۔ وہ اُسے ہال میں لے آیا۔ اتنی دیر میں نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ اب وہاں کئی آدمی تھے اور فرش پر چت پڑا گہرے سانس لے رہا تھا۔ شاید اُسے بیہوش کر دیا گیا تھا۔ ایک آدمی جھک کر کی تلاشی لینے لگا۔

"واقعی پندرہ ہزار لایا تھا۔" وہ نوٹوں کی ایک گڈی سنبھالتا ہوا سیدھا ہو گیا۔

"ارے۔" وہ آدمی جو جاوید کے ساتھ آیا تھا، گھبرائے ہوئے انداز میں اپنی جیبیں ٹٹولتا بولا۔ "وہ پیکٹ کہاں گیا۔"

"کیا....!" بھاری بھرکم آدمی غرایا۔

"جی ہاں.... وہ پیکٹ میری اس جیب میں تھا۔"

"گدھے! اُلو کے پٹھے۔" بھاری بھرکم آدمی دانت پیس کر بولا۔ "اس کا گلا گھونٹ دو۔"

تین آدمی اُس پر ٹوٹ پڑے۔ اُس نے چیخنا چاہا، لیکن اس کا منہ دبا دیا گیا اور پھر حمید نے منظر دیکھا کہ اُسے اپنی آنکھیں بند کر لینی پڑیں۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے سر پر بھی کوئی وزنی چیز ماری گئی اور وہ تکلیف کی شدت سے بوکھلا کر ایک آدمی پر جھپٹ پڑا۔ پھر دوسرا وار بیہوش ہی کر دینے والا ثابت ہوا۔ وہ لہرا فرش پر آگرا تھا۔

خطرناک گروہ

حمید ایک تاریک کوٹھری کے فرش پر چت پڑا اپنے دکھتے ہوئے سر پر ہاتھ پھیر رہا تھا، جس پچھلے حصے کا ورم ایک دوسرا سر معلوم ہونے لگا۔ حمید نے دل ہی دل میں اپنے سر پر "ایک ایک بٹا چار" کی پھبتی کہی اور پھر اپنے مقدر کو کوسنے لگا۔ اس کی زندگی میں اس قسم کا پہلا واقعہ تھا۔ وہ متعدد بار کئی خطرناک آدمیوں کے ہتھے چڑھ چکا تھا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ شاید فریدی نے پہلے ہی سے خطرے کی بو سونگھ لی تھی۔ اسی لئے وہ سک گیا تھا۔

حمید پر پھر جھلاہٹ کا دورہ پڑ گیا۔ اُسے فریدی کا یہ طریقہ انتہائی ناپسند تھا کہ وہ اُسے بھاڑ میں ونک کر خود الگ ہو جاتا تھا۔ اپنا مطلب نکالنے کے لئے دیدہ دانستہ اُسے خطرات کے حوالے دیتا تھا۔ لیکن ان خیالات کے باوجود بھی حمید کو یقین کامل تھا کہ فریدی اس کی طرف سے فل نہ ہوگا۔

دفعتاً کوٹھری کا دروازہ چڑچڑاہٹ کے ساتھ کھلا اور کسی نے اندر داخل ہو کر برقی روشنی ردی۔ حمید کو دو ایسے آدمی نظر آئے جنہیں اُس نے میونسپل گارڈن کے دارالمطالعہ میں نہیں یکھا تھا۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ ان کی گھنی ڈاڑھیاں مصنوعی ہیں۔ انہوں نے اپنی آنکھوں تاریک شیشوں کے چشمے چڑھا رکھے تھے۔

"پیارے بزرگو۔" حمید نہایت ادب سے بولا۔ "میں اپنے پیروں سے چل سکتا ہوں، لیکن آپ نے میری ربر کی کاشت برباد کر دی۔ آج اتوار ہے یا جمعرات۔"

وہ دونوں کچھ نہ بولے۔ اُن میں سے ایک حمید کا بازو مضبوطی سے تھامے ہوئے اُسے کوٹھری سے نکال رہا تھا۔ پھر وہ کئی راہداریوں سے گذرتے ہوئے ایک وسیع کمرے میں داخل ئے جہاں تقریباً پندرہ بیس آدمی اکٹھا تھے، لیکن ان میں ایک ایسا آدمی بھی تھا جس نے اپنا چہرہ قاب میں چھپا رکھا تھا۔ وہ اٹھ کر حمید کی طرف بڑھا جیسے وہ ایک معزز مہمان کی حیثیت سے اس کا ستقبال کرنا چاہتا ہو۔ اس نے اپنا ہاتھ مصافحے کے لئے حمید کی طرف بڑھایا.... حمید نے بھی ہانی گرمجوشی کا اظہار کیا۔ ایک خالی کرسی پیش کی گئی۔ حمید دل ہی دل میں خود کو نڈر بنانے کی

کوشش کر رہا تھا۔

"اس وقت آپ کو اپنے درمیان پا کر ہم خوشی محسوس کر رہے ہیں۔" نقاب پوش نے کہا۔

"میں بھی باغ باغ ہو رہا ہوں۔" حمید اپنا اوپر ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"آپ شاید ناراض ہیں۔"

"نہیں تو! خوشی کے مارے میرا پیشاب خطا ہوا جا رہا ہے۔" حمید نے پھر اُسی لہجے میں کہا۔

"ہم مجبور تھے۔" نقاب پوش ندامت آمیز لہجے میں بولا۔ "اُس وقت اس کے علاوہ ہمیں اور کوئی تدبیر نہیں سوجھی۔ ویسے ہم آپ کی دل سے قدر کرتے ہیں۔"

"آخر اس عزت افزائی کی وجہ۔"

"دیکھئے! جناب!" نقاب پوش ہنس کر بولا۔ "آپ کا یہ شریفانہ لہجہ مجھے ... نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ بھی وہی ہیں، جو ہم ہیں۔"

"بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "میں قلندر علی ہوں اور آپ دلدار خاں بھی ہو سکتے ہیں۔ تفضل حسین بھی آپ کا نام ہو سکتا ہے.... اور....!"

"آپ کی باتیں دلچسپ ہیں۔" نقاب پوش ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "کاش ہم پہلے سے ایک دوسرے کو جانتے ہوتے۔"

"اگر جانتے بھی ہوتے تو کچھ نہ ہوتا۔" حمید نے مغموم لہجے میں کہا۔ "کیونکہ شائد میں اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہوں۔"

"کیوں.... کس طرح۔" نقاب پوش نے حیرت کا اظہار کیا۔

"بھلا بتلائیے۔ اگر یہی یاد ہوتا تو میں یہ کیوں کہتا کہ میں اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہوں۔ میاں مجھے تو اپنا نام بھی نہیں یاد رہ گیا۔"

"رفعت نعیم کا قتل تو یاد ہی ہوگا۔"

اس جملے پر حمید سناٹے میں آ گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا وہ لوگ اُسے پہچان گئے ہیں۔ وہ پھر آہستہ سے بڑبڑایا اور چند لمحے پُر خیال انداز میں نقاب پوش کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد بولا۔

"اس نام سے کان تو کچھ کچھ آشنا معلوم ہوتے ہیں، لیکن مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے یہ نام کہاں سنا تھا۔"

"آپ کا سر تو بُری طرح دکھ رہا ہوگا۔"

"ہائیں....!" حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میرا سر دکھ رہا ہے۔"

نقاب پوش کچھ نہ بولا۔ اُس نے اپنے ساتھیوں پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور پھر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"بتائیے نا۔" حمید پھر بولا۔ "آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ میرا خیال ہے کہ میں نے ایک بار بھی آپ سے یہ نہیں کہا کہ میرا سر دکھ رہا ہے۔ کیا آپ روشن ضمیر ہیں۔"

"آپ کے سر میں کچھ دیر قبل چوٹ لگی تھی۔" نقاب پوش نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

حمید بوکھلا کر اپنے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا.... پھر اس کا ہاتھ سر کے اُس حصے پر رک گیا جہاں درم ہو گیا تھا۔

"چوٹ....!" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ "ہے تو سہی.... مگر یہ کیسے لگی۔ مجھے کچھ یاد نہیں، آخر یہ ماجرا کیا بات ہے۔"

دفعتاً نقاب پوش ہنس پڑا۔

"بھئی چوٹ لگی ہے اور آپ ہنس رہے ہیں.... واہ.... واہ۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"میرے دوست مجھے اُلو بنانے کی کوشش نہ کرو۔" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں وہ کاوہ سب انسپکٹر نہیں ہوں جسے تمہارے ساتھی نے غسلخانے میں بیہوش کر دیا تھا۔"

"شاید آپ بہت زیادہ پی گئے ہیں۔" حمید ہنس پڑا۔

"ختم کرو یہ ڈھونگ" نقاب پوش نے کہا۔ "کام کی باتیں کرو۔ میں بزنس کرنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور کیجئے۔ بہت اچھی چیز ہے۔" حمید چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "مگر میں ہوں کہاں اور آپ کون لوگ ہیں۔ میری بدتمیزی معاف کیجئے گا۔ میں نے ابھی تک آپ لوگوں سے آپ کے متعلق کچھ نہ پوچھا۔"

"کیا میونسپل گارڈن کے دارالمطالعہ میں آپ ہمارے متعلق کوئی اندازہ نہیں لگا سکے۔"

"نہ جانے آپ کیسی بے سروپا باتیں کر رہے ہیں۔" حمید جھنجھلا کر چیخا۔

"میں نے اس سے پہلے آپ لوگوں کو کہیں نہیں دیکھا اور پھر آپ اپنی بات کر رہے ہیں۔

آپ کی آواز میں توزنانہ پن تھا، لیکن آپ مجھے کوئی پردہ نشین خاتون معلوم ہوتے ہیں۔"

کمرے کے بہتیرے آدمی ہنس پڑے، لیکن نقاب پوش کی گھورتی ہوئی آنکھوں نے انہیں اس طرح خاموش کر دیا جیسے قہقہوں میں اچانک بریک لگ گئے ہوں۔

"دیکھئے جناب۔" اس نے سخت لہجے میں کہا۔ "آپ ہمیں بیوقوف بنانے کی کوشش نہ کریں تو بہتر ہے۔"

"اچھا میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب بیوقوف نہ بناؤں گا۔" حمید نے بڑے سعادتمندانہ لہجے میں کہا۔

"آپ نہیں باز آئیں گے۔" نقاب پوش گرج کر بولا اور حمید بوکھلا کر اس طرح چاروں طرف دیکھنے لگا جیسے یہ معلوم کرنا چاہتا ہو کہ نقاب پوش کا مخاطب کون ہے۔

"اے۔" نقاب پوش نے اپنے ایک آدمی کو مخاطب کر کے کہا۔ "اسے دھکے دے کر یہاں سے نکال دو۔ ان گدھوں کے بغیر بھی ہمارا کام چل سکتا ہے۔ میں نے تو چاہا تھا کہ شرافت سے کوئی معاہدہ ہو جائے۔"

"دیکھتا ہوں۔ کون دھکے دے کر نکالتا ہے۔" حمید بپھر گیا۔ "تم کون ہو نکالنے والے یہ میرا مکان ہے، تم بغیر اجازت اندر کیوں گھس آئے۔ میں پولیس کو فون کرتا ہوں ابھی تک میں مذاق سمجھ رہا تھا۔"

ایک آدمی حمید کی طرف بڑھا۔ اس کے پیچھے کھڑے ہوئے دو آدمیوں نے اُسے پکڑ لیا اور ایک تیسرے آدمی نے اس کی آنکھوں پر چیتھڑے کا توبڑا چڑھا دیا۔

"ارے مرا۔" حمید چیخا۔ "دوڑو بچاؤ۔"

"برخوردار ابھی تمہارے منہ سے دودھ کی بو آتی ہے۔" نقاب پوش مسکرا کر بولا۔

"دہی کی ہو گی۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "آج صبح میں نے لسی پی تھی۔"

"باہر پھینک دو اسے۔" نقاب پوش دوبارہ چیخ کر بولا۔

شاید چار آدمیوں نے حمید کو ٹانگ لیا۔ اُس کی آنکھیں تو بڑے کی وجہ سے بند ہو چکی تھیں۔ اتنا اُسے اچھی طرح یاد رہا کہ وہ لوگ اُسے اٹھائے ہوئے دس پندرہ منٹ تک چلتے رہے تھے۔

پھر کسی جگہ اس کے پیر زمین سے لگے اور وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اُس کی آنکھوں پر چیتھڑے کا تسمہ اب بھی چڑھا ہوا تھا۔ وہ کسی کے بولنے کا انتظار کرتا رہا مگر اُسے کسی قسم کی بھی آواز سنائی نہ دی۔

"میرے پیارے دوستو۔" حمید آہستہ سے بولا۔

لیکن جواب ندارد۔ قریب یا دور کسی قسم کی کوئی آواز نہیں سنائی دی۔

حمید نے اپنی آنکھوں پر سے چیتھڑے کا تسمہ ہٹا دیا، لیکن اس کے علاوہ وہاں اور کوئی نہ تھا۔ وہ سب آدمی غائب ہو چکے تھے۔ دور تک سنسان جنگل کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا اور رات اندھیری تھی۔ بیکراں نیلگوں وسعتوں میں تارے چمک رہے تھے۔

حمید دو یا تین بار زور زور سے کھانسا لیکن اس پر بھی اُسے کوئی آواز نہ سنائی دی۔ اس کے پھیپھڑے تازہ ہوا پا کر زور زور سے پھولنے اور پچکنے لگے۔ رات اندھیری ہونے کے باوجود بھی خنکی تھی۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کدھر جائے۔ اُسے نہیں معلوم تھا کہ شہر کس سمت میں ہے۔ پورا شہر ہی اس کا دیکھا ہوا نہیں تھا، چہ جائیکہ اُن اطراف کے جنگل۔ وہ تن بتقدیر ایک طرف چل پڑا۔ لیکن یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ آخر انہوں نے اسے اس طرح چھوڑ کیوں دیا، حالانکہ اس نے انہیں ایک قتل کا مرتکب ہوتے دیکھ لیا تھا۔ آخر وہ لوگ کون تھے اور اس سے کیا چاہتے تھے۔

حمید چلتا رہا اور سوچتا رہا۔ اچانک اس کے پیر سخت قسم کی زمین سے ٹکرا کر گونج پیدا کرنے لگے۔ اُس نے چونک کر چاروں طرف دیکھا۔

اب وہ ایک پختہ سڑک پر چل رہا تھا، جس کے دونوں طرف گھنی جھاڑیاں تھیں۔ دفعتاً کسی طرف سے ایک آدمی اُس پر ٹوٹ پڑا۔ حمید خود کو سنبھالتے سنبھالتے ڈھیر ہو گیا۔ دوسرے لمحے وہ دوسرا آدمی اُس کے سینے پر سوار تھا۔

"اب تم مجھے گرا کر سیدھے بھاگتے چلے جاؤ۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"تمہارے جیب میں ایک خط ہے۔ زور کر کے اٹھو اور مجھے گرا کر بھاگو۔ شہر کا سیدھا راستہ۔"

حمید کو زور لگانے کی بھی ضرورت نہیں پیش آئی۔ وہ آدمی خود ہی اچھل کر دور جا گرا اور اٹھ کر بھاگا۔ دوسرے آدمی نے زمین سے اٹھتے اٹھتے اس پر دو تین فائر کر دیئے اور پھر حمید کے پیچھے دوڑنے لگا۔ اس نے پے در پے دو تین فائر اور کئے۔

حمید اپنے پیچھے کئی آدمیوں کے دوڑنے کی آوازیں سن رہا تھا۔ وہ بھاگتا ہی رہا۔ یکایک اس

نے ایک ساتھ کئی فائروں کی آوازیں سنیں، لیکن اب تعاقب کرنے والوں کے قدموں کی آوازیں نہیں آرہی تھیں۔ متواتر آدھ گھنٹے تک وہ دوڑتا رہا۔ دس پانچ منٹ دم لینے کے بعد وہ پھر چل پڑتا۔ کچھ دور پر بہت سی روشنیوں کے چھوٹے چھوٹے دھبے دکھائی دینے لگے تھے۔ شائد شہر نزدیک تھا۔

شہر پہنچ کر وہ سب سے پہلے ایک کیفے میں گھس گیا۔ ایک کیبن میں اطمینان سے بیٹھنے کے بعد اس نے وہ کاغذ کا ٹکڑا نکالا جس پر پنسل سے شکستہ حروف میں تحریر تھا۔

"شہر پہنچ کر ایک اصیل مرغ خرید لینا اور اُسے لئے ہوئے سیدھے پروفیسر جھوس کے یہاں چلے جانا۔ وہ بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہا ہوگا اور بس۔ اب تمہیں کئی دن کے لئے چھٹی ہے آرام کرو اور باتیں بناؤ۔"

تحریر فریدی ہی کی تھی۔ حمید اس کا طرز تحریر اچھی طرح پہچانتا تھا اور پھر اگر وہ فریدی نہ ہوتا تو اُسے خود کو گرانے کے لئے کیوں کہتا۔ اس نے اس کی آواز بھی صاف پہچان لی تھی۔

حمید نے دیوار سے لگے ہوئے کلاک کی طرف دیکھا۔ آٹھ بج رہے تھے۔ اُس پر پھر جھنجھلاہٹ کا دورہ پڑا۔ آخر اس وقت اصیل مرغ کہاں تلاش کرتا پھرے گا۔

اُس کی خوش قسمتی ہی تھی کہ ابھی تک گوشت کا مارکٹ کھلا ہوا تھا۔ بہر حال وہ ایک اصیل مرغ خریدنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔

اور یہ بھی سچی بات تھی کہ ڈاکٹر جھوس اس کا منتظر تھا۔ اُس نے اُسے برآمدے میں ٹہلتے دیکھا۔

"ہلو مائی ڈیئر۔" وہ حمید کی بغل میں مرغ دبا ہوا دیکھ کر چیخا۔ "میں آپ کا منتظر تھا۔ مگر پروفیسر کہاں ہیں۔ انہوں نے کہا تھا کہ آپ اور وہ دونوں ساتھ ہی تشریف لائیں گے اوہ وہ نہیں آئے.... میں مغموم ہوں۔"

"کیا پروفیسر آئے تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"جی ہاں! سامان لے کر آئے تھے۔ میں نے آپ دونوں کے کمرے ٹھیک کرا دیئے ہیں۔ اوہو! کیا آپ کہیں گر پڑے تھے۔"

پروفیسر حمید کی پشت سے مٹی جھاڑنے لگا۔

"جی اس مرغ نے راستے میں تھوڑا پریشان کیا تھا۔"

"اوہو دیکھوں تو۔" پروفیسر اُسے اپنے ہاتھ میں لے کر تولتے ہوئے بولا "ہے زوردار۔"

"فی الحال ڈاکٹر زیٹو نے اُسے نامرغ کر دیا ہے۔"

"او پلیز مائی ڈیئر! ذرا آہستہ۔ بے بی برابر والے کمرے میں ہے۔" پروفیسر آہستہ سے بولا۔

"میں نے ڈاکٹر زیٹو سے سنا ہے کہ وہ ٹماٹر سے نفرت کرتی ہیں۔"

"چہ چہ! خبردار ٹماٹر کا تذکرہ اس کے سامنے نہ آنے پائے۔ ورنہ ہر بات کے آپ ہی ذمہ دار ہوں گے۔ ویسے بے بی بڑی اچھی لڑکی ہے۔ دوسروں کی عزت کرنا جانتی ہے۔ تھوڑی غصہ ور ہے۔ بس ذرا اس کی ہاں میں ہاں ملانی پڑتی ہے۔ چلئے میں آپ کا کمرہ دکھا دوں۔ اسے اپنا ہی گھر سمجھئے اور ہاں بے بی سے کبھی بحث نہ کیجئے گا۔ خیال رہے ٹماٹر کا۔"

ایک نئی دریافت

دوسری صبح خوشگوار ضرور تھی مگر حمید کے جوڑ جوڑ میں درد ہو رہا تھا۔ اس نے کھڑکی سے طلوع آفتاب کا حسین منظر دیکھتے ہوئے انگڑائی لی، اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ اُس کی نظریں ان تین سوٹ کیسوں پر جمی ہوئی تھیں، جو فریدی ہی نے پروفیسر کے یہاں پہنچائے تھے۔ اس نے ابھی تک انہیں کھولا بھی نہیں تھا۔

پائپ ختم کر چکنے کے بعد وہ اٹھا۔ سوٹ کیس کھولے۔ ان میں ریڈی میڈ کپڑے موجود تھے۔ حمید نے اپنے لئے ایک عمدہ سا سوٹ منتخب کیا اور قمیض کے ساتھ ٹائی کا میچ تلاش کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ لباس تبدیل کر کے برآمدے میں آیا تو اس کی شخصیت ہی بدل چکی تھی۔ سلیمہ نے اس پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور اپنے بڑے بالوں والے کتے کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ سلیمہ سے تھوڑے ہی فاصلے پر پام کے گملے کی اوٹ میں اسلم بیٹھا شیو کر رہا تھا۔

"صبح بخیر محترمہ۔" حمید نے قدرے جھک کر کہا۔

"یہ صبح بخیر کیا چیز ہوتی ہے۔" سلیمہ اُسے گھور کر بولی۔ "السلام علیکم نہیں کہہ سکتے تھے کیا۔ آپ کا نام شائد ساجد ہے۔ مسلمان ہی ہوں گے۔"

"مجھے افسوس ہے مجھ سے غلطی ہوئی۔" حمید نے ندامت آمیز لہجے میں کہا۔ دفعتاً اس نے محسوس کیا کہ سلیمہ کے چہرے کی سختی نرماہٹ میں تبدیل ہو گئی۔

"رات آپ کو تکلیف تو نہیں ہوئی۔" اس نے بڑی خوش اخلاقی سے کہا۔

"بہت آرام سے سویا۔ اپنے گھر پر بھی اتنا آرام نہ ملتا۔ آپ کی کوٹھی شائد اس شہر میں سب سے بہتر ہے۔"

"آپ بہت معاملہ فہم آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" اسلم نے ہنس کر حمید کو مخاطب کیا۔ "ہر لوگ آپ کی تشریف آوری سے بے حد خوش ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ آپ ٹماٹر کی تعریف نہیں کریں گے۔"

"اسلم تم سور ہو۔" سلیمہ جھنجھلا کر کھڑی ہو گئی۔ "بالکل بد تمیز ہو.... تم میرے سامنے مت آیا کرو۔ ورنہ کسی دن....!"

"آج میں ہمیشہ کیلئے جا رہا ہوں۔" اسلم نے فلم کے ہیرو کی طرح ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

"بکواس ہے۔ تم ہمیشہ میرے لئے باعث کوفت بنے رہو گے۔"

"اوہ تو کیا تمہیں منظور ہے۔" اسلم خوش ہو کر بولا۔

"شٹ اپ۔" سلیمہ حلق کے بل چیخی اور پیر پٹختی ہوئے اندر چلی گئی۔

"بیٹھئے نا آپ کھڑے کیوں ہیں۔" اسلم نے حمید سے کہا۔

"آپ نے محترمہ کو ناخوش کر دیا۔" حمید بیٹھتا ہوا غمناک لہجے میں بولا۔

"کریک ہے۔" اسلم نے اپنی کنپٹی کے قریب انگلی نچاتے ہوئے کہا۔

"کیا کہا تم نے۔" سلیمہ جھپٹ کر کمرے سے نکلی اور اسلم کے ہاتھ سے سیفٹی ریزر چھوٹ پڑا۔

"کک کچھ بھی تو نہیں۔" اسلم ہکلایا۔

"میں کریک ہوں؟" سلیمہ گرجی۔

"ارے بھئی یہ کیا صبح ہی صبح...." پروفیسر جھوس ایک کمرے سے نکلتا ہوا بولا۔

"یہ ڈفر مجھے کریک کہتا ہے۔" سلیمہ نے چیخ کر کہا۔

"کیوں اسلم میاں خواہ مخواہ ہنگامہ برپا کر رہے ہو۔" پروفیسر بولا۔

"آپ بھی مجھے ہی کہنے لگے۔ سلیمہ نے مجھے اُلو کا پٹھا کہا تھا۔"

"ارے شرم نہیں آتی تمہیں جھوٹ بولتے ہوئے۔" سلیمہ حلق پھاڑ کر چیخی۔

"اب آپ خود سوچئے۔" اسلم رونی صورت بنا کر بولا۔ "کیا آپ کے بڑے بھائی اُلو تھے۔"

"نہیں یہ غلط ہے۔" پروفیسر جلدی سے بولا۔ "بے بی تمہیں شرم آنی چاہئے۔"

"میں نے نہیں کہا۔ یہ جھوٹا ہے۔" سلیمہ جھلاہٹ میں اپنے بال نوچنے لگی۔

"ارے ارے!" پروفیسر نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔ اس پر سلیمہ جو چیخ مار کر روتی ہے کوٹھی کو کوٹھی سر پر اٹھالی۔

پروفیسر اُسے لے کر اندر چلا گیا۔

"آپ نے بہت بُرا کیا۔" حمید نے اسلم سے کہا۔ اسلم اس انداز سے ڈاڑھی بنانے میں مصروف ہو گیا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔

"چھوڑیئے بھی۔" اس نے سر اٹھا کر کہا۔ "یہ تو روز کی تفریح ہے۔"

"ان کا مضمون فلسفہ تو نہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"جی ہاں یہ فلسفے میں ایم۔ اے کر رہی ہیں۔" اسلم بولا۔ "مگر میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ شادی کے بعد کروں گا خواہ یہ فلسفے کے ساتھ ہی ساتھ چینی زبان بھی سیکھ لے۔"

"نبھ جائے گی؟" حمید نے پوچھا۔

"خوب نبھے گی جناب۔ مجھے لڑنے جھگڑنے والی عورتیں بہت پسند ہیں۔ سیدھی سادی عورتیں مجھے شلجم یا مونگ کی دال معلوم ہوتی ہیں۔"

"بہت خوب۔" حمید مسکرایا۔ "آپ تو مجھے شاعر معلوم ہوتے ہیں۔"

"بس مقدر خراب تھا کہ پہلی اور آخری غزل میں نے چودہ سال کی عمر میں کہی تھی۔"

"تو اب ایک ٹماٹر نامہ لکھ ڈالئے۔"

"اوہو! تو کیا آپ جانتے ہیں۔" اسلم نے حیرت سے کہا۔

"دوران گفتگو میں پروفیسر نے بتایا تھا۔ آخر آپ بیچاری کو کیوں چھیڑتے ہیں۔"

کمپاؤنڈ میں ایک کار کے داخلے نے سلسلہ گفتگو منقطع کر دیا۔ کار میں دو عدد باوردی اور مسلح کانسٹیبل تھے۔ تیسرا آدمی سفید قمیض اور سفید پتلون میں ملبوس تھا۔ اس کی شخصیت صحیح معنوں میں جاذب توجہ تھی۔ عمر تو چالیس اور پینتالیس کے لگ بھگ رہی ہو گی، لیکن اعضاء

چوڑے چکلے اور مضبوط تھے۔ پیشانی کشادہ اور محراب دار تھی۔

"کیا پروفیسر موجود ہیں۔" اس نے آگے بڑھ کر حمید سے پوچھا۔

"جی ہاں.... فرمایئے۔" اسلم سیفٹی ریزر رکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"کوتوال صاحب کی آمد کی اطلاع کر دیجئے۔" ایک سب انسپکٹر بولا۔ اتنے میں پروفیسر خود ہی باہر آ گیا۔ وہ پولیس والوں کو اپنے چشمے کے اوپر سے دیکھتا ہوا بولا۔ "اوہو! ڈی۔ ایس۔ پی صاحب! تشریف لایئے! تشریف لایئے۔"

وہ انہیں لے کر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا۔ حمید نے اس موقع پر پیچھے رہنا مناسب سمجھا۔ ان کے ساتھ ہی وہ بھی ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔

"آپ پبلک لائبریری کے ممبر ہیں۔" کوتوال نے پروفیسر کو مخاطب کیا۔

"جی ہاں.... جی ہاں۔ میں یہاں کی کئی لائبریریوں کا ممبر ہوں بلکہ دو ایک تو میری سرپرستی ہی میں چل رہی ہیں.... فرمایئے۔"

"میں آپ کا پبلک لائبریری والا کارڈ دیکھنا چاہتا ہوں۔" کوتوال نے کہا اور اپنی باریک تراشی ہوئی نوکدار مونچھوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"ٹھہریئے.... میں دیکھتا ہوں۔" پروفیسر نے گھنٹی بجائی۔ دوسرے لمحے میں ایک نوکر کمرے میں داخل ہوا۔

"دیکھو.... ذرا.... وہ سیاہ ٹرے لیبارٹری سے اٹھا لاؤ۔"

"آخر....!" وہ چند لمحے بعد بولا۔ "پولیس کو میرے لائبریری کے کارڈ سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔"

"ابھی عرض کرتا ہوں۔"

نوکر سیاہ رنگ کی ٹرے ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے اندر داخل ہوا۔ اس نے چھوٹی میز پر ٹرے رکھ کر اُسے پروفیسر کے سامنے کھسکا دیا۔ پروفیسر اس میں رکھے ہوئے کاغذات کو الٹنے پلٹنے لگا۔ بڑے انہماک کے ساتھ پبلک لائبریری کا کارڈ تلاش کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے کوتوال کی طرف دیکھا۔

"مجھے حیرت ہے کہ صرف وہی کارڈ اس میں موجود نہیں ہے۔" اس نے کہا۔

"آپ نے کسی کو دیا تو نہیں۔"

"ٹھہریئے میں بتاتا ہوں۔" پروفیسر نے کہا پھر نوکر سے بولا۔ "ذرا اسلم کو بھیج دو۔"

چند لمحے خاموشی رہی۔ پروفیسر کچھ مضطرب سا نظر آ رہا تھا لیکن اس نے اس معاملے کے علاوہ پھر کچھ نہیں پوچھا۔

"اسلم میاں۔" وہ اسلم کو دیکھتے ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "کیا پبلک لائبریری والا کارڈ ہمارے پاس ہے۔"

"پبلک لائبریری والا کارڈ۔" اسلم کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کیا وہ ابھی واپس نہیں آیا۔"

"کہاں سے واپس نہیں آیا۔" پروفیسر اُسے تیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"بہت عرصہ ہوا جاوید بھائی لے گئے تھے۔ انہیں شاید کسی کتاب کی ضرورت تھی۔"

"لیکن جانتے ہو۔" پروفیسر بگڑ کر بولا۔ "یہ اصول کے خلاف ہے۔ تم نے اُسے کارڈ کیوں لے جانے دیا تھا۔"

"سلیمہ نے دیا تھا۔"

"کسی نے بھی دیا ہو۔" پروفیسر جھنجھلا کر بولا۔ "جو چیز اصول کے خلاف ہے وہ ہر حال میں اصول کے خلاف رہے گی۔ کیوں جناب۔" وہ حمید کی طرف مخاطب ہو گیا۔

"جی ہاں جناب.... قطعی۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"بہر حال آپ کا کارڈ ایک لاش کے قریب پایا گیا ہے۔" کوتوال بولا۔

"جی کیا مطلب۔" پروفیسر بے اختیار اچھل پڑا۔

"جی ہاں۔" کوتوال سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔ "پبلک لائبریری کے اوپر ہال میں۔"

"میں کچھ نہیں سمجھا۔ ذرا جلدی سے وضاحت کیجئے ورنہ مجھے بلڈ پریشر ہو جائے گا۔"

"جاوید آپ کا عزیز ہے۔"

"جی ہاں ہے تو۔"

"آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ رفعت نعیم کی بیوی کا قاتل ہے۔"

"یہ ابھی کس طرح کہا جا سکتا ہے۔" پروفیسر نے کہا۔ "ابھی تو مقدمے کی سماعت بھی نہیں شروع ہوئی۔"

"مقتولہ کے پاس اس کا رومال پایا گیا تھا اور اس نے اس کی شناخت کی تھی۔"

"تو پھر جس لاش کے پاس میرا کارڈ پایا گیا اس کا قاتل میں ہوں گا۔" پروفیسر تلخ لہجے میں بولا۔

"آپ پوری بات تو سن لیجئے۔" کوتوال مسکرا کر بولا۔

"سنایئے! ورنہ مجھے بلڈ پریشر ہو جائے گا۔"

"لاش کے قریب ہی جاوید بیہوش حالت میں پایا گیا ہے اور آپ کا کارڈ دراصل جاوید ہی کی جیب میں تھا۔ جاوید کے جیب سے اعشاریہ دو پانچ کا ایک پستول بھی برآمد ہوا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ پستول کا لائسنس جاوید بھائی کے پاس تھا۔" اسلم بول پڑا۔

"آپ کا خیال درست ہے، لیکن آخر پستول جیب میں لئے پھرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"کیا مقتول اُسی پستول کی گولی سے ہلاک ہوا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"یہ سب تو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے معلوم ہوگا۔" کوتوال نے کہا۔ "میں تو اتنا جانتا ہوں کہ وہ گولی جاوید کے پستول سے چلائی گئی تھی اور اس پر جاوید کے انگلیوں کے نشانات بھی پائے گئے ہیں۔"

"اور خود جاوید بیہوش پایا گیا ہے۔" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔ "گویا جاوید گولی مارنے کے بعد بیہوش ہو گیا تھا۔ اگر وہ ایسے ہی کمزور دل کا تھا تو اس نے گولی ہی کیوں چلائی۔ آپ کے بیان کے مطابق وہ اس سے پہلے بھی ایک قتل کا مرتکب ہو چکا ہے، لہٰذا تجربہ کار ہے اُسے قتل کے بعد بیہوش تو نہ ہونا چاہئے۔"

"آپ واقعی بہت ذہین آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" کوتوال طنزیہ لہجے میں بولا۔ "لیکن اس کا فیصلہ عدالت ہی کرے گی۔"

"جاوید پھر گرفتار کر لیا گیا؟" پروفیسر نے پوچھا۔

"لازمی امر ہے۔" کوتوال نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اس کی ضمانت بھی ضبط ہو گئی ہے۔"

"مجھے اس لڑکے کے لئے افسوس ہے۔" پروفیسر بولا۔ "یقیناً کوئی اُسے پھنسانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" کوتوال نے کہا۔ "کیا وہ کل آپ کے یہاں آیا تھا۔"

"جی نہیں.... میں نے اُسے مہینوں سے نہیں دیکھا۔"

"پھر وہ آپ کا کارڈ کب لے گیا تھا۔"

"مجھے یہ بھی نہیں معلوم.... کیوں اسلم؟"

"میرا خیال ہے کہ یہ رفعت کی بیوی کے قتل سے پہلے کا واقعہ ہے۔" اسلم نے کہا۔

"آپ جاوید کے دوستوں میں سے ہیں۔" کوتوال نے اسلم سے پوچھا۔

"نہیں ہم میں بے تکلفی نہیں کیونکہ وہ عمر میں مجھ سے بڑے ہیں۔"

"بہرحال آپ اس کے عادات واطوار اور ملنے جلنے والوں سے تو واقف ہی ہوں گے۔"

"قطعی نہیں.... میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ ایک خوش اخلاق اور علم دوست آدمی ہیں۔ ملنے جلنے والوں سے میری واقفیت نہیں۔"

"اس شخص کو آپ نے کبھی دیکھا ہے۔" کوتوال نے جیب سے ایک تصویر نکالتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے وہ تصویر اسلم کی طرف بڑھا دی۔

اسلم اُسے بغور دیکھنے لگا۔ پروفیسر اور حمید بھی اُسے دیکھنے کے لئے آگے کی طرف جھک آئے۔ حمید ایک ہی نظر میں پہچان گیا۔ یہ اسی آدمی کی تصویر تھی جو جاوید کو پبلک لائبریری میں لے گیا تھا۔ پروفیسر اسلم کی طرف دیکھنے لگا۔

"مجھے خیال پڑتا ہے کہ میں نے اُسے کہیں دیکھا ہے۔" اسلم آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کبھی جاوید کے ساتھ دیکھا تھا۔"

"میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔ روزانہ سینکڑوں صورتیں نظر سے گذرتی ہیں اور اُن میں سے کچھ ایسی خصوصیات کی حامل ہوتی ہیں، جو عرصے تک یاد رہ جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ آدمی اچھی شخصیت کا حامل ہے۔ اس نے کبھی نہ کبھی میری توجہ اپنی جانب منعطف کرائی ہوگی۔"

"یہ اُسی آدمی کی تصویر ہے۔" کوتوال نے کہا۔ "جس کی لاش پبلک لائبریری میں پائی گئی۔"

کچھ دیر کے لئے خاموشی ہو گئی۔ پھر پروفیسر اسلم سے بولا۔

"ارے بھئی! کوتوال صاحب کے لئے چائے.... تم بڑے بداخلاق بچے ہو۔"

"نہیں پروفیسر شکریہ۔" کوتوال اٹھتا ہوا بولا۔ "ہم ناشتہ کر چکے ہیں۔ ویسے میں آپ کو یہ اطلاع دینے کیلئے آیا تھا کہ اس کارڈ کی وجہ سے ممکن ہے کہ آپ بھی عدالت میں طلب کئے جائیں۔"

"فکر نہیں۔" پروفیسر لاپروائی سے بولا۔ "کسی زمانے میں مجھے شاعری اور مقدمے بازی

سے بڑی دلچسپی تھی اور میں دوسروں کے مقدمات کی پیروی مفت کرتا تھا۔"

"اچھا اب اجازت دیجئے۔" کوتوال نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "مجھے خو
بھی اس لڑکے سے ہمدردی ہے مگر کیا کروں۔ حالات سراسر اس کے خلاف ہوتے جارہے ہیں
میں بھی اسے ایک اچھے لڑکے کی حیثیت سے جانتا تھا۔"

کوتوال کے چلے جانے کے بعد پروفیسر اسلم پر چنگھاڑنے لگا۔

"کیا مصیبت ہے تم لوگ اتنے گدھے کیوں ہوگئے ہو۔ تم نے اسے میرا کارڈ کیوں
جانے دیا تھا۔ عدالت میں یہ معاملہ پیش ہوگا۔ سراسر اصول کے خلاف ہے۔ سنا تم نے پروفیس
ٹی۔ اے جھوس کی عزت خاک میں مل جائے گی۔"

"آخر اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔" اسلم بولا۔

"بس بس! ابکو نہیں، ورنہ مجھے بلڈ پریشر ہو جائے گا۔ کوئی بات ہی نہیں انگلستان میں لوگ
دوسروں کے کارڈ پر کتابیں نہیں ایشو کراتے۔ تم لوگوں نے پروفیسر ٹی۔ اے جھوس کو ساری د
میں بدنام کردیا۔ اف فوہ! اُس کے متعلق اخبارات چہ میگوئیاں کریں گے اور یہ اخبارات انگلینڈ
جائیں گے، امریکہ جائیں گے روس جائیں گے، فرانس اور جرمنی جائیں گے.... اور پروفیس
ٹی۔ اے جھوس۔"

پروفیسر کی آواز بھرا گئی۔ اس کا چہرہ مغموم نظر آنے لگا تھا۔ آخر اس نے مری ہوئی آوا
میں کہا۔ "مجھے بلڈ پریشر ہو جائے گا۔"

بوں ڑ'

پروفیسر جھوس کے یہاں رہتے ہوئے حمید کو تین دن ہوگئے تھے اور اس دوران میں ایک
بھی فریدی سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ پروفیسر اکثر اس کے متعلق پوچھتا رہتا تھا لیکن حمید کو
بار کوئی نہ کوئی بہانہ تراشنا پڑتا تھا۔

اس دوران میں اسے لنگڑی کوٹھی بھی دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ وہ کئی دنوں سے اخبار نویسوں
زیارت گاہ بنی ہوئی تھی۔ یہ ایک بوسیدہ سی عمارت تھی جس کا پیشتر حصہ کھنڈر ہو چکا تھا لیکن

ں کی طرف کے حصے کو دیکھنے والا یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس مستحکم دیوار کے پیچھے ویرانی
ی کھنڈر ہوں گے۔ ملبے کے ڈھیر میں دبی ہوئی کرم خوردہ چوکھٹیں ہوں گی۔ شکستہ دیواریں
ں گی جن پر پتلی اور لمبی پتیوں والی گھاس اُگ آتی ہوگی۔

سڑک کی طرف کے حصے میں بالائی منزل پر تین کھلے ہوئے دریچے تھے جن کا پلاسٹر سالہا
ں سے کائی جمے رہنے کی وجہ سے سیاہ ہوگیا تھا اور دراڑوں میں گھاس اُگ آئی تھی۔ انہیں
یچوں کے متعلق مشہور تھا کہ وہ اکثر راتوں میں چیختے ہوئے سے معلوم ہوتے ہیں اور ان میں
ں رنگوں کی روشنیاں دکھائی دیتی ہیں اور یہ بھی حقیقت تھی کہ انہیں دریچوں کے پیچھے
ت نعیم کی بیوی کی لاش پائی گئی تھی اس عمارت کے مقابل سڑک کی دوسری جانب جدید طرز
ایک کوٹھی تھی جس میں جاوید کا خاندان آباد تھا۔ اسی لائن میں اور بھی کئی اچھی عمارتیں تھیں
ن لنگڑی کوٹھی کی طرف کا حصہ بالکل ویران تھا۔ البتہ فصلوں پر یہاں چاروں طرف ہرے
رے لہلہاتے ہوئے کھیت نظر آتے تھے۔ جاوید کے آباؤ اجداد کے زمانہ میں دراصل یہ ایک
ہی علاقہ تھا اور یہاں صرف لنگڑی کوٹھی ہی ایک بڑی عمارت تھی جس کے مکین یہاں کے
گیر دار کہلاتے تھے۔

وقت کے ساتھ ہی ساتھ جلال آباد بھی آگے بڑھتا رہا، حتیٰ کہ وہ اس علاقے سے آملا جہاں
نگڑی کوٹھی واقع تھی اور اب اس دیہی علاقے کا شمار بھی جلال آباد ہی کی بستیوں میں ہونے لگا تھا۔

بہر حال آج کل لنگڑی کوٹھی جلال آباد والوں کے لئے ایک دلچسپ موضوع گفتگو بنی ہوئی
تھی۔ دن بھر یہاں لوگوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی لیکن شام ہوتے ہی پھر یہاں قبرستان کا سا سناٹا چھا
جاتا تھا۔ خصوصاً رات کو تو کسی میں بھی اتنی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ وہ لنگڑی کوٹھی کے قریب
سے گذر ہی جائے۔ اس سلسلے میں ایک بات اور بھی مشہور تھی وہ یہ کہ یہاں وہ چیخیں صرف
جمعرات کی شام کو سنی جاتی ہیں ورنہ ویسے سناٹا ہی رہتا ہے۔

ایک رات ایک اخبار کے منچلے رپورٹر نے لنگڑی کوٹھی میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی،
لیکن اس کی حدود میں قدم رکھتے ہی نہ جانے کدھر سے اس پر چنگھاریاں برس پڑی تھیں وہ بھی دو
چار نہیں بلکہ ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں لیکن وہ جلا نہیں تھا۔ اس کی خبر مشہور ہوتے ہی
قرب وجوار کے لوگ اور زیادہ محتاط ہوگئے تھے۔

حمید کے لئے پروفیسر جھوس کا گھر کافی آرام دہ تھا۔ تفریح کے لئے اسلم اور سلیمہ موجود تھے اور سر مارنے کے لئے خود پروفیسر تھا۔ وہ پروفیسر سے بے تکی بحثیں چھیڑ کر اسے دیر تک پریشان کیا کرتا تھا لیکن فریدی کا یہ بیان کہ پروفیسر معمولی پڑھا لکھا آدمی تھا کسی طرح اس کے حلق سے نہیں اترا تھا۔ اس نے کئی بار خالص علمی قسم کے مباحث چھیڑ کر پروفیسر کو آزمایا تھا۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ پروفیسر کی معلومات وسیع ہیں اور وہ کئی علوم پر گہری نظر رکھتا ہے۔

آج صبح ہی سے سلیمہ کچھ کھوئی کھوئی سی نظر آ رہی تھی اور اسلم بھی صبح ہی سے غائب ہو گیا تھا۔ ناشتے کی میز پر بھی وہ کچھ نہیں بولی تھی اور پروفیسر بھی خاموشی ہی سے ناشتہ کرتا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے معلوم ہوتا تھا جیسے رات بھر جاگتا رہا ہو۔

"آپ کچھ خاموش ہیں۔" حمید نے سلیمہ سے کہا۔

"کچھ کیا میں بالکل خاموش ہوں۔" سلیمہ اسے گھورتی ہوئی بولی۔

"کیا طبیعت کچھ ناساز ہے۔"

"پہلے آپ یہ بتائیے کہ آپ کو لفظ "کچھ" سے اتنی انسیت کیوں ہے۔ ہر بات میں "کچھ" ضرور استعمال کرتے ہیں۔"

"شاید مجھے کچھ ہو گیا ہے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ اس پر پروفیسر سر جھکا کر اپنے چشمے کے اوپر سے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے چشمہ اتار کر شیشے صاف کئے اور اس دوران میں حمید کو الوؤں کی طرح دیکھتا رہا۔

"کیا ہو گیا ہے آپ کو۔" سلیمہ نے پوچھا۔

"پتہ نہیں مجھے کچھ نہیں معلوم۔"

"معدے کی خرابی۔" پروفیسر بڑبڑایا۔

"ڈیڈی پلیز!" سلیمہ اُسے گھورتی ہوئی بولی۔ "دو آدمیوں کی گفتگو میں دخل نہیں دیا کرتے۔"

"مجھے افسوس ہے۔" پروفیسر بڑبڑاتا ہوا میز سے اٹھ گیا۔ "میں معافی چاہتا ہوں۔"

"اٹس آل رائٹ۔" سلیمہ نے سنجیدگی سے کہا۔

پروفیسر شاید اپنی لیبارٹری کی طرف جا رہا تھا۔

"اسلم صاحب کہاں ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"جہنم میں۔" سلیمہ نے حمید کو گھور کر کہا۔ "مجھے اسلم کا تذکرہ کرنے والوں سے بھی نفرت ہو جاتی ہے۔ سمجھے آپ۔"

"آپ بھی غیر ضروری الفاظ بولنے لگی ہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "بھلا یہاں 'سمجھے' آپ کا ٹکڑا لگانے کی کیا ضرورت تھی۔ ظاہر ہے کہ میں ناسمجھ نہیں اور آپ نے یہ جملہ نہ تو لاطینی میں کہا تھا اور نہ سنسکرت میں۔"

"مجھے افسوس ہے۔"

"اب افسوس کرنے سے کیا فائدہ میری توہین تو ہو ہی چکی۔ آپ نے مجھے ذلیل کر دیا۔" حمید کی آواز کچھ تیز ہو گئی اور پھر اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

سلیمہ بے بسی سے اُسے دیکھ رہی تھی اور وہ اس طرح جھلا گئی تھی جیسے نادانستگی میں اس کے ہاتھ سے بندوق چل گئی ہو۔

حمید کے گالوں پر دو آنسو ڈھلک آئے۔

"ارے ارے۔" سلیمہ پاگلوں کی طرح بولی۔ "میں معافی چاہتی ہوں۔ آپ عجیب آدمی ہیں۔"

"اب دوسری توہین۔" حمید نے آنسوؤں کے دوسرے ریلے کے ساتھ کہا۔ "عجیب آدمی تو پاگل کو کہتے ہیں۔"

"میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں۔"

"لیکن دل کا وہ زخم تو واپس نہیں لے سکتیں۔" حمید کے آنسو تیزی سے چلنے لگے۔

"ارے ارے.... آپ بڑے کمزور دل کے آدمی ہیں۔"

"میں کیا کروں! میری ماں میری پیدائش سے پہلے ہی مر گئی تھی۔"

سلیمہ اُسے حیرت سے دیکھتی رہی پھر بولی۔

"بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔"

"وہ میرے باپ کی پہلی بیوی تھی۔" حمید آنسو خشک کرتا ہوا بولا۔ "میں دوسری بیوی سے ہوں۔"

"ہائیں! یہ کیا بات ہوئی۔ اس سے آپ پر کیا اثر پڑتا ہے۔"

"آپ نے پھر غیر ضروری الفاظ استعمال کئے۔" حمید نے گلوگیر آواز میں کہا۔ "ہائیں اور یہ کیا بات ہوئی کے بغیر بھی آپ اپنا مدعا ظاہر کر سکتی تھیں۔"

"آپ عجیب آدمی ہیں۔" سلیمہ بے بسی سے بولی۔

"اُف فوہ! پھر آپ نے میری توہین کی۔" حمید پھر رو پڑا۔

"ارے ارے۔" وہ بوکھلا کر بولی پھر یک بیک چیخنے لگی۔ "ڈیڈی۔ ڈیڈی۔"

پروفیسر شائد ادھر ہی آرہا تھا.... اُسے اس طرح چیختے سن کر اُس نے اپنی رفتار تیز کردی۔

"کیا بات ہے.... کیوں چیخ رہی ہو۔" اس نے کمرے میں داخل ہو کر پوچھا پھر اس کی نظر حمید پر پڑی، جو اپنی آنکھوں پر رومال رکھے ہوئے سسک رہا تھا۔

"کیا بات ہے.... کیوں چیخی تھیں۔" پروفیسر نے سلیمہ سے پوچھا۔

سلیمہ نے حمید کیطرف اشارہ کردیا لیکن کچھ بولی نہیں، وہ بہت زیادہ پریشان نظر آرہی تھی۔

"ارے آپ کیوں رو رہے ہیں۔" پروفیسر حمید کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"مجھے دکھ پہنچایا گیا ہے۔" حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کس نے دکھ پہنچایا.... کیا بات ہے۔" پروفیسر سلیمہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں کیا بتاؤں۔"

"کوئی نہیں بتائے گا۔" پروفیسر بڑبڑایا۔ "مجھے بلڈ پریشر ہو جائے گا۔"

"محترمہ سلیمہ نے میرا دل دکھایا ہے۔" حمید ہچکی لے کر بولا۔

"ہائیں.... سلیمہ.... یہ کیا۔" پروفیسر اس کی طرف مڑا۔

"میں کیا جانوں، میں نے کب دکھایا ہے۔"

"محترمہ سلیمہ نے....!" حمید نے رک رک کر کہا۔ "میرے باپ کی پہلی بیوی کو میری ما تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔"

"اور آپ رونے لگے۔" پروفیسر نے حیرت سے کہا۔

حمید نے سر ہلا دیا۔

"کمال کردیا آپ نے۔ کیا آپ پر بھی بے بی کی صحبت کا اثر ہوا ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہیں! ڈیڈی آپ۔" سلیمہ چیخ کر بولی۔ "آپ میری توہین کر رہے ہیں۔"

"ب.... م....!" پروفیسر اپنا سر کھجلاتا ہوا ہکلایا۔ "مم.... میرا.... یہ مطلب نہیں۔"

"کچھ نہیں مطلب صاف ہے۔" سلیمہ بگڑے ہوئے لہجے میں بولی۔ "آپ مجھے اتنا بُرا سمجھتے ہیں۔"

"میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوا جا رہا ہے۔" حمید رونی آواز میں بولا۔

"جی....!" پروفیسر بوکھلا کر اس کی طرف مڑا۔

"آپ نے ایک مہمان کے سامنے میری توہین کی ہے۔" سلیمہ گرجی۔

"اور آپ نے ایک مہمان کی توہین کی ہے۔" حمید نے کہا۔

"خدا کے لئے۔" پروفیسر گھگھیا کر بولا۔ "اور آپ دونوں مجھے معاف کردیجئے ورنہ بلڈ شر ہو جائے گا۔"

"میں نے معاف کردیا۔" حمید آنسو خشک کر کے بولا۔

"ڈیڈی کبھی کبھی آپ خود ہی اپنے اصولوں کا خون کردیتے ہیں۔" سلیمہ تلخی سے بولی۔

"میں تم سے نہیں جیت سکتا بے بی۔ مجھے معاف کردو۔" پروفیسر نے کہا اور لمبے لمبے قدم ٹاہوا کمرے سے چلا گیا۔ سلیمہ دور کی ایک کرسی پر بیٹھ کر حمید کو گھورنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد حمید نے سر اٹھا کر کہا۔ "میں نے آپ کو بھی معاف کردیا۔"

"مجھ سے مت بولئے۔" سلیمہ جھنجھلا کر بولی۔ "آپ بالکل بیوقوف آدمی ہیں۔"

"کوئی نئی بات نہیں۔" حمید نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "ایک بار ایک س کے مینیجر نے بھی مجھ سے یہی کہا تھا۔"

سلیمہ کچھ نہ بولی۔ وہ اُسے گھورتی رہی۔

"بات یہ تھی کہ میں نے اس کے ایک ہاتھی کو گدھا کہہ دیا تھا۔" حمید نے کہا۔

"آپ مجھے ہنسانے کی کوشش نہ کریں۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "مجھے کیا پڑی ہے کہ آپ کو پھنسانے کی کوشش کروں۔"

"پھنسانے کی نہیں ہنسانے۔" سلیمہ جھلا کر بولی۔

"چلئے ایک ہی بات ہے۔"

"آپ مجھ سے مت بولئے۔"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، میں خود سے کہہ رہا تھا۔"

سلیمہ اُسے گھورتی ہوئی اٹھی اور باہر چلی گئی۔ حمید کب پیچھا چھوڑنے والا تھا وہ بھی اسی کے ساتھ اٹھ گیا۔ دونوں برآمدے میں نکل آئے۔ سلیمہ لیموں کے درخت کے نیچے لان پر

جا بیٹھی۔ اچانک وہ کچھ بدحواس سی نظر آنے لگی تھی۔ حمید بھی اس کے قریب ہی جا کر بیٹھ گیا۔ اس نے اس کی طرف دیکھا لیکن اس کی آنکھوں میں نہ تو جھنجھلاہٹ تھی اور نہ تلخی، البتہ الجھن کے آثار ضرور تھے اور انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ الجھن کسی غیر متعلق چیز سے تعلق رکھتی ہو۔

"کیا آپ ناراض ہو گئیں۔" حمید نے بڑے ادب سے پوچھا۔

"نہیں تو.... لیکن۔" وہ آہستہ سے بولی اور کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"کیا بات ہے۔"

"بوں ژر!"

"جی! کیا مطلب۔" حمید چونک کر بولا۔

"بوں ژر۔" سلیمہ نے پھر تیز قسم کی سرگوشی میں دہرایا۔ "بوں ژر کسے کہتے ہیں۔"

حمید حیرت سے اُسے دیکھنے لگا۔ وہ قطعی سنجیدہ نظر آ رہی تھی اور اس کے چہرے پر تشنج کے آثار تھے۔ کسی اندرونی تکلیف کا عکس اس کے چہرے پر صاف پڑ رہا تھا۔

"میں نے یہ لفظ کبھی نہیں سنا۔" حمید نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ یہ کوئی لفظ ہی نہیں ہے۔"

"اگر لفظ ہی نہیں ہے تو پھر یہ میرے ذہن میں کس طرح آیا۔" سلیمہ تشویشناک لہجے میں بولی۔ "اور آج یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ بچپن ہی سے یہ لفظ میرے ذہن میں گونج رہا ہے خصوصاً غصے کی حالت میں میرا ذہن بڑی تیزی سے بوں ژر بوں ژر رٹنے لگتا ہے۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"آپ بدتمیز ہیں۔"

"آپ بوں ژر ہیں۔" حمید نے جھلا کر کہا۔

یک بیک سلیمہ سنجیدہ ہو گئی۔ اب وہ حمید کو دلچسپی کی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"تو گویا آپ اس لفظ کی حقیقت سے واقف ہیں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"جی ہاں.... میں جانتا ہوں۔"

"مجھے بتایئے۔"

"ہرگز نہیں بتاؤں گا.... ایسی باتیں عورتوں سے نہیں بتائی جاتیں۔"

"آپ کو بتانا پڑے گا۔" سلیمہ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس کی آنکھوں سے وحشت برسنے لگی

یک بیک وہ حمید کی طرف جھپٹی اور اس نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔ حمید ابھی تک تو مذاق ہی رہا تھا لیکن اب اُسے بھی سنجیدہ ہو جانا پڑا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ سلیمہ پر کسی قسم کا دورہ یا تھا وہ اس کے چہرے پر اپنے ناخن مار رہی تھی۔ بدقت تمام حمید اپنا گریبان چھڑا سکا۔ وہ اچھل الگ ہٹ گیا۔ لیکن سلیمہ پھر جھپٹی۔ اس بار اس کے تیور کچھ اور تھے۔ حمید بوکھلا کر پھاٹک کی ن بھاگا۔

"لیمو! ڈاربی۔" سلیمہ نے اپنے کتوں کو آواز دی۔

اور قبل اس کے کہ حمید پھاٹک کے باہر ہوتا دونوں کتوں نے اُسے جالیا۔ حمید انہیں ہٹانے لیکن وہ دونوں اس کے کوٹ کا دامن تھام کر جھول گئے تھے۔

اتنے میں سلیمہ دوڑتی ہوئی آئی اور اس نے پھر حمید کا گریبان پکڑ لیا۔

یہ بھی حمید کی خوش نصیبی ہی تھی کہ عین اس وقت جب کہ وہ اس کا گریبان پکڑ کر کھینچ رہی اسلم آ گیا۔ اسلم پر گویا بجلی سی گر پڑی۔ وہ حیرت سے منہ پھاڑے چند لمحے کھڑا رہا پھر "ارے ے" کہتا ہوا آگے بڑھا۔

سلیمہ نے اس کے بھی کئی جگہ ناخن مارے، لیکن وہ کسی نہ کسی طرح اسے اندر گھسیٹ ہی گیا۔

تھوڑی دیر بعد حمید اپنے کمرے میں لباس تبدیل کر رہا تھا۔ اس نے آئینے میں شکل دیکھی ان خراشوں پر "سی سی" کر کے انگلی پھیرنے لگا، جو سلیمہ کے ناخنوں کا نتیجہ تھیں۔ اُس نے ں رومال سے خشک کر کے چہرے پر کولڈ کریم لگائی۔ اُسے یقین ہو گیا تھا کہ سلیمہ سو فیصدی لی ہے۔

پھر کچھ دیر بعد اسے اسلم سے معلوم ہوا کہ سلیمہ پر واقعی کسی قسم کا دورہ پڑ گیا تھا۔

"یہ اس کی پرانی عادت ہے۔" اسلم نے کہا۔ "غصہ اتر جانے کے بعد وہ عموماً ہر ایک سے ہتی ہے کہ بوں ژر کسے کہتے ہیں۔ ایک بار میں نے مذاقاً کہہ دیا تھا کہ نہ بتاؤں گا۔ نتیجے میں اُس میری بھی یہی درگت بنائی تھی۔"

حمید اس مسئلے پر غور کرتا رہا لیکن وہ اُسے زیادہ اہمیت نہ دے سکا کیونکہ وہ پہلے بھی اس قسم کی ذہنی مریضوں سے دوچار ہو چکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ فریدی کے متعلق سوچنے لگا۔ آخر وہ کہاں تھا اور کیا کر رہا تھا۔ کیا ان

لوگوں نے اس کا پیچھا مستقل طور سے چھوڑ دیا تھا۔ جنہوں نے اُسے پبلک لائبریری میں بیہوش کر دیا تھا۔ شروع میں وہ ان کی پالیسی نہ سمجھ سکا تھا لیکن بعد کو غور کرنے پر اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ انہوں نے شاید فریدی پر ہاتھ ڈالنے کے لئے اُسے چھوڑ دیا تھا اور فریدی کے اس رات والے رویے سے بھی یہی ظاہر ہوا تھا کہ وہ ان لوگوں سے چھپنے کی کوشش کر رہا ہے اور اس نے اس محض اسی لئے فائر کئے تھے کہ وہ لوگ غلط راستے پر جا پڑیں۔ حمید گھنٹوں غور کرتا رہا لیکن کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔

مگر وہ رات.... وہ رات ایسی تھی کہ حمید کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ خود کو موت کے جبڑے میں محسوس کرنے لگا تھا۔ ویسے اسے سو فیصدی یقین تھا کہ فریدی اس کی طرف سے غافل نہ ہوگا۔ اس نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی اُسے پروفیسر جھوس کے یہاں قیام کرنے کا مشورہ دیا ہوگا مگر پروفیسر جھوس.... جسے وہ ایک مسخرے سے زیادہ نہیں سمجھتا تھا اس رات کو اس کے لئے انتہائی پُراسرار اور خطرناک بن گیا۔

اسے قطعی شبہ نہ ہوتا.... وہ تو نیند نہ آنے کی بناء پر کھڑکی کے قریب آ کھڑا ہوا تھا۔ اچانک اس نے کسی کو چوروں کی طرح پھاٹک کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔ کتے خاموش تھے۔ اس۔ حمید نے اندازہ لگالیا کہ وہ گھر ہی کا کوئی فرد ہو سکتا ہے، لیکن اتنی رات گئے۔ چوروں کی طر کیوں؟ پھر اُسے یاد آیا کہ کتے تو مکان کے اندر بند کئے جاتے ہیں۔ یہ خیال آتے ہی وہ دروازہ کھ کر باہر نکل آیا۔

اندھیرے ٹیں پھاٹک سے گذرنے والے نے اپنی رفتار تیز کر دی تھی اور پھر یک بیک نے اُسے پہچان لیا۔ چلنے کا انداز پروفیسر جھوس کا سا تھا۔

دونوں آگے پیچھے چلتے رہے اور اس دوران میں ایک بار بھی پروفیسر نے پیچھے پلٹ کر دیکھا اور جب وہ لنگڑی کوٹھی کے کھنڈرات کی طرف مڑا تو حمید کو جھرجھری سی آ گئی اور اس بڑھنے کی ہمت نہیں کی۔

ایک گری ہوئی دیوار کے ملبے کی اوٹ سے حمید اُسے کھنڈرات میں غائب ہوتے دیکھتا رہا پھر تھوڑی ہی دیر بعد اس نے نیم شکستہ بالائی منزل میں کئی رنگوں کی روشنیوں کے جھماکوں ساتھ عجیب طرح کی خوفناک چیخیں سنیں۔ اندر جانے کی ہمت تو نہ پڑی، لیکن وہ وہاں سے کی طرف بھاگا۔

پُراسرار پروفیسر

سڑک پر سے دکھائی دینے والے دریچے سنسان پڑے تھے۔ دفعتاً حمید کو احساس ہوا کہ وہ یہاں تک ننگے پیر دوڑتا چلا آیا ہے اور اس کے جسم پر سلیپنگ سوٹ کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ یہاں سے پروفیسر کی کوٹھی کا فاصلہ پانچ یا چھ فرلانگ سے کسی طرح کم نہ رہا ہوگا۔ حمید سوچنے لگا کہ اگر اسی نے اُسے یہاں اس حال میں دیکھ لیا تو اس کا کیا حشر ہوگا۔ اگر پولیس کے گشتی دستے ہی سے مڈبھیڑ ہو گئی تو۔

حمید کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ کوئی سراغ لگائے بغیر وہاں سے رخصت ہو جائے، لیکن مجبوراً اُسے واپس ہی ہونا پڑا۔ دوبارہ کوٹھی میں داخل ہونے میں اُسے کوئی دشواری نہیں پیش آئی کیونکہ پھاٹک تو کھلا ہی ہوا تھا اور آج کتے بھی اندر ہی بند کئے گئے تھے ورنہ ہر رات کمپاؤنڈ ہی میں کھلے چھوڑ دیئے جایا کرتے تھے۔

حمید کھڑکی کے قریب بیٹھ کر پروفیسر کی واپسی کا انتظار کرنے لگا تھا لیکن تین بجے تک تو اس کی واپسی ہوئی نہیں، اس کے بعد نیند کا مقابلہ نہ کر سکا۔

دوسری صبح وہ دیر سے اٹھا۔ اُسے ناشتے کے لئے بھی نہیں اٹھایا گیا تھا۔ ضروریات سے فارغ ہو کر وہ ڈرائنگ روم میں پہنچا تو پروفیسر وغیرہ ناشتہ کر چکے تھے۔ لیکن ابھی وہ تینوں وہیں تھے۔ پروفیسر اخبار پڑھ رہا تھا اور اسلم سفید میز پوش پر پنسل سے ٹماٹر کی تصویر بنا رہا تھا۔ بار بار وہ اس انداز میں کھانستا کہ سلیمہ اس کی طرف دیکھنے پر مجبور ہو جاتی لیکن وہ خاموش تھی۔ اس نے ایک بار بھی جھنجھلاہٹ کا اظہار نہیں کیا۔

"اُف فوہ! آپ بہت سونے لگے ہیں۔" اسلم نے حیرت سے کہا اور میز پوش پر پنسل سے بنے ہوئے ٹماٹر کی طرف اشارہ کر کے مسکرانے لگا۔

لیکن حمید اس وقت ان لغویات میں دلچسپی لینے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس کی نظریں حقیقتاً پروفیسر کے چہرے کو ٹٹول رہی تھیں۔

"اوہو.... مائی ڈیئر ساجد۔" پروفیسر نے اخبار رکھ کر کہا۔ "کیا طبیعت کچھ ناساز ہے۔"

"اوہ.... نہیں.... شکریہ.... میں بالکل ٹھیک ہوں.... رات ذرا دیر میں نیند آئی تھی۔"

پروفیسر کے چہرے سے حماقت برس رہی تھی اور اسی بناء پر حمید کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ

اس بات پر یقین کر لے کہ پچھلی رات کا پُر اسرار آدمی پروفیسر ہی تھا۔

پروفیسر کو وہ کوئی معمولی بیوقوف نہیں بلکہ احمق اعظم تصور کرتا تھا۔ لیکن پچھلی رات کی بات اس کی سمجھ سے باہر تھی۔ اگر پروفیسر کا ذوق تجسس ہی اُسے لنگڑی کوٹھی تک لے گیا تھا تو اس کے داخلے کے فوراً بعد ہی اُن آوازوں اور روشنیوں کا کیا مطلب ہو سکتا تھا۔ عام طور پر یہ بات مشہور تھی کہ وہ آوازیں صرف جمعرات ہی کو سنی جاتی ہیں، لیکن کل تو اتوار تھا۔ چونکہ معمول میں فرق تھا اس لئے حمید یہ سمجھنے پر بھی مجبور تھا کہ وہ پروفیسر ہی کی حرکت تھی لیکن پروفیسر؟ وہ پھر پروفیسر کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔

اتنے میں ناشتے کی ٹرالی آ گئی۔ سلیمہ آج بہت خوش اخلاق نظر آ رہی تھی۔ اس نے خود حمید کے لئے چائے بنائی۔ اس دوران میں اسلم میز پوش پر کئی ٹماٹر بنا چکا تھا لیکن اس نے اسے بھی کچھ نہیں کہا۔

پروفیسر اُسے ناشتہ کرتا چھوڑ کر چلا گیا۔

ناشتہ کر کے حمید اٹھ گیا۔ وہ پچھلی رات کے معاملے پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔

وہ سوچ رہا تھا۔ پروفیسر کے متعلق فریدی کو کس طرح مطلع کرے۔ نہ جانے وہ کہاں ہو۔ اطلاع اُس کے لئے یقیناً خاصی دلچسپ ثابت ہوتی۔

حمید سگار سلگا کر تمباکو کی پاؤچ میز پر رکھنے کے لئے آگے بڑھا۔ دفعتاً اس کی نظر کاغذ کے ایک ٹکڑے پر پڑی، جس کا ایک کونا قلمدان کے نیچے دبا ہوا تھا۔ حمید متحیرانہ انداز میں جھک کر اس کی تحریر پڑھنے لگا۔

"حمید! اب تمہاری چھٹی ہے۔ آرام کرو۔ جب تک میں تمہیں اطلاع نہ دوں باہر نہ نکلنا۔ پروفیسر اور اس کے اصیل مرغوں سے دل بہلاؤ۔ امید کہ تمہارا وقت اچھی طرح کٹ ہو گا۔ ہم بہت جلد واپس چلیں گے۔"

فریدی نے نیچے اپنے دستخط نہیں کئے تھے، لیکن تحریر اُسی کی تھی۔ حمید چند لمحے اس کاغذ کے ٹکڑے کو گھورتا رہا پھر اُس نے اس میں آگ لگا دی۔

اس کی بے چینی بڑھ گئی تھی اور ساتھ ہی اُسے فریدی پر بھی غصہ آ رہا تھا۔ آخر وہ اسے اطلاع کیوں نہیں بتانا چاہتا۔ کیا وہ ابھی پروفیسر کی کوٹھی میں داخل ہوا تھا؟ روز روشن میں

نمبر 11

طرح یہاں آیا ہو گا یہ بات اس کی سمجھ میں نہ آ سکی۔

بعض اوقات سچ مچ اُسے فریدی پر بھوت ہونے کا شبہہ ہونے لگتا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اگر ی اب سے دو ڈھائی سو سال پہلے پیدا ہوا ہوتا تو اس کے تذکرہ نگار اُسے جادوگر بنا دیتے۔ اس پاس کسی ایسے تعویذ کا وجود ثابت کرتے جس کے ذریعے وہ محیر العقول کارناموں پر قادر ہوتا۔

حمید ایک آرام کرسی میں گر گیا۔ اس کا ذہن نہ جانے کہاں کہاں بھٹکتا پھر رہا تھا۔ تقریباً نو ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے حمید کو اپنی سلامتی اور بھی زیادہ خطرے میں نظر آنے لگی۔

آج ڈی۔ ایس۔ پی سٹی پھر پروفیسر جھوس سے ملنے کے لئے آیا تھا اور اس کے پاس پروفیسر کا ملاقاتی کارڈ تھا، جو اُسے لنگڑی کوٹھی میں ملا تھا۔

"مجھے حیرت ہے کہ میرا ملاقاتی کارڈ وہاں کس طرح پہنچا۔" پروفیسر نے کہا۔

"جس طرح آپ کا لائبریری کا کارڈ جاوید کے جیب میں پہنچا تھا۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے کہا۔

"وہ دوسری صورت تھی۔" پروفیسر نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔ پھر دفعتاً چونک کر بولا۔

"آہا! یاد آیا! ممکن ہے یہ مجھ سے ہی گرا ہو۔ پرسوں دوپہر کو میں بھی وہاں گیا تھا۔ خاصی بھیڑ تھی۔"

"کیا آپ اوپر بھی گئے تھے۔"

"اوپر سے کیا مراد ہے آپ کی۔"

"اس چھت پر جہاں آوازیں سنائی دیتی ہیں۔"

"نہیں تو! وہاں تک جانے کی کسی نے شائد ہمت نہیں کی تھی۔"

"لیکن آپ کا کارڈ اوپر ہی ملا تھا۔"

"مجھے حیرت ہے۔" پروفیسر کچھ سوچنے لگا۔

بہر حال حمید کو اندازہ لگانے میں دشواری نہ ہوئی کہ وہ نہ صرف پروفیسر پر شبہے کی نظر رکھتا ہے بلکہ اس کی طرف سے مطمئن بھی نہیں ہے۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں ڈی۔ ایس۔ پی اس کے متعلق مزید استفسار نہ کر بیٹھے۔ ایسی صورت میں واقعی اس کے لئے بڑی دشواریاں پیدا ہو جاتیں اگر پروفیسر ڈی۔ ایس۔ پی کے سامنے پروفیسر چنگھاڑنی اور ڈاکٹر زیٹو کے نام دہرا دیتا تو مصیبت آ جاتی۔ ظاہر ہے کہ چنگھاڑنی اور زیٹو، پروفیسر جھوس ہی کی طرح بے سر و پا نام تھے۔

ڈی۔ ایس۔ پی کے جاتے ہی حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔ پروفیسر بُرا سا منہ بنا کر کچھ بڑبڑانے لگا۔ حمید سن نہیں سکا کہ وہ کیا کہہ رہا تھا۔

اسی دوران حمید ایک دوسرے واقعے سے دوچار ہوا اور اس نے آنکھیں اچھی طرح کھول دیں۔ ڈی۔ ایس۔ پی کی دوبارہ آمد کے سلسلے میں اسلم اور سلیمہ بہت زیادہ بور ہو گئے تھے۔ اس لئے وہ دونوں تفریح کے لئے چلے گئے۔ انہوں نے حمید کو بھی ساتھ لے جانا چاہا تھا مگر اُسے فریدی کی ہدایت کے مطابق گھر ہی پر رکنا تھا اور سچ مچ اُسے اس وقت فریدی پر بڑا تاؤ آیا تھا۔ نہ جانے اس میں کون سی مصلحت تھی۔

بہر حال وہ اپنے کمرے میں پڑا اونگھ رہا تھا۔ اچانک کسی قسم کے شور سے اُس کی نیند اچٹ گئی۔ کہیں شور ضرور ہو رہا تھا لیکن اس کی نوعیت حمید کی سمجھ میں نہ آسکی۔ بہر حال وہ اٹھ بیٹھا۔ پوری کوٹھی سنسان پڑی تھی اور اب وہ مدہم سا شور بھی ختم ہو گیا تھا۔ حمید متعدد کمروں میں گھومتا پھرا لیکن کسی نوکر سے بھی ملاقات نہ ہوئی۔ پھر وہ باورچی خانے کی طرف گیا۔ وہاں بھی تالا پڑا تھا۔ پوری عمارت میں اُسے صرف وہ بہری خادمہ دکھائی دی جو باورچی کا ہاتھ بٹاتی تھی۔ اُس نے حمید کو بتایا کہ صاحب نے سب نوکروں کو میٹنی شو دیکھنے کی چھٹی دی ہے۔

حمید اپنے کمرے کی طرف چل پڑا، لیکن اس بار اس نے جو راستہ اختیار کیا تھا وہ پروفیسر کی تجربہ گاہ کی طرف سے گذرتا تھا۔ تجربہ گاہ کے دروازے بند تھے لیکن نہ جانے کیوں حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اندر کوئی موجود ہے۔

حمید نے رک کر ادھر اُدھر دیکھا اور پھر ایک دروازے کی طرف بڑھا۔ لیکن دو ہی قدم چلنے کے بعد اُسے رک جانا پڑا کیونکہ پھر وہی ہلکا اور گھٹا گھٹا سا شور اُسے سنائی دینے لگا، جو اس نے اپنے کمرے میں سنا تھا اب اسے احساس ہوا کہ وہ عجیب قسم کی آوازیں زمین سے نکل رہی تھیں۔ ویسی ہی آوازیں جیسی ریل کے پہیوں سے نکلتی ہیں۔ اس کے پیروں کا فرش جھنجھنا رہا تھا۔ دفعتاً پھر سناٹا چھا گیا۔ حمید چند لمحے مبہوت کھڑا رہا۔ پھر وہ تجربہ گاہ کے بند دروازے کی طرف بڑھا۔ پھر کنجی کے سوراخ سے آنکھ لگاتے ہی اُسے اندر ایک عجیب نظارہ دکھائی دیا تجربہ گاہ کے فرش پر پروفیسر کی گردن کٹی ہوئی تھی اور دھڑ غائب تھا لیکن اس کی پلکیں جھپک رہی تھیں اور آنکھیں بھی متحرک تھیں۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ سوچ رہا ہو۔

حمید کے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ چھوٹ پڑا۔ اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا دم گھٹا جا رہا ہو۔ دوسرے لمحے میں وہ کٹی ہوئی گردن بھی متحرک نظر آنے لگی۔ پھر وہ کچھ اونچی ہوئی... اونچی ہی ہوتی گئی اور پھر اگر حمید ضبط نہ کرتا تو اُسے اپنی حماقت پر دل کھول کر ہنسنا پڑتا۔

پروفیسر تو حقیقتاً ایک تہہ خانے سے اوپر آرہا تھا۔ کمرے میں کافی اُجالا نہ ہونے کی بناء پر حمید تہہ خانے کا دہانہ نہیں دیکھ سکا تھا۔ چونکہ وہ فرش ہی کی سطح پر تھا اس لئے اُس سے پروفیسر کی ہوئی گردن ہی پہلے حمید کو نظر آئی تھی اور اسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے کسی نے پروفیسر کا سر ی کر فرش پر رکھ دیا ہو۔

پروفیسر تہہ خانے سے نکل آیا تھا اور اس کے ہاتھوں پر لکڑی کا ایک چھوٹا سا بکس دکھائی دے رہا تھا۔ اُس نے اُسے فرش پر رکھ دیا۔ پھر دیوار کے قریب جاکر پتھر کے ایک مجسمے کا سر ہلانے لگا، جو لکڑی کے ایک اونچے اسٹول پر رکھا ہوا تھا۔

حمید کو پھر اپنے پیروں کے نیچے اسی قسم کے شور کا احساس ہوا اور ساتھ ہی وہ کمرے کے رش کو برابر ہوتے دیکھ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے تہہ خانہ کا نشان تک مٹ گیا اور وہ شور بھی تھم گیا، جو حمید کو اپنے پیروں کے نیچے محسوس ہو رہا تھا۔

اب پروفیسر نے لکڑی کا صندوق کھول کر اُسے فرش پر الٹ دیا۔ پندرہ یا بیس عدد ریوالور فرش پر بکھر گئے۔

حمید کے رہے سہے شبہات بھی یقین میں تبدیل ہو چکے تھے۔ پروفیسر نے شائد اپنے نوکروں کو اسی لئے چھٹی دی تھی کہ وہ اپنے تہہ خانے کو استعمال کرنا چاہتا تھا چونکہ اس کا نظام کسی قسم کی مشین پر قائم تھا اس لئے گھر والوں کو کھسکا ہی دینا پڑتا تھا۔

پروفیسر ریوالوروں کو صاف کرنے میں مشغول ہو گیا تھا۔ حمید نے سوچا کہ اب یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔ وہ دبے پاؤں اپنے کمرے میں لوٹ آیا۔ اس نئی دریافت پر اس کے اندر ایک عجیب قسم کا جوش پیدا ہو گیا تھا، جسے دبانے کے لئے اُسے بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کاش وہ کسی طرح فریدی کو اطلاع دے سکتا۔ وہ دل ہی دل میں قہقہے لگا رہا تھا۔ اپنی کامیابی پر ہنس رہا تھا لیکن پھر اُسے خیال آیا کہ سب بے سود۔ وہ بالکل بے بس تھا۔ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ مجرم اس کے سامنے تھا لیکن خود اس کی پوزیشن چوروں کی سی تھی۔ پھر بھی اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ فریدی کی ہدایت کے مطابق اپنے ہاتھ پیر باندھ کر نہیں بیٹھے گا۔

شام تک اُس کی بُری حالت ہو گئی۔ بار بار اس کا دل چاہتا تھا کہ جھپٹ کر پروفیسر جھوس کو دبوچ لے۔ لیکن فریدی! اس کا خیال آتے ہی اس کی روح فنا ہو جاتی اور اُسے سوچنا پڑتا کہ فریدی نے بغیر سوچے سمجھے اُسے خاموش رہنے کی ہدایت نہ کی ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی اس دوران

میں پروفیسر کی اصلیت سے واقف ہو گیا ہو۔ ممکن ہے کہ اس نے اس کے معاملے کو کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھا تھا۔

انہیں الجھنوں میں شام سے رات ہو گئی۔ کھانے کی میز پر حمید زیادہ تر خاموش ہی رہا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ سلیمہ بھی اُسے چھیڑ چھیڑ کر گفتگو پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہی ہے مگر حمید کی زندہ دلی رخصت ہو چکی تھی، وہ بار بار پروفیسر کو گھورنے لگتا، جو کھانے میں اس طرح مشغول تھا جیسے اُسے دوسری صبح کے ناشتے کی توقع نہ ہو۔ اُس کے چہرے پر اس وقت بھی حماقت برس رہی تھی۔ نوالہ چباتے وقت اس کی فرنچ کٹ ڈاڑھی کسی جگالی کرتے ہوئے بوڑھے بکرے کی ڈاڑھی کی طرح بڑے سنجیدہ انداز میں ہلنے لگتی تھی۔

پروفیسر نے بھی دو ایک بار حمید کی خاموشی کی وجہ پوچھی، لیکن "ہوں ہاں" کر کے ٹال گیا مگر پروفیسر کے استفسار میں خلوص کی جھلک تھی اور حمید نے اسے محسوس بھی کیا تھا، لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ شاید اب اتنے زبردست مجرم سے اس کا سابقہ نہ پڑے۔ کھانا ختم کرنے کے بعد بھی وہ بڑی دیر تک ڈرائنگ روم میں بیٹھے کافی اور تمباکو سے شغل کرتے رہے۔ پروفیسر، اسلم، سلیمہ تینوں باتیں کرنے کے موڈ میں تھے، لیکن حمید بُری طرح الجھ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ رات خطرات سے پُر ہو۔

کلاک نے بارہ بجائے۔ حمید ابھی تک بستر پر کروٹیں بدل رہا تھا۔ گھنٹے کی آواز اُسے بہت بُری لگ رہی تھی۔ وہ جھنجھلا کر اٹھا کہ کلاک کا پنڈولم نکال کر میز پر ڈال دے، اچانک اس کی نظریں کھڑکی کے باہر رینگ گئیں۔ پھاٹک کے قریب دو تین انسانی سائے نظر آ رہے تھے اور پھر اس نے چہار دیواری کے اندر مہندی کی باڑھ کے نیچے کسی سیاہ سی چیز کو حرکت کرتے دیکھا۔ پہلے تو وہ سمجھا کہ کتا ہو گا۔ مگر کوٹھی میں کوئی اتنا قد آور کتا نہیں تھا۔ پھاٹک کے قریب چہار دیواری کے نیچے پہنچ کر وہ چیز اوپر اٹھی اور یہ بھی کوئی آدمی ہی تھا۔

حمید پھرتی سے میز کی طرف بڑھا۔ جہاں اس نے اپنا سیاہ کوٹ رکھا تھا۔ اندھیرے میں ٹٹول ٹٹول کر اُس نے لباس تبدیل کیا لیکن اس کی نظر ایک بار بھی کھڑکی سے نہیں ہٹی۔

جوش میں اُسے فریدی کی ہدایت بھی نہ یاد رہی۔ اُس نے یہ بھی نہ سوچا کہ وہ تنہا ہے اور دشمن نہ جانے کتنے ہوں۔

پائیں باغ میں سناٹا تھا۔ حمید بھی مہندی کی باڑھ کی اوٹ میں پھاٹک کی طرف بڑھنے لگا۔ چند

لمحوں بعد اس نے دیکھا کہ پھاٹک کے قریب چہار دیواری کے نیچے کھڑے ہوئے آدمی نے پھاٹک کھولا اور باہر نکل گیا۔

آج بھی حمید اس کے تعاقب میں خود کو لنگڑی کوٹھی کے قرب و جوار میں پا رہا تھا۔ پروفیسر جھوس کھنڈرات کی طرف مڑ گیا۔ حمید بھی تیزی سے آگے بڑھا لیکن پھر وہ پروفیسر کو نہ دیکھ سکا۔ حمید نے محسوس کیا کہ وہ یہاں اکیلا نہیں ہے۔

بے شمار تاریک سائے پیٹ کے بل ان کھنڈرات میں رینگ رہے تھے اور ان سب کا رخ بالائی منزل ہی کی طرف تھا۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ پھر اُسے فریدی پر غصہ آنے لگا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اس سے بڑی غلطی ہوئی اسے پولیس کو فون کر دینا چاہئے تھا۔ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی سے مل کر اسے بتانا چاہئے تھا کہ پروفیسر کا ملاقاتی کارڈ لنگڑی کوٹھی میں کیوں پایا گیا تھا۔

حمید نے بڑھنے کی کوشش کی لیکن پھر رک گیا۔ وہ دو نیم شکستہ دیواروں کے درمیان میں تھا جن کا درمیانی فاصلہ چھ فٹ سے زیادہ نہ رہا ہو گا اور اس کے آگے دیواروں کے گرے ہوئے حصوں کا ملبہ تھا۔ بہر حال وہ خود کو بالکل محفوظ سمجھ رہا تھا لیکن اس طرح بے بسی سے ایک کونے میں پڑے رہنے سے فائدہ ہی کیا تھا۔ کاش اس کے پاس ریوالور ہی ہوتا۔

دو تین آدمی اور رینگتے ہوئے ان کے سامنے سے گذر گئے۔ ان کا رخ بھی اسی طرف تھا جدھر سے آوازیں آیا کرتی تھیں۔

دفعتاً حمید کو اپنی پیٹھ پر سرسراہٹ سی محسوس ہوئی اور وہ ایک طرف اینٹوں کے درمیان دبک گیا۔ اس سے چند ہی قدموں کے فاصلے پر ایک آدمی کھڑا تھا وہ آہستہ آہستہ اینٹوں کے ڈھیر کے قریب آیا اور ٹھیک اُسی جگہ اکڑوں بیٹھ گیا جہاں چند لمحے پیشتر حمید بیٹھا ہوا تھا اور اب وہ حمید سے بمشکل تین یا چار فٹ کے فاصلے پر رہا ہو گا۔

حمید کا دل دھڑکنے لگا۔ خوف سے نہیں بلکہ اس تدبیر کی بناء پر جو اُسے اچانک سوجھی تھی وہ سوچ رہا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ وہ آدمی مسلح ہو۔

حمید اپنا داہنا ہاتھ آگے پھیلائے ہوئے اس پر ٹوٹ پڑا۔ اس کا داہنا ہاتھ اس کے منہ پر پڑا۔ اس کا مقصد بھی یہی تھا اس کو سنبھلنے کا موقع بھی نہ ملا اور حمید نے اس کا منہ دباتے ہوئے اس کا سر کئی بار دیوار سے ٹکرا دیا اور اُس کے منہ سے آواز بھی نہ نکل سکی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس

جدوجہد میں جو تھوڑی بہت آواز ہوئی بھی تو حمید نے شدت جوش میں اس کی طرف دھیان نہ دیا۔ وہ بڑی تیزی سے بیہوش ہو جانے والے کی جیبوں کی تلاشی لے رہا تھا۔ آخر پتلون کی جیب میں سے اُسے ایک ریوالور ملا جو بھرا ہوا تھا۔ کمر میں کارتوسوں کی پیٹی تھی۔ حمید نے بڑی سرعت سے کھول لیا۔

دفعتاً اینٹوں کے ڈھیر کے پیچھے پھر سرسراہٹ سنائی دی۔ کوئی پیٹ کے بل رینگتا ہوا اُس طرف آرہا تھا۔ حمید پھر اُسی پرانی جگہ میں دب گیا۔

تاریکی اور سناٹے کا امتزاج بڑا ہیبت ناک تھا اور جب جھینگروں کی جھائیں جھائیں اچانک رک جاتی تو ایسا معلوم ہوتا جیسے وقت کی سانس رک گئی ہو۔

حمید کو اینٹوں کے ڈھیر پر چڑھنے والے کے ہاتھ دکھائی دیئے لیکن پھر اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی اس پر کود پڑا ہو اور یہ حقیقت تھی اس پر دو طرف سے حملہ ہوا تھا۔ آدمی تین تھے۔ دفعتہً دریچوں سے چیخیں بلند ہوئیں۔

مجرم کون تھا

حمید نے اپنے اوپر چھائے ہوئے آدمی کو دوسری طرف اچھال دیا۔ اتنے میں نہ جانے کس طرف سے فائر ہوا اور حمید کے حملہ آور ایک طرف سمٹ گئے۔ گولی ان کے سروں پر سے گذر گئی۔ پھر وہ دونوں اچھل کر تاریکی میں غائب ہو گئے۔ اب باقاعدہ طور پر گولیاں چلنے لگی تھیں۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دو فریقوں میں جنگ ہو رہی ہو۔ لیکن وہ دو فریق کون تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد فائرنگ رک جاتی اور بستی والوں کا شور سنائی دینے لگتا، جو شاید سڑک کے اس پار جمع ہو رہے ہوں گے۔ فائر ہوتے اور پھر بعض اوقات چیخیں اور کراہیں بھی سنائی دیتیں۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ پھر سڑک کی طرف سے بھی فائر ہونے لگے۔ شاید پولیس آگئی تھی۔ اچانک اندر سے فائر ہونا بند ہو گئے۔

حمید کے لئے یہ ایک خطرناک پوزیشن تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر کہیں وہ پولیس والوں کے ہتھے چڑھ گیا تو بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور تو کچھ نہیں فریدی بُری طرح اس کی جان

جائے گا۔ اس نے کارتوسوں کی پیٹی کمر سے کھول کر وہیں ڈال دی اور پیٹ کے بل رینگتا ہوا بتوں میں اُتر گیا اور پھر جب اچھی طرح یقین ہو گیا کہ وہ لنگڑی کوٹھی سے کافی فاصلے پر نکل آیا ہے تو اس نے ریوالور بھی وہیں کھیت میں ڈال دیا اور خود اٹھ کر سڑک پر آگیا۔ تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر لنگڑی کوٹھی کے سامنے شور سنائی دے رہا تھا اور ملگجے اندھیرے میں بہت سے سائے لنگڑی کوٹھی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ شائد پولیس محاصرہ کر رہی تھی۔ حمید تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا بھیڑ میں جاملا۔ پولیس کی کئی لاریاں وہاں موجود تھیں۔ پانچ چھ کاریں بھی تھیں اور شہر کے کئی بڑے حاکموں کی وحشت زدہ صورتیں نظر آرہی تھیں۔

لنگڑی کوٹھی کا محاصرہ کر لیا گیا تھا اور پولیس کی گشتی لاری سے مائیکروفون پر کوٹھی کے اندر گولی چلانے والوں کو تنبیہہ کی جارہی تھی۔

اچانک لنگڑی کوٹھی کے دریچے سے کسی نے چیخ کر کہا۔ "فائر نہ کئے جائیں۔ مجرموں کے ہتھکڑیاں لگائی جاچکی ہیں۔"

"تم کون ہو۔" پولیس کی گشتی لاری سے مائیکروفون پر پوچھا گیا۔

"مرکزی سراغرسانی کا انسپکٹر فریدی۔" دریچوں سے آواز آئی۔

"اوہ یہ کہاں۔" پولیس کمشنر نے اپنے ایک ماتحت آفیسر کی طرف دیکھ کر حیرت سے کہا۔ "کیا ہمیں اسی نے فون کیا تھا۔"

"کہیں دھوکا نہ ہو۔" ماتحت آفیسر بڑبڑایا۔ پھر وہ تیزی سے گشتی لاری کی طرف بڑھ گیا۔

"گشتی لاری سے کہا گیا۔ ہم نہیں جانتے تم کون ہو۔"

"میں گرفتار شدگان کو لے کر آتا ہوں۔" دریچوں سے آواز آئی۔

فریدی کی آواز پہچاننے والا یہاں حمید کے علاوہ اور کون تھا اور حمید کا دل بلیوں اچھلنے لگا تھا۔ وہ سو فیصدی فریدی ہی کی آواز تھی۔

پھر حمید نے کئی آدمیوں کو کھنڈروں سے باہر آتے دیکھا۔ ان کے چہرے نقابوں سے ڈھکے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں اور حمید نے ان کے ساتھ کچھ جانی پہچانی صورتیں بھی دیکھیں۔ رمیش، وحید، اکبر شیر سنگھ جیکب وغیرہ۔ یہ سب اسی کے محکمے سے تعلق رکھتے تھے اور فریدی نے خاص طور پر تربیت دے کر انہیں اپنی ماتحتی میں رکھا تھا۔

گرفتار شدگان کی ٹولیاں نکلتی رہیں اور پھر حمید نے انہیں گنا۔ ان کی تعداد ستائیس تھی۔

سب سے آخر میں دو نقاب پوش اور نکلے۔ اُن میں سے ایک کے ہاتھ میں ہتھکڑی تھی
دوسرا یونہی چل رہا تھا۔ پولیس والوں نے اس کے بھی ہتھکڑی لگانی چاہی لیکن اس نے
ڈانٹ دیا۔ آواز فریدی کی تھی۔

وہ نقاب پوش جس کے ہتھکڑی لگی ہوئی تھی ہنستا ہوا چل رہا تھا اور پولیس والے
آنکھیں پھاڑے دیکھ رہے تھے۔

وہ دونوں چلتے ہوئے حکام بالا کے قریب پہنچ گئے۔ ہتھکڑی والا نقاب پوش برابر ہنسے جا
اور حکام اُسے تحیر آمیز نظروں سے گھور رہے تھے۔

فریدی نے ایک قدم آگے بڑھ کر نقاب اتارتے ہوئے کہا۔ "رفعت نعیم! اس کی بیو
ایک نامعلوم آدمی کا قاتل حاضر ہے۔"

اس پر نقاب پوش نے قہقہہ لگایا اور پولیس کمشنر آگے بڑھ کر فریدی کو گھورتا ہوا بولا۔

"بے شک تم فریدی ہو! لیکن تم یہاں کیسے۔"

"بہت ہی اہم معاملات میں سارا ملک میری ضرورت محسوس کرتا ہے۔" فریدی مسکرا کر
اس پر نقاب پوش پھر ہنس پڑا۔ حمید کو اس کی آواز بھی جانی پہچانی سی معلوم ہو رہی تھی
دفعتاً اس نے اپنا نقاب ہتھکڑی لگے ہوئے ہاتھوں سے نوچ ڈالا۔

"ارے...!" قریب کھڑے ہوئے لوگوں کے منہ سے بے اختیار نکلا اور وہ قہقہہ لگاتا ہوا
"یہ بھی ایک لطیفہ رہا۔"

لوگ حیران و ششدر کھڑے تھے۔ حمید نے بھی اُسے ایک ہی نظر میں پہچان لیا
ڈی۔ایس۔پی سٹی تھا، جسے آج بھی وہ پروفیسر جھوس کے یہاں دیکھ چکا تھا۔

"یہ بھی عجیب اتفاق ہے۔" وہ ہنس کر بولا۔ "ہم دونوں نے مجرموں کو پکڑنے کا ایک
طریقہ اختیار کیا۔ میں مسٹر فریدی کو مجرم سمجھتا رہا اور وہ مجھے۔ جب انہوں نے اپنے نام کا
کیا تو مجھے ہنسی آگئی۔ ہتھکڑی تو لگ ہی چکی تھی۔ میں نے کہا چلو تفریح ہی رہے گی۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" پولیس کمشنر بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "لائیے ہتھکڑی کی چابی لائیے۔"

"ہتھکڑی تو وہی کھول سکتا ہے جناب جو اپنی ملازمت سے بیزار ہو گیا ہو۔" فریدی
لاپروائی سے کہا۔

"کیا مطلب۔" کمشنر کے لہجے میں تیزی تھی۔

"یہ وارنٹ۔" فریدی نے جیب سے تہہ کیا ہوا کاغذ نکالتے ہوئے کہا۔ "ناقابل ضمانت ہے
اور براہ راست وزارت داخلہ کی وساطت سے حاصل کیا گیا ہے۔"

کمشنر نے اُسے اپنے ہاتھ میں لے کر دیکھا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"یہ کیا معاملہ ہے۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

"معاملات تو کوتوالی ہی چل کر صاف ہوں گے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا بات ہے۔" ڈی۔ایس۔پی سٹی نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

"تمہارا وارنٹ۔" پولیس کمشنر نے آہستہ سے کہا۔

"کیوں.... کیا واقعی.... یہ کیا لغویت ہے۔" ڈی۔ایس۔پی فریدی کو گھورنے لگا۔

"میرا خیال ہے۔" فریدی نے پولیس کمشنر سے کہا۔ "یہاں زیادہ ٹھہرنا پورے شہر کو اکٹھا
کرنے کے مترادف ہوگا۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔" کمشنر چونک کر بولا۔

"میری ہتھکڑیاں کھولی جائیں۔" ڈی۔ایس۔پی جھلا کر بولا۔

"مجبوری ہے.... ناممکن۔" کمشنر بڑبڑایا۔

"میں تمہیں دیکھ لوں گا۔" ڈی۔ایس۔پی فریدی کی طرف پلٹ پڑا۔

"اُس وقت میں کافی بوڑھا ہو چکا ہوں گا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

دفعتاً حمید نے اُس کے قریب پہنچ کر شانہ مارا۔ فریدی چونک کر مڑا۔

"اوہ! تو آپ بھی تشریف لے آئے ہیں۔"

"پروفیسر جھوس بھی تھا۔" حمید آہستہ سے بولا۔

لیکن فریدی نے دھیان نہ دیا۔ اس نے اسکاشانہ تھپکتے ہوئے کہا۔ "چلو بیٹھ جاؤ لاری میں۔"

وہ کوتوالی پہنچے۔ ڈی۔ایس۔پی سٹی کے تیور بتا رہے تھے کہ اس نے شکست تسلیم نہیں کی۔
حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں فریدی نے ٹھوکر ہی نہ کھائی ہو۔ اگر ایسا ہوا تو بڑی بدنامی ہوگی۔ وہ
پروفیسر جھوس کے متعلق بھی سوچ رہا تھا۔

"ہاں تو تم نے کس بناء پر میرے لئے وارنٹ حاصل کیا ہے۔" ڈی۔ایس۔پی نے غصیلی
آواز میں فریدی کو مخاطب کیا۔

"بدمعاشوں کے ایک گروہ کی سرپرستی کرنے کے سلسلے میں۔" فریدی بولا۔ "کیا یہ سب

تمہارے آدمی نہیں ہیں۔" فریدی کا اشارہ ستائیس گرفتار شدہ آدمیوں کی طرف تھا۔

"سب میرے آدمی نہیں ہیں۔" ڈی۔ایس۔پی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ پھر انہیں مخاطب کر کے بولا۔ "راجن، دلاور، اختر، سہیل، ناگر اپنے نقاب اتار دو۔"

پانچ آدمیوں نے اپنے نقاب نوچ ڈالے۔ پھر ڈی۔ایس۔پی فریدی کو قہر آلود نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔

"یہ ہیں میرے جوان! جنہیں میں اپنے ساتھ اس مہم پر لے گیا تھا۔ ان میں سے دو سب انسپکٹر ہیں اور تین کانسٹیبل۔"

"لیکن انہوں نے گرفتاری کے بعد تمہاری طرح قہقہے لگائے تھے اور یہ دلاور تو شاید ریلوے پولیس کا سب انسپکٹر ہے۔ اس بیچارے کو ایسی مہموں سے کیا سروکار۔ کیوں دلاور کیا تمہیں وہ ٹائم بم نہیں یاد جو تم نے ایک مسافر کے سوٹ کیس کی تلاشی لیتے وقت اس میں رکھ دیا تھا۔"

دلاور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے گھورتا رہا۔ فریدی پھر بولا۔ "اتفاق سے وہ بم نہیں پھٹ سکا۔ اس پر تمہاری انگلیوں کے نشانات موجود ہیں۔"

اچانک دلاور چکرا کر گر پڑا۔ وہ بیہوش ہو چکا تھا۔ فریدی طنز آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کمشنر کی طرف مڑا۔

"جناب والا.... پہلا ثبوت۔" اس نے کہا۔ کمشنر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ فریدی نے ڈی۔ایس۔پی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "کیا تم بلیک میلروں کے سرغنہ نہیں ہو۔ کیا اعلیٰ پیمانے پر کوکین کی تجارت نہیں کرتے۔"

"نہیں بہرام ڈاکو بھی میں ہی ہوں اور چین کا فوماچو بھی۔" ڈی۔ایس۔پی نے قہقہہ لگایا۔

"تم نے دونوں کو مات کر دیا ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "اور سنو! میں نے تمہیں چاروں طرف سے باندھ کر یہ اقدام کیا ہے۔ تمہیں وہ خطوط تو یاد ہی ہوں گے جن کے ذریعہ جاوید کو بلیک میل کر رہے تھے۔"

"بکے جاؤ.... مجھے یقین ہے کہ تمہارا دماغ چل گیا ہے۔"

"اور اُس دن۔" فریدی اس کی بات پر دھیان نہ دیتا ہوا بولا۔ "وہ خطوط میں نے ہی اس آدمی کی جیب سے اڑائے تھے جس کو بعد میں تمہارے ایک آدمی نے گلا گھونٹ کر مار ڈالا تھا اور جو ان خطوط پر مجھے تمہاری انگلیوں کے نشانات ملے ہیں۔"

"میری انگلیوں کے نشانات۔" ڈی۔ایس۔پی چونک کر بولا۔

"جناب.... اور مجھے تم پر اس وقت شبہہ ہوا تھا جب تمہارے آدمیوں نے ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر اس بات کا پتہ لگایا تھا کہ رفعت نعیم کے لئے برادر ہوڈ کلب میں میں نے ہی میز مخصوص کرائی تھی۔ پولیس کی یہ کارگذاری معجزے سے کم نہیں تھی۔ اس کی وجہ دراصل یہ تھی کہ تم کو کسی طرح سے میری آمد کی خبر مل گئی تھی اور تم نے ہم دونوں پر شروع ہی سے نظر رکھی تھی۔ تمہارا پلہ بھاری پڑ رہا تھا کیونکہ ایک طرف تم پولیس سے کام لے رہے تھے اور دوسری طرف تم نے اپنے بدمعاشوں کو بھی میرے پیچھے لگا رکھا تھا۔ تمہیں یہ بات بھی معلوم ہو گئی تھی کہ میں کسی وجہ سے اس کیس میں کھل کر سامنے نہ آسکوں گا۔ لہٰذا تم نے ہم دونوں کو ختم کر دینے کی اسکیم بنائی جیسے ہی تمہیں معلوم ہوا کہ میں نے برادر ہوڈ کلب میں رفعت نعیم کے نام سے میز مخصوص کرائی ہے تم نے ہمیں بدحواس کرنے کے لئے رفعت نعیم کو قتل کر دیا۔ تمہاری اسکیم یہ تھی کہ بھاگ دوڑ میں ہمیں اپنے آدمیوں کی گولی کا نشانہ بنوا دیتے اور دنیا سمجھتی کہ حالات کی بناء پر غلط فہمی میں مبتلا ہو کر تم سے یہ حرکت سرزد ہو گئی۔ بہرحال تم قانون کی گرفت سے محفوظ رہتے جب ہم اس طرح بھی قابو میں نہ آئے تو تم نے سرجنٹ حمید کے سوٹ کیس میں بم رکھوا دیا، جو اتفاق سے پھٹ گیا۔"

"پھٹ گیا۔" ڈی۔ایس۔پی بے اختیار بولا۔ "مگر تم نے تو ابھی کہا تھا....!"

وہ یک بیک رک گیا جیسے اُسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہو۔ فریدی نے قہقہہ لگاتے ہوئے کمشنر کی طرف دیکھا۔

"دیکھا آپ نے۔" اس نے کہا۔ "یہ دوسرا ثبوت ہے۔ خیر بہرحال میرے پاس درجنوں ثبوت ہیں۔ رفعت کی بیوی سے تمہارے ناجائز تعلقات تھے۔ دوسری طرف وہ جاوید سے بھی تعلقات رکھتی تھی۔ تمہاری باتیں اُس سے بتاتی تھی اور اُس کی تم سے۔ جاوید نے کبھی اُسے محبت بھرے خطوط بھی لکھے تھے جو اس کے پاس موجود تھے اور تم اس سے واقف تھے جاوید نے اپنا وہ رومال جو اس کی لاش کے پاس پایا گیا تھا اسے تحفتاً دیا تھا۔ ایک بار جاوید نے کسی بات پر خفا ہو کر اُسے کچھ سخت و سست لکھا اور پیار ہی پیار میں جان سے مار ڈالنے کی دھمکی بھی دی۔ تم تو بلیک میلر تھے ہی۔ تم نے اس موقع کو غنیمت جانا۔ جاوید بھی خاصی موٹی مرغی تھا۔ رفعت کی بیوی نے تمہیں شاید اس کا وہ خط دکھا دیا۔ بس تم نے اسے مار ڈالا اور اس کی لاش لنگڑی کوٹھی میں ڈال دی

جو جاوید کے خاندان والوں کی ملکیت تھی۔ رومال کی وجہ سے جاوید پکڑا گیا۔ اس کے خطوط تم نے پہلے ہی اڑا لئے تھے۔ آخری خط اس کے خلاف عدالت میں بہ آسانی استعمال کیا جاسکتا تھا لہٰذا جب وہ ضمانت پر رہا ہوا تو تمہارے ایک آدمی نے اُسے بلیک میل کرنا شروع کر دیا۔ وہ اس سے پچاس ہزار روپے طلب کر رہا تھا وہ شائد دے بھی نکلتا اگر میں بیچ میں ٹانگ نہ اڑا دیتا۔ یہ تو ہوئی قتل کی بات، اب لنگڑی کوٹھی کے چیختے دریچے کا حال سنو۔"

"میں کچھ نہیں سنتا۔" ڈی۔ ایس۔ پی مسکرا کر بولا۔ "اب یہ مذاق ختم کرو۔ آج تم نے مجھے بہت ذلیل کیا ہے۔"

فریدی اس کی بات سنی ان سنی کر کے ریلوے کا سب انسپکٹر پولیس دلاور کی طرف دیکھنے لگا جو زمین پر پڑا اپنی آنکھیں مل رہا تھا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر اُسے اٹھایا اور گھسیٹتا ہوا ایک دوسرے کمرے میں لیتا چلا گیا۔ پھر اس نے کمشنر اور مجسٹریٹ سے بھی استدعا کی کہ وہ بھی اسی کمرے میں آجائیں۔

دلاور مرزا بُری طرح کانپ رہا تھا۔ ہوش میں آتے ہی اس کی حالت دوبارہ غیر ہونی شروع ہو گئی تھی۔

"سنو دلاور۔" فریدی نے اُسے مخاطب کر کے کہا۔ "ڈی۔ ایس۔ پی ابھی تو اقرار جرم کرنے سے ہے، لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ عدالت میں مکر جائے لہٰذا میں تم پانچوں کو سرکاری گواہ بنانا چاہتا ہوں لیکن اسی صورت میں جب تم مجھے اس کا یقین دلا دو کہ تمہارے ہاتھ بھی خون میں رنگے ہو نہیں ہیں۔"

"مجھے بچایئے۔" دلاور مرزا گڑگڑایا۔ "میرے بچے، میرے بعد ان کا کوئی نہیں۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے آج تک خون نہیں کیا.... اگر وہ بم پھٹ جاتا تب تو میرے بھی پھانسی تھی.... مجھے بچایئے۔"

"لنگڑی کوٹھی میں کوکین تقسیم ہوتی تھی نا۔" فریدی نے پوچھا۔ "ہر جمعرات کو۔"

"جی ہاں۔"

"اور وہ چیخیں جو مائیکروفون کے ذریعہ پیدا کی جاتی تھیں.... ایک قسم کا اشارہ تھیں.... کیوں؟"

"جی ہاں جناب! اس اشارے پر وہ لوگ وہاں پہنچ جاتے تھے، جو شہر میں کوکین تقسیم کرتے تھے۔"

"اور کوکین کا ذخیرہ لنگڑی کوٹھی کے اس تہہ خانے میں ہے جس کا علم جاوید کے خاندان والوں کو بھی نہیں، اب بھی موجود ہے۔"

"جی ہاں! وہ تہہ خانہ کوتوال صاحب ہی نے دریافت کیا تھا۔"

"رفعت کی بیوی کا گلا بھی انہیں نے گھونٹا تھا۔"

"جی ہاں۔"

"جاوید کو بلیک میل کرنے کے لئے۔"

"جی ہاں.... خدا کے لئے مجھے بچایئے۔"

"تم بچ جاؤ گے.... اب اپنا تحریری بیان دے دو۔"

تھوڑی دیر بعد کوتوالی کا ہیڈ محرر اس کا بیان قلم بند کر رہا تھا۔ اسی طرح فریدی نے دو اور گواہ لئے۔ بقیہ دو شائد بہت زیادہ مضبوط دل کے مالک تھے۔ انہوں نے اقبال جرم نہیں کیا۔ وہ اسی ت پر اڑے رہے کہ وہ لوگ بدمعاشوں کے بھیس میں بدمعاشوں کو پکڑنے گئے تھے اور جب اُن ے بقیہ بائیس آدمیوں کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ وہی بدمعاش ں جن کے لئے وہ وہاں گئے تھے۔ دلاور مرزا اور دوسرے آدمیوں نے ان کے متعلق بتایا کہ وہ ۔ایس۔پی ہی کے لوگ تھے۔ آج وہ سب اس بات کا پتہ لگانے گئے تھے کہ پچھلی رات کو کس نے کوکین تقسیم کرنے کے اشارات نشر کئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ اشارات صرف جمعرات کو نشر کئے جاتے تھے اور یہ کام خود ڈی۔ ایس۔ پی کرتا تھا.... لہٰذا اتوار کی رات کو ان کو سنا جانا لوگوں کیلئے حیرت انگیز تھا۔ ڈی۔ ایس۔ پی کو سب سے زیادہ پریشانی اس بات کی تھی کہ کہیں انے تہہ خانے کا راستہ نہ پالیا ہو کیونکہ مائیکروفون کا سٹ اسی تہہ خانے ہی میں رکھا جاتا تھا۔

سارے مجرم حوالات میں ڈال دیئے گئے۔

پھر فریدی کو حکام کے سامنے پوری روئیداد بیان کرنی پڑی۔

"وہ حمید سے اچھی طرح واقف تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ وہ پروفیسر جھوس کے یہاں یم ہے انہوں نے اسے محض اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ پوشیدہ طور پر اس کی نقل و حرکت پر نظر کھ کر میرا سراغ پا سکیں اور پھر اکٹھے ہم دونوں کو ٹھکانے لگا دیں۔ لیکن خود میں نے ہی حمید کو اپنا تہ دیا اور میں اسی وقت سے ان لوگوں کے پیچھے لگ گیا تھا جب وہ حمید کو پبلک لائبریری سے ما کر سید پور والی عمارت میں لے گئے تھے.... لہٰذا واپسی پر میں نے اچانک حمید پر اس لئے حملہ

کیا کہ اس تک اپنا پیغام بھی پہنچا دوں اور ان آدمیوں کو بھی غلط راستے پر لگاؤں جو اس کا پیچھا کر رہے تھے۔"

"آپ احمد کمال نہیں بلکہ باکمال فریدی ہیں۔" کمشنر ہنس کر بولا۔ "جب یہ کم بخت ہی ان ساری سازشوں کا سرغنہ تھا تو بھلا یہاں کی پولیس کیا کر سکتی تھی۔"

"اب سنئے! اس کے بعد مجھے لنگڑی کوٹھی کی فکر پڑ گئی۔ میں نے وہاں اپنی ایک پوری رات برباد کی تب اس تہہ خانے کا پتہ چلا۔ وہ بھی اتفاقاً... نہ میں ٹھوکر کھا کر گرتا اور نہ مجھے اس کی جگہ کی زمین پولی ہونے کا اندازہ ہوتا۔ بہر حال میں نے کل رات کو انہیں کی چھری سے ان کو ذبح کرنے کی کوشش کی۔ ان کا مائیکرو فون استعمال کر کے ویسی ہی چیخیں نکالیں اور تین رنگوں والی ٹارچ لائٹ کے کرتب دکھائے۔ نتیجے کے طور پر آج یہ بیچارے دوڑے ہی چلے آئے اور میں نے اپنے آدمی تو اس کے دوسرے ہی دن بلوا لئے تھے، جب سرجنٹ حمید پر حملہ ہوا تھا۔"

"لیکن رفعت کی بیوی کے قتل کے متعلق آپ کو کیسے معلوم ہوا تھا۔" مجسٹریٹ نے پوچھا۔

"ان خطوط سے جن کے ذریعے جاوید کو بلیک میل کیا جا رہا تھا، یقین کیجئے کہ اس میں سے زیادہ تر قیاس تھا جو حرف بحرف صحیح ثابت ہوا۔ میرا خیال ہے کہ آپ کے ڈی۔ ایس۔ پی صاحب اسی طرح اوروں کو بھی بلیک میل کر چکے ہوں گے۔ طریقہ بھی خاصا دلچسپ ہے۔ پھانسی سے بچنے کے لئے مالدار آدمیوں کے لئے لاکھ دو لاکھ کوئی بڑی بات نہیں اور ڈی۔ ایس۔ پی صاحب قتل کے ماہر۔ پولیس کے راجہ بھلا ان پر کون ہاتھ ڈال سکتا تھا۔"

"کیا تم پہلے ہی سے جانتے تھے کہ وہ ڈی۔ ایس۔ پی ہی تھا۔" کمشنر نے پوچھا۔

"پہلے صرف یہ خیال تھا کہ پولیس کا کوئی آدمی ان سازشوں میں شریک ہے۔ لیکن ڈی ایس پی کے وجود کا علم اس دن ہوا جب وہ لوگ سرجنٹ حمید کو پکڑ لے گئے۔ میں نے ان کے درمیان میں ایک نقاب پوش کو دیکھا اور ایک ہی نظر میں پہچان گیا کہ وہ ڈی۔ ایس۔ پی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا اور مزے کی بات تو یہ ہے کہ وہ بدمعاش اُسے ایک پُراسرار آدمی سمجھتے تھے۔ وہ اس کی شخصیت سے واقف نہیں تھے۔ شائد انہیں یقین تھا کہ وہ کبھی پکڑے ہی نہیں جا سکتے۔ اس کا رعب اتنا تھا کہ اس کے بدمعاشوں نے کبھی یہ جاننے کی ہمت ہی نہیں کی کہ اس سیاہ نقاب کے پیچھے کس کا چہرہ ہے۔ اگر میں اس وقت ذرا سا بھی چوکتا تو یہ صاف بچ گیا تھا۔ بڑی آسانی سے ہتھکڑیاں کھلوا کر مجھے ایک نئی الجھن میں مبتلا کر دیتا۔ اچھا ہی ہوا تھا کہ میں نے وزارتِ داخلہ

سے وارنٹ حاصل کیا تھا... ورنہ ہوتا یہ کہ وہ مجھے قہقہوں میں اڑا کر صرف اپنے بائیس بدمعاشوں کو جیل میں ٹھونسوا دیتا اور وہ بیچارے یہی سمجھتے رہتے کہ کوتوال صاحب نے بدمعاش کا بھیس بدل کر ہمارا بیڑا غرق کیا ہے۔"

"ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔" کمشنر نے کہا۔ "وہ یہ کہ تم ابھی تک انسپکٹر ہی کیوں ہو۔"

"کیا آپ کو نہیں معلوم کہ میں ترقیوں کے لئے اس محکمے میں نہیں آیا۔ مجھے اس کام سے لگاؤ ہے۔ اور میں اپنی ذاتی دولت اس کے شوق میں پھونکتا ہوں۔ ورنہ میرا محکمہ اتنا مالدار نہیں کہ میرے مصارف برداشت کر سکے۔ اب اسی کیس میں میں نے اپنے چھ سات ہزار روپے پھونک دیئے ہیں۔ ظاہر ہے محکمہ مجھے اتنا بھتہ نہیں دے سکے گا۔"

"کچھ نہ کچھ تو ملے ہی گا۔" مجسٹریٹ ہنس کر بولا۔

"اوہ... آپ کو حیرت ہو گی کہ میں نے آج تک اس قسم کا کوئی بل پیش ہی نہیں کیا ہے۔"

"تب تو معاف کیجئے گا۔ مجھے آپ کی ذہنی حالت پر شبہہ ہے۔" کمشنر نے مسکرا کر کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" فریدی بھی جواباً مسکرا دیا۔

❁

پو پھوٹ رہی تھی۔ حمید نے فریدی کے پہلو میں کہنی مار کر کہا۔

"اور پروفیسر جھوس۔"

"مارو گولی... میں نے ابھی اُسے فون کرا دیا ہے کہ ہمارا سامان کوتوالی میں بھجوا دے۔"

"اور اگر میں آپ کی آنکھیں کھول دوں تو۔"

"مجھے بڑا لطف آئے گا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

حمید بڑے ڈرامائی انداز میں اپنا کارنامہ بیان کرنے لگا۔ فریدی ہونٹ سکوڑے سنتا رہا۔ پھر تنک لہجے میں بولا۔ "میرے منع کرنے کے باوجود بھی تم آوارہ گردی کرتے رہے ہو۔"

"کمال کر دیا آپ نے! آپ کی نظروں میں اس کارنامے کی کوئی وقعت ہی نہیں۔"

"جب وہ کارنامہ ہو تب نا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "برخوردار... پروفیسر جھوس سیکرٹ سروس کا آدمی ہے اور اس سے مجھے کافی مدد ملی ہے۔ اس نے وہ ریوالور میرے ہی لئے مہیا کئے تھے۔ رمیش وغیرہ مسلح نہیں تھے۔ اس وقت پروفیسر جھوس کی اصلیت سے اس شہر میں صرف ہم ہی دونوں واقف ہیں۔ تیسرا کوئی نہیں۔"

"آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔"

"اب بھی نہ بتاتا اگر تم اُس پر شک نہ کرنے لگتے۔ شائد اس کی بیٹی اور بھتیجا بھی نہ جانتے ہوں کہ وہ سیکرٹ سروس کا آدمی ہے۔ کیا سمجھے اور تم بھی اس بات کو اپنے ہی تک رکھنا حتیٰ کہ پروفیسر جھوس پر بھی یہ ظاہر نہ ہو کہ تم اس کے راز سے واقف ہو۔"

"بوں ژر کسے کہتے ہیں۔" حمید نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا اور فریدی بیساختہ ہنس پڑا۔

"میں یہ لطیفہ سن چکا ہوں۔" اس نے کہا۔ "سلیمہ ہسٹریا کی مریض ہے اور یہ بے تکا لفظ اس بُری طرح اس کے ذہن سے چپک گیا ہے کہ یہی بعض اوقات دورے کا سبب بن جاتا ہے۔ اس کی اَنا یو۔ پی کے مشرقی حصے کے کسی دیہات کی تھی۔ غالباً اس نے بچپن میں یہ لفظ اُسی کی زبان سے سنا ہوگا۔ پورب کے بعض دیہاتوں میں دیہاتی بونڈر کو بگاڑ کر بوں ژر کہتے ہیں۔"

"ہائے ہائے۔" حمید اپنا سینہ پیٹنے لگا۔ "اس کے پیارے پیارے منہ سے مجھے بوں ژر بہت اچھا لگتا ہے۔ بوں ژر.... بوں ژر.... بوں ژر۔"

پھر اس نے عورتوں کی طرح اپنی آواز باریک کر کے "بوں ژر" کہا اور فریدی نے اس پیٹھ پر ایک دھول جمادی۔

تمام شد

ابنِ صفی

سیریز نمبر
12

جاسوسی دنیا

36- خطرناک دشمن

37- جنگل کی آگ

38- کچلی ہوئی لاش



مفرور قیدی

وہ ایک تاریک گلی میں گھستا چلا گیا۔ پولیس والے اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتے پھر رہے تھے۔ اُن کے ہاتھوں میں دبی ہوئی ٹارچوں کی رَوشنیاں اندھیرے میں آڑی ترچھی لکیریں ڈالتیں اور پھر غائب ہو جاتیں۔ یہاں کئی گلیاں تھیں اور وہ یہ نہیں دیکھ پائے تھے کہ مفرور کس گلی میں گھسا ہے۔ کئی کئی منزلوں کی سربفلک عمارتیں تاریک اور سنسان پڑی تھیں۔ البتہ کہیں کہیں آدھ کھلی کھڑکیوں میں گہرے نیلے رنگ کی روشنی دکھائی دے جاتی تھی۔

رات آدھی سے زیادہ گذر چکی تھی اور بستی پر اندھیرے کی حکمرانی تھی۔ سناٹے میں پولیس والوں کے وزنی جوتوں کی آوازیں ڈراؤنی قسم کی گونج پیدا کر رہی تھیں مگر مفرور خود کو محفوظ سمجھ رہا تھا۔ شاید اسے پہلے ہی سے معلوم تھا کہ شہر کے کسی حصے میں وہ تھوڑی دیر کے لئے خود کو محفوظ سمجھ سکے گا۔ شاید وہ جانتا تھا کہ اس حصے کی گلیاں اس کا تعاقب کرنے والوں کی تعداد سے کہیں زیادہ ہیں۔

مفرور کے جسم پر جیل خانے کے قیدیوں کا سا لباس تھا اور چہرے پر گھنی ڈاڑھی تھی۔ سر کے بال بھی بے تحاشہ بڑھے ہوئے تھے اور ان کے درمیان میں شعلوں کی طرح دہکتی ہوئی آنکھیں بڑی خوفناک معلوم ہو رہی تھیں۔

پولیس والوں نے سیٹیاں بجانی شروع کر دی تھیں۔ خطرے کی سیٹیاں شائد وہ اپنے قرب و جوار کے دوسرے ڈیوٹی والوں کو اپنی مدد کے لئے بلانا چاہتے تھے۔

مفرور ان سب سے بے پرواہ.... گندے پائپ کے سہارے عمارت کی اس منزل تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا جہاں اسے ایک کھڑکی میں نیلے رنگ کی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔

وہ اتنی آسانی سے اس کھڑکی تک پہنچ گیا جیسے دن رات یہی کرتا رہا ہو۔ کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ اس نے اندر جھانک کر دیکھا۔ کمرے میں سناٹا تھا۔ شاید یہ کسی کی خواب گاہ تھی۔ ایک طرف ایک بڑی سی مسہری تھی جس پر ایک نوجوان عورت سو رہی تھی۔ مفرور بہ آہستگی کمرے میں اتر گیا اور پھر اس نے کھڑکی سے جھانک کر نیچے کی طرف دیکھا۔ اب اس گلی میں بھی پولیس والوں کی ٹارچوں کی روشنیاں نظر آنے لگی تھیں۔ اس نے کھڑکی بند کر دی اور پھر دوسری طرف مڑا ہی تھا کہ اس کا پیر ایک چھوٹی سی میز سے ٹکرا گیا۔ میز الٹ گئی۔ ساتھ ہی سونے والی عورت بھی جاگ پڑی۔

اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئی تھیں اور شاید وہ چیخنے ہی والی تھی کہ مفرور نے جھپٹ کر اُس کا منہ دبا دیا۔ اس کا ایک ہاتھ اس کی گردن پر تھا۔

"اگر چیخیں تو گلا گھونٹ دوں گا۔" اس نے اس کی گردن پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے سرگوشی کی۔

عورت نے ہاتھ پیر ڈال دیئے۔ اس کی خوفزدہ آنکھیں مفرور کے ڈراؤنے چہرے پر جم گئی تھیں۔ وہ پلکیں تک نہیں جھپکا رہی تھی۔

"میں چوری کرنے نہیں آیا۔" مفرور نے آہستہ سے کہا۔ "جیل خانے سے بھاگا ہوں۔ ایک بہت بڑا آدمی ہوں۔ پولیس میرے تعاقب میں ہے۔ اگر تم خاموش رہیں تو میں تمہارا شکر گذار ہوں گا۔"

عورت بے حس و حرکت اس کے بازوؤں میں پڑی رہی۔ اس کی سانس پھول رہی تھی۔

"بولو! کیا کہتی ہو! خاموش رہو گی۔" مفرور نے پوچھا۔

عورت نے اثبات میں سر کو خفیف سی جنبش دی۔ مفرور نے اُسے چھوڑ دیا اور وہ ایک بے جان لاش کی طرح مسہری میں گر گئی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں اب بھی دہشت سے پھیلی ہوئی تھیں اور وہ باز کے پنجوں میں دبی ہوئی کسی ننھی منی سی چڑیا کی طرح ہانپ رہی تھی۔

"یہاں اور کون ہے؟" مفرور نے پوچھا۔

عورت نے پھر نفی میں گردن ہلا دی۔ منہ سے کچھ نہیں بولی۔

"تم اکیلی ہو؟"

اس بار اُس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"چلو ٹھیک ہے۔" مفرور نے اطمینان کا سانس لیا اور گھنی مونچھوں کے نیچے اس کے ہونٹ ذرا سے پھیل گئے۔ شاید وہ مسکرا رہا تھا۔

اب عورت نے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لئے تھے اور اس کی پلکیں جھپکنے لگی تھیں۔ دوسرے اعضاء بے حس و حرکت تھے۔

"اٹھو! مجھے تمہاری مدد درکار ہے۔" مفرور نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

عورت چپ چاپ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"تمہارے یہاں کوئی مرد نہیں ہے؟" مفرور نے پوچھا۔

لڑکی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس دوران میں ایک لمحے کے لئے بھی اس کی آنکھیں مفرور کے چہرے سے نہیں ہٹیں۔

"کہاں ہے؟" مفرور نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

یہ لوگ تیسری منزل پر تھے۔ لیکن نیچے کا شور انہیں صاف سنائی دے رہا تھا۔

پولیس والوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی اور اب اُن میں اس بستی کے باشندوں کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

"لڑکی تم بولتی کیوں نہیں ہو۔" مفرور نے جھنجھلا کر کہا۔

"جی....!" عورت کے حلق سے مری مری سی آواز نکلی۔

"تمہارا آدمی کہاں ہے؟"

"ڈیوٹی پر ہے۔"

"کیا کرتا ہے؟"

"ڈاکٹر....!"

"اوہ اچھا....! غسل خانہ کدھر ہے؟"

عورت نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"چلو....!" وہ اُسے شانے سے پکڑ کر آگے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔

وہ دونوں غسل خانے میں پہنچے۔ مفرور نے روشنی کر کے دروازہ بند کر دیا۔ عورت بُری طرح کانپ رہی تھی۔

"ڈرو نہیں۔" مفرور قیدی مسکرا کر بولا۔ "میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ اگر میں صحیح سلامت نکل گیا تو ہمیشہ تمہارا احسان یاد رکھوں گا۔ بُرے آدمی بھی کبھی نہ کبھی کام آجاتے ہیں۔ پس تم یہیں میرے پاس کھڑی رہو۔"

اُس نے شیف پر رکھا ہوا ڈاڑھی بنانے کا سامان اٹھایا.... اور پھر چند ہی منٹوں بعد وہ عورت اسے تحیر آمیز نظروں سے گھور رہی تھی۔ بے ترتیب بالوں کے جھنکاڑ صاف ہوتے ہی ایک دلکش خط و خال والا صحت مند چہرہ نمایاں ہو گیا تھا۔ مفرور نے اپنے سر کے بال بھی درست کئے اور ایک دلآویز مسکراہٹ کے ساتھ عورت کی طرف مڑا۔

"تمہارا بہت بہت شکریہ! مگر میں ابھی تھوڑی تکلیف اور دوں گا۔ میرے کپڑے....!"

اُس نے اپنے کپڑوں کی طرف دیکھا اور پھر کہنے لگا۔ "انہیں بھی ٹھکانے لگانا ہے۔ یقین رکھو میں تمہارے شوہر کے کپڑے واپس کر دوں گا۔"

عورت نے آہستہ سے غسل خانے کا دروازہ کھولا اور باہر نکل آئی۔ وہ بھی اس کے پیچھے چلا۔ وہ اسے ایک دوسرے کمرے میں لے آئی۔

"روشنی سے پہلے کھڑکیوں پر پردے کھینچ دو۔ وہ سور رات بھر یہیں سر ٹکراتے رہیں گے۔"

عورت نے کھڑکیوں کے پردے کھینچ کر کمرے میں روشنی کر دی۔

یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ یہاں ایک طرف چھوٹے بڑے کئی سوٹ کیس چنے ہوئے تھے اور سامنے ملبوسات کی الماری تھی جس میں قد آدم آئینہ لگا ہوا تھا۔ اس کے نیچے کئی عدد نئے پرانے جوتوں کی قطار تھی۔ مفرور نے آگے بڑھ کر ایک جوتے میں پیر ڈال دیا۔

"واہ.... وا۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "بالکل ٹھیک۔ شاید میرے ستارے ٹھیک ہو گئے ہیں۔ کاش کپڑے بھی مناسب ہوں۔"

"آپ کون ہیں۔" عورت نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"اوہ.... خیر شکر ہے کہ تم کچھ بولیں تو۔" اجنبی مسکرا پڑا۔ "میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ کیونکہ تم ایک نیک دل عورت ہو۔ تم نے کبھی راہل کا نام سنا ہے۔"

"راہل....!" عورت کے ہونٹ ہلے اور پھر اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

"ڈرو نہیں! راہل اپنے محسنوں کو پوجتا ہے۔" مفرور قیدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر راہل

کے ہاتھ میں ایک ریوالور بھی ہوتا تو وہ تمہیں اتنی رات گئے تکلیف نہ دیتا۔"

اس نے ملبوسات کی الماری کھول لی اور کچھ کپڑے نکال کر دیکھے۔

"چلو غنیمت ہے۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر عورت کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اپنا منہ پھیر کر کھڑی ہو جاؤ۔"

"اوں.... ہوں۔" مفرور سر ہلا کر بولا۔ "تم یہیں ٹھہرو۔ چلو یہی ٹھیک ہے۔ میں انہیں کپڑوں پر دوسرا لباس پہنوں گا۔"

لباس تبدیل کرنے میں اُسے بمشکل تمام پانچ یا چھ منٹ لگے۔

"مقدر ساتھ دے رہا ہے۔" وہ ہنس کر بولا۔ "کپڑے گویا میری ہی ناپ کے ہیں۔ یہ کل شام تک تمہیں واپس مل جائیں گے۔"

اس نے فلٹ ہیٹ اتار کر اپنے سر پر جمائی اور قد آدم آئینے میں دیکھنے لگا۔

"بالکل ٹھیک۔" اس نے عورت کی طرف مڑ کر پوچھا۔ "کیا میں کوئی مفرور قیدی معلوم ہوتا ہوں۔"

"جی نہیں۔" عورت نے اُسے تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ پھر خواب گاہ میں آگئے۔

"اچھا تو رخصت....!" مفرور اپنی پیشانی پر ہاتھ لے جا کر بولا۔ "میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔"

"ٹھہریئے....!" عورت گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔

مفرور دروازے کے قریب پہنچ کر رکا۔

"یہ ڈاکٹر کا پسندیدہ سوٹ ہے۔ شاید وہ پوچھیں۔"

"اوہ....!" مفرور سوچ میں پڑ گیا۔ "تو پھر کیا تم میری تجویز پر عمل کرو گی۔"

"تجویز...." عورت تھوک نگل کر رہ گئی۔

"دیکھو! اس بستی کا ایک ایک فلیٹ دیکھا جائے گا۔ اگر میں تمہیں کسی کرسی میں باندھ دوں تو...."

"جی....!" عورت گھبرا گئی۔

"اوہو! ڈرنے کی بات نہیں۔ جب پولیس یہاں آئے تو تم بلا خوف اسے بتا سکتی ہو کہ ایک

آدمی جس نے قیدیوں کا لباس پہن رکھا تھا یہاں آیا تھا.... اور اس نے تمہیں بے قابو کر کے شیو کیا۔ تمہارے شوہر کے کپڑے پہنے اور رفو چکر ہو گیا۔ کیوں ٹھیک ہے نا۔"

عورت کچھ نہ بولی۔ اُس کے چہرے پر خوف اور اُلجھن کے ملے جلے آثار تھے۔

"بولو.... جلدی کرو.... سنو کتے کس قدر شور مچا رہے ہیں۔"

"آپ بحفاظت.... نکل.... جائیں گے۔" عورت کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

"اب مجھے کوئی نہیں پا سکتا۔" مفرور کے لہجے میں خود اعتمادی تھی۔

"تو پھر....!"

"تمہیں منظور ہے۔" مفرور چہک کر بولا۔

عورت نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر مفرور نے اسے ایک کرسی میں جکڑ دیا۔

"ہاں سنو! تمہارے منہ میں رومال بھی ہونا چاہئے ورنہ قانون تم سے پوچھے گا کہ تم چیخیں کیوں نہیں۔"

عورت نے منہ کھول دیا۔ دو تین منٹ بعد وہ ہلکے سروں میں سیٹی بجاتا ہوا نیچے جانے کے لئے آہستہ آہستہ زینے طے کر رہا تھا۔

اندھیری گلیوں میں بھیڑ تھی اور کئی طرح کا شور رات کے سناٹے کو مجروح کر رہا تھا۔ وہ بڑی آسانی سے پولیس والوں اور بستی کے باشندوں کی بھیڑ میں مل گیا کسی نے اس کی طرف دھیان تک نہ دیا۔ وہ لوگ تو دراصل ایک ایسے آدمی کی تلاش میں تھے جس کے جسم پر جیل خانے کے کپڑے تھے۔

مفرور بڑے اطمینان سے ایک ایک گلی میں گھستا پھر رہا تھا.... لیکن اب فرار کی ساری راہیں مسدود ہو چکی تھیں کیونکہ ہر گلی کے اختتام پر دو تین مسلح کانسٹیبل ضرور موجود تھے اور وہ لوگوں کو گلیوں سے نکل کر سڑک پر جانے سے روک رہے تھے۔

ایک گلی کے نکڑ پر اُسے صرف دو کانسٹیبل نظر آئے وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ان کے قریب پہنچا۔

"کیا یہاں صرف دو ہی ہیں۔" اُس نے پُر رعب آواز میں پوچھا۔

وہ دونوں چونک کر اٹینشن ہو گئے۔

"ہماری کار کدھر گئی۔"

"ادھر تو کوئی گاڑی نہیں صاحب۔"

"اوہ تو ادھر ہو گی۔" وہ ایک کانسٹیبل کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "ذرا جوان لپک کر ڈرائیور کو بولو ادھر لائے۔"

"کدھر ہے صاحب۔" اُس نے پوچھا۔

"وہ.... اُدھر.... جیمس اینڈ جعفری کمپنی کے سامنے۔"

پھر وہ کنکھیوں سے اُسے جاتے دیکھتا رہا۔ جیسے ہی وہ چوراہے سے دوسری طرف مڑا اس نے پاس کھڑے ہوئے کانسٹیبل کی گردن پکڑ لی۔ ایک ہاتھ سے اس نے اس کا منہ دبایا اور دوسرے سے اس وقت تک اس کا گلا گھونٹتا رہا جب تک کہ اس کا دم نہیں نکل گیا۔ بستی کے دوسرے حصوں میں اب بھی شور ہو رہا تھا۔

اس نے آہستگی سے مردہ کانسٹیبل کو زمین پر ڈال دیا اور پھر سیدھا ہو کر اتنی لاپروائی سے ہاتھ جھاڑنے لگا جیسے اس نے اپنے ڈرائنگ روم کی کوئی کرسی ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھی ہو۔ پھر اس نے تیز قدموں سے چلتے ہوئے سڑک پار کی اور دوسرے کنارے کی عمارتوں کے سلسلے میں گم ہو گیا۔

ایک گھنٹے بعد وہ ایک ایسے ریستوران کے سامنے کھڑا تھا جسے شاید بند کیا جا رہا تھا لیکن ویٹر جو پردہ کھینچ کر دروازہ بند کرنے جا رہا تھا اُسے دیکھ کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اسکے پیر کانپنے لگے تھے۔

"کیا کوئی گاہک....!" کاؤنٹر کے پیچھے سے ایک گرجدار آواز آئی۔ "ریستوران بند ہو رہا ہے۔"

"ریستوران کے بچے اپنی شکل دکھاؤ۔" مفرور اندر پہنچ کر غرایا۔

کاؤنٹر کے پیچھے سے ایک چہرہ ابھرا جس کے قریب شراب کا گلاس تھا۔ لیکن مفرور کی صورت دیکھتے ہی گلاس فرش پر آ رہا۔ سناٹے میں شیشے کے ٹکڑوں کی کھنکھناہٹ گونج کر رہ گئی۔

"آپ....؟" کاؤنٹر کے پیچھے کھڑے ہوئے آدمی کے منہ سے چیخ سی نکلی۔

"ہاں میں.... اور تم حرام زادو! یہاں گلچھرے اڑا رہے ہو۔"

"میں بتاؤں۔" وہ کاؤنٹر کے نیچے سے نکل کر کانپتا ہوا بولا۔ "سارا قصور اس نک چپٹے کا ہے۔ سب یہی کہتے ہیں.... ویسے آپ کی مرضی۔ آج بھی میری جان آپ کے ہاتھ میں ہے۔"

یہ ایک تنومند اور خوفناک چہرے کا آدمی تھا لیکن مفرور کے سامنے اس طرح کانپ رہا تھا

جیسے اُسے موت نظر آ گئی ہو۔

"اور سب کہاں ہیں۔" مفرور نے پوچھا۔

"اوپر.... سب پریشان ہیں سردار۔" اس نے آہستہ سے رازدارانہ لہجے میں کہا۔ "لیکن وہ نک چپٹا! وہ بڑا سور کا بچہ ہے۔ وہ تو چاہتا ہے کہ آپ کے دشمنوں کو کچھ ہو جائے۔ سردار بننے کے خواب دیکھ رہا ہے۔"

"ہشت! بکو مت.... چلو....!"

وہ اُسے ایک دوسرے کمرے میں لایا جس کے داہنے سرے پر پہنچ کر اُس نے دیوار سے لگی ہوئی ایک کھونٹی اپنی طرف کھینچی کڑکڑاہٹ کی آواز کے ساتھ سامنے والی دیوار میں ایک چوکور سا شگاف نمودار ہو گیا.... اور پھر مفرور کے اُس میں داخل ہوتے ہی دیوار برابر ہو گئی۔

اسے ایک چھوٹی سی لفٹ اوپر کی طرف لے جا رہی تھی۔ لفٹ آخری منزل کے ایک وسیع کمرے میں پہنچ کر رک گئی۔ یہاں پہلے ہی سے دس بارہ آدمی مختلف قسم کے تفریحات میں مشغول تھے۔ کچھ شراب پی رہے تھے۔ کچھ تاش کھیل رہے تھے اور ان کے درمیان ایک مسخرا اچھل کود رہا تھا۔ لفٹ کے رکنے کی آواز نے ان پر کوئی خاص اثر نہیں ڈالا۔ ان میں سے ہر ایک نے غلط انداز میں نگاہیں لفٹ پر ڈالیں اور پھر مشغول ہو گئے.... لیکن جیسے ہی لفٹ کا دروازہ کھلا.... کئی ایک کے منہ سے خوفزدہ سی آوازیں نکل گئیں۔

مفرور دونوں ہاتھ کمر پر رکھے سینہ نکالے انہیں کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔

جو جہاں تھا وہیں رک گیا تھا ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ آدمی نہیں پتھر کے بت ہوں۔ صرف ان کی پلکیں جھپک رہی تھیں۔

"یہ سب کس خوشی میں!" مفرور کی طنز آمیز آواز سناٹے میں لہرائی اور گونج کر رہ گئی۔ جواب میں کسی قسم کی آواز نہ سنائی دی گئی۔

"نمک حرام! تم سے اتنا بھی نہ ہو سکا۔" مفرور پھر گرجا۔

"سس.... سردار....!" ایک نے کچھ کہنے کی ہمت کی۔

"شٹ اپ.... کارلے کر کون گیا تھا۔"

"میں....!" مجمعے سے ایک آدمی نے آگے بڑھ کر کہا۔ یہ بھی خاصا لحیم شحیم آدمی تھا اور اس

کے چہرے پر سب سے زیادہ بد نما چیز اس کی چپٹی ناک تھی۔

وہ دونوں ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔

"تم کہاں مر گئے تھے۔" مفرور نے گرج کر کہا۔

"میں اشارے تو دے رہا تھا آپ کو۔" چپٹی ناک والے نے بھی اُسی لہجے میں کہا۔

مفرور نے ایک بار پھر اُسے قہر آلود نظروں سے دیکھا اور آہستہ سے بولا۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔"

پاس کھڑے ہوئے دوسرے آدمی لرز گئے۔ وہ جانتے تھے کہ اس کا کیا مطلب تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ دوسرے لمحے میں وہ اپنے اٹھے ہوئے ہاتھ خود سے نہ گرا سکے گا۔

"راہل....!" چپٹی ناک والے نے منہ بگاڑ کر کہا۔ "میں چوہا نہیں ہوں۔ میری ہڈیاں بھی چوڑی ہیں۔"

"میں تمہیں چوہے کی موت ماروں گا۔" راہل کا جملہ اس وقت پورا ہوا جب چپٹی ناک والا اس کی گرفت میں آکر اس کے سر سے بلند ہو چکا تھا۔ پھر سامنے کی دیوار دھماکے سے جھنجھنا اٹھی.... چپٹی ناک والے کی طویل چیخ اس وقت تک کمرے میں گونجتی رہی جب تک کہ اس کا دم نہیں نکل گیا۔ اُس نے ایک مرتے ہوئے کتے کی طرح اپنے ہاتھ پیر پھیلائے اور ٹھنڈا ہو گیا۔

"رحم! رحم....!" سب بیک وقت چیخے۔

"بیٹھ جاؤ۔" راہل ہاتھ اٹھا کر بولا۔ پھر ایک آدمی کو مخاطب کر کے بولا۔ "شہباز! ایک لارج وہسکی۔"

تھوڑی دیر بعد وہ ان سے کافی فاصلے پر بیٹھا وہسکی کی چسکیاں لے رہا تھا۔

اس دوران میں اس نے ایک بار بھی لاش کی طرف نہیں دیکھا۔ ڈیڑھ گھنٹے کے اندر اندر یہ دوسرا قتل تھا لیکن راہل کا چہرہ پر سکون تھا۔

چھوٹی سی ولائتی چوہیا کے پچھلے پیروں میں ننھے ننھے گھونگھرو بندھے ہوئے تھے۔ پھدک رہی تھی۔ حمید اسے کافی عرصے سے تربیت دے رہا تھا۔ اور اب وہ باقاعدہ تھرکنے لگی تھی۔ اس کے اس کارنامے پر فریدی کو بھی حیرت ہوئی تھی کیونکہ اس کا خیال تھا کہ چوہوں کو ٹرینڈ کرنا قریب قریب ناممکن ہے۔

حمید نے تھوڑی دیر بعد وائلن ایک طرف رکھ دیا۔ لیکن چوہیا اپنے پچھلے پیروں پر کھڑی تھوتھنی اوپر کو اٹھائے سر ہلاتی رہی۔ حمید میز پر ہاتھ ٹیک کر جھکا اور اس کے منہ کے قریب اپنا چہرہ لے جا کر بڑبڑانے لگا۔ "بس کر میری جان تیرے ننھے ننھے پیر دکھ جائیں گے۔ تو رقاصہ بہار ہے۔ تو تمکو کی طرح پوہڑ پن سے کولہے تو نہیں مٹکاتی اور.... سنہرے پانی میں چاندی سے پاؤں لٹکائے شفق نے تجھ کو سرے جو ئیار دیکھا ہے وغیرہ وغیرہ.... اور میری جان میں شاعر نہیں ورنہ تم سے پوچھتا۔ کون سا گیت سنو گی انجم.... اور میں ناول نویس نہیں ورنہ تم کو امراؤ جان ادا بنا دیتا.... مگر آہ.... مجھے آج تک یہی نہیں معلوم ہو سکا کہ تم نر ہو یا مادہ۔"

پھر خاموش ہو کر ادھر ادھر دیکھتے رہنے کے بعد بلند آواز میں بولا۔ "سنتی ہو میری جان! اب ہم تم بہت دور چلے جائیں گے۔ افق کے پار.... کیونکہ پچھلی رات راہل جیل خانے سے نکل بھاگا ہے۔"

وہ پھر خاموش ہو کر اس دروازے کی طرف دیکھنے لگا، جو فریدی کے کمرے میں کھلتا تھا۔

اتنے میں ایک نوکر کمرے میں داخل ہوا اور چوہیا حمید کے کوٹ میں کود گئی۔

"صاحب! آپ ہی چل کر سمجھا دیجئے۔" نوکر نے حمید سے کہا۔

"کیا مطلب....!"

"صاحب اُن سے ملنا نہیں چاہتے اس لئے کہلوا دیا ہے کہ گھر پر نہیں ہیں۔ لیکن وہ کہتی ہیں میں انتظار کروں گی۔"

"ہائیں....!" حمید چونک کر بولا۔ "میں انتظار کروں گی۔"

"جی ہاں وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئی ہیں اور صاحب اوپر ہیں۔"

"انہوں نے کیا کہا ہے۔"

"کہہ دو گھر پر موجود نہیں ہیں۔"

"اوپر کیا کر رہے ہیں۔"

"پتہ نہیں دروازے بند ہیں۔"

"حمید سمجھ گیا کہ فریدی اپنی تجربہ گاہ میں ہے اور وہ کسی عورت سے نہیں ملنا چاہتا لیکن وہ ملاقات ہی کر کے جانے پر اڑ گئی۔"

حمید نے سوچا کہ فریدی پر غصہ کرنے سے پہلے ذرا ایک نظر اس عورت کو بھی دیکھ لے۔ ہو سکتا ہے کہ فریدی اس عورت سے نہ ملنے میں حق بجانب ہو۔

اور پھر جب اس نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھا تو اس کی عاقبت روشن ہو گئی۔ لڑکی بہت حسین تھی اور کچھ خوفزدہ سی نظر آ رہی تھی۔ حمید کی دانست میں فریدی سچ مچ حق بجانب تھا۔ کیونکہ وہ جوان اور حسین لڑکیوں سے ملنے سے کتراتا تھا۔ حتیٰ کہ اگر وہ کبھی کسی رقص گاہ میں اتفاقاً پھنس جاتا تو اُسے اپنے لئے ہم رقص منتخب کرنے کے سلسلے میں بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے تھے۔ بہر حال وہ کسی بدصورت عورت ہی کا انتخاب کرتا تھا اور اگر کوئی ادھیڑ عمر کی مل گئی تو پھر کیا کہنا۔

حمید کو دیکھ کر وہ کھڑی ہو گئی۔

"فریدی صاحب تشریف نہیں رکھتے۔" حمید نے کہا۔

"اوہ....!" لڑکی کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی۔ "میں سمجھی تھی.... شائد۔"

"میں ان کا اسسٹنٹ ہوں۔"

"اوہ.... میں فریدی صاحب سے ملنا چاہتی ہوں.... کیا میں یہیں ان کا انتظار کر سکتی ہوں۔"

حمید نے غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔

"میرے لائق کوئی خدمت۔"

"مجھ سے کہا گیا ہے کہ صرف فریدی صاحب ہی میری مدد کر سکتے ہیں۔" لڑکی ہچکچا کر بولی۔

"تشریف رکھئے۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "آپ کھڑی کیوں ہیں۔"

"اوہ.... شکریہ۔"

"لیکن فریدی صاحب کے متعلق وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کب واپس آئیں۔" حمید نے کہا۔ "آفس ٹائم بھی ہو گیا ہے اگر انہیں آنا ہوتا تو اب تک آ گئے ہوتے۔"

"اوہ.... تب تو.... تب تو ڈیڈی گئے۔" دفعتاً لڑکی کے چہرے پر زردی چھا گئی۔ اس نے

تھوڑے تامل کے بعد کہا۔ "میں چاہتی تھی کہ جلد کچھ کیا جائے۔"

"بات کیا ہے؟" حمید اس کے سامنے کے صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"ڈیڈی کی زندگی خطرے میں ہے۔"

"تو آپ پولیس کو اطلاع دیجئے.... مگر انہیں کون سا خطرہ لاحق ہے۔"

"اوہ.... بڑے پُر اسرار حالات ہیں...." وہ جلدی سے کھڑی ہو گئی۔ "میری بدقسمتی کہ فریدی صاحب موجود نہیں ہیں۔ میں جا رہی ہوں لیکن جیسے ہی وہ آئیں براہِ کرم! تھری نائین تھری پر فون کر دیجئے گا۔ میرا نام لوسی ہے۔ اُف میرے خدا میں کیا کروں۔"

"آپ مجھے بتایئے۔" حمید نے ہمدردانہ انداز میں کہا۔

"مجبوری ہے.... میں صرف ایک بار بتانا چاہتی ہوں۔ بہتیری تفصیلات ایسی ہیں جن کا رہ جانا ٹھیک نہ ہو گا.... آپ مجھے فون کر دیجئے گا۔ شکریہ۔"

پھر اس نے حمید کو کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ کمپاؤنڈ میں اس کی چھوٹی سی آسٹن کھڑی تھی جسے وہ خود ہی ڈرائیو کرتی ہوئی پھاٹک سے نکال لے گئی۔ حمید چند لمحے برآمدے میں کھڑا پھاٹک کی طرف گھورتا رہا پھر جیب سے چوہیا کو نکالا اور اسے اپنے چہرے کے قریب لے جا کر بولا۔ "سناؤ ارلنگ ان کا ڈیڈی خطرے میں ہے۔ تمہیں تو شاید اپنے ڈیڈی کا پتہ بھی یاد نہ ہو کہو تو تھری ناٹ تھری پر اُسے فون کر دوں کہ اگر فریدی صاحب سے گفتگو کرنی ہے تو اس کے لئے تمہاری والدہ محترمہ ہی زیادہ مناسب ہوں گی۔

پھر اس نے چوہیا کو جیب میں ڈال کر اندر کی راہ لی۔ فریدی اب بھی تجربہ گاہ ہی میں تھا۔ وہ سیدھا اوپر چلا گیا۔ تجربہ گاہ کے سارے دروازے بند تھے اس نے ایک پر دستک دی۔

"کون ہے؟" اندر سے آواز آئی۔

"وہی جانثار جس نے پچھلے سال آپ کو آئس کریم کھلائی تھی" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

اندر قدموں کی آواز سنائی دی اور دروازہ کھل گیا۔ فریدی ایک ہاتھ میں شیشے کا ٹسٹ ٹیوب لئے کھڑا تھا۔

"کیا ہے؟" فریدی کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

"اطلاع ملی ہے کہ میدان صاف ہو گیا۔ وہ شیرنی دھاڑتی ہوئی واپس چلی گئی۔ جس کا ارادہ تھا

کہ آپ کو چیر پھاڑ کر ڈکاریں لیتی ہوئی اللہ کا شکر ادا کرے۔"

فریدی کے چہرے پر خفیف سی مسکراہٹ پیدا ہوئی اور وہ حمید کی پھولتی پچکتی ہوئی جیب کی طرف دیکھنے لگا پھر آہستہ سے اس نے پوچھا۔ "کوئی فون تو نہیں آیا تھا۔"

حمید جھنجھلا کر رہ گیا۔ اُسے توقع تھی کہ فریدی اس لڑکی کے متعلق پوچھے گا۔

"جی نہیں کوئی فون نہیں آیا لیکن میں پوچھتا ہوں کہ آپ آئندہ نسلوں پر کون سا احسان کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

"یہ...." فریدی ٹسٹ ٹیوب کو حمید کی آنکھوں کے قریب گردش دیتا ہوا بولا۔ "کواری ہے۔"

"یعنی غیر شادی شدہ۔" حمید پلکیں جھپکا کر بولا۔

"تم ان لغویات کے علاوہ اور سوچ بھی کیا سکتے ہو۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"اچھا تو پھر کنواری اونٹ کی مینگنی کو کہتے ہیں۔"

"ابے کنواری نہیں کواری۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

"کیا بات ہوئی؟ کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"او گدھے! وہ زہر ہے جس کی شناخت ناممکن ہے۔ اسے استعمال کرنے والے کی موت قدرتی سمجھی جاتی ہے۔"

"مجھے زہروں سے دلچسپی نہیں۔" حمید نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ "میں تو لوسی کے ڈیڈی کے متعلق سوچ رہا ہوں جس کی زندگی خطرے میں ہے۔"

"خوب....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تو اس نے اپنا نام لوسی بتایا ہے۔"

"پھر کیا بتاتی۔"

"خیر آگے کہو۔" فریدی ٹسٹ ٹیوب کو ایک طرف رکھتا ہوا بولا۔

"آپ اس سے ملے کیوں نہیں۔"

"ضرورت نہیں سمجھی۔" فریدی نے اپنے داہنے شانے کو جنبش دے کر پوچھا۔

"کوئی پیغام چھوڑ گئی ہے۔"

"جب آپ گھر پر موجود ہوں تو اُسے تھری ناٹ تھری پر فون کر دیا جائے۔"

"خوب....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "آدھے گھنٹے بعد اسی نمبر پر فون کر دینا۔ لوسی سے

کہنا کہ فریدی آج صبح سے بہت خائف ہے وہ راہل کے ڈر سے باہر نہیں نکل سکتا۔"

"کیا مطلب....!" حمید چونک کر بولا۔ جواباً فریدی کے چہرے پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ پھر ٹسٹ ٹیوب پر جھک گیا۔ حمید اسے گھور رہا تھا۔

"اور ہاں....!" فریدی پھر سر اٹھا کر بولا۔ "لوسی سے یہ بھی کہنا کہ راہل ایک ہفتے سے زیادہ جیل کے باہر نہیں رہ سکتا۔ دل چاہے تو یہ ضرور کہہ دینا کہ راہل سے کہو.... یہ چالیں اتنی پرانی ہو گئی ہیں کہ ان سے بدبو آنے لگی ہے۔"

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کو بخار تو نہیں ہے۔" حمید اپنی گدی سہلاتا ہوا بولا۔

"شکریہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "تم سے جو کچھ کہا گیا ہے وہ کرو۔"

❁

تھری ناٹ تھری کے فون کی گھنٹی بج رہی تھی، جس میز پر فون رکھا ہوا تھا وہ خالی تھی اور کمرے میں بھی کوئی نہیں تھا.... البتہ باہر کے بڑے کمرے میں آٹھ دس کلرک بیٹھے فائیلوں سے سر مار رہے تھے اور اسی کمرے کے دکھنی سرے پر لگے ہوئے پارٹیشن کے پیچھے ٹائپ رائٹروں کی کھڑکھڑاہٹ گونج رہی تھی۔ اندرونی کمرے کے ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی رہی لیکن باہر بیٹھے ہوئے کلرکوں کے کان پر جون تک نہ رینگی۔ آخر ایک آدمی مغربی دروازے سے اندر داخل ہو کر تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا فون والے کمرے میں چلا گیا۔

"ہیلو....!" اس نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔ "اوہ.... اچھا.... ذرا رکئے! میں بلواتا ہوں۔"

اس نے ریسیور کو میز پر ڈال دیا اور اطمینان سے کرسی پر بیٹھ کر میز کی دراز کھولی اور اس میں سے کسی وزنی دھات کی دو گولیاں نکال کر منہ میں ڈال لیں۔ کئی سیکنڈ تک منہ چلا چلا کر انہیں کسی مناسب جگہ پر بٹھانے کی کوشش کرتا رہا پھر دوبارہ ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو....!" اس بار اس کی آواز عورتوں کی طرح سریلی تھی۔ "ہیلو! میں لوسی بول رہی ہوں.... اوہ بہت پریشان ہوں.... نہیں آئے۔ ارے.... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں.... جی.... میں پھر نہیں سمجھی۔ دیکھئے مذاق نہ کیجئے.... میری یہ حالت ہے کہ شاید جلد ہی ہارٹ فیل ہو جائے۔ اُف میرے ڈیڈی.... جی.... آپ نہ جانے کیا کہہ رہے ہیں۔ شٹ اپ احمق ہیں۔

نہ جانے کیا بک رہے ہیں۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا اور منہ سے گولیاں نکال کر جیب میں ڈالتا ہوا دروازے کی طرف جھپٹا۔ وہ کئی کمروں سے گذرتا ہوا بالکنی میں نکل آیا۔ اب وہ بڑی تیزی سے طویل بالکنی کے آخری سرے والی لفٹ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

دوسرے لمحے میں لفٹ اُوپر کی طرف لے جا رہی تھی، چوتھی اور آخری منزل پر پہنچ کر اُس نے لفٹ رکوائی اور اس طرح کود کر باہر آیا جیسے لفٹ کے اندر اسے اپنی جان کا خطرہ رہا ہو۔

اس منزل پر صرف ایک ہی کمرہ تھا۔ اس نے جیب سے ایک کنجی نکالی اور مقفل دروازے کو کھول کر اندر داخل ہوا۔

یہ کمرہ بالکل خالی تھا۔ اس میں کسی قسم کا لوئی سامان نہیں تھا۔ دیوار اور فرش سب ننگے تھے اس نے دروازہ بند کر کے اسے اندر سے مقفل کر دیا۔ پھر ایک گوشے میں اکڑوں بیٹھ کر دیوار سے ملے ہوئے ایک ٹائیل کو دونوں ہاتھوں سے دبانے لگا۔ دفعتاً کھٹا کے کی آواز آئی اور اس کے پشت کی دیوار کی سطح پر ایک عجیب وضع قطع کی مشین اُبھر آئی وہ اٹھ کر اس کے قریب آ گیا۔

"سر جنٹ حمید کا فون۔" اس نے بظاہر اس مشین کو مخاطب کر کے کہا۔

"کیا خبر ہے۔" مشین سے آواز آئی۔

"لوسی موجود نہیں تھی اس لئے میں نے ہی اس کا رول ادا کیا۔"

"ٹھہرو....!" مشین سے آواز آئی۔ "بھلا لوسی کا اس معاملے میں کیا تعلق۔"

"آپ کے حکم کے مطابق اسی کو بھیجا گیا تھا۔"

"بکواس! تم بالکل گدھے ہوتے جا رہے ہو۔ تمہیں روشی کے لئے کہا گیا تھا۔ لوسی کا بھی کوئی ڈیڈی نہیں تھا اور شاید فریدی جانتا ہے کہ لوسی کا تعلق کن لوگوں سے رہ چکا ہے۔"

"تب تو.... تب تو میں معافی چاہتا ہوں۔ مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔" اُس نے کانپتے ہوئے کہا۔

"بکواس بند کرو۔" مشین سے غراتی ہوئی آواز آئی۔ "پیغام کیا تھا۔"

"یہی کہ وہ راہل کے خوف کی وجہ سے باہر نہیں نکلنا چاہتا اور راہل ایک ہفتے سے زیادہ جیل سے باہر نہ رہ سکے گا۔"

"راہل کون ہے؟" مشین سے آواز آئی۔

"غالباً وہ ڈاکو جو پچھلی رات جیل سے فرار ہوا ہے۔"

"اس کا اس معاملے سے کیا تعلق۔" مشین سے آواز آئی۔

"مجھے علم نہیں۔"

"مسٹر پارکر۔" مشین سے آواز آئی۔

"یس باس....!" پارکر مشین کے سامنے اور زیادہ مؤدب ہو گیا۔

"تم فرم کے منیجر ہو۔"

"یس باس....!"

"لیکن تم گدھے ہو۔ آخر اس لڑکی نے فرم کا فون نمبر کیوں دیا۔"

"میں اس سے جواب طلب کروں گا۔" پارکر نے کہا۔

"بیکار ہے۔ اس لڑکی کو نمبر چار میں بھیج دو اور نمبر چار سے روشی کو بلا لو۔ میرا خیال ہے کہ تمہارے سارے آدمی قابل اعتماد ہوں گے۔"

"جی ہاں.... سب وفادار ہیں۔"

"اچھا تو پھر....!" مشین سے آواز آئی۔ "تمہاری فرم میں لوسی نام کی کوئی لڑکی کبھی تھی ہی نہیں۔"

"بہت بہتر جناب۔" پارکر نے مسکین صورت بنا کر کہا۔ "میں سمجھ گیا۔"

"جلدی کرو۔" مشین سے آواز آئی.... اور پھر اس بار دیوار خود بخود برابر ہو گئی۔ مشین غائب ہو چکی تھی اور دیوار کی چکنی اور سفید سطح کی طرح چمک رہی تھی۔

❁

سر جنٹ حمید نے ٹیلی فون ڈائریکٹری بند کر کے ایک طرف ڈال دی اور اب وہ پھر فریدی کی تجربہ گاہ کی طرف جا رہا تھا۔

"سنا آپ نے۔" حمید فریدی کو مخاطب کر کے بولا، جو غالباً اپنا مشغلہ ختم کر چکا تھا اور اب سگار جلانے کے لئے جیب میں لائٹر ٹٹول رہا تھا۔ وہ معنی خیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"تھری ناٹ تھری، رگبی امپورٹرز کا نمبر ہے۔"

"رگبی امپورٹرز....!" فریدی ذہن پر زور دینے لگا۔

"اوہ وہی! کھیل کود کا سامان سپلائی کرنے والی فرم جس کے ذمے ہمارے ساڑھے سات سو روپے واجب الادا ہیں۔"

"اچھا....!" فریدی اسے سوالیہ نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ "پھر اس نے کچھ سوچتے ہوئے سگار سلگایا اور اپنے داہنے ہاتھ کے ناخنوں کو گھورنے لگا۔"

"تم شاید کچھ اور کہنا چاہتے ہو۔" اس نے ناخنوں پر نظر جمائے ہوئے کہا۔

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ راہل سے بُری طرح خائف ہو گئے ہیں اور اب خواہ مخواہ آپ کو ایک ایک قدم پر سازشوں کے جال دکھائی دیں گے۔ ضروری نہیں کہ آپ سے اندازے کی غلطی کبھی نہ ہو۔ آپ نے اس لڑکی کو مایوس کر کے بُرا کیا۔"

"کوشش کر دیکھو۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ تم اس فرم میں اس نام کی کوئی لڑکی نہ پاؤ گے۔"

"جناب میں اس سے گفتگو کر کے آرہا ہوں۔"

"ہوں.... ہو سکتا ہے۔" فریدی نے بے تعلقانہ انداز میں اپنے شانوں کو جنبش دی۔

"آخر کس بناء پر آپ نے اسے راہل کی ساتھی تصور کر لیا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"میں نے اس کی ایک جھلک دیکھی تھی۔" فریدی نے سگار کی راکھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر یک بیک سر اٹھا کر بولا۔ "پھر یہ یاد آجانا معجزہ تو نہیں کہ میں ایک بار اُسے راہل کے ساتھ بھی دیکھ چکا ہوں۔"

"بہر حال آپ راہل سے بھی بُری طرح خائف ہیں۔"

"ہو سکتا ہے۔" فریدی اس طرح مسکرایا جیسے وہ کسی ناسمجھ بچے سے گفتگو کر رہا ہو۔ وہ ایک لمحے کے لئے رک کر بولا۔ "ویسے اگر تم راہل کو گرفتار کرنا چاہو تو وہ جاوید بلڈنگ کی چوتھی منزل کے پانچویں فلیٹ میں اس وقت بھی مل جائے گا۔ لیکن اگر تم سامنے کے دروازے سے گئے تو تمہیں مایوسی ہوگی کیونکہ اس میں ہمیشہ ایک بڑا سا گرد آلود قفل لٹکتا رہتا ہے۔"

"پھر....!" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"تمہیں اس تک پہنچنے کے لئے سب سے پہلے اسی عمارت کی نچلی منزل کے ایک ریستوران میں گھسنا پڑے گا اور اس کے عقبی کمرے سے ایک لفٹ تمہیں ٹھیک اس کمرے میں لے جائے گی

جہاں راہل کے سارے ساتھی اکٹھا ہوتے ہیں۔"

"اور اتنی معلومات رکھنے کے باوجود بھی آپ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔"

"ظاہر ہے۔" فریدی بجھے ہوئے سگار کو دوبارہ سلگاتا ہوا بولا۔

"آپ کچھ چھپا رہے ہیں۔"

"کچھ نہیں، بہت کچھ۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "یہ باتوں کا نہیں کام کا وقت ہے۔ میں تمہیں جلد ہی سب کچھ بتاؤں گا۔ ویسے فی الحال ایک ہلکا اشارہ دے سکتا ہوں.... راہل کو میں نے ہی جیل سے نکلوایا ہے۔"

"کیوں؟" حمید چونک کر بولا۔

"یہی تو میں تمہیں پھر کسی وقت بتاؤں گا۔" فریدی نے کہا۔ "راہل یہ سمجھتا ہے کہ اس نے جیلر کو پھانس کر اپنا کام بنالیا۔ معاملہ تیس ہزار روپیوں پر طے ہوا تھا۔ اب راہل کو اس کی ادائیگی کی فکر ہوگی.... فی الحال ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وہ روپیہ کیونکر مہیا کرتا ہے۔"

"مجھے آپ پاگل بنادیں گے۔" حمید بڑبڑایا۔

"کیوں....؟"

"ارے آپ نے محض روپیہ مہیا کرنے کا طریقہ دیکھنے کے لئے راہل کو جیل سے نکلوادیا۔"

"نہیں فرزند! ابھی میں جوان ہوں مجھ پر بڑھاپے نے حملہ نہیں کیا۔"

"پھر بھی.... میں اسے سمجھنے سے قاصر ہوں۔"

"اوہو! فی الحال اس تذکرے کو رہنے دو۔" فریدی اسے دروازے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔ "کیا تم رگبی امپورٹرز کے دفتر جا کر لوسی کی خبر نہ لو گے۔"

"ٹھیک یاد آیا۔" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔ "وہ لڑکی.... ہائے۔"

"عشق نہیں فرمائیں گے آپ؟" فریدی اسے گھور کر بولا۔

بے بسی کی موت

جاوید بلڈنگ کی چوتھی منزل کے پانچویں فلیٹ سے ایک آدمی برآمد ہوا۔ جس کی ظاہری

شان و شوکت متمول آدمیوں جیسی تھی۔ اس نے دروازے کو مقفل کیا اور آہستہ آہستہ گنگناتا ہوا زینے طے کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ نیچے فٹ پاتھ پر تھا۔

رات سرد اور تاریک تھی اس نے پر رونق سڑک پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور پھر سامنے کی دوکان کے شوکیس کی طرف دیکھنے لگا جس میں ایک عورت کا ایک آدھا مجسمہ ریشم کے بلاؤز کا پرچار کر رہا تھا.... اس نے بڑے پُر اطمینان انداز میں جیب سے سگریٹ کیس نکالا اور سگریٹ منتخب کر کے ہونٹوں میں دبایا ہی تھا کہ اسے ہاتھ اٹھا کر ایک گزرتی ہوئی ٹیکسی رکوانی پڑی۔

"راجرس اسٹریٹ" اس نے ٹیکسی میں بیٹھ کر دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔ پھر جھک کر سگریٹ سلگانے لگا.... ٹیکسی چل پڑی۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد راجرس اسٹریٹ کی ایک عالیشان عمارت کے سامنے کھڑا تھا لیکن شاید اس سے بے خبر تھا کہ ایک دوسری کار بھی اس کی ٹیکسی کے تعاقب میں یہاں تک آئی ہے۔

عمارت کے پھاٹک کے داہنے ستون پر ایک تختی آویزاں تھی جس پر تحریر تھا۔ "سر جگدیش ورما" وہ بے دھڑک اندر گھستا چلا گیا۔

جس سے وہ ملاقات کا متمنی تھا شاید وہ عمارت کے اندر موجود تھا کیونکہ اس کا ملاقاتی کارڈ لے جانے والے نوکر نے بڑے مؤدبانہ انداز میں ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

کمرہ خالی تھا۔ وہ چپ چاپ ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ پھر جب ایک سگریٹ سلگانے جا رہا تھا داہنے ہاتھ کے دروازے سے ایک ادھیڑ عمر مگر وجیہہ آدمی کمرے میں داخل ہوا۔

"میرا خیال ہے" اس نے مسکرا کر کہا۔ "میں پہلی بار آپ سے شرف ملاقات حاصل کر رہا ہوں۔ فرمایئے میرے لائق کوئی خدمت۔"

"اوہو! سر جگدیش۔" ملاقاتی نے بے تکلفی سے ہنس کر کہا۔ "مجھے اتنی جلدی بھول گئے۔"

سر جگدیش کی پیشانی پر سلوٹیں اُبھر آئیں۔ وہ ملاقاتی کو گھور رہا تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر ایسے آثار تھے جس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اس جملے پر بداخلاق ہو جائے گا۔

"مجھے یقین ہے کہ میں نے اس سے پہلے آپ کو کبھی نہیں دیکھا۔" سر جگدیش نے نرم لہجے میں کہا۔

"اس صورت میں نہ دیکھا ہوگا۔" ملاقاتی پھر ہنسا۔ "جیل سے بھاگے ہوئے جیالوں کو اپنی

شکل بگاڑنی ہی پڑتی ہے۔"

"اوہ.... مائی گارڈ۔" سر جگدیش نے تھکی تھکی سی آواز میں کہا۔ "راہل۔" اور پھر وہ اس طرح ایک صوفے میں گر گیا جیسے اس کے پیروں میں کھڑے رہنے کی بھی سکت نہ رہ گئی ہو۔

"ہاں.... آں!" راہل نے لاپروائی سے کہا۔ "میں جیل میں رہ کر پھانسی کا انتظار تو کر نہیں سکتا تھا۔"

"لیکن.... لیکن....!" سر جگدیش ہکلایا۔

"مجھے تیس لاکھ روپیوں کی سخت ضرورت ہے۔" راہل اس کی بدلتی ہوئی حالت کو نظر انداز کر کے بولا۔

"تیس لاکھ....!" سر جگدیش نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ "یہ بہت زیادہ ہے .... نہیں.... نہیں.... میری حیثیت سے زیادہ۔"

"شرم! سر جگدیش! ایک شریف آدمی کو جھوٹ نہ بولنا چاہئے۔ تیس لاکھ تمہارے لئے بڑی بات نہیں۔"

"راہل یہ بہت زیادہ ہے.... میں مجبور ہوں۔"

"چلو اچھا اسے قرض ہی سمجھ لو۔" راہل مسکرا کر بولا۔ "تم مجھے جتنا ہر ماہ ادا کرتے ہو اس وقت تک کے لئے بند کر دینا جب تک کہ تیس ہزار کا حساب نہ صاف ہو جائے۔"

"نہیں.... نہیں! میں یکمشت اتنی رقم مہیا نہیں کر سکتا۔"

"سوچ لو سر جگدیش! تمہارا آنے والا بڑھاپا بڑا داغدار ہوگا۔"

"اوہ.... راہل تم سمجھتے کیوں نہیں.... یہ رقم بہت زیادہ ہے۔"

"لیکن وہ گناہ۔" راہل بے دردی سے ہنسا۔

"ٹھہرو! مجھے سوچنے دو۔"

"مجھے روپیہ اسی وقت چاہئے۔" راہل نے کہا۔

"کل.... اس وقت میرے پاس کچھ نہیں۔" سر جگدیش نے مردہ سی آواز میں کہا۔

"کس وقت....!"

"شام کو۔"

"اچھا تو منٹو پارک میں میرا آدمی موجود رہے گا.... شب بخیر۔" راہل کمرے سے نکل گیا لیکن اسے رخصت ہوتے ہوئے دس منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ سر جگدیش کو ایک دوسرے ملاقاتی کے کارڈ سے دوچار ہونا پڑا جس پر تحریر تھا "اے۔ کے فریدی انسپکٹر سی۔ آئی۔ ڈی۔"

سر جگدیش کے چہرے پر الجھن کے آثار پیدا ہو گئے۔ لیکن اس نے فریدی کو بلوانے میں دیر نہیں کی۔ دوسرے لمحے میں اس کے سامنے ایک مناسب قد و قامت کا خوشرو نوجوان کھڑا تھا۔ سر جگدیش اُسے ستائشی نظروں سے دیکھے بغیر نہ رہ سکا۔

"تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔" فریدی ایک صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "لیکن جب آپ یہ محسوس کریں گے کہ قانون آپ کی مدد کا محتاج ہے تو آپ کو یقیناً خوشی ہو گی۔"

"میں کچھ نہیں سمجھا۔"

"کیا ابھی یہاں راہل آیا تھا۔" فریدی نے بے ساختہ پوچھا۔

"بھلا راہل یہاں کیوں آنے لگا۔"

"دیکھئے سر جگدیش آپ ایک معزز آدمی ہیں اور ساتھ ہی قانون دان بھی۔ آپ جانتے ہی ہوں گے کہ کسی مفرور قیدی کو پناہ دینا کس حد تک خطرناک ہے۔"

"مگر.... میں نے.... میں نے کسی مفرور قیدی کو پناہ نہیں دی۔"

فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ سر جگدیش کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے اور وہ کسی خوفزدہ بچے کی طرح بار بار اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

"میرے محکمے کے آدمیوں نے کچھ دیر قبل راہل کو آپ کی کوٹھی میں داخل ہوتے دیکھا تھا اور میرا خیال ہے کہ وہ اب بھی یہیں ہے۔ یقین کیجئے مجھے صرف اس کی گرفتاری سے غرض ہے اس سے دلچسپی نہیں کہ وہ کہاں سے برآمد ہوا۔"

سر جگدیش کچھ نہ بولا۔ لیکن اس کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔

"دیکھئے سر جگدیش....!" فریدی نرمی سے بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ آپ جیسے معزز آدمی نے اسے خوشی سے پناہ نہ دی ہو گی۔"

"میں نے اُسے پناہ نہیں دی۔" سر جگدیش بے ساختہ بولا۔

"کیا وہ آپ کو بلیک میل کر رہا ہے۔"

"جی.... جج....!" سر جگدیش کانپنے لگا۔

"بہر حال میرا خیال ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اب بتائیے کہ وہ کہاں ہے؟"

"وہ یہاں کچھ دیر قبل آیا تھا اور آپ کے آنے سے دس منٹ پہلے چلا گیا۔"

"چلا گیا۔" فریدی نے حیرت سے کہا۔ "لیکن کسی نے اُسے یہاں سے نکلتے نہیں دیکھا۔"

"یقین کیجئے وہ چلا گیا۔ ویسے آپ تلاشی لے سکتے ہیں۔"

فریدی کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "سر جگدیش آپ ایک اچھے اور نیک نام آدمی ہیں.... اس لئے میں آپ کو یہ بتانے پر مجبور نہ کروں گا کہ راہل آپ کو کیوں بلیک میل کر رہا ہے لیکن آپ کو قانون کا ہاتھ بٹانا ہی پڑے گا۔"

"میں نہیں سمجھا۔" جگدیش نے آہستہ سے کہا۔

"اگر آپ راہل کے ٹھکانے سے واقف ہوں تو مجھے مطلع کیجئے۔"

"آفیسر! یقین کیجئے کہ میں نہیں جانتا۔ لیکن اتنا بتا سکتا ہوں کہ کل شام کو اس کا کوئی آدمی منٹو پارک میں مجھ سے تیس لاکھ روپے وصول کرے گا۔"

"تیس لاکھ....!" فریدی چونک کر بولا۔ "بہت بڑی رقم ہے۔"

"مجبوری۔" سر جگدیش مضمحل آواز میں بولا۔

"خیر مجھے اس سے بحث نہیں۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "آپ کی اطلاعات کا شکریہ۔"

انسپکٹر فریدی سر جگدیش کو حیران و ششدر چھوڑ کر رخصت ہو گیا۔ حیرت کی بات بھی تھی کیونکہ اس نے اسے بلیک میلنگ کی وجہ بتانے پر مجبور نہیں کیا تھا۔

❁

سرجنٹ حمید ہائی سرکل نائٹ کلب میں ایک خوشگوار رات گزار رہا تھا۔ اس کی میز پر ایک دوسرا آدمی بھی تھا.... یہ رگبی اسپورٹرز کا اینگلو انڈین منیجر مسٹر پارکر تھا۔ دونوں وہسکی پی رہے تھے۔

"مسٹر پارکر....!" حمید چلک کر بولا۔ "میں تو مر گیا.... ہائے۔"

"میں بھی مر گیا.... میرے پیارے.... ہائے۔" پارکر نے اس کی نقل اتاری۔

"کبھی تمہیں کسی سے عشق بھی ہوا۔" حمید نے پوچھا۔

"ہاں! وہ میری بیوی کی خالہ تھی۔" پارکر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"تمہاری فرم میں تو بڑی زوردار لڑکیاں ہوں گی۔"

"ہاں ہیں تو.....!"

"ان میں سے کسی کو چاہتے ہو۔"

"نہیں کسی کو نہیں..... وہ سب عاشق دار ہیں۔"

"عاشق دار..... کیا۔"

"سب عاشق رکھتی ہیں۔"

"کوئی اینگلو انڈین بھی ہے۔" حمید نے پوچھا۔ "اینگلو انڈین لڑکیاں بڑی دلکش ہوتی ہیں۔"

"اوں ہوں..... مجھے تو کالی لڑکیاں پسند ہیں۔ بالکل کالی۔"

"تم بہت ڈرڈر کر پیتے ہو۔" حمید اس کے چہرے کے سامنے انگلی نچا کر بولا۔

"ہشت.....!" پارکر اپنی بائیں آنکھ دبا کر بولا۔ "مجھ سے بڑا پیکڑ اس شہر میں نہ ہوگا۔"

حمید نے اس کے خالی گلاس میں چوتھائی بوتل ڈال دی۔

"پیکڑ تو خالص پیتے ہیں۔" حمید رک رک کر بولا۔ "مجھے نشہ ہو رہا ہے اور جب مجھے بھی نشہ ہوتا ہے تو ہر چیز گڈمڈ دکھائی دیتی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے تمہارے پیر سر پر رکھے ہوں۔ اف فوہ آج تم بڑی عمدہ یلالیاں دکھائی دے رہی ہیں۔"

پارکر ادھر ہی دیکھنے لگا جدھر حمید نے اشارہ کیا تھا۔ اس دوران میں حمید کے داہنے ہاتھ نے ایک دوسری حرکت کی۔ پارکر کو پتہ بھی نہ چلا ایک سفید رنگ کے سفوف نے اس کی شراب کو کچھ کا کچھ بنا دیا ہے۔

"مگر ان میں ایک بھی کالی نہیں۔" پارکر نے حمید کی طرف مڑ کر کہا اور پھر اپنے گلاس کی طرف متوجہ ہو گیا..... ابھی گلاس ہونٹوں تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ اس کے قریب سے گزرتے ہوئے ایک آدمی نے ٹھوکر کھائی اور اس پر آرہا۔ گلاس ہاتھ سے گر کر چور چور ہو گیا۔

"معاف کیجئے گا۔" وہ آدمی گڑگڑا کر بولا۔ "مجھے دراصل چکر آگیا تھا۔"

پارکر اسے چند لمحے حیرت سے آنکھیں پھاڑے دیکھتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ "کوئی بات نہیں۔"

اجنبی ایک بار پھر معافی مانگ کر آگے بڑھ گیا..... لیکن سرجنٹ حمید کی نظریں عجیب انداز میں اس کا تعاقب کرتی رہیں۔

"اچھا دوست..... اب مجھے اجازت دو۔" پارکر اٹھتا ہوا بولا۔ "میرے آفس میں لوسی نام کی کوئی لڑکی کبھی نہیں تھی۔ آج کل کی لڑکیاں بڑی سور ہوتی ہیں۔ وہ ہمیشہ تمہاری جیب کاٹیں گی اور کسی مویشی خانے کا پتہ بتا دیں گی۔ تمہارے ساتھ بھی یہی ہوا ہے۔ اب کبھی کسی اینگلو انڈین سے عشق نہ کرنا..... کیا سمجھے..... ہمیشہ کالی لڑکیاں..... کالی لڑکیاں..... کالی لڑکی ایک کالی لڑکی وہ..... اور کالی لڑکی تین..... ناؤ گڈ بائی۔"

پارکر بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملا کر رخصت ہو گیا۔ حمید نے اسے کلب کی عمارت سے باہر جاتے دیکھا لیکن وہ اجنبی ابھی ہال ہی میں موجود تھا جس نے پارکر پر گر کر اس کی ساری اسکیم خاک میں ملا دی تھی۔

اسے یقین تھا کہ اس نے دیدہ دانستہ ٹھوکر کھائی تھی شاید وہ خاص طور سے اس کی حرکتوں کو دیکھتا رہا تھا..... اور پھر اسے پارکر کا رویہ بھی یاد آگیا۔ اس نے اس واقعے کے بعد اجنبی کو ایسی نظروں سے دیکھا تھا جیسے وہ نہ صرف اُسے پہچانتا رہا ہو بلکہ اس سے بے تکلف بھی رہا ہو۔ لیکن پھر اجنبی کا رویہ دیکھ کر وہ اپنی اصلی حالت میں آگیا۔

حمید نے اجنبی کو باہر جاتے دیکھا اس نے فوراً ہی فیصلہ کیا کہ اُسے اس کا تعاقب کرنا چاہئے۔ لیکن وہ اٹھ ہی رہا تھا کہ اس نے اپنے داہنے شانے پر کسی کا ہاتھ محسوس کیا۔ وہ چونک کر مڑا۔ فریدی کی ملامت آمیز نظریں اس کے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں۔

"تشریف رکھئے۔" فریدی نے طنز آمیز لہجے میں کہا۔ حمید بیٹھ گیا۔

"دیکھئے میں اس وقت بہت مصروف ہوں۔" حمید نے کہا۔

"بیٹھئے بیٹھئے۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "مجھے آپ کی مصروفیات کا علم ہے۔"

دونوں چند لمحے ایک دوسرے کو تیز نظروں سے گھورتے رہے پھر فریدی بولا۔ "تمہاری جلد بازی کی عادت سے میں تنگ آگیا ہوں۔ آخر اس کی شراب میں خواب آور دوا ملانے کی کیا ضرورت تھی اس نے تمہیں بتا دیا تھا کہ اس کے آفس میں لوسی نام کی کوئی لڑکی نہیں تھی۔ بس اتنا ہی کافی تھا۔"

"مجھے اس کے بیان پر شبہ تھا۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"خوب! اور تم اسے بیہوش کر کے اپنا شبہ دور کرنا چاہتے تھے۔ کیا اسی پر لوسی ہونے کا شبہ تھا۔"

"جہنم میں گئی لوسی۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "مجھے مت بور کیجئے۔"

"اور دوسری بات یہ کہ آج پھر تم نے شراب پی ہے۔" فریدی نے غصیلی آواز میں کہا۔

"زہر تو نہیں پیا۔ میں کسی دن پیتے پیتے مر جاؤں گا۔ مگر نہیں میں جینا چاہتا ہوں اپنی محبوبہ کی خاطر۔"

اس نے جیب سے سفید رنگ کی چوہیا نکال کر ہتھیلی پر رکھ لی۔ پھر اُسے مخاطب کر کے بولا۔ "تم بہت اچھی ہو میری جان۔ میں تمہارے لئے جیوں گا بس....!"

"یہ کیا بیہودگی ہے۔" فریدی چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"یہ صرف ایک چوہیا ہے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ نے سینکڑوں سانپ کیوں پال رکھے ہیں۔ آپ کے پاس درجنوں کتے ہیں۔ آپ بھانت بھانت کے پرندے کیوں اکٹھا کرتے ہیں۔"

"بکو مت! احمق کہیں کے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ پھر وہ حمید کو وہیں چھوڑ کر باہر نکل گیا۔ حمید کے ہونٹوں پر بڑی نشیلی سی مسکراہٹ تھی۔

❁

رگبی امپورٹرز کے دفتر کے اوپر والے کمرے میں جہاں ایک پُراسرار مشین فٹ تھی۔ وہی اجنبی کھڑا ہوا تھا جس نے ہائی سرکل نائٹ کلب میں پارکر کو حمید کی شراب پینے سے باز رکھا تھا۔ سامنے والی دیوار پر مشین ابھری ہوئی تھی۔

"ہاں تو مسٹر ضرغام....!" مشین سے آواز آئی۔ "یہ پارکر پرلے سرے کا گدھا ہے۔"

"جی ہاں! اگر میں دفعتاً دخل انداز نہ ہوتا تو اس نے وہ شراب پی ہی لی ہوتی۔" ضرغام نے کہا۔

"دیکھو اب اس فریدی کو ٹھکانے ہی لگا دینا چاہئے کیونکہ یہ آہستہ آہستہ ہماری راہ کو لگ رہا ہے۔"

"جب کہئے۔ اسے مار ڈالنا مشکل نہیں۔ میں تو آج ہی اس کا خاتمہ کر سکتا تھا۔"

"نہیں مسٹر ضرغام۔ ایسا نہ کہو۔ اس کا داہنا ہاتھ بڑا خطرناک ہے چاہے وہ خالی ہو چاہے اس میں ریوالور دبا ہوا ہو۔"

"آپ مجھ پر اعتماد کیجئے۔" ضرغام بولا۔

"میں جانتا ہوں! تم بہت مناسب آدمی ہو۔" مشین سے آواز آئی۔

"شاید یہ آفس تمہیں کو سنبھالنا پڑے۔"

"کیا میں وجہ پوچھنے کی جرأت کر سکتا ہوں۔" ضرغام نے کہا۔

"کیوں نہیں۔" مشین سے آواز آئی۔ "میں ہوشیار آدمیوں کی بدتمیزی بھی برداشت کر لیتا ہوں۔ پارکر بیوقوف ہے۔ تم جانتے ہو کہ بیوقوف آدمی کتنا مخدوش ہوتا ہے۔"

"میں سمجھ گیا۔" ضرغام نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی۔

"تم بہت دانش مند آدمی ہو۔ میں ایسے آدمیوں کی قدر کرتا ہوں.... اچھا خیر۔ رائفلوں کی پلائی کب شروع کرو گے۔"

"آپ سن کر خوش ہوں گے۔" ضرغام فخر سے سینہ تان کر بولا۔ "میں نے ایک دوسرا راستہ دریافت کر لیا ہے۔ اور میرا دعویٰ ہے کہ اس تک کسی کی نظر نہیں پہنچ سکتی۔ میں نے اپنے آدمی کام پر لگا دیئے ہیں۔ کیا آپ کے سامنے نقشہ موجود ہے۔"

"ہاں.... ہاں! میں دیکھ چکا ہوں تم بتاؤ۔" مشین سے آواز آئی۔

"تالا چاری کے جنگل کے اوپر دیکھئے۔ اوپر کی طرف رتن لام سے چار میل مشرقی جانب ایک پہاڑی نالا ہے۔ اس سے مغربی جانب کی دشوار گزار چٹانوں میں ایک رخنہ بنا لیا ہے لوگوں کا خیال ہے وہ نالا چٹانوں کی دوسری طرف تک اسی دراڑ میں بہتا ہے۔ لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ وہ نالا تھوڑی دور چل کر ایک گہری کھڈ میں گر جاتا ہے اور بقیہ دراڑ بالکل خشک ہے۔ جو تنگانہ کے مقام پر پہنچ کر گھنی جھاڑیوں میں چھپ گئی ہے۔ کہئے یہ راستہ کیسا ہے۔"

"بہت اچھے! بہت اچھے۔" مشین سے آواز آئی۔ "تم بہت جلد ایک بڑا رتبہ حاصل کرنے والے ہو۔ اس سے زیادہ فی الحال اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اچھا پارکر کو یہاں لے آؤ۔ اور پھر دروازہ باہر سے مقفل کر دو۔ اور ہاں ایک بڑا صندوق بھی تیار رکھنا۔"

تھوڑی دیر بعد پارکر اس کمرے میں نظر آ رہا تھا۔ وہ اس وقت بہت خوفزدہ انداز میں چونک کر پیچھے کی طرف مڑا جب اس نے باہر قفل میں چابی گھومنے کی آواز سنی۔

"مسٹر پارکر....!" مشین سے آواز آئی۔

"یس باس! یس باس...." وہ گھبراہٹ میں فرش کی طرف جھکتا چلا گیا۔

"تم بہت نیک آدمی ہو۔"

"او.... ہو... ہو! یس باس۔"

"اور نیک آدمی کی جگہ جنت ہے۔" مشین سے آواز آئی۔

"ہائیں۔" پار کر لرزتا ہوا بولا۔ "میرا قصور۔"

"کچھ نہیں! میں تم سے بہت خوش ہوں اسلئے تمہیں پنشن دی جاتی ہے۔ آج سے آرام کرو۔"

پار کر چیخ مار کر دروازے کی طرف بھاگا اور بدحواسی میں دروازے پر گھونسے مارنے لگا۔

"ٹھہرو! ڈرو نہیں۔" مشین سے آواز آئی لہجہ نرم تھا۔ "تم بہت آرام سے مرو گے۔ ہر شخص پرسکون موت کی تمنا کرتا ہے۔ خائف ہونے کی ضرورت نہیں۔ بہت آرام سے دم نکلے گا۔"

دفعتاً مشین کے ایک سوراخ سے دھواں نکلنے لگا۔ پار کر چیخ مار کر مشین کی طرف جھپٹا لیکن اسی سوراخ سے لاتعداد چنگاریاں نکل کر اس کے منہ پر پڑیں۔ وہ چیخ مار کر پیچھے ہٹ گیا۔

کمرہ دھوئیں سے بھرتا جا رہا تھا اور پار کر کھانس کھانس کر پچھاڑیں کھا رہا تھا۔ پھر اس کے گرد دھوئیں کی تہہ اتنی گہری ہو گئی کہ وہ اس میں چھپ گیا۔ اب اُسے کھانسی بھی نہیں آ رہی تھی۔ دونوں ہاتھوں سے خود ہی اپنا گلا گھونٹ رہا تھا اور اس کی آنکھیں اُبلی پڑ رہی تھیں۔

کمرے کا دھواں پھر مشین کے اُسی سوراخ کی طرف واپس جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد کمرے کی اُجلی دیواریں پہلے کی طرح چمکنے لگیں۔ پار کر چاروں خانے چت فرش پر پڑا تھا۔

خوفناک سازش

فریدی مضطربانہ انداز میں ٹہل رہا تھا اور وہ پچھلی رات ہی سے حمید سے ناراض تھا۔ رک کر حمید کی طرف مڑا جو نہایت انہماک سے اپنی پالتو چوہیا کے سر پر انگلی پھیر رہا تھا۔

"تم نے اپنی حرکت سے انہیں ہوشیار کر دیا۔"

"دیکھئے جناب۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "آپ نے اس سلسلے میں مجھے کوئی خاص ہدا نہیں دی تھی۔"

"کیا میرا اتنا کہہ دینا کافی نہیں تھا کہ راہل میرے ہی ایماء پر جیل سے نکالا گیا ہے اور راہل کوئی معمولی مجرم نہیں تھا اس نے درجنوں قتل کئے تھے اور فرار کے بعد بھی اس نے

کانسٹیبل کی جان لے لی اور وہ نہ جانے کتنے خون اور کرے گا۔"

"اور وہ سارے خون آپ کی گردن پر ہوں گے۔" حمید بیزاری سے بولا۔ "بہر حال میں آپ کے سر میں تو بیٹھا نہیں رہتا۔ مجھے کیا معلوم کہ آپ کی کیا اسکیم ہے اور سنئے! میں آج صاف صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ جب تک مجھے پورے حالات سے باخبر نہ رکھا جائے گا میں کسی کام میں ہاتھ نہ لگاؤں گا۔"

فریدی پھر ٹہلنے لگا۔ چوہیا حمید کی جیب میں کود گئی تھی اور اب وہ اپنے پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" فریدی رک کر آہستہ سے بولا۔ "میں تمہیں سب کچھ بتانا چاہتا تھا لیکن اس کا موقع ہی نہ مل سکا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اس نے دانتوں میں پائپ دبایا اور اُسے سلگانے لگا۔

"کیا تم بھول گئے کہ راہل کن حالات میں گرفتار ہوا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ وہ ایسے ٹرک پر بیٹھا ہوا پایا گیا تھا جس میں رائفلیں بھری ہوئی تھیں۔"

"ٹھیک! اور گرفتار ہو جانے کے بعد انتہائی تشدد کے باوجود بھی اس کے متعلق کوئی تسلی بخش بیان نہیں دیا تھا۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ شمالی مشرقی علاقے کے کچھ قبائل نے مسلح بغاوت کر دی ہے اور دشوار گزار پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے ان پر ابھی تک قابو نہیں پایا جا سکا۔"

"تو وہ رائفلیں....!" حمید بول پڑا۔

"سنتے جاؤ۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "راہل اس ٹرک سمیت گرفتار کر لیا گیا تھا چونکہ وہ بہت بڑے بدمعاشوں میں سے تھا اس لئے یہی سوچا گیا کہ وہ شاید کسی بڑے ڈاکے کا اہتمام کر رہا تھا۔ لیکن کچھ دن بعد کم از کم مجھے اپنا خیال تبدیل کر دینا پڑا۔ آج سے ایک ماہ قبل میں ملٹری ہیڈ کوارٹر میں کرنل رگھوبیر کے آفس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آفیسر باغی قبائلیوں کے کچھ اسلحے لایا جن میں ایک رائفل بھی تھی اور وہ ہو بہو اسی ساخت کی تھی جس ساخت کی رائفلیں راہل کے ٹرک میں پائی گئی تھیں۔"

"اوہ....!" حمید آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔

چند لمحے خاموشی رہی پھر حمید بولا۔ "تو اس کا یہ مطلب ہے کہ راہل ہی قبائلیوں کو اسلحہ سپلائی کر رہا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ کسی کے لئے کام کر رہا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "ویسے پہلے میں نے بھی یہی سمجھا تھا لیکن اب یہ خیال قطعی بدل دیا ہے۔ اگر وہ اس کا ذاتی کام ہوتا تو اسے سر جگدیش کو بلیک میل نہ کرنا پڑتا۔"

"سر جگدیش تو بڑا نیک آدمی ہے۔ آخر اسے کس معاملے میں بلیک میل کیا جا سکتا ہے۔"

"ایک قطعی غیر اہم معاملہ۔" فریدی نے کہا۔ "سر جگدیش کو اپنی بیوی کی بہن سے عشق ہو گیا تھا۔ ویسا عشق جس کے تم قائل ہو۔ بہر حال راہل کے پاس ان دونوں کی ایک تصویر ہے جس سے سر جگدیش کی نیک نامی پر دھبہ لگ سکتا ہے۔ راہل اسے سالہا سال سے بلیک میل کر رہا ہے۔ سر جگدیش اس کا منہ بند رکھنے کے لئے اُسے ہر ماہ ایک اچھی خاصی رقم دیتا ہے۔"

"کیا سر جگدیش نے آپ کو بتایا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں اس تذکرے کو یہیں چھوڑو۔ کیونکہ یہ قطعی غیر اہم ہے۔ میں تو اُن رائفلوں کی بات کر رہا تھا.... ہاں تو مجھے یقین ہے کہ راہل کسی دوسرے آدمی کے لئے یہ کام کر رہا تھا اور اب ہمیں اس آدمی کی تلاش ہے۔ راہل ایک چھوٹی مچھلی ہے، جو اس بڑی مچھلی کو پھنسانے کے لئے چارے کے طور پر پھینکی گئی ہے۔"

"آپ کو یہ ساری باتیں پہلے ہی بتانی چاہئے تھیں۔" حمید نے کہا۔ "کیا یہ معاملہ ہمارے محکمے کے علم میں ہے۔"

"صرف تین آدمی جانتے ہیں۔ میں، ڈی آئی جی اور آئی جی! چوتھے تم ہو۔ ان دونوں آفیسروں کے علم میں لائے بغیر راہل کا فرار ناممکن ہو جاتا۔"

"ہوں.... اور ابھی تک اس بڑی مچھلی پر آپ کی نظر نہیں پڑی۔"

"نہیں!" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "وہ بڑی مچھلی فی الحال ٹیڑھی کھیر ہے۔ راہل بھی بہت زیادہ احتیاط برت رہا ہے۔ اس نے ابھی تک اس بڑی مچھلی کی طرف رخ نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ اب وہ بڑی مچھلی ہی محتاط ہو گئی ہو۔"

"اگر یہ بات ہے تب تو راہل کو جیل سے نکالنا ہی بیکار ثابت ہوا۔" حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"اب مجھے بھی یہی سوچنا پڑ رہا ہے۔" فریدی بولا۔ "خیر دو چار دن اور دیکھتا ہوں۔ اُس کے

بعد راہل کو پھر اس کی جگہ پہنچا دیا جائے گا۔"

"لیکن ان دو چار دنوں میں وہ دو چار کیا درجنوں خون کر ڈالے گا۔" حمید مسکرا کر بولا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ پھر ٹہلنے لگا۔ حمید نے پچھلے کئی ماہ سے اُسے اتنا متفکر نہیں دیکھا تھا جتنا وہ ان دنوں تھا۔



رگبی امپورٹرز کے دفتر میں دو کلرک گفتگو کر رہے تھے۔

"سنا ہے مسٹر پارکر ایک طویل رخصت پر اچانک انگلینڈ چلے گئے ہیں۔"

"اوہو! یہ کب۔"

"غالباً یہ پچھلی رات کی بات ہے اور اب مسٹر ضرغام نمبر چار والے اس آفس کی دیکھ بھال کریں گے۔"

"ضرغام! خدا محفوظ رکھے۔ وہ تو بڑا سخت آدمی ہے۔"

اچانک گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا کیونکہ ضرغام آفس میں داخل ہو کر منیجر کے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ یہ ایک گٹھیلے جسم کا پست قد آدمی تھا اور اس کے خدوخال اس کی سفاک طبیعت کی غمازی کر رہے تھے۔

وہ چند منٹ تک بے حس و حرکت پارکر کی کرسی پر بیٹھا رہا پھر اس نے گھنٹی بجائی دوسرے لمحے میں چپراسی اندر آیا۔

"ان دونوں آدمیوں کو بھیج دو جو ابھی دروازے کے پاس کھڑے تھے۔" اس نے چپراسی سے کہا۔

چپراسی چلا گیا اور ضرغام پارکر کی تصویر کی طرف دیکھنے لگا جو سامنے ہی لگی ہوئی تھی۔ ضرغام نے خود پچھلی رات کو پارکر کی لاش ٹھکانے لگائی تھی۔ لیکن اس وقت اس کی تصویر پر نظر پڑتے ہی اس نے جھرجھری لی۔ مطلوبہ آدمی کمرے میں پہنچ گئے تھے۔ ضرغام نے ان پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور کرسیوں کی طرف اشارہ کر کے کچھ لکھنے میں مشغول ہو گیا۔

ان میں سے ایک کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور دوسرا کچھ حوصلہ مند نظر آ رہا تھا۔

ضرغام قلم رکھ کر اُن کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس نے باری باری سے دونوں کے چہروں کو

دیکھ کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔

"تم دونوں یہاں کب سے ہو؟" ضرغام نے پوچھا۔

"میں تین سال سے اور یہ دو سال سے۔" ایک نے دوسرے کی طرف اشارہ کیا۔

"تمہارے نام۔"

"میں ارجن ہوں اور یہ جمیل۔" اسی نے پھر جواب دیا۔

"تعلیم....!"

"ہم دونوں گریجویٹ ہیں۔"

"تجربہ۔" ضرغام نے انہیں گھور کر کہا۔ "سوچ سمجھ کر جواب دینا۔"

"میں نے ایک قتل کیا تھا۔" ارجن لاپروائی سے بولا۔

"خوب اور تم....!"

"میں نے۔" جمیل ہچکچایا۔ "میں نے کوئی بڑا کارنامہ سرانجام نہیں دیا۔ میں نے ایک حرامی نوزائیدہ بچے کا گلا گھونٹ دیا تھا۔"

"ہوں.... اچھا.... آج رات تمہیں سفر کرنا ہوگا۔ شمال مشرقی علاقے کا۔ گونگال کے اسٹیشن پر ایک سیاہ رنگ کی وین جس پر سور کا سر بنا ہوگا تمہیں کام پر لے جائے گی۔ کیشئر سے دو دو ہزار روپے لے لو۔ یہ سفر خرچ ہے۔ معزز آدمیوں کی طرح سفر کرنا۔"

ضرغام نے دو کاغذان کی طرف بڑھا دیئے اور وہ انہیں لے کر ضرغام کو سلام کرتے ہوئے باہر چلے گئے۔

ضرغام تھوڑی دیر تک خاموشی سے کچھ سوچتا رہا پھر اس نے فون کا ریسیور اٹھایا دوسرے لمحے میں وہ کسی کو ڈائیل کر رہا تھا۔ "ہیلو.... کون.... بھیڑیئے کو فون پر بلاؤ.... ہیلو.... کون بھیڑیئے! اچھا.... میں سور بول رہا ہوں۔ آر.... آتی.... ہاں میں اب میں یہیں ہوں.... دیکھو دو آدمی بھیج دو.... اپنی ہی طرح کے.... سمجھے! بہت خوب۔"

سرجنٹ حمید جاوید بلڈنگ سے تھوڑے ہی فاصلے پر کھڑا سن سٹ ریستوران کی نگرانی کر رہا تھا۔ اُسے دراصل فریدی کے قول کی تصدیق کرنی تھی۔ وہ ایک مرتبہ اسے اندر سے بھی دیکھ چکا

تھا۔ اس ریستوران میں صرف دو کمرے تھے۔ ایک باہر کا بڑا کمرہ جہاں گاہک بیٹھتے تھے اور دوسرا اندرونی کمرہ جسے دو حصوں میں بانٹ کر ایک حصے میں باورچی خانہ بنا دیا گیا تھا اور دوسرے میں.... دوسرے تک حمید کی نظروں کی بھی رسائی نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ اس کا دروازہ بند تھا۔

حمید اس وقت ایسی جگہ پر کھڑا تھا جہاں سے نہ صرف باہری کمرہ بلکہ اندرونی کمرہ کا دروازہ بھی صاف نظر آ رہا تھا۔ گاہکوں کے بیٹھنے کا کمرہ بالکل خالی تھا اور حقیقتاً یہ ایک ایسا ہی موقع تھا جب حالات سازگار ہی رہنے کی بناء پر فریدی کے قول کی تصدیق کی جا سکتی تھی۔

اسے زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ اندرونی کمرے کا دروازہ کھلا اور دو خوش پوش آدمی برآمد ہوئے۔ حمید الیکٹرک پول پر پیر رکھ کر اس طرح جھکا جیسے وہ اپنے جوتے کے فیتے باندھ رہا ہو۔ حالانکہ وہ اس وقت میک اپ میں تھا لیکن پھر بھی وہ کسی احتیاطی تدبیر کو نظر انداز نہیں کرنا چاہتا تھا۔

وہ دونوں ریستوران سے نکل کر فٹ پاتھ پر آئے۔ حمید فیتے باندھ کر چل پڑا۔ قریب ہی ایک بک ڈپو تھا جس کے سامنے اس نے اپنی موٹر سائیکل کھڑی کی تھی۔ وہ آگے بڑھ کر ایک شوکیس پر جھک گیا جس میں کتابیں لگی ہوئی تھیں۔ اس شوکیس کے مقابل ایک الماری تھی جس میں ایک بڑا سا آئینہ نصب تھا۔ حمید نے اطمینان کا سانس لیا وہ دونوں اس آئینے میں صاف نظر آ رہے تھے۔

انہوں نے ایک ٹیکسی رکوائی.... اور پھر جب ٹیکسی کافی دور نکل گئی تو حمید نے اپنی موٹر سائیکل سنبھالی۔ بہرحال اس دوڑ دھوپ کا یہ نتیجہ نکلا کہ حمید کو مایوسی نہیں ہوئی۔ ان دونوں کی منزل رگبی امپورٹرز کا آفس تھا.... اور رگبی امپورٹرز کا آفس ایسا نہ تھا جسے حمید آسانی سے نظر انداز کر دیتا۔ اُسے رکنا پڑا کیونکہ خالی ٹیکسی دفتر کے سامنے اب بھی کھڑی ہوئی تھی۔ حمید ان کا منتظر رہا۔ وہ جلد ہی واپس آ گئے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ایک سوٹ کیس تھا جس کے اٹھانے کا انداز ایسا تھا جیسے وہ کافی وزنی ہو۔

ٹیکسی پھر چل پڑی.... حمید بدستور اس کے تعاقب میں رہا۔ اب یہ ٹیکسی ماڈرن الیکٹرک سپلائی کے سامنے رک گئی۔ وہ دونوں اترے، کرایہ ادا کیا اور اندر چلے گئے۔ حمید سوچ میں پڑ گیا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا وہ لوگ یہاں کسی کام سے آئے ہیں یا اس الیکٹرک

سپلائی کمپنی کا تعلق بھی انہی لوگوں سے ہے۔

مختلف قسم کی الجھنوں میں پندرہ بیس منٹ گذر گئے اور حمید اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ الجھن اس کے لئے بڑی سود مند ثابت ہوئی اگر وہ وہاں سے چلے جانے کا فیصلہ کر لیتا تو خدا ہی جانے کیا ہوتا۔

بہر حال شاید بیس منٹ بعد اُس نے ان دونوں کو پھر دیکھا اور اس بار سچ مچ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ دونوں ذی حیثیت آدمی معمولی قلیوں کی نیلی وردی میں ملبوس الیکٹرک کمپنی سے برآمد ہوئے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں وہی سوٹ کیس اب بھی تھا جسے لے کر وہ رگبی امپورٹرز کے دفتر سے چلے تھے۔ باہر سڑک پر الیکٹرک سپلائی کمپنی کی سیاہ رنگ کی وین کھڑی تھی۔ سوٹ کیس اس میں رکھ دیا گیا اور وہ دونوں اگلی نشست پر جا بیٹھے۔ انہیں میں سے ایک وین کو ڈرائیو کر رہا تھا۔

حمید کی موٹر سائیکل پھر ان کے پیچھے لگ گئی۔

تھوڑی دیر بعد الیکٹرک سپلائی کمپنی کی وین، ہائی سرکل نائٹ کلب کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔

ساری بات حمید سمجھ میں آ گئی۔ آج ہائی سرکل نائٹ کلب میں ایک عظیم الشان دعوت تھی جو شہر کے ایک بڑے سرمایہ دار کی طرف سے ایک صوبے کے وزیر اعلیٰ کے اعزاز میں دی گئی تھی۔ شہر کی مقتدر ہستیاں مدعو تھیں۔ کلب کی عمارت سجائی جا رہی تھی۔ غالباً الیکٹرک سپلائی کمپنی کو روشنی کے انتظام کا ٹھیکہ دیا گیا تھا۔ لیکن راہل کے آدمی؟.... اس کا سر چکرا گیا.... دوسرے لمحے میں وہ ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ کی طرف بھاگ رہا تھا۔

❁

رات بڑی خوشگوار تھی اور ہائی سرکل نائٹ کلب کی عمارت، نیلی پیلی، سبز اور سرخ روشنیوں میں نہائی ہوئی کھڑی تھی۔ عمارت کے اندر ایک صوبے کے وزیر اعلیٰ تشریف رکھتے تھے۔ ان کے گرد شہر کی مقتدر ہستیوں کا ہجوم تھا اور کمپاؤنڈ کے چپے چپے پر پولیس تھی لیکن الیکٹرک سپلائی کمپنی کے دونوں مستریوں پر کسی کی نظر نہیں تھی.... لیکن نہیں....! ان میں ایک آدمی ایسا تھا جس نے شروع ہی سے ان پر نظر رکھی تھی۔ یہ سرجنٹ حمید تھا۔

وہ دونوں اس بات سے قطعی بے خبر تھے.... اور انہوں نے بھی وہ کام نہیں شروع کیا تھا جس کے لئے وہ بھیجے گئے تھے۔ جب سارے مہمان آ چکے اور انہیں اطمینان ہو گیا کہ اب کمپاؤنڈ میں کسی کا داخلہ نہیں ہوگا تو انہوں نے اپنا کام شروع کر دیا.... اور یہی وہ وقفہ تھا جس میں وہ سرجنٹ حمید کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے۔ چونکہ اُس نے صبح ہی سے ان پر نظر رکھی تھی لہٰذا ان کے غائب ہوتے ہی وہ گہری تشویش میں مبتلا ہو گیا۔ وہ اکیلا کیا کرتا۔ اس نے تو دوپہر ہی کو فریدی سے فون پر سارا حال کہہ دیا تھا۔ لیکن فریدی نے اس کے جواب میں اسے ہدایت دی تھی کہ وہ خاموشی سے ان پر نظر رکھے۔ محکمے کے کسی دوسرے آدمی سے ان کا تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں.... اور اب اس وقت جب وہ تھوڑی دیر کے لئے اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تو اُسے فریدی پر بُری طرح تاؤ آنے لگا۔ تاؤ آنے کی ایک دوسری وجہ اور بھی تھی۔ فریدی بھی اس دعوت میں مدعو کیا گیا تھا۔ اور اس وقت حمید کے خیال کے مطابق اندر گلچھرے اڑا رہا تھا۔ اندر بڑی بڑی حسین لڑکیاں تھیں اور دنیا کی ہر حسین لڑکی کا حقدار حمید باہر جھک مار رہا تھا۔

اس جھک مارنے کے دوران میں اُسے دونوں آدمیوں کا سوٹ کیس یاد آیا جسے انہوں نے کمپاؤنڈ میں ایک کونے میں اُگی ہوئی مالتی کی بے ترتیب جھاڑیوں میں چھپا دیا تھا۔ حمید نے سوچا کیوں نہ چل کر اس سوٹ کیس کی تلاشی لی جائے۔ آخر وہ اس میں کیا لئے پھر رہے ہیں۔

یہ جھاڑیاں کچھ ایسی جگہ پر تھیں جہاں بالکل اندھیرا تھا اور یہ جگہ عمارت سے کافی دور تھی۔ حمید چہار دیواری سے چپکا ہوا ان کی طرف بڑھنے لگا لیکن وہ ان کے قریب پہنچ کر بھی اندر نہ گھس سکا کیونکہ وہ دونوں جھاڑیوں میں موجود تھے ان میں سے ایک کہہ رہا تھا "تمہیں دھوکا تو نہیں ہوا.... کار اسی کی تھی نا۔"

"یار تم مجھے بچہ کیوں سمجھتے ہو۔" دوسرا بولا۔ "اتنی کاروں میں ایک کے علاوہ دوسری کیڈیلاک نہیں ہے۔"

حمید کے کان کھڑے ہو گئے۔

"خیر! اچھا تو دیکھو۔" پہلے نے کہا۔ "جیسے ہی میں ٹاور کے پاس والے درخت سے سرخ روشنی دکھاؤں تم پھرتی سے سوئچ دبا کر نکل بھاگنا۔"

"اور تمہارا کیا بنے گا؟" دوسرا بولا۔

"اس کی فکر نہ کرو! دھماکے کے بعد کسی کے بھی ہوش بجانہ رہیں گے۔ میں نکل آؤں گا۔"

"اچھا تو فتح....!" دوسرے نے کہا۔

"فتح....!" پہلا بولا اور جھاڑیوں سے رینگ کر دوسری طرف چلا گیا۔

دفعتاً ایک خیال بجلی کی طرح حمید کے ذہن میں کوند گیا اور اس کے دل کی دھڑکن بڑھ گئی۔ وہ بڑی تیزی سے اپنی جگہ سے ہٹا۔ یہ حقیقت تھی کہ سینکڑوں کاروں میں ایک کے علاوہ دوسری کیڈیلاک نہیں تھی.... اور یہ کیڈی لاک فریدی کی تھی۔

کچھ کاریں اندر کمپاؤنڈ میں تھیں اور کچھ باہر سڑک پر تھیں۔ فریدی کی کیڈی اندر ہی تھی اور ایسی جگہ کھڑی تھی جہاں دوسری کاریں بھی تھیں لیکن کیڈی اندھیرے میں تھی۔ پائیں باغ کی دیوار سے بالکل ملی ہوئی۔

حمید کو ایک مستری دکھائی دیا جو ٹاور کے قریب والے درخت کی طرف جا رہا تھا۔ سوچنے سمجھنے کے لئے وقت کم تھا۔ لیکن پھر بھی وہ اس وقت تک اس مستری کو دیکھتا رہا جب تک کہ وہ کافی دور نہیں نکل گیا۔ پھر وہ اس طرف چل پڑا جدھر کیڈی کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے پہلے تو کیڈی کے اندر اچھی طرح دیکھ بھال کی۔ لیکن جب کوئی چیز نہ ملی تو وہ بے تحاشہ زمین پر لیٹ کر اس کے نیچے رینگ گیا۔ اس کی چھوٹی سی ٹارچ اس کے ہاتھ میں تھی۔

اور پھر اسے جو کچھ نظر آیا اس نے اس کی رگوں کا خون منجمد کر دیا۔ کیڈی کے نیچے ڈائنامیٹ رکھا ہوا تھا اور اس سے لگے ہوئے تار کا سلسلہ شاید اس جھاڑی تک چلا گیا تھا جہاں اس نے کچھ دیر قبل ان دو خطرناک آدمیوں کی گفتگو سنی تھی۔

کافی ٹھنڈک ہونے کے باوجود بھی اس کی پیشانی سے پسینے کے قطرات ٹپک رہے تھے اس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ڈائنامیٹ کا تار الگ کر دیا اور پھر سوچنے لگا کہ اُسے ہٹا کر کہاں لے جائے۔ دفعتاً اسے یاد آیا کہ کیڈی کی سٹپنی کی کنجی اسی کے پاس ہے۔ وہ ڈائنامیٹ کو احتیاط سے اپنے ہاتھوں پر سنبھالے ہوئے باہر رینگ آیا۔ اسٹپنی کھولی اور اُسے بہ آہستگی ایک طرف رکھ کر اطمینان کا سانس لیا۔

"کیا وہ اُن دونوں کو پکڑ لے؟" یہ سوال بڑی شدت سے اس کے ذہن میں گونج رہا تھا لیکن وہ فریدی سے مشورہ لئے بغیر کچھ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اس نے بڑی سختی سے اُسے کسی ایسے اقدام

سے روک دیا تھا جو اُس کے مشورے کے بغیر کیا جائے۔

دعوت ختم ہوئی۔ کاریں ایک ایک کر کے رخصت ہونے لگیں۔ جب فریدی اپنی کیڈی پر بیٹھا تو ٹاور کے قریب والے درخت پر ایک سرخ رنگ کا بلب بار بار جلنے اور بجھنے لگا۔ حمید یہ تماشا دیکھنے کے لئے رک گیا تھا۔ بلب جلتا اور بجھتا ہی رہا۔ لیکن فریدی کی کیڈی فراٹے بھرتی ہوئی پھاٹک سے باہر نکل گئی۔

حمید کا دل چاہا کہ چوٹی والے فلم بینوں کی طرح تالیاں پیٹنا شروع کر دے۔ اس نے خود اپنی پیٹھ ٹھوکنے کے لئے اپنا ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ دفعتاً کسی طرف سے ایک فائر ہوا اور ٹاور کے قریب والے درخت سے ایک لاش زمین پر آگری۔ یہ الیکٹرک سپلائی کمپنی والے مستری کی لاش تھی۔ لوگ چاروں طرف سے دوڑ پڑے۔

حمید بے تحاشہ اس جھاڑی کی طرف بھاگ رہا تھا جہاں دوسرا مستری تھا.... اور وہاں پہنچ کر اُسے دوسری لاش نظر آئی۔ دوسرے مستری کو کسی نے گلا گھونٹ کر مار ڈالا تھا نہ تو وہاں ڈائنامیٹ کا تار تھا اور نہ وہ بیٹری تھی جس کے ذریعہ ڈائنامیٹ سے فریدی کی کار اڑائی جانے والی تھی۔

گلا گھونٹنے والی

دوسری صبح بڑی خوشگوار تھی۔ سرجنٹ حمید بے چینی سے فریدی کے کمرے کے سامنے ٹہل رہا تھا۔ اُسے توقع تھی کہ فریدی بیدار ہو گیا ہو گا۔ وہ دراصل اس لئے بیچین تھا کہ جلد از جلد فریدی کو اپنی کارگزاریوں کی اطلاع دے سکے۔ پچھلی رات جب وہ واپس آیا تھا تو فریدی موجود نہیں تھا اس نے اس کا انتظار بھی کیا تھا لیکن وہ دیر تک اپنی نیند پر قابو نہیں پا سکا تھا۔

اب صبح صبح وہ چاہتا تھا کہ فریدی کے منہ سے اپنے لئے تعریفی جملے سن سکے۔ آخر جب معاملہ برداشت کی حد سے تجاوز کر گیا تو اس نے فریدی کی خواب گاہ کے دروازے کا ہینڈل گھمایا۔ دروازہ اندر سے مقفل نہیں تھا اس لئے بڑی آہستگی سے دروازے کو پیچھے کی طرف دھکیل دیا.... لیکن.... فریدی اندر موجود نہیں تھا.... بستر بے شکن تھا۔ معلوم ہوتا تھا جیسے فریدی پچھلی رات اس پر لیٹا ہی نہیں۔

تکیے پر ایک لفافہ پڑا تھا۔ حمید نے جھک کر اُسے اٹھایا اور اس پر اپنا نام دیکھ کر اُسے چاک کرنے لگا۔

تحریر فریدی ہی کی تھی۔ اُس نے لکھا تھا۔

"حمید ڈیئر!

تمہارا بہت بہت شکریہ! تم نے پچھلی رات میری جان بچائی اور میں اس بات سے بھی خوش ہوں کہ تم نے یہ کام بڑی راز داری اور ہوشیاری سے انجام دیا۔ میں فی الحال کچھ دنوں کے لئے باہر جارہا ہوں اور پوچھو تو تمہارا اہم رول اسی نقطے سے شروع ہو رہا ہے۔ غالباً تم سمجھ گئے ہو گے۔ وہ مجھ تک پہنچنے کے لئے تمہارا تعاقب کریں گے، لیکن تم قطعی ہراساں نہ ہونا۔ تمہارے لئے میک اپ وغیرہ کی بھی ضرورت نہیں۔

کل واقعی تم نے کمال کر دیا۔ مجھے یقین ہے کہ میرے بعد تم ہی میری جگہ لو گے۔

امید ہے کہ تمہاری چوہیا بعافیت ہو گی اس کے لئے ایک بوسہ اڑا رہا ہوں۔"

حمید نے خط پڑھ کر بڑے ڈرامائی انداز میں اپنے سر کو جنبش دی اور یک بیک اس کے چہرے پر اس قسم کی سنجیدگی برسنے لگی جیسے وہ یک بیک بوڑھا ہو گیا ہو۔ اس نے معنی خیز انداز میں دوبارہ اپنے سر کو جنبش دی اور ایک پروقار بوڑھے کی طرح آہستہ آہستہ چلتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

اب وہ سوچ رہا تھا کہ اس نے حقیقتاً ایک بڑا کارنامہ انجام دیا ہے اور وہ سچ مچ فریدی کے بعد دنیا کا دوسرا سب سے بڑا سراغ رساں ہے۔

اس پر یہ حماقت آمیز سنجیدگی کافی دیر تک طاری رہی اور وہ ہر لحظہ کسی جاسوسی ناول کے آئیڈیل سراغ رساں کی طرح عجیب عجیب حرکتیں کرتا رہا۔

پھر اس نے صبح کا اخبار اٹھایا۔ پچھلی رات کے عجیب و غریب حادثہ کی خبر سرورق پر ہی موجود تھی۔ اخبار کے رپورٹر کی خیال آرائیاں بڑی دلچسپ تھیں۔ لیکن وہ کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچا تھا۔ ماڈرن الیکٹرک سپلائی کمپنی کے کارکنوں کو بھی اس حادثے پر حیرت تھی۔ انہوں نے تسلیم کیا تھا کہ وہ دونوں مستری انہیں کی کمپنی کے متعلق تھے۔

اچانک حمید ایک نئی الجھن میں مبتلا ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی کو پورے واقعات کا علم کیونکر ہوا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ مستریوں کے قتل کی واردات کا علم اُسے رات ہی کے کسی حصے میں بعد

کو ہو گیا ہو۔ لیکن اُسے ڈائنامیٹ کا حال کیونکر معلوم ہوا۔ وہ تو اس وقت عمارت کے اندر تھا۔

حمید اٹھ کر گیراج کی طرف بھاگا۔ کیڈی کھڑی تھی۔ اس نے اسٹپنی کھولی۔ ڈائنامیٹ ٹھیک اسی جگہ پر موجود تھا جہاں اس نے اُسے پچھلی رات کو رکھا تھا۔

"عجیب بات ہے۔" حمید گردن جھٹک کر آہستہ سے بڑبڑایا۔ "اس نے اسٹپنی کو پھر مقفل کر دیا۔"

❁

کنگسن لین کی ایک عمارت میں جہاں زیادہ تر شہر کے متمول لوگ آباد تھے لوسی حیران و ششدر کھڑی تھی اور اس کے سامنے ایک سجیلا اینگلو انڈین کھڑا اُسے احمقوں کی طرح دیکھ رہا تھا۔

"مادام لوسی۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "میں پھر کہتا ہوں کہ آپ خطرے میں ہیں۔"

"میں سمجھتی ہوں۔" لوسی مضطربانہ انداز میں بولی۔ "میں جانتی ہوں! مسٹر پارکر کی طویل رخصت۔ مجھے یقین ہے کہ اُن سے ضرور کوئی غلطی ہوئی اور جس سے کوئی غلط سرزد ہوتی ہے وہ ایک طویل رخصت پر روانہ کر دیا جاتا ہے.... مگر میں....!"

"کیا آپ سے غلطی نہیں ہوئی۔" اُس نے پوچھا۔

"نہیں مسٹر لوتھر! میری دانست میں تو نہیں۔" لوسی نے کہا۔

"پھر آپ پر پابندی کیوں لگائی گئی ہے۔" لوتھر بولا۔ "مجھ سے سنئے! آپ نے اس سراغ رساں کو آفس کا فون نمبر دیا تھا۔ یہ ایک بہت بڑی غلطی تھی۔"

"اوہ.... میں نے.... میں نے مسٹر پارکر کی ہدایت پر عمل کیا۔"

"لیکن مسٹر پارکر اس کا ثبوت پیش کرنے کیلئے طویل رخصت پر سے واپس نہیں آئیں گے۔"

"پھر میں کیا کروں۔" لوسی مایوسی سے بولی۔

"میں نہیں جانتا کہ اب آپ پر کوئی افتاد پڑے۔" لوتھر متوحش لہجے میں بولا۔ "لیکن مادام لوسی آپ مجھے اپنے خادموں میں سے پائیں گی۔ حالانکہ آپ مجھے ہمیشہ بدگوشت سمجھتی رہی ہیں۔"

"اوہ.... نہیں مسٹر لوتھر.... میں آپ کی بہت عزت کرتی ہوں۔"

"بس عزت ہی۔" لوتھر مایوسی سے بولا۔

"میں سمجھی۔" لوسی ذرا سا مسکرائی۔ "ٹھیک ہے! میں طویل رخصت پر پہنچنے کے بعد آپ کو شادی کی دعوت دوں گی۔"

"میری زندگی میں کوئی آپ کو آنکھ بھی نہیں دکھا سکتا مادام۔" لوتھر اکڑ کر بولا۔ "میں شام تک آپ کو یہاں سے نکال دوں گا۔ مطمئن رہئے۔ عمارت کی نگرانی کے لئے کوئی نہ کوئی باہر ضرور ہوگا۔ ضرغام خطرناک آدمی ہے اسے دیکھ کر نہ جانے کیوں مجھے جنگلی سور یاد آجاتے ہیں۔"

"میں نے سنا ہے کہ وہ مسٹر پارکر کی جگہ کام کر رہا ہے۔" لوسی نے کہا۔

"یہ سچ ہے۔" لوتھر نے کہا۔ "اچھا مادام! اب میں چلا۔ شام کو یاد رکھئے گا۔ میں کسی کے قدموں کی آہٹ بھی سن رہا ہوں۔"

لوتھر دروازے سے گذر کر کمروں میں گم ہو گیا۔

لوسی بھی قدموں کی آہٹ سن رہی تھی۔ آہٹیں نزدیک ہوتی گئیں۔ پھر سامنے والے دروازے میں ایک صحت مند اور نوجوان لڑکی دکھائی دی۔ یہ بھی اینگلو انڈین ہی تھی اور لوسی سے کہیں زیادہ حسین تھی۔

"روشی....!" لوسی نے حیرت سے کہا۔ "تم یہاں کہاں؟"

"لوسی ڈیئر۔" روشی پُر جوش لہجے میں چیخی۔ "تم بھی یہیں ہو.... میں دراصل فی الحال تمہاری جگہ پر کام کر رہی ہوں۔ حالات ٹھیک ہو جانے پر میں پھر واپس چلی جاؤں گی۔ لیکن مجھے یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ تم بھی اس عمارت میں ہو۔ چلو اچھا ہے۔ مجھے یہیں قیام کرنے کو کہا گیا ہے۔"

"مجھے خوشی ہے۔" لوسی ہنس پڑی۔ "تنہائی تو رفع ہوئی۔"

"اوہ.... مجھے تو بھوک لگ رہی ہے۔" روشی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"میں نے بھی ناشتہ نہیں کیا۔" لوسی بولی۔

ناشتہ کر چکنے کے بعد وہ دونوں پھر اُسی کمرے میں آبیٹھیں جس میں ان کی ملاقات ہوئی تھی۔

"یہ شہر مجھے بہت پسند ہے۔" روشی کہہ رہی تھی۔

لوسی کچھ مضمحل سی نظر آرہی تھی۔ روشنی نے دلچسپ باتیں چھیڑ دی تھیں۔ لوسی کبھی کبھی ہنس دیتی تھی لیکن اس کی یہ ہنسی بالکل بے جان ہوتی تھی۔

"تم کچھ مغموم نظر آرہی ہو۔" روشی نے کہا۔

"نہیں تو....!" لوسی زبردستی ہنس پڑی۔

"چھوڑو بھی۔" روشی نے ایک کھنکتا ہوا قہقہہ لگایا۔ "جوانی کے لئے اداسی زہر ہے۔ تم تو

بہت ہنس مکھ لڑکی تھیں۔"

"میں اب بھی ہوں۔" لوسی بولی۔

روشی نے اپنے بیگ سے سگریٹ کیس نکال کر لوسی کی طرف بڑھایا۔

"اوہ شکریہ!" لوسی ایک سگریٹ لیتی ہوئی بولی۔ "تم ہمیشہ اچھے سگریٹ پیتی ہو۔"

روشی ذرا سی مسکرائی وہ بیگ سے آئینہ نکال کر اپنے بھنوؤں کے زائد بال چننے لگی تھی۔

"واقعی عمدہ سگریٹ ہیں۔" لوسی دو تین گہرے گہرے کش لے کر بولی۔ "بازار میں تو یہ برانڈ نہیں ملتا۔"

"میرا ایک دوست وی آنا سے لایا ہے۔" روشی نے لاپروائی سے کہا۔ کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر روشی نے آئینہ سامنے کئے ہوئے لوسی کو کن آنکھوں سے دیکھا لوسی اونگھ رہی تھی۔ اس نے اپنی بوجھل پلکیں اٹھاتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"شائد مجھے نیند آرہی ہے۔"

"تمباکو ذرا سخت ہے۔" روشی مسکرا کر بولی۔ "تم پورا مت پیو ورنہ چکر آجائے گا۔"

"اوہ تو کیا تم مجھے کمزور سمجھتی ہو۔" لوسی نے سوئی سوئی ہنسی کے ساتھ کہا۔ "میں پورا پیوں گی۔"

اس نے پھر ایک گہرا کش لیا۔ پھر وہ پے در پے گہرے گہرے کش لیتی گئی چند لمحوں بعد اس کی گردن ڈھلک گئی اور دونوں ہاتھ کرسی کے نیچے جھول گئے گہری سانسوں کے ساتھ اس کا سینہ اوپر نیچے ہو رہا تھا۔

روشی نے اپنا سامان سمیٹ کر بیگ میں رکھا اور پھر پوری عمارت کا چکر لگا آئی۔

اس کا چہرہ بڑا پُر سکون نظر آرہا تھا۔ دوبارہ بیگ کھول کر اس نے ایک بڑا سا ریشمی رومال نکالا.... اور پھر بے ہوش لوسی کو عجیب نظروں سے دیکھنے لگی۔

دوسرے لمحے میں وہ اُسی رومال سے لوسی کا گلا گھونٹ رہی تھی۔

لوسی ایک بار تڑپی۔ اس کا منہ کھل گیا اور آنکھیں اُبل پڑیں۔ لیکن چہرہ بے جان تھا۔ وہ ربڑ کی اس گڑیا سے بہت مشابہ تھی جس کا پیٹ دباتے ہی منہ کھل جاتا ہے اور آنکھیں پھیل جاتی ہیں۔ روشی ایک جھٹکے کے ساتھ الگ ہٹ گئی۔

لوسی کے سینے کا تموج ختم ہو گیا تھا اور اس کی گردن اب بھی ڈھلکی ہوئی تھی۔ روشی نے

نہایت اطمینان سے اسی رومال سے اپنے لباس کی شکنیں درست کیں اور اسے بیگ میں رکھ لیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہ دوسرے کمرے میں کسی کو فون کر رہی تھی۔

❁

آرلیکچو کی رقص گاہ قہقہوں اور سیٹیوں جیسی سریلی آوازوں سے گونج رہی تھی۔ ابھی رقص شروع ہونے میں دیر تھی۔ موسم آج پچھلے دنوں کی نسبت زیادہ بہتر تھا۔ سردی زیادہ نہیں تھی۔

سرجنٹ حمید نے محسوس کیا کہ اس پر ایک دو نہیں درجنوں نگاہیں پڑ رہی ہیں آج وہ پھر پیرس کا کوئی ویٹر معلوم ہو رہا تھا۔ بہترین پریس کئے ہوئے سوٹ بے داغ اور چمکیلی سفید شرٹ اور شیشے کی طرح جھلکتے ہوئے کالر میں اس کی شخصیت اچھی طرح ابھر آئی تھی۔

لیکن وہ اپنی میز پر تنہا تھا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا۔ اس کے علاوہ پوری رقص گاہ میں اور کوئی تنہا نہیں تھا۔ حمید کی معدے سے آہ نکلی یعنی اسے ڈکار آئی۔ دل سے آہ نکلنے کا وہ قائل نہیں تھا۔ وہ کبھی سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ آخیر تک تنہا رہے گا۔ اُسے یقین تھا کہ اس کے مقدر کی لڑکی اُڑ کر اس تک پہنچے گی۔ لڑکیوں کے معاملے میں مایوسی اس کی شریعت میں حرام تھی۔

اسے زیادہ دیر تک راہ نہیں دیکھنی پڑی۔ اسے اپنی پشت پر ہلکی سی بڑبڑاہٹ سنائی دے رہی تھی اس نے گردن ترچھی کر کے کنکھیوں سے اسے دیکھا۔ وہ ایک اینگلو انڈین لڑکی تھی۔ سکرٹ میں بڑی اچھی لگ رہی تھی۔

اوہ اِدھر اُدھر دیکھ کر پھر آہستہ سے بڑبڑائی۔ "اس شہر میں کسی تنہائی پسند کا گزر نہیں۔"

"کیا آپ نے مجھ سے کچھ کہا۔" حمید پیچھے مڑ کر بڑے مؤدبانہ انداز میں بولا۔

"جی نہیں۔" لڑکی بولی۔ "میں یہ کہہ رہی تھی کہ کوئی ایسی میز نہیں جہاں میں تنہا بیٹھ سکوں۔"

"ہے کیوں نہیں!" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "لیجئے! میں باہر جا رہا ہوں۔"

"ارر.... میرا یہ مطلب نہیں!" لڑکی بوکھلا گئی۔ "بات یہ ہے کہ میں اس شہر میں اجنبی ہوں۔"

"تو بیٹھئے نا۔" حمید بے تکلفی سے بولا۔ "لاکھ اجنبی سہی لیکن یہ ٹھگوں کا زمانہ تو ہے نہیں۔"

لڑکی بیٹھ گئی۔ لیکن اس کے انداز میں اب بھی ہچکچاہٹ تھی۔ حمید نے ایک بار پھر تعریفی نظروں سے دیکھا اور وہ گھبرا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"میں خود بھی بڑا تنہائی پسند ہوں۔" حمید نے کہا۔

"تب تو میں معافی چاہتی ہوں۔" لڑکی نے اٹھنے کا ارادہ ظاہر کیا۔

"ارر.... نہیں میں یہ نہیں چاہتا۔" حمید جلدی سے بولا۔ "فضول ہے آپ کے جانے کے بعد بھی مجھے تنہائی نصیب نہ ہوگی۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"یہ....!" حمید نے جیب سے چوہیا نکال کر میز پر ڈالتے ہوئے کہا۔ "یہ میرا پیچھا نہیں چھوڑتی۔"

لڑکی یک بیک چونک کر پیچھے ہٹی پھر حیرت سے حمید کی طرف دیکھنے لگی۔

"جی ہاں۔" حمید مغموم لہجے میں بولا۔ "مجھے تنہائی کبھی نصیب نہیں ہو سکتی۔ یہ میری بد نصیبی ہے۔"

چوہیا نے میز کا چکر لگایا اور پھر حمید کے سامنے رک کر پچھلی ٹانگوں پر کھڑی ہو گئی۔

"اب دیکھئے یہ میرا مذاق اڑا رہی ہے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "مگر نہیں مجھے اس کی جنس کے متعلق شبہ ہے۔ مجھے آج تک یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ نر ہے یا مادہ۔"

"بڑی پیاری ہے۔" لڑکی نے مسکرا کر کہا اور اب وہ اُسے دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

"آپ نے غلط اندازہ لگایا۔ میری دانست میں یہ بڑا پیارا ہے۔"

"کچھ بھی ہو! مجھے پسند ہے۔" لڑکی نے اُسے پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور وہ حمید کی جیب میں کود گئی۔ لڑکی ہنس پڑی اور پھر سنجیدہ ہو کر بولی۔ "کمال کر دیا آپ نے خوب ٹرین کیا ہے۔"

"جی نہیں۔ یہ مجھے ٹرین کر رہی ہے۔"

"آپ کی باتیں دلچسپ ہیں۔" لڑکی مسکرا پڑی۔

"نہیں تو! میرے ساتھی مجھے کوتوطی کہتے ہیں۔"

"وہ قنوطی کا مفہوم ہی نہ سمجھتے ہوں گے۔" لڑکی نے کہا۔

"اونہہ ہوگا۔" حمید نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی۔ "نہ جانے کیوں مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے آپ کا نام یلایلی ہے۔"

"یلایلی.... نہیں تو میرا نام روشی ہے۔"

"روشی....!" حمید آنکھیں بند کر کے بڑبڑایا۔ "اس نام سے تو نرگس کی کلیوں کا تصور پیدا ہوتا ہے۔"

"آپ شاعر بھی ہیں۔"

حمید نے کچھ کہا۔ لیکن موسیقی کی تیز آواز میں وہ سن نہ سکی۔ رقص کے لئے موسیقی شروع ہو گئی تھی۔

"کیا میں درخواست کر سکتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"نہایت شوق سے لیکن میں بہت تھک گئی ہوں۔"

"اوہ....!" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "تب تو.... کائنات تھک گئی ہے.... یا کین کی کلیاں نڈھال ہو گئی ہیں۔"

"میں واقعی تھک گئی ہوں۔" اس نے کہا۔ "میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ میں گھر جاؤں گی۔"

"مجھے افسوس ہے۔ کیا میں کوئی خدمت کر سکتا ہوں۔"

"شکریہ! آپ بہت اچھے ہیں۔ ہم پھر کبھی ملیں گے۔ کل شام کو یہیں۔"

"میرا نام ہیمائیڈ ہے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔ وہ اسے رخصت کرنے دروازے تک گیا۔ روشنی اخلاقاً مسکرائی۔ حمید اس کے اسکرٹ کی لہروں کو دیکھ رہا تھا جب وہ دروازے سے نکل گئی تو وہ مایوسی سے اپنی میز کی طرف واپس آیا۔ اس کی طبیعت مکدر ہو گئی تھی اور اب وہ یہاں نہیں ٹھہرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے دستانے اٹھائے اور کلوک روم میں آیا۔ پھر جب خادم اسے السٹر پہنے میں مدد دے رہا تھا اس نے ایک اینگلو انڈین جوان کو دیکھا جو اسے توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

حمید نے فلٹ ہیٹ اٹھائی اور دروازے سے نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد کیڈی آر لکچو کی کمپاؤنڈ سے نکل رہی تھی۔

کچھ ہی دور جانے کے بعد اس نے محسوس کر لیا کہ ایک موٹر سائیکل اس کی کار کے تعاقب میں ہے۔ حمید نے اپنے کوٹ کی جیب ٹٹولی۔ ریوالور موجود تھا۔ حمید نے سوچا چلو یہ بھی سہی عرصے سے اس کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس نے دیدہ دانستہ کیڈی کا رخ ویران راستوں کی طرف پھیر دیا اور پھر ایک ایسی سڑک پر اچانک اس نے اسے روک دیا، جو بالکل سنسان تھی۔ موٹر سائیکل فراٹے بھرتی ہوئی آگے نکل گئی۔ اب حمید اس کا تعاقب کر رہا تھا اور ساتھ ہی وہ مڑ مڑ کر دیکھتا بھی جا رہا تھا کہ کہیں اس کے پیچھے کوئی اور بھی تو نہیں ہے۔ اس کے پیچھے سڑک سنسان تھی۔ اچانک اس نے محسوس کیا کہ آگے جانے والی موٹر سائیکل کی رفتار دھیمی ہو گئی ہے اور وہ

وہ اس کی طرف مڑی۔ حمید نے کیڈی کی رفتار دھیمی کر دی۔ اس کا بایاں ہاتھ اسٹیئرنگ پر تھا اور داہنے ہاتھ میں اس نے ریوالور کا دستہ مضبوطی سے پکڑ لیا تھا۔ جیسے ہی موٹر سائیکل قریب آئی اس نے کیڈی روک دی اور موٹر سائیکل کیڈی کے فٹ بورڈ سے آ لگی۔

"میں تیار ہوں۔" حمید نے ریوالور کی نال موٹر سائیکل سوار کی پیشانی پر رکھ دی۔

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے آفیسر!" موٹر سائیکل سوار نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" حمید نے آہستہ سے کہا اور ساتھ ہی اس نے بائیں ہاتھ سے ٹارچ بھی نکال لی۔ ٹارچ کی روشنی اسی اینگلو انڈین نوجوان پر پڑی رہی تھی جسے اس نے کچھ دیر قبل آر لکچو کے کلوک روم میں دیکھا تھا۔

"آفیسر! تمہیں لوسی کی تلاش تھی۔" اینگلو انڈین نے کہا۔

"ہاں.... آں.... تم کون ہو؟"

"وہ بھی۔" اینگلو انڈین بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "مسٹر پارکر کی طرح طویل رخصت پر روانہ کر دی گئی۔"

"پارکر.... کون پارکر....؟"

"آفیسر.... میرا نام لوتھر ہے۔ میرا تعلق بھی رگبی امپورٹرز سے ہے۔"

"اوہ.... اچھا.... تو پھر....!"

"تو پھر یہ کہ آپ اور آپ کا چیف دونوں خطرے میں ہیں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"آفیسر میں تمہیں دھوکا نہیں دوں گا۔ میرے سینے میں جہنم سلگ رہا ہے۔ انہوں نے لوسی پر بھی رحم نہ کیا۔ لوسی.... جسے میں پوجتا تھا مجھے اپنی زندگی کی پرواہ نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ مجھے بھی طویل رخصت پر روانہ کر دیا جائے گا۔ مگر مجھے پرواہ نہیں۔"

"طویل رخصت.... میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"طویل رخصت....!" لوتھر کی ہنسی بھیانک تھی۔ "رگبی امپورٹرز میں طویل رخصت عالم بالا کے سفر کو کہتے ہیں۔"

"تمہارا باس کون ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"ضرغام.... پہلے پارکر تھا.... اس کے علاوہ اور کوئی کچھ نہیں جانتا۔"

"تم کام کے آدمی ہو۔" حمید نے اس کی پیشانی سے ریوالور ہٹالیا۔

"میں پھر ملوں گا۔" لوتھر نے کہا اور موٹر سائیکل اسٹارٹ کر دی۔ پھر حمید کے چہرے کے قریب اپنا چہرہ لے جا کر بولا۔ "روشی سے ہوشیار رہنا آفیسر۔"

حمید سناٹے میں آگیا۔ موٹر سائیکل کی آواز آہستہ آہستہ دور ہوتی جا رہی تھی۔

ایک عجیب حادثہ

رگبی امپورٹرز کے دفتر کے بالائی کمرے میں ضرغام اسی مشین کے سامنے کھڑا تھا۔ جس کے ذریعہ اس کے پُراسرار باس کے احکامات اس تک پہنچتے تھے۔

"تو تمہیں یقین ہے کہ فریدی غائب ہو گیا۔" مشین سے آواز آئی۔

"جی ہاں.... میں تحقیق کر چکا ہوں۔ وہ گھر پر نہیں ہے اور نہ آفس جاتا ہے۔" ضرغام نے کہا

"بہت بُری علامت ہے ضرغام۔" مشین سے آواز آئی۔ "جب وہ اچانک لاپتہ ہو جائے تو یہی سمجھو کہ وہ تمہارے سر پر سوار ہے۔"

"میں اس کے متعلق بہت کچھ سن چکا ہوں۔" ضرغام ہنس کر بولا۔ "لیکن میں بھی غافل نہیں ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے تم پر اعتماد ہے۔" مشین سے آواز آئی۔ "پارکر قابل اعتماد نہیں تھا کیونکہ بیوقوف تھا اور تم مسٹر ضرغام ایک تراشے ہوئے ہیرے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ کبھی دوسرے اسی مشین پر تمہاری آواز سنیں۔"

"قدردانی کا شکریہ۔ آپ ہی نے مجھے روشنی بخشی ہے۔" ضرغام نے کہا۔

"راہل اپنے ساتھیوں کی موت پر رنجیدہ ہے۔"

"میں مجبور تھا.... باس.... اگر وہ پکڑ لئے جاتے....!"

"ٹھیک ہے.... ٹھیک ہے۔ میں اس لئے تمہیں تراشا ہوا ہیرا کہتا ہوں۔ مگر دیکھو ضرغام فریدی کتنا ہوشیار تھا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ وہ تم سے بہت قریب ہے۔ اخبارات میں اس کے

متعلق کچھ نہیں تھا.... اور سنو! مجھے یقین ہے کہ وہ ہماری راہ پر لگ گیا ہے۔ مجھے راہل کے فرار پر بھی شبہ ہے وہ خود ہی نہیں نکل بھاگا.... بلکہ بھگایا گیا ہے.... تمہیں یاد ہو گا کہ وہ رائفلوں کے ساتھ پکڑا گیا تھا۔"

"اوہ.... باس.... میں بھی اکثر یہی سوچتا ہوں کہ پولیس اس کی وساطت سے ہمیں پکڑنا چاہتی ہے۔" ضرغام بولا۔

"لیکن....!" مشین سے آواز آئی۔ "تمہارا باس احمق نہیں ہے۔ وہ راہل کو پہلے ہی اطلاع دے چکا ہے کہ وہ گوشہ نشینی اختیار کر لے۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر مشین سے آواز آئی۔ "دوسری بات! فریدی کا اسسٹنٹ یہیں موجود ہے اور وہ علانیہ گھومتا پھرتا ہے۔ تم اس سے کیا نتیجہ اخذ کر سکتے ہو۔"

"میرا خیال ہے۔" ضرغام بولا۔ "یہ بھی فریدی کی ایک چال ہے جیسے ہی ہم اس کے اسسٹنٹ پر ہاتھ ڈالیں گے وہ ہمیں آلے گا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے ابھی تک اس کی طرف دھیان نہیں دیا۔ ویسے روشی اس کی دیکھ بھال کر رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اسی صورت سے ہمارا ہاتھ فریدی تک پہنچ جائے۔"

"تمہارے پہلے خیال سے میں متفق ہوں۔" مشین سے آواز آئی۔ "لیکن دوسرے میں غلطی کا امکان ہے۔ فریدی نے اپنے اسسٹنٹ کو اس لئے بیباکانہ گھومنے کو نہیں چھوڑا ہے کہ وہ خود ہی اس کے لئے پھندہ بن جائے۔ ضرغام بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔"

"آپ مجھ سے بہتر سمجھ سکتے ہیں۔" ضرغام نے نہایت ادب سے کہا۔ "لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ راہل ہی سے یہ کام کیوں نہ لیا جائے۔"

"ٹھیک ہے۔ وہ بھی فریدی کے خون کا پیاسا ہے۔ لیکن میں ابھی اس کے متعلق غور کر رہا ہوں۔ فرض کرو اگر پولیس راہل کے ذریعہ ہم تک نہ پہنچ سکی تو.... کیا ہو گا۔"

"میں نہیں سمجھا۔" ضرغام بولا۔

"فریدی کے الفاظ یاد کرو.... اس نے یہی کہا تھا نا کہ راہل ایک ہفتے سے زیادہ آزاد نہیں رہ سکتا۔ ممکن ہے کہ اس نے ٹھیک ہی کہا ہو۔ اگر وہ راہل کے ذریعہ ہمارا پتہ نہ لگا سکا تو اسے پھر گرفتار کر لے گا اور ہو سکتا ہے کہ وہ کسی طرح اس سے رائفلوں کا راز اگلوانے میں کامیاب

ہو جائے۔"

"راہل پتھر ہے باس۔" ضرغام نے کہا۔ "وہ کبھی نہ اُگلے گا۔"

"مجھے افسوس ہے کہ تم فریدی سے واقف نہیں.... ارے اس کم بخت کے طریقے بڑے سائنٹیفک ہیں۔ وہ ایسی اذیتیں دیتا ہے جو قانوناً اذیتیں نہیں ہوتیں لیکن مجرم چیخ پڑتا ہے۔ وہ اسے جذباتی ہیجان میں مبتلا کر کے اس کے ذہن کو اس نقطے پر لے آتا ہے جہاں سے پاگل پن کی سرحدیں شروع ہو جاتی ہیں۔"

"آپ بہتر سمجھ سکتے ہیں۔"

"اچھا تو سنو....!" مشین سے آواز آئی۔ "راہل کو مردہ یا زندہ پیش کرنے والے کے لئے حکومت کی طرف سے دس ہزار کے انعام کا اعلان کیا گیا ہے ہے یہ عزت رگبی امپورٹرز کا منیجر کیوں نہ حاصل کرے۔"

ضرغام سناٹے میں آگیا۔ اس کے جبڑے ڈھیلے پڑ گئے اور وہ عجیب نظروں سے مشین کی طرف دیکھنے لگا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر مشین سے آواز آئی۔ "کیا سوچنے لگے۔"

"جی.... کچھ نہیں! بہت مناسب ہے۔"

"اونہہ! تم شاید ہچکچا رہے ہو۔"

"نہیں باس.... ایک ہفتہ پورا ہونے سے قبل ہی میں اسے ٹھکانے لگا دوں گا۔"

"مگر سنو! احتیاط سے.... وہ بھی کم نہیں ہے۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا باس۔" ضرغام نے ہنس کر کہا لیکن اس کی پیشانی پر تفکر کی گہری لکیریں تھیں۔

❁

تین دن سے حمید روشی کو یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ اس پر ہزار جان سے عاشق ہو گیا ہے۔ اس وقت بھی وہ دونوں کیفے ڈی سائپریس میں بیٹھے کافی پی رہے تھے۔

"روشی ڈیئرسٹ! میں بڑا خوش نصیب ہوں کہ تم مجھے مل گئیں.... ورنہ.... جانتی ہو کیا ہوتا۔"

"کیا ہوتا....!"

"کچھ بھی نہ ہوتا۔"

روشنی ہنس پڑی۔ "تم خطرناک آدمی ہو۔"

"ہاں ڈارلنگ.... میں محکمہ سراغ رسانی کا ایک آفیسر ہوں۔"

"ارے....!" روشی کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ "تم نے پہلے کبھی کیوں نہیں بتایا۔"

"تم نے پوچھا ہی کب تھا۔"

"تب تو تم واقعی خطرناک ہو گے۔"

"ہاں ڈارلنگ.... میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔"

"مجھے خفیہ پولیس کے آدمی ذرا بھی اچھے نہیں لگتے۔"

"کیوں ڈارلنگ....!"

"بس یوں ہی! وہ کبھی کسی سے پُر خلوص برتاؤ نہیں کرتے۔"

"صرف مجرموں سے۔" حمید نے کہا۔

"تمہیں کیا پتہ کہ میں بھی مجرم نہیں ہوں۔" روشی اٹھلائی۔

"ہائے.... میں جانتا ہوں! تم نے لاکھوں کا سکون لوٹا ہو گا۔ ہزاروں کے دل چرائے ہوں گے۔"

"بے تکی باتیں مت کرو۔" روشی نے بگڑ کر کہا۔

"بے تکی باتوں کے لئے میں خاص طور سے مشہور ہوں۔"

"تمہارا عہدہ یقیناً بہت بڑا ہو گا۔"

"نہیں، بہت معمولی سا ہے۔ میں سارجنٹ ہوں۔"

"واقعی بے تکی باتیں کرتے ہو۔" روشی نے ہنس کر کہا۔

"کیوں....!"

"سارجنٹ بیچارے تو موٹر سائیکل بھی نہیں خرید سکتے اور تم کیڈی لاک رکھتے ہو۔"

"اوہ.... یہ تو ملکہ الزبتھ نے تحفتاً دی تھی۔"

"کیوں فضول بکتے ہو۔" روشی ہنسنے لگی۔

"یقین کرو.... میں اپنی بیوی کو یہی کہتا ہوں۔"

"بیوی....!" روشی نے حیرت سے کہا۔ "تم کہتے تھے کہ تم کنوارے ہو۔"

"میں اب بھی یہی کہتا ہوں۔"

"تم مجھے پریشان مت کرو۔"

حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس لڑکی سے کس طرح پیش آئے۔ لوتھر اس سے اس دوران میں برابر ملتا رہا تھا اور اس سے اسے بہتیری کام کی باتیں معلوم ہوئی تھیں۔ لیکن روشی کے متعلق اتنا ہی بتا سکا تھا کہ وہ خاص طور پر اس کے پیچھے لگائی گئی ہے....؟ اس کا مقصد حمید کی نظروں میں یہی تھا کہ رگبی امپورٹرز والے فریدی کا سراغ چاہتے ہیں اور اب اس وقت جب اس نے کیڈی لاک کی بات چھیڑی تو اُسے بالکل یقین ہو گیا۔ وہ چند لمحے تمسخر آمیز انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر بولا۔

"میں دنیا کا بد قسمت ترین آدمی ہوں۔"

"تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔" روشی نے کہا۔

"یہی تو مصیبت ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "میری باتیں ہی میری ناکامی کا باعث ہیں اور اسی بناء پر آج تک میری شادی نہ ہو سکی۔"

"ابھی تو تم کہہ رہے تھے....!"

"سنو تو! وہی بتانے جا رہا ہوں۔ ایک صاحب نے مجھے مشورہ دیا ہے کہ خود کو ہمیشہ شادی شدہ ظاہر کرو۔ ان کا خیال ہے کہ شادی شدہ آدمیوں سے لڑکیاں بہت جلد دوستی کر لیتی ہیں.... اور محض یہ سمجھ کر اس کے قریب آجاتی ہیں کہ وہ دوسری بار حماقت نہیں کرے گا۔"

"بکواس ہے۔" روشی بولی۔

"ہائیں.... تو گویا ان صاحب نے مجھے بیوقوف بنایا تھا۔" حمید نے کہا اور روشی نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اچھا اب میں انہیں بیوقوف بناؤں گا۔"

"تمہارا گھر بھی بڑا شاندار ہوگا۔" روشی نے کہا۔

"ہاں.... کیوں نہیں.... دیکھو گی۔"

"ضرور.... بزرگوں کا قول ہے کہ جھوٹے کو جھوٹے کے گھر تک پہنچا دو۔"

"کیا مطلب....!"

"میں تمہیں سمجھا دوں گی کہ تم ایک معمولی سارجنٹ نہیں ہو۔"

دفعتاً حمید کے ذہن میں ایک دلچسپ خیال سر ابھارنے لگا۔ اس نے سوچا کہ اسے ضرور گھر جانا چاہئے۔ وہ دونوں چل پڑے لیکن راستے میں اچانک شائد روشی نے اپنا ارادہ بدل دیا۔

"میں نہیں جاؤں گی۔" اُس نے منمنا کر کہا۔

"کیوں؟"

"تم اچھے آدمی نہیں معلوم ہوتے۔"

"اوہ تو کیا تم صرف اچھے آدمیوں کے گھر جاتی ہو۔" حمید کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"میرا موڈ ٹھیک نہیں ہے۔ مت پریشان کرو۔"

"پھر کیا کروں۔" حمید نے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔

"مجھے اگلے بس اسٹینڈ پر اتار دو۔ میں گھر جاؤں گی۔"

"اوہو.... میں پہنچائے دیتا ہوں۔ تم بس پر جاؤ گی۔ چھی چھی۔"

"نہیں میں تمہیں اپنا گھر دکھانا نہیں چاہتی۔"

"شوہر خفا ہوگا۔"

"کیا بکتے ہو! میری شادی نہیں ہوئی۔"

"معاف کرنا! مجھے پہلے سے معلوم نہیں تھا.... ورنہ.... میں....!"

"ورنہ.... تم.... کیا؟" روشی اسے گھورنے لگی۔

"بات یہ ہے کہ میں غیر شادی شدہ عورتوں سے عشق نہیں کرتا۔"

"بدتمیز ہو تم۔" روشی بگڑ گئی۔

"اس لئے نہیں کرتا۔" حمید اس کا جملہ نظر انداز کر کے بولا۔ "کہ وہ شادی پر آمادہ ہو جاتی ہیں۔"

"شٹ اپ....!"

"اب اگر تم مجھ سے نہ ملو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ ویسے تم نے مجھے دھوکا دیا۔"

"کیا مطلب....؟" روشی یک بیک چونک کر بولی۔

"یہی کہ تم نے یہ نہیں بتایا کہ تم کنواری ہو۔"

"میں چانٹا مار دوں گی۔"

"یہی عیب ہوتا ہے، کنواری عورتوں میں۔"

"گاڑی روک دو۔"

"میں تمہیں تمہارے گھر لے جا رہا ہوں۔"

"دیکھو میں بہت بُری طرح پیش آؤں گی۔"

"پہلے کب اچھی طرح پیش آئی تھیں۔"

روشی بے بسی سے ہنس پڑی اور پھر نرم لہجے میں بولی۔ "دیکھو! مجھے ایک ضروری کام یاد آ گیا ہے۔ ہم کل پھر آر لکچو میں ملیں گے۔"

"نہیں! نہیں!" حمید سر ہلا کر بولا۔ "مجھ سے شریفانہ لہجے میں گفتگو نہ کرو۔ کنواری ہونے کے باوجود بھی تم غصے میں بڑی بھلی لگتی ہو۔"

"کیا فائدہ کہ میں تمہیں کسی مصیبت میں پھنسا دوں۔" وہ زچ ہو کر بولی۔

"تم زیادہ سے زیادہ یہ کرو گی کہ شور مچانا شروع کر دو گی۔ میں ریڈیو کھول دوں گا۔"

"خدا کے لئے تنگ مت کرو۔"

"خدا کے لئے کسی کو تنگ نہیں کرتا۔" حمید نے سنجیدہ صورت بنا کر کہا۔ "خدا کے لئے لوگ عبادت خانے بنواتے ہیں۔ یتیم خانے قائم کرتے ہیں اور دوسرے نیک کام کرتے ہیں۔"

"دیکھو! میں پھر کہتی ہوں۔"

"میں پھر سنتا ہوں۔"

روشی نے ایک بار پھر اسے قہر آلود نظروں سے دیکھا مگر خاموش رہی۔ حمید کا ذہن قلابازیاں کھا رہا تھا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سے کیسا برتاؤ کرے۔

"تو کیا سچ مچ تم جانا چاہتی ہو۔" اس نے پھر اسے چھیڑا۔

"مجھ سے بات نہ کرو۔"

"اچھا اب نہ بولوں گا۔"

"روکو گاڑی۔" دفعتاً وہ ہسٹریائی انداز میں چیخی۔

حمید نے کیڈی روک دی اور وہ اسے قہر آلود نظروں سے گھورتی ہوئی اُتر گئی۔ حمید اُسے ایک پتلی سی گلی میں مڑتے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے مسکرا کر اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی اور دوبارہ چل پڑا۔

اس دوران میں حمید کی عادت سی ہو گئی کہ وہ روزانہ کم از کم ایک بار جاوید بلڈنگ کی طرف سے ضرور گزرتا تھا۔ جاوید بلڈنگ جہاں راہل کی کمین گاہ تھی۔ اس کا مقصد دراصل یہ تھا کہ کسی طرح اسے فریدی پر سبقت حاصل کرنے کا موقع مل جائے۔

آج بھی اس نے حسب عادت کیڈی کا رخ جاوید بلڈنگ کی طرف موڑ دیا۔

❁

رات معمول سے زیادہ سرد تھی۔

رگبی امپورٹرز کے منیجر ضرغام کی کار ٹھیک اسی وقت جاوید بلڈنگ کے پاس پہنچی جب حمید اس کے سامنے والی تاریک گلی میں اپنی کیڈی بیک کر رہا تھا۔ گلی بالکل سنسان تھی۔ اس نے کیڈی کھڑی کر دی۔ کچھ دیر اگلی ہی سیٹ پر بیٹھا رہا اور جاوید بلڈنگ کے بار کی طرف دیکھتا رہا جہاں دو تین آدمی اپنے سامنے بوتلیں اور گلاس رکھے ہوئے اونگھ رہے تھے.... پھر وہ بہ آہستگی پچھلی نشست پر چلا گیا۔ کیڈی کے اگلے حصے پر سڑک کی روشنی کا عکس پڑ رہا تھا اور بقیہ حصہ تاریکی میں تھا۔ حمید پر راہگیروں کی نظر پڑنا محال تھا۔

حمید کی نظریں ضرغام پر جمی رہیں۔ وہ بار میں نہیں داخل ہوا۔ وہ اپنی کار میں بیٹھا شائد کسی کا انتظار کر رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ایک آدمی بار سے نکلا۔ اس نے السٹر پہن رکھا تھا اور اس کی فلٹ ہیٹ کا کونہ پیشانی پر جھکا ہوا تھا.... اچانک ضرغام کی کار سے ایک شعلہ سا لپکا اور ساتھ ہی بار سے برآمد ہونے والا آدمی چیخ کر پیچھے ہٹ گیا وہ اپنا بایاں بازو داہنے ہاتھ سے دبائے ہوئے تھا۔ قبل اس کے کہ وہ سنبھلتا ضرغام کی کار فراٹے بھرتی ہوئی ایک طرف نکل گئی۔ چیخ سن کر بار کے اندر بیٹھے ہوئے لوگ باہر کی طرف بھاگے۔

اور وہ آدمی بھاگتا ہوا اس تاریک گلی کی طرف آ رہا تھا۔ جہاں حمید نے کیڈی کھڑی کر رکھی تھی۔ ایک لمحے کے لئے وہ ٹھٹکا پھر اس نے کیڈی کا.... اگلا دروازہ کھول کر چھلانگ لگائی۔ دوسرے لمحے میں وہ اگلی سیٹ پر تھا اور کیڈی گلی سے نکل رہی تھی۔

حمید چپ چاپ دونوں سیٹوں کے درمیان دبکا رہا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ اتنی جلدی میں اور اتنے غیر متوقع طور پر ہوا تھا کہ حمید کو کچھ سوچنے یا عمل کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔ اور

اب دبکے رہنے کے علاوہ چارہ ہی کیا تھا.... اس نے ضرغام کو صاف پہچانا تھا.... اور اس نے وہ شعلہ بھی دیکھا تھا۔ شاید ضرغام نے سائیلنسر لگے ہوئے پستول سے گولی چلائی تھی۔ اس لئے قرب وجوار کے لوگ صرف زخمی ہونے والے کی چیخ سن سکے تھے۔

اور وہ زخمی آدمی اس وقت بھی آہستہ آہستہ کراہ رہا تھا اور اس کی آواز کسی زخمی بھیڑیئے کی غراہٹ سے بہت مشابہ تھی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اس نے یہ آواز پہلے بھی کبھی سنی ہے۔ اچانک اس کا ہاتھ جیب کی طرف گیا کیونکہ یہ آواز یقیناً راہل کی تھی.... ریوالور کے دستے پر اس کی گرفت مضبوط تھی لیکن وہ کچھ اور بھی سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ آخر ضرغام نے راہل پر گولی کیوں چلائی۔ بظاہر تو وہ دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے معلوم ہوتے تھے۔ حمید نے ریوالور کو جیب ہی میں پڑا رہنے دیا.... راہل بڑی تیزی سے کیڈی کو آگے بڑھا رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اس نے ضرغام کی کار کو جالیا۔ پھر وہ اس سے آگے نکل گیا۔ حمید نے محسوس کیا کہ ضرغام کی کار زیادہ پیچھے نہیں ہے۔ اچانک راہل نے کیڈی کو داہنی طرف موڑ کے پورے بریک لگا دیئے۔ دوسری طرف بھی چڑچڑاہٹ کی آواز سنائی دی اور ضرغام کی کار پھسلتی ہوئی شائد کیڈی سے ایک فٹ کے فاصلے پر رک گئی.... یہ سب اتنی جلدی میں ہوا تھا کہ شائد ضرغام کو سنبھلنے کا موقع بھی نہ ملا.... راہل کا ہاتھ کھڑکی سے باہر نکلا.... فائر ہوا.... اور گولی ضرغام کی کار کی ونڈ اسکرین کو توڑتی ہوئی اس کی پیشانی پر لگی.... ضرغام چیخ مار کر الٹ گیا۔ راہل کو اپنی کامیابی کا اتنا یقین تھا کہ اس نے نیچے اتر کر دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہ کی۔ اس نے نہایت اطمینان سے کیڈی موڑی اور شہر کی طرف چل پڑا۔ اب حمید کی باری تھی۔ اس نے جیب سے ریوالور نکالا اور راہل کی گردن پر رکھ دیا۔

"بس چپ چاپ چلتے رہو۔" حمید بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "اگر مڑ کر دیکھنے کی زحمت گوارا کی تو پھر خود سے گردن نہ موڑ سکو گے.... جہاں میں کہوں میری گاڑی چھوڑ کر اتر جانا۔"

"تم کون ہو؟" راہل نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"ایک ایسا آدمی جس نے ابھی تمہیں آئس کریم کھاتے دیکھا ہے۔"

"ٹھیک ٹھیک بتاؤ میرے بھائی۔" راہل کی آواز میں نرمی تھی۔

"میں ایک بلیک میلر ہوں۔" حمید نے کہا۔ "اور اس قتل کے سلسلے میں تمہیں میرا منہ بند رکھنے کے لئے کافی رقم خرچ کرنی پڑے گی۔"

راہل نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کچھ بولے بغیر کار ڈرائیو کرتا رہا۔ ایک جگہ حمید نے اُسے کار روکنے کو کہا۔

"بس ٹھیک۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "اب چپ چاپ اُترو اور پانچ گز کے فاصلے پر منہ پھیر کر کھڑے ہو جاؤ۔ میں نے تمہارا ریوالور جیب سے نکال لیا ہے۔ اس لئے کوئی حرکت بے کار ہوگی۔ پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا۔" راہل اُتر گیا۔ وہ ہدایت کے مطابق منہ پھیرے کھڑا رہا اور کیڈی فراٹے بھرتی ہوئی آگے نکل گئی۔

خونی کمرہ

دوسری صبح سارجنٹ حمید نہ صرف بہت زیادہ چاق وچوبند دکھائی دے رہا تھا بلکہ خود کو ایک ذمہ دار آدمی بھی سمجھ رہا تھا۔ اس نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے چہرے پر سنجیدگی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ پھر پائپ سلگا کر اس آرام کرسی میں گر گیا جس پر فریدی عموماً بیٹھا کرتا تھا۔ اس نے فریدی ہی کی طرح ہونٹ سکوڑے اور پیشانی پر شکنیں ڈال کر کچھ سوچنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے ٹیلی فون ڈائریکٹری اٹھائی اور اس کی ورق گردانی کرتا رہا۔ اُسے دراصل سن سٹ ریستوران کے فون کی تلاش تھی جو اُسے جلد ہی مل گیا۔

دوسرے لمحے میں ریسیور اس کے ہاتھ میں تھا۔

"ہیلو! سن سٹ ریستوران....!"

"جی ہاں.... آپ کون ہیں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"میں اوپر والے سے کنکشن چاہتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"جلدی کرو۔" حمید بولا۔ "جلدی سے کنکٹ کر دو۔ بہت ضروری ہے۔"

"آپ کون ہیں؟"

"پھر وہی بکواس۔" حمید گرج کر بولا۔ "جلدی کرو گدھے کہیں کے۔"

"ٹھہریئے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ تھوڑے عرصے کے بعد حمید نے پھر ریسیور

میں آواز سنی اور اسے آواز پہچاننے میں دشواری نہ ہوئی۔ یہ راہل تھا۔

"غالباً تم بول رہے ہو۔" حمید بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "پچھلی رات کی تفریح یاد ہے نا"

جواب میں حمید کو ہلکی سی غراہٹ سنائی دی۔ پھر راہل بولا۔ "تم ہو۔"

"ہاں میں ہوں! اور صرف ایک لاکھ میں معاملہ طے ہو سکتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"ضرور ضرور....!" راہل نے قہقہہ لگایا۔ "میں تمہیں کچھ پہچان رہا ہوں۔"

جواب میں حمید نے بھی قہقہہ لگا کر کہا۔ "قیامت تک نہیں پہچان سکتے۔"

"میں تمہیں اچھی طرح پہچان چکا ہوں۔" راہل غرایا۔ "پتہ نہیں اب تو کیا کرنا چاہتا ہے۔ البتہ اتنا جانتا ہوں کہ تو جس کو اپنی راہ کا کانٹا سمجھنے لگتا ہے اُسے یا تو اپنے الفاظ میں طویل رخصت پر بھیج دیتا ہے یا وہ طریقہ اختیار کرتا ہے، جو تو نے پچھلی رات کو اختیار کیا تھا۔ کیا تو مجھے اتنا ہی بودا سمجھتا تھا کہ ایک جھینگر کے ہاتھوں مار لیا جاتا.... دیکھ گیدڑ میں شیر ہوں۔ بلیک میل کرنے کے بہانے تو مجھ سے وہ رقمیں وصول کرنا چاہتا ہے جو اب تک مجھے دے چکا ہے۔ شائد تو ضرغام سے بھی پیچھا چھڑانا چاہتا تھا تب ہی اس کے پیچھے گیا تھا اگر میں مارا جاتا تو تو اُسے بھی ٹھکانے لگا دیتا.... اچھا تو اے گیدڑ سن! تیرے خاص آدمی تیری شخصیت سے واقف نہیں.... لیکن میں تجھے پہچان گیا ہوں اور اب تو میری مٹھی میں ہے۔"

"بکواس بند کر! ذلیل کیڑے۔" حمید بڑے ڈرامائی انداز میں چیخا۔ "تیرے فرشتے بھی مجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔"

"میں پہنچ گیا ہوں۔" راہل نے قہقہہ لگایا۔ "میں کل رات جس میک اپ میں تھا اس میں مجھے صرف ایک آدمی پہچانتا ہے اور وہ آدمی ضرغام نہیں تھا۔"

"بکواس ہے۔" حمید نے بھی قہقہہ لگا کر کہا۔ "اچھا بتا ہی دے میں کون ہوں۔" اسے پھر راہل کا قہقہہ سنائی دیا اور ٹیلی فون کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

حمید کو بڑی مایوسی ہوئی لیکن اس کا دل دھڑک رہا تھا.... یہ اس کی بڑی کامیابیوں میں سے ایک تھی۔

تھوڑی دیر بعد سرجنٹ رمیش نے اُسے فون پر اطلاع دی کہ پولو گراؤنڈ کے آگے ایک کار میں رگبی امپورٹرز کے نئے منیجر کی لاش پائی گئی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ گولی سامنے سے چلائی گئی

تھی، جو ونڈ اسکرین کو توڑ کر اس کے سر پر لگی۔

حمید بہت زیادہ مضطرب تھا وہ سوچ رہا تھا کہ راہل بتاتے بتاتے رہ گیا اور وہ شائد اس طرح فون پر کبھی نہ بتائے گا۔ اسے بڑی شدت سے فریدی کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے ذہن میں ایک پلان تھا لیکن دشواری یہ تھی کہ وہ فریدی کی مرضی کے بغیر اسے عملی جامہ نہیں پہنا سکتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ راہل کو گرفتار کر لیا جائے چونکہ اُسے اس آدمی کی طرف سے چوٹ ہو چکی ہے جس کے لئے وہ کام کر رہا تھا لہٰذا وہ جھلاہٹ میں نہ صرف اس کا نام اگل دے گا بلکہ یہ بھی بتا دے گا کہ وہ اب تک اس سے کیا کام لیتا رہا ہے۔

اسے اب فریدی پر غصہ آنے لگا۔ اسے اس کی یہ بات ہمیشہ گراں گذرتی تھی کہ وہ ایسے کیسوں کے سلسلے میں روپوشی کے بعد اس سے رابطہ قائم نہیں رکھتا تھا۔

تھوڑی دیر تک غور کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ جاوید بلڈنگ پر ضرور چھاپا مارنا چاہئے۔ اُسے خود بھی تو اپنے پیروں پر کھڑے ہونا ہے۔ کب تک انگلی پکڑ کر چلتا رہے گا۔ راہل پر جلد قابو پانا اشد ضروری ہے۔ ورنہ اگر ان دونوں میں سے ایک بھی مارا گیا تو ساری محنتوں پر پانی پھر جائے گا۔

اس نے بڑی خود اعتمادی کے ساتھ ریسیور اٹھایا اور نمبر ڈائیل کرنے لگا۔ دوسرے لمحے میں اپنے محکمے کے مختلف لوگوں سے گفتگو کر رہا تھا۔

❁

رگبی امپورٹرز کا عملہ متحیر رہ گیا جب ضرغام کے قتل کی خبر پھیلنے کے تین گھنٹے کے بعد ہی اس کی جگہ پر کام کے کرنے کے لئے ایک اجنبی نے دفتر میں قدم رکھا۔

یہ چوڑے چکلے جسم کا ایک معمر آدمی تھا لیکن اس کی تندرستی عمر کی زیادتی سے متاثر نہیں معلوم ہوتی تھی اس نے اس طرح ضرغام کے کمرے کا رخ کیا جیسے وہ اسے پہلے ہی دیکھ چکا ہو۔ لیکن دفتر والوں کے لئے وہ بالکل اجنبی تھا۔ ان میں شاید کسی نے اس سے پہلے اس کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی۔

اس نے تھوڑی دیر تک ضرغام کے کمرے میں بیٹھ کر کچھ کاغذات دیکھے۔ پھر وہاں سے نکل کر بالکنی کی طرف چل پڑا جہاں چوتھی منزل پر جانے کے لئے لفٹ لگی ہوئی تھی۔ اس لفٹ کی

چابی ہمیشہ منیجر ہی کے پاس رہتی تھی اور آفس والوں کا خیال تھا کہ چوتھی منزل پر شاید منیجر ہی کے آرام کرنے کا کمرہ ہے۔ ویسے وہ کمرہ ان کے لئے پُر اسرار ضرور تھا کیونکہ ان میں سے کسی نے بھی آج تک اُسے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ لفٹ ہمیشہ مقفل رہتی تھی اور اُسے منیجر کے علاوہ اور کوئی استعمال نہیں کر سکتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد نیا منیجر اسی مشین کے سامنے مؤدب کھڑا تھا۔

"کیا تم ہو مسٹر شیام....!" مشین سے آواز آئی۔

"جی ہاں....!"

"تمہیں نمبر چار میں ہدایات ملیں ہوں گی۔"

"جی ہاں....!" شیام نے کہا۔

"تم ضرغام کی جگہ پر کام کرو گے۔ کافی ذہین آدمی تھا۔ لیکن ذرا جلد باز تھا۔ بہر حال مجھے اس کی موت پر صدمہ ہے۔"

نیا منیجر خاموش کھڑا رہا۔ تھوڑی دیر بعد مشین سے پھر آواز آئی۔ "ضرغام نے اپنے کاغذات اور نقشے بڑی ذہانت سے مرتب کئے تھے۔ تم انہیں دیکھ کر ہی سب کچھ سمجھ لو گے۔ ویسے مجھے تمہارے متعلق اطلاع ملی ہے کہ تم بھی بہت تجربہ کار آدمی ہو۔"

"قدر دانی ہے جناب کی۔" شیام نے کہا اور سوٹ کیس فرش پر رکھ دیا جسے اس نے ابھی تک ہاتھ میں ہی لٹکا رکھا تھا۔

"اچھا سنو! سب سے پہلے تم راہل کو ٹھکانے لگا دینے پر زور دو گے۔ یہ بہت بُرا ہوا کہ اسے اپنے حملہ آوروں کی شخصیت کا علم ہو گیا.... وہ جاوید بلڈنگ کی چوتھی منزل کے پانچویں فلیٹ میں مقیم ہے.... اوہ کیا.... ذرا ٹھہرو.... ایک منٹ۔"

مشین سے آواز بند ہو گئی۔ شیام بدستور کھڑا رہا۔ تھوڑی دیر بعد پھر آواز آئی۔

"مسٹر شیام کیا تم نے دروازہ بند کر دیا ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"ابھی مجھے اطلاع ملی ہے کہ شیام اپنے غسل خانے میں بیہوش پڑا دیکھا گیا ہے اور اُسے کسی طرح ہوش ہی نہیں آ رہا تھا۔"

"شاید آپ مذاق فرما رہے ہیں۔" شیام نے جلدی سے کہا۔

"نہیں مسٹر شیام میرا مذاق تو موت سے شروع ہوتا ہے اور موت ہی پر ختم ہو جاتا ہے۔"

"پتہ نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" شیام دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا اُس نے جھپٹ کر ہینڈل گھمانے کی کوشش کی لیکن اس میں جنبش تک نہ ہوئی۔

"بھاگو نہیں مسٹر شیام۔" مشین سے طنز میں ڈوبی ہوئی آواز آئی۔ "یہ پورا کمرہ کل پرزوں پر ہے۔ بٹن دباتے ہی دروازے پر تالا لگ گیا ہے، جواب باہر ہی سے کھل سکتا ہے اور لفٹ جو تمہیں اوپر لائی تھی نیچے چلی گئی۔"

"آپ پتہ نہیں کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔" شیام نے کہا۔

"نہیں مسٹر فریدی۔" مشین سے آواز آئی۔ "اس کمرے میں میرے منیجروں کے علاوہ اور کوئی داخل نہیں ہو سکتا۔ دوسرے کی سزا ہر حال میں موت ہے۔"

شیام نے کچھ جواب نہ دیا۔ اس نے تیزی سے اپنا سوٹ کیس کھولا اور اس کی ساری چیزیں الٹ پلٹ ڈالیں۔

"سناؤ میرے بیٹے۔" فریدی نے سیدھے کھڑے ہو کر کہا۔ اس نے نہایت اطمینان سے اپنے ہونٹوں میں سگار دبا لیا تھا اور اب اسے سلگانے جا رہا تھا۔

"تمہاری بدولت میرا بڑا نقصان ہوا ہے۔"

"اور اب آخری اور سب سے بڑے نقصان کے لئے تیار ہو جاؤ۔" فریدی نے کہا۔

"بہت اچھے۔" مشین سے قہقہہ بلند ہوا۔ "نادان لڑکے تمہیں کوئی وصیت تو نہیں کرنی ہے۔"

"وصیت تو نہیں بلکہ ایک پیشین گوئی کرنی ہے۔" فریدی نے سگار کا کش لے کر کہا۔ "وہ یہ کہ میں اپنے ہاتھوں سے تمہارے ہتھکڑیاں لگاؤں گا۔"

"کیا تم اس بل بوتے پر کہہ رہے ہو کہ تمہیں میرے آرگنائزیشن کا علم ہو گیا ہے۔ سنو بھولے لڑکے.... آرگنائزیشن تو بنتے بگڑتے رہتے ہیں لیکن اس کا خالق یعنی میں تمہاری دسترس سے بہت دور ہوں۔ مجھے پانے کی خواہش چاند کیلئے ہمکنے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔"

"تم میری جیب میں رکھے ہوئے ہو۔" فریدی نے پُر سکون لہجے میں کہا۔

مشین سے پھر قہقہہ بلند ہوا۔ "تمہاری باتیں دلچسپ ہیں۔"

"لیکن میرے دوست....!" فریدی نے کہا۔ "میں وہاں نہیں جاسکتا جہاں پار کر اور ضر
گئے ہیں اور غالباً وہ لڑکی لوسی بھی۔ میں تم جیسے ذلیل وطن دشمنوں اور قوم فرشوں کے لئے زن
رہوں گا۔"

"تم مجھے قوم فروش کہہ رہے ہو۔" مشین سے آواز آئی۔ "حالانکہ میں ایک نہ مٹنے والی تا
کی تعمیر کا پروگرام لے کر میدان میں آیا ہوں۔"

"یہ تم کہہ رہے ہو ذلیل کیڑے۔ تم ایک جنگ باز ملک کے ایجنٹوں کے ہاتھ بک گئے ہو
جو بھولے بھالے قبائلیوں کو بغاوت پر اکسا کر انہیں اسلحہ سپلائی کر رہے ہو۔ کیا تمہیں یقین
کہ تم میرے ہی ہاتھوں کتوں کی موت نہ مرو گے۔"

"خاموش رہو بدتمیز....!"

فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"چپ رہو۔" مشین سے آواز آئی۔ "مرنے کیلئے تیار ہو جاؤ۔ میرے پاس وقت کم ہے۔"

"میں نے بھی وقت کی کمی ہی کی بناء پر یہاں تک پہنچنے میں جلدی کی ہے۔" فریدی لاپر
سے بولا اور سگار کو فرش پر پھینک کر اُسے جوتے سے مسل دیا۔

دفعتاً مشین کے ایک سوراخ سے دھوئیں کی ایک پتلی سی لکیر نکل کر بل کھانے لگی۔ فرید
نے جھپٹ کر سوٹ کیس سے گیس ماسک (گیسوں سے محفوظ رہنے والا نقاب) نکال لیا۔

"اب دیکھو تم ایک کتے کی طرح مر جاؤ گے۔" مشین سے قہقہے کے ساتھ آواز آئی۔

دوسرے لمحے میں فریدی گیس ماسک کو اپنے چہرے پر چڑھا چکا تھا۔ کمرے میں دھوا
بھرنے لگا تھا۔ فریدی نے خواہ مخواہ کھانسنا اور کراہنا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ زمین پر
بھی پٹخ رہا تھا۔

"اب بتاؤ کون مر رہا ہے۔" مشین سے آواز آئی۔

"ارے بچاؤ!" فریدی گھٹی گھٹی سی آواز میں چیخا۔ "میں مرا....!"

وہ برابر کھانستا رہا۔ کمرے میں دھواں اچھی طرح بھر گیا تھا۔ مشین سے قہقہے بلند ہو
تھے۔ کھانستے کھانستے فریدی کی آواز مضمحل ہوتی گئی۔ اور پھر اس نے اس طرح فرش پر پیر مار
جیسے وہ گر گیا ہو.... اور پھر وہ بالکل خاموش ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد دھواں پھر مشین کے اسی سوراخ میں داخل ہو رہا تھا جس سے نکلا تھا۔ دو
منٹ کے اندر کمرے کی فضا صاف ہو گئی.... اور پھر کھٹاکے کی آواز کے ساتھ دیوار برابر ہو گئی۔

فریدی نے گیس ماسک اُتار کر سوٹ کیس میں بند کر دیا۔ اس کے ہونٹوں پر تمسخر آمیز
مسکراہٹ تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر اس نے دروازہ کھولنے کی کوشش شروع
کر دی۔ لیکن ایک گھنٹے تک سر مارنے کے باوجود بھی وہ نہ کھل سکا۔

آخر فریدی نے اس کا خیال ہی ترک کر دیا.... اس نے سگار سلگایا اور دیوار سے ٹیک لگا کر
فرش پر بیٹھ گیا۔ اُسے یقین تھا کہ کوئی نہ کوئی اس کی لاش کو ٹھکانے لگانے کے لئے ضرور آئے
گا۔ مگر ہو سکتا ہے کہ یہ کام رات کو سرانجام دیا جائے۔

❁

سرجنٹ حمید نے جاوید بلڈنگ کا محاصرہ کر لیا تھا۔ کچھ لوگ سامنے سے چوتھی منزل کے
پانچویں فلیٹ کے سامنے پہنچ گئے تھے اور کچھ لوگ جن کی رہنمائی سرجنٹ حمید کر رہا تھا سن سٹ
ریستوران میں گھس پڑے تھے۔ ریستوران کا مالک چیختا پیٹتا ہی رہ گیا لیکن سرجنٹ حمید ٹھیک اس
جگہ پہنچ گیا جہاں سے ایک پوشیدہ لفٹ چوتھی منزل کے پانچویں فلیٹ تک پہنچنے کا ذریعہ تھی۔

لیکن چوتھی منزل کے پانچویں فلیٹ پر پہنچ کر انہیں بڑی مایوسی ہوئی۔ کیونکہ وہاں پندرہ
بیس بکریاں بڑے پُرسکون انداز میں کھڑی جگالی کر رہی تھیں اور فرش پر مینگنیوں کے ڈھیر
تھے.... راہل یا اس کے ساتھیوں کا کہیں پتہ نہ تھا۔

پھر پوری بلڈنگ چھان ڈالی گئی مگر نتیجہ مایوسی۔

حمید کو بڑا تاؤ آیا.... وہ ریستوران کے منیجر پر برس پڑا۔

"آخر اس پوشیدہ لفٹ کا کیا مطلب ہے۔" اس نے اس سے پوچھا۔

"جناب والا.... یہ کوئی جرم تو نہیں۔" اُس نے نہایت ادب سے کہا۔ "میری بکریوں کو
زینے طے کرنے میں دشواری ہوتی تھی لہٰذا میں نے لفٹ کا انتظام کر لیا۔"

"قطعی بیکار بات۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "بکریوں کیلئے لفٹ کے مصارف.... لغو.... فضول۔"

"اب جناب شوق ہی تو ہے۔" منیجر نے کہا۔ "اگر میری بکریاں کہیں تو میں اپنا کلیجہ بھی نکال
کر انہیں کھلا سکتا ہوں۔ میں تو اب ان کے سینگوں کے لئے سونے کے خول بنوا رہا ہوں۔ یہ بات

آپ کے لئے اور مضحکہ خیز ثابت ہوگی۔ اگر آپ کہیں تو میں آپ کو ان کے گرم سوپ بھی دے سکتا ہوں۔"

"بند کرو یہ بکواس....!" حمید نے کہا۔ "تم پولیس کی بلیک لسٹ پر بہر حال ہو گے.... اور کبھی نہ کبھی۔"

"ذرا ٹھہریئے۔" منیجر نہایت سعادت مندی سے بولا۔ "کیا پولیس کو میری بکریوں کی وجہ سے کوئی تکلیف پہنچی ہے۔"

"راہل کل تک یہیں تھا۔" حمید نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

"رہا ہو گا۔" منیجر نے لاپروائی سے کہا۔ "میں اسے پہچانتا نہیں۔ یہ ایک ایسی جگہ ہے کہ یہاں دن بھر سینکڑوں آیا جایا کرتے ہیں۔ لیکن میرے لئے اس کا خیال رکھنا مشکل ہے کہ آنے والا راہل تھا یا کوئی پولیس آفیسر۔ ویسے اگر میرے لائق کوئی خدمت ہو تو ضرور فرمایئے میں ہر ایک کا خادم ہوں۔"

بہر حال حمید کو بڑی خفت کا سامنا کرنا پڑا۔ درجنوں آنکھیں اسے طنزیہ انداز میں گھور رہی تھیں.... اور وہ دل ہی دل میں اپنا سر پیٹ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی اُسے نہ جانے کس حال میں پہنچادے۔

فریدی نے سگار سلگایا۔ وہ بڑی دیر سے کمرے کا چکر لگا رہا تھا اور اُسے یہاں مقید ہوئے دو گھنٹے ہو چکے تھے۔ اس نے دوبارہ اس مشین کو چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔

ٹھیک ساڑھے تین بجے اُس نے دروازے کے تالے میں کنجی گھمانے کی آواز سنی۔ وہ پہلے ہی سے اس کے لئے تیار تھا۔ اس نے پھرتی سے فرش پر لیٹ کر سانس روک لی۔ آنے والے نے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔

چند لمحے چپ چاپ دروازے کے قریب کھڑا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا فریدی کے پاس آیا اور پھر جیسے ہی وہ اسے دیکھنے کے لئے نیچے جھکا فریدی نے اس کی گردن پکڑ لی۔ دوسرے لمحے میں وہ فرش پر تھا۔ فریدی نے اس کا منہ دبا رکھا تھا اور وہ اُسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں خوف کی بجائے حیرت تھی۔

فریدی نے اس کا گلا گھونٹنا شروع کر دیا۔ اس نے جدوجہد کرنی چاہی لیکن جنبش نہیں کر سکا۔ بہر حال وہ جلد ہی بیہوش ہو گیا.... فریدی اُسے چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

اس نے اس کی جیبیں ٹٹول کر دروازے کی کنجی نکالی اور اپنا سوٹ کیس سنبھالتا ہوا باہر نکل گیا۔ آفس میں قدم رکھتے ہی فریدی نے اپنا چہرہ ایسا بنالیا جیسے وہ ابھی ابھی سو کر اٹھا ہو۔ کلرکوں نے اُسے حیرت سے دیکھا لیکن کسی نے کچھ کہا نہیں۔

ضرغام کے کمرے میں پہنچ کر اُس نے وہ الماری کھولی جس میں ضرغام کے مرتب کئے ہوئے نقشے اور کاغذات تھے۔

تقریباً بیس منٹ بعد وہ ہونٹوں میں سگار دبائے اپنا سوٹ کیس سنبھالے رخصت ہوتے ہوئے کلرکوں کے سلام کا جواب سر کے اشارے سے دیتا ہوا سڑک پر آ گیا۔

فریدی کی واپسی

حمید بُری طرح اکتایا ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ پچھلے روز اسے راہل کے معاملے میں بڑی خفت ہوئی ہوتی اگر ڈی۔ ایس۔ پی بھی اس کا ہم خیال نہ ہو گیا ہوتا۔ ریستوران میں پوشیدہ لفٹ کی موجودگی مشتبہ تھی۔ ریستوران کا منیجر شبہ کی بناء پر حراست میں لے لیا گیا تھا۔

حمید ٹہلتا رہا.... اچانک ایک نوکر کمرے میں داخل ہوا۔

"ایک ملاقاتی ہیں آپ کی۔" نوکر نے شرارت سے مسکرا کر کہا۔

"بٹھاؤ۔" حمید نے اُسے قہر آلود نظروں سے گھور کر کہا.... نوکر منہ بنا کر ہنستا ہوا چلا گیا۔

حمید نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر ٹائی کی گرہ درست کی.... سر پر ہاتھ پھیرا اور ڈرائنگ روم کی طرف چل پڑا اور پھر وہاں روشی کو دیکھ کر اس کی جھنجھلاہٹ اور بڑھ گئی۔

"دیکھو.... میں نے تمہارا گھر ڈھونڈ لیا نا؟" روشی اٹھلا کر بولی۔

"کمال کر دیا تم نے تو.... بھلا کیسے ڈھونڈا....؟"

"بس پتہ لگا لیا.... پتہ لگانے کے لئے تمہاری کیڈی ہی کا حوالہ دینا کافی ثابت ہوا تھا۔"

"اوہ....!" حمید ہنسنے لگا۔

"واقعی تمہارا مکان بڑا شاندار ہے۔"

"ہاں.... آں....!" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "دیکھو گی۔"

"ضرور.... ضرور....!"

"تو آؤ....!"

حمید نے اُسے پورا گھر دکھایا صرف ایک کمرہ باقی رہنے دیا جس میں فریدی کے پالتو سانپ تھے۔ اس دوران میں حمید نے باتوں ہی باتوں میں روشی کا ہینڈ بیگ اس کے ہاتھ سے لے لیا اور اب وہ حمید کے ہاتھ میں تھا۔

"واقعی! تم لارڈوں کی طرح رہتے ہو۔"

"لیکن خدارا! مجھ سے شادی کی درخواست نہ کرنا۔" حمید نے کہا۔ "ورنہ میرا باپ مار مار کر میری کھال گرا دے گا۔"

"تم بہت بدتمیز ہو۔" روشی پیشانی پر شکنیں ڈال کر بولی۔

"اوہ.... معاف کرنا میں بھول گیا تھا.... کہ تم کنواری ہو۔"

"میں جا رہی ہوں۔" روشی بھنائی۔

"اچھا چھوڑو! اب مذاق نہیں کروں گا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "آؤ اب تمہیں اپنے عجائبات کا مجموعہ دکھاؤں۔"

دوسرے لمحے میں حمید اُسے سانپوں کے کمرے میں لے جا رہا تھا۔

"چلو اندر چلو۔" حمید نے دروازہ کھول کر اُسے دھکا دے دیا۔ دروازہ روشی کے پیچھے بند ہو چکا تھا۔ حمید اُسے مقفل کر کے کھڑکی کے پاس آ گیا۔ روشی اندر سے بگڑ رہی تھی۔

"یہ کیا حرکت ہے۔"

"ذرا پیچھے دیکھو۔"

روشی نے پلٹ کر دیکھا اور چیخ مار کر کھڑکی کی طرف بھاگی۔ درجنوں سانپ جالی کے خانوں سے رینگ کر باہر آ رہے تھے۔ حمید نے اس کا ہینڈ بیگ کھول کر ایک چھوٹا سا پستول نکالا۔

"روشی ڈارلنگ کیا تمہارے پاس اس پستول کا لائسنس ہے۔"

"خدا کے لئے۔" روشی ہسٹریائی انداز میں چیخی۔ "مجھے باہر نکالو۔"

وہ سلاخیں پکڑ کر کھڑکی میں چڑھ آئی تھی اور پلٹ پلٹ کر ان سانپوں کی طرف دیکھ رہی تھی، جو فرش پر رینگ رہے تھے۔

"پارکر کہاں گیا؟" حمید نے کہا۔ "لوسی کہاں گئی.... ضرغام کا کیا حشر ہوا۔ کیا تم ان سے ملنے نہیں جاؤ گی۔"

"خدا کے لئے مجھے نکالو۔"

"تمہارا باس کون ہے۔"

"میں نہیں جانتی۔"

"خیر تو میں چلا.... جب یہ سانپ ناشتہ کر چکیں تو مجھے مطلع کر دینا۔"

"ٹھہرو....!" روشی چیخی۔ "میں سب کچھ بتا دوں گی۔ مجھے نکالو.... خدا کے لئے۔"

دو چار سانپ کھڑکی کے نیچے بھی رینگ آئے تھے اور روشی عنقریب بیہوش ہو جانے والی تھی۔

"تو تم بتاؤ گی.... ویسے تمہارا اطمینان کر دوں کہ تم اس عمارت سے باہر نہ جا سکو گی۔"

"جو کچھ مجھے معلوم ہے بتا دوں گی۔"

حمید نے دروازہ کھول دیا اور وہ جھپٹ کر باہر نکلی۔ حمید دروازہ دوبارہ مقفل کر کے جیسے ہی مڑا.... روشی نے اپنے بلاؤز کے گریبان سے دوسرا پستول نکال لیا۔

"میرا ہینڈ بیگ میری طرف پھینک دو، ورنہ گولی مار دوں گی۔"

حمید نے اس کا ہینڈ بیگ اس کی طرف اچھال دیا۔ جیسے ہی وہ اُسے سنبھالنے کے لئے ایک طرف جھکی اس کی نظریں بہک گئیں اور دوسرے لمحے میں حمید اس کے اوپر تھا۔

"ہٹو چھوڑو.... میں شور مچاتی ہوں۔" روشی ہانپتی ہوئی چیخی۔

نوکر دور کھڑے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے روشی کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ لیا تھا۔

"دروازے بند کر دو....!" حمید نے ان سے کہا اور وہ چپ چاپ کھسک گئے۔

حمید روشی کا پستول بھی چھین چکا تھا اور وہ نڈھال ہو گئی تھی۔

"اب بتاؤ۔" وہ اُسے بازوؤں میں اٹھا کر کرسی پر ڈالتا ہوا بولا۔

"میں کچھ نہیں جانتی۔"

"تمہارا باس کون ہے؟"

"نہ جانے تم کیا بک رہے ہو۔ میں ایسا مذاق پسند نہیں کرتی۔"

"اور مجھے یہ بہت اچھا لگتا ہے کہ تم ایک پستول گریبان میں رکھتی ہو اور دوسرا بیگ میں۔"

"میری مرضی۔"

"میں لائسنس دیکھنے کا مجاز ہوں۔"

"وہ گھر پر ہے۔"

"دو پستولوں کا لائسنس۔" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔

دفعتاً روشی کے چہرے کی حالت بدل گئی۔ وہ پہلے سے کچھ زیادہ دلیر نظر آنے لگی تھی۔

"کیسے.... پستول تم نہ جانے کیا بک رہے ہو۔ تم انہیں خواہ مخواہ میرے سر تھوپنا چاہتے ہو۔ پہلے مجھے گھر دکھانے کے بہانے یہاں لائے۔ پھر زبردستی کرنی چاہی۔ میں نے انکار کیا تو اب مجھے قانونی گرفت میں لینے کی دھمکیاں دے رہے ہو۔ تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ میں رگبی امپورٹرز سے متعلق ہوں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو لڑکی۔" برآمدے سے آواز آئی اور حمید بے ساختہ اچھل پڑا.... یہ فریدی کی آواز تھی.... دوسرے لمحے میں فریدی کمرے کے اندر تھا۔

پھر وہ حمید کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "اب یہ کھیل ختم کرو، ورنہ میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔"

"آپ اسے نہیں جانتے۔" حمید نے کہا۔

"نہ میں جاننا چاہتا ہوں۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔

"یہ میری زندگی برباد کرنا چاہتا تھا۔" روشی آنکھوں پر رومال رکھ کر سسکیاں لیتی ہوئی بولی۔ "دو پستول زبردستی میرے گلے لگانا چاہتا تھا۔ مگر دنیا میں انصاف بھی ہے سب اندھے نہیں ہوتے۔"

"میں جانتا ہوں لڑکی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تم واقعی بہت نیک ہو۔ ضرغام کے چارج میں آنے سے پہلے تم نمبر چار کے مسٹر شیام کے لئے جلال آباد میں کام کر رہی تھیں اور تمہارا پورا نام ریشل اینتھلو ہے۔ اب سے پانچ سال قبل تم پر زہر خوانی کا الزام لگایا گیا تھا.... اور تم مسٹر شیام کی جھوٹی شہادت کی بناء پر بری کر دی گئی تھیں۔ اس وقت سے تم اس کی مٹھی میں ہو.... بولو.... اور کچھ بتاؤں۔"

روشی سہمی ہوئی نظروں سے فریدی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"مگر....!" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں ابھی پولیس کے رنگروٹوں کے حوالے نہیں کروں گا۔ فی الحال تم میری نجی قید میں رہو گی اور وہ سرکاری حوالات سے بہتر ہے۔"

"میں تم لوگوں پر حبس بے جا کا مقدمہ چلا دوں گی۔" وہ پھر بپھر گئی۔

"خیال برا نہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ پھر حمید سے بولا۔ "اسے کوئی تکلیف نہ ہونے پائے لیکن تم عاشق کے فرائض نہیں انجام دو گے۔"

اور پھر روشی کو اُسی تاریخی تہہ خانے میں منتقل کر دیا گیا جہاں کبھی سر سنتھال[1] جیسی معزز ہستیاں آرام کر چکی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد فریدی حمید سے کہہ رہا تھا۔ "تمہارا پرسوں رات والا کارنامہ قابل ستائش ہے لیکن کل تم نے راہل کی قیام گاہ پر چھاپہ مار کر حماقت کا ثبوت دیا ہے۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا۔"

"میں تم سے پہلے سے وہاں موجود تھا اور اسی گلی میں جہاں تم نے کیڈی کھڑی کی تھی اور جب راہل کیڈی کو ضرغام کے تعاقب میں لے جا رہا تھا تو میں کیڈی ہی میں موجود تھا۔"

"کہاں....؟"

"میں نے اسٹپنی کھول لی تھی۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن واپسی کے حالات مجھے نہیں معلوم کیونکہ میں ضرغام کی خیریت دریافت کرنے کے لئے اُتر گیا تھا۔"

حمید نے واپسی کا واقعہ سنایا۔ فریدی بڑی دلچسپی سے سنتا رہا۔ بہرحال وہ حمید کو تعریفی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"اور پھر میں نے۔" حمید بولا۔ "کل صبح راہل کو سن سٹ ریستوران کی وساطت سے فون کیا اور اس سے کہا کہ میں اُسے بلیک میل کروں گا۔ وہ سمجھا کہ شاید میں وہی شخص ہوں جو اُس سے ابھی تک کام لیتا رہا ہے اور اس کی باتوں سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ بھی اس پُراسرار آدمی کی اصلی شخصیت سے واقف نہیں ہے۔"

"یہ حقیقت ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اس کے خاص آدمی بھی نہیں جانتے کہ وہ کون ہے وہ ایک عجیب و غریب مشین کے ذریعہ ان تک اپنے پیغامات پہنچاتا ہے۔"

---

[1] سر سنتھال کی خوفناک داستان کے لئے جاسوسی دنیا کا پہلا خاص نمبر "موت کی آندھی" ملاحظہ فرمائیے۔

"آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ راہل کو شاید مشین کا حال بھی نہیں معلوم تھا۔" حمید نے کہا۔

"میں ضرغام کی لاش دیکھنے کے لئے رک گیا تھا۔ حقیقتاً وہ اس وقت زندہ تھا۔ گولی اس کے سر کے اوپری حصے کو پھاڑتی ہوئی نکل گئی تھی۔ بھیجا محفوظ تھا۔ اس نے تقریباً آدھے گھنٹے تک مجھ سے گفتگو کی تھی۔ وہ اپنے آقا کے انتہائی ظالمانہ رجحانات پر جھلایا ہوا تھا اس لئے اس نے سب کچھ اگل دیا خود اس کی مرضی یہی تھی کہ راہل سے بگاڑ نہ پیدا کیا جائے لیکن وہ حکم کی تعمیل پر مجبور تھا۔ اس نے پارکر کی موت کے متعلق بھی بتایا جو کبھی اطمینان سے بتاؤں گا۔ مشین کا راز بھی اسی سے معلوم ہوا۔ نمبر چار کی حقیقت بھی اسی نے کھولی۔ وہ مارڈن الیکٹرک سپلائی کمپنی ہے۔ رگبی امپورٹرز والے اُسے نمبر چار کہتے ہیں۔ ضرغام پہلے اسی کا منیجر تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ اس کی موت کے بعد رگبی امپورٹرز کے دفتر میں اس کی جگہ کون سنبھالے گا.... ہاں تو میں نے اس کی موت کے بعد ہی اپنا لائحہ عمل تیار کر لیا۔ مختصر یہ کہ میں نے تھوڑی دیر تک رگبی امپورٹرز کے منیجر کے فرائض انجام دیئے۔"

اس کے بعد فریدی نے اس خونی کمرے کی داستان چھیڑتے ہوئے کہا۔ "بس ذرا سی چوک یہ ہو گئی کہ جلدی میں میں مسٹر شیام کا کوئی معقول انتظام نہ کر سکا وہ بیہوشی کی حالت میں کسی کو مل گیا اور اس نے اپنے پُراسرار مالک تک اس کی اطلاع پہنچا دی۔"

"مجھے بھی اس کمرے کو دیکھنا چاہئے۔" حمید بولا۔

"جلد ہی دیکھ لو گے۔ ویسے میرا خیال ہے کہ اب وہ مشین وہاں نہ ہو گی۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر اچانک حمید کو کچھ یاد آ گیا اور اس نے کہا۔ "آپ کو ڈائنا میٹ کا حال کیسے معلوم ہو گیا تھا۔ بظاہر تو آپ وہاں سے چلے گئے تھے۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"بیٹے حمید....!" اس نے کہا۔ "تم اگر ڈائنامیٹ میری کار کے نیچے سے نہ ہٹاتے تب بھی میں زندہ رہتا۔"

"اب خواہ مخواہ بات نہ جتایئے۔" حمید منہ بنا کر بولا۔

"اچھا بیٹے! ذرا اس ڈائنامیٹ کو کھول کر تو دیکھو۔ کیا اس کا انفجاری[1] خانہ خالی نہیں ہے۔ تم نے مجھے اُن دو آدمیوں کے متعلق فون کیا تھا؟ ظاہر ہے کہ میں بھی ان کی طرف سے غافل نہیں

[1] Explosive Chamber

رہ سکتا تھا۔ خصوصاً ایسے وقت میں جب کہ ہائی سرکل نائٹ کلب میں چیف مدعو تھے۔ ان دونوں نے اپنا سوٹ کیس مالتی کی جھاڑیوں میں چھپا دیا تھا میں نے اس کی تلاشی لی۔ اس میں وہی ڈائنا میٹ موجود تھا۔ میں نے اس کا آتش گیر مادہ رکھنے والا خانہ خالی کر دیا لیکن اس صورت میں بھی تمہاری کارگزاریوں کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جب تم پر کاہلی مسلط نہ ہو تو تم بہترین کارنامے انجام دیتے ہو۔"

"شاباش....!" حمید منہ بنا کر اپنی پیٹھ ٹھونکتا ہوا بولا.... دفعتاً اُسے لوتھر یاد آ گیا اور اس نے اس کے متعلق بھی فریدی کو بتایا۔

"اس سے کہہ دو کہ وہ اب تم سے ملنے کی کوشش نہ کرے۔ وہ ایک بہترین گواہ ثابت ہو گا۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔ "خوب یاد آیا۔ راہل نے کہا تھا کہ وہ اُسے اچھی طرح پہچان گیا ہے اور اس سلسلے میں اس نے ایک بات اور کہی تھی کہ پچھلی رات والے میک اپ میں مجھے صرف ایک ہی آدمی پہچان سکتا تھا لیکن وہ ضرغام نہیں تھا۔"

"کیا؟" یک بیک فریدی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

وہ عجیب آنکھوں سے حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیا تم اسی بات کو راہل ہی کے الفاظ میں نہیں دہرا سکتے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"ٹھہریئے! میں یاد کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس نے کہا تھا.... اچھا تو اے گیڈ سن۔ تیرے خاص آدمی بھی تیری شخصیت سے واقف نہیں لہٰذا میں پہچان گیا ہوں اور اب تو میری مٹھی میں ہے۔ میں کل رات جس میک اپ میں تھا اس میں مجھے صرف ایک ہی آدمی جانتا ہے.... لیکن وہ آدمی ضرغام نہیں تھا۔"

"خوب....!" فریدی بڑبڑایا.... وہ بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے حمید کی طرف مڑ کر کہا۔ "ٹیلی فون ڈائریکٹری۔"

حمید ٹیلی فون ڈائریکٹری لینے چلا گیا.... فریدی ٹہلتا رہا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور آنکھوں میں وہی پُراسرار چمک جاگ اٹھی تھی۔ جو شکار کے قریب ہونے پر عموماً دکھائی دیتی تھی۔

حمید ٹیلی فون ڈائریکٹری لے کر واپس آ گیا۔ فریدی اس کی ورق گردانی کرتا رہا۔ پھر اپنی

خواب گاہ میں چلا گیا جہاں فون رکھا ہوا تھا۔

حمید بھی اس کے پیچھے کمرے میں داخل ہو گیا۔ لیکن فریدی شائد آخری جملے کہہ رہا تھا۔

"بہر حال چوکنے رہئے۔ میں انتہائی کوشش کر رہا ہوں۔ مجھ سے رابطہ قائم رکھئے گا۔"

پھر اس نے ریسیور رکھ دیا اور بھاگتا ہوا گیراج کی طرف جانے لگا تھا۔ چلتے چلتے حمید سے کہہ گیا.... نو بجے رات کو ہائی سرکل نائٹ کلب میں ملنا۔

❁

آگ اسی حصے میں شروع ہوئی تھی جس میں رگبی امپورٹرز کا دفتر تھا اور پھر وہ اتنی تیزی سے پوری عمارت میں پھیل گئی تھی جیسے اس کی دیواروں میں گارے کی جگہ آتش گیر مادے بھرے رہے ہوں۔

فائر بریگیڈ کا ایک پورا دستہ بڑی دیر سے آگ پر قابو پانے کے لئے جدوجہد کر رہا تھا۔ لیکن ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی تھی اور اب احتیاط کو مدِ نظر رکھتے ہوئے قرب و جوار کی دوسری عمارتوں کو بھی خالی کرایا جانے لگا تھا۔

سرجنٹ حمید کو دو فرلانگ ادھر ہی اپنی موٹر سائیکل روک دینی پڑی کیونکہ سڑک بند ہو چکی تھی۔ اس حصے میں صرف آگ بجھانے والی سرخ سرخ گاڑیاں اِدھر سے اُدھر دوڑتی پھر رہی تھیں۔

حمید کو یہ معلوم کرنے میں دیر نہ لگی کہ آگ کہاں لگی ہے۔ اسے اس پر تعجب نہیں ہوا۔ ویسے اسے اس بات پر حیرت ضرور تھی کہ یہ حادثہ اتنی دیر میں کیوں ہوا۔ اسے تو ایک دن قبل ہی ہو جانا چاہئے تھا۔

اس نے گھڑی دیکھی۔ ساڑھے آٹھ ہو چکے تھے اور اُسے ٹھیک نو بجے ہائی سرکل نائٹ کلب پہنچنا تھا۔ اس نے اپنی موٹر سائیکل ایک گلی میں موڑ لی۔

وہ اس وقت ہائی سرکل نائٹ کلب پہنچا جب نو بجنے میں صرف پانچ منٹ رہ گئے تھے۔ وہ موٹر سائیکل کھڑی کر کے اندر جانے ہی والا تھا کہ فریدی نے اُسے آہستہ سے آواز دی۔

"آؤ! موٹر سائیکل یہیں چھوڑ دو۔"

"آگ کے متعلق آپ کو معلوم ہوا۔" حمید نے پوچھا۔

"کیسی آگ۔"

"رگبی امپورٹرز کے دفتر والی عمارت جل رہی ہے۔"

"مجھے حیرت نہیں ہوئی۔" فریدی نے کہا۔ "اُسے پہلے ہی جلنا چاہئے تھا۔ مگر اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے کیا وہ آگ انہی لوگوں نے لگائی ہے۔"

"کیا اس میں بھی کوئی شبہ ہے۔"

"نہیں فرزند۔ اگر انہیں لگانی ہوتی تو کل ہی لگاتے جب میں وہاں سے نکل بھاگا تھا۔ یقین رکھو کہ ابھی تک ہمارے پاس ان کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔ جرم ثابت کرنے کے لئے دانتوں پسینہ آئے گا۔ وہ بڑے دیدہ دلیر ہیں۔ ضرغام کے ترتیب دیئے ہوئے جو کاغذات میں نے حاصل کئے ہیں وہ بھی ایسے نہیں، جو انہیں جکڑ سکیں اور پھر اس کا سرغنہ....!"

فریدی خاموش ہو گیا۔ وہ دونوں کمپاؤنڈ کے باہر آئے۔ فریدی نے ایک ٹیکسی رکوائی اس نے آہستہ سے ڈرائیور سے کچھ کہا جسے حمید نہ سن سکا۔ ٹیکسی چل پڑی۔

"لیکن پھر آگ کس نے لگائی۔" حمید نے کہا۔

"غالباً یہ راہل کا انتقامی جذبہ ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"ہو سکتا ہے۔ لیکن ہم کہاں جا رہے ہیں۔"

"ایک آدمی کو چیک کرنا ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اس کے ذہن میں بیک وقت کئی سوال گونج رہے تھے۔ لیکن خاموش ہی رہا۔ فریدی نے ایک سنسان سڑک پر ٹیکسی رکوائی۔ اور پھر وہ ایک طرف پیدل چل رہے تھے۔ رات بہت سرد تھی لیکن مطلع ابر آلود نہ ہونے کی وجہ سے زیادہ تاریکی نہیں تھی۔ سڑک چھوڑ کر وہ پگڈنڈی پر ہو لئے جو کھیتوں کے درمیان سے گذرتی تھی۔

"آخر ہمیں جانا کہاں ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"بس چلتے رہو۔ مجھے صرف ایک ذرا سی تصدیق کرنی ہے۔ کسی خاص حادثے کی توقع نہیں۔"

انہیں زیادہ دور نہ جانا پڑا۔ کھیتوں کے دوسری طرف ریلوے لائن کے قریب پہنچ کر فریدی رک گیا۔ اس نے جیب سے ٹارچ نکالی اور ادھر اُدھر روشنی ڈالنے لگا۔ پھر روشنی کا دائرہ ریلوے لائن کی دوسری طرف ایک چھوٹی سی پختہ عمارت پر رک گیا۔ قرب و جوار میں کوئی دوسری عمارت نہ تھی۔ البتہ اس سے تھوڑے فاصلے پر ننھے ننھے چراغ نظر آ رہے تھے۔ شاید وہ کوئی چھوٹا

سا گاؤں تھا۔

دونوں ریلوے لائن عبور کر کے عمارت کے قریب آئے۔ اندر کی روشنی کھڑکیوں سے دکھائی دے رہی تھی۔ فریدی نے صدر دروازے کو دھکا دیا۔ وہ کھلا ہوا تھا۔ دونوں اندر پہنچے۔ لیکن ٹھٹک گئے۔ ان کے سامنے تین آدمی کھڑے تھے اور ان کا رخ دروازے ہی کی طرف تھا۔ لیکن انہوں نے ان دو آدمیوں کو نہیں دیکھا جو دروازے کے دونوں طرف کھڑے تھے۔ دوسرے ہی لمحے میں ان کے سروں پر لوہے کی دو موٹی موٹی سلاخیں پڑیں اور وہ وہیں ڈھیر ہو گئے۔

"آئے تھے کس لئے اور ملا کون۔" ایک آدمی نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "خیر یہ بھی راہل کے لئے تحفہ ہی ہے۔"

"آج رات ہماری ہے۔" دوسرے نے نعرہ لگایا۔

"کاش وہ بھی مل جاتا۔" تیسرا بڑبڑایا۔ "سردار نہ جانے کہاں رہ گئے۔"

ارے!

انہیں ہوش میں آنے میں زیادہ دیر نہیں لگی لیکن ان کے ہاتھ پیر جکڑے ہوئے تھے اور کمرے کا دروازہ باہر سے بند تھا۔ ان کے ہاتھ چونکہ پشت پر بندھے ہوئے تھے لہٰذا وہ وقت کا بھی اندازہ نہ لگا سکے۔ ویسے دوسرے کمرے سے اب بھی قہقہوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"اب فرمائیے۔" حمید نے سرگوشی کی۔

"مجھے افسوس ہے کہ یہ مجھ سے پہلے ہی پہنچ گئے۔" فریدی نے کہا۔

"شاید انہیں راہل کی واپسی کا انتظار ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔"

"آپ کسے دیکھنا چاہتے تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"باغیوں کو اسلحہ سپلائی کرنے والے کو۔"

"اوہ.... تو کیا آپ اس کی شخصیت سے واقف ہو گئے ہیں۔"

"قطعی....!"

"کون ہے؟"

فریدی نے جواب نہ دیا۔ حمید بھی خاموش ہی رہا۔ اس کے چہرے پر عجیب طرح کی مسکراہٹ تھی۔ فریدی نے بھی اسے گھور کر دیکھا۔ لیکن وہ بدستور مسکراتا رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی بات کا منتظر ہو۔

"آج تم بڑے دلیر نظر آ رہے ہو۔" فریدی نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"مجھے خوشی ہے کہ آج میری ساری مصیبتوں کا خاتمہ ہونے جا رہا ہے۔" حمید بولا۔ "راہل یقیناً ہمیں زندہ نہ چھوڑے گا۔"

"اوہ تو تم زندگی اور موت کے متعلق سوچ رہے ہو۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر راہل نے اس آدمی کو مار ڈالا تو مجھے بڑا افسوس ہو گا۔ کیونکہ وہ میرا شکار ہے۔"

"خیر منائیے۔" حمید ہنس کر بولا۔ "ابھی ذرا سی دیر میں راہل گردن توڑ کر رکھ دے گا۔ خیر آپ کو اسی طرح مرنا ہی تھا۔ مجھے دیکھئے بن کھلے مرجھا رہا ہوں۔ والد صاحب کا سہرا بھی نہ دیکھ سکا۔"

"بہت چہک رہے ہو حمید! آخر معاملہ کیا ہے۔"

اور پھر وہ سارا معاملہ دوسرے ہی لمحے میں فریدی کو نظر آ گیا۔ حمید کے دونوں ہاتھ پیروں کی رسیاں کھولنے کے لئے آزاد تھے۔ اس نے بڑی لاپرواہی سے رسیاں ایک طرف ڈال دیں اور داہنا گال کھجانے لگا۔ فریدی اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

پھر حمید نے فریدی کی رسیاں کھول دیں۔

"تم واقعی آج کل بڑے باکمال ہو رہے ہو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"اوہ.... یہ اس محبوبہ دلنواز کا کارنامہ ہے۔" حمید اپنی ولایتی چوہیا کو ہتھیلی پر رکھ کر پیار سے اس کی پیٹھ پر انگلی پھیرتا ہوا بولا۔

"تم میں سچ مچ شیطان حلول کر گیا ہے۔" فریدی ہنس پڑا۔

لیکن انہیں دوسرے ہی لمحہ سنجیدہ ہو جانا پڑا۔ فریدی اپنی جیبیں ٹٹول رہا تھا۔ لیکن ان کے ریوالور تو پہلے ہی نکالے جا چکے تھے۔ فریدی نے جھپٹ کر لیمپ بجھا دیا۔ کمرہ تاریک ہو گیا۔

"انہیں بھی ختم کر دو۔" باہر کسی نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ فریدی اور حمید دروازے کے قریب آ گئے۔

"اوہ! یہاں تو اندھیرا ہے۔" دروازہ کھولنے والے نے کہا۔ دو آدمی اندر داخل ہوئے اور حمید نے دفعتاً ایک کو سنبھال لیا۔ قبل اس کے کہ وہ آواز بھی نکالتا اس کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ حمید نے دوسرے لمحے میں اس کے ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا۔ فریدی نے بھی شائد یہی کیا تھا کیونکہ دروازے کے دوسرے گوشے سے بھی کسی قسم کی آواز نہیں آئی تھی۔

وہ دونوں آہستگی سے دوسرے کمرے میں آئے یہاں سناٹا تھا۔ بقیہ تین آدمی غائب تھے۔

انہوں نے دوسرے کمرے کے کواڑ کھولے۔ مکان میں چار کمرے تھے۔ اور ان میں بہت ہی معمولی قسم کا فرنیچر تھا۔ ایک کمرے میں انہیں کچھ ہاتھ کی بنائی ہوئی تصویریں ملیں۔ ایک طرف ایزل رکھا ہوا تھا جس پر چڑھے ہوئے کینواس پر ایک ادھوری تصویر تھی۔ قریب ہی سٹول پر رنگ کے ڈبے اور برش رکھے ہوئے تھے۔ وہ دونوں پھر اسی کمرے میں چل پڑے جہاں پہلی بار انہوں نے پانچ آدمیوں کو دیکھا تھا۔ لیکن انہیں رک جانا پڑا کیونکہ اس کمرے میں کئی آدمیوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ ان دونوں نے ریوالور کے دستے مضبوطی سے پکڑ لئے۔ فریدی نے آہستہ آہستہ دروازہ کھولا اور دوسرے کمرے میں کسی نے چیخ کر کہا۔ "وہ دیکھئے۔"

پھر فریدی اور حمید نے کچھ ایسی آوازیں سنیں جیسے حملے کے لئے رائفلیں تیار کی جارہی ہیں۔

"بیکار ہے! چپ چاپ باہر نکل آؤ۔" کمرے سے آواز آئی۔ "مکان چاروں طرف سے گھرا ہوا ہے۔"

فریدی اور حمید نے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ یہ آواز ان کی جانی پہچانی تھی لیکن وہ راہل کی نہیں ہو سکتی تھی۔

"اپنا اسلحہ باہر پھینک دو۔" آواز پھر آئی۔

فریدی نے مسکرا کر حمید کو آنکھ ماری اور انہوں نے اپنے ریوالور کھلے ہوئے دروازے سے دوسرے میں پھینک دیئے۔

"ہاتھ اٹھائے ہوئے باہر آجاؤ۔"

فریدی اور حمید ہاتھ اٹھائے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔

"ارے آپ!" کوتوالی انچارج انسپکٹر جگدیش بے اختیار اچھل پڑا اور اس کے ساتھیوں نے رائفلیں نیچی کرلیں۔

"تم کیسے آئے۔" فریدی نے پوچھا۔

"اس کمرے میں دو لاشیں ہیں۔" جگدیش نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں.... وہ راہل کے آدمی ہیں۔" فریدی بولا۔

"راہل کے آدمی۔" ایک آدمی چیخ پڑا۔ یہ جگدیش ہی کے ساتھ تھا اور فریدی اور حمید نے اُسے نظر انداز کر دیا تھا۔

"یہی صاحب! مجھے یہاں لائے ہیں۔ انہوں نے ریلوے کیبن سے مجھے فون کیا تھا۔" انسپکٹر جگدیش نے کہا۔

"آپ کی تعریف....!" فریدی نے اُسے گھور کر پوچھا۔

"یہ سر.... اوہ! ایک بہت بڑا سانحہ ہو گیا ہے فریدی صاحب۔"

"کیا....؟" فریدی چونک کر بولا۔

"ریلوے کیبن کے نیچے سر جگدیش کی لاش پڑی ہے۔" انسپکٹر جگدیش نے کہا۔

"کیا....؟" فریدی بے اختیار چیخ پڑا۔

"جی ہاں! جگدیش کی لاش.... سر جگدیش یہاں اس مکان میں اپنے کسی دشمن کے خوف سے روپوش تھے۔ یہ مکان مسٹر آکاش کا ہے۔" کوتوالی انچارج نے اس اجنبی کی طرف اشارہ کیا۔ "آپ آرٹسٹ ہیں۔"

فریدی پھر اُسے گھورنے لگا۔

"پھر....!" وہ کوتوالی انچارج کی طرف مڑا۔

"سر جگدیش یہاں آج بھی آئے تھے۔" کوتوالی انچارج نے بیان جاری رکھا۔

"تقریباً نو بجے چھ آدمیوں نے مکان پر حملہ کیا۔ سر جگدیش اور مسٹر آکاش پچھلے دروازوں سے نکل کر بھاگے۔ کچھ دور ہی پہنچے تھے کہ پیچھے سے گولیاں برسنے لگیں۔ مسٹر آکاش بھاگتے ہی گئے۔ انہیں اس کا ہوش نہیں تھا کہ سر جگدیش بھی ان کے ساتھ ہیں یا نہیں۔"

"پھر کیا ہوا۔" فریدی نے آکاش آرٹسٹ کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"میں ایک جگہ ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔" آرٹسٹ نے سراسیمگی سے کہنا شروع کیا۔ "پھر میں نے بڑی دیر تک اٹھنے کی ہمت نہیں کی۔ فائر ہونے بند ہو گئے تھے۔ میں نے سر جگدیش کو آہستہ سے

پکارا۔ لیکن جواب نہ ملا.... اور پھر جب میں ڈرتے ڈرتے واپس آرہا تھا تو میں نے ریلوے کیر
کے پاس ایک لاش دیکھی وہ سر جگدیش تھے۔ تب میں نے اوپر کیبن میں جاکر پولیس کو فون کیا۔"

"کیبن مین موجود تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں وہ موجود تھا۔"

"تو اس نے بھی فائروں کی آوازیں سنی ہوں گے۔"

"ضرور سنی ہوں گی۔"

"ہوں....!" فریدی کوتوالی انچارج کی طرف مڑا۔ "اب لاش کہاں ہے؟"

"وہیں!" کوتوالی انچارج نے کہا۔

"سر جگدیش سے آپ کا کیا تعلق تھا۔" فریدی نے آکاش سے پوچھا۔

"وہ میرے بہت پرانے گاہک تھے۔" آکاش بولا۔ "اکثر مجھ سے تصویریں بنواتے رہتے تھے اور آج دوپہر کو وہ یہاں آئے۔ انہوں نے چند روز میرے ساتھ قیام کرنے کی کوشش کی انہیں کسی دشمن کا خوف تھا۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "اچھا تو یہ تینوں لاشیں اب اٹھنی چاہئیں اور مسٹر آکاش کیا آپ بھی کوتوالی تک چلنے کی زحمت گوارا کریں گے۔ ایک بہت بڑا آدمی مار ڈالا گیا ہے۔"

❁

کوتوالی کے ایک بڑے کمرے میں اعلیٰ حکام اکٹھا تھے۔ ایک طرف پلنگ پر سر جگدیش کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ ہر ایک کی نظر فریدی کے چہرے پر تھی، جو اپنے سینے پر دونوں ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ اس نے آکاش آرٹسٹ کی طرف دیکھ کہا۔ "میں نے ہی سر جگدیش کو اس بات کی اطلاع دی تھی کہ راہل ان کی تاک میں ہے۔ اس پر انہوں نے میرا شکریہ ادا کیا تھا اور مجھے بتایا تھا کہ وہ کہاں پناہ لینے جارہے ہیں۔ میں نے ان کے گھر کا فون نمبر استعمال کیا تھا.... اور انہوں نے اس نمبر پر مجھ سے گفتگو کی تھی۔ لیکن جب میں ان کے گھر پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ پچھلے دو دن سے گھر سے باہر تھے.... کیا یہ ایک غیر ممکن بات نہیں تھی۔ سر جگدیش نے گھر سے باہر کہیں میری ٹیلی فون کال ریسیو کی تھی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ٹیلی فون کے محکمے نے ایک ہی نمبر دو مختلف جگہوں کو دیئے ہیں؟ میرا خیال ہے کہ اس سوال کا جواب اثبات میں نہ ملے گا۔"

"مسٹر فریدی۔" ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے فریدی کو متنبہ کیا۔ "جو کچھ کہئے سوچ سمجھ کر کہئے۔ آپ ایک نیک نام اور معزز شہری پر الزام لگا رہے ہیں۔ اگر آپ کے پاس مستحکم ثبوت نہ ہو تو زبان بند ہی رکھنا مناسب ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ راہل نے جلد بازی سے کام لیا۔" فریدی نے کہا۔ "بہر حال میں جو کچھ بھی کہنا چاہتا ہوں اُسے سن لیجئے۔ پچھلی مرتبہ راہل ایک ایسے ٹرک کے ساتھ گرفتار ہوا تھا جس میں رائفلیں بھری ہوئی تھیں۔ راہل نے اُن کے متعلق کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا تھا۔ اسی دوران میں مجھے کسی ذریعہ سے پتہ چلا کہ شمالی مشرقی علاقے کے باغی قبائل ویسی ہی رائفلیں استعمال کر رہے ہیں جیسی راہل کے قبضے سے برآمد ہوئی تھیں۔"

"آپ کو کن ذرائع سے معلوم ہوا تھا؟" ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے سوال کیا۔

"افسوس یہ ہے کہ یہ میرے محکمے کا راز ہے اور عدالتی کاروائی سے قبل میں اسے ظاہر نہیں کر سکتا۔"

فریدی کے ڈی۔ آئی۔ جی نے اُسے مسکرا کر دیکھا اور فریدی بولتا رہا۔ اس نے رگبی امپورٹرز والے واقعات دہرانے شروع کئے اور پھر بولا۔ "میں نے خود اپنی آنکھوں سے وہ مشین دیکھی ہے۔ افسوس کہ راہل نے اس عمارت میں آگ لگا کر سب کچھ برباد کر دیا۔"

"لیکن یہ کس طرح ثابت کیجئے گا کہ وہ پُر اسرار آدمی سر جگدیش ہی تھا۔" ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے کہا۔

"میں واقعی مشکل میں پڑ گیا ہوں۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ لیکن حمید نے محسوس کیا کہ فریدی محض ایکٹنگ کر رہا ہے اور وہ حسب عادت اچانک کوئی ایسی بات کہہ دے گا کہ سب کے منہ حیرت سے کھلے رہ جائیں گے۔

"میں آپ سے کہہ رہا ہوں کہ جو کچھ کہئے سوچ سمجھ کر کہئے۔" ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے پھر کہا۔

"اوہ.... دیکھئے میں کوشش کرتا ہوں۔" فریدی ہکلایا۔ "ثابت کرنے میں تھوڑی دشواری ہوگی۔ ویسے! میں آپ کو بتاؤں۔ ضرغام کے تیار کئے ہوئے نقشے.... یہ رہے دیکھئے.... میں نے اس جگہ کا بھی پتہ لگا لیا ہے جہاں سے اسلحہ بھیجا جاتا ہے۔ آج بذریعہ تار مجھے اطلاع ملی ہے کہ چار سو رائفلیں اس وقت پکڑی گئیں جب انہیں قبائلیوں کے علاقے میں پہنچایا جارہا تھا۔ اُن کے

ساتھ جمیل اور ارجن نامی دو آدمی بھی گرفتار کئے گئے ہیں اور یہ دونوں کچھ دن قبل یہاں رگبی امپورٹرز کے دفتر میں تھے۔"

"چلئے! میں نے یہ بھی مان لیا۔" ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے کہا۔ "لیکن آپ رگبی امپورٹرز سے سرجگدیش کا تعلق کس طرح ثابت کیجئے گا۔"

"دیکھئے! میں آپ کو بتاتا ہوں۔" فریدی نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "دشواریاں ضرور ہیں لیکن میں ثابت کرنے کی کوشش کروں گا.... راہل جگدیش کو ایک معاملے میں بلیک میل کر رہا تھا۔ وہ ان سے ایک مخصوص میک اپ میں ملتا تھا۔ اچھا فی الحال اس تذکرے کو جانے دیجئے.... رگبی امپورٹرز کے پُراسرار سربراہ نے کسی بناء پر راہل کو بھی ختم کر دینے کی اسکیم بنائی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس بات کو سمجھ گیا ہو کہ راہل کا فرار محض اس کو پھانسنے کے لئے عمل میں لایا گیا ہے۔ بہر حال اس نے ضرغام کو اس کام کے لئے مقرر کیا۔ ضرغام نے اس پر اس وقت گولی چلائی جب وہ سن سٹ ریستوران سے باہر نکل رہا تھا۔ واضح رہے کہ راہل اُس وقت اپنی اصلی شکل میں نہیں تھا۔ لیکن ضرغام نے اس پر گولی چلادی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ضرغام اُسے میک اپ میں بھی پہچانتا تھا۔"

فریدی نے بیان جاری رکھتے ہوئے کہا۔ حمید کا واقعہ بتایا کہ کس طرح اس نے راہل کو ضرغام کو قتل کرتے دیکھا تھا اور کس طرح حمید نے دوسرے دن ایک بلیک میلر کی حیثیت سے راہل کو فون کیا تھا۔

"اب آپ ہی خیال فرمایئے۔" فریدی کچھ دیر رک کر بولا۔ "راہل کیا کہتا ہے۔ اس نے کہا کہ وہ جس میک اپ میں اس وقت تھا اس میں سوائے ایک آدمی کے اُسے اور کوئی نہیں پہچانتا تھا کہ وہ آدمی ضرغام نہیں تھا۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ ضرغام کو اس کی اطلاع اور صحیح نشانی دینے والا صرف ایک ہی شخص ہو سکتا تھا۔ وہ جو راہل کو اس میک اپ میں پہچان سکتا تھا اور وہ شخص جگدیش کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ راہل اس سے اسی میک اپ میں ملتا تھا لیکن راہل غلطی پر تھا۔ یہ بات بھی جانتا تھا کہ میں کئی بار اس کا تعاقب کر چکا تھا۔"

"معاف کیجئے گا فریدی صاحب۔" مجسٹریٹ نے کہا۔ "اس دلیل میں بھی جان نہیں ہے۔ اگر اس پُراسرار آدمی کو راہل پر اعتماد نہیں تھا تو اس نے بھی شروع ہی سے اپنے آدمی اس کے

پیچھے لگا دیئے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ ہی کی طرح وہ بھی اس کے اس مخصوص میک اپ سے واقف رہے ہوں۔"

"میرے پاس کم از کم دو گواہ ایسے ہیں.... جو مسٹر پارکر اور لوسی کے قتل سے...."

"اوہ چھوڑیئے۔" مجسٹریٹ نے فریدی کی بات کاٹ دی۔ "آپ پھر رگبی امپورٹرز کے قصے کو لے بیٹھے۔ یہاں صرف سرجگدیش کا سوال ہے۔"

"میں وہی بتانے جا رہا ہوں۔" فریدی کچھ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ کیونکہ سرجنٹ حمید اور سرجنٹ رمیش، روشی، لوتھر اور موڈرن الیکٹرک سپلائی کمپنی کے منیجر شیام کے ساتھ کمرے میں داخل ہو رہے تھے۔

"کیا خبر ہے! مسٹر شیام....!" فریدی نے کہا "نمبر چار کی مشین آخر خاموش ہو گئی نا۔"

"میں کچھ نہیں سمجھا۔ آپ کیا فرما رہے ہیں۔" شیام نے حیرت کا اظہار کیا مگر اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"بیکار ہے مسٹر شیام.... وہ مشین اب کبھی نہ بولے گی۔ کیونکہ تمہارا پُراسرار باس حوالات میں ہے۔"

شیام تھوک نگل کر رہ گیا۔

"اچھا لوتھر! تم بولو۔" فریدی نے کہا۔ "تمہارا ضمیر ابھی مردہ نہیں ہوا۔ تم ایک سچے عیسائی ہو۔ پارکر کیسے مرا۔"

"میں نہیں جانتا لیکن اس کی لاش صندوق میں، میں نے ہی رکھی تھی۔" لوتھر بولا۔

"مسٹر شیام کا رگبی امپورٹرز سے کیا تعلق ہے۔"

"سب ایک ہی ہیں! مطلب یہ کہ ہمارا باس ایک ہی ہے۔"

"ٹھیک مسٹر لوتھر! کیا کبھی تم نے باس کو دیکھا ہے۔"

"نہیں اس کے پیغام ہم تک منیجر کے ذریعے پہنچتے تھے۔"

"رگبی امپورٹرز کی ملازمت حاصل کرنے کے لئے کس قسم کی قابلیت کی ضرورت تھی۔"

"امیدوار کا مجرم ہونا ضروری تھا۔"

"تم کس قسم کے مجرم تھے۔"

"جعلی سکے بناتا تھا۔ ایک بار قانون کی گرفت میں آجاتا لیکن ایک نامعلوم آدمی نے مجھے بچالیا اور اسی کی وساطت سے میں رگبی امپورٹرز میں پہنچا۔"

"نامعلوم آدمی.... کیا تم نے اس کی شکل نہیں دیکھی تھی۔"

"جی نہیں۔"

"یہ بھلا کیسے ممکن....!"

"میرے لئے اس سب انسپکٹر کو رشوت دی گئی تھی جس نے مجھے پکڑا تھا۔ پھر مجھے ایک ہدایت نامہ ملا جس میں مجھے ہدایت دی گئی تھی کہ رگبی امپورٹرز سے منسلک ہو جاؤں۔"

"کیا اس سب انسپکٹر کو پہچان سکتے ہو۔"

"افسوس کہ نہیں۔ نہ اب مجھے اس کی شکل یاد ہے اور نہ نام۔ پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے۔ پتہ نہیں اب وہ کہاں ہو۔"

لوتھر کے بعد فریدی نے شیام پر سوالات کی بوچھاڑ کی۔ وہ ذرا کمزور دل کا آدمی تھا۔ اس نے تھوڑی دیر بعد سب کچھ اگل دیا۔ اس نے اعتراف کیا کہ روشی کو اسی نے رگبی امپورٹرز کے لئے بھیجا تھا اور روشی ہی لوسی کی قاتل تھی۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ وہ قبائلیوں کے لئے اسلحہ فراہم کرتے تھے۔

"دیکھا آپ نے۔" فریدی نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے کہا۔ لیکن مجسٹریٹ کو بھی آج شاید کچھ ضد سی ہو گئی تھی۔

"سر جگدیش کا معاملہ پھر بھی رہا جاتا ہے۔" مجسٹریٹ نے کہا۔

"سر جگدیش بڑا عجیب آدمی تھا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ایک طرف وہ راہل سے بلیک میل بھی ہو رہا تھا اور دوسری طرف اس سے ایک کام بھی لے رہا تھا۔"

"ثبوت مسٹر فریدی۔" مجسٹریٹ جھنجھلا گیا۔

"اوہ....!" فریدی کے محکمے کے ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔ "میرے خیال سے یہ معاملہ اس وقت کے لئے ملتوی کر دیا جائے جب تک کہ راہل گرفتار نہ کر لیا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی ٹھوس ثبوت پیش کر سکے۔"

"مسٹر فریدی۔" مجسٹریٹ طنزیہ لہجے میں بولا۔ "پچھلی کامیابیاں اکثر بہت زیادہ خود اعتمادی

پیدا کر دیتی ہیں لیکن.... وہ خود اعتمادی حقیقتاً خود فریبی ہوتی ہے۔"

"معاف کیجئے گا۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "فریدی کبھی کوئی بے بنیاد بات نہیں کہتا۔"

"تو پھر دیجئے نا ثبوت۔"

"اس کا ثبوت خود سر جگدیش دے گا۔"

"کیا!" بیک وقت کئی آدمیوں کے منہ سے نکلا اور سب ہی فریدی کو ایسی نظروں سے گھورنے لگے جیسے وہ یا تو پاگل ہو گیا ہو یا نشے میں ہو۔"

"فریدی ختم کرو! بیکار باتیں۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"ارے تو کیا آپ کو فریدی پر اعتماد نہیں رہا۔" فریدی نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔

تھوڑی دیر کے لئے کمرے میں سناٹا چھا گیا۔

"حمید!" فریدی نے گرجدار آواز میں کہا۔ "سب سامان ٹھیک ہے نا۔"

"جی ہاں۔" حمید نے جواب دیا۔

"اچھا تو مسٹر آکاش کے ہتھکڑیاں لگا دو.... اور مسٹر آکاش اگر تم نے جنبش کی تو گولی مار دوں گا۔ چپ چاپ کھڑے رہو۔" فریدی نے ریوالور نکال لیا۔

حمید نے جھپٹ کر آکاش آرٹسٹ کے ہتھکڑیاں لگا دیں۔

"مسٹر آکاش۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "کیبن مین نے فائروں کی آواز نہیں سنی تھی۔ لیکن لاش کے زخم کی حالت بتاتی ہے کہ گولی قریب ہی سے ماری گئی تھی اور لاش کیبن کے نیچے ملی تھی۔ آخر اس نے اسی ایک فائر کی آواز کیوں نہیں سنی۔ کیا تم نے اسے ایک سائیلنسر لگے ہوئے ریوالور سے نہیں قتل کیا تھا۔"

"یہ بکواس ہے۔" آکاش چیخا۔ "تم مجھے پھنسانا چاہتے ہو۔"

"حمید سامان لاؤ۔" فریدی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ حمید جھپٹ کر باہر نکلا اور دوسرے کمرے سے ایک سوٹ کیس اٹھا لایا۔ فریدی نے اسے کھولا۔ اس میں متعدد بوتلیں اور شیشیاں تھیں۔ آکاش نے بھاگنا چاہا لیکن حمید اور رمیش نے اُسے پکڑ لیا۔

فریدی نے چند بوتلوں اور شیشیوں سے سیال لے کر ایک بیکر میں ملائے اور بیکر کو ہاتھ میں لئے ہوئے آکاش کی طرف بڑھا۔ حمید اور رمیش اسے پکڑے ہوئے تھے۔ فریدی نے بیکر کا سیال

آکاش کے چہرے پر پھینک دیا۔

"یہ کیا لغویت ہے۔" آکاش چیخا۔ دوسرے لوگ دم بخود تھے۔

"ٹھہرو! مسٹر آکاش! میرے کسی بھی کیس میں یہی لمحہ میری دلچسپیوں کی جان ہوتا ہے۔" فریدی نے ایک رومال سے اس کا چہرہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

اور دوسرے لمحے حاضرین کے منہ سے عجیب عجیب طرح کی آوازیں نکلیں۔ کیونکہ ان کے سامنے ایک سر جگدیش کی لاش پڑی ہوئی تھی اور دوسرا سر جگدیش حمید اور رمیش کی گرفت میں تھا۔

"مجسٹریٹ صاحب۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "اب سر جگدیش سے پوچھئے کہ آخر پولیس کو اس طرح دھوکہ دینے کی کیا ضرورت تھی۔"

"اور یہ کون ہے؟" مجسٹریٹ نے لاش کی طرف دیکھ کر بوکھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"راہل....!" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "اس نے پانچ آدمیوں کے ساتھ اس مکان پر حملہ کیا تھا جس میں سر جگدیش آکاش کے بھیس میں مقیم تھا۔ سر جگدیش صاف نکل گیا۔ راہل اکیلے ہی اس کی تلاش میں نکل گیا اور سر جگدیش نے بہت ہی قریب سے سائیلنسر لگے ہوئے پستول سے اس کی پشت پر فائر کر دیا کیوں سر جگدیش۔"

سر جگدیش اس طرح پلکیں جھپکا رہا تھا جیسے اس کی آنکھوں تلے اندھیرا آرہا ہو۔

"اور پھر....!" فریدی نے کہا۔ "اس نے راہل پر اپنا میک اپ کر دیا۔ حمید ذرا راہل کی اصلی شکل بھی دکھا دو۔"

تھوڑی دیر بعد راہل بھی اپنی اصلی شکل میں ظاہر ہو گیا۔

"واقعی.... مم.... مسٹر فریدی۔" مجسٹریٹ نے تھوک نگل کر کہا اور پھر کھسیانے انداز میں ہنسنے لگا۔

"میرا فریدی ایک شاندار ایکٹر ہے اور شریر بھی۔" ڈی۔ آئی۔ جی ہنس پڑا۔

"اور میں.... میں تو ناکارہ اُلو کا پٹھا ہوں۔" حمید ہونٹوں میں بڑبڑا کر رہ گیا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 37

جنگل کی آگ

(مکمل ناول)

پُراسرار قتل

ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ فریدی نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو....!"

"فریدی.... میں عرفانی بول رہا ہوں.... بوڑھا عرفانی.... میں خطرے میں ہوں۔"

"کیا بات ہے!" فریدی نے پوچھا۔

لیکن جواب ندارد.... سلسلہ منقطع نہیں ہوا تھا۔ فریدی نے ریسیور کان سے لگائے رکھا۔

"ہیلو.... ہیلو.... عرفانی صاحب.... فریدی بول رہا ہے۔" فریدی نے دوبارہ کہا۔

لیکن پھر بھی کوئی جواب نہ ملا.... اور پھر فریدی نے ایک ہلکی سی آواز سنی۔ اسی کے ساتھ ہی کسی کے چیخنے کی آواز آئی۔

"فائر....!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا اور اس نے ریسیور رکھ دیا۔

"حمید....!" اُس نے حمید کو آواز دی جو برابر ہی کے کمرے میں اپنی پالتو چوہیا کو اختر شیرانی کی کوئی نظم سنا رہا تھا۔

"فرمایئے۔" اس نے اس دخل اندازی پر بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"اٹھو....! ہمیں جلدی ہے۔" فریدی نے اس کے کمرے کا دروازہ کھول کر کہا۔

"عرفانی صاحب خطرے میں ہیں۔"

"ہوں گے۔" حمید نے بے پروائی سے کہا۔

"اٹھو....!" فریدی نے اس کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔

فریدی چونکہ صورت سے پریشان نظر آرہا تھا اس لئے حمید نے زیادہ پھیلنا مناسب نہ سمجھا۔

فریدی کو اتنی جلدی تھی کہ اس نے اُسے سلیپنگ سوٹ بھی نہ اتارنے دیا۔

کیڈی پھاٹک سے نکل کر ایک طرف کو ہولی۔

"کوئی خطرناک مہم....؟" حمید نے پوچھا۔

"یقیناً خطرناک ہی ہو سکتی ہے۔ عرفانی صاحب خطرے میں ہیں۔"

"کون عرفانی صاحب؟"

"ایک طرح سے تم انہیں میرا استاد بھی سمجھ سکتے ہو۔"

"آپ نے پہلے کبھی اس قسم کے کسی آدمی کا تذکرہ نہیں کیا۔" حمید نے کہا۔

"اوہو.... تم نے محکمے کے آدمیوں میں کبھی نہ کبھی ان کا تذکرہ ضرور سنا ہوگا۔ ہمارے پیش رووں میں وہ کافی مشہور تھے۔"

"اوہ سمجھا.... وہی بوڑھا تو نہیں جسے نیلے رنگ کا خبط ہے۔"

"ٹھیک سمجھے۔"

"لیکن وہ آپ کے استاد کس طرح ہوئے۔"

"شروع میں انہوں نے اکثر میری رہنمائی کی ہے۔ والد مرحوم کے دوستوں میں سے ہیں۔ پہلی عالمگیر جنگ کے دوران میں وہ ملٹری سیکرٹ سروس سے متعلق تھے۔ ریٹائر ہونے کے بعد سے الگ تھلگ زندگی گذار رہے ہیں۔ لیکن سوچتا ہوں.... ایسا شخص! سمجھ میں نہیں آتا کیا معاملہ ہے انہوں نے فون پر مجھ سے اتنا ہی کہا کہ میں خطرے میں ہوں.... میں نے خطرے کی نوعیت پوچھنی چاہی لیکن جواب نہیں ملا۔ فون ڈس کنکٹ نہیں کیا گیا تھا۔ پھر میں نے فائر کی آواز سنی اور ایک ہلکی سی چیخ....!"

"کیا وہ گھر پر اکیلے ہی ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"قریب.... قریب۔" فریدی نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔ "ایک نوکر ہے وہ اتنا بہرہ ہے کہ جب تک اس کے کان میں منہ لگا کر چیخا نہ جائے نہیں سن سکتا۔"

"عرفانی صاحب مالدار آدمی ہیں!"

"ہاں! کافی۔" فریدی پھر خاموش ہو گیا۔

ساڑھے گیارہ بج چکے تھے۔ سڑکیں سنسان ہوتی جارہی تھیں۔ رات کہر آلود ہونے کی
سے تاریکی کچھ اور بڑھ گئی تھی۔

کیڈی کیلاش برج کو پار کر کے شہر کے ایک ایسے حصے میں داخل ہو رہی تھی جہاں کو
آبادی نہیں تھی۔ خال خال ایک آدھ عمارتیں نظر آجاتی تھیں جن کی کھڑکیوں میں کہر میں
ہوئی دھندلی روشنی ادھورے خوابوں کی یاد کی طرح اونگھ رہی تھی۔

فریدی نے ایک عمارت کے سامنے کیڈی روک دی۔ وہ دونوں نیچے اترے۔ بائیں باغ
اندھیرا تھا عمارت کی کسی کھڑکی میں بھی روشنی نہیں تھی۔

"گاڑی سے ٹارچ نکال لو۔" فریدی نے کہا۔

حمید واپس چلا گیا۔ اتنے میں فریدی برآمدے تک پہنچ گیا تھا۔ اُسے کہیں بھی کسی قسم
آواز نہ سنائی دی۔ وہ چند لمحے ساکت و سامت کھڑا رہا۔

حمید ٹارچ لے کر واپس آگیا۔

برآمدے میں چار دروازے تھے۔ ان میں سے ایک کے دونوں پٹ کھلے ہوئے تھے۔ ٹارچ
کی روشنی ایک طویل راہداری میں پڑی اور جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئے انہیں خراٹوں کی آواز سنا
دی۔ روشنی کا دائرہ آواز کی سمت گھوم گیا بائیں طرف ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس کا دروازہ کھلا ہوا
اندر ایک ضعیف العمر آدمی کے خراٹے گونج رہے تھے۔

"نوکر....!" فریدی آہستہ سے بولا۔

اور وہ پھر آگے بڑھ گئے اس کے کمرے کے علاوہ انہیں ہر کمرے میں انتشار اور بد نظمی نظ
آئی۔ صندوق کھلے ہوئے سامان بکھرا ہوا۔ حتی کہ فرش پر بچھی ہوئی قالین تک الٹی پڑی تھی
فریدی ہر کمرے کا بلب روشن کرتا جارہا تھا۔

آخری کمرے میں حمید کو ٹیلی فون کے علاوہ ہر چیز نیلے رنگ کی نظر آئی نیلے پردے
فرنیچر دروازوں پر نہ صرف نیلا پینٹ تھا بلکہ اُن کے شیشے میں بھی نیلے ہی رنگ کے تھے
دیواروں پر نیلے رنگ کا پالش تھا۔ اس نیلگوں طوفان میں اس چیز کو نظر انداز ہی کر گئے جس پر
کی نظر پہلے ہی پڑنی چاہئے تھی کرسیوں کے پھٹے ہوئے گدوں یا بکھری ہوئی چیزوں کی اُن
سامنے کوئی اہمیت نہیں تھی یہ تازہ خون کا ایک بہت بڑا دھبہ تھا جو لکھنے کی بڑی میز کے نیچے فرش

پر نظر آرہا تھا۔

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا لیکن کچھ بولے نہیں۔

پھر فریدی کی نظریں فون کے ریسیور پر جم گئیں جو میز کے سامنے والے کنارے پر جھول
رہا تھا۔

"اسے توپ کی گرج بھی نہیں جگا سکتی۔" فریدی نے کہا اور جھک کر خون کے دھبے کو دیکھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اُس کے چہرے پر گہری تشویش کے آثار تھے اور
آنکھیں مضطربانہ انداز میں گرد و پیش کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"عرفانی صاحب کی زندگی میں تو یہ ناممکن تھا۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ "دس آدمی بھی گھر
کی حالت اس طرح نہیں بگاڑ سکتے تھے۔"

"تو کیا....." حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"آخر لاش کیا ہو گئی۔" فریدی پر تشویش لہجے میں بولا۔

"لاش....!" حمید چونک کر بولا۔

"یہ خون....!" فریدی نے خون کے دھبے کی طرف اشارہ کیا۔ "اور یہ ریسیور جو میز سے
لٹکا ہوا ہے عرفانی صاحب مجھے فون کر رہے تھے۔ فائر کی آواز..... چیخ..... ایسی صورت میں اس
کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے پھر حملہ آوروں نے گھر کا سامان الٹ پلٹ ڈالا۔ کرسیوں کے
گدے تک پھاڑ ڈالے گئے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اُس کی نظریں کھلی ہوئی تجوری پر جمی ہوئی تھیں۔

"لیکن....!" حمید بولا۔ "حملہ آور نے انہیں نظر انداز کر دیا۔"

اس نے تجوری کے سامنے فرش پر بکھرے ہوئے نوٹوں کی طرف اشارہ کیا ان کے قریب
کچھ زیورات بھی تھے جن میں قیمتی پتھر جگمگا رہے تھے۔

"ہم اسے ڈاکہ نہیں کہہ سکتے۔" فریدی نے کہا۔ "دوسرے کمروں میں بھی بہتیرا قیمتی سامان
بکھرا ہوا دیکھتے آئے ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ صاف ظاہر تھا کہ حملہ آوروں کو کسی خاص چیز کی تلاش تھی۔ ایسی چیز جسے
کرسی کے گدوں میں بھی چھپایا جاسکتا تھا۔

"نوکر کو جگانا چاہئے۔" حمید نے کہا۔

فریدی کچھ سوچتا ہوا اس کی طرف مڑا۔ چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھا۔

دونوں نوکر کے کمرے میں آئے وہ اب بھی اسی طرح خراٹے لے رہا تھا۔ فریدی نے بلب روشن کر دیا۔ حمید اُسے جھنجھوڑ رہا تھا۔

"کیا ہوا.... کیا بات ہے۔" بوڑھا کھڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ "آپ کون ہیں۔"

پھر انہیں اُسے سب کچھ سمجھانے میں بڑی دشواری پیش آئی۔ چیختے چیختے حمید کا گلا بیٹھ گیا وہ اُسے اس کمرے میں لے آئے جہاں انہوں نے خون دیکھا تھا۔

بوڑھے کی گھگھی بندھ گئی۔

"صاحب.... کک.... کہاں ہیں۔" اس نے ہکلا کر پوچھا۔

فریدی نے اُسے اپنے فون والا واقعہ بتایا۔

"تو یہ.... صاحب کا.... خون!" بوڑھا کربناک انداز میں چیخا اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہ چکرا کر گر پڑے گا۔ حمید نے آگے بڑھ کر اُسے سنبھال لیا۔

تقریباً پندرہ بیس منٹ تک اس کی حالت غیر رہی۔ کبھی وہ چپ چاپ آنسو بہاتا اور کبھی چیخنے لگتا۔ بڑی مشکلوں سے فریدی اُسے گفتگو کرنے پر آمادہ کر سکا۔ اُس نے بتایا کہ آج کوئی ملاقاتی بھی نہیں آیا تھا اور وہ حسب معمول کاموں سے فراغت پانے کے بعد نو بجے سونے کے لئے چلا گیا تھا۔

فریدی نے دو چار سوالات اور کئے اور جوابات سے اُس نے اندازہ لگا لیا کہ نوکر عرفانی کے ذاتی معاملات میں دخیل نہیں تھا۔

"بہتر تو یہی ہے کہ اس کو اس کے کمرے میں پہنچا دو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

حمید کے جانے کے بعد وہ پھر کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ اس نے دروازوں کے پردے ہٹائے دیواروں کو دیکھتا رہا اور پھر اُسی میز کے قریب پلٹ آیا۔ جس کے نیچے خون کا دھبہ تھا۔

حمید کی واپسی پر اس نے آہستہ سے کہا۔

"فائر کرنے کے فوراً بعد ہی کمرے کی روشنی گل کر دی گئی تھی۔"

حمید کچھ نہیں بولا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کی سمجھ ہی میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا بولے یہ واقعہ اُس پر اچانک نازل ہوا تھا ورنہ وہ اس وقت آرام سے اپنے بستر پر خراٹے لے رہا ہوتا۔

"اور حملہ آوروں کو اپنے شکار سے زیادہ اُس چیز کی تلاش کی فکر تھی جس کے لئے انہوں نے گھر میں ابتری پھیلائی ہے۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔" حمید نے یونہی کچھ سوچے سمجھے بغیر زبان ہلا دی۔

"کیونکہ اُن کے اسی رجحان نے عرفانی صاحب کو فرار ہونے میں مدد دی۔"

"کیا مطلب!" حمید چونک پڑا۔ "ابھی تو آپ کسی لاش کا تذکرہ کر رہے تھے۔"

"پہلا خیال غلط تھا۔" فریدی چاروں طرف متجسسانہ نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"مگر ہو سکتا ہے کہ حملہ آور لاش بھی اپنے ہمراہ لے گئے ہوں۔" حمید نے کہا۔

"نہیں کچھ نشانات اس بات کی تردید کرتے ہیں۔" فریدی بولا۔ "مثلاً.... ادھر آؤ.... اُس دروازے کا پردہ ہٹاؤ۔"

حمید پردہ ہٹا کر کھڑا ہو گیا اور واقعی وہ نشان کسی اندھے آدمی کے لئے بھی واضح تھا۔ دروازے کے ایک پٹ پر فرش سے تقریباً ڈیڑھ فٹ کی اونچائی پر خون کا ایک بڑا سا دھبہ تھا جس سے پتلی پتلی کئی لکیریں نیچے تک بہہ آئی تھیں۔

"گولی شاید پشت پر لگی تھی۔" فریدی بڑبڑایا۔ "وہ میز کے نیچے سے گھسیٹتے ہوئے یہاں تک آئے۔ کچھ دیر دروازے سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے رہے.... پھر....!"

فریدی دروازے کی چٹخنی کی طرف دیکھنے لگا جو گری ہوئی تھی۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ پھر اسی دروازے سے نکل گئے ہوں۔ ذرا ٹارچ مجھے اٹھا دینا.... اوہو.... یہ پھر آ گیا۔"

فریدی کی نظریں بہرے نوکر پر جم گئیں جو دروازے میں کھڑا انہیں سہمی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

حمید آگے بڑھ کر اُس کے کان میں چیخنے لگا۔ بدقت تمام وہ اُسے سمجھا پایا کہ اس کا مالک مرا نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ نکل گیا ہو اور اسے اپنے کمرے میں اس وقت تک خاموش بیٹھنا چاہئے جب تک کہ پولیس نہ آ جائے۔

فریدی دروازہ کھول کر دوسری طرف نکل گیا تھا۔ نوکر کو واپس بھیج کر حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔

فریدی کی ٹارچ کی روشنی کمرے کے فرش پر پڑ رہی تھی۔

"بلاشبہ وہ اس کمرے سے گذرے تھے.... یہ رہا خون۔"

روشنی کا دائرہ دور تک فرش پر رینگتا ہوا چلا گیا اور پھر وہ سامنے والی دیوار پر رک گیا۔ فرش سے تقریباً چار یا پانچ فٹ کی بلندی پر ایک اور بڑا سا دھبہ تھا۔

"یہ دروازہ....!" فریدی نے دھکا دے کر دروازہ کھول دیا۔

دوسرے لمحے میں دونوں پائیں باغ کے داہنے بازو میں تھے۔ روشنی کا دائرہ بڑی تیزی سے تاریکی میں ادھر اُدھر گردش کر رہا تھا۔

پائیں باغ کی حالت ابتر تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بہت عرصے سے اُس کی خبر نہیں لی گئی کیاریوں میں خشک پودے کھڑے تھے اور مہندی کی باڑھیں بڑی بے ترتیبی سے ادھر اُدھر پھیل گئی تھیں۔ یہاں صرف خودرو جھاڑیاں سرسبز دکھائی دے رہی تھیں، ورنہ ہر طرف خزاں کا راج تھا۔

"زمین سخت ہے۔" فریدی بڑبڑایا.... وہ جھکا ہوا قدموں کے نشانات تلاش کر رہا تھا۔

"وہ کیا....؟" دفعتاً حمید چیخا۔

مالتی کی خودرو جھاڑیاں عجیب انداز میں ہل رہی تھیں۔ فریدی سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اب روشنی کا دائرہ ہلتی ہوئی جھاڑیوں پر پڑ رہا تھا۔ دفعتاً جھاڑیوں سے کسی آدمی کا ایک پیر باہر نکل آیا اور جھاڑیاں بدستور ہلتی رہیں۔

فریدی جھاڑیوں کے قریب پہنچ چکا تھا.... اور پھر انہوں نے ایک دردناک منظر دیکھا۔ بوڑھا عرفانی جھاڑیوں کو اپنی مٹھیوں میں جکڑے ہوئے بے چینی اور کرب میں ہاتھ پیر پٹخ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے عاری تھا۔

"عرفانی صاحب۔" فریدی بے اختیار اُس پر جھک پڑا۔

عرفانی کی آنکھیں کچھ اور کشادہ ہو گئیں۔

"میں فریدی ہوں عرفانی صاحب۔" فریدی پھر چیخا۔

دفعتاً ایسا معلوم ہوا جیسے عرفانی ہوش میں آ گیا ہو اس کے چہرے پر نرماہٹ دوڑ گئی اور

آنکھیں خواب ناک انداز میں بوجھل ہو گئیں۔

"دیر.... ہو گئی۔" عرفانی آہستہ آہستہ بڑبڑا رہا تھا۔ "ف.... ری.... دی.... دیر ہو گئی.... نن.... اُف.... نیشنل.... بنک.... نن.... نیشنل بنک۔"

پھر اس کا سارا جسم تھرتھرانے لگا.... اور.... گردن ایک جھٹکے کے ساتھ دوسری طرف گھوم گئی۔

"عرفانی صاحب۔" فریدی نے اُسے جھنجھوڑا۔ "عرفانی صاحب۔"

لیکن عرفانی ہمیشہ کے لئے خاموش ہو چکا تھا۔

شاید پندرہ یا بیس منٹ تک وہ وہیں بت بنے کھڑے رہے۔

"پولیس کے آنے تک لاش یہیں پڑی رہے گی۔" بالآخر فریدی بولا۔

"کیا.... معاملہ ہے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔ "نیشنل بنک.... آخر اس کا کیا مطلب ہے؟"

"اس پر پھر غور کریں گے۔" فریدی نے دوبارہ کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

حمید بھی اس کے پیچھے تھا۔ لیکن اب اسے نیند نہیں ستا رہی تھی۔

واردات والے کمرے میں پہنچ کر فریدی چند لمحے خاموش کھڑا رہا۔ پھر بولا۔

"انہیں کسی چیز کی تلاش تھی اور وہ چیز دولت نہیں ہو سکتی ورنہ وہ ان نوٹوں اور زیورات کو ضرور لے جاتے۔"

"کیا چیز ہو سکتی ہے۔" حمید بڑبڑایا۔ فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ پھر کمرے کی چیزوں کو الٹنے پلٹنے لگا تھا۔ دفعتاً اس کے منہ سے ہلکی سی آواز نکلی۔ حمید چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"سنو....!" فریدی نے اسے مخاطب کیا۔ "ذرا دیکھو تو! کیا عرفانی صاحب کی قمیض کی جیب محفوظ ہے۔"

"کیا مطلب....؟" حمید حیرت سے بولا۔

"چلو جلدی کرو۔"

"میں کچھ سمجھا نہیں۔ جیب محفوظ ہونے سے آپ کا کیا مطلب ہے۔"

"اوہ.... دیکھو قمیض میں جیب موجود ہے یا نہیں۔" وہ حمید کی طرف ٹارچ بڑھاتا ہوا بولا۔

حمید چلا گیا۔ فریدی بڑی میز کی درازیں کھول کھول کر دیکھ رہا تھا۔ کبھی کبھی بوڑھے نوکر کے

رونے کی آواز عمارت میں گونج اٹھتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد حمید واپس آگیا۔

"شاید انہوں نے عرفانی صاحب کو بھی پالیا تھا۔" حمید نے کہا۔

"کیوں....؟"

"ان کی ساری جیبیں الٹی ہوئی ہیں انہیں اچھی طرح دیکھا گیا ہے۔"

"میں نے تمہیں قمیض کی جیب دیکھنے کو بھیجا تھا۔" فریدی نے تیز لہجے میں کہا۔

"قمیض کی جیب اپنی جگہ پر ہے۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"تب تو....!" فریدی حمید کے لہجے کو نظر انداز کر کے بولا۔ "یہ ٹکڑا کسی قمیض کا جیب معلوم ہوتا ہے.... اور یہ وزیٹنگ کارڈ....!"

فریدی میز پر رکھے ہوئے کپڑے کے ٹکڑے اور ملاقاتی کارڈ کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ "دونوں فرش پر ملے ہیں ملاقاتی کارڈ کپڑے کے نیچے تھا۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ خاصی جدوجہد بھی ہوئی ہے۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"یقیناً! اس کارڈ پر ہاتھ کی مضبوط گرفت کے نشانات ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"اور یہ کارڈ کسی جوزف پیٹر کا ہے جو سولہ کنکس لین میں رہتا ہے۔"

"سراغ....!" دفعتاً حمید کا چہرہ چمک اٹھا۔

"اب تم کو توالی فون کر سکتے ہو۔" فریدی بڑبڑایا۔

حمید ٹیلی فون کی طرف بڑھا۔

"نہیں....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اسے یونہی رہنے دو۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ایک دوسری عمارت ہے وہاں فون ضرور ہوگا۔"

حمید کے چہرے پر ہچکچاہٹ کے آثار نظر آرہے تھے۔

"اوہ سمجھا! تم شب خوابی کے لباس میں کسی شریف آدمی کا دروازہ نہیں کھٹکھٹانا چاہتے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "خیر تم یہیں ٹھہرو۔ میں جاتا ہوں۔"

حمید فریدی کے قدموں کی آواز سنتا رہا۔

گرانڈیل احمق

دوسری صبح کے اخبارات نے عرفانی کے پُر اسرار قتل کے متعلق بڑی موٹی موٹی سرخیاں جمائی تھیں۔ لیکن ایک بات حمید کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ آخر لاش کی دریافت کے سلسلے میں اس کا اور فریدی کا نام کیوں نہیں لیا گیا تھا۔ اس کے برعکس خبر کے مطابق لاش عرفانی کے نوکر نے دیکھی تھی اور اسی نے پولیس کو بھی مطلع کیا تھا۔

کچھ بھی ہو یہ چیز کم از کم اس کے لئے پریشان کن تھی۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ فریدی اس کیس کو باقاعدہ طور پر اپنے ہاتھ میں لے چکا ہے۔

اُس نے جھنجھلاہٹ میں اپنے منہ پر دو چار تھپڑ لگائے اور اٹھ کر غسل خانے کی طرف چلا گیا۔

آج اتوار تھا اور اس نے پروگرام بنایا تھا کہ اپنے گرانڈیل احمق دوست قاسم کے ساتھ مچھلیوں کا شکار کھیلنے جائے گا۔ حالانکہ فریدی نے ابھی تک اُسے کسی کام میں نہیں گھسیٹا تھا پھر بھی اسے اپنے موڈ کی عافیت خطرے میں نظر آنے لگی تھی۔ آج کل اس کا موڈ بڑا اچھا تھا اور وہ دن رات نئی نئی شرارتوں کی ایجاد کے چکر میں رہتا تھا۔

اُس نے بڑی تیزی سے شیو کیا۔ کپڑے تبدیل کئے اور ناشتے کی پروا کئے بغیر گھر سے نکل گیا۔ وہ جانتا تھا کہ ناشتے کی میز پر فریدی کوئی نہ کوئی کام ضرور اُس کے سپرد کر دے گا۔

اس کا موٹر سائیکل بڑی تیزی سے قاسم کی اقامت گاہ خان ولا کی طرف جا رہی تھی۔ قاسم کا باپ خان بہادر عاصم شہر کے بہت بڑے سرمایہ داروں میں سے تھا اور قاسم اس کا اکلوتا لڑکا تھا۔ خان ولا میں صرف قاسم اور اس کی بیوی رہتے تھے اور ان کی ازدواجی زندگی بڑی تلخ گذر رہی تھی.... اور اس کی تلخی کی بنیاد پہلے ہی دن سے پڑی تھی۔ وہ بھی قاسم کی حماقت[1] کی بناء پر۔ وہ اپنے دوستوں میں گرانڈیل احمق کے نام سے مشہور تھا۔ لوگوں کا خیال تھا اس کے جسم کی نشوونما کے سلسلے میں بیچاری عقل غذا بنتی رہی تھی اور آخر میں جسم ہی جسم رہ گیا عقل صاف ہوگئی۔

بہرحال قاسم شادی ہو جانے کے بعد بھی اکثر اپنا سر پیٹ پیٹ کر کہا کرتا تھا کہ میں اب بھی کنوارا ہوں۔ یہ مسئلہ اس کے دوستوں کے لئے خاصی دلچسپی کا موضوع تھا۔

---

[1] اس دلچسپ داستان کے لئے بھی "برف کے بھوت" جلد نمبر 11 پڑھئے۔

قاسم نے حمید کو دیکھ کر ایک گھن گرج قسم کا قہقہہ لگایا وہ صبح کا اخبار دیکھ رہا تھا۔ اُس نے اُسے ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

"اتنے سویرے! ابھی تو مچھلیاں ناشتے سے بھی فارغ نہ ہوئی ہوں گی۔"

"لیکن میں نے ابھی ناشتہ نہیں کیا۔"

"بڑی خوشی ہوئی۔" قاسم ہنس کر بولا۔ "تو پھر تو میرے ساتھ ناشتہ کرو۔"

قاسم کسی نوکر کا نام لے کر چیخنے لگا۔

"ارے تم! گدھوں کی طرح چیختے ہوئے شرم بھی نہیں آتی۔"

"پھر کیا کروں! اب اٹھے کون۔"

"گھنٹی کیوں نہیں رکھتے۔"

"گھنٹی!" قاسم جھینپ کر بولا۔ "مجھے گھنٹی بجاتے ہوئے شرم آتی ہے۔"

حمید ہنسنے لگا۔ قاسم اپنے عادات واطوار کے لحاظ سے عجیب ہی نہیں بلکہ عجیب ترین تھا۔ نوکر چلا گیا۔

"کیا صلح ہو گئی بیوی سے۔" حمید نے پوچھا۔

"اس تذکرے کو نہ چھیڑو حمید بھائی۔" قاسم غمگین آواز میں بولا۔ پھر اخبار حمید کے سامنے رکھ کر ہنسنے لگا۔ حمید نے اُسے گھور کر دیکھا۔

"مجھے سراغ رسانی سے دلچسپی ہو چلی ہے۔" قاسم نے کہا۔ "اس قتل کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔"

"اچھا تو آپ بھی مجھے بور کریں گے۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔ "ابے اسی وجہ سے تو میں گھر سے بھاگا ہوں۔"

"نہیں الا قسم حمید بھائی! اگر تم تھوڑی سی مدد کرو تو میں سراغ رساں بن سکتا ہوں۔"

"شٹ اپ....!"

"اچھا سنو! میں نے کیا رائے قائم کی ہے۔"

"بکو....!" حمید بیزاری سے بولا۔ اُس کی بھوک چمک اٹھی تھی۔

"اخبار والوں نے لکھا ہے کہ قاتلوں کو کسی چیز کی تلاش تھی۔" قاسم مفکرانہ انداز میں اپنے

گول گول دیدے پھرا کر بولا۔ "انہوں نے کرسیوں کے گدے تک پھاڑ ڈالے کیا چیز ہو سکتی ہے؟"

وہ سوالیہ نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"اصلی سلاجیت۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ پھر بگڑ کر کہنے لگا۔ "ناشتے میں کتنی دیر لگے گی۔"

"یار یہ سلاجیت کیا چیز ہے؟" قاسم نے موضوع گفتگو بدل دیا۔ اُس نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا بلکہ یہ اُس کی عادت تھی۔ کوئی ایک بات شروع کر کے وہ ہمیشہ ضمنیات میں الجھ جایا کرتا تھا۔

"میں ناشتے کی بات کر رہا تھا۔" حمید نے کہا۔

"نہیں پہلے سلاجیت! میں بچپن ہی سے اس کے اشتہارات اکثر رسائل میں دیکھتا آرہا ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ ہے کیا چیز!"

"بیوی سے پوچھنا۔"

"کاش میں پوچھ سکتا۔" قاسم گہری سانس لے کر بولا۔ "چھوڑو حمید بھائی اس تذکرے کو۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ.... عرفانی کے پاس کوئی ہیرا تھا۔ بہت بڑا.... شاید مرغی کے انڈے کے برابر۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ تربوز کے برابر رہا ہو۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "لیکن میں نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا۔ اب میں جا رہا ہوں۔"

"ارے نہیں.... ہی ہی ہی۔" پہلے تو قاسم ہنسا پھر یک بیک اُسے غصہ آگیا۔ اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "یہ بیوی سالی اس قابل ہے کہ اسے برف کے پانی میں غرق کر دیا جائے۔ ارے بھوک کے مارے میری جان بھی نکلی جا رہی ہے۔ ہر معاملے میں ٹانگ اڑاتی ہے۔ اب وہ باورچی سے الجھ رہی ہو گی.... آؤ چلو....!"

وہ دونوں کھانے کے کمرے میں آئے۔ میز خالی پڑی تھی۔ قاسم اُسے دونوں ہاتھوں سے پیٹتا ہوا چیخنے لگا۔ "کہاں مر گئے سب۔ ابھی تک ناشتہ....!"

دفعتاً ایک نوکر دوڑتا ہوا کمرے میں آیا۔

"ابے اُو بتاشے کی اولاد.... ناشتہ۔" قاسم حلق پھاڑ کر چیخا۔

"وہ.... بیگم صاحب۔" نوکر ہکلایا۔

"بیگم صاحب کو فرائی پان میں ڈالو۔ میں کہتا ہوں ناشتہ۔"

"سرکاری.... وہ خود حلوہ تیار کر رہی ہیں۔"

"ہائیں.... خود تیار کر رہی ہیں۔" قاسم آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "ابے میں حلوہ کب سے کھانے لگا ہوں۔"

"میرے لئے تیار کر رہی ہوں گی۔" حمید مسکرا کر بولا۔ اور قاسم اُسے قہر آلود نظروں سے گھور کر رہ گیا۔

"اپنے تو جو کچھ تیار ہو وہی لاؤ۔" قاسم گرجا۔

نوکر چلا گیا۔

"اسی لئے تو وہ تم سے گھبراتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"وہ کیا اس کا باپ بھی مجھ سے گھبراتا ہے۔" قاسم اکڑ کر بولا۔ "میں نے تو چاہا تھا کہ وہ اپنے باپ کے پاس چلی جائے لیکن وہ اسے بھی نہیں منظور کرتی۔"

دفعتاً قاسم کی آواز گلوگیر ہو گئی۔ "حمید بھائی۔ میں کنوارا ہی مر جاؤں گا۔"

"شہادت کا درجہ ملے گا تمہیں۔" حمید لاپرواہی سے بولا۔

"میں ہرگز کنوارا نہیں مر سکتا۔" قاسم پھر بپھر گیا۔ "میں ایک آدھ کا خ.... خون....!"

وہ اچانک خاموش ہو گیا کیونکہ اس کی بیوی کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ اس کے پیچھے ناشتے کی ٹرالی تھی۔ وہ حمید کو دیکھ کر بڑے دلآویز انداز میں مسکرائی۔ وہ حقیقتاً ایک پیاری سی گڑیا تھی۔ دبلی پتلی نازک اندام! اور کافی خوبصورت بھی۔ قاسم اور اس کا جوڑ دراصل پہاڑ اور گلہری کا پیوند تھا۔

"معاف کیجئے گا۔ آپ لوگوں کو انتظار کرنا پڑا۔" اس نے کہا۔

"کوئی بات نہیں ظاہر ہے کہ آئیٹم بڑھ گئے ہوں گے۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "قاسم آپ کی بڑی تعریف کر رہے تھے۔"

"اگر ایسا ہے تو مجھے خودکشی کر لینی چاہئے۔" قاسم کی بیوی نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا....؟" قاسم اس طرح اُچھلا جیسے بچھو نے ڈنگ مار دیا ہو۔

"میں نے آپ سے تو کہا نہیں۔"

"آئی ایم ساری....!" قاسم مسمسی صورت بنا کر رہ گیا۔

میز پر ناشتہ چن دیا گیا۔ قاسم کے سامنے بکرے کی ایک مسلم ران اور ایک پورا مرغ تھا۔ حمید کو اس پر حیرت نہ ہوئی کیونکہ وہ اس کی خوراک سے بخوبی واقف تھا۔

"آپ کے لئے تو پھر دردسری کا سامان مہیا ہو گیا۔" قاسم کی بیوی نے حمید سے کہا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"کیا آپ نے آج کا اخبار نہیں دیکھا۔"

"اوہ.... مجھے اُس قتل سے کوئی سروکار نہیں۔ محکمے میں اکیلے ہم ہی تو نہیں ہیں۔"

"ہاں تو حمید بھائی۔" قاسم بکرے کی ران ادھیڑتا ہوا بولا۔ "میں یہ کہہ رہا تھا کہ.... قاتلوں کو اُسی ہیرے کی تلاش تھی اور وہ اُسے لے گئے.... دو چار قتل ابھی اور ہوں گے۔"

"کیا آج کل تم منشی تیرتھ رام کے ترجمے پڑھ رہے ہو۔" حمید نے پوچھا۔

"ہائیں! تمہیں کیسے معلوم ہوا۔" قاسم آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "الا قسم تم سو فیصدی سراغ رساں ہو۔ کیا نام تھا اس کا... اماں... وہی ہملاک شومز.... تم تو اس سے بھی آگے بڑھ گئے۔"

"شرلاک ہومز....!" قاسم کی بیوی نے تصحیح کی۔

"ہملاک شومز....!" وہ گوشت ادھیڑتے ادھیڑتے رک کر اپنی بیوی کو گھورنے لگا۔

"آپ سمجھائیے۔" اس کی بیوی نے حمید سے کہا۔

"میں کوئی بچہ ہوں۔" قاسم دھاڑنے لگا۔ "مجھے کون سمجھائے گا۔"

"آپ کی یادداشت اس قابل نہیں ہے کہ اس پر بھروسا کیا جائے۔" بیوی نے اسے چڑھایا۔

"کیا...؟" قاسم حلق پھاڑ کر چیخا۔ "ابے اُو.... شکورا.... کل سے ہمارا ناشتہ الگ لگے گا۔"

"جلدی کرو یار.... ورنہ پھر شکار۔"

"شکار....!" قاسم کی بیوی نے حمید کی بات کاٹ دی۔

"جی ہاں! ہم لوگ آج مچھلیوں کا شکار کھیلیں گے۔"

"میں بھی چلوں گی۔"

"ضرور.... ضرور....!" قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "آپ کے بغیر بھلا خاک شکار ہو گا۔"

"میں آپ سے بات نہیں کر رہی ہوں۔"

"کیا حرج ہے! ضرور چلئے۔" حمید نے کہا۔

"میں نہیں جاتا۔" قاسم جھنجھلا کر بولا۔

"تو پھر پروگرام کیوں بنایا تھا۔" حمید بھی بگڑ گیا۔

"کیا پروگرام بنایا تھا۔" قاسم اُسے گھور کر بولا۔ "یہی کہ ایک بوریت بھی ساتھ لے چلیں گے۔"

"میں بوریت ہوں۔" قاسم کی بیوی نے اُسے للکارا۔

"جی ہاں! آپ بوریت ہیں۔"

"آپ کو شرم آنی چاہئے۔" اُس کی بیوی کا لہجہ کچھ اور تیز ہو گیا۔

"نہیں آنی چاہئے.... آپ بوریت ہیں۔"

"میں ابھی چچا جان کو فون کرتی ہوں۔" قاسم کی بیوی نے روہانسی آواز میں کہا۔

اچانک ایسا معلوم ہوا جیسے قاسم کی روح فنا ہو گئی ہو۔ قاسم کی بیوی اُس کے باپ کو چچا جان کہتی تھی اور قاسم دنیا میں اپنے باپ کے علاوہ اور کسی سے نہیں ڈرتا تھا۔

قاسم ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔ وہ ناشتہ کر چکے تھے اور نوکر برتن اٹھا کر ٹرالی میں رکھ رہا تھا۔

"آپ کو اپنے الفاظ واپس لینے پڑیں گے۔" اس کی بیوی بڑبڑائی۔

قاسم کچھ نہ بولا۔ وہ چھت کی طرف دیکھ رہا تھا اور حمید کو اُس کی بگڑی ہوئی حالت پر ہنسی آ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے قاسم کوئی مشین ہو اور اچانک اُس کا کوئی پرزہ ٹوٹ گیا ہو۔

"آپ اپنے الفاظ واپس لیجئے۔" قاسم کی بیوی اُسے گھور کر بولی۔

"حمید بھائی۔" قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم ذرا دوسرے کمرے میں چلے جاؤ۔"

"کیوں.... خیریت۔" حمید نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"مم.... میں.... اپنے الفاظ واپس لوں گا۔"

"نہیں! حمید بھائی کے سامنے۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتی ہوئی بولی۔ "آپ نے اُن کے سامنے میری توہین کی ہے۔"

"میں واپس لے لوں گا۔" قاسم غرایا۔ "ابھی نہیں مجھے جلدی ہے۔"

"نہیں ابھی! ورنہ میں چچا جان۔"

"کر دو فون۔" قاسم حلق پھاڑ کر چیخا۔ "میں کسی سے نہیں ڈرتا۔"

"اچھی بات ہے۔" وہ اُسے دھمکاتی ہوئی بولی اور کمرے سے چلی گئی۔ قاسم بدحواسی میں طرح طرح کے منہ بنا کر اُسے جاتے دیکھتا رہا۔

"لے چلو نا....! آخر کیا حرج ہے۔" حمید اُس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

"یار حمید بھائی! مجھے تو موت بھی نہیں آتی ہے۔" قاسم نے بے بسی سے کہا۔

"او قاسم! المڈھگ! خدا تجھے سچ مچ غارت کرے۔ ارے تم اس قسم کی باتیں کرتے ہو۔"

"کیوں....؟" قاسم کو پھر غصہ آ گیا۔

"اتنے لحیم شحیم اور طاقت ور آدمی ہو کر عورتوں کی طرح خود کو کوستے ہو۔"

"عورتوں کی طرح؟" قاسم جھینپ کر بولا۔

"چلو جلدی کرو! ساری تفریح برباد ہو گئی۔"

"ہاں اور کیا۔" قاسم جلدی سے بولا۔ پھر آہستہ سے کہنے لگا۔ "ابا جان سے ضرور شکایت کردے گی۔"

"تو کیا ہو گا۔"

"گڑبڑ ہو گی۔ بڑی گڑبڑ ہو گی حمید بھائی۔"

"ابے چل! میں تجھے کسی سرکس میں نوکری دلوا دوں گا۔"

قاسم بوکھلائے ہوئے انداز میں ہنسنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد قاسم گیرج سے اپنی کار نکال رہا تھا پھر جب کار کمپاؤنڈ سے باہر جانے لگی تو قاسم کی بیوی نے نہایت اطمینان سے پچھلی نشست کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گئی۔ قاسم اور حمید اگلی سیٹ پر تھے۔

"میں نہیں جاؤں گا۔" قاسم کار روک کر مچل گیا.... اور حمید نے قہقہہ لگایا۔

"جانا پڑے گا۔" بیوی بولی۔ "اور بوریت ساتھ جائے گی۔"

"ارے میں اپنا الفاظ واپس لیتا ہوں بابا۔" قاسم نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ میں بوریت نہیں ہوں۔" اُس کی بیوی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"نہیں! نہیں! نہیں!"

"تو پھر مجھے لے چلنے میں کیا قباحت ہے۔"

"ارے.... مار ڈالو.... مجھے مار ڈالو۔" قاسم اپنی ٹائی سے اپنا گلا گھونٹنے لگا حمید نے بدقت تمام اُس کے ہاتھوں سے ٹائی کے دونوں سرے چھڑائے۔

"تو آپ نہیں لے جانا چاہتے مجھے۔"

"نہیں! ہرگز نہیں۔"

"میں خوب سمجھتی ہوں۔" وہ چڑ کر بولی۔ "مچھلی کے شکار کا بہانہ ہے اور میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ یہ شکار سی شور بیدنگ کلب کے گھاٹ کے قریب کھیلا جائے گا جہاں اینگلو انڈین لڑکیاں لنگوٹی باندھ کر نہاتی ہیں۔"

"لنگوٹی.... ارے لاحول ولا.... توبہ۔" قاسم ہکلایا۔ "لنگوٹی نہیں سوئمنگ ڈریس۔"

"اُردو میں اُسے لنگوٹی ہی کہیں گے۔" اس کی بیوی بولی۔

"ہرگز نہیں! لنگوٹی بالکل الگ چیز ہے اس میں اوپر کا حصہ کہاں ہوتا ہے۔"

"ہوتا ہو! یا نہ ہوتا ہو! بہرحال شکار کا بہانہ ہے۔"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" حمید نے صفائی پیش کی۔

"معاف کیجئے گا حمید بھائی۔ آپ ہی انہیں برباد کر رہے ہیں۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

"اے.... اے.... اغ.... الاقسم۔" قاسم ہکلایا۔ "حمید بھائی تو مجھ سے کہتے ہیں کہ نماز پڑھا کرو۔"

"میں انہیں آپ سے زیادہ جانتی ہوں۔"

"ہائیں! کیا مطلب!" قاسم حمید کو گھورنے لگا۔ کبھی وہ اپنی بیوی کو گھورتا تھا اور کبھی حمید کو۔ بالآخر اُس نے کہا۔ "کیوں حمید بھائی میں کیا سن رہا ہوں۔"

حمید کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہے۔ "قاسم کی ذہنی رو کو بہکتے دیر نہیں لگتی تھی وہ اپنی بیوی کے اس جملے کو نہ جانے کیا سمجھ بیٹھا ہو۔"

"بولتے کیوں نہیں۔" قاسم حلق پھاڑ کر چیخا۔ "یہ تمہیں کس طرح جانتی ہے۔"

"اپنی زبان سنبھالئے۔" قاسم کی بیوی بھی چیخی۔

قاسم کار سے اُتر گیا۔

"تم ہوش میں ہو یا نہیں۔" حمید نے کہا۔

"ہوش کی ایسی تیسی۔ تم بتاؤ مجھے یہ تمہیں کس طرح جانتی ہے۔"

"میں کیا بتاؤں۔ انہیں سے پوچھ لو۔" حمید کو ہنسی آ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے....! وہ اپنی بیوی کی طرف مڑا۔ "تم کس طرح جانتی ہو انہیں۔

"دماغ ٹھیک ہے یا نہیں۔" اس کی بیوی گرج کر بولی۔ "آپ کیا سمجھتے ہیں؟"

"میں تو کچھ نہیں سمجھتا۔ تم بتاؤ کیسے جانتی ہو۔"

"چھوڑیار۔" حمید نے پھر دخل اندازی کی۔ "مچھلیاں....!"

"مچھلیاں گئیں جہنم میں.... میں بڑا خراب آدمی ہوں۔"

"اچھا تو پھر....!" حمید سنجیدہ بن کر بولا۔

"تو پھر....؟" قاسم اُسے گھورنے لگا۔ "اگر مجھے ثبوت مل گیا تو تمہیں زندہ دفن کر دوں گا۔"

"کیا بک رہے ہیں آپ اپنی زبان سنبھالئے۔" قاسم کی بیوی چیخ پڑی اور پھر وہ نہ جانے کیا کیا بڑبڑاتی کار سے اُتر کر اندر چلی گئی۔ حمید کو اب بُری طرح غصہ آ گیا تھا۔ لیکن قاسم پر قابو پانا آسان نہیں تھا۔ وہ اب بھی نیچے کھڑا حمید کو قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔

دفعتاً حمید کو اس کی دکھتی ہوئی رگ یاد آ گئی۔

"تم بالکل عورتوں کی طرح شکی ہو۔ لاحول ولا قوۃ۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"عورتوں کی طرح۔" قاسم بل کھا کر رہ گیا۔

"عورتوں سے بھی بدتر! تمہیں شرم آنی چاہئے ٹھیک ہے تم اسی قابل ہو کہ وہ تم سے نفرت کرے تم نے اس وقت سچ مچ اُس کی توہین کی ہے۔"

قاسم اُسے احمقوں کی طرح دیکھتا رہا پھر ایک جھینپی جھینپی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی بہانہ تراشنا چاہتا ہو۔ اور حقیقتاً یہی ہوا بھی تھا۔

"تو پھر بتاؤ۔" وہ ہنستا ہوا بولا۔ "کس طرح پیچھا چھڑاتا۔ ساری تفریح برباد ہو کر رہ جاتی۔"

"نہیں جاؤ معافی مانگو اُس سے۔"

"معافی! ہرگز نہیں.... قیامت تک نہیں۔"

"اگر اس نے تمہارے باپ سے شکایت کر دی تو۔"

"یار تم کیوں! میری تفریح برباد کرنا چاہتے ہو۔" قاسم بڑبڑاتا ہوا کار میں بیٹھ گیا۔ "آج پتہ

نہیں کس کا منہ دیکھا تھا۔ ٹھیک یاد آیا.... بیگم پارا کی تصویر تھی.... یار ہے بڑی کراری عورت۔"

سوئیمنگ کلب

سی شور سوئیمنگ کلب کا گھاٹ صرف ممبروں کے لئے تھا اور دونوں اُس کے باقاعدہ ممبر تھے آج چونکہ اتوار تھا اس لئے یہاں خاصی بھیڑ تھی اور خاص طور سے غیر ملکی لوگ زیادہ نظر آرہے تھے۔

قاسم گھاٹ پر پہنچتے ہی ہاتھ سے نکل گیا۔

"حمید بھائی! الا قسم بڑی تگڑی ہے۔" وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بڑبڑایا۔ اشارہ ایک ایسی عورت کی طرف تھا جو سوئیمنگ ڈریس میں کسی پچھلی ٹانگوں پر کھڑے ہوئے مینڈک کی طرح لگ رہی تھی۔

اس بھیڑ میں شاید قاسم ہی کا سب سے زیادہ قد آور جسم تھا اس لئے سب کی نظریں اس کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ حمید کو بڑا لطف آرہا تھا لیکن اس کی یہ تفریح زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی کیونکہ اچانک اس بھیڑ میں اُسے ایک ایسا چہرہ دکھائی دیا جس سے بھاگ کر وہ یہاں آیا تھا۔ یہ فریدی کا چہرہ تھا حمید اس کی نظروں سے بچنے کی کوشش کرنے لگا وہ سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی کا یہاں کیا کام؟ کیونکہ وہ اس قسم کی تفریحات میں کوئی دلچسپی نہیں لیتا تھا حالانکہ وہ ایک ماہر تیراک تھا لیکن غسل کے لئے کبھی غسل خانے سے باہر قدم نہیں نکالتا تھا اُسے اپنے جسم کی نمائش سے دلچسپی نہیں تھی پھر آخر وہ یہاں کیوں آیا تھا؟

حمید بچتا رہا لیکن آخر فریدی کی نظر اس پر پڑ ہی گئی اور خلاف توقع حمید نے اس کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار کے بجائے مسکراہٹ دیکھی.... ایک معنی خیز مسکراہٹ پھر فریدی نے اسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔

"مجھے توقع نہیں تھی کہ تم یہاں مل جاؤ گے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"چلئے میں بھول جاؤں گا کہ آپ مجھے یہاں ملے تھے۔" حمید نے اسے آنکھ مار کر کہا۔

"کہئے کس لڑکی کی ٹانگیں پسند آئیں۔"

"ابے تو کیا میں....!"

"صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں...." حمید نے اس کی بات کاٹ دی۔ "آپ بھی آخر آدمی ہی ہیں.... لیکن یوں چھپ چھپ کر.... میرے خیال سے اس کی ضرورت نہیں۔"

"سنو! فرزند میں یہاں ٹانگیں دیکھنے کے لئے نہیں آیا۔ میں گوشت خور ضرور ہوں۔ مگر آدم خور نہیں بکواس بند کرو اور کام کی باتیں کرو۔ اُس بھوری مونچھ والے انگریز کو دیکھ رہے ہو نا اور وہ عورت جس نے پٹیوں دار سوئیمنگ ڈریس پہن رکھا ہے۔"

"ٹھہریئے۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "وہ جوزف پیٹر تو نہیں ہے۔"

"تم ٹھیک سمجھے اور وہ عورت اُس کی بیوی ہے۔"

"وہ تو سب ٹھیک ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "کیا آپ جانتے ہیں کہ میں بھوکا پیاسا گھر سے کیوں بھاگا تھا۔"

"اچھی طرح۔" فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "لیکن یہ تمہاری بدقسمتی ہے کہ کام تمہارا پیچھا نہیں چھوڑتا اگر تم اس وقت جہنم کا بھی رخ کرتے تو میں تمہیں وہیں ملتا۔"

"مجھے یقین ہے.... اور میں جان بوجھ کر اُدھر کا رخ نہ کرتا۔"

"خیر چھوڑو.... تمہیں کم از کم دو گھنٹے تک ان دونوں کو یہیں روکنا ہے۔" فریدی جیب سے سگار کیس نکالتا ہوا بولا۔

"کیوں....؟"

"میں ان کے مکان کی بے ضابطہ تلاشی لینا چاہتا ہوں۔"

"کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ کل رات کو عرفانی کے مکان میں تنہا تھا۔"

"نہیں وہ کئی تھے لیکن تم نے یہ سوال کیوں کیا....؟"

"غالباً آپ اسی چیز کے لئے تلاشی لینا چاہتے ہیں جو وہ عرفانی کے مکان سے لے گئے اگر وہ کئی تھے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ چیز جوزف ہی کے مکان پر مل جائے۔"

"اسے مجھ پر چھوڑو.... اچھا تو میں چلا۔ خیال رکھنا۔ دو گھنٹوں سے قبل وہ سولہ کنکس لین میں داخل نہ ہونے پائیں۔"

فریدی نے سگار سلگایا چند لمحے زمین پر نظریں جمائے کچھ سوچتا رہا پھر دفعتاً واپس جانے کے لئے مڑ گیا۔ حمید کے لئے یہ مسئلہ تشویش ناک تھا وہ کس طرح انہیں روکے رکھتا۔ اُس نے قاسم کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ جو اس دوران میں کہیں چلا گیا تھا۔ حمید نے سوچا ممکن ہے وہ کلب کی عمارت کے اندر چلا گیا ہو وہ وہیں ٹھہر کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ اُس کی نظریں جوزف پیٹر اور اس کی بیوی کے تعاقب میں تھیں جوزف پیٹر چالیس پینتالیس سال کا ایک دبلا پتلا آدمی تھا لیکن چال ڈھال سے کمزور جسم والا نہیں معلوم ہوتا تھا اور اس کی بیوی؟ اس کے لئے اتنا ہی کہنا کافی ہوگا کہ محض اس کی وجہ سے حمید نے اتنے ٹھنڈے دل سے ان دونوں پر نگاہ رکھنے کا وعدہ کر لیا تھا ورنہ وہ آج کسی سرکاری کام کے موڈ میں بالکل نہیں تھا۔

تھوڑی دیر بعد قاسم کلب کی عمارت سے نکلتا ہوا دکھائی دیا۔ اُس نے پیراکی کا لباس پہن لیا تھا حالانکہ اسے تیرنا بالکل نہیں آتا تھا اور نہ اُس نے کبھی پانی میں قدم رکھنے کی ہمت ہی کی تھی۔ ویسے وہ اس کلب کا باقاعدہ ممبر تھا اور یہاں کے سارے ممبر اُس سے بخوبی واقف تھے اور وہ بھی سب کو جانتا تھا۔ کلب کے دوسرے ممبروں کے متعلق حمید کی معلومات واجبی ہی سی تھیں بہتیروں کو وہ بالکل ہی نہیں جانتا تھا۔

"قاسم....!" حمید جوزف پیٹر کی بیوی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "وہ کون ہے؟"

"کیوں؟ ہے نا.... زوردار.... کتنی تگڑی ہے۔" قاسم ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔

"کیا تم اُسے جانتے ہو؟"

"کیوں نہیں.... اس کا نام پیملیا ہے اور میں اسے پیار سے پمو کہتا ہوں۔"

"پمو کہتے ہو۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "کیا وہ تم سے بے تکلف ہے۔"

"نہیں تو.... آج تک گفتگو بھی نہیں ہوئی میں.... یونہی بس دل ہی دل میں پمو کہتا ہوں۔"

"ہوں.... اور وہ اس کے ساتھ بھوری مونچھوں والا کون ہے۔"

"وہ اس کا شوہر جوزف ہے کاش میں بھی شوہر ہوتا۔"

"کسی فیل زادی کے۔"

قاسم نے کوئی جواب نہ دیا وہ بڑی توجہ اور لگاوٹ سے پیملیا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پیملیا اور جوزف ریت پر چٹائی کی چھتری کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ پیملیا کافی حسین تھی اور تیراکی کے

لباس میں تو وہ بالکل چینی کی گڑیا معلوم ہو رہی تھی جوزف کی توجہ اس کی طرف نہیں تھی وہ پانی میں چمچماتی ہوئی کرنوں کی طرف دیکھ رہا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ پیملیا قاسم کے پہاڑ جیسے جسم کو گھور رہی تھی۔ اکیلی وہی نہیں گھاٹ کی درجنوں نگاہوں کا مرکز قاسم ہی تھا۔

حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا سوچ رہا تھا کہ کاش قاسم بیوقوف اور ڈرپوک نہ ہوتا.... کاش اس میں عورتوں سے گفتگو کرنے کی صلاحیت ہوتی.... عورتوں کے معاملہ میں تو وہ ضرورت سے زیادہ ڈرپوک واقع ہوا تھا وہ کبھی کسی عورت سے گفتگو کرنے میں پہل نہیں کر سکتا تھا اور نئی جان پہچان والی عورتوں سے گفتگو کرتے وقت تو اُس بُری طرح اس کی سانس پھولنے لگتی تھی جیسے وہ کسی پہاڑی پر چڑھ رہا ہو الفاظ زبان سے ادا ہونے کے بجائے حلق سے نکلنے لگتے تھے اور اُسے بار بار تھوک نگلنا پڑتا تھا۔

حمید یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اسے دفعتاً ایک عجیب وضع کا انگریز دکھائی دیا اُس نے اپنے سر پر بنارس کے پنڈتوں کی سی زرد رنگ کی پگڑی باندھ رکھی تھی لیکن بقیہ لباس انگریزوں ہی کا سا تھا اس نے اپنے ماتھے پر تلک بھی لگا رکھا تھا اور چہرے پر ویسی ہی معصومیت تھی جیسی گوتم بدھ کے مجسموں میں پائی جاتی ہے.... وہ بڑے شاہانہ انداز میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا اُسی چھتری کی طرف جا رہا تھا جس کے نیچے جوزف اور پیملیا بیٹھے ہوئے تھے۔

"قاسم....!" حمید یک بیک بولا۔ "کیا تم اسے بھی جانتے ہو۔ میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

قاسم اسے دیکھ کر بے تحاشہ ہنسنے لگا پھر بولا۔ "پنڈتوں کی نقل کرتا ہے سالا مگر حمید بھائی بڑا خوش قسمت ہے.... ایسی حسین حسین لونڈیوں کے ہاتھ اس کے ہاتھوں میں آتے ہیں کہ بس۔" قاسم اپنے ہونٹ چاٹنے لگا۔

"وہ کس طرح؟" حمید نے پوچھا۔

"ہاتھ دیکھ کر قسمت کا حال بتاتا ہے۔"

"کیا تم نے اسے یہاں اکثر دیکھا ہے۔"

"کبھی کبھی دکھائی دیتا ہے...." قاسم بولا۔ "وہ دیکھو لونڈیوں کے پرے کے پرے اس کے پیچھے کھسکنے لگے ہائے ہائے الا قسم کیا مقدر ہے اور اپنی قسمت تو شائد مسور کی دال سے لکھی ہوئی ہے۔ آج میں بھی اس سالے کو اپنا ہاتھ دکھاؤں گا۔"

پنڈت نما انگریز جوزف کی چھتری کے نیچے پہنچ کر رک گیا اور اس کی بیوی نے اُسے دیکھ کر عجیب طرح کی آواز نکالی جوزف بھی کھڑا ہو گیا تھا۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ اس کے اس رویئے کا محرک احترام کا جذبہ نہیں بلکہ خوف تھا۔

پنڈت نما انگریز نے اس کی بیوی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کچھ بڑبڑانا شروع کیا۔ اس کی نظریں ہتھیلی پر جمی ہوئی تھیں اور ہونٹ آہستہ آہستہ ہل رہے تھے۔ ساتھ ہی جوزف کے چہرے پر خوف کے آثار اور زیادہ گہرے ہوتے جا رہے تھے۔

دوسری لڑکیاں اس انگریز جوتشی کے گرد اکٹھا ہونے لگیں۔

حمید نے دیکھا کہ جوزف بڑی تیزی سے اپنا سامان سمیٹ رہا ہے۔

"دیکھ رہے ہو حمید بھائی۔"

"قاسم...!" حمید بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "کیا یہ اپنی کار پر آئے ہیں۔"

"ہاں....!"

"کار پہچانتے ہو۔"

"ہاں کیوں نہیں۔ سرخ رنگ کی اسپورٹس کار ہے اور جب وہ سرخ رنگ کے اسکرٹ میں اُس پر بیٹھتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے بیر بہوٹی پر بیر بہوٹی سوار ہو۔"

"چلو! مجھے اس کی کار دکھاؤ۔" حمید قاسم کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا بولا۔

دونوں تیزی سے اُس شیڈ کی طرف بڑھے جس کے نیچے کاریں کھڑی کی جاتی تھیں۔

"کیا معاملہ ہے؟" قاسم نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بس مجھے دور سے تم اس کی کار دکھا کر وہیں واپس چلے جانا جہاں تھے۔"

"شیڈ کے نیچے ایک سرخ رنگ کی اسپورٹس کار کے علاوہ دوسری نہیں تھی۔

"وہی سرخ رنگ والی۔" حمید نے پوچھا۔

"ہاں! لیکن کیا بات ہے۔"

"کچھ نہیں! بس اب تم واپس جاؤ۔"

"نہیں جاتا۔" قاسم پھیل گیا۔

حمید تیزی سے کار کی طرف بڑھا۔ آس پاس قاسم کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا۔ پھر

بھی اس نے احتیاطاً چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور پھر کار کے انجن پر جھک پڑا۔

قاسم آنکھیں پھاڑے اُسے گھور رہا تھا۔

حمید کی واپسی پر وہ تھوک نگل کر بولا۔ "کیوں؟.... بیڑا غرق کر دیا تم نے۔"

"بکو مت! آؤ چلیں۔" حمید نے اُس کی کمر میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔

"آخر اس کا کیا مطلب ہے۔"

"اُس عورت سے تمہارا تعارف کراؤں گا۔"

"نہیں کچھ گڑبڑ ہے۔"

"ہو گی! تمہیں اس سے سروکار۔ اس معاملے میں زبان بند رکھنا۔"

"واہ.... یہ اچھی رہی۔" قاسم چلتے چلتے رک گیا۔ چند لمحے حمید کو گھورتا رہا پھر بولا۔ "تم نے اس کی کار میں کچھ گھٹالا کیا ہے۔"

"تم جانتے ہو! میں کون ہوں۔" حمید نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"خوب جانتا ہوں.... ہاں اب ذرا بتانا تو.... کہ تم میری بیوی کو کس طرح پہچانتے ہو۔"

"میں نہیں بلکہ وہ مجھے اچھی طرح جانتی ہے۔"

"یہی سہی۔"

"تو اسی سے پوچھنا۔"

"پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے۔" قاسم مٹھیاں بھینچ کر بولا۔ "میں پیملیا سے اسی طرح تعارف حاصل کروں گا کہ اُسے تمہاری حرکت بتا دوں۔"

"اس سے پہلے ہی تم جیل میں ہو گے۔" حمید یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ "اور تمہارے باپ تمہاری ضمانت بھی نہ دے سکیں گے۔"

"کیوں....؟"

"بس یونہی! یقین نہ ہو تو اس کا ارادہ کر کے دیکھ لو۔ اسی جگہ ہتھکڑیاں لگ جائیں گی۔ کسٹم کا تھانہ دور نہیں ہے۔"

حمید آگے بڑھ گیا۔ قاسم چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بھی اُس کے پیچھے چل پڑا۔ دونوں پھاٹک کی طرف جا رہے تھے۔

یہاں انگریز جوتشی اب بھی لڑکیوں کے نرغے میں تھا جوزف اور اُس کی بیوی کپڑے پہن چکے تھے اور اب وہ موٹر والے سائبان کی طرف جانے ہی والے تھے حمید نے کنکھیوں سے قاسم کی طرف دیکھا جو بہت زیادہ بے چین نظر آرہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ جوزف سے بتائے بغیر نہ رہے گا۔ اگر حمید اُسے معاملے کی نوعیت سمجھا دیتا تو شاید اُس بیچارے کو اس قسم کی جذباتی الجھن میں نہ مبتلا ہونا پڑتا۔

حمید نے سوچا کسی طرح اس کی توجہ جوزف اور اُس کی بیوی سے ہٹانی چاہئے۔

"قاسم....!"

"ہوں....!" قاسم ہونٹ سکوڑ کر غرایا۔

"تو کیا تم سچ مچ سراغ رساں بننا چاہتے ہو۔"

"نہیں....!" اس کی غراہٹ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔

"جیل جاؤ گے۔"

"سنو! حمید بھائی.... مجھے میرے ضمیر کی آواز پریشان کر رہی ہے وہ بیچارے.... اسٹارٹ نہ ہو گی۔"

"اب تم اس واقعے کو بھول جاؤ.... دیکھو.... وہ لڑکی.... جس کے بال اخروٹ کی رنگت کے ہیں وہ تمہیں کس بُری طرح گھور رہی ہے تگڑی بھی ہے۔"

"ہائیں....؟ کہاں؟" قاسم بے ساختہ مڑا۔ "اوہ.... مگر اخروٹ کی رنگت کہاں ہے۔ مٹی کی رنگت۔ نہیں یہ بھی نہیں۔ مگر آنکھیں تو چلغوزہ جیسی ہیں۔ ہائے اس نے تو منہ پھیر لیا۔ حمید بھائی۔"

"پھر دیکھے گی۔ ذرا میری طرف دیکھو۔" حمید اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "ایسے موقع پر اپنی آنکھیں تھوڑی نشیلی بنا لیا کرو۔"

"اس سے کیا ہو گا۔" قاسم نے بڑے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

"یہ نہ پوچھو.... لڑکیاں اسی پر تو جان دیتی ہیں۔"

"مگر مجھ سے تو بنتا نہیں۔" قاسم بے بسی سے بولا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر یک بیک اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اور وہ جھینپی جھینپی سی ہنسی کے ساتھ کہنے لگا۔ "اگر دو تین پگ رم پی لوں تو کیسی رہے گی۔"

"بس مزہ ہی آجائے گا۔" حمید اس کی پیٹھ پر ٹھوکتا ہوا بولا۔ "تم واقعی بڑے عقل مند ہو۔ مجھے اس وقت ان لوگوں پر غصہ آرہا ہے جو تمہیں بیوقوف کہتے ہیں۔"

"میرا تو دل چاہتا ہے کہ سالوں کے سر توڑ دوں۔" قاسم دانت کچکچا کر بولا۔

"اچھا تو جاؤ۔ مگر زیادہ نہ پینا۔ پھر میں تمہیں عشق کرنے کیلئے کئی بالکل نئے گر بتاؤں گا۔"

"تم نہ پیو گے۔" قاسم نے کہا اور منہ چلانے لگا۔

"نہیں.... میں ڈیوٹی پر ہوں۔"

"ہائیں.... اتوار کو بھی ڈیوٹی۔"

"جاؤ بھی یار.... ورنہ وہ چلی جائے گی۔ میں نے اُسے تمہارے لئے منتخب کر لیا ہے۔"

قاسم احمقوں کی طرح ہنستا ہوا کلب کی عمارت کی طرف چلا گیا۔

اب حمید جوزف اور اس کی بیوی کی طرف متوجہ ہوا۔ دونوں سائبان کے نیچے موجود تھے اور جوزف کار کے انجن پر جھکا ہوا تھا۔ حمید نے اطمینان کا سانس لیا لیکن وہ پانچ چھ منٹ سے زیادہ مطمئن نہیں رہ سکا کیونکہ اب جوزف انجن بند کر کے سڑک کی طرف تنہا جا رہا تھا اور اس کی بیوی پھر گھاٹ کی طرف واپس آرہی تھی۔

"ٹیکسی....!" حمید نے سوچا۔ "یقیناً وہ ٹیکسی کرے گا۔ اگر ٹیکسی مل گئی تو۔"

اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے۔ آخر اچانک اُسے یہاں سے رخصت ہو جانے کا خیال کیسے پیدا ہوا۔ کیا وہ جوتشی؟ کیا اُس نے اسے کوئی بُری خبر سنائی تھی؟ وہ جوتشی کون ہے؟

دوسرے لمحے میں حمید بڑی تیزی سے کلب کی عمارت کی طرف جا رہا تھا۔ اندر داخل ہو کر اُس نے قاسم کی طرف بھی نہیں دیکھا جو ایک کیبن سے سر نکالے طرح طرح کے منہ بنا کر اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا وہ سیدھا ٹیلی فون آپریٹر کے کمرے میں چلا گیا۔ ٹیلی فون ڈائریکٹری میں اسے جوزف پیٹر کا فون نمبر تلاش کرنے میں دشواری نہیں ہوئی کیونکہ کنکس لین کوئی چھوٹی موٹی جگہ نہیں تھی۔ اس نے بڑی تیزی سے نمبر ڈائیل کئے اور ریسیور کان سے لگا لیا۔

"ہیلو....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ لہجہ انگریزوں کا سا تھا۔

"کون بول رہا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"جوزف پیٹر....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"میں ڈاکٹر زیٹو بول رہا ہوں.... سمجھے۔" حمید نے اندھیرے میں تیر چلایا۔

"اوہ.... اچھا.... حمید.... کیا بات ہے۔" اس بار بولنے والا اردو میں بولا۔

"گڑبڑ.... میں نے بہت کوشش کی.... لیکن وہ چل پڑا.... تنہا۔"

"کوئی بات نہیں.... آنے دو.... میں بھی اب جا رہا ہوں۔ تمہاری سعادت مندی کا شکریہ.... مگر یہ طریقہ جو تم نے اس وقت اختیار کیا ہے مخدوش بھی ہے ہو سکتا ہے کہ میں یہاں موجود نہ ہوتا۔"

حمید نے بُرا سا منہ بنایا اور ریسیور رکھ کر باہر نکل گیا۔ اس کے سر پر سے ایک بوجھ سا اُتر گیا تھا اور اب اُسے زندگی پہلے ہی کی طرح حسین نظر آنے لگی تھی۔

ہال میں پہنچ کر وہ قاسم کو تلاش کرنے لگا۔

"آؤ.... آؤ.... میری جان.... حمید بھائی۔" قاسم ایک کیبن سے منہ نکال کر بولا اس کی آنکھیں خطرناک حد تک نشیلی ہو گئی تھیں۔ حمید نے اندازہ لگا لیا کہ وہ کئی پیگ جھاڑ گیا ہے اور یہی بھی جانتا تھا کہ قاسم اس معاملے میں بالکل اناڑی ہے۔

"کیوں؟" قاسم انگلی نچا کر جھومتا ہوا بولا۔ "ہو گائیں نا.... ناشیلی۔"

"بالکل بالکل....!" حمید نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم خاموش رہو گے۔ عشق صرف آنکھوں سے کیا جاتا ہے۔ ہونٹ بند۔ آنکھیں ہی سب کچھ کہہ دیتی ہیں۔"

"تو پھر میں.... اوٹھوں۔" قاسم ہچکولے لیتا ہوا بولا۔ "لیکن.... مائیں کاسے اوٹھوں۔ میرا سر.... ہائیں.... میرا سر۔"

قاسم گھبرائے ہوئے انداز میں اپنا سر ٹٹولنے لگا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں اب وہ عذاب جان نہ بن جائے۔ اس نے اُسے اس حال کو محض اس لئے پہنچایا تھا کہ کہیں وہ سچ مچ مسز جوزف کی جان پہچان نہ پیدا کر لے۔ قاسم کے ذہن میں بیٹھی ہوئی کسی بات کا نکال دینا بڑا مشکل کام تھا اسی لئے حمید نے اسے اس راہ پر لگا دیا تھا لیکن اب وہ سوچ رہا تھا کہ وہ اُسے خرمستیوں سے کس طرح روکے گا۔

"میرا سر.... غمید بھائی۔" قاسم نے ہانک لگائی۔

عجیب سانحہ

حمید نے اپنی دانست میں بڑا تیر مارا تھا۔ مگر اب اس کے ہاتھ پیر پھول رہے تھے۔ نشے کی حالت میں پہاڑ جیسے آدمی کو سنبھالنا آسان کام نہیں تھا اور پھر معاملہ قاسم کا تھا جس کا ذہنی توازن کبھی کبھی پیے بغیر ہی بگڑ جاتا تھا۔

بہر حال اب اس نے بڑی شدومد سے اٹھنے کا تقاضہ شروع کر دیا تھا اور حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ گھاٹ پر پہنچ کر اُودھم نہ مچائے۔ جب اُس نے اس طرح شور مچانا شروع کر دیا کہ کاؤنٹر کلرک کو شکایت کرنی پڑی تو مجبوراً حمید اٹھا۔ اُس کی آج کی شرارت خود اسی کے لئے وبال جان ہو گئی تھی۔

قاسم نے باہر نکل کر حمید کو لپٹا کر رونا شروع کر دیا۔

"تم نے بہت برا.... کیا غمید بھائی.... کار میں گھٹالا کر دیا.... ہائے پمو.... میری جان۔"

بہتیرے لوگ چونک کر انہیں گھورنے لگے۔

"قاسم! یہ کیا بیہودگی ہے۔" حمید اُس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔

"مجھے.... رو لینے دو.... ہائے پمو.... میری جان۔"

کسی نہ کسی طرح حمید خود کو چھڑا کر الگ ہٹ گیا۔ قاسم پھر لڑکھڑاتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔

"غمید بھائی.... میرے پیارے بھائی.... پمو ڈارلنگ کے بھائی.... کار میں گڑبڑ بھائی.... میری آنکھیں بھی ناشیلی.... آخروٹ.... اے آخروٹ۔"

بہت سے لوگ ان کے گرد اکٹھا ہو گئے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں حمید سوچ رہا تھا کہ کاش زمین ہی پھٹ جاتی۔

"پمو.... آآ...." قاسم نے ٹارزن کی طرح منہ پر ہاتھ رکھ کر نعرہ لگایا۔ پھر چیخ چیخ کر کہنے لگا۔ "لیڈیز اینڈ جنٹلمین آدم کو جنت سے کس نے نکلوایا.... حمید بھائی نے۔"

اس نے رک کر اپنے گرد کھڑے ہوئے لوگوں پر اچٹتی سی نظر ڈالی اور منہ دبا کر ہنسنے لگا۔

"ارے یہ تو قاسم ہے۔" کسی نے مجمع سے کہا۔ "خان بہادر عاصم کا لڑکا۔"

"ہاں.... ہے تو پھر۔" قاسم سینہ تان کر کھڑا ہو گیا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر حقارت سے

ہنس کر بولا۔ "مستوں پے.... انگلیاں.... نہ اٹھاؤ.... بہار میں.... اور اے پیارے بھائیو.... حمیدو.... بھائیو.... پمو ڈارلنگ کا بیڑہ.... غرق ہو گیا.... کار میں گھٹالا.... ہو گیا.... آخروٹ ہو گیا.... کسی کے بال آخروٹ کی طرح سخت ہیں.... کسی کے گال رس گلے.... الا قسم مجھے رس گلے بہت پسند ہیں.... میری بیوی.... حمید بھائی کو اچھی طرح پہچانتی ہے کہاں ہو پیارے بھائی۔"

وہ آنکھیں بند کر کے حمید کو خلا میں ٹٹولنے لگا ساتھ ہی ساتھ وہ بڑبڑاتا بھی جا رہا تھا۔

"پیارے حمید بھائی.... تم شوق سے میری بیوی کو پہچانو.... مگر تم نے پمو.... کا بیڑا.... کیوں غرق کر دیا۔"

حمید نے سوچا کہ اب یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ قاسم نشہ اُترنے کے بعد اس کی جان کو آجائے گا۔

سڑک پر اُسے کافی دور پیدل چلنا پڑا۔ یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ ایک خالی ٹیکسی مل گئی ورنہ اس طرف تو عموماً واپسی ہی کی ٹیکسیاں آتی تھیں۔

سب سے پہلے وہ خان ولا گیا کیونکہ وہاں اس کی موٹر سائیکل تھی۔ بہر حال وہاں سے گھر کی طرف واپسی میں وہ سوچ رہا تھا کہ اُس نے اُس انگریز جوتشی کو نظر انداز کر کے عقل مندی کا ثبوت نہیں دیا۔ اس کی ظاہری حالت ایسی ہی تھی کہ عام آدمی بھی اس کی شخصیت میں دلچسپی لے سکتے تھے۔

حمید کو یقین تھا کہ جوزف اس جوتشی ہی کے کسی جملے پر بوکھلا کر وہاں سے بھاگا تھا۔ جوتشی کی شخصیت اس کی نظروں میں پُر اسرار ہوتی جا رہی تھی۔ لیکن اس نے اسے اس سے قبل کبھی نہیں دیکھا تھا حتیٰ کہ سی شور بیدنگ کلب میں بھی نہیں۔ قاسم کے بیان سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اکثر وہاں آتا رہتا تھا۔ قاسم! حمید کی جھنجلاہٹ بڑھ گئی۔ یہ سب کچھ اُسی کی بدولت ہوا تھا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ فریدی سے اُس جوتشی کا تذکرہ کرے گا یا نہیں۔ حالات ایسے تھے جن کی بناء پر فریدی اُس سے پوچھ سکتا تھا کہ اس نے جوتشی کا تعاقب کیوں نہیں کیا۔

فریدی گھر میں موجود نہیں تھا۔ اُس نے سوچا چلو غنیمت ہے۔ ابھی وہ کپڑے بھی نہیں اُتار پایا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ اُس نے جھنجلا کر اس نامعقول ایجاد کی طرف دیکھا۔ لیکن ریسیور تو

ہر حال میں اٹھانا ہی تھا ہو سکتا تھا کہ دوسری طرف فریدی ہی ہو۔

"کیا فریدی صاحب ہیں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"نہیں....!" حمید گردن جھٹک کر بولا۔

"میں انور بول رہا ہوں۔"

"بولے جاؤ! میں منع نہیں کرتا۔"

"کیا حمید ہو!"

"تمہیں اس سے کیا غرض۔"

"فریدی صاحب کہاں ہیں۔"

"کوٹ کی جیب میں تو نہیں ہیں ہو سکتا ہے میز پر ہوں۔ یا پھر بھولے سے تمباکو کی تھیلی میں چلے گئے ہوں۔"

"تم سیدھی طرح بات کیوں نہیں کرتے.... بیہودے۔"

"اچھا جی۔" حمید سرخ ہو کر بولا۔ "یہ تم بول رہے ہو۔ ہڈیاں دکھتی ہوں گی۔"

"میں پوچھ رہا ہوں فریدی صاحب کہاں ہیں۔"

"ابے کیا میں فریدی صاحب کی دم میں بندھا رہتا ہوں۔"

"ہوش میں ہو یا نہیں۔"

"میں بھلا کیوں ہوش میں رہنے لگا۔ ایک عورت کی کمائی کھاتا ہوں۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ حمید نے بھی ریسیور رکھ دیا۔

حمید کو اپنے آخری جملے پر بڑی خوشی ہو رہی تھی۔ رشیدہ کے سلسلے میں انور پر چوٹ کر کے وہ ہمیشہ خوش ہوتا تھا۔ ویسے حقیقت تو یہ ہے کہ حمید کو ان دونوں کے تعلقات پر رشک آتا تھا۔ رشیدہ تو سچ مچ خود اس کے خوابوں کی تعبیر تھی۔ جسے حالات نے انور کے حصے میں لا ڈالا تھا۔

حمید کپڑے اُتار کر غسل خانے کی طرف جا رہا تھا کہ فون کی گھنٹی پھر بجی۔

اور اس بار کال ریسیو کرتے وقت وہ بُری طرح دانت پیس رہا تھا۔ لیکن اب کی دوسری طرف سے نسوانی آواز آئی تھی۔ حمید نے دانت پیسنا بند کر کے سامنے والی دیوار کو آنکھ ماری۔

"ہیلو.... کیا حمید صاحب بول رہے ہیں۔"

"فرمایئے.... آپ کون ہیں۔" حمید کے لہجے میں شہد کی نہریں بہہ رہی تھیں۔

"رشیدہ....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اوہ....!" حمید طویل سانس لے کر بولا۔ "تو اب تم بور کرو گی۔"

"تمہیں بہت دنوں سے نہیں دیکھا سخت بے چین ہوں۔"

حمید بُرا سا منہ بنا کر رہ گیا۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ انور اپنے اخبار کے لئے کوئی ایسی خبر چاہتا ہے جو کسی دوسرے اخبار میں نہ ہو۔

"اوہ تم! خاموش کیوں ہوگئے۔" رشیدہ نے پھر پوچھا۔

"میں یہ سوچ رہا تھا کہ امریکہ نے ایک ایسا ٹیلی فون ایجاد کیا ہے جس پر بولنے والوں کی شکل بھی دکھائی دیا کرے لہٰذا قبل اس کے کہ وہ نامراد ایجاد ہمارے یہاں تک پہنچے میں مر جانا چاہتا ہوں۔"

"اوہو! تو کیا واقعی بور ہو رہے ہو۔" رشیدہ نے پوچھا۔

"نہیں تو اب میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تمہاری سالگرہ پر تمہیں کیا تحفہ دوں۔"

"شکریہ! تمہیں میرا اتنا خیال ہے۔"

"ہاں رشیدہ۔" حمید اس طرح بولا جیسے اُسے کچھ یاد آگیا ہو۔ "میں خود تمہیں فون کرتا۔ تمہیں یاد ہے وہ کون سا سانپ تھا جسے فریدی صاحب نے بیرن آئی لینڈ میں رائفل کا نشانہ بنایا تھا۔"

"جاراکاکا۔"

"جاراکاکا.... ٹھیک.... شکریہ۔" حمید بولا۔

"کیوں کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں.... کوئی خاص بات نہیں۔"

"ضرور کچھ چھپا رہے ہو۔"

"بتا تو دوں مگر پھر سوچتا ہوں کہ تم پیٹ کی ہلکی ہو۔ انور سے ضرور بتا دو گی۔ مگر نہیں میں نہیں بتاؤں گا.... انور کسی نئی چیز کے چکر میں ہے اُس نے ابھی مجھے فون کیا تھا۔ ہو سکتا کہ تم دونوں کی سازش ہو۔"

"حمید ڈیئر.... پلیز....!"

"نہیں مجبوری ہے.... میں کچھ نہیں بتا سکتا۔"

"تم بڑے سنگدل آدمی ہو۔"

"جو دل چاہے کہو۔ میں فریدی صاحب کی اجازت کے بغیر نہیں بتا سکتا۔"

"تو اُن سے پوچھ لو نا۔"

"اچھا.... میں اُن سے پوچھ کر تمہیں مطلع کر دوں گا۔ بر سبیل تذکرہ۔ کیا تم کسی ایسے انگریز جوتشی سے واقف ہو جو بنارس کے پنڈتوں کی سی پگڑی سر پر باندھتا ہو.... زرد پگڑی۔"

"بلاشبہ واقف ہوں۔ شاید تمہارا اشارہ جیرالڈ شاستری کی طرف ہے۔"

"اوہو....! جیرالڈ شاستری۔" حمید بڑبڑایا۔ "تو یہ وہی حضرت تھے۔"

"کیا کہا.... میں نہیں سمجھی۔"

"اچھا رشیدہ میں بہت مشغول ہوں۔" حمید نے کہا اور ٹیلی فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

حمید سوچ میں پڑ گیا کہ اگر وہ حقیقتاً جیرالڈ شاستری ہی تھا تو اس پر کسی قسم کا شبہہ کرنا کہاں تک درست ہوگا۔ حمید نے اب تک صرف اس کا نام ہی سنا تھا۔ شہر کے تعلیم یافتہ طبقوں میں شاید ہی کوئی ایسا رہا ہو جس نے اس مشرق پرست انگریز کے متعلق کچھ نہ سنا ہو۔ وہ سنسکرت کا بہت بڑا عالم اور جوتش کا ماہر تھا۔ ہندو فلسفے پر اُس کی گہری نظر تھی۔ سنسکرت اور ہندو فلسفے میں ریسرچ کرنے والے طلباء اُس سے مدد لیا کرتے تھے۔

اس پر شبہہ کرتے ہوئے ہچکچاہٹ کی وجہ اور بھی تھی.... اور وہ وجہ یہ تھی کہ وزیر اعظم اُس کے گہرے دوستوں میں سے تھے۔ حمید بڑی الجھن میں پڑ گیا تھا۔ مگر واقعات.... آخر جوزف اچانک وہاں سے کیوں بھاگا۔ ظاہری حالات تو ایسے نہیں تھے جن کی بناء پر اُس کی وہاں سے اچانک روانگی کو قرین قیاس سمجھا جا سکتا۔ وہ اور اُس کی بیوی تو بڑے اطمینان سے موسم کا لطف اٹھا رہے تھے اور اس وقت تک شاید انہوں نے پانی میں ایک غوطہ بھی نہیں لگایا تھا۔

ٹیلی فون کی گھنٹی پھر بجی۔ اس بار بھی رشیدہ ہی تھی۔

"تم نے جیرالڈ کے متعلق کیوں پوچھا تھا۔" وہ پوچھ رہی تھی حمید چند لمحے ماؤتھ پیس میں گھورتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔ "تم بڑی ذہین ہو رشیدہ.... تم مجھ سے پوری بات پوچھ کر ہی رہو گی۔

خیر سنو الیکن انور سے ہرگز نہ بتانا۔"

"میں وعدہ کرتی ہوں۔"

حمید پھر مسکرایا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ انور اور رشیدہ کو دو مختلف شخصیتیں سمجھنا حماقت ہے اور یہ بھی ممکن تھا کہ اس وقت بھی فون پر گفتگو کرنے والا انور ہی رہا ہو۔ کیونکہ وہ آواز بدلنے پر پوری طرح قادر تھا۔

"اچھا رشیدہ....!" حمید لمبی سانس لے کر بولا۔ "مجھے تم پر اعتماد ہے۔ یہ تو تم جانتی ہو کہ عرفانی کے قاتلوں کو کسی چیز کی تلاش تھی.... لیکن وہ انہیں نہیں مل سکی۔ حقیقتاً وہ ہمارے قبضے میں ہے۔"

"کیا چیز ہے؟" رشیدہ کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

"جاراکا کا سانپ کی شکل کا ایک پیتل کا سانپ جس کے پھن پر جیر الڈ شاستری کا فوٹو نصب ہے۔"

"مذاق نہ کرو۔"

"تم میرا وقت برباد کر رہی ہو رشیدہ۔" حمید بگڑ کر بولا اور فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ وہ ریسیور رکھ کر ہٹا ہی تھا کہ پھر گھنٹی بجی۔ اس بار مکاتان کر وہ ٹیلی فون کی طرف جھپٹا۔

"کیوں خواہ خواہ بھیجا چاٹ رہی ہو۔" حمید ماؤتھ پیس میں حلق پھاڑ کر چیخا۔

"کیا بکواس ہے؟" دوسری طرف سے آواز آئی لیکن یہ کسی مرد کی تھی۔

"اوہ.... معاف کیجئے گا۔" حمید بوکھلا کر بولا۔ "آپ کیا چاہتے ہیں۔"

"سولہ کنکس لین میں فوراً پہنچو.... میں فریدی بول رہا ہوں۔"

حمید "ہیلو ہیلو" ہی کرتا رہ گیا۔ لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

حمید کی جھلاہٹ شباب پر تھی۔ مگر وہ کر ہی کیا سکتا تھا۔ کنکس لین تک پہنچنے میں پندرہ منٹ صرف ہوئے اور یہ پندرہ منٹ کس طرح گذرے حمید کو اس کی خبر نہیں کیونکہ اُس کا ذہن اس کی کھوپڑی سے ایک فٹ کی بلندی پر پرواز کر رہا تھا.... سولہ نمبر کی عمارت کے سامنے اس نے موٹر سائیکل روک دی۔

فریدی اندر موجود تھا اُس نے بڑی سرد مہری سے اس کا "استقبال" کیا پھر وہ دونوں ایک کمرے میں داخل ہو رہے تھے۔

حمید کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ حالانکہ زمین پر چت پڑے ہوئے آدمی کی دونوں آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن پہلی ہی نظر میں حمید کو ایسا محسوس ہو گیا تھا کہ وہ لاش ہے۔ یہ جوزف پیٹر کی لاش تھی۔ اُس کے ہونٹ سکڑ گئے تھے اور آنکھیں چھت کی طرف گھور رہی تھیں۔ چہرے پر خوف و ہراس کے آثار منجمد ہو کر رہ گئے تھے۔

"یہ کیسے ہوا....؟" دفعتاً حمید نے فریدی کی طرف مڑ کر تیز قسم کی سرگوشی کی۔

"تمہارا فون ملتے ہی میں یہاں سے چلا گیا تھا۔ لیکن مکان کی نگرانی کے لئے دو آدمی چھوڑ دیئے تھے ان کا بیان ہے کہ جوزف بڑی سراسیمگی کے عالم میں یہاں آیا تھا اور پھر شاید دو یا تین منٹ بعد انہوں نے عمارت میں ایک خوفناک چیخ سنی اور جب وہ یہاں آئے تو انہوں نے اس کو اسی حالت میں پایا۔

"موت کا سبب....!"

"نامعلوم! جسم پر کوئی زخم نہیں ہے۔ البتہ گردن پر ایسے نشانات ملے ہیں جنہیں میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا.... البتہ یہ دیکھو۔"

فریدی نے فرش کی طرف اشارہ کیا جہاں بھورے رنگ کے بے شمار بال بکھرے ہوئے تھے۔ فریدی نے ایک بال چٹکی میں لے کر حمید کے چہرے کے سامنے کر دیا۔ یہ بال تقریباً چھ یا سات انچ لمبا رہا ہوگا۔

"کوئی عورت....!" حمید ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔

"اگر یہ بال کسی عورت کے ہیں تو وہ یقیناً ریچھ کی اولاد ہوگی۔"

"پھر....!"

"کسی عورت یا مرد کے بال اتنے سخت نہیں ہو سکتے اور دوسری بات یہ کہ کیا وہ عورت پوری عمارت میں اپنا سر کھجاتی پھری ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"اس قسم کے بال کئی جگہ ملے ہیں لیکن اس کمرے میں سب سے زیادہ ہیں۔"

"پھر آپ نے کیا سمجھا ہے؟"

"کچھ نہیں.... ابھی میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔"

"اُس کی بیوی واپس آئی۔"

"ہاں.... وہ اوپری منزل پر ہے اور اس نے ابھی تک کوئی کام کی بات نہیں بتائی۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ اُن معاملات سے لاعلم ہے۔"

"کن معاملات سے۔"

"کیا تمہیں نہیں معلوم کہ میں نے یہاں کی تلاشی کیوں لی تھی۔"

"میں غیب داں تو نہیں۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"احمق ضرور ہو۔ کیا تمہیں کسی قمیض کا وہ جیب یاد نہیں جو ہمیں عرفانی صاحب کے یہاں ملا تھا۔"

"اوہ.... تو کیا....!"

"مجھے وہ قمیض یہاں مل گئی ہے جس کا جیب غائب ہے۔ غالباً جدوجہد کے دوران میں عرفانی صاحب کا ہاتھ جیب پر پڑ گیا تھا۔ جوزف بیوقوف تھا جو اس نے اس قمیض کو ضائع نہیں کر دیا۔" فریدی چند لمحے خاموش رہا پھر یکایک چونک کر بولا۔ "وہ یک بیک وہاں سے بھاگا کیوں تھا۔"

حمید نے مختصراً جیر الڈ شاستری والا واقعہ دہرایا۔ اس دوران میں فریدی کی نظریں لاش پر جمی رہی تھیں اور اس کی پیشانی پر بار بار سلوٹیں پڑ جاتی تھیں۔

"جیر الڈ کے متعلق آپ کیسی رائے رکھتے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"وہ ہمیشہ میرے لئے پُر اسرار رہا ہے مگر اتنا نہیں کہ میں اسے کسی قسم کے جرائم سے متعلق سمجھوں۔"

"وہ ہے کیا بلا۔"

"اسے مشرقی علوم خصوصاً سنسکرت اور فلسفے سے عشق ہے۔ انگلستان کے ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھتا ہے محض اکتساب علم کے شوق میں اُس نے اپنا خاندانی اعزاز اپنے چھوٹے بھائی کو سونپ کر مشرق کی راہ لی۔ ورنہ وہ اس وقت لارڈ آر تھر جیر الڈ ہوتا۔"

"اوہو....! تو کیا وہ لارڈ نکسن جیر الڈ کا بھائی ہے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"قطعی.... چلو اب ہمیں ایک بار پھر جوزف کی بیوی سے ملنا پڑے گا۔"

اوپری منزل پر پہنچ کر وہ اس کمرے میں داخل ہوئے جہاں پیملیا تکیوں میں سر ڈالے پڑی تھی۔ ان کی آہٹ پر چونک کر اس نے سر اٹھایا۔ اُس کے چہرے پر غم کے بجائے خوف کے آثار

تھے۔ آنکھیں سرخ ضرور تھیں لیکن یہ وثوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ رونے ہی کی وجہ سے سرخ ہو گئی تھیں۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں تمہیں پھر تکلیف دے رہا ہوں۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

"کہئے.... میں اس وقت ہوش میں نہیں ہوں۔"

"بیدنگ کلب میں جیر الڈ سے کیا باتیں ہوئی تھیں۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا۔" پیملیا یک بیک اٹھ کر بیٹھ گئی۔ پھر وہ خود بخود بڑبڑانے لگی۔ "انہوں نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔ وہی ہوا.... وہی ہوا۔"

"کیا کہا تھا۔" فریدی بولا۔

پیملیا چند لمحے اپنی ویران آنکھیں پُر خیال انداز میں فریدی کے داہنے شانے پر جمائے رہی پھر بولی۔ "انہوں نے کہا تھا.... کہ آج تم دونوں کو گھر سے نہ نکلنا چاہئے تھا۔ آج کا دن تمہارے لئے انتہائی خطرناک ہے۔"

"اس سے اس کا کیا مطلب تھا۔"

"اوہ.... مطلب کیا اب بھی مطلب پوچھنے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔" پیملیا نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔

"پچھلی رات.... میں نہیں جانتی۔ شاید وہ ہائی سرکل نائٹ کلب میں تھا۔ تین بجے واپس آیا تھا۔"

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس نے پچھلی رات ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا۔"

"کیا....؟" پیملیا اچھل کر کھڑی ہو گئی اس کی آنکھیں خوف اور حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

یک بیک وہ چیخ پڑی۔ "تم جھوٹے ہو.... جوٹی مہاتما بدھ کا سچا پیرو تھا.... یہ بکواس ہے.... نکل جاؤ یہاں سے۔" پھر وہ پاگلوں کی طرح حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخنے لگی۔ "یہ وحشیوں کی سرزمین ہے.... یہ جنگلیوں کی بستی ہے.... یہ غلط ہے.... مہاتما بدھ یہاں نہیں پیدا ہوئے تھے۔"

پُر اسرار جوتشی

"سری صبح مرجنٹ حمید اور انسپکٹر فریدی، جیر الڈ شاستری کی قیام گاہ کی طرف جا رہے تھے۔

فریدی نے اتنی سختی سے دانتوں پر دانت جمار کھے تھے کہ اُس کے جبڑوں کے مسلس اُبھر آ
تھے اور اس کی آنکھیں سامنے سڑک پر گھور رہی تھیں۔ حمید نے اُسے کنکھیوں سے دیکھا اور نتھ
پھلا کر "شوں شوں" کرنے لگا۔ پھر اچانک چونک کر بولا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سارے اگر
بڈھسٹ کیوں ہوئے جا رہے ہیں۔"

"ہوں....!" فریدی بڑبڑایا۔ "کل تم نے قاسم کے ساتھ شرارت کی تھی۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا....؟"

"اُس نے آج صبح فون پر تمہاری شکایت کی تھی۔"

حمید ہنسنے لگا.... اور پھر اُسے قاسم والا واقعہ دہرانا بھی پڑا۔

"تمہیں سینکڑوں بار سمجھا چکا ہوں کہ دوسروں کو ایسے معاملات میں شریک نہ کیا کرو۔"
فریدی بولا۔

"مجبوری تھی۔" حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔

کیڈی تیز رفتاری سے راستہ طے کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر فرید
بڑبڑانے لگا۔

"عرفانی کا پُراسرار قتل.... کسی چیز کی تلاش.... مرنے والے نے نیشنل بنک کا نام لیا
کیا وہ چیز قاتلوں کو نہیں مل سکی۔ کہیں عرفانی نے اُسے نیشنل بنک میں نہ رکھا ہو۔"

"میرا خیال ہے" حمید بولا۔ "جوزف کی موت عرفانی کی موت سے بھی زیادہ پُراسرار ہے
آخر وہ بال کیسے تھے۔"

"پتہ نہیں.... لیکن یہ تو صاف ہے کہ جوزف محض رازداری کے لئے مارا گیا۔ سازشیو
کو یقین تھا کہ وہ ضرور پکڑا جائے گا۔"

"ہو سکتا ہے کہ انہیں اس بات کی اطلاع ہو گئی ہو کہ آپ اس کے مکان کی تلاشی لے رہے ہیں

"ہوں.... یہ تو بعد کی باتیں ہیں آخر وہ کیا چیز تھی جس کے لئے اتنا ہنگامہ ہوا۔ قاتل ا
تلاش کرنے میں اتنے منہمک ہو گئے تھے کہ وہ عرفانی کو بالکل ہی بھول گئے حتیٰ کہ ان کو خ
ہوئی کہ کب ان کا شکار رینگتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔"

"جوزف کی موت....!" حمید بڑبڑایا۔

"اونہہ اسے فی الحال بھول جاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ اس کا قاتل اُس کے لئے نہ صرف ڈراؤنا
بلکہ حیرت انگیز بھی تھا اور اس کی موت اتنی جلد واقع ہوئی کہ خوف و تحیر کے آثار مرنے سے
قبل اس کے چہرے سے رفع نہ ہو سکے اور اپنے نشانات مرنے کے بعد بھی چھوڑ گئے۔ اسے بھی
دیکھ لو۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ عام نظریئے سے مختلف ہو گی۔"

"یعنی....!" حمید فریدی کو گھور کر بولا۔

"عام نظریہ یہ ہے کہ جوزف کو گلا گھونٹ کر مارا گیا لیکن پوسٹ مارٹم کی رپورٹ دم گھٹ کر
مرنے کی کہانی سنائے گی۔"

"کیا آپ نے اس قسم کی کوئی ہدایت دی ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں.... وہ رپورٹ قطعی درست ہو گی۔ ابھی تک میں معاملات کی نوعیت کو نہیں سمجھ
سکا۔ اس لئے طریق کار متعین کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"آخر رپورٹ میں ہو گا کیا۔"

"موت کی وجہ، دم گھٹنے کے بجائے حرکت قلب کا اچانک بند ہو جانا ظاہر کرے گی۔"

"اور یہ رپورٹ سچی ہو گی۔" حمید بڑبڑایا۔ "لیکن وہ نشانات جو اسکی گردن پر پائے گئے ہیں۔"

"ہاں نشانات بھی تھے۔ لیکن موت خوف کی شدت سے واقع ہوئی۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی.... پھر فریدی نے پوچھا۔

"اس کی بیوی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔"

"ہے ہے! چاند کا ٹکڑا ہے ظالم۔"

"ہوں....!" فریدی نے ہونٹ بھینچ لئے۔

"آپ نے تو دیکھا تھا اُسے۔" حمید لہک کر بولا۔ "غسل کے لباس میں... کتنا سڈول جسم ہے۔"

"ابے تو کیا میں اُس کے حسن کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

"آپ پوچھیں یا نہ پوچھیں۔ مجھے سچی بات کہنے سے کوئی روک نہیں سکتا۔" حمید بھی اُسی
لہجے میں بولا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر کہنے لگا۔ "مجھے اس بدنصیب عورت سے ہمدردی ہے۔"

"مجھے تو اسی میں شبہہ ہے کہ جوزف حقیقتاً اُس کا شوہر تھا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"رہا ہو! یا نہ رہا ہو۔ لیکن میں یہ بات پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ جوزف کے

جرم سے واقف نہیں تھی۔"

"کس بناء پر کہہ رہے ہو۔"

"اس بناء پر کہ وہ اب تک زندہ ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ دوسرے لوگ بھی زندہ ہی ہوں گے جو .... جوزف کے ساتھ تھے۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔

حمید نے چند لمحے خاموش رہ کر کہا۔ "جوزف کی موت اس لئے واقع ہوئی کہ کہیں پولیس اس سے کچھ معلوم نہ کرلے۔ یہی چیز پیملیا کے لئے بھی ہوسکتی ہے ظاہر ہے کہ ہم دوسرے لوگوں کا پتہ نہیں لگا سکے۔"

"پیملیا سے پولیس کچھ نہ معلوم کرسکے گی۔ اسی لئے وہ اب تک زندہ ہے۔" فریدی نے کہا "جوزف بیوقوف اور لاپرواہ آدمی تھا اگر وہ ایسا نہ ہوتا تو اُس قمیض کو ضائع کردیتا وہ ذہنی طور حقیقتاً ایسا ہی رہا ہوگا کہ پولیس کو اس سے کافی مدد ملتی۔"

"باتوں میں آپ سے کوئی نہیں جیت سکتا۔" حمید نے اکتا کر بات ختم کرنے کے لئے کہا۔

"ویسے تم کشتی میں مجھ سے جیت سکتے ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اوہ! خوب یاد آیا۔" حمید نے کہا۔ "آپ فری اسٹائل کشتی کے داؤں پیچ سے تو واقف ہوں گے۔"

"ہاں .... کیوں....؟"

"عنقریب فری اسٹائل کا ایک دنگل شروع ہونے والا ہے۔ مغربی ممالک کے پہلوان آرہے ہیں۔"

"پھر....!"

"میں قاسم کو کسی سے لڑانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ وہ اس میدان میں ایک معروف آدمی ہے اس لئے میں کافی پیسے پیدا کرلوں گا۔"

"اچھا.... یہ پیشہ کب سے اختیار کیا ہے۔"

"کیا حرج ہے اس میں.... کچھ احمق رئیسوں سے کچھ روپے وصول کرلوں۔"

"کس طرح وصول کروگے۔"

"قاسم کی جوڑ پر شرط بد کر۔"

"خیال بُرا نہیں۔ لیکن مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"آپ قاسم کو فری اسٹائل کے طریقے بتایئے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ جیرالڈ کی قیام گاہ کے قریب پہنچ گئے تھے فریدی نے کیڈلاک کو کمپاؤنڈ کے اندر لے جانے کے بجائے پھاٹک ہی پر روک دیا اور وہ دونوں اُتر کر اندر چلے گئے برآمدے میں کوئی نہیں تھا فریدی نے آگے بڑھ کر گھنٹی بجائی۔

تھوڑی دیر بعد اندر قدموں کی آواز سنائی دی دروازہ ذرا سا کھلا اور ایک دبلا پتلا انگریز جس کے گالوں کی ہڈیاں اُبھری ہوئی تھیں۔ سر نکال کر برآمدے میں دیکھنے لگا۔

فریدی نے اپنا ملاقاتی کارڈ نکال کر اسکی طرف بڑھایا جسے وہ لے کر کچھ بڑبڑاتا ہوا اندر چلا گیا۔

"اس کے نوکر بھی انگریز ہی ہیں۔" حمید نے کہا۔

قبل اس کے کہ فریدی کچھ کہتا دروازہ پھر کھلا اور وہ دبلا پتلا قبر رسیدہ انگریز برآمدے میں نکل آیا۔ اُس نے فریدی کا کارڈ اُسے واپس کردیا۔

"کیوں....؟" فریدی نے اسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

"میں خادم نہیں ہوں۔ سمجھے تم....؟" اس نے نتھنے پھلا کر منمناتے ہوئے کہا۔ "میں اس حرامی کا پرائیویٹ سیکریٹری ہوں.... سمجھے تم....؟"

"سمجھا! میں لیکن میرا ملاقاتی کارڈ اس تک کون پہنچائے گا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"میں ہی حرامی پہنچاؤں گا۔ لیکن میں خادم نہیں ہوں۔"

"نہیں پیارے تم تو راجہ اندر ہو۔" حمید بولا۔

"کیا....؟" انگریز نے پھر نتھنے پھلائے۔

"کچھ نہیں....!" فریدی جلدی سے بولا۔ "تو پھر میرا وزیٹنگ کارڈ اندر پہنچادو۔"

"تم اپنی قسمت کا حال دریافت کرنے آئے ہو نا۔" انگریز نے بُرا سا منہ بنا کر پوچھا۔

"ہاں.... ہاں....!"

"تو میں بتائے دیتا ہوں.... تمہاری پوری قوم کی قسمت کا حال۔ تم ہمیشہ مغرب کے غلام رہو گے۔ تم جو ہاتھ کی لائینی لکیروں میں یقین رکھتے ہو.... سمجھے تم۔"

"سمجھا میں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کیا یہاں تمہارے اور جیرالڈ کے علاوہ اور کوئی نہیں رہتا۔"

"ایک بوڑھی خادمہ بھی ہے اور مجھے بھی.... اس حرامی کی بدولت بعض اوقات خادم کے فرائض انجام دینے پڑتے ہیں۔ وہ کتیا کا فرزند نروان کی تلاش میں ہے اس لئے زیادہ اخراجات نہیں بڑھاتا۔ کبھی کبھی مجھے جھوٹے برتن بھی صاف کرنے پڑتے ہیں۔"

"تو پھر تم یہاں کیوں پڑے ہوئے ہو۔" فریدی نے حیرت سے پوچھا۔

"میں مجبور ہوں.... وہ ولدالحرام میرا باپ ہے۔ میرا نام.... لیمی ہے.... لیمر آرتھر۔"

"اوہو! لیمی ڈیر.... تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔" حمید مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ "کیا تم بھی شاستری ہو۔"

"مجھے غصہ نہ دلاؤ۔" لیمی خلاء میں مکا لہرا کر چیخا۔ "مجھے مشرق کی ہر چیز سے نفرت ہے۔"

"تب تو ہم گہرے دوست ثابت ہوں گے۔" حمید نے اس کا شانہ تھپتھپا کر کہا۔ "مغرب کی یلا یلیاں بہت پسند ہیں کیا تمہارے ولدالحرام نے کوئی یلا یلی نہیں پیدا کی۔"

"یلا یلی کیا....؟"

"اوہ مسٹر آرتھر.... براہِ کرم میرا کارڈ پہنچا دو۔" فریدی جلدی سے بولا۔

لیمی نے کارڈ لے لیا اور اُس کے چلے جانے کے بعد فریدی نے حمید سے کہا۔

"واقعی تم بڑے سور ہو۔"

"نہیں آپ میرے بزرگ ہیں۔" حمید سعادت مندانہ انداز میں شرما کر بولا۔ "مجھے چھوٹا سور کہا کیجئے۔"

فریدی مسکرا کر خاموش ہو گیا۔ اندرونی راہداری میں پھر قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ لیکن اس بار ایک ایسا آدمی اندر سے نکلا کہ یہ دونوں چونک پڑے۔ آنے والا بھی تھوڑا ٹھٹھکا لیکن پھر خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "ہیلو آفیسرز.... ادھر کہاں۔"

"اوہو مسٹر برنارڈ....!" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "ذرا میری ہتھیلی میں آج کل ایک خارش پیدا ہو گئی ہے۔"

"کہیں وہ موت کی نہ ہو۔" برنارڈ نے تشویش ناک لہجے میں کہا۔

"نہیں مسٹر برنارڈ میں نے تم پر چوٹ نہیں کی۔ تم تو بڑے معزز آدمی ہو۔"

"مجھ سے بھی زیادہ معزز....!" حمید اپنے سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔

"چیریو....!" برنارڈ ہنستا اور ہاتھ ہلاتا ہوا چلا گیا۔

"یہ یہاں کیسے تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"ممکن ہے یہ بھی بدھسٹ ہو گیا ہو۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "اوہ مسٹر لیمی تشریف لا رہے ہیں۔"

لیمی نے دروازے سے سر نکال کر کہا۔ "چلو....!" اور پھر تیزی سے واپسی کے لئے مڑ گیا۔ حمید اور فریدی اس کے پیچھے جا رہے تھے ایک کمرے کے سامنے وہ رک گیا اور چہرے پر بیزاری کے آثار پیدا کر کے بولا۔ "یہاں بیٹھو۔"

وہ دونوں کمرے کے اندر چلے گئے۔ یہ غالباً ڈرائینگ روم تھا لیکن یہاں فرنیچر نہیں تھا۔ انہیں قالینوں کے فرش پر بیٹھنا پڑا۔ جہاں دو چار گاؤ تکئے بھی پڑے ہوئے تھے۔ دیواروں پر مہاتما بدھ، تلسی داس، کبیر داس، میرا، گاندھی جی وغیرہ کی بڑی بڑی تصویریں آویزاں تھیں ایک طرف بخور دان میں وہ خوشبویات سلگ رہی تھیں جو ہون میں استعمال کی جاتی ہیں۔ بہر حال ماحول کچھ عجیب سا تھا۔

تھوڑی دیر بعد جیرالڈ کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے جسم پر سفید سوٹ تھا اور سر پر وہی بھاری وضع کی پیلی پگڑی تھی اور ماتھے پر تلک بھی موجود تھا جیرالڈ کا چہرہ عجیب تھا۔ حمید کانپ اٹھا.... اس کے چہرے کے خدوخال اور آنکھوں میں ہم آہنگی نہیں تھی۔ اس کی آنکھیں چہرے سے بالکل ہی بے تعلق نظر آتی تھیں۔ خدوخال میں تیکھے پن کے بجائے نرماہٹ تھی لیکن آنکھیں.... ان میں تو کچھ نہیں تھا خالی خالی سی.... ویران آنکھیں.... جن میں چمک نہیں تھی لیکن پھر بھی یہ گمان ہوتا تھا کہ وہ شیشے کی ہیں اور اُن کے آر پار دیکھا جا سکتا ہے ایک لحظے کے لئے وہ آنکھیں اُن کے چہروں پر رکیں اور پھر ہٹ کر بخور دان پر جم گئیں۔

حمید سوچنے لگا کہ کیا وہ اندھا ہے۔ جیرالڈ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی لیکن اس کی آنکھیں بدستور بخور دان پر جمی رہیں۔

فریدی اور حمید کھڑے ہو گئے۔

"اوہو تشریف رکھئے۔" جیرالڈ بڑی صاف شفاف اردو میں بولا۔ "آرام سے جوتے اُتار کر تشریف رکھئے۔ مجھے اپنے مشرقی بھائیوں سے مل کر بڑی خوشی ہوتی ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں ایک بہت ہی اہم معاملے میں آپ کو تھوڑی سی تکلیف دینے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"اوہو.... ضرور.... ضرور.... میں نے آپ کے کارڈ میں آپ کا عہدہ دیکھا ہے۔"

وہ تینوں گاؤ تکیئے سے لگ کر بیٹھ گئے حمید کی آنکھیں بدستور جیرالڈ کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں جوان دونوں میں سے کسی کی بھی طرف نہیں دیکھ رہا تھا اب اس کی نظریں بخوردان سے ہٹ کر میرا کی تصویر پر جم گئیں تھیں۔

"کل ایک آدمی کی موت بڑے پُر اسرار طریقے پر واقع ہو گئی۔ پولیس اس کے لئے پریشان ہے۔" فریدی بولا۔

"پُر اسرار طریقہ پر۔" جیرالڈ آہستہ سے بولا۔ "اگر مجھے اس کی پیدائش کا صحیح وقت دن اور تاریخ معلوم ہو جائیں تو میں اس پُر اسرار طریقے پر روشنی ڈال سکوں گا۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ اُسے جانتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"میں جانتا ہوں۔" جیرالڈ نے سوالیہ انداز میں دہرایا۔ اب اُس کی نظریں میرا کی تصویر سے ہٹ کر پھر بخوردان پر جم گئی تھیں۔

"جی ہاں! جوزف پیٹر جسے آپ نے کل اُس کے مستقل کے متعلق کچھ بتایا تھا۔"

"ٹھہریئے۔" جیرالڈ بے صبری سے ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "مجھے کہنے دیجئے۔ میں سمجھ گیا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ایک عجیب و غریب ہاتھ تھا کل میں نے ایک نوجوان جوڑے کے ہاتھ دیکھے تھے اور انہیں بتایا تھا کہ آج کا دن ان کے لئے خطرناک ہے اور میں آپ کو بتاؤں مرد کے ہاتھ کی ایک لکیر بتاتی تھی کہ وہ کسی عجیب و غریب درندے کا شکار ہو گا۔ اور ستارے کہہ رہے تھے وہ منحوس دن یہی ہے۔"

"اور اس کی بیوی وہیں رہ گئی تھی۔" فریدی بولا۔

"میں نے دونوں سے کہا تھا کہ وہ گھر چلے جائیں۔"

"کیا ستاروں نے یہ نہیں بتایا تھا کہ اس کی موت گھر ہی پر واقع ہو گی۔"

"جناب من! وہ کہیں نہیں بچ سکتا تھا مقدرات اٹل ہوتے ہیں۔" جیرالڈ نے مسکرا کر کہا۔

حمید کی نظریں اب بھی جیرالد کے چہرے پر تھیں اور اس نے اس کے چہرے پر اب تک کسی قسم کا جذباتی تغیر نہیں محسوس کیا تھا۔ حتیٰ کہ مسکراتے وقت بھی اُس کی آنکھیں پہلے کی طرح سپاٹ رہی تھیں۔

"اور دوسری بات۔" جیرالڈ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "وہ آدمی خود بھی قاتل تھا۔ اس کے ہاتھ کی ایک لکیر یہ بھی بتاتی تھی۔"

"مجھے اسی کا تو افسوس ہے...." فریدی نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "جب مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ وہ قاتل ہے.... تو وہ خود قتل کر دیا گیا۔"

"کیا ثبوت مہیا ہو گیا تھا۔" جیرالڈ نے پوچھا۔

"قطعی! اُ ایک منٹ کی بھی مہلت نہ ملتی۔"

"عجیب بات ہے آج کل کشت وخون کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے۔" جیرالڈ بولا۔ "دنیا تباہی کی طرف جا رہی ہے پچھتر فیصدی ہاتھوں میں مجھے اذیت پسندانہ رجحانات کی لکیریں نظر آتی ہیں۔ مہاتما بدھ کی تعلیمات عام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔"

"مجھے خو ہے کہ انگریزوں میں بدھ ازم بڑی تیزی پھیل رہا ہے۔" فریدی نے سر ہلا کر کہا۔ "کیا یہ برنارڈ بھی بدھ ازم بتاثر ہے۔"

"وہ آہستہ آہستہ راہ راست پر آ رہا ہے کیا آپ اُ جانتے ہیں؟"

"جی ہاں! اچھی طرح۔"

"وہ اب ایک اچھا آدمی بننے کی کو کر رہا ہے۔" جیرالڈ نے کہا۔ "حالانکہ اس کے ہاتھ میں بھی ایسی لکیریں ہیں جو اس کو قاتل ثابت کرتی ہیں۔"

"مگر افسوس ہے کہ پولیس ہاتھ کی لکیروں والے علم بے بہرہ ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیکن برنارڈ جلد ہی اپنی راہ تلاش کر لے گا.... وہ راہ جو پھانسی کے تختے تک جاتی ہے۔"

"اس کے ہاتھ میں اس قسم کی کوئی لکیر نہیں۔" جیرالڈ بولا۔

"میں نے عرض کیا نا کہ پولیس اس علم بے بہرہ ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "ویسے کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ جوزف کو کب جانتے تھے۔"

"یہ آپ کیوں پوچھنا چاہتے ہیں۔" جیرالڈ نے ہنس کر کہا۔ "کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں ہی وہ درندہ تھا۔"

"معاف کیجئے گا۔ میں آپ کی بہت قدر کرتا ہوں۔"

"شکریہ.....! جوزف کو میں زیادہ نہیں جانتا تھا لیکن مجھے اس کا علم ہے کہ وہ بھی بڈھسٹ تھا۔"

"اور اس کے باوجود بھی اس نے عرفانی کے قتل میں حصہ لیا۔" فریدی کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"عرفانی.....وہ تو شاید ابھی حال ہی کا واقعہ ہے۔"

"جی ہاں! غالباً آپ نے اخبارات میں پڑھا ہوگا۔ کیا آپ کا علم یہ بتا سکتا ہے کہ عرفانی کے قاتلوں کو کس چیز کی تلاش تھی۔"

"افسوس کہ یہ بات میرے علم کے احاطے سے باہر ہے۔" جیرالڈ نے کہا۔ "لیکن میں آپ کا ہاتھ دیکھ کر یہ ضرور بتا سکتا ہوں کہ آپ اس کیس میں کامیاب ہوں گے یا نہیں۔"

"شکریہ! مجھے اس سے دلچسپی نہیں۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔ "میں خود ہی اپنے ہاتھ کی لکیریں بناتا اور بگاڑتا رہتا ہوں۔ میرا ہاتھ میری قوت ارادی کا پابند ہے۔"

"تب تو آپ واقعی باکمال آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" جیرالڈ سنجیدگی سے بولا۔ "اصل حقیقت تو یہی ہے کہ لکیروں کا بننا بگڑنا آدمی کے خیالات پر منحصر ہے باحوصلہ آدمیوں کے ہاتھوں میں مایوسی کی لکیریں نہیں ہوتیں۔"

"اچھا! اب اجازت چاہوں گا۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔"

"اوہ کوئی بات نہیں۔" جیرالڈ اٹھ کر گرم جوشی سے ہاتھ ہلاتا ہوا بولا۔ "پھر بھی ملتے رہئے گا۔"

"آپ کی شخصیت اتنی پرکشش ہے کہ ملنا ہی پڑے گا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

لیکن حمید اس زہریلی مسکراہٹ سے اچھی طرح واقف تھا۔

عرفانی کا راز

سرجنٹ حمید آفس میں زیادہ تر عشقیہ ناول پڑھا کرتا تھا اس کی میز فریدی کی میز کے سامنے ہی تھی۔ اس وقت بھی وہ اردو کے ایک چٹپٹے مسالے دار بلکہ خستہ کرارے عشقیہ ناول میں مگن

اور فریدی ایک ایسے چھوٹے سے پیکٹ کو ادھیڑنے میں مشغول تھا جو ابھی رجسٹرڈ پوسٹ سے اس کے نام آیا تھا۔

دفعتاً حمید نے اس ناول کو بیچ سے پھاڑ دیا۔ جھرانا جو ہوا تو فریدی چونک کر اُسے دیکھنے لگا۔

"کیا بیہودگی ہے۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

"بیہودگی میری نہیں بلکہ ان پیسوں کی ہے جو اس ناول کے لئے میری جیب سے نکلے تھے۔"

"میں نے تمہیں ہزار بار منع کر دیا کہ آفس میں ناول نہ پڑھا کرو۔"

"مجبوراً پڑھنا پڑتا ہے۔" حمید بسور کر بولا۔ "فقط خون گرم رکھنے کا بہانہ۔ خدا کی قسم ان ناولوں کو پڑھ کر خون گرم ہوتا ہے۔ غصہ آتا ہے اور مرنے مارنے کو دل چاہنے لگتا ہے۔ اب اسی ناول کا آخری منظر ملاحظہ فرمائیے۔ سورج پہاڑی کے پیچھے چھپ گیا۔ دھند پھیل گئی۔ دو دھندلے سائے ایک دوسرے سے چپکے ہوئے پہاڑی پر چڑھ رہے تھے۔ وہ دور ہوتے گئے اور سرجنٹ حمید اُلو کا پٹھا چیختا ہی رہ گیا کہ ابے میرے ساڑھے تین روپے تو دیتے جاؤ۔"

فریدی جھلاہٹ کے باوجود بھی مسکرا پڑا اور حمید بکتا رہا۔ "کیا میں ساڑھے تین روپے اس کے لئے خرچ کرتا ہوں کہ ہیرو اور ہیروئن پہاڑی پر چڑھ جائیں۔ اس ناول میں ہیروئن کا باپ دھوکے سے ہیرو کی ماں سے شادی کر لیتا ہے جب یہ راز کھلتا ہے تو اس کا دل ٹوٹ ٹاٹ کر برابر ہو جاتا ہے اور وہ مارے غم کے ایک اور شادی کر لیتا ہے۔ لیکن اتفاق سے وہ بھی ہیرو کی ماں نکلتی ہے اب یہاں سے سسپنس شروع ہوتا ہے آخر ہیرو کی اصلی ماں کون تھی۔ ہیرو دونوں کو اماں کہتا تھا اور آخر میں جب یہ راز کھلتا ہے ساری دنیا انگشت بدنداں رہ جاتی ہے ان میں سے ایک راصل.....!"

"بکواس بند کرو۔"

"دل کا بخار نکال لینے دیجئے ورنہ مجھے برانکائیٹس ہو جائے گا۔"

"خاموش رہو۔" فریدی دانت پیس کر بولا۔ وہ پیکٹ کھول چکا تھا اور اس میں سے برآمد ہونے والے کاغذ کے دو ٹکڑے اس کے سامنے پھیلے ہوئے تھے اور وہ تحیر آمیز نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیا اس پیکٹ سے کوئی غمزدہ بکری برآمد ہوئی ہے۔" حمید نے دانت پر دانت جما کر کہا۔

"نہیں مانو گے تو میں دھکے دے کر باہر نکال دوں گا۔" فریدی نے کاغذات پیکٹ سے جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

پھر حمید نے اُسے مضطربانہ انداز میں ٹہلتے دیکھا۔ کئی بار رک کر اُس نے فون کرنے لئے ریسیور بھی اٹھایا لیکن پھر رکھ دیا۔

"کیا بات ہے؟" حمید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"گھر چلیں گے۔" فریدی نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ابھی تین ہی بجے تھے اور آ ختم ہونے کا وقت ساڑھے چار تھا مگر یہ بات حمید کے لئے غیر معمولی نہ تھی کیونکہ فریدی آ میں بہت ہی کم بیٹھتا تھا۔

"نہیں گھر نہیں۔" فریدی برآمدے میں پہنچ کر بولا۔ "نیشنل بنک وقت بہت کم ہے۔ تیز چلنا پڑے گا۔"

نیشنل بنک کے نام پر حمید چونکا لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ اب نیشنل بنک جانے کی ضرو کیوں پیش آئی جب کہ فریدی پہلے ہی وہاں تحقیقات کر چکا تھا نہ صرف تحقیقات کر چکا تھا مایوس بھی ہو چکا تھا۔

مرنے سے قبل عرفانی نے نیشنل بنک کا نام لیا تھا اس لئے خیال پیدا ہوا تھا کہ ممکن عرفانی نے وہ پُر اسرار چیز جس کی قاتلوں کو تلاش تھی نیشنل بنک میں رکھوادی ہو۔ لیکن تحقیقات کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ وہاں عرفانی کے روپے ضرور جمع تھے لیکن اُس نے کوئی چیز سیف کسٹڈی میں نہیں رکھوائی تھی۔

فریدی کی کیڈی لاک سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی اور اس وقت سچ مچ اس کا دل چاہ رہا تھا ٹریفک پولیس کے ایک آدھ کانسٹیبل کو جان ہی سے مار ڈالے۔ چوراہوں سے گذرتے وقت کانسٹیبل ہاتھ دے کر ایک طرف کے ٹریفک رکوا دیتے فریدی کا کلیجہ خون ہو جاتا.... وہ سو تھا کہ کہیں بنک بند نہ ہو جائے۔

"کیا مصیبت آ گئی۔" دفعتاً حمید بڑبڑایا۔ "کہیں ایکسیڈنٹ نہ فرما دیجئے گا۔ آخر اب یک نیشنل بنک کی کیوں سوجھی۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ عرفانی چند ہزار روپیوں کے لئے قتل کر گیا ہے اور قاتل کو دراصل وصیت نامے کی تلاش تھی۔"

"نہیں.... جس چیز کی تلاش تھی وہ نیشنل بنک ہی میں ہے۔"

"کیا الہام ہوا ہے....!" حمید بھنا کر بولا۔

"مت بور کرو۔" فریدی نے بیزاری سے کہا "عرفانی صاحب مرنے کے بعد بھی اپنی زندگی ثبوت دے رہے ہیں۔"

"ہائیں! تو کیا وہ بہرام کی لاش تھی۔" حمید اچھل کر بولا۔

"بکواس بند کرو۔ یہ دیکھو۔" فریدی نے جیب ٹٹول کر ایک کاغذ نکالا اور حمید کی طرف بڑھا دیا۔ کاغذ پر تحریر تھا۔

"فریدی! اگر مجھے کوئی حادثہ پیش آ جائے تو اُسے نیشنل بنک کی سیف سے نکال لینا۔ کنجی اور سیف کسٹڈی کی رسید روانہ کر رہا ہوں۔ اگر میری گمشدگی کی خبر سنو تو کم از کم ایک ہفتے تک انتظار رو۔ اگر میری طرف سے تمہیں کوئی اطلاع ملے تو اُسے وہیں رہنے دینا.... اگر ہفتے کے بعد بھی برے متعلق کچھ نہ سنو تو پھر تمہیں اختیار ہے اُسے ضرور بالضرور نکال لینا۔ لیکن رازداری شرط ہے کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو ورنہ میری ہی طرح تمہیں بھی وصیت کرنے پڑے گی۔"

نیچے عرفانی کا نام تحریر تھا اور اس کے نیچے تاریخ درج تھی۔

"یہ تاریخ اُسی دن کی ہے جس رات عرفانی کو حادثہ پیش آیا۔" فریدی بولا۔

"یعنی اُسے پہلے ہی سے خطرے کا احساس تھا۔" حمید نے تحیر آمیز لہجے میں کہا۔

"اگر نہ ہوتا تو مجھے یہ سب کچھ بھیجنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔"

"اچھا.... دوسری بات!" حمید فریدی کو کاغذ واپس کرتا ہوا بولا۔ "یہ خط بتاتا ہے کہ وہ چیز سیف کسٹڈی میں ہے اور آپ کی پچھلی تحقیقات کا ماحصل یہ تھا کہ عرفانی نے نیشنل بنک کی سیف کسٹڈی میں کوئی چیز رکھوائی ہی نہیں تھی۔"

"ٹھیک ہے فرزند! اسی لئے تو کہا تھا کہ عرفانی صاحب مرنے کے بعد بھی اپنی زندگی کا ثبوت دے رہے ہیں۔ نیشنل بنک کی محفوظ تجوری انسپکٹر احمد کمال فریدی کے نام سے کرائے پر لی تھی۔"

"یہ کیسے معلوم ہوا آپ کو۔"

"تم ڈیوٹ ہو کیا؟" فریدی بگڑ کر بولا۔ "کیا رسید پر تجوری حاصل کرنے والے کا نام نہیں

لکھا جاتا۔"

"رسید پر آپ کا نام ہے۔" حمید نے احمقوں کی طرح پوچھا۔

"ہاں.... ہاں.... ہاں۔" فریدی جھنجھلا گیا۔ "اب یہ بھی پوچھو کہ نام کے ہجے کیا ہیں۔"

"اب دیکھئے.... تجوری سے خونی ہیرا برآمد ہوتا ہے یا لنگڑا جاسوس۔" حمید مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ "فونانچو کی بندریا نکلتی ہے یا پی کے چیو ٹینگم۔"

"یا تمہارا جنازہ۔"

"ہائے ہائے آپ تو کسی نوعروس بیوہ کی طرح کلکار رہے ہیں۔" حمید سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔

فریدی دانت پیس کر رہ گیا اور حمید نے بھی اسی میں عافیت سمجھی کہ اب خاموش ہی رہے کیونکہ ابھی ابھی کیڈی ایک خچر گاڑی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔ بنک بند ہونے میں صرف آدھ گھنٹہ رہ گیا تھا اور اس وقت سیف کسٹڈی کا معاملہ گھٹالے ہی میں پڑ جاتا اگر فریدی نے منیجر کو اپنے کام کی سرکاری اہمیت نہ سمجھانی شروع کر دی ہوتی۔

رسید پر پڑے ہوئے نمبر والی تجوری کھولی گئی۔ ایک بڑا سا لفافہ برآمد ہوا جس پر فریدی کا نام تحریر تھا۔ حمید نے اسے ہاتھ پر رکھ کر اُس کے وزن کا اندازہ لگایا اور مایوسانہ انداز میں ہونٹ سکوڑ کر فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

واپسی پر منیجر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ مسٹر عرفانی کے اکاؤنٹ کے متعلق تفتیش کرنے کے لئے آپ ہی تشریف لائے تھے۔"

"جی ہاں...." فریدی نے کہا۔

"تو براہِ کرم یہ بتایئے کہ یہ چرخہ کب تک چلتا رہے گا۔"

"کیوں....!"

"میں عاجز آ گیا ہوں۔ لیکن پوچھنے والے صرف یہی پوچھتے ہیں کہ عرفانی نے سیف کسٹڈی میں تو کوئی چیز نہیں رکھوائی تھی۔"

"کیا میرے علاوہ بھی کسی نے پوچھا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"پتہ نہیں کتنے آئے اور مغز چاٹ کر چلے گئے۔"

"اوہ....!" فریدی سگار کیس نکالتا ہوا بولا۔ "کیا پولیس والے تھے۔"

"جی نہیں! عرفانی کے بھائی بھتیجے! بھانجے داماد نواسے اور نہ جانے کیا کیا اُلا بلا۔ میرا اردلی تو پریشان ہو گیا ہے کہ اب میرے پاس آنے والے ہر آدمی سے پوچھ بیٹھتا ہے کہ وہ عرفانی کا رشتے دار تو نہیں۔"

"اوہ....!" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "اچھا اب یہ کیجئے اگر اب اس قسم کا کوئی آدمی آئے تو اُسے ل کر مجھے فون کر دیجئے گا۔"

"آخر معاملہ کیا ہے! عرفانی کے اکاؤنٹ کے متعلق کوئی کچھ نہیں پوچھتا۔"

"آپ نے اخبارات میں تو عرفانی کے متعلق پڑھا ہی ہو گا۔" فریدی بولا۔ "دراصل اُن کے لوں کو چند نادر و نایاب ہیروں کی تلاش تھی لیکن وہ انہیں نہیں مل سکے۔ اب غالباً وہی لوگ ف بنکوں میں پتہ لگاتے پھر رہے ہیں۔ اُن کی دانست میں عرفانی نے اُن ہیروں کو کسی بنک ہی ر رکھ چھوڑا تھا۔"

"اوہ یہ بات ہے۔ میں آپ کو ضرور اطلاع دوں گا۔ آپ کا فون نمبر۔"

حمید نے فون کے نمبر لکھوا دیئے۔ واپسی پر حمید کی بوکھلاہٹیں قابل دید تھیں۔

"ارے تو کھولئے نا اس لفافے کو۔" اُس نے کہا۔

"گھر پہنچ کر....!" فریدی بڑبڑایا۔

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔" حمید مضطربانہ انداز میں بڑبڑایا۔ "اگر عرفانی خود کو خطرے میں ھ رہا تھا تو اُس نے پہلے ہی آپ کو یا پولیس کو اطلاع کیوں نہیں دی اور وہ یہ لفافہ آپ تک اپنی رگی میں بھی پہنچا سکتا تھا۔"

"اُن کے خط کو دوبارہ پڑھو۔ اُن کے اس طریقے کار سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے پنے اس راز میں مجھے بدرجہ مجبوری شریک کیا ہے۔ اگر وہ اس ناگزیر خطرے میں نہ پڑتے تو مجھے سا کی کانوں کان خبر بھی نہ ہوتی صاف لکھا ہے کہ نیشنل بنک سے وہ چیز اُسی وقت نکلوائی جا سکتی ہے جب انہیں کوئی حادثہ پیش آ جائے.... ورنہ نہیں۔"

"ارے تو وہ کیا چیز ہے! کھولئے لفافہ ورنہ میرا دم الٹ جائے گا۔"

"بے صبری نہیں.... اس میں ہیرے نہیں ہیں۔"

"کچھ بھی ہو لیکن اس سے دو خون وابستہ ہیں۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ایک بات سمجھ

میں نہیں آتی کہ وہ عجیب و غریب درندہ جوزف کے مکان میں کس طرح داخل ہوا۔ ظاہر ہے کہ کنکس لین کافی گنجان آباد ہے اور اس کی پشت پر بھی عمارتوں کا سلسلہ ہے۔ تعجب ہے کہ کسی نے اُسے دیکھا نہیں۔"

"اوہ کیا تمہیں وہ بن مانس یاد نہیں جو لاطینی[1] بولتا ہے۔"

"تو آپ کا یہ مطلب ہے کہ کوئی آدمی کسی درندے کی کھال پہن کر جوزف کے سامنے آیا تھا جسے دیکھ کر وہ خوف کے مارے مر گیا۔"

"میں تو یہی سمجھتا ہوں۔"

"اگر آپ یہ سمجھتے ہیں تو پھر آپ کی نظروں میں جیرالڈ سو فیصدی مشتبہ ہوگا کیوں کہ اسی نے تو جوزف کو گھر بھیجا تھا۔"

"ہو سکتا ہے کہ تمہارا خیال صحیح ہو۔"

"اگر یہ ہو سکتا ہے تب تو میرا بیڑہ باقاعدہ طور پر غرق ہو گیا میں دوبارہ اُس خوفناک آدمی کے قریب سے دیکھنے کی ہمت نہ کر سکوں گا۔"

"کیوں! کیا خاص بات ہے اس میں۔" فریدی لاپروائی سے بولا۔

"اُس کی آنکھیں.... خدا کی پناہ.... اس کا چہرہ دنیا کا آٹھواں عجوبہ ہے۔ آنکھوں ہی کی بناوٹ پر دوسرے خدوخال کی نرمی یا تندی کا دارومدار ہوتا ہے۔ مگر وہاں دونوں میں بے ربطی سے آنکھیں خوفناک اور چہرے کے خدوخال معصومیت کے حامل ہیں۔"

"ہاں ہے تو کچھ ایسا ہی۔" فریدی بڑبڑایا۔

گھر پہنچ کر فریدی نے جیب سے لفافہ نکالا۔ سیل توڑی اور لفافہ کھول کر اس کے اندر کی اشیاء میز پر الٹ دیں۔ یہ تعلیمی تاش کے دو پتے تھے اور ایک چرمی جلد کی پاکٹ ڈائری۔

"ہات تیرے کی۔" حمید اپنا سر پیٹ کر چیخا۔ "یہ کس جاسوسی ناول کا پلاٹ ہے۔ ان کم بختوں نے اب چڑیا کی تکی اینٹ کی بیگم اور چڑی کا غلام چھوڑ کر تعلیمی تاش استعمال کرنے شروع کر دیئے۔"

فریدی نے دھیان تک نہ دیا۔ وہ بڑی تیزی سے ڈائری کے اوراق الٹ رہا تھا لیکن وہ سب کے سب سادہ تھے۔ کسی صفحے پر بھی کوئی تحریر نہیں تھی۔

[1] جاسوسی دنیا کا تحیر انگیز ناول "پہاڑوں کی ملکہ" جلد نمبر 3 دیکھئے۔

حمید تعلیمی تاش کے پتوں کو الٹنے پلٹنے لگا۔ ان کے ایک طرف حروف تھے اور دوسری طرف تصویریں۔ تصویروں میں سے ایک پر دو مختلف فوجوں کی لڑائی کا منظر تھا اور دوسرے پتے کی پشت پر صرف ایک نوخیز لڑکے کی تصویر تھی جس کے ہاتھ میں تعلیمی تاشوں کا پیکٹ تھا۔

حروف ایک ہی تھا اور یہ حرف تھا "ل"

فریدی نے ڈائری رکھ کر پتے حمید کے ہاتھ سے لے لئے وہ بھی چند لمحوں تک انہیں الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا پھر عجیب نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں سوچتا ہوں کیا عرفانی مجھ سے بھی زیادہ مسخرہ تھا۔" حمید نے کہا۔

"عرفانی بہت ذہین آدمی تھے۔"

"تو پھر.... اس حرکت سے کیا نتیجہ اخذ کروں۔" حمید دوبارہ سر پیٹ کر بولا۔

"کیا تمہیں اور کوئی کام نہیں۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔ "میں تمہیں نتیجہ اخذ کرنے کی تکلیف نہ دوں گا۔"

حمید پر اُس کے لہجے کی خشکی کا کوئی اثر نہ ہوا۔ تعلیمی تاش کے پتوں کو دیکھتے ہی اُس کی سنجیدگی رخصت ہو گئی تھی اور وہ اس بُری طرح مضحکہ اڑانے کے موڈ میں آ گیا تھا کہ اگر اس وقت اس کا باپ بھی ہوتا تو وہ اُسے چٹکیوں میں اڑا دیتا۔

"دونوں پتوں پر لام ہیں۔" وہ نہایت مفکرانہ انداز میں بڑبڑایا۔ "ایک پر لڑکے کی تصویر ہے اور دوسرے پر لڑائی کی۔ فریدی صاحب معمہ حل ہو گیا آپ نے اردو کی ابتدائی کتاب تو پڑھی ہی ہوگی۔ بس اس کا پہلا تصویری سبق یاد کیجئے۔ اب دیکھئے ان پتوں کی طرف.... لام سے لڑکا اور لام سے لڑائی۔ یعنی یہی لڑکے مٹاتے ہیں جوانی کو جواں ہو کر۔ اُف فوہ زندگی کا فلسفہ حل ہو گیا؟ عرفانی صاحب میں تمہاری عظیم روح کو سلام کرتا ہوں۔ کیا بات پیدا کر دی ہے تم نے یعنی لڑکے جوان ہو کر فوج میں بھرتی ہو جاتے ہیں۔"

"بکے جاؤ فرزند....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تمہاری بکواس بھی کبھی کار آمد ثابت ہوتی ہے۔"

"لام سے لتا منگیشتر بھی ہو سکتا ہے لیکن میں فی الحال لام سے لگ گئی چوٹ کر بجو! میں ہائے رلما کو ترجیح دوں گا۔ ہمارے سامنے دو لام ہیں۔ اس لئے ایک شعر سنئے دونوں لاموں کی تشریح

ہو جائے گی۔"

مس زلف دکھاتی ہیں کہ اس لام کو دیکھو
ہم ریش دکھاتے ہیں کہ اسلام کو دیکھو

"اور یہ ساری ڈائری۔" فریدی نے ڈائری کی طرف اشارہ کیا۔

"بطور نمونہ آئی ہے۔ اگر آپ سول ایجنسی لیں گے تو چالیس فیصدی کمیشن ملے گا۔ اور دوسری بات یہ کہ مجھے کچھ کچھ یاد آرہا ہے کہ ابھی ہم نے شام کی چائے نہیں پی۔"

"چائے تو دم کے ساتھ ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "یہ تو بتاؤ.... بچوں کے اس کھیل کے پیچھے دو خون ہو گئے۔"

"بہرام کی خالہ سے پوچھ کر جواب دوں گا۔ ورنہ پھر اس سلسلے میں فیروز پور کے ایک دوسرے منشی جی سے خط و کتابت کیجئے جو ابھی زندہ ہیں میں ایک موڈرن سراغ رساں اتنی اونچی باتیں سمجھنے سے قاصر ہوں۔"

تھوڑی دیر کے لئے خاموشی ہو گئی۔ فریدی نے ڈائری اور تاش کے دونوں پتے تجوری میں رکھ دیئے۔

چائے پر حمید نے پھر وہی تذکرہ چھیڑ دیا۔

"فی الحال عرفانی کو بھول جاؤ۔" فریدی بولا۔ "اگر ہم اس کیس کو جوزف کی موت سے شروع کریں تو زیادہ بہتر ہو گا۔"

"کیوں؟ عرفانی کو کیوں بھول جاؤں۔"

"اس لئے کہ ابھی تک ہم قتل کی وجہ نہیں معلوم کر سکے لیکن جوزف کے قتل کی وجہ صاف ہے اُسے صرف اس لئے ختم کر دیا گیا کہ کہیں وہ پولیس کے ہتھے نہ چڑھ جائے۔"

"اچھا چلئے یہی سہی.... تو کیا آپ جیرالڈ کے خلاف کوئی کاروائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

"میں فی الحال صرف اپنے خلاف ایک کاروائی کرنا چاہتا ہوں۔"

"وہ کیا....؟" حمید نے پُر اشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"یہی کہ تمہیں جان سے مار دوں۔"

"میری خطا.... جہاں پناہ۔"

"تمہیں اس دن قاسم کا چکر چھوڑ کر جیرالڈ کا تعاقب کرنا چاہئے تھا۔"

"میں جانتا تھا کہ آپ کسی نہ کسی موقع پر یہ سوال ضرور اٹھائیے گا۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "لیکن آپ یہ نہ سمجھئے کہ اس پراسرار درندے کا رول جیرالڈ ہی نے ادا کیا ہو گا۔"

"میں یہ نہیں سمجھتا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اور فی الحال اُسے چھیڑنا ٹھیک بھی نہیں۔ تم پیملیا پر نظر رکھو۔"

"شکریہ.... میں جیتے جی اُسے کوئی تکلیف نہ ہونے دوں گا۔ مگر خدارا کچھ تو بتائیے یہ تاش کے پتے۔ سادی ڈائری.... آخر ہے کیا بلا....!"

عینک اور بھوت

فریدی جواب دینے کی بجائے حمید کی آنکھوں میں دیکھتا رہا آخر حمید کو الجھن ہونے لگی اور وہ جھنجھلا کر بولا۔

"دیکھئے میں اتنا گاؤدی نہیں ہوں! جتنا آپ سمجھتے ہیں۔ کیا میں یہ نہیں سوچ سکتا کہ اس ڈائری پر پیاز کے عرق سے کچھ لکھا گیا ہو گا جو آگ دکھاتے ہی واضح ہو جائے گا۔"

"بچوں کی سی باتیں نہ کرو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "عرفانی جیسے ذہین آدمی سے اس کی توقع رکھتے ہو۔"

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔" حمید نے اپنے داہنے گال پر تھپڑ مار کر کہا۔

"کچھ نہیں.... میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہو سکتا ہے ڈائری سادی ہی ہو لیکن یہ ناممکن ہے کہ عرفانی صاحب نے کسی سیدھے سادے طریقے پر اس میں کوئی خفیہ تحریر چھوڑی ہو۔ پیاز کا عرق، نمک کا پانی یا سنگترے کے چھلکے کا عرق تو بچوں کے کھیل ہیں۔"

وہ چائے ختم کر چکے تھے اور حمید نے بات بھی جہاں کی تہاں ختم کر دی تھی وہ اس سلسلے میں زیادہ سر مغزی نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ اب اس کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ اگر نیشنل بنک کی تجوری خالی بھی ملتی تو اُسے اتنی کوفت نہ ہوتی جتنی تعلیمی تاش کے پتے اور سادی ڈائری سے ہوئی تھی وہ اس چیز کو نہ جانے کیا سمجھے بیٹھا تھا جس کے لئے اتنا ہنگامہ ہوا تھا۔

فریدی اٹھ ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔

"ذرا دیکھنا تو....!" فریدی نے حمید سے کہا۔

حمید نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھالیا۔

"آپ کا فون ہے۔" وہ ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "آئی جی۔"

فریدی نے اس کے ہاتھ سے ریسیور لے لیا۔

"ہیلو.... جی ہاں.... میں ہی بول رہا ہوں.... تسلیمات.... میں نہیں سمجھا.... اوہ.... لیکن.... کیوں.... ایسا کیوں ہوا؟.... جی ہاں.... میں اس سے ملا تھا.... جوزف کے سلسلے میں.... لیکن عجیب بات ہے.... مجھے شبہہ ہے.... ٹھیک ہے.... میں نے وہاں دو آدمی مقرر کئے ہیں.... اوہ بہت بہتر.... بہتر.... مجھے کوئی اعتراض نہیں.... جی بڑی مہربانی.... تسلیمات۔"

فریدی کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو رہا تھا اُس نے ریسیور رکھ دیا۔

"کیا بات ہے؟" حمید اُسے غور سے دیکھنے لگا۔

"میرا مخصوص اجازت نامہ منسوخ کر دیا گیا۔"

"کیوں....؟"

"غالباً جیر الڈ نے شکایت کی....۔"

"اوہ.... لیکن ہماری ملاقات تو بڑے شریفانہ طور پر ہوئی تھی۔"

فریدی کچھ نہیں بولا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر اُس نے کہا۔

"اجازت نامہ منسوخ ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ اب ہم اس کیس میں دخل اندازی نہ کریں.... اور اگر جیر الڈ مجرم ہے تو میرے علاوہ اور کوئی اُس پر ہاتھ نہ ڈال سکے گا۔"

"میں تو کہتا ہوں مار دیئے گولی۔ آپ بھگتیں گے یار لوگ۔"

"اگر عرفانی صاحب قتل نہ ہوئے تو شاید میں خود ہی الگ رہتا۔ لیکن ایسی صورت میں ناممکن ہے۔"

"فرض کیجئے یہ کیس کسی اور کو سونپ دیا جائے۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میری راہ کون روک سکے گا۔ کیا پورے محکمے میں کوئی ایسا؟ اگر ہو تو بتاؤ۔"

حمید نے ایک بار فریدی کو گھورتی ہوئی نظروں سے دیکھا اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

"چلو اٹھو....!" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔

"کہاں....!"

"عرفانی صاحب کے گھر....!"

"وہاں کیا کریں گے۔"

"اوہ.... ان کا بھتیجا وہاں آگیا ہے۔"

"آنے دیجئے! وہ بھی کوئی نہ کوئی تحفہ ہمارے لئے کسی بنک میں محفوظ کر جائے گا۔ مثلاً انڈوں کے چھلکے! اور پھر ہم سر جوڑ کر یہ ثابت کر دیں گے یہ کسی جرمن نسل کی عورت کے انڈے ہیں۔"

"اٹھو....!" فریدی اس کا کان پکڑ کر اٹھاتا ہوا بولا۔ "مجھے زیادہ غصہ نہ دلاؤ۔"

فریدی ایک بار پھر عرفانی کے گھر کی تلاشی لینا چاہتا تھا اُسے توقع تو یہ تھی کہ وہ اس طرح کسی خاص راستے پر چل سکے گا لیکن پھر بھی اس نے یہی مناسب سمجھا کہ اس کے امکانات بھی نہ چھوڑے جائیں۔ ممکن ہے کہ اس کے قتل پر کچھ روشنی پڑنے کے اسباب پیدا ہو ہی جائیں۔

فریدی سے عرفانی کے بھتیجے کی کچھ یونہی رسمی سی جان پہچان تھی وہ جلال آباد کی ایک پرائیویٹ فرم کا اسسٹنٹ منیجر تھا اور عرفانی کی موت کی خبر سن کر کچھ دنوں کے لئے یہیں آگیا تھا چونکہ صرف وہی اکیلا اُس کے وارثوں میں سے تھا اس لئے اُس کے قیام کی مدت طویل بھی ہو سکتی تھی۔ وجہ یہی تھی کہ عرفانی کا تھوڑا تھوڑا اکاؤنٹ شہر کے بہتیرے بنکوں میں تھا۔ عرفانی کی یہ ایک بہت بڑی کمزوری تھی اس نے محض اس لئے بہت سے بنکوں میں حساب کھول لیا تھا تاکہ دوسروں پر اس کی امارت کا رعب پڑے وہ کسی کو چیک دیتے وقت آٹھ دس چیک بکیں اپنے سامنے رکھ کر اُس سے بڑے پُر وقار انداز میں پوچھا کرتا تھا کہ اُسے کس بنک کا چیک چاہئے۔ بہرحال عرفانی کی یہ کمزوری اب اس کے بھتیجے کے لئے سوہان روح ہو گئی تھی۔ اگر کوئی وصیت نامہ بھی چھوڑ جاتا تو اُسے کوئی دشواری پیش نہ آتی لہٰذا فریدی نے جب اس سے ایک نجی کاروائی کیلئے درخواست کی تو اس نے کوئی اعتراض نہ کیا غالباً وہ یہ سوچ کر خوش ہی ہوا ہوگا کہ شہر کا کم از کم ایک معزز آدمی تو اُسے جانتا ہی ہے۔ جو عرفانی کا ترکہ حاصل کرنے میں اُسے مدد دے سکے گا۔

فریدی نے سب سے پہلے عرفانی کی لائبریری کا رخ کیا۔ لکھنے کی میز پر جتنے بھی کاغذات موجود تھے انہیں دیکھتا رہا۔ بہتیری کتابیں الٹیں پلٹیں.... لیکن کوئی ایسی چیز نہ مل سکی جس سے عرفانی کے قتل پر روشنی پڑے.... کئی گھنٹے گذر گئے عرفانی کا بھتیجا بھی اکتا گیا اور آخر اُسے معذرت کر کے اُن کا ساتھ چھوڑ دینا پڑا۔ گھر فریدی کا دیکھا ہوا تھا اس لئے اُسے اُس کی رہنمائی کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ دوسرے کمروں کو دیکھتے بھالتے ہوئے وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں پہنچے جسے عرفانی نے فوٹوگرافی کا ڈارک روم بنا رکھا تھا فریدی نے ٹارچ کی روشنی میں سوئچ تلاش کر کے بجلی جلادی۔ نیلے رنگ کا بلب روشن ہو گیا ساتھ ہی فریدی کے منہ سے تحیر آمیز آواز نکلی.... حمید اُسے گھورنے لگا۔

"حمید ڈیئر۔" فریدی مضطربانہ انداز میں بولا۔ "یہ فوٹوگرافی کا ڈارک روم ہے۔ آخر یہاں نیلے بلب کا کیا کام۔ یہاں تو سرخ بلب ہونا چاہئے۔"

"خدا محفوظ رکھے سراغ رسانی سے۔" حمید بڑبڑایا۔ "کل صبح آپ پوچھیں گے ہائیں یہ آج سورج ٹیڑھا کیوں نکل رہا ہے۔"

فریدی نے اُس کی بکواس کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بڑے انہماک سے کمرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ آخر اُسے میز پر ایک سرخ بلب بھی مل گیا۔

"نیلا بلب....!" وہ اس طرح بڑبڑایا جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

حمید کو الجھن ہونے لگی۔ آخر اس مسئلے پر اتنے غور و خوض کی کیا ضرورت ہے ہو گی کوئی بات بھلا نیلے یا سرخ رنگ کے بلب سے عرفانی کے قتل کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ اور پھر عرفانی کو تو نیلے رنگ کا جنون تھا اُس کے رہائش کے کمرے کی ہر چیز نیلی تھی حتیٰ کہ شب خوابی کا لباس بھی نیلا ہوا کرتا تھا اگر اُسکے ڈارک روم میں نیلے رنگ کا بلب نظر آجائے تو اس کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے۔

اس نے فریدی کی طرف دیکھا جو اپنے ہونٹ اس طرح سکوڑے ہوئے تھا جیسے سیٹی بجانے کا ارادہ رکھتا ہو۔ دفعتاً خفیف مسکراہٹ اس کے چہرے پر نمودار ہوئی اور وہ کہنے لگا۔

"حمید اب ہمیں اس مکان میں ایک ایسی عینک تلاش کرنی چاہئے جس کے شیشے زرد رنگ کے ہوں۔"

"اور اگر نہ ملے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "تو بازار سے خرید کر یہاں رکھ دینی چاہئے تاکہ

عرفانی کی روح کو سکون مل سکے۔ بیچارہ جو ساری زندگی عینک کو ترستا رہا۔"

فریدی ڈارک روم میں رکھی ہوئی چیزوں کو الٹنے پلٹنے لگا۔ حمید چپ چاپ کھڑا اُسے عجیب نظروں سے گھور رہا تھا۔ فریدی کی باتیں اکثر بڑی بے ربط ہوا کرتی تھیں اور اُن کی چولیں ملانے کے سلسلے میں حمید کو باقاعدہ طور پر اختلاج ہونے لگتا تھا۔ اُسے ایسا محسوس ہوتا جیسے اس کا بھیجا کھوپڑی سے نکل آیا ہو۔ اس وقت وہ بڑے ضبط و تحمل سے کام لے رہا تھا ورنہ خود اس کی زبان سے اتنی بے ربط باتیں نکلتیں کہ فریدی بوکھلا جاتا۔

فریدی نے میز کی دراز کھولی۔

"گڈ....!" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ "عینک تو ہے.... خوب.... زرد رنگ....!"

وہ حمید کی طرف مڑا اور عینک اُس کے چہرے کے قریب لے جاتا ہوا بولا۔ "یہ وہی زرد رنگ کی عینک.... اب ہم کسی قابل ہو سکیں گے۔"

"ہمیشہ جوتیاں چٹخاتے رہیں گے۔" حمید جل کر بولا۔ "اگر آپ اتنا وقت برباد کرنے کی بجائے مجھ سے کہتے تو میں آپ کو ایک درجن ایسی عینکیں خرید دیتا۔"

"ہُم! شٹ اپ! آؤ اب چلیں۔" وہ عینک جیب میں ڈالتا ہوا بولا۔

"ارے ارے یہ کیا؟ عینک چرائیں گے آپ۔"

"اوہ....!" فریدی چونک کر بولا۔ "ٹھیک ہے اس کی ضرورت نہیں۔"

اُس نے عینک جیب سے نکال کر پھر میز کی دراز میں ڈال دی اور وہ دونوں کمرے سے باہر نکل آئے۔

بازار میں پہنچ کر فریدی نے کیڈیلاک ایک عینک ساز کمپنی کے سامنے روک دی۔

"یا خدا....!" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

فریدی اُسے لئے ہوئے دکان کے اندر آیا اور یہاں اس نے زرد شیشوں والی دو عینکیں طلب کیں۔

"بس آپ ہی شوق فرمایئے قبلہ۔" حمید بڑبڑایا۔ "خدا وہ دن نہ لائے کہ آپ کو سلیمانی کرسے کی تلاش ہو اُس سے پہلے ہی مر جانے کی تمنا کروں گا۔"

زرد شیشے کی عینک کا استعمال عام نہیں۔ اس لئے وہ انہیں اس دوکان میں تیار نہ مل سکی۔ گاہک کو جلدی تھی۔ اس لئے اس نے باقاعدہ مہم شروع کر دی۔ کبھی اس دکان میں اور کبھی اُس

دکان میں لیکن اسے مایوسی ہی کا منہ دیکھنا پڑا۔

"ہم اب تک خواہ مخواہ وقت برباد کرتے رہے۔" فریدی بڑبڑایا۔ "کھلونوں کی دکان ضرور مل جائے گی۔ بچوں کے لئے کئی رنگوں کی عینکیں بنتی ہیں۔"

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔" حمید بھنا کر بولا۔

"ایک ایسی عینک جس کے شیشے زرد ہوں۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"آخر کیوں؟"

"بعد کو بتاؤں گا۔"

"بہت بہتر....!" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "اور اگر میں اس دوران میں مر جاؤں تو راز میرے باپ کو بتا دیجئے گا۔"

"حمید بکو نہیں.... آؤ۔"

وہ سڑک پار کر کے فٹ پاتھ پر چڑھ ہی رہے تھے کہ کسی نے پیچھے سے حمید کو آواز دی۔ دونوں مڑے قاسم اپنی کار روک کر بوکھلائے ہوئے انداز میں اُتر رہا تھا وہ دونوں رک گئے فریدی ناگواری کے ساتھ کچھ بڑبڑا رہا تھا۔

قاسم آیا اور احمقوں کی طرح منہ کھول کر اُن کے قریب کھڑا ہو گیا۔ وہ کبھی حمید کو دیکھتا اور کبھی فریدی کو۔

"کیا بات ہے؟" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"میں تم سے خوش نہیں ہوں حمید بھائی۔" قاسم تھوک نگل کر بولا۔ "لیکن میں اس وقت پرانے جھگڑے نہیں چھیڑوں گا۔ کیونکہ میں نے ایک بھوت دیکھا ہے۔"

"بھوت....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "برف کا تو نہیں تھا۔"

"نہیں.... فریدی صاحب میں مذاق نہیں کر رہا ہوں میں نے انگریز جوتشی کے یہاں عرفانی کا بھوت دیکھا ہے۔"

"کیا....؟" فریدی اسے گھور کر رہ گیا۔ پھر جلدی سے اس کا شانہ تھپتھپا کر بولا۔

"میرے ساتھ آؤ۔"

وہ قریب کے ایک ریستوران میں چلے گئے۔

"ہاں کیا بات تھی۔" فریدی نے اطمینان سے بیٹھ جانے کے بعد قاسم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"جوتشی کے یہاں.... عرفانی....!"

"ٹھہرو.... کیا جیرالڈ سے تمہاری جان پہچان ہے۔"

"نہیں تو....!"

"پھر تم وہاں کیسے گئے تھے۔"

"اوہ.... وہ....!" قاسم شرما کر بولا۔ "یہی ذرا قسمت کا حال وال....!"

"خیر ہاں.... عرفانی کی کیا بات تھی۔"

"واپسی پر میں نے ایک کمرے میں عرفانی کی شکل کا ایک آدمی دیکھا تھا جو آرام کرسی پر لیٹا ہوا پی رہا تھا۔"

"عرفانی کو تم کیسے جانتے ہو۔"

"اوہ.... میں نے اخبار میں تصویر دیکھی تھی۔"

"تب پھر تمہیں دھوکا ہی ہوا ہوگا.... صرف تصویر دیکھ کر۔"

"مجھے یقین واثق ہے۔"

"واثق نہیں.... واثق.... بُوندد....!" حمید بیچ میں بول پڑا۔

"واثق....!" قاسم اُسے گھور کر غرایا۔ "میرے والد صاحب یہی بولتے ہیں۔"

"کیا تمہارے والد صاحب بابائے اردو ہیں۔" حمید نے کہا۔

"تم خود ہو گے بابائے اردو.... ذرا زبان سنبھال کر ہاں۔" قاسم ڈپٹ کر بولا۔

"بیکار باتیں نہیں.... حمید خاموش بیٹھو۔" فریدی نے کہا پھر قاسم سے بولا۔

"تمہیں دھوکا ہوا ہوگا۔"

"ہوا ہوگا سالا کچھ....!" قاسم کا موڈ بگڑ گیا تھا۔ "اپنی ایسی کی تیسی میں گیا عرفانی اور اس کا بھوت! ہاں حمید صاحب تم نے اس دن مجھے شراب کیوں پلائی تھی۔"

"کیا میں نے اپنے ہاتھ سے پلائی تھی۔"

"کہا تو تھا تم نے.... تم نے بہکایا تھا مجھے۔"

"میرے کہنے سے تم زہر پی لو گے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"ذرا کہہ کر تو دیکھو.... کیسی گت بناتا ہوں۔"

"اوں.... ہونہہ.... چھوڑو بھئی یہ جھگڑے۔" فریدی کافی کے لئے آرڈر دے کر بولا

"ہاں جیرالڈ نے کیا بتایا تھا تمہارا ہاتھ دیکھ کر۔"

قاسم نے جواب دینے کے بجائے شرما کر سر جھکالیا۔ کچھ دیر ناخن سے دانت کریدتا رہا پھر کنکھیوں سے دروازے کی طرف دیکھتا ہوا آہستہ سے بولا۔ "اس نے بتایا ہے! بیوی یہی رہے گی۔"

"تب تو تمہیں ضرور زہر پی لینا چاہئے۔" حمید نے کہا۔

"تم چپ رہو حمید بھائی.... الا قسم تمہاری طرف سے دل میں میل آگیا ہے اگر پلائی تھی تو.... وہاں چھوڑ کر چلے کیوں آئے تھے.... اگر میں بھی شرارت کروں تو۔"

"بھلا تم کیا شرارت کرو گے؟" حمید نے پوچھا۔

"میں کسی اخباری رپورٹر سے بتا سکتا ہوں کہ تم نے اس دن جوزف کی کار میں گھٹالا کر دیا اور اُسی دن وہ مر گیا۔"

"لیکن تم ایسا ہرگز نہیں کرو گے۔" فریدی اُسے گھور کر بولا۔

"نہیں کروں گا.... میں نے تو مثال کے طور پر کہا ہے۔ لیکن آپ حمید بھائی کو سمجھا دیجئے میری پیٹھ کی کھال اُدھڑ گئی ہے۔"

"کیوں....؟" فریدی نے حیرت سے کہا۔

"والد صاحب نے بندھوا کر ہنٹر سے خبر لی تھی۔"

"چہ چہ....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "حمید تم بڑے سور ہو۔ خبردار اب جو کبھی قاسم پریشان کیا۔"

"بیوی کے سامنے۔" حمید نے پوچھا۔

"بس زیادہ جان نہ جلاؤ۔ اگر بیوی کے سامنے پیٹا ہوتا تو میں تمہیں زندہ نہ چھوڑتا۔ ویسے وہ سالی میری کچھ حقیقت نہیں سمجھتی۔"

"واقعی نہ سمجھتی ہوگی اور نہ اس وقت تک سمجھے گی جب تک کہ تم کوئی بڑا کارنامہ انجام دو۔" حمید بولا۔

"کیسا کارنامہ....!" قاسم نے پوچھا۔

"ایسا جس سے تمہاری شہرت ہو۔" حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ "مثلاً تقریب فری اسٹائل کا دنگل شروع ہونے والا ہے تم کسی نامی پہلوان کو للکار دو۔"

"مجھے داؤں پیچ نہیں آتے۔"

"فری اسٹائل میں زیادہ داؤں پیچ نہیں ہوتے۔"

"مجھے کچھ بھی نہیں آتا۔"

"اگر سکھا دیا جائے تو۔"

"میں لڑ سکتا ہوں۔"

"ٹھیک تو.... فریدی صاحب تمہیں سکھا دیں گے۔"

"کیوں؟ آپ سکھا دیں گے۔" قاسم چہک کر بولا۔

"ہاں کسی وقت اطمینان سے آنا۔" فریدی نے کہا۔

"ویسے میں دھوبی پاٹ بڑی اچھی مارتا ہوں۔" قاسم بولا۔

"ہوں خیر.... دیکھا جائے گا۔ لیکن کیا تمہیں یقین ہے کہ اُس آدمی اور عرفانی میں کوئی مشابہت تھی۔"

"مشابہت کیا.... وہ ہو بہو عرفانی تھا۔ مجھے یقین ہے میں وہاں سے نکل کر سیدھا آپ کے یہاں گیا تھا۔ مگر آپ نہیں ملے تھے۔"

"تم نے کس وقت دیکھا تھا۔"

"تقریباً چار بجے۔"

"کسی اور سے تو اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔"

"نہیں.... کسی سے نہیں۔"

"اچھا تو اب کسی سے اس کا تذکرہ مت کرنا۔"

حمید کو الجھن ہونے لگی تھی وہ زرد رنگ کی عینک کے متعلق سوچ رہا تھا اور قاسم کی اس کہانی کی اُس کی نظر میں کوئی وقعت نہیں تھی۔

رنگ جاگتے ہیں

فریدی اور حمید آفس پہنچے ہی تھے کہ فریدی کو سپرنٹنڈنٹ کا پیغام ملا جو اپنے آفس میں اُس کا منتظر تھا۔

"سوپر کو شاید آپ سے پھر عشق ہو گیا ہے۔" حمید ہنس کر بولا۔

سپرنٹنڈنٹ نے بڑی خوش اخلاقی سے فریدی کا استقبال کیا۔

"فریدی صاحب۔" اُس نے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ عرفانی والا کیس آپ کو نہ مل سکا۔ حالانکہ میں نے بہت کوشش کی۔"

"میں آپ کا شکر گذار ہوں اور پھر اکیلے میں ہی تو نہیں ہوں اور بھی ہیں۔ میں دراصل اس وجہ سے دلچسپی لے رہا تھا کہ عرفانی سے میرے خاص قسم کے تعلقات تھے۔"

"آپ جیرالڈ سے خواہ مخواہ جا بھڑے۔" سپرنٹنڈنٹ نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

"نہیں! سوپر میں تو صرف جوزف کے سلسلے میں اُس سے ملا تھا اور ہماری گفتگو دائرہ اخلاق ہی میں رہی تھی۔"

"اُسے شاید کسی طرح علم ہو گیا تھا کہ آپ کے کچھ آدمی اسکے مکان کی نگرانی کر رہے ہیں۔"

"ہو گا....!" فریدی لاپروائی سے بولا۔ "میں اب اس میں دلچسپی نہیں لے رہا ہوں۔"

"کیس مسٹر آصف اور مسٹر سنگھ کے سپرد کر دیا گیا ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

"پتہ نہیں کیا چیز تھی جسے قاتل تلاش کر رہے تھے۔ معلوم نہیں وہ انہیں ملی یا نہیں۔"

"مل ہی گئی ہو گی۔"

سپرنٹنڈنٹ تیز نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا پھر ذرا سا مسکرا کر بولا۔ "کیا آپ اس سلسلے میں کچھ چھپا رہے ہیں۔"

"آپ کا خیال درست ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"یعنی....!"

"میں یہ چھپا رہا ہوں کہ قاتلوں کو وہ چیز نہیں ملی۔"

"آپ کو کیسے علم ہوا۔"

"اس طرح کہ کچھ لوگ ان بنکوں کی خاک چھانتے پھر رہے ہیں جن میں عرفانی کا اکاؤنٹ تھا۔ وہ خود کو عرفانی کا رشتہ دار ظاہر کر کے یہ بات معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ عرفانی نے کوئی چیز سیف کسٹڈی میں تو نہیں رکھوائی تھی۔"

"ممکن ہے وہ اس کے رشتہ دار ہی ہوں۔"

"جی نہیں ان کا صرف ایک بھتیجا ہے اور وہ بے چارہ ابھی تک خاموش ہی بیٹھا ہوا ہے۔"

"ہوں....!" سپرنٹنڈنٹ کی طویل "ہوں" خاموشی میں بدل گئی اور پھر اُس نے کچھ دیر بعد کہا "آپ کس نتیجے پر پہنچے ہیں۔"

"جوزف کی موت کے بعد سے معاملہ سنگین ہو گیا ہے۔" سپرنٹنڈنٹ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "وہ قاتلوں کا شریک کار تھا۔ آخر ایک انگریز کا عرفانی سے کیا تعلق۔"

"ٹھیک ہے۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔ "بہتیری باتیں قابل غور ہیں.... مثال کے طور پر ایک یہی کہ برنارڈ جیسے بدنام آدمی کو جیرالڈ کے یہاں کیا کام ہو سکتا ہے۔"

"کیا برنارڈ.... وہ.... اینگلو انڈین۔"

"جی ہاں وہی.... جیرالڈ کے بیان کے مطابق وہ بھی آج کل بدھ ازم سے بہت متاثر نظر آرہا ہے۔"

"مسٹر فریدی سچی بات تو یہ ہے کہ میں بھی....!" سپرنٹنڈنٹ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

فریدی نے پہلے تو اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھا پھر یک بیک اس طرح بے تعلق سا نظر آنے لگا جیسے اُسے اس کی ادھوری بات سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔

"بہر حال میں نے آپکو اس لئے تکلیف دی تھی کہ آپ آصف وغیرہ کی مدد کرتے رہیں۔"

"بھلا یہ کیونکر ممکن ہے.... جب کہ میں باضابطہ طور پر بے تعلق کر دیا گیا ہوں۔"

"بھئی اب کیا کیا جائے.... اوپر کے یہی احکام ہیں۔"

"ہاں اسی لئے کہہ رہا ہوں کہ جب اوپر والوں کو مجھ پر اعتماد نہیں رہا تو میں کیوں خواہ مخواہ دخل دوں۔"

"میں خود بھی.... جیرالڈ کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔" سپرنٹنڈنٹ آہستہ سے بولا۔

فریدی کچھ نہ بولا.... کچھ دیر سکوت رہا.... پھر فریدی نے کہا۔ "مجھے دوماہ کی رخصت چاہئے۔"

"اوہ.... تو اس کا مطلب یہ ہے کہ....!"

"نہیں میں اس کیس میں دلچسپی لینے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ مجھے آرام کی ضرورت ہے۔"

"لیکن چھٹی لینے سے تو افسران بالا یہی سمجھیں گے۔"

"سمجھا کریں مجھے آرام کی سخت ضرورت ہے اگر چھٹی نہ ملی تو میں استعفادے دوں گا۔"

"اوہو.... استعفا....!" سپرنٹنڈنٹ ہنسنے لگا۔ "تب تو ضرور کوئی خاص بات ہے۔"

"نہیں.... قطعی نہیں۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔ "میرے مخصوص اجازت نامے کی منسوخی میری سب سے بڑی توہین ہے۔ میرے جذبات شدت سے مجروح ہوئے ہیں۔"

"اوہ....!" سپرنٹنڈنٹ اُسے اس طرح دیکھنے لگا جیسے اس کی بات کے وزن کا اندازہ لگا رہا ہو۔ فریدی کا چہرہ پتھر کی طرح بے جان تھا۔

"آپ....!" سپرنٹنڈنٹ تھوڑے تامل کے بعد بولا۔ "درخواست لکھئے میں کوشش کروں گا۔"

فریدی کے استعفا کا معاملہ ہی ایسا تھا اُس کے محکمے کے لوگ تو دل سے چاہتے تھے کہ وہ کسی طرح محکمے سے الگ ہو جائے اس کی موجودگی میں افسران بالا تک احساس کمتری میں مبتلا رہتے تھے اور اُس کے ہم رتبہ لوگوں کا تو یہ عالم تھا کہ اُسے اپنی ترقی کی راہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ سمجھتے تھے۔

فریدی اچھی طرح جانتا تھا کہ اُسے رخصت نہ مل سکے گی اور ایسی صورت میں خاص طور پر اس میں رکاوٹیں ڈالی جائیں گی جب کہ اُس نے سبک دوش ہو جانے کی دھمکی دی ہو۔

فریدی اپنے کمرے میں واپس آگیا یہاں سرجنٹ حمید ایک نئی ٹائپسٹ لڑکی کو ٹافیاں کھلا رہا تھا۔ فریدی کو دیکھتے ہی اُس نے کہنا شروع کر دیا۔ "ہاں دیکھئے اس کی تین کاپیاں نکال لیجئے۔ فائل نمبر تین میں نیچے سے چوتھا ڈرافٹ.... بس جائیے۔"

لڑکی خود ہی فریدی کو دیکھ کر سراسیمہ ہو گئی تھی۔ حمید کا اشارہ پاتے ہی کھسک گئی۔ فریدی کو دیکھتے ہی آفس کی سبھی لڑکیاں حواس باختہ ہو جاتی تھیں اور اُس کے سامنے زبان کھولنے کی ہمت نہیں کر سکتی تھیں۔ اُس نے آج تک کسی ٹائپسٹ لڑکی کو براہ راست کوئی کام نہیں دیا تھا۔ اور نہ اُن سے کبھی گفتگو کرتا تھا اگر انہیں اس کا کوئی ڈرافٹ ٹائپ کرنے میں دشواری ہوتی تو وہ حمید کے وساطت سے کام بنالیا کرتی تھیں۔

"حمید! دوماہ کی چھٹی کی درخواست لکھو۔" فریدی نے آفس میں داخل ہوتے ہی کہا۔

"اُف فوہ.... آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔ ابھی پرسوں ہی تو اُس سے جان پہچان ہوئی ہے۔"

"بکو نہیں!.... میں نے سینکڑوں بار سمجھایا کہ آفس کی لڑکیوں سے فلرٹ نہ کیا کرو۔"

"تو پھر آپ ہی مجھے کوئی ایسی لڑکی تلاش کر دیجئے جس سے میں فلرٹ کر سکوں۔"

"ارے تو اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

"خوب رہی! گویا یونہی بیکار بیٹھے مکھی مارا کریں۔"

"میں کہتا ہوں درخواست لکھو۔"

"لکھتا ہوں۔" حمید پیڈ اٹھا کر سامنے رکھتا ہوا بولا۔ "بولئے کیا لکھ دوں۔"

"دوماہ کی رخصت کی درخواست۔"

"ارے تو لکھوں کیا....؟" حمید پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔ "لکھ دوں کہ کسی عزیز کو بیمار ڈال رہا ہوں یا میں خود ہی بیمار ہو کر مر جانا چاہتا ہوں۔"

"جو دل چاہے لکھ دو! ظاہر ہے کہ منظور تو ہو گی نہیں۔"

"ہائیں۔" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "پھر کاغذ خراب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"کیونکہ اس کے بعد پھر کاغذ خراب کریں گے استعفاء کے لئے۔"

"اوہ تو یہ بات ہے۔" حمید ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر یونہی بیٹھا رہا پھر ایک اور ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "میں آج رات کی گاڑی سے اللہ میاں کے یہاں جا رہا ہوں۔"

"تم بھی میرا وقت برباد کر رہے ہو۔"

"نہیں میں رخصت کی درخواست دے کر ملک الموت کو دعوت دے رہا ہوں۔" حمید بڑبڑاتا رہا اور اس کا قلم کاغذ پر چلتا رہا۔

"میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ.... آپ رخصت کی درخواست محض اس لئے دے رہے ہیں کہ کھلونوں کی دکان پر زرد رنگ کی عینک تلاش کر سکیں۔ میں شرط لگانے کو تیار ہوں کہ آپ اُن کے ساتھ جھن جھنے اور غبارے ضرور خریدیں گے۔"

درخواست لکھ کر اُس نے فریدی کی طرف بڑھا دی۔

"ہم دونوں کی طبیعت اس وقت ٹھیک نہیں ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "اس لئے ہم واپس جائیں گے۔"

حمید گھبرا کر اپنی نبض ٹٹولنے لگا۔

"اور ہم میں سے مرے گا کون پہلے۔" اس نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

فریدی اپنی میز پر بیٹھ کر درخواست لکھنے میں مشغول ہو گیا تھا۔ جب لکھ چکا تو اس نے حمید کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "عینکیں بن کر آگئی ہوں گی۔"

"اس قسم کی تو نہیں ہیں جیسی ہنٹر والی لگاتی تھی۔"

فریدی اس کی بات کا جواب دیئے بغیر سپرنٹنڈنٹ کے کمرے کی طرف چلا گیا۔

دو گھنٹے بعد وہ دونوں گھر میں تھے۔

حمید اپنے کمرے میں اوندھا پڑا.... شبلی کی ایک نظم انگریزی لے میں گنگنا رہا تھا۔ سرہانے کی گول میز پر اُس کی پالتو چوہیا پچھلی ٹانگوں پر پھدک رہی تھی۔

اچانک فریدی کمرے میں داخل ہوا وہ اپنی اوپری منزل والی تجربہ گاہ سے آیا تھا۔ حمید نے اٹھا کر اس کی طرف دیکھا.... فریدی کا چہرہ سرخ تھا اور اس کی آنکھوں میں وہی پرانی دمک چمک تھی جو اُس کی کسی کامیابی پر دلالت کرتی تھی۔

"اٹھو! فرزند....!" وہ مخصوص فاتحانہ انداز میں مسکرا کر بولا۔ "ورنہ تمہیں افسوس ہوگا۔"

"کوئی خاص بات۔"

"وہی زرد عینک....!"

"اوہ....!"

"آؤ.... اٹھو۔"

فریدی اُسے تجربہ گاہ میں لے آیا پھر وہ اُس مخصوص حصے میں آئے جہاں فریدی نے فلم دھونے کے لئے ڈارک روم بنا رکھا تھا۔ ڈارک روم میں نیلے رنگ کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

"آپ کے ڈارک روم میں بھی نیلا بلب....!" حمید بڑبڑایا۔

فریدی نے میز پر سے دوسری زرد عینک اٹھا کر حمید کی آنکھوں پر لگا دی۔

"واہ.... واہ....!" حمید بچوں کی طرح تالیاں بجا کر بولا۔ "اے سبحان اللہ فریدی صاحب

ارے یہ روشنی تو سبز ہو گئی.... کمال ہے۔"

"بکو مت....! فرزند ابھی تمہاری آنکھیں نکل پڑیں گی۔" فریدی نے کہا "اُدھر دیکھو.... یہ کیا ہے۔"

"وہی نامراد ڈائری۔"

"اب دیکھو....!"

دفعتاً حمید کے منہ سے حیرت کی چیخ نکل گئی۔ ڈائری کے پہلے ہی صفحہ پر تحریر نظر آ رہی تھی۔ کتھئی رنگ کی تحریر۔ حروف کے کناروں پر پیلا رنگ جھلکیاں مار رہا تھا۔ حمید نے چشمہ اُتار دیا۔ اب وہی صفحہ بالکل سپاٹ پڑا تھا۔ تحریر کیا کوئی ہلکا سا نقش بھی نہیں نظر آ رہا تھا۔ کاغذ کی سطح نیلی روشنی کی وجہ سے نیلی دکھائی دے رہی تھی۔ حمید نے پھر چشمہ لگا لیا۔ کاغذ کی سطح کی نیلی رنگت سبزی میں تبدیل ہو گئی اور کتھئی رنگ کی تحریر.... حمید کا دماغ چکرا گیا.... فریدی صفحات الٹتا رہا۔ تحریر قریب قریب ڈائری کے آدھے صفحات میں پھیلی ہوئی تھی۔

"اب بتاؤ....!" فریدی ڈائری بند کر کے بولا۔ "کیا میں پاگل تھا.... بولو۔"

"لیکن جناب! لیکن آپ ہر معاملے کی شروعات پاگل پن ہی سے کرتے ہیں۔ اگر پہلے ہی یہ بتا دیا ہوتا.... تو کیوں....؟"

"پہلے مجھے بھی یقین نہیں تھا۔ بچپن کی ایک بھولی بسری یاد کے سہارے یہ سب کچھ کرتا چلا گیا۔"

"بھولی بسری یاد سے کیا مطلب۔"

"اسے پڑھو! خود ہی معلوم ہو جائے گا۔" فریدی نے ڈائری اُس کی طرف بڑھا دی۔

حمید پڑھنے لگا۔ "کمال میاں! تمہیں تاش کے پتے اور سادی ڈائری دیکھ کر حیرت تو ضرور ہوگی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ تم اس کی تہہ تک ضرور پہنچ جاؤ گے۔ خفیہ تحریر کا یہ طریقہ میں نے اور تمہارے والد مرحوم نے ایجاد کیا تھا۔ تم اس وقت بہت چھوٹے تھے۔ لیکن مجھے توقع ہے کہ تمہارے والد نے تم سے اس کا تذکرہ ضرور کیا ہوگا۔ تعلیمی تاش کے یہ پتے پُر اسرار ہیں۔ میں ان کی وجہ سے بڑی مصیبت میں پڑ گیا ہوں کچھ لوگ انہیں حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ میرے پاس کیا ہے ان تاشوں سے دراصل ان کا کوئی راز وابستہ ہے۔ اس دوران میں کئی بار مجھ پر حملے بھی ہو چکے ہیں لیکن میں بچتا ہی رہا۔ اج نہ جانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ

یہ میری زندگی کا آخری دن ہے لہٰذا میں اس طریقے سے ان چیزوں کو تم تک پہنچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ میری داستان طویل ہے اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے کہاں سے شروع کروں.... بہر حال تمہیں یاد ہوگا۔ دو تین ماہ قبل کی بات ہے پولیس کو ایک عجیب و غریب کیس سے واسطہ پڑا تھا۔ بات یوں تھی کہ واکر اسٹریٹ میں ایک آدمی پیدل جا رہا تھا۔ اچانک ایک کار اُس کے قریب سے گذری اور کار سے اس پر کسی نے گولی چلائی۔ پیدل چلنے والا سڑک کے کنارے گر گیا۔ راہ گیر سمجھے کہ اُسے گولی لگی ہے جب کار واکر اسٹریٹ سے دوسری سڑک پر مڑ گئی تو گرنے والا اٹھ بیٹھا۔ اُس کے گرد بھیڑ لگ گئی لوگوں نے پوچھ گچھ شروع کی۔ لیکن وہ سرے ہی سے اس بات کا منکر تھا کہ اُس پر گولی چلائی گئی تھی۔ اُس نے گرنے کا سبب ایک قسم کا دورہ بتایا جس کا وہ عرصے سے شکار تھا ہر کس و ناکس نے گولی چلانے کی آواز سنی تھی اور کار کی کھڑکی کے آگے دھواں بھی لہراتا دیکھا تھا۔ ڈیوٹی کانسٹیبل بھی گواہ تھا لیکن گرنے والا فائر کرنے والے خیال کا مضحکہ اڑاتا رہا اُس نے یہ بات کسی طرح نہ تسلیم کی کہ اس پر گولی چلائی گئی تھی۔ اتفاق سے میں بھی جائے واردات پر موجود تھا مجھے بڑی حیرت ہوئی بہر حال میں نے اُس آدمی کو نظر پر چڑھا لیا میں نے نہ صرف اُس کی جائے قیام کا پتہ لگا لیا بلکہ اُس سے جان پہچان بھی پیدا کر لی۔ وہ ہر طرح سے ایک پُر اسرار آدمی تھا اُس کے متعلق اُس کے پڑوسیوں کو بھی کچھ نہیں معلوم تھا۔ حتیٰ کہ وہ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ اُس کا ذریعہ معاش کیا تھا۔ رفتہ رفتہ مجھے اُس کے بعض حالات کا علم ہوتا گیا۔ وہ ایک ریٹائرڈ فوجی آفیسر تھا اور اُس نے دوسری جنگ عظیم میں بہتیرے نمایاں کارنامے انجام دیئے تھے اور پھر میں نے اس کے ملنے جلنے والوں میں کئی مشتبہ آدمی دیکھے ایسے آدمی جن کے متعلق جنگ کے دوران میں شبہہ کیا جا رہا تھا کہ وہ دشمنوں کے ہاتھ اہم ترین فوجی راز بھیجا کرتے تھے۔ پولیس کا خیال بھی یہی تھا لیکن ان لوگوں کے خلاف ٹھوس قسم کے ثبوت نہیں حاصل کر پائی تھی۔ بہر حال یہ دیکھ کر میرا ذوق تجسس پوری طرح بیدار ہو گیا۔ اس پراسرار آدمی سے میری گہری دوستی ہو گئی تھی اور میں نے اس سے اپنے بارے میں بھی سب کچھ صحیح صحیح بتا دیا لیکن اس کو اس بات کی ہوا بھی نہ لگنے دی کہ میں نے اس سے کیوں راہ و رسم پیدا کی ہے۔

داستان طویل ہے میں اسے مختصر کرنے کی کوشش کر رہا ہوں ہو سکتا ہے کہ اس کو شش

میں کوئی ضروری تفصیل رہ جائے.... میں نے تمہیں اس کا نام تو بتایا ہی نہیں۔ اس کا نام شیکھر تھا اور وہ ڈینٹ محل کی نچلی منزل کے تیسرے فلیٹ میں تنہا رہتا تھا۔ ایک رات میں اُس سے ملنے کے لئے گیا۔ فلیٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا میں بے دھڑک اندر چلا گیا۔ اچانک وہ مجھے فرش پر اوندھا پڑا ہوا دکھائی دیا۔ اُس کی پیٹھ سے خون ابل رہا تھا اور اُس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ ہونٹ ہل رہے تھے اس نے نحیف آواز میں مجھ سے کہا کہ اُسے اٹھا کر پلنگ پر ڈال دوں۔ اُس نے نہ تو مجھے پولیس کو مطلع کرنے دیا اور نہ طبی امداد ہی کے لئے تیار ہوا۔ پھر اُس نے اٹک اٹک کر مجھے ایک طویل داستان سنائی وہ ایک خطرناک گروہ سے تعلق رکھتا تھا اور اُسی کے بیان کے مطابق اُس گروہ کے عزائم بہت ہی بھیانک تھے لیکن اس نے ان عزائم کا تذکرہ نہیں کیا۔ دل تو چاہتا تھا کہ میں اس کی داستان اسی کے الفاظ میں لکھوں اور اسی ترتیب کے ساتھ۔ لیکن خود میری زندگی کی گھڑیاں گنتی نظر آ رہی ہیں۔ بہر حال اس نے جو کچھ بتایا اُس کا ماحصل یہ ہے کہ وہ گروہ بہت بڑا اور انتہائی خطرناک ہے۔ گروہ کے لوگوں کی آپس میں دشمنیاں بھی ہو جاتی ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو مار بھی لیتے ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی تنظیم سے غداری نہیں کرتا۔ کبھی کسی نے پولیس کو اس کی اطلاع نہیں دی۔ اُس نے بتایا کہ وہ بھی اسی قسم کے ایک حادثے سے دوچار ہوا ہے۔ لیکن وہ بڑا پریشان خاطر تھا۔ اُس نے کہا کہ وہ صاف صاف تو اُس گروہ کا پتہ نشان نہیں دے سکتا کیونکہ اس نے رازداری کی قسم کھائی تھی لیکن وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ وہ گروہ دنیا پر تباہی لائے۔ اُس نے مجھ سے ٹیلی فون کا پیکٹ اٹھانے کو کہا جو سامنے ہی میز پر پڑا ہوا تھا۔ پھر اُس نے سارے پتوں میں سے چار پتے نکال کر مجھے دیئے اور کہا کہ انہیں پتوں کے ذریعے میری رسائی اُس گروہ تک ہو سکتی ہے۔ ان پتوں میں سب کچھ ہے اُس کی ہدایت تھی کہ میں انہیں سمجھنے کی کوشش کروں۔ ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ایک آدمی آ گیا اور شیکھر اُسے دیکھتے ہی جوش میں بھر گیا اُس کے منہ سے عجیب طرح کی آوازیں نکلنے لگیں پھر اُس نے چیخ کر مجھ سے چلے جانے کو کہا اور کہا کہ میں اُس چیز کو حفاظت سے رکھوں ایک دن انصاف ہو جائے گا۔ میں چلا آیا.... دوسرے دن کے اخبارات میں ڈینٹ محل سے برآمد ہونے والی ایک لاش کی خبر تھی.... اُسی دن سے مجھ پر حملے ہونے شروع ہو گئے۔ انہیں اُس چیز کی تلاش ہے جو اُس مرتے ہوئے آدمی نے مجھے دی تھی۔ خدا کرے یہ دونوں چیزیں تم تک بحفاظت پہنچ جائیں۔ میں تو کچھ بھی نہیں سمجھ سکا۔"

حمید نے ڈائری بند کر دی۔ اور تھوڑی دیر کے لئے کمرے میں سناٹا چھا گیا۔

"کئی باتیں رہ گئیں۔" بالآخر فریدی بولا۔ "نہ تو اُن مشتبہ آدمیوں کے نام ہیں جو شیکھر سے ملنے رہتے تھے اور نہ اُس شخص کے متعلق وضاحت ہے جو آخیر وقت میں شیکھر کے فلیٹ میں آیا تھا۔"

"شیکھر کی لاش پندرہ دن قبل ملی تھی شاید۔" حمید نے کہا۔

"ہاں لیکن اُس کے فلیٹ سے کوئی ایسی چیز نہیں برآمد ہوئی تھی جو پُراسرار ہوتی۔"

"آخر یہ کس قسم کا گروہ ہے.... اور وہ خوفناک عزائم کیا ہیں۔"

فریدی کچھ نہیں بولا۔ اُس کی آنکھیں خلاء میں گھور رہی تھیں۔

دوسرا حصہ

کڑکڑاتی ہڈیاں

انور اور رشیدہ کیفے کاسینو میں شام کی چائے پی رہے تھے۔ انسپکٹر آصف بھی تھا.... اور آ وہ کچھ بجھا بجھا سا نظر آرہا تھا۔ غالباً اس کی وجہ وہ ناکامی تھی جو دن بھر کی دوڑ دھوپ کے باوجود اُس کے حصے میں آئی تھی۔

"مجھے یقین ہے۔" آصف گلا صاف کر کے بولا۔ "فریدی کوئی خاص بات جانتا ہے جس تذکرہ اُس نے سرکاری رپورٹ میں نہیں کیا۔"

"کرتے بھی کیا۔" انور کیک کا ایک بڑا سا ٹکڑا نگلتا ہوا بولا۔ "سرکاری رپورٹیں تو ردی بھاؤ بکا کرتی ہیں۔"

"انور تمہاری مدد کے بغیر میں ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔"

"مائی ڈیئر اولڈ آصف....!" انور آہستہ سے بولا۔ "وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن میں اپنا قرض طرح ادا کروں۔"

"پھر اڑے تم....!"

"میں سچ کہہ رہا ہوں.... اس ماہ میں تین سو کا مقروض ہو گیا ہوں۔"

"میں بھی آج کل تنگ دست ہو رہا ہوں۔" آصف بڑبڑایا۔

"پھر بھلا بتاؤ میں تمہاری مدد کس طرح کر سکتا ہوں۔ اگر تمہاری مدد کرتا ہوا کام آ گیا تو میرے قرض خواہ روز قیامت مجھے خون اور پیپ کی کاک ٹیل پلوا دیں گے۔"

"تو تم صاف انکار کرتے ہو۔"

"نہیں پیارے! میں تو دل و جان سے تمہاری خدمت کیلئے حاضر ہوں۔ مگر میرا قرض۔"

"رشیدہ تم سمجھاؤ۔" آصف کھسیایا۔

"بھلا میری کون سنے گا۔" رشیدہ بولی۔

"خدا سنے گا تمہاری۔ تم کچھ سناؤ بھی تو۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔

"اچھا سنو!" آصف نے انور کو گھورتے ہوئے کہا۔ "اگر مدد نہیں کر سکتے تو یہی کرو کہ فریدی کے لئے اس کیس میں کوئی کام نہ کرنا۔"

"مگر میں نے تو سنا ہے کہ یہ کیس انہیں نہیں دیا گیا۔"

"یہی نہیں بلکہ آصف مخصوص اجازت نامہ بھی کینسل کر دیا گیا ہے۔"

"تب پھر....!"

"نہیں وہ اپنی ٹانگ ضرور اڑائے گا۔"

"تو پھر آصف صاحب مجھ میں تو اتنا دم نہیں کہ میں اُن کی ٹانگ ہٹا دوں۔"

"تم اس کے لئے کام نہیں کرو گے۔"

"لیکن انہوں نے اگر میرا قرض ادا کر دیا تو میں مجبور ہو جاؤں گا۔"

"قرض....!" آصف اُسے گھور کر رہ گیا۔

"صرف تین سو ہیں زیادہ نہیں۔"

"تو تم باز نہیں آؤ گے اچھا دیکھ لوں گا.... کبھی مجھ سے بھی کوئی کام پڑے گا۔"

"یار آصف بور مت کرو۔ میں ویسے ہی پریشان ہوں۔"

پھر انور نے رشیدہ کو اشارہ کیا کہ وہ اٹھ کر چلی جائے۔ رشیدہ چند لمحے اِدھر اُدھر دیکھتی رہی پھر اٹھ کر چلی گئی انور چائے ختم کر چکا تھا وہ ایک سگریٹ سلگا کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ آصف اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"تم جوزف کی بیوی سے ملے تھے۔" انور نے آصف سے پوچھا۔

"ملا تھا.... لیکن اس عورت سے کچھ معلوم کر لینا انتہائی دشوار ہے۔"

"اگر میں اس سے کچھ معلوم کر لوں تو تم مجھے کتنا معاوضہ دو گے۔"

"مگر میں اُس سے کچھ نہیں معلوم کرنا چاہتا۔" آصف جلدی سے بول پڑا۔

"پھر تم مجھ سے کس قسم کی مدد چاہتے ہو۔"

"بات یہ ہے کہ۔" آصف قدرے ہچکچاہٹ کے ساتھ بولا۔ "فریدی سے تمہارے تعلقات اچھے ہیں تم اُس سے کسی طرح وہ بات معلوم کر لو جو اُس نے سرکاری رپورٹ میں نہیں لکھی۔"

"مجھے معلوم ہے وہ بات۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا....؟" آصف ہمہ تن اشتیاق بن گیا۔

"سرکاری رپورٹ میں انہوں نے یہ نہیں لکھا کہ وہ تمام عمر کنوارے رہنے کی قسم کھا چکے ہیں۔"

"انور بچپنا مت کرو.... میں آج بہت پریشان ہوں۔"

"اگر تم واقعی پریشان ہو تو میں تمہیں یہ مشورہ دوں گا.... مگر میں بغیر معاوضہ لئے کوئی مشورہ نہیں دیتا.... آصف صاحب مجھے افسوس ہے۔" انور نے کہا۔

"اوہ.... یہ رشیدہ کہاں چلی گئی۔" دفعتاً وہ چونک کر بولا۔ "مسٹر آصف ایک منٹ.... ذرا دیکھ لوں رشیدہ کہاں چلی گئی۔"

انور کے جانے کے بعد آصف اونگھتا رہا۔ اس دوران میں بیرا بل رکھ کر چلا گیا اور آصف خبر تک نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ چونکا۔ گھڑی پر نظر ڈالی۔ انور کو گئے ہوئے پندرہ بیس منٹ ہو چکے تھے۔ پہلے تو آصف نے اُسے کوئی اہمیت نہ دی لیکن پھر بُری طرح چونکا اور ساتھ ہی کی نظر بل پر پڑ گئی پھر یہ حقیقت اس پر روشن ہو گئی کہ بل کے دام اسی کو ادا کرنے پڑیں گے اور رشیدہ چکمہ دے کر نکل گئے حالانکہ خود انور ہی نے آصف کو چائے کی دعوت دی تھی۔

آصف نے طوعاً و کرہاً بل کے دام چکائے اور ایک مفلوج آدمی کی طرف بدن ڈھیلا چھوڑ کر سی کے ایک طرف جھک گیا۔ اُسے آج کے منحوس دن پر غصہ آ رہا تھا۔ کیونکہ آج صبح ہی اُسے برابر ہر جگہ چوٹ ہو رہی تھی.... اور انور نے تو تابوت میں آخری کیل بھی ٹھونک دی اب وہ تنہا بیٹھ کر مکھیاں تو مار نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ کیفے کا سینو ایک صاف ستھری جگہ لہٰذا آصف کو چھاتی پر صبر کی سل رکھنی ہی پڑی۔

انور کی موٹر سائیکل کی رفتار کنگس لین میں داخل ہوتے ہی کم ہو گئی سولہ نمبر کی کوٹھی کے سامنے وہ رک گیا چند لمحوں کے بعد وہ برآمدے میں لگی ہوئی گھنٹی بجا رہا تھا۔ دروازہ خود پیملیا نے کھولا۔ انور اُسے پہچانتا نہیں تھا اُس نے اپنا کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "مجھے مسز پیٹر سے ملنا ہے۔"

"اوہ....!" پیملیا کارڈ کی طرف دیکھ کر بولی۔ "کرائم رپورٹر....!"

پھر وہ خالی خالی نظروں سے اُس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

"کیا چاہتے ہو۔" اُس نے آہستہ سے پوچھا۔

"تمہیں اس سے کیا سروکار....!" انور خشک لہجے میں بولا۔

پیملیا اس وقت خانگی لباس میں تھی اور انور یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مکان کی مالکہ خود ہی گھنٹی کے جواب میں دروازے تک آئی ہو گی بہرحال وہ اسے خادمہ نہیں تو پیملیا کی سیکریٹری ضرور سمجھا تھا۔

"میں ہی مسز پیٹر ہوں۔" پیملیا آہستہ سے بڑبڑائی۔

"اوہ معاف کیجئے گا۔" انور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ "مسٹر جوزف بڑے اچھے آدمی تھے میں ان کی سوانح حیات شائع کرنا چاہتا ہوں۔"

"مگر اُن پر بھی تو ایک قتل کا الزام تھا۔" پیملیا نے مردہ سی آواز میں کہا۔

"مجھے اس کہانی پر یقین نہیں۔" انور نے کہا۔ "یہاں کی پولیس ناکارہ اور کام چور ہے۔ سو میں پچھتر کیس ایسے ہوتے ہیں جن میں وہ یا تو دھوکا کھاتی ہے یا اپنی آسانی کے لئے جان بوجھ کر فرضی کہانیاں گھڑ لیتی ہے۔ مجھے پیٹر سے ہمدردی ہے کیونکہ وہ میرا دوست تھا۔"

"اوہ.... اندر آ جایئے۔" پیملیا کی آواز بڑی رسیلی تھی۔

انور اندر چلا گیا۔ وہ نشست کے کمرے میں آئے۔

"میں یہ بھی سمجھتا ہوں۔" انور کہہ رہا تھا۔ "پیٹر قتل کیا گیا ہے.... اور اس میں کسی آدمی کا ہاتھ ہے۔ درندے کی داستان بھی فرضی ہی معلوم ہوتی ہے۔"

"مگر مسٹر انور وہ بال میں نے بھی دیکھے تھے۔"

"ان کی کوئی اہمیت نہیں۔ پولیس کو غلط راستے پر ڈالنے کے لئے ایسے نشانات بڑی آسانی سے مہیا کئے جاسکتے ہیں۔"

پیملیا کچھ نہ بولی۔ وہ انور کے صحت مند جسم کا جائزہ لے رہی تھی اور اس کی آنکھیں بار بار اس کے خوبصورت چہرے پر جم جاتی تھیں.... انور کہہ رہا تھا۔ "مسز پیٹر.... اگر آپ میری تھوڑی بہت مدد کریں تو.... قاتل کا سراغ مل سکتا ہے.... اور آپ کو کرنا چاہئے۔"

"لیکن ہم کبھی نہیں ملے۔" پیملیا حیرت سے بولی۔

"یہ ایک افسوس ناک اتفاق ہے۔ میں نے اس کے لئے بہتیری تعلیمات کا ترجمہ کیا تھا۔ پیٹر آپ سے بہت محبت کرتا تھا اکثر کہا کرتا تھا کہ بدھ ازم ترک کی تعلیم دیتا ہے۔ لیکن میں پیملیا کے علاوہ سب کچھ ترک کر سکتا ہوں۔"

"اوہ....!" پیملیا کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔

"آپ خود کو سنبھالئے ہمیں پیٹر کے قاتل سے انتقام لینا ہے۔" انور بولا۔ "میں اسی لئے آیا ہوں کہ آپ کو باہر لے جاؤں۔ اگر آپ سوگ میں پڑیں تو یہ پیٹر کی روح سے دشمنی ہوگی ہمیں اُس کے قاتل کو ڈھونڈنا ہے۔"

"مگر مسٹر.... آپ....!" وہ اُس کے ملاقاتی کارڈ کی طرف دیکھ کر بولی۔ "مسٹر انور.... میں کسی پر اعتماد نہیں کر سکتی۔ میں اس دیس میں آکر لٹ گئی ہوں.... تباہ ہوگئی۔"

"ٹھیک ہے۔" انور نے کہا۔ "اتنی جلدی کسی پر بھی اعتماد نہیں کرنا چاہئے لیکن میں آپ اپنی اور پیٹر کی ایک یادگار تصویر دکھاؤں۔"

انور نے اپنے جیب سے ایک لفافہ نکالا اور اس میں سے ایک تصویر نکال کر پیملیا کی طرف بڑھادی۔

اس میں جوزف پیٹر اور انور ایک ہی میز پر بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ پیٹر انور کی طرف پیسٹریوں کی پلیٹ بڑھا رہا تھا اُس کے ہونٹوں پر بے تکلفانہ انداز کی مسکراہٹ تھی انور نے اس تصویر پر بڑی محنت کی تھی اسے اُس نے ایک فوٹوگرافر کی دکان سے حاصل کیا تھا۔ حقیقتاً تصویر میں پیٹر کے ساتھ انور کی بجائے کوئی اور تھا انور نے بڑے فنکارانہ انداز میں اس کی تصویر اڑا کر کے اپنی فٹ کی تھی۔ بہرحال یہ سب کچھ اتنے سلیقے سے کیا گیا تھا کہ کوئی بڑے سے بڑا

بھی اسے کیمرہ ٹرک نہیں کہہ سکتا تھا۔

"یہ کب کی تصویر ہے۔" پیملیا نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"اوہ یہ ہماری.... آخری ملاقات ہے۔" انور مغموم لہجے میں بولا۔ "پیٹر میرے دفتر میں آیا تھا.... اور اسٹاف فوٹوگرافر نے وہیں ہماری تصویر لی تھی افسوس.... وہ کام نہ ہو سکا۔ ہم دونوں نے کرائسٹ اور مہاتما بدھ کی ملتی جلتی تعلیمات کا ذخیرہ اکٹھا کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔

"اوہ....!" پیملیا کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔

❁

اُسی رات کو انسپکٹر فریدی اور سرجنٹ حمید نے.... انور اور پیملیا کو آر لکچو میں رمبا ناچتے دیکھا۔ پیملیا کے گداز جسم کی بوٹی بوٹی تھرک رہی تھی۔

"ہائیں....!" حمید آنکھیں نکال کر سر کھجاتا ہوا بولا۔ "اس کا کیا مطلب۔"

"اسکا یہ مطلب ہے کہ انور واقعی بڑا ذہین ہے وہ بھی اُسی نتیجے پر پہنچا ہے جس پر میں پہنچا تھا۔"

"آپ دونوں غلط ہیں۔" حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "لیکن ٹھہریئے۔ میں ابھی اس کی ساری ذہانت خاک میں ملا دیتا ہوں کیا آپ نے اُسے شریک کر لیا ہے۔"

"ابھی تک تو نہیں.... جب ضرورت سمجھوں گا دیکھا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اب ہم محکمے کے آدمیوں سے کوئی مدد نہ لے سکیں گے۔"

"شکریہ.... میں ابھی آیا۔"

حمید کو یاد آگیا کہ اُس نے رشیدہ کو کیفے ڈی سائپرلیس میں دیکھا تھا۔ جو آر لکچو سے زیادہ دور نہیں تھا۔

وہ فریدی کو وہیں چھوڑ کر اُس کی تلاش میں نکل گیا۔

پھر اُسے رشیدہ کو آر لکچو تک لانے میں دشواری نہیں ہوئی اس نے دوبارہ ٹکٹ خریدے اور رشیدہ سمیت رنگ ہاؤز میں داخل ہو گیا۔

رقص شباب پر تھا۔ حمید نے انور اور پیملیا کی طرف اشارہ کیا۔ رشیدہ اپنا نچلا ہونٹ چبانے لگی۔

"اُف فوہ....!" وہ بڑبڑائی۔ "آخر یہ انور مجھ پر ہی یہ کیوں ظاہر کرتا ہے کہ اُسے عورتوں سے نفرت ہے۔"

"اب تم ہی سمجھو۔" حمید لاپروائی سے بولا۔ "اس کے برخلاف میں تم سے اتنی....!"

"آپ اپنی بات تو رہنے ہی دیجئے۔" رشیدہ چڑ کر بولی۔

"کاش تم میرے دل کے درد کو سمجھ سکتیں....!" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"زیادہ رومانی بننے کی کوشش نہ کرو۔" رشیدہ کی نظریں بدستور انور اور اس کی ہم رقص پر جمی رہیں۔

"کیا میں تم سے رقص کی درخواست کر سکتا ہوں۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"لیکن وہ ہے کون۔" رشیدہ حمید کی طرف مڑی۔

"پتہ نہیں.... تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔"

"میں رقص کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"رشو ڈیئر۔"

"اے.... دیکھو تم مجھے اس طرح مخاطب نہ کیا کرو۔"

"آچ.... اچھا....!" حمید نے دفعتاً اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا اور وہ دونوں رقص کرنے والوں کی بھیڑ میں آگئے۔ رشیدہ جھنجھلا کر حمید کے شانے پر چٹکیاں لے رہی تھی۔

"رشو! تم چاندنی ہو۔" حمید آہستہ سے اُس کے کان میں بولا۔

"میں تمہیں یہیں گرا کر ماروں گی۔"

وہ انور اور اس کی ہم رقص کے قریب سے گذر رہے تھے۔

"دوسروں پر ڈاکہ ڈالنے سے پہلے ہی آدمی لٹ جاتا ہے۔" حمید اتنے زور سے بولا کہ موسیقی کے شور کے باوجود بھی انور نے سن لیا۔ وہ مڑ مڑ کر انہیں گھور رہا تھا۔

"یہ رقابت کا معاملہ تو نہیں۔" رشیدہ بولی۔

"لاحول.... میں تو اُسے جانتا بھی نہیں۔" حمید نے کہا۔ "لیکن ذرا انور کو دیکھو تمہیں دیکھ لینے کے باوجود بھی اس طرح نظر انداز کر رہا ہے جیسے تمہیں جانتا ہی نہیں۔"

"تو اس سے کیا ہوا۔"

حمید چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اب انور اور اس کی ہم رقص نظر نہیں آرہے تھے۔ غالباً وہ آگے بھیڑ میں تھے۔

"کاش....!"

"میں اب کچھ نہیں سنوں گی۔" رشیدہ جھنجھلا کر بولی۔ "مجھے الو نہ بناؤ۔"

"اوہو! اتنی حسین عورت اُلو کیسے بن سکتی ہے.... ویسے میں تم پر اُلو کا میک اپ ضرور کر سکتا ہوں۔"

"ہاں بس تم ایسی ہی باتیں کیا کرو۔" رشیدہ مسکرا کر بولی۔ "رومانی بننے کی کوشش کرتے ہو تو گدھے نظر آنے لگتے ہو۔"

"مگر مجھے اپنا گدھا پن ہی اچھا لگتا ہے۔ گدھے بھی پسند ہیں.... کیونکہ نہ تو وہ شعر کہتے ہیں اور نہ وقت بے وقت بور کرتے ہیں۔ گدھا تو بڑی عظیم تخلیق ہے۔ رشو ڈیئر! اگر تم کسی گدھے سے شادی کر لو تو۔"

"بکو نہیں....!" رشیدہ بگڑ گئی۔

"گدھے بڑے سعادت مند شوہر ثابت ہو سکتے ہیں۔ بلکہ میں تو بعض اوقات یہ سوچنے لگتا ہوں گدھے کو شوہر ہی کیوں نہیں کہا جاتا۔"

"حمید.... مجھے جانے دو۔" رشیدہ نے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا۔ مگر حمید کی گرفت مضبوط ہو گئی۔

"کیوں.... اپنا مذاق اڑاؤ گی۔ میں تو بہت ہی بے حیا قسم کا آدمی ہوں۔ اگر تم مجھے مار بھی بیٹھو گی تو.... جانتی ہو کیا ہو گا۔"

"کیا ہو گا....؟"

"لوگ مجھے تمہارا شوہر سمجھیں گے۔ گدھے چوں بھی نہیں کرتے۔"

رشیدہ کچھ نہ بولی۔ وہ چپ چاپ حمید کے ساتھ رینگتی اور تھرکتی رہی۔ اُس کے پیر غلط پڑ رہے تھے لہٰذا اسے رینگنا اور تھرکنا ہی کہا جا سکتا ہے۔

"رشو ڈیئر۔" حمید نے پھر چھیڑا۔ "یقیناً تمہیں دکھ ہوا ہو گا۔ مجھے افسوس ہے۔"

"کیا بک رہے ہو تم۔ مجھے کیوں ہو گا افسوس....! کیا میں انور کی بیوی ہوں۔"

"مگر.... وہ.... مم....!"

"بس زبان بند! ہم صرف دوست ہیں۔"

"ابسن کی Un Womanly Woman بننے کی کوشش نہ کرو۔ وہ سب بکواس ہے۔"

"اوہو! تو اب تم مجھ پر اپنے مطالعہ کا رعب ڈال رہے ہو۔" رشیدہ ہنس کر بولی۔

"لیکن تم اُلو ہو.....!"

"افسوس اے حور روش اوپری تمثال وائے عشوہ گرو آگیا بیتال..... میں، تم سے مم.....!"

"شٹ اپ..... میرا مضحکہ نہ اڑاؤ۔"

"دفعتاً کچھ دور پھر بھیڑ میں ایک تیز قسم کی نسوانی چیخ سنائی دی۔ رقاصوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ چھوڑ دیئے وہ سب ایک طرف جھپٹ رہے تھے۔

حمید بھی رشیدہ کو وہیں چھوڑ کر اُس طرف لپکا۔ کئی طرح کی ملی جلی آوازیں ہال میں گونج رہی تھیں۔

اُس نے دیکھا..... پیملیا فرش پر پڑی مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی اور انور آنکھیں پھاڑے اُسے گھور رہا تھا۔ سب کی توجہ کا مرکز پیملیا بنی ہوئی تھی۔ انور کی طرف کوئی بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔

کسی نے انور کے شانے پر پیچھے سے ہاتھ رکھ دیا۔ انور مڑا اور حمید نے اُسے بھیڑ سے نکلتے دیکھا..... حمید اُس ہاتھ کو پہچانتا تھا۔ وہ فریدی کے علاوہ اور کسی کا نہیں تھا۔

کچھ عورتوں نے پیملیا کو فرش سے اٹھانا چاہا لیکن انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کئی من وزنی لوہا اٹھانے کی کوشش کر رہی ہوں۔ اچانک پیملیا نے اپنے ہاتھ پیر تان دیئے اور اُس کی ہڈیوں کے کڑکڑاہٹ سینکڑوں آدمیوں نے سنیں۔ بس ایسا معلوم ہوا جیسے اس کا جوڑ جوڑ الگ ہو گیا ہو...

دوسرے لمحے میں فرش پر ایک لاش نظر آ رہی تھی حمید نے کچھ دیر پہلے بھی وہ چہرہ دیکھا تھا لیکن اب وہ اُسے پہچان نہیں سکتا تھا ناک ٹیڑھی ہو گئی تھی اوپر کا ہونٹ مڑ کر ناک سے جا ملا تھا..... اور دانت..... بڑے خوفناک معلوم ہو رہے تھے وہ کسی انسان کی لاش نہیں معلوم ہوتی تھی۔

"کوئی..... کمرے سے باہر نہیں جائے گا۔" دفعتاً ایک گرجدار آواز سنائی دی۔ "پولیس۔"

ادھر اُدھر ہال کے دروازے بند ہو گئے۔ ہر ایک اپنی جگہ پر جم گیا تھا۔ حمید نے فریدی کو دیکھا..... وہ آرکسٹرا کے قریب کھڑا مجمعے کو گھور رہا تھا۔

خوفناک درندہ

پولیس کی آمد میں دیر نہیں لگی۔ اتفاق سے کوتوالی انچارج انسپکٹر جگدیش ہی ڈیوٹی پر تھا

فریدی نے اُسی کو فون کیا تھا اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ مرنے والی جوزف پیٹر کی بیوی پیملیا تھی۔ انسپکٹر جگدیش آصف کو اطلاع دے کر یہاں آیا تھا اُسے معلوم تھا کہ جوزف پیٹر اور عرفانی والا کیس اسی کے سپرد کیا گیا ہے۔

فریدی نے خاص طور پر حمید کی توجہ ایک چیز کی طرف مبذول کرائی۔ بھورے رنگ کے بڑے بڑے بال لاش کے گرد بکھرے ہوئے تھے پھر وہ دونوں لاش کے پاس سے ہٹ آئے۔ انہوں نے یہ بھی دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ کوتوالی انچارج کیا کر رہا ہے کوتوالی انچارج کو اب دراصل انسپکٹر آصف کا انتظار تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ شاید فریدی اپنے آفیسروں سے لڑ گیا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ کیس اُسے نہیں سونپا گیا۔ ورنہ اس قسم کے پیچیدہ کیسوں کے لئے محکمے میں فریدی کے علاوہ اور کون تھا۔

رشیدہ بھی اُن دونوں کے پاس ہی آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"انور کہاں ہے۔" اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"گھر گیا۔" فریدی نے جواب دیا۔ "کسی سے اس کا تذکرہ نہ آنے پائے کہ انور اُس کے ساتھ ناچ رہا تھا۔"

رشیدہ کچھ نہ بولی۔ مجمع باہر نکلنے کے لئے بے چین تھا لیکن..... اُسے رکنا ہی پڑا۔ انچارج آصف کے آنے سے پہلے دروازہ نہیں کھلوانا چاہتا تھا۔

"اور وہ بال۔" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا تم نے کوئی درندہ دیکھا تھا۔" فریدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"نہیں تو..... غالباً کسی نے بھی نہیں دیکھا تھا۔"

"پس اس سے یہ ثابت ہوا کہ اس بار وہ درندہ کھال میں نہیں تھا بلکہ صرف تھوڑے سے بال اپنے ہمراہ لایا تھا..... کیا سمجھے؟"

"غالباً آصف اور سنگھ کا انتظار ہے۔" حمید چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"پتہ نہیں۔" فریدی نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی۔

انسپکٹر آصف آ گیا تھا..... وہ سیدھا لاش کی طرف گیا۔ دو ہی تین منٹ بعد اس کا رخ فریدی اور حمید کی طرف تھا۔

"تم یہاں کیسے۔" آصف نے پوچھا۔

"اوہ! تو اب کیا میری بھی نگرانی ہونے لگی ہے۔"

"میرا یہ مطلب نہیں ہے۔" آصف گڑبڑا کر بولا۔ "کیا تم پہلے سے یہاں موجود تھے۔"

"ظاہر ہے۔ اگر موجود نہ ہوتا تو جگدیش کو فون کیسے کرتا اور تمہیں کیوں کر اطلاع ہوتی۔ لیکن خدارا.... مجھ سے یہ نہ پوچھنا کہ میں یہاں کیوں آیا تھا۔"

"فرض کرو اگر میں پوچھوں تو۔"

"تب مجبوری ہے۔" فریدی اپنے شانوں کو جنبش دے کر بولا۔ "مجھے صاف صاف بتا دینا پڑے گا کہ میں یہاں اپنے محکمے کے بعض آفیسروں کی عقلوں کے کفن کیلئے چندہ اکٹھا کرنے آیا تھا۔"

"تم آئی جی صاحب پر چوٹ کر رہے ہو۔"

"تمہارا ظرف نظر ہے.... جسے چاہو سمجھ لو۔"

آصف کچھ نہ بولا۔ وہ چند لمحے لاش کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ "اس کا ہمرقص کون تھا؟"

"میں پھر تمہیں اپنا مشغلہ یاد دلاؤں گا۔" فریدی خفیف سا مسکرا دیا۔

"تم جانتے ہو کہ اس قسم کی معلومات چھپانا جرم ہے۔"

"اوہ.... ایسا ہے۔" فریدی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "اچھا اب میں ضرور قانون کا مطالعہ کروں گا۔"

"آؤ حمید چلیں.... ہمیں اسی وقت سے یہ نیک کام شروع کر دینا چاہئے۔"

"دروازے بند ہیں۔" آصف بھنا کر بولا۔ "اور میری اجازت کے بغیر نہیں کھل سکتے۔"

"میں دروازوں سے استدعا کروں گا کہ وہ تم سے اجازت طلب کریں۔"

"لونڈے ہو۔" آصف اُسے قہر آلود نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔ "خیر دیکھ لوں گا۔"

"مجھے تمہارے بڑھاپے پر رحم آتا ہے۔" فریدی کی ہنسی بڑی زہریلی تھی۔

آصف نہ جانے کیا کیا بکتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ پھر وہ دونوں اسے لاش پر جھکا ہوا دیکھ رہے تھے۔

"لوگ بُرے پھنسے۔ مجھے دروازے نہ بند کرانا چاہئے تھا۔" فریدی بولا۔ "اب پتہ نہیں کب تک یہ حضرت جھک مارتے رہیں۔"

دفعتاً آصف پھر تیر کی طرح ان کی طرف آیا۔ اس بار وہ رشیدہ کو گھور رہا تھا۔

"تم یہاں کیسے ہو۔" اُس نے سوال کیا۔

"شکریہ.... میں بالکل ٹھیک ہوں۔" رشیدہ نے سنجیدگی سے کہا اور حمید کو ہنسی آ گئی۔

"یہ کیا بدتمیزی۔" آصف حمید کی طرف گھوم پڑا۔

"آصف صاحب! ذرا ہوش میں۔ میں مارتا پہلے ہوں۔ اس کے بعد چاہے زندگی بھر سہلاتا رہوں۔ آپ اپنی انسپکٹری کا رعب مجھ پر نہ جھاڑیئے گا۔ اگر ہم خود ہی اپنی ترقیوں کو نہ ٹھکراتے رہتے تو اس وقت تم مجھے سلیوٹ کرتے.... اب زبان سے کچھ نہ نکلے ورنہ خدا کی قسم یہیں پٹخ کر ماروں گا.... اور ملازمت پر تو اب ہم خود ہی لعنت بھیجنے والے ہیں۔"

"ارے.... ارے.... خاموش.... خاموش۔" فریدی اسے دوسری طرف گھسیٹ لے گیا۔

آصف اُن دونوں کو گھورتا رہا۔ پھر وہ جھینپ مٹانے کے لئے رشیدہ سے باتیں کرنے لگا۔

"میں ماروں گا۔" حمید مچل رہا تھا۔

"کیا گدھا پن ہے چین سے رہو۔ تمہیں اس کی توہین نہ کرنی چاہئے تھی۔ بوڑھا آدمی ہے۔"

"آپ ہمیشہ مجھے ہی دباتے رہتے ہیں کیا لغویت ہے کیا میں اس کے باپ کا نوکر ہوں۔"

"اوہ جانے دو بھئی.... کسی طرح دروازے کھلنے چاہئیں.... ورنہ یہ الو زندگی تلخ کر دے گا۔"

شائد آصف کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ اس نے پیملیا کے ہم رقص کے متعلق لوگوں سے پوچھ گچھ کی.... لیکن کسی نے کوئی تشفی بخش جواب نہ دیا۔ آخر تھک ہار کر اُسے دروازے کھلوانے ہی پڑے۔

❁

دوسرے دن کے اخبار میں پھر سنسنی خیز سرخیاں نظر آئیں۔ پیملیا کی پُراسرار موت پر کئی زاویوں سے روشنی ڈالی گئی تھی اُن پراسرار بالوں کا تذکرہ بھی تھا جو اُس کے شوہر کی لاش کے قریب پائے گئے تھے یہ خیال تو سبھی نے ظاہر کیا تھا کہ اُس کی موت بھی حرکت قلب ہی کے بند ہو جانے پر واقع ہوئی تھی.... لیکن دوپہر کو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ نے ایک دوسری ہی کہانی سنائی۔

اس کے مطابق پیملیا کسی خطرناک قسم کے زہر کا شکار ہوئی تھی۔ پوسٹ مارٹم کے دوران مُراس کی بائیں ران پر ایک ایسا نشان پایا گیا تھا جو کانٹا یا سوئی چبھنے کا نتیجہ ہو سکتا تھا۔ انجکشن کے خیال کی تردید کی تھی۔ ڈاکٹروں کی رائے تھی کہ وہ کانٹا یا سوئی بجائے خود زہریلی تھی.... معدے

میں زہر کے اثرات نہیں پائے گئے یہ اس بات کی کھلی ہوئی دلیل تھی کہ زہر کسی خارجی طریقے سے اُس کے نظام عصبی پر اثر انداز ہوا۔

انسپکٹر آصف اور انسپکٹر سنگھ کو چکر آنے لگے تھے۔

اُسی شام کو محکمہ سراغ رسانی کے ڈی۔ آئی۔ جی نے فریدی اور حمید کو اپنی کوٹھی پر آنے کی دعوت دی پورے محکمہ میں یہی ایک آفیسر تھا جسے ان دونوں سے ضد نہیں تھی اور صرف یہی ایک ایسا آفیسر تھا جس کا فریدی صحیح معنوں میں احترام کرتا تھا۔

"آصف نے تم دونوں کی شکایت کی ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی مسکرا کر بولا۔

فریدی اس پر سارے واقعات دہراتا ہوا بولا۔ "اب آپ خود ہی سوچ سکتے ہیں کہ زیادتی کس کی ہے.... وہ حضرت خواہ مخواہ حمید کے منہ لگا کرتے ہیں۔ حمید میرا اسسٹنٹ ہے اس لئے کسی دوسرے کو اس سے سروکار نہ رکھنا چاہئے۔ میرا اس پر کیا برتاؤ ہے یہ میرا نجی معاملہ ہے۔ میں اسے اپنے بھائی کی طرح عزیز رکھتا ہوں۔"

"میرے خیال سے بات کچھ اور ہے آصف کا خیال ہے کہ تم ان وارداتوں کے متعلق کوئی خاص بات جانتے ہو جسے چھپا رہے ہو۔"

"اس کا خیال بالکل درست ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ایک نہیں درجنوں باتیں جانتا ہوں اور یہ بات صرف آپ کی اطلاع کے لئے عرض کرتا ہوں کہ میں نجی طور پر اس کیس سے دستبردار نہیں ہوا کیونکہ عرفانی سے میرے قریبی تعلقات تھے اور میں اس سازش کے سرغنہ کی کھوپڑی توڑے بغیر نہ رہوں گا۔"

"لیکن سنو....!" ڈی۔ آئی۔ جی مشفقانہ انداز میں بولا۔ "فی الحال نہ جانے کیوں آئی۔ جی صاحب تم سے خوش نہیں ہیں۔"

"میں جانتا ہوں انہیں انگریزوں سے عشق ہے۔" فریدی نے تنفر سے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ "میرا مخصوص اجازت نامہ منسوخ کر دیا گیا ہے.... یہ میری کھلی ہوئی توہین ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی کوئی مجھے مجبور نہ سمجھے۔ مجھے خدا کے بعد اپنے بازوؤں پر بھروسہ ہے۔"

"کیا تم.... اس عورت کے ہمرقص سے واقف ہو۔"

"جی ہاں.... لیکن وہ میرا آدمی تھا۔ میں شروع ہی سے یہ سمجھتا تھا کہ پیملیا بہت کچھ جانتی ہے

لیکن اس کے ساتھیوں کو اس پر اعتماد تھا اسی لئے وہ اب تک بچی رہی۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ میں جال اس کے گرد مضبوط کرنے کی کوشش کر رہا ہوں تو انہوں نے اُسے بھی ٹھکانے لگا دیا۔"

"ہمرقص کون تھا۔"

"کرائم رپورٹر انور۔"

"اوہ....!"

"لیکن یہ اطلاع صرف آپ کے لئے ہے۔ میں نے آپ سے کبھی کوئی بات نہیں چھپائی۔"

"تم مطمئن رہو۔" ڈی۔ آئی۔ جی سگار کا ڈبہ اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ "لو پیو۔ تکلف کی ضرورت نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ تم بے تحاشہ سگار پیتے ہو۔"

فریدی نے سگار لے لیا۔

"تم....!" ڈی۔ آئی۔ جی حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔

"میں نہیں پیتا۔" حمید نے شرما کر کہا۔

"میں نے سنا ہے تم بہت شیطان ہو۔" ڈی۔ آئی۔ جی ہنسنے لگا.... اور حمید کسی کنواری لڑکی کی طرح سچ مچ اور زیادہ شرما گیا۔

"میں آپ سے کیا عرض کروں کہ یہ کتنا عظیم آدمی ہے۔" فریدی بولا۔

"میں جانتا ہوں.... لیکن تم دونوں کو نصیحت کروں گا کہ جو کام کرو احتیاط سے کرو۔ اس وقت حالات تمہارے ناموافق ہیں۔"

"ہم پورا پورا خیال رکھیں گے۔"

"اور حالات سے مجھے باخبر رکھنا۔"

"میں نے ہر موقع پر یہی کیا ہے۔"

"اور ہاں کسی دن.... بچے تمہارے عجائبات کا ذخیرہ دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"ضرور.... بڑے شوق سے۔ جب دل چاہے۔ مجھے صرف ایک گھنٹہ قبل اطلاع کرا دیجئے گا۔"

"تم کہو گے آج میں نے فرمائشوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ میرے بڑے لڑکے کو تو جانتے ہی ہو گے۔"

"جی ہاں.... وہ جو تار جام میں اسسٹنٹ کمشنر ہیں۔"

"ہاں.... اُسے بلڈ ہاؤنڈ کا ایک جوڑا چاہئے۔ مجھ سے کہا تھا کہ تم سے سفارش کروں۔"

"اوہو.... اس میں سفارش کی کیا بات۔ میرے پاس اس وقت چار جوڑے ہیں۔ جو پسند ہو لے لیں۔"

"کل کتنے کتے ہیں تمہارے پاس۔"

"چھیالیس....!"

"اوہ.... اور سانپ.... آخر سانپوں سے تمہیں کیوں اتنی دلچسپی ہے۔"

"میں خود بھی نہیں جانتا۔ لیکن سانپ مجھے بہت پیارے لگتے ہیں۔"

"تمہارے شوق.... انتہائی عجیب و غریب ہیں۔ لیکن خطرناک بھی ہیں۔ تم شادی کیوں نہیں کرتے۔"

"ابھی دل نہیں چاہتا۔" فریدی نے بات ٹالنے کی کوشش کی۔

"کوئی ٹریجڈی....!" ڈی۔ آئی۔ جی مسکرایا۔

"نہیں صاحب! مجھے کبھی ادنیٰ قسم کا جانور بننے سے دلچسپی نہیں رہی۔ میں جنسیت کو ایک سیدھا سادا مسئلہ سمجھتا ہوں جسے آدمی جیسے سمجھدار جانور کے لئے اتنا پیچیدہ نہ ہونا چاہئے کہ وہ شاعری کرنے لگے۔"

"بڑے خشک آدمی ہو۔" ڈی۔ آئی۔ جی ہنسنے لگا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔ "میں یہ بھی جانتا ہوں کہ پیملیا کی موت کا ذمہ دار کون ہے۔ مگر میں ابھی اُس کے پیچھے لگنا نہیں چاہتا۔ ورنہ وہ اس کا بھی خاتمہ کر دیں گے۔"

"کون ہے؟"

"برنارڈ.... یہاں کے مشہور لوگوں میں سے ہے۔ لیکن ہمارے پاس ابھی تک اُس کے خلاف کوئی واضح ثبوت نہیں ہے۔"

❁

رات تاریک اور خنک تھی۔ فریدی اور حمید دن بھر کی تھکن کے بعد آرام کرنے جا رہے تھے کہ انور آ گیا۔ شاید وہ بھی دن بھر کا تھکا ہوا تھا۔ کیونکہ اس کے چہرے پر کسلمندی کے آثار تھے۔

"آپ نے ٹھیک کہا تھا۔" وہ فریدی کو مخاطب کر کے بولا۔ "آصف سچ مچ میرے پیچھے لگ

گیا ہے۔"

"لیکن! یہ نہ سمجھو کہ اُسے تم پر شبہہ ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اُس کے فرشتوں کو بھی اس کا علم نہیں ہے کہ تم ہی پچھلی رات کو پیملیا کے ہمرقص تھے۔"

"پھر.... وہ کیوں آج سارا دن میرا تعاقب کرتا رہا۔"

"اوہ سیدھی سی بات ہے اُسے یقین ہے کہ میں اس کیس سے دستبردار نہیں ہوا۔ اور تم برے لئے کام کر رہے ہو۔ لہٰذا وہ تمہاری نگرانی کر کے جرم کے متعلق میرے نقطہ نظر کو معلوم کرنا چاہتا ہے۔"

انور ہنس کر بولا۔ "لیکن وہ بھی کیا یاد کرے گا۔ آج میں نے اُسے اتنا دوڑا دیا ہے کہ کل شاید بری طرف رخ کرنے کی بھی ہمت نہ کر سکے۔"

"خیر اُس کام کا کیا رہا۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"برنارڈ کے چھ ملاقاتیوں کے نام اور پتے میں نے نوٹ کئے ہیں۔" انور نے جیب سے ڈائری نکالتے ہوئے کہا.... پھر حمید سے بولا۔ "لکھ لو۔"

حمید نے جیب سے اپنی ڈائری نکال کر پتے نوٹ کئے۔ کچھ دیر خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔ "ان میں ایک نام قابل غور ہے۔ لیمبرٹ آرتھر.... اسے تم نے کہاں دیکھا تھا۔"

"برنارڈ کے کمرے میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔ وہ اپنی بغل میں ایک بڑا سا پیکٹ دبائے ہوئے تھا۔"

"ہوں! اور آصف تم سے کتنے فاصلے پر تھا۔"

"آصف اُس وقت مجھے کھو چکا تھا۔" انور ہنس کر بولا۔ "میں اُسے ڈاج دینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔"

پھر کچھ دیر کے لئے خاموشی ہو گئی۔

"لیکن...." انور سگریٹ سلگا کر بولا۔ "آصف اُس وقت موجود تھا جب میں نے ایک عجیب غریب منظر دیکھا تھا کیا آپ یقین کریں گے کہ میں نے جوزف پیٹر اور پیملیا کو زندہ دیکھا ہو گا۔"

"ہاں ہاں یار....!" حمید جماہی لے کر بولا۔ "نیند آ رہی ہے اس لئے یقین کر لیں گے۔"

"زندہ دیکھا....؟" فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں نے ان دونوں کو ایک کار میں سوار ہوتے دیکھا تھا.... اور کار کی روانگی کے بعد میں

نے آصف کی بدحواسی بھی دیکھی تھی۔ وہ کافی دور تک اس کے پیچھے دوڑتا چلا گیا تھا۔ میں بھی پیدل ہی تھا اور وہ جگہ ایسی تھی کہ دور دور تک ٹریفک کا پتہ نہیں تھا۔"

"کہاں دیکھا تھا۔"

"پولو گراؤنڈ کے قریب۔"

"اوہ....!" فریدی کی پیشانی پر سلوٹیں اُبھر آئیں اور پھر وہ آہستہ سے بولا۔

"قاسم نے بھی عرفانی کا بھوت دیکھا تھا۔"

"انور.... یہ غپ تو نہیں ہے۔" حمید نے اُسے گھور کر پوچھا۔

"آصف سے تصدیق ہو جائے گی۔" انور بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"مجرم جاگ رہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "کم از کم وہ میری اور میرے ساتھیوں کی نقل و حرکت سے تو ہر وقت باخبر رہتے ہیں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"قاسم حمید کا دوست ہے اس لئے اس نے عرفانی کا بھوت دیکھا۔ تم میرے لئے کام کر رہے ہو اس لئے تمہیں بھی دو مردے نظر آئے.... وہی کھیل جو پرانا بھی ہے اور گندہ بھی پیلیا کی لاش کے قریب ویسے ہی بال پائے گئے تھے جیسے اُس کے شوہر کی لاش کے قریب ملے تھے۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ درندہ رنگ ہاؤز کے کشیدہ میں داخل ہوا ہوتا تو سینکڑوں کی نظریں اُس پر پڑتیں لیکن بالوں کی موجودگی اُسی درندے کی کہانی سناتی ہے۔ وہی پرانا اور گندہ کھیل.... بھوری بریت۔ مجرم چالیں ضرور چل رہے ہیں مگر ان چالوں میں کچا پن ہے۔ ان باتوں کی اہمیت اُس وقت ختم ہو جاتی ہے جب پوسٹ مارٹم کی رپورٹ زہر کا افسانہ سناتی ہے۔"

"لیکن یہ تو دیکھئے کہ قاسم نے عرفانی کا بھوت جیر اللہ کے یہاں دیکھا تھا۔" حمید نے کہا۔

"اگر آپ کی بات مان بھی لی جائے تو یہ سوچنا پڑتا ہے کہ کیا جیر اللہ احمق ہے۔ اگر اس نے دانستہ اپنے یہاں قاسم کو عرفانی کا بھوت دکھایا تھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ خود ہی پولیس کو اپنے پیچھے لگانا چاہتا ہے۔"

فریدی جواب میں کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ دفعتاً کمپاؤنڈ میں کتے بھونکنے لگے۔ بیک وقت چھ الیسی کتوں کا شور تھا۔

"کیا ان کم بختوں کو فرنجک ہو گئی ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔

پھر انہوں نے نوکروں کی بھی چیخیں سنیں۔ وہ جھپٹ کر برآمدے میں آئے۔ ایک نوکر کرسی میں اٹک کر فرش پر ڈھیر ہو گیا تھا اور بقیہ اندر کی طرف بھاگ رہے تھے۔ ابھی باہر کی روشنی گل نہیں کی گئی تھی۔ اس لئے کمپاؤنڈ میں اندھیرا نہیں تھا۔ انہوں نے پھاٹک کے قریب ایک طویل القامت اور خوفناک بن مانس دیکھا جس کے ہاتھ میں ایک بڑی سی لکڑی تھی.... اور وہ اُسی لکڑی سے رکھوالی کرنے والے الیسیشین کتوں پر جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہا تھا۔

"حمید.... رائفل۔" فریدی چیخا۔ حمید بھاگتا ہوا اندر چلا گیا.... چاروں الیسیشین بن مانس پر ٹوٹے پڑ رہے تھے۔ اتنے میں رائفل آ گئی۔ حمید ٹارچ بھی لیتا آیا تھا.... فریدی نے دو فائر کئے۔ پہلے فائر پر بن مانس نے قلابازی کھائی۔ پھر اٹھا لیکن دوسرے فائر نے اُسے ٹھنڈا کر دیا۔

وہ تینوں گم سم برآمدے میں کھڑے رہے پھر آگے بڑھے۔ الیسیشین بڑے جوش و خروش کے ساتھ مردہ بن مانس کو جھنجھوڑ رہے تھے۔ فریدی نے انہیں الگ کیا۔

بن مانس کا قد کسی انتہائی لمبے آدمی کے قد سے کم نہیں تھا۔ اس لئے حمید کو توقع تھی کہ بھورے رنگ کے بالوں والی کھال کے نیچے کوئی آدمی ہی برآمد ہوگا۔

لیکن اُسے نہ صرف مایوسی ہوئی بلکہ حیرت بھی ہوئی جب کہ وہ سو فیصدی بن مانس ہی ثابت ہوا۔ لیکن ایک عجیب و غریب بن مانس جس کے بال بھورے تھے اور قد ایسا کہ شائد اس سے قبل اتنا طویل القامت بن مانس دنیا کے کسی حصے میں نہ دیکھا گیا ہو۔

"درندہ....!" فریدی بڑبڑایا۔ "اس کے بال ویسے ہی ہیں جیسے ان دونوں لاشوں کے قریب ملے تھے۔ حمید سارے کتے کمپاؤنڈ میں آزاد چھوڑ دو اور انور اب تم اس وقت واپس نہیں جاؤ گے۔"

حمید اور وہ لڑکی

پچھلی رات کے واقعے پر پھر فریدی نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ لیکن سرجنٹ حمید کے ذہن میں کئی گتھیاں تھیں۔ اس درندے کو دیکھنے سے قبل اس کا خیال تھا کہ مجرم معاملات کو پُر اسرار بنانے کے لئے اپنے شکاروں کے بھوتوں کی نمائش کر رہے ہیں اور اس کا سلسلہ انہوں نے جوزف

کی موت کے بعد ہی سے شروع کر دیا تھا اس کی لاش کے قریب بالوں کی موجودگی کسی درند
ہی کی طرف اشارہ کرتی تھی لیکن اُس درندے کو کسی نے دیکھا نہیں تھا۔ اس پر فریدی نے خ
ظاہر کیا تھا کہ شاید اس کا قاتل کسی درندے کی کھال میں آیا ہو۔ بات قابل قبول تھی....
پیملیا بھرے مجمعے میں ختم ہو گئی۔ اس کی لاش کے قریب بھی ویسے ہی بال پائے گئے لیکن د
دکھائی نہ دیا۔ اس سے فریدی کے قائم کردہ نظریئے کو تقویت پہنچتی تھی۔ یعنی اس درندے ک
میں کوئی آدمی ہی کام کر رہا تھا.... مگر پچھلی رات.... جب انہوں نے اُس درندے کو دیکھ
اس نظریئے کا قریب قریب خاتمہ ہی ہو گیا اور اس بات میں بھی کوئی وزن نہ رہ گیا کہ وہ د
کوئی مافوق الفطرت ہستی تھا اگر یہ بات ہوتی تو وہ معمولی جانداروں کی طرح رائفل کی گولی سے
نہ ہو جاتا۔ اب تو یہ بھی سوچنا پڑ رہا تھا کہ اس معاملے میں کسی آدمی کا ہاتھ ہے بھی یا نہیں...

اول تو اس سائز کا بن مانس ہی آج تک دریافت نہیں ہوا تھا۔ دوسری بات یہ کہ
بھرے پُرے شہر میں آیا کہاں سے۔ اگر وہ کسی کا پالتو تھا تب بھی اس کی شہرت کم از کم ا
کانوں تک ضرور پہنچ ہوتی کیونکہ یہ بن مانس ایک عجوبہ تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کے پالنے وا
اسے صندوق میں بند کر کے تو رکھا نہ ہو گا....

ناشتے کی میز پر مکمل خاموشی تھی۔ فریدی، حمید اور انور اپنے اپنے خیالات میں الجھے
تھے۔ دفعتاً انور بولا۔ "آپ اس کی لاش کو کیا کریں گے۔"

"مشتہر کروں گا۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "کیا تم چار گھنٹوں کے اندر اندر اپنے اخ
ورق والا مخصوص ضمیمہ چھاپنے کا انتظام کر سکو گے۔"

"ضرور.... یہ تو بڑا اچھا خیال ہے۔ خصوصاً میں اپنی رپورٹ سے بڑے اچھے پیسے بنا
لیکن کیا آپ یہ ظاہر کریں گے کہ آپ نے اس کا شکار اپنے گھر پر کیا ہے۔"

"نہیں.... لڑکال جنگل میں۔" فریدی بولا۔

دفعتاً حمید چونک کر فریدی کو گھورنے لگا اُس کا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔

"کیا کہا آپ نے۔" حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"صبر.... فرزند.... صبر....!" فریدی مسکرا کر ہاتھ اٹھاتا ہوا بولا۔

حمید بیٹھ گیا۔ لیکن وہ شدت جذبات سے پھٹا پڑ رہا تھا۔ انور نے حیرت سے اس کی

دیکھا لیکن فریدی نے اسے باتوں میں الجھا دیا۔ "ہاں دیکھو.... رپورٹ میں اس درندے کے
بالوں کا تذکرہ ضرور آئے اور ان بالوں سے متعلق بھی کوئی کانٹے کی بات ہو جو ان دونوں لاشوں
کے قریب پائے گئے تھے۔"

انور ناشتہ چھوڑ کر لکھنے کی میز پر جا بیٹھا.... فریدی نے حمید سے کہا۔

"حمید تم ذرا کیمرہ وغیرہ ٹھیک کرو۔ اخبار میں تصویریں بھی ہوں گی مختلف زاویوں سے۔"
سارے مراحل طے ہو جانے کے بعد انور چلا گیا۔

"اب بتایئے۔" حمید فریدی کو جھنجھوڑتا ہوا بولا۔ "آپ نے مجھے اتنے دنوں تک تاریکی میں
کیوں رکھا۔"

"تو تم سمجھ گئے۔"

"اب اتنا گاؤدی بھی نہیں ہوں لیکن یہ بتایئے! لڑکال جنگل کا نام اچانک آپ کے منہ سے
نکلا تھا یا آپ پہلے سے سوچ چکے تھے۔"

"نام تو اچانک ہی نکلا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ جنگل کا نام لوں۔ اچانک یہ نام ذہن میں گونجا
اور ساتھ ہی تعلیمی تاش کے وہ پتے بھی یاد آ گئے لڑکے کی تصویر اور لڑائی کا نقشہ.... لڑائی کو
جنگ کر دو۔ لڑکا کے ساتھ وہ لام ملا لو کارڈ کا حروف ہے۔ اس طرح لڑکال بنتا ہے اور جنگ کے
ساتھ لام ملانے سے جنگل۔ عرفانی کے ساتھ اگر کوئی ایسا واقعہ پیش آتا تو وہ بھی اس معاملے کی
تہہ تک پہنچ جاتے۔ ظاہر ہے کہ بن مانس جنگلوں ہی میں رہتے ہیں۔ گھنے جنگلوں میں....
ستوائی خطوں کے جنگل کہہ لو لیکن ہم خط استوا پر نہیں رہتے۔ لہٰذا قدرتی بات ہے کہ ہمارا ذہن
نا جنگل ضرور ڈھونڈے گا اور اس علاقے میں صرف ایک ہی گھنا جنگل ہے جو دس میل کے رقبہ
ں پھیلا ہوا ہے اور یہ ہے لڑکال جنگل.... لیکن.... اس بیچارے جنگل میں معمولی بندر بھی
ایدہی ہوں۔"

"تو پھر اگر اس گروہ کا تعلق لڑکال جنگل سے ہے تو اس خبر پر اس کے افراد بُری طرح چونکیں گے۔"

"یقیناً....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن اب ہمیں ہر وقت ہوشیار رہنا پڑے گا۔ اوہ
ج ابھی تک اخبار بھی نہیں دیکھا.... ذرا سرخیاں پڑھ جاؤ۔"

حمید نے میز پر سے اخبار اٹھایا اور بلند آواز سے سرخیاں پڑھنے لگا۔ ایک جگہ وہ رکا اور اس کی

نظریں تیزی سے پوری خبر پر دوڑتی چلی گئیں۔

"کیا بات ہے.... رک کیوں گئے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ وہ آنکھیں بند کئے آرام کرسی پر نیم دراز تھا۔

"سنئے....!" حمید جلدی جلدی پڑھنے لگا۔ "مسٹر اور مسز جوزف پیٹر کے بھوت انگلستان سفارتخانے میں.... ۱۴ر ستمبر گیارہ بجے شب کو انگلش سفارتخانے میں بھگدڑ مچ گئی۔ انگلستان کے سفیر کل گیارہ بجے شب کو ایک اہم دستاویز ترتیب دے رہے تھے کہ اچانک ان کے کمرے میں ان کے دو ایسے شناسا داخل ہوئے جن کی موت حال ہی میں واقع ہوئی تھی یہ پُراسرار طریقے پر مرنے والے مسٹر اور مسز جوزف پیٹر تھے وہ دونوں حسب دستور اپنے قدیم مخصوص تکلفانہ انداز میں ہز ایکسیلنسی کی طرف بڑھے.... اور ہز ایکسیلنسی اپنے ہوش و حواس پر قابو نہ رکھ سکے۔ جب انہیں ہوش آیا تو معلوم ہوا کہ وہ دستاویز اور کئی دوسرے اہم کاغذات جو حکومت برطانیہ کے بعض اہم رازوں سے تعلق رکھتے تھے غائب ہوگئے۔ اس حیرت انگیز واقعے کی بنا سفارتخانے میں سنسنی پھیل گئی ہے۔ پولیس کو اطلاع دے دی گئی ہے لیکن سفارتخانہ نجی طور بھی کچھ کر رہا ہے۔"

حمید خبر پڑھ چکا تھا.... اور کمرے میں قبرستان کی سی خاموشی تھی۔

"تو پھر اس کا یہ مطلب ہے کہ.... وہ بھوت خاص طور پر ہمیں دکھانے کے لئے بنائے گئے تھے۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

فریدی خاموشی سے چھت کی طرف دیکھتا رہا۔

❁

شام ہوتے ہوتے فریدی کی کمپاؤنڈ میں خاصی بھیڑ ہوگئی۔ اسٹار کا ضمیمہ شائع ہو کر ہاتھ فروخت ہو چکا ہے۔

محکمہ پولیس اور سراغ رسانی کے قریب قریب سارے ہی حکام وہاں جمع تھے۔ فریدی ایک دلچسپ فرضی داستان سنا رہا تھا کہ کس طرح اس نے پچھلی شام کو لڑکال جنگل میں وہ عجیب غریب درندہ شکار کیا تھا.... سرجنٹ حمید اپنے آفس کی ٹائپسٹ لڑکیوں میں گھر کر رہ گیا وہ ان کے نرغے سے کبھی کا نکل گیا ہوتا۔ مگر حقیقت تو یہ تھی کہ وہ خود ہی ان میں گھرا رہنا

تھا۔ آفس کی لڑکیوں میں اُس کے لئے کوئی خاص دلکشی نہ تھی۔ مگر وہ.... لڑکی! شاید وہ ان میں سے کسی کی دوست تھی۔ وہ نسلاً اینگلو انڈین لیکن اُس کے انداز خالص مشرقی تھے۔ کئی بار وہ سرجنٹ حمید کی گھورتی ہوئی نگاہوں کے مقابلے میں لجائی بھی تھی۔

آخر ایک لڑکی نے دونوں کا تعارف کرادیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حمید وقت کی نزاکت کا لحاظ کئے بغیر انہیں آر لکچو میں چائے پلانے پر راضی ہوگیا۔ فریدی کی نظروں سے بچ کر نکل جانا اس وقت ناممکن نہیں تھا۔ آر لکچو میں وہ کافی دیر تک بیٹھے۔ نئی لڑکی روزا حمید کو بڑی شاندار نظر آئی۔ وہ بیوقوف ہونے کی حد تک سیدھی تھی۔ دوسری لڑکیاں بور ہو رہی تھیں۔ کیونکہ سرجنٹ حمید کی شخصیت ان کے لئے نئی نہ تھی وہ اُسے اچھی طرح جانتی تھیں یا دوسرے الفاظ میں اُس کی رگ رگ سے واقف تھیں۔ حمید کی نہ ختم ہونے والی دلچسپ باتوں نے روزا کو الجھا لیا تھا۔ دوسری لڑکیاں اب اٹھنا چاہتی تھیں ہوا یہ کہ تھوڑی دیر بعد روزا تنہا رہ گئی۔

"مجھے اینگلو انڈین بڑے اچھے لگتے ہیں۔" حمید بولا۔

"کاش میں صرف انڈین ہوتی۔ مجھے دوغلا پن اچھا نہیں لگتا۔ نہ ہمیں انگریز پسند کرتے ہیں اور نہ دیسی۔"

"نہیں پسند کرتے تو جہنم میں جائیں۔ میں تو اپنی بات کر رہا تھا۔"

"آپ بھی دل سے نہیں پسند کرتے۔" روزا اٹھلائی اور حمید کو اپنا خیال بدل دینا پڑا۔ کیونکہ وہ ان لڑکیوں کی موجودگی میں جتنی بیوقوف نظر آئی تھی اب اس کے برعکس ہوتی جا رہی تھی۔

"صرف دل ہی نہیں بلکہ جگر، گردے اور پھیپھڑے سے بھی پسند کرتا ہوں۔" حمید بولا.... وہ ہنسنے لگی۔

"آپ بڑے اچھے دوست ثابت ہو سکتے ہیں۔" وہ بڑے پیار سے بولی۔

"اوہ! آپ کا لہجہ۔" حمید خواب ناک آواز میں بولا۔ "آپ کا لہجہ میری روح کو اُن دھندلاہٹوں میں گھسیٹ لے جاتا ہے جہاں پراسرار رنگوں کے لہریئے تلملایا کرتے ہیں۔"

"میں نہیں سمجھی کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"آہ.... میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ خدا کرے آپ آنکھوں کی زبان سمجھنے لگیں۔"

"آپ اظہار محبت تو نہ کریں گے۔" روزا اکھڑ گئی۔

"نہیں....!" حمید سنجیدگی سے سر ہلا کر بولا۔ "میں اپنے باپ سے پوچھے بغیر اظہار محبت نہ کروں گا۔ میں نے ان سے وعدہ کیا تھا۔"

روزا پھر ہنس دی۔ وہ یونہی بار بار اپنے خوبصورت دانتوں کی نمائش کر رہی تھی۔ "میرا دل چاہتا ہے۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ "کہ میں اس رات کا کچھ حصہ کسی ویرانے میں بسر کروں۔"

"اوہو.... تو آؤ چلیں.... اُس وقت منٹو پارک بالکل ویران ہوگا۔" روزا نے ہنس کر کہا اور حمید کے جسم پر چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔

دونوں اٹھ گئے۔ کلوک روم میں پہنچ کر روزا نے حمید سے کہا۔ "ذرا ٹھہریئے میں گھر پر فون کرنا تو بھول ہی گئی۔ وہ پھر واپس چلی گئی۔ حمید کلوک روم میں اس کا انتظار کرتا رہا۔ وہ خود کو دنیا کا بہت بڑا آدمی تصور کرنے لگا۔ اتنی جلدی لڑکیاں اس پر اعتماد کر لیتی ہیں۔ اُس کے علاوہ اور شاید ہی کوئی ایسا ہو.... روزا واپس آگئی۔ باہر نکل کر انہوں نے ایک ٹیکسی لی اور منٹو پارک کی طرف روانہ ہوگئے۔

"بات یہ ہے۔" روزا بولی۔ "میں زیادہ رات گئے تک بغیر اطلاع گھر سے باہر نہیں رہ سکتی۔"

"یہی شریفوں کی پہچان ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"میرے ڈیڈی بہت سخت آدمی ہیں۔ ان کی تاکید ہے کہ میں کسی انگریز سے دوستی نہ کروں۔ دیسیوں کے ساتھ مجھے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔"

"تمہارے ڈیڈی کیا کرتے ہیں۔"

"جیمز اینڈ مورگن کے منیجر ہیں۔"

"نام کیا ہے؟"

"مکلارنس برنارڈ.... عموماً لوگ انہیں مکی برنارڈ کہتے ہیں۔"

حمید نے ایک طویل سانس لی۔ لیکن اب ہو ہی کیا سکتا تھا۔ ٹیکسی منٹو پارک کی طرف چل پڑی تھی اور نئے نئے شبہات اس کے ذہن میں سر ابھارنے لگے تھے۔ روزا نے اسی برنارڈ کا حوالہ دیا تھا جو پولیس کی نظروں میں عرصہ سے کھٹک رہا تھا۔ حمید سوچنے لگا کہ کیا وہ خطرے میں ہے؟ کیا روزا نے منٹو پارک کی تجویز کسی خاص مقصد کے تحت پیش کی تھی.... اور پھر وہ اُسے کلوک روم میں چھوڑ کر فون بھی کرنے گئی تھی۔ لیکن حمید کے ذہن نے پھر سنبھالا لیا۔ اگر وہ کسی قسم کی

سازش کر رہی تھی تو اُس نے اپنے باپ کا نام کیوں بتا دیا۔ ظاہر ہے کہ برنارڈ بھی اس حقیقت سے واقف ہے کہ پولیس اُس کی طرف سے اچھے خیالات نہیں رکھتی۔ نہیں فی الحال کسی سازش کا امکان نہیں.... دفعتاً پھر ایک دوسرا سوال اُس کے ذہن میں اُبھرا.... وہ تنہا ہے۔ اگر چند نامعلوم آدمیوں نے اُسے ٹھکانے لگا دیا تو پولیس کو کیا پتہ چل سکے گا۔ مجرموں کے نام پردہ راز ہی میں رہیں گے۔

"کیا سوچنے لگے۔" روزا نے اُسے ٹہوکا دیا۔

"میں یہ سوچ رہا تھا کہ تم نے اپنے ڈیڈی سے کیا بہانہ کیا ہوگا۔"

"کچھ بھی نہیں.... میں نے صاف صاف بتا دیا کہ میں اس وقت ایک آفیسر سارجنٹ حمید کے ساتھ ہوں اور کچھ دیر بعد واپس آؤں گی۔"

"انہوں نے کچھ کہا نہیں۔"

"کچھ بھی نہیں۔"

"اگر ہم منٹو پارک کے بجائے کہیں اور چلیں تو۔" حمید نے پوچھا۔

"شہر کے اندر ہی مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ تمہیں ویرانہ چاہئے نا۔ وہ تو تمہیں میرے مکان پر بھی مل جائے گا.... آؤ میرے گھر چلو.... ڈرائیور.... گاڑی موڑ لو۔"

اس نئی تجویز پر حمید کی الجھن بڑھ گئی۔ وہ سوچنے لگا کہ اگر سازش نہیں ہے تب بھی اس کا برنارڈ کے گھر پر جانا ٹھیک نہیں کیونکہ فریدی اُسے جان بوجھ کر نظر انداز کر رہا تھا۔

"کتنی عجیب و غریب باتیں ہونے لگی ہیں۔" روزا ٹیکسی موڑتے ہی بڑبڑانے لگی۔ "سفارت خانے کا حال تو آپ کو معلوم ہی ہوگا۔"

"ہاں مجھے معلوم ہے لیکن میں تمہارے گھر بھی نہیں جانا چاہتا۔"

"کیوں....؟ آخر کیوں؟"

"بات یہ ہے کہ تمہارے ڈیڈی کے تعلقات پولیس سے اچھے نہیں ہیں۔ کہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ میں ان کی ٹوہ میں آیا ہوں۔"

"لیکن میں تو سمجھتی ہوں.... میں خود آپ کو لے جا رہی ہوں۔ ڈیڈی کی بعض باتیں مجھے بھی ناپسند ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ انہیں ترک کر دیں۔"

"کون سی باتیں۔"

"وہ بلیک مارکیٹنگ کرتے ہیں۔"

"ہے تو بُری بات.... شاید اسی بناء پر پولیس اُن سے برگشتہ ہو۔ مگر میں نے تو سنا ہے کہ وہ آج کل بدھ ازم سے بہت زیادہ متاثر ہو رہے ہیں۔"

"پتہ نہیں.... تمہیں کیسے معلوم ہوا۔"

"ایک دن گفتگو ہوئی تھی۔"

"کیا وہ تمہیں جانتے ہیں۔"

"اچھی طرح....!"

ٹیکسی برنارڈ کے بنگلے کے سامنے رک گئی۔ حمید باتوں میں الجھا رہا تھا۔ اس لئے اُسے کوئی دوسری تجویز پیش کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔

"اوہو! تم چلو تو....!" وہ حمید کو پھاٹک میں دھکیلتی ہوئی بولی۔ "میں ڈیڈی سے کہوں گی کہ سارجنٹ یہاں آتے ہوئے کیوں ہچکچا رہے تھے۔"

طوعاً و کرہاً حمید آگے بڑھا۔ لیکن کم از کم اسے اتنی تقویت تو ضرور تھی کہ آج صبح ہی سے اُس کے جیب میں ریوالور پڑا ہوا تھا۔

باغ میں اندھیرا تھا۔

"اوہ کم بختوں نے برآمدے کی لائٹ بھی نہیں جلائی۔" روزا بڑبڑائی۔

وہ حمید کا ہاتھ پکڑے اُسے عمارت کی طرف لے جا رہی تھی۔

"کیا معاملہ ہے۔" حمید نے رکتے ہوئے کہا۔ "مجھے کہیں بھی روشنی نہیں دکھائی دیتی۔"

"مجھے خود حیرت ہے.... پتہ نہیں کیا بات ہے.... آؤ.... بیرونی روشنی کا سوئچ برآمدے ہی میں ہے۔"

"میں دیا سلائی جلاؤں۔" حمید نے کہا۔

"اونہہ اس کی ضرورت نہیں.... راستہ صاف ہے۔" وہ اُسے گھسیٹتی ہوئی بولی۔

اس بار اس کی رفتار تیز تھی۔ پورٹیکو میں پہنچ کر یکایک حمید کی چھٹی حس جاگ پڑی۔ اُسے بڑی شدت سے کسی خطرے کا احساس ہو رہا تھا۔ اس کا ہاتھ جیب کو ٹٹول ہی رہا تھا کہ سر کے پچھلے

حصے پر کوئی ٹھوس چیز کافی قوت سے پڑی اور وہ ایک بے جان شہتیر کی طرح ڈھیر ہو گیا۔

دو حملے

کرائم رپورٹر انور نے گھڑی دیکھی۔ پندرہ منٹ گذر چکے تھے لیکن نہ تو برنارڈ کے بنگلے میں کہیں روشنی دکھائی دی اور نہ حمید ہی واپس آیا۔

وہ حمید اور روزا کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا۔ انہیں آرلکچو سے نکل کر ٹیکسی پر بیٹھتے دیکھ کر اس کی موٹر سائیکل ان کے پیچھے لگ گئی تھی۔ وہ کافی فاصلے سے ان کا تعاقب کرتا رہا تھا اس تعاقب کی وجہ یہ تھی کہ انور برنارڈ کی لڑکی کو بخوبی پہچانتا تھا اگر اسے یہ نہ معلوم ہوتا کہ فریدی دیدہ و دانستہ برنارڈ کو نظر انداز کر رہا ہے تو اُسے حمید کی اس حرکت پر حیرت نہ ہوتی۔ ایسی حالت میں اُسے یہی سوچنا پڑا کہ شائد حمید اُس لڑکی سے واقف نہیں ہے۔

بہر حال اُس نے موٹر سائیکل ان کے پیچھے لگا دی تھی۔ جس ٹیکسی پر وہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے اتفاق سے اُس کا انجن بہت خراب تھا اس لئے حمید اُس کے شور کی بناء پر موٹر سائیکل کی آواز نہ سن سکا ورنہ اس کا یہ شبہہ یقین کی حد تک پہنچ جاتا کہ وہ کسی سازش کا شکار ہونے والا ہے۔

تھوڑی دور جا کر ٹیکسی جب پھر پیچھے کی طرف مڑنے لگی تھی تو انور کا شبہہ اور زیادہ پختہ ہو گیا تھا اور اس نے تعاقب جاری رکھا تھا۔

پانچ منٹ اور گذر گئے لیکن عمارت بدستور تاریک رہی۔ انور کو یقین ہو گیا کہ حمید ضرور کسی مصیبت میں یا تو پھنس گیا ہے یا پھنسنے والا ہے۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ عورت حمید کی سب سے بڑی کمزوری ہے وہ مکار ترین مردوں سے نپٹنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لیکن ایک احمق ترین عورت بھی اُسے اچھی طرح اُلو بنا سکتی ہے۔

اُس نے موٹر سائیکل وہیں اندھیرے میں سڑک کے کنارے چھوڑ دی اور خود قریب قریب دوڑتا ہوا دوسری سڑک پر نکل آیا۔ یہاں پاس ہی ایک دوا فروش کی دوکان تھی۔ انور نے وہاں پہنچ کر فریدی کو فون کیا۔ خوش قسمتی سے فریدی گھر ہی پر موجود تھا۔ انور نے مختصراً پوری روداد سنا دی۔

فون کر کے وہ پھر برنارڈ کے بنگلے کے سامنے آگیا۔ اب بھی عمارت تاریک پڑی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بالکل خالی ہو۔ پائیں باغ میں بھی کسی قسم کی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔

پندرہ منٹ بعد فریدی بھی پہنچ گیا شاید وہ اپنی کار بڑی تیز رفتاری سے لایا تھا۔

"حالات بدستور ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"جتنی دیر میں فون کرتا رہا.... اس دوران میں اگر کوئی تبدیلی ہوئی ہو تو اُس سے واقف نہیں۔"

"ریوالور ہے تمہارے پاس۔"

"میرے پاس کہاں سے آیا ریوالور۔"

"یہ لو....!" فریدی نے جیب سے ایک ریوالور نکال کر اُسکی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آؤ....!"

اس نے آگے بڑھ کر پھاٹک کھولا چند لمحے کھڑا ہو کر آہٹ لیتا رہا۔ پھر آگے بڑھا.... و پورٹیکو میں آئے لیکن یہاں بھی کوئی آواز سنائی نہ دی۔

فریدی نے دروازے کو دھکا دیا۔ وہ اندر سے بند تھا۔ اُس نے یکے بعد دیگرے تینوں دروازے آزمائے لیکن ان میں سے کسی نے بھی جنبش بھی نہ کی۔

آخر اس نے جیب سے ٹارچ نکال کر گھنٹی تلاش کی اور اس کے بٹن پر انگوٹھا رکھ دیا۔

اندر کسی دور افتادہ مقام پر گھنٹی بجنے لگی۔

کچھ دیر بعد اندر قدموں کی چاپ سنائی دی اور کسی نے کمرے میں روشنی کر دی۔ دروازہ کھلا۔ ایک آدمی ان کے سامنے کھڑا تھا۔ جو ظاہری حالت سے نوکر نہیں معلوم ہوتا تھا۔

"کیا بات ہے؟" اُس نے ان دونوں کو گھور کر پوچھا۔

"برنارڈ سے ملنا ہے۔" فریدی بولا۔

"برنارڈ.... کون برنارڈ.... یہاں کوئی برنارڈ نہیں رہتا۔ کیا آپ نے پھاٹک پر نیم پلیٹ نہیں دیکھی۔"

"نہیں! لیکن جانتا ہوں کہ مکی برنارڈ یہیں رہتا ہے۔"

"رہتا ہوگا.... اب نہیں ہے۔" یہ کہہ کر جیسے ہی اُس نے پیچھے ہٹ کر دروازہ بند کرنا چاہا فریدی نے اس کی گردن پکڑ لی اور انور نے منہ دبا دیا۔

دوسرے لمحے میں وہ بے حس و حرکت اُس کے قدموں میں ڈھیر تھا۔ وہ آگے بڑھے انو

نے پلٹ کر شکار کی طرف دیکھا۔

"فکر نہ کرو.... آدھ گھنٹے سے پیشتر ہوش میں نہیں آئے گا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور کمرے کی روشنی گل کر دی۔ پھر وہ ایک تاریک راہداری سے گذر رہے تھے۔

آگے چل کر داہنی طرف کے ایک کمرے میں انہیں روشنی دکھائی دی۔ کھڑکی کے قریب پہنچ کر وہ رک گئے۔ شیشوں کے ذریعے وہ اندر دیکھ سکتے تھے۔

سرجنٹ حمید ایک آرام کرسی پر پڑا اپنے سامنے کھڑے ہوئے چار آدمیوں کو گھور رہا تھا۔ اس کے قریب ہی برنارڈ کی لڑکی روزا ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ان چاروں آدمیوں میں برنارڈ بھی تھا۔

"تم نہیں بتاؤ گے۔" برنارڈ حمید سے کہہ رہا تھا۔

"اپنی لڑکی سے میری شادی کر دینے کا وعدہ کرو تو بتا دوں۔" حمید نہایت سنجیدگی سے بولا۔

"بکواس بند کرو۔" برنارڈ گرجا۔ پھر اپنی لڑکی سے مخاطب ہو کر بولا۔ "روزا جاؤ تم آرام کرو۔"

قبل اس کے کہ وہ کرسی سے اٹھتی۔ فریدی اور انور دروازے میں تھے۔ دونوں نے ریوالور نکال لئے تھے۔

"مجھ سے پوچھو! پیارے برنارڈ....!" فریدی طنز آمیز لہجے میں بولا۔ "شاید تم لڑکا جنگل والا لطیفہ سننا چاہتے ہو۔"

چاروں بوکھلائے ہوئے انداز میں انہیں گھور رہے تھے۔

"لیکن اس سے پہلے میں اس بن مانس کی کہانی سننا پسند کروں گا۔" فریدی نے پھر کہا۔

"اوہو! کیا آپ واقعی بن مانس کو نہیں جانتے۔" حمید ہنس کر بولا۔ "وہ مکی برنارڈ کا داماد ہے۔ اور یونیورسٹی میں اقتصادیات کا درس دیتا ہے۔"

"آپ تو بولئے ہی مت۔" فریدی چڑ کر بولا۔ "آپ کی عشق بازی کسی دن آپ کو جہنم میں پہنچا دے گی۔"

"فریدی بکواس بند کرو۔" برنارڈ بگڑ گیا۔ "تمہارے اسسٹنٹ نے زبردستی میرے مکان میں گھس کر میری لڑکی پر حملہ کیا تھا۔"

"ضرور کیا ہوگا.... لیکن تم اس سے پوچھنا کیا چاہتے ہو۔"

"چٹ....!" ایک ہلکی سی آواز کمرے میں گونجی اور اندھیرا ہو گیا فریدی اور انور نے روزا کو دیوار کی طرف کھسکتے نہیں دیکھا تھا۔

دفعتاً ان کے ہاتھوں سے ریوالور نکل گئے۔ شاید وہ چاروں بیک وقت اُن پر ٹوٹ پڑے تھے۔ دونوں ان پر مکوں کی بارش کر رہے تھے.... اور انہیں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ چاروں مدافعتی جدوجہد کر رہے ہوں۔ شاید اس طرح وہ نکل جانے کی کوشش میں تھے۔

پرنسٹن کے چوراہے پر کھڑے ہوئے ٹریفک کانسٹیبل کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکلی اور اس کے دونوں اٹھے ہوئے ہاتھ نیچے کی طرف جھول کر رہ گئے اور وہ تیز رفتار ٹرک چوراہے سے گذر گیا جسے دیکھ کر اُس کی یہ حالت ہوئی تھی۔

آگے چل کر ایک راہ گیر بھی اپنی بے ساختہ چیخ نہ روک سکا ٹرک کی رفتار بہت تیز تھی اور وہ زیادہ تر ایسی ہی سڑکوں پر مڑ رہا تھا جن پر زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں رہتی تھی۔

زور ولین میں ایک پھل فروش کی نظر ڈرائیور کی سیٹ پر پڑی اور وہ چیخ کر اپنے ٹھیلے پر آ رہا۔ ٹھیلا الٹ گیا۔ وہ خود اسی ٹرک کی زد میں آ گیا ہوتا۔ لیکن ٹرک بڑی صفائی سے کترا کر آگے نکل گیا۔

چیتھم روڈ پر ایک آدمی ٹیلی فون کے تار کے کھمبے پر چڑھا لائن کی خرابی دور کر رہا تھا جیسے ہی ٹرک اس کے قریب سے گذرا.... اور وہ اوندھے منہ نیچے چلا آیا۔

آدھ گھنٹے کے اندر ہی اندر سارے شہر میں اُس ٹرک کے متعلق سنسنی پھیل گئی اور پولیس کی کئی کاریں اس کی تلاش میں مختلف سڑکوں پر چکر لگانے لگیں۔

اور وہ ٹرک پولوگراؤنڈ والی سنسان سڑک پر ہو لیا تھا اور اب وہ ایک ایسے کچے راستے پر مڑ رہا تھا جو ہوائی اڈے کی طرف جاتا تھا۔ کچے راستے کے اختتام پر پھر ایک پختہ سڑک ملی جو ہوائی اڈے کے پھاٹک پر ختم ہو گئی تھی۔ دفعتاً ٹرک ٹھیک اُسی جگہ پر رک گیا جہاں وہ کچا راستہ سڑک سے آ ملا تھا۔

ٹرک اس طرح رکا تھا کہ پختہ سڑک بالکل بند ہو گئی تھی ٹرک کا انجن نہیں بند کیا گیا تھا۔ اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ گرد و پیش کے مناظر تاریکی میں ڈوبتے جا رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد ہوائی اڈے کی مخالف سمت میں کسی کار کی ہیڈ لائیٹس نظر آئیں۔ ان کی روشنی پھسلتی ہوئی دو چار بار ٹرک پر بھی پڑی۔ کار کا ڈرائیور دور ہی سے اُس ٹرک کو راہ میں حائل

پے در پے ہارن دینے لگا تھا۔ لیکن ٹرک میں جنبش تک نہ ہوئی۔ البتہ اُس کا انجن بدستور آنے والی کار ایک بڑی سیاہ رنگ کی لیماؤسین تھی۔ اس کی رفتار بتدریج کم ہوتی گئی اور پھر سے شاید پانچ یا چھ گز کے فاصلے پر رک گئی۔ ڈرائیور نے چیخ کر کچھ کہا لیکن ٹرک سے کوئی ملا آخر وہ کار سے اُتر کر آگے بڑھا۔

ٹرک کی ڈرائیور کی سیٹ سے ایک عجیب الخلقت چیز اتری سات فٹ اونچا بن مانس۔ اپنے منہ سے ایک عجیب طرح کی آواز نکالی اور ٹرک کے پچھلے حصے سے دھماد ھم کئی بن ٹرک پر کود آئے۔ کار کا ڈرائیور تو پہلے ہی چاروں خانے چت گر چکا تھا لیکن کار کے اندر دیئے کسی آدمی نے ٹارچ کی روشنی باہر ڈالی.... پھر کار میں کئی چیخیں گونجیں۔

"ریوالور.... ریوالور....!" اندر کسی نے چیخ کر کہا۔ آواز خوفزدہ سی تھی۔ پھر دوسرے ہی ں کار کے اندر سے فائر ہونے شروع ہو گئے۔

ڈرائیور کی سیٹ سے اترا ہوا بن مانس گولیوں کی پرواہ نہ کر کے برابر کار کی طرف بڑھتا جا رہا ار میں تین آدمی تھے اُن میں سے ایک اُچھل کر ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ لیکن ابھی وہ اسٹارٹ بھی نہ کر پایا تھا کہ دو گنجان بالوں بالوں والے سخت ہاتھ اس کی گردن پر پڑے اور پھر بڑی بے دردی سے کار سے باہر کھینچ کر ایک طرف ڈال دیا گیا۔ اندر سے فائر اب بھی ہے تھے اور بقیہ بن مانسوں نے کار کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ اُن میں سے کئی ریوالور کی ں کا نشانہ بن کر زمین پر پڑے چیخ بھی رہے تھے۔ ان کی چیخوں سے دوسرے بن مانسوں کا ں وخروش بڑھ گیا تھا اور وہ چاروں طرف سے کار پر ٹوٹے پڑ رہے تھے۔ کار میں بیٹھے ہوئے وں آدمی خوفزدہ ضرور تھے لیکن انہوں نے اپنے اوسان خطا نہیں ہونے دیئے تھے۔ دو رناک ہاتھ کار کی پچھلی سیٹ پر بڑھے پھر فائر ہوا۔ گولی اس بن مانس کے سینے پر پڑی جو کار کے رہا ہاتھ ڈال رہا تھا وہ اپنی جگہ سے ایک گز پیچھے اچھل کر لڑکھڑایا لیکن زمین پر نہیں گرا۔ کار سے فائر ہوا۔ اس بار گولی اس کے داہنے شانے سے نکل گئی۔

اُس نے ایک بھیانک چیخ ماری اور پھر کار کی طرف جھپٹا.... دوسرے لمحے میں اُس نے ایک آدمی کو کار سے باہر کھینچ کر سڑک کے کنارے اچھال دیا۔ دوسرا آدمی اب بھی اندر سے فائر کر رہا تھا۔

ہوائی اڈہ قریب ہی تھا۔ شور کے ساتھ فائروں کی آوازیں بھی وہاں تک پہنچیں اور بہت

سے لوگ اسی طرف چل پڑے۔ انہیں دور سے بڑے بڑے تاریک سائے دکھائی دے رہے تھے اور کبھی کبھی ریوالور کے شعلوں کی چمک بھی نظر آجاتی تھی شور کچھ عجیب قسم کا تھا۔ ایسا شور عمر انہوں نے کبھی نہیں سنا تھا۔ اسی شور میں انہیں کبھی کبھی کسی آدمی کی چیخیں بھی سنائی دے جاتی تھیں۔ وہ تیزی سے اُس طرف بڑھتے رہے اُن کے ساتھ مسلح محافظوں کی ایک ٹولی بھی تھی۔

ادھر اُس بن مانس نے آخری آدمی کو بھی کھینچ کر سڑک پر پٹخ دیا.... اس کے بعد اس نے کار سے کوئی وزنی چیز اٹھائی اور جھپٹتا ہوا ٹرک کے پاس آیا.... دوسرے لمحے میں ٹرک بڑی تیزی سے کچے راستے پر مڑ رہا تھا۔

ہوائی اڈہ کے عملہ نے ٹارچیں روشن کرلی تھیں اور وہ تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے انہوں نے دور سے دیکھا کہ عجیب الخلقت جانور ایک سیاہ رنگ کی کار پر چاروں طرف سے ٹوٹے پڑ رہے ہیں۔ فائر بند ہوگئے تھے۔ پہلے تو وہ کچھ خوفزدہ ہوگئے پھر مسلح محافظوں نے رائفل کی باڑھ ماری تین درندے چیختے ہوئے ڈھیر ہوگئے۔ ایک جو باقی بچ رہا تھا چیختا ہوا روشنیوں کی طرف جھپٹا دوسری باڑھ ماری گئی.... اور وہ بھی لڑکھڑاتا ہوا گرا۔

گیارہ ایسے بن مانسوں کی لاشیں ان کے سامنے تھیں جن میں سے ایک کی تصویر وہ آج دوپہر کو اسٹار کے مخصوص ضمیمے میں دیکھ چکے تھے۔

پھر انہوں نے چار زخمی آدمیوں کو زمین سے اٹھایا جو بیہوش تھے۔

"ارے.... یہ تو.... سفارت خانے کے لوگ ہیں۔" کسی نے چیخ کر کہا۔

"کون.... یوگوسلاوی سفیر کے اتاشی۔" کوئی دوسرا بولا۔

فریدی دروازے پر جم گیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اُن میں سے کوئی نکل کر جاسکے لیکن چند لمحوں کے بعد اُسے حیرت ہونے لگی کیونکہ دروازے کی طرف کوئی بھی نہیں بڑھ رہا تھا البتہ دھینگا مشتی کی آوازیں برابر جاری تھیں۔ اس نے سوچا کہ شاید حمید بھی شریک ہوگیا اور دونوں نے مل کر انہیں الجھالیا ہے۔

فریدی آہستہ آہستہ کھسکتا ہوا سوئچ بورڈ کی طرف بڑھا اور روشنی کردی۔

انور اور حمید آپس میں گتھے ہوئے تھے اور برنارڈ ساتھیوں سمیت غائب تھا۔ وہ دونوں

جھلاہٹ میں ایک دوسرے پر دانت پیس کر الگ ہوگئے۔

داہنی سمت کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ فریدی اس طرف جھپٹا.... پھر انہوں نے سارا مکان چھان مارا لیکن کہیں بھی کسی آدمی کا سراغ نہ مل سکا۔ حتیٰ کہ وہ بھی نہ ملا جسے وہ بیہوش کر کے بیرونی کمرے میں ڈال آئے تھے۔

"سنو....!" فریدی نے حمید اور انور کو مخاطب کیا۔ "اب ہمیں چپ چاپ یہاں سے چل دینا چاہئے۔ برنارڈ پہلے ہی الزام لگا چکا ہے کہ حمید زبردستی اس کے گھر میں گھس آیا تھا۔"

"اس کے الزام لگانے سے کیا ہوتا ہے۔" حمید بولا۔

"شاید تم یہ بھول چکے ہو کہ ہمارا مخصوص اجازت نامہ منسوخ ہو چکا ہے۔" فریدی طنز آمیز لہجے میں بولا۔

وہ باہر نکل آئے۔ فریدی نے اپنی کار برنارڈ کے بنگلے سے کافی فاصلے پر کھڑی کی تھی انور نے اپنی موٹر سائیکل اسٹارٹ کرنی چاہی لیکن وہ اسٹارٹ نہ ہوئی۔

"ذرا ٹارچ تو دیجئے گا۔" انور نے فریدی سے کہا۔

"احمق ہوئے ہو۔" فریدی بولا۔ "اسے دھکیل کر میری کار تک لے چلو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ہمیں زیادہ دیر تک روکے رکھنے کے لئے اُسے بگاڑ گئے ہوں۔"

انور موٹر سائیکل کو دھکیل کر کیڈی تک لایا۔ پھر وہ کسی نہ کسی طرح اٹھا کر اس کی اسٹپنی میں ٹونس دی گئی۔

"مجھے یقین ہے۔" فریدی کیڈی اسٹارٹ کرتا ہوا بولا۔ "برنارڈ پولیس کو اس کی اطلاع ضرور دے گا اور اگر نہیں رپورٹ کرتا تو یہ سمجھ لو کہ وہ ہمیشہ کے لئے روپوش ہوگیا۔ دوسری صورت مجھے ناممکن نظر آتی ہے اگر واقعی اس کا تعلق اسی گروہ سے ہے تو وہ ہرگز روپوش نہ ہوگا۔"

"سو فیصدی....!" حمید سر ہلا کر بولا۔ "وہ اُسی گروہ سے تعلق رکھتا ہے وہ مجھ سے لڑکال جنگل والے اسسٹنٹ کے متعلق پوچھ رہا تھا۔"

"کیا پوچھ رہا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"یہی کہ تم لوگوں نے بن مانس کے سلسلے میں لڑکال جنگل کا نام کیوں لیا۔"

"ہوں! تب تو تم بڑے خوش قسمت تھے کہ انور کی نظر تم پر پڑ گئی ورنہ تم اس وقت دوسری

دنیا میں ہوتے۔ برنارڈ اس واقعے کے بعد تمہیں زندہ نہ چھوڑتا۔"

"مجھے خوشی ہوتی۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "کھوپڑی کا پچھلا حصہ پلپلا ہو گیا ہے۔" اس کے بعد اُس نے بغیر پوچھے پوری داستان دہرا دی۔

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ہمارے آفس کی کوئی لڑکی بھی ان سے ملی ہوئی ہے۔" فریدی بولا۔

"میرا یہ خیال نہیں ہے۔" حمید نے کہا۔ "نسرین نے اُسے تعارف کراتے ہوئے اس کا پورا نام مس روزا برنارڈ بتایا تھا۔ لیکن میں نے اس وقت لفظ برنارڈ پر غور نہیں کیا۔"

"غور کرنے کی ضرورت بھی کیا تھی۔" انور چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔ "ملائم اور نمکین گوشت کا کوئی نام نہ ہو تب بھی وہ لذیذ ہی رہتا ہے۔"

"میں تم سے بات نہیں کر رہا ہوں۔" حمید بگڑ گیا۔

"مجھ سے بات کرنے کی تم میں اہلیت ہی نہیں۔"

"فضول باتیں کسی دوسرے وقت کے لئے اٹھا رکھو۔" فریدی نے دخل اندازی کی۔ "جو میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ تم اس وقت چپ چاپ کسی ہوٹل میں جا ٹھہرو۔ اگر تمہارے سر چوٹ نہ ہوتی تو پھر تشویش کی بات نہیں تھی۔"

"کیسی تشویش میں کسی ہوٹل میں کیوں ٹھہروں۔"

"فرزند! برنارڈ تمہاری رپورٹ ضرور کرے گا اور شاید یہ بھی لکھوائے کہ اس نے غصے میں تمہیں زخمی کر دیا ہے تمہارے سر کا زخم شہادت دے گا اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ ڈی۔ ایس۔ سٹی سے ہمارے تعلقات اچھے نہیں۔"

"مگر میرے پاس کوئی سامان نہیں۔ کیا ہوٹل والوں کو شبہ نہ ہوگا اور ایسی صورت میں جب کہ میرے کوٹ پر خون کے دھبے بھی ہیں۔"

"کوٹ انور سے بدل لو۔ فی الحال میں تمہیں ریلوے اسٹیشن پر چھوڑے دیتا ہوں تم وہاں ہسپتال میں جا کر اپنے زخم کی ڈریسنگ کراؤ۔ اس کے بعد ویٹنگ روم میں انور کا انتظار کرنا تمہارا سامان لے کر آئے گا اگر میرا مخصوص اجازت نامہ منسوخ نہ ہوا ہو تا تو اس کی ضرورت نہ پیش آتی۔ خیر تم کیپیٹل میں قیام کرنا۔ بقیہ سب کچھ میں دیکھ لوں گا۔"

حمید کو اسٹیشن چھوڑنے کے بعد فریدی گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے جلدی تھی

نوں وہ جن حالات سے گذر رہا تھا ان کا تقاضا یہی تھا کہ احتیاط کا کوئی پہلو نظر انداز نہ ہونے ائے۔ گھر پہنچ کر وہ حمید کے لئے ضروری سامان ٹھیک کرانے لگا۔ اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ زیدی انور کو برآمدے میں چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلا گیا تین چار منٹ تک فون پر کسی سے تگو کرتے رہنے کے بعد پھر انور کے پاس واپس آ گیا۔

"دیکھا تم نے۔" اُس نے انور کو مخاطب کیا۔ "برنارڈ نے رپورٹ کر دی ہے۔ جگدیش کا فون تھا۔ برنارڈ نے وہی سب کچھ لکھوایا ہے جو میں تھوڑی دیر قبل کہہ رہا تھا۔ حمید نے اس کی لڑکی پر جارحانہ حملہ کیا۔ اچانک وہ آ گیا اور اس نے حمید کے سر پر گلدان کھینچ مارا۔"

"دیدہ دلیری پر حیرت ہے۔" انور بولا۔

"برنارڈ جانتا ہے کہ میرا مخصوص اجازت نامہ منسوخ ہو چکا ہے لیکن اس نے رپورٹ میں ہم دونوں کا حوالہ نہیں دیا۔ یہ بھی اس کی ایک چال ہے۔ خیر دیکھا جائے گا۔"

انور فریدی کے چہرے پر فکر مندی کے آثار دیکھ رہا تھا۔

مہم

شہر میں سراسیمگی پھیل گئی۔ اخبارات نے پچھلی رات والے بن مانسوں کے حملے کا حال بالتشریح شائع کیا تھا۔ یوگوسلاوی سفیر کا اتاشی چند اہم کاغذات لے کر اپنے ملک تک پہنچنے کے لئے ہوائی اڈے کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں اُسے چند بن مانسوں نے گھیر لیا۔ اتاشی اور اُس کے دو ساتھی ڈرائیور سمیت اپنی مدافعت کرتے رہے۔ انہوں نے اُن میں سے کئی بن مانس مار بھی گرائے۔ اُن کے ہوش میں تو کاغذات کا چرمی تھیلا محفوظ رہا تھا۔ لیکن اس جدوجہد کے دوران میں وہ کچھ دیر کے لئے اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے.... اور پھر ہوش میں آنے کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ تھیلا غائب ہے۔ اخبارات کی اطلاع کے مطابق سب سے پہلے پرنسٹن کے ٹریفک کانسٹیبل نے ایک بن مانس کو ایک ٹرک ڈرائیو کرتے دیکھ کر اس کی اطلاع پرنسٹن کے تھانے میں دی تھی۔ اس کے بعد متعدد جگہوں سے رپورٹیں موصول ہونے پر پولیس کی کئی پٹرول کاریں اس ٹرک کی تلاش میں نکل گئی تھیں۔ اخبارات نے گیارہ بن مانسوں کی لاشوں کا بھی تذکرہ کیا تھا جن

میں سے چار پر کسی قسم کے زخم نہیں پائے گئے۔ بقیہ سات کے جسموں پر کہیں گولی ضرور لگی تھی۔ چار بن مانسوں کی موت کے اسباب تک نہیں معلوم ہو سکے۔ اخبارات نے یہ بھی لکھا تھا کہ یہ بن مانس ویسے ہی تھے جیسا کہ گذشتہ دن انسپکٹر فریدی نے لڑکال جنگل میں شکار کیا تھا۔

فریدی کو اس حیرت انگیز واقع کی اطلاع پچھلی رات ہی کو مل گئی تھی جب وہ حمید اور رو برنارڈ والی خبر کی اشاعت رکوانے کے لئے اخبارات کے دفتروں کے چکر لگاتا پھر رہا تھا۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہو گیا تھا۔ کسی اخبار میں بھی حمید کے خلاف لگائے گئے برنارڈ کے الزامات کے متعلق کچھ نہیں آیا تھا اور یہ سب کچھ فریدی کے ذاتی اثر و رسوخ کی بناء پر ہوا تھا۔

صبح ہی صبح محکمہ سراغ رسانی کا ڈی۔ آئی۔ جی فریدی کی کوٹھی پر پہنچ گیا۔ رات بھی اس نے بہ نفس نفیس کئی چکر لگائے تھے لیکن فریدی سے ملاقات نہ ہو سکی۔

"آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی کہہ رہا تھا۔ "اوپر والے ہمارے معاملات میں ٹانگ اڑاتے ہیں اور پھر جب کوئی اس قسم کی واردات ہو جاتی ہے تب بھی ہم ہی سے جواب طلب کیا جاتا ہے.... پھر کہا جاتا ہے کہ ہمارا محکمہ سوتا رہتا ہے۔"

"پھر بھلا بتایئے ان آسمانی بلاؤں کو ہمارا محکمہ کس طرح روک سکتا ہے۔" فریدی بولا۔

"بھلا.... بن مانس....!"

"لاحول ولا قوۃ.... تم بھی ویسی ہی باتیں کرنے لگے۔" ڈی۔ آئی۔ جی جھنجھلا گیا۔ "تم چھپا رہے ہو۔ کیا کل تم نے ویسا ہی ایک بن مانس نہیں شکار کیا تھا۔"

"کیا تو تھا.... لیکن مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ اس قسم کے بن مانس یوگوسلاوی سفارتخانے سے بھی کچھ تعلق رکھ سکتے ہیں۔"

"مجھے بتاؤ۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے فریدی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "جوزف اور اس کی بیوی کی لاشوں کے قریب انہیں بن مانسوں کے بال پائے گئے تھے۔ پھر ان دونوں کے بھوت نے انگریزی سفارت خانے سے کچھ اہم کاغذات اڑائے.... اور اب خود ان بن مانسوں نے یوگوسلاوی سفارت خانے کی ڈاک پر ڈاکہ ڈالا۔"

"آپ نے حمید کی بابت کچھ سنا....؟" فریدی نے سوال کیا۔

"سنا ہے لیکن اس بناء پر اُسے کوئی اہمیت نہیں دی کہ رپورٹ برنارڈ نے لکھوائی ہے۔"

"آپ کا خیال درست ہے۔" فریدی بولا۔ "واقعہ یوں ہے کہ برنارڈ حمید کو دھوکا دے کر اپنے گھر بلواتا ہے اور زخمی کر دیتا ہے وہ اس سے یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ہم لوگوں نے بن مانس کے سلسلے میں لڑکال جنگل کا نام کیوں لیا۔"

"کیوں....؟ ظاہر ہے کہ تم نے اُسے لڑکال جنگل ہی میں شکار کیا تھا۔"

"قطعی نہیں...." فریدی سر ہلا کر بولا۔ "اُس نے خود ہی غریب خانے میں قدم رنجہ فرمایا تھا۔"

"کیا....؟" ڈی۔ آئی۔ جی چونک پڑا۔

"جی ہاں.... اس کا شکار میں نے اپنی کمپاؤنڈ ہی میں کیا تھا۔"

اس کے بعد فریدی نے پورا واقعہ دہراتے ہوئے کہا۔ "اب وقت آگیا ہے کہ میں آپ کو سب کچھ بتا دوں۔ آصف اور سنگھ بیچارے تو جھک مارتے ہی رہ جائیں گے۔ مجھے وہ چیز مل گئی ہے جس کی تلاش عرفانی کے قاتلوں کو تھی۔"

"اوہ.... تم نے مجھے پہلے نہیں بتایا۔" ڈی۔ آئی۔ جی شکایت آمیز لہجے میں بولا۔

فریدی اُسے اپنی تجربہ گاہ میں لایا۔ اور پھر اُس نے عرفانی کی ڈائری اور تعلیمی تاش کے دونوں پتے نکالے۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد جب وہ دونوں تجربہ گاہ سے نکل رہے تھے ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔

"فریدی سچ کہتا ہوں اگر تم جاگتے نہ رہو تو ہم سب نالائق بنا دیئے جائیں۔ بھئی مجھے اس کا اعتراف ہے کہ اگر یہ ڈائری اور تاش کے پتے مجھے ملتے تو میں انہیں ردی کی ٹوکری میں ڈال کر مطمئن ہو جاتا۔ خیر ہاں تم نے حمید کو کیوں چھپا دیا۔"

"اگر وہ ایک گھنٹے کے لئے بھی حوالات میں گیا تو میرے لئے مر جانے کا مقام ہوگا۔ مصیبت یہ ہے کہ اس کے سر پر زخم بھی موجود ہے اور دوسری مصیبت یہ کہ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی عرصہ سے اس تاک میں ہے کہ اُسے ہمارے خلاف مواد مل جائے اور بنیادی مصیبت یہ ہے کہ میرا مخصوص اجازت نامہ منسوخ ہو چکا ہے۔"

"اس کی فکر نہ کرو۔ آئی جی صاحب خود بھی پشیمان ہیں۔ میں کوتوال کو ایک حکم نامہ بھیجے دیتا ہوں کہ سرجنٹ حمید کا کیس محکمے کو ریفر کر دیا جائے۔ براہِ راست کوئی کاروائی نہ ہو.... اور کیلن نہ برنارڈ کو پکڑ ہی لیا جائے۔"

"میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔ مجرموں میں وہی ایک ایسا ہے جو اس وقت ہمارے سامنے ہے اور شاید ہم اسی کے ذریعے وہاں تک پہنچ سکیں جہاں سے وہ بن مانس برآمد ہوتے ہیں۔"

"بن مانسوں کا مقابلہ بھی عجیب ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔ "پچھلی رات سات تو گولیوں سے مرے ہیں اور چار کی موت پُراسرار ہے۔ کیونکہ انہیں گولیاں لگی ہی نہیں اور ایک کے متعلق اتاشی کا بیان ہے کہ اس پر گولیوں کا اثر ہی نہیں ہوا اور غالباً وہی ٹرک بھی ڈرائیو کر رہا تھا۔"

"اور وہی ایک بن مانس نہیں معلوم ہوتا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"کیوں.... کیا مطلب....؟"

"اس لئے کہ وہ گولیوں سے نہیں مرا۔ اور وہی ڈاک کا تھیلا لے گیا۔"

"اور اُن کے متعلق کیا کہو گے جو گولیوں کے بغیر ہی مر گئے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔

❁

سرجنٹ حمید کیپٹل ہوٹل سے گھر واپس آ گیا تھا لیکن اُسے اپنی زندگی تلخ محسوس ہو رہی تھی۔ کیونکہ برنارڈ اب بھی بے خوف و خطر آزادانہ پھر رہا تھا۔ وہ بڑی شدت سے اندر ہی اندر جھلس رہا تھا۔ اس کا بس چلتا تو وہ اُسے مار ہی ڈالتا۔ لیکن اُس نے کم از کم روزا برنارڈ سے تو انتقام لینے کی ٹھان ہی لی تھی۔ اس سلسلے میں اس کی نظر انتخاب قاسم پر پڑی لیکن وہ کوئی فیصلہ نہ کر سکا کیونکہ قاسم پرلے سرے کا بیوقوف تھا اور اُسے وقتی طور پر بھی عقلمند بنا دینا کم از کم اُس کے بس کا روگ نہیں تھا۔

وہ دن بھر نئی نئی اسکیمیں سوچتا رہا اور شام ہوتے ہی قاسم کی طرف چل پڑا۔ لیکن قاسم گھر پر موجود نہیں تھا۔ اس کی بیوی نے بتایا کہ وہ دو دن سے غائب ہے شاید یہ پہلا اتفاق تھا کہ وہ گھر والوں کو اطلاع دیئے بغیر اس طرح غائب ہو گیا تھا۔

حمید ناکام واپس لوٹا۔ گھر پہنچ کر وہ نئے نئے منصوبے بنانے لگا۔ آخر اُس نے سوچا کیوں نہ کسی میک اپ میں قسمت آزمائی کی جائے لیکن معاملات چونکہ بہت زیادہ الجھ گئے تھے اس لئے اس نے یہی مناسب سمجھا کہ فریدی کی رائے بھی معلوم کر لی جائے۔ ورنہ ممکن ہے بعد کو وہ اپنی ناکامی کا الزام اُسی کے سر منڈھ دے۔

فریدی اس کی لاعلمی میں کئی گھنٹے سے گیراج میں کچھ ٹھوک پیٹ رہا تھا۔ حمید نے اُسے پہلے گھر میں تلاش کیا۔ پھر سوچا ممکن ہے باہر گیا ہو۔ وہ اُسے دیکھتا ہوا گیراج تک گیا جس کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ حمید نے دستک دی۔ فریدی نے دروازہ کھولا۔ وہ پسینے میں نہایا ہوا تھا اور اُس کے ہاتھ میلے تھے۔ کپڑوں پر بھی ایک آدھ جگہ تیل کے تاریک دھبے نظر آ رہے تھے۔

"تمہاری ضرورت بھی تھی۔" فریدی نے اُسے اندر کھینچتے ہوئے کہا۔

"ارے ارے.... میرے کپڑے۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"صرف کفن نہ میلا ہونا چاہئے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "بقیہ سب چلتا ہے۔"

فریدی کی جیپ کار پر نظر پڑتے ہی حمید کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ جیپ کار کی پچھلی نشست کے دونوں اطراف میں مشین گنیں فٹ تھیں اور اب فریدی ان کے دھانوں کو چھوڑ کر بقیہ حصے بڑے بڑے گدوں کے نیچے چھپا رہا تھا۔

"یہ کیا مصیبت ہے؟"

"تمہارے دردِ سر کا علاج! لڑکال جنگل میں خوبصورت لڑکیاں نہیں ملتیں۔"

"لڑکال جنگل۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "کیوں وقت برباد کر رہے ہیں۔ یہ تاش کے پتے...."

"کیا سر کی چوٹ بھول گئے۔ بھلا یہ کس سلسلے میں آئی ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی تھوڑی دیر تک مختلف پہلوؤں سے جیپ کار کا جائزہ لیتا رہا پھر وہ دونوں گیراج سے باہر نکل آئے۔

"آج تو موسم بھی بڑا دلکش ہے۔" فریدی نے کہا۔ "خاصی تفریح رہے گی۔"

"تو کیا اسی جیپ پر چلنے کا ارادہ ہے.... آخر مشین گن کیوں؟"

"بطخوں کا شکار کریں گے۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔

"اللہ ہماری مغفرت فرما۔" حمید نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ "ہم بہت جلد تیری ہی طرف آنے والے ہیں۔"

ایک گھنٹے بعد ان کی جیپ شہر کی سنسان راہوں سے گذرتی ہوئی مضافات کی طرف جا رہی تھی۔ فریدی نے دن بھر کی محنت سے اُسے ایک اچھی خاصی اسلحہ بند گاڑی بنا لیا تھا۔ اور اس کی ہڈ

میں چاروں طرف چھوٹی چھوٹی سرچ لائٹیں فٹ کردی تھیں۔ جو فی الحال روشن نہیں تھیں۔

"آپ جنگل میں تو گھس نہ سکیں گے۔" حمید بولا۔

"کیوں کیا تم اُس دس میل لمبی سڑک سے کبھی نہیں گذرے جو بالی کیمپ سے تار جام کی طرف گئی ہے۔"

"اوہ.... ٹھیک ہے جس پر وہ کولتار والی فیکٹری ہے۔"

"ٹھیک وہی.... بس آج ہم اُس سڑک کی پیمائش کریں گے اگر کہیں تمہیں بطخیں دکھائی دیں تو مشین گنوں کے سوئچ آن کر دینا۔"

"اوہو.... کیا آپ کو توقع ہے کہ وہ بن مانس وہیں رہتے ہوں گے۔"

"پتہ نہیں.... یہ تو میں نے احتیاطاً۔"

"ذرا یہ تو سوچئے۔" حمید نے اُس کی بات کاٹ کر کہا۔ "اگر اُس جنگل میں ایک بھی ویسا خوفناک بن مانس ہوتا تو کم از کم کولتار فیکٹری والے ضرور ہلڑ مچاتے۔"

"تو فرزند یہ بھی ناممکن ہے کہ اتنی تعداد میں وہ درندے شہر ہی کے کسی حصے میں مقیم ہوں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ بن مانس بہت زیادہ غل غپاڑہ مچاتے ہیں۔ اگر وہ اس جنگل ہی کے کسی حصے میں ہوتے تو کم از کم بالی کیمپ والی سڑک سے گذرنے والے یا کولتار فیکٹری کے لوگ کبھی تو اُن کی آواز سنتے۔"

"بھئی سچ پوچھو تو یہ معاملہ ابھی تک میری سمجھ میں آیا ہی نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"یوگوسلاوی سفیر کے اتاشی کو جو واقعہ پیش آیا ہے اپنی نوعیت کے اعتبار سے عجیب ہی نہیں بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہے ایک بن مانس کا شہر کی سڑکوں پر ٹرک ڈرائیو کرنا وہ بھی اس چابکدستی سے کہ کہیں کوئی حادثہ نہیں پیش آیا۔ پھر حملہ کر کے ڈاک کا تھیلا لے بھاگنا۔ آخر دوسرے بن مانس اتنے احمق کیوں تھے کہ وہ نہیں بھاگے۔"

"اور کچھ اُن سے بھی زیادہ احمق تھے جو خود بخود مر گئے۔"

"ٹرک ڈرائیو کرنے والا تو سو فیصدی آدمی تھا۔" فریدی نے کہا۔ "اور اُس نے بن مانس کی کھال کے نیچے بلٹ پروف لگا رکھے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس پر گولیوں نے اثر نہیں کیا۔"

"آج کل آپ جیرالڈ شاستری کو بُری طرح نظر انداز کر رہے ہیں۔" حمید نے آنکھ

موضوع بدل دیا۔

"جیرالڈ....!" فریدی ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس ڈرامے میں اس کا کیا رول ہے۔"

"وہ کسی پُراسرار قوت کا مالک ہے۔" حمید نے کہا۔ "مجھے آج تک اس کے علاقے اور کسی آدمی سے خوف نہیں محسوس ہوا۔"

"مجھے وہ ملاقات اچھی طرح یاد ہے۔" فریدی بولا۔ "لیکن مجھ پر اُس کی شخصیت کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔"

"آپ خود ہی اپنا پروپیگنڈا کرتے ہیں۔" حمید نے جل کر کہا۔

"غلط نہیں کرتا۔"

"آدمی کو کبھی کبھی کسر نفسی سے بھی کام لینا چاہئے۔"

"بفشہ بھی پینا چاہئے۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "میری کسر نفسی سے مجھے یا دوسروں کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ سوائے اس کے کہ میری کسر نفسی کے متمنی لوگوں کے غرور کی تھوڑی سی تسکین ہو جائے۔"

"آپ مغرور ہو گئے ہیں۔"

"وہی دو ٹکے والی بات۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "جب میرے غرور سے تمہارے غرور کو ٹھیس لگتی ہے تو تم مجھے مغرور کہہ دیتے ہو۔"

"میں تو فی الحال آپ کو لاچار اور مجبور سمجھتا ہوں۔" حمید نے چڑھانے والے انداز میں قہقہہ لگایا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ جیپ کار شہر سے بالی کیمپ جانے والی سنسان سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ آسمان ابر آلود ہونے کی وجہ سے تاریکی بڑھ گئی تھی۔ حمید بہت کچھ بکنا چاہتا تھا لیکن اُس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ فریدی زیادہ گفتگو کے موڈ میں نہیں ہے۔

لڑکال جنگل کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا اور مختلف قسم کی آوازیں جیپ کے شور کے باوجود بھی ان کے کانوں تک پہنچ رہی تھیں۔

"فریدی صاحب۔" حمید بولا۔ "اگر وہ ہوں گے بھی تو جنگل کے کسی دشوار گذار حصے میں۔"

"مجھے کب اس سے انکار ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ہم تو صرف سڑک ناپنے جا رہے ہیں۔ وہ بن مانس جو ہماری کمپاؤنڈ میں گھسا تھا کیا ہمارا پتہ پوچھتا ہوا آیا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اُسے کوئی آدمی وہاں تک لایا ہوگا۔ اگر وہ بن مانس ٹرک استعمال کرتے ہیں تب تو انہیں یقیناً اسی سڑک سے گذرنا پڑتا ہوگا۔"

"اونہہ مارئیے گولی! میں تو شدت سے بور ہو چکا ہوں۔ ذرا رفتار کم کیجئے۔ پائپ سلگاؤں گا۔"

فریدی نے رفتار کم کر دی اور حمید پائپ سلگانے لگا۔

اُن کے سامنے بہت دور سے کسی موٹر کی ہیڈ لائیٹس نظر آ رہی تھیں۔

فریدی نے جیپ کی رفتار پھر تیز کر دی۔ سامنے سے آنے والی موٹر قریب ہوتی جا رہی تھی۔ ایک جگہ جیپ کار کچھ اونچائی پر آئی تھی کہ اُس کی ہیڈ لائیٹس کی روشنی سامنے سے آنے والی موٹر کے ونڈ اسکرین پر پڑی اور حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔ ڈرائیور کی سیٹ پر وہی عجیب الخلقت درندہ بیٹھا ہوا تھا۔

"خاموش....!" فریدی آہستہ سے بولا۔

ٹرک تیزی سے جیپ کے قریب سے نکل گیا۔ فریدی نے اپنی گاڑی روک دی اور مڑ کر دیکھنے لگا۔ ٹرک کی پچھلی سرخ روشنی دور ہوتی جا رہی تھی۔ جب فاصلہ کافی زیادہ ہو گیا تو فریدی نے بھی جیپ اُسی طرف موڑ لی۔ اس کی ہیڈ لائیٹس بجھا دی تھیں اور اب اندھیرے میں آگے جانے والے ٹرک کا تعاقب شروع ہو گیا تھا۔

"کیا بطخوں کے شکار کا وقت قریب آ گیا ہے۔" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔

"ذرا صبر کرو۔"

حقیقتاً وہ لمحات حمید کے لئے بڑے صبر آزما تھے۔ اگر اس وقت اسٹیئرنگ اُس کے ہاتھ میں ہوتا تو وہ اتنے فاصلے سے تعاقب کرنے کی بجائے ٹرک کے پہلو میں ہوتا اور جیپ کے ایک طرف کی مشین گن گولیاں اگل رہی ہوتی۔

اُدھر فریدی سوچ رہا تھا کہ کاش اس وقت جیپ کی بجائے کیڈی لاک ہوتی۔ اُسے خدشہ تھا کہ جیپ کے انجن کی آواز ٹرک والوں کو ہوشیار نہ کر دے۔ اس بات کا تو اُسے یقین تھا کہ ٹرک ڈرائیو کرنے والا درندے کے بھیس میں کوئی آدمی ہی ہے۔ جیپ کار اندھیرے میں فراٹے بھرتی رہی۔

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔" حمید اکتا کر بولا۔

"یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ آج ان کے ارادے کیا ہیں۔"

"اگر نکل گئے تو۔"

"مجھے یقین ہے کہ یہ کسی صورت سے نہیں بچ سکتے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "مجھے ان کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ انہوں نے مجھ سے جنگل کی خاک نہیں چھنوائی۔"

"اگر آپ نے انہیں مار لیا تو ان کے ٹھکانے کا پتہ کس طرح چلے گا۔"

"بس ایک کو زندہ چھوڑنا ہے اُسے جو ٹرک ڈرائیو کر رہا ہے۔"

"آپ کا خیال ہے کہ وہ بن مانس کی کھال میں کوئی آدمی ہے اور اُس نے کھال کے نیچے بلٹ پروف لگا رکھے ہیں۔ اگر صورت حال یہی ہے تو وہ لامحالہ بچ جائے گا۔"

"خیر یہ تو کوئی بات نہیں۔ مشین گن کی گولیاں ایک مخصوص فاصلے سے بلٹ پروف کے باپ کے بھی پرخچے اڑا دیتی ہیں۔"

"مشین گنیں تو میرے خیال سے بالکل ہی بیکار ثابت ہوں گی۔" حمید نے کہا۔ "کیونکہ آپ نے انہیں اِدھر اُدھر فٹ کر رکھا ہے۔ اگر انہوں نے سامنے سے ہم پر حملہ کر دیا تو۔"

"ہمارے پاس دو عدد برین گن بھی ہیں فرزند۔" فریدی پُر سکون لہجے میں بولا اور حمید خاموش ہو گیا۔

اس کا ذہن پراگندگی کا شکار ہو گیا تھا۔ خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ اس خیال سے کہ کہیں وہ ٹرک انہیں دھوکے میں رکھ کر کسی اور طرف نہ نکل جائے۔

اگلا ٹرک شہر کی طرف مڑ گیا۔

"پچھلے حصے میں بھی بن مانس ہی ہوں گے۔" حمید بولا۔

"کثیر تعداد میں....!" فریدی نے کہا۔ "کیا تم نے دیکھا نہیں تھا۔"

"نہیں!... میں نہیں دیکھ سکا۔"

پھر خاموشی ہو گئی۔ تعاقب برابر جاری رہا۔ فریدی نے شہر جانے والی سڑک پر بھی جیپ کار کی ہیڈ لائیٹس نہ روشن کیں۔ سڑک یوں بھی سنسان تھی اس لئے اس میں بھی کوئی خاص دشواری نہیں ہو رہی تھی.... اچانک فریدی نے محسوس کیا کہ وہ ٹرک خود بھی ایسی سڑکوں کو

نظر انداز کر رہا ہے جن پر اتنی رات گئے بھی ٹریفک کی موجودگی کا امکان ہو سکتا تھا۔

کچھ دیر بعد جب وہ ٹرک ایک عمارت کے سامنے رک گیا تو حمید کو اپنا دل کھوپڑی میں دھمکتا ہوا محسوس ہونے لگا.... یہ جیر الڈ شاستری کی کوٹھی تھی۔

فریدی نے کافی فاصلے پر اپنی جیپ کار روک دی تھی۔ وہ دونوں ہاتھوں میں برین گنیں لئے ہوئے جیپ سے اُترے اور دوسری عمارتوں کی چہار دیواریوں سے لگ کر رینگتے ہوئے جیر الڈ کی کوٹھی کی طرف بڑھنے لگے۔

ٹرک سے طویل القامت اور مہیب سائے اُترنے شروع ہو گئے تھے پھر وہ سب سلاخوں دار پھاٹک پر چڑھ چڑھ کر جیر الڈ کی کوٹھی کے کمپاؤنڈ میں داخل ہونے لگے۔

پھنس گئے

کچھ دیر تک بالکل خاموشی رہی۔ حمید کو پھر الجھن ہونے لگی تھی وہ سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی آگے کیوں نہیں بڑھتا۔

تھوڑی دیر بعد جیر الڈ کی کوٹھی سے شور بلند ہونے لگا۔ دو ایک فائروں کی بھی آوازیں آئیں۔ فریدی ابھی تک وہیں جما رہا۔ ابھی تک حمید یہ سمجھ رہا تھا کہ بن مانسوں کا کچھ نہ کچھ تعلق جیر الڈ سے ضرور ہے لیکن اب ایسی حالت میں اگلا نظریہ کیونکر قائم رہ سکتا تھا۔

شور بڑھتا گیا۔ فائروں کی آوازیں بھی بدستور آ رہی تھیں۔ قرب و جوار کی عمارتوں کی کھڑکیوں میں رفتہ رفتہ روشنی نظر آنے لگی تھی۔

"تم جیپ پر واپس جاؤ۔" فریدی نے حمید سے کہا اور حمید شاید انکار ہی کرنے والا تھا کہ فریدی پھر بولا۔

"جو میں کہوں وہ کرو.... اگر وہ ٹرک چل پڑے تو ہرگز تعاقب نہ کرنا۔ جاؤ۔"

حمید نے بے چوں و چرا تعمیل کی۔ حالانکہ اس کا دل نہیں چاہتا تھا۔

فریدی آہستہ آہستہ ٹرک کی طرف رینگنے لگا۔

قرب و جوار کے لوگ بھی بیدار ہو کر گھروں سے نکلنے لگے تھے۔ فریدی ٹرک کے قریب

پہنچ کر سیدھا ہو گیا اور دوسرے ہی لمحے میں وہ اس کے پچھلے حصے میں تھا۔

سڑک پر کھڑے ہوئے لوگ پہلے تو سمجھ ہی نہ سکے کہ شور کہاں ہو رہا ہے۔ ان میں سے بہتیرے جیر الڈ کے لڑکے لیمی آرتھر کی آواز بخوبی پہچانتے تھے۔ انہوں نے اس کی چیخیں سنیں اور صاف پہچانیں۔ پھر وہ پھاٹک کی طرف بڑھ ہی رہے تھے کہ انہیں اچانک رک جانا پڑا۔ وہ نہ صرف رکے بلکہ بہتوں کی چیخیں بھی نکل گئیں.... ایک طویل القامت بن مانس جس نے اپنے ہاتھ میں کوئی وزنی چیز لٹکا رکھی تھی پھاٹک سے نکل کر نہایت اطمینان سے ٹرک کی طرف بڑھ رہا تھا۔ لوگ ایک دوسرے پر گرنے لگے۔

ٹرک چل پڑا اور کسی میں بھی اتنی ہمت نہ ہوئی کہ وہ کسی قسم کی مزاحمت کرتا۔

حمید نے ٹرک کو دیکھا لیکن کوئی اقدام نہ کر سکا۔ بعض اوقات فریدی کے اس طرح کے احکامات اُسے شدت سے کھل جاتے تھے۔ اس نے ٹرک کا تعاقب نہ کیا۔ لیکن کم از کم وہاں سے چلا جانا اُس کی متجسس طبیعت کے برعکس تھا۔ وہ یہ معلوم کرنے کے لئے بُری طرح بے چین تھا کہ جیر الڈ پر کیا گزری۔ فریدی نے اُسے صرف ٹرک کا تعاقب کرنے سے منع کیا تھا یہ تو نہیں کہا تھا کہ وہ وہاں سے چلا ہی جائے۔ بہر حال حمید نے وہاں ٹھہر جانے کا جواز پیدا کر کے جیپ اسٹارٹ کر دی اور ٹھیک اسی مجمع کے قریب آ کر رکا لوگوں کی دانست میں شاید وہ بن مانس ایک ہی تھا جو ٹرک پر جا چکا تھا۔ حمید اپنے ہاتھ میں برین گن لئے ہوئے جیپ سے اُتر آیا۔

دفعتاً پھاٹک پر پھر دو مہیب سائے دکھائی دیئے جو بند پھاٹک پر چڑھ کر باہر آنے کی کوشش کر رہے تھے لوگ چیخیں مار کر بھاگنے لگے۔

حمید کی برین گن گولیاں اگل رہی تھی۔ دونوں چیختے ہوئے ڈھیر ہو گئے۔ برن گن خاموش ہو گئی اور حمید اُسے دوبارہ لوڈ کرنے لگا۔

بھاگتے ہوئے لوگ ٹھہر گئے لیکن وہ دور کھڑے ہوئے تھے۔ حمید ان کی طرف مڑا۔

"مجھے ایک دلیر آدمی چاہئے۔" حمید نے کہا۔

"آپ کون ہیں۔" مجمع میں سے کسی نے پوچھا۔

"پولیس....!"

سناٹا چھا گیا.... تھوڑی دیر بعد ایک آدمی مجمع سے نکل کر حمید کی طرف بڑھا۔

"آپ کیا چاہتے ہیں۔" اُس نے حمید سے پوچھا۔

"ہم اندر چلیں گے۔" حمید بولا۔

"خطرناک ہے۔" اُس آدمی نے کہا۔ "میں نہتا ہوں۔"

"فکر نہ کیجئے۔" حمید نے جیب کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ اُس نے اس میں سے اپنا ریوالو نکالا اور برین گن اُس آدمی کے ہاتھ میں دیتا ہوا بولا۔ "خطرے کے وقت اس ٹریگر کو دباتے جایئے گا۔"

"میں جانتا ہوں.... فوج میں رہ چکا ہوں۔" اُس آدمی نے کہا۔

"تب تو اور بھی اچھا ہے.... آیئے۔"

حمید آگے بڑھ کر پھاٹک پر چڑھ گیا۔ اس کے پیچھے وہ فوجی تھا۔ برآمدے میں پہنچتے انہوں نے پھر ایک فائر کی آواز سنی اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی اندر سے بھاگتا ہوا برآمدے طرف آرہا ہو۔

دروازہ کھلا اور کوئی دھڑام سے فرش پر آرہا۔ برآمدے میں اندھیرا تھا۔ حمید نے ٹار روشنی کی یہ جیرالڈ شاستری تھا۔ حمید اُسے اٹھانے کے لئے بڑھ ہی رہا تھا کہ فوجی کے ہاتھ میں ہوئی برین گن کا رخ دروازے کی طرف مڑ گیا ساتھ ہی دو شعلے نکلے اور ایک درندہ چیختا ہوا جیر شاستری پر ڈھیر ہو گیا۔ اگر حمید آگے بڑھ کر جیرالڈ کو اُس کے نیچے سے کھینچ نہ لیتا تو شاید اُس توڑتے ہوئے وحشی نے اُس کے پرخچے اڑا دیئے ہوتے۔

ایک لامتناہی سناٹا۔

سڑک پر کھڑے ہوئے آدمیوں کی آوازیں آنی بند ہو گئیں تھیں۔

تھوڑی دیر بعد جیرالڈ کو ہوش آگیا۔ اُس وقت حمید نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر خوفزدہ بچے کے چہرے کی سی کیفیتیں طاری تھیں اس کی آنکھوں اور چہرے کے خدوخال میں ربط اور کافی ہم آہنگی تھی۔

"لے گئے۔" وہ بچوں کی طرح چیخا۔ "میری زندگی لے گئے.... میں لٹ گیا۔"

"کیا لے گئے؟" حمید نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

"تم کون ہو....؟"

"پولیس....!"

"اب آئی ہے پولیس.... کسی کو بھی اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہیں۔ کیا ہو رہا ہے اس شہر میں؟ پولیس سو رہی ہے۔ میں برباد ہو گیا۔"

"کیا لے گئے کچھ بتایئے بھی تو۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"میری بدھ کی مورتی.... ٹھوس سونے کی تھی۔ دس سیر وزن....!"

"اوہ....!"

"اس پر میں نے سیاہ پینٹ کرا دیا تھا تاکہ وہ محفوظ رہ سکے۔"

"کوئی جانتا تھا! اُس کے متعلق۔"

"کوئی بھی نہیں.... حتیٰ کہ میرے لڑکے کو بھی اس کا علم نہیں۔"

"آپ کا لڑکا اس وقت کہاں ہے۔"

"آہ لیمی.... میرا لیمی۔" جیرالڈ بے تحاشا چیخا۔ "لیمی بیٹے تم کہاں ہو۔"

وہ پاگلوں کی طرح اندر بھاگ گیا۔

حمید نے فوجی کو اندر چلنے کا اشارہ کیا۔

اندر انہیں بن مانس کی آٹھ لاشیں ملیں۔ لیمی ایک کمرے میں بیہوش پایا گیا۔ اس کے ہاتھ میں بھی رائفل دبی ہوئی تھی اور منہ سے خون بہہ رہا تھا۔

جیرالڈ نے اُسے اٹھا کر ایک صوفے پر ڈال دیا۔

حمید درندوں کی لاشوں کو ٹٹولتا پھر رہا تھا۔ فوجی بھی اس کے ساتھ تھا۔ اچانک حمید کے منہ سے ہلکی سی آواز نکلی اور فوجی چونک کر اُسے دیکھنے لگا۔

حمید ایک درندے کے تلاؤں کو ٹٹول رہا تھا۔ جن میں چمڑے کے تسمے کسے ہوئے تھے۔ حمید نے تسمے کھول ڈالے کھال ڈھیلی پڑ گئی اس نے اسے اوپر کی طرف کھینچا۔ کسی آدمی کا پنجہ باہر نکل آیا۔

"ارے....!" فوجی اچھل کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"ڈرو نہیں دوست! اس کی کھال اتارنے میں میری مدد کرو۔" حمید بولا۔

تھوڑی سی جدوجہد کے بعد وہ اس آدمی پر سے بن مانس کی کھال اُتارنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ ایک ایسے شخص کی لاش تھی جسے ہر آدمی اچھی طرح پہچانتا تھا۔ برنارڈ ان کے سامنے

ننگا پڑا تھا۔

"تو یہ سب بھی....!" فوجی ہکلا کر رہ گیا۔

"دیکھتے ہیں.... ہو سکتا ہے۔" حمید نے کہا اور پھر اُس نے جیرالڈ کو آواز دی۔ وہ دوسرے کمرے میں تھا۔ آواز سنتے ہی باہر نکل آیا۔

"اسے پہچانتے ہیں آپ۔" حمید نے لاش کی طرف اشارہ کیا۔

"کیوں.... ارے۔" جیرالڈ بوکھلا کر بولا۔ "یہ تو برنارڈ ہے.... اسے کیا ہوا؟"

"یہ بھی انہیں درندوں میں تھا.... یہ رہی اس کی کھال اور شاید آپ ہی کی گولی کا نشانہ بنا ہے۔"

"مگر.... میں نے دھوکے میں مارا.... یہ جرم نہیں ہے.... میں نہیں جانتا تھا۔" جیرالڈ کے لہجے میں بدحواسی تھی۔

وہ پھر بولا۔ "کیا یہ سب آدمی ہی ہیں۔ اُف! برنارڈ گھر کا بھیدی۔ شاید وہ مورتی کا راز جانتا تھا۔"

حمید کوئی جواب دینے کے بجائے پھر اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ اس نے اندر کی سارے لاشیں دیکھیں۔ باہر کی تینوں لاشوں کا بھی جائزہ لیا۔ وہ سب بن مانس ہی تھے۔ اُن میں سے ایسے بھی تھے جن کے گولی نہیں لگی تھی۔ لیکن وہ بے جان تھے۔

❁

دوسرے دن شہر کے گلی کوچوں میں فوج کے مسلح دستے گشت کر رہے تھے اخبارات نے بہت شور مچایا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ یہ جیرالڈ اپنے علمی تجربے کی بناء پر ہر طبقے میں احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ اُس کا اس بے دردی سے لٹ جانا لوگوں کی نظروں میں کافی اہمیت رکھتا تھا اخبارات نے حکام سے پرزور اپیل کی تھی کہ اس پُر اسرار دہشت انگیزی کا سدباب کرنے کے لئے کوئی مناسب قدم اٹھایا جائے۔

محکمہ سراغ رسانی کے دفتر میں آفیسروں کی میٹنگ ہو رہی تھی۔ حمید ابھی ابھی پچھلی رات کے واقعات دہرا کر بیٹھا تھا کہ آئی۔ جی نے اس سے سوال کیا۔

"اور فریدی کہاں ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ وہ ٹرک کے تعاقب میں تھے۔"

"اس وقت کہاں ہے۔"

"ابھی تک واپسی نہیں ہوئی۔"

"کیا یہ سچ ہے کہ برنارڈ نے تم پر ناجائز دباؤ ڈال کر کچھ معلوم کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"جی ہاں.... درست ہے.... وہ مجھ سے لڑکال جنگل کے متعلق معلوم کرنا چاہتا تھا۔"

"لڑکال جنگل کے متعلق کیا معلوم کرنا چاہتا تھا۔" آئی۔ جی نے جھنجھلا کر کہا۔ "جو کچھ تمہیں معلوم ہے بیان کر جاؤ۔"

"فریدی صاحب نے وہ بن مانس گھر پر ہی شکار کیا تھا۔"

"کیا....؟" آئی جی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں! گھر پر ہی! لیکن وہ ایک ہی تھا اور اُسے ہمارے کتوں نے گھیر لیا تھا۔ پھر فریدی صاحب نے اُسے گولی مار دی۔ اسٹار کا ضمیمہ ان کی خواہش کے مطابق شائع ہوا تھا اور لڑکال جنگل کی کہانی ان کی ہی اُپج تھی۔"

"آخر کیوں! لڑکال جنگل کا نام کیوں لیا گیا تھا۔" آئی جی نے بھنویں سکوڑ کر پوچھا۔

"برنارڈ بھی مجھ سے یہی معلوم کرنا چاہتا تھا۔ لیکن مجھے اس کا علم ہی نہیں تھا۔ میں اُسے کیا بتاتا۔"

"تمہیں اس کا علم نہیں۔" آئی۔ جی نے اُسے تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں.... وہ بہتیری باتیں مجھے بھی نہیں بتاتے۔"

تم نے اس سے پہلے بھی کبھی برنارڈ کو جیرالڈ کے مکان پر دیکھا تھا۔

"جی ہاں.... ایک بار جب ہم جوزف پیٹر کے معاملے میں پوچھ گچھ کرنے گئے تھے۔"

تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر آئی جی نے سوال کیا۔

"تمہیں فریدی کی طرف سے کچھ ہدایات تو ملی ہی ہوں گی۔"

"جی نہیں! وہ مجھے اپنی اسکیموں سے بس تھوڑی ہی دیر پہلے آگاہ کرتے ہیں۔ پچھلی رات جب ہم الگ ہو رہے تھے تو انہوں نے مجھ سے اتنا ہی کہا تھا کہ میں نہ ٹھہروں۔"

آئی۔ جی جھلاہٹ میں ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف مڑ کر بولا۔ "بس اسی بناء پر میں نہیں چاہتا تھا کہ یہ کیس اُسے سونپا جائے۔"

"ہو سکتا ہے کہ اُسے کوئی حادثہ پیش آ گیا ہو۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے آہستہ سے کہا۔

"اگر آیا بھی ہو تو کیا ہو سکتا ہے جب کہ ہمیں علم ہی نہیں کہ وہ کدھر جا رہا ہے اور کیا کرنا

چاہتا ہے میں مانتا ہوں کہ وہ منکے میں ذہین ترین آدمی ہے۔ لیکن بے قاعدگی تو نہیں برداشت جاسکتی۔"

"اُس کا کہنا ہے کہ اُس کی بے قاعدگی ہی اُسے مجرم تک بہت جلد پہنچا دیتی ہے ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"تو آپ اس رویئے کو درست سمجھتے ہیں۔" آئی۔ جی اُسے گھور کر بولا۔

"میرا یہ مطلب نہیں میں تو یہ عرض کر رہا تھا....!"

"کچھ نہیں....!" آئی۔ جی نے اُس کی بات کاٹ دی۔ "اُسے مجبور کیجئے کہ وہ اب تک باقاعدہ رپورٹ پیش کرے وہ اکیلے اس کام کو کسی طرح انجام نہیں دے سکتا۔ میں دیر چاہتا.... سمجھے آپ۔"

"بہت بہتر....!" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"میں برنارڈ کو اس سازش کا سرغنہ نہیں سمجھتا۔" آئی۔ جی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "ہ ہے کہ وہ اُس گروہ کا ایک معمولی آدمی رہا ہو۔"

"لیکن بن مانس کا مسئلہ۔" ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔ "جیرالڈ کا بھی یہی بیان ہے کہ اُس درندے پر تین فائر کئے تھے جو مورچہ اٹھا کر بھاگا تھا۔ لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔"

"میں سمجھتا ہوں وہ بھی کو آدمی ہی تھا۔" آئی۔ جی نے کہا۔ "اور کھال کے نیچے بل پروف لگائے رہا ہوگا۔"

"لیکن پھر سوال پیدا ہوتا ہے، کہ برنارڈ کی کھال کے نیچے سے بلٹ پروف کیوں نہیں ظاہر ہے کہ اُس کا مقصد خودکشی نہ رہا ہوگا۔"

"سوال غور طلب ہے۔" آئی۔ جی مدبرانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "خیر یہ تو بعد کی ہے۔ خود ان بن مانسوں کا وجود ایک حیرت انگیز وقوعہ ہے۔ آج میں اُن سے متعلق ایک ماہر الحیات کا بیان دیکھ رہا تھا۔ اُس کا کہنا ہے کہ اس رنگ اور قد کے بن مانس ابھی تک دنیا کے حصے میں نہیں دریافت ہو سکے اور ان کی اندرونی ساخت میں بھی اُسے کوئی عجیب بات نظر ہے جسے وہ سمجھ ہی نہیں سکا.... پھر اُس نے ان درندوں کے متعلق جنہیں سرے سے گولیاں ہی نہیں تھیں لکھتے ہوئے اظہار خیال کیا ہے کہ ان کی موتیں ہارٹ فیل ہونے کی بناء پر واقع

تھیں۔ یہ تو ان بن مانسوں کا تذکرہ تھا جنہوں نے یوگوسلاوی سفیر کے اتاشی پر ڈاکہ ڈالا تھا۔ ادھر جیرالڈ کے یہاں پائے جانے والے درندوں میں بھی دو ایسی لاشیں ملی ہیں جن کے گولیاں نہیں لگی تھیں۔ آخر یہ کیسے بن مانس ہیں جن میں سے کچھ کا ہارٹ فیل ہو جاتا ہے۔"

کوئی کچھ نہ بولا۔ آئی۔ جی حمید کی طرف اس انداز سے دیکھنے لگا جیسے وہ اس سے جواب چاہتا ہو۔ پھر اُس نے حمید سے کہا۔

"جاؤ.... فریدی کو تلاش کرو۔"

"بہت بہتر۔" حمید نے کہا اور سر جھکا کر باہر چلا آیا۔

"کہاں چلے خان۔" اُس کے ساتھی رمیش نے اُسے چھیڑا۔

"بٹیروں کے انڈے جمع کرنے۔" حمید آنکھ مار کر بولا۔ "اگر کسی ٹائپسٹ گرل کو ساتھ لے چلو تو تم بھی چل سکتے ہو۔"

رمیش پاگلوں کی طرح ہنسنے لگا۔

حمید نے موٹر سائیکل نکالی اور برنارڈ کے بنگلے کی طرف چل پڑا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ روزا موجود ہے یا نہیں۔ بنگلہ مقفل تھا۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کہاں جائے وہ سارا دن اِدھر اُدھر، ایک چکر قاسم کے گھر کی طرف لگایا تھا اور اُسے یہ معلوم کر کے حیرت ہوئی تھی کہ قاسم بھی تک لاپتہ ہے۔

شام کو آرلکچو میں رشیدہ سے ملاقات ہوگئی وہ انسپکٹر آصف کو گھس رہی تھی۔ انور موجود نہیں تھا۔ آصف حمید کو دیکھتے ہی اٹھ گیا۔

"رات تو تم نے بڑا کمال کیا۔" رشیدہ نے حمید سے کہا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔ اس قسم کے کمالات میری زندگی میں عام ہیں۔"

"اونچے اڑ رہے ہو۔"

"کیا آصف نے بل نہیں ادا کیا۔"

"اوہ.... اب وہ بہت کم پیسہ تا ہے۔" رشیدہ مسکرا کر بولی۔ "اور خیر اب تو تم آ ہی گئے ہو۔"

"اُس نے کہا کہ مجھے تم سے محبت ہے اور چائے کا بل ادا کر دیا۔" حمید نے اس طرح کہا جیسے کسی کو ناول پڑھ کر سنا رہا ہو۔

"تمہیں اس کے علاوہ اور آتا ہی کیا ہے۔" رشیدہ سرد لہجے میں بولی۔

"کیوں نہیں! مجھے بیوقوف بننا بھی آتا ہے۔"

"برنارڈ کی موت کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔" رشیدہ نے پوچھا۔

"اچھا خیال ہے۔ خدا تمہیں بھی ایسی ہی موت نصیب کرے۔"

"مت بکو۔"

"میرا مطلب یہ تھا کہ اُس نے کھال کے نیچے کپڑے نہیں پہن رکھے تھے۔"

"حمید بدتمیزی نہیں۔ ورنہ تمہارے کان اکھاڑ دوں گی۔"

"کانوں کے بغیر بھی اچھا لگوں گا شاید اُس کے بعد تم مجھ سے شادی کر سکو۔"

"تم بہت بیہودے ہو گئے ہو میں فریدی صاحب سے تمہاری شکایت کروں گی۔"

"فریدی صاحب کو بن مانسوں نے مار ڈالا۔ وہ انہیں اپنی قوم کی ایک لڑکی پیش کر
فرزندی میں لینا چاہتے تھے لیکن فریدی صاحب نے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ میں کالی نو
منجن استعمال کرتا ہوں۔"

"بکے جاؤ پاگلوں کی طرح....!" رشیدہ چڑھ کر بولی۔

حمید تھوڑی دیر تک اُسے چھیڑتا رہا پھر وہاں سے بھی اٹھ کر چلا آیا۔ اُس کی اکتاہٹ بڑھ
جا رہی تھی۔ فریدی نے اُسے بڑی شدت سے بور کیا تھا وہ سوچ رہا تھا کہ شاید اب وہ کئی دن
لئے غائب ہو گیا۔

پھر سوچا ممکن ہے اب واپس ہی آ گیا ہو۔ وہ گھر کی طرف چل پڑا۔ رات ہو گئی تھی۔ خلا
معمول کمپاؤنڈ کا پھاٹک کھلا ہوا تھا اُس نے موٹر سائیکل کی رفتار کم کر دی۔ پھاٹک سے گذر
سیدھا گیراج کی طرف آیا۔ اُسے حیرت تھی کہ آج رکھوالی کرنے والے السیشن بھی نہ
بھونکے۔ پھر اُسے ایک عجیب قسم کی بو کا احساس ہوا اور اس کے نتھنوں میں جلن ہونے لگی۔ اُ
نے چونک کر برآمدے کی طرف دیکھا اور اُسے نوکروں پر تاؤ آنے لگا کہ کم بختوں نے برآمد
میں اندھیرا کیوں کر رکھا ہے۔ اُس نے موٹر سائیکل وہیں چھوڑی اور نوکروں کے نام لے لے
دھاڑتا ہوا برآمدے کی طرف بڑھا۔

"کیا ہو گیا ہے ان کم بختوں کو کوئی بولتا ہی نہیں۔" وہ بڑبڑاتا ہوا برآمدے میں داخل ہ

پھر دروازے کے قریب سوئچ ٹٹول رہا تھا کہ کسی نے پیچھے سے اُس کی گردن پکڑ لی۔ حمید نے پلٹنا
چاہا لیکن گرفت مضبوط ہو گئی اُس نے کوشش کی کہ حملہ آور کو پیٹھ پر لاد کر پٹخ دے۔
لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ حملہ آور کے ہاتھ بڑے اور گھنے
بالوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ برآمدے میں پھیلی ہوئی تاریکی اور زیادہ گہری ہو گئی۔

خوفناک تجربے

حمید کو ہوش آیا تو اُس نے ایسا محسوس کیا جیسے وہ ڈوب رہا ہو۔ اُس نے گھبرا کر آنکھیں کھول
یں۔ چاروں طرف پیلاہٹ نظر آ رہی تھی۔ کسی آبی جانور کا تاریک سایہ اُس کا تعاقب کر رہا
فا۔ اُس کے حلق سے پھر ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی۔

اُس نے ہاتھ پیر مارنے شروع کر دیئے۔ دفعتاً آبی جانور اُس پر جھکا۔ حمید نے پھر چیخ ماری
ورا اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا۔ تاریک سائے نے اُسے پکڑ کر پھر تہہ میں گرا دیا۔

حمید کو پوری طرح ہوش آ گیا.... کوئی آدمی اُسے دبوچے ہوئے تڑپنے پھڑکنے سے روک
رہا تھا۔

"کون ہو تم....؟" حمید حلق کے بل چیخا۔

"میں ہوں پیارے.... تمہیں یہ کیا ہو گیا ہے۔" اُس نے جواب دیا اور حمید ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

"آپ....!" وہ آنکھیں مل کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"کتنی بار پوچھو گے۔" فریدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"آخر اس مذاق کا کیا مطلب۔"

"میں نہیں جانتا کہ تمہارے ساتھ کس قسم کا مذاق کیا گیا ہے۔"

حمید بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ وہ اپنے گھر کے کسی کمرے میں نہیں تھے اور یہ کمرہ
ئی عجیب ہی تھا جس میں نہ کوئی دروازہ تھا اور نہ کھڑکی اور گھٹن کا احساس قطعی نہیں تھا۔ ہوا کے
ساتھ ہی ایک عجیب قسم کی خنکی بھی موجود تھی۔

"ہم کہاں ہیں....؟" حمید فریدی کو گھور کر بولا۔

"قبر میں....!" فریدی سگار سلگا کر بولا۔

حمید اپنا سر پیٹنے لگا۔ جب اچھی طرح پیٹ چکا تو گلوگیر آواز میں کہنے لگا۔ "مجھے خدا سے ہے کہ اُس نے ہمیں قبر میں بھی اکٹھا کر دیا۔"

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔" فریدی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ اب تم سو جاؤ ابھی رات ہے

"آخر ہم ہیں کہاں۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"مجھے خود بھی نہیں معلوم اور نہ میں اُن لوگوں کو پہچانتا ہوں جن سے سابقہ ہے۔"

"آپ یہاں پہنچے کس طرح۔"

"یہ ایک دکھ بھری داستان ہے۔" فریدی سگار کا کش لے کر بولا۔ "شاید میں زندگی میں پ بار اس طرح بیوقوف بنا ہوں۔ میں تمہیں روانہ کر کے اُس ٹرک کے پچھلے حصے میں چھپ تھا۔ مجھے توقع تھی کہ یہ ٹرک پھر لڑکال جنگل کی طرف واپس جائے گا۔ میں اپنی دانست میں ا بڑا کارنامہ انجام دینے جا رہا تھا لیکن وقت مجھ پر قہقہے لگا رہا تھا۔ میں نہیں جانتا کہ ڈرائیور کی پر بیٹھا ہوا درندہ میری موجودگی سے واقف تھا یا نہیں۔ لیکن اچانک میں نے اشک آور گیس کی محسوس کی۔ ٹرک بڑی تیز رفتاری سے جا رہا تھا اس لئے کود پڑنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھوڑی دیر بعد میں بُری طرح کھانسنے لگا۔ اس کے بعد مجھے کچھ یاد نہیں.... آنکھ کھلی تو یہاں ابھی تک مجھے کوئی خاص تکلیف نہیں ہوئی۔ سب لوگ نہایت بااخلاق اور شریف ہیں۔"

"شاید ہم کسی بہت بڑے ریفریجریٹر میں بند ہیں۔" حمید بولا۔

اُس کے بعد اُس نے بھی وہ سب کچھ دہرا دیا جو اُس پر گذری تھی۔ جیرالڈ کے لٹ جا واقعہ بھی بتایا۔ برنارڈ کی موت کے متعلق معلوم کر کے فریدی کی پیشانی پر شکنیں اُبھر آئیں۔

"تو اس کا یہ مطلب کہ جیرالڈ سچ مچ اُن معاملات سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔" فریدی نے

"میرا تو یہی خیال ہے برنارڈ شاید اُسے لوٹنے ہی کی فکر میں تھا۔ بعض اوقات ہم ظا اتفاقات کی بناء پر دھوکا کھا جاتے ہیں۔ اب پروفیسر جھوس[1] ہی والے معاملے کو لے لیجئے۔ اُسے سو فیصدی سازش سمجھا تھا۔"

"ہاں.... آں....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن....!"

اُس نے آگے کچھ نہیں کہا۔ حمید اُسے جواب طلب نظروں سے گھور رہا تھا۔ تھوڑی د

[1] حالات کے لئے دیکھئے جاسوسی دنیا کا ناول "چیختے درخت" جلد نمبر 11 ملاحظہ فرمائیے۔

فریدی بولا۔

"ایک چیز مجھے الجھن میں ڈال رہی ہے۔ آخر برنارڈ کی کھال کے نیچے بلٹ پروف کیوں نہیں ملے۔"

"یہ بات ضرور قابل غور ہے۔" آفس کی میٹنگ میں بھی یہ مسئلہ اٹھایا گیا تھا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر حمید نے کہا۔ "غالباً ہم کسی زمین دوز عمارت میں ہیں۔"

"اس جگہ کی ساخت تو یہی بتاتی ہے۔"

"تعجب ہے کہ کسی طرف کوئی راستہ نہیں ہے۔" حمید بولا۔

"راستہ تو ہے لیکن افسوس ہے کہ اندر سے راستہ بنانے کا کوئی ذریعہ نہیں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"وہ جب چاہتے ہیں سامنے والی دیوار ہٹ جاتی ہے۔"

حمید اُس طرف دیکھنے لگا۔ جدھر فریدی نے اشارہ کیا تھا۔

دفعتاً ایک عجیب آواز کے ساتھ دیوار ایک طرف کھسک گئی۔ سامنے اسی قسم کا ایک دوسرا کمرہ دکھائی دیا۔

"کمال ہے۔" حمید بڑبڑایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ایک دیوار کو دوسری دیوار نگل گئی ہو وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا کہ دفعتاً اُس کی زبان بند ہو گئی۔

سامنے جیرالڈ شاستری کھڑا اپنے پُر سکون انداز میں مسکرا رہا تھا۔ حمید نے فریدی کی طرف دیکھا اُس کے ہونٹوں پر بھی ایک شرارت آمیز مسکراہٹ تھی۔

"میرا ساتھی ابھی تمہاری صفائی پیش کر رہا تھا۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"لیکن تمہیں یقین نہیں آیا تھا۔" جیرالڈ نے کہا۔

"قطعی نہیں۔"

"میں عرصہ سے تمہاری ذہانت کا معترف ہوں۔"

فریدی نے بڑی لاپرواہی سے بجھا ہوا سگار دوبارہ سلگایا اور حمید کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔ کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر جیرالڈ نے کہا۔

"تمہیں لڑکال جنگل کا علم کیونکر ہوا تھا.... کیا عرفانی نے بتایا تھا۔"

"نہیں.... لیکن تم لوگ عرفانی کے یہاں کیا چیز تلاش کر رہے تھے۔"

"ایک ایسی چیز جو ایک غدار کے ذریعے عرفانی تک پہنچی تھی۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ کوئی چیز ہو سکتی ہے جو ہم سے متعلق ہو۔"

"لیکن تم اس چیز کی نوعیت سے واقف نہیں تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں....!"

"لیکن میں واقف تھا۔" فریدی نے کہا۔

"تمہیں عرفانی نے بتایا ہوگا۔"

"نہیں.... عرفانی خود بھی اُس معمے کو حل نہیں کر سکے تھے اور انہوں نے جس وا لئے بہت زیادہ خطرہ محسوس کیا میرے لئے اُسے محفوظ کرایا۔"

"کیا چیز تھی۔"

"کیا تم یقین کرو گے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"بتاؤ میں غور سے سن رہا ہوں۔"

"تعلیمی تاش کے دو پتے جن پر حروف "ل" تھے۔ ایک کی پشت پر ایک لڑکے کی تصویر اور دوسرے کی پشت پر دو فوجوں کی لڑائی کا منظر تھا۔"

"بس....!" جیرالڈ حیرت سے بولا۔

"اور ان دونوں تاشوں سے بنا لڑکال جنگل۔"

"بنا ہوگا۔" جیرالڈ لاپرواہی سے بولا۔ "میں کچھ اور سمجھا تھا۔ محض لڑکال جنگل کا نام معلو کر لینے کی بناء پر تم یہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔"

"شاید میں یہیں موجود ہوں۔" فریدی طنز آمیز لہجے میں بولا۔

"لیکن تم یہاں لائے گئے ہو۔"

"اگر تمہارا وہ بن مانس ہوشیار نہ ہوتا تو میں خود ہی پہنچ گیا تھا۔"

"ہم نے شروع ہی سے تم پر گہری نظر رکھی تھی۔" شاستری مسکرایا۔

"میں بھی یہی کچھ محسوس کرنے لگا تھا اگر اچانک اس طرح نہ پھنستا تو میرے ذہن دوسری ہی تدبیریں تھیں۔"

"ہوں.... اور اب تم نے کیا سوچا ہے۔" جیرالڈ نے تضحیک آمیز لہجے میں پوچھا۔

"یہی کہ اس گروہ کا خاتمہ کرنا پڑے گا۔" فریدی لاپروائی سے بولا۔

"میں تمہاری دلیری کی بھی قدر کرتا ہوں۔" جیرالڈ نے نرم لہجے میں کہا۔ "میں نے شجاعت اور ذہانت کو ایک ساتھ بہت کم دیکھا ہے۔"

"شکریہ! میں اس تعریف کے صلے میں تمہاری قبر پر پھول ضرور چڑھاؤں گا۔"

جیرالڈ ہنسنے لگا۔

حمید کو اب پھر اس کا چہرہ پہلے ہی کی طرح خوفناک معلوم ہو رہا تھا۔

"اوہ....!" جیرالڈ نے حمید کو مخاطب کر کے کہا۔ "تمہارے کندھے پر چوہیا چل رہی ہے۔"

"ظاہر ہے کہ اگر وہ ہاتھی ہوتا تو میں کچل گیا ہوتا۔" حمید نے ہنس کر کہا۔ "لیکن آپ نے آخر میری عزت افزائی کیوں فرمائی۔ میں تو دنیا کا ڈیوٹ ترین آدمی ہوں۔"

"میں ایسا نہیں سمجھتا۔ میں تمہاری بھی قدر کرتا ہوں۔"

"اچھا ذرا یہ تو بتایئے کہ میری موت کب آئے گی۔" حمید نے اُس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"تم دونوں کی زندگی مشروط ہے۔"

"اوہ.... یہ بات بھی ہے۔" فریدی نے کہا۔ وہ اسے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"تمہاری بے حیائی پر مجھے حیرت ہے۔" جیرالڈ بولا۔ "تم جسے میں عظیم ترین فریدی کہتا ہوں۔ تم ان لوگوں کے لئے جان دیتے ہو جو تم پر اعتماد نہیں کرتے۔ میری ایک ذرا سی شکایت پر تمہارا مخصوص اجازت نامہ منسوخ ہو گیا بلکہ ایک طرح سے تم بیکار بھی کر دیئے گئے۔"

"ہوں....! تو پھر....!"

"عزت، شہرت، دولت! تمہیں میرے ہی دکھائے ہوئے راستے پر ملے گی۔ ہم اس بات میں یقین رکھتے ہیں کہ دنیا میں صرف انہیں زندہ رہنے کا حق ہے جو ہر لحاظ سے طاقتور ہوں۔"

"خیال بُرا نہیں ہے.... پھر!"

"پھر یہ کہ.... تم عقل مند ہو.... تمہیں ہمارے ساتھ سب کچھ ملے گا۔ میں نے دنیا کے بہترین دماغ اکٹھا کئے ہیں اور وہ دنیا کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بس ایک اشارے کی

ضرورت ہے اُس کے بعد ساری دنیا پر ہماری حکومت ہو جائے گی۔"

"شیخ چلی کو انگریزی میں کیا کہتے ہیں۔" حمید نے فریدی کی طرف مڑ کر بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔ "تم جھوٹ سمجھتے ہو۔" جیرالڈ یک بیک بگڑ گیا۔ "کیا یہ بن مانس تمہاری اوندھی کھوپڑی کے لئے حیرت انگیز نہیں۔ لاؤ.... دنیا کے کسی گوشے سے ایک ہی لاؤ.... لا سکو گے۔"

"نہیں شاستری! وہ یقیناً حیرت انگیز ہے.... حمید احمق ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اگر تم ان کی پیداوار کا طریقہ دیکھو تو عش عش کر اٹھو گے۔" جیرالڈ نے کہا۔ "وہ عمل ارتقاء کے ذریعے صدہا برس میں ہوتا ہے اسے ہم چند ہی گھنٹوں میں کر لیتے ہیں۔ چند گھنٹوں صدہا سال آگے جست۔"

"وہ کس طرح....!"

"سب دیکھ لو گے۔" جیرالڈ مسکرا کر بولا۔ "اور یہ بھی یاد رکھو کہ تم یہاں سے خود تا قیا نہیں نکل سکو گے جب تک کہ میں نہ چاہوں۔ انسانی زندگی کی میری نظروں میں کوئی وقعت نہیں۔ تم نے دیکھا جوزف، اس کی بیوی اور برنارڈ کتنی آسانی سے مر گئے۔"

"میں نے سب کچھ دیکھا اور سمجھا ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "برنارڈ کی موت حالانکہ میرے سامنے نہیں واقع ہوئی۔ لیکن میں اس کا طریقہ بھی سمجھ گیا ہوں۔"

"کیا....؟"

"برنارڈ بن مانس کی اُس ٹولی میں نہیں تھا جو لڑکال جنگل سے روانہ ہوئی تھی۔" فریدی سگار کا کش لے کر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "تم اُسے اس لئے ختم کرنا چاہتے تھے کہ اس سے حمید کے معاملے میں ایک حماقت سرزد ہوئی تھی۔ لیکن اگر وہ نہ بھی سرزد ہوئی ہوتی تو برنارڈ کے خلاف میرے پاس کافی مواد موجود تھا۔ پیملیا کی موت اُسی کے ہاتھوں واقع ہوئی تھی۔ میں نے اُسے اس کی رائفل میں زہریلی سوئی چبھاتے دیکھا تھا۔ بہر حال تم نے کل رات برنارڈ کو پہلے ہی سے اپنے پاس روک رکھا تھا اور کسی بہانے سے اُسے بن مانس کی کھال پہنا دی تھی۔ جیسے ہی تمہاری اسکیم کے مطابق دوسرے بن مانس تمہارے مکان میں داخل ہوئے تم نے برنارڈ کو گولی مار دی۔ اس طرح اس قصہ بھی پاک ہو گیا اور دوسری طرف تم نے پولیس کی نظروں میں اپنی پوزیشن بھی صاف کر دی۔ لیکن تم ذرا سا چوک گئے۔ اگر اُسے بھی کھال کے نیچے بلٹ پروف اس طرح پہنا دیتے کہ

جسم پر کوئی جگہ خالی رہ جاتی تو جرم پر بھی پردہ پڑ سکتا تھا۔"

"خوب!" جیرالڈ مسکرا کر بولا۔ "میں ایک بار پھر تمہاری ذہانت کی تعریف کرتا ہوں۔

"لیکن میں ایک بات ابھی تک نہیں سمجھ سکا ہوں کہ تمہارے کچھ بن مانس خود بخود کیوں مر جاتے ہیں۔"

"یہ بات اس وقت تک تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی جب تک کہ عملی نمونہ پیش نہ کیا جائے۔" جیرالڈ بولا۔ "فریدی ہم لوگ ایجادات اور اختراعات کے معاملے میں موجودہ دور سے صدیوں آگے نکل گئے۔ ہمارے پاس ایسے آلات ہیں جنہیں صحیح معنی میں نیا کہا جا سکتا ہے۔ ایٹمی توانائی کی دریافت اور اس کے استعمال کو دنیا کا سب سے بڑا کارنامہ کہا جا سکتا ہے۔ لیکن کیا تم اسے جدید کہہ سکتے ہو۔ کیا یہ خیال نیا ہے میرے دوست! اس خیال نے حضرت عیسیٰ سے پہلے بھی جنم لیا تھا۔ کیا اپٹے ڈوکلس کے ذراتی نظریہ کائنات میں موجودہ ایٹمی دریافت کی جڑیں نہیں ملتیں۔ لیکن ہم اپنے معاملے میں جدید ترین ہیں۔ ہم نے قوتِ حیات و نمو پر قابو پا لیا ہے۔ مسٹر حمید کے کاندھوں پر رینگتی ہوئی چوہیا منٹوں میں خرگوش کے برابر ہو سکتی ہے۔"

"اوہ....!" فریدی حیرت سے اپنے ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔

"ہمارے پاس ایک نہیں درجنوں ایسی ایجادات ہیں۔" جیرالڈ نے کہا۔ "دور کیوں جاؤ۔ اسی کمرے کو لے لو جس میں تم مقیم ہو۔ کیا تم یہ کہہ سکتے ہو کہ تم کسی زمین دوز کمرے میں بیٹھے ہو۔ جہاں نہ کوئی کھڑکی ہے اور نہ کوئی روشندان پھر بھی تمہیں گھٹن نہیں محسوس ہوتی۔ ان زمین دوز عمارتوں کا سلسلہ دو میل کے رقبے میں پھیلا ہوا ہے۔ یہاں کیا نہیں ہے۔"

"تمہارا گروہ ہمارے ملک میں کب سے کام کر رہا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"آج کی بات نہیں ہے ہم نے پہلی جنگ عظیم کے بعد ہی سے اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کر لیا تھا۔"

"اور مقصد کیا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ساری دنیا پر حکومت۔ کمزوروں کو قوی ترین آدمیوں کے زیرِ نگین لانا۔ جمہوریت کو ہم رینگتے ہوئے کیڑوں کا نظام سمجھتے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک سمجھتے ہیں آپ۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "میں بھی یہی سمجھتا ہوں۔"

"جب تم بھی یہی سمجھتے ہو تو ہماری تحریک سے تمہیں پوری پوری ہمدردی ہونی چاہئے۔"

"میں نہایت سنجیدگی سے آپ کی تحریک کی حمایت کرتا ہوں۔"

"کیا بکتے ہو۔" فریدی نے اُسے ڈانٹا۔

"تمیز سے فریدی صاحب! ورنہ سر توڑ دوں گا۔" حمید اپنی آستین چڑھاتا ہوا بولا۔

"ہوش میں ہو یا نہیں۔" فریدی کو اچانک غصہ آگیا۔

"میں پوری طرح ہوش میں ہوں! تم اپنی خبر لو۔" حمید نے کہا۔ "آج پہلی بار مجھے ایک آدمی ملا ہے۔ تم نے مجھے کیا دیا ہے۔ ہمیشہ میری ترقیاں رکواتے رہے۔ آج تک میری شادی ہونے دی وغیرہ وغیرہ۔"

"اوہو! لڑنے کی ضرورت نہیں۔" جیرالڈ اُن کے درمیان میں آگیا۔ پھر وہ حمید کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔ "سارجنٹ تمہیں آرام کی ضرورت ہے میرے ساتھ چلو.... اور فریدی میں تمہیں سوچنے کا موقع دیتا ہوں۔ شروع ہی سے تم میری نظروں میں تھے اور میں کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھا۔ اگر میں تمہیں ختم کرنا چاہتا تو شہر ہی کی سڑک پر یہ نیک کام انجام پا جاتا۔"

"میرے خیال سے اسے ختم ہی کر دیجئے۔" حمید بولا۔ "اس سے زیادہ ہٹ دھرم آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گذرا۔"

جیرالڈ کچھ کہے بغیر حمید کو ساتھ لے کر چلا گیا۔ کمرے کی حدود سے نکلتے ہی پھر دیوار کھڑکھڑاتی ہوئی اپنی جگہ پر آگئی۔

❁

آج شاید زندگی میں پہلی بار حمید فریدی کے ساتھ اتنی گستاخی سے پیش آیا تھا۔ مزاحاً بھی کبھی اس نے اتنی بے تکلفی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ وہ فریدی کو چھیڑتا بھی رہتا تھا مگر اسی انداز میں جیسے اکثر شریر بچے اپنے بزرگوں سے خوش فعلیاں کرتے ہیں.... مگر آج اُس کا انداز کچھ اور ہی تھا.... وہ ضرورت سے زیادہ گستاخ نظر آرہا تھا۔

بہرحال آج فریدی حمید کے اس رویئے پر سنجیدگی سے غور کر رہا تھا۔ اس سے قبل اس نے اس کی حرکتوں کو کسی شریر بچے کی حرکتوں سے زیادہ اہمیت نہ دی تھی اور نہ اُسے آج کوئی ایسا موقع ہی یاد آرہا تھا جب حمید نے اس سے اتنی سرد مہری اور بے وفائی کا برتاؤ کیا ہو۔ اُس کے

رویئے سے ہمیشہ یہی معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اُس سے چمٹا ہوا اُس کی قبر تک میں کود جائے گا۔ کیا وہ جیرالڈ سے اتنا ہی مرعوب ہو گیا تھا کہ اُس کی مختصر سی چکنی چپڑی گفتگو نے اسے پھسلا لیا۔ حمید نے انتہائی خطرناک مواقع پر بھی اس کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا اور اکثر خود کو موت کے منہ میں ڈال کر اُس کی جان بچائی تھی۔ پھر یک بیک اُسے کیا ہو گیا۔

فریدی نے ایک سگار سلگایا اور بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ آج شاید زندگی میں پہلی بار وہ رنجیدہ نظر آرہا تھا۔

❁

سارجنٹ حمید نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ یہ کمرہ بھی ویسا ہی تھا لیکن اس کا ساز و سامان ذرا شاہانہ قسم کا تھا۔

"میں پہلی ہی ملاقات میں آپ سے بہت زیادہ متاثر ہوا تھا۔" حمید نے جیرالڈ سے کہا۔ جو ایک گلاس میں شراب انڈیل رہا تھا۔

"تم مجھے بیوقوف تو نہیں بنا رہے ہو میرے دوست....!" وہ حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

"دیکھئے جناب۔" حمید تیز لہجے میں بولا۔ "میں ایسے آدمیوں پر لعنت بھیجتا ہوں جو میری نیک نیتی پر شبہ کریں۔ فریدی سے میں عرصہ سے نفرت کرتا تھا اور مجھے کسی مناسب موقع کی تلاش تھی، اتفاق سے آج وہ میرے ہاتھ آگیا۔"

"تم فریدی سے نفرت کیوں کرتے تھے۔"

"محض اس لئے کہ وہ مجھ پر اعتماد نہیں کرتا تھا۔ پہلے سے کبھی اپنی کوئی اسکیم نہیں بتاتا تھا۔ اس کا کیا مطلب ہوا۔ یہی نا کہ اُسے مجھ پر اعتماد نہیں تھا۔ اب کل رات ہی کا معاملہ لے لیجئے۔ ہم دونوں ساتھ ہی چلے تھے لیکن وہ بن مانسوں کو آپ کے مکان میں داخل ہوتے دیکھ کر کچھ کہے سنے بغیر مجھ سے الگ ہو گیا۔"

"اچھا دوست میں تمہیں آزمالوں گا۔" جیرالڈ ہنس کر بولا۔

جس وقت دل چاہے۔"

"کیا تم فریدی کو اپنے ہاتھ سے قتل کر سکو گے۔"

"جب کہئے تب.... میں اس کی بوٹیاں نوچنا چاہتا ہوں۔ اُسی کی بدولت میں اب تک موچی

کاموچی رہا۔"

"خیر.... شراب پیئو گے۔"

"میں شراب نہیں پیتا۔"

"کیا تم فریدی کو سمجھا کر راہِ راست پر نہیں لا سکتے۔"

"ناممکن ہے جناب.... وہ مر جائے گا لیکن آپ کی بات نہیں مانے گا۔"

"اور اگر میں منوالوں تو۔"

"میں اسے دنیا کا عظیم ترین کارنامہ سمجھوں گا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"اچھا تو تم اس معاملے میں بھی میری قوت کا اندازہ لگا سکو گے۔" جیر الڈ نے ہنس کر کہا۔



دوسری صبح فریدی کو ایک بہت بڑے کمرے میں لے جایا گیا۔ اُسے کمرے کے علاوہ اور کچھ کہا جا سکتا تھا۔ اُس کی ساخت بھی ویسی ہی تھی۔ نیسی اس کمرے کی تھی جس میں فریدی دو راتیں بسر کر چکا تھا۔ بہر حال اُسے کمرہ ہی کہا جا سکتا تھا خواہ اُس کی لمبائی اور چوڑائی ایک فرلانگ ہی کیوں نہ رہی ہو۔ یہاں بڑی بڑی دیو پیکر مشینیں نصب تھیں اور یہاں کی دیواریں دروازوں سے محروم نہیں تھیں۔ جیر الڈ نے بڑے تپاک کے ساتھ فریدی کا خیر مقدم کیا۔

اچانک فریدی کی نظر ایک ایسے آدمی پر پڑی جیسے وہاں دیکھ کر اُسے بڑی حیرت ہوئی.... گرانڈیل احمق قاسم تھا۔ شاید قاسم خود بھی فریدی کو دیکھ کر متحیر تھا۔

وہ جھپٹتا ہوا فریدی کے پاس پہنچا۔ جیر الڈ شاید اپنے آدمی کو کسی قسم کی ہدایات دینے میں مشغول ہو گیا تھا۔

"ف.... ری.... ری.... ری.... صاحب۔" قاسم ہکلایا۔

"تم یہاں کیسے؟"

"جوتشی صاحب مجھے یہاں لائے ہیں بہت اچھے آدمی ہیں۔ میرے بہت بڑے ہمدرد۔"

"ہمدرد! وہ کسی طرح؟"

"جی....!" قاسم اپنی انگلی مڑورتا ہوا شرما کر بولا۔ "انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میرے لئے ایک بہت تگڑی سی عورت بنا دیں گے۔ میرے ہی ڈیل ڈول والی۔"

"بنا دے گا؟"

"جی ہاں! اور کیا! وہ ڈیڑھ فٹ اونچے معمولی سے بندر کو بن مانس بنا دیتے ہیں۔"

"اوہ....!" فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔

"یہاں بہت سی لڑکیاں ہیں۔" قاسم رازدارانہ لہجے میں بولا۔

"تمہیں یہاں تک پہنچنے کا راستہ یاد ہے۔"

"نہیں تو.... میں نے انہیں اپنی دکھ بھری داستان سنائی تھی اس پر انہوں نے اپنی روحانی طاقت سے مجھے یہاں بلا لیا۔"

"روحانی طاقت سے۔"

"جی ہاں! میں اپنے ایک ملنے والے مسٹر برنارڈ کے یہاں چائے پی رہا تھا.... جب آنکھ کھلی تو میں نے خود کو یہاں دیکھا۔ جوتشی صاحب نے مسٹر برنارڈ کی لڑکی روزا کو بھی یہیں بلا لیا ہے اور.... اُسے میرے لئے تگڑی بنا دیں گے۔"

"حمید سے ملاقات ہوئی۔"

"ہائیں! کیا وہ بھی آئے ہیں۔"

"ہاں....!"

"اچھا تو ٹھیک ہے.... مزہ رہے گا۔"

جیر الڈ ان کی طرف آ رہا تھا۔

"کیا آپ لوگ ایک دوسرے سے واقف ہیں۔" اُس نے فریدی سے پوچھا۔

"ہاں.... میں انہیں جانتا ہوں۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"ہائیں.... حمید بھائی۔" قاسم لپک کر حمید کی طرف دوڑا جو ایک دروازے سے داخل ہو رہا تھا۔

"میں اس کی قوت سے متاثر ہوا ہوں۔" جیر الڈ فریدی سے کہہ رہا تھا۔ "یہ میرے بن مانسوں کی رہنمائی کرنے کے قابل ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ حمید کو گھور رہا تھا اور حمید اُسے گھور رہا تھا۔

اتنے میں جیر الڈ کے آدمی دو لنگڑے آدمیوں کو وہاں لے آئے ان دونوں کی ظاہری حالت کہہ رہی تھی کہ وہ شہر کے فٹ پاتھ پر بھیک مانگتے رہے ہوں گے۔

پھر انہیں ایک مشین کے ایک بہت رولر میں ڈال دیا گیا جو اندر سے کھوکھلا تھا اور جب اس کا دروازہ بند کیا جا رہا تھا تو فریدی بے اختیار چیخ پڑا۔ "یہ کیا کرنے جا رہے ہو تم۔"

"کچھ نہیں بس دیکھتے جاؤ۔" جیرالڈ مسکرایا۔ "یہ صحت مند ہو کر نکلیں گے۔" پھر ایک دوسری مشین کا رولر کھولا گیا۔ یہ رولر آڑا لگا ہونے کے بجائے سیدھا کھڑا ہوا تھا اور اس کا قطر چالیس فٹ سے کسی طرح کم نہ رہا ہوگا۔ اس کے اندر متعدد خانے نظر آ رہے تھے۔

پھر ایک معمولی سا بندر لایا گیا جسے خود جیرالڈ نے اسی رولر کے ایک خانے میں بند کر دیا۔

اس کے بعد دونوں مشینیں چل پڑیں۔ دونوں کے رولر تیزی سے گردش کر رہے تھے۔ مشینوں کے شور کے باوجود جیرالڈ کی تیز آواز یہ کہتے سنائی دے رہی تھی۔ "دو اپاہج آدمیوں سے ایک طاقتور جانور بہتر ہے۔ وہ دونوں اپاہج ایک طاقتور بن مانس کی تخلیق کر رہے ہیں۔ ان کی ہڈیاں اور اُن کا گوشت ایک حیرت انگیز جانور کی شکل میں تبدیل ہو رہا ہے۔"

"کیا کر رہے ہو تم....!" فریدی چیخ کر جیرالڈ کی طرف جھپٹا۔

دوسری طرف سے حمید نے ایک موٹی سی لوہے کی سلاخ اٹھائی اور اُسے گردش دیتا اور چیختا ہوا فریدی کی طرف بڑھا۔ "اگر تم نے شاستری کی شان میں گستاخی کی تو میں تمہارا سر پھاڑ دوں گا۔"

قریب تھا کہ حمید فریدی پر حملہ کر بیٹھے کئی لوگ درمیان میں آ گئے۔ جیرالڈ کا قہقہہ مشینوں کے شور پر لہرا رہا تھا۔ اُس نے بلند آواز میں کہا۔ "طاقت پر ایمان لاؤ فریدی تمہارا اسسٹنٹ تم سے بہتر ہے۔"

فریدی اپنی جگہ پر کھڑا خون کے گھونٹ پی رہا تھا وہ کر ہی کیا سکتا تھا۔ اُسے باہر نکلنے کا راستہ بھی تو نہیں معلوم تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ایسی حالت میں غصے کو قابو میں رکھنا زیادہ بہتر ہوگا۔ جیرالڈ ساری دنیا کے لئے ایک بہت بڑا خطرہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب ہی ہو جائے۔ پھر کیا ہوگا۔ تباہی، بربادی، وہ اُن جنگ بازوں سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہے جو آئے دن ایک دوسرے کو ایٹمی دھمکیاں دیتے رہتے ہیں۔ فریدی طرح طرح کے خیالات میں الجھتا رہا پھر تھوڑی دیر بعد وہ مشینیں رک گئیں اور فضا میں کان پھاڑ دینے والا سناٹا محیط ہو گیا۔ ایک لمحے کے لئے ایسا معلوم ہوا جیسے زمین کی گردش رک گئی ہو اور کوئی دوسرا سیارہ اُس سے ٹکرانے کے لئے تیزی سے بڑھتا آ رہا ہو۔

"یہ دیکھو فریدی۔" جیرالڈ نے اسے مخاطب کیا۔ "یہ اُن آدمیوں کا فضلہ ہے۔"

فریدی نے مشین کے نیچے ایک ٹب میں سیاہ رنگ کا گاڑھا سیال دیکھا جو کولتار سے مشابہ تھا۔

"ایک سستا ترین کولتار۔" جیرالڈ نے قہقہہ لگایا۔ "جو تمہاری سڑکوں پر ڈالا جاتا ہے اپاہج آدمیوں کا فضلہ۔ ان کے جسموں کا بہترین حصہ میرے بن مانسوں کا جزو بدن ہو جاتا ہے۔"

"ہیر ہیر....!" حمید خوشی سے تالیاں پیٹنے لگا۔ "اکیلے قاسم کے جسم سے چار بن مانس تیار ہو سکتے ہیں۔"

"تمہارے چھ ہو سکتے ہیں.... میں سر پھاڑ دوں گا تمہارا۔" قاسم بھنا کر بولا۔

جیرالڈ نے خانے دار رولر کا دروازہ کھولا۔ اس کے اندر سامنے ہی والے خانے میں ایک طویل القامت بن مانس اونگھ رہا تھا۔ دو آدمیوں نے اُسے پکڑ کر اندر سے نکالا اور ایک اسٹریچر پر ڈال دیا۔ پھر چار آدمی اسٹریچر کو اٹھائے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔

"اب اسے دو مختلف قسم کے انجکشن دیئے جائیں گے" جیرالڈ نے کہا۔ "اور وہ بالکل فٹ ہو جائے گا اور ہاں تم نے ان درندوں کے متعلق سوال کیا تھا جو خود بخود مر جاتے ہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ ان کی تکمیل میں کوئی نہ کوئی خامی رہ جاتی ہے۔ جس کی بناء پر وہ زیادہ دیر تک نہیں چلتے۔"

"واقعی یہ ایک شاندار دریافت ہے۔ انہیں آدمیوں سے بخوبی لڑایا جا سکتا ہے۔" فریدی بولا۔

"قطعی.... ان کی تخلیق کا مقصد ہی یہی ہے۔" جیرالڈ بولا۔ "میں ہمیشہ صاف بات کہتا ہوں۔ یہ ایٹمی قوت نہیں ہے کہ جسے پُر امن طریقے پر تعمیری کاموں میں صرف کیا جا سکے۔ میں دنیا کو دھوکے میں ہرگز نہیں رکھوں گا۔ میں کبھی نہ کہوں گا کہ ان بن مانسوں سے کھیتی باڑی کا کام لیا جائے گا۔ میں ایسی امن کی فاختہ نہیں اڑاتا جس کے پیٹ میں بم بھرے ہوئے ہوں۔ میں علانیہ کمزوری کی تباہی ہوں۔"

"مجھے تمہاری صفائی پسندی پر خوشی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"سنبھلو شاستری۔" حمید چیخا۔ "کہیں اس کے مکر میں نہ آ جانا۔ میں اس کی رگ رگ سے واقف ہوں۔"

فریدی دانت پیس کر رہ گیا وہ سوچ رہا تھا کہ کیا حمید کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔

"نہیں فریدی صاحب نے سچی بات کہی ہے۔" قاسم تھوک نگل کر بڑبڑایا اس کا حلق خشک ہو رہا تھا۔

"اب میں قاسم کے ڈیل ڈول کی ایک عورت تیار کروں گا۔" جیر الڈ نے ہنس کر کہا۔

"جی ہاں!ں....!" قاسم جلدی سے بولا۔ "وہی روزا.... روزا....!"

"کیا....؟" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔ "کون روزا برنارڈ.... تم کتے۔ میری محبوبہ پر دانت لگائے بیٹھے ہو۔"

"تمہارے باپ کی محبوبہ ہے۔" قاسم جھلا کر بولا۔

"نہیں میری ہے.... شاستری میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ اُس لڑکی پر رحم کرو.... ورنہ میں خودکشی کرلوں گا۔ غضب خدا کا.... وہ پھول سا جسم.... قاسم تجھے خدا غارت کرے۔"

"تم کو خود غارت کرے۔" قاسم نے ترکی بہ ترکی کہا۔

"میں قاسم سے وعدہ کر چکا ہوں۔" جیر الڈ بولا۔

"تو پہلے مجھے زہر کا انجکشن دے دینا۔"

"خیر اس پر پھر کبھی غور کریں گے۔" جیر الڈ نے اکتا کر کہا۔

"کردی نا تم نے گڑبڑ۔" قاسم حمید کو گھونسہ دکھا کر بولا۔ "خدا تمہیں فنا کردے۔"

"فریدی.... پھر سوچو۔" جیر الڈ نے فریدی سے کہا۔

"ہاں میں سنجیدگی سے اس پر غور کروں گا۔"

"اور اپنے ہی مطلب کی سوچو گے۔" حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"جیر الڈ! اس نمک حرام کو میرے سامنے سے ہٹادو۔" فریدی کو پھر غصہ آگیا۔

"میں تمہارے جنازے کے ساتھ ہی رہوں گا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

❁

فریدی کو زندہ درگور ہوئے چھ راتیں گذر چکی تھیں۔ ابھی تک اُسے کوئی ایسی تدبیر نہیں سوجھی تھی۔ جس پر عمل کرکے وہ کم از کم اس قید سے تو رہائی پاسکتا۔ صرف ایک چال تھی لیکن اُسے بھی حمید ناکام بنادینے پر تلا ہوا تھا۔ فریدی جب بھی جیر الڈ پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کرتا

جید اُسے ہتھے سے اکھاڑ دیتا اور اب حمید کے خلاف اُس کا غصہ اتنا بڑھ گیا تھا کہ موقع ملنے پر وہ اُسے مار ڈالنے سے بھی گریز نہ کرتا۔

دوسری طرف حمید صحیح معنوں میں عیش کر رہا تھا۔ اُس جدید ترین سائنٹیفک غار میں پندرہ سولہ خوش شکل لڑکیاں تھیں۔ جن کے متعلق جیر الڈ نے اُسے بتایا تھا کہ وہ سب بھی ایک تعمیری خدمت انجام دیتی ہیں۔ وہ دراصل شہر سے نوجوانوں کو پھانس کر یہاں لاتی تھیں اور وہ بیچارے مختلف قسم کی تجربات کے نذر ہو جاتے تھے اور اُن کے جسموں کا بچا کھچا حصہ سستے ترین کولتار میں تبدیل کردیا جاتا تھا۔

فریدی کو یہاں ایسی ایسی ایجادات نظر آئیں کہ وہ متحیر رہ گیا یقیناً وہ لوگ اپنی ایجادات کے معاملے میں جدید ترین تھے۔ جیر الڈ کا دعویٰ غلط نہیں تھا.... دو میل لمبی چوڑی زمین دوز دنیا ہر لحاظ سے عجیب تھی۔ انہوں نے ننھے ننھے مصنوعی سورج بنائے تھے اور جیر الڈ کا دعویٰ تھا کہ ان کی روشنی اور حرارت میں وہ سارے نیچرل اوصاف موجود ہیں جو قوت حیات و نمو کے لئے ضروری ہیں اور خود فریدی کو بھی اس کا تجربہ ہو گیا تھا.... ان چھ دنوں کے دوران میں ایک لمحہ کے لئے بھی اُسے گھٹن کا احساس نہیں ہوا تھا اور اس کی صحت بھی برقرار رہی تھی۔ اپنی قوتوں میں اُسے کسی قسم کا انحطاط نہیں محسوس ہوا تھا۔

فریدی نے جیر الڈ سے پوچھا کہ آخر اُسے قبل از وقت اپنے بن مانسوں کی نمائش کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی۔ جو کام اُس نے ان سے لئے تھے وہی آدمیوں سے بھی لے سکتا تھا۔

اس پر اس نے ہنس کر کہا تھا۔ "تم ہمارا ایک دوسرا بڑا راز جاننے کی کوشش کر رہے ہو۔ مگر خیر.... میں تمہیں بتاؤں گا۔ میں جانتا ہوں کہ یہ راز اس زیر زمین دنیا سے باہر نہیں جاسکتا.... سنو.... وہ ایک طرح کا اشارہ تھا ہمارے عالمی اداروں کے لئے ظاہر ہے کہ تمہارے یہاں کی خبر رساں ایجنسیوں نے ان عجیب و غریب بن مانسوں کی خبر ساری دنیا میں پھیلا دی ہوگی اور میری تحریک کے جیالے اس اشارے کا مطلب سمجھ کر اپنے کام میں لگ گئے ہوں گے اور یہ کام ہے مختلف ممالک کی جتھے بندی ختم کرنا۔ ہم ان میں غلط فہمی پھیلا کر پھوٹ ڈلوادیں گے۔ اُس کے بعد انہیں ایک ایک کر کے پیٹ لینا مشکل نہ ہوگا۔"

فریدی اس مسئلے پر بھی غور کرتا رہا تھا یہ ایک خوفناک سازش تھی اگر ایسا ہوا تو ساری دنیا جہنم

بن جائے گی۔ اُسے اپنی زندگی کی پرواہ نہیں تھی۔ لیکن وہ اُسے جذباتی بن کر ضائع بھی نہ کرنا چاہتا تھا۔ ورنہ وہ جس وقت بھی چاہتا۔ جیرالڈ سے بھڑ سکتا تھا مگر اُس کا یہ فعل غیر افادی ہوتا۔

وہ بڑی دیر سے اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ اُس نے گھڑی کی طرف دیکھا گیارہ بج رہے تھے۔

دفعتاً سامنے والی دیوار اپنے داہنے جوڑ کے پاس سے کھسکنے لگی اور دوسرے ہی لمحے میں وہ اندر گھس آیا۔ دیوار پھر اپنی اصلی جگہ پر آگئی۔ حمید نے اس طرح اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھی جیسے فریدی کو چپ کرانا چاہتا ہو۔ پھر اُس نے اُسے آنکھ مار کر بلند آواز میں کہا۔ "غالباً آپ نے شاستری صاحب کی باتوں پر غور کیا ہوگا۔"

فریدی کچھ نہیں بولا۔ وہ حمید کو عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

دوسرے لمحے میں حمید نے اپنی جیب سے سادہ کاغذ کا ایک ٹکڑا نکالا اور پنسل سے اس پر کچھ لکھنے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ بڑبڑاتا بھی جارہا تھا۔ "آپ غلطی پر ہیں۔ میری سنئے یہ لوگ بہت طاقتور ہیں۔ دنیا میں ہمیشہ طاقت کا ساتھ دینا چاہئے۔"

اسی طرح وہ اور بھی باتیں کہتا رہا۔ فریدی کی نظریں اُس کاغذ پر جمی ہوئی تھیں۔ جس پر حمید لکھ رہا تھا۔ "استاد! اس بار میں نے آپ کو شکست دے دی۔ خاموش.... خاموش۔ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ یہاں کی دیواریں بھی بولتی ہیں۔ کسی کمرے کی سرگوشی بھی ایک مخصوص کمرے میں لاؤڈ سپیکر کی طرح چیختی ہے۔ جیرالڈ یہاں کی چیونٹی کی بھی گنگناہٹ سن سکتا ہے۔ لیکن میں نے آپ سے بگاڑ کر کے اُس کا تھوڑا بہت اعتماد حاصل کرلیا ہے اور یہ صرف میرا حصہ ہے اگر آپ اکیلے ہوتے تو کبھی کے اُس سے ٹکرا کر ختم ہو جاتے۔ اس کی شخصیت واقعی حیرت انگیز ہے خدا کرے میں اُسے چونا لگانے میں کامیاب ہو جاؤں۔ میں نے آپ کی شان میں گستاخیاں کی ہیں اُن کے لئے معافی چاہتا ہوں.... اب راویان شیریں بیان ہوں فرماتے ہیں کہ میں نے روزا کو توڑ لیا ہے وہ میری ممنون ہے کہ میں نے اُسے اس مشینی تجربے سے بچالیا۔ میں نے اُسے اُس کے باپ کی موت کی اطلاع بھی دے دی ہے جس کا اُسے کوئی علم نہیں تھا اب وہ ایک بھوکی شیرنی کی طرح انتقام کے لئے بے چین ہے اور میں آپ سے معافی چاہتا ہوں کہ میں نے آپ سے پوچھے بغیر اُس کا ایک بوسہ لے لیا۔ بوسہ یوں لینا پڑا کہ وہ باہر نکلنے کے راستے سے واقف

ہے۔ راستہ دراصل اس کولتار فیکٹری میں نکلتا ہے جو لڑکال جنگل والی سڑک کے سرے پر واقع ہے اور وہ فیکٹری بھی جیرالڈ ہی سی تعلق رکھتی ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم یہاں سے نکلیں کیونکر۔ اول تو دروازے تک پہنچنا ہی مشکل ہوگا۔ اگر پہنچ بھی گئے تو وہاں اوپر فیکٹری میں دن رات آدمیوں کی اچھی خاصی تعداد موجود رہتی ہے۔"

اس دوران میں حمید ساتھ ہی ساتھ بڑبڑاتا بھی رہا تھا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے وہ جیرالڈ کی تعریف میں باقاعدہ لیکچر جھاڑ رہا ہو۔ جب وہ خاموش ہوا تو فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں غور کررہا ہوں۔ جیرالڈ کی شخصیت مجھے پسند ہے۔ لیکن اسکا طریقہ کار بہت ہی بہیمانہ ہے۔"

"سنئے جناب۔" حمید اکڑ کر بولا۔ "شاستری صاحب مجبور نہیں ہیں۔ وہ سائنٹیفک طور پر بھی آپ کے خیالات بدل سکتے ہیں۔ صرف ایک گھنٹے تک ایک مشین میں آپ کی مرمت ہوگی۔ اُس کے بعد آپ محسوس کرنے لگیں گے جیسے ابھی ابھی پیدا ہوئے ہوں۔ میں نے وہ مشین دیکھی ہے۔"

"میں عجیب کشمکش میں پڑ گیا ہوں۔" فریدی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں ابھی اور سوچوں گا۔ پھر فیصلہ کروں گا۔"

"وہ بھی اپنی بڑبڑاہٹ جاری رکھے ہوئے کاغذ پر لکھنے لگا۔" شاباش بیٹے حمید۔ "ابے میں تجھے اپنا ولی عہد بنادوں گا میرے ذہن میں فی الحال ایک تجویز ہے یہاں اور بھی بن مانسوں کی کھالیں موجود ہوں گی اُنہیں کسی طرح مہیا کرو اوپر فیکٹری والوں سے ہم انہیں پہن کر محفوظ رہ سکیں گے.... اور یہاں رات کو تو سب سوتے ہی ہوں گے انہیں یقین ہے کہ اُن کے علاوہ اور کوئی نہ تو یہاں داخل ہو سکتا ہے اور نہ یہاں سے نکل سکتا ہے۔ اس سلسلے میں روزا سے گفتگو کرو۔ میرا خیال ہے کہ وہ ٹرک بھی فیکٹری ہی میں رہتا ہوگا۔ جس میں بن مانس سفر کیا کرتے ہیں۔"

فریدی کی زبانی نصیحتوں پر حمید بگڑ کر بولا۔ "تو اب میرا فیصلہ سنئے۔ میں محکمہ سراغ رسانی میں بھی کام کروں گا اور اس عظیم تحریک سے بھی تعلق رکھوں گا۔"

"میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔" فریدی اس کی طرف جھپٹا۔ حمید نے وہ کاغذ تہہ کر کے فریدی کی جیب میں رکھ دیا اور خود مدد کے لئے چیختا ہوا زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ فریدی اُس کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور حمید اس طرح کی آوازیں نکالنے لگا جیسے اس کا گلا گھونٹا جارہا ہو۔

دوسرے ہی لمحے میں دیوار اپنی جگہ سے سرکی اور دو تین آدمی فریدی پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے فریدی کو پکڑ لیا اور حمید اُس کے نیچے سے نکل کر بھاگ نکلا۔

❁

دوسری رات چار بن مانس آہستہ آہستہ ایک طویل اور نیم تاریک گلیارے میں رینگ رہے تھے۔ مدھم سی پیلے رنگ کی روشنی پورے گلیارے میں پھیلی ہوئی تھی۔ اندھیرے میں پیلاہٹ کا امتزاج کچھ عجیب سی پُراسرار کیفیت اور فضا پیدا کر رہا تھا۔

سب سے آگے والا بن مانس بقیہ تین کے مقابلے میں پستہ قد تھا اور سب سے پیچھے والا اتنا طویل القامت تھا کہ دیکھ کر ہنسی آسکتی تھی۔

ایک فرلانگ لمبے گلیارے کے اختتام پر پہنچ کر وہ رک گئے۔ پستہ قد بن مانس دیوار میں کچھ ٹٹول رہا تھا۔ دفعتاً ایک عجیب قسم کا شور سنائی دیا اور یک بیک پستہ قد بن مانس بُری طرح کانپنے لگا۔

"غصب ہو گیا۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "خطرے کی گھنٹی۔ شاید انہیں پتہ چل گیا۔"

"ارے باپ رے باپ۔" سب سے لمبا بن مانس لڑکھڑا کر گرتے گرتے بچا۔

"سنبھل ڈیوٹ۔" ایک دوسرا بن مانس بولا جو سرجنٹ حمید کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

"چلئے! آپ باہر نکل جائیے۔" روزا بولی۔ "میں کچھ دیر اُن سے نپٹوں گی۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔" فریدی نے کہا۔ "چلو تم راستہ دکھاؤ۔ یا سب نکلیں گے یا سب مریں گے۔"

"میرے پاس.... ریوالور ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

"بیکار ہے۔" روزا جلدی سے بولی۔ "ایک بھی گولی اُن پر نہ پڑے گی.... یہاں مار ڈالنے کے طریقے دوسرے ہیں۔"

کہیں دو تین قدموں کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ دفعتاً انہیں اپنے سروں پر ایک ہلکی سی آواز سنائی دی۔ انہوں نے چونک کر اوپر دیکھا۔ سامنے سے ایک زینہ نمودار ہو گیا تھا اور ان کے سرے پر ایک چھوٹا سا دروازہ تھا۔ شاید روزا راستہ پانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

انہوں نے بڑی سرعت سے زینے طے کئے۔ روزا سب کے پیچھے تھی جیسے ہی وہ اوپر پہنچے انہوں نے روزا کی چیخ سنی۔ حمید نے مڑ کر دیکھا۔ دروازہ بند ہو چکا تھا اور وہ اوپری والی فیکٹری کے گیرج میں کھڑے ہوئے تھے۔

"بیکار ہے چلو جلدی کرو۔" فریدی ایک چھوٹی اسٹیشن ویگن میں بیٹھتا ہوا بولا۔

وہاں ایک ٹرک بھی موجود تھا۔ گیراج کھلا ہوا تھا اور سامنے پختہ راستہ تھا۔ وہ دونوں اسٹیشن ویگن پر لد گئے۔ دروازہ پھر کھلا اور کئی شکلیں دکھائی دیں۔ اتنی دیر میں فریدی انجن اسٹارٹ کر چکا تھا۔ کار جیسے ہی آگے بڑھی حمید نے کھڑے ہوئے ٹرک کے پہیوں پر تین چار فائر کر دیئے۔ شاید ایک ریوالور کہیں سے اس کے ہاتھ لگ گیا تھا۔

"کیا کر رہے ہو۔" فریدی بولا۔

"شاید میں نے ٹرک کے ٹائر پھاڑ دیئے ہیں۔"

"جیتے رہو۔"

دوسرے لمحے میں کار سنسان سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی لیکن یہ سمجھنا ان کی حماقت تھی کہ وہاں صرف وہ اکیلا ٹرک رہ گیا تھا جس پر حمید نے گولیاں چلائی تھیں وہ بمشکل تمام ایک ہی میل آئے ہوں گے کہ ساری سڑک ایک تیز قسم کی روشنی میں نہا گئی۔ اتنی تیز روشنی تھی کہ خس و خاشاک میں گری ہوئی ایک سوئی بھی ڈھونڈی جا سکتی تھی۔

حمید نے پلٹ کر دیکھا اور اُس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ روشنی بہت تیزی سے ان کی طرف بڑھی آ رہی تھی۔ شاید وہ کوئی کار تھی جس کے سرے پر ایک بہت زیادہ طاقت والی سرچ لائٹ نصب تھی۔

"حمید....!" فریدی نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "یہ وقت آزمائش کا ہے میں رفتار کم کرتا ہوں کود کود کر جنگل میں گھسو۔"

"ارے باپ....!" قاسم گڑگڑایا۔

سب سے پہلے حمید کودا۔ قاسم گرتے گرتے سنبھل گیا۔ اس کے بعد فریدی نے بھی چھلانگ لگا دی اور تینوں مخالف سمت کے گھنے جنگل میں گھستے چلے گئے۔

خوش قسمتی ہی تھی کہ انہیں آگے چل کر ایک پگڈنڈی مل گئی اور وہ سیدھے اُس پر بھاگتے چلے گئے۔ فریدی کو خدشہ تھا کہ کہیں لڑکال جنگل میں ملٹری نہ لگا دی گئی ہو۔ اگر ایسا ہوا تو بھی اُن کی خیر نہیں کیونکہ وہ بن مانسوں کی کھال میں تھے۔ اور اتفاق سے انہیں نیچے لگانے کے لئے بلٹ پروف نہیں مل سکے تھے اور دوسری طرف اُن کھالوں کو جسموں سے الگ کرنے کے لئے رکنا

بھی خطرے سے خالی نہیں تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد جنگل کی تاریکی میں گولیاں سنسنانے لگیں

"کیوں نہ کسی درخت پر جا چڑھیں۔" حمید بڑبڑایا۔

"ہائے مجھے درخت پر چڑھنا نہیں آتا۔" قاسم ہانپتا ہوا بولا۔

"بس بھاگتے چلو۔" فریدی نے کہا۔ "یہ ایک اندھی چال ہے خود کو تقدیر پر چھوڑ دو۔ اُن کی تعداد اتنی زیادہ نہیں ہے کہ پورے جنگل پر چھا جائیں۔"

"ہائے.... اب نہیں چلا جاتا۔ میں گرا۔" قاسم کراہ کر بولا۔

"مرد.... کاش تم چوہے ہوتے۔" حمید نے کہا۔ "ارے.... افسوس میری چوہیا وہیں رہ گئی"

انہیں بڑی شدت سے گرمی لگ رہی تھی۔ اس لئے انہوں نے اپنے سر پر سے کھال اُتار دی اور بازوؤں تک اُن کے جسم کھل گئے۔

صبح ہوتے ہوتے انہوں نے جنگل پار کر لیا.... اور پھر وہ اپنے جسموں پر سے کھالیں اُتار رہے تھے کہ انہوں نے ایک خوفناک گھڑگھڑاہٹ سنی۔ زمین ہلنے لگی اور وہ منہ کے بل گر پڑے۔ گھڑگھڑاہٹ کی گونج کافی دیر تک قائم رہی۔ وہ اس طرح بے سدھ زمین پر پڑے ہوئے تھے جیسے ان کے جسموں کی طاقت سلب ہو گئی ہو۔ دفعتاً حمید کے منہ سے چیخ نکلی۔ وہ آنکھیں پھاڑے آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں کافی بلندی پر بڑے بڑے درخت گرد و غبار کے مرغولوں میں چکراتے نظر آ رہے تھے۔ سورج کی پہلی شعاعیں غبار کے اس طوفان میں چھپ کر رہ گئی تھیں۔ یہ غبار پھیلتا ہی جا رہا تھا۔

وہ پھر اٹھ کر بھاگے اب وہ کھلے میدان میں تھے۔ لیکن اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا یہ کیا ہوا۔

❁

لڑکال جنگل ایک ماہ تک جلتا رہا۔ دس پندرہ میل کے رقبے میں ہر وقت دھوئیں کے بادل منڈلاتے رہتے تھے۔ میلوں تک بستیاں سنسان ہو گئیں۔ اتنے بڑے جنگل کی آگ پر قابو پانا آسان نہیں تھا پھر بھی ہر طرح کی تدبیریں اختیار کی جاتی رہیں۔

اگر یہ تباہی نہ آئی ہوتی تو فریدی کے بیان پر کسی کو یقین نہ آتا۔ سرجنٹ حمید کا کہنا تھا کہ یہ تباہی اُس کی چوہیا ہی لائی ہو گی۔ ورنہ وہ لوگ اتنے احمق نہیں تھے کہ اپنی ان عظیم الشان ایجادات کو اس طرح تباہ کر دیتے۔

شہر، لڑکال جنگل سے بیس میل کے فاصلے پر واقع تھا لیکن وہاں بھی زلزلے کے جھٹکے محسوس کئے گئے تھے حالانکہ گھر گھراہٹ کی آواز زیادہ تیز نہیں معلوم ہوئی تھی۔ لیکن پھر بھی لوگوں کا بیان ہے کہ وہ حد درجہ خوفناک تھی اور زمین کے نیچے سے آتی محسوس ہوتی تھی۔

جیرالڈ پھر کبھی اپنی کوٹھی میں نہیں دکھائی دیا۔ اس کا لڑکا لیمی البتہ حراست میں لے لیا گیا تھا لیکن اس کا کہنا تھا کہ وہ ان معاملات کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔

فریدی کے بیانات نے ساری دنیا میں تہلکہ مچا دیا اور سارے ممالک کی حکومتیں اپنے یہاں اُس تباہ کن تحریک کے حامیوں کو کھود کر اُن کے بلوں سے نکالنے میں مصروف ہو گئی تھی۔

لڑکال جنگل کی آگ اب سرد ہو چکی ہے اور اب وہاں ایک ایسی جھیل دیکھی جا سکتی ہے جو تین چار میل کے رقبے میں پھیلی ہوئی ہے اس کی گہرائی ناپنے کی بے حد کوشش کی جا رہی ہے لیکن ابھی تک تو کامیابی نہیں ہو سکی۔

کہتے ہیں کہ یہ وہی جگہ ہے جہاں جیرالڈ اور اس کے ساتھیوں نے حیرت انگیز ایجادات کا تجربہ کیا تھا۔

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 38

کچلی ہوئی لاش

(مکمل ناول)

عبرت ناک منظر

انسپکٹر فریدی نے پہلے تو سرجنٹ حمید کو آوازیں دیں لیکن جب اُس نے جنبش بھی نہ کی تو فریدی نے جھلا کر کمبل کھینچ لیا اور دوسرے ہی لمحے میں اُس کے منہ سے کئی ناروا الفاظ نکل گئے۔ کیونکہ چارپائی خالی تھی۔ البتہ کمبل کے نیچے لحاف اور تکیے اس ترتیب سے رکھے ہوئے تھے کہ اُن پر کمبل تان دینے سے کسی سوتے ہوئے آدمی کا گمان ہو سکتا تھا۔

یہ چیز فریدی کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ کیا حمید اُسے بچہ سمجھتا تھا، اس طرح دھوکا دے کر راتوں کو غائب رہنا.... فریدی نے جھلاہٹ میں سگار زمین پر گرا کر پیر سے کچل دیا۔

دن نکل آیا تھا اور دھوپ پھیل گئی تھی۔ ہلکی سردیوں کے دن تھے اور صبح ہی صبح فریدی کو فون پر ایک ایسی اطلاع ملی تھی کہ وہ ناشتہ کرنا بھی بھول گیا تھا۔ اُسے اُس وقت حمید کی ضرورت تھی۔

فریدی ابھی کمرے کے دروازے تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ سرجنٹ حمید نے چارپائی کے نیچے سے سر نکال کر کہا۔ "گڈ مارننگ یور ہارڈنس۔"

فریدی چونک کر مڑا اور پھر اُسے بے ساختہ ہنسی آگئی۔ پلنگ کی چادر حمید کے شانوں پر لہرا رہی تھی اور وہ اپنی آنکھیں مل رہا تھا۔ پھر وہ پلنگ کے نیچے سے رینگ کر باہر نکل آیا۔ فریدی نے دیکھا پلنگ کے نیچے باقاعدہ بستر لگا ہوا تھا جسے پلنگ کی چادر کے لٹکتے ہوئے گوشے چاروں طرف سے چھپائے ہوئے تھے۔

"یہ کیا حرکت تھی؟" فریدی نے دوسرے لمحے میں سنجیدہ ہو کر کہا۔

"پلنگ پر ڈراؤنے خواب آتے ہیں۔" حمید انگڑائی لے کر بولا۔ "اس کے لئے میں طالب علمی کے زمانے میں بھی یہی نسخہ استعمال کرتا تھا۔ ورنہ تین ہی بجے سے مجھے ایسے خواب آنے لگتے تھے جیسے والد صاحب کہہ رہے ہوں.... ابے اٹھ یہی تو پڑھنے کا وقت ہے.... وغیرہ وغیرہ.... آہم۔"

اُس نے پھر انگڑائی لی اور مسکرا کر فریدی کو آنکھ ماری۔

"میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں اور شاید یہ خبر سن کر تم بھی نہ رہ جاؤ۔" فریدی بولا۔

"کیا بات ہے؟"

"اشرف ہلاک ہو گیا۔"

"کیا....؟" حمید چونک کر بولا۔ "کون اشرف؟"

"میرا خیال ہے کہ ہمارے دوستوں میں صرف ایک ہی اشرف تھا۔"

"اوہ کون! اپنا اشرف؟" حمید کے ہاتھ سے ٹوتھ بُرش چھوٹ پڑا۔

"ابھی فون پر اطلاع ملی ہے۔ اُسکی لاش ایک بھاری تجوری کے نیچے کچلی ہوئی پائی گئی ہے۔"

"کہاں، کس جگہ؟"

"گھر ہی پر۔" فریدی نے کہا۔ "جگدیش وہیں ہے۔ اُسے ہمارے تعلقات کا علم تھا۔"

"تو پھر چلئے....!" حمید ہینگر سے پتلون کھینچتا ہوا بولا۔ "اُس نے جلدی جلدی کپڑے پہنے اور غسل خانے کا ارادہ ملتوی کر کے تیار ہو گیا۔ راستے میں فریدی نے کہا۔

"کل ہی اُس کی منگنی کا اعلان ہوا تھا۔ غالباً ہم نے نیو اسٹار میں اُن دونوں کی تصویریں نہ دیکھی ہوں گی۔ آج صبح ہی آئی ہیں اور وہ ایک حادثہ کا شکار ہو گیا۔"

"کاش اُنکی منگنی کا اعلان نہ ہوا ہوتا۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "یہ قتل ہی ہو سکتا ہے۔"

"کیوں....؟" فریدی چونک کر بولا۔

"اُس کے ایک دو نہیں بلکہ پانچ عدد رقیب تھے۔"

"میں نہیں سمجھا....؟"

"آپ نہیں سمجھ سکتے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "کبھی آپ کو روحی سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے؟"

"نہیں کبھی نہیں۔ البتہ اشرف ہی کی زبانی اُس کا تذکرہ ضرور سنا تھا۔"

"اُس سے زیادہ پرکشش لڑکی آج تک میری نظروں سے نہیں گزری۔" حمید بولا۔

"حمید یہ موقع ایسا نہیں ہے کہ تم اپنی حسن پرستی کا اظہار کرو۔"

"میں مغموم بھی ہوں اور سنجیدہ بھی۔ آپ اُس لڑکی سے واقف نہیں۔ شاید منگنی کے اعلان کے وقت بھی اُسے اپنے فیصلے پر تردد رہا ہو۔"

"کیا بک رہے ہو؟"

"جی ہاں۔ وہ اُن پانچوں کو بھی ناپسند نہیں کرتی۔" حمید نے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ آپکو اُس سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ ویسے بھی اشرف سے اُسکا کیا رشتہ تھا....؟"

"غالباً خالہ زاد بہن تھی۔"

"اور یہ پانچواں بھی.... اُن میں کوئی ماموں زاد ہے، کوئی چچازاد اور کوئی خالہ زاد، سبھی اچھی حیثیت والے تعلیم یافتہ اور نوجوان ہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ روحی اشرف کے علاوہ اُن پانچوں میں سے بھی دل چسپی لیتی تھی۔"

"خیر چھوڑو! اس قسم کے اندازے قبل از وقت ہوں گے۔"

جاوید بلڈنگ کے سامنے کیڈی لاک پہنچ کر رک گئی۔ جاوید بلڈنگ ایک تین منزلہ عمارت تھی نچلی منزل میں صرف ایک بہت بڑا فلیٹ تھا جس میں اشرف رہتا تھا اور اوپری منزل میں دس بارہ چھوٹے چھوٹے فلیٹ تھے جن میں مختلف کرایہ دار رہتے تھے۔ یہ عمارت اشرف ہی کی تھی۔ نہیں شہر میں اُس کی ایسی کئی عمارتیں تھیں جن کے کرائے کی شکل میں ہر ماہ ایک کثیر رقم وصول ہوتی تھی۔

اشرف کا شمار متمول آدمیوں میں ہوتا تھا اور اپنی حیثیت کے حلقوں میں وہ کافی عزت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ وہ ایک خوش طبع اور قبول صورت نوجوان تھا۔ شکار کے شوق نے اُسے فریدی سے بھی متعارف کرا دیا تھا۔

جاوید بلڈنگ کے نیچے پولیس کار پہلے سے ہی موجود تھی جس سے فریدی نے اندازہ لگالیا کہ یہاں ڈی ایس پی سٹی بھی موجود ہے۔ شائد جگدیش نے اس کے پہنچنے سے پہلے ہی فریدی کو فون کیا تھا۔ کوتوالی انچارج انسپکٹر جگدیش دونوں کی درمیاں کشیدگی سے بخوبی واقف تھا۔ اس لئے وہ خود ایسے مواقع کو بچا جانے کی کوشش کرتا تھا جہاں اُن دونوں کے ٹکراؤ کا امکان ہو۔

"غالباً کوتوال صاحب بھی تشریف فرما ہیں۔" حمید نے پولیس کار کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہوگا....!" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور کیڈی سے اُتر گیا۔

وہ دونوں عمارت میں داخل ہوئے۔ دروازے پر کھڑا ہوا کانسٹیبل شاید اُن سے واقف تھا اس لئے اُس نے بڑے ادب سے انہیں راستہ دے دیا۔

بڑے کمرے میں ایک سب انسپکٹر اور دو ہیڈ کانسٹیبلوں کے ساتھ انسپکٹر جگدیش موجود تھا۔ فریدی کو دیکھ کر وہ آگے بڑھا۔

"اچانک کوتوال صاحب بھی پہنچ گئے۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔

"لاش کہاں ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"خواب گاہ میں۔ کوتوال صاحب وہیں ہیں۔" جگدیش مشوش لہجے میں بولا۔ "ابھی لاش

تجوری کے نیچے ہی ہے۔ فوٹو گرافروں کا انتظار ہے۔ میرا خیال ہے کہ اشرف صاحب سوتے سے اٹھے تھے۔ اُن کے جسم پر سلیپنگ سوٹ ہے۔"

"ہوں....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کیا میں لاش دیکھ سکتا ہوں؟"

"میں نے آپ کو اسی لئے فون کیا تھا مگر وہ....!"

"ڈی۔ایس۔پی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"جی ہاں.... میں ڈرتا ہوں کہ کہیں جھڑپ نہ ہو جائے۔"

ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ڈی ایس پی کچھ بڑبڑاتا ہوا کمرے سے نکل آیا۔ فریدی پر پڑتے ہی وہ رکا پھر طنز آمیز مسکراہٹ کے ساتھ اُس کے قریب آگیا۔

"آپ کیسے....؟"

"آپ ہر موقع پر یہی سوال کرتے ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیکن آج میں آپ کو جواب نہیں دوں گا۔ ممکن ہے بات بڑھ جائے۔ ویسے میں مغموم ہوں۔ مرنے والا میرا دوست تھا۔"

"مسٹر فریدی! مجھے حیرت ہے۔ نہ جانے کیوں آپ کے سارے دوست احباب کسی نہ کسی حادثے ہی کے شکار ہوتے ہیں۔"

"اتفاق ہے۔"

"مجھے افسوس ہے۔" ڈی۔ایس۔پی سنجیدگی سے بولا۔ "میرے احباب بڑے سخت جان ہیں۔ ورنہ میں بھی سراغ رساں ہو جاتا۔"

"مشکل تو نہیں۔" فریدی بولا۔ "آپ خود ہی کیس کیجئے اور خود ہی سراغ لگائیے۔ ابتدائی مشقوں کے لئے یہ نسخہ بڑا مجرب ہے۔ ویسے اگر آپ اجازت دیں تو میں بھی لاش کو دیکھ لوں؟"

"کیا آپ نے کوئی خیال قائم کیا ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"بالکل سیدھا سادا کیس ہے۔" اچانک تجوری گرنے سے موت واقع ہو گئی۔

"ہو سکتا ہے لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے خیالات کا اظہار کر کے آپ کو پریشان نہ کروں گا۔"

"آپ کو اس کی اطلاع کس طرح ہوئی؟" ڈی۔ایس۔پی نے پوچھا۔

"جگدیش صاحب جانتے تھے کہ وہ میرا دوست تھا۔"

"اوہ....!" ڈی۔ایس۔پی نے گھورتی ہوئی نظروں سے جگدیش کی طرف دیکھا پھر فریدی کی طرف مڑ کر بولا۔ "آیئے۔"

وہ واردات والے کمرے میں آئے اور حمید کو اپنا خون رگوں میں منجمد ہوتا محسوس ہونے لگا۔ اُس کے دوست اشرف کی لاش ایک وزنی اور بھاری بھرکم تجوری کے نیچے آدھی سے زیادہ دبی پڑی تھی۔ سر اور سینے کی حالت کا اندازہ دل ہی دل میں لگا کر وہ کانپ اٹھا۔ یقیناً سر جو نظر نہیں آرہا تھا بُری طرح کچل گیا ہوگا۔ جگدیش کے بیان کے مطابق اشرف کے جسم پر سلیپنگ سوٹ ہی تھا اور پیر ننگے تھے۔ سونے کی پلنگ اُس کی لاش سے چار یا پانچ فٹ کے فاصلے پر رہی ہوگی۔ آدھا کمبل فرش پر تھا اور آدھا پلنگ پر سرہانے کی کرسی کے دونوں پائے اٹھے ہوئے تھے اور پشت دیوار سے ٹک گئی تھی۔

فریدی کی نظریں لاش پر جمی رہیں۔ پھر اُس نے چاروں طرف دیکھ کر لاش کی جانب دیکھا۔

"یہ غالباً سو رہا تھا۔" ڈی۔ایس۔پی نے سکوت توڑا۔ "سوتے سے اٹھا اور کسی طرح تجوری گر پڑی۔"

"ٹھیک ہے۔" فریدی نے اعتراف میں سر ہلایا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ شاید وہ کچھ اور بھی کہے گا لیکن فریدی پھر خاموشی سے لاش کا جائزہ لینے میں مشغول ہو گیا تھا۔ وہ لاش پر جھکا ہوا قرب و جوار کی زمین بھی دیکھتا جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ چند لمحے خلاء میں گھورتا رہا پھر بولا۔ "آپ کا خیال درست ہو سکتا ہے۔ میں بھی فی الحال یہی فرض کیے لیتا ہوں کہ یہ محض ایک اتفاقی حادثہ ہے۔"

"ٹھہریئے۔" ڈی۔ایس۔پی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "فرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی تھیوری ہو تو پیش کیجئے۔"

"بغیر کلیو کے تھیوری۔" فریدی خفیف سا مسکرایا۔ "ابھی تو میں معاملات کو سمجھ بھی نہیں سکا لیکن معلوم ہے کہ آپ کوئی تھیوری رکھتے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے لیکن میں پہلے آپ کا خیال معلوم کرنا بہتر سمجھوں گا۔"

"بہتر ہے مگر پھر شکایت نہ کیجئے گا ہو سکتا ہے کہ میں معاملات کو الجھا دوں۔"

"کوشش کیجئے۔" ڈی۔ایس۔پی طنزیہ انداز میں مسکرایا۔ "ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُس نے سچ مچ معاملات کے متعلق کوئی خاص نظریہ قائم کر لیا ہو۔"

فریدی پھر فرش پر جھک کر کچھ دیکھنے لگا۔ اُس کی نظریں پلنگ کا جائزہ لیتی ہوئیں سرہانے والی کرسی کے اٹھے ہوئے اگلے پایوں پر جم گئیں۔ اُس نے سیٹی بجانے والے انداز میں اپنے ہونٹ سکوڑے اور اب تجوری کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ جگہ دیکھی جہاں تجوری رکھی رہی

ہو گی۔ یہاں فرش پر گرد و غبار میں اُس کے پیندے کا نشان صاف ظاہر تھا۔

شاید دس منٹ تک، وہ کمرے کی ایک ایک چیز کو دیکھتا بھالتا رہا۔ اس دوران میں کئی بار اُس نے محدب شیشے کی مدد سے کئی چیزوں کا جائزہ لیا۔

"اب میں یہ معلوم کرنا چاہوں گا کہ اس حادثے کی اطلاع کس نے دی تھی؟"

فریدی سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

"ایک نوکر نے۔" ڈی۔ایس۔پی نے کہا۔

"اشرف کے پاس دو نوکر تھے۔ خیر اطلاع کس وقت دی؟"

"صبح چھ بجے۔"

"حالانکہ اگر یہ حادثہ رات ہی کو ہوا تھا تو انہیں اُسی وقت اس کی اطلاع ہو گئی ہو گی۔"

"کیوں....؟"

"تجوری کے گرنے سے کافی تیز آواز ہوئی ہو گی۔"

"انہوں نے کوئی آواز نہیں سنی۔ وہ دونوں دو بجے رات تک گھر سے باہر رہے تھے۔"

"اوہ! تب میں اُن سے کچھ سوالات کرنا ضروری سمجھوں گا۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن آپ اُن سے کچھ بھی نہ معلوم کر سکیں گے کیونکہ وہ رات آٹھ بجے سے دو بجے تک یہاں تھے ہی نہیں۔ جن لوگوں کے ساتھ تھے انہوں نے تصدیق کر دی ہے۔"

"کہاں تھے؟" فریدی نے پوچھا۔

"سرکس دیکھنے گئے تھے۔ اوپری منزل کے دو کرایہ دار کے خاندان بھی اُن کے ہمراہ تھے۔"

"لیکن اس کے باوجود بھی میں کچھ سوالات کرنا پسند کروں گا۔" فریدی بولا۔

دونوں نوکر بلائے گئے جو صدمے اور خوف سے زرد ہو رہے تھے۔ انہوں نے اپنی غیر حاضری کا سبب وہی بتایا جو اس سے پہلے ڈی۔ایس۔پی بتا چکا تھا۔ اُن کی موجودگی میں رات میں کوئی اشرف سے ملنے بھی نہیں آیا تھا۔

"کیا یہ تجوری پہلے بھی کبھی گر چکی ہے؟" فریدی نے سوال کیا۔

اس کا جواب دونوں نوکروں نے نفی میں دیا۔

"ظاہر ہے کہ گھر میں اشرف کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ پھر تم اندر کس طرح داخل ہوئے؟"

"ہم پچھلے دروازے میں باہر سے تالا لگا کر گئے تھے۔" ایک نوکر نے کہا۔

"جی ہاں۔"

"تم جب واپس آئے تو تالا اُسی طرح بند تھا....؟"

"جی ہاں۔"

"اچھا! تمہارے اس معمول سے دوسرے لوگ تو واقف نہ ہوں گے؟"

"جی نہیں.... سب جانتے ہیں۔ یہاں کے سب کرایہ دار۔"

"اشرف کے دوست احباب بھی؟"

"اس کے متعلق علم نہیں۔" نوکر بولا۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟" فریدی نے دوسرے نوکر سے پوچھا۔

"ممکن ہے کہ جانتے ہوں۔" اُس نے تھوک نگل کر جواب دیا۔

"تم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے....؟"

"جی نہیں۔"

اس کے بعد بھی فریدی نے اُن سے بہتیرے سوالات کیے اور ڈی۔ایس۔پی اکتائے ہوئے انداز میں طرح طرح کے منہ بناتا رہا۔ آخر فریدی نے نوکروں کو رخصت کر دیا۔

"ہاں جناب! اب فرمائیے۔" ڈی۔ایس۔پی نے پھر چٹکی لی۔

"میں اسے اتفاقی حادثہ نہیں سمجھتا۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اس وزنی تجوری کا اپنی جگہ سے جنبش کرنا بھی قریب قریب ناممکن سا ہے۔ جب تک کہ کئی ہاتھ نہ لگیں۔ دوسری صورت میں یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ اُسے پیچھے سے دھکیلا جائے۔ نشان بتاتا ہے کہ وہ دیوار سے تقریباً ڈیڑھ فٹ کے فاصلہ پر رکھی ہوئی تھی۔ اتنی جگہ میں ایک آدمی بہ آسانی کھڑا ہو سکتا ہے۔"

"اس حقیقت سے کس کافر کو انکار ہو سکتا ہے۔" ڈی۔ایس۔پی مسکرا کر بولا۔

"میں اسے قتل عمد سمجھتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "میرے ذہن میں کوئی چور اُچکا نہیں ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔" ڈی۔ایس۔پی بولا۔

"مطلب یہ کہ اشرف کی جان تجوری کی وجہ سے نہیں گئی بلکہ تجوری کو جان بوجھ کر اُس کی زندگی ختم کر دینے کا ذریعہ بنایا گیا۔"

"وہ کس طرح....؟"

"بس فی الحال میں اتنا ہی عرض کر سکتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "اب میں آپ کے نظریے کے لئے بے چین ہوں۔"

"لیکن فی الحال آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں اُس کے لئے آپ کے پاس کوئی دلیل بھی ہے؟"

"میں دلیل کے بغیر کبھی کوئی بات نہیں کہتا۔"

"میں وہ دلیل سننا چاہتا ہوں۔" ڈی۔ایس۔پی نے کہا۔

"تجوری خود سے نہیں گر سکتی اور نہ اشرف اتنا احمق تھا کہ خود سے اُسے اپنے اوپر گرا لیتا۔"

"اس کا اعتراف میں پہلے ہی کر چکا ہوں۔"

"سنتے جایئے۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں سارے امکانات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا۔ فرض کیجئے وہ کوئی چور تھا۔ اُس نے چوری کی نیت سے تجوری کھولنی چاہی۔ اتنے میں اشرف کی آنکھ کھل گئی لیکن قبل اس کے کہ وہ چور کو دیکھتا چور تجوری کے پیچھے چھپ گیا۔ اشرف نے اُسے دیکھ ہی لیا جیسے ہی وہ تجوری کی طرف جھپٹا، چور نے تجوری اُس پر دھکیل دی اشرف اُس کے نیچے دب گیا۔ لیکن آپ یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ اُس کا سر تجوری کی طرف ہے اور وہ اوندھا پڑا ہے۔ حالانکہ تجوری کا دھکا لگتے ہی اُسے چت گرنا چاہئے تھا۔ اس صورت میں اُس کا سر پلنگ کی سمت ہوتا اور شاید اُس کی ٹانگیں تجوری کے نیچے دبی ہوتیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ پلنگ سے اٹھتے اٹھتے ہی اوندھے منہ گر پڑا ہو۔" ڈی۔ایس۔پی نے کہا۔

"تو چلئے بات بھی ختم ہو گئی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "قتل عمد ثابت ہو گیا۔"

"کیوں....؟" ڈی۔ایس۔پی بوکھلا گیا۔

"سیدھی سی بات ہے اُس کے گر پڑنے کے بعد چور فرار بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا۔ پہلے اُس نے تجوری گرا کر اُسے کچل دیا پھر نکل بھاگا۔ اتفاقیہ حادثہ ہم اسے اُس وقت کہہ سکتے تھے جب ان دونوں کی جدوجہد کے دوران میں تجوری دھکا لگنے کی بناء پر اُس پر آگرتی اور اسی صورت میں ہو سکتا تھا جب وہ تجوری کے پیچھے والی ڈیڑھ فٹ چوڑی جگہ میں ہوتی اور یہ بالکل ناممکن ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ پیچھے ہوتے تو آگے کی طرف گری ہوئی تجوری کے نیچے وہ کس طرح دبتا۔"

ڈی۔ایس۔پی کچھ نہ بولا۔ اُس نے شروع ہی سے اپنے خیالات کا اظہار نہ کر کے عقلمندی کا ثبوت دیا تھا۔

"لیکن....!" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ "میں چور والی تھیوری کا قائل نہیں ہوں۔"

"اچھا تو اب آپ الجھائیں گے اس معاملے کو۔" ڈی۔ایس۔پی نے کہا۔

"الجھانے کا سوال ہی نہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ یہ سب کچھ ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت

بہت ہی اطمینان کے ساتھ کیا گیا ہے۔"

"کس طرح....؟"

"ٹھہریئے میں ایک بار پھر اُن نوکروں سے گفتگو کروں گا۔" فریدی نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔ حمید بھی اُس کے پیچھے تھا۔ ڈی۔ایس۔پی اُسی کمرے میں آ گیا جہاں انسپکٹر جگدیش وغیرہ تھے۔ تھوڑی دیر بعد فریدی پھر نوکروں سے استفسار کر رہا تھا۔

"خواب گاہ کی صفائی کون کرتا ہے؟"

"میں....!" ایک نوکر بولا۔

"روزانہ....؟"

"جی ہاں۔"

"کیا تم نے کبھی خواب گاہ میں شیشے کی گولیاں دیکھی ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

کوٹ اور گولیاں

اس سوال پر نہ صرف حمید چونکا بلکہ دوسرے بھی فریدی کو تحیر آمیز نظروں سے دیکھنے لگے۔ نوکر چند لمحے خاموش رہا۔ شاید وہ بھی اس غیر متوقع اور بظاہر اہم سوال کے متعلق غور کرنے لگا تھا۔

"شیشے کی گولیاں؟" نوکر ذہن پر زور دیتا ہوا بولا۔ "میں نہیں سمجھا کہ شیشے کی گولیوں سے آپ کی کیا مراد ہے؟"

"شیشے کی گولیوں سے مراد صرف شیشے کی گولیاں ہیں۔ ایسی گولیاں جو سوڈا واٹر کی بوتلوں میں ہوتی ہیں۔"

"جی نہیں اس قسم کی گولیاں گھر میں کبھی نہیں تھیں۔"

"خواب گاہ کی صفائی کرتے وقت بھی کبھی تمہاری نظروں سے نہیں گذریں؟"

"جی نہیں.... کبھی نہیں۔"

"کل تم نے صفائی کی تھی؟"

"جی ہاں۔"

"تب پھر شاید تم نے ملبوسات کی الماری کے نیچے سے گرد نہیں نکالی تھی۔"

"صاحب ایک ایک کونہ صاف کراتے تھے اور الماری کے نیچے تو خاص طور سے روز ہی جھاڑو لگانے پڑتے ہیں کیونکہ ایک بار اس کے پیندے میں دیمک لگ چکی ہے۔"

"اوہ.... لیکن تمہیں شیشے کی تین گولیاں نہیں دکھائی دی تھیں؟"

"قطعی نہیں حضور.... اگر دکھائی دیتیں تو مجھے حیرت بھی ہوتی۔ کیونکہ نہ تو ہمارے یہاں کبھی بچے آتے ہیں اور نہ ایسے سوڈے کی بوتلیں جن میں گولیاں ہوتی ہیں۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔ آج کل شہر میں کوئی ایسی فیکٹری نہیں جو کراؤن کارک والی بوتلوں کے علاوہ کسی اور قسم کی بوتلوں میں سوڈا بھرتی ہو۔ اچھا تم جا سکتے ہو۔"

نوکر چلے گئے۔ فریدی فاتحانہ نظروں سے ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کی طرف دیکھنے لگا۔ اتنے میں فوٹو گرافر بھی آ گئے اور انہوں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی نے پھر کوئی سوال نہیں کیا۔ حالانکہ حمید بُری طرح الجھ رہا تھا۔ آخر ان گولیوں کا مطلب، فریدی کس نتیجے پر پہنچا ہے واردات کے متعلق حقیقتاً اُس کا نظریہ کیا ہے۔

جب فوٹو گرافر اپنا کام ختم کر چکے تو ڈی۔ ایس۔ پی بھی لاش اٹھوانے کا حکم دیتا ہوا چلا گیا۔ فوٹو گرافروں کے ساتھ ڈاکٹر بھی آیا تھا۔ بہر حال حمید اس کے بعد کمرے میں جانے کی ہمت نہیں کر سکا۔ تجوری اٹھنے کے بعد وہ اُس لاش کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اپنے اتنے دنوں کے تجربہ دور میں شاید ہی اُس نے کبھی اتنی کمزوری کا احساس کیا ہو۔

لاش اٹھ جانے کے بعد ہی وہ اس کمرے میں جا سکا۔ اب کمرے میں صرف فریدی اور انسپکٹر جگدیش رہ گئے تھے۔ فریدی اب بھی کمرے کی بعض چیزوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ جگدیش کی طرف مڑ کر بولا۔

"کیا تمہارے کوتوال صاحب نے کوئی نظریہ قائم کیا تھا....؟"

"جی ہاں.... وہی چور والی بات۔ اُن کا خیال ہے کہ اشرف نے جاگ کر چور پکڑ لیا تھا۔ دونوں میں جدوجہد ہوئی اور نتیجے کے طور پر تجوری اُس پر آ رہی۔"

"لغو....!" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ حمید کو فریدی کے سکون اور اطمینان پر حیرت ہو رہی تھی۔ کیا اُس کی نظروں میں لاشوں کی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی تھی۔ خواہ وہ اپنے آدمیوں کی ہوں خواہ غیروں کی وہ اُن سے ذرہ برابر بھی متاثر نہیں ہوتا تھا۔

فریدی چند لمحے تجوری کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ "تجوری مقفل ہے۔ اگر یہ کھلی ہوئی

ملتی تو میں اس نظریئے کو تسلیم کر لیتا۔ اگر چور اتنا ہی دیدہ دلیر تھا کہ بھاگ نکلنے کی بجائے اشرف کو کچل دینے کا منتظر رہا ہو تو وہ بعد کو تجوری سیدھی کر کے اسے کھول بھی سکتا تھا۔ نہیں جگدیش صاحب۔ وہ تجوری کے لئے یہاں ہرگز نہیں آیا تھا۔"

"آپ کہتے ہیں کہ یہ کام اطمینان سے کیا گیا۔" جگدیش نے کہا۔ "تو آخر تجوری استعمال کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ گلا بھی گھونٹا جا سکتا تھا۔ ایک تیز دھار والا خنجر۔"

"ٹھہرو....!" فریدی اُس کی بات کاٹ کر بولا۔ "اس سٹ اپ کا مطلب ہی یہی ہے کہ وہ چور والا نظریہ ذہن نشین کرانا چاہتا تھا۔ لیکن اُس نے تھوڑی سی غلطی کی۔ خیر ہاں تو یہ گولیاں۔"

فریدی نے جیب سے تین گولیاں نکالیں اور گفتگو جاری رکھی۔ "پچھلی رات یہاں ایسی بہتیری گولیاں رہی ہوں گی جنہیں اشرف کو گرانے کے لئے استعمال کیا ہوگا۔"

فریدی نے گولیاں زمین پر ڈال دیں پھر ٹہلتا ہوا کمرے کے آخری سرے تک گیا۔ واپسی پر اُس کی رفتار تیز تھی۔ اُس کا ایک پیر انہیں گولیوں پر پڑ کر پھسلتا چلا گیا۔ اگر اُس نے توازن برقرار نہ رکھا ہوتا تو گر ہی پڑا تھا۔

"تم نے دیکھا۔" فریدی سنبھل کر جگدیش سے بولا۔ "بہتیری گولیاں پلنگ کے قریب پڑی رہی ہوں گی۔ اُسے کسی تدبیر سے جگایا گیا اور جیسے ہی وہ جھپٹ کر اٹھا اس کا پیر گولیوں پر پھسل گیا اور اس کے گرتے ہی اُس پر تجوری دھکیل دی گئی۔ پھر بڑی احتیاط سے سارے نشانات مٹائے گئے لیکن یہ گولیاں اتفاق سے الماری کے نیچے لڑھک گئی تھیں۔ ورنہ یہ بھی یہاں موجود نہ ہوتیں۔"

"میں پھر عرض کروں گا کہ اتنی سی بات کے لئے اتنا جھنجھٹ کیوں؟" جگدیش نے کہا۔

"اگر قاتل تجوری ہی کے نیچے اُسے کچلنا چاہتا تھا تو اُس نے گولیوں والا طریقہ کیوں اختیار کیا۔ کیونکہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اُس کا پیر نہ پھسلتا۔ اس سے زیادہ سیدھی سادی چیز تو کلوروفارم تھی۔ اطمینان سے اُسے بے ہوش کرتا پھر اُسے فرش پر ڈال کر تجوری گرا دیتا۔"

"اور پھر....!" فریدی طنزیہ لہجے میں بولا۔ "پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کلوروفارم کی کہانی سنا دیتی اور قتل عمد ثابت ہو جاتا کیوں؟ اگر اُسے یہی کرنا ہوتا تو وہ اس سے بھی زیادہ سیدھی سادی چیز چھری استعمال کرتا۔"

"عجیب معاملہ ہے۔" جگدیش سر ہلا کر بولا۔

"بہر حال اس سارے سٹ اپ کا مطلب یہی ہے کہ قاتل خود بھی جانتا تھا کہ اُس پر شبہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی لئے اُس نے چور والا نظریہ ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے۔"

"چلئے اب آئی مصیبت....!" جگدیش مسکرا کر بولا۔ "اب ہمیں کسی ایسے آدمی کو ڈھونڈنا پڑے گا جس سے اشرف کی دشمنی رہی ہو اور وہ یقیناً ایسا ہی آدمی ہوگا جس سے کچھ دوسرے لوگ بھی اشرف کے دشمن کی حیثیت سے واقف ہوں گے۔ ورنہ پھر اُسے پہچان لیے جانے کا خدشہ ہو ہی نہیں سکتا۔"

"تمہارا خیال درست ہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن اس میں بھی ایک دوسری صورت ہو سکتی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ سب کچھ قتل کا مقصد چھپانے کے لئے کیا گیا ہو۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"تم نے شاید آج کا نیوز اسٹار نہیں دیکھا۔" فریدی نے کہا۔ "اس میں اشرف اور روحی کی منگنی کی خبر آئی ہے اور اُن کی تصویریں بھی شائع ہوئی ہیں۔ منگنی کا اعلان کل شام کو ہوا تھا۔"

"اوہ....!" جگدیش یک بیک اچھلتا ہوا بولا۔ "رقابت! یہی کہنا چاہتے ہیں نا آپ؟"

"اس کے بھی امکانات ہو سکتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"بہر حال آپ اس کیس میں دلچسپی لیں گے۔" جگدیش بولا۔

"مجھے لینی ہی پڑے گی۔ تم جانتے ہو کہ وہ میرے کتنے قریبی دوستوں میں سے تھا۔"

"تو اب میرے خیال سے اس مکان کو مقفل کرنا پڑے گا۔" جگدیش نے کہا۔

"اشرف کا کوئی.... وارث....؟"

"میرا خیال ہے روحی کی ماں کے علاوہ اور اُس کا کوئی قریبی عزیز نہیں ہے۔"

"وہی اشرف کی منگیتر....؟"

"ہاں.... وہی....!" فریدی ایک طویل سانس لے کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"آپ بالکل خاموش ہیں۔" جگدیش نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

"مجھے صدمہ ہے۔ گہرا صدمہ... اور حقیقت تو یہ ہے کہ ابھی میں اس محکمے کے قابل نہیں ہوا۔"

اس جملے پر فریدی نے حمید پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور پھر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اُس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ نہ اُس پر غم کے آثار تھے اور نہ تشویش کے۔ تھوڑی دیر بعد وہ حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔ "ذرا اُن نوکروں کو پھر بلاؤ۔ میں کچھ اور پوچھوں گا۔"

حمید چلا گیا۔ وہ چونکہ یہاں سینکڑوں بار پہلے بھی آچکا تھا اس لئے وہ جانتا تھا کہ نوکر کمرے میں ملیں گے۔ کمرے کے دروازے پر وہ ٹھٹکا۔

"دیکھو! چلے جاؤ۔" ایک نوکر غالباً دوسرے سے کہہ رہا تھا۔ "پتہ نہیں یہ کس کا ہے۔"

"تم کیوں نہیں جاتے۔ مجھے خاکی وردیوں سے ہول آتا ہے۔"

"ڈرنے کی کیا بات ہے چلے جاؤ۔ میں دراصل اب اُس کمرے میں نہیں جانا چاہتا۔ میرا دم الٹنے لگتا ہے۔"

دوسرے لمحے میں حمید کمرے میں داخل ہو گیا۔ وہ دونوں بوکھلا کر کھڑے ہو گئے۔ حمید سے وہ اچھی طرح واقف تھے۔

"تم کیا کہنا چاہتے تھے؟" حمید نے پوچھا۔

"صاحب! یہ کوٹ۔" ایک نوکر نے اپنے سامنے پڑے ہوئے کوٹ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "ہمیں راہ داری میں پڑا ملا ہے۔ پتہ نہیں کس کا ہے۔ گھر میں تو اس قسم کا کوئی کوٹ کبھی نہیں تھا۔"

حمید نے کوٹ ہاتھ میں اٹھایا۔ معمولی گرم کپڑے کا پرانا کوٹ تھا۔

"میرے ساتھ آؤ۔" حمید بولا۔

فریدی نے بھی اس کوٹ کو حیرت کی نظروں سے دیکھا۔

"تمہیں یقین ہے کہ یہ پہلے گھر میں نہیں تھا....؟" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں.... صاحب کبھی گھٹیا کپڑے نہیں پہنتے تھے۔" نوکر نے جواب دیا۔

فریدی جیبیں ٹٹولنے لگا۔ دوسرے لمحے میں اُس کے ہاتھ میں ایک نیلے رنگ کا شناختی کارڈ تھا اور جیسے ہی اُس نے اُس کی تہہ کھولی۔ اُس کی آنکھوں سے حیرت ظاہر ہونے لگی۔

"یہ تو یونیورسٹی کا کوئی طالب علم ہے۔" اُس نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ "کیا ان لوگوں میں سے بھی کوئی زیرِ تعلیم ہے؟ اِدھر آؤ یہ دیکھو۔"

حمید اور جگدیش دونوں اُس کی طرف بڑھے۔ فریدی نے کارڈ پر چپکی ہوئی تصویر اُن کے سامنے کر دی۔ یہ ایک نوعمر آدمی کی نصف تصویر تھی۔ جس کے نیچے تحریر تھا۔ "شاہد جمیل فورتھ ایئر آرٹس۔" حمید کے لئے یہ چہرہ بالکل نیا تھا۔ وہ اُن پانچ آدمیوں میں سے نہیں تھا۔

فریدی حمید سے نفی میں جواب پا کر نوکروں کی طرف متوجہ ہوا۔

"کیا یہ آدمی تمہارے صاحب کے دوستوں میں سے تھا....؟"

"پتہ نہیں۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا۔" ایک نوکر نے تصویر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

دوسرے نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔

"تم نے اس کوٹ میں سے کوئی اور چیز تو نہیں نکالی....؟"

"نہیں صاحب.... ہم نے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا۔ پھر جگدیش کی طرف دیکھ کر بولا۔ "سوال یہ ہے کہ اگر مجرم ہی کا ہے تو وہ اُسے یہاں اتنی لاپرواہی سے کیوں چھوڑ گیا اور اس میں ایک ایسی چیز بھی ہے دی جو اُس تک پولیس کو نہایت آسانی سے پہنچا سکتی ہے۔"

کوئی کچھ نہ بولا۔ فریدی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "آخر یہ کوٹ آیا کہاں سے اگر یہ قاتل ہی کا ہے تو مجھے حیرت ہے۔ وہ جس نے اتنی احتیاط سے سارے نشانات مٹانے کوشش کی .... ایسی فاش غلطی کس طرح کر سکتا ہے۔ جگدیش صاحب تمہارے آفیسر کا خیال صحیح تھا کہ میرا ہاتھ لگتے ہی معاملات پیچیدہ شکل اختیار کر لیں گے۔"

"مجھے بڑی گھٹن محسوس ہو رہی ہے۔" دفعتاً حمید نے کہا۔ "میں یہاں زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکتا۔"

"تم جا سکتے ہو۔ تمہارے لئے ایک کام نکل آیا ہے۔ یہ شناختی کارڈ لے کر یونیورسٹی جا حالانکہ آج اتوار ہے لیکن تم پراکٹر سے مل کر اس لڑکے کے متعلق تفصیلات حاصل کر سکو گے ممکن ہے آفس بھی کھلا ہو۔ اگر لڑکا ڈے اسکالر ہوا تب بھی تم اُس کے داخلے کے فارم سے اُس پتہ معلوم کر لو گے۔"

حمید شناختی کارڈ لے کر چلا گیا۔

"ہمیں نشانات کیلئے اس کمرے تک محدود نہیں رہنا چاہئے۔" فریدی نے جگدیش سے کہا وہ اس کمرے سے نکل کر نشست کے کمرے میں آئے۔ یہ کمرہ بیرونی دروازے راہداری کے بالکل سرے پر تھا۔

"کیا اس کمرے کو تم لوگوں نے نہیں دیکھا تھا....؟" فریدی نے جگدیش سے پوچھا۔

"جی نہیں.... ہم میں سے کسی نے بھی دوسرے کمروں کی طرف دھیان نہیں دیا۔"

"کوٹ تمہیں کہاں ملا تھا....؟" فریدی نے پلٹ کر نوکر سے پوچھا۔

"یہاں... اس جگہ۔" نوکر نے کمرے کے دروازے کے سامنے کی جگہ کی طرف اشارہ کیا

"اوہ....!" فریدی نے جگدیش کی طرف دیکھ کر کہا۔ "میں بھی ادھر ہی سے گذر کر اندر تھا لیکن میری نظر اُس پر نہیں پڑی۔ ظاہر ہے کہ تم لوگوں نے بھی اُسے نظر انداز کر دیا تھا۔"

"واقعی! مجھے حیرت ہے۔" جگدیش بولا۔

"کیا وہ کوٹ ہمارے آنے کے بعد ملا تھا....؟" فریدی پھر نوکروں کی طرف مڑا۔

"جی ہاں....!" ایک نوکر نے کہا۔ فریدی نے دوسرے کی طرف دیکھا جو اُس کی نظروں

تاب نہ لا کر کانپ گیا۔ اُس کے انداز میں ہچکچاہٹ تھی۔

"کیا تم کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہو....؟" فریدی نے نرم لہجے میں اُس سے کہا۔

"جج.... جی.... مم.... مجھے صبح ہی ملا تھا۔"

"تو تم نے اُسے چھپایا کیوں؟" فریدی کی تیز نظریں پہلے نوکر کے چہرے پر جم گئیں۔

"میں کچھ نہیں جانتا صاحب۔ اُس نے مجھ سے جو کچھ بتایا میں نے آپ سے کہہ دیا مجھے تو پتہ نہیں تھا۔"

"کیوں....؟" فریدی نے دوسرے سے کہا۔ "تم نے پہلے ہی سچی بات کیوں نہیں بتائی؟"

"میں بھول گیا تھا سرکار.... میں نے اسے اٹھا کر اپنے کمرے میں ڈال دیا تھا۔ آج ہوش تو ٹھکانے نہیں۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر نوکروں سے بولا۔ "اب جاؤ لیکن گھر سے باہر نہیں.... ہو سکتا ہے کہ پھر تمہاری ضرورت پڑے۔"

وہ کمرے میں داخل ہو چکے تھے۔ فریدی نے چاروں طرف اچٹتی سی نظر ڈالی اور جگدیش سے بولا۔ "اُس کوٹ کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟"

پھر وہ اُس کے جواب کا انتظار کیے بغیر صوفوں کے درمیان رکھی ہوئی چھوٹی میز کے پایوں کی طرف جھک گیا۔

"اس کوٹ نے مجھے بھی چکر میں ڈال رکھا ہے۔" جگدیش نے کہا اور اس کے بعد بھی کچھ کہتے کہتے رک گیا کیونکہ اُس نے فریدی کو فرش سے کوئی چیز اٹھاتے دیکھ لیا تھا۔ یہ ایک رومال تھا جسے فریدی غور سے دیکھ رہا تھا۔

"آہم....!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "لپ اسٹک کے دھبے۔ ایک کونے پر حرف آر "R" کڑھا ہوا ہے۔"

جگدیش تیزی سے فریدی کی طرف بڑھا۔ فریدی نے رومال میز پر ڈال دیا تھا اور اب پھر فرش پر جھکا ہوا کچھ دیکھ رہا تھا۔ جگدیش نے رومال اٹھا لیا جس سے ایو ننگ ان پیرس کی بھینی بھینی خوشبو آ رہی تھی اور اس پر واقعی کئی جگہ لپ اسٹک کے دھبے تھے۔

تھوڑی دیر بعد فریدی پھر سیدھا کھڑا ہو گیا اور اُس نے جگدیش سے کہا۔ "ذرا نوکروں کو پھر آواز دینا۔"

کوٹ والے واقعے کے بعد سے دوسرا نوکر بھی بہت زیادہ سراسیمہ نظر آنے لگا تھا۔ پہلے کی

حالت تو خیر شروع ہی سے ابتر تھی۔

"کیوں بھئی.... اس کمرے کی صفائی کب سے نہیں ہوئی؟" فریدی نے اُن سے پوچھا۔

"کل شام ہی کو میں نے صاف کیا تھا۔" ایک نے کہا۔

"اچھی طرح یاد ہے۔ سوچ سمجھ کر جواب دینا.... یہ بہت اہم ہے۔"

"جی ہاں.... ہمارے معمول میں کبھی فرق نہیں آتا۔"

"اور کل شام سے رات تک تمہاری موجودگی میں کوئی اشرف سے ملنے نہیں آیا۔"

"جی نہیں.... مجھے اچھی طرح یاد ہے اور صاحب کا بھی کہیں جانے کا ارادہ نہیں تھا کیونکہ انہوں نے ہماری موجودگی ہی میں سونے کے کپڑے پہن لیے تھے۔"

"جگدیش یہ بات اہم ہے۔ اسے نوٹ کرلو۔" فریدی نے کہا اور پھر نوکروں سے مخاطب ہو گیا۔

"خاتون روحی یہاں کبھی آتی ہیں؟"

"جی ہاں اکثر....!"

"اکثر خلاف توقع رات میں بھی آئی ہوں گی؟"

"جی نہیں ایسا اتفاق تو کبھی نہیں ہوا۔"

"ہوں.... کوئی اور.... میرا مطلب ہے جان پہچان کی دوسری عورتیں....؟"

"کبھی نہیں....!" نوکر کا لہجہ ناخوشگوار ہو گیا۔ "صاحب ایسے آدمی نہیں تھے۔"

"ہوں اچھا....!" فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "جاؤ۔"

نوکروں کے چلے جانے کے بعد فریدی جگدیش سے بولا۔ "اگر نوکر کا بیان صحیح ہے کہ کل شام کو اُس نے اس کمرے کی صفائی کی تھی تو بھی یہاں کوئی آیا تھا۔ شاید کوئی عورت.... ایک مرد کا وجود بھی ثابت ہوتا ہے لیکن وہ اشرف نہیں ہو سکتا۔"

"کیسے.... کس طرح؟"

"یہ سگار کی راکھ.... یہ رہی.... ادھر دیکھو.... اشرف سگار نہیں پیتا تھا۔ بلکہ میں تو یہاں تک کہنے کے لئے تیار ہوں کہ اشرف ان دونوں کی موجودگی میں اس کمرے میں آیا ہی نہیں۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟"

"ایک ذاتی تجربے کی بناء پر.... دیکھو میز پر رکھا ہوا ایش ٹرے بالکل خالی ہے اور اشرف چین اسموکر تھا۔ ایک سگریٹ سے دوسری سلگانے والا۔ اگر وہ یہاں آکر ان دونوں کے ساتھ

بیٹھا ہوتا تو کم از کم ایک سگریٹ کا ٹکڑا تو ضرور ہی ایش ٹرے میں ہوتا اور یہاں فرش پر بھی کہیں سگریٹ کی راکھ نہیں دکھائی دیتی۔"

"اچھا وہ عورت....؟" جگدیش کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کیا آپ اس رومال کی وجہ سے عورت کے متعلق سوچ رہے ہیں؟"

"ہرگز نہیں۔ وہ رومال کسی مرد کا بھی ہو سکتا ہے اس بناء پر اُسے کسی عورت کا نہیں سمجھا جا سکتا کہ اس پر لپ اسٹک کے دھبے ہیں۔"

"پھر عورت کا وجود کس طرح ثابت ہوتا ہے؟"

"ذرا ٹھہرو۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "عورت کے متعلق محض قیاس ہے۔ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ ویسے یہ ہیئر پن مجھے میز کے پائے کے نیچے دبا ہوا ملا ہے۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ اس کا تعلق کل رات ہی کو آنے والوں سے ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ پہلے کبھی کا ہو۔ نوکر صفائی کرتے وقت اسے نظر انداز کرتے رہے ہوں۔"

جگدیش ہیئر پن کو ہاتھ میں لے کر دیکھنے لگا۔ سیاہ رنگ کا معمولی سا ہیئر پن تھا۔ پھر اُس نے اُسے بھی رومال کے قریب ہی میز پر ڈال دیا۔

فریدی نے شروع سے آخر تک سارے کمروں کا جائزہ لینے کی مہم شروع کر دی تھی۔ تقریباً دو گھنٹے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اسی دوران میں ڈی۔ ایس۔ پی سٹی ایک مجسٹریٹ کے ساتھ دوبارہ وہاں پہنچ گیا تھا اور اب شاید مکان کو سرکاری طور پر مقفل کر دیئے جانے کے سلسلے میں کاروائی شروع ہونے والی تھی۔ فریدی نے ڈی۔ ایس۔ پی سے کوئی گفتگو نہیں کی اور اُس نے جگدیش کو بھی اپنی چھان بین کے متعلق کچھ بتانے سے منع کر دیا۔ اپنی تحقیقات مکمل کر لینے کے بعد وہ وہاں سے روانہ ہو گیا۔ حمید گھر پر اُس کا منتظر تھا۔

"لڑکا ہوسٹلر نہیں ہے۔" حمید نے اپنی تفتیش کے متعلق بتانا شروع کیا۔ "شرما اسٹریٹ کی ایک عمارت شنکر لاج کے چودھویں فلیٹ میں رہتا ہے۔ میں وہاں بھی گیا تھا لیکن وہ موجود نہیں تھا۔ پڑوسیوں سے میں نے فی الحال پوچھ گچھ نہیں کی۔"

"خیر پھر دیکھیں گے۔" فریدی بولا۔ "مجھے اُس کا کوٹ الجھن میں ڈال رہا ہے۔ اگر صرف شناختی کارڈ کہیں پڑا ہوا ملتا تو کوئی بات نہ تھی۔ تم خود سوچو جس نے اتنے اطمینان سے واردات کی ہو وہ اپنا کوٹ وہاں کس طرح چھوڑ سکتا ہے۔ نہ صرف کوٹ بلکہ شناختی کارڈ بھی۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اُس کا سر بُری طرح چکرا رہا تھا۔ اشرف کی کچلی ہوئی لاش اُس کی آنکھوں

کے سامنے آجاتی تھی۔

نئی کہانی

شام خوشگوار ضرور تھی لیکن حمید کا دل کچھ بجھا ہوا تھا۔ فریدی نے کئی بار اُسے موڈ میں لانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن ناکام رہا۔

ہر وقت قہقہے لگانے والوں پر حالانکہ کسی غم کا اثر دیرپا نہیں ہوتا لیکن پھر بھی وہ تھوڑا سا غم انگیز واقعہ اُن کے لئے جاں گسل ہوتا ہے۔ کہ کچھ دیر کے لئے اُن کی رجائیت کی بنیادیں تک ہل جاتی ہیں۔

وہ بڑی دیر سے اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ یکایک وہ برآمدے میں نکل آیا جہاں فریدی آرام کرسی پر لیٹا آنکھیں بند کیے سوچ رہا تھا۔ بجھا ہوا سگار اُس کی انگلیوں میں دبا ہوا تھا۔

"کیا آپ سو رہے ہیں....؟" حمید نے اُسے مخاطب کیا۔ فریدی چونک کر اُس کی طرف دیکھنے لگا اور پھر خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر کبھی مجھے اسی قسم کا کوئی حادثہ پیش آیا تو شاید تم بھی میرے ساتھ جاؤ گے۔"

"میرے بات چھوڑیئے۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "آخر آپ اس رومال کو کیوں نظر انداز کر رہے ہیں؟"

"نہیں میں اسے نظر انداز میں کر رہا ہوں۔" فریدی بجھا ہوا سگار سلگا کر بولا۔ "ویسے کیا تمہارا خیال ہے کہ وہ روحی کا ہو سکتا ہے؟"

"روحی؟" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "اس کیس میں کہیں نہ کہیں روحی کا قدم ضرور ہے اور میں ریاض اور رشید کو بھی نظر انداز کرنا نہیں چاہتا۔"

"ریاض اور رشید سے میں واقف ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن وہ بقیہ تین کون ہیں؟"

"صابر، مسعود اور فیض لیکن ان تینوں کے اشرف سے بھی تعلقات تھے۔ ریاض اور رشید سے اُس کا کئی بار جھگڑا ہو چکا ہے۔"

"خوب....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اور ان دونوں ہی کے ناموں کے پہلے حروف "آر" ہیں۔ روحی کو بھی شامل کر لو۔ اب ترکے کے طور پر اشرف کا سارا اثاثہ روحی کے خاندان

میں جائے گا۔ روحی اپنے والدین کی اکلوتی لڑکی ہے۔ لہٰذا جس کے ساتھ روحی کی شادی ہو گی وہی اشرف کی دولت کا بھی مالک ہو گا۔ کیوں؟ یہی سوچ رہے تھے نا....؟"

"کیا میں غلط سوچ رہا تھا....؟" حمید جھلا کر بولا۔

"میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ ایک احمق سے احمق آدمی بھی یہی سوچے گا۔ خیر چھوڑو اسے ہمیں تعزیت کیلئے روحی کے یہاں چلنا ہے۔ وہ تو تمہیں اچھی طرح پہچانتی ہو گی؟"

"اچھی طرح! لیکن میں اُس کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا۔"

"آخر کیوں؟" فریدی نے حیرت سے کہا۔

"بس یونہی۔ پتہ نہیں کیوں۔ اگر میں کوئی سیدھی سادی وجہ بیان کروں گا تو آپ نفسیاتی نکتہ نظر سے روحی کے ذہن کی جڑیں ٹٹولنے لگیں گے۔"

"میں سمجھا۔ تمہیں اُس کے پانچ عدد عاشقوں پر اعتراض ہے۔"

"مجھے پانچ سو سے بھی غرض نہیں لیکن روحی۔ وہ کیوں بیک وقت چھ آدمیوں میں دلچسپی لے رہی تھی؟"

"اُوں ہوں....!" فریدی نفی میں سر ہلا کر بولا۔ "چھ آدمی نہ کہو بلکہ اُس کی چھ پسندیدہ مختلف قسم کی خصوصیات کہو جو اُن میں سے ہر ایک میں موجود تھیں۔ خیر اس کی بحث فضول ہے۔ لہٰذا تم روحی کے یہاں چلنے کے لئے تیار ہو۔"

حمید راستے میں بھی روحی کے یہاں جانے کے خلاف احتجاج کرتا رہا۔ اس کی ایک وجہ اور بھی تھی۔ اُسے دراصل کہیں رسمی تعزیت کے سلسلے میں جانے میں ہمیشہ کوفت ہوتی تھی۔ رونے والے کے متعلق اظہار غم کرتے وقت نجانے کیوں وہ خود کو احمق محسوس کرنے لگتا تھا۔

"خیر اگر تم نہیں چاہتے۔" فریدی آخر کار بولا۔ "تو ہم فی الحال شاہد جمیل کو دیکھیں گے اور میں غلطی نہیں کر رہا ہوں تو وہی اس سلسلے کی سب سے اہم کڑی بھی ہو سکتا ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد فریدی نے کہا۔ "تم جس شدت سے ہنستے ہو اُسی شدت سے آپ غم کا بھی حملہ ہوتا ہے۔ میں اسے کسی فرد کی شخصیت کی ایک بہت بڑی کمزوری سمجھتا ہوں۔"

"میں آپ کی طرح پتھر نہیں ہوں۔"

"نہیں ہو تو بننے کی کوشش کرو اور تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ میں ایسے حادثات سے متاثر نہیں ہوتا لیکن میں نے بڑی محنت سے اپنے اعصاب کو فولاد بنایا ہے۔"

"مجھے اس قسم کی محنت مزدوری قطعی پسند نہیں۔" حمید نے جل کر کہا۔ "ویسے میں نے

ساتھیوں کی موت پر مغموم ہونے کا عنصر کتوں کی زندگی میں بھی پایا ہے۔"

"اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ کتے کسی طرح آدمی نہیں بن سکتے۔"

"خیر چھوڑیئے.... میں اس بحث میں الجھنا نہیں چاہتا۔"

"بس اتنے ہی میں تمہارے صحت مند نظریات نے دم توڑ دیا۔" فریدی نے طنز آمیز لہجے میں کہا۔ "ساری زندہ دلی ایک ہی جھٹکے میں رخصت ہو گئی۔ حمید صاحب قہقہہ دراصل وہی ہے جو آنسوؤں کے سمندر میں تیرتا ہوا ہونٹوں تک آتا ہے۔"

حمید خاموش رہا۔ اس کے بعد فریدی بھی اسی وقت بولا جب وہ شرما اسٹریٹ کی شنکر لاج کے سامنے پہنچ گئے۔

"غالباً چودھواں فلیٹ اوپری منزل پر ہوگا؟"

"ہاں....!" حمید نے سر ہلا دیا۔ فریدی نے کیڈی فٹ پاتھ سے لگادی اور وہ دونوں اتر کر اوپر جانے کے لئے زینے طے کرنے لگے۔

"یہی ہے۔" حمید نے ایک جگہ رک کر دروازے سے لگی ہوئی نیم پلیٹ کی طرف اشارہ کیا جس پر "شاہد جمیل" تحریر تھا۔ فریدی نے بند دروازے پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی جو باہر سے مقفل نہیں تھا۔ کھڑکیوں کی درزوں سے اندر کی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔

حمید نے دروازے پر دستک دی۔ دوسرے لمحے میں اندر قدموں کی چاپ گونجی اور دروازہ کھل گیا۔

"شاہد جمیل صاحب۔" فریدی نے آگے بڑھ کر آہستہ سے پوچھا۔

"جی ہاں.... فرمایئے۔" دروازے میں کھڑے ہوئے نوجوان نے کہا۔

"ہم نے آپ ہی کے لئے آپ کو تکلیف دی ہے۔ غالباً آپ کا شناختی کارڈ کھو گیا تھا۔"

"اوہ....!" وہ چونک کر بولا۔ "جی ہاں.... جی ہاں۔"

"یہ لیجئے۔" فریدی نے جیب سے کارڈ نکال کر اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ہمیں واقعی اس کے سلسلے میں بڑی تکلیف اٹھانی پڑی۔ یونیورسٹی گئے۔ وہاں سے آپ کا پتہ حاصل کیا اور اب یہاں پہنچے ہیں۔"

"اوہ! اندر تشریف لایئے جناب۔ واقعی آپ کو بڑی تکلیف ہوئی۔" وہ انہیں راستہ دینے کے لئے پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ وہ دونوں اندر چلے گئے۔ کمرے کے رکھ رکھاؤ سے فلیٹ کا مالک متوسط طبقے کا فرد معلوم ہوتا تھا۔

"آپ نے ناحق اتنی تکلیف اٹھائی۔" شاہد بیٹھتا ہوا بولا۔ "اسے یونیورسٹی کے آفس میں جمع کرا دیا ہوتا۔ مجھے مل جاتا۔ بہرحال میں شکر گذار ہوں۔"

"آپ کا یہ کارڈ کب کھویا تھا....؟" فریدی نے اُس کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے پوچھا۔

"کئی دن ہوئے۔ غالباً تین چار دن لیکن آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"ہوں....!" فریدی نے اپنی بغل میں دبا ہوا بنڈل نکال کر زانوؤں پر رکھ لیا پھر اخبار کی وہ تہہ کھولنے لگا جو اُس پر لپٹی ہوئی تھی۔

"اور یہ کوٹ کب کھویا تھا مسٹر شاہد....؟" اُس نے کہا۔

شاہد یکلخت اُچھل کر کھڑا ہو گیا لیکن وہ دوسرے ہی لمحے میں پھر کرسی میں گر گیا۔

اُس کی سانس پھول رہی تھی اور آنکھیں فریدی کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں لیکن جس تیزی سے اُس نے اپنی حالت پر قابو پایا وہ کم از کم حمید کی نظروں میں تو قابل تعریف ہی تھی۔

"میں سمجھا۔" وہ فریدی کو گھورتا ہوا بڑبڑایا۔ "تم مجھے دھمکی دینے آئے ہو لیکن سن لو۔ میں آج تک کسی سے مرعوب نہیں ہوا.... سمجھے۔"

"یہ صفت قابل تعریف ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "اور جو کچھ تم سے کرتے بن پڑے کر لو.... میں تم سے ذرہ برابر بھی خائف نہیں ہوں۔"

حمید سناٹے میں آ گیا۔ اُسے اس قسم کی گفتگو سننے کی ہرگز توقع نہیں تھی۔

"تو یہ کوٹ تمہارا ہی ہے۔" فریدی نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں! میرا ہی ہے۔" شاید اٹھتا ہوا بولا۔ حمید کا ہاتھ بے اختیار جیب کی طرف گیا۔ لیکن فریدی بدستور کرسی کے ہتھے پر جھکا ہوا اُسے توجہ اور دلچسپی سے دیکھتا رہا۔

شاہد نے دیوار سے لگے ہوئے ہینگر پر سے ایک دوسرا کوٹ اُتارا اور اُسے فریدی کی طرف اُچھالتا ہوا بولا۔ "اسے لے جاؤ اور اس سے زیادہ کا مطالبہ تو مجھ سے نہیں کر سکتے۔ میرے ساتھ تم اتنا ہی کر سکتے ہو کہ مجھے بھلانے کے لئے آج کچھ زیادہ پی جاؤ۔"

"مسٹر! تمہارے حواس قابو میں ہیں یا نہیں؟" حمید تیز لہجے میں بولا۔ "یا تم اب وہی پرانی اور گندی تدبیر اختیار کرنے والے ہو۔ پاگل بننے سے کام نہیں چلا کرتا۔ تم جیسے لوگوں کا باقاعدہ طور پر طبی معائنہ کیا جاتا ہے۔"

"طبی معائنہ تم اپنا کراؤ۔" شاہد نے زہر خند کے ساتھ کہا۔ "تم جو پوری سوسائٹی کے لئے ناسور کی حیثیت رکھتے ہو۔"

"مسٹر شاہد ہم یہاں فلمی قسم کے مکالموں کی مشق کرنے نہیں آئے۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔ "کیا تم کل رات کو راجرس اسٹریٹ کی جاوید بلڈنگ میں تھے؟"

"قطعی تھا پھر....؟" شاہد نے تیزی سے کہا۔ "بس کسی چیز کی چوری کا الزام لگا کر مجھے جیل میں بھجوا دو۔ میرے خیال سے اس کے لئے یہ کوٹ ہی کافی ہوگا۔"

شاہد نے اُس کوٹ کی طرف اشارہ کیا جو اُس نے ہینگر سے اُتار کر فریدی کی طرف پھینکا تھا۔

"چوری نہیں پیارے لڑکے۔" فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا آہستہ سے بولا۔ "تم پر قتل کا الزام عائد ہو سکتا ہے۔"

"کیا....؟" شاہد کے منہ سے چیخ سی نکلی اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے فریدی کیطرف دیکھنے لگا۔

"قتل....!" فریدی نے پھر اُسی انداز میں دہرایا۔

شاہد پہلے ہی کی طرح اس بار بھی کرسی میں ڈھیر ہو گیا تھا۔ لیکن حمید نے پھر اُسے سنبھالا لیتے ہوئے دیکھا۔ اُس کی مسکراہٹ شروع میں تو بے جان ضرور تھی لیکن رفتہ رفتہ پھر اُس کے چہرے کی تازگی لوٹ آئی اور آنکھیں چمکنے لگیں۔

"خوب....!" وہ مسکرا کر بولا۔ "اور کچھ کہنا ہے؟"

"اشرف خلیلی سے تم سے واقف تھے....؟" فریدی نے پوچھا۔

"میرے خیال سے یہ سب فضول ہے۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "میں ہتھکڑیاں لگاتا ہوں۔"

"ٹھہرو....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر مسکرایا پھر شاہد سے بولا۔ "تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا؟"

"آپ کون ہیں؟" شاہد نے کہا۔ غالباً ہتھکڑیوں کے نام پر پھر وہ اعصابی خلل کا شکار ہو گیا تھا۔

"پولیس....!" فریدی آہستہ سے بولا۔ "تم ابھی اقرار کر چکے ہو کہ یہ کوٹ تمہارا ہے اور تمہیں اس کا بھی اعتراف ہے کہ تم پچھلی رات کو جاوید بلڈنگ میں تھے۔"

شاہد کچھ نہ بولا۔ وہ سہمی ہوئی نظروں سے ہتھکڑیوں کے اس جوڑے کو دیکھ رہا تھا جسے حمید نے اپنی جیب سے نکال کر زانوؤں پر ڈال دیا تھا۔

"تم وہاں کیوں گئے تھے؟" فریدی نے سوال کیا۔

"مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش نہ کرو۔" شاہد اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔ "اکثر پرانی ہتھکڑیاں کباڑیوں کے یہاں بھی سستے داموں میں مل جاتی ہیں۔"

"اگر تم سیدھی طرح میرے سوالات کا جواب نہیں دو گے تو دوسرا طریقہ اختیار کرو

گا۔" فریدی نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

"یہ بھی کر کے دیکھ لو۔" شاہد نے بے پروائی کے انداز میں اپنے شانوں کو جنبش دی۔

"اس میں شک نہیں کہ تم ایک دلیر لڑکے ہو لیکن کبھی کبھی دلیری دراصل حماقت ثابت ہوتی ہے۔"

شاہد کچھ نہ بولا۔ اُس کے چہرے سے ذہنی کشمکش صاف ظاہر ہو رہی تھی۔

"ختم کیجئے یہ قصہ....!" حمید ہتھکڑی پر ہاتھ مار کر بولا۔

"ٹھہرو....!" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "صاحبزادے شاید کسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔"

"آپ کون ہیں؟" شاہد نے پھر سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔ اُس کی عجیب حالت تھی۔ کبھی وہ خوفزدہ نظر آتا تھا اور کبھی نڈر اور بے باک۔

فریدی نے جیب سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر اُس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"میرے خدا....!" وہ پھر یک بیک اچھل پڑا۔ کارڈ اُس کے ہاتھ سے گر گیا تھا اور خوفزدہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

"پچھلی رات اشرف کو کسی نے بے دردی سے قتل کر دیا۔" فریدی نے کہا۔

"مم.... میں.... کچھ نہیں جانتا۔"

"تم رات اشرف سے ملے تھے؟" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں.... میں اُس سے کبھی نہیں ملا تھا۔ میں اُسے پہچانتا تک نہیں۔"

"لیکن تم وہاں پچھلی رات کو تھے۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم وہاں کیوں گئے تھے جب کہ اشرف سے تمہارے جان پہچان بھی نہیں تھی۔"

"رضیہ میری دوست ہے.... رضیہ اشرف۔"

"کیا بکتے ہو....؟" دفعتاً حمید چیخا۔

"چیخو مت....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"رضیہ اشرف کو تم کب سے جانتے ہو؟" فریدی نے شاہد سے پوچھا اور حمید کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"دو ڈھائی ماہ قبل ہماری ملاقات ہوئی تھی۔" شاہد نے کہا۔

"اور تم برابر اُس سے ملتے رہتے تھے؟"

"جی ہاں.... وہ ایک مخلص مگر ستم رسیدہ دوست ہے۔"

"ستم رسیدہ کیوں؟" فریدی اپنی جیبیں ٹٹولتا ہوا بولا۔

"یہ رضیہ کا راز ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں کسی قیمت پر نہ بتا سکوں گا۔"

فریدی اُس کی بات پر دھیان دیئے بغیر حمید سے بولا۔ "دیکھو.... میں اپنا سگار کیس ہی بھول آیا۔"

پھر وہ شاہد کی طرف مڑا۔ "کیا آپ مجھے ایک سگار دے سکیں گے؟"

"سگار....!" شاہد نے کہا۔ "میں سگریٹ پیش کر سکتا ہوں۔ سگار نہیں پیتا۔"

"اوہو! سگریٹ کی بجائے سگار ہی پیا کیجئے۔ خالص تمباکو ہوتا ہے اور وہ اتنا مضر بھی نہیں جتنا کہ سگریٹ کا کاغذ ہوتا ہے۔"

"میں نے آج تک نہیں پیا۔" شاہد بولا۔ "اُس کے دھوئیں کی بو ہی میرا سر چکرا دیتی ہے۔"

"کل رات آپ کس وقت وہاں گئے تھے؟"

"گیارہ بجے۔"

"اور کس وقت تک ٹھہرے؟"

"پون گھنٹہ.... ٹھیک پونے بارہ پر چلا آیا تھا۔"

"لیکن آپ اپنا کوٹ کیوں چھوڑ آئے تھے؟"

"رات سردی زیادہ تھی اور میرا کوٹ....!" شاہد کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"ہاں آپ کا کوٹ....؟"

"میں دوسرا کوٹ پہن کر چلا آیا تھا.... یہ جو میں نے آپ کو دیا ہے۔"

"غالباً یہ اشرف کا کوٹ ہے۔" فریدی بولا۔

"ہو سکتا ہے....!" شاہد نے کہا۔

"تو رضیہ سے آپ کے ناجائز تعلقات تھے؟" فریدی نے کہا۔

"بکواس ہے.... میں آپ کو ایک شریف عورت پر تہمت لگانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"پتہ نہیں آپ کس شریف عورت کا تذکرہ کر رہے ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کیا میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ آپ لوگ مجھے کیوں پریشان کر رہے ہیں؟"

"اس لئے کہ.... ابھی تک تو دنیا میں کسی رضیہ اشرف کا وجود نہیں۔" فریدی نے آہ سے کہا۔

"کیا مطلب....؟"

"مطلب یہ کہ اشرف کنوارا تھا اور اُس کے گھر میں کوئی عورت نہیں تھی۔"

"آپ مجھے پاگل نہیں بنا سکتے۔" شاہد پاگلوں کی طرح چیخا۔

غفلت کا نتیجہ

فریدی نے اخبار کا وہ ٹکڑا اٹھایا جس میں شاہد کا کوٹ لپیٹ کر لایا تھا۔

"ہم آپ کو پاگل نہیں بنا رہے ہیں۔" فریدی نے شاہد سے کہا۔ "لیکن اگر آپ نے کسی دوسرے کے سامنے کسی رضیہ اشرف کا تذکرہ کیا تو وہ آپ کو ضرور پاگل سمجھے گا۔"

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟"

"تم کئی بار یہ سوال کر چکے ہو اور میں کئی بار یہ جواب دے چکا ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تم صحیح واقعہ بھی مجھے بتا دو۔" فریدی کے لہجے میں سختی تھی۔

"میں نے ابھی تک کوئی بات جھوٹ نہیں کہی۔"

"تو پھر یہ اخبار جھوٹا ہوگا۔" فریدی نے اخبار کا صفحہ اُس کی طرف بڑھا دیا جس میں روحی اور اشرف کی تصویر تھی۔

"مگر ٹھہرو....!" فریدی نے کہا۔ "تم کہتے ہو کہ تم اشرف کو نہیں پہچانتے.... خیر یہ اشرف اور اُس کی منگیتر کی تصویر ہے اور اشرف غیر شادی شدہ تھا۔"

"تب پھر یہ کوئی دوسرا اشرف ہوگا۔" شاہد نے کہا۔

"اس کے ساتھ والی عورت کو پہچانتے ہو؟"

"نہیں....!"

"تب پھر واقعی وہ کوئی دوسرا اشرف ہوگا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیکن یہی اشرف جاوید نگ کا ملک تھا اور یہی اشرف قتل کیا گیا ہے اور اسی اشرف کے مکان میں تمہارا کوٹ ملا تھا اور تمہارے کوٹ کی جیب میں تمہارا شناختی کارڈ تھا۔"

"شناختی کارڈ ہرگز نہیں ہو سکتا۔" شاہد تھوک نگل کر بولا۔ "وہ کئی دن قبل گم ہو گیا تھا۔"

"رضیہ تم سے روز ملتی تھی؟"

"جی ہاں۔"

"خیر حمید....!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "ہتھکڑیاں لگادو۔"

"یہ ظلم ہے.... سراسر ظلم ہے۔" شاہد بھی کھڑا ہو کر چیخنے لگا۔ "اس میں دھوکا ہے۔ میں اس عمارت میں کل پہلی بار گیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ دوسری عمارت ہو۔"

"ہم اس سلسلے میں بھی اپنا اطمینان کرلیں گے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں بے گناہ ہوں۔ نہیں نہیں۔" شاہد بُری طرح کانپ رہا تھا۔ حمید نے ہتھکڑیاں لگادیں۔

"یہاں سے مجھے اس طرح نہ لے جایئے۔ میں التجا کرتا ہوں۔ راستے میں کہیں... ہتھکڑیاں لگا دیجئے گا۔"

فریدی نے اُس کی طرف دیکھا۔ چند لمحے اُس کے چہرے پر نظریں جمی رہیں۔ پھر وہ حمید سے بولا۔ "ہتھکڑیاں نکال دو۔"

حمید نے ہتھکڑیاں نکال دیں۔ تینوں باہر نکلے۔ شاہد نے فلیٹ مقفل کیا اور پھر وہ سڑک پر آگئے۔

"چلو آؤ....!" فریدی کیڈی میں بیٹھتا ہوا بولا۔ "مجھے اُس عمارت کی طرف لے چلو جہاں تم پچھلی رات کو تھے۔"

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔ اگر میں نے قتل کیا ہوتا تو اپنا کوٹ کیوں چھوڑ آتا۔ میں آپ سے کچھ بتاتا ہی نہیں۔" شاہد کپکپاتی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔

"رضیہ تمہارے فلیٹ میں آتی تھی؟" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں کبھی نہیں۔" شاہد نے کہا۔

فریدی نے پھر کچھ نہیں پوچھا۔ حمید کو حیرت ہو رہی تھی کہ فریدی اُس سے کام کی باتیں کیوں نہیں پوچھ رہا ہے۔ فریدی شاہد کے بتائے ہوئے راستے پر کیڈی ڈرائیو کر رہا تھا۔ آخر اس نے ٹھیک جاوید بلڈنگ کے سامنے رک جانے کو کہا۔ فریدی نے کیڈی روک دی۔

"یہی عمارت تھی۔" شاہد جاوید بلڈنگ کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"اسی دروازے سے اندر گئے تھے؟"

"جی ہاں۔" شاہد نے کہا پھر کانپتا ہوا بولا۔ "کیا قتل.... یہیں....!"

"ہاں.... لاش یہیں تھی۔"

"لیکن آپ رضیہ سے پوچھ لیجئے۔"

"پیارے لڑکے! یہاں کبھی کوئی رضیہ نہیں تھی۔"

"تب تو.... مم.... میں.... ڈوب گیا۔" شاہد نے گلوگیر آواز میں کہا اور اُس کے ہا

ڈھیلے پڑ گئے۔

"کیا یہ دروازہ باہر سے مقفل تھا....؟"

"جی ہاں....!"

"رضیہ نے ہی اسے کھولا تھا....؟"

"جی ہاں....!"

"اندر رضیہ کے علاوہ بھی کوئی اور تھا....؟"

"جی نہیں.... اُس نے بتایا تھا کہ اُس کے نوکر سرکس دیکھنے گئے تھے اور اشرف کے متعلق بتایا تھا کہ وہ رات کو بہت کم گھر پر رہتا تھا۔"

"تیسرا آدمی کون تھا....؟" فریدی نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"کوئی بھی نہیں.... میں قسم کھانے کو تیار ہوں۔"

"کوٹ کے متعلق کیا کہتے ہو....؟"

"رضیہ نے میرا کوٹ اُتروالیا تھا اور شاید اپنے شوہر کا کوٹ مجھے دیا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ ممکن ہے باہر واپسی میں کسی سے مڈبھیڑ ہو جائے۔ تمہیں روی قسم کے کوٹ میں دیکھ کر اُسے شبہ ہوگا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ شناختی کارڈ میرے کوٹ کی جیب میں موجود نہیں تھا۔"

"خیر....!" فریدی کیڈی اسٹارٹ کرتا ہوا بولا۔ "اگر تم سچ کہہ رہے ہو تو بُری طرح پھنس گئے۔ رضیہ سے تمہاری ملاقات کہاں اور کس طرح ہوئی تھی؟"

"یونیورسٹی کے ریستوران میں۔"

"یونیورسٹی کے ریستوران میں کیوں؟ کیا وہ بھی طالبہ تھی؟"

"جی نہیں.... اے۔جی آفس میں ٹائپسٹ تھی۔ اُس نے مجھے یہی بتایا تھا اور وہ کئی بار مجھے آفس کے برآمدے میں بھی مل چکی تھی۔ اے۔جی آفس یونیورسٹی کے قریب ہی ہے اور کبھی کبھی وہاں کے لوگ یونیورسٹی کے ریستوران میں آجاتے ہیں۔"

"خوب.... تم نے اس پر کبھی غور نہیں کیا کہ ایک دولت مند آدمی کی بیوی کلرکی کیوں کرنے لگی؟"

"افسوس.... کاش میں اُس کے بیان پر یقین نہ کرتا۔ اُس نے مجھے بتایا تھا کہ اشرف شرابی ہے اور اُس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ اُسے اپنا پیٹ پالنے کے لئے کلرکی کرنی پڑتی ہے۔ اُس نے اس طرح رو رو کر اپنی کہانی سنائی تھی کہ مجھے یقین آگیا تھا مجھے اُس سے ہمدردی

ہو گئی تھی اور میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ جس طرح ہو گا اُسے اشرف کے پنجے سے رہائی دلاؤں گا۔"

"کیا اب ہتھکڑی لگا دی جائے؟" حمید نے جھنجھلا کر پوچھا۔

"نہیں.... ہم گھر چل رہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"تو آپ شوق سے گھر جائیے۔ میں اسے کوتوالی پہنچا دوں گا میں نے اس طرح کی دلچسپ کہانیاں پہلے بھی بہت سنی ہیں۔ اعتراف جرم کرانا تو پولیس کے رنگروٹوں کا کام ہے۔"

"میں بے گناہ ہوں۔" شاہد گڑگڑایا۔

"سارے مجرم پہلے یہی کہتے ہیں۔" حمید نے لاپرواہی سے کہا۔

"میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں۔ اُس عورت نے مجھے بُری طرح پھانس دیا ہے۔"

"پہلے خود تم اُسے پھانسنے کی کوشش کر رہے تھے۔"

"یہ غلط ہے۔ ہمارے ناجائز تعلقات نہیں تھے۔"

"ٹھیک ہے.... اس لئے ہم تمہیں جنت میں پہنچانے کا انتظام کر رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"ذرا اُس عورت کا حلیہ تو بتانا....؟" فریدی بولا۔

"بہت خوبصورت تھی۔" شاہد بولا۔ "بیضاوی چہرہ.... آنکھیں بڑی.... قد متوسط، ناک پتلی اور لمبی اور ہونٹ....!"

"اسی لئے تمہیں اُس سے ہمدردی ہو گئی تھی۔" حمید بول پڑا۔

"کوئی ایسا نشان جس سے وہ پہچانی جا سکے؟" فریدی نے شاہد سے پوچھا۔

"ایسا نشان.... ٹھہریئے! مجھے یاد پڑتا ہے کہ اُس کے داہنے کان کی لو کے نچلے حصے میں ایک شگاف سا تھا.... ایسا کہ لو دوہری معلوم ہوتی تھی۔"

"بہت قریب سے دیکھا تھا؟" حمید نے چٹکی لی۔

"حمید خاموش رہو۔" فریدی نے کہا.... پھر شاہد سے بولا۔ "کیا تمہارے پاس اُس کی کوئی تصویر تھی؟"

"نہیں.... میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اُس سے ایسے تعلقات نہیں رکھتا تھا کہ تصویروں کا تبادلہ ہوتا۔"

"لیکن وہ تمہیں گھر کیوں لے گئی تھی؟"

"یونہی اُس نے کہا تھا کہ چلو تمہیں آج اپنا گھر بھی دکھا دوں۔"

"تم نے وہاں اپنے دوران قیام میں کسی وزنی چیز کے گرنے کی آواز سنی تھی؟"

"نہیں.... یا ممکن ہے مجھے سنائی نہ دی ہو۔"

"اس رومال کے متعلق مجھے کچھ بتا سکو گے؟" فریدی نے جیب سے وہ رومال نکالتے ہوئے جو اُسے جاوید بلڈنگ میں ملا تھا۔ شاہد نے اُسے الٹ پلٹ کر دیکھا۔

"یہ تو مجھے رضیہ ہی کا معلوم ہوتا ہے۔"

"کیا اس لئے کہ اس پر حرف "آر" کڑھا ہوا ہے؟" فریدی بولا۔

"جی نہیں.... یہ لپ اسٹک کے دھبے.... اُس نے کل رات میری موجودگی میں اپنے نٹ یہ کہہ کر صاف کیے تھے کہ وہ لپ اسٹک کبھی نہ استعمال کرے گی کیونکہ شریف عورتوں کو زیب نہیں دیتا۔"

"خوب....!" فریدی کچھ سوچنے لگا۔ کچھ دیر خاموش رہی پھر فریدی نے شاہد سے پوچھا۔ نہارا سرپرست کون ہے؟"

"یہ نہیں بتاؤں گا خواہ پھانسی ہو جائے۔" شاہد نے دلیرانہ انداز میں کہا۔

"لڑکے تمہاری بچت اسی صورت میں ممکن ہے کہ تم میرے سوالات کے ٹھیک ٹھیک اب دو۔"

"میں مجبور ہوں.... ہرگز نہیں۔"

فریدی کچھ دیر خاموش رہا پھر مسکرا کر بولا۔ "چھپانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ تمہاری حرکات لم تمہارے سرپرست کو ہر حال میں ہو جائے گا۔ جب تم اس قتل کے سلسلے میں گرفتار کیے جاؤ ، تو لامحالہ تمہارے متعلق اخبارات میں کچھ نہ کچھ ضرور آئے گا۔"

شاہد فوراً ہی کچھ نہ بولا۔ البتہ اُس کی حالت میں پھر تبدیلی ہونے لگی تھی اور خوف نے اُس ، ذہن پر دوبارہ قبضہ جما لیا تھا۔

"میں کیا کروں؟" وہ بے بسی سے بڑبڑایا۔

"دوسری صورت میں۔" فریدی بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ میں تمہاری مدد کر سکوں۔"

"کاش مجھے خودکشی کا موقع مل سکتا۔"

"تمہاری مرضی..!" فریدی بڑبڑایا۔ "مجھے بلاشبہ تمہیں پولیس کے حوالے کر دینا چاہئے۔"

"میری والدہ میری سرپرست ہیں۔" وہ مردہ سی آواز میں بولا۔ "جب انہیں اس کا علم گا.... میں کیا کروں۔"

"کیا وہ کہیں اور رہتی ہیں؟"

"جلال آباد میں.... بڑے ہسپتال میں میٹرن ہیں۔ خاتون سعیدہ۔"

"اور تمہارے والد؟"

"مجھے اُن کی صورت بھی یاد نہیں۔ میں بہت چھوٹا تھا تب ہی اُن کا انتقال ہو گیا تھا۔"

فریدی اور حمید دونوں ہی اس بات سے بے خبر تھے کہ دوران گفتگو میں شاہد کے ہاتھ کو حرکت کرتے رہے ہیں اور پھر فریدی اس وقت چونکا جب شاہد کی جگہ خالی ہو چکی تھی۔ حمید اپنی چیخ کو کسی طرح نہ روک سکا۔ کیڈی جہاں تھی وہیں ایک دھچکے کے ساتھ رک گئی.... اور فریدی نے اپنی سیٹ سے چھلانگ لگائی۔ شاہد کچھ دور پیچھے سڑک پر اوندھا پڑا ہاتھ پیر پھینک رہا تھا۔

"یہ تم نے کیا کیا.... پاگل....!" فریدی بے اختیار اُس پر جھک پڑا۔ شاہد کی پیشانی سے خون کی دھار بہہ کر چہرے پر پھیل رہی تھی اور وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

فریدی نے اُسے ہاتھوں پر اٹھا لیا۔

پھر وہ اُسے کیڈی کی پچھلی نشست پر ڈالتا ہوا بولا۔ "چلو... جلدی... سول ہسپتال بیٹھو... اگر یہ لڑکا مر گیا تو میں ہر اُس شخص کو قتل کر دوں گا جس پر مجھے اشرف کے قتل کرنے کا شبہہ ہوگا۔"

"میں پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ ہتھکڑی ڈال دیجئے۔" حمید کیڈی اسٹارٹ کرتا ہوا بولا۔

فریدی پچھلی سیٹ پر جھکا شاہد کے زخم کو اپنے رومال سے دبائے ہوئے تھا۔

"اوہ.... خدا کی قسم یہ بالکل معصوم ہے.... اگر ایسا نہ ہو تو میں اپنا پیشہ ترک کرنے کو تیار ہوں۔" اُس نے کہا۔

سول ہسپتال کے ڈاکٹر نے شاہد کے زخموں کا معائنہ کرنے کے بعد بتایا کہ چوٹیں گہری آئی ہیں۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ اندرونی چوٹیں بھی ہو سکتی ہیں۔ کوئی ہڈی نہیں ٹوٹی تھی فریدی نے اُسے پرائیویٹ وارڈ میں داخل کرا دیا اور اُس وقت تک وہ دونوں وہاں ٹھہرے رہے جب تک کہ ڈاکٹر نے اطمینان نہ دلا دیا۔

واپسی میں فریدی حمید سے کہہ رہا تھا۔

"لڑکا بلاشبہ معصوم ہے۔"

"محض اس بناء پر کہ اس نے خودکشی کی کوشش کی۔" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔ "حالانکہ بیشتر بوکھلائے ہوئے مجرم اکثر اس قسم کی حرکت کر بیٹھتے ہیں۔"

"اوہو! تم وہ سارا سٹ اپ بھول گئے جو اس قتل کے سلسلے میں بروئے کار لایا گیا تھا۔ اول تو اناڑی قسم کے مجرم اتنے اطمینان سے کوئی واردات کر ہی نہیں سکتے اور اگر بفرض محال کریں بھی

تو مقتول کے کوٹ سے اپنا کوٹ بدلنے کی حماقت نہیں کریں گے۔"

"چلئے میں نے مان لیا کہ کسی نے شاہد کو پھانسنے کی کوشش کی ہے۔" حمید نے کہا۔

"لیکن یہ ضرور کہوں گا وہ بھی احمق ہی تھا۔ آخر کوٹوں کے تبادلے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا صرف شناختی کارڈ کے ذریعہ شاہد تک رہنمائی نہیں ہو سکتی تھی۔ کوٹوں سے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس کو پھانسنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔ اگر اس نکتے کو ذہن میں رکھو تو مجرم اناڑی ہی معلوم ہوتا ہے لیکن میں ایسا نہیں سمجھتا۔"

"آپ...." حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ پھر بولا۔ "اگر شاہد کا بیان صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر وہ عورت کون ہو سکتی ہے کیا روحی؟ مگر ہم نے شاہد کو روحی کی تصویر دکھائی تھی۔ وہ روحی نہیں ہو سکتی؟ پھر....؟"

"کوئی عورت....!" فریدی لاپروائی سے بولا۔

"لیکن اشرف بہت محتاط آدمی تھا۔ میرا خیال ہے کہ کسی دوسری عورت سے اُس کے اس قسم کے تعلقات نہیں تھے کہ وہ اس کو منگنی کے اعلان کی بناء پر قتل کر دیتی۔"

"اور دوسری طرف وہ وزنی تجوری کسی عورت کے بس کا روگ نہیں معلوم ہوتی۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"میری ایسی کی تیسی۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"کیوں تمہیں کیا ہوا....؟"

"آپ صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ آپ کے ذہن میں کیا ہے؟" حمید نے اُسی لہجے میں کہا۔ "آپ شاہد کو معصوم بھی سمجھتے ہیں اور دوسری طرف کسی عورت کے وجود میں بھی آپ کو شبہہ ہے۔"

"عورت تو تھی ہی۔ لیکن میں یہ نہیں کہہ رہا تھا کہ وہ تجوری کسی عورت نے نہیں گرائی تھی۔"

"تب پھر یا تو میں پاگل ہو گیا ہوں.... یا....!"

"یا پھر فریدی....!" فریدی نے مسکرا کر بات پوری کر دی۔

"آپ شاہد کو معصوم قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا اُس کی سنائی ہوئی کہانی سچی ٹھہری۔ مکان میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ خود اُس کا بیان ہے۔ اب اگر عورت نہیں گرا سکتی تو پھر آپ کسے مجرم قرار دیں گے؟"

"اور شاید نوکروں کا بیان تمہیں یاد نہیں رہا۔" فریدی بولا۔ "ساتھ ہی تم وہ سب کچھ بھی بھول گئے جو ابھی ابھی شاہد نے بتایا تھا۔ نوکروں کے بیان کے مطابق سامنے کا دروازہ اندر سے بند تھا اور وہ پچھلے دروازے میں قفل ڈال کر سرکس گئے تھے۔ شاہد کہتا ہے کہ رضیہ نے سامنے کے دروازے سے قفل کھولا تھا.... کیا سمجھے؟"

"میں یہی سمجھا کہ اب آپ بوڑھے ہو چکے ہیں۔ آپ کی قوت فیصلہ جواب دے رہی ہے شاہد مکار ہے۔ اُس نے اپنی کہانی میں جان ڈالنے کے لئے کیڈی سے کود کر اُسے فشنگ ٹچ دیا اور بس .... کیڈی کی رفتار بہت کم تھی۔ ایک بچہ بھی اگر کودتا تو اُسے معمولی چوٹیں آتیں۔ کیا سمجھے؟ فریدی صاحب۔"

پُراسرار لڑکی

دوسری صبح تک حمید کا موڈ ٹھیک ہو گیا تھا۔ پچھلی رات وہ فریدی کی مخالفت میں شاہد کو مجرم ضرور گردانتا رہا تھا لیکن حقیقتاً وہ بھی ایک عجیب قسم کی ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا۔ اُسے خود بھی یقین تھا کہ شاہد کا تعلق واردات سے نہیں ہو سکتا۔

وہ اب سوچ رہا تھا کہ پچھلی رات کو انہیں روحی کے یہاں ضرور جانا چاہئے تھا۔ وہ روحی سے قریب قریب متنفر تھا۔ حالانکہ اُن دونوں کی ملاقاتیں شاذ و نادر ہی ہوتی تھیں لیکن حمید نے قربت کے تھوڑے ہی وقت میں اُسکے متعلق کچھ رائیں قائم کر لی تھیں جنہیں وہ اٹل سمجھتا تھا۔

اُس نے ٹیلی فون ڈائریکٹری کی ورق گردانی کے بعد اُس کا فون نمبر معلوم کیا۔ پھر نمبر ڈائیل کئے اور ریسیور کو کان سے لگائے جواب کا منتظر رہا۔

"ہیلو.... اوہ.... میں روحی صاحبہ کو چاہتا ہوں۔"

"کیا بکواس ہے.... تم کون ہو؟" دوسری طرف سے ایک بھاری مگر نسوانی آواز آئی۔

"اوہ.... معاف کیجئے گا میرا مطلب یہ نہیں۔ میں روحی صاحبہ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

چند لمحے انتظار کرنے کے بعد اُس نے دوسری طرف سے ایک باریک اور مترنم آواز سنی۔ یہ شاید روحی تھی۔

"ہیلو! میں سارجنٹ حمید بول رہا ہوں۔"

"اوہ.... اچھا.... لیکن اگر آپ کو غم انگیز باتیں کرنی ہوں تو.... والدہ صاحبہ سے رجوع کیجئے۔"

حمید نے نفرت سے ہونٹ سکوڑے لیکن پھر دوسرے ہی لمحے میں غیر متوقع طور پر اپنی آواز میں شوخی پیدا کر کے بولا۔ "آپ بھی کیا بات کرتی ہیں۔ میں تو یہ کہنے جا رہا تھا کہ کیا آج آپ میرے ساتھ رات کا کھانا آر لکچو میں کھا سکیں گی؟"

"بہت خوشی سے۔" آواز آئی۔ "میں آپ کو بے حد پسند کرتی ہوں اور اب تو میری نظروں میں آپ کی وقعت اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔"

"کیوں؟" حمید کے کان کھڑے ہو گئے۔

"اس لئے کہ آپ اشرف کی تعزیت کے سلسلے میں ہمارے یہاں نہیں آئے۔ اس قدر بور ہے لوگوں نے کہ خدا کی پناہ۔ میں کہتی ہوں کہ کیا وہ رسمی طور پر اظہارِ افسوس کرنے سے بھی آجائے گا۔"

حمید دانت پیس کر ماؤتھ پیس میں گھورنے لگا۔ پھر بولا۔

"اوہ معاف کیجئے گا.... میں آپ کو مبارک باد دینا بھول ہی گیا تھا.... آپ کی منگنی پر.... ....!"

"آپ عظیم ترین آدمی ہیں۔" روحی نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

حمید ریسیور رکھ کر بے چینی سے ٹہلنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی نے برآمدے سے آواز دی۔ وہ ناشتے کی میز پر اُس کا انتظار کر رہا تھا۔

"سنا تم نے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "بے چارے جگدیش کی شامت آگئی۔"

"کیوں....؟ کیا ہوا؟"

"ڈی۔ ایس۔ پی کو شاہد کے متعلق علم ہو گیا ہے۔ ہم سے غلطی ہوئی کہ ہم نے اشرف کے بوں کو کوٹ والی بات کے تذکرے سے نہیں روکا۔ شاہد حراست میں ہے۔ ہسپتال سے اُسے لات میں منتقل کر دیا جائے گا۔"

"تو پھر اب جگدیش کیا کیا ہو گا؟"

"ابھی تک تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ لیکن مجھے اطلاع ملی ہے کہ ڈی۔ ایس۔ پی خود ہی اس کیس تحقیقات کرے گا۔"

"بہر حال اُس غریب کے خلاف اگر کوئی کاروائی ہوئی تو اس کی تمام تر ذمہ داری آپ پر ہو گی۔" حمید نے کہا۔

"دیکھا جائے گا۔" فریدی نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

حمید نے اُسے اپنی اور روحی کی گفتگو کے متعلق بتایا۔

"لڑکی دلچسپی معلوم ہوتی ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں اُسے قریب سے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے توقع ہے کہ آج شام آرلکچو میں ضرور آئے گی۔" حمید نے کہا۔

فریدی نے وہ دن دوڑ دھوپ میں گذار دیا لیکن ڈی۔ایس۔پی نے سارے راستے پہلے ہی مسدود کر دیئے تھے۔ وہ روحی کے دوسرے پانچ امیدواروں سے بھی ملا۔ لیکن انہوں نے اُس کے سوالات کے جواب دینے سے صاف انکار کر دیا۔ کیونکہ ڈی۔ایس۔پی کی طرف سے انہیں ہدایت ملی تھی کہ اس مسئلے پر وہ اُس کے علاوہ اور کسی سے گفتگو نہ کریں۔

حمید کو جب یہ معلوم ہوا تو اُس نے دل کھول کر قہقہے لگائے۔

"اس بار تو وہ بڑی چوٹیں دے رہا ہے۔" حمید نے کہا۔

"لیکن اُسے زندگی بھر افسوس رہے گا۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔

"کیا کریں گے آپ؟" حمید نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"بس دیکھنا۔"

شام کو فریدی بھی حمید کے ساتھ تھا لیکن الگ تھلگ۔ رقص کے مخصوص پروگرام کی ا سے آرلکچو میں کافی بھیڑ تھی۔ حمید میز پر تنہا روحی کا انتظار کر رہا تھا۔ فریدی دوسری میز پر ٹھیک سات بجے روحی وہاں پہنچی۔ وہ تنہا تھی۔ حمید اُسے کاؤنٹر کے قریب کھڑا دیکھ کر آ بڑھا۔ پھر دوسرے لمحے میں فریدی بڑی توجہ سے روحی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ روحی ایک خو شکل لڑکی تھی۔ آنکھیں نیم غنودہ سی تھیں۔ جیسے ابھی ابھی سو کر اٹھی ہو۔ چلتے وقت پُر غ انداز میں اپنا سر تھوڑا پیچھے کی طرف جھکائے رکھتی تھی اور اِدھر اُدھر دیکھنے کے لئے ص آنکھوں کے کناروں سے کام لیتی تھی۔ سر میں خفیف سی بھی جنبش نہیں ہونے پاتی تھی۔ دو گفتگو میں مخصوص انداز میں ابروؤں کو جنبش دینا شاید اُس کی عادت ہی تھی۔

"آج سردی کچھ بڑھ گئی ہے۔" وہ بیٹھتی ہوئی بولی۔

"یقیناً.... کیا میں آپ کے لئے شیری منگواؤں....؟"

"جی نہیں شکریہ.... میں شراب نہیں پیتی اور نہ میں دعوت کے خیال سے آئی ہوں بس ذرا سی تبدیلی چاہتی ہوں۔"

"واقعی آپ بہت بور ہوئی ہوں گی۔"

"مر جانے کی حد تک۔" وہ خلاء میں گھورتی ہوئی بولی۔ "مجھے غم انگیز باتوں سے نفرت

ہر وقت قہقہے چاہتی ہوں۔ اشرف واپس نہیں آسکتا اور نہ ہم میں کوئی اُس کیلئے مر سکتا ہے۔"

"مگر پرسوں ہی آپ کی منگنی ہوئی تھی۔"

"پھر ہو جائے گی۔" وہ بیزاری سے بولی۔ "اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ٹوٹی ہوئی شاخ کی ہمیشہ دوسری کونپلیں پھوٹتی ہیں۔ گوشت اور ہڈیوں کا کوئی دوسرا جاندار ڈھیر.... زندگی کا سرا مظہر۔"

"آپ فلسفی ہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"ہر ایک کو ہونا چاہئے۔" روحی بولی۔

"آپ سچ مچ روحی ہیں۔" حمید نے کہا۔ "ویسے آپ کو کسی نہ کسی پر شبہہ تو ضرور ہوگا۔"

"کیا آپ نے یہی معلوم کرنے کے لئے مدعو کیا ہے؟"

"قدرتی بات ہے۔"

"تب مجھے افسوس ہے کہ میں اس مسئلے پر گفتگو نہ کر سکوں گی۔ ڈی۔ایس۔پی سٹی کی طرف سے یہی کہا گیا ہے۔"

"خیر میں آپ کو مجبور نہیں کروں گا۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"شکریہ....!" روحی مسکرا کر بولی۔ "میں جانتی ہوں کہ آپ سراغ رساں ہیں اور اشرف کے دوست بھی۔"

"آپ کا اتنا ہی جاننا میری تسکین کا باعث ہے میرا خیال ہے کہ اشرف آپ کو بہت زیادہ پسند نہیں تھا۔"

"مجھے کوئی بھی بہت زیادہ پسند نہیں۔ اشرف تو خاص طور پر.... چھینکنے سے پہلے اور چھینکنے کے بعد بہت بُرا منہ بناتا تھا۔"

"اوہ....!" حمید دل ہی دل میں اُسے گالیاں دیتا ہوا بولا۔ "میں آپ سے متفق ہوں۔ ویسے میرا خیال ہے کہ آپ کے دوستوں میں صرف ریاض ہی ایک ایسا ہے جو چھینکتا ہی نہیں۔"

"لیکن آپ نے خصوصیت سے ریاض ہی کا ذکر کیوں چھیڑا....؟"

"وہ ایک ماہر نشانہ باز ہے۔" حمید بولا۔

"لیکن اشرف شاید گولی کا شکار نہیں ہوا۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" حمید جلدی سے بولا۔

"اور یہ مطلب بھی ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"گویا آپ کو بھی اس پر شبہہ ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"دیکھئے ہم پھر بہک گئے۔" روحی ہنس کر بولی۔ "مجھے کسی پر بھی شبہ نہیں اور اگر ہو بھی تو میں اس کا اظہار نہیں کروں گی۔ یہاں ہر آدمی اپنی راہ کا کانٹا ہٹا دیتا ہے۔ یہ ایک فطری بات ہے۔ کبھی اس فعل کی حیثیت انفرادی ہوتی ہے اور کبھی اجتماعی.... اجتماعی حیثیت کو ہم قانون کہتے ہیں.... کیا آپ کے ہاتھ خون سے رنگین نہیں، میرا خیال ہے کہ خود آپ نے اب تک دو تین درجن خون ضرور کئے ہوں گے۔"

"شاید اس سے زیادہ۔" حمید نے کہا اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

"پھر....!" وہ حمید کو سوالیہ نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ "میں کیوں اپنے شبہے کا اظہار کروں۔ جس طرح آپ آزادی کا سانس لے رہے ہیں اسی طرح اُسے بھی لینے دیجئے۔ ممکن ہے اُسے بھی اشرف سے کوئی ایسی ہی شکایت رہی ہو۔ بہتیرے جرائم ایسے بھی ہیں جن کے معاملے میں قانون بے بس نظر آتا ہے۔"

"تو کیا ریاض کو اُس سے کوئی ایسی ہی تکلیف پہنچی تھی؟"

"آپ نے پھر ریاض کا نام لیا۔ میرا اشارہ خاص طور سے کسی کی طرف نہیں لیکن میں یہ ضرور کہوں گی کہ اشرف بھی کسی نہ کسی ایسے جرم کا مرتکب ضرور ہوا ہوگا جس کی سزا قانون کے پاس نہ ہو۔"

"بہرحال آپ کو اشرف سے محبت نہیں تھی؟"

"یہ ایک الگ سوال ہے اور پھر یہ ضروری نہیں کہ منگنی کی محرک محبت رہی ہو۔ اشرف کافی مالدار بھی تو تھا۔"

حمید کا دل چاہا اُس کا گلا گھونٹ دے۔ اُس نے کنکھیوں سے فریدی کیطرف دیکھا وہ مسکرا رہا تھا۔

حمید نے ویٹر کو بلا کر مینو منگوایا۔ کھانے کے دوران میں بہت کم باتیں ہوئیں۔ کم اس لئے ہوئیں کہ روحی کام کی باتوں کے جواب غیر واضح دے رہی تھی۔ کھانے کے بعد کافی آئی۔ حمید نے پھر اشرف کا تذکرہ چھیڑا۔ وہ دراصل روحی کو غصہ دلانا چاہتا تھا۔

"تو یہ منگنی محض دولت کے لئے ہوئی تھی؟" حمید نے پوچھا۔

"دولت تو اب بھی بہرحال ہمارے ہی گھر آئے گی۔" روحی نے کہا۔

"اور آپ کی دوسری منگنی....؟"

"آپ مجھے چڑھا رہے ہیں۔" روحی کافی کی پیالی رکھ کر حمید کو گھورنے لگی۔

"قطعی نہیں.... میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آپکے دل میں میرے لئے کتنی جگہ ہے۔"

"آپ کے لئے....!" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"کیا اشرف نے کبھی آپ سے رضیہ نامی کسی عورت کا تذکرہ کیا تھا....؟"

"رضیہ.... نہیں تو.... کیوں؟"

"ہمارا خیال ہے کہ اشرف کے قتل میں کسی عورت کا ہاتھ ہے۔"

"ہوگا۔" روحی نے بے پروائی سے کہا۔ تھوڑی دیر خاموش رہی پھر روحی نے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی عورت ہی ہو لیکن وہ اشرف کی سوتیلی ماں ہوگی۔"

"اشرف کی سوتیلی ماں....؟" حمید چونک کر بولا۔ "لیکن اشرف نے کبھی کسی سوتیلی ماں کا ذکر نہیں کیا۔"

"نہ کیا ہوگا.... وہ ایک مظلوم عورت تھی۔ اُس پر سچ مچ ظلم ہوا تھا۔"

"حیرت ہے.... اشرف نے کبھی کچھ نہیں بتایا۔"

"تو پھر میں جھوٹ کہہ رہی ہوں گی۔" روحی ناخوشگوار لہجے میں بولی۔

"یہ مطلب نہیں۔ ظاہر ہے کہ اشرف سے ہمارے بڑے قریبی تعلقات تھے لیکن اُس نے بھی کسی سوتیلی ماں کا تذکرہ نہیں کیا۔ کیا آپ مجھے اس سلسلے میں کچھ اور بھی بتائیں گی؟"

"مجھے اس سے زیادہ اور کچھ بھی نہیں معلوم۔ میں نہیں جانتی کہ وہ زندہ بھی ہوگی، یا مر گئی ہوگی۔ والدہ صاحبہ اس کے متعلق کچھ جانتی ہیں اور شاید انہوں نے آج ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کو کچھ بتایا بھی ہے۔"

"ہوں....!" حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ ساتھ ہی اُس نے کنکھیوں سے فریدی کی طرف دیکھا جو روحی کو بغور دیکھ رہا تھا اور اُس کا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا ہوا تھا۔ اُس نے حمید کو اشارہ کیا کہ اب روحی کو رخصت کر دینا چاہئے۔

وہ کافی بھی ختم کر چکے تھے اور روحی کچھ اکتائی اکتائی سی نظر آ رہی تھی۔

"کیا میں آپ کو گھر چھوڑ آؤں؟" حمید نے کہا۔

"جی نہیں شکریہ.... میں کار لائی ہوں۔ ہم پھر بھی ملتے رہیں گے.... کیوں؟"

"اوہ.... ضرور ضرور۔ میں فلسفیانہ انداز میں سوچنے والی لڑکیوں کی پرستش کرتا ہوں۔"

"حالانکہ آپ مجھ سے شدید نفرت کرتے ہیں۔" روحی سنجیدگی سے بولی اور حمید سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ وہ بُری طرح ہکلا رہا تھا۔

روحی کھڑی ہو گئی۔ دفعتاً حمید نے اُس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار محسوس کئے۔ اُس کا رخ کاؤنٹر کی طرف تھا۔ حمید نے مڑ کر کاؤنٹر کی طرف دیکھا۔ وہاں روحی کا پرستار ریاض موجود تھا۔ حمید پھر روحی کی طرف مڑا لیکن وہ اُس کے قریب نہیں تھی۔ لاؤنج کے دروازے پر اُس کی ہلکی سی جھلک دکھائی دی اور دوسرے لمحے میں وہ لاؤنج کے اندر تھی۔

وہ بھی ویٹر کو اشارہ کرتا ہوا لاؤنج میں چلا گیا۔ فریدی اس نئے وقوعے سے ناواقف نہیں تھا۔ وہ ریاض کی طرف متوجہ ہو گیا۔

روحی حمید کو اپنے پیچھے آتے دیکھ کر بڑے دلآویز انداز میں مسکرائی۔

"میں نہیں چاہتی کہ ریاض مجھے یہاں دیکھے۔"

"کیوں....؟"

"بور کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ میں اشرف کا سوگ مناؤں۔ ویسے بھی وہ میرا خالہ زاد بھائی تھا۔"

"تو کیا آپ ریاض سے خائف ہیں؟"

"نہیں.... لیکن میں یہ نہیں چاہتی کہ وہ مجھے اور زیادہ بور کرے۔"

"اگر آپ اجازت دیں تو میں اُسے اٹھا کر باہر پھینک دوں؟"

"آپ....!" روحی ہنسنے لگی۔ "آپ اُس سے زیادہ طاقتور نہیں معلوم ہوتے۔"

لاؤنج میں اُن دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ دفعتاً کسی نے پشت سے روحی کو آواز دی۔ وہ دونوں چونک کر مڑے دروازے میں ریاض کھڑا انہیں گھور رہا تھا۔

"اوہ.... ریاض.... یہ سارجنٹ حمید ہیں۔" روحی اُس کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

"میں جانتا ہوں۔" ریاض خشک لہجے میں بولا۔ "لیکن تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

"کیوں؟ تم سے مطلب....؟" روحی تیز لہجے میں بولی۔

"تمہیں آج یہاں نہ ہونا چاہئے۔"

"بکواس ہے تم اپنا کام دیکھو۔"

"دنیا کا خون سفید ہو گیا ہے۔" ریاض ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ اُس کے چہرے پر غم کے بادل چھا گئے۔

"تم لوگ مجھے مار ڈالو گے۔ کہیں میں پاگل نہ ہو جاؤں۔" روحی نے جھنجھلا کر کہا۔ "دنیا کا خون سفید ہو یا سیاہ.... میرا خون کافی گاڑھا ہے.... تم مطمئن رہو۔"

"میں تمہارے اس رویہ کی شکایت پھوپھی صاحبہ سے کروں گا۔"

"آہا.... تو کیا آپ کی پھوپھی صاحبہ مجھے کھا جائیں گی۔"

"تم اپنے بزرگوں کی توہین کرتی ہو۔"

"ریاض مجھے بور نہ کرو.... تم جا سکتے ہو۔"

"بہتر ہے.... کاش تم آدمی بن سکتیں۔" ریاض نے کہا اور واپس جانے کے لئے مڑا۔

"اوہو ٹھہرو۔" روحی آگے بڑھتی ہوئی بولی۔ "کیا گھر جا رہے ہو۔ میں بھی چلتی ہوں۔ میں نے کیا تھا تم سے کہ آج رات باہر نہ جانا۔ کتنی سردی ہے۔ تمہیں پہلے ہی نزلے کی شکایت تھی۔"

حمید حیرت سے منہ کھولے کھڑا رہ گیا۔ اُسے توقع تھی کہ روحی ریاض کو چلا جانے دے گی۔ ن وہ خود اس طرح اُسکے ساتھ جا رہی تھی جیسے ابھی اُنکے درمیان بڑی خوشگوار گفتگو ہوتی رہی ہو۔

فریدی لاؤنج کے دروازے میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔

وہ کون تھی

حمید اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

"دیکھا آپ نے....؟"

"ہاں آؤ....!" فریدی باہر نکلتا ہوا بولا۔ حمید نے کھانے کے دام چکائے اور پھر وہ دونوں ہر آ گئے۔

"آپ نے ہماری گفتگو بھی سنی تھی؟" حمید نے پوچھا۔

"ایک ایک لفظ۔" فریدی کیڈی میں بیٹھتا ہوا بولا۔

"اب آپ کو یقین آیا....؟"

"کس بات پر....؟" فریدی نے انجن اسٹارٹ کر دیا۔

"اس بات پر کہ شہتوت کے درخت میں مرغی کے انڈے لٹکتے ہیں۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

فریدی ہنسنے لگا۔ کیڈی پھر سڑک پر نکل آئی تھی۔

"لڑکی اپنے ماحول سے اکتائی ہوئی معلوم ہوتی ہے.... اور بس۔"

"بہتر ہو گا کہ آپ ایک پرائیویٹ پاگل خانہ کھول لیں۔"

"اسی فکر میں ہوں۔ سب سے پہلے تمہارا نام رجسٹر کروں گا۔" فریدی نے کہا۔

"ڈفر! یہ تو سوچو اگر واقعی اُس کا ہاتھ اس واردات میں ہوتا تو وہ اتنی بے باکی سے اپنے

خیالات کا اظہار نہ کرتی۔"

"مجھے اُس سے نفرت ہے۔"

"محض اس لئے کہ اُس کے اندر تم سے بھی زیادہ آدم خوری کے جراثیم موجود ہیں۔ تم ساتھ ہی ساتھ حساس ہو اور اُس نے اپنی حس مردہ کر ڈالنے کی کوشش کی ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد فریدی نے ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ کے سامنے کیڈی روک دی اور اُتر کر بوتھ کے اندر چلا گیا۔

حمید سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے پائپ کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اُسے آج تھکن سی محسوس ہونے لگی تھی حالانکہ آج وہ آفس بھی نہیں گیا تھا۔ وہ اب بھی روحی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں یہ بات اُس کے ذہن میں بیٹھ گئی تھی کہ اس قتل میں روحی کا ہاتھ ضرور ہے۔ وہ قاتل کو اچھی طرح جانتی ہے ہو سکتا ہے کہ وہ ریاض ہی ہو۔ اُس نے کسی عورت کے ذریعہ شاہد کو پھانس کر سازش میں لپیٹ لیا ہو۔ کیا وہ عورت روحی ہو سکتی ہے؟ لیکن نہیں! روحی کافی ذہین اور چالاک ہے۔ وہ کسی ایسے معاملے میں اس طرح نہیں الجھ سکتی جس میں اُس کے پہچان لیے جانے کا امکان ہو.... پھر....؟ بہر حال آگے بڑھنے کے لئے اُس کا پتہ لگانا ضروری تھا۔ روحی نے اشرف کی کسی سوتیلی ماں کا بھی تذکرہ کیا تھا۔ مگر اشرف کی سوتیلی ماں بہر حال اتنی کمسن نہیں ہو سکتی کہ اُس کا جاہ و شاہد پر چل سکے۔

دوسری طرف واردات کی نوعیت بھی اُس کے ذہن میں تھی۔ فریدی کے خیال کے مطابق کوئی تیسرا شخص بھی اشرف کے مکان میں موجود تھا۔ ظاہر ہے کہ اُسی تیسرے آدمی نے دروازے کا تالا کھول کر دوسرا تالا اگلے دروازے میں لگایا ہوگا اور شاید وہ اُس وقت بھی مکان ہی میں موجود رہا ہو۔ جب شاہد اور وہ عورت باہر کے کمرے میں تھے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ نامعلوم آدمی اچھی طرح جانتا تھا کہ اشرف کے نوکر دو بجے سے پہلے واپس نہیں آسکتے۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کہتی ہے کہ اشرف کی موت گیارہ اور ایک کے درمیان میں واقع ہوئی تھی۔ گیارہ بجے شاہد اُس عورت کے ساتھ وہاں پہنچا تھا اور پونے بارہ تک وہاں ٹھہرا تھا۔ لیکن اس دوران میں اُس نے دھماکے کی آواز نہیں سنی تھی۔ تو پھر اشرف اُس وقت تک زندہ تھا لیکن اس بات سے بے خبر کہ اُس کے مکان میں اُس کے لئے کیا ہو رہا ہے۔ شاہد وہاں سے تنہا واپس ہوا تھا اور وہ عورت وہیں رہ گئی تھی لیکن کوئی عورت بھی اس وزنی تجوری کو نہیں دھکیل سکتی تھی۔ لہٰذا تیسرے آدمی کا وجود ثابت ہو جاتا ہے اور پھر باہر کے کمرے میں سگار کی راکھ بھی تو ملی تھی جس

کے متعلق فریدی نے اُسی وقت رائے قائم کر لی تھی۔ رہ گیا شاہد تو وہ سگار پیتا ہی نہیں۔ عورتیں بھی سگار نہیں پسند کرتیں۔

فریدی ٹیلی فون بوتھ سے واپس آگیا تھا اور کیڈی پھر چل پڑی تھی۔ حمید کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔

"میں نے جگدیش کو فون کیا تھا۔ وہ مجھے کوئی نئی اور دلچسپ اطلاع دینا چاہتا ہے۔"

"تو اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"ہوٹل ڈی فرانس.... جگدیش وہیں آئے گا۔ کوتوالی میں نہیں ملنا چاہتا۔ اس بار اُس کا صاحب سرپٹ دوڑ رہا ہے اور اُس نے تہیہ کر لیا ہے کہ اس کیس کو محکمہ سراغ رسانی تک ہرگز نہ پہنچنے دے گا۔"

"مجھے تو یہ کیس سلجھتا نظر نہیں آتا۔" حمید بڑبڑایا۔

"بظاہر حالات ایسے ہی ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "شاہد والی عورت بہت ضروری ہے۔"

"اور اگر وہ سرے سے غیب ہی نکلی تو....؟"

"ممکن ہے لیکن فی الحال ہمیں یہی سوچنا چاہئے ہم اپنی معلومات کے دائرے سے باہر تو عمل کر نہیں سکتے۔"

"اگر کسی عورت کا وجود ہے بھی تو وہ خود ہی اشرف کی زندگی کی خواہاں رہی ہوگی۔" حمید نے کہا۔ "ہو سکتا ہے اشرف سے اُس کے تعلقات رہے ہوں اور وہ اُس کی منگنی کی خبر پا کر بھڑک اٹھی ہو۔"

"خیر اسی لائن پر سوچو۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن اس چیز کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ رضیہ نے شاہد پر دو ڈھائی ماہ قبل ہی سے ڈورے ڈالنے شروع کر دیئے تھے اور قتل اُس رات کو ہوا جس دن منگنی کا اعلان کیا گیا تھا۔ دوسری طرف یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ہمیں اشرف کی زندگی میں کسی ایسی عورت کے وجود کا علم نہیں ہو سکا جس سے اُس کے جنسی تعلقات ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اشرف بڑا محتاط آدمی تھا۔ اگر وہ واقعی ایسا ہی محتاط تھا تو اُس عورت کے لئے دو ماہ قبل ہی منگنی کے امکان کا اندیشہ کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ اشرف نے محتاط ہونے کی بناء پر ہرگز اُس پر یہ بات ظاہر نہ ہونے دی ہوگی۔ یہ بات یہاں ختم ہو گئی۔ اب اس کے لئے صرف ایک ہی صورت رہ جاتی ہے وہ یہ کہ عورت نہ صرف اُسی کے طبقے کی رہی ہو بلکہ اُس سے قریبی تعلقات رکھنے والوں سے بھی متعارف رہی ہو جن کے ذریعہ اُسے منگنی کا علم دو ماہ قبل ہی ہو گیا لیکن حمید

صاحب اس نظریئے میں ایک بہت بڑی کمزوری ہے اگر وہ جانی پہچانی ہوئی عورت ہوتی تو وہ کسی دوسرے کے کاندھے پر رکھ کر بندوق نہ چلاتی۔ کیونکہ اس میں پہچان لیے جانے کا خطرہ ہے۔ ظاہر ہے کہ شاہد اُسے شناخت کرنے کے لئے زندہ ہے!"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"یہی کہ وہ عورت بھی اس بساط پر صرف ایک معمولی سا مہرہ تھی۔ شاطر تو کوئی اور ہی ہے میرا خیال ہے کہ وہ عورت روزانہ نظر آنے والی کوئی سوسائٹی گرل بھی نہ ہوگی۔"

"اشرف کی سوتیلی ماں۔" حمید بڑبڑایا۔

"یہ ایک نئی اطلاع ہے سوال یہ ہے کہ اگر اشرف کی کوئی سوتیلی ماں بھی تھی تو اُس نے کبھی اس کا تذکرہ کیوں نہیں کیا۔ پھر بھی یہ اطلاع تمہیں روحی سے ملی ہے جسے تم قریب قریب پاگل سمجھتے ہو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ پھر اپنے خیالات میں اُلجھ گیا تھا۔

ہوٹل ڈی فرانس میں پہنچ کر انہیں زیادہ دیر تک جگدیش کا انتظار نہیں کرنا پڑا۔ جگدیش کچھ پریشان سا نظر آرہا تھا۔ وہ چپ چاپ آکر اُن کے قریب بیٹھ گیا۔

حمید اور فریدی سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھ رہے تھے لیکن اُس نے خود ہی سلسلہ گفتگو نہیں شروع کیا۔

"کیا خبر ہے؟" فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"پہلی خبر تو یہ کہ کوتوال صاحب مجھ سے بہت زیادہ ناراض ہوگئے ہیں۔"

"خیر یہ خبر میرے لئے کافی پرانی ہو چکی ہے اور وہ تمہارا کچھ نہیں کر سکتا۔ تم مطمئن رہو۔ اچھا دوسری خبر....؟"

"بیگم ارشاد نے معاملے کو اُلجھا دیا ہے۔"

"کیوں....؟" فریدی چونک کر بولا۔ حمید بھی جگدیش کو گھور رہا تھا کیونکہ اُس نے روحی کی ماں کا حوالہ دیا تھا۔

"انہوں نے۔" جگدیش سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔ "ایک نئی کہانی سنائی ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ اشرف کے والد کی ایک داشتہ تھی اور اُن کی موت کے بعد اُس نے جائیداد میں حصہ لینا چاہا تھا لیکن اُس کی کوششیں ناکام رہی تھیں۔ اُس کے ایک بچہ بھی تھا۔"

"ہوگا....!" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "اس میں کون سا اُلجھاوا پیدا ہوتا ہے۔"

"سنئے تو.... وہ عورت دراصل شاہد کی ماں ہے سعیدہ.... جلال آباد کے سرکاری ہسپتال میں میٹرن ہے۔"

"کیا....؟" حمید اچھل پڑا۔

"جی ہاں.... آج کوتوال صاحب جلال آباد گئے تھے لیکن وہ عورت کہتی ہے کہ وہ اشرف کے والد سے واقف ہی نہیں۔"

"آہم....!" فریدی بڑبڑایا۔ "حالات تیزی سے روشنی میں آرہے ہیں لیکن تمہیں یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ وہ شاہد کی ماں ہی ہے۔"

"شاہد نے اُس کا پتہ بتایا تھا دوسری طرف بیگم ارشاد نے بھی وہی نام اور پتہ بتایا۔"

"بہت خوب اور سعیدہ اس سے انکار کرتی ہے۔ اُس نے شاہد کو تو اپنا بیٹا تسلیم کر لیا ہے نا۔"

"جی ہاں اسے وہ تسلیم کرتی ہے۔"

"ہوں.... اچھا.... تو اب تمہارے صاحب کیا فرماتے ہیں؟"

"فرمائیں گے کیا.... جھک مار رہے ہیں۔ شاہد جوں کا توں اپنے پچھلے بیان پر قائم ہے۔"

"میں پہلے ہی کہہ رہا تھا۔" حمید بڑبڑا کر رہ گیا۔

"تم بھی یہی کہہ رہے تھے کہ شاہد کا بیان غلط تھا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"قطعی! بے سروپا.... بے بنیاد۔"

"خیر تمہیں ان خیالات پر افسوس کرنے کا موقع دیا جائے گا۔" فریدی خشک لہجے میں بولا اور کرسی سے اٹھ گیا۔

"کہاں چلے؟" حمید نے پوچھا۔

"تم میرا انتظار نہ کرنا۔"

وہ اُن دونوں کو وہیں چھوڑ کر باہر نکل آیا۔ کیڈی اسٹارٹ کی اور پھر کچھ دور پر اُسے ایک پٹرول پمپ کے سامنے روک دیا۔ ٹنکی بھرائی اور پھر چل پڑا۔ تھوڑی دیر بعد کیڈی پر نسٹن روڈ پر جا رہی تھی۔ جلال آباد کا فاصلہ ساٹھ میل تھا۔ پولو گراؤنڈ والی سنسان سڑک پر پہنچتے ہی کیڈی کی رفتار بہت تیز ہو گئی۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد وہ جلال آباد کے سرکاری ہسپتال کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔ فریدی نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ ساڑھے گیارہ بج چکے تھے۔ سعیدہ ڈیوٹی ہی پر تھی۔ اس لئے اُس تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہ لگی۔ یہ ادھیڑ عمر کی ایک باوقار اور متین عورت تھی۔ فریدی کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اُس کے چہرے پر تشویش یا پریشانی کے آثار

قطعی نہیں تھے۔ حالانکہ اُسے اپنے لڑکے کے لئے پریشان ہونا چاہئے تھا۔ فریدی نے جب اُسے اپنا وزیٹنگ کارڈ دیا تو وہ کچھ اکتائی ہوئی سی نظر آنے لگی۔ پھر بولی۔

"دیکھئے! آپ کا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے ہے اور مجھے آپ کے یہاں کے ڈی۔ ایس۔ پی سے ہدایت ملی ہے کہ میں محکمہ سراغ رسانی کے کسی فرد سے کوئی بات نہ کروں۔"

"اور یہ محض اس لئے کہ میں شاہد کو بے گناہ سمجھتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "وہ بیچارا ایک بہت بڑی سازش کا شکار ہو گیا ہے۔ میرا فرض ہے کہ میں اُسے بچانے کی کوشش کروں۔ شاید آپ میرے نام سے واقف نہ ہوں گی۔"

وہ چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔ "تو آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"

"کیا بیگم ارشاد نے جو اطلاع دی ہے صحیح ہے؟"

"کون بیگم ارشاد؟ میں انہیں نہیں جانتی۔"

"دیکھئے! یہ شاہد کے حق میں درست نہیں۔"

"شاہد....!" اُس نے ہونٹ بھینچ لئے۔ پھر بولی۔ "میں ایسے ناخلف کو پھانسی ہی پر دیکھنا پسند کروں گی جس نے میری تربیت پر بٹہ لگایا۔"

"میں آپ کے اس جذبہ کی قدر کرتا ہوں۔ مگر وہ بے چارا بے گناہ ہے۔ اگر آپ نے میری مدد نہ بھی کی تو میں اُسکی بے گناہی ثابت کر دوں گا۔ ہاں اس طرح ذرا دشواریاں بڑھ جائیں گی۔"

"میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں؟"

"یہی کہ مجھ سے کچھ چھپایئے نہیں۔"

"مم.... میں کچھ نہیں چھپا رہی ہوں۔"

"دیکھئے! آپ ایک بڑی حقیقت چھپا رہی ہیں۔ اشرف کے والد سے آپ کی باقاعدہ شادی ہوئی تھی۔"

"کک.... نن.... نہیں.... نہ جانے آپ کیا کہہ رہے ہیں.... میں کسی اشرف یا اُس کے والد کو نہیں جانتی۔"

"آپ کی مرضی۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔ "آپ نے صرف پھانسی کا نام سنا ہے۔ کسی کو پھانسی ہوتی دیکھی نہیں۔ گردن ربر کی طرح کھنچتی ہے اور جسم جھولتا رہ جاتا ہے۔ پھر جلاد ٹانگیں پکڑ کر اُس طرح جھٹکا دیتا ہے شاہد جوان آدمی ہے۔ گردن کی ہڈی ٹوٹنے کے بعد بھی اُس کا جسم پھڑکتا رہے گا۔"

"خاموش....!" سعیدہ سینے کے بل چیخ کر دیوار سے ٹک گئی۔ اُس کے چہرے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں پھوٹ آئی تھیں اور وہ بُری طرح کانپ رہی تھی۔

"کسی کی موت کی خبر سے متاثر نہ ہونا اور بات ہے اور کسی کو مرتے دیکھنا اور....!"

"مم.... میں اپنے کوارٹر میں جانا چاہتی ہوں۔" اُس نے مردہ سی آواز میں کہا۔

فریدی نے سہارے کے لئے اپنا داہنا بازو پیش کیا اور وہ دونوں باہر آئے۔ کوارٹر ہسپتال کے کمپاؤنڈ میں تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ فریدی کے سامنے بیٹھی مضمحل آواز میں کہہ رہی تھی۔

"عرفان سے میری سول میرج ہوئی تھی۔ شادی کا سرٹیفکیٹ میرے پاس موجود ہے اور شاہد عرفان ہی کا لڑکا ہے یعنی اشرف مرحوم کا سوتیلا بھائی ہے۔ یہ چند آدمیوں کے کمینہ پن کی ایک لمبی داستان ہے لیکن میں مختصراً بتاؤں گی۔ شاہد چھ ماہ کا تھا کہ عرفان چل بسے۔ اشرف پانچ سال کا تھا اور اُس کی ماں زندہ تھی۔ بیگم ارشاد کی بہن.... میں نے جائیداد میں بٹوارہ چاہا لیکن اشرف کی ماں کے عزیزوں نے طوفان برپا کر دیا۔ مجھ سے کہا گیا کہ عدالتی چارہ جوئی ہونے پر وہ شاہد کو ناجائز اولاد ثابت کرا دیں گے۔ حالانکہ سرٹیفکیٹ کی موجودگی میں وہ اسے کسی طرح نہ ثابت کر سکتے۔ لیکن میں نے اسے گوارا نہ کیا کہ میرے بچے کی حیثیت اتنے گندے انداز میں موضوع بحث بنے۔ یہ میری شرافت کی توہین تھی۔ میں نے وہ شہر ہی چھوڑ دیا اور گمنامی کی زندگی بسر کرنے لگی۔ شادی سے قبل بھی میں نرس تھی۔ اس واقعے کے بعد میں دوبارہ اس زندگی میں آ گئی۔"

سعیدہ اٹھ کر ایک کمرے میں آ گئی۔ واپسی پر اُس کے ہاتھ میں شادی کا سرٹیفکیٹ تھا۔ فریدی اُسے چند لمحے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "کیا شاہد کو ان واقعات کا علم ہے؟"

"ہرگز نہیں۔ میں نے اُسے کبھی کچھ نہیں بتایا.... اور نہ پھر اس کے بعد سے کبھی عرفان کے اعزا سے میرا سامنا ہوا۔ میں یہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ بیگم ارشاد کو میری موجودگی کا بھی علم ہو گا.... آہ! بے شک کسی نے میرے بچے کو بُری طرح پھنسا دیا ہے۔ میں کیا کروں؟" اُس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔

"اگر آپ میری ہدایت پر عمل کریں گی تو سب ٹھیک ہی ہو گا۔ دیکھئے فی الحال آپ اس سرٹیفکیٹ کو بھول جایئے اور اپنے اسی بیان پر اڑی رہئے کہ آپ عرفان سے واقف تک نہیں تھیں۔ اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو میں یہ سرٹیفکیٹ اپنے ہی پاس رکھوں۔ ہو سکتا ہے کہ بیگم ارشاد کے دوسرے اشارے پر آپ کے گھر کی تلاشی لی جائے۔ اگر یہ سرٹیفکیٹ پولیس کے ہاتھ لگ گیا تو پھر شاہد کی گلو خلاصی محال ہو جائے گی اور ہاں صرف یہی نہیں بلکہ ہر ایسی چیز ضائع

کردی جائے جس سے آپ کا اور عرفان کا تعلق ظاہر ہو سکے۔ مثلاً پرانے خطوط وغیرہ۔ فوٹو گراف تحائف، جن پر آپ کے اور عرفان کے نام موجود ہوں۔"

"لیکن اگر عرفان کے دوسرے اعزا نے میرے خلاف شہادت دی تو؟" سعیدہ نے کہا۔

"فکر نہ کیجئے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس صورت میں جلال آباد کے کم از کم ڈیڑھ سو معززین اس بات کی شہادت دیں گے کہ آپ ہمیشہ سے جلال آباد ہی میں رہتی آئی ہیں اور یہیں کے ایک خاندان میں آپ کی شادی ہوئی تھی۔"

فریدی کی چال

دوسری صبح سر جنٹ حمید اور انسپکٹر فریدی میں پھر تکرار ہو گئی۔ فریدی نے اُسے پچھلی رات کے واقعات بتا دیئے تھے۔ وہ اس وقت ناشتے کی میز پر تھے۔

"اور اس کے باوجود بھی آپ اپنے پچھلے نظریئے پر قائم ہیں۔" حمید نے کہا۔ "سعیدہ نے آخر اتنی بڑی حقیقت کو چھپانے کی کوشش کیوں کی؟"

"اس حقیقت کو تو وہ بیس بائیس برس سے چھپائے رہی ہے۔"

"میں اسے تسلیم نہیں کر سکتا کہ شاہد کو اس کا علم نہ رہا ہو۔" حمید نے کہا۔ "اوہ وہ ایک چالاک ترین قاتل ہے۔"

"اتنا چالاک کہ پھنس جانے کے لئے اپنا کوٹ چھوڑ گیا تھا۔" فریدی طنز آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ اس نئے انکشاف پر وہ چکرا گیا تھا۔ بات حقیقتاً سوچنے کی تھی۔ اگر شاہد واقعی قاتل تھا تو اُس نے مقتول سے کوٹ بدلنے کی حماقت کیوں کی۔ اگر معاملہ صرف شناختی کارڈ کا ہوتا تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ اُس کی بے احتیاطی سے شناختی کارڈ جائے واردات پر گر گیا ہو گا۔

"کچھ نہیں بیٹے۔" فریدی اُس کے چہرے کے قریب انگلی نچا کر بولا۔ "ہم ایک قدم بڑھے ہیں۔ اب ہمیں بیگم ارشاد کے متعلق سوچنا ہے۔ اُس نے پولیس کو غلط اطلاع کیوں دی۔ صاف صاف کیوں نہیں بتایا کہ سعیدہ سے عرفان کی سول میرج ہوئی تھی اور یہ کہ اُسے سعیدہ کی موجودہ حالات کا علم کب ہوا۔ وہ اس کے جلال آباد کے قیام کے متعلق کب سے جانتی ہے اور اُسے اس کا علم کیونکر ہوا۔ تم نے ابھی تک مجھے یہ بھی نہیں بتایا کہ اُن پانچوں میں سے ریاض اور

فیض کے علاوہ اور کون سگار پیتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں پیتا۔" حمید نے کہا۔

"اچھا تو اب ہم اپنا طریقہ کار بدل دیں گے۔ اُن لوگوں سے تو کچھ بھی نہیں معلوم ہو سکتا۔ کیونکہ ڈی۔ ایس۔ پی نے اُن کے ہونٹ سی دیئے ہیں۔"

"پھر ہم کہاں ٹکریں ماریں گے؟" حمید بیزاری سے بولا۔ "ان تین دنوں میں میری روح بُری طرح کچلی گئی ہے۔"

"گھبراؤ نہیں.... جلد ہی تمہیں تمہارے معیار کی تفریحات نصیب ہوں گی۔ ناشتہ ختم کر چکے ہو تو اٹھو۔"

لباس تبدیل کر کے وہ باہر نکلے۔ حمید کو حیرت ہو رہی تھی کہ فریدی آج اُن گلیوں کے چکر کیوں لگا رہا ہے جن کے متعلق سوچنا بھی کم از کم اُس کے طبقے کے لوگوں کے لئے باعث ننگ ہو سکتا ہے۔ ان گلیوں میں جا بجا غلاظت اور گندگی کے ڈھیر تھے ہر نئے موڑ پر ایک نئی قسم کی بدبو کا احساس ہوتا تھا۔ دن کے وقت بھی وہاں قریب قریب تاریکی ہی تھی۔

فریدی نے ایک بھدی سی عمارت کے بد وضع صدر دروازے پر دستک دی۔ حمید ناک پر رومال رکھے کھڑا تھا۔ اُس نے کراہت سے اُس اونچی عمارت پر نظر ڈالی اور فریدی کو گھورنے لگا۔

دو تین بار دستک دینے پر دروازہ چرچراہٹ کے ساتھ کھلا۔ پتوں کے درمیان سے نکلنے والا سر کسی سال خوردہ بڑھیا کا تھا۔ اُس نے حیرت سے ان دونوں کو دیکھا اور منہ کھول کر کھڑی ہو گئی۔ فریدی جیب سے فاؤنٹین پن نکال کر کاغذ کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر کچھ لکھنے لگا۔ پھر اُس نے وہ ٹکڑا بڑھیا کے ہاتھ میں دیتے ہوئے اُسے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ بڑھیا ہونٹوں میں کچھ بڑبڑاتی ہوئی چلی گئی۔

"بہری ہے۔" فریدی نے حمید کی طرف مڑ کر کہا۔

"انتخاب کی داد دیتا ہوں۔ اگر لنگڑی بھی ہو تو مجھے ذرہ برابر افسوس نہ ہو گا۔ آپ اسی لائق ہیں۔ البتہ بدبو سے میرا دم گھٹ رہا ہے۔"

"بس اتنے ہی میں گھبرا گئے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اُس نے جیب سے دوسرا رومال نکال لیا جو "ایسنس آف روز" کی خوشبو سے بسا ہوا تھا۔ تین چار منٹ گذر گئے۔ فریدی شاید کسی کا منتظر تھا۔

دروازہ پھر کھلا۔ اب اُن کے سامنے ایک بھاری بھرکم آدمی کھڑا تھا جس کے جسم پر خاکی

گابرڈین کی پتلون اور چمڑے کی جیکٹ تھی۔ چہرہ بڑی حد تک بد نما اور بھدا تھا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا۔" وہ بڑبڑا کر رہ گیا۔

"باہر آؤ....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تھوڑی سی گفتگو اور تھوڑی سی تفریح۔"

وہ باہر آ گیا۔ دروازہ کسی نے اندر سے پھر بند کر لیا۔

"میرے ساتھ آؤ۔" فریدی نے کہا۔

سڑک پر پہنچ کر انہوں نے ایک ٹیکسی رکوائی۔

"مجھے ایک لڑکی کی تلاش ہے۔" فریدی ٹیکسی میں بیٹھتے ہی بولا۔

"اوہ.... تو میں کیا کر سکتا ہوں۔" گرانڈیل آدمی نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"تم سمجھ ہی گئے ہو گے کہ وہ کس قسم کی لڑکی ہو سکتی ہے۔"

"لیکن میں اب دوسرا دھندا کر رہا ہوں۔ یہ دھندا تو اب شریفوں میں چلا گیا ہے۔"

"سگار....!" فریدی سگار کیس اُس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔

"شکریہ....!" اُس نے سگار لے کر ہونٹوں میں دبا لیا اور عجیب نظروں سے فریدی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "کیا کوئی نئی مصیبت۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آج کل میں محنت مزدوری کر رہا ہوں۔"

"تم جو کچھ بھی کر رہے ہو۔" فریدی نے لاپرواہی سے کہا۔ "مجھے اس سے غرض نہیں۔ میں چھوٹے موٹے معاملات میں ہاتھ نہیں لگاتا۔"

"پھر.... لیکن کسی بڑے معاملے سے میرا کیا تعلق۔"

"تم غلط سمجھے.... میں تمہیں کوتوالی نہیں لے جا رہا ہوں۔"

"دوسری صورت میں بھی مجھے جہنم ہی کی توقع رکھنی چاہئے۔" اُس نے کہا۔

"نہیں.... میں تمہاری مدد چاہتا ہوں۔ مجھے اس لڑکی کی تلاش کے سلسلے میں تمہاری ضرورت ہے۔"

"اب میرے پاس لڑکیاں نہیں ہیں.... آپ یقین کیجئے۔"

"ہو سکتا ہے کہ تم اُسے جانتے ہو۔"

"نام کیا ہے؟"

"نام.... مجھے نام میں شبہہ ہے۔ ویسے وہ بعض اوقات خود کو رضیہ کہتی ہے۔ کچھ اس قسم کی ہے کہ لوگ اُسے کافی تعلیم یافتہ سمجھتے ہیں۔ عمر بیس اور پچیس کے درمیان۔ ایک خاص پہچان یہ

ہے کہ اُس کے داہنے کان کی لو دوہری معلوم ہوتی ہے۔"

وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر مایوسی سے سر ہلا کر بولا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں ایسی کسی لڑکی کو نہیں جانتا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ایسی لڑکی آپ کو مادام کے ہوسٹل میں ضرور مل جائے گی۔"

"کیا بکواس ہے۔" حمید نے کہا۔ "وہ تو کالج گرلز کا ایک پرائیویٹ ہوسٹل ہے۔ مادام رودانو ایک معزز عورت ہے۔"

"حضور والا۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "یہی تو میں عرض کر رہا تھا کہ ان معزز ہستیوں نے ہماری روٹیوں پر لات ماری ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "مجھے اس کا علم نہیں تھا۔"

"ان کا کاروبار صرف اونچے طبقے تک محدود ہے۔" اُس نے کہا۔ "اسی لئے کسی کو ان کا علم نہیں۔ رودانو کے ہوسٹل کی ساری لڑکیاں دھندا کرتی ہیں۔ لیکن کسی کے منہ میں دانت ہیں کہ انہیں طوائفیں کہہ کر پکارے گا۔ انہیں آپ سوسائٹی گرلز بھی نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ وہ عام طور پر بہت کم دکھائی دیتی ہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ آپ قانونی طور پر مادام رودانو کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کر سکتے۔"

"کیوں....؟"

"آپ کو کہیں سے کوئی ثبوت ہی نہ ملے گا۔"

"آخر لوگ ان لڑکیوں تک کیونکر پہنچتے ہوں گے؟"

"چیٹر لیز ہوٹل کے منیجر کے ذریعہ۔"

"کیا....؟" حمید یک بیک چونک پڑا۔

فریدی نے اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھا اور پھر اجنبی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ حمید کو اچھی طرح یاد نہیں کہ پھر اُن دونوں کے درمیان اور کیا گفتگو ہوئی۔ اُس کے کانوں میں سیٹیاں سی بجنے لگیں تھیں۔ اُس کی آنکھیں خود بخود کبھی پھیلتی اور کبھی سکڑ جاتیں۔ ذہن بار بار "چیٹر لیز ہوٹل" دہرا رہا تھا۔

پھر اُس نے تھوڑی دیر بعد ان دونوں کو ٹیکسی سے اُترتے دیکھا۔ وہ بھی اُتر گیا۔ لیکن وہ اندر ہی اندر بُری طرح کھول رہا تھا اور اُس کی زبان کچھ اُگل دینے کے لئے بے قرار تھی۔ اجنبی نے فریدی سے مصافحہ کیا اور ایک طرف چلا گیا۔ وہ دونوں فٹ پاتھ پر کھڑے ہوئے تھے۔

"کس ہوٹل کا نام لیا تھا اس نے؟" حمید نے پوچھا۔

"اوہ ٹھیک یاد آیا۔" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔ "تم چیٹر لیز ہوٹل کے نام پر چونکے کیوں تھے؟"

"کیا آپ جانتے ہیں چیٹر لیز ہوٹل کا مالک کون ہے؟"

"ہاں.... آں.... شاید.... جہانگیر بہرام جی۔"

"جی نہیں.... وہ کئی ماہ پیشتر کی بات ہے۔ اب اُس کا مالک فیض ہے۔"

"گڈ لارڈ....!" فریدی چونک پڑا۔

"فیض....!" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "وہ سگار بھی پیتا ہے اور ہے بھی کمینہ خصلت۔"

"ہوں.... اچھا تو اب کھیل شروع ہونے جا رہا ہے۔" فریدی نے ایک گذرتی ہوئی ٹیکسی کیلئے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا اور حمید سے بولا۔ "اس ڈی۔ ایس۔ پی کے بچے سے بھی سمجھ لوں گا۔"

وہ دونوں گھر واپس آگئے اور فریدی حمید کو نیچے چھوڑ کر اوپری منزل پر چلا گیا جہاں اُس کی تجربہ گاہ تھی۔ کچھ دیر بعد اُس نے حمید کو اوپر سے آواز دی اور پھر جب حمید اوپر پہنچا تو اُسے فریدی کی بجائے تجربہ گاہ میں ایک بوڑھا نظر آیا جس کی سفید مونچھیں نچلے ہونٹ کو بھی ڈھکے ہوئے تھیں اور ڈاڑھی صاف تھی۔ نہ صرف ڈاڑھی بلکہ چندیا تک صاف تھی۔

"لعنت ہے! ایسے میک اپ پر کہ سر تک منڈ جائے۔" حمید بڑبڑایا۔

"بیٹے تب تو میک اپ مکمل ہے اور میں اس سے مطمئن ہوں۔ گھبراؤ نہیں بال محفوظ ہیں۔ سر پر پلاسٹک کا خول ہے اور یہ سو فیصدی میری ایجاد ہے تم بھی جلدی سے کوئی الٹا سیدھا میک اپ کر ڈالو۔ اگر ڈی۔ ایس۔ پی کے بچے نے راستہ نہ بند کر دیا ہوتا تو اس کی نوبت ہی نہ آتی۔"

"کیا میں بوڑھا بن جاؤں۔" حمید نے بڑی سعادت مندی سے پوچھا۔

"بکو مت.... چلو ادھر آؤ۔"

حمید میک اپ کے دوران میں طرح طرح کے منہ بناتا رہا۔

"وہ آدمی کون تھا....؟" حمید نے پوچھا۔

"گرجن.... تم اُس سے واقف نہیں۔ یہاں کے مشہور بدمعاشوں میں سے ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اب اُس نے لڑکیوں کا کاروبار ترک کر دیا ہو لیکن دو ایک قمار خانے تو اب بھی چلا رہا ہے۔"

"لیکن اگر ہمیں وہ لڑکی رودانو کے ہوسٹل میں بھی نہ ملی تو....؟"

"فکر نہ کرو.... الجھی ہوئی ڈور کا سرا دریافت کرنے کیلئے ہر گانٹھ پر انگلی رکھنی پڑتی ہے۔"

"اب آپ کیا کرنے جا رہے ہیں؟"

"میں وکیل ہوں اور تم میرے محرر.... کیا سمجھے۔ بس فی الحال اتنا ہی۔"

میک اپ کرنے کے بعد انہوں نے لباس تبدیل کیے اور فریدی نے گیراج سے اپنی وہ چھوٹی کار نکالی جس کا استعمال شاذ و نادر ہی ہوتا تھا۔ حمید خاموش تھا۔ اُس نے سوچا کچھ پوچھنا بیکار ہے۔ حقیقت تو یہ تھی کہ بعض اوقات وہ بھی فریدی کی اس حرکت سے کافی محظوظ ہوتا تھا۔ وہ کچھ بتائے بغیر اُسے ایسی جگہوں پر لے جاتا جہاں پہنچ کر اُسے تحیر خیز اختتام رکھنے والی کہانیوں کا سا مرہ آجاتا تھا۔

اور پھر روحی کے مکان کے سامنے کار رکتے دیکھ کر اُسے سچ مچ حیرت ہوئی۔ وہ دونوں کار سے اترے اور پورٹیکو سے گذر کر برآمدے میں آئے۔ فریدی نے جیب سے وزیٹنگ کارڈ نکالا جس پر "ایس کے ناگر سیٹھ" تحریر تھا۔

"بیگم صاحبہ سے ملنا ہے۔" اُس نے نوکر کو وزیٹنگ کارڈ دیتے ہوئے کہا۔

دو تین منٹ بعد وہ اندر بلا لئے گئے۔ ڈرائینگ روم میں بیگم ارشاد تنہا تھیں اور کچھ مضطرب سی نظر آرہی تھیں۔

"میں خاتون سعیدہ کا وکیل ہوں۔" فریدی نے اپنا تعارف کرایا۔

"کون خاتون سعیدہ....؟" بیگم ارشاد نے پیشانی پر شکنیں ڈالتے ہوئے کہا۔

"وہی جس کی آپ نے توہین کی ہے اور اب وہ میری وساطت سے آپ پر ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ کرنے جا رہی ہیں۔"

"وہ جھوٹی ہے۔ اُس نے پولیس کو غلط بیان دیا ہے۔"

"جی ہاں.... انہوں نے پولیس کو بتایا ہے کہ وہ کسی ایسے عرفان کو نہیں جانتیں جس سے اُن کے ناجائز تعلقات رہے ہوں۔"

"لیکن آپ اُس کے بیان کو اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہیں؟"

"میں مجبور ہوں۔ میرے پاس ٹھوس دلائل ہیں۔ ثبوت ہے، شہادتیں ہیں.... گواہ ہیں۔"

"میں ایسے گواہ پیش کر سکتی ہوں جو....!"

"جی ہاں۔" فریدی اُس کی بات کاٹ کر بولا۔ "جو شہادتیں دیں گے کہ عرفان سے اُن کی سول میرج ہوئی تھی۔"

"یہ غلط ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں.... اگر ثبوت تھا تو وہ یہاں سے بھاگ کیوں گئی تھی؟"

"وہ نہیں چاہتی تھیں کہ اُن کے بچے کی شخصیت ناجائز اولاد کی حیثیت سے زیر بحث آئے۔

اسی لئے انہوں نے جائیداد پر لات مار دی تھی۔ لیکن اب جب کہ اُن کے بچے کو ایک سازش کا شکار بنایا گیا ہے وہ کس طرح خاموش رہ سکتی ہیں۔"

"سازش! کیسی سازش....؟" بیگم ارشاد چونک پڑیں۔

"کھلی ہوئی سازش ہے.... اشرف کے اعزا نے خاتون سعیدہ کی شرافت سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہا۔ انہیں معلوم تھا کہ شاہد قانونی طور پر عرفان کے ترکے کا حصہ دار ہے۔ لہٰذا انہوں نے پولیس کو غلط راستے پر ڈال دیا تاکہ پولیس چھان بین کر کے اصل حقیقت معلوم کرلے اور شاہد کو قاتل ٹھہرائے۔ آخر آپ نے ناجائز تعلقات والی کہانی پولیس سے کیوں دہرائی۔ خیر اب دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ میرے لئے یہ ثابت کر دینا مشکل نہ ہوگا کہ اشرف کو اُن لوگوں نے قتل کیا ہے جو شاہد کو راستے سے ہٹا دینے کے بعد اُس کے وارث ہو سکتے ہیں۔"

"کیا....؟" بیگم کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ پھر وہ سنبھل کر بولیں۔ "یہ شاہد کون ہے؟"

"خاتون سعیدہ کا لڑکا۔ جسے پولیس نے شبہے میں گرفتار کیا ہے۔ اُس کا کوٹ مع اُس کے شناختی کارڈ کے جائے واردات پر پایا گیا تھا۔ آپ لوگوں نے اُسے پھنسانے کی کوشش کی ہے۔ ورنہ کون ایسا احمق ہے کہ واردات کرنے کے بعد نہ صرف اپنا کوٹ چھوڑ جائے گا بلکہ اس میں شناختی کارڈ بھی پڑا رہنے دے گا۔"

"غضب خدا....!" بیگم ارشاد کانپتی ہوئی بولیں۔ "میں اپنے بھانجے کے قتل کی سازش کروں گی؟"

"سب کچھ ہو سکتا ہے محترمہ! کون جانے کہ آپ نے اپنا دامن پاک ظاہر کرنے ہی کے لئے ایک دن قبل اُس سے اپنی بیٹی کی منگنی کا اعلان کرا دیا ہو۔ اتنا یاد رکھئے کہ میں عدالت میں سارے تانے بانے کی دھجیاں اڑا دوں گا۔ ناگر کو وہی لوگ جانتے ہیں جن سے اُس کا سابقہ پڑ چکا ہے۔ آپ کو اس کا علم کس طرح ہوا تھا کہ سعیدہ جلال آباد کے ہسپتال میں میٹرن ہے؟"

"اشرف کی موت کے بعد کسی نے کہا تھا۔" بیگم اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی ہوئی بولیں۔

"کس نے کہا تھا....؟"

"مجھے یاد نہیں.... بہتیرے لوگ تھے۔ مجھے تو معلوم بھی نہیں تھا کہ سعیدہ زندہ ہے یا مر گئی۔"

"زندہ ہیں اور اُن کی شادی کا سرٹیفکیٹ بھی میرے پاس محفوظ ہے۔ آپ براہِ کرم یاد کر کے بتائیے کہ سعیدہ کے متعلق کس نے اطلاع دی تھی؟"

"مجھے افسوس ہے کہ یہ قطعی یاد نہیں۔ میرے حواس ٹھکانے نہیں تھے۔"

"کیا اشرف کو مسٹر ارشاد پسند کرتے تھے۔ حالانکہ اشرف ایک آوارہ لڑکا تھا؟"

"براہِ کرم خاموش رہئے۔" بیگم ارشاد نے طیش میں آکر کہا۔ "آپ اشرف کو کیا جانیں۔"

"وہ میرا مستقل مؤکل تھا۔ اُس کی جلال آباد کی جائیداد کے مقدمے میں ہی کرتا تھا۔ عیاشیوں کے لئے وہ وہیں آتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ ارشاد صاحب اُسے پسند نہ کرتے رہے ہوں گے۔ کیونکہ وہ اُس کی حرکتوں سے واقف تھے۔"

"ارشاد صاحب۔" بیگم بُرا سا منہ بنا کر بولیں۔ "انہیں اتنا سلیقہ ہوتا تو وہ اپنے بھانجے کے لئے ضد نہ کرتے جس کی حالت اظہر من الشمس ہے۔"

"اچھا تو وہ فیض صاحب کو پسند کرتے ہیں؟" فریدی طویل سانس لے کر بولا۔

"ان باتوں سے آپ کو کیا سروکار....؟" بیگم اچانک اُسے گھورنے لگیں۔

"کچھ نہیں۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "بہتر ہے کہ آپ خاتون سعیدہ سے اپنی غلط بیانی کی معافی مانگ لیں۔ ورنہ میں دعویٰ دائر کر دوں گا۔"

حمید کا کارنامہ

سرجنٹ حمید شدت سے بور ہو رہا تھا اور فریدی رودانو کے گرلز ہوسٹل کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ اس دوران میں وہ زیادہ تر تنہا ہی باہر نکلتا تھا۔ بہر حال حمید خوش تھا کہ چلو پیچھا چھوٹا۔ ایسے کیسوں میں اُس کا دل بالکل نہیں لگتا تھا جس میں دھول دھپے کے مواقع نہ نصیب ہوں۔ منطقی استدلال کے ذریعہ مجرم تک پہنچنا اُس کے خیال کے مطابق مکھیاں مارنے کے مترادف تھا۔ اُس نے کئی بار فریدی کو سمجھایا کہ یہ کیس سول پولیس ہی کے لئے زیادہ مناسب رہے گا۔

فریدی کے منطقی استدلال کی بناء پر اُس نے یہ بھی تسلیم کر لیا تھا کہ قاتل فیض ہی ہو سکتا ہے لیکن ثبوت.... ثبوت کوئی بھی نہیں تھا۔ حالات اور امکانات سراسر فیض ہی کی گردن کی طرف اشارہ کرتے تھے لیکن محض حالات ہی تو سب کچھ نہیں ہوتے۔ عدالت کیلئے ثبوت چاہئے۔

حمید کو اب تک کسی ایسی لڑکی کے وجود پر یقین نہیں تھا جس کے داہنے کان کی لو دوہری ہو۔ اُس کی دانست میں اگر شاہد کی کہانی صحیح بھی تھی تو اسے اس سازش میں پھانسنے والی روحی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ مرد تو عورت کے معاملے میں بالکل اُلو ہو جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ شاہد کو ان حالات میں بھی اُس کی رسوائی منظور نہ ہو۔

اسی خیال کے تحت حمید ابھی تک روحی سے ملتا رہا تھا اور اس دوران میں اُس نے اُس کی فطرت کا اچھی طرح مطالعہ کیا تھا۔ وہ جلد اکتا جانے والی لڑکیوں میں سے تھی۔ ہر لحظہ زندگی میں نئے پن کی طلب گار۔ کھردری اور صاف بات کہنے والی.... رومان اُس کی زندگی کا جزو لازم تھا۔ مگر اُس معنی میں نہیں جو اردو میں مستعمل ہے اُسے عشقیہ قسم کی گفتگو سے الجھن ہونے لگی تھی۔

سرجنٹ حمید نے آج اُسے آرلکچو میں مدعو کیا تھا اور وہیں اُس کا منتظر تھا۔ روحی نے آتے ہی بیٹھتے ہوئے کہا۔ "آج مجھے دن میں کئی بار ایک ناخوشگوار منظر دیکھنا پڑا۔"

"لیکن میرا خیال ہے کہ وہ ناقابل برداشت حد تک ناخوشگوار نہ رہا ہوگا۔"

"قطعی تھا.... لیکن مجبوری تھی۔ مجھے گھر ہی پر رہنا پڑا۔"

"کیا مصیبت تھی؟"

"میری ایک کزن آج کل میرے یہاں آئی ہوئی ہیں۔ اُن کی گود میں بچہ بھی ہے۔"

"ماشاءاللہ....!" حمید نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا اور وہ اُسے بُرا سا منہ بنا کر گھورنے لگی۔

"آپ کے لہجے میں بڑا بوڑھیا پن ہے۔" اُس نے کہا۔ "خیر ہوگا.... میری کزن بار بار بچے کو دودھ پلانے لگتی تھیں۔"

"واقعی بڑا حسین منظر ہوگا۔" حمید بولا۔

"وہ دودھ پلاتے وقت ایسا بُرا منہ بنا کر بیٹھ جاتی ہیں جیسے کتے کے پلے کو دودھ پلا رہی ہوں۔"

"سبحان اللہ....!" حمید شرارت سے مسکرایا۔

"خدا تمہیں غارت کرے۔" روحی نے جھنجھلا کر حمید کے ہاتھ پر جھپٹا مارا اور اتنے زور سے چٹکی لی کہ اُس نے بلبلا کر اٹھنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ کیونکہ وہ بہر حال مجمع میں تھا۔

"مجھے غصہ آتا ہے تو میں پاگل ہو جاتی ہوں۔" وہ اُسے گھورتی ہوئی کہہ رہی تھی۔

"تم مجھے ٹیز کرتے ہو۔"

"ایک میں ہی نہیں.... میں نے سنا ہے کہ فیض بھی کرتا ہے۔"

"تم نے فیض کا نام کیوں لیا....؟" وہ اُسے گھورنے لگی۔ "کیا اب فیض پر شبہہ ہے؟ اُس دن ریاض کے متعلق....؟"

"میں کسی پر شبہہ نہیں کر رہا ہوں۔" حمید نے اُسے جملہ پورا نہ کرنے دیا۔ "میں نے سنا تھا کہ آج کل آپ فیض سے کچھ کھنچی کھنچی سی ہیں۔"

"یہ کھنچی کھنچی سی ہونا کیا بلا ہے؟"

"پتہ نہیں۔" حمید مایوسی سے سر ہلا کر بولا۔ "ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ چلی میں حلوے کے درخت بکثرت پائے جاتے ہیں۔ وہاں کے باشندے چائے کی پیالیاں لے کر درختوں پر چڑھ جاتے ہیں اور ناشتہ کر کے پھر اُتر آتے ہیں۔ بظاہر تو یہ ایک بہت ہی معمولی سا معاملہ ہے لیکن اس سے ہنالولو کی خارجی پالیسی پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔ ویسے ہمارے یہاں خارجیوں کیلئے کوئی جگہ نہیں۔"

"اچھا اب میں چلتی ہوں۔" روحی اٹھتی ہوئی بولی۔

"اُررر.... بیٹھئے۔ یہ تو میں جانتا ہوں کہ آپ چلتی ہیں.... ورنہ.... یہاں تک پہنچتیں؟"

"کیا مطلب....؟" وہ پھر بیٹھ کر اُسے گھورنے لگی۔

"کہہ دوں دل کی بات....؟" حمید بڑے رومینٹک انداز میں بولا۔

"کہہ بھی چکئے۔" وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"جب میں پانچ برس کا تھا....!" حمید کہتے کہتے رک گیا اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اُس نے فریدی کو ہال میں داخل ہوتے دیکھا جس کے ساتھ ایک بڑی حسین لڑکی تھی اور فریدی اُس کے کاندھے پر ہاتھ رکھے چل رہا تھا۔ روحی بھی اُسی طرف مڑ کر دیکھنے لگی۔ پھر وہ حمید کی طرف مڑی۔

"کیوں.... وہ کون ہیں؟"

"آہ.... ہہ.... ہا....! کوئی نہیں۔" حمید ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

"بڑا شاندار آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"خونی اور قاتل ہے۔"

"آپ لوگوں کو تو ہر ایک خونی اور قاتل معلوم ہوتا ہے۔" روحی جھنجھلا کر بولی۔

وہ دونوں ایک خالی کیبن میں چلے گئے اور فریدی نے پردہ کھینچ دیا۔ حمید کرسی پر بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔

"شاید آپ اُس لڑکی کو جانتے ہیں؟" روحی نے کہا۔

"نہیں میں نہیں جانتا۔"

"تو پھر آپ.... اُس کے حسن سے متاثر ہوئے ہیں۔"

"نہیں! وہ آپ سے زیادہ حسین نہیں ہے۔"

"پھر کیوں اُسے اس طرح گھور رہے تھے؟"

"میں اُس آدمی کو پہچانتا ہوں۔ وہ خود کو بڑا خشک بنا کر پیش کرتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے

جیسے اُسے عورتوں کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہ ہو.... لیکن....!"

"ایسے آدمی بڑے دلچسپ ہوتے ہیں۔"

"بے حد۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ اور پھر اُس نے ویٹر کو بلا کر کھانے کے لئے کہا۔ اُس کی سب سے بڑی خواہش تھی کہ روحی اس وقت کسی طرح جلدی سے ٹل جائے تاکہ وہ فریدی اور اُس کی پارٹنر کی طرف متوجہ ہو سکے۔ کھانے کے دوران میں وہ قطعی خاموش رہا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر باتیں چھڑ گئیں تو پھر روحی کا اٹھنا قیامت پر منحصر ہوگا۔ ویسے ہو سکتا ہے کہ وہ بور ہو کر چلی جائے۔ حمید اُس کی باتوں کے جواب میں "ہوں ہاں" کرتا رہا۔

لیکن جب وہ کھانا ختم ہو جانے کے بعد بھی نہ اٹھی تو حمید کو تاؤ آ گیا.... اور اُس کے ذہن میں ایک دوسری تدبیر کلبلانے لگی۔ اُس نے دو تین ٹھنڈی آہیں بھریں اور آنکھوں سے دو آنسو گالوں پر ڈھلک آئے۔ روحی حیرت سے اُسے دیکھنے لگی۔

"مجھے اس وقت اشرف کی یاد ستا رہی ہے۔" حمید گلوگیر آواز میں بولا۔

"تو یہاں بیٹھ کر رونا....!" روحی چاروں طرف جھینپی ہوئی نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی "یہ کیا بیہودگی ہے۔ لوگ دیکھ رہے ہیں۔"

"میں آپ کی طرح بے درد تو نہیں۔" حمید نے جیب سے رومال نکال لیا اور پھر بولا "آپ کو اشرف سے بالکل محبت نہیں تھی۔"

"بکواس ہے.... مجھے اشرف کے کتے سے بھی محبت تھی لیکن میں شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔"

"اسی لئے آپ نے اُسے قتل کرا دیا۔" حمید نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"اُسے تو نہیں کیا۔ لیکن تمہیں ضرور کر دوں گی۔" وہ اپنی مٹھیاں بھینچ کر بولی۔

"اب آپ کی منگنی ریاض سے ہوگی یا فیض سے؟"

"تم عجیب آدمی ہو.... بور نہ کرو۔"

"کیا میں اپنا نام پیش کر سکتا ہوں؟" حمید نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"تم سے تو وہی شادی کرے جو اپنی زندگی سے بیزار ہو۔"

"کیا آپ نہیں ہیں؟"

"میں کیوں ہوتی۔"

"میں بہت اُداس ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں چیخ چیخ کر نہ رونے لگوں۔"

"جہنم میں جاؤ۔" روحی اٹھتی ہوئی بولی۔

"وہاں بھی کبھی کبھی ملتی رہئے گا۔"

"تم مجھے ٹیز کر رہے ہو۔"

"دیکھئے میں اس وقت بہت مغموم ہوں۔ لہٰذا مجھے ہنسنے پر مجبور نہ کیجئے۔"

روحی نے پھر کچھ کہنا چاہا لیکن صرف منہ بنا کر رہ گئی۔ حمید نے اُسی وقت سر اٹھایا جب وہ ہال سے چلی گئی۔ اب وہ شرارت آمیز نظروں سے فریدی والے کیبن کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس کے ذہن پر بہت زور دیا کہ کوئی نئی شرارت سوجھ جائے مگر ناکام رہا پھر اُس نے کیبن کا پردہ سرکتے دیکھا اور جلدی سے اپنا منہ دوسری طرف موڑ لیا۔ فریدی اور اُس کی ساتھی کیبن سے نکلے۔ پتہ نہیں فریدی نے حمید کو دیکھا نہیں تھا یا جان بوجھ کر نظر انداز کر رہا تھا وہ دونوں رقص گاہ کی طرف چلے گئے۔

حمید نے جلدی جلدی بل ادا کیا اور اُس نے بھی رقص گاہ کی راہ لی۔ ہال میں ہلکی ہلکی موسیقی گونج رہی تھی۔ حمید نے انہیں داہنے بازو کی ایک میز پر بیٹھے دیکھا۔

فریدی کی پشت حمید کی طرف تھی اور وہ آگے جھکا ہوا اپنی ساتھی سے کچھ کہہ رہا تھا اور وہ برابر مسکرائے جا رہی تھی۔ اُس کی آنکھیں نشیلی تھیں اور اُس کے اوپری ہونٹ کے کونے بار بار پھڑکنے لگتے تھے۔ لڑکی واقعی بڑی دلکش تھی۔ دفعتاً حمید سوچنے لگا کہ کہیں وہ پُراسرار لڑکی رضیہ نہ ہو۔ لیکن کیا وہ اتنی آزادی سے باہر نکل سکتی تھی۔ ساتھ ہی حمید کی نظریں ایک دوسرے آدمی پر پڑیں جو فریدی کی میز سے کچھ فاصلے پر کھڑا ان دونوں کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ حمید نے سوچا ممکن ہے کہ وہ بھی فریدی کے شناساؤں میں سے ہو۔ لیکن اُس کے دیکھنے کا انداز اس قسم کا نہیں تھا۔ اُس کے چہرے پر حیرت کے آثار ضرور تھے لیکن اُن میں خوف کی بھی آمیزش تھی۔ دفعتاً وہ ہڑبڑی سے مڑا.... اور دروازے سے نکل گیا۔ حمید کے پیر بھی غیر ارادی طور پر اٹھ گئے۔

اُس آدمی نے باہر نکل کر گیرج سے کار نکالی اس دوران میں حمید تیزی سے کمپاؤنڈ کے باہر پہنچا باہر دو تین ٹیکسیاں موجود تھیں۔

جیسے ہی اس کی کار باہر نکلی۔ ایک ٹیکسی اُس کے تعاقب میں لگ گئی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں اس بھاگ دوڑ کا انجام مایوسی کی شکل میں نہ ظاہر ہو۔ مگر وہ ان دونوں کو ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا اور پھر وہاں سے اس طرح چلا کیوں آیا۔

اگلی کار کی رفتار خاصی تیز تھی۔ حمید ٹیکسی ڈرائیور کو برابر ہدایت دیتا جا رہا تھا۔ اگلی کار مختلف سڑکوں سے گذرتی ہوئی مادام روانو کے گرلز ہاسٹل کے سامنے رک گئی اور حمید کا دل شدت سے

دھڑکنے لگا۔ اُس نے تقریباً دو سو گز کے فاصلے پر ٹیکسی رکوائی۔

مادام رودانو کا ہاسٹل کسی ویران جگہ پر نہیں تھا۔ خاصی پُر رونق سڑک تھی جس پر دور دور عمارتیں تھیں۔

حمید نے اُسے کار سے اُتر کر ہاسٹل کی عمارت میں داخل ہوتے دیکھا۔ ٹیکسی ڈرائیور کو اُس نے پہلے ہی بتادیا تھا کہ اس کا تعلق پولیس سے ہے لہٰذا وہ بھی خاموشی سے بیٹھا رہا۔ اُس آدمی نے اپنی کار سڑک ہی پر چھوڑ دی تھی۔ اس لئے حمید کو توقع تھی کہ وہ پھر واپس آئے گا۔ لیکن واپسی کا انتظار بہت طویل ہو گیا۔ تقریباً آدھ گھنٹہ گذر گیا پھر وہ دوبارہ عمارت سے برآمد ہوا۔ اس بار وہ تنہا نہیں تھا۔ کوئی دوسرا بھی آہستہ آہستہ اُس کے سہارے چل رہا تھا۔ اُس نے اُسے کار کی پچھلی سیٹ پر بٹھادیا اور خود اگلی پر بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کر دیا۔

حمید کی ٹیکسی پھر تعاقب کرنے لگی تھی لیکن اس بار زیادہ دیر نہیں لگی۔ شاید دس منٹ بعد اگلی کار پھر ایک عمارت کے سامنے رک گئی۔ حمید ٹیکسی والے کو رکے رہنے کی ہدایت دے کر ٹیکسی سے اُتر گیا۔ اگلی کار سے وہ دونوں بھی اُترے۔

اس بار پھر ایک دوسرے کو سہارا دے رہا تھا اور وہ رینگتی ہوئی رفتار سے عمارت کی طرف بڑھ رہے تھے۔

اندھیرا ہونے کی وجہ سے حمید کے لئے کوئی خاص خطرہ نہیں تھا۔ وہ اُن کے پیچھے لگا رہا۔ جب وہ اوپری منزل پر جانے کے لئے زینے طے کر رہے تھے تو حمید نے کسی عورت کی کراہ سنی۔ اُس کے کان کھڑے ہو گئے۔ تو وہ کوئی عورت تھی؟.... زینے پر بھی اندھیرا تھا۔ اوپر پہنچ کر وہ ایک طویل کاریڈور میں چلنے لگے۔ کاریڈور بھی نیم تاریک ہی سا تھا۔ اکثر دروازوں کے شیشوں سے کمروں کے اندر سے روشنی کاریڈور میں آرہی تھی لیکن یہ اتنی نہیں تھی کہ کسی کا چہرہ نظر آسکے۔ حمید کو بس دو دھندلے سے سائے نظر آرہے تھے۔ ایک دروازے کے سامنے وہ رکے اور حمید دیوار سے چپک گیا۔ اُسے قفل کی کنجی گھمانے کی ہلکی سی آواز سنائی دی اور پھر دونوں سائے تاریکی میں ڈوب گئے۔ لیکن پھر ذرا سی ہی دیر میں کاریڈور کے دروازوں میں سے ایک اور کے شیشے بھی روشن ہو گئے۔ نیچے کار ایک ایسی جگہ پر چھوڑی گئی تھی کہ حمید کو پھر اُس آدمی کی واپسی کی توقع تھی۔ وہ تیسری منزل کے زینوں کے نیچے کھسک گیا۔ اب وہ بالکل تاریکی میں تھا اور یہاں سے اُس کمرے کا دروازہ صاف نظر آرہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ پھر کھلا اور آدمی باہر نکل آیا۔ اُس کی پشت پر دروازہ بند ہو گیا اور اب وہ نیچے جانے والے راستے کی طرف جارہا تھا۔ حمید

آہستہ آہستہ زینوں کی طرف گیا اور اُسے نیچے جاتے دیکھتا رہا اور جب اُس نے کسی کار کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی تو اطمینان کا سانس لیا۔ اب وہ اُسی کمرے کی طرف جارہا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ جو کوئی بھی اندر ہے وہ تنہا ہی ہو گا کیونکہ وہ اُن کی آمد پر دروازے کے قفل میں کنجی گھمانے کی آواز سن چکا تھا۔ ظاہر ہے کہ خالی کمرے ہی مقفل رکھے جاتے ہیں۔ اُس نے دروازے پر رک کر آہٹ لی۔ اندر کی روشنی ابھی گل نہیں کی گئی تھی۔ حمید نے انگلی سے دروازے پر دستک دی۔

"کون ہے....؟" اندر سے ایک نحیف سی آواز آئی۔

"ذرا کھولنا تو....!" حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں اس طرح کہا جیسے جلدی میں کوئی بات رہ گئی ہو۔

"تم بھی زندگی کے تلخ کیے دے رہے ہو۔" حمید نے بڑبڑاہٹ سنی اور ساتھ ہی قدموں کی چاپ بھی سنائی دی۔ دروازہ کھلا اور حمید دوسرے ہی لمحے میں اندر تھا۔ اُس نے سامنے کھڑی ہوئی عورت کو ہٹا کر دروازہ بند کر دیا۔ وہ اُسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ یہ ایک خوبصورت اور نوجوان عورت تھی۔ چہرے سے اضمحلال اور نقاہت کے آثار ظاہر تھے جیسے وہ بیمار ہو۔

"تم کون ہو....؟" اُس نے خوفزدہ آواز میں کہا۔

"شش....!" حمید نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر سرگوشی کی۔ "خطرہ قریب ہے۔ گدھے نے غلطی کی کہ تمہیں یہاں لے آیا۔"

"تم کون ہو....؟" اُس نے پھر دوہرا دیا۔ اسی دوران میں حمید کی نظر اُس کے داہنے کان پر پڑی اور وہ خوشی کے مارے بے ہوش ہو جانے سے بال بال بچا۔ کان کی لو دوہری تھی۔

"بیٹھ جاؤ.... بیٹھ جاؤ۔" وہ مضطربانہ انداز میں اپنی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"اگر پانچ منٹ خیریت سے گذر گئے تو پھر ہم خطرے سے باہر ہوں گے۔"

عورت ٹھوک نگل کر رہ گئی۔

"بیٹھ جاؤ۔" حمید نے زبردستی اُسے پلنگ پر بٹھادیا۔ پھر تیزی سے دروازے کے قریب آیا اور ذرا سا دروازہ کر کے باہر جھانکنے کے بعد پھر پلنگ کی طرف پلٹ آیا۔

"جاسوسوں کا جال.... ایک جاسوس ہوسٹل کی لڑکی کو لئے آرلکچو میں بیٹھا ہے۔ ہاسٹل کی تلاشی.... یہ گدھا ابھی اندھا ہو گیا تھا.... احمق کہیں کا۔"

"آخر تم ہو کون....؟"

"چلو اٹھو....!" حمید گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "کیا میری بھی گردن تڑواؤ گی۔ چپ

چاپ نکل چلو.... ورنہ ابھی یہاں بھی پولیس دھری ہو گی۔"

منہ کی کھائی

تقریباً گیارہ بجے ٹیکسی فریدی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی اور حمید نے سہارا دے کر اُس عورت کو ٹیکسی سے اُتارا.... اُس کا جسم بخار سے پھنک رہا تھا۔ حمید نے دس دس کے تین نوٹ ٹیکسی والے کی طرف بڑھا دیئے۔ وہ حیرت سے اُن نوٹوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر اُس نے جھک کر اُسے ایک لمبا سا سلام کیا اور نوٹ جیب میں رکھ کر ٹیکسی اسٹارٹ کر دی۔

"مجھ سے اب نہیں چلا جا رہا ہے۔" عورت کراہی۔

"بس بس.... اب آرام ہی آرام ہے۔" حمید نے کہا اور اُسے سہارا دے کر اندر لے جانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک کمرے میں آرام دہ بستر پر بیٹھی ہوئی حمید کو گھور رہی تھی۔

"تم کون ہو.... اور مجھے کہاں لے آئے ہو....؟" اُس نے پھر پوچھا۔

"میں آدمی ہوں اور تمہیں یہاں لے آیا ہوں۔" حمید نے بڑی معصومیت سے کہا۔

"میں مر رہی ہوں اور تمہیں اپنے کام سے کام ہے۔" وہ تھکی تھکی سی آواز میں بولی اور کراہ کر لیٹ گئی۔ پھر وہ بڑبڑانے لگی۔ "اگر مجھے معلوم ہوتا تو کبھی اس چکر میں نہ پڑتی۔ زندگی حرام ہو گئی۔ تم جانتے ہو میں کئی راتوں سے نہیں سوئی۔"

وہ پھر اٹھ کر بیٹھ گئی اور اُس کی بڑبڑاہٹ برابر جاری رہی۔ اُس کی نظریں تو حمید کے چہرے پر تھیں مگر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ خود سے باتیں کر رہی ہو۔ "یا تو مجھے گولی مار دی جائے یا پھر پولیس کے حوالے کر دیا جائے۔ میں اس حالت میں کب تک رہوں گی۔ میں برباد ہو گئی۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم لیٹو تو۔" حمید چہک کر بولا.... وہ دل ہی دل میں اپنی عقل مندی پر نازاں تھا۔

"مجھے نیند نہیں آتی۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"ٹھہرو.... میں تمہیں ایک ہلکی سی خواب آور دوا دیتا ہوں۔" حمید نے کہا اور کمرے سے نکل آیا۔ فریدی کے کمرے سے اُس نے خواب آور دوا کی شیشی اٹھائی اور پھر اُسی کمرے میں واپس آ گیا۔

دوا پینے سے قبل گلاس ہاتھ میں لے کر عورت نے کہا۔ "خدا کرے یہ زہر ہو۔"

پھر اُس نے دوا اپنے حلق میں انڈیل لی اور بُرا سا منہ بنائے ہوئے لیٹ گئی۔ دونوں کراہی تک

جاگ رہے تھے۔ حمید نے محسوس کیا کہ وہ برآمدے میں منڈلا رہے ہیں۔ اُس نے انہیں ڈانٹ کر بھگا دیا اور وہ ہنستے ہوئے بھاگ گئے۔ شاید وہ اپنے دلوں میں سوچ رہے ہوں کہ فریدی صاحب کے آنے پر خاصی تفریح رہے گی۔ سارے ہی نوکر اس بات سے واقف تھے کہ فریدی عورتوں کے معاملے میں اکثر حمید کو جھاڑتا رہتا تھا۔ حمید کچھ دیر تک کمرے میں ٹہلتا رہا جب اُس نے دیکھا کہ عورت اونگھ رہی ہے تو چپ چاپ باہر نکل کر کمرہ مقفل کر دیا۔

اب وہ بڑی بے چینی سے فریدی کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ اس طرح اُس کے کمرے کے سامنے آرام کرسی ڈال کر بیٹھ گیا جیسے اُس کی واپسی پر بڑی گہری باز پرس کرے گا۔ اُس کا دل خوشی سے ناچ رہا تھا اور ذہن میں نئی نئی شرارتیں جنم لے رہی تھیں.... وہ اس ڈرامائی انداز کے متعلق سوچنے لگا جس میں وہ رضیہ کو فریدی کے سامنے پیش کرے گا۔

ساڑھے بارہ بجے کے قریب اُس نے فریدی کے قدموں کی آہٹ سنی اور پھر جیسے ہی وہ اندرونی برآمدے میں داخل ہوا حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ فریدی کے چہرے پر تھکن اور گہرے تفکرات کے آثار تھے۔

"کہاں تھے اب تک....؟" حمید نے گرج کر فریدی کے لہجے کی نقل اتاری اور فریدی کے ہونٹوں پر مضمحل سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں آوارگی نہیں برداشت کر سکتا۔" حمید نے پھر اُسی لہجے میں کہا۔

"مت بکو۔" فریدی آرام کرسی میں گرتا ہوا بولا۔ "میں مرجانے کی حد تک بور ہو چکا ہوں۔"

"اچھا تو سنئے لطیفہ۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ "اُس کی بڑھیا ماں شام سے کئی چکر لگا چکی ہے۔ جناب اُس لڑکی کو کہاں چھوڑا....؟"

"کیسی لڑکی....؟"

"جسے آر لکچو میں کھانا کھلا رہے تھے۔"

"اوہ.... تو تم نے دیکھا تھا۔ وہی تو ساری مصیبت کی جڑ ہے۔"

"اناڑی ہیں نا.... آپ.... لڑکیوں کے معاملے میں ہمیشہ مجھ سے مشورہ لیا کیجئے۔"

"جانتے ہو وہ کون تھی....؟"

"روڈانو کے ہوسٹل کی ایک لڑکی۔"

"تب تو....!" فریدی سنبھل کر بیٹھتا ہوا بولا۔ "آج تم بہت کچھ جانتے ہو۔"

"میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ نے اُس سے کن کٹی لڑکی رضیہ کے متعلق معلومات بہم

پہنچائی ہوں گی۔"

"اچھا پھر....؟" فریدی اُسے گھور رہا تھا۔

"پھر حضور نے رودانو کے ہوسٹل پر چھاپہ مار کر اُسے چھاپہ خانہ بنادیا ہوگا۔"

"اوہ....!"

"اور پھر.... چڑیا پھر سے اُڑ گئی.... فف.... فف.... فریدی صاحب۔"

فریدی ہنسنے لگا۔

"شاید تم.... لیکن تم سامنے کیوں نہیں آئے؟"

"یہ صرف قیاسات تھے! سرکار۔" حمید فخریہ انداز میں گردن اکڑا کر بولا۔ "میں آپ کے پیچھے نہیں لگا رہا۔"

"میرے ہی فرزند ہو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا پھر چونک کر بولا۔ "دیکھو شاید کوئی پھاٹک ہلا رہا ہے۔"

حمید اٹھ کر باہر آیا۔ پھاٹک کے باہر کسی کار کی ہیڈ لائیٹس دکھائی دے رہی تھیں اور کوئی پھاٹک ہلا رہا تھا۔ حمید نے قریب جاکر دیکھا یہ ڈی۔ایس۔پی سٹی تھا اور اس کے ہمراہ انسپکٹر رمیش کے علاوہ دو سب انسپکٹر بھی تھے۔

حمید انہیں اپنے ساتھ ڈرائنگ روم میں لے آیا اور پھر وہ فریدی کو اطلاع دینے کے لئے اندر چلا گیا۔ واپسی پر وہ بھی فریدی کے ساتھ ہی تھا۔

فریدی کو دیکھ کر کوتوال کے ہونٹوں پر ایک طنز آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اب بتایئے!" ڈی۔ایس۔پی چہک کر بولا۔ "وہ لڑکی بھی اپنے بیان سے پھر گئی۔"

"میں نہیں سمجھا۔" فریدی بیٹھتا ہوا بولا۔

"وہی جس نے آپ کو....!"

"لڑکی کے متعلق میں سمجھ گیا ہوں۔" فریدی نے بات کاٹ کر کہا۔ "اُس نے بیان کیا بدلا ہے؟"

"اب وہ کہتی ہے کہ آپ اُسے آرکیچو میں اتفاقاً مل گئے تھے اور اُس نے آپ سے ہرگز یہ نہیں کہا کہ ہاسٹل میں کوئی ایسی لڑکی تھی جس کے داہنے کان کی لو دوہری رہی ہو۔"

"اگر اُس نے بیان بدل دیا ہے تو اس پر حیرت نہ ہونی چاہئے۔ اُس نے مجھے یہ سب کچھ یہ سمجھ کر نہیں بتایا تھا کہ میں سی۔آئی۔ڈی کا آدمی ہوں اور پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کے کسی آدمی نے اُسے ناکام تلاشی کی داستان سنادی ہو۔"

"اونہہ ہوگا....!" ڈی۔ایس۔پی بولا۔ "لیکن مادام رودانو نے آپ پر ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ دائر کرنے کی دھمکی دی ہے۔"

"خوب....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اُسے بھی دیکھ لیا جائے گا۔"

"کیا دیکھ لیا جائے گا....؟"

"رودانو کے ہاسٹل میں لڑکیوں کا بیوپار ہوتا ہے۔"

"چلئے یہ دوسری رہی۔" ڈی۔ایس۔پی طنزیہ ہنسی کے ساتھ بولا۔ "ارے صاحب زادے میں آپ سے عمر میں کافی بڑا ہوں اور تجربہ کار بھی۔ آپ ہٹ دھرم ہیں۔ جو کچھ آپ کی زبان سے نکل جاتا ہے اُسے ثابت کرنے کے لئے آپ ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں۔ خواہ وہ غلط ہی کیوں نہ ہو۔ آپ نے ایک بار کہہ دیا کہ شاہد مجرم نہیں ہے لہٰذا.... میں پھر سمجھاتا ہوں کہ خود پر دوسروں کو ہنسنے کا موقع نہ دیجئے۔"

"اوہ....!" حمید بھنا کر بولا۔ "تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ رضیہ کا وجود سرے سے ہے ہی نہیں۔"

"رضیہ نہیں ریکھا کہو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "رضیہ تو فرضی نام تھا۔ جو شاہد کو بتایا گیا تھا۔"

"چلئے ریکھا ہی سہی۔" حمید نے اُسی تیز لہجے میں کہا۔ "کیا آپ یہ کہتے ہیں کہ ہاسٹل میں ریکھا نام کی کوئی لڑکی نہیں تھی؟"

"نہیں تھی۔" ڈی۔ایس۔پی نے حمید کے لہجے پر جز بز ہو کر کہا۔

"دیکھئے.... اتنے وثوق سے نہ کہئے۔" حمید نے دھیمے پڑتے ہوئے کہا۔ "فریدی اور حمید ایک ہی شخصیت کے دو پہلو ہیں۔ ان میں سے اگر ایک دھوکا کھاتا ہے تو دوسرا اپنی آنکھیں کھلی رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان دونوں عظیم ہستیوں کے نام ہمیشہ ایک ہی ساتھ لیے جاتے ہیں۔"

فریدی اُسے عجیب نظروں سے گھور رہا تھا۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو....؟" ڈی۔ایس۔پی پھر اکھڑ گیا۔ اُسے حمید کا لہجہ بہت گراں گذر رہا تھا۔ اگر وہ براہِ راست اُس کا ماتحت ہوتا تو نہ جانے اب تک کیا ہو رہتا۔

"میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ فریدی صاحب کے متعلق آپ کی رائے درست نہیں۔ ان سے غلطیوں کا امکان بہت کم ہے اور اگر کوئی غلطی ہو بھی جاتی ہے تو شہر کا ماحول اتنا پُر سکون نہیں ہوتا۔ بعض عمارتیں بدروئیں کی آگ اگلنے لگتی ہیں[1] اور شہر جہنم بن جاتا ہے۔"

"میں بیکار باتوں میں وقت ضائع کرنے نہیں آیا ہوں۔" ڈی۔ایس۔پی جھنجھلا کر بولا۔

---

[1] حوالے کے لئے "لاشوں کا آبشار" جلد نمبر 9 ملاحظہ فرمایئے۔

"اگر آپ لوگ اپنی موجودہ روش ترک نہیں کرنا چاہتے تو آپ بھگتیں گے۔"

"ہمیں بھگتنے ہی کی تنخواہ ملتی ہے۔" حمید مسکرایا۔

"تم حد سے بڑھ رہے ہو.... مجھے بد تمیزی پسند نہیں۔"

"حمید....!" فریدی نے اُسے ڈانٹا۔

"ہم دونوں کئی مہینوں سے بھگت رہے ہیں۔" حمید بڑبڑایا۔ پھر ڈی۔ایس۔پی سے بولا۔ "آپ میرے بزرگ ہیں۔ اگر میں نے ریکھا کا وجود ثابت کر دیا تو....!"

"حمید بکواس مت کرو۔" فریدی نے کہا۔ "میں رووانو کے دعویٰ کا بے چینی سے منتظر رہوں گا۔"

"شاید میں اس سے پہلے ہی کھیل ختم کر دوں۔" حمید نے اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا۔ "صرف دس منٹ میرا انتظار کیجئے۔"

فریدی نے پھر اُسے عجیب نظروں سے دیکھا۔ حمید کمرے سے جا چکا تھا۔ اس کی عدم موجودگی میں وہ سب خاموشی سے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھتے رہے۔ ڈی۔ایس۔پی کے چہرے سے اکتاہٹ ظاہر ہو رہی تھی۔ فریدی نے سگار سلگا لیا تھا۔ لیکن وہ اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔ تھوڑی دیر تک قدموں کی آواز سنائی دی اور حمید ریکھا کو سہارا دیتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ پولیس والوں کو دیکھ کر ریکھا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ریکھا سے ملئے۔" حمید کی آواز سناٹے میں گونجی اور ڈی۔ایس۔پی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ فریدی کے چہرے پر بھی حیرت کے آثار تھے لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ مسکرانے لگا۔ "اس کا داہناں کان بھی ملاحظہ فرمایئے۔" حمید نے ڈی۔ایس۔پی سے کہا۔

اُس نے آگے بڑھ کر دیکھا اور کچھ بڑبڑاتا ہوا پھر سیدھا ہو گیا۔

"تمہارا کیا نام ہے؟" اُس نے عورت سے پوچھا۔

"ریکھا۔"

"یہ تمہیں کہاں سے لائے ہیں۔"

"میں عمارت کا نام نہیں جانتی۔"

ڈی۔ایس۔پی نے گھور کر حمید کی طرف دیکھا۔

"ٹھیک کہتی ہے۔" حمید نے کہا۔ "اسے بہت جلدی میں ہوسٹل سے نکالا گیا تھا یہ بیمار ہے۔"

"تم رووانو کے ہوسٹل میں تھیں....؟" ڈی۔ایس۔پی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"تمہیں وہاں سے کون لے گیا تھا....؟"

"رمیش....!"

"رمیش کون ہے؟"

"میرا ایک دوست....!"

"وہ کہاں رہتا ہے....؟"

"مجھے معلوم نہیں۔"

"پچھلی سنیچر کی رات کو تم کہاں تھیں۔ گیارہ اور دو کے درمیان میں۔"

جواب فوراً ہی نہیں دیا گیا۔ ریکھا اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی تھی۔ پھر تھوک نگل کر بولی۔

"میں جاوید بلڈنگ میں تھی لیکن قتل سے میرا کوئی سروکار نہیں۔ میں نہیں جانتی تھی کہ رمیش کیا کرنا چاہتا ہے۔"

"تمہارے ساتھ صرف رمیش تھا....؟"

"نہیں.... رمیش نہیں تھا.... شاہد تھا۔"

"شاہد کون ہے؟"

"یونیورسٹی کا ایک طالب علم۔ رمیش نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ شاہد کو بیوقوف بنانا چاہتا ہے۔ اسی کے کہنے سے میں نے شاہد سے دوستی کی تھی اور اُسے بتایا تھا کہ میں اشرف کی بیوی ہوں۔"

"جاوید بلڈنگ کا مالک کون ہے؟"

"میں پہلے نہیں جانتی تھی۔ رمیش نے مجھے بتایا تھا کہ شاہد اُس کا دوست ہے اور خود کو عورتوں سے دور رکھتا ہے۔ اُس نے مجھے اشرف کے متعلق بتایا تھا کہ وہ ایک فرضی نام ہے۔ اُس نے سنیچر کی رات کو دس بجے مجھے جاوید بلڈنگ کی کنجی دی اور کہا کہ میں شاہد کو وہاں لے آؤں۔ میں اور شاہد کیفے کاسینو میں بیٹھے ہوئے تھے اور رمیش نے مجھے الگ بلا کر کنجی دی تھی۔ مجھے بُری طرح پھانسا گیا ہے اور وہ شاہد تو بالکل ہی بے گناہ ہے۔ میں نے اُس واقعے سے تین دن پیشتر رمیش کے کہنے سے اُس کا شناختی کارڈ بھی اڑا لیا تھا۔"

"تم نے یہ سب کچھ کیا.... لیکن رمیش سے اس کی وجہ نہیں پوچھی۔"

"وہ شاہد کو بے وقوف بنانا چاہتا تھا اور اس کی شکست کی کوئی ایسی نشانی اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا جسے دکھا کر وہ اُسے چھیڑ سکے۔ اس لئے اُس نے اس کا کوٹ بدلوایا تھا۔ میں وہی کہہ رہی ہوں جو

رمیش نے مجھ سے کہا تھا اور سازش کا علم تو مجھے دوسرے دن کے ایک شام کے اخبار سے ہوا تھا اور پھر میں رمیش کے اشاروں پر ناچتی رہی۔"

"تم شاہد کے ساتھ ہی وہاں سے روانہ ہو گئی تھیں یا شاہد وہاں رکا رہا تھا....؟"

"وہ پہلے چلا گیا تھا۔"

"رمیش اس وقت کہاں تھا اور تم وہاں کیوں رک گئیں تھیں؟"

"مجھے نہیں معلوم۔ میں دروازہ باہر سے مقفل کر کے واپس چلی گئی تھی۔"

"مگر شاہد تو کہتا ہے کہ وہ تنہا واپس گیا تھا۔"

"ٹھیک کہتا ہے۔ میں بھی یہی کہہ رہی ہوں۔ مجھ سے رمیش نے کہا تھا کہ میں اُس وقت تک مکان میں ٹھہری رہوں جب تک وہ اس سڑک سے گذر نہ جائے۔"

"تم نے اس دوران میں تجوری گرنے کا دھماکہ سنا تھا....؟"

"میں نے قطعی کچھ نہیں سنا۔"

"رمیش کو تم کب سے جانتی ہو....؟"

"چھ ماہ سے۔"

"تم بھی قتل میں شریک سمجھی جاؤ گی۔"

"مجھے پرواہ نہیں.... میں اس دوران میں اپنی زندگی سے عاجز آ گئی ہوں۔ مگر وہ لڑکا بالکل معصوم ہے۔"

"جو کچھ کہو.... سوچ سمجھ کر کہو۔ تمہارا بیان تمہارے خلاف عدالت میں بھی استعمال ہو سکتا ہے۔"

"میں ہوش میں ہوں۔" ریکھا نے کہا۔ "میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ سزا سے بچ سکوں۔"

"تمہیں سزا سے بچانا میرا کام ہے۔" فریدی پُر سکون لہجے میں بولا۔

"اسی اطمینان پر تو وہ آپ کے اشاروں پر ناچ رہی ہے۔" ڈی۔ایس۔پی تلخ لہجے میں بولا۔

"میں نے انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔" ریکھا نے کہا۔

"رمیش کہاں رہتا ہے؟" ڈی۔ایس۔پی نے ریکھا سے پوچھا۔

"میں نہیں جانتی۔ پہلے میں سمجھی تھی کہ وہ جاوید بلڈنگ ہی میں رہتا ہے۔"

"تم اُس سے کس طرح ملی تھیں؟"

"مادام روڈانو نے تعارف کرایا تھا۔"

"تم کس کالج میں پڑھتی ہو....؟"

"کسی میں بھی نہیں۔" اُس نے تلخ سی ہنسی کے ساتھ کہا۔ "اسے ہوسٹل سمجھنے والے گدھے ہیں۔ وہاں لڑکیوں کا بیوپار ہوتا ہے۔"

"خوب پڑھایا ہے۔" ڈی۔ایس۔پی فریدی کی طرف دیکھ کر بولا۔

"شکریہ....!" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"تم اسے کہاں سے لائے تھے؟" ڈی۔ایس۔پی نے حمید سے پوچھا۔

"اسے آپ تک پہنچا دینے کے بعد ہمارا کام ختم ہو جاتا ہے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور فریدی کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

"کیا مطلب....؟" ڈی۔ایس۔پی کی پیشانی پر پھر بل پڑ گئے۔

"ہمارا کہنا صرف یہ تھا کہ شاہد بے گناہ ہے اور وہ نادانستگی میں اس سازش کا شکار ہوا ہے۔ ہم نے سازش کرنے والوں میں سے ایک آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ اب ہم آپ کے کسی معاملے میں دخل نہ دیں گے۔ آپ جانیں اور آپ کا کام۔"

"یہ تمہیں کہاں سے لائے ہیں....؟" ڈی۔ایس۔پی نے ریکھا سے گرج کر پوچھا۔

"میں نے کہا نا کہ مجھے ہوش نہیں تھا۔ رمیش مجھے ہوسٹل سے ایک عمارت میں لے گیا تھا۔ میں اس وقت بھی بخار میں پھنک رہی ہوں۔"

"اچھا میں اسے کوتوالی لے جا رہا ہوں۔" ڈی۔ایس۔پی نے فریدی سے کہا۔

"شوق سے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیکن میں بھی چلوں گا۔ اگر اس نے بھی اپنا بیان بدل دیا تو کیا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اسی وقت میرے سامنے اس کا بیان روزنامچے میں درج کیا جائے گا۔"

"کیا مطلب....؟"

"اوہو! چونکہ آپ تک ہماری وساطت سے پہنچی ہے۔ اسی لئے میں یہی مناسب سمجھوں گا کہ بیان میرے سامنے ہی لکھا جائے۔"

ڈی۔ایس۔پی کچھ نہ بولا۔ فریدی نے اُسکے ہمراہ جانے سے قبل حمید کو الگ لے جا کر بولا۔

"فرزند.... میں تم پر جتنا بھی فخر کروں کم ہے۔ اب تم اُس عمارت پر نظر رکھو.... رمیش پھر وہاں واپس آئے گا.... بس تم چلے ہی جاؤ۔"

"ہات تیری کی۔" حمید پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔ "کاش میں اس عورت کو کسی کنوئیں میں پھینک دیتا۔"

آخری مرحلہ

حمید رات بھر اُس عمارت کے قریب جھک مارتا رہا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر اس طرح جھک مارنے کا سلسلہ کب اور کس طرح ختم ہوگا۔ کیونکہ اُس نے فریدی کو اُس جگہ کا پتہ یا نشان بتایا ہی نہیں تھا۔ اُس نے فریدی کی چھوٹی کار عمارت سے تھوڑے ہی فاصلے پر کھڑی کردی تھی اور خود اس کے اندر بیٹھا رہا تھا۔

صبح ہوتے ہوتے اُس کی جان پر بن گئی۔ پائپ کا تمباکو بھی ختم ہو چکا تھا اور ساری دکانیں بند تھیں۔ یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ اُس عمارت کے سامنے والی عمارت میں ایک ڈیری تھی۔ سورج طلوع ہونے سے قبل ہی ڈیری کے دروازے کھل گئے اور حمید کو سامنے ہی میز پر ٹیلی فون رکھا ہوا دکھائی دیا۔ اُس کی جان میں جان آئی اور وہ کار سے اُتر کر ڈیری کی طرف جھپٹا۔

اور پھر وہ فریدی کو فون کر رہا تھا۔ فریدی گھر ہی پر موجود تھا۔ حمید نے اُسے بتایا کہ اب وہ اور زیادہ نہیں ٹھہر سکتا۔ ابھی تک رمیش نہیں دکھائی دیا۔ فریدی نے جگہ سے متعلق پوچھ کر حمید کو وہیں انتظار کرنے کے لئے کہا۔ وہ خود آرہا تھا۔

حمید ریسیور رکھ کر دروازے کی طرف مڑا اور ساتھ ہی اُس نے سامنے والی عمارت کے سامنے ایک کار رکتی دیکھی۔ اُس پر سے اُتر کر عمارت میں داخل ہونے والا رمیش ہی تھا۔ حمید بھر تیزی سے فون کی طرف جھپٹا۔ ڈیری والا اُسے مشتبہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"معاف کیجئے گا۔" حمید منکسرانہ انداز میں بولا۔ "ایک ضروری بات رہ گئی۔"

"کوئی بات نہیں۔" وہ اپنی پیشانی کی شکنیں مٹا کر زبردستی مسکرایا۔

حمید پھر فریدی کو فون کرنے لگا۔ اُس نے اُسے رمیش کی اطلاع مبہم الفاظ میں دی اور یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ شاید اُسے اُس کا تعاقب کرنا پڑے۔ لہٰذا وہ فی الحال وہیں ٹھہرے۔ فریدی نے اُس کے خیال کی تائید کرتے ہوئے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔ حمید سڑک پر نکل آیا۔ اب وہ اپنی کار بیک کر کے پٹرول پمپ کی طرف لے جارہا تھا جو وہاں سے قریب ہی تھا۔ اُس کی نظریں اب بھی عمارت کے زینوں کی طرف تھیں۔ اُس نے کار کی ٹنکی بھروائی۔ پھر انجن اسٹارٹ کر کے نیچے اُتر آیا اور انجن کھول کر اس طرح اُس پر جھک پڑا جیسے اُس میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہو۔ دس منٹ گزر گئے لیکن رمیش واپس نہ آیا۔ اُس کی کار بدستور اُسی جگہ کھڑی تھی جہاں وہ اُسے چھوڑ گیا تھا۔

بیس منٹ گزر گئے۔ حمید کو تشویش ہوئی۔ اُس نے کار وہیں چھوڑ دی اور تیزی سے عمارت کی طرف آیا۔ چند لمحے زینوں کے قریب کھڑے رہ کر کچھ سوچتا رہا پھر اُس پر چڑھنے لگا۔ اس وقت اوپر راہداری سنسان نہیں تھی دن نکل آیا تھا اور وہاں دو چار بچے نظر آرہے تھے۔ دروازے بھی کھل گئے تھے۔

حمید نے مطلوبہ کمرے کے دروازے پر پہنچ کر کواڑوں کو دھکا دیا جو کھل گئے۔ کمرہ خالی تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی نے جلدی میں کمرے کی ساری چیزیں الٹ پلٹ کر رکھ دی ہوں۔

اُس نے بڑی تیزی سے کمرے کی ساری چیزوں کا جائزہ لیا اور پھر وہ باہر نکل آیا۔

وہ راہداری کے آخری سرے تک بڑھتا چلا گیا اور پھر ساری حقیقت اُس پر ظاہر ہو گئی۔ راہداری کے اختتام پر بائیں طرف ایک راہداری تھی۔ جس کا سلسلہ دوسری طرف نیچے جانے والے زینوں کے سرے پر ختم ہو گیا تھا۔ اُس نے جھنجھلا کر اپنی پیشانی پر ہاتھ مار لیا۔ کاش اُسے معلوم ہوتا کہ عمارت میں دوسری طرف بھی زینے ہیں۔

وہ پندرہ بیس منٹ تک وہاں رمیش کے متعلق پوچھ گچھ کرتا رہا۔ لیکن کسی نے بھی تسلی بخش جواب نہ دیئے۔ رمیش کو کمرے میں داخل ہوتے یا نکلتے کسی نے بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ خود کو بُرا بھلا کہتا ہوا نیچے اُتر آیا اور نیچے آتے ہی ایک بار پھر اُس کی کھوپڑی گردن سے اکھڑ کر ہوا میں معلق ہو گئی۔ رمیش کی کار غائب تھی اس کا مطلب تھا کہ اس دوران میں خود رمیش کی نظر حمید پر رہی تھی۔ جیسے ہی وہ اوپر پہنچا رمیش کار بھی لے اڑا۔ اس سے بڑی بدنصیبی اور کیا ہو سکتی تھی کہ حمید نے کار کے نمبروں پر بھی دھیان دینے کی زحمت نہیں گوارا کی تھی۔

اب وہ وہاں رک کر کرتا ہی کیا۔ پچھلی رات کی کامیابی کا نشہ ہرن ہو گیا تھا۔ وہ گھر کی طرف چل پڑا اور گھر پہنچ کر اگر وہ فریدی پر نہ برس پڑتا تو اُسے خود اپنی ذات سے شکایت ہوتی۔

واقعات بتانے کے بعد وہ بڑے زور سے گرجا۔ "جب ایک عمارت میں دو طرفہ زینے ہوں تو دو آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ سمجھے جناب۔"

"سمجھا فرزند....!" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "لیکن ریکھا والے معاملے میں تم تنہا تھے۔"

"نہیں.... ہم دو تھے۔ اگر رمیش آپ کو خوفزدہ نظروں سے نہ دیکھتا تو میں کبھی اُس کا تعاقب نہ کرتا۔ اُس کے اس طرح دیکھنے ہی سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ آپ کے ساتھ والی عورت رودانو ہوسٹل ہی کی ہو سکتی ہے وہ آپ کے ہتھے کس طرح چڑھ گئی تھی؟"

"بہت آسانی سے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "بس دو تین گھنٹے وہاں ٹھہر کر اُن کا طریقہ کار

سمجھنا پڑا تھا۔ عمارت کے سامنے کسی نہ کسی کی کار پہلے سے موجود ہوتی ہے۔ پھر ایک لڑکی عمارت سے نکل کر ٹیکسیوں کے اڈے کی طرف جاتی ہے۔ جب وہ ٹیکسی میں بیٹھ لیتی ہے تو عمارت کے سامنے کھڑی ہوئی کار بھی اُس کے پیچھے لگ جاتی ہے اور پھر یہاں عمارت کے سامنے ایک دوسری کار آکھڑی ہوتی ہے۔ ٹھیک اُسی جگہ پر جہاں پہلی کار کھڑی تھی۔ پھر ایک دوسری لڑکی عمارت سے باہر آتی ہے اور وہ کار بھی وہاں سے کھسک جاتی ہے۔ بہر حال میری کار پانچویں نمبر پر تھی۔ پانچویں لڑکی ٹیکسی میں بیٹھ کر روانہ ہوتی ہے اور میری کار اُس کا تعاقب کرتی ہے پھر وہ ایک جگہ اُتر کر ٹیکسی کے دام چکاتی ہوئی آرلکچو میں داخل ہو جاتی ہے اور میں بھی اُس کی تقلید کرتا ہوں۔ وہ پلٹ کر دیکھتی ہے اور میں مسکراتا ہوں۔"

"اور میں مر جاتا ہوں۔" حمید سینے پر ہاتھ مار کر چیخا۔

"ہم دونوں مل بیٹھتے ہیں۔ میں تھوڑی دیر بعد ایک ایسی لڑکی کا تذکرہ چھیڑتا ہوں جس کا داہنا کان خاص قسم کا ہے۔ وہ مجھے اُس لڑکی کا نام بتاتی ہے یہ سمجھتے ہوئے کہ شاید میں بہت پرانا گاہک ہوں۔"

"بہر حال کل رات آپ نے مزے کیے۔"

"کیا کہنے ہیں۔" فریدی نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

"نیند سے میرا بُرا حال ہے۔" حمید نے کہا۔ "اس لئے اب میں سونا چاہتا ہوں۔"

"بہتر ہے.... اب تم سو ہی جاؤ۔" فریدی بولا۔ "اس سلسلے کی دوسری اطلاع یہ ہے کہ ڈی۔ایس۔پی نے صلح کر لی ہے اور وہ فی الحال ہمارے کہنے پر کنوئیں میں بھی چھلانگ لگا دینے سے گریز نہ کرے گا۔"

"آپ اُسے یہی مشورہ دیجئے۔" حمید نے کہا اور خواب گاہ کی راہ لی۔ نیند نے اُس پر اس بُری طرح حملہ کیا تھا کہ اُس نے ناشتے کی بھی پرواہ نہیں کی۔

شام کو شاید تین بجے تھے جب اُس کی آنکھ کھلی وہ خود سے نہیں جاگا تھا۔ بلکہ فریدی اُسے جھنجھوڑ رہا تھا۔

"کیا مصیبت ہے۔" حمید کروٹ لے کر منمنایا۔

"اول تو تم عورت نہیں ہو۔" فریدی نے اُسے دوبارہ جھنجھوڑا۔ "اور اگر ہو بھی تو یہ تمہارے مصیبت کے دن نہیں۔"

حمید حلق پھاڑ کر چیختا ہوا پلنگ پر کھڑا ہو گیا۔ لیکن اُس کی آنکھیں اب بھی بند تھیں۔

"قبر میں بھی نہ سونے پاؤں گا۔"

"ذرا آنکھیں کھولو پیارے! یہ قبر نہیں پلنگ ہے۔"

حمید نے پلنگ سے چھلانگ لگائی اور گرتے گرتے بچا۔

"میں پتہ نہیں کب اپنے کیکر فردار کو پہنچوں گا۔" اُس نے آنکھیں کھول کر کہا جو انگارہ ہو رہی تھیں۔

"یہ کیکر فردار کیا بلا ہے؟"

"مجھے صاف نہیں دکھائی دیا تھا۔ کیفر کردار....!"

"چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"

"کیا....؟ میں اب کہیں نہ جاؤں گا۔"

"میں ناشتے کی میز کا تذکرہ کر رہا تھا۔ تم صبح سے بھوکے ہو۔"

حمید مرجھکوں کی طرح ناشتے پر ٹوٹا تھا۔ ناشتہ ختم کر کے پائپ کے تین چار کش لینے کے بعد اس کا ذہن کچھ صاف ہوا تو اُس نے رمیش کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

"میرا خیال ہے کہ اس کا تعلق بھی چیٹر لیز ہوٹل ہی سے ہے۔" فریدی نے کہا۔ "آج ہم وہاں بھی چھاپہ ماریں گے۔ اُس آدمی پر قابو پائے بغیر ہم اس سازش کے سرغنہ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے۔"

"کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ فیض ہی ہو سکتا ہے؟"

"قطعی! وہ کوئی اچھا آدمی نہیں ہے۔ اشرف کو روحی کی ماں پسند کرتی تھی اور روحی کا باپ فیض کے حق میں تھا۔ کیونکہ فیض اشرف سے زیادہ مالدار ہے۔ ظاہر ہے کہ اشرف ختم ہو گیا۔ اب روحی کے باپ ہی کی پسند کو ترجیح دی جائے گی.... اپنی دانست میں فیض شاہد کو بھی پھنسا چکا ہے۔ لہٰذا اشرف کی جائیداد بھی روحی ہی کی طرف آئے گی۔ اس کے علاوہ روحی کم دولت مند نہیں۔ کیا سمجھے۔ دو بڑی جائیدادوں کا مسئلہ ہے۔"

"لیکن پھر بھی فیض کے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت نہیں۔" حمید نے کہا۔

"ٹھیک ہے لیکن اب وہ بچ نہیں سکتا۔ پہلے تو میں اُسے روانو والے معاملے میں ماخوذ کروں گا جس کے لئے کافی سے زیادہ ثبوت بہم پہنچا چکا ہوں۔ روانو نے اقبال جرم کر لیا ہے کہ چیٹر لیز ہوٹل اس کی ناجائز تجارت میں برابر کا شریک تھا۔"

"تب تو معاملہ ٹھیک ہے۔" حمید نے کہا۔ "لیکن فیض اس سے بھی اپنی لاعلمی ظاہر کر سکتا

ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس کی ساری ذمہ داری منیجر پر ڈال دے۔"

"یہ بھی ممکن ہے، فکر نہ کرو۔ ہمیں نئے حالات کا منتظر رہنا چاہئے۔"

آٹھ بجے کے قریب چیٹر لیز ہوٹل کا محاصرہ کر لیا گیا۔ منیجر بوکھلا کر اپنے آفس سے نکل آیا۔

"میں آپ کو حراست میں لیتا ہوں۔" فریدی نے آگے بڑھ کر کہا۔

"کیوں! کس لئے؟"

"آپ مادام رووانو کی لڑکیوں کی تجارت میں شریک رہے ہیں۔"

"یہ غلط ہے۔"

"یہ مادام رووانو کا بیان ہے اور آپ کے تین گاہکوں نے بھی شہادت دی ہے۔"

منیجر اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

حمید دوسری ہی دھن میں تھا۔ وہ مسافروں کے رہائش کے کمرے کھنگالتا پھر رہا تھا۔ اچانک ایک کمرے کی کھڑکی میں اُسے رمیش کا چہرہ نظر آ گیا۔ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ حمید ایک ہی جست میں کمرے کے اندر پہنچ گیا۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو۔" اُس نے ریوالور نکال کر کہا لیکن شاید رمیش اُس سے بھی زیادہ پھرتیلا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ دونوں گتھے ہوئے زمین پر آ رہے۔ اس کش مکش میں ریوالور چل گیا لیکن گولی دروازے کے شیشے کو توڑتی ہوئی باہر نکل گئی۔ حمید نے محسوس کر لیا کہ رمیش کافی طاقتور ہے۔ اگر اُس نے ریوالور کی نال کا رخ اُس کی طرف کر دیا تو کھیل ختم ہو جائے گا۔ اب حمید اپنی تمام تر قوت ریوالور سے چھٹکارا پانے کے لئے صرف کرنے لگا۔ وہ چاہتا تھا کہ ریوالور اُن دونوں ہی کے ہاتھ سے نکل جائے۔

"بیکار ہے۔" وہ ہانپتا ہوا بولا۔ "تم نکل نہیں سکتے۔ ہوٹل گھرا ہوا ہے۔" اُس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

پھر حمید نے اپنے داہنے ہاتھ کو جھٹکا دیا اور ریوالور دور جا پڑا۔ ساتھ ہی رمیش نے حمید کی ناک اتنے زور سے دبائی کہ اُس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور پھر وہ تڑپ کر نکل گیا۔ قبل اس کے کہ حمید اٹھتا اُس کی پیشانی پر ایک ٹھوکر پڑی اور وہ دوسری طرف الٹ گیا۔ رمیش کمرے سے نکل چکا تھا۔ حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا بھیجا نکل آیا ہو۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اُس نے کاریڈور میں بہت سے قدموں کی آوازیں سنیں۔

"ارے.... تم....!" اُس نے فریدی کی آواز سن کر آنکھیں کھول دیں۔

"نکل گیا.... وہ نکل گیا۔" حمید چیخا۔

"کون....؟"

"رمیش....!"

"باہر نہیں جا سکتا.... ہائیں۔" اچانک فریدی چونک پڑا۔ نہ صرف فریدی بلکہ اُس کے ساتھی بھی چوکنے ہو گئے۔ کہیں قریب ہی سے فائر کی آواز آئی تھی۔ حمید تو جلدی سے نہ اٹھ سکا لیکن وہ سب باہر نکل گئے.... وہ کاریڈور میں آگے بڑھتے چلے گئے۔ فریدی بارود کی بو محسوس کر رہا تھا۔ کاریڈور تاریک تھا۔ فریدی نے ٹارچ کی روشنی کا دائرہ ایک ایسے آدمی پر پڑا جو فرش پر اوندھا پڑا تھا۔ اُسکے داہنے شانے سے خون ابل رہا تھا۔ اتنے میں حمید بھی وہاں پہنچ گیا۔

"ارے.... یہ تو رمیش ہے۔" اُس نے بے ساختہ کہا۔

رمیش ابھی زندہ تھا اور اُس کی سانس رک رک کر چل رہی تھی۔

تین چار آدمیوں نے اُسے اٹھالیا اور نیچے لے جانے لگے۔

"دیکھو.... یہاں کہیں سوئچ ہو گا۔" فریدی بولا۔ "روشنی کر دو۔"

ڈھونڈنے والوں کو سوئچ ملے تو.... لیکن کاریڈور کا ایک بھی بلب روشن نہ ہو سکا۔ فریدی کاریڈور کے کمروں کے بند دروازوں پر ٹارچ کی روشنی ڈالنے لگا۔ یہ سارے کمرے غالباً خالی تھے ورنہ فائر کی آواز پر اُن میں رہنے والے ضرور باہر نکل آتے۔

"ہو سکتا ہے کہ اُس نے خود ہی گولی مار لی ہو۔" حمید بڑبڑایا۔

"گولی پشت سے چلائی گئی ہے۔ سامنے سے نہیں۔" فریدی نے کہا پھر اُس نے بند دروازوں کو دھکے دینے شروع کئے۔ کچھ تو کھل گئے اور کچھ مقفل تھے۔ آخر کار ایک کمرے میں انہیں ایک ریوالور پڑا ہوا مل گیا۔ یہ کمرہ خالی تھا۔ فریدی نے ریوالور کے دستے کو رومال سے پکڑ کر اٹھایا۔

اتنے میں ڈی۔ ایس۔ پی بھی وہاں آ گیا۔

"غالباً گولی اسی ریوالور سے چلائی گئی ہے۔" فریدی ریوالور کی نال ناک کے قریب کیے ہوئے کہہ رہا تھا۔ نال سے بارود کی بو آ رہی ہے اور اسمیں پانچ گولیاں ہیں۔ ایک چیمبر خالی ہے۔"

تھک ہار کر وہ پھر نیچے ہال میں آ گئے جہاں تقریباً ساٹھ ستر آدمی موجود تھے۔ اُن میں سے کچھ ہوٹل میں قیام کرنیوالے اور کچھ روزانہ کے گاہک تھے۔ اُنکے چہرے اُترے ہوئے تھے کیونکہ انہوں نے دو فائروں کی آوازیں سنی تھیں اور ایک زخمی کو پولیس کی گاڑی پر بار ہوتے دیکھا تھا۔

فریدی کی عقابی نظریں مجمعے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اُس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور

پیشانی پر رگیں اُبھر آئی تھیں۔ اچانک اُس کی نظریں ایک طویل القامت سکھ پر رک گئیں۔ سکھ نے بھی شاید اسے محسوس کر لیا اور وہ دوسری طرف دیکھنے لگا۔ فریدی نے اشارے سے اُسے اپنے قریب بلا لیا۔

"آپ لوگوں کو ذرہ برابر بھی تمیز نہیں۔" سکھ نے پنجابی لہجے میں کہا۔ "میں کوئی کتا ہوں.... جو اس طرح انگلی کے اشارے سے بلاتے ہو۔"

"سردار جی.... میں کتوں کا بڑا شوقین ہوں.... اگر انگلی کے اشارے پر آنے والا کوئی کتا تمہاری نظر میں ہو تو مجھے بتاؤ.... ہر قیمت پر خرید لوں گا۔"

"کیا سمجھتے ہو مسٹر! زبان کو لگام دو۔ میں بھی کرنل ہوں۔" سکھ بگڑ کر بولا۔

"معاف کیجئے گا کرنل صاحب۔ شاید آپ یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

"نہیں بتاتا.... تم سے مطلب....؟"

دوسرے ہی لمحے میں فریدی کا گھونسہ اُس کے جبڑے پر پڑا۔ اگر اُس کے پیچھے کھڑے ہوئے لوگ اُسے سنبھال نہ لیتے تو وہ کافی فاصلے پر گرا ہوتا۔ اُس نے سنبھلتے ہی کرپان نکال لی۔

"تمہیں اس کرپان کے لئے بھی جواب دہ ہونا پڑے گا دوست....!" فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"میں بڑا خوش قسمت ہوں کہ تم نے اپنا کھیل خود ہی ختم کر دیا۔ ورنہ ثبوت کے لئے اب بھی مجھے سر مارنا پڑتا۔"

قبل اس کے کہ دوسرے لوگ کچھ سوچ سمجھ سکتے سکھ نے فریدی پر حملہ کر دیا۔ اُس کا یہ فعل اضطراری معلوم ہو رہا تھا۔ فریدی نے کرپان والے ہاتھ پر تھپکی دے کر پھر اُس کے منہ پر ایک گھونسہ جڑ دیا۔ اتنی دیر میں مجمع تتر بتر ہو چکا تھا۔ اس بار وہ فرش پر چت گرا اور اُس کی پگڑی اُتر کر دور جا گری۔ کرپان اُس کے ہاتھ سے نکل چکی تھی۔ وہ بڑی پھرتی سے اٹھا اور ایک کرسی فریدی پر کھینچ ماری۔ فریدی جھکائی دے کر اُسے بھی بچا گیا۔ سکھ نے دوسری کرسی اٹھائی لیکن اب وہ سکھ نہیں معلوم ہو رہا تھا کیونکہ اُس کے ننگے سر پر انگریزی وضع کے بال نظر آ رہے تھے۔ کرسی اٹھنے سے پہلے ہی فریدی نے اُس کی گردن دبوچ لی۔

"فیض....!" اُس نے اُسے زمین پر گراتے ہوئے کہا۔ "اب یہ ڈاڑھی اور مونچھیں بھی فضول ہیں۔"

دوسرے لمحے میں اُس نے مصنوعی ڈاڑھی نوچ کر الگ کر دی۔

فیض پر جیسے دیوانگی کا دورہ پڑ گیا تھا۔ وہ کسی پاگل کتے کی طرح فریدی کو نوچ رہا تھا۔ لیکن تین

چار ہی گھونسوں نے اُسے ٹھنڈا کر دیا۔

اُس کے ہتھکڑیاں لگا دی گئیں۔ پہلے ہوٹل کے منیجر کو یونہی لے جانے کا خیال تھا مگر اس واقعے کے بعد اُسے بھی ہتھکڑیاں پہننی پڑیں۔

❁

دوسری صبح ممکن ہے کہ فریدی کے لئے خوشگوار رہی ہو لیکن حمید اپنی زندگی سے بیزار نظر آ رہا تھا۔ پچھلی رات کی چوٹ بُری طرح دکھ رہی تھی۔ سر پھٹا تو نہیں تھا لیکن حمید کے بیان کے مطابق بھیجا ضرور ہل گیا تھا اور اُس ہلتے ہوئے بھیجے میں یہ بات نہیں سما رہی تھی کہ آخر فیض وہاں سکھ کے بھیس میں کیا کر رہا تھا۔

فریدی رات سے اب تک نہیں آیا تھا۔ حمید سر کی تکلیف کی وجہ سے کوتوالی نہیں گیا تھا۔

تقریباً دس بجے فریدی واپس آیا۔

"بڑے بڑے انکشافات ہوئے ہیں۔" فریدی نے اُسے بتایا۔ "فیض ایک خاصے بڑے گروہ کا سرغنہ ہے اور مادام روانو تو دراصل اُس کی تنخواہ دار نوکر تھی۔ رمیش اُس کے بدمعاشوں میں سے ہے۔ فیض براہِ راست روانو کے ہوسٹل سے تعلق نہیں رکھتا تھا۔ یہ کام اُس نے منیجر سے لیا تھا اور روانو یہی سمجھتی تھی کہ ہوٹل کے مالک سے ان معاملات کا کوئی تعلق نہیں۔ اُس نے رمیش کے ذریعہ ریکھا سے بھی کام لیا اور اُس رات کو خود فیض ہی اشرف کے گھر میں موجود تھا۔ ریکھا اور شاہد کے رخصت ہو جانے کے بعد اُس نے اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ میں نے گولیوں کے متعلق غلط نہیں کہا تھا.... اور ہاں.... روحی کی ماں کو سعیدہ کے متعلق فیض ہی نے بتایا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ سعیدہ کا راز ظاہر ہونے کے بعد کوئی بھی شاہد کے بیان کو صحیح تسلیم نہ کرے گا۔"

"لیکن....!" حمید بولا۔ "آخر وہ سکھ کے بھیس میں ہوٹل میں کیا کر رہا تھا؟"

"کیا تم نہیں سمجھے؟ رمیش پر اُسی نے گولی چلائی تھی۔ وہ ایسے آدمی کو زندہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا جو کبھی اُس کے خلاف گواہی دے سکے۔ اگر حالات نہ بگڑتے تو شاید وہ اُس کی ضرورت نہ محسوس کرتا۔ جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ ریکھا پولیس کے ہتھے چڑھ گئی ہے اور کوئی رمیش کی بھی نگرانی کر رہا ہے تو اُس نے یہی مناسب سمجھا کہ رمیش ہی کو ٹھکانے لگا دے کیونکہ رمیش کے بعد اُس کی طرف اشارہ کرنے والا کوئی نہ رہ جاتا۔ اسی مقصد کے تحت وہ کل دوپہر کو ایک سکھ کے بھیس میں مسافر کی حیثیت سے ہوٹل میں داخل ہوا۔ رمیش ہوٹل ہی میں تھا۔ لیکن شاید شام تک اُسے اس پر ہاتھ ڈالنے کا موقع نہ مل سکا۔ اتنے میں ہم نے ہوٹل کا محاصرہ کر لیا اور شاید رمیش تمہارے ہاتھ لگ گیا۔ اس کے بعد اُس کے لئے موقع ہی موقع تھا۔ میرا خیال ہے کہ فیض محاصرے کے بعد

سے رمیش ہی کے کمرے کے آس پاس منڈلا تا رہا ہو گا۔"

"لیکن جب اُس کے پاس کرپان بھی موجود تھی تو اُس نے گولی چلانے کی حماقت کیوں کی؟" حمید نے کہا۔

"ہم اُسے بدحواسی کے علاوہ اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔ واقعی اگر وہ گولی نہ چلاتا تو ایک حد تک محفوظ رہ سکتا تھا۔ مگر حمید صاحب یہ تو سوچو کہ ہمارے لئے کتنی پریشانیاں بڑھ جاتیں۔ اسے میں حقیقتاً ایک خوشگوار اتفاق ہی کہوں گا کہ وہ ہمیں ایک سکھ کے بھیس میں مل گیا۔ ورنہ رمیش کی موت کے بعد یہ ثابت کرنا بڑا دشوار ہو جاتا کہ فیض ہی اس سازش کا روح رواں تھا۔"

"کیا رمیش مر گیا؟"

"نہیں زندہ ہے اور اُس نے اپنا بیان دے دیا ہے۔ اسی کے بعد تو فیض کو بھی سب کچھ اگلنا پڑا۔ ورنہ وہ بڑا مستقل مزاج آدمی ہے۔"

"اب بے چاری روحی کا کیا ہو گا؟" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"کچھ بھی نہیں.... میرا خیال ہے کہ اُس کا ٹائپ عام عورتوں سے بہت مختلف ہے۔ شاید وہ ساری عمر شادی نہ کرے۔"

"اور آپ بھی اسی ٹائپ کے مرد ہیں۔" حمید دردناک آواز میں بولا۔ "کاش آپ دونوں کی شادی ہو سکے۔ یقین مانئے.... وہ آپ کے لئے آپ سے بھی زیادہ خبط الحواس بچے پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔"

"شٹ اپ....!"

"خیر گھبرائیے نہیں.... میں چپڑی اوٹی کا.... ارر.... ایڑی چوٹی کا زور لگا دوں گا۔ غلط سلط بولنے لگا ہوں۔ شاید میرا لاشعور کھوپڑی کے اوپر آ گیا ہے۔"

فریدی اُسے بڑبڑاتا چھوڑ کر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا.... اور حمید نے پھر چادر سے منہ ڈھک لیا۔

ختم شد

ابنِ صفی

نمبر
13

جاسوسی دنیا

39- اندھیرے کا شہنشاہ

40- پُراسرار وصیت

41- موت کی چٹان



جاسوسی دنیا نمبر 39

اندھیرے کا شہنشاہ

وقار عظیم
پاکستان پوائنٹ
ڈاٹ کام

(مکمل ناول)

پیش رس

''اندھیرے کا شہنشاہ'' سنسنی، تحیر اور رونگٹے کھڑے کر دینے والی لڑائیوں کا طوفان لے کر ابھرتا ہے، اس میں ایک بہت بڑا مجرم ہے، ایک قبیلے کا مذہبی پیشوا اور وہ بھی ایک غیر ملکی سرزمین سے تعلق رکھنے والا.... اور سونے پر سہاگہ یہ کہ وہ اندھا ہے مگر چار آنکھوں والوں کے کان کترتا ہے۔ اس کی بے پناہ طاقتیں خریدی کو بھی مبہوت کر دیتی ہیں۔ اسی کہانی میں حمید کا نیا شغل بھی دیکھئے۔

لوگ کتے پالتے ہیں، کبوتر اور طوطے پالتے ہیں، حمید بکرا پالتا ہے اور آپ یقین کیجئے یہ ''برخوردار بغرا خاں'' حمید کی سابقہ محبوبہ ''چوہیا'' سے کم قیامت خیز نہیں ہیں۔ قاسم بھی ہے مگر اس کی حماقتیں ذرا دبی ہوئی ہیں۔ وہ دراصل آئندہ خاص نمبر کا منتظر ہے۔ جہاں طوفان اس کے منتظر ہیں اور طوفان کا اسے مذاق اڑانا ہے۔

ابن صفی

دو لاشیں

اگر یہ واقعہ روز روشن میں پیش آیا ہوتا تو لوگ نہ صرف حیرت سے چیختے بلکہ کئی تو رولس نیس کار کے پیچھے دوڑنے بھی لگتے۔

لیکن اس وقت رات بھی تھی اور شاید دو بجے ہوں گے۔ شہر کی سب سے بارونق سڑک کل ویران تھی اور ایک اندھا فقیر فٹ پاتھ پر ایک عمارت کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا اونگھ تھا۔ دفعتاً ایک رولس رائس کار اس کے قریب ہی آ کر رک گئی۔ اندھا چونک پڑا۔ چار آدمی ہستگی کار سے اترے۔ وہ دبے قدموں اندھے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ لیکن اندھا بھی بیٹھا نہیں رہا تھا۔ اس حال میں دیکھنے والے اسے اندھا نہیں سمجھ سکتے تھے۔ وہ نہ صرف ڑا ہو گیا تھا بلکہ اس پوزیشن میں تھا جیسے اسے کسی کے حملے کا انتظار ہو۔ چار آدمیوں میں سے نے لوہے کی موٹی سی سلاخ نکالی۔ جیسے ہی وہ چاروں اس کے قریب پہنچے اندھا جھکائی ے کر ان کے نرغے سے نکل گیا۔ لیکن پھر! اس کے سر پر لوہے کی سلاخ پڑی اور وہ سنبھلنے کی ش کرتا ہوا اوندھے منہ فرش پر گر پڑا۔ چاروں عقاب کی طرح اس پر جھپٹے۔ اندھے نے چیخنا مگر اس کا منہ دبا دیا گیا۔

پھر وہ کار سنسان سڑکوں پر تیزی سے دوڑنے لگی۔ کار کے اندر اب بھی جدوجہد جاری

تھی۔ انہوں نے اندھے کو کسی نہ کسی طرح کار میں ٹھونس تو دیا تھا لیکن اب وہ ان کے باہر ہوا جا رہا تھا۔

اندھے کا چہرہ سر سے بہے ہوئے خون کی وجہ سے حد درجہ خوفناک نظر آنے لگا تھا۔ زخمی درندے کی طرح انہیں جھکولے دے رہا تھا۔ ساتھ ہی اس پر گھونسوں اور تھپڑوں کی بھی ہو رہی تھی۔

ان میں سے ایک جو کار ڈرائیو کر رہا تھا شاید اچھی حالت میں تھا ورنہ بقیہ تین تو بھوت بن گئے تھے۔ ان کے کپڑے پھٹ گئے تھے۔ کسی کا کان زخمی تھا اور کسی سے پر خون کی لکیریں نظر آ رہی تھیں۔ ایک آدمی کی ناک سے متواتر خون بہہ رہا تھا۔

''کاش میں اس کا گلا گھونٹ سکتا۔'' ایک آدمی ہانپتا ہوا بولا۔

''شش.... شا....!'' انہوں نے جواب میں ایک ہذیانی قہقہہ سنا۔ اندھا بے تحاشہ ہنس

''تم ... مجھے ختم نہیں کر سکتے۔ مجھے مارنے کے لئے فولاد کا جگر چاہئے۔'' اند جواب میں اس کے منہ پر ایک گھونسہ پڑا۔

چاروں کو حیرت تھی کہ اندھا ابھی تک ہوش میں ہے۔ نہ صرف ہوش میں ہے اس میں مقابلے کی قوت بھی باقی ہے۔ جب وہ اس مہم پر روانہ کئے گئے تھے تو ان کے کو بھی اس کی توقع نہیں تھی کہ وہ اندھا دس آنکھ والوں پر بھی بھاری ہوگا۔ وہ سمجھتے اسے ٹانگیں پکڑ کر گھسیٹ لائیں گے۔ اس کام کے لئے انہیں ایک بھاری رقم ملی تھی۔ لیکن وہ سوچ رہے تھے کہ اس کام کے لئے وہ بھاری رقم بھی کم تھی۔

آدھا گھنٹہ گذر گیا۔ اب کار شہر کی گھنی آبادی سے نکل کر چیتھم روڈ پر آ گئی تھی سڑک کے دونوں طرف تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چھوٹی بڑی عمارتوں کے سلسلے تھے۔ آ کر کار مشرق کی سمت ایک کچے راستے پر مڑ گئی۔ پھر وہ ایک فرلانگ تک آہستہ آہستہ رینگ بالآخر رک گئی۔ اس اجاڑ میدان میں صرف ایک ہی عمارت تھی اور اندھیرے میں اس کی کسی قدر خوف انگیز بھی معلوم ہو رہا تھا۔

چاروں نے اندھے کو بڑی بے دردی سے کھینچ کر نیچے اتارا۔ وہ اب بھی ہوش میں تھا لیکن اس نے گلو خلاصی کے لئے جدوجہد نہیں کی۔ ویسے ان میں سے ایک نے احتیاطاً اب بھی اس کا منہ دبا رکھا تھا۔

وہ اسے عمارت کے اندر لائے۔ ان کے داخل ہوتے ہی پے در پے کئی کمروں میں روشنی ہوتی گئی۔ آخر وہ ایک بڑے کمرے میں آئے جہاں ایک آدمی شاید ان کا منتظر تھا۔ اندھے کو ان کے ساتھ دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر ایک تسکین آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ بدنمائی کی حد تک چوڑے شانے اور کوتاہ گردن رکھتا تھا۔ سر بڑا اور اسی کی مناسبت سے چہرہ بھرا ہوا تھا۔ ناک طوطے کی چونچ سے بہت مشابہ تھی۔

چاروں اندھے کے گرد کھڑے تھے اور ان کے سامنے پانچواں آدمی خاموش کھڑا اندھے کو گھور رہا تھا۔

''مسٹر.... عدنان....!'' ان میں سے ایک نے کھنکار کر کچھ کہنا چاہا لیکن سامنے کھڑے ہوئے آدمی نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کر دیا۔

''آں....'' اچانک اندھا چونک کر بڑبڑایا۔ ''مسٹر عدنان....!''

کوئی کچھ نہ بولا۔ عدنان اس آدمی کو قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔ جس نے اس کا نام لیا تھا۔

''کیا تم لوگوں کو موت کے فرشتے نے سونگھ لیا ہے۔'' اندھا گرج کر بولا۔ ''اگر یہ واقعی عدنان ہے تو مجھے اس ملاقات پر افسوس نہ ہوگا۔''

''شاید تم.... خوش ہونے کیلئے زندہ نہ رہو۔'' عدنان ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''اپنے ذہن کی آنکھیں کھولو....!'' اندھا ہنس کر بولا۔ ''اور تصور کرو کہ تمہاری لاش ایک چٹیل میدان میں پڑی ہے اور اس پر گدھ منڈلا رہے ہیں۔''

''اندھے بکواس مت کرو.... مجھے نور جہاں کی ضرورت ہے۔'' عدنان نے سرد لہجے میں کہا۔

''تم جانتے ہو کہ میں افریقہ میں اندھیرے کے شہنشاہ کے نام سے مشہور تھا۔'' اندھے

نے کہا۔

''تمہارے دن پورے ہوگئے۔'' عدنان نے کہا اور میز سے چمڑے کا ہنٹر اٹھالیا۔ ا
لمحے اندھے کو گھورتا رہا پھر بولا۔ ''مجھے تمہارے بڑھاپے پر رحم آتا ہے۔''

جواب میں اندھے نے قہقہہ لگایا اور پھر طنزیہ لہجے میں بولا۔ ''تمہارے آدمی پہلے ہی
پر کافی رحم کر چکے ہیں اور اب تم بھی کچھ کر کے دیکھ لو۔ لیکن اتنا ضرور سوچ لینا کہ آخر مج
بھکاریوں کی طرح فٹ پاتھ پر بیٹھنے کی کیا ضرورت تھی۔''

عدنان کا اٹھا ہوا ہاتھ جھک گیا۔ اس کی پیشانی پر تفکر کی گہری لکیریں ابھر آئی تھیں۔

''کیوں....!'' اندھے نے چڑھانے والے انداز میں کہا۔ ''سوچنے لگے.... تم ضر
سوچو گے.... اتنا عظیم آدمی معمولی بھکاری کے روپ میں.... ہاہاہا.... سوچو.... جتنی دیر سوچو گے
وہی وقفہ دراصل تمہاری زندگی کے آخری لمحات کا حامل ہوگا۔''

عدنان نے پھر ہنٹر والا ہاتھ اٹھایا اور چاروں آدمی اندھے کے پاس سے ہٹ گئے
شاید صرف انہیں ہٹانے ہی کیلئے ایک قسم کا اشارہ تھا کیونکہ اس کے بعد ہی پھر اس کا ہاتھ ہنٹر
سمیت جھول گیا.... اسکے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی الجھن میں مبتلا ہو گیا ہے۔

''سوچ چکے تم....!'' اندھے کی آواز سناٹے میں گونجی۔

''دیکھو میں کہتا ہوں....!''

''کچھ کہنے کی مہلت نہیں ملے گی۔'' اندھے نے عدنان کو جملہ پورا نہ کرنے دیا۔ ''پہ
مجھے معلوم ہوا تھا کہ جنوبی افریقہ سے کوئی میری تلاش میں آیا ہے۔ میری تلاش کسی کو کیو
ہو سکتی ہے۔ یہ میں اچھی طرح جانتا تھا۔ بہرحال یہ معلوم کرنے کے لئے کہ میری تلاش میں
آنے والا کون ہو سکتا ہے میں کھل کر سامنے آ گیا۔ میرا طریقہ کار سو فیصدی کامیاب ثابت ہ
اور اب تم نتیجے کے طور پر میرے سامنے ہو.... ایک ایسے چوہے دان میں جس سے تم کسی طر
نہیں نکل سکتے۔''

''کیا....؟'' عدنان سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔ وہ خوفزدہ نظروں سے چاروں طرف

دیکھنے لگا تھا۔ اندھے نے قہقہہ لگایا۔ اس کا چہرہ سر سے بہتے ہوئے خون کی وجہ سے سرخ ہو رہا
تھا۔ جب وہ قہقہہ لگاتا تو اس کے سفید اور نوکیلے دانت سچ مچ کسی درندے ہی کے دانت معلوم
ہوتے۔ ایسے درندے کے دانت جو ابھی ابھی کسی کی لاش ادھیڑ کر اٹھا ہو۔

''ڈرو نہیں عدنان....!'' اندھے کی تیز سرگوشی کمرے کے سناٹے کو چیرتی چلی گئی۔

''میں صرف گلا گھونٹ کر مارتا ہوں۔''

''خاموش رہو۔'' عدنان خوفزدہ آواز میں چیخا اور ساتھ ہی اس کا ہنٹر والا ہاتھ حرکت میں
آ گیا ... شائیں.... شائیں.... شائیں.... چوتھی بار اندھے نے ہنٹر پکڑ لیا۔ عدنان نے جھٹکا دیا
لیکن اندھے نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کی۔ اس کے برعکس خود عدنان ہی کچھ آگے کی طرف
کھسک آیا۔ دوسرے لمحے میں اندھا ہنٹر کو اپنی کلائی میں لپیٹ رہا تھا اور ہر بل کے ساتھ عدنان
کو آگے کی طرف کھسکنا پڑتا تھا۔ چاروں آدمیوں نے جب یہ دیکھا تو وہ خاموشی سے کھڑے نہ
رہ سکے۔ ان میں سے ایک بڑی تیزی سے بوڑھے کی طرف بڑھا لیکن ابھی اس کے قریب نہیں
پہنچا تھا کہ سامنے والے روشن دان سے ایک فائر ہوا۔ گولی ٹھیک اس کی پیشانی پر بیٹھی اور وہ کسی
قسم کی آواز نکالے بغیر پیچھے کی طرف الٹ گیا۔

''عدنان.... دیکھا تم نے۔'' اندھے نے قہقہہ لگایا۔ عدنان کے ہاتھ سے ہنٹر چھوٹ
گیا۔ بقیہ تین آدمی بدحواس ہو کر دروازے کی طرف بھاگے لیکن انہیں باہر جانے کا کوئی راستہ
نہ ملا۔ ہر دروازے پر ایک ایک آدمی ریوالور لئے ہوئے کھڑا نظر آیا۔

عدنان کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئیں۔

''عدنان....!'' اندھے کی تیز سرگوشی پھر گونجی۔ ''میرے قریب آؤ۔''

عدنان بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ وہ تین آدمی بھی کھسک کر اس کے قریب آ گئے تھے۔

''عدنان کے ساتھیو۔'' اندھے نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ''میں جانتا ہوں کہ تم لوگ کرائے
پر مہیا کئے گئے ہو۔ شاید تمہارا ایک ساتھی تم سے بچھڑ گیا۔ اب تم عدنان کو پکڑ کر میرے قریب
لاؤ.... ورنہ تمہارا بھی یہی حشر ہوگا۔''

''نہیں.... کبھی نہیں۔'' عدنان بے بسی سے چیخا۔

''لڑکو! تم نے سنا نہیں۔ میں کیا کہہ رہا ہوں.... عدنان کو ادھر لاؤ۔ میں تمہیں معا کردوں گا۔''

وہ تینوں اپنے کام کی اجرت پہلے ہی وصول کر چکے تھے اور پھر انہوں نے ابھی اپنے ا ساتھی کا انجام بھی دیکھ لیا تھا۔ کسی طرح بھی بچ نکلنے کے امکانات نہیں تھے۔ ہر دروازے ایک مسلح آدمی نظر آرہا تھا اور کسی لمحے بھی ان کی طرف اٹھے ہوئے ریوالور آگ اگل تھے۔ وہ بوکھلائے ہوئے کتوں کی طرح عدنان پر ٹوٹ پڑے اور عدنان ایک ڈوبتے ہو آدمی کی مانند دیوانہ وار ہاتھ پیر مارنے لگا۔ اس کے منہ سے خوفزدہ سی آوازیں نکلنے لگی تھیں۔

آخر کار کسی نہ کسی طرح اندھے کے ہاتھ عدنان کی گردن تک پہنچ ہی گئے۔ عدنان حلق سے نکلتی ہوئی آوازیں بند ہوگئیں۔ کمرے میں گہری گہری سانسوں کے علاوہ اور کسی قسم آواز نہیں تھی۔ ان تینوں کو اپنے سر چکراتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ پھر عدنان کے مردہ کے گرنے سے آواز پیدا ہوئی۔ تینوں کے منہ سے سہمی سہمی سی چیخیں نکلیں اور پھر کمرے میں چھا گیا۔

ہوٹل ڈی فرانس کے ایک کمرے میں ایک لڑکی مضطربانہ انداز میں ٹہل رہی تھی۔ اس رک کر کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ ڈھائی بج چکے تھے۔ اُس کے چہرے الجھن کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ چند لمحے ٹہلتی رہی پھر کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ راہدا سنسان پڑی تھی۔ آگے بڑھ کر اس نے ایک کمرے کے دروازے پر دستک دی۔

دروازہ کھلنے میں دیر نہیں لگی تھی۔

''اوہ.... آپ....!'' دروازے میں کھڑے ہوئے ایک آدمی نے کہا۔

''ہاں.... میں.... ابھی تک ڈیڈی واپس نہیں آئے۔''

''شاید صبح تک آجائیں۔'' آدمی بولا۔

''نہیں.... میں بہت پریشان ہوں۔ تم سب میرے کمرے میں آؤ۔''

''بہت بہتر۔''

لڑکی پھر اپنے کمرے میں واپس آگئی۔ تھوڑی دیر بعد وہاں پانچ آدمی اور آگئے ان میں دو انگریز تھے اور ایک نیگرو۔ بقیہ دو صورت سے دیسی ہی معلوم ہوتے تھے۔

''مجھے خدشہ ہے۔'' لڑکی نے انگریزی میں کہا۔

''ڈرومت.... بے بی۔'' ایک انگریز بولا۔ ''باس فولاد کا بنا ہوا ہے۔''

''کہیں وہ دھوکا نہ کھائیں۔ میں انہیں کرائے کے آدمیوں سے کام لینے سے روک رہی تھی۔''

''کوئی ہرج نہیں بے بی.... تم سوچاؤ.... ڈرومت۔''

''نہیں مسٹر ڈیگال.... ہم سب وہاں چلیں گے۔''

''تمہاری مرضی....!'' ڈیگال نے شانوں کو جنبش دے کر کہا۔

''تم گیراج سے کار نکالو۔'' لڑکی نے ایک آدمی کی طرف مڑ کر کہا۔

''پتہ نہیں یہاں کا کیا قاعدہ ہے۔'' وہ بڑبڑایا۔ ''اتنی رات گئے گیراج کھل سکے گا یا نہیں۔''

''اوہ جاؤ....!'' لڑکی پیر پٹخ کر بولی۔ وہ چلا گیا اور لڑکی مضطربانہ انداز میں بڑبڑاتی رہی۔

''ڈیڈی نے غلط طریقہ اختیار کیا۔ آخر وہ اندھا فٹ پاتھ پر بھیک کیوں مانگتا تھا۔''

''بے بی۔'' ڈیگال بولا۔ ''وہ عجیب عجیب حرکتیں کرتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی چکر میں ہو۔''

''اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ تنہا نہ ہو۔'' لڑکی نے کہا۔

''ابھی تک ہمیں اس کے کسی ساتھی کا علم نہیں ہوسکا۔''

''علم نہ ہونا اور بات ہے۔ ضروری نہیں معاملات تمہارے علم ہی سے مطابقت رکھتے ہوں۔ اس قسم کا کوئی آدمی کبھی تنہا نہیں رہ سکتا کیا وہ اندھا نہیں ہے۔''

''ہے تو.... لیکن آنکھ والوں سے بہتر۔ وہ اپنی جانی بوجھی جگہوں پر کار تک ڈرائیو کرسکتا ہے۔ اس نے ایک بار لندن جیسے بھیڑ بھاڑ والے شہر میں چیرنگ کراس سے پکاڈلی تک کار کی

ڈرائیو کی تھی۔''

''میں سن چکی ہوں.... لیکن مجھے یقین نہیں اور اگر یقین کر بھی لوں تو اسے ماننے پر ہرگز تیار نہ ہوں گی کہ وہ اندھا ہے۔''

''بے بی! وہ سو فیصدی اندھا ہے۔ لیکن اس کی کھال سانپ کی کھال سے بھی زیادہ حساس ہے۔ تم دبے قدموں اس سے تیس گز کے فاصلے پر جاؤ.... اُسے تمہاری موجودگی کا صرف احساس ہوگا بلکہ وہ تمہاری جنس تک سے واقف ہوگا.... وہ آواز پر نشانہ لگاتا ہے۔''

''تب میں اسے آدمی کے بجائے خبیث روح کہوں گی.... اور تمہیں کیا کہوں کہ تم ڈیڈی کو تنہا جانے دیا۔''

''ہم مجبور تھے۔'' انگریز بولا۔ ''باس کی اسکیم یہی تھی اور تم جانتی ہو کہ وہ بعض اوقات کسی کا مشورہ نہیں قبول کرتے۔''

دیسی آدمی نے واپس آ کر تیاری کی اطلاع دی۔

تھوڑی دیر بعد ایک کار ہوٹل ڈی فرانس کی کمپاؤنڈ سے نکل کر سڑک پر مڑ رہی تھی۔ پھر وہ چیتھم روڈ پر چل پڑی۔

''مسٹر ڈیگال....!'' اندر بیٹھی ہوئی لڑکی نے انگریز کو مخاطب کیا۔

''ہاں.... بے بی.... واقعی تم بہت پریشان ہو۔''

''اگر ڈیڈی کو کوئی حادثہ پیش آ گیا تو۔''

''ہم ابھی زندہ ہیں۔'' ڈیگال بولا۔

کچھ دیر بعد کار اُسی عمارت کے سامنے رک گئی جہاں تھوڑی دیر قبل ایک خونی ڈرامہ کھیلا گیا تھا۔

''بے بی.... تم بقیہ آدمیوں کے ساتھ یہیں ٹھہرو.... میں اندر جاتا ہوں۔'' ڈیگال نے کہا اور انہیں باہر چھوڑ کر عمارت کے اندر چلا گیا۔ لڑکی کیلئے وہ صبر آزما لمحات تھے۔ واپسی پر ڈیگال کی رفتار بہت تیز تھی۔ لیکن اس نے پرسکون لہجہ میں کہا۔ ''عمارت ویران ہے۔ وہاں کوئی بھی نہیں۔''

ڈیگال

یہ آٹھواں ہوٹل تھا اور اب سرجنٹ حمید پاگل ہو جانے کی حد تک بور ہو چکا تھا۔ اس کا بس چلتا تو قاسم کی بوٹیاں اڑا دیتا۔ بات یہ ہوئی تھی کہ وہ سرِشام ہی ایک ہوٹل میں کھانا کھانے بیٹھے تھے۔ قاسم کی خوراک معلوم.... ظاہر ہے کہ وہ بکرے کی ایک پوری ران اور ایک مرغ مسلم کا ناشتہ کرنے والا آدمی تھا۔ جب اس نے ہوٹل میں بھی گھر ہی کی سی بے تکلفی کا مظاہرہ شروع کیا تو حمید کو اختلاج ہونے لگا۔

''قاسم.... اب بس کرو۔''

''واہ.... تو کیا بھوکا مروں۔''

''دیکھو یہاں کے سارے ویٹر مجھے پہچانتے ہیں۔''

''مجھے بھی پہچان جائیں گے۔ فکر نہ کرو۔'' قاسم سنجیدگی سے بولا۔ ''میں ٹی بی کا مریض تو ہوں نہیں کہ دس پانچ چپاتیوں پر قناعت کر لوں۔''

''اچھا.... تو.... یہاں بس کرو۔ کسی دوسرے ہوٹل میں....!''

''واہ.... کیا میں اُلو ہوں.... مذاق مت کرو۔''

''میں تمہارے سر پر پلیٹ توڑ دوں گا۔''

''مگر خالی پلیٹ.... میرا سر کافی مضبوط ہے۔''

''اچھا تو میں جا رہا ہوں....!'' حمید نے کہا۔

''نہیں ہو سکتا.... زبردستی کرو گے تو دبوچ لوں گا۔''

حمید کی روح فنا ہو گئی۔ بہرحال اس نے کسی نہ کسی طرح قاسم کو اپنی تجویز پر عمل کرنے پر مادہ کر لیا۔

یہ آٹھواں ہوٹل.... ہوٹل ڈی فرانس تھا۔ قاسم اب تک بتیس روٹیاں کھا چکا تھا۔ ممکن ہے بدکو پریشان کرنے کے لئے وہ معمول سے زیادہ کھا گیا ہو۔ بتیس روٹیاں بہت ہوتی ہیں

قاسم کھانے میں مشغول تھا اور حمید شام کا اخبار دیکھ رہا تھا۔ اس کی توجہ دراصل ایک ایسی خبر نے اپنی طرف مبذول کرالی تھی جو اس کے لئے بھی عملی طور پر پریشانی کا باعث ہوسکتی تھی۔ پرنسٹن کے علاقے کی ایک عمارت میں دو لاشیں پائی گئی تھیں۔ ان میں اس آدمی کی بھی لاش تھی جس نے تین دن قبل وہ عمارت کرائے پر حاصل کی تھی۔ آگے چل کر ان دونوں کا حلیہ تھا۔ حمید نے بھنا کر اخبار میز پر پٹخ دیا اور قاسم کو اس طرح گھورنے لگا جیسے یہ قتل اسی کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔

''اب کس ہوٹل میں چلو گے حمید بھائی۔'' قاسم نے مسکرا کر پوچھا۔

''اب میں تمہیں دفن کردوں گا۔''

''بس دو اسٹیک اور کھاؤں گا۔'' قاسم منہ چلاتا ہوا بولا۔ ''تم کیوں خواہ مخواہ بور ہو رہے ہو۔ کتنی .... فل فلوٹیاں ہیں.... آج یہاں۔''

''ارے او.... آدم خور.... میری تو ساری تفریح برباد ہوگئی۔''

''کیوں....؟''

''دو لاشیں....!''

''ہائیں.... کہاں۔'' قاسم کرسی سے تھوڑا سا اٹھ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ منہ کا نوالا نکل پڑنے کے قریب تھا۔

''تمہارا دماغ تو نہیں پھل گیا۔'' حمید جھنجھلا کر بولا۔ ''بیٹھو....!''

''ارے تو کھانے کیوں دوڑ رہے ہو۔ میرے ٹھینگے پر ہیں۔ تمہاری لاشیں واشیں سالیاں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ اخبار کی خبر اسکے ذہن میں کچوکے لگا رہی تھی۔ دو لاشیں.... نتیجہ معلوم۔ آج کل ڈی۔ ایس۔ پی سٹی سے بھی گاڑھی چھن رہی ہے۔ اس نے فریدی کو جائے واردات پر ضرور بلایا ہوگا.... پھر بس شامت۔

حمید آج آفس نہیں گیا تھا۔ صبح ہی سے قاسم کے ساتھ حماقتوں کا پروگرام جاری تھا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ واپسی پر اسے واردات سے متعلق فریدی کا لیکچر ہضم کرنا پڑے گا۔ ان دنوں

حمید پر بُری طرح کاہلی مسلط تھی۔ تفتیش کے نام ہی سے اس کی جان نکلنے لگتی تھی۔

قاسم کھانا ختم کر کے میز پر طبلہ بجانے لگا۔ پھر اپنا بھاڑ سا منہ کھول کر ایک لمبی سی جماہی لی۔

''حمید بھائی۔'' اس نے آگے جھک کر آہستہ سے کہا۔ ''کیا سچ مچ آدمی کی روح سے محبت ہوتی ہے۔''

''اپنے والد صاحب سے پوچھنا۔''

''اوہ.... وہ بیچارے کیا بتائیں گے.... مولوی ٹائپ کے آدمی ہیں۔'' قاسم نے منہ بنا کر کہا۔

حمید جھنجھلا کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اس کی نظر انسپکٹر جگدیش پر پڑی جو دو کانسٹیبلوں کیساتھ ل میں داخل ہو رہا تھا۔ جگدیش نے بھی حمید کو دیکھ لیا تھا۔ وہ سیدھا اُسی کی میز کی طرف آیا۔

''اوہ.... تو آپ پہلے ہی سے موجود ہیں۔'' جگدیش حمید کو مخاطب کر کے بولا۔

''کیا....؟ کیا بات ہے۔''

''بات یہ ہے کہ وہ یہیں مقیم تھا۔''

''کون! کس کی بات کر رہے ہو....؟''

''عدنان.... جس کی لاش....!''

''بس بس سمجھ گیا۔'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''میں نے ابھی اخبار میں دیکھا ہے۔ مگر یہ نام نامی نہیں معلوم ہوتا۔''

''وہ ترک تھا۔ جنوبی افریقہ کا ایک بہت بڑا تاجر۔ اس کی لڑکی اور کچھ دوسرے لوگ ہیں ٹھہرے ہوئے ہیں۔''

لڑکی کے نام پر حمید اپنا داہنا گال کھجانے لگا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' اس نے کہا۔ ''اخبار میں تو کسی گم نام آدمی کی لاش کے متعلق تھا' جس نے وہ رت کرائے پر لی تھی۔ مالک مکان نے اپنا شبہہ ظاہر کیا ہے کہ اس نے اپنا صحیح نام نہیں بتایا تھا۔''

''ٹھیک ہے۔'' جگدیش بیٹھتا ہوا بولا۔ ''اس کی جیب میں کچھ ایسے کاغذات ملے جنہوں نے ہمیں فارن آفس سے رجوع کرنے پر مجبور کیا۔ وہاں اس کی اصلیت معلوم ہوئی۔ وہ کسی

تجارتی سلسلے میں یہاں آیا تھا۔لیکن اسکے ساتھ ایک مقامی آدمی کی بھی لاش پائی گئی ہے ا
ایک مشہور بدمعاش پنٹو تھا۔پنٹو کی پیشانی پر گولی لگی ہے اور عدنان کو شائد گلا گھونٹ کر مارا گیا ہے

''ہز ہائی نس ہارڈ اسٹون بھی موقعے پر موجود تھے یا نہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''کون....؟''

''ارے تم ہارڈ اسٹون کو نہیں جانتے۔یہ مسٹر احمد کمال فریدی کا انگریزی ترجمہ ہے۔''

جگدیش ہنسنے لگا۔''ڈی۔ایس۔پی صاحب نے انہیں خاص طور سے بلایا تھا۔''

''یہ بہت بُرا ہوا کہ ان دونوں میں صلح ہوگئی۔'' حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

''کچھ بھی ہو حمید صاحب۔یہ معاملہ پیچیدہ معلوم ہوتا ہے۔'' جگدیش بولا۔

''عدنان جب یہاں ٹھہرا تو ایک دوسری عمارت کرائے پر حاصل کرنے کی کیا ضرو
تھی اور اگر اس نے ایسا کیا تھا تو اس کی اطلاع فارن آفس کو کیوں نہیں دی۔سب سے
بات تو یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایک مقامی بدمعاش کی لاش کا کیا مطلب ہوسکتا ہے اور پھ
نے وہ عمارت اپنا صحیح نام ظاہر کر کے کیوں نہیں حاصل کی تھی۔''

''ہے تو کچھ ایسا ہی....!'' حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔''کیا تمہیں یقین ہے
اس کے دوسرے ساتھی اب بھی یہیں مقیم ہیں۔''

''قطعی! وہ یہیں ہوں گے۔ابھی تک کسی نے لاش کا مطالبہ نہیں کیا۔''

جگدیش جیب سے نوٹ بک نکالتا ہوا بولا۔پھر اس نے کچھ صفحات الٹنے کے بعد

''ایک تو عدنان کی لڑکی فوزیہ ہے۔''

''فوزیہ....!'' قاسم بڑبڑایا۔''نہیں فوجیہ ہوگا....فوج سے فوجیہ....ترک عورتیں
دھاکڑ ہوتی ہیں۔''

''نہیں جناب فوزیہ۔'' جگدیش نے کہا پھر حمید سے مخاطب ہوگیا۔''دوسرا اس کا سیکر
ڈیگال ہے یہ انگریز ہے۔دو باڈی گارڈ ہیں۔ایک لیوکاس اور دوسرا نیگرو ہے۔لیوکا
انگریز ہے۔دو دیسی ہیں۔لیکن افریقہ کے باشندے.....امر سنگھ اور دولت رام....!''

''پھر تم اب....تم کیا کرو گے۔''

''سوال بڑا ٹیڑھا ہے۔'' جگدیش مسکرا کر بولا۔''خیر اٹھئے۔ہوسکتا ہے کہ لڑکی آپ کے
میسٹ کی ہو۔''

قاسم نے بڑے زور سے قہقہہ لگایا اور حمید دانت پیس کر رہ گیا۔

''آؤ....!'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

''میں بھی۔'' قاسم نے دانت نکال کر کہا۔

''نہیں....تم میرا انتظار کرو۔''

اس جواب پر قاسم کا حلیہ قابل دید تھا۔ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے سربازار چپت
رسید کردی ہو۔وہ ہنسا تو ضرور مگر یہ ہنسی شرمندگی کا ردعمل تھی۔

حمید نے کاؤنٹر کلرک سے عدنان کے کمروں کے نمبر معلوم کئے اور پھر وہ لوگ آگے بڑھ
گئے۔کمرے اوپری منزل پر تھے۔

انہوں نے پہلے جس کمرے کے دروازے پر دستک دی وہ اندر سے بند تھا۔تھوڑی دیر
بعد کسی نے دروازہ کھولا۔اندر گہرے نیلے رنگ کی روشنی تھی۔اس لئے اس کی صورت صاف
نہیں نظر آئی۔

''کیا مس فوزیہ موجود ہیں۔'' حمید نے انگریزی میں پوچھا۔

''کیوں....؟'' لہجہ کسی انگریز کا تھا۔

''پولیس....ہمیں ان سے یا مسٹر عدنان کے سیکریٹری سے گفتگو کرنی ہے۔''

''کیا بات ہے؟'' مخاطب نے کہا اور کمرے کا دوسرا بلب روشن کردیا۔ایک انگریز شب
خوابی کے لبادے میں ان کے سامنے کھڑا تھا۔

''مسٹر ڈیگال کہاں ہیں؟''

''میں ہی ہوں....کیا بات ہے۔اندر آجایئے۔''

کمرے میں ڈیگال کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔حمید نے اندر داخل ہوکر چاروں طرف

متجسسانہ نظریں ڈالیں اور پھر ڈیگال سے مخاطب ہوگیا۔

''مسٹر عدنان پچھلی رات کو کہاں تھے۔''

''کیوں....؟''

''مسٹر ڈیگال مجھے افسوس ہے کہ اس وقت ہم صرف سوال ہی کرنا پسند کریں گے۔ نے خشک لہجے میں کہا۔

ڈیگال چند لمحے اسے تحیر آمیز نظروں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔

''وہ اپنے کسی مقامی دوست کے ساتھ تھے اور آج رات بھی اسی کے ساتھ بسر کریں

''دوست کا نام اور پتہ۔''

''یہ انہوں نے نہیں بتایا تھا.....لیکن! آپ کل دس بجے دن کو ان سے یہیں ا ہیں۔'' ڈیگال نے کہا۔

''مجھے افسوس ہے کہ شاید کبھی اس کی نوبت نہ آئے۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''انہیں کسی نے.....گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔''

''کیا.....!'' ڈیگال چیخ پڑا، اور یہ چیخ بے ساختہ قسم کی تھی۔ اس پر کوئی یہ نہیں کہہ کہ ڈیگال پچھلی رات کو خود اپنی آنکھوں سے عدنان کی لاش دیکھ چکا ہوگا۔

''جی ہاں.....مس فوزیہ کہاں ہیں۔''

''نہیں.....نہیں۔'' ڈیگال مضطربانہ انداز میں بولا۔ ''آپ بے بی کو اتنی بُری خبر اس طر سنا سکتے۔ لاش کہاں ہے.....کہاں ملی تھی.....مجھے بتایئے.....اوہ.....میرے خدا.....ناممکن.....ناممکن

''آپ کے بقیہ ساتھی پچھلی رات سے اب تک کہاں رہے ہیں۔'' حمید نے پوچھا

''یہیں.....میرے ساتھ۔''

''کل رات آپ لوگ کہیں نہیں گئے۔'' جگدیش نے پوچھا۔

''نہیں.....!''

''لیکن.....چوکیدار.....!''

''ٹھہریئے.....!'' ڈیگال بات کاٹ کر بولا۔ ''یاد آ گیا۔ ہم تقریباً دو بجے کچھ دیر کے لئے باہر گئے تھے۔''

''خوب۔ کیا کسی خاص ضرورت کے تحت.....؟'' حمید نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''اوہ.....بات یہ ہے کہ بے بی بہت ضدی لڑکی ہے۔ اچانک رات کو اس پر تفریح کا دورہ پڑا۔''

''کیا قرنطیہ نے آپ لوگوں کے ٹیکے نہیں لگائے تھے۔ ہمارے یہاں یہ مرض نہیں پایا جاتا۔''

''بس وہ ضدی ہے۔ کیا کہا جائے.....لیکن یہ قتل۔ مجھے یقین نہیں آتا۔ یہاں ان کا کون دشمن ہوسکتا ہے۔''

''کوئی بھی نہیں۔'' حمید نے سر ہلا کر کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ وہ اپنے کسی دشمن کو اپنے ساتھ ہی لائے تھے۔''

''ناممکن جناب۔'' ڈیگال کے لہجے میں غصہ تھا۔ ''ہمارے سب آدمی معتبر ہیں۔''

''تو آپ پچھلی رات کہاں کہاں گئے تھے۔''

''ہمیں یہاں کی جگہوں کے نام تو ابھی معلوم نہیں۔ ادھر اُدھر چکر لگانے کے بعد ہم پھر واپس آ گئے تھے۔ شاید آدھ گھنٹہ باہر رہے ہوں۔''

''پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق دونوں کی موتیں دو اور چار کے درمیان میں ہوئی ہیں۔'' جگدیش نے حمید سے اردو میں کہا۔ ''اور یہ ایک ضدی لڑکی کی تفریح کا افسانہ سنا رہا ہے۔ دو بجے رات کی تفریح.....چوکیدار کا بیان ہے کہ یہ سب لڑکی سمیت باہر گئے تھے۔''

''یار مجھے تو یہ لڑکی بھی نابالغ ہی معلوم ہوتی ہے۔'' حمید نے کہا۔ پھر انگریزی میں ڈیگال سے پوچھا۔ ''مس فوزیہ اس وقت کہاں مل سکیں گی۔''

''میں آپ سے استدعا کرتا ہوں۔'' ڈیگال نے ملتجیانہ انداز میں کہا۔ ''بے بی کو فی الحال

اس معاملے سے دور ہی رکھئے۔ ویسے میں ہر حکم کی تعمیل کے لئے تیار ہوں۔''

''آپ کو ہمارے ساتھ کوتوالی تک چلنا ہوگا۔'' جگدیش نے کہا۔ ''تاکہ آپ لاش شناخت کرسکیں۔''

''میں تیار ہوں۔'' ڈیگال بولا۔ ''میں بے بی کو رفتہ رفتہ بتاؤں گا۔ ورنہ ممکن ہے کہ صدمے ہی سے مرجائے۔''

''ٹھیک ہے۔'' حمید نے اردو میں کہا۔ ''تم اسے کوتوالی لے جاؤ۔ بقیہ میں دیکھ لوں گا پھر جیسے ہی حمید دروازے کی طرف مڑا اس نے محسوس کیا کہ کوئی تیزی سے دروازے کے قریب سے ہٹا ہے کیونکہ راہداری میں اُسے ایک لمبا سا سایہ دکھائی دیا تھا۔ وہ تیزی آگے بڑھا۔ ایک آدمی راہداری کے آخری سرے پر دوسری طرف مڑتا ہوا نظر آیا۔ حمید سو لگا۔ ممکن ہے اسے دھوکا ہوا ہو۔ ویسے پہلے اسے خیال ہوا تھا کہ شاید کسی نے باہر سے ان گفتگو سننے کی کوشش کی تھی۔

ڈیگال جلد ہی تیار ہوگیا اور وہ سب نیچے چلے آئے۔ قاسم اسی میز پر بیٹھا رہا تھا۔ حمید وہیں آ بیٹھا۔ جگدیش اور اس کے ساتھی ڈیگال سمیت باہر چلے گئے۔ قاسم حمید کی آہٹ چونک پڑا تھا۔ اس نے آگے جھک کر آہستہ سے پوچھا۔ ''حمید بھائی۔ کیسی ہے.... اللہ قسم نے آج تک کوئی ترک لونڈیا نہیں دیکھی۔ ویسے سنتا ہوں کہ بڑی تگڑی ہوتی ہیں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ دوبارہ اوپر جانے کے متعلق سوچ رہا تھا۔ ان لوگوں نے یہاں کمرے لے رکھے تھے۔ فوزیہ انہیں میں سے کسی ایک میں ہوگی۔

''قاسم....!'' اس نے کہا۔ ''اب تم گھر جاؤ۔ میرے لئے ایک سرکاری کام نکل آیا ہے شائد مجھے رات بھر یہاں بیٹھنا پڑے۔''

''میں ہرگز نہیں جاؤں گا۔ اُلو بناتے ہو۔ خود چھلگرے.... ار.... گلچھرے اڑاؤ گے۔ ضرور لونڈیا.... زوردار ہے۔''

''ابے کوئی لونڈیا.... دونڈیا نہیں۔ آٹھ سال کی بے بی ہے ہرکس و ناکس سے ٹافیو

کے لئے ضد کرتی ہے۔ نہ دو تو نوچتی کھسوٹتی ہے وغیرہ وغیرہ۔''

''لاحول ولا قوۃ....!'' قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''تب یہ جگدیش سالا چغد ہے کیا۔''

''نہیں چغد کا سالا ہے۔ اب تم جاؤ۔ ہوسکتا ہے کہ یہاں رکنے پر تمہیں میرے ساتھ شراب بھی پینی پڑے۔''

''بس بس! معاف کرو میں چلا۔ ابھی میری پیٹھ پر سیاہ[1] نشان موجود ہیں۔''

خوفناک اندھا

فریدی نے اپنے مخاطب کو گھور کر دیکھا۔ وہ بھدے خدوخال کا ایک مضبوط جسم والا جوان تھا۔

''تم کچھ چھپا رہے ہو۔'' فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

''یقین کیجئے! میں کچھ نہیں جانتا۔ جو کچھ معلوم تھا میں نے پولیس کو بتا دیا۔''

''مجھ میں اور پولیس میں فرق ہے۔ اس لئے تم مجھے کچھ اور بھی بتاؤ گے۔''

''میں اب کیا بتاؤں۔ بڑی مصیبت میں پھنس گیا۔ آخر آپ کیا جاننا چاہتے ہیں۔''

''تم لوگوں کی رسائی عدنان تک کیسے ہوئی تھی۔''

''میں کسی عدنان کو نہیں جانتا۔ پنو سے میری دوستی ضرور تھی لیکن میں اس کے کسی کام میں حصہ نہیں لیتا تھا۔''

''سفید جھوٹ....!'' فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ ''کل رات تم پنو کے ساتھ تھے۔ تم چاروں نے سن سٹ بار میں شراب پی۔ بیوقوف آدمی یہ نہ بھولو کہ کل تم لوگ ایک رولس رائس کار میں تھے۔ تم جیسے لوگوں کا کسی رولس رائس کار میں بیٹھنا بجائے خود ایک بہت بڑا

---

[1] یہ نشان کیسے تھے؟ جاسوسی دنیا سے خاص نمبر ''ڈیگال کی آپ'' جلد نمبر 12 میں ملاحظہ فرمائیے۔

اشتہار ہے اور پھر یہاں کے بدمعاشوں کی نقل و حرکت مجھ سے چھپی نہیں رہتی۔ چلو اگل دو میں بقیہ دو آدمیوں سے زیادہ تمہیں معتبر سمجھتا ہوں۔ وہ کار کس کی تھی۔''

مخاطب کا چہرہ اُتر گیا۔

''ہاں ہاں.... کہو....'' فریدی نرم لہجے میں بولا۔

''مجھے نہیں معلوم.... دیکھئے ایک وجہ سے میں نے پولیس سے جھوٹ بولا تھا۔ کیا آپ میری گردن پھنسوا دیں گے۔''

''حالات پر منحصر ہے۔''

''آپ جانتے ہیں کہ پنٹو ہی ہمارا سرغنہ تھا۔''

''میں جانتا ہوں.... آگے کہو۔'' فریدی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''پنٹو ہی نے عدنان سے معاملہ طے کیا تھا۔ بات اتنی تھی کہ ہمیں ایک اندھے فقیر کو فٹ پاتھ سے اٹھا کر اس عمارت میں پہنچانا تھا۔ اس کے لئے ہمیں چار ہزار ملے تھے۔''

''کیا....؟'' فریدی تحیر آمیز انداز میں آگے کی طرف جھک گیا۔

''کسی کو یقین نہیں آئے گا۔'' مخاطب نے کہا۔ ''اسی لئے میں نے پولیس کو کچھ نہیں بتا تھا۔ لیکن آپ سے پار پانا مشکل ہے۔ شاید آپ بھی یقین نہ کریں۔ بہرحال میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گا۔''

اور پھر اُس نے اندھے پر قابو پانے اور پنٹو کے قتل تک کے واقعات دہرا دیئے۔ وہ کچھ دیر کے لئے رکا۔ شاید وہ عدنان کا انجام بتاتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ کیونکہ خود اُس نے اور اس کے دو ساتھیوں نے عدنان کو گھسیٹ کر اندھے تک پہنچایا تھا۔

''ہوں....!'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''اور عدنان کا۔''

''اندھے نے گلا گھونٹ دیا۔''

''اور اُس نے تم تینوں سے کوئی تعرض نہیں کیا.... کیوں....؟''

''کچھ نہیں۔ اس کے بعد انہوں نے ہمیں عمارت سے نکال دیا۔''

''اور اس رولس رائس کا کیا ہوا۔ وہ کس کی تھی؟''

''ہمیں نہیں معلوم۔ عدنان نے کہیں سے مہیا کی تھی۔ ہم تو اس کے بعد سر پر پیر رکھ کر گے تھے۔''

''تم اب بھی کچھ چھپا رہے ہو۔'' فریدی خشک لہجے میں بولا۔

''اوہ! ٹھیک یاد آیا.... میں بھول ہی گیا تھا۔ عدنان نے اندھے سے کہا تھا کہ مجھے نور ں کی ضرورت ہے۔''

''نور جہاں....!'' فریدی آہستہ سے بولا۔ ''کوئی اور بات۔''

''نہیں.... اس کے بعد پھر کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔''

کچھ دیر خاموشی رہی۔ فریدی اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ بالآخر اس نے ما۔ ''کچھ اور....!''

''اور کچھ نہیں.... بس یہی غنیمت ہے کہ اپنی جانیں بچ گئیں۔ کیا آپ مجھے پولیس کے لے کر دیں گے۔''

''نہیں.... لیکن اس وعدے پر کہ تم شہر چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤ گے۔''

''آپ یقین کیجئے کہ میں آپ کے حکم کا پابند رہوں گا۔ لیکن دوسروں کی ذمہ داری نہیں سکتا۔''

''انہیں کچھ بتانے کی ضرورت ہی نہیں۔ انہیں یقین دلاتے رہو کہ پولیس کو کچھ نہیں م ہو سکا۔''

''میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔''

''میں جانتا ہوں....'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''تم اب بھی جھوٹ بول ے ہو۔''

''یقین کیجئے.... اور....!''

''نہیں.... ٹھہرو.... تمہاری داہنی کلائی پر چاندی کا ایک تعویز ہوا کرتا تھا۔''

''جی ہاں.... جی ہاں.... میرا خیال ہے کہ وہ پچھلی رات اندھے کو اٹھانے کے وقت کہیں گر گیا۔''

''فریدی نے جیب سے چاندی کا ایک تعویذ نکالا جس کے دونوں سروں پر چار زنجیریں لٹک رہی تھیں۔

''جی ہاں.... یہی ہے۔'' اس نے کہا۔

''لیکن یہ مجھے کسی فٹ پاتھ پر نہیں ملا۔''

''تو پھر.... اُسی عمارت میں ملا ہوگا۔''

''یہ عدنان کے گریبان میں الجھا ہوا تھا.... کیوں؟.... میں اس کا جواب چاہتا ہوں

ایک بار پھر اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا تھا۔

''وہ.... دیکھئے.... آپ خود بتایئے.... ہم پر چاروں طرف سے پستول اٹھے ہوئے پنڈو کا انجام ہم دیکھ ہی چکے تھے.... پھر....!''

وہ خاموش ہوگیا۔ فریدی کچھ نہ بولا۔ البتہ اب بھی اس کی نظریں استفہامیہ انداز اس کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

''اندھے نے کہا۔'' وہ کچھ دیر بعد بولا۔ ''اگر ہم عدنان کو پکڑ کر اس کے قریب لے گئے تو ہم بھی پنڈو کے پیچھے روانہ کر دیئے جائیں گے۔ مجبوراً ہمیں عدنان کو کھینچ کر اس کے پاس لے جانا پڑا۔ زندگی سب کو عزیز ہوتی ہے۔''

''خیر.... دوسری بات۔'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''اندھے نے تمہاری آزادی کے لئے کوئی شرط نہیں پیش کی تھی۔''

''جی نہیں.... قطعی نہیں.... انہوں نے دھکے دے کر ہمیں عمارت سے باہر نکال دیا تھا۔

''اگر تم اُسے اب کہیں دیکھو تو پہچان جاؤ گے۔''

''کہہ نہیں سکتا.... ہمیں اس کی شکل دیکھنے کا ہوش ہی نہیں تھا۔ ہوسکتا ہے کہ پہچان لوں لیکن یقین نہیں ہے۔ مجھے اس کی شکل یاد نہیں۔''

''خیر.... ہم دیکھیں گے کہ تمہاری داستان کا کتنا حصہ درست ہے۔ اب تم جاسکتے ہو۔ لیکن اپنے وعدے پر قائم رہنا۔ ورنہ پھر میں کچھ نہ کرسکوں گا۔''

سرجنٹ حمید نے یکے بعد دیگرے عدنان کے سارے کمرے کھلوائے لیکن کسی میں بھی کوئی لڑکی نہ ملی۔ انگریز نیگرو اور دونوں ہندوستانی موجود تھے۔ انہوں نے بتایا کہ چند منٹ قبل وہ اپنے کمرے میں موجود تھی۔ ان لوگوں نے بھی اس کی عدم موجودگی پر تشویش ظاہر کی کیونکہ ان کے بیان کے مطابق فوزیہ ان میں سے کسی کو ساتھ لئے بغیر ڈائننگ ہال تک بھی نہیں جاتی تھی.... حمید نے ان کے ساتھ ہوٹل کا کونا کونا چھان ڈالا لیکن فوزیہ نہ ملی۔ پھر وہ گیراج میں آئے۔ لیکن ان کی کار بھی موجود تھی۔

''کیا مصیبت ہے۔'' لیوکاس بڑبڑایا۔ ''مسٹر عدنان کا حکم تھا کہ بے بی تنہا باہر نہ جائے۔ اب وہ اگر مجھ سے جواب طلب کریں گے۔''

''کون....!'' حمید نے پوچھا۔

''مسٹر عدنان۔''

''کیا واقعی تمہیں امید ہے کہ وہ واپس آئیں گے۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''مسٹر ڈیگال اُن کی لاش شناخت کرنے کے لئے گئے ہیں۔''

''لاش....؟'' سکھوں کے منہ سے بیک وقت نکلا۔

''ہاں.... پچھلی رات کسی نے انہیں مار ڈالا۔''

''کیا بکواس ہے؟'' لیوکاس بھنویں چڑھا کر بولا۔

''کیا تمہیں بات کرنے کا بھی سلیقہ نہیں۔'' حمید نے تیز لہجے میں کہا۔ ''تم ایک ذمہ دار افسر سے گفتگو کر رہے ہو۔''

لیوکاس کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ڈیگال واپس آ گیا۔

''کیوں....؟'' حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔

''اوہ.... سچ مچ....!'' وہ مضطربانہ انداز میں اپنے ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ ''وہ مسٹر عدنان ہی کی لاش ہے۔''

اس کے دوسرے ساتھیوں نے اس پر سوالات کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ البتہ نہ جانے کیوں حمید کو لیوکاس کا رویہ کچھ غیر فطری سا معلوم ہو رہا تھا.... اس نے بڑے بھونڈے اور تصنع آمیز لہجے میں ڈیگال کو فوزیہ کی گمشدگی کے متعلق بتایا۔

حمید کو شروع ہی سے اس معاملے میں کوئی چیز کھٹک رہی تھی اور پھر اُس کے ذہن میں ایک بات بھی تھی کہ وہ پچھلی رات کو دو بجے.... کہیں باہر گئے تھے اور اُس کے لئے انہوں نے ایک عذر لنگ پیش کیا تھا۔ اس عذر لنگ کا تعلق فوزیہ کی ذات سے تھا اور اب فوزیہ اچانک پراسرار طریقے پر غائب ہو گئی تھی۔ اس سے کیا سمجھا جائے۔

حمید نے سوچا کہ کیوں نہ فریدی کو فون کر دیا جائے۔ لیکن وہ ہال سے ہٹنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر فوزیہ کی گمشدگی میں انہیں لوگوں کا ہاتھ ہے تو وہ ابھی اُسے ہوٹل سے باہر نہ لے جا پائے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ اسکی عدم موجودگی میں انہیں اس کا موقع مل جائے۔

ڈیگال اپنے ساتھیوں پر بُری طرح برس رہا تھا۔ حتیٰ کہ اس نے انہیں نمک حرام تک کہہ دیا۔ جس پر نیگرو کو غصہ آ گیا اور اسے مارنے کیلئے جھپٹا۔ دوسرے لوگ فوراً درمیان میں آ گئے۔

اسی دوران میں حمید کو کاریڈر کے سرے پر فریدی دکھائی دیا جو ایک ویٹر کے ساتھ اُدھر ہی طرف آ رہا تھا۔

''اوہو.... تو تم یہاں ہو۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''میں صبح ہی سے اسی چکر میں ہوں۔'' حمید نے کہا۔

''بکواس مت کرو.... مجھے معلوم ہے کہ تم بہت سچے ہو.... خیر.... یہاں کیا ہو رہا ہے۔''

حمید نے مختصراً ماجرا بیان کر دیا۔ فریدی چند لمحے خاموش رہا پھر آہستہ سے بولا۔ ''میرا

خیال ہے کہ وہ ابھی ہوٹل ہی میں مل جائے گی۔''

''میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ اگر اُس کی گمشدگی میں ان لوگوں کا ہاتھ ہے تو یہ ابھی اسے باہر نہ لے جا پائے ہوں گے۔''

ڈیگال اب بھی اپنے ساتھیوں سے الجھا ہوا تھا۔ حمید نے فریدی کو بتایا کہ وہ عدنان کا سیکریٹری ہے۔

فریدی نے آگے بڑھ کر اُن سے اپنا تعارف کرایا اور پھر ڈیگال کو مخاطب کر کے کہا ''مجھے بھی معلوم ہوا ہے کہ لڑکی غائب ہو گئی۔''

''جی ہاں.... مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے چند نالائقوں پر اعتماد کر لیا۔ میں لاش کی شناخت کے لئے پولیس اسٹیشن چلا گیا تھا۔''

''کیا وہ اپنے کمرے ہی میں تھی۔'' فریدی نے ایک ایک کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے جملہ پورا کیا.... جواب اثبات میں ملا.... لیکن انہوں نے اُسے اُس کے کمرے سے برآمد ہوتے نہیں دیکھا تھا۔

''میں اس کا کمرہ دیکھنا چاہتا ہوں۔'' فریدی نے کہا۔

''آیئے....!'' ڈیگال ان کے آگے ہو لیا۔ کمرے میں پہنچ کر فریدی نے سرسری طور پر قرب و جوار کا جائزہ لیا۔ یہاں ایک طرف ایک بڑی سی مسہری پڑی ہوئی تھی جس کے سرہانے ایک میز تھی جس پر لکھنے پڑھنے کا سامان تھا۔ دو کرسیاں.... ملبوسات کی الماری.... اس نے معنی خیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھا۔ پھر وہ دوسرے آدمیوں کی طرف مڑا۔

''کیا مس فوزیہ ایک ہی جوتا پہن کر باہر گئی ہیں۔'' اس نے ڈیگال سے کہا۔

''کیا مطلب.... میں نہیں سمجھا۔''

فریدی اُسے کوئی جواب دینے کی بجائے حمید سے بولا۔ ''تم برابر والے کمرے کے دروازے پر ٹھہرو۔''

حمید باہر چلا گیا۔ اُسی کے پیچھے لیوکاس بھی نکلا اور اپنے کمرے میں جانے لگا۔

''نہیں جناب۔'' حمید اُسے روک کر بولا۔ ''ابھی آپ کمرے میں نہیں جا سکتے۔''

''کیوں....؟'' اس نے غصیلی آواز میں پوچھا۔

''ہم مس فوزیہ کو تلاش کر رہے ہیں۔''

''پاگل تو نہیں ہو.... ہم پہلے بھی ان سارے کمروں میں تلاش کر چکے ہیں۔''

''فکر نہ کرو۔'' حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دے کر کہا۔ ''میرا چیف سگر کیس سے ہاتھی برآمد کر لیتا ہے۔''

''جہنم میں گیا تمہارا چیف.... مجھے اندر جانے دو۔''

''نہیں اُسی کو جانے دو.... تم مت جاؤ۔'' حمید سنجیدگی سے بولا۔

ادھر فریدی نے فوزیہ کے کمرے کا غسل خانہ کھولا۔ پھر اس نے ڈیگال کو آواز دی۔ فوز فرش پر اوندھی پڑی تھی۔

''ارے....!'' ڈیگال تحیر آمیز انداز میں چیخا۔

وہ اسے اٹھا کر کمرے میں لائے اور مسہری پر ڈال دیا۔ وہ بے ہوش تھی اور سانس رک رک کر آ رہی تھی۔

''آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔'' ڈیگال بڑبڑایا۔ ''کس نے یہ حرکت کی۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ چند لمحے بیہوش لڑکی کی طرف دیکھتا رہا پھر حمید کو آواز دی۔ جو کے ساتھ ہی لیوکاس بھی اندر چلا آیا۔ فوزیہ کو مسہری پر دیکھ کر لیوکاس پہلے تو جھجکا لیکن پھر اس نے بھی تحیر اور افسوس کے ملے جلے خیالات کا اظہار شروع کر دیا۔

''کسی قریبی ڈاکٹر کو فون کر دو۔'' فریدی نے حمید سے کہا۔ جو توجہ اور دلچسپی سے بیہوش لڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ لڑکی.... جس کے خدوخال میں بہت کم نسوانیت تھی۔ اعضاء مضبو اور ہڈیاں چوڑی تھیں۔ حمید ان کی عقلوں پر ماتم کرنے لگا جو اُسے بے بی کہتے تھے۔

اس نے نیچے جا کر کاؤنٹر سے ڈاکٹر کے لئے فون کیا اور پھر واپس آ گیا۔ فریدی ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا تھا اور وہ سب وہیں کھڑے تھے۔

''آپ کا بہت بہت شکریہ۔'' ڈیگال فریدی سے اس انداز میں کہہ رہا تھا جیسے اب وہاں فریدی یا اس کے ساتھی کی موجودگی کی ضرورت نہیں۔

''مجھے لڑکی سے کچھ سوالات کرنے ہیں۔'' فریدی بولا۔

''کیا ابھی.... اسی وقت....'' ڈیگال کے لہجے میں حیرت تھی۔ لیکن کہنے کے انداز میں چھپی ہوئی بناوٹ کا اظہار بخوبی ہو رہا تھا۔ حمید نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ فریدی کی طرف دیکھا۔

''میں ہوش میں آنے کا انتظار کر لوں گا۔ آپ مطمئن رہئے۔'' فریدی نے کہا۔

''لیکن.... پھر بھی یہ ظلم ہوگا۔ ایسے حالات میں.... آپ اُسے اس کے باپ کے قتل کی خبر سنائیں گے۔''

''یہ آپ نے کیسے سمجھ لیا کہ میں اس کے باپ کے قتل کی خبر سنانے آیا ہوں۔''

''پھر....؟''

''کچھ نہیں....!'' فریدی نے لاپرواہی سے کہا اور لڑکی کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

لیوکاس اور ڈیگال کی نظریں ملیں۔ لیوکاس پہلے باہر گیا پھر ڈیگال نے بھی اس کی تقلید کی۔ حمید استفہامیہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سب خاموش تھے کچھ دیر بعد کسی کے قدموں کی آہٹ سے سکوت ٹوٹا۔ لیوکاس اور ڈیگال واپس آ گئے تھے اور ان کے ساتھ ڈاکٹر بھی تھا۔

معائنے کے دوران میں لیوکاس اور ڈیگال گھور گھور کر فریدی کو دیکھتے رہے۔ ڈاکٹر نے آلات سمیٹ کر بیگ میں رکھے اور بیگ کا تسمہ چڑھاتا ہوا بولا۔ ''کوئی نشہ آور چیز.... یا تو دی گئی ہے.... یا انجکٹ کی گئی ہے۔ میں ایک انجکشن دے کر بیس منٹ تک انتظار کروں گا۔ اگر ہوش نہ آیا تو پھر یہ خود ہی سے بیدار ہوں گی۔''

کوئی کچھ نہ بولا اور کمرے پر پھر سکوت مسلط ہو گیا۔

کمشدگی کا راز

فوزیہ ہوش میں آ چکی تھی۔ اب کمرے میں اس کے علاوہ صرف تین آدمی تھے۔ فریدی حمید اور ڈیگال۔ لیکن اب ڈیگال مضطرب نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے شاید اس نے اپنے دانت بھی پوری قوت سے بھینچ رکھے تھے کیونکہ جبڑوں کے مسلس ابھرے ہوئے نظر آ رہے تھے اور آنکھیں اس طرح فوزیہ کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں جیسے وہ تو طریقے پر اپنی قوت ارادی کے ذریعے اس کے ذہن پر کوئی خاص اثر ڈالنے کی کوشش کر رہا

''آپ غسل خانے میں بیہوش پائی گئی تھیں۔'' فریدی نے فوزیہ سے کہا۔

''کیا....!'' وہ اس طرح چونک پڑی جیسے خواب دیکھ رہی ہو۔ اس کی حیرت سے ہوئی آنکھیں ایک لمحے کے لئے فریدی کے چہرے کی طرف اٹھیں اور پھر جھک گئیں۔

''کیا آپ اس معاملے پر روشنی ڈالنے کی تکلیف کریں گی۔'' فریدی نے پھر کہا۔

''میں نے اسے دیکھا نہیں کسی نے پیچھے سے میرے سر پر کپڑا ڈال کر گلا گھونٹ تھا۔'' وہ اپنی گردن پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

دفعتاً ڈیگال نے ایک طویل سانس لی اور اس کے جبڑے ڈھیلے پڑ گئے۔ حمید نے کنکھی سے اس کی طرف دیکھا اور پھر فوزیہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''آپ کے والد کہاں ہیں۔'' فریدی نے پوچھا۔

''جی....!'' وہ پھر چونک پڑی۔ ''مجھے نہیں معلوم۔''

''کل رات....دو بجے آپ لوگ کہاں گئے تھے۔''

''میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ یونہی تفریحاً....!'' ڈیگال بولا۔

''آپ باہر جائیے۔'' فریدی نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

''آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دیا جائے گا۔'' ڈیگال بگڑ کر کھڑا ہو گیا۔ ''آپ صرف ہمارے ملک کے ہائی کمیشن آفس کی وساطت سے ہم تک پہنچ سکتے ہیں....ورنہ نہیں۔''

''یہ کس نے کہہ دیا تم سے۔'' فریدی کی مسکراہٹ پرسکون تھی۔ ''باہر سے آنے والوں کا میزبان محکمہ سراغ رسانی ہی ہوتا ہے....ورنہ....نور جہاں....!''

''کیا مطلب....؟'' ڈیگال ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولا اور فوزیہ مسہری سے اچھل کر فرش پر کھڑی ہو گئی۔

''مطلب....یہ کہ....عدنان کے....ساتھ ہی....ایک مقامی آدمی کا....بھی خون....ہوا ہے۔'' فریدی ایک ایک لفظ پر زور دیتا ہوا بولا۔

''کیا....!'' فوزیہ حلق پھاڑ کر چیخی۔

''مسٹر عدنان کا قتل....کیا تمہیں اب اطلاع ہوئی ہے۔''

فوزیہ سر پکڑ کر فرش پر بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور اس طرح جھکولے لے رہی تھی جیسے اب گری اور تب گری۔

ڈیگال نے جھپٹ کر اسے اٹھایا اور مسہری پر ڈال دیا۔ وہ پھر بیہوش ہو گئی تھی۔

''تم لوگ درندے ہو۔'' ڈیگال فریدی کی طرف دیکھ کر دانت پیستا ہوا بولا۔

''لیکن تمہاری طرح سرکس کے درندے نہیں۔'' فریدی نے سر ہلا کر سنجیدگی سے کہا۔

کچھ دیر سکوت رہا پھر فریدی بولا۔ ''آخر اس ناٹک کی کیا ضرورت تھی مسٹر ڈیگال....!''

''کیسا ناٹک....!'' ڈیگال جھنجھلا کر بولا۔ ''تم مجھے خواہ مخواہ غصہ دلا رہے ہو۔''

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا....اور حمید....اُس نے تو شاید اس دوران کی گفتگو بھی نہیں سنی تھی....اُس کا ذہن ''نور جہاں'' میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ آخر فریدی نے یہ بے تکا نام کیوں لیا؟ اور اس نام کا جو ردعمل ڈیگال اور فوزیہ پر ہوا تھا وہ بھی حمید کے ذہن میں محفوظ تھا۔

دفعتاً فریدی نے اسے مخاطب کیا۔ ''حمید! ذرا لیوکاس کو یہاں لاؤ۔''

حمید باہر چلا گیا۔ فریدی نے یہ بات اردو میں کہی تھی۔ لیکن اس نے لیوکاس کے نام پر ڈیگال کو چونکتے دیکھا۔ ڈیگال کے چہرے پر زردی پھیل گئی اور وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

لیوکاس کے آنے میں دیر نہیں لگی۔ لیکن وہ بہت زیادہ خجلایا ہوا نظر آ رہا تھا۔ فریدی چند لمحے اُس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر بولا۔ ''مسٹر لیوکاس! یہ کیا حرکت تھی۔''

''کیا مطلب....!''

''تم نے لڑکی کو بیہوش کیا تھا۔''

''مسٹر سراغ رساں تم بہک رہے ہو۔'' ڈیگال بولا۔

''نہیں مسٹر ڈیگال میں سچ کہہ رہا ہوں۔ غسل خانے میں مجھے مسٹر لیوکاس کی ڈائری ملی ہے۔''

''اوہو! یہ کیا بات ہے۔'' لیوکاس جلدی سے بولا۔ ''دونوں کمروں کا غسل خانہ مشترک ہے۔ اس کا ایک دروازہ میرے کمرے میں ہے۔ ممکن ہے کسی وقت مجھ سے گر گئی ہو۔ مجھے اسی کی تلاش تھی کہاں ہے۔''

''میرے پاس!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''لیکن بہت ہی محترم مسٹر لیوکاس! کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تمہاری قمیض کی پلیٹ پر پڑا ہوا سرخ دھبہ کیسا ہے؟''

لیوکاس کا سر بے اختیار سینے کی طرف جھک گیا.... اور پھر وہ ہکلانے لگا۔

''بیکار ہے! تم نے ہی اسے بیہوش کر کے باتھ روم میں ڈالا تھا۔''

''ٹھہرو لیوکاس....!'' دفعتاً ڈیگال ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''اب کچھ چھپانا فضول ہے۔''

فریدی نے جیب سے سگار کیس نکال کر ڈیگال کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''میں پولیس انسپکٹر سے پہلے ہی کہا تھا کہ کوئی مجھ جیسے شریف آدمی کو دھوکا دینا پسند نہیں کرتا.... سگار!''

ڈیگال نے کانپتی ہوئی انگلیوں سے ایک سگار نکال لیا۔

''لیوکاس تھوڑا بیوقوف ضرور ہے۔'' اس نے کھانس کر کہا۔ ''لیکن بدخواہ نہیں۔ وہ نہیں

ہتا تھا کہ بے بی کو اچانک یہ منحوس خبر سنائی جائے۔ اس نے مجھے پولیس والوں سے گفتگو رتے دیکھا اور جلدی میں اُسے یہی تدبیر سوجھ گئی۔''

''لیکن مجھے تو اطلاع ملی ہے کہ آپ اپنے کسی ساتھی کو اس خبر سے مطلع کئے بغیر ہی لیس اسٹیشن چلے گئے تھے۔'' فریدی نے کہا۔

''میں اور لیوکاس پہلے ہی سے جانتے تھے۔''

''ہوں.... کس طرح۔''

''میں نے وہ لاشیں کل رات ہی دیکھ لی تھیں۔ پولیس آفیسر کو میں نے غلط بیان دیا تھا۔ بے بی.... مسٹر عدنان کے لئے بہت پریشان تھی۔ لہٰذا ہم دو بجے ان کی تلاش میں اس عمارت تک گئے۔ میں بقیہ لوگوں کو باہر چھوڑ کر اندر چلا گیا۔ وہاں میں نے دونوں لاشیں دیکھیں اور چپ چاپ واپس آ گئے۔''

''مگر پولیس سے غلط بیانی کیوں کی گئی۔''

''محض.... اس بچی کی خاطر.... میں نہیں چاہتا تھا.....!''

''یہ جملہ ہم کئی بار سن چکے ہیں۔'' فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''میں صحیح واقعہ سننا چاہتا ہوں۔''

''یہ قطعی صحیح واقعہ ہے۔''

''عدنان نے وہ عمارت کرائے پر کیوں حاصل کی تھی۔''

''ہمیں یہ ضرور معلوم تھا کہ انہوں نے ایک عمارت حاصل کی تھی لیکن انہوں نے اس کی غرض و غایت کسی کو نہیں بتائی۔''

''ہوں.... تو پھر یہ لڑکی پریشان کیوں تھی۔''

''ظاہر ہے کہ مسٹر عدنان نے یہ نہیں بتایا تھا کہ انہوں نے وہ عمارت کیوں حاصل کی ہے اور یہ سب کو معلوم تھا کہ وہ گذشتہ رات وہیں بسر کرنے والے تھے۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ بچوں میں والدین کے لئے اور والدین میں بچوں کے لئے ایک چھٹی حس ہوتی ہے۔''

''نہ میں والدین ہوں اور نہ مجھے اپنا بچپن ہی یاد ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''لیکن میں

دوبارہ مس فوزیہ کے ہوش میں آنے کا انتظام کروں گا۔''

''آپ ہرگز ایسا نہیں کر سکتے۔'' ڈیگال پھر اکھڑ گیا۔ ''بے بی کو آرام کی ضرورت ہے۔''

''سب کو آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

''آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔''

''سچی بات.....!''

''اس سے زیادہ ہم میں سے کوئی بھی کچھ نہیں جانتا۔''

''کچھ دیر پہلے تم یہ بھی نہیں جانتے تھے جو ابھی بتا چکے ہو۔''

''میرے خیال سے اسے ہسپتال پہنچا دیا جائے۔'' حمید نے فوزیہ کی طرف اشارہ کرکے

''ہرگز نہیں.....کبھی نہیں۔'' ڈیگال تن کر کھڑا ہو گیا۔

''بیٹھ جاؤ.....!'' فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ ''تم مجھے نہیں جانتے۔''

''مجھے تشدد پر آمادہ نہ کرو۔'' ڈیگال غرایا۔

''چلو بیٹھ جاؤ سیدھی طرح.....ورنہ.....'' فریدی اور کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ اُس کی نظر لیوکاس پر تھیں جس نے ریوالور نکال لیا تھا۔

''بہت اچھے۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔

''کمرے سے نکل جاؤ۔'' لیوکاس نے کہا اور ہونٹ بھینچ لئے۔

''بہتر ہے۔'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ''آؤ حمید۔''

وہ دروازے تک آئے۔ لیوکاس ان کے پیچھے تھا۔ فریدی نے دروازہ کھولنے کے ہینڈل کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن پھر دوسرے ہی لمحہ وہ بڑی تیزی سے پلٹا۔ اس کا بایاں ریوالور پر پڑا اور داہنا ہاتھ لیوکاس کے جبڑے پر..... لیوکاس اچھل کر کئی فٹ دور جا پڑا۔ ریوالور فریدی کے ہاتھ میں تھا۔

''لیوکاس.....یہ کیا بیہودگی ہے۔'' ڈیگال چیخا۔

لیوکاس کھڑا ہو کر اپنا جبڑا سہلا رہا تھا۔ پھر خون کی ایک دھار اس کے ہونٹوں سے نکل

ڑی پر پھیل گئی۔

''آفیسر.....مجھے افسوس ہے۔'' ڈیگال معذرت آمیز لہجے میں بولا۔ پھر لیوکاس پر برس پڑا۔

''میں لیوکاس کو آتش گیر اسلحہ رکھنے کے جرم میں گرفتار کرتا ہوں۔'' فریدی نے کہا۔ ''تم یہاں بغیر اجازت ریوالور نہیں رکھ سکتے۔''

''آفیسر! میں معافی چاہتا ہوں۔'' ڈیگال گڑگڑایا۔ ''ہم بڑی زحمت میں پڑ جائیں گے۔''

''اس کی صرف ایک ہی صورت ہے حقیقت کہہ دو۔''

ڈیگال کچھ نہ بولا۔ اس کے چہرے پر الجھن کے آثار نظر آ رہے تھے اور وہ بار بار لیوکاس کو قہر آلود نظروں سے گھورنے لگتا تھا۔

''ایک ذرا سی بات نے اتنا طول کھینچا۔'' وہ تھوڑی دیر بعد بڑبڑایا۔ ''بہت معمولی سی بات تھی.....لیکن مسٹر عدنان نے میرا کہنا نہ مانا۔ خود جان سے ہاتھ دھوئے اور ہمیں مصیبت میں پھنسا دیا۔''

فریدی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ لیوکاس رومال سے اپنے چہرے کا خون صاف کر رہا تھا۔ ڈیگال خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے سے ذہنی کشمکش عیاں تھی۔ فریدی اُسے جواب طلب نظروں سے دیکھنے لگا۔

''انہیں جو کچھ بھی کرنا تھا.....اس کے لئے ہم ہی کافی تھے۔'' ڈیگال کچھ دیر بعد بولا۔ ''انہوں نے مقامی آدمیوں کی مدد حاصل کر کے غلطی کی۔''

''لیکن عدنان کیا کرنا چاہتا تھا۔'' فریدی نے پوچھا۔

''کیا آپ کو اپنے شہر میں کسی ایسے اندھے آدمی کے وجود کا علم ہے جو سینکڑوں آنکھ والوں پر بھاری ہو۔''

حمید نے ڈیگال کے اس جملے پر قہقہہ لگایا لیکن فریدی میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔

''کہتے جاؤ.....میں سن رہا ہوں۔'' اُس نے آہستہ سے کہا۔

''لوزاٹا.....چند ماہ پیشتر کیپ ٹاؤن میں تھا۔''

''لوزاٹا کون؟''

''لوزاٹا.... وہ اندھا جنوبی افریقہ میں اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ وہ حقیقتاً کہا
باشندہ ہے یہ کسی کو نہیں معلوم۔ لیکن افریقہ کے ڈاے گا قبیلے کا ایک دیوتا لوزاٹا کہلاتا ہے
کے معنی ہیں اندھیرے کا مالک۔''

حمید عجیب نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اُسے فریدی کی سنجیدگی
آ گئی۔ فریدی نے اُسے گھور کر دیکھا اور حمید کہنے لگا۔ ''میں اُس اندھے کو جانتا ہوں اس
لوزاٹا نہیں بلکہ ڈھمپ کٹل چرخ پٹاخ پوں ہے۔ کس حماقت میں پھنسے ہیں آپ..... یہ
فورٹونٹی ہیں۔''

پھر ڈیگال کی طرف دیکھ کر اردو میں بولا۔ ''تم لوگوں سے مجھے نفرت ہوگئی ہے۔ آ
اتنی دور سے اور اپنے ہمراہ ایک ہیجڑوں کی شکل کی لڑکی لائے ہو جس سے میں ذرہ برا
دلچسپی نہیں لے سکتا۔''

''کیا کہہ رہے ہیں۔'' ڈیگال نے فریدی سے پوچھا۔

''کچھ نہیں تم اپنا بیان جاری رکھو۔''

''اُس نے مسٹر عدنان کو دھوکہ دے کر ایک بہت بڑی رقم وصول کی.... اور یہاں چلا آ
ہم اُس کے تعاقب میں یہاں آئے تھے۔''

''لیکن.... مسٹر عدنان نے خود ہی زحمت کرنے کی ضرورت محسوس کیوں کی۔ وہ اپنے
کمیشن کے ذریعہ سرکاری طور پر اس کے خلاف چارہ جوئی کر سکتے تھے۔''

''یہی مشورہ میں نے بھی دیا تھا۔'' ڈیگال جلدی سے بولا۔

''لیکن مسٹر عدنان نہیں مانے.... آخر کیوں!''

''میں کیا بتا سکتا ہوں....!''

''لڑکی ضرور بتا سکے گی۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''میں نور جہاں کا قصہ سننا چاہتا ہوں

''وہ شہنشاہ جہانگیر کی بیوی تھی۔'' حمید بولا۔ ''اس کی پہلی شادی علی قلی خاں.... با

ں قلی سے ہوئی تھی۔''

''تم خاموش رہو.... یا یہاں سے چلے جاؤ۔'' فریدی اس پر الٹ پڑا۔

''اب میں کہاں جا سکتا ہوں.... قصہ نور جہاں کا ہے۔''

''آپ نے ایک بار پہلے بھی یہ نام لیا تھا لیکن میں اسکے متعلق کچھ نہیں جانتا۔'' ڈیگال بولا۔

''شاید لڑکی جانتی ہو۔'' فریدی نے کہا۔

''پتہ نہیں....!'' ڈیگال بیزاری سے بولا اور بیہوش لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔

''اندھا کہاں رہتا ہے؟''

''معلوم نہیں.... مسٹر عدنان نے اُسے یہاں کے کسی فٹ پاتھ پر بھیک مانگتے دیکھا
ا۔'' حمید نے پھر قہقہہ لگایا اور فریدی کا شانہ جھنجھوڑ کر بولا۔ ''سنئے اگر وقت ہی برباد کرنا ہے تو
لئے کرکٹ کھیلیں۔ بڑی سہانی رات ہے۔''

''تم نہیں جانتے.... خاموش رہو۔''

''مائی ڈیئر مسٹر ہارڈ اسٹون! مجھے اس سے بھی زیادہ دلچسپ کہانیاں یاد ہیں۔ رانی سرنگا
ی کہانی۔ سوتے جاگتے کا قصہ۔ ببر بادشاہزادی کی داستان۔ موڈرن کہانیوں میں علی بابا اور
ل ٹم ٹم کا قصہ۔''

فریدی اسکی بکواس پر دھیان نہ دے کر ڈیگال سے بولا۔ ''کیا اندھے کا کوئی گروہ بھی ہے۔''

''آپ گروہ کہتے ہیں۔'' ڈیگال نے کہا۔ ''وہ جہاں بھی رہتا ہے شاہانہ شان سے۔''

''اور فٹ پاتھ پر بھیک بھی مانگتا ہے۔'' حمید اردو میں بڑبڑایا۔ ''فریدی صاحب اس
سے تو یہی بہتر تھا کہ آپ چانڈو سے شوق فرما لیتے۔''

ڈیگال خاموش ہو کر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اس کی نظر فریدی کی طرف اٹھی۔

''میرے دوست کو کسی ایسے اندھے آدمی کے وجود پر یقین نہیں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''انہیں یقین آ جائے گا۔'' ڈیگال نے سنجیدگی سے کہا۔ ''کیا آپ نے اب سے تین
سال قبل اخبارات میں ایک حیرت انگیز خبر نہیں پڑھی تھی کہ لندن میں ایک اندھے نے چیرنگ

کراس سے پکاڈلی تک کار ڈرائیو کر کے پورے شہر میں سنسنی پھیلا دی۔''

''اوہ....!'' فریدی چونک کر بولا۔ ''تو یہ وہی اندھا ہے۔''

''جی ہاں....وہی۔''

''تب تو....نور جہاں....!'' فریدی کچھ سوچنے لگا۔

''کیا....؟'' ڈیگال کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ لیکن وہ اچانک خاموش ہو گیا۔ فرید عقابی آنکھیں ایک لحظے کے لئے اس کے چہرے پر پڑیں پھر وہ مسکراتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

''اچھا مسٹر ڈیگال....ہم دیکھیں گے۔'' اس نے کہا۔ ''لیکن تم لوگ پولیس کو ا دیئے بغیر ہوٹل کے باہر قدم نہیں نکالو گے۔''

بکرے سے اندھے تک

دوسری صبح حمید فریدی سے الجھ پڑا۔ اُسے سب سے زیادہ تاؤ خود اپنی حماقت پر آ کہ اُس نے پچھلی رات کا زیادہ تر حصہ لغویات میں گزار دیا۔ وہ محض اس توقع پر ہوٹل فرانس میں سر مارتا رہا تھا کہ فوزیہ کو دیکھ کر آنکھوں میں نور اور دل میں سرور پیدا ہو سکے گا وہ ایک بالکل ہی معمولی شکل وصورت کی لڑکی ثابت ہوئی۔ حمید کا خیال تھا کہ وہ لڑکی بھی باپ کی سازش میں شریک ہے۔ اندھے والی کہانی پر اُسے یقین نہیں آیا تھا....اس کے کے مطابق عدنان کا خاتمہ کرنے کے لئے چار مقامی بدمعاشوں کو کرائے پر حاصل کیا گ اُن میں سے ایک عدنان کے ہاتھوں مارا گیا اور بقیہ تین آدمیوں نے اُس کے بعد عد خاتمہ کر دیا....اور مقصد....مقصد فی الحال تاریکی میں تھا۔

''میں کہتا ہوں۔'' وہ فریدی سے کہہ رہا تھا۔ ''آخر اس اندھے نے اُن تینوں کیوں دیا۔ اگر اس کی جگہ میں ہوتا تو انہیں کبھی اس دن کے لئے زندہ نہ چھوڑتا کہ وہ پو

ن دے سکیں۔''

''تمہیں اندھے کے وجود میں شبہہ ہے۔''

''بنڈل سرے سے بنڈل....!''

''لیکن میں ایسا نہیں سمجھتا....وہ کار ڈرائیو کرنے والا واقعہ۔ کیا تمہیں یاد نہیں۔ ایک نے میں اس کی بڑی شہرت تھی۔''

''رہی ہوگی....لیکن اس معاملے میں اس کا کیا تعلق۔ آخر آپ کس بناء پر اُسے اس سے لق سمجھتے ہوں گے۔''

''نور جہاں....اگر یہ نام نہ لیا گیا ہوتا تو میں بھی اسے کوئی اہمیت نہ دیتا۔''

''اوہ....تو حقیقتاً کوئی لڑکی اور بھی ہے۔ یقیناً وہ بہت زوردار ہوگی....ورنہ عدنان مرتا کیوں۔''

''لڑکی....!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''اچھا ہے تم اسے لڑکی ہی سمجھتے رہو۔''

''ہائیں تو کیا بڑھیا ہے۔''

''ختم کرو یہ قصہ....!'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''میرے پاس تمہاری ایک شکایت آئی ہے۔''

''وہ تو آیا ہی کرتی ہیں۔''

''آخر تمہارا بچپنا کب رخصت ہوگا....خود مذاق بنتے ہو اور مجھے بھی بدنامی نصیب ہوتی ہے۔''

''بات کیا ہے۔''

''ہائی سرکل نائٹ کلب میں بکرا کیوں لے گئے تھے۔''

حمید یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ اتنا سنجیدہ جیسے فریدی نے اُس کے مذہبی جذبات کو ٹھیس ئی ہو۔

''کیوں نہ لے جاتا۔'' حمید بگڑ کر بولا۔ ''وہاں بعض عورتیں کتے کیوں لاتی ہیں۔''

''مضحکہ خیز بننے کی کوشش نہ کیا کرو۔ میں نے سنا ہے کہ تم اور انور نائٹ کلب کے منیجر کو ت پریشان کرتے ہو۔''

''لیکن وہ کمبخت اس کے باوجود بھی اشعار سنانے سے باز نہیں آتا۔''

''اس قسم کی حرکتوں سے فائدہ کیا ہوتا ہے۔''

''میں کہتا ہوں کتوں کو ساتھ لئے پھرنے سے کیا فائدہ ہوتا ہے اور خصوصاً یہ عورتیں بچوں کو تو گھر پر چھوڑ دیتی ہیں اور کتوں کو گود میں لئے پھرتی ہیں۔ ان کی نفسیات آج میری سمجھ میں نہ آسکی۔''

''بچے کتوں سے زیادہ شور مچاتے ہیں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''نہیں بتایئے! آپ تو ماہر نفسیات بھی ہیں۔''

''دوسروں کو مستقل طور پر غلام بنائے رکھنے کی لاشعوری خواہش۔ آدمی سے اس کی فضول ہے لہٰذا توجہ جانوروں کی طرف مبذول ہوتی ہے اور جانوروں میں کتے سے سعادت مند جانور اور کوئی نہیں ہوتا.... ہر وقت دم ہلاتا رہتا ہے۔ عورتوں میں غلام بنانے خواہش مردوں سے زیادہ ہوتی ہے۔''

''کیا میں آپ کو بھی عورت سمجھوں۔''

''کیوں....؟''

''آپ نے درجنوں کتے پال رکھے ہیں اور میں نے ایک بکرا پال لیا تو اُس پر اتنا غ

ہائی سرکل نائٹ کلب کا منیجر برآمدے میں کھڑا تھا۔ یہ چھوٹے قد، دبلے جسم اور ہوئے چہرے کا ایک ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔ اس نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور سلگانے ہی جارہا تھا کہ کمپاؤنڈ میں ایک کار داخل ہوئی جس کی کھڑکی سے ایک بکرا سر بڑے دلآویز انداز میں جگالی کررہا تھا۔ منیجر نے سگریٹ جیب میں ڈال لیا اور دانت خلاء میں مکا مارنے کے سے انداز میں ہاتھ کو جنبش دی۔

کار سے حمید اترا اور پھر اس نے بکرے کو بھی کھینچ کھانچ کر باہر نکال لیا۔

''مسٹر حمید! خدا کے لئے۔'' منیجر ہاتھ پھیلا کر گھگھیاتا ہوا آگے بڑھا۔

''میری جیب میں کھلے ہوئے پیسے نہیں ہیں۔'' حمید لاپروائی سے بولا۔ وہ اُس جغادری بکرے کا پٹہ پکڑے اسے مہندی کی باڑھ پر منہ مارنے سے روک رہا تھا۔

''آپ میرا بیڑا غرق کردیں گے۔''

''آپ نے فریدی صاحب سے شکایت کیوں کی؟''

''شکایت.... نہیں تو.... وہ میں نے کہا تھا کہ ایسی جگہوں پر لانے سے بکرے کے اخلاق پر بُرا اثر پڑسکتا ہے۔''

بکواس ہے.... میرا بکرا نہایت سلیم الطبع اور برخوردار قسم کا ہے۔ وہ بُروں سے اچھائیاں سیکھتا ہے۔ ایسا بکرا شیخ سعدی کو بھی نہ نصیب ہوا ہوگا۔ اچھا کوئی عمدہ سا شعر سنایئے۔''

''دیکھئے.... میں بہت پریشان ہوں۔ آپ بکرے کو اندر نہیں لے جاسکتے۔ پچھلی بار سے کئی معزز آدمیوں نے یہاں آنا چھوڑ دیا ہے۔''

''پھر کتے کیوں آتے ہیں۔ اگر کتے آئیں گے تو بکرا بھی جائے گا۔''

''بکرے کو دیکھ کر کتے بھونکنے لگتے ہیں۔'' منیجر نے کہا۔ ''میرے حال پر رحم کیجئے اور آپ ایسی حرکتیں کرتے ہوئے اچھے نہیں معلوم ہوتے۔ آپ بھی کافی معزز آدمی ہیں۔''

''جی نہیں میں چمار ہوں.... بکرا مجھ سے جدا نہیں ہوسکتا۔''

''آپ نہیں لے جاسکتے۔'' منیجر بے بسی سے چیخا۔

''اچھی بات ہے۔ اب دیکھوں گا تمہاری شراب کی ناجائز تجارت۔''

''مسٹر حمید....!'' منیجر کا لہجہ نرم ہوگیا۔

''تو پھر میں اس بکرے کو کہاں چھوڑوں۔''

''میں انتظام کردوں گا۔''

''نہیں آپ اسے اپنی آنکھوں کے سامنے رکھنے کا وعدہ کریں تو.... میرا مطلب ہے کہ اپنے آفس میں۔''

''مجھے منظور ہے۔'' منیجر نے اطمینان کا سانس لیا۔

منیجر نے اپنے دفتر کا کمرہ کھولا اور حمید نے بکرے کو دھکیل کر اندر کر دیا۔

''اُسے تنہائی نہ محسوس ہونے پائے.... سمجھے.... ہاں....'' حمید نے کہا اور ہال میں چلا گیا۔ منیجر برآمدے ہی میں کھڑا طرح طرح کے منہ بناتا رہا۔ وہ فطرتاً کچھ اس قسم کے بوڑھوں میں سے تھا جنہیں بچے بھی چٹکیوں میں اڑا دیتے ہیں۔ حمید اُسے خاص طور سے چھیڑتا رہتا تھا اور حقیقت تو یہ تھی کہ منیجر اس کے خلاف کوئی قدم بھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ کیونکہ حمید اس کی تجارت کے بعض ناجائز پہلوؤں سے اچھی طرح واقف تھا۔ دفعتاً اسے پھر ہال کے ایک قریبی دروازے میں حمید کی شکل دکھائی دی جو اُسے گھور رہا تھا۔

''ہائیں.... آپ نے اُسے تنہا چھوڑ دیا ہے۔'' حمید نے غصیلی آواز میں کہا اور منیجر جلدی سے اپنے دفتر چلا گیا۔ یہاں بکرا بڑی سعادت مندی سے جگالی کرتا ہوا اس کی میز کا جائزہ لے رہا تھا۔ منیجر کے داخل ہوتے ہی وہ اسے نیم باز آنکھوں سے دیکھ کر اس طرح ممیایا جیسے دیر سے غیر حاضری کی وجہ پوچھ رہا ہو۔

''ارے تجھے خدا غارت کرے.... ہٹ میز کے پاس سے۔'' منیجر اسے میز کے قریب سے دھکیلتا ہوا بڑبڑایا۔ لیکن بکرا سرجنٹ حمید کا تھا۔ اس نے اس کی پرواہ کئے بغیر اپنی جگالی جاری رکھی۔

دفعتاً اس کی نظر اس الماری پر پڑی جس میں ایک بڑا سا آئینہ لگا ہوا تھا۔ آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر اس نے گردن اکڑائی۔ دو قدم پیچھے ہٹا پھر پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہو کر آئینے پر ٹکر مارنے ہی جا رہا تھا کہ منیجر چیختا ہوا درمیان میں آ گیا۔ اس طرح وہ ٹکر تو نہ مار سکا لیکن اس کی اگلی ٹانگوں کے ساتھ ہی ساتھ منیجر بھی زمین پر آ رہا۔ بکرا دوسری ٹکر کی تیاری کرنے لگا تھا۔ منیجر بے اختیار اٹھ کر اس سے لپٹ پڑا۔ اس دھینگا مشتی میں ایک کرسی الٹ گئی۔ بکرے کو بھی شاید تاؤ آ گیا تھا۔ وہ بار بار آئینے ہی کا رخ کرتا تھا۔ منیجر بُری طرح ہانپ رہا تھا اور اس کے منہ سے گھٹی گھٹی آوازیں اور گالیاں نکل رہی تھیں۔ ایک بار بکرے نے.... میز سے سینگیں اڑائیں اور زور کرنے لگا۔ منیجر نے لاکھ چاہا کہ اسے ہٹا دے مگر کامیاب نہ ہوا۔ آخر کار میز بھی الٹ

گئی۔ منیجر حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخنے لگا۔ بدحواسی میں وہ میز کی طرف جھک پڑا تھا۔ اتنے میں بکرے کو موقع مل گیا اور اس نے آئینے پر ایک ٹکر ہی رسید کر دی۔ کئی ٹکڑے کھنکھناتے ہوئے فرش پر آ گرے۔

''ابے او..... حرامی کے پلے۔'' منیجر اپنا سر پیٹ کر چیخا۔

''نوکر کمرے میں گھس آئے۔ بکرا نہ جانے کیا سمجھا۔ اس نے چیختے ہوئے منیجر کے سینے پر ایک ٹکر رسید کی اور پھر نوکروں کی طرف پلٹ پڑا۔ نوکر معاملے کی نوعیت بھی نہیں سمجھ پائے تھے کہ ان میں سے ایک کو بڑی زوردار ٹکر نصیب ہوئی۔ وہ پیچھے گرا اور بکرے نے اس کے اوپر سے جست لگائی۔ دوسرے لمحے میں وہ برآمدے میں تھا۔ شامت اعمال، کمپاؤنڈ میں کسی صاحب کے دو کتے خوش فعلیوں میں مشغول تھے۔ انہوں نے بکرے کو دیکھا تو بھونکتے ہوئے اس کی طرف لپکے۔ بکرا ہال میں گھس گیا۔ شام کا وقت تھا اس لئے ہال قریب قریب بھرا ہوا تھا۔ سرجنٹ حمید اور اُس کے ایک شناسا میں شطرنج ٹھن گئی تھی۔ جیسے ہی بکرا ہال میں گھسا کئی طرح کی آوازیں گونجنے لگیں۔ اُس کے تعاقب میں کتے بھی گھس آئے تھے۔ حمید بدقت تمام اپنی ہنسی روک سکا۔ لیکن وہ بکرے کو پکڑنے کے لئے اٹھا نہیں۔

قریب ہی کی میز پر بیٹھے ہوئے ایک آدمی نے اپنے ساتھی سے پوچھا۔ ''کیا بات ہے۔''

''عجیب....!'' اس کا ساتھی بولا۔ ''ایک بکرا گھس آیا ہے۔''

''بکرا....!'' آدمی حیرت سے بولا۔ ''بکرے کا یہاں کیا کام....!''

اور دفعتاً حمید بکرے کو بالکل ہی بھول گیا۔ وہ بڑی توجہ سے اس آدمی کو دیکھنے لگا تھا جس نے اپنے ساتھی سے غل غپاڑے کی وجہ دریافت کی تھی۔ یہ ایک طویل القامت اور قوی الجثہ آدمی تھا۔ آنکھوں پر گہرے نیلے رنگ کے شیشوں کی عینک تھی اور وہ ایک نہایت نفیس سوٹ میں ملبوس تھا۔

''کیا....؟'' حمید کے ذہن میں ایک سوال گونجا۔ ''اُس نے بکرے کو نہیں دیکھا۔''

بکرا ٹھیک اس کی میز کے قریب سے گذرا تھا۔ حمید کے ذہن میں سیٹیاں سی بجنے لگیں۔

کیا وہ اندھا تھا.... اندھا....؟ لیکن بادی النظر میں وہ اندھا نہیں معلوم ہوتا تھا۔ حمید ذہنی ہیجان میں مبتلا ہو گیا.... کیا.... ڈیگال کا بیان صحیح تھا۔ حمید نے فوراً ہی ایک دوسری بات بھی محسوس کی۔ وہ آدمی اپنے ساتھی کے ساتھ شطرنج بھی کھیل رہا تھا.... وہ شطرنج تو کھیل رہا تھا۔ لیکن بکرا اُسے نہیں دکھائی دیا تھا۔ عجیب بات.... پھر حمید کی متجسس نگاہوں میں ایک بات اور بھی آئی.... ہال کے سارے لوگوں کی نظریں بکرے پر تھیں لیکن وہ نیلی عینک والا بدستور بساط پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے ایک بار بھی بکرے کی طرف رخ نہیں کیا۔ حالانکہ اس کا ساتھی کھڑا ہو کر بکرے کی دم چوکڑی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

تو وہ اندھا تھا.... سو فیصدی اندھا.... ورنہ اسے بھی فطرتاً بکرے میں دلچسپی لینی چاہئے تھی۔ انہونی باتیں ہر ایک کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا لیتی ہیں.... اور وہ بھی ایک انہونی تو تھی۔ نائٹ کلب میں بکرا۔

حمید نے منیجر کی طرف دھیان نہ دیا جو اُسے بُری طرح جھنجھوڑ رہا تھا۔

''کیا ہے بھئی.... چلو چھوڑو.... بازی ختم کرو۔'' نیلی عینک والے نے اپنے ساتھی سے کہا۔

''بکرا کسی طرح قابو میں نہیں آتا۔'' اس کا ساتھی بولا۔

''جہنم میں گیا بکرا.... بازی ختم کرو۔''

''کیا ہے بھئی!'' دفعتاً حمید منیجر کی طرف پلٹا۔

''میں برباد ہو گیا.... لیکن خدا کی قسم تمہیں نقصان بھرنا پڑے گا۔'' منیجر ہانپتا ہوا بولا۔

''تم اُس سے غافل ہو گئے ہو گے۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔ پھر وہ منیجر کو باہر برآمدے میں کھینچ لے گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ہال میں اس سے کسی قسم کی تکرار ہو۔

''تم بیکار جھک مار رہے ہو۔'' حمید نے کہا۔ ''کیوں آمادہ ہو گئے تھے اُسے سنبھالنے پر۔ اگر انکار کرتے تو میں واپس چلا گیا ہوتا۔''

''اب الٹی دھونس جماؤ گے۔'' منیجر بھنا کر بولا۔

''بات بڑھانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اپنے نوکروں سے کہو کہ اسے میری کار میں ٹھونس دیں۔''

''اور یہ نقصان کون بھرے گا۔'' منیجر آفس کا دروازہ کھولتا ہوا بولا۔

''تم ضرور اس سے بداخلاقی سے پیش آئے ہو گے۔'' حمید نے غصیلی آواز میں کہا۔

اتنے میں نوکر بکرے کو برآمدے میں گھسیٹ لائے۔

حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں معاملہ طوالت نہ اختیار کر جائے۔ اگر ایسا ہوا تو ممکن ہے کہ وہ اندھے کو ہاتھ سے کھو بیٹھے۔ یہ بھی ایک اتفاق ہی تھا کہ اس طرح اس سے مڈبھیڑ ہو گئی تھی۔ ورنہ وہ زندگی بھر اُس کے متعلق یہ اندازہ نہ لگا پاتا کہ وہ اندھا ہے۔

دفعتاً حمید کو یاد آیا کہ اس کی چیک بک جیب ہی میں موجود ہے۔

''سنو پیارے۔'' حمید منیجر کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ ''تمہارے نقصان کی تلافی ہو جائے گی۔ تم فی الحال اس سعادت اطوار بکرے کو کسی نوکر کے کوارٹر میں بندھوا دو۔''

''ہرگز نہیں.... کبھی نہیں۔'' منیجر پیر پٹخ کر بولا۔

حمید نے جیب سے چیک بک نکالی اور سادے چیک پر دستخط کر کے منیجر کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ''اپنے نقصان کا تخمینہ لگا کر رقم لکھ لینا.... چلو شاباش.... ورنہ تمہیں پچھتانا پڑے گا۔''

منیجر چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر اس نے چیک لے کر اپنی جیب میں ٹھونس لیا۔

''میز الٹ دی'' وہ بڑبڑایا۔ ''آئینہ چور چور کر دیا اور وہ میرا جسم ریزہ ریزہ ہو گیا۔''

''یار ختم بھی کرو قصہ.... میری شطرنج کی بازی برباد ہو رہی ہے۔''

منیجر نے ایک نوکر سے بکرے کو لے جانے کو کہا۔

حمید پھر ہال میں لوٹ آیا۔ حمید کا ساتھی بساط بچھائے بیٹھا اُس کا انتظار کر رہا تھا اور دوسری میز پر نیلی عینک والا بھی اپنے ساتھی کے ساتھ بازی میں مشغول تھا۔ حمید پھر جم گیا۔ لیکن اس بار اس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے کئی بے سروپا چالیں چلیں اور اس کے مہرے دھڑا دھڑ پٹتے گئے۔ اس کا ذہن اُس اندھے میں الجھا ہوا تھا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اس کا شبہہ سرے سے غلط ہی نہ ہو۔ ضروری نہیں کہ یہ وہی اندھا ہو جس کی تلاش فریدی کو تھی۔ یہ خیال آتے ہی اس کا دل ڈوبنے لگا۔ اگر ایسا ہی ہوا تو اسے وہ چیک قیامت تک یاد رہے گا۔

جو اُس نے جھگڑا ختم کرنے کے لئے منیجر کو دیا تھا۔ اس کی نظریں ایک بار پھر اندھے کھلاڑ جم گئیں۔ وہ بڑی دانش مندی سے چالیں چل رہا تھا۔ کیا یہ ایک اندھے کے لئے حیرت بات نہیں تھی۔ اس نے آج تک کسی اندھے کو شطرنج کھیلتے نہیں دیکھا تھا۔ لیکن وہ اندھا ڈرائیو کرسکتا ہو وہ بھی لندن جیسے مشغول شہر میں اُس کے لئے شطرنج کیا وقعت رکھتا ہے۔

اندھے کا ساتھی اسے اپنی چال کے متعلق بتاتا جاتا تھا۔ لیکن خود اندھا ابھی تک ایک با چال چلتے وقت نہیں ہچکچایا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پوری بساط اس کے ذہن میں محفوظ ہو۔

حمید یوں ہی اندھا دھند چالیں چل رہا تھا۔ آخر کار اُسے جلدی مات ہوگئی اور وہ کر پشت سے ٹیک لگا کر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

''دوسری بازی....!'' اس کے ساتھی نے پوچھا۔

''ٹھہرو.... میں ایک منٹ میں آیا۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔ وہاں سے وہ سیدھا منیجر آفس میں آیا.... اور یہاں کی ابتری پر دھیان دیئے بغیر فریدی کو فون کرنے لگا۔

دھوکا

حمید پھر ہال میں واپس آ گیا۔ اندھے کی بازی ختم ہوگئی تھی اور اب وہ کرسی کی سے ٹیک لگائے خاموش بیٹھا تھا۔ اس کا ساتھی شاید کہیں چلا گیا تھا۔

حمید کے ساتھی نے دوبارہ مہرے جمانے شروع کئے۔

''اب بس....!'' حمید نے کہا۔ ''کچھ پیو گے۔''

''نہیں سورج غروب ہونے سے پہلے میں کچھ نہیں پیتا۔'' اُس کے ساتھی نے کہا۔

پھر خاموشی چھا گئی۔ ہال میں کافی رونق تھی.... اور کئی عورتیں حمید کو گھور رہی تھی۔ شا میں سے ایک آدھ ایسی بھی رہی ہوگی جنہوں نے اسے پچھلے موقع پر بکرے کے ساتھ دیکھا

حمید نے دیدہ و دانستہ ان کی طرف سے منہ پھیر لیا تھا۔ پھر برآمدے میں اُسے ایک بڑی خوبصورت لڑکی نظر آئی۔ وہ ہال میں داخل ہوئی چند لمحے ادھر اُدھر دیکھتی رہی پھر تیر کی طرح اُس کی میز کی طرف آئی جس پر اندھا بیٹھا ہوا تھا۔

اندھے کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں اور پھر وہ مسکرانے لگا۔ لڑکی میز پر ہاتھ ٹیک کر جھکی اور آہستہ آہستہ کچھ کہنے لگی۔ اُس کے اوپری ہونٹ کی جنبش بڑی ترغیب انگیز تھی۔

نہ جانے کیوں اُسے دیکھ کر حمید کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں گدگدی کی سی کیفیت کا احساس ہونے لگا۔ اندھے کے ہونٹ سکڑے ہوئے تھے اور شاید وہ غیر معمولی توجہ سے لڑکی کی بات سن رہا تھا۔ اچانک وہ اٹھا اور تیز قدموں سے چلتا ہوا ہال سے نکل گیا۔ اس کے اس رویئے پر حمید ایک بار پھر الجھن میں مبتلا ہوگیا۔ کوئی اندھا کسی سہارے کے بغیر اس طرح نہیں چل سکتا۔ لیکن جلد ہی اسے کار ڈرائیو کرنے والی روایت یاد آ گئی۔ لڑکی بھی اس آدمی کے پیچھے چلی جارہی تھی۔ وہ کمپاؤنڈ میں کھڑی ہوئی ایک کار میں بیٹھ گئے۔ اندھا پچھلی سیٹ پر تھا اور لڑکی نے انجن اسٹارٹ کر دیا تھا۔

''دوست مجھے ذرا ایک کام یاد آ گیا ہے۔'' حمید اٹھتا ہوا اپنے ساتھی سے بولا۔

وہ ہنسنے لگا۔ اس نے کہا۔ ''لونڈیا کے پیچھے؟''

''ارے نہیں.... لاحول.... ولا....!''

اندھے کی کار پھاٹک کے باہر پہنچ چکی تھی۔ حمید نے اپنی کار کا انجن اسٹارٹ کیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی وہاں ضرور آئے گا۔ لیکن وہ انہیں چھوڑ کس طرح سکتا تھا۔ اس کی کار باہر نکلی.... اندھے کی کار کافی فاصلے پر تھی.... تعاقب شروع ہوگیا۔

اگلی کار چونکہ بھری پُری سڑکوں سے گذر رہی تھی اس لئے حمید کو زیادہ احتیاط کی ضرورت نہ تھی۔ دونوں کا فاصلہ بہت کم تھا۔ اچانک اگلی کار ایک جگہ سڑک سے اُتر کر ایک گلی میں مڑ گئی۔ حمید کو اس کی توقع نہیں تھی۔ حمید نے اپنی کار بھی سڑک سے اتاری۔ اگلی کار نظروں سے اوجھل ہوچکی تھی اور حمید گلی میں مڑنے ہی جارہا تھا کہ ایک ٹھیلا جو داہنی طرف سے آرہا تھا گلی کے

دہانے پر رک گیا۔ حمید نے ہارن دیا جتنی دیر میں ٹھیلا ہٹا اگلی کار وہ گلی پار کر کے دوسری سڑک پر مڑ گئی تھی۔

راستہ ملتے ہی حمید تیز رفتاری کے ساتھ گلی سے گزر گیا۔ اگلی کار ٹریفک کی زیادتی کی وجہ سے زیادہ دور نہیں جا سکتی تھی۔

تعاقب جاری رہا۔

سورج غروب ہو چکا تھا اور اب دھندلکے کی ملگجی چادر کائنات پر محیط ہوتی جا رہی تھی۔

حمید سوچ رہا تھا کہ آخر اس بھاگ دوڑ کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ اگلی کار اس طرح مختلف سڑکوں کے چکر لگا رہی تھی جیسے ڈرائیو کرنے والی کا مقصد محض تفریح ہو۔

اور پھر جب کار آرلکچو کی کمپاؤنڈ میں داخل ہونے لگی تو حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس کے بعد ہی حمید بھی اپنی کار کمپاؤنڈ میں لے گیا۔

لیکن.... تحیر اور استعجاب کا وہ لمحہ.... شائد وہ حمید کو زندگی بھر یاد رہے۔ اس کار سے نہ لڑکی اتری اور نہ اندھا.... ڈرائیور کی سیٹ سے ایک ملٹری آفیسر اُتر رہا تھا۔ وہ اپنی پوری وردی میں تھا۔ حمید آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کار کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہ سو فیصدی وہی کار تھی۔ اگر حمید اس کے نمبر یاد نہ ہوتے تو وہ سمجھتا کہ دھوکا کھا گیا ہوگا۔ نمبر اس کے ذہن میں محفوظ تھے۔ پھر کیا ہوا؟ وہ اندھا اور لڑکی کیا ہوئے؟

اس نے فوجی آفیسر کو آرلکچو کے ڈائننگ ہال میں داخل ہوتے دیکھا۔

وہ تیزی سے اس کار کے قریب آیا۔ دونوں سیٹیں خالی تھیں۔ چند لمحوں کیلئے وہ بالکل خالی الذہن ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ دفعتاً وہ چونکا اور پھر جھپٹتا ڈائننگ ہال میں داخل ہو گیا۔

وہ کئی منٹ تک سرگرداں رہا لیکن وہ فوجی افسر نہ دکھائی دیا۔ پھر اس نے ویٹروں سے پوچھ گچھ شروع کی۔ نتیجہ مایوس کن برآمد ہوا۔ ایک ویٹر نے اُسے بتایا کہ ایک فوجی افسر ضرور تھا لیکن پھر وہ عقبی دروازے سے باہر چلا گیا۔ حمید نے اس منحوس عقبی دروازے کے

اور دل ہی دل میں گالیاں بکتا ہوا واپس آیا اور پھر جیسے ہی وہ باہر نکلا اس کے پیروں تلے زمین نکل کر کسی طرف کھسک گئی۔ کیونکہ اب وہ کار بھی غائب تھی اور جب وہ اپنی کار کی متوجہ ہوا تو سر پر سے آسمان بھی نکل گیا۔ کار کے ایک اگلے پہیے کا ٹائر کسی نے چاقو سے ک دیا تھا۔ حمید پھر واپس جا رہا تھا۔

فوجی عقبی دروازے سے نکلا اور چکر لگا کر پھر کمپاؤنڈ کے پھاٹک پر آ کھڑا ہوا۔ جیسے ہی ڈائننگ ہال میں داخل ہوا فوجی نے مہندی کی باڑھ کی اوٹ لے کر اس کی کار کی طرف نا شروع کیا جہاں حمید نے اپنی کار کھڑی کی تھی۔ اُدھر زیادہ روشنی نہیں تھی اور کار کا ایک پہیہ ی کی باڑھ سے لگا ہوا تھا۔ فوجی نے جیب سے بڑا سا چاقو نکالا اور ٹائر کو ریتنے لگا۔ نتیجہ د ہونے میں دیر نہیں لگی۔ پھر اس نے اپنا کوٹ اتارا اور اسے بغل میں دبا کر سیدھا اپنی کار طرف آیا۔ چند لمحوں کے بعد کار کمپاؤنڈ کے باہر تھی۔

تھوڑی دور چل کر اس نے کار ایک سنسان گلی میں موڑ کر روک دی۔ پھر اُس نے سیٹ نیچے سے ایک نمبر پلیٹ نکالی اور اسے پہلی والی نمبر پلیٹ پر فٹ کر دیا۔

کار دوبارہ چل پڑی۔

وہ ابھی مختلف سڑکوں سے گذر رہی تھی کہ پولیس کی پٹرول کاریں جن میں ریڈیو ٹرانسمیٹر تھے چاروں طرف دوڑنے لگیں۔ شائد سرجنٹ حمید نے آرلکچو سے گمشدہ کار کے متعلق ں ہیڈ کوارٹر کو مطلع کر دیا تھا۔ نمبر تو اُسے یاد ہی تھے۔ لیکن کار کا ڈرائیور بڑی لاپروائی سے ڈرائیو کرتا ہوا اپنی منزل کی طرف جا رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے آسکر اسٹریٹ کی ایک شاندار عمارت کے سامنے کار روک دی۔ ت کے اندر پہنچ کر وہ ایک ایسے کمرے میں داخل ہوا جہاں ایک میز کے علاوہ اور کچھ نہیں اور میز پر صرف ایک فون رکھا ہوا تھا۔ اُس نے نمبر ڈائیل کئے اور ماؤتھ پیس میں بولا۔

''لوزاٹا.... لوزاٹا....!'' وہ ایک لحظہ کے لئے رکا۔ پھر بولا۔ ''تیرا غلام گازالی ہوا ہے.... سب ٹھیک ہوگیا.... میں اُسے چکر دیتا ہوا آرلکچو میں لے گیا۔''

پھر اس نے اپنے فرار کی داستان دہرادی۔

''گازالی.... لوزاٹا تجھ سے خوش ہوا۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''کیا مانگتا ہے''

''عظیم لوزاٹا.... تیرے غلام کو کسی چیز کی کمی نہیں۔ گازالی اس لڑکی کو چاہتا ہے' باپ تیرے مقدس ہاتھوں سے دوسری دنیا میں پہنچ گیا۔''

''گازالی....!'' دوسری طرف سے تنبیہہ آمیز لہجے میں کہا گیا۔

''عظیم لوزاٹا....!'' گازالی کانپ گیا۔

''تو لوزاٹا کے غلاموں کے مسلک سے واقف ہے۔''

''عظیم لوزاٹا.... میں رحم کی بھیک مانگتا ہوں۔''

''آئندہ جنسی پیوند کی بات نہ آئے۔''

''ایسا ہی ہوگا.... لوزاٹا....!''

گازالی نے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

سرجنٹ حمید آرلکچو میں فریدی کا انتظار کررہا تھا۔ پہلے اس نے ہائی سرکل نائٹ کلب کے منیجر کو فون کیا تھا۔ اس نے بتایا کہ فریدی کچھ دیر تک وہاں اس کا انتظار کرتا رہا تھا پھر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ حمید نے منیجر کے بتائے ہوئے پتہ پر فون کیا۔ فریدی وہاں موجود تھا نے اسے آرلکچو ہی میں انتظار کرنے کو کہا۔

حمید اس وقت کی شکست پر بُری طرح جھنجھلایا ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا آخر یہ سب ہوا کیسے! وہ دونوں کہاں اور کیسے غائب ہوگئے تھے.... کیا اسی گلی میں چ لمحوں کے لئے کار اُس کی نظروں سے اوجھل ہوگئی تھی۔

حمید کو زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ شاید بیس منٹ بعد فریدی آرلکچو کے ڈائننگ ہال میں داخل ہوا۔

''سب چوپٹ ہوگیا۔'' حمید نے کہا

''پہلے تم یہ بتاؤ کہ میرے منع کرنے کے باوجود بھی آج تم نے وہی حرکت کیوں کی۔'' فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔

''اوہ.... تو اس چمگادڑ کے بچے نے پھر شکایت کردی۔ اُس نے آپ کو وہ سادہ چیک نہیں دکھایا۔ وہ اچھا خاصا سُور ہے.... اس نے برخوردار بغرا خاں کو چھیڑا ہی کیوں تھا۔''

فریدی چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ ''تم نے مجھے وہاں کیوں بلایا تھا۔''

''برخوردار بغرا خاں کے ایک کارنامے کی داد خواہی کے لئے۔'' حمید نے کہا۔ ''لیکن افسوس کہ میں اس عظیم بکرے کو وہاں سے اپنے ساتھ نہ لاسکا تھا ورنہ یہ دن نہ دیکھتا۔''

حمید نے سارے واقعات دہرادیئے۔ اس نے اُسے بتایا کہ کس طرح وہ محض اسی بکرے کی وجہ سے اس پراسرار اندھے کو پہچان سکا اور کس طرح بکرے کی عدم موجودگی میں اُس سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ فریدی غور سے سنتا رہا۔ درمیان میں دوایک بار اس نے بولنا چاہا لیکن پھر خاموش ہوگیا۔

جب حمید سب کچھ کہہ چکا تو فریدی بولا۔ ''یہ بہت بُرا ہوا۔ یقیناً وہ لوزاٹا ہی تھا۔ آج میں نے اس کی گذشتہ زندگی کے متعلق اور بھی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ وہ حقیقتاً افریقہ کے ڈاہے گا قبیلے کا ایک مذہبی پیشوا بھی ہے۔ تمہیں کافی احتیاط برتنی چاہئے تھی۔''

''تو بتایئے نا.... مجھ سے کون سی غلطی سرزد ہوئی ہے۔'' حمید جھنجھلا کر بولا۔

''یہی کہ تم نے یہاں ٹھہر کر بیکار وقت ضائع کیا۔ جیسے ہی تم نے اس فوجی کو یہاں دیکھا تھا تمہیں پھر اسی گلی میں واپس جانا چاہئے تھا۔ جہاں ایک ٹھیلے نے تمہاری راہ روک لی تھی۔ یا اُس سے بھی زیادہ آسان طریقہ یہ تھا کہ تم یہاں باہر ہی ٹھہر کر اس فوجی کا انتظار کرتے۔''

''مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ اس طرح نکل جائے گا۔''

''بچوں کی سی باتیں نہ کرو۔ آخر ان دونوں کے بجائے کار میں اُس فوجی کی موجودگی کا

کیا مطلب تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ ہوشیار ہو گئے تھے۔ انہوں نے تمہیں دھوکا دیا تھا۔ ان کی فوجی نے اس لئے نہیں لی تھی کہ وہ تمہارے ساتھ بیٹھ کر آئس کریم کا لطف اٹھانا چاہتا تھا۔"

"چلئے میں گدھا....!" حمید جھلا کر بولا۔ "اب آپ ہی تیر ماریئے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔

"تھوڑی دیر بعد حمید نے کہا۔ "مجھے کار کا نمبر یاد تھا۔" میں نے پولیس ہیڈ کوارٹر کو اس سے مطلع کر دیا۔"

"اور تم سمجھتے ہو کہ وہ کار پکڑی گئی ہوگی۔"

"نہ بھی پکڑی گئی ہوگی تو کیا میں کنوارا مر جاؤں گا.... یہ سالے دنیا بھر کے اندھے لو لنگڑے اسی شہر میں آ مرتے ہیں۔"

"میں نے تم سے یہ تو نہیں کہا تھا کہ تم اس کیس میں دلچسپی لو۔" فریدی تلخ لہجے میں بولا

"بہتر ہے! میں نے ابھی تک آپ کیلئے جتنی معلومات فراہم کی ہیں انہیں واپس لیتا ہوں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ تھوڑی دیر بیٹھا رہا پھر اٹھ کر چلا گیا۔

ہوٹل ڈی فرانس کے ایک کمرے میں فوزیہ بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ کسی نے باہر دروازے پر دستک دی۔

"آ جاؤ....!" فوزیہ نے ٹہلتے ٹہلتے رک کر کہا۔

دروازہ کھلا اور ڈیگال اندر داخل ہوا۔

"کیا بات....؟" فوزیہ نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"لیوکاس بہت شرمندہ ہے بے بی۔ اُس سے غلطی ہوئی۔ اُسے وہ طریقہ نہ اختیار کرنا چاہئے تھا۔ یقین مانو.... اس کی قسمت بخیر تھی۔ اُس نے محض اس لئے تمہیں بیہوش کیا تھا کہ کہیں پولیس تم سے اصل بات نہ معلوم کر لے۔ مسٹر عدنان زندہ نہیں ہیں لیکن ان کا نام بڑا

ور ہمیشہ رہے گا۔ ہم نہیں چاہتے کہ ان کے نام پر دھبہ لگے۔ اگر نور جہاں والی بات ظاہر ہو جائے تو.... تم خود سوچو۔"

"لیکن تم نے ڈیڈی کی موت کے متعلق مجھ سے کیوں چھپایا۔"

"میں کس طرح بتاتا بے بی۔ میں نے سوچا تھا کہ آہستہ آہستہ تمہیں بتاؤں گا۔"

"نیر....!" فوزیہ کچھ سوچنے لگی۔

"اور.... یہ دیکھو....!" ڈیگال نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر فوزیہ کی طرف بڑھا دیا۔

"کیا ہے؟"

"اسے پڑھو....!"

فوزیہ نے لفافے سے کاغذ نکال لیا۔ جس پر تحریر تھا....

"اندھیرے کا مالک تمہیں حکم دیتا ہے کہ چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔ ورنہ تم سب تاریکی کی مملکت میں پہنچا دیئے جاؤ گے۔ جہاں عدنان اس وقت اندھیرے میں سر ٹکراتا پھر رہا ہے.... اگر تم نے پولیس کو میرے متعلق بتایا تو تمہارا خون تمہاری ہی گردن پر ہوگا۔ میں بے وجہ کشت و خون پسند نہیں کرتا۔ لیکن اپنی راہ میں آئے ہوئے روڑوں کو ہٹانا ہی پڑتا ہے۔"

فوزیہ نے کاغذ کو موڑ توڑ کر پیروں تلے مسل ڈالا۔

"بے بی.... ہمیں جلد از جلد یہاں سے چلا جانا چاہئے۔"

"ہرگز نہیں۔" فوزیہ نے سختی سے اپنے ہونٹ بھینچ لئے۔

"میں ڈرتا نہیں ہوں۔" ڈیگال نے کہا۔ "محض تمہاری وجہ سے۔"

"میری پرواہ مت کرو۔" فوزیہ بولی۔ "میں اُس اندھے کا خون اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"یہ بہت مشکل ہے بے بی۔ بہت مشکل۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ لوزاٹا کے ساتھ گازالی بھی ہے اور تم اسے اچھی طرح جانتی ہو۔ وہ کتنے عرصہ تک تمہیں تنگ کرتا رہا تھا۔"

''کچھ بھی ہو.... میں ڈیڈی کے خون کا بدلہ ضرور لوں گی۔''

''پینا مت کرو بے بی۔ وہ بہت خوفناک آدمی ہے۔''

''ڈیگال.... اگر تم لوگ اس سے ڈرتے ہو تو مجھے یہاں تنہا چھوڑ کر واپس جا سکتے ہ
میری رگوں میں ایک جنگجو قوم کا خون ہے۔''

''میں پھر کہوں گا کہ تم غلط سمجھی ہو۔ اگر میں ڈرتا ہوتا تو مسٹر عدنان کے ساتھ اس مہم پ
آتا۔ مجھ پر تمہاری حفاظت فرض ہے۔''

''اچھا جاؤ.... بیکار مجھے پریشان نہ کرو۔ میرا جو دل چاہے گا کروں گی۔'' بارہ
تکلیف نہ دینا۔ میں تنہائی چاہتی ہوں۔''

ڈیگال چپ چاپ چلا گیا۔

فوزیہ ٹہلتی رہی۔ اس طرح پندرہ منٹ گذر گئے۔ پھر اُس نے انگڑائی لی اور شاید درو
مقفل کرنے کی نیت سے آگے بڑھی ہی تھی کہ کسی نے باہر سے دروازے کا ہینڈل گھما
دروازہ کھلا اور ایک آدمی تیزی سے اندر داخل ہوا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ریوالور تھا۔ فوزیہ
کر پیچھے ہٹ گئی۔ آنے والے نے دروازہ بند کر کے پیشانی سے ہیٹ کا گوشہ اٹھایا اور کو
کے کالر گرا دیئے۔ فوزیہ کے سامنے گازالی کھڑا مسکرا رہا تھا۔

ایک شکار

پھر گازالی نے ریوالور جیب میں ڈال لیا۔ فوزیہ اُسے گھور رہی تھی اور گازالی اُسے
طرح دیکھ رہا تھا جیسے کوئی بلی کسی چوہے کو قابو میں کر لینے کے بعد دیکھتی ہے۔ اس کی آنکھ
سے جنسی درندگی جھانک رہی تھی۔

''تم بغیر اجازت میرے کمرے میں کیوں داخل ہوئے۔'' فوزیہ غرائی۔

گازالی کچھ نہ بولا اور نہ اس کے چہرے پر کسی قسم کا تغیر ہی دکھائی دیا۔ وہ پلک جھپکائے
فوزیہ کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

فوزیہ فون کی طرف بڑھی۔ وہ جھپٹ کر اس کے سامنے آ گیا لیکن اب بھی اُس کی پلکیں
ں جھپکیں۔ وہ برابر فوزیہ کی آنکھوں میں دیکھے جا رہا تھا۔ فوزیہ کے ہاتھ اُسے دھکیلنے کے لئے
ھے لیکن آگے نہ بڑھ سکے۔ پتہ نہیں وہ مسحور ہو گئی تھی یا پھر اُسے یہ خدشہ تھا کہ اگر اُس کی پلکیں
یں یا نظر ذرا سی بھی چوک گئی تو وہ اُس پر حملہ کر بیٹھے گا۔ بالکل سانپ اور نیولے کی سی جنگ
نقشہ تھا۔ فوزیہ چیخ سکتی تھی لیکن اس کے منہ سے ہلکی سی آواز بھی نہ نکلی۔

اچانک کسی نے دروازے پر دستک دی۔ گازالی چونک پڑا اور پھر وہ دو ہی جستوں میں
ازے کے قریب تھا۔ اُس نے پھر ریوالور نکال کر اس کا رخ فوزیہ کی طرف کر دیا جو کمرے
، دوسرے سرے پر میز کے قریب کھڑی تھی۔

فریدی آرلیکچو سے اٹھنے کے بعد ہوٹل ڈی فرانس کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ اُسے ڈیگال
راس کے ساتھیوں سے لوزاٹا کے متعلق کچھ اور بھی پوچھنا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ حمید نے ایک
ترین موقع کھو دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اندھے تک پہنچنا آسان نہ رہا ہو گا تب ہی اس نے عدنان
لے کرائے پر مہیا کئے ہوئے آدمیوں میں سے تین کو زندہ نکل جانے دیا تھا ورنہ وہ انہیں بھی ختم
ر دیتا۔ اس لاپرواہی کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ وہ خود کو محفوظ سمجھتا ہے اور یہ تو اُسے معلوم ہی
چکا تھا کہ لوزاٹا تنہا نہیں ہے جیسے ہی فریدی ہوٹل ڈی فرانس میں داخل ہوا اُس کا متعین کیا
ایک آدمی اس کی طرف تیزی سے آیا۔

''لڑکی کے کمرے میں ابھی ایک اجنبی داخل ہوا ہے۔'' اس نے کہا۔

فریدی سر ہلاتا ہوا اوپری منزل کی طرف چلا گیا۔ راہداری سنسان تھی۔ وہ فوزیہ کے

کمرے کے سامنے پہنچ کر رکا۔

پھر اُس نے آہستہ آہستہ دستک دی۔ شاید ایک منٹ بعد اندر سے فوزیہ کی آواز آئی۔

''آجاؤ....!''

فریدی دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ فوزیہ غسل خانے کے دروازے سے لگی کھڑی تھی اس کے چہرے سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی پیٹھ میں کوئی چیز چبھ رہی ہو۔ غسل کے دروازے سے خفیف سا درہ تھا۔

''کیا بات ہے؟'' فوزیہ نے پوچھا۔ فریدی کو اُسکے لہجے میں کچھ بناوٹ سی محسوس ہوئی

''میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آپ موجود ہیں یا نہیں۔'' فریدی نے اُسے گھورتے ہوئے

''مم.... میں.... مم.... موجود ہوں۔''

''تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ ''کیا آپ میرے ساتھ ڈائننگ ہال تک چلیں گی۔''

فوزیہ گھبرا گئی اور یہ اچانک قسم کی گھبراہٹ اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہی تھی

''جج.... جی نہیں.... آپ جا سکتے ہیں۔ میں اس وقت کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتی۔''

''اچھا پھر سہی۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ ''شب بخیر۔''

اس نے تیزی سے باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔ داہنی طرف کیل سے کمرے کی دو کنجیاں لٹک رہی تھیں۔ فریدی نے ہاتھ بڑھا کر کنجیاں اتاریں اور دروازے کو باہر سے مقفل کر کے پھر تیزی سے برابر والے کمرے میں بڑھا جو غالباً لیوکاس کا تھا۔ اس نے دستک دیئے بغیر دروازے کا ہینڈل گھمایا اور پھر دوسرے لمحے میں وہ اندر تھا۔ لیوکاس اچھل کر کھڑا ہو گیا اس کے کہ وہ کچھ کہتا فریدی نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کر دیا۔

لیوکاس اُسے عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ فریدی نے بڑھ کر غسل خانے کے دروازے کو دھکا دیا لیکن وہ اندر سے بند تھا۔

''کیا بات ہے۔'' لیوکاس نے فریدی کے قریب آ کر آہستہ سے پوچھا۔

''لڑکی کے کمرے میں کوئی ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''ڈیگال ہوگا۔''

''نہیں.... کوئی اور.... تم میں سے کوئی نہیں ہے۔ تم اپنے ساتھیوں کو بلاؤ۔ جلدی کرو۔''

بات اب بھی لیوکاس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ وہ حیرت سے منہ کھولے کھڑا رہا۔

''جلدی کرو۔'' فریدی اُسے دروازے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔

لیوکاس چلا گیا۔ اُس کے ساتھیوں کے آنے میں دیر نہیں لگی۔

''اوہ.... آفیسر.... کیا بات ہے۔'' ڈیگال آگے بڑھتا ہوا بولا۔

''کمرے میں لڑکی کے ساتھ کوئی ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''تم لوگ یہیں ٹھہرو.... غسل خانے کے دروازے کا خیال رکھنا اور تم میرے ساتھ آؤ۔''

فریدی نے نیگرو کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ وہ پھر راہداری میں آ گیا۔

اس نے فوزیہ کے دروازے کے قفل میں کنجی لگائی ہی تھی کہ اندر سے کسی نے غرا کر کہا۔

''گولی مار دوں گا.... لڑکی کو.... اگر کوئی اندر آیا۔''

''ارے....'' سیاہ فام افریقی اچھل پڑا۔

فریدی نے اُسے جواب طلب نظروں سے دیکھا۔

''گازالی....!'' نیگرو نے سرگوشی کی۔ ''لوزاٹا کا داہنا ہاتھ.... نہیں گورنر۔ وہ خطرناک ہے۔ وہ مسی کو ضرور مار ڈالے گا۔''

فریدی نے ایک جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھول دیا۔

''شائیں....!'' کوئی چیز اُس کے داہنے کان کے قریب سے گذر کر پچھلی دیوار سے ٹکرائی۔ وہ پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ فوزیہ بُری طرح چیخ رہی تھی۔ لیکن پھر شائد اس کا منہ دبا دیا گیا۔

''ریوالور پھینک دو....!'' فریدی نے باہر سے کہا۔ ''ورنہ تمہارا جسم چھلنی ہو جائے گا۔''

فوزیہ کی پشت گازالی کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔ بائیں ہاتھ سے اس نے اُس کی گردن دبوچ رکھی تھی اور داہنے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اس طرح فوزیہ اس کی ڈھال بن کر رہ گئی تھی۔

فائر کی آواز پر بہت سے لوگ راہداری پر اکٹھا ہو گئے تھے۔ فریدی انہیں دروازے کے سامنے آنے سے روک رہا تھا۔

اب گازالی نے ریوالور کی نال فوزیہ کی کمر سے لگادی اور اُسے دھکیلتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ چیختا بھی جا رہا تھا۔ ''اگر کسی نے مجھے چھوا بھی تو.... میں اس لڑکی کو جہنم میں پہنچا دوں گا۔''

وہ دروازے تک آ گیا تھا۔

فریدی نے بے بسی سے مجمع کی طرف دیکھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شاید اسے اپنی اس وقت کی بے بسی تمام عمر یاد رہے۔ پستول کی نال فوزیہ کی کمر پر تھی۔ گازالی کی انگلی کی ایک خفیف جنبش پر اُس کا خاتمہ ہو سکتا تھا۔ مجمع متحیر تھا کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ لوگ ایک خونخوار آدمی کی گرفت میں ایک بے بس لڑکی کو دیکھ رہے تھے۔ لیکن شاید وہ اُس لڑکی سے بھی زیادہ بے بس تھے کیونکہ گازالی کی غراہٹ برابر جاری تھی۔ وہ بڑی خوفناک آواز میں کہہ رہا تھا۔ ''قریب آنا.... ورنہ لڑکی کو گولی مار دوں گا۔''

مجمع کائی کی طرح پھٹنے لگا۔ گازالی فوزیہ کو آگے کی طرف دھکیلتا ہوا راہداری میں آ گیا اور اب نیچے جانے کے لئے زینوں کی سمت بڑھ رہا تھا۔ اتنی دیر میں ڈائننگ ہال کے سارے آدمی اوپر پہنچنے کے لئے جدوجہد کا آغاز کر چکے تھے۔ عجیب مضحکہ خیز منظر تھا۔ فریدی جو دونوں کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا خود کو اسٹیج کا مسخرہ تصور کرنے لگا تھا۔ غیر ارادی طور پر اس کے منہ سے نکل رہا تھا۔ ''ہٹو.... راستہ دو.... ہٹو.... راستہ دو۔''

کتنی عجیب سچویشن تھی۔ قانون کا ایک محافظ ایک مجرم کے لئے راستہ بنا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر کسی سے گازالی کے معمولی سا دھکا بھی لگ گیا تو ریوالور کا ٹریگر کھنچ جائے گا۔ وہ نفسیاتی لمحہ تھا۔ بچاؤ کی صورت نہ دیکھ کر ایک بلی بھی کسی شیر کی طرح جھپٹتی ہے۔

گازالی نے زینے طے کئے۔ ہال کے وسط میں پہنچ کر وہ فوزیہ سمیت مجمع کی طرف مڑا۔

''پیچھے ہٹو....!'' وہ زور سے چیخا۔ فریدی اسے غور سے دیکھنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اُس کی آنکھوں سے اس کے ذہن میں جھانکنے کی کوشش کر رہا ہو۔

''اور پیچھے ہٹو....!'' گازالی پھر چیخا۔ ''ہٹتے جاؤ۔''

مجمع پیچھے ہٹا.... اور دفعتاً فریدی نے اپنے سامنے کھڑے ہوئے دو آدمیوں کو ایک طرف ہٹا دیا۔ اس کا داہنا ہاتھ جیب میں تھا اور عقابی آنکھیں گازالی کے چہرے پر گڑھی ہوئی تھیں۔

اچانک گازالی کا ریوالور والا ہاتھ بڑی پھرتی سے اوپر اٹھا۔ شاید وہ بجلی کے کسی بلب پر نشانہ لگا کر ہال میں اندھیرا کرنے جا رہا تھا لیکن اسے مہلت نہ ملی۔ مجمع نے فائر کی آواز سنی.... اور گازالی کا ریوالور اچھل کر دور جا گرا۔ گازالی فوزیہ کو دھکا دے کر اچھلا لیکن قبل اس کے کہ پیر زمین سے لگتے فریدی کے ریوالور سے دوسرا شعلہ نکلا اور گازالی کولہوں کے بل دھب سے فرش پر آ گرا۔ اس نے پھر اٹھنا چاہا لیکن فریدی نے جھپٹ کر اس کی ٹھوڑی پر ایک ٹھوکر رسید کر دی۔

فوزیہ کا حبشی باڈی گارڈ چیخ چیخ کر گانے لگا۔

''پلو مالا.... پلو مالا.... پے گوری.... ٹا گال۔'' (مار لیا.... مار لیا.... آخری نیزہ زہریلا تھا۔)

پھر اس نے اچھل اچھل کر جنگلی ناچ بھی شروع کر دیا۔

فریدی زخمی گازالی کی ٹانگ پکڑ کر کھینچتا ہوا دروازے کے قریب سے ہٹا رہا تھا۔ گازالی بیہوش نہیں ہوا تھا۔ نہ وہ چیخ رہا تھا اور نہ کراہ رہا تھا۔ اس کی خاموشی کسی ایسے سانپ کی بے بسی سے بہت مشابہ تھی جس کی کمر ٹوٹ گئی ہو اور وہ ایک ہی جگہ پر پڑا لہریں لے رہا ہو۔ اس کی چمکیلی آنکھیں فریدی کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

''کھیل ختم ہو گیا۔'' فریدی مسکرا کر بولا اور پھر اُس نے اُسے گریبان سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے ایک کرسی میں ڈال دیا۔

حبشی ابھی تک ناچ رہا تھا۔ ڈیگال وغیرہ بڑی مشکل سے اس پر قابو پا سکے۔

فریدی مجمع کی طرف مڑا۔

''خواتین وحضرات۔'' اس نے بلند آواز میں کہا۔ ''آپ لوگ براہِ کرم اپنی جگہوں تشریف رکھئے۔ کوئی خاص بات نہیں۔ ایک مجرم۔ جس کی پولیس کو تلاش تھی۔''

مجمع میں کئی ایک فریدی کے ملاقاتی بھی تھے لیکن ان میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ وقت فریدی کی قریب بھی آتے۔ فریدی گازالی کو اُنکے چارج میں دے کر فون کی طرف بڑھ پرنسٹن کا تھانہ قریب ہی تھا۔ فون کرنے کے ٹھیک سات منٹ بعد تھانے کا انچارج پہنچ گیا۔ گازالی کو اُس کے سپرد کر کے فریدی ڈیگال کے ساتھ پھر اوپری منزل پر چلا گیا۔ فو کی حالت ابتر تھی۔ ابھی تک اس کے جسم کی تھرتھری نہیں مٹی تھی۔

''وہ کس لئے آیا تھا۔'' فریدی نے فوزیہ سے پوچھا۔

فوزیہ کچھ نہ بولی۔ وہ بدستور سر جھکائے بیٹھی رہی۔

''آفیسر.....!'' ڈیگال کنکھار کر بولا۔ ''بات دراصل یہ ہے کہ گازالی پہلے بھی بے پریشان کرتا رہا ہے۔ لیکن مسٹر عدنان کی زندگی میں اُسے کبھی اتنی جرأت نہیں ہوئی۔''

''لوزاٹا اور عدنان کے تعلقات کس قسم کے تھے۔''

''کسی قسم کے بھی نہیں۔'' ڈیگال جلدی سے بولا۔ ''اس نے مسٹر عدنان کو دھوکہ د۔ اسی ہزار انگلش پونڈ اینٹھ لئے تھے۔''

''شاید چھ ماہ پیشتر کی بات ہے۔'' لیوکاس نے ٹکرا لگایا۔

فریدی نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے اُسے اُس کی بات پر یقین نہ آیا ہو۔

''ہُم.....!'' فریدی سگار کا کونا توڑتا ہوا بولا۔ ''میرا خیال ہے یہ تین سال پہلے کی بات۔

''کیوں؟'' ڈیگال چونک پڑا۔ ''میں نہیں سمجھا۔''

''لیکن میں سمجھ گیا ہوں۔''

''آخر بات کیا ہے؟'' ڈیگال بے چینی سے پہلو بدلتا ہوا بولا۔

فریدی چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر سگار سلگانے کے لئے جھکا۔ کمرے کا سناٹا کچھ بوجھل ہو گیا۔ ان میں کم از کم ایک آدمی ایسا ضرور تھا جس کی چڑھتی ہوئی سانسیں کمر

حدود فضا میں گونج رہی تھیں۔

''میں اب تم سے کچھ نہیں پوچھوں گا۔'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

''ہم نے سب کچھ بتا دیا ہے آفیسر.....!'' ڈیگال بھی اٹھتا ہوا بولا۔

اور پھر اُن سب کی تحیر آمیز نظریں فریدی کا تعاقب کرتی رہیں..... وہ کمرے سے جا چکا ا۔ ڈیگال چند لمحے بے چینی سے ٹہلتا رہا پھر اپنے ساتھیوں سے بولا۔ ''تم لوگ آرام کرو۔''

لیوکاس کے علاوہ اور سب چلے گئے اور انکے جانے کے بعد ڈیگال لیوکاس کو گھورنے لگا۔

''تم نے.....!'' وہ دانت پیس کر بولا۔ ''سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔''

''میری وجہ سے کیوں؟'' لیوکاس نتھنے پھلا کر بولا۔

''تم نے بے بی کو بیہوش کر کے اُسے ہماری طرف سے مشکوک کر دیا ہے۔''

''میں کیا کرتا..... کیا یہ تمہاری ہدایت نہیں تھی کہ.....!''

''کچھ نہیں۔'' ڈیگال ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''فضول بحث سے کوئی فائدہ نہیں۔''

لیوکاس جھلاہٹ میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ فوزیہ بول پڑی۔ ''پچھلی باتوں میں الجھنے ے کیا فائدہ۔ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ یہ آدمی بہت زیادہ چالاک معلوم ہوتا ہے۔''

''بین الاقوامی شہرت کا مالک ہے۔ بے بی۔'' ڈیگال نے کہا۔ ''یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ایک ایسی آدمی سے ٹکرائے..... میرا خیال ہے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے ورنہ تین سال قبل کا الہ نہ دیتا۔''

''لیکن اس وقت اس کی وجہ سے میری جان بچ گئی۔'' فوزیہ بولی۔

''ہوا کیا تھا.....؟'' ڈیگال نے پوچھا۔

''تمہارے جانے کے شاید دو منٹ بعد گازالی کمرے میں گھس آیا۔ لیکن ابھی تک نہیں ء سکی کہ وہ چاہتا کیا تھا..... اوہ مگر اُسے کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ جلد ہی کسی نے دروازے ستک دی۔ گازالی نے ریوالور نکال لیا۔ پھر وہ مجھے غسل خانے کے دروازے پر لایا۔ خود اندر گیا اور مجھے دروازے کے قریب کھڑا کر دیا۔ ریوالور کی نال میری کمر سے لگی رہی۔ میں نے

آفیسر کو اندر آنے کی اجازت دی۔ گازالی نے یہی کہا تھا۔ مگر وہ آفیسر انتہائی چالاک ہے۔
کچھ سمجھ گیا۔ جب میں نے گازالی ہی کے کہنے پر اُسے کمرے سے چلے جانے کو کہا تو وہ
چاپ نکل گیا اور پھر یہ سب کچھ ہوگیا۔ میرے خدا! کتنی خطرناک سچویشن تھی اور اُس نے
آسانی سے گازالی کو سیدھا کر دیا۔ مجھے تو وہ لوزاٹا سے بھی زیادہ خطرناک معلوم ہوتا ہے۔"
ڈیگال کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "اسے لکھ لو بے بی کہ لوزاٹا کو یہاں اس کی مور
لائی ہے۔ فریدی حقیقتاً بڑا خطرناک آدمی ہے۔"

کتا جھپٹتا ہے

دوسری صبح حمید کے لئے زیادہ خوشگوار نہیں تھی۔ اُسے رہ رہ کر وہ چیک یاد آ رہا تھا
نے ہائی سرکل نائٹ کلب کے منیجر کو دیا تھا اور منیجر نے بعد کو اسی کے سامنے بڑی بے درد
اس پر ایک بڑی رقم لکھ لی تھی۔ اگر اسے اندھے کا تعاقب نہ کرنا ہوتا تو اس کی جیب سے
پائی بھی نہ نکلتی۔

فریدی رات سے اب تک واپس نہیں آیا تھا اور حمید کو ہوٹل ڈی فرانس میں پیش
والے حادثے کا بھی علم نہیں تھا۔

ناشتے کی میز پر اس نے صبح کا اخبار اٹھایا۔ پہلے ہی صفحے پر ہوٹل ڈی فرانس وا
کی خبر تھی۔ حمید نے چائے کی پیالی رکھ دی۔

خبر کے اختتام پر نوٹ تھا۔ "بعد کی اطلاعات مظہر ہیں کہ پولیس کی ذرا سی غفلت
پر انسپکٹر فریدی کی محنتوں پر پانی پھر گیا۔ مجرم سے بعض حیرت انگیز انکشافات کی توقع
بیان دینے سے قبل ہی اُس نے خودکشی کر لی۔ اس کی ڈھکن دار انگوٹھی میں کوئی بہت
الاثر قسم کا زہر تھا۔ پرنسٹن کے تھانے کے انچارج کی آنکھوں کے سامنے مجرم اُسے چا

حمید نے اخبار رکھ کر ایک گہری سانس لی اور پھر چائے پینے لگا۔

اُس کی نظروں میں یہ سارا معاملہ قطعی بے سروپا تھا۔ آخر نور جہاں کون تھی۔ جس کے
لئے یہ سب کچھ ہوا۔ اگر وہ عدنان کی کوئی تھی تو اُس نے براہِ راست سرکاری طور پر کوئی کاروائی
کیوں نہیں کرائی۔ فریدی اس کے متعلق کچھ جانتا تھا۔ ابھی تک مشاہدات کی بناء پر یونہی ثابت
ہوا تھا کہ فریدی اس کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور جانتا ہے۔ اس کے منہ سے نور جہاں کا نام سن کر
ڈیگال اور فوزیہ بُری طرح بدحواس ہوگئے تھے۔

ناشتے سے فارغ ہوجانے کے بعد حمید سوچنے لگا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ تنہائی
اسے اکتاہٹ کی طرف لے جا رہی تھی۔ دل بہلانے کے لئے بکرا قطعی ناکارہ تھا۔ ایسے مواقع
پر اُسے اپنی چوہیا[1] بُری طرح یاد آنے لگتی تھی۔ وہ کئی دنوں سے سوچ رہا تھا کہ اسے پھر ایک
چوہیا پال کر اسے تربیت دینی چاہئے۔

بکرا اس نے محض اس لئے پالا تھا کہ اپنی بعض شناسا عورتوں کو چڑھا سکے جو کتے پالتی
تھیں اور تھوڑا بہت فریدی کو بھی تنگ کرنا مقصود تھا۔

حمید لباس تبدیل کرنے کے لئے اٹھ ہی رہا تھا کہ ایک نوکر نے قاسم کی آمد کی اطلاع
دی۔ وہ ڈرائینگ روم میں ایک صوفے پر جوتوں سمیت پڑا حمید کا انتظار کر رہا تھا۔ حمید کو دیکھ کر
اٹھ بیٹھا۔

اس کا موڈ کچھ خراب معلوم ہو رہا تھا۔ حمید نے سوچا چلو غنیمت ہے تنہائی سے تو نجات
ملی۔ قاسم بُرے بُرے منہ بنا رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟" حمید نے پوچھا۔ "بیوی سے لڑ کر آ رہے ہو۔"

"ہاں....!" قاسم اس طرح جھلا کر بولا جیسے اُس کی بیوی کا سگا بھائی ہو۔ "سالی اب
بالکل ناقابل برداشت ہوگئی ہے۔"

"سالی سے کیا مطلب.... تم بیوی کی بات کر رہے تھے۔"

"یار تاؤ نہ دلاؤ.... ورنہ تمہیں مار بیٹھوں گا۔"

---

[1] "خطرناک دشمن" اور "جنگل کی آگ" جلد نمبر 12 ملاحظہ فرمائیے۔

''آخر بات کیا ہے؟''

''ہماری کوٹھی کے سامنے وہ داور صاحب رہتے ہیں نا.... آج ان کی لڑکی ثمینہ میری تو پر مکے مار رہی تھی.... بس سالی ہتھے سے اکھڑ گئی.... کہنے لگی میں سب سمجھتی ہوں.... آخر کیا سمجھ ہے اُلو کی پٹھی۔''

پھر قاسم خاموش ہو کر اس طرح حمید کو گھورنے لگا جیسے اس کا جواب اسی سے چاہتا ہو۔

''لڑکی کی عمر کیا ہے....؟'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں پہلے یہ بتاؤ کہ وہ کیا سمجھتی ہے۔''

''ابے میں کیا بتاؤں۔''

''نہیں اندازاً.... کچھ....!''

''پہلے اس کی عمر بتاؤ پھر میں اندازہ لگاؤں گا۔'' حمید نے کہا۔

''تیرہ یا چودہ سال....!'' قاسم نے غصیلی آواز میں کہا۔

''تب تو وہ ٹھیک ہی سمجھتی ہے۔'' حمید مسکرا کر بولا۔ ''وہ تمہاری توند پر مکے کیوں مار رہی تھی۔''

''یونہی.... مذاقاً....!''

''تم اسے پسند کرتے ہو کہ وہ تمہاری توند پر مکے بازی کیا کرے۔''

''کیا حرج ہے.... زور سے تو مارتی نہیں....!''

''اگر تمہاری بیوی بھی یونہی کسی کی توند پر شوق فرمانا شروع کر دے تو۔''

''زندہ دفن کر دوں سالی کو....!'' قاسم گرج کر بولا۔

''آخر کیوں؟''

''بحث مت کرو.... مجھ سے۔'' قاسم حلق پھاڑ کر چیخا اور کمپاؤنڈ میں کتے بھونکنے لگے۔

''تمہارے کنوارے پن کا کیا حال ہے۔''

قاسم جھلا کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ حمید نے فون کی گھنٹی سنی۔ وہ ڈرائینگ روم سے اٹھ کر فریدی کے کمرے میں آیا.... ریسیور اٹھایا.... اور پھر اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

''تم کیا کر رہے ہو۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''برخوردار بغرا خاں کی شادی کی فکر کر رہا ہوں۔''

''ایک بلڈ ہاؤنڈ لے کر پرنسٹن کے تھانہ پر آ جاؤ۔''

''کیوں....؟''

''ضرورت ہے۔'' فریدی نے جھلا کر کہا۔ ''جلدی آؤ۔''

''برخوردار بغرا خاں بھی ضد کر رہا ہے۔ وہ بھی آئے گا۔''

حمید بکتا رہا۔ لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

طویل القامت اندھا لوزاٹا اپنی عجیب و غریب تفریح میں مشغول تھا۔ میز پر بہت سے بکھرے ہوئے تھے اور کمرے کے ایک گوشے میں ایک آدمی بڑا سا تھیلا اٹھائے کھڑا تھا۔

''چلو....!'' اندھے نے کہا۔

گوشے میں کھڑے ہوئے آدمی نے تھیلے سے ایک موٹا سا چوہا نکال کر فرش پر ڈال دیا۔ ہے کے ایک پیر میں ننھا سا گھنگرو بندھا ہوا تھا۔ لوزاٹا نے میز سے چاقو اٹھایا اور چوہے نے عا کمرہ بھی نہیں طے کیا تھا کہ چاقو اس کا جسم چھیدتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ چوہا چاقو ت اچھلنے لگا۔

''کیوں....؟'' لوزاٹا اس آدمی کی طرف مڑ کر بولا۔

''لوزاٹا.... سورج ہے۔ عظیم لوزاٹا....!'' آدمی کانپتا ہوا بولا۔

''دوسرا....!'' لوزاٹا نے کہا۔

اس نے دوسرا چوہا چھوڑا.... لوزاٹا نے پھر چاقو پھینکا.... اور اس کا بھی وہی حشر ہوا۔ وہ لھروؤں کی آواز پر نشانہ لگاتا تھا۔ یکے بعد دیگرے چھ چوہے ختم کرنے کے بعد وہ اُس ا سے بولا۔ ''بیلا کو بھیج دو۔''

وہ تعظیماً جھکا اور کمرے سے چلا گیا۔ اس نے مردہ چوہے بھی نہیں اٹھائے اور نہ اُن جسموں سے چاقو ہی نکالے۔

تھوڑی دیر بعد ایک خوبصورت سی لڑکی کمرے میں داخل ہوئی۔

''بیلا....!''

''ہاں....لوزاٹا۔''

''کیا خبر ہے؟''

''گازالی کے متعلق صحیح خبر تھی۔''

''اُس کتے کو میں نے باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔'' لوزاٹا سرد لہجے میں بولا۔ ''ل حکم نہ ماننا موت کو دعوت دینا ہے۔ موت ان کا پیچھا کرتی ہے دن رات ان کے منڈلاتی رہتی ہے....اور پھر وہ اس کا لقمہ بن جاتے ہیں۔''

''میں نے لاڈن کو وہاں بھیجا ہے۔ جہاں اس کی لاش ہے۔'' بیلا نے کہا۔

''اس احمق زولو کو تو نے ناحق بھیجا۔'' لوزاٹا کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''لیکن بھیجا ہی کیوں

''ممکن ہے گازالی کے پاس کوئی ایسی چیز رہی ہو جس سے انہیں ہمارا سراغ مل

''خیال ٹھیک ہے۔'' لوزاٹا بڑبڑایا۔ ''لیکن لاڈن اس کیلئے موزوں نہیں تھا....خیر

''عظیم لوزاٹا....'' بیلا تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولی۔ ''میری مجال نہیں کہ تجھے کو دے سکوں لیکن کیا یہ مناسب نہیں کہ ہم یہ جگہ چھوڑ دیں۔''

''کیا تو....لوزاٹا کی پراسرار قوتوں سے واقف نہیں۔''

''میں واقف ہوں لوزاٹا....تجھ پر ساری دنیا کا حال روشن ہے لیکن میں نے ایک آدمی کے متعلق بہت کچھ سنا ہے۔''

''تیرا اشارہ اُس جاسوس کی طرف جس نے گازالی کو پکڑا تھا۔''

''ہاں....لوزاٹا....اُس دن نائٹ کلب میں تجھے پہچاننے ہی کیلئے بکرا چھوڑا گیا

لوزاٹا ہنسنے لگا۔

''واقعی یہاں کے سراغ رساں بڑے چالاک ہیں۔ مجھ سے دراصل اس رات کو غلطی ئی۔ مجھے اُن تینوں آدمیوں کو زندہ نہ چھوڑنا چاہئے تھا۔ بلاشبہ اُن ہی تینوں کی بناء پر پولیس کو م سے آگاہی ہوئی۔ عدنان کے ساتھی تو خاموش ہی رہتے.....خیر فکر نہ کرو۔ میں اس وقت ک یہاں ٹھہروں گا جب تک کہ جواہرات کی نمائش نہ شروع ہو جائے۔''

تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر بیلا نے کہا۔

''گازالی کی جگہ اب کون کام کرے گا۔''

''تیرے علاوہ اب کون کر سکتا ہے۔'' لوزاٹا مسکرا کر بولا۔ ''میں نے تجھے سب سے زیادہ روشنی شی ہے۔ کیا یہ اسی روشنی کا فیض نہیں تھا کہ تو نائٹ کلب والے واقعے سے واقف ہوگئی تھی۔''

''لوزاٹا....مالک ہے۔'' بیلا تعظیماً جھک کر بولی۔

''اب میری بات سن! تو ابھی جس جاسوس کا تذکرہ کر رہی تھی وہ سچ مچ خطرناک ہے۔ س کا کام تمام کر دے۔ آخر وہ کیچوے کس دن کام آئیں گے۔''

''اوہ....کیچوے۔''

''ہاں....اس کی کار میں....یہ کام آملیگاس کرے گا۔ آملیگاس کو میں تیرے چارج یں دیتا ہوں۔ سارے کام اسی سے لے۔ لاڈن جیسے کچھوے یہ سب نہیں کر سکتے۔''

کمرے میں پھر خاموشی مسلط ہوگئی....دفعتاً ایک زخمی چوہا چاقو سمیت پھڑکنے لگا۔

سرجنٹ حمید بلڈ ہاؤنڈ لے کر پرنسٹن کے تھانے پر پہنچ گیا۔ قاسم بھی اُس کے ساتھ تھا.... راستے بھر وہ فوزیہ کے مسئلے پر حمید کو بور کرتا آیا تھا۔ اُس نے آج تک کوئی ترک لڑکی نہیں دیکھی تھی۔ اس لئے وہ حمید پر زور ڈال رہا تھا کہ اگر تعارف نہیں تو کم از کم درشن ہی کرا دے۔

فریدی تھانے میں موجود تھا۔ حمید بلڈ ہاؤنڈ اس کے سپرد کر کے گازالی کی لاش دیکھنے چلا گیا۔ واپسی پر اس نے فریدی کو بتایا کہ آرلکچو میں اُسی نے اُس کی کار کا ٹائر پھاڑا تھا۔

فریدی بلڈ ہاؤنڈ کی زنجیر تھامے انچارج سے گفتگو کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ باہر حمید اور قاسم بھی ساتھ تھے۔

''کتے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔'' حمید نے پوچھا۔

ابھی کچھ دیر قبل ایک غیر ملکی یہاں آیا تھا۔ یہاں اس کی موجودگی کی وجہ پوچھی گئی کانسٹیبلوں کو چرکہ دے کر نکل گیا۔

''آپ موجود تھے۔''

''نہیں....!'' فریدی نے کہا اور جیب سے ایک رومال نکال کر کتے کے آگے ڈال پھر حمید سے بولا۔ ''یہ رومال اس کی جیب سے گر گیا تھا.... کیا خیال ہے؟ ممکن ہے کتا ہمارا کر سکے۔ ورنہ ان تک پہنچنا مشکل ہی ہوگا۔''

''آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔'' قاسم سر ہلا کر بولا۔ ''ایک بار ہمکلاک شومز نے بھی ہی کیا تھا۔''

''ہمکلاک شومز....!'' فریدی مسکرایا۔

''ابے شرلاک ہومز....!'' حمید بولا۔

''وہی ہوگا سالا۔ تم میرے بیچ میں مت بولا کرو۔'' قاسم بُرا مان گیا۔

کتے نے رومال کو سونگھ کر ہلکی سی آواز نکالی اور سر اٹھا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ تھانے کی عمارت کی ایک کھڑکی کی طرف بڑھا۔ جس کا تعلق مردہ خانے سے تھا۔

کھڑکی کے نیچے پہنچ کر اس نے پھر زمین سونگھی اور بھونکنے لگا۔ پھر وہ زمین سونگھتا پھاٹک کی طرف دوڑا.... چند لمحے پھاٹک پر رک کر چاروں طرف دیکھتا رہا اور پھر بھونکتا فریدی وغیرہ کی طرف پلٹ آیا۔

''اچھا بھئی قاسم....!'' فریدی بولا۔ ''اب شاید ہم تمہارا ساتھ چھوڑ دیں گے۔''

''ہو....ہو....اچھا....اچھا.... مجھے بھی ذرا کام ہے۔''

فریدی اور حمید کتے کے پیچھے چل پڑے۔ وہ پھاٹک سے گذر کر سڑک پر آئے اور

ایک طرف آہستہ آہستہ دوڑنے لگا۔

''کاش یہ لیلیٰ کا کتا ہوتا۔'' حمید ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔

فریدی کتے کے تعاقب میں تھا۔ وہ گلی میں گھسا یہاں بھی اس نے دو تین جگہ زمین سونگھی اور پھر دوڑنے لگا۔

کئی گلیوں سے گزر کر وہ ایک دوسری سڑک پر آ گئے۔

''کیا حماقت ہے۔'' حمید بڑبڑایا۔ ''اگر وہ آگے چل کر اپنے پیروں سے نہ گیا ہو تو....!''

''فکر نہ کرو.... میں کوئی امکانی بات نہیں چھوڑتا۔ مجھے یقین نہیں ہے کہ ہم اس تک پہنچ ہی جائیں گے۔''

''پھر اس طرح جھک مارنے سے کیا فائدہ۔''

''اُوہ....تم ....شاید....!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''کسی جاسوسی ناول کے سراغ رساں کی طرح آرام کرسی کے جاسوس بننا چاہتے ہو۔''

''میں اب صرف شوہر بننا چاہتا ہوں.... باپ بننا چاہتا ہوں....اور کچھ نہیں۔''

''میں نے تمہیں منع کب کیا ہے۔''

''تنہا نہیں....!'' حمید نے کہا۔ ''آپ کو بھی بننا پڑے گا۔''

''کیا مضائقہ ہے....تم شوہر بنو اور میں باپ بن جاؤں گا۔ امداد باہمی کے لئے سائنٹیفک طریقے پر....!''

دفعتاً بلڈ ہاؤنڈ قریب ہی کے ایک ریستوران میں گھسنے لگا۔ فریدی نے جھپٹ کر اس کا پٹہ پکڑ لیا۔ کتا بھونکنے لگا تھا۔

''اسے دور لے جاؤ۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔ ''میں ابھی آیا۔''

حمید نے بُرا سا منہ بنایا اور کتے کو کھینچتے ہوئے دوسری طرف لے جانے لگا۔ فریدی ریستوران میں چلا گیا۔ حمید کچھ دور چلنے کے بعد کتے کے پٹے میں زنجیر ڈالنے کی لئے رکا۔

فریدی تیزی سے اس کی طرف آ رہا تھا۔

''حمید اسے واپس لے جاؤ۔ وہ ریستوران میں موجود ہے۔''

''لے آؤ.... لے جاؤ....!'' حمید جھنجھلا کر بولا۔ ''کتا خصی کیلئے میں ہی رہ گیا ہوں۔''

فریدی کچھ کہے بغیر تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا ریستوران میں داخل ہوگیا۔

کتا بھی اسی طرف جانے کے لئے زور کرنے لگا تھا۔

اچانک سڑک کے دوسرے کنارے پر حمید کو ایک لڑکی دکھائی دی صورت کچھ جانی سی معلوم ہورہی تھی.... ''کیا....؟'' اس کے ذہن کو جھٹکا سا لگا.... یہ وہی تو نہیں.... جو اکر اندھے کے ساتھ تھی.... لڑکی بھی سڑک پار کرکے اسی ریستوران میں چلی گئی۔

لڑکی اور سانپ

فریدی نے اخبار اٹھالیا تھا۔ لیکن اس کی نظر سامنے والے کیبن پر تھی۔ جہاں ایک بیٹھا کولڈ ڈرنک کی چسکیاں لے رہا تھا۔ فریدی اس کے چہرے کی بناوٹ کے متعلق غور کرنے لگا۔ یقیناً وہ افریقہ ہی کا باشندہ ہوسکتا ہے۔ غالباً زولو قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ کھلتا ہوا رنگ یہی کہتا ہے اور پھر جبڑوں کی بناوٹ .... کاسہ سر کی ابھری ہوئی پچھلی ہڈیاں.... وہ ہوسکتا ہے۔

ایک لڑکی فریدی کے قریب سے گزر کر اس کے شکار کے کیبن کے ملحقہ کیبن جا بیٹھی۔ لیکن فریدی اسے اس غیر ملکی کو کسی قسم کا اشارہ کرتے نہ دیکھ سکا تھا۔

غیر ملکی نے اطمینان سے کولڈ ڈرنک کا گلاس ختم کرکے اطمینان سے کرسی کی پشت ٹیک لگالی اور پھر اس طرح آنکھیں بند کرلیں جیسے بقیہ وقت اسی کیبن میں بیٹھا بیٹھا گزار دے گا۔ فریدی نے کافی کا آرڈر دے کر سگار سلگالیا۔

لڑکی والے کیبن میں ایک ویٹر چائے کی کشتی لئے ہوئے داخل ہوا۔ کشتی میز پر رکھ

ابھی تھا کہ لڑکی بڑے زور سے چیخی۔ ہال میں بیٹھے ہوئے دوسرے لوگ چونک پڑے۔ ویٹر آچکا تھا۔ لوگوں نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر ایک چائے کی پیالی آ کر لگی۔ ابھی وہ سنبھلا بھی نہیں تھا کہ ملک پاٹ اس کے شانے سے ٹکرایا اور پھر جب انتہائی گرم پانی والا ٹی پاٹ اس کے سینے پر پڑا.... تو وہ چیخ مار کر ایک بیرونی میز پر الٹ گیا۔

کسی بڑے ہنگامے کے لئے اتنا ہی کافی تھا۔ ایک میز کے الٹتے ہی بہتیری الٹ گئیں۔ ہال کے درمیان میں کھڑی بُری طرح چیخ رہی تھی۔ کوئی کچھ سمجھ ہی نہ سکا۔ معمولی آدمیوں کی اس بھیڑ میں فریدی جیسا ذہن آدمی بھی موجود تھا لیکن اس کی حالت دوسروں سے مختلف نہ تھی۔ وہ اپنے شکار کے متعلق بھی بھول چکا تھا۔

کچھ لوگ نہ جانے کیا سمجھے کہ انہوں نے اس ویٹر کو پکڑ کر پیٹنا شروع کردیا۔ فریدی بہرحال قانون کا محافظ تھا۔ وہ ویٹر کو چھڑانے کے لئے دوڑا۔

پھر ساری بھیڑ ویٹر کے گرد جمع ہوگئی۔

اچانک فریدی چونکا اور ویٹر تک پہنچنے کا خیال چھوڑ کر وہ پھر اپنی جگہ آیا لیکن غیر ملکی والا کیبن خالی تھا۔ وہ اسے بھیڑ میں تلاش کرنے لگا لیکن وہ وہاں بھی نہ ملا.... اور وہ لڑکی۔ وہ بھی غائب تھی۔ لیکن ویٹر کے گرد بھیڑ بڑھتی ہی جارہی تھی۔ فریدی بیرونی دروازے کی طرف لپکا۔

سارجنٹ حمید جہاں تھا وہیں اس کے قدم جم گئے تھے۔ اس نے لڑکی کو اچھی طرح پہچان لیا تھا، اور اب اُسے الجھن ہونے لگی تھی۔ نہ وہ کتے کو چھوڑ سکتا تھا اور نہ اسے لے کر ریستوران کے اندر جاسکتا تھا۔ اگر وہ آدمی جس کی فریدی کو تلاش تھی ریستوران ہی میں موجود تھا تو کتے کو وہاں لے جانا دانش مندی نہیں ہوسکتی تھی۔ کیوں کہ وہ اس کی بو محسوس کرتے ہی جھپٹ پڑتا۔

دوسری طرف یہ خیال کہ فریدی اس لڑکی سے واقف نہیں تھا۔ ہوسکتا تھا وہ اُسے چوٹ دے جاتی۔ یعنی اُس کے شکار کو اس بات سے آگاہ کردیتی کہ اس کا تعاقب کیا جارہا ہے۔ اس

کا اندازہ تو حمید نے پہلے ہی لگالیا تھا کہ فریدی اُسے پکڑنا نہیں چاہتا تھا۔ ورنہ وہ ر
سے واپس آ کر اس سے کتے کو واپس لے جانے کیلئے نہ کہتا۔ شاید وہ صرف اسکا تعاقب کرنا
حمید ریستوران سے کافی فاصلے پر تھا۔ اُسے فریدی کی ہدایت کے مطابق اب
چلا جانا چاہئے تھا.... لیکن .... وہ لڑکی.... اس نے اُسے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ اس
نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ اگر اُسے کوئی ڈیوٹی کانسٹیبل بھی نظر آ جاتا تو وہ کتے کو ا
کر کے خود بھی فریدی کے پاس پہنچ گیا ہوتا۔

اچانک بلڈ ہاؤنڈ قریب سے گزرنے والے ایک آدمی پر جھپٹا۔ زنجیر پر حمید
مضبوط نہیں تھی۔ آدمی اچھل کر بھاگا اور اس کی ٹانگ کتے کے جبڑوں کے درمیان
بال بال بچی۔ حمید نے جھپٹ کر کتے کو دونوں ہاتھوں سے دبوچ لیا۔ وہ آدمی بھاگتا
میں گھس گیا۔ حمید کی جان میں جان آئی۔ اس نے سوچا چلو اچھا ہی ہوا۔ اگر وہ آدمی
بجائے اُس پر الٹ پڑتا تو معاملے کو برابر کرنے میں بڑی دشواری پیش آتی۔

کتا آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ لوگ حمید کے گرد اکٹھا ہونے لگے اور وہ ایک
تماشہ بن کر رہ گیا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کتے کی ٹانگیں چیر ڈالے۔ کتا بار بار اسی گلی
جھپٹ رہا تھا جدھر وہ آدمی گیا تھا۔ حمید اتنا بدحواس ہو گیا تھا کہ کچھ سمجھ ہی نہ سکا۔

دفعتاً فریدی اس کی گردنگی ہوئی بھیڑ کو چیرتا ہوا قریب پہنچ گیا۔

''چلو....! تم اب تک یہاں ہو۔'' وہ اُسے کھینچتا ہوا آگے بڑھا۔ کتے کے آ
ہی بھیڑ پھٹ گئی۔

ان دونوں نے سڑک پار کی۔

''یہ دھکا زندگی بھر یاد رہے گا۔'' فریدی بڑبڑایا۔

''کیوں....؟'' حمید احمقوں کی طرح بولا۔

''وہ نکل گیا۔''

''ہائیں....!'' حمید اچھل کر بولا۔ ''اُف فوہ.... تب تو پھر وہی رہا ہو گا۔''

''کون....؟''

''ابھی ابھی یہ ایک آدمی پر جھپٹا تھا۔''

''اور تم نے اُسے نکل جانے دیا۔''

''میں کیا جانتا تھا۔''

''ارے او احمق.... اس سے پہلے کبھی وہ کسی پر جھپٹا تھا....؟ بولو.... کیا ہم اُسے زنجیر کے
بغیر یہاں تک نہیں لائے تھے۔''

''اُوہ.... تب تو وہ اس گلی میں گیا تھا۔'' حمید نے گلی کی طرف اشارہ کیا۔

کتا اب بھی اُسی طرف جانے کے لئے زور کر رہا تھا۔ حمید نے زنجیر ڈھیلی چھوڑ دی اور
کتے کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ وہ اسی گلی میں گھسا.... اور زمین سونگھ سونگھ کر آگے بڑھنے لگا۔ گلی کا
اختتام ایک دوسری چوڑی سڑک پر ہوا تھا یہاں کتا دائیں طرف کچھ دور چل کر رک گیا۔ وہ بار
بار زمین سونگھتا اور پھر چاروں طرف دیکھنے لگتا۔ ایک بار اس نے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر
رونے کی سی آواز نکالی اور پچھلی ٹانگوں پر وہیں بیٹھ گیا۔

فریدی ایک طویل سانس لے کر حمید کی طرف مڑا۔

''بیکار ہے۔'' اُس نے آہستہ سے کہا۔ ''یہاں سے وہ کسی سواری پر گیا ہے آؤ واپس
چلیں۔ خدا کی قسم یہ لوگ انتہائی چالاک ہیں۔''

''لیکن وہ نکل کیسے گیا۔'' حمید نے پوچھا۔ اس پر فریدی نے پورا واقعہ دہرا دیا۔

حمید اپنی گدی سہلانے لگا۔ اس نے سوچا اگر فریدی کو وہ یہ بتائے دیتا ہے کہ وہ اس لڑکی
کو پہچان گیا تھا تو شامت ہی آ جاتی۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی سے باتوں میں جیتنا بھی آسان
نہیں.... بہرحال اُس نے اس لڑکی کے متعلق کچھ بھی نہیں کہا۔

اسی شام کی بات ہے فریدی اور حمید ہوٹل ڈی فرانس میں چائے پی رہے تھے۔ فریدی کو

ہوٹلوں کی تفریح سے دلچسپی نہیں تھی لیکن جب سے عدنان والا کیس ہوا تھا وہ کم از کم دن میں ایک چکر ہوٹل ڈی فرانس کا ضرور لگا لیتا تھا۔ اُسے عدنان کے پرائیویٹ سیکریٹری ڈیگال پر شبہ تھا اور اُس نے اس موضوع پر حمید سے تھوڑی بحث بھی کی تھی۔ وہ کھلم کھلا یہ تو نہیں کہتا کہ عدنان کے قتل میں ڈیگال کا ہاتھ ہے لیکن بہرحال ....اس کی شخصیت بھی پراسرار معلوم ہوتی تھی اور وہ ابھی تک اس کا فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ ڈیگال کے جرم کی کیا نوعیت ہو سکتی ہے۔

''میں تو اب تنگ آ گیا ہوں۔'' حمید بڑبڑایا۔

''تم تنگ کب نہیں آتے۔'' فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''جہاں ذرا سا کام کرنا پڑے تمہاری جان نکلنے لگی۔''

''ہیہات.... ہیہات....!'' حمید نے گلوگیر آواز میں کہا۔ ''ایک لونڈیا.... ایشیا کے ایک عظیم سراغ رساں کو چوٹ دے گی۔ پتہ نہیں اُس قتالۂ عالم کا کیا نام ہے.... اگر افریقی ہی تو گازالی ہی کی طرح اس کا بھی نام ہوگا.... ٹکیانا.... چیں چر.... یا پھر.... پوں ٹل.... لاحول بولا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ حمید کی بکواس پر مسکرایا تک نہیں۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔

''تم فوزیہ سے دوستی بڑھاؤ۔''

''کسی ہیجڑے سے پریم نہ کرلوں۔'' حمید جل کر بولا۔

''تم سمجھے نہیں۔''

''میں سب کچھ سمجھ گیا ہوں ویسے اگر آپ کہیں تو میں برخوردار بغرا خاں کے لئے پیغام دے سکتا ہوں۔''

''تم اس بکرے کو ہٹاؤ گھر سے ورنہ میں گولی مار دوں گا۔''

''ہرن تصور کر کے ماریئے گا۔ اس طرح شکار کا بھی شوق پورا ہو جائے گا۔ مگر کمال ہے کیسا چونا لگایا لونڈیا نے.... ہاہا....!''

''بکومت....!'' فریدی جھنجھلا گیا۔

''بڑی ذہین لڑکی ہے۔ اگر آپ اپنی نسل میں ذہانت کے جراثیم برقرار رکھنا چاہتے ہیں

اس سے شادی کی کوشش کیجئے۔ افریقہ اور ہندوستان کا پیوند.... بچوں کے نام ہوں گے.... ٹخ ٹخ فریدی.... کھٹ کھٹ فریدی.... چرغل فریدی وغیرہ وغیرہ وغیرہ....!''

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد حمید پر بھی سنجیدگی طاری ہوگئی۔ اس نے پوچھا۔ ''آخر یہ نور جہاں کا قصہ کیا ہے۔''

''ہوگا کچھ.... مجھے اس سے دلچسپی نہیں۔ مجھے دو آدمیوں کے قاتل یا قاتلوں کی تلاش ہے۔''

''لیکن آپ نور جہاں والے معاملے میں کچھ جانتے ضرور ہیں۔''

''ہو سکتا ہے۔'' فریدی نے کہا اور آگے کی طرف جھک کر سگار سلگانے لگا۔

بیرونی دروازے سے فوزیہ کا حبشی ملازم اندر داخل ہوا اور انہیں گھورتا ہوا اوپری منزل کے زینوں پر چڑھنے لگا۔

''اوہ.... یہ باہر سے آ رہا ہے۔'' حمید نے کہا۔

''ہاں.... میں نے ان پر سے پابندی ہٹالی۔'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

''آؤ....!''

''آؤ اور جاؤ....!'' حمید نے بھی اٹھتے ہوئے کہا۔ ''اس کے علاوہ اور رہ کیا گیا ہے۔ لونڈیاں الگ الو بناتی ہیں۔''

''کیا بک رہے ہو.... اب اگر تم نے اس واقعے کا نام لیا تو گلا گھونٹ دوں گا۔''

''چلئے یہی سہی.... یہیں نام لوں یا گھر چل کر۔''

وہ دونوں کمپاؤنڈ میں نکل آئے۔ رات بڑی خوشگوار تھی۔ فریدی چند لمحے کھڑا ادھر اُدھر دیکھتا رہا پھر کیڈلاک کی طرف بڑھا۔

وہ اگلی کھڑکی کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر اُسے گھمانے ہی جا رہا تھا کہ حمید نے اُسے اچھل کر پیچھے ہٹتے دیکھا۔

''ٹارچ ہے۔'' اس نے مڑ کر حمید سے پوچھا۔

''کیا بات ہے۔'' حمید آگے بڑھ کر بولا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے جیب سے سگار لائٹر نکال کر جلایا اور کار کے دیکھنے لگا۔

''بہت اچھے۔'' حمید نے سگار لائٹر کی مدہم روشنی میں فریدی کے چہرے پر عجیب قسم روشنی دیکھی اور پھر جب اس کی نظر اگلی سیٹ پر پڑی تو اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ ایک بڑا سانپ اگلی سیٹ پر رینگ رہا تھا۔ پھر اچانک پچھلی سیٹ پر بھی اُسے کوئی سیاہ سی چیز حرکت کرتی ہوئے نظر آئی۔

''غل مچانے کی ضرورت نہیں۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔ ''اب ہمارے پاس کل سانپ ہوئے۔''

حمید کی کھوپڑی بھک سے اڑ گئی۔ وہ سوچنے لگا کہیں اس آدمی کا دماغ تو نہیں خ ہوگیا۔ اگر ابھی بیٹھ گئے ہوتے تو کیا حشر ہوتا۔ فریدی سگار لائٹر جلائے ہوئے بڑی دلچسپی سانپوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

''مائی ڈیئر.... بلیک مومبا....!''

''آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔'' حمید جھلا کر بولا۔

''اس قسم کا سانپ صرف افریقہ میں پایا جاتا ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''بلیک مومبا ہے۔ سانپوں کی نسل میں اس سے شریر سانپ اور کوئی نہیں ہوتا۔ یہ جان بوجھ کر صرف آدم حملہ کرتا ہے۔''

''تو آپ اس کی نسل پر لیکچر دیں گے۔'' حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔

''فرزند ایک شاندار اضافہ.... میرے پاس اس نسل کا کوئی سانپ نہیں تھا۔''

''لیکن یہ ایک ہندوستانی کار میں کہاں سے آ ٹپکا۔'' حمید نے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہ

''اوہو.... اس پر پھر غور کریں گے۔ فی الحال انہیں پکڑنے کا مسئلہ ہے۔''

''کیا....!'' حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔

''ایک کو تم پکڑو اور دوسرے کو میں۔''

''سنئے جناب میرے باپ دادا سپیرے نہیں تھے.... اور....!''

''چپ چپ.... شور نہیں.... تم سگار لائٹر پکڑو۔''

حمید حیرت سے فریدی کو دیکھ رہا تھا۔ کیا یہ وہی فریدی تھا۔ سنجیدہ اور باوقار فریدی.... زنہیں.... اس وقت تو وہ شوخ اور کھلنڈرا بچہ معلوم ہو رہا تھا۔ ایک ایسا بچہ جو گھاس پر بیٹھی ہوئی سی ٹڈی کو پکڑنے جا رہا ہو۔

حمید نے سگار لائٹر پکڑ لیا۔ سانپ اب سیٹ سے نیچے اتر گیا تھا۔ فریدی نے ہینڈل گھما ر کھڑکی میں ذرا سی دراز کی.... سانپ باہر کا راستہ دیکھ کر اس کی طرف لپکا لیکن صرف اس کا ہی باہر نکل سکا.... کیونکہ فریدی نے کھڑکی کا پاٹ تھوڑا سا دبا دیا تھا۔ اب اس نے چٹکی سے کا نیچے کا حصہ پکڑ لیا۔ سانپ کا منہ پھیل گیا۔

''ارے کیا کر رہے ہیں آپ....!'' حمید دانت پیس کر بولا۔

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر سانپ کو آہستہ آہستہ باہر کی طرف کھینچ رہا تھا۔

''ہاتھ میں لپٹ جائے گا۔'' حمید بے چینی سے بولا۔

''بس دیکھتے رہو۔ اس میں اتنی سکت ہی نہ رہ جائے گی۔ یہ بھی ایک آرٹ ہے فرزند.... رگ دبائی ہے کہ کیچوے کی طرح جھولتا رہ جائے گا۔''

فریدی نے ایک جھٹکے کے ساتھ سانپ کا بقیہ حصہ باہر کھینچ لیا اور اُسے حمید کے چہرے ے برابر اٹھاتا ہوا بولا۔ ''دیکھو.... ہے نا کیچوا.... یہ نہ سمجھنا کہ مر گیا ہے ابھی زمین پر چھوڑ دوں مجھے تحت الثریٰ میں بھی نہ چھوڑے.... شاباش.... اب تم اسی طرح دوسرے کو پکڑ لو۔''

''کیا....؟ آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔''

''افسوس کہ میں سانپ دیکھ لینے کے بعد ہوش میں نہیں رہتا۔'' فریدی نے ہلکا سا قہقہہ ر کہا۔ ''اچھا اٹیچی کھولو۔''

حمید نے اٹیچی کھولی اور فریدی نے سانپ کو اس میں ڈال دیا۔ اٹیچی بند کر کے وہ پچھلی ٹ کی طرف آئے۔

''اچھا اب میں اسے پکڑتا ہوں....'' فریدی نے انگریزی میں کہا اور زمین پر بیٹھ
آہستہ سے بولا۔ ''تم سگار لائٹر کو اسی طرح اٹھائے رہو۔ اب میں تمہیں ایک دوسرا کرشمہ
دکھاؤں گا.... میری واپسی تک اسی طرح لائٹر اٹھائے ہوئے کچھ اوٹ پٹانگ بڑبڑاتے رہنا
اچھا.... شب بخیر فرزند۔''

وہ حمید کو متحیر چھوڑ کر ایک طرف تاریکی میں رینگ گیا۔

کمپاؤنڈ کا یہ حصہ ہوٹل کی عمارت سے کافی دور تھا اور یہاں قرب و جوار میں تاریکی تھی

دشمنوں میں

حمید کی سمجھ میں خاک بھی نہ آیا۔ اول تو کسی سانپ کا اس طرح پکڑنا ہی پاگل پن
کچھ کم نہیں تھا۔ دوسرا یونہی بلاوجہ کچھ بے تکی باتیں کر کے سینے کے بل رینگتے ہوئے اندھیرے
میں غائب ہو جانا بھی صحیح الدماغی کی علامت نہیں تھی۔

لیکن یہ حرکتیں فریدی سے سرزد ہوئی تھیں۔ اس لئے حمید اُسے محض مذاق سمجھنے کے
بھی تیار نہیں تھا۔

حمید انتظار کرتا رہا۔ اور اس اثناء میں سگار لائٹر کی اسپرٹ بھی ختم ہو گئی۔ اندھیرا ہونے
کے بعد حمید دیا سلائیاں جلاتا رہا۔ ایک سانپ ابھی تک آزاد تھا.... اور وہ اس نسل کے
کی خصوصیات تھوڑی دیر قبل ہی سن چکا تھا۔ پتہ نہیں فریدی کب تک واپس آئے اور وہ
کے پاس سے ہٹنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ مگر وہ سانپ جو اب بھی پچھلی نشست کے نیچے رینگ
تھا حمید نے سوچا کہ کیوں نہ اسے اسی طرح مار ہی ڈالے جس طرح فریدی نے اگلی سیٹ
سانپ پکڑا تھا۔ مگر یہ کام اس اکیلے کے بس کا روگ نہیں تھا اور وہ ہوٹل سے بھی کسی کو
سکتا تھا کیونکہ اگر فریدی اسے پسند کرتا تو پہلے ہی اس نے کسی اور کو بھی مدد کے لئے بلا

پھر اس نے سوچا کہ کھڑکی کھول کر اُسے اندر ہی سے نکال دے لیکن اسے اس کی
موصیات یاد آ گئیں۔ فریدی نے کہا تھا کہ وہ جان بوجھ کر آدمیوں پر حملہ کرتا ہے۔

دفعتاً نہ جانے کدھر سے ایونگ ان پیرس کی خوشبو کی ایک لپٹ آئی اور حمید نتھنے سکوڑ کر
رھیرے میں گھورنے لگا۔

''آرتھر ڈارلنگ....!'' کسی عورت کی سرگوشی سنائی دی۔ وہ چونک کر مڑا۔ اس سے شاید
بن فٹ کے فاصلے پر کوئی عورت کھڑی تھی۔

حمید سب کچھ بھول گیا۔ آواز میں بڑی دل کش کھنک تھی بڑی سکس اپیل تھی۔

''ڈیئرسٹ.... میں تیار ہوں۔'' عورت نے آہستہ سے کہا۔

''اچھا....!'' حمید گھٹی گھٹی سی آواز میں تھوک نگل کر بولا۔

عورت اور قریب آ گئی۔ اتنی قریب کہ اس کے اور حمید کے چہرے میں شاید ایک بالشت
کا فاصلہ رہ گیا.... اور پھر حمید نے ایک بہت ہی تیز قسم کی بو محسوس کی جو ایونگ ان پیرس کی
خوشبو پر بھی غالب آ گئی تھی۔ اس کے نتھنوں میں جلن ہونے لگی۔ وہ لڑکھڑا کر ایک قدم پیچھے
ہٹا.... اور پھر اُسے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے وہ عورت اسے اپنے بازوؤں میں لے کر آسمان کی
طرف پرواز کر رہی ہو۔ چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی تھی۔

اور جب تاریکی دور ہوئی تو حمید نے خود کو ایک کمرے میں پایا۔ شاید وہ دو گھنٹے تک
بیہوش رہا تھا۔ اس نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ کمرے کی روشنی اس کے سر کے اندر سنسنی پیدا
کر رہی تھی۔

کچھ دیر بعد اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔ اس کے
ذہن میں پھر ایونگ ان پیرس کی خوشبو جاگ اٹھی اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔

اس کے سامنے وہی لڑکی کھڑی تھی جسے اس نے لوزانا کے ساتھ دیکھا تھا۔ حمید اچھل کر
بیٹھ گیا۔ لڑکی بڑے دل آویز انداز میں مسکرا رہی تھی۔

''تم شاید مجھے پہچانتے ہو۔'' لڑکی تھوڑی دیر بعد انگریزی میں بولی۔

حمید کچھ نہ بولا۔ اس نے اپنی آنکھیں کچھ نشیلی سی بنالیں۔ لڑکی اُسے دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

''شاید....!'' حمید نے آہستہ سے کہا۔ ''میں نے تمہیں مصر میں دیکھا تھا.... اب سے ایک ہزار سال پہلے۔''

''اور تم تب بکروں کے بجائے گدھے پالتے تھے۔''

''میں اس مذاق کو نہیں سمجھا....'' حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ اس کی آواز خوابناک اور بھرائی ہوئی تھی۔ پھر دفعتاً وہ چونک کر ادھر اُدھر دیکھتا ہوا بولا۔ ''میں کہاں ہوں۔''

اور وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے ڈری ڈری سی چیخ ماری اور لڑکی سے لپٹ گیا۔

''ارے.... ارے....!'' وہ اُسے دھکیل کر پیچھے ہٹ گئی۔

''بچاؤ....!'' حمید پھر جھپٹا.... لڑکی بوکھلا گئی تھی۔ اُس نے اسے روکنے کے لئے اپنے دونوں ہاتھ آگے کی طرف پھیلا دیئے۔

''سانپ .... سانپ....!'' حمید کمرے میں چاروں طرف ناچنے لگا۔ وہ ڈری ڈری آواز میں ''سانپ سانپ'' کہتا ہوا پھر لڑکی کی طرف بڑھا۔

''خاموش رہو۔'' دفعتاً لڑکی نے اپنے بلاؤز کے گریبان سے ایک چھوٹا سا آٹومیٹک پستول نکالتے ہوئے کہا۔ حمید جہاں تھا وہیں رک گیا۔ پھر اس نے اپنی آنکھیں مل مل کر چاروں طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ کر ہڑبڑا کر سوتے جاگا ہو۔

''تم کون ہو....!'' اس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

''تم مکار ہو....!'' لڑکی اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولی۔

''افسوس تم بھی یہی کہہ رہی ہو۔ آج تک کسی نے میری روح میں جھانکنے کی کوشش نہیں کی۔''

''بکواس بند کرو۔'' لڑکی جھنجھلا کر بولی۔ ''تم یہاں فلرٹ کرنے کیلئے نہیں لائے گئے۔''

''پھر....!'' حمید یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔

''نور جہاں کے متعلق تم کیا جانتے ہو۔''

''میں ساری دنیا کے متعلق صرف ایک بات جانتا ہوں۔''

لڑکی کچھ نہ بولی۔ لیکن اس کی نظریں سوالیہ انداز میں حمید کی طرف اٹھی ہوئی تھیں اور حمید جیسے تہیہ کر لیا تھا کہ آگے کچھ نہ کہے گا۔ لڑکی چند لمحے اُسے گھورتی رہی پھر تحکمانہ لہجے میں بولی۔ ''بیٹھ جاؤ۔''

''مگر میں ٹہلنا چاہتا ہوں۔'' حمید لاپروائی سے بولا۔ ''پستول رکھ لو اس کی ضرورت نہیں۔ مجھے پسند آئی ہو۔ اس لئے میرے بھاگنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

وہ چند لمحے خاموش رہ کر پھر بولا۔ ''میں اور میرا چیف مداری ہیں۔ تمہارے بلیک مومبا کا حشر ہوا؟ شاید تم نے دیکھا ہو۔''

''لیکن وہ کہاں غائب ہو گیا....؟''

''ڈر کر بھاگ گیا ہوگا.... وہ خوبصورت لڑکیوں سے بہت ڈرتا ہے۔''

''ڈیگال نے تمہیں عدنان کی موت کے متعلق کیا بتایا ہے۔''

''ہائیں تو کیا عدنان مر گیا.... مجھے تو ڈیگال نے بتایا تھا کہ وہ احرامِ مصر کی زیارت کرنے گیا ہے۔''

لڑکی اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے حمید کو گھور رہی تھی۔

''تم نہیں بتاؤ گے۔'' وہ تھوڑی دیر بعد بولی۔

''سنو.... ہنی.... کبھی تم نے کسی سے محبت بھی کی ہے۔''

وہ مکا تان کر حمید کی طرف جھپٹی۔

''بیلا....!'' عقبی دروازے کی طرف سے آواز آئی۔ حمید چونک پڑا۔ لڑکی بھی جہاں تھی ساکت رہ گئی۔ دروازے میں وہی طویل القامت اندھا کھڑا تھا' جسے حمید نے نائٹ کلب میں دیکھا تھا۔

''کیا بات ہے؟'' وہ ایک قدم آگے بڑھ کر بولا۔

''بیلا....!'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''کتنا پیارا نام ہے۔''

''آں....!'' اندھا چونک پڑا۔ ''یہاں اور کون ہے؟''

''جاسوس....!'' بیلا نے کہا۔ ''ان میں سے ایک ہمارے ہاتھ آ گیا ہے۔''

''خوب....لیکن کیوں....؟''

''یہ معلوم کرنے کے لئے کہ یہ نور جہاں کے متعلق کیا جانتے ہیں۔''

''کیا تمہیں ڈیگال کی بات پر یقین آ گیا تھا۔'' اندھے نے مسکرا کر پوچھا۔

''مجھے یقین ہے کہ یہ ضرور کچھ جانتے ہیں۔''

''دوسرا کہاں ہے۔''

''وہ نکل گیا۔''

''ہوں....!'' اندھا جھنجھلا گیا۔ ''لیکن میرے کہنے پر عمل کیوں نہیں کیا گیا۔''

''عظیم لوزاٹا'' بیلا لرزتی ہوئی بولی۔ ''تیرے حکم سے سرتابی ناممکن ہے۔ ہم نے کہنے پر عمل کیا تھا لیکن انہوں نے ان کو بچوں کا کھیل بنا ڈالا۔''

''اوہو....!''

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر اندھے نے کہا۔ ''کیا یہ فریدی ہے؟''

''نہیں....وہ نکل گیا۔'' بیلا نے کہا۔

''اوہ....!'' اندھے کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔ ''کیا سب لوگ یہاں موجود ہیں''

''املیگاس کے علاوہ اور سب ہیں۔'' بیلا نے کہا۔

''وہ کہاں ہے!''

''دوسرے کو تلاش کر رہا ہوگا۔''

''ہوں....!'' لوزاٹا کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''تم نے اس سے کیا معلوم کیا۔''

''کچھ نہیں....! یہ تو باتوں میں ٹال رہا ہے۔''

''تمہیں بولنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔'' لوزاٹا نے حمید سے کہا۔

''میں بڑی دیر سے بول رہا ہوں۔'' حمید نے کہا اور بیلا کو آنکھ مار کر مسکرانے

بوکھلا کر لوزاٹا کی طرف دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔

''نور جہاں کے متعلق کیا جانتے ہو؟''

''اگر تم ایک بار مجھے اس کی شکل دکھا دو تو اس کے باپ دادا کا نام بتا دوں گا۔''

''بیلا مجھے یقین ہے کہ یہ کچھ نہیں جانتا'' لوزاٹا نے کہا۔ ''تو نے اسے یہاں لا کر غلطی ۔یہاں لاشوں کو ٹھکانے لگانے میں بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں۔''

حمید سناٹے میں آ گیا....اور سناٹے میں آنے کے بعد وہ ہمیشہ ہنگامہ پسند کرتا تھا۔ وہ ہ کر بیٹھنے کے امکانات پر غور کر ہی رہا تھا کہ ایک آدمی بوکھلایا ہوا کمرے میں گھسا۔ اس کے پر پٹی بندھی ہوئی تھی، چہرے پر کئی خراشیں تھیں جن سے خون نکل کر جم گیا تھا۔

بیلا حیرت سے اُسے دیکھنے لگی۔

''کون ہے....؟'' لوزاٹا یک بیک چونک کر بولا۔

''املیگاس....!'' بیلا آہستہ سے بڑبڑائی۔

''املیگاس....!'' لوزاٹا کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں اور پھر اس نے اس طرح گھٹنے وڑے جیسے کچھ سونگھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

اس نے کسی غیر ملکی زبان میں بیلا سے کچھ کہا اور وہ کمرے سے چلی گئی۔

''املیگاس....!'' اس نے نوارد سے انگریزی میں کہا۔ ''کیا خبر ہے۔''

''بہت سخت لڑائی ہوئی۔'' املیگاس کراہ کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''وہ اس سے اقف تھا کہ میں اس کا تعاقب کر رہا ہوں۔''

''پھر کیا ہوا....املیگاس....!''

''پھر اس خیال سے مجھے جان بچا کر بھاگنا پڑا کہ کہیں گرفتار نہ ہو جاؤں۔''

''تم نے اچھا کیا املیگاس....!''

بیلا پھر واپس آ گئی۔

''بیلا....!'' لوزاٹا نے اُسے مخاطب کیا۔ ''کیا املیگاس بہت زیادہ زخمی ہے۔''

''شاید....!'' بیلا املیگاس کو گھورتی ہوئی بولی۔

''لیکن املیگاس ایک بات نہیں جانتا۔'' لوزاٹا نے زہر خند کے ساتھ کہا۔ ''وہ نہیں کہ لوزاٹا سر سے پیر تک آنکھ ہی آنکھ ہے اور اس کی ناک کتے کی ناک سے بہت ز ہے۔ آملیگاس کی شکل آنکھ والوں کو دھوکا دے سکتی ہے اندھیرے کے شہنشاہ کو نہیں۔'' اُس نے چیخ کر کہا۔ ''اس جاسوس کو پکڑلو۔''

املیگاس اچھل کر دروازے کے قریب چلا گیا۔ لیکن پھر اُسے ایک قدم آگے پڑا۔ کیونکہ ایک ریوالور کی نال اس کی پیٹھ میں چبھ رہی تھی۔

''اسے میرے قریب لاؤ۔''

ریوالور کی نال اور شدت سے املیگاس کی پیٹھ میں چبھنے لگی۔ وہ ایک قدم اور آ۔ اور پھر رک گیا۔ حمید اور وہ ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔ آخر املیگاس نے مسکرا کر کہا۔ ''بُرے پھنسے فرزند....!''

''ہائیں....!'' حمید اچھل پڑا۔ آواز فریدی کی تھی۔

لوزاٹا نے قہقہہ لگایا۔ حمید گھبرا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ کمرے میں تین دروازے اور ہر دروازے میں ایک آدمی ریوالور لئے کھڑا تھا۔

''لاڈن....!'' لوزاٹا چیخا۔ ''اُسے میرے قریب لاؤ۔''

''ٹھہرو....!'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''کیا تم مجھے عدنان سمجھتے ہو۔''

''اس سے بھی کمتر....!'' لوزاٹا نے مسکرا کر کہا۔

''اچھا تو چلو کوشش کرو۔'' فریدی لاپروائی سے بولا۔ ''شاید ایسی گردن تمہیں پہلے خ میں بھی نصیب نہ ہوئی ہو۔''

فریدی خود ہی اس کی طرف بڑھنے لگا۔ حمید نے سوچا کہ اب کچھ نہ کچھ ہو کر ہی رہ اس نے جھپٹ کر بیلا کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور انہیں اپنی گردن کی طرف کھینچتا ہوا بولا۔

''چلو تم میرا گلا گھونٹ دو.... میں تو اس بدصورت اندھے کے ہاتھوں مرنا پسند نہیں کروں گا

بیلا ہاتھ چھڑانے لگی اور پھر اچانک حمید نے اس کی گردن دبوچ لی اور چیخ کر بولا۔

''لوزاٹا.... میں اس لڑکی کا گلا گھونٹنے جا رہا ہوں۔''

''چھوڑ دو.... چھوڑ دو....!'' تینوں مسلح آدمی بیک وقت چیخے۔

فریدی کی طرف بڑھے ہوئے لوزاٹا کے ہاتھ نیچے جھول گئے۔ بیلا بُری طرح مچل رہی تھی اور اس کے منہ سے گالیوں کا فوارہ جاری تھا۔

''میں بھی مرجاؤں گا۔ تم بھی مرجاؤ گی۔'' حمید ناک کے بل گنگنایا۔ ''پھر میں عالم رواح میں تم سے کہوں گا آ مری جان مرے پاس دریچے کی قریب۔''

دفعتاً فریدی نے اچھل کر لوزاٹا کے پیٹ میں لات ماری اور وہ چیخ کر ڈھیر ہو گیا۔ بیک وقت تین فائر ہوئے لیکن شاید فریدی اس سے قبل ہی لوزاٹا کے برابر لیٹ گیا تھا۔

حمید سمجھا شاید فریدی رخصت ہو گیا۔ اس لئے اس نے مچلتی ہوئی لڑکی کا الوداعی بوسہ لے کر اُسے ایک ریوالور والے کی طرف اچھال دیا۔ وہ دونوں فرش پر آ رہے۔ بیلا بڑے زور سے چیخی پھر دو فائر ہوئے۔

فرش پر فریدی اور لوزاٹا گتھے ہوئے تھے۔ حمید گرنے والے کے ریوالور پر قبضہ کر چکا تھا۔ لیکن جب اس نے ایک آدمی کا نشانہ لے کر ٹریگر دبایا تو ریوالور پھٹ کر رہ گیا۔ وہ خالی نا۔ گرا ہوا آدمی حمید پر ٹوٹ پڑا۔

بیلا بیہوش پڑی تھی.... اور اب حمید مطمئن تھا۔ اس نے فریدی کو لوزاٹا سے لپٹے ہوئے یکھ لیا تھا۔ بقیہ دو آدمی بے بسی سے انہیں گھور رہے تھے۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا لریں۔ اگر وہ فریدی اور حمید پر گولی چلاتے تو لوزاٹا اور ان کے ایک ساتھی کے زخمی ہو جانے کا ی احتمال تھا۔

اچانک ان میں سے ایک نے پیتل کا ایک وزنی گلدان اٹھا کر فریدی کے سر پر ضربیں ہانی شروع کر دیں۔ حمید اس آدمی کو چھوڑ کر فریدی کی مدد کو لپکا۔ پھر ایک فائر ہوا۔ اگر حمید رتی سے بیٹھ نہ گیا ہوتا تو گولی اس کے سر سے گذر گئی ہوتی۔

فریدی تو گلدان کی ضربوں سے بیہوش ہو ہی چکا تھا....اس کے بعد حمید کی خاصی ہو گئی۔

''اتنا ہی کافی ہے۔'' لوزاٹا نے ہانپتے ہوئے کہا۔ جان سے مت مارو۔ ابھی ہمیں ہے کہیں عمارت کے گرد پولیس کا گھیراؤ نہ ہو۔ انہیں کہیں بند کر دو۔ ان کے ساتھ تین لا ہوں گی۔

فریدی کو ہوش آیا تو اس نے محسوس کیا کہ اس کے ہاتھ اور پیر بندھے ہوئے ہ تاریک نہیں تھا۔ اسے اپنے قریب ہی ڈیگال، لیوکاس اور فوزیہ بھی نظر آئے۔ ان کے بھی اسی طرح بندھے ہوئے تھے۔ حمید ذرا فاصلے پر تھا اور اُسے بھی ہوش آ چکا تھا۔

''ڈیگال....! یہ سب محض تمہاری وجہ سے ہوا۔'' فریدیؔ نے اُسے مخاطب کیا۔

''املیگاس....تم اس حال میں کیوں نظر آ رہے ہو۔'' ڈیگال نے حیرت سے پو

''میں فریدی ہوں۔''

ڈیگال اور اس کے ساتھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فریدی کو گھورنے لگے۔

''میں کہہ رہا تھا۔'' فریدی بولا۔ ''کہ یہ سب کچھ محض تمہاری وجہ سے ہوا۔ اگر پہلے ہی لوزاٹا کی قیام گاہ کا پتہ بتا دیتے تو یہ کبھی نہ ہوتا۔''

''میں نہیں جانتا تھا۔''

''تم بکتے ہو....تم نور جہاں کے لئے لوزاٹا سے سودا کر رہے تھے تم نے لوزاٹا کو تھی کہ اگر اس نے تمہیں ایک بھاری رقم نہ دی تو تم پولیس کو نور جہاں کے متعلق بتا دو اپنی حفاظت کے لئے تم نے یہ شوشہ بھی چھوڑا تھا کہ دوسراغ رساں بھی نور جہاں کے ہی سے کچھ جانتے ہیں کیوں.....کیا خیال ہے۔''

''یہ جھوٹ ہے۔'' ڈیگال بڑبڑایا۔

''اگر یہ جھوٹ ہے تو پھر تم تینوں آج ہی یہاں کیوں نظر آ رہے ہو۔ پہلے ہی اس حال کو یوں نہیں پہنچے۔ لوزاٹا کی دانست میں صرف ہم پانچ ہی نور جہاں کے راز سے واقف ہیں۔ لئے شاید تھوڑی دیر بعد موت کے گھاٹ اتار دیئے جائیں گے۔''

''ڈیگال....تم....!'' فوزیہ بڑبڑائی۔

''بے بی....یہ جھوٹ ہے۔''

''فریدی کبھی لایعنی گفتگو نہیں کرتا۔'' فریدی نے کہا۔

''آپ یہاں پہنچے کس طرح تھے۔'' حمید نے پوچھا۔

''لمبی کہانی ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''سب سے پہلے ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ ہم سچ اچوہوں کی سی موت کا انتظار کرنے کے لئے پیدا نہیں ہوئے تھے۔''

کوئی کچھ نہ بولا۔ فریدی چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ کمرہ زیادہ کشادہ نہیں تھا۔ کمرے ے بجائے اُسے کوٹھڑی ہی کہنا مناسب ہوگا۔ اس میں صرف ایک دروازہ تھا اور کھڑکیاں نہیں یں۔ چھت سے ایک چالیس پاور کا بلب لٹکا ہوا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ لوزاٹا کو املیگاس کی بھی فکر ہوگی۔'' فریدی نے حمید سے کہا۔ ''شاید مجھ سے پوچھے....بس یہی ایک موقعہ میرے ہاتھ آ سکتا ہے....ورنہ۔''

''املیگاس کہاں ہے؟'' حمید نے پوچھا۔

''میری قید میں۔''

فوزیہ ڈیگال کو بُرا بھلا کہہ رہی تھی اور ڈیگال خاموش تھا۔

''آخر وہ اندھا آپ کو پہچان کیسے گیا۔ مجھے سخت حیرت ہے۔'' حمید نے کہا۔

''میں اس کی غیر معمولی قوتوں کا معترف ہوں۔ وہ کسی شکاری کتے ہی کی طرح اپنے دشمنوں کی بو پہچانتا ہے۔ آنکھوں سے محروم ہو جانے پر بعض لوگوں میں بے پناہ قوتیں عود آتی ہیں۔''

''کسی کو آپ کے یہاں آنے کا علم ہے کہ نہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''کسی کو بھی نہیں.... اس آدمی اسلیگاس سے مجھے یہاں کا پتہ معلوم ہوا تھا۔ پھر یقین نہیں تھا اس لئے میں نے پہلے تنہا ہی اطمینان کر لینا مناسب سمجھا۔''

''اب زندگی بھر اطمینان کرتے رہئے۔'' حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''آئی۔ جی بالکل ٹھیک کہتے ہیں کہ آپ کریک ہیں.... یہ ضروری نہیں کہ ہر بار ہم بال بال بچ جائیں۔''

''نہ بھی بچیں تو کیا فرق پڑے گا۔''

''آپ کے کتے یتیم ہو جائیں گے۔''

اچانک دروازہ کھلا اور دو آدمی اندر داخل ہوئے۔ وہ چند لمحے اپنے قیدیوں کو دیکھتے رہے پھر وہ فریدی کے قریب آئے اور اُسے اٹھانا چاہا۔

''دو آدمی اور لاؤ۔'' فریدی ہنس کر بولا۔

دونوں نے اپنا انتہائی زور صرف کر دیا لیکن فریدی نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔ جھلا کر ایک نے اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔ فریدی نے جھلاہٹ میں کہنیاں ٹیک کر اٹھنے کی کوشش کی اور پھر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے پشت پر بندھے ہوئے ہاتھوں کی رسی کا ایک حصہ ڈھیلا ہو گیا ہو۔ وہ اٹھنے کی کوشش ترک کر کے چت لیٹ گیا۔ پاس کھڑے ہوئے آدمی نے اسے ٹھوکر ماری جسے اس نے اپنے جوتوں کے تلوؤں پر روک لیا۔ وہ ٹھوکریں مارتا رہا اور فریدی کا شغل بھی جاری رہا۔ اس کی ایک ٹھوکر بھی اس کے جسم پر نہیں پڑی اس دوران میں اس کے دونوں ہاتھ آزاد ہو گئے تھے۔ پھر جیسے ہی وہ ٹھوکر مارنے کے لئے آگے بڑھا فریدی نے اس کی ٹانگ پکڑ لی۔ جھٹکا لگتے ہی وہ اپنے پیچھے کھڑے ہوئے ساتھی پر گرا.... اور وہ دونوں بیک وقت زمین پر آ رہے۔

دوسرے لمحے میں فریدی ان کے اوپر تھا۔ اس کے پیر اب بھی بندھے ہوئے تھے۔ وہ تو زندگی اور موت کا سوال تھا۔ اگر اس کے ہاتھ بھی بندھے ہوتے تب بھی آخری جیت خاتمہ کشت و خون ہی پر ہوتا۔ فریدی کے گھٹنے ایک کی گردن پر تھے اور دوسرے کی گردن کے ہاتھ تھے اور وہ اپنی پوری قوت صرف کر رہا تھا۔

زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ دوسرے قیدیوں نے فریدی کو الگ ہٹتے دیکھا۔ وہ بڑی تیزی سے اپنے پیروں کی رسی کھول رہا تھا۔ دونوں آدمی بے حس و حرکت فرش پر چت پڑے تھے۔ کسی کے منہ سے آواز تک نہ نکلی خود حمید بھی فریدی کو ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ ہو۔

فریدی نے حمید کی رسیاں بھی کھول دیں۔ اب وہ دونوں کی جانب متوجہ ہوا۔ ان کے پاس سے ریوالور برآمد ہوئے۔ ایک اس نے حمید کی طرف اچھال دیا۔

''کیا.... یہ....'' حمید فرش پر پڑے ہوئے آدمیوں کی طرف دیکھ کر ہکلایا۔

''ہاں.... یہ گازالی کے پاس پہنچ گئے۔''

''کیا ہمیں نہیں کھولو گے۔'' ڈیگال مردہ سی آواز میں بولا۔

''تم مجرم ہو.... تم سے مراد تم اور لیوکاس۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ پھر حمید سے بولا۔ ''لڑکی کو کھول دو۔''

حمید اس کی طرف چلا ہی تھا کہ بیلا کمرے میں داخل ہوئی۔ فریدی نے ریوالور کا رخ اس کی طرف کر کے ہونٹوں پر انگلی رکھ لی۔ بس ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کسی نے بیلا کی روح قبض کر لی ہو۔ وہ پتھر کے مجسمے کی طرح بے حس و حرکت کھڑی تھی۔

''اسے باندھ لو....!'' فریدی نے حمید سے کہا۔

''ارے ہائے.... ہائے.... اسے تو میں اپنی البم میں چپکاؤں گا۔'' حمید سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔

''بدتمیزی نہیں جلدی کرو....!''

حمید نے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے بھی ڈیگال کے پاس ہی ڈال دیا۔

پھر وہ فوزیہ کی رسیاں کھولنے کے لئے آگے بڑھا۔

''ٹھہرو....!'' فریدی نے کہا۔ ''ابھی رہنے دو.... آؤ میرے ساتھ۔''

انہوں نے کوٹھڑی سے نکل کر دروازہ مقفل کر دیا۔

''اب وہ بالکل تنہا ہو گا۔'' فریدی نے کہا۔

''کیوں....؟''

''جب میں یہاں آیا تھا لوزاٹا کے علاوہ صرف تین ہی مرد تھے دو کا خاتمہ ہو چکا ہے تیسرا غالباً باہر کمپاؤنڈ میں رکھوالی کر رہا ہوگا۔''

''ہوسکتا ہے کہ اس وقت کچھ باہر رہے ہوں۔''

''اہلیگاس کی دی ہوئی اطلاعات ابھی تک تو ٹھیک ثابت ہوئی ہیں۔'' فریدی نے کہا۔ ''آؤ''

وہ ایک ایک کمرہ دیکھتے پھر رہے تھے۔ آخر ایک کمرے میں لوزاٹا تنہا مل گیا۔

حالانکہ یہ دونوں دبے پاؤں وہاں تک پہنچے تھے لیکن لوزاٹا ٹہلتے ٹہلتے اچانک اس طرح رک گیا جیسے اُسے ان کی آہٹ مل گئی ہو۔ وہ دونوں دروازے سے ہٹ کر کھڑکی کے سامنے آ گئے۔ اب انہوں نے لوزاٹا کو بھی ادھر مڑتے دیکھا۔

''کمال ہے....!'' فریدی آہستہ سے بولا۔

''تم دروازے پر ہی ٹھہرو۔'' فریدی نے حمید سے کہا۔ ''تیسرے آدمی کا خیال رکھنا۔''

جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوا اس نے لوزاٹا کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ دیکھی۔

''اہلیگاس کہاں ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''فضول ہے.... تھوڑی دیر بعد تم بھی اسی کے پاس ہوگے۔'' فریدی نے کہا۔

''میں....!'' لوزاٹا نے قہقہہ لگایا۔ ''تم مجھے اتنا مجبور سمجھتے ہو۔''

''میں تمہیں عدنان اور ایک مقامی آدمی کے قتل کے جرم میں گرفتار کرتا ہوں۔'' فریدی آگے بڑھتا ہوا بولا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کی پیشانی پر ایک ایسا زور دار گھونسا پڑا چھٹی کا دودھ یاد آ گیا۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا تھا۔ لوزاٹا نے ریوالور لئے جست لگائی اور فریدی اس خطرناک موقعے پر بھی اس کے جچے تلے انداز پر عش عش بغیر نہ رہ سکا۔ وہ سچ مچ اندھیرے کا شہنشاہ تھا۔ لوزاٹا کے ساتھ ہی فریدی بھی ریوالور کے جھپٹا تھا لیکن ریوالور اس کے ہاتھ نہ آ سکا۔ ان دونوں میں پھر زور آزمائی ہونے لگی۔ ریوا

لوزاٹا کو بھی نہ مل سکا۔ فریدی نے ٹھوکر مار کر اسے دور پھینک دیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد فریدی پر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ لوزاٹا کو اس طرح بھی زیر کرنا آسان کام نہیں تھا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ لوزاٹا گتھے رہنے یا اُسے زیر کر لینے سے زیادہ بھاگ جانے کی فکر میں تھا۔ حمید بڑی دلچسپی سے انکی کشتی کا منظر دیکھ رہا تھا۔

اچانک لوزاٹا نے فریدی کے سر پر ایک زور دار ٹکر ماری اور فریدی کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ لوزاٹا اچھل کر دروازے کی طرف بھاگا۔ فریدی کا سر چکرا گیا۔ لیکن اب اسے بھی سچ مچ غصہ آ گیا تھا۔ اس نے جھپٹ کر لوزاٹا کی ٹانگ پکڑ لی اور وہ منہ کے بل اتنے زور سے فرش پر گرا کہ سارا کمرہ جھنجھنا اٹھا اُس نے اٹھنا چاہا لیکن فریدی اس کی ٹانگ مروڑنے لگا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو چیخ چیخ پڑتا.... کبھی وہ زمین پر ہاتھ ٹیک دیتا اور کبھی اس کے سر کا پچھلا حصہ بھڑ سے زمین پر گرتا۔

''اندھیرے کے شہنشاہ..... تمہیں تارے نظر آئے یا ابھی نہیں۔'' فریدی نے قہقہہ لگا کر پوچھا۔

لوزاٹا کچھ نہ بولا۔ اس کے ہونٹوں اور ناک سے خون بہہ رہا تھا۔

''کیا تمہیں عدنان کی موت نہیں یاد آ رہی ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''مگر عدنان ہی کیوں تم نے اب تک سینکڑوں قتل کئے ہیں بتاؤ نور جہاں کہاں ہے.... بتاؤ ورنہ میں تمہارے پیٹ پر پوری قوت سے کھڑا ہو جاؤں گا۔''

''میرے پاس.... میرے سینے پر'' لوزاٹا گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا اور اس کے بعد اس کے حلق سے ایک بھیانک چیخ نکلی ایسا معلوم ہوا کہ مرتا ہوا بھینسا ڈکرا رہا ہو۔ ساتھ ہی اُسے ایک بڑی سی خون کی قے ہوئی اور اس کا جسم ڈھیلا پڑ گیا۔ فریدی نے ٹانگ چھوڑ دی۔ لوزاٹا بے حس و حرکت فرش پر پڑا تھا۔

فریدی اس کی جیبیں ٹٹولنے لگا۔ آخر سینے پر اُسے کوئی سخت سی چیز محسوس ہوئی۔ اس نے اس کا گریبان پھاڑ ڈالا۔ سینے پر چمڑے کی چوڑی سی پٹی کسی ہوئی تھی۔ جس میں کئی جیب تھے۔

پھر حمید نے فریدی کی ہتھیلی پر ایک بڑا سا جگمگاتا ہوا ہیرا دیکھا۔

''یہ کیا....؟'' حمید بوکھلا کر بولا۔

''نور جہاں.....!''

''کیا....؟ ارے.... یہ....!''

''ہاں فرزند! میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ کسی خوبصورت سی لڑکی کی تو

رکھو۔''

دوسری شام.... فریدی، حمید اور فوزیہ ہوٹل ڈی فرانس میں چائے پی رہے تھے۔

''آپ کو نور جہاں کے متعلق کیسے معلوم ہوا کہ۔'' فوزیہ نے فریدی سے پوچھا۔

''محض اپنی یادداشت کی بناء پر۔'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ڈیگال نے لوزاٹا کا

کرتے وقت جب لندن میں کار ڈرائیو کرنے والا واقعہ بیان کیا تو میں نے فوراً ہی اندازہ

کہ نور جہاں کوئی عورت نہیں ہوسکتی کیوں کہ اسی نام کا ایک ہیرا بھی تھا اور وہ لندن میں

رات کو چرایا گیا تھا جس کی صبح لوزاٹا نے موٹر ڈرائیوری کی مہارت کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس

میں اس چوری کی بھی خبر تھی اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ کہ لوزاٹا اسی خاندان کا مہما

جس کی ملکیت میں وہ ہیرا تھا۔ چسٹر فیلڈ خاندان، لہٰذا مجھے نتیجہ اخذ کرنے میں دیر نہ لگی۔ ا

بتاؤ کہ عدنان کا اس سے کیا تعلق تھا۔''

''میں پہلے ہی بتا دیتی۔'' فوزیہ طویل سانس لے کر بولی۔ ''لیکن ڈیگال نے مجھے

دیا تھا۔ اس نے کہا کہ اس سے والد مرحوم کی نیک نامی پر دھبہ لگے گا۔ اسی لئے اس

لیوکاس نے مجھے بیہوش کر دیا تھا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ کم بختوں کا اصل مقصد کیا ہے۔ خیر

یہ ایک شرمناک بات ہے۔ لیکن مجھے بتانا ہی پڑے گا کہ وہ ہیرا والد مرحوم کے کہنے پر ہی

گیا تھا۔ لوزاٹا کا کام ہی یہی تھا۔ معاملہ اسی ہزار پونڈ پر طے ہوگیا۔ والد مرحوم اس ہیرے

لئے اتنے بے تاب تھے کہ انہوں نے رقم پیشگی ہی دے دی۔ بعد کو کمبخت معاہدے سے پھر

یا۔ نہ صرف یہ کہ اس نے ہیرا خود رکھ لیا بلکہ اسی ہزار پونڈ بھی واپس نہیں کئے۔ آپ جانتے

ں کہ یہ رقم تھوڑی نہیں تھی۔ خیر والد نے تو صبر کر ہی لیا تھا لیکن اس حرام زادے ڈیگال نے

ں بہکایا.... کسی طرح اسے معلوم ہوگیا تھا کہ لوزاٹا انڈیا میں ہے.... وہ انہیں یہاں لایا۔''

''لیکن آخر لوزاٹا یہاں کیوں جھک مارنے آیا تھا....'' حمید نے کہا۔

''اوہ.... تم نہیں سمجھے۔'' فریدی بولا۔ ''ہیروں کی چوری اس کا خاص پیشہ تھا اور تم یہ بھی

نتے ہو کہ یہاں عنقریب جواہرات کی بین الاقوامی نمائش ہونے والی ہے۔''

''وہ پورے افریقہ کے لئے مصیبت تھا۔'' فوزیہ نے کہا۔ ''ایک طاقتور قبیلے کا مذہبی پیشوا

نے کی بناء پر کوئی اس کی طرف انگلی بھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ حالانکہ اس کے سیاہ کارناموں سے

ی واقف تھے۔ کیا وہ ابھی زندہ ہے۔''

''نہیں آج صبح ہسپتال میں مرگیا۔ اس کے پھیپھڑے پھٹ گئے تھے۔''

''آپ ہی کا کام ہے۔'' فوزیہ اُسے عجیب نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ ''آپ جیسا بے

رحم آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔''

''اللہ آپکو یہ ہجڑی مبارک کرے۔'' حمید نے اردو میں کہا اور اپنا داہنا گال سہلانے

ہوٹل سے واپسی پر حمید نے فریدی سے پوچھا۔ ''آپ نے املیگاس والا واقعہ نہیں

''

''اوہ.... وہ بھی دلچسپ ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''جب ہم سانپوں کو پکڑنے کی تدبیر

رہے تھے تو میں نے مالتی کی جھاڑیوں میں ایک سیاہ سا متحرک سایہ دیکھا اور یہ میں پہلے ہی

تا تھا کہ ہمارا انجام دیکھنے کے لئے کوئی نہ کوئی موجود ضرور ہوگا۔ میں تمہیں وہیں چھوڑ کر مالتی

جھاڑیوں کی طرف رینگ گیا۔ وہاں املیگاس موجود تھا۔ میں نے اس پر جلد ہی قابو پالیا

سے لے کر میں کار کی طرف آیا تو تم غائب تھے۔ مجبوراً مجھے دوسرے سانپ کو مارنا ہی پڑا۔

ہملیگا س کو گھر لاکر میں نے اس کی خاصی مرمت کی تب کہیں اس نے لوزاٹا کی قیام گاہ
بتایا۔ پہلے میں سمجھا تھا کہ شاید تم مجھے تنگ کرنے کے لئے کھسک گئے ہو۔ سمجھ میں نہیں آ
بیلا تمہیں وہاں سے کیونکر لے گئی۔''

''کلوروفارم....!'' حمید بڑبڑایا۔ ''مگر ہائے.... میں اس لڑکی کے لئے رنجیدہ ہوں
میں نزاکت بھی ہے اور درندگی بھی.... کاش....!''

''اوہو.... اگر شادی کا ارادہ ہو تو اسے سرکاری گواہ بنا کر بچالیا جائے گا۔''

''شادی....!'' حمید سر کھجاتا ہوا بولا۔ ''جہاں تک شادی کا سوال ہے مجھے اپنے با
شادی میں بھی شبہ ہے۔''

اس پر فریدی نے وہ شاندار جھاپڑ رسید کیا کہ نتیجے کے طور پر اُسے خود اپنے ہی
مالش کرنی پڑی کیونکہ وہ جھاپڑ حمید کی گال کی بجائے دیوار پر پڑا تھا۔

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 40

پُراسرار وصیت

(مکمل ناول)

جونکوں کا سرپرست

''شام خوشگوار ہے اور پورچ کی محرابوں میں جھولتی ہوئی بیلیں.....!''

سرجنٹ حمید اس کے آگے نہ سوچ سکا۔ وہ پورچ کی محرابوں میں جھولتی ہوئی بیلوں سلسلے میں کسی نادر تشبیہ کے لئے دیر سے سرمار رہا تھا۔ جب کوئی کام نہ ہوتو مینڈک کا ذہن شاعری کرنے لگتا ہے۔ پھر حمید تو کافی ذہین تھا اور عرصے سے اُسے کوئی خوبصورت لڑکی نظر آئی تھی۔ حسن پرستوں کی عام نفسیات یہ ہے کہ وہ کالی کلوٹی لڑکیوں سے شروعات کرتے اور پھر آہستہ آہستہ مشکل پسند ہوتے جاتے ہیں۔ یعنی پھر مشکل ہی سے کوئی چہرہ ان کے پر پورا اترتا ہے.....اور پھر ایک خطرناک دور کا آغاز ہوتا ہے۔ وہ دریچوں میں جھولتی بیلوں میں حسن تلاش کرنے لگتے ہیں پھر کتوں کی طرح بھونکنے میں ایک ہی آدھ ڈگری کا رہ جاتا ہے۔

سرجنٹ حمید نے بڑی اداسی سے جھولتی ہوئی بیلوں پر الوداعی نظر ڈالی اور ایک انگڑائی لے کر کھڑا ہوگیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اس وقت اسے کہاں جانا چاہئے۔ فریدی بھی گھر پر موجود نہیں چند لمحے خاموش کھڑا رہا تھا پھر گیراج کی طرف بڑھا۔

نمبر 13

دفعتاً ایک چھوٹی سی ٹو سیٹر کار کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی اور اسٹیئرنگ کے پیچھے بیٹھی ہوئی لی پر نظر پڑتے ہی حمید کی عاقبت روشن ہوگئی۔ لڑکی بڑی خوبصورت اور اسمارٹ معلوم ہوتی ں۔ کار روک کر وہ نیچے اتری۔ وہ سفید سلک کی قمیض اور ہلکے سبز رنگ کی پتلون میں ملبوس ی۔ سنہرے رنگ اور گھونگھریالے بال پشت پر لہریں لے رہے تھے۔ کانوں میں پڑے ہوئے ونے کے رنگ گالوں کے سلگتے ہوئے ابھاروں کو ہولے ہولے چھو رہے تھے۔ حمید جہاں تھا ہیں رک گیا۔ لڑکی تیزی سے اس کی طرف آئی۔

''انسپکٹر فریدی.....!'' وہ حمید کو نیچے سے اوپر تک گھورتی ہوئی بولی۔

حمید نے بوکھلاہٹ میں سر ہلا دیا۔

''میں آپ سے صاف صاف گفتگو کرنے آئی ہوں.....سمجھے۔'' اُس نے سخت لہجے میں کہا۔

''کیجئے.....!'' حمید نے بڑی سادگی سے کہا۔

''میں.....لیکن نہیں۔'' وہ اس طرح بولی جیسے بلند آواز میں سوچ رہی ہو۔ پھر اس نے بڑی بڑی پلکیں اوپر اٹھائیں اب اس کے چہرے پر ہچکچاہٹ کے آثار تھے۔ اس نے پھر سر جھکالیا اور سینڈل کی نوک سے زمین کریدنے لگی۔

''نہیں.....میں کچھ نہیں کہنا چاہتی۔'' وہ یک بیک اپنی کار کی طرف مڑی۔

حمید متحیرانہ انداز میں گردن جھٹک کر اسے گھورنے لگا۔ وہ کار کے قریب پہنچ کر پھر پلٹی۔ ل گھما کر دروازہ کھولا۔ ایک پیر اندر تھا اور دوسرا باہر.....

''یہ سازش ہے۔ کھلی ہوئی سازش.....!'' وہ حمید کو گھونسہ دکھا کر بولی اور سیٹ پر دھم سے ، کر دروازہ اتنے زور سے بند کیا کہ ساری کمپاؤنڈ میں اس کی آواز پھیل گئی۔ پھر وہ کار مارٹ کرنے ہی جارہی تھی کہ حمید اس کی طرف لپکا۔

''سنئے تو سہی.....بات کیا ہے۔''

''کوئی بات نہیں۔'' وہ چیخ کر بولی۔ ''مجھے ذرہ برابر پرواہ نہ کرنی چاہئے لیکن تمہیں ندگی بھر سکون نہیں نصیب ہوگا۔''

اس نے کار اسٹارٹ کی.....اور حمید کھڑا دیکھتا ہی رہ گیا۔ جب کار پھاٹک سے
وہ چونکا۔ دوسرے لمحے میں وہ تیزی سے گیراج کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اس نے کار نکالی.....لیکن وہ سرخ رنگ کی ٹوسیٹر سڑک پر نظر نہیں آئی۔ مختلف
بڑی دیر تک اسے تلاش کرتا رہا۔ وہ چاہتا تو چوراہوں کے ٹریفک کانسٹیبلوں سے اس
پوچھ سکتا تھا مگر چونکہ اسے ایک لڑکی ڈرائیو کر رہی تھی اس لئے حمید نے مناسب نہ سمجھا۔

وہ عجیب قسم کی الجھن محسوس کر رہا تھا۔ آخر وہ کون تھی؟ اُس نے گفتگو اس انداز
تھی جیسے فریدی سے اس کا براہِ راست کوئی تعلق ہو لیکن وہ فریدی کو پہچانتی بھی نہ تھی۔

وہ کافی دیر تک خیالات میں الجھا ہوا ایک سڑک سے دوسری سڑک پر کار دوڑاتا
بڑی خوبصورت تھی اور اس میں وہ بات ضرور تھی جس سے حمید کے ذہن کے کسی گوشے
عجیب سا احساس کلبلانے لگتا تھا۔ وہ خود بھی آج تک اس کیفیت کو کوئی نام نہ دے سکا
تھی کوئی چیز جس کا تجزیہ عام نہیں تھا۔ شاذ و نادر ہی کوئی لڑکی ذہن کے اس ڈھکے چھ
میں ہلچل مچانے میں کامیاب ہوتی تھی۔ کچھ دیر بعد اس کے ذہن پر ایک عجیب سی اداس
ہوگئی۔ اداسی جس میں اکتاہٹ کی بجائے ایک ہلکی سی لذت تھی۔

وہ گھر واپس آ گیا۔

اندھیرا پھیل گیا تھا۔ کار گیراج میں کھڑی کر کے حمید بڑی دیر تک لان پر کھڑا رہا
کی رانی کی مہک ملگجے اندھیرے سے ہم آہنگ ہو کر اسے اپنی روح کی گہرائیوں
محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے ایک طویل سانس لی اور آہستہ آہستہ برآمدے سے
بڑھا۔

فریدی کی آواز ڈرائنگ روم میں سنائی دی۔ وہ تنہا نہیں معلوم ہوتا تھا۔

حمید نے ڈرائینگ روم کا رخ کیا۔ اس کے داخل ہوتے ہی دوسرا آدمی خاموش
''کوئی بات نہیں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''یہ میرے ساتھی ہیں۔''

اور پھر اس نے سر کی جنبش سے حمید کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

کچھ لمحے خاموشی سے گذرے۔ اس کے بعد فریدی نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے بھاری
کم آدمی سے کہا۔

''اگر یہ مذاق نہیں تو مجھے ان کے صحیح الدماغ ہونے میں شبہ ہے۔''

''پہلے مجھے بھی شبہ ہوا تھا۔'' اجنبی نے کہا۔ ''لیکن..... میں ان کے صحیح الدماغ ہونے کی
ید بھی پیش کر سکتا ہوں.....اور یہ عجیب بات ہے۔ خود انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میں اس
سلے میں اپنا اطمینان کر لوں۔''

اس نے چمڑے کے بیگ سے ایک بڑا سا لفافہ نکال کر فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

فریدی نے لفافے سے ایک کاغذ نکالا اور تھوڑی دیر تک اس پر نظریں جمائے رہنے کے
بولا۔

''اسے میں غلط نہیں کہہ سکتا۔'' اس کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔

''لیکن.....ٹھہریئے۔''

''میں خود بھی الجھن میں ہوں۔'' اجنبی نے کہا۔ ''ان کے اعزہ.....!''

حمید نے فریدی کی طرف دیکھا جس کی آنکھوں میں وہی پرانی پراسرار چمک تھی جو اکثر
ت و خون کی پیش خیمہ بن جایا کرتی تھی۔

''کیس دلچسپ ہے۔'' فریدی نے اجنبی کا جملہ پورا ہونے سے قبل ہی کہا۔

''اچھا میں دیکھوں گا۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔'' اجنبی بولا۔

''آپ میرے پیشے سے واقف نہیں۔'' فریدی نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''کیا
پ کو یہ سب کچھ حیرت انگیز نہیں معلوم ہوتا۔ میڈیکل بورڈ کی رپورٹ میرے سامنے ہے اور
ایسے لوگوں کے نام دیکھ رہا ہوں جو غیر ذمہ دار نہیں ہو سکتے۔''

''بہرحال.....!'' اجنبی ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ''مجھے مشورہ دیجئے کہ میں کیا
روں..... یہ سب کتنا مضحکہ خیز ہے۔ میں نے ان کی موجودگی ہی میں ہر پہلو پر غور کرنے کی

کوشش کی تھی اور میں نے کئی بار چاہا تھا کہ آپ سے اس سلسلے میں ملوں..... لیکن پابندی..... جو مجھ پر عائد کی گئی ہے مجھے روکتی رہی۔''

فریدی کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ ''اچھا جناب..... میں تیار ہوں لیکن آپ متعلق کسی سے گفتگو نہیں کریں گے۔ خصوصاً اخباری رپورٹروں سے۔''

''میں خیال رکھوں گا۔'' اجنبی نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ ''اچھا اب اجازت دیں۔''

وہ فریدی اور حمید سے مصافحہ کر کے رخصت ہو گیا۔

حمید فریدی کو توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا کیونکہ اس کے ہونٹوں پر شرار مسکراہٹ تھی۔

''کوئی نئی مصیبت.....!'' حمید نے پوچھا۔

''ایک دلچسپ کیس حمید صاحب۔'' فریدی سگار کیس سے سگار نکالتے ہوئے بولا حمید کی سانس رک گئی۔ موسم بہار میں کسی کیس کی اطلاع اس کے لئے ایسی ہو کسی شاعر کے ہاتھ میں ارتھمیٹک کا پرچہ پکڑا دیا جائے۔

''مرنے سے پہلے تم کس قسم کی وصیت کرنا پسند کرو گے۔'' فریدی نے حمید کی میں دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔

''کیا یہ کوئی ایسا ہی کیس ہے۔'' حمید نے بھی سنجیدگی ہی اختیار کر لی۔

''کیا تم یہ وصیت کرو گے کہ تمہاری دولت چند جونکوں پر صرف کر دی جائے۔''

''مذاق کچھ جچا نہیں۔'' حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''بلکہ یہ مذاق ہی نہیں۔''

''مذاق نہیں! میں سنجیدگی سے گفتگو کر رہا ہوں۔'' فریدی نے سگار سلگا کر کہا۔ ایک متمول آدمی نے یہ وصیت کی ہے کہ اس کی دولت چند جونکوں پر صرف کی جائے۔''

''اوہ.....!'' حمید فریدی کو غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ ''تو یہ ابھی اسی وصیت کے متعلق ہو رہی تھی۔''

''ہاں..... کیا تم اسے نہیں جانتے۔''

''نہیں..... لیکن کچھ کچھ یاد پڑتا ہے کہ اُسے کہیں دیکھا ضرور ہے۔''

''اوہو..... تم اسے نہیں جانتے۔ یہاں کا مشہور وکیل جعفری ہے اور وصیت کرنے والے قانونی مشیر بھی۔''

''لیکن وصیت کس نے کی ہے۔ میرا مطلب ہے کہ کس احمق نے۔''

''سر مخدوم سے واقف ہو۔'' فریدی نے پوچھا۔

''سر مخدوم..... اوہ..... وہی تو نہیں جو چند روز پہلے جل کر مرا تھا۔''

''ٹھیک سمجھے..... وہی.....!'' فریدی سر ہلا کر بولا۔

''تب تو معاملہ صاف ہے۔ اس نے خود ہی اپنے مکان میں آگ لگائی ہوگی۔''

''کیوں.....؟''

''کیوں کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔'' حمید نے کہا۔ ''اس قسم کی وصیت کی موجودگی میں یہ مسئلہ بالکل ہی صاف ہو جاتا ہے۔ ایک بچہ بھی یہی کہے گا کہ اس کا دماغ خراب تھا۔''

''بچہ سو فیصدی یہی کہہ رہا ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''لیکن فرزند ابھی میں شہر کے ربرآوردہ ڈاکٹروں کا سرٹیفکیٹ دیکھ رہا تھا جس میں سب نے بیک قلم یہ رائے ظاہر کی ہے کہ رخدوم قطعی صحیح الدماغ ہیں۔''

''ڈاکٹروں کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔''

''اوہ تم تو اب واقعی بچوں ہی کی سی باتیں کرنے لگے ہو۔'' فریدی سنجیدگی سے بولا۔ اگر تمہارے پاس کوئی آدمی اس قسم کی وصیت محفوظ کرانے کے لئے آئے تو کیا تم اسے صحیح دماغ سمجھو گے۔''

حمید نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''ٹھیک یہی واقعہ جعفری کے ساتھ پیش آیا۔ جب سر مخدوم نے اس سے اس قسم کی وصیت کا تذکرہ کیا تو اسے اس کی ذہنی حالت مشتبہ معلوم ہوئی لیکن خود سر مخدوم ہی نے یہ شواری بھی رفع کر دی۔ قبل اسکے کہ جعفری کچھ کہتا سر مخدوم نے اپنے ڈاکٹری معائنے کی تجویز

پیش کردی۔ تاکہ بعد کو اسکی ذہنی حالت پر شبہ کر کے وصیت غیر قانونی نہ قرار دے دی جائے۔"

"تب تو میں اسے پاگل نہیں کہتا..... کیا اس کے آگے پیچھے کوئی نہیں تھا۔"

"کیوں نہیں..... پورا خاندان تھا..... جو اسی کے ٹکڑوں پر اب بھی پل رہا ہے البتہ اولاد نہیں تھی..... بھائی بھتیجے کئی عدد ہیں۔"

"واقعی کیس دلچسپ ہے۔" حمید آہستہ سے بولا۔

"پورے واقعات سننے کے بعد تمہاری دلچسپی اور زیادہ بڑھ جائے گی۔" فریدی نے کہا۔

"غالباً پورے واقعات آپ اسی ہفتے کے اندر ہی اندر سنا دیں گے۔"

"ابھی.....!" فریدی کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی۔ "اور اسی سرمخدوم وصیت نامہ مرتب کرنے کے ٹھیک ایک ہفتے کے بعد جل کر مر گئے۔ اُن کی ہدایت کہ اس وصیت کے متعلق ان کی موت کے بعد ہی کچھ بتایا جائے۔"

"ہمپ.....!" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔ "معاملہ پیچیدہ ہے۔"

"اب اس لطیفے کا دوسرا ٹکڑا سنو..... وصیت کے مطابق جونکوں کی خبر گیری کے لئے ایک آدمی ہونا چاہئے۔ یعنی ان جونکوں کا سرپرست۔ یا دوسرے لفظوں میں ایک ایسا آدمی حقیقتاً سرمخدوم کی دولت کا مالک ہو۔"

"قطعی.....!" حمید سر ہلا کر بولا۔ "آپ بیان جاری رکھئے۔ مجھے کافی مزہ آ رہا ہے۔"

"ابھی اور آئے گا۔" فریدی ہنس پڑا۔

"مگر یہ تو کوئی لطیفہ نہ ہوا۔" حمید نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

"اور ان جونکوں کا سرپرست کسے بنایا گیا؟" فریدی حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "کیا تم سننا پسند کرو گے۔"

"سنایئے صاحب۔" حمید نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"تو سنو! اُن جونکوں کا سرپرست..... یہ ناچیز..... یعنی احمد کمال فریدی ہے۔"

"کیا.....؟" حمید کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"ہاں..... یہ وصیت نامہ کے الفاظ ہیں۔ پندرہ جونکیں پالی جائیں اور دولت کا حصہ اُن صرف کر دیا جائے۔ جائیداد کا منتظم احمد کمال فریدی..... انسپکٹر آف سنٹرل سی آئی ڈی ہوگا اور انتظامی اُمور کے سلسلے میں کسی کو جواب دہ نہیں ہوگا۔ یعنی مختار کل سیاہ کرے یا سفید۔"

"کیا سرمخدوم آپ کے کوئی عزیز تھے۔" حمید نے بوکھلا کر پوچھا۔

"قطعی نہیں..... شاید ایک یا دو بار ملاقات ہوئی تھی۔ وہ محض رسمی طور پر۔"

"ابھی آپ نے سرمخدوم کے دوسرے اعزہ کا تذکرہ کیا تھا۔"

"ہاں وہ کئی ہیں اور ان کے متعلق بھی وصیت میں کچھ کہا گیا ہے۔ لیکن وہ صرف میری رائے پر منحصر ہے اگر میں چاہوں گا تو انہیں وہ رقم جو سرمخدوم کی زندگی میں ملتی تھی ملتی رہے گی ورنہ نہیں۔"

"ذرا ٹھہریئے.....!" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ان لوگوں میں کوئی لڑکی بھی ہے۔"

"ہاں شاید تین لڑکیاں۔" فریدی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"تب وہ انہیں میں سے ایک رہی ہوگی۔" حمید بڑبڑایا۔

"کون.....!"

حمید نے فریدی کو اس لڑکی کے متعلق بتایا جو سرخ رنگ کی ٹوسیٹر پر آئی تھی۔

"ہوں.....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ہوسکتا ہے کہ وہ انہیں میں سے ہو۔ ظاہر ہے وہ لوگ مجھے پہچانتے نہیں۔"

"لیکن آخر یہ ہوا کس طرح۔ اس کا کیا مطلب ہوسکتا ہے۔"

"مطلب..... صاف ظاہر ہے کہ کوئی غیر معمولی حادثہ..... سرمخدوم کی موت اتفاقیہ نہیں ہوسکتی۔"

"کمال کرتے ہیں آپ بھی۔" حمید نے کہا۔ "شاید ہمارا محکمہ بھی اس بات پر متفق ہے کہ وہ اتفاقیہ نہیں حادثہ تھا۔"

"اس وصیت سے دو چار ہونے سے قبل میرا بھی یہی خیال تھا مگر اب تم خود سوچو۔"

''میں سوچ رہا ہوں۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''مگر اس میں ایک دشواری ہے۔ اس وصیت مرتب کرنے کا مطلب تو یہ ہوا کہ سرمخدوم کو خدشہ تھا کہ اس طرح کا کوئی حاد پیش آئے گا۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو''

''لیکن پھر.....! سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سرمخدوم نے پولیس کی مدد حاصل کر بجائے وصیت کیوں مرتب کی۔''

''کیا میرا تعلق پولیس سے نہیں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''بہت خوب! اب وہ مرجانے کے بعد آپ سے مدد لے رہا ہے۔ مگر نہیں.... ہے کہ مرنے کے بعد اس کا دماغ بالکل ہی خراب ہو گیا ہو۔''

فریدی ہنسنے لگا۔ کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ ''وصیت کی رو سے مجھے اب سرمخدوم میں ہی قیام کرنا پڑے گا۔ جائیداد کے منتظم کے لئے ضروری ہے۔''

وہ لوگ

سرمخدوم کی کوٹھی شہر کے ایک ایسے حصے میں واقع تھی جہاں گھنی آبادی نہیں تھی۔ قریب و جوار میں صرف چند کوٹھیاں اور تھیں اس کے باوجود بھی اس حصے کا شمار شہ آبادی میں ہوتا تھا اور مونسپل کارپوریشن کے اجلاسوں میں خاص طور سے اس کا نام لیا جا صرف پانچ یا چھ کوٹھیوں کے لئے میونسپل کارپوریشن کے کلرکوں کو کافی مغز ماری کرنی پڑتی

سرمخدوم کی کوٹھی ان میں سب سے زیادہ شاندار تھی اور اس کے گرد تقریباً چار فرلانگ چوڑی چہار دیواری تھی جس میں پائیں باغ اور عقبی پارک سبھی کچھ تھے۔ شمالی مغربی گوشے گیراج تھا جس میں کئی کاریں کھڑی رہتی تھیں۔ ایک اصطبل بھی تھا جس میں ریس کے گھ

رکھے جاتے تھے۔ اصطبل سے ہی متصل نوکروں کی رہائش کے کوارٹر تھے۔ جنوبی مشرقی کونے پر وہ چھوٹی سی عمارت تھی جو کبھی آؤٹ ہاؤز کے نام سے یاد کی جاتی رہی ہوگی۔ مگر اب تو وہ جلی ہوئی سیاہ اینٹوں اور آدھ جلے دروازوں کا ڈھیر تھا۔ سرمخدوم اسی عمارت میں جل کر مرے تھے۔ وہ وہاں تنہا ہی تھے۔ آگ لگی۔ لیکن انہیں باہر نکلنے کا موقع نہ مل سکا۔ اس سلسلے میں کئی طرح کی روایتیں مشہور تھیں۔ لیکن اخبارات میں صرف اتنا ہی آیا تھا۔

سرمخدوم عادات و اطوار سے عجیب تھے۔ اس لئے ان کے اس طرح جل مرنے پر کم از کم ان کے حلقے کے لوگوں کی طرف سے اظہار حیرت نہیں کیا گیا۔ وہ بہت زیادہ موڈی آدمی تھے..... اور اسی حد تک جذباتی بھی۔ ان کے شناساؤں کا عام طور پر یہ خیال تھا کہ شاید انہوں نے آؤٹ ہاؤز میں آتش بازی سے شوق کیا ہو اور اس طرح آگ لگ گئی ہو۔ سرمخدوم کو آتش بازی سے بھی بڑی دلچسپی تھی۔ شب برات کے زمانے میں وہ اپنے ہاتھوں سے مختلف قسم کی آتش بازیاں بناتے تھے۔ بات یہ تھی کہ سرمخدوم خاندانی رئیس نہ تھے۔ انہوں نے خود اپنے قوت بازو سے یہ پوزیشن حاصل کی تھی۔ کسی زمانے میں وہ عام آدمیوں کی طرح سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر مسالے کی چاٹ بھی کھایا کرتے تھے لہٰذا دولت مند اور خطاب یافتہ ہو جانے کے بعد بھی ان میں یہ عام آدمی..... تھوڑا بہت باقی رہ گیا تھا اور اسی بناء پر وہ اپنے طبقے میں عادات و اطوار کے لحاظ سے عجیب سمجھے جانے لگے تھے۔ بہرحال وہ خطاب یافتہ ہو جانے کے بعد سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر بارہ مسالہ کی چاٹ تو نہیں کھاتے تھے مگر شب برات کا چاند دیکھ کر شاید شہر میں سب سے پہلے ہوائی وہی داغتے تھے۔ اس کے بعد شب برات تک کے لئے آؤٹ ہاؤز اچھا خاصا بارود خانہ بن کر رہ جاتا تھا۔ وہ شب و روز وہیں رہ کر مختلف قسم کی آتش بازیاں بنایا کرتے تھے۔ غالباً اسی لئے ان کے بعض حاسدوں نے یہ افواہ اڑا دی تھی کہ ان کے باپ دادا آتش باز تھے۔

جب ایک رات آؤٹ ہاؤز میں آگ لگی تو لوگ اس کے علاوہ اور کچھ نہ سوچ سکے کہ آتش بازی کا شوق رنگ لایا۔

سرمخدوم کا کنبہ کافی تھا۔ خود انہوں نے تو سرے سے شادی ہی نہیں کی تھی لیکن بھائی کئی عدد تھے اور پورا کنبہ کم و بیش بارہ نفوس پر مشتمل تھا۔ ان میں چھوٹے بچے بھی شامل تھے۔

جس وقت فریدی کی کیڈیلاک کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی کنبے کے بیشتر افراد ناشتے سے فارغ ہو کر برآمدے میں آ بیٹھے تھے۔

فریدی کے ساتھ سولیسٹر جعفری بھی تھا اور سرجنٹ حمید اپنے داہنے ہاتھ میں ایک شے مرتبان اٹھائے ہوئے تھا جس میں پندرہ عدد جونکیں تھیں اور اس کا دل خوشی سے ناچ رہا تھا کیونکہ برآمدے میں اسے وہ لڑکی بھی نظر آئی تھی جس کے متعلق اس نے صحیح اندازہ لگایا تھا مخدوم کے خاندان والوں نے انہیں تنفر آمیز نظروں سے دیکھا۔ معاملات کو سمجھنے کے لئے دو اجنبیوں کے ساتھ جعفری کی موجودگی ہی کافی تھی۔ اگر وہ بھی نہ ہوتا تو وہ جونکوں والا مرتبان ہی انہیں سب کچھ سمجھا دیتا۔

وہ برآمدے کے قریب پہنچ گئے۔ لیکن سرمخدوم کے خاندان والوں میں سے کسی نے جگہ سے جنبش تک نہ کی۔ فریدی پورچ میں رک کر بڑے بے تعلقانہ انداز میں ادھر اُدھر دیکھتا رہا پھر بولا۔ ''یہ عمارت تبدیلی کے لئے خاصی خوشگوار ثابت ہوگی مجھے پسند آئی۔''

فریدی نے یہ جملہ اتنی اونچی آواز میں کہا تھا کہ برآمدے میں بیٹھے ہوئے لوگ بہ آسانی سن سکیں۔ حمید نے دیکھا کہ وہی لڑکی جھپٹ کر اپنی جگہ سے اٹھی اور برآمدہ طے کر کے فریدی کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اس کے ہونٹ پھڑک رہے تھے سانس پھول رہی تھی اور کی لویں سرخ ہو گئی تھیں۔

''چلے جاؤ یہاں سے۔'' وہ پھاٹک کی طرف ہاتھ تان کر حلق کے بل چیخی۔

فریدی بڑی سنجیدہ اور ترحم آمیز نظروں سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

اچانک ایک ادھیڑ عمر کا آدمی بھی تیز قدموں سے چلتا ہوا پورچ میں آ گیا اور اس لڑکی کا بازو پکڑ کر کہا۔ ''صوفیہ..... بدتمیزی ہے..... بداخلاقی ہے.....'' پھر وہ فریدی بولا۔ ''معاف کیجئے گا..... یہ ابھی ناسمجھ ہے۔''

''اوہ..... کوئی بات نہیں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''مجھے محض مرحوم کی وصیت کا پاس ہے رنہ میں بہت مشغول آدمی ہوں اور مجھے سب سے زیادہ آرام اپنے گھر ہی پر ملتا ہے۔''

''تو پھر یہاں تمہیں تکلیف ہی تکلیف ہوگی۔'' صوفیہ جلدی سے بولی۔ ''ایک رات بھی مین سے نہ سو سکو گے۔''

''میں مرحوم کے لئے سب کچھ برداشت کر لوں گا۔'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

''صوفیہ اندر جاؤ۔'' معمر آدمی نے لڑکی کو ڈانٹا اور وہ جھلاہٹ میں پیر پٹختی ہوئی اندر چلی گئی۔ حمید کو بڑا افسوس ہوا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ جونکوں والا مرتبان اس آدمی کے سر پر پٹخ دے۔ برآمدے میں دو لڑکیاں اور تھیں لیکن وہ صورت ہی سے احمق معلوم ہوتی تھیں۔ حمید کا خیال تھا کہ غیر ذہین لڑکیاں Reshonsive نہیں ہوتیں۔ اس لئے وہ ان کی طرف دھیان بھی نہیں دیتا تھا، خواہ وہ کتنی ہی حسین کیوں نہ ہوں۔ اس کے برخلاف بعض کلوٹیاں محض اپنی ذہانت کی بناء پر اسے اپنی طرف متوجہ کر لیتی تھیں چاہے ان کے پیر کتنے ہی بھدے کیوں نہ ہوں۔ وہ ذہانت کا پجاری تھا۔ ذہانت جو چہرے ہی سے ظاہر ہو جائے۔

''کیا آپ مجھے تھوڑا وقت دیں گے۔'' معمر آدمی نے فریدی سے کہا۔

''ضرور..... بڑی خوشی سے۔'' فریدی بولا۔

وہ انہیں ایک کمرے میں لایا۔ حمید نے جونکوں کا مرتبان میز پر رکھ دیا اور خود فریدی کے برابر بیٹھ گیا۔ جعفری کی نظریں معمر آدمی کے چہرے پر تھیں۔

''کیا آپ کو یہ سب کچھ مضحکہ خیز نہیں معلوم ہوتا۔'' معمر آدمی نے فریدی سے کہا۔

''معلوم تو ہوتا ہے..... مگر مجبور ہوں۔ مرحوم کی وصیت..... میں انکی بہت عزت کرتا تھا۔''

''اور آپ کو یقین ہے کہ وہ کسی صحیح الدماغ آدمی کی وصیت ہے۔''

''ایک موذی آدمی کی وصیت۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''جو مرنے کے بعد بھی لوگوں کو حیرت میں مبتلا رکھنا چاہتا ہے۔ کیا سرمخدوم اپنی زندگی میں تحیر پسند نہیں تھے۔''

''تھے..... مجھے اس سے انکار نہیں۔ لیکن آپ جیسا آدمی اس قسم کے چکر میں پڑ جائے۔

بچوں کا دلچسپ داستان کے لئے جاسوسی دنیا کا ناول ''سیاہ پوش لٹیرہ'' جلد نمبر 10 ملاحظہ کیجئے۔

یہ البتہ میرے لئے تحیر انگیز ہے۔''

''ہے نا تحیر انگیز.....!'' فریدی مسکرا کر بولا۔''میں یہی کہہ رہا تھا کہ سرمخدوم نے ہ کو تحیر میں چھوڑا ہے۔''

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر معمر آدمی نے آہستہ سے کہا۔

''اگر اس وصیت نامے کی قانونی حیثیت کو عدالت میں چیلنج کیا گیا تو آپ کی کیا پوز ہوگی۔''

''مجھے بڑی خوشی ہوگی اور آپ اس کے مصارف مجھ سے لے سکتے ہیں۔'' فریدی کہا۔''مجھ پر تو ایک قسم کا فرض عائد ہوکر رہ گیا ہے جس کی تکمیل ضروری ہے۔''

''تو کیا آپ یہاں قیام کریں گے؟''

''یقیناً.....!'' فریدی بولا۔''وصیت کے مطابق یہ ضروری ہے۔''

''جہنم میں گئی وصیت.....'' معمر آدمی نے کرسی کے ہتھے پر گھونسہ مار کر کہا۔''میں بکواس سمجھتا ہوں..... بھائی صاحب کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں تھی۔''

''خوب.....!'' فریدی چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔''اور اس کے باوجود بھی آپ لو نے انہیں مہمان خانہ میں تنہا چھوڑ دیا تھا۔ نہ صرف تنہا بلکہ آتشبازی کے ذخیرے کیساتھ.....

معمر آدمی خاموشی سے فریدی کو گھورنے لگا۔ پھر اس کی نظریں جونکوں کے مرتبا طرف اٹھ گئیں جسے وہ کراہیت سے ہونٹ سکوڑے ہوئے دیکھتا رہا۔ اچانک وہ جعفر طرف دیکھ کر بولا۔

''میں ساری چالیں سمجھتا ہوں.....اپنے بال دھوپ میں نہیں سفید کئے۔''

''چالیں.....!'' جعفری حیرت سے بولا۔''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔''

''ٹھیک کہہ رہا ہوں..... میں نے سینکڑوں داستانیں پڑھی ہیں۔ وکیلوں ہتھکنڈے۔ وہ کس طرح اپنے موکلوں کی طرف سے جعلی وصیتیں بناتے ہیں۔''

''غالباً آپ جاسوسی ناولوں کی باتیں کر رہے ہیں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔''لیکن

وصیت جعلی نہیں۔ اس پر گواہوں کی حیثیت سے چند معززین نے اپنے دستخط کئے ہیں۔''

''سب کچھ ہوسکتا ہے..... کیا نہیں ہوسکتا۔'' معمر آدمی سر ہلا کر بولا۔

''دیکھئے مسٹر ناصر.....'' جعفری نے جھلا کر کہا۔''آپ مجھ پر نہ صرف اتہام لگا رہے ہیں بلکہ میری توہین بھی کر رہے ہیں۔''

''یہ معاملہ عدالت میں ضرور جائے گا۔'' معمر آدمی نے کہا، پھر فریدی سے بولا۔

''میں اس وصیت کے سلسلے میں عذر داری کروں گا.....اس لئے آپ اس عمارت میں قیام نہیں کر سکتے۔''

قیام تو میں یہیں کروں گا۔'' فریدی نرم لہجے میں بولا۔''آپ نے پہلے ہی وصیت کے خلاف درخواست دے کر امتناعی حکم کیوں نہیں لے لیا۔ اب تو جب تک سرکاری طور پر مجھے یہاں سے ہٹنے پر مجبور نہ کیا جائے میں نہیں ہٹ سکتا۔ اس لئے میری ایک بات اور سن لیجئے.....اگر آپ نے عدالتی کاروائی کر کے مجھے یہاں سے ہٹانے کی کوشش کی تو آپ سب ایک بہت بڑی مصیبت میں پڑ جائیں گے۔''

''کیا مطلب.....!'' معمر آدمی اُسے گھورنے لگا۔

''مطلب صاف ظاہر ہے.....ڈاکٹروں کا سرٹیفکیٹ میں پھاڑ دوں گا.....اس کے بعد اس وصیت کو ایک پاگل آدمی کی وصیت ثابت کر دینے میں دیر نہیں لگے گی۔''

''یہ تو آپ اپنے ہی خلاف کریں گے۔'' جعفری بوکھلا کر بولا۔

''سنتے جایئے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔''اس کے بعد پولیس اس عمارت کے گرد شکاری کتوں کی طرح منڈلانے لگے گی۔ آخر ایک پاگل آدمی کو آتش بازی کے ذخیرے کے ساتھ مہمان خانے میں تنہا کیوں چھوڑا گیا۔ یقیناً ان کے اعزہ اس کی موت کے خواہاں تھے۔ کیوں؟ دولت کے لئے؟''

معمر آدمی کے چہرے کی سرخی غائب ہوگئی.....تھوڑی دیر بعد بولا۔

''آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟''

''اس وقت تک قیام کرنا جب تک کہ یہ ساری جونکیں مر نہ جائیں۔'' فریدی نے انہ
سنجیدگی سے کہا۔

''آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔'' معمر آدمی بگڑ گیا۔

''سنئے تو سہی..... آپ سمجھے نہیں۔ وصیت میں یہی ہے نا کہ دولت کا حصہ ان
جونکوں پر صرف کر دیا جائے لیکن ان کے مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ اس کے بارے میں وہ
کچھ نہیں کہتی۔ غالباً جونکوں کے بعد آپ ہی لوگ جائیداد کے وارث ہوں گے اور جونکو
سرپرست یعنی یہ خاکسار اپنے اعزازی عہدے سے سبکدوش ہو جائے گا۔''

''شاید آپ کے دماغ میں بھی خلل ہے۔'' معمر آدمی نے کہا۔

''چلئے یہی سہی.....!'' فریدی ہنس کر بولا۔ ''میں سرمخدوم کی وصیت کا احترام
کروں گا..... خواہ وہ پاگل پن ہو یا اس سے بھی بُری کوئی چیز.....!''

''لیکن آپ ان گندے کیڑوں کو یہاں نہیں رکھ سکیں گے۔'' وہ جونکوں کے مرتبا
طرف اشارہ کر کے جھلائی ہوئی آواز میں بولا۔

''دیکھئے جناب!'' حمید نے اپنی ٹھوڑی کھجاتے ہوئے کہا۔ ''آپ ان معزز جونکو
توہین نہیں کر سکتے۔ ان میں سے ایک تو یقیناً لیڈی کہلانے کی مستحق ہوگی۔ ایک نائٹ کی
ہونے کی بناء پر۔''

معمر آدمی دانت پیس کر رہ گیا۔

''آپ کو ہماری وجہ سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔'' فریدی نے بڑے نرم لہجے میں کہ

''میں سب سمجھتا ہوں.....!'' معمر آدمی سر ہلا کر بولا۔ ''آپ کو شبہ ہے آپ سمجھ
کہ ہم میں سے ہی کسی نے مہمان خانے میں آگ لگائی تھی۔''

''اگر آپ سرمخدوم کو پاگل تصور کرتے ہیں تو یقیناً مجھے یہی سوچنا چاہئے۔''

''نہیں وہ پاگل نہیں تھے۔'' معمر آدمی نے جھلا کر کہا۔

''تب پھر یہ وصیت سو فیصدی جائز ہے۔''

''قانون اسے ناجائز قرار دے گا۔'' وہ کرسی کے ہتھے پر ہاتھ مار کر بولا۔

''اوہو! مجھے اس کی فکر نہیں جب تک قانون فیصلہ کرے گا مجھے یہیں رہنا ہوگا۔ ہوسکتا
کہ اس سے پہلے ہی جونکیں مر جائیں۔ پھر سب کچھ آپ ہی کا ہے۔''

''یہ ابھی مر جائیں گی۔'' دروازے کے قریب سے ایک غصیلی آواز آئی۔ وہ چونک کر مڑے۔
صوفیہ اپنے ہاتھ میں ایک وزنی سا ہتھوڑا لئے کھڑی تھی۔

''ناممکن..... ناممکن.....'' حمید نے جھپٹ کر مرتبان میز سے اٹھالیا۔ ''انہیں زندہ رہنا
..... یہ غیر فانی معزز جونکیں..... ان میں یقیناً ایک لیڈی ہے۔''

''صوفیہ.....!'' معمر آدمی کی تیز آواز کمرے میں گونجی۔

''آپ نہیں سمجھتے۔'' صوفیہ نے کہا۔ ''یہ لوگ ہمیں پریشان کرنا چاہتے ہیں۔''

''میں سمجھتا ہوں..... تم اندر جاؤ۔''

''خیر پھر سہی'' صوفیہ حمید کو گھورتی ہوئی چلی گئی..... اس بار پھر حمید کو اس آدمی پر تاؤ آیا۔

''یہ سب بچے بہت شیطان ہیں۔'' معمر آدمی نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''مجھے شریر بچے پسند ہیں۔'' فریدی کی جوابی مسکراہٹ اس سے بھی زیادہ معنی خیز تھی۔

فریدی اور حمید سچ مچ یہاں قیام کرنے کے لئے آئے تھے لہٰذا انہیں دنیا کی کوئی طاقت
ہاں سے نہیں روک سکتی تھی۔ انہوں نے اپنے قیام کے لئے وہی کمرے منتخب کئے جن کا تعلق
رف سرمخدوم سے تھا۔ گھر والوں نے نہ انہیں دوپہر کے کھانے کے لئے پوچھا اور نہ شام کی
ئے کے لئے۔ نوکر بھی کافی پھٹے پھٹے نظر آ رہے تھے۔ حکم ماننا تو الگ رہا وہ ان کا نوٹس ہی
ں لیتے تھے۔ مجبوراً فریدی کو اپنے دو نوکر بلوانے پڑے۔ یہ رنگ دیکھ کر حمید بور ہونے لگا
لبتہ وہ سمجھا تھا کہ شاید سرمخدوم کے خاندان والے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔

''اے جونکوں کے مربی۔'' اس نے فریدی سے کہا۔ ''میں خود کو اچھوت محسوس کرنے لگا
ں اگر اجازت ہو تو میں دل بہلانے کے لئے برخوردار بغرا خاں کو یہاں لاؤں۔''

''نہیں بہت زیادہ مضحکہ خیز بننے کی ضرورت نہیں۔ لیکن میں تمہیں گھر بھیجنا چاہتا ہوں۔''

''میں انتہائی درجہ شکر گذار ہوں گا۔''

''تم غلط سمجھے! تمہیں چھٹی نہیں دے رہا ہوں۔ تجربہ گاہ سے ایم سی فورٹین کی بوتل اور گوشت کے دو تین ٹکڑے بھی۔ ورنہ ہم رات کو باہر نہیں نکل سکیں گے۔''

''کیوں.....؟''

''ان کے رکھوالی کرنے والے کتے کتکھنے معلوم ہوتے ہیں۔ اگر یہ رات کو کمپاؤنڈ چھوڑے گئے تو باہر نکلنا دشوار ہوگا۔''

''باہر نکلنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟''

''بکومت..... کیا تم سمجھتے ہو کہ میں سچ مچ یہاں جونکوں کی پرورش کرنے آیا ہوں۔''

''مگر..... وہ لڑکی..... صوفیہ۔'' حمید گردن کھجاتا ہوا بڑبڑایا۔

''وہ ہمیں پریشان کرسکتی ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''مگر میں تمہاری صلاحیتوں کی طرف سے کبھی مایوس نہیں ہوسکتا۔''

''کلیجہ گز بھر کا ہوگیا۔'' حمید نے خود ہی اپنی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے کہا۔

''اچھا بس..... اب جلدی سے جاؤ۔ سورج غروب ہونے سے پہلے ہی ہمیں رات کی تیاریاں مکمل کرلینی ہیں۔''

حمید چند لمحے فریدی کو عجیب نظروں سے دیکھتا رہا پھر باہر چلا گیا۔

اندھیرے میں کون؟

کمپاؤنڈ میں گہری تاریکی مسلط تھی۔ فریدی اور حمید دروازہ کھول کر دبے پاؤں باہر نکلے چاروں طرف گہرا سناٹا تھا۔ کتوں کا انتظام وہ پہلے ہی کر چکے تھے اور شاید وہ کمپاؤنڈ ہی کہیں بیہوش پڑے ہوئے تھے۔ فریدی کا خیال تھا کہ صبح سے قبل اگر وہ ہوش میں آ بھی

نمبر 13

اپنی جگہ سے ہل نہ سکیں گے۔ ان میں بھونکنے کی بھی سکت نہ ہوگی۔ شاید صرف اونگھ اونگھ کر اتے رہیں گے۔ گھر والوں کو ان رکھوالی کرنے والے السیشن کتوں پر اتنا بھروسہ تھا کہ انہوں نے چوکیدار بھی نہیں رکھے تھے۔ چہار دیواری کے پھاٹک پر صرف ایک آدمی رہتا تھا لیکن ارت سے پھاٹک کا فاصلہ دو فرلانگ سے کسی طرح کم نہ رہا ہوگا اس لئے انہیں اس کی چنداں رہنہیں تھی۔

وہ دبے پاؤں مگر تیزی سے چلتے ہوئے مہمان خانے کے ملبے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ یب پہنچ کر فریدی رک گیا۔ اس نے مڑ کر عمارت پر نظر ڈالی۔ جو بدستور تاریکی میں نہائی ہوئی ڑی تھی۔ پھر اس نے جیب سے ٹارچ نکالی اور ملبے کے ایک ڈھیر پر جھک پڑا۔ ٹارچ کی نی کی ایک باریک سی لکیر آہستہ آہستہ ادھر اُدھر رینگ رہی تھی۔

حمید چپ چاپ فریدی کے ساتھ ادھر سے ادھر حرکت کر رہا تھا۔ اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ یدی نے یہ سب کیوں کیا ہے اور نہ ہی اس نے پوچھنے کی زحمت گوارا کی تھی۔

قریب قریب آدھے گھنٹے تک فریدی ان ڈھیروں کو کریدتا رہا۔ پھر اس نے حمید کی مدد سے ایک دبے ہوئے ادھ جلے دروازے کو ڈھیر سے نکالا۔ چند لمحے اس کا جائزہ لیتا رہا پھر رچ کی روشنی بند کر کے سیدھا کھڑا ہوگیا۔

''یہ کون ہے۔'' اچانک اس نے آہستہ سے کہا اور ایک طرف ہٹ گیا۔

''کدھر.....؟'' حمید نے چونک کر پوچھا۔

فریدی نے ایک طرف اندھیرے میں اشارہ کیا اور پھر حمید وہاں تنہا رہ گیا..... فریدی کی طرف اندھیرے میں رینگ گیا تھا۔

دفعتاً حمید کے داہنے شانے سے کوئی چیز زور سے ٹکرائی۔ ایک ہلکا سا دھماکہ ہوا۔ داہنے ہال پر آنچ سی محسوس ہوئی اور حمید لڑکھڑا گیا۔ پھر اس کی پیٹھ پر بھی ویسا ہی ایک دھماکہ ہوا اور وہ اوندھے منہ زمین پر گر پڑا۔

''گولی لگی.....!'' اس کے ذہن نے تیزی سے دہرایا اور پھر اس کا سر گھومنے لگا۔

پسلی میں گولی..... پھیپھڑے میں گھس گئی ہوگی..... پھر موت..... اس کا دم گھ
لیکن پھر اس نے محسوس کیا کہ تکلیف کا احساس نہ تو شانے میں ہے اور نہ پسلی ہی میں۔
اس نے زمین پر پڑے اپنے شانے پر ہاتھ پھیرا..... پسلی ٹٹولی..... کہیں کچھ بھی
نہ تو گرم گرم خون کی نمی اور نہ کوئی سوراخ..... وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا اور پھر ایک تیسرا دھما
اُسے اپنے پیروں کے پاس چمک دکھائی دی۔ وہ پیچھے ہٹ گیا۔
''لاحول ولا قوۃ..... پٹاخے.....!'' وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔
پھر قریب ہی اسے اس قسم کی آوازیں سنائی دیں جیسے دو آدمی ایک دوسرے
پڑے ہوں۔
''حمید تم زندہ ہو یا مر گئے۔'' اس نے فریدی کا ہلکا سا قہقہہ سنا۔ حمید آواز کی طرف
فریدی کسی کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے ہوئے تھا۔
''یہ شریر لڑکی.....!'' فریدی ہنستا ہوا بولا۔
''چھوڑو مجھے۔'' حمید نے ایک نسوانی آواز سنی جو صوفیہ کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی
پھر وہ بے بسی سے ہنسنے لگی۔
''تمہیں شاید سرمخدوم کے قاتل سے ہمدردی ہے۔'' فریدی بولا۔
''میں نہیں جانتی! تم لوگ یہی سمجھتے ہو کہ چچا جان کو ہم لوگوں نے مار ڈالا ہے اور
لئے یہاں آئے ہو..... مگر یہ بکواس ہے..... ہم سب انہیں بے حد چاہتے تھے۔''
''تم صرف اپنے متعلق اتنے وثوق سے کہہ سکتی ہو۔'' فریدی بولا۔
''میں سب کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ ان میں پلی بڑھی ہوں۔ کوئی اتنا کمینہ نہیں''
''میں یہ تو نہیں کہتا کہ وہ خاندان ہی کا کوئی فرد ہے۔'' فریدی نے کہا۔
''پھر اس طرح چوری چھپے تحقیقات کا کیا مطلب.....!'' صوفیہ بال کی کھال نکا
تل گئی تھی۔
''محض اس لئے کہ میں سرکاری طور پر کام نہیں کر رہا۔'' فریدی نے کہا۔ ''پولیس

کرا دیا گیا ہے کہ یہ ایک اتفاقیہ حادثہ ہے۔ ممکن ہے سرمخدوم نے کسی نئی قسم کی آتشبازی کا
یہ کیا ہو اور بارود کے ذخیرے تک اس کی چنگاریاں پہنچ گئی ہوں۔''
''اور یہ قطعی درست نظریہ ہے۔'' صوفیہ اپنی پتلون کی جیبیں ٹٹولتی ہوئی بولی۔ ''اس کے
وہ اور کچھ نہیں ہوا.....!''
''یہ تم کس طرح کہہ سکتی ہو۔''
''اس طرح.....!'' صوفیہ نے جیب سے کوئی چیز نکال کر حمید کے پیر کے پاس پٹخ دی۔
کہ ہوا اور حمید اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ صوفیہ ہنسنے لگی۔
''شرارت بند کرو..... جو میں پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔
''تم نے کیا پوچھا تھا۔''
''تمہارا شبہ کسی پر ہے۔'' فریدی نے کہا۔
''کسی پر بھی نہیں۔''
''میں گھر والوں کے متعلق نہیں پوچھ رہا ہوں۔''
''تو کوئی باہری بھی کمپاؤنڈ میں داخل ہونے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ ہمارے کتے بہت
رناک ہیں۔''
''اس وقت وہ کہاں ہیں۔'' فریدی نے طنز آمیز لہجے میں پوچھا۔
''اوہ.....!'' صوفیہ چونک پڑی۔ ''کہاں ہیں..... واقعی وہ کہاں ہیں؟'' اس نے خود
سوال کیا۔ پھر جلدی سے بولی۔ ''کیا تم نے انہیں مار ڈالا۔''
''قطعی نہیں..... لیکن وہ صبح تک گہری نیند سوتے رہیں گے۔''
''بیہوش کر دیا.....!'' صوفیہ اچھل کر بولی۔
''ہاں..... اور اسی طرح کوئی دوسرا بھی کمپاؤنڈ میں داخل ہو سکتا ہے۔''
صوفیہ سوچ میں پڑ گئی۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولی۔ ''تم صاف صاف کیوں نہیں
لتے کہ تمہیں خاندان ہی کے کسی آدمی پر شبہ ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی باہری یہ حرکت کیوں کرنے لگا۔''

''تم کافی سمجھ دار ہو..... ہاں میں یہی سمجھتا ہوں۔''

''تو پھر..... وہ تو میں بھی ہو سکتی ہوں۔ کیونکہ چچا جان مجھے سب سے زیادہ
تھے.....اور اکثر کہا کرتے تھے کہ جائیداد کا سب سے بڑا حصہ مجھے ہی دیں گے۔''

''تم.....!'' فریدی انتہائی سنجیدگی سے بولا۔ ''ہرگز نہیں..... تم سرمخدوم کی قاتل
ہو سکتیں۔ اگر تم کسی کو قتل کر سکتی تو پھر فرشتوں پر بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔''

''کیوں.....کوئی پیشانی پر تو کچھ لکھا نہیں ہے۔''

''تمہاری پیشانی پر لکھا ہے.....صرف ایک لفظ.....وفادار.....تم سرمخدوم کیلئے اپنی
بھی دے سکتی تھیں اور میں نے یہ لفظ پورے خاندان میں صرف تمہاری ہی پیشانی پر دیکھا۔

فریدی کا تیر پیشانی پر بیٹھا تھا۔ صوفیہ کے ہونٹوں کے گوشے کانپ رہے تھے اور وہ آ
پھاڑ پھاڑ کر ان آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کر رہی تھی جو پھوٹ بہنے کیلئے اکٹھا ہو رہے تھ

''تم سرمخدوم سے بے انتہا محبت کرتی تھیں۔'' فریدی نے تپتے ہوئے لوہے پر
ضرب لگائی اور صوفیہ سچ مچ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ بہت زیادہ جذباتی معلوم ہو
لیکن ساتھ ہی ساتھ خود آگاہ بھی۔ کیونکہ اس نے فوراً ہی اپنی حالت پر قابو پالیا اور ا
معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی اس حرکت پر بہت زیادہ شرمندہ ہو۔

''پہلے مجھے صرف شبہ تھا.....لیکن اب۔'' فریدی قدرے توقف کے ساتھ بولا۔
ب یقین ہو گیا ہے کہ سرمخدوم کا جل کر مرنا اتفاقیہ نہیں تھا۔ اگر وہ آگ کے نرغے سے
چاہتے تو نہیں نکل سکتے تھے۔''

''کیوں.....؟'' صوفیہ چونک پڑی۔

''سارے دروازے باہر کی طرف سے بولٹ کر دیئے گئے تھے۔''

''یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔''

فریدی نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر بعد پو

''باہر کے سارے دروازے سرخ رنگ کے تھے نا.....!''

''ہاں.....آں.....!''

''تو آؤ.....میں تمہیں دکھاؤں۔''

''وہ پھر ملبے کے ڈھیروں کے قریب آ گئے۔ فریدی نے اُسے سرخ رنگ کے تین
دروازے دکھائے، جو دونوں طرف سے بولٹ تھے۔ حمید حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے
ا۔ اس نے بھی اُسے ان دروازوں کو الٹتے پلٹتے دیکھا تھا لیکن یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی
ئی کہ اس کا مقصد کیا تھا۔

''کسی نے بھی اسکی طرف دھیان نہیں دیا۔'' صوفیہ فریدی کی طرف مڑ کر آہستہ سے بولی۔

''بہر حال تم اُسے کیا کہو گی۔''

''ہو سکتا ہے کہ بعد کو کسی نے بولٹ کر دیا ہو۔''

''ناممکن.....میں نے انہیں ملبے کے نیچے سے نکالا ہے۔''

صوفیہ کسی سوچ میں پڑ گئی۔ اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

''کچھ بھی ہو.....میں یہ ماننے کیلئے تیار نہیں کہ گھر والوں میں سے کسی نے یہ حرکت کی ہے۔''

''میں تمہیں منوانا بھی نہیں چاہتا اور نہ فی الحال خود ہی اس پر یقین کرنا چاہتا ہوں۔ ابھی
میں صرف اتفاقیہ حادثہ یا سازش پر غور کر رہا ہوں۔''

''اور اس کے لئے آپ نے چوروں کا سا طریقہ اختیار کیا ہے۔'' صوفیہ نے طنزاً کہا۔

''مجبوری ہے.....میں اس سلسلے میں شور و شر نہیں چاہتا۔''

''کیوں.....!''

''تم لوگوں کی پریشانیاں بڑھ جائیں گی۔ سرمخدوم کی وصیت پبلک میں آ جائے گی۔
اخبارات نت نئی حاشیہ آرائیاں کریں گے۔''

''وہ تو ہو کر رہے گا۔ ناصر چچا عدالت کا دروازہ ضرور کھٹکھٹائیں گے۔''

''ناممکن.....!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''وہ ہرگز ایسا نہیں کر سکتے۔ اس طرح وہ سرمخدوم کو
پاگل ثابت کریں گے، جو پورے خاندان کے حق میں اچھا نہ ہوگا۔''

''تو آپ نے چاروں طرف سے پھانس لیا ہے۔''

''میں نے۔'' فریدی نے حیرت سے کہا۔ ''نہیں تو..... یہ کام تو سرمخدوم ہی نے کیا۔''

اچانک فریدی خاموش ہو گیا اور اس کے منہ سے تحیر آمیز آواز نکلی۔

''کون ہے؟'' اس نے بلند آواز میں پوچھا۔

پھر ملبے کے ڈھیروں کی دوسری طرف سے کچھ اس قسم کی آواز آئی جیسے کوئی پھسل گیا ہو۔ دوسرے ہی لمحے میں ایک تاریک سایہ تیزی سے دوڑتا ہوا مہندی کی باڑھ پھلانگ گیا

''ٹھہرو..... ورنہ گولی مار دوں گا۔'' فریدی نے گرج کر کہا۔

بھاگنے والا رکا نہیں۔ وہ عقبی پارک کی طرف دوڑ رہا تھا۔ فریدی بھی مہندی کی باڑ پھلانگ چکا تھا۔ اس کی پیچھے حمید بھی لپکا اور شاید صوفیہ بھی اس کے ساتھ ہی دوڑ رہی تھی۔

اصطبل کے قریب اُگی ہوئی مالتی کی بے ترتیب جھاڑیوں نے کئی بار فریدی کی راہ اور اس دوران میں بھاگنے والا احاطے کی دیوار تک پہنچ گیا جس کی اونچائی پانچ یا چھ فٹ زیادہ نہیں تھی۔ فریدی اب بھی شائد آدھے فرلانگ کے فاصلے پر تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے بھا والا دیوار پر چڑھنے لگا۔

فریدی نے گولی مارنے کی دھمکی دی تھی۔ حقیقتاً اس کی جیب میں ریوالور موجود نہیں تھ بھاگنے والا دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف کود گیا۔

فریدی جہاں تھا وہیں رک گیا۔ وہ جانتا تھا کہ اب تعاقب فضول ہے۔ کیونکہ احاطے دیوار کے نیچے جھیول کا گھنا جنگل شروع ہو گیا تھا..... جو میلوں تک پھیلا ہوا تھا۔

حمید اور صوفیہ اس کے قریب کھڑے ہانپ رہے تھے۔

''ک..... کو..... ن..... تھا.....!'' صوفیہ ہانپتی ہوئی بولی۔

''پتہ نہیں۔'' فریدی تیزی سے اس کی طرف مڑا۔ ''میں گھر والوں کو چیک کروں گا۔ تم یہیں ٹھہرو..... ادھر کا خیال رکھنا۔''

''سب..... سو رہے..... ہوں گے.....'' صوفیہ نے کہا۔

''فکر نہ کرو..... میرے ساتھ آؤ۔''

وہ دونوں چلے گئے۔ حمید تنہا رہ گیا۔ اس نے نوکروں کے کوارٹر میں روشنی دیکھی۔ کچھ دروازے چڑچڑا کر کھلے اور تین لالٹینیں اندھیرے میں جھولنے لگیں۔

''کون ہے!'' کسی نے چیخ کر کہا۔

حمید کچھ نہ بولا..... اور نہ اس نے اپنی جگہ سے حرکت کی..... تین آدمی ہاتھوں میں لالٹینیں لئے دور کھڑے بھنبھنا رہے تھے۔

''کون ہے؟'' کسی نے پھر ہانک لگائی اور پھر وہ تینوں حمید کی طرف بڑھے۔ حمید پھر بھی کچھ نہ بولا۔ وہ تینوں قریب پہنچ گئے۔ ایک نے لالٹین حمید کے چہرے کے برابر اٹھالی اور پھر رہی اس کا ہاتھ جھک گیا۔

''اندر جاؤ.....!'' حمید نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ ''میں تفریح کر رہا ہوں۔''

وہ لالٹین جھلاتے ہوئے چپ چاپ واپس چلے گئے۔

حمید احاطے کی دیوار کی نگرانی کر رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ بھاگنے والا گھر ہی والوں میں سے کوئی رہا ہوگا۔ سرمخدوم کے خاندان میں اس وقت بھی چار مرد تھے ایک تو ناصر..... سر مخدوم کا بھائی جس نے آج صبح فریدی سے وصیت کے متعلق گفتگو کی تھی..... دوسرا شمشاد..... سرمخدوم کی بہن کا لڑکا..... فضائیہ میں پائیلٹ تھا..... تیسرا فرحان..... ناصر کا لڑکا..... بی ایس سی کا طالب علم تھا..... ارشاد..... یہ شمشاد کا چھوٹا بھائی اور ایم ایس سی کا طالب علم تھا۔

حمید کے ذہن میں ان چاروں کی شکلیں تھیں..... اور وہ سوچ رہا تھا کہ ان میں سے کون غدار یا پھر تیلا ہو سکتا ہے۔ وہ کئی منٹ تک انہیں اپنے ذہن میں رکھتا اور تولتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر گھر والوں میں سے کوئی غائب ہوا تو وہ شمشاد ہی ہوگا۔

کچھ دیر بعد اس نے قدموں کی آہٹ سنی جو عمارت کی طرف سے اسی کی جانب بڑھتی آ رہی تھی۔ یہ فریدی تھا۔ حمید کے قریب پہنچ کر اس نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

''خاندان کے سارے لوگ موجود ہیں..... وہ سب سو رہے تھے۔ آؤ واپس چلیں۔''

برآمدے میں گھر کے سارے افراد موجود تھے۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جس کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار نہ رہے ہوں۔ فریدی اور حمید کو دیکھ کر ان میں سے مٹھیاں کس گئیں اور ناصر کے چہرے سے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچا کھا جائے گا۔

''آخر یہ سب کیا لغویت ہے۔'' شمشاد نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''مجھے افسوس ہے۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔

''میں پوچھتا ہوں آپ چوروں کی طرح.....!'' ناصر کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

''ٹھہریئے.....!'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''مجھے پورا یقین ہے کہ سرمخدوم کو جان بوجھ کر ہلاک کیا گیا تھا۔''

''آپ اس طرح دھمکا کر..... نہ جانے کیا کرنا چاہتے ہیں۔'' ناصر کی آواز تیز ہو گئی۔

''سرمخدوم کو مہمان خانے میں قید کیا گیا تھا۔'' فریدی ان کے چہروں کو گھورتا ہوا آہستہ سے بولا۔

''کیا بکواس ہے۔'' شمشاد بڑبڑایا۔

''بکواس نہیں حقیقت..... باہر سے سارے دروازے بولٹ کر دیئے گئے تاکہ وہ لوگ بھاگ نہ سکیں۔''

''کیا.....؟'' ناصر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

اور پھر چند لمحوں کے لئے اس قسم کا سناٹا طاری ہو گیا جیسے وہ سب اس کی لاش کے قریب کھڑے ہوں۔

فریدی اور حمید انہیں اسی حال میں چھوڑ کر اپنے کمروں کی طرف چلے گئے۔

ایک مشتبہ آدمی

دوسری صبح نہ جانے کیوں حمید بڑی تھکن محسوس کر رہا تھا۔ ایک عجیب سی الجھن تھی۔ جسے تنہائی کے احساس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ فریدی صبح ہی سے غائب تھا۔ لیکن حمید کے لئے یہ تاکید تھی کہ وہ ایک منٹ کے لئے بھی سرمخدوم کی کوٹھی نہ چھوڑے۔

حمید تنگ آ گیا تھا وہ چاہتا تھا کہ جتنی جلد یہاں سے گلوخلاصی ہو اتنا ہی اچھا ہے۔ تین خوبصورت اور جوان لڑکیوں کی موجودگی میں بھی وہ اس کوٹھی کے ماحول سے اکتا گیا تھا۔ بات دراصل یہ تھی کہ وہ ہر کس و ناکس کی تنفر آمیز نظروں سے تنگ آ گیا تھا۔

حتیٰ کہ نوکر چاکر بھی انہیں گویا اچھوت سمجھتے تھے۔

حمید نے مسہری سے اٹھ کر ایک طویل انگڑائی لی اور غسل خانے کی طرف چلا گیا۔ سرمخدوم کے خاندان والوں نے اس کا نوٹس بھی نہ لیا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اگر فریدی نے اپنے نوکر نہ بلوائے ہوتے تو یہاں بھوکے بھی مرنا پڑتا۔

منہ پر پانی کے چھینٹے مارتے وقت اُسے صوفیہ کا خیال آیا۔ اس کا قرب حقیقتاً ٹھنڈے پانی کی طرح تازگی بخشتا تھا اور وہ خود اوس میں بھیگی ہوئی ٹھنڈی ہوا معلوم ہوتی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ صوفیہ کو یقین آ گیا ہے شاید اب وہ ان سے بیگانگی کا برتاؤ نہ کرے۔ خوبصورت لڑکیوں کی سرد مہری اُسے بہت گراں گزرتی تھی اور کچھ غیر فطری سی بھی معلوم ہوتی تھی۔ کچھ ایسی ہی غیر فطری جیسے گلاب کا پھول بھنڈیوں کی سی شکل اختیار کرے۔

ناشتے کے بعد وہ برآمدے میں نکل آیا۔ صبح بڑی خوشگوار تھی۔ دھوپ میں ابھی گرمی نہیں آئی تھی۔ حمید نے چاروں طرف دیکھا۔ برآمدے میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ وہ ایک

آرام کرسی پر بیٹھ کر اس کی پشت سے ٹک گیا۔

نہ جانے کیوں اس کی الجھن اور زیادہ بڑھ گئی تھی۔ ایسا عجیب وغریب اور بے سروپا کیس اسے آج تک نہ ملا تھا۔ کبھی کبھی تو اسے ایسا محسوس ہونے لگتا جیسے وہ کسی ڈرامے کے ریہرسل میں حصہ لے رہا ہو۔ فریدی کا خیال تھا کہ سرمخدوم نے اپنے لئے پہلے ہی خطرے کی بو سونگھ لی تھی اسی لئے اس نے ایک ایسی بے تکی وصیت مرتب کی جس کی بناء پر اس کی موت کو اتفاقیہ سمجھا جا سکے۔ حمید کو فریدی کی اس رائے سے اتفاق تھا مگر کیا سرمخدوم کو یہ بھی معلوم تھا کہ ان کے خاندان ہی کا کوئی آدمی ان کی موت کا خواہاں ہے..... کیا یہ ممکن ہے۔

حمید اس کے آگے نہ سوچ سکا کیونکہ اس کی توجہ کا مرکز ایک بھاری بھرکم آدمی بن گیا تھا جو طویل روش سے گزرتا ہوا برآمدے ہی کی طرف آ رہا تھا۔ اس کے سر پر فلٹ ہیٹ تھی اور جسم پر ایک بہترین طور پر پریس کیا ہوا سوٹ۔ قمیض کے کالر کی بے داغ سفیدی دور ہی سے چمک رہی تھی۔ پورچ میں پہنچ کر وہ اچانک رک گیا۔ وہ حمید کو تحیر آمیز نظروں سے گھور رہا تھا۔ حمید کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ حمید اسے ہزاروں میں پہچان سکتا تھا۔

''ہیلو آفیسر.....!'' آنے والے نے کسی قسم کے جذبے کا اظہار کئے بغیر کہا۔

برآمدے میں پہنچ کر ایک بار پھر اس نے حمید کو ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھا۔

''ادھر کیسے.....!'' حمید نے پوچھا۔

اجنبی جواب دینے کی بجائے اُسے تفکر آمیز نظروں سے دیکھتا رہا۔

''کیا تم مجھے یہاں دیکھ کر متحیر ہو'' حمید نے ہنس کر کہا۔

اجنبی نے لاپروائی کے اظہار کے لئے اپنے شانوں کو جنبش دی اور آہستہ سے بولا۔

''میں سمجھا..... لیکن مجھے اس کی پرواہ نہیں۔''

''تم کیا سمجھے اور تمہیں کس کی پرواہ نہیں۔''

''دیکھئے یہ معاملہ ایسا نہیں ہے کہ آپ ٹانگ اڑائیں۔''

''میں بالکل نہیں سمجھا'' حمید نے کرسی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''کیا میں یہاں آپ کی موجودگی کا مقصد پوچھ سکتا ہوں۔'' اجنبی کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

''مہمان ہوں۔''

''بہت خوب.....!'' اجنبی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ''لیکن میں نے پہلے ہی اچھی طرح مضبوطی کر لی تھی۔''

حمید کو ایک جھرجھری سی آئی وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

پھر نہ جانے کدھر سے سرمخدوم کا بھائی ناصر آ نکلا..... اور حمید نے محسوس کیا جیسے اس کو دیکھ کر اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا ہو۔

''اوہ..... ہو..... آپ.....!'' ناصر آہستہ سے بولا۔

''جی ہاں..... میں.....!'' اجنبی نے گرج کر کہا اور کھڑا ہو گیا۔

''اندر چلئے..... میرے ساتھ آیئے۔'' ناصر مضطربانہ انداز میں دروازے کی طرف مڑتا ہوا بولا۔

اجنبی حمید پر قہر آلود نظر ڈالتا ہوا ناصر کے پیچھے چلا گیا۔

حمید کی حیرت پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی۔ اجنبی کوئی معزز آدمی نہیں تھا۔ وہ اس کی رگ رگ سے واقف تھا۔ شہر کا مشہور بدمعاش صفدر خاں جس کے کئی جوئے خانے چلتے تھے اور وہ پولیس والوں کو کافی رقم کھلاتا تھا۔

ایسی صورت میں حمید کا برآمدے میں رکے رہنا ناممکنات میں سے تھا۔ وہ بھی اندر چلا گیا لیکن ناصر تک پہنچنا مشکل تھا..... فریدی کی بھی ہدایت تھی کہ ان کے نجی معاملات میں دخل اندازی نہ کی جائے..... مگر..... صفدر سے جس قسم کی گفتگو ہوئی تھی اس کا تقاضا تھا کہ ایسے موقع پر چوکنا رہنا چاہئے۔ پھر صفدر کو دیکھ کر ناصر کی گھبراہٹ آخر اس کا کیا مطلب تھا۔ وہ تیزی سے کاریڈر طے کرنے لگا۔ لیکن جیسے ہی وہ سرے پر مڑا اُسے اس طرح رک جانا پڑا جیسے پوری بریکیں لگ گئی ہوں۔

صوفیہ اس کے کمرے کے دروازے پر جھکی ہوئی تھی اور اس کا انہماک اتنا بڑھا ہوا تھا کہ

اسے حمید کے آنے تک کی خبر نہ ہوئی۔ وہ ایک مڑے ہوئے تار کی مدد سے دروازے کا قفل کھولنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی پتلون کی جیب میں پڑے ہوئے ہتھوڑے کا دستہ صاف نظر آ رہا تھا۔

''لاؤ..... مجھے دو..... میں کھول دوں۔'' حمید آگے کی طرف جھکتا ہوا آہستہ سے بولا۔

صوفیہ اچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔ پہلے تو اس کی آنکھیں خوفزدہ سی ہو گئیں پھر اس نے ایک جھینپا جھینپا سا قہقہہ لگایا۔

لیکن حمید کی سنجیدگی میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آیا تھا۔ اس نے اس طرح اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ لی جیسے خود بھی اس چوری میں شریک ہو۔ پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر تار صوفیہ سے لیا اور قفل پر جھک پڑا۔ تھوڑی ہی جدوجہد کے بعد قفل کھل گیا۔ اب حمید نے دروازے کو دھکا دے کر کھولتے ہوئے اسے اندر چلنے کا اشارہ کیا۔

نہ جانے کیوں صوفیہ بھی سنجیدہ نظر آنے لگی، لیکن اسکی سنجیدگی میں حیرت بھی شامل تھی۔

''ایڈونچر.....!'' حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

صوفیہ نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر اس کی نظریں جونکوں والے مرتبان کی طرف رینگ گئیں جو میز پر رکھا ہوا تھا۔

''پارٹنر.....!'' حمید ایک گہری سانس لے کر شانے جھٹکتا ہوا بولا۔ ''ہم دونوں مل کر ایک رات میں سارے شہر کو لوٹ سکتے ہیں۔''

صوفیہ پھر ہنسنے لگی اور پھر اُس نے حمید کو باتوں میں الجھا کر جیب سے ہتھوڑا نکال لیا اور اسے اپنی پشت پر چھپائے ہوئے آہستہ آہستہ میز کی طرف کھسکنے لگی۔

''اوں ہوں .....دوست.....'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''ٹھہرو.....!''

اس نے نہایت آہستگی سے ہتھوڑا اس کے ہاتھ سے لے لیا اور توقع کے خلاف صوفیہ نے کوئی تعرض نہیں کیا۔

''یہ جونکیں.....!' حمید نے خوابناک انداز میں کہا۔ ''میرے لئے معزز ترین ہیں.....

ادھر آؤ..... میں تمہیں ان سے ملاؤں۔''

حمید نے جیب سے ایک چھوٹی سی چمکدار چمٹی نکالی اور اس کی مدد سے ایک جونک نکال کر بولا۔ ''لیڈی چیرلی.....!''

پھر وہ ایک ایک جونک نکال کر میز پر ڈالتا اور کہتا گیا۔ ''مادام بواری، سی لوزٹیا، کلوپٹرا..... مادموزیل دیراں.....!''

''ہٹو..... تم کتنے گندے آدمی ہو۔'' صوفیہ نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر بولی۔

''میں گندے کام کرنے پر مجبور کیا جاتا ہوں۔'' حمید کراہ کر بولا۔ ''اور اس کی آواز بڑی دردناک ہو گئی۔ وہ اسے چند لمحے مغموم نظروں سے دیکھتا رہا پھر ایک سرد آہ کھینچ کر بولا۔ ''ان لوگوں نے مجھے پاگل بنا رکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ تم سارجنٹ حمید ہو آہ..... کیسا بدنصیب ہوں میں..... حالانکہ میری رعایا مجھے شہزادہ کم بخت عرف جادو کی بنسری کے نام سے پکارتی تھی۔ بُرا ہو اس دن کا کہ براؤن پری مجھ پر عاشق ہو کر کوہ کاف اٹھا لے گئی۔''

''کیا واقعی دماغ چل گیا ہے۔'' صوفیہ حمید کو گھور کر بولی۔

لیکن حمید اس کی پرواہ کئے بغیر بکتا رہا۔ ''کوہ کاف پہنچ کر اصل حقیقت کھلی۔ معلوم ہوا کہ براؤن پری عاشق واشق کچھ بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس نے مجھے جھانسہ دیا تھا۔ واقعہ یوں تھا کہ جب بھی براؤن پری انڈے دیتی تو بچے نکلنے سے پہلے ہی بلیو بلیک دیو ان کا آملیٹ یا ماملیٹ بنا کر چٹ کر جاتا۔''

''براؤن پری..... انڈے..... بلیو بلیک دیو۔'' صوفیہ بے تحاشہ ہنسنے لگی۔

''براؤن پری۔'' حمید نے بکواس جاری رکھی۔ ''براؤن پری اس قدر تنگ آ گئی تھی کہ اس کی ساری فراکیں ڈھیلی ہو کر رہ گئی تھیں۔ آخر اس کی ملاقات ایک تھیٹریکل کمپنی کے منیجر سے ہو گئی۔ اس نامراد نے براؤن پری کو میرا پتہ بتا دیا اور کہا کہ میرے علاوہ اور کوئی بلیو بلیک دیو کو نہ مار سکے گا..... پس وہ Murderess of the World یعنی قتالہ عالم مجھے کوہ کاف اٹھا لے گئی۔ قصہ کوتاہ مجھے بلیو بلیک دیو سے ایک خونریز جنگ کرنی پڑی اور میں نے اس کے

پیٹ میں اپنا فاؤنٹین پین گھونپ کر اس کا خاتمہ کردیا۔ جب براؤن پری کے انڈے مہ
ہوگئے تو اس حیلہ جو بہانہ ساز نے مجھے اپنے اوپر عاشق کرانے سے صاف انکار کردیا۔ کہنے
کہ تجھے مس انڈر اسٹینڈنگ ہوئی تھی۔ میں تو تمہارے والد پر عاشق ہوئی تھی۔ دھوکے
تمہیں اٹھالائی، سن کر بڑا تاؤ آیا..... میں نے کہا تو اچھا اپنی صاحبزادی بلیک اینڈ وائٹ
عاشق ہونے کا موقع دو۔ وہ اس پر بھی رضامند نہ ہوئی اور میرا تعارف ایک تحصیلدار کی لڑ
سے کرادیا۔''

صوفیہ ہنستی ہوئی ایک آرام کرسی میں ڈھیر ہوگئی۔

''ہیہات ہیہات.....!'' حمید نے اپنا سر پیٹتے ہوئے اپنا بیان جاری رکھا۔ ''تحصیلد
کی لڑکی پہلے ہی سے براؤن پری کے بھتیجے سفید پرے پر عاشق تھی۔ سفید پرا جو دور سے
امریکن اور قریب سے قلعی کیا ہوا مراد آبادی اگالدان معلوم ہوتا تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر
تحصیلدار کی لڑکی پر عاشق ہوا تو وہائٹ پرا مجھے اس قدر بور کرے گا کہ میں مرجاؤں گا.....
کم بخت جس کا بھی دشمن ہوتا اسے اپنے فرضی معاشقوں کی اتنی داستانیں سناتا کہ وہ بیچارہ
ہوکر یا تو خودکشی کرلیتا یا پھر شادیاں کرنا شروع کردیتا۔ بہرحال تحصیلدار کی لڑکی نے
تعارف اپنے سیاں سے کرادیا۔''

''اب تم مجھے بور کررہے ہو۔'' صوفیہ اٹھتی ہوئی بولی۔

''یہ ابھی چچا ناصر کے ساتھ کون تھا۔'' حمید نے پوچھا۔

''کیوں..... تم سے مطلب۔ خیر چھوڑو اسے..... میں تم سے ایک سوال کرنا چاہوں گی۔

''مگر وہ ارتھمیٹک کا نہ ہو۔'' حمید مسکرا کر بولا۔

''پچھلی رات بھاگنے والا کون تھا.....؟''

''پتہ نہیں۔''

''گھر کے سب لوگ موجود تھے۔'' صوفیہ آہستہ سے بولی۔ ''کیا تم اب بھی گھر والوں
میں سے کسی پر شبہ کرو گے۔''

''ہرگز نہیں..... لیکن یہ صفدر یہاں کیوں آیا ہے۔''

''کون صفدر.....!''

''وہی جو اس وقت ناصر صاحب کے ساتھ ہے۔''

''میں نہیں جانتی..... انہیں سے پوچھو۔''

حمید چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ''ناصر صاحب تمہارے والد ہیں۔''

''کیوں؟..... نہیں تو..... میرے چچا ہیں۔ میرے والد کا انتقال بچپن ہی میں ہوگیا تھا۔
مگر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو۔''

''ان کا برتاؤ تمہارے ساتھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔''

صوفیہ کچھ نہ بولی۔ اُس نے خاموشی سے ہتھوڑا اٹھایا اور باہر چلی گئی۔

حمید بڑی دیر تک اس لڑکی کے متعلق سوچتا رہا۔

غالباً صفدر جاچکا تھا..... حمید کمرہ مقفل کرکے پھر برآمدے میں آ گیا۔ فریدی ابھی تک
واپس نہیں آیا تھا..... حمید کی گھٹن بڑھتی گئی۔ وہ پچھلی شام کو بھی کہیں باہر نہیں جاسکا تھا اور آج
بھی نکل بھاگنے کے امکانات نظر نہیں آرہے تھے۔

وہ بڑی بے دلی سے پائپ سلگا کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ کچھ دیر بعد ناصر شائد اسے
تلاش ہی کرتا ہوا برآمدے کی طرف آنکلا۔

''سنئے جناب۔'' وہ چند لمحے حمید کو گھورتے رہنے کے بعد بولا۔ ''آپ کو کوئی حق حاصل
نہیں ہے کہ آپ میرے ملاقاتیوں کو روک کر ان سے گفتگو کریں۔''

''اتفاق سے وہ معزز آدمی میرا بھی ملاقاتی تھا۔'' حمید نے مسکرا کر کہا۔

''مجھے معلوم ہے کہ آپ لوگ کس چکر میں ہیں۔''

''یہ اور زیادہ خوشی کی بات ہے۔''

''ہماری سخت بے عزتی ہورہی ہے۔'' ناصر جھنجھلا کر بولا۔

''یہ آپ اپنے بھائی صاحب سے کہئے جنہوں نے خواہ مخواہ اپنی دولت نہ صرف ہمارے

گلے لگادی بلکہ ہم پر چند جونکوں کی پرورش کا بھی بار ڈال دیا۔ ویسے ناصر صاحب کیا آپ سکتے ہیں کہ مرحوم نے وصیت نامے میں جونکوں کو کیوں شامل کیا۔''

''میرے پاس اتنا فالتو وقت نہیں ہے کہ میں ان لغویات میں سر کھپاؤں۔''

ناصر نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

''کہیں یہ جونکیں ایک قسم کا استعارہ تو نہیں۔''

''کیا مطلب.....!'' ناصر اُسے گھورنے لگا۔

''کچھ نہیں..... ذرا اس وقت خیالات کچھ شاعرانہ ہو رہے ہیں۔''

ناصر اُسے قہر آلود نظروں سے دیکھتا رہا پھر گرج کر بولا۔ ''میں اب معاملے کو آ بڑھاؤں گا۔''

''ضرور بڑھایئے..... مجھے وہ گندے کیڑے ذرہ برابر بھی پسند نہیں۔''

ناصر کچھ کہے بغیر پھر واپس چلا گیا۔ حمید نے بجھا ہوا پائپ سلگایا اور پھر ذہنی طور پر کھ مارنے لگا۔ ایسے اکتا دینے والے کیس سے پہلے کبھی اس کا سابقہ نہیں پڑا تھا۔ کچھ دیر بع اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ پورچ میں ایک کار آ کر رکی اور اس پر سے ادھیڑ عمر کا ایک مہا قسم کا کھدر پوش اترا اور حمید کو یہ سوچ کر تعظیماً کھڑا ہو جانا پڑا کہ ممکن ہے کہ وہ کوئی بڑا لیڈ پارلیمنٹ کا ممبر ہو۔

''دانش صاحب ہیں۔'' اس نے حمید سے پوچھا۔

''دانش صاحب۔'' حمید ذہن پر زور دیتا ہوا بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ یہاں کوئی د صاحب نہیں رہتے۔''

''کیا.....!'' نووارد گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ ''کیا کہا آپ نے کوئی دانش نہیں

''جی نہیں..... یہاں اس نام کا کوئی نہیں۔''

''دانش..... ناصر صاحب کے لڑکے..... سر مکھدوم کے بھتیجے۔''

''جی نہیں آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ ناصر صاحب کے لڑکے کا نام دانش نہیں فرحان

''ارے..... ہی ہی..... وہ تو چھوٹا لڑکا ہے..... آپ ناصر صاحب سے کہلوا دیں کہ ہڑ ال آیا ہے۔''

''تشریف رکھئے..... میں اطلاع کئے دیتا ہوں۔'' حمید نے کہا اور راہداری میں ہولیا۔

اُس کا ذہن ''دانش دانش'' کی گردان کر رہا تھا۔ آخر یہ کون تھا اور کہاں تھا۔ ابھی تک کیوں نہ معلوم ہو سکا تھا کہ ناصر کا ایک لڑکا اور بھی ہے۔

وہ کہاں ہے؟

''دانش.....!'' فریدی آہستہ سے بڑبڑایا اور سگار سلگا کر جلتے ہوئے سرے پر نظریں یں۔

''آخر اس کا نام ابھی تک ہمیں کیوں نہیں معلوم تھا۔'' حمید بولا۔ وہ فریدی سے صفدر والا بھی بیان کر چکا تھا فریدی چند لمحے سگار کے جلتے ہوئے سرے کو گھورتا رہا پھر بولا۔

''میں صبح سے اب تک دانش ہی کے متعلق چھان بین کر رہا تھا۔''

''اور آپ نے مجھے پہلے نہیں بتایا۔''

''پہلے مجھے خود بھی نہیں معلوم تھا۔'' فریدی بولا۔ ''یہ تو تحقیقات کے دوران میں معلوم ہوا ناصر کے کوئی لڑکا اور بھی ہے، جو واردات کی شام تک گھر میں دیکھا گیا تھا۔''

''اوہ..... اور اس کے بعد سے.....'' حمید آنکھیں نکال کر رہ گیا۔

''اتنی جلدی نتائج اخذ کرنے کی کوشش نہ کرو۔''

''کیوں نہ ناصر کو ٹٹولا جائے۔''

''نہیں..... فی الحال اس کی ضرورت نہیں..... دانش کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہ ایک ل قسم کا آدمی ہے۔''

''لیکن آپ نے یہ ساری معلومات کہاں سے بہم پہنچائیں۔''

''پڑوسیوں سے۔''

''اور کچھ.....!''

''اور ابھی کچھ بھی نہیں۔'' فریدی بجھا ہوا سگار ایک طرف اچھالتا ہوا بولا۔ ''اٹھو صفدر کو دیکھیں گے۔''

''کیا میں بھی چلوں.....!'' حمید نے پوچھا۔

''ہاں.....اب تم چل سکتے ہو۔''

''کیوں اب کیا خاص بات ہوگئی۔''

''فکر نہ کرو.....جو کہوں وہ کرتے چلو۔''

''صوفیہ ان جونکوں کو ختم کردے گی۔''

''کیا تم انہیں بہت زیادہ اہمیت دیتے ہو۔'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''کیوں.....کیا وصیت نامہ۔''

''چھوڑو.....'' فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ''جونکیں اس کیس میں کسی اہم طرف اشارہ نہیں کرتیں۔''

''پھر آخر ان کا مصرف کیا ہے۔''

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ باہر آئے.....فریدی نے گیراج سے کیڈی نکالی وہ سڑک پر آ گئے۔ کیڈی کا رخ شہر کی طرف تھا۔

''میں ان جونکوں کے متعلق پوچھ رہا تھا۔'' حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔

''محض مذاق ..... یا پھر مخدوم کے اعزہ کے لئے ایک استعارہ۔ ہوسکتا ہے کہ قاتل حقیقتاً اس کا کوئی عزیز ہی ہو۔''

''آپ نے کہا تھا کہ جونکوں کے مرجانے کے بعد وصیت نامہ ساقط ہوجائے گا۔''

''مجھے اب وصیت نامے سے بھی کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی کیونکہ اب اس کا مطلب

ہو چکا ہے۔ اس وصیت نامے کی عدم موجودگی میں سر مخدوم کی موت اتفاقیہ سمجھی جاتی مگر اب میں ایک قاتل کی تلاش ہے۔''

''اس کیس کا پیچیدہ ترین مسئلہ۔'' حمید نے سوالیہ انداز میں کہا۔

''سر مخدوم کا رویہ.....خطرہ پہلے سے لاحق ہونے کے باوجود بھی اس شخص نے چوہوں کی طرح جان دے دی۔''

''اوہ.....تو آپ کا یہ خیال ہے کہ وہ مرا ہی نہیں۔''

''لاش.....ایک جلی ہوئی لاش.....آؤٹ ہاؤز میں سر مخدوم کے علاوہ اور کوئی نہیں رہتا تھا۔''

''بہرحال یہ کیس مجھے ضرور پاگل بنادے گا۔'' حمید نے پائپ سلگاتے ہوئے کہا۔

''کیوں.....؟''

''میں ان لوگوں کی تنفر آمیز نظریں نہیں برداشت کرسکتا۔''

فریدی کچھ نہ بولا.....اور پھر راستے بھر اس کیس کے متعلق کوئی گفتگو نہ ہوئی۔

شہر پہنچ کر فریدی نے کیڈی صفدر کے ہوٹل کے سامنے روک دی۔ یہ ہوٹل کچھ اس قسم کا تھا کہ اگر اس کے ساتھ بار بھی نہ ہوتی تو لوگ اسے قابل اعتنا بھی نہ سمجھتے اور ویسے تو اس کی گہرائیوں کے واقف کار شہر کے بہت بڑے بڑے لوگ تھے، درپردہ یہاں ایک بہت بڑا قمار خانہ تھا.....اور شہر کے بہتیرے دولت مند یہاں جوا کھیلتے تھے۔

صفدر انہیں کاؤنٹر ہی پر مل گیا.....اور اس نے انہیں دیکھ کر بہت بُرا منہ بنایا۔ صفدر پولیس یا محکمہ سراغ رسانی کے آفیسروں سے ذرہ برابر بھی مرعوب نہیں ہوتا تھا کیونکہ اس کے روپوں کی پہنچ دور دور تک تھی۔ حمید کو صفدر کے اس رویے پر بڑا تاؤ آیا لیکن فریدی نے اپنی ظاہری حالت میں بالکل فرق نہ آنے دیا۔

''کیا تم دانش سے واقف ہو۔'' فریدی نے صفدر سے پوچھا۔

''میں کسی دانش وانش کو نہیں جانتا اور نہ میں اسے پسند کرتا ہوں کہ آپ جیسے بزرگ لوگ یہاں آنے کی تکلیف اٹھائیں۔''

''آج غلطی ہوئی آئندہ بلوائیں گے۔'' حمید جھلا کر بولا۔

''کیا آپ نے مجھے بھی کسی بنئے ونئے کا لونڈا سمجھا ہے۔''

''کیا تم سر مخدوم کے بھتیجے دانش کو نہیں جانتے۔'' فریدی نے پھر پوچھا۔

''نہیں.....!''

''اور نہ اس سے کبھی تمہارا لین دین رہا ہے۔''

''کیوں.....نہیں.....میں اسے جانتا ہی نہیں۔''

''کیا تم دو گواہوں کے سامنے یہی جملہ دہرا سکو گے یا اسے بھی چھوڑو! مجھے لکھ کر دو کہ دانش سے تمہارا کبھی کوئی لین دین نہیں رہا۔''

''میں کیوں لکھ کر دے دوں۔''

''حرج ہی کیا ہے.....جب تم اسے نہیں جانتے۔''

''دیکھئے جناب میرے پاس بیکار وقت نہیں ہے۔''

''خیر.....!'' فریدی لاپروائی سے بولا۔ ''لیکن تمہیں دانش سے جب بھی وصول ہو جائے توقع نہ رکھنی چاہئے۔''

''نہ جانے آپ کیا.....!''

فریدی اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر واپس جانے کے لئے مڑا۔

''ٹھہریئے.....!'' صفدر مضطربانہ انداز میں بولا۔

''فریدی رک گیا.....لیکن اس کی طرف مڑا نہیں۔''

''آپ لین دین کے متعلق کیوں پوچھ رہے ہیں۔''

''یونہی تفریحاً.....!'' فریدی اس طرف مڑ کر مسکرایا۔

''میں سمجھ گیا.....!'' صفدر آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر یک بیک اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اس نے دانت پیس کر کہا۔ ''ناصر دورخی چل رہا ہے۔''

''نہیں اتفاق سے اس بیچارے کا کوئی رخ ہی نہیں رہ گیا۔'' فریدی نے سرد لہجے

کہا۔ ''سارجنٹ حمید سے ٹکرانے کے بعد اُس نے یقیناً تمہیں سمجھانے بجھانے کی کوشش کی ہوگی۔ لیکن اصل حقیقت سے دور ہی رکھا ہوا۔ تم سمجھتے ہو گے شائد ناصر نے ہم لوگوں کو محض تمہاری وجہ سے مدعو کیا ہے۔''

صفدر اُسے اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

''پھر کیا بات تھی۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''تم نے سرجنٹ حمید سے کہا تھا کہ تم نے اپنی مضبوطی پہلے ہی کر لی تھی۔ یعنی غالباً تم نے دانش سے پرونوٹ لکھوالیا تھا.....مگر اب پرونوٹ بھی تمہیں تمہاری رقم واپس نہ دلا سکے گا۔''

''کیوں.....؟'' صفدر غرا کر بولا۔

''کیونکہ سر مخدوم کی جائیداد کا مالک میں ہوں.....اس کے اعزہ نہیں.....وہ بھی اب میرے ہی رحم و کرم پر ہیں۔''

''نہ جانے آپ کہاں کی ہانک رہے ہیں۔'' صفدر بیساختہ ہنس پڑا۔

''ناصر سے پوچھ لو۔'' فریدی نے فون کی طرف اشارہ کیا۔

''وہ گیا جہنم میں.....میں اُسے دیکھ لوں گا۔''

''ضرور دیکھ لینا.....لیکن رقم وصول نہ ہو سکے گی.....کتنے روپے تھے۔''

''پندرہ ہزار.....میں نے پرونوٹ لکھوالیا تھا۔ ایک ماہ گذرا اس کی مدت پوری ہو چکی ہے اور اب میں دعویٰ دائر کر سکتا ہوں۔''

''کیا فائدہ.....دانش کی طرف سے مفلسی کی عذر داری ہو جائے اور پھر اگر وہ جیل بھی گیا تو اس کے اخراجات تمہارے ذمہ.....!''

''آخر کیوں.....کیا اب سر مخدوم کی جائیداد کا مالک ناصر نہیں۔''

''ہرگز نہیں.....کہہ تو دیا کہ میں جب چاہوں اسے کوٹھی سے بھی نکال سکتا ہوں۔''

''میں نہیں سمجھ سکتا۔''

''سر مخدوم کی وصیت.....جس کی رو سے میں ان کی جائیداد کا مالک ہوں۔''

''سرمخدوم آپ کے کون تھے۔''

''کوئی بھی نہیں۔''

صفدر نے جھلا کر فون کا ریسیور اٹھایا اور شاید ناصر کے نمبر ڈائیل کرنے لگا۔ پھر اس نے ماؤتھ پیس میں ناصر ہی کو مخاطب کیا۔ وہ اُس سے فریدی کی کہی ہوئی بات کے متعلق پوچھ رہا تھا..... پھر وہ ماؤتھ پیس کو ہتھیلی سے بند کر کے فریدی کی طرف مڑا۔

''ناصر تو اس سے انکار کرتا ہے۔'' اس نے کہا۔

''اوہ..... اب اس سے کہو کہ تمہیں یہ اطلاع بیرسٹر جعفری سے ملی ہے۔'' فریدی نے

صفدر نے ماؤتھ پیس میں فریدی کا جملہ دہرایا..... اور پھر وہ اس کے بعد ''ہیلو ہیلو'' کرتا رہ گیا۔ آخر اس نے جھلا کر ریسیور کو اسٹینڈ پر پٹخ دیا.....

''کیوں کیا ہوا.....؟'' فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

''سالے نے ایک گندی سی گالی دے کر سلسلہ منقطع کر دیا۔'' صفدر ہانپتا ہوا بولا۔

''مجھے یا تمہیں.....!'' فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

''پتہ نہیں۔'' صفدر بیزاری سے بولا۔ ''خیر میں سالے سے سمجھ لوں گا۔''

''سالے سے سمجھنا بہت مشکل ہے۔'' حمید نے مسکرا کر کہا۔

''تو آپ بتایئے نا کہ آپ کس طرح سرمخدوم کی جائیداد کے مالک ہو سکتے ہیں۔'' جھنجھلا کر بولا۔

''سرمخدوم کی وصیت کے مطابق۔''

''اوہ..... جب آپ سرمخدوم کے کوئی نہیں تو سرمخدوم کو پاگل بھی ثابت کیا جا سکتا ہے۔''

''کون کرے گا۔'' فریدی نے پوچھا۔

''ناصر.....!''

''ہرگز نہیں کر سکتا..... اگر اس نے ایسا کیا تو اس کے ہتھکڑیاں لگ جائیں گی۔''

''کیوں.....؟''

''جب سرمخدوم پاگل تھے تو انہیں آتش بازی کے ذخیرے کے ساتھ مہمان خانے میں کیوں چھوڑا گیا۔''

صفدر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''تو پھر میرا روپیہ ڈوب گیا۔'' صفدر آہستہ سے بولا۔

''نہیں یہ بھی ضروری نہیں..... بعض حالات میں تمہارا روپیہ واپس بھی ہو سکتا ہے۔''

''وہ حالات کیا ہوں گے۔''

''دانش کے متعلق میرے لئے صحیح معلومات بہم پہنچاؤ۔''

''کس قسم کی معلومات.....!''

''یہی کہ دانش اس وقت کہاں ہے۔''

''بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں..... وہ تو مجھے اسی شام کو دکھائی دیا جس رات کوٹھی کے ٹ ہاؤز میں آگ لگی تھی۔''

''اوہ..... تو وہ اس شام کو دکھائی دیا تھا۔''

''جی ہاں..... اور اس کے بعد سے آج تک میں نے اس کی شکل نہیں دیکھی۔ ٹھیک یاد ..... اب تو میں ان سالوں کو پھانسی کے تختے پر ہی دیکھنا پسند کروں گا۔ ناصر سے آج میں دانش کے متعلق پوچھا تھا جس پر اس نے بتایا کہ وہ ایک ماہ قبل کہیں باہر گیا تھا اور اب تک نہیں آیا حالانکہ یہ بکواس ہے۔ میں نے حادثے کی شام کو اُسے دیکھا تھا۔ اس نے یہیں ب پی تھی۔''

''تو تم نے ناصر سے اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔''

''کیا تھا..... لیکن اس نے جواب دیا کہ دانش ایک ماہ سے گھر نہیں آیا۔''

''ہوں.....!'' فریدی نے حمید کیطرف دیکھ کر کہا۔ ''صفدر نے اب سچ بولنا شروع کیا ہے۔''

''پندرہ ہزار کم نہیں ہوتے۔'' صفدر فریدی کو گھور کر بولا۔ ''میرے پاس پرونوٹ.....!''

''ٹھیک ہے! اور وقت آنے پر تمہاری پائی پائی ادا ہو جائے گی۔ ویسے کیا تم مجھے وہ

جگہیں بتا سکتے ہو جہاں دانش کے ملنے کے امکانات ہوں۔''

''کیوں.....!'' صفدر چونک کر بولا۔ ''آخر آپ کو دانش کی تلاش کیوں ہے؟''

''میرا خیال ہے کہ سرمخدوم کی موت اتفاقیہ نہیں تھی۔''

''ہام.....!'' صفدر اپنی بائیں آنکھ بند کر کے داہنا گال کھجانے لگا۔

''تب تو پھر یہ حرکت دانش ہی نے کی ہوگی۔'' وہ کچھ دیر بعد بولا۔

''کیوں.....؟''

''ٹھہریئے بتاتا ہوں.....'' صفدر نے کہا اور گھنٹی کا بٹن دبانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد ایک آدمی بھاگتا ہوا کاؤنٹر کی طرف آیا۔

''جگدل کو بھیجو.....!'' صفدر نے اس سے کہا اور وہ آدمی الٹے پاؤں واپس چلا گیا

تین منٹ بعد ایک نوجوان اور گرانڈیل آدمی کاؤنٹر کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

ظاہری حالت ہی سے خاصا بدمعاش معلوم ہوتا تھا۔

''پچھلی بار تم سے اور دانش سے کیا باتیں ہوئی تھیں۔'' صفدر نے اس سے پوچھا۔

آنے والے نے متجسس نظروں سے فریدی اور حمید کی طرف دیکھا اور اپنی داہنی کھجانے لگا۔

''بتاؤ..... کیا باتیں ہوئی تھیں۔'' صفدر نے دوبارہ پوچھا۔

''ارے ژناب دانس صاحب مسکھڑی کرتا تھا۔''

''بتاؤ نا.....!'' صفدر نے تیز لہجے میں کہا۔

وہ کچھ دیر چپ رہا پھر بولا۔ ''دانس صاحب بولا تھا..... ہمارے چاچا کو ٹخ کرو تو ہجار روپیہ دوں گا۔''

''ٹخ.....!'' حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

''ہاں ہاں..... ٹخ.....!'' اس نے اپنی گردن پر انگلی پھیر کر کہا۔

''مراد قتل ہے۔'' صفدر مسکرا کر بولا۔

''پھر تم نے کیا کیا.....!'' فریدی نے پوچھا۔

''ہم کیا بولتا صاحب..... دانس صاحب نسے میں تھا.....!''

''تم نے کچھ کہا ہی نہیں۔''

''صاحب ہم بھی مسکھڑی کیا۔ ہم بولا پہلے دس ہزار دلواؤ..... پھر دانس صاحب ہم کو یک چھرا دکھایا۔ بولا وہ کھد اپنے چاچا کو ٹخ کرے گا۔ ہم بولا..... چھرا مارنے کو جور اہیے..... تاکت چاہیے..... دانس صاحب بولا وہ اپنے چاچا کے گھر آگ لگا دے گا۔''

''تم جانتے ہو آج کل دانش کہاں ہے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''نہیں ژناب.....!''

کھڑکی سے زمین تک

صفدر کے ہوٹل سے نکل کر وہ سیٹھ ٹڈامل کے یہاں پہنچے۔ لیکن دانش کا سراغ وہاں بھی ل سکا۔ البتہ اتنا ضرور ہو گیا کہ دانش نے پرونوٹ پر آٹھ ہزار روپے اس سے بھی لئے تھے۔

واپسی پر حمید نے کہا۔ ''آخر یہ لوگ کتنے گدھے ہیں کہ انہوں نے کسی ضمانت کے بغیر سے روپے دے دیئے تھے۔''

''ضمانت کے لئے محض اتنا ہی کافی تھا کہ وہ سرمخدوم کا بھتیجا ہے اور سرمخدوم کے کوئی لاد نہیں۔'' فریدی بولا۔

''تو اسکا یہ مطلب ہوا کہ سرمخدوم نے پہلے بھی کبھی ان لوگوں کے قرض ادا کئے ہوں گے۔''

''ہو سکتا ہے۔''

''لیکن دانش غائب ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ پولیس اسے اتفاقیہ حادثہ قرار دے چکی تھی۔''

''جگدل کا بیان یاد کرو.....'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''اس نے اس سے اپنے چچا کی

متعلق جو خیال ظاہر کیا تھا کیا وہ اس کے پھنسا دینے کے لئے کافی نہیں۔''

''تو پھر..... پچھلی رات والا پراسرار آدمی دانش ہی تھا۔''

''ممکن ہے۔''

''ہوسکتا ہے کہ وہ جنگل ہی میں چھپا ہو۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ پھر سرمخدوم کی کوٹھی واپس آ گئے۔ لیکن فریدی کیڈی اندر نہیں لے گیا۔

''پھاٹک کے چوکیدار کو یہاں بلاؤ۔'' فریدی نے حمید سے کہا۔

اس نے کیڈی باہر ہی چہار دیواری کے نیچے روک دی تھی۔ تھوڑی دیر بعد حمید چوکیدار کو ساتھ لئے ہوئے واپس آ گیا۔

فریدی چند لمحے چوکیدار کو گھورتا رہا پھر بولا۔ ''تم جانتے ہو کہ ہم لوگ پولیس کے آدمی ہیں۔''

''جی..... ہجور.....!''

''جس رات آگ لگی تھی تم کہاں تھے؟''

''یہیں پھاٹک پر.....!''

''تم نے آگ لگتے تو دیکھا ہی ہوگا۔''

''نہیں سرکار..... میں سو رہا تھا۔''

''تو تمہیں پھاٹک پر سونے کی تنخواہ ملتی ہے۔''

''رات کو جاگ کر میں نے کبھی پہرا نہیں دیا۔ بڑے صاحب کہتے تھے اس کے لئے نوکر ہی کافی ہیں۔''

''تم کس وقت سوئے تھے۔''

''ساڑھے ایک بجے۔''

''اس سے پہلے کوئی باہر سے آیا تھا۔''

''جج..... جی..... نہیں۔''

''گھر کا کوئی آدمی۔''

''نہیں سرکار۔''

''جھوٹ بولتے ہو۔''

''مم..... نہیں ہجور.....!''

''اسے لے جا کر بند کر دو۔'' فریدی نے حمید سے کہا۔

دربان گڑگڑانے لگا۔

''اگر تم میری باتوں کا صحیح جواب دو گے تو کئی مصیبتوں سے بچ جاؤ گے۔ پولیس والے بہت مارتے ہیں۔'' فریدی بولا۔

دربان تھوڑی دیر تک کچھ نہ بولا۔ پھر اُس نے آہستہ سے کہا۔ ''دانس میاں آئے تھے۔''

''لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جسے تم چھپاؤ.....!'' فریدی اسے تیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

''مجھے منع کر دیا گیا تھا۔''

''کس نے منع کیا تھا۔''

''ناصر میاں نے۔''

''کیا کہا تھا.....!''

''یہی کہ میں دانس میاں کے رات گئے آنے کے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتاؤں۔''

''یہ انہوں نے تم سے کب کہا تھا۔''

''آگ لگنے کے دوسرے دن۔''

''دانش موجود تھا۔''

''نہیں وہ نہیں تھا۔''

''جب آگ بجھانے کی کوشش کی جا رہی تھی اس وقت دانش موجود تھا۔''

''پتہ نہیں! میں نے نہیں دیکھا۔''

''اس کے بعد سے کبھی دانش دکھائی دیا تھا۔''

''نہیں ہجور.....!''

''دانش اس رات نشے میں تھا۔''

''جی ہاں..... بری تراں.....!'' دربان بولا۔ ''میں نے ان سے کہا پہنچادوں..... انہوں نے مجھے گالیاں دیں اور چھرا دکھایا۔''

''چھرا دکھایا.....؟'' فریدی نے دہرایا۔

''جی ہاں سرکار..... میں چپ چاپ لیٹ گیا۔''

''کیا اس سے پہلے بھی کبھی چھرا دکھایا تھا۔''

''کبھی نہیں۔''

''اچھا جاؤ.....!'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''لیکن اس کا تذکرہ ناصر یا کسی اور سے ہرگز نہ کرنا۔''

''اچھا صاحب۔'' دربان سلام کرکے چلا گیا۔ وہ بہت زیادہ خوفزدہ نظر آرہا تھا۔ فریدی کیڈی کو اسٹارٹ کرکے کمپاؤنڈ میں لایا۔

''سنو حمید.....!'' اس نے کہا۔ ''اب صرف اسی لڑکی سے معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔''

''صوفیہ سے۔''

''ہاں..... کیا تم ایسا کرسکو گے۔''

''بہت چالاک ہے۔''

''تم تو عورتوں کی نبض شناسی کے ماہر ہو۔''

''لیکن وہ خود کو عورت سمجھتی ہی نہیں۔ میں نے اب تک اسے غرارے یا ساڑی میں نہیں دیکھا۔ ہر بات میں مردوں کی نقل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔''

''آج شام کو اُسے کہیں باہر لے جاؤ۔''

''یہ آپ کیا فرمارہے ہیں..... یور ہارڈنس.....!''

''میں نے ہرگز یہ نہیں کہا کہ آپ اس سے عشق لڑائیں۔'' فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

''لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ میرے ساتھ چلی ہی جائے۔''

''کوشش کرو..... یہاں تو میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ ناصر ہر وقت اس کے سر پر سوار رہتا ہے۔''

''میں نے بھی محسوس کیا ہے کہ ناصر کا برتاؤ اس کے ساتھ اچھا نہیں۔''

پھر وہ دونوں اپنے کمروں میں چلے گئے۔ لیکن حمید زیادہ دیر تک کمرے میں نہ رہ سکا۔ اس نے صوفیہ کی تلاش شروع کردی۔ بڑی دیر تک کئی راہداریوں کی خاک چھانتا رہا لیکن وہ کہیں نہ ملی۔ ایک جگہ ناصر کی دونوں لڑکیوں سعیدہ اور نکہت سے مڈبھیر ہوگئی۔ دونوں نے عجیب انداز میں اس کی مزاج پرسی کی۔ اس سے پہلے حمید نے ان کی آنکھوں میں صرف نفرت ہی دیکھی تھی۔ مگر اس وقت وہ دونوں ہی اس سے گفتگو کرنے پر آمادہ نظر آرہی تھیں۔

''کیا پہلے آپ فلموں میں کام کرتے تھے۔'' سعیدہ نے پوچھا۔

''فلموں میں.....!'' حمید نے حیرت سے کہا۔ ''نہیں تو۔''

''واہ..... ہم نے تو آپ کو بیجو باورا میں دیکھا تھا۔'' نکہت لچک کر بولی۔

''بیجو باورا.....!'' حمید نے احمقوں کی طرح پلکیں جھپکائیں۔

''آپ اپنا تانپورہ کیوں نہیں لائے۔'' سعیدہ نے کہا۔

''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے.....!'' حمید بوکھلا کر بولا۔

''ہم سمجھتے ہیں.....!'' دونوں بیک وقت ہنسنے لگیں۔

حمید اور زیادہ بوکھلا گیا۔ وہ دراصل اب تک دونوں کو احمق سمجھ کر نظر انداز کرتا رہا تھا۔ مگر دونوں اچانک اُسے گھسنے پر آمادہ ہوگئی تھیں اور حملہ کچھ اس بے ساختگی کے ساتھ ہوا تھا کہ حمید کو پگڑی سنبھالنی دشوار ہوگئی۔ حالانکہ اگر اس کے سر پر سچ مچ پگڑی ہوتی تو وہ اُسے قابل اعتنا نا نہ سمجھتیں۔

''گانا تو آپ کو سنانا ہی پڑے گا۔'' نکہت بولی۔

اور پھر حمید کو سچ مچ ایسا ہی محسوس ہونے لگا جیسے اس کی شکل پکا گانا گاتے وقت بگڑ گئی

ہو۔قریب تھا کہ وہ بوکھلا کر ہکلانا شروع کر دے اس نے خود کو سنبھال لیا۔

''کیا سنئے گا.....!'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''جئے جئے ونتی۔'' نکہت بولی۔

''نہیں.....گوجری ٹوری۔'' سعیدہ نے کہا۔

''فی الحال جھاپ کا خیال سنئے۔'' حمید داہنے کان پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔''صوفیہ صاد بھی بلا لیجئے۔''

''صوفی صاحب کہئے۔'' سعیدہ نے تنفر آمیز لہجے میں کہا۔''وہ کسی درخت پر چ گلہریاں پکڑ رہی ہوگی۔''

''تو چلئے اسی درخت کے نیچے سہی۔''

''یہیں سنیں گے۔'' نکہت نے کہا۔

''پاگل ہوئی ہے۔'' سعیدہ بولی۔''ڈیڈی دھر پیٹ الاپنا شروع کر دیں گے۔''

وہ عقبی پارک کے ایک درخت کے سائے میں آ بیٹھے۔دن ڈھل رہا تھا اور دھوپ اب زیادہ تمازت نہیں رہ گئی تھی۔

حمید نے چاروں طرف متجسس نظروں سے دیکھا مگر صوفیہ یہاں بھی کہیں نہ دکھائی دی

''چلئے دیپک سنایئے۔'' نکہت نے کہا۔

''دیپک.....!'' حمید مسکرا کر بولا۔''آپ میں سے کسی کو میگھ ملہار آتی ہے۔''

''کیا واقعی دیپک راگ سے چراغ جل اٹھتے تھے۔'' سعیدہ نے پوچھا۔

''بالکل.....'' حمید سنجیدگی سے سر ہلا کر بولا۔''محض اسی لئے ایک بار تان سین کو ریڈیو اسٹیشن میں ملازمت کرنی پڑی تھی۔''

''کیوں.....دہلی ریڈیو.....!'' سعیدہ ہنسنے لگی۔

''جی ہاں.....ہوا یہ کہ ایک بار بیربل کی حماقت سے دیا سلائیوں کی امپورٹ بند ہو سارے ملک میں اندھیرا چھا گیا۔تب اکبر بادشاہ نے تان سین کو ریڈیو اسٹیشن میں ملاز

دلوادی۔سانجھ بھئے وہ دیپک براڈ کاسٹ کرتا تھا اور ملک کے چراغ روشن ہو جاتے تھے۔''

''تو وہ غریب بھی روز ہی جل بھن جاتا رہا ہوگا۔''

''قطعی نہیں! وہ ایک ریفریجریٹر میں بیٹھ کر گایا کرتا تھا۔''

دونوں نے قہقہہ لگایا۔پھر نکہت بولی۔''آج کل کسی کو دیپک اور ملہار کیوں نہیں آتے۔''

''بجلی کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کی بناء پر۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''تان سین زندہ ہوتا تو اسے کسی پاور ہاؤز میں قلی گیری کرنی پڑتی۔رہا ملہار کا قصہ تو وہ صرف مینڈکوں کو پسند آیا تھا۔مینڈک ہی آج بھی ملہار گاتے ہیں اور جب گاتے ہیں تو پانی ضرور برستا ہے۔اس زمانے میں تان سین کو محکمہ موسمیات میں ضرور نوکری مل جاتی۔''

''آپ باتوں میں ٹالیں گے سنائیں گے نہیں۔'' سعیدہ نے کہا۔

''آؤٹ ہاؤز میں آگ لگی ہوگی تو بڑا زوردار دھماکہ ہوا ہوگا۔'' حمید بولا۔

''پتہ نہیں.....!'' سعیدہ دفعتاً مغموم ہو کر بولی۔''ہم سور ہے تھے۔''

نکہت بھی اداس نظر آنے لگی۔

''بڑا عبرت ناک منظر ہوگا۔''

وہ دونوں خاموش رہیں۔پھر نکہت اٹھتی ہوئی بولی۔

''ہم نے ابھی چائے نہیں پی۔''

اس کے اٹھتے ہی سعیدہ بھی کھڑی ہو گئی۔

''ہائیں.....تو کیا اب میں ان درختوں کو سناؤں گا۔بھائی دانش میرے بڑے قدر داں ہیں۔مگر افسوس کہ وہ موجود نہیں۔''

''کک.....کیا آپ انہیں جانتے ہیں۔'' سعیدہ حمید کو گھور کر بولی۔

''جاننے کی ایک ہی کہی.....ارے ہم دونوں گہرے دوست ہیں۔''

''تب تو آپ بھی انہیں کی طرح آوارہ ہوں گے۔'' نکہت ناک پر شکنیں ڈال کر بولی۔

''آوارہ.....!'' حمید حیرت سے بولا۔

''جی نہیں بہت شریف۔'' نکہت نے طنزاً کہا۔ ''اتنے شریف کہ ایک ماہ سے گھر والوں کو ان کی شکل نہیں دکھائی دی۔''

''حیرت ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ وہ شہر ہی میں ہیں۔ شائد چودہ پندرہ دن قبل ملاقات بھی ہوئی تھی۔''

''شہر ہی میں ہیں۔'' سعیدہ نے حیرت سے کہا۔

''میں پندرہ دن قبل کی بات کر رہا ہوں۔''

''وہ ایک ماہ سے گھر نہیں آئے۔'' نکہت بولی۔ ''سنا ہے اب شراب بھی پینے لگے ہیں۔''

''اب کیا..... وہ پہلے بھی پیتے تھے۔'' حمید نے کہا۔

''ہم لوگوں کو نہیں معلوم تھا۔''

''لیکن میں انہیں راہ راست پر لا سکتا ہوں۔'' حمید نے کہا۔

''وہ کس طرح۔''

''آپ مجھے بتائیے کہ وہ کہاں مل سکیں گے۔ میں آج ہی انہیں پکڑ لاؤں۔''

''یہی معلوم ہوتا تو ڈیڈی ہی نہ پکڑ لاتے۔'' نکہت بولی۔ ''آپ تو ان کے دوست ہیں۔ آپ سے کیا پردہ۔ وہ بیس بائیس ہزار روپے کے مقروض ہو گئے ہیں اور قرض بھی بڑے آدمیوں کا ہے۔ آج ہی شہر کا ایک مشہور بدمعاش صفدر تقاضے کے لئے آیا تھا..... میرا خیال ہے کہ وہ قرض خواہوں کی وجہ سے کہیں چھپ گئے ہیں۔''

''اوہ..... مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ قرض دار بھی ہیں۔'' حمید نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ یہ حقیقت ہے یا یہ دونوں لڑکیاں جان بوجھ کر اُسے گمراہ کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ حمید سوچتا رہا اور وہ دونوں چلی گئیں۔

دھوپ عمارت کی دیواروں پر چڑھنے لگی تھی۔

حمید اٹھ کر آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا عمارت کے داہنے بازو کی طرف آیا۔ وہ یونہی بغیر مقصد ادھر نکل آیا تھا اور بالکل دیوار کے نیچے چل رہا تھا۔ دفعتاً کوئی چیز اس کے سر پر گری اور پھسل

ہوئی نیچے چلی آئی۔ حمید کا سر بیساختہ اوپر کی طرف اٹھ گیا۔ رسی اوپری منزل کی ایک کھڑکی سے پھینکی گئی تھی۔ کھڑکی میں ایک چہرہ دکھائی دیا۔ وہ صوفیہ تھی جیسے ہی اس کی نظر حمید پر پڑی اس نے رسی کو اوپر کھینچ کر کھڑکی بند کر لی۔

حمید پہلے تو یہ سمجھا کہ شائد صوفیہ بھی اسے چھیڑ رہی ہے لیکن پھر اسے اپنا خیال تبدیل کر دینا پڑا۔ کیونکہ اوپر سے پھینکی گئی رسی حقیقتاً رسی نہیں تھی بلکہ نواڑ کو بٹ کر اسے رسی کی شکل دی گئی تھی اور پھر ایک دوسرے ہی خیال نے اس کے ذہن میں سر ابھارا..... وہ تیزی سے چلتا ہوا عمارت کے سرے تک آیا اور پھر وہیں سے مہندی کی باڑھ کی اوٹ پکڑ کر دوبارہ اسی کھڑکی کی طرف چلنے لگا۔ اس طرف مہندی کی باڑھ شائد عرصہ سے بے مرمت پڑی ہوئی تھی اس لئے حمید کو دیکھ لئے جانے کا خدشہ نہیں تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد کھڑکی پھر کھلی۔ صوفیہ نے آدھے دھڑ سے باہر لٹک کر چاروں طرف دیکھا اور پھر اس نے رسی نیچے پھینک دی۔

پھر حمید نے جو دیکھا وہ اس کے لئے حیرت انگیز بھی تھا اور وحشت ناک بھی۔ کھڑکی زمین سے پچیس یا تیس فٹ بلند تھی اور صوفیہ اس رسی کے سہارے در دیوار سے دونوں پیر لگائے اتنی بے خوفی سے نیچے اتر رہی تھی جیسے وہ اس کے لئے محض ایک معمولی سی تفریح ہو۔ اُسے زمین تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔

فرار

حمید نے ایک بار پھر کھڑکی کی بلندی کا جائزہ لیا اور سناٹے میں آ گیا۔ صوفیہ نے اپنے بنڈل پتلون کی جیب میں ٹھونس رکھے تھے اور انہیں جلدی سے پیروں میں ڈالا اور قریب ترین دوڑتی ہوئی گیراج کی طرف چلی گئی۔ حمید چپ چاپ مہندی کی باڑھ کی اوٹ سے نکلا۔ چند لمحے کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر وہ بھی گیراج ہی کی طرف چلنے لگا۔

صوفیہ گیراج سے سرخ رنگ کی ٹوسیٹر نکال چکی تھی وہ اسے کافی تیز رفتاری سے ہوئی پھاٹک سے گذر گئی۔

فریدی کی کیڈی دوپہر سے اب تک پورچ ہی میں کھڑی رہی تھی۔ حمید کو اُس تک کے لئے کافی تیز دوڑنا پڑا..... اتفاق سے وہاں اور کوئی موجود نہیں تھا..... ورنہ وہ اس حرکت کو پاگل پن پر محمول کرتا۔

سڑک پر آ کر اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ لیکن سرخ رنگ کی ٹوسیٹر کا نشا ملا۔ جس رفتار سے صوفیہ اسے باہر لائی تھی اگر وہی رفتار سڑک پر بھی برقرار رکھی ہوگی تب نہ جانے کہاں پہنچی ہوگی۔

حمید نے گیئر بدلے اور کیڈی فراٹے بھرنے لگی۔ دھندلکا پھیلنے لگا تھا لیکن ابھی اتنی باقی تھی کہ وہ سرخ رنگ کی ٹوسیٹر کو دور ہی سے دیکھ سکتا تھا۔ وہ برابر رفتار تیز کرتا رہا۔

آخر شہر پہنچتے پہنچتے اس نے سرخ رنگ کی ٹوسیٹر کو جا ہی لیا۔ اندھیرا پھیل چکا تھا۔

ایک جگہ صوفیہ کی گاڑی رک گئی۔ حمید نے صوفیہ کو اتر کر ملبوسات کی ایک بڑی دکا گھستے دیکھا۔ وہ اپنی کیڈی کو بیک کر کے ایک گلی میں لایا اور انجن بند کر کے اس نے اسے چھوڑ دیا۔

ٹوسیٹر اب بھی وہیں کھڑی تھی جہاں چھوڑی گئی تھی۔ حمید سڑک کے دوسرے کنا سے ملبوسات کی دوکان کی نگرانی کرتا رہا۔ شائد بیس منٹ بعد صوفیہ برآمد ہوئی اور اس آنکھیں حیرت سے کھلی رہ گئیں۔ اس کے جسم پر اب قمیض اور پتلون کی بجائے ایک نفیس قسم کی ساری تھی اور اس نے اپنی داہنی بغل میں ایک چھوٹا سا بنڈل دبا رکھا تھا۔ وہ سے نکل کر فٹ پاتھ پر چلنے لگی۔ حمید کافی فاصلے سے اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ کچھ دور صوفیہ پھر ایک دوکان میں گھس گئی جہاں چمڑے کا سامان فروخت ہوتا تھا۔ حمید کو بھی رک پڑا لیکن اس بار بھی وہ دوکان کے اندر نہیں گیا۔

صوفیہ تھوڑی دیر بعد ہاتھ میں چمڑے کا ایک سوٹ کیس لٹکائے ہوئے باہر نکلی۔

ت اتنی حیرت انگیز نہیں تھی جتنی کہ اس کی دوسری حرکت ہوسکتی تھی۔ اس نے ایک گذرتی ہوئی ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ کیا۔

پھر حمید نے بڑی تیزی سے سڑک پار کی اور اس گلی میں پہنچا جہاں اس نے کیڈی کھڑی کی تھی۔ دوسرے لمحے کیڈی بھی سڑک پر تھی۔

حمید سوچ رہا تھا کہ آخر اس نے اپنی کار کی موجودگی میں ٹیکسی کیوں کی؟ کیا وہ سچ مچ ار ہو رہی ہے۔ آخر کیوں؟ کیا اس کا بھی اس کیس سے تعلق ہے..... کوئی ایسا تعلق جس کی ، پر اُسے فرار ہونا پڑے۔ پھر اس کے خیالات کی رو فرار کے طریقے کی طرف بہک گئی۔ آخر طرح فرار ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ ایک پچیس فٹ بلند کھڑکی سے بٹی ہوئی نواڑ کے یعہ چوروں کی طرح اترنا..... اور پھر گیراج میں داخل ہو کر علی الاعلان کار نکالنا جیسے اس کے راسے دیکھ لئے جانے کی پرواہ نہیں تھی..... اور اب وہ اس کار کو بھی سڑک کے کنارے اس ج چھوڑ کر فرار ہو رہی تھی جیسے وہ کار چوری کی رہی ہو۔

صوفیہ کی ٹیکسی شیبان کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔ یہ متوسط درجے کا ایک اقامتی ل تھا۔ پورچ میں کھڑے ہوئے ایک پورٹر نے صوفیہ کا سوٹ کیس اٹھایا اور اندر جانے کے ے اس کی رہنمائی کرنے لگا۔

حمید نے بھی کمپاؤنڈ ہی میں کیڈی روک دی تھی۔ لیکن اندر ہی بیٹھا اسے پورٹر کے ساتھ تے دیکھتا رہا۔

یقیناً وہ یہاں قیام ہی کرنے کے لئے آئی تھی۔

کچھ دیر بعد حمید ہوٹل کے منیجر کے کمرے میں تھا۔ اس نے اپنا ملاقاتی کارڈ نکال کر منیجر ے سامنے رکھ دیا۔

''اوہ..... فرمایئے۔'' منیجر کچھ مضطرب سا نظر آنے لگا۔

''تھوڑی سی تکلیف دوں گا۔'' حمید بولا۔ ''پرسوں سے کل تک کے قیام کرنے والوں کے دستخط دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''کوئی خاص بات۔''

''جی ہاں..... ہمیں ایک مشتبہ آدمی کی تلاش ہے جو شہر کے کسی ہوٹل میں مقیم ہے
منیجر نے رجسٹر اس کی طرف بڑھا دیا۔ رجسٹر کھلا ہوا تھا۔ شاید وہ صوفیہ کے دستخ
کے بعد سے اب تک بند نہیں کیا گیا تھا۔ حمید کی نظر سب سے پہلے آج کے آخری نام
جو صوفیہ کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ اس کی بعد سے اب تک اور کوئی نیا
والا آیا ہی نہیں تھا۔

صوفیہ نے اپنا نام مسز آشا ورما لکھا تھا اور دستخط بھی اس نام کے کئے تھے۔
جلدی سے وہ صفحہ الٹ کر دو دن قبل کی آمد و رفت کا صفحہ کھولا۔ اس کا مقصد تو حل ہو
اب اُسے صرف منیجر کو دکھانے کے لئے پچھلے ناموں پر نظر ڈالنی پڑی تھی۔

''شکریہ.....!'' حمید نے تھوڑی دیر بعد رجسٹر بند کرتے ہوئے کہا۔

''کیا مل گیا.....!'' منیجر نے پوچھا۔

''نہیں..... یہاں نہیں ہے۔''

پھر منیجر کے چہرے سے فکر کے بادل چھٹ گئے اور اس نے بڑی خوش دلی سے
اسے رخصت کیا۔

حمید نے باہر آ کر ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ کا رخ کیا۔ اسے توقع تھی کہ فریدی
کی کوٹھی ہی میں ہوگا۔ کیونکہ کیڈی لے کر تو وہ چلا آیا تھا اور اس طرف ٹیکسیاں بھی شاذ و
جاتی تھیں۔ اس نے نمبر ڈائل کئے..... کسی نے دوسری طرف سے کال ریسیور کی۔
فریدی کا نام لیا..... پھر اسے کچھ دیر تک انتظار کرنا پڑا۔

''ہیلو..... کون ہے۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''میں حمید بول رہا ہوں۔ لیکن میں فریدی صاحب سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔''

''اوہ معاف کیجئے گا.....'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''نوکر کو غلط فہمی ہوئی تھی
ٹھہریئے۔''

حمید کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ اگر وہ جلدی میں ہوتا اور اس نے
واز کے فرق کو نہ محسوس کیا ہوتا تو اس کی گفتگو فریدی کے بجائے کسی اور نے سنی ہوتی۔

جلد ہی اسے دوسری طرف سے فریدی کی آواز سنائی دی۔

''کہاں ہو تم.....!'' فریدی نے پوچھا۔

''پبلک ٹیلی فون بوتھ نمبر ستائیس میں..... آپ کے لئے ایک دلچسپ اطلاع ہے۔''

''میں فون پر کوئی اطلاع سننا پسند نہیں کروں گا..... سمجھے..... تم کب واپس آؤ گے۔''

''خیر نہ سنئے.....!'' حمید نے کہا۔ ''لیکن میں اپنے محکمے کے کسی آدمی سے کوئی مدد لے سکتا
یا نہیں۔''

''کیا موجودہ معاملات کے متعلق۔''

''جی ہاں۔''

''کس سلسلے میں۔''

''محض نگرانی کے لئے۔''

''اجازت ہے..... جلد واپس آنے کی کوشش کرنا۔''

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو جانے کے بعد حمید نے بھی ریسیور ہک سے لگا دیا لیکن
بوتھ سے باہر نہیں نکلا۔ وہ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اس نے دوبارہ کسی نمبر کے ڈائیل کئے
اب وہ شاید اپنے محکمے کے کسی آدمی سے گفتگو کر رہا تھا۔ اس نے اُسے شیبان ہوٹل میں
ہوئی ایک عورت مسز آشا ورما کی نگرانی کرنے کو کہا تھا۔

بوتھ سے نکل کر وہ کیڈی میں آ بیٹھا۔ اب وہ صوفیہ کی طرف سے مطمئن ہو چکا تھا۔ اس
واپسی بڑی پرسکون تھی اور وہ راستے میں سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی نے فون پر گفتگو کیوں
کی۔ اچانک اُسے یاد آیا کہ سرمخدوم کی کوٹھی میں دو فون تھے ایک سرمخدوم کے آفس میں
اور دوسرا لائبریری میں۔ ان میں سے کسی ایک پر دونوں کی گفتگو صاف سنی جا سکتی تھی۔ ہوسکتا
فریدی نے اسی خیال کے تحت فون پر بات کرنا مناسب نہ سمجھا ہو۔

کوٹھی میں فریدی اس کا منتظر تھا۔ حمید نے جاتے ہی اپنا کارنامہ شروع کر دیا۔ فر
لاپروائی سے سن رہا تھا جیسے حمید یونہی تضیع اوقات کرتا رہا ہو۔ گفتگو کے اختتام پر اس
کر کہا۔ ''میں سمجھا تھا شائد تم نے اس سے کوئی کام کی بات معلوم کی ہے۔''

''کیا یہ واقعہ ہی بجائے خود ایک کام کی بات نہیں۔'' حمید نے جھلا کر کہا۔

''خدا جانے۔'' فریدی نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی۔ کچھ دیر خاموش
بولا۔ ''یہاں اس سلسلے میں کافی شور وغل ہو چکا ہے۔ ناصر اس لڑکی کی حرکت پر بڑ
چراغ پا ہو رہا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ وہ آئے دن اسی طرح کی حرکتیں کیا کرتی ہے۔''

''تو پھر شاید اس کا بھی دماغ خراب ہے۔'' حمید نے کہا۔

''کیوں.....؟''

''ارے اس نے اپنی گاڑی سڑک کے کنارے چھوڑ دی ہے۔ شاید اُسے اب
پولیس کے کسی آدمی نے کوتوالی بھی پہنچا دیا ہو۔ لیکن کیا ہم اسے بھی پاگل پن سمجھیں کہ
ہوٹل میں مسز آشاورما کے نام سے مقیم ہے..... آخر کیوں؟''

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر اس نے کہا۔

''بعض لوگ خود نمائی کے لئے اس قسم کی حرکتیں کرتے ہیں۔ دوسروں کو حیر
ڈالنے کے لئے اگر صوفیہ کا بھی یہی مقصد ہوتا تو پہلی بار مجھے دیکھ کر کھڑکی کیوں بند کر لیتی
جب اس نے اطمینان کر لیا کہ میں جا چکا ہوں تو وہ چوروں کی طرح نیچے اتری..... کیوں
جواب ہے آپ کے پاس۔''

''جواب.....!'' فریدی کچھ سوچتا ہوا مسکرایا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ''
جواب یہ ہے کہ وہ کمرہ باہر سے مقفل تھا۔''

''کون سا کمرہ.....!''

''وہی، جس کی کھڑکی سے وہ زمین تک پہنچی تھی۔''

''آپ کو کیسے علم ہوا۔''

''جب وہ لوگ کھڑکی کے نیچے کھڑے شور کر رہے تھے میں اوپری منزل پر چلا گیا۔ ناصر
چاہئے تھا کہ غل مچانے سے پہلے کمرے کا تالا کھول لیتا۔''

''تو کیا اُس نے اُسے قید کر رکھا تھا۔''

''اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔'' فریدی سگار کیس نکالتا ہوا بولا۔

''تو اس کا یہ مطلب ہے کہ صوفیہ کوئی اہم بات جانتی ہے۔''

''ہو سکتا ہے۔''

''آخر آپ خلاف معمول اتنے غیر یقینی انداز میں کیوں گفتگو کر رہے ہیں۔'' حمید جھنجھلا
بولا۔

''بہتیرے معاملات خود میرے ذہن میں ابھی تک صاف نہیں ہیں..... اور پھر میں غیب
تو ہوں نہیں کہ پیشین گوئیاں شروع کر دوں۔''

''کون سے معاملات آپ کے ذہن میں صاف نہیں۔''

''جتنے بھی ہیں۔''

''شاید پہلی بار آپ کی زبان سے اس قسم کی گفتگو سن رہا ہوں۔''

''کیا پہلے بھی کبھی اس قسم کے کیس سے سابقہ پڑا تھا۔'' فریدی نے اسے تیکھی نظروں
دیکھتے ہوئے کہا۔

حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ اچانک اُس نے کہا۔

''رات والے آدمی کے لئے آپ نے کیا کیا۔''

''وہی تو مجھے الجھن میں ڈالے ہوئے ہے۔''

''الجھن میں کیوں؟''

''شاید اس وقت تمہارا ذہن سوچنے کیلئے موزوں نہیں ہے۔'' فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔

''وہ کبھی نہیں ہوتا..... علاوہ اُن مواقع کے جب معدہ ٹھیک نہ ہو۔''

''تم اس لڑکی سے ملے کیوں نہیں۔'' فریدی نے گفتگو کا موضوع بدل دیا۔

''میں فون پر آپ سے اسی کے متعلق پوچھنا چاہتا تھا۔''

''کب تک انگلی پکڑ کر چلتے رہو گے۔''

''جب تک جوان نہ ہو جاؤں۔'' حمید جھلا کر بولا۔

''جس دن میرا ہاتھ اٹھ گیا..... جوان بھی ہو جاؤ گے۔''

''اور یہ شعر پڑھتا ہوا جوان ہوں گا۔'' حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

انگڑائی لینے بھی نہ پائے تھے وہ اٹھا کے ہاتھ
دیکھا جو مجھ کو چھوڑ دیئے مسکرا کے ہاتھ

''مت بکواس کرو۔'' فریدی دانت پیس کر اُسے مکا دکھاتا ہوا بولا۔

حمید پائپ کو دانتوں میں دبا کر جیب میں دیا سلائی ٹٹولنے لگا۔

''تم ابھی جاؤ.....!'' فریدی نے کہا۔ ''صوفیہ سے معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ اُسے کس نے اور کیوں قید کیا تھا۔''

''لیکن واپسی کا ذمہ دار میں نہ ہوں گا۔''

''کیا مطلب.....!''

''معاف کیجئے گا..... میں باربرداری کا خچر نہیں ہوں۔''

''پھر کیا ہو.....؟''

''باربرداری کا خچر.....!'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''چلو وقت نہ ضائع کرو۔''

''لیکن میں اس وقت واپس نہ آسکوں گا۔''

''ضروری نہیں..... تم صبح آسکتے ہو۔'' فریدی نے کہا۔ ''میں دراصل فی الحال یہاں سے ہٹنا نہیں چاہتا..... ورنہ خود ہی دیکھتا۔''

''اس کے بعد مجھے کیا کرنا ہوگا۔'' حمید نے پوچھا۔

''لڑکی کی نگرانی اور حفاظت کے لئے کسی کو مقرر کر کے گھر چلے جانا۔''

''آپ کو اطلاع کس طرح دی جائے۔''

''واپسی پر..... اس کی جلدی نہیں۔ فون پر کسی قسم کی گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔ یہاں دو سیٹ ہیں۔ ایک پر دوسرے کی گفتگو بہ آسانی سنی جاسکتی ہے۔''

''میرا خیال ہے کسی نے اس کی کوشش کی تھی۔'' حمید بولا۔ ''میں آپ کی آواز فون پر بھی پہچان سکتا ہوں۔ ورنہ پوری رپورٹ کسی اور تک پہنچ چکی ہوتی۔''

''آواز کس کی تھی۔''

''اندازہ نہیں لگا سکا۔''

تھوڑی دیر بعد حمید واپسی کے لئے تیار ہو گیا۔ اس نے کیڈی نکالی اور شہر کے راستے پر ہولیا۔ مطلع غبار آلود ہونے کی وجہ سے تاریکی گہری ہو گئی تھی۔

حمید آئندہ کے لئے پروگرام سوچ رہا تھا۔ صوفیہ ایڈونچر کی شائق تھی اس لئے اس کے ساتھ بہترین وقت گذر سکتا تھا۔

دفعتاً اس نے محسوس کیا کہ ایک کار کافی فاصلے سے اس کا تعاقب کر رہی ہے۔ تعاقب کا خیال اس وقت اور زیادہ پختہ ہو گیا جب حمید نے بھی کیڈی کی رفتار کم کر دی اور اس کے باوجود دونوں کاروں کے فاصلے میں کوئی فرق نہ آیا۔ دوسری طرف بھی شائد رفتار کم کر دی گئی تھی۔ شہر میں داخل ہونے کے بعد بھی حمید کا تعاقب جاری رہا۔

اور پھر حمید نے ہوٹل شیبان کی بجائے کیڈی کا رخ فریدی کی کوٹھی کی طرف کر دیا۔

دوسری شہادت

صوفیہ ہوٹل شیبان کے ایک کمرے میں آرام کرسی پر پڑی کوئی کتاب دیکھ رہی تھی۔ دفعتاً کسی نے باہر سے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ صوفیہ نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا اور دستک دینے والے کو ہوٹل کا کوئی ملازم سمجھ کر بولی۔ ''آجاؤ۔''

ہینڈل گھوما اور دروازہ کھل گیا۔ لیکن دستک دینے والا اندر آنے کی بجائے دروازے پر کھڑا رہا۔ صوفیہ نے آرام کرسی کے ہتھے پر جھک کر دروازے کی طرف جھانکا اور پھر بوکھلا کر کھڑی ہوگئی۔ آنے والا نہ تو ہوٹل کا کوئی ویٹر معلوم ہوتا تھا اور نہ اس کا شناسا۔ ہوٹل کا ویٹر نہیں ہوسکتا تھا۔ اس نے ایک نہایت نفیس قسم کا سوٹ پہن رکھا تھا اور شناسا اس لئے نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ ایک کافی عمر آدمی تھا اور اس کے چہرے پر جی۔ بی۔ ایس ٹائپ کی سفید ڈاڑھی تھی۔

''ایک مسز آشاور ما میری شناسا تھیں۔'' بوڑھا آدمی بڑبڑایا۔ ''میں سمجھا تھا شائد وہ ہوں۔''

''شائد میں بھی آپ کو نہیں جانتی۔'' صوفیہ نے کہا۔

''قطعی.....!'' بوڑھے نے ہلکا سا قہقہہ لگایا پھر سر ہلا کر بولا۔ ''لیکن میری موجودگی آپ کے لئے تکلیف دہ نہیں ہوسکتی۔ اگر اجازت ہو تو میں دو منٹ بیٹھ کر دم لے لوں۔ مجھ جیسے لوگوں کے لئے تیسری منزل پر پہنچنا آسان کام نہیں۔''

''اوہو.....!'' صوفیہ جلدی سے بولی اور بڑے تکلف سے آرام کرسی کے سرے پر ٹک گئی۔ بوڑھا بیٹھ کر تھوڑی دیر ہانپتا رہا پھر صوفیہ کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

''اگر آپ میری شناسا ہوتیں تو میری تھکن کے باوجود مجھے پریشان کر ڈالتیں۔''

''اوہ.....'' صوفیہ بھی جواباً مسکرائی پھر سنبھل کر بولی۔ ''میں نہیں سمجھی کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔''

''میں پامسٹ ہوں۔'' بوڑھے نے کہا۔

''لیکن مجھے پامسٹری سے کوئی دلچسپی نہیں۔'' صوفیہ نے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ کہا۔

وہ سوچنے لگی تو یہ حضرت اپنا الوسیدھا کرنے کے لئے اس طرح تعارف حاصل کرتے ہیں۔ اس نے اکثر سنا تھا کہ شہر کے بعض ہوٹلوں میں اس قسم کے لوگ قیام کرنے والوں کا مستقبل کے حالات بتانے کے بہانے ٹھگ لیا کرتے ہیں۔

''راجہ صاحب..... چندر نگر کا بھی یہی خیال تھا۔'' بوڑھے نے سنجیدگی سے سر ہلا کر کہا۔

''لیکن پھر انہیں ماننا ہی پڑا۔ بہت دلچسپ قصہ ہے..... یہ تو آپ جانتی ہی ہوں گی

راجہ صاحب ریس کے بڑے شوقین ہیں اور ان کے کئی گھوڑے ریس میں حصہ لیتے ہیں۔ ان میں میچ لیس بڑا مشہور تھا۔ پچھلے دنوں میں نے انہیں بتایا کہ اگلی ریس میں میچ لیس کو گولی مار دی جائے گی۔ انہوں نے میرا مضحکہ اڑا دیا۔ میں خاموش رہا۔ لیکن کیا ہوا..... میچ لیس دوڑا..... سو صدی توقع تھی کہ اول آئے گا اور وہ تھا بھی سب سے آگے لیکن اچانک ٹھوکر کھائی اور جاکی سمیت منہ کے بل زمین پر آرہا..... اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ ظاہر ہے اس کے بعد اسے گولی مار دی گئی۔ اگر راجہ صاحب میرے کہنے پر عمل کرتے اور اسے اس دن ریس میں شامل نہ کرتے تو میچ لیس محفوظ ہوتا.....''

''لیکن میرے پاس کوئی گھوڑا نہیں ہے۔'' صوفیہ ہنس پڑی۔

''لڑکی تم اس طرح میرا مضحکہ نہیں اڑا سکتیں۔'' بوڑھا بگڑ گیا۔ ''میں اپنے وقت کی عظیم ترین ہستی ہوں۔ میں تمہاری پیشانی پر بربادیوں کے سائے دیکھ رہا ہوں۔ کیا آج تم ایک مصیبت میں نہیں پھنسی تھیں۔ کیا اپنی جان پر کھیل کر تم اس سے نہیں نکلیں۔''

صوفیہ چونک کر بوڑھے کو گھورنے لگی۔

''اچھا اب میں چلا۔'' بوڑھا اٹھتا ہوا بولا۔

''ٹھہریئے.....!'' صوفیہ نے کہا۔ ''تشریف رکھئے۔''

بوڑھا بیٹھ گیا۔

''لیکن.....!'' صوفیہ بولی۔ ''آپ نے جو کچھ کہا ہے اس کا پامسٹری سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔ پامسٹری تو ہاتھ کی لکیروں پر منحصر ہے۔''

''میں صرف پامسٹ ہی نہیں ہوں۔'' بوڑھے نے فخریہ انداز میں گردن اونچی کر کے کہا۔ ''مجھ میں روحانی قوتیں بھی ہیں۔ میں ایک بے سہارا لڑکی کو مصائب میں گھرا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ ایک لڑکی جو صرف مس ہے۔ مسز کسی طرح نہیں ہوسکتی۔''

''آپ بہت کچھ جانتے ہیں۔'' صوفیہ نے پرسکون انداز میں کہا۔

''لوگ مجھے شاہ بلوط کہتے ہیں۔'' بوڑھے نے فخریہ کہا۔

''شاہ بلوط۔'' صوفیہ ہنسنے لگی۔ ''یہ تو ایک درخت کا نام ہے۔''

''اونچا اور تناور درخت.....!'' بوڑھے نے سنجیدگی سے کہا۔

''میرے خیال سے اب آپ کی سانس درست ہوگئی ہوگی۔'' صوفیہ سرد لہجے میں بولی

''آں..... ہاں.....'' بوڑھا ہچکچا کر بولا۔ ''کیا آپ اپنے مستقبل کے بارے میں نہیں جاننا چاہتیں۔''

''مجھے افسوس ہے مستقبل سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ ویسے آپ کی فیس کیا ہے۔''

''فیس.....!'' بوڑھا مسکرا کر بولا۔ ''کچھ بھی نہیں۔ فیس میں اس وقت لیتا ہوں جب کوئی خود سے خواہش کرتا ہے اور جن کے ہاتھ میں اپنی مرضی سے دیکھتا ہوں ان سے کوئی فیس نہیں لیتا۔''

''تو آپ یونہی تفریحاً ہاتھ دیکھا کرتے ہیں۔''

''محض تجربات میں اضافہ کرنے کے لئے۔''

صوفیہ نے تمسخر آمیز انداز میں مسکرا کر اپنی ہتھیلی اس کے سامنے کردی۔

''ہاتھ تو بڑا اچھا ہے۔'' بوڑھے نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔ ''میں ماضی سے شروع کرتا ہوں، تمہارے والدین بچپن ہی میں انتقال کرگئے تھے..... کیوں؟''

''ٹھیک ہے.....!'' صوفیہ سر ہلا کر بولی۔

''لیکن پھر بھی تم نے اپنے دن اچھے گزارے۔ اب حال کی طرف آتا ہوں۔ تم آج کل کئی قسم کی الجھنوں کا شکار ہو۔ تمہارے دل پر کسی بات کا بوجھ ہے تم اُسے کہہ ڈالنا چاہتی ہو لیکن کوئی ایسا ہمدرد نہیں ملتا..... کیوں؟''

''ٹھیک ہے.....! میں ایک بات اگل دینے کے لئے بُری طرح بے تاب ہوں۔''

''لیکن کس سے کہوں۔''

''مجھ سے کہو..... ممکن ہے میں تمہاری مدد کرسکوں۔'' بوڑھے نے کہا۔

''کہہ دوں.....!'' صوفیہ بولی۔

''کہہ دو.....!''

''تم مجھے اسٹیج کے مسخرے معلوم ہوتے ہو..... کیوں؟'' صوفیہ نے بوڑھے کے لہجے کی نقل اتاری۔ تم فی الحال ایک بہت بڑی مصیبت میں پڑگئے ہو اور ایک لڑکی تمہاری ڈاڑھی نوچنے کے امکانات پر غور کررہی ہے لیکن تم بُرا نہیں مانو گے۔ یہی تمہارا مستقبل ہے۔''

پھر صوفیہ نے جھپٹ کر بوڑھے کی ڈاڑھی پکڑلی جوروئی کے گالے کی طرح اکھڑتی چلی آئی۔ بوڑھا اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ لیکن اس کا گریبان صوفیہ کی گرفت میں آچکا تھا۔ صوفیہ نے اسے آرام کرسی میں دھکیل دیا۔

''تم لوگ مجھے کہیں بھی چین سے نہیں رہنے دو گے۔'' صوفیہ ہانپتی ہوئی بولی پھر ہنسنے لگی۔

حمید نے بچے کھچے بال بھی اپنے گالوں سے نوچ لئے اور شریر نظروں سے صوفیہ کی طرف دیکھنے لگا۔

''تمہاری ہی وجہ سے وہاں سے بھاگی ہوں۔'' صوفیہ نے کہا۔

''اب زیادہ اڑنے کی کوشش نہ کرو..... بہت زیادہ چالاک نہیں ہو۔'' حمید مسکرا کر بولا۔

''کیا مطلب.....!''

''مطلب صاف ہے۔ تم نے پلنگ کی نواڑ کھولی اسے رسی کی طرح بٹ کر کھڑکی سے نیچے اتریں۔ آخر اس کی کیا ضرورت تھی۔ دروازے سے نہیں فرار ہوسکتی تھیں۔ اور پھر تم ہماری جگہ سے بھاگی کیوں..... کیا آؤٹ ہاؤز میں تم نے ہی آگ لگائی تھی۔''

صوفیہ کے چہرے پر زردی چھا گئی اس نے جلدی سے کہا۔ ''ہرگز نہیں! یہ تو میں نے تم لوگوں کو پریشان کرنے کے لئے کیا تھا تاکہ تم لوگ کچھ دیر بھاگ دوڑ کرو۔ میں نے تمہیں کھڑکی کے نیچے دیکھ کر ہی یہ حرکت کی تھی۔ میں یہ بھی جانتی تھی کہ تم میرا تعاقب کررہے ہو..... کہو کیسی رہی۔''

صوفیہ بے تحاشہ ہنسنے لگی۔ لیکن حمید بیک بیک سنجیدہ ہوگیا۔

اس نے کہا۔ ''ناصر صاحب کا بھی یہی خیال ہے کہ یہ تمہارا ایڈونچر تھا۔''

''گھر والے مجھے بچپن ہی سے جانتے ہیں۔''

''میں بھی تم سے اچھی طرح واقف ہوں۔'' حمید بولا۔ ''تم ان لوگوں میں سے ہ
اپنے دشمنوں کو بھی کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچانا چاہتے۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''اچھی طرح سمجھتی ہو۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''کیا اُن لوگوں نے تمہیں کمرے میں قید
کر دیا تھا۔''

ایک بار پھر صوفیہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا پھر سختی سے ہونٹ بھینچ لی

''وہ لوگ نہیں چاہتے کہ تم ہم سے ملو۔'' حمید کہتا رہا۔ ''بات حقیقتاً یہ ہے کہ تم دانش
متعلق کوئی اہم بات جانتی ہو۔''

''میرے خدا.....!'' صوفیہ کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

''ہم دانش کے متعلق بہت سی معلومات فراہم کر چکے ہیں اور ان کی روشنی میں ہم یہ
پر مجبور ہیں کہ یہ فعل دانش کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہو سکتا۔''

''کیوں.....نہیں یہ غلط ہے۔'' صوفیہ نے ہانپتے ہوئے کہا۔

''بالکل درست ہے۔'' حمید بولا۔ ''دانش پچیس تیس ہزار کا قرض دار تھا اور ظاہر ہے
اتنی رقم نہ دانش کے بس کا روگ تھی اور نہ ناصر کے۔ البتہ سر مخدوم کی موت ناصر کو دولت
بنا سکتی تھی۔ پھر ناصر سے یہ کیسے ہوتا کہ دانش کو قرض خواہوں میں گھرا ہوا دیکھتا۔''

صوفیہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر تھوک نگل گئی۔

''ہو سکتا ہے کہ تم دانش کی موجودہ قیام گاہ سے واقف ہو۔''

''نہیں.....خدا کی قسم میں نہیں جانتی۔''

''پھر انہوں نے تمہیں کیوں قید کر دیا تھا۔''

صوفیہ کچھ نہ بولی۔ وہ فرش کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''تم سر مخدوم کے قاتل کو بچانے کی کوشش کر رہی ہو۔'' حمید نے کہا۔

''نہیں یہ غلط ہے۔'' صوفیہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''پھر.....؟''

''دانش بھی میرا چچا زاد بھائی ہے اور ناصر چچا ہیں ان سے بھی وہی رشتہ ہے جو سر مخدوم سے تھا۔''

''تو تم قانون کی مدد نہیں کرو گی۔''

''مم.....میں!''

''سر مخدوم تمہارے محسن تھے۔''

''تم کیا پوچھنا چاہتے ہو۔''

''یہی کہ انہوں نے تمہیں قید کیوں کر دیا تھا۔''

''میں نے دانش بھائی کو کمپاؤنڈ میں دیکھا تھا اسی رات کو جب آگ لگی تھی۔''

''کیا وقت رہا ہوگا۔''

''شاید ایک بجا تھا۔''

''تم اس وقت کمپاؤنڈ میں کیا کر رہی تھیں۔''

''میں کمپاؤنڈ میں نہیں تھی۔ میری خواب گاہ اوپری منزل پر ہے اور اس کی ایک کھڑکی
ؤنڈ کی طرف ہے۔ مجھے نیند نہیں آئی تھی۔ میں کمرے میں ٹہل رہی تھی۔ کمپاؤنڈ میں اندھیرا
.....لیکن تاروں کی چھاؤں میں مجھے ایک دھندلا سا انسانی سایہ دکھائی دیا۔ میں نے ٹارچ
اس کی روشنی میں مجھے دانش بھائی دکھائی دیئے جو آؤٹ ہاؤز کی طرف جا رہے تھے۔''

''آگ جب لگی تم جاگ رہی تھیں۔''

''نہیں سو چکی تھی۔''

''آگ لگنے پر آنکھ کھل گئی ہوگی۔''

''سب ہی جاگ پڑے تھے۔''

''تو تمہارا خیال دانش کی طرف گیا ہوگا۔ قدرتی بات ہے۔''

''نہیں ..... میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔''

''پھر گھر والوں کو کیسے معلوم ہوا کہ تم نے دانش کو کمپاؤنڈ میں دیکھا تھا۔''

''یہ بات دوسرے دن سب سے پہلے دربان نے بتائی تھی جس پر ناصر چچا بگڑ تھے۔ کہنے لگے کہ دربان نے خواب دیکھا ہوگا۔ پھر جب میں نے بھی انہیں رات کا واقعہ خاموش ہو گئے۔ آخر انہوں نے دربان کو اس بات پر راضی کرلیا کہ وہ اس کا تذکرہ کسی کرے گا۔ پھر انہوں نے مجھے سمجھایا کہ اس بیان پر پولیس خواہ مخواہ شبہ کرے گی اور خاندان مصیبت میں پھنس جائے گا۔''

''تم نے پوچھا نہیں کہ ایسا کن بناء پر ہوسکتا ہے۔''

''وجہ میں خود ہی جانتی تھی۔ دانش بھائی شرابی اور جواری ہیں وہ کئی بار چچا جان مرحو اس بناء پر لڑ چکے تھے کہ وہ ان کا قرض کیوں نہیں ادا کردیتے اور اس کی عدم موجودگی میں ہمارے سامنے وہ یہ بات کہہ چکے تھے کہ وہ چچا جان کو مار ڈالیں گے۔ لیکن ایسے موقعوں ہمیشہ نشے میں ہوتے تھے۔ ناصر چچا کا خیال ہے کہ ممکن ہے دانش بھائی نے یہی جملہ باہ دوستوں میں بھی دہرادیا ہو۔ اگر پولیس کو ذرا شبہ بھی ہوگیا تو پھر دانش بھائی پھنس جائیں۔''

''اچھا تو پھر وہ اس طرح غائب کیوں ہوگیا۔'' حمید نے پوچھا۔

''پتہ نہیں۔'' صوفیہ بولی۔ ''یہی تو میں سوچتی ہوں۔ وہ اکثر گھر سے کئی کئی دنوں لئے غائب ہوجاتے ہیں لیکن وہ آج کل جہاں بھی ہوں گے انہیں اس حادثے کے متعلق معلوم ہوا ہوگا۔ کئی دن تک اخبارات میں اس کے متعلق کچھ نہ کچھ آتا ہی رہا ہے۔ انہیں ضرور آنا چاہئے تھا۔''

حمید کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

''تم اب کیا کرو گی۔''

''میں خود بھی نہیں سمجھ سکتی۔''

''گھر کا کوئی آدمی تمہاری تلاش میں ہے اس نے میرا تعاقب کیا تھا لیکن میں اُسے

کر گھر چلا گیا..... اور وہاں سے بوڑھے کے میک اپ میں تم تک پہنچا۔''

''مجھے خوشی ہے کہ تم نے ایسا کیا ورنہ شائد زندگی بھر تم سے ایسی مفید معلومات نہ حاصل ہوسکتیں۔''

''تو آپ نے کیا نتیجہ نکالا ہے۔''

''نتیجہ..... ظاہر ہے کہ آگ لگانے والا دانش ہی ہے اور ناصر صاحب اُس کی موجودہ گاہ سے اچھی طرح واقف ہیں۔''

''خدا جانے.....!'' صوفیہ نے کہا۔ ''دانش بھائی اتنے بُرے بھی نہیں تھے کہ سچ مچ چچا کو ختم کردیتے۔''

''پھر غائب کیوں ہوگیا۔ اسی بناء پر نا کہ وہ بہتیرے لوگوں کے سامنے سرمخدوم کو قتل کرنے کا خیال ظاہر کرچکا تھا۔ اگر اس نے یہ حرکت نہ کی ہوتی تو ضرور سامنے آجاتا اور اپنے اوپر شہادت رفع کرانے کی کوشش کرتا۔''

''ممکن ہے..... وہ قرض خواہوں کے ڈر سے روپوش ہوگئے ہوں۔''

''تو پھر ناصر صاحب اس بُری طرح پردہ پوشی پر کیوں تلے ہوئے ہیں ورنہ یہ بات بھی سوچتا ہوں کہ بظاہر دانش کے لئے اب کوئی خطرہ نہیں کیونکہ پولیس اسے اتفاقیہ حادثہ قرار دے چکی ہے اور ہم لوگ تو نجی طور پر تحقیقات کررہے ہیں۔''

''ناصر چچا کی گھبراہٹ کے لئے یہی کیا کم ہے۔'' صوفیہ بولی۔

''مجھے تو سرمخدوم کی عقل پر رونا آتا ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''جب وہ حضرت یہ بات جانتے تھے کہ ان کی زندگی خطرے میں ہے تو انہوں نے پولیس کو اطلاع کیوں نہیں دی۔''

اٹیچی میں جوتا

حمید نے وہ رات بے چینی سے گذاری۔ اُسے اس کیس کا کوئی پہلو نہیں پریشا تھا۔ بات ساری ہونٹوں کی تھی۔صوفیہ کے ہونٹوں کی۔ دوران گفتگو میں جن کی جنبش دلآویز معلوم ہوتی تھی۔حمید اس سے رخصت ہوتے وقت بہت اداس ہو گیا تھا۔

دوسری صبح وہ سرمخدوم کی کوٹھی کی طرف جانے کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ نوکر نے ایک لا کر اُسے دیا۔ کارڈ کے نام پر نظر پڑتے ہی حمید چونک پڑا۔

''یہ یہاں کیسے؟'' وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔''پھر نوکر سے پوچھا تنہا ہے۔''

''جی ہاں.....!''

''اچھا میں آ رہا ہوں۔''

نوکر چلا گیا۔حمید چند لمحے کھڑا سوچتا رہا پھر وہ ڈرائینگ روم کی طرف چل پڑا۔ یہا مخدوم کا بھانجا شمشاد اس کا انتظار کر رہا تھا۔

شمشاد مضبوط جسم کا ایک لمبا تڑنگا جوان تھا اور کچھ اس قسم کی مونچھیں رکھتا جیسے دنیا صرف اسی کو مونچھیں رکھنے کا حق ہو۔حمید اس کے متعلق پہلے بھی کئی بار سوچ چکا تھا اور جو کچھ نے سوچا تھا اگر اس کا اظہار کر دیتا تو کشت وخون تک کی نوبت آ جاتی۔ نہ جانے کیوں ٹا مونچھیں دیکھ کر اس کا خون کھولنے لگتا تھا اس کا خیال تھا کہ اول تو مونچھ رکھنے کی چیز ہی نہیں اگر دکھی بھی جائے تو اس کی نوکیں اوپر کی طرف اٹھا کر مسخروں کی سی شکل کیوں بنائی جائے

''صوفیہ کہاں ہے۔'' شمشاد نے حمید کو دیکھتے ہی سوال کیا۔

حمید کی مسکراہٹ ہونٹوں کے تنفر آمیز کھنچاؤ میں تبدیل ہو گئی۔ وہ چند لمحے شمشاد کو

ہا پھر بولا۔''کیا تم سمجھتے ہو کہ میں نے اسے اغواء کیا ہے۔''

''میں کچھ نہیں سمجھتا۔ مجھے اس کا پتہ چاہئے۔''

''اس کے لئے ایک بہترین طریقہ ہے۔'' حمید نے نرم لہجے میں سنجیدگی سے کہا۔

''کیا.....؟''

''اخبارات میں مشتہر کرا دو..... جہاں ہو گی آ جائے گی۔''

''میرا خیال ہے کہ تم جانتے ہو۔''

''لیکن اس خیال کی وجہ.....!'' حمید پھر اُسے گھورنے لگا۔

''اوہو.....بس یونہی۔'' شمشاد نے کہا اور چڑھی ہوئی مونچھوں کے باوجود بھی اس کے چہرے پر نرمی کے آثار نظر آنے لگے۔حمید اس تغیر کو محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔

شمشاد چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔''میں نے سوچا ممکن ہے آپ کو علم ہو۔''

''میں پھر آپ سے ایسا سوچنے کی وجہ دریافت کروں گا۔'' حمید نے کہا۔

''قدرتی بات ہے۔'' شمشاد نے کھنکار کر کہا۔''آپ لوگ تو ہمارے خاندان والوں پر کڑی نظریں رکھتے ہوں گے۔''

''ابھی تک تو کوئی ایسی بات نہیں ہوئی۔'' حمید بولا۔

''میں اسے قطعی فضول سمجھتا ہوں کہ یہ بات بار بار دہرائی جائے۔ ہم یہ سمجھ چکے ہیں کہ مول جان کی وصیت پاگل پن کا نتیجہ نہیں تھی، انہیں گھر ہی کے کسی فرد پر شبہ تھا۔''

''اوہ.....تو آپ لوگ یہ سمجھتے ہیں۔'' حمید اُسے معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگا۔

''دیکھئے! باتوں کا ڈھکا چھپا انداز مجھے پسند نہیں۔'' شمشاد نے حمید کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں نہیں سمجھا۔''

''آپ لوگ دانش کے پیچھے ہیں۔''

''اور شاید آپ مجھے اس کا موجودہ پتہ ضرور بتائیں گے۔'' حمید مسکرا کر بولا۔

''مجھے معلوم ہوتا تو میں اتنی دیر خاموش نہ رہتا۔'' شمشاد نے کچھ سوچتے ہو

''ناصر ماموں بہرحال باپ ہیں اور ان کی پریشانی یا احتیاط قدرتی چیز ہے لیکن مجرم کو

کے حوالے کر دینا ہر ایک کا فرض ہونا چاہئے۔''

''میں آپ کے خیالات کی قدر کرتا ہوں۔''

''صوفیہ محض ناصر ماموں کی ناعاقبت اندیشی کی بناء پر کہیں فرار ہوگئی۔ میں اس

بہت پریشان ہوں..... بیچاری یتیم بچی۔''

''تو کیا ناصر ہی نے اُسے قید کیا تھا۔'' حمید نے پوچھا۔

''اوہ.....!'' شمشاد ہنسنے لگا۔ ''تو آپ اس کا پتہ جانتے ہیں۔''

''ضروری نہیں..... اس کا قطعی یہ مطلب نہیں کہ میں نے یہ بات صوفیہ سے معلوم کی

''پھر.....؟''

''قیاس..... جس کمرے کی کھڑکی سے وہ فرار ہوئی تھی اس کا دروازہ باہر سے مقفل

شمشاد کچھ نہ بولا۔ وہ چند لمحے سر جھکائے بیٹھا رہا پھر اُس نے آہستہ سے کہا۔

''اگر آپ ناصر ماموں کی جگہ ہوتے۔''

''کیا صوفیہ کو دانش کا پتہ معلوم ہے۔'' حمید نے جلدی سے پوچھا۔

''نہیں..... شائد اس نے واردات کی رات دانش کو کمپاؤنڈ میں دیکھا تھا او

پراسرار طریقے پر غائب ہوگیا اور محض اس طرح غائب ہوجانے ہی کی بناء پر ناصر ماموں

چاہتے کہ اس کا تذکرہ کیا جائے۔''

''ہوں.....!'' حمید نے کرسی کا ہتھا انگلیوں سے کھٹکھٹاتے ہوئے سر ہلایا۔

''کیا ناصر ماموں کی یہ حرکت قدرتی امر نہیں۔''

''قطعی ہے..... لیکن آپ تو دانش کے باپ نہیں تھے۔'' حمید نے تلخ لہجے

''آپ کو قانون کی مدد کرنی چاہئے تھی۔''

''مجھے اس کا علم نہیں تھا۔'' شمشاد نے کہا۔ ''مجھے تو کل رات معلوم ہوا۔ صوفیہ کے

وجانے کے بعد ناصر ماموں کو اپنی اس حرکت پر بڑا افسوس ہے۔ انہوں نے سارا واقعہ مجھے

ایا۔ وہ کل رات سے لڑکی کے لئے رو رہے ہیں۔''

حمید سوچ میں پڑ گیا۔ حقیقتاً ناصر کی حرکت بالکل قدرتی تھی۔ دنیا کا ہر باپ اپنی اولاد

کے عیوب کی پردہ پوشی کرنا چاہتا ہے اور پھر دانش پر تو قتل کا شبہ کیا جا رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ

کیا شمشاد کو صوفیہ کا پتہ بتا ہی دے۔

''سچ پوچھئے تو مجھے دانش کی ذرہ برابر بھی فکر نہیں۔'' شمشاد نے کہا۔ ''مگر صوفیہ! وہ مفت

ں مصائب برداشت کر رہی ہے اور دانش اپنی سزا کو پہنچے ہی گا۔''

''تو کیا آپ کو یقین ہے کہ دانش ہی نے آگ لگائی ہوگی۔'' حمید نے پوچھا۔

''اگر حالات ایسے نہ ہوتے تو ناصر ماموں کے لئے پریشانی کی کوئی بات نہ تھی۔'' شمشاد

نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

''کیا ناصر صاحب کو بھی اس کا یقین ہے۔''

''نہیں بظاہر تو نہیں..... وہ اس کی بے گناہی کے سلسلے میں سینکڑوں دلائل پیش کرتے ہیں۔''

''دلائل..... بھلا کس قسم کے؟'' حمید نے اپنی پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے پوچھا۔

''سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ دانش نیم فاتر العقل قسم کا آدمی ہے۔ حد سے بڑھی

ہوئی شراب نوشی نے اس کے دماغ کی چولیں ہلا دی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ نشے کی لہر اُسے اس

رات کوٹھی تک لائی ہو اور پھر وہ تھوڑی دیر ٹہل کر واپس چلا گیا ہو۔ اگر اس نے آگ لگائی بھی

ہوتی تو اس طرح غائب نہ ہوجاتا۔ دوسرے یا تیسرے دن ضرور واپس آتا۔ کیونکہ پولیس اسے

اتفاقی حادثہ قرار ہی دے چکی تھی۔''

''لیکن اب کیا وجہ ہے کہ آپ اسے اتفاقی حادثہ نہیں سمجھتے۔'' حمید نے سوال کیا۔

صوفیہ نے ہمیں آؤٹ ہاؤز کے بیرونی دروازوں کے متعلق بتایا تھا۔ ہم نے بھی انہیں

دیکھا۔ حقیقتاً وہ باہر کی طرف سے بھی بولٹ کر دیئے گئے تھے اور پھر کوٹھی میں اس پراسرار آدمی

کی موجودگی۔ آخر وہ کون تھا..... اور وہاں کیا کر رہا تھا

''کیا دانش بہت تیز دوڑ سکتا ہے۔'' حمید نے پوچھا۔''اور اتنا پھرتیلا بھی ہے کہ وہ دوڑتے دیواروں پر چڑھ سکے۔''

''ممکن ہے۔'' شمشاد کچھ سوچتا ہوا بولا۔''دانش کبھی ایک اچھا اسپورٹس مین تھا۔ شراب نے اُسے برباد کر دیا۔''

کچھ دیر خاموشی رہی پھر حمید نے پوچھا۔''اچھا وہ حالات کون سے ہو سکتے ہیں جن پر دانش ہی پر شبہ کیا جا سکے۔''

شمشاد نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ اس کے انداز سے ہچکچاہٹ ظاہر ہو رہی تھی۔ اس نے کھنکھار کر کہا۔''دانش قریب قریب تیس ہزار کا قرض دار ہے غالباً جوئے میں ہارا ہوگا۔ جوئے کی بھی لت ہے۔''

''سر مخدوم نے قرض ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔'' حمید نے کہا۔

''جی ہاں.....لیکن شاید وہ ادا ہی کر دیتے۔ دانش نے جلد بازی سی کام لیا۔''

''کیا اس سے پہلے بھی وہ اس کا قرض ادا کر چکے تھے۔''

''کئی بار.....!''

''اچھا جناب.....!'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔''اب کہاں جائیں گے۔ میں تو آپ ہی کی طرف جا رہا ہوں۔''

''میں بھی گھر ہی جاؤں گا لیکن آپ نے صوفیہ کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔''

''یہ حقیقت ہے کہ میں کچھ نہیں جانتا۔'' حمید نے سنجیدگی سے کہا۔''کیا پچھلی رات آپ ہی نے میرا تعاقب کیا تھا۔''

شمشاد ہنسنے لگا۔

''میں ہی تھا۔''

وہ دونوں باہر آئے۔ شمشاد کی کار کمپاؤنڈ میں کھڑی ہوئی تھی۔ حمید نے گیراج سے کیڈی نکالی۔ سر مخدوم کی کوٹھی میں فریدی حمید کا منتظر تھا۔ دونوں عقبی مارک کی ایک کنج میں آ بیٹھے۔

حمید نے محسوس کیا کہ فریدی آج پہلے سے بھی زیادہ محتاط نظر آ رہا ہے۔

حمید نے پچھلی رات کی رپورٹ پیش کی۔ پھر اپنی اور شمشاد کی گفتگو کے متعلق بتا کر اونگھنے لگا۔

''تم نے بقیہ رات کہاں گذاری تھی۔'' فریدی اُسے گھور کر بولا۔

''گھر پر.....!'' حمید نے چونک کر کہا۔

''تنہا تھے۔''

''کیوں.....نہیں برخوردار بغرا خاں سرہانے موجود تھا۔''

''اونگھ کیوں رہے ہو۔''

''رات بھر اس کیس کی کڑیاں ملاتا رہا.....آخر اس نتیجے پر پہنچا.....!''

''کس نتیجے پر.....!''

''یہی کہ کیسوں سے قبر ہی میں نجات ملے گی۔ ویسے صوفیہ کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں۔''

''کیا کہوں.....!'' فریدی اسے تیز نظروں سے دیکھ کر بولا۔

''یہی کہ وہ کب تک وہاں اس ہوٹل میں رہے گی۔''

''بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں.....جب تک اس کا دل چاہے گا۔''

''میں نے رمیش کو اس کی نگرانی کے لئے کہہ دیا ہے۔'' حمید نے کہا۔

''میرے خیال میں اب اس کی ضرورت نہیں۔''

''کیوں.....؟''

''یونہی.....اب اس کیس نے دوسری شکل اختیار کر لی ہے۔''

''کچھ دیر بعد تیسری اختیار کر لے گا۔'' حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔''پھر چوتھی.....معاملہ اسی طرح آگے بڑھتا جائے گا.....اور ہو سکتا ہے کہ پھر کوئی ہماری ہی شکلیں نہ پہچان سکے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ حمید پھر اونگھنے لگا۔ اس کے نیم غنودہ ذہن میں ٹھنڈے اور چمکیلے بادل پھسل رہے تھے اور وہ اوس سے بھیگی ہوئی گھاس پر گال رکھ کر سو جانا

چاہتا تھا.....اس وقت اس کے ذہن میں نہ تو اس کیس کی کوئی گتھی تھی اور نہ صوفیہ کی دلآویز جنبشوں کا تصور۔''

''پچھلی رات آپ کیا کرتے رہے۔'' اس نے آگے پیچھے جھولتے ہوئے فریدی سے

''میں.....قبر کھودتا رہا۔''

''کیا.....؟'' حمید چونک کر بولا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے فریدی کو گھور رہا تھا کی نیند غائب ہوگئی تھی۔

''کیا سرمخدوم کی.....!'' اس نے کچھ دیر بعد کہا۔

''نہیں.....لاش اس میں بند ہے۔'' فریدی نے مسکرا کر ایک چھوٹے سے اٹیچی طرف اشارہ کر کے کہا جسے وہ آج صبح ہی سے ساتھ لئے پھر رہا تھا۔

''مرغی کے بچے کی لاش.....!'' حمید نے تمسخر آمیز انداز میں ایک ٹھنڈی سانس

فریدی نے ادھر اُدھر دیکھ کر اٹیچی کیس کھولا.....اور حمید نے اتنے زور سے قہقہہ بعد میں اسے کھانسی آنے لگی۔

اٹیچی کیس میں ایک اُدھ جلا جوتا رکھا ہوا تھا۔

حمید کھانسیوں کے باوجود بھی ہنستا رہا لیکن فریدی کی سنجیدگی میں کوئی فرق نہ آ نے اٹیچی کیس کو بند کر کے دوبارہ مقفل کرتے ہوئے کہا۔ ''کیا میں پاگل ہوں۔''

حمید کی ہنسی رک گئی۔ فریدی کے تیور مار بیٹھنے والے تھے۔ حمید نے سنجیدگی کرنے میں عاقبت سمجھی اور وہ معاملے کو برابر کرنے لگا۔

''بھئی آپ تو خواہ مخواہ ناراض ہوگئے..... ہر ایک کو ہنسی آئے گی اس بات پ آپ نے اسے سرمخدوم کی قبر سے نکالا ہے۔''

''نہیں.....!''

حمید سمجھا تھا کہ فریدی کچھ اور بھی کہے گا لیکن وہ خاموش ہی رہا۔

''آخر یہ ہے کیا بلا.....!'' حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

''میں خود بھی اس پر غور کر رہا ہوں۔''

حمید کے ذہن میں پھر ایک چبھتا ہوا جملہ کلبلایا۔ لیکن فریدی کا بگڑا ہوا موڈ دیکھ کر بک دینے کی ہمت نہیں پڑی۔ آج نہ جانے کیوں فریدی بہت زیادہ چڑچڑا نظر آ رہا تھا۔

''کیا آپ کی طبیعت کچھ خراب ہے۔''

''نہیں.....!'' فریدی اُسے خونخوار نظروں سے گھورنے لگا۔

''تو کیا میں چلا جاؤں۔'' حمید نے پوچھا۔

''چلے جاؤ.....میں اس وقت خاموش رہنا چاہتا ہوں۔''

حمید کھڑا ہوگیا۔

''ٹھہرو.....!'' فریدی بولا۔ ''بیکار نہیں بیٹھو گے۔''

''ہرگز نہیں.....میں جاتے ہی سو جاؤں گا.....'' حمید نے بڑے خلوص سے کہا اور فریدی بے اختیار مسکرا پڑا۔

''لیکن تم آج نہیں سو سکو گے۔'' اس نے کہا۔ ''ہوسکتا ہے کہ ہم آج ہی کامیاب ہوجائیں۔ اس کے بعد پھر تمہیں کم از کم ایک ہفتے تک سوتے رہنے کی اجازت ہوگی۔''

''اچھا جناب.....!'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''کام بتایئے۔''

''بہت معمولی سا ہے.....تمہیں یہاں کے ایک نوکر کی نگرانی کرنی ہے۔''

''کس نوکر کی.....!''

''سردار.....!''

''اوہ.....وہ بوڑھا جو ہر وقت کچھ نہ کچھ بڑبڑاتا ہی رہتا ہے۔''

''وہی.....بس یہ سمجھ لو کہ اگر وہ جہنم میں بھی جائے تو اس کا پیچھا نہ چھوڑنا۔''

''بہتر ہے.....لیکن اگر وہاں قلوپطرہ سے ملاقات ہوگئی تو میری واپسی ناممکن ہوجائے گی۔''

''بس چلے جاؤ.....!'' فریدی اُسے دھکا دیتا ہوا بولا۔

حمید کو اس نوکر کو تلاش کر لینے میں دشواری نہ ہوئی۔ وہ اصطبل کے قریب زمین پر بیٹھا

بڑبڑا رہا تھا۔ بڑبڑاہٹ کے دوران میں وہ کبھی کبھی گھوڑوں کو گھونسہ دکھانے لگتا تھا۔ حمید کو پر ہنسی آئی اور فریدی پر غصہ۔ آخر اس خبطی کے پیچھے لگانے کی کیا ضرورت تھی۔

مکے اور فائر

بوڑھا ملازم پاگل نہیں تھا۔ عادات و اطوار بالکل صحیح الدماغ آدمیوں کے سے تھے اور کسی سے گفتگو کرتے وقت بہکتا بھی نہیں تھا۔ لیکن تنہائی میں اس کی ذہنی رو بہک جاتی تھی وہ در و دیوار سے باتیں کرنے لگتا تھا..... اور اگر ایسے میں کوئی اسے چھیڑ دیتا تو وہ چوک کر جھینپی ہنسی کے ساتھ یا تو ادھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیتا یا وہاں سے کھسک جاتا تھا۔

حمید اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر کھڑا اسے گھورتا رہا۔ نوکر کی پشت حمید کی طرف تھی وہ اس طرح اپنے خیالات میں کھویا ہوا تھا کہ اُسے حمید کی موجودگی کا علم ہی نہ ہوا۔ وہ بدستور بڑبڑاتا رہا۔

''سالو..... تھان پر بندھے بندھے جگالی کرتے رہو۔'' وہ غالباً گھوڑوں سے کہہ رہا تھا۔ ''آدمی ہوتے تو پتہ چلتا..... شادی کرنی پڑتی۔ بچے ہوتے..... اور وہ سالی دن بھر بچے کو گود میں لئے چلایا کرتی..... منی کے ابا آجا..... ابا کے ڈبا آجا..... ڈبا کے ڈبا آجا..... دھت تمہاری کی.....!''

اس نے پھر گھوڑوں کو گھونسہ دکھایا اور زمین سے گھاس کے بہت سے تنکے اکھاڑ کر چبانے لگا۔ حمید کا دل چاہا کہ اپنا سر پیٹ لے۔ کیا فریدی نے اسے سزا دی تھی۔ آخر اس بے دال کے بودم کی نگرانی کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ لیکن حکم حاکم مرگ مفاجات..... شام تک اسے اس کے پیچھے لگا رہنا پڑا..... اس دوران میں اُس سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہیں ہوئی جو معمول کے خلاف ہوتی۔ اگر اسے کوئی کام کرنے کو کہا جاتا تو وہ بے چوں و چرا تعمیل کرتا اور اُسے خوش

اسلوبی سے انجام دیتا۔ کسی سے گفتگو کرتا تو پاگل پن کا شبہ تک نہ ہوتا لیکن تنہائی نصیب ہوتے ہی پھر بے تکی بڑبڑاہٹ کا سلسلہ جاری ہو جاتا۔ حمید بُری طرح تنگ آ گیا تھا۔ مگر فریدی کا موڈ دیکھتے ہوئے حکم سے سرتابی کی ہمت نہیں پڑی۔ اگر وہ فریدی کو ایک بار بھی مسکراتے دیکھ لیتا تو پھر کسی نہ کسی طرح اس بور کرنے والی ڈیوٹی سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرتا۔

رات کا کھانا دونوں نے الگ الگ کھایا۔ جب حمید کھانے کے لئے گیا تو فریدی اس نوکر کی نگرانی کرتا رہا۔ حمید کی اُلجھن بڑھتی گئی۔ آخر فریدی گھر کے دوسرے افراد کو چھوڑ کر اس نوکر سے کیوں چمٹ گیا ہے۔ اُسے وہ ادھ جلا جوتا بھی یاد آ رہا تھا۔ آخر وہ کس قسم کا کلیو تھا۔

وہ کھانا ختم کر کے فریدی کی تلاش میں نکلا ہی تھا کہ سعیدہ اور نگہت سے مڈبھیڑ ہو گئی۔

''بڑی خوشگوار رات ہے۔'' سعیدہ بولی۔

''ہائے کتنی ٹھنڈک ہے۔'' نگہت نے ٹکڑا لگایا۔ ''آج تو آپ گانا سنائیں گے۔''

''اور اگر آپ کے ڈیڈی نے بھی ایک آدھ بول سن لئے تو۔'' حمید نے کہا۔

''ہم پارک میں چل کر بیٹھیں گے..... ڈیڈی ذرا سی دیر میں سو جائیں گے۔''

''اپنے آفیسر کو بھی بلا لوں۔''

''اررر..... نہیں..... وہ تو بہت زیادہ نک چڑھے معلوم ہوتے ہیں۔''

''بہترین گاتے ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''جھوٹ.....!'' نگہت ہاتھ اٹھا کر بولی۔

''نائیں..... الاقسم.....!'' حمید جھنجھلاہٹ میں لپک کر بولا اور دونوں ہنسنے لگیں۔

اس وقت حمید سچ مچ ان سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا..... وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی بُری طرح بلا رہا ہوگا۔ اس نے حمید کو جلد سے جلد کھانا ختم کر لینے کی تاکید کی تھی۔

''ارے تو آپ ناراض کیوں ہو رہے ہیں۔'' سعیدہ بولی۔

''آپ لوگ عجیب ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''کیوں.....؟'' دونوں بیک وقت بولیں۔

''آپکے بھائی پر قتل کا الزام ہے اور اس پر بھی آپ زندہ دلی کا ثبوت دے رہی

''کیا.....؟'' سعیدہ سہمی ہوئی آواز میں بولی۔ ''کس پر۔''

''دانش پر.....!''

''بکواس ہے۔'' نکہت گرم ہوگئی۔ ''تم لوگوں کو منہ کی کھانی پڑے گی۔ دانش بھا قرض خواہوں سے بچنے کے لئے چھپ گئے ہیں۔''

''کہاں چھپے ہوئے ہیں۔''

''ہم کیا جانیں.....لیکن یہ بکواس ہے۔''

''ہم بہت جلد اسے قانون کے حوالے کردیں گے۔'' حمید نے کہا۔

دونوں حمید پر بُری طرح برس پڑیں اور اسے جان چھڑانی مشکل ہوگئی۔ پھر اس اور کوئی چارہ نہ رہ گیا کہ حمید انہیں اور زیادہ غصہ دلائے وہ جلتی پر تیل چھڑکتا رہا اور بھڑکتی رہیں۔ آخر جب وہ رو دینے کے قریب پہنچ گئیں تو حمید یکلخت وہاں سے بھاگ

وہ پوری عمارت کا چکر لگا کر اصطبل کی طرف پہنچا۔ لیکن فریدی وہاں بھی نہ ملا نوکروں کے کوارٹروں کی سن گن لیتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

کچھ دور چلنے کے بعد اسے اچانک رک جانا پڑا۔ لیکن تھوڑے ہی فاصلے سے شاید اُسے مخاطب کیا تھا۔

''ہالٹ.....ہوکمس دیئر.....!'' آواز پھر آئی۔

حمید کو ہنسی آ گئی۔ کوئی فوجی پہرہ داروں کی نقل کر رہا تھا۔ وہ تیزی سے آواز کی جا اور پھر اس نے ایسا منظر دیکھا جس کی اسے توقع نہ تھی۔ شمشاد شراب کے نشے میں کھڑا تھا۔ وہ شمشاد جو آج ہی صبح دانش کی شراب نوشی کا تذکرہ بہت بُرے لہجے میں کر چکا تھا۔

''تو م کاؤن ہو.....!'' وہ حمید کے سینے پر انگلی مار کر بولا۔

''مائیں اولو کا پاٹھا ہوں.....!'' حمید اس کی طرح الفاظ کو کھینچ کر بولا۔

شمشاد نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''تو م خود الگ ہاٹو.....!'' شمشاد اس سے لپٹ پڑا۔

حمید نے اس کے منہ پر گھونسہ جڑ دیا۔ شمشاد نے گندی سی گالی دی اور کسی پاگل کتے کی طرح حمید کا بازو بھنبھوڑ ڈالا۔ حمید نے بائیں ہاتھ سے اس کی ناک مروڑ دی اور وہ چیخ کر پیچھے ہٹ گیا۔

''سالے.....پٹرول چھڑک کر آگ لگادوں گا.....'' شمشاد پھر اس کی طرف جھپٹا۔

اب اسے کچھ ہوش آ گیا تھا۔ اس بار حمید کا مکا اس کی ٹھوڑی کے نیچے بیٹھا۔ شمشاد پہلے لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا پھر اچانک اچھل کر حمید کی گردن دبوچ لی۔ حملہ قطعی غیر متوقع تھا۔ حمید سنبھل نہ سکا اور وہ دونوں گتھے ہوئے زمین پر آ گرے۔

''مار ڈالوں گا.....!'' شمشاد ہانپتا ہوا بولا۔ ''بتا صوفیہ کہاں ہے؟''

حمید کو اب سچ مچ غصہ آ گیا تھا۔ اس نے پھر اس کی ناک دبا کر ایک جھٹکے کے ساتھ اس کی گردن دوسری طرف موڑ دی اور اسے موڑتا ہی رہا حتیٰ کہ شمشاد دھم سے دوسری طرف الٹ گیا۔ حمید اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔

''لے صوفیہ.....!'' اس نے اس کے منہ پر مکے مارتے ہوئے کہا۔ ''لے صوفیہ..... لے صوفیہ..... لے۔''

''کون ہے.....کون ہے.....'' چاروں طرف سے کئی لوگ دوڑ پڑے۔

حمید بڑی بے دردی سے شمشاد کے منہ پر مکے جھاڑ رہا تھا۔ پھر اچانک اسے اس کی نقلی ہوئی مونچھیں یاد آ گئیں اور اس نے انہیں مٹھیوں میں جکڑ لیا۔

شمشاد کسی زخمی بھینسے کی طرح ڈکرانے لگا۔

اچانک حمید کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی پڑی۔

''یہ کیا ہو رہا ہے۔'' اُسے فریدی کی آواز سنائی دی۔

''خواہ مخواہ لپٹ پڑا بیہودہ۔'' حمید شمشاد کو چھوڑ کر ہٹتا ہوا بولا۔ ''نشے میں ہے۔''

نوکروں نے شمشاد کو پکڑ کر اٹھایا۔ خاندان کا کوئی آدمی وہاں موجود نہیں تھا۔ اس لئے

بات آگے نہ بڑھ سکی۔ شمشاد بالکل خاموش ہوگیا تھا۔ وہ چپ چاپ اٹھا اور کپڑے جھاڑے بغیر تیر کی طرح عمارت کی طرف چلا گیا۔

''جاؤ اپنا کام کرو۔'' فریدی نے نوکروں سے کہا اور وہ چپ چاپ وہاں سے کھسک گئے۔

''کیا بات تھی۔'' وہ حمید کی طرف مڑا۔

''کچھ بھی نہیں..... میں ادھر آ رہا تھا..... خواہ مخواہ سر ہوگیا۔''

''تمہیں بات بڑھانی ہی نہیں چاہئے تھی۔'' فریدی بولا۔

''خوب..... تو میں اس کے مکے کھاتا۔'' حمید نے جھلا کر کہا۔

''صبر کرنا سیکھو.....!''

''میں یتیم نہیں ہوں۔''

''اچھا بکواس بند کرو..... وہ فی الحال دربان کے پاس بیٹھا ہے۔''

''بیٹھا ہوگا..... میں گھر جا رہا ہوں۔''

''اے نخریلی دوشیزہ بس کر..... ورنہ اب میں مرمت شروع کردوں گا۔''

''میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔'' حمید بھنبھنایا۔

''جب تم شراب پی لیتے ہو تو تمہاری حالت اس سے بھی بدتر ہوجاتی ہے۔ سمجھے بدھو۔''

حمید کچھ نہ بولا..... پھر فریدی اسے چمکارنے لگا۔

''آخر اس خبطی میں کون سی خاص بات ہے۔'' حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ''آپ وقت ضائع کر رہے ہیں۔''

''مجھے یقین ہے کہ میں کامیابی سے قریب ہوں۔''

حمید نے اپنا داہنا بازو سہلا کر سسکی لی اور منہ بنا کر بولا۔ ''کس زور سے کاٹا ہے سالے نے۔''

''سالے کا کاٹا لہر نہیں لیتا۔'' فریدی نے ہنس کر کہا۔ ''تم بہر حال خوش قسمت ہو۔ اچھا مذاق ختم کرو..... مجھے دوسرا کام سنبھالنا ہے۔''

پھر فریدی کچھ دور چل کر تاریکی میں غائب ہوگیا۔

حمید اپنا بازو سہلاتا ہوا پھاٹک کی طرف بڑھا۔

بوڑھا خبطی دربان سے کسی مسئلے پر الجھا ہوا تھا۔

''ابے ہاں ہاں.....'' وہ دربان سے کہہ رہا تھا۔ ''ہمارے حضور نے انگلی کے ایک اشارے سے چاند کے ٹکڑے کردیئے تھے..... اور چاند کا دھبہ ان ٹکڑوں کا جوڑ ہے۔''

دربان نے آہستہ سے کچھ کہا جسے حمید نہ سن سکا۔ وہ کافی دیر تک باتیں کرتے رہے اور حمید دیوار سے چپکا کھڑا اونگھتا رہا۔ پھر دور کے کسی گھڑیال نے گیارہ بجائے..... چاروں طرف سناٹا تھا۔ صرف ان دونوں کی سرگوشیاں سنائی دے رہی تھیں۔ کمپاؤنڈ میں کتے بھی نہیں بھونک رہے تھے۔ شاید فریدی نے آج پھر ان کے لئے کوئی انتظام کرلیا تھا۔ ساڑھے گیارہ بجے اور عمارت کی کھڑکیوں میں نظر آنے والی روشنیاں بھی غائب ہوگئیں۔

''ابے تو اُلو ہے۔'' بوڑھے خبطی نے اونچی آواز میں دربان سے کہا۔ ''بیٹا عشق ہے..... دل لگی نہیں..... مرد ہونا چاہئے..... آگ میں کود پڑنے کی ہمت ہونی چاہئے۔''

حمید اپنا سر سہلانے لگا۔ اب اسے فریدی پر بڑے خلوص نیت سے غصہ آنے لگا تھا۔ لیکن وہ چپ چاپ کھڑا رہا۔ بوڑھے نے اپنی جوانی کی داستان چھیڑ دی تھی۔

''مجھے دیکھ..... ایک لونڈیا تھی شکریا..... بھگا لے گیا اُسے۔ کچھ دن رکھا..... پھر ڈھائی سو میں اُسے بیچ کر اس کی چچی کو بھگا لے گیا جو اسی کی عمر کی تھی۔ پھر وہ سالی کسی اور کے ساتھ بھاگ گئی۔ پھر میں نے شکریا کی چھوٹی بہن پر ڈورے ڈالے لیکن اس سے پہلے ہی اس کا بیاہ ہوگیا۔''

حمید کا دل چاہا کہ بوڑھے کو پکڑ کر اس کی خاصی مرمت کردے لیکن پھر خاموش رہا۔ ادھر گھڑیال نے بارہ بجائے اور ادھر دربان کی چارپائی چرچرائی۔ بوڑھا شائد جانے کے لئے کھڑا ہوگیا تھا۔

حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔ لیکن اُسے یہ سوچ کر اختلاج ہونے لگا کہ اب اگر اس شیطان کے خالو نے کسی جھولدار پلنگڑی میں لیٹ کر خراٹے لینے شروع کردیئے تو وہ کیا کرے

گا۔ کیا اس حالت میں بھی اسے اس کی نگرانی کرنا پڑے گی۔ ایک بار پھر اسے فریدی پر غ
آ گیا..... اگر وہ اسے اس نگرانی کا مقصد بتا دیتا تو وہ مختلف حالات میں کوئی مناسب طریق
اختیار کرسکتا تھا۔ اس طرح جھک مارنے سے کیا فائدہ۔

بوڑھا اصطبل کی طرف جا رہا تھا۔ وہ کچھ اونچا بھی سنتا تھا اس لئے حمید کو تعاقب جا
رکھنے میں کوئی دشواری نہ ہوئی ورنہ اس کے جوتوں کے نیچے بجریاں کڑکڑا رہی تھیں۔ بوڑ
اصطبل کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اگر حمید فوراً ہی دیوار کی اوٹ میں نہ ہو جاتا تو اس نے ا
دیکھ ہی لیا تھا۔ کیونکہ اصطبل کے دروازے پر پہنچ کر وہ ادھر اُدھر دیکھنے لگا تھا۔

پھر وہ اصطبل کے اندر چلا گیا۔ حمید نے دو تین منٹ تک انتظار کیا۔ پھر وہ بھی اصط
کے دروازے کی طرف بڑھا۔ گھوڑوں کی لید کی بدبو سے اس کا دماغ پھٹنے لگا تھا۔ اصطبل
اندھیرا ہونے کی وجہ سے اسے کچھ دکھائی نہ دیا۔ وہ بالکل دروازے کے سامنے کھڑے ہ
اندھیرے میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔

کیا مصیبت ہے..... وہ جھلاہٹ میں سوچنے لگا۔ کیا جہنم کا راستہ اصطبل ہی سے
گذرتا ہے۔ آخر یہ الو کا پٹھا اصطبل میں کیوں گھسا ہے۔ اس طرح کب تک یہاں کھڑا
پڑے گا۔ حمید نے ٹارچ روشن کر لی۔ گھوڑوں نے چونک کر اپنے پیر زمین پر مارے اور پلٹ
روشنی کی طرف دیکھنے لگے۔ لیکن بوڑھا اصطبل میں نہیں تھا۔ حمید بوکھلا گیا۔ روشنی کا دائرہ جل
جلدی ایک جگہ سے دوسری جگہ رینگتا رہا تھا۔ اصطبل میں گھس کر اس نے اونچی اونچی آخور
میں بھی روشنی ڈالی۔

بات سمجھ میں آ گئی۔ لیکن ذرا دیر میں..... حمید نے ابھی تک اس چھوٹے دروازے
طرف دھیان نہیں دیا تھا جو چھپول کے جنگل کی طرف کھلتا تھا۔

وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔

دروازہ دوسری طرف سے بند نہیں تھا۔ صرف اس کے پاٹ بھیڑ دیئے گئے تھے
دوسری طرف نکل گیا۔

چھپول کی گھنی جھاڑیوں میں جھینگر ''جھائیں جھائیں'' کر رہے تھے اور جب ان کی آوازیں اچانک بند ہو جاتیں تو ایسا معلوم ہوتا جیسے سناٹے میں ایک نظر نہ آنے والی لکیر دوڑتی چلی گئی ہو۔ پھر یک بیک کہیں ایک جھینگر ''ٹچکا'' دیتا اور نہ ختم ہونے والی جھائیں جھائیں کا سلسلہ پھر شروع ہو جاتا۔

حمید ٹارچ روشن کر کے آگے بڑھا..... اس نے قدموں کے نشانات کے لئے زمین پر روشنی ڈالنی شروع کی لیکن اسے کامیاب نہیں ہوئی کیونکہ زمین سخت تھی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس طویل و عریض جنگل میں کہاں سر مارتا پھرے قریب تھا کہ اسے پھر فریدی پر غصہ آ جاتا..... ٹارچ اس کے ہاتھ میں کانپ کر بجھ گئی اور خود وہ لڑکھڑا کر ایک طرف لڑھک گیا۔ نشانہ باز اچھا نہیں تھا ورنہ اس کا وہ ہاتھ تو ضرور ہی زخمی ہو جاتا جس میں اس نے ٹارچ پکڑ رکھی تھی۔ گولی پشت کی دیوار سے ٹکرائی۔

ایک فائر پھر ہوا..... لیکن حمید نے اٹھنے کی ہمت نہ کی کیونکہ وہ نہتا تھا۔ قریب ہی کہیں زور سے جھاڑیاں کھڑکھڑائیں..... پھر فائر ہوا..... حمید دروازے کے قریب سے ہٹ کر دیوار سے لگا ہوا رینگنے لگا۔

اب کی فائر کے ساتھ کسی کی چیخ بھی سنائی دی۔ آواز جانی پہچانی سی معلوم ہوئی لیکن حمید اس کا فیصلہ نہ کر سکا کہ وہ کس کی ہو سکتی تھی۔

کوئی بڑی تیزی سے دوڑتا ہوا اس کے قریب سے گذر گیا۔ حمید نے اس پر جھپٹنا چاہا لیکن ایک دہکتا ہوا انگارہ ''شائیں'' سے اس کے سر پر سے گذر گیا۔ اسے پھر اوندھے منہ گرجانا پڑا..... اس بار بھی وہ بال بال بچا تھا..... اس نے اصطبل کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔

ارے یہ کیا

حمید دو منٹ تک دم سادھے پڑا رہا۔ اب پھر پہلے ہی کی طرح سناٹا تھا..... وہ اٹھنے کا

ارادہ کر ہی رہا تھا کہ کسی بھاگتے ہوئے آدمی کے قدموں کی آواز سنائی دی جو آہستہ آہستہ
ہوتی چلی گئی۔ کوئی دیوار کے دوسرے سرے کی طرف بھاگتا ہوا چلا گیا تھا۔

حمید مڑ کر دروازے کی طرف رینگنے لگا۔ اُسے اگر اس قسم کے واقعات کی توقع ہوتی
وہ خالی ہاتھ بالکل نہ آتا۔ اس نے اسی میں عافیت سمجھی کہ چپ چاپ واپس جا کر فریدی
تلاش کرے۔

تھوڑی دیر قبل کا ہنگامہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے عجیب و غریب تھا۔ حمید نے محسو
کیا تھا کہ اس میں ایک سے زیادہ آدمیوں کا ہاتھ تھا۔ مگر وہ کون تھے! نوکر کہاں غائب ہو
تھا..... وہ بھاگتا ہوا آدمی کون تھا، جو اس کے قریب سے گذر کر اصطبل میں جا گھسا تھا۔
غالباً اسی پر کسی نے فائر کیا تھا۔ کیا وہ بوڑھا نوکر تھا.....؟ مگر نہیں..... وہ اتنی تیزی سے نہیں
دوڑ سکتا تھا..... پھر؟ کیا وہ دانش تھا.....؟ اگر وہ دانش تھا تو فائر کرنے والا فریدی ہی ہو
تھا.....؟ مگر وہ چیخ؟ وہ تو صریحاً کسی زخمی ہی کی چیخ ہو سکتی تھی۔''

حمید بڑی احتیاط سے دروازے کی طرف رینگتا رہا۔ نیند کے خمار سے اس کا ذہن بوجھل
ہو رہا تھا اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں جواب دے چکی تھیں۔

اس وقت محض اتفاقات ہی نے اس کا ساتھ دیا تھا ورنہ دو میں سے ایک گولی ضرور اسے
دوسری دنیا کی سیر کرا دیتی۔

وہ دروازے کے قریب پہنچ چکا تھا..... اور پھر جیسے ہی اس نے زمین سے اٹھنے کی کوشش
کی کسی نے پیچھے سے اس پر حملہ کر دیا۔

''ارے خدا تمہیں غارت کرے۔'' حمید دانت کچکچا کر پلٹا۔

''لاحول ولا قوۃ۔'' حملہ آور بڑبڑا کر الگ ہٹ گیا۔

''نہیں..... مار ڈالئے۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔ اس نے فریدی کی آواز پہچان لی۔

''خاموش رہو۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ''کیا ادھر سے کوئی گذرا تھا۔''

''اصطبل میں گھس گیا۔'' حمید ہانپتا ہوا بولا۔

فریدی نے دروازے کو دھکا دیا۔ وہ دوسری طرف سے بند تھا۔ وہ تین چار قدم پیچھے ہٹا
اچھل کر بائیں شانے سے دروازے میں ٹکر ماری۔ اندر گھوڑے بدک کر ہنہنانے لگے۔ اب
پاؤنڈ سے بھی متعدد آدمیوں کی آوازیں آنے لگی تھیں۔

تیسری ٹکر لگتے ہی دروازہ چڑ چڑا کر دوسری طرف گر گیا۔

''سڑی ہوئی لکڑی کا تھا.....!'' حمید نے کہا۔

''کام چور..... پھسڈی.....!'' فریدی غرا کر حمید کی طرف پلٹا۔

''شیشم..... شیشم..... دیوار کی لکڑی.....!'' حمید بوکھلا کر ہکلانے لگا۔

فریدی نے اس کی گردن دبوچی اور دروازے میں دھکا دے دیا۔

وہ دونوں کمپاؤنڈ میں داخل ہوئے۔ گیراج کے سامنے کئی آدمی کھڑے تھے۔ حمید کی
ٹارچ کی روشنی دیکھ کر وہ خاموش ہو گئے۔

وہ دونوں تیز قدموں سے چلتے ہوئے ان کے قریب پہنچ گئے۔ یہ کوارٹروں میں رہنے
والے ملازمین تھے۔ فریدی اور حمید کو دیکھ کر اُن میں سے ایک نے کہا۔

''صاحب..... یہاں گیراج میں کوئی گھسا ہوا ہے۔''

فریدی نے آگے بڑھ کر گیراج کے دروازے کو دھکا دیا۔ وہ اندر سے بند تھا۔ فریدی
اصطبل کی طرف مڑا۔

''کیا بات ہے؟'' کسی نے عمارت کی طرف سے پکار کر کہا۔ آواز ناصر کی تھی۔

فریدی نے ایک طویل سانس لی اور مسکرانے لگا۔ نوکروں کی لالٹینوں کی مدھم روشنی اس
کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔

حمید کو اس کی مسکراہٹ بڑی بھیانک معلوم ہوئی۔ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا اور وہ
لالٹینوں کی زرد زرد روشنی میں گوشت پوست کی بجائے تانبے کا ایک طویل القامت مجسمہ
معلوم ہو رہا تھا۔

''کون ہے.....!'' ناصر کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

''وہی جسے ہونا چاہئے۔'' فریدی کی آواز سناٹے میں گونجی۔

''دانش.....!'' شمشاد نے آگے بڑھ کر کہا۔

''دانش.....!'' فریدی تمسخر آمیز انداز میں ہنسا۔

''اگر دانش ہی ہے تو میں پولیس کو فون کرتا ہوں۔'' ناصر عمارت کی طرف جانے مڑا۔

''ٹھہرو.....!'' فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔ ''پہلے اس لاش کو اٹھواؤ جو وہاں جنگل پڑی ہے۔''

فریدی نے ریوالور نکال لیا تھا اور اس کا رخ ناصر کی طرف تھا۔

''کس کی لاش.....!'' شمشاد چیخا۔

''بوڑھے نوکر سردار کی..... ناصر چپ چاپ کھڑے رہو ورنہ ایسی جگہ گولی ماروں بقیہ زندگی جہنم بن جائے گی۔''

''کیا بیہودگی ہے۔'' ناصر سہمی ہوئی آواز میں چیخا۔

''حمید.....!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''میری جیب سے ہتھکڑیاں نکال کر ناصر کے لگا

''کیا بکواس ہے۔'' شمشاد حلق کے بل چیخا۔

''اگر کسی نے مداخلت کی تو بے دریغ گولی ماردوں گا۔ مجھے سب جانتے ہیں۔''

حمید نے فریدی کی جیب سے ہتھکڑیاں نکالیں اور ناصر کی طرف بڑھا۔ ناصر اچھ بھاگا لیکن شب خوابی کے لبادے نے اُسے زیادہ دور نہیں جانے دیا۔ جیسے ہی وہ اس سے گرا حمید نے اُسے دبوچ لیا۔

ناصر کے ہتھکڑیاں لگادی گئیں۔ وہ کسی تھکے ہوئے خچر کی طرح ہانپ رہا تھا۔

''باہر آؤ.....!'' فریدی نے گیراج کے دروازے پر ہاتھ مار کر کہا۔ ''تم نے مجھے پریشان کیا ہے سرمخدوم۔''

''سرمخدوم.....!'' حمید تحیر آمیز آواز میں چیخا۔

''سرمخدوم.....!'' فریدی کے ہونٹ بھنچ گئے۔ ''سرمخدوم جنہوں نے قانون سے مذاق رایا ہے۔''

''گیراج کا دروازہ کھڑکھڑاہٹ کے ساتھ کھلا۔ لالٹینیں اوپر اٹھیں ان کے سامنے ایک بلا پتلا مگر مضبوط جسم کا بوڑھا کھڑا تھا۔

''ماموں جان.....!'' شمشاد چیخا۔

''بڑے سرکار.....!'' نوکر چلائے۔

اور حمید اپنی کھوپڑی اس طرح سہلانے لگا جیسے گرمی چڑھ گئی ہو۔

تھوڑی دیر بعد وہ ہال میں بیٹھے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ رہے تھے۔ ان میں ناصر ہی تھا لیکن اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑی ہوئی تھیں اور اس نے اپنا سر میز پر اوندھا رکھا تھا۔

''میں چھپ کر تم لوگوں کی گفتگو سنا کرتا تھا۔'' سرمخدوم نے فریدی سے کہا۔ ''تم دونوں ہمیشہ دانش ہی کے بارے میں باتیں کرتے تھے۔''

''کل رات سے میں نے اپنا پچھلا نظریہ ترک کر دیا تھا۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''کل رات گئے میں نے ناصر کو کوئی چیز عقبی پارک میں دفن کرتے دیکھا اور جب یہ حضرت وہاں سے چلے گئے تو میں نے اسے دوبارہ کھول کر نکال لیا۔ وہ ایک ادھ جلا جوتا تھا یہیں سے میرے خیالات نے پلٹا کھایا۔ پھر کل ہی رات کو میں نے بوڑھے نوکر کو جنگل میں گھستے دیکھا تھا۔ وہ اپنے بغل میں ایک پوٹلی دبائے ہوئے تھا۔ کیا اس میں تمہارے لئے کھانا نہیں تھا۔''

''ٹھیک ہے..... وہ بیچارہ اس راز سے واقف تھا..... اور اسی کی بدولت میں اب بھی زندہ ہوں ورنہ.....'' سرمخدوم نے ناصر پر قہر آلود نظر ڈالی اور خاموش ہو گیا۔

کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ''یہ میرا ظرف تھا کہ میں نے اس مردود کو خود ہی پولیس کے حوالے نہیں کیا۔ یہ پہلے بھی کئی بار میری جان لینے کی کوشش کر چکا تھا..... جب..... میں نے دیکھا کہ یہ کسی طرح باز نہ آئے گا تو میں نے وصیت مرتب کی۔ میں نے سوچا کہ اگر کبھی غفلت

میں مارا ہی جاؤں تو کم از کم میری موت کو اتفاقیہ نہ سمجھا جائے۔ اس کے لئے میں
منتخب کیا۔ اس لئے کہ تم اس صدی کا بہترین دماغ ہو۔ جونکوں والا معاملہ دراصل
بختوں کے لئے ایک قسم کا استعارہ تھا۔ یہ جو جونکوں کی طرح مجھے چوستے رہتے ہیں
آخر انہوں نے میرا خاتمہ ہی کر دینے کی اسکیم بنائی۔''

''آپ سب کو نہ کہئے۔'' شمشاد دبی ہوئی آواز میں بولا۔

''مجھے معلوم ہے کہ تمہیں کتنا رنج تھا میری موت پر۔'' سرمخدوم نے طنز آمیز
کہا۔ پھر فریدی سے بولا۔ ''میں آؤٹ ہاؤز میں محض اس لئے سوتا تھا کہ اپنی حفاظت
اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ اسی رات کو میرے دل میں آگ کا خیال پیدا ہوا۔ میں
کہیں یہ کم بخت آگ نہ لگادے اور میں سوتا ہی رہ جاؤں۔ اس قدر الجھن ہوئی
گیراج میں جا کر سو گیا۔ پھر شائد ڈھائی یا تین بجے شور وغل کی وجہ سے آنکھ کھل گئی۔ باہر
سچ مچ آؤٹ ہاؤز جل رہا تھا۔ پھر میں غائب ہو گیا۔ میں نے سوچا وصیت محفوظ ہے تم
پتہ لگاؤ گے۔ ہاں اس وقت تک مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ وہاں سے ایک جلی بھنی لاش بھی
ہو گی۔''

''بیچارہ دانش.....!'' فریدی آہستہ سے بولا۔ ''دانش کا معاملہ پہلے ہی میری سمجھ
نہیں آ رہا تھا۔ دربان کے خیال کے مطابق دانش حادثے والی رات کو آیا تھا..... اگر وہ
کرنے کی نیت سے آتا تو نہ تو وہ اتنے زیادہ نشے میں ہوتا کہ خود سے چل نہ سکتا اور نہ وہ
چھرا دکھاتا۔ ظاہر ہے کہ اسے چلتا ووبھر ہو رہا تھا۔ اسی لئے دربان اسے سہارا دے کر کوٹھی
پہنچانا چاہتا تھا..... لیکن اس پر دانش نے بگڑ کر چھرا نکال لیا۔ پھر صوفیہ نے اسے آؤٹ
طرف جاتے دیکھا۔''

''صوفیہ کہاں ہے۔'' سرمخدوم نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہ محفوظ ہے..... آپ مطمئن رہئے۔'' فریدی نے بیان جاری رکھتے ہوئے
''میرا خیال ہے کہ دانش آپ کے جانے کے بعد آؤٹ ہاؤز کی طرف گیا۔ دروازہ کھلا

تھا۔ وہ بے دھڑک اندر چلا گیا اور وہیں پڑ کر سو رہا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کی موت ہی اسے
اس طرف لے گئی تھی ورنہ وہ کوٹھی میں جا سکتا تھا۔ یہ ساری باتیں پچھلی رات کو میری سمجھ میں
آئیں..... اور مجھے آپ کی موت میں تو شروع ہی سے شبہ تھا۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی وصیت
کرنے والا جان بوجھ کر تو موت کے منہ میں نہیں کود سکتا اور آؤٹ ہاؤز کے ملبے سے جو لاش
برآمد ہوئی تھی وہ ناقابل شناخت حد تک جل چکی تھی۔ محض اس بنیاد پر اسے آپ کی لاش قرار
دیا جا سکتا تھا کہ آپ آؤٹ ہاؤز میں سوئے ہوئے تھے..... ہاں تو جب میں نے پچھلی رات
کو وہ دفن کیا ہوا جوتا نکالا تو حقیقت مجھ پر روشن ہو گئی۔ آخر ناصر نے وہ جوتا چھپانے کی کوشش
کیوں کی..... اور ایک ہی کیوں۔ دوسرا جوتا کہاں تھا؟ ظاہر ہے کہ اسے لاش ہی کے پیر سے
اتارا گیا ہو گا..... اگر وہ سرمخدوم کا جوتا تھا تو اسے چھپانے کی کیا ضرورت تھی..... کیا سرمخدوم
جوتے پہن کر سوئے تھے..... یہ چیز ناممکن تھی۔ سرمخدوم نشے میں تو تھے نہیں کہ جوتوں سمیت
سو جاتے۔ جب لاش نکالی گئی تو اس کے پیر میں یا تو ایک ہی جوتا تھا یا ان میں ایک بالکل جل
گیا تھا۔ ادھ جلے جوتے کو ناصر پہچان گیا اور اس نے اسے چپ چاپ اتار لیا اور پھر
دوسرے دن اس نے دانش کے متعلق تحقیقات شروع کیں۔ اسے دربان اور صوفیہ سے دانش
کی آمد کا علم ہوا۔ یہیں سے ناصر نے دوسرا کھیل شروع کر دیا۔ لاش تو آپ کی ثابت ہو چکی
تھی اب ناصر نے ڈھکے چھپے انداز میں یہ بات ظاہر کرنی شروع کی کہ دانش ہی نے آگ
لگائی ہو گی۔ کیونکہ آگ لگنے کے دوسرے ہی دن جعفری کے ذریعہ اسے وصیت کا علم ہو چکا
تھا۔ جب تین چار دن تک آپ واپس نہ ہوئے تو اس نے اس معاملے میں بالکل ہی خاموشی
اختیار کر لی..... ہمارے پہنچنے پر اس نے کچھ اس قسم کی حرکتیں شروع کیں جیسے وہ دانش کو اس
الزام سے بچانا چاہتا ہو۔ اس نے صوفیہ کو قید کر دیا اور پھر اُسے نکل بھی جانے دیا تا کہ ہم اس
سے دانش کے متعلق معلومات حاصل کر لیں اور یہ سمجھیں کہ ناصر ایک باپ کی حیثیت سے
اپنے بیٹے کو قانون کی زد سے دور رکھنا چاہتا ہے۔ اس نے ہمیں غلط راستے پر ڈالنے کے لئے
بہت بڑی بڑی چالیں چلیں..... لیکن ایک حماقت کی بناء پر پکڑا گیا۔ اگر وہ اُس جوتے کو پہلے

ہی تلف کر دیتا یا میری نادانستگی میں اسے دفن کرتا تو شاید یہ اس وقت بھی چین کی نیند
ہوتا..... ہاں تو اسے بہر حال آپ کی فکر لگی ہوئی تھی۔ جس رات اُسے یہ معلوم ہوا کہ
آدمی ملبے کے ڈھیر کے قریب ہماری گفتگو سننے کی کوشش کر رہا تھا اور پھر وہ جنگل کی
بھاگ گیا تھا تو اسے یقین ہو گیا کہ آپ جنگل ہی میں کہیں پوشیدہ ہیں۔ اس نے کل
سے جنگل کی خاک چھاننی شروع کر دی تا کہ آپ کو ٹھکانے لگا کر کہیں دفن کر دے اور
دانش کی تلاش میں سر مارا کرے۔ کل رات شاید اس نے بھی بوڑھے ملازم کو جنگل میں
دیکھ لیا تھا..... اور آج یہ بھی محسوس کر لیا تھا کہ میں بھی نوکر کی نگرانی کر رہا ہوں۔ لہٰذا آ
نوکر کے جانے سے قبل ہی جنگل میں جا کر چھپ رہا۔ لیکن اس سے بے خبر تھا کہ میں
تعاقب کر رہا ہوں۔ بیچارہ نوکر محض میری غفلت کی وجہ سے مارا گیا۔ میں یہ سمجھا تھا کہ
کے ذریعے آپ تک پہنچنا چاہتا ہے لیکن اس نے نوکر کو دیکھتے ہی اس پر فائر کر دیا۔ نوکر
کر گرا۔ میں نے ناصر پر فائر کیا۔ مگر وہ بچ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے پھر ایک فائر کیا
اس نے یہ فائر آپ پر کیا تھا۔''

سر مخدوم اثبات میں سر ہلا کر ناصر کی لڑکیوں کی طرف دیکھنے لگا..... جو ایک گوشے
بیٹھی ہوئی بُری طرح رو رہی تھیں۔

''لیکن سر مخدوم..... آپ اپنے لئے کیا کیجئے گا۔'' فریدی نے کہا۔

''کیوں.....!''

''آپ نے پولیس کو اب تک دھوکے میں رکھا ہے..... اور یہ قانوناً جرم ہے۔ آ
حادثے کے بعد ہی ظاہر ہو کر غلط فہمی رفع کرنی چاہئے تھی۔ آپ پر فریب دہی کا مقدمہ تو
ہی چلے گا۔''

''دیکھا جائے گا..... مجھے اس حال میں بھی یہ گوارا نہیں تھا کہ میں خود اپنے ہاتھوں
اسے قانون کے حوالے کرتا اور اس وقت بھی میرا دل دکھ رہا ہے۔''

''حرام خوری آدمی کو سنگ دل بنا دیتی ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''اگر ناصر اپنی روزی

نا ہوتا تو اس سے یہ حرکت کبھی سرزد نہ ہوتی۔ قصور سراسر آپ کا ہے۔ آپ کو اسے اپاہج نہ
چاہئے تھا۔ اگر یہ ایک ایماندار آدمی کی طرح اپنی روزی خود کماتا ہوتا تو اس کے بچے شرابی
جواری نہ ہو سکتے تھے۔ بے مشقت ہاتھ آئے ہوئے پیسے آدمی کو شیطنت کی طرف لے
تے ہیں۔ ناصر محض اس لئے آپ کی جان لینا چاہتا تھا کہ وہ جائیداد کا مالک بننے کے بعد
کا قرض ادا کر سکے۔''

''ٹھیک کہتے ہو۔'' سر مخدوم نے طویل سانس لے کر کہا۔ وہ کچھ دیر خاموش رہا۔
پھر بولا۔ ''صوفیہ کا کیا قصہ ہے..... وہ کہاں ہے۔ پورے خاندان میں صرف وہی ایک
ا ہے جسے میری دولت سے نہیں بلکہ مجھ سے محبت ہے۔''

فریدی نے اسے صوفیہ کے متعلق بتاتے ہوئے اطمینان دلایا کہ وہ محفوظ ہے۔

دوسری شام حمید اور صوفیہ آرکچو میں چائے پی رہے تھے۔

''تم بڑے اچھے دوست ثابت ہو سکتے ہو۔'' صوفیہ نے حمید سے کہا۔

''تم بہت ذہین اور اسمارٹ لڑکی ہو..... میں کچھ اور سوچ رہا تھا۔''

صوفیہ قہقہہ لگا کر بولی۔ ''میں بتاؤں تم کیا سوچ رہے تھے۔''

''بتاؤ.....!'' حمید بڑے رومانٹک انداز میں بولا۔

''تم سوچ رہے تھے کہ اگر میں تم پر عاشق ہو گئی ہوتی تو تم شادی کی تجویز پیش کرتے۔''

حمید احمقوں کی طرح اُسے گھورنے لگا۔ صوفیہ پھر ہنس پڑی۔

''ذہین سے ذہین مرد بھی جنسیت کے معاملے میں معمولی آدمیوں سے مختلف نہیں ہوتا۔''
صوفیہ نے کہا۔

اور حمید نے اُسی وقت اُس سے عشق کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 41

موت کی چٹان

(مکمل ناول)

پیش رس

''موت کی چٹان'' ملاحظہ فرمایئے۔ یہ بتانا دشوار ہے کہ یہ اس کتاب کا کونسا ایڈیشن ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے کئی بار چوری چھپے دوسروں نے بھی اسے غیر قانونی طور پر چھاپا ہے۔

جیرالڈ شاستری کی پہلی کہانی ''جنگل کی آگ'' بہت زیادہ پسند کی گئی تھی اور نئے پڑھنے والے آج بھی اس کی تلاش میں رہتے ہیں۔

ادھر پڑھنے والوں کا اصرار کہ پیشرس بھی ''لذیذ'' ہونا چاہئے۔ مگر پیشرس میں تو میں خود ہی ''مرغا'' بن کر دکھاؤں تو آپ کو ہنسی آئے گی۔ کیونکہ پیشرس میں میرے علاوہ اور کون ہوتا ہے!

تو اب میری سنئے.....آج کل اس دشواری سے دوچار ہوں کہ ''تصویر'' سے تو ان کی شکل نہیں ملتی۔''

گذارش ہے کہ تصویر سفید کاغذ پر چھپتی ہے اور جب میں اس کے برعکس نظر آتا ہوں تو آپ کو میری شکل ہی نہیں سجھائی

دیتی۔"

ایک صاحب نے مشورہ دیا تھا ریوالور لٹکا کر نکلا کیجئے۔ اس طرح آپ کم از کم جاسوسی ادیب تو معلوم ہوسکیں گے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ اس مشورے کی روشنی میں غیر جاسوسی ادیبوں کو کان پر قلم رکھ کر گھر سے باہر نکلنا چاہئے۔

بھائی کیا یہ ضروری ہے کہ روزانہ زندگی میں بھی آدمی ادیب معلوم ہو۔ یقین کیجئے ایسے لوگ سب کچھ ہوجاتے ہیں لیکن آدمی بالکل نہیں رہتے۔ لہٰذا مجھے اس مشورے سے معاف رکھئے میں تو عام حالات میں عام آدمیوں جیسی زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔

مجھے میری کتابوں میں تلاش کرنے کی عادت ڈالئے..... وہیں ملوں گا..... بالمشافہ قسم کی ملاقات پر آپ یقیناً مایوس ہوں گے۔

والسلام

ابن صفی

ایک سازش

ہائی سرکل نائٹ کلب میں حسب معمول کافی رونق تھی۔ یہ شہر کے اونچے طبقے کے لوگوں کا نائٹ کلب تھا۔ لیکن کرائم رپورٹر انور جیسے لوگوں پر بھی کوئی پابندی نہیں تھی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ شہر کے سارے اخباروں کے رپورٹروں کی وہاں تک رسائی تھی۔ انور کا معاملہ دوسرا تھا۔ نائٹ کلب کا منیجر اس سے اس درجہ خائف رہتا تھا کہ اس نے آج تک اس کی ممبر شپ کی بھی پرواہ نہیں کی تھی۔ اور خوف کی وجہ یہ تھی کہ انور کے ہاتھ میں اس کی بعض دکھتی رگیں تھیں جنہیں وہ اکثر چھیڑتا رہتا تھا۔ مگر اس حد تک بھی نہیں کہ معاملہ پولیس کے ہاتھوں جا پہنچتا۔

انور روزمرہ کے آنے والوں میں سے نہیں تھا لیکن جب بھی وہ کلب میں دکھائی دیتا منیجر کے اوسان خطا ہوجاتے تھے۔ وہ بھی کم از کم انور کے عادات و اطوار سے تو واقف ہی تھا۔ اچھی طرح جانتا تھا کہ انور کو نائٹ کلب کی تفریحات سے کوئی دلچسپی نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا آج جب اس نے انور اور رشیدہ کو ہال میں داخل ہوتے دیکھا تو اس کے ہاتھ پیر پھول گئے اور وہ چپکے سے اس کمرے میں گھس گیا جہاں ناجائز طور پر نہایت اعلیٰ پیمانے پر جوا ہوتا تھا۔ اس نے وہاں کے منتظم کو ضروری ہدایات دیں اور پھر ہال میں آ گیا۔ انور اور رشیدہ ایک خالی میز پر بیٹھ چکے

تھے۔ وہ ان کی طرف بڑھا۔

''جاؤ..... جاؤ.....!'' انور ہاتھ ہلا کر بولا۔ ''ہم تھک کر یہاں آ بیٹھے ہیں..... تم کا مشغول ہو گے۔''

''پھر بھی! میرے لائق کوئی خدمت..... بقول شاعر.....!''

لیکن انور نے اُسے شعر نہیں پڑھنے دیا۔

''آج کل شعر سنتے ہی مجھے غصہ آ جاتا ہے۔'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''آپ کی مرضی.....!'' منیجر مسکرا کر کنکھیوں سے رشیدہ کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ پھر جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ کاؤنٹر کی طرف واپس چلا گیا۔

''تم کیوں آئے ہو یہاں؟'' رشیدہ نے انور سے پوچھا۔

''بزنس.....!'' انور مسکرا کر بولا۔ ''مجھے نائٹ کلبوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔''

''کس قسم کا بزنس.....!''

''کان نہ کھاؤ.....!'' انور جھنجھلا کر بولا۔ ''آج کل میں مفلس ہو رہا ہوں۔''

''لیکن میں تمہیں کوئی ایسی حرکت نہ کرنے دوں گی۔''

''کیسی حرکت.....!'' انور اس کی بات کاٹ کر تیزی سے بولا۔

''دیکھو!'' مجھے اس طرح آنکھیں نکال کر نہ دیکھا کرو..... سمجھے۔'' رشیدہ بھی گرم ہو گئی۔

خلاف توقع انور نے بات نہیں بڑھائی۔ وہ چند لمحے خاموش بیٹھا رہا پھر مسکرا کر بولا۔

''میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ اب اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کروں گا۔''

''بہت خوب..... لیکن کیوں؟''

''اس لئے کہ میں تم سے قرض لے کر واپس نہیں کرتا..... اور یہ بہت بُری بات ہے.....'' انور نے سنجیدگی سے کہا اور رشیدہ ہنسنے لگی۔

''لیکن یہاں تم کیا کرو گے۔'' اس نے پوچھا۔

''اس آدمی کو پہچانتی ہو۔'' انور نے ایک بوڑھے اور نحیف الجثہ آدمی کی طرف اشارہ کیا

میز پر تنہا بیٹھا ہوا شامپین کی چسکیاں لے رہا تھا۔

''شاید.....!'' رشیدہ سر ہلا کر بولی۔ ''یہ مشہور کروڑ پتی صمدانی ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' انور نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ ''پچھلے سال میں نے اس کے لئے ام کیا تھا اور اس سے مجھے ایک بھاری رقم معاوضے میں ملی تھی۔''

وہ چند لمحے کے لئے خاموش ہو گیا پھر مسکرا کر بولا۔ ''آخر اب مجھ سے کوئی کام کیوں بتا۔''

''انتہائی احمقانہ سوال ہے؟'' رشیدہ نے منہ بنا کر کہا۔ ''کیا یہ ضروری ہے کہ اسے ہمیشہ ی ضرورتیں پیش آتی رہیں۔''

''آنی پڑیں گی۔'' انور میز پر گھونسہ مار کر بولا۔ ''اسے مجھ سے کام لینا ہی پڑے گا۔ اگر لے گا تو کیا پھر میں فاقے کروں گا؟''

''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔''

''نہیں وہ آج کل ایورسٹ کی بلندیوں کو چھو رہا ہے۔ تم بکواس بند کرو۔ جو کچھ میں کہہ ا اُسے سنو۔ پچھلے سال مجھے اس سے اتنی رقم ملی تھی کہ میں نے چھ ماہ تک عیش کئے تھے۔''

''مجھے یاد ہے.....'' رشیدہ نے کہا۔ ''لیکن تم کرو گے کیا؟''

''درمیان میں بولو مت..... سنتی جاؤ..... صمدانی بڑا ڈرپوک آدمی ہے۔ اگر ہم تھوڑی سی یں تو بہت کچھ پیدا کر سکتے ہیں۔''

''بلیک میلنگ.....!'' رشیدہ نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''ہرگز نہیں..... میں شریف آدمی ہوں۔ بس اسے تھوڑا سا خائف کرنے کی ضرورت ہے۔ میدھا میرے پاس دوڑا چلا آئے گا۔''

''آخر کس طرح.....!''

''بہت آسانی سے.....'' انور ختم ہوتے ہوئے سگریٹ سے دوسرا سگریٹ سلگا کر بولا۔ کوئی خوفناک چہرہ دکھایا جائے۔''

''شاید تم نشے میں ہو۔'' رشیدہ ہنسنے لگی۔

''تم باز نہیں آؤ گی۔'' انور جھلا کر بولا۔ ''میں کہتا ہوں چپ چاپ سنو۔''

''سناؤ.....!'' رشیدہ نے شانوں کو جھٹکا دے کر کہا۔

''کوئی آدمی مستقل طور سے اس کا تعاقب شروع کر دے۔ بس وہ بوکھلا کر ہیر کرے گا۔''

''تم نے کوئی بہت ہی گھٹیا قسم کا نشہ پیا ہے۔'' رشیدہ پھر ہنسنے لگی۔ ''بھنگ یا چرس پی گئے۔''

''تمہارا خون پیوں گا۔'' انور دانت پیس کر بولا۔

''ایک اُلو اور تم میں زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔'' رشیدہ نے سنجیدگی سے کہا۔ ''ایسی میں وہ پولیس کی مدد حاصل کرے گا یا تمہارے پاس دوڑا آئے گا۔''

''تم اسے نہیں سمجھ سکتیں.....وہ پولیس سے دور ہی رہے گا۔''

''آخر کیوں؟ کوئی وجہ؟''

''پچھلے سال والا معاملہ سو فیصدی پولیس کیس تھا۔ لیکن اس نے پولیس کو اس کی نہ لگنے دی۔ اس کی بجائے میری خدمات حاصل کی تھیں۔''

''میں وجہ پوچھ رہی ہوں اور تم واقعہ دہرا رہے ہو۔''

''اس کے آدمی سونے کی اسمگلنگ کرتے ہیں۔ اس لئے وہ پولیس سے دور ہے۔ اسی اسمگلنگ کے سلسلے میں اس کے کئی حریف ہیں جو اسے زک دینے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اگر کسی پراسرار آدمی نے اس کا تعاقب کیا تو وہ اسے اپنے کسی حریف ہی کا سمجھے گا۔ ظاہر ہے کہ وہ پولیس کو اس کی اطلاع نہیں دے سکتا۔''

''لیکن یہ تو سراسر اُسے دھوکا دے کر لوٹنا ہوگا۔'' رشیدہ نے کہا۔

''پھر تمہیں اخلاقیات کا ہیضہ ہوا۔'' انور چڑھ کر بولا۔ ''یہ بتاؤ کہ اب تک اس کو لوٹا ہوگا۔ یہی نہیں اسمگلنگ کا مطلب تو حکومت کو دھوکہ دینا ہے۔''

''تو پھر تم میں اتنی اخلاقی جرأت ہونی چاہئے کہ تم حکومت کی توجہ اس طرف مبذول کراؤ۔''

''یعنی میں خود اپنے جھگڑیاں لگواؤں۔'' انور بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''کیا تمہیں اس رنگروٹ سب انسپکٹر کا واقعہ یاد نہیں جس نے سیٹھ رنگول کو دواؤں کی بلیک مارکیٹنگ پکڑا تھا۔ کیا نتیجہ ہوا.....اس بے چارے پر رشوت ستانی کا مقدمہ چل گیا۔ حالانکہ وہ اندار آدمی تھا۔ ویسے اس نے ایک بہت بڑا جرم کیا تھا کہ یہاں کے ایک حاکم کے منظور ٹھ رنگول کو بلیک مارکیٹنگ کرتے پکڑ لیا۔''

''کچھ بھی ہو.....میں تمہیں اس کی رائے نہیں دوں گی۔''

''تم میں رائے دینے کی صلاحیت ہی نہیں۔ میں تو تم سے صرف ایک کام لینا چاہتا ہوں۔''

''مجھ سے.....؟'' رشیدہ نے حیرت سے کہا۔

''میں تمہیں اس کا تعاقب کرنے کو نہیں کہوں گا۔''

''پھر.....؟''

''قاسم کو پھانسو.....!''

''تعاقب کے لئے.....کہیں سچ مچ تم پاگل تو نہیں ہو گئے ہو۔ میرا خیال ہے کہ صمدانی پہچانتا ہوگا۔ وہ بھی تو شہر کے ایک بڑے سرمایہ دار کا لڑکا ہے۔''

''میں جانتا ہوں.....لیکن صمدانی اُسے پہچان نہیں سکے گا۔''

''کیسے.....؟''

''میک اپ.....اگر وہ اسے پہچان جائے تو میں ڈاڑھی رکھ لوں گا۔''

''قاسم اس کے لئے ہرگز تیار نہ ہوگا۔''

''ہو جائے گا۔'' انور خود اعتمادانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ ''تم اس سے کہہ کر بھی تو دیکھو تمہیں ذرا سا اُس کے سر پر ہاتھ پھیرنا پڑے گا۔''

''نہیں میں یہ نہیں کر سکتی۔''

''تم کرو گی۔'' انور کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''ساڑھے سات

بجے ہیں۔ صمدانی یہاں عموماً گیارہ بجے تک بیٹھتا ہے۔ قاسم تمہیں آرلکچو میں مل جائے وہ تیار ہوجائے تو مجھے فون کردینا..... اور پھر اسے ساتھ لے کر گھر چلی جانا۔ میں جاؤں گا۔ لیکن ہاں اس کا خیال رکھنا کہ اس کی بھنک بھی حمید کے کان میں نہ پڑنے مطلب یہ کہ اگر اس کے ساتھ حمید بھی ہو تو تم چپ چاپ واپس چلی آنا۔''

''دیکھو..... مجھے پریشان مت کرو۔'' رشیدہ نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں اس چکر میں پڑنا پسند نہ کروں گی۔ لیکن تم نے اس کام کے لئے قاسم ہی منتخب کیا ہے۔''

''قاسم کے علاوہ اور کون تیار ہوگا۔''

''تمہیں یقین ہے کہ وہ تیار ہوجائے گا۔''

''ضرور.....!'' انور نے مسکرا کر ایک آنکھ دبالی۔ ''محض اس لئے تیار ہوجائے اس سے کہوگی۔''

''میں سمجھی..... تمہیں شرم نہیں آتی۔''

''نہ تم میری بیوی ہو اور نہ محبوبہ! ہم صرف دوست ہیں۔ پھر شرم کس بات کی۔ میں مرد سمجھتا ہوں..... سمجھیں۔''

''ہزار بار دہرا چکے ہو.....'' رشیدہ بیزاری سے بولی۔ ''میں یہ نہیں کرسکتی۔''

انور اور رشیدہ میں بحث چھڑ گئی۔ دونوں ساتھ رہتے تھے اور انور اس پر پوری طرح تھا لیکن دونوں کے تعلقات ایسے نہیں تھے جن پر جنسی تعلقات کا اطلاق ہوسکتا۔ رشیدہ جا کہ انور جس بات پر اڑ جاتا ہے اسے کر ہی کے چھوڑتا ہے۔ وہ ایک الگ فلسفہ زندگی جس میں اخلاقیات کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ وہ اپنے کسی فعل کو توڑ مروڑ کر اخلاقیات کے ڈھ میں ڈھالنے کی کوشش بھی نہیں کرتا تھا۔''

دس پندرہ منٹ تک دونوں ایک دوسرے سے الجھے رہے پھر رشیدہ کچھ نرم پڑ گئی۔ فک بہرحال اسی کی ہونی تھی۔

''لیکن قاسم حمید سے اس کا تذکرہ ضرور کرے گا۔ دونوں گہرے دوست ہیں۔'' رشیدہ

''ہرگز نہیں..... اگر تم اسے منع کردو گی تو ملک الموت بھی اُسے اس کے تذکرے پر آمادہ سکے گا۔ اُس کے ٹائپ سے بخوبی واقف ہوں۔''

تھوڑی دیر بعد رشیدہ باہر نکلی، اس نے ایک ٹیکسی رکوائی اور آرلکچو کی طرف روانہ ہوگئی۔

اس دوران میں قاسم نے بڑی شدت سے ہوٹل بازی شروع کررکھی تھی اور خاص طور آرلکچو میں بیٹھا کرتا تھا۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ ایک دن آرلکچو کی کاؤنٹر کلرک اس کی کسی پر بے ساختہ ہنس پڑی تھی۔ وہ ایک صحت مند اور قبول صورت اینگلو انڈین لڑکی تھی۔ چونکہ کا تعلق ایک ہوٹل سے تھا اس لئے اس کا انداز ہر ایک سے فلرٹ کا سا رہتا تھا۔ بہرحال کو غلط فہمی ہوگئی تھی اور وہ آرلکچو میں بلاناغہ آنے لگا تھا۔ روز ہی اس لڑکی سے دو چار باتیں اتی تھیں..... حقیقت تو یہ ہے کہ قاسم میں اظہار عشق کی صلاحیت ہی نہیں تھی۔ وہ تو بس پر زندہ تھا کہ کسی دن کوئی لڑکی اس کا ہاتھ پکڑ کر کہے گی۔

''پیارے مجھے تم سے پریم ہوگیا ہے۔''

لیکن آج وہ بہت اداس تھا..... کیونکہ کاؤنٹر کلرک غیر حاضر تھی۔ وہ ایک میز پر تنہا بیٹھا غم ال میں ایک مرغ مسلم کی مرمت کررہا تھا۔ وہ اس کی مخصوص میز تھی۔ ہوٹل کے سارے ے اسے اچھی طرح پہچان گئے تھے۔ کیونکہ وہ بے تحاشہ کھاتا تھا اور رخصت ہوتے وقت اس کرنے والے ویٹر کو بھاری ٹپ دیتا تھا۔

قاسم نے رشیدہ کو ہال میں داخل ہوتے دیکھا۔ لیکن اُسے بھول کر بھی یہ خیال نہیں آسکتا کہ وہ اس کی طرف آئے گی۔ کیونکہ اُن دونوں میں محض رسمی سا تعارف تھا۔ لہٰذا جب اس نے اسے اپنی میز کی طرف بڑھتے دیکھا تو اس کا دل ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ڑکنے لگا۔ ہونٹ خشک ہوگئے اور حلق میں پھندا سا پڑ گیا۔

رشیدہ اس کی میز کے قریب پہنچ کر مسکرائی۔ قاسم بھی جواباً مسکرایا لیکن ایسا معلوم ہوا جیسے

کسی نے اس کے دہانے کے گوشوں میں انگلیاں ڈال کر کھینچ دیا ہو۔

''تررر.....تشریف رکھئے۔'' قاسم نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا

''بیٹھئے.....بیٹھئے.....'' رشیدہ نے بیٹھتے ہوئے کہا اور قاسم بے چینی سے پہلو بدلنے لگا

نے مرغ مسلم کو اب بھی دونوں ہاتھوں سے پکڑ رکھا تھا اور اس کے ہونٹوں اور ٹھوڑی میں مر

ہوا تھا۔ ہاتھ بھی ملوث تھے اس ہیئت کذائی میں۔ دیکھ کر رشیدہ نے بدقت اپنی ہنسی ضبط کی۔

''اے.....!'' قاسم نے بوکھلا کر ویٹر سے کہا۔ ''ایک مرغ مسلم اور لاؤ۔''

''کیا میرے لئے.....!'' رشیدہ جلدی سے بولی۔

''جی ہاں.....جی ہاں.....!''

''میرے فرشتے بھی پورا مرغ ہضم نہ کرسکیں گے۔''

''کرلیں گے.....سب چلتا ہے۔'' قاسم نے لاپرواہی سے کہا۔ اس کی دانست

رشیدہ تکلف کررہی تھی۔

''ارے.....نہیں نہیں۔'' رشیدہ ویٹر کو روکتی ہوئی بولی۔ ''میرے لئے صرف کافی لاؤ۔''

''پھر کیا کھائیے گا۔'' قاسم نے پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں۔''

''ارے واہ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔'' قاسم نے ویٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''گرلڈ چکن لے آؤ.....چار.....!''

''قاسم صاحب! مجھے مرنا نہیں ہے۔'' رشیدہ نے کہا اور پھر ویٹر سے بولی۔ ''صرف کافی جاؤ۔''

''آپ کی مرضی.....!'' قاسم مضمحل ہوگیا۔

''میں کئی دنوں سے سوچ رہی تھی کہ آپ سے ملوں۔'' رشیدہ نے کہا۔

''اوہ.....ہی ہی ہی۔''

''آپ کی شخصیت بڑی پرکشش ہے۔'' رشیدہ اس کی حماقت انگیز ہنسی کو نظر انداز کرکے بولی اور قاسم کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ سانس تیز ہوگئی اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔

''میں اکثر آپ کے متعلق سوچتی ہوں۔''

قاسم کے حلق میں کوئی چیز اٹک گئی۔ اس نے کوشش کی کہ وہ بھی کچھ کہے لیکن ہونٹ تک

ہل سکے۔

''آج جب کہ میں اور انور ایک دلچسپ کھیل کا پروگرام بنا رہے تھے تو معاً میرا ذہن آپ کی طرف گیا۔ قدرتی بات تھی۔'' رشیدہ پھر خاموش ہوکر قاسم کی طرف دیکھنے لگی۔ قاسم بوکھلا کر پلکیں جھپکانے لگا تھا۔ بہت تیزی سے۔

''بڑا دلچسپ کھیل ہے۔'' رشیدہ پھر بولی۔ ''صرف تین آدمی اس میں حصہ لیں گے.....میں.....انور اور آپ۔''

''خیا.....خیل ہے۔'' قاسم اپنا حلق صاف کرنے کی کوشش کرتا ہوا بدقت بولا۔

''بہت دلچسپ۔'' رشیدہ مسکرا کر بولی۔ ''ایک آدمی کو ڈرانا ہے۔''

قاسم ہنسنے لگا۔ دل کھول کر ہنسا.....اس طرح اس کے حلق میں پڑا ہوا پھندا کھل گیا۔

''کون ڈرائے گا۔'' اس نے پوچھا۔

''آپ.....!''

قاسم نے پھر قہقہہ لگایا اور بولا۔ ''ڈرا ڈرا کر مار ڈالوں گا سالے کو.....کون ہے۔''

''سیٹھ صمدانی.....!'' رشیدہ آہستہ سے بولی۔

''ارے باپ رے۔'' قاسم نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

''کیوں.....کیا بات ہے۔''

''ارے وہ تو والد صاحب کا دوست ہے۔'' قاسم نے آگے کی طرف جھک کر رازدارانہ لہجے میں کہا۔ ''میری شامت آجائے گی۔''

''وہ آپ کو پہچان نہیں سکے گا۔''

''نہیں.....وہ مجھے اچھی طرح پہچانتا ہے۔''

''کہتی تو ہوں کہ نہیں پہچان سکے گا۔''

''آخر کیسے۔''

''آپ کا بھیس بدلوا دیا جائے گا۔''

''میک اپ.....!'' قاسم خوش ہو کر بولا۔ ''الاقسم میں تیار ہوں۔ حمید کو اپنے م کرنے پر بڑا ناز ہے۔''

''مگر ٹھہریئے..... آپ کبھی کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کریں گے۔ حمید سے بھی

''کیوں.....!''

''بس یونہی..... وعدہ کیجئے کہ آپ تذکرہ نہیں کریں گے۔''

''نہیں کروں گا..... بالکل نہیں۔''

پھر قاسم نے اس سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ اس کھیل کا مقصد کیا تھا۔ رشیدہ اسے کے لئے تنہا چھوڑ کر انور کو فون کرنے چلی گئی اور قاسم بیٹھا احمقوں کی طرح خود بخود مسکراتا رہا۔ اس کے ذہن میں رہ رہ کر رشیدہ کے دو جملے گونج رہے تھے جو اس نے تعریف میں کہے تھے۔

رشیدہ کی واپسی پر وہ حد درجہ سنجیدہ اور سلیم الطبع نظر آنے کی کوشش کرنے لگا۔

''آیئے اب چلیں۔'' رشیدہ نے اُس سے کہا۔

قاسم نے بل کے دام ادا کئے اور وہ باہر آ گئے۔ قاسم نے ایک گذرتی ہوئی ٹیکسی اور وہ انور کے فلیٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ پچھلی سیٹ پر برابر بیٹھے ہوئے تھے اور سانس پھول رہی تھی۔ یہ پہلا اتفاق تھا کہ کوئی غیر عورت اس سے اتنی قریب تھی۔

رشیدہ اُسے آہستہ آہستہ بتاتی جا رہی تھی کہ اُسے کیا کرنا ہے۔ لیکن شاید ہی قا پوری بات سمجھی ہو۔ وہ کبھی تو دل ہی دل میں اپنی دبلی پتلی اور کمسن بیوی کو گالیاں دیتا اور کبھی اس بات پر خوش ہونے لگتا تھا کہ رشیدہ نے اس کے لئے چند تعریفی جملے کہے اس پر اتنا اعتماد کیا تھا کہ اُسے اپنے ایک کھیل میں شریک کرنے جا رہی تھی۔

''آپ کیا سوچ رہے ہیں۔'' رشیدہ نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

''جج..... جی.....!'' قاسم چونک پڑا۔ ''کچھ تو نہیں..... ہی ہی ہی..... ارے میں سوچ

ہا تھا کہ کسی کو کچھ نہ بتاؤں گا۔''

''آپ بہت اچھے ہیں۔''

قاسم پھر بوکھلا گیا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ابھی رشیدہ کے بازو آہستہ آہستہ اس ا گردن کی طرف آئیں گے اور وہ ہکلا ہکلا کر دم توڑ دے گا۔ اسے اپنی اس کمزوری پر غصہ نے لگا۔ شدید غصہ۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنے جبڑوں پر خود ہی مکوں کی بارش کر دے۔ بان کھینچ لے جو ایسے موقعوں پر لڑکھڑانے لگتی تھی۔

وہ ہانپتا رہا اور ٹیکسی فراٹے بھرتی رہی۔

قاسم کی بدحواسی

ساڑھے نو بج چکے تھے..... انور ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ میں داخل ہوا جو ہائی سرکل نائٹ لب سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ اس نے کلب کے نمبر ڈائیل کئے اور ماؤتھ پیس میں بولا۔

''ہیلو..... منیجر کیا صمدانی صاحب موجود ہیں۔''

''جی ہاں.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''ذرا انہیں فون پر بلا دیجئے۔'' انور نے کہا۔

''ٹھہریئے.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر آواز آئی۔

''ہیلو..... صمدانی اسپیکنگ.....!''

جواب میں انور نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور فون کا سلسلہ منقطع کر کے بوتھ سے باہر نکل آیا۔

دوسری طرف صمدانی نے اس قہقہے کو حیرت سے سنا اور پھر وہ شائد تیس سیکنڈ تک ''ہیلو ہیلو'' کرتا رہا لیکن جواب ندارد.....

"پتہ نہیں کون گدھا تھا..... ہنس کر ڈس کنکٹ کر دیا۔" صمدانی نے منیجر کی طرف کہا اور ریسیور اسٹینڈ پر رکھ کر کچھ سوچنے لگا۔

وہ کمزور اعصاب کا دبلا پتلا بوڑھا تھا۔ اکثر معمولی معمولی باتیں بھی اسے اختلاج کر دیتی تھیں لہٰذا اس وقت بھی یہی ہوا۔ میز کی طرف واپس آتے وقت اس کے پیر کانپ تھے۔ اس نے گلاس میں شراب انڈیلی اور پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگا۔

اچانک اس کی نظریں ایک انتہائی گرانڈیل آدمی کی طرف اٹھ گئیں جو قریب ہی میز پر بیٹھا اُسے گھور رہا تھا۔ وہ انتہائی طویل القامت اور اسی حد تک موٹا آدمی تھا۔ چہ گھنی ڈاڑھی اور مونچھیں اتنی گنجان تھیں کہ ہونٹ بھی چھپ کر رہ گئے تھے۔ جسم پر انگریز کا بیش قیمت لباس تھا۔ اس کا چہرہ یوں بھی خوفناک تھا اور پھر غصہ سے گھورتی ہوئی آنکھ

صمدانی کے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ وہ ہاتھ کانپنے لگا جس میں اس نے شراب سنبھال رکھا تھا۔ اس نے گلاس میز پر رکھ دیا اور اس خوفناک آدمی کے چہرے سے اپنی ہٹالیں۔ لیکن وہ زیادہ دیر تک اسے دیکھے بغیر رہ بھی نہ سکا اس نے کنکھیوں سے اُسے دیکھا خوفناک آدمی اب بھی اُسے گھور رہا تھا۔

صمدانی کی بدحواسی بڑھ گئی۔ شہر میں اس کے کئی حریف اور دشمن تھے۔ یوں بھی جب اس پر اختلاج کا دورہ پڑتا تھا تو اُسے ایسا محسوس ہونے لگتا تھا جیسے یک بیک اس پر چھت آ گرے گی یا کوئی دوسرا اچانک حادثہ اسے موت کے گھاٹ اتار دے گا۔ بہرحال بدحواسی اتنی بڑھ گئی کہ وہ گلاس کی بقیہ شراب ختم کئے بغیر ہی اٹھ گیا۔

قاسم اپنی گھنی مونچھوں پر ہولے ہولے انگلی پھیرتا رہا۔ جب صمدانی باہر نکل گیا تو اٹھا۔ صمدانی کی کار کمپاؤنڈ سے نکل رہی تھی۔ قاسم نے انور کی موٹر سائیکل سنبھالی جو پرا کے مطابق نائٹ کلب کی کمپاؤنڈ ہی میں موجود تھی۔

اب قاسم باقاعدہ طور پر صمدانی کا تعاقب کر رہا تھا اور دل ہی دل میں پھولا نہیں سما کہ اب وہ بھی کم از کم سرجنٹ حمید سے ٹکر لے ہی سکتا تھا۔ ایک ایک کر کے اسے وہ سا

جاسوسی ناول یاد آنے لگے جنہیں وہ اب تک پڑھ چکا تھا..... اور وہ خود کو انہیں میں سے ایک کا پراسرار جاسوس سمجھ رہا تھا۔

صمدانی کی کار مختلف سڑکوں پر دوڑتی رہی اور قاسم اس کا تعاقب کرتا رہا۔ انور نے اسے سمجھا دیا تھا اور جو کچھ اس نے کہا تھا اسی کے مطابق اسے عمل کرنا تھا۔ انور نے کہا تھا کہ جب تک وہ کہیں رک کر اتر نہ پڑے اس کا تعاقب جاری رکھنا چاہئے..... غالباً اس کا مطلب یہ تھا کہ صمدانی بھی اس تعاقب سے آگاہ ہو جائے۔

تھوڑی دیر بعد کار اس سڑک پر ہولی جو پولو گراؤنڈ کی طرف جاتی تھی۔ سڑک سنسان تھی اور قاسم کی موٹر سائیکل کا شور سناٹے میں انتشار برپا کئے ہوئے تھا۔ کار کی رفتار خاصی تیز تھی اور قاسم نے رفتار کا تناسب اتار رکھا تھا کہ موٹر سائیکل اس سے کافی فاصلے پر رہے۔

اچانک کار کی پچھلی سرخ روشنی اس کی نظروں سے غائب ہو گئی۔ اس نے اس خیال سے موٹر سائیکل کی رفتار تیز کر دی کہ کہیں اگلی کار کسی طرف گھوم نہ گئی ہو۔

کار کی قریب پہنچ کر قاسم نے موٹر سائیکل روک دی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ صمدانی کو ایک بار پھر ڈرایا جائے۔ اسے یقین تھا کہ صمدانی کار کے اندر ہی ہوگا کیونکہ قرب و جوار میں کوئی عمارت بھی نہ تھی۔

ابھی تک وہ خود کو ایک فلمی ہیرو تصور کر کے صمدانی کا تعاقب کر رہا تھا اور اس نے اسے ڈرا بھی دیا تھا۔ اس لئے اس کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے۔ وہ موٹر سائیکل کا انجن بند کر کے کار کی طرف یہ سوچتا ہوا بڑھا کہ صمدانی ایک خوفزدہ چوہے کی طرح کار میں دبکا ہوا ہوگا۔ کار میں اندھیرا تھا۔ قاسم نے جیب سے ٹارچ نکالی۔

روشنی کا دائرہ صمدانی پر پڑا۔ جو پچھلی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا لیکن چہرے پر روشنی پڑنے کے باوجود بھی اس نے اپنا چہرہ قاسم کی طرف نہیں گھمایا۔

"اتنا خوفزدہ ہے۔" قاسم نے آہستہ سے بڑبڑا کر کھڑکی کے اندر سر ڈال دیا۔

اور پھر جب اس نے قریب سے دیکھا تو اسے صمدانی کی بائیں آنکھ کی جگہ ایک بڑا سا

سوراخ نظر آیا جس سے وافر مقدار میں خون نکل کر اس کے بائیں گال پر پھیل گیا تھا۔

وہ چند لمحے چپ چاپ کھڑا رہا..... پھر دوبارہ ''ارے باپ رے'' کا نعرہ مار کر نے اپنی پوری قوت سے شہر کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔ بدحواسی میں وہ یہ بھی بھول گ یہاں تک وہ ایک موٹر سائیکل پر آیا تھا اور اسی پر واپس بھی جا سکتا تھا۔ دیو جیسے ڈیل ڈول باوجود بھی وہ کافی تیز دوڑ رہا تھا۔

لیکن پولو گراؤنڈ کے قریب پہنچتے پہنچتے اس کی طاقت جواب دے گئی اور وہ بجلی کے سے لپٹ کر ہانپنے لگا۔ اس کے ذہن میں صرف صمدانی کا خوفناک چہرہ تھا اور اب اسے یا رہا تھا کہ وہ یہاں کس لئے آیا تھا۔

کچھ ذرا سانس ٹھہری تو اس نے پھر بھاگنا شروع کر دیا۔ لیکن اب اس میں دوڑ سکت نہیں رہ گئی تھی۔ شاید آدھے ہی منٹ بعد وہ لڑھکنے والی چال سے چلنے لگا اور پھر اس منہ سے منمنائی ہوئی سی آواز نکلنے لگی۔ وہ دراصل انور اور رشیدہ کو گالیاں دے رہا تھا۔ پھر ا یک بیک اپنی مصنوعی ڈاڑھی کا خیال آ گیا اور وہ اُسے بوکھلاہٹ میں نوچنے لگا..... ایک بال چن لیا۔

پھر یہ اس کی خوش قسمتی ہی تھی کہ باور ہاؤز کے قریب اسے ایک خالی ٹیکسی مل گئی۔ ا انور کے فلیٹ کی طرف جا رہا تھا۔ اسے کچھ پتہ ہی نہ چلا کہ اس نے بقیہ راستہ کس طرح کیا۔ وہ ایک بھرے ہوئے بورے کی طرح ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر پڑا ہوا تھا۔

اور ٹیکسی ڈرائیور ہی نے اسے جھنجھوڑ کر بتایا کہ وہ اپنی منزل مقصود پر پہنچ چکا ہے۔ پتہ اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو کتنے کا نوٹ دیا اور عمارت کی طرف بڑھنے لگا۔ بہر حال ٹیکسی ڈرا کے تحیر آمیز انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے کرائے سے بہت زیادہ دے دیا ہو۔ چند لمحے کھڑا قاسم کو جاتے دیکھتا رہا پھر بڑبڑاتا ہوا ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ ''ایسے ہی روز ؟ کریں..... تو.....!''

قاسم نے انور کے فلیٹ کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھلا اور وہ دھم سے منہ

بل اندر فرش پر جا گرا۔

''کیا ہوا.....؟'' انور کرسی سے اٹھ کر اس کی طرف جھپٹا۔ رشیدہ بھی بڑھی..... دروازہ اسی نے کھولا تھا۔ قاسم کسی تھکے ہوئے بھینسے کی طرح فرش پر پڑا ہانپ رہا تھا..... وہ اب چپ ہو گیا تھا اور اس کی آنکھیں چھت پر جمی ہوئی تھیں۔

''کیا ہوا.....!'' انور اُسے جھنجھوڑنے لگا۔ لیکن قاسم کی آنکھیں چھت پر جمی رہیں اور وہ کچھ بولنے کی بجائے صرف ہانپتا رہا۔

انور نے رشیدہ کی طرف دیکھ کر بُرا سا منہ بنایا۔

یک بیک قاسم اچھل کر بیٹھ گیا۔

''تم نے میرا بیڑا غرق کر دیا۔'' وہ دہاڑ کر بولا۔

''ہوا کیا.....؟''

''اب مجھے پھانسی..... ارے باپ رے۔'' قاسم خوفزدہ آواز میں بولا اور اس طرح اپنی گردن ٹٹولنے لگا جیسے سچ مچ پھانسی کا پھندا پڑ گیا ہو۔

''کیا.....؟'' انور حیرت سے بولا۔ ''کیا تم نے اسے مار ڈالا۔''

''میں نے.....!'' قاسم حلق پھاڑ کر چیخا۔

''ذرا آہستہ پیارے..... شور نہ مچاؤ۔'' انور نے اس کا شانہ سہلا کر کہا۔

قاسم نے کسی کنواری لڑکی کے سے انداز میں اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور بولا۔

''تم نے مجھے پھانس کرا سے ختم کر دیا۔''

''کیا کہہ رہے ہو۔'' انور بوکھلا گیا۔

''ہاں اب اسی طرح بنو گے..... میں جا رہا ہوں پولیس کو اطلاع دینے۔ نہیں تو کیا میں پھانسی پر چڑھوں گا۔''

قاسم نہ جانے اور کیا اول فول بکتا رہا۔ بدقت تمام انور نے اس سے پوری بات معلوم کی۔

''میری موٹر سائیکل کہاں ہے؟'' انور نے پوچھا۔

''ہوگی سالی کہیں..... میں کیا جانوں.....؟''

''کیوں.....؟ کیا تم موٹر سائیکل پر نہیں گئے تھے۔''

''گیا تھا.....!'' قاسم جھلا کر بولا۔ ''شاید وہ وہیں رہ گئی۔''

''کہاں.....!''

''کار کے پاس۔''

انور بوکھلا کر اپنا سر سہلانے لگا اور رشیدہ کے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑنے لگیں چند لمحے خاموش رہا پھر ہنس کر بولا۔ ''اچھا الو بنایا تمہیں صمدانی نے۔''

''کیوں.....؟'' قاسم چونک پڑا۔

''تم اُسے ڈرانے چلے تھی..... الٹا اسی نے تمہیں ڈرا دیا۔ وہ بھی اپنا چہرہ بنا بگاڑنے پر قادر ہے۔''

''تو کیا وہ سب بناوٹی تھا.....!'' قاسم نے حیرت سے پوچھا۔

''یقیناً..... ورنہ اس طرح اچانک..... مرجانے کا کیا مطلب ہوسکتا ہے۔ خو..... بھئی واہ۔''

''تب تو میں اس [illegible] مار ہی ڈالوں گا۔ یہی میں بھی سوچ رہا تھا کہ آخر اتنی جلد کیسے مر گیا۔''

''تم بہت تھک [illegible] دیکھیر ے.....'' انور نے کہا اور پھر رشیدہ سے بولا۔ ''ذرا تم ان کے لئے طاقت کی دوا بنا لا..... وہ نیلی شیشی والی..... ورنہ ہفتوں ان جسم میں درد ہوگا۔''

''ضرور ضرور.....!'' قاسم سر ہلا کر بولا۔ ''لاقسم میں تھک کر چور چور [illegible]

رشیدہ انور کو گھورتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ اس دوران [illegible] باتیں کرنے لگا جس سے قاسم کو یقین آ جائے کہ صمدانی نے اسے [illegible] رشیدہ گلاس میں دودھیا رنگ کا کوئی سیال لے کر واپس آئی۔

''اسے پی لو۔'' انور نے قاسم سے کہا۔ ''پانچ منٹ میں جوڑ جوڑ کا درد نکل جائے گا۔''

قاسم نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا۔ وہ پھر باتیں کرنے لگے قاسم کی آنکھیں سے بوجھل ہوتی جا رہی تھیں۔ آخر اس نے مسکرا کر کہا۔ ''میں تو..... بلی کا بچہ ہوں ننھا منا ..... انور بھائی۔''

اور پھر کرسی پر بیٹھے ہی بیٹھے وہ گہری نیند سو گیا۔

''یہ کیا..... یہ سب کیا ہو رہا ہے۔'' رشیدہ خوفزدہ آواز میں بولی۔

''اگر میں اسے بے ہوش نہ کرتا تو..... اسی وقت یہ کسی مصیبت میں پھنس جاتا۔'' انور نے کہا۔

''مجھے سچ سچ بتاؤ..... تم کیا کر رہے ہو۔''

''وہی جو پہلے بتا چکا ہوں..... صمدانی کے قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں..... شاید کوئی پہلے سے اس کی گھات میں تھا۔''

''لیکن اب تمہارا کیا بنے گا۔ موٹر سائیکل بھی وہیں رہ گئی۔''

''دیکھا جائے گا..... میں تو جواری ہوں..... ہاں موٹر سائیکل کا معاملہ ضرور تشویش ناک ہے۔ لیکن میں اس کا بھی انتظام کئے لیتا ہوں۔''

''کیا انتظام کرو گے۔''

''موٹر سائیکل کی گمشدگی کی رپورٹ لکھوانے جا رہا ہوں۔ میں موٹر سائیکل سڑک کے [illegible] چھوڑ کر ایک دوکان میں چلا گیا تھا۔ واپسی پر موٹر سائیکل غائب تھی۔ نائٹ کلب کے [illegible] کوئی دوکان لکھوا دوں گا۔''

لاش کہاں تھی

دوسری صبح.....

پولو گراؤنڈ والی سڑک پر ایک راہ گیر نے ایک کار کھڑی دیکھی جس کے اندر نظر پڑتے ہی

وہ اپنی ہنسی کسی طرح نہ روک سکا۔ پھر اس نے اچھی طرح کار کے اندر کا جائزہ لیا۔ اس دو میں وہ برابر ہنستا رہا۔ کار کے پیچھے ایک موٹر سائیکل بھی کھڑی تھی۔

راہ گیر نے اپنی راہ لی۔ شاید اسے جلدی تھی ورنہ وہ وہاں رک کر دوسرے راہگیرو بھی ردعمل دیکھتا۔

تھوڑی دیر بعد وہاں خاصی بھیڑ ہوگئی۔ لوگ بے تحاشہ قہقہے لگا رہے تھے اور انہیں فکر کہ آخر کار کا مالک کہاں گیا۔

پھر ایک پولیس مین بھی ادھر آنکلا۔ قہقہہ تو اس نے بھی لگایا لیکن پھر لوگوں سے پوچھ کرنے لگا۔ کار کا مالک اب بھی غائب تھا۔

آخر پولیس مین نے پاور ہاؤز سے کوتوالی کے لئے فون کیا۔ تشویش کی بات ایک کار ایک موٹر سائیکل جن کا کوئی مالک نہ تھا۔

اسی شام کو اخبارات میں ایک دلچسپ خبر دکھائی دی جس پر سب نے ایک سرخی جمائی اور وہ سرخی تھی۔ ''کار میں گدھا۔''

خبر یہ تھی

آج صبح پولو گراؤنڈ کے قریب ایک کار پائی گئی جس پر ایک گدھا سوار تھا..... کار کھڑکیاں بند تھیں اور گدھا باہر نکلنے کی جدوجہد کر رہا تھا۔ جنہوں نے یہ منظر دیکھا ہے ان خیال ہے کہ آئندہ شائد کبھی انہیں اتنا دلچسپ منظر نہ دکھائی دے۔ کار کے ساتھ ایک موٹر سائیکل بھی تھی۔ بعد کی اطلاعات اور زیادہ دلچسپ ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ کار شہر کے مشہور کروڑ پتی مسٹر صمدانی کی تھی اور موٹر سائیکل روزنامہ اسٹار کے کرائم رپورٹر مسٹر انور کی..... مسٹر انور نے پچھلی رات کوتوالی میں اپنی موٹر سائیکل کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی تھی..... رپورٹ کے مطابق مسٹر انور اپنی موٹر سائیکل سڑک کے کنارے کھڑی کر کے ایک دوکان میں گئے اور واپسی پر انہیں معلوم ہوا کہ اسے کوئی چرا لے گیا۔ پولیس ابھی تک مسٹر صمدانی سے ملاقات کرنے میں ناکام رہی ہے۔ ورنہ کار کے متعلق بھی یقیناً کوئی سنسنی خیز انکشاف ہوتا۔

مسٹر صمدانی کے موٹر ڈرائیور نے آج صبح ایک حیرت انگیز رپورٹ درج کرائی ہے۔ اس کا بیان ہے کہ وہ پچھلی رات مسٹر صمدانی کو لے کر ہائی سرکل نائٹ کلب گیا تھا..... مسٹر صمدانی اندر چلے گئے اور وہ باہر کمپاؤنڈ میں ان کا انتظار کرتا رہا۔ اس کا بیان ہے کہ ایک آدمی اسے باتوں میں لگا کر کمپاؤنڈ کے ایک سنسان حصے میں لے گیا جہاں کسی نے پیچھے سے اس کے سر پر کوئی وزنی چیز ماری اور وہ چکرا کر گر پڑا۔ پھر اس نے آج صبح خود کو کلب کے گیراج میں پایا۔ اس کے سر میں گہرا زخم آیا ہے..... مسٹر صمدانی کے متعلق نہیں معلوم ہوسکا کہ وہ کہاں ہیں۔''

انور خود بھی دن بھر خبروں کی فراہمی کے سلسلے میں دوڑ دھوپ کرتا رہا تھا۔ اس نے صمدانی کوٹھی کے بھی کئی چکر لگائے لیکن کوئی اہم بات نہ معلوم ہوسکی۔ جب شام کا اخبار نکل چکا تو اس نے قاسم کے گھر کی راہ لی۔

جس وقت قاسم کے پاس انور کا ملاقاتی کارڈ پہنچا تو وہ اپنی بیوی پر تاؤ کھا رہا تھا۔ بات ہوئی تھی کہ قاسم کے منہ میں پان تھا اور وہ صوفے پر چت پڑا ہوا اپنے منہ میں پیک اکٹھا کر رہا تھا۔ وہ جان بوجھ کر ایسا نہیں کر رہا تھا بلکہ بڑی دیر سے سوچ رہا تھا کہ اُسے اٹھ کر اگالدان میں تھوکنا چاہئے۔ وہ اٹھنے کا ارادہ کرتا رہا اور پیک کی زیادتی کی وجہ سے اس کے گال پھولتے رہے۔ اتنے میں اس کی بیوی نے آ کر کوئی ایسی بات کہی جس پر قاسم کو غصہ آ گیا اور دندان شکن جواب دینے کے سلسلے میں اسے خیال نہ رہا کہ اس کا منہ پیک سے بھرا ہوا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ساری پیک اچھل کر اس کے سینے پر پڑی۔

''خدا تمہیں غارت کرے۔'' قاسم اسے مکا دکھا کر بولا۔

''میں نے کیا کیا ہے۔'' اس کی بیوی ہنس پڑی۔

''تم نے کیوں مخاطب کیا مجھے..... جب جانتی تھیں کہ میرے منہ میں پیک ہے۔''

''تم تھوک کر بولے ہوتے۔''

''کیوں تھوک کر بولا ہوتا۔ تم مجھ سے بولی ہی کیوں۔''

''واہ یہ اچھی رہی..... گندے کہیں کے۔''

''کیا کہا..... میں گندہ ہوں۔'' قاسم حلق پھاڑ کر چیخا۔

''نہیں بڑے صفائی پسند ہو..... قمیض برباد کر لی۔''

''تم سے مطلب..... میری قمیض ہے یا تم اپنے باوا کے گھر سے لائی تھیں۔''

''دیکھئے..... باپ دادا تک نہ چڑھئے گا..... ورنہ اچھا نہ ہوگا۔'' وہ بھی تیز ہوگئی۔

''کیا نہ اچھا ہوگا..... چڑھوں گا باپ دادا..... تمہارے باپ تمہارے دادا تمہارے باپ دادا بلکہ ان کے بھی دادا کے دادا۔''

''دیکھتی ہوں اب کیسے گھر میں پان آتا ہے۔''

''دیکھتا ہوں کون روکے گا..... پان ہی نہیں..... اب برانڈی کی بوتلیں بھی آئیں گی۔''

''چچا جان کا ہنٹر شائد بھول گئے۔''

''نکل جاؤ.....!'' قاسم حلق پھاڑ کر چیخا۔ اتنے میں نوکر انور کا کارڈ لے آیا۔

''تم بھی دفان ہوجاؤ۔'' قاسم نے کارڈ دیکھے بغیر نوکر سے کہا۔ ''میں کسی سے نہیں ملوں گا۔''

''مگر سرکار میں تو کہہ چکا ہوں کہ آپ گھر پر موجود ہیں۔''

''جاؤ کہہ دو..... صاحب مر گئے..... جاؤ.....!''

''نہیں کہہ دو..... صاحب اپنی قمیض پر تھوک کر بیٹھے ہیں۔'' قاسم کی بیوی نے کہا۔

نوکر جانے لگا۔

''رک جا بے.....!'' قاسم نے اس کی گردن پکڑ لی۔ ''کیا کہے گا۔''

''صاحب..... قمیض.....!''

''گلا گھونٹ دوں گا۔'' قاسم دانت پیس کر بولا۔ ''اس گھر پر میرا حکم چلتا ہے..... سمجھے۔''

''جی صاحب.....''

''جا کر کہہ دے کہ صاحب مر گئے۔''

نوکر چلا گیا..... قاسم قمیض بدلنے کی فکر کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد نوکر واپس آ گیا۔

''صاحب وہ انور صاحب ہیں..... ضروری کام ہے۔'' اس نے کہا۔

قاسم سوچ میں پڑ گیا۔ وہ تھوڑی دیر قبل شام کا اخبار دیکھ کر کافی قہقہے لگا چکا تھا لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

ڈرائنگ روم میں انور اس کا منتظر تھا۔

''تم نے اخبار دیکھا۔''

''ہاں دیکھا..... واقعی سالا بڑا مسخرہ معلوم ہوتا ہے۔''

''ہوسکتا ہے۔'' انور نے کہا۔ ''لیکن میں تمہیں ایک خاص بات بتانے آیا ہوں۔''

''کیا.....!''

''صمدانی نے مذاق ضرور کیا ہے لیکن خطرناک قسم کا۔ اگر اپنی گردن سلامت رکھنا چاہتے ہو تو پچھلی رات کے سارے واقعات کے متعلق کسی سے ایک لفظ بھی نہ کہنا۔''

''کیوں..... کیا بات ہے..... صاف صاف بتاؤ۔''

''تمہیں کئی آدمیوں نے نائٹ کلب میں دیکھا تھا..... انہوں نے پولیس کو بتایا ہے کہ تم لڑکی کو گھور رہے تھے اور شائد وہ تم سے ڈر کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ اس کے پیچھے ہی پیچھے تم نائٹ کلب سے نکلے تھے۔''

''تو اس سے کیا ہوا..... وہ مذاق تھا..... اور اس نے بھی مذاق کیا تھا۔ کار میں گدھا۔'' منہ دبا کر ہنسنے لگا۔

''کیا تم نے اس کے ڈرائیور کا بیان نہیں پڑھا'' انور نے اسے گھور کر کہا۔

''وہ تمہاری حرکت تھی۔'' قاسم سنجیدگی سے بولا۔ ''خواہ مخواہ بیچارے کا سر پھاڑ دیا۔''

''چلو میری ہی حرکت سہی..... لیکن تم بھی اس میں شریک تھے۔ اگر کسی سے تذکرہ کیا تو اسی طرح پھنس جاؤ گے۔''

''میں کیوں کرنے لگا تذکرہ، ہرگز نہیں کروں گا لیکن سالے صمدانی کی تاک میں ضرور رہوں گا۔''

''نہیں اب تم اس واقعے کو بالکل ہی بھول جاؤ۔''

''بھول گیا۔'' قاسم نے سر ہلا کر کہا۔ پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔ ''کیا رشیدہ تمہاری بیوی ہے۔''

''کیوں.....؟'' انور مسکرا کر بولا۔ ''یار اس کے چکر میں نہ پڑنا۔ بڑی خطرناک عورت ہے۔''

''اوہ.....اسی لئے تو میں ان سے.....اُن کو.....بہت اچھا سمجھتا ہوں۔''

''خیر اچھا تو میں اب چلوں گا.....خیال رہے کہ.....!''

''میں سب سمجھتا ہوں.....فکر نہ کرو۔ کل شام کو میں تمہارے گھر آؤں گا۔'' قاسم نے

''شائد ہم لوگ نہ ملیں۔'' انور نے کہا اور وہاں سے چل پڑا۔ اس کا ذہن اب تک واقعے میں الجھا ہوا تھا۔ اس کے خیال کے مطابق قاسم نے سچ مچ صمدانی کی لاش ہی تھی۔ ورنہ اتنی بدحواسی میں کبھی نہ بھاگتا۔ اس نے یہاں تک تو بتایا تھا کہ اس کی بائیں آ جگہ ایک بڑا سا سوراخ تھا جس سے خون بہہ رہا تھا پھر آخر لاش کی بجائے ایک زندہ کیوں؟ قاتل ظریف ہی نہیں بلکہ ستم ظریف تھے اور انہوں نے اس کی موٹر سائیکل بھی جوں کی توں رہنے دی تھی۔

نوعیت کے اعتبار سے واقعات عجیب تھے.....انور سوچ رہا تھا کہ کہیں آگے چل معاملات اور زیادہ پیچیدہ نہ ہو جائیں۔ پولیس والے موٹر سائیکل کی چوری کے متعلق اسے کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔

یہ حقیقت ہے کہ انور کو اپنی موٹر سائیکل کی وجہ سے بڑی پریشانی تھی اور وہ ابھی پولیس ہی کے قبضے میں تھی۔ انور نے سوچا کہ اسے ایسے موقع پر انسپکٹر فریدی سے ضرور چاہئے۔ دوسروں کی بات تو الگ رہی خود رشیدہ بھی اس کی طرف سے مشکوک تھی۔ رشید خیال تھا کہ گدھے والی حرکت انور ہی کی تھی اُس نے لاش غائب کر کے کار میں ایک عدد ٹھونس دیا تھا۔

لیکن انور کے فرشتوں کو بھی اس کا علم نہیں تھا۔ قاسم کو بیہوش کرنے کے بعد وہ سیدھا کوتوالی گیا تھا اور موٹر سائیکل کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرا کے پھر گھر واپس آ گیا تھا۔

سورج غروب ہوتے ہوتے انور فریدی کی کوٹھی میں پہنچ گیا۔ فریدی ابھی ابھی کہیں سے آیا تھا اور کیڈی کو گیرج میں ڈال کر باہر نکلا ہی تھا کہ انور سے سامنا ہو گیا۔ فریدی اپنے ہی انداز میں مسکرا کر رک گیا۔

''خوب.....!'' اس نے کہا۔ ''تو تم آ گئے۔''

انور نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بغور فریدی کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ جس پر تھوڑی تھکاوٹ کے آثار نظر آ رہے تھے اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی لمبی مسافت طے کے آیا ہو۔

''آؤ.....اندر چلو.....!'' فریدی نے کہا۔ ''کار والے گدھے نے میرے گدھے حمید کو اف متوجہ کر لیا ہے اور وہ اس وقت غالباً مسٹر صمدانی کی سیکریٹری مس لورین سے غپ لڑا گا۔''

دونوں اندر آئے اور فریدی ایک صوفے پر گرتا ہوا بولا۔ ''شاید تم صحیح واقعہ بتانے آئے ہو۔''

''کیسا صحیح واقعہ.....!'' انور گڑبڑا کر بولا۔ ''میں نہیں سمجھا۔''

''فرزند.....میں آصف نہیں ہوں۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''موٹر سائیکل کی سچی کہانی رکارڈ ہے کیونکہ اب معاملہ بہت زیادہ الجھ گیا ہے۔''

''موٹر سائیکل.....وہ تو چوری۔''

''نہیں.....!'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''وقت نہ برباد کرو.....موٹر سائیکل نائٹ کلب الی فاصلے پر تھی۔ تم نے جس دوکان کا حوالہ رپورٹ میں دیا ہے وہ اول تو کلب سے ڈیڑھ ل کے فاصلے پر واقع ہے۔ دوسری بات یہ کہ وہ آٹھ بجے ہی بند ہو چکی تھی اور تم نے ٹ میں ساڑھے نو کا وقت لکھوایا ہے۔ قبل اس کے کہ پولیس دوکاندار سے پوچھ گچھ کرتی ہاں پہنچ گیا۔ لہٰذا اب وہ کسی دوسرے کو دوکان بند ہونے کا وقت آٹھ کی بجائے گیارہ ہ گا۔''

انور کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ فریدی مسکرا رہا تھا۔

''اگر معاملہ تمہاری موٹر سائیکل کا نہ ہوتا تو میں اتنی زحمت مول نہ لیتا۔'' اس نے کہا۔

''پھر میں کسی دوسری دوکان میں گیا ہوں گا'' انور ڈھٹائی سے بولا۔

''انور بکواس بند کرو۔ میں ابھی ابھی صمدانی کی لاش دیکھ کر آ رہا ہوں۔''

''کیا.....؟'' انور اچھل پڑا۔

''لاش آج صبح اس کے سمر ہاؤز میں پائی گئی ہے جو جھریالی کے مضافات میں ہے نے اس کی بائیں آنکھ میں گولی ماری ہے۔ ڈاکٹر کی رپورٹ ہے یہ قتل پچھلی رات کو دس کے بعد کسی وقت ہوا تھا۔''

انور سناٹے میں آ گیا۔

فریدی چند لمحے انور کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا پھر بولا۔ ''لیکن قتل سمر ہاؤز میں ہوا۔ صمدانی کے جسم پر پورا لباس تھا اور اس نے جوتے بھی نہیں اتارے تھے۔ پھر بھی لاش بستر پر پائی گئی۔ لیکن بستر پر خون کا ایک دھبہ بھی نہیں ملا..... ریوالور کی نال آنکھ پر گولی چلائی گئی تھی کیونکہ حلقے کے گرد بارود کی کھرنڈ پائی گئی ہے..... میرا خیال ہے کہ وہ کار میں ہی قتل کیا گیا تھا..... اور اسی جگہ جہاں کار ملی ہے۔''

وہ پھر خاموش ہو کر انور کو گھورنے لگا۔ انور کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کہنا چاہیے۔

''لیکن تمہاری ہی موٹر سائیکل کیوں۔'' فریدی پھر بولا۔ ''ظاہر ہے کہ صمدانی کے ڈرائیور کو بیہوش کر کے وہاں اسی لئے ڈال دیا گیا تھا کہ اس کی جگہ کوئی اور سنبھالے۔ خیر تو پراسرار آدمی نے اس کے ڈرائیور کی جگہ لی اور صمدانی اسے نہیں پہچان سکا۔ راستے میں اس کار روک دی۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے صمدانی نے کار روکنے کی وجہ پوچھی اور وہ پراسرار نہایت اطمینان سے مڑا اور اس کی بائیں آنکھ پر ریوالور رکھ کر ٹریگر دبا دیا۔ یہ سب تو ہوا تمہاری موٹر سائیکل کا وہاں کیا کام..... ایسی حالت میں جب کہ وہ چرائی بھی نہیں گئی تھی۔''

''آپ کہہ رہے ہیں کہ قتل کار میں ہوا..... تو پھر لاش کو وہاں اتنی دور سمر ہاؤز میں جانے کی کیا ضرورت تھی۔'' انور نے کہا۔

''ہم..... اور تم نے یہ کیوں نہیں پوچھا کہ کار میں گدھا ٹھونسنے کی کیا ضرورت تھی۔ سنو اس موٹر سائیکل پر کوئی ایسا آدمی تھا جو قاتلوں میں سے نہیں تھا..... اور وہ صمدانی کی کار کا پیچھا کر رہا تھا۔ محض اسی کی وجہ سے قاتلوں کو یہ دونوں حرکتیں کرنی پڑیں۔ غالباً وہ کسی بناء پر دیر کے لئے یہ نہیں ظاہر ہونے دینا چاہتے تھے کہ صمدانی قتل کر دیا گیا۔ کیا اس گدھے نے س کو آج دن بھر پریشان نہیں رکھا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ قاتلوں کا مقصد رات ہی کو حاصل لیا ہوگا۔ شائد وہ رات بھر کے لئے اس قتل کو چھپانا چاہتے تھے۔ ورنہ وہ اس لاش کو سمر ہاؤز لے جانے کے بجائے کہیں اور لے جاتے۔''

''کیا آپ سمجھتے ہیں کہ موٹر سائیکل پر میں تھا۔'' انور نے کہا۔

''نہیں..... مجھے تم سے اس کی توقع نہیں کہ تم کسی ایسی جگہ اپنی موٹر سائیکل چھوڑ جاؤ ے..... لیکن اس پر جو کوئی تھا تم اس سے واقف ہو اور تم قتل کی واردات سے بھی واقف ہو گئے ..... اسی لئے تم نے چوری والی کہانی گڑھی۔''

''آپ سے کوئی کچھ چھپا نہیں سکتا۔'' انور مری ہوئی آواز میں بولا اور پھر اسے پوری روداد دہرانی پڑی۔ فریدی کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا اور صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ضبط کرنے کی انتہائی کوشش کر رہا ہے۔ انور خاموش ہو کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ اس وقت فریدی سے نظر ملانے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔

''یہ ایک قطعی غیر قانونی حرکت تھی۔'' اسے فریدی کی سپاٹ اور سرد آواز سنائی دی۔ ''اب میں اس دوکان دار کو مجبور کروں گا کہ وہ صحیح بیان دے۔''

''میں پھنس جاؤں گا.....!'' انور بوکھلا گیا۔

''جہنم میں جاؤ..... میں بے ایمانی کسی کی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ میں نے تمہیں سینکڑوں بار سمجھایا ہے کہ قانون سے کھیلنے کی کوشش نہ کیا کرو..... نہیں نہیں ..... میں مجبور ہوں۔ تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا اور پھر تم نے اس گدھے قاسم کو اس میں شریک کیا تھا..... تم احمق بھی ہو۔''

فریدی کے دلائل

انور خاموش بیٹھا رہا۔

فریدی بھی خاموش ہوگیا تھا اور اس کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔ اس نے سلگایا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔ انور نے ایک غیر قانونی حرکت ضرور کی تھی لیکن قتل میں ہاتھ نہیں تھا۔ اگر وہ یہ حرکت نہ کرتا تب بھی صمدانی قتل کر دیا جاتا کیونکہ واقعات کے اعتبا وہ ایک سوچی سمجھی اسکیم معلوم ہوتی تھی۔

''تو کیا پھر واقعی میرا غرور ٹوٹ جائے گا۔'' انور بڑبڑایا اور فریدی رک کر اُسے گھورنے

انور کہتا رہا۔ ''دیکھئے..... یہ تو قریب قریب ناممکن ہے کہ میں حوالات کی شکل د لیکن میرے راستے میں جو بھی آیا اس کی خیر نہیں۔''

''کیا یہ تم مجھ سے کہہ رہے ہو۔''

''نہیں..... مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ آپ کو چیلنج کر سکوں۔ لیکن پولیس کی دشو ضرور بڑھ جائیں گی۔ آسانی سے کوئی مجھ پر ہاتھ نہ ڈال سکے گا۔''

''لونڈے ہو۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''تم اگر اتنے ہی ذہین ہوتے تو قاسم جیسے اس کام میں نہ شریک کرتے۔''

''جو دل چاہے کہئے..... اب تو جو ہونا تھا ہو ہی گیا۔ اگر صمدانی قتل نہ کر دیا گیا ہوتا وقت ایک سونے کی چڑیا میری مٹھی میں ہوتی۔''

''تمہیں اب بھی اپنے فعل پر ندامت نہیں ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''قطعی نہیں..... آپ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔ میری پوری زندگی سے واقف کیا لوگوں نے قانون ہی کی مدد سے مجھے نہیں کچلا ہے۔ کیا اخلاقیات کے مقدس ہاتھ گردن تک نہیں پہنچے۔ میری نظروں میں ان دونوں کے لئے کوئی احترام نہیں۔ میں خود اپ

اہل قانون ہوں۔''

''تمہیں فی الحال ایک گلاس ٹھنڈے پانی کی ضرورت ہے۔'' اچانک برآمدے سے آواز آئی۔

یہ سرجنٹ حمید تھا اور اس کے ساتھ ایک بکرا بھی تھا جس کے سر پر ایک پرانی فلٹ ہیٹ اور گلے میں ٹائی لٹک رہی تھی۔

''تم اس وقت بالکل سہراب مودی کی طرح ڈائیلاگ بول رہے تھے۔'' حمید نے سنجیدگی کہا پھر بکرے کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''برخوردار بغرا خاں پہلے بھی تمہاری تعریف سن چکا ہے۔''

''کوئی خبر.....!'' فریدی اس کی بکواس کو نظر انداز کر کے بولا۔

''لورین بڑی پیاری لڑکی ہے۔''

''کیوں.....؟'' فریدی انور کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ حمید ئی بہت اہم خبر لے کر آئے گا۔''

''لیکن یہ کیا فرماتے ہیں درباب اپنی موٹر سائیکل کے۔'' حمید نے چہک کر کہا۔

''ڈی۔ ایس۔ پی صاحب کچھ اور سوچ رہے ہیں۔''

''کیا سوچ رہے ہیں؟''

''لاش ملنے کے بعد سے نئی دوڑ دھوپ شروع ہوگئی ہے اور اب انہیں اس دیوہیکل آدمی کی تلاش ہے جو کلب میں صمدانی کو گھور رہا تھا۔ منیجر سے ایک نئی بات بھی معلوم ہوئی ہے کہ ساڑھے نو بجے صمدانی کے لئے کسی کی فون کال آئی تھی اور صمدانی نے کال ریسیو کرنے کے بعد منیجر سے کہا تھا کہ ایک قہقہہ لگا کر کسی نے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا۔''

فریدی نے سوالیہ انداز میں انور کی طرف دیکھا اور انور اثبات میں سر ہلا کر اپنی جیب میں سگریٹ کا پیکٹ ٹٹولنے لگا۔

''کیا مطلب.....!'' حمید باری باری سے دونوں کو گھورتا ہوا بولا۔

''میں اب چلوں گا۔'' انور اٹھتے ہوئے بولا۔ فریدی نے اسے روکا نہیں۔ حمید بھی چپ چاپ اسے جاتے دیکھتا رہا۔

''یہ کس لئے آیا تھا۔'' حمید نے پوچھا۔

''بیٹھ جاؤ.....اس گدھے نے ایک حماقت کی ہے۔'' فریدی نے کہا اور پھر اس واقعات دہرا دیئے جو انور سے سنے تھے۔

''قاسم.....!'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''مجھے حیرت ہے.....مگر نہیں چونکہ انور نے رشیدہ کے ذریعہ بچھوایا تھا اس لئے اس کا پھنس جانا ناممکنات میں سے بھی نہیں۔''

''اب سوال یہ ہے کہ قاسم اپنی زبان بند بھی رکھے گا یا نہیں۔''

''اگر رکھتا بھی ہے تو اس سے کیا فرق پڑے گا۔'' حمید نے کہا۔ ''وہ دوکاندار.....!''

''اس کا انتظام میں پہلے ہی کر چکا ہوں.....وہ ہرگز یہ نہ کہے گا کہ اس کی دوکان آٹھ بجے بند ہوگئی تھی۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ انور کا ہاتھ اس قتل میں بھی ہے تو میں اس کی ضمانت نہ سمجھتا۔''

''بہرحال وہ صمدانی کو دھوکہ دینے جا رہا تھا۔''

''لیکن اس کی اتنی زیادہ سزا بھی نہ ہونی چاہئے کہ اس پر قتل کا الزام عائد کر دیا جائے اصل مجرم تو پولیس کے ہاتھ لگنے سے رہے۔ وہ مجرم جس میں مزاح کی حس بھی ہو انتہائی ذہین خطرناک ہوتے ہیں۔ مقتول کی کار میں گدھا ٹھونسنا ان کے اطمینان اور دیدہ دلیری کی دلیل ہے۔''

''پھر آپ کیا کریں گے؟''

''قاسم کے سلسلے میں کچھ کرنا چاہئے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ وہ احمق بھی مفت ہی مارا جائے گا۔''

''اسے ٹھیک کرلوں گا۔'' حمید نے کہا۔ ''لیکن انور کو بھی کچھ نہ کچھ سزا ملنی ہی چاہئے۔''

''اس پر پھر غور کریں گے۔''

''اچھا تو میں چلا.....قاسم کو سیدھا کرنے۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

''کیا کرو گے؟''

''کچھ نہ کچھ کر ہی لوں گا..... ہاں..... وہ لڑکی لورین..... صمدانی کی پرائیویٹ

سیکریٹری.....مجھے اس پر شبہ ہے۔''

''کس بات کا۔''

''قتل میں اس کا بھی ہاتھ ہوسکتا ہے۔ یا پھر وہ اس کے متعلق کچھ جانتی ہے۔''

''وہ کس طرح.....بیٹھ جاؤ۔''

''گفتگو کے دوران میں اس نے کئی غلط بیانیاں کیں۔ ظاہر ہے کہ وہ صمدانی کی پرائیویٹ سیکریٹری تھی لہٰذا اسے جتنا دخل صمدانی کے مزاج میں رہا ہوگا کسی اور کو نہیں ہوسکتا۔ میں نے اس سے پوچھا تھا کہ کیا اس دوران میں صمدانی کچھ پریشان نظر آتا تھا۔ اس نے اس کا جواب نفی میں دیا۔ حالانکہ کئی نوکروں کی زبانی میں یہ سن چکا تھا کہ صمدانی دو تین دن سے بہت زیادہ پریشان تھا۔ اکثر راتوں کو اٹھ کر ٹہلتا تھا۔ کچھ خوفزدہ بھی تھا۔ سوتے وقت اپنے کمروں کی کھڑکیاں خود ہی بند کرتا تھا.....اگر وہ بند ہوتی تھیں تو سونے سے قبل ایک بار اُن کے بولٹ ضرور ٹٹول لیتا تھا۔''

''تو تم اس لڑکی کے پیچھے پڑنے کے لئے زبردستی کوئی نہ کوئی جواز ڈھونڈ رہے ہو۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''ہاں وہ انڈے دیتی ہے نا.....!'' حمید جھنجھلا گیا۔

''اس کے ورثاء کے متعلق کیا معلومات حاصل کیں۔''

''لاوارث.....یعنی کوئی اولاد نہیں..... پتہ نہیں یہ سالے زیادہ تر لاولد کیوں ہوتے ہیں۔ بیوی عرصہ ہوا مر چکی۔ ایک بھتیجا ہے.....وہ خود بھی بڑا سرمایہ دار ہے۔''

''کون.....؟''

''سجاد صمدانی.....اور وہ تین سال سے یورپ میں ہے۔ یہاں اس کی کافی بڑی تجارت ہے جسے اس کے منیجر کنٹرول کرتے ہیں۔''

''تو بس وہی ایک بھتیجا ہے۔''

''جی ہاں.....لیکن میرا خیال ہے کہ وہ قاتل نہ ہوگا۔''

''میں فی الحال تمہارا خیال نہیں دریافت کر رہا ہوں.....اور کوئی خبر۔''

''برخوردار بغرا خاں آج کچھ سست ہے۔'' حمید نے بکرے کی طرف دیکھ کر کہا۔

''اسے یہاں سے ہٹا لے جاؤ ورنہ میں تمہیں پیٹوں گا۔''

''چلا جائے گا جناب.....کیا آپ نے اسے یتیم سمجھ لیا ہے۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔ وہ جلد قاسم کے پاس پہنچ کر اس کی مرمت کرنا چاہتا تھا۔

لیکن اس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی کیونکہ اس وقت نوکر نے ڈی۔ایس۔پی کی اطلاع دی اور اس کی آمد دلچسپی سے خالی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے حمید نے فی الحال جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ آج کل اس سے فریدی کے تعلقات ہیں۔ کبھی ان دونوں میں کھٹک جاتی تھی اور وہ ایک دوسرے کی راہ میں روڑے اٹکانے لگتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ دونوں شانہ بشانہ کام کرتے نظر آتے تھے۔

فریدی نے ڈرائنگ روم میں ڈی۔ایس۔پی کا استقبال کیا۔

ڈی۔ایس۔پی کے چہرے سے تھکن کے آثار ظاہر ہو رہے تھے اور وہ تنہا ہی تھا۔

''اس کیس نے تو چکرا کر رکھ دیا ہے۔'' وہ بیٹھتا ہوا بولا۔

''بات تو کچھ ایسی ہی ہے۔'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

''اور آپ خلاف معمول بہت زیادہ خاموش نظر آ رہے ہیں۔ میں نے آپ کو اس میں کبھی نہیں دیکھا۔''

''کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے.....بعض سیدھے سادے معاملات کی تہہ تک پہنچنا دشوار معلوم ہونے لگتا ہے۔''

''گھما پھرا کر سوچنے کی عادت ہی بُری ہوتی ہے۔'' ڈی۔ایس۔پی نے کہا۔

حمید مسکرانے لگا۔ وہ اس کی گفتگو کا مقصد اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اس طرح ڈی۔ایس۔پی فریدی سے معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن فریدی نے اس جملے کا کوئی جواب نہ دیا۔

''سگار.....!'' وہ ڈی۔ایس۔پی کی طرف سگار بڑھاتا ہوا بولا۔

ڈی۔ایس۔پی نے سگار لے کر سلگایا۔ کچھ دیر خاموشی رہی پھر اس نے کہا۔

''لیکن اس کرائم رپورٹر کی موٹر سائیکل مجھے الجھن میں ڈالے ہوئے ہے۔ وہ کوئی نیک نام آدمی نہیں۔''

''الجھن میں ڈالنے کے لئے صرف موٹر سائیکل ہی نہیں ہے۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''اس گدھے کے متعلق آپ کیا کہیں گے اور وہ لاش جو سمر ہاؤز میں پائی گئی۔ میں یہ پہلے ہی ثابت کر چکا ہوں کہ قتل سمر ہاؤز میں نہیں ہوا تھا۔''

''ٹھیک ہے پورا کیس ہی الجھا ہوا ہے۔ صمدانی کی کار میں بھی دو ایک جگہ خون کے دھبے ملے ہیں جن پر شاید مجرموں کی نظر نہیں پڑی تھی.....حالانکہ انہوں نے حتی الامکان صفائی کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ لیکن موٹر سائیکل کا معاملہ.....بھئی وہ دوکان جہاں اس نے موٹر سائیکل کھڑی کی تھی نہ صرف کلب سے دور ہے بلکہ ایک دوسری سڑک کے موڑ پر واقع ہے۔''

''میں آپ کا مطلب سمجھتا ہوں۔'' فریدی نے سنجیدگی سی کہا۔ ''لیکن آپ کو یہ تسلیم ہے کہ مجرموں نے کیس کو پیچیدہ بنانے کی کوشش کی ہے۔''

''قطعی.....!''

''تو پھر وہ موٹر سائیکل بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی معلوم ہوتی ہے۔ اور کوئی گمنام آدمی نہیں، اور بہتیرے آدمیوں کو یہ بات بھی معلوم ہوگی کہ وہ اکثر پولیس سے الجھتا رہتا ہے ہو سکتا ہے کہ مجرموں نے اسی سے فائدہ اٹھا کر اسے پھنسانے کی کوشش کی ہو۔ ورنہ موٹر سائیکل لے بھاگنے کا کوئی جواب سمجھ میں نہیں آتا۔ جبکہ مجرموں کے پاس ایک کار اور بھی تھی۔ کار نہیں بلکہ ٹرک کہئے۔''

''کیوں.....ٹرک کیوں.....؟''

''اوہو.....تو کیا آپ نے سمر ہاؤز کے سامنے دوہرے پہیوں کے نشانات نہیں دیکھے۔ دوہرے پہیے صرف ٹرک یا بس میں لگائے جاتے ہیں۔ کار میں نہیں.....وہ غالباً اسی ٹرک پر لاش وہاں لے گئے تھے۔ ہاں تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مجرم گاڑیوں کی چوری اسی وقت کرتے

ہیں جب ان کے پاس کوئی گاڑی نہ ہو۔ ورنہ وہ اس قسم کا خطرہ نہیں مول لیتے۔ خصوصاً معاملہ قتل کا ہو۔ میرا خیال ہے کہ یہ حرکت انور کو پھنسانے ہی کے لئے کی گئی تھی۔''

''اچھا اگر میں صاف صاف یہ کہوں کہ انور بھی اس جرم میں شریک ہے تو۔'' ڈی۔ایس بولا۔

''میں اسے ہرگز نہ تسلیم کروں گا۔''

''انور آپ کا دوست ہے نا..... اور شائد وہ خود کو آپ کا شاگرد بھی کہتا ہے۔''

''دلیل! ڈی۔ایس۔پی صاحب۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''میں کوئی بات بغیر دلیل کہتا۔ کیا آپ انور کو احمق سمجھتے ہیں۔''

''ہرگز نہیں..... وہ شیطان کا بھی چچا ہے۔''

''یعنی کافی ذہین ہے۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔ ''کیا کوئی ذہین آدمی..... آدمی نہیں صاف صاف مجرم کہئے..... کیا کوئی ذہین مجرم کسی ایسی جگہ کوئی اس قسم کا سراغ چھوڑ سکتا جس سے اس کی گردن پھنس جائے۔''

''جلد بازی اور گھبراہٹ میں ایسا ممکن ہے۔'' ڈی۔ایس۔پی نے کہا۔

فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا پھر بولا۔ ''کیا اسے آپ جلد بازی کہیں گے۔ صمدانی کو میں قتل کیا گیا پھر سیٹ پر سے خون کے دھبے مٹائے گئے۔ لاش ایک ٹرک میں لادی گئی۔ کار میں گدھا ٹھونسا گیا۔ کون اسے جلدی اور گھبراہٹ کا کام کہے گا۔ پھر پولیس کو اطلاع ہے دوسرے دن صبح۔ کیا رات بھر میں موٹر سائیکل وہاں سے ہٹائی نہیں جاسکتی تھی۔''

ڈی۔ایس۔پی ایک گہری سانس لے کر صوفے پر نیم دراز ہوگیا۔ اس کے چہرے تھکن کے آثار اور زیادہ گہرے ہوگئے تھے۔

حمید فریدی کی ذہانت پر عش عش کر رہا تھا کہ اس نے کتنی صفائی سے انور کو اس معا سے الگ کردیا۔

''میں تو محض.....'' ڈی۔ایس۔پی تھوڑی دیر بعد پھیکی مسکراہٹ کیساتھ بولا۔ ''اس معا

آپ کی رائے معلوم کرنا چاہتا تھا۔ ورنہ یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ انور اتنا احمق نہیں ہوسکتا۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ فرش پر نظریں جمائے سگار کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا۔

''میں صمدانی کے ورثاء کے متعلق چھان بین کر رہا ہوں۔'' ڈی۔ایس۔پی نے کچھ دیر کہا۔

''شائد اس کے ایک بھتیجا ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''ہاں سجاد صمدانی..... اس کا بھی کافی بڑا کاروبار ہے۔ لیکن وہ تین سال سے نہیں ا..... اور نہ اس کے کسی آدمی سے اس کی ملاقات ہوئی۔''

''ملاقات سے کیا مراد ہے۔'' فریدی نے فرش سے نظریں ہٹائے بغیر پوچھا۔

''پچھلے سال اس کا جنرل منیجر انگلینڈ گیا تھا۔ اسے ایک ضروری مشورہ لینا تھا۔ جب وہ گلینڈ پہنچا تو اسے سجاد صمدانی کا ایک تار ملا جو فرانس سے آیا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ وہ بعض تعلیات کی بناء پر انگلینڈ نہیں پہنچ سکتا۔ جنرل منیجر پیرس پہنچا لیکن وہاں بھی اسے ایک تار ملا جرمنی سے بھیجا گیا تھا اور اس میں تحریر تھا کہ سجاد ایک ضروری کام کے سلسلے میں جرمنی چلا گیا ہے۔ اس طرح ان دونوں کی ملاقات نہ ہوسکی اور وہ معاملہ خط و کتابت ہی کے ذریعہ طے ہوگیا تھا اس نے جنرل منیجر کو مختار کل بنا رکھا ہے اور وہی اس کی طرف سے سارے کام انجام دیتا ہے۔''

''یہ اطلاع دلچسپ ہے۔'' فریدی ڈی۔ایس۔پی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''کیوں.....؟''

''کیا آپ کو یہ بات دلچسپ نہیں معلوم ہوتی کہ اس کے کسی آدمی نے اسے تین سال نہیں دیکھا۔''

''ہے تو..... لیکن اس کیس سے اس کا کیا تعلق ہوسکتا ہے۔''

''ابھی اتنی جلدی تعلق کے بارے میں تو کچھ نہیں کہا جاسکتا۔'' فریدی نے کچھ سوچتے ئے کہا۔ پھر کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔ ''صمدانی کی مالی پوزیشن کیا تھی۔''

''کروڑوں کا بینک بیلنس..... کروڑوں تجارت میں لگے ہوئے ہیں اور وہ جنوبی حصے کی

ایک سونے کی کان کا مالک تھا۔''

''خوب.....تو اب یہ سجاد صمدانی کا سب کچھ ہے۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔ ''دیکھنا یہ کہ کیا یہ سب معاملات بھی جنرل منیجر ہی کے ذریعہ طے ہوتے ہیں یا وہ خود آتا ہے۔''

''لیکن اس سے ہماری تفتیش پر کیا اثر پڑے گا۔''

''یہ بھی بعد کی چیز ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''ویسے اس قتل کا مقصد کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔''

''کیا آپ سجاد پر شبہ کر رہے ہیں۔''

''نہ کرنے کی بھی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔''

''لیکن وہ تو تین سال سے انگلینڈ میں ہے۔'' ڈی۔ایس۔پی نے کہا۔

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ویسے میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا.....لیکن آپ کو ماننا پڑے گا کہ قتل کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے۔''

''مگر یہ تو سیدھی سی بات ہے۔'' ڈی۔ایس۔پی نے کہا۔ ''اور میں آپ سے گھماؤ پھر کی توقع رکھتا ہوں۔''

''کون جانتا ہے کہ اس میں گھماؤ پھراؤ نہ ہوگا۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔

پراسرار مسٹر براؤن

دوسرے دن سہ پہر کو صمدانی کی پرائیویٹ سیکریٹری لورین آفس سے باہر نکلی۔ چند لمحے کھڑی ادھر اُدھر دیکھتی رہی پھر اس نے دروازہ بند کر کے اسے باہر سے مقفل کیا۔ ایک بار پھر اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور جب یہ اطمینان ہو گیا کہ آس پاس کوئی موجود نہیں ہے تو اس نے دوسرے دروازے کو دھکا دیا اور پھر آفس کے اندر داخل ہوئی اور دروازے کو مقفل کر کے چند لمحے کھڑی رہی۔

آفس میں اس کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا۔ یہ ایک کافی کشادہ کمرہ تھا اور یہاں کئی بڑی بڑی میزیں تھیں جن پر فائیلوں کے ڈھیر تھے۔ عمارت میں یہی ایک ایسا کمرہ تھا جسے پولیس نے مقفل نہیں کیا تھا۔ اسے اس لئے مقفل نہیں کیا تھا کہ پولیس صمدانی کے کاغذات کی چھان بین کر رہی تھی اور کچھ ہی دیر قبل کچھ آفیسر یہاں سے رخصت ہوئے تھے۔ ابھی کاغذات کی بہتیری الماریاں ایسی باقی تھیں جنہیں کھولا بھی نہیں گیا تھا۔ یہ صمدانی کا نجی آفس تھا اور یہاں پرانے ریکارڈ بھی رکھے جاتے تھے۔

لورین نے دروازے پر سیاہ پردے کھینچ دیئے۔ پھر وہ ایک گوشے کی طرف بڑھی جہاں ایک چھوٹی سی گول میز رکھی تھی۔ شائد ہی آج تک کسی کو اس گول میز کی اصل حقیقت معلوم کرنے کا خیال آیا ہو۔ اور آتا بھی کیسے..... کیونکہ وہ بظاہر اخروٹ کی لکڑی کی ایک معمولی سی گول میز تھی۔ کسی کو کیا معلوم کہ اس کا اوپری تختہ اتنا موٹا کیوں ہے اور وہ اپنی جگہ سے جنبش بھی کر سکتی۔

لورین نے زمین پر بیٹھ کر اوپری تختے کو نیچے سے ٹٹولا۔ ایک ہلکی سی آواز آئی اور ساتھ ہی ایک پتلی سی تختی باہر نکل پڑی۔ پھر لورین نے تختی کی چھوڑی ہوئی جگہ میں ہاتھ ڈال کر بجلی کا ایک پلگ نکالا جس کے سرے سے تار منسلک تھا۔ دوسرے لمحے میں وہ اس پلگ کو دیوار سے لگے ہوئے سوئچ بورڈ میں لگا رہی تھی۔ پلگ لگتے ہی کھٹاکے کے ساتھ قریب ہی کی بڑی میز کے نیچے کا فرش ایک طرف کھسک گیا۔

لورین نے اپنے بیگ سے ٹارچ نکالی اور تہہ خانے میں اتر گئی۔ نیچے تک پہنچنے کے لئے اسے دس سیڑھیاں طے کرنی پڑیں۔

یہ جگہ بھی اوپری کمرے ہی کی طرح کشادہ تھی اور یہاں صرف ایک بڑی آہنی الماری لگی ہوئی تھی۔ لورین بے تابی سے آگے بڑھی۔ الماری میں کوئی قفل نہیں نظر آ رہا تھا۔ پھر بھی ہینڈل تھی۔ لورین نے ہینڈل پر اپنی قوت صرف کر دی لیکن اس کا دروازہ ہلا تک نہیں۔ پھر وہ تقریباً آدھے گھنٹے تک چاروں طرف سے الماری کا جائزہ لیتی رہی۔ لیکن اسے کہیں کوئی ایسی

چیز نہ دکھائی دی جسے وہ الماری کھولنے اور بند کرنے کا ذریعہ سمجھ سکتی۔ آخر وہ تھک ہار کر اوپر واپس آ گئی۔

سوئچ بوزڈ سے پلگ ہٹاتے ہی فرش پھر اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔

چھ سات منٹ بعد وہ آفس سے نکلی..... باہر اب بھی سناٹا تھا۔ قرب و جوار ایک متنفس بھی دکھائی نہیں دیا۔

پھر اس نے گیراج سے ایک چھوٹی سی کار نکالی۔

تار گھر کے قریب اس نے کار روک دی۔ کاؤنٹر پر پہنچ کر اس نے ایک فارم طلب کیا اور پھر اس پر جلدی جلدی کچھ لکھنے لگی۔ بیگ سے ٹکٹ نکال کر فارم پر چسپاں کئے اور اسے ٹکر کے حوالے کر کے رسید کا انتظار کرتی رہی۔

پھر جیسے ہی وہ کمرے سے باہر نکلی..... دوسرے دروازے سے فریدی اندر آیا..... اس نے رک کر اس کھڑکی کی طرف دیکھا جس پر لورین نے تار دیا تھا..... پھر وہ پوسٹ ماسٹر کے کمرے کی طرف گیا۔

اس نے اپنا کارڈ پوسٹ ماسٹر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''تھوڑی تکلیف دوں گا۔''

''فرمایئے.....!'' پوسٹ ماسٹر ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

''کھڑکی نمبر تین پر ابھی ایک لڑکی نے تار دیا ہے..... میں ذرا وہ فارم دیکھنا چاہتا ہوں۔''

پوسٹ ماسٹر نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر چپڑاسی کے لئے گھنٹی بجائی۔

تھوڑی دیر بعد لورین کا لکھا ہوا فارم فریدی کے سامنے تھا۔

تار کا مضمون تھا۔

''میں وہاں تک پہنچ گئی..... لیکن کچھ نہیں سمجھ سکتی..... کسی ایکسپرٹ مکینک کو بھیجو..... کرسچیانا۔''

تار بھیجنے والے کا پتہ بھی خلاف توقع ہی نکلا۔ لورین صمدانی کی کوٹھی کے ایک حصے میں رہتی تھی لیکن فارم پر تار بھیجنے والے کا پتہ وہاں کا نہیں تھا۔

نمبر 13

فریدی نے اپنی نوٹ بک نکال کر دونوں پتے تحریر کئے۔

رام گڑھ میں کسی مسٹر براؤن کو بھیجا گیا تھا جو شیزان ہوٹل کے کمرہ نمبر ۲۸ میں مقیم تھا۔

''اس تار کو کم از کم چھ گھنٹے کے لئے روک لیا جائے۔'' فریدی نے پوسٹ ماسٹر سے کہا۔

''مجھے افسوس ہے مسٹر فریدی..... یہ صرف پوسٹ ماسٹر جنرل کے حکم سے ہی ہو سکتا ہے۔''

''تو پھر مجھے فون کرنے کی اجازت دی جائے۔''

''شوق سے.....!''

فریدی نے ریسیور اٹھا کر اپنے آئی۔ جی کے نمبر ڈائیل کئے اور اس سے تار رکوانے سے متعلق گفتگو کرتا رہا..... پھر اس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

''میں پوسٹ ماسٹر جنرل کو اپروچ کر رہا ہوں۔'' فریدی نے پوسٹ ماسٹر سے کہا۔

''بہتر ہے۔'' پوسٹ ماسٹر نے کہا اور اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

شاید دس منٹ بعد فون کی گھنٹی بجی۔ پوسٹ ماسٹر ریسیور اٹھا کر سنتا رہا۔ پھر اس نے رکھ کر ایک طویل سانس لی اور فریدی سے بولا۔ ''بہت اچھا جناب..... لیکن آپ مجھے تار کی ایک تحریر دے دیجئے کہ آپ اسے چھ گھنٹے کے لئے رکوا رہے ہیں۔''

فریدی تحریر دے کر باہر آ گیا۔ برآمدے میں اس نے پبلک فون کا ریسیور اٹھایا۔

''ہیلو..... آپریٹر..... لانگ ڈسٹنس پلیز..... رام گڑھ.....!''

وہ کچھ دیر انتظار کرتا رہا پھر بولا۔ ''رام گڑھ..... انٹیلی جنس بیورو پلیز..... اوہ پلیز میجر نصرت..... ہیلو میجر نصرت..... میں احمد کمال فریدی بول رہا ہوں۔ تھوڑی سی زحمت دوں گا..... ایک آدمی کے متعلق معلومات درکار ہیں..... نام مسٹر براؤن..... سکونت نمبر اٹھائیس شیزان ہوٹل..... میں اس کی نگرانی بھی چاہتا ہوں..... مجھے گھر پر فون نہ کرنا..... مگر نہیں آفس کے نمبر پر۔''

فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ ''تاکہ آپ کال کے پیسے محکمے سے وصول کر سکیں۔ اچھا نہ بہت شکریہ۔''

اس نے ریسیور رکھ کر کال کی قیمت ادا کی۔

سرجنٹ حمید تار گھر کے باہر کھڑا تھا۔ جیسے ہی اس نے لورین کو باہر آتے دیکھا طرف پشت کر کے کھڑا ہو گیا۔ لورین نے کار اسٹارٹ کرنی چاہی لیکن انجن بھر بھرا کر حمید وہاں اس کی پریشانی دیکھنے کے لئے ٹھہر نہ سکا۔ یہ حرکت اسی کی تھی۔ فریدی نے کہا تھا کہ وہ اس کا انتظار کرے۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ لورین سے بھی انتظار کرا جب تک وہ کار سنبھالے گی فریدی خود بھی باہر آ جائے گا۔ وہ اسے کار کے انجن میں چھوڑ کر تار گھر میں چلا گیا۔

حمید پچھلی رات سے شرارتیں کرتا رہا تھا۔ اس نے قاسم کی تو وہ گت بنائی تھی کہ پناہ۔ اس نے اسے دھمکی دی کہ وہ اسے قتل کی سازش میں پھنسوا دے گا۔ قاسم کے پھول گئے۔ نوبت بہ ایں جا رسید کہ حمید نے اُسے مرغا بنا دیا اور جب وہ مرغا بنا ہوا بولی بول رہا تھا تو حمید نے چپکے سے اس کی بیوی کو بلا لیا..... پھر جو اس کی بیوی پر پڑا ہے تو قاسم اسی وقت پھانسی پا جانے پر آمادہ نظر آنے لگا اور بدقت تمام حمید اسے اس سے باز رکھ سکا۔

فریدی باہر جانے کے لئے مڑا ہی تھا کہ اس کی نظر حمید پر پڑی جو برآمدے کی جگہ سر جھکائے کھڑا تھا۔

''تم یہاں کیوں کھڑے ہو؟'' فریدی اسے گھور کر بولا۔

''میں اتنا بے درد نہیں ہوں کہ کسی عورت کو پریشان دیکھ سکوں۔''

''کیا فضول بکواس ہے۔''

''آپ خود چل کر دیکھ لیجئے..... اس کی کار میں کچھ گھٹالا ہو گیا ہے۔''

''خیر میں دیکھ لوں گا۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ ''تم آفس کے آپریشن رو جا کر میری ایک کال کا انتظار کرنا۔''

''دیکھئے..... مجھ سے اس قسم کے مکھی مار کام نہ لیا کیجئے۔''

''جاؤ بکواس نہیں۔''

حمید چند لمحے خاموش رہا..... پھر بُرا سا منہ بنائے ہوئے چلا گیا۔

فریدی باہر آیا..... لورین ابھی تک انجن پر جھکی ہوئی تھی۔ کبھی کبھی وہ سر اٹھا کر بے بسی سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگتی تھی۔ فریدی چپ چاپ جا کر اپنی کیڈی لاک میں بیٹھ گیا۔ اُسے شاید لورین کی روانگی کا انتظار تھا۔

آخر کار کچھ دیر بعد ایک ٹیکسی ڈرائیور نے لورین کی مدد کی۔ انجن اسٹارٹ ہو گیا۔

لورین کی کار تھوڑی ہی دور گئی تھی کہ فریدی نے اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد فریدی نے محسوس کیا کہ لورین یونہی اِدھر اُدھر چکر لگا رہی ہے۔ آخر کچھ دیر بعد اس نے اپنی کار ہوٹل ڈی فرانس کے سامنے روک دی۔

جب وہ اندر چلی گئی تو فریدی بھی کیڈی لاک سے اُترا۔

لورین ایک کیبن میں بیٹھ چکی تھی۔ فریدی اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر کھلے ہال میں بیٹھ گیا۔

لورین نے کھانا منگوایا اور فریدی کافی کی چسکیاں لیتا رہا۔

لورین ابھی کھانے سے فارغ نہیں ہوئی تھی کہ ویٹر نے اسے ایک لفافہ لا کر دیا اس نے جلدی سے لفافہ چاک کیا اور خط نکال کر پڑھنے لگی۔ فریدی نے محسوس کیا جیسے کھانے میں اب وہ دلچسپی نہیں لے رہی ہے۔ اس نے نیپکن سے ہاتھ صاف کئے اور لفافے کو اپنے بیگ میں ٹھونستے ہوئے ویٹر سے بل کا تقاضہ کیا۔ پھر شائد پانچ منٹ کے اندر ہی اندر وہ وہاں سے روانہ ہو گئی۔

فریدی پھر اس کا تعاقب کر رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد لورین کی کار ایک اونچی سی بلڈنگ کے سامنے رک گئی۔

فریدی کو فوراً یاد آ گیا کہ اس نے تار کے فارم پر اپنے پتہ میں اسی بلڈنگ کا نام لکھا تھا۔

لورین کار سے اُتر کر اوپر جانے کے لئے زینے طے کرنے لگی۔ فریدی اطمینان سے کیڈی میں بیٹھا رہا۔ تار والے پتے کے فلیٹ کا نمبر اس کی نوٹ بک میں موجود تھا اور پھر اسے

اطمینان تھا کہ لورین ابھی پھر واپس آئے گی کیونکہ جہاں اس نے اپنی کار چھوڑی
درحقیقت کار پارک کرنے کی جگہ نہیں تھی اور کسی وقت بھی ٹریفک پولیس کا آدمی کار کے
سے باز پرس کرسکتا تھا۔

فریدی انتظار کرتا رہا۔ پندرہ منٹ گزر گئے۔ اس دوران میں ایک کانسٹیبل نے لور
کار کا ہارن بجایا۔ پھر وہ فریدی کی کار کی طرف پلٹا۔

''آپ جانتے ہیں کہ یہاں کار پارک کرنا منع ہے۔'' اس نے فریدی سے کہا۔ جو
میں تھا۔

''جانتا ہوں دوست.....!'' فریدی باہر نکلتا ہوا بولا۔ کانسٹیبل چونک کر پیچھے ہٹ گ
اس نے گڑبڑا کر فریدی کو سلیوٹ کیا۔ شاید وہ اسے پہچانتا تھا۔

''میں اوپر جارہا ہوں.....'' فریدی نے عمارت کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ ''اگر
پانچ منٹ سے زیادہ لگیں تو تم فلیٹ نمبر چھیالیس میں آسکتے ہو..... دونوں گاڑیوں کو
رہنے دینا..... سمجھے۔''

پھر وہ اسے متحیر چھوڑ کر زینوں کی طرف بڑھا۔

تیسری منزل کی راہداری تاریک تھی۔ حالانکہ ابھی صرف نو ہی بجے تھے لیکن کسی فلا
کے دروازے یا کھڑکی میں روشنی نہیں آرہی تھی۔ فریدی نے ٹارچ روشن کی۔ پھر وہ چھیالیسو
فلیٹ کے دروازے پر رک گیا۔ دروازے کے شیشوں میں روشنی نہیں نظر آرہی تھی۔

فریدی نے آہستہ سے دستک دی۔ جواب ندارد..... تین بار دستک دینے کے بعد
نے آخر کار ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا..... لیکن فوراً ہی ٹارچ نہیں روشن کی..... کمرے
اندھیرے اور سناٹے کا راج تھا۔

اس نے ٹارچ روشن کی اور جہاں تھا وہیں جم گیا۔ روشنی کا دائرہ فرش پر پڑی ہوئی لورین
لاش پر تھم گیا..... فرش پر تازہ خون پھیلا ہوا تھا اور لڑکی کی آنتیں پیٹ کے باہر نکل آئی تھیں۔

فریدی نے سوئچ بورڈ تلاش کرکے روشنی کی۔

فلیٹ میں تین کمرے تھے لیکن کہیں بھی اسے اس قسم کے کوئی نشانات نہ ملے جن سے
کسی دوسرے آدمی کی موجودگی ثابت ہوتی۔

اتنے میں پولیس مین بھی فریدی کی ہدایت کے مطابق وہاں پہنچ گیا۔ اگر فریدی اسے
نہ روانہ دیتا تو وہ چکرا کر گر ہی پڑتا۔

''جاؤ..... جلدی.....!'' فریدی اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ ''کوتوالی فون کردو..... کہہ دینا
کہ یہاں موجود ہوں۔''

کانسٹیبل لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے واپس گیا۔

اب پھر فریدی لاش کی طرف متوجہ ہوا۔ قریب ہی لورین کا بیگ کھلا ہوا پڑا تھا اور ایک
رومال جس پر خون کا دھبہ تھا فریدی نے اسے اٹھا کر دیکھا۔ رومال لورین ہی کا تھا کیونکہ
فریدی نے اسے ہوٹل میں اس سے پسینہ خشک کرتے دیکھا تھا اور شاید قاتل نے اس سے چھرا
صاف کیا تھا۔

فریدی نے قاتل کے لئے بھاگ دوڑ بے کار سمجھی کیونکہ یہاں آتے وقت ہی اس نے
محسوس کیا تھا کہ دوسری طرف بھی زینے موجود ہیں جو عمارت کی پشت کی طرف جاتے ہیں۔
فرار کے لئے قاتل کو کافی وقت ملا ہوگا..... اور اس نے پچھلے ہی زینے استعمال کئے ہوں گے۔

فریدی نے اس کا ہینڈ بیگ فرش پر الٹ دیا۔ اس میں صرف آرائشی مصنوعات تھیں.....
اور ایک لفافہ۔ غالباً یہ وہی لفافہ تھا جو ہوٹل ڈی فرانس کے ایک ویٹر نے لورین کو دیا تھا۔

فریدی نے مضطربانہ انداز میں اس کے اندر رکھا ہوا خط کھینچ لیا جس پر تحریر تھا۔

''ایک جاسوس تمہارا پیچھا کررہا تھا..... تم فوراً تھارن ہل بلڈنگ پہنچو۔''

ساری حقیقت فریدی پر روشن ہوگئی۔ مجرم انتہائی ہوشیار ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ ان کا کوئی
شہر آدمی زندہ رہے۔ انہوں نے اس بہانے سے لڑکی کو یہاں بلا کر ختم کردیا۔

تھوڑی دیر بعد پولیس آگئی اور پوری عمارت کا محاصرہ کرلیا گیا۔ حالانکہ یہ فضول سی
کاروائی تھی۔ لیکن روزنامچے کی خانہ پری کے لئے نہایت ہی اہم۔

واپسی میں فریدی نے پچھلے زینے استعمال کئے۔ اس کی ٹارچ روشن تھی اور وہ خیال میں ڈوبا ہوا آہستہ آہستہ زینے طے کر رہا تھا۔ اچانک وہ رک گیا۔ ٹارچ کی روشنی ایک مڑے تڑے کاغذ پر پڑ رہی تھی جس پر خون کے دھبے تھے۔ فریدی نے جھک کر اسے اٹھالیا۔ خون کے دھبوں کے علاوہ اس پر کچھ نشانات تھے جو پنسل سے بنائے گئے تھے۔ ایک گول نشان پر لکھا تھا۔ ''گول میز'' اور اس پر تھوڑے فاصلے پر ''سوئچ بورڈ'' تحریر تھا۔ پھر ایک چوکور نشان پر ''ٹیبل میز'' لکھا ہوا تھا۔ فریدی نے کاغذ کا ٹکڑا جیب میں ڈال لیا اس پر خون میں ڈوبی ہوئی انگلیوں کے نشانات بالکل صاف تھے۔

تھوڑی دیر بعد وہ ہوٹل ڈی فرانس پہنچ گیا۔ اس ویٹر کو تلاش کرنے میں دشواری نہیں ہوئی جس نے لورین کو خط دیا تھا۔ لیکن فریدی کو اس سے جو معلومات حاصل ہوئیں وہ زیادہ کارآمد نہیں تھیں۔ اس نے بتایا کہ وہ خط اسے ایک انگریز نے دیا تھا اور اتنے سے کام کی اجرت میں اس نے پانچ روپے وصول کئے تھے۔ ویٹر انگریز کا حلیہ نہیں بتا سکا اور اس نے یہ بتایا تھا کہ وہ انگریز کم از کم روزانہ کے گاہکوں میں سے تو نہیں ہوسکتا تھا۔

آج شاید ناکامیوں کا دن تھا۔ گھر پہنچ کر فریدی نے حمید کو اپنا منتظر پایا اور اس نے اطلاع دی وہ حیرت انگیز بھی تھی اور مایوس کن بھی۔

''میجر نصرت کا پیغام ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''شیزان ہوٹل کا کمرہ نمبر اٹھائیس پچھلے ہفتے سے خالی ہے اور مسٹر براؤن نام کا کوئی آدمی وہاں کبھی تھا ہی نہیں۔''

گول میز

دوسرے دن فریدی اور حمید چند دوسرے آفیسروں کے ساتھ صمدانی کے نجی دفتر میں کاغذات کا جائزہ لے رہے تھے اور پچھلی رات والا قتل موضوع گفتگو بنا ہوا تھا۔

''کل اس بیچاری نے ہماری بڑی مدد کی تھی۔'' ایک آفیسر نے کہا اور پھر وہ اس بیچاری کے حسن پر اتر آئے۔

''اس قتل کا تصور ہی بڑا بھیانک ہے۔'' دوسرے نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔

''آنتیں باہر نکل پڑی تھیں..... آپکے رونگٹے تو کھڑے ہوگئے ہوں گے فریدی صاحب۔''

''اگر میرے جسم پر کھڑے ہوجانے والے رونگٹے ہوتے تو میں کسی یونیورسٹی میں لٹریچر کا پروفیسر ہوتا۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''میرو غالب یا کیٹس اور ورڈ سورتھ میں سر مارتا۔''

پھر فریدی کے کارناموں کے متعلق باتیں چھڑ گئیں۔

''بھئی وہ جیرالڈ شاستری[1] والے بن مانس آج تک میری سمجھ میں نہ آسکے۔'' ایک افسر دوران گفتگو میں بولا۔

''وہ کسی کی سمجھ میں بھی نہیں آئے۔'' فریدی نے کہا۔ ''بہتیرے تو ان کی پیدائش کے واقعہ کو ہی غپ سمجھتے ہیں۔ کئی اخبارات نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ یہ فریدی کا نیا شگوفہ ہے۔ اس کے ذریعے وہ سائنسدانوں میں سنسنی پھیلانا چاہتا ہے۔ حالانکہ یہ ایک بہت ہی معمولی سی بات تھی۔''

''لیکن میں مانتا ہوں کہ مشینوں کے ذریعے معجزے عمل میں آتے ہیں۔'' آفیسر بولا۔ ''لیکن چھوٹے سے بندر کا منوں میں ایک گرانڈیل بن مانس کی شکل میں تبدیل ہوجانا سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔''

''معجزے سمجھ میں آجائیں تو انہیں معجزے کون کہے گا۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

''میں تو غپ ہی سمجھوں گا..... آدمی کے ننھے سے بچے کو بڑھنے کے لئے بیس سال درکار ہوتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔ ''پانی کو جمنے کے لئے سطح سمندر سے ایک مخصوص بلندی درکار ہوتی ہے۔ خط استواء سے ایک مخصوص فاصلہ درکار ہوتا ہے۔ لیکن آپ یہاں مئی کے کیلیفورنیڈ یدگرمی میں برف استعمال کرتے ہیں۔ کیا وہ برف ہمالیہ کی چوٹی سے حاصل کی جاتی ہے؟''

---

[1] ''جنگل کی آگ'' جلد نمبر 12 ملاحظہ فرمائیے۔

ہے یا ٹنڈرا کے میدانوں سے؟ کیا برف جمانے والی مشین منٹوں میں پانی کو نقطۂ انجماد پر پہنچا دیتی۔''

''لیکن کوئی مشین پانی کے بغیر برف نہیں مہیا کر سکتی۔'' آفیسر بولا۔

''ٹھیک ہے..... لیکن شاید آپ یہ بھول گئے کہ جیرالڈ کی مشینوں کے ذریعے دو آدمی کے جسم اس بندر کے جزو بدن ہوتے تھے تب وہ ایک بن مانس کی شکل اختیار کرتا تھا۔''

''تب تو اس طرح آدمی کا بچہ بھی منٹوں میں جوان ہو سکتا ہے۔''

''قطعی ہو سکتا ہے لیکن ذہنی حالت بچوں کی سی ہوگی۔ کیونکہ ذہنی نشو ونما کا تعلق تجربے سے ہے۔ اس کے لئے کم از کم بیس ہی سال درکار ہوں گے۔ خیر اسے چھوڑیئے یہ ایک الگ بحث ہے۔ آپ کو بندروں کے بڑھنے پر اعتراض ہے۔ اچھا یہ بتایئے کہ آدمی کا بچہ بیس سال میں کیسے بڑھتا ہے۔''

''اللہ کی مرضی! ہم کون ہوتے ہیں دخل دینے والے۔'' حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔ اس پر ایک زور دار قہقہہ پڑا، لیکن جلد ہی ماحول نے پھر سنجیدگی اختیار کر لی۔

''اس میں قوت نما ہوتی ہے۔'' اس آفیسر نے کہا جس نے بحث چھیڑی تھی۔

''قوت نما کیا چیز ہوتی ہے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''بھئی میں نے زیادہ سائنس نہیں پڑھی۔'' آفیسر بولا۔

''قوت نما دراصل حیاتیاتی ریشوں کے بڑھنے کی صلاحیت کو کہتے ہیں اور یہ صلاحیت انہیں غذا اور بعض دوسرے خارجی اسباب سے حاصل ہوتی ہے۔ لیکن غذا کو بھی ان پر اثر انداز ہونے کے لئے مختلف مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اور اس میں عرصہ لگ جاتا ہے۔ بہرحال یہ ریشے بیس سال تک بڑھتے رہتے ہیں اور اپنی حد کو پہنچ کر بڑھنے کی صلاحیت کھو دیتے ہیں۔ بیس سال میں آدمی کا قد قریب قریب پورا ہو جاتا ہے اس کے بعد پھر بڑھنے کے امکانات نہیں رہتے۔ بہرحال کہنے کا مطلب یہ کہ حیاتیاتی ریشوں کے بڑھنے کا دارومدار غذا پر ہے۔ اب آیئے بندر کی طرف۔ اس کے حیاتیاتی ریشوں کو آدمیوں کے جسم سے مشین کے ذریعہ تیار شدہ

غذا ملتی ہے اور وہ سالہا سال کی نشو ونما کے عمل کو ایک جست میں طے کر لیتا ہے۔''

''دیکھئے آپ نے بھی یہاں سے جست لگائی۔'' آفیسر ہنس کر بولا۔ ''بندر اور آدمی کی ذہنیت میں فرق ہے۔ بھلا بندر کا جسمانی نظام آدمی کے جسم سے حاصل کی ہوئی غذا کیسے قبول کر لے گا۔''

''بالکل اسی طرح جناب جیسے آپ کا جسمانی نظام بندر کے غدود کا آپریشن قبول کر لیتا ہے۔''

''ہیئر ہیئر.....!'' ایک دوسرے آفیسر نے تالی بجا کر قہقہہ لگایا۔ ''ختم کرو یار..... تم فریدی سے باتوں میں جیت نہیں سکتے۔ ہم جیسے مشغول آدمیوں کو اتنی فرصت کہاں کہ دنیا بھر کے مضامین چاٹتے پھریں۔''

''فرصت پیدا کی جاتی ہے۔'' فریدی نے ہنس کر کہا۔ ''آپ لوگوں کے تو صرف چند عدد بیوی بچے ہوں گے۔ میرے پاس ساٹھ کتے ہیں۔ ساڑھے تین سو کے قریب سانپ ہیں درجنوں پرندے ہیں۔''

''لیکن افسوس ایک بیوی نہیں پالی جاتی۔'' حمید آہستہ سے بولا..... اور پھر سب ہنسنے لگے۔ فریدی کا قہقہہ سب پر حاوی تھا۔

''اچھا بس بس.....!'' ایک بوڑھا آفیسر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''یہاں کئی کنوارے بھی ہیں..... انہیں بدظن نہ کرو۔''

''میں تو برباد ہو ہی چکا۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

پھر سب ہنسنے لگے۔

''یار کام نپٹاؤ.....!'' بوڑھے نے کہا۔ ''میں تو اس مکھی مار کام سے عاجز ہو چکا ہوں۔''

فریدی ایک دوسری الماری کھولنے کے لئے اٹھا اور جلدی میں اس کا پیر اس گول میز سے ٹکرایا جو ایک گوشے میں رکھی ہوئی تھی۔ فریدی نے الماری میں کنجی لگائی اور اسے گھماتے گھماتے چونک کر رہ گیا۔ وہ حیرت سے اس گول میز کو دیکھ رہا تھا جو ٹھوکر لگنے کے باوجود بھی نہیں ہٹی تھی۔ اس نے اسے پھر ٹھوکر ماری لیکن اس میں جنبش بھی نہ ہوئی اور جب اس نے

اسے اٹھانا چاہا تو اسے محسوس ہوا کہ اس کے پائے زمین میں دفن ہیں۔

اب اس نے غور سے میز کو دیکھا۔ اس کا اوپری تختہ تناسب سے کہیں زیادہ موٹا تھا۔ اس نے تختے کے نیچے ہاتھ ڈالا..... اور اس کا ہاتھ کسی ابھری ہوئی چیز سے ٹکرایا ہی تھا کہ ایک ہلکی سی آواز آئی اور ساتھ ہی ایک تار لگا ہوا پلگ فرش پر گر پڑا۔

''گول میز.....!'' فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ اُسے وہ کاغذ کا ٹکڑا یاد آ گیا جو اسے تھارن ہل بلڈنگ کے زینے پر ملا تھا۔ وہ تیزی سے اپنے ہینڈ بیگ کی طرف جھپٹا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ کاغذ اس کے ہاتھ میں تھا۔ دوسرے لوگ اپنے کاموں میں مشغول تھے۔ انہوں نے دھیان نہ دیا۔

فریدی کی نظریں کاغذ پر لکھے ہوئے الفاظ اور نشانات پر جم گئی تھیں۔ ''گول میز''، ''سوئچ بورڈ''، ''چوتھی میز'' اس نے چاروں طرف ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور پھر یہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی کہ وہ اس آفس کا نقشہ تھا۔ اس نے سوئچ بورڈ پر نظریں جمادیں جو گول میز کے اوپر ہی دیوار سے لگا ہوا تھا۔

وہ آہستہ سے آگے بڑھا اور میز کے نیچے سے پلگ اٹھا کر سوئچ بورڈ میں لگا دیا۔ فوراً ہی ہلکی سی گھر گھراہٹ سنائی دی اور ایک قریبی میز پر بیٹھا ہوا آفیسر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس میز کے نیچے ایک تاریک خلاء تھی۔

''یہ کیا ہوا.....؟'' سب لوگ بیک وقت چیخے اور ان کی نظریں فریدی کی طرف اٹھ گئیں جو سوئچ بورڈ پر ہاتھ رکھے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

''میں نے آپ سے کہا تھا۔'' اس نے ہنس کر کہا۔ ''مجھے ساتھ نہ لیجئے ورنہ کام بڑھ جائے گا۔''

''آخر یہ ہے کیا.....؟'' بوڑھے آفیسر نے پوچھا۔

فریدی نے جواب دینے کی بجائے سوئچ بورڈ سے پلگ نکال لیا اور میز کے نیچے کا فرش پھر برابر ہو گیا۔

''یہ غالباً کوئی میکانکی تہہ خانہ ہے۔'' فریدی نے کہا اور پھر پلگ لگا دیا..... تہہ خانے کا حصہ دوبارہ ظاہر ہو گیا۔

پھر جس بے تابی سے وہ سب اس تہہ خانے میں اترے اس کا بیان محال ہے۔ انہیں صرف ایک آہنی الماری نظر آئی جس کے دونوں پٹ کھلے ہوئے تھے۔ ان میں سے ہر شخص کچھ نہ کچھ کہہ رہا تھا۔ لیکن فریدی کی پیشانی پر گہرے تفکر کی لکیریں تھیں۔

''ارے یہ کیا.....!'' ان میں سے ایک آفیسر الماری کی طرف جھپٹا اور پھر انہوں نے الماری اور دیوار کے درمیانی رخنے سے کوئی چیز اٹھاتے دیکھا۔

''میرے خدا.....!'' اٹھانے والے کے منہ سے ایک تحیر آمیز چیخ نکلی۔ اس کے ہاتھ میں سونے کی ایک اینٹ تھی جس کا وزن ایک پونڈ سے کسی طرح کم نہ تھا۔

فریدی نے ایک گہری سانس لی..... دوسرے لوگ اینٹ پانے والے آفیسر کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ لیکن فریدی خالی الماری کا جائزہ لے رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرتے ہوئے واپس آئے تو فریدی نے بدکو لے کر باہر نکل گیا۔

''چوٹ ہو گئی بیٹے حمید۔'' وہ مضطربانہ انداز میں بولا۔

''کیوں.....؟''

''وہ یہاں سے کافی دولت نکال لے گئے۔ اس الماری میں نہ جانے کتنی اینٹیں رہی ہوں گی۔''

''یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔''

''مجھے یقین ہے! لورین کے تار کا مضمون یاد کرو..... یہی تو تھا..... میں وہاں پہنچ گئی ہوں لیکن کچھ نہیں سمجھ سکتی کسی ایکسپرٹ کو بھیجو۔''

''تو اس سے کیا.....؟''

''الماری کا میکنزم بڑا پیچیدہ ہے۔ وہ اُسے کھول نہ سکی ہوگی۔ لیکن بیچاری کو اس کا علم نہ

رہا ہوگا کہ خود اس کی حیثیت کیا ہے۔''

''لیکن آپ نے یک بیک تہہ خانہ کیسے دریافت کرلیا۔''

فریدی نے گول میز سے ٹھوکر لگنے کا واقعہ دہراتے ہوئے کہا۔''وہ خون آلود کاغذ کا ٹکڑا جو مجھے تھارن ہل بلڈنگ سے ملا تھا.....اس پر دراصل اسی تہہ خانے کا نقشہ تھا ہوسکتا ہے کہ یہ نقشہ خود لورین نے ہی تیار کیا ہو۔ ہوسکتا ہے کہ لورین ہی نے قاتل کو اس کے متعلق سمجھایا بجھایا ہو.....لیکن وہ اس معاملے میں صرف مسٹر براؤن ہی کو جوابدہ تھی.....جسے اس نے تار دیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ قاتل براؤن ہی رہا ہو.....ورنہ وہ آسانی سے اسے نقشہ نہ دیتی۔''

''نہ دیتی.....کمال کرتے ہیں آپ بھی.....ارے اس نے اسے قتل کرنے کے بعد نقشہ حاصل کیا ہوگا۔''

''ناممکن.....!'' فریدی سر ہلا کر بولا۔''نقشہ پہلے ہی اس کے ہاتھ میں تھا۔ قتل کرنے سے قبل۔ اور وہ اسے ہاتھ میں دبائے ہوئے زینے تک آیا اور پھر اُسے نقشہ یاد آ گیا اس نے اسے جیب میں رکھنا چاہا لیکن وہ بے خیالی میں گر گیا۔ وہ جلدی میں یہ سمجھا کہ نقشہ جیب میں ہی گیا ہے۔ اگر قتل کرنے کے بعد نقشہ اس کے ہاتھ لگتا تو وہ اُسے ہاتھ میں لئے ہوئے زینے تک نہ آتا.....شاید نقشہ اس کے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہوتا۔ وہ نقشے کو پہلے ہی سمجھ چکا تھا اسی لئے اُس نے اُسے اتنی لاپرواہی سے جیب میں ڈالا کہ اس کے گر جانے کی خبر تک نہ ہوئی.....نہیں فرزند.....وہ یقیناً براؤن ہی تھا.....اور چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ وہ جس سے کام لیتا ہے اس کے پیچھے دو آدمی اس طرح لگائے رکھتا ہے کہ انہیں اس کی خبر نہیں ہوتی۔''

''تو کیا صمدانی کا قتل محض اس سونے کی وجہ سے ہوا۔'' حمید نے کہا۔

''یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ سونا تو اس کی زندگی ہی میں اڑایا جاسکتا تھا۔ لورین بہرحال اس کی معتمد خاص تھی۔ اب ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ لورین صمدانی کے پاس کب اور کن حالات میں آئی۔''

حمید چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔''مگر وہ براؤن.....شیزان ہوٹل میں تو اس نام کا کوئی

بھی تھا ہی نہیں۔''

''اور اسی بناء پر میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کہ شیزان ہوٹل اس کا مستقل اڈہ ہے۔''

''چلئے کچھ تو سراغ ملا.....!'' حمید طویل سانس لے کر بولا۔

''ہم ان واقعات کافی الحال کسی سے تذکرہ نہیں کریں گے۔''

''لیکن تہہ خانہ.....وہ اینٹ.....اُسے تو سب نے دیکھا ہے۔''

''فکر نہ کرو.....انہیں ان کے متعلق خیال آرائیاں کرنے دو۔ اخبارات میں دلچسپ کہانیاں نظر آئیں گی۔''

فریدی کا خیال درست نکلا۔ اُسی شام کے اخبارات میں صمدانی کے پرائیویٹ خفیہ تہہ خانے کے متعلق نت نئی کہانیاں نظر آئیں لیکن خالی الماری اور سونے کی اینٹ کے بارے میں قریب قریب سب نے ایک ہی خیال ظاہر کیا تھا اور یہ کوئی ایسی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ ایک عمولی ذہانت کا آدمی بھی اُس کے متعلق یہی کہہ سکتا تھا کہ وہ الماری خالی نہ رہی ہوگی اور صمدانی کے بجائے کسی دوسرے ہی آدمی نے خالی کیا ہوگا۔ ورنہ ایک اینٹ اس طرح سے رہ جاتی۔

اُسی دن پولیس آفیسروں پر ایک حیرت انگیز انکشاف ہوا۔ لیکن اُسے حالات کے اعتبار سے غیر متوقع بھی کہا جاسکتا تھا۔ لورین کے اچانک قتل سے یہ بات سامنے آ گئی۔ ایک مجسٹریٹ نے پولیس کو اطلاع دی کہ اس نے دو ماہ قبل لورین اور صمدانی کے سول میرج کے سرٹیفکیٹ پر دستخط کئے تھے۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ صمدانی اس شادی کو منظر عام پر نہیں لانا چاہتا تھا۔ اس نئی دریافت پر کیس اور بھی الجھ گیا۔

فریدی اس نئی پیچویشن پر بڑی دیر سے غور کر رہا تھا.....اور سرجنٹ حمید نے اپنے ذہن کو بالکل چھٹی دے رکھی تھی۔ وہ شاید آدھے گھنٹے سے کوشش کر رہا تھا کہ اس کا بکرا منہ میں تمباکو کی نال کا پائپ دبانا سیکھ جائے۔ لیکن ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ دوبار اُس نے جھلا کر بکرے کے منہ پر تھپڑ بھی مارے اور جب بالکل ہی تنگ آ گیا تو اسے ایک لات رسید کر کے

بولا۔ ''سالے تم بکرے ہو اور ہمیشہ بکرے ہی رہو گے۔ میں تمہیں کسی طرح بھی ریاضی کا پروفیسر نہیں بنا سکوں گا۔''

فریدی کو بے ساختہ ہنسی آ گئی اور اس نے ان دونوں کو دھکے دے کر کمرے سے باہر نکال دیا۔

لیکن مصیبت تو یہ تھی کہ وہ اس کیس کے بعض پہلوؤں پر بحث کرنا چاہتا تھا۔ حمید لاکھ غیر سنجیدہ سہی لیکن بارہا کے تجربات شاہد تھے کہ اس کی بے تکی باتوں ہی میں فریدی کو اکثر گتھیوں کا حل مل گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ بھی کمرے سے باہر نکلا۔ حمید بیرونی برآمدے میں تھا اور شاید اب پہلے کی طرح غیر سنجیدہ بھی نہیں نظر آ رہا تھا۔ اس نے خود ہی لورین کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

''اس نئی دریافت کی بناء پر کیس اور زیادہ الجھ گیا ہے۔'' فریدی بولا۔ ''ظاہر ہے کہ لورین مجرموں کی آلہ کار تھی لیکن اس صورت میں اس کا قتل صمدانی کے قتل کے مقصد کو اور زیادہ تاریکی میں پھینک دیتا ہے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ ان دونوں کی شادی کا مقصد لورین کے لئے حصول دولت تھا تو پھر انہوں نے اسے بھی کیوں قتل کر دیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ مجرم اس کے ذریعہ صرف اس الماری تک پہنچنا چاہتے تھے تو پھر آخر صمدانی کو قتل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ کام اس کے بغیر بھی ہو سکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ اس کی بیوی ہی تھی کبھی نہ کبھی تہہ خانے کے راز سے واقف ہو جاتی۔''

''واقعی صمدانی کے قتل کا مقصد اس انکشاف سے بالکل ہی تاریکی میں جا پڑتا ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''اور لورین کو زندہ رکھ کر نہ صرف وہ الماری کی دولت ہی سمیٹ سکتے تھے بلکہ صمدانی کے پورے کاروبار پر بھی قابض ہو سکتے تھے۔''

''اسی بناء پر میں فی الحال سجاد صمدانی کا خیال ذہن سے نکال دینے پر مجبور ہو گیا ہوں۔''

''اس کی رائے میں نہیں دوں گا۔'' حمید بولا۔

''میں نے لفظ فی الحال استعمال کیا ہے۔ ویسے وہ میری لسٹ پر موجود ہے۔''

فریدی شاید کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا لیکن اس دوران میں شام کی ڈاک آ گئی۔ فریدی یکے بعد دیگرے لفافے کھولتا رہا اور پھر اس نے اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ ایک لفافہ حمید کی طرف بڑھایا۔

سفید کاغذ پر ایک مختصر سی تحریر ٹائپ کی ہوئی تھی۔

''اگر موت ہی کی خواہش ہے تو میرے معاملات میں ضرور
ٹانگ اڑاؤ میں کسی وقت بھی تم سے بہت زیادہ دور نہیں۔
براؤن۔''

حمید فریدی کی طرف دیکھنے لگا جس کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری نظر آ رہا تھا۔

انور اور آصف

کرائم رپورٹر انور نے انگڑائی لی اور چادر کو پیروں سے اچھال کر اٹھ بیٹھا۔ اٹھ بج چکے تھے لیکن ابھی تک اس کی سرخ سرخ آنکھیں نیند کے بوجھ سے دبی جا رہی تھیں۔ اس نے سرہانے والی ٹی پائی سے سگریٹ کا ڈبہ اٹھایا اور سگریٹ کو ہونٹوں میں دبا کر جلانے ہی والا تھا کہ رشیدہ آندھی کی طرح کمرے میں داخل ہوئی۔

''تم نے بُری طرح اپنی گردن پھنسالی ہے..... سمجھے۔'' اس نے دھیمی آواز میں غصہ سے کہا۔

''کوئی نئی بات کرو..... یہ اطلاع بہت پرانی ہے۔'' انور نے سگریٹ سلگا کر دیا سلائی میز پر اچھال دی۔

''آصف انتظار کر رہا ہے۔''

''جھک مارنے دو اُسے۔''

''اس کی جیب میں ہتھکڑیاں ہیں۔''

''اوہ.....!'' انور مسکرا کر چڑھانے والے انداز میں بولا۔ ''تو مجھے پھانسی ہو جائے گی۔''

''دیکھو بکواس مت کرو.....ایسے موقع پر اُس سے جھگڑا نہ مول لینا۔''

''فکر نہ کرو۔'' انور نے پلنگ چھوڑ دیا۔ اس نے میز سے ٹوتھ پیسٹ اور برش اٹھاتے ہوئے کہا۔

''میری جیب بالکل خالی ہے اور اس وقت آصف ہی ہمارے ناشتے کا انتظام کرے گا.....سمجھیں۔''

دوسرے کمرے میں انسپکٹر آصف انور کا منتظر تھا۔ غسل خانے تک پہنچنے کیلئے اس کمرے سے گزرنا ضروری تھا۔ انور نے بڑے دوستانہ انداز میں آصف سے مصافحہ کیا۔ لیکن آصف نے اپنے چہرے پر سختی کے آثار پیدا کر رکھے تھے۔ وہ کلف دیئے ہوئے کالر کی طرح اکڑا رہا۔

''میں ایک منٹ میں آیا۔'' انور نے کہا اور غسل خانے کی راہ لی۔ رشیدہ آصف کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اسے توقع تھی کہ آصف انور کی غیر حاضری کے دوران کچھ نہ کچھ بولے گا۔ لیکن وہ بدستور خاموش بیٹھا رہا۔ رشیدہ نے بھی اسے چھیڑا نہیں۔

انور غسل خانے سے آنے کے بعد آئینے کے سامنے بال درست کرنے لگا۔ چند لمحے بعد اس نے اس کی طرف مڑ کر کہا۔ ''آج کل میں کچھ حسین ہوتا جا رہا ہوں.....کیوں؟''

''جیل میں کبھی حجام سے ملاقات نہیں ہوتی۔'' آصف اسے گھور کر بولا۔

''یہ بہت بُری عادت ہے.....میں عنقریب جیل سدھارنے کے متعلق ایک مضمون لکھنے والا ہوں۔''

''شاید وہ جیل ہی میں مکمل ہو۔''

''کیوں؟ کیا مجھے جیلوں کا دورہ کرنے کا موقع دیا جائے گا۔''

''ہمیں فضول باتوں میں نہ پڑنا چاہئے۔'' آصف بولا۔ ''اس بار تمہیں کسی طرح نہیں چھوڑ سکتا۔''

''تم ہی مجھے چھوڑ دو گے تو پھر پوچھے کون۔'' انور نے مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''ہم نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا۔''

''میرے پاس ہتھکڑیاں ہیں.....سمجھے۔''

''تمہارے پاس ہتھکڑیاں ہیں.....سمجھا.....!''

''مجھے موٹر سائیکل کی چوری کی داستان پر یقین نہیں ہے۔'' آصف غرایا۔

''اچھے آدمی بری باتوں پر کبھی یقین نہیں کرتے۔ شیخ سعدی نے فرمایا ہے.....''

''میں یہاں وقت برباد کرنے نہیں آیا ہوں۔'' آصف نے جھلا کر بات کاٹ دی۔

''میں جانتا ہوں کہ تم ہمیں چائے پلواؤ گے۔''

''تم نے صدانی کا تعاقب کیوں کیا تھا.....؟''

''اوہو.....'' انور سنجیدگی سے بولا۔ ''تو تم اس لئے آئے ہو۔''

آصف جواب دینے کی بجائے انور کو گھورتا رہا۔

''میں خود تمہاری تلاش میں تھا.....!'' انور پھر بولا۔ ''میرے پاس چند قیمتی معلومات ہیں۔''

''کیا.....؟'' آصف کے چہرے کی سختی یک بہ یک دور ہو گئی۔ لیکن یہ قطعی غیر ارادی طور پر ہوا تھا کیونکہ آصف نے احساس ہوتے ہی پھر سے خود کو سنبھالنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔

''نیچے چلتے ہیں.....وہیں باتیں ہوں گی۔'' انور نے کہا اور رشیدہ کو آنکھ مار کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔

رشیدہ کھڑی ہو گئی اور اسی کے ساتھ آصف بھی اٹھا۔ لیکن یہ بھی غیر ارادی طور پر ہوا تھا۔ انور نے آصف کے چہرے پر ہچکچاہٹ کے آثار صاف پڑھ لئے تھے۔ اس لئے اس کی رفتار میں تیزی آ گئی تھی۔

باہر نکل کر رشیدہ نے دروازہ مقفل کیا اور وہ نیچے آئے۔ انور قریب ہی کے ایک ہوٹل میں گھس گیا۔ اب آصف کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہیں رہ گیا تھا کہ ان کا ساتھ دے۔

انور نے ایک لمبے ناشتے کا آرڈر دیا۔ اس کا رویہ آصف کے ساتھ بڑا دوستانہ تھا۔

''ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا چچا آصف۔'' انور نے کہا۔ ''کہ اس کیس میں تمہارے لئے ترقی کے بڑے امکانات ہیں۔''

''بڑی مہربانی۔'' آصف طنزیہ لہجے میں بولا۔ ''لیکن تمہیں اس کیلئے نہ پریشان ہونا چاہئے۔''

''تمہیں میرے خلوص پر کبھی یقین نہ آئے گا۔''

''کام کی باتیں کرو.....!'' آصف اپنی پیالی میں شکر گھولتا ہوا بولا۔

''پہلے تو جتادوں کہ موٹر سائیکل والے معاملے میں مجھے ذرا برابر بھی پریشانی نہیں۔ اگر یہاں کسی پولیس والے نے مجھے پھانسنے کی کوشش کی تو اس کی زندگی تلخ ہو جائے گی۔''

''چلو یہ بھی کوئی نئی بات نہیں..... تم ہمیشہ یہی بکتے رہتے ہو۔''

''اور مجھے یقین ہے کہ میں نے صرف زبان ہی سے نہیں کہا۔''

''خیر..... خیر..... وہ اطلاعات کیا تھیں۔''

''پہلی تو یہ کہ آج کل میں مفلس ہو رہا ہوں۔''

''اڑنے لگے۔'' آصف بھنا کر رشیدہ کی طرف دیکھنے لگا۔

''دوسری اطلاع یہ کہ فریدی صاحب سجاد صمدانی کی تلاش میں یورپ کا دورہ کرنے والے ہیں۔''

''اُسے تو بس بہانہ چاہئے۔'' آصف بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''اسی بہانے مفت کی تفریح ہاتھ آئے گی۔''

''تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اخراجات تمہارا محکمہ برداشت کرے گا۔'' انور نے کہا۔

''جہنم میں ڈالو..... تم مجھے کیا بتانے والے تھے۔''

''یہی کہ اس کا تعلق سجاد صمدانی سے ہو سکتا ہے۔''

''اور لورین کے قتل کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔'' آصف نے کہا۔

''وہ سجاد ہی نے کرایا ہوگا۔ اب تو یہ بات اچھی طرح مشہور ہو چکی ہے کہ وہ صمدانی کا

فی۔''

''لیکن تھارن ہل بلڈنگ سے اس کا کیا تعلق.....!''

''ارے تعلق تم معلوم کرلو..... یہ پولیس کا کام ہے۔''

''لیکن تمہارا اس معاملے میں کیا تعلق ہے۔'' آصف نے کہا۔

''تھارن ہل بلڈنگ کا کرایہ میں ہی وصول کرتا ہوں۔'' انور نے کہا اور سگریٹ سلگانے لگا۔ ناشتہ ختم کر چکے تھے۔

''تو تم سیدھی طرح نہیں بتاؤ گے۔''

''اور کیا بتاؤں۔''

''دیکھو میں سچ مچ تمہیں بند کرادوں گا۔''

''ابھی تک تو کوئی ایسا نہیں پیدا ہوا۔''

میں نے ایسے گواہ مہیا کر لئے ہیں جنہوں نے تمہیں صمدانی کی کار کا تعاقب کرتے دیکھا تھا۔

''میری طرف سے مبارک باد قبول کرو۔'' انور مسکرا کر بولا۔ ''غالباً اس خبر سے لیڈی ارزجی کو بھی خوشی ہوگی۔''

رشیدہ کو اس نئے نام کے حوالے سے حیرت ہوئی اور وہ آصف کی طرف دیکھنے لگی جس کا دماغ پھیکا پڑ گیا تھا۔ سگریٹ کا ڈبہ کھولتے وقت اس کا ہاتھ کانپنے لگا۔

پھر آصف نے ایک اعصاب زدہ قہقہہ لگا کر کہا۔ ''تم دھمکیوں میں نہیں آؤ گے۔''

''ظاہر ہے کہ میری معلومات بہت وسیع ہیں۔''

''اچھا یہ بتاؤ..... کیا فریدی سچ مچ یورپ جائے گا۔'' آصف نے پوچھا۔

''کیا تم نے آج کا اخبار نہیں دیکھا۔ یہ خبر کل شام ہی پریس میں پہنچ گئی تھی۔''

''مجھے یقین نہیں ہے۔'' آصف کچھ سوچتا ہوا بولا۔

''اگر تم فریدی کے متعلق معلومات حاصل کرنے آئے ہو تو میں بالکل مجبور ہوں۔'' انور تلخ لہجے میں بولا۔

''مجھے اس سے کیا سروکار..... میں دراصل یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم اپنی ٹانگ کیوں اڑاتے پھر رہے ہو۔''

''میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ موٹر سائیکل کے چور کو پکڑ سکوں۔''

''مجھے قیامت تک یقین نہ آئے گا کہ وہ چرائی گئی ہے۔''

''اچھی بات ہے تو پھر قیامت ہی کے دن اس کے متعلق مزید گفتگو کروں گا۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت تک تم اپنی رائے بدل دو۔''

تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر آصف مسکرا کر بولا۔ ''تم یہ نہ سمجھنا کہ تم نے مجھے پھانس کر چائے پی ہے۔ میں پہلے ارادہ کر چکا تھا۔ تمہیں دھمکانے میں مجھے لطف آتا ہے۔''

''روز صبح آ کر دھمکا جایا کرو پیارے۔'' انور نے بڑی لجاجت سے کہا اور رشیدہ ہنس پڑی۔ آصف بھی کھسیانی ہنسی ہنس رہا تھا۔

اس کے بعد اس نے ادھر اُدھر کی باتیں چھیڑ دیں۔ رشیدہ کو سخت حیرت تھی کہ یک بیک وہ سیدھا کیوں ہوگیا۔ کیا یہ سب لیڈی فرامرز جی کے نام کی وجہ سے ہوا تھا۔

آصف نے بل کے دام چکائے اور عدیم الفرصتی کا رونا روتا ہوا اٹھ گیا۔

انور، رشیدہ اس کے جانے کے بعد بھی بیٹھے رہے۔

''کیا تم نہیں سمجھیں کہ لیڈی فرامرز جی کے حوالے پر اس کی روح فنا ہوگئی تھی۔''

''لیکن کیوں.....!''

''لیڈی فرامرز جی کو جانتی ہو۔''

''نہیں.....!''

''ایک مال دار بیوہ ہے۔ آصف نے پچھلے ماہ اپنی نگرانی میں اس کا حمل ساقط کرایا تھا۔''

''ارے..... یہ آصف.....!''

''تم غلط سمجھیں..... حمل آصف کا نہیں تھا۔ وہ تو صرف لیڈی فرامرز جی کا دوست ہے۔''

''خدا غارت کرے۔''

''اور اسی لئے وہ سیدھا ہوگیا۔'' انور نے کہا۔ ''اگر ضرورت پڑے تو میں اس ڈاکٹر کو بھی بیچ میں کھینچ سکتا ہوں۔''

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر انور بولا۔ ''میں تو ایک ماہ کی چھٹی لے رہا ہوں۔''

''کیوں.....؟''

''مجھے کام مل گیا ہے..... اور اجرت توقعات سے زیادہ ملنے کی امید ہے۔''

''کیسا کام.....؟''

''سجاد صمدانی کا جنرل منیجر چاہتا ہے کہ میں اس کے لئے اس کیس کی تفتیش کروں۔''

''آخر وہ کیوں چاہتا ہے۔''

''کیوں؟ کیا سجاد کی حیثیت مشتبہ نہیں ہے اور پھر صمدانی کا سارا کاروبار اس کی طرف منتقل ہونے والا ہے۔ اس لئے جنرل منیجر کی تشویش بالکل قدرتی ہے۔''

''لیکن میں تمہیں اس کی رائے نہیں دوں گی۔ اس طرح تمہیں فریدی صاحب سے ٹکرانا پڑے گا۔''

''اس کا سوال ہی پیدا نہ ہونے پائے گا۔ اگر میں نے یہ دیکھا کہ اس معاملے میں سجاد یا اس کے آدمیوں ہی کا ہاتھ ہے تو میں الگ ہوجاؤں گا۔''

''تو کیا فریدی صاحب سچ مچ یورپ کے لئے روانہ ہو رہے ہیں۔''

''پتہ نہیں.....!''

''تم نے فریدی صاحب کو اس سے مطلع کیا یا نہیں۔''

''ضروری نہیں سمجھتا۔''

''ارے یہ کمبخت کہاں سے آمرا۔'' رشیدہ نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

قاسم سڑک پار کر کے ریستوران کی طرف آ رہا تھا۔ اس نے انور اور رشیدہ کو یہاں بیٹھے دیکھ لیا تھا۔ وہ شاید انور کے فلیٹ میں گیا تھا اور اُسے مقفل دیکھ کر جا رہا تھا کہ اس کی نظر ان دونوں پر پڑ گئی۔

''یہ کیا مصیبت آ گئی۔'' انور بڑبڑایا۔

''اخاہ..... آپ لوگ یہاں ہیں۔'' قاسم نے دروازہ ہی سے ہانک لگائی اور دونوں لوگ چونک کر اسے گھورنے لگے۔

جب وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ چکا تو انور نے آہستہ سے کہا۔ ''یار تم کچھ دنوں کے لئے علیحدہ ہی رہو۔''

''کیوں.....؟''

''ابھی تک پولیس کو اُس گرانڈیل آدمی کی تلاش ہے۔''

''تو میرے چہرے پر ڈاڑھی کہاں ہے۔''

''ڈاڑھی صاف بھی تو کی جاسکتی ہے۔''

''میں کچھ نہیں جانتا..... تم ہی نے مجھے اس مصیبت میں پھنسایا ہے۔''

''ذرا آہستہ.....!'' انور اس کے شانے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

''قاسم صاحب! بہت اچھے آدمی ہیں۔'' رشیدہ نے جلدی سے کہا۔ ''اگر تم کہو تو وہ اس سے نکلنا بھی چھوڑ دیں گے۔''

''ابھی ابھی ایک سی۔آئی۔ڈی انسپکٹر یہاں سے اٹھ کر گیا ہے۔'' انور بولا۔

''تو کیا پھر میں چلا جاؤں۔'' قاسم نے بڑی مغموم آواز میں پوچھا اور رشیدہ کی طرف دیکھ کر ٹھنڈی سانس لی۔

''عقل مندی کا تقاضا یہی ہے۔''

''حمید کو معلوم ہو گیا ہے۔'' قاسم آگے جھک کر آہستہ سے بولا۔

''فکر نہ کرو..... وہ خاموش ہی رہے گا۔ اب تم جاؤ۔''

قاسم بادل ناخواستہ اٹھا تھا اور لڑکھڑاتا ہوا ریستوران سے نکل گیا۔

انور اسے جاتے دیکھتا رہا۔ پھر رشیدہ کی طرف مڑ کر بولا۔ ''واقعی میں بہت بڑا احمق ہوں۔ مفت کی بلا گلے لگالی۔ لیکن وہ محض تمہاری وجہ سے آتا ہے۔''

''تم گدھے ہو۔'' رشیدہ جھینپ کر بولی۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر انور نے کہا۔ ''میں آج رام گڑھ کے لئے روانہ ہو جاؤں گا۔''

''کیوں..... رام گڑھ کیوں؟''

''میرا خیال ہے کہ وہیں بدمعاشوں کا ہیڈ کوارٹر ہے..... لورین نے قتل ہونے سے چند گھنٹے پیشتر رام گڑھ میں شیزان ہوٹل کے پتہ پر ایک تار روانہ کیا تھا۔''

''تمہیں کیسے معلوم ہوا۔''

''بس معلوم ہو گیا۔ تار گھر میں میرے کئی دوست ہیں۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ فریدی صاحب نے کوئی تار چھ گھنٹوں کے لئے رکوایا ہے۔ اس تار کے فارم کو میں نے بھی جا کر دیکھا۔ کرسچیانا نے تھارن ہل بلڈنگ سے روانہ کیا تھا اور جب تھارن ہل بلڈنگ کے اسی فلیٹ میں لورین کی لاش ملی جو تار کے پتے میں موجود تھا تو میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ''کرسچیانا'' لورین ہو سکتی تھی..... تار کسی مسٹر براؤن کے نام پر بھیجا گیا تھا۔ مضمون یہ تھا..... میں وہاں پہنچ گئی ہوں لیکن کچھ سمجھ نہیں سکتی..... کسی ایکسپرٹ مکینک کو بھیجو۔''

''پھر تم نے اخبارات میں صدانی کے پوشیدہ تہہ خانے اور الماری کے متعلق بھی پڑھا ہوگا..... اور وہ سونے کی اینٹ..... خبر میں یہ بھی تھا کہ الماری کا میکنزم بڑا پیچیدہ خیال کیا جا رہا ہے۔ لہٰذا اس سے میں نے یہ اندازہ لگایا کہ ہو سکتا ہے لورین نے اسی الماری کو کھولنے کے لئے کسی ایکسپرٹ مکینک کو طلب کیا ہو۔''

''کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ سب کچھ ہو جانے کے بعد بھی براؤن اسی ہوٹل میں مقیم ہوگا۔'' رشیدہ نے کہا۔

''یہ مسئلہ غور طلب ہے۔''

''خیر..... میں بھی چلوں گی..... اس طرح میں اس حیرت انگیز عجوبے کو بھی دیکھ سکوں گی۔''

''کس حیرت انگیز عجوبے کو۔''

''اوہو..... یہ خبر تو ریڈیو پر بھی آئی تھی۔''

''کون سی خبر.....!''

''رام گڑھ ہی کے متعلق تھی۔ وہاں ایک حیرت انگیز آدمی دیکھا گیا ہے جس کی ریڑھ کی ہڈی پر کمر سے گردن تک گھوڑے کی ایال کے سے بال ہیں۔ اور وہ گھوڑوں ہی کی طرح گھاس چرتا ہے اور خود کو سلیمان پیغمبر کا گھوڑا کہتا ہے اتنا تیز دوڑتا ہے کہ ابھی تک اسے کوئی پکڑ نہیں سکا۔''

''بنڈل.....!'' انور منہ بنا کر بولا۔ ''سرے سے بکواس..... ایک اخبار سے منسلک ہونے کے باوجود ابھی تک ان لغویات پر یقین رکھتی ہو۔ کیا ہم خالی جگہوں کو ایسی ہی حیرت انگیز خبروں سے نہیں بھرتے..... چار پیروں والا چوزہ..... ہاتھی نے انڈے دیئے..... لاطین بولنے والا گدھا..... وغیرہ وغیرہ۔''

خوفناک چہرہ

حمید بالکنی میں کھڑا دور کی پہاڑیوں میں غروب ہوتے ہوئے سورج کا منظر دیکھ رہا تھا۔ آج صبح وہ رام گڑھ پہنچا تھا اور شیزان ہوٹل ہی میں مقیم تھا۔ اُسے خوشی تھی کہ فریدی سے دور کر تفریح کا ایک موقع ہاتھ آیا۔ فریدی نے اُسے تنہا ہی اس مہم پر روانہ کیا تھا۔ حالانکہ حمید اتنا ضبط اوقات ہی سمجھتا تھا لیکن اس نے فریدی کی مخالفت نہیں کی۔ ورنہ وہ اس بات پر اڑ سکتا تھا کہ وہ بھی اس کے ساتھ یورپ جانا پسند کرے گا۔

یورپ والی بات اب تک اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ سجاد کی تلاش..... اور وہ بھی کسی شہر یا ملک میں نہیں بلکہ ایک براعظم میں۔ بڑا احمقانہ خیال تھا اور پھر آخر سجاد کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اُسے تو صرف اُس پراسرار انگریز براؤن کی تلاش ہونی چاہئے تھی جو سازش کا سرغنہ تھا۔ اگر بفرض محال فریدی سجاد تک پہنچ بھی جاتا تو وہ اسے مجرم کس طرح ثابت کرے گا جب تک کہ براؤن نہ ہاتھ آجائے اور پھر یہ بھی ضروری ہی نہیں تھا کہ براؤن سجاد ہی کا آدمی رہا ہو۔

بہرحال بات حمید کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

حمید یہ بھی سوچ رہا تھا کہ ہوسکتا ہے فریدی کم سے کم وقت میں اس کیس کو نپٹانا چاہتا ہو۔ اسی لئے خود سجاد کی تلاش میں جارہا ہو اور اسے براؤن کے لئے رام گڑھ بھیج دیا ہو۔ مگر سوال تو یہ تھا کہ کیا سجاد ہی قتل کی سازش کا محرک ہوسکتا ہے؟ امکانات موجود تھے مگر پیش آئے واقعات کی بناء پر ایک بہت ہی اہم نکتہ اس کی تردید کردیتا تھا۔ اگر ان حادثات میں سجاد کا ہاتھ تھا تو لورین کا وجود اس سارے سٹ اپ میں بھرتی کی چیز سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا تھا۔ فضول اور بے مصرف..... ظاہر ہے کہ سجاد صمدانی کے ترکے کیلئے لورین کیوں آلہ کار بنائی گئی پھر چوری کی کیا ضرورت تھی۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ قاتلوں کو صرف اس الماری کی ضرورت تھی اسی لئے انہوں نے لورین کو بھی ختم کردیا۔ لورین صمدانی کی بیوی تھی اور قانوناً صمدانی کے ترکے کے نچلے حصے کی مالک بھی ہوسکتی تھی۔ بہرحال ان حالات کی بناء پر سجاد کو مشتبہ سمجھنا صحیح الدماغی کی دلیل نہیں تھی۔ حمید کی دانست میں صمدانی کا قتل صرف سونے کی اینٹوں کیلئے ہوا تھا۔

سورج پہاڑیوں کے پیچھے چھپ گیا اور افق میں شوخ رنگوں کے لہریئے نظر آنے لگے۔

حمید بارجے پر کہنیاں ٹیکے خیالات میں غرق رہا۔ صبح سے اب تک اسے ہوٹل میں کوئی ایسی بات نہیں نظر آئی تھی جو اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالیتی۔ البتہ وہ دن بھر اس عجیب الخلقت آدمی کے تذکرے سنتا رہا تھا جو ارجن گھاٹی میں اکثر دکھائی دیتا ہے۔ جس کی پشت پر گھوڑے کی ایال کے سے بال ہیں اور جو خود کو حضرت سلیمان کا گھوڑا کہتا ہے اور زیادہ تر بگڑی ہوئی فرانسیسی زبان بولتا ہے۔

حمید نے کچھ دن پہلے بھی اخبارات میں اس کے متعلق پڑھا تھا لیکن اسے غپ سے زیادہ وقعت نہ دی تھی اور اب بھی اُسے غپ ہی سمجھ رہا تھا۔ حالانکہ اس نے کئی آدمیوں کو ''چشم دید'' واقعات دہراتے سنا تھا۔ لیکن وہ ایسے آدمیوں کی نفسیات سے بھی بخوبی واقف تھا۔ ایسے لوگ جب اپنی داستان گوئی کے فن میں ناکامی کی صورت دیکھ لیتے ہیں تو انہیں اس پر ''چشم دید'' کا لیبل چپکاتے دیر نہیں لگتی۔

بہرحال حمید سوچ رہا تھا کہ یہاں وقت اچھا گزرے گا شیزان ہوٹل اعلیٰ قسم کے ہوٹلوں میں سے تھا اور اونچے ہی طبقے کے لوگ یہاں قیام کرتے تھے۔ اس نے کئی خوبصورت لڑکیاں آتے ہی دیکھ لی تھیں۔ اس نے ایک طویل انگڑائی لی اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔ افق میں رنگوں کے لہریئے گہرے ہوتے جا رہے تھے اور ڈھلوانوں میں رینگنے لگے تھے۔

دفعتاً حمید چونک پڑا۔ ہوٹل کی کمپاؤنڈ میں داخل ہونے والی ایک کار سے انور اور رشید اتر رہے تھے۔

ان دونوں کی آمد نہ صرف غیر متوقع بلکہ حیرت انگیز بھی تھی۔ حمید تیزی سے نیچے آیا۔ ہال میں اس نے ایک پورٹر کو ان کا سامان اٹھاتے ہوئے دیکھا۔ اس کے پیچھے وہ دونوں تھے۔ دونوں حمید کے قریب سے گزر کر کاؤنٹر کلرک کی طرف چلے گئے۔ انہوں نے اُسے نہیں پہچانا کیونکہ وہ اپنی اصلی شکل میں تھا ہی نہیں۔ فریدی ہی نے اس کا میک اپ کیا تھا اور اس نے ہوٹل کے رجسٹر میں اپنا نام کیپٹن پرکاش لکھا تھا۔

حمید الجھن میں پڑ گیا تھا۔ آخر یہ دونوں یہاں کیسے پہنچے۔ انہیں شیزان ہوٹل کے متعلق کیسے معلوم ہوا۔ کیا فریدی نے انور کو براؤن کے متعلق بتا دیا تھا اگر یہ بات تھی تو اس نے اس سے تذکرہ کیوں نہیں کیا۔

انور نے ہوٹل کی رجسٹر میں دستخط کئے اور پورٹر انہیں ان کا کمرہ دکھانے کیلئے ساتھ لے گیا

اتنے میں دو لڑکیاں ہال میں داخل ہوئیں۔ انہوں نے اپنے کاندھوں سے ناشتے کے تھیلے اور تھرماس لٹکا رکھے تھے۔ ان کے چہروں پر تھکن کے آثار تھے۔ حمید نے انہیں صبح دیکھا تھا۔ وہ شیزان ہی میں مقیم تھیں۔ انہیں دیکھ کر ایک بوڑھی عورت ان کی طرف بڑھی۔

''اوہ ممی.....!'' ان میں سے ایک بولی۔ ''بالکل سچ ہے! ہم نے اسے دیکھا..... گھاس چرتے دیکھا..... وہ بے تکان چھلانگیں مارتا ہوا اونچی اونچی چٹانوں پر چڑھتا چلا جاتا ہے۔''

وہ قریب ہی کی میز پر بیٹھ گئیں۔

''کیا وہ کپڑے نہیں پہنتا۔'' بوڑھی نے پوچھا۔

''صرف ایک پتلون۔'' لڑکی کاندھے سے تھیلا اور تھرماس اتارتی ہوئی بولی۔ ''کتھئی رنگ کی پتلون۔ پیٹھ ننگی، جس پر بڑے بڑے بالوں کی لکیر کمر سے گردن تک پھیلی ہوئی ہے۔ اوہ ممی..... دیو ہے دیو..... ایسے ابھرے ہوئے مسلس میں نے آج تک نہیں دیکھے۔''

''گھاس چرتا ہے۔'' بوڑھی نے پوچھا۔

''ہاں ممی..... بہت تیزی سے۔ آدمی تو معلوم ہی نہیں ہوتا۔ کتنا تیز دوڑتا ہے اُف نو..... کئی آدمی اس کے پیچھے دوڑے تھے۔ مگر اسے نہ پا سکے۔ وہ پہاڑیوں پر اس طرح دوڑتا ہے جیسے سپاٹ میدان میں دوڑ رہا ہو۔''

''کیا وہ پائپ بھی پیتا ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

لڑکیاں ہنس پڑیں۔ لیکن بوڑھی حمید کو گھورنے لگی۔ حمید گڑبڑا گیا۔

''دخل دہی کی معافی چاہتا ہوں.....'' حمید نے مودبانہ کہا۔ ''بات یہ ہے کہ میں نے ابھی اسے نہیں دیکھا۔''

''ضرور دیکھئے۔'' وہی لڑکی بولی جو بہت زیادہ بول رہی تھی اور بولتے وقت اس کی آنکھیں جوش سے چمکنے لگتی تھیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اپنے پورے وجود سے بے پرواہ ہو۔ علاوہ ملتے ہوئے ہونٹوں کے۔

''میں ضرور دیکھوں گا.....'' حمید نے کہا اور وہاں سے ہٹ ہی جانے میں عافیت سمجھی کیونکہ بوڑھی عورت اُسے اچھی نظروں سے نہیں دیکھ رہی تھی۔

حمید کو بے ساختہ اپنا بکرا یاد آ گیا۔ اگر برخوردار بغرا خاں ہوتا تو یہ بوڑھیا بھی اس میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو جاتی۔

رات کو رقص گاہ میں حمید رشیدہ سے ٹکرا گیا۔ لیکن اسے اپنی آواز پر قابو نہیں تھا اس لئے وہ سنسنائی ہوئی آواز میں شروع سے آخیر تک انگریزی میں گفتگو کرتا رہا۔

اس نے اس سے رقص کے لئے درخواست کی..... جو بلا حیل و حجت منظور کر لی گئی۔ حمید نے رقص کے فرش پر ہلکورے لیتے ہوئے رشیدہ سے پوچھا۔

''کیا آپ وہ گھوڑا دیکھنے آئی ہیں۔''

''کیا آپ نے دیکھا ہے۔'' رشیدہ نے سوال کیا۔

''جی ہاں مجھے بہت ہی قریب سے دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔''

''کیا وہ باتیں بھی کرتا ہے۔''

''جی ہاں..... بالکل اخبار کے رپورٹروں کی طرح بڑنگ کرتا ہے۔''

اس بات پر رشیدہ بُری طرح چونکی اور کچھ مضطرب سی بھی نظر آنے لگی۔ پھر اس نے سوال نہیں کیا۔ حمید کی بکواس پر صرف ''ہاں..... ہوں'' کرتی رہی اور پھر راؤنڈ ختم ہوتے ہی تیر کی طرح اس میز کی طرف گئی جہاں انور بیٹھا تھا۔

پھر حمید نے کنکھیوں سے دیکھا کہ انور اُسے بُری طرح گھور رہا تھا۔ وہ شراب کے کاؤ کی طرف گھوم گیا۔ یہاں اسے وہی دونوں لڑکیاں نظر آئیں جو شام کو حضرت سلیمان گھوڑے کی ''زیارت'' کر کے آئی تھیں۔

ان میں سے ایک دوسری کو کہہ رہی تھی۔ ''اگر آنٹی آ گئی تو۔''

''نہیں وہ نہیں آئیں گی۔'' دوسری نے کہا۔ ''میں انہیں دوا دے کر آئی ہوں۔ دوا پی وہ سو جاتی ہیں۔ بس ڈارلنگ تھوڑی سی..... اتنی کہ سرور آ جائے۔''

''نہیں..... نہیں.....!''

''بڑی ڈرپوک ہو تم.....!'' دوسری بولی۔ ''شیری میں تو بالکل نشہ نہیں ہوتا..... بس سا سرور۔''

''شیری بڑی عمدہ چیز ہے۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔

دونوں چونک کر مڑیں اور پھر جھینپی ہوئی ہنسی ہنسنے لگیں۔

''میں تو طالب علمی کے زمانے میں اپنے باپ کے سامنے پیتا تھا..... اور انہیں آج تک نہ معلوم ہو سکا۔''

''کیسے.....!'' اس نے پوچھا جس نے شراب پینے کی تجویز پیش کی تھی۔

''کہیں اطمینان سے بیٹھیں تو بتاؤں۔'' حمید چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ وہ ایک خالی ز پر چلے گئے۔

''بڑی عمدہ ترکیب تھی۔'' حمید نے کہا۔ ''میں ڈرائی جن کی آدھی بوتل میں اتنا ہی عرق ری ملا کر بوتل پہ عرق مصفّٰی کا لیبل چپکا دیا کرتا تھا اور بوتل اعلانیہ میرے کمرے میں رکھی تھی اور والد صاحب خوش ہوتے تھے کہ مجھے اپنی صحت کا اتنا خیال ہے۔''

لڑکیاں ہنسنے لگیں..... اور حمید نے قریب کھڑے ہوئے ویٹر سے کہا۔

''ایک بوتل شیری..... اور ایک لارج وہسکی..... اسکاچ لانا۔''

''نہیں..... نہیں.....!'' ایک لڑکی نے پھر مخالفت کی۔

''آپ بڑی دقیانوسی معلوم ہوتی ہیں۔'' حمید نے کہا اور وہ لڑکی کچھ نہ بولی۔

تھوڑی دیر بعد تینوں شغل کر رہے تھے۔

حمید کو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ساری دنیا کی حسین لڑکیوں کا ٹھیکیدار ہو۔

بہت زیادہ بولنے والی لڑکی کی زبان اب قینچی کی طرح چلنے لگی تھی۔ اس کے برخلاف ری لڑکی جس نے شراب کی مخالفت کی تھی بالکل خاموش تھی۔ وہ حلق سے گھونٹ اتارتے ت ایسا منہ بناتی تھی جیسے کوئی مار مار کر اسے پلا رہا ہو۔

''کیا آپ پہلی بار پی رہی ہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں..... دوسری بار..... مجھے بڑا خوف معلوم ہوتا ہے۔''

''واہ ڈیئرسٹ.....!'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''آپ الیکشن تو لڑ نہیں رہی ہیں کہ کسی سے ڈریں۔''

حمید کبھی کبھی انور کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا جو بظاہر تو رشیدہ سے گفتگو میں مشغول تھا لیکن نیت میں اس کی نظریں بھی حمید ہی پر تھیں۔

حمید نے سوچا کہ شاید انور کو اس پر شبہ ہو گیا ہے اور وہ اس کی حقیقت سے واقف نہیں ہے۔ اگر یہ بات ہے تو اسے کم از کم فریدی نے یہاں نہ بھیجا ہوگا۔ پھر آخر اس کی موجودگی کا طلب؟ کیا حقیقتاً اس نے موٹر سائیکل کی چوری کی داستان گڑھی تھی۔ لیکن پھر دوسری طرف

اسے قاسم کا خیال آیا۔ قاسم میں سازش کی صلاحیت نہیں اور وہ اتنے فنکارانہ انداز میں جھوٹ نہیں بول سکتا پھر آخر یہ سب کیا تھا۔ اس نئی الجھن نے تفریح کا سارا مزہ کرکرا کردیا اور یہ حقیقت اس کے ذہن میں کچوکے لگانے لگی کہ وہ یہاں محض تفریح کے لئے نہیں آیا ہے۔

دوسرے راؤنڈ کے لئے موسیقی شروع ہوگئی تھی اور لوگ آہستہ آہستہ اٹھ کر فرش کی طرف جارہے تھے۔ حمید نے سب سے زیادہ بولنے والی لڑکی سے رقص کی درخواست کی جو منظور کرلی گئی۔ دوسرے لمحے میں حمید نے انور کو اٹھ کر اپنے ساتھ کی دوسری لڑکی کی طرف آتے دیکھا حمید کی ہم رقص نے اس کے کان کھانے شروع کردیئے۔ وہ بڑی رومان انگیز گفتگو کررہی تھی شیری کے ایک گلاس نے اسے بہت زیادہ باتونی بنا دیا تھا۔

''تمہارا نام کیا ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''کورنیلیا.....!''

''میں تمہیں نیلی کہوں.....بُرا تو نہ مانو گی۔''

''ہائے.....نیلی.....!'' لڑکی نے سسکی سی لی۔ ''نہیں کبھی نہیں۔''

''اور ان کا کیا نام ہے.....'' حمید نے دوسری لڑکی کی طرف اشارہ کیا جو انور کے ساتھ ناچ رہی تھی۔

''سونیا.....وہ میری کزن ہے۔''

''تم بہت اچھی ہو.....ستمبر کی راتوں کی طرح خوشگوار۔''

''تم دسمبر کی دوپہر کی طرح.....!'' پھر وہ ہنس پڑی۔

حمید کو شرارت سوجھی۔ انور کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے اس کی ہم رقص کو مخاطب کیا۔ ''سونیا.....ذرا ہوشیاری سے.....تم زیادہ باتیں نہیں کرو گی۔''

سونیا نے نشیلی آنکھوں سے دیکھا اور مسکرا دی۔ شاید شیری کے ایک ہی گلاس نے اس کے بھی چودہ طبق روشن کردیئے تھے۔

حمید انور کے چہرے پر بوکھلاہٹ کے آثار دیکھتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ وہ دل ہی دل میں

ہا تھا۔

اس راؤنڈ کے اختتام پر اس نے انور اور رشیدہ کو رقص گاہ سے جاتے دیکھا۔

بہرحال اس سے حمید نے اندازہ لگالیا کہ وہ ضرور کسی چکر میں ہیں۔ کیا یہاں ان کی گی کا بھی وہی سبب ہے جو اس کی موجودگی کا تھا۔ لیکن آخر کس طرح۔ انور اتنا مال دار ا تھا کہ محض سراغ رسانی کے شوق میں شیزان ہوٹل جیسی جگہ قیام کرتا۔ اگر فریدی کی ایماء پر ا آیا ہوتا تو کم از کم اس کے حال سے ضرور واقف ہوتا اور اس طرح بھاگنے کی بجائے اس الجھ پڑتا۔ تو کیا وہ مجرموں کے لئے کام کررہا تھا.....؟ اس سوال کا جواب اس کا ذہن ن میں نہ دے سکا۔ وہ جانتا تھا کہ انور کم از کم فریدی کا راستہ کاٹنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔

سچ مچ اس کی ساری تفریح غارت ہوچکی تھی اور وہ اس مسئلے پر غور کرنے کے لئے ان ال لڑکیوں سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ لیکن شیری کے دوسرے گلاسوں نے انہیں آسمان پر ا دیا اور اب تو خاموش طبع سونیا بھی چہکنے کے موڈ میں آگئی تھی۔

''ڈیرسٹ ہی.....'' وہ حمید کی گردن میں ہاتھ ڈالے کہہ رہی تھی۔ ''میں چاندنی ل.....اور تم سائبان.....!''

''نہیں میں چار دیواری ہوں۔'' حمید نے اس کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا اور وہ آنکھیں بند کرکے ہنسنے لگی۔

حمید کو الجھن ہونے لگی۔ نشے میں بہکی ہوئی عورتیں اسے بور لگتی تھیں۔

''اب تم اسے قتل بھی کردو تو اسے کوئی اعتراض نہیں.....!'' کورنیلیا اپنا منہ دبا کر ہنسی۔

حمید ان سے کسی نہ کسی طرح پیچھا چھڑا کر اپنے کمرے میں واپس آگیا۔ اس نے اس سے قبل انور اور رشیدہ کو تلاش کرنے کی کوشش بھی کی تھی لیکن وہ نہیں ملے تھے۔

حمید نے لباس تبدیل کیا اور پلنگ پر گر گیا۔ اس نے دو بڑے پیگ وہسکی کے پئے تھے اس لئے اس کا ذہن نیند سے بوجھل ہوا جارہا تھا..... حالانکہ وہ ابھی سونا نہیں چاہتا تھا.....انور کے تعاقب.....لیکن اسے پلنگ سے اٹھ کر روشنی بجھانے کی بھی مہلت نہ ملی.....اور وہ گہری نیند سوگیا۔

اور پھر رات گئے شاید وہ کسی قسم کی آواز ہی تھی جس نے اُسے جگا دیا۔ بستر پر لیٹے ہی لیٹے اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں..... اور پھر بڑھتی ہوئی خنکی نے اُسے کمبل تان لینے پر مجبور کر دیا۔ آواز پھر آئی اور اس نے منہ کھول دیا..... کھٹ..... کھٹ..... کھٹ..... چڑ..... "

کوئی دوسری طرف شائد کھڑکی پر زور لگا رہا تھا۔ مگر کھڑکی.....؟ حمید ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ بیٹھا..... وہ کھڑکی تو ہوٹل کی عمارت کی پشت پر کھلتی تھی اور یہ کمرہ تیسری منزل پر تھا..... نیچے تک بالکل سپاٹ دیوار چلی گئی تھی۔ حمید پلنگ سے اتر ہی رہا تھا کہ دونوں پٹ زور دار کھٹاکے کے ساتھ کھل گئے اور حمید کو کھڑکی میں ایک بڑا خوفناک چہرہ دکھائی دیا۔ اس کا دہانہ نصف رخساروں تک پھٹا ہوا تھا..... ناک لمبی لیکن پھولی ہوئی تھی۔ آنکھیں کافی بڑی اور وحشت ناک تھیں۔

"ژہے سوئی ہارس دے سالومن[1]" پھٹے ہوئے ہونٹوں سے غرائی ہوئی سی آواز نکلی۔

حمید کا ہاتھ بے اختیار تکیے کے نیچے گیا جہاں ریوالور رکھا ہوا تھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ چہرہ غائب ہو چکا تھا۔ حمید تیزی سے کھڑکی کی طرف جھپٹا لیکن باہر اندھیرا تھا..... اس نے پلٹ کر ٹارچ اٹھائی۔ پھر اس نے دیکھا پائپ کے سہارے ایک طویل القامت آدمی بڑی تیزی سے نیچے کی طرف پھسل رہا تھا۔ اس نے پھر شاید دس گیارہ فٹ کی بلندی ہی سے زمین پر چھلانگ لگا دی اور تیزی سے بھاگتے ہوئے اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ اس کی ننگی پیٹھ پر گھوڑے کی ایال کے سے بال تھے۔

خونی چٹان

وہ حمید کی ٹارچ کی روشنی کی پہنچ سے دور ہو چکا تھا۔ حمید کے جسم پر لرزہ طاری تھا۔ بات یہ تھی کہ ابھی تک اس کا ذہن نیند کے اثر سے پیچھا نہیں چھڑا سکا تھا اور اس کی کیفیت کچھ اُسی قسم

[1] میں سلیمان کا گھوڑا ہوں۔

کے کان کے قریب اچانک کسی دھماکے سے آنکھ کھل جائے۔

"شائیں.....!" کوئی جلتی ہوئی چیز اُس کے الجھے ہوئے بالوں سے گزرتی ہوئی پچھلی سے ٹکرائی..... اور حمید نے پلاسٹر ادھڑنے کی آواز صاف سنی اور پھر اسے اچھی طرح ہوش وہ کھڑے ہی کھڑے دھڑام سے فرش کی طرف گرا۔ اُس کا دل شدت سے دھڑک رہا رگولی ایک انچ اور نیچے کی طرف جھکی ہوتی تو اس کی کھوپڑی کے پرخچے اڑ گئے تھے۔

اس کے جسم کے مسامات نے بیک وقت بہت سا ٹھنڈا پسینہ اگل دیا اور شاید ایک منٹ ں کا ذہن بالکل ہی مفلوج رہا۔

پھر حمید نے کھڑکی کے سامنے کھڑے ہونے کی ہمت نہیں کی۔ وہ رینگتا ہوا اُس میز کے پہنچا جس پر فون رکھا ہوا تھا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر بزر پر انگلی رکھ دی اور اسے متواتر ا چلا گیا۔ شاید دو منٹ تک یہی کرتا رہا۔ پھر اسے راہ داری میں قدموں کی آہٹ سنائی ی نے دروازے پر دستک دی۔ حمید نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ یہ ڈیوٹی کلرک تھا اور حرکت پر جھلایا ہوا خود ہی دوڑ آیا تھا۔ اُس کے چہرے پر حیرت اور غصہ کے ملے جلے تھے۔

قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتا حمید نے جلدی جلدی پورا واقعہ دہراتے ہوئے اپنے جھلسے بال اور دیوار کا ادھڑا ہوا پلاسٹر دکھایا۔

"حیرت..... سخت حیرت.....!" کلرک پاگلوں کی طرح بڑبڑایا۔ پھر سنبھل کر کہنے لگا۔ ئے کپتان صاحب میرا خیال ہے کہ ہم خاموشی سے اس کی چھان بین کریں ورنہ دوسرے وں پر بُرا اثر پڑے گا۔ میں ابھی خانگی سراغ رساں کو لاتا ہوں۔"

"کچھ بھی کرو.....!" حمید غصیلی آواز میں بولا۔ "لیکن مجھے اسی وقت ایک ایسا کمرہ ئے جس کی کھڑکیاں باہر کی طرف نہ کھلتی ہوں۔"

"ٹھہریئے..... مجھے سوچنے دیجئے..... ہاں بے شک میں آپ کو ایسا کمرہ اسی وقت کتا ہوں۔"

پھر تھوڑی دیر بعد خانگی سراغ رساں کی موجودگی میں اس کا سامان دوسرے کمرے میں منتقل کر دیا گیا۔ حمید نے بقیہ رات جاگ کر ہی گزار دی اور ہوٹل کے ذمہ دار لوگ تفتیش میں مشغول ہو گئے۔ انہوں نے حمید سے استدعا کی تھی کہ وہ اس کا تذکرہ مسافروں سے نہ کرے ورنہ ویسے وہ پولیس کو اطلاع دے سکتا ہے۔ دوسری صبح حمید نے فیصلہ کیا کہ وہ فریدی کی ہلاکت کے سلسلے میں لکیر کا فقیر نہ بنا رہے گا۔ ورنہ ممکن ہے کہ اُسے اپنی زندگی ہی سے ہاتھ دھونا پڑیں۔ اُس نے سوچا کہ کیوں نہ میجر نصرت سے مل کر اُس سے اس مسئلے پر گفتگو کی جائے۔ میجر نصرت محکمہ سراغ رسانی کا سپرنٹنڈنٹ تھا اور حال ہی میں ٹیکم گڑھ سے تبدیل ہو کر یہاں آیا تھا۔ فریدی کے گہرے دوستوں میں سے تھا اور حمید کا بڑا خیال کرتا تھا۔

میجر نصرت حمید کو کیپٹن پرکاش کے بھیس میں پہچان نہیں سکا..... اور پھر جب حمید نے بتایا تو اُسے حیرت بھی نہیں ہوئی۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ فریدی میک اپ کا ماہر ہے اور محکمہ سراغ رسانی کے اُس پرانے طریقے پر صرف وہی اب تک کاربند ہے لیکن اس میں بھی اس نے ترمیم و جدتیں کی ہیں۔

اور پھر جب حمید نے سارے واقعات دہراتے ہوئے اپنی ملاقات کا مقصد بیان کیا تو میجر نصرت کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"وہ آدمی.....!" اس نے کہا۔ "ہاں میں نے بھی اسے ارجن گھاٹی میں دیکھا ہے۔ لیکن..... یہ خبر بڑی حیرت انگیز ہے کہ وہ اب آبادی میں داخل ہونے لگا ہے۔ لیکن تمہارے ہی کمرے میں کیوں؟"

"آپ کو مسٹر براؤن والی بات تو یاد ہوگی۔"

"ہاں ..... اور میں نے اس کے متعلق اطلاع بھی دی تھی۔ بعد کو فریدی نے تار کے بارے میں پوچھا تھا لیکن وہ بھی واپس کر دیا گیا تھا۔"

"سیٹھ صمدانی اور اس کی سیکریٹری کے قتل میں اسی مسٹر براؤن کا ہاتھ ہے۔" حمید نے اور اُس کے واقعات بھی فریدی کے دلائل سمیت دہرائے۔

"مائی گڈنس.....!" میجر نصرت انگلی سے اپنا داہنا گال کھجاتا ہوا بولا۔ "تب تو ان باتوں کو اہمیت دینی ہی پڑے گی۔"

"کن باتوں کو.....!"

"یہی بات یہ ہے وہ آدمی عجیب الخلقت ہے۔ اس لئے لوگ اس کے پیچھے دوڑتے ہیں۔ لہٰذا سننے میں آیا ہے کہ اُس کے پیچھے جانے والوں میں سے اکثر واپس نہیں آتے اور اب تک تقریباً تیس یا چالیس آدمیوں کی گمشدگی کی رپورٹ درج ہو چکی ہے۔"

"آپ نے اُسے پکڑنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔"

"ارے یار..... وہ تو چھلاوہ ہے چھلاوہ..... جس حیرت انگیز تیزی سے وہ چٹانوں پر چڑھتا ہے کسی آدمی کے بس کا روگ نہیں۔ لیکن اب ہم اُس پر فائر کریں گے۔"

"کیوں نہ آج ہم اس کی تلاش میں چلیں۔" حمید نے تجویز پیش کی۔

"قطعی..... میں بھی یہی سوچ رہا ہوں..... ویسے میرا خیال ہے کہ اب تم اس ہوٹل کی ملازمت کو ترک کر دو۔"

"میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔" حمید نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ مسٹر براؤن کا کچھ نہ کچھ تعلق اس ہوٹل سے ضرور ہے۔"

"اور وہ تمہیں اس بھیس میں بھی پہچانتا ہے۔"

"حملے کا تو یہی مطلب ہو سکتا ہے۔" حمید بولا۔

"اور پھر ایسی صورت میں بھی تم وہاں قیام کرو گے۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔

دو گھنٹے کے اندر اندر روانگی کی تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ پولیس کی ایک لاری میں دس مسلح کانسٹیبلوں سمیت وہ ارجن گھاٹی کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب گھاٹی کا فاصلہ دو میل رہ گیا تو انہیں لاری چھوڑ دینی پڑی کیونکہ آگے چل کر دشوار گزار راستہ شروع ہو گیا تھا۔ یہاں کوئی سڑک نہیں تھی۔ چاروں طرف بے ترتیب چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔

راہ میں انہیں اور لوگ بھی ملے جو اس حیرت انگیز آدمی کی تلاش میں نکلے تھے۔ میجر نصرت نے حمید کو بتایا کہ وہاں کافی بھیڑ ہو جاتی ہے۔ لیکن بہت کم آدمی گھاٹی میں اترنے کی ہمت کرتے ہیں۔ ایک تو وہ ہے کافی نشیب میں اور پھر راستہ بھی دشوار گزار ہے۔ دراصل یہ وہ بہت بڑی جھیل رہی تو ہوگی لیکن کسی وجہ سے اس کا پانی خشک ہو جانے کی بناء پر اب وہاں سبزہ زار نظر آتا تھا..... اور ارجن گھاٹی کو بس پچکے پچکے بونے ہی سے تشبیہہ دی جا سکتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ لوگ وہاں پہنچ گئے جہاں وہ کھڑے تھے۔ وہاں سے گھاٹی کی گہرائی تین سو فٹ سے کسی طرح کم نہ رہی ہوگی۔ نیچے کی زمین قریب قریب برابر تھی اور اس پر سبز لہلہاتا نظر آ رہا تھا۔ چاروں طرف اونچی اونچی چٹانیں تھیں اور چٹانوں کے درمیان میں وادی شاید ایک میل کے رقبے میں پھیلی ہوئی تھی۔

"دیکھو.....!" میجر نصرت نے اپنے آدمیوں کو مخاطب کیا۔ "تم سب چٹانوں کی اوٹ لے کر نکلنے کی کوشش کرو۔ خیال رہے کہ اس کی نظر تم پر نہ پڑنے پائے۔ پہلے اُسے گھیر کر زندہ پکڑنے کی کوشش کرنا۔ جب ہاتھ سے نکلنے لگے تو پھر فائر کرنا۔"

مسلح سپاہی ایک ایک کر کے دور تک پھیل گئے اور پھر انہوں نے نیچے اترنا شروع کر دیا۔

میجر نصرت نے تماشائیوں سے کہا۔ "آپ لوگ براہِ کرم پیچھے ہٹ جائیے اور کوئی صاحب نیچے جانے کی کوشش نہ کریں ورنہ اگر کسی کی جان گئی تو پولیس ذمہ دار نہ ہوگی۔"

لوگوں نے حیرت سے اس کی بات سنی۔ کچھ لوگ وجہ بھی پوچھنے لگے لیکن میجر نصرت نے کوئی جواب نہ دیا۔ اب اس نے حمید سے کہا۔

"آؤ..... اب ہم نیچے چلیں..... تمہارے پاس ریوالور تو ہوگا ہی..... ہمیں دراصل یہ بھی دیکھنا ہے کہ وہ رہتا کہاں ہے؟"

دونوں ایک دراڑ میں اتر گئے۔ لیکن تیس یا چالیس فٹ سے زیادہ دور نہیں جا سکے کیونکہ آگے چل کر راستہ خط مستقیم کی طرح سیدھا ہو گیا تھا۔ وہ پھر اوپر آ گئے اور اب انہیں دوسرے راستے کی تلاش ہوئی۔

"بس راستوں ہی کا معاملہ ٹیڑھا ہے۔" میجر نصرت نے کہا۔ "ورنہ یہ گھاٹی اب تک نہ رہتی۔"

انہیں جلد ہی دوسرا راستہ مل گیا۔ لیکن یہ بھی اتنا دشوار گزار تھا کہ وہ آدھی مسافت تقریباً گھنٹے میں طے کر پائے۔

"وہ دیکھو..... وہ رہا۔" دفعتاً میجر نصرت نے کہا۔ حمید کی نظر سامنے اٹھ گئی۔ فاصلہ کافی تھا۔ پھر بھی اسے سامنے کی چٹانوں میں ایک آدمی نظر آیا جو اچھلتا کودتا ہوا نیچے کی طرف آ رہا تھا۔

"یعنی یہ اس کا معمول ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

"قطعی..... وہ روزانہ اسی وقت گھاس چرنے آتا ہے۔" میجر نصرت نے ہنس کر کہا۔ پھر سنجیدگی سے بولا۔ "اگر اس کے جسم پر پتلون نہ ہوتی تو میں یہ سمجھتا کہ وہ شاید کسی قدیم ترین غار کا آدمی ہے جو کسی غار میں پڑا رہتا ہوگا لیکن اب حالات کی بناء پر میں یہ بھی باور کر لینے پر تیار ہوں کہ وہ کسی شاطر ترین آدمی کا آلہ کار ہے۔ آخر ان آدمیوں کے غائب ہو جانے کا کیا مطلب لیا جائے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ بڑی توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ بڑی بڑی چٹانیں پھلانگتا ہوا بڑی سے دوڑتا ہوا نیچے کی طرف آ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ وادی میں اتر آیا۔ حمید نے ہنہناہٹ کی آواز سنی جو ہو بہو کسی گھوڑے کی آواز تھی۔ پھر وہ عجیب الخلقت آدمی گھٹنوں کے بل اور ہاتھوں پر رینگ رینگ کر گھاس چرنے لگا۔

کبھی کبھی وہ رک کر گھوڑوں کی طرح منہ اٹھاتے ہوئے ہنہنانے لگتا تھا۔

"یہ بھی عجیب بات ہے۔" میجر نصرت نے کہا۔ "آدھی انگریزی آدھی فرانسیسی بولتا ہے۔"

"حالانکہ اس کو دونوں زبانوں کا عالم ہونا چاہئے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ میجر نصرت نے اسے حیرت سے دیکھا اور پھر ہنسنے لگا۔

"یہ تو میں بھول ہی گیا تھا کہ تم سارجنٹ حمید ہو..... مسخرے۔" اُس نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ فریدی کا تو ناطقہ بند رہتا ہوگا۔ لیکن مجھے امید ہے کہ تم میری سفید

مونچھوں کا خیال رکھو گے۔''

حمید نے ایک سعادت مند برخوردار کی طرح مسکرا کر سر جھکا لیا۔

''پتہ نہیں..... ہمارے آدمی نیچے پہنچے بھی یا.....'' میجر نصرت کچھ اور کہتے کہتے رک گیا..... حمید کی نظر بھی اٹھ گئی..... نیچے وادی میں کھڑا وہ ہاتھ ہلا کر چیخ رہا تھا۔ غالباً وہ اوپر کھڑے ہوئے آدمیوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا تھا۔ اور پھر شاید ان دونوں کو نیچے آتا دیکھ کر اُس نے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکالی اور دوبارہ گھاس پر منہ مارنے لگا۔

انہوں نے اپنی رفتار تیز کر دی..... ابھی تک شاید دوسرے سپاہی نیچے نہیں پہنچ سکے تھے۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر سپاہی اُسے گھیرے میں کیسے لیں گے۔ چاروں طرف سے گھیرنا تو بالکل ہی ناممکن تھا۔ کیونکہ راستے دشوار گزار تھے۔ اگر سپاہی کسی نہ کسی طرح نیچے پہنچ گئے تو ان میں اتنا دم نہیں ہوگا کہ وہ دوڑ کر وادی کا پورا چکر لگا سکیں۔ حمید صرف سوچتا رہا۔ اُس نے یہ بات میجر نصرت سے نہیں کی۔ فی الحال تو اس کا مقصد صرف اس انسان نما حیوان کو قریب سے دیکھنا تھا۔

ان کے ساتھ ہی سپاہی بھی ایک ایک کر کے نیچے پہنچ گئے اور وہ سب ایک ہی جگہ اکٹھے ہو گئے تھے۔ اب شاید میجر نصرت کو بھی اپنی حماقت کا احساس ہوا دوسری طرف وہ حیوان نما انسان جو اُن سے ڈیڑھ فرلانگ سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ چوکنا نظر آنے لگا تھا۔ اُس نے گھاس چرتے چرتے منہ اٹھا کر اُن کی طرف دیکھا اور ہونٹوں سے فرفراہٹ کی آوازیں نکالتا ہوا دولتیاں جھاڑنے لگا۔

''فائر کرو۔'' میجر نصرت نے جلدی سے کہا۔

دس رائفلیں اٹھیں لیکن باڑھ مارنے سے پہلے ہی وہ اچھل کر بھاگا..... باڑھ مار گئی..... وہ لڑکھڑا کر گرا لیکن پھر بھاگنے لگا۔ اس بار اس کی رفتار پہلے سے بھی زیادہ تیز تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ چٹانوں تک پہنچ گیا۔ حمید اور اس کے ساتھیوں نے بھی دوڑنا شروع کر دیا۔ لیکن ابھی انہوں نے آدھا راستہ بھی طے نہیں کیا تھا کہ وہ سامنے والی چٹانوں میں

کودتا ہوا نظروں سے غائب ہو گیا۔

''یہ تو ناممکن ہے۔'' میجر نصرت ہانپتا ہوا بولا۔ ''کہ اسے ایک بھی گولی نہ لگی ہو۔''

پھر اس نے سپاہیوں سے کہا۔ ''بھاگتے چلو..... آج ہم اُسے تلاش کر کے ہی دم لیں گے۔''

چٹانوں کے سلسلے تک پہنچتے پہنچتے وہ گدھوں کی طرح ہانپنے لگا اور حمید نے جب ان کو قریب سے دیکھا تو اُس کے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ سوچنے لگا کہ وہ انہیں چٹانوں پر ں کی طرح اچھل کود کر رہا تھا۔ یہ چٹانیں تو ایسی تھیں کہ ان پر چلنا بھی دشوار تھا۔

وہ نیچے ہی ٹھہر کر دم لینے لگے۔

''وہ دیکھئے وہ رہا۔'' اچانک ایک سپاہی چلایا اور سب کی نظریں اوپر اٹھ گئیں۔ وہ اپنے بڑے دانت نکالے کافی بلندی پر چٹانوں سے جھانک رہا تھا۔

''آؤ..... شیطان کے ..... گدھے کے بچو۔'' اس نے انگریزی اور فرانسیسی ملی جلی زبانوں میں چیخ کر کہا اور پھر جلدی سے اپنا سر پیچھے کھینچ لیا کیونکہ ادھر رائفلیں سیدھی ہو گئی تھیں۔

''کیا اسے گولیاں نہیں لگیں۔'' میجر نصرت نے حیرت سے کہا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ تماشائیوں کو بھی وادی میں اترتے دیکھ رہا تھا۔

''میں آج اس کے ٹھکانے کا پتہ لگا کر ہی دم لوں گا۔'' میجر نصرت نے پھر کہا۔

سپاہیوں نے چٹانوں پر چڑھنا شروع کر دیا۔ حمید اور میجر نصرت بھی آگے بڑھے۔

''میرے خیال سے آپ یہیں نیچے انتظار کیجئے۔'' حمید نے میجر نصرت سے کہا۔

''اوہو..... برخوردار..... اب میں اتنا بوڑھا بھی نہیں ہوں۔'' میجر نصرت ہنس کر بولا۔

ایک چٹان سے دوسری چٹان پر پہنچنا بڑا دشوار تھا۔ سپاہیوں نے اپنی رائفلیں کاندھے سے لٹکا لیں تھیں اور بڑی عرق ریزیوں کے ساتھ اوپر پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ حمید سب سے آگے تھا اور اس کے ساتھ دو پھرتیلے سپاہی تھے جو بلیوں کی طرح چستی دکھا رہے تھے۔ ان میں سے ایک تو بہت ہی پرجوش معلوم ہو رہا تھا اور وہ حمید پر بھی سبقت لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اوپر پہنچنے کے لئے آخری چٹان بڑی ٹیڑھی کھیر ثابت ہوئی تھی۔ وہ کافی طویل و

عریض تھی۔ دس فٹ کی بلندی پر ایک بڑے سائبان کی طرح چھائی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ
کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ کیونکہ اس سلسلے کی دوسری چٹانیں دیوار کی طرح سیدھی کھڑی ہوئی تھ
اور کہیں سے بھی ان کی اونچائی پچاس فٹ سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ حمید کے ساتھ وا
پرجوش سپاہی نے نیچے کی ایک چھوٹی چٹان پر کھڑے ہوکر چھلانگ لگائی اور اوپر نکلی ہ
سائبان نما چٹان کا کنارہ پکڑ کر جھول گیا۔ پھر اس نے بندروں کی طرح اپنی ٹانگیں اوپر اٹھا
اور دوسرے لمحے میں چٹان پر تھا..... لیکن وہ چیخ..... شاید حمید اُسے کبھی نہ بھلا سکے۔

چیخ ہی کے ساتھ حمید نے اس سپاہی کو ہوا میں اڑتے دیکھا اور اب وہ بلندی سے پھ
ہوئی ایک کنکری کی طرح نیچے وادی میں جارہا تھا۔ ایک چیخ اور سنائی دی..... اور پھر
چھا گیا۔

پوری وادی شور سے گونج رہی تھی اور وہ سب بے تحاشہ نیچے کی طرف بھاگ ر
تھے..... گرتے پڑتے..... حمید بھی وہاں نہ ٹھہر سکا۔ حالانکہ اوپر بالکل سناٹا تھا۔

نیچے پہنچ کر انہیں ہڈیوں اور گوشت کے لوتھڑوں کا ایک ڈھیر نظر آیا جس کے قرب وج
کی زمین سرخ ہورہی تھی۔ تماشائی چیخ رہے تھے۔ میجر نصرت پر بدحواسی طاری تھی اور سپاہ
اس طرح کانپ رہے تھے جیسے کچھ دیر بعد ان کا بھی یہی حشر ہوگا۔

''یہ ہوا کیسے.....'' میجر نصرت نے حمید سے پوچھا۔

''مجھے کچھ نہیں معلوم۔'' حمید نے چٹان کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ ''وہ اوپر چلا
تھا..... پھر میں نے اسے اچھل کر نیچے جاتے دیکھا۔''

''کیا اس نے پھینک دیا۔'' میجر نصرت بولا۔

''نہیں.....!'' تماشائیوں کے مجمعے سے ایک بوڑھے مگر قوی الجثہ انگریز نے آگے بڑ
کر کہا۔ ''چٹان پر اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔''

مشتبہ انگریز

حمید چونک کر اسے گھورنے لگا۔

''ہم نیچے سے صاف دیکھ رہے تھے۔'' انگریز پھر بولا۔ ''وہ چٹان پر تنہا تھا..... اور اس
خود ہی چھلانگ لگائی تھی۔''

دوسرے تماشائیوں نے بھی اس کی تائید کی۔ ان سب نے بھی وہی دیکھا تھا۔ چٹان پر
ی کے علاوہ انہیں کوئی دکھائی نہیں دیا تھا۔

''عجیب بات ہے۔'' میجر نصرت مضطربانہ انداز میں اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔

حمید کی نظریں اب بھی انگریز پر جمی ہوئی تھیں اور اس کا ذہن نہ جانے کیوں براؤن
ان کی گردان کررہا تھا۔

اس نے تماشائیوں کی بھیڑ میں انور اور رشیدہ کو بھی دیکھا جو اس کو مشتبہ نظروں سے دیکھ
ہے تھے۔

''آخر وہ خود ہی فائرنگ کیوں کرنے لگا۔'' حمید نے میجر نصرت کی آواز سنی جو منہ اوپر
اس خطرناک چٹان کو گھور رہا تھا۔

''اسے یقیناً دھکیلا گیا ہے۔'' حمید نے کہا۔

''ہرگز نہیں۔'' انگریز بولا۔ ''اس کے قریب کوئی بھی نہیں تھا۔''

''آخر آپ لوگ نیچے کیوں آئے جب منع کردیا گیا تھا۔'' حمید الٹ پڑا کسی نے کوئی
اب نہیں دیا۔

''چھوڑو بھئی..... بحث رہنے دو۔'' میجر نصرت نے مضطرانہ انداز میں کہا۔

''اب ہمیں کو کیا کرنا چاہئے۔''

پھر وہ تقریباً آدھے گھنٹے تک سپاہی کی مڑی تڑی لاش اٹھانے کے مسئلے پر گفتگو کرتے

رہے لیکن کوئی اسے ہاتھ لگانے پر بھی رضامند نہیں نظر آتا تھا۔ کافی دیر بعد فیصلہ ہوا کہ لاری کی ایک سیٹ نکالی جائے اور لاش کو اسی پر ڈال کر اوپر لے جایا جائے۔

ان کی واپسی بڑی اندوہناک تھی۔ راستے بھر کوئی کچھ نہ بولا۔ ان کے ذہن بوجھل سے ہو رہے تھے اور دل کی دھڑکنیں سروں میں دھمک پیدا کر رہی تھیں۔

شہر پہنچ کر حمید نے اس واقعے کے بارے میں میجر نصرت سے گفتگو کرنا چاہی لیکن وہ بہت زیادہ حواس باختہ ہو رہا تھا۔ اس لئے پھر حمید ٹال ہی گیا۔

ہوٹل آیا تو یہاں اور ہی شگوفہ کھلا ہوا دیکھا۔ ہال میں انور اور رشیدہ کے ساتھ قاسم بھی موجود تھا۔ حمید کی جھلاہٹ بڑھ گئی۔ انور نے مسکرا کر اُسے اشارہ کیا اور اپنے ساتھ بیٹھنے کی دعوت دی۔ حمید بے چوں و چرا بیٹھ گیا۔

''آپ بھی تو تھے شاید ارجن گھاٹی میں۔'' انور نے کہا۔

حمید نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''کیا آپ کا تعلق پولیس سے ہے۔''

''میرا تعلق تمہارے باپ کے جنازے سے ہے۔'' حمید ناک کے بل بولا۔

''کیا مطلب.....!'' انور کی بھنوئیں تن گئیں۔

''کیا تم کرائمز رپورٹر انور نہیں ہو۔''

''ہوں تو پھر.....!''

''کیا صمدانی والے معاملے میں تمہارا نام نہیں لیا جاتا۔'' حمید نے کہا۔

لیکن اس بار بے خیالی میں اپنی آواز پر قابو نہ رکھ سکا۔ انور اسے گھورنے لگا پھر منہ بنا کر بولا۔

''تو یہ تم ہو۔''

''ہاں میں ہوں..... اور وہ شخص یہاں موجود نہیں ہے جس کی وجہ سے تم اب تک بچے رہے ہو۔ میں اب دیکھوں گا تمہیں۔''

''کیا کرو گے؟''

''بند کروں گا تم دونوں کو۔'' حمید نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔ قاسم ابھی تک کچھ نہیں سمجھا تھا۔ وہ بوکھلا گیا۔

''جھک مارتے ہو۔'' انور بولا۔

''کیوں بے! تم کیوں دکھائی دیئے یہاں۔'' حمید نے قاسم سے پوچھا۔

''بے..... کیا مطلب!'' قاسم بگڑ کر بولا۔ ''میں آپ سے واقف نہیں ہوں اور آپ مجھے اس طرح مخاطب کرتے ہیں۔''

''صمدانی کا تعاقب تم نے کیا تھا تم نے۔''

''ارے..... ار..... نن نہیں تو..... آپ کو حساب فہمی ہوئی ہے۔'' قاسم بوکھلا کر اپنی کوٹھڑی سے نکل گیا۔

''حساب فہمی نہیں غلط فہمی۔'' حمید دانت پیس کر بولا اور رشیدہ ہنسنے لگی۔

قاسم بُری طرح گڑبڑانے لگا۔

حمید نے انور سے پوچھا۔ ''تم یہاں کیوں آئے ہو۔''

''تم سے مطلب.....!''

''تم براؤن کے آلہ کار ہو۔ میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں اور ابھی ہیڈ کوارٹر کو فون کرتا ہوں۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

''حمید بھائی خدا کے لئے.....'' رشیدہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''حمید بھائی.....!'' قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

''تم دخل نہ دو.....!'' حمید نے رشیدہ سے کہا۔ ''مجھے تم سے بہت محبت ہے۔''

''کیا.....!'' قاسم کی آنکھیں نکل پڑیں۔

''بیٹھ..... نہیں تو ابھی چھرا مار کر تیزی توند برابر کر دوں گا..... لم ڈھنگ.....!'' حمید نے قاسم سے کہا۔

''تم محبت کرتے ہو ان سے۔'' قاسم تھوک نگل کر بولا۔

''چلو اٹھو..... یہاں سے۔'' انور نے رشیدہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

''جاؤ..... لیکن رات حوالات میں ہی گزرے گی۔'' حمید نے آنکھیں نکال کر کہا۔

انور اور رشیدہ اٹھ کر چلے گئے۔ قاسم نے بھی جانا چاہا لیکن حمید نے اسے روک لیا۔

''اب بتاؤ بیٹا تم یہاں کیوں آئے ہو۔''

''میں گارت ہو گیا..... حمید بھائی۔'' قاسم روہانسی آواز میں بولا۔

''عشق کا چکر ہے۔''

''یہ سالا انور نہیں چاہتا کہ میں اس سے ملوں..... چپ چاپ اسے لے کر یہاں آیا۔ میں نے بڑی مشکل سے پتہ لگایا کہ وہ مجھے بے حد پسند کرتی ہے۔''

''کون رشیدہ.....!''

قاسم نے جواب میں سر ہلا دیا۔

''ابے کیوں شامت آئی ہے؟''

''نہیں حمید بھائی..... الا قسم وہ بھی مجھ سے موجت کرتی ہے۔ مگر یہ سالا انور۔''

''تو تم اسے اپنا سالا بناؤ گے۔ ابے وہ تیرے پرخچے اڑا دے گا۔ رشیدہ نے تمہیں ا بنایا ہے۔''

''نہیں..... وہ بڑی اچھی لڑکی ہے۔'' قاسم نے کہا۔

''خیریت اسی میں ہے کہ تم واپس جاؤ۔''

''نہیں جاؤں گا..... چاہے جان چلی جائے۔ میں سب سمجھتا ہوں۔''

''کیا سمجھتے ہو.....؟''

''تم نے کہا تھا کہ تمہیں اس سے موجت ہے۔''

''اچھا ہے تو پھر.....!''

''تو پھر.....!'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ ''دیکھ لینا۔''

حمید نے رشیدہ کو دیکھا جو تنہا اسی کی طرف آ رہی تھی۔

''ذرا..... ادھر آؤ۔'' اس نے حمید کو الگ بلایا اور قاسم اندر ہی اندر کھولنے لگا۔

حمید اٹھ کر رشیدہ کے قریب چلا گیا۔

''میں نے انور کو منع کیا تھا مگر وہ نہیں مانا۔'' رشیدہ نے کہا۔ ''وہ دراصل سجاد کے جنرل کے لئے کام کر رہا ہے۔''

''گویا فریدی صاحب سے ٹکرانے کی کوشش کر رہا ہے۔'' حمید غصیلی آواز میں بولا۔ ''کیا نہیں معلوم کہ وہ سجاد کی تلاش میں ہیں۔ لیکن یہ بتاؤ کہ تم لوگ اسی ہوٹل میں کیوں ٹھہرے۔''

اس پر رشیدہ نے تار والا واقعہ بتاتے ہوئے کہا۔ ''اسی سے انور نے اندازہ لگایا کہ ں کا کچھ نہ کچھ تعلق شیزان ہوٹل سے ضرور ہو سکتا ہے۔''

''لیکن انور کی یہ حرکت اسے بڑی مہنگی پڑے گی۔ فریدی صاحب اُسے ہرگز نہ پسند ں گے۔''

''میں نے بھی یہی کہا تھا..... لیکن اس نے کہا کہ ایسا موقعہ آیا تو وہ الگ ہو جائے گا۔''

''لیکن انور نے مجرموں کو ہوشیار کر دیا ہے۔ تمہیں شاید یہ نہیں معلوم کہ پچھلی رات مجھ پر ہو چکا ہے۔'' حمید نے رات والے واقعات دہرائے۔

''یہ تو خطرناک بات ہے۔'' رشیدہ نے کہا۔

''اسی لئے اب میں میک اپ کی ضرورت ہی نہیں محسوس کرتا۔ ویسے میں اسے برقرار ں گا اس لئے کہ ہز ہارڈنس کا یہی حکم تھا۔''

وہ بھی اسی میز پر آ گئے جہاں قاسم بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔

''لیکن وہ چٹان والا حادثہ میری سمجھ میں نہ آ سکا۔'' رشیدہ بولی۔

''اس پر گولیاں بھی چلائی گئی تھیں۔'' حمید نے کہا۔

''ہم اس وقت وہیں تھے..... آخر یہ آدمی ہے کیا بلا۔''

''قاسم کا چچا.....!'' حمید نے کہا۔

''میں بھی اس سالے کو دیکھنا چاہتا ہوں۔'' قاسم بولا۔

''اب آ ہی گئے ہو تو میں تمہاری اور اس کی کشتی کراؤں گا۔''

''مروڑ کر رکھ دوں سالے کو.....'' قاسم نے سینہ تان کر کہا۔

اچانک حمید کی نظریں دروازے کی طرف اٹھ گئیں اور اس نے اسی انگریز کو ہال میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا جس نے ارجن گھاٹی میں سپاہی کے گرنے کے متعلق ایک حیرت انگیز بات بتائی تھی۔ وہ سیدھا کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔

حمید کی نظریں اس کا تعاقب کرتی رہیں۔ انگریز نے کاؤنٹر پر رک کر ادھر اُدھر دیکھے بغیر کاؤنٹر کلرک سے کچھ کہا جس کے جواب میں کلرک نے ایک طویل سانس لی اور رجسٹروں کے ڈھیر سے ایک رجسٹر نکال کر اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ اس دوران میں انگریز نے جیب سے تمباکو کی پاؤچ نکالی اور سگریٹ رول کرتا رہا۔

اس کی عمر پچاس ساٹھ سے کسی طرح کم نہ رہی ہوگی۔ چہرہ بھاری اور کھوپڑی اخروٹ کے چھلکے کی طرح شفاف تھی۔ جبڑوں کی مخصوص بناوٹ اس کی سخت گیری کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ قویٰ مضبوط تھے اور حرکات وسکنات سے پھرتیلا پن ظاہر ہوتا تھا۔ اس نے حمید وغیرہ پر اچٹتی سی نظر ڈالی اور رول کیے ہوئے سگریٹ کے سرے کو ہونٹوں میں گھما کر نم کرنے لگا۔ اس کی انگلیاں کثرت تمباکو نوشی سے بھوری نظر آ رہی تھیں۔

کلرک نے رجسٹر بند کر کے کچھ کہا اور انگریز اسے گھورنے لگا۔ وہ چند لمحے وہیں کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر ہال سے نکل گیا۔

حمید اٹھ کر کاؤنٹر کلرک کے پاس آیا۔

''کیپٹن پرکاش کی کوئی فون کال تو نہیں تھی۔'' اس نے کاؤنٹر کلرک سے پوچھا۔

''جی نہیں..... لیکن ٹھہریئے..... کیا نام بتایا تھا آپ نے..... کیپٹن پرکاش..... آپ کا ایک ایروگرام ہے۔''

''اوہو..... ٹھیک..... میں اس کا منتظر ہی تھا۔''

کاؤنٹر کلرک نے ڈرائر سے ایک لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ فریدی کا ایروگرام

میڈرڈ سے روانہ کیا گیا تھا۔ پیغام تھا کہ حمید وہیں مقیم رہے۔ فریدی بہت جلد واپس آئے گا۔

حمید نے لفافے کو توڑ مروڑ کر جیب میں ٹھونس لیا۔ پھر وہ کاؤنٹر کلرک سے بولا۔

''یہ صاحب جو ابھی یہاں تھے، میرا خیال ہے کہ میں انہیں جانتا ہوں..... یہ مسٹر پارکر تھے۔''

''جی نہیں..... مسٹر مورگن.....!'' کلرک نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے۔ پارکر ان کا پہلا نام ہے۔ میں انہیں بچپن میں انکل پارکر کہا کرتا تھا۔ میرے والد کے بڑے گہرے دوستوں میں سے تھے اور اس وقت ان کے سر پر گھونگھریالے بال ہوا کرتے تھے۔ مجھے صدمہ ہے کہ انہوں نے مجھے پہچانا نہیں۔ کس نمبر میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔''

''اڑتالیس میں۔'' کلرک نے جان چھڑانے کے سے انداز میں کہا اور اپنے رجسٹروں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''کب سے ٹھہرے ہوئے ہیں؟''

''یہ بتانا مشکل ہے۔'' کلرک نے رجسٹر پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔ ''آپ انہیں سے دریافت کر لیں تو بہتر ہے۔''

پھر شاید اچانک اسے یاد آ گیا کہ قیام کرنے والوں کی اوٹ پٹانگ گفتگو میں دلچسپی لینا بھی اس کے فرائض میں شامل ہے۔ اس نے خوش اخلاقی کے مظاہرے کے طور پر دانت نکالتے ہوئے کہا۔

''کپتان صاحب! بات یہ ہے کہ یہ بات وہی کلرک بتا سکتا ہے جس نے اندراج کیا ہو۔ قدرتی بات ہے کہ مسٹر مورگن سے آپ ضرور ملاقات کریں گے..... وہ آپ کے پرانے شناسا ہیں۔''

''ضرور ضرور..... میں ان سے ضرور ملوں گا۔'' حمید نے ہنس کر کہا اور وہاں سے ہٹ آیا۔

یہاں قاسم رشیدہ سے کہہ رہا تھا۔ ''اجاڑ راتوں میں..... میرا دم نکل جاتا ہے۔ ہائے ہمالہ کی سرسبز پہاڑیاں..... آسمان میں چاند تارے ہوائیں سسکیاں بھرتی ہیں۔''

حمید کو دیکھ کر وہ خاموش ہو گیا۔

''ہوائیں سسکیاں بھرتی ہیں۔'' حمید اسے گھور کر بولا۔ ''بیمار ہیں ہوائیں۔ ہواؤں کا معدہ خراب ہو گیا ہے۔ کہیں تیرا دماغ نہ خراب ہو جائے۔''

رشیدہ ہنس پڑی اور قاسم تاؤ کھا کر رہ گیا۔ رشیدہ کچھ دیر اور بیٹھی پھر اٹھ کر چلی گئی۔

''تم بہت واہیات آدمی ہو۔'' قاسم نے حمید سے کہا۔

''سچ مچ تمہاری بربادی کے دن قریب آ گئے ہیں۔''

''تم کیوں میرے معاملات میں ٹانگ اڑاتے ہو۔''

''میں تمہیں آدمی بنانا چاہتا ہوں..... تم نے آج تک رشیدہ کو کوئی تحفہ دیا۔''

''نہیں کوئی نہیں۔''

''بس خالی خولی..... زبانی خرچ..... محبوباؤں کی خدمت میں کم از کم پھول ہی پیش کر دیتے ہیں۔''

''پھول..... صرف پھول..... یہ تو.....!''

''ہاں.. ...پھول..... رشیدہ گوبھی کے پھولوں پر جان دیتی ہے۔''

''گوبھی کے پھول.....!'' قاسم نے حیرت سے کہا۔

''ہاں..... پسند ہے اپنی اپنی۔''

''نہیں تم مذاق کر رہے ہو۔''

''اچھا جی..... میں آپ سے مذاق کروں گا۔'' حمید غصیلی آواز میں بولا۔

مذاق سمجھنے کا سلیقہ بھی ہے تم میں۔

''نہیں حمید بھائی..... ٹھیک ٹھیک بتاؤ..... الاقسم میں مغموم ہوں۔''

''فریدی صاحب کو تم جانتے ہو..... آخر انہیں سانپوں سے کیوں عشق ہے کوئی بھی اچھا بھلا آدمی مداری بننا پسند کرے گا۔ مگر شوق کی وجہ سے مجبوری ہے۔ اسی طرح رشیدہ بھی..... گوبھی کا پھول پسند کرتی ہے جتنا بڑا پھول ہو گا اتنا ہی خوش ہو گی۔''

''ایک پھول کافی ہو گا۔'' قاسم نے پوچھا۔

''ایک میں کیا ہو گا..... کم از کم پانچ عدد کافی وزنی پھول۔ ایک کشتی میں ریشمی رومال ...ی کر پیش کر دینا۔''

''مجھے افسوس ہے.....'' قاسم غمزدہ آواز میں بولا۔ ''میں تو اس کی خدمت میں ایک جڑاؤ ...نا چاہتا تھا۔''

''وہ تم مجھے پیش کر دو..... مجھے زیورات کا شوق ہے۔ میں اکثر تنہائی میں انہیں پہن کر آئینے کے سامنے کھڑا رہتا ہوں۔''

قاسم منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسنے لگا..... اس دوران میں حمید نے مورگن کو دوبارہ ہال میں ...تے اور اوپری منزل کی طرف جاتے دیکھتا رہا۔ اس لئے اب وہ قاسم سے پیچھا چھڑانا ...اور وہ اس میں جلد ہی کامیاب بھی ہو گیا۔

...ٹا لیس نمبر کا کمرہ دوسری منزل پر راہداری کے سرے پر واقع تھا۔

راہداری سنسان پڑی تھی اور سارے کمرے بند تھے۔ حالانکہ یہ ایک بہت بڑی حماقت ...ن پھر بھی حمید مورگن کے کمرے میں جھانکنے کی خواہش کو کسی طرح نہ دبا سکا۔ اس نے ...ا کے بل فرش پر بیٹھ کر کنجی کے سوراخ سے آنکھ لگا دی۔

مورگن کمرے کے فرش پر بیٹھا ایک چھوٹی سی سیمی مشین گن میں میگزین چڑھا رہا تھا۔ ...ے فارغ ہونے کے بعد اس نے اسے ایک چمڑے کے سوٹ کیس میں رکھ دیا۔

اور پھر حمید نے اسے لباس تبدیل کرتے دیکھا۔ شائد وہ باہر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ ...ھ گیا۔

شاید پندرہ منٹ بعد وہ پھر ہال میں دکھائی دیا اور اس کے ہاتھ میں وہی سوٹ کیس تھا ...ا اس نے مشین گن رکھی تھی۔

چوہیا اور جہاں پناہ

دوسری صبح سرجنٹ حمید، میجر نصرت اور تین دوسرے مقامی آفیسروں کے ساتھ ایک کوپٹر میں ارجن گھاٹی پر پرواز کر رہا تھا۔ حمید نے اپنی پچھلی رات بڑی بے چینی سے گزا تھی۔ بات دراصل یہ تھی کہ اس نے مورگن کا تعاقب کیا تھا۔ لیکن وہ اسے دھوکا دے کر غائب ہوگیا۔ ایسے موقع پر حمید بڑی شدت سے فریدی کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔

اس نے مورگن کے متعلق میجر نصرت کو کچھ نہیں بتایا تھا اس نے سوچا ممکن ہے اس کو پسند نہ کرے۔

ہیلی کاپٹر وادی سے گزر کر انہیں چٹانوں کی طرف جا رہا تھا جہاں وہ عجیب الخلقت غائب ہوگیا تھا۔ وہ اس چٹان سے گزر گئے جو ایک سپاہی کی ہلاکت کا باعث بنی تھی۔

دوسری طرف میلوں تک خشک اور بھورے رنگ کی چٹانوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ کہ بھی کسی ذی روح کا کوئی نشان نہیں تھا۔ آفیسروں نے دو تین چھوٹے چھوٹے دستی بم چٹا میں پھینکے اور ہیلی کاپٹر نے آدھے میل کے رقبے میں ایک چکر لگایا لیکن اس حیوان نما انسا کوئی نشان نہ ملا۔ دو چار بم ادھر اُدھر پھر پھینکے گئے لیکن نتیجہ وہی صفر۔ آخر ایک آفیسر نے نصرت سے کہا۔

''کیا ہیلی کاپٹر کو اتارا جائے۔''

''میں اس کی ہرگز رائے نہ دوں گا۔'' حمید بولا۔

''کیوں.....؟''

''مجھے وہ آدمی تنہا معلوم نہیں ہوتا۔ اس کی پشت پر کوئی نہ کوئی ضرور ہے۔''

''یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔''

''ارے جناب! اگر گولی ذرا کچھ اور نیچے آتی تو میرے سر کے ٹکڑے اڑ گئے ہوتے۔''

''ہوسکتا ہے کہ آپ پر گولی بھی اسی نے چلائی ہو۔'' آفیسر نے کہا۔

''ہرگز نہیں..... وہ خالی ہاتھ تھا اور میں اُسے بھاگتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔''

''تب تو پھر اس طرح اس کا ملنا محال ہے۔''

''نہیں..... آپ کے ساتھ زیادہ تعداد میں مسلح آدمی ہوں تو آپ نیچے بھی اتر سکتے ''حمید بولا۔

''زیادہ آدمی..... یہ بھی محال ہی ہے۔ ہیلی کاپٹر صرف ایک ہے۔''

ویسے اس کے علاوہ ان چٹانوں کو پار کرنے کا کوئی اور دوسرا طریقہ بھی نہیں ہے۔ اگر ے تھوڑے آدمی پہنچائے جائیں تب بھی آپ کا بیان کردہ خطرہ تو باقی ہی رہتا ہے جب آدمیوں کی دوسری کھیپ آئے گی وہ پہلی کھیپ کا صفایا کر چکے ہوں گے۔

''بھئی میں کہتا ہوں..... جلدی کی ضرورت ہی نہیں۔'' میجر نصرت نے کہا۔

''ہاں لیکن ہم اس چٹان کو ضرور دیکھیں گے۔''

ہیلی کاپٹر پھر گھاٹی کی طرف موڑ دیا گیا۔

''فریدی کے متعلق کچھ معلوم ہوا۔'' میجر نصرت نے حمید سے پوچھا۔

''ہاں کل میڈرڈ سے ان کا ایروگرام آیا ہے۔ وہ جلدی ہی واپس آئیں گے۔''

''میں تو کہتا ہوں کہ سجاد کی تلاش فضول ہے۔ قاتل یہاں موجود ہیں۔ ان میں سے کوئی آجاتا تو سجاد کی بھی گرفت ممکن ہوجاتی۔ لیکن فریدی کے طریقے حیرت انگیز ہیں۔ ہاں اچھا خصوص اجازت نامے کے متعلق کیا ہوا جو ایک زمانے میں منسوخ کر دیا گیا تھا۔''

''وہ تو کبھی کا بحال کر دیا گیا ہے۔ جیرالڈ کے خلاف جرم ثابت ہوتے ہی..... ورنہ ی اب تک مستعفی ہو چکے ہوتے۔''

ہیلی کاپٹر اس چٹان کے اوپر فضا میں پہنچ کر معلق ہوگیا اور انہوں نے کھڑکیوں سے سر ر کر نیچے جھانکا۔ چٹان اوپر سے بالکل سپاٹ تھی اور اتنی بڑی تھی کہ اس پر بیک وقت کئی ہیلی ٹر اتر سکتے تھے۔ پائلٹ نے رسیوں کی سیڑھی کی طرف اشارہ کیا۔

''کیا ارادہ ہے۔'' حمید چونک کر بولا۔ ''کیا کوئی صاحب اس پر اتریں گے۔''

ایک آفیسر نے کوئی جواب دیئے بغیر سیڑھی نیچے لٹکا دی۔

''دیکھئے میں ہرگز مشورہ نہ دوں گا۔'' حمید نے کہا۔

''آپ تو کسی بات کا مشورہ نہیں دیتے۔'' آفیسر ہنس کر بولا۔

''یہ چٹان خطرناک ہے۔''

''اب اتنی بھی نہ ہوگی کہ مجھے دھکیل دے۔ میں یہی ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ وہ پائلٹ توازن برقرار نہ رکھ سکنے کی بناء پر گرا ہوگا۔''

''نہیں وہ اچھی طرح سنبھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔'' حمید نے کہا۔

''تب وہ ایکروفوبیا کا شکار رہا ہوگا۔'' آفیسر مسکرا کر بولا۔

''یہ کیا بلا ہوتی ہے۔'' میجر نصرت نے کہا۔

''بلندی سے خوف کا مرض..... بعض لوگ بہت زیادہ بلندی سے نیچے کی طرف نہیں دیکھ سکتے اور اگر انہیں دیکھنا ہی پڑے تو وہ محسوس کرتے ہیں جیسے نیچے گرے جا رہے ہوں اور بعض اوقات ایک قسم کی اضطراری کیفیت کے تحت چھلانگ بھی لگا دیتے ہیں۔''

''اتنی نفسیات میں نے بھی پڑھی ہے۔'' حمید بولا۔ ''لیکن کبھی کبھی بہت ہی ٹھوس قسم کے سائنسی حقائق سے بھی دوچار ہوا ہوں۔''

پھر حمید نے اپنی ایک حیرت انگز اچھل کود کا سابقہ تجربہ بیان کیا۔[1]

''اجی چھوڑیئے کیا رکھا ہے ان باتوں میں۔'' آفیسر نے کہا اور لٹکی ہوئی سیڑھی سے اترنے لگا جس کا نچلا سرا چٹان سے ایک فٹ اوپر جھول رہا تھا۔

''خدا مغفرت کرے۔'' حمید بڑبڑایا۔

وہ سب بڑی توجہ اور دلچسپی سے آفیسر کو نیچے اترتے دیکھ رہے تھے۔ اس کا ایک پیر سیڑھی پر تھا اور دوسرا اس نے چٹان پر رکھا تھا کہ ہیلی کاپٹر کو ایک زوردار جھٹکا لگا۔ پائلٹ اگر اسے فوری حرکت میں نہ لے آتا تو وہ بھی تباہ ہو گیا تھا۔ پھر انہوں نے آفیسر کی چیخیں سنیں اور چٹان خالی پڑی تھی۔

---

[1] اس داستان کے لئے حیرت انگیز ناول ''پر ہول سناٹا'' جلد نمبر 11 ملاحظہ فرمائیے۔

بقیہ لوگ بدحواس ہو کر چیخنے لگے۔ اینگلو انڈین پائلٹ گالیاں بک رہا تھا۔

''اتارو..... اتارو..... جلدی کرو۔'' میجر نصرت چیخا۔

ہیلی کاپٹر آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگا اور پھر وہ زمین پر ٹک گیا۔

وہ سب نیچے کود کو آفیسر کی لاش کی طرف دوڑے لیکن وہاں اب تھا ہی کیا..... پچکا ہوا بس سے خون آلود مغز بہہ رہا تھا۔ گوشت کے لوتھڑے اور شکستہ ہڈیاں۔

حمید کو چکر سا آ گیا۔ پتہ نہیں اس کے دوسرے ساتھیوں پر کیا گزری۔

پھر سہ پہر تک اس کے حواس درست نہیں ہوئے۔ وہ اپنے پیٹے سے بُری طرح بیزار ہو رہا تھا۔ گھاٹی سے لوٹنے کے بعد وہ شام تک شیزان ہوٹل کے کمرے میں پڑا رہا۔

چار بجے وہ کمرے سے باہر نکلا اور اسے اپنے اعصاب کو آرڈر میں لانے کے لئے ایک پیگ وہسکی پینی پڑی۔ وہ اس کچلی ہوئی کھوپڑی، گوشت کے لوتھڑوں اور ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو بھی بھول جانا چاہتا تھا۔ دل بہلانے کے لئے اس نے قاسم کی تلاش شروع کی لیکن وہ غائب تھا۔ فرزانہ اور رشیدہ کے کمرے بھی مقفل تھے۔ شاید وہ دونوں بھی باہر گئے ہوئے تھے۔

حمید ہوٹل سے باہر آ گیا۔ اس نے ایک ٹیکسی کرائے پر لی اور شہر کے چکر لگانے لگا۔ کئی دو ایک بار اُس پراسرار انگریز مورگن کا بھی خیال آیا لیکن اُس نے اسے اس طرح اپنے ذہن سے جھاڑ دیا جیسے جسم پر رینگتی ہوئی چیونٹی بے خیالی میں جھاڑ دی جاتی ہے۔ اس وقت اس کا صرف یہ چاہتا تھا کہ اس کے دو ایک احباب ہوں اور وہ ان میں بیٹھ کر خوب قہقہے لگائے۔

راستے میں اُسے ایک کافی ہاؤز نظر آیا اور وہ ٹیکسی میں سے اتر کر اس کی طرف بڑھا۔ دروازے پر ایک مجہول سا آدمی ایک کنارے اسٹول ڈالے بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ حمید کی آہٹ پر چونک کر خلاء میں گھورتا ہوا بولا۔ ''نمونہ کا پرچہ مفت نہیں بھیجا جاتا سمجھے۔''

پھر اس نے ہوا میں مکا لہرا کر کسی کو خیالی دھمکی دی۔ حمید رک کر اسے گھورنے لگا۔ وہ اس کی طرف متوجہ تک نہ ہوا۔ وہ پھر بڑبڑایا۔

''مضامین خوشخط اور صاف لکھئے..... جواب طلب اُمور کے لئے جوابی لفافہ یا پوسٹ

کارڈ آنا ضروری ہے سمجھے۔''

پھر حمید نے اپنے پیچھے قہقہے کی آواز سنی۔ وہ چونک کر مڑا۔ ایک دبلا پتلا نوجوان کھڑا ہنس رہا تھا۔

''یہ بیچارا.....!'' اس نے کہا۔ ''ایک رسالے کا ایڈیٹر تھا.....اور دن رات کافی ہاؤز میں بیٹھا مضامین لکھا کرتا تھا۔ آخر کار یہ اپنے سارے سرمائے کی کافی پی کر قلاش ہوگیا۔ لیکن کافی ہاؤز اس سے پھر بھی نہ چھوٹا۔ اس نے یہاں کی دربانی کر لی۔ دیکھئے کس پیار سے اندرونی میزوں کا جائزہ لے رہا ہے۔''

حمید ہنستا ہوا آگے بڑھا اور جب وہ دربان کے قریب سے گزر رہا تھا تو اس نے اسے کہتے سنا۔ ''سالے یہ کتابت ہے یا چیونٹیاں سیاہی میں ڈوب کر چلی ہیں۔''

کافی ہاؤز کافی آباد نظر آ رہا تھا۔ حمید ایک خالی میز پر بیٹھ کر ویٹر کا انتظار کرنے لگا۔ یہاں کی فضا کھنکتے ہوئے سریلے قہقہوں اور سینٹ کی خوشبو کی لپٹوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ گداز شانوں سے ریشمی ساڑیوں کے آنچل سرک رہے تھے۔

حمید نے ویٹر کو کافی کا آرڈر دے کر کہا۔ ''ایک کافی ان کے لئے بھی۔ وہ ایڈیٹر صاحب جو وہاں اسٹول پر بیٹھے ہوئے ہیں۔''

ویٹر ہنستا ہوا چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے حمید کی میز پر کافی کی ٹرے رکھ دی۔ حمید نے ایک پیالی اس ایڈیٹر کے لئے بنائی اور ویٹر اسے لے کر دروازے کی طرف چلا گیا۔ اس نے حمید کو بتایا کہ اکثر گاہک ایڈیٹر کو کافی پلاتے رہتے ہیں۔

ویٹر نے ایڈیٹر کو کافی دیتے وقت حمید کی طرف اشارہ کیا۔ حمید اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایڈیٹر نے مسکرا کر اسے بڑے ''انٹلکچوئیل انداز'' میں سلام کیا اور کان پر رکھی ہوئی پنسل اتار کر کافی کے کپ پر کچھ لکھنے لگا۔

حمید پائپ سلگا کر کافی کی چسکیاں لینے لگا تھا اور اس کی نظریں مختلف میزوں پر گردش

نہیں۔

ایک اینگلو انڈین جوڑا اس کے قریب کی میز پر آ کر ''آباد'' ہوگیا۔ لڑکی بڑی خوش شکل تھی۔ حمید نے اس پر اچٹتی سی نظر ڈالی اور مخصوص انداز میں گردن ٹیڑھی کر کے پائپ پھر وہ دوسری طرف متوجہ ہوگیا۔ لیکن جلد ہی اسے پھر اُس جوڑے میں دلچسپی لینی لڑکی نے جیسے ہی اپنا بیگ کھولا اس میں ایک چھوٹی سی چوہیا پھدک کر میز پر آ گئی۔ اس کی ٹانگوں میں ننھے ننھے گھونگرو پڑے ہوئے تھے۔

حمید بُری طرح چونکا..... اسے اپنی پالتو چوہیا یاد آ گئی۔ گھونگروں کی طرف غور کیا تو اس کے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ مخصوص وضع کے گھونگرو تھے۔ بالکل ویسے ہی جیسے اس نے چوہیا کے لئے خاص طور پر چاندی کے بنوائے تھے۔

کیا یہ وہی چوہیا تھی۔ حمید کی پیشانی پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں پھوٹ آئیں۔ لیکن وہ..... وہ چوہیا تو جیرالڈ شاستری کی زمین دوز دنیا میں رہ گئی تھی اور وہ زمین دوز دنیا..... وہ زبردست دھماکے کے ساتھ تباہ ہوگئی تھی..... لوگوں کا خیال تھا کہ جیرالڈ اور اس کے ساتھی اس کے ساتھ فنا ہوگئے ہوں گے۔

حمید نے اینگلو انڈین جوڑے کو گھور کر دیکھا۔ کیا جیرالڈ اور اس کے ساتھی زندہ ہیں۔ اگر وہ زندہ ہوسکتی ہے تو پھر ان کے مرنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ حمید غیر ارادی طور پر میز میں وہی دھن بجانے لگا جس پر اس کی چوہیا ناچا کرتی تھی..... اور پھر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے چوہیا کو سیٹی کی دھن پر تھرکتے دیکھا۔

اینگلو انڈین جوڑا ہنسنے لگا۔ لیکن ان میں سے کسی نے بھی حمید کی طرف دیکھا تک نہیں۔ لڑکی نے رُک کر کافی کی طرف متوجہ ہوگیا جواب ٹھنڈی ہوچکی تھی۔ پھر اُسے یاد نہیں کہ اس نے کس طرح کپ خالی کیا۔ اس کا سر چکرا رہا تھا اور دل کی دھڑکن خدا کی پناہ..... ایسا معلوم ہوتا تھا زندگی کی بقیہ دھڑکنیں اسی وقت پوری ہوجائیں گی۔

کیا جیرالڈ اور اس کے ساتھی زندہ ہیں۔ وہ خوفناک چٹان وہ عجیب الخلقت آدمی۔ اُسے

وہ خوفناک بن مانس یاد آ گئے جن کا تجربہ اسے چھ ماہ پیشتر ہو چکا تھا۔ وہ سوچنے لگا جو لوگ
معمولی سے بندر کو بن مانس کی شکل میں تبدیل کر سکتے ہوں ان کے لئے ایک حیوان نما
کی تخلیق کیا مشکل ہو سکتی ہے اور وہ چٹان..... ہو سکتا ہے کہ اس پر بجلی کے باریک بار
تاروں کا جال بچھا دیا گیا ہو اور ان میں کرنٹ رہتا ہو تو کیا وہ پراسرار انگریز براؤن درا
جیرالڈ ہی ہے۔ یقیناً وہ جیرالڈ ہی ہوگا۔ ایسا سوچنا قدرتی امر تھا۔ اگر اس حیوان نما انسان
سلسلے میں حمید پر فائر نہ کیا گیا ہوتا تو شاید وہ ان دونوں معاملات کو الگ ہی تصور کرتا مگر
صورت دوسری تھی۔ اُسے یقین آ گیا تھا کہ میز پر تھرکتی ہوئی چوہیا اسی کی تھی۔

لیکن اب وہ کیا کرے؟ سوال بڑا ٹیڑھا ہے..... اور وہ دل ہی دل میں فریدی کو بُرا
کہنے لگا۔

حمید نے دوسری کافی کا آرڈر دیا۔ وہ اس اینگلو انڈین جوڑے کے اٹھنے سے پہلے
طرح اٹھ سکتا تھا۔

اندھیرا پھیل گیا۔ پھر تقریباً سات بجے وہ دونوں اٹھے۔ حمید بھی ان کے پیچھے باہر نکلا
وہ اپنی کار میں بیٹھ کر ایک طرف روانہ ہو گئے۔

حمید ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر ان کا تعاقب کر رہا تھا۔ شاید آدھے گھنٹے تک تعاقب جاری
پھر اگلی کار ایک عمارت کے سامنے رک گئی جو ایک چھوٹی سی شاداب پہاڑی کے دامن میں وا
تھی۔ یہاں اور بھی عمارتیں تھیں مگر دور دور پر۔

حمید نے ٹیکسی رکوائی اور کرایہ ادا کر کے نیچے اتر گیا..... اور اس وقت تک کھڑا رہا جب
تک ٹیکسی واپس نہیں چلی گئی۔ اس نے سوچا کہ وہ عمارت کا چکر کاٹ کر پہاڑی کے نیچے پہنچنے
کی کوشش کرے گا۔ اس طرح وہ عمارت کی پشت پر ہوگا اور پھر ہو سکتا ہے کہ وہاں سے عمارت
کے مکینوں کا جائزہ لینے کی کوئی صورت نکل آئے۔

وہ آہستہ آہستہ پہاڑی کی طرف بڑھنے لگا۔ چاروں طرف اندھیرے کی حکمرانی تھی اور
فضا پہاڑی جھینگروں کی ''جھائیں جھائیں'' سے مکدر ہو رہی تھی۔ درختوں اور پودوں کی شاخوں

بے شمار جگنو جھلملا رہے تھے۔ اگر حمید کو یہ مہم درپیش نہ ہوتی تو وہ بچوں کی طرح دو چار جگنو
نے کی کوشش ضرور کرتا۔ اندھیرے کی وجہ سے اس کی رفتار بہت سست تھی لیکن وہ ٹارچ
ن کرنے کی بھی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔

ایک جگہ وہ ٹھوکر کھا کر سنبھل ہی رہا تھا کہ اچانک اس پر کئی آدمی ٹوٹ پڑے۔ حمید نے
وجہد کرنا چاہی مگر فضول۔ وہ بُری طرح جکڑا جا چکا تھا اور کسی کا ہاتھ اس کے منہ پر بھی تھا اور
ی کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ وہ سانس لینے میں بھی دشواری محسوس کر رہا تھا۔

پھر اسے اچھی طرح یاد نہیں کہ وہ کب؟ کس طرح اور کہاں لے جایا گیا؟

پھر تیز قسم کی روشنی کے احساس نے اسے آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا۔ اُسے فرش پر کھڑا
ردیا گیا اور اس کے گرد تین قوی الجثہ آدمی کھڑے تھے اور سامنے اینگلو انڈین جوڑا تھا۔

''خوش آمدید.....!'' مرد مسکرا کر بولا۔ ''تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔''

''قطعی نہیں۔'' حمید لاپروائی سے شانے جھٹک کر بولا۔ ''اس نے دلیر بننے کی کوشش
روع کر دی تھی۔''

''ایک خاص تقریب کے سلسلے میں تمہیں تکلیف دی گئی ہے۔'' لڑکی نے کہا۔ ''بات یہ
ہے کہ آج ہمارے شہنشاہ کی سالگرہ کا دن ہے۔ اس تقریب میں کئی طرح کے تماشے ہوں
گے۔ ہمارے شہنشاہ کو وہ چوہیا بہت پسند ہے جسے تم نے کافی ہاؤز میں اپنی سیٹی پر نچایا تھا۔ وہ
سے ناچتے دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔''

''میری خوش قسمتی ہے کہ میں اس مبارک موقع پر یاد کیا گیا۔ میں تم سب کا دل اچھی
رح خوش کر دوں گا۔'' حمید نے اسے آنکھ ماری۔

''جہاں پناہ کیا کر رہے ہیں۔'' مرد نے ایک آدمی سے پوچھا۔

''اپنے جوتے گانٹھ رہے ہیں۔'' اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا اور کے ہونٹوں پر خفیف
کی مسکراہٹ بھی نہ دکھائی دی۔

''میں اس مداری کو اسی وقت ان کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔'' اس نے کہا۔

پیچھے کھڑے ہوئے ایک آدمی نے حمید کو دھکا دیا اور وہ ان کے ساتھ چلنے لگا۔ حمید کو یقین تھا کہ اب اس کی ملاقات جیرالڈ سے ہوگی۔

وہ ایک کمرے میں آئے۔ یہاں ایک آدمی سچ مچ ایک صوفے پر بیٹھا جوتا گانٹھ رہا تھا۔ لیکن یہ جیرالڈ تو کسی طرح بھی نہ ہوسکتا تھا۔ اس کے چہرے پر بھورے رنگ کی گھنی ڈاڑھی تھی اور حمید نے پہلی ہی نظر میں بھانپ لیا تھا کہ وہ نقلی نہیں تھی۔ اسکے سر پر بال نہیں تھے۔ آنکھیں بھوری تھیں اور اس طرح چندھیائی سی لگ رہی تھی جیسے وہ زیادہ تر تاریکی ہی کی عادی ہوں۔

''تم آ گئے گدھو.....!'' اس نے جوتا ایک طرف رکھ کر کہا۔

''جہاں پناہ.....!'' سب نے سینے پر ہاتھ رکھ کر بیک وقت جھکتے ہوئے کہا۔

دوسرا آدمی

حمید بڑی حیرت زدہ نظروں سے اس ''جہاں پناہ'' کو دیکھ رہا تھا جو صورت ہی سے خاصا خبطی معلوم ہو رہا ہے۔ اس کے جسم پر لباس تو بڑا ٹھاٹھ دار تھا لیکن جوتے گانٹھنا..... کیا وہ صحیح الدماغ تھا۔

''یہ کون ہے۔'' اس نے حمید کی طرف اشارہ کرکے پوچھا۔ گفتگو انگریزی میں ہو رہی تھی۔

''مداری ہے..... یور میجسٹی.....!'' لڑکی کے ساتھی نے کہا۔

''اس نے ہمیں سلام نہیں کیا۔''

حمید سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکا پھر سیدھا ہوکر بولا۔ ''خدا حضور کی ڈاڑھی دراز کرے۔''

''ہاہا.....!'' وہ ران پر ہاتھ مار کر چیخا۔ ''ہم خوش ہوئے..... تمہارا نام کیا ہے۔''

''خادم کو ڈمبا سٹر کہتے ہیں۔''

''بکواس.....!'' اس نے پھر ران پر ہاتھ مار کر کہا۔ ''تمہارا نام نل نل فلوس ہے۔''

''ہاں ہاں! نل نل فلوس ہے۔'' اس کے ''درباریوں'' نے بیک وقت ہانک لگائی۔

''تم سب گدھے ہو۔'' اس نے چیخ کر کہا۔

''ہاں ہم سب گدھے ہیں۔'' انہوں نے یک زبان ہوکر دہرایا۔

''تو پھر آدمیوں کی طرح کیوں بول رہے ہو۔'' وہ ران پر ہاتھ مار کر بولا۔

اس کے جواب میں وہ سب گدھوں کی طرح رینکنے لگے۔

حمید بے اختیار ہنس پڑا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ سب پاگل ہیں۔ اصل بات اس کے ذہن سے نکل گئی تھی۔ اب نہ اُسے جیرالڈ یاد تھا اور نہ براؤن۔

''خاموش.....!'' خبطی نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور وہ سب خاموش ہوگئے۔

''نل نل فلوس اپنے کرتب دکھاؤ۔'' اس نے حمید سے کہا۔

لڑکی نے بیگ سے چوہیا نکالی اور اسے میز پر چھوڑ دیا۔

''اوہو! یہ تو ریٹا ہیورتھ ہے۔'' خبطی بولا۔

پھر حمید نے میز کے قریب آ کر سیٹی بجانی شروع کردی۔ چوہیا تھرکنے لگی۔

''ہاہا.....!'' خبطی بچوں کی طرح تالی بجا کر ہنسا۔ ''واقعی تم سچے مداری ہو۔''

جب تک حمید نے سیٹی بند نہیں کی چوہیا تھرکتی رہی۔

''آؤ ادھر آؤ..... نل نل فلوس میرے پاس بیٹھو۔'' خبطی اپنی رانیں پیٹتا ہوا بولا۔ ''میں تمہیں اپنا ولی عہد بناتا ہوں۔''

حمید اس کے برابر بیٹھ گیا۔ وہ اس کی پیٹھ ٹھونکتا ہو بولا۔

''بول کیا مانگتا ہے۔''

''مجھے وہ لڑکی پسند ہے۔'' حمید نے اینگلو انڈین لڑکی کی طرف اشارہ کرکے کہا اور اس بار اس کے ساتھی کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار دیکھے وہ اسے قہر آلود نظروں سے

''ہم نے تمہیں لڑکی بخش دی..... جولی ادھر آؤ۔''

''مگر..... یور میجسٹی.....'' لڑکی کے ساتھی نے احتجاج کیا۔

''بکواس بند کرو..... یہ ہمارا حکم ہے..... جولی ادھر آؤ۔''

لڑکی بھی شاید الجھن میں پڑ گئی تھی۔

''نہیں سنا تم نے۔'' خبطی ران پر ہاتھ مار کر چیخا۔

جولی بادل نخواستہ صوفے کی طرف بڑھی..... لیکن دوسرے ہی لمحے میں کمرے کی روشنی گل ہوگئی۔ خبطی حلق پھاڑ کر چیخ رہا تھا۔ کسی نے حمید کی گردن پکڑلی اور اسے دھکیلتا ہو دروازے تک لایا۔ پھر حمید نے دروازہ بند ہونے اور کنجی گھومنے کی آواز سنی۔

وہ سب اس کمرے کے باہر تھے۔ اندر خبطی چیخ رہا تھا۔ لیکن اب وہ اس کی طرف سے قطعی لاپرواہ نظر آ رہے تھے۔

''تم آرام کرو۔'' لڑکی کے ساتھی نے لڑکی سے کہا۔ لڑکی چلی گئی اور وہ حمید سے مخاطب ہوا۔

''تفریح تو بہت ہوئی میرے دوست! اب تم میرے ساتھ آؤ۔ لیکن اس بات کی وضاحت کردوں کہ اگر تم نے کوئی حرکت کی تو دوسرے لمحے میں زندہ نہیں رہو گے۔''

''کیا واقعی تم سب پاگل ہو۔'' حمید نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

''یہی سمجھ لو۔''

وہ ایک دوسرے کمرے میں آئے۔

''بیٹھ جاؤ۔'' لڑکی کے ساتھی نے کہا۔ ''حمید بے چوں و چرا بیٹھ گیا۔ ڈرامے کے اس بدلتے ہوئے سین نے اس کی آنکھیں کھول دی تھیں۔

''تم یہ مت سمجھو کہ ہم تمہیں پہچانتے نہیں۔'' لڑکی کے ساتھی نے کہا۔ ''اور شاید اب ہمیں بھی پہچان گئے ہو گے۔''

''میں کچھ نہیں سمجھا۔'' حمید نے حیرت کا اظہار کیا۔

''وقت برباد نہ کرو..... ہمیں صرف فریدی کی تلاش ہے۔ اگر تم اس کا پتہ بتادو تو

چھوڑ دیں گے۔''

حمید نے اب جھوٹ بولنا فضول سمجھا اور یہ بات بھی اس کی سمجھ میں آ گئی کہ یہ لوگ اسی کے ذریعے اس کو پھانس کر یہاں لائے تھے۔ اس نے انہیں دھوکا نہیں دیا تھا بلکہ خود دھوکا کھا تھا۔

''فریدی یورپ کے دورے پر ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''بکواس ہے..... ہمیں اس پر یقین نہیں۔''

''کل ہی میڈرڈ سے ان کا ایک ایروگرام موصول ہوا تھا۔''

''ہمیں معلوم ہے۔'' لڑکی کے ساتھی نے سر ہلا کر کہا۔ ''لیکن یہ چیز فریدی جیسے آدمی کے لئے مشکل نہیں۔ وہ یہیں بیٹھے بیٹھے یورپ کے کسی مقام سے بھی تمہارے نام ایروگرام منگوا سکتا ہے۔''

''لیکن آخر تم فریدی کا کیا کرو گے۔'' حمید نے پوچھا۔

''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ ہم اس کا قیمہ بنائیں گے۔''

''تو تم اتنے دنوں تک کیا کرتے رہے۔ پہلے ہی کیوں نہیں ٹھکانے لگا دیا۔'' حمید نے کہا۔

''اس پر ہاتھ ڈالنا مشکل ہے ہم کئی بار کوشش کر چکے ہیں لیکن وہ لومڑی کی اولاد معلوم ہوتا ہے۔''

''جیرالڈ کہاں ہے؟''

''فضول بکواس مت کرو۔ میرے سوال کا جواب دو۔''

''ہوسکتا ہے کہ فریدی صاحب کے متعلق تمہارا خیال صحیح ہو لیکن اگر وہ یہیں موجود ہیں تو ان کا پتہ نہیں جانتا۔''

''تم جھوٹے ہو۔''

''بے اعتباری کا تو علاج ہی نہیں۔ اگر مجھے معلوم ہوتا ان کا پتہ تو اپنی گردن نہ پھنسواتا۔''

''تم مکار ہو۔''

''اگر یہ جملہ کسی لڑکی نے کہا ہوتا تو میں اس کا منہ چوم لیتا۔'' حمید نے غضب ناک ہو کر کہا۔

''تم نہیں باز آؤ گے۔''

''شیزان میں مجھ پر گولی کیوں چلائی تھی۔'' حمید نے پوچھا۔

''تم تو اس طرح پوچھ رہے ہو جیسے ہمیں تمہاری پوجا کرنی چاہئے تھی۔''

''اچھا یہ مسخرہ کون ہے۔''

''ہمارا بادشاہ.....!'' لڑکی کے ساتھی نے کہا۔ ''تم اس کی حالت دیکھ ہی چکے ہو۔ اگر اس نے تمہاری موت کا حکم دے دیا تو ہم مجبور ہوں گے۔ بہتر یہی ہے کہ جو کچھ ہم پوچھتے ہیں بتا کر جلد سے جلد جان چھڑالو۔''

''سنو دوست.....!'' حمید سنجیدگی سے بولا۔ ''میں اپنی زندگی سے تنگ آ گیا ہوں۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ تم لوگ مجھے ٹھکانے لگادو اور رہا فریدی کا معاملہ تو جو کچھ میں نے ابھی بتایا ہے اس کے علاوہ اور مجھے کسی بات کا علم نہیں۔ تمہارا یہ خیال بھی ٹھیک ہو سکتا ہے کہ وہ سرے سے یورپ گئے ہی نہیں۔''

''ہاں ہم یہی سمجھتے ہیں۔''

''لیکن میں یہاں تنہا آیا تھا۔'' حمید بولا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر لڑکی کے ساتھی نے کہا۔ ''خیر تمہیں اس وقت تک یہاں رہنا ہے جب تک کہ فریدی ہمارے ہاتھ نہ آ جائے اور یہ اس کی خام خیالی ہے کہ اب وہ شاستری تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائے گا۔''

''آہ..... شاستری۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''بڑی پیاری شخصیت ہے۔''

''تمہاری پچھلی مکاریاں ہمیں یاد ہیں..... مگر ہم عموماً معاف کر دیتے ہیں..... ہمارے لئے دنیا کی کوئی بات ناممکن نہیں۔ خیر اب تم ہماری قید میں ہو اور یہ بھی بتا دوں کہ یہاں سے تمہاری رہائی ناممکن ہے۔ اگر تم نے شور وغل بھی مچایا تو قرب و جوار کے لوگ کان نہ دھریں گے کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ اس عمارت میں ایک پاگل آدمی رہتا ہے۔''

پھر وہ اپنے ساتھیوں کی طرف مڑ کر بولا۔ ''اسے لے جاؤ۔''

''ٹھہرو..... کیا مجھے تنہا رہنا پڑے گا۔'' حمید نے کہا۔

''نہیں دو چار خادم بھی ملیں گے۔'' وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

''کیا مجھے میری چوہیا واپس مل سکتی ہے۔ صرف اس وقت تک کے لئے جب تک کہ میں یہاں ہوں۔''

کچھ دیر خاموشی رہی پھر جولی کا ساتھی ہنس کر بولا۔ ''تم نے ہماری قوت دیکھ لی ہم نے چوہیا کو بھی مرنے نہیں دیا وہ جولی کو پسند تھی۔''

''مجھے حیرت ہے کہ تم لوگ بچے کس طرح۔'' حمید نے کہا۔ ''اس دھماکے نے تین چار میل کا رقبہ تباہ کر دیا تھا۔''

''اپنی جدید ترین سائنسی ایجادات کی بناء پر ہمارے پاس ایسے راکٹ موجود ہیں جو آواز کی رفتار سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے اوپر جاتے ہیں۔ جس وقت دھماکہ ہوا ہم تین میل کی بلندی پر تھے۔''

''اور اب تم ارجن گھاٹی کو اپنا اڈہ بنا رہے ہو۔''

''تم بہت کچھ جانتے ہو.....'' وہ حمید کو گھور کر بولا۔ ''اور یہ بہت بُرا ہے۔ بہت بُرا صرف تمہارے لئے..... ویسے ہمیں یقین ہے کہ وہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ ایک چٹان کا کرشمہ تو تم دیکھ ہی چکے ہو۔ ہم چاہیں تو ساری چٹانوں کو وہی خصوصیت بخش سکتے ہیں..... کیا سمجھے۔''

''اور وہ گھوڑا.....!''

''فریدی کی ٹانگیں وہی چیرے گا۔''

''تم نے صدانی اور اس کے پرائیویٹ سیکریٹری کو کیوں قتل کیا۔''

''تم تو اس طرح سوالات کر رہے ہو جیسے میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال چکے ہو۔'' اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''اچھا یہی بتا دو کہ اس بادشاہ کا کیا مطلب ہے؟''

''یہ بادشاہ ساری دنیا پر حکومت کرے گا اور اگر یہ اس وقت تک زندہ نہ رہا تو پھر ہم کسی پاگل کتے کو ساری دنیا کا بادشاہ بنادیں گے۔'' جولی کے ساتھی نے ہنس کر کہا۔ ''کیا تمہیں قدیم یونانی تاریخ میں ایک ایسے گھوڑے کا تذکرہ نہیں ملتا جو ایک صوبے کا گورنر تھا۔''

تھوڑی دیر بعد حمید کو اس کی چوہیا واپس مل گئی اور وہ ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔ کمرہ کیا اسے کوٹھری کہنا مناسب ہوگا۔ صرف ایک دروازہ تھا۔ فرش کی حالت بتاتی تھی کہ اسے کبھی گودام کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا رہا ہوگا۔''

ایک بستر ایک چھوٹی سی میز اور کرسی..... یہی کل یہاں کا سامان تھا۔ چھت سے ایک بلب لٹک رہا تھا جس کا سوئچ بھی شاید باہر ہی تھا۔

حمید نے کوٹ اتار کر میز پر ڈال دیا اور چوہیا کو ہتھیلی پر رکھ کر اس کی پیٹھ سہلانے لگا۔

''مری جان! آخر تم مل ہی گئیں۔ میں تو تمہاری یاد میں بالکل دیوداس ہو رہا تھا۔ مگر شاید یہ ہمارا آخری سفر ہو۔''

پھر حمید نے اسے بھی میز پر ڈال دیا۔ وہ چوہے کی موت تو نہیں مر سکتا تھا۔ اسے بہرحال رہائی کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا تھا لیکن ایک گھنٹے کی جانفشانیوں کے باوجود بھی وہ یہاں سے نکل جانے کی کوئی صورت نہ پیدا کر سکا۔

سردی کافی تھی اور بستر بھی ایسا نہیں تھا کہ جسے ناکافی کہا جا سکتا۔ لیکن پھر بھی حمید کو نیند نہ آئی۔ تلوار اس کے سر پر لٹک رہی تھی۔ لیکن اس میں حقیقت کتنی تھی کیا وہ سچ مچ اسے چھوڑ دیں گے۔ ناممکن کیونکہ جیرالڈ شاستری کو سب سے زیادہ نقصان اسی کی ذات سے پہنچا تھا۔ محض اس کی مکاری کی بناء پر اس کی وہ زمین دوز دنیا تباہ ہو گئی تھی۔

حمید نے گھڑی دیکھی۔ دو بج چکے تھے۔ دیا سلائی جلا کر وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔ کسی نے گیارہ ہی بجے کمرے کی روشنی بجھا دی۔

اچانک اس نے باہر دروازے پر ایک ہلکی سی آواز سنی۔ دروازہ کھلا اور کسی نے اندر داخل ہو کر دوبارہ پٹ بھیڑ دیئے۔ حمید نے جلدی سے دیا سلائی جلائی۔ آنے والے نے اپنے

ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

حمید نے دوسری دیا سلائی روشن کی۔ اس کے سامنے ایک سیاہ فام ننگ دھڑنگ آدمی کھڑا تھا۔ اس کے جسم پر صرف ایک پتلی سی لنگوٹی تھی جس میں ایک تھیلا اڑسا ہوا اس کی ٹانگوں کے درمیان جھول رہا تھا۔

''آپ سارجنٹ حمید ہیں۔'' اس نے آہستہ سے پوچھا۔

''ہاں..... لیکن تم.....!''

''کچھ نہیں خاموش رہئے۔'' اس نے کہا اور کمر سے لٹکے ہوئے تھیلے سے ٹارچ نکال کر دروازے والی دیوار کا جائزہ لینے لگا۔ حمید کو حیرت ہو رہی تھی کہ وہ اتنی سردی میں لباس کے بغیر زندہ ہے؟ اور وہ ہے کون؟

پھر اس نے کمر سے تھیلا نکال کر اسے فرش پر رکھ دیا۔ تھیلے سے ایک بوتل نکالی جس میں سیال چیز تھی۔ پھر وہ اس سیال کے چھینٹے دیوار پر مارنے لگا اور فرش کے قریب دیوار کا کچھ حصہ اس سے اچھی طرح بھگو دیا۔ چند لمحے انتظار کرتا رہا پھر تھیلے سے ایک اوزار نکالا جو اس وقت ہتھوڑی اور کلہاڑی کا کام دے سکتا تھا۔ اس نے وہ اوزار دیوار کے بھیگے ہوئے حصے پر رکھا اور وہ اس میں دھنستا چلا گیا۔ دیوار کا پلاسٹر گیلی مٹی کی طرح بے حقیقت ہو گیا تھا۔

وہ اپنے کام میں مصروف رہا۔ پھر شاید بیس منٹ کے بعد حمید نے دیوار میں ایک اتنا بڑا سوراخ دیکھا جس سے ایک آدمی لیٹ کر بآسانی نکل سکتا تھا۔

اس نے حمید کو باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔ حمید کوٹ پہننے لگا اور اس عجیب و غریب آدمی نے بوتل سے شراب کی بوتل نکالی اور غٹ غٹ کئی گھونٹ چڑھا گیا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ جیرالڈ کی کوئی دوسری چال تو نہیں۔

وہ دونوں باہر نکل کر ایک طرف چلنے لگے۔ اندھیرا کافی گہرا تھا اور اب جھینگر بھی نہیں چیخ رہے تھے اور درختوں میں جگنوؤں کی جھلملاہٹ ایسی لگ رہی تھی جیسے وہی سناٹے کی آواز ہو۔ رات بہت بڑھ گئی تھی۔ لیکن حمید کا ننگ دھڑنگ ساتھی بے تکان راستہ طے کر رہا تھا۔

دفعتاً وہ ایک جگہ رک گیا۔ اس نے اپنے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکالی اور قریب
سے کسی نے اُس کا جواب دیا دوسرے لمحے میں ایک دوسرا آدمی حمید کے سامنے کھڑا تھا۔ ا
نے حمید کا ہاتھ پکڑا اور وہ حمید کا ساتھی نقب زن ہنستا ہوا چٹانوں میں غائب ہو گیا۔ اب حمید ا
دوسرے آدمی کے ساتھ چل رہا تھا۔ وہ اس تبدیلی پر کچھ نہ بولا۔ بس چپ چاپ چلتا رہا۔ ا
کا ساتھی اس کا ہاتھ پکڑے اونچی اونچی چٹانیں پھلانگتا ہوا تیزی سے چل رہا تھا۔ حالانکہ حمید
سانس پھولنے لگی تھی لیکن وہ پھر بھی کچھ نہ بولا۔ فی الحال اس نے خود کو حالات کے رحم و کرم
چھوڑ دیا تھا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اب جیرالڈ کون سی چال چلنے والا ہے۔ شاید اب وہ وہ اُ
اپنے اعتماد میں لے کر فریدی کا پتہ معلوم کرنا چاہتا تھا۔

حمید کے ساتھی نے اس کی حالت کا اندازہ لگا لیا تھا۔ اس لئے اس نے اپنی رفتار کم کر
لیکن وہ اسے ایک اجاڑ حصے کی طرف لے جا رہا تھا۔ تاروں کی چھاؤں میں حمید کو دور تک بکھر
ہوئی چٹانیں صاف نظر آ رہی تھیں۔

''بھئی میں تھک کر چور ہو گیا ہوں۔'' حمید بالآخر بولا۔ ''اگر ہم تھوڑی دیر ستا لیں تو
حرج ہے۔''

اس کا ساتھی جہاں تھا وہیں بیٹھ گیا۔ حمید نے اس سے ذرا ہٹ کر ایک بڑے سے پتھ
سے ٹیک لگائی۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ بھی جیرالڈ ہی کا کوئی آدمی ہے۔ اس نے سوچا ک
کیوں نہ اس سے نپٹ لے۔

اس نے دوسرے ہی لمحے میں اس پر چھلانگ لگا دی۔

''ابے پاگل ہوا ہے کیا؟'' اس کے ساتھی نے اسے دبوچتے ہوئے کہا اور حمید کے ہاتھ
پیر ڈھیلے پڑ گئے۔

آواز فریدی کی تھی۔

ترغیب

حمید نے تحیر آمیز نظروں سے اس چھوٹے سے غار کا جائزہ لیا۔ یہاں وہ ساری چیزیں
دنیں جو ایک آدمی کی معمولی ضروریات کے لئے کافی ہوتی ہیں۔ مٹی کے تیل کا ایک
روشنی دینے والا لیمپ روشن تھا اور اسٹوو کی مسلسل سنسناہٹ غار میں گونج رہی تھی اور اس
ساتھ ہی کافی کے برتن سے اٹھنے والی خوشبو دار بھاپ، حمید کی بھوک چمک اٹھی اور اس نے
ی کی طرف دیکھا جو ہونٹوں میں سگار دبائے کھڑا کافی کے برتن کو گھور رہا تھا۔

''کیا آپ میڈرڈ ہی سے واپس آ گئے۔'' حمید نے پوچھا۔

''میں گیا ہی نہیں..... جیرالڈ کے ساتھی نے تم سے ٹھیک کہا تھا۔ میں تمہارے ساتھ ہی
کے لئے روانہ ہوا تھا۔''

''آپ ہمیشہ مجھے موت کے منہ میں جھونک دیتے ہیں۔''

''اور اتنی ہی آسانی سے پھر نکال بھی لیتا ہوں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''وہ آدمی کون تھا.....؟''

''یہاں کا ایک ماہر نقب زن.....!'' فریدی نے کہا۔ ''میں نے جب یہ دیکھا کہ وہ لوگ
ا اس بھیس میں پہچان گئے ہیں تو میں نے اپنی جدوجہد اور تیز کر دی۔ میں جانتا تھا کہ وہ
میرے لئے پکڑیں گے ضرور..... مگر افسوس میں ان پر ہاتھ نہ ڈال سکا۔''

''کیوں؟ اسی پر تو مجھے بھی حیرت ہے۔ آپ انہیں اسی وقت پکڑ سکتے تھے۔''

''بیکار..... جیرالڈ ان میں نہیں تھا..... اور وہی میرا شکار ہے۔''

''ممکن ہے کہ وہ کسی دوسرے بھیس میں رہا ہو۔''

''نہیں میں اُسے ہر بھیس میں پہچان سکتا ہوں۔ وہ اپنی آنکھیں نہیں بدل سکتا اور اس کی
یں لاکھوں میں پہچانی جا سکتی ہیں۔''

''مگر وہ پاگل آدمی..... آخر وہ کون ہے اور اس کا کیا مقصد ہے۔''

''فی الحال میں نہیں بتا سکتا۔ میں سمجھ ہی نہیں سکا۔ لیکن اتنی بات جانتا ہوں کہ وہ کوئی خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ورنہ یہ لوگ ایسے نہیں کہ اس قسم کی تفریحات میں وقت ضائع کریں۔''

کچھ دیر خاموشی رہی پھر حمید نے کہا۔

''تو پھر اب تو یہ بات صاف ہوگئی کہ صدانی اور اس کی سیکریٹری کا قتل اسی الماری کی وجہ سے ہوا۔ ظاہر ہے کہ اس میں کروڑوں کا مال رہا ہوگا۔''

''مگر صدانی کا قتل کیوں!'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''ان کا یہ مقصد اُس قتل کے بغیر بھی حل ہوسکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ صدانی اس دفتر میں سوتا نہیں تھا اور اس کی سیکریٹری کسی وقت بھی دفتر میں داخل ہوسکتی تھی۔ اس کی عدم موجودگی میں اپنے ساتھ آدمی بھی لے جاسکتی تھی۔ کسی کو زر برابر بھی شبہ نہ ہوتا۔''

''ہوسکتا ہے صدانی کچھ بھانپ گیا ہو۔'' حمید نے کہا۔

''ہاں یہ ممکن ہے۔'' فریدی نے کہا اور اسٹوو پر سے کافی کے برتن اتارنے لگا۔

پھر وہ خاموشی سے کافی پیتے رہے۔ اچانک حمید کو انور یاد آ گیا۔

''انور سجاد کے جنرل منیجر کے لئے کام کر رہا ہے۔''

''مجھے معلوم ہے..... اور وہ جو کچھ بھی کر رہا ہے اُسے کرنے دو۔''

''قاسم بھی یہیں آ گیا ہے اور اُسے رشیدہ سے عشق ہوگیا ہے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔

''میجر نصرت وغیرہ بیکار وقت اور جانیں ضائع کر رہے ہیں۔ وہ اس نیم وحشی آدمی کا ٹھکانہ نہیں معلوم کرسکیں گے۔''

''اوہ..... اُسے تو میں بھول ہی گیا تھا۔'' حمید نے کہا۔ ''آخر یہ حیرت انگیز آدمی؟ اس کا مقصد بھی میں نہیں سمجھ سکتا۔ آخر اس کی پیٹھ پر لمبے لمبے بال کیسے اُگ آئے۔''

''کیا تم اُن بن مانسوں کو بھول گئے۔''

''لیکن اس گھوڑے کا کیا مقصد ہے۔''

''مجھے حیرت ہے کہ اتنی معمولی سی بات تمہاری سمجھ میں نہ آسکی۔'' فریدی سگار سلگا کر بولا۔ ''وہ محض لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کے لئے ہے۔ ایک عجوبہ! لوگ اس کا تعاقب کرتے ہیں اور تعاقب کرنے والے لاپتہ ہوجاتے ہیں۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ جیرالڈ کی وہ ... دوز دنیا چند آدمیوں کی محنت کا نتیجہ تھی۔ میرا خیال ہے کہ جیرالڈ ارجن گھاٹی میں دوسری ... دوز رہائش گاہیں تعمیر کرا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے لئے بہت سے کام کرنے والوں کی ... رت پیش آئے گی اور اس کے لئے روپیہ حاصل کرنے کا طریقہ تو تم دیکھ ہی چکے ہو۔ ... کی الماری۔''

''ٹھیک ہے۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔

''مگر سوال تو یہ ہے کہ وہ نیم وحشی تعاقب کرنے والوں کو کس راستے سے چٹانوں کی ... کی طرف لے جاتا ہے۔'' فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ''ظاہر ہے کہ وہ آسان ہی ... ہوگا ورنہ لوگ کیوں اس کے پیچھے سر مارتے پھریں۔''

''یہ بھی ٹھیک ہے۔''

''اور میں اُسی راستے کی تلاش میں ہوں۔''

''میرا خیال ہے کہ وہ راستہ بھی انتہائی خطرناک ہوگا۔'' حمید نے کہا۔ ''اُس خونی چٹان ... رح..... اور وہ کہہ بھی رہا تھا کہ ضرورت پڑنے پر وہ وہاں کی ساری چٹانوں کو اتنا ہی ... بنا سکتے ہیں۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ انہوں نے کافی ختم کی اور حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ تھوڑی دیر ... ں نے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ اب اُن چٹانوں پر بمباری کی جائے گی۔''

''ان کے لئے ایٹم بم چاہئے۔'' فریدی نے کہا۔ ''مگر خیر..... یہ فضول کاروائی بھی ... ے لئے مفید ثابت ہوگی۔''

''بہتیری باتیں ہیں..... مگر میرا خیال ہے کہ اب تم تھوڑا سا سو لو۔''

''ناممکن..... شائد ہی نیند آئے۔ جولی بڑی حسین لڑکی تھی..... ان کم بختوں نے

گڑبڑ کردی ورنہ میں اُسی وقت اس سے شادی کر لیتا۔''

''اونہہ.....!'' فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''کام کی باتیں کرو..... اب تمہارے یہ پروگرام ہے کہ تم دو دن تک شیزان ہوٹل میں نہیں جاؤ گے..... اور اب یہ کیپٹن پرکاش وا حیثیت ختم کرو۔ تم دوسرے میک اپ میں شہر جاؤ۔ اپنے لئے دوسرا سامان خریدو..... دو تک کسی دوسرے ہوٹل میں قیام کرو۔ پھر وہاں سے شیزان منتقل ہو جاؤ۔ انور رشیدہ اور تا سے ملنے کی ضرورت نہیں..... ان سے الگ ہی رہو۔''

''اور مجھے کرنا کیا ہوگا۔''

''مکھی مارنا..... جب ضرورت ہوگی طلب کر لوں گا۔''

اچانک حمید کو وہ پُر اسرار انگریز مورگن یاد آ گیا جو سوٹ کیس میں ایک سیمی مشین گ لئے پھرتا تھا۔ اُس نے فریدی سے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''مگر ہے چالاک..... م ایک بار بھی اس کا تعاقب کرنے میں کامیاب نہیں ہوا۔''

فریدی کچھ سوچنے لگا..... پھر اس نے کہا۔ ''کام بڑھتا ہی جا رہا ہے..... مورگن کے متعلق تم میجر نصرت کو مطلع کر دو۔ اُس سے کہو کہ وہ اس کی نگرانی کرائے۔ لیکن فی الحال پکڑنے کی ضرورت نہیں۔''

''کیا میں یہ کام نہیں کر سکتا۔'' حمید بولا۔

''نہیں..... میں نہیں چاہتا کہ اب کی وہ لوگ تمہیں ختم ہی کر دیں۔''

''پھر میں کیا کروں گا۔''

''تفریح..... ویسے تم مورگن پر نظر رکھ سکتے ہو۔ لیکن کسی کے تعاقب کے چکر میں نہ پڑنا سمجھے۔''

''کیا آپ مستقل طور پر اسی غار میں رہیں گے۔''

''ہاں..... یہ ارجن گھاٹی سے نزدیک ہے لیکن تم کبھی خود سے یہاں آنے کی حماقت نہ کرنا..... مجھے جب ضرورت ہوگی کسی نہ کسی ذریعے سے بلوا لوں گا یا خود ہی تم تک پہنچ جاؤں گا۔''

''اچھا یہ بتائیے کہ آپ کو اس معاملے میں جیرالڈ کا خیال کب اور کیسے ہوا۔''

محض طریقہ کار کی بناء پر۔ اس نیم وحشی آدمی کی شخصیت اور تعاقب کرنے والوں کی ی۔ تم پر اس وحشی کا حملہ..... وہ عجیب وغریب چٹان..... اس صدی میں جیرالڈ کے علاوہ ا ایسا پیدا ہوا ہے جو اتنے سائنسی طریقے اختیار کر سکے۔''

حمید اونگھنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد فریدی نے اُسے جھنجھوڑ کر کہا۔ ''اچھا اب میں تمہیں کسی ہلے چھوڑ آؤں جہاں سے تم بآسانی شہر تک پہنچ سکو۔ لیکن اس سے پہلے میک اپ ..... بڑی احتیاط کی ضرورت ہے اور میں ایسے موقع پر تمہیں رومان لڑانے کی اجازت ہرگز ا گا۔''

میک اپ میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ شاید فریدی نے سامان پہلے ہی سے تیار کر رکھا تھا۔

چلتے وقت اس نے حمید سے کہا۔ ''جناب اپنی اس چہیتی چوہیا کو یہیں چھوڑ جائیں تو بہتر نہ ساری محنت برباد ہو جائے گی۔ یہ کمبخت بھی بڑی سخت جان نکلی۔''

حمید بدقت تمام اس پر راضی ہوا۔ ''لیکن دیکھئے۔'' اس نے کہا۔ ''اسے کوئی نقصان نہ پہنچے۔ ی کی زندگی کا بیمہ کرانے والا ہوں اور پھر برخوردار بغرا خاں سے اس کی شادی کروں گا۔''

''بعض اوقات تمہاری بکواس بڑی غیر دلچسپ ہوتی ہے۔ ہنسانے کے چکر میں احمق جا رہے ہو۔''

اس ریمارک پر حمید کچھ جھینپ سا گیا اس لئے اُس نے یک بیک سنجیدہ بننے کی کوشش نے ہوئے کہا۔ ''کیا میں میجر نصرت کو یہاں آپ کی موجودگی سے مطلع کر سکتا ہوں۔''

''نہیں..... اس کی ضرورت نہیں۔''

''پھر میں مورگن کی نگرانی کے لئے کس حوالے سے کہوں گا۔''

''مارو گولی..... میں چاہتا ہی نہیں کہ اب تم میجر نصرت سے ملو۔ مورگن کو بھی جہنم میں ..... مجھے تو جیرالڈ کی تلاش ہے۔''

''ہو سکتا ہے مورگن ہی جیرالڈ ہو۔''

''کیا وہ تاریک چشمہ لگاتا ہے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''نہیں.....!''

''تب تو وہ خیر الڈنہیں ہوسکتا.....!'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

''لیکن کیپٹن پرکاش کے سامان کا کیا ہوگا۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ میں نے نقدی اپنے پا ہی رکھی تھی۔''

''اب تم کھسکو.....!'' فریدی دانت پیس کر اُسے گھونسہ دکھاتا ہوا بولا۔

حمید کو شہر پہنچتے پہنچتے صبح ہوگئی۔ اس نے سب سے پہلے احتیاط ایک تاریک شیشوں والی عی خریدی پھر روزانہ کی ضرورت سے متعلق سامان خرید کر ایک متوسط درجہ کے ہوٹل میں مقیم ہوگیا۔

اسی دوپہر اس نے خبر سنی کہ ارجن گھاٹی میں ایک سرکاری طیارے سے بمباری کی گئی لیکن کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ پھر شام ہوتے ہوتے اس عجیب وغریب چٹان کے متعا طرح طرح کی خبریں گشت کرنے لگیں۔ سب سے زیادہ حیرت انگیز یہ خبر تھی کہ جیسے ہی طیا اس چٹان پر سے گزرنے لگا۔ اس میں خود بخود آگ لگ گئی اور وہ گر کر تباہ ہوگیا۔

لیکن دوسرے دن کے اخبارات نے اس کی تردید کردی۔ وہ سو فیصدی افواہ تھی۔ لیکن اس سلسلے میں صحیح خبر بھی کم حیرت انگیز نہ تھی۔ اس چٹان پر دس پونڈ وزنی کئی بم گرائے گئے لیکن اس سے ایک معمولی سا ٹکڑا بھی الگ نہیں ہوا۔ وہ جوں کی توں قائم رہی اس کے برعکس دو بہتیری چٹانوں کے کافی حصے تباہ ہوگئے۔ آگے چل کر لکھا کہ اس بمباری کے نتیجے میں ٹو پھوٹ کے باوجود بھی چٹانوں کو پار کرنے کے لئے کوئی راستہ نہیں بن سکا۔ اسی کے ساتھ ہی خبر بھی تھی کہ پچھلے دو دنوں سے وہ نیم وحشی آدمی نظر نہیں آیا۔

اسی دن کے اخبار میں حمید کو ایک دوسری حیرت انگیز چیز نظر آئی۔ یہ کسی مسٹر فیلڈ کے بنگلے میں نقب زنی سے متعلق تھی۔ خبر کے مطابق مسٹر اور مسز فیلڈ جو اپنے ایک نیم دیوانے بچ کے علاج کے سلسلے میں رام گڑھ میں مقیم ہیں۔ اپنا بہت سا سرمایہ کھو بیٹھے۔ چوری نقب کے ذریعے ہوئی۔ مسروقہ چیزوں میں مسز فیلڈ کی پالتو چوہیا بھی تھی جسے موصوفہ نے بڑی محنت سے ٹرین کیا تھا اور وہ کئی طرح کے کرتب دکھاتی تھی۔

پولیس میں رپورٹ درج کرادی گئی ہے۔

حمید کو ان لوگوں کی دیدہ دلیری پر حیرت ہونے لگی۔

حمید اور فریدی کے لئے یہ ایک کھلا ہوا چیلنج تھا یعنی وہ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ رہی چوہیا تو حمید اُسے کسی عدالت میں بھی اپنے دعوے کے ثبوت میں نہیں پیش کرسکتا تھا۔ بہرحال ان لوگوں پر یہی ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ فریدی یا حمید اُن کے خلاف کوئی ثبوت مہیا نہیں کرسکیں گے۔

حمید ابھی تک یہی سمجھ رہا تھا کہ اس کے فرار ہوجانے کے بعد وہ لوگ اس عمارت میں نہ رہ سکیں گے۔ لیکن معاملہ اس کے برعکس نکلا۔

دو دن گزرنے کے بعد حمید نے پھر شیزان ہوٹل کی راہ لی اور اُسے ایک خالی کمرہ مل ہی گیا۔ سب سے پہلے اس نے مورگن کی خبر لی۔ وہ بدستور وہاں مقیم تھا..... انور، رشیدہ اور قاسم بھی تھے۔ لیکن حمید کو انور کی مصروفیت کے متعلق کچھ نہ معلوم ہوسکا۔

البتہ اسی شام کو وہ قاسم کی ایک حماقت سے کافی محظوظ ہوا۔

ہوا یہ کہ رشیدہ ایک خالی کیبن میں بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ حمید کھلے ہال میں کیبن کے سامنے والی میز پر بیٹھا شام کا اخبار دیکھ رہا تھا کہ قاسم اپنے ہاتھ میں گٹھری سی لٹکائے ہوئے اس کے قریب سے گزرا اور رشیدہ والے کیبن میں چلا گیا۔ اُس نے وہ گٹھری میز پر رکھ دی۔

''یہ کیا ہے؟'' رشیدہ نے پوچھا۔

''گوبھی کے تازہ ترین پھول۔'' قاسم نے سعادت مندی سے کہا۔

''تم پاگل تو نہیں ہوگئے۔'' رشیدہ جھنجھلا گئی۔ ''کل بھی تم نے یہی حرکت کی تھی۔ مگر میں ٹال گئی تھی۔''

''تو کیا وہ پھول باسی تھے۔'' قاسم نے پوچھا۔

''آخر یہ ہے کیا بدتمیزی..... اور آج تم انہیں یہاں سب کے سامنے اٹھا لائے۔''

''کمرے میں پہنچا دوں.....!'' قاسم نے بڑی لجاجت سے کہا۔

''میں کہیں تمہارے سر پر چائے دانی نہ توڑ دوں۔'' رشیدہ آپے سے باہر ہوگئی۔

''مجھے تو معلوم ہوا تھا کہ تمہیں گوبھی کے پھول پسند ہیں۔'' قاسم رونی شکل بنا کر بولا۔

''کس گدھے نے کہا۔''

''حمید بھائی نے.....!''

''اوہ.....!'' رشیدہ خاموش ہوگئی پھر ہنسنے لگی اور اس نے کہا۔ ''تم آخر اتنے بیوقوف کیوں ہو۔''

''اس میں بیوقوفی کی کیا بات ہے۔'' قاسم بُرا مان گیا۔ ''تم کبھی کچھ کہتی ہو کبھی کچھ۔ ایک بار تم نے کہا تھا کہ میں بالکل بے وقوف نہیں ہوں اور اب بیوقوف ہوں۔''

رشیدہ کی ہنسی تیز ہوگئی۔ آخر بدقت تمام وہ سنجیدگی اختیار کرنے میں کامیاب ہوئی اور اس نے پوچھا۔

''دو دن سے حمید صاحب نہیں دکھائی دیئے۔''

''دکھائی تو دے سالا.....!'' قاسم دانت پیس کر بولا۔ ''میں اسے کچا چبا جاؤں گا۔''

حمید کو ہنسی ضبط کرنا دشوار معلوم ہو رہا تھا اس لئے وہ وہاں سے اٹھ گیا۔

قاسم بھی طرح طرح کے منہ بناتا ہوا کیبن سے نکل آیا۔ اگر اسے واقعی حمید مل جاتا تو وہ اُسے مار بیٹھنے سے بھی نہ چوکتا۔ وہ حمید کو دل ہی دل میں گالیاں دیتا ہوا ایک خالی میز پر جا بیٹھا۔

شام کافی خوشگوار تھی اور ہال میں لوگوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ لڑکیوں کی بہتات تھی۔ قاسم اپنے ہونٹ چاٹتا ہوا ایک ایک کو گھورنے لگا۔ پھر اس کی نظریں ایک اینگلو انڈین عورت پر جم گئیں جو کافی لحیم شحیم تھی اور عمر اٹھائیس سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ اس نے بھی قاسم کی طرف دیکھا اور پھر بڑی ادا سے مسکرا کر منہ پھیر لیا۔

قاسم کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ اس عورت کو گھورے جا رہا تھا۔ اب کی بار اس نے قاسم کو آنکھ ماردی۔ بس پھر کیا تھا..... قاسم کی روح اس کے جسم کے اندر سر کے بل کھڑی ہوگئی۔ اس

دل چاہ رہا تھا کہ وہ بھی اس کو آنکھ مار دے۔ لیکن مصیبت تو یہ تھی کہ اُسے آنکھ مارنا آتا ہی نہیں تھا۔ وہ اکثر آئینہ سامنے رکھ کر آنکھ مارنے کی مشق کیا کرتا تھا۔ مگر اس کی دونوں آنکھیں بند ہو جاتی تھیں اور اوپری ہونٹ سکڑ کر ناک سے جا ملتا تھا۔

عورت بار بار اس کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگی۔ قاسم نے سوچا کہ اسے بھی کم از کم جواب میں مسکرانا تو ضرور چاہئے ورنہ وہ جانے کیا خیال کرے۔ قاسم کو اپنی مسکراہٹ پر بھی قابو نہیں تھا۔ اس کے بتیسوں دانت نکل آئے پھر اس نے عورت کو باہر جاتے دیکھا اور تعاقب کا بھوت اس کے سر پر سوار ہوگیا۔

جب آنکھ کھلی

باہر نکل کر وہ عورت ایک کار میں بیٹھی اور ایک طرف روانہ ہوگئی۔ وہ خود ہی کار ڈرائیو کر رہی تھی۔

قاسم نے بھی ایک ٹیکسی لی اور اس کے پیچھے چل پڑا۔ اگلی کار شہر سے نکل کر ایک ویران سڑک پر ہولی۔ قاسم نے ذرہ برابر پرواہ نہ کی۔ تعاقب برابر جاری رہا۔

سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا اور چٹانوں پر نارنجی رنگ کی دھوپ بکھری ہوئی تھی۔ ایک جگہ اگلی کار رک گئی۔ قاسم کی ٹیکسی کافی فاصلے پر تھی۔ عورت کار سے نکل کر سڑک کے کنارے کھڑی ہوگئی اور اس طرح ہاتھ ہلانے لگی جیسے ٹیکسی کو رکوانا چاہتی ہو۔ ڈرائیور نے چونک کر قاسم کی طرف دیکھا۔

''روک دو پیارے۔'' قاسم ہانپتا ہوا بولا۔ اسے توقع نہ تھی اس کی۔

ٹیکسی رک گئی اور عورت اس کی طرف بڑھی۔ قاسم کے سارے جسم پر پسینہ چھوٹ پڑا۔ معلوم نہیں وہ اس سے کس طرح پیش آئے۔

''اوہ.....تم آ ہی گئے ڈارلنگ۔'' عورت نے سریلی آواز میں کہا اور قاسم اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔

''جاؤ تم جاؤ۔'' قاسم ڈرائیور کے ہاتھ میں دس دس کے دو نوٹ ٹھونستا ہوا بولا اور اناج سے بھرے ہوئے بورے کی طرح ٹیکسی سے نیچے لڑھک گیا۔

ٹیکسی واپس چلی گئی اور قاسم وہیں کھڑا ہانپتا رہا۔عورت اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھی۔

''تم بڑے پیارے ہو ڈارلنگ.....!'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''مم..... میں..... ہاں میں بڑا پیارا ہوں۔'' قاسم نے جلدی سے کہا اور پھر غلطی کا احساس ہونے پر اپنے ہونٹ مسلنے لگا۔

''میں تم سے محبت کرتی ہوں۔'' عورت نے کہا۔

اور نہ جانے کیوں قاسم نے جھینپ کر اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبالیا۔

اس کی آنکھیں بھی جھک گئیں اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔

''بڑی خوشگوار شام ہے۔'' عورت بولی۔''آؤ ہم تھوڑی دیر کسی چٹان پر بیٹھ کر دنیا کے غم بھول جائیں۔''

''بھول جائیں گے۔'' قاسم ہکلایا۔

''آؤ تم میری مدد کرو۔'' عورت نے کہا اور اپنی کار سے ایک ٹوکری نکالی جس میں کھانے پینے کی چیزیں تھیں۔تھرماس اٹھایا.....قاسم نے ٹوکری اور تھرماس لے لئے۔پھر دونوں ایک طرف چلنے لگے۔

وہ دو چٹانوں کی ایک درمیانی دراڑ میں آ بیٹھے۔

''میں تمہیں خواب میں دیکھا کرتی تھی۔'' عورت بولی۔

''میں بھی دیکھتا تھا۔'' قاسم نے کہا۔اب اس کی بدحواسی کچھ دور ہوگئی تھی۔

''تم بڑے اچھے ہو۔'' عورت اٹھلائی اور اس نے ناشتے کی ٹوکری سے دو گلاس نکالے۔

''ہم ایک دوسرے کا جام صحت پئیں گے۔'' اس نے کہا۔

''ضرور پئیں گے۔'' قاسم بولا اور وہ ناشتے کی ٹوکری خالی کرنے میں اس کا ہاتھ بھی نے لگا۔ پائیاں، چاپس، تلے ہوئے چوزے دستر خوان پر رکھ دیئے گئے۔قاسم کو اور چاہئے کیا تھا۔عورت.....اور کھانے پینے کا سامان، تلے ہوئے چوزے دیکھ کر پہلے ہی اس کی ٹپکنے لگی تھی۔

تھرماس سے گلاسوں میں شراب انڈیلی گئی۔دونوں نے گلاس ٹکرائے اور قاسم ایک ہی ں میں اپنا گلاس خالی کر گیا۔اس نے آج زندگی میں دوسری بار شراب پی تھی اور اُسے اپنا تجربہ بھی یاد آنے لگا تھا۔اچانک اسے اپنے باپ کا ہنٹر بھی یاد آ گیا لیکن اس کے کان پر نک نہ رینگی کیونکہ آج پہلی بار اُس کی سب سے بڑی خواہش پوری ہوئی تھی یعنی ایک ڑی'' سی عورت کا قرب نصیب ہوا تھا۔

حالانکہ صرف اس نے ایک ہی گلاس پیا تھا اور ظاہر ہے کہ کمزور اعصاب کا آدمی بھی تھا۔مگر پھر بھی اُس کا دماغ الٹ گیا۔

''جان من.....!'' وہ عورت کی گردن دبوچ کر بولا۔''میں دنیا کا سب سے زیادہ طاقت ور ہوں..... میں لوہے کی بڑی بڑی بلاخیں..... بلاخیں.....نہیں سلاخیں موڑ سکتا ہوں۔ سے گوہے کے لولے نکال سکتا ہوں۔''

''گوہے کے لولے کیا چیز۔'' عورت نے ہنس کر گردن سے اس کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے پوچھا۔

''گوہے کے لولے نہیں، لوہے کے گولے۔'' قاسم نے کہا۔

''تم واقعی ایسے معلوم ہوتے ہو.....لو اور پیو۔'' اس نے تھرماس سے اس کے گلاس میں ڑیل دی۔

قاسم دوسرا گلاس خالی کر کے اٹھا اور ایک بڑا سا پتھر اٹھانے لگا۔اتنا بڑا کہ تین آدمی بھی ے اٹھانے کی ہمت نہ کر سکتے۔اس نے اسے اٹھا کر چار پانچ گز کے فاصلے پر اچھال دیا۔ ت حیرت سے منہ پھاڑے اُسے گھور رہی تھی۔لیکن اب شراب اپنا کام کر چکی تھی۔قاسم کو ڑے ہی کھڑے بڑے زور کا چکر آیا اور دھڑام سے زمین پر گر پڑا۔

عورت کے چہرے پر اطمینان نظر آنے لگا تھا۔ اس نے اپنا گلاس جس سے ابھی تک ایک گھونٹ بھی نہیں پیا گیا تھا اٹھایا اور زمین پر الٹ دیا۔

قاسم کئی گھنٹے تک بے ہوش رہا اور جب اُسے ہوش آیا تو وہ یہی سمجھا کہ شاید وہ اپنے کمرے میں سو رہا ہے۔ اس نے کروٹ بدلی اور اس کے نیچے خشک گھاس کرکرا کر رہ گئی۔ وہ اونگھ رہا تھا اور اسی اونگھنے کے دوران میں اسے وہ تگڑی سی عورت یاد آئی اور اس کی آنکھیں کھل گئیں اور پھر وہ اچھل کر اٹھ بیٹھا۔ اس کے نیچے سوکھی ہوئی گھاس کا ڈھیر تھا اور وہ جہاں بھی تھا وہاں سے اُسے آسمان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اس نے آنکھیں ملیں اور چندھیایا ہوا چاروں طرف دیکھنے لگا۔ وہ کسی غار میں تھا اور وہ اتنا بے وقوف بھی نہیں تھا کہ اس غار میں بجلی کا بلب روشن دیکھ کر بوکھلا نہ جاتا۔

آہستہ آہستہ اس کے حواس خمسہ بیدار ہوتے جا رہے تھے اور اب اُسے اس شور کا احساس ہوا جو اُسے پہلے بھی مسلسل سنائی دیتا رہا تھا۔ مگر اس نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے پتھر توڑے جا رہے ہوں۔

وہ گھبرا کر غار کے دہانے سے نکل آیا۔ پہلے تو اسے ایسا معلوم ہوا کہ جیسے وہ اندھیرے سے دھوپ میں آ گیا ہو لیکن پھر اس کی سمجھ میں آیا کہ وہ بجلی کی بہت ہی تیز قسم کی روشنی تھی اور اس کے سامنے بے شمار آدمی چھینیوں اور ہتھوڑیوں سے پتھر کی دیواریں تراش رہے تھے۔

ایک پستہ قد اور موٹا سا انگریز اس کی طرف جھپٹا۔

''تم جاگ پڑے..... بدمعاش..... سور..... کمینے۔'' وہ قاسم کو گھونسہ دکھا کر بولا۔

''زبان سنبھال کے ذرا.....!'' قاسم کو غصہ آ گیا۔

''تم میری عورت کو خراب کرنا چاہتے تھے۔'' انگریز نے چیخ کر کہا اور قاسم اردو ہلا ہکلانے لگا۔

''ارے توبہ..... ارے پیارے..... نہیں تو الاقسم.....!''

''میں تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں گا۔''

قاسم کانپنے لگا۔ اب اس کے منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ آخر اُس نے بہت سوچ کر ''نہیں میں تو تمہاری بیوی کو اپنی طاقت کا نمونہ دکھا رہا تھا۔''

''بکتے ہو.....!'' انگریز چیخا۔

''اس سے پوچھو کیا میں نے اُسے ایک بڑا وزنی پتھر اٹھا کر نہیں دکھایا تھا۔ کوئی دس بارہ رہا ہوگا۔''

''دس بارہ من.....!'' انگریز بگڑ کر بولا۔ ''اس سے بڑا جھوٹ اور کیا ہوگا۔''

''نہیں الاقسم..... یعنی کہ بائی گاڈ میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔''

''ابھی امتحان ہو جاتا ہے۔'' انگریز نے کہا۔ ''میرے ساتھ آؤ۔''

وہ اُسے ایک ایسی جگہ لایا جہاں پتھر کی بہت بڑی بڑی سلیں رکھی ہوئی تھیں۔ ''ان میں کوئی ایک اٹھا سکتے ہو۔'' انگریز نے پوچھا۔

''ہاں کیوں نہیں.....؟''

''اچھا تو جہاں میں کہوں ایک اٹھا کر لے چلو۔''

قاسم نے جھک کر ایک سل اٹھائی اور انگریز کے ساتھ چلنے لگا۔ اُسے زیادہ دور نہیں جانا پڑا۔

''یہیں ساری سلیں اٹھالاؤ۔'' انگریز بولا۔

''کیوں اٹھالاؤں..... تمہارے باپ کا نوکر ہوں۔''

''گردن توڑ دی جائے گی۔'' انگریز اُسے گھونسہ دکھا کر بولا۔ ''یہی کیا کم ہے کہ میں نے تمہیں زندہ رہنے دیا..... تم میری بیوی کو پھانس رہے تھے۔''

''وہ خود مجھے پھانس کر لائی تھی۔''

''بکواس ہے..... جو کام کہا جائے چپ چاپ کرو..... ورنہ مار ڈالے جاؤ گے۔''

''واہ اچھی زبردستی ہے۔''

''چلو..... ورنہ تمہارا قیمہ کر دیا جائے گا۔''

قاسم نے سوچا بُرے پھنسے..... نہ جانے یہ لوگ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔ اس نے

چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ لوگ بڑے انہماک سے اپنا کام کر رہے تھے لیکن سب انگریز نہیں تھے۔ انکی حالت تباہ تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ان سے بھی زبردستی کام لیا جا رہا تھا۔

قاسم چپ چاپ سلیں ڈھونے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہیں سچ مچ اسے پولیس کے حوالے نہ کر دیا جائے اور اگر اس عورت نے بھی اسی کے خلاف شہادت دی تو پھر مصیبت ہی آ جائے گی۔ سلیں ڈھو چکنے کے بعد وہ چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔

یہاں اس پستہ قد کے علاوہ دو انگریز اور بھی تھے مگر وہ کام نہیں کر رہے تھے۔

''اے ٹم ایدھر سنو.....!' انگریز نے ایک مزدور کو مخاطب کر کے کہا۔ ''اس موٹے آدمی کو کام بتاؤ۔''

مزدور نے قاسم کو اشارہ کر کے پاس بلایا۔

''یہ سب کیا ہو رہا ہے۔'' قاسم نے پوچھا۔

''پتہ نہیں۔'' مزدور نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''آپ آج ہی پھنسے ہیں کیا۔''

''پھنسا ہوں..... کیا مطلب۔''

''کیا آپ اس حرامزادے کا پیچھا کرتے نہیں آئے تھے۔''

''کس حرامزادے کا۔''

''وہی..... حضرت سلیمان کا گھوڑا۔''

''ارے.....!'' قاسم حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ ''کیا وہی تمہیں لایا تھا۔ تو کیا تم لوگ وہی ہو جو اس کے پیچھے دوڑے تھے۔''

''جی ہاں..... اور اب ہم قیدی ہیں۔ ہم سے زبردستی یہ کام لیا جا رہا ہے۔ اگر ہم میں سے کوئی انکار کرتا ہے تو وہ ظالم اسے مارتے مارتے ادھ موا کر دیتا ہے۔''

''کون مارتا ہے؟''

''وہی جانور..... گھوڑا۔''

ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ قاسم نے گھوڑے کی ہنہناہٹ کی آواز سنی اور پھر اُسے وہ

انسان دکھائی دیا۔ جس کی پیٹھ پر گھوڑے کی ایال کے سے بال تھے۔ وہ اس وقت بھی کے بل چل رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی کام کرنے والوں کے ہاتھ پیر تیزی سے چلنے گھٹنوں کے بل چلتا ہوا گویا کام کی نگرانی کر رہا تھا۔ اس کے آتے ہی وہاں سے لوگ چلے گئے۔ کام بڑی تیزی سے ہو رہا تھا۔ دفعتاً اس حیوان نما انسان نے گھٹنوں چلتے ہوئے ایک مزدور کو دولتی جھاڑ دی وہ بے چارہ سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا اور زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کا سر پھٹ گیا تھا لیکن کام بدستور جاری رہا۔ کسی نے مڑ کر اس دیکھا تک نہیں۔ کام کرنے والوں کی نظریں سامنے تھیں اور ان کے ہاتھ مشینوں کی رہے تھے لیکن چہرے تو مشین تھے نہیں کہ ان پر خوف کے آثار نظر نہ آتے۔

قاسم گرے ہوئے مزدور کو اٹھانے دوڑا۔

''ٹم کام نہیں کرتا سالا.....!'' وحشی نے دہاڑ کر کہا۔

قاسم اس کی پرواہ کئے بغیر اُسے اٹھانے کے لئے جھکا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس کے کی دولتی پڑی۔ اگر قاسم نے اپنے ہاتھ زمین پر نہ ٹیک دیئے ہوتے تو اس کے چہرے کا بن گیا ہوتا۔

قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ غصے کی آگ اس کے سارے جسم میں بھڑک اٹھی۔

''ہم سالومن کا گھوڑا..... مالم.....!'' وحشی نے ہنہنا کر کہا۔

''تیری دم میں نمدا باندھوں سالے..... میں ہاتھی ہوں۔'' قاسم اس پر ٹوٹ پڑا۔

وحشی بڑی پھرتی سے اس کی گرفت سے نکل گیا۔ اب وہ بھی سیدھا کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کا بہت زیادہ خوفناک نظر آنے لگا۔ ہونٹ کانوں کی لوؤں تک پھٹے معلوم ہو رہے تھے۔ قاسم سے دیوانہ ہو رہا تھا اور یہ کہنا بجا ہو گا کہ اُسے اس کی شکل نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ پھر اس لپٹ پڑا۔ لیکن قاسم نے دوسرے ہی لمحے محسوس کیا کہ اس کا سارا جسم لوہے کی طرح سخت دونوں زور کرنے لگے۔

اچانک کام رک گیا اور کام کرنے والے چیخ چیخ کر قاسم کا دل بڑھانے لگے اور پھر تین

چار انگریز بھی آ گئے۔ انہوں نے تحیر آمیز نظروں سے ان دونوں کو دیکھا اور کشتی ختم کرانے کے لئے زور زور سے چیخنے لگے۔

لیکن وہ کسی طرح بھی الگ نہیں ہوئے۔ ہر ایک کی یہی کوشش تھی کہ وہ دوسرے کو زمین پر گرا دے لیکن ابھی تک کوئی بھی کامیاب نہیں ہوا تھا۔

اچانک کسی نے چیخ کر کہا۔ ''سانوٹے ہٹ جا..... ورنہ بہت مار کھائے گا۔''

اس آدمی میں نہ جانے کیا تھا کہ وحشی کے ہاتھ پیر کانپنے لگے اور وہ یکلخت اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ قاسم اس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اسی آواز نے کہا۔

''ٹھہرو.....!''

قاسم نے رک کر آواز کی طرف دیکھا۔

ایک دراز قد انگریز سامنے کھڑا تھا جس کے چہرے کے دوسرے خدوخال اور آنکھوں سے ہم آہنگی نہیں تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ آنکھیں اس کے چہرے سے بالکل ہی الگ ہوں۔

قاسم اُسے پہلی ہی نظر میں پہچان گیا۔ یہ جیرالڈ شاستری تھا۔

''ارے آپ شاستری صاحب۔'' قاسم چیخ کر اس کی طرف بڑھا۔

''ہاں میں ہوں۔'' جیرالڈ نرم لہجے میں بولا۔ ''تم تو پہلے بھی ہمارے دوست تھے۔''

''اب بھی دوست ہی ہوں۔'' قاسم بولا۔

کام پھر شروع ہو گیا تھا۔ جیرالڈ وحشی کی طرف مڑ کر بولا۔ ''سانوٹے اپنے غار میں جاؤ۔''

وہ چپ چاپ وہاں سے چلا گیا۔

''میرے ساتھ آؤ۔'' جیرالڈ نے قاسم سے کہا۔

وہ اسے ایک دوسرے کمرے میں لایا جو مکمل ہو چکا تھا۔ یہ کمرہ قاسم کو ویسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے اس نے جیرالڈ کی پچھلی زمین دوز دنیا میں دیکھے تھے۔

جیرالڈ اُس سے ادھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا اور اس سے اس نے یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ اس کی شادی کسی تگڑی سی عورت سے کر دے گا۔ پھر اس نے پوچھا۔

''فریدی اور حمید کہاں ہیں!''

''فریدی کا پتہ نہیں.....!'' قاسم نے کہا۔ ''لیکن حمید شیزان ہوٹل میں ہے۔ اس نے اپ کر رکھا ہے اور وہ خود کو کیپٹن پرکاش کہتا ہے۔ لیکن دو دن سے دکھائی نہیں دیا۔ اُسے پکڑوایئے..... میں اس کی مرمت کرنا چاہتا ہوں..... لاحول ولاقوۃ گوبھی کے پھول.....

بی۔''

قاسم کی گھڑی

شیزان کے منیجر کے کمرے میں ایک پولیس انسپکٹر منیجر کا بیان درج کر رہا تھا۔ انور اور ہ بھی موجود تھے۔ بیان ختم ہو جانے کے بعد پولیس انسپکٹر کاغذ پر نظر ثانی کرتا ہوا فاؤنٹین جیب میں رکھنے لگا۔

''شیزان میں ایسے واقعات پہلی بار ہوئے ہیں۔'' منیجر بولا۔ ''پہلے کیپٹن پرکاش غائب ہر یہ قاسم صاحب.....!''

''اس دوسرے آدمی کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ پیسے ختم ہو جانے کی وجہ سے سامان ر کر بھاگ گیا۔ اس کے سوٹ کیس میں تیس ہزار کے نوٹ موجود ہیں۔'' پولیس انسپکٹر نے کہا۔

''وہ کوئی مفلس آدمی تو نہیں ہے۔'' رشیدہ نے کہا۔ ''ایک بہت بڑے سرمایہ دار کا لڑکا

''

''اوہ ٹھیک ہے۔'' پولیس انسپکٹر جیب سے دوبارہ فاؤنٹین پن نکالتا ہوا بولا۔ ''آپ نے کا پتہ تو لکھوایا ہی نہیں۔''

رشیدہ نے قاسم کا پتہ لکھوا دیا کچھ دیر بعد انور اور رشیدہ منیجر کے آفس سے نکل آئے۔ وہ ل کافی دیر خاموش رہے پھر رشیدہ بولی۔

''انور.....اب ہمیں یہاں سے چل دینا چاہئے۔''

''کیوں.....!''

''بس یونہی.....اب میں یہاں نہیں ٹھہرنا چاہتی۔''

''تم شوق سے جاسکتی ہو۔''

''ہم آج ہی شام کی گاڑی سے واپس جائیں گے۔'' رشیدہ نے کہا۔

''تم جاؤ.....! مجھے مجبور نہ کرو.....کہ.....!''

''خواہ مخواہ بات نہ بڑھاؤ۔ تم اب تک یہاں جھک ہی تو مارتے رہے ہو۔ تم نے کیا معلوم کیا اب تک.....کیا کیا.....!''

''کچھ بھی نہیں.....لیکن ارجن گھاٹی والا واقعہ مجھے روکے رکھنے کے لئے کافی نہیں۔''

''میں تمہیں اس معاملے میں ٹانگ نہیں اڑانے دوں گی۔ سمجھے۔'' رشیدہ بولی۔

''تب تمہیں آج ہی یہاں سے سفر کرنا ہوگا.....معلوم ہوتا ہے کہ قاسم کے بغیر دل نہیں لگ رہا ہے۔''

''میں تمہارا منہ نوچ لوں گی.....سؤر.....!''

''ارر.....تو اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے۔ وہ ایک بہت بڑے سرمایہ دار کا لڑکا ہے۔''

''تم کتے ہو۔'' رشیدہ بپھر گئی۔ ''کیا اس کی دولت اس حکومت کا عشر عشیر بھی ہے جو میرے ہاتھ آرہی تھی۔''

انور نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ اس کی نظریں مورگن کا تعاقب کررہی تھیں جو اوپری منزل سے نیچے آکر صدر دروازے کی طرف جارہا تھا۔

''اس آدمی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔'' اس نے رشیدہ سے پوچھا۔

رشیدہ بدستور جھلائی بیٹھی رہی۔ انور نے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ حمید بھی اس کے چکر میں تھا۔ نہ جانے کیوں یہ پچھلے تین دنوں سے تاریک شیشوں کی عینک لگانے لگا ہے۔ پہلے نہیں لگاتا تھا۔''

''تو میں کیا کروں.....؟'' رشیدہ جھنجھلا کر بولی۔

''اس کے حرکات وسکنات مشتبہ ہیں۔'' انور نے اس کی جھلاہٹ پہ دھیان نہ دے کر ''یہ روز شام کو ایک سوٹ کیس لے کر باہر جاتا ہے اور شاید رات بھر واپس نہیں آتا۔''

''تو کیا یہی.....وہ مسٹر براؤن ہے۔'' رشیدہ نے پوچھا۔



پراسرار خبطی آدمی جسے اس کے ساتھی، بادشاہ کہتے تھے، دریچے کے قریب کھڑا خواب آنکھوں سے افق میں گھور رہا تھا۔ اس کے جسم پر بڑے پھولوں والا ریشمی لبادہ تھا اور ں میں مخمل کے کامدار جوتے تھے۔

دفعتاً وہ کسی کی آہٹ پر دروازے کی طرف مڑا۔

دروازے میں فیلڈ کھڑا تھا۔ وہ نہایت ادب سے سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکا اور پھر سیدھا ا ہوگیا۔

''کیا ہے۔'' دیوانے نے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔

''یور میجسٹی.....اس حکم نامے پر دستخط کریں گے۔''

''نہیں بھاگ جاؤ.....نکلو یہاں سے۔ ہم بہت مشغول ہیں۔''

''عالم پناہ.....یہ بہت ضروری ہے۔''

''اچھا تو جولی.....کو یہاں بھیج دو۔''

فیلڈ کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا لیکن وہ جھک کر بولا۔ ''اچھا جیسی جہاں پناہ کی مرضی۔'' ''پھر کمرے سے باہر نکل گیا۔

دیوانہ بدستور وہیں کھڑا رہا اور تاریکی پھیل گئی۔ ایک آدمی نے کمرے میں آکر روشنی کی اور دیوانہ چونک کر مڑا.....آدمی باہر جانے لگا۔

''ٹھہرو.....!'' دیوانہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ وہ آدمی رک گیا۔

''کیا تم بتا سکتے ہو کہ میرا نام کیا ہے۔'' دیوانے نے کہا۔

''شہنشاہ عالم.....!'' وہ آدمی تعظیماً جھک کر بولا۔ ''آپ ساری دنیا کے بادشاہ ہیں مختلف ملکوں میں آپ کے مختلف نام ہیں۔ ہم آپ کو عالم پناہ کہتے ہیں۔''

''لیکن میرا نام کیا ہے۔'' دیوانہ جھنجھلا کر بولا۔

''جس کا جو دل چاہتا ہے کہتا ہے۔''

''تم گدھے ہو۔'' دیوانے نے چیخ کر کہا۔ ''نکل جاؤ یہاں سے۔''

وہ آدمی ایک بار پھر تعظیماً جھکا اور کمرے سے نکل گیا۔

دیوانہ بڑی بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ [illegible] ہاتھ سے اپنی پیشا رگڑنے لگتا اور پھر اچانک وہ چیخ کر ایک صوفے پر گر گیا۔ اس کی خوفزدہ آنکھیں اس وحشی پر ہوئی تھیں جو گھٹنوں کے بل چلتا ہوا کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ صوفے کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اس کی بڑی بڑی اور خوفناک آنکھیں دیوانے کو گھور رہی تھیں۔ اچانک وہ تیزی پلٹا اور اتنی ہی پھرتی سے صوفے پر دولتی جھاڑ دی۔ صوفہ الٹ گیا۔ دیوانہ دوسری طرف گرا لیکن اس کے منہ سے آواز تک نہ نکل سکی۔ وحشی نے اچھل کر اُسے دبوچ لیا..... دوسرے لمحے میں وہ اپنے خونخوار دانتوں سے دیوانے کا لبادہ پھاڑ رہا تھا اور دیوانہ اس طرح سہما ہوا ہانپ رہا جیسے وہ کوئی ننھی منی سی چڑیا ہو اور ایک بڑا سا شکرا اسے نوچ رہا ہو۔ وحشی نے اس کے با جھنجھوڑ ڈالے تب بھی دیوانے کے منہ سے آواز نہ نکلی۔ اس نے اس کے بازو اس طرح چبا کہ خون بہنے لگا۔ لبادہ پہلے ہی تار تار ہو رہا تھا۔ وحشی ایک ہلکی سی ہنہناہٹ کے ساتھ پیچھے اور اپنی براؤن رنگ کی میلی پتلون کے جیب سے کاغذات کا ایک پلندہ اور فاؤنٹین پن نکالے پھر اس نے زخمی دیوانے کو گود میں اٹھا کر لکھنے کی میز پر بٹھا دیا۔

اور پھر دیوانے کے ہاتھ میں دبا ہوا فاؤنٹین پن تیزی سے کاغذات پر چلنے لگا۔

وحشی ایک ایک کاغذ الگ کرتا جا رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے سارے کاغذات سمیٹ کر اپنی جیب میں ٹھونسے اور فرانسیسی دریچے سے باہر چھلانگ لگا کر اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

دیوانہ کرسی پر بیٹھا جھومتا رہا۔ پھر دھڑام سے نیچے چلا آیا۔ وہ بیہوش ہو چکا تھا۔

اس کے گرتے ہی کمرے کا دروازہ کھلا اور فیلڈ اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچھے ایک آدمی

''ڈاکٹر..... اسٹیڈی میں بیٹھا ہے۔'' فیلڈ نے مڑ کر دوسرے آدمی سے کہا۔

''اسے بلا لاؤ.....!''

دوسرا آدمی چلا گیا..... فیلڈ نے دیوانے کو فرش سے اٹھا کر صوفے پر ڈال دیا۔

تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر ہاتھ میں بیگ لٹکائے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

''اوہ ڈاکٹر..... دیکھئے..... دیکھئے.....'' فیلڈ غمناک لہجے میں بولا۔ ''چچا آرتھر کو آج پھر گیا اور انہوں نے اپنی یہ گت بنا ڈالی۔''

ڈاکٹر نے بیگ کو میز پر رکھتے ہوئے ایک طویل سانس لی اور بولا۔ ''دیکھئے میں عرصے رہا ہوں کہ یا تو انہیں پاگل خانے داخل کرا دیجئے یا پھر انہیں تنہا نہ چھوڑا جائے۔''

''میں کیا بتاؤں۔'' فیلڈ ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ ''کبھی کبھی غفلت ہو ہی جاتی ہے۔''

''دیکھئے.....!'' ڈاکٹر نے کہا جو دیوانے کے زخمی بازوؤں پر سے لبادے کی دھجیاں ہٹا ۔ ''یہ زخم کبھی نہ کبھی زہر باد میں بھی تبدیل ہو سکتے ہیں۔ یا تو انہیں آپ ہر وقت نگرانی لئے یا پھر کوئی اور معالج ڈھونڈ لیجئے۔ مجھے ان پر ترس آتا ہے۔''

''اب کیا بتاؤں..... سب کم بخت نوکروں کی غفلت سے ہوتا ہے۔''

''تو پھر انہیں پاگل خانے ہی میں داخل کرا دیجئے۔''

''نہیں یہ مجھ سے نہیں ہوگا..... پاگل خانہ۔ میرے خدا۔'' فیلڈ نے کسی خوفزدہ بچے کی لہا۔

''تو پھر ان کی حفاظت کیجئے۔'' ڈاکٹر نے بیگ سے سرنج نکال کر سوئی اس میں فٹ نے ہوئے کہا۔ اتنے میں جولی کمرے میں داخل ہوئی اس نے دیوانے کی طرف دیکھا اور منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی۔

''چچا آرتھر.....!''

اور پھر وہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر سسکیاں لینے لگی۔ فیلڈ جلدی سے اس کی بڑھا اور اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

ڈاکٹر انجکشن دے چکنے کے بعد بولا۔ ''مسٹر فیلڈ! ایسے دیوانے جو دوسروں کے لِ ضرر اور اپنی ہی بوٹیاں نوچنے والے ہوں کسی وقت بھی مر سکتے ہیں۔''

جولی نے باقاعدہ رونا شروع کر دیا۔



ارجن گھاٹی پر گہری تاریکی مسلط تھی۔ آسمان میں سیاہ بادل رینگ رہے تھے۔ ایسا ہو رہا تھا جیسے تھوڑی ہی دیر میں بارش شروع ہو جائے گی۔''

گھاٹی سنسان نہیں تھی۔ وہاں کئی دن سے ملٹری کا ایک دستہ متعین تھا اور اس فوجیوں کے خیموں میں کہیں کہیں روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ لیکن یہ سب کچھ نیچے گھاٹی ہ تھا اور اوپر چٹانیں بدستور ویران پڑی تھیں۔ اچانک ایک تاریک سائے نے نیچے گھاٹی جھانکا اور آہستہ سے دوسری طرف رینگ گیا۔

یہ فریدی تھا اور اسے اس راستے کی تلاش تھی جس کے ذریعے وہ وحشی آدمی کا تع کرنے والوں کو اپنے ساتھ لے جایا کرتا تھا۔

کئی راتوں سے وہ ان چٹانوں میں بھٹک رہا تھا۔ لیکن ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی ایک بار اس نے کچھ مبہم سے نشانات کے ذریعے بھی آگے بڑھنا چاہا تھا لیکن جہاں چٹانو گرد کی تہہ نہیں تھی وہاں سے پھر راستہ مسدود ہو گیا تھا۔

اس دوران میں اس نے میجر نصرت سے رابطہ قائم کرنے کی ضرورت ہی نہ محسوس کی تھ حمید والے واقعے کے بعد سے اُسے یقین ہو گیا تھا کہ اس ہنگامے کے پس منظر جیرالڈ ہی کی شخصیت ہے اور یہ تو حقیقت ہے کہ جیرالڈ کے انجام کے متعلق اس کی رائے ش

سے دوسروں سے مختلف تھی۔ وہ اس بات پر کسی طرح یقین ہی نہیں کر سکتا تھا کہ جیرالڈ جیسی خصیت خودکشی کی مرتکب ہو گی۔

اس کی دانست میں صمدانی کا قتل محض ایک ضمنی قسم کا جرم تھا جو حصول دولت کے لئے کیا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ جیرالڈ کے پاس اس کی ذاتی دولت تو تھی نہیں جس کے بل بوتے پر وہ ساری دنیا پر حکومت کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اس کے آدمیوں کو معمولی چوروں اور ڈاکوؤں کی سی حرکتیں کرنی پڑتی ہوں گی۔ فریدی کے ذہن میں کئی بڑی بڑی ڈکیتیوں کے کیس بھی تھے جن کا ابھی تک کوئی سراغ نہ مل سکا تھا۔ یہ ساری ڈکیتیاں بڑے بڑے بینکوں میں ہوئی تھیں اور اتنے پراسرار طریقے پر ملک کے مختلف حصوں میں عمل میں آئی گئیں تھیں کہ ابھی تک سراغ رساں واردات کرنے والوں کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکے تھے لیکن طریقہ کار کی یکسانیت کی بناء پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ کسی ایک ہی گروہ کی ذات سے تعلق رکھتی ہیں۔

جیرالڈ شاستری کی پہلی زمین دوز دنیا کی تباہی کے بعد سے اب تک کئی بار فریدی پر حملے بھی ہو چکے تھے اور وہ ہر بار صاف بچ گیا تھا۔ لیکن موجودہ واقعات کے رونما ہونے سے قبل اس نے یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ جیرالڈ ہی کی طرف سے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنے پیشے کی بناء پر شہر کے سارے ہی جرائم پیشہ آدمیوں کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا۔ اس لئے اس کا دھیان کسی ایک طرف نہیں جا سکا تھا اور اب جیرالڈ ہی اس کا شکار تھا۔ اس نے اپنے شب و روز اس کے لئے وقف کر دیئے تھے۔ لیکن ابھی تک اس سے سامنا نہیں ہوا تھا۔ وہ کئی بار اس مکان کی نگرانی بھی کر چکا تھا جس میں حمید نے اپنے چند گھنٹے ایک قیدی کی حیثیت سے گزارے تھے اور کئی بار اس دیوانے آدمی کو دیکھ چکا تھا اس کی غرض و غایت کیا تھی یہ اب تک اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ حالانکہ وہ اس سے پہلے بھی جیرالڈ شاستری کو سنسکرت کے ایک بڑے عالم کے روپ میں دیکھ چکا تھا مگر یہ حیثیت۔ وہ اس دیوانے کو جیرالڈ سمجھ لینے پر قطعی تیار نہیں تھا اور اگر وہ جیرالڈ ہی تھا تو اس بھیس کا مقصد سچ مچ کی دیوانگی ۔ ملاوہ اور کیا ہو سکتا تھا۔

لیکن اسے جیرالڈ جیسے آدمی سے اس کی توقع نہیں تھی اور پھر اس کی آنکھیں اس دیوانے سے بالکل ہی مختلف تھیں۔ فریدی چٹانوں میں رینگتا رہا۔ اس کی نظریں بار بار آسمان کی طرف بھی اٹھ جاتی تھیں اور وہ سوچ رہا تھا کہ شاید بارش کی وجہ سے اُسے یہ رات بیکاری ہی میں گزارنی پڑے گی۔

وہ واپسی کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اس کا ہاتھ کسی چھوٹی سی گول چیز پر پڑا اور وہ کچھ سنسنی سی معلوم ہوئی۔ اس نے اسے گرفت میں لے لیا۔ جیب سے ننھی سی ٹارچ نکالی جس کی لمبائی درمیانی انگلی سے زیادہ نہیں تھی۔ یہ ایک خوبصورت سی کلائی کی گھڑی تھی جس کی ٹوٹی ہوئی چین اس کے دونوں گوشوں سے جھول رہی تھی۔ فریدی اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا اور پھر وہ بے اختیار چونک پڑا۔ گھڑی کی پشت پر قاسم کا پورا نام کندہ تھا۔ روشنی نے اُسے پہچان لیا۔ وہ حقیقتاً قاسم ہی کی گھڑی تھی۔ پھر اُسے قریب ہی ریشمی کپڑے کی ایک بڑی سی دھجی بھی ملی جس کے پھول بنے ہوئے تھے۔ وہ تھوڑی دیر تک قرب و جوار کی چٹانوں کا جائزہ لیتا رہا پھر اس نے اس جگہ جہاں گھڑی ملی تھی ایک نشان بنایا اور واپسی کے لئے رینگنے لگا۔

بوندا باندی شروع ہوگئی تھی۔

چٹانوں میں

قاسم کسی تھکے ہوئے بھینسے کی طرح ہانپ رہا تھا۔ لیکن اس کے اور جیرالڈ کے کام کی رفتار میں سستی ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ صبح سے اب تک اس نے درجنوں بہت بڑے بڑے پتھر ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ پہنچائے تھے۔ حالات کچھ ایسے تھے کہ یہ مفت کی محنت گراں بھی نہیں گزر رہی تھی۔ بات صرف یہ تھی کہ پاس ہی کہیں چند خوبصورت لڑکیاں اس کا دل بڑھا رہی تھیں۔ شاید جیرالڈ اس کی اس کمزوری سے واقف ہوگیا تھا۔ اسے بیوقوف ہی بنا کر کام

لیا جاسکتا تھا۔ دوسرے لوگ بھی کام میں مصروف تھے اور وہ انسان نما گھوڑا ان کی نگرانی کر رہا تھا۔ آج بھی اس نے دو تین آدمیوں کی لاتوں سے مرمت کی تھی مگر قاسم کے کانوں پر جوں نہ رینگی۔ وہ تگڑی تگڑی لڑکیوں کے خیال میں مگن تھا اور جیرالڈ کو ناراض کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اچانک اس نے گھوڑے کو مخاطب کر کے کہا۔

''اَبے اُو..... وہ میری گھڑی کہاں ہے۔''

''کیسا گھڑی.....!''

''کیا.....!'' قاسم جھلا کر بولا۔ ''تو نے کل شام کو مجھ سے لی نہیں تھی۔''

''ہم نہیں جانتا گھڑی وڑی..... سالا تم اپنا کام کرو۔''

''ابے تم خود سالا۔'' قاسم غصیلی آواز میں بولا۔ ''میرے سالے کا سالا..... تمیز سے بات کیا کرو۔''

اس کے جواب میں وہ قاسم کو چونچ دکھا کر ہنسنے لگا۔

قاسم کا پارہ چڑھ گیا اور وہ ایک لڑکی سے بولا۔

''دیکھا..... اسے شرم نہیں آتی..... گھوڑا ہو کر چونچ دکھاتا ہے۔''

لڑکیاں ہنسنے لگیں۔

''تمہیں میری گھڑی واپس کرنی ہوگی۔'' وہ اُسے گھونسہ دکھا کر بولا۔

''ارے تم اپنا کام کرو۔'' ایک لڑکی نے کہا۔ ''اس جنگلی سے مت الجھو۔''

''تو گھڑی اسے ہضم کر جانے دوں۔'' قاسم نے جھلا کر کہا۔ ''جانتی ہو کتنی قیمتی گھڑی ہے۔ آل پلاٹینم اور ڈائیل پر ہندسوں کی جگہ جواہرات ہیں۔''

''اوہ..... مگر تم نے اسے دی ہی کیوں تھی۔'' لڑکی بولی۔

''اس نے کہا میں ابھی واپس کر دوں گا۔''

''تب تو مل چکی۔'' لڑکی ہنس پڑی۔ ''وہ کہیں پھینک آیا ہوگا۔''

''میں اس کے باپ سے بھی وصول کر لوں گا۔'' قاسم گردن جھٹک کر بولا۔ پھر وحشی سے

کہا۔ ''لا بے دیتا ہے یا میں شاستری صاحب سے کہوں۔''

وحشی گھٹنوں کے بل دوڑتا ہوا اس کے پاس آیا اور خوشامدانہ انداز میں اس کے پیر دبانے لگا۔ ''نائیں..... سالا ٹم اس سے نائیں بولے گا۔'' اس نے کہا۔

''ہائیں پھر وہی سالا۔ ابے شامت آئی ہے کیا۔''

''سانوٹے! بھاگو یہاں سے۔'' ایک لڑکی نے اُسے للکارا۔

اور وہ چپ چاپ واپس چلا گیا۔

گھڑی بہت قیمتی تھی۔ قاسم سوچ رہا تھا کہ وہ آج رات کو وحشی کی غار کی تلاشی ضرور لے گا۔ وہ شاستری سے بھی شکایت کرسکتا تھا مگر سوال تھا ملاقات کا۔ وہ اس سے صرف ایک ہی بار ملا تھا اور یہاں کوئی اس کے متعلق کچھ نہیں بتاتا تھا۔ وہ لوگ شاستری سے متعلق کسی سوال کا جواب ہی نہیں دیتے تھے۔

حمید کو قاسم کی گمشدگی پر بڑی حیرت تھی اس نے اسے اینگلو انڈین لڑکی کا تعاقب کرتے نہیں دیکھا تھا۔ اُسے حیرت تھی کہ آخر قاسم سامان چھوڑ کر کیوں کہیں غائب ہوگیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں انور نے اسے ٹھکانے تو نہیں لگا دیا۔ مگر یہ خیال بھی احمقانہ تھا۔ انور اس کی جرأت کر ہی نہیں سکتا تھا اور پھر وہ رشیدہ کے معاملے میں کبھی اتنا زیادہ سنجیدہ نہیں رہا تھا کہ اس کے کسی عاشق کو اپنا رقیب سمجھ بیٹھتا۔

فریدی نے اب تک اس سے رابطہ قائم نہیں کیا تھا۔ کئی بار اس کا دل چاہا کہ مورگن کا تعاقب کرے جو اب شیزان ہی میں مقیم تھا۔ مورگن عموماً رات کو باہر ہی رہتا تھا اور اب وہ تاریک شیشوں کی عینک بھی استعمال کرنے لگا تھا۔ اس نئے اضافے کی بناء پر حمید فریدی سے رابطہ قائم کرنے کے لئے بے چین تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر فریدی کی اسکیم کیا ہے۔ وہ کیا کرنا چاہتا ہے؟ طریقہ کار کیا ہے؟

حمید کی دانست میں تو یہی مناسب تھا کہ وہ فیلڈ کو پکڑ کر اس سے جیرالڈ کا پتہ پوچھتا۔ واپنا قیدی بناتا۔ پولیس کو ہوا ہی نہ لگنے دیتا۔ اس سے پہلے بھی تو وہ کئی بار یہ طریقہ اختیار چکا تھا۔

ادھر اس دوران میں ایک دوسری بات کا انکشاف ہوا تھا جو شیزان ہوٹل میں مسٹر براؤن ام آنے والی تاروں کے متعلق تھی۔ میجر نصرت نے اپنی تحقیقات برابر جاری رکھی تھیں اور ی رپورٹ اخبارات میں شائع ہوئی تھی۔ شیزان ہوٹل کے منیجر کا بیان تھا کہ مسٹر براؤن ام کے تار بار بار آتے رہے تھے لیکن وہ انہیں واپس کردیتا تھا۔ ظاہر ہے کہ جب وہاں مسٹر براؤن تھا ہی نہیں تو انہیں وصول کون کرتا تھا۔ میجر نصرت نے تار گھر سے رجوع کیا اپس کئے ہوئے تاروں کے فارم نکلوانا چاہتا تھا۔ لیکن وہاں سے جو جواب ملا وہ حیرت انگیز پوسٹ ماسٹر نے بتایا کہ مسٹر براؤن کا کوئی تار کبھی واپس ہی نہیں آیا۔ سب وصول کئے گئے ۔اس بار تار بانٹنے والوں کی پیؤن بکیں نکلوائی گئیں۔ ان پر براؤن کے دستخط موجود تھے۔ ایک کا بھی طرز تحریر دوسرے سے نہیں ملتا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ مختلف آدمیوں نے مختلف ت میں براؤن کے دستخط کئے ہیں..... اور دو ایک دستخط تو ایسے تھے جیسے کسی آدمی نے یزی کے حروف کی نقل کردی ہو۔ جو انگریزی سے قطعی نابلد ہو۔ یہ چیز حیرت انگیز تھی۔ اس لئے تار بانٹنے والوں سے باز پرس کی گئی اور ان سب نے یہی بتایا کہ وہ تار شیزان ہوٹل ہی وصول کئے گئے تھے۔ میجر نصرت کی الجھن کیلئے اتنا ہی کافی تھا۔ ہوٹل کے منیجر کا بیان کہ واپس کئے گئے اور محکمہ تار اس بات پر مصر کہ تار واپس ہی نہیں آئے اور انہیں شیزان ہی میں ل کیا گیا۔ لیکن اس کا کسی کے پاس بھی جواب نہیں تھا کہ دستخطوں میں اختلاف کیوں ہے۔

بہرحال اخبار میں یہ سب کچھ دیکھ کر حمید بھی الجھن میں پڑ گیا تھا اور اس بات سے وہ ف تھا کہ شیزان کے منیجر نے اپنی گردن بچالی ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ اس نے تو سارے تار ل کردیئے تھے۔ اب اگر اس کے باوجود بھی تار بانٹنے والے کسی غلط آدمی کو تار دیئے جائیں ں میں اس کا کیا قصور؟ بات تھی بھی قاعدے کی خواہ سچ رہی ہو خواہ جھوٹ۔

حمید بڑی دیر سے ڈائیننگ ہال میں بیٹھا انور اور رشیدہ کو کسی بحث میں مشغول دیکھ رہا تھا اور اسے اس بات پر صحیح معنوں میں خوشی تھی کہ جتنا وہ جانتا ہے اس کا عشر عشیر بھی انور کو نہیں معلوم۔

رات کے آٹھ بج چکے تھے اور حمید کھانے سے فارغ ہو کر اٹھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ ایک ویٹر نے اسے فون کال کی اطلاع دی۔ حمید کی موجودہ حیثیت میں یہ پہلی فون کال تھی اور اس کی اس حیثیت کا علم فریدی کے علاوہ اور کسی کو نہیں تھا۔ اس لئے یہی نتیجہ نکالا جا سکتا تھا کہ وہ کال فریدی ہی کی تھی۔

وہ حقیقتاً فریدی ہی کی فون کال تھی اور فریدی نے اسے دس بجے رات کو رانی باغ کی اترائی کے قریب بلایا تھا۔

حمید کو یاد آیا کہ فریدی کا اقامتی غار رانی باغ کی اترائی سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھا۔

حمید نو بجے روانہ ہو کر ٹھیک دس بجے رانی باغ کی اترائی کے قریب پہنچ گیا۔

آج بھی مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے گہری تاریکی تھی۔ حمید کو انتظار نہیں کرنا پڑا۔ فریدی اسے اپنی اقامتی غار میں لے گیا۔ حمید کو اس بات پر حیرت تھی کہ فریدی اس بے سروسامانی کے عالم میں بھی کسی دن شیو کرنا نہیں بھولتا اور اس کے کپڑے بھی گندے نہیں تھے۔

فریدی نے وہ گھڑی حمید کو دکھائی جو پچھلی رات ارجن گھاٹی کی ایک چٹان پر پائی گئی تھی۔

''اوہ..... یہ تو سو فیصد قاسم ہی کی ہے۔'' حمید بولا۔ ''تو اس کا یہ مطلب ہے کہ جیرالڈ قاسم ہی کے پھندے میں پھنس گیا ہے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید نے پھر کہا۔ ''سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر جیرالڈ کو قاسم سے اتنی دلچسپی۔ پچھلی بار بھی اس نے اسے اغوا کیا تھا۔''

''قاسم کام کا آدمی ہے۔ خصوصاً ایسے موقع پر۔'' فریدی چند لمحے رک کر بولا۔ ''جیرالڈ اپنے لئے نئی زمین دوز دنیا تعمیر کر رہا ہے کیا قاسم ایک اچھا مزدور نہ ثابت ہوگا۔ وہ غیر معمولی طور پر طاقتور ہے۔''

''تو اب قاسم کے غائب ہونے کا مسئلہ بھی صاف ہو گیا۔'' حمید نے کہا۔

''قطعی..... لیکن یہ۔'' فریدی رنگین کپڑے کی دھجی حمید کے سامنے رکھتا ہوا بولا۔ ''یہ بھی اسی گھڑی کے قریب ملی تھی۔''

''اس کا کیا مطلب.....!'' حمید چونک پڑا۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ ''ظاہر ہے اس کپڑے کا لباس کسی عورت ہی کا ہو سکتا ہے۔''

''نہیں..... اس کپڑے کے پردے بھی بنائے جا سکتے ہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''تو پھر اب کیا پروگرام ہے۔''

''میں کل رات اُس چٹان پر نشان بنا آیا تھا ہو سکتا ہے کہ راستہ وہیں کہیں قریب ہی ہو۔ کل رات بارش کی وجہ سے مجھے وہاں سے چلا آنا پڑا تھا۔ آج ہم اسے دیکھیں گے۔''

''آپ کے لئے ایک دوسری اطلاع بھی ہے۔'' حمید نے کہا اور براؤن کے تار کا واقعہ دہرا دیا۔

''میری لئے یہ اطلاع بہت پرانی ہو چکی ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''فرزند! یہ بات اس وقت کی ہے جب میں یہاں آیا تھا۔ میں نے اس تار کے متعلق چھان بین کی تھی اور مجھے معلوم ہوا تھا کہ وہ شیزان میں براؤن کے نام پر پہلا تار نہیں تھا۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ان تاروں کا کیا حشر ہوا تھا۔ غالباً یہ بات اخبار میں نہیں آئی..... کیوں؟''

''تار بانٹنے والوں کا بیان ہے کہ وہ وصول کئے گئے۔ حالانکہ وصول کرنے والے کے خطوط مختلف کاپیوں پر مختلف ہیں۔ لیکن انہیں وصول ضرور کیا گیا ہے۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ سارے ہی تار بانٹنے والے براؤن کے آدمی ہو سکتے ہیں۔''

''ان میں سے ایک بھی براؤن کا آدمی نہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''پھر آخر تار کا کیا حشر ہوا۔'' حمید جھنجھلا کر بولا۔

''بتاتا ہوں۔'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''فرض کرو کہ تم ایک تار بانٹنے والے ہو۔ ہمارے پاس کئی تار ہیں ان میں سے ایک ایسا بھی ہے جسے کسی نے لیا نہیں۔ بہرحال تم اسے بانٹنے لئے جا رہے ہو۔ تمہیں اس تار کو دفتر میں واپس کرنا ہے۔ جب تم دفتر پہنچے اور تم نے اپنے

کاغذات جمع کرانے کے لئے نکالے تو وہ تار غائب تھا جسے تم نے واپس کرنا تھا اب بتاؤ تم ایسی صورت میں کیا کرو گے۔ اپنی جان بچانے کے لئے یہی کرو گے نا کہ وصول یابی کے اس خانے میں اس آدمی کے دستخط کردو جسے وہ تار پہنچنا چاہئے تھا۔ اب اگر پوچھ گچھ ہو تو تم یہ کہہ کر کسی حد تک پیچھا چھڑا سکتے ہو کہ وصول کنندہ کی پیشانی پر اس کا نام تو تحریر تھا نہیں۔ اس نے کہا وہ براؤن ہے اور تم نے اُسے تار دے دیا۔''

''تو کیا وہ سارے دستخط تار بانٹنے والوں کے ہیں۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔

''سو فیصدی یہی بات ہے۔ میں نے ان سب سے اقبال کرالیا ہے۔ لیکن میں نہیں چاہتا تھا کہ ان غریبوں کی مٹی پلید ہو۔ آخر ان کا کیا قصور۔ لیکن تاروں کو ان کی جیبوں سے غائب کرنے والا کوئی ایسا ہی آدمی ہوسکتا ہے جو شیزان میں ہر وقت موجود رہتا ہو۔''

''کمال ہے۔'' حمید بڑبڑایا۔ ''لیکن تار بانٹنے والوں نے یہ بات میجر نصرت کو نہیں بتائی۔''

''میں نے انہیں منع کر دیا تھا۔ سمجھا دیا تھا کہ وہ اپنے اسی بیان پر اڑے رہیں کہ انہوں نے تار تقسیم کئے تھے۔''

''آخر اس میں کیا مصلحت تھی۔''

''محض ان غریبوں کی ملازمت بچانے کے لئے۔ وہ یہ بات مجھے بھی نہ بتاتے لیکن طریقہ کار نے اگلوا ہی لیا۔''

''آخر وہ کون آدمی ہوسکتا ہے جس نے تار اڑائے۔'' حمید خود سے بولا۔ ''کیا مورگن'' پھر اس نے چونک کر کہا۔ ''خوب یاد آیا..... مورگن اب تاریک شیشوں کی عینک بھی لگانے لگا ہے۔''

''خوب.....!'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''اچھا اب ہمیں دیر نہ کرنی چاہئے۔ ہمیں بالکل سیاہ لباس میں چلنا ہوگا۔ تمہارے کپڑے وہ ادھر رکھے ہوئے ہیں۔''

''وہ جلد ہی تیار ہو گئے۔''

''بادل تو آج بھی ہیں۔'' فریدی بولا۔ ''لیکن بارش کے امکانات نہیں۔''

''اگر ہوں بھی تو آپ کا کیا بگڑتا ہے۔'' حمید بڑبڑایا۔

نہیں بارش کی صورت میں وہ جگہ مخدوش ہو جاتی ہے۔''

وہ خاموشی سے راستہ طے کرنے لگے۔ حمید قدم قدم پر لڑکھڑا رہا تھا۔ اوپر نیچے ڑھے..... دراڑیں..... اور کانٹے دار جھاڑیاں۔

اس پاگل شہنشاہ کے متعلق بھی کچھ معلوم کیا آپ نے۔'' حمید نے پوچھا۔

کل رات کی اطلاع ہے کہ اس نے خود کو لہولہان کرلیا تھا۔ اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے تھے۔''

سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ ہے کیا بلا.....؟''

انتا میں جانتا ہوں کہ وہ محض مذاق نہیں ہے۔ اُس کے پس منظر میں کوئی اہم بات ہے۔''

اگر آپ چاہتے تو فیلڈ کو پکڑ کر اپنے طور پر بہت کچھ اگلوا سکتے تھے۔'' حمید نے کہا۔

ناممکن..... کیا تمہیں عرفانی صاحب کی والی ڈائری کی تحریر یاد نہیں۔ جیرالڈ کے گروہ ا راز بتانے پر مرجانے کو ترجیح دیتے ہیں۔''

کچھ دیر خاموشی رہی پھر حمید نے پوچھا۔

'کیا آپ انور کو شریک کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔''

'نہیں..... میں اُسے ایک ہلکا سا سبق دینا چاہتا ہوں۔ وہ اپنی کارگزاریوں پر کچھ مغرور ہے۔''

'مغرور تو آپ بھی ہیں۔'' حمید نے کہا۔

'لیکن مجھے اپنے متعلق کوئی غلط فہمی نہیں۔ جہاں میں بے بس ہوتا ہوں وہاں بے بسی کا بھی کرلیتا ہوں۔''

وہ ارجن گھاٹی کے قریب پہنچ گئے..... اب فریدی حمید کو جس راستے پر لے جا رہا تھا وہ دشوار گزار تھا اور ذرا ہی دیر میں حمید کی سانس پھولنے لگی تھی۔ یہاں وہ کھڑے ہو کر چلنے ئے سینے کے بل رینگ رہے تھے۔

'غالباً یہی وہ جگہ تھی۔'' فریدی نے چھوٹی سی ٹارچ نکال کر اُسے روشن کرتے ہوئے یہ رہا..... دیکھو یہ نشان.....!'' اس نے پھر ٹارچ بجھا دی۔ وہ ٹھہر گیا تھا۔ حمید نے سوچا

ما کے لئے ''جنگل کی آگ'' جلد نمبر 12 ملاحظہ فرمائیے۔

چلو غنیمت ہے۔ اس طرح سانس بھی اعتدال پر آجائے گا۔ لیکن اس کا خیال غلط نکلا۔ فرید پھر رینگنے لگا تھا۔ طوعاً و کرہاً وہ بھی بڑھا۔ فریدی نے اُبھری ہوئی چٹان کے گرد ایک چکر لگایا باریک سی شعاع والی ٹارچ روشن تھی اور وہ اس کی روشنی چٹان کی جڑ میں ڈال رہا تھا۔ دفعتاً کو ایک جگہ ایک دراڑ سی نظر آئی۔ اتنی لمبی اور چوڑی کہ ایک آدمی لیٹ کر بآسانی اس میں سما تھا۔ فریدی نے دراڑ میں ٹارچ ڈال کر دیکھا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اپنا سر پیچھے کھینچ لیا۔

''اندر سے کافی کشادہ غار ہے۔'' اس نے سرگوشی کی۔

وہ گھاٹی کی سطح سے صرف دس یا بارہ فٹ کی اونچائی پر تھے اور ان سے فوج کا پڑاؤ بھی کچھ زیادہ دور نہیں تھا۔

وہ غار

قاسم دن بھر کی محنت کے بعد کافی دل برداشتہ ہو رہا تھا اور یہ بات کچھ کچھ اس کی سمجھ میں بھی آنے لگی تھی کہ اسے بے وقوف بنایا جا رہا ہے اور آج تو اس سے بالکل ہی معمولی قیدیوں سا برتاؤ کیا گیا تھا۔ گھڑی کے معاملے میں وہ سانوٹے سے الجھ پڑا تھا اور نوبت پھر کشتی کی آ گئی تھی کہ تین چار انگریز اس پر ٹوٹ پڑے۔ کسی طرح وہ ایک پتھر سے اٹک کر گر گیا انہوں نے اس کی خاصی مرمت کر دی۔ اس کے بعد ان میں سے ایک نے ریوالور نکال لیا قاسم کو انتہائی غصے کے باوجود بھی کام کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔

رہ گیا جیرالڈ کا معاملہ تو وہ پہلی ملاقات کے بعد سے پھر ایک بار بھی نظر نہیں آیا تھا۔ اگر کبھی قاسم سہواً بھی اس کا نام لے لیتا تو چاروں طرف سے اس پر یورش ہو جاتی تھی ساتھ وا لڑکیاں تک اُسے ڈانٹنے لگتی تھیں۔

قاسم بیال کے بستر پر پڑا غصے میں بل کھاتا رہا۔ اُسے پھر اپنی گھڑی کی یاد ستانے لگی

نے سوچا کہ اس وقت سانوٹے اپنے غار میں تنہا ہی ہوگا۔ تین چار گھنٹوں کے لئے کام رک ا اور اس زمین دوز دنیا کی فضا پر خاموشی مسلط تھی۔ بجلی پیدا کرنے والے جنریٹر کو وہاں وں نے ایک ایسے غار میں فٹ کیا تھا جہاں سے اس کا شور پھیلنے نہیں پاتا تھا۔ یا پھر وہ ی کسی خاص قسم کا رہا ہوگا..... بے آواز۔''

قاسم اٹھ بیٹھا۔ غصے سے اس کی حالت ابتر ہو رہی تھی۔ وہ اپنے غار سے نکل کر اس زیر نار میں آیا جہاں دن بھر کام کرتا رہا تھا۔ یہاں ایک بھی متنفس نظر نہیں آ رہا تھا اور صرف لب روشن تھا وہ بھی زیادہ سے زیادہ ساٹھ پاور کا رہا ہوگا۔ اتنے بڑے غار کے لئے اس کی نا کافی تھی۔

قاسم کو سانوٹے کا ٹھکانہ معلوم تھا۔ وہ سانوٹے کے غار میں داخل ہوا۔ لیکن سانوٹے د نہیں تھا۔ کچھ دیر قبل شاید وہ یہیں رہا ہوگا۔ کیونکہ کھانے کے برتن جھوٹے پڑے ہوئے ۔ قاسم نے سوچا موقع اچھا ہے کیوں نہ اس کے سامان کی تلاشی لی جائے۔ شاید اس نے ری یہیں کہیں چھپا رکھی ہو۔ قاسم کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ سانوٹے تھا تو وحشی لیکن اس ، استعمال کی ساری چیزیں اعلیٰ قسم کی اور پر تکلف تھیں۔ وہ نہایت نفیس قسم کا تمباکو پیتا تھا۔ ا کا بستر بھی پر تکلف تھا۔ سامان میں قاسم کو عمدہ قسم کے سینٹ کی شیشیاں بھی ملیں۔ ایک البم ائی دیا جس میں زیادہ تر ننگی تصویریں تھیں۔ کچھ خطوط بھی ملے جو لڑکیوں کی طرف سے لکھے ئے تھے اور یورپ کے مختلف حصوں سے آئے تھے۔

اسے سب کچھ ملا لیکن وہ گھڑی نہ ملی جس کی اسے تلاش تھی۔ وہ ساری چیزیں جوں کی ں رکھ کر مڑا ہی تھا کہ اُسے غار میں ایک دوسرے غار کا دہانہ نظر آیا۔ قاسم نے وہاں جھانک کر دیکھا لیکن تاریکی کی وجہ سے کچھ سجھائی نہیں دیا۔ اُس نے پلٹ کر سانوٹے کی ٹارچوں میں سے ایک اٹھائی اور غار میں اتر گیا۔ سب سے پہلے اس کی نظر ایک مشین گن پر پڑی جس میں گزین چڑھا ہوا تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے کسی حملے کے لئے پہلے ہی سے تیار کیا گیا ہو۔ قاسم اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ گیا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد یہ بات اس کی سمجھ میں

آ گئی کہ وہ غار نہیں بلکہ ایک سرنگ ہے اور اس کی دیواروں کو باقاعدگی کے ساتھ تراشا گیا ہے۔ سرنگ کافی کشادہ اور اونچی تھی۔ اتنی اونچی کہ قاسم انتہائی طویل قامت ہونے کے باوجود بھی اپنا ہاتھ اٹھا کر اس کے اوپری حصے کو نہیں چھو سکتا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ کہیں یہ باہر نکلنے کا راستہ تو نہیں ہے۔ وہ چلتے چلتے رک گیا اور پھر آگے بڑھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ کسی نے پیچھے سے اس پر حملہ کر دیا۔ قاسم پلٹ کر اس سے لپٹ پڑا۔ ٹارچ اس کے ہاتھ سے گر کر بجھ چکی تھی لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس نے محسوس کر لیا کہ وہ حملہ آور کون ہے۔ اس کا ہاتھ حملہ آور کی پیٹھ پر پڑ گیا تھا جس پر لمبے لمبے بالوں کی ایک پتلی سی لکیر تھی اور اس کا جسم لوہے کی طرح سخت تھا۔

فریدی نے پھر دراڑ میں ہاتھ ڈال کر ٹارچ روشن کی۔ حمید بھی رینگتا ہوا اُس کے قریب پہنچ گیا تھا۔ اس نے بھی دراڑ میں جھانکا..... وہ واقعی ایک بڑا سا غار تھا۔

''کیا خیال ہے۔'' حمید نے سرگوشی کی۔

''ہو تو سکتا ہے۔'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''بڑی مناسب جگہ ہے۔ سامنے والی بڑی چٹان اس دراڑ میں گھاٹی کے درمیان دیوار کی طرح حائل ہے اگر ہم یہاں کھڑے بھی ہو جائیں تو اس طرف کے فوجی ہمیں نہیں دیکھ سکتے۔ اور پھر یہ دیکھو.....!''

فریدی ایک گڑھے میں رینگ گیا جس میں کانٹے دار جھاڑیوں کی بہت سی کٹی ہوئی شاخیں پڑی تھیں۔

''آخر یہاں ان کٹی ہوئی جھاڑیوں کا کیا کام۔ انہیں یہاں کسی نے اور کس مصلحت سے کاٹ کر ڈالا ہے..... مائی ڈیئر سوچو.....!'' فریدی کی آواز جوش میں کپکپانے لگی۔

''کیوں..... ان جھاڑیوں میں کون سی خاص بات ہے۔'' حمید نے کہا۔

''اوہ..... اگر انہیں اس دراڑ کے دہانے میں پھنسا دیا جائے تو کوئی اس دراڑ کی طرف دھیان ہی نہیں دے گا۔ بلکہ شاید کوئی یہ سمجھ ہی نہ سکے کہ ان جھاڑیوں کے پیچھے کوئی دراڑ بھی

ہے۔ اب ان جھاڑیوں کی نوعیت پر غور کرو۔ خشک ہو جانے کے بعد بھی ان کی رنگت کی توں برقرار رہتی ہے۔ لہٰذا یہ کاٹی ہوئی بھی نہ معلوم ہوں گی۔ پھر اس کے علاوہ ان کا مقصد ہو ہی کیا سکتا ہے۔ آخر یہ یہاں کیوں ڈالی گئی ہیں۔''

''آپ تو ذرا ذرا سی باتوں پر.....!''

''اس کے بغیر کام نہیں چلتا۔'' فریدی بولا۔

اور دوسرے لمحے میں وہ لیٹ کر اس غار میں اتر رہا تھا۔ پھر وہ حمید کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ حمید دل ہی دل میں تاؤ کھا رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ سچ مچ جیرالڈ کی پناہ گاہ ہے بھی فریدی کو اس میں تنہا داخل ہونے کی حماقت نہ کرنی چاہئے تھی۔ وہ اپنی جیب میں ورٹو ٹٹولنے لگا۔ وہ اب بھی غار کے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ رہا تھا۔

پھر اُسے اندر مدھم سی روشنی دکھائی دی جو غالباً فریدی کی ٹارچ کی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ٹارچ خ دراڑ کی طرف ہو گیا۔ فریدی اسے ہلا رہا تھا۔ یہ حمید کے لئے بھی اترنے کا اشارہ تھا۔

حمید کو نیچے پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں پیش آئی۔ غار کافی بڑا اور غیر مسطح تھا۔ اس غار میں چھوٹے چھوٹے غار اور بھی نظر آ رہے تھے اور فریدی ان کا جائزہ لیتا پھر رہا تھا۔ حمید نے اُسے اچھی طرح دیکھا بھالا..... ایک جگہ انہیں جوتا پڑا ملا جو پرانا نہیں تھا کئی جگہ سگریٹ جلے ہوئے ٹکڑے شراب کی بوتلوں کے کاگ بھی دکھائی دیئے۔

''دیکھو یہاں بھی ویسی ہی جھاڑیاں پڑی ہوئی ہیں۔'' فریدی نے ایک طرف اشارہ کے کہا۔

''اور یہ سگریٹ کے ٹکڑے اور بوتلوں کے کاگ۔''

''یہ غار جیرالڈ کی پناہ گاہ نہیں ہو سکتا۔'' حمید نے کہا۔ ''کیا یہ ممکن نہیں کہ یہاں رام گڑھ لوگ عیاشیوں کے لئے آتے ہوں۔''

''وہ عیاشی کس قسم کی ہو سکتی ہے فرزند۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''ایک تنہا آدمی کی عیاشی میں نہیں آتی۔''

تو کیا وہ سب ایک ایک جوتا چھوڑ جانے کی اسکیم بنا کر آئے ہوں گے۔'' حمید ہنس پڑا۔

''تو اس کا مطلب یہ کہ وہ لوگ صرف ایک کے علاوہ پہلے ہی سے بھاگنے کیلئے تیار تھے اور یہ یہاں سے تو بھاگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ اگر تم باہر دراڑ کے سامنے جم جاؤ۔''

''او بابا..... تو پھر کیا ہے۔'' حمید اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔ ''اپنے مقدر میں تو بس ہمیشہ جوتے ہی آتے ہیں۔''

''میرا خیال ہے کہ یہ انہیں آدمیوں میں سے کسی ایک کا ہوسکتا ہے جو اس وحشی کے پیچھے بھاگتے رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ انہیں بڑی بے دردی سے پکڑ کر اوپر والی دراڑ میں ٹھونس کر یہاں گرایا جاتا رہا ہوگا۔ اوپر پہلے ہی سے کچھ آدمی ان کے منتظر رہے ہوں گے۔ دراڑ کے سامنے کی چٹان، دراڑ والی چٹان پر اس طرح جھکی ہوئی ہے کہ وادی کے اوپر کھڑے ہوئے لوگ بھی دونوں کے درمیان فاصلہ کو نہیں دیکھ سکتے۔ اسلئے وہاں بیس آدمی با آسانی چھپ سکتے ہیں۔''

''اب میں اپنا سر کسی پتھر سے ٹکرا کر پاش پاش کردوں گا۔'' حمید اکتا کر بولا۔

''کیوں؟''

''آخر وہ سب سالے ہیں کہاں؟'' حمید نے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔ ''مجھے تو آگے جانے کا بھی کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔''

''معاملہ جیر الڈ سے الجھا ہے، بیٹے خاں..... کسی نتھو بدھو خیراتی سے نہیں۔''

فریدی پھر ٹارچ کی مدھم سی روشنی میں غار کا جائزہ لینے لگا۔

''ارے.....!'' وہ چونک کر بولا پھر کچھ سننے لگا۔

''کیا مصیبت ہے۔'' اس نے کہا۔ ''پھر بارش شروع ہوگئی۔ چلو نکلو جلدی۔''

وہ غار کے باہر آ گئے۔ بادل جم گئے تھے اور ہلکا سا ترشح شروع ہوگیا تھا۔ وہ وادی سے دور نکل جانے کی جدوجہد کرنے لگے۔

وحشی نے قاسم کے بازو پر منہ مارا اور قاسم کی چیخ نکل گئی۔ دوسرے لمحے میں اس کا وحشی کے چہرے پر پڑا اور وہ اندھیرے میں نہ جانے کدھر لڑھک گیا۔

''سالے.....!'' قاسم نے ہانپتے ہوئے ایک گندی سی گالی دی۔

اچانک اندھیرا دور ہوگیا اور پوری سرنگ میں کئی بلب روشن ہوگئے تھے، اور سانوٹے میں ریوالور لئے کھڑا تھا۔ قاسم نے بے ساختہ اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

''ٹم سالا بھاگنا مانگتا۔'' اُس نے ریوالور کی نال سے قاسم کو چلنے کو کہا۔

''اچھا چلو.....!'' قاسم گردن جھٹک کر بولا۔ ''مگر اتنا یاد رکھو کہ تمہاری جان میرے ہی ہاتھ سے جائے گی۔''

''چالو.....!'' سانوٹے چنگھاڑ کر بولا۔ اس وقت وہ سیدھا کھڑا ہو کر چل رہا تھا۔

چلتے چلتے قاسم کے ذہن کی رو بہک گئی اسے وہ البم یاد آیا جو اس نے سانوٹے کے مکان میں دیکھا تھا۔

''سالے تم آوارہ ہو۔'' قاسم رکا اور پلٹ کر بولا۔ ''گندی گندی تصویریں رکھتے ہو شرم نہیں آتی۔''

''ٹم کیا جانے۔'' سانوٹے اُسے گھورنے لگا۔

''میں نے تمہارا البم دیکھا ہے۔''

''ٹم سالا چور.....!''

''نہیں پیارے.....!'' قاسم مسکرا کر بولا۔ ''وہ تو بڑی اچھی ہیں۔''

''ٹم دیکھا کیوں؟'' سانوٹے نے گرج کر کہا۔

''میں اپنی گھڑی تلاش کر رہا تھا۔''

''گھڑی گیا..... سالا جہنم میں۔''

''تم اگر وہ البم مجھے دے دو تو میں گھڑی نہیں مانگوں گا۔'' قاسم نے کہا۔

''نہیں ڈے گا..... تم چالو..... نہیں گولی مار تا۔''

قاسم پھر چلنے لگا اور سانوٹے کے غار میں پہنچ کر اُس نے کہا۔ ''اچھا ایک بار دکھا ہی دو۔'' سانوٹے ہنسنے لگا۔

''الاقسم میں بھاگ تھوڑا ہی رہا تھا۔'' قاسم نے کہا۔ ''یہاں آیا اور اس راستے سے اِدھر چلا گیا۔''

''بیٹھ جاؤ.....!'' سانوٹے نے ریوالور پتلون کی جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔

اس نے البم نکالا اور وہ دونوں اس طرح تصویریں دیکھنے لگے جیسے کچھ دیر قبل کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔ شاید سانوٹے بھی قاسم کی طرح خبطی تھا۔ پھر اُن دونوں میں راز و نیاز شروع ہو گئے۔

''اس کا آنکھ دیکھو.....!'' سانوٹے نے ایک تصویر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''قاتل ہے۔'' قاسم ہونٹ چاٹ کر بولا۔

''کاٹل کیا ہوتا۔''

''مرڈر.....!'' قاسم نے قاتل کا انگریزی ترجمہ کیا۔

''تم الو ہو..... یہ کاٹل کیسے ہوتا..... اٹنا اچھا ہے۔ نہیں کاٹل نہیں ہوتا۔''

پھر وہ دونوں اپنی محبوباؤں کی باتیں کرنے لگے۔

''ہمارا چار بی لَوڈ ہے۔'' سانوٹے بولا۔ ''تم بی لَوڈ کو کیا بولتا ہے؟''

''معشوق.....!'' قاسم نے کہا۔

''ماشوک.....!'' سانوٹے ہنہنانے لگا۔

''ابے سالے تو اچھا خاصا آدمی ہے پھر کیوں گھوڑا بنتا ہے۔'' قاسم نے کہا۔

''ہمارا ماشوک نے ہم کو گھوڑا بنا ڈالا۔'' وہ پھر ہنہنایا۔

''اگر تم گھوڑا ہے تو میں تجھ پر سواری کروں گا۔'' قاسم نے کہا۔

''آؤ.....!'' وہ گھوڑا بن گیا اور قاسم اس پر سوار ہو گیا۔ اس نے غار کے دو تین چکر لگائے اور پھر یک بیک ہنہنا کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ قاسم ہنسی میں مگن تھا کہ اس کا سر پچھلی دیوار سے ٹکرایا اور وہ ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھ سکا۔ سر تو نہیں پھٹا تھا لیکن اچانک چوٹ لگنے کی وجہ سے بے ہوش ضرور ہو گیا تھا۔ سانوٹے اسے اس حال میں دیکھ کر ہنسنے لگا۔ وہ کچھ دیر خاموش کھڑا رہا پھر اس نے قاسم کے کپڑے اتارنے شروع کر دیئے۔ جسم پر ایک دھجی بھی نہیں چھوڑی۔ اس نے اس کے سارے کپڑے اپنے صندوق میں رکھ دیئے پھر دوات اٹھائی اور اس میں انگلی ڈبو ڈبو کر قاسم کے ڈاڑھی اور مونچھیں بنانے لگا۔

پھر اچانک جیسے اُسے کچھ یاد آ گیا۔ اس نے دوات میز پر رکھ دی اور سرنگ میں دوبارہ داخل ہو گیا۔ یہاں کے بلب اب بھی روشن تھے۔ وہ چلتا رہا۔ پھر اس جگہ پر پہنچا جہاں پر سرنگ ختم ہو گئی تھی۔ یہاں ایک طرف لوہے کا ایک بے ڈھنگا سا ڈھانچہ رکھا ہوا تھا جس میں کل پرزے بھی نظر آ رہے تھے۔ اس نے اس میں لگے ہوئے ایک چھوٹے سے پہیے کو حرکت دی۔ دوسرے ہی لمحے میں سرنگ کے سرے پر ایک چھوٹا سا دروازہ نمودار ہو گیا اور اب سانوٹے اسی غار میں تھا جس میں تھوڑی دیر قبل فریدی اور حمید سر مارتے پھر رہے تھے۔ سانوٹے نے جھاڑیوں کی شاخیں اٹھا اٹھا کر غار کے دہانے میں پھنسانی شروع کر دیں۔

پہاڑ سے مقابلہ

فریدی اور حمید ابھی چڑھائی پر ہی تھے کہ بوندیں رک گئیں۔ فریدی پھر پلٹ پڑا اور حمید کی جھلاہٹ بڑھ گئی۔

''اس غار کے متعلق آپ نے جو کچھ کہا انہیں میں دلائل نہیں بلکہ مفروضات سمجھتا ہوں۔''

''اور میں تمہارے اس خیال کی قدر کرتا ہوں۔'' فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔

''جب تک زندہ حقائق سامنے نہ آ جائیں کسی بات پر یقین نہ کرنا چاہئے۔''

''تو پھر اس دردسری سے کیا فائدہ۔''

''کسی چیز کا خیال اس کی پیدائش کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ میں ایک بار پھر اُس غار کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ میں نے وہاں کوئی غیر فطری چیز دیکھی تھی۔ اس کا کچا سا شعور اب بھی میرے ذہن میں چبھ رہا ہے۔''

''چلئے جناب.....اب پکائیے اس شعور کو اور مجھے بھی کھلائیے۔'' حمید عاجز آ کر بولا۔

غار اور ان میں پائی جانے والی اشیاء کے متعلق اُس نے جو خیال قائم کیا تھا اُس پر اب بھی جما ہوا تھا اور اب وہ دوبارہ وہاں جانے کو تضیع اوقات ہی سمجھتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر اسی جگہ پہنچ گئے۔ فریدی نے ٹارچ روشن کی اور پھر وہ حمید کی طرف مڑا جس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔

''کیا یہ جھاڑیاں دراڑ میں پھنسا کر گئے تھے۔'' فریدی نے آہستہ سے پوچھا اور حمید۔ اندھیرے میں بھی اس کی آنکھوں کی وحشیانہ چمک محسوس کر لی۔ جو کشت وخون کے موقعوں ضرور نظر آتی تھی۔ فریدی چند لمحے خاموش رہا پھر اس نے جھاڑیوں کی شاخیں دراڑ سے ہٹ شروع کر دیں۔ راستہ صاف ہو جانے کے بعد اس نے دراڑ میں ٹارچ ڈال کر اندر کا جائزہ لیا غار پہلے ہی کی طرح ویران نظر آ رہا تھا۔ وہ دونوں نیچے اتر گئے۔ انہیں غار میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ فریدی کی ٹارچ کی روشنی کی ننھی سی لکیر تیزی سے اِدھر اُدھر گردش کر رہی تھی۔ آخر ایک ابھرے ہوئے پتھر کے سامنے رک گیا۔

''ذرا اسے دیکھو.....!'' فریدی نے کہا۔ ''کیا یہ پتھر تمہیں غیر قدرتی نہیں معلوم ہوتا۔''

''قطعی نہیں۔'' حمید بولا۔ ''مجھے تو ایسی خاص بات نظر نہیں آتی۔''

''اوہ.....اس کی جڑ میں دیکھو..... یہ چاروں طرف لکیر کیسی ہے۔ شاید یہ چیز میرے ذہن میں چبھ رہی تھی۔ میں نے اُسے پہلے بھی دیکھا تھا لیکن اس پر غور نہیں کیا تھا۔''

حمید نے جھک کر بڑے غور سے دیکھا۔ واقعی ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے وہاں خ طور سے فٹ کیا گیا ہو۔ اُسی جگہ کئی دوسرے پتھر بھی تھے مگر ان میں یہ بات نہیں تھی اور

ر میں وہ پتھر بھی دوسروں ہی کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ اسے فریدی کی باریک بین نظروں کا ں ہو جانا پڑا۔ دوسرے ہی لمحے میں فریدی اس پتھر پر زور آزمائی کر رہا تھا۔ لیکن اس نے جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔ آخر وہ تھک کر پیچھے ہٹ آیا اور خود ہی بڑبڑانے لگا۔ ''کیا حماقت ۔ بھلا یہ زور آزمائی کے لئے یہاں لگایا گیا ہوگا۔'' وہ پھر ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ یہاں غار دو تین چھوٹے چھوٹے گڑھے تھے۔ دوسرے لمحے میں روشنی کی پتلی سی لکیر ان گڑھوں میں گنے لگی۔ حمید کو بھی اچانک یاد آ گیا کہ جیرالڈ کی پچھلی زمین دوز دنیا کا نظام بھی مشینوں ہی پر م تھا۔ اس کے ذہن میں طوفان سے اٹھ رہے تھے وہ سوچ رہا تھا کہ کیا واقعی وہ کامیابی سے نے قریب ہیں۔ دفعتاً اس نے فریدی کی آواز سنی جو ایک گڑھے پر جھکا ہوا اس میں کچھ ٹٹول تھا۔ حمید اس کی طرف لپکا پھر اُس نے فریدی کو اس گڑھے میں سے پتھروں کے چھوٹے ے ٹکڑے نکالتے دیکھا۔

''چلو.....جلدی کرو.....میرا ہاتھ بٹاؤ۔'' فریدی کی آواز کانپ رہی تھی۔ حمید نے جھک ر دیکھا اور دوسرے ہی لمحے میں اس کے جسم میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ پتھروں کے ڈھیر سے ے کی ایک موٹی سی سلاخ جھانک رہی تھی اور پتھروں کو ہٹانے پر وہ ایک بڑے سے پہیے ے کنارے پر لگا ہوا ہینڈل ثابت ہوئی۔ فریدی نے ہینڈل پکڑ کر پہیے کو گردش دی اور ساتھ چ کا رخ اس پتھر کی طرف ہو گیا جو ایک طرف سے اس طرح اٹھ رہا تھا جیسے کسی صندوق کا ن کھل رہا ہو۔ فریدی نے ہاتھ روک کر آسودگی کی ایک گہری سانس لی اور حمید سے بولا۔

''اب تمہارا کام شروع ہوتا ہے.....تمہاری جیب میں ٹارچ ہے نا.....!''

''ہے.....!'' حمید اپنی جیب میں پڑی ہوئی ٹارچ کو ٹٹولتا ہوا بولا۔

''اچھا تو تم.....گھاٹی میں جاؤ.....فوجی دستے کے انچارج کیپٹن شہاب سے کہنا کہ تم رے آدمی ہو اور میں کامیاب ہو گیا۔ انہیں ساتھ لاؤ۔ لیکن گھاٹی میں اترتے ہی ٹارچ کا رخ بوں کی طرف کر کے اسے تین بار جلانا نہ بھولنا۔ ورنہ پہرے داروں کی گولیاں تمہارے جسم کو لنی کر دیں گی۔ سمجھے اور ہاں دوسری بات بھی.....کیپٹن شہاب سے کہنا کہ فوراً ہی میجر نصرت

کو اس کی اطلاع بھجوا دے کہ فریدی پہنچ گیا اور پھر وہ اپنا کام کرنے لگے گا۔''

''کیسا کام.....؟''

''فیلڈ اور اس کے ساتھیوں کی گرفتاری..... خاص طور سے وہ پاگل..... وہ بہت اہم ہے۔ اب میں کچھ کچھ اس کی اصلیت کو پہنچ رہا ہوں۔''

''کیا بات ہے؟''

''پھر..... ابھی نہیں۔'' فریدی اُسے دھکیلتا ہوا بولا۔ ''جاؤ..... جلدی کرو۔''

سانوٹے اپنے غار میں واپس پہنچا تو قاسم کو ہوش آ چکا تھا اور وہ اس کے بستر کی چادر لپیٹے بیٹھا بُرے بُرے منہ بنا رہا تھا۔

''ارے ستیاناس۔'' قاسم اُسے دیکھ کر للکارا۔ ''یہ کیا کیا تو نے سُوَر کے بچے۔''

''بھاگ جاؤ سالا..... ہمارا چادر چھوڑو۔'' وہ چادر کھینچنے لگا۔

''ابے..... ابے..... دھت تیری..... سس..... سالے..... ہماری..... حرامی۔''

دونوں میں چادر کے لئے جدوجہد ہونے لگی۔ سانوٹے کبھی قہقہے لگاتا اور کبھی ہنہنا لگتا۔ آخر اس نے چادر چھین ہی لی اور قاسم بدحواسی میں اس غار سے نکل کر بھاگا۔ قریب ہی ایک دوسرا دروازہ نظر آیا اور وہ اس میں گھس گیا۔ دونسوانی چیخیں بلند ہوئیں۔ اندر سے لڑکیاں چیختی ہوئی باہر نکلیں اور بدحواسی میں بھاگتی چلی گئیں۔ سانوٹے نے یہ سب کچھ سنا لیکن باہر نکل کر دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یہ سب حرکتیں کسی مشین سے سرزد ہوئی ہوں۔ اس نے ترکے نیچے سے شراب کی بوتل نکالی اور اسے ہونٹوں سے لگا ایک ہی سانس میں خالی کر گیا۔ پھر اس نے اسے ایک طرف اچھالتے ہوئے چادر تان لی بوتل زمین پر گر کر چور چور ہو گئی۔ اچانک اس کے سرہانے لگی ہوئی گھنٹی زور زور سے بجی اور اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے دوسرے لمحے میں سرنگ کے دہانے میں چھلانگ لگا دی

اندھیرا تھا اس نے دیوار سے لگے ہوئے سوئچ کو دبا کر سرنگ کے بلب روشن کر دیئے اور سے دوڑتا ہوا آخری سرے تک آیا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں اور وہ والی دیوار کو گھور رہا تھا جس کی سطح پر ایک طرف تھوڑی ناہموار ہو گئی تھی۔ پھر اس نے رتی سے جھک کر مشین کا پہیہ گھمایا۔

فریدی بے اختیار چونک پڑا۔ کیونکہ غار روشن ہو گیا تھا اور وہ پتھر اپنی جگہ سے ہٹ کر ایک صندوق کے ڈھکن کی طرح ایک طرف ہو گیا تھا۔

دوسرے لمحے میں کوئی جھپٹ کر اس راستے سے باہر آیا۔

''خبردار.....!'' فریدی نے ریوالور نکال لیا۔ لیکن سانوٹے ریوالور کی پرواہ کئے بغیر اُس پڑا۔ فریدی نے پے در پے تین فائر کئے لیکن سانوٹے پر ان کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس کا جیسا جسم فریدی کو دبا رہا تھا فریدی ریوالور پھینک کر اس سے لپٹ پڑا۔ اس نے اسے لرح دیکھ لیا تھا۔ وہ اسی روائتی گھوڑے سے الجھا ہوا تھا جس کا شہرہ رام گڑھ میں عام تھا۔ لپٹ تو پڑا لیکن اب اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اسے کبھی زیر نہ کر سکے گا۔ اس میں بلا اقت تھی اور فریدی کو یہی معلوم ہو رہا تھا جیسے سچ مچ کسی گھوڑے ہی سے کشتی لڑ رہا ہو۔ کو افسوس تھا کہ اس نے ریوالور کیوں پھینک دیا۔ وہ اس کی نوعیت کو اچھی طرح سمجھ چکا وہ جانتا تھا کہ گولی کہاں کارآمد ثابت ہو سکتی ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو ریل رہے ایک بار فریدی کا پیر ریوالور پر پڑ کر پھسل گیا۔ وہ توازن برقرار نہ رکھ سکا اور گھٹنوں کے ین پر چلا آیا لیکن ریوالور اب اس کے ہاتھ میں تھا۔ دفعتاً فریدی نے سرنگ میں کئی ل کے قدموں کی آوازیں سنیں اور سانوٹے چیخنے لگا۔ بڑا خوفناک لمحہ تھا۔ فریدی اپنا وہ آزاد کرانے کی کوشش کرنے لگا جس میں ریوالور تھا۔ مقدر یاور تھا کہ وہ اس میں کامیاب ا۔ دوسرے لمحے میں ریوالور کی نال سانوٹے کے چہرے سے جا لگی اور فریدی نے یہ

سوچے بغیر پے در پے کئی فائر کر دیئے کہ اگر اس کا ہاتھ ذرا سا بھی ہل گیا تو خود اس کی کھوپڑی کے پرخچے اڑ جائیں گے۔ ہر فائر کے ساتھ اس نے سانوٹے کی بھیانک چیخیں سنیں اور پھر اس کا جسم اس کے اوپر سے پھسل کر ایک طرف لڑھک گیا۔ پانچ چھ انگریز سرنگ کے دہانے پر پہنچ چکے تھے۔

''خبردار.....!'' فریدی ریوالور کا رخ ان کی طرف کر کے سیدھا کھڑا ہو گیا۔ لیکن اس کا سر چکرا رہا تھا۔ ابھی تک وہ سچ مچ ایک پہاڑ سے لڑتا رہا تھا۔ اس نے انتہائی کوشش کی کہ اپنے ذہن پر قابو رکھ سکے مگر ناکام رہا اور ریوالور سمیت زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ انگریز اس پر ٹوٹ پڑا۔

حمید فریدی سے رخصت ہو کر گھاٹی میں اترا اور اس نے ٹارچ کا رخ کیمپ کی طرف کر کے اسے تین بار روشن کیا اور پھر خیموں کی جانب چل پڑا۔ ابھی وہ آدھے ہی راستے میں تھا کہ اس نے بھاری قدموں کی آواز سنی۔ پھر جلد ہی اس کا سابقہ پانچ عدد اٹھی ہوئی رائفلوں سے پڑا۔

''تم کون ہو.....؟'' ایک فوجی نے کہا۔

''دوست..... مجھے کیپٹن شہاب کے پاس لے چلو۔''

''تم نے کتنی بار ٹارچ جلائی تھی؟''

''تین بار.....!'' حمید نے گہری سانس لی۔ وہ چاہتا تھا کہ جلد سے جلد شہاب کے پاس پہنچ جائے کیونکہ وہ فریدی کو غار میں تنہا چھوڑ آیا تھا اور وہ فریدی کی اس عادت سے بخوبی واقف تھا کہ شکار کے قریب پہنچ جانے پر پھر اس سے صبر نہیں ہو سکتا۔

فوجی اسے کیپٹن شہاب کے پاس لے گئے۔ حمید نے فریدی کا پیغام دہرا دیا۔

''آپ کون ہیں.....؟'' کیپٹن شہاب نے پوچھا۔

''سارجنٹ حمید..... میرے خیال سے جلدی کیجئے۔''

''لیکن مسٹر فریدی ہیں کہاں؟''

حمید نے واقعات بتاتے ہوئے کہا۔ ''اب وہ اس غار میں ہمارے منتظر ہوں گے۔''

''انہیں کا کام تھا۔ اچھا ٹھہریئے۔'' کیپٹن شہاب نے کہا اور خیمے سے باہر نکل گیا۔

حمید بری طرح بے تاب تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں فریدی تنہا ہی غار میں نہ داخل ہو گیا ہر لحظہ اس کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ تیاری میں پندرہ بیس منٹ لگ گئے اور حمید خون گھونٹ پیتا رہا۔ پھر تیس آدمیوں کا دستہ شہاب کی قیادت میں چٹانوں کی طرف بڑھنے لگا۔

''ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔'' شہاب نے کہا۔ ''میں مسٹر فریدی کا پیغام میجر نصرت پاس ٹرانسمیٹر کے ذریعہ بھی پہنچا سکتا تھا لیکن مسٹر فریدی نے مجھے پہلے ہی ہدایت کر دی تھی میں میجر نصرت کے پاس کوئی خاص آدمی بھیجوں۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے۔''

''پتہ نہیں۔'' حمید تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا بولا۔ ''وہ ہمیشہ ہر بات کی وجہ بعد ہی میں تے ہیں۔''

وہ تھوڑی ہی دیر بعد چٹان کے قریب پہنچ گئے۔

سب سے پہلے حمید غار میں اترا..... پھر دوسرے ہی لمحے میں وہ چیخ رہا تھا۔

''کیپٹن جلدی آؤ..... یہاں اس گھوڑے کی لاش پڑی ہے۔''

کیپٹن غار میں اتر گیا اور اس کے بعد بقیہ فوجی بھی ایک ایک کر کے اترے۔ سانوٹے لاش بڑی خوفناک لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے کے چیتھڑے اڑ گئے تھے۔

''لیکن.....!'' حمید تقریباً چیخ پڑا۔ ''فریدی صاحب کہاں ہیں۔''

غار میں کئی ٹارچیں روشن تھیں۔ حمید اس پتھر کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ بدستور اپنی جگہ پر تھا۔

''غضب ہو گیا۔'' حمید بوکھلا کر بولا۔ ''شاید فریدی صاحب پکڑ لئے گئے۔''

''کیوں..... یہ کیسے۔'' شہاب اُسے گھور کر بولا۔

''اگر وہ خود سے گئے ہوتے تو راستہ کھلا ہوتا۔''

''ہو سکتا ہے خود انہوں نے اندر سے بند کر لیا ہو۔ آخر ادھر بھی تو کچھ ہو گا۔''

حمید اس گڑھے کی طرف جھپٹا جس میں پہیہ تھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے منہ

سے چیخ نکلی۔ اگر ایک فوجی اسے سہارا نہ دیتا تو وہ چکرا کر گر ہی پڑتا۔

''کیا ہوا.....؟'' کیپٹن شہاب اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

''پہیہ بھی غائب ہے۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔

''پہیہ غائب تھا..... جس جگہ وہ نصب تھا وہاں صرف ایک سوراخ نظر آ رہا تھا۔''

''وہ انہیں زندہ نہ چھوڑیں گے۔'' حمید ہذیانی انداز میں چیخا۔ ''کچھ کیجئے..... کچھ کیجئے۔''

''میں کیا کروں..... کیا کر سکتا ہوں۔''

''اوہ..... میں کیا بتاؤں۔'' حمید سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ بچوں کی طرح چیخ چیخ کر روئے۔ کیپٹن شہاب پہیے کی جگہ والے سوراخ کا جائزہ لے رہا تھا۔

''اس کے اندر کچھ ہے تو.....!'' اس نے سر اٹھا کر کہا۔ ''لیکن کیا کیا جا سکتا ہے..... اور اچھا ہم اس پتھر کو توڑنے کی کوشش کریں..... مگر یہ بھی محال ..... مگر ٹھہریئے میں کیمپ سے کدالیں منگواتا ہوں۔''

بساط الٹتی ہے

فریدی کو جلد ہی ہوش آ گیا۔ ہوش میں آتے ہی اُسے اپنی کمزوری پر غصہ آنے لگا۔ شاید زندگی میں پہلا موقع تھا کہ اسے اس قسم کی زک اٹھانی پڑی تھی۔ اگر وہ لڑ کھڑا کر ان کے قابو میں نہ آیا ہوتا تو اُسے اتنا افسوس نہ ہوتا۔ ریوالور اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ سب غیر متوقع طور پر خوفزدہ ہو چکے تھے کہ اس کا سر چکرا گیا اور انہوں نے اُسے ایک بے بس چوہے کی طرح دبوچ لیا۔ ان انگریزوں کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوئی کہ بیرونی غار میں کیا ہو رہا ہے۔ مگر قاسم والے ہنگامے نے انہیں ہوشیار کر دیا تھا۔ خوفزدہ لڑکیوں نے انہیں قاسم کے متعلق بتایا اور پھر وہ سب قاسم کو گھیر کر ڈنڈوں سے پیٹنے لگے۔ بہر حال اس نے کسی نہ کسی طرح چیخ چیخ کر انہیں سانوٹے کی حرکت سے متعلق بتایا اور وہ قاسم کو چھوڑ کر سانوٹے کے غار کی طرف جھپٹے۔ یہاں انہوں نے سانوٹے کے بستر کے سرہانے لگے ہوئے الارم پر خطرے کا سرخ بلب جلتا ہوا دیکھ اور سرنگ بھی روشن نظر آئی۔ اس طرح ان کی رسائی بیرونی غار تک ہوئی تھی۔ فریدی پر قابو

کے بعد انہوں نے بیرونی غار والا پہیہ نکال لیا تھا اور مطمئن ہو گئے تھے کہ اب دنیا کی کوئی سرنگ کے راستے والے پتھر کو اس کی جگہ سے نہیں ہٹا سکتی۔ وہ کچھ دیر بیرونی غار میں بھی رہے تھے لیکن انہیں کسی طرف سے کوئی آہٹ نہ ملی اور وہ مطمئن ہو گئے کہ ان کا شکار تھا۔ وہ تعداد میں سات تھے اور فریدی کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے۔ فریدی ہو چکا تھا..... لیکن اس غیر متوقع شکست پر اس طرح بپھرا ہوا تھا کہ موقع کی نزاکت کا ں بھی جاتا رہا۔

''ارے.....!'' دفعتاً ایک انگریز چیخا۔ ''یہ تو فریدی ہے۔''

'فریدی.....!'' وہ سب بیک وقت بولے۔

'ہاں..... ٹھہرو..... میں اسے پہلے بھی دیکھ چکا ہوں۔''

''وہ عورت کہاں ہے؟'' دفعتاً فریدی چیخا۔

''کون عورت.....؟'' پستہ قد انگریز نے حیرت سے پوچھا۔

''وہ جسے میں غار میں تھوڑی دیر قبل چھوڑ گیا تھا۔''

''کیا بکتے ہو۔'' پستہ قد انگریز غرایا۔ ''اگر تم فریدی ہو تو اب ہم دھوکہ نہیں کھا سکتے۔''

''کیسا فریدی۔'' فریدی نے حیرت سے کہا۔ ''تم لوگ کون ہو..... اور یہ سب کیا ہے۔ یہ سب نہیں تھا۔ میں ہمیشہ اس غار کو استعمال کرتا رہا ہوں۔''

فریدی نے کسی عیاش آدمی کی طرح مسکرا کر اپنی بائیں آنکھ دبائی۔ پھر وہ دفعتاً غصہ کی سے بولا۔ ''وہ عورت کہاں ہے..... اُسے واپس کر دو..... ورنہ میں بہت بُرا آدمی ہوں۔''

''یہ تو ہم جانتے ہیں کہ تم بہت بُرے آدمی ہوں..... ورنہ لوگ عیاشی کے لئے عورت ہاتھ ریوالور نہیں لاتے۔'' ایک انگریز نے کہا۔ پھر وہ پستہ قد انگریز سے بولا۔ ''اگر یہ ہی ہے تو اس کے لئے ایک بہترین تحفہ ثابت ہوگا۔ کیوں.....؟''

''یہ فریدی ہی ہے۔'' پستہ قد انگریز نے کہا۔ ''اس کی تصویریں باس کے کمرے میں بند رنہ میں تمہیں یقین دلا دیتا۔''

ان کی گفتگو سے فریدی نے اندازہ لگالیا کہ وہ باس جیرالڈ ہی ہوسکتا ہے۔ اور وہ ا
وقت یہاں موجود نہیں ہے۔ اس بے بسی کے عالم میں بھی اُسے افسوس ہو رہا تھا۔ افسو
بات ہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا اس بار پھر جیرالڈ بچ نکلے گا۔

''ارے وہ موٹا تو ہے۔'' دفعتاً ایک بولا۔ ''وہ تو اُسے پہچانتا ہی ہوگا۔''

''ٹھیک ہے۔'' پستہ قد انگریز نے کہا۔ ''میں اُسے لاتا ہوں۔''

وہ چلا گیا۔ بقیہ چھ انگریز فریدی کے سر پر مسلط رہے۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ شاید ا
وقت یہاں جیرالڈ کے آدمیوں میں سے صرف اِتنے ہی ہیں اگر ان کے علاوہ بھی کچھ اور ہو
تو وہ بھی اب تک یہاں پہنچ چکے ہوتے۔

قاسم جیسے ہی کمرے کے سامنے پہنچا باہر کھڑی ہوئی لڑکیاں ہنسنے لگیں۔ اُس کا حلیہ
اس قسم کا تھا کہ دیکھ کر بے اختیار ہنسی آجاتی۔ روشنائی سے بنائی ہوئی ڈاڑھی اور مونچھیں ا
تک برقرار تھیں۔ شاید قاسم کو ان کا علم ہی نہیں تھا۔ اس نے لڑکی کا پھولدار پیٹی کوٹ اپنی
کے گرد منڈھ رکھا تھا اور جسم کا اوپری حصہ بالکل ننگا تھا۔ فریدی نے اُسے اس حالت میں د
تو اُسے ہنسی آ گئی۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں قاسم اُسے شناخت ہی نہ کرلے۔

قاسم دروازے کے سامنے رک گیا تھا۔ ایک بار اس کے ہونٹ کچھ کہنے کے لئے کھ
لیکن پھر بند ہوگئے۔ وہ بالکل ساکت و صامت فریدی کو گھور رہا تھا۔ وہ اتنا بیوقوف بھی نہیں
کہ سچویشن کو نہ سمجھتا اور پھر ایسی صورت میں جب کہ تھوڑی دیر قبل اس پر ڈنڈوں کی بار
ہوچکی تھی۔ وہ چپ کھڑا رہا۔

''اسے پہچانتے ہو۔'' پستہ قد انگریز نے فریدی کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

''میں نہیں جانتا۔'' قاسم غرا کر بولا۔ ''تم لوگ مجھے سونے کیوں نہیں دیتے۔''

''تم جھوٹے ہو۔'' پستہ قد انگریز نے کہا۔

''تم جھوٹے..... تمہارا باپ جھوٹا..... سالو کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔ میں شاستر
صاحب کی وجہ سے کچھ نہیں بولتا ورنہ اب تک تم میں سے ایک آدھ کو مروڑ کر رکھ دیتا۔'' قا

واپس جانے کے لئے مڑا۔

''سنو تو.....!'' پستہ قد انگریز نے اُسے روکنے کی کوشش کی۔

''نہیں سنتا.....!'' قاسم مڑے بغیر دھاڑا اور اپنے غار کی طرف چل پڑا۔ لیکن اس کی
زدہ کھوپڑی حرکت میں آ گئی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ لوگ فریدی کو ضرور مار ڈالیں گے
وہ کئی بار اس کے متعلق ان لوگوں کی گفتگو سن چکا تھا اور اگر فریدی مرگیا تو دنیا کی کوئی
اُسے اس قید سے رہائی نہ دلا سکے گی۔ تھوڑی برف اور پگھلی۔ دفعتاً اُسے ان ساٹھ ستر
ں کا خیال آیا جو سانوٹے کے ڈر سے دن رات گدھوں کی طرح محنت کرتے تھے۔ اس
وچا کہ کیوں نہ انہیں اکسایا جائے۔ اگر وہ سب ایک ساتھ پل پڑیں تو آٹھ دس انگریزوں
نی بہ آسانی بن جائے گی۔ لیکن وہ لڑکیاں۔ وہ انہیں [illegible] گے۔ اس کا دل
ں کے لئے بُری طرح کڑھنے لگا..... جیسے ہی وہ اس کمرے میں داخل ہوا جہاں مزدور
وں کی طرح رہتے تھے ہر طرف قہقہے بلند ہونے لگے۔ وہ سب لوگ جاگ رہے تھے اور
ئے بھی تھے وہ قاسم اور سانوٹے کے ہنگامے کی وجہ سے جاگ پڑے تھے۔ لیکن کسی میں
ت نہیں تھی کہ کمرے سے باہر قدم نکالتا۔

''ابے سنو..... ہنسو نہیں۔'' قاسم دونوں ہاتھ ہلاتا ہوا بولا۔

پھر بھی کچھ لوگ ہنستے رہے۔

''اچھا..... تو میں بلاتا ہوں سانوٹے کو۔'' قاسم نے دھمکی دی اور یک بیک اس طرح
ی چھا گئی جیسے قہقہوں میں بریکیں لگ گئی ہوں۔

''دیکھو.....!'' قاسم نے انہیں مخاطب کیا۔ ''آج ان حرامزادوں نے ایک ایسے آدمی کو
یا ہے کہ کیا بتاؤں۔ اگر انہوں نے اسے مار ڈالا تو کیا بتاؤں؟ ہم زندگی بھر یہاں سے نہ
لیں گے۔ وہ ہماری رہائی کے لئے یہاں آیا تھا لیکن پکڑ لیا گیا۔ وہ اُسے مار ڈالیں گے۔''

''تو پھر ہم کیا کریں۔'' ایک آدمی نے کہا۔

''ارے تم سب کچھ کرسکتے ہو میرے پیارے۔'' قاسم نے کہا اور اُسے یک بیک قومی

لیڈروں کی تقریریں یاد آنے لگیں۔ اس نے مٹھی باندھ کر کہا۔ ''تم سپوت کے وطن ہو! ہم لڑائی کے لئے آزادی لیں گے۔ لڑیں گے آزادی کے لئے۔ وہ صرف سات ہیں اگر تم لپٹ پڑو تو سب کی چٹنی بن جائے گی۔ ان سے ڈرتے ہو وہ سالا گھوڑا بھی اس وقت موجود نہیں۔''

''مگر ہم..... باہر تو نہ نکل سکیں گے۔'' ایک نے کہا۔ ''ہم راستہ نہیں جانتے۔ دوسرے آ کر ہماری چٹنی نہ بنا دیں گے۔''

''ارے میرے پیارے بھائیو۔'' قاسم بولا۔ ''وہ آدمی جسے پکڑا گیا ہے ایک بڑا آفیسر ہے اور وہ راستہ جانتا ہے۔ ہمیں اس کی مدد کرنی چاہئے۔''

''نہیں وہ گھوڑا.....!''

''ابے چلو.....! اُس سے میں نپٹ لوں گا وہ مجھے نہیں پچھاڑ سکتا۔''

''غوں مچاٹا۔'' دفعتاً ایک انگریز دروازے کے قریب آ کر چیخا اور وہ سب سہم گئے۔ انگریز کی طرف بڑھا اور اس نے اس کی گردن پکڑ لی اور اسے اتنی مہلت بھی نہ دی کہ وہ کچھ نکال سکتا۔ پھر اُس نے اسے اونچا اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ اُس کے منہ سے خوفزدہ سی چیخ نکلی سی۔

''آؤ..... بڑھو.....'' اُس نے انہیں پھر للکارا۔ لیکن انہوں نے اپنی جگہ سے حرکت بھی نہ کی۔

''اچھا.....!'' قاسم بپھر کر انہیں گھونسہ دکھاتا ہوا بولا۔ ''میں جاتا ہوں اور ان سے کہہ دوں گا کہ تم نے اس انگریز کو مار ڈالا۔ تم جانتے ہو کہ وہ میرا کچھ خیال بھی کرتے ہیں۔''

''نہیں..... نہیں۔'' بہت سی آوازیں آئیں اور پھر ان میں کھسر پھسر ہونے لگی۔

''ہم تیار ہیں۔'' آخر دو تین آدمیوں نے کہا۔

''تو آؤ..... اور کچھ دیکھے سنے بغیر ان پر ٹوٹ پڑو۔''

ادھر دو تین انگریز فریدی کو اس کمرے سے اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اسے کسی محفوظ جگہ میں بند کر دیں۔ وہ اپنی انتہائی قوت صرف کر رہے تھے لیکن فریدی اپنی

سے ہلنے کا نام بھی نہیں لیتا تھا۔ اچانک اس کا ہاتھ ایک انگریز کی جیب سے ٹکرایا جس میں ریوالور کی موجودگی کا شبہہ ہوا۔

''دیکھو..... اٹھو..... ورنہ گولی مار دوں گا۔'' دروازے کے قریب کھڑے ہوئے انگریز نے کہا جس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اچانک فریدی نے ان انگریزوں سے ایک کو دھکا دیا جو اسے اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ وہی انگریز تھا جس کی جیب میں فریدی کو ریوالور محسوس ہوا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس کا ہاتھ اس کی جیب میں تھا اور باہر نکلتے ہوئے ریوالور کی نال سے ایک شعلہ نکلا۔ دروازے کے قریب کھڑا ہوا انگریز چیخ مار کر ڈھیر ہو گیا۔ بقیہ اچھل کر پیچھے ہٹ گئے۔

''خبردار.....!'' فریدی انہیں ریوالور کی زد میں لیتا ہوا بولا۔

پانچ مرد اور پانچ عورتیں بے بس کھڑی تھیں۔

پھر باہر شور سنائی دیا۔ قاسم درانہ اندر گھستا چلا گیا۔ اس کے پیچھے دوسرے آدمی بھی تھے۔ جو یہاں کی سچویشن دیکھ کر وہ سب سناٹے میں آ گئے۔

لڑکیوں کے منہ سے خوفزدہ سی چیخیں نکلیں۔

''قاسم..... تم واقعی عقلمند ہو۔'' فریدی نے کہا۔ ''بس اب انہیں باندھ لو..... کوئی مرنے نہ پائے۔''

''واہ.....! ان سالوں کی تو چٹنی بنے گی۔'' قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔

''نہیں جو میں کہتا ہوں وہ کرو..... کل اخبارات میں تمہارا نام بڑی شان سے شائع ہوگا۔''

''اچھی بات ہے.....'' قاسم لڑکیوں کو گھورتا ہوا بولا۔ ''آپ کہتے ہیں تو میں مانے لیتا ہوں۔''

''وہ سب اس طرح پکڑ لئے گئے جیسے مرغیاں پکڑی جاتی ہیں۔''

''لیکن..... وہ سالا گھوڑا نہیں ہے۔'' قاسم نے فریدی سے کہا۔

''اسے میں نے پہلے ہی مار ڈالا۔'' فریدی بولا

''سنا تم نے۔'' قاسم مزدوروں کو مخاطب کر کے بولا۔''فریدی صاحب نے سانولے کے بچے کو پہلے ہی مار ڈالا۔''

مزدور خوش ہو کر چیخنے لگے۔

''فریدی صاحب۔'' قاسم بڑے زور سے چیخا۔ پھر دانت نکال کر مزدوروں سے کہنے لگا۔''ابے زندہ باد کہو۔''

مزدوروں نے زندہ باد کی ہانک لگائی۔

''کیا بیہودگی ہے۔''فریدی کو ہنسی آ گئی۔

قاسم نے فریدی کو سرنگ کے متعلق بتایا۔ فریدی قاسم کو وہیں چھوڑ کر سرنگ میں داخل ہوا۔ سرنگ کے بلب اب بھی روشن تھے۔ فریدی کو یقین تھا کہ ان لوگوں نے بیرونی غار والے میکنزم کو ضرور تباہ کر دیا ہوگا۔ ورنہ اب تک حمید وغیرہ ضرور داخل ہو جاتے۔ وہ سوچ رہا تھا ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ بیرونی غار میں سر مار رہے ہوں۔

وہ سرنگ کے آخری سرے پر آ کر رک گیا اور یہاں وہ مشین کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں تھی جس سے سرنگ کا دہانہ کھولا جاتا۔ فریدی سرنگ کے دہانے پر پے در پے دھمک محسوس کر رہا تھا۔ کہیں وہ لوگ اس پتھر کو توڑنے کی کوشش تو نہیں کر رہے ہیں۔ اس نے مشین کے پہیے کو تھوڑا سا گھمایا۔ ایک پتلی سی دراڑ دیوار میں پیدا ہو گئی۔ دوسری طرف کا شور سنائی دینے لگا اور کئی کدالوں کے پھل دراڑ میں داخل ہو گئے۔ فریدی نے تھوڑا درہ اور کیا اور پھر چیخ کر بولا۔

''کیپٹن کہیں گولی نہ مار دینا..... میں ہوں فریدی۔''

''فریدی صاحب.....!'' اُسے حمید کی چیخ سنائی دی۔

''ہاں میں ہوں۔'' فریدی نے کہا اور پورا دہانہ کھول دیا۔ سب سے پہلے حمید گرتا پڑتا اس تک پہنچا۔ پھر کیپٹن۔

''افسوس.....!'' فریدی بولا۔''جیرالڈ یہاں موجود نہیں تھا۔''

جہنم میں گیا جیرالڈ.....!'' حمید جھلا کر بولا۔''آپ اکیلے ہی کیوں گھس پڑے تھے۔''

فریدی نے مختصراً پوری روداد دہرائی پھر بولا۔''میں ذرا اس گھوڑے کی لاش دیکھوں..... میرا خیال ہے کہ وہ کوئی سائنسی کارنامہ نہیں تھا۔''

''ٹھیک خیال ہے آپ کا.....!'' کیپٹن نے کہا۔''اس میں تو بھس بھرا ہوا تھا۔ اس کے جسم کی کھال پلاسٹک کی ہے اور اُس میں بال لگے ہوئے ہیں اور اس کھال کے نیچے اس نے بلٹ پروف پہن رکھے تھے، لیکن کمال کی کھال بنائی تھی۔ بالکل اصلی معلوم ہوتی تھی۔''

''میں نے بلٹ پروف محسوس کر لئے تھے۔'' فریدی بولا۔''اسی لئے میں نے اس کے سارے پر فائر کئے تھے مگر تھا کسی گھوڑے ہی کی طرح طاقتور..... خدا کی پناہ۔''

پھر وہ سب اندر آئے۔ قاسم کی حالت دیکھ کر حمید ہنسی کے مارے گر پڑا۔ قاسم سارے غاروں میں اسے دوڑاتا پھر رہا تھا۔ ایک ایک کر کے قیدی باہر نکالے جانے لگے۔ پھر حمید، فریدی، قاسم اور کیپٹن ان غاروں میں تنہا رہ گئے۔ فریدی وہاں پہنچا جہاں بجلی پیدا کرنے والا جنریٹر چل رہا تھا۔ اس نے اس کو بند کر دیا۔ وہ سب باہر آئے۔ دہانے پر تینوں فوجیوں کو تعینات کر دینے کے بعد وہ گھاٹی میں اتر کر اس خوفناک چٹان کی طرف بڑھنے لگے جو اب تک دو آدمیوں کی جانیں لے چکی تھی۔ چٹان کے نیچے پہنچ کر فریدی حمید اور شہاب کے احتجاج کے باوجود وہ اوپر چڑھنے کی تیاری کرنے لگا۔

وہ بندروں کی طرح جھولتا ہوا چٹان کے اوپر پہنچ گیا۔ حمید کا دل دھڑک رہا تھا۔ لیکن اس نے کوئی خوفناک چیخ نہیں سنی۔ فریدی تھوڑی دیر بعد پھر نیچے آ گیا۔ اس نے کہا۔''وہی بات..... جو میں نے پہلے کہی تھی۔ چٹان پر باریک باریک تاروں کا جال بچھا رکھا تھا جن میں وقت کرنٹ رہتا تھا اور یہ جگہ انہوں نے ایسے موقعوں کے لئے بنائی تھی جب پولیس اس گھوڑے کا تعاقب کرے۔''

آخری معرکہ

دوسرے دن کے اخبارات کے ضمیمے بہت جلد بازار میں آ گئے پھر اسی جیرالڈ کی داستان تھی جس کے ذکر سے چھ ماہ پیشتر دنیا کا گوشہ گوشہ گونج اٹھا تھا..... غاروں کی داستان تھی جن

سے بے اندازہ دولت برآمد ہوئی تھی۔ تین عجوبہ روزگار راکٹ دستیاب ہوئے تھے جن
متعلق خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ آواز سے بھی زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ اوپر جاتے ہیں
فریدی اور حمید کے نام جلی حروف سے شائع کئے گئے تھے۔ قاسم کا بھی تذکرہ تھا جس نے ا
حکمت عملی سے فریدی کی جان بچانی چاہی تھی۔ لیکن خود جیرالڈ..... وہ اس بار بھی فرار ہو
میں کامیاب ہوگیا تھا اور دنیا کے لئے ایک عظیم خطرہ بدستور باقی تھا۔ اس پاگل آدمی کا تذ
تھا جسے جیرالڈ کے گروہ والے اپنا بادشاہ کہتے تھے لیکن اس کی اصلیت کیا تھی۔ یہ کسی کو بھی نہیں
معلوم۔ فیلڈ اور اس کے ساتھی بھی اُس بادشاہ سمیت گرفتار کر لئے گئے تھے۔ مگر سب بیکار۔ ا
کا دماغ تو فرار ہی ہو چکا تھا۔ وہ خطرناک انسان جو تیسری بار بھی اپنے خوفناک عزائم کو عملی
جامہ پہنانے کے لئے کوئی نئی حرکت کر سکتا تھا۔

اخبارات نے اُس خوفناک چٹان کو "موت کی چٹان" کا نام دیا تھا۔ حضرت سلیمان
گھوڑے کا راز بھی تھا اور اس کے مقصد پر بھی روشنی ڈالی گئی تھی۔ آخر میں وہ بات بھی جس
فریدی کی جیرالڈ تک رسائی ہوئی تھی۔ یعنی صدانی کا قتل..... صدانی کا قتل جیرالڈ ہی کے آدمیو
نے اس کی پوشیدہ دولت کے لئے کیا تھا۔ جو کئی سو سونے کی اینٹوں پر مشتمل تھی۔

انور اور رشیدہ کے منہ حیرت سے کھلے ہوئے تھے۔ انہیں کچھ پتہ ہی نہ چل سکا تھا کہ
کب کیا ہوگیا۔ قاسم نے پھر شیزان میں ڈیرہ جمایا تھا اور وہ بات بات پر انور کو چھیڑ رہا تھا
رشیدہ کو اپنی دلیری کی جھوٹی سچی داستانیں سنا کر کہتا "وہ تو فریدی صاحب نے روک د
تھا..... ورنہ میں ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑتا۔"

حمید میجر نصرت کے ساتھ تھا..... لیکن فریدی..... اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ حمید اس
اقامتی غار میں بھی گیا تھا لیکن وہ خالی تھا۔ فریدی کا سامان بھی موجود نہیں تھا۔

"تو اب یہ حضرت جیرالڈ کے چکر میں ہیں۔" حمید نے میجر نصرت سے کہا۔ "مگ
فضول۔ اب کوئی اس کی گرد کو بھی نہ پا سکے گا۔"

"مجھے بھی کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔" میجر نصرت نے کہا۔ "مگر یہ فیلڈ وغیرہ کا معاملہ

سمجھ میں نہیں آتا..... دوسرے لوگوں کو تو ہم محض اس وجہ سے روک سکتے ہیں کہ وہ ان غاروں سے پکڑے گئے تھے مگر فیلڈ قانونی کاروائیوں کی دھمکی دیتا ہے اور یہ ہے بھی سچی بات۔ اس کے خلاف ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں۔ وہ اپنے پاگل چچا کے علاج کے لئے یہاں آیا تھا۔ ایئر فورس کا ایک آفیسر بھی ہے۔"

"لیکن میں ان لوگوں کی قید میں رہ چکا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"کیا اسے عدالت میں ثابت کر سکو گے۔" میجر نصرت بولا۔

"نہیں..... فی الحال تو نہیں..... لیکن فریدی صاحب ثبوت ضرور پیش کریں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ انہیں فی الحال چھوڑ کر نگرانی میں رکھا جائے۔" آپریشن روم کے بوڑھے انچارج نے کہا۔

"میں اس کی ہرگز اجازت نہ دوں گا....." حمید نے آپریشن روم کے انچارج کو گھورتے ہوئے کہا۔ یہ ایک بوڑھا اینگلو انڈین تھا اور اپنے کام کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔

"کسی شریف آدمی کو محض شبہے میں روکے رکھنا اچھی بات نہیں۔" انچارج نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"جی ہاں..... وہ شریف اس لئے ہیں کہ آپ کے ہم قوم ہیں۔" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔

"براہِ کرم ذاتیات پر حملہ نہ کیجئے۔" آپریشن روم کا انچارج بھی بگڑ گیا۔

بات بڑھ جاتی لیکن میجر نصرت نے بیچ بچاؤ کرا دیا۔ پھر تھوڑی دیر کے لئے آپریشن روم میں خاموشی چھا گئی۔ انچارج ٹرانسمیٹروں کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔ میجر نصرت اور حمید نے پائپ سلگا لئے تھے۔ کہرے کا گہرا سناٹا بڑا عجیب لگ رہا تھا۔ دفعتاً حمید چونک کر سیدھا ہوگیا تھا اور میجر نصرت اس اچانک تبدیلی پر اُسے گھورنے لگا۔

"میں کہتا ہوں..... فریدی صاحب غلطی کر رہے ہیں۔"

"کیوں.....؟"

"میں جانتا ہوں کہ جیرالڈ کہاں ہے اور کون ہے"

مشینوں پر بیٹھے ہوئے آپریٹر حمید کی طرف دیکھنے لگے۔

''تو اب تک کیا کرتے رہے۔'' میجر نصرت کے لہجے میں طنز تھا۔ حمید اس کی پرواہ کئے بغیر ٹیلی فون کی طرف جھپٹا۔ دوسرے لمحے میں وہ شیزان ہوٹل کے نمبر ڈائیل کر رہا تھا۔ اس نے انور سے رابطہ قائم کیا۔

''ہیلو انور..... میں حمید بول رہا ہوں..... کیا مورگن ہوٹل میں موجود ہے۔ خوب..... اچھا تو اسے نگرانی میں رکھو..... ہم ابھی پہنچ رہے ہیں۔''

وہ ریسیور رکھ کر میجر نصرت کی طرف مڑا..... اور اس نے مورگن کے متعلق سب کچھ بتا دیا۔ میجر نصرت تھوڑی دیر کے لئے کسی سوچ میں پڑ گیا پھر بولا۔

''بھئی میں کس طرح یقین کرلوں کہ وہ جیرالڈ ہی ہے۔ ابھی فیلڈ وغیرہ ہی کا معاملہ نہیں صاف ہوا۔''

''آپ فکر نہ کیجئے۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔ ''اگر وہ جیرالڈ نہ ہوا تب بھی ہمارے پاس اس کی گرفتاری کے معقول وجوہ ہوں گے۔ وہ ناجائز اسلحہ اپنے پاس رکھتا ہے۔ ایک سب مشین گن رکھنا معمولی جرم نہیں ہے۔''

''یہ تو ٹھیک ہے۔'' آپریشن روم کا انچارج بولا۔ ''گرفتاری کے لئے معقول وجہ ہے ممکن ہے وہ جیرالڈ ہی ہو۔''

تھوڑی دیر کی بحث و تکرار کے بعد میجر نصرت تیار ہو گیا۔

''کیا ریڈیو کار ساتھ ہوگی۔'' آپریشن روم کے انچارج نے پوچھا۔

''کیا ضرورت ہے۔'' میجر نصرت نے لاپروائی سے کہا۔

''ضرورت ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''یہ سوچ کر چلئے کہ آپ جیرالڈ ہی کے لئے نکلے ہیں اگر وہ نکل گیا تو پھر ہم ریڈیو کار کے بغیر ہیڈ کوارٹر سے فوراً ہی رابطہ قائم نہ کر سکیں گے۔''

آخر آپریشن روم کے انچارج نے ریڈیو کار سنبھالی اور وہ شیزان ہوٹل کی طرف چل پڑے۔ ان کے ساتھ مسلح سپاہیوں کی کثیر تعداد تھی۔

شیزان ہوٹل کا محاصرہ کر لیا گیا۔ میجر نصرت اور حمید چند دوسرے آفیسروں کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ حمید اوپری منزل پر جانے کے لئے ان کی رہنمائی کر رہا تھا۔ ہوٹل کا منیجر تیز قدموں سے چلتا ہوا ان کے پاس آیا۔

''ہمیں ایک مجرم کی تلاش ہے۔'' میجر نصرت نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

پھر وہ سب مورگن کے کمرے کے سامنے پہنچ کر رک گئے۔ کمرہ اندر سے بند تھا۔ حمید نے دستک دی۔

دروازہ کھلا..... مورگن سامنے کھڑا پلکیں جھپکا رہا تھا۔

''کیا بات ہے؟'' اُس نے آہستہ سے کہا۔

''اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ.....'' حمید گرج کر بولا۔

''کیا یہ ضروری ہے۔'' مورگن کے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ تھی۔

''تمہارے پاس ناجائز اسلحہ ہے۔'' حمید بولا۔

''اچھا تو پھر.....!'' مورگن کی مسکراہٹ بدستور قائم رہی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی دلچسپ مذاق سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔ لیکن اب اس نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لئے تھے۔ حمید اُسے دھکا دیتا ہوا کمرے میں گھسا اور اس نے وہی سوٹ کیس کھول ڈالا جس میں اس سے قبل اس نے مشین گن دیکھی تھی۔ مشین گن موجود تھی اس نے فاتحانہ قہقہہ لگایا۔

''یہ کیا ہے.....؟'' اس نے قہقہہ لگا کر پوچھا۔

''ایک سب مشین گن کی نقل۔'' مورگن لاپرواہی سے بولا۔ ''میں مداری ہوں اور یہ ایک کھلونا ہے۔ جسے میرا پالتو طوطا تماشائیوں کے مجمعے پر چلاتا ہے اور یہ ساری کی ساری لکڑی کی بنی ہوئی ہے۔ کیا تمہیں ہلکی معلوم نہیں ہوتی۔''

وہ واقعی بہت ہلکی تھی۔ حمید کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

''طوطے کا پنجرہ اُدھر میز کی اوٹ میں رکھا ہوا تھا۔ میرے پاس بازی گری کا اور بہت سارا سامان بھی موجود ہے۔ جو تلاشی لینے پر بہ آسانی دستیاب ہو سکتا ہے۔'' مورگن کے لہجے

میں تمسخر تھا۔ اس نے کہا۔ ''میں ایک پیشہ ور مداری ہوں اور آپ کے شہر کی اونچی سوسا
میں بہت عرصہ سے اپنے کرتب دکھا رہا ہوں۔ میں آپ کو دو چار پتے دے سکتا ہوں۔ آپ
ان سے دریافت کر لیجئے۔''

جلدی جلدی کمرے کی تلاشی لی گئی اور جیسا کہ مورگن نے کہا تھا شعبدہ بازی کے سامان
کے علاوہ اور کچھ بھی نہ نکلا۔ اس دوران ایک آفیسر اس مشین گن کو چاقو سے چھیلنے لگا تھا۔ وہ سچ
مچ لکڑی ہی کی ثابت ہوئی۔ آفیسروں نے اپنے ریوالور جیب میں ڈال لئے..... میجر نصرت
حمید کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔

آپریشن روم کے انچارج کا قہقہہ سب سے زیادہ تیز اور بلند تھا۔

''آپ کو بہت ہنسی آ رہی ہے۔'' مورگن نے اس سے کہا۔ ''یقیناً آپ میرے دوسرے
کرتب دیکھ کر بہت زیادہ محفوظ ہوں گے۔''

اچانک مورگن نے اپنی پتلون کی جیبوں سے دو ریوالور نکال لئے۔ ایک کا رخ پولیس
آفیسروں کی طرف تھا اور دوسرے کا آپریشن روم کے انچارج کی طرف۔

''آپ سب براہِ کرم اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لیجئے۔ یہ ریوالور نقلی نہیں ہیں۔'' مورگن نے کہا۔

''اب آپ جھک ماریئے'' حمید بے ساختہ ہنس پڑا۔ ''میں تو اُلو تھا۔''

''تم اب بھی اُلو ہو۔'' پھر اس نے آپریشن روم کے انچارج سے کہا۔ ''کیا تم اپنا سیاہ
چشمہ نہیں اتارو گے۔''

آپریشن روم کا انچارج بوکھلا گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بھاگنا چاہتا ہو۔

دفعتاً مورگن کے ریوالور سے ایک شعلہ نکلا..... گولی آپریشن روم کے انچارج کی ران
میں لگی اور وہ لڑکھڑا کر گر پڑا..... قبل اس کے کہ آفیسر ہوش میں آتے انہیں فریدی کی آواز
سنائی دی۔

''کوئی حماقت نہ ہو..... یہ جیرالڈ ہے۔''

آپریشن روم کے انچارج نے پھر اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن اس بار حمید اس پر ٹوٹ

لوگ حیرت زدہ کھڑے مورگن کو گھور رہے تھے۔ اس نے اپنے چہرے پر سے پلاسٹک کا
خول سا اتار دیا۔ اب ان کے سامنے فریدی کھڑا تھا۔

اس نے حمید کو الگ کر کے جیرالڈ کو گریبان سے پکڑ کر اٹھایا اور بولا۔ ''تم طاقت کے
ری ضرور ہو لیکن حقیقتاً تم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ تم فریدی کے جسم و دماغ سے ٹکرا سکو۔
تمہارا ذہن جواب دے جائے تو تم یہی سمجھو کہ تم ایک کیچوے سے بھی زیادہ حقیر ہو۔ پچھلی
نے مجھے ایک چوہے کی طرح بند کیا تھا اور آج میں تمہیں ایک چیونٹی کی طرح مسل رہا
۔ میں نے پچھلی ہی رات کو تمہیں پہچان لیا تھا جب تم آپریشن روم سے میری کامیابی سے
خ ں نشر کر رہے تھے۔ تم نے ایک بار بے خیالی میں عینک اتار کر اپنی آنکھیں صاف کی
اور میرے لئے اتنا ہی کافی تھا۔ جیرالڈ میں تمہیں کھلا کھلا کر مارنا چاہتا تھا تاکہ تم مرنے سے
م از کم ایک ہی بار خود کو حقیر محسوس کر سکو مگر میرے گدھے حمید نے جلد بازی سے کام لیا۔''

''لیکن یہ سال ہا سال سے.....'' میجر نصرت ہکلایا۔

''میں جانتا ہوں.....!'' فریدی سر ہلا کر بولا۔ ''سال ہا سال والا انچارج دوسری دنیا
پہنچ چکا ہے۔ غالباً اس کی آنکھیں ایسی تھیں کہ وہ روشنی میں تاریک چشمہ لگائے بغیر کام
کر سکتا تھا۔''

''ٹھیک ہے۔'' ایک آفیسر بولا۔

جیرالڈ نے اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا۔ یہ بے چارہ بھیس تو بدل سکتا ہے لیکن اپنی
س قسم کی آنکھوں کو کسی طرح نہیں چھپا سکتا۔ کیوں جیرالڈ؟

جیرالڈ کچھ نہیں بولا۔ اس کی ران کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ لیکن وہ ایک ہی پیر پر تنا کھڑا
..... اچانک وہ اپنا سینہ کھجانے لگا اور پھر ایک زور دار دھماکہ ہوا۔ کئی چیخیں بلند ہوئیں پھر
ہوش رہ گیا انہوں نے جیرالڈ کے سینے کی جگہ ایک بہت بڑا غار دیکھا۔ فریدی دوسری
فرش پر پڑا ہاتھ پیر مار رہا تھا اور اس کا سارا جسم خون سے تر ہوتا جا رہا تھا۔ کئی آفیسروں
موں اور چہروں پر بھی خون نظر آ رہا تھا۔ حمید کا داہنا ہاتھ جھلس گیا تھا۔

دوسرے دن ہسپتال میں ملک کی معزز ہستیاں فریدی کے بستر کے گرد اکٹھا تھیں۔ فریدی کا پورا جسم پٹیوں سے ڈھکا ہوا تھا لیکن اس کے باوجود بھی اس کے چہرے پر نقاہت کے آثار نہیں تھے۔ وہ کہہ رہا تھا ''انتہائی چالاکیوں کے باوجود بھی وہ دھوکہ کھا گیا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ اپنے سینے میں ایک چھوٹا سا بم چھپائے ہوئے ہے۔ کھجلانے کے بہانے اس نے اس کا سیفٹی کیچ ہٹا دیا تھا۔

''لیکن تم نے یہ خطرہ کیوں ناحق مول لیا تھا۔'' اس کے ڈی۔آئی۔جی نے کہا جو آج ہی بذریعہ ہوائی جہاز رام گڑھ پہنچا تھا۔

''آپ میری افتادِ طبع سے بخوبی واقف ہیں۔ میں ڈرامائی انداز میں کام کرنے کا عادی ہوں لیکن اس پر جب بھی اور جہاں بھی ہاتھ ڈالا جاتا وہ یہی کرتا..... بم ساتھ لئے پھرنے کا مطلب تھا کہ وہ خود بھی مایوس ہو چکا تھا اور اُسے یقین تھا کہ اب وہ خطرے میں ہے۔ اگر میں اسے آپریشن روم میں بھی گرفتار کرتا تو نتیجہ یہی ہوتا۔ ظاہر ہے کہ آپ کسی قیدی کو اس کا جسم کھجانے سے تو باز نہیں رکھ سکتے۔''

''لیکن تمہاری موجودہ حالت کتنی تشویش ناک ہے۔'' ڈی۔آئی۔جی نے بزرگانہ انداز میں کہا۔

''اوہ..... آپ اس کی فکر نہ کیجئے..... جب تک میری قوت ارادی برقرار رہے، میں مر نہیں سکتا۔''

''اچھا اب تم آرام کرو.....'' ڈی آئی جی نے کہا۔

''ٹھہریئے۔'' فریدی اپنا پٹیوں سے ڈھکا ہوا ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''اس سلسلے کی سب سے اہم اور دلچسپ کڑی تو رہ ہی گئی۔''

وہ سب توجہ اور دلچسپی سے فریدی کی طرف دیکھنے لگے۔

فریدی نے میجر نصرت کو مخاطب کر کے کہا۔ ''کیا آپ نے اس دیوانے کی داڑھی اور مونچھیں صاف کرادیں۔''

''ہاں..... وہ تو کل ہی..... لیکن.....!''

''ٹھہریئے۔'' فریدی تکیے کے نیچے ہاتھ ڈال کر کچھ ٹٹولتا ہوا بولا۔ پھر اس نے ایک تصویر نکال کر اس کے سامنے ڈال دی۔

''یہ تو اسی کی تصویر ہے۔'' میجر نصرت نے کہا۔

''اور آپ جانتے ہیں یہ کون ہے؟''

''نہیں.....!''

''یہ سجاد صمدانی ہے۔''

''کیا.....؟'' وہ سب بیک وقت بولے۔

''جی ہاں..... وہ سالہا سال سے ان لوگوں کے قبضے میں تھا۔ انہوں نے کسی طرح سے اس کا دماغ ماؤف کر دیا تھا..... اور وہ اپنی پچھلی شخصیت بھول گیا تھا لیکن دستخط سجاد صمدانی ہی کیا کرتا تھا۔ کیا یہ حیرت انگیز بات نہیں۔ وہ اپنے وہی پرانے دستخط کرتا تھا لیکن اس غریب کو کچھ تک یاد نہیں تھا۔ اس طرح جیرالڈ اس کے کاروبار پر قابض تھا۔ سجاد کے ملازمین اسے سجاد کی طرح سمجھتے تھے کہ وہ تین سال سے ان کے سامنے نہیں آیا۔ بہرحال اس کے دستخط اصلی تھے اور انہیں دستخطوں کی بناء پر سجاد صمدانی کی دولت جیرالڈ کے ہاتھ لگتی رہتی تھی اور صمدانی کے قتل سے پہلے اس نے بہت بڑی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں۔ اس کا خیال تھا کہ اب صمدانی کا کاروبار بھی سجاد کی ہی طرف منتقل ہو جائے گا۔ میں نے کیس کے دوران کئی کئی بار یہ بات دوسروں کے سامنے بھی رکھی تھی کہ اگر مجرم سونے کی اینٹیں ہی حاصل کرنا چاہتے تھے تو صمدانی کو اتنے پراسرار طریقے پر قتل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ میرے خدا! اب میں سوچتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے۔ صمدانی کی سیکریٹری کی طرف سے مسٹر براؤن کے نام خط روانہ کرنے کی حماقت سرزد نہ ہوتی تو ہم اب تک تاریکی ہی میں سر مارتے نظر آتے۔ پھر میں نے میجر نصرت کو اس تار کے متعلق فون کیا۔ ظاہر ہے جیرالڈ آپریشن روم کا انچارج تھا۔ اسے میری اس کال کی اطلاع ملی اور اس نے اپنی پہلی ہی فرصت میں صمدانی کی سیکریٹری کو قتل کرا دیا جو اس کے گروہ سے تعلق رکھتی تھی۔

لیکن اب پولیس کی نظروں میں چڑھ گئی تھی۔''

میجر نصرت نے مورگن کی مصروفیت کے متعلق پوچھا۔

''وہ شروع ہی سے فریدی تھا۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔''میں نے اس کیس کے سلسلے میں بہت پاپڑ بیلے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ میں ایک انگریز شعبدہ باز کے بھیس میں یہاں کی اونچی سوسائٹیوں میں بھی اٹھتا بیٹھتا رہا ہوں۔ مقصد کسی نہ کسی طرح جیرالڈ تک پہنچنا تھا۔ بہرحال ایک دن حمید کو مجھ پر شبہ ہوگیا اور وہ گدھا میری ہی نگرانی کرنے لگا۔ میں نے سوچا چلو تفریح ہی رہے گی۔ میں اس کی نظروں میں روز بروز پراسرار بنتا گیا اور آخر اس سے یہ حماقت سرزد ہو ہی گئی۔''

فریدی ہنسنے لگا۔ دوسرے بستر پر حمید اکڑوں بیٹھا اُسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

جیرالڈ کے انجام کی خبر ساری دنیا میں پھیل چکی تھی اور ہر چہار طرف سے حکومت کے نام مبارک بادی کے تار موصول ہو رہے تھے۔

بہرحال ایک ایسے دیوانے کتے کے مرجانے سے کسے خوشی نہ ہوتی جو ساری دنیا پر سائنسی تباہی لانے کے منصوبے باندھ رہا تھا۔

اس بار فریدی اور حمید کو کرنل اور کیپٹن کے فوجی اعزاز قبول کرنے ہی پڑے جو ایک سرکاری تقریب میں انہیں تفویض کئے گئے تھے۔ اس تقریب میں ملک کی ذمہ دار ہستیاں شریک ہوئی تھیں۔ قاسم کو ایک تمغہ ملا یہ بھی فوجی ہی نوعیت کا تھا لیکن وہ اب بھی اس تگڑی سی عورت کو یاد کر کے اکثر آبدیدہ ہو جاتا تھا۔ جو اُسے جیرالڈ کی زمین دوز دنیا تک لے گئی تھی۔ انور کو شاید ساری زندگی اس کا افسوس رہے کہ فریدی نے اس سے اس کیس میں کوئی کام نہ لیا۔ سجاد صمدانی بہترین ڈاکٹروں کے زیر علاج ہے۔ لیکن کسی کو بھی توقع نہیں کہ وہ کبھی اچھا ہو سکے گا۔

ختم شد

ابنِ صفی

د نمبر
14

جاسوسی دنیا

42- نیلی لکیر

43- تاریک سائے

44- سازش کا جال



پیشرس

زیرِ نظر شمارہ جاسوسی دنیا کا بیالیسواں شمارہ "یہ کرنل فریدی" کے بہترین کارناموں میں سے ہے، اور اس کا دوسرا حصہ "خونی بگولے" گنا جاسکتا ہے اور اسی تسلسل میں "زمین کے بادل" بھی شمار ہو سکتا ہے۔ مگر ان تینوں ناولوں کا اکٹھا پڑھا جانا بھی نہایت ضروری ہے۔ سنگ ہی ایک خطرناک ذہین مجرم ہے۔ عمران سیریز کے "لاشوں کا بازار"، "جونک کی واپسی"، "زہریلی تصویر" اور "بیباکوں کی تلاش" میں بھی اسی مجرم کے کارناموں کا تذکرہ ہیں۔

آپ ان تمام کتب کو ملاحظہ فرمانے کے بعد اپنی رائے سے مشکور فرمائیں۔

پبلشر

دو لاشیں

کیپٹن لوتھر کی کوٹھی کے پھاٹک پر کھڑے ہوئے سنتری نے گولی چلادی اور سناٹے میں ایک انسانی چیخ لہرا کر تاریکی میں ڈوبتی چلی گئی۔ خونخوار پٹھان سنتری نے اپنی زبان میں فتح کا نعرہ لگایا۔

پھاٹک کڑکڑاہٹ کی آواز کے ساتھ کھلا اور کیپٹن لوتھر باہر نکل آیا۔ اس کے ساتھ دو مسلح نوجوان تھے۔

"خو صاحب۔" پٹھان رائفل کے کندے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "دشمن جہنم رسید۔"

سناٹے کا طلسم ٹوٹ چکا تھا اور اب قرب وجوار کی عمارتوں کی کھڑکیاں کھلنے لگی تھیں، پھر ذرا سی ہی دیر میں اچھا خاصا مجمع اکٹھا ہو گیا۔ لوتھر نے اپنے سنتری کو پھاٹک کے اندر دھکیل دیا۔

"اندر جاؤ۔" اُس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

اُس کے ساتھ کے مسلح آدمیوں نے اپنے ریوالور اچھی طرح چھپا لئے اور پھر وہ آگے بڑھے۔ مجمع میں کئی ٹارچیں روشن نظر آرہی تھیں۔

شور بڑھنے لگا.... اور جب کیپٹن لوتھر نے زمین پر پڑے ہوئے آدمی کا چہرہ دیکھا تو خود اُس کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ اس کے پیر کانپنے لگے۔ اتنے میں مجمع سے کسی نے بلند آواز میں کہا۔ "میں نے رائفل کی آواز صاف سنی تھی۔"

"مگر کہیں بھی زخم کا نشان نہیں ہے، خون کی ایک بوند بھی کہیں نظر نہیں آئی۔" کسی دوسرے نے کہا۔

"واہ یہ کیسے ممکن ہے۔" تیسرا بولا۔ "میں نے بھی یوں چلنے کی آواز سنی تھی۔"

لوتھر بے اختیار لاش پر جھک پڑا۔ لوگ ادھر اُدھر ہٹ گئے کیونکہ اس کا شمار بستی کے معزز ترین لوگوں میں ہوتا تھا۔

یہ حقیقت تھی کہ مرنے والے کے جسم پر گولی کا نشان نہیں تھا۔

لوتھر کے دونوں ساتھی بت بنے کھڑے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ان کے سپید چہروں پر اب کبھی زندگی جھلکیاں نہ مارے گی۔ خود لوتھر کی سانس بُری طرح پھول رہی تھی۔ وہ لاش کے پاس سے ہٹ گیا اور اُس نے بھی دبی زبان سے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ رائفل کی آواز اُس نے بھی سنی تھی۔ وہ کچھ دیر تک خاموش کھڑا رہا پھر اُس نے کئی لوگوں کو بتایا کہ وہ مرنے والے سے بخوبی واقف ہے۔ وہ اُس کے لئے کوئی اجنبی نہیں اور ہو سکتا ہے کہ وہ اسی سے ملنے کے لئے آرہا ہو۔

"لیکن آخر یہ مرا کیسے؟" کسی نے پوچھا۔

"مجھے خود حیرت ہے۔" لوتھر بڑبڑایا۔ "یہ میرے ساتھیوں میں سے تھا۔" پھر وہ مضطربانہ انداز میں اپنے ساتھیوں کی طرف مڑ کر بولا۔ "اوہ.... فون کرو جلدی پولیس کو۔"

وہ دونوں پھاٹک کی طرف دوڑے۔ پٹھان پھاٹک سے لگا ہوا کھڑا تھا۔ دھکا لگتے ہی وہ پیچھے کی طرف الٹ گیا اور اُس نے اٹھتے اٹھتے انہیں ایک بڑی سی گالی دی۔

"چلو.... آؤ اندر چلو۔" وہ اُس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے بولے۔ پٹھان غراتا ہوا اُن کے ساتھ چلنے لگا۔

"اُسے گولی نہیں لگی۔" ایک نے پٹھان سے کہا۔ وہ تینوں ایک کمرے میں پہنچ چکے تھے۔

"خو ہم کیا کرے بابا۔" پٹھان جھلا کر بولا۔ "اندھیرا تھا.... نہ ہم بتی ہے نہ ہم چشمہ۔"

"لیکن وہ پھر بھی مر گیا۔"

"اللہ بڑا کارساز ہے۔" پٹھان نے خوش ہو کر کہا۔

"مگر وہ ہمارا دشمن نہیں دوست تھا۔"

"خو تبھی گولی نہیں لگا.... اللہ بڑا کارساز ہے۔"

"لیکن وہ مرا کیسے۔"

"اللہ کا مرضی۔"

"جاؤ.... تم فون کرو پولیس کو۔" پٹھان سے گفتگو کرنے والے نے اپنے ساتھی سے کہا۔

اُس کے جانے کے بعد اُس نے پھر پٹھان سے پوچھا۔ "کیا وہ سیدھا اُدھر ہی آرہا تھا۔"

"نہیں چور کا مافک چھپتا تھا۔" پٹھان نے جواب دیا۔

"تم نے گولی چلادی۔"

"او بابا.... ہاں ہاں.... پھر کیا کرتا.... اس کو نسوار کا ڈبیہ دیتا۔"

"تم اپنی رائفل کی نال صاف کر کے اُس میں تیل ڈال دو۔ سمجھے! جاؤ.... اور پیٹی میں ایک کارتوس اور لگالو۔ کوئی خانہ خالی نہ رہے۔ جاؤ جلدی کرو اور اب تم سو جانا۔"

پٹھان اُس کمرے میں داخل ہوا جہاں شکار کا سامان رہتا تھا۔ یہاں دیواروں پر کئی چھوٹی بڑی رائفلیں نظر آرہی تھیں۔ اسلحہ جات میں کچھ قدیم نمونے بھی تھے جنہیں بڑے سلیقے سے مناسب مقامات پر رکھا گیا تھا۔

کیپٹن لوتھر معززین شہر میں سے تھا۔ اس نے گذشتہ جنگ عظیم میں گرانمایہ فوجی خدمات انجام دی تھیں اور اب ریٹائرمنٹ کی زندگی گذار رہا تھا۔ یہی نہیں وہ ایک مشہور شکاری اور پختہ کار کوہ پیما بھی تھا۔ نسلاً اینگلو انڈین تھا۔ رہن سہن کافی متمول لوگوں جیسا رکھتا تھا۔

پٹھان نے رائفل کی نال کھولی۔ اُسے ایک لمبے برش سے صاف کرتا رہا، تیل دے کر اُس رائفل کو بھی دیوار سے لٹکا دیا۔

پھر وہ بڑی پھرتی سے کمرے سے نکل کر پائیں باغ میں پھیلی ہوئی تاریکی میں گم ہو گیا۔ اگر عمارت سے کوئی آنکھیں بھی پھاڑتا تو اُسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

کمپاؤنڈ میں عمارت کا بایاں بازو ایک ایسی جگہ تھی جہاں کوئی نہیں جاتا تھا ادھر دو کمرے تھے اور دونوں کی چھتیں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ عمارت قدیم تھی اور اس کے مکین اتنے لاپرواہ تھے کہ رہائشی حصوں کے علاوہ انہیں دوسری طرف نظر ڈالنے کی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوتی تھی۔ خاص طور سے بائیں بازو کے یہ دونوں کمرے تو سالہا سال سے اُسی اجاڑ حالت میں پڑے ہوئے تھے۔

پٹھان کمروں کے نزدیک پہنچ کر رک گیا۔ بڑی بڑی قد آدم جھاڑیاں اُن کے بیرونی دروازوں پر جھک آئی تھیں۔ پٹھان نے ایک ٹارچ نکالی جو اس نے اپنی گھیر دار شلوار میں اُڑس رکھی تھی۔ بڑی احتیاط سے جھاڑیاں ہٹاتا ہوا وہ دروازوں کی طرف بڑھا۔ دروازوں کی اوپری سطح

دیمکوں کی کھائی ہوئی تھی اور وہ اندر سے بند معلوم ہوتے تھے۔ پٹھان نے بڑی سرعت سے ایک دروازے کا ایک پاٹ نکال لیا ایسا معلوم ہوا جیسے وہ پہلے ہی سے چوکھٹوں سے الگ رہا ہو۔

دوسرے لمحے وہ اندر تھا۔

کمرے کے وسط میں گری ہوئی چھت کے ملبے کا ڈھیر تھا۔ پٹھان نے ٹارچ روشن کر کے چاروں طرف گھمائی اور پھر لکڑی کے ایک بڑے اور پرانے صندوق کی طرف بڑھا، جو دیوار سے لگا رکھا تھا۔ صندوق پرانا ضرور تھا لیکن یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ بھی وہاں اتنا ہی پرانا ہے جتنا کہ ملبے کا ڈھیر۔

پٹھان نے صندوق کا ڈھکن اٹھایا اور دوسرے ہی لمحے اُس کے منہ سے ہلکی سی تحیر زدہ آواز نکلی.... کسی آدمی کا مردہ جسم توڑ مروڑ کر صندوق میں ٹھونس دیا گیا تھا۔

پٹھان چند لمحے سامت و ساکت کھڑا رہا۔ پھر وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ "میرا سامان کیا ہوا۔"

اس کی یہ بڑبڑاہٹ اردو کے کابلی لہجے میں نہیں تھی۔

اس نے پھر لاش پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ مرنے والے کا چہرہ سامنے ہی تھا۔ وہ کوئی غیر ملکی معلوم ہوتا تھا۔ جلد کی رنگت بھوری تھی اور بال سرخی مائل تھے۔ لباس انگریز وضع کا تھا لیکن گلے میں ٹائی نہیں تھی۔

پٹھان نے ٹارچ بجھا دی۔ اُس کے چہرے پر صرف حیرت تھی۔ سراسیمگی کے آثار قطعی نہ تھے۔ اُس نے ٹارچ کو ملبے کے ڈھیر پر اس طرح رکھ دیا کہ اس کا رخ صندوق کی طرف رہے۔ پھر اُسے روشن کر کے وہ صندوق کی طرف پلٹ آیا۔

پھر اُس نے لاش صندوق سے نکال کر فرش پر ڈال دی۔ گولی ٹھیک ریڑھ کی ہڈی پر لگی تھی۔ پچھلا حصہ خون سے تر تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ تھوڑی ہی دیر پہلے کی بات ہو جسم کے بعض حصوں میں ابھی تک تھوڑی تھوڑی گرمی تھی۔

پٹھان نے بڑی تیزی سے اُس کی جیبوں کی تلاشی لی اور پھر جو کچھ بھی برآمد ہوا اُسے اپنی لمبی قمیض کے مختلف جیبوں میں ٹھونستا گیا۔

پانچ ہی منٹ کے بعد اُس نے لاش کو دوبارہ صندوق میں رکھ کر ڈھکنا اُسی طرح بند کر دیا پھر ٹارچ بجھا کر پلٹنے ہی والا تھا کہ باہر سے کسی نے دروازہ ہٹایا۔ پٹھان بڑی پھرتی سے زمین پر لیٹ کر

ملبے کے ڈھیر کے پیچھے رینگ گیا۔

❁

باہر سڑک پر بدستور بھیڑ تھی۔ لوگوں کو پولیس کی آمد کا انتظار تھا۔ ان میں کیپٹن لوتھر بھی تھا۔

پولیس آگئی اور جس وقت کوتوالی انچارج انسپکٹر جگدیش نے لاش کو دیکھا اُس کے منہ سے جھلاہٹ میں ایک موٹی سی گالی نکلی۔ پھر اچانک اس کی نظر کیپٹن پر پڑی۔

"کیا یہ بھی آپ ہی کا آدمی ہے۔" اُس نے لوتھر کو گھور کر کہا۔

"بدقسمتی سے۔"

"اور آپ کوئی ڈھنگ کا بیان نہیں دینا چاہتے۔"

"ڈھنگ کے بیان سے آپ کی کیا مراد ہے۔" لوتھر نے تیز ہو کر پوچھا۔

"اس سے قبل بھی دو ایسی ہی لاشیں ہمیں مل چکی ہیں اور وہ دونوں بھی ایسی ہی تھیں جنہیں آپ پہچانتے تھے.... اور اب یہ تیسری.... اور وہی نیلی لکیر۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔ ضروری نہیں کہ میں اس سلسلے میں کوئی خاص بات جانتا ہوں اور اگر آپ کو میرا بیان لینا ہو تو کوٹھی میں تشریف لائیے گا۔"

پھر لوتھر اچانک مڑا اور پر غرور انداز میں چلتا ہوا اپنی کوٹھی میں داخل ہو گیا۔

"اچھا بیٹا سمجھوں گا تم سے۔" جگدیش بڑبڑا کر رہ گیا۔ پھر اس نے مجمع سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ "سب سے پہلے لاش کس نے دیکھی تھی۔"

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ جگدیش نے پھر اپنا سوال دہرایا لیکن وہی خاموشی۔

اُس کا پارہ چڑھ گیا۔ ابھی لوتھر کے توہین آمیز رویئے کی مذمت اور جھلاہٹ ہی باقی تھی۔ اس پر مجمع کا سکوت۔ آخر اس نے گرج کر کہا۔ "بہت اچھا.... نہیں بولتے تو جس پر شبہ ہو گا بند کر دوں گا۔"

ایک آدمی آگے بڑھا۔

"دیکھئے۔" اُس نے نرم آواز میں کہا۔ "یہ بتانا بہت مشکل ہے کہ سب سے پہلے یہاں کون پہنچا۔ بھیڑ اس لئے ہو گئی کہ ہم نے پہلے تو رائفل کی آواز سنی اور پھر ایک چیخ۔"

"رائفل کی آواز۔" جگدیش نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں.... رائفل کی آواز.... اور پھر چیخ.... لیکن اس کے جسم پر کہیں بھی گولی نہیں لگی ہے۔"

"نہیں اسے گولی نہیں لگی۔" جگدیش لاش پر جھکتا ہوا بولا۔ "نیلی لکیر.... اس کے داہنے گال پر بھی ویسی ہی نیلی لکیر موجود ہے جیسی پچھلی دو لاشوں میں پائی گئی تھیں۔" پھر وہ سیدھا کھڑا ہو کر بولا۔ "کیا لوتھر یہاں تنہا تھا۔"

"نہیں وہ بعد میں آیا تھا۔" ایک آدمی نے کہا۔

"آپ لوگوں کے آنے کے بعد۔"

"جی ہاں! ہم کئی تھے۔"

جگدیش کچھ سوچنے لگا۔ اس کی نظریں لوتھر کی کوٹھی پر جمی تھیں۔

❁

پٹھان نے سانس روک لی تھی اور ملبے کے ڈھیر میں دبکا ہوا دروازہ ہٹانے والے کا منتظر رہا لیکن اُسے آہٹ تک نہ ملی۔ اُس نے ذرا سا سر اُبھار کر دیکھا۔ دروازہ اپنی جگہ سے ہٹا ہوا تھا لیکن اُسے کمرے میں کسی دوسرے متنفس کی موجودگی کا احساس تک نہ ہوا۔

پٹھان آہستہ آہستہ سیدھا کھڑا ہونے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ ایک ٹھنڈی سی ٹھوس چیز اُس کی گردن سے آ لگی اور ساتھ ہی کسی نے سانپ کی سی پھپھکار میں کہا۔

"خبردار.... اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔"

پٹھان جہاں تھا وہ وہیں رہ گیا۔

"ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" اس بار سختی سے کہا گیا۔

"آہا....!" پٹھان نے خوش ہو کر کہا۔ "ماسٹر سنگ ہی! تم ہے بابا.... ہم سمجھا دوشمن۔"

"کون....!" حملہ آور نے کرخت آواز میں کہا۔ "سنتری۔ تم یہاں کیا کر رہے ہو۔"

"او.... ہا.... ہم ادھر دوشمن دیکھا تھا۔"

"کہاں....؟"

"ابھی.... ادھر.... گھسا.... ہم آیا تو غائب۔"

حملہ آور نے ٹارچ روشن کر لی۔ پہلے اس نے پٹھان کے چہرے پر ٹٹولنے والی نظر ڈالی اور پھر ادھر اُدھر ٹارچ گھمانے لگا۔

یہ کیپٹن لوتھر کا میر شکاری سنگ ہی تھا۔ دبلا پتلا اور پلپلے جسم کا آدمی۔ نسلاً دوغلے قسم کا چینی تھا۔ اس کا باپ چینی تھا اور ماں منگول اور اکثر سنگ ہی بڑے فخریہ انداز میں کہا کرتا تھا کہ اس کے باپ نے اس کی ماں سے اس کی پیدائش کے بعد بھی شادی نہیں کی تھی وہ خود کو اس انداز میں "حرامی" کہتا تھا جیسے وہ کسی شہنشاہ کا عطا کردہ کوئی بہت بڑا اعزاز ہو۔ کیپٹن لوتھر کے سارے آدمی اس سے بُری طرح خائف رہتے تھے، بظاہر اُس کا دبلا پتلا اور پلپلا جسم بالکل بے جان نظر آتا تھا لیکن اس کی شیطانی گرفت سے کچھ وہی لوگ واقف تھے جنہیں اس سے کم از کم ایک بار ہی لپٹ پڑنے کا موقع ملا تھا۔ اُن کا خیال تھا کہ سنگ ہی ایک ہڈیوں دار جونک ہے۔

سنگ ہی نے ایک بار پھر پٹھان کے چہرے پر روشنی ڈالی اور پٹھان نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"او.... کیا کرتا ہے ماسٹر.... آنکھ پھوڑے گا۔"

"باہر چلو....!" سنگ ہی پھر سانپ کی طرح پھپھکارا۔

پٹھان چپ چاپ باہر نکل گیا۔ سنگ ہی اس کے پیچھے تھا۔ باہر نکل کر پٹھان کھڑا ہو گیا۔

"میرے ساتھ آؤ۔" سنگ ہی کوٹھی کے رہائشی حصے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

وہ ایک بڑے کمرے میں داخل ہوئے جہاں لوتھر بڑی بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ صوفے پر اس کے دونوں ساتھی بیٹھے ہوئے تھے جنہیں لے کر وہ باہر گیا تھا۔

سنگ ہی نے چینی زبان میں کچھ کہا اور کیپٹن لوتھر چونک کر پٹھان کو گھورنے لگا۔

"تم وہاں کیا کر رہے تھے.... خان!" اس نے پوچھا۔

"خو صاحب! ادھر ایک آدمی گھسا۔ ہم بھی گھسا.... ہم سمجھا دوشمن۔" پٹھان نے رک کر قہقہہ لگایا پھر بولا۔ "وہ ماسٹر ہی تھا۔"

"تم جھوٹے ہو۔" سنگ ہی گرج کر بولا۔

"ہم جھوٹا ہے۔" پٹھان نے تحیر آمیز جھلاہٹ کے ساتھ کہا اور پھر دانت پیس کر بولا۔ "خو تم.... دغا باز کا بچہ ہم کو جھوٹا کہتا ہے۔ ہم تمہارا بھی بوٹی قیمہ کرے گا۔"

پٹھان اُس کی طرف جھپٹا۔ لوتھر درمیان میں آ گیا۔

"صاحب! تم ہٹ جاؤ.... ہم دیکھے گا حرامی بچے کو۔"

"ٹھہرو! کیا بیہودگی.... سنگ ہی تم ادھر جاؤ۔"

پٹھان رک تو گیا.... لیکن وہ بڑی قہر آلود نظروں سے سنگ ہی کو گھور رہا تھا۔

"تم نے وہاں اور کیا دیکھا۔" لوتھر نے پٹھان سے پوچھا۔

"خو صاحب! کچھ بھی نہیں۔ ہم اس کا بول پہچانتا تھا۔ نہیں تو گردن توڑ دیتا۔"

"اچھا میں تمہیں دیکھوں گا۔" سنگ ہی اُسے گھونسہ دکھا کر بولا۔

"ہم تمہارا باپ تک کو دیکھے گا.... حرامی بچے۔"

"ختم کرو۔" لوتھر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "یہ آپس میں لڑنے کا موقع نہیں۔"

"ہم حکم کا بندہ ہے۔" پٹھان نے کہا۔ "ولے ہمارا مقدر خراب ہے ہم دوشمن کو گولی مارا.... دوست مر گیا۔"

"نہیں اُسے گولی نہیں لگی۔" لوتھر بولا۔ "اچھا اب تم جاؤ۔ لیکن دن کو یہاں کبھی نہ آنا۔"

عجیب نوکر

دوسری صبح انسپکٹر جگدیش فریدی کے ڈرائنگ روم میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ سب سے پہلے حمید سے ملاقات ہوئی۔

وہ اپنے پالتو بکرے کی زنجیر تھامے ہوئے اس شان سے ڈرائنگ روم میں داخل ہوا جیسے وہ بکرا نہیں بلکہ کوئی خوفناک قسم کا کتا ہو۔ اُس کے گلے میں ٹائی لٹک رہی تھی اور سر پر فلیٹ ہیٹ منڈھا ہوا تھا۔ بکرا بھی اب اس کا عادی ہو گیا تھا، جیسے وہ اسی کے جسم کا ایک حصہ ہو۔

"آپ انسپکٹر جگدیش ہیں۔" حمید نے بکرے کی طرف دیکھ کر اس انداز میں کہا جیسے جگدیش کا اُس سے تعارف کرا رہا ہو۔ "اور آپ میجر بغراخاں۔"

لفظ میجر شائد ایک اشارہ تھا جس پر بکرے نے اپنا ایک اگلا پیر اٹھا لیا۔

"تو اب حضور مداری ہو رہے ہیں۔" جگدیش مسکرا کر بولا۔ پھر دفعتاً سنجیدہ ہو گیا۔ "اب تمہارے تذکرے اِدھر اُدھر بھی سنے جانے لگے ہیں۔ کیوں اپنی مٹی پلید کر رہے ہو۔"

"کیا تذکرے ہیں۔" حمید اپنی داہنی آنکھ دبا کر بولا۔

"یہی کہ کار میں بکرا لئے پھرتے ہیں۔"

"اوہ.... یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ لوگوں کی زبان کہاں تک بند کرو گے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"اب یہی دیکھو جب کبھی تم فریدی صاحب کے ساتھ ہوتے ہو تو چاروں طرف انگلیاں اٹھنے لگتی ہیں۔"

"تو پھر.... کیا مطلب۔"

"مطلب کیا.... لوگ کہتے ہیں کہ اتنا بڑا آدمی ہو کر گدھا ساتھ لئے پھرتا ہے۔"

"تم خود گدھے ہو۔"

"میں گدھوں کی بات کا بُرا نہیں مانتا۔"

جگدیش الٹ کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی آ گیا۔

آتے ہی اس نے ایک ہاتھ سے حمید کی گردن دبوچی اور دوسرے ہاتھ سے بکرے کا پٹہ پکڑے ہوئے دونوں کو کمرے سے باہر دھکیل دیا۔ پھر ہاتھ جھاڑتا ہوا جگدیش کی طرف سے واپس آیا۔

"تم غالباً تیسری لاش کی کہانی سنانے آئے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں۔"

"اور وہ تیسرا بھی شائد لوتھر ہی کے ساتھیوں میں سے ہو گا۔"

"جی ہاں.... یہ بھی درست ہے۔"

"اور شاید نیلی لکیر بھی۔"

"ٹھیک ہے! اور یہ تیسری لاش لوتھر کی کوٹھی کے سامنے ہی ملی ہے۔"

"خوب! بہت اچھا۔" فریدی سر ہلا کر میز پر رکھے ہوئے گلدان کی طرف دیکھنے لگا۔

حمید دوبارہ کمرے میں داخل ہوا۔ لیکن اس بار اُس کے ساتھ بکرا نہیں تھا۔ وہ چپ چاپ صوفے پر بیٹھ گیا۔

"پڑوسیوں نے چیخ سے پہلے فائر کی آواز سنی تھی۔" جگدیش بولا۔

"حالانکہ ایسے موقعہ پر انہیں لتا منگیشتر کا ریکارڈ سننا چاہئے تھا۔" حمید نے ٹکڑا لگایا۔

"لیکن وہ گولی سے نہیں مرا.... کیوں؟" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں! یہی بات ہے۔"

"لوتھر نے اس بار کیا بیان دیا۔"

"وہی مرغی کی ایک ٹانگ۔"

"آہا تو کیا ٹانگ والا مرغا اُسی کے پاس ہے۔" حمید چہک کر بولا۔

"خاموش رہو۔" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

چند لمحے بعد جگدیش بولا۔ "وہ اپنے پچھلے ہی بیانات پر قائم ہے۔"

"اچھا ان دونوں مرنے والوں سے اس کے کس قسم کے تعلقات تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"وہ دونوں ہی اُس مہم میں شریک تھے، جو لوتھر کی قیادت میں کوہ پیمائی کے لئے جنوبی امریکہ گئے تھے۔"

"اور یہ تیسرا۔"

"یہ تیسرا بھی غالباً اسی قسم کے لوگوں میں سے تھا۔"

"تمہیں یقین ہے۔"

"یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ لوتھر نے اس کے متعلق اتنا ہی بتایا ہے کہ وہ بھی اس کے شناساؤں میں سے تھا۔"

"لوتھر کے پڑوسیوں سے کوئی خاص بات معلوم ہو سکی۔" فریدی نے پوچھا۔

"خاص بات تو کوئی نہیں مگر.... ہاں ٹھہریئے۔ ایک بات ہے ممکن ہے کہ وہ کام ہی کی ہو۔ پڑوسیوں نے بتایا کہ کئی دن سے لوتھر کی کوٹھی کے پھاٹک پر مسلح پہرا رہتا ہے۔ اُس نے ابھی حال ہی میں ایک پٹھان چوکیدار رکھا ہے۔"

"کیا وہ کل رات موجود تھا۔"

"جی نہیں مجھے تو نہیں دکھائی دیا۔"

"بات یہ ہے جگدیش صاحب۔" فریدی انگڑائی لے کر بولا۔ "کیس دلچسپ ضرورت ہے لیکن میں آج کل بہت مشغول ہوں۔"

"کیا آپ میری راہنمائی نہ کر سکیں گے۔"

"ہاں یہ ممکن ہے۔"

"تو پھر بتایئے، میں کیا کروں۔"

"صبر کرو۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔ "سونا گھاٹ جاتے ہو۔"

"جی ہاں۔"

"وہاں ملاحوں سے پوچھ گچھ کرو کہ کیا اس دوران میں انہوں نے کچھ غیر ملکی اتارے ہیں۔"

جگدیش حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اُس نے کہا۔

"بھلا سونا گھاٹ.... مگر وہاں کے ملاح مجھے بتانے ہی کیوں لگے۔ ظاہر ہے کہ وہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں ناجائز برآمد کا مال اتارا جاتا ہے۔ اکثر اُدھر ہی سے بغیر پاسپورٹ اجنبی آدمی بھی ملک میں داخل ہو جاتے ہیں۔ بھلا ملاح ایک پولیس والے کو کب حقیقت کا پتہ لگنے دیں گے، لیکن اس معاملے کا سونا گھاٹ سے کیا تعلق۔"

"تعلق....!" فریدی نے آہستہ سے دہرایا اور پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔

❁

کیپٹن لوتھر آہنی الماری پر جھکا ہوا اُس کا حروف کے امتزاج سے بند ہونے والا قفل بند کر رہا تھا کہ دفعتاً اس نے اپنے پیچھے کسی کی آہٹ سنی۔ وہ چونک کر مڑا۔ دروازے میں سنگ ہی کھڑا تھا اور اُس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ تھی۔

"تم بغیر اجازت یہاں کیوں آئے۔" کیپٹن لوتھر غرایا۔

"اوہ.... کیا یہ پابندی سنگ ہی کے لئے بھی ہے۔" اس نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"سب کے لئے۔"

"اوہ....!"

لیکن اس کے باوجود بھی سنگ ہی وہیں کھڑا رہا اور اس کی زہر میں ڈوبی ہوئی توہین آمیز مسکراہٹ بھی بدستور قائم رہی۔

لوتھر پھر الماری کی طرف متوجہ ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے پھر مڑ کر دیکھا اور سنگ ہی کو وہیں موجود پا کر بُری طرح جھلا گیا۔

"کیا تم نے سنا نہیں۔" وہ چیخ کر بولا۔

"اوہ.... شائد آپ کی طبیعت کچھ خراب ہے۔" سنگ ہی نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔ "کیا آپ کے لئے میں تھوڑی سی برانڈی لاؤں۔"

"چلے جاؤ۔" لوتھر اتنے زور سے چیخا کہ اس کی آواز پھٹ گئی۔

"میں چلا تو جاؤں، لیکن پھر سوچتا ہوں کہ اگر اُس نیلی لکیر نے آپ کے گال پر بھی سفر شروع کر دیا تو کیا ہو گا۔"

لوتھر نے کچھ کہنا چاہا لیکن پھر رک گیا۔ وہ تالا بند کر چکا تھا۔ چند لمحے سنگ ہی کو گھورتا رہا پھر تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔ سنگ ہی ایک طرف ہٹ گیا اور لوتھر سیدھا نکلا چلا گیا۔ سنگ ہی نے مضحکہ آمیز انداز میں اپنے شانوں کو جنبش دی اور وہ بھی اس کے پیچھے چل پڑا۔

وہ دونوں آگے پیچھے اسٹڈی میں داخل ہوئے۔ لوتھر ایک صوفے پر بیٹھ کر کسی تھکے ہوئے گدھے کی طرح ہانپنے لگا لیکن وہ سنگ ہی کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

"بوائے۔" سنگ ہی زور سے چیخا۔ "ایک گلاس ٹھنڈا پانی۔"

"کیا بیہودگی ہے۔" کیپٹن لوتھر نے جھلاہٹ میں فرش پر پیر مارا۔

"نہیں کیپٹن صاحب۔" سنگ ہی نے غمناک انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "ٹھنڈا پانی بیہودگی نہیں ہے۔ ٹھنڈا پانی اُس وقت بہت مفید ثابت ہوتا ہے جب عقل کھوپڑی کی حدود سے باہر نکلنے لگے اور میں کچھ اس وقت ایسا ہی محسوس کر رہا ہوں۔"

لوتھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ نوکر پانی کا گلاس لے کر اسٹڈی میں داخل ہوا۔

سنگ ہی نے ٹرے سے گلاس اٹھا کر معنی خیز نظروں سے لوتھر کی طرف دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے گلاس اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔

لوتھر پیچ و تاب کھاتا رہا۔ جب نوکر خالی گلاس لے کر چلا گیا تو اس نے سنگ ہی سے کہا۔

"دیکھو سنگ ہی! میں بہت بُرا آدمی ہوں۔"

"آپ خاکساری سے کام لے رہے ہیں۔" سنگ ہی نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم آخر چاہتے کیا ہو۔"

"فقط اتنی سی زمین کہ مرنے کے بعد دفن کیا جا سکوں۔"

"میں کہتا ہوں مجھے تنہا چھوڑ دو۔ جاؤ یہاں سے۔" لوتھر بے بسی سے ہاتھ ہلا کر بولا۔ اب اُس کے لہجے میں گرمی باقی نہیں رہ گئی تھی۔

دفعتاً ایک نوکر پھر اسٹڈی میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک چھوٹی سی ٹرے تھی اور ٹرے میں ایک ملاقاتی کارڈ پڑا ہوا تھا۔

لوتھر نے کارڈ اٹھا کر دیکھا اور اچانک اس کے چہرے پر زردی چھا گئی۔ اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے سنگ ہی کی طرف دیکھ کر آہستہ سے کہا۔ "کرنل فریدی۔"

"آنریری کرنل فریدی کہئے۔" سنگ ہی زہریلی ہنسی کے ساتھ بولا۔ پھر اُس نے نوکر سے کہا۔ "پہلے ایک لارج وہسکی لاؤ۔"

نوکر چلا گیا۔

"ایک لارج وہسکی آپ کا سر شانوں پر رکھنے کے لئے کافی ہو گی۔" سنگ ہی مسکرا کر بولا۔

"وہ انتہائی چالاک آدمی ہے۔" لوتھر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں جانتا ہوں۔" سنگ ہی بولا۔

نوکر وہسکی لے کر واپس آ گیا۔ سنگ ہی نے لوتھر کی طرف اشارہ کیا۔ نوکر نے چھوٹی میز اس کے صوفے کے قریب کھسکا کر ٹرے رکھ دی۔ لوتھر نے گلاس اٹھا لیا۔ اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ اس نے مضطربانہ انداز میں ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا۔

"اب اُسے لے آؤ۔" سنگ ہی نے نوکر سے کہا۔ نوکر کے جانے کے بعد سنگ ہی کیپٹن لوتھر کو ایسی نظروں سے دیکھنے لگا جیسے لوتھر ایک ناسمجھ بچہ ہو اور سنگ ہی اس کا بزرگ، جس نے ابھی ابھی اُسے مہمانوں کے سامنے مہذب اور باتمیز رہنے کی تاکید کی ہو۔

❁

فریدی کے ساتھ حمید بھی تھا۔ دونوں لوتھر کی اسٹڈی میں داخل ہوئے اور لوتھر نے بڑی خوش اخلاقی سے ان کا استقبال کیا۔ سنگ ہی بھی موجود تھا۔

حمید سنگ ہی کو بڑے غور سے دیکھنے لگا۔

"فرمایئے! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔" لوتھر نے کہا۔

"کچھ نہیں! بس یونہی تھوڑی سی تکلیف دوں گا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "مجھے اُن کوہ پیماؤں

کی فہرست چاہئے جو آپ کے ہمراہ جنوبی امریکہ گئے تھے۔"

لوتھر کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ لیکن سنگ ہی جلدی سے بولا۔ "ضرور.... ضرور.... مگر اُن میں سے تین تو ختم ہی ہو چکے۔"

"میں نہیں سمجھا۔" فریدی بولا۔

"وہی تین لاشیں جن پر نیلی لکیریں پائی گئی تھیں۔"

"اوہ....!"

"فہرست آپ کو ابھی چاہئے یا آپ کے آفس پہنچادی جائے۔" سنگ ہی نے کہا۔

"مجھے جلدی ہے۔" فریدی بولا۔

"میں ابھی پیش کرتا ہوں۔" سنگ ہی نے کہا اور ایک میز کی دراز سے لکھنے کے لئے کاغذ نکال کر اس پر پنسل سے گھسیٹنے لگا۔

"لیکن آپ کو یک بیک جنوبی امریکہ کا خیال کیسے آیا۔" لوتھر نے فریدی سے پوچھا۔

"نیلی لکیروں کی بناء پر۔" فریدی نے لاپروائی سے جواب دیا اور سنگ ہی لکھتے لکھتے مڑ کر اُسے گھورنے لگا۔ پھر اپنے چہرے پر حیرت کے آثار پیدا کر کے کہا۔

"کیا وہ نیلی لکیریں....؟ وہ تو میری سمجھ ہی میں نہیں آتیں۔"

"نہ آتی ہوں گی؟ کیا فہرست تیار ہو گئی۔"

لوتھر تھوک نگل کر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

سنگ ہی نے کاغذ فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "جن کے پتے میں نے نہیں لکھے اُن کے پتے مجھے معلوم ہی نہیں۔"

فریدی نے کاغذ سنگ ہی کے ہاتھ سے لے کر اُس پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی پھر تہہ کر کے جیب میں رکھ لیا۔

"آپ نے ان لوگوں کی فہرست کیوں لی ہے۔" لوتھر نے پوچھا۔

"میں اُن سے پوچھوں گا کہ یہ جنوبی امریکہ میں کون سا کارنامہ انجام دے کر آئے ہیں۔"

"اوہ.... یہ تو یہ فقیر ہی عرض کر سکتا ہے۔" سنگ ہی نے سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے کہا۔

"لیکن حقیقت کی ہوا بھی نہ لگنے دو گے۔" فریدی طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

"آپ کو مطمئن کرنا بہت مشکل کام ہے۔" سنگ ہی مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔

"اچھا میں کچھ نہ کہوں گا۔"

"پولیس مجھے برابر پریشان کر رہی ہے۔" لوتھر بڑبڑایا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کون سی بات چھپا رہا ہوں۔"

"فکر نہ کرو! سب ٹھیک ہو جائے گا۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

وہ اور حمید دروازے کی طرف بڑھے۔ اُن کے پیچھے سنگ ہی اور لوتھر بھی تھے۔ اچانک فریدی دروازے پر رک کر اُن کی طرف مڑا۔

"تم نے صرف تین آدمیوں کے پتے لکھے ہیں۔" اُس نے سنگ ہی سے کہا۔ "وہی تینوں جو مر چکے ہیں۔"

"جی ہاں۔" سنگ ہی مسکرا کر بولا۔ "آپ اُن کے باوجود پتے سے تو واقف ہی ہوں گے۔"

اس کے جواب میں فریدی نے جو کچھ بھی کیا وہ قطعی غیر متوقع تھا۔ اس نے سنگ ہی کے منہ پر اس زور کا چانٹا مارا کہ وہ کئی قدم لڑکھڑانے کے بعد فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

"یہ کیا لغویت ہے۔" لوتھر چیخ کر آگے بڑھا۔

فریدی نے اتنی لاپروائی سے حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر چلنے کا اشارہ کیا جیسے اُس کے کانوں تک لوتھر کی آواز پہنچی ہی نہ ہو۔

وہ دونوں چلے گئے لوتھر اس طرح چنگھاڑ رہا تھا جیسے اچانک پاگل ہو گیا ہو۔

سنگ ہی جیب سے رومال نکال کر تھپڑ پڑے ہوئے گال [illegible]

"شش شش! مسٹر لوتھر۔ خفا ہونے کی ضرورت نہیں [illegible] مجھے اکثر انتہائی ذلیل آدمیوں کے ہاتھوں پٹنے کا بھی اتفاق ہوا ہے۔"

لوتھر اُسے تحیر آمیز نظروں سے گھورنے لگا۔

لاش غائب

فریدی کی کیڈی لاک بھری پُری سڑکوں سے گذر رہی تھی۔

"آخر اُس کیچوے کو مارنے سے کیا فائدہ ہوا۔" حمید بولا۔

"اُسے تم کیچوا کہہ رہے ہو۔" فریدی سامنے سے نظر ہٹائے بغیر بولا۔ "تم اُسے نہیں جانتے۔ کیا یہاں اس شہر میں کوئی اور بھی ہے، جو اس طرح میرا مضحکہ اڑانے کی کوشش کرے۔ اس کی یہ حرکت میرے لئے ایک کھلا ہوا چیلنج ہے.... اور تھپڑ.... تم جانتے ہی ہو کہ میں تم کب مارتا ہوں۔"

"اس کا نام کیا ہے۔ میں نے شاید اُسے پہلے پہل دیکھا ہے۔"

"سنگ ہی... ایک جلاوطنی دوغلا چینی ہے اول نمبر کا سازشی اور مکار... موجودہ چینی حکومت کے خلاف اُس نے ایک سازش کی تھی۔ لہٰذا نتیجے کے طور پر اُسے جلاوطنی نصیب ہوئی۔"

"تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ان تینوں موتوں کے ذمہ دار یہی لوگ ہیں۔"

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن وہ اس کے متعلق بہت کچھ جانتے ہیں۔"

"آپ نے جگدیش سے کچھ غیر ملکیوں کا تذکرہ کیا تھا۔"

"ہاں.... یہ اس نیلی لکیر سے متعلق تھا۔"

"نیلی لکیر۔" حمید بڑبڑایا۔ "آخر یہ ہے کیا بلا۔"

"جان لینے کا ایک ہزاروں سال پرانا طریقہ۔"

"ہزاروں سال پرانا طریقہ۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"جسے جنوبی امریکہ کے قدیم باشندے اب بھی استعمال کرتے ہیں۔ خصوصاً "انکا" نسل کے لوگ جو پیرو اور چلی کے درمیان میں آباد ہیں۔ گورگین قبیلے کے لوگ بھی اس طریقے کے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔"

"آگئی شامت۔" حمید دونوں ہاتھوں سے سر پیٹتا ہوا بولا۔

"اس کیس میں تھوڑی بہت تفریح کی امید ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"مجھے ایک ماہ کی چھٹی دلوا دیجئے۔"

"کیوں؟"

"ضرورت ہے اشد ضرورت ہے۔"

"پھر بھی۔"

"میں اپنے لئے سالیاں تلاش کروں گا۔"

"بات کچھ جچی نہیں۔" فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"میں اس وقت اتفاق سے فلسفہ بول گیا ہوں۔"

"میں بکواس سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"آپ کبھی اچھی باتوں کے موڈ میں نہیں ہوتے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ سنگ ہی کو چانٹا مارنے کے بعد سے اب تک اس کے مزاج کی چڑچڑاہٹ رفع نہیں ہوئی تھی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ معاملات گہرے ہو سکتے ہیں۔ فریدی معمولی حالات میں کبھی آپے سے باہر نہیں ہوتا۔ اس نے فریدی سے کہا۔ "تو آپ کا یہ خیال ہے کہ یہ لوگ جنوبی امریکہ ہی سے اپنے ساتھ کچھ دشمن بھی لائے ہیں۔"

"ہاں میں کچھ ایسا ہی سوچ رہا ہوں اور مجھے اس کیس سے گہری دلچسپی ہے۔ جس دن پہلی لاش ملی تھی اُس دن سے میں نے دلچسپی لینی شروع کر دی تھی.... مگر افسوس!"

"کیوں افسوس کس بات کا۔"

"تمہاری وجہ سے اکثر میرا بڑا نقصان ہو جاتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"آپ موضوع سے بہک رہے ہیں۔"

"قطعی نہیں.... یہ بات اُسی سلسلے کی ہے۔"

"تو میری وجہ سے کون سا نقصان ہو گیا۔"

"تم تصویروں کے لئے آئے دن لائبریری کی کتابیں الٹتے پلٹتے رہتے ہو۔"

"تو پھر....!"

"مجھے ایک کتاب کی تلاش ہے، جو نہیں مل رہی ہے۔"

"کیا ہم اس وقت کتابوں کی باتیں کر رہے تھے۔" حمید جھلا کر بولا۔

"نہیں نیلی لکیر کے متعلق۔" فریدی نے کہا۔

"تو یہ باتیں یہاں سے آ ٹپکیں۔ آپ سو تو نہیں رہے تھے۔"

"میں جاگ رہا ہوں فرزند۔ اُس کتاب سے مجھے اُس کیس کے سلسلے میں کافی مواد ملتا۔"

"کیسی کتاب تھی۔"

"جرمن زبان میں ایک جرمن مصنف کا سفر نامہ۔ اُس نے اب سے باون سال پیشتر جو امریکہ کا سفر کیا تھا اور کتاب پینتالیس سال قبل برلن میں چھپی تھی۔"

حمید نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "اگر جغرافیہ کی کتابوں سے کچھ مدد مل سکتی ہے میں کوشش کروں۔"

"شائد مجھے پوری دنیا کا جغرافیہ زبانی یاد ہے۔" فریدی نے ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ کیساتھ کہا۔

"اوہ تو اسی لئے آپ کو آج تک کسی سے عشق نہیں ہوا۔"

"بکواس مت کرو۔"

"صحیح عرض کر رہا ہوں سرکار۔ آپ محبوبہ کا خط استوا سے فاصلہ دریافت کرنے کے پھیر میں پڑ جاتے ہیں۔"

"حمید....!"

"جناب والا۔"

"کیا تم میں کبھی سنجیدگی نہ پیدا ہو گی۔"

"کیوں نہیں! جس دن بھی کسی ریوالور کی گولی نے میری کھوپڑی میں سوراخ کر دیا میں ہمیشہ کے لئے سنجیدہ ہو جاؤں گا۔ لیکن اس سے قبل یہ خواہش ضروری ہے کہ میں اپنی سنجیدگی پر عش عش کرنے کے لئے دو چار یتیم اور ایک آدھ بیوہ چھوڑ جاؤں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کی نظریں ونڈ اسکرین کے پار سڑک پر جمی ہوئی تھیں اور آنکھوں میں عجیب سی ویرانی تھی۔ حمید کچھ دیر چپ رہا پھر اُس نے پوچھا۔

"آخر آپ اس کتاب میں کیا دیکھنا چاہتے تھے۔"

"ایک دلچسپ کہانی۔"

"کہانی....!" حمید نے حیرت سے کہا۔ "کس کی کہانی۔"

"ایک ننھی منی سی شہزادی کی کہانی۔"

حمید اس طرح بوکھلا کر فریدی کو گھورنے لگا جیسے سچ مچ اس کا دماغ الٹ گیا ہو۔

❁

سنگ ہی آر لکچو کی رقص گاہ میں ایک ادھیڑ عمر عورت کیساتھ رقص کر رہا تھا۔ حمید نے اُسے

حیرت سے دیکھا۔ بظاہر اول جلول سا نظر آنے والا سنگ ہی کتنا اچھا ناچ رہا تھا۔ اس کا ہر قدم جچا تلا ہوتا تھا۔

تھوڑی دیر تک سنگ ہی کی نگرانی کرنے کے بعد حمید پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اس میں دلچسپی لینے والا وہی اکیلا نہیں ہے۔ اس نے ایک غیر ملکی کو بھی سنگ ہی میں دلچسپی لیتے ہوئے دیکھا۔

یہ ایک پھیکی رنگت اور اداس آنکھوں والا متوسط جسامت کا آدمی تھا اس کے جسم پر سیاہ پتلون اور سیاہ ڈنر جیکٹ تھی۔ وہ خود رقص نہیں کر رہا تھا۔

حمید کے ذہن میں اُن غیر ملکیوں کا خیال ابھرا جن کا تذکرہ فریدی نے کیا تھا۔

حمید کی ہم رقص ایک سلونی سی مدراسی لڑکی تھی اُس نے حمید کو خاموش دیکھ کر پوچھا۔

"تم کیا سوچنے لگے۔"

"آں....!" حمید چونک پڑا۔ "کچھ نہیں.... اوہ دراصل میں یہ سوچ رہا تھا کہ آپ کی تعریف کن الفاظ میں کروں۔"

"میری تعریف۔" لڑکی مسکرا دی۔

"ہاں.... ایسے رنگ کے بادل بھی نہیں ہوتے۔ ڈھلتی ہوئی شاموں میں اتنا سلونا پن کہاں۔"

لڑکی نے کھنکتا ہوا قہقہہ لگایا۔ اتنے میں موسیقی بند ہو گئی اور لوگ اپنی اپنی میزوں کی طرف جانے لگے۔ حمید نے محسوس کیا کہ لڑکی پیچھا چھوڑنے والی نہیں وہ اس کے ساتھ اس کی میز پر آ گئی۔

حمید نے سنگ ہی کو بار کی طرف جاتے دیکھا اس نے کاؤنٹر پر رک کر بیئر کا گلاس خریدا اور کھڑا ہو کر چسکیاں لینے لگا۔ بظاہر وہ اُس غیر ملکی کی موجودگی سے ناواقف نظر آ رہا تھا، جو اس سے تھوڑی ہی دور کھڑا سگریٹ کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا۔

حمید کا اضطراب بڑھ گیا وہ اس موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتا تھا۔

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" اُس نے اپنی ہم رقص کی طرف دیکھ کر سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے؟"

"مجھے نشہ ہو رہا ہے۔"

"زیادہ پی گئے ہو گے۔"

"اوہ ٹھیک ہے.... لیکن میرے خدا.... اب کیا ہو گا۔"

"تو پریشانی کی کیا بات ہے۔"

"اب میں کل صبح حوالات میں نظر آؤں گا۔" حمید جھومتا ہوا بولا۔

"کیوں؟" لڑکی نے حیرت سے کہا۔

"مجھے خود پر قابو نہیں رہتا۔" حمید روہانسی آواز میں بولا۔ "اکثر کتوں کی طرح بھونکنے اور گدھوں کی طرح رینکنے لگتا ہوں۔ پچھلی بار سڑک پر ننگا ہو کر ناچتا ہوا پکڑا گیا تھا۔ اس سے پہلے ایک عورت کے بال نوچ لئے تھے۔ اس کے سینڈل اتار کر اپنا سر پیٹنے لگا تھا۔ ذرا دیکھوں تو تمہارے سینڈل کیسے ہیں۔"

حمید اُس کے پیروں کی طرف جھکا اور وہ بوکھلا کر کرسی سمیت پیچھے کھسک گئی۔

"ایک سینڈل۔" حمید سیدھا ہو کر گھگھیایا۔ "نشانی کے لئے۔"

"مذاق نہ کیجئے۔" لڑکی اٹھتی ہوئی بولی۔ "ٹھہریئے! میں ابھی آتی ہوں۔"

"ہائے میں مر جاؤں گا...." حمید نے ہانک لگائی۔

لیکن لڑکی بڑے بے ساختہ انداز میں وہاں سے کھسک گئی۔ حمید نے اطمینان سے پائپ سلگایا اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

سنگ ہی کاؤنٹر پر کھڑا بیئر کی چسکیاں لے رہا تھا۔ وہ بڑا کھویا کھویا سا نظر آنے لگا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے اپنے گرد و پیش کی خبر ہی نہ ہو۔

اس کی نگرانی کرنے والا غیر ملکی بھی ابھی تک اپنے اسی انداز میں کھڑا تھا۔

سنگ ہی نے بیئر ختم کر کے اپنے ہونٹوں پر ہاتھ پھیرا اور گلاس کو کاؤنٹر پر رکھ کر جیب سے پرس نکالا۔ پھر چند ہی منٹ بعد حمید نے اُسے رقص گاہ سے باہر جاتے دیکھا۔ غیر ملکی اجنبی بھی باہر نکل گیا۔

حمید دروازے کی طرف لپکا۔ وہ دونوں کافی فاصلہ چھوڑ کر آگے پیچھے چل رہے تھے۔ کمپاؤنڈ سے باہر آ کر سنگ ہی ایک ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ جب اس کی ٹیکسی کچھ دور نکل گئی تو وہ غیر ملکی بھی

جھپٹ کر ایک ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔

حالانکہ فریدی کی کیڈی لاک ہوٹل کے گیراج میں موجود تھی لیکن حمید نے بھی ٹیکسی ہی مناسب سمجھی۔ تینوں ٹیکسیاں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تھیں۔ گیارہ بج چکے تھے اس لئے سڑکوں پر ٹریفک کا زور بھی کم ہو گیا تھا۔ حمید کو تعاقب جاری رکھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

تقریباً آدھ گھنٹے بعد سنگ ہی کی ٹیکسی ارجن پورے میں رک گئی اور سنگ ہی اُتر کر ایک تاریک گلی میں گھستا ہوا نظر آیا۔ غیر ملکی کی ٹیکسی بھی اچانک رک گئی اور وہ بھی اتر کر اسی گلی کی طرف جھپٹا۔ گلی میں بہت اندھیرا تھا۔ حمید نے سوچا کہ جیب سے ٹارچ نکال لے۔ لیکن پھر اسے مناسب نہ سمجھ کر یونہی اندھیرے میں چلتا رہا۔

دفعتاً اس نے ایک ہلکی سی کراہ سنی اور پھر کسی وزنی چیز کے گرنے کی آواز آئی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کوئی ٹھوکر کھا کر گرا ہو۔ لیکن پھر ایسا جان پڑا جیسے گرنے والا انتہائی کرب کے عالم میں ہاتھ پیر پٹخ رہا ہو۔ حمید تیزی سے آگے کی طرف جھپٹا۔ اب اُس نے ٹارچ روشن کر لی تھی اور دوڑنے لگا تھا۔ پھر اچانک اُسے رک جانا پڑا۔

سنگ ہی کا تعاقب کرنے والا غیر ملکی زمین پر چت پڑا تھا اور اُس کے سینے میں ٹھیک دل کے مقام پر ایک بہت بڑا خنجر پیوست تھا۔

حمید ایک لمحے کے لئے لاش پر جھکا پھر سیدھا کھڑا ہو کر بے تحاشہ آگے کی طرف دوڑنے لگا۔ شائد وہ سنگ ہی کو پکڑنا چاہتا تھا۔ اُس کے قدموں کی آوازیں دور تک اندھیرے میں ڈوبتی چلی گئیں۔

سنگ ہی قریب کی پتلی گلی سے نکل کر لاش کی طرف آیا اُس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی ٹارچ تھی اور پھر اُس نے ایسی حرکتیں شروع کیں جیسے اُس نے پہلے ہی سے اپنا پروگرام بنا رکھا ہو۔ اُس نے ایک قریبی گٹر کا ڈھکن اٹھایا اور لاش کو کھینچتا ہوا اُس کے قریب لایا۔ پوری کاروائی میں مشکل سے ایک منٹ لگا ہو گا۔ اُس نے گٹر کا ڈھکن بند کرتے ہوئے ایک طویل سانس لی۔

وہ پھر اُسی مقام پر لوٹ آیا جہاں سے اُس نے لاش گھسیٹی تھی۔ یہاں تقریباً دو فٹ کے گھیرے میں خون پھیلا ہوا تھا۔

سنگ ہی نے اپنی پتلون کی جیب سے ایک شیشی نکالی۔ اُس میں ایک بے رنگ عرق تھا۔ اس

نے اسے خون پر الٹ دیا۔ خون پر عرق گرتے ہی ایسا معلوم ہوا جیسے وہ کھولنے لگا ہو۔ سفید رنگ کی ہلکی ہلکی بھاپ خون سے ایک فٹ کی اونچائی پر اٹھ کر ہوا میں تحلیل ہوتی جا رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے زمین اس طرح صاف اور خشک ہو گئی جیسے وہاں کبھی کچھ رہا ہی نہ ہو۔ سنگ ہی نے خالی شیشی جیب میں ڈالی اور بڑے اطمینان سے ٹہلتا ہوا گلی سے سڑک پر نکل آیا۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ ایک گھٹیا قسم کے قحبہ خانے میں دیکھا گیا جہاں وہ بوڑھی نائیکہ کو اس انداز میں چھیڑ رہا تھا جیسے وہ اسی کے لئے سودا طے کر لے گا۔

رات کو دو بجے حمید ہکلا ہکلا کر فریدی کو اپنی کہانی سنا رہا تھا۔

"اور پھر میں جب دوبارہ اُس طرف واپس آیا تو لاش غائب تھی۔"

"ہوں....!" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"خفیف سا نشان بھی نہ ملا۔ آخر وہ خون کیا ہو گیا، جو لاش کے گرد پھیلا ہوا تھا۔ پہلے تو میں یہ سمجھا کہ شاید میں کسی غلط گلی میں نکل آیا ہوں۔"

"ہو سکتا ہے کہ تم سے غلطی ہی ہوئی ہو۔" فریدی نے کہا۔

"ناممکن۔" حمید بولا۔ "میں ٹھیک اُسی جگہ پر تھا جہاں میں نے لاش دیکھی تھی۔"

"مجھے حیرت نہیں ہے۔"

"کیوں....؟" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ سنگ ہی کوئی ٹٹ پونجیا قسم کا مجرم نہیں ہے۔ اس نے چین کی حکومت سے ٹکرانے کی کوشش کی تھی۔ تم خود سوچو کہ ایسا آدمی کن صلاحیتوں کا مالک ہو گا۔"

"آخر لاش کیا ہوئی۔"

"تم اتنی عقل بھی نہیں رکھتے۔" فریدی اُسے گھور کر بولا۔

"کیا مطلب....!"

"گٹر.... کیا گٹر سے بھی زیادہ موزوں کوئی جگہ ہو سکتی ہے۔"

"مگر آخر نشانات کہاں گئے۔ کچی زمین کا خون تو دھویا نہیں جا سکتا۔"

"بہتیری صورتیں ہیں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ پھر اس نے کہا۔ "چلو! میں دیکھنا

ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد فریدی کی کیڈی بڑی تیز رفتاری سے ارجن پورے کی طرف جا رہی تھی۔ ایک جگہ پہنچ کر حمید نے کیڈی رکوائی۔

اور پھر فریدی کو تھوڑی ہی دیر بعد یہ تسلیم کر لینا پڑا کہ سنگ ہی نے کسی قسم کا کوئی نشان نہیں چھوڑا۔ گٹر کے ڈھکن کو بھی شاید اس نے رومال سے صاف کر دیا تھا۔

لکیروں کا راز

لوتھر پاگلوں کی طرح کمرے میں ٹہل رہا تھا.... اور ایک طرف وہی پٹھان سنتری کھڑا تھا جسے اس نے ایک دن قبل سنگ ہی کے کہنے پر ملازمت سے برطرف کر دیا تھا۔

"میں جانتا ہوں! پٹھان بڑے وفادار ہوتے ہیں۔" لوتھر نے دفعتاً رک کر کہا۔

"بے شک....!" پٹھان سینے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "ہم مالک کے لئے جان دیتا ہے۔"

"میں پھر تمہیں اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں۔"

"ہم تیار ہے! مگر ہم اُسی چینی ولد الحرام کا گردن بے شک توڑ دے گا۔"

"تمہیں رات بھر میرے ساتھ میرے کمرے میں رہنا پڑے گا۔"

"دوشمن کا خوف؟" پٹھان نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"ہاں....!"

"صاحب آپ پولیس میں خبر کیوں نہیں دیتا۔"

"نہیں دے سکتا.... ایسی ہی بات ہے۔"

"فکر نہ کرے آپ.... ہم ایک ایک دشمن کا بوٹی قیمہ کرے گا۔ مگر آپ ہمیں بتایئے.... دوشمن کدھر ہے۔"

"میں نہیں جانتا۔"

"پھر ہم کیا کرے گا۔"

"میری حفاظت! میری موت کسی وقت بھی آ سکتی ہے۔"

"اچھا صاحب! ہم دیکھے گا۔ مگر آپ اُس ولد الحرام کے معاملے میں نہیں بولے گا۔"

"نہیں بولوں گا.... مجھے منظور ہے۔"

"تب ٹھیک ہے۔"

لوتھر پھر ٹہلنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ "اب تم جاؤ ٹھیک سات بجے شام کو آجانا۔ دن کو مجھے کوئی خطرہ نہیں۔ میں اپنی حفاظت خود ہی کر سکتا ہوں۔"

❁

لوتھر کی جوان سال لڑکی سارہ برآمدے میں آرام کرسی پر نیم دراز پکچر پوسٹ کے صفحات الٹ رہی تھی۔ سارہ کافی قبول صورت اور شوخ لڑکی تھی۔ لوتھر اُسے بہت زیادہ عزیز رکھتا تھا۔

اچانک پکچر پوسٹ کے پرچے سے کارڈ سائز کی ایک تصویر نکل کر فرش پر گر پڑی۔ سارہ اُسے اٹھانے کے لئے جھکی اور پھر اُس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔ وہ ایک ایسی گندی تصویر تھی کہ اگر لوتھر اُسے اُس کے ہاتھ میں دیکھ لیتا تو اُس کی شامت ہی آجاتی۔ شاید وہ اُسے بے دریغ مار بیٹھتا۔

تصویر کے نیچے تحریر تھا۔

"سمجھ دار سارہ کے لئے.... فلسفی سنگ ہی کی طرف سے۔"

سارہ کا چہرہ غصہ اور شرم سے تمتما اٹھا۔ اس کی سانس پھولنے لگی۔ سنگ ہی سے اُسے بڑی نفرت تھی اور وہ کئی بار لوتھر سے کہہ چکی تھی کہ وہ اُسے نکال دے اُس نے یہ بات بھی محسوس کی تھی کہ لوتھر سنگ ہی سے کچھ خائف سا رہتا ہے۔ لیکن اس کی وجہ آج تک اس کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔ اس نے کئی بار لوتھر سے بھی اس کے متعلق پوچھا لیکن کوئی تشفی بخش جواب نہ ملا اور اب ادھر جب سے پولیس والوں نے اُس کے گھر کے چکر کاٹنے شروع کئے تھے اُس کی تشویش اور زیادہ بڑھ گئی تھی اور اُن تین کوہ پیماؤں کی پُر اسرار موتیں، جو اُس کے باپ کے ساتھ جنوبی امریکہ گئے تھے۔ اُن میں سے ایک تو اس کوٹھی کے سامنے ہی مرا تھا۔

وہ یہ بھی محسوس کر رہی تھی کہ لوتھر اُسے کچھ دنوں کے لئے کوٹھی سے ہٹانا چاہتا ہے۔

سنگ ہی اس کے لئے ایک معمہ تھا۔ وہ اُس کے باپ کا ملازم تھا لیکن کبھی کبھی وہ اس کی توہین تک کر بیٹھتا تھا۔ اس پر لوتھر کی خاموشی کو وہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھ سکتی تھی کہ وہ

سنگ ہی سے دبتا ہے۔ آخر کیوں؟ بار بار یہ سوال اس کے ذہن میں کچوکے لگاتا تھا۔

سارہ برآمدے سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آئی۔ تصویر اُس کے ہاتھ میں دبی ہوئی تھی۔ وہ چند لمحے کچھ سوچتی رہی پھر اُس نے لکھنے کی میز پر بیٹھ کر انتہائی غصے کے عالم میں اپنے باپ کو ایک خط لکھا۔ لکھ چکنے کے بعد نظر ثانی کی اور اُسے پھاڑ دیا۔ کچھ دیر سر پکڑے بیٹھی رہی.... پھر دوسرا کاغذ اٹھایا اور پھر صرف اتنا لکھا۔

"ڈیڈی.... کیا آپ اسے بھی برداشت کر لیں گے۔"

اُس نے کاغذ کو تہہ کر کے تصویر کے ساتھ ایک لفافے میں بند کیا اور نوکر کو بلانے کے لئے گھنٹی بجائی۔

"ڈرائیور سے کہو کہ گاڑی نکالے۔" اُس نے نوکر سے کہا۔

جب نوکر واپس آیا تو اُس نے لفافہ اُسکے ہاتھ میں دے کر کہا۔ "اسے ڈیڈی کو دے آؤ۔"

اُدھر نوکر لفافہ لے گیا اور ادھر وہ باہر نکلی۔ کار پھاٹک کے قریب کھڑی تھی۔

"میں خود ڈرائیو کروں گی۔ تم جاؤ۔" سارہ نے ڈرائیور سے کہا اور کار میں بیٹھ گئی۔

❁

لوتھر آرام کرسی پر پڑا اونگھ رہا تھا۔ نوکر کی آہٹ پر چونک پڑا۔

"مس صاحب نے دیا ہے۔" نوکر نے لفافہ اس کی طرف بڑھا دیا اور کسی قسم کے جواب کا انتظار کئے بغیر باہر چلا گیا۔

لوتھر نے لفافہ کھولا۔ سب سے پہلے اس کی نظر تصویر پر پڑی اور وہ اس طرح اچھل کر کھڑا ہو گیا جیسے کرسی کی سیٹ میں آگ لگ گئی ہو۔ تصویر اُس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا پڑی۔ وہ اُسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے گھور رہا تھا۔ پھر اس کی نظر ساتھ والے کاغذ پر پڑی۔ اس نے جھک کر اُسے اٹھایا۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ پاگلوں کی طرح چیخ رہا تھا۔ "سور.... کمینے.... کتے.... ذلیل۔"

اس نے میز کی دراز کھول کر ریوالور نکالا اور بے تحاشہ بھاگتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

پھر وہ ایک ایک کمرے میں سنگ ہی کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ نوکر اُسے اس حال میں دیکھ کر سہم گئے۔ کسی کی ہمت نہیں پڑی کہ اس سے کچھ پوچھتا۔

آخر کار اس نے سنگ ہی کو پا ہی لیا۔ وہ ایک کمرے میں بیٹھا بیئر پی رہا تھا۔ لوتھر نے اُسے دیکھتے ہی فائر کر دیا۔ سنگ ہی بندروں کی طرح اچھل کر میز پر چڑھ گیا۔ لوتھر نے دوسرا فائر کیا لیکن اس بار پھر وہ چوک گیا۔ سنگ ہی نے میز سے چھلانگ لگائی اور اس بار وہ تیر کی طرح لوتھر پر آیا۔ غصے نے پہلے ہی لوتھر کی قوت سلب کر لی تھی۔ ریوالور اُس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

"کیا پاگل ہو گئے ہو۔" سنگ ہی غرایا۔ اس نے ریوالور اپنی جیب میں ڈال لیا تھا۔ پھر اس نے باہر کھڑے ہوئے نوکروں کو ڈانٹا۔ "جاؤ.... اپنا کام کرو۔"

نوکر چلے گئے۔ سنگ ہی نے لوتھر کو ایک آرام کرسی میں دھکیلتے ہوئے کہا۔

"اگر میں مر جاتا تو....!"

"سور کے بچے میں تجھے ہر حال میں مار ڈالوں گا۔" لوتھر چیخا۔

"آخر اس غصے کی وجہ۔"

"وجہ پوچھتا ہے! خیریت اسی میں ہے کہ جلد سے جلد کوٹھی خالی کر دے۔"

"لیکن میرے کوٹھی خالی کرتے ہی تمہارا جسم روح سے خالی ہو جائے گا۔"

"میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔"

"تو بہرے ہو جاؤ۔" سنگ ہی نے لاپروائی سے کہا اور بیئر کی بوتل اٹھا کر ہونٹوں سے لگالی۔

"اب تیری اتنی جرأت ہو گئی کہ سارہ کو ایسی تصویر بھیجے۔"

"اوہ تو یہ کہو....!" سنگ ہی سنجیدگی سے بولا۔ "مگر مسٹر لوتھر تم مجھے بڑے گھٹیا آدمی معلوم ہوتے ہو۔ اتنی سی بات پر گولیاں جھونکنے لگے۔"

"ارے او! ذلیل کتے! یہ ذرا سی بات ہے۔" لوتھر حلق کے بل چیخا۔

"میں تو یہی سمجھتا ہوں۔" سنگ ہی نے کہا۔ "سارہ کافی سمجھدار ہے۔ ننھی سی بچی تو نہیں کہ اس تصویر کو سمجھ نہ سکے۔"

"ابے کیا تو پاگل ہو گیا ہے۔" لوتھر اپنا سر پیٹتا ہوا بولا۔

"دنیا کے ہر بڑے آدمی کو لوگ پاگل سمجھتے ہیں۔ اگر میری کوئی بیٹی ہوتی تو میں اسے بھی اس قسم کی تعلیم دیتا۔"

"خدا تجھے غارت کرے ذلیل۔"

"تم بڑے تنگ نظر معلوم ہوتے ہو مسٹر لوتھر! میں تو سمجھتا تھا کہ دنیا کے سارے دوغلے آدمی میری ہی طرح آزاد خیال ہوں گے۔ مگر نہیں تم تو صرف دوغلے ہو۔ میری طرح حرامی نہیں۔"

"تجھ سے پیچھا چھڑانے کے لئے اب میں دوسری صورت اختیار کروں گا۔ خواہ مجھے پھانسی ہی کیوں نہ ہو جائے۔"

"تو اب تم اتنی سی بات پر پولیس سے ساز باز کرو گے۔" سنگ ہی تلخ سی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"میں سب کچھ بتا دوں گا۔"

"یعنی اپنے ہاتھ سے اپنے گلے میں پھندا ڈالو گے۔ وہ بھی اس لئے کہ میں نے تمہاری لڑکی کو تجربہ گاہ بنانا چاہا تھا لیکن کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ اُس صورت میں محفوظ ہو جائے گی۔ کیا تم سنگ ہی کی قوتوں سے واقف نہیں ہو۔ ابھی تک تو یہ محض مذاق تھا۔ مسٹر لوتھر.... لیکن جانتے ہو اس صورت میں کیا ہو گا۔ اس سال تو ابھی تک وہی ہوا ہے جو سنگ ہی نے چاہا ہے۔"

"آج تجھے کوٹھی خالی ہی کرنی ہو گی۔"

"سنو! بچے نہ بنو۔ ایک گلاس ٹھنڈا پانی پیو اور یہ سوچ کر خدا کا شکر ادا کرو کہ سنگ ہی نے تمہیں اس وقت زندہ چھوڑ دیا۔"

"میں ایسی زندگی پر موت کو ترجیح دیتا ہوں۔"

"کون سا زہر پسند کرو گے، خودکشی زیادہ تکلیف دہ نہیں ہوتی۔" سنگ ہی مسکرا کر بولا۔

لوتھر کا غصہ اتنا بڑھا کہ اس پر غشی طاری ہو گئی۔

سنگ ہی نے اس کے سر پر شراب کے چھینٹے دیئے اور پادریوں کی طرح دعا پڑھنے لگا۔

❁

سرجنٹ حمید کی چوہیا میز پر بیٹھی مونگ پھلی کے دانے کتر رہی تھی اور بکرا میز پوش چبانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اچانک حمید نے کتاب سے نظریں ہٹائیں اور بکرے کو ایک لات جھاڑتا ہوا بولا۔

"ابے اسے میز پوش کہتے ہیں۔"

بکرے نے پلٹ کر اُس کی طرف دیکھا، دو چار مرتبہ پلکیں جھپکائیں اور پھر اپنے شغل میں لگ گیا۔

"نہیں سنتا....!" حمید جھلا کر اٹھا اور اس کی پچھلی ٹانگیں پکڑ کر کھینچتا ہوا باہر دھکیل آیا۔ پھر

اسے اپنے کمرے میں واپس آئے دو ہی تین سیکنڈ گذرے ہوں گے کہ ایک نوکر نے آکر ناک کے بل الاپنا شروع کر دیا۔

"بڑے صاحب.... یاد فرما رہے ہیں۔"

"اُن سے جاکر کہو بڑی خوشی ہوئی.... روزانہ اسی وقت یاد فرمالیا کریں۔"

نوکر چپ چاپ کھڑا رہا۔

"ابے بھاگ!" حمید اُسے مکا دکھا کر بولا۔

"کیا کہہ دوں۔"

"یہی جو میں نے کہا ہے.... نکلو یہاں سے۔"

اس نے نوکر کے جانے کے بعد پھر ٹانگیں پھیلا کر کتاب پڑھنی شروع کر دی۔ یہ کوئی رومانی ناول تھا۔ حالانکہ اُسے اردو کے رومانی ناول پڑھ کر ہمیشہ کوفت ہوتی تھی۔ لیکن پھر بھی وہ باز نہیں آتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد راہداری میں قدموں کی آہٹ سنائی دی اور فریدی جھلایا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ حمید بدستور ناول پر نظریں جمائے رہا۔ فریدی نے کرسی کے پائے میں ٹھوکر ماری اور حمید چیخ مار کر اچھل پڑا۔ پھر فریدی کی طرف دیکھ کر کھسیانی ہنسی ہنستا ہوا بولا۔

"لاحول ولا قوۃ آپ ہیں! میں سمجھا شائد بکرا ہے۔"

"میں نے تمہیں بلوایا تھا۔"

"اوہ.... لیکن مجھے اطلاع نہیں ملی۔"

"بکواس نہ کرو! مجھے یہ حرکتیں پسند نہیں۔"

"قسم لے لیجئے۔ کسی نے اطلاع نہیں دی۔"

"نصیر انہیں آیا تھا۔"

"آیا تو تھا۔" حمید نے معصومیت سے کہا۔ "لیکن اُس نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ آپ مجھے بلا رہے ہیں۔ اُس نے یہ کہا تھا کہ آپ مجھے یاد کر رہے ہیں۔ اس پر میں نے خوشی کا اظہار کیا تھا۔ ارے کوئی ایسا بھی تو ہے، جو ہمیں یاد کرتا ہے۔"

"میں چانٹا مار دوں گا۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

"آپ کا جغرافیہ آج تک میری سمجھ میں نہ آسکا۔" حمید نے غمزدہ آواز میں کہا۔ "کبھی یاد کریں گے اور کبھی مارنے کی دھمکی دیں گے۔ ایسی تو ہٹلر کی بھی محبوبہ نہ رہی ہوگی۔"

فریدی نے اس کا کان پکڑ کر کرسی سے اٹھا دیا۔

حمید ایک لمبی سی "چیاؤں" کے ساتھ اٹھتا چلا گیا۔

"میں کہیں جانے کے موڈ میں نہیں ہوں۔" اس نے جھلا کر کہا۔

"کیا اسٹڈی تک بھی نہیں چلو گے۔ جہاں دو لڑکیاں تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔"

"آپ نے خواب دیکھا ہوگا۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "آج کل موسم ایسا خراب ہے کہ کوئی لڑکی میری پرواہ نہیں کرتی۔"

"فکر نہ کرو! میں نے تمہارے لئے انتظام کر لیا ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"تم لوتھر کی کوٹھی میں اس کی لڑکی کے دوست کی حیثیت سے قیام کرو گے۔"

"بھلا اس کی لڑکی مجھے اپنا دوست کیوں تسلیم کرنے لگی۔"

"کرے گی.... یہ میں اسی کی درخواست پر کر رہا ہوں۔"

"شاید آپ مذاق کر رہے ہیں۔"

"نہیں میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ سنگ ہی سے وہ اور اس کا باپ دونوں بہت زیادہ خائف ہیں۔"

"سنگ ہی سے خائف ہیں؟" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں وہ بظاہر تو لوتھر کا نوکر ہے لیکن اصلیت خدا جانے۔ میرا خیال ہے کہ وہ کوئی بڑا کھیل کر رہا ہے۔"

"لیکن وہ جنوبی امریکہ کے پُراسرار باشندے۔"

"وہ بھی اپنی جگہ پر اٹل حقیقت ہیں۔"

"آخر آپ ٹھیک سے کیوں نہیں بتاتے۔"

"میں سمجھے بوجھے بغیر کوئی بات نہیں کرتا۔ فی الحال ہمیں صرف سنگ ہی اور لوتھر کے تعلقات کے متعلق چھان بین کرنی ہے۔"

"اوہ وہ نیلی لکیر.... آپ نے کہا تھا کہ وہ جنوبی امریکہ کی کسی قدیم قوم سے تعلق رکھتی ہے۔"

"قدیم نسل سے۔" فریدی نے تصحیح کی۔ "طریقہ کار سے شائد تم واقف نہیں۔ چمڑے کی تیلی سی پٹی زہر میں ڈبوئی جاتی ہے۔ مارنے والا اپنے شکار کے جسم پر اس زور سے اُسے مارتا اس کی کھال پھٹ جاتی ہے اور زہر جسم میں سرایت کر جاتا ہے۔ یہ نیلی لکیر دراصل اُسی چمڑ پٹی کی چوٹ کا نشان ہوتا ہے۔"

"میرے خدا۔" حمید نے کہا۔ "آپ طریقہ کار سے واقف ہیں۔ اس کے باوجود بھی ابھی تک اندھیرے میں ہیں۔"

"ٹھیک ہے! میں ابھی اس بات کو مشتہر نہیں کرنا چاہتا۔ لوگوں کو اندھیرے ہی میں رہنے

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر حمید نے پوچھا۔

"ان تین مرنے والوں کے علاوہ اور لوگ بھی تو لوتھر کے ساتھ جنوبی امریکہ گئے تھے۔

"ہاں گئے تو تھے اور میں اُن میں سے دو ایک سے مل بھی چکا ہوں۔"

"تو انہوں نے بھی کوئی خاص بات نہیں بتائی۔"

"بتائی ہے۔" فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ "وہ تینوں مرنے والے لوتھر.... سنگ اور ایک مقامی کوہ پیما کے ساتھ ایلپوم کی چوٹی پر پہنچ گئے تھے۔"

"تو کیا ایلپوم کی چوٹی پر پہنچنے ہی کی وجہ سے ان کی موت واقع ہوئی۔"

"ہو سکتا ہے۔ اگر تم باقاعدہ اخبار پڑھتے ہوتے تو اس قسم کا سوال کبھی نہ کرتے۔" فر نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

"اخبار سے کیا مطلب۔"

"مطلب یہ کہ لوتھر کی پارٹی نے ایلپوم کی چوٹی سر کرنے کے علاوہ اور کونسا کارنامہ انجام دیا تھا

"مجھے اس قسم کی چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "کوہ پیمائی ہونہہ! چڑھ گئے کسی پہاڑ کی چوٹی پر اور ہلا رہے ہیں بچوں کی طرح ہاتھ۔ کیا لغویت ہے۔ اس میں کیا دھرا ہے۔ بہادری تو تب ہے کہ بیچ سڑک پر کسی عورت کی چوٹی پکڑ لی اور اپنے ایک بال بھی کم کئے بغیر صاف نکل گئے.... پہاڑ کی چوٹی.... ہونہہ۔"

"زنخوں اور مردوں کے مشاغل میں بڑا فرق ہوتا ہے۔" فریدی بولا۔ "خیر تمہیں معلوم۔ لوتھر وغیرہ نے ایلپوم کی چوٹی پر ایک پانچ سو سال پرانی لاش دریافت کی تھی۔"

"پانچ سو سال پرانی لاش!" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ہاں.... انکا نسل کی ایک بارہ سالہ شہزادی کی لاش۔ جس کے باپ کی حکومت اب سے پانچ سو سال پہلے چلی اور پیرو کے درمیانی علاقے پر تھی اور اسپین کے ایک حملہ آور فرانسسکو ہزارو نے اس کا تختہ الٹ دیا تھا۔ شاہی خاندان کے بہت سے افراد افراتفری میں ادھر اُدھر بھاگ نکلے۔ انہیں میں یہ شہزادی بھی تھی جس نے ایلپوم پہاڑ کی ایک زیارت گاہ میں پناہ لی اور وہیں اس کی موت بھی واقع ہوئی۔ بہر حال وہ شیشے جیسی برف کے اندر اس طرح بیٹھی ہوئی ملی جیسے زندہ ہو اور برف سے نکالنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُسے مرے ہوئے ایک گھنٹہ سے زیادہ نہ گذرا ہو۔"

حمید حیرت سے فریدی کے چہرے پر نظریں جمائے رہا۔

"آپ کسی جرمن مصنف کی تصنیف کا تذکرہ کر رہے تھے۔"

"ہاں! اس نے اب سے باون سال پہلے جنوبی امریکہ کا سفر کیا تھا اور وہاں اُسے اُس شہزادی کے فرار کی داستان سنائی گئی تھی اور لوگوں کا خیال تھا کہ وہ شہزادی ایلپوم کی چوٹی پر اب بھی موجود ہے۔ اس سفر نامے میں بہت کچھ تھا۔ افسوس کہ تفصیل میرے ذہن میں نہیں ہے۔ بہر حال نیلی لکیروں کے متعلق بھی میں نے اُسی میں پڑھا تھا۔ یہ حربہ فرانسسکو ہزارو کی فوج کے خلاف استعمال کیا گیا تھا۔"

"تو کیا یہ غیر ملکی.... لوتھر کی پارٹی کے پیچھے اسی لئے پڑ گئے ہیں کہ انہوں نے وہ لاش وہاں سے کیوں نکالی۔"

"ہو سکتا ہے۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "حمید صاحب اس کتاب کو ملنا ہی چاہئے۔ اُس میں کچھ اور بھی تھا۔"

"تلاش کروں گا.... مگر اب وہ لاش کہاں ہے۔"

"وہ تو اُسی وقت وہاں کی حکومت کی تحویل میں دے دی گئی تھی۔ ایک دوسری بات۔ ایلپوم کی چوٹی صرف سولہ ہزار فٹ بلند ہے۔ اپنے یہاں کے پہاڑوں کی کئی اس سے بھی بلند چوٹیاں ابھی تک فتح نہیں ہوئیں۔ آخر لوتھر نے صرف سولہ ہزار فٹ بلند چوٹی کے لئے اتنا لمبا سفر کیوں کیا۔ وہ اپنا یہ شوق یہاں بھی پورا کر سکتا تھا۔"

"ممکن ہے اس لاش کے لئے۔" حمید بولا۔

"لیکن لوتھر نے وہاں یہ بیان دیا تھا کہ لاش اُسے اتفاقاً ملی تھی۔ اُسے پہلے سے اس کا علم نہیں تھا۔"

"تب تو معاملہ واقعی دلچسپ ہے۔" حمید نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا۔

وہ مہمان

تصویر والے واقعہ کے بعد سے لوتھر شرمندگی کے مارے اپنی لڑکی سے کترانے لگا تھا۔ بہت کچھ سوچ بچار کرنے کے بعد اُس نے اُسے ایک خط لکھا اور اس میں خواہش ظاہر کی کہ وہ کچھ دنوں کیلئے باہر چلی جائے اور سنگ ہی سے اسی صورت میں چھٹکارا مل سکتا ہے جب وہ قتل کر دیا جائے۔

اس کے جواب میں سارہ نے اُسے لکھا کہ وہ فی الحال کہیں نہیں جاسکتی کیونکہ اس کا ایک کلاس فیلو کچھ دنوں کے لئے اُس کے ساتھ قیام کرنے کی غرض سے آرہا ہے۔

اس نئی اطلاع پر لوتھر بُری طرح بوکھلا گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ان دنوں کوئی اجنبی اس کی کوٹھی میں قیام کرے۔ آخر اسے سارہ سے دوبدو گفتگو کرنی ہی پڑی۔

"حالات ایسے نہیں بیٹی کہ آج کل کوئی غیر یہاں قیام کر سکے۔" لوتھر نے کہا۔

"کیسے حالات! آخر آپ مجھے بتاتے کیوں نہیں۔"

"یہ مت پوچھو! بس ایک مشکل میں پھنس گیا ہوں اور میں خود ہی حالات پر قابو پانا چاہتا ہوں۔"

"بیکار بات ہے۔ سنگ ہی آپ کو تباہی کی طرف لے جا رہا ہے۔"

"میں بہت جلد اُس سے چھٹکارا پالوں گا۔"

"لیکن میرا مہمان ضرور آئے گا۔"

"ضد نہ کرو۔"

"مجبوری ہے اُسے کس طرح ٹالا جاسکتا ہے جبکہ میں خود اُسے مدعو کر چکی ہوں۔"

"سنگ ہی خواہ مخواہ شک کرے گا۔" لوتھر نے بے بسی سے کہا۔

"سنگ ہی.... سنگ ہی۔" سارہ جھلا کر بولی۔ "میں اُس سور کے بچے سے نہیں ڈرتی۔ اگر

ضرورت پڑی تو میں اُس کی کھوپڑی میں ایک اونس سیسہ اُتار دوں گی۔"

"آہستہ بولو۔" لوتھر چاروں طرف دیکھ کر مضطربانہ انداز میں بولا۔

"ڈیڈی۔ کہیں میں تمہارے ساتھ کوئی بُرا برتاؤ نہ کر بیٹھوں۔" سارہ بپھر گئی۔ "تم وہی کیپٹن لوتھر ہو جس کے نام سے لوگ لرزتے تھے۔"

"وقت کی بات ہے بے بی۔" سنگ ہی نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔ "تم اپنے مہمان کو ضرور بلاؤ کیپٹن کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ سنگ ہی کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں جب کہ سنگ ہی ان کی حفاظت کر رہا ہے۔ اگر میں نہ ہوتا تو نیلی لکیر کے چوتھے شکار یہی ہوتے۔"

"تم بغیر اجازت میرے کمرے میں کیوں گھسے۔" سارہ چیخ کر بولی۔

"مجھے افسوس ہے۔" سنگ ہی نے کہا اور الٹے قدموں چلتا ہوا دروازے سے نکل گیا۔ پھر اُس نے رک کر کہا۔ "کیا میں اندر آسکتا ہوں۔"

"نہیں....!" سارہ حلق کے بل چیخی۔

"بہت بہتر۔" سنگ ہی سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکا اور وہاں سے چلا گیا۔

"ڈیڈی.... جاؤ.... تم بھی۔" سارہ لوتھر کو دروازے کی طرف دھکیلتی ہوئی بولی۔

لوتھر چپ چاپ کمرے سے چلا گیا۔ راہداری کے سرے پر شائد سنگ ہی اس کا انتظار ہی کر رہا تھا۔ اس نے لوتھر کو نیچے سے اوپر تک گھور کر دیکھا۔

"لڑکی سے اس قسم کی گفتگو کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" اس نے کہا۔

"میں نے سوچا.... ممکن ہے تم شک کرو۔" لوتھر نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"کتا جب پاگل ہو جائے تو اُسے گولی مار دینی چاہئے۔" سنگ ہی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا....!" لوتھر بوکھلا گیا۔

"کچھ نہیں! اس کا تعلق تم سے نہیں۔" سنگ ہی نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی۔

"آخر یہ کھیل کب ختم ہوگا۔"

"بہت جلد۔" سنگ ہی بولا۔ "ابھی تک میں اُن حرامزادوں کے ٹھکانے سے نہیں واقف ہو سکا۔ میں جب بھی باہر نکلتا ہوں اُن کا کوئی نہ کوئی آدمی میرا تعاقب ضرور کرتا ہے۔ شاید وہ مجھے زندہ پکڑنا چاہتے ہیں۔"

"میں تنگ آ گیا ہوں۔"

"تکلیف کے بغیر آرام کہاں کیپٹن۔" سنگ ہی مسکرا کر بولا۔ "لیکن زبردست حماقتیں کر رہے ہو۔ اُس پٹھان کو دوبارہ نوکر رکھنے کی کیا ضرورت تھی اور وہ پچھلی رات کو تمہارے کمرے میں سویا تھا۔"

"میں اُن لوگوں سے بہت زیادہ خائف ہوں۔"

"فضول.... باتیں نہ بناؤ۔" سنگ ہی نے زہریلی ہنسی کے ساتھ کہا۔ "تم نے یہ انتظام سنگ ہی جیسے بے ضرر آدمی کے خلاف کیا ہے۔"

"نہیں! نہیں.... یہ غلط ہے۔"

"خیر ہوگا.... مجھے اس کی پرواہ نہیں۔" سنگ ہی نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

❁

کوٹھی میں داخل ہونے والے مہمان کو دیکھ کر سارہ ششدر رہ گئی۔ اُسے توقع نہیں تھی کہ وہ مہمان اُسی کی طرح اینگلو انڈین ہوگا۔ اب وہ سوچ رہی تھی کہ اچھا ہی ہوا، جو اس نے مہمان کے متعلق اپنے باپ سے زیادہ تفصیل کے ساتھ گفتگو نہیں کی تھی۔

نوجوان مہمان سارہ کی طرف ہاتھ بڑھا کر بولا۔ "ہیلو سارہ.... اولڈ گرل... کیا تم میکی کو خوش آمدید نہ کہو گی۔"

"ہلو میکی.... پور بوائے۔"

دونوں نے ہاتھ ملائے۔ برآمدے میں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ مہمان نے آہستہ سے کہا۔ "میرا نام مائیکل میک آرتھر ہے سمجھیں۔"

نوکر سامان لے کر دوسری طرف چلا گیا اور وہ دونوں اسٹڈی میں آئے، جہاں لوتھر اور سنگ ہی خاموش بیٹھے ایک دوسرے کو کبھی کبھی کنکھیوں سے دیکھ لیتے تھے۔

"میکی سے ملئے! ڈیڈی۔" سارہ نے لوتھر سے کہا۔ "مائیکل میک آرتھر اور یہ ہیں میرے ڈیڈی۔"

"بڑی خوشی ہوئی۔" مہمان نے جھک کر لوتھر سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے یہاں آپ کی شخصیت کھینچ لائی ہے.... میں نے آپ کی وہ کتابیں پڑھی ہیں، جو آپ

نے افریقہ کے شکار اور شکاریوں کے متعلق لکھی ہیں۔"

"سارہ کے دوست میرے اپنے بچے ہیں، تم پہلے کبھی نہ ملے۔" لوتھر نے کہا۔

"میں زیادہ تر دورے پر رہتا ہوں۔ اسلحہ کی ایک فرم کا ٹریولنگ ایجنٹ ہوں۔ آج کل چھٹیاں گزار رہا ہوں۔"

"خوب....!" لوتھر مسکرایا۔ "ان سے ملو۔ یہ میرے سیکریٹری سنگ ہی ہیں۔ شکار کے متعلق مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔"

"اوہ....!" مہمان نے سنگ ہی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے چین اور چینیوں سے بڑی محبت ہے۔"

"شکریہ۔" سنگ ہی مسکرا کر بولا۔ "اور یہ محبت بڑھتی ہی جائے گی۔"

"میرا ایک چینی دوست چین چنگ پنگ بڑا اچھا مصور ہے۔" میکی بولا۔

"ضرور ہوگا۔" لوتھر نے کہا۔ "اب ہم چائے پر ملیں گے۔"

سارہ اُسے اپنے ساتھ لے گئی۔

"یہ لڑکا صورت ہی سے بیوقوف معلوم ہوتا ہے۔" لوتھر نے کہا۔ "اگر یہ چشمہ نہ لگائے تو شاید کچھ عقلمند معلوم ہو سکے۔"

"سنگ ہی دنیا میں صرف ایک ہی قسم کے آدمیوں سے ڈرتا ہے۔"

لوتھر اُسے گھورنے لگا۔ سنگ ہی چند لمحے خاموش رہا۔ پھر اس نے کہا۔ "صرف ان آدمیوں سے جن کے چہروں پر حماقت برستی ہے۔"

"دیکھا....!" لوتھر پھر جلدی سے بولا۔ "میں نہ کہتا تھا کہ تم شک کرو گے۔"

"اپنی عادت سے مجبور ہوں۔ خیر تم فکر نہ کرو۔ ضروری نہیں کہ میرا اندیشہ درست ہی نکلے۔"

"میں صرف فریدی سے خائف ہوں۔" لوتھر بولا۔ "اُس دن کے بعد سے پھر اُس نے ادھر کا رخ نہیں کیا۔ غالباً وہ معاملات کی تہہ کو پہنچ گیا ہے۔"

"فریدی سے ڈرتے ہو۔" سنگ ہی ہنس کر بولا۔ "جس دن کہو اُسے خاک میں ملا دوں۔ مگر میں معاملات کو طول دینا نہیں چاہتا۔"

"بہت مشکل کام ہے سنگ ہی۔" لوتھر نے کہا۔ "وہ لومڑیوں کی طرح مکار اور شیر کی طرح

بے خوف ہے۔"

"ابھی نہیں! ابھی نہیں۔" سنگ ہی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "سنگ ہی کو ابھی تاؤ نہ دلاؤ پہلے اُن کا صفایا کر دوں پھر فریدی سے بھی نپٹ کر دکھادوں گا۔"

"تم ان کا صفایا کرو گے۔" لوتھر نے حیرت سے کہا۔

"ہاں.... میں اب تک چار کو ٹھکانے لگا چکا ہوں۔"

"مجھے حیرت ہے۔" لوتھر اپنی پیشانی پونچھتا ہوا بولا۔ "آخر ان کی لاشیں کیا ہو گئیں۔"

"لاشیں....!" سنگ ہی نے قہقہہ لگایا۔ "میں کبھی کچا کام نہیں کرتا۔"

"لیکن ہم لوگوں کی زندگیاں بھی تو خطرے میں ہیں اور ہم نے بھی اپنے تین سا کھوئے ہیں۔"

"لڑائی میں تو یہ ہوتا ہی ہے۔" سنگ ہی لاپروائی سے بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ ابھی ہم پر بھی حملے کئے جائیں۔ میرے ذہن میں تو اب دوسری ہی تدبیر ہے مگر اُن سور کے بچوں کی ٹ گاہ ہی نہیں معلوم ہو سکی۔"

"کیا کرو گے۔"

"یہ مت پوچھو۔ چپ چاپ بیٹھے دیکھتے رہو۔ آج تک میری کوئی تدبیر پٹ نہیں پڑی۔"

لوتھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اچانک انہیں ایک چیخ سنائی دی اور پھر متواتر چیخیں گونجتی رہیں وہ بڑی تیزی سے باہر نکلے۔

نو آمدہ مہمان غسل خانے میں چیخ رہا تھا اور غسلخانے کا دروازہ اندر سے بند تھا وہ دروازہ پی لگے۔ سارہ بھی وہاں آگئی تھی۔

پھر اچانک انہوں نے مہمان کے ہنسنے کی آواز سنی۔ وہ زبان سے گالیاں بھی بکتا جا رہا تھا

سنگ اور شہزادی

سنگ ہی اور لوتھر نے ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھا۔

آخر غسل خانے کا دروازہ کھلا۔ میکی نے انہیں دیکھ کر ایک جھینپا جھینپا سا قہقہہ لگایا اور ا

معلوم ہونے لگا جیسے اب وہ ہنستے ہنستے شرمندگی کی وجہ سے رو پڑے گا۔

"کیا بات تھی۔" لوتھر نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔"

"تو یونہی خواہ مخواہ چیخنے لگے تھے۔"

"اب کیا بتاؤں۔" میکی نے شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "نہ پوچھئے تو بہتر ہے۔"

"عجیب آدمی ہو۔"

"کیا بات تھی۔" سارہ نے پوچھا۔

"ارے.... وہ کم بخت چوہیا.... قمیض میں گھس گئی تھی۔"

"چوہیا....!" لوتھر جھلا کر بولا۔ "اس پر اتنا شور وغل۔"

"آہ آپ نہیں جانتے۔" میکی غمزدہ لہجے میں بولا۔ "اگر آپ کو واقعات کا علم ہوتا تو آپ کبھی یہ نہ کہتے۔"

"کیسے واقعات۔"

"میرے دادا کی موت ایک چوہیا کی وجہ سے ہوئی۔ باپ بھی ایک چوہے ہی کا شکار ہوئے۔ چوہیا ہمارے خاندان کے لئے نحوست کی علامت ہے۔"

"چوہے کی وجہ سے موتیں۔" سارہ نے کہا۔ پھر سنبھل کر بولی۔ "تم نے کبھی تذکرہ نہیں کیا۔"

"کیا تذکرہ کرتا۔ کوئی فخر کی بات تو ہے نہیں۔" میکی نے اس طرح کہا جیسے اس تذکرے سے تکلیف پہنچی ہو۔

"چوہے کی وجہ سے موت۔" سنگ ہی زیر لب بڑبڑا کر مسکرایا۔

"ہاں میرے دادا پہلی جنگ عظیم کے ایک سپاہی تھے۔ ایک مورچے پر جب کہ وہ زمین پر اوندھے لیٹے دشمن پر گولیاں برسا رہے تھے اچانک کوئی چیز ان کے کالر میں کلبلائی اور وہ بے ساختہ اچھل پڑے اور پھر سامنے سے ایک گولی ان کی پیشانی میں گھستی چلی گئی۔ کالر میں کلبلانے والی چیز ایک چوہیا تھی۔ میرے باپ کا بھی یہی حشر ہوا۔ وہ گرمیوں کی ایک رات میں پائیں باغ میں سو رہے تھے اچانک ایک چوہیا ان کے بستر میں گھس آئی۔ وہ بے تحاشہ اچھل کر بھاگے اور پاس کے کنوئیں میں جا گرے۔"

"اوہ...!" لوتھر نے کہا۔

"تب تو بہت اچھا ہوا کہ آپ اس وقت غسلخانے میں تھے۔" سنگ ہی نے سنجیدگی سے کہا اور سارہ اپنا نچلا ہونٹ چبانے لگی۔

"ہاں میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔" میکی بولا۔

لوتھر اور سنگ ہی وہاں سے چلے گئے۔

"سچ سچ بتاؤ کیا بات تھی۔" سارہ نے پوچھا۔

"یہی بات تھی۔" میکی نے کہا۔

"اگر یہی بات تھی تو تم کیا کر سکو گے۔"

"میں والز بڑا اچھا ناچتا ہوں۔"

"تمہیں فریدی صاحب نے بھیجا ہے۔"

"کون فریدی؟ میں نے یہ نام پہلے کبھی نہیں سنا اور پھر مجھے کوئی بھیجنے ہی کیوں لگا آہ.... سارہ ڈیئر تم بھی پہلے ہی جیسی شریر ہو۔ یاد ہے جب تم نے پروفیسر گولڈ کو بینگن کھینچ مارا تھا۔"

"کیا بکواس ہے! میں نے آج تمہیں پہلی پہل دیکھا ہے۔"

میکی نے دل کھول کر قہقہے لگائے پھر بولا۔ "خدا کی قسم سارہ! تم غضب کی ایکٹنگ کرتی ہو۔ اگر کوئی تیسرا یہاں موجود ہوتا تو تمہارے اس انداز کو بناوٹ کبھی نہ سمجھتا۔"

سارہ بوکھلائی ہوئی نظروں سے اُسے گھورنے لگی۔

"ویسے اگر اب تم کسی پرانی بات کا بدلہ لینا چاہتی ہو تو بات دوسری ہے۔" میکی نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"تمہیں فریدی نے نہیں بھیجا۔"

"نہ جانے تم کس کا تذکرہ کر رہی ہو۔ میں اس آدمی کو نہیں جانتا۔"

"تب پھر میں تمہیں نہیں جانتی۔ چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔"

"کیا...؟" میکی نے حیرت سے کہا۔ "میں خواب دیکھ رہا ہوں یا تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ تم مجھے نہیں جانتیں۔ کیا خود ہی تم نے مجھے مدعو نہیں کیا تھا۔"

"ہرگز نہیں۔"

"اوہ! میں سمجھا بالکل سمجھ گیا۔ تم بہت کینہ پرور ہو۔ پچھلے سال ہم میں جو تھوڑی سی وقتی رنجش ہو گئی تھی تم اُس کا بدلہ اب میری توہین کر کے لینا چاہتی ہو۔"

"واہ.... اچھی رہی۔ میں نے آج سے پہلے تمہیں کبھی دیکھا تک نہیں۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ ان نظروں سے کبھی نہ دیکھا ہو گا جن نظروں سے اس وقت دیکھ رہی ہو۔ آہ سارہ کیا تم وہ باتیں بھول گئیں جو ہم نے کھجوروں کے سائے میں کی تھیں.... اور وہ آموں کے سائے.... وہ لمحات جو ہم نے کٹھل کے سائے میں گذارے تھے۔ کیا سب کچھ بھول گئیں.... نہیں ہرگز نہیں۔"

"تم آخر ہو کیا بلا۔" سارہ جھنجھلا گئی۔

"آہ.... آج میں بلا ہو گیا۔ میں جو کبھی تمہارا ہیرو تھا۔"

سارہ الجھن میں پڑ گئی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اگر یہ فریدی کا بھیجا ہوا آدمی ہوتا تو اس قسم کی گفتگو کبھی نہ کرتا پھر آخر وہ ہے کون؟ اور اس دیدہ دلیری کا کیا مطلب۔ اس نے سوچا کہ فی الحال بات بڑھانے سے زیادہ بہتر یہ ہو گا کہ وہ اس کے متعلق فریدی کو فون کرے۔

"دیکھو! سارہ اب تم کوئی بُری بات سوچ رہی ہو میرے خلاف۔" میکی نے سنجیدگی سے کہا۔

"خیر میں چلا جاؤں گا لیکن آج نہیں۔ اس طرح میری توہین نہ کرو۔"

"اوہ.... ارے۔" سارہ ہنسنے لگی۔ "اب تو واقعی مجھے بھی اپنی اداکاری پر ناز کرنا چاہئے۔"

"دیکھو.... میں نہ کہتا تھا.... ہاہا۔" میکی نے بھی قہقہہ لگایا۔

❁

پستہ قد اور بھاری جسم والے آدمی نے ٹریفک کانسٹیبل کے چیخنے کے باوجود بھی سڑک پار کر لی۔ یہ ایک سفید فام غیر ملکی تھا۔ شاید اسی لئے کانسٹیبل نے محض احتجاجی انداز میں چیخنے پر اکتفا کی تھی۔ ورنہ اگر یہ حرکت کسی دیسی آدمی سے سرزد ہوئی ہوتی تو اُسے ماں بہن والا ہونے پر ضرور افسوس کرنا پڑتا۔ سنگ ہی کو سڑک کے اس طرف رک جانا پڑا۔ وہ بڑی دیر سے اس پستہ قد غیر ملکی کا تعاقب کر رہا تھا۔ جب ٹریفک کانسٹیبل نے ہاتھ اٹھا کر دوسری طرف کا ٹریفک روک دیا تو سڑک کے کنارے کھڑے ہوئے لوگ دوسری طرف جانے لگے۔

لیکن اب سنگ ہی اپنا شکار کھو چکا تھا۔ سڑک پار کرنے کے بعد اُس نے اسنے ایک پتلی سی گلی

میں گھستے دیکھا تھا اور جتنی دیر اُسے سڑک کے کنارے رکنا پڑا تھا اتنی دیر میں تو وہ نہ جانے کہاں جا نکلا ہوگا۔

پھر بھی سنگ ہی نے ہمت نہ ہاری۔ وہ بھی اُسی گلی میں گھس گیا۔

شام ہوگئی تھی لیکن ابھی اندھیرا نہیں پھیلا تھا۔ سنگ ہی گلی پار کر کے دوسری سڑک پر آنکلا لیکن وہ پستہ قد غیر ملکی کہیں نہ دکھائی دیا۔

سنگ ہی اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا ایک چھوٹے سے بار میں گھس گیا۔ کاؤنٹر پر اس نے بیئر کا ایک جگ طلب کیا اور کھڑے ہی کھڑے پینے لگا۔

وہ میزوں پر بیٹھے ہوئے لوگوں کا جائزہ لے رہا تھا پھر اس کی نظریں ایک موٹی سی ادھیڑ عمر دیسی عیسائی عورت پر جم گئیں۔ اُس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی وہ بیئر کا جگ ہاتھ میں لئے ہوئے آہستہ آہستہ اُس کی طرف بڑھا۔

"آہا! ماسٹر سنگ۔" عورت اُسے دیکھ کر اچھل پڑی۔

سنگ ہی نے جواباً مسکرا کر اُسے آنکھ ماری۔ پھر وہ بھی کرسی کھینچ کر اُسی میز پر بیٹھ گیا۔

"کہاں! کہاں ڈھونڈا ہے تمہیں۔" وہ ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔

"مت بیوقوف بناؤ۔"

"اس طرح ٹالو مت۔" سنگ ہی مسکرا کر بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ آج کل تمہارا کاروبار امریکنوں سے ہے۔"

"کیسا کاروبار۔" عورت بگڑ کر بولی۔

"لڑکیوں کا۔"

"ایک شریف عورت کو الزام نہ دو۔"

"اس شریف مرد کا بھی خیال رکھو تو ایسا کیوں ہو۔"

"تم ہمیشہ بے تکی باتیں کرنے لگتے ہو۔"

"میں مرتے دم تک تم سے محبت کرتا ہوں گا۔" سنگ ہی نے مغموم لہجے میں کہا۔ عورت کچھ نہ بولی۔ وہ چند لمحے سنگ ہی کو گھورتی رہی پھر کہا۔ "تم چاہتے کیا ہو۔"

"آہ.... بہت کچھ.... بس ایک بار کہہ دو کہ مجھے بھی تم سے محبت ہے۔"

موٹی عورت نے بے ساختہ جھینپنے کی ایکٹنگ شروع کر دی اور سنگ ہی یہ ظاہر کرنے لگا جیسے اس کی ہر ہر ادا پر اس کا مرڈر ہوا جا رہا ہو۔

"تم بڑے سور ہو۔" موٹی عورت نے آنکھیں جھپکا کر آہستہ سے کہا۔

"ذرا میں اپنے کام سے فرصت پالوں تو تمہیں بتاؤں کہ محبت کسے کہتے ہیں۔ چینیوں کے یہاں محبت کرنا بھی آرٹ ہے۔"

"مجھے آج تک یہی نہیں معلوم ہو سکا کہ تم کام کیا کرتے ہو۔"

"کام سے میری مراد یہ ہے کہ مجھے ایک آدمی سے نپٹنا ہے۔"

"لڑائی جھگڑا۔"

"ہاں... وہ کم بخت فارموسا سے میری بھتیجی کو بھگا لایا ہے۔ ہم چینی اسے بہت بُرا سمجھتے ہیں۔"

"کون ہے؟ کیا وہ اسی شہر میں ہے؟" عورت نے پوچھا۔

"ہاں! لیکن افسوس میں یہ نہیں جانتا کہ اس کا قیام کہاں ہے وہ ایک امریکن ہے۔ چھوٹے سے قد کا بھاری بھرکم آدمی۔ داہنے گال پر ایک بڑا سا نیلگوں دھبہ ہے۔"

"اوہ....!" عورت کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "اگر میں اس کا پتہ بتا دوں تو۔"

"میں تم پر اپنی جان قربان کر دوں۔"

"مگر اس کے ساتھ کوئی عورت نہیں وہ تنہا ہے۔"

"کہاں ہے وہ!" سنگ ہی نے غضب آلود لہجے میں کہا۔ "اُس نے اُسے کہیں اور چھپایا ہوگا.... وہ جانتا ہے کہ لڑکی کا چچا سنگ ہی یہیں موجود ہے۔"

"جس حلئے کے امریکن کا تذکرہ تم نے کیا ہے وہ نیاگرا ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہے۔"

"شکریہ! میں مرتے دم تک تمہاری محبت سے منہ نہ موڑوں گا۔"

"بس رہنے دو.... ہر جائی کہیں کے۔" موٹی عورت لچکنے کی کوشش میں تھلتھلا کر رہ گئی۔

"اچھا مری جان! کل اسی وقت یہیں ملیں گے۔" سنگ ہی نے کہا اور اُس کے موٹے اور بھدے ہاتھ کا بوسہ لے کر کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔

قریب کی میزوں پر چند اوباش قسم کے لوگوں نے قہقہے لگائے اور وہ جھینپ کر چھت کی طرف دیکھنے لگی۔

سنگ ہی جا چکا تھا۔ لوگ اب تک عورت پر آوازیں کس رہے تھے۔ اُسے وہاں بیٹھنا محال ہو گیا۔ وہ بھی اٹھی اور دروازے سے نکل ہی رہی تھی کہ ایک قد آور خوبصورت نوجوان نے اس کا راستہ روک لیا۔

"کیا ہے۔" عورت جھنجھلا کر بولی۔ "میں آپ کو نہیں جانتی۔"

"ٹھیک ہے۔" نوجوان مسکرایا۔ "میں تمہارا کوئی گاہک نہیں، سی آئی ڈی کا ایک آفیسر ہوں۔"

"کیا.... مم.... مطلب۔" عورت گھبرا کر دو چار قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"میرے ساتھ آؤ۔" فریدی نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

عورت چپ چاپ اُس کے پیچھے چلنے لگی۔

"بیٹھو۔" فریدی نے کیڈی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ عورت نے تعمیل کی۔ فریدی بھی اس کے برابر بیٹھ گیا اور کیڈی چل پڑی۔

"میں تمہارے کاروبار کے متعلق پوچھ گچھ نہ کروں گا۔" اس نے نرم لہجے میں کہا۔

عورت کچھ نہ بولی۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار بدستور طاری رہے۔

"تم سنگ ہی کو کب سے جانتی ہو۔"

"دو سال سے۔"

"اس وقت اس سے کیا گفتگو ہوئی ہے۔"

"کچھ بھی نہیں! ادھر اُدھر کی۔"

"خیر نہ بتاؤ.... لیکن اگر آج کل میں کوئی غیر ملکی قتل کر دیا گیا تو میں تم سے ضرور جواب طلب کروں گا۔"

"جی....!" عورت کا منہ حیرت سے کھل گیا اور آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔

"ہاں.... میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔"

"ہولی فادر۔" عورت خوفزدہ آواز میں چیخی۔ "کیا وہ اُسے مار ڈالے گا۔"

"یہ حرکت بھی اس کے لئے کچھ دشوار نہ ہو گی۔"

"میں نے دیدہ دانستہ اُسے کچھ نہیں بتایا۔" عورت جلدی سے بولی۔ "میں سمجھی تھی شاید صرف اپنی بھتیجی کا مطالبہ کرے گا۔"

"بھتیجی کا مطالبہ....!" فریدی نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں.... اس نے کہا تھا کہ وہ اس کی بھتیجی کو فارموسا سے بھگا لایا ہے۔"

"خوب! لیکن وہ ہے کون۔"

"ایک امریکن.... پستہ قد اور بھاری بھرکم.... داہنے گال پر نیلگوں دھبہ ہے۔"

"کیا تم نے اس کا پتہ بتا دیا۔"

"جی ہاں.... میں یہ نہیں جانتی تھی کہ....!"

"وہ ہے کہاں؟"

"نیاگرا ہوٹل میں۔"

"اس کے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔"

"نہیں میرا خیال ہے کہ وہ بالکل تنہا ہے۔ میں نے کوئی چینی لڑکی اس کے ساتھ نہیں دیکھی۔"

"کوئی مرد۔"

"نہیں میں نے اُسے ہمیشہ تنہا دیکھا ہے۔"

"اچھا.... اس ملاقات کا تذکرہ سنگ ہی سے نہ کرنا ورنہ نتیجے کی تم خود ذمہ دار ہو گی۔ میرا ایک آدمی ہر وقت تمہاری نگرانی کرے گا۔"

فریدی نے کیڈی روک دی اور وہ اُتر گئی۔

❁

نیاگرہ ہوٹل کی عمارت شہر سے باہر ایک پُر فضا مقام پر واقع تھی۔ یہ بہت ہی اونچے قسم کا ہوٹل تھا اور یہاں کم از کم متوسط طبقہ کے لوگوں کی رسائی قریب قریب ناممکن تھی۔ سنگ ہی کی ٹیکسی بڑی تیز رفتاری سے نیاگرا ہوٹل کی طرف جا رہی تھی۔ عورت سے گفتگو کرنے کے بعد وہ سیدھا لوتھر کی کوٹھی گیا تھا اور وہاں اپنے انتظامات مکمل کر کے پھر شہر کی طرف واپس آ گیا تھا۔ یہاں اس نے نیاگرا ہوٹل کے لئے ٹیکسی لی۔

رات کے آٹھ بج چکے تھے اور نیاگرا ہوٹل کا ڈائننگ ہال بھرا ہوا تھا۔ شاید ہی کوئی میز خالی رہی ہو۔ جیسے ہی سنگ ہی ڈائننگ ہال میں داخل ہوا ہیڈ ویٹر نے آگے بڑھ کر مودبانہ کہا۔

"جناب والا کے لئے لان پر انتظام کیا جاسکتا ہے۔"

"اوہ شکریہ.... ہیڈ.... مجھے صرف ایک صاحب کی تلاش ہے۔ میں ان کا نام بھول گیا.... وہ یہیں مقیم ہیں۔"

"نام بھول گئے.... تب تو مشکل ہے اور کوئی خدمت۔"

"لیکن میں حلیہ بتا سکتا ہوں۔ آج ہی ملاقات ہوئی تھی۔ امریکن ہیں۔ پستہ قد بھاری جسم داہنے گال پر نیلگوں دھبہ۔"

ہیڈ ویٹر بے اختیار مسکرا پڑا اور اس کی مسکراہٹ نے سنگ ہی کو الجھن میں ڈال دیا۔ وہ اس مسکراہٹ کا مطلب قطعی نہ سمجھ سکا۔ مگر اُس مسکراہٹ میں کوئی غیر معمولی بات ضرور تھی۔

"آپ شائد مسٹر ہارڈی کو پوچھ رہے ہیں۔" بالآخر ہیڈ ویٹر نے کہا۔

"ہارڈی! ہارڈی۔" سنگ ہی سر ہلا کر بولا۔ "بے شک وہی! اب نام یاد آ گیا۔"

"وہ تیسری منزل پر کمرہ نمبر چوراسی میں ہیں۔"

"شکریہ ہیڈ۔" سنگ ہی نے دس کا ایک نوٹ جیب سے نکال کر اسکی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں جناب.... اس کی ضرورت نہیں۔ میں نے کوئی بڑی خدمت انجام نہیں دی شکریہ۔" ہیڈ ویٹر دوسری طرف مڑ گیا۔

سنگ ہی نے ایک طویل سانس لے کر نوٹ کو پھر جیب میں ڈال لیا۔

لفٹ تیسری منزل کی راہداری میں رک گئی اور سنگ ہی باہر نکل کر چوراسی نمبر کے کمرے کی طرف بڑھا۔ اس کا داہنا ہاتھ کوٹ کی جیب میں تھا اور بائیں ہاتھ سے اس نے دروازے پر دستک دی۔

"آجاؤ۔" اندر سے آواز آئی۔

سنگ ہی دروازے کو دھکا دے کر اندر گھسا لیکن اس کے قدم لڑکھڑا گئے اور داہنا ہاتھ جیب سے نکل کر نیچے کی طرف جھول گیا۔

سامنے فریدی کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"سنگ....!" فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ وہ میرے پہنچنے سے قبل ہی یہاں سے چلا گیا۔"

"کون! میں نہیں سمجھا۔"

فریدی نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "کیا تمہیں ہیڈ ویٹر نے نہیں بھیجا۔ میں نے ہی اُسے ہدایت کی تھی کہ اگر کوئی ہارڈی کو پوچھتا ہوا آئے تو اسے اس کمرہ میں بھیج دینا۔"

"میں کسی ہارڈی کو نہیں جانتا۔ مجھ سے تو یہ کہا گیا تھا کہ وہ کمرہ خالی ہے۔"

"خوب مگر تمہارا سامان کہاں ہے۔"

"فقیروں کا کوئی سامان نہیں ہوتا۔" سنگ ہی نے درویشانہ انداز میں مسکرا کر کہا۔

"خیر چھوڑو سنگ۔" فریدی ہاتھ ہلا کر بولا۔ "بیٹھ جاؤ.... ہم دوستانہ فضا میں تھوڑی سی گفتگو کریں گے۔"

"میں ہر طرح حاضر ہوں۔" سنگ ہی نے بڑے اطمینان سے ایک آرام کرسی میں دراز ہو کر کہا۔

"مجھے اُس لاش کے متعلق بتاؤ جو تمہیں انڈس کی زیارت گاہ میں ملی تھی۔"

"آہ کرنل! اگر اُس کے سڑنے کا احتمال نہ ہوتا تو میں ساری زندگی اُسے گلے لگائے رہتا۔ میں نے اُسے بھینچ بھینچ کر پیار کیا تھا۔ وہ لاش تو معلوم ہی نہ ہوتی تھی۔ بس ایسا لگتا تھا جیسے ابھی ابھی سوئی ہے۔ پانچ سو سال بہت ہوتے ہیں۔ مجھے حیرت ہے۔ اس نے بغیر آستینوں والا سیاہ اُون کا لباس پہن رکھا تھا اور پیروں میں ہرن کی کھال کے سینڈل تھے اور چاندی کے زیورات۔ ہائے وہ مجھے بہت یاد آتی ہے۔ میں نے آج تک ایسی معصومیت اور سپردگی کا انداز کسی زندہ لڑکی میں بھی نہیں دیکھا۔ کرنل مجھے وہ مرتے دم تک یاد رہے گی۔ کاش ہم اُسے برف سے نہ نکالتے اور کم از کم میں زندگی بھر وہیں بیٹھا اُسے دیکھتا رہتا۔"

"مگر سنگ ہی! مجھے داستان کے اس ٹکڑے سے بالکل دلچسپی نہیں۔"

ایک اور سازش

"ہائے کرنل! داستان کا یہی ٹکڑا تو میری زندگی کا حاصل ہے۔" سنگ ہی نے آہ بھر کر کہا۔

"یہ بالکل بکواس ہے۔" فریدی نے سگار سلگا کر کہا۔ "مثال کے طور پر اگر میں تم سے ہارڈی

یا جو کچھ بھی اس کا نام ہو اس کے متعلق دریافت کرنا شروع کر دوں تو تم بہت دیر بعد بتاؤ گے کہ وہ تمہاری کسی بھتیجی کو فار موسا سے بھگا لایا ہے۔ حالانکہ یہ سو فیصد جھوٹ ہوگا۔"

سنگ ہی کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ لیکن پھر اس نے جلد ہی اپنی حالت پر قابو پا لیا۔

"میں کسی ہارڈی کو نہیں جانتا۔"

"زیادہ اڑنے کی کوشش نہ کرو۔"

"آپ کو یقین ہی نہیں آتا۔"

"مجھے تو اس پر بھی یقین نہیں کہ وہ لاش اتفاقاً دریافت ہوئی تھی۔"

"تب تو آپ کسی دن میرے وجود سے بھی انکار کر دیں گے۔" سنگ ہی مسکرا کر بولا۔

"بے شک جس دن میرے ریوالور کا رخ تمہاری طرف پھر گیا۔"

"ارے! میرے لئے ریوالور۔ غریب سنگ ہی تو چٹکی سے مسلا جا سکتا ہے۔"

"خیر.....!" فریدی لاپروائی سے بولا۔ "ایک دن تم سب کچھ اگل دینے پر مجبور ہو گے۔"

"میں آپ کے سامنے ہر وقت مجبور ہوں اور اب اپنی زندگی سے ایسا تنگ آ گیا ہوں کہ کسی دن خودکشی کر لوں گا۔"

"ہو سکتا ہے کہ کوئی دوسرا اس پر یقین کر لے۔"

"یقین مانئے کرنل! میں بڑا ستم رسیدہ آدمی ہوں۔ ایک ایسا آدمی جسے ناکردہ گناہی پر جلاوطن کر دیا گیا۔ بیچارہ سنگ ہی جو ایک بھکشو تھا اور گاؤں گاؤں گھوم کر مہاتما بدھ کی تعلیمات کا پرچار کیا کرتا تھا۔"

"بہت خوب۔" فریدی مسکرایا۔

"بدنام اتنا ہوں کہ اپنی موجودہ ملازمت بھی نہیں ترک کر سکتا۔ مجھے کون رکھنا پسند کرے گا۔ لوتھر بڑا ظالم آدمی ہے۔ دن بھر میں دس پانچ ہنٹر جھاڑ دینا تو کوئی بات ہی نہیں، جو کچھ بھی وہ کہتا ہے مجھے کرنا پڑتا ہے۔ نہ جانے کس بات پر چند پُر اسرار غیر ملکیوں سے دشمنی مول لے بیٹھا اور اب میری جان ہر وقت سولی پر لٹکتی رہتی ہے۔ انہوں نے اس کے تین آدمیوں کا صفایا بھی کر دیا ہے۔"

"لیکن دشمنی کی وجہ۔"

"غریب سنگ ہی کیا بتا سکتا ہے۔ وہ تو بس حکم کا غلام ہے۔ تاش کا ایک معمولی پتہ جسے لوتھر ایک دن کسی بڑی بازی میں جھونک کر ہمیشہ کے لئے ختم کر دے گا۔"

"اچھا سنگ! میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ تم اب جا سکتے ہو۔" فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

سنگ ہی کرسی سے اٹھ کر احتراماً جھکا اور اس طرح الٹے قدموں سے چلتا ہوا کمرے سے نکل گیا کہ اس کی پشت فریدی کی طرف نہ ہو۔ فریدی اس کی اس حرکت کا استہزائیہ انداز بُری طرح محسوس کرنے کے باوجود بھی خاموش رہا۔

❁

"جی ہاں" میکی یا حمید لوتھر سے فخریہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ "میرے دادا نے ایک بار ہوائی بندوق سے شیر کا شکار کیا تھا۔"

لوتھر ہنسنے لگا اور سارہ نے بھی قہقہہ لگایا۔ سنگ ہی اس وقت موجود نہیں تھا اس لئے دونوں دل کھول کر قہقہے لگا رہے تھے اور حمید نے بھی یہ بات محسوس کر لی تھی کہ لوتھر سنگ ہی کی موجودگی میں کچھ بدحواس سا رہتا ہے اس کا ذہن کہیں اور ہوتا ہے اور جسم کہیں اور۔ بالکل خالی الذہنی کا سا انداز۔

"شاید آپ غلط سمجھے ہیں۔" حمید نے لوتھر سے کہا۔ "بظاہر یہ بات انہونی ہے مگر ناممکن بھی نہیں۔ اب یونہی سمجھ لیجئے کہ اگر پریس اور وائرلیس کے وسائل نہ ہوتے تو آپ کے جنوبی امریکہ والے کارنامے پر کسے یقین آتا۔ میرے خدا پانچ سو سال پرانی لاش اور بہتر حالت! یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"برف میں ہزاروں سال تک لاشیں محفوظ رہ سکتی ہیں۔" لوتھر نے کہا۔

"میں یہ نہیں کہتا کہ مجھے یقین نہیں ہے۔ ساری دنیا کا پریس تو جھوٹ بولنے سے رہا اور پھر میری نظروں میں ایک دوسرا پُر اسرار واقعہ ہے، جو غالباً اسی سلسلے کی کوئی کڑی ہو۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔" لوتھر کے کان کھڑے ہو گئے۔

"آپ کے تین کوہ پیماؤں کی پُر اسرار موتیں.... نیلی لکیریں۔" حمید نے کہا اور سارہ کو وہاں سے کھسک جانے کا اشارہ کر کے پھر لوتھر کی طرف دیکھنے لگا۔

"حالات پُر اسرار ضرور ہیں۔" لوتھر نے کہا۔ "لیکن میں نہیں جانتا ہوں کہ نیلی لکیر والا

حربہ جنوبی امریکہ ہی کی چیز ہے! وہاں کے بعض غیر مہذب اور قدیم باشندے اب بھی اس کا استعمال کرتے ہیں۔"

"میکی کیا تم بھی بور کرو گے۔" سارہ جھنجھلا کر بولی۔ "میں تنگ آ گئی ہوں ان تذکروں سے۔"

"مجھے تو ایسے معاملات سے بڑی دلچسپی ہے۔" حمید نے کہا۔

"تو جہنم میں جاؤ۔" سارہ نے اٹھتے ہوئے کہا اور بظاہر غصے میں بھری ہوئی باہر نکل گئی۔

حمید ہنسنے لگا۔ لوتھر بھی جواباً مسکرایا۔ لیکن محض ہونٹوں کے پھیلاؤ کو تو مسکراہٹ کہہ نہیں سکتے۔ لوتھر کچھ سراسیمہ سا نظر آنے لگا تھا۔

"تم کیسے جانتے ہو۔" اُس نے حمید کو ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ کر کہا۔ "میرا خیال ہے کہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ مجھے زہروں اور اُن کے استعمال کے طریقوں سے بڑی دلچسپی ہے۔ اس سلسلے میں میں نے لاتعداد کتابیں پڑھی ہیں۔ میں نے ان لکیروں کے متعلق بھی کہیں پڑھا تھا۔ دیکھئے مجھے اُس قبیلے کا نام نہیں یاد آ رہا ہے جس کے افراد اب بھی اس طریقے کو استعمال میں لاتے ہیں۔ شائد بوریاں.... نہیں بورسین.... کچھ اسی قسم کا نام ہے اس قبیلے کا.... اوہ ٹھیک یاد آ گیا.... گورگین قبیلہ۔"

"تمہاری معلومات بہت وسیع معلوم ہوتی ہیں۔" لوتھر نے کہا۔

"بس پڑھنے کا شوق ہے مجھے۔"

لوتھر کچھ نہ بولا۔ وہ خلاء میں گھور رہا تھا اور اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ وہاں کے قدیم باشندے آپ کے اس فعل پر ناراض ہو گئے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"کیا....!" لوتھر چونک پڑا۔ اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

"کچھ نہیں۔" حمید نے کہا۔ "میرے ذہن میں سیکس روہمر کا ایک ناول تھا۔ آپ نے فو مانچو کی خالا تو پڑھا ہی ہو گا۔"

"نہیں میں نے نہیں پڑھا۔"

"اچھا ہی ہوا نہیں پڑا ورنہ آپ بہت بور ہوتے۔ اس سے بڑا بور مصنف آج تک میری

نظروں سے گذرا ہی نہیں۔ اگر آپ کو مزید بور ہونے کی خواہش ہو تو اس کا ناول مقدس جوتا ضرور پڑھئے۔ مجھے تو ناول نویس کی بجائے کسی مویشی خانے کا منشی معلوم ہوتا ہے۔"

لوتھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اچانک انہوں نے ایک تیز قسم کی چیخ سنی اور یہ چیخ سارہ کے علاوہ کسی کی نہیں ہو سکتی تھی۔

دونوں بوکھلا کر اٹھے۔ چند نوکر پائیں باغ کی طرف بھاگ رہے تھے۔

"جناب اُدھر۔" ایک نوکر بے تحاشہ چیختا ہوا بائیں بازو کے ویران کمروں کی طرف بھاگ رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں کافی افراتفری مچ گئی۔

لیکن سارہ کا کہیں پتہ نہیں تھا۔

"میں نے دیکھا تھا۔" ایک نوکر ہانپتا ہوا کہہ رہا تھا۔ "وہ تین تھے۔ یہاں اندھیرا تھا.... مس صاب.... برآمدے میں تھیں۔"

"ارے تو وہ کہاں گئی۔" لوتھر اُسے جھنجھوڑ کر بولا۔

"وہ لے گئے۔"

"اوہ کم بخت اور تم منہ دیکھتے رہے۔"

"میں کچھ سمجھا ہی نہیں صاحب۔"

وہ نوکر جو بائیں بازو کی طرف دوڑا تھا واپس آیا۔

"غائب! سب غائب۔ وہاں کوئی بھی نہیں۔" نوکر نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"کیا بک رہا ہے۔" لوتھر حلق پھاڑ کر چیخا۔

"صاحب وہ ادھر ہی گئے تھے۔"

حمید وغیرہ بائیں بازو والے کمروں کی طرف دوڑے۔ مگر وہاں بھی سناٹا تھا۔

حمید نے قد آدم جھاڑیوں کا گوشہ گوشہ دیکھ ڈالا۔ مگر سارہ کہیں نہ ملی اور نہ یہی معلوم ہوا تھا کہ ادھر کوئی آیا ہے۔

آخر حمید کو چہار دیوار کا ٹوٹا ہوا حصہ دکھائی دیا، جو قد آدم جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھا۔ وہ اس میں سے ہو کر باہر نکلا۔ لوتھر بھی اس کے ساتھ تھا۔

ادھر ایک ناہموار سا میدان تھا۔ یہاں ایک جگہ کیچڑ میں کسی کار کے پہیوں کے تازہ نشانات

نے ان پر حقیقت واضح کر دی۔

لوتھر بے تحاشا اپنا سر پیٹ پیٹ کر سنگ ہی کو گالیاں دے رہا تھا۔

"اس کا اسمیں کیا قصور ہے۔" حمید نے حیرت سے پوچھا۔ "وہ بیچارا تو موجود بھی نہیں تھا۔"

"ارے وہ۔" لوتھر ہوا میں مکا لہرا کر بولا۔ "میں اس حرامزادے کی ہڈیاں چبا ڈالوں گا۔"

"بہتر یہ ہے کہ آپ پولیس کو فون کیجئے۔" حمید نے رائے دی۔

❁

لوتھر کوٹھی میں واپس چلا گیا تھا۔ اُسے چکر پر چکر آ رہے تھے۔ وہیں کئی بار گرتے گرتے بچا تھا۔ اس لئے حمید نے اسے کوٹھی میں بھیج دیا تھا اور کار کے پہیوں کے نشانات کو دیکھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ جہاں کیچڑ نہیں تھا وہاں کچلی ہوئی گھاس رہنمائی کر رہی تھی لیکن اس قسم کے نشانات صرف وہیں تک ملے جہاں تک کار سڑک پر نہیں چڑھی۔ پھر اُس کے بعد محض کار کا رخ ہی معلوم ہو سکا۔ حمید کافی دیر تک سڑک پر کھڑا اِدھر اُدھر دیکھتا رہا پھر وہ بھی کوٹھی میں واپس آ گیا۔ یہاں لوتھر کی عجیب حالت تھی۔ کبھی وہ غصہ میں دہاڑتا تھا اور کبھی بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتا تھا۔

"کیا پولیس کو اطلاع دی گئی۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں....!" لوتھر گھٹی ہوئی آواز میں بولا۔

"تو میں فون کرنے جا رہا ہوں۔"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔" لوتھر جلدی سے بولا۔

"کیا....!" حمید نے حیرت سے کہا۔ "آپ پولیس کو اطلاع نہیں دیں گے۔"

لوتھر کچھ نہ بولا۔ اب وہ بالکل خاموش ہو گیا تھا۔ حمید نے ایک بار پھر اپنا سوال دہرایا۔

"نہیں۔" لوتھر جھنجھلا کر بولا۔ "اپنے معاملات خود طے کر سکتا ہوں۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔" حمید نے کہا۔ "اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ آپ ان لوگوں سے واقف ہیں جنہوں نے یہ حرکت کی ہے۔"

"تم خاموشی سے اپنا کام کرو۔ تمہیں ان معاملات سے سروکار نہ ہونا چاہئے۔" لوتھر نے تلخ لہجے میں کہا۔

"میں ہرگز خاموش نہیں رہ سکتا۔ سارہ میری دوست ہے۔"

"میری بیٹی ہے۔" لوتھر گرج کر بولا۔

"اس کے باوجود بھی آپ....!"

"خاموش رہو۔"

حمید خاموش ہو گیا۔

اتنے میں سنگ ہی بوکھلایا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

"یہ نوکر کیا کہہ رہے ہیں۔" اس نے آتے ہی لوتھر سے سوال کیا۔

"تم....!" لوتھر غرا کر کھڑا ہو گیا۔ چند لمحے سنگ ہی کو غضب آلود نظروں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "میرے ساتھ آؤ۔"

وہ دونوں حمید کو کمرے میں تنہا چھوڑ کر چلے گئے۔

❁

"کم بخت! حرامزادے۔" لوتھر نے دوسرے کمرے میں پہنچتے ہی سنگ ہی کی گردن دبوچ لی۔

سنگ ہی اس کی گرفت سے نکل کر دور جا کھڑا ہوا اور جیب سے ریوالور نکال کر اُس کا رخ لوتھر کی طرف کرتے ہوئے کہا۔ "تم مجھے حرامزادہ بلاشبہ کہہ سکتے ہو لیکن میں کم بخت کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ کم بخت ہوتا تو میرے دشمن خوفزدہ چوہوں کی طرح دم نہ دباتے پھرتے۔"

"سارہ کہاں ہے۔" لوتھر حلق پھاڑ کر چیخا۔

"اوہ.... تو تم یہ سمجھ رہے ہو۔" سنگ ہی نے سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن میرے فرشتوں کو بھی خبر نہیں۔"

"تم جھوٹے ہو۔"

"لیکن اس وقت سچ بول رہا ہوں۔ لوتھر بچے نہ بنو۔ اس میں انہیں سفید سوروں کا ہاتھ کام کر رہا ہے۔ وہی اُسے لے گئے ہیں اور شائد اب تمہیں اس طرح دھمکائیں گے، جہاں تک سارہ کی زندگی کا سوال ہے، وہ محفوظ رہے گی۔"

لوتھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔

"بہتر یہی ہو گا کہ اس مسئلے میں فی الحال اپنی زبان بند رکھو۔" سنگ ہی نے کہا۔

"نوکروں کو سمجھانے کی کوشش کرو کہ سارہ نے مذاق کیا ہے۔"

"مگر وہ سور کا بچہ میکی۔" لوتھر اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔ "وہ کہتا ہے کہ حالات پُر اسرار ہیں اور یہ بھی کہتا ہے کہ پولیس کو ضرور اطلاع دی جائے۔"

سنگ ہی نے ایک طویل سانس لے کر ریوالور جیب میں ڈال لیا اور لوتھر کو بیٹھنے کا اشارہ کرتا ہوا خود بھی بیٹھ گیا۔ اس کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

"تب تو معاملہ بہت آسان ہو گیا ہے۔" اُس نے کہا۔ "میں آج رات کو اس کا صفایا کر دوں۔"

"کیا.... نہیں نہیں۔" لوتھر کانپ گیا۔

"بکواس ہے۔" سنگ ہی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اگر اُسے زندہ رکھا گیا تو ہمیں ایک نئی الجھن میں مبتلا ہونا پڑے گا۔"

"تم بہت بڑھنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"پتہ نہیں تم اُسے اتنی اہمیت کیوں دیتے ہو۔" سنگ ہی نے کہا۔ "میرے لئے قتل کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے میں نے کوئی وزنی بنڈل ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھ دیا اور اس کے بعد میں اس طرح تفریح میں مشغول ہو جاتا ہوں جیسے دن بھر کی تھکن دور کر رہا ہوں اور دوسرے دن مجھے یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ کل میں نے کسی کو قتل کیا تھا۔"

"نہیں سنگ نہیں۔ میں یہ اپنے گھر میں نہیں ہونے دوں گا۔"

"حالانکہ اُس دن انہیں لوگوں کا ایک ساتھی یہیں اسی گھر میں مارا گیا تھا۔"

"مجھے اس کے متعلق بھی بعد کو معلوم ہوا تھا۔"

"کیا تم نے بہت دیر سے شراب نہیں پی۔" سنگ ہی نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

پھر اُس نے اٹھ کر الماری سے شیمپین کی بوتل اور دو گلاس نکالے۔ انہیں میز پر رکھتا ہوا بولا۔

"جب تم پر نامردی کا حملہ ہو تو ایک بڑا پیگ ضرور لے لیا کرو۔"

لوتھر کچھ نہ بولا۔ اس نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا۔

"اُس سے کیا باتیں ہوئی تھیں۔" سنگ ہی نے پوچھا۔

لوتھر نے مختصر الفاظ میں سب کچھ دہرایا۔ اُس گفتگو کا بھی تذکرہ کیا جو پانچ سو سال پرانی لاش کے متعلق ہوئی تھی۔

"ہوں اچھا....!" سنگ ہی نے اپنے لئے دوسرے گلاس میں سائیفن سے سوڈا ملاتے ہوئے کہا۔ "میری اسکیم یہ ہے آج رات کو میں اُس کا خاتمہ کر دوں اور تم صبح رپورٹ لکھا دو کہ وہ اور تمہاری لڑکی کہیں فرار ہو گئے ہیں اور دس ہزار روپیہ بھی غائب ہے۔"

"کیا بکواس ہے.... میں اپنی لڑکی کے لئے یہ لکھاؤں گا۔"

"کیا ہرج ہے۔ اصل معاملے کی پردہ پوشی بھی ہو جائے گی اور نوکروں کو میں ٹھیک کر لوں گا۔"

"نہیں.... میں یہ نہ کر سکوں گا۔"

"لیکن اُس لونڈے کو تو راستے سے ہٹانا ہی پڑے گا۔"

"میرے گھر میں نہیں۔"

"کیا آج تک ایسا بھی ہوا ہے کہ سنگ ہی کا سوچا ہوا پورا نہ ہو۔" سنگ ہی نے سوالیہ انداز میں کہا۔

قفل میں موت

فریدی نے کیڈی سڑک کے کنارے کھڑی کر دی۔ رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ اُس نے ادھر اُدھر نظر ڈالی۔ خال خال دوکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے فریدی کے ذہن میں ایک سے زیادہ مسائل ہوں۔

وہ ایک دوا فروش کی دوکان میں گھسا۔ فون کا ریسیور اٹھا کر کسی کے نمبر ڈائیل کئے۔

"ہیلو....!" اُس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "کون.... آر.... ہاں.... میں بول رہا ہوں۔ اے۔ کے۔ ایف.... کیا خبر ہے۔"

"نگرانی ہو رہی ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "لیکن ایک نیا واقعہ کچھ نامعلوم آدمی.... اس عمارت سے ایک لڑکی کو زبردستی اٹھا لے گئے۔ سارجنٹ ونود نے اُن کا تعاقب کیا۔ وہ لوگ اس لڑکی کو ریکس اسٹریٹ کے برکلے ہاؤز میں لے گئے ہیں۔ ونود وہیں موجود ہے۔"

"بہت اچھے! تم لوگ بہترین کام کر رہے ہو۔ میں بہت خوش ہوں۔ ونود کو وہیں رہنا

چاہئے۔"

فریدی نے ریسیور رکھ کر کال کے پیسے ادا کئے اور باہر نکل آیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اب حمید کو لوتھر کی کوٹھی سے بلا لینا چاہئے۔ لیکن لڑکی اٹھانے والے کون ہو سکتے ہیں؟ کیا سنگ ہی کی کوئی سازش؟ پھر اچانک اُسے ان غیر ملکیوں کا خیال آ گیا۔ کہیں یہ ان کی حرکت تو نہیں؟ اگر ایسا ہے تب تو ان کی قیام گاہ کا پتہ چل گیا۔ برکلے ہاؤز.... اس نے کیڈی اسٹارٹ کی اور اسے ریکسن اسٹریٹ کے راستے پر ڈال دیا۔

❁

حمید کے فرشتوں کو بھی اس بات کا علم نہیں تھا کہ فریدی نے اُس کے یہاں آنے کے بعد سے کوٹھی کی نگرانی شروع کرا دی ہے۔

حمید کو لوتھر کے رویے نے الجھن میں ڈال دیا تھا، جیسے ہی وہ سنگ ہی کو ساتھ لے کر کمرے سے نکلا۔ حمید کی الجھن اور بڑھ گئی۔ اُسے یقین ہو گیا کہ دونوں سر جوڑ کر اسی کے متعلق کوئی مشورہ کریں گے۔

حمید ایک طرح سے اُن کے ایک راز میں شریک ہو گیا تھا۔ جسے وہ کسی قیمت پر بھی برداشت نہ کر سکتے اور اسے اس کا علم بھی تھا کہ سنگ ہی کتنا خطرناک آدمی ہے۔ اُسے ایک رات اس کا تجربہ بھی ہو چکا تھا۔ اس نے کتنی صفائی اور کتنے اطمینان سے سر راہ ایک آدمی کو قتل کر کے اس کی لاش غائب کر دی تھی۔

بہر حال حمید اب خود کو خطرے میں محسوس کر رہا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ اس کی یہ رات کم از کم لوتھر کی چھت کے نیچے بخیر و عافیت گذرنی محال ہے۔ اس لئے اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ ساری رات جاگتا رہے گا۔

وہ اُسی کمرے میں بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر بعد سنگ ہی اور لوتھر بلند آواز میں گفتگو کرتے ہوئے پھر اُسی کمرے میں واپس آئے۔

"اوہ! تم سوئے نہیں ابھی تک۔" لوتھر نے حمید سے کہا۔

"واقعی! آپ پُر اسرار باپ ہیں۔" حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "لیکن میں سارہ کو کوئی جنگلی مرغی نہیں سمجھتا کہ اُسے اس طرح شکار ہو جانے دوں۔"

"کوئی سمجھدار آدمی اسے برداشت نہیں کر سکتا۔" سنگ ہی بولا۔ "میکی صاحب! آپ ہی انہیں سمجھائیے کہ پولیس کو اس کی اطلاع دینی ضروری ہے۔"

"میں پہلے ہی سمجھا چکا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"میرا فیصلہ اٹل ہے۔" لوتھر بولا۔ "میرے چند اصول ہیں انہیں پر کاربند ہوں۔"

"لیکن میں اسے بے اصولا پن سمجھتا ہوں۔" حمید نے کہا۔ "آخر آپ پولیس کو اطلاع کیوں نہیں دینا چاہتے۔"

"ضروری نہیں کہ اپنے نجی معاملات دوسروں کے سامنے لاؤں۔ تم جا کر آرام کرو۔"

"مسٹر لوتھر مجھے افسوس ہے۔" سنگ ہی مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "آپ کو سمجھانا مشکل کام ہے۔"

"بکواس مت کرو۔" لوتھر نے اُسے ڈانٹا اور وہ سہم کر چپ ہو گیا۔

حمید کو سنگ ہی کی ایکٹنگ تو حقیقت معلوم ہوئی لیکن لوتھر کے ڈانٹنے کے انداز کی بناوٹ نہ چھپ سکی۔

"میرا دل تو چاہتا ہے کہ میں اسی وقت یہاں سے چلا جاؤں۔" حمید نے کہا اور رک کر کنکھیوں سے سنگ ہی کے چہرے پر نظر ڈالی جس پر کسی قسم کے جذباتی تغیر کے آثار نہیں تھے۔

پھر اس نے جملہ پورا کر دیا۔ "لیکن جب تک سارہ واپس نہ آ جائے مجھے یہیں رہنا پڑے گا۔"

"رہنے کو میں منع نہیں کرتا.... تم میرے مہمان ہو.... لیکن....!"

"ٹھہریئے۔" سنگ ہی نے لوتھر کی بات کاٹ دی۔ "میرا خیال ہے کہ میکی صاحب چلے ہی جائیں تو بہتر ہے۔"

"کیوں....!" حمید نے اُسے گھور کر دیکھا۔

"کچھ بدمعاش ہمارے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔" سنگ ہی نے کہا۔

"میں کہتا ہوں پولیس....!"

"وہ تو ٹھیک ہے۔" سنگ ہی نے حمید کی بات کاٹ کر کہا۔ "لیکن ذرا سوچئے تو اس میں کتنی بدنامی ہے۔ یہ بات اب میری سمجھ میں آئی ہے کہ کیپٹن لوتھر کا بڑا نام ہے اس کی لڑکی کو لوگ اس کی آنکھوں کے سامنے اٹھا لے جائیں.... ارے توبہ.... توبہ۔"

سنگ ہی اپنا منہ پیٹنے لگا۔

"چپ رہو! حرامزادے۔" لوتھر حلق پھاڑ کر چیخا۔

"حرامزادہ بالکل ٹھیک کہتا ہے۔" سنگ ہی نے بُرا مانے بغیر معمولی لہجے میں کہا۔ "مسٹر نیکی! تم خود سوچو! معاملہ پولیس کے سامنے ہو۔ اخبارات میں موٹی موٹی سرخیاں جمائی گئیں۔ کیا اس سے کیپٹن لوتھر کی ساری شہرت خاک میں نہ مل جائے گی۔"

حمید سنگ ہی کی چالاکی پر عش عش کرنے لگا۔ یہی بہانہ لوتھر بھی کر سکتا تھا۔ لیکن اُسے وقت پر نہیں سوجھی۔

"لیکن وہ لوگ کون ہیں۔" حمید نے کہا۔

"یہ ایک لمبا قصہ ہے۔" سنگ ہی بولا۔ "چند پُراسرار آدمی جو کافی عرصہ سے بھاری رقم کا مطالبہ کر رہے تھے اور انہوں نے یہ دھمکی بھی دی تھی کہ اگر پولیس کو اس کی اطلاع دی گئی تو وہ یا تو کیپٹن کا خون کر دیں گے یا کوئی ایسا نقصان پہنچائیں گے جس کا ازالہ ہی نہ ہو سکے گا۔"

"تو وہی لوگ سارہ کو لے گئے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"ایسی صورت میں اس کے علاوہ اور کیا سوچا جا سکتا ہے۔"

حمید نے لوتھر کی طرف دیکھا، جو سر جھکائے خاموش بیٹھا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے موضوع گفتگو سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔ جیسے وہ کچھ اور سوچ رہا ہو۔ سنگ ہی کی بکواس اس کے کانوں تک پہنچی ہی نہ ہو۔

❁

فریدی کی کیڈی ریکس اسٹریٹ میں رک گئی۔ یہاں بالکل سناٹا تھا لیکن اندھیرا نہیں تھا۔ چونکہ یہاں متمول لوگ رہتے تھے اس لئے روشنی کا دارومدار آسمانی قندیلوں پر نہیں تھا۔

اس نے تین بار کیڈی کی ہیڈ لائیٹس کو جلایا اور بجھایا۔ شائد یہ کسی قسم کا اشارہ تھا کیونکہ اس کے بعد ہی ایک آدمی کیڈی کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔

"ونود....!" فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔

"جی ہاں! میں ہی ہوں۔"

"کیا خبر ہے؟"

"برکلے ہاؤز.... اُس کے بعد سے میں یہیں ہوں۔ نہ کوئی اندر گیا اور نہ کوئی باہر آیا۔"

"تم نے اُن آدمیوں کو دیکھا۔"

"جی ہاں! وہ تین تھے۔"

"کیا ان میں پست قد موٹا بھی تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ ایک آدمی ایسا بھی تھا۔"

"ٹھیک۔" فریدی اپنی ٹھوڑی کھجاتا ہوا بولا۔ "یہ لوگ وہی معلوم ہوتے ہیں جن کی ہمیں تلاش ہے۔ اچھا تم یہیں ٹھہرو۔ کیڈی کا بھی خیال رکھنا۔"

فریدی کیڈی سے اتر آیا۔

پھر وہ تھوڑی دور پیدل چلنے کے بعد ایک عمارت کے سامنے رک گیا۔ یہی برکلے ہاؤز تھا۔ اس کی بعض کھڑکیوں میں گہری نیلی روشنی نظر آ رہی تھی۔

اچانک برآمدے کا ایک دروازہ کھلا اور فریدی اندھیرے میں سرک گیا۔ کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی، جو لحظہ بہ لحظہ دور ہوتی گئی۔

تھوڑی دیر بعد کمپاؤنڈ سے ایک کار نکلی اور سڑک پر رک گئی۔ فریدی کمپاؤنڈ کی دیوار سے چپکا رہا۔ ایک آدمی اگلی سیٹ پر بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔ اس کا چہرہ اندھیرے میں تھا۔

پھر کمپاؤنڈ کے اندر سے کئی قدموں کی آہٹیں سنائی دیں اور تین آدمی باہر آئے۔ اُن میں ایک بوڑھا تھا جسے دو آدمی پکڑ کر کار کی طرف لے جا رہے تھے۔ بوڑھے آدمی کے چہرے پر بھورے رنگ کی ڈاڑھی تھی اور وہ بھی کوئی سفید فام ہی معلوم ہوتا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُس میں خود سے ایک قدم بھی چلنے کی سکت نہ ہو۔ پکڑ کر چلنے والوں میں سے ایک پست قد اور بھاری جسم والا آدمی تھا۔

فریدی نے انہیں حیرت سے دیکھا۔

انہوں نے بیمار بوڑھے کو پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا اور خود بھی بیٹھ گئے۔ کار چل پڑی فریدی تقریباً دوڑتا ہوا اپنی کیڈی تک آیا۔ اس کے پیروں میں کریپ سول جوتے تھے۔ ورنہ قدموں کی آواز سناٹے میں دور دور تک پھیلتی۔

اگلی کار مڑنے نہیں پائی تھی کہ اُس نے کیڈی اسٹارٹ کر دی۔

زیادہ تر سڑکیں قریب قریب ویران ہو چکی تھیں۔ صرف بڑی سڑکوں پر خال خال ایکا آدھ کار یا رات کو چلنے والے ٹرک نظر آجاتے تھے اور یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ اگلی کار بڑی سڑکوں پر مڑ رہی تھی ورنہ شائد تعاقب کامیاب نہ ہوتا۔

❁

دو بج گئے تھے اور حمید ابھی تک جاگ رہا تھا۔ اُس نے کمرہ اندر سے مقفل کر کے پنکھا کھول دیا تھا۔ لیکن روشنی تو اُسے بہر حال گل کرنی ہی پڑی تھی۔ اُس کی جیب میں ٹارچ اور ریوالور موجود تھے اور وہ ہر طرح کے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے پوری طرح تیار تھا۔

اچانک اُسے ایک عجیب طرح کی بو کا احساس ہوا اور ساتھ ہی ناک اور حلق میں جلن سی ہونے لگی۔ بے ساختہ اس نے ٹارچ روشنی کرلی۔ دروازے میں کنجی کے سوراخ سے سفید رنگ کے دھوئیں کی پتلی سی لکیر نکل کر خلاء میں بل کھا رہی تھی۔

حمید نے اچھل کر سوراخ پر انگلی رکھ دی۔ ٹارچ اُس نے بجھادی تھی۔

بڑی دیر سے اسی قسم کے خطرات کے متعلق سوچنے رہنے کے باوجود بھی وہ بوکھلا گیا۔ اس نے دروازے کو اندر سے مقفل کر لیا تھا اور کنجی ہی کے سوراخ سے کوئی مہلک گیس کمرے میں داخل ہو رہی تھی اگر وہ ربر کی پتلی سی نلکی کے ذریعہ داخل کی جارہی تھی تو سوراخ میں کنجی کا لگا نا ممکن اور پھر ہو سکتا ہے۔ دشمن دروازے ہی پر موجود ہو اور اپنی اسکیم کو ناکام ہوتا دیکھ کر کوئی دوسرا حربہ استعمال کر بیٹھے۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے، جتنی گیس اندر داخل ہو چکی تھی اُس نے کمرے کی فضا مکدر کر دی تھی اور حمید کو سانس لینے میں کچھ دشواری محسوس ہو رہی تھی جیسے کسی پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہو۔

اس نے جیب سے کنجی نکال کر سوراخ میں لگانی چاہی لیکن اس کا پہلا ہی خیال درست نکلا۔ سوراخ میں کوئی چیز اڑی ہوئی تھی۔ کنجی نکال کر اُس نے پھر سوراخ پر انگلی رکھ دی۔

ایک بار پھر اس کا دم گھٹنے لگا۔ پتہ نہیں یہ گیس کا اثر تھا یا اس کی گھبراہٹ کا نتیجہ۔ ذرا ہی دیر میں اُسے وہ کمرہ کوئی مقبرہ معلوم ہونے لگا۔

پھر اسی گھبراہٹ کے دوران میں اُسے یاد آیا کہ ٹھیک دروازے کے اوپر ایک روشندان بھی

ہے، لیکن.... کیا وہ اس میں سے نکل سکتا تھا۔ ناممکن.... وہ ہرگز اتنا کشادہ نہیں تھا۔ دوسری طرف کی کھڑکی میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔

حمید بدستور سوراخ پر انگلی رکھے سوچتا رہا۔ اس کے علاوہ اور کر ہی کیا سکتا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ دروازے پر تھا اور دوسرے سے اس نے ریوالور سنبھال رکھا تھا۔ اسے یقین تھا کہ دشمن تھوڑی دیر بعد اپنی اس حرکت کا نتیجہ معلوم کرنے کے لئے ضرور آئے گا۔

حمید کا خیال درست نکلا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے راہداری میں ہلکی سی آواز سنی۔ غالباً کوئی دبے پاؤں اسی طرف آرہا تھا۔ قدموں کی آوازیں ٹھیک دروازے کے سامنے رک گئیں اور پھر وہی اکتا دینے والا سناٹا طاری ہو گیا۔

لیکن ذرا ہی دیر بعد دوسرے قسم کی آوازیں شروع ہو گئیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی دروازے کے تالے کے اسکریو نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

حمید نے سوراخ پر سے انگلی ہٹالی۔ وہ ٹارچ روشن کرنے کی ہمت تو نہ کر سکا لیکن اندازہ یہی لگایا کہ اب اُس سوراخ سے گیس نہیں خارج ہو رہی ہے۔

تالے کے اسکریو بہت احتیاط اور آہستگی کے ساتھ نکالے جارہے تھے۔

تالا چونکہ اندر سے بند تھا اس لئے باہر سے دروازہ کھولنے کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں تھا کہ اسکریو نکال کر وہ تالا ہی دروازے سے الگ کر دیا جائے۔

ہر دوسرا لمحہ سنسنی خیز تھا۔

اچانک دونوں پٹ آہستگی سے کھلے حمید ایک طرف ہو گیا۔ کوئی آدمی اندر داخل ہوا اور اُس نے اطمینان سے سوئچ آن کیا۔ جیسے اُسے اپنی کامیابی کا پورا پورا یقین ہو۔

کمرے میں روشنی ہو گئی۔ آنے والا سنگ ہی تھا۔ وہ حمید کا پلنگ خالی دیکھ کر بے تحاشہ دروازے کی طرف مڑا۔

حمید کے ریوالور کی نال اس کے سینے کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ لیکن کیا یہ وہی سنگ ہی تھا.... ہرگز نہیں اس وقت اس کا چہرہ انتہائی خوفناک نظر آرہا تھا اور وہ اس طرح حمید کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا جیسے کوئی سانپ اپنے شکار کو اپنی آنکھوں سے مسحور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

پھر اچانک حمید نے اپنے جسم پر ایک دوسرے جسم کا بوجھ محسوس کیا۔ اُسے کچھ پتہ ہی نہ چل

سکا کہ کب سنگ ہی نے چھلانگ لگائی اور کب ریوالور اُس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ سنگ ہی جونک کی طرح اس سے لپٹ گیا تھا۔ اس کے ہاتھ اور پیر حمید کے گرد اس طرح سے جکڑ گئے تھے کہ اُسے جنبش کرنا بھی محال ہو رہا تھا اور ہر لمحہ اس کی گرفت سخت سے سخت ہوتی جا رہی تھی۔

حمید زمین پر چت پڑا تھا اور سنگ ہی اس کے اوپر تھا۔ حمید نے اس کی پیٹھ پر گھونسے مارنے شروع کر دیئے۔ سنگ ہی نے اپنا بایاں ہاتھ اس کی پیٹھ کے نیچے سے نکال کر گردن پر رکھ دیا اور پھر حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اب کبھی زمین سے نہ اٹھ سکے گا۔ سنگ ہی اس کا گلا گھونٹ رہا تھا۔

اچانک بدحواسی میں حمید کی دو انگلیاں سنگ ہی کی ناک کے دونوں نتھنوں میں جا گھسیں اور اس نے اپنے ہاتھ کو جھٹکے کے ساتھ اوپر اٹھا دیا۔

اُس کے ناخن سنگ ہی کی ناک کی اندرونی ہڈی سے ٹکرائے اور سنگ ہی کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ حمید نے اب اُس کی ناک پر ایک مکا رسید کر دیا۔ سنگ ہی کے منہ سے ہلکی سی کراہ نکلی۔

دوسرے لمحے میں حمید اس کے نیچے سے نکل چکا تھا۔ سنگ ہی پھر جھپٹا۔ حمید ایک ہی جست میں دروازے کے باہر تھا۔ جیسے ہی حمید کمپاؤنڈ میں پہنچا سنگ ہی نے "چور.... چور" کا شور مچا دیا۔ پھاٹک بند تھا۔ حمید ایک بار پھر الجھن میں پڑ گیا۔ سنگ ہی برابر "چور.... چور" نعرہ لگائے جا رہا تھا۔ نوکر بھی جاگ پڑے اور کمپاؤنڈ کا پھاٹک باہر سے پیٹا جانے لگا۔

اور پھر حمید کی برداشت نے اس بوکھلاہٹ کے عالم میں بھی اس کا ساتھ دیا۔ اُسے کمپاؤنڈ کی دیوار کا وہ ٹوٹا ہوا حصہ یاد آیا جو بائیں بازو والے کمروں کے سامنے تھا۔ وہ قد آدم جھاڑیوں میں گھستا چلا گیا.... کمپاؤنڈ کا پھاٹک کھولا جا چکا تھا۔ پانچ چھ آدمی باہر سے کمپاؤنڈ میں گھسے۔ شائد یہ وہی سرکاری آدمی تھے، جو کوٹھی کی نگرانی کر رہے تھے۔

پُر اسرار بوڑھا

دوسری صبح حمید اپنی گردن میں مالش کرا رہا تھا اور فریدی؟ وہ تو پچھلی ہی رات سے گھر سے غائب تھا۔ حمید کی گردن کی رگوں میں تناؤ تھا اور ذہن میں سنگ ہی کا منحوس چہرہ۔ وہ اندر ہی اندر کھول رہا تھا اور اس نے تہیہ کر لیا تھا۔ ابکی موقعہ ملنے پر بید ریغ آدھی چھٹانک پگھلا ہوا سیسہ سنگ

ہی کی کھوپڑی میں اتار دے گا۔

اس کی طبیعت اتنی بیزار ہو چکی تھی کہ نہ تو اُس نے پالتو چوہیا کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور نہ بکرے ہی کی پرواہ کی.... دوسرے لفظوں میں وہ حد سے زیادہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔

بار بار یہ سوال اُس کے ذہن میں سر اٹھاتا تھا کہ آیا سنگ ہی کیپٹن حمید کی حیثیت میں بھی اُس کے ساتھ یہی برتاؤ کرتا۔

حمید سوچتا رہا اور اس کی گردن میں مالش ہوتی رہی۔ گردن میں مالش کرنے والا نوکر سمجھتا تھا کہ شائد گردن کی کوئی رگ چڑھ گئی ہے۔ لہٰذا مالش کر چکنے کے بعد اس نے ایک ہاتھ حمید کے سر پر رکھا اور دوسرا ہاتھ ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر جو جھٹکا دیا ہے تو حمید کی آنکھوں کے سامنے موٹے موٹے تارے ناچ گئے۔

"ابے یہ کیا کیا؟" وہ حلق پھاڑ کر چیخا۔

لیکن نوکر نے اس کی پرواہ کئے بغیر دوسری طرف بھی گردن جھٹک دی۔

"ارے خدا تجھے غارت کرے۔" حمید نے چیخ کر اُس کے سر پر دو ہتھڑ رسید کیا اور نوکر بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔

"سرکار.... تو پھر کیسے کرتا۔" اُس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"مروڑ دیتا سالی کو۔" حمید گردن سہلاتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"مانئے سرکار! ایسے ہی ٹھیک ہوتی ہے۔"

"چل بھاگ! سالے نے اور ستیاناس کر دیا۔"

"آپ تو....!"

"ابے بھاگ....!" حمید اُسے مارنے دوڑا اور اس نے بھاگ کر ہی جان بچائی۔

نوکر نکل گیا لیکن حمید کی ٹکر اپنے پالتو بکرے سے ہو گئی۔ بکرا نہ جانے کیا سمجھا۔ وہ یکلخت تین چار قدم پیچھے نہ ہٹ گیا ہوتا تو اُسے اپنے سینے پر بھی مالش کرانی پڑتی۔ حمید نے قریب پڑی ہوئی ایک لکڑی اٹھائی اور بکرے کو بے تحاشہ پیٹنا شروع کر دیا۔

بکرا پلٹ کر بھاگا۔ اچانک فریدی سامنے پڑ گیا اور وہ اُسے رگیدتا ہوا باہر نکل گیا۔

فریدی نے اسے تو نکل جانے دیا مگر جھلاہٹ میں حمید کی گردن دبوچ لی۔

"ارے مرا....!" حمید درد سے کراہا۔

"بھٹیار خانہ بنادیا گھر کو۔"

"گردن چھوڑیئے.... اس سالی کا ستارہ گردش میں آگیا ہے۔"

"لیکن تم یہاں کیسے۔" فریدی نے اس کی گردن چھوڑ کر کہا۔

"ہاں.... بیشک غلطی ہوئی۔" حمید جل کر بولا۔ "مجھے اس وقت قبر میں ہونا چاہئے تھا۔"

"لوتھر نے رپورٹ کیسی درج کرائی ہے.... کیا بات تھی۔"

"رپورٹ....!" حمید نے حیرت سے کہا۔ "کیسی رپورٹ۔"

"یہی کہ اس کا ایک مہمان اس کے دس ہزار کے جواہرات اڑا لے گیا۔"

حمید تھوڑی دیر تک سنگ ہی کی چالاکی پر عش عش کرتا رہا پھر اُس نے ساری داستان دہراتے ہوئے کہا۔ "چور چور کا نعرہ اس نے ضرور بلند کیا تھا مگر میں یہ نہیں سمجھتا تھا کہ وہ رپورٹ درج کرانے کی بھی جرأت کرے گا۔"

"بلا کا عیار ہے کمبخت۔" فریدی بڑبڑایا۔ "خیر... اب یہ کھیل جلد ہی ختم ہو جانے کی توقع ہے۔"

"کیوں! کیا کوئی نیا سراغ۔"

"ہاں....!"

"کیا....!"

"ہمیں ایک ایسے آدمی کی تلاش ہے، جو پلیگ کا مریض ہو۔"

"کیا مطلب....!" حمید نے حیرت سے کہا۔

لیکن فریدی نے سکوت اختیار کر لیا۔

❁

"ارے حرامزادے تو نے تو میرا بیڑا غرق کر دیا۔" لوتھر نے اپنی ران پر ہاتھ مار کر سنگ ہی سے کہا۔ "جو آدھے گھنٹے میں اسکاچ کی آدھی بوتل صاف کر چکا تھا۔"

"نہیں کیپٹن۔" سنگ ہی مسکرا کر بولا۔ "میں نے فی الحال تمہارے بیڑے میں گدھے جوت دیئے ہیں، جو اُسے خشکی میں کھینچ رہے ہیں۔"

"تیری بدولت میں نے اپنے تین بہترین ساتھی کھوئے۔ بیٹی سے ہاتھ دھوئے۔ اب تو نئی

رات ایک نئی مصیبت مول لی اور اُسے بھی نہ مار سکا۔ زندہ نکل جانے دیا۔ دیکھنا ہے اب کون سی مصیبت آتی ہے۔"

"کیپٹن....!" سنگ ہی نے سنجیدگی سے کہا۔ "وہ مجھے کوئی اناڑی آدمی نہیں معلوم ہوتا۔ اُس نے خطرے کی بو پہلے ہی سونگھ لی تھی اور پوری طرح تیار تھا۔"

"اچھا ہوا.... تیری گردن تو نیچی ہوئی۔"

"مگر سنگ ہی اسے زندہ نہ چھوڑے گا۔"

"جہنم میں جاؤ.... میں سارہ کے لئے کیا کروں۔"

"فی الحال صبر کرو۔"

لوتھر بُری طرح جھلا گیا۔ مگر وہ بے بس تھا کہ کوئی سنگ ہی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وہ اس کے ہاتھوں میں موم کی ناک بن کر رہ گیا تھا۔

تو نے مجھے کٹھ پتلی بنا لیا ہے اور اگر تم نے اس پٹھان کو دوبارہ نہ نکلوا دیا ہوتا تو سارہ محفوظ ہوتی۔

"اوہ ہو! کیا کر لیتا وہ وحشی۔"

"میں کچھ نہیں جانتا.... سارہ مجھے آج ہی واپس ملنی چاہئے۔"

"بے صبری اچھی چیز نہیں۔"

"میں ابھی پولیس کو سارے واقعات کی اطلاع دیتا ہوں۔"

"تم ایسا نہیں کر سکتے۔" سنگ ہی سانپ کی طرح پھپھکارا۔

لوتھر یک بیک اُسے خوفزدہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"ایلپوم کی چوٹی یاد ہے نا تمہیں۔" سنگ ہی بولا۔ "مجھے تم پسند ہو مسٹر لوتھر ورنہ پانچ سو سال بعد وہاں لوگ تمہاری لاش کی زیارت کے لئے آتے۔"

لوتھر کچھ نہ بولا۔

سنگ ہی نے پھر کہا۔ "تمہاری بعض چیزیں مجھے بے حد پسند ہیں ورنہ اس چیز کا مالک میں تنہا ہوتا۔ اب بھی جس وقت چاہوں الگ ہو سکتا ہوں۔ پولیس میرا کچھ نہیں کر سکے گی۔ مگر تمہارا داہنا گال نیلی لکیر سے ضرور سجا دیا جائے گا.... لو پیو۔"

اس نے دوسرا گلاس لبریز کر کے لوتھر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تم نے بہت دیر نہیں پی اسی لئے بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔"

❁

فریدی نے دواؤں کا بکس اٹھایا۔ حمید اس کی کاروائیوں کو حیرت سے دیکھ رہا تھا، جب فریدی ساری تیاریاں مکمل کر چکا تو حمید نے کہا۔

"کہئے تو ایک ٹوکری میں دو چار سانپ بھی رکھ لئے جائیں۔"

"کیوں! سانپ کیا ہوں گے۔"

"واہ.... ارے میں سانپ دکھا کر مجمع اکٹھا کروں گا اور آپ دوا بیچئے گا.... دو چار دلالوں کی ضرورت ہو تو وہ بھی مہیا کر لئے جائیں۔"

"بکواس مت کرو.... جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں باہر نکلے۔ فریدی کے ایک ہاتھ میں دواؤں کا بکس تھا اور دوسرے میں اسٹیتھو سکوپ! اُن دونوں نے ڈاکٹروں کے سے لمبے سفید کوٹ پہن رکھے تھے۔

"آخر اب کیا ہونے جا رہا ہے؟" حمید نے کیڈی میں بیٹھتے وقت سوال کیا۔

"دیکھتے جاؤ۔"

"میں تنگ آ گیا ہوں.... دیکھتے دیکھتے۔"

کیڈی چل پڑی۔ پندرہ یا بیس منٹ بعد فریدی نے ایک جگہ کیڈی روک دی۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ایک ایمبولینس گاڑی کھڑی تھی۔ حمید نے ڈرائیور کی سیٹ پر سرجنٹ رمیش کو بیٹھے دیکھا۔ گاڑی کے پچھلے حصے میں ایک خوبصورت سی نرس بیٹھی تھی۔

رمیش انہیں دیکھتے ہی گاڑی سے اتر آیا۔

"ٹھیک ہے۔" فریدی نے پسندیدگی کے اظہار میں سر ہلا کر اس سے کہا۔ "اب تم کیڈی لے کر واپس جاؤ۔"

رمیش کیڈی میں بیٹھ گیا۔

فریدی اور حمید ایمبولینس گاڑی میں آ بیٹھے۔

"چلو اسٹارٹ کرو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"ابھی کیا ہے۔" اُس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "مجھے مردے تک ڈھونے پڑیں گے۔"

پھر اُس نے روشندان سے اُس نرس پر نظر ڈالی، جو گاڑی کے پچھلے حصے میں بیٹھی تھی اور فریدی کی طرف جھک کر آہستہ سے کہا۔ "ہے تو زوردار۔"

"بکو مت۔" فریدی جھنجھنایا۔

"ویری ویل.... یور ہارڈ شپ۔" حمید نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

فریدی اُسے راستوں کے متعلق ہدایات دیتا رہا۔ آخر اس نے کنکس لین کی ایک عمارت کے سامنے گاڑی رکوا دی۔

فریدی نیچے اتر کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اچانک ایک آدمی اس کے سامنے آ کھڑا ہو گیا۔ حمید نے اُسے پہچانا وہ بھی اسی کے محکمے کا ایک آدمی تھا۔

"سب ٹھیک ہے۔" فریدی نے اُس سے پوچھا۔

"جی ہاں! سب ٹھیک ہے۔"

"وہ دونوں آدمی۔"

"وہ بھی موجود ہیں.... میں ابھی لایا۔"

"وہیں لانا.... اچھا.... تو اب ہم جاتے ہیں۔"

فریدی نے حمید کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ نرس نے اپنے دستانے اٹھائے اور وہ بھی ان کے ساتھ ہو لی۔ فریدی نے برآمدے میں پہنچ کر گھنٹی کا بٹن دبایا اندر کسی دور افتادہ مقام پر گھنٹی کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا۔ ان کے سامنے ایک پست قد اور بھاری بھرکم سفید فام آدمی کھڑا تھا۔ اس نے انہیں حیرت سے دیکھا۔

"معاف کیجئے گا۔" فریدی آگے بڑھ کر بولا۔ "ہمیں اطلاع ملی ہے کہ یہاں کوئی پلیگ کا مریض ہے۔"

"غلط ہے۔" پست قد غیر ملکی نے کہا۔ "یہاں کوئی ایسا مریض نہیں۔"

"یہ آپ کے پڑوسیوں کی دی ہوئی اطلاع ہے۔"

"پڑوسی بکواس کرتے ہیں۔" غیر ملکی جھلا کر بولا۔

اتنے میں دو اینگلو انڈین برآمدے میں داخل ہوئے۔

"ہم بکواس کرتے ہیں۔" اُن میں سے ایک غصیلی آواز میں بولا۔ "کیا تم پچھلی رات کو ایک بوڑھا مریض یہاں نہیں لائے۔"

"وہ پلیگ کا مریض نہیں۔" غیر ملکی نے آنکھیں نکال کر کہا۔ "اس پر صرف بیہوشی کے دورے پڑتے ہیں۔"

"اوہ....!" فریدی تشویش ناک لہجے میں بولا۔ "یہ بھی پلیگ کی ایک علامت ہے۔"

"میں کہتا ہوں وہ پلیگ کا مریض نہیں ہے۔"

"خیر کوئی بات نہیں.... ہم اُسے دیکھ کر اطمینان کر لیں گے۔"

"نہیں آپ اُسے نہیں دیکھ سکیں گے۔"

"آخر کیوں!"

"ہماری مرضی۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ہمیں رپورٹ ملی ہے اور ہم اپنا اطمینان کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ کوئی رکاوٹ ڈالیں گے تو مجبوراً ہمیں پولیس طلب کرنی پڑے گی۔"

"میں کہتا ہوں نا۔"

"محض آپ کا کہنا ہمیں مطمئن نہیں کر سکتا۔" فریدی بولا۔

کافی دیر تک جھک جھک ہوتی رہی۔ عمارت سے دو آدمی اور نکل آئے۔

فریدی اسی پر اڑا رہا کہ مریض کو دیکھے بغیر واپس نہیں جائے گا۔

"چلئے دیکھ چلئے۔" ان میں سے ایک نے غصیلی آواز میں کہا۔ "نہ جانے یہ کیسا ملک ہے جہاں لوگ دوسروں کا وقت اس طرح برباد کرتے ہیں۔"

وہ انہیں ایک کمرے میں لائے جہاں ایک بوڑھا آدمی پلنگ پر چت پڑا گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ اس کا جسم ایک ہلکے سے کمبل سے ڈھکا ہوا تھا۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر معاملہ کیا ہے۔ بھلا فریدی کو پلیگ کے مریض سے کیا سروکار.... اور یہ لوگ کون ہیں۔

"یہ ہے! وہ مریض۔" پست قد آدمی بولا۔ "دیکھئے اسے! ہم بہت زیادہ مشغول ہیں۔"

وہ تینوں کمرے سے چلے گئے۔ حمید نے فریدی کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ دیکھی۔

"تم بھی جاؤ۔" فریدی نرس کی طرف مڑ کر بولا۔ "ہم ابھی آتے ہیں۔"

نرس چلی گئی۔

"آخر یہ ہے کیا بلا۔" حمید نے مریض کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"بلا....!" فریدی مسکرایا۔ "نہیں فرزند! یہ بلا نہیں۔"

فریدی نے آگے بڑھ کر بیہوش مریض پر سے کمبل ہٹا دیا اور جیسے ہی حمید کی نظر اس کے سینے پر پڑی وہ بوکھلا کر اچھل پڑا۔

"ہائیں۔" اس کے منہ سے بیساختہ نکلا۔ "یہ تو اپنی جنس تبدیل کر رہا ہے۔"

پھر وہ اس طرح اپنی کھوپڑی سہلانے لگا جیسے گرمی چڑھ گئی ہو۔ فریدی کچھ نہ بولا۔

اُس نے مریض کی پلکیں اٹھا کر پتلیاں دیکھیں۔ کچھ دیر نبض پر ہاتھ رکھے رہا۔ پھر دواؤں کا بکس کھول کر اس میں سے ہائپوڈرمک سرنج نکالی اور انجکشن دینے کی تیاریاں کرنے لگا۔

انجکشن دینے کے ٹھیک پندرہ منٹ بعد مریض کو ہوش آ گیا اور اس نے کمزور آواز میں کہا۔

"میں کہاں ہوں۔"

حمید ایک بار پھر بوکھلا گیا۔ بالکل نسوانی آواز تھی۔

"کیا جنس بالکل ہی بدل گئی۔" اس نے آہستہ سے فریدی سے پوچھا۔

"بالکل! اب میں اسکے ساتھ تمہاری شادی کر دوں گا۔ لیکن ڈاڑھی بدستور موجود رہے گی۔"

اچانک مریض نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور اُس کے منہ سے ایک سہمی ہوئی سی چیخ نکلی۔ وہ پھر بیہوش ہو گیا۔

"ڈاڑھی ہٹانی ہی پڑے گی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "عورت ہو جانے کے بعد وہ اُس سے خوف کھاتا ہے۔"

پھر تھوڑی ہی دیر بعد فریدی کے ایک معمولی سے عمل کی بناء پر مریض کا چہرہ بالکل صاف ہو گیا۔

"سارہ۔" حمید کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی اور پھر اس نے کہا۔ "اوہ.... میں سمجھ گیا.... وہ تینوں کہاں گئے۔"

"شاید وہ اس وقت کہیں دور پہنچ چکے ہوں گے۔" فریدی نے کہا۔

"اور آپ نے انہیں نکل جانے دیا۔"

"پرواہ نہ کرو.... اُن کے گرد میرا جال بہت مضبوط ہو چکا ہے۔"

لوتھر کی شامت

لوتھر آرام کرسی پر پڑا اونگھ رہا تھا۔ سنگ ہی دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوا۔ پنجوں کے بل چلتا ہوا وہ آرام کرسی کے پیچھے آیا اور اس کا تکیہ پکڑ کر اُسے الٹ دیا۔ لوتھر منہ کے بل زمین پر گرا اور آرام کرسی اُس کے اوپر اوندھ گئی۔

لوتھر نے بوکھلا کر چیخ ماری اور کرسی کے نیچے سے نکلنا چاہا۔ سنگ ہی نے پیر سے کرسی دوسری طرف اچھال دی اور لوتھر پر ٹوٹ پڑا۔

لوتھر بھی اچھے ہاتھ پاؤں کا آدمی تھا.... لیکن وہ قریب قریب بے بس ہو چکا تھا کیونکہ سنگ ہی نے اس کی گردن ٹانگوں میں جکڑ لی تھی اور دھڑا دھڑ اس کے منہ پر مکے مار رہا تھا۔

"ارے.... سور.... کے بچے.... یہ کیا کر رہا ہے۔" لوتھر چیخا۔

"سور کا بچہ آج تمہیں زندہ نہ چھوڑے گا۔" سنگ ہی نے نہایت اطمینان سے کہا اور اُس کے چہرے پر مکے مارتا رہا۔

لوتھر کے ہونٹ پھٹ گئے اور اُن سے خون بہنے لگا۔ نتھنوں سے بھی خون جاری تھا۔ اُس نے کچھ اس انداز میں اسکی گردن جکڑ رکھی تھی کہ وہ اپنے حلق سے آواز تک نہیں نکال سکتا تھا۔

جب لوتھر بے دم ہو گیا تو سنگ ہی نے اُسے چھوڑ دیا۔ لوتھر زمین پر چت پڑا ہوا تھا۔ اس کی پلکیں ضرور جھپک رہی تھیں لیکن معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا ہے۔

سنگ ہی نے اُسے گریبان سے پکڑ کر اٹھایا اور ایک دوسری کرسی میں ڈال دیا۔ شائد اس وقت کوئی نوکر بھی کوٹھی میں موجود نہیں تھا۔ ممکن ہے سنگ ہی نے انہیں پہلے ہی کاموں کے بہانے باہر بھیج دیا ہو۔

لوتھر آرام کرسی میں پڑا گہری سانسیں لیتا رہا۔ اس کی آنکھیں اب بھی کھلی ہوئی تھیں اور وہ

خوفزدہ نظروں سے سنگ ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ سنگ ہی نے الماری کھول کر اسکاچ کی بوتل نکالی اور اسے میز پر لے آیا۔ یہ سب کچھ اُس نے اتنے اطمینان سے کیا جیسے وہ ابھی اپنے لطیفوں سے لوتھر کا دل بہلاتا رہا ہو۔

شراب کے گلاس سے اس نے ایک چسکی لی اور مسکرا کر لوتھر کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہوں....!" اُس نے گلاس کو میز پر زور سے رکھتے ہوئے کہا۔ "اب بتاؤ.... تم آخر سنگ ہی کے ساتھ کمینہ پن کر ہی بیٹھے۔"

"میں نے کیا کیا ہے۔" لوتھر اپنے ہونٹوں کا خون پونچھتے ہوئے بولا۔

"بکواس کرو گے تو تمہارا دہانہ کانوں تک چیر دوں گا۔"

"بتاؤ نا.... میں نے کیا کیا ہے۔" لوتھر سہمی ہوئی آواز میں بولا۔

"میکی کون تھا....؟"

"میں نہیں جانتا.... میں اس سے پہلی بار ملا تھا۔"

سنگ ہی اٹھ کر اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔

"تم نہیں جانتے۔"

"نہیں.... میں نے پہلے کبھی اُسے نہیں دیکھا۔

اچانک سنگ ہی نے اس کے زخمی ہونٹوں پر الٹا ہاتھ رسید کر دیا۔

"ارے تجھے کیا ہو گیا ہے.... سور کے بچے۔" لوتھر اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر کراہا۔

"سور کے بچے کو فریدی اور حمید ہو گیا ہے۔" سنگ ہی نے بائیں ہاتھ سی شراب کا گھونٹ لے کر کہا۔ "میکی کیپٹن حمید تھا۔"

"کیا....؟" لوتھر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

سنگ ہی نے ٹٹولنے والی نظروں سے لوتھر کے چہرے کا جائزہ لیا اور آہستہ سے بولا۔

"تو تم اس سازش میں شریک نہیں تھے۔"

"میرے فرشتوں کو بھی خبر نہیں۔"

"سارہ کو تم بڑا اچھا سمجھتے ہو۔ اُس کی پاکدامنی کے ثبوت کے لئے مجھ پر گولیاں برسانی شروع کر دی تھیں۔ لیکن اب جاؤ فریدی کے یہاں وہ ننگی ناچتی ہوئی پولیس آفیسروں کو شراب

پلا رہی ہے۔"

"کیا بکتے ہو! وہ تو اُن لوگوں کے پاس ہے آج صبح ایک لڑکا ایک خط بھی ان لوگوں کے پاس سے لایا ہے جس میں انہوں نے دھمکی دی ہے کہ اگر ہم نے ان کا مطالبہ پورا نہ کیا تو وہ سارہ کو مار ڈالیں گے۔"

"بہت اچھے۔" سنگ ہی ہنس پڑا۔ "ذرا دیکھوں تو وہ خط۔"

لوتھر نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر سنگ ہی کی طرف بڑھا دیا۔ سنگ ہی نے خط پڑھا چند لمحے بُرا سا منہ بنائے رہا پھر بولا۔ "یہ کھلی ہوئی بکواس ہے۔ تمہاری لڑکی کو فریدی نے اٹھوایا تھا۔ جاؤ جا کر دیکھو فریدی اور حمید عیش کر رہے ہیں اگر وہ تمہیں ان کے گھر پر نہ ملے تو میری گردن اتار دینا۔ سمجھے! مگر تم خود ہی اس سے پیشہ کرانا چاہتے ہو۔ اچھا بھی ہے اگر دس پانچ پولیس آفیسر تمہارے داماد بن گئے تو تم اُن امریکنوں سے بچے رہو گے۔"

"اگر ایسا ہے تو میں اُن سب کو میٹھی نیند سلا دوں گا۔" لوتھر مٹھیاں بھینچ کر بڑبڑایا۔

"کیا کبھی میری مہیا کی ہوئی اطلاعات غلط بھی نکلی ہیں؟" سنگ ہی نے طنزیہ ہنسی کیساتھ کہا۔

"چلو بیٹھو زیادہ تاؤ نہ کھاؤ۔ فریدی کے نطفے سے تمہارے لئے ایک بہت بڑا نواسہ مہیا ہو جائے گا۔"

"چپ رہو حرامزادے۔" لوتھر نے چیخ کر سنگ ہی کے سر پر دو ہتھڑ مارا۔

سنگ ہی چپ چاپ پیچھے ہٹ گیا۔ وہ سنگ ہی جس نے لوتھر کو بُری طرح پیٹا تھا لوتھر کے ہاتھ سے مار کھا کر بھی مسکرا رہا تھا۔ اس نے بڑے پر سکون لہجے میں کہا۔ "تم بڑی اچھی ایکٹنگ کر لیتے ہو مسٹر لوتھر۔ تم نے سنگ ہی سے پیچھا چھڑانے کے لئے اپنی لڑکی سپلائی کر دی۔ خود ہی سازش کر کے اُسے اٹھوا دیا تاکہ سنگ ہی دھوکہ کھا کر مارا جائے۔"

"چپ رہو کتے۔" لوتھر غرا کر بولا۔ "اس نے میز کی دراز سے ایک ریوالور نکالا اس کے چیمبر دیکھے۔ وہ سب بھرے ہوئے تھے۔ پھر اس نے سنگ ہی سے کہا۔ "میں ان میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

"خوب! مگر شائد ایک ریوالور کافی نہ ہو۔ وہاں کئی ہیں اور سب شراب کے نشے میں دھت اور سارہ ننگی۔"

"خاموش....!" لوتھر غرایا۔ وہ اس وقت ایک خونی درندہ معلوم ہو رہا تھا۔

"اسے بھی لیتے جاؤ۔ شائد ضرورت پڑے۔" سنگ ہی نے اپنی جیب سے ایک دوسرا ریوالور نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "حالانکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم ابھی گھوم پھر کر واپس آجاؤ گے اور مجھے اطلاع دو گے کہ فریدی کی کوٹھی خالی پڑی ہے۔"

لوتھر نے جھپٹ کر اُس کے ہاتھ سے ریوالور لے لیا اور قریب قریب دوڑتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

سنگ ہی ایک ہی سانس میں گلاس کی بقیہ شراب پی گیا۔ پھر اُس نے آستین سے اپنے ہونٹ خشک کئے اور بڑی تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر اسی کمرے میں آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا گیس سلنڈر تھا وہ اُسی آہنی الماری کے سامنے رک گیا جس میں حروف کے امتزاج سے کھلنے والا قفل پڑا ہوا تھا۔ یہ وہی الماری تھی جسے کھولنے سے قبل لوتھر کمرے کا دروازہ بند کرنا نہیں بھولتا تھا۔

سنگ ہی نے گیس سلنڈر کے سرے پر لگے ہوئے نوزل کا بٹن دبایا اور اس میں سے نیلے رنگ کی ایک باریک سی آتشی لکیر نکلنے لگی۔ دوسرے لمحے میں وہ آتشی لکیر قفل کے کنڈے پر تیزی سے ادھر اُدھر تیر رہی تھی۔

دیکھتے دیکھتے قفل الماری سے علیحدہ ہو کر زمین پر گر پڑا۔

سنگ ہی نے الماری کھول کر اس میں سے چمڑے کا ایک تھیلا نکالا اور اُسے بغل میں دبا کر کمرے سے نکل گیا۔

❁

لوتھر غصے میں بھرا ہوا کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ اُس نے اپنا چہرہ بھی نہیں صاف کیا تھا۔ ہونٹوں پر خون جم کر سیاہی مائل ہو چکا تھا۔ اس کے ذہن میں فریدی اور حمید کی شکلیں تھیں۔ اُس کے ذاتی تجربے کی بناء پر سنگ ہی نے آج تک اُسے کوئی غلط اطلاع نہیں دی تھی۔ اُسے میکی یاد آیا، جو سنگ ہی جیسے شاطر آدمی کو جل دے کر نکل گیا تھا۔ تو کیا وہ سچ مچ کیپٹن حمید ہی تھا۔ اگر یہ بات تھی تو سارہ نے اُسے دیدہ دانستہ دعوت دی تھی.... آخر کیوں؟

پھر اچانک اس کے جسم کا خون منجمد ہو گیا۔ اگر اسٹیئرنگ کا سچانہ ہوتا تو سامنے سے آنے والے ٹرک سے ٹکرا کر اس کی کار کے پرخچے اڑ گئے ہوتے۔ غصے کی جگہ خوف نے لے لی اور

اس جذباتی تبدیلی کی بناء پر وہ اچھی طرح ہوش میں آ گیا اور اب اُسے احساس ہوا کہ وہ سچ مچ موت کے منہ میں جا رہا ہے۔ فریدی کی کوٹھی میں داخل ہو کر اس پر حملہ کرنا آسان کام نہیں تھا... اور پھر اُس کا انجام؟ اب اُسے سنگ ہی کے بیان پر بھی شبہ ہونے لگا تھا۔ فریدی سے زیادہ نیک نام آفیسر شہر بھر میں اور کوئی نہیں تھا۔ کٹر قسم کا اصول پرست آدمی۔

"اوہ...!" لوتھر آہستہ سے بڑبڑایا۔

اُسے یاد آیا کہ سنگ ہی اس دوران میں کئی بار اس بات کی کوشش کر چکا ہے کہ اُسے کسی طرح تھوڑی دیر کے لئے کوٹھی سے ہٹا دے۔ کہیں اس نے الماری پر ہاتھ صاف کرنے کے لئے یہ سب کچھ نہ کیا ہو۔

اچانک اس کی نظر کار کے عقب نما آئینے پر پڑی اور وہ چونک پڑا۔ غصے میں اُسے یہ بھی یاد نہ رہا تھا کہ اس کا چہرہ اس قابل نہیں کہ وہ صفائی کے بغیر باہر نکل سکے۔ اس کی الجھن بڑھ گئی۔ اگر وہ گھر واپس جاتا تو سنگ ہی طنزوں کی بھرمار کر دیتا۔ فریدی کے یہاں جانے کے سلسلے میں تو وہ پہلے ہی ہچکچاہٹ محسوس کرنے لگا تھا۔ اُسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کی کنپٹیوں کی رگیں تڑخ رہی ہوں.... الجھن.... الجھن۔

آخر اس نے اپنی کار ایک ہیئر کٹنگ سیلون کے سامنے روک دی جس میں حمام بھی تھا، جیسے ہی سیلون میں داخل ہوا لوگوں کی تنقیدی نظریں اس کی طرف اٹھنے لگیں۔

"حمام...!" لوتھر نے بھرائی ہوئی آواز میں ایک آدمی سے کہا۔ "جلدی۔"

اس آدمی نے حمام تک اس کی رہنمائی کی۔ لوتھر نے دروازہ بند کر لیا۔ اُسے حمام میں داخل ہوئے مشکل سے آدھا منٹ گذرا ہو گا کہ ایک سفید فام آدمی گھبرایا ہوا سیلون میں گھس آیا۔

"کیا یہاں کوئی انگریز آیا ہے۔" اس نے سیلون کے ایک آدمی سے پوچھا۔

"ہاں.... حمام میں ہے۔" اس نے حمام کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"اوہ.... وہ پاگل بھی ہے اور نشے میں بھی ہے۔" سفید فام حمام کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

اس نے دروازے کا ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا اور وہ بھی اندر چلا گیا۔

سیلون کے لوگ حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ تین چار منٹ بعد وہ حمام سے نکل آیا۔ اس نے لوتھر کو سنبھال رکھا تھا جس کی آنکھیں بند تھیں لیکن چہرہ صاف ہو چکا تھا۔

"اوہ.... کوئی میری مدد کرے.... یہ بیہوش ہو گیا ہے۔" اس نے روہانسی آواز میں کہا اور دو تین آدمی لوتھر کو سنبھالنے کے لئے دوڑے۔ وہ اُسے کار تک لے آئے۔ اور اسے پچھلی سیٹ پر ڈال دیا گیا۔ سفید فام آدمی نے اگلی سیٹ پر بیٹھ کر اپنی جیب سے دس دس کے دو نوٹ نکالے اور انہیں موڑ توڑ کر سیلون کے آدمیوں کی طرف اچھال دیا۔

کار لوتھر ہی کی تھی۔ لیکن اُسے ایک نامعلوم آدمی ڈرائیو کر رہا تھا اور لوتھر پچھلی سیٹ پر بیہوش پڑا تھا۔

❁

حمید نے مسکرا کر سارہ کی طرف دیکھا، جو نقاہت کی وجہ سے پہلے سے بھی زیادہ حسین نظر آنے لگی تھی۔

"کیوں اب کیا ہے۔" سارہ نے ہنس کر کہا۔ "تم بہت شریر ہو۔"

"مجھے تمہاری ڈاڑھی یاد آ رہی ہے۔ شکر ہے کہ میرے بکرے نے تمہیں اس حال میں نہیں دیکھا تھا۔"

"کیوں مذاق اڑاتے ہو۔" سارہ نے جھینپ کر کہا۔ "وہ لوگ شائد ڈیڈی سے کوئی چیز حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ میں نہیں جانتی کہ وہ کیا چیز ہے اور اب میں سوچتی ہوں کہ شاید ڈیڈی.... اسی کے بعد سے انہوں نے گھر سے باہر قدم نہیں نکالا۔"

"تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ وہ چیز اُسی کمرے میں ہے۔"

"انہوں نے جنوبی امریکہ سے واپسی کے بعد خاص طور سے اس کمرے میں ایک آہنی الماری رکھوائی تھی جس میں اب بھی حروف کے امتزاج سے کھلنے والا ایک تالا پڑا رہتا ہے۔ وہ رات کو اُسی کمرے میں سوتے بھی ہیں۔ میں نے اکثر انہیں الماری کے ہینڈل کو کھینچتے بھی دیکھا ہے۔ وہ دن میں کئی بار ایسا کرتے ہیں۔ شاید اسکا اطمینان کرنے کیلئے کہ کہیں وہ کھلا تو نہیں رہ گیا۔"

"کیا تم یہ سب کچھ فریدی صاحب کو بتا چکی ہو۔"

"ہاں.... میں نے سب کچھ بتا دیا ہے۔" سارہ نے کہا۔ "لیکن میں اپنے گھر کب جاؤں گی۔ فریدی صاحب کہتے ہیں کہ ابھی نہیں۔ میں ڈیڈی کے لئے بہت پریشان ہوں۔ مجھے سنگ ہی پر اعتماد نہیں۔ وہی سور کا بچہ انہیں جنوبی امریکہ بھی لے گیا تھا۔"

"سنگ ہی لے گیا تھا....؟" حمید نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں وہی لے گیا تھا.... جانے سے قبل ڈیڈی نے مجھ سے کہا تھا کہ انہیں اس سفر میں کافی فائدے کی صورت نظر آرہی ہے۔"

"کیا تم بھی ساتھ گئی تھیں۔"

"نہیں....!"

"تعجب ہے.... میں نے اکثر ناولوں میں پڑھا ہے کہ اس قسم کے ایڈونچروں میں ایک آدھ خوبصورت لڑکی ضرور ساتھ ہوتی ہے تاکہ اُسے جنگلی لوگ پکڑ کر بھون کھانے کا سامان کریں اور عین موقعے پر ہیرو پہنچ کر گھپلا کردے۔ پھر وہ لڑکی اس ہیرو کے کارنامے پر پہلے تو عش عش کرے پھر باقاعدہ عشق کرنے لگے۔"

سارہ جھلا کر کچھ کہنے ہی والی تھی کہ فریدی آگیا۔

"سنو حمید! ایک دلچسپ اطلاع۔ لوتھر کی کوٹھی اس وقت بالکل خالی ہے۔ لوتھر عجیب حالت میں کوٹھی سے نکلتا ہوا دیکھا گیا۔ اس کا چہرہ خون میں ڈوبا ہوا تھا اس کے جانے کے بعد سنگ ہی نکلا اور وہ بھی کسی طرف چلا گیا۔"

"ڈیڈی کے چہرے پر خون۔" سارہ چیخ اٹھی۔

"ہاں .... گھبراؤ نہیں۔ ہم وہیں چل رہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "میرے لئے یہ خبر انتہائی حیرت انگیز ہے کہ لوتھر نے کوٹھی کے باہر قدم نکالا ہے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ تینوں لوتھر کی کوٹھی میں پہنچ گئے۔ یہاں ہر طرف سناٹا تھا۔ نوکر بھی نہیں دکھائی دے رہے تھے۔ وہ اس کمرے میں آئے جہاں آہنی الماری تھی۔

"ارے اس کا قفل۔" سارہ بے ساختہ بولی۔ فریدی نے جھک کر کٹے ہوئے قفل کو فرش سے اٹھالیا اور اُسے الٹ پلٹ کر دیکھنے کے بعد کہا۔ "اسے گیس سے کاٹا گیا ہے۔"

پھر اس کی نظر گیس سلنڈر پر پڑی۔

"یہ سب سامان تو سنگ ہی کا ہے۔" سارہ بولی۔

"تو کیا سنگ ہی نے اُسے کھولا۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "مگر لوتھر تو کوٹھی سے پہلے ہی نکل گیا تھا۔ سنگ ہی بعد کو گیا۔"

پھر اُس نے الماری کے پٹ کھول دیئے۔ اس میں کچھ بھی نہیں تھا۔

"فریدی صاحب۔" سارہ چیخی۔ "ڈیڈی کو بچایئے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ اُس نے ترحم آمیز نظروں سے سارہ کی طرف دیکھا اور پھر خالی الماری کو گھورنے لگا۔

"میں مکان کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔" اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "سب سے پہلے مجھے سنگ ہی کے کمرے بتاؤ۔"

سب کچھ، کچھ بھی نہیں

رات تاریک تھی.... شام ہی سے کچھ ایسی تیز آندھی چلنی شروع ہوئی تھی کہ بجلی کے تار ٹوٹ جانے کی بناء پر شہر کے بعض حصے بالکل ہی تاریک ہوگئے تھے۔ آندھی رکنے کے تھوڑی ہی دیر بعد اُتر سے کالی کالی بدلیاں اٹھیں اور دیکھتے ہی دیکھتے سارا آسمان چھپ گیا۔ پھر ایسی موسلا دھار بارش ہوئی کہ لوگ پناہ مانگنے لگے۔ سڑکیں ویران ہوگئیں۔

نیلسن اسٹریٹ تو پوری کی پوری اندھیرے میں گم ہوگئی تھی اور یہاں بارش کے شور کے علاوہ کوئی دوسری آواز نہیں سنی جاسکتی تھی۔ کیونکہ یہاں کی قدیم انگریزی طرز کی اونچی اونچی عمارتوں کی چھتیں زیادہ تر ٹین ہی کی تھیں۔ اب سے ساٹھ ستر سال پہلے یہ عمارتیں انگریز فوجی آفیسروں کے لئے بنائی گئی تھی اور شہر کا یہ حصہ اب بھی پرانی چھاؤنی کے نام سے مشہور تھا۔

سنگ ہی اس طوفانی رات میں نیلسن اسٹریٹ کی ایک عمارت کے سامنے کھڑا ایک ایسی کھڑکی کو گھور رہا تھا جس کے شیشوں سے زرد رنگ کی دھندلی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے اپنی جیب سے پتھر کا ایک ٹکڑا نکالا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اس کھڑکی کا ایک شیشہ چور چور ہوگیا۔ سنگ ہی نہایت اطمینان سے اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اس کا پھینکا ہوا پتھر کا ٹکڑا شیشے کو توڑتا ہوا اندر چلا گیا تھا۔ کسی نے کھڑکی کھولی اور ایک آدمی کے دھندلے نقوش زرد روشنی کے پیش منظر میں ابھر آئے۔ سنگ ہی کے ریوالور سے شعلہ نکلا اور پھر ایک چیخ سنائی دی جسے بارش کا شور بھی نہ دبا سکا تھا۔

❁

"یہ آواز کیسی تھی۔" فریدی یک بیک چونک کر بولا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ آخر دو تین گھنٹوں سے یہ کیسی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"شش! میرا خیال ہے کہ وہ فائر کی آواز تھی۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

یہ دونوں نیلسن اسٹریٹ کی ایک ویران اور شکستہ عمارت کے ایسے حصے میں بیٹھے ہوئے تھے جس سے وہ عمارت صاف دکھائی دیتی تھی جس کی کھڑکی پر سنگ ہی نے پتھراؤ کے بعد گولی چلائی تھی۔ شائد وہ اس کی نگرانی سے ٹھیک اسی لمحہ غافل ہوئے تھے جب سنگ ہی نے اپنا کام کیا تھا۔

فریدی کے ساتھ حمید بھی کھڑا ہو گیا۔ سامنے والی عمارت کی کھڑکی اب بھی کھلی ہوئی تھی اور اُس کھڑکی سے اندر کی دیواروں پر کئی آدمیوں کے گہرے سائے تیزی سے حرکت کرتے نظر آرہے تھے اور کھڑکی پھر بند کر لی تھی۔

"واہمہ ہے آپ کا۔" حمید نے فریدی سے کہا۔ "اتنے شور میں آپ نے فائر کی آواز سن لی۔ کمال ہے کیا توپ کی آواز تھی۔"

فریدی کچھ نہ بولا اس کی نظر کھڑکی پر جمی ہوئی تھی۔ حالانکہ بارش کا زور کافی کم ہو گیا تھا لیکن ٹین کی چھتوں کی وجہ سے شور بدستور جاری تھا۔

اچانک فریدی نے چونک کر کہا۔ "یہ کھڑکی کے ایک شیشے کو کیا ہو گیا۔"

"بخار آ گیا ہو گا۔" حمید بولا۔ پھر اس نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔ "آخر ہم کب تک یہاں جھک مارتے رہیں گے۔"

"جب تک سنگ ہی ہاتھ نہ آجائے۔ میرا دعویٰ ہے کہ وہ آج رات کو یہاں ضرور آئے گا۔"

پھر کھڑکی کی روشنی بھی غائب ہو گئی۔

"آخر شیشہ کیوں۔" فریدی تھوڑی دیر بعد پھر بڑبڑایا۔ پھر اچانک چونک کر بولا۔ "اوہ.... حمید شائد ہم دھوکہ کھا گئے۔ سنگ ہی نکل گیا۔"

"کیا خواب دیکھ رہے ہیں۔"

"نہیں شائد ان میں سے ایک اور ختم ہو گیا وہ شائد کسی آدمی ہی چیخ تھی اب ہمیں اٹھنا

چاہئے۔ سامنے والی عمارت میں داخل ہونا ہی پڑے گا۔"

"کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ وہ ہمیں پہلے ہی ڈاکٹروں کے روپ میں دیکھ چکے ہیں۔"

"فکر نہ کرو.... میں اتنے دنوں تک جھک نہیں مارتا رہا۔ ہم اس طرح عمارت میں داخل ہوں گے کہ اُن کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو گا۔"

"اوہ.... تو یہی طریقہ سنگ ہی بھی اختیار کر سکتا ہے۔"

"اور میں نے ہی وہ طریقہ اختیار کرنے میں اُسے مدد دی ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"سنگ ہی آج کل میرا مخاطب کر رہا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اور اُس نے مجھے راستہ بناتے ہوئے آج ہی دیکھا تھا۔ تم جانتے ہو کہ ان عمارتوں کے پیچھے دور تک سرکنڈوں کا جنگل ہے اور وہیں کچھ شکستہ بیرکیں بھی ہیں۔ اس لئے دن کو بھی اس قسم کے کام بہ آسانی ہو سکتے ہیں۔"

"چلئے جناب۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

❁

سنگ ہی اتنا احمق نہیں تھا کہ سڑک پر کھڑے ہو کر کھڑکی میں فائر کرتا۔ اس نے یہ خطرہ جان بوجھ کر مول لیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح عمارت کے مکینوں کو سمیٹ کر ایک جگہ کر دے۔ اس کے بعد فریدی کے بنائے ہوئے راستے کے ذریعہ چپ چاپ عمارت میں داخل ہو جائے۔

اس نے یہی کیا۔ عمارت کے رہنے والے اب بھی اُسی کمرے میں کھڑے سرگوشیاں کر رہے تھے جس میں ان کے ایک ساتھی کی لاش پڑی ہوئی تھی۔

سنگ ہی عمارت کی عقبی دیوار میں لگی ہوئی نقب کے ذریعہ عمارت میں داخل ہو گیا۔

❁

فریدی اور حمید سڑک پر آگئے تھے۔ کئی جگہ انہیں گھٹنوں گھٹنوں پانی سے گذرنا پڑا۔ بارش بند ہو چکی تھی اور سناٹے میں مینڈکوں کا شور گونج رہا تھا۔ ہوا بالکل بند تھی۔ وہ عمارت کی پشت پر آئے۔ یہاں فریدی نے جیب سے ایک چھوٹی سی ٹارچ نکالی اور اُسے روشن کرتے ہوئے سرکنڈوں کے جنگل کی طرف ہاتھ اٹھا کر تین بار جنبش دی جس کے جواب میں تھوڑی ہی دور پر

ایک دوسری ٹارچ کی روشنی نظر آنے لگی۔

"ٹھیک ہے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا ٹھیک ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"سنگ ہی اندر داخل ہو چکا ہے۔" فریدی نے کہا اور نقب کے دہانے پر آکر کھڑا ہو گیا۔ حمید نے جھپٹ کر اُس میں گھسنا چاہا لیکن فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ٹھہرو... بدحواسی ٹھیک نہیں۔ معاملہ سنگ ہی کا ہے۔" اس نے کہا اور ٹارچ روشن کر لی۔

"دیکھو...!" فریدی آہستہ سے بولا۔ وہ نقب کے دہانے کے اُدھر کی زمین کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

حمید آگے جھک کر دیکھنے لگا۔ سفید رنگ کی چھوٹی چھوٹی لاتعداد گولیاں زمین پر بکھری ہوئی تھیں۔

"چلتے آؤ۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن ان گولیوں پر پیر نہ پڑنے پائے۔"

"کیوں؟ یہ ہیں کیا بلا؟"

"پٹاخے.... یہ اس لئے ڈالے گئے ہیں کہ اگر کوئی سنگ ہی کے بعد داخل ہو تو اُسے اس کا علم ہو جائے۔"

حمید سنگ ہی کی ذہانت پر حیرت ظاہر کرتا ہوا فریدی کے ساتھ چلنے لگا۔ سنگ ہی کے پیروں کے نشانات دیکھتے ہوئے وہ آگے بڑھتے رہے۔ حمید نے سوچا کہ یہ بارش کا پہلا فائدہ ہے ابھی تک تو وہ دل ہی دل میں موسم پر تاؤ کھاتا رہا تھا۔

ایک جگہ فریدی نے رک کر آہٹ لی اور پھر اس کے بعد اُس نے ٹارچ نہیں استعمال کی۔ کمرہ تاریک تھا۔ لیکن اس کے آگے والے کمرے میں روشنی تھی۔ دونوں کمروں کے درمیان میں ایک دروازہ تھا جس میں ایک دبیز سا پردہ لٹک رہا تھا لیکن وہ اتنا دبیز بھی نہیں تھا کہ دوسری طرف کی روشنی اُسے نہ دکھائی دیتی۔ دروازے میں کوئی کھڑا تھا۔ ایک تاریک انسانی سایہ..... حمید نے اندھیرے میں بھی اُسے پہچان لیا۔ وہ سنگ ہی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ شائد وہ دوسرے کمرے کے لوگوں کی گفتگو سننے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ دونوں سنگ ہی سے تھوڑے فاصلے پر اندھیرے میں دبک گئے۔ گفتگو کرنے والوں کی آوازیں اُن تک صاف پہنچ رہی تھیں۔

"اب تم مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔" کسی نے امریکن لہجے میں کہا۔

"اُف.... میں تمہیں کس طرح یقین دلاؤں۔" حمید نے لوتھر کی آواز صاف سنی۔

"یقین....!" امریکن غرا کر بولا۔ "ہم ابھی ابھی اپنا چھٹا ساتھی گنوا چکے ہیں۔"

"تو میرا کیا قصور ہے اُسے سنگ ہی نے مارا ہوگا۔ میں نے آج تک کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا... اور اگر تم کہتے ہو کہ تمہیں الماری میں چمڑے کا تھیلا نہیں ملا تو یقین جانو اُسے بھی سنگ ہی اڑا لے گیا ہے۔"

"تم میں اور اُس ولد الحرام چینی میں فرق ہی کیا ہے؟"

"آہ.... فرق۔ اس نے مجھے برباد کر دیا۔ وہی کتا مجھے جنوبی امریکہ لے گیا تھا۔ ایک دلخوش داستان سنا کر۔ اُس نے سب کچھ کیا اور پھر اُس نے پوری طرح مجھے اپنی گرفت میں رکھا۔ ورنہ کبھی کا اس منحوس چیز کو واپس کر دیتا اور پھر تم لوگوں نے میرے تین آدمیوں کو بھی ختم کر دیا۔"

"بکواس ہے۔" امریکن بولا۔

فریدی دبے پاؤں آگے بڑھا اور اس نے پردے کے قریب کھڑے ہوئے سنگ ہی کی کمر پر زور کی لات رسید کی وہ دھڑام سے دوسری طرف جا گرا اور فریدی بھی بڑی پھرتی سے اپنی جگہ واپس آگیا۔ دوسرے کمرے میں شور مچ گیا شائد وہ سب بیک وقت سنگ ہی پر ٹوٹ پڑے تھے۔

"واہ.... وا.... کیا مقدر ہے۔" ایک ہانپتی ہوئی آواز آئی۔ "وہ تو اس چینی کی گردن ہی میں محفوظ ہے۔"

"گردن کاٹ کر نکال لو۔" غرائی ہوئی سی آواز آئی۔ "مگر نہیں پہلے اسے بھی کرسی میں جکڑ دو۔"

کئی آدمیوں کی بڑبڑاہٹیں کمرے میں گونجنے لگیں شائد وہ سنگ ہی کو کرسی میں جکڑنے لگے تھے۔

تھوڑی ہی دیر بعد فریدی پردہ ہٹا کر دوسرے کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں ریوالور تھے۔

"ہیر ہیر۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "لیکن تم لوگ اپنے ہاتھ اوپر ہی اٹھائے رکھو۔ یہ بھی ایک آزاد ہی مملکت کی پولیس ہے۔"

سنگ ہی اور لوتھر کے علاوہ کمرے میں تین آدمی اور تھے ان میں سے ایک دو کو حمید دیکھ چکا تھا۔ تیسرا آدمی البتہ اس کے لئے نیا تھا۔ وہ ایک بوڑھا آدمی تھا چہرے پر سفید ڈاڑھی اور سر پر عورتوں کے سے لمبے لمبے بال تھے۔ ناک نوکیلی اور لمبی تھی۔ آنکھیں چھوٹی اور آنکھیں لیکن یہ بھی سفید فام ہی تھا۔ سنگ ہی اور لوتھر کرسیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ سنگ گریبان کھلا ہوا تھا۔ حمید نے دیکھا کہ اُس کے گلے میں چاندی کا ایک موٹا سا طوق پڑا ہوا ہے

"آخر تم آ ہی گئے.... میری گرفت میں۔" فریدی نے سنگ ہی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کرنل تم دیکھتے نہیں کہ کم بختوں نے میرے مالک کو باندھ رکھا ہے۔" سنگ ہی بولا۔

"چپ رہو حرامزادے۔" لوتھر گرجا۔ "میں تجھ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔"

"تم نے ہمیشہ میری بے قدری کی ہے۔" سنگ ہی نے خشک لہجے میں کہا۔

"لیکن یہ طوق کیسا ہے سنگ۔" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"مہاتما بدھ کے نام کا ہے۔" سنگ ہی نے کہا۔

"یہ جھوٹ ہے۔" بوڑھا سفید فام چیخا۔ "اس نے یہ طوق مردہ شہزادی کے گلے سے تھا۔ یہ ہمارے لئے بہت مقدس ہے۔ میں انڈس کی زیارت گاہ کا ایک پجاری ہوں۔ یہ طوق دیوتا کے نام کا ہے۔ ہمارے لئے مقدس ترین۔"

"بس اتنی ہی سی بات ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"تمہارے لئے یہ چیز کوئی وقعت نہیں رکھتی ہوگی۔ ہمارے لئے یہ ایک مقدس امانت ہے۔"

"خوب...." فریدی ہنس پڑا۔ پھر اس نے سنگ ہی سے پوچھا۔ "کیوں سنگ.... کیا تم سورج دیوتا کے پجاری ہو۔"

اس پر سنگ ہی نے جھلا کر سورج دیوتا کے سارے خاندان والوں کی ماؤں کی شان قصیدہ پڑھ دیا۔

"لیکن سنگ....!" فریدی نے پھر پوچھا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ تم اس بے حقیقت چ کے طوق کے لئے اتنی دور کیوں گئے اور تم نے اسی کے لئے نہ صرف ان لوگوں کے چھ مارے بلکہ اپنے بھی تین آدمی ختم کر دیئے.... آخر کیوں۔"

"یہ سراسر جھوٹ ہے۔"

"نہیں پیارے کیچوے یہ درست ہے میں نے تمہارے سامان سے چمڑے کی پٹی اور وہ زہر کر لیا ہے اس کا تجزیہ کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ وہی زہر ہے جس کی علامتیں نیلی لکیروں میں گئی تھیں۔ تم نے اپنے تینوں ساتھیوں کو محض اس لئے ختم کر دیا کہ انہوں نے تمہیں مردہ ی کے گلے سے طوق اتارتے دیکھا تھا.... اور یہ بھی سن لو سنگ! وہ پٹھان سنتری میں ہی تھا۔ لکیر کے دوسرے حادثے کے بعد ہی سے میں نے اس کیس میں دلچسپی لینی شروع کر دی تھی۔ نیلی لکیروں کے راز سے واقف تھا اور یہ جانتا تھا کہ تم نے شہزادی کی لاش کے لئے اتنا لمبا سفر ں کیا تھا۔ جرمن مصنف کا وہ سفر نامہ جو تمہارے اس سفر کا محرک ہوا تھا میری نظروں سے ی گذر چکا ہے.... سمجھے.... فرزند....!"

سنگ ہی کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔ لیکن اُس نے دوسرے ہی لمحے میں قہقہہ لگایا۔ بالکل ایسا معلوم ہوا ہے وہ فریدی کا مذاق اڑا رہا ہو۔

فریدی اس کے قہقہے کی پرواہ کئے بغیر بولا۔ "حمید! سنگ ہی کی گردن سے طوق اتار لو۔ ردار کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلے ورنہ گولی مار دوں گا۔"

دوسرے ہی لمحے میں بھاری قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور کئی مسلح سب انسپکٹر اس کمرے ں گھس آئے۔ حمید نے آگے بڑھ کر طوق سنگ ہی کی گردن سے اتار لیا۔ فریدی اُسے الٹ لٹ کر دیکھتا رہا۔ اچانک وہ اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گرا۔ پھر اُسے اٹھاتے وقت اس کے منہ سے ہلکی سی تحیر آمیز آواز نکلی۔ طوق کی موٹائی بڑھ گئی تھی۔ حمید نے غور سے دیکھا تو اس پر یہ حقیقت کھلی کہ طوق کے گرد چاندی کا ایک بڑا سا پتر لپٹا ہوا تھا جس کی بندش اب ڈھیلی ہو گئی تھی۔ فریدی نے اُسے پھیلا دیا۔ یہ ایک بالشت لمبا اور اتنا ہی چوڑا تھا۔

"خوب....!" فریدی ہنس کر بولا۔ "تو وہ افواہ جو اُس جرمن مصنف نے اپنے سفر کے دوران میں سنی تھی صحیح نکلی۔"

"کیسی افواہ۔" حمید نے پوچھا۔ "کیا وہ کتاب آپ کو مل گئی تھی۔"

"ہاں! افواہ یہ تھی کہ شہزادی کے پاس شاہی خاندان کے مدفون خزانے کا نقشہ تھا اور شائد اس پتر میں وہی نقشہ ہے اور قدیم تصویری انداز کی ایک تحریر بھی ہے۔ جسے آج کل کے زمانے ں شائد ہی کوئی سمجھ سکے۔ کیوں سنگ! کیا تم اسے سمجھ سکتے ہو۔"

سنگ ہی کچھ نہ بولا۔ اس کا چہرہ بالکل تاریک ہو گیا تھا نہ صرف اُس کی بلکہ اُن تینوں فاموں کی حالت بھی غیر نظر آنے لگی تھی۔

فریدی نے سنگ ہی سے کہا۔ "لوتھر کو تم نے اس لئے زندہ رکھا کہ وہ دولت مند اُسے دوسرے سفر کے اختتام تک زندہ رکھنا چاہتے تھے اور شائد مقصد پورا ہو جانے کے بع اُسے بھی ختم کر دیتے۔"

"کیسا مقصد.....!" حمید نے پوچھا۔

"خزانے کی تلاش میں کامیابی۔"

"کیا میں اس وقت کوئی جاسوسی ناول خواب میں دیکھ رہا ہوں۔" حمید نے اپنے گال میں چ لے کر کہا۔

"زیادہ تر حقیقت ہی افسانہ بنتی ہے۔"

اس کے بعد ان سب کے ہتھکڑیاں لگا دی گئیں۔

❁

پانچ کاریں آگے پیچھے شہر کی طرف جا رہی تھیں۔ ان میں قیدی تھے۔ سب سے آگے وا کار میں سنگ ہی تھا۔ اُس کے داہنے ہاتھ میں ہتھکڑی تھی اور ہتھکڑی کا دوسرا حلقہ ایک سب انسپکٹر نے اپنے بائیں ہاتھ میں ڈال رکھا تھا جیسے ہی دریا کا پل قریب آیا سنگ ہی نے بائیں ہاتھ سے اپنے کوٹ کا کالر ٹٹول کر ایک باریک سی سوئی نکالی۔

سب انسپکٹر نہایت اطمینان سے ٹیک لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ سنگ ہی کا بایاں ہاتھ اس کی ران کی طرف رینگ گیا۔

"اررر.....!" سب انسپکٹر کے منہ سے اتنا ہی نکل سکا اور پھر وہ شائد دوسرے ہی لمحے میں ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔ سنگ ہی نے بڑی صفائی سے اپنا داہنا ہاتھ ہتھکڑی سے نکال کر مر سب انسپکٹر کے ہولسٹر سے ریوالور نکالا اور پھر اُس کی نال ڈرائیور کی گردن پر رکھتا ہوا سانپ کی طرف پھپھکارا۔

"روک دو.....ورنہ گولی مار دوں گا۔"

کار پل پر پہنچ چکی تھی، جیسے ہی ڈرائیور نے رفتار کم کی سنگ ہی نے دریا میں چھلانگ لگا دی۔

پھر ایک شور قیامت اٹھا۔ ساری کاریں رک گئیں۔ فریدی بھاگتا ہوا اگلی کار کی طرف آیا۔ پھر بوکھلا کر پل سے نیچے دیکھنے لگا۔ کئی ٹارچوں کی روشنیاں دریا کی سطح پر متحرک نظر آ رہی تھیں لیکن سنگ ہی کا کہیں پتہ نہ تھا۔

❁

دوسرے دن سفید فام قیدی امریکن سفارت خانے کے سپرد کر دیئے گئے کیونکہ اُن کے پاس امریکن پاسپورٹ تھے۔ سفارت خانے سے معلوم ہوا کہ وہ امریکہ کے معزز شہریوں میں سے تھے۔ بوڑھا جس نے خود کو انڈس کی زیارت گاہ کا پجاری بتایا تھا امریکہ کا ایک ماہر آثار قدیمہ نکلا۔ لیکن اُن تینوں نے اپنے سفارت خانے کے آفیسروں سے کسی طوق کا تذکرہ نہیں کیا اور نہ مقامی افسروں ہی نے اس قسم کا کوئی سوال اٹھایا۔ طوق سرکاری تحویل میں چلا گیا تھا۔

بہر حال معاملہ بالکل دبا دیا گیا۔ تین چار دن بعد لوتھر کی ضمانت منظور ہو گئی۔ سارے الزامات سنگ ہی کے خلاف تھے لیکن سنگ ہی کا کہیں سراغ نہ ملا۔ دریا میں میلوں تک اس کی لاش کے لئے جال ڈالے گئے لیکن لاش بھی نہ ملی۔ یہ تو سوچا ہی نہیں جا سکتا تھا کہ اتنی بلندی سے کودنے کے بعد وہ زندہ بچا ہو گا۔

فریدی کو اس کا افسوس تھا کہ سنگ ہی کو عدالت میں پیش نہ کر سکا۔ نیلی لکیر کا راز اُس نے حل کر لیا تھا اور یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ یہ سب ہنگامہ کس بناء پر ہوا تھا۔ لیکن اس سے اس کی تشفی نہیں ہوئی تھی۔ وہ سنگ ہی کو ایک حقیر کیڑے کی طرح مسلنا چاہتا تھا۔

طوق سے اُسے کوئی دلچسپی نہ تھی لیکن اُسے کیا معلوم تھا کہ ایک دن طوق اُسی کے گلے لگے گا اور اُسے اُسکے ساتھ ایک دور افتادہ سرزمین میں طرح طرح کے خطرات کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔

حمید کو اس کی مطلق پرواہ نہیں تھی کہ کیا نہ ہوا اور کیا ہونا چاہئے تھا۔ اُسے اس کیس میں صرف ایک فائدہ ہوا۔ وہ یہ کہ اکثر شامیں سارہ کے ساتھ گذرتی رہیں۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 43

تاریک سائے

(مکمل ناول)

پیش رس

"تاریک سائے" اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ لوگ اب بھی اس دنیا میں زندہ ہیں جن کے اندر نسلی برتری کا احساس موجود ہے جو اٹھارویں صدی کے ماحول کی طرح آج بھی یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے علاوہ دیگر اقوام ذلیل اور کمتر ہیں۔ ایسے افراد کتنے بھیانک، انسانیت کے لئے کتنے تباہ کن اور تہذیب و تمدن کے لئے کتنے مضرت رساں ہوتے ہیں۔ اس کا اندازہ آپ کو اس کہانی کے ایک کردار سے ہو سکے گا۔

اس کہانی میں ایک چھپا ہوا گہرا طنز بھی ہے۔ ان لوگوں پر جو دوسروں کی ایجادات پر، دوسروں کے کارنامے پر اپنی شہرت کی عمارتیں کھڑی کرتے ہیں وہ چاہے سائنٹسٹ ہوں، فلسفی، مصنف یا کاریگر! آخری صفحات میں فریدی کی زبان سے ایسے نقالوں کا پردہ فاش ہوتے دیکھئے! حالانکہ فریدی صرف مجرم کے بارے ہی میں بتاتا ہے لیکن یہ بات ہر اس فرد پر عائد ہوتی ہے جو دوسرے کی ایجاد کے امتیاز کو چھین کر اپنا بنانا چاہتا ہے۔

ابن صفی نے اس کہانی میں دو تین باتیں جان بوجھ کر چھوڑ دی ہیں۔ ان کے اشارے بہت لطیف ہیں۔ آپ خود سوچئے کہ فریدی نے ایسا کیوں کیا؟ اور تھوڑا سا سوچنے پر آپ کو اس کا جواب مل جائے گا۔ ابن صفی اپنے قارئین کی ذہانت کے قائل ہیں اور وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ ان کی کہانیاں صرف "پڑھنے والی ڈھرے کی چیز" نہ رہ جائیں۔ بلکہ ان میں ذہانت بھی ہو، معلومات بھی ہو، غور و فکر بھی ہو اور گہرائی بھی ہو۔ اس گہرائی اور بلند فکری کی مثال اس کہانی میں چھوٹے چھوٹے وہ سینکڑوں جملے ہیں جو پروفیسر داغ کی زبان سے کہلوائے گئے ہیں یا فریدی نے انہیں ادا کیا ہے۔

اس سب کے علاوہ "تاریک سائے" کی سب سے بڑی خصوصیت اس کا ہیبت ناک ماحول ہے۔ سنسنی خیز، پُر اسرار، رونگٹے کھڑے کر دینے والا ماحول! کہیں کہیں تو دل کی دھڑکنیں اتنی تیز ہو جاتی ہیں کہ آپ ہی آپ سارا جسم کانپ اٹھتا ہے۔ خصوصاً آخری صفحات کا تھرل، دہشت ناک ماحول، ہیبت ناک واقعات بھیانک، خوفناک [illegible] دینے والے مناظر آپ ہی اپنا جواب ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے سب کچھ سامنے ہی ہو رہا ہے۔

پبلشر

کار میں لاش

سورج غروب ہوتے ہی سارے شہر پر دھند چھا گئی اور سردی کی شدت سے سڑک پر چلنے والوں کے دانت بجنے لگے۔ حمید کو اس کی توقع نہیں تھی کہ سردی اچانک اتنی بڑھ جائے گی۔ وہ دوپہر کو آفس سے نکل بھاگا تھا اور اس کے جسم پر فاختئی رنگ کے آیئرین کا ہلکا سا سوٹ تھا.... اور اب اس وقت وہ سردی کا احساس کم کرنے کے لئے بالکل اسی انداز میں انگریزی کا ایک سونیٹ گنگنا رہا تھا، جیسے سردی کھائے ہوئے کتے کے پلے بے ہنگم آواز میں چیاؤں چیاؤں کرتے ہیں۔

مشکل تو یہ تھی کہ وہ فی الحال گھر بھی نہیں جانا چاہتا تھا۔ حقیقتاً وہ ایک خوبصورت عورت کا تعاقب کر رہا تھا اس کی کار آگے تھی اور حمید ایک ٹیکسی میں بیٹھا ہوا سوچ رہا تھا کہ آخر اس عورت میں کونسی ایسی خاص بات ہے جو اسے تعاقب جیسی لغو حرکت پر اکسا دیتی ہے۔ وہ کئی دن سے اس کا تعاقب کر رہا تھا اور ابھی تک کوئی ایسا موقع ہاتھ نہیں آیا تھا جس سے فائدہ اٹھا کر وہ اس سے تعارف حاصل کر سکتا۔ بس وہ اسے روزانہ کہیں نہ کہیں دکھائی دے جاتی تھی اور وہ اس کا تعاقب شروع کر دیتا تھا۔ اس وقت بھی وہ اسی حرکت میں "مبتلا" تھا۔

اگلی کار شہر کی متعدد سڑکوں سے گذر کر اس ویران سڑک پر ہولی جو نیاگرہ ہوٹل کی طرف جاتی تھی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اگر وہ نیاگرہ ہوٹل ہی جا رہی ہے تو اس کا تعلق یقیناً کسی دولت مند گھرانے سے ہوگا۔

تھوڑی دیر بعد کار نیاگرہ ہوٹل کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔ حمید نے اپنی ٹیکسی باہر ہی رکوالی۔ وہ اکثر یہاں آچکا تھا۔ لیکن اس وقت کچھ اس بُری طرح وہ عورت اس کے ذہن پر سوار

تھی کہ اسے یہاں کے قواعد و ضوابط بھی یاد نہ رہے۔

عورت ڈائننگ ہال میں داخل ہو چکی تھی۔ اس کے بعد ہی حمید نے بھی اندر گھسنا چاہا۔ لیکن باہر کھڑے ہوئے بل کیپٹن نے اُسے رکنے کا اشارہ کیا اور ساتھ ہی اس نے ایک نوٹس بورڈ کی طرف انگلی اٹھائی جس پر تحریر تھا "شام کی تفریح کے لئے ایوننگ سوٹ میں آنا ضروری ہے۔"

"میں ڈیوٹی پر ہوں.... سمجھے۔" حمید جھلا گیا۔

"حضور والا! میں بھی ڈیوٹی ہی پر ہوں۔" بل کیپٹن نے بڑی لجاجت سے کہا۔

"میرا کارڈ منیجر تک پہنچا دو۔" حمید اسے گھور کر بولا۔

"یہ ہو سکتا ہے جناب۔" کیپٹن نے مسکرا کر کہا۔ پھر ایک بل بوائے کو اشارے سے بلا کر بولا۔

"صاحب کا کارڈ.... منیجر صاحب تک پہنچا دو۔"

حمید نے کارڈ نکال کر اُسے دے دیا۔

تھوڑی دیر بعد منیجر خود دروازے پر موجود تھا۔

"اوہ پٹان صاحب! مجھے افسوس ہے۔" منیجر نے کہا۔ "بل کیپٹن کی کوئی غلطی نہیں۔ آپ یہاں کے لئے نئے بھی نہیں ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید نے کہا۔ "میں ایک آدمی کی نگرانی کر رہا ہوں اور اتفاق سے میرے محکمے کا قانون ایوننگ سوٹ کی قطعی پرواہ نہیں کرتا۔"

"کیا کوئی خاص بات ہے۔" منیجر مضطربانہ انداز میں بولا۔ "آج یہاں کرنل صاحب بھی موجود ہیں۔"

"کون....!" حمید چونک کر بولا۔ "کیا فریدی صاحب۔"

"جی ہاں.... اور وہ ہمیشہ ہی خاص مواقع پر آتے ہیں۔"

حمید بوکھلا گیا۔ اس نے منیجر سے صریحاً جھوٹ بولا تھا۔ اگر فریدی کو اس حرکت کی اطلاع ہو جاتی تو وہ اس کی چمڑی ادھیڑ دیتا۔ اب مصیبت یہ تھی کہ وہ منیجر سے اس قسم کی گفتگو کرنے کے بعد واپس بھی نہیں جا سکتا تھا۔

"آپ اندر تشریف لا سکتے ہیں۔ لیکن آپ کو کرنل صاحب ہی کی میز پر بیٹھنا پڑے گا۔ وہ اپنی میز پر تنہا ہیں۔ بقیہ ساری میزیں بھری ہوئی ہیں۔"

حمید کی بوکھلاہٹ اور بڑھ گئی۔

"بہت اچھا....!" وہ جلدی سے بولا۔

اندر پہنچ کر ایک ویٹر نے فریدی کی میز تک اُس کی رہنمائی کی۔

فریدی کے سامنے کافی کی ٹرے رکھی ہوئی تھی اور وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے سگار پی رہا تھا۔ اس نے حمید کو تحیر آمیز نظروں سے دیکھا۔

حمید جلدی سے بیٹھتا ہوا بولا۔ "آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا.... میں نے سنا تھا....!"

"تم اس سوٹ میں یہاں کیسے؟" فریدی نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اوہ.... میرے لئے کہیں کوئی پابندی نہیں۔ میں بہت گریٹ آدمی ہوں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ صرف اُسے گھورتا رہا۔

حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "میں وہسکی پیوں گا۔"

"آج میں نے ایسے جوتے پہن رکھے ہیں جنہیں اتارنے میں زیادہ جھنجھٹ نہ کرنی پڑے گی۔"

"بغل میں دبا کر بھاگئے گا....؟" حمید نے ڈھٹائی سے پوچھا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس نے پیالے میں کافی انڈیلی اور اس میں دودھ ڈالے بغیر شکر ملانے لگا.... حمید اس کی خاموشی سے اکتا کر چاروں طرف نظر دوڑانے لگا۔ لیکن وہ عورت اُسے کہیں نظر نہ آئی۔

"آپ یہاں کیوں آئے ہیں۔" حمید نے فریدی سے پوچھا۔

"اُسی عورت کے لئے جس کے پیچھے تم آئے ہو۔"

"کیا....؟" حمید بوکھلا گیا۔ "میرے خدا کیا سچ مچ آپ جادوگر ہیں۔"

"نہیں.... لیکن میں تم سے زیادہ تجربہ کار ہوں۔ اس بات کا اندازہ میں نے تمہارے سوٹ سے لگایا ہے۔"

"سوٹ سے! بھلا وہ کس طرح۔"

"اگر تم گھر ہی سے یہاں آنے کا ارادہ کر کے چلے ہوتے تو ایوننگ سوٹ پہن کر آتے۔ تم نے شائد اسے راہ میں دیکھ لیا اور اپنی گندی عادت سے مجبور ہو کر اس کے پیچھے لگ گئے۔"

حمید کچھ نہ بولا.... فریدی نے سگار کا کش لے کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم یہ بھی نہیں

جانتے کہ وہ ہے کون۔"

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔"

"تمہارا سوٹ ہی یہ کہنے پر مجبور کر رہا ہے۔ اگر تم اس سے واقف ہوتے تب بھی اس وقت تمہارے جسم پر ایوننگ سوٹ ہوتا۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"ابھی سمجھ لو گے۔"

"خیر وہ تو میں پھر سمجھ لوں گا۔" حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "لیکن یور ہارڈ شپ نے کب سے عورتوں کے پیچھے دوڑنا شروع کر دیا۔"

"اس کا جواب یہ ہے کہ مجھے بھی بعض عورتیں دلچسپی لینے پر مجبور کر دیتی ہیں۔"

"اچھا....!" حمید نے تحیر آمیز لہجے میں کہا۔ "تو وہ ایسی ہی عورت ہے۔"

"اس سے بھی کچھ زیادہ۔"

"تب تو پھر آپ مجھے اس سلسلے میں بُرا نہیں کہہ سکتے۔" حمید چہک کر بولا۔

"جب کرنل ہارڈ اسٹون جیسا آدمی اس کے لئے ہوٹل گردی کر سکتا ہے.... تو یہ خاکسار؟.... ظاہر ہے۔"

فریدی صرف مسکرا کر رہ گیا۔

اچانک آرکسٹرا نے موسیقی شروع کر دی اور حمید کو یاد آیا کہ آج تو نیاگرا ہوٹل میں ایک اسپیشل پروگرام تھا۔ اس نے صبح ہی اخبار میں اس کے متعلق دیکھا تھا۔ اٹلی کی رقاصہ گریٹا سیرانو اپنے آرٹ کا مظاہرہ کرنے والی تھی۔

حمید کی نظر اسٹیج کی طرف اٹھ گئی جس کا جھلملاتا ہوا پردہ درمیان سے شق ہو کر آہستہ آہستہ دائیں بائیں سرک رہا تھا۔

اور پھر اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے اسی عورت کو اسٹیج پر کھڑے دیکھا جس کا تعاقب کرتا ہوا وہ یہاں تک آیا تھا۔ اس وقت وہ جسم کے گداز کی نمائش کرنے والے مغربی لباس میں تھی۔ حمید اپنے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ کر بڑبڑایا۔ "لاحول ولا قوۃ.... پھوٹ جائیں گی کنواروں کی آنکھیں۔"

"کیوں....؟" فریدی بولا۔ "میں نہ کہتا تھا کہ تم اس کی شخصیت سے ناواقف ہو۔"

"مجھے حیرت ہے کہ یہی گریٹا ہے میں تو اسے مشرقی عورت سمجھا تھا۔ لاحول ولا قوۃ.... میں چلا۔"

"کیوں؟ بیٹھو....!" فریدی بولا۔

"قسم لے لیجئے جو میں اس کی ٹانگیں دیکھنے کی غرض سے آیا ہوں۔" حمید نے اپنا منہ پیٹتے ہوئے کہا۔ "اس قسم کا نیم عریاں رقص دیکھ کر ہفتوں میرا دل گوشت کھانے کو نہیں چاہتا.... اور پھر یہ مغربی طرز کا رقص لاحول ولا.... بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی منہ زور مینڈھا ہوا سے لڑ رہا ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ رقص دیکھنے کے بجائے ہال کی میزوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ لوگوں نے اپنے مشاغل ترک کر دیئے تھے اور اب اتنے انہماک سے اسٹیج پر تھرکتے ہوئے نیم عریاں جسم کو دیکھ رہے تھے۔ جیسے وہ پیدا ہونے کے بعد سے اب تک اسی کے منتظر رہے ہوں۔

گریٹا ناچتے ناچتے اسٹیج سے ہال کے فرش پر اُتر آئی۔ اب اس نے ایک اطالوی گیت بھی شروع کر دیا تھا۔ وہ ناچتے ناچتے کسی میز کے قریب رک کر لوگوں کو چھیڑتی اور پھر ناچتی ہوئی دوسری طرف گھوم جاتی۔ اس کے ہاتھ میں ایک ریشمی رومال تھا جسے وہ اکثر تماشائیوں کے چہروں پر لہراتی جاتی تھی۔

"یور ہارڈ شپ....!" حمید بولا۔ "اگر یہ ادھر آگئی تو کیا ہوگا۔"

"تمہیں بخار کیوں چڑھ رہا ہے۔"

"مجھے آپ کی فکر ہے۔ میرا بخار تو اب کافی پرانا ہو چکا۔"

"میری فکر نہ کرو۔ میں روزانہ ڈھائی سو ڈنڈ لگاتا ہوں اور پانچ سو بیٹھکیں اور نہ میں ترکاری خود ہوں۔"

"ادھر ہی آرہی ہے۔" حمید بے چینی سے پہلو بدلتا ہوا بولا۔

"اپنی ناک پر رومال رکھ لو....!" فریدی نے کہا اور خود بھی جیب سے رومال نکال کر اس طرح ناک پر رکھ لیا کہ دہانہ بھی چھپ گیا۔

حمید کے لئے یہ مشورہ مضحکہ خیز ضرور تھا۔ لیکن فریدی کو اس حرکت کی بے ساختگی نے

اسے بھی ناک پر رومال رکھنے پر مجبور کر دیا۔

گریٹا ان کے سروں پر بھی اپنا ریشمی رومال ہلاتی ہوئی گذر گئی۔

"کیا بدبودار تھی؟" حمید نے منہ پر سے رومال ہٹا کر کہا۔

فریدی بے اختیار مسکرا پڑا مگر کچھ بولا نہیں۔

گریٹا دور نکل گئی تھی۔ فریدی نے اپنے منہ پر سے رومال ہٹایا اور کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ اس کی آنکھیں اب بھی گریٹا کا تعاقب کر رہی تھیں۔

"آخر یہ ہے کیا معاملہ۔" حمید نے پوچھا۔

"کیسا معاملہ....!"

"کیا گریٹا کے حسن نے آپ کو متاثر کیا ہے۔"

"اگر میں حسن کی حقیقت سے واقف نہ ہوتا تو شائد تم یہ کہہ سکتے تھے۔"

"حسن کی حقیقت.... میں نہیں سمجھا۔"

"کیا تم کسی ایسی عورت کو پسند کرو گے جس کی گردن ایک فٹ لمبی ہو۔"

"کیا آپ مجھے کسی اونٹنی سے عشق کرنے کا مشورہ دیں گے۔"

"بہرحال تم نہیں پسند کرو گے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ایسی عورت تمہیں مضحکہ خیز معلوم ہوگی۔ مگر ایک ایسا قبیلہ بھی ہے جس کے افراد کی نظر میں حسین ترین وہی ہے جس کی سب سے زیادہ لمبی گردن ہو۔ وہ لوگ اپنی لڑکیوں کی گردنیں بڑھانے کی تدبیر ان کے بچپن ہی کے زمانے سے شروع کر دیتے ہیں اور اس قبیلے میں ایک ایک فٹ لمبی گردنیں پائی جاتی ہیں۔ دنیا میں ایک ایسی قوم بھی ہے جس کی نظروں میں حسن کا معیار حد سے زیادہ چپٹی ناک ہے؟ کیا تم کسی ایسی چپٹی عورت کو پسند کرو گے۔"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"یہی کہ حسن بکواس ہے جس چیز کے معیار کا کوئی تعین ہی نہ ہو اس کا تذکرہ ہی میں فضول سمجھتا ہوں۔"

"ہز ہارڈ شپ والئی ریگستان کی رائے درست معلوم ہوتی ہے۔ مگر اس طرح تو زندگی ممکن نہیں۔"

"تو کیا میں مر گیا ہوں۔"

"قطعی! جس کا احساس حسن فنا ہو جائے اُسے میں مردہ ہی سمجھتا ہوں۔" حمید بولا۔

"تب تم یقین جانو! میں مرا نہیں ہوں۔ مجھے اپنی آئیر ڈیل ٹیریئر کتیا کے پلے بڑے حسین معلوم ہوتے ہیں۔"

حمید اس گفتگو سے اکتا کر پھر گریٹا کی طرف متوجہ ہو گیا جو اب اسٹیج پر واپس چلی گئی تھی اسٹیج کے پردے کے دونوں ٹکڑے آہستہ آہستہ ایک دوسرے کی طرف کھسک رہے تھے۔

آخر کار آرکسٹرا کی موسیقی بند ہو گئی اور ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔

"آپ نے بیکار باتوں میں الجھائے رکھا۔" حمید نے دفعتاً فریدی سے کہا۔ "ناک پر رو رکھنے کا کیا مطلب تھا۔"

"حمید صاحب! یہ ایک لمبی داستان ہے۔ ابھی نہ پوچھئے تو بہتر ہے۔"

"بہتر ہے جناب۔" حمید نے تلخ لہجے میں کہا۔

"تم جانتے ہو کہ مجھے ہوٹلوں کی تضیع اوقات سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"مجھے کچھ بھی جاننے کی ضرورت نہیں۔"

"کچھ بھی ہو.... میں تمہیں گریٹا سے دور ہی رہنے کا مشورہ دوں گا۔"

"کیا وہ سچ مچ بہت بدبودار ہے۔"

"حمید صاحب! میں اس وقت سنجیدہ ہوں۔" فریدی بولا۔

"آخر کیوں! آپ اس کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔"

"شائد میں کل تک اس مسئلے پر روشنی ڈالنے کے قابل ہو سکوں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا

"کون سا مسئلہ! کیسا مسئلہ۔"

"کل بتاؤں گا.... آج کی رات میرے لئے فیصلہ کن ہو گی۔"

تھوڑی دیر بعد پھر موسیقی شروع ہو گئی۔ پردہ سرکا اور اس بار گریٹا کے جسم پر پہلے سے کم کپڑے نظر آ رہے تھے۔ رقص شروع ہو گیا۔ اس بار تو اس نے کوئی گیت ہی چھیڑا اور نہ اسٹیج۔ نیچے اتری۔ رقص حزینہ تھا اور انداز بیلے سے ملتا جلتا تھا۔ مگر اسے مکمل طور پر بیلے بھی نہیں جا سکتا تھا کیونکہ وہ اسٹیج پر تنہا تھی اور اس کا لباس بھی بیلے کے لئے موزوں نہیں تھا۔ وہ کسی خاص

قسم کا اطالوی رقص بھی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ گریٹا کی اپنی ہی کوئی جدت رہی ہو۔

حزینہ موسیقی کی وجہ سے ہال کی فضا کچھ بوجھل سی ہو گئی تھی۔ لوگ بے حس و حرکت بیٹھے تھے۔ کسی کے بھی ہونٹ ہلتے ہوئے نظر نہیں آ رہے تھے۔

اچانک ہال میں بیٹھا ہوا ایک آدمی کچھ ایسی بدحواسی کے عالم میں اپنی جگہ سے اٹھا کہ میز الٹ گئی۔ لوگ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ بے تحاشہ دروازے کی طرف بھاگ رہا تھا۔ لوگوں نے بڑی حیرت سے اس کی یہ حرکت دیکھی لیکن اپنی جگہ سے ہلے بغیر پھر رقاصہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ البتہ ہوٹل کا عملہ ضرور بدحواس ہو گیا تھا۔

فریدی بڑی تیزی سے اپنی کرسی سے اٹھا اور حمید کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا دروازے کی طرف چل پڑا۔

ہال سے اٹھ کر بھاگنے والا گرتا پڑتا گیراج کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔ گیراج کے قریب پہنچ کر اس نے غالباً اپنے ڈرائیور کو آواز دی۔

پھر انہوں نے اسے ایک کار میں گھستے دیکھا۔ فریدی نے بھی گیراج سے اپنی کیڈی نکال لی اور پھر آگے جانے والی کار کا تعاقب شروع ہو گیا۔

سڑک سنسان پڑی تھی۔ نیاگرا ہوٹل دراصل شہر کے باہر ایک پر فضا مقام پر واقع تھا۔ اس لئے اس سڑک پر ٹریفک کی زیادتی نہیں ہوتی تھی۔ مگر یہ تعاقب حمید کی سمجھ میں نہ آیا کیونکہ دونوں کاروں کا فاصلہ دس گز سے کسی طرح بھی زیادہ نہ رہا ہو گا۔

اچانک انہوں نے ایک بھیانک چیخ سنی اور ساتھ ہی اگلی کار رک گئی۔ فریدی نے اگر پورے بریک نہ لگائے ہوئے تو کیڈی یقیناً اگلی کار سے ٹکرا جاتی۔

فریدی نیچے اتر کر اگلی کار کی طرف جھپٹا۔ اس کار کا ڈرائیور بھی بدحواس ہو کر اپنی سیٹ سے کود پڑا تھا۔ پھر حمید نے ڈرائیور کی چیخ سنی۔

"ارے.... یہ صاحب کو کیا ہو گیا۔"

خوفناک وبا

حمید بھی کیڈی سے اُترا۔ اتنی دیر میں فریدی اپنی جیب سے ٹارچ نکال چکا تھا۔

پھر حمید نے کار کی پچھلی سیٹ پر ایک لاش دیکھی۔ اس آدمی کی لاش جو ہال سے اٹھ کر باہر آیا تھا۔ یہ متوسط عمر کا ایک وجیہہ آدمی تھا۔ اس کی کشادہ پیشانی کہہ رہی تھی کہ مرنے والے نے زندگی میں خاص قسم کے کارنامے انجام دیئے ہوں گے۔

ڈرائیور.... قریب ہی کھڑا تھر تھر کانپ رہا تھا اور وہ جب بھی بولنے کی کوشش کرتا اس کی زبان لڑکھڑا جاتی اور حلق سے عجیب قسم کی آوازیں نکلنے لگتیں۔

فریدی ٹارچ کی روشنی میں خصوصیت سے مرنے والے کے ناخنوں کا جائزہ لے رہا تھا جو انگلیوں کا گوشت چھوڑ کر تقریباً چوتھائی انچ اوپر اٹھ گئے تھے۔ ہاتھوں اور پیروں کے سارے ناخنوں کی ٹھیک یہی حالت تھی۔

"اوہ.... یہ ناخنوں والی وبا۔" حمید نے کہا اور اس طرح گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا جیسے اسے بھی اس وبا کا شکار ہو جانے کا احتمال ہو۔

"ناخون والی بیماری۔" ڈرائیور خوفزدہ لہجے میں بولا۔

"ڈرو نہیں.... یہ چھوت کی بیماری نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "چلو لاش سیدھی ہسپتال جائے گی۔"

"گھر.... دو.... والے۔" ڈرائیور ہکلایا۔

"فکر نہ کرو.... اس کا الزام تم پر نہ ہوگا۔ ہمارا تعلق پولیس سے ہے۔"

"مگر صاحب.... میرے بال بچے۔" ڈرائیور گھگھیایا۔

"ڈرو نہیں۔ یہ چھوت کی بیماری ہرگز نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔ "ہم بھی تمہارے ساتھ ہی چلیں گے۔"

ڈرائیور طوعاً و کرہاً اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ فریدی اور حمید بھی کیڈی میں آ گئے۔ دونوں کاریں چل پڑیں۔

شہر میں آج یہ پانچواں کیس تھا۔ اس سے کچھ عرصہ پیشتر ایسی ہی چار موتیں اور بھی ہو چکی تھیں۔ اس وبا کا شکار ہونے والے پہلے اپنے ناخنوں کی جڑوں میں ہلکی سی سوزش محسوس کرتے تھے پھر یہ سوزش ایک بہت ہی تیز قسم کے درد میں تبدیل ہو جاتی تھی اور پھر جیسے ہی ناخن انگلیوں کا گوشت چھوڑنا شروع کرتے تھے مریض کی موت ہو جاتی تھی۔

اس نئی اور عجیب وبا کے سلسلے میں یہاں کی میڈیکل سوسائٹی نے تحقیقاتی کام شروع کر دیا تھا۔ لیکن اس کے ارکان ابھی تک کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچے تھے۔

نہ صرف شہر بلکہ پورے ملک میں اس وبا کی وجہ سے سنسنی پھیل گئی تھی۔ مگر یہ پانچ موتیں صرف اسی شہر میں ہوئی تھیں اس کے علاوہ اور کسی جگہ سے اس قسم کے کسی کیس کی اطلاع نہیں آئی تھی۔

حمید اس وقت اس طرح خاموش ہو گیا تھا جیسے اس نے موت کے فرشتے کی شکل دیکھ لی ہو۔

"کیا آپ اسی لئے....!" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ لیکن جملہ پورا کرنے سے قبل ہی اُسے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنا پڑی۔

"ہاں.... میرا آج رات کا تجربہ کامیاب رہا۔"

"آپ کا تجربہ....!" حمید حیرت سے چیخا۔

"تم غلط سمجھے۔" فریدی نے کہا۔ "میں اس کی موت کا ذمہ دار نہیں۔"

"پھر تجربہ کیسا....؟"

"تمہیں پچھلی چاروں موتیں تو یاد ہی ہوں گی۔"

"ہاں.... لیکن....؟"

"سنتے جاؤ۔" فریدی بولا۔ "سب سے پہلا آدمی ایک ٹی پارٹی میں مرا تھا.... اور گریٹا سرانو بھی وہاں موجود تھی۔"

"میرے خدا.... تو.... آپ....!"

"درمیان میں مت بولو۔ ہاں میں اسے کوئی وبا نہیں سمجھتا ہوں جو قدرتی حالات کے تحت آئی ہو۔ دوسرا آدمی ایک مخصوص میٹنگ میں اس وبا کا شکار ہوا تھا.... اور یہ گریٹا وہاں موجود تھی۔ تیسرے آدمی کی موت ایک پکنک پارٹی میں ہوئی تھی۔ گریٹا وہاں بھی تھی۔ چوتھا آدمی ہوٹل ڈی فرانس میں مرا تھا اور گریٹا ہی نے اسے اپنی کار میں ہسپتال تک پہنچایا تھا اور یہ پانچواں آدمی.... تم نے خود دیکھا ہے۔"

"تو گریٹا ہی اس کی ذمہ دار ہے؟"

"میں نے یہ تو نہیں کہا۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ گریٹا مرنے والوں کے قریب کسی نہ کسی

صورت میں ضرور موجود رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ محض اتفاق ہی ہو۔"

"ابھی تک تو اس وبا کا سبب ہی نہیں معلوم ہو سکا۔" حمید نے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ سبب جلد ہی معلوم ہو جائے۔ اس سے پہلے والی لاشیں تجربہ گاہ تک بہ دیر میں پہنچی تھیں اور اب میں اسے سیدھے وہیں لے جا رہا ہوں۔ بعض زہر ایسے بھی ہیں پوسٹ مارٹم میں دیر ہو جانے پر اپنا نشان نہیں ملنے دیتے۔"

"زہر....!" حمید حیرت سے بولا۔

"ہاں ہو سکتا ہے کہ یہ کسی قسم کے زہر ہی کا اثر ہو۔"

"آپ نے وہاں ناک پر رومال کیوں رکھا تھا۔"

"محض یہ دیکھنے کے لئے کہ گریٹا پر اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔"

"تو آپ نے کیا دیکھا۔"

"میں کچھ بھی نہیں دیکھ سکا۔ وہ مجھے رومال رکھے دیکھ کر بڑی تیزی سے دوسری طرف مڑ گئی تھی۔"

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر حمید نے پوچھا۔ "کیا آپ اس مرنے والے سے واقف ہیں صورت سے کوئی معزز ہی آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"معزز ترین کہو۔ ایک بہت بڑی ہستی ہمارے درمیان سے اٹھ گئی۔ یہ ملک کا ایک بہت بڑا سائنسدان ڈاکٹر شرف تھا۔ ایٹمی تحقیقات کمیٹی کا صدر۔"

"ارے.... یہ وہی ڈاکٹر شرف ہے۔" حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ہاں.... یہ وہی ہے.... اور ان چاروں کو بھی یاد کرو۔ ان میں سے ایک ماہر انجینئر تھا۔ جس نے حال ہی میں ایک ایسا پاور ہاؤس قائم کرنے کی اسکیم بنانے کا کام شروع کیا تھا جس سے ایک پورے صوبے کے لئے بجلی مہیا ہوتی۔ مرنے والوں میں ایک ماہر جنگ فوجی آفیسر تھا۔ تیسرا ملٹری سیکرٹ سروس کا ایک اعلیٰ ترین دماغ.... اور چوتھا.... جراثیم کا ماہر تھا۔"

"میں نے اس پر غور نہیں کیا تھا۔" حمید آہستہ سے بولا۔

"محض اسی چیز نے میری رہنمائی کسی سازش کے امکانات کی طرف کی۔ اگر ان میں ایک ایک آدھ عام آدمی بھی ہوتا تو شائد میں اتنی پرواہ نہ کرتا۔"

"تو آپ کئی دنوں سے اس چکر میں ہیں۔"

"میں نے اس دوران میں صرف گریٹا کے متعلق معلومات حاصل کی ہیں۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اگلی کار سول ہسپتال کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو گئی۔

سول ہسپتال کا انچارج خود بھی اس وبا سے متعلق تحقیقات کمیٹی کا ایک رکن تھا۔ اس نے زرا ہی لاش کو تجربہ گاہ میں پہنچوا کر کمیٹی کے دوسرے ارکان کو فون کرنا شروع کر دیا۔

فریدی وہاں نہیں ٹھہرا۔ وہ پھر نیاگرا ہوٹل میں واپس آ گئے۔ یہاں کے ماحول میں اب کافی تبدیلی ہو گئی تھی۔ رقص کا پروگرام ختم ہو چکا تھا۔

حمید اور فریدی منیجر کے کمرے کی طرف چلے گئے۔ منیجر نے پُر تشویش انداز میں ان کا استقبال کیا۔

"مجھے کچھ پوچھنا نہ چاہئے۔" اس نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ "کیا آپ لوگ ڈاکٹر شرف کی نگرانی کر رہے تھے۔ لیکن ان کا اس طرح اٹھ کر بھاگنا میری سمجھ میں نہیں آیا۔"

فریدی چند لمحے اس کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا پھر بولا۔ "ڈاکٹر شرف مر گئے۔"

"کیا....!" منیجر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

فریدی نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "پہلے ان کے ناخنوں میں ہلکی سی سوزش ہوئی پھر وہ تیز قسم کے درد کی شکل اختیار کر گئی....!"

"ناخنوں کی وبا....!" منیجر کانپتا ہوا بولا۔ "یہاں.... میرے ہوٹل میں۔"

"میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ ان کی میز پر کیا کیا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ.... مجھے افسوس ہے۔ صفائی کے بعد سب کچھ پھکوا دیا گیا۔"

"لیکن اس میز کا ویٹر چیزوں کے متعلق تو بتا ہی سکے گا۔"

"ضرور.... ضرور....!" منیجر نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی کا بٹن دباتے ہوئے کہا۔

"میں اسے بلوا رہا ہوں۔"

ویٹر کے انتظار کے دوران میں فریدی نے گریٹا کی گفتگو چھیڑ دی۔

"وہ بہت اچھی رقاصہ ہے۔" اس نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اس کے پروگرام یہاں عرصے تک ہوتے رہیں گے۔"

"جی نہیں.... صرف تین پروگراموں کا کنٹریکٹ ہے۔ آج پہلا پروگرام تھا۔"

"مگر میرا خیال ہے کہ وہ اب اتنی اچھی رقاصہ بھی نہیں ہے کہ نیاگرا جیسی شاندار جگہ کے لئے موزوں ہو.... کیا کسی نے اس کی سفارش کی تھی۔"

"جی ہاں.... بس یہی سمجھ لیجئے۔" منیجر بولا۔

"ڈاکٹر شرف بہت بڑا آدمی تھا۔" فریدی نے موضوع گفتگو بدل دیا۔

"جی ہاں! مجھے بھی بے انتہا افسوس ہے۔ ہوٹل بھی شائد اب بدنام ہو جائے ہوٹل ڈی فرانس کی مثال میرے سامنے ہے۔"

"غالباً ڈاکٹر شرف آپ کے مستقل گاہک تھے۔"

"جی ہاں؟ آج کے پروگرام میں ہم نے انہیں خاص طور سے مدعو کیا تھا۔"

"کیوں؟ کیا انہیں گریٹا سے کچھ دلچسپی تھی۔"

"پتہ نہیں۔" منیجر بولا۔ "بات یہ ہے کہ یہ ہمارا پرانا دستور ہے۔ ہم اس قسم کے خاص پروگراموں میں اپنے مستقل کرم فرماؤں کو خاص طور سے مدعو کرتے ہیں۔"

فریدی سگار سلگا کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

"گریٹا بہت حسین ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"جی ہاں.... اطالوی عورتیں عموماً بڑی پرکشش ہوتی ہیں۔"

"جس نے یہاں کے پروگراموں کے لئے اس کی سفارش کی ہوگی۔ بڑا خوش قسمت ہوگا۔"

"کیوں؟ میں نہیں سمجھا۔" منیجر بولا۔

"ارے جناب.... یہ بھی کوئی نہ سمجھنے کی بات ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ گریٹا سے بہت قریب ہوگا۔ مجھے تو اس کی قسمت پر رشک آتا ہے۔"

"اگر آپ سفارش کرنے والے سے واقف ہوتے تو ایسا نہ کہتے۔" منیجر نے مسکرا کر کہا۔

"اوہ.... تو کیا وہ کوئی عورت ہے۔"

"جی نہیں ایک انتہائی خشک آدمی ہے۔ کیا آپ پروفیسر داخ سے واقف ہیں؟"

"اوہ.... وہ جرمن یہودی۔ ہاں میں اسے جانتا ہوں۔"

"گریٹا کی سفارش اسی نے کی ہے۔"

"مجھے سخت حیرت ہے۔" فریدی نے کہا۔ پھر تھوڑی دیر رک کر بولا۔

"کیا آپ کے اس سے ذاتی مراسم ہیں۔"

"جی ہاں! مجھے دراصل عالموں سے عشق ہے۔ خصوصاً فلسفہ کے عالموں سے۔"

"بہت خوب! ہونا بھی چاہئے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "آپ خود بھی تو کافی پڑھے لکھے آدمی ہیں۔"

"ارے کہاں صاحب! ابھی تو علم کے سمندر کا ایک قطرہ بھی میرے ہونٹوں تک نہیں پہنچا۔" آپ خاکساری سے کام لے رہے ہیں۔" فریدی مسکرایا۔ "مگر آپ کو پروفیسر داخ کی سفارش پر حیرت تو ضرور ہوئی ہوگی۔"

"کیوں نہیں.... لیکن میں نے ان سے پوچھ گچھ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ گریٹا یوں بھی یہاں کافی مقبول ہو رہی ہے۔ ہو سکتا تھا کہ خود میں ہی اس سے کچھ دنوں بعد کنٹریکٹ کر لیتا.... اوہ.... وہ تو سب ٹھیک ہے مگر ڈاکٹر شرف کی موت۔ کرنل صاحب میں کیا کروں؟.... مجھے کچھ مشورہ دیجئے۔ ہوٹل یقیناً بدنام ہو جائے گا۔ ہوٹل ڈی فرانس کا کیا حشر ہوا۔ آج کل وہاں اُلو بولتے ہیں۔"

"مجھے بھی افسوس ہے کہ یہ حادثہ نیاگرا میں ہوا۔" فریدی بولا۔

"کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ نیاگرا کا نام ہی نہ لیا جائے۔" منیجر نے کہا۔

"بھلا یہ کس طرح ممکن ہے۔"

"اگر آپ چاہیں تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔ سوچئے تو سہی نیاگرا کا ریپوٹیشن خراب ہونے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔"

"میں جانتا ہوں کہ بہت بڑا خسارہ ہوگا مگر یہ بات کسی طرح چھپی نہ رہ سکے گی کہ ڈاکٹر شرف بہت ہی غیر معمولی حالت میں اٹھ کر یہاں سے بھاگے تھے۔ آپ سمجھتے ہیں نا میرا مطلب۔ اگر معاملہ صرف ان کے ڈرائیور تک محدود ہوتا تو اس کی زبان بند کر دی جاتی۔"

"تو پھر... تو پھر میں کیا کروں۔" منیجر دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا کر گہری سانسیں لینے لگا۔

اتنے میں طلب کیا ہوا ویٹر کمرے میں داخل ہوا۔

فریدی نے اس پر یونہی سرسری سی نظر ڈالی۔

"ڈاکٹر شرف کی میز پر تم تھے۔" اس نے اس سے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"ان کی میز پر کیا کیا تھا۔"

"صرف وہسکی اور سوڈا۔"

"کچھ اور.....!"

"جی نہیں..... صرف یہی۔"

"کھلی ہوئی بوتل سے لائے تھے۔"

"جی نہیں! وہ کبھی کھلی ہوئی بوتل سے نہیں لیتے..... ہمیشہ نئی بوتل خود ہی کھولتے ہیں۔"

"سوڈا تم نے کھولا تھا۔"

"جی نہیں..... اس میز پر سائفن تھا۔"

"ذرا ایک منٹ۔" منیجر نے دخل دیتے ہوئے کہا۔ "اس سلسلے میں یہ بات بتا دوں کہ سائیفن صرف انہیں لوگوں کی میزوں پر رکھے جاتے ہیں جو پوری بوتل خریدتے ہیں۔"

"اوہ..... اچھا.....!" فریدی سر ہلا کر بولا۔ پھر اس نے ویٹر سے کہا۔ "کیا تم وہ سائیفن تلاش کر سکو گے۔"

"حضور! وہ تو ٹوٹ گیا تھا۔ میز الٹ گئی تھی نا۔" ویٹر نے کہا۔ "میں نے ڈاکٹر صاحب کو اتنے نشے میں کبھی نہیں دیکھا۔"

"سائیفن ٹوٹ گیا۔" فریدی نے جواب طلب نظروں سے منیجر کی طرف دیکھا۔

"اوہ جی ہاں..... ہمارے سائیفن زیادہ دبیز شیشوں کے نہیں ہیں۔"

"بوتل اور گلاس بھی ٹوٹ گئے ہوں گے۔"

"جی ہاں.....!" ویٹر نے کہا۔

"اچھا تم جا سکتے ہو۔"

ویٹر چلا گیا۔ اچانک منیجر کے چہرے پر زردی چھا گئی۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا..... اور نظریں فریدی کی طرف نہیں تھیں۔ فریدی اس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔

اچانک منیجر اس کی طرف مڑا اور اس سے نظر ملتے ہی جھجک سا پڑا۔ فریدی کی عقابی آنکھیں

اس کے ذہن میں چبھ رہی تھیں۔

"آپ سائیفن کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہیں۔" اس نے اٹک اٹک کر کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ اس وبا کے جراثیم سوڈے ہی میں رہے ہوں۔"

"سوڈے میں جراثیم.....!" منیجر نے حیرت سے کہا۔

"ہاں..... آں..... آپ کو حیرت کیوں ہے۔"

"سوڈا تو بڑی تیز چیز ہے۔"

"اوہ..... آپ شائد جراثیم کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ بہتیرے جراثیم ایسے ہیں جو آگ کے علاوہ اور کسی چیز میں فنا نہیں ہوتے۔" فریدی نے کہا اور پھر حمید کے شانے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ "آؤ چلیں۔"

اچانک ایک آدمی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور حمید نے محسوس کیا جیسے فریدی نے اٹھنے کا ارادہ ترک کر دیا ہو۔

پروفیسر داخ

حمید نے آنے والے کو گھور کر دیکھا۔ یہ ایک مجہول سا غیر ملکی تھا۔ گال پچکے ہوئے۔ ناک پتلی اور طوطے کی چونچ کی طرح ہونٹوں پر جھکی ہوئی تھی۔ گالوں کی ہڈیاں بدنمائی کی حد تک ابھری ہوئی تھیں۔ چھوٹی چھوٹی اور چمکدار آنکھوں کے گرد گہرے حلقے تھے۔ اس کا لباس ایک بہت پرانے سوٹ پر مشتمل تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس پر مہینوں سے پریس نہ کیا گیا ہو۔ گلے میں ٹائی نہیں تھی۔

منیجر اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ فریدی اور حمید بدستور بیٹھے رہے۔

"میری کتابیں.....!" آنے والے نے انگریزی میں کہا۔ اس کا لہجہ بہت کھردرا تھا۔

"معاف کیجئے گا مسٹر داخ..... میں بھجوانا.....!"

"بھول گئے تھے۔" اس نے جملہ پورا کرتے ہوئے کہا۔ "غیر ضروری الفاظ بول کر وقت نہ ضائع کیا کرو۔ کتابیں۔"

"اوہ.... ہی ہی ہی۔" منیجر نے ہنستے ہوئے اپنی پشت پر رکھی ہوئی الماری کھول کر تین کتابیں نکالیں اور انہیں آنے والے کی طرف بڑھادیا۔

اس نے کتابیں لیں اور تیزی سے دروازے کی طرف گھوم گیا۔

منیجر کرسی پر بیٹھ کر جھینپی ہوئی ہنسی ہنسنے لگا۔ "دیکھا آپ نے کرنل صاحب! فلسفی لوگ گفتگو بھی اختصار کے ساتھ کرتے ہیں۔"

"غالباً یہ پروفیسر داخ تھا۔" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں! وہی تھے۔"

"خوب....!" فریدی مسکراتا ہوا اٹھ گیا۔ "اچھا منیجر اس تکلیف کا بہت بہت شکریہ۔"

وہ دونوں منیجر کے کمرے سے نکل کر ڈائننگ ہال سے گذرتے ہوئے باہر آگئے۔

"حضور! میں تو سردی سے اکڑ کر مر ہی جاؤں گا۔" حمید بدبدایا۔

"میرا الیسٹر کیڈی میں ہے پہن لو۔" فریدی نے کہا۔ پھر کچھ دیر رک کر بولا۔ "تم نے داخ کو دیکھا۔"

"دیکھا تو.... لیکن وہ مجھے صاف نظر نہیں آیا۔"

"کیا اس قسم کے آدمی عورتوں میں دلچسپی لے سکتے ہیں۔"

"آپ کے علاوہ اور ہر قسم کا آدمی عورتوں میں دلچسپی لے سکتا ہے۔ لیکن اب یہاں سے بھاگئے ورنہ اگر ہمارے ناخن بھی کھڑے ہوگئے تو شہر کے بہتیرے گنجے بے موت مر جائیں گے۔"

وہ کیڈی میں بیٹھنے ہی والے تھے کہ کسی نے فریدی کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا.... فریدی چونک کر مڑا۔ پروفیسر داخ اس کے سامنے کھڑا عجیب انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"آپ شائد میرے متعلق کچھ گفتگو کر رہے تھے۔" اس نے کہا۔

حمید متحیرانہ انداز میں اسے گھورنے لگا۔

"ہاں.... پروفیسر.... میں تمہاری قسمت پر رشک کر رہا تھا۔" فریدی جواباً مسکرایا۔

"کیوں....؟"

"گریٹا جیسی حسین عورت تمہاری دوست ہے۔"

"کون گریٹا.... میں کسی گریٹا کو نہیں جانتا۔"

"گریٹا سیرانو.... جس کا آج یہاں پروگرام تھا۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ.... وہ.... لیکن وہ میری دوست تو نہیں۔"

"تب پھر ہمیں غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ منیجر نے کسی اور کا نام لیا ہو۔"

"سنو....!" داخ جھنجھلا کر بولا۔ "مجھے تم سب سے نفرت ہے۔ تم جو اپنی کھوپڑیوں میں چوہوں کے سے دماغ رکھتے ہو! مجھے نہیں سمجھ سکتے۔"

"تمہاری یہ بات بھی میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"تم لوگ مجھ پر آوازے کستے ہو۔ لیکن میں تمہیں اپنے پیروں کی خاک کے برابر بھی نہیں سمجھتا.... سمجھے۔"

"بکواس بند کرو۔ کچھوے کے بچے۔" حمید نے اس کے گریبان کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ فریدی نے اسے دھکا دے کر پیچھے ہٹادیا۔ پھر داخ سے لجاجت آمیز لہجے میں بولا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو پروفیسر! اچھا شب بخیر۔"

اس نے کیڈی کا دروازہ کھول کر حمید کو پچھلی سیٹ پر دھکا دے دیا اور خود آگے بیٹھ گیا۔

"کیا شہر کی طرف جاؤ گے۔" دفعتاً داخ نے بدلے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں....!"

"تو مجھے راجرس اسٹریٹ تک لے چلو۔"

"ضرور.... ضرور.... ادھر میرے پاس آجاؤ۔" فریدی نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

داخ بیٹھ گیا۔ کیڈی چل پڑی۔ داخ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "جانتے ہو میں کیوں تمہارے ساتھ جا رہا ہوں۔"

"تم شائد ہم لوگوں کو پسند کرنے لگے ہو۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"تمہیں اور میں پسند کروں گا۔" داخ تنفر آمیز لہجے میں بولا۔ "مجھے دراصل تمہارے ساتھی کی بات کا جواب دینا ہے جس نے مجھے کچھوے کا بچہ کہا تھا۔"

"ضرور جواب دو.... وہ بڑا بدتمیز ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"جواب یہ ہے کہ وہ کچھوے کا بچہ ہے۔"

"کیا کہا بے۔" حمید اردو میں دہاڑا۔

"ٹھیک کہتا ہے۔" داخ نے بگڑی ہوئی اردو میں کہا۔ "تم ارتھ ورم کا بچہ ہے۔"

"حمید بکواس بند رکھو۔" فریدی نے اسے ڈانٹا۔

داخ پھر فریدی سے انگریزی میں گفتگو کرنے لگا۔ "حالانکہ اس بدتمیز نے میری توہین کرنے کے خیال سے مجھے کچھوے کا بچہ کہا تھا لیکن وہ بالکل احمق ہے۔ تم کچھوے کے بچے کی پیٹھ پر پوری قوت سے کھڑے ہو جاؤ اس کا بال بھی بیکا نہ ہوگا۔ لیکن کچھوے کا بچہ چٹکیوں میں مسلا جا سکتا ہے۔ بس اب گاڑی روک دو۔"

"کیوں....؟"

"میں اتروں گا۔ مجھے اتنا ہی کہنا تھا۔"

"یہاں اس ویرانے میں اتر کر کیا کرو گے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تم جیسے گدھوں کا احسان لوں گا۔" داخ بگڑ گیا۔

فریدی نے ہنس کر کیڈی روک دی۔ داخ اُتر کر سڑک کے کنارے کنارے چلنے لگا۔ اس کا رخ بھی شہر ہی کی طرف تھا۔

"استاد....!" حمید بولا۔ "آپ پیچھے آجایئے۔ گاڑی میں چلاؤں گا۔"

"کیوں.... نہیں وقت نہ برباد کرو۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

"کبھی تو میری کوئی بات مان لیا کیجئے۔"

نہ جانے کیوں فریدی اس پر راضی ہو گیا۔ وہ پچھلی سیٹ پر آگیا اور حمید نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔

اب کیڈی پیدل چلتے ہوئے پروفیسر داخ کے ساتھ آہستہ آہستہ رینگ رہی تھی۔

"یہ کیا بیوقوفی ہے۔" داخ بھنا کر چیخا۔ "آگے بڑھاؤ۔"

"نہیں بڑھتا۔" حمید نے کھڑکی سے سر نکال کر کہا۔ "تم خود آگے بڑھ جاؤ۔"

داخ بڑبڑاتا ہوا چلتا رہا۔ کیڈی بھی اسی کے برابر رینگتی رہی۔ فریدی خلاف توقع کچھ نہیں بولا۔ اس کی اس خاموشی پر حمید کو بھی حیرت ہو رہی تھی۔

اچانک داخ نے دوڑنا شروع کر دیا۔ حمید نے بھی رفتار اتنی بڑھا دی کہ کیڈی اس کے ساتھ

ہی ساتھ رہے۔ داخ انہیں گندی گندی گالیاں دیتا ہوا بھاگ رہا تھا۔

"حمید کیوں وقت برباد کر رہے ہو۔" فریدی بڑبڑایا۔

"میں اس فلسفی کے پٹھے کو زمان و مکان کا فرق سمجھا رہا ہوں۔"

ایک جگہ داخ دہاڑتا ہوا رک گیا۔ کیڈی آگے نکل گئی۔ حمید نے اسے روک کر بیک کرنا شروع کر دیا اور کیڈی پھر اسی جگہ واپس آگئی جہاں داخ کھڑا گالیاں بک رہا تھا۔

اچانک وہ پیچھے کی طرف بھاگا اور پھر حمید کیڈی کو بیک کرنے ہی جا رہا تھا کہ اس پر پتھر برسنے لگے۔

"کیا کر رہے ہو تم....!" فریدی نے حمید کو ڈانٹا۔ "گاڑی برباد کراؤ گے کیا!"

دوسرے ہی لمحے میں کیڈی کافی تیز رفتاری سے چل پڑی۔

"اگر گاڑی خراب ہوئی ہو گی تو میں تم سے سمجھ لوں گا۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"آخر یہ ہے کس قسم کا آدمی۔" حمید بولا۔

"کیا اُس کی قسم اب بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"نہیں.... میں نہیں سمجھ سکا۔"

"حد سے بڑھی ہوئی عقل آدمی کو بچہ بنا دیتی ہے۔"

"تو کیا واقعی وہ فلسفی ہے۔"

"بہت پڑھا آدمی ہے حمید صاحب۔ اسکی ذہانت سے ٹکرانے والے شائد دو چار ہی نکلیں۔"

"داخ.... عجیب نام ہے۔" حمید بولا۔ "کیا وہ فوئیر باخ کی اولاد ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ اس خبطی نے گریٹا کی سفارش کی تھی۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔

"میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں۔" حمید بولا۔ "جو ذرا سا بھی مرد ہے وہ عورتوں میں ضرور دلچسپی لے گا۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔" فریدی بڑبڑا کر خاموش ہو گیا۔

"آپ سائیفن کی تلاش میں کیوں تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ جو کچھ بھی تھا سوڈے ہی میں تھا۔ بوتل تو اُس نے خود کھولی تھی۔"

"اس سلسلے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ وقت نہ برباد کیجئے۔ مجھے یہ کسی قسم کی وبا معلوم ہوتی ہے۔ آپ کا شکی ذہن تو اب آپ کے لئے بھی وبال بن گیا ہے۔"

"ہوں! مشورے کا شکریہ۔"

فریدی پھر خاموش ہو گیا۔ کیڈی چلتی رہی۔ حمید جلد سے جلد گھر پہنچنا چاہتا تھا۔ لیکن فریدی نے اسے ہوٹل ڈی فرانس چلنے کو کہا۔

"کمال ہے۔" حمید بھنا کر بولا۔ "سردی کے مارے دم نکلا جا رہا ہے۔"

میں نے تو تم سے کہا تھا کہ میرا السٹر پہن لو۔"

"کیا السٹر سے بھوک بھی مٹ جائے گی۔"

"وہیں کھا لینا۔"

"کیا ہوٹل ڈی فرانس میں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ہاں.... کیوں؟"

"حالانکہ میں ان پر سرخ پالش نہیں لگاتا پھر بھی مجھے اپنے ناخنوں سے بڑی محبت ہے۔"

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہاں کھانے سے تم اس وبا کا شکار ہو جاؤ گے۔"

"دیکھئے۔ میں اس سلسلے میں کوئی دلیل نہیں سنوں گا۔ آپ کے منطقی دلائل موت کے فرشتے کو مطمئن نہیں کر سکیں گے۔"

"بڑے ڈرپوک ہو رہے ہو آج کل۔"

"کچھ بھی کہئے۔ لیکن میں طاعون کے چوہوں کی طرح مرنا پسند نہیں کروں گا۔"

"اچھا خیر پھر سہی۔" فریدی نے کہا۔ "چلو گھر ہی چلو۔"

"لیکن ہوٹل ڈی فرانس کی کیا تک ہے۔"

"میں ایک تجربہ اور کرنا چاہتا ہوں مگر ہوٹل ڈی فرانس اس کے لئے فضول ہی ثابت ہوا کیونکہ وہاں پہلے ہی اس قسم کا ایک واقعہ ہو چکا ہے۔"

"ایک تجربہ اور کیجئے گا.... یعنی ایک آدمی کی زندگی....!"

"نہیں شائد اس کی نوبت ہی نہ آنے پائے۔"

کیڈی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔ حمید نے اُسے گیراج کے سامنے روک دیا۔

لیکن ایک حیرتوں سے لبریز لمحہ ان کا منتظر تھا۔ جیسے ہی وہ نیچے اترے انہیں اپنے سامنے پروفیسر داخ کھڑا ہوا نظر آیا.... حمید اپنی بیساختہ قسم کی "ارے" کو کسی طرح نہ روک سکا۔

فریدی نے کار کے پچھلے حصے پر نظر ڈالی۔ اسٹپنی کھلی ہوئی تھی۔ غالباً پروفیسر اسی میں بیٹھ کر یہاں تک آیا تھا۔

پروفیسر داخ نے انہیں متحیر دیکھ کر ایک ہذیانی سا قہقہہ لگایا اور پھر سنجیدہ ہو کر انہیں باری باری سے گھورنے لگا۔

"تم نے مجھے پریشان کیا تھا۔ اب تمہیں قبر میں بھی چین نہ لینے دوں گا.... سمجھے۔" اس نے کہا۔ "چلو اب کہاں چلتے ہو۔"

"آؤ پروفیسر....!" فریدی آگے بڑھتا ہوا بولا۔ "مجھے خوشی ہو گی۔"

"جاتے ہو یا تمہیں اٹھا کر کمپاؤنڈ کے باہر پھینک دوں۔" حمید نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"خاموش رہو۔" فریدی سچ مچ حمید پر بگڑا اٹھا۔

وہ پروفیسر داخ کا ہاتھ پکڑ کر اسے ڈرائنگ روم میں لایا۔ حمید کو فریدی کا تلخ لہجہ بہت گراں گذرا تھا اس لئے وہاں ٹھہرنے کی بجائے سیدھا باورچی خانے میں جا گھسا۔

یہاں فریدی پروفیسر داخ سے کہہ رہا تھا۔ "پروفیسر میرا ساتھی کریک ہے اس کی باتوں کا خیال نہ کرو۔"

"تم گھٹیا آدمیوں نے میری زندگی تلخ کر دی ہے۔" پروفیسر بولا۔ "تمہارے سڑے سڑے بچے میرے پیچھے تالیاں بجاتے ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے۔"

"اور اب تم بھی مجھے بدنام کرو گے۔ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں نے گریٹا کے لئے سفارش کی تھی۔"

"مجھے نیاگرا کے منیجر سے معلوم ہوا تھا۔ لیکن تمہیں یہ کیسے خیال ہوا کہ میں تمہیں بدنام کروں گا۔"

"آج کل میرے خلاف گہری سازشیں ہو رہی ہیں۔ چند اوباش قسم کے لوگوں نے مجھے میری نوکرانی کے ساتھ بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ یہ بکواس ہے۔ میں اپنی زندگی

کے اس اسٹیج سے کبھی کا گذر چکا ہوں اور جوانی کے زمانے میں بھی میں بہت زیادہ محتاط رہا ہوں۔"

"مگر گریٹا تو بہت خوبصورت ہے پروفیسر۔"

"ہوگی! مجھے آج تک اس سے گفتگو کرنے کا بھی اتفاق نہیں ہوا۔"

"پھر تم نے اس کی سفارش کیوں کی۔"

"مجھے یاد نہیں کہ کس نے مجھ سے درخواست کی تھی۔ بہر حال وہ خود گریٹا نہیں تھی۔ کسی دوسرے نے مجھ سے کہا تھا کہ میں نیاگرا کے لئے سفارش کروں۔"

"تعجب ہے کہ تم اس آدمی کو بھول گئے لیکن گریٹا کی سفارش یاد رہی۔" فریدی نے کہا۔

"یہ ایک بالکل نفسیاتی امر ہے۔ تمہیں ہزاروں چیزوں میں سے صرف وہی چیزیں یاد رہ جاتی ہیں جن کا کسی نہ کسی طرح تمہاری ذات سے تعلق ہو۔ تمہیں ایک بات یاد آتی ہے لیکن یہ نہیں یاد آتا کہ وہ بات کس نے کہی تھی۔ بات اس لئے یاد آتی ہے کہ اس کا تعلق تھوڑا بہت تمہاری ذات سے بھی ہے۔ یعنی وہ بات اس بات کے کہنے والے سے بھی زیادہ اہم ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ غیر اہم چیزوں کو یادداشت پرے جھٹک دیتی ہے۔"

"خوب.... تو گریٹا بہر حال تمہارے لئے اہمیت رکھتی ہے۔" فریدی بولا۔

"یقیناً.... وہ بہت حسین ہے۔"

"ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ تم زندگی کے اس اسٹیج سے گذر چکے ہو۔"

"تم زیادہ پڑھے لکھے نہیں معلوم ہوتے۔" پروفیسر بولا۔

"ہاں میں نراگاؤدی ہوں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا اسے یوں سمجھو کہ تمہارے ہاتھ مفلوج ہو جائیں تو کیا ان ہاتھوں کو استعمال کرنے کی خواہش بھی فنا ہو جائے گی۔"

"نہیں....!"

"تو پھر اسی طرح سمجھ لو۔"

"پروفیسر! میں بالکل سمجھ گیا۔ اگر تم اس آدمی کو یاد کرنے کی کوشش کرو تو تمہارا مون ہوں گا۔"

"کیوں؟"

"میں اس کے ذریعہ گریٹا تک پہنچنا چاہتا ہوں۔ وہ یقیناً اس کا کوئی بڑا خاص آدمی ہوگا۔ آہ پروفیسر کیا بتاؤں۔ میں نے جب سے گریٹا کو دیکھا ہے میری راتوں کی نیند حرام ہو گئی ہے۔"

"تو ان میں سو لیا کرو۔" پروفیسر نے قہقہہ لگایا۔

"میرا مذاق نہ اڑاؤ.... پروفیسر.... شائد میں پاگل ہو چلا ہوں۔"

"ہاہا.... جوان ہو نا۔" پروفیسر اس کے چہرے کے قریب انگلی نچا کر بولا۔ "تو کافی دولت مند معلوم ہوتے ہو۔ ڈورے ڈالو نا اس پر۔"

"وہ کسی کو لفٹ نہیں دیتی۔"

پروفیسر چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اٹھتا ہوا بولا۔ "اچھا میں کوئی راہ نکالوں گا۔ پھر وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔"

ڈاکٹر زیٹو کے کرتب

ڈاکٹر شرف والے حادثے کو تین دن گذر چکے تھے۔ اس کی لاش کے پوسٹ مارٹم سے بھی وہی نتائج نکلے جو اس سے قبل والی لاشوں کے نکل چکے تھے۔ کوئی نئی بات معلوم نہ ہو سکی۔ اندرونی اعضاء میں موت سے پہلے کے ہیجان کے اثرات ضرور پائے گئے تھے لیکن یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ اس ہیجان کا سبب کیا تھا۔ ڈاکٹر شرف نے مرنے سے پہلے شراب پی تھی اس کی اچھی خاصی مقدار مرنے والے کے معدے میں پائی گئی تھی لیکن اس کا تجزیہ کرنے پر بھی [illegible] جو اس وبا کے اسباب پر روشنی ڈالتی.... فریدی اس دوران میں بہت زیادہ مشغول رہا تھا۔ اس نے اپنے پروگرام کے بقیہ دنوں میں بھی اپنے کمالات کا مظاہرہ کیا لیکن پھر [illegible] نہیں ہوا۔ البتہ یہ ضرور ہوا کہ پہلے حادثے کی بناء پر وہاں کی زیادہ تر مہمیں خالی ہی نظر آئیں لیکن فریدی نے ابھی تک حمید کے علاوہ اور کسی پر یہ بات ظاہر نہیں کی تھی کہ وہ اس وبا کو کسی دوسری شکل میں دیکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ صرف نیاگرا کے منیجر کو اس کی پوچھ گچھ کی بناء پر کچھ شبہ ضرور ہو گیا تھا لیکن بعد میں فریدی نے اس کی بھی تشفی کر دی۔

حالانکہ ڈاکٹر شرف کی موت کے بعد سے شہر میں اس قسم کی کوئی دوسری موت نہیں ہوئی

تھی پھر بھی لوگوں میں کافی ہراس پایا جاتا تھا۔

اور حمید کی یہ رائے بھی کہ اب سچ مچ فریدی کا دماغ چل گیا ہے۔ وہ ہر چیز کو خواہ مخواہ رسانی کی عینک سے دیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ حمید نے اس درمیان میں گریٹا سے تعارف کرنے کے لئے کافی جدوجہد کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ گریٹا نجی طور پر کسی سے بھی نہیں تھی۔ شہر کے بیشتر دولت مند حسن پرست اس تک پہنچنے کے لئے کوشاں تھے۔ لیکن انہیں تک رسائی کی کوئی صورت نظر نہیں آئی تھی۔ البتہ صرف اخبارات کے رپورٹر ہی ایسے تھے سے وہ تھوڑی بہت گفتگو کر لیتی تھی۔

آخر جب حمید نے کوئی دوسری صورت نہ دیکھی تو اس نے یہی مناسب سمجھا کہ تھوڑ کے لئے کسی اخبار کا رپورٹر ہی بن جائے۔ مگر اس کی غرض و غایت ہرگز وہ نہیں تھی جس لئے فریدی سر مار رہا تھا۔

وہ کرائم رپورٹر انور کا ملاقاتی کارڈ لے کر اسپرنگ کاٹج پہنچ گیا جہاں گریٹا مقیم تھی۔

گریٹا اس سے ملی تو.... لیکن اس نے پہلے ہی یہ بات جتا دی کہ وہ اسے دس منٹ سے وقت نہ دے سکے گی۔

"آپ کے اٹلی کے متعلق کیا خیالات ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"اوہ.... کیا آپ کو یہ نہیں معلوم کہ میں اٹلی ہی کی باشندہ ہوں۔"

"اچھا....!" حمید نے حیرت کا اظہار کیا۔ "آپ کا رنگ تو انگریزوں سے بھی زیادہ صاف ہے

گریٹا کچھ نہ بولی۔ ظاہر ہے کہ وہ رسمی قسم کے انٹرویو کے لئے بیٹھی تھی۔

"اٹلی تو آپ کو بہت اچھا لگتا ہوگا۔"

"میرا خیال ہے کہ پہلے آپ انٹرویو لینے کی ٹریننگ لیجئے۔ پھر آیئے گا۔" گریٹا نے بے سے کہا۔

"اوہ کیا میرا سوال احمقانہ ہے۔" حمید نے دردناک لہجے میں کہا۔ "بات دراصل یہ ہے میں اس پیشے میں بالکل نیا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ مجھے اپنے پچھلے ہی پیشے کی طرف لوٹنا پڑے گا"

اچانک گریٹا ایک ہلکی سی چیخ کے ساتھ ایک طرف سمٹ گئی۔ اُسے حمید کے کوٹ کی جیب سے ایک سفید سی چیز پھدک کر چھوٹی میز کی طرف آتی دکھائی دی۔

حمید کی پالتو چوہیا کے گھونگھر و میز پر بج اٹھے۔

"اوہ.... میں تو ڈر گئی تھی۔" گریٹا ہنس کر بولی۔ "آپ چوہے پالتے ہیں۔"

"یہ میری کتیا ہے۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "میرے سابقہ پیشے کی یادگار۔"

"پیشہ.... میں نہیں سمجھی۔"

"دیکھئے میں بتاتا ہوں...." حمید نے کہا اور میز پر دونوں ہاتھ ٹیک کر آگے جھکتے ہوئے سیٹی میں اپنی مخصوص دھن شروع کر دی۔ چوہیا پچھلے پیروں پر کھڑی ہو کر تھرکنے لگی۔

گریٹا بچوں کی طرح تالی بجا کر ہنس پڑی۔

"واقعی آپ جادوگر معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے آج تک چوہوں کی ٹریننگ کے متعلق نہیں سنا تھا۔"

"میرے پاس ایسے جانوروں کا اسٹاک ہے۔ یہ تو چوہیا ہے میں نے سانپ بھی سدھا رکھے ہیں۔"

"سانپ....!" گریٹا نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں ہاں! میرے پاس ڈھائی تین سو سانپ ہیں۔"

"نہیں جھوٹ۔"

"اچھا تو کل میں آپ کو دکھا دوں گا۔"

"ضرور ضرور....!" گریٹا باتوں میں دلچسپی لینے لگی تھی۔ "مگر کیا وہ سانپ.... آپ نے تو نہ پکڑے ہوں گے۔"

"پھر کون پکڑے گا۔" حمید بولا۔ "سانپ پکڑنا بھی ایک بہت بڑا فن ہے اور اس شہر میں میرے علاوہ اور کوئی اس فن کا ماہر نہیں۔"

"تو تم سپیرے ہو۔ میں نے یہاں کے سپیروں کے متعلق کتابوں میں پڑھا تھا۔"

"مجھے افسوس ہے کہ آپ نے ڈاکٹر زیٹو کا نام کبھی نہیں سنا۔ مجھے نبراسکا یونیورسٹی سے سانپوں کی تحقیق کے سلسلے میں ڈاکٹریٹ ملی تھی۔"

"اچھا.... کس طرح پکڑتے ہیں سانپ....!" گریٹا نے پوچھا۔

"اس طرح بتانا تو مشکل ہے جب کہ یہاں کوئی سانپ موجود نہیں۔" حمید نے تشویش

آمیز لہجے میں کہا۔ پھر مسکرا کر بولا۔ "ٹھہریئے.... میں کوشش کرتا ہوں.... فرض کیجئے سانپ ہیں.... ذرا سیدھی ہو کر بیٹھ جایئے.... ہاں۔"

حمید درمیان سے میز ہٹا کر ریٹا کے صوفے کے قریب فرش پر ایک گھٹنا ٹیک کر بیٹھ گیا۔

"ہش ہش....!" اس نے کہا۔ "میں نے اس طرح آپ کو آپ کی بانبی سے نکالا۔ آپ پھن کاڑھے بیٹھی ہیں۔ میں نے آپ کو دوبارہ ہشکار دیا۔"

حمید نے "ہشکارنے" کے سلسلے میں اس کی ٹھوڑی میں ہاتھ لگاتے ہوئے بکواس جاری رکھی۔ "اب آپ میرے ہاتھ پر منہ مارنے کی کوشش کیجئے۔ نہیں یوں نہیں اس طرح۔"

اس نے اس کا ہاتھ لے کر اپنے ہونٹوں سے لگالیا۔

"سانپ نے منہ مارا۔ میں نے وار خالی دے کر سائڈ پر ہاتھ رسید کر دیا۔"

اس بار اس نے ریٹا کے داہنے گال پر ہلکی سی تھپکی دی۔

"اور پھر جیسے ہی وہ ایک طرف جھکا.... میں نے اس کا سر دبوچ لیا۔"

اس بار ریٹا بڑی پھرتی سے ایک طرف کھسک گئی اور حمید کے ہاتھ پھیلے ہی رہ گئے۔ لیکن وہ فوراً سیدھا کھڑا ہو کر ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ "تو یہ طریقہ ہے سانپ پکڑنے کا۔"

"تم بڑے شیطان معلوم ہوتے ہو۔" ریٹا مسکرا کر بولی۔

"نہیں چھوٹا شیطان.... بڑا شیطان تو ان معاملات میں بالکل بدھو ہے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"اوہ.... یہ ہم سانپ پکڑنے والوں کا ایک مخصوص جملہ ہے۔ اگر اس وقت تم مجھے شیطان کی بجائے کریم رول کہتیں تب بھی میں یہی جملہ دہراتا۔"

"اوہ...." ریٹا نے کلائی کی گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بیس منٹ ہو گئے۔"

"اُف.... فوہ....!" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "انٹرویو تو رہ ہی گیا۔"

"نہیں بس! اب کل.... اس وقت مجھے ذرا کام ہے۔"

"کل کس وقت۔"

"اسی وقت.... تم ایک دلچسپ دوست ثابت ہو سکتے ہو۔"

"اوہ.... شکریہ شکریہ۔ کتنے سانپ لاؤں۔"

"سانپ....!" وہ مسکرا کر بولی۔ "اب زیادہ بیوقوف نہ بناؤ۔"

"ارے تو کیا واقعی تم مذاق سمجھی ہو۔ اچھا کل دیکھ لینا۔" اس نے کہا۔ پھر میز پر سے چوہیا کو اٹھاتا ہوا بولا۔ "ڈاکٹر زیٹو ایک معزز شہری ہے۔"

"اچھا ڈاکٹر زیٹو.... اب جاؤ۔" گریٹا نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ہم کل پھر ملیں گے۔"

واپسی پر حمید اپنے ہی ہاتھ سے اپنی پیٹھ ٹھونک رہا تھا۔ گھر پہنچا تو فریدی سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ وہ شائد کافی دیر سے بیٹھا اسی پر تاؤ کھا رہا تھا۔

"آج کل تم کیڈی نہ لے جایا کرو.... سمجھے.... میرا بڑا نقصان ہوتا ہے۔" اس نے کہا۔

"یہی بات آپ گنگنا کر بھی کہہ سکتے تھے۔" حمید نے لاپرواہی سے کہا۔

"تھپڑ مار دوں گا۔"

"مگر اسی طرح جیسے میں نے گریٹا کے گال پر تھپکی دی تھی۔" حمید سینہ تان کر بولا اور فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"ہاں جناب۔" اس نے پھر کہا۔ "میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔ عورتوں سے فوراً ہی بے تکلف ہو جانا بھی ایک بہت بڑا آرٹ ہے۔ سمجھے! یور ہارڈ شپ....!"

"کیا بک رہے ہو؟"

"گریٹا نے مجھے کل پھر بلایا ہے۔ ذرا دس پانچ ایسے سانپ الگ کر دیجئے گا جن کے منہ میں ایک بھی دانت نہ ہو۔"

"میرا دماغ نہ چاٹو.... چلے جاؤ یہاں سے۔"

"آپ تو مجھے گریٹا سے بھی زیادہ بدتر معلوم ہوتے ہیں۔ اس نے کم از کم میرے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کیا تھا۔"

"کیا کوئی بڑا تیر مار کر آئے ہو۔" فریدی نے طنزیہ انداز میں پوچھا

"افسوس! تیر کھا کر آیا ہوں۔ دیکھئے کب ہضم ہوتا ہے۔"

"تم تو بکواس کئے جاؤ گے۔"

"اچھا سنئے! مگر شائد آپ یقین نہ کریں۔" حمید نے کہا اور اس مضحکہ خیز انٹرویو کا حال بیان

کرنے لگا۔ اسے توقع تھی کہ فریدی سن کر ہنسے گا۔ لیکن داستان ختم ہوتے ہی فریدی نے بڑے خشک لہجے میں کہا۔ "تم نے اچھا نہیں کیا۔"

"حوصلہ افزائی کا شکریہ۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ "لیکن واضح رہے کہ اس کے بارے میں میرا نظریہ نہیں ہے جو آپ کا ہے۔ سمجھے جناب.... میرے لئے وہ ایک خوبصورت عورت ہے اور بس۔"

"تم جانتے ہو کہ میں ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھاتا ہوں۔"

"آخر آپ مجھے کیوں بور کر رہے ہیں۔ آپ اپنا کام کیجئے میں اپنا کروں گا۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

"کوئی نئی بات کہئے۔ میں یہ ہزار بار سن چکا ہوں۔"

"اچھا..!" فریدی اسے گھور کر بولا۔ "اگر تم بھی لپیٹ میں آجاؤ تو پھر مجھ سے شکایت نہ کرنا۔"

"میں اپنی حفاظت خود کر سکتا ہوں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہاں.... میں ہی بول رہا ہوں.... کیا ہائی سرکل میں.... خوب... ٹھیک ہے.... کم از کم گیارہ بجے رات تک اسے وہاں رکنا ہی چاہئے.... کیا کہہ رہے ہو.... بارہ تک.... تمہیں کیسے معلوم ہوا.... ٹھیک.... اچھا.... تو میں مطمئن رہوں گا.... اچھا۔"

فریدی نے ریسیور رکھ کر سگار سلگایا اور کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ حمید پہلے ہی دل برداشتہ ہو رہا تھا اس نے بھی وہاں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا۔

نو بج رہے تھے۔ سردیوں کی راتیں تھیں۔ ابھی سے ایسا معلوم ہونے لگا تھا جیسے آدھی رات گذر گئی ہو۔ فریدی اٹھ کر ایک کمرے میں آیا۔ یہاں اس نے سیاہ سوٹ پہن کر ریوالور جیب میں ڈالا۔ وہاں سے گیراج میں آیا تو کیڈی پھر غائب تھی۔ غالباً حمید پھر کہیں نکل بھاگا تھا۔ فریدی نے سیاہ رنگ کی چھوٹی آسٹن نکالی۔ یہ کار شاذ و نادر ہی استعمال ہوتی تھی۔ بہت ہی اہم مواقع پر فریدی اسے نکالتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد کار مختلف سڑکوں سے گذرتی ہوئی شہر کے ایک ایسے علاقے میں پہنچ گئی جہاں کرائے پر دیئے جانے والے بے شمار گیراج تھے۔ فریدی نے کار سے اُتر کر ایک گیراج کھولا اور کار اس کے اندر لے جا کر کھڑی کر دی۔ یہ اُس نے کرائے پر لے رکھا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ ایک موٹر سائیکل دھکیلتا ہوا گیراج سے نکلا۔ اب اس کے سر پر فلٹ ہیٹ کی بجائے ایک عجیب وضع کی ٹوپی نظر آ رہی تھی۔ اس کا رنگ سیاہ تھا اور وہ اس کے سر پر کھال کی طرح منڈھی ہوئی تھی۔ جسم پر کوٹ کی جگہ چمڑے کی جیکٹ نے لے لی تھی۔

موٹر سائیکل اسٹارٹ کر کے وہ ایک سنسان اور تاریک راستے پر ہو لیا۔ موٹر سائیکل کی رفتار بہت تیز تھی۔ اس نے کہیں بھی اسے کسی بھری پُری سڑک پر موڑنے کی کوشش نہیں کی۔

اس کی منزل دراصل گریٹا کی قیام گاہ اسپرنگ کاٹج تھی۔

اس علاقے میں بہت تھوڑے سے مکانات تھے اور وہ بھی ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر واقع تھے۔ فریدی اسپرنگ کاٹج سے دو ڈھائی فرلانگ ادھر ہی موٹر سائیکل سے اتر گیا۔ شائد اس نے پہلے ہی سے موٹر سائیکل چھپانے کے لئے جگہ کا تعین کر رکھا تھا۔

موٹر سائیکل کو ٹھکانے لگانے کے بعد وہ پیدل ہی اسپرنگ کاٹج کی طرف چل پڑا۔ اُسے ایسی ہی ایک رات یاد آ رہی تھی جب وہ اور حمید چوروں کی طرح اسی اسپرنگ کاٹج میں داخل ہوئے تھے۔ وہ بھی ایک رقاصہ[1] ہی کا معاملہ تھا۔ اس رقاصہ نے بھی رہائش کے لئے اسپرنگ کاٹج ہی کو منتخب کیا تھا۔ وہ بھی ایک ایسی ہی سرد رات تھی۔ لیکن اس معاملے میں فریدی نے نہ تو اتنی تیاریاں کی تھیں اور نہ وہ اتنا محتاط تھا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ دونوں اس وقت بھی چوروں ہی کی طرح اسپرنگ کاٹج میں داخل ہوئے تھے۔ لیکن انہوں نے اپنی وہ حیثیت برقرار نہیں رکھی تھی۔ ایک آنے والے کے لئے انہوں نے اطمینان سے دروازہ کھولا تھا۔

لیکن آج حمید نہیں تھا۔ نہ جانے کیوں فریدی اس کے لئے یک بیک بہت زیادہ مضطرب ہو گیا۔ حمید گریٹا پر بُری طرح لٹو ہو رہا تھا اور یہ اس نقطہ نظر سے بڑی خطرناک سچویشن تھی۔

اس کے قدم تیزی سے اسپرنگ کاٹج کی طرف اٹھنے لگے۔

پائیں باغ کے اندر چھوٹی سی عمارت تاریکی میں نہائی ہوئی کھڑی تھی۔ جیسے ہی فریدی نے پائیں باغ کے پھاٹک کے سامنے گذرنا چاہا دو بڑے بڑے السیشین غراتے ہوئے پھاٹک کی طرف دوڑے۔ سلاخوں دار پھاٹک اندر سے بند تھا۔ فریدی ایک ہی جست میں چہار دیواری کی اوٹ میں ہو گیا۔ لیکن وہ سلاخوں کے درمیان سے اپنی ٹھوتھنیاں نکالے برابر بھونکے جا رہے تھے۔ فریدی

---

[1] داستان کے لئے جاسوسی دنیا کا ناول "گیتوں کے دھماکے" جلد نمبر 10" پڑھیے۔

نے پتلون کی جیب سے ایک پیکٹ نکالا۔ اس میں کچے گوشت کے ٹکڑے تھے اسے رکھوالی کرنے والے کتوں کے متعلق پہلے ہی سے علم تھا۔ اور وہ ان کے لئے پوری طرح تیار ہو کر آیا تھا۔ اس نے گوشت کے ٹکڑے اندر پھینک دیئے۔ پھر اسے کتوں کی غراہٹ سنائی دی۔ انہوں نے بھونکنا بند کر دیا تھا۔ لیکن ہلکی سی غراہٹ اب بھی جاری تھی۔ کچھ دیر بعد وہ غراہٹ بھی ختم ہو گئی۔ فریدی نے اطمینان کا سانس لیا۔

فریدی جانتا تھا کہ عمارت بالکل ہی خالی نہیں ہے۔ گریٹا کے دونوں نوکر وہیں رہتے تھے لیکن اس کے باوجود بھی اس نے غیر قانونی طور پر تلاشی لینے کا خطرہ مول لیا تھا۔

وہ چکر کاٹ کر عمارت کی پشت پر پہنچا۔ اسے یاد تھا اس طرف ایک چھوٹا سا دروازہ موجود ہے۔ لیکن یہ بات بہت پرانی ہو چکی تھی اس نے اس دوران میں اس بات کی تحقیق نہیں کی تھی کہ وہ دروازہ اب بھی موجود ہے یا نہیں۔

بہر حال جب وہ عمارت کی پشت پر پہنچا تو اس کے ارادوں پر اوس پڑ گئی۔ اب وہ دروازہ نہیں تھا۔ اس کی جگہ اینٹیں چن دی گئی تھیں۔

فریدی نے جیب سے ٹارچ نکالی۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر اسے استعمال نہیں کیا۔ وہ اب پھر پھاٹک کی طرف واپس جا رہا تھا۔ پھر وہ اس جگہ رک گیا جہاں پائیں باغ کی چہار دیواری کا کچھ حصہ بقیہ دیواروں سے اونچا تھا۔ یہاں دراصل نوکروں کیلئے دو چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے تھے۔ جب اسے اچھی طرح اطمینان ہو گیا کہ نوکر انہیں دونوں کمروں میں موجود ہیں تو وہ آگے بڑھا۔

اب وہ دیوار کے اس حصے کے قریب تھا جہاں سے اصل عمارت شروع ہوئی تھی۔ اس نے اپنے سر پر منڈھی ہوئی سیاہ ٹوپی کا اگلا سرا نیچے کھینچ لیا۔ اس کا پورا چہرہ اس ٹوپی نے ڈھک لیا تھا۔

وہ کون تھا

اس کی عقابی آنکھیں دو سوراخوں سے جھانک رہی تھیں۔ دوسرے لمحے میں وہ دیوار کے اوپر تھا اور پھر دوسری طرف اترنے میں اسے کوئی دشواری نہ ہوئی کیونکہ یہاں دیوار زیادہ اونچی نہیں تھی۔

وہ برآمدے میں پہنچ کر رک گیا۔ پھاٹک کے قریب نوکروں کے کمرے میں روشنی نظر آ رہی تھی لیکن وہ اتنی تیز نہیں تھی کہ برآمدے تک پہنچ سکتی۔ گھاس میں چھپے ہوئے جھینگر جھائیں جھائیں کر رہے تھے۔ اکثر دور سے گیدڑوں کی صدائیں آتیں اور پھر سکوت چھا جاتا۔

فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ بات اہم ہی رہی ہو گی ورنہ وہ عمل کے وقت سوچنے کا قائل نہیں تھا۔

یک بیک وہ دروازے کی طرف مڑا۔ اسے توقع تھی کہ وہ مقفل ہو گا۔ مگر وہ ہینڈل گھماتے ہی کھل گیا۔ اس نے بڑی احتیاط سے اندر داخل ہو کر دروازہ پھر بند کر دیا۔

اب اس کی ننھی سی ٹارچ دوبارہ نکل آئی تھی کیونکہ یہاں چاروں طرف اندھیرے کی حکمرانی تھی۔ روشنی کی باریک سی لکیر ادھر اُدھر تیزی سے گردش کرنے لگی۔

وہ بڑی تیزی سے کمروں کی چیزیں الٹنے پلٹنے لگا۔

اچانک اسے ایک ہلکی سی آواز سنائی دی۔ اس نے ٹارچ بجھا دی اور چپ چاپ ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ دو تین منٹ گذر گئے۔

آخر اس نے اسے سماعت کا واہمہ سمجھ کر دوبارہ کام شروع کر دیا۔ اس نے سارے صندوق الٹ دیئے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کاش اس وقت حمید بھی ہوتا۔

آخر میں وہ گریٹا کی خواب گاہ میں آیا۔ سب سے پہلے اس کی نظر سنگھار میز پر پڑی.... اور اس نے تلاشی کی شروعات اسی سے کی۔ درازیں کھول کر دیکھیں۔

اور پھر اس کی نظر ایک چوڑے منہ کی شیشی پر جم گئی جس میں کئی رنگوں کے ننھے ننھے کیپسول بھرے ہوئے تھے۔

کئی رنگوں کے کیپسول؟ فریدی کے ذہن نے دہرایا.... سرخ، پیلے، گہرے گلابی اور آبی رنگ کے کیپسول۔ کیا ایک ہی رنگ کے کافی نہیں تھے۔

فریدی نے شیشی کا ڈھکن کھول کر تھوڑے سے کیپسول اپنی ہتھیلی پر الٹ لئے۔ ان میں سے ایک آدھ کھول کر بھی دیکھے لیکن وہ خالی تھے۔ اس نے ان میں سے ہر رنگ کے دو چار نکال کر جیب میں ڈال لئے۔

اس کے ذہن میں ایک بہت بڑا شبہ سر ابھار رہا تھا۔ ان کیپسولوں کی موجودگی کے باوجود بھی وہاں اسے کوئی ایسی دوا نہ دکھائی دی جس کے استعمال کے سلسلے میں یہ کیپسول ضروری ہوتے۔

ایک جگہ اسے گریٹا کے بہت سے سرٹیفکیٹ ملے جو اسے مختلف ملکوں سے مخصوص تقریبات کے مواقع پر دیئے گئے تھے۔ فریدی نے انہیں بھی جیب میں ڈال لیا۔ اس نے سوچا کہ آخر اس افراتفری کا بھی تو کوئی جواز ہونا ہی چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ کل شام کے اخبارات ایک حیرت انگیز چوری کی خبر چھاپیں جس میں صرف سرٹیفکیٹ چرائے گئے ہوں۔

وہ دل ہی دل میں اپنی اس تدبیر پر ہنسا۔

وہ واپسی کے لئے مڑ ہی رہا تھا کہ اسے برابر والے کمرے میں پھر ایک ہلکی سی آواز سنائی دی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کسی نے نیند میں کراہ کر کروٹ بدلی ہو۔ اسے بڑی حیرت ہوئی کیونکہ وہ تھوڑی ہی دیر قبل سارے کمروں کو دیکھ چکا تھا اور وہ سب خالی تھے۔ وہ دبے پاؤں خواب گاہ سے نکل کر اس کمرے کے بند دروازے کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اس نے اسے کھولنے کی کوشش کی لیکن وہ اندر سے بند تھا۔

حیرت کا دوسرا لمحہ۔ کچھ دیر قبل وہ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اگر کوئی اس میں داخل بھی ہوا ہے تو اس نے کمرے کی ابتری کی طرف کیوں دھیان نہیں دیا۔ اگر وہ گھر ہی کا کوئی فرد ہے تو اسے ایسی حالت میں اس طرح دروازہ بند کر کے بیٹھ رہنے کی بجائے پورے مکان کا چکر لگانا چاہئے تھا۔ اندر داخل ہونے والے نے روشنی بھی نہیں کی تھی۔

اس نے دروازے کے شیشوں سے اندر جھانکنے کی کوشش کی۔ کمرے میں گہرا اندھیرا تھا۔ دفعتاً اسے روشنی کی ایک باریک سی لکیر گردش کرتی ہوئی نظر آئی۔ غالباً یہ اسی قسم کی ٹارچ کی روشنی تھی جیسے کچھ ہی دیر پیشتر فریدی استعمال کر چکا تھا۔ ٹارچ کی روشنی بکھرے ہوئے سامان پر رینگتی پھر رہی تھی۔

پھر ٹارچ بجھا دی گئی اور کسی نے دروازے کے ہینڈل کو اندر سے پکڑ کر گھمایا۔ فریدی دروازے کے سامنے سے کھسک کر دیوار سے چپک گیا۔

باہر آنے والے کے پس منظر میں کھلا ہوا آسمان تھا۔ اس لئے فریدی اس کا دھندلا سایہ دیکھنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ ایک طویل القامت آدمی تھا۔

اب وہ فریدی کے قریب سے گذرتا ہوا خواب گاہ میں داخل ہو گیا۔

اچانک بیرونی برآمدے میں کئی قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے

دروازے کا ہینڈل گھمایا ہو۔ خواب گاہ میں گھسا ہوا آدمی باہر نکل آیا۔ پھر فریدی نے اس کو صحن سے گذر کر باورچی خانے کی چھت پر چڑھتے دیکھا۔

خود اس کا بھی وہاں ٹھہرنا خطرہ سے خالی نہیں تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دوسرا آدمی اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ فریدی نے بھی بڑی تیزی سے اس کی تقلید کی۔ باورچی خانے کی دیوار کافی نیچی تھی۔ اس نے چھت پر چڑھ کر دوسری طرف جھانکا۔ دوسرا آدمی نیچے کود چکا تھا۔ اندر داخل ہونے کے لئے یہ راستہ بڑا آسان تھا۔ لیکن فریدی نے جلدی میں اسے نظر انداز کر دیا تھا۔ پہلے کودنے والا بڑی تیز رفتاری سے ایک طرف جا رہا تھا۔ فریدی نے بھی نیچے چھلانگ لگا دی۔ حالانکہ اس نے کریپ سول جوتے پہن رکھے تھے مگر کودنے سے جو آواز ہوئی وہ آگے جاتے ہوئے آدمی کو چونکا دینے کے لئے کافی تھی۔ وہ ایک لمحہ کے لئے ٹھٹکا پھر بیک بیک دوڑنے لگا.... فریدی اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔

اچانک اسپرنگ کاٹج کی طرف سے کسی نے فائر کیا۔ گولی سنسناتی ہوئی فریدی کے قریب سے نکل گئی۔ دوسرا فائر ہوا۔ شور و غل کی آوازیں بھی سناٹے میں انتشار پھیلانے لگیں۔

دوسرا آدمی فریدی کی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ اب اس نے یہی مناسب سمجھا کہ اس کے تعاقب کا خیال ترک کر کے چپ چاپ یہاں سے نکل جائے۔

دوسری صبح فریدی ناشتے کی میز پر حمید کا انتظار کر رہا تھا اور اس کے ذہن میں پچھلی رات کے واقعات تیزی سے گردش کر رہے تھے۔ آخر وہ دوسرا آدمی کون تھا؟ اور اسے کس چیز کی تلاش تھی؟

کئی منٹ گذر گئے لیکن حمید نہیں آیا۔ پھر نوکر نے اطلاع دی کہ وہ موجود ہی نہیں ہے۔

فریدی نے سارا دن اپنی تجربہ گاہ میں گذارا.... اور شام کو جب نیچے آیا تو اس نے سب سے پہلے شام کو شائع ہونے والے اخبارات طلب کئے اور پھر وہ خبر اُسے مل ہی گئی جس کی اسے تلاش تھی.... تقریباً سارے ہی اخبارات نے خبر جلی حرفوں میں دی تھی۔ "اطالوی رقاصہ گریٹا سیرانو کے یہاں عجیب و غریب چوری۔ گھر کا سارا سامان الٹ پلٹ دیا گیا.... لیکن چور صرف اس کے سرٹیفکیٹ لے گیا۔ پولیس نے رپورٹ درج کر لی ہے اور کوتوالی انچارج انسپکٹر جگدیش تحقیقات کر رہے ہیں۔"

فریدی کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

اس نے ڈرائیور کو آواز دے کر کیڈی نکالنے کو کہا۔

"ابھی ابھی حمید صاحب لے گئے ہیں۔" ڈرائیور نے کہا اور فریدی تاؤ کھا کر رہ گیا.... اور حمید اپنی خیالی مونچھوں پر تاؤ دیتا ہوا اسپرنگ کاٹج کی طرف اڑا جا رہا تھا۔ چمڑے کے تھیلے میں درجنوں بے ضرر سانپ کلبلا رہے تھے۔

اسپرنگ کاٹج پہنچ کر وہ کیڈی سے اتر گیا۔ لیکن تھیلا اسی میں پڑا رہنے دیا۔ برآمدے میں کھڑے ہوئے ملازم نے کارڈ طلب کیا۔

"اوہ....!" حمید پیر پٹخ کر بولا۔ "جا کر کہہ دو.... ڈاکٹر زیٹو تشریف لائے ہیں۔"

"صاحب وہ اردو نہیں سمجھتیں۔ لکھ کر دیجئے۔" نوکر نے لجاجت سے کہا۔

حمید نے کاغذ کے ایک ٹکڑے پر پنسل سے گھسیٹ کر اسے دے دیا۔ نوکر کو واپسی میں دیر نہیں لگی۔ ایسا معلوم ہوا جیسے حمید کا انتظار ہی رہا ہو۔

ڈرائینگ روم میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے اس کی نظر انسپکٹر جگدیش پر پڑی۔ حمید نے جگدیش کو چونکتے دیکھا۔ وہ بھی بوکھلا گیا تھا۔ لیکن اس نے گریٹا کی نظر بچا کر جگدیش کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی بائیں آنکھ دبا دی۔

"آفیسر.... یہی ہے وہ آدمی۔" دفعتاً گریٹا چیخ کر بولی۔

"اگر یہ وہی آدمی ہے تو مجبور ہوں۔" جگدیش ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"کیوں....؟" گریٹا اسے گھورنے لگی۔

"میں یہ سوچ ہی نہیں سکتا کہ اس نے آپ کے سرٹیفکیٹ چرائے ہوں گے۔" جگدیش نے کہا۔ "ہاں اگر آپ کا پاؤڈر پف یا ہیئر پن غائب ہوا ہوتا تو بات دوسری تھی۔"

حمید ان دونوں کو پاگلوں کی طرح گھور تا رہا۔ اس نے گریٹا کے یہاں کی چوری کی خبر پڑھی تھی۔ لیکن یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ گریٹا نے اُسی کے خلاف شبہ ظاہر کیا ہوگا۔

"کیا آپ اس سے واقف ہیں۔" گریٹا نے پوچھا۔

"اچھی طرح.... یہ ایک معزز شہری ہے۔"

"کیا بات....!" حمید نے ان دونوں کو باری باری سے گھور کر کہا۔

"اچھا مس گریٹا....!" جگدیش اٹھتا ہوا بولا۔ "میں پوری کوشش کروں گا۔"

جگدیش سر جھکائے ہوئے حمید کے قریب سے نکل گیا۔ حمید کھڑا گریٹا کو گھورتا رہا۔ اس نے اسے بیٹھنے کو بھی نہ کہا۔

"آخر بات کیا ہے۔" حمید نے پھر پوچھا۔

"یہاں چوری ہو گئی ہے۔"

"میں جانتا ہوں.... میں نے اخبار میں دیکھا تھا۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "لیکن کیا تمہیں مجھ پر شبہ ہے۔"

"میں نے یونہی خیال ظاہر کیا تھا۔" گریٹا تھوک نگل کر بولی۔ پھر تھوڑے توقف کے ساتھ اس نے پوچھا۔ "آخر تم ہو کون؟"

"ڈاکٹر زیٹو.... سانپوں کا ماہر۔"

"پولیس والے تمہیں کیسے جانتے ہیں۔"

"وہ مجھے جاننے پر مجبور ہیں.... میں یہاں کا ایک بہت بڑا آدمی ہوں۔"

"اور تم سانپ پکڑتے ہو۔"

"ہاں یہ میری ہابی ہے۔"

"ہوگی.... میں اس وقت بہت پریشان ہوں۔"

"سرٹیفکیٹ کے لئے پریشانی۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "میں یہاں سے تمہیں درجنوں سرٹیفکیٹ دلا دوں گا۔"

"جاؤ.... پھر کبھی آنا۔" گریٹا بے صبری سے ہاتھ ملا کر بولی۔

"میں سانپ لایا ہوں۔"

"مجھے بالکل فرصت نہیں ہے۔"

"تو تم نے میرا اتنا وقت کیوں برباد کرایا۔" حمید بگڑ گیا۔ "میں بہت مشغول آدمی ہوں۔"

گریٹا کچھ نہ بولی۔ وہ بہت زیادہ اکتائی ہوئی نظر آنے لگی تھی۔

"اچھی بات ہے میں جا رہا ہوں۔" حمید نے پیر پٹخ کر کہا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ کیڈی بائیں باغ کی روش پر کھڑی تھی۔ اس نے سانپوں کا تھیلا نکالا اور پھر گریٹا کے ڈرائنگ روم میں

جاگھسا۔ گریٹا بھی شائد باہر ہی جانے کے لئے اٹھی تھی۔ حمید نے تھیلا میز پر الٹ دیا اور گریٹا مار کر صوفے پر چڑھ گئی۔ درجنوں سانپ میز پر رینگتے پھر رہے تھے۔

"کیا میں جھوٹ کہتا ہوں۔" حمید نے پرسکون لہجے میں کہا اور جھک کر ایک سانپ اٹھاتا بولا۔ "یہ میرے بچے ہیں۔"

گریٹا صوفے پر کھڑی بُری طرح کانپ رہی تھی۔ دفعتاً ایک کالا سانپ پھن اٹھائے صو کی طرف لپکا اور گریٹا دوبارہ چیخ مار کر حمید کی گردن میں جھول گئی۔ پھر وہ دونوں صوفے پر ڈھ ہوگئے۔ نوکر برآمدے پر کھڑے چیخ رہے تھے۔

"خدا کے لئے....!" گریٹا ہانپتی ہوئی بولی۔

"تم مجھے جھوٹا سمجھتی تھیں۔"

"نہیں.... نہیں.... انہیں لے جاؤ۔"

"گھبراؤ نہیں.... جب تک تم میرے قریب ہو یہ تمہارا کچھ نہیں کر سکتے۔"

حمید نے سوچا کہ اگر یہ نوکر شور مچاتے ہوئے سڑک پر نکل گئے تو بڑی زحمت ہوگی۔

اس نے گریٹا سے کہا۔ "ان گدھوں کو چپ کراؤ ورنہ میرے سانپوں کا نروس بریک ڈاؤن ہو جائے گا۔"

گریٹا خوفزدہ سی ہنسی کے ساتھ ہاتھ ہلا کر نوکروں کو چلے جانے کا اشارہ کرنے لگی۔

نوکروں نے اس کے اس رویہ کو حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا اور چپ چاپ چلے گئے۔

"اُوہ.... ای۔" گریٹا پھر چیخ مار کر حمید پر لد پڑی۔ ایک سانپ صوفے پر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ حمید نے اسے دوسری طرف جھٹک دیا۔

"ہٹاؤ.... انہیں.... ہٹاؤ.... ورنہ میں نوکروں کو بلاتی ہوں۔"

"نوکر اس کمرے میں گھسنے کی بھی ہمت نہ کر سکیں گے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"آخر تم چاہتے کیا ہو۔"

"دو باتیں.... ایک تو تم یہ تسلیم کرو کہ میں جھوٹا نہیں ہوں۔"

"میں تسلیم کرتی ہوں۔"

"دوسری بات یہ کہ مجھ سے روز ملو گی۔"

"ملوں گی۔"

"بس ٹھیک! اچھا مجھے اٹھنے دو تاکہ میں انہیں دوبارہ تھیلے میں رکھ سکوں۔"

گریٹا اُسے چھوڑ کر ایک طرف کھسک گئی اور حمید سانپوں کو پکڑ پکڑ کر تھیلے میں ڈالنے لگا۔

"تمہیں خوف نہیں معلوم ہوتا۔" گریٹا نے کہا۔

"نہیں یہ میرے بہترین دوست ہیں۔"

آخری سانپ حمید کے ہاتھ ہی میں تھا کہ ایک لمبا تڑنگا اینگلو انڈین کمرے میں داخل ہوا اور چند لمحے حیرت سے منہ کھولے دروازے کے قریب کھڑا رہا۔

حمید نے سانپ کو جھولے میں ڈالتے ہوئے گریٹا سے کہا۔ "کھیل ختم ہو گیا۔"

"اوہ.... مسٹر کیلب....!" گریٹا نے نووارد کو مخاطب کیا۔ "یہ سانپوں کے ماہر ڈاکٹر زیٹو ہیں۔"

حمید سوچ رہا تھا کہ اس نے اس سے پہلے کیلب کو کب اور کہاں دیکھا تھا۔

کیلب حمید کو گھورتا ہوا آگے بڑھا اور حمید نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"بڑی خوشی ہوئی مسٹر کیلب....!"

"مجھے بھی کم خوشی نہیں ہوئی کیپٹن حمید۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "لیکن تمہارے ہاتھ گندے ہیں اس لئے مصافحہ نہیں کر سکتا۔"

"کوئی بات نہیں پھر کسی دن سہی۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"لیکن دوسروں سے تعارف حاصل کرنے کا یہ طریقہ بہت ہی بھونڈا ہے۔" اس نے سانپوں کے تھیلے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"تم انہیں جانتے ہو۔" گریٹا نے جلدی سے کہا۔

"ہاں!" کیلب بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "یہ محکمہ سراغ رسانی کے ایک بدنام آفیسر ہیں۔ وہ عورتیں جو انہیں منہ لگانا پسند نہیں کرتیں ان سے اس طرح تعارف حاصل کرتے ہیں۔"

"یہ جملہ تمہیں بہت مہنگا پڑے گا۔" حمید نے فرش سے تھیلا اٹھاتے ہوئے کہا۔

کیلب نے استہزائیہ انداز میں قہقہہ لگایا اور حمید نے گریٹا کی طرف دیکھ کر کہا۔ "تم مجھے بہت یاد آؤ گی۔"

وہ کمرے سے نکل آیا۔ لیکن اس کا ذہن کیلب میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ آخر وہ کون تھا....؟

کہاں مری تھی

فریدی مضطربانہ انداز میں اپنی تجربہ گاہ میں ٹہل رہا تھا۔ اس کے چہرے سے جوش کا اظہار ہو رہا تھا۔ شائد اس نے ابھی ابھی کوئی تجربہ کر کے اس سے خاطر خواہ نتائج اخذ کئے تھے۔ اس نے نوکر کے لئے گھنٹی بجائی.... اور سگار سلگا کر ایک میز کے کونے پر بیٹھ گیا۔

"حمید کو بھیج دو۔" نوکر کو دروازے میں کھڑا دیکھ کر اس نے کہا۔

کچھ دیر بعد حمید عجیب ہیئت کذائی میں اس کے سامنے موجود تھا۔ بال بکھرے ہوئے جسم پر ریشم کا پھولدار لمبا لبادہ جاپانی کیمونو سے ملتا جلتا۔ ہونٹوں پر لپ اسٹک کی ہلکی سی سرخی تھی۔

"تم دوسروں کو ہنسانے کی کوشش میں بھانڈ ہوئے جا رہے ہو۔" فریدی نے منہ بنا کر کہا۔

"آپ غلط سمجھے۔" حمید نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔ "میں دراصل آئینے کے سامنے ایک گونگی لڑکی کا رول ادا کر رہا تھا۔"

"بیٹھ جاؤ بکواس نہ کرو۔ تمہیں شرم نہیں آتی۔ نوکر کیا کہتے ہوں گے۔"

"مجھے.... نوکروں....!"

"خاموش رہو۔" فریدی جھنجھلا گیا۔ "جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے کان کھول کر سنو۔"

"میرے کان بند نہیں ہیں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"تم کل شام کو بھی اسپرنگ کالج گئے تھے اور وہاں تم نے جو اودھم مچائی اس کی رپورٹ باقاعدہ طور پر آفس میں آئی ہے۔"

"رپورٹ کس نے کی ہے؟"

"خود گریٹا نے۔"

"گڈ لارڈ....!" حمید اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔

"تمہاری وجہ سے میری بڑی بدنامی ہوتی ہے۔"

"تو پھر مجھے گولی مار دیجئے۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"نہیں بہتر یہی ہوگا کہ تم اب یہاں سے چلے جاؤ۔ جتنی جلد ممکن ہو سکے کوٹھی خالی کر دو۔" فریدی نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

نمبر 14

حمید بوکھلا کر اسے گھورنے لگا۔

اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو.... ہاں فریدی بول رہا ہوں.... اوہ.... آپ ہیں.... آداب عرض.... کیا؟"

بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے اس کے جسم میں بجلی کا شاک لگا ہو۔ وہ آنکھیں پھاڑے اور منہ کھولے سنتا رہا۔ پھر یک بیک بولا۔ "دیکھئے یقیناً کسی نے اس واقعے سے فائدہ اٹھایا ہے.... یقین کیجئے! یہ ناممکن ہے۔"

وہ پھر دوسری طرف سے بولنے والے کی بات سننے لگا۔ حمید کو فریدی کی یہ بات گراں گذری تھی وہ جانے کے لئے مڑا لیکن فریدی نے بڑی بے صبری سے ہاتھ اٹھا کر اسے رکنے کا اشارہ کیا۔ جب حمید اس پر بھی نہ مانا تو وہ ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر دہاڑا۔ "ٹھہر جاؤ۔"

حمید رک گیا۔

فریدی نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔ اسے بھی لاؤں گا۔"

اس نے ریسیور رکھ کر حمید کی گردن پکڑ لی۔ "جاتے کہاں ہو! اب تم کہیں نہیں جا سکتے۔"

"معاف کیجئے گا میں سنجیدہ ہوں۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

"میں بھی سنجیدہ ہوں اور ہو سکتا ہے کہ میری سنجیدگی تمہیں پھانسی کے تختے تک پہنچا دے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی زبان روکنے کے لئے انتہائی جدوجہد کر رہا ہو۔

ابھی ابھی ڈی۔ آئی۔ جی صاحب نے فون پر اطلاع دی ہے کہ گریٹا مر گئی۔

"کیا....؟" حمید گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

"ہاں! فرزند۔ اس کی لاش اسپرنگ کالج میں پڑی ہوئی ہے اور پولیس وہاں پہنچ چکی ہے۔ ڈی۔ آئی۔ جی صاحب بھی موجود ہیں۔"

"ڈی۔ آئی۔ جی صاحب کا وہاں کیا کام۔" حمید نے کہا۔

"انہیں تمہاری کل والی حرکت کی رپورٹ مل چکی تھی۔ لہٰذا جب انہیں معلوم ہوا کہ گریٹا کی موت سانپ کے کاٹنے کی وجہ سے....!"

"سانپ....!" حمید کے حلق سے خوفزدہ سی آواز نکلی۔

"ہاں.... اس کے داہنے پیر میں سانپ کے کاٹنے کا نشان موجود ہے۔" فریدی پر سکون لہجے میں کہا۔

یقیناً کسی نے مجھے بُری طرح پھنسادیا۔

"فریدی تو پاگل ہے۔" فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اُسے خواہ مخواہ شک کرنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ وہ غلط بھی سوچ سکتا ہے مگر حمید صاحب یہ کیا ہوا....؟"

حمید کچھ نہ بولا۔ اُس کے چہرے پر زردی چھا گئی تھی۔

"گریٹا کے نوکروں نے بھی تمہارے خلاف شہادت دی ہے اور ایک آدمی اور ہے۔ کیلا .... کل اس نے بھی تمہارے ہاتھ میں سانپوں کا تھیلا دیکھا تھا۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" حمید کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

"بُرے سے بھی کچھ زیادہ۔" فریدی نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "خیر تم جلدی سے ہو جاؤ۔ ہمیں وہاں فوراً ہی پہنچنا ہے۔"

"میں بھی چلوں۔"

"ہاں! تم فکر نہ کرو۔ تم بعض اوقات فریدی کو بدھو سمجھنے لگتے ہو۔ اب میں تمہیں دکھاؤں کہ فریدی کیا ہے؟"

"بڑی خطرناک پوزیشن ہو گئی ہے میری۔"

"تمہاری اس حماقت سے مجرم ہوشیار ہو گئے اور انہوں نے نہ صرف گریٹا کو ٹھکانے لگا بلکہ تمہیں بھی مصیبت میں ڈال گئے۔ اب ہمارے پاس ان کا کوئی سراغ نہیں۔ گریٹا ایک ذریعہ تھی.... خیر.... میں دیکھوں گا۔ جلدی کرو۔"

حمید پر بُری طرح بدحواسی طاری تھی۔ وہ بزدل نہیں تھا۔ لیکن جب وہ یہ دیکھتا کہ قانون کی گرفت میں آنے والا ہے تو بہت جلد پریشان ہو جاتا تھا۔ بادی النظر میں اُسے ہی گریٹا کی موت کا ذمہ دار قرار دیا جاسکتا تھا۔ کوئی عدالت اسے نہ تسلیم کرتی کہ سارے ہی سانپ بے ضرر ہوں گے۔ اور نہ اسی بات کا کوئی ٹھوس ثبوت مہیا کیا جاسکتا تھا کہ حمید سارے سانپ سمیٹ لا ہوگا۔ ہو سکتا تھا کہ ایک آدھ کہیں چھپا رہ گیا ہو۔

تھوڑی دیر بعد فریدی کی کیڈی کمپاؤنڈ سے باہر نکل رہی تھی۔

"تم نے سانپ کس کیج سے نکالے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"کیج نمبر چار سے۔" حمید نے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ اس میں کوئی بھی زہریلا نہیں۔"

"ٹھیک ہے! میں انہیں دیکھتا رہتا ہوں۔" فریدی بولا۔

پھر راستے بھر دونوں خاموش رہے۔ وہ دونوں ہی فکر مند تھے۔

اسپرنگ کاٹج کے سامنے کئی پولیس کاریں کھڑی تھیں اور پھاٹک پر دو کانسٹیبل موجود تھے۔

ریدی اور حمید کو کار سے اترتے دیکھ کر وہ سیدھے کھڑے ہو گئے۔

"کیا ڈی۔ ایس۔ پی صاحب بھی ہیں۔" فریدی نے ان سے پوچھا۔

اس کا جواب انہوں نے اثبات میں دیا۔ وہ دونوں اندر آئے۔ یہاں سات آٹھ پولیس والوں کے علاوہ فریدی کے محکمے کا ڈی۔ آئی۔ جی بھی موجود تھا۔ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی نے حمید کی طرف دیکھتے ہوئے بُرا سا منہ بنایا۔

"لاش اندر ہے۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے فریدی سے اس انداز میں کہا جیسے وہ مردے کو اٹھانے کا کام کرتا ہو۔ ان دنوں اُن دونوں میں پھر چشمک ہو گئی تھی۔

فریدی نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی۔ لیکن کچھ نہ بولا۔

"میرے ساتھ آؤ۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے فریدی اور حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ وہ انہیں اس کمرے میں لایا جہاں لاش پڑی ہوئی تھی۔ اس کے جسم پر شب خوابی کا لباس تھا۔ مگر یہ سونے کا کمرہ نہیں تھا۔ وہی کمرہ تھا جہاں حمید نے پچھلی شام اپنے کرتب دکھائے تھے۔

"لاش سب سے پہلے کس نے دیکھی۔" فریدی نے سوال کیا۔

ڈی۔ آئی۔ جی اُسے حیرت سے دیکھنے لگا۔ پھر اُس نے کہا۔ "کیا تمہیں یقین ہے کہ لاش ہی دیکھی گئی ہو گی۔"

"جی ہاں! مجھے یقین ہے کہ کسی نے اسے چیختے بھی نہ سنا ہو گا اور نوکروں نے اس کی لاش صبح تکتی پائی ہو گی۔" فریدی نے کہا۔

"تو تمہیں تفصیل معلوم ہو چکی ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔

"ہرگز نہیں.... مجھے اتنا ہی معلوم ہے جتنا آپ نے فون پر بتایا تھا۔ پھر میں ادھر چلا آیا۔ یہ ات میں نے لاش کی حالت دیکھ کر کہی ہے۔ یہ غالباً ڈرائنگ روم ہے۔"

فریدی خاموش ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"خیر اسے جانے دو۔" ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔ "میں کل والے واقعے کی بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"کل والا واقعہ۔" فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ "حمید نے وہ سب کچھ میری ایک کے تحت کیا تھا۔"

"تمہاری اسکیم۔"

"جی ہاں.... گریٹا ایک خطرناک عورت تھی۔"

"کیا کہہ رہے ہو....؟"

"ناخنوں والی وبا میں اسی کا ہاتھ تھا۔"

ڈی۔ آئی۔ جی اُسے چند لمحے حیرت سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "بہت زیادہ سوچنے والے اکثر ذہنی توازن کھو بیٹھتے ہیں۔"

"آپ نے ہمیشہ میرے متعلق یہی رائے قائم کی ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ اتنے میں ڈی۔ ایس۔ پی نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔

"ذرا توقف کیجئے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور وہ واپس چلا گیا۔

"ناخنوں کی وبا کی کیا بات تھی۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے فریدی سے کہا۔

اس پر فریدی نے اب تک جتنی بھی چھان بین کی تھی اس کا لب لباب بتاتے ہوئے کہا "اب آپ خود خیال فرمائیے میں اسے محض اتفاق کس طرح تسلیم کر لوں جب کہ وہ ایک دو نہیں بلکہ پانچوں موقعوں پر موجود رہی ہے اور پانچوں مرنے والے قومی ترقیاتی پروگرام میں بہت اہم رول ادا کر رہے تھے۔ ابھی تک کوئی عام آدمی اس وبا کا شکار نہیں ہوا۔"

فریدی خاموش ہو گیا اور ڈی۔ آئی۔ جی کچھ سوچتا رہا۔ فریدی پھر بولا۔ "گریٹا کی پشت پر کوئی بڑی طاقت تھی۔ اس نے جب دیکھا کہ ہم لوگ اس میں دلچسپی لے رہے ہیں تو اس نے اسے ٹھکانے لگا دیا۔ اب ہمارے پاس فی الحال اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں۔ گریٹا ہی اس پُراسرار آدمی تک پہنچنے کا ایک ذریعہ تھی۔"

"وہ تو ٹھیک ہو سکتا ہے۔" ڈی۔ ایس۔ پی بولا۔ "مگر کیا یہ ممکن نہیں کہ ایک سانپ یہاں آ گیا ہو۔ نوکروں نے بتایا ہے کہ انہوں نے اسی کمرے میں سانپ دیکھے تھے۔"

"لاش انہوں نے یہیں پڑی پائی تھی؟" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں....!"

"ڈاکٹر کو یقین ہے کہ یہ سانپ ہی کے دانتوں کا نشان ہے۔"

"ہاں بھئی۔"

"موت ہوئے کتنی دیر گذری....!" فریدی نے پوچھا۔

"پچھلی رات دس اور ایک بجے کے درمیان میں۔"

"تو گویا وہ رات کسی وقت خواب گاہ سے اٹھ کر یہاں آئی اور اسے سانپ نے ڈس لیا۔ لیکن وہ چیخی بھی نہیں۔ خاموشی سے مر گئی۔"

"ممکن ہے! نوکروں نے چیخ نہ سنی ہو۔" ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔ "وہ پھاٹک کے قریب والی کوٹھریوں میں سوتے ہیں۔ گریٹا عمارت میں تنہا تھی۔"

"دیکھئے! یہاں کئی سوال پیدا ہوتے ہیں۔ انہیں نفسیاتی نقطہ نظر سے دیکھنے کی کوشش کیجئے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ پرسوں رات کو اس عمارت میں چوری ہو چکی ہے۔ کیا یہ حیرت انگیز بات نہیں ہے کہ اس کے باوجود بھی وہ اس عمارت میں تنہا رہی۔ اس کا نفسیاتی ردعمل تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ گریٹا نوکروں کو بھی اسی عمارت میں سلاتی۔ خیر اسے بھی جانے دیجئے۔ یہ ایک الگ بحث ہے۔ لاش کی طرف دیکھئے۔ وہ ننگے پیر ہے اور جسم پر شب خوابی کا لباس ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خواب گاہ سے اٹھ کر یہاں آئی تھی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ ننگے پیر کیوں آئی۔"

"یہ سوال فضول ہے.... بہت سے لوگوں کو گھر میں ننگے پیر چلنے کی عادت ہوتی ہے۔"

ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن ہمیں اس کا جائزہ بھی نفسیاتی نکتہ نظر ہی سے لینا چاہئے۔ اگر کسی گھر میں اتفاقاً سانپ دکھائی دے جاتا ہے تو اس گھر کے افراد ہفتوں رات کو ننگے پیر یا اندھیرے میں چلنے کی ہمت نہیں کرتے۔ چہ جائیکہ اسی کمرے میں گریٹا نے درجنوں سانپ دیکھے تھے۔ جس طرح ہم یہاں ایک آدھ سانپ کے رہ جانے کے امکانات پر غور کر رہے ہیں کیا خود اس کے ذہن میں بھی یہی چور نہ رہا ہوگا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ بہر حال ایسے حالات میں اس کا ننگے پیر چلنا سمجھ میں نہیں آتا۔"

فریدی خاموش ہو کر پھر چاروں طرف نظر دوڑانے لگا پھر اس نے کہا۔ "میں نوکروں سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں"

دونوں نوکر بلوا لئے گئے۔ وہ خوف سے زرد ہو رہے تھے۔

"تم میں سے کس نے لاش پہلے دیکھی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں نے....!" ایک نے جواب دیا۔

"کیا وقت تھا....!"

"چھ بجے تھے شائد۔"

"کیا یہ بلب جل رہا تھا۔" فریدی نے چھت سے لٹکتے ہوئے بلب کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"پتہ نہیں.... میں نے نہیں دیکھا۔"

"تم نے....!" فریدی نے دوسرے سے پوچھا۔ اس نے بھی نفی میں جواب دیا۔ پھر فریدی نے پولیس کے عملہ سے بھی یہی سوال کیا۔ لیکن اُن میں سے بھی کسی نے بلب کو روشن نہیں دیکھا تھا۔ ڈاکٹر جا چکا تھا۔ فریدی نے اسے بھی فون کر کے یہی سوال دہرایا۔ آخر ڈی۔ آئی۔ جی تنگ آ گیا۔

"آخر اس سوال سے تم کیا معلوم کرو گے۔" اس نے اکتا کر کہا۔

"کچھ نہیں۔ میں نے یہ بات معلوم کر لی کہ یہ بلب روشن نہیں تھا۔ حالانکہ گریٹا اس کمرے میں تو کبھی ننگے پیر اندھیرے میں نہ آتی۔ یہاں کام کرنے والا ذرا سا چوک گیا۔ اسے چاہئے تھا کہ لاش یہاں ڈالنے کے بعد بلب روشن کر دیتا۔ اس سے تھوڑا بہت دھوکا تو ہم کھا ہی سکتے تھے۔ ہاں.... یہ بتایئے.... خواب گاہ بھی دیکھی کسی نے؟"

"نہیں! خواب گاہ کیوں؟"

"میرا خیال ہے کہ سانپ نے اُسے وہیں ڈسا ہو گا۔" فریدی بولا۔

پھر وہ خواب گاہ میں آئے۔ فریدی نے اس کمرے میں قدم رکھتے ہی ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف مڑ کر کہا۔ "یہاں بھی کام کرنے والے نے ٹھوکر کھائی ہے۔ غالباً وہ بہت جلدی میں تھا۔ دیکھئے پلنگ کتنا شکن آلود ہے۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے اس پر سونے والا بڑے ہی کرب کے عالم میں تڑپتا رہا ہو۔ کیا تعجب ہے کہ ایک اس کا منہ دبائے رہا ہو اور دوسرے نے اس کے پیر کے

تلوے سے سانپ کا منہ لگا دیا ہو۔ اس کی بھی ضرورت نہیں جناب نشانات مصنوعی دانتوں سے ڈال سانپ کے زہر کا انجکشن بھی تو دیا جا سکتا ہے۔ بھلا اتنا مہلک سانپ کون ساتھ لئے پھرے گا۔"

کوئی کچھ نہ بولا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر میز کی درازیں کھولیں اور ان میں رکھی ہوئی ں کو بڑی تیزی سے الٹتا پلٹتا چلا گیا۔ لیکن اسے وہ شیشی نہ ملی جس میں اس نے ایک رات کئی وں کے ننھے ننھے کیپسول دیکھے تھے۔

"اب کیا کر رہے ہو تم....!" ڈی۔ آئی۔ جی نے پوچھا۔

"مجھے ایک چیز کی تلاش ہے جس کے متعلق میں آپ کو پھر کبھی بتاؤں گا۔ مجھ پر اعتماد کیجئے لاش کو اٹھوا کر پوسٹ مارٹم کیلئے بھجوا دیجئے۔ میں ایک بہت بڑی سازش کی بو سونگھ چکا ہوں۔"

تین ہمشکل

پتہ نہیں ڈی۔ آئی۔ جی فریدی کے دلائل سے مطمئن ہوا تھا یا نہیں۔ مگر اس نے اس سلسلے میں پھر کوئی بات نہیں کی۔ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی نے حمید سے کچھ پوچھنا چاہا لیکن ڈی۔ آئی۔ جی نے اسے روک دیا۔ فریدی پر اسے بہت اعتماد تھا۔ اور وہ جانتا تھا کہ خواہ کچھ ہو فریدی اس کے اعتماد کو ٹھیس نہیں لگائے گا۔

جس دن گریٹا کی لاش ملی تھی اسی رات کو ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ جس کی اطلاع پولیس کو دوسرے دن صبح ہوئی۔ کوتوالی میں حاضر ہونے والے شہر کے قبرستان کے محافظ تھے۔ انہوں نے بتایا کہ پچھلی رات چند نامعلوم آدمی قبرستان میں داخل ہوئے اور انہوں نے ایک قبر کھودنی شروع کی۔ یہ واقعہ محافظوں کے لئے حیرت انگیز تھا۔ وہ صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے وہاں پہنچے تو کئی رائفلوں کی نالیں ان کی طرف اٹھ گئیں۔ ان سے کہا گیا کہ وہ خاموش رہیں ورنہ ان میں سے ایک بھی زندہ نہ رہ سکے گا۔

قبر کھود کر ان آدمیوں نے ایک لاش نکالی جس بدبو آ رہی تھی۔ اُس کے بعد کا منظر محافظوں کے لئے اور زیادہ تحیر انگیز تھا۔ ان پُراسرار آدمیوں میں سے ایک نے لاش سے بہت سا گوشت کاٹ کر ایک عجیب قسم کے برتن میں رکھا اور پھر وہ لوگ لاش کو وہیں پڑا چھوڑ کر چلے

گئے۔ محافظ جہاں تھے وہیں رہے۔ ان میں سے کسی نے بھی آگے بڑھنے کی ہمت نہیں کی۔

پولیس کے لئے یہ ایک حیرت انگیز اطلاع تھی۔ ادھر پولیس کا عملہ موقعہ واردات صورت حال کا جائزہ لے کر قبرستان سے نکلا اور ادھر سارے شہر میں سنسنی پھیل گئی۔ پھیلنے کی وجہ یہ تھی کہ لاش پہچان لی گئی تھی۔ یہ ناخنوں والی وبا کے آخری شکار ڈاکٹر شرز کی لاش تھی۔

پولیس والوں کے لئے یہ واقعہ عجیب تھا۔ لیکن فریدی کے لئے اس سے بھی کچھ زیادہ۔

جیسے ہی اسے اطلاع ملی وہ حمید کو ساتھ لے کر وہاں پہنچ گیا۔ لاش اب بھی قبر کے باہر ہوئی تھی اور بدبو کا یہ عالم تھا کہ ناک دینا محال! حمید تو لاش کے قریب بھی نہیں گیا۔ فریدی پر رومال رکھے کئی منٹ تک اس پر جھکا رہا۔ پھر اس نے اس کے قریب ہی سے کوئی چیز اٹھائی الگ ہٹ آیا۔

"واقعی.... کولہوں کا گوشت کاٹا گیا ہے۔" اس نے حمید سے کہا اور چٹکی میں دبی ہوئی چ دیکھنے لگا۔ یہ کسی کے کف اسٹڈ کا ایک حصہ تھا۔

"مگر اس کا مطلب کیا ہے۔" حمید بولا۔ پھر اس نے جلدی سے کہا۔ "اب چلئے بھی یہ سے.... کتنی بدبو ہے۔"

"ہاں چلو....!" فریدی بے خیالی کے انداز میں بولا۔ وہ دونوں قبرستان سے نکل آئے۔

"میں خود نہیں سمجھ سکا کہ اس کا کیا مطلب ہے۔" فریدی نے طویل سانس لے کر کہا۔ مجرم کافی ہوشیار معلوم ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے محض ہمیں الجھانے کے لئے حرکت کی ہو۔ بہر حال یہ بات تو ان پر واضح ہی ہو چکی ہے کہ میں گریٹا پر کسی قسم کا شبہ کر رہا تھا۔

"اور گریٹا کے مر جانے کے بعد ہمارے سارے راستے مسدود ہو چکے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"فی الحال تو یہی صورت ہے۔"

"ارے...!" دفعتاً حمید چونک کر بولا۔ "آخر آپ پروفیسر داخ کو کیوں نظر انداز کر رہے ہیں۔"

"میں سب کو باری باری دیکھوں گا۔ ابھی وہ اینگلو انڈین بھی تو ہے۔ کیلب مگر حمید.... ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔ آخر اس رات اسپرنگ کاٹج میں وہ دوسرا آدمی کون تھا۔"

"کس رات....!"

جب میں نے گریٹا کے سرٹیفکیٹ چرائے تھے۔ وہ بھی چوروں ہی کی طرح داخل ہوا تھا اور شائد اسے بھی کسی چیز کی تلاش تھی۔

"یہ چیز بھی کافی غور طلب ہے۔" حمید نے کہا۔ "اگر وہ مجرموں ہی سے کوئی تھا تو اس کا رویہ تحیر خیز کہا جا سکتا ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ دونوں کیڈی میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔ حمید بھی کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد فریدی بولا۔ "گریٹا کی موت کے بعد میں نے ان رنگین کیپسولوں کے لئے پورا مکان چھان مارا لیکن وہ نہ ملے۔"

"آخر آپ کو کیپسول کا خبط کیوں ہو گیا ہے۔"

"حمید صاحب! یہ مجھے اس کیس کی سب سے اہم کڑی معلوم ہوتی ہے۔ آج شام کو ڈی۔ آئی۔ جی صاحب کی موجودگی میں تمہیں ان کیپسولوں کا تماشہ دکھاؤں گا۔"

"کیا آپ کا خیال ہے کہ زہر کو شراب تک پہنچانے کے لئے وہی کیپسول استعمال کئے جاتے رہے ہیں۔"

"یہ بھی اور اس کے علاوہ بھی بہت کچھ.... بس شام ہی کو دیکھنا۔ تمہاری سانپوں والی حماقت کی بناء پر مجھے ڈی۔ آئی۔ جی صاحب کو بھی مطمئن کرنا ہے۔"

ایک جگہ فریدی نے کیڈی روک دی اور حمید سے اترنے کو کہا۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہ ایک عمارت کے سامنے کھڑے ہوئے تھے جس کے دروازے پر پروفیسر داخ کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔

فریدی نے گھنٹی بجائی۔ کافی دیر بعد خود پروفیسر ہی دروازہ کھولنے کے لئے آیا۔ حمید نے محسوس کیا کہ اس کا حلیہ ہی بدل گیا ہے۔ پروفیسر کی آنکھوں پر ورم تھا۔ بالکل ویسا ہی جیسا اکثر زیادہ رونے کی وجہ سے ہو جاتا ہے۔ آنکھوں میں گہری سرخی تھی اور ورم کی وجہ سے وہ سرخی کافی وحشت خیز معلوم ہوتی تھی۔

"کیا ہے....؟" اس نے غصیلی آواز میں پوچھا۔

"اوہ کیا تم نے ہمیں پہچانا نہیں۔" فریدی بولا۔

"نہیں....!" پروفیسر نے سر کو جھٹکا دے کر کہا۔

اس پر فریدی نے نیاگرا ہوٹل سے ایک یادگار واپسی کا حال سنا دیا۔

"اوہ.... تو تم وہ ہو.... ساری مصیبتوں کی جڑ۔ میں اب تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تم نے میری زندگی برباد کردی۔" داخ کا غصہ کچھ اور تیز ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ وہ چند لمحے فریدی کو گھورتا رہا اور پھر اس نے بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

"کیا بات ہے پروفیسر.... تم کچھ پریشان نظر آرہے ہو۔" فریدی نے پھر نرم لہجے میں کہا۔

"بہتر ہے چلے جاؤ۔ تم آدم کی جنت میں داخل ہونیوالے سانپ۔ تم نے میرا سکون چھین لیا۔"

"میں نے.... کیا کہہ رہے ہو۔ میں کچھ نہیں سمجھا۔"

"کیا تم نے ہی مجھے گریٹا کے پیچھے نہیں لگایا تھا۔" پروفیسر نے کہا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"تو اس میں رونے کی کیا بات ہے.... پروفیسر....!"

"میں روتا نہیں ہوں۔" وہ غصیلی آواز میں چیخا اور آنسو پونچھتا ہوا الٹے پاؤں اندر بھاگ گیا۔

حمید نے حیرت کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنبش دے کر فریدی کی طرف دیکھا۔

"آؤ...." فریدی آگے بڑھتا ہوا بولا۔ اور وہ دونوں اندر چلے گئے۔ یہاں ماحول کچھ گھٹا گھٹا سا تھا۔ راہداری دن کے اجالے میں بھی تاریک تھی اور معمولی پاور کا بلب اسے روشن کرنے میں ناکامیاب رہا تھا۔ جلد ہی وہ پروفیسر تک پہنچ گئے جو صوفے پر اوندھا پڑا پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ وہ دونوں چپ چاپ کھڑے رہے۔

اچانک وہ اچھل کر مڑا اور پھر جلدی سے آنسو پونچھ ڈالے۔

"جاؤ کیوں میرے پیچھے پڑے ہو.... وہ مر گئی۔" اس نے چیخ کر کہا۔

"آخر تم اتنے پریشان کیوں ہو۔"

"میں پاگل ہو گیا ہوں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں بھی مرنا چاہتا ہوں۔"

"سوچی ہوئی کھاس کے انبار میں تم نے ایٹ چنگاری ڈال کر اسے خاک سیاہ کر دیا۔ تم نے میری توجہ گریٹا کی طرف پھیرنے کی کوشش کی تھی۔"

"اوہ....!" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "تو تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تمہیں اس دوران میں گریٹا سے محبت ہو گئی.... اور تم....!"

"چپ رہو! جاؤ یہاں سے۔ خدا کے لئے.... چلے جاؤ.... میں پاگل ہو گیا ہوں.... میری کسی بات پر اعتبار نہ کرنا۔ میرا ذہن میرے قابو میں نہیں۔ لیکن میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اس کی موت کسی اتفاقیہ حادثے کا نتیجہ نہیں۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو پروفیسر....!"

"دیکھو میں بتاتا ہوں.... مگر تمہیں اس سے کیا سروکار۔ جاؤ اب کوئی دوسری خوبصورت عورت تلاش کر لو۔ تمہیں گوشت ہی تو چاہئے.... جاؤ۔"

"پروفیسر شائد تم مجھے پہچانتے نہیں۔" فریدی نے کہا اور جیب سے اپنا ملاقاتی کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"اوہ....!" پروفیسر یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ "تو تم پولیس آفیسر ہو۔" وہ چند لمحے فریدی کے چہرے پر نظر جمائے رہا پھر بولا۔ "تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"تم نے ابھی ایک دعویٰ کیا تھا۔"

"مم.... میں....!" پروفیسر ہکلا کر رہ گیا۔ اسکے چہرے کی رنگت کچھ اور پھیکی پڑ گئی تھی۔

"ہاں پروفیسر! تم بہت ذہین آدمی ہو اور ایک ذہین آدمی کوئی بات بغیر دلیل نہیں کہتا.... آخر تم کس بناء پر....!"

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میرا دماغ قابو میں نہیں۔" پروفیسر نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تو تم قانون کو دھوکا دینے کی کوشش کر رہے ہو۔" فریدی بولا۔

پروفیسر نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور وہ بدستور سر جھکائے بیٹھا رہا۔

"نہیں پروفیسر ضرور بتائیں گے۔" حمید نے لقمہ دیا۔

"سرٹیفکیٹوں کی چوری کا کیا مطلب ہے!" دفعتاً پروفیسر نے فریدی سے سوال کیا۔

"یہ ابھی تک کسی کی سمجھ میں نہیں آسکا۔"

"ایک رات قبل اس کے سرٹیفکیٹ چوری ہوئے اور دوسری رات اُسے سانپ نے ڈس لیا۔"

"تفصیل رہنے دو۔" فریدی جلدی سے بولا۔ "آخر تم اسے اتفاقیہ حادثہ کیوں نہیں سمجھتے۔"

"بس یونہی! آخر سرٹیفکیٹ چرانے والے کے کس کام آئیں گے؟"

"پروفیسر! اس سے کام نہیں چلے گا۔ میں اس کی موت کے سلسلے میں تحقیقات کر رہا ہوں اور

مجھے بھی یقین ہے کہ یہ اتفاقیہ حادثہ نہیں۔ لیکن میرے پاس اس کے لئے بڑی ٹھوس دلیل ہے۔"

"اوہو! تو پھر اب مجھے کیوں پریشان کر رہے ہو۔"

"ممکن ہے تمہاری دلیل اس سے مختلف ہو اور میں مجرم تک اُسی کے سہارے پہنچ جاؤں۔"

"ٹھہرو....!" پروفیسر اپنا سر پکڑ کر بولا۔ "تم نے مجھے بڑی الجھن میں ڈال دیا ہے۔ مجھے سوچنے دو۔"

وہ چند لمحے خاموش بیٹھا رہا پھر اس نے کہا۔ "کیا تم میری بات پر یقین کرو گے۔"

"یہ بات کی نوعیت پر منحصر ہے۔" فریدی بولا۔

"فرض کرو! میں یہ کہوں کہ چوری والی رات کو میں بھی اسپرنگ کاٹج میں موجود تھا۔"

"تم.... یعنی گریٹا کی موجودگی میں۔"

"نہیں.... اس وقت جب غالباً چور سرٹیفکیٹ تلاش کرتا پھر رہا تھا۔"

فریدی اسے گھورنے لگا۔ پھر اس نے پوچھا۔ "کیا گریٹا کو تمہاری موجودگی کا علم تھا۔"

"نہیں.... میں اس سے آج تک ملا ہی نہیں۔"

"پھر تم وہاں کیا کرنے گئے تھے۔"

"میں بھی چوری ہی کی نیت سے گیا تھا۔"

"چوری کی نیت سے۔" فریدی نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں میرا دماغ الٹ گیا ہے۔ ٹھہرو.... میں تمہیں وہ چیز دکھاتا ہوں جو میں نے وہاں سے چرائی تھی۔"

پروفیسر انہیں وہیں چھوڑ کر کسی دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ فریدی اور حمید دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

کچھ دیر بعد پروفیسر واپس آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا جسے فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے اس نے کہا۔ "میں نے یہ چرایا تھا۔ صرف یہی۔ کیا یہ پاگل پن نہیں۔ لیکن اس لفافے میں مجھے ایک خط بھی ملا تھا۔ اسے پڑھو! یہی میرے دعویٰ کی دلیل ہے۔"

فریدی نے لفافے کو اپنے ہاتھ پر الٹ دیا۔ دو چیزیں اس کے اندر سے نکلیں۔ ایک تو گریٹا کی تصویر تھی اور دوسری ایک ٹائپ کی ہوئی تحریر۔ فریدی نے اسے غور سے پڑھا اور پھر حمید کی

طرف بڑھا دیا۔ تحریر یہ تھی۔

"گریٹا! اپنی حرکتوں سے باز آ جاؤ ورنہ بڑی بے بسی کی موت نصیب ہو گی۔ اور دیکھنے سننے والے انگشت بدنداں رہ جائیں گے۔ یہ میری آخری وارننگ ہے۔ پی سی۔"

حمید نے سوالیہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھا۔

"تو تم اس تصویر کے لئے وہاں گئے تھے۔" فریدی نے پروفیسر سے پوچھا۔

"اوہ ختم کرو۔" پروفیسر جھنجھلا کر بولا۔ "بار بار مجھے ذلیل نہ کرو۔ ہر آدمی میں کمزوریاں ہوتی ہیں۔"

"مگر پروفیسر تم اسپرنگ کاٹج میں داخل کس طرح ہوئے تھے۔"

"اوہ خدا.... کیا تم بھی پاگل ہو گئے ہو۔" پروفیسر جھلا کر اپنے بال نوچتا ہوا بولا۔

"خیر اسے بھی چھوڑو۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "وہ آدمی کون تھا جس نے تم سے گریٹا کی سفارش کے لئے کہا تھا۔"

"مجھے اس کا نام یاد آ گیا ہے۔" پروفیسر نے کہا۔ "لیکن اس سلسلے میں تم اس سے کیا فائدہ اٹھا سکو گے۔"

"پروفیسر میں سوالات کے سیدھے سادے جواب چاہتا ہوں۔" فریدی بولا۔

"مجھے یاد پڑتا ہے کہ وہ آدمی کیلب ہی تھا۔" پروفیسر اس طرح بڑبڑایا جیسے خود سے بات کر رہا ہو۔

"کیلب....!" حمید چونک پڑا۔

"خدا کی لئے! اب مجھے تنہا چھوڑ دو۔" پروفیسر نے کہا۔

"بس ایک بات اور۔" فریدی جیب سے نوٹ بک نکالتا ہوا بولا۔ "کیلب کا پتہ مجھے نوٹ کرا دو۔"

"تیرہ پرنسز اسٹریٹ۔"

"اچھا.... شکریہ۔" فریدی میز سے لفافہ اٹھاتا ہوا بولا۔ "میں اسے لئے جا رہا ہوں۔"

"ہرگز نہیں....!" پروفیسر اچھل کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ "تم تصویر نہیں لے جا سکتے۔"

"یہ نہ بھولو کہ تم اسے چرا کر لائے تھے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"تو لگاؤ نا میرے ہتھکڑیاں۔ سڑک پر لے جا کر ذلیل کرو۔ میں منع نہیں کرتا۔"

فریدی نے لفافے سے تصویر نکال کر اُسے دے دی۔ پھر وہ اور حمید ہنسنے لگے۔ پروفیسر منہ سے گالیوں کا فوارہ چھوٹ پڑا۔

وہ دونوں ہنستے ہوئے باہر چلے گئے۔

کیڈی میں بیٹھتے ہی ایک بار پھر حمید پر ہنسی کا دورہ پڑا۔

"کیوں؟ کیا بات ہے!"

"سالے پر بڑھاپے میں عشق سوار ہوا ہے۔"

"بڑھاپے میں اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں اور عشق ایک کمزوری ہی کا نام ہے۔" فریدی نے کیڈی پرنسز اسٹریٹ کی طرف جا رہی تھی۔ حمید بار بار پروفیسر داخ کی بدحواسی یاد کر ہنس رہا تھا۔

"چلو یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ اس رات میرے علاوہ اور کون تھا۔" فریدی نے کہا۔

"مگر ہے کتنی مضحکہ خیز بات۔" حمید نے کہا۔ فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں آئی تھیں۔ پرنسز اسٹریٹ میں تیرہ نمبر کی عمارت کے سامنے کیڈی رک گئی۔ فریدی نے اپنا کا اندر بھجوایا۔ انہیں زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ نوکر انہیں ایک کمرے میں لایا جہاں آدمی پہلے ہی سے موجود تھے۔ کیلب سامنے ہی بیٹھا تھا۔ حمید نے اسے پہچان لیا۔ بقیہ دو آ دیوار کی طرف منہ کئے کھڑے تھے لیکن جیسے ہی وہ ان کی طرف مڑے حمید کے منہ سے ایک آمیز آواز نکلی۔ یہ دونوں بھی کیلب ہی تھے یعنی اس کمرے میں ایک ہی صورت شکل کے آدمی موجود تھے۔

چوتھا آدمی

فریدی نے ان تینوں کو غور سے دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

صوفے پر بیٹھا ہوا آدمی اٹھتا ہوا بولا۔ "فرمایئے۔ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"ہمیں مسٹر کیلب سے ملنا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کس مسٹر کیلب سے؟" اس نے کندھ پیشانی سے پوچھا۔ بقیہ دونوں مستقل ہی مسکرا رہے تھے۔

فریدی نے حمید کی طرف دیکھا اور حمید بے بسی سے سر ہلا کر کہنے لگا۔ "مجھے پہلا نام معلوم نہیں۔"

"یہ بڑی دشواری ہے۔" پہلے نے کہا۔ "ہم چار بھائی ہیں اور چاروں ہم شکل۔ ہم خود اکثر آپس میں دھوکا کھا جاتے ہیں۔ میرا نام ہارڈی کیلب ہے۔ یہ مورینڈل کیلب ہے اور یہ بیلنگر کیلب ہے۔ چوتھے کا نام آسکر کیلب ہے۔"

فریدی اور حمید نے پھر ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ پھر فریدی نے کہا۔ "مجھے اس کیلب سے ملنا ہے جس کے تعلقات گریٹا سیرانو سے تھے۔"

"گریٹا سیرانو.... وہ رقاصہ جسے سانپ نے ڈس لیا تھا۔"

فریدی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بڑی تیزی سے تینوں کے چہروں پر نظر ڈالی۔

"وہ میں تو نہیں ہو سکتا! وہ.... مگر بیلی اور مورین تم تو نہیں ہو۔"

دونوں ہم شکلوں نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی۔ اس پر تیسرے نے کہا۔ "تب تو وہ آسکر ہی ہو سکتا ہے مگر بات کیا ہے۔"

"ہمیں گریٹا کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں۔"

"اوہ.... لیکن آسکر اس وقت موجود نہیں ہے۔"

"اچھی بات ہے۔" فریدی نے کہا۔ "وہ جب بھی آئے اُسے میرے آفس میں بھیج دینا۔ میں اپنا کارڈ چھوڑے جا رہا ہوں۔"

"آپ اپنا پیغام کارڈ کی پشت پر تحریر کر دیجئے ورنہ وہ کبھی یقین نہ کرے گا۔ یہی سمجھے گا کہ ہم اسے بیوقوف بنا رہے ہیں۔"

فریدی نے کارڈ لے کر اس کی پشت پر لکھ دیا۔

پھر وہ وہاں سے چلے آئے۔ دونوں ہی خاموش تھے اور واپسی پر راستے بھر خاموش ہی رہے۔ دراصل ان دونوں ہی کو ایک دوسرے کے ریمارک کا انتظار تھا۔

آخر حمید ہی بولا۔ "یہ ایک ایسا حیرت انگیز واقعہ تھا کہ عقل حیران ہے۔"

"مجھے حیرت نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔ "بعض اوقات اس قسم کی مشابہتیں دیکھی گئی ہیں اور پھر وہ تینوں سگے بھائی ہیں۔"

"مگر استاد کہیں میک اپ تو نہیں تھا۔"

"میں اس کے متعلق یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کمرے میں کچھ اس قسم کی روشنی تھی کہ میں کچھ سمجھ ہی نہیں سکا۔ یہ نیلے رنگ کی مرکری لائٹ بڑی فضول چیز ہے۔ بہر حال اتنا میں کہہ سکتا ہوں کہ اس کمرے کا ماحول کافی ڈرامائی انداز کا تھا۔ جب ہم پہنچے تو وہ دونوں دیوار کی طرف منہ کئے ہوئے کھڑے تھے اور تیسرے کا رخ دروازے کی طرف تھا۔ ہمارے داخل ہوتے ہی دونوں اس طرح مڑے تھے جیسے ہمیں حیرت زدہ کرنا چاہتے ہوں۔"

"تو پھر ہمیں وہاں سے اس طرح چلے نہ آنا چاہئے تھا۔" حمید نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔" فریدی بولا۔ "یہ سب کچھ رائیگاں نہ جائے گا۔"

اُسی شام کو فریدی کے محکمے کا ڈی۔ آئی۔ جی اس کی استدعا پر اس کی کوٹھی میں آیا۔ فریدی نے پہلے ہی سارے انتظامات مکمل کر رکھے تھے۔ اسے دراصل ڈی۔ آئی۔ جی کو اس بات کا یقین دلانا تھا کہ ناخنوں والی وبا کے سلسلے میں اس کا شبہ بے بنیاد نہیں تھا۔ اگر حمید نے سانپوں والی حرکت کر کے خود کو مشتبہ نہ کر لیا ہوتا تو شائد وہ ابھی اپنے شبہات کا اظہار نہ کرتا۔ اب اسے حمید کی پوزیشن بھی صاف کرنی تھی۔ حالانکہ اس کی استدعا پر اس کے محکمے نے اس امر کا انتظام کر لیا تھا کہ گریٹا کی موت کے سلسلے میں حمید کا نام اخبارات میں نہ آنے پائے۔ لیکن پھر بھی اس کے آفیسر مطمئن نہیں تھے۔

ڈی۔ آئی۔ جی نے تجربہ گاہ میں پہنچ کر وہاں کے سائنسی آلات کو بڑی حیرت سے دیکھا اور پھر فریدی سے بولا۔ "واقعی ایک مکمل لیبارٹری ہے۔ پھر بھلا بتاؤ تمہارے آگے کون ٹک سکتا ہے۔"

"ارے کیا میں اور کیا میری بساط۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "بس شوق ہی تو ہے۔"

پھر اس نے حمید کو اشارہ کیا۔ حمید نے آگے بڑھ کر الماری کھولی۔ اس میں سے شراب کی چند بوتلیں نکالیں۔ کچھ گلاس نکالے اور ایک سوڈے کا سائیفن.... ڈی۔ آئی۔ جی نے اس کی حرکت کو بڑی حیرت سے دیکھا اور جلدی سے بولا۔

"تم جانتے ہو کہ میں شراب نہیں پیتا۔"

"میں بھی نہیں پیتا۔ دراصل اس تجربے کے لئے شراب ضروری ہے۔"

حمید نے بوتلیں کھول کھول کر کئی گلاس بھرے۔ شرابیں مختلف رنگوں کی تھیں کیپسول

آئی۔ جی کے سامنے رکھتا ہوا بولا۔ "یہ گریٹا کے پاس تھے۔ یہ سب ایک ہی شیشی میں رکھے ئے تھے اور وہ شیشی اس کی موت کے بعد نہیں ملی۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ یہ مجھ تک پہنچے۔"

فریدی ایک لمحے کے لئے رکا پھر اس نے اسپرنگ کاٹج میں تلاشی کی داستان دہرادی لیکن یہ ہیں بتایا کہ گریٹا کے سرٹیفکیٹ اُسی نے اڑائے تھے۔

"لیکن یہ قطعی غیر قانونی اقدام تھا۔" ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔

"کبھی کبھی قانون کی حفاظت کے لئے قانون سے انحراف بھی کرنا پڑتا ہے۔"

ڈی۔ آئی۔ جی کچھ نہ بولا۔ فریدی نے ایک کیپسول اٹھا کر کہا۔ "یہ کیپسول سوڈا بائیکارب ملے وئے پانی میں نہیں گھلتے۔ لیکن شراب میں سوڈے کی کتنی ہی زیادہ آمیزش کیوں نہ ہو یہ فوراً خلیل ہو جاتے ہیں بالکل اسی طرح۔" اس نے ایک گلاس میں سرخ رنگ کا کیپسول ڈال دیا۔ شراب پانی کے رنگ کی تھی اس لئے کیپسول کے گھلنے کا عمل صاف دکھائی دیا۔ وہ شراب کی سطح پر تیرتا ہوا فوراً ہی تحلیل ہو گیا۔

"اب ادھر دیکھئے۔" فریدی نے دوسرا کیپسول خالص سوڈے کے گلاس میں ڈالتے ہوئے کہا۔ کیپسول سوڈے کی سطح پر پڑا رہا۔ فریدی نے کہا۔ "یہ کبھی نہیں گھلے گا۔ میں نے اسے سوڈے میں رات بھر ڈالے رکھا ہے۔ لیکن تحلیل ہونا تو درکنار اس میں ذرہ برابر نرمی بھی نہیں آئی۔"

"خالص پانی میں کیا کیفیت ہوتی ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے پوچھا۔

"اس میں بھی گھل جاتا ہے لیکن اتنی تیزی سے نہیں جتنی تیزی سے شراب میں تحلیل ہوتا ہے۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔ "حالانکہ کیپسول کو ہر قسم کے سیال میں گھل جانا چاہئے۔ لیکن آخر یہ خالص سوڈے میں کیوں نہیں گھلتا۔ یہ ابھی تک اسی طرح موجود ہے۔ میرا خیال ہے کہ کیپسول چاولوں کے اسٹارچ سے بنائے جاتے ہیں۔"

"جی ہاں.... لیکن یہ کیپسول چاولوں سے نہیں بنائے گئے۔"

"پھر....!"

"خدا جانے! میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا کہ یہ کس چیز سے بنائے گئے ہیں۔"

"اچھا! مگر ناخنوں والی وبا سے اس تجربے کا کیا تعلق۔"

"وہی عرض کرنے جارہا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "اگر وہ وبا انسان کی لائی ہوئی ہے تو دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو اس کے لئے کوئی زہر استعمال کیا جاتا ہوگا یا پھر کسی خاص قسم جراثیم۔ بعض زہر بھی ایسے ہوتے ہیں جن کا نشان نہیں ملتا اور پوسٹ مارٹم بالکل بے کار ہوتا ہے۔ رہا جراثیم کا معاملہ تو مردہ جسم میں ان کی تلاش بڑی مشکل ثابت ہوتی ہے۔ کم اس کا نتیجہ بھی صفر ہی ہوتا ہے۔ بہر حال کہنے کا مطلب یہ ہے کہ خواہ وہ زہر ہو خواہ جراثیم کیپسولوں میں رکھ کر انہیں بڑی آسانی سے شراب میں ڈالا جاسکتا ہے۔"

فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر چند لمحے بعد بولا۔ "گریٹا کا وہ رقص میں نے تھا۔ ڈاکٹر شرف کی میز پر زرد رنگ کی شراب تھی اور گریٹا کے ہاتھ میں زرد ہی رنگ کا رومال تھا۔ جسے وہ رقص کے دوران میں اپنی شوخی کا مظاہرہ کرنے کے لئے تماشائیوں کے پر ہلاتی جارہی تھی۔ اب اگر زرد رنگ کا ایک کیپسول زرد رنگ کے رومال سے نکل کر زرد ہی کی شراب میں جا پڑے تو کسی کو کیا پتہ چلے گا۔ بس تھوڑی سی ہاتھ کی صفائی چاہئے اور یہ تو آپ ہی چکے ہیں کہ وہ شراب میں گرتے ہی اس طرح گھل جاتا ہے جیسے پانی میں برف کا ننھا سا ریز

فریدی نے اپنے جیب سے زرد رنگ کا ایک رومال نکالا اور زرد رنگ کی شراب کا ڈی۔ آئی۔ جی کے سامنے رکھتا ہوا بولا۔ "دیکھئے! میں زرد رنگ کا کیپسول اس گلاس میں ڈالتے ہوں۔ جیسے ہی یہ اس میں گرے مجھے بتا دیجئے گا۔"

فریدی نے بالکل اسی انداز میں زرد رنگ کے رومال کو ڈی۔ آئی۔ جی کے گرد گردش دی گریٹا رقص کے دوران میں دیا کرتی تھی۔ ڈی۔ آئی۔ جی بڑے غور سے گلاس کی طرف دیکھ رہا "کہئے! کیپسول گرا یا نہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ ابھی نہیں۔"

فریدی نے ہاتھ روک لیا اور مسکرا کر بولا۔ "جناب والا وہ پہلی ہی گردش میں پہنچ چکا ہے"

"مگر میں نے نہیں دیکھا۔"

"میں نے عرض کیا تھا کہ بس تھوڑی سی ہاتھ کی صفائی درکار ہے۔"

تھوڑی دیر کے لئے سناٹا چھا گیا۔ پھر ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"حالانکہ ابھی تک معاملات میرے ذہن میں صاف نہیں ہوئے۔ مگر پھر بھی تمہاری بات یقین کرنے کو دل چاہتا ہے۔ کیونکہ اول تو یہ کہ یہ وبا اسی شہر میں کیوں محدود ہے۔ دوسری یہ کہ ابھی تک خاص ہی خاص آدمی اس کا شکار ہوئے ہیں۔"

"لیکن آپ یقین کیجئے کہ مجرم جلد ہی اپنی اس حماقت کا ازالہ کریں گے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"اب آپ دو چار عام آدمیوں کو بھی اس وبا کا شکار ہوتے دیکھیں گے۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "وہ لوگ ہوشیار ہوگئے ہیں۔ کاش میں گریٹا کے معاملے میں احتیاط سے کام لیتا۔ ان کے ہوشیار ہو جانے کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ انہوں نے گریٹا کو ختم کر دیا۔"

"کیا تمہارے پاس ان تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ ہے۔"

"فی الحال.... کوئی نہیں.... البتہ میں اس آدمی کی تلاش میں ہوں جس نے سانپوں والے معاملے میں حمید کے خلاف شہادت دی تھی۔"

"اوہ.... ہاں.... وہ.... کوئی اینگلو انڈین تھا۔"

"جی ہاں کیلب....!" فریدی نے کہا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ فریدی ان تینوں ہم شکلوں کا تذکرہ ضرور کرے گا۔ مگر فریدی اس معاملے میں خاموش ہی رہا۔ یہ اس کی پرانی عادت تھی کہ کسی کیس کے دوران میں اپنے آفیسروں کو کبھی مکمل رپورٹ نہیں دیتا تھا۔

"اور ہاں! وہ ڈاکٹر شرف کی لاش کا معاملہ۔" ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔

"اس کے علاوہ.... اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ مجرم حالات کو پیچیدہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ورنہ سڑی ہوئی لاش سے گوشت کاٹنے کا اور کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ اب وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہم خواہ مخواہ چکراتے رہیں۔"

"میں تم سے متفق ہوں۔" ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔

اس کے بعد ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ ڈی۔ آئی۔ جی کچھ دیر بیٹھ کر چلا گیا۔

حمید بہت زیادہ اکتایا ہوا نظر آرہا تھا۔

اس نے کہا۔ "آج رات میں باہر رہوں گا۔"

"ہرگز نہیں۔" فریدی بولا۔ "تم تنہا کہیں نہیں جا سکتے۔"

"بڑی مصیبت ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ مجھے تمہاری ایسی لاش سے بڑی گھن آئے گی جس کے سارے ناخ ہوئے ہوں.... سمجھے۔"

"مجھے اس کیس سے الجھن ہونے لگی ہے۔" حمید نے کہا۔

"کیوں....؟"

"ابھی تک ہماری حیثیت محض تماشائیوں کی سی ہے۔ ایسے کیسوں میں میرا دل نہیں مجھے منطقی دلائل اور ذہنی سراغ رسانی میں ذرہ برابر بھی لطف نہیں آتا۔"

"دھول دھپہ اور چیلنج بازی چاہتے ہو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "شاید آج کل ناول زیادہ پڑھ رہے ہو۔ پولیس سے خواہ مخواہ الجھنے والے افراد حقیقی زندگی میں بہت کم ملتے چالاک قسم کے مجرم ہمیشہ ایسے مواقع بچا جاتے ہیں۔ جیتی جاگتی دنیا سے بہرام یا آرسین کوئی تعلق نہیں۔"

"نہ ہوگا.... لیکن جیتی جاگتی زندگی میں عورتیں تو ملتی ہیں۔ یہاں ایک تھی صاف ہوگئی۔"

فریدی جھلا کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ نوکر نے ایک کارڈ لا کر پیش کیا۔

"اوہ....!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ پھر اس نے کارڈ حمید کی طرف بڑھا دیا جس پر کیلب ٹریولنگ ایجنٹ فار اسٹار انشورنس کمپنی" تحریر تھا۔

وہ دونوں ڈرائنگ روم میں آئے اور یہاں انہیں ویسا ہی ایک چہرہ دکھائی دیا جیسے تین وہ پرنسز اسٹریٹ کے ایک فلیٹ میں دیکھ چکے تھے۔ لیکن یہ آدمی کچھ مفلوک الحال سا معلوم تھا۔ اس کے پتلون میں کریز نہیں تھی۔ کوٹ میلا اور پرانا تھا۔ بالوں پر گرد جمی ہوئی تھی معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے کوئی تھکا دینے والا سفر کیا ہو۔

"مجھے آپ کا کارڈ ملا۔ پہلے میں آپ کے آفس گیا۔ وہاں سے آپ کا پتہ حاصل کر کے تک پہنچا ہوں۔" کیلب خاموش ہو کر چند لمحے خوفزدہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھتا بولا۔ "میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے آج تک کوئی غیر قانونی بزنس نہیں کیا۔"

"ہوں....!" فریدی نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"آپ یقین کیجئے.... میری کمپنی والے میری نیک چلنی کی ضمانت دیں گے۔"

"مگر تمہیں یہ خیال پیدا کیسے ہوا کہ میں.... مگر خیر.... کیا تمہیں یہ نہیں معلوم ہوا کہ تم سے کیوں ملنا چاہتا ہوں۔"

"جی نہیں.... بھلا کیسے معلوم ہو سکتا تھا۔ آپ نے تحریر بھی تو نہیں کیا تھا۔ مگر سمجھ میں یں آتا کہ آپ نے اپنا کارڈ میرے فلیٹ میں کیسے پہنچایا۔ وہ مجھے لکھنے کی میز پر رکھا ہوا ملا تھا۔"

فریدی نے معنی خیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھا اور پھر کیلب سے بولا۔

"کیا تمہارے بھائیوں نے کچھ نہیں بتایا۔"

"بھائیوں....!" کیلب آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"تمہارے فلیٹ میں تمہارے تینوں بھائیوں سے ملاقات ہوئی تھی۔"

"کیا فرما رہے ہیں آپ۔ میرا فلیٹ تو پچھلے ایک ماہ سے بند پڑا رہا ہے۔ میں دورے پر تھا اور آج ہی واپس آیا ہوں۔ میرے کوئی بھائی وائی نہیں ہے اور آپ تین بھائیوں کا تذکرہ کر رہے ہیں۔"

"اور وہ تینوں تمہارے ہم شکل تھے۔"

"آپ میرا مضحکہ اڑا رہے ہیں۔" کیلب برا سا منہ بنا کر بولا۔

"اچھا تو پھر بتاؤ.... میرا کارڈ تمہاری میز تک کیسے پہنچا۔"

کیلب کچھ نہ بولا۔ وہ چند ھیائی ہوئی آنکھوں سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے گلا صاف کر کے کہا۔ "دیکھئے میں اس فلیٹ میں دس برس سے تنہا مقیم ہوں۔ اس کی شہادت میرے پڑوسی دے سکتے ہیں۔"

"تب پھر تمہارا نوکر ہی اس معاملے پر روشنی ڈال سکے گا۔" فریدی بولا۔

"ارے جناب! آپ نہ جانے کیا کہہ رہے ہیں۔ میرے پاس کبھی کوئی نوکر نہیں رہا۔ میں زیادہ تر دورے ہی پر رہتا ہوں۔ اس لئے آج تک نوکر رکھنے کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی۔ آپ میرے پڑوسیوں سے پوچھ سکتے ہیں اور وہ یہ بھی بتائیں گے کہ میرا فلیٹ پچھلے ایک ماہ سے مقفل رہا ہے۔"

"ہوں....!" فریدی کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں اور اس نے پوچھا۔ "تم گریٹا سیرانو کب سے واقف تھے۔"

"کون گریٹا سیرانو.... میں کسی گریٹا سیرانو سے واقف نہیں۔" کیلب نے کہا۔

دوسری گریٹا

کیلب کے بیان نے ایک نئی الجھن پیدا کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فریدی اور حمید کو ایک پھر پرنسز اسٹریٹ جانا پڑا۔ کیلب بھی ان کے ساتھ تھا۔

فریدی نے وہاں پوچھ گچھ شروع کی۔ کیلب کے پڑوسیوں نے اس بات کی تصدیق کر دی اس کا فلیٹ پچھلے ایک ماہ سے مقفل رہا ہے۔ لیکن ایک بوڑھی عورت نے بتایا کہ صرف آج ہی اُسے یہاں چند آدمی نظر آئے تھے ورنہ اس سے پہلے اُس نے بھی اس فلیٹ کو بند ہی دیکھا تھا۔

"کیا ان میں سے کوئی آدمی کیلب کی شکل کا بھی تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں جناب.... کوئی بھی نہیں۔ لیکن وہ بھی اینگلو انڈین ہی تھے اور ان کے ساتھ ایک دیسی نوکر بھی تھا۔ پہلے میں سمجھی شائد مسٹر کیلب نے اپنا فلیٹ پگڑی لے کر اٹھا دیا ہے۔ یقین جانئے مجھے اس خیال سے بڑا رنج ہوا۔ میں نے سوچا مسٹر کیلب کو کم از کم مجھ سے اس کا تذکرہ ضرور کرنا چاہئے تھا۔ میری لڑکی کو بھی ایک بڑے فلیٹ کی ضرورت تھی۔ آپ جانئے بال بچے والوں کے لئے چھوٹے فلیٹ تکلیف دہ ہو جاتے ہیں اور پھر اس کے تو گیارہ بچے ہیں۔ لیکن اس بھی خدا کا شکر ہے کہ وہ ایک بھینس کی طرح توانا اور تندرست ہے.... اور....!"

فریدی نے اُسے آگے نہ بڑھنے دیا۔ اُس سے پیچھا چھڑانے کے لئے وہ فوراً ہی دوسرے آدمی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ پھر اُسے جلد ہی اس قسم کی گفت و شنید کا سلسلہ بند کر دینا پڑا کیونکہ اب اُسے یہ ساری باتیں فضول معلوم ہونے لگی تھیں۔

"میں آپ کی موجودگی میں اپنی ایک ایک چیز دیکھنا چاہتا ہوں۔" کیلب نے فریدی سے کہا۔ "پتہ نہیں وہ لوگ کون تھے اور یہاں کس نیت سے آئے تھے۔"

"ہاں.... آں.... ضرور دیکھ لو۔" فریدی نے بے دلی سے کہا۔

وہ دونوں کیلب کے ساتھ اس کے فلیٹ میں آئے اور کیلب نے اپنے سامان کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ پھر آدھ گھنٹے کے بعد اس نے فریدی کو بتایا کہ سارا سامان موجود ہے۔ اس دوران میں فریدی کی عقابی نظریں کونے کھدرے تک میں رینگتی رہی تھیں۔

"میرا خیال ہے کہ مجھے اس واقعے کی رپورٹ کرنی چاہئے۔" کیلب نے کہا۔

"ضرور.... ضرور....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

حمید محسوس کر رہا تھا کہ فریدی اس معاملے میں دلچسپی نہیں لے رہا ہے۔

"لیکن یہ تو آپ نے بتایا ہی نہیں کہ آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے۔" کیلب نے فریدی سے پوچھا۔

"اوہ کچھ نہیں.... اب معاملہ صاف ہو گیا۔ چند نامعلوم آدمیوں نے تمہارے خلاف غلط فہمی پھیلائی تھی۔ اب تم بالکل مطمئن رہو۔ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں۔"

"آخر کس قسم کی شکایت تھی۔"

"قطعی غیر ضروری سوال ہے۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "اب جب کہ اس کا تمہاری ذات سے تعلق ہی نہیں تو تم خواہ مخواہ اپنا اور میرا وقت کیوں برباد کر رہے ہو۔"

پھر وہ دونوں کیلب کے فلیٹ سے نکل آئے۔

"اب کیا خیال ہے۔" حمید نے کیڈی میں بیٹھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"یہ ایک بدترین قسم کی شکست ہے۔" فریدی غرایا۔ "اور اس کے لئے انہیں بہت جلد پائی پائی کا حساب دینا پڑے گا۔"

"آپ نے اس سے داخ کے متعلق کیوں نہیں پوچھا۔" حمید بولا۔

"اوہ.... جب وہ گریٹا ہی کو نہیں جانتا تو داخ کو کیا جانتا ہو گا۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن اس حرکت سے مجرموں کا کیا مقصد ہے۔"

"اب تم نے ڈھنگ کی بات پوچھی ہے۔" فریدی نے کیڈی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ "سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ مجرموں نے کیلب ہی کو آلہ کار کیوں بنایا۔ کیا اس لئے کہ وہ زیادہ تر شہر سے باہر رہتا ہے۔ چلو میں اسے بھی مانے لیتا ہوں۔ لیکن انہیں کیا معلوم کہ میں آج ہی کیلب سے ملنا چاہوں گا اور ہماری اس وقت کی تفتیش سے یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ انہوں نے کیلب کا

فلیٹ صرف آج ہی استعمال کیا ہے۔ مگر کیوں؟ اس کا صریحی مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ ہماری اسکیموں سے حیرت انگیز طور پر واقفیت رکھتے ہیں۔"

"غالباً آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ پروفیسر داخ بھی مجرموں کا شریک کار ہے۔" حمید نے کہا۔

"ہمیں کوئی پہلو نظر انداز نہ کرنا چاہئے۔"

"مگر مجھے یقین نہیں کہ داخ جیسے احمق کا اس میں ہاتھ ہو۔" حمید نے کہا۔ "اگر وہ مجرموں کا ساتھی ہوتا تو اُسے کیلب کا نام لینے کی ضرورت ہی کیا تھی اور وہ آپ کو یہ کیوں بتاتا کہ ایک وہ بھی چوروں کی طرح اسپرنگ کاٹج میں داخل ہوا تھا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔ "اس خط کا مضمون عجیب ہے۔"

"اوں....!" فریدی چونک پڑا۔ "کس خط کا۔"

"وہی جو پروفیسر نے دیا تھا۔"

"میں بھی اس کے متعلق غور کر رہا تھا۔" فریدی بولا۔ "خط لکھنے والا آخر اُسے کن حربوں سے باز رکھنا چاہتا تھا.... اور یہ بھی بڑی عجیب بات ہے کہ وہ خط پروفیسر کے ہاتھ لگ گیا۔"

"تو آپ پروفیسر ہی پر شبہ کر رہے ہیں۔"

"تمہیں آخر اس سے اتنی ہمدردی کیوں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"محض اس لئے کہ وہ گریٹا سے پاگلوں کی طرح محبت کرتا تھا۔"

فریدی خاموش رہا۔ سردی آج پھر کچھ بڑھی ہوئی سی تھی۔ حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ نہ جانے کیوں اس وقت اسے گریٹا بہت یاد آ رہی تھی اور اس کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ اسے سازش میں ملوث کرے۔ فریدی کے دلائل اس کے ذہن نے ضرور قبول کر لئے تھے لیکن دل یہی کہتا تھا کہ فریدی سے غلطی بھی ہو سکتی ہے۔

"اب کہاں چل رہے ہیں۔" اس نے فریدی سے پوچھا۔

"پروفیسر داخ کے گھر....!"

"کیوں....؟"

لیکن فریدی نے اس "کیوں" کا کوئی جواب نہ دیا۔

پروفیسر داخ کے مکان سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر کیڈی روک دی گئی۔

"کیا وہاں تک پیدل چلئے گا۔" حمید نے پوچھا۔

"غیر ضروری سوال نہ کیا کرو۔" فریدی جھنجھلا گیا۔ نہ جانے کیوں اس کی چڑچڑاہٹ بڑھ گئی تھی۔

پروفیسر داخ کے مکان کا برآمدہ تاریک تھا۔ فریدی نے ٹارچ روشن کی۔ داخلے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے اطلاعی گھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔ گھنٹی کی ہلکی آواز مکان کے کسی دور افتادہ حصے میں سنائی دی۔ تقریباً دو منٹ تک فریدی تھوڑی وقفے سے گھنٹی کا بٹن دباتا رہا لیکن کوئی بھی باہر نہ آیا۔

"کیا بات ہے۔" حمید تحیر آمیز لہجے میں بڑبڑایا۔

فریدی نے کھلے ہوئے دروازے سے راہداری میں ٹارچ کی روشنی ڈالی اور پھر وہ دونوں اندر داخل ہو گئے۔ عمارت میں چاروں طرف تاریکی کی حکمرانی تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی نے مکان کا سارا سامان الٹ پلٹ کر رکھ دیا ہو۔ انہوں نے یکے بعد دیگرے سارے کمرے روشن کر دیئے۔

"آخر پروفیسر کہاں گیا اور یہ سب کیا ہے۔" حمید نے کہا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ فرش پر بکھرے ہوئے سامان کو بڑے انہماک سے دیکھ رہا تھا۔

پھر اس نے پروفیسر کی تلاش شروع کر دی اور تھوڑی دیر بعد اس نے اسے پالیا۔ وہ میلے کپڑوں کے ایک ڈھیر کے نیچے اوندھا پڑا ہوا تھا۔

پروفیسر بیہوش تھا۔ اس کے چہرے پر تازہ خراشیں تھیں جن سے خون رس رہا تھا۔ سانس رک رک کر آ رہی تھی۔ حمید نے سوالیہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھا۔

"اسے اٹھا کر کھلی ہوا میں لے چلو۔ بیرونی برآمدہ بہتر ثابت ہوگا۔" فریدی نے کہا۔ "میں دو ایک کمبل تلاش کرتا ہوں۔"

حمید بے ہوش پروفیسر کو اٹھا کر برآمدے میں لایا۔

"اتنے ہوشیار لوگ.... کمال ہے۔" فریدی بڑبڑایا اور اس نے چہرے کے علاوہ پروفیسر کا سارا جسم کمبلوں سے ڈھک دیا۔

"آخر گریٹا کا اس معاملے سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟" حمید بولا۔

"غالباً انہیں کسی چیز کی تلاش تھی۔"

"کہیں وہ خط تو نہیں جو آپ آج ہی پروفیسر سے لے گئے تھے۔"

"نہیں! وہ خط قطعی فضول ہے۔ اس سے مجرموں کا کوئی سراغ نہیں مل سکتا۔ میری نظروں میں تو اس کی کوئی اہمیت نہیں۔"

فریدی نے اسے ہوش میں لانے کے لئے چند تدبیریں اختیار کی تھیں جو آخر کار کامیاب ہوئیں۔ پروفیسر پہلے تو بے سدھ پڑا پلکیں جھپکاتا رہا پھر یک بیک بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔

"اوہ.... پروفیسر....!" وہ فریدی کے اوپر گر کر کانپنے لگا۔

"کیا ہے.... کیا بات ہے۔" فریدی آہستہ سے اسے اٹھاتا ہوا بولا۔

"کیا تم نے انہیں پکڑ لیا۔" پروفیسر کے منہ سے کپکپاتی ہوئی آواز نکلی۔

"کس کی بات کر رہے ہو۔"

"وہ پانچ تھے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ مجھ سے کیا چاہتے تھے۔ انہوں نے میرا گلا گھونٹ گھونٹ کر مارا ہے۔"

"کیا تم انہیں پہچانتے ہو۔"

"مجھے سبھوں کی آوازیں جانی پہچانی سی معلوم ہو رہی تھیں۔" داخ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "لیکن انہوں نے اپنے چہرے چھپا رکھے تھے۔"

"آواز سے بھی نہیں پہچان سکے۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں گھبرا گیا تھا۔ میرا کبھی اس قسم کی چیزوں سے واسطہ نہیں پڑا۔ ایسے حالات میں جو بھی ہوتا گھبرا جاتا۔ لیکن اس کا احساس ضرور تھا کہ ان کی آواز سے کان آشنا ہیں۔"

"انہوں نے تم سے کس چیز کا مطالبہ کیا تھا۔"

"کچھ بھی نہیں۔ بس آتے ہی جانوروں کی طرح ٹوٹ پڑے۔ جب تک جسم میں تاب رہی ان کا مقابلہ کرتا رہا پھر مجھے کچھ نہیں معلوم کہ کیا ہوا۔"

"اچھا.... اندر چلو۔" فریدی ہاتھ پکڑ کر اُسے اٹھاتا ہوا بولا۔

اندر آکر پروفیسر نے گھر کی حالت دیکھی تو جانوروں کی طرح شور مچانے لگا۔ بدقت تمام انہوں نے اسے چپ کرایا۔ اس سلسلے میں ایک آدھ بار حمید کو اس کا منہ دبانا پڑا۔

"میں پاگل ہو جاؤں گا۔" پروفیسر اپنے بال نوچتا ہوا بولا۔ "آخر یہ سب کیوں ہو رہا ہے۔ میں ایک امن پسند شہری ہوں۔ میرا کسی سے کوئی جھگڑا نہیں۔"

"گریٹا کا عشق آسان نہیں پروفیسر۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "اُس کے دوسرے عاشق بھی سوگ منا رہے ہیں۔"

"گریٹا....!" دفعتاً پروفیسر اچھل پڑا۔ "اس کا اس معاملے سے کیا تعلق۔"

"افسوس کہ تم سمجھ نہیں سکو گے ورنہ تمہیں جگر مراد آبادی کا ایک شعر سناتا۔"

"اونہہ!" فریدی حمید کے شانے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ "آؤ چلیں۔"

"ہرگز نہیں۔" پروفیسر اچھل کر ان کی راہ میں حائل ہو گیا۔ "تم مجھے ان حالات میں تنہا نہیں چھوڑ سکتے۔"

"براہِ راست پولیس سے مدد حاصل کرو۔" فریدی نے کہا۔

"جتنی دیر میں پولیس.... آئے گی....!"

"اوہ.... بچے مت بنو پروفیسر....!" فریدی نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اگر وہ تمہاری جان ہی لینا چاہتے تو پہلے ہی کیوں چھوڑ جاتے۔"

"ممکن ہے انہوں نے مجھے مردہ ہی سمجھ لیا ہو۔"

"پھر بھی میں کچھ نہیں کر سکتا۔" فریدی نے کہا۔

"کیا اتنا بھی نہیں کر سکتے کہ مجھے اپنی کار میں بٹھا کر پولیس اسٹیشن پہنچا دو۔"

"چلو بابا....!" فریدی جھلا کر بولا۔

پروفیسر نے مکان مقفل کر دیا.... اور کیڈی کو توالی کی طرف روانہ ہو گئی۔ فریدی پر اکتاہٹ اور جھلاہٹ دونوں بیک وقت مسلط ہو گئی تھیں۔ اتفاقاً راستے میں ایک پولیس پٹرول کار مل گئی فریدی نے اسے رکوا کر پروفیسر کو توالی تک پہنچانے کا انتظام کر لیا۔

"لیکن میں وہاں کہوں گا کیا....؟" پروفیسر نے فریدی سے پوچھا۔

"یہی کہ تمہارے گھر میں چند نقاب پوشوں نے گھس کر تم پر حملہ کیا۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "اور ان میں سے ایک یقیناً کلیب تھا۔"

"کلیب....!" پروفیسر دفعتاً اچھل کر اپنی رانیں پیٹتا ہوا بولا۔ "خدا کی قسم! اب یاد آ گیا۔

ایک آواز تو سو فیصدی کیلب ہی کی تھی۔ آفیسر میں لاکھوں کی شرط لگانے کو تیار ہوں۔"

"بس اب جاؤ۔" فریدی اس کی پیٹھ تھپکتا ہوا بولا۔ "ننھے بچے! اب جاؤ۔"

پٹرول کار چلی گئی۔

وہ پھر کیڈی میں آبیٹھے۔ حمید سردی سے کانپ رہا تھا۔ اس نے اپنے ٹھٹھرے ہوئے ہاتھوں کو رگڑتے ہوئے کہا۔ "جناب میں برف کا بھوت نہیں ہوں۔"

"کیا چاہتے ہو؟"

"موت یا گرم کافی کا ایک پیالہ۔"

"آر لکچو چل رہے ہیں۔" فریدی بولا۔

"شکریہ! خدا آپ کا موڈ ہمیشہ ایسا ہی رکھے۔"

"فرزند! میں بہت اچھے موڈ میں نہیں ہوں۔" فریدی زہر خند کے ساتھ بولا۔

"میں جانتا ہوں.... آپ کو چوٹ پر چوٹ ہو رہی ہے۔"

"لیکن اتنا سمجھ لو کہ وہ لوگ بُری طرح بوکھلائے ہوئے ہیں۔"

"ہوں گے۔" حمید نے پائپ سلگا کر کہا۔ "میرے ذہن میں صرف ایک سوال ہے۔"

"وہ کیا....؟"

"آخر ڈاکٹر شرف کی لاش قبر سے کیوں نکالی گئی۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "اور پھر سڑی ہوئی لاش سے گوشت کاٹنا کیا معنی رکھتا ہے۔"

"حمید صاحب! صرف یہی ایک چیز میرے ذہن میں بھی صاف نہیں ہے۔ پہلے میں نے سوچا تھا ممکن ہے مجرموں نے ہمیں اور زیادہ الجھانے کے لئے یہ حرکت کی ہو۔ لیکن نہ جانے کیوں اس پر یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"ہاں.... یہ تو بتایئے آخر آپ بیچارے کیلب کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "ظاہر ہے کہ پروفیسر کی رپورٹ پر پولیس اس کی خاصی مرمت کرے گی۔ وہ اس کیلب تک نہ پہنچ نہ سکے گی جو حقیقتاً فساد کی جڑ ہے۔"

"اور تم اس کیلب کو کیا سمجھتے ہو جس سے ہم ابھی مل کر آ رہے ہیں۔" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"ایک شریف آدمی جو نادانستہ طور پر مجرموں کا آلہ کار بن گیا ہے۔"

حمید نے اس کے جواب میں ہنسی کی ہلکی سی آواز کے علاوہ اور کچھ نہیں سنا۔ اس نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ اس بحث کو اس وقت تک کے لئے ملتوی ہی کر دے جب تک گرما گرم کافی کا ایک پیالہ نہ مل جائے۔

آر لکچو پہنچ کر وہ ایک کیبن میں بیٹھ گئے۔ حمید نے اس خیال سے اس کا پردہ نہیں کھینچا کہ اس صورت میں وہ سامنے والے کیبنوں میں نظارہ بازی نہ کر سکے گا۔ جہاں اُسے کئی خوبصورت لڑکیاں نظر آ رہی تھیں۔

"یہ لڑکیاں سردیوں میں بھی حسین ہی رہتی ہیں۔" اس نے فریدی سے کہا۔

پھر دفعتاً چونک کر بولا۔ "اخاہ اب آر لکچو میں برقعے بھی دکھائی دینے لگے۔"

فریدی کی نظر سامنے اٹھ گئی۔ ایک عجیب قسم کا جوڑا سامنے والے کیبن میں بیٹھ رہا تھا۔ ایک برقعہ پوش عورت اور ایک ایسا مرد جو سیاہ سوٹ میں ملبوس تھا لیکن اس کے چہرے پر بہت ہی شرعی قسم کی ڈاڑھی اور مونچھیں تھیں عورت نے بیٹھتے ہی نقاب الٹ دیا اور دوسرے ہی لمحے میں حمید نے فریدی کے بازو پر جھپٹا مارا۔

"خدا کی قسم....!" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ "میں سو رہا ہوں یا جاگ رہا ہوں۔"

"ہم دونوں اُلو ہو گئے ہیں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "یہ عورت سو فیصدی گریٹا معلوم ہوتی ہے۔"

ڈاڑھی والے نے اٹھ کر اپنے کیبن کا پردہ کھینچ دیا.... حمید کی سانس پھول رہی تھی۔

خطرناک لمحات

حمید چند لمحے سکتے کے سے عالم میں رہا۔ پھر آہستہ سے بڑبڑایا۔

"آخر یہ سب کیا ہے۔"

"لونڈا پن....!" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"کیا مطلب....!"

"ہاں! میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔ اب مجرموں نے اتنا تیز دوڑنا شروع کر دیا ہے کہ ذرا سی لغزش انہیں منہ کے بل زمین پر لے آئے گی۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"بچے ہو! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ گریٹا ہے۔ حمید میں سچ کہتا ہوں کہ یہ لوگ بہت بُری طرح بدحواس ہو چکے ہیں۔ اپنی دانست میں یہ مجھے شکست پر شکست دے رہے ہیں اور یہ بہت اچھا ہے۔ میں یہی چاہتا ہوں کہ یہ اس دھوکے میں رہیں۔"

"دیکھئے اب بہت زیادہ دور اندیشی سے کام نہ لیجئے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمیں افسوس کرنا پڑے۔"

"کیوں....؟" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"اب یہی دیکھئے آپ نے محض دور اندیشی کے چکر میں ان تینوں ہمشکلوں سے ہاتھ دھو لیا۔"

"اوہ.... تو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں ان دونوں کو اسی وقت یہیں پکڑ لوں۔"

"میں تو یہی رائے دوں گا۔ ان کے ذریعہ ہمیں دوسروں کا بھی سراغ مل جائے گا۔"

"کیا تم یہ چاہتے ہو کہ لوگ ہم پر ہنسیں۔"

"آخر آپ کے ذہن میں کیا ہے؟"

"میرے ذہن میں کچھ بھی نہیں ہے۔ جو کچھ بھی ہے سامنے والے کیبن میں ہے۔ بیٹے حمید خاں اگر میں نے انہیں پکڑ لیا تو ہمارے آفیسر ہمیں ہنسی میں اڑا دیں گے۔"

"آخر کیوں.... وجہ بھی تو بتایئے۔"

"یہ دونوں بہروپئے ہیں۔ اسے عورت نہ سمجھو۔ وہ ایک کمسن لڑکا ہے اور وہ ڈاڑھی والا اس کا باپ ہے۔ کچھ دنوں پہلے یہ دونوں ایک ریاست میں درباری مسخرے تھے۔ ریاستوں کے خاتمے کے بعد ان کی روزی بھی ماری گئی۔ اب یہ شہروں کے رؤساء کے یہاں سوانگ بھر کر تھوڑا بہت کما کھاتے ہیں۔"

"آپ کو یقین ہے۔"

"یقین کے بغیر کچھ نہیں کہتا۔"

"لیکن اس حرکت کا مقصد۔"

فریدی نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ وہ کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ آخر اس نے کہا۔

"مقصد بھی سمجھا جا سکتا ہے بشرطیکہ ان کا تعاقب کیا جائے۔"

"تو پھر کیا جائے! حرج ہی کیا ہے۔"

"میں اسے ضروری نہیں سمجھتا۔"

"میں تو کروں گا۔"

"لیکن ہر لحظہ اس بات کا خیال رکھنا کہ یہ حرکت تم نے اپنی مرضی سے کی ہے۔"

"آپ فکر مت کیجئے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "مجھے دور اندیشی سے زیادہ دلچسپی نہیں۔"

حقیقت تو یہ ہے کہ فریدی کی اس برجستہ خیال آرائی پر حمید کو یقین نہیں آیا تھا۔ باپ اور بیٹے عورت اور مرد کے روپ میں۔ اس خیال پر اس کا دل چاہا کہ حلق پھاڑ پھاڑ کر قہقہے لگائے۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ دونوں کا تعاقب ضرور کرے گا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ بہروپئے ہی ہیں تو عورت کو برقعہ پہنانے کی کیا ضرورت تھی۔

تھوڑی دیر بعد اسی کیبن میں ایک لڑکی اور داخل ہوئی۔ یہ بھی کافی دلکش تھی لیکن یہ برقعے میں نہیں تھی۔ حمید نے مسکرا کر فریدی کی طرف دیکھا۔

"یہ غالباً ان بہروپیوں کی دادی ہے۔" اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

لیکن فریدی بے تعلقانہ انداز میں کافی پیتا رہا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد کیبن کا پردہ سرکا اور وہ لوگ باہر آئے۔ فریدی اس دوران میں کچھ اکتایا ہوا سا نظر آنے لگا۔

"اچھا یور ہارڈ شپ۔" حمید بھی اٹھتا ہوا بولا۔ "اب دیکھئے پردہ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔"

فریدی بھی مسکراتا ہوا اٹھ گیا۔ وہ دونوں بھی باہر آئے۔ ان کے شکار کمپاؤنڈ میں کھڑی ہوئی ایک لمبی سی کار میں بیٹھ رہے تھے۔

"تم ڈرائیو کرو گے۔" فریدی نے حمید سے کہا۔ "میں ذرا پچھلی سیٹ پر آرام سے بیٹھوں گا۔"

حمید نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ فریدی پچھلی سیٹ پر اس انداز میں نیم دراز ہو گیا جیسی بہت زیادہ تھک جانے کے بعد تھوڑی سی نیند لینا چاہتا ہو۔

لمبی کار سڑک پر نکل گئی۔ اُسے بعد میں آنے والی لڑکی ڈرائیو کر رہی تھی۔ اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے انہیں بہت جلدی میں کہیں پہنچنا ہے۔ تھوڑی ہی دیر بعد کار شہر سے نکل کر ایک ویران سڑک پر ہو لی۔ حمید نہ جانے کیوں اس وقت خود کو کسی فلم کا ہیرو تصور کر رہا تھا۔ اُس نے

کیڈی کی ہیڈ لائیٹس بھی بجھادی تھیں اور اسکی نظر اگلی کار کی عقبی سرخ روشنی پر جمی ہوئی تھی۔ یکایک اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ روشنی میں نہا گیا ہو۔ وہ بے ساختہ مڑا اور پھر اس کی آنکھ سناٹے میں آگئی۔ کیڈی کے پیچھے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک ہی لائن میں چھ عدد ہیڈ لائیٹس فوکس آرہی تھیں۔ یعنی تین کاریں برابر سے چلی آرہی تھیں اور انہوں نے سڑک کی پوری چوڑائی گھیر رکھی تھی۔ حمید کے ہاتھوں کے طوطے اڑ کر کوؤں کی طرح کائیں کائیں کرنے لگے۔

اب یہ بات اس کی سمجھ میں آئی کہ فریدی کی باتوں کا کیا مطلب تھا۔

"بڑے باپ.....!" وہ کپکپائی ہوئی آواز میں چیخا۔ "کیا سو گئے.....!"

لیکن جیسے ہی اس نے پچھلی سیٹ پر نظر ڈالی رہی سہی جان بھی نکل گئی۔ کیونکہ سیٹ خالی تھی۔ اگلی کار کافی دور نکل گئی تھی اور پچھلی کاریں گویا سر پر چڑھی آرہی تھیں۔ سڑک کے دونوں طرف دور تک کھائیوں اور گڑھوں کے سلسلے تھے ورنہ وہ کیڈی کو داہنے یا بائیں موڑ کر بھی اس پھندے سے نکل سکتا تھا۔ اس نے بدحواسی میں کیڈی کی ہیڈ لائیٹس روشن کر دیں اور روشنی کی سیدھ میں نظر ڈالتے ہی اس کے رہے سہے حواس بھی جاتے رہے۔ کیونکہ اگلی کار رک کر سڑک پر آڑی کھڑی ہو گئی تھی۔ اس طرح آگے کا راستہ بھی مسدود کر دیا گیا تھا۔

حمید کو یقین آ گیا کہ اب جان چھڑانی مشکل ہے۔ سب سے بڑی شامت تو یہ کہ اُس کے پاس ریوالور بھی نہیں تھا۔

اس نے بڑی پھرتی سے بریک لگا کر انجن بند کیا اور ایک کھائی میں کود گیا۔ بیک وقت کئی فائر ہوئے۔ اگر حمید کو ایک سیکنڈ کی بھی دیر ہوتی تو اس کا سارا جسم چھلنی ہو گیا ہوتا۔ وہ ڈھلوان میں دوڑتا چلا گیا۔ وہ کئی آدمیوں کے دوڑنے کی آوازیں سن رہا تھا۔

"وہ رہا.....!" کسی نے چیخ کر کہا اور ساتھ ہی دو فائر ہوئے..... حمید بے تحاشہ دوڑتا رہا۔

اگر اس کے پاس ریوالور ہوتا تو شائد وہ کبھی اس طرح سر پر پیر رکھ کر نہ بھاگتا۔ پھر وہ ایک جگہ سرکنڈوں کے جھنڈ میں الجھ کر گر پڑا..... اور ٹھیک اسی وقت کئی گولیاں "شائیں شائیں" کرتی ہوئی اس کے اوپر سے گذر گئیں۔ حمید بدحواسی میں آگے رینگ گیا۔ سرکنڈوں سے کافی تیز قسم کی کھڑکھڑاہٹ بلند ہوئی۔ حمید کو یقین ہو گیا کہ یہ اس کا آخری کارنامہ ہے اسے اس وقت نہ فریدی پر غصہ تھا اور نہ اپنی حماقت پر افسوس۔

وہ سرکنڈوں میں رینگتا رہا اور پھر اس نے تھوڑے ہی فاصلے پر قدموں کی آہٹ سنی۔

"ڈرو نہیں۔" کسی نے انگریزی میں کہا۔ "وہ نہتے معلوم ہوتے ہیں۔ ورنہ ضرور فائر کرتے!"

پھر دوسرے ہی لمحے میں کئی ٹارچوں کی روشنی اندھیرے کا سینہ چھلنی کرنے لگی۔

حمید جہاں تھا وہیں دبکا رہا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ کہیں قریب ہی ہیں۔" کسی نے کہا۔ "یہ دیکھو..... یہ ٹوٹے ہوئے سرکنڈے۔ چلو یہاں کھڑے ہو کر سرکنڈوں میں فائر کرو۔"

حمید نے بدحواسی میں آگے کی طرف چھلانگ لگائی اور پھر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی حال پھٹ جائے گی۔ وہ برف کے سے ٹھنڈے پانی میں غوطے کھا رہا تھا۔ شائد وہ کوئی تالاب تھا۔

چھ سات فائر بیک وقت ہوئے۔ حمید کے کانوں میں سیٹیاں سی بجنے لگی تھیں۔

پھر اُسے کچھ یاد نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا؟

لیکن جب اسے ہوش آیا تو اس تالاب کا پانی آرام دہ ہونے کی حد تک گرم ہو چکا تھا۔ اس کا بدن جاگ پڑا تھا۔ مگر آنکھیں بند تھیں۔ اسے پورا جسم ایک دکھتا ہوا پھوڑا معلوم ہو رہا تھا۔ لیکن وہ گرمی کتنی آرام دہ تھی۔ اور پھر یک بیک اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس نے اٹھنا چاہا لیکن کوئی بھاری چیز اس کے سینے سے آ لگی۔ اس کے سر پر کھلے آسمان کی بجائے ایک سفید اور بے داغ چھت تھی اور وہ خود ایک مسہری پر کمبلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور وہ لڑکی کتنی خوبصورت تھی جو اُس کے سینے پر ہاتھ رکھے اسے اٹھنے سے روک رہی تھی۔ حمید نے اسے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔ یہ وہی لڑکی تھی جسے اس نے کچھ دیر قبل کار ڈرائیو کرتے دیکھا تھا۔ حمید کو ہوش میں آتے دیکھ کر اس نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی اور دوسرے ہی لمحے میں ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ اور اب تو حمید کو کوئی اٹھ بیٹھنے سے روک ہی نہیں سکتا تھا۔ اس کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ کیونکہ آنے والا کیلب تھا مفلوک الحال کیلب جس نے خود کو اسٹار انشورنس کمپنی کا ایجنٹ ظاہر کیا تھا۔ حمید نے اسے اس کے پھٹے پرانے لباس سے پہچانا۔ یہ وہی کیلب تھا جس نے کہا تھا کہ اس کا فلیٹ پچھلے ایک ماہ سے مقفل رہا ہے۔

"تمہیں حیرت ہے۔" کیلب نے مسکرا کر کہا۔

حمید فوراً ہی سنبھل گیا۔ اُسے یقین تھا کہ اب وہ نہیں مر سکتا۔ جب وہ گولیوں کے طوفان

سے صحیح و سلامت نکل آیا تو اب اس عمارت کی دیواریں اس کا کیا بگاڑ سکتی تھیں اور پھر فریدی اس طرح اچانک غائب ہو جانا بھی مصلحت سے خالی نہیں معلوم ہوتا تھا۔

"جانتے ہو! تم اب تک کیوں زندہ ہو۔" کیلب نے پوچھا۔

"محض اس لئے کہ ابھی تک میری شادی نہیں ہوئی۔" حمید نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا اور لڑکی ہنسنے لگی۔

"فریدی گریٹا کے سرٹیفکیٹ کیوں لے گیا تھا۔" کیلب نے پوچھا۔

"تاکہ اس کی موت کی تصدیق کی جا سکے۔" حمید نے لاپرواہی سے کہا۔ "بہتر تو یہی ہوتا کہ تم یہ سوال خود فریدی ہی سے کرتے۔ ویسے میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اُسی رات کو پروفیسر داخ بھی اسپرنگ کاٹیج میں گھسا تھا۔"

"اس کا تذکرہ چھوڑو.... جو میں پوچھتا ہوں اس کا جواب دو۔"

"اس کا جواب فریدی ہی سے مل سکے گا۔"

"یقین کرو کہ تمہیں محض اسی لئے زندہ رکھا گیا ہے کہ اگر تم اس کا تشفی بخش جواب دے سکو تو تمہیں چھوڑ دیا جائے۔"

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو۔"

"بالکل سچ....!"

"اچھا تو میرے ہاتھ میں ایک ریوالور دے کر مجھے اس عمارت سے نکال دو۔ میں دو سو گز کے فاصلے سے تمہیں اس کا جواب دے کر اپنی راہ لوں گا۔"

"بکواس میں وقت نہ ضائع کرو۔"

"سنو دوست کیلب یا جو کچھ بھی تمہارا نام ہو۔ میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ اس کا جواب دے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جاؤں۔"

"تمہاری مرضی....!" کیلب لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دے کر بولا۔

"لیکن تمہاری موت بڑی عبرتناک ہو گی.... سمجھے۔"

"ابھی نہیں سمجھا.... سمجھنے کے لئے تھوڑا وقت چاہتا ہوں۔"

"اچھا یہی بتا دو کہ فریدی کہاں گیا۔"

"وہ میرے ساتھ تھے ہی نہیں۔"

"یہ بھی غلط ہے۔"

"غلط نہیں ہے.... وہ شہر میں ایک جگہ اتر گئے تھے اور انہوں نے مجھے بھی اس تعاقب سے ہٹانا چاہا تھا.... لیکن.... میرا طریق کار ان سے الگ ہے۔"

کیلب تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "وہ بہت چالاک ہے۔ مگر کب تک.... تم نے اسے بھی دیکھ لیا۔ سچ کہنا کبھی ایسوں سے بھی سابقہ پڑا تھا۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ کمرے میں مکمل سکوت تھا۔ لیکن یہ سکوت جلد ٹوٹ گیا۔ دو اینگلو انڈین کمرے میں داخل ہوئے۔

"کیا آ گئے؟" کیلب نے ان سے پوچھا۔

ان دونوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اٹھو....!" کیلب نے حمید سے کہا۔

حمید بے چوں و چرا اٹھ گیا۔ وہ ایسی حالت میں کسی قسم کا جھگڑا نہیں مول لینا چاہتا تھا۔ کیلب سب کے آگے تھا اور دونوں اینگلو انڈین حمید کے پیچھے چل رہے تھے۔

وہ ایک بڑے کمرے میں آئے۔ حمید نے حیرت سے اس کمرے کے ساز و سامان کو دیکھا۔ یہ جگہ کسی سائنٹسٹ کی تجربہ گاہ تھی۔ چاروں طرف مختلف قسم کے آلات نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے بعض تو ایسے تھے جو آج تک حمید کی نظر سے نہیں گذرے تھے۔

اچانک سامنے والے دروازے کا پردہ ہٹا اور حمید کے منہ سے ایک تحیر زدہ سی چیخ نکل گئی۔ دروازے کے سامنے پروفیسر داخ کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"کیوں! میں نے کیا کہا تھا۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "میں نے کہا تھا اگر تم کچھوے کے خول کی پیٹھ پر پوری قوت سے بھی کھڑے ہو جاؤ تو اُسے گزند نہیں پہنچا سکتے۔"

حمید سکتے کے عالم میں چپ چاپ کھڑا رہا۔

"بولو.... تم خاموش کیوں ہو۔" پروفیسر پھر بولا۔

حمید کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ وہ بدستور خاموش کھڑا رہا۔

"تم یا فریدی جیسے کیچوے میری ذہانت سے نہیں ٹکرا سکتے۔ سمجھے۔" پروفیسر کہتا رہا۔ "میں

پروفیسر داخ! اس ناخنوں والی وبا کا خالق ہوں۔"

"ناخنوں والی وبا....!" حمید نے احمقوں کی طرح دہرایا۔

"ہاں! میں پروفیسر داخ۔ اس صدی کا سب سے بڑا مفکر اور سائنٹسٹ ہوں میں ایجادات کر سکتا ہوں اور چٹکی بجاتے دنیا کے بڑے بڑے آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتا ہوں۔ کیا تم نے اپنے ملک کے بعض چوٹی کے آدمیوں کو بے بسی کی موت مرتے نہیں دیکھا

"لیکن تم نے انہیں مارا ہی کیوں۔" حمید نے رک رک کر پوچھا۔

"محض اس لئے کہ میں ایشیاء کے سیاہ فام جانوروں کو ترقی کرتے نہیں دیکھ سکتا۔ تم ص سے ہمارے غلام رہے ہو۔ ہم سے سبقت نہیں لے جا سکتے۔ میری زندگی کا سب سے بڑا یہی ہے کہ میں تم جانوروں کو آدمی نہ بننے دوں سمجھے۔"

یک بیک حمید کو غصہ آ گیا۔ اس نے گرج کر کہا۔ "کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہارے کار سے واقف نہیں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم کس طرح انہیں ہلاک کرتے رہے ہو

"بھلا کس طرح....!" داخ نے مسکرا کر کہا۔

"رنگین کیپسولوں کے ذریعہ۔ ایسے کیپسول جو خالص سوڈا بائی کارب ملے ہوئے پانی میں گھلتے لیکن شراب میں فوراً ہی گھل جاتے ہیں۔ خواہ اس میں سوڈا ہی کیوں نہ ملا ہوا ہو۔"

پروفیسر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"اور بتاؤں....!" حمید جوش میں بولا۔ "تمہاری آج دن بھر کی قلابازیوں کا مقصد یہی تھا کہ ہم لوگ بہکلا جائیں اور پھر تم ہمیں گرینیٹا کی ایک ہم شکل کے پیچھے لگا کر پھانس لو تم فریدی کو ہرگز دھوکا نہیں دے سکتے۔ وہ بہرحال تمہارے چوہے دان میں نہیں پھنس سکا

اس کے ناخن بھی بہت جلد کھڑے ہو جائیں گے۔" پروفیسر مسکرا کر بولا۔

"فی الحال تم مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔" پروفیسر نے ایک شیشے کے برتن سے ہائپو سرنج نکالی۔

موت کے سائے

حمید کانپ کر رہ گیا۔ کمرے میں پروفیسر کے علاوہ آٹھ آدمی اور تھے اور سب کے

حمید کی خفیف سی جنبش پر بھی ان کے ہولسٹروں سے ریوالور نکل سکتے تھے۔ پروفیسر نے اطمینان سے سرنج میں انجکشن لگانے کی سوئی فٹ کی اور مسکراتا ہوا حمید کی طرف مڑا۔ اس کے چہرے پر نہ تو پاگل پن کے آثار تھے اور نہ وہ حرکات و سکنات کے اعتبار سے کوئی قسم کا فلسفی معلوم ہو رہا ہو۔

"ڈرو مت....!" اس نے حمید سے کہا۔ "تمہارے بعد فریدی ہی کا نمبر آئے گا۔ تم دوسری میں تنہا نہیں رہو گے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ فریدی جیسے آدمی کا شاگرد تھا۔ وہ چوہوں کی طرح مرنا تو کسی حالت میں قبول نہ کر سکتا تھا۔ اس نے قریب ہی کھڑے ہوئے ایک اینگلو انڈین پر چھلانگ لگائی لیکن قبل کے کہ وہ اس کے ہولسٹر سے ریوالور نکالنے میں کامیاب ہوتا اس پر بیک وقت آٹھوں اینگلو ٹوٹ پڑے۔

"اوہو....!" پروفیسر نے قہقہہ لگایا۔ "تمہیں اب بھی یقین ہے کہ تم بچ کر نکل جاؤ گے۔"

حمید کو چار آدمیوں نے جکڑ رکھا تھا وہ ہانپتا ہوا چیخا۔ "کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں ہاتھ پیر ہلائے مر جاؤں گا۔"

پروفیسر نے ایک طویل قہقہہ لگا کر کہا۔ "اچھا اسے چھوڑ دو۔"

حمید چھوڑ دیا گیا اور پروفیسر بولا۔ "خوب اچھی طرح ہاتھ پیر ہلا لو۔ لیکن اس صورت میں جھٹکتے ہی تمہاری موت واقع ہو جائے گی اور تم وبا کی علامات سے بھی لطف اندوز نہ ہو سکو ہاتھ پیر ہلانے سے دوران خون تیز ہو جائے گا اور اس وبا کے جراثیم حیرت انگیز قسم کی کے ساتھ تمہارے جسمانی نظام پر حاوی ہو جائیں گے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ پروفیسر نے ہاتھوں میں ربر کے دستانے پہنے اور شیشے کا ایک مرتبان اٹھاتا بولا۔

"ادھر دیکھو.... یہ رہی تمہاری موت۔"

مرتبان کے چوتھائی حصے میں گندے رنگ کا کوئی سیال نظر آ رہا تھا۔ پروفیسر کہتا رہا۔ "یہ وہ تم ہیں جن کا خالق میں ہوں.... لڑکے! تمہیں ڈاکٹر شرف کی سڑی ہوئی لاش سے گوشت ملنے پر حیرت ضرور ہو گی۔" وہ خاموش ہو کر مرتبان کا سیال سرنج میں کھینچنے لگا۔

کمرے پر قبرستان کی سی خاموشی مسلط تھی۔ حمید کو تو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے میں مغز کی بجائے پتھر کا ٹکڑا رکھا ہو۔ بقیہ لوگ اس سے کافی فاصلے پر کھڑے ہوئے تھے۔ اب اس میں اتنی سکت نہیں رہ گئی تھی کہ وہ دوبارہ رہائی کے لئے ہاتھ پیر مارتا۔ چند لمحوں کا یہ اس کی ذہنی حالت کے لئے بڑا خطرناک ثابت ہوا تھا۔ اس نے بڑی بے بسی کے عالم میں ہاتھ پیر ہلائے لیکن اس کی زبان نہ ہل سکی۔

پروفیسر نے سرنج کو چہرے کے برابر اٹھا کر اس میں آئے ہوئے سیال کی مقدار دیکھی پھر حمید کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔ بالکل اسی انداز میں جیسے کوئی شفیق بزرگ کسی بچے کو پسندیدہ تحفہ دینے سے قبل مسکراتا ہے۔

"مجھے تم دونوں کا پہلے ہی انتظام کرنا چاہئے تھا۔" اس نے کہا۔

"تم مجھے نہیں مار سکتے۔" دفعتاً حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔

نہ وہ اس وقت خوفزدہ تھا اور نہ اسے زندگی ہی کی خواہش تھی۔ نہ وہ سو رہا تھا اور نہ جاگ رہا تھا۔ کچھ عجیب سی کیفیت تھی۔

"پھر کس طرح مار سکتا ہوں۔" پروفیسر نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں پوچھا۔ پھر اس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔ جنہوں نے آگے بڑھ کر حمید کو پکڑ لیا۔ اچانک حمید نے کسی شرابی کی طرح مچلنا شروع کر دیا۔ چار آدمی اسے پکڑے ہوئے تھے لیکن وہ ان کے بس کا روگ نہیں معلوم ہوتا تھا۔

"زمین پر گرا دو۔" پروفیسر کے لہجے میں بڑی سفاکی تھی۔

بقیہ چاروں بھی آگے بڑھے اور انہوں نے چند لمحوں کی جدوجہد کے بعد حمید کو گرا لیا۔ پروفیسر سرنج سنبھالے ہوئے ان کی طرف بڑھا اور پھر وہ جھک کر حمید کے بازو میں اس خط سیال کا انجکشن دینے ہی جا رہا تھا کہ اچانک سرنج اس کے ہاتھ سے اڑ گئی۔ کمرہ ایک فائر کی آواز سے جھنجھنا اٹھا تھا۔ پروفیسر اچھل کر پیچھے ہٹ گیا اور اس کے منہ سے ایک موٹی سی گالی نکلی۔

فریدی ہاتھوں میں ایک ٹامی گن سنبھالے ہوئے دروازے میں کھڑا تھا۔

"الگ ہٹو! تم لوگ۔" اس نے ان لوگوں کو مخاطب کیا جو حمید دبائے ہوئے تھے۔

ان میں سے ایک نے ریوالور نکالنا چاہا۔ لیکن ٹامی گن سے پے در پے تین چار گولیاں نکل

ں کے جسم میں پیوست ہو گئیں۔

"سب کا یہی حشر ہو گا۔" فریدی نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔ "ورنہ میں جو کچھ کہوں کرتے او نہیں پروفیسر اگر تم نے ذرا بھی جنبش کی تو تمہارا جسم چھلنی ہو جائے گا۔ اپنے ہاتھ اوپر ٹھاؤ.... تم سب۔"

ساتوں اینگلو انڈین حمید کو چھوڑ کر ہٹ گئے۔

"اب تم سب ایک لائن میں کھڑے ہو جاؤ.... چلو! جلدی کرو۔ میں فی الحال تمہیں زندہ ہی رکھنا چاہتا ہوں۔"

"تم یہاں سے بچ کر نہیں نکل سکتے۔" پروفیسر اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے غرایا۔

"حمید....!" فریدی بولا۔ "ان کے ہولسٹروں سے ریوالور نکال لو۔"

حمید چپ چاپ کھڑا پلکیں جھپکا رہا تھا۔ فریدی کے مخاطب کرنے پر اس طرح چونکا جیسے ابھی تک بیہوش رہا ہو۔ وہ چند لمحے پروفیسر اور اس کے آدمیوں کو گھورتا رہا۔ پھر دیوانوں کی طرح گالیاں بکتا ہوا ان کی طرف جھپٹا۔ اس نے جلدی جلدی ان کے ہولسٹر خالی کئے اور پھر ایک اس نے پروفیسر کے گالوں پر تھپڑوں کی بارش کر دی۔

"ہٹ جاؤ.... حمید ہٹ جاؤ۔" فریدی نے اُسے ڈانٹا۔ "یہ بہت بڑا آدمی ہے۔ میں اس کی نوگذاف سن چکا ہوں۔ اس لئے اس کے ساتھ بہت ہی شاہانہ قسم کا برتاؤ کروں گا۔"

"آپ وقت برباد کر رہے ہیں۔" حمید چیخ کر بولا۔

"کچھ نہیں.... بس سامنے سے ہٹ جاؤ۔"

حمید چپ چاپ پیچھے کھسک آیا۔ لیکن وہ اب فریدی کو خونخوار نظروں سے گھورنے لگا تھا۔

"پروفیسر....!" فریدی نے داخ کو مخاطب کیا۔ "تم بہت چالاک ہو۔ تم نے ہمیں پھانسنے کے لئے بڑا عمدہ نقشہ مرتب کیا تھا مگر افسوس تم سے بچپنا سرزد ہو گیا۔ تمہاری آخری حرکت یوں کھل گئی تم نے ان بہروپیوں سے مدد حاصل کی جن کی سات پشتوں سے میں واقف تھا۔ گریٹا کو تو تم نے درمیان میں لانا ہی نہ چاہئے تھا۔ اس قسم کی حرکتیں صرف جاسوسی ناولوں ہی میں عجیب معلوم ہوتی ہیں۔ جیتی جاگتی دنیا میں ان کا وجود مسخرہ پن ہے اور ہاں.... تم ابھی حمید پر اپنی اس اتحاد کا رعب ڈالنے کی کوشش کر رہے تھے کیا یہ حقیقتاً تمہاری ایجاد ہے۔"

"ہاں میری ایجاد ہے۔" پروفیسر غرایا۔ "اس کے چہرے پر خوف کے آثار نہیں تھے۔"

"ایجاد نہ کہو.... البتہ دریافت کہہ سکتے ہو۔"

"دریافت! کیا مطلب....!"

"ہاں.... یہ تمہاری دریافت ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور میں اسے ریسرچ کہوں گا۔ البتہ تمہارا یہ کارنامہ ضرور لائق ستائش ہے کہ تم نے ان جراثیم کو سوڈا بائیکارب ملے ہوئے پانی میں زندہ رکھنے کا طریقہ معلوم کر لیا ہے ورنہ یہ جراثیم صرف سڑے ہوئے انسانی گوشت میں زندہ رہ سکتے ہیں اور اسی میں پیدا بھی ہوتے ہیں۔"

"تم کیسے جانتے ہو۔" پروفیسر بھرائی ہوئی آواز میں چیخا۔ ٹامی گن سے زیادہ فریدی کے الفاظ اس پر اثر انداز ہوئے تھے اور یک بیک اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔

فریدی نے مسکراتے ہوئے گفتگو جاری رکھی اور اسی کی مناسبت سے تم نے ایسے کیپسول بنائے جو سوڈا بائیکارب ملے ہوئے پانی میں گھل نہ سکیں۔ تم ان جراثیم کو انہیں کیپسولوں میں رکھ کر شراب کے گلاسوں میں ڈلوا دیتے تھے.... اور پھر وہ کیپسول شراب میں گھل جاتے تھے۔ شراب میں چونکہ سوڈے کی آمیزش بھی کی جاتی ہے اس لئے جراثیم اس میں زندہ رہتے ہیں۔ سوڈا بائیکارب کی وجہ سے ان پر اسپرٹ کی تیزی بھی اثر انداز نہیں ہوتی اور وہ اپنا کام کر جاتے ہیں۔"

"تم کیسے جانتے ہو۔" پروفیسر پھر چیخا۔

"ہاں تمہیں ایک سیاہ نسل کے جانور سے اس کی توقع نہ ہوگی۔" اس نے ہنس کر کہا۔ "لیکن تم سفید نسل کے سوروں کو یہ بات نہ بھولنی چاہئے کہ اب ہمارا زمانہ آرہا ہے۔"

"کبھی نہیں.... کبھی نہیں۔" پروفیسر حلق پھاڑ کر چیخا۔ "ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔"

"مگر تم سفید نسل کے سور! بڑے بے ایمان ہو۔ تم ان جراثیم کو اپنی ایجاد کہہ رہے ہو! سنو! سیاہ نسل کا ایک جانور تمہیں ان جراثیم کی تاریخ بتاتا ہے.... جو افریقہ کے زولو لینڈ سے شروع ہوتی ہے۔ زولو لینڈ کی وہ جنگ یاد کرو جو زولو لینڈ کے بادشاہ چڈمے کے لڑکوں کے درمیان ہوئی تھی۔ انیسویں صدی کی بات ہے بہت زبردست کشت و خون ہوا تھا۔ مہینوں تک ہزاروں لاشیں میدانوں اور گڑھوں میں سڑتی رہی تھیں اور پھر وہ دن یاد کرو جب پادری میکائیل کی تبلیغی پارٹی آدمی کی اس بے وقعتی کا منظر دیکھنے کے لئے سڑی ہوئی لاشوں کے درمیان

گذری تھی۔ اس کے تین آدمیوں کا کیا حشر ہوا تھا۔ کیا ان پر اس وبا کا حملہ نہیں ہوا تھا۔ ناخنوں والی وبا کا حملہ.... پادری میکائیل ڈاکٹر بھی تھا۔ اس نے اس سلسلے میں تحقیقات شروع کیں اور اس نتیجے پر پہنچا کہ وہاں اگنے والی ایک خاص قسم کی گھاس انسان کے سڑے ہوئے گوشت سے مل کر ایسے نتائج پیدا کرتی ہے۔ اس دریافت کا سہرا دراصل پادری میکائیل ہی کے سر ہے۔ اس کے بعد پھر شائد تم نے ہی جدید طریقوں پر نئے سرے سے تحقیق کی ہے۔ سمجھے پروفیسر! تم جیسے ذہین آدمی کو اتنے چھچھورے پن کا مظاہرہ نہ کرنا چاہئے۔ پادری میکائیل کے کارنامے پر اس طرح ڈاکہ ڈالنا ٹھیک نہیں۔"

پروفیسر کچھ نہ بولا۔ اس کا چہرہ تاریک ہو گیا تھا۔ فریدی چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ "تم نے اپنا آج کا نقشہ بڑی ذہانت سے مرتب کیا تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ ہی ساتھ ایک نقشہ میرے ذہن میں بھی مرتب ہو رہا تھا.... اور اسی کے نتیجے میں تم مجھے یہاں دیکھ رہے ہو ورنہ بھلا میں اس عمارت تک کیسے پہنچ سکتا۔ یہ عمارت جو یہاں جنگل میں محض اس لئے بنائی گئی تھی کہ یہاں جڑی بوٹیوں کی تحقیقات کا کام ہوگا اور یہ بات مجھے آج ہی معلوم ہوئی کہ اس عمارت سے تمہارا اتنا گہرا تعلق ہے۔ اور پروفیسر میں یہاں تک تمہاری ہی کار میں آیا ہوں۔"

"تم جھوٹے....!" پروفیسر نے کہا۔

"ہاں پروفیسر.... یقین مانو۔ میں شہر سے باہر نکلا ہی نہیں۔ میں شہر ہی میں اپنی کار سے اتر گیا۔ اس طرح کہ حمید کو اس کا علم نہ ہو سکا۔ پھر سب سے پہلے میں نے یہ کیا کہ تمہیں کوتوالی میں دو گھنٹے تک رکوائے رکھا اور اس دوران میں میں نے اپنے انتظامات مکمل کر لئے۔ پھر میرے لئے یہ کیا مشکل تھا کہ میں اس کار کی اسٹپنی کھول کر اس میں بیٹھ جاتا جو پرنسٹن کے چوراہے پر تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ میں جانتا تھا پروفیسر کہ حمید پکڑ لیا گیا ہوگا اور تم کوتوالی سے فرصت پا کر سیدھے وہیں جاؤ گے جہاں حمید کو رکھا گیا ہوگا لیکن پروفیسر اگر تمہیں یہ معلوم ہوتا کہ فریدی نہیں پکڑا جا سکا تو تم ادھر کبھی نہ آتے۔ افسوس! مجھے افسوس ہے کہ تم اپنی ایک حماقت کی بناء پر یہ دن دیکھ رہے ہو۔ تم نے خود ہی نیاگرا کے منیجر سے گریٹا کی سفارش کر کے غلطی کی تھی۔ یہ کام تمہیں کسی اور سے لینا چاہئے تھا۔"

اچانک پھر فریدی کی ٹامی گن سے تین گولیاں نکل کر ایک اینگلو انڈین کے جسم میں پیوست

ہو گئیں اور وہ بے جان ہو کر گر پڑا۔ دراصل اس کا ایک ہاتھ نیچے گر گیا تھا۔

"تم سب اس بات کا خیال رکھو۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ پھر پروفیسر سے بولا۔ "پروفیسر میں اب بھی تمہاری جان لینا نہیں چاہتا۔ البتہ تم سے ایک سودا ضرور کروں گا۔ اگر تم نے میرا کہنا مان لیا تو میں تمہیں یہاں سے نکل جانے دوں گا۔"

"کیسا سودا....!" پروفیسر نے جلدی سے پوچھا۔

"میں تم سے اپنے لئے ایک سرٹیفکیٹ چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"سرٹیفکیٹ.... کیا مطلب۔"

"بس تم مجھے یہ لکھ کر دے دو کہ ناخنوں والی وبا کے سلسلے میں جو تحقیقات فریدی نے کی ہیں میں اُن سے متفق اور مطمئن ہوں اور فریدی ایک اچھا ماہر جراثیم بھی ہے۔ اس نے ان جراثیم کی پیدائش کا جو طریقہ ایجاد کیا ہے وہ حیرت انگیز اور ایشیا والوں کے لئے قابل فخر ہے۔"

"اس سے تمہارا مقصد کیا ہے۔" پروفیسر نے پوچھا۔

"کچھ نہیں! بس تم اپنی اس ایجاد سے میرے حق میں دست بردار ہو جاؤ۔ بس اسے ایک طرح کی رشوت سمجھ لو جس کے عوض تم چھوڑ دیئے جاؤ گے۔"

"ہرگز نہیں.... ہرگز نہیں....!" پروفیسر بڑبڑایا۔

دونوں میں تقریباً پندرہ منٹ تک اسی کے متعلق بحث ہوتی رہی۔ پھر پروفیسر کچھ سوچنے لگا۔ دو تین منٹ غور کرنے کے بعد وہ اس پر تیار ہو گیا۔

"اچھا حمید....!" فریدی نے حمید کو مخاطب کیا۔ "تم میری جیب سے فاؤنٹین پن اور دستاویزی کاغذ نکال کر پروفیسر کو دے دو۔"

"کیا سچ مچ۔" حمید بوکھلا کر بولا۔ "آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔"

"بکواس مت کرو۔" فریدی بگڑ گیا۔ "تم کیا جانو! میں اس دریافت کو دوسری شکل دے کر لاکھوں روپے کما لوں گا۔"

حمید نے چپ چاپ اس کے حکم کی تعمیل کر دی۔ لیکن وہ دل ہی دل میں فریدی کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔ وہ ایک ایسے آدمی کو چھوڑنے جا رہا تھا جس نے کچھ دیر قبل اس کی جان لینے کی سفاکانہ کوشش کی تھی۔

پروفیسر نے کاغذ پر لکھنے کے لئے ہاتھ بڑھایا.... اور پھر رک کر کچھ سوچنے لگا۔ اس نے ایک بار پھر فریدی کی طرف اشتباہ آمیز نظروں سے دیکھا۔

"چلو.... لکھ بھی دو.... پروفیسر.... ورنہ پھر ہتھکڑیوں کا بوجھ سنبھالنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔" فریدی نے کہا۔

پروفیسر بادل ناخواستہ لکھنے لگا۔

ابھی اس نے ایک سطر بھی پوری نہیں کی تھی کہ فاؤنٹین پن ایک زوردار دھماکے کے ساتھ پھٹ گیا۔ ساتھ ہی ایک بہت تیز قسم کی روشنی کا کوندا سا پروفیسر کے چہرے کے قریب لپکا اور اس نے چیخ کر اپنے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ لئے۔

ایک اینگلو انڈین پھر فریدی کی طرف جھپٹا لیکن اُسے بھی اپنے دو ساتھیوں کے پاس پہنچ جانا پڑا۔ فریدی کے چہرے پر اس وقت بلا کی درندگی اور بہیمیت طاری تھی۔

دفعتاً پروفیسر حلق پھاڑ کر چیخنے لگا۔ "مجھے کچھ نہیں دکھائی دیتا.... اندھیرا.... اندھیرا.... فریدی.... سور.... حرام زادے.... تو نے مجھے اندھا کر دیا۔"

"تم کچھ دیر پہلے بہت اچھے موڈ میں تھے پروفیسر۔" فریدی طنز آمیز لہجے میں بولا۔

"میں نے کہا ذرا میں بھی تمہیں اپنی ایک حقیر سی ایجاد کا نمونہ دکھا دوں۔ یہ صرف ایک گھنٹے کی محنت کا نتیجہ تھا۔ اگر تھوڑا وقت اور دیتا تو تمہاری آنے والی نسلیں تک اندھی ہو جاتیں۔" پھر اس نے حمید سے کہا۔ "اس الماری کے پیچھے ہتھکڑیوں کے جوڑے ہیں ان پانچ شریف آدمیوں کو ان کی ضرورت ہے۔"

پروفیسر میز پر سر اوندھائے خاموشی سے بیٹھا تھا۔

جب حمید ان پانچوں کے ہتھکڑیاں لگا چکا تو اس نے فریدی سے کہا۔ "یہاں ایک لڑکی بھی تھی۔"

"لڑکی....!" فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "شائد قبر میں بھی تمہیں اس کا خیال ستاتا رہتا۔ وہ لڑکی دوسرے کمرے میں بیہوش پڑی ہے۔"

دفعتاً پروفیسر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک بار پھر اس کے منہ سے فریدی کے لئے گالیوں کا طوفان اُمڈ پڑا.... اور فریدی قہقہے لگاتا رہا۔ اس نے کہا۔ "پروفیسر! کچھ دیر پہلے تم نے ایک ایسے آدمی کی جان لینے کی کوشش کی تھی

جسے میں بہت عزیز رکھتا ہوں۔ اب تم اندھیرے میں بھٹکتے رہو۔ یہی تمہاری سزا ہے۔ میں تمہیں یہاں تنہا چھوڑ جاؤں گا۔ پولیس کو تو کیلب کی تلاش ہے میں اسے اپنے ساتھ لئے جا رہا ہوں۔ تمہاری اسکیموں کو وہی عملی جامہ پہناتا تھا اور میں جانتا ہوں کہ وہ ایک جنگ باز ملک کا ایجنٹ ہے۔ ایک ایسے ملک کا ایجنٹ جو ایشیا کو مفلوک کر دینا چاہتا ہے۔ جو یہ چاہتا ہے کہ ایشیا کبھی اپنے پیروں پر نہ کھڑا ہو سکے۔

پروفیسر نے پاگلوں کی طرح چیخنا شروع کر دیا تھا۔ پھر وہ دیوانہ وار ایک طرف بڑھا۔ ایک میز الٹ گئی۔ شیشے کے کئی بڑے آلات فرش پر گر کر چور چور ہو گئے۔

پروفیسر اٹھ کر دوسری میز پر جا پڑا۔ اسی میز پر جراثیم والا مرتبان بھی تھا۔ مرتبان الٹ گیا اور پروفیسر کے چہرے پر جراثیم ملا ہوا سیال پھیل گیا۔ اس کے منہ سے ایک خوفناک چیخ نکلی اور وہ اچھل کر دیوار سے ٹکرا گیا۔ اس کی آخری چیخ بڑی ہولناک تھی۔ وہ دو تین منٹ تک فرش پر تڑپتا رہا۔ پھر اس کے ہاتھ پیر اینٹھ گئے۔ اس کے ناخن انگلیوں کا گوشت چھوڑ چکے تھے۔ ویران آنکھیں چھت پر لگی ہوئی تھیں۔ منہ کھل گیا تھا اور اُس کا چہرہ کسی مردہ بندر کا چہرہ معلوم ہونے لگا تھا۔

کمرے کی فضا پر دل ہلا دینے والا سکوت طاری تھا.... اور اب ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے فریدی بھی اس کی موت سے متاثر ہو گیا ہو۔

وہ سب دم بخود کھڑے تھے اور ان کی پرچھائیاں ایسی لگ رہی تھیں جیسے دیوار پر موت کے تاریک سائے جم گئے ہوں۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 44

سازش کا جال

(مکمل ناول)

پیش رس

"سازش کا جال" بھی جاسوسی دنیا کے شاہکاروں میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ لالچ، خود غرضی، انتقام، حرص آدمی کو کس قدر اندھا بنا دیتی ہے۔ اس کا اندازہ آپ کو "سازش کے جال" کے کرداروں سے ہوگا۔ اس میں ایک ایسی عورت بھی ہے جس سے آپ کو ہمدردی بھی ہوگی، جس پر غصہ بھی آئے گا، جھلاہٹ بھی ہوگی، آپ قہقہے لگائیں گے، نفرت کریں گے اور پھر اُس کی تعریف کرنے پر بھی مجبور ہوں گے۔

"سازش کا جال" کا مجرم انتہائی چالاک، سفاک مگر بے حد پھرتیلا ہے۔ وہ ایسے مجرموں میں سے ہے جن کے لئے کہا جاتا ہے۔

یہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

آپ کی الجھن ہر لمحہ بڑھتی رہے گی کہ بھورے بالوں والا، دستانے پہننے والا یہ آدمی کون ہے؟ دھڑکنیں ہر لحظہ بڑھتی جائیں گی اور عجیب و غریب مجرم سامنے آئے گا۔ تو آپ اچھل پڑیں گے۔

پبلشر

لڑکی کا بنڈل

آرلیکچو کے ایک مخصوص کیبن میں شہر کے دو بہت بُرے آدمی بیٹھے کسی کا انتظار کر رہے تھے۔ یہ دونوں بظاہر بُرے نہیں معلوم ہوتے تھے کیونکہ اُن کے جسموں پر اعلیٰ قسم کے سوٹ تھے اور چہروں سے بھی شرافت ہی ظاہر ہوتی تھی۔ لیکن اپنے سیاہ کارناموں سے یہ خود ہی واقف تھے۔ ان کے نام صفدر اور شیکھر تھے۔ لیکن یہ نہ مسلمان تھے اور نہ ہندو۔ ان کا مسلک سیاہ کاری کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ لیکن ان بُرے آدمیوں میں ایک بہت ہی بڑی خصوصیت تھی یہ دونوں ایک دوسرے کے وفادار تھے۔ ایک دوسرے کو دھوکا دینا ان کی نظروں میں بدترین گناہ تھا۔

وہ دونوں اس وقت کچھ اس قسم کی گفتگو کر رہے تھے جیسے وہ اُس آدمی سے واقف نہ ہوں جس سے انہیں ملنا ہے۔ صفدر نے بے بسی سے پہلو بدلتے ہوئے کلائی کی گھڑی دیکھی اور شیکھر سے بولا۔ "کہیں کسی نے مذاق نہ کیا ہو؟"

"ناممکن نہیں ہے۔" شیکھر نے سگریٹ کے جلتے ہوئے سرے کو گھور کر کہا۔ "پھر بھی ہمیں دو چار منٹ اور انتظار کرنا چاہئے۔"

صفدر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ کیبن کا پردہ ہٹا اور ایک آدمی کیبن میں گھس آیا۔ یہ ایک لمبے قد اور اچھے جسم کا آدمی تھا۔ خوش پوشی اور جامہ زیبی میں یکتا معلوم ہوتا تھا۔ چہرے پر بھورے رنگ کی گھنی داڑھی تھی اور آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک۔ ہاتھوں میں سفید دستانے تھے حالانکہ سردیوں کا زمانہ نہیں تھا لیکن اُس نے دستانے پہن رکھے تھے۔

وہ ان دونوں کی طرف دیکھ کر مسکرایا پھر آہستہ سے بولا۔ "آپ لوگوں کو خط مل گیا تھا۔!"

دونوں کھڑے ہو گئے اور صفدر بولا۔ "خط ضرور مل گیا تھا لیکن اُس پر بھیجنے والے کا نام نہیں تھا۔"

"تشریف رکھئے....!" اجنبی نے صاف اور دھیمی آواز میں کہا۔

وہ دونوں بیٹھ گئے۔ اجنبی بھی بیٹھتا ہوا بولا۔ "کام بہت معمولی ہے اور معاوضہ معقول...!"

صفدر کچھ بولنے ہی والا تھا کہ شیکھر نے اُس کے پیر پر پیر رکھ دیا۔ صفدر نے پھر ہونٹ بند

کر لئے۔ شیکھر چند لمحے اجنبی کو چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "کیسا کام اور کیسا معاوضہ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"آپ شیکھر اور صفدر صاحبان ہی ہیں نا....؟" اجنبی نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہمارے یہی نام ہیں۔" شیکھر بولا۔

"تب پھر تکلف کی کیا ضرورت ہے۔"

"کوئی ضرورت نہیں۔" شیکھر بھی جواباً مسکرایا۔ "ہم لوگ دیر سے بھوکے ہیں۔ مگر ہمیں افسوس ہے کہ ہم اپنے میزبان کی شخصیت سے واقف نہیں۔"

"اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ آپ کو صرف کام اور دام سے غرض ہونی چاہئے۔"

شیکھر چند لمحے اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ "معاف کیجئے گا شاید آپ ہمیں اُلو بنا رہے ہیں۔"

"میں وقت کی بربادی پسند نہیں کرتا۔" اجنبی کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ "تمہیں ایک لڑکی کا اغواء کرنا ہے۔"

"آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔" شیکھر بگڑ کر بولا۔ "شریفوں سے ایسی گفتگو نہیں کی جاتی۔"

"شریف....!" اجنبی نے زہر خند کے ساتھ کہا۔ "اس شہر میں تم جیسے سارے شریفوں کے نام مجھے زبانی یاد ہیں۔ مگر ٹھہرو ممکن ہے تم مجھے محکمہ سراغ رسانی کا کوئی آدمی سمجھ رہے ہو۔ اگر یہی ہے تو تمہیں مطمئن رہنا چاہئے۔"

شیکھر چند لمحے خاموش رہا پھر وہ آہستہ سے بولا۔ "کام کیا ہے؟"

"ایک لڑکی کا اغواء.... جو ارجن پورے کی نروان بلڈنگ کے گیارہویں فلیٹ میں رہتی ہے۔"

"ارجن پورے میں رہتی ہے؟" شیکھر نے آہستہ سے دہرایا۔

"ہاں....!"

"اچھا.... معاوضہ کیا ہوگا؟" شیکھر نے پوچھا۔

"پانچ ہزار۔"

"کیا....؟" شیکھر کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"ہاں پورے پانچ ہزار....!"

"اگر ارجن پورے میں رہتی ہے تو یقیناً کسی غریب گھرانے کی ہوگی؟" شیکھر نے کہا۔

"یہی بات ہے۔" اجنبی نے سر ہلایا۔

"اگر غریب گھرانے کی ہے تو سو دو سو روپے خرچ کرنے پر یونہی چلی آئے گی۔ اُس کے لئے پانچ ہزار کیوں؟"

"میں بحث نہیں کام چاہتا ہوں۔" اجنبی جھنجھلا گیا۔

"یار تم نے افیون تو نہیں کھا رکھی۔" صفدر مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ "اگر تم ہم سے واقف ہو تو یہ بھی جانتے ہو گے کہ ہم لوگ کیسے آدمی ہیں۔"

"تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔"

"اور اس کے باوجود بھی ہم پر دھونس جمانے کی کوشش کر رہے ہو؟"

"ہاں.... اور یہ اس لئے کہ میں جب چاہوں تمہیں چٹکیوں میں مسل سکتا ہوں۔"

شیکھر اور صفدر نے ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھا۔

اجنبی نے نوٹوں کا ایک پیکٹ نکال کر میز پر رکھ دیا اور پھر کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک لفافہ نکال کر اُسی کے قریب رکھتا ہوا بولا۔ "ایک طرف یہ پانچ ہزار روپے ہیں اور دوسری طرف یہ لفافہ۔ ان دونوں میں سے کوئی ایک چیز پسند کر لو۔ کام تو بہر حال تمہیں ہی کرنا ہے۔"

"لفافے میں کیا ہے؟" شیکھر نے پوچھا۔

"دیکھ لو۔"

شیکھر نے لفافہ کھول کر اُس میں سے کوئی چیز نکالی اور پھر وہ چیز لفافہ سمیت اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر آ گری۔ شیکھر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اجنبی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ صفدر نے جھک کر وہ تصویر اٹھالی جس نے شیکھر کے جسم پر لرزہ طاری کر دیا تھا اس تصویر کو دیکھتے ہی صفدر کی بھی وہی حالت ہو گئی۔

"دیکھا تم نے....؟" اجنبی مسکرا کر بولا۔ "تم دونوں اس تصویر میں جس آدمی کا گلا گھونٹ رہے ہو اُس کی لاش پچھلے ہفتے پولیس کو مل چکی ہے۔"

صفدر اور شیکھر خاموش رہے اور اجنبی پھر بولا۔ "میرا کام تمہیں کرنا ہی پڑے گا۔ اگر خوشی سے کرو گے تو پانچ ہزار تمہارے ہیں.... ورنہ.... پھر زبردستی۔ اور تم یہ جاننے کی بالکل کوشش نہ کرو گے کہ میں کون ہوں سمجھے۔"

❁

موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ ابھی گیارہ ہی بجے تھے لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے رات

زیادہ گزر گئی ہو۔

فریدی دو گھنٹے سے برآمدے میں بیٹھا بارش بند ہونے کا منتظر تھا۔ اُسے شاید کسی ضر
کام سے باہر جانا تھا۔

حمید بھی گھر پر موجود نہیں تھا۔ فریدی اُس وقت اُسی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اُسے حال
میں اطلاع ملی تھی کہ آج کل حمید ایک سیاہ فام عیسائی لڑکی کے ساتھ بہت زیادہ دیکھا جارہا ہے
انسپکٹر جگدیش نے اُس کے "معیار" کا مضحکہ بھی اڑایا تھا لیکن اُسے حمید نے ایک برجستہ قسم
جواب سے خاموش کردیا۔ اُس نے بتایا کہ وہ دراصل اُس لڑکی کی خالہ کے چکر میں ہے جو نہ صر
حسین بلکہ شادی شدہ بھی ہے۔

فریدی کے لئے اُس کی یہ حرکتیں نئی نہیں تھیں اور اب تو اُس نے اُسے ٹوکنا بھی چھوڑ
تھا۔ مگر بعض اوقات جب وہ حد سے گزرنے لگتا تھا تو اُسے بولنا ہی پڑتا تھا۔ اس سیاہ عیسائی لڑکی
معاملہ بھی اسی نوعیت کا تھا۔ وہ دراصل اُس کے محکمے کے ایک شعبے کے انچارج کی لڑکی تھی
حمید کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ وہ کون ہے۔ بس ایک غیر معمولی واقعے کے بعد وہ اُس کے
پڑگئی۔ ہوا یہ کہ وہ ایک دن کسی تفریح گاہ میں حمید کو دکھائی دی اور حمید نے یونہی تفریحاً
آنکھ ماردی۔ اس پر وہ کافی بھنائی۔ اُس دن سے حمید کا معمول ہوگیا کہ وہ جہاں بھی نظر آجا
اُسے آنکھ ضرور مارتا تھا۔ اُسی دوران میں محکمے کے ایک آفیسر کو الوداعی پارٹی دی گئی جس میں
آفیسروں کے خاندان والے بھی مدعو تھے۔ وہ لڑکی بھی اپنے باپ کے ساتھ دعوت میں شریک
ہوئی۔ حمید کو جب اُس کی اصلیت معلوم ہوئی تو اُس کی روح فنا ہونے لگی۔ اتفاق سے اُس کے
باپ نے اُس کا تعارف فریدی سے کرادیا۔ حمید صاحب بھی ساتھ ہی تھے۔ جیسے ہی اُس کی
لڑکی سے چار ہوئی اُس کی بائیں آنکھ نے کھلنا اور بند ہونا شروع کردیا۔ لڑکی غصے سے سرخ ہوگئی
اُس کے باپ کو تو جیسے سکتہ ہوگیا اور فریدی کی حالت کا کیا پوچھنا۔ ایک رنگ آتا تھا اور ایک جا
تھا.... آخر اُس کا باپ پوچھ ہی بیٹھا۔

"کیا عرض کروں۔" حمید نے اپنی بائیں آنکھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے جواب دیا تھا۔ "پچھلے پندر
دنوں سے اس مصیبت میں مبتلا ہوں۔ پلکوں میں عجیب طرح کا تکلیف دہ کھنچاؤ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر
کہتے ہیں کہ رگیں سکڑ رہی ہیں۔ حکیموں کا کہنا ہے کہ یہ ریاحی فساد ہے۔ علاج کر رہا ہوں مگر افاقہ
اب تک نہیں ہوا۔ شرمندگی سے بچنے کے لئے سیاہ چشمہ لگائے رہتا ہوں مگر اتفاق سے اس وقت
اُسے بھی گھر بھول آیا ہوں۔"

اُس کے باپ کو یقین آیا ہو یا نہ آیا ہو مگر اس تاویل پر لڑکی بے اختیار مسکرا پڑی تھی.... اور
پھر دونوں میں دوستی ہوگئی۔

بہرحال یہ واقعہ فریدی کے لئے ایک مستقل دردِ سر کی سی کیفیت رکھتا تھا۔ اُس نے کئی بار
حمید کو اس حرکت سے باز رکھنا چاہا مگر کون سنتا ہے۔

اس وقت بھی وہ اُسی کے متعلق سوچ رہا تھا۔

فی الحال بارش رکنے کے آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ آخر کار فریدی نے باہر جانے کا ارادہ
ملتوی کردیا۔

پھر وہ اندر جانے کے لئے اٹھ ہی رہا تھا کہ بارش کے شور کے باوجود بھی اُسے پھاٹک کے
قریب کسی قسم کی آواز محسوس ہوئی اور ساتھ ہی کتے خانے میں کتوں نے آسمان سر پر اٹھالیا....
کمپاؤنڈ میں اندھیرا تھا اور حمید کے انتظار میں ابھی تک پھاٹک بھی نہیں بند کیا گیا تھا۔

فریدی نے جھپٹ کر برآمدے کی روشنی بجھادی۔ آنے والا حمید نہیں ہوسکتا تھا ورنہ کتے
کیوں بھونکتے۔ اگر کوئی شناسا ہوتا تو اُس نے فریدی کے اس طرح روشنی گل کردینے پر احتجاج
ضرور کیا ہوتا۔

اچانک فریدی کو ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی پھسل کر گرا ہو۔ ساتھ ہی ایک ہلکی سی کراہ بھی
سنائی دی۔ پھر کسی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "مدد.... مدد"

فریدی نے برآمدہ پھر روشن کردیا۔ پورچ کا بلب روشن ہوتے ہی اُسے زمین پر بھیگے ہوئے
کپڑوں کا ایک متحرک ڈھیر نظر آیا۔

"بجھادیجئے.... بجھادیجئے۔" ڈھیر سے آواز آئی۔

"تم کون ہو؟" فریدی نے پورچ میں اترتے ہوئے پوچھا۔

"میں خطرے میں ہوں آہ.... بجھادیجئے۔" بولنے والے کی آواز بڑی دردناک تھی۔

"سیدھے کھڑے ہوجاؤ۔" فریدی نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

کپڑوں کا ڈھیر بدستور کانپتا رہا اور پھر اچانک فریدی نے اسے دو حصوں میں تقسیم ہوتے
دیکھا۔ بارش شباب پر تھی بلکہ اس دوران میں اس کا زور پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گیا تھا۔

یکایک کوئی تیز رفتار چیز فریدی کے داہنے شانے کو چھوتی ہوئی نکل گئی اور برآمدے کی دیوار
کا بہت سا پلاسٹر آواز کے ساتھ اُدھڑ کر رہ گیا۔

فریدی نے اُچھل کر پورچ کے ایک ستون کی آڑ لے لی۔ کمپاؤنڈ کے باہر سے دوسرا فائر ہوا

اور اس بار بھی برآمدے کی دیوار کا پلاسٹر اُدھڑ گیا۔

کتے اور تیزی سے بھونکنے لگے۔ فریدی بُرا سا منہ بنائے پورچ کے ستون سے چپکا ہوا تھا۔ اب وہاں سے ہٹنا درحقیقت موت کو دعوت دینا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں کوئی نوکر سامنے نہ آجائے۔ فی الحال وہ اُس ڈھیر کو بھی بھول گیا تھا جسے اُس نے خود بخود دو حصوں میں تقسیم ہوتے دیکھا تھا۔

اُس نے چاروں طرف تیز اور متجسس نظر ڈالی۔ اُسے اپنے قریب کوئی ایسی چیز پڑی نہ دکھائی دی جس سے وہ بجلی کے بلب کو توڑ کر برآمدے میں اندھیرا کر سکتا۔

دو منٹ گزر گئے لیکن پھر تیسرا فائر نہیں ہوا۔

اب اُسے اُن ڈھیروں کا خیال آیا۔ لیکن اب اُن میں سے ایک یا تو غائب ہو چکا تھا یا پھر اپنی جگہ پر پہنچ گیا تھا۔

کتوں کی آوازیں آہستہ آہستہ دبتی جا رہی تھیں پھر شائد دو یا تین بھونکتے رہ گئے۔ بارش کے زور کا وہی عالم تھا۔ فریدی اب ستون کی اوٹ سے ہٹنے کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ پھاٹک میں کسی کار کی ہیڈ لائیٹس دکھائی دیں۔ کار آہستہ آہستہ پورچ کی طرف بڑھتی آ رہی تھی۔ فریدی نے کار پہچان لی۔ یہ اُسی کی کیڈی لاک تھی۔ وہ یکلخت سامنے آ گیا۔

اگر وہ ایسا نہ کرتا تو شاید حمید اُس ڈھیر کو کچل کر ہی رکھ دیتا۔ جو اب بھی پورچ میں بے حس و حرکت پڑا تھا۔ حمید نے کیڈی پورچ کے باہر ہی روک دی۔

"کیا بات ہے؟" حمید چیخ کر بولا۔ "میں بھیگ جاؤں گا۔"

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر ڈھیر پر جھک گیا۔ ڈھیر میں پھر کپکپاہٹ پیدا ہو چکی تھی۔

"یہ کیا بلا ہے؟" حمید نے پوچھا جو فریدی کے قریب پہنچ کر اپنے بالوں سے پانی جھٹک رہا تھا۔

"تم کہاں تھے؟" فریدی نے اُسے گھورتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

جواب دینے سے قبل حمید نے بُرا سا منہ بنایا لیکن فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "تم یہیں ٹھہرو۔"

اور پھر حمید نے اُسے باہر کی طرف جاتے دیکھا۔

بارش کا اب بھی وہی حال تھا۔ حمید کبھی بوکھلا کر کمپاؤنڈ میں پھیلی ہوئی تاریکی میں آنکھیں پھاڑتا اور کبھی زمین پر پڑے ہوئے کپڑوں کے ڈھیر کو گھورنے لگتا۔

دفعتاً ایک بار پھر کپڑوں کے ڈھیر میں جنبش ہوئی اور ایک خوبصورت سا نرم و نازک ہاتھ باہر نکل آیا۔

"ارے باپ رے۔" حمید بے اختیار اپنا پیٹ پکڑ کر بولا اور پھر وہ بے تحاشہ زمین پر دو

نو بیٹھ گیا۔

یہ ایک بہت بڑی گٹھڑی تھی جس سے ایک خوبصورت سا انسانی ہاتھ نکل کر زمین پر ٹک گیا

ا۔ حمید نے بڑی پھرتی سے اُس کی تمام گرہیں کھول ڈالیں اور ایک بار پھر بدحواسی میں اُس کے

ہ سے "ارے باپ رے" نکل گیا۔

وہ ایک انتہائی حسین چہرہ تھا۔ ایک نوجوان لڑکی کا چہرہ جو آنکھیں بند کیے گہری گہری سانسیں

لے رہی تھی۔ بالوں کی دو تین بھیگی ہوئی لٹیں اُس کے گداز رخساروں سے چپکی ہوئی تھیں۔

لباس معمولی اور بھیگا ہوا تھا۔ جس کپڑے میں وہ لپٹی ہوئی تھی حمید کو اُس میں خون کا ایک بڑا سا

دھبہ دکھائی دیا۔ اُس کی بوکھلاہٹ اور زیادہ بڑھ گئی اور وہ نوکروں کے نام لے لے کر چیخنے لگا۔ اُس

کی اس چیخم دھاڑ پر دو نوکر بھاگتے ہوئے کوٹھی سے باہر آئے۔ سب سے پہلے اُن کی نظریں بے

ہوش لڑکی پر پڑیں اور وہ برآمدے میں ٹھٹھک کر رہ گئے۔

"ابے آگے آؤ.... کیا دیکھتے ہو.... مردود۔" حمید حلق کے بل چیخا۔

نوکر ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرائے اور پھر چپ چاپ

برآمدے سے اُتر کر پورچ میں آ گئے۔

"اسے اٹھا کر.... وہاں.... لے چلو۔"

"کہاں سرکار....؟"

"سرکار کے بچو جلدی کرو۔"

"مگر ہم کیسے اٹھائیں؟" ایک نوکر بولا اور اُس کی نظر بھی چادر پر پڑے ہوئے خون کے

دھبے پر جم گئی اور پھر وہ یک بیک سنجیدہ ہو گیا لیکن اب وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر حمید کو دیکھ رہا تھا۔

"الگ ہٹو....!" حمید نے اُسے دوسرے نوکر پر دھکیلتے ہوئے کہا اور خود ہی بے ہوش لڑکی

اٹھانے کے لئے جھک پڑا۔

اور پھر جب وہ اُسے ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے برآمدے میں داخل ہو رہا تھا تو اُسے سامنے والی

دیوار کا ادھڑا ہوا پلاسٹر دکھائی دیا۔ وہ ایک جھٹکے کے ساتھ رک گیا۔

نوکروں نے بھی اُدھڑے ہوئے پلاسٹر کو حیرت سے دیکھا۔

"یہ کیا ہوا....؟" حمید نے انہیں تیز نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"پتہ نہیں صاحب۔" دونوں بیک وقت بولے۔ "ایک گھنٹہ پہلے تو ایسا نہیں تھا۔"

"اچھا! تم دونوں یہیں ٹھہرو۔" حمید نے کہا اور اندر داخل ہو گیا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اُس بے ہوش لڑکی کو کہاں لے جائے۔ اُسے پھر چادر والے خون کے دھبے کا خیال آیا اور اُس کا ذہن برآمدے کے ادھڑے ہوئے پلاسٹر میں الجھ گیا۔ دیوار کے دو سوراخ.... کیا کسی نے گولی چلائی تھی۔ کہیں یہ لڑکی زخمی تو نہیں۔

حمید نے اُسے بے تحاشہ ایک کمرے کے فرش پر ڈال دیا۔

بارش کا زور اب کم ہو چلا تھا۔

حمید نے بے ہوش لڑکی کا اچھی طرح جائزہ لیا لیکن اُسے کہیں بھی کوئی زخم نہ دکھائی دیا۔ البتہ اُس کے بھیگے ہوئے کپڑوں پر دو ایک جگہ خون کے چھوٹے چھوٹے دھبے ضرور نظر آئے۔ وہ لڑکی کے قریب سے ہٹ کر فریدی کا انتظار کرنے لگا۔

لڑکی نے کراہ کر کروٹ لی لیکن اُس کی آنکھیں بدستور بند تھیں۔ حمید کا ذہن نہ جانے کہاں کہاں بھٹک رہا تھا۔ اُس نے اس دوران میں فریدی کے متعلق بہت کچھ سوچ ڈالا تھا۔

لڑکی اب بھی فرش ہی پر پڑی ہوئی تھی۔

حمید چونک پڑا۔ فریدی اُسے آواز دے رہا تھا۔ حمید کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ جواب دینے کی بجائے بے ہوش لڑکی کے سرہانے اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ راہداری میں قدموں کی آواز سنائی دی اور حمید کے چہرے پر کچھ اس قسم کی از خود رفتگی طاری ہو گئی جیسے وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو۔

فریدی کے کپڑے بالکل بھیگ گئے تھے اور اُن سے پانی ٹپک رہا تھا۔ لڑکی پر نظر پڑتے ہی وہ چونک پڑا۔ کبھی وہ حمید کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی بے ہوش لڑکی کی طرف۔

"مم.... مگر....!" وہ ہکلایا۔ "وہ تو کسی مرد کی آواز تھی۔"

حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ چند لمحے وہ اپنا اوپری ہونٹ بھینچے فریدی کو گھورتا رہا پھر تلخ سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "اگر موقع ملتا تو اُس کے داڑھی بھی اُگ آتی۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو۔"

"بکواس! ارے میں تو خدا کا شکر ادا کر رہا ہوں کہ اس سکستان اور سانپستان میں عورت تو دکھائی دی.... ہاہا.... ہو گئی رے.... میں تو ہو گئی۔"

حمید نے ایک ہاتھ سر پر رکھا اور دوسرا کمر پر رکھتا ہوا ٹھمک ٹھمک کر ناچنے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ گاتا بھی جا رہا تھا۔ "ہو گئی رے! میں تو ہو گئی۔"

فریدی پر جھلاہٹ کا دورہ پڑا اور اُس نے آگے بڑھ کر حمید کا منہ دبا دیا۔ وہ شاید حمید کو بُری طرح رگڑ دیتا مگر اچانک اُسے شور سنائی دیا۔ یہ نوکروں کی آوازیں تھیں اور عمارت کے اندر ہی سے آرہی تھیں۔

پُراسرار گمنام

شور سن کر حمید بھی سنجیدہ ہو گیا۔

پھر وہ دونوں کمرے سے نکل ہی رہے تھے کہ ایک دوڑتا ہوا نوکر اُن سے آ ٹکرایا۔

"کیا ہے؟" حمید جھلا کر اُسے دھکیلتا ہوا غرایا۔

"چچ.... چور....!" نوکر چند قدم پیچھے ہٹ کر ہانپتا ہوا بولا۔

"چلو.... آگے بڑھو۔" حمید نے اُسے دھکا دیا۔

"پکڑ لیا ہے۔" نوکر نے گھٹی گھٹی سی آواز میں کہا۔

وہ انہیں برآمدے میں لایا۔ جہاں دو تین نوکر ایک آدمی پر لاتوں اور گھونسوں کی بارش کر رہے تھے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے.... الگ ہٹو۔" فریدی نے اُسے ڈانٹا۔

"اندر گھس رہا تھا صاحب۔" ایک نے جواب دیا۔ وہ سب الگ تو ہٹ گئے تھے مگر اُن کی نظریں اب بھی اپنے شکار پر تھیں۔ یہ ایک بوڑھا مگر اچھے تن و توش کا آدمی تھا۔ اس کے کپڑے کیچڑ اور پانی سے لت پت ہو رہے تھے۔ داہنے بازو سے خون بہہ رہا تھا۔ پوری آستین سرخ تھی۔ اُس نے بدقت تمام اپنا سر اٹھایا۔ چہرہ خون اور کیچڑ کی وجہ سے بڑا خوفناک نظر آرہا تھا۔ آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں اور اُس کے جسم پر رعشہ طاری تھا۔

"مم.... چور.... نن.... نہیں۔" وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔

"کیا کچھ دیر پہلے تم ہی تھے؟" فریدی نے نرم لہجے میں پوچھا۔

بوڑھے نے ایک جھٹکے کے ساتھ سر کو اثبات میں جنبش دی۔ پھر وہ دونوں ہاتھ ٹیک کر فرش سے اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔

"اسے اٹھاؤ۔" فریدی نے نوکروں سے کہا پھر حمید سے بولا۔ "تم اندر آجاؤ۔ لڑکی کو کسی

مناسب جگہ پر ڈال دو۔"

"اُسے کہیں چوٹ تو نہیں آئی؟" بوڑھے نے بے صبری سے کہا جو اب نوکروں کے سہارے کھڑا ہو چکا تھا۔

فریدی نے جواب طلب نظروں سے حمید کی طرف دیکھا۔

"نہیں.... لیکن وہ بے ہوش ہے۔" حمید آہستہ سے بولا۔ اب وہ قطعی سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"کیا تمہارے گولی لگی ہے؟" فریدی نے بوڑھے سے پوچھا۔

"جی ہاں....!" بوڑھا اپنے داہنے بازو پر ہاتھ رکھ کر زور سے کراہا۔

"چلو.... اسے اندر لے چلو۔" فریدی نے نوکر سے کہا۔

وہ اُسے اندر لائے اور پھر اُسے ایک آرام کرسی پر ڈال دیا گیا۔

فریدی نے ایک نوکر سے فرسٹ ایڈ بکس لانے کو کہا اور بوڑھے کا زخمی بازو دیکھنے لگا۔ وہاں موجود نہیں تھا۔ شاید وہ لڑکی کے لئے انتظامات میں مصروف ہو گیا تھا۔

بوڑھے کا زخم زیادہ مخدوش نہیں تھا۔ گولی بازو کی اوپری جلد پھاڑتی ہوئی دوسری طرف گئی تھی۔ ہڈی بالکل محفوظ تھی۔ فریدی نے زخم صاف کر کے بینڈیج کر دی۔ اس دوران بوڑھے پر غشی طاری ہو گئی تھی۔

اس کے بعد وہ لڑکی کی طرف متوجہ ہوا۔ جسے حمید نے بھیگے ہوئے کپڑوں سمیت صوفے پر ڈال دیا تھا۔

"کیا یہ ابھی تک ہوش میں نہیں آئی؟" فریدی نے لڑکی کی طرف تشویش آمیز نظر سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"آہم....!" حمید انگڑائی لیتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "اس کے ہوئے کپڑوں کا....!"

"شش شش!" حمید جلدی سے بولا۔ "میں نے اپنی بیوی کو تار دیا ہے۔ وہ آ کر کپڑے تبدیل کرا دے گی۔"

"دماغ مت چاٹو۔"

"اس ڈرامے میں مجھے مسخرے ہی کا رول ادا کرنے دیجئے۔"

"کیا مطلب....؟"

"یہ لڑکی یقیناً مصیبت زدہ ہے۔" حمید مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ "غالباً یور

ہپ کے زیر سایہ کچھ دن ضرور قیام کرے گی۔ بوڑھا کوئی پر اسرار داستان ضرور دہرائے گا۔ میرے سرکار آخر اتنے پاپڑ بیلنے کی کیا ضرورت تھی۔ صاف صاف کہہ دیا ہوتا کہ اب اصولوں کی گاڑی آگے نہیں بڑھ رہی.... ہاہا.... مانتا ہوں۔"

"بکواس مت کرو.... لیبارٹری سے دواؤں کا بیگ لاؤ۔"

"وہ کسی اور سے منگوا لیجئے۔ میں تو بینڈ والوں کی تلاش میں جا رہا تھا۔"

"حمید میں گھونسہ مار دوں گا۔"

"ابھی نہیں ذرا.... اس قتالہ عالم کو ہوش میں آ جانے دیجئے۔" حمید نے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔

فریدی نے لڑکی کی نبض دیکھی اور ناک کے سامنے ہاتھ لا کر تنفس کی رفتار کا اندازہ کرتا رہا۔

"اوہ.... یہ ابھی....!" کسی نے اُس کی پشت سے کہا۔

فریدی چونک کر مڑا۔ زخمی بوڑھا دروازے میں کھڑا ہانپ رہا تھا اور دو نوکر اُسے سہارا دیئے ہوئے تھے۔

"بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

نوکروں نے اُسے بیٹھنے میں مدد دی۔ مگر اُن کے چہرے سے استعجاب ظاہر ہو رہا تھا۔ کبھی وہ بوڑھے کی طرف دیکھتے تھے اور کبھی زخمی لڑکی کی طرف۔

"کیا یہ تمہاری لڑکی ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

بوڑھے نے فوراً جواب نہیں دیا۔ اُس کے چہرے پر ہچکچاہٹ کے آثار تھے۔ آخر اُس نے گلا صاف کر کے آہستہ سے کہا۔ "یہی سمجھ لیجئے۔"

اتنے میں حمید دواؤں کا بکس لے کر واپس آ گیا۔

"یعنی.... یہ تمہاری لڑکی نہیں ہے؟" فریدی نے دواؤں کے بکس کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں.... یہ ایک امانت ہے۔"

حمید معنی خیز انداز میں کھنکار کر اپنی گردن مسلنے لگا۔

"امانت سے تمہاری کیا مراد ہے؟" فریدی نے پوچھا۔ وہ دواؤں کا بکس کھول کر ہائپوڈرمک سرنج منتخب کر رہا تھا۔

"ممکن ہے آپ یقین نہ کریں کہ" بوڑھا کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"فکر نہ کرو۔" حمید سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "میں یقین کرنے کے لئے ابھی زندہ ہوں۔ چالو شروع ہو جاؤ۔"

فریدی نے اُسے گھور کر دیکھا اور پھر نوکروں سے جھلائی ہوئی آواز میں بولا۔ "بس اب جاؤ۔"

نوکر چپ چاپ چلے گئے۔ مگر اُن کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ وہاں ٹھہرنا چاہتے ہوں۔

"میں ایک ریٹائرڈ فوجی ہوں۔" بوڑھا نحیف آواز میں بولا۔ "میرے آگے پیچھے اور کوئی نہیں۔ ذریعہ معاش یہاں کے اکثر بڑے لوگوں کو شکار کھلانا ہے۔"

"میں بھی بڑا آدمی ہوں۔" حمید جلدی سے بولا۔ "میرے لئے بھی شکار کا بندوبست کر دو۔"

"خاموش رہو۔" فریدی بگڑ گیا۔

حمید نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

"میں تم سے اس لڑکی کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔" فریدی نے بوڑھے سے کہا پھر جلدی سے بولا۔ "کیا تم اُن لوگوں سے واقف ہو جنہوں نے فائر کیے تھے؟"

"جی نہیں.... میں نہیں جانتا کہ وہ کون تھے لیکن آج انہوں نے اس لڑکی کو اٹھا لے جانے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے انہیں کامیاب نہ ہونے دیا۔"

"تو کیا تم جان بوجھ کر یہاں آئے تھے؟"

"جی ہاں.... دیکھئے میں شروع سے بتاتا ہوں۔ آج سے دو ماہ قبل کی بات ہے مجھے ایک گم نام آدمی کا خط ملا جس نے ایک مخصوص دن ایک مخصوص مقام پر مجھ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ خط بہت ہی کاروباری انداز کا تھا۔ میں اُس سے ملا اور اُس نے ایک خدمت میرے سپرد کر کے اُس کا معاوضہ پانچ ہزار کے نوٹوں کی شکل میں ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ وہ خدمت یہ تھی کہ میں اس لڑکی کو اپنے ساتھ رکھ کر اُس کی حفاظت کروں۔"

"خوب.... کیا یہ اُس نامعلوم آدمی کی لڑکی ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"مجھے اس کا علم نہیں۔"

"لڑکی کیا کہتی ہے؟"

"میں نے آج تک اس کی آواز ہی نہیں سنی۔" بوڑھے نے کہا اور حمید ہنسنے لگا۔ پھر اُس نے دیوار کو مخاطب کر کے کہا۔ "میں اُلو نہیں ہوں۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ آدمی اسے کہیں سے اغوا کر کے لایا ہو۔" فریدی نے کہا۔

"جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے۔" حمید دیوار کو گھونسہ دکھا کر بولا۔

فریدی نے اُس کا کوئی نوٹس ہی نہ لیا۔ وہ بوڑھے کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"دیکھئے!" بوڑھے نے کہا۔ "پہلے میں بھی یہی سمجھا تھا مگر جب آپ کا نام درمیان میں لایا گیا۔"

"میرا نام....؟" فریدی چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

"جی ہاں.... دیکھئے میں شروع سے عرض کرتا ہوں۔"

"تم بہت دیر سے شروع سے عرض کر رہے ہو۔" حمید جلدی سے بولا۔ "جو کچھ رٹا تھا بھول گئے کیا....؟"

"معاف کیجئے گا۔" بوڑھا جھنجھلا کر بولا۔ "اگر یہ گولی آپ کے بازو پر لگی ہوتی تو مزاج پوچھتا۔ ویسے آپ کی عمروں میں میں بھی بہت منچلا تھا۔ بڑھاپا سارے کس بل نکال دیتا ہے۔"

"جاؤ....!" فریدی حمید کو قہر آلود نظروں سے گھور کر بولا۔ "چلے جاؤ۔"

حمید کو بھی غصہ آگیا اور وہ بھنبھناتا ہوا کمرے سے چلا گیا۔

"میرا نام درمیان میں کیسے لایا گیا تھا....؟" فریدی نے پوچھا۔

"اُس نے کہا تھا کہ اگر لڑکی کو کوئی خطرہ درپیش ہو تو اُسے کرنل فریدی کے سپرد کر دینا۔"

"ہوں....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "وہ آدمی کہاں رہتا ہے؟"

"اُس نے یہ سب کچھ نہیں بتایا۔ مجھے مطمئن کر دینے کے لئے آپ کا نام ہی کافی تھا۔ وہ مجھ سے صرف دو ہی بار ملا تھا۔ ایک بار اُس وقت جب اُس نے معاملات طے کئے تھے اور دوسری بار اُس وقت جب لڑکی کو میرے پاس لایا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ خود اُسے بھی کئی طرح کے خطرات گھیرے ہوئے ہیں اس لئے وہ بھی اپنے یا لڑکی کے متعلق کچھ نہیں بتا سکتا۔ اُس نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر میں چھ ماہ تک واپس نہ آؤں تو کوئی تشویش کی بات نہیں۔ صرف خطرے کی صورت میں لڑکی کو آپ کے پاس پہنچا دیا جائے اور جب خطرات حد سے زیادہ بڑھ جائیں تو کسی مناسب آدمی سے اس کی شادی کر دی جائے۔"

"کیا....؟" فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں.... یہ بات میرے لئے بھی حیرت ناک تھی۔"

فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا پھر تھوڑی دیر بعد اُس نے پوچھا۔ "تم رہتے کہاں ہو؟"

"ارجن پورے میں.... نروان بلڈنگ کا گیارہواں فلیٹ۔"

"لڑکی دو ماہ سے تمہارے ساتھ ہے؟"

"جی ہاں۔"

"اور اُس نے کبھی تم سے گفتگو نہیں کی؟"

"جی نہیں.... وہ صرف اشاروں میں گفتگو کرتی ہے۔ میں نے آج تک اُس کی آواز نہیں سنی۔"

"اُس نے تمہارے ساتھ رہنے پر کبھی احتجاج بھی نہیں کیا....؟"

"کبھی نہیں۔"

"اُس آدمی کو تو یاد ہی کرتی ہو گی؟"

"کبھی کبھی اشاروں میں اُس کے متعلق دریافت کرتی ہے۔"

"اچھا! آج حملہ آور کتنے تھے؟"

"دو آدمی تھے۔ مجھے اُن سے باقاعدہ جنگ کرنی پڑی اور میں زخمی ہو گیا۔"

"تم انہیں دوبارہ ملنے پر پہچان سکو گے؟"

"جی نہیں.... انہوں نے اپنے چہرے چھپا رکھے تھے۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر پوچھا۔ "اُس آدمی کا حلیہ بتا سکو گے جس نے لڑکی تمہارے سپرد کی تھی۔"

"جی ہاں! خاصا لحیم شحیم آدمی تھا۔" بوڑھے نے کہا۔ "چہرے پر بھورے رنگ کی داڑھی تھی۔ لباس انگریزی اور ہاں اُس نے دستانے بھی پہن رکھے تھے حالانکہ وہ گرمیوں کے دن تھے دوسری ملاقات کے موقع پر بھی میں نے اُس کے ہاتھوں میں دستانے دیکھے تھے۔"

❁

صفدر اور شیکھر ایک شکستہ حال جیپ سے اُتر کر سڑک کے کنارے کھڑے ہو گئے۔ بارش تھم چکی تھی لیکن گلیوں سے اب بھی پانی بہنے کی تیز آوازیں آ رہی تھیں۔ قرب و جوار کی عمارتوں کے پرنالے اب بھی چل رہے تھے۔

وہ دونوں سامنے والی عمارت کی طرف دیکھ رہے تھے۔ دفعتاً اُسی عمارت کی ایک تاریک کھڑکی میں سرخ رنگ کی روشنی دکھائی دی اور پھر غائب ہو گئی۔

وہ دونوں بڑی تیزی سے سڑک پار کر کے عمارت کے قریب پہنچ گئے۔ عمارت پانچ منزلہ تھی اور اُس میں لفٹ بھی لگی ہوئی تھی لیکن انہوں نے لفٹ کی طرف جانے کی بجائے زینوں

یا۔ زینے سنسان پڑے تھے۔

ابھی وہ تیسری ہی منزل کے زینے پر تھے کہ انہوں نے قدموں کی آواز سنی۔ کوئی اوپر سے آ رہا تھا۔ وہ دونوں اس کی پرواہ کیے بغیر زینے طے کرتے رہے اور پھر چوتھی منزل کے زینے موڑ پر انہیں وہی پُراسرار آدمی مل گیا جس سے انہیں ملنا تھا۔

اُس نے اس وقت بھی اپنے ہاتھوں پر دستانے چڑھا رکھے تھے۔

"کیا ہوا....؟" اُس نے ان دونوں کو گھور کر پوچھا۔

"ہوا کیا....؟" شیکھر نے لاپروائی سے کہا۔ "جو کچھ بھی ہوا اُس کی ذمہ داری صرف آپ پر ہے۔"

"کیا مطلب....؟"

"آپ نے ہمیں یہ نہیں بتایا تھا کہ اُس لڑکی کا باپ کس قسم کا آدمی ہے۔"

"اوہو! اگر اتنی جھنجھٹ کرنی ہوتی تو میں شیکھر اور صفدر کی بجائے کسی معمولی غنڈے کو نا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم جیسے لوگ بھی انگلیاں پکڑ کر چلتے ہیں۔ خیر چھوڑو.... لڑکی ہاں ہے۔"

"ہم اُسے نہیں لا سکے۔"

"ہوش میں ہو یا نہیں؟" گمنام آدمی بپھر گیا۔

"بوڑھا خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اُس نے ہمیں تھکا مارا.... اور اب وہ اُس لڑکی ت کرنل فریدی کی حفاظت میں ہے۔"

"کیا بک رہے ہو؟"

"جناب والا....!" شیکھر طنزیہ انداز میں بولا۔ "اگر آپ بڑے تیس مار خاں ہیں تو آپ خود ہی اس کام کو کیوں نہیں نپٹا دیا۔"

"بکواس بند کرو۔ بدتمیز آدمی مجھے پسند نہیں۔ تمہیں اُسے فریدی کے یہاں سے نکالنا ہی ہو گا۔"

"سانپ کے منہ میں ہاتھ دے سکتے ہیں۔" صفدر بولا۔ "لیکن ہم اُس سے نہیں بھڑیں گے۔"

"تو پھر تمہارا انجام بھی دردناک ہو گا۔"

"پہلے سارا معاملہ ہمیں سمجھا دیجئے پھر ہم ہاتھ لگائیں گے۔" شیکھر نے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے مجھے اپنی قوت دکھانی ہی پڑے گی۔" گمنام آدمی بڑبڑایا۔

"ضرور.... ضرور....!" صفدر طنزیہ انداز میں ہنس کر بولا۔

صفدر کا ہاتھ پتلون کی جیب میں تھا اور وہ جیب میں پڑا ہوا چاقو کھول چکا تھا۔

گمنام آدمی گفتگو تو شیکھر سے کر رہا تھا لیکن کبھی کبھی کنکھیوں سے صفدر کی طرف دیکھ لیتا تھا۔

"کل رات تک کی مہلت اور دیتا ہوں سمجھے۔" گمنام آدمی نے تیز لہجے میں کہا۔

صفدر نے بڑی پھرتی سے وار کیا۔ لیکن اُس کے ساتھی نے خود اُسی کی چیخ سنی۔ دس بارہ زینے اُس نے آن واحد میں طے کر لیے۔

گم نام آدمی اپنے ہاتھ جھاڑ رہا تھا۔

"اب تم کیا کہتے ہو؟" اُس نے شیکھر سے کہا۔ "کیا تمہیں بھی کچھ چاہئے؟"

شیکھر بت بنا کھڑا رہا۔ اُس کا ساتھی دوسری منزل کے زینوں کے موڑ پر اوندھا پڑا تھا۔

"تم شاید مجھے کوئی گیدڑ قسم کا بُرا آدمی سمجھتے ہو۔" گمنام نے ہنس کر کہا۔ "میرا شکریہ ادا کرو کہ وہی چاقو خود اُسی کے سینے میں نہیں پیوست ہو گیا۔"

"اچھا ہوا....!" شیکھر ہکلایا۔ "اُسے سزا مل گئی۔"

"اوہو....!" گمنام ہنس پڑا۔ "اب شاید تم اپنا حربہ آزماؤ گے؟"

"نہیں.... آپ غلط....!"

"بکواس مت کرو۔ تم دونوں نے مل کر یہ اسکیم بنائی تھی۔ محض اس لئے کہ میں آ تمہیں بلیک میل نہ کر سکوں۔ چلو میں اب بھی تمہیں معاف کیے دیتا ہوں لیکن کل رات لڑکی پہنچ جائے۔"

"دیکھئے یہ بہت مشکل کام ہے....!" شیکھر نے کہا۔ وہ بار بار صفدر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میں کچھ نہیں جانتا۔ تمہاری زندگیوں کا دارومدار اسی پر ہے۔"

صفدر کراہ کر اٹھ بیٹھا۔ اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اوپر دیکھنے لگا۔

"اب تم چاقو پھینک کر مارو۔" گمنام نے اُسے مخاطب کیا۔

صفدر کچھ نہ بولا۔ وہ جہاں تھا وہیں چپ چاپ بیٹھا رہا۔

"اچھا آپ ہی کوئی تدبیر بتائیے۔" شیکھر جلدی سے بولا۔ "شاید وہ صفدر کی طرف سے کا دھیان ہٹانا چاہتا تھا۔"

"تدبیر....!" وہ کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد بولا۔ "نقب لگاؤ۔"

"قطعی ناممکن ہے۔ درجن بھر کتے رات بھر عمارت کے گرد چکر لگاتے رہتے ہیں۔"

"لڑکی تمہیں لانی ہی پڑے گی۔ وہ تمہاری ہی لاپروائی کی وجہ سے فریدی تک پہنچی ہے۔"

"ہم نے انتہائی کوشش کی تھی۔ آپ کو کس طرح یقین دلایا جائے۔"

"کیا تم اُس بوڑھے کا خاتمہ نہیں کر سکتے۔"

"اوہ.... میں نے یہی کوشش کی تھی۔ میرا دعویٰ ہے کہ وہ زخمی ضرور ہو گیا ہے اور جناب س کا گردہ ہے کہ وہ فریدی کے پھاٹک پر کھڑا ہو کر گولیاں چلا سکے۔ فریدی بھی قسمت کا سکندر ا تھا جو آج میرے ہاتھ سے بچ گیا۔"

"شیخیاں بگھارنے سے کام نہیں چلتا۔ کل لڑکی کو آجانا چاہئے۔ بس۔" گمنام نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

اور اچانک زینوں کی روشنی گل ہو گئی۔

شیکھر سہم کر دیوار سے چپک گیا۔ روشنی تیس سیکنڈ سے زیادہ نہیں بند رہی.... گمنام آدمی ب وہاں نہیں تھا۔ شیکھر نے صفدر کو اُسی طرح بیٹھے دیکھا۔

شیکھر چپ چاپ نیچے اترنے لگا۔ صفدر کے قریب پہنچ کر اُس نے اُسے اٹھایا۔ اُس کے چہرے کی کھال کئی جگہ سے پھٹ گئی تھی اور وہ مٹھیاں بھینچے ہوئے بڑبڑا رہا تھا۔ "اب میں اُسے کی قیمت پر بھی نہیں چھوڑوں گا۔"

بوڑھے کی موت

دوسری صبح حمید کا موڈ بہت اچھا تھا۔ اس کے برخلاف فریدی بہت زیادہ فکر مند نظر آ رہا تھا۔ اُس نے پچھلی رات جاگ کر گذاری تھی۔ بوڑھا بے ہوش لڑکی کو اس کے سپرد کر کے واپس چلا گیا تھا۔ لڑکی رات ہی کو ہوش میں آ گئی تھی لیکن اُس نے فریدی کی کسی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔

ناشتے کی میز پر وہ اُن کے ساتھ ہی تھی۔ لیکن پہلے ہی کی طرح خاموش.... حمید کافی چہک رہا تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اُس کی باتیں سمجھی ہی نہ ہو۔

"محترمہ حلوہ لیجئے۔" حمید نے اُس کی طرف پلیٹ بڑھاتے ہوئے کہا۔ اُس نے تھوڑا سا حلوہ اپنی پلیٹ میں نکال لیا لیکن کچھ بولی نہیں۔

حمید نے جیب سے اپنی پالتو چوہیا نکالی اور اُسے میز پر بٹھا دیا۔

"شروع کر دی بے ہودگی۔" فریدی بڑبڑایا۔

حمید اُس کی بات کا جواب دیئے بغیر چوہیا سے بولا۔ "کیا کھائیں گی آپ۔ اوہ کچھ بولیے بھی مادام۔ آملیٹ پیش کروں یا روٹی کے چورے سے شوق فرمائیے گا۔"

اُس نے ٹوسٹ کا ایک ٹکڑا چوہیا کے آگے ڈال دیا اور وہ اُسے کترنے لگی۔

"آپ.... آہ....!" حمید پھر چوہیا کی طرف جھک کر بولا۔ "آپ کو کیا معلوم کہ کسی کے دل پر کیا گزرتی ہے جب آپ کے ننھے ننھے دانت کسی چیز کا چشم پشتا کرتے ہیں۔ چشم پشتا.... شاید یہ تمہاری ہی زبان کا کوئی لفظ ہے۔ اگر کوئی اس کے لئے غیاث اللغات کی ورق گردانی کرے تو اُسے میری زبان میں اُلو کہیں گے۔ پتہ نہیں تمہاری زبان میں اُلو کو کیا کہتے ہوں گے۔"

فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ دکھائی دی لیکن لڑکی بدستور ٹھس بیٹھی رہی۔ وہ چوہیا کو ضرور دیکھ رہی تھی مگر اُسی انداز میں جیسے وہ بھی ناشتے ہی کا ایک حصہ ہو۔ نہ تو اُس کی آنکھوں میں حیرت تھی اور نہ چہرے پر اس قسم کے آثار جن سے یہ ثابت ہوتا کہ وہ حمید کی باتوں میں دلچسپی لے رہی ہے۔

"کیا آپ نے نہ بولنے کی قسم کھا رکھی ہے؟" اچانک حمید مڑ کر اُس سے بولا۔

لڑکی نے اُسے استفہامیہ انداز میں دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔

"بہتر یہی ہے کہ تم اس چکر میں نہ پڑو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"بہت اچھا جناب۔" حمید نے سعادت مندی کے اظہار میں چہرے پر یتیمی کے آثار پیدا کر لئے۔ پھر وہ پلٹ کر چوہیا سے بولا۔ "ہم دونوں بہت دور چلے جائیں گے.... اُفق کے پار.... انشاءاللہ.... بلکہ افق کے پار کے اوپر کی طرف۔"

حمید نے لڑکی کی طرف دیکھا جواب بھی انتہائی سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔

اچانک فریدی کے کمرے میں فون کی گھنٹی بجی اور وہ ناشتہ چھوڑ کر اٹھ گیا۔ لڑکی نے بھی اُس کے ساتھ اٹھنا چاہا مگر فریدی نے اُسے روک دیا۔

حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر چوہیا کی طرف دیکھا اور اُس نے بھی کچھ ایسا انداز اختیار کر لیا تھا جیسے وہ اس لڑکی کے وجود سے قطعی لاعلم ہو۔

لڑکی ناشتہ ختم کر کے کرسی کی پشت سے ٹک گئی تھی اور اُسکی آنکھیں چھت کی طرف تھیں۔

اب یہ لڑکی حمید کے لئے سچ مچ معمہ بننے لگی تھی اور اُسے اپنے دل سے یہ خیال نکالنا پڑ رہا تھا کہ یہ ڈرامہ فریدی کی کچلی ہوئی جنسیت ہی کا کوئی شاہکار ہے۔

اُس نے ایک بار پھر کنکھیوں سے لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ بدستور چھت کی طرف دیکھ رہی تھی۔

حمید نے سیٹیوں میں وہی دھن شروع کر دی جس پر چوہیا ناچا کرتی تھی۔ وہ میز پر تھرکنے ننھے ننھے گھونگھروؤں کی ہلکی سی چھنک بڑی دلآویز معلوم ہو رہی تھی۔ لڑکی نے دزدیدہ نگاہوں سے چوہیا کی طرف دیکھا اور پھر جلدی سے میز پر جھک پڑی۔ وہ بڑی دلچسپی سے چوہیا کا ناچ دیکھ رہی تھی اور اُس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ یکایک کمرے کے باہر سے فریدی نے حمید کو آواز دی۔ حمید چوہیا کو میز ہی پر چھوڑ کر باہر چلا گیا۔

"سنا تم نے....؟" فریدی آہستہ سے بولا۔ "بوڑھا مر گیا۔"

"کیا....؟" حمید چونک کر بولا۔ "مگر وہ زخم ایسا تو نہیں تھا۔"

"وہ ہسپتال میں مرا ہے۔ پچھلی رات میں نے اُسے کوتوالی بھیجا تھا تاکہ وہ اس واقعے کی رپورٹ درج کرا دے۔ وہاں سے اُسے ہسپتال بھجوا دیا گیا تھا۔"

"حیرت ہے۔ زخم بہت معمولی سا تھا۔" حمید بولا۔

"اُس زخم کی وجہ سے وہ نہیں مرا۔ بلکہ اُس کا گلا گھونٹا گیا ہے۔"

"ہسپتال میں....؟"

فریدی اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔ پھر اُس نے کہا۔ "جب تک میں واپس نہ آ جاؤں تم یہیں ٹھہرنا۔ لڑکی کی حفاظت ضروری ہے اور ہاں دیکھو کوئی بے ہودگی نہ ہو۔"

❁

شیکھر اور صفدر برٹرام روڈ کی ایک عمارت کے کمرے میں بیٹھے ہوئے ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔ اُن کی آنکھیں نیند سے بوجھل نظر آ رہی تھیں۔

"بڑی مصیبت میں پھنس گئے۔" شیکھر بڑبڑایا۔ "الزا آدھی رات لڑی۔"

"پھر وہی بکواس۔" صفدر جھنجھلا کر بولا۔ "لڑکی کو ہمارے فرشتے بھی وہاں سے نہیں لا سکتے اگر کہیں فریدی بھی ہمارے راستے پر لگ گیا تو جان چھڑانی مشکل ہو جائے گی۔"

"اور اگر اُس نے وہ تصویر پولیس تک پہنچا دی تو کیا ہوگا۔"

"دیکھو شیکھر.... بہتر طریقہ یہی ہے کہ ہم اُسے ہی ٹھکانے لگانے کی کوشش کریں۔"

"اونہہ....!" شیکھر بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "کیا پچھلی رات کا واقعہ بھول گئے۔"

"مجھے اچھی طرح یاد ہے لیکن میں ہمت ہارنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ دراصل جلد بازی کی وجہ سے مجھے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔"

"میں کہتا ہوں اس چکر میں نہ پڑو۔ وہ ہم پر بھاری پڑتا ہے۔ سوچو تو اس نے کتنے بڑے بڑے

مجرموں کو ٹھکانے لگایا ہے۔ ہم اُن میں سے کسی کے پیروں کی خاک کے برابر بھی نہیں ہیں۔"

شیکھر کچھ نہ بولا..... وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بولا۔

"مگر یار سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ آخر وہ لڑکی ہے کیا بلا۔ بوڑھا غریب آدمی معلوم ہوتا ہے اور دوسری بات آخر اُس نے فریدی ہی کے گھر کا رخ کیوں کیا تھا... سنو! میں نے پتہ لگایا ہے کہ وہ لڑکی دو ماہ پہلے بوڑھے کے پاس نہیں تھی۔ پڑوسیوں نے لڑکی کبھی بولتے نہیں سنا۔"

"معاملہ کچھ گہرا ہی ہے۔" صفدر بڑبڑایا۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "بہت زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ فریدی شکاری کتے کی طرح مجرموں کی بو سونگھتا ہے۔"

"کتوں کی صحبت کا اثر ہے۔" شیکھر نے ہنس کر کہا۔ "کیا بتاؤں... بس وہ کل رات بچ گیا۔ بیٹا اُس کا ستارہ بڑا اچھا ہے۔ بڑے بڑوں کے ہاتھ کانپ جاتے ہیں اُس کے سامنے۔"

"چھوڑو.....!" شیکھر بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "اُس کی موت ریوالور کی گولی ہی لائے گی۔"

"آج اُس شیطان کے بچے سے کیا کہو گے؟" صفدر نے موضوع بدل دیا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہوں۔"

"میری سمجھ میں آ گیا ہے۔ بس آج رات کو دیکھ لینا۔"

ہسپتال میں ڈی۔ایس۔پی سٹی بھی موجود تھا۔ چونکہ اس معاملے کا تھوڑا بہت تعلق فرید سے بھی تھا اس لئے اُس کا موقعہ واردات پر پہنچا ضروری تھا۔ ورنہ کسی غریب بوڑھے کا قتل چیز نہیں تھا جس کے لئے ڈی۔ایس۔پی سٹی جیسی شخصیتیں تکلیف کرتیں۔

بوڑھا جنرل وارڈ میں رکھا گیا تھا اور وہاں ٹین کے لمبے سے سائبان کے نیچے تقریباً ساٹھ مریض رہتے تھے۔ اُن میں سے کسی نے بھی کوئی غیر معمولی بیان نہیں دیا۔ لیکن ڈاکٹروں کا کہنا کہ بوڑھا قدرتی موت نہیں مرا۔ شاید سوتے ہی میں اُس کا گلا گھونٹا گیا تھا۔

کچھ دیر بعد فریدی وغیرہ ایک کمرے میں آ بیٹھے۔ فریدی کسی گہری سوچ میں تھا۔

"اور وہ لڑکی کیا کہتی ہے۔" ڈی۔ایس۔پی نے فریدی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں..... وہ کسی بات کا جواب نہیں دیتی۔" فریدی بولا۔

"باتوں کا جواب۔" ڈی۔ایس۔پی مسکرایا۔ "مسٹر فریدی! کیا آپ مجھے بہلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"ہرگز نہیں۔" فریدی بھی جواباً مسکرایا۔ "میں جانتا ہوں کہ صرف بچے ہی بہلائے جا سکتے ہیں۔"

"اُس لڑکی کو ہمارے حوالے کر دیجئے۔"

"یہ ناممکن ہے۔"

"کیوں.....؟" ڈی۔ایس۔پی کی بھنویں چڑھ گئیں۔

"وہ وہیں رہے گی۔ آپ اُس سے جو کچھ پوچھنا چاہیں پوچھ سکتے ہیں۔"

"مجھے کسی قانونی کاروائی پر مجبور نہ کیجئے۔" ڈی۔ایس۔پی جھنجھلا کر بولا۔

فریدی چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ "کیا آپ علیحدہ چل کر ایک بات سنیں گے؟"

ڈی۔ایس۔پی اٹھ کر اُس کے ساتھ برآمدے میں چلا گیا۔

"مجھے جو کچھ کہنا تھا۔" فریدی بولا۔ "میں نے اُن سب کے سامنے کہنا مناسب نہ سمجھا۔"

ڈی۔ایس۔پی اُسے مستفسرانہ نظروں سے دیکھتا رہا۔

"عرض یہ کرنا ہے کہ آپ کسی قسم کی کوئی قانونی کاروائی نہیں کر سکتے۔ بوڑھا اُسے میری حفاظت میں دے گیا ہے۔"

"اس کا کوئی ثبوت! کیا لڑکی اس کا اقرار کر لے گی؟"

"اگر نہیں کرتی تب بھی! میں بہت اونچی پوزیشن کا آدمی ہوں اور کبھی کبھی قانون کو بھی میرے سامنے انکنا پڑتا ہے۔ ویسے آپ میرے بزرگ ہیں۔ میں آپ کا احترام ضرور کروں گا۔"

"اچھی بات ہے۔ میں بھی قانون کا انکنا دیکھوں گا۔" ڈی۔ایس۔پی نے کہا اور جھلاہٹ میں زور زور سے زمین پر پیر مارتا ہوا اُسی کمرے میں لوٹ آیا جہاں اُس کے ماتحت بیٹھے ہوئے تھے۔ فریدی بھی اُس کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔

ڈی۔ایس۔پی نے ایک سب انسپکٹر کو مخاطب کر کے کہا۔ "تم ان کے ساتھ جا کر لڑکی کا بیان لو۔ میں بہت عدیم الفرصت ہوں۔"

پھر وہ باہر چلا گیا..... وہاں کوتوالی انچارج انسپکٹر جگدیش بھی موجود تھا لیکن اُس نے بیان لینے کے لئے اُس سے نہیں کہا۔ شاید اس بناء پر کہ فریدی سے اُس کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ ڈی۔ایس۔پی کے جانے کے بعد کچھ لوگوں نے کھنکار کر اپنے گلے صاف کیے اور جیبوں میں سگریٹوں کے پیکٹ ٹٹولنے لگے۔

"چل رہے ہیں آپ؟" فریدی نے اُس سب انسپکٹر سے کہا۔ "میں بہت عدیم الفرصت ہوں۔"

"چلئے جناب۔" انسپکٹر اٹھتا ہوا بولا۔ "چوٹیں آپ لوگوں میں چلتی ہیں بھگتنا ہمیں پڑتا ہے۔"

"بھئی میں تو ہمیشہ ٹالنے کی کوشش کرتا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اچھا آؤ....!"

"کیا مجھے بھی اجازت ہے؟" جگدیش بولا۔

"ارے.... جگدیش۔ تم یہیں تھے.... ضرور.... ضرور.... مگر تمہیں کیوں سانپ سونگھ گیا تھا....؟"

"میں تو اب اس انچارج سے تنگ آ گیا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد کیڈی لاک فریدی کی کوٹھی کی طرف جا رہی تھی۔ کوٹھی میں پہنچ کر سب انسپکٹر تو ڈرائنگ روم میں بیٹھ گیا۔ فریدی اور جگدیش اندر چلے گئے۔ انہوں نے ایک کمرے میں حمید کو دیکھا جو دونوں ہاتھوں سے سر تھامے فرش پر اکڑوں بیٹھا تھا۔ جگدیش اُسے دیکھ کر ہنسنے لگا۔

"کیا ہوا تمہیں؟ لڑکی کہاں ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ چند لمحے وہ اُسے گھورتا رہا پھر اچانک اُس کے منہ سے عجیب طرح کی آوازیں نکلنے لگیں۔ "بوع.... بیاع.... بی.... بیع....!"

ساتھ ہی وہ اچھل اچھل کر اپنا سر بھی پیٹ رہا تھا۔

"کیا بے ہودگی ہے؟" فریدی جھلاہٹ میں اُسے بُری طرح جھنجھوڑ کر بولا۔

"گونگی.... گونگی.... خدا کی قسم گونگی ہے۔" حمید ہانپتا ہوا۔ حلق پھاڑ کر چیخا۔

"اوہ....!" فریدی بے ساختہ ہنس پڑا۔ "لیکن آخر تمہیں پریشانی کیوں ہے؟"

"ہائیں کوئی پریشانی کی بات ہی نہیں۔" حمید جھلاہٹ میں ہاتھ نچا کر بولا۔ "ارے میں اُلو کا پٹھا اُسے اسپنوزا کی فلاسفی سمجھا رہا تھا۔ میں نے اُس سے موجودہ اقتصادی بحران پر بحث کرنی چاہی تھی۔ خدا کی قسم میں اس وقت خود کو بھینس محسوس کر رہا ہوں۔"

جگدیش کے قہقہے رکنے کا نام ہی نہیں لیتے تھے۔

"وہ ہے کہاں....؟" فریدی نے پوچھا۔

"ایک کمرے میں گھس کر اندر سے دروازہ بند کر لیا ہے۔"

"کیوں....؟" دفعتاً فریدی کا موڈ بگڑ گیا۔

"کیا آپ کچھ اور سمجھے ہیں؟" حمید جلدی سے بولا۔ "بات دراصل یہ ہوئی کہ میں نے اُسے سانپوں والے کمرے کی سیر کرا دی اور اُسی وقت یہ راز کھلا کہ وہ گونگی ہے۔ چیخ مار کر بلبلاتی ہوئی بھاگی تھی۔"

فریدی پھر ہنس پڑا۔ جگدیش اب سنجیدہ ہو چکا تھا۔ اُس نے فریدی سے کہا۔

"کوتوال صاحب کو اور زیادہ تاؤ آئے گا۔"

"بھئی اب میں کیا کروں اگر وہ گونگی ثابت ہو۔"

❁

رات تاریک تھی اور آسمان میں بارش کے آثار موجود تھے۔ شیکھر اور صفدر برٹرام روڈ پر پیدل چل رہے تھے۔ وہ تھوڑی دیر تک خاموشی سے چلتے رہے پھر شیکھر نے صفدر سے کہا۔

"دیکھو! کافی سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ بوڑھے کا انجام تو تم نے دیکھ لیا۔ اُس کم بخت کے علاوہ اور کون بھرے پُرے ہسپتال میں گھس کر کسی کا گلا گھونٹ سکتا ہے۔"

"تم اتنے ڈرپوک کیوں ہو شیکھر....؟" صفدر منہ بنا کر بولا۔

"یار تم مجھے خواہ مخواہ غصہ نہ دلایا کرو.... سمجھے۔"

صفدر کچھ نہ بولا۔ وہ دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔ آج صفدر کی جیب میں ریوالور بھی تھا اور اُس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ آج اُس خطرناک آدمی کو بچنے کا موقعہ نہ دے گا۔

کچھ دیر بعد اُس نے شیکھر سے کہا۔ "اگر تم نے اپنے حواس بجا رکھے تو وہ آج بچ کر نہیں جا سکتا۔"

"صفدر میں تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ وہ اناڑی نہیں ہے۔" شیکھر لمبی سانس لے کر بولا۔ "کیا تم اُس کا پچھلی رات والا رویہ بھول گئے؟ اس نے کہا تھا کہ وہ ہمیں اُسی منزل کے ایک کمرے میں ملے گا جس کی کھڑکی میں ہمیں سرخ روشنی دکھائی دے گی لیکن وہ ہمیں کہاں ملا۔ تیسری منزل کی زینوں پر اور روشنی پانچویں منزل کی ایک کھڑکی میں نظر آئی تھی۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"یہی کہ وہ اُس جگہ ہرگز نہ ملے گا جہاں ملنے کا وعدہ کیا ہے۔" شیکھر بولا۔ "ایسی صورت میں تم کیا کر سکو گے۔ کل تو میں اس کی لاپروائی دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا.... تمہیں نیچے پھینک کر وہ مطمئن نظر آ رہا تھا اور کتنی لاپروائی سے تمہیں دوبار چاقو پھینک کر مارنے کی دعوت دی تھی.... پھر بولو! ہمت پڑی تھی تمہاری؟"

"تو تم یہ چاہتے ہو کہ میں خاموش رہوں؟" صفدر نے پوچھا۔

"فی الحال ہمیں خاموش ہی رہنا چاہئے۔ مصلحت اسی میں ہے۔"

صفدر کچھ دیر خاموش رہا.... پھر بولا۔ "لیکن آج اُسے کیا جواب دو گے؟"

"دیکھا جائے گا۔"

"ریوالور ہے تمہارے پاس....!" صفدر نے پوچھا۔

"ہاں.... کیوں؟"

"کچھ نہیں یونہی پوچھا تھا۔"

وہ چلتے چلتے ٹمپل روڈ کی ایک گلی میں مڑ گئے۔ پوری گلی میں صرف ایک جگہ دیوار سے لگے ہوئے بریکٹ میں بجلی کا بلب روشن تھا۔ کچھ دور چل کر انہیں اندھیرے سے الجھنا پڑا۔ وہ پھر ایک پتلی سی گلی میں مڑ گئے۔ یہاں چھوٹی چھوٹی بے شمار گلیاں تھیں۔

جس گلی میں وہ اب چل رہے تھے وہاں اتنا اندھیرا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا تھا اچانک ان دونوں کو ایسا محسوس ہوا جیسے اُن کی جیبیں ہلکی ہو گئی ہوں۔ دونوں کے منہ سے بیک وقت "ارے" نکلا اور اُن کے ہاتھ جیبوں میں چلے گئے۔ دونوں کے ریوالور غائب تھے۔ وہ بوکھلا کر پلٹے۔

"بس چلتے رہو۔" قریب ہی سے کسی نے نرم آواز میں کہا۔ "تم لوگ کسی دیوتا کی اولاد نہیں ہو کہ میں تم پر اعتماد کر لوں۔"

وہ دونوں اُس کی آواز پہچان گئے۔ چلتے رہنے کے علاوہ اور چارہ ہی کیا تھا۔ وہ عقب سے انہیں کاشن دیئے جا رہا تھا۔ ایک جگہ اُس نے انہیں رکنے کو کہا۔

"داہنے طرف مڑ کر دروازے کو دھکا دو۔"

انہوں نے چپ چاپ تعمیل کی۔ دروازہ ہلکی سی چڑچڑاہٹ کے ساتھ کھل گیا اور وہ اُس کے حکم کے مطابق اندر داخل ہو گئے۔ عقب سے اُن کے سامنے ٹارچ کی روشنی پڑی اور وہ ایک طویل راہداری سے گذرنے لگے۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک آرام دہ کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ یہاں کافی روشنی تھی اور ایک خطرناک آدمی اُن کے سامنے ٹہل رہا تھا اور اس وقت بھی اُس کے ہاتھوں میں دستانے تھے۔

"اب سنو! میرا پلان۔" وہ رک کر بولا۔ "تم صفدر بالکل ہی احمق آدمی ہو۔ اس لئے میں تمہیں اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا ہوں۔ شیکھر تم سے زیادہ چالاک ہے اس لئے میں اُسے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانے کی کوشش کروں گا.... ارے تمہارے چہرے پر تو ہوائیاں اڑنے لگیں۔ راستے سے ہٹانے کا یہ مطلب نہیں کہ میں تمہیں ختم کر دوں گا۔ فی الحال تم اس شہر سے کہیں اور چلے جاؤ۔ اخراجات میں برداشت کروں گا.... اور اگر تم کل بارہ بجے کے بعد سے پھر اس شہر میں دکھائی دیئے تو اپنی موت کے خود ذمہ دار ہو گے۔ سمجھے.... میں تمہیں چوہے کے بل سے بھی

ہاں کر ختم کر دوں گا۔"

وہ چند لمحے خاموش رہا پھر شیکھر سے بولا۔ "میں تم پر کسی حد تک اعتماد کر سکتا ہوں۔"

شیکھر کچھ نہ بولا۔ وہ اس عجیب و غریب آدمی کو سہمی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے مسکرا کر شیکھر ہی سے کہا۔ "نروان بلڈنگ میں بوڑھے کے فلیٹ کے برابر والا فلیٹ خالی ہے۔ تم اب اُس میں قیام کرو گے.... نہیں.... ابھی اس سلسلے میں کچھ پوچھنے کی کوشش نہ کرو۔ یہ رہی فلیٹ کی کنجی۔ تم بے دھڑک اس میں رہ سکتے ہو اور میں تمہاری حفاظت کی پوری ذمہ داری لیتا ہوں۔"

حمید کی بوکھلاہٹ

فریدی کافی دیر سے اُس کاغذ کے ٹکڑے کو گھور رہا تھا۔ دو ایک بار اُس نے فون کی طرف بھی ہاتھ بڑھایا تھا مگر پھر کچھ سوچ کر رہ گیا تھا۔

حمید کئی بار اُدھر سے گذرا لیکن اُس نے اُسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ ورنہ ویسے اس کا دل ضرور چاہتا تھا کہ وہ اُس کاغذ کے ٹکڑے کے متعلق استفسار کر لے۔

آخر کچھ دیر بعد فریدی ہی نے اُسے آواز دی۔

"لڑکی کو یہاں لاؤ۔"

"لڑکی....!" حمید آہستہ سے بولا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ اُس کا نام لیا ہو گا۔"

"ہو گا کچھ.... اُسے یہاں لاؤ۔"

حمید چلا گیا۔ فریدی نے کاغذ کا ٹکڑا کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر ختم ہوتے ہوئے سگار کو ایش ٹرے میں مسلتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

لڑکی حمید کے ساتھ آئی ضرور مگر دروازے ہی میں کھڑی رہی۔ فریدی نے اُسے اشارے سے اپنے قریب بلایا۔

"مگر....!" وہ حمید سے بولا۔ "سب سے بڑی دشواری یہ ہے کہ اس سے کچھ پوچھا کس طرح جائے۔"

"کیا پوچھنا چاہتے ہیں آپ....؟" حمید اکڑ کر بولا۔ "اس قسم کے معاملات میں ہمیشہ کیپٹن

حمید کی خدمات حاصل کیجئے۔"

"پتہ نہیں.... یہ اسی شہر کی باشندہ ہے یا کہیں باہر کی۔"

"بس اتنی سی بات۔ دیکھئے ابھی معلوم کرتا ہوں۔ چٹکی بجائیے۔"

حمید نے لڑکی کو اپنی طرف مخاطب کر کے ریلوے انجن کا پوز بنایا اور "چھک چھک" کرتا ہوا کمرے میں دوڑنے لگا۔ لڑکی پہلے تو اُسے سنجیدگی سے دیکھتی رہی پھر بے ساختہ ہنس پڑی۔ پھر حمید نے رک کر اشارے سے پوچھنا چاہا کہ وہ اسی شہر میں رہتی ہے یا اس طرح ٹرین میں بیٹھ کر کہیں باہر سے آئی ہے۔"

شاید وہ اس کا مطلب سمجھ ہی نہ سکی تھی۔ اُس نے حیرت سے استفہامیہ اشارہ کیا۔

"اررر.. بھائی صاحب۔ نہیں سمجھے" حمید نے اپنے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔ "اچھا پھر سمجھو"

اس بار اس نے ریلوے انجن کی نقل اتارنے کے سلسلے میں اتنا غل غپاڑہ مچایا کہ فریدی کو اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونسنی پڑیں۔

"بس حمید صاحب بس۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اب اگر اس کے بعد آپ نے ہوائی جہاز بننے کی کوشش فرمائی تو میں اپنے کتوں کو کسی طرح قابو میں نہ رکھ سکوں گا۔"

حمید رک کر ہانپنے لگا۔ پھر اُس نے لڑکی سے کہا۔ "تمہیں شرم نہیں آتی۔ کھڑی ہنس رہی ہو۔ اتنی محنت پر تو ریل کا انجن بھی فارسی بولنے لگتا۔"

"بہت مشکل ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔ "اس کے لئے مجھے دوسرا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔ اچھا اب اسے جانے دو۔"

حمید نے ہاتھ کے اشارے سے اسے جانے کو کہا۔ مگر لڑکی نے انکار کر دیا۔ پتہ نہیں کیوں وہ اُن کے ساتھ ہی ساتھ رہنے پر مصر نظر آ رہی تھی۔

"حمید صاحب.... یہ اگر اسی شہر کی ہوتی تو ان عجیب و غریب حالات میں رہنا پسند نہ کرتی۔ کوئی مجبوری ہی تھی جس نے اُسے دو ماہ تک ایک اجنبی بوڑھے کے پاس روکے رکھا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی نے تھوڑی دیر تک خاموش رہنے کے بعد کہا۔ "اچھا اور اگر یہ اسی شہر کی باشندہ ہونے کے باوجود بھی ہمیں اپنے گھر تک نہیں لے جانا چاہتی تو اس کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی پوزیشن سے اچھی طرح واقف ہے۔"

"میں نہیں سمجھا....!" حمید بولا۔

"فی الحال اتنا ہی کافی ہے۔ تشریح بعد میں ہو جائیگی۔ میرا ذہن ایک نئے راستے پر چل نکلا ہے۔"

"اور خدا نے چاہا تو اب میرا دماغ چل نکلے گا۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا پھر آہستہ سے بولا۔ "آخر اس عجیب و غریب واقعے کی خبر اخبارات میں کیوں نہیں آئی؟"

"میں نے مناسب نہیں سمجھا۔"

"اگر مناسب سمجھئے تو مجھے ایک ماہ کی چھٹی دلوا دیجئے۔"

"حمید بکواس مت کرو۔ میں تمہاری شادی کے امکانات پر غور کر رہا ہوں۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"شادی اب کیا ہو گی۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"میری بات سنو۔ بوڑھے نے کیا کہا تھا؟ جب خطرات حد سے بڑھ جائیں تو اس لڑکی کی کسی سے شادی کر دی جائے۔"

حمید بوکھلا کر دو چار قدم پیچھے ہٹ گیا۔ فریدی کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔

"یہ نہیں ہو سکتا.... ہرگز نہیں۔" حمید ہکلایا۔

"کتنے گدھے ہو تم...." فریدی اُسے چمکار کر بولا۔ "تم ایک حسن پرست ہو.... اور یہ لڑکی لاکھوں میں ایک ہے۔"

"آپ ہوش میں ہیں یا نہیں؟"

"میں بالکل ہوش میں ہوں.... یہ میرا اٹل فیصلہ ہے۔"

"دیکھئے میں اس قسم کا مذاق پسند نہیں کرتا۔"

"میں سنجیدگی سے گفتگو کر رہا ہوں۔"

"آپ خود ہی کیوں نہیں کر لیتے۔ آپ کے لئے ایسی ہی مناسب ہے جو کچھ بول نہ سکے۔"

"خیر میں تو شادی نہ کرنے کا عہد ہی کر چکا ہوں۔"

"تو میں بھی اسی وقت بصدق دل شادی نہ کرنے کا عہد کرتا ہوں۔ بلکہ اپنے آباؤ اجداد کی شادیاں بھی کینسل کرتا ہوں۔"

"مسخرہ پن سے کام نہیں چلے گا۔ شادی تمہیں کرنی ہی پڑے گی۔"

حمید پر پھر بوکھلاہٹ کا دورہ پڑا.... اور لڑکی کو یہ سمجھانے کے لئے کہ وہ ایک آوارہ آدمی ہے اُس نے عجیب قسم کی حرکتیں شروع کر دیں۔ پتلون کے پائینچے موڑ کر گھٹنوں تک چڑھائے اور بال بکھرا کر گانے لگا۔ "آوارہ ہوں.... آوارہ ہوں۔"

پھر اشارے سے بتایا کہ میں شرابی بھی ہوں۔ اس کے لئے اُس نے روشنائی کی بوتل اٹھائی

اور گلاس میں تھوڑی سی روشنائی انڈیلی اور بوکھلاہٹ میں ایک گھونٹ بھی لے لیا۔ پھر خیال آتے ہی کلی جو کی ہے تو کمرے کا قالین برباد ہو کر رہ گیا۔ لڑکی بے تحاشہ ہنس رہی تھی۔

"کیا بے ہودگی ہے۔" فریدی بگڑ کر بولا۔

"گولی مار دیجئے نا۔ ضروری نہیں کہ میں آپ کی ہر بات مان ہی لوں۔ آپ مجھے مجبور نہیں کر سکتے۔"

حمید بھنبھناتا ہوا کمرے سے نکل آیا۔ اُس کے پیچھے پیچھے لڑکی بھی نکلی۔ قدموں کی آواز سن کر حمید پلٹ پڑا۔

"ہائیں! ارے بابا تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو۔ کیا سچ مچ میری گردن ہی کٹوا دو گی۔"

لڑکی ہنستی رہی۔ پھر اُس نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر اُسے غسل خانے کی طرف کھینچنا شروع کر دیا اور وہاں پہنچ کر اشارے سے بتایا کہ اُسے اپنا منہ صاف کرنا چاہئے۔ حمید بوکھلاہٹ میں یہ بھول ہی گیا تھا کہ اُس نے روشنائی کا گھونٹ لیا تھا۔ لڑکی کے یاد دلانے پر اُس کی زبان پر روشنائی کی تلخی جاگ اٹھی اور وہ بُرا سا منہ بنائے ہوئے پائپ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

جب وہ اپنا منہ صاف کر چکا تو لڑکی نے اشارے سے پوچھا کہ کیا اُس کا کوئی اسکریو ڈھیلا ہے۔

"بھاگ جاؤ۔" حمید جھلاہٹ میں اُسے مکا دکھا کر بولا۔

اُسے سچ مچ بڑی پریشانی تھی۔ فریدی کے انداز سے صاف یہی ظاہر ہو رہا تھا کہ اُس نے جو کچھ کہا ہے کر گزرے گا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی وقتی مصلحت ہو.... مگر اُس کی زندگی تو اجیرن ہو ہی جائے گی۔ اُس کی جان پہچان والی لڑکیاں اُس سے بدکنے لگیں گی۔

تھوڑی دیر بعد فریدی نے اُسے پھر آواز دی اور لڑکی پھر اُس کے پیچھے لگ گئی۔ شاید اُسے بھی حمید کو تنگ کرنے میں مزہ آ رہا تھا۔

فریدی نے لڑکی کو واپس جانے کا اشارہ کیا اور وہ چپ چاپ واپس چلی گئی۔ نہ جانے کیوں وہ فریدی کی ہر بات مان لیتی تھی۔

"دیکھئے آپ مجھے کسی طرح بھی اس پر آمادہ نہیں کر سکتے۔" حمید نے کہا۔

"اونہہ ختم کرو۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ ذرا اسے دیکھنا۔"

فریدی نے کوٹ کی اندرونی جیب سے کاغذ کا وہی ٹکڑا نکال کر حمید کی طرف بڑھا دیا جس میں وہ بڑی دیر تک الجھا رہا تھا۔

حمید نے اُسے پڑھ کر فریدی کی طرف دیکھا۔

"یہ مجھے بوڑھے کے فلیٹ میں ملا تھا۔" فریدی نے کہا اور حمید کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آنے لگے۔

"کیا وہ بوڑھا اس قسم کا آدمی تھا کہ کسی کو بلیک میل کر سکے۔" حمید بولا۔

"یہ تو کسی ایسے آدمی کا خط معلوم ہوتا ہے جسے بلیک میل کیا جا رہا ہو۔ مگر اوہ.... یہ تو کسی عورت کا خط ہے۔"

"ہاں کسی ایسی عورت کا خط جس سے کسی بڑی رقم کا مطالبہ کیا گیا ہو۔ تمہارا بلیک میلنگ کا نظریہ درست معلوم ہوتا ہے۔ اب سوال یہی ہے کہ کیا وہ بوڑھا کسی عورت کو بلیک میل کر رہا تھا مگر اُس کے جاننے والے حلقوں میں کسی نے بھی اُس کے متعلق کوئی بُری رپورٹ نہیں دی۔"

"ذرا ٹھہریئے۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "میرا خیال ہے کہ اُس رات والے حادثے کے بعد سے بوڑھے کو اپنے فلیٹ تک جانے کا موقعہ نہ ملا ہو گا۔"

"تمہارا خیال ٹھیک ہے.... لیکن کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"ہو سکتا ہے کہ یہ پرچہ حملہ آوروں میں سے کسی کی جیب سے گرا ہو۔"

"یہ خیال کیسے پیدا ہوا؟"

"پرچے کی حالت۔ غالباً یہ کہیں کسی کونے میں مڑا تڑا ملا ہو گا۔" حمید بولا۔

"ٹھیک ہے۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے سر ہلایا۔ "تمہارے خیال کی تائید میں ایک بات اور بھی کہی جا سکتی ہے۔ خط کا انداز بتاتا ہے کہ عورت سے پہلے بھی کئی بڑی رقمیں وصول کی جا چکی ہیں۔ مگر بوڑھے کی حالت سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اُس نے کبھی خوش حالی کی زندگی بسر کی ہو۔ اُسے پانچ ہزار جو اُس پُراسرار آدمی سے ملے تھے اُن کا پس ماندہ بھی پولیس نے برآمد کر لیا ہے۔ مجموعی رقم چار ہزار سات سو تھی۔ یعنی پچھلے دو ماہ میں بوڑھے نے صرف تین سو روپے خرچ کیے اور بقیہ کو احتیاط سے رکھے رہا۔ اس سے بھی اُس کی نیک نیتی پر روشنی پڑتی ہے.... دوسری بات اگر وہ عادی قسم کا بلیک میلر ہوتا تو نہ صرف اُس کے دیئے ہوئے پانچ ہزار ہضم کر لیتا بلکہ لڑکی کے دشمنوں سے بھی ساز باز کیے بغیر نہ رہتا.... نہ وہ اپنے بازو پر گولی کھاتا اور نہ اُسے بہتال میں بے بسی کی موت مرنا پڑتا۔"

"ہاں.... مگر یہ سارا گورکھ دھندا ہے کیا بلا؟"

"کچھ بھی ہو.... ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ واقعات کی نوعیت ذرا افسانوی قسم کی ہے۔ اس لئے ہم کہیں بھی ٹھوکر کھا سکتے ہیں۔"

"تو کیا اب یہ گونگی مستقل طور پر ہمارے ساتھ رہے گی۔"

فریدی جواب دینے کی بجائے بے اختیار مسکرا پڑا۔ اُس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

"تم اُس سے خائف کیوں ہو؟"

"اُس سے نہیں! آپ مجھے پرہول معلوم ہونے لگے ہیں بلکہ ابو الہول کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ آپ سراغ رسانی کی دھن میں سب کچھ کر گذرتے ہیں۔"

"خیر فی الحال میں اس مسئلے میں نہیں الجھنا چاہتا۔ میں نے تمہیں دراصل اس لئے بلایا تھا کہ تم خط لکھنے والی عورت کی شخصیت پر روشنی ڈالنے کی کوشش کرو۔"

"کیا آپ مجھے جادوگر سمجھتے ہیں؟"

"کیوں....؟"

"ارے جناب! اگر لکھنے والی کا نام بھی اس پر ہوتا تو میں....!"

"تب کیا خاص بات ہوتی؟" فریدی نے اُسے جملہ نہ پورا کرنے دیا۔

"میرا دعویٰ ہے کہ تم اس عورت کو بہت قریب سے جانتے ہو۔"

"بظاہر اس کاغذ میں مجھے کوئی ایسا سراغ نہیں ملتا جو آپ کی رہنمائی کر سکے۔"

"تب تم اندھے ہو۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اور تمہارے لئے گونگی ہی مناسب رہے گی۔ کیا تمہیں اس کاغذ پر اتنا موٹا سا مونوگرام نہیں دکھائی دیتا؟"

"جی ہاں! دیکھ رہا ہوں۔ جی۔ سی۔ ایم ہے۔ مگر آپ اس سے کیا نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں؟"

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ "ذرا میرا سگار کا ڈبہ اٹھاؤ۔"

حمید نے ہاتھ بڑھا کر ڈبہ اٹھا لیا۔

"ذرا اس کا مونوگرام دیکھو اور یہ واضح رہے کہ یہی مونوگرام ان کا ٹریڈ مارک بھی ہے۔ یعنی اسے گولڈن سگار مینوفیکچررز کے علاوہ اور کوئی نہیں استعمال کر سکتا.... کیا سمجھے۔"

"ہاں ہے تو.... دونوں مونوگرام ایک ہی ڈائی کے نکلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔"

"اب ذرا اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دو۔"

"تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جی۔ سی۔ ایم والوں ہی سے تعلق رکھنے والی کوئی عورت۔"

"ہاں! اگر ہمیں ان میں سے کوئی ایسی عورت نظر آجائے تو اُسے دیکھنا ہی پڑے گا۔"

"میں سمجھ گیا.... آپ کا اشارہ غالباً جی۔ سی۔ ایم کے جنرل منیجر کی بیوی کی طرف ہے۔"

"دیکھو میں نہ کہتا تھا کہ تم اُسے بہت قریب سے جانتے ہو۔"

"مگر سرکار والا.... اس کاغذ کو جی۔ سی۔ ایم کے عملہ سے تعلق رکھنے والی کوئی دوسری عورت بھی تو استعمال کر سکتی ہے؟"

"کر سکتی ہے.... لیکن ہمیں اُن میں بھی ایسی عورت تلاش کرنی پڑے گی جو کسی بڑی رقم کا مطالبہ برداشت کرنے کی اہل ہو اور ساتھ ہی ساتھ اُس کا ماضی ایسا رہا ہو کہ اُسے بلیک میل کیا جا سکے۔ شاہینہ میں تم یہ دونوں خصوصیات پاؤ گے۔ کیا ایک زمانے میں وہ تم سے رومان بازی نہیں لڑ رہی تھی؟"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "اگر واقعی یہ تحریر شاہینہ ہی کی ہے تو میں اس سے سب کچھ اگلوا لوں گا۔"

"ہاں فرزند.... میں یہی چاہتا ہوں۔"

"اچھا تو فکر نہ کیجئے.... وہ ہائی سرکل نائٹ کلب میں قریب قریب روز ہی نظر آتی ہے۔ آج مجھے دن بھر کی کوفت بھی کم کرنی ہے۔"

❁

صفدر صبح ہی صبح باہر جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ لیکن اُس نے یہ سب کچھ بڑی بے دلی سے کیا تھا۔ وہ ہرگز اس پر تیار نہ ہوتا مگر شیکھر نے اُس کی زندگی تلخ کر دی تھی۔

"شیکھر میں تمہاری ناعاقبت اندیشیوں سے تنگ آ گیا ہوں۔" وہ جھلائی ہوئی آواز میں بولا۔

"کیوں اپنی زندگی کے پیچھے پڑے ہو۔ وہ انتہائی خطرناک آدمی ہے۔" شیکھر بولا۔

"میں بزدل نہیں ہوں شیکھر لیکن مجھے اُس قسم کا پاس ہے جو ہم نے ایک دوسرے کا پابند رہنے کے لئے کھائی تھی۔ ورنہ مجھے اس شہر سے کسی رستم کا باپ بھی نہیں ہٹا سکتا تھا۔"

"چلو یہی سہی۔ میں اسے بزدلی نہیں بلکہ حکمت عملی سمجھتا ہوں۔" شیکھر بولا۔

صفدر کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر اُس نے کہا۔ "مگر دیکھو بیٹے۔ اُس سے ہوشیار ہی رہنا۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ ہمیں کسی بڑی مصیبت میں پھنسانے والا ہے۔ ایسی مصیبت میں جس سے پھانسی ہی بہتر ثابت ہوگی۔"

"فکر نہ کرو۔" شیکھر نے کہا۔ "میں بھی سمجھتا ہوں اور تمہاری عدم موجودگی میں تمہاری فکر کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کروں گا۔"

"یعنی....؟"

"موقعہ ملتے ہی اُس کم بخت کو ٹھکانے لگانا۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن آخر وہ مجھے یہاں سے نکال دینے پر کیوں تلا ہوا ہے؟"

"احتیاطاً.... لیکن تمہیں جلد باز اور بیوقوف سمجھتا ہے۔ اُسے ڈر ہے کہ کہیں تم پولیس تک نہ جا پہنچو۔"

صفدر شیکھر سے رخصت ہونے کے بعد سیدھا اسٹیشن پہنچا۔ ٹرین آنے میں ابھی ایک گھ کی دیر تھی۔ وہ فرسٹ کلاس ویٹنگ روم میں بیٹھ کر ٹرین کا انتظار کرنے لگا۔ گم نام آدمی سے اُ کافی رقم مل گئی تھی کہ وہ کچھ دن رئیسانہ ٹھاٹ سے زندگی بسر کر سکتا تھا۔

اُسے یہاں آئے پندرہ ہی منٹ گذرے تھے کہ ایک قلی نے اُسے ایک لفافہ لا کر دیا۔ صف پہلے تو چونکا لیکن پھر اُسے اُس خطرناک آدمی کا خیال آگیا۔ اُس نے بڑی تیزی سے لفافہ چاک اور خط پڑھنے لگا۔ انگریزی حروف میں تھوڑی سی عبارت ٹائپ کی ہوئی تھی۔

"صفدر!

اب تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ میں نے اپنی اسکیم بدل دی ہے۔ اس کی فکر نہ کہ تم فرسٹ کلاس کا ٹکٹ لے چکے ہو۔ اُسے واپس کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ مجھے تمہار بات پسند آئی ہے کہ تم نے پچھلی رات صفائی نہیں پیش کی اور نہ میری خوشامد ہی کی۔ میں تم دلیروں کی قدر کرتا ہوں۔"

صفدر نے خط ختم کر کے بہت بُرا سا منہ بنایا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر شیکھر کے ساتھ تھا۔

"یہ بہت اچھا ہوا پیارے۔" شیکھر اُس سے کہہ رہا تھا۔ "تمہارے بغیر مجھے یہ دنیا جہنم م ہوتی.... مگر آخر اُس نے اپنا ارادہ کیوں تبدیل کر دیا۔"

"اُسے جھونکو جہنم میں.... مجھے اُس لڑکی کی فکر ہے۔ آخر اُس میں کون سے ایسے سر کے پر لگے ہوئے ہیں جس کے لئے اتنے پاپڑ بیلے جا رہے ہیں۔"

"سوچنے کی بات ہے۔" شیکھر بولا۔ "تمہاری واپسی سے پہلے ہی مجھے اس کی اسکیم کی ت کا علم ہو گیا تھا۔"

"کس طرح....؟" صفدر چونک کر بولا۔

"اُس نے مجھے بھی خط لکھا ہے۔"

"لکھا ہے.... یا ٹائپ کیا ہے؟"

"وہی مطلب! ٹائپ ہی ہے۔"

"لومڑی کی طرح چالاک ہے.... بھلا اپنی تحریر کیوں دینے لگا۔"

"اسکیم بدلنے کی اطلاع کے ساتھ ہی اُس نے آج رات کے پروگرام کے متعلق بھی لکھا ہے۔"

"کیسا پروگرام؟"

"بتاتا ہوں.... لیکن تم وعدہ کرو کہ تمہیں اُس میں شرکت سے انکار نہیں ہوگا۔"

"آخر معلوم بھی تو ہو۔ ویسے جہاں تم وہاں میں۔ خواہ وہ جہنم ہی کیوں نہ ہو۔"

"ہمیں فریدی کی کوٹھی میں گھسنا ہوگا۔"

"پھر وہی حماقت۔" صفدر بگڑ گیا۔

"سنو تو سہی! ہمارے ساتھ وہ خود بھی ہوگا۔"

پھر وہی دستانے

شام ہوتے ہی حمید ہائی سرکل نائٹ کلب پہنچ گیا۔ شاہینہ ابھی تک نہیں آئی تھی لیکن حمید کو توقع تھی کہ وہ آئے گی ضرور۔ شاہینہ گولڈن سگار مینو فیکچررز کے جنرل منیجر کی بیوی تھی۔ انتہائی حسین اور سوسائٹی کی جان تھی۔ اُس کا ماضی خواہ کچھ رہا ہو لیکن اب خصوصاً جنسی معاملات میں صرف اپنے شوہر کی پابند تھی۔ رہ گئی مردوں سے دوستی تو اُسے بہت زیادہ ترقی یافتہ طبقے میں بُری نظروں سے نہیں دیکھا جاتا۔

حمید سے اُس کی پرانی دوستی تھی۔ حالانکہ وہ دونوں عرصہ سے ملے نہیں تھے۔ مگر پھر بھی حمید اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ دوسروں کا ساتھ چھوڑ کر اُس سے مل بیٹھنا زیادہ پسند کرے گی۔ حمید جیسے جان محفل قسم کے لوگوں کے لئے کسی قسم کی رکاوٹ کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔ اُس کی شناسا عورتیں اُسے ہر حال میں پسند کرتی تھیں۔ وجہ یہ تھی کہ وہ انہیں خواہ مخواہ بور نہیں کرتا تھا۔ نہ اُس نے آج تک کسی سے شادی کی درخواست کی تھی اور نہ وہ "اظہار محبت" جیسی لچر حرکت کا قائل تھا۔

نو بجے کے قریب شاہینہ آگئی۔ وہ تنہا ہی تھی۔ ہال میں داخل ہو کر اُس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ اُس کے کئی شناسا اپنی جگہوں سے اٹھے۔ حمید چپ چاپ بیٹھا رہا۔ وہ اپنی میز پر تنہا تھا۔ حمید اُسے کنکھیوں سے دیکھتا رہا۔ اتفاق سے وہ اُس کے قریب ہی کی ایک میز پر آ بیٹھی۔ اُس کے مختلف شناسا مختلف میزوں سے اٹھے تھے غالباً اسی لئے شاہینہ نے ایک خالی میز کا انتخاب

کیا تھا۔

بیٹھتے ہی اُس کی نظر حمید پڑی اور حمید نے بہت ہی مودبانہ انداز میں جھک کر اُسے سلام کیا۔

"ہیلو....!" شاہینہ اپنی باریک سی آواز میں چیخی اور اٹھ کر حمید کے پاس آ بیٹھی۔

"جب سے تمہیں کیپٹن کا اعزاز ملا ہے تم بہت مغرور ہو گئے ہو۔" اُس نے کہا۔

"مگر سنئے تو محترمہ....!" حمید بڑی سنجیدگی سے بولا۔ "اس وقت مجھے جو اعزاز نصیب ہوا ہے جلد بازی کی صورت میں اُسے کھونا پڑتا ابھی دوسروں کا بھی انجام دیکھ چکا ہوں۔"

"بڑے چالاک ہو۔" شاہینہ مسکرا کر بولی۔ "ان لوگوں سے تو میں تنگ آ گئی ہوں۔ خواہ مخواہ بور کرتے ہیں۔ اس وقت یہ کہہ کر جان بچائی ہے کہ مجھے کچھ لڑکیوں کا انتظار ہے اور سناؤ تم آج کل کیا کر رہے ہو؟"

"شادی کی فکر کر رہا ہوں۔"

"جھک مار رہے ہو۔" شاہینہ مسکرا کر بولی۔

"جھک مارنا تو ہے ہی۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "اس سلسلے میں سینکڑوں نجومیوں کو ہاتھ دکھائے جب اُن پر سے اعتماد اٹھ گیا تو خود ہی علم نجوم کا مطالعہ شروع کر دیا۔ لہٰذا اب یہ عالم ہے کہ میں اپنی پچھلی سات پشتوں کی شادیوں کا بھی پتہ لگا سکتا ہوں۔"

شاہینہ ہنسنے لگی۔

"تم مذاق سمجھتی ہو۔ اچھا آزما کر دیکھ لو۔ اگر کچھ غلط بتاؤں تو اسی میز پر مرغا بنا دینا۔"

"تم بھی بور کرو گے شاید....!"

"دیکھو تاؤ نہ دلاؤ مجھے۔" حمید اپنی جیب سے ایک سادے کاغذ کا ٹکڑا اور فاؤنٹین پن نکال کر اُس کے سامنے پٹختا ہوا بولا۔ "لکھو....!"

"کیا لکھوں؟"

"تاریخ پیدائش اور والدین کے نام....!"

"اُس سے کیا ہوگا؟"

"ابھی کچھ کہہ دوں گا تو چیخنا کراٹھ جاؤ گی۔" حمید جھلا کر بولا۔

"آخر کچھ بتاؤ بھی تو کیپٹن مکی ماؤس.... لٹل ڈیئر۔" اُس نے چھیڑنے والے انداز میں کہا۔

"دیکھو! آج کل میرا موڈ بہت خراب رہتا ہے اور میں کسی کی بھی مروت نہیں کرتا۔"

"اچھا تو اب تمہارا موڈ بھی خراب رہنے لگا ہے؟"

"میں کہہ رہا ہوں مجھے چڑاؤ مت....!"

"مگر ڈیئرم! تاریخ پیدائش کس لئے؟"

"اگر کوئی پامسٹ تاریخ پیدائش یا عمر کے بغیر کچھ بتائے تو وہ اُلو کا پٹھا ہے۔"

"مگر والدین کا نام....؟"

"میں نجوم اور پامسٹری دونوں کو ساتھ لے کر چلتا ہوں۔ ایک دائیں جیب میں اور دوسری بائیں جیب میں۔"

شاہینہ فاؤنٹین پن اٹھا کر ہنستی ہوئی لکھنے لگی۔

حمید کاغذ ہاتھ میں لئے کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا پھر اٹھتا ہوا بولا۔

"اچھا تو میں ذرا غسل خانے میں ہو لوں.... تاکہ اطمینان سے....!"

"واقعی آج کل سنکے ہوئے معلوم ہو رہے ہو۔" شاہینہ مضحکہ اڑانے والے انداز میں مسکرائی۔

حمید وہاں سے اٹھ کر غسل خانے میں آیا اور جیب سے فریدی کا دیا ہوا خط نکال کر اُس سے کی تحریر ملانے لگا۔

اُسے مایوسی نہیں ہوئی اور وہ فریدی کے ذہن رسا کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ دونوں یں سو فیصدی ایک ہی ہاتھ کی تھیں۔

وہ سنکیوں کے سے انداز میں غسل خانے سے واپس آ کر بیٹھ گیا۔ چند لمحے بیٹھا تاریخ پیدائش کاغذ سے پنکھا جھلتا رہا۔ پھر چونک کر شاہینہ سے بولا۔ "بایاں ہاتھ لاؤ۔"

شاہینہ نے بایاں ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "واقعی تم بور ہو گئے ہو۔"

"تو اس وقت تمہاری عمر پچیس سال ہے۔" حمید بڑبڑایا اور فاؤنٹین پن اٹھا کر اُس کی عمر کی پر کچھ نشانات لگائے۔ چند لمحے پیشانی پر شکنیں ڈالے اُس کی ہتھیلی پر نظریں جمائے رہا پھر

"آج کل تمہارا ماضی تمہارے لئے تکلیف دہ ہو رہا ہے۔"

"کیا مطلب....؟" شاہینہ نے چونک کر اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

حمید خلا میں گھورتا ہوا سنکیوں کی طرح بڑبڑاتا رہا۔ "ماضی کی بدولت مالی نقصان کا پتہ چلتا تم آج کل بہت زیادہ پریشان ہو۔ ماضی کا اثر حال پر پڑنے کا اندیشہ ہے... ذرا ہاتھ پھر دینا۔"

اس نے بدستور خلا میں گھورتے ہوئے شاہینہ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ پھر چونک کر اُس کے پر نظر جما دی۔

"کیوں.... کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟" اُس نے آہستہ سے پوچھا۔ "میں نے بالکل ٹھیک کہا

ہے۔ تمہارے چہرے پر پریشانی کے آثار ہیں۔"

"تم نے سچ مچ بور کر دیا۔" شاہینہ جلدی جلدی سانس لیتی ہوئی بولی۔ "میں بڑے اپ میں تھی۔"

"کیا اس موجودہ پریشانی سے نجات حاصل کرنے کو دل نہیں چاہتا؟" حمید نے نر میں پوچھا۔

وہ آنکھیں پھاڑ کر حمید کو گھورنے لگی۔

"آخر تمہارے دل میں کیا ہے؟" اُس نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر آہستہ سے پوچھا۔

"تمہیں آج کل کوئی بلیک میل کر رہا ہے ننھی بچی!"

شاہینہ گھبرا کر اپنی ہتھیلی کی طرف دیکھنے لگی۔ بالکل اُسی انداز میں جیسے ہتھیلی کی لکیروں کو مٹا دینے کا ارادہ رکھتی ہو۔

"کیوں کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

شاہینہ تھوک نگل کر رہ گئی پھر سر جھکا لیا۔

"کیا تم حمید پر اعتماد نہیں کرتیں... ایسے معاملات میں وہ مر جانے کی حد تک سنجیدہ ہو جاتا

"یہاں سے کہیں اور چلو۔" وہ اُسکے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر آہستہ سے بولی اور اب وہ اس گھبرائی ہوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی جیسے اُس کے جسم کا کوئی حصہ کھل گیا

"کہاں چلو گی؟"

"کہیں بھی.... جہاں بھیڑ بھاڑ نہ ہو۔"

"کافے کاسینو کا کوئی کیبن ہی مناسب ہوگا۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔

وہ دونوں وہاں سے اٹھ گئے۔ شاہینہ کے شناساؤں میں سرگوشیاں ہونے لگیں۔ لیکر نے کسی طرف دیکھا تک نہیں۔

حمید نے ایک ٹیکسی کی اور وہ کافے کاسینو کی طرف روانہ ہوگئے۔ حمید اُس کی پھولتی سانسیں محسوس کر رہا تھا لیکن اُس نے اُسے چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ خود ہی

"میں سچ مچ بہت پریشان ہوں.... بہت زیادہ.... لیکن تم سے بھی خوف معلوم ہوتا۔

"کیوں.... مجھ سے خوف کی وجہ؟"

"کیونکہ تم سرکاری آدمی ہو.... ڈر ہے کہیں بات کا بتنگڑ نہ بن جائے۔"

"کیا تم مجھے اتنا احمق سمجھتی ہو۔ اگر تمہارا کوئی کام ہے تو میں اُسے نجی طور پر کروں

بھی عجیب اتفاق ہے ورنہ شاید ہم پچھلے چھ ماہ سے نہیں ملے۔"

"کیا ہاتھ کی لکیریں اتنی سچی باتیں بتا سکتی ہیں؟"

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔" حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ "نجوم اور پامسٹری کو گڈمڈ کر کے میں ہمیشہ صحیح نتائج اخذ کرتا ہوں۔"

شاہینہ کچھ نہیں بولی۔ دونوں نے بقیہ راستہ خاموشی ہی سے طے کیا۔

کافے کاسینو میں زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔ وہ ایک الگ تھلگ فیملی کیبن میں جا بیٹھے۔

"واقعی مجھے بلیک میل کیا جا رہا ہے۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولی۔ "اور میں اب تک پندرہ ہزار روپے بھگت چکی ہوں۔ یہ سلسلہ کہاں ختم ہوگا.... خدا ہی جانے۔"

"بلیک میلنگ کی وجہ؟" حمید نے ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔

"وجہ بھی بتانی پڑے گی۔" شاہینہ جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"اگر ضرورت سمجھو تو بتا دو.... ورنہ میں مجبور نہیں کروں گا۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"بات زیادہ اہم نہیں ہے.... لیکن.... میں نہیں چاہتی کہ میرے شوہر کے دل میں میری طرف سے ذرا سی بھی خلش پیدا ہو۔ میں اُسے بے حد پسند کرتی ہوں۔ وہ عورتوں کے معاملے میں بالکل بچہ ہے۔ بالکل بچہ.... میں اُس سے بے تحاشہ محبت کرتی ہوں۔ وہ میرے متعلق ذرا ذرا سی باتیں جاننا چاہتا ہے۔ شکی مزاج کا ہے۔ مگر جنسی معاملات میں اُس نے مجھے پوری پوری آزادی دے رکھی ہے مگر وہ پھر بھی میری طرف سے مشکوک رہتا ہے۔ مجھ پر اعتماد کرتا بھی ہے اور نہیں بھی کرتا۔ ہم دونوں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے گفتگو کر رہے ہیں۔ اگر وہ ہمیں اس طرح دیکھ لے تو اُسے کوئی اعتراض نہیں ہوگا.... لیکن اگر میں تمہارے برابر بیٹھ جاؤں تو وہ بُری طرح بے چین نظر آنے لگے گا اور اُس وقت تک اُس کا اضطراب کم نہیں ہوگا جب تک کہ میں اٹھ نہ جاؤں۔"

"بہت بُری عادت ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"اچھی ہو یا بُری۔ مجھے پسند ہے.... مجھے اُس کی یہ عادت کسی ایسے بچے کی عادت معلوم ہوتی ہے جس نے اپنی ماں کی گود میں کسی دوسرے کا بچہ دیکھ لیا ہو۔"

"اوہ خطرناک مرض! تم مامتا والے کومپلکس کا شکار ہو۔"

"ختم کرو۔" وہ ہاتھ جھٹک کر بولی۔ "میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ وہ میری ٹوہ میں رہتا ہے۔ لب اگر ایسی صورت میں اُس کی نظروں سے کوئی ایسی تصویر گذر جائے جس میں میرا بازو ایک

دوسرے مرد کے بازو میں ہو تو اُس کا کیا حال ہوگا.... حالانکہ یہ واقعہ شادی سے بہت پہلے ہے.... لیکن اُسے بہت دکھ پہنچے گا۔ میں اُس سے ابھی تک یہی کہتی رہی ہوں کہ میری زندگی میں اُس کے علاوہ اور کوئی نہیں داخل ہوا۔ اور یہ حقیقت بھی ہے لیکن وہ کسی دوسرے کے ساتھ میری تصویر ہرگز نہ دیکھ سکے گا۔"

"تو کیا تمہیں وہی بلیک میل کر رہا ہے جس کے ساتھ تمہاری تصویر ہے؟"

"نہیں وہ بے چارہ تو کبھی کا مر کھپ گیا۔ وہ پائلٹ تھا.... ایک ہوائی حادثے میں اُس کا خاتمہ ہو گیا تھا۔"

"بڑی بے دردی سے اُس کا تذکرہ کر رہی ہو؟"

"اُس نے مجھے دھوکا دیا تھا۔ میں اُسے سچ مچ چاہتی تھی۔"

"چاہنے سے تو میں تنگ آ گیا ہوں۔ خیر.... تو پھر تمہیں کون بلیک میل کر رہا ہے؟"

"میں اُس کی شخصیت سے ناواقف ہوں۔ ابھی حال ہی میں اُس نے پھر دس ہزار کا مطالبہ کیا ہے لیکن میں کہاں تک ادا کرتی رہوں۔ مجھے اپنے شوہر پر رحم آتا ہے۔"

"تو وہ تمہارے سامنے آیا ہی نہیں۔"

"آیا تھا.... لیکن اُس نے اپنا نام نہیں بتایا۔ انتہائی پُراسرار آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"حلیہ تو بتا سکو گی.... یا وہ بھی نہیں؟"

"ایک مولوی قسم کا انگریز۔ میں نے کسی داڑھی والے کو اتنا اسمارٹ نہیں دیکھا۔ بے شکن لباس۔ کالر دودھ کی طرح بے داغ۔ پتلون کی کریز تلوار کی دھار کی طرح اور شاید اُسے دستار پہننے کا خبط ہے۔"

"دستانے....!" حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔

❁

دس ہی بجے سے بوندا باندی شروع ہو گئی تھی اور آسمان کا رنگ بتا رہا تھا کہ کسی وقت بھی تیز قسم کی بارش ہو سکتی ہے۔

شیکھر اور صفدر سیاہ سوٹوں میں ملبوس سڑک کے کنارے کھڑے شاید کسی کا انتظار کر رہے تھے۔ اُن کے ہاتھوں پر برساتیاں بھی تھیں۔

"کسی طرح اس چکر سے نکلنا ہی چاہئے۔" صفدر بڑبڑایا۔

"یار تمہاری جلد بازی سے میں تنگ آ گیا ہوں۔"

"یاد رکھو شیکھر.... اسے لکھ لو! وہ ہمیں کسی زبردست جال میں پھانس رہا ہے۔ وہ ایک بہت اشاطر ہونے کے باوجود بھی ہمیں کیوں اس آگ میں دھکیل رہا ہے۔ لڑکی کا اغواء ایک بہت ہی معمولی بات تھی۔ وہ ہمارے پیچھے عرصہ سے لگا رہا ہوگا۔ ورنہ اُس کے پاس اُس موقعہ کی تصویر کہاں سے آئی اور ہم نے تو اُسے ریوالور دکھا کر صرف اُس کی رقم چھینی تھی اور پھر تیسرے دن اخبارات میں ہمیں اُس کی لاش کی تصویر دکھائی دی۔ میرا دعویٰ ہے کہ اُسے اسی حرام زادے نے قتل کیا ہے۔ اُس موقعہ کی تصویر وہ پہلے ہی لے چکا ہوگا۔ اس کے بعد اُسے قتل کر کے ہماری گردنیں دبوچ لیں۔ ظاہر ہے اب ہم بالکل اُس کی مٹھی میں ہیں۔"

"میں سمجھتا ہوں...." شیکھر بولا۔

"اس کے باوجود بھی تم آنکھیں بند کر کے اُس کے اشاروں پر ناچ رہے ہو۔"

"یار میں تمہیں کس طرح سمجھاؤں۔"

"میں سمجھ چکا ہوں....!" صفدر بولا۔ "ہمارے سروں پر موت منڈلا رہی ہے۔"

"دیکھا جائے گا۔" شیکھر جھلا کر بولا۔ "کیا اس مصیبت کے ہم ذمہ دار ہیں۔ یہ بلا تو آسمان سے نازل ہوئی ہے۔"

"خیر....!" صفدر خاموش ہو گیا۔

بوندیں رک گئیں تھیں۔ لیکن بادل اب بھی گرج رہے تھے۔

شاید دس ہی منٹ بعد سیاہ رنگ کی ایک لمبی سی کار اُن کے قریب آ کر رک گئی اور اس میں سے ایک چھوٹا سا لڑکا اُترا جس کے جسم سے چیتھڑے جھول رہے تھے۔ اُس نے اُن کی طرف ایک لفافہ بڑھایا اور بھاگتا ہوا قریب ہی کی ایک گلی میں گھس گیا۔

شیکھر نے بڑی بے صبری سے لفافہ چاک کیا۔

"پھر وہی ٹائپ کیا ہوا خط۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا اور خط پڑھنے لگا۔

"تم دونوں مجھے وہیں ملو.... یا میں راستے ہی میں کہیں مل جاؤں گا.... اسی کار پر بیٹھ جاؤ۔"

خط اُس نے صفدر کی طرف بڑھا دیا۔ صفدر خط پڑھ کر ہنس پڑا۔ لیکن اُس کی ہنسی بڑی زہریلی تھی۔

"کیا خیال ہے؟" اُس نے شیکھر سے پوچھا۔ لہجے میں طنز تھا۔

"چلو بیٹھو! وہ بھی ہم سے خائف ہی ہے۔ جانتا ہے کہ موقع ملتے ہی ہم اُس کی گردن ناپ دیں گے۔"

دونوں کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ اُن کے بیٹھتے ہی کار بھی چل پڑی۔ ایسا معلوم ہو رہا جیسے ڈرائیور کو پہلے ہی سے ہدایات دے دی گئی ہوں۔ انہوں نے دو ایک بار ڈرائیور کو مخاطر کرنا چاہا لیکن ناکام رہے۔ اُس کا چہرہ تاریکی میں تھا اور اگر کہیں سامنے سے روشنی پڑتی بھی تھی تو پیچھے کی طرف جھک جاتا تھا۔

اُن دونوں نے محسوس کیا کہ وہ شہر کی روشن سڑکوں سے گذرنے سے گریز کر رہا ہے اور پھ وہ کار بالکل ہی شہر کے باہر نکل آئی۔ دونوں خاموشی سے بیٹھے رہے۔

کچھ دور چلنے کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ کار اب بھی شہر کی طرف مڑ رہی ہے ڈرائیور غالباً ویران علاقوں سے گذر کر شہر کے کسی مخصوص حصے میں پہنچنا چاہتا تھا۔

صفدر اور شیکھر خاموش تھے۔ صفدر نے دو ایک بار کچھ کہنے کی کوشش کی تھی لیکن شیکھر نے اُسے روک دیا۔

اچانک ایک جگہ کار رک گئی اور ڈرائیور نیچے اُتر گیا۔

"اُترو.....!" اُس نے کہا اور اُس کی آواز سن کر وہ دونوں اچھل پڑے کیونکہ آواز اُس گمنام آدمی کے علاوہ اور کسی کی نہیں تھی۔

وہ دونوں چپ چاپ اُتر آئے۔ لیکن پھر صفدر خاموش نہ رہ سکا۔

"آخر.....اس طرح.....!"

"فکر نہ کرو.....!" اُس نے اُس کی بات کاٹ دی۔ "ہر آدمی کا طریق کار الگ ہوتا ہے۔"

"اب بھی آپ ہم لوگوں پر اعتماد نہیں کر سکتے؟" شیکھر نے احتجاجاً کہا۔

"اوہ.....کیوں نہیں۔ اس سے بدگمانی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ مجھے تم دونوں کی حفاظت کا بھی خیال ہے۔ اچھا دیکھو! فریدی کی کوٹھی سے صرف ایک فرلانگ کے فاصلے پر ہیں۔ یعنی ہم کوٹھی کی پشت پر ہیں۔ پہلے ہمیں ایک چہار دیواری سے گذرنا پڑے گا جس کے اندر باغات.....کا سلسلہ ہے اور کوٹھی وسط میں واقع ہے۔ کوٹھی تک پہنچنے کے لئے چہار دیواری سے تقریباً ایک فرلانگ کا راستہ طے کرنا پڑے گا۔"

دونوں چپ چاپ اُس کے ساتھ چل پڑے۔ یہاں چاروں طرف تاریکی کی حکمرانی تھی۔

"بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔" گمنام آدمی بولا۔ "وہاں صرف کتوں ہی سے مڈبھیڑ کا اندیشہ ہے۔ خیر اس کا انتظام میں نے کر لیا ہے۔"

"کیا انتظام کر لیا ہے؟" شیکھر نے پوچھا۔

"وہ سب تمہیں سوتے اور اونگھتے ہوئے ملیں گے۔ میں نے انہیں ایک نشہ آور دوا دلوادی ہے۔"

وہ پھر خاموشی سے راستہ طے کرنے لگے۔

چہار دیواری کے نیچے پہنچ کر وہ رک گئے۔ تھوڑی دیر تک اُن میں سرگوشیاں ہوتی رہیں۔ گمنام آدمی نے ایک پتلی سی دوڑ کا لچھا نکال کر ایک درخت کی شاخ کی طرف اچھال دیا۔ شاخ پر پھندا پڑ گیا۔ اُس نے رسی کو کھینچ کر پھندے کی مضبوطی کا اندازہ لگایا اور پھر صفدر رسی پکڑ کر اوپر چڑھنے لگا لیکن اُس نے جیسے ہی دیوار کے اوپر پہنچ کر پیر ٹکائے اندر سے ایک فائر ہوا۔ اس کے بعد اُس کے ساتھیوں نے نہ صرف اُس کی چیخ سنی بلکہ اُسے دوسری طرف گرتے بھی دیکھا۔

"بھاگو.....!" گمنام آدمی نے شیکھر کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا.....اور وہ تاریکی میں دوڑتے چلے گئے۔

دو شکار

فریدی شام کو کہیں جانے کے لئے تیار ہوا ہی تھا کہ اُسے نوکروں سے ایک اطلاع ملی۔ اُن نے بتایا کہ سارے کتے شام کا راتب کھانے کے بعد سے اونگھ رہے ہیں۔

اگر حالات دوسرے نہ ہوتے تو فریدی شاید اُس کے متعلق کچھ سوچنا بھی پسند نہ کرتا۔ لیکن اُس نے کتوں کی حالت ابتر پائی۔ راتب کے بچے کھچے میں سے اُس نے کچھ اپنی تجربہ گاہ میں پہنچوا دیا اور پھر اُس کا تجزیہ کرنے کے بعد اُس نے اندازہ لگایا کہ وہ شام ایسی نہیں جسے گھر سے گزارا جائے۔

نہ تو اُس نے نوکروں سے باز پرس کی اور نہ کسی قسم کی تشویش کا اظہار کیا۔ ایک نوکر کے استفسار پر اُس نے جواب دیا۔ "راتب تو ٹھیک ہی تھا۔ شاید یہ موسم کا اثر ہے۔ ٹھیک ہو جائیں گے۔"

لیکن یہ فریدی کے نوکر تھے۔ اُن کی تشفی نہ ہوئی۔ اُن میں سے ہر ایک اپنی صفائی پیش کرنے لگا۔

"فکر نہ کرو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "اگر کچھ ہے بھی تو میں اس کا ڈھنڈورا نہیں پیٹنا چاہتا اور تم مطمئن رہو۔ مجھے تم سب پر اعتماد ہے یہ حرکت میرے کسی آدمی کی نہیں۔ خیر ویسے یہ بتاؤ کیا راتب کا گوشت دھویا بھی جاتا ہے؟"

"نہیں سرکار.....!" باورچی بولا۔ "وہ تو آپ ہی نے منع کر دیا تھا۔"

"ٹھیک.... جو کچھ تھا گوشت ہی میں تھا۔"

نوکر وقتی طور پر مطمئن ہو کر اپنے کاموں میں لگ گئے اور فریدی بھی بظاہر بے فکر نظر آنے لگا۔ لیکن اُس نے باہر جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔

حمید اس واقعے سے پہلے ہی جا چکا تھا۔ اُسے اس بات کا علم نہیں تھا۔ لہٰذا جب وہ گیارہ کے قریب شاہینہ سے مل کر واپس آیا تو کمپاؤنڈ میں قدم رکھتے ہی اُسے کچھ عجیب سا احساس ہوا۔ پھاٹک ہی پر رک گیا۔ آخر کیا بات ہے؟ وہ سوچنے لگا۔ عجیب قسم کا سناٹا تھا۔ پھر اچانک اُسے آیا کہ آج رکھوالی کرنے والے السیشن کتے غرائے تک نہیں۔

سامنے برآمدے کا بلب روشن تھا۔ وہ بہت تیز چلتا ہوا پورچ تک آیا۔ یہاں ایک نوکر سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ وہ دبے قدموں چلتا ہوا شاگرد پیشے کی طرف جا رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟" حمید نے اُسے روک کر پوچھا۔

"صاحب کچھ گڑبڑ ہے۔ صاحب اُدھر پیچھے ہیں۔"

"لڑکی کہاں ہے؟" حمید نے بے ساختہ پوچھا۔

"صاحب نے اُسے کمرے میں بند کر دیا ہے۔ کتے سو رہے ہیں۔"

"کتوں کو میں نے کب پوچھا تھا بے۔" حمید نے اُس کی گردن پکڑ لی۔ وہ سمجھا شاید وہ اُ مذاق اڑانے کی کوشش کر رہا ہے۔

"ارے سرکار.... خدا کی قسم اُن میں کچھ گھٹالا ہو گیا ہے۔"

"اوہ....!" حمید گردن چھوڑتا ہوا بولا۔ "وہ اُدھر اکیلے ہی ہیں؟"

"جی ہاں....!"

معاملہ کچھ کچھ حمید کی سمجھ میں آ رہا تھا۔ وہ تیزی سے اندر گیا اور پھر اپنا ریوالور لے بھی کوٹھی کی پشت کی طرف چل پڑا۔ اُدھر تاریکی کا راج تھا۔ ایسی حالت میں یہ ضروری نہیں کہ وہ فریدی تک پہنچ ہی جاتا۔ معلوم نہیں وہ کہاں رہا ہو۔

حمید جیسے ہی عمارت کی پشت پر پہنچا اُس نے ایک فائر کی آواز سنی ساتھ ہی کسی کی چیخ میں لہرا کر رہ گئی اور پھر شاید وہ کسی وزنی چیز کے بلندی کی گرنے کی آواز تھی۔

کوئی دوڑ رہا تھا۔ حمید بھی آواز کی طرف جھپٹا۔

آخری سرے پر چہار دیواری کے نیچے اُسے ایک دھندلا سا انسانی سایہ دکھائی دیا۔ اُس ریوالور کے دستے پر اپنی گرفت مضبوط کر لی اور اُس نے بھی دوڑنا شروع کر دیا تھا۔

"کون ہے؟" فریدی کی جھلائی ہوئی آواز فضا میں گونج کر رہ گئی۔

"مم.... میں ہوں....!" حمید کے حلق سے پھنسی ہوئی آواز نکلی۔

فریدی جھپٹ کر اُس کے قریب آیا اور اُس کا کالر پکڑ کر جھنجھوڑتا ہوا بولا۔ "تم نے فائر کیوں کیا؟"

"میں نے....!" حمید نے حیرت سے کہا۔ "نہیں خدا کی قسم.... ہرگز نہیں۔"

فریدی نے اُس کا ریوالور چھین کر اُس کی نال سونگھی اور پھر اُسے واپس کرتا ہوا بولا۔ "پھر کس نے فائر کیا۔ اچھا تم وہیں اس کے پاس ٹھہرو۔ میں ابھی آیا۔" فریدی اُس کے ہاتھ میں ٹارچ دے کر بھاگتا ہوا کوٹھی کی طرف چلا گیا۔

حمید دیوار کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ ٹارچ روشن کی۔ اُس کے سامنے ایک سیاہ پوش آدمی پیٹ کے بل زمین پر پڑا ہوا تھا۔ اُس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ شاید وہ کہنیاں ٹیک کر اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ حمید اُسے سہارا دینے کے لئے جھکا ہی تھا کہ اُسے فریدی کی آواز سنائی دی۔

"ٹھہرو....!" وہ اُس کے قریب پہنچ گیا۔

پھر جیسے ہی اُس نے زخمی آدمی کو سیدھا کیا۔ حمید کے منہ سے ہلکی سی تحیر زدہ آواز نکلی۔

"ارے یہ تو صفدر ہے۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔

فریدی اُس پر جھکا ہوا تھا۔ چند لمحے بعد اُس نے کہا۔ "گولی ران میں لگی ہے۔"

"لیکن فائر کس نے کیا؟ میرا دعویٰ ہے کہ فائر اندر ہی سے ہوا ہے۔ آواز رائفل کی تھی۔" فریدی بولا۔

"لیکن یہ تھا کہاں....؟"

فریدی نے دیوار کے اوپری حصے کی طرف انگلی اٹھائی۔

ٹارچ کی روشنی میں حمید کو ایک پتلی سی ڈور دکھائی دی جو ایک درخت کی شاخ سے الجھی ہوئی دیوار کی دوسری جانب جھول رہی تھی۔

"رشید اور سلیمان کو بلاؤ۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد صفدر کوٹھی میں ایک صوفے پر پڑا کراہ رہا تھا۔ فریدی اور حمید کے ساتھ وہاں گونگی لڑکی بھی موجود تھی۔

فریدی نے اشارے سے پوچھا کہ کیا وہ صفدر کو پہچانتی ہے۔ لڑکی نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"صفدر....!" فریدی نے صفدر کو مخاطب کیا۔ "بہتر یہی ہے کہ تم پولیس کے آنے سے

قبل مجھے بیان دے دو۔ اتنا تو میں جانتا ہوں کہ تم نے خود سے کبھی یہاں آنے کی جرأت نہ کی ہوگی۔"

"میں بتادوں گا۔" صفدر کراہا۔ "میں بتاتا ہوں.... وہ کمینہ.... مکار....!"

"کیا اس لڑکی کو اغوا کرنے والوں کے ساتھ تم بھی تھے؟"

"تھا....!" صفدر زور سے کراہا۔

"اور کون تھا تمہارے ساتھ....؟"

"شیکھر....!"

"کیا یہ تم نے کسی دوسرے کے کہنے سے کیا تھا....؟"

"اُف.... ہاں.... وہ سور کا بچہ۔"

"کون....!"

"میں نہیں جانتا.... اُس نے اپنا نام آج تک نہیں بتایا۔ ذرا.... ٹھہریئے.... پانی.... آہ۔"

اُس کے لئے فوراً پانی لایا گیا۔ اتنی دیر میں وہ نوکر بھی واپس آگئے جنہیں فریدی نے کوٹھی کا کونا کونا چھان مارنے کا حکم دیا تھا.... اُن میں سے ایک کے ہاتھ میں ایک رائفل تھی۔

"صاحب یہ چھت پر ملی ہے!" اُس نے فریدی سے کہا۔

"کیا.... یہ تو میری ہی ہے۔" فریدی اُسے اس کے ہاتھ سے لیتا ہوا بولا۔ پھر وہ اُس کی نال سونگھ کر حمید سے مخاطب ہوا۔ "تھوڑی ہی دیر قبل یہ چلائی گئی ہے۔ ذرا تم.... دیکھو....!" حمید نوکروں کے ساتھ باہر چلا گیا۔

صفدر انتہائی تکلیف کے عالم میں ہونے کے باوجود بھی انہیں حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"ہاں تم ابھی کسی آدمی کا تذکرہ کر رہے تھے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا آپ نے اُس لڑکی سے... اُف... نہیں پوچھا.... کہ یہ سب... کیا.... ہو رہا ہے؟"

"یہ لڑکی گونگی ہے۔" فریدی بولا۔

"گونگی....!" صفدر تقریباً چیخ پڑا۔ پھر اس طرح بڑبڑانے لگا۔ جیسے خود سے مخاطب ہو۔ "آخر.... وہ اسے کیوں.... اغواء کرنا چاہتا ہے۔"

"تم نے ابھی تک اُس آدمی کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔" فریدی نے اُسے ٹوکا۔

صفدر نے سسکیوں اور کراہوں کے درمیان میں اٹک اٹک کر اُس پُراسرار آدمی کی داستان دہرادی جس نے اُسے اور اُسکے ساتھی کو بلیک میل کر کے پھانس لیا تھا۔ فریدی غور سے سنتا رہا۔ جب صفدر خاموش ہوا تو اُس نے پوچھا۔ "تو کیا سچ مچ تم دونوں نے اُس آدمی کو مار ڈالا تھا....؟"

ہرگز نہیں.... ہم نے ریوالور دکھا کر صرف اُس کے روپے چھینے تھے۔ پھر دوسرے یا دن ہم نے اخبارات میں اُس کی لاش کی تصویر دیکھی۔ میرا دعویٰ ہے کہ اُس مردود نے میں بلیک میل کرنے کے لئے اُس آدمی کو مار ڈالا۔"

ہو سکتا ہے۔ مگر کیا میں اس داستان پر واقعی یقین کرلوں؟"

سنئے.... میں اُس آدمی کے چکر میں پھنسنے پر پھانسی کو ترجیح دینا پسند کروں گا۔ لیکن ئے.... آپ لوگوں کی گفتگو سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ مجھ پر آپ میں سے کسی نے گولی لائی۔"

ہاں.... یہ حقیقت ہے۔" فریدی نے کہا۔

آہ.... تب تو یہ اُسی.... نطفہ حرام کی حرکت معلوم ہوتی ہے۔ اب ہم سے پیچھا چھڑانا ہے.... ہمیں یہاں لاکر اس لئے قتل کرنا چاہتا تھا کہ.... آہ.... اُف.... اب میری قوت ت جواب دے رہی ہے.... پولیس کب آئے گی؟"

"بس آرہی ہوگی.... لیکن.... تم کیا کہنا چاہتے تھے۔ وہ تمہیں یہاں لاکر....!"

"جی ہاں.... تاکہ آپ اسے صفدر اور شیکھر کی حرکت سمجھ کر کوئی اہمیت نہ دیں۔ مگر میں ں کہ یہ کوئی بہت گہرا راز ہے آخر وہ ایک گونگی لڑکی کے لئے اتنا روپیہ پانی کی طرح کیوں بہا ہے۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اُس نے کہا۔ "کیا تم مجھے اُس آدمی کا حلیہ بھی نہ بتا سکو گے؟"

"اوہ حلیہ....!" صفدر کراہا۔ "حلیہ عجیب ہے۔ شکل ملاؤں جیسی اور لباس انگریزی۔ داڑھی ے رنگ کی۔ آنکھوں پر سیاہ شیشوں کی عینک لگاتا ہے اور ہاں سب سے زیادہ عجیب بات یہ کہ ڑی گرمی میں بھی میں نے ابھی تک اُسے دستانوں کے بغیر نہیں دیکھا۔"

"کس کے بغیر....؟" فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"دستانے.... دستانے.... وہ آج کل بھی دستانے پہنتا ہے۔"

فریدی نے ایک گہری سانس لی اور گونگی لڑکی کی طرف دیکھنے لگا جو صفدر کے زخم پر نظر ئے کھڑی تھی۔

"مگر سنو تو....!" فریدی نے کچھ دیر بعد صفدر سے کہا۔ "وہ آدمی تو تمہارے ساتھ تھا.... ہاں سے گولی کس نے چلائی ہوگی۔"

"اس کے لئے کیا مشکل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اُس نے آپ ہی کے کسی آدمی کو پھانس لیا ہو۔

بلیک میلر تو ہے ہی۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ "اچھا صفدر میں یقین کیے لیتا ہوں۔ لیکن میں پولیس کو جو کچھ بھی بیان دوں تم اُس کی تردید نہ کرنا۔ رپورٹ میں یہ ہوگا کہ میں نے ہی تم پر گولی چلائی تھی اور تم یہ بیان دو گے کہ تم یہاں چور نیت سے آئے تھے۔ سمجھ گئے.... اگر تم نے اس کے خلاف کیا تو تمہارے ساتھی شیکھر کی لازمی ہو جائے گی۔"

"میں سمجھ گیا.... آپ جو کچھ کہیں میں کرنے کو تیار ہوں۔ موت اور جیل خانے میں و آسمان کا فرق ہے۔ اپنے جرائم کا اعتراف کرنے کے بعد میں پھانسی کا مستحق نہیں قرار دیا جا لیکن اُس خطرناک آدمی سے اشتراک کرنا موت کو دعوت دینا ہے۔"

ابھی گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ انسپکٹر جگدیش ایک سب انسپکٹر اور تین چار کانسٹیبلوں ساتھ آ گیا۔

صفدر کا بیان وہی تھا جو اُسے چند منٹ پیشتر فریدی نے بتایا تھا اور فریدی نے بھی یہی بیا کہ میں نے اُسے اپنا کوئی دشمن سمجھ کر فائر کر دیا تھا۔

بیانات ختم ہو جانے کے بعد جگدیش نے صفدر کو اٹھوا کر ایک ایمبولینس کار میں ڈلوا کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں کھڑی تھی۔

حمید نے عمارت اور کمپاؤنڈ کا چپہ چپہ چھان مارا مگر کوئی ایسا سراغ نہ ملا جس سے گولی چا والی شخصیت پر روشنی پڑ سکتی۔

وہ تھکا ہارا واپس آ گیا۔ کمرے میں فریدی اور گونگی لڑکی کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ کرسی پر بیٹھے بیٹھے سو گئی تھی اور فریدی ٹہل رہا تھا۔

"حیرت ہے۔" حمید بڑبڑایا۔ "جہاں رائفل پڑی پائی گئی تھی وہاں بھی کسی قسم کے نشا نہیں ملے۔"

"ہوں....!" فریدی رک کر اُسے گھورنے لگا۔ اُس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور آ سرخ تھیں۔ حمید بوکھلا گیا۔ وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی مسکرا کر بولا۔ "فکر نہ کرو کبھی کبھ بھی ہوتا ہے۔"

"یہ محترمہ یہیں سو گئیں۔" حمید نے لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"حمید صاحب! یا تو یہ لڑکی پکی فراڈ ہے یا پھر.... بہر حال دوسری صورت میں ہمیں

نہ سمجھنا چاہئے۔"

"کیوں....؟"

"میں نے دلیر سے دلیر عورتوں کو بھی کشت و خون کے موقعوں پر کانپتے دیکھا ہے۔ مگر اس کے چہرے پر ذرہ برابر بھی تغیر نہیں دکھائی دیا۔"

"ہوگا....!" حمید لاپروائی سے بولا۔ "مجھے تو یہ پاگل بھی معلوم ہوتی ہے۔ ہاں صفدر نے کیا یا؟"

"سن کر تمہارے سر کے بال کھڑے ہو جائیں گے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"یعنی....؟"

"اُسے ایک ایسے آدمی نے اس کام پر لگایا تھا جو گرمیوں میں بھی دستانے پہنتا ہے۔"

"اور داڑھی....؟" حمید بے ساختہ بولا۔

"جناب.... داڑھی بدستور....!"

"اچھا تو اب دوسری خبر کے لئے بھی تیار ہو جایئے۔" حمید نے کہا۔

"وہ کیا....؟"

"شاہینہ کو حقیقتاً بلیک میل کیا جا رہا ہے۔" حمید نے کہا اور واقعات دہرا دیئے۔ وہ اپنی تدبیر کا داد طلب انداز میں کر رہا تھا۔

"میرے ہی شاگرد ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اب آگے سنئے۔"

"کیا سناؤ گے؟" فریدی بے اختیار مسکرا پڑا۔ "یہی نا کہ اُسے بلیک میل کرنے والا بھی ں میں دستانے پہنتا ہے اور ڈاڑھی بدستور....!"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

"محض قیاس....!"

❁

شیکھر بے تحاشہ بھاگ رہا تھا۔ اُس کے پُر اسرار ساتھی نے اُسے کچھ سمجھنے بوجھنے کی مہلت ہی دی تھی۔ بس وہ اُس کا ہاتھ تھامے ہوئے بے تحاشہ دوڑ رہا تھا۔

کار کے قریب پہنچ کر اُس نے شیکھر کو اندر دھکیل دیا اور خود بھی اچھل کر بیٹھتے ہوئے کار سٹارٹ کر دی۔ جب شیکھر کو کچھ ہوش آیا تو اُسے اُس کی اس حرکت پر غصہ آنے لگا۔

"یہ تم نے کیا کیا؟"

"پھر کیا کرتا.... کیا تم بھی مرنا چاہتے تھے؟"

"تم عجیب آدمی ہو۔" شیکھر جھلا گیا۔

ہاں.... ہوں تو عجیب ہی۔"

"کیا یہ ضروری ہے کہ وہ مر ہی گیا ہو۔"

"فریدی کا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا۔ تم لوگوں نے اُس رات اُس پر فائر کر کے اچھا نہیں کیا تھا۔" شیکھر کا خون کھول رہا تھا۔

"تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ تمہارا یہی برتاؤ ہوتا ہے؟"

"مجبوری میرے دوست....!"

"تم تو بہت بہادر بنتے تھے۔"

"لیکن بہادری اور حماقت میں بڑا فرق ہے۔ بہادر صرف وہ ہے جو شیر کی طرح بہادر ہو لومڑی کی طرح چالاک ہو۔"

"وہ تو سب ٹھیک ہے۔ لیکن اس وقت میں نے اپنا دایاں ہاتھ کھو دیا۔ تم میرے بھائی کو مو کے منہ میں جھونک آئے.... اس لئے....!"

شیکھر نے جیب سے ریوالور نکال کر اُس کے پہلو سے لگا دیا۔

"خوب....!" گمنام آدمی ہنس پڑا۔ "شاباش دبا دو ٹریگر....!"

شیکھر نے ٹریگر دبا دیا.... اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اُس کے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسی چھوٹ پڑا۔ ریوالور خالی تھا۔

"چلو رکھ لو جیب میں.... میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ تمہیں بھرا ہوا ریوالور لے کر ا ساتھ چلنے دوں۔"

شیکھر چند لمحے خاموش رہا پر یکایک اُس پر دیوانگی کا دورہ پڑ گیا.... اُس نے گمنام آدمی گردن دبوچ لی۔

کار ایک زبردست جھٹکے کے ساتھ رکی.... اور پھر.... سڑک کے نیچے اُتر کر ایک درخ سے جا ٹکرائی۔

شیکھر اور وہ دونوں بیک وقت چیخے.... اور پھر دوسرے لمحے میں گمنام آدمی کار کے با تھا۔ حالانکہ شیکھر بھی زخمی ہو گیا لیکن وہ کسی نہ کسی طرح باہر نکل ہی آیا۔ اُس پر خون سوار ہو

تھا۔ اُس نے پھر گمنام آدمی پر چھلانگ لگائی.... لیکن شیکھر کا ستارہ ہی گردش میں آ گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اُس کی بے جان لاش زمین پر پڑی تھی اور گمنام آدمی اُس کے قریب ہی کھڑا ہانپ رہا تھا۔

اُس نے شیکھر کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ چند لمحے وہ اسی طرح کھڑا رہا پھر شیکھر کی لاش اٹھا کر کار میں ڈال دی۔

تھوڑی ہی دیر بعد کار کی ٹنکی ایک زبردست دھماکے کے ساتھ پھٹی اور اُس سے لپکیں اٹھنے لگیں.... مگر وہ پُراسرار آدمی اب وہاں نہیں تھا۔

دوسری صبح حمید دن چڑھے تک سوتا رہا۔ پچھلی رات شاید تین یا چار بجے وہ سویا تھا۔ قریب قریب ساری رات بھاگ دوڑ میں گذر گئی تھی۔ صفدر کے بیان کی تصدیق کرنے کے لئے اُس مکان پر بھی چھاپہ مارا گیا تھا جہاں پُراسرار آدمی نے صفدر کو شہر چھوڑ دینے کا مشورہ دیا تھا۔

وہاں چھاپہ تو مارا گیا لیکن جس کی تلاش تھی وہ نہ ملا نہ وہاں کوئی ایسی چیز ہی ملی جس سے اُس کی شخصیت پر روشنی پڑتی۔ مالک مکان سے استفسار پر معلوم ہوا کہ دو ماہ قبل وہ مکان کرایہ پر مکانات دینے والے ایک ایجنٹ کے سپرد کیا گیا تھا۔

پھر ایجنٹ نے ایک نئی بات بتائی۔ اُس کے بیان کے مطابق وہ مکان ایک برقعہ پوش خاتون نے کرائے پر حاصل کیا تھا.... ایجنٹ کے کاغذات میں اُس کا نام مسز ارشاد تحریر تھا۔ ایجنٹ عورت کا حلیہ نہ بتا سکا کیونکہ وہ اپنے چہرے پر نقاب ڈالے ہوئے تھی۔ اُس نے ایک سال کا پیشگی کرایہ ادا کر کے وہ مکان حاصل کیا تھا۔

یہاں پہنچ کر تفتیش کی گاڑی ٹھپ ہو گئی۔ مکان کسی عورت کے قبضے میں تھا۔ لیکن وہاں کوئی ایسی چیز نہ ملی جس سے یہ پتہ چلتا کہ یہاں کبھی کوئی عورت بھی رہی ہو گی۔

حمید اس تفتیش میں شریک تھا۔ فریدی نہیں آیا تھا۔ انسپکٹر جگدیش نے تو فریدی ہی کو لے جانا تھا مگر وہ شاید لڑکی کو تنہا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

بہرحال حمید بُری طرح تھک جانے کے بعد سویا تھا۔

نو بجے کے قریب خود بخود اُس کی نیند ٹوٹ گئی۔ دھوپ آنکھوں پر گراں گزر رہی تھی۔ اُس نے پھر سونے کی کوشش کی لیکن نہ سو سکا۔

کمرے سے نکلا ہی تھا کہ ایک نوکر نے اُسے ایک حیرت انگیز خبر سنائی۔ لڑکی غائب تھی۔ حمید بوکھلا کر فریدی کے کمرے کی طرف بھاگا۔

لیکن فریدی کو اُس نے جس حال میں دیکھا وہ نوکر پر غصہ دلانے کے لئے کافی تھا۔ فریدی شاید آفس جانے کی تیاری کر رہا تھا اور اُس کے چہرے پر اس قسم کے آثار نہیں تھے جنہیں کسی غیر معمولی وقوعہ کا ردعمل سمجھا جاسکتا۔

"کیوں.... کیا بات ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"اب یہ کم بخت نوکر بھی مجھ سے مذاق کرنے لگے ہیں۔"

"کیا ہوا....؟"

"کچھ نہیں۔ میں بتاتا ہوں سور کو۔" حمید واپس جانے کے لئے مڑنے لگا۔

"اوہو... بتاؤ نا کیا ہوا؟" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کس نے مذاق کیا میرے شہزادے سے؟"

"آپ بھی گھسنے کے موڈ میں ہیں۔"

"سمجھا! شاید تمہیں لڑکی کے غائب ہو جانے کی اطلاع ملی ہے۔"

"تو کیا اُس سور نے آپ ہی کے ایماء پر ایسا کیا ہے؟"

"برخوردار خاں....!" وہ سچ مچ غائب ہو گئی۔

"اور آپ اتنے اطمینان سے....!"

"پھر.... کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں اُس کے پیچھے بھاگتا پھروں؟"

"آپ کو بالکل تشویش نہیں؟" حمید نے حیرت سے کہا۔

"قطعی نہیں.... آؤ.... میرے ساتھ۔" فریدی نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

وہ اُس کمرے میں آئے جہاں وہ لڑکی سوتی تھی۔ حمید نے سنگار میز پر ایک کرسی رکھی ہوئی دیکھی۔ سنگار میز کے اوپر والے روشندان کا چوکھٹا نکلا ہوا فرش پر پڑا تھا۔

دونوں چند لمحے خاموش سے کھڑے رہے پھر فریدی بولا۔

"تو حمید صاحب.... وہ اس طرح گئی۔"

"گئی یا لے جائی گئی؟"

"گئی....!" فریدی نے زور دے کر کہا۔ "دروازہ باہر سے بدستور مقفل ملا۔ اب تم دیکھو۔ کیا اس روشندان سے دو آدمی بیک وقت نکل سکتے ہیں؟"

"لیکن کیا اُس سے اس قسم کی توقع کی جاسکتی ہے۔ روشندان سے نکل کر اگر وہ زمین پر کودی ہو گی تو کیا اُس کی ہڈیاں سلامت رہی ہوں گی۔"

"ہرگز نہیں فرزند.... وہ روشندان سے نکل کر سیدھی چھت پر گئی اور پھر وہاں سے کسی

...ت کی شاخ کے ذریعے زمین پر پہنچ جانا کچھ مشکل نہیں۔"

"کیا وہ اسی قسم کی لڑکی تھی؟"

"بھئی لڑکیوں کی قسم تم مجھ سے بہتر پہچان سکتے ہو!"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ چاروں طرف متجسسانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"حمید صاحب....!" فریدی مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ "مجھے خوشی ہے کہ تمہیں ...سے عشق نہیں ہوا۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا۔" حمید بڑبڑایا۔

"کیا نہیں سمجھ سکتے؟"

"یہی کہ اس واقعے کے بعد بھی آپ کا موڈ بہت خوشگوار نظر آرہا ہے۔ بلکہ آپ سدا بہار ...لوم ہو رہے ہیں۔ کہیں اُسے آپ کی وجہ سے تو نہیں بھاگنا پڑا....؟"

"قطعی نہیں.... لیکن میں نے اُسے بھاگتے ضرور دیکھا ہے۔"

"کیا....؟" حمید پر حیرت کا دوسرا پہاڑ گرا۔

"ہاں میں نے اُسے بھاگتے ہوئے دیکھا ہے! تم کیا یہ سمجھتے ہو کہ کل رات مجھے نیند آئی ہو گی؟"

"پہیلیاں نہ بھجوایئے۔ مجھے الجھن ہو رہی ہے۔"

"وہ بڑی شاندار ایکٹریس تھی حمید صاحب اور کل رات ہی کو اُس سے ایک لغزش ہو گئی۔ ...رنہ میں اس وقت بھی اُس کے متعلق دھوکے ہی میں رہتا۔"

"آخر آپ کس بناء پر ایسا کہہ رہے ہیں؟"

"صفدر کو زخمی دیکھ کر بھی اُس میں کسی قسم کا جذباتی تغیر نہیں ہوا تھا۔ اگر وہ گونگی بھی تھی ...بھی اُس کے حواس خمسہ تو موجود ہی تھے قوت گویائی پر قادر نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی ...سیات سے بھی محروم ہو جائے۔ اس کا وہ رویہ عجیب تھا اور پھر جب یہ بات سامنے آگئی بھی کہ ...سے بوڑھے کے سپرد کرنے والا اور پھر اغواء کی اسکیم بنانے والا ایک ہی آدمی تھا تو میں بس جرح ...طمئن ہو جاتا۔"

"تو آپ نے اُسے نکل کیوں جانے دیا؟"

"پھر کیا کرتا....؟" فریدی ہنسنے لگا۔ "کیا تم سچ مچ اُس سے شادی کرنا چاہتے تھے؟"

"اچھا میں اب کچھ نہیں پوچھوں گا۔" حمید نے جھلا کر کہا اور پھر اُس نے غسل خانے کی راہ ...لی۔ لیکن فریدی کے رویئے نے اُسے الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔

آفس جانے سے قبل اُس نے حمید سے کہا۔

"شاہینہ سے پھر ملنا۔"

"کیوں....؟"

"کیا اُسے یونہی چھوڑ دو گے؟"

"نہیں اُس کی دم میں ہوائی ڈاک کا لفافہ باندھ کر اڑا دوں گا۔" حمید نے جھلا کر کہا۔

"آج تمہارا منوڈا اتنا خراب کیوں ہے؟" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"مجھے ایک ماہ کی چھٹی چاہئے۔"

"مل جائے گی مگر اس کیس کے بعد۔"

"کیس.... کیسا کیس؟" حمید نے حیرت سے کہا۔ "یہ معاملہ تو پولیس کے ہاتھ میں ہے۔"

"لیکن اُسے ہمارے محکمے تک آنا ہی پڑے گا۔"

"اگر آپ مجھے صاف صاف نہیں بتائیں گے تو....!" حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

"آپ نے لڑکی کو کیوں نکل جانے دیا؟"

"لڑکی تک تم اب بھی پہنچ سکتے ہو!"

"کیا مطلب....؟"

"اُس کی نگرانی ہو رہی ہے۔ کل رات ہی سے میری بلیک فورس اُس کا تعاقب کر رہی ہے۔"

"بلیک فورس.... مجھے آج تک نہ معلوم ہو سکا کہ آپ کی بلیک فورس ہے کیا بلا؟"

"کچھ ایسے آدمیوں کی ٹولی جن کا تعلق محکمے سے نہیں ہے۔"

"کیا میں انہیں جانتا ہوں؟"

"ہو سکتا ہے کہ واقف ہو لیکن تم یقین کے ساتھ کسی کے متعلق نہیں کہہ سکتے کہ وہ میری بلیک فورس کا آدمی ہوگا۔"

"اس فورس کا قیام کب عمل میں آیا....؟"

"سالہا سال گزرے۔"

"اور حمید اُس کے ممبروں سے واقف نہیں۔" حمید نے اپنا اوپر ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"فریدی کی ذات سے تعلق رکھنے والے ہزارہا ایسے معاملات ہیں جن سے تم واقف نہیں ہو۔ لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ فریدی کو تم پر اعتماد نہیں ہے۔"

حمید کو یہ بات گراں نہیں گذری۔ وہ اس سے پہلے بھی فریدی کی زبان سے سینکڑوں بار بلیک فورس کا نام سن چکا تھا اور اُس سے اس کے متعلق پوچھنا بھی چاہا تھا لیکن اُسے ہمیشہ ناکامی ہی ہوئی تھی۔ لہٰذا اس وقت وہ خود ہی اُسے ٹال گیا۔

"اگر آج تم آفس نہ آنا چاہو تو نہ آنا۔" فریدی نے کہا اور باہر نکل گیا۔

حمید نے ایک طویل انگڑائی لی اور پھر لڑکی والے کمرے میں جا گھسا۔ کرسی سنگار میز پر اب بھی رکھی ہوئی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا یہ سب ایک لڑکی کے لئے ممکن ہے۔ اگر وہ کرسی پر کھڑی بھی ہوئی ہوگی تو اُس کے ہاتھ روشن دان تک بمشکل پہنچے ہوں گے۔ ایسی صورت میں کسی دوسرے آدمی کی مدد کے بغیر روشندان سے صحیح و سلامت نکل جانا اگر معجزہ نہیں تو دشوار ترین ضرور ہو سکتا ہے۔

وہ اس کا عملی تجربہ کرنے کے لئے میز پر چڑھ گیا۔ پھر کرسی پر دوسرا پیر نہیں رکھ پایا تھا کہ کرسی الٹ گئی اور وہ فرش پر چاروں خانے چت گرا۔

"ناممکن.... قطعی ناممکن۔" وہ اٹھ کر اپنا سر سہلاتا ہوا بڑبڑایا۔

پھر دوسری بار تجربہ کرنے کی ہمت نہیں پڑی۔

اب وہ سنگار میز کی درازیں الٹ پلٹ رہا تھا۔ اچانک اُن میں سے ایک میں اُسے اپنی ایک تصویر دکھائی دی۔ کیمرہ فوٹو تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی شریر بچے نے اُس کی درگت بنائی ہو۔ پنسل سے داڑھی اور مونچھیں بنائی گئی تھیں اور سر پر پنسل ہی سے پگڑی لپیٹنے کی کوشش کی گئی تھی۔

حمید نے اُس کے پرزے اڑا دیئے۔ اُسے ہنسی بھی آئی اور غصہ بھی۔ لیکن اب بھی اُس کا ذہن اُس کیس کی پیچیدگیوں میں الجھا ہوا تھا۔ آخر وہ پُراسرار آدمی چاہتا کیا ہے اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اس ڈرامے کے لئے فریدی کی کوٹھی کیوں منتخب کی گئی۔ کیا شاہینہ کا بھی ان واقعات سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے۔

وہ سوچتا رہا لیکن اُس کا ذہن ان میں سے کسی بھی سوال کا جواب نہ دے سکا۔ پھر اُسے اُس پُراسرار آدمی کی شخصیت کا خیال آیا۔ آخر وہ گرمیوں میں بھی دستانے کیوں استعمال کرتا ہے؟ اس سوال کے کئی جواب اُس کے ذہن کی سطح پر اُبھرتے لیکن وہ اُن میں سے کسی کو بھی کوئی اہمیت نہ دے سکا۔

پچھلی رات کا فائر بھی اُس کے لئے انتہائی عجیب تھا۔ آخر فائر کس نے کیا؟ کیا خود اُسی پر

اسرار آدمی نے؟ اگر یہ بات ہے تو بوڑھے کی موت کا ذمہ دار بھی وہی ہو سکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ مختلف آدمیوں سے مختلف قسم کے کام لینے کے بعد انہیں ختم کر دیتا ہے۔ لیکن کیوں .... کیا سازش کا یہ جال فریدی کے گرد بنا جا رہا ہے؟

حمید دن بھر انہیں گتھیوں میں الجھا ہوا اونگھتا رہا۔ اُس نے سونے کی بے حد کوشش کی مگر نیند نہ آئی۔ دن بھر ذہن کی عجیب سی کیفیت رہی۔ لیکن شام کا اخبار دیکھتے ہی غنودگی اس طرح غائب ہو گئی جیسے کبھی اُس کا نام و نشان تک نہ رہا ہو۔

پہلے ہی صفحہ پر گونگی لڑکی کی تصویر موجود تھی اور اُس کی ساری رام کہانی بھی شائع ہوئی تھی۔ گمنام آدمی کا تذکرہ صرف بوڑھے کے سلسلے میں کیا گیا تھا.... اور پھر لڑکی کے حیرت انگیز فرار کا واقعہ تھا جو فریدی کے دس ہزار روپے لے بھاگی تھی۔ اس پر حمید بُری طرح چونکا۔ جس بات کا علم اُسے بھی نہیں تھا وہ اچانک اچھل کر اخبار کے دفتر میں کیسے جا پہنچی۔

وہ سوچنے لگا کہ آخر فریدی نے اس سے اس کا تذکرہ کیوں نہیں کیا؟

صفدر کے متعلق کچھ بھی نہیں تھا۔ حمید نے پورا اخبار دیکھ ڈالا۔ لیکن اُس کے بارے میں کہیں کچھ بھی نہ ملا۔

لیکن سوال یہ تھا کہ آخر یہ خبر بیک اخبارات میں کیسے آئی۔ نہ صرف خبر بلکہ تصویر بھی۔

وہ اندرونی برآمدے میں بیٹھا ان گتھیوں میں الجھنے ہی والا تھا کہ ایک نوکر نے کسی ملاقاتی کا کارڈ لا کر دیا۔

کارڈ پر 'خان بہادر اشرف سعید' تحریر تھا۔ حمید نے یہ نام سنا ضرور تھا لیکن اُسے یقین تھا کہ وہ فریدی کے ملاقاتیوں میں سے نہیں ہو سکتا۔

"کس سے ملنا چاہتے ہیں؟" حمید نے نوکر سے پوچھا۔

"کرنل صاحب سے۔"

"اچھا تو کیا کرنل صاحب میری جیب میں رکھے ہوئے ہیں۔ تو نے کہا کیوں نہیں کہ موجود نہیں ہیں۔"

"وہ ملنے ہی نہیں.... کہنے لگے کہ میں انتظار کروں گا۔" پھر انہوں نے آپ کو پوچھا۔ "ہمارے صاحب حمید کہا تھا.... یا کیپٹن حمید....؟"

"کیپٹن صاحب کہا تھا۔" شاید نوکر نے جان چھڑانے کے لئے کہا۔

"اچھا.... ہاں.... اگر کوئی سارجنٹ کہے تو فوراً ٹوک دیا کرو۔"

"اچھا صاحب....!"

حمید نے لباس تبدیل کیا اور ٹائی کی گرہ درست کرتا ہوا ڈرائینگ روم میں آ گیا۔ یہاں ایک ادھیڑ عمر آدمی اپنے جسم کو کمبل سے لپیٹے ہوئے ایک صوفے پر نیم دراز تھا۔ اُس کی پلکیں کچھ اس انداز سے نیچے کی طرف جھکی پڑ رہی تھیں جیسے وہ شدید قسم کے درد سر میں مبتلا ہو۔ حمید کو دیکھ کر اس نے اٹھنا چاہا۔

"تشریف رکھئے.... تشریف رکھئے۔ فرمایئے۔ میرے لائق کوئی خدمت....؟" حمید جلدی سے بولا۔

"آپ کرنل فریدی ہیں؟" اُس نے تھکی تھکی سی آواز میں پوچھا۔

"جی نہیں.... میں اُن کا اسسٹنٹ کیپٹن حمید ہوں۔"

"کرنل صاحب کب تک آئیں گے؟"

"میرا خیال ہے کہ اب تک انہیں آ جانا چاہئے تھا۔ کیا کوئی ضروری کام ہے؟"

"بہت ضروری۔ انتہائی ضروری۔" اُس نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"میں بستر علالت سے اٹھ کر آیا ہوں۔ مجھے اس وقت بھی شدید بخار ہے۔"

"اوہو! تو ایسی صورت میں کیوں تکلیف کی۔ فون کر لیا ہوتا۔"

"نہیں وہ ایسی معمولی بات نہیں ہے۔"

"اب وہ آ ہی رہے ہوں گے۔ کیا آپ اُن سے پہلے بھی کبھی مل چکے ہیں؟"

"جی نہیں.... پہلی بار ملوں گا۔"

"تو پھر کیا میں انہیں فون کر دوں؟"

"بڑی مہربانی ہوگی۔" اُس نے ملتجانہ انداز میں کہا۔

حمید نے فریدی کو فون کیا اور وہ اتفاق سے دفتر ہی میں مل گیا۔ حمید نے خان بہادر اشرف سعید کی آمد کی اطلاع دی۔ جواب میں فریدی نے کہا کہ وہ فوراً آ رہا ہے۔

اور پھر انہیں شاید پندرہ یا بیس منٹ تک انتظار کرنا پڑا۔

"اوہو! آپ کو تو بخار ہے۔" فریدی نے خان بہادر سے مصافحہ کرتے وقت کہا۔

"جی ہاں.... لیکن اس کے باوجود بھی مجھے آنا پڑا۔"

"کوئی خاص بات؟"

"جی ہاں! بہت ہی خاص بات! یہ میری اور میرے خاندان کی عزت کا سوال ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح بتاؤں۔"

فریدی اُسے جواب طلب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ خان بہادر کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں اور اُس کے چہرے پر ندامت کے آثار تھے۔ آخر اُس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"آپ دس کے عوض بیس ہزار مجھ سے لے لیجئے۔ لیکن اب اس معاملے کو آگے نہ بڑھایئے۔"

"کس معاملے کو؟" فریدی چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

"وہی بدبخت لڑکی.....!" خان بہادر کی آواز بھرا گئی۔ "جس کی تصویر آج کے ایوننگ پوسٹ میں شائع ہوئی ہے۔"

"کیوں؟ اُس سے آپ کا کیا تعلق؟"

"اب میں کیا عرض کروں۔ اُسے بھی موت ہی آجاتی تو اچھا تھا۔"

"دیکھئے اگر آپ مجھ سے کسی قسم کی مدد چاہتے ہیں تو آپ کو سب کچھ صاف صاف بتانا پڑے گا۔"

"وہ بدنصیب میری بھتیجی ہے۔"

کیا وہ گونگی ہے؟" حمید نے بے ساختہ پوچھا۔

"ہرگز نہیں.... وہ گونگی نہیں ہے۔" خان بہادر نے کہا۔ پھر اُس نے فریدی سے پوچھا۔

"کیا یہ حقیقت ہے کہ وہ آپ کے دس ہزار روپے چرا لے گئی؟"

"قبل اس کے کہ اس کا جواب دوں میں یہ جاننا چاہوں گا کہ اُس کی اس حرکت کا مقصد کیا تھا....؟"

"مقصد! مجھے نہیں معلوم۔ میں کیا بتا سکتا ہوں۔"

"کیا وہ آپ کے ساتھ ہی رہتی ہے۔"

"جی ہاں.... لیکن تقریباً ڈھائی ماہ سے میں نے اُس کی شکل بھی نہیں دیکھی....!"

"عجیب بات ہے۔" فریدی اُسے گھورنے لگا۔ پھر اُس نے کہا۔ "اخبار میں آپ نے پوری کہانی پڑھی ہوگی۔ آخر وہ گمنام آدمی کون ہو سکتا ہے؟"

"مجھے اس کا بھی علم نہیں۔"

"پھر آپ کیسے چچا ہیں۔"

"آہ.... یہ ایک لمبی داستان ہے اور ساتھ ہی دردناک بھی۔ اُس لڑکی کو جنون ہو گیا ہے۔

انتقام کا بھوت سوار ہے۔ اس کے لئے وہ سب کچھ کر گزرنے کے لئے ہمیشہ سے تیار رہی خدا اُس پر رحم کرے۔"

مشتبہ ہاتھ

تھوڑی دیر کے لئے کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ حمید حیرت سے کبھی خان بہادر کی طرف دیکھتا کبھی فریدی کی طرف۔

"اگر مجھے یہ معلوم ہوتا۔" فریدی نرم لہجے میں بولا۔ "تو میں اُس خبر کو کبھی نیوز ایجنسی تک پہنچنے دیتا۔ ظاہر ہے کہ آپ کی اس سے بڑی بدنامی ہوگی۔"

"میرا دل چاہتا ہے کہ مجھے موت آجائے۔ پتہ نہیں وہ کم بخت اب کہاں ہوگی۔"

"لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ ڈھائی ماہ سے غائب رہی اور آپ نے اُس کے لئے کچھ نہ کیا۔"

"میں نے سب کچھ کیا ہے۔ لیکن بدنامی کے خیال سے اسے منظر عام پر نہیں لایا۔ پولیس کو اس لئے اطلاع نہیں دی کہ بات پھیل جاتی۔ ویسے میں اُسے تلاش کرانے کے سلسلے میں ہزاروں روپے پھونک چکا ہوں۔"

"ابھی آپ نے کسی قسم کے انتقام کے بارے میں کچھ کہا تھا۔"

"ہاں....!" خان بہادر نے ایک گہری سانس لی۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "آپ نے میرے بھائی سر مشرف کا نام تو سنا ہی ہوگا۔ سلیمہ انہیں کی لڑکی ہے۔"

"سلیمہ اُس لڑکی کا نام ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں! شاید آپ کو نہ معلوم ہو کہ اب سے پندرہ سال پہلے وہ جنوبی افریقہ میں قتل کر دیئے گئے تھے۔ سلیمہ اُس وقت پانچ برس کی تھی اور وہیں تھی۔ قاتلوں نے انہیں اُسی کے سامنے قتل کیا تھا۔ پھر میں اُسے یہاں لایا۔"

"سر مشرف کی تجارت تو اب بھی وہاں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں.... بہت بڑی تجارت۔ وہ ہیرے کی ایک کان کے مالک بھی تھے۔ ہاں تو میں سلیمہ کے بارے میں بات کر رہا تھا۔ اُس نے ماں کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ کیونکہ اس کا انتقال اُس کی پیدائش کے

بعد ہی ہو گیا تھا۔ بھائی صاحب نے اُس کی پرورش کی۔ آپ خود سوچئے ایسی صورت میں سلیر کے ذہن پر اس کا کیا اثر پڑا ہو گا.... تقریباً تین سال تک اُس کا ذہنی توازن بگڑا رہا۔ اگر یہ واقعہ پیش آیا ہوتا تو یہ لڑکی ملک اور قوم کے لئے ایک بہترین سرمایہ ہوتی۔ بلا کی ذہین اور چالاک ہے لیکن انتقام کی دھن میں وہ دوسری ہی راہ پر لگ گئی۔ اب وہ ایک ماہر نشانہ باز ہے۔ اونچی سے اونچی عمارتوں پر چڑھ جانا تو کوئی بات ہی نہیں.... انتہائی نڈر اور بے باک۔ اتنی شاندار اداکارہ ہے کہ اُس نے آپ جیسے آدمی کو دھوکا دے دیا۔ اتنے دنوں تک گونگی بنی رہی۔"

"لیکن وہ تنہا نہیں ہے۔" فریدی بولا۔

"میں جانتا ہوں۔ اُس نے بہت دن ہوئے مجھ سے کسی آدمی کا تذکرہ کیا تھا۔ یہ بھی بتایا تھا کہ وہ افریقہ میں بھائی صاحب کے بہت ہی خاص آدمیوں میں سے تھا اور وہ قاتلوں سے انتقام لینے کے سلسلے میں اُس کی مدد کرنے کو تیار ہے۔ میں اُسے سمجھاتے سمجھاتے عاجز آ گیا تھا۔ آپ خود سوچئے اس طرح کسی آدمی پر اعتماد کر لینا کہاں کی عقل مندی ہے۔"

"کیا اُس نے اُس آدمی کا نام نہیں بتایا تھا....؟"

"نہیں.... جب اُس نے اُس کے ساتھ مل کر کام کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو میں نے اُسے مقید کر دیا۔ میں جانتا تھا کہ وہ اسی طرح جبراً روکی جا سکتی ہے۔ سمجھانے بجھانے کا اس پر کوئی اثر نہیں ہو گا۔ لیکن افسوس وہ اُسی رات کو روشندان توڑ کر باہر نکل گئی۔"

"تو اُس نے آپ کو اُس آدمی کے متعلق کچھ بھی نہیں بتایا؟"

"بس اُس کی تعریفوں کے پل باندھا کرتی تھی۔ وہ بڑا محتاط ہے۔ انتہائی چالاک اور دلیر۔ صورت ہی سے پُر اسرار معلوم ہوتا ہے۔ بالکل جاسوسی ناولوں کے کرداروں کی طرح۔ ہاتھوں میں ہر وقت دستانے پہنے رہتا ہے.... وغیرہ وغیرہ۔"

"ہوں....!" فریدی نے ایک گہری سانس لی اور حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر خان بہادر نے کہا۔ "لیکن میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ آخر وہ یہاں کیسے پہنچی۔ آپ سے اُسے یا اُس آدمی کو کیا سروکار۔"

"میرا خیال ہے کہ کسی بہت ہی عیار قسم کے آدمی نے اُسے پھانس لیا ہے اور لوگوں کو لوٹنے کے لئے اُسے آلہ کار بناتا رہتا ہے۔"

"تو اب میں کیا کروں.... میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"فی الحال صبر کیجئے۔ میں اُس آدمی کی تاک میں ہوں۔ وہ ایک بہت بڑا بلیک میلر بھی ہے۔"

"سچ مچ دل چاہتا ہے کہ خودکشی کر لوں۔ کیا آپ اُس آدمی کو جانتے ہیں؟"

"نہیں.... اُس کی شخصیت ابھی تک تاریکی میں ہے۔"

"بہر حال آپ مجھ سے دس ہزار لے لیجئے۔ اور خدا کے لئے اُس لڑکی کو بچانے کی کوشش کیجئے۔ ورنہ میری بڑی بدنامی ہو گی۔ لوگ یہی کہیں گے کہ اشرف نے بھائی کی جائیداد پر قبضہ کرنے کے لئے لڑکی کو ٹھکانے لگا دیا۔"

"کیا اُس کے ولی بھی آپ ہی ہیں؟"

"جی نہیں.... اب وہ بالغ ہے اور اپنے کاروبار کی خود دیکھ بھال کر سکتی تھی۔ میں اُس کے کاروباری معاملات میں قطعی دخل نہیں دیتا تھا۔"

"آپ کے ساتھ ہی رہتی تھی؟"

"جی ہاں! اُس کی افتادِ طبع کی بناء پر میں.... اُسے الگ رکھنا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اُس نے کہا۔ "ہاں یہ سر مشرف کا قتل کن حالات میں ہوا تھا اور کیا مجرم گرفت میں آ گئے تھے؟"

"ایک عورت کا چکر تھا۔ بھائی صاحب ذرا رنگین مزاج تھے۔ اب میں آپ سے کیا چھپاؤں۔ اس میں دراصل نور محل والوں کا ہاتھ تھا۔"

"نور محل.... کیا نواب اختر کی طرف آپ کا اشارہ ہے؟"

"جی ہاں.... یہ نواب اختر اُن کے رقیبوں میں سے تھا اور اُس زمانے میں وہ بھی جنوبی افریقہ ہی میں تھا۔ بالکل کھلی ہوئی بات تھی لیکن پولیس اس کے خلاف کوئی ثبوت نہ مہیا کر سکی۔"

"سلیمہ کو بھی اس کا علم تھا....؟" فریدی نے پوچھا۔

"دنیا جانتی ہے۔ سلیمہ ہی کو کیوں نہ معلوم ہوتا۔ وہ یہی تو کہتی ہے کہ قانون میرے باپ کی موت کا انتقام نہیں لے سکا تو میں خود ہی لوں گی۔ خواہ کچھ ہو جائے۔"

"نور محل والوں سے آپ کے کیسے تعلقات ہیں؟"

"تعلقات.... میرا بس چلے تو اُن کی بوٹیاں اڑا دوں۔"

"کیا خیال ہے آپ کا اُس آدمی کے متعلق.... یا آپ کی نظر میں کوئی ایسا آدمی بھی ہے جو اس قسم کی حرکتیں کر سکے۔"

"میری دانست میں کوئی ایسا آدمی نہیں۔ لیکن کوئی بھی اس قسم کی حرکت کر سکتا ہے۔ میں آپ کو ایک بات اور بھی بتاؤں۔ میں نے کئی بار چاہا کہ کسی ڈھنگ کے آدمی کے ساتھ اُس کی

شادی کردوں لیکن وہ نہیں مانی۔ اُس کا کہنا ہے کہ جب تک اپنے باپ کے قاتلوں سے انتقام نہ لے لوں گی شادی نہیں کروں گی۔ اُس نے یہی بات اور نہ جانے کتنے آدمیوں کے سامنے کہی ہوگی۔ اب آپ اسی سے اندازہ لگالیجئے۔ کوئی شخص بھی اس سلسلے میں اُس کی مدد کرنے کا وعدہ کر کے اپنا کام نکال سکتا ہے.... وہ ایک مال دار لڑکی ہے۔ اسے بھی ذہن میں رکھئے گا۔"

فریدی کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد بولا۔ "آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

"لیکن میں اُس کے حلقہ احباب کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔"

"اچھا! کیا نور محل والوں کو بھی اس سے کوئی دلچسپی ہو سکتی ہے؟"

"ہو سکتی ہے۔ ایک بار نواب اختر نے اپنے لڑکے کا پیغام دیا تھا.... اور مجھ سے صفائی کرنی چاہی تھی۔"

"پھر آپ نے کیا کیا....؟"

"انکار....!"

"اچھا.... جناب....!" فریدی ایک طویل انگڑائی لے کر بولا۔ "میں کوشش کروں گا کہ لڑکی سیدھی راہ پر آجائے۔"

"میں آپ کا احسان مند ہوں گا۔" خان بہادر کراہ کر بولا۔ "بہر حال عزت آپ کے ہاتھ میں ہے۔"

"خدا کے ہاتھ میں۔" فریدی نے تصحیح کی۔ لیکن حمید نے اُس کے لہجے میں کچھ عجیب سا کھنچاؤ محسوس کیا۔

خان بہادر جانے کے لئے اٹھا اور فریدی نے حمید کو اُسے سہارا دینے کا اشارہ کیا۔

اُسے رخصت کر دینے کے بعد پھر اُن کی ملاقات ناشتے کی میز پر ہوئی۔

"کیا خیال ہے حمید صاحب؟" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس نئے ڈیولپمنٹ کے متعلق؟"

"تو یہ تصویر وغیرہ آپ ہی نے شائع کرائی تھی؟"

"قطعی....!"

"اب آپ اُس کے لئے میرا پیغام دے سکتے ہیں۔" حمید نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"ہوں....!" فریدی کچھ سوچنے لگا۔

"آپ جانتے ہیں کہ لڑکی کہاں ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"جانتا ہوں۔"

"پھر آپ نے اُسے اُس کا پتہ کیوں نہیں بتایا؟"

"ضروری نہیں سمجھا تھا۔"

"ارے... ہاں... وہ تو بھول ہی گیا۔ ذرا یہ تو فرمایئے گا کہ دس ہزار روپے کا کیا اسکینڈل ہے؟"

"ہے تو اسکینڈل ہی"

"آخر کیوں؟"

"اسی نتیجے کے لئے جس سے ہم ابھی دوچار ہو چکے ہیں اور بھی کئی باتیں ہیں۔ چلو کافی لو۔ ٹھنڈی ہو رہی ہے۔"

وہ چند لمحے خاموشی سے کافی پیتے رہے۔ پھر فریدی نے کہا۔

"تم نے اخبار میں کسی جگہ ایک خبر اور دیکھی ہوگی۔"

"کیسی خبر....؟"

"کس کار کے حادثے کی۔"

"نہیں.... میں نے دھیان نہیں دیا۔"

"یہاں سے ایک میل کے فاصلے پر ایک جلی ہوئی کار ملی ہے اور اُس میں ایک جھلسی ہوئی لاش.... جانتے ہو کس کی ہے؟"

"نہ جانتا ہوں اور نہ جاننا چاہتا ہوں۔" حمید جھلا گیا۔ "یہاں دن رات لاشیں.... لاشیں.... میں تو تنگ آگیا ہوں۔"

"میں شیکھر کی لاش کے متعلق کہہ رہا ہوں۔"

"شیکھر! یعنی صفدر کا ساتھی؟" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"بہر حال اُسے بھی ختم کر دیا گیا.... سوال تو یہ ہے کہ آخر فریدی ہی کیوں!"

"میں خود یہی سوچ رہا ہوں۔"

"مگر.... فرزند.... یہ بات نہ کھلنی چاہئے تھی کہ صفدر وغیرہ سے بھی وہی آدمی کام لے رہا تھا۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"دو ایک دن بعد سمجھا دوں گا۔ بہر حال اب معاملات کچھ کچھ میرے ذہن میں صاف ہو رہے ہیں۔"

"شیکھر کی لاش ملنے کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ صفدر پر بھی اُسی نے گولی چلائی تھی۔"

"نہیں.... صفدر کے بیان کے مطابق وہ اُن دونوں کے ساتھ ہی تھا اور اُس وقت بھی وہ دوسری طرف دیوار کے نیچے موجود تھا جب صفدر نے اندر داخل ہونے کی کوشش کی تھی؟"

"تو پھر یہاں سے گولی کس نے چلائی تھی؟"

"سلیمہ نے....!"

"کیا....؟" حمید اتنے زور سے اچھلا کہ کافی چھلک کر اُس کے کپڑوں پر گری۔

"ہاں.... ہاں.... اُسی نے۔ میں نے اُسے کمرے میں بند کر دیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ اُسی دوران میں وہ روشندان توڑ کر اوپر پہنچ گئی تھی.... نوکروں کو میں نے شاگرد پیشے میں بھیج دیا تھا۔ اس لئے وہ رائفل حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی.... میں تو دراصل انہیں اچھی طرح موقع دینا چاہتا تھا مگر لڑکی نے سارا کھیل بگاڑ دیا۔"

"کمال کرتے ہیں آپ بھی.... ارے وہ سازش میں شریک تھی کیوں نہ کھیل بگاڑتی۔"

"یہی تو تم نہیں سمجھے خیر.... ابھی ہمیں جلد بازی نہ کرنی چاہئے۔"

"یہ کیس بھی خواہ مخواہ گلے لگا ہے۔"

"چلو ختم کرو۔" فریدی کافی کی پیالی رکھ کر رومال سے ہونٹ صاف کرتا ہوا بولا۔ "ہمیں ابھی نواب اختر کے یہاں تک چلنا ہے۔"

"اوہ.... تو کیا اب آپ سر مشرف کے قتل کا معاملہ پھر سے اٹھائیے گا؟"

"نہیں! مجھے جنوبی افریقہ میں ہونے والے قتل سے کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی۔"

نواب اختر شہر کے سربرآوردہ لوگوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ نور محل ایک قدیم طرز کی عمارت کا نام تھا جس میں نواب اختر کی پچھلی تین پشتوں کے لوگ رہتے آئے تھے اور اُس خاندان کے لوگ عام طور پر "نور محل والے" کہلاتے تھے۔

نواب اختر متوسط عمر اور گٹھیلے جسم کا ایک خوشرو آدمی تھا۔ فریدی اور حمید جس وقت نور محل پہنچے وہ شراب پی رہا تھا۔ اُس کے ساتھ تین آدمی اور بھی تھے۔ ممکن ہے فریدی کا کارڈ پہنچنے سے قبل کوئی عورت بھی رہی ہو کیونکہ میز پر ایک لیڈیز ہینڈ بیگ پڑا ہوا تھا۔

"اَخاہ....!" نواب اختر جھومتا ہوا بولا۔ "آیئے.... آیئے.... حضرات! آج میں نے دادا جان کے سو سالہ پرانے ذخیرے سے شراب نکلوائی ہے۔ بن خاں دو گلاس اور لاؤ۔"

"نہیں شکریہ۔ میں اس نعمت سے محروم ہوں۔" فریدی بیٹھتا ہوا بولا۔

"ہی ہی.... آپ شراب نہیں پیتے؟" نواب کے مصاحبوں میں سے ایک نے کہا۔

فریدی اُس کی طرف مخاطب بھی نہ ہوا۔

"کیسے تکلیف فرمائی؟" نواب اختر نے پوچھا۔

"ایک ضروری کام۔ کیا آپ مجھے تنہائی میں تھوڑا سا وقت دے سکتے ہیں؟"

نواب اختر چند لمحے فریدی کی طرف غور سے دیکھتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔ "ضرور.... ضرور.... آیئے۔"

وہ فریدی اور حمید کو ایک دوسرے کمرے میں لایا۔ اس دوران میں حمید نواب اختر کے دونوں ہاتھوں کو بڑی توجہ اور دلچسپی سے دیکھتا رہا تھا۔ دونوں ہاتھوں پر کلائیوں تک پٹیاں چڑھی ہوئی تھیں۔

"ہاں اب فرمایئے۔" نواب اختر کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتا ہوا بولا۔

"میں نے سنا ہے کہ آپ نے خان بہادر اشرف کی بھتیجی کے لئے اپنے صاحبزادے کا پیغام دیا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں....؟" نواب اختر اُسے گھور کر بولا۔ "آپ کو ان باتوں سے کیا سروکار؟"

"اوہ آپ غلط سمجھے۔ میں صرف اس کی تصدیق کرنا چاہتا ہوں۔"

"آخر کیوں؟"

"میں دراصل کیپٹن حمید کیلئے پیغام دینا چاہتا تھا۔" فریدی نے حمید کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "چند دوستوں کے سامنے اس خیال کا اظہار کرنے پر معلوم ہوا کہ آپ کے صاحبزادے کے لئے بھی پیغام دیا جا چکا ہے۔ اگر یہ حقیقت ہے تو پھر میں اس خیال سے باز رہوں۔"

نواب اختر چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ "آپ کے اس خیال سے مجھے خوشی ہوئی۔ میں نے پیغام دیا ضرور تھا مگر اب میں کسی قیمت پر بھی اس کے لئے تیار نہیں اور کرنل صاحب پہلے مجھے صرف شبہہ تھا اب یقین ہو گیا ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میں روزانہ اخبار پڑھتا ہوں۔ آج کا ایوننگ پوسٹ میں نے بھی پڑھا تھا۔ اب مجھے سو فیصدی یقین ہے کہ وہ سلیمہ ہی کی تصویر تھی۔"

"اوہو! کیا آپ کا اشارہ اُس گونگی لڑکی کی طرف ہے؟" فریدی نے چونکنے کا شاندار مظاہرہ کیا۔

"جی ہاں! لیکن سوال یہ ہے کہ آپ اس سلسلے میں میرے پاس کیوں آئے ہیں!"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی۔ بھلا وہ سلیمہ کیسے ہو سکتی ہے۔"

"کیا آپ نے پہلے کبھی سلیمہ کو نہیں دیکھا؟"

"نہیں....!"

"تعجب ہے کہ آپ دیکھے بغیر پیغام دینے والے ہیں۔" نواب اختر فریدی کو عجیب نظروں سے دیکھ کر بولا۔ "کیا.... آپ نے بھی نہیں دیکھا۔" اُس نے حمید کی طرف اشارہ کیا۔

حمید نے نفی میں سر ہلا دیا اور پھر ایسے انداز میں شرما کر سر جھکایا کہ نواب اختر کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ وہ ویسے بھی نشے میں تھا۔

لیکن وہ جلد ہی سنجیدہ ہو گیا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر کہنے لگا۔ "وہ تصویر بلاشبہ سلیمہ ہی کی تھی۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس ڈرامے کا کیا مطلب ہے اور آپ حقیقتاً کس لئے تشریف لائے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اشرف میرے خلاف کوئی نئی چال چل رہا ہو۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"کرنل صاحب! میں بچہ نہیں ہوں اور آپ ابھی میرے سامنے صاحبزادے ہیں۔"

"مجھے اس سے انکار نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "آپ یقیناً مجھ سے عمر میں بڑے ہیں۔"

"کچھ بھی ہو.... اشرف منہ کی کھائے گا۔ وہ مجھے اپنے بھائی کا قاتل سمجھتا ہے اور اُس کی پر کٹی بھتیجی ہمیشہ میرے خلاف پر تولنے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ اُن دونوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ میں نے چاہا تھا کہ اشرف کی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جائے۔ میں سلیمہ کو اپنی بہو بنانا چاہتا تھا مگر اب.... اب کسی قیمت پر نہیں۔"

"آخر وجہ....؟"

"وہ لفنگی ہے۔ شہر کے بدمعاش ترین لوگوں میں اُس کی نشست و برخاست رہتی ہے اور سب اسی لئے کہ وہ مجھ سے اپنے باپ کی موت کا انتقام لے سکے۔"

"باپ کی موت کا انتقام....؟" فریدی نے حیرت سے کہا۔

"سر مشرف جنوبی افریقہ میں قتل کر دیا گیا تھا۔ وہاں کی پولیس قاتل کا پتہ نہ لگا سکی۔ میں بھی اُس زمانے میں وہیں تھا۔ سر مشرف کے حلقہ احباب نے مجھ پر شبہ ظاہر کیا۔ لیکن کوئی ثبوت نہ دے سکے۔ ہو سکتا ہے اشرف نے گڑے مردے پھر سے اکھاڑنے کی کوشش کی ہو۔ اس لئے آپ....!"

"بھلا مجھے اس سے کیا سروکار ہو سکتا ہے۔" فریدی بولا۔ "قتل افریقہ میں ہوا تھا۔ پولیس والے اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتے۔ بہر حال آپ نے سلیمہ کے متعلق جو معلومات مہیا فرمائی

ہیں اُس کے لئے شکر گذار ہوں۔"

نواب اختر نے پھر اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھا۔

"اچھا اب اجازت دیجئے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "میں کیپٹن حمید کو ہرگز رائے نہ دوں گا کہ وہ ایسی لڑکی سے شادی کریں۔ دولت ہی سب کچھ نہیں ہوتی.... کیا آپ کے ہاتھوں میں کوئی تکلیف ہے؟"

"اوہ....!" نواب اختر اپنے پٹیوں سے ڈھکے ہوئے ہاتھوں کی طرف دیکھ کر بولا۔ "جی ہاں.... خارش۔ حالانکہ پٹیاں تکلیف دہ ہیں۔ لیکن ہاتھوں کی حالت دیکھ کر خود مجھے گھن آتی ہے۔ زندگی میں پہلی بار میں خارش میں مبتلا ہوا ہوں۔"

لڑکی کی کہانی

واپسی پر فریدی بالکل خاموش تھا۔ کیڈی لاک شہر کی بھری پُری سڑکوں سے گذر رہی تھی۔ حمید فریدی کے برابر ہی بیٹھا ہوا بڑی دیر سے کنکھیوں سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا اور کئی سوالات اُس کے ذہن میں بُری طرح پک رہے تھے۔

"نواب اختر سے ملاقات کا مقصد میری سمجھ میں نہیں آیا۔" اُس نے کہا۔

"میں اب تمہاری شادی اُس لڑکی سے ہرگز نہ کروں گا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔" حمید بڑبڑایا۔

فریدی ہنسنے لگا اور حمید جھلا کر بولا۔ "آپ براہِ کرم مجھے اس قسم کے معاملات میں مت رگیدا کیجئے۔"

"یہی ہوتا ہے برخوردار آج کل کے زمانے میں عموماً دو چار جگہ بات ڈالی جاتی ہے۔ پھر کہیں نہ کہیں شادی بھی ہو جاتی ہے۔ آخر ایسی جلدی کیا ہے۔"

"ماشاءاللہ! خدا اس لونڈیا کی عمر میں برکت دے۔ اس کی بدولت آپ چہکنے تو لگے ہیں یعنی ریگستان میں بارش۔ خدا میری مغفرت کرے۔ ویسے کیا میں نواب اختر کے خارش زدہ ہاتھوں کے متعلق کچھ پوچھ سکتا ہوں۔"

"کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

"خارش زدہ ہاتھوں کو لوگ ٹوما کھلا ہی رکھتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"ہاں تو پھر.... مگر نہیں۔ یہ ضروری نہیں۔"

"میں نے عموماً یہی دیکھا ہے۔"

"مگر یہ کلیہ نہیں۔ بعض طبیعتیں حد سے زیادہ نفاست پسند ہوتی ہیں۔"

"اچھا یہ بتایئے کہ آخر وہ پُر اسرار آدمی دستانے کیوں پہنتا ہے؟"

"میں تمہارا مطلب پہلے ہی سمجھ گیا تھا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ اُس کے ہاتھوں میں کوئی ایسی خاص بات ہے جس کی بناء پر وہ پہچانا جا سکتا ہے۔"

"اب نواب اختر کے ہاتھوں کے متعلق کیا رائے ہے؟" حمید پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے بولا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا اور اُس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ حمید نے پائپ سلگا کر دو تین کش لیے اور کھڑکی پر جھک کر باہر دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔

"لڑکی بڑی مال دار ہے اور نواب اختر کی دشمن ہے۔ ہو سکتا ہے نواب اختر ہی وہ پُر اسرار آدمی ہو۔ کچھ دن لڑکی کو اسی طرح چکر دیتا رہے پھر کسی سازش کا شکار بنا کر اپنے لڑکے سے شادی کر لینے پر مجبور کرے۔ لڑکی بالغ ہے اس لئے اس کا چچا بھی کچھ نہ کر سکے گا۔"

فریدی اب بھی کچھ نہ بولا۔

تھوڑی دیر بعد حمید نے محسوس کیا کہ فریدی یونہی بغیر مقصد کیڈی کو ایک سڑک سے دوسری سڑک پر دوڑاتا پھر رہا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اُس کی نظر بار بار عقب نما آئینے کی طرف بھی اٹھ جاتی ہے۔

"کیا بات ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"ایک موٹر سائیکل بہت دیر سے تعاقب کر رہی ہے۔" فریدی بڑبڑایا اور اُس نے کیڈی پھر ایک دوسری سڑک پر موڑ دی۔ حمید نے مڑ کر دیکھا۔ موٹر سائیکل بھی اُسی سڑک پر مڑ رہی تھی۔ کیڈی سے اُس کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ پچاس گز رہا ہوگا۔ سوار کوئی سکھ تھا۔

"کون ہے؟" فریدی نے ونڈ اسکرین پر نظر جمائے ہوئے پوچھا۔

"ایک سکھ....!"

"خوب....!" فریدی مسکرایا۔ "لیکن اس کے پیچھے بھی ایک موٹر سائیکل ہے۔"

حمید پھر پلٹا۔ ساتھ ہی فریدی نے ہاتھ بڑھا کر عقب نما آئینے کا زاویہ بدل دیا۔

"ہاں ہے تو.... اور اُس پر کوئی عورت ہے۔" حمید نے کہا۔

"عورت کا لباس....؟" فریدی نے پوچھا۔

"کتھئی رنگ کا اسکرٹ ہے۔"

"ٹھیک.... اچھا.... تو اب تم اس ڈرامے کا ایک دلچسپ ایکٹ ملاحظہ کرو گے.... پھر دیکھ لینا عورت کے اسکرٹ کا رنگ کتھئی ہی ہے نا....؟"

"جی ہاں....!" حمید نے کہا۔

سڑک پر کافی روشنی تھی۔ اس لئے حمید کو اپنے بیان کی صداقت میں شبہے کی گنجائش نہیں نظر آئی۔ سکھ کی موٹر سائیکل کے پیچھے والی موٹر سائیکل سوار کا اسکرٹ کتھئی ہی تھا۔

فریدی نے کیڈی کی رفتار تیز کر دی۔

"میرا دعویٰ ہے کہ یہ سکھ نواب اختر کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ویسا ہی بھرا بھرا سا چہرہ ہے۔" حمید نے کہا۔

"آج تم غیر معمولی ذہانت کا مظاہرہ کر رہے ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"لیکن دوسری موٹر سائیکل پر کون ہے؟"

"اُس کا چہرہ صاف نظر نہیں آ رہا ہے۔"

"کہو نا کہ سلیمہ ہے۔" فریدی ہنس پڑا۔

"آپ میرا مضحکہ کیوں اڑا رہے ہیں؟"

"مضحکہ نہیں اڑا رہا ہوں۔ میرا تعاقب بقول تمہارے نواب اختر کر رہا ہے اور نواب اختر کا تعاقب کوئی عورت کر رہی ہے۔ لیکن اس کیس میں ابھی تک سلیمہ کے علاوہ کسی دوسری عورت کا وجود منظر عام پر نہیں آیا۔ اس لئے وہ سلیمہ ہی ہوگی۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سلیمہ کے متعلق سوچنے لگا تھا اور ساتھ ہی اُسے فریدی پر غصہ بھی آ رہا تھا کیونکہ آج صبح ہی سے وہ بہت اچھے موڈ میں تھا اور جب بھی وہ اچھے موڈ میں ہوتا تو حمید کی شامت آ جاتی تھی۔ وہ اُسے بات بات پر اُلو بناتا تھا۔ لیکن حمید کو حیرت بھی تھی کہ آخر آج کیڈی کا موڈ اتنا اچھا کیوں ہے۔ ویسے وہ ابھی تک تو یہی دیکھتا آیا تھا کہ شکست کھانے کے بعد کیڈی پر عموماً جھلاہٹ ہی کا دورہ پڑتا تھا اور پر اس بار تو اُسے ایک لڑکی نے شکست دی تھی۔

کیڈی کی رفتار پھر کم ہو گئی۔ فریدی اُسے ایک پتلی سی گلی میں موڑ رہا تھا۔

"حمید.... میں جیسے ہی گاڑی روکوں تم نیچے اُتر کر انجن دیکھنے لگنا۔" اُس نے کہا۔

گلی کے دوسرے سرے کے قریب پہنچ کر کیڈی رک گئی۔ موٹر سائیکل آدھی گلی طے

کر چکی تھی۔ حمید نے نیچے اُتر کر بونٹ اٹھادیا۔

موٹر سائیکل میں پورے بریک لگے اور وہ ایک چڑچڑاہٹ کے ساتھ رک گئی۔ گلی اتنی پتلی تھی کہ کیڈی نے ایک موٹر سائیکل کے گذرنے کی بھی جگہ نہیں چھوڑی تھی۔ دوسری موٹر سائیکل بھی گلی میں داخل ہوئی۔

سکھ اپنی موٹر سائیکل موڑنے ہی جارہا تھا کہ فریدی کیڈی سے نکل کر اُس کی طرف جھپٹا۔ گلی تاریک نہیں تھی۔ فریدی نے سکھ کا راستہ روک لیا۔ اب حمید بھی اُس کے قریب پہنچ چکا تھا۔ لیکن اُس نے کتھئی اسکرٹ والی لڑکی کو موٹر سائیکل موڑ کر بھاگتے دیکھا۔ فریدی نے اُس کی طرف دھیان بھی نہ دیا۔ وہ سکھ کے کاندھے پر ہاتھ رکھے اُسکی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا رہا تھا۔

"سردار جی.... تم سے اردو میں گفتگو کروں یا پنجابی میں؟" اس نے ہنس کر کہا۔

سکھ خاموش رہا۔ اُس کی سانس پھول رہی تھی۔

"حمید! تم موٹر سائیکل سنبھالو.... سلیمہ میرے ساتھ جائے گی۔"

"سلیمہ....؟" حمید اچھل پڑا۔

"ہاں.... یہ ننھی سی احمق لڑکی جواب بھی حماقتوں سے باز نہیں آرہی ہے۔"

"مجھے جانے دو۔" سلیمہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

"اتنی آسانی سے....!" فریدی طنزیہ لہجے میں بولا۔ پھر اُس نے کرخت آواز میں کہا "چلو۔"

وہ اُسے موٹر سائیکل سے اُتار کر کیڈی تک لایا۔

"چلو بیٹھو....!"

"جیل....!" سلیمہ نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

فریدی نے دروازہ کھول کر اُسے پچھلی نشست پر دھکیل دیا۔

کیڈی چل پڑی۔ حمید سلیمہ کی موٹر سائیکل پر تھا۔ اُس کا ذہن دوسری لڑکی میں الجھا ہوا تھا.... آخر وہ کون تھی؟ اور فریدی نے اُس کے معاملے میں کیوں اتنی لاپروائی برتی۔

کیڈی شیبان ہوٹل کے سامنے رک گئی۔ فریدی نے اُتر کر پچھلی نشست کا دروازہ کھولا۔ حمید اُس کے برابر پہنچ چکا تھا۔

"تم اسی ہوٹل میں ٹھہری ہونا۔ کمرہ نمبر تیرہ۔ غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں؟" فریدی نے سلیمہ سے کہا۔

سلیمہ کچھ نہ بولی۔ لیکن اب وہ خوفزدہ نہیں نظر آرہی تھی۔ حمید نے اُسے اپنی مصنوعی نچوں پر ہاتھ پھیرتے دیکھا۔

"کیا آپ کچھ دیر کے لئے میرے کمرے تک چلیں گے؟" اُس نے فریدی سے پوچھا۔ آواز دوں کی سی تھی۔

"تم بہت اچھی ایکٹریس ہو سلیمہ....!" فریدی ہنس پڑا۔

"براہِ کرم یہاں مجھے سردار بکرم سنگھ کے نام سے مخاطب کیجئے۔"

وہ انہیں اپنے کمرے میں لائی اور جب وہ دونوں اطمینان سے بیٹھ گئے تو اُس نے کہا۔ "کہئے اب.... یہ آپ لوگوں نے دس ہزار والی ہوائی کیوں چھوڑی تھی؟"

"میرا وقت نہ برباد کرو۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں تم لوگوں نے مجھے کیوں اپنی سازشوں کا مرکز بنایا تھا؟"

"جب آپ میرے نام سے واقف ہوگئے ہیں تو حالات سے بھی باخبر ہوں گے۔"

"یوں تو مجھے تمہارے مستقبل کا بھی علم ہے لیکن میں تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں۔"

"مجھے یقین ہے کہ میرے متعلق آپ کو چچا جان نے بہت کچھ بتایا ہوگا۔ میری گمشدگی کے بعد آپ نے اسی لئے اخبارات کی طرف دھیان دیا تھا۔"

"تمہاری گمشدگی۔ تم میرے لئے کبھی گمشدہ نہیں تھیں۔ بھولی لڑکی میں نے تمہیں بھاگتے دیکھا تھا۔ چونکہ کتے بے ہوش پڑے تھے اس لئے تمہیں کوئی دشواری نہیں پیش آئی تھی۔"

سلیمہ حیرت سے فریدی کو دیکھ رہی تھی۔ فریدی چند لمحے خاموش رہا پھر اُس نے پوچھا۔

"تم میرا تعاقب کیوں کر رہی تھیں؟"

"محض اسلئے کہ میں نے آپ کو نور محل سے نکلتے دیکھا تھا۔"

"تو پھر اس سے کیا....؟"

"نواب اختر.... میرے باپ کا قاتل ہے۔ میں اُس سے انتقام لینا چاہتی ہوں۔"

"میں اُس کی کہانی بھی سن چکا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن.... کیا اس صورت میں تم خود اپنی جان بچا سکتیں؟"

"ہاں.... اسکیم تو کچھ ایسی ہی تھی کہ خود قانون ہی اُسے پھانسی کے تختے تک پہنچا دیتا۔"

"اچھا....!" فریدی کی آنکھیں مصنوعی حیرت سے پھیل گئیں۔

"لیکن....!" سلیمہ نے ایک گہری سانس لی۔ "میں خود ہی اس سازش کا شکار ہوگئی۔"

"کیوں! کیا اس آدمی سے پھر ملاقات نہیں ہوئی؟"

"نہیں....!"

"کیا تم اُسے اطلاع دیئے بغیر میرے یہاں سے بھاگی تھیں؟"

"اوہ....!" سلیمہ اُسے گھور کر بولی۔ "تو آپ سب کچھ جانتے ہیں؟"

"میں تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"مگر اُسی زبان میں سنانا" حمید بولا۔ "جس زبان میں سانپوں کے متعلق اظہار خیال کیا تھا۔"

سلیمہ ہنسنے لگی۔ پھر اُس نے کہا۔ "حمید صاحب ریلوے انجن بننا یاد ہے؟"

حمید نے جھینپا جھینپا سا قہقہہ لگایا اور بولا۔ "بہرحال اب میں بوڑھے کی تجویز پر عمل کر سکتا ہوں۔"

"وقت کم ہے۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "وہ آدمی کہاں ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم کہ وہ کہاں رہتا ہے۔" سلیمہ بولی۔

"تم اُس کی تلاش میں ہو؟" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں....!"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ وہ بھی میری تلاش میں ہوگا۔"

"لیکن تم نے صفدر پر کیوں فائر کیا تھا....؟"

"آپ یہ بھی جانتے ہیں؟" سلیمہ خوف زدہ آواز میں بولی۔ چند لمحے خاموشی رہی پر اُس کہا۔ "خود اُس نے ہی مجھے اس کے لئے تاکید کی تھی۔"

"تمہارے پاس اُس کا پیغام کیسے پہنچا تھا....؟"

"یہ پہلے ہی سے طے تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ جس دن کتے بے ہوش پائے جائیں۔ اُس را کو حملہ ضرور ہوگا۔ اس نے کہا تھا کہ اگر تم تھوڑی سی ہمت کر لو تو حملہ آور پکڑا جا سکتا ہے اور اُس کے بعد نواب اختر پوری طرح قانون کی گرفت میں آجائے گا۔ بہر حال اُس کا مقصد یہ تھا میں کسی طرح آپ سے چھپ کر اُسے گولی مار دوں۔ گھر میں سر شام ہی سناٹا ہو گیا تھا۔ ادھر آ میرے کمرے کو مقفل کر کے ہٹے اور میں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ آپ شاید عقبی پارک جا چکے تھے۔ کوٹھی میں سناٹا تھا۔ میں نے آپکی رائفل نکالی اور اوپری منزل کی چھت پر پہنچ گئی۔"

"کیا اُس نے کہا تھا کہ پیر ہی میں گولی مارنا....؟"

"نہیں.... اُس نے صرف فائر کرنے کے لئے کہا تھا۔"

"اور یہ بھی بتایا تھا کہ حملہ چہار دیواری کی پچھلی ہی دیوار کی طرف سے ہوگا؟" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں.... لیکن خدا کا شکر ہے کہ گولی اُس کی ٹانگ ہی میں لگی اور وہ اپنا بیان دینے کے زندہ رہ گیا۔ ورنہ میں کسی بہت بڑی مصیبت میں پڑ جاتی۔"

"کیسی مصیبت....؟"

"دیکھئے! میں شروع سے بتاتی ہوں۔ میرے متعلق آپ کو چچا جان سے بہت کچھ معلوم چکا ہوگا۔ اخبارات میں وہ میری تصویر دیکھ کر یقیناً آپ کے پاس دوڑے آئے ہوں گے۔ میں انہیں بہت پریشان کیا ہے۔ خدا مجھے معاف کرے۔ ہاں تو میں بچپن ہی سے کشت و خون کی ف مائل رہی ہوں۔ لیکن میں خود اس کی ذمہ دار نہیں۔ میرے باپ کے قتل کا منظر آج بھی ری آنکھوں کے سامنے ہے۔ میں اس وقت پانچ برس کی تھی۔ ایک گوشے میں سہمی ہوئی اپنے پ کو قتل ہوتے دیکھ رہی تھی۔ وہ مچھلی کی طرح زمین پر تڑپ رہے تھے اور اُن پر کلہاڑیاں اور واریں برس رہی تھیں۔" وہ خاموش ہو گئی۔ اُس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں اور پلکیں جھپکائے ر خلا میں گھور رہی تھی۔

"مجھے معلوم ہے۔" فریدی نے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ وہ آدمی تمہیں کہاں اور کیسے ملا تھا اور اُس کی یم کیا تھی؟"

"آج سے چھ ماہ پہلے!" وہ چونک کر بولی۔ چند لمحے خاموش رہی پھر کہا۔ "وہ ہوٹل ڈی فرانس ں ملا تھا۔ اُس نے مجھے بتایا کہ وہ خاص طور سے مجھ سے ملنے کے لئے جنوبی افریقہ سے آیا ہے۔ الد مرحوم کے بہت ہی خاص آدمیوں میں سے تھا اور اُسے نواب اختر سے ذاتی پرخاش بھی ہے۔ یونکہ اُس نے جنوبی افریقہ میں اُس کی بیوی پر ہاتھ صاف کیا تھا اُس نے اپنی پوری اسکیم نہیں تائی تھی لیکن یہ ضرور کہا تھا کہ نواب اختر اس طرح سیدھا پھانسی کے تختے تک پہنچ جائے گا۔ وہ قریباً چار ماہ تک مجھ سے مختلف مقامات پر ملتا رہا لیکن اس دوران میں میں نے ہمیشہ اس کے ہاتھوں میں دستانے دیکھے۔ وہ کچھ اس قسم کا آدمی تھا کہ میں اُس کی طرف کھنچتی ہی گئی۔ بچپن ہی سے مجھے جاسوسی ناولیں پڑھنے کا شوق رہا ہے اور وہ مجھے یا تقریباً ہر ناول ہی کا کوئی پُراسرار کردار معلوم ہوتا تھا۔ آج سے دو ماہ قبل ایک دن وہ مجھے ملا اور یہ اطلاع دی کہ اب عمل کا وقت آگیا ہے۔ اُس نے کہا کہ ہمیں کسی طرح نواب اختر اور اُس کے گرگوں کو اس بات کا یقین دلا دینا چاہئے کہ ہم اُن کے خلاف کوئی سازش کر رہے ہیں۔ یہ بات کم از کم میری سمجھ میں تو نہیں آئی۔ میں نے مزید استفسار کیا تو اُس پر اُس نے بتایا کہ اس طرح وہ لوگ بھی نہ صرف چوکنے ہو جائیں

گے بلکہ ہمارے پیچھے لگنے کی بھی کوشش کریں گے۔ میں نے پوچھا اس سے کیا ہوگا کہنے لگا کہ پھر یہاں کے سب سے بڑے سراغ رساں کرنل فریدی کو اُن کے پیچھے لگادوں گا۔ ایک ایسا طریقہ اختیار کروں گا کہ نواب اختر پر ایک آدمی کے قتل کا جرم ثابت ہو جائے گا۔"

"کیا.... وہ بوڑھا بھی اس سازش میں شریک تھا؟" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں .... جو بیان اُس نے دیا تھا وہ حرف بحرف صحیح تھا۔ اُسے ان حرکات کی غرض و غائت کا علم نہیں تھا۔ مجھے اُس کی موت پر صحیح معنوں میں صدمہ ہے۔ کیونکہ وہ ایک مخلص آدمی تھا۔ بہر حال میرا اُس کے یہاں ایک گونگی لڑکی کی حیثیت میں قیام کرنا اُس اسکیم ہی کا ایک حصہ تھا۔ اُس نے بوڑھے سے یہ کہا تھا کہ جب خطرات حد سے زیادہ بڑھ جائیں تو مجھے آپ کے یہاں پہنچادیا جائے۔"

"تم نے اس کی وجہ نہیں پوچھی تھی؟" فریدی بولا۔

"وجہ.... اُس نے کہا تھا کہ نواب اختر کو چونکانے کے لئے اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا۔ اُس وقت اُس سے زیادہ اور کچھ نہیں بتایا تھا.... ہاں تو میں بوڑھے کے ساتھ رہنے لگی۔ وہ اکثر بوڑھے کی عدم موجودگی میں مجھ سے ملتا رہتا تھا۔ ایک دن اُس نے بتایا کہ آج نواب اختر کے کچھ گرگے یہاں حملہ کریں گے اور آج ہی اگر بوڑھا تمہیں یہاں سے فریدی کے پاس لے جائے تو بہتر ہے۔ میں سوچ میں پڑ گئی۔ نہ جانے کیا واقعہ پیش آجائے۔ بہر حال جب بوڑھا واپس آیا تو میں نے اُسے اشاروں میں بتایا کہ کچھ مشتبہ آدمی آج فلیٹ کی نگرانی کر رہے ہیں.... بوڑھے نے مجھے حتی الامکان اطمینان دلانے کی کوشش کی۔ فریدی صاحب وہ سچ مچ انتہائی دلیر اور وفادار آدمی تھا۔ اُس نے اُن دونوں نقاب پوش آدمیوں کا بڑی دلیری سے مقابلہ کیا اور بالآخر مجھے وہاں سے نکال لے جانے میں کامیاب ہو گیا۔ اُسی دن اُس پُر اسرار آدمی نے مجھ سے یہ بھی کہا تھا کہ اگر آج تم فریدی کے یہاں پہنچ جاؤ.... تو جس دن بھی تمہیں فریدی کے کتوں کی بے ہوشی کی خبر معلوم ہو سمجھ لینا کہ اُس دن فریدی کے یہاں بھی حملہ ہوگا۔ اس پر میں نے پوچھا کہ کتے کس طرح بے ہوش ہوں گے کہنے لگا کہ وہ لوگ ہر حال میں تمہیں حاصل کرنے کی کوشش کریں گے خواہ تم گورنمنٹ ہاؤس ہی میں کیوں نہ پہنچادی جاؤ۔ میں اُن کی ٹوہ میں رہوں گا۔ جس دن بھی مجھے معلوم ہوا کہ وہ حملہ کرنے والے ہیں میں اشارے کے طور پر کتوں کو بے ہوشی کی دوا دلوادوں گا۔ اس پر بھی میرا اطمینان نہیں ہوا۔ میں نے بحث کرنی چاہی تو اُس نے جھلا کر کہا.... کہ اگر تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں تو تم الگ ہو جاؤ۔ میں نواب اختر سے اکیلے ہی نپٹ لوں گا۔

نے خاموشی اختیار کرلی۔ مجھے اُس پر اس لئے اور بھی اعتماد ہو گیا تھا کہ اُس نے مجھ سے کبھی ئی رقم نہیں طلب کی تھی۔ بوڑھے کو بھی اُس نے پانچ ہزار روپے اپنے پاس ہی سے دیئے تھے روپیے بھی نہ جانے کیوں میں بے چوں و چرا اُس کی ہر بات تسلیم کر لیتی تھی اب مجھے خود بھی ا پر حیرت ہے۔"

"لیکن اب تم اُس سے بد ظن کیوں ہو گئی ہو؟" فریدی نے پوچھا۔

"کیوں کیا آپ کو صفدر کا بیان یاد نہیں.... اُسے بھی تو اُسی پُر اسرار آدمی نے میرے اغواء ا مامور کیا تھا اور مجھ سے یہ کہتا رہا تھا کہ حملہ آور نواب اختر کے گرگے ہوں گے اور پھر حمید صاحب نے کل ہی رات کو کسی شاہینہ کی بلیک میلنگ کی داستان بھی سنائی تھی اور اُس کم بخت نے صفدر اور اُس کے ساتھی کو بھی بلیک میل ہی کر کے اپنے قابو میں کیا تھا۔ اب بتایئے میں اُس کے متعلق کیا سوچ سکتی ہوں۔ وہ کوئی پکا سازشی اور بلیک میلر ہے اور اس ساری بھاگ دوڑ کا مطلب یہ تھا کہ وہ مجھ سے بھی ایک قتل کرادے اور پھر میں اُس کی مٹھی میں ہوں گی۔"

"کس کا قتل....؟" حمید نے پوچھا۔

"صفدر کا قتل.... وہ جانتا تھا کہ میرا نشانہ بہت اچھا ہے۔ وہ تو خدا کی مہربانی تھی کہ میرا ہاتھ بہک گیا اور گولی ران پر پڑی۔ وہ اپنا بیان دینے کے لئے زندہ رہ گیا۔ ورنہ وہ کم بخت مجھے اپنی انگلیوں پر نچا سکتا تھا.... مگر کہاں.... اب بھی میری پوزیشن صاف نہیں ہے۔"

وہ کون تھا

تھوڑی دیر کے لئے سناٹا چھا گیا۔ فریدی ٹٹولنے والی نظروں سے اُس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ "لیکن تمہارے گونگے پن کا کیا ہوتا۔ تم میرے یہاں سے کیسے نکل پاتیں؟"

"اُس نے کہا تھا کہ جب آپ نواب اختر کی راہ پر لگ جائیں گے تو وہ مجھے وہاں سے نکال لے جائے گا۔"

"کیا پھر اُس کے بعد تم یہ ملک ہی چھوڑ دیتیں؟"

"نہیں اس کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ کیا آپ خان بہادر اشرف کی بھتیجی اور سر مشرف

کی لڑکی پر کسی قسم کا الزام رکھ سکتے؟"

"اوہ....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "شاید یہ تمہیں نہیں معلوم کہ تمہارے چچا ہی نے مجھے تمہارے حالات سے باخبر کیا ہے اور اگر تم جرائم کے ریکارڈ کا مطالعہ کرو تو تمہیں کئی ایسے بہت بڑے آدمی ملیں گے جن کے ہاتھوں میں خود فریدی نے ہتھکڑیاں ڈالی ہیں۔"

"آپ میرا مطلب نہیں سمجھے۔" سلیمہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔ "یہ اُسی کم بخت کا خیال تھا۔ اُس نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ مجھے اسی لئے گونگی بنا رہا ہے کہ بعد میں پولیس کو شبہے میں ڈال کر فائدہ اٹھایا جا سکے۔"

"کچھ بھی ہو.... تم پر فریب دہی اور ایک آدمی پر قاتلانہ حملہ کرنے کا الزام بدستور موجود ہے۔" فریدی نے کہا۔

سلیمہ کچھ نہ بولی۔ وہ چند لمحے سر جھکائے کچھ سوچتی رہی پھر اُس نے کہا۔ "میں آپ سے التجا کرتی ہوں کہ ابھی مجھے گرفتار نہ کیجئے۔"

"کیوں؟"

"میں اتنی مہلت چاہتی ہوں کہ اُس آدمی کو تلاش کر کے قتل کر دوں پھر میں خود ہی آپ کے پاس چلی آؤں گی۔ میں موت سے نہیں ڈرتی۔"

"خوب.... اب تم مجھے دوبارہ اُلو بنانا چاہتی ہو؟"

"اچھی بات ہے.... جو آپ کا دل چاہے کیجئے۔" اُس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"ٹھہرو....!" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میرے ذہن میں ایک دوسری تجویز ہے۔"

"کیا....؟" وہ اُس کی طرف مڑی۔

"میرے ساتھ شادی کر لو۔ پھر ہم دونوں مل کر اُسے تلاش کریں۔ مل جائے تو قتل کر کے دونوں پھانسی پر چڑھ جائیں۔"

"حمید صاحب.... میں بدتمیزی پسند نہیں کرتی۔" سلیمہ نے غصیلی آواز میں کہا۔

"اگر شادی بدتمیزی ہے تو سب سے پہلے میں اپنے باپ کی گردن اڑا دوں گا۔"

فریدی خاموش تھا۔ اُس کی پیشانی پر شکنیں تھیں اور وہ پلکیں جھپکائے بغیر دیوار سے لگی ہوئی ایک پینٹنگ کو گھور رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ "اور وہ شادی والا معاملہ.... اگر میں تمہاری شادی کسی سے کر ہی دیتا تو....؟"

"میں کچھ نہیں جانتی۔" سلیمہ جھلا کر بولی۔ "وہی سور کا بچہ بتائے گا۔ اب میں کسی سوال کا جواب نہیں دوں گی۔ جو آپ کا دل چاہے کیجئے۔"

"تم ان پر خواہ مخواہ بگڑ رہی ہو۔" حمید نے کہا۔ "یہ بالکل بدتمیزی نہیں کرتے۔ فارغ البال ہیں۔"

"منع کیجئے۔ ورنہ میں بہت بُری طرح پیش آؤں گی۔" سلیمہ نے فریدی سے کہا۔

"حمید! بکواس بند کرو۔" فریدی نے اُسے ڈانٹا۔

"آپ میرے گھریلو معاملات میں دخل نہیں دے سکتے۔"

"میں تمہارا سر توڑ دوں گی۔" سلیمہ اُس کی طرف جھپٹی۔ حمید اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا۔ سلیمہ چکنے فرش پر پھسلتی ہوئی دروازے تک چلی گئی اور پھر اُس نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ فریدی نے جھپٹ کر اُسے پکڑ لیا۔

"پھر بھوت سوار ہوا تم پر۔" وہ اُسے ایک کرسی میں دھکیلتا ہوا بولا۔ "بہت چالاک ہو۔ تم جیسی لڑکیاں میری نظر سے کم ہی گذری ہیں۔"

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟" اُس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"صرف ایک سوال اور کروں گا اور اس کے بعد تمہیں تمہاری تقدیر کے حوالے کر کے یہاں سے رخصت ہو جاؤں گا۔ فی الحال تمہاری گرفتاری کا خیال ترک کر دیا ہے۔"

سلیمہ کچھ نہ بولی۔ اُس کی آنکھوں سے بے اعتباری جھلک رہی تھی۔

"تم نے مجھے نور محل سے نکلتے دیکھ کر میرا تعاقب کیوں شروع کر دیا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

سلیمہ نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ وہ کچھ دیر تک فریدی کو گھورتی رہی۔ پھر گلا صاف کر کے بولی۔ "میرا خیال ہے کہ وہ پُراسرار آدمی نواب اختر ہی تھا۔"

"آخر کس بناء پر۔ اس خیال کی کوئی وجہ؟"

"دستانے....!" سلیمہ پیشانی پر شکنیں ڈال کر بولی۔ "وہ غالباً اسی لئے دستانے پہنتا تھا کہ اُس کی ایک بہت ہی نمایاں قسم کی پہچان چھپی رہے۔ نواب اختر کے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں کے ناخن غائب ہیں۔ یہ عیب پیدائشی ہے اور دوسری بات یہ کہ نواب اختر کسی زمانے میں اسٹیج کا ایکٹر بھی رہ چکا تھا۔ لہٰذا میک اپ کا بھی ماہر ہوگا۔ اُس کے سر کے بال بھورے ہیں۔ لہٰذا ایک نقلی بھوری داڑھی اُس کے چہرے پر اچھی طرح کھپ سکتی ہے۔ اب آیئے دوسری طرف.... وہ جانتا ہے کہ میں اُس کی دشمن ہوں اور ساتھ ہی ساتھ اُس سے زیادہ دولت مند بھی۔ اُس کو ہر وقت میری طرف سے خدشہ رہتا ہے اور یہ بات تو بالکل ہی عام ہو چکی ہے کہ میں نے اپنی زندگی

کو اس ڈھرے پر محض اس لئے لگایا ہے کہ اپنے باپ کے قتل کا انتقام لے سکوں۔ اُس نے اپنے قضیئے کو ختم کرنے کے لئے ایک بار مصالحت بھی کرنی چاہی تھی۔ یعنی میرے لئے اپنے لڑکے کا پیغام دیا تھا۔ مگر چچا جان نے سختی سے انکار کر دیا اور میں نے بھی خاصی لتاڑ کی تھی.... اب آپ خود سوچئے کیا وہ اُس پُر اسرار آدمی کی شخصیت میں فٹ نہیں بیٹھتا.... نواب اختر کی ہسٹری مجھ سے پوچھئے۔ وہ بہت پرانا بلیک میلر ہے.... اُس نے اپنی محبوباؤں تک کو بلیک میل کیا ہے۔ اگر آپ کہیں تو میں اُن عورتوں کے نام تک بتا سکتی ہوں۔ وہ شہر کے سربرآوردہ لوگوں کی بیویاں ہیں۔ نواب اختر انہیں دھمکیاں دے کر رقمیں وصول کرتا رہتا ہے۔ اُن کے خطوط اُن کے شوہروں تک پہنچا دینے کی دھمکی کافی ہوتی ہے۔ اُس نے مجھے بھی اپنے قابو میں کرنے کے لئے یہ سارا جال پھیلایا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ میں آپ کی کوٹھی میں صفدر کو قتل کر دوں پھر وہ مجھے وہاں سے نکال لے جانے کے بعد بلیک میل کرے۔ اس صورت میں میری زندگی اور موت اُس کی مٹھی میں ہوتی۔ پھر وہ مجھے اپنے لڑکے سے شادی کرنے پر بھی مجبور کر سکتا تھا۔"

سلیمہ خاموش ہو گئی۔ فریدی حیرت سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"اچھا لڑکی....!" وہ تھوڑی دیر بعد اٹھتا ہوا بولا۔ "تم میری اجازت کے بغیر اگر ایک منٹ کے لئے بھی اس کمرے سے باہر نکلیں تو اپنی موت کی خود ذمہ دار ہو گی۔"

"میں نہیں سمجھی۔" سلیمہ چونک پڑی۔

"بس اتنا ہی کافی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن یہ تو بتاؤ کہ جب وہ پہلی بار تم سے ملا تھا تو تمہیں نواب اختر کا خیال کیوں نہیں آیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اُس وقت بھی اُس کی شخصیت مشتبہ ہی رہی ہو گی۔"

"مجھے خیال آیا تھا۔" سلیمہ جلدی سے بولی۔ "اور اگر نہ آتا تو یہ ایک قطعی غیر فطری چیز ہوتی۔ اُس کے ہاتھوں میں دستانے دیکھ کر مجھے نواب اختر کے بغیر ناخن انگوٹھے بے ساختہ یاد آ گئے تھے۔ مگر اُس زمانے میں نواب اختر اتنا بیمار تھا کہ چارپائی سے لگ گیا تھا۔"

"پھر....؟" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"اب سوچتی ہوں کہ میں نے محض بیماری کی خبر سنی تھی۔ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اُس نے اپنی بیماری کا جھوٹا پراپیگنڈا کرایا ہو۔ یہ چیز ناممکن تو نہیں۔"

"ممکن ہے....!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ چند لمحے خلاء میں گھورتا رہا پھر حمید سے بولا۔ "آؤ چلیں۔ اگر سلیمہ کو اپنی زندگی عزیز ہو گی تو آج رات کو اس کمرے سے باہر قدم نہیں

نکالے گی۔"

وہ دونوں بہت تیزی سے باہر نکلے۔ سلیمہ نے کمرہ بند کر لیا۔ فریدی چند لمحوں کے لئے راہداری میں رک گیا۔ اُس کی نظر سامنے والے کمروں کی قطار پر دوڑتی چلی گئی۔ پھر وہ آگے بڑھ گیا۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح فریدی کے ذہن میں پھاند پڑے۔ اُس کی الجھن بڑھتی جا رہی تھی اور فریدی تھا کہ اپنی دھن میں مست.... پرانی عادت کے مطابق وہ آج بھی اپنے اصول سے ہٹ نہیں سکتا تھا۔ اصول نہیں بلکہ اُسے افتادِ طبع کہنا چاہئے۔ وہ ہر کیس کے دوران میں ہمیشہ اُسی لمحے کا منتظر رہتا تھا جب حاضرین کی آنکھیں حیرت سے اُبل پڑنے والی ہوں اور اگر حاضرین مہیانہ ہو سکیں تو بے چارا حمید ہی حاضرین کے فرائض انجام دے ڈالے۔

وہ نیچے ڈائننگ ہال میں آئے اور فریدی نے منیجر کے کمرے کا رخ کیا۔ وہاں اُس نے اٹھائیس نمبر کا کمرہ ایک فرضی نام سے بک کرایا۔ کلرک نے سامان کے متعلق پوچھا۔ اس پر فریدی نے کہا کہ سامان اسٹیشن ہی پر رہ گیا ہے۔ ابھی منگوا لیا جائے گا۔ اُس نے پیشگی کرایہ ادا کر کے کمرے کی کنجی لی اور وہ دونوں پھر ڈائننگ ہال میں واپس آ گئے۔

"تم کمرے میں جاؤ.... میں ابھی آتا ہوں۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"کس کمرے میں؟ آخر آپ کرنا کیا چاہتے ہیں؟"

"بکواس مت کرو.... جاؤ۔" فریدی اُسے کنجی دے کر زینوں کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔

حمید طوعاً و کرہاً زینے طے کرنے لگا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ اُسے اب یہ کیس مضحکہ انگیز نظر آنے لگا تھا۔ سلیمہ کی داستان سو فیصدی غپ معلوم ہوتی تھی اور فریدی کا رویہ اُس سے بھی زیادہ مضحکہ انگیز تھا۔ حمید کی دانست میں سب سے زیادہ ضروری امر یہ تھا کہ فریدی سلیمہ کو حراست میں لے لیتا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد حقیقت تو کھل ہی جاتی۔ اُسے یقین تھا کہ اس سازش کا اصلی کردار دراصل فریدی ہی تھا اور سازش کا مقصد.... وہ ابھی تاریکی میں تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے تک حمید کمرے میں فریدی کا انتظار کرتا رہا اور یہ بات تو اُسے کمرے کے قریب ہی پہنچ کر معلوم ہوئی تھی کہ کمرہ ٹھیک سلیمہ کے کمرے کے سامنے واقع ہے۔ لیکن اُس نے صحیح معنوں میں یہ عقل مندی کی کہ سلیمہ کو چھیڑا نہیں۔ کمرہ بند کیے چپ چاپ فریدی کا انتظار کرتا رہا۔

آدھے گھنٹے بعد فریدی ایک آدمی کے ساتھ واپس آیا۔ حمید اُسے اچھی طرح پہچانتا تھا۔ یہ شہر کا ایک فرسٹ کلاس مجسٹریٹ تھا۔ اُس کی حیرت اور بڑھی۔ اگر فریدی نے یہ سب کچھ اُس

پُراسرار آدمی کے لئے کیا تھا تو یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ اُس وقت وہاں آ ہی جاتا اور پھر اگر اسے سلیمہ کے بیان پر اعتبار ہوتا تب بھی وہ اُسے ایک غیر ضروری اقدام سمجھتا۔ ظاہر ہے کہ سلیمہ اور وہ پُراسرار آدمی موجودہ حالات میں ایک دوسرے سے علیحدہ ہوگئے تھے۔ اس لئے دونوں کو ایک دوسرے کی خبر بھی نہ ہوگی.... پھر یہ سب کیا ہے؟ کسی مجسٹریٹ کو ساتھ لے کر بیٹھنا تو اس بات پر دلالت کرتا تھا کہ فریدی کو اپنے شکار کی آمد کا یقین تھا۔

کچھ دیر بعد مجسٹریٹ کو غسل خانے کی حاجت محسوس ہوئی اور وہ اٹھ کر چلا گیا۔

حمید نے استفہامیہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھا لیکن پوچھنے سے قبل ہی فریدی آہستہ سے بولا۔ "نکاح بعد میں ہوتا رہے گا فی الحال میں یہ چاہتا ہوں کہ سول میرج ہی ہو جائے۔ اسی لئے مجسٹریٹ صاحب کو تکلیف دی ہے۔"

"کیا مطلب....؟" حمید بوکھلا گیا۔ فریدی کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ اتنے میں مجسٹریٹ بھی واپس آ گیا حمید کا دل بڑی شدت سے دھڑکنے لگا تھا۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

تقریباً دو گھنٹے تک وہ اسی طرح بیٹھے رہے۔ پھر اچانک سنسان راہداری میں کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ بارہ بج چکے تھے اور قرب و جوار کے کمروں کے لوگ شاید سو رہے تھے۔ یکایک کاریڈر کی روشنی بھی غائب ہوگئی اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی کمرے کے سامنے آ کر رک گیا ہو۔

فریدی نے یکلخت کمرے کے دروازے کھول دیئے۔ کمرے کی روشنی ایک آدمی پر پڑی جو سلیمہ کے کمرے کے دروازے پر جھکا ہوا تھا۔ وہ چونک کر پلٹا۔

لیکن فریدی کے ریوالور کی نال اُس کے سینے کی طرف تھی۔

"خبردار....!" فریدی آہستہ سے بولا۔

حمید نے اُس آدمی کے ہاتھوں میں سفید دستانے دیکھے۔

"حمید....اس کے ہاتھ رومال سے باندھ دو۔" فریدی نے کہا۔

وہ تینوں باہر آ گئے تھے اور انہوں نے اُس آدمی کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُس کے اوسان خطا ہوگئے ہوں۔

جیسے ہی حمید نے اُس کے ہاتھ باندھنے چاہے اُس نے غیر متوقع طور پر جھک کر اُس کے پیٹ میں ٹکر ماری۔ حمید کراہ کر ڈھیر ہو گیا اور وہ اچھل کر بھاگا۔

پھر حمید جلدی سے اٹھ بیٹھا۔ لیکن فریدی کے رویہ کو دیکھ کر اُس کا دل چاہا کہ ابھی اور اسی وقت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پاگل ہو جائے۔ فریدی چپ چاپ کھڑا اُسے بھاگتے دیکھ رہا تھا۔ یکایک کاریڈر کے دوسرے سرے پر اندھیرے میں شور ہونے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کئی آدمی ایک دوسرے سے گتھ گئے ہوں۔

پھر کاریڈر میں روشنی ہوگئی۔ حمید نے دیکھا کہ تین قوی ہیکل جوان اُس داڑھی والے پُراسرار آدمی کو کھینچتے ہوئے اُن کی طرف لا رہے ہیں۔ کمروں کے دروازے کھلنے لگے تھے اور نیند سے چونکے ہوئے لوگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں دیکھ رہے تھے۔ سلیمہ بھی دروازہ کھول کر کاریڈر میں نکل آئی تھی۔ وہ اب بھی سکھ ہی کے بھیس میں تھی۔

فریدی نے اُس آدمی کو گریبان سے پکڑ کر سلیمہ کے کمرے میں دھکیل دیا۔ ہوٹل کا ڈیوٹی کلرک بوکھلایا ہوا اُن کی طرف آیا۔

"جاؤ....!" فریدی ہاتھ ہلا کر بولا۔ "یہاں سے بھیڑ ہٹا دو.... یہ پولیس کیس ہے۔"

پھر سلیمہ کے کمرے کا دروازہ بند ہوگیا۔ داڑھی والا فرش پر اوندھا پڑا ہانپ رہا تھا۔ سلیمہ، حمید اور مجسٹریٹ خاموش کھڑے تھے۔

"سلیمہ اپنے چچا سے ملو....!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کیا....؟" سلیمہ کی چیخ ہذیانی انداز کی تھی۔

"خان بہادر اشرف....!" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "میں تم سے پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ مجرم خواہ سر ہو خواہ کوئی لارڈ.... ایم۔پی ہو یا کوئی بلا۔ میں بے دریغ رگڑ دیتا ہوں۔"

"نہیں نہیں.... یہ جھوٹ ہے۔" سلیمہ سسکتی ہوئی بولی۔

باہر راہداری میں اب بھی شور ہو رہا تھا.... کئی بار کمرے کا دروازہ بھی پیٹا گیا۔ شاید انہیں فریدی کے بیان پر یقین نہیں آیا تھا۔

فریدی نے حمید سے کہا۔ "ذرا اس کی ڈاڑھی کھینچ دو تاکہ سلیمہ کو یقین آ جائے۔"

اچانک زمین پر اوندھے پڑے ہوئے آدمی کے منہ سے ایک ہلکی سی کراہ نکلی اور دیکھتے ہی دیکھتے اُس کے نیچے بہت سا خون پھیل گیا۔

فریدی بوکھلائے ہوئے انداز میں اُس پر جھک پڑا۔ جلدی سے اُسے سیدھا کیا اور سلیمہ کے منہ سے پھر ایک چیخ نکلی۔ پُراسرار آدمی کے سینے میں ایک خنجر دستے تک پیوست تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک سسکتا رہا اور پھر ٹھنڈا ہو گیا۔

وہ تینوں خاموش کھڑے تھے۔ سلیمہ میز پر سر اوندھا کیے سسک سسک کر رو رہی تھی۔ راہداری میں بدستور شور ہو رہا تھا اور تھوڑے تھوڑے وقفے سے اب بھی باہر سے دروازہ پیٹا جانے لگتا تھا۔

تقریباً ڈھائی بجے فریدی کوتوالی میں چند اعلیٰ حکام کے سامنے اپنا بیان دے رہا تھا۔ اُس نے پوری داستان دہراتے ہوئے کہا۔ "اس طرح اشرف لڑکی کا خاتمہ کرنے کے بعد اُس کی ملکیت پر بھی قابض ہو جاتا اور پولیس اصل مجرم کی تلاش میں بھٹکتی رہ جاتی۔ میں خود بھی چکر کھاتا رہتا۔ اگر سلیمہ کا نشانہ چوک نہ جاتا۔ اشرف کی اسکیم یہ تھی کہ سلیمہ پُر اسرار حالات میں میرے پاس پہنچائی جائے۔ اور پھر میرے مکان پر بھی حملے کیے جائیں تاکہ مجھے یقین آجائے کہ کچھ نامعلوم آدمی سچ مچ لڑکی کو اغوا کرنا چاہتے ہیں۔ لڑکی کو اس لئے گونگی بنایا گیا تھا کہ میں حالات کی پیچیدگی میں الجھتا ہی چلا جاؤں.... اور پھر کسی دن مجھے لڑکی کی لاش ملے۔ یقین کیجئے.... اگر اشرف اس طرح نہ پکڑا جاتا تو میرے فرشتے بھی اُس کے خلاف کوئی ثبوت مہیا نہ کر سکتے تھے۔ لڑکی کی موت کے بعد اُس کی لاش کی تصویر اخبارات میں شائع ہوتی تو وہ روتا پیٹتا ہوا کوتوالی میں چلا آتا اور وہی کہانی سناتا جو اُس نے کل مجھے سنائی تھی۔ اور پولیس ایک بار پھر چکر میں پڑ جاتی۔ دستانوں کی بناء پر خیال نواب اختر کی طرف جاتا جس کے انگوٹھوں میں ناخن نہیں ہیں۔ لامحالہ یہ خیال پیدا ہوتا کہ گرمیوں میں دستانوں کے استعمال کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ ہاتھوں کی کوئی واضح قسم کی پہچان چھپائی جا سکے.... اور اشرف کے ہاتھوں میں کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی۔ اُس کے ہاتھ بالکل ٹھیک تھے۔ بہر حال دستانوں کا استعمال بھی پولیس کو غلط راستے پر ڈالنے کے لئے کیا گیا تھا۔ نواب اختر کے سر کے بال بھی بھورے ہیں اور اشرف نے بھی بھورے ہی بالوں کا استعمال کیا تھا۔ ویسے اُس کے سر پر بال تھے ہی نہیں۔ اس لئے بھیس بدلنے میں اور زیادہ آسانی ہو گئی تھی۔ مگر میک اپ کی داد دینی پڑے گی کہ اُس کی سگی بھتیجی بھی نہ پہچان سکی۔ غالباً وہ آواز بدلنے کا بھی ماہر رہا ہو گا۔"

"مگر وہ بیک بیک ہوٹل میں کیسے پہنچ گیا۔" کسی نے پوچھا۔

"یہ واقعہ بھی دلچسپ ہے۔ جب میں لڑکی کا بیان لے کر ہوٹل سے باہر نکلا تو میرے ذہن میں صرف نواب اختر کی تصویر تھی۔ میں نے کل اُس کے ہاتھوں پر پٹیاں بھی بندھی دیکھی تھیں جن کے لئے اُس نے کہا تھا کہ اُسے اپنے خارش زدہ ہاتھوں سے گھن آتی ہے۔ بہر حال میں نے

ہوٹل سے نکل کر نواب اختر کو فون پر اطلاع دی کہ سلیمہ مل گئی ہے۔ اس پر اُس نے ایک موٹی سی گالی دے کر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اُسے لڑکی سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اُس نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ لڑکی ہے کہاں۔ پھر میں نے خان بہادر اشرف کو فون کر کے بتایا کہ سلیمہ مل گئی ہے اور وہ فلاں ہوٹل کے فلاں کمرے میں ایک سکھ کے بھیس میں مقیم ہے۔ اشرف نے چھوٹتے ہی پوچھا کہ میں کہاں سے بول رہا ہوں.... اچانک ایک نئے شبہے نے میرے ذہن میں سر ابھارا اور میں نے تجربے کی ٹھان لی۔ میں نے اُسے بتایا کہ میں اپنے گھر سے بول رہا ہوں۔ بہت تھک گیا ہوں اور اب سوؤں گا۔ وہ کافی دیر تک فون پر کٹ حجتی کرتا رہا۔ کہنے لگا کہ مجھے اُس کی خاطر تھوڑی سی تکلیف کر کے ہوٹل تک پہنچنا چاہئے۔ لیکن میں نے صاف انکار کر دیا۔ میں نے کہا تم جانو اور تمہاری پاگل بھتیجی جانے۔ پھر میں نے سلسلہ منقطع کر کے اپنے ایک نوکر کو فون کیا اور اُسے ہدایت کر دی اگر کوئی مجھے یا حمید کو پوچھتا ہوا آئے تو اُس سے کہہ دے کہ ہم دونوں تھکے ہوئے سو رہے ہیں اور ہمیں کسی حال میں بھی جگایا نہیں جا سکتا۔ بہر حال اُس سے نپٹ کر میں نے مسٹر بسواس مجسٹریٹ کو جو ہوٹل کے قریب ہی رہتے ہیں سارے حالات سے آگاہ کیا اور انہیں اپنے ساتھ ہوٹل تک لایا۔ مجھے خوشی ہے کہ میرا اندازہ غلط نہیں نکلا.... نوکر سے ابھی کچھ دیر قبل میں نے فون پر معلوم کیا ہے کہ خان بہادر اشرف فون کرنے کے ٹھیک پندرہ منٹ بعد میری کوٹھی پر پہنچا تھا:.... لیکن نوکروں نے وہی دہرایا جس کے لئے انہیں ہدایت کی گئی تھی۔"

ضابطے کی کاروائیوں کے اختتام پر فریدی اور حمید گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

"یہ آپ نے بہت اچھا کیا۔" حمید پائپ سلگاتا ہوا بولا۔ "میں ڈر رہا تھا کہ کہیں آپ شاہینہ کی بلیک میلنگ والا واقعہ بھی نہ دہرا چلیں۔"

"وہ ایک بالکل الگ چیز تھی۔ وہ تو محض مجھے اُلو بنانے کے لئے کیا گیا تھا تاکہ مجھے یقین آجائے کہ وہ پُر اسرار آدمی بلیک میلر بھی ہے یعنی وہ خان بہادر اشرف نہیں ہو سکتا۔ بھلا اشرف کی کو بلیک میل کیوں کرنے لگا۔ اُسے اگر دلچسپی ہو سکتی ہے تو صرف اپنے بھائی کی جائیداد سے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"اُس نے بڑی ذہانت سے اپنا لائحہ عمل مرتب کیا تھا۔ کھیل صفدر نے بگاڑ دیا۔ اگر وہ سلیمہ کی گولی سے مر جاتا تو.... ہم اس نتیجے پر نہ پہنچتے۔ ہم اُس پر اسرار آدمی کو دو حیثیتوں سے تلاش کرتے۔ ایک حیثیت سلیمہ کے ہمدرد کی ہوتی اور دوسری حیثیت ایک بلیک میلر کی۔ ہم اسی میں الجھتے رہ جاتے اور وہ اپنا کام کر گذرتا.... یعنی سلیمہ کا قتل.... صفدر اور شیکھر کو تو وہ ہر حال میں

ٹھکانے لگا دیتا.... تاکہ وہ بھی اُس کی کہانی سنانے کے لئے زندہ نہ رہیں۔"

"پہلے میں یہ سمجھ رہا تھا کہ ہمارے کسی دشمن نے ہمارے خلاف کسی سازش کا جال پھیلایا ہے۔" حمید نے کہا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر حمید نے پوچھا۔ "وہ تینوں آدمی کون تھے جنہوں نے ہوٹل کی راہداری میں اُسے پکڑا تھا۔"

"وہ میری بلیک فورس کے تین سپاہی تھے۔ میں نے انہیں ابھی فون کر کے بلالیا تھا۔"

"آہا.... خوب یاد آیا.... اور وہ لڑکی.... جو سلیمہ کا تعاقب کر رہی تھی.... کتھئی اسکرٹ والی۔"

"حمید صاحب.... اُس کا تعلق بھی میری بلیک فورس سے ہے۔"

"کیا....؟" حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔

"جی ہاں.... اُس میں ایک نہیں کئی لڑکیاں ہیں۔"

"ارے تو پھر مجھے بھی شامل کر لیجئے نا اپنی بلیک فورس میں ہائے ہائے۔" حمید سینہ پیٹتا ہوا بولا۔

"بلیک فورس میں سرکاری آدمی نہیں لیے جاتے۔"

"بھلا کیوں لیے جانے لگے۔" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔ "کیونکہ ایک سرکاری آدمی اُس غیر سرکاری فورس کا بلیک کرنل ہے اور غیر سرکاری لڑکیوں پر دست شفقت پھیرتا ہے۔ کیونکہ سرکاری طور پر تو لڑکیاں سپلائی ہونے سے رہیں.... ہاہا.... زندہ باد.... بھلا آپ کیوں نہ شادی سے متنفر رہیں.... جسے چھپڑ پھاڑ کر ملتی ہوں اُسے شادی کی کیا ضرورت.... ہاہا.... پاگل ہے.... حمید سالا.... پاگل ہے۔"

سچ مچ حمید پاگلوں ہی کی طرح غل غپاڑہ مچانے لگا اور فریدی نے بایاں ہاتھ اُس کی گردن میں دے کر منہ دبالیا۔

ختم شد

ابنِ صفی

جلد نمبر 15

جاسوسی دنیا

45- خونی بگولے

46- لاشوں کا سوداگر

47- ہولناک ویرانے

48- لیونارڈ کی واپسی



حادثہ

لڑکال جنگل میں درخت کاٹنے والے مزدوروں نے اس انوکھے مزدور کو آج بھی حیرت سے دیکھا جو سر جھکائے بڑی مستعدی سے ایک درخت کے موٹے سے تنے پر کلہاڑا چلا رہا تھا۔ وہ روز ہی اسے حیرت سے دیکھتے تھے۔ پچھلے ایک ماہ سے وہ ان کے ساتھ کام کر رہا تھا لیکن اس دوران میں وہ شاید ہی کسی سے مخاطب ہوا ہو۔ کام شروع کرتے ہی وہ اس طرح درختوں پر پل پڑتا تھا جیسے صرف کلہاڑا ہی چلانے کے لئے پیدا ہوا ہو۔

عام قاعدہ تھا کہ ایک درخت پر بیک وقت دو مزدور کام کرتے تھے لیکن اس نے آج تک کسی مزدور کو اپنا ساتھی نہیں بنایا تھا۔ ایک درخت پر تنہا کام کرتا تھا لیکن پھر بھی اس کے درخت گرانے کا اوسط دوسروں سے ہمیشہ زیادہ ہوتا تھا۔ دوپہر کو جب دوسرے کھانا کھا کر آرام کرتے اس وقت بھی اس کا کام جاری رہتا۔ دوسرے مزدوروں نے آج تک اسے دوپہر کا کھانا کھاتے ہی نہیں دیکھا تھا۔

وہ ایک قوی ہیکل دراز قد جوان تھا۔ جلد کی رنگت سرخ و سفید، کشادہ پیشانی ڈاڑھی مونچھیں صاف، ایسا صاف ہوتا تھا جیسے وہ روزانہ شیو کرنے کا عادی ہو۔ اس کے دودھ جیسے شفاف پیر اس پر دلالت کرتے تھے کہ شاید ہی کبھی اپنی ساری عمر میں ننگے پیر چلا ہو۔ بہر حال اس کا تعلق مزدور طبقے سے نہیں معلوم ہوتا تھا۔

سپروائزر اس سے بہت خوش تھا لیکن اس لئے نہیں کہ وہ کام بہت تیز کرتا تھا بلکہ اس کی خوشی کی وجہ یہ تھی کہ وہ مزدور اپنی مزدوری کی آدھی اجرت بڑے سعادت مندانہ انداز میں اس

کی خدمت میں پیش کر دیا کرتا تھا۔ پھر ایسی صورت میں سپروائزر کو کیا پڑی تھی کہ وہ اس کے متعلق کچھ جاننے کی کوشش کرتا ورنہ اس کے لئے بھی مزدور کی شخصیت بڑی پُراسرار تھی اس نے سینکڑوں بار رات کا کھانا کھا چکنے کے بعد بیڑی سلگا کر اس عجیب و غریب مزدور کے متعلق بہت کچھ سوچا تھا۔ وہ اکثر اپنے بیوی بچوں میں بھی اس کا تذکرہ کرتا اور اس کی منجھلی لڑکی جو ساتویں جماعت کی طالبہ تھی، بڑے جوش سے کہتی۔

"دیکھ لینا بابا.... میری بات یاد رکھنا.... وہ یقیناً کسی ریاست کا کوئی پاگل شہزادہ ہے.... جو اپنے گھر والوں سے روٹھ کر یہاں چلا آیا ہے.... ایک دن اس کے نوکر چاکر اسے ڈھونڈھتے ہوئے.... ادھر آنکلیں گے اور اسے فوجیوں کے سے انداز میں سلیوٹ کریں گے.... تب بابا۔"

بوڑھا سپروائزر مسکرا کر خاموش ہو جاتا اور اس کی دھندلی آنکھیں ماضی میں جھانکنے لگتیں۔ اسے اپنا بچپن یاد آجاتا۔ جب وہ بھی اس قسم کی رومانی شہزادیوں کے خواب دیکھا کرتا تھا۔

اور پھر جب اس کی لڑکی ضد کرتی کہ وہ بھی اس مزدور کو دیکھے گی تو وہ اسے قہر آلود نظروں سے گھور کر بیڑی کے کش پر کش لینے لگتا۔ اسے ایسا محسوس ہوتا جیسے اس کی لڑکی نے اسے کوئی گندی سی گالی دے دی ہو۔

آج سپروائزر نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ اس مزدور سے اس کے متعلق ضرور پوچھے گا۔ وہ ٹہلتا ہوا اس کی طرف جانکلا۔ مزدور بڑے انہماک سے درخت کے تنے پر کلہاڑا چلا رہا تھا اس کے سنہرے بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔

"میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔" سپروائزر ہچکچاہٹ کے ساتھ بولا اور مزدور کا کلہاڑا اٹھا کا اٹھارہ گیا۔ پھر وہ اسے زمین پر ٹیک کر سپروائزر کی طرف مڑا۔

اچانک سپروائزر کو ایسا محسوس ہوا جیسے مزدور کی وحشت زدہ آنکھوں سے ایک برقی رو نکل کر اس کے سارے جسم میں دوڑ گئی ہو۔ وہ بوکھلا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

لیکن پھر بھی اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ حیرت انگیز طور پر ہلکا ہو گیا ہو۔ اتنا ہلکا کہ ہوا کا ایک جھونکا بھی اس کے پیر زمین سے اکھاڑنے کے لئے کافی ہوگا۔

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" مزدور نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"مم.... میں....!" سپروائزر ہکلایا۔ "یہی کہ تم.... کون ہو؟"

"میں ایک مزدور ہوں۔"

سپروائزر چند لمحے بغلیں جھانکتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔ "لیکن تم مزدور نہیں معلوم ہوتے۔"

"تو پھر میں کیا کروں۔ اس میں میرا کیا قصور ہے۔" مزدور مسکرا کر بولا۔

سپروائزر کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب وہ کیا کہے۔ اسے اس وقت اپنی لڑکی کی شہزادے والی بات یاد آگئی تھی۔

"تم کسی اچھے خاندان کے معلوم ہوتے ہو۔" سپروائزر نے بہت سوچ کر کہا۔

"یہ بھی میرا اپنا قصور نہیں۔"

"تم عجیب آدمی ہو۔" سپروائزر نے کہا لیکن اس دوران میں ایک بار بھی اس نے اس کی آنکھوں کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں کی۔

وہ چند لمحے وہاں کھڑا رہا پھر ہٹ آیا۔ مزدور نے اپنا کام پھر شروع کر دیا۔

"کچھ بھی ہو۔" سپروائزر نے اپنے دل میں کہا۔ "میں آج اس کا تعاقب ضرور کروں گا۔"

قریب ہی کے درخت کا ایک مزدور اپنا کام چھوڑ کر سپروائزر کے پیچھے لگ گیا۔

"کیوں....؟ کیا بات ہے....؟" سپروائزر کچھ دور جانے کے بعد پلٹ پڑا۔

"ار.... کچھ نہیں صاحب.... میں نے سوچا.... نہ جانے آپ کیا باتیں کر رہے ہوں۔"

"کیوں.... تم سے مطلب....؟"

"بات یوں ہے سرکار.... اپن کو کچھ گھٹالا جان پڑے ہے۔"

"کیا گھٹالا....؟"

"پتہ نہیں.... پر ہے کچھ گڑبڑ۔"

"جاؤ.... اپنا کام کرو۔" سپروائزر جھلا کر بولا۔

دوسری طرف سے وہ انوکھا مزدور ان سب سے بے نیاز اپنے کام میں بھڑا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے ہاتھ رکنا ہی نہ جانتے ہوں۔ ہر ضرب پر اس کے بازوؤں کی مچھلیاں ابھرتیں اور سینے کے مسلز تنتے اور پھر ڈھیلے ہو جاتے۔

اس کا سارا جسم پسینے سے بھیگا ہوا تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے اس کا احساس ہی نہ ہو۔

دن بھر جنگل میں کلہاڑوں کی آوازیں گونجتی رہیں۔ پھر شام کو اس جھونپڑی سے چھٹی کا

گھنٹہ بجایا گیا۔ جہاں سپروائزر دن بھر تاش کھیلا کرتا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں پرندوں کے شور کے علاوہ اور ساری آوازیں دب گئیں۔ مزدور جھونپڑی کے گرد اکٹھا ہو کر اپنی دن بھر کی کارگذاریوں کا اندراج کرانے لگے۔ مگر وہ انوکھا مزدور ان سب سے الگ تھلگ ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے بیٹھا افق میں گھور رہا تھا۔ جب سب جا چکے تو وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور جھونپڑی کے قریب آکر اپنے کام کی تفصیل لکھانے کے بعد اسی راستے پر چل پڑا جس سے سارے مزدور گذرے تھے۔

جب وہ کافی دور نکل گیا تو سپروائزر نے بھی اپنے کاغذات سنبھالے اور اس کے پیچھے چلنے لگا۔

مزدور اپنی دھن میں مست چلا جا رہا تھا۔ اس نے ایک بار بھی مڑ کر پیچھے نہ دیکھا پھر ان کے درمیان شاید پچاس گز کا فاصلہ رہ گیا۔

بوڑھے سپروائزر نے ربر سول کے جوتے پہن رکھے تھے اس لئے اس کے قدموں کی آواز زیادہ دور تک نہیں پھیل رہی تھی۔

وہ اس سڑک پر آگئے جو لڑکال جنگل کے وسط سے گذرتی تھی۔ سپروائزر کچھ دور تک سڑک پر چلتا رہا پھر سڑک کے نیچے اُتر کر درختوں کی آڑ لے کر چلنے لگا۔

تعاقب جاری رہا۔

حتیٰ کہ مزدور سڑک کے دوسرے سرے پر رک گیا۔ آگے میدان تھا لیکن درمیان میں ایک چھوٹا سا خشک نالہ پڑتا تھا جس کے گرد و پیش قدِ آدم جھاڑیاں تھیں۔ مزدور اِدھر اُدھر دیکھ کر جھاڑیوں میں گھس گیا۔

سپروائزر کا دل شدت سے دھڑکنے لگا۔ وہ جہاں تھا وہیں رک گیا۔

جھاڑیاں ہل رہی تھیں اور یہ اس بات کا مکمل ثبوت تھا کہ مزدور ابھی تک وہیں موجود ہے۔

تقریباً دس منٹ بعد سپروائزر نے جھاڑیوں میں کسی موٹر سائیکل کا پہیہ دیکھا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل کر رہ گئیں۔

اب اسے مزدور کون کہہ سکتا تھا۔

اس کے جسم پر نہایت نفیس قسم کا سوٹ تھا اور وہ موٹر سائیکل کو دھکیلتا ہوا جھاڑیوں سے باہر نکل رہا تھا۔

پھر موٹر سائیکل میدان میں فراٹے بھرنے لگی۔

اور سپر وائزر اسے افق کے دھندلکوں میں گم ہوتے دیکھتا رہا۔

❁

کرنل فریدی کے اسسٹنٹ کیپٹن حمید پر آج کل شیطنت کا بھوت سوار تھا۔ جب شرارت حد سے گذر جائے تو اسے شیطنت ہی کہا جاسکتا ہے۔

اس نے آج سر شام ہی گرانڈیل احمق قاسم کو پکڑ لیا تھا اور پہلے تو اسے متعدد ہوٹلوں کے چکر کھلاتا رہا پھر ایک بار میں لے جاکر خوب اچھی طرح پلادی۔

قاسم شراب سے اسی طرح بدکتا تھا جیسے سانپ نیولے سے یا نیولا سانپ سے.... چونکہ ایک بار اسی سلسلے میں اس کے باپ کے ہاتھوں اس کی مرمت عمل میں آچکی تھی اس لئے وہ بہت زیادہ محتاط ہو گیا تھا۔

لیکن آج وہ پھنس ہی گیا۔

بار کا سائن بورڈ دیکھ کر وہ پہلے ہی ٹھٹکا تھا۔ مگر حمید نے کہا۔ "پئیں گے تھوڑا ہی بس یونہی.... بات یہ ہے کہ لڑکیاں یہیں ٹکراتی ہیں۔"

اس نے غلط نہیں کہا تھا۔ بار میں داخل ہوتے ہی حمید کی ایک پرانی شناسا اینگلو انڈین لڑکی مل گئی۔ وہ تنہا تھی۔ اس لئے خود ہی ان دونوں کے پیچھے لگ گئی وہ کچھ اسی قسم کی لڑکی تھی۔ دن بھر کسی آفس میں ٹائپسٹ کے فرائض انجام دیتی تھی اور شام کی تفریح کا بار کسی شناسا کی جیب پر ڈال دیتی تھی۔

وہ ایک خالی میز کے گرد جا بیٹھے۔

"آج ملے ہو اتنے دنوں بعد۔" لڑکی حمید سے بولی۔

"اس خوشی میں کیا پیو گی....؟"

"وہ تو بعد کی بات ہے...." لڑکی قاسم کو نیچے سے اوپر اور دائیں سے بائیں تک دیکھتی ہوئی بولی۔

"آپ کی تعریف....؟"

"آپ قاسم دیوزاد ہیں۔"

لڑکی شاید دیوزاد کو قاسم کی کنیت سمجھی۔ اس لئے اس نے بڑی سنجیدگی سے اپنا ہاتھ اس کی

طرف بڑھادیا اور حمید نے کہا۔

"آپ مس پی کاک ہیں۔"

"ب.... بڑی خو.... او.... شی.... ہو.... او.... ئی۔" قاسم مصافحہ کرتے وقت ہکلایا۔

"تم ہمیشہ دوسروں کا مذاق اڑانے پر تلے رہتے ہو۔" لڑکی تنک کر بولی۔ "نہیں جناب میرا نام یلیا مور ہے۔"

"میں نے مور کا ترجمہ کر دیا تھا۔" حمید نے کہا۔ "ہماری زبان میں مور ایک پرندے کو کہتے ہیں اور وہی پرندہ انگریزی میں پی کاک کہلاتا ہے۔"

"تو پھر میں اٹھ جاؤں۔" لڑکی جھلا کر بولی۔

"ان سے پوچھئے!" حمید نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اس وقت میزبان یہ ہیں۔"

قاسم کی سانس پھولنے لگی اور زبان خشک ہو کر تالو سے چپک گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ حمید کے اس جملے پر اسے کیا کہنا چاہئے۔ وہ خواہ مخواہ کھانسنے لگا۔

لڑکی اٹھنے لگی۔ لیکن حمید نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"یہ ناممکن ہے۔" اس نے کہا۔ "قاسم کو بہت رنج ہوگا۔"

"جی ہاں.... جی ہاں....!" قاسم بوکھلا کر بولا اور پھر کھانسنے لگا۔ حالانکہ شاید اسے ہفتوں سے کھانسی نہیں آئی تھی۔

لڑکی بیٹھ گئی۔

حمید نے پھر کہا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ تم آج کل اتنی تنک مزاج کیوں ہو گئی ہو؟"

"میں نے بہت دیر سے پی نہیں۔" لڑکی بولی۔

"اوہ.... اچھا.... خیر.... میں تو پی نہیں سکوں گا۔" حمید نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔ "کیونکہ آج کل میرا اگلا خراب ہے ڈاکٹر کی رائے ہے کہ میں کچھ دنوں کے لئے شراب بالکل چھوڑ دوں.... ویسے قاسم تمہارا ساتھ دیں گے۔"

"م.... مج....!" قاسم حلق کے بل ہکلا کر رہ گیا۔

"اچھا.... میں ابھی آئی...." لڑکی نے کہا اور اٹھ کر دوسری میز پر چلی گئی جہاں سے اس کے کسی شناسا نے اسے اشارہ کیا تھا۔

"یہ کیا گھٹالا کر رہے ہو حمید بھائی۔" قاسم تھوک نگل کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"کیسا گھٹالا....؟" حمید اسے گھورنے لگا۔

"میں تو ہرگز نہ پیوں گا۔"

"ابے چپ اُلو.... وہ تجھے نرا.... ڈیوٹ سمجھے گی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے.... مگر....!"

"دیکھو بیٹا.... اب مجھ سے کبھی نہ کہنا کہ کسی لڑکی سے تعارف کرادو۔" حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"ارے سنو تو حمید بھائی۔"

"میں کچھ نہیں سنتا۔" حمید نے اپنے لہجے میں کرختگی قائم رکھتے ہوئے کہا۔ "تعارف اینگلو انڈین لڑکیوں سے چاہتے ہو اور حرکتیں دیہاتیوں جیسی کرتے ہو۔"

قاسم نے کچھ کہنا چاہا مگر کہہ نہ سکا۔

حمید کی بکواس جاری رہی۔ "یہ لڑکیاں پیکڑ قسم کے آدمیوں کو بہت پسند کرتی ہیں۔ اور ہاں دیکھو! پیتے وقت بُرے بُرے سے منہ نہ بنانا ورنہ اناڑی سمجھے گی اور اس سے دو چار پگ آگے ہی رہنا۔ خبردار یہ نہ ظاہر ہونے پائے کہ تم کیپٹن حمید کی سوسائٹی کے لائق نہیں ہو۔"

"مم.... مگر.... میں پھر کیسے گھر جاؤں گا۔" قاسم نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"ابے گھر جانے کی ضرورت ہی کیا ہے.... میں تم دونوں کو گرینڈ ہوٹل میں ایک کمرہ دلوادوں گا۔"

"ارے باپ رے....!" قاسم نے بوکھلائے ہوئے انداز میں پہلو بدلا۔

"کیوں....؟"

"کس... نہیں....!" قاسم کی زبان پھر لڑکھڑانے لگی۔

"بس بس خاموش.... وہ آرہی ہے۔"

قاسم جلدی سے سیدھا ہو کر پتھر کے بت کی طرح بیٹھ گیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے خلاء میں گھور رہا تھا اور اس کی سانس اس طرح پھول رہی تھی جیسے وہ کسی پہاڑ پر چڑھتے چڑھتے رک کر

دم لینے لگا ہو۔

لڑکی آکر بیٹھ گئی۔

حمید نے بیرے کو اشارہ سے بلا کر کہا۔ "وہسکی.... دو جگہ.... اور صاحب کے گلاس میں تین بڑے پگ ڈالنا....!"

"تین بڑے پگ....؟" لڑکی نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں یہ ہمیشہ تین پگ سے شروع کرتے ہیں۔" حمید لاپروائی سے بولا اور قاسم مضطربانہ انداز میں پہلو بدلنے لگا۔

لڑکی نے ایک بار پھر اس کے ڈیل ڈول کو تحسین آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "ضرور شروع کرتے ہوں گے۔"

"کل ہی میرے سامنے ایک نشست میں اسکاچ کی دو بوتلیں صاف کر گئے تھے۔"

"تم نے ان کی مکمل تعریف نہیں کی۔" لڑکی نے کہا۔

"خان بہادر عاصم کا نام سنا ہے؟"

"ہاں کیوں نہیں!"

"یہ جونیئر مسٹر عاصم ہیں۔"

"آہا....!" لڑکی کی مسرت آمیز چیخ کمرے میں گونج اٹھی۔

اتنے میں ویٹر واپس آگیا۔

گلاس میز پر رکھ دیئے گئے۔

"آپ سے مل کر واقعی بہت خوشی ہوئی۔" لڑکی نے قاسم سے کہا۔ "مگر آپ اتنے خاموش کیوں ہیں؟"

"نشہ اکھڑا ہوا ہے۔" حمید جلدی سے بولا۔

اور قاسم بدحواسی میں پورا گلاس ایک ہی سانس میں صاف کر گیا۔ پھر گلاس کو میز پر پٹخ کر جلدی سے ہونٹوں پر رومال رکھ لیا تاکہ اس کا بگڑا ہوا منہ لڑکی کو نظر نہ آسکے۔

لڑکی اسے اور زیادہ حیرت سے دیکھنے لگی۔

"واقعی کمال ہے۔" وہ آہستہ سے بڑبڑائی اور اپنا گلاس اٹھا کر چسکیاں لینے لگی۔

حمید نے اپنے لئے کافی کا آرڈر دیا۔

ادھر خاموشی سے شراب کے دور چلتے رہے۔ نویں پیگ پر قاسم کی کھوپڑی آؤٹ ہو گئی۔

ادھر لڑکی بھی اپنا دھاکڑ پن دکھانے کے لئے پیگ پر پیگ طلب کر رہی تھی۔ قاسم کے نویں پیگ پر اس کا پانچوان تھا اور اب وہ بھی بڑی شدت سے بہکنے لگی تھی۔

"گرے.... گرے.... گرینڈ ہوٹل .... ہی ہی ہی۔" قاسم نے حمید کے چہرے کے سامنے انگلی نچائی۔

حمید نے بیرے کو بلا کر بل طلب کیا اور قاسم کی جیب سے پرس نکال کر قیمت ادا کی۔

تھوڑی دیر بعد وہ انہیں اپنی کار میں ڈالے ہوئے اندھا دھند ایک طرف اڑا جا رہا تھا۔ وہ دونوں پچھلی سیٹ پر تھے۔ قاسم بھرائی ہوئی آواز میں کسی بھینسے کی طرح ڈکرا رہا تھا۔ "ابھی کمسن ہوں.... بغلم.... جوان ہونے دے.... ابے کمسن ہوں بغلم....!"

مگر کار گرینڈ ہوٹل کی طرف جانے کی بجائے قاسم کی کوٹھی کی طرف جا رہی تھی۔ قاسم بڑی موج میں تھا اور لڑکی سے اردو میں گفتگو کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لڑکی اس کے دیو جیسے قد و قامت کا مضحکہ اڑا رہی تھی۔ وہ اچھل کود بھی رہی تھی۔ لیکن قاسم بے حس و حرکت پڑا تھا۔ البتہ اس کی زبان قینچی کی طرح چل رہی تھی۔

"حمید بھائی....!" اس نے حمید کو مخاطب کیا۔ "کیا پرواہ ہے.... روپے پانی کی طرح بہاؤ میرے نام چار لاکھ خابینک بیلنس ہے.... ہینہ.... ہی ہی ہی۔"

حمید چپ رہا۔ اس کا ذہن بڑی تیزی سے ایک سازش کی کڑیاں مرتب کر رہا تھا۔ ادھر ان دونوں کا نشہ ٹھنڈی ہوا لگنے سے زیادہ گہرا ہو گیا اور ان کی آوازیں آہستہ آہستہ دبتی گئیں۔ حتیٰ کہ وہ گہری نیند سو گئے۔

پھر گاڑی قاسم کی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ دو نوکر کار کے قریب آئے۔

"بیگم صاحب کو بلاؤ۔" حمید نے ان سے کہا۔

"مگر بیگم صاحب....!" ایک نوکر بولا۔

"جاؤ.... کہہ دینا حمید صاحب ہیں۔"

نوکر چلے گئے۔ حمید وہیں کار کے قریب کھڑا رہا۔ تھوڑی دیر بعد قاسم کی بیوی آ گئی۔

"کیوں حمید بھائی.... کیا بات ہے۔ آپ اندر کیوں نہیں آئے؟" اس نے پوچھا۔

"بس یونہی.... مجھے دو پارسل ڈیلیور کرنے ہیں۔" حمید نے کہا اور سوئچ دبا کر کار کے اندر روشنی کرتا ہوا بولا۔ "ادھر دیکھئے۔"

قاسم کی بیوی بوکھلا گئی۔

"یہ کک.... کیا...."

"آپ کے شوہر ارجمند کے کرتوت.... اگر اتفاق سے میں نہ پہنچ جاتا تو اس وقت یہ دونوں حوالات میں ہوتے۔"

اچانک قاسم نے آنکھیں بند کئے ہوئے ہانک لگائی۔ "ابھی کمسن ہوں بغلم.... ہیں.... ہیں.... ہیں.... ہیں....!"

چند لمحے خاموشی رہی پھر قاسم کی بیوی کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔ "کوئی شرارت تو نہیں حمید بھائی۔"

"شرارت.... واہ یہ! اچھی رہی۔ نیکی بھی کیجئے اور گالیاں بھی کھائیے۔ اگر شرارت ہوتی تو میں بھی اسی حال میں ہوتا۔ میرا منہ سونگھ لیجئے۔ میں شرارت پر ستر ہزار بار لعنت بھیجتا ہوں۔"

"تو پھر یہ آپ کو کہاں ملے؟"

"سڑک پر.... ان کے گرد بھیڑ اکٹھا تھی اور یہ سور قاسم مسخرہ پن کر رہا تھا۔ میں نہ پہنچتا تو بند کروئیے جاتے بیٹا۔"

"لیکن آپ اس حرام زادی کو کیوں لائے؟"

"جہاں حرام زادہ وہیں حرام زادی.... آخر اس بے چاری کو کہاں چھوڑتا اسے بھی قاسم ہی نے پلائی ہو گی۔"

"مجھے یقین نہیں آتا....!"

"یقین آئے نہ آئے....!" حمید بگڑ کر بولا۔ "میری گاڑی خالی کرائیے۔"

قاسم کی بیوی نے دور کھڑے ہوئے نوکروں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "چلو۔"

پانچ نوکروں نے قاسم کو کار سے نکالا اور اسے لادے ہوئے بدقت تمام عمارت کی طرف چلے۔

"اور یہ.... اسے آپ جہاں دل چاہے لے جائیے۔" قاسم کی بیوی نے لڑکی کی طرف

اشارہ کر کے کہا۔

"میں کہاں لے جاؤں.... نہیں یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کیا آپ نے مجھے کوئی لفنگا سمجھا ہے.... واہ بھئی۔"

"تو میں کیا کروں گی؟"

"میں بتاؤں.... اسے قاسم کے اوپر لٹا کر پٹرول چھڑکئے اور آگ لگا دیجئے۔ سمجھیں آپ۔"

"ہونا تو یہی چاہئے۔" قاسم کی بیوی نے کہا اور ہونٹ بھینچ لئے۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے۔ راستے میں کم بختوں نے میرے دماغ کی چولیں ہلا دیں۔ مگر قاسم گاتا اچھا ہے۔ کبھی آپ نے بھی سنا....؟ گا رہا تھا.... ابھی کمسن ہوں بالم جوان ہونے دے۔"

"بس ختم کیجئے۔" قاسم کی بیوی بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "اچھا شب بخیر۔"

"ارے واہ.... کیا میں الو ہوں۔" حمید نے کہا اور مدہوش لڑکی کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اسے کار سے کھینچ لیا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی منمناہٹ نکلی اور بس.... دوسرے لمحے میں حمید اسے زمین پر ڈال چکا تھا۔

"اب کہئے شب بخیر....!" وہ کار میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کرتا ہوا بولا۔

"سنئے تو سہی۔"

"قاسم کو سنانے کیلئے بھی کچھ رکھئے۔ ٹاٹا....!" کار فراٹے بھرتی ہوئی پھاٹک سے نکل گئی۔

حمید یہ حرکت کر تو گذرا تھا مگر سوچ رہا تھا کہ قاسم اگلی ملاقات میں اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ مگر پھر وہ کرتا بھی کیا۔ سبق تو دینا ہی تھا۔ قاسم اسے اکثر بور کرتا رہتا تھا کہ کسی لڑکی سے تعارف کرا دو۔ چنانچہ آج اس نے اس پر رحم کھا کر اچھی طرح تعارف کرا دیا تھا اور رہ گئی لڑکی تو اس کا دھندہ یہی تھا۔

گھر پہنچ کر حمید کپڑے اتار ہی رہا تھا کہ اس نے فریدی کی خواب گاہ کا دروازہ کھلنے کی آواز سنی۔ وہ باہر نکل آیا کیونکہ اسے اپنی اس کارگذاری کی رپورٹ فریدی کو بھی دینی تھی۔ لیکن فریدی کو دیکھ کر وہ بے ساختہ چونک پڑا۔ وہ کمرے کے دروازے پر کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کا لباس خون سے تر تھا۔ چہرے پر خراشیں تھیں اور کپڑوں پر پھیلا ہوا خون شاید سر سے بہا تھا۔

قاسم کی درگت

فریدی کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ حمید بوکھلا کر آگے بڑھا۔

"فکر مت کرو۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"لیکن ہوا کیا....؟"

"واقعہ.... حادثہ.... جو چاہو سمجھ لو۔"

اتنے میں نوکر بھی وہیں آکر اکٹھا ہو گئے۔ فریدی ان کی طرف مڑ کر بولا۔

"نصیر.... اوپر سے فرسٹ ایڈ بکس لاؤ۔"

نصیر دوڑتا ہوا چلا گیا۔ فریدی نے بقیہ نوکروں سے کہا۔ "تم جاؤ اپنے کام دیکھو۔"

"آخر یہ ہوا کیسے....؟" حمید نے پوچھا۔

"جو کچھ بھی ہوا.... اندھیرے میں ہوا۔ میں بے خبر تھا۔ لیکن انہیں کامیابی نہیں ہوئی۔"

"پھر اور کس طرح کامیابی ہوتی؟"

فریدی ہنسنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔ "وہ بلیاں نہیں تھیں حمید صاحب۔ آدمی تھے اور جب آدمی اندھیرے میں حملہ کرتے ہیں تو ان کا مقصد کان سہلانا نہیں بلکہ مار ڈالنا ہوتا ہے۔"

"کون لوگ تھے؟"

"ارے تمہاری کھوپڑی گردن ہی پر ہے یا کہیں اور۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "اگر یہی معلوم ہو جاتا تو کیا تم مجھے اس وقت یہاں دیکھتے؟"

حمید خاموش ہو گیا۔ فرسٹ ایڈ کا سامان آگیا تھا۔

اس نے سر کا زخم صاف کر کے ڈریسنگ کر دی۔ چہرے کی خراشیں فریدی کے کہنے پر یونہی رہنے دیں۔

"ذرا کافی کے لئے کہہ دو۔" اس نے آرام کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے ہوئے حمید سے کہا۔

حمید نے نوکر کے لئے گھنٹی بجائی اور پھر فریدی کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

فریدی نے ایک سگار سلگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ اتنے میں نوکر آگیا۔ حمید اس سے کافی کے لئے کہہ کر خود بھی پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی نے آنکھیں کھولیں۔ چند لمحے میز پر رکھے ہوئے ایش ٹرے پر نظر جمائے رہا پھر بولا۔ "مجھے خود بھی حیرت ہے کہ میں انجانے حملوں سے کس طرح بچ جاتا ہوں۔"

"آپ تھے کہاں....؟" حمید نے پوچھا۔

"لڑکال جنگل اور شہر کے درمیان۔"

"لڑکال جنگل کیوں....؟" حمید چونک پڑا۔

"بس یونہی.... میں آج کل درخت کاٹنے کی مشق کر رہا ہوں۔"

"کیوں....؟"

"اس حملے سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ فضول سوالات کر کے بیجا مت چاٹو۔" حمید پھر خاموش ہو گیا اور فریدی اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

کچھ دیر کے بعد وہ حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "ہم اٹھائیس تاریخ کو جنوبی امریکہ کے لئے روانہ ہو رہے ہیں نا۔"

"اب میں سمجھ گیا۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "مگر وہ کون ہو سکتا ہے۔ سنگ ہی[1] یا وہ امریکن ماہر آثارِ قدیمہ....!"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔ "یہ بتانا مشکل ہے کیونکہ امریکن تو سنگ ہی کی گرفتاری کے بعد ہی یہاں سے چلے گئے تھے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اس کا ذہن ماضی کے دھندلکوں میں بھٹکنے لگا تھا۔ ایلپوم پہاڑ کی چوٹی پر پانچ سو سال سے برف میں بیٹھی ہوئی شہزادی۔ کیپٹن لوتھر اور سنگ ہی نے جس کی لاش دریافت کی تھی اور وہ دونوں اس مردہ شہزادی کا ایک زیور اتار لائے تھے۔ اس زیور کے لئے ایک اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہوا تھا۔ کئی جانیں تلف ہو گئی تھیں۔ مرنے والوں کے چہروں پر ابھری ہوئی لکیریں پائی جاتی تھیں.... نیلے رنگ کی لکیریں.... ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق موت انہیں لکیروں کی وجہ سے واقع ہوئی تھی اور پھر فریدی نے جب اصل مجرم کو پکڑا تو ایک بہت بڑے راز کا انکشاف ہوا۔ ورنہ بادی النظر میں اس زیور کی کوئی وقعت نہ تھی۔ وہ چاندی کا ایک معمولی سا زیور تھا۔ وقعت دراصل اس تصویری تحریر کی تھی، جو اس زیور کے اوپری خول پر کندہ تھی۔ زیور کے حصول کے لئے جدوجہد کرنے والوں کے نزدیک وہ تحریر دراصل انکانسل کے بادشاہوں کے

[1] جاسوسی دنیا کا ناول "نیلی لکیر" جلد نمبر 14 ملاحظہ فرمائیے۔

خزانے کا سراغ تھی۔ حقیقت خواہ کچھ بھی رہی ہو مگر ان لوگوں کے جوش و خروش کی بناء پر شہر میں سنسنی ضرور پھیل گئی تھی۔

پھر فریدی نے مجرم کو پکڑ لیا.... لیکن وہ ایک سب انسپکٹر کو جان سے مار کر صاف نکل گیا۔ زیور فریدی کے ہاتھ آ گیا تھا اسے سرکاری خزانے میں رکھ دیا گیا کیونکہ وہ ایک غیر ملک کی امانت تھی۔ قاعدے کی رو سے اُسے جنوبی امریکہ کے ملک چلی کی حکومت کے سپرد کر دینا چاہئے تھا۔ چیز چونکہ نزاعی تھی اس لئے حکومت نے فیصلہ کیا تھا کہ اسے کوئی ذمہ دار آدمی چلی تک پہنچا دے۔ لہٰذا یہ بار اس شخص کے کاندھوں پر ڈالا گیا جس نے اسے سنگ ہی جیسے خطرناک آدمی سے حاصل کیا تھا.... اور اب جب کہ فریدی کی روانگی ایک ہفتے کے بعد ہونے والی تھی.... کسی نے اس پر قاتلانہ حملہ کیا تھا.... لیکن آخر اب....؟

حمید کا ذہن ماضی کی ڈھلوان میں پھسلتے پھسلتے یک بیک موجودہ گتھیوں سے آ ٹکرایا۔ وہ سوچنے لگا کہ آخر یہ حملہ چھ ماہ بعد کیوں ہوا۔ کیا سنگ ہی ابھی تک یہیں مقیم تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ زیور کئی دنوں تک ان کے پاس رہا تھا، سنگ ہی نے اس پر پائی جانے والی تحریر ضرور نقل کر لی ہو گی۔ لہٰذا اس کے بعد چاندی کے اس حقیر زیور کی کوئی قیمت نہیں رہ جاتی۔ پھر ایسی صورت میں تو اسے خزانے کی تلاش میں روانہ ہو جانا چاہئے تھا۔ آخر وہ اسکے بعد بھی یہاں کیوں رکا رہا۔

"کیا سوچ رہے ہو....؟" وہ فریدی کی آواز پر چونک پڑا۔

"سنگ ہی کے متعلق....!" حمید نے کہا۔

"چھوڑو بھی۔" فریدی ہاتھ ہلا کر بولا۔ "میرے ایک نہیں ہزاروں دشمن ہیں ہو سکتا ہے کہ یہ حرکت کسی دوسرے کی ہو۔"

"لیکن یہ دلیل مجھے مطمئن نہیں کر سکتی۔" حمید آہستہ سے بولا۔

"کیوں....؟"

"ہمارا پروگرام بنتے ہی حملہ ہوا۔ آخر اس سے پہلے کیوں نہیں....؟"

"ختم کرو....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "کافی پینے سے قبل میں اس مسئلے پر گفتگو نہیں کرونگا۔"

حمید جھنجھلا کر خاموش ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ شخص ایسے حالات میں بھی اپنی اچھی یا بُری عادتوں سے باز نہیں آتا۔

تھوڑی دیر بعد کافی بھی آگئی اور ایک کپ پی چکنے کے بعد فریدی نے جو تذکرہ چھیڑا وہ موجودہ حالات سے متعلق نہیں تھا اس پر حمید کو اور زیادہ تاؤ آیا لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

فریدی نے دوسرا کپ بھی خالی کر دیا پھر اٹھتا ہوا بولا۔ "اب مجھے کوتوالی پہنچنا چاہئے۔"

"کیوں؟ کیا اس کی رپورٹ بھی درج کرائیے گا؟" حمید نے پوچھا۔

"نہیں بیٹے خاں! میں نے حملہ آوروں میں سے ایک کو ختم کر دیا ہے۔"

"کیا....؟" حمید اچھل پڑا۔

"ہاں.... وہ کوئی چینی ہے۔"

"اور اس کے باوجود بھی آپ اسے سنگ ہی کی حرکت نہیں سمجھتے۔"

فریدی پھر بیٹھ گیا۔ چند لمحے میز کی سطح کو انگلیوں سے کھٹکھٹاتا ہوا پھر بولا۔ "اس میں ایک الجھن ہے اگر میں اسے سنگ ہی کی حرکت سمجھ بھی لوں تو یہاں اس کی موجودگی کی وجہ دریافت کرنی پڑے گی۔"

"ظاہر ہے کہ جس زیور کے لئے اس نے جان کی بازی لگائی تھی وہ ابھی یہیں موجود ہے۔" حمید بولا۔

"وہ زیور سنگ ہی کے پاس بھی رہ چکا ہے اور وہ اس کی تصویری تحریر سے بخوبی واقف ہو گیا ہو گا پھر وہ اس زیور کے لئے وقت کیوں برباد کرنے لگا۔"

"ہو سکتا ہے کہ اس تحریر کے علاوہ بھی اس زیور کی کوئی اہمیت ہو۔"

"اچھا... پھر بات کریں گے۔" فریدی دوبارہ اٹھتا ہوا بولا۔

حمید اسے جاتے دیکھتا رہا۔ اسے اس کے انداز میں ذرہ برابر بھی بے اطمینانی نہیں نظر آئی۔ کچھ ہی دیر پہلے اس نے ایک آدمی کو موت کے گھاٹ اتارا تھا اور خود بھی زخمی ہو گیا تھا۔ مگر اس کی ظاہری حالت سے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن تھا۔ کیا وہ غیر معمولی طور پر عجیب آدمی نہیں تھا۔

حمید نے بارہا اسے دوسروں کی لاشوں پر غمگین بھی دیکھا تھا۔ ٹریفک کی زد میں آئے ہوئے کسی زخمی راہگیر کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں ذہنی اذیت کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔ لیکن وہی فریدی جب مجرموں کی گردنیں توڑتا تھا تو اس کی پیشانی پر کبیدگی کی ہلکی سی شکن بھی نہیں ہوتی

تھی۔ اس وقت وہ خود بھی ایک خونخوار درندہ معلوم ہوتا تھا اور حادثے کے فوراً بعد وہ اتنا پُرسکون نظر آنے لگتا تھا جیسے کچھ دیر کسی کتاب کا مطالعہ کرتے رہنے کے بعد اٹھا ہو۔

حمید فریدی کے متعلق بہت کچھ سوچتا رہا۔ پھر خیالات کی رو قاسم کی طرف بہک گئی اور وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔ لیکن ساتھ ہی اس کا انجام بھی پیش نظر تھا۔ گھر پر حجامت بننے کے بعد وہ سیدھا ادھر ہی کا رخ کرے گا اور پھر اس کا سنبھالنا کارے دارد، ایک بار پہلے بھی شراب ہی پینے کے سلسلے میں اس کی کافی مرمت ہو چکی تھی۔[1]

❁

دوسری صبح حسب معمول قاسم نے بیدار ہو کر لیٹے ہی لیٹے کتوں کی طرح ہاتھ پیر تان کر انگڑائی لی اور پھر آنکھیں بند کر کے دہاڑنے لگا۔ "چالو... سالو... کہاں مار گائے... چا... لاؤ۔"

اس کی بیوی شعلہ جوالا بنی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ قاسم نے آنکھیں کھول دیں اور اس کے ساتھ ہی حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

"کیا ہے؟"

"ہوتا... کیا... وہ حرامزادی اصطبل میں بند ہے۔" بیوی بڑے پُرسکون لہجے میں بولی۔

"کون حرامزادی....؟" قاسم پلکیں جھپکاتا ہوا اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"آخاہ... شاید نشہ اکھڑ جانے کی وجہ سے دماغ ٹھیک نہیں۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ "کتنی بوتلیں منگوادوں۔"

اچانک قاسم کو پچھلی رات کے واقعات یاد آگئے اور اس نے ایک جھرجھری سی لی اور منہ چلاتا ہوا سہمی ہوئی نظروں سے بیوی کی طرف دیکھنے لگا۔

تم کیا جانو....!" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تو کیا آپ اپنے پیروں سے چل کر یہاں آئے تھے؟"

قاسم بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر "ارے باپ رے۔" کہہ کر اس طرح اچھلا جیسے کسی نے چھری ماردی ہو۔

"اور وہ.... سور کی بچی۔" اس کی بیوی نے کچھ کہنا چاہا۔

"کون سور کی بچی.... ارے.... اَلا قاسم.... ہی ہی.... تم بھی کیسی باتیں کرتی ہو....

---

[1] اس دلچسپ داستان کے لئے جاسوسی دنیا کا ناول "جنگل کی آگ" جلد نمبر 12 ملاحظہ فرمائیے۔

میں آج تمہیں سینما ضرور لے چلوں گا۔"

"چچا جان بھی ہمارے ساتھ چلیں گے۔" اس کی بیوی نے کہا۔

"ارے.... دیکھو تو.... تمہیں کسی نے بہکایا ہے.... الا قسم.... دیکھو تو۔"

"کچھ نہیں پہلے اپنی عزت کا خیال نہیں تھا اب باپ کی بھی پگڑی اچھالی جانے لگی ہے.... سڑکوں پر....!"

"کون کہتا ہے.... جھوٹ بالکل جھوٹ.... تم مذاق کر رہی ہو۔"

"میں نے چچا جان کو فون کیا تھا۔ مگر وہ اس وقت موجود نہیں اور وہ حرام زادی اس وقت تک اصطبل میں بند رہے گی جب تک چچا جان نہ آجائیں۔"

"کیا کہہ رہی ہو.... کسے بند کر رکھا ہے؟" قاسم اٹھتا ہوا بولا۔

"ٹھہریئے.... اگر آپ اس کمرے سے نکلے تو اچھا نہ ہوگا۔"

"ارے واہ....!" قاسم جھلاہٹ میں ہاتھ نچا کر بولا۔ "ہٹو ادھر....!"

وہ اپنی بیوی کو ایک طرف دھکیل کر باہر نکل گیا۔ اب اچھی طرح ہوش آگیا تھا اور پچھلی رات کے سارے واقعات اس کے ذہن میں دھندلی تصویروں کی طرح گردش کر رہے تھے۔

وہ لپکتا ہوا اصطبل کی طرف آیا۔ اصطبل خالی تھا۔ اس میں کبھی گھوڑے رکھے جاتے رہے ہوں گے مگر اب خالی تھا۔ اس نے اصطبل کے دروازے پر بڑا سا تالا لٹکتے دیکھا۔ اندر سے کوئی بُری طرح دروازہ پیٹ رہا تھا اور پھر سریلی آواز میں مغلظات کا طوفان بھی امنڈنے لگا۔

"ارے باپ رے۔" قاسم بوکھلاہٹ میں ناچ کر رہ گیا۔

بیوی اس کے پیچھے دوڑتی چلی آئی تھی۔ وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

"نہیں کھل سکتا.... ہرگز نہیں کھلے گا۔"

"کنجی لاؤ....!" قاسم دہاڑا۔

"ہرگز نہیں.... چچا جان....!"

"چچا جان کے آنے سے پہلے ہی میں تمہیں مار ڈالوں گا۔"

"اس حرامزادی کے لئے۔" قاسم کی بیوی حلق پھاڑ کر چیخی۔

"بھاگ جاؤ.... میں تالا توڑ دوں گا۔"

اس کی بیوی دروازے کے سامنے جم گئی۔ قاسم نے اسے کمر سے پکڑ کر سر سے اونچا اٹھالیا۔

"ارے ارے.... میری بے عزتی نوکروں کے سامنے۔" وہ مچلی۔ مگر قاسم اسے اس طرح اٹھائے ہوئے کوٹھی کی طرف چل پڑا۔

اور پھر اس نے اسے ایک کمرے میں بند کر دیا۔ وہ چیخ چیخ کر رو رہی تھی۔

اصطبل کا تالا توڑنے میں زیادہ دیر نہیں لگی لیکن ایک دوسرا طوفان قاسم کا منتظر تھا۔ لڑکی باہر نکلتے ہی قاسم پر جھپٹ پڑی۔ اس کے منہ سے گالیاں ابل رہی تھیں اور ہاتھ قاسم کی مرمت میں مصروف تھے۔ بدقت تمام اس نے اسے قابو میں کیا اور پھر اس کی نظریں نوکروں پر پڑیں جو دور کھڑے ہنس رہے تھے۔

"بھاگو سالو.... ورنہ جان سے مار دوں گا۔" وہ لڑکی کو چھوڑ کر نوکروں کی طرف دوڑا۔

نوکر سر پر پیر رکھ کر بھاگے۔ ساتھ ہی لڑکی بھی قاسم کے پیچھے دوڑی تھی وہ اس کے قریب پہنچ کر اچھلی اور اس کے سر کے بال پکڑ کر جھول گئی۔ قاسم لڑکھڑا کر گر پڑا اور وہ اس پر گری لیکن اس کے دونوں ہاتھ بدستور چلتے رہے۔

"ارے سنو تو سہی.... بھاگو یہاں سے ورنہ ہم دونوں کو گولی مار دی جائے گی۔" قاسم ہانپتا ہوا بولا۔

"تم سور کے بچے.... میں تم پر مقدمہ چلاؤں گی۔"

"دوبار چلا دینا.... مگر اب بھاگو۔"

قاسم اسے کھینچتا ہوا گیراج تک لایا۔ کار نکالی۔

"آؤ بیٹھو...." اس نے لڑکی سے کہا۔ "جہاں کہو پہنچا دوں۔"

"پولیس اسٹیشن....!" لڑکی گرج کر بولی۔

"ذرا سنو تو.... یہ سب اسی سور کے بچے حمید کی حرکت ہے۔ ہمیں پلا کر یہاں ڈال گیا۔"

"تم نے مجھے بند کیوں کیا تھا....؟" لڑکی پھر چیخی۔

"آؤ....!" قاسم چمکار کر بولا۔ "بیٹھ جاؤ.... میں نے نہیں میری بیوی نے بند کیا تھا۔"

"میں نہیں بیٹھوں گی.... دیکھوں گی.... تمہاری بیوی کو دیکھوں گی۔"

"آؤ بیٹھ جاؤ خدا کے لئے. ورنہ مصیبت آجائے گی۔"

لڑکی کچھ دیر خاموش رہی پھر اس نے کہا۔ "حمید کہاں ملے گا۔"

"آؤ.... وہیں چلتے ہیں۔ تم دیکھنا کہ اس کی کیسی گت بناتا ہوں۔"

"چلو.... لیکن میں تم پر ضرور مقدمہ چلاؤں گی۔"

وہ کار میں بیٹھ گئی۔

اور قاسم شب خوابی کا لباس پہنے ہوئے گھر سے چل پڑا۔

اژدھے اور ڈاکو

اس دوران میں قاسم کو اس شدت سے عقل آگئی تھی کہ وہ ہکلائے بغیر گھنٹوں بول سکتا تھا۔ ذہنی انتشار کے ان لمحات نے لاشعور کی کالی کوٹھریاں تک کھول کر رکھ دی تھیں۔ لڑکی اب بھی اسے بُرا بھلا کہہ رہی تھی اور ہر چار گالیوں کے بعد مقدمہ کی دھمکی اتنی ہی ضروری تھی جیسے کسی مخمس کے لئے ٹیپ کا بند۔

یکایک تھوڑی دیر کے بعد وہ خاموش ہو گئی۔ پھر اپنا پرس کھول کر دیکھا.... اور دونوں ہاتھوں سے سر پیٹنے لگی۔

"ارے.... ارے....!" قاسم پھر بوکھلا گیا۔

"سور کے بچے.... میں لٹ گئی۔ میرے دو ہزار روپے؟ پولیس اسٹیشن مجھے کسی پولیس اسٹیشن پر اتار دو۔"

"دو ہزار روپے۔" قاسم نے حیرت سے دہرایا۔

"تم چور ہو.... مجھے اتار دو گاڑی سے ورنہ میں یہیں چیخنا شروع کر دوں گی۔"

"خدا کے لئے۔" قاسم گھگھیا کر بولا۔ "اچھا میں دے دوں گا.... دو ہزار.... ضرور میرے کسی نوکر نے یہ حرکت کی ہے۔ تم مجھے اپنا پتہ بتاؤ.... میں چیک بھجوا دوں گا۔"

"ابھی .... چیک نہیں.... نقد روپیہ.... ابھی اور اسی وقت.... میں کہیں نہ جاؤں گی.... گھر واپس چلو....!"

"گھر....!" قاسم کی بوکھلاہٹ بڑھ گئی۔ "ہنٹر.... ہنٹر.... نن .... نہیں.... میں وعدہ کرتا ہوں اگر کل تک تمہیں روپیہ نہ ملے تو تم میرے خلاف پولیس میں رپورٹ درج کرا دینا...."

"اگر تم نے دھوکا دیا.... تب....؟"

"مجھے خولی....!" قاسم تھوک نگل کر بولا۔ "گولی مار دینا۔"

"نہیں.... تب میں تمہارے باپ سے فریاد کروں گی۔"

"ارے باپ رے....!" قاسم انگریزی میں بولتے بولتے اردو پر اُتر آیا۔

"اچھا.... اب مجھے یہیں اتار دو....!" لڑکی پرس میں سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکالتی ہوئی بولی۔ "یہ رہا میرا پتہ.... اگر شام تک روپیہ نہ پہنچا تو اچھا نہ ہوگا۔"

"پہنچ جائے گا۔" قاسم ملتجیانہ انداز میں بولا۔

اس نے سڑک کے کنارے کار روک دی اور لڑکی اُتر گئی۔ قاسم کار کھڑی کئے لڑکی کو جاتے دیکھتا رہا۔ جب وہ ایک گلی میں مڑ گئی تو اس نے دانت پیس کر ہوا میں مکا لہراتے ہوئے کہا۔ "حمید سالے.... سور کمینے.... بچے کے چمار.... تیری موت آگئی ہے۔"

کار فراٹے بھرتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ اس وقت قاسم اندھا دھند کار چلا رہا تھا اور کار فریدی کی کوٹھی کی طرف جا رہی تھی۔

کوٹھی کے قریب پہنچ کر اس نے رفتار کم کر دی۔ پھاٹک بند تھا اور سلاخوں کے پیچھے تین خطرناک قسم کے کتے کھڑے تھے جیسے ہی قاسم کار سے اُتر کر پھاٹک کی طرف بڑھا کتوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سلاخیں توڑ کر باہر نکل آئیں گے قاسم کو سامنے کوئی نوکر بھی نہیں دکھائی دیا۔

"میں سب سمجھتا ہوں سالے۔" وہ عمارت کو مکا دکھا کر بولا۔

❁

فریدی رات بھر کا تھکا ہوا تھا۔ تقریباً ایک بجے تک تو وہ کوتوالی ہی میں رہا تھا اور پھر کوتوالی ہی میں اس نے ایک ایسی خبر سنی کہ اس کی ساری رات دوڑ دھوپ میں گذر گئی۔

اور جب وہ تقریباً ساڑھے آٹھ بجے صبح گھر پہنچا تو اسے خلاف معمول کمپاؤنڈ کا پھاٹک بند نظر آیا۔ سامنے ہی ایک کار کھڑی تھی اور کتے بے تحاشہ بھونک رہے تھے اور کتے بھی وہ جو رات کے علاوہ اور کسی وقت کھلے نہیں چھوڑے جاتے تھے۔

جب وہ اور قریب پہنچا تو اسے قاسم کار میں بیٹھا دکھائی دیا۔ قاسم نے فریدی کی کیڈی لاک

پر نظر پڑتے ہی اپنی گاڑی سے چھلانگ لگادی اور پھاٹک کی طرف مکا دکھاتا ہوا چیخا۔ "دیکھتا ہوں اب کیسے نہیں کھلتا پھاٹک۔"

فریدی نے اسے بڑی حیرت سے دیکھا۔ قاسم لاکھ بے ڈھنگا سہی مگر لباس کے معاملے میں بڑا محتاط تھا اور اس سے اس حرکت کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ وہ سلیپنگ سوٹ پہن کر سڑکوں پر مارا مارا پھرے گا۔

"کیا بات ہے۔" فریدی نے کرخت لہجے میں پوچھا۔

قاسم فریدی سے بہت ڈرتا تھا اور پھر اس نے اس کے سر پر پٹی بھی بندھی ہوئی دیکھی۔ حمید کے خلاف اس کا غصہ فوری طور پر ٹھنڈا ہو گیا۔

"میری زندگی برباد ہو گئی جناب۔" قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیوں بات کیا ہے؟"

"آپ دیکھ رہے ہیں۔" قاسم نے پھاٹک کی طرف اشارہ کیا جس کے اس پار اب بھی خونخوار قسم کے کتے اچھل اچھل کر بھونک رہے تھے۔

"ہاں.... میں دیکھ رہا ہوں۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "تم بھی تو کچھ بکو۔"

"یہ سب میرے لئے کیا گیا ہے۔"

"کیوں.... بکو....!"

"میں حمید کو بدلہ لئے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔"

"جہنم میں جاؤ۔" فریدی اسے ایک طرف ہٹاتا ہوا پھاٹک کے پاس پہنچ گیا۔ کتے اسے دیکھ کر دم ہلانے لگے۔ پھاٹک اندر سے مقفل نہیں تھا۔ صرف پٹ بھیڑ دیئے گئے تھے۔

فریدی پھاٹک کھول کر اندر داخل ہو گیا اسے دیکھ کر نوکر بھی سامنے آگئے۔

"کس نے کھولا ہے ان کتوں کو....؟" اس نے غصیلی آواز میں نوکروں سے پوچھا۔

"حمید صاحب نے۔" ایک نوکر نے جواب دیا۔

"بند کروا نہیں....!" فریدی کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ اس نے قاسم کی طرف پلٹ کر دیکھا تک نہیں۔

قاسم کچھ دیر تک بُرے بُرے منہ بناتا رہا پھر واپس جا کر اپنی کار میں بیٹھ گیا۔ اتنے میں

کھانسی آگئی اور اس نے کچھ اس جھلائے ہوئے انداز میں کوٹھی کی طرف منہ کر کے بلغم تھوکا جیسے اسے توقع ہو کر وہ حمید کے چہرے پر ہی پڑے گا۔ "کبھی تو باہر نکلو گے بیٹا۔" وہ ناک سکوڑ کر بڑبڑایا۔ "میں بھی اب تمہارا قیمہ بنائے بغیر یہاں سے نہیں ہٹوں گا۔"

اور حمید اندر اپنے کمرے میں آرام کرسی پر پڑا ہوا نہایت اطمینان سے پائپ پی رہا تھا۔ اسے اس حال میں دیکھ کر فریدی کا پارہ چڑھ گیا۔

"میں تمہیں بہت جلد کوئی بہت ہی سخت قسم کی سزا دوں گا۔" فریدی نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کیوں....؟" حمید نے اپنے چہرے پر حیرت کے آثار پیدا کئے۔

"قاسم کیوں شور کر رہا ہے؟"

"شاید آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ شاید کتے بھونک رہے تھے اور ابھی میں نے کتوں کی زبان سیکھی نہیں ورنہ پورا پورا مطلب سمجھا دیتا۔"

فریدی چند لمحے اسے خونخوار نظروں سے گھورتا رہا پھر ایک نوکر کو آواز دے کر قاسم کو بلانے کے لئے کہا۔

"ابے:.... او.... کہاں چلا۔" حمید اٹھ کر نوکر کی طرف دوڑا۔ "اگر تو نے اس کمرے سے باہر قدم نکالا تو ٹانگیں توڑ دوں گا۔"

پھر وہ فریدی کی طرف پلٹ کر بولا۔ "بتاتا ہوں.... مگر وعدہ کیجئے کہ آپ اس آدم خور کو اندر نہیں آنے دیں گے۔"

"بکو جلدی.... میرے پاس فضول باتوں کے لئے وقت نہیں۔"

"آپ جانتے ہیں کہ وہ سور مجھے آئے دن بور کرتا رہتا ہے کہ کسی تگڑی سی عورت سے تعارف کرا دو لہٰذا میں نے کل اس کا تعارف ایک پیشہ ور قسم کی اینگلو انڈین سے کرا کے دونوں کو خوب شراب پلوائی اور پھر اس کے بعد انہیں گھر پہنچا دیا۔"

"کس کے گھر....؟"

"قاسم کے....؟"

فریدی بے اختیار مسکرا پڑا اور حمید بولا۔ "ظاہر ہے کہ خاصی مرمت ہوئی ہو گی۔"

"اس کے جسم پر شب خوابی کا لباس ہے۔" فریدی نے کہا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "کیا یہ حقیقت ہے کہ اس کی بیوی....!"

"جی ہاں.... ان دونوں میں آج تک میاں بیوی کے تعلقات نہیں قائم ہو سکے۔" حمید جلدی سے بولا۔

"اچھا تم یہیں ٹھہرو.... واقعی وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔" فریدی مسکرا کر بولا اور کمرے سے نکل گیا۔

ڈرائنگ روم میں پہنچ کر اس نے ایک نوکر کو بھیج کر قاسم کو بلوایا۔

"کیوں بھئی کیا معاملہ ہے....؟ بیٹھ جاؤ۔"

"بس کچھ نہیں.... حمید کو بلوا دیجئے۔" قاسم غصیلی آواز میں بولا۔

"پہلے مجھے پوری بات بتاؤ۔"

"اسی سے پوچھ لیجئے۔"

"مگر وہ تو کہتا ہے کہ کوئی بات ہی نہیں۔"

"خیر کوئی بات نہیں.... دیکھا جائے گا۔"

"تو تم مجھے نہیں بتاؤ گے۔" فریدی نے کہا۔

"کیا بتاؤں.... مجھے شرم آتی ہے۔"

بڑی مشکل سے قاسم نے ہکلا ہکلا کر اور شرما شرما کر پورا واقعہ دہرایا۔ پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔ "والد صاحب دو تین دنوں کے لئے باہر گئے ہوئے ہیں لیکن وہ جیسے ہی آئیں گے وہ کمبخت فوراً داغ دے گی۔"

"قاسم مجھے افسوس ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں اکثر تمہارے لئے غمگین رہتا ہوں۔ تم دوسری شادی کیوں نہیں کر لیتے....؟"

"اگر اس کا نام بھی لوں تو گولی سے اڑا دیا جاؤں۔ کبھی کبھی تو میرا دل چاہتا ہے کہ میں ہی والد صاحب کو گولی سے اڑا دوں۔"

"ہوں.... مگر دیکھو.... حمید تمہارا ہمدرد ہے۔"

"میں کسی طرح نہیں مان سکتا.... الاقسم.... ابھی تو وہ سالی مجھ سے دو ہزار روپے بھی

وصول کرے گی۔"

"تم سمجھے نہیں.... اس نے تمہارے ساتھ کوئی برائی نہیں کی۔ ذرا ٹھنڈے دل سے غور کرو۔ تم میں اتنی ہمت نہیں کہ تم اپنے والد سے دوسری شادی کے لئے کہہ سکو۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔"

"لیکن انہیں کسی نہ کسی طرح حالات سے باخبر ہونا چاہئے ورنہ تم اس طرح گھل گھل کر ٹی۔ بی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔"

فریدی نے یہ جملہ کچھ ایسے مخلصانہ لہجے میں کہا کہ قاسم کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے اور وہ بھاڑ سا منہ پھیلا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ غالباً یہ آنسو روکنے کی آخری تدبیر تھی۔

"اب یوں سمجھو....!" فریدی نے لوہا گرم دیکھ کر دوسری ضرب لگائی۔ "اگر تم دو تین بار ایسی ہی حرکتیں پھر کرو تو تمہارے والد کو ضرور تشویش ہوگی۔ پھر وہی وقت ہوگا کہ تم ان سے سب کچھ صاف صاف کہہ دو۔ میرا دعویٰ ہے کہ وہ اس صورت میں تمہارے مسئلے پر سنجیدگی سے غور کریں گے۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ حمید کی دی ہوئی گولیاں کڑوی ضرور ہیں مگر اس سے تمہارا مرض ضرور رفع ہو جائے گا۔"

"الاقسم جھوٹا ہے سالا.... اس نے مجھے گولی وولی نہیں دی۔"

فریدی نے بڑی مشکل سے اپنی ہنسی ضبط کی۔ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "تم سمجھے نہیں۔ حمید تمہیں دھوکے میں ڈال کر ابھی دو چار بار اور اس قسم کی حرکتیں کرے گا۔"

"کیا کہہ رہے ہیں آپ۔" قاسم جھلا کر کھڑا ہو گیا۔ "میں آپ کا بہت ادب کرتا ہوں۔"

"اسی لئے تو میں چاہتا ہوں کہ تمہاری شادی ہو جائے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب تمہارے والد کو یقین آ جائے کہ تم آوارگی کی طرف مائل ہو۔ حمید نے کئی اسکیمیں بنا رکھی ہیں۔ شروع میں تمہاری تھوڑی بہت پٹائی ضرور ہوگی مگر پھر معاملات ٹھیک ہو جائیں گے۔ کیا خیال ہے.... سمجھے یا نہیں۔"

قاسم پھر بیٹھ گیا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا اور وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد آہستہ سے بولا۔ "میں سمجھ گیا۔"

"سمجھ گئے نا.... میں جانتا ہوں کہ تم کافی سمجھ دار ہو۔"

"مگر یہ بات تھی تو مجھے پہلے ہی بتا دینا تھا۔"

"اگر وہ پہلے بتا دیتا تو تم ہرگز نہ تیار ہوتے۔"

"ٹھیک ہے۔" قاسم سر ہلانے لگا۔

"اسی لئے اس نے تمہارے ساتھ بظاہر دشمنوں کا سا برتاؤ کیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی اسکیم یہی تھی جو میں نے بتائی ہے۔"

قاسم کچھ دیر تک خاموشی سے بیٹھا اپنی ٹانگیں ہلاتا رہا پھر بولا۔ "لیکن میں اب گھر کیسے جاؤں۔ وہ کم بخت میری زندگی تلخ کر دے گی۔"

"تو تم اس سے بھی ڈرتے ہو؟"

"اس سے نہیں بلکہ اپنے غصے سے ڈرتا ہوں کہیں کسی دن ٹانگیں چیر کر نہ پھینک دوں۔ کچھ بھی ہو فریدی صاحب میں والد صاحب کا سامنا نہیں کرنا چاہتا۔"

"اچھا یہ تو تمہیں تسلیم ہے نا کہ حمید نے تم سے کوئی برائی نہیں کی۔"

"ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ سوچ کر جواب دوں گا۔"

"احمق نہ بنو.... اگر تم والد کا سامنا کرنا نہیں چاہتے تو اپنا ضروری سامان لے کر یہاں آ جاؤ اور اگر زیادہ دنوں تک سامنا نہ کرنے کا ارادہ ہو تو میرے ہمراہ غیر ممالک کے دورے پر چلو۔"

"غیر ممالک کے دورے پر۔" قاسم نے حیرت سے کہا۔

"ہاں.... ہاں.... چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر تمہارے لئے پاسپورٹ اور ویزا حاصل کر لوں گا۔"

"میں بالکل تیار ہوں۔" قاسم خوش ہو کر بولا۔ "میں تو چاہتا ہوں کہ مجھے کچھ دن تک اس سالی کی اور اس کی کسی ہمدرد کی شکل نہ دکھائی دے۔"

"تو پھر اب تمہیں حمید سے کوئی شکایت نہیں۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔"

"ہوں.... اچھا اب تم جا کر سامان یہاں لے آؤ۔"

قاسم حد سے زیادہ خوشی کا اظہار کرتا ہوا رخصت ہو گیا۔

حمید اس دوران میں ایک دروازے کے پیچھے کھڑا رہا تھا۔ قاسم کے جاتے ہی وہ فریدی کے

سامنے آ کر بولا۔ "مانتا ہوں، اس بگڑے ہوئے ہاتھی کا مہاوت آپ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کے چہرے پر بیزاری اور اکتاہٹ کے آثار نظر آ رہے تھے۔

"تمہاری وجہ سے میرا بہت وقت برباد ہوتا ہے۔" اس نے کہا۔

"غالباً رات بھر میری ہی وجہ سے آپ کا وقت برباد ہوتا رہا تھا۔"

"نہیں وہ وقت کا صحیح مصرف تھا۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "تمہیں شاید یہ نہیں معلوم کہ پچھلی رات سرکاری خزانے پر ڈاکہ پڑا تھا۔"

"پڑا ہو گا.... ہمیں ڈاکوں واکوں سے کیا غرض۔" حمید لاپرواہی سے بولا۔

"لیکن ساری رقم محفوظ ہے۔"

"تو پھر ڈاکہ کیسا.... مجرم ناکامیاب رہے۔"

"وہ سو فیصدی کامیاب رہے حمید صاحب۔ وہ خزانے سے صرف چاندی کا ایک حقیر سا زیور لے گئے ہیں۔"

"کیا مطلب....؟" حمید اچھل پڑا۔

"انکا قوم کی شہزادی کا طوق....!"

"چلئے اچھا ہی ہوا۔ ہم مفت کی دردسری سے بچ گئے۔" حمید نے مسرت کا اظہار کیا۔

"دردسری تو اب شروع ہو گی حمید صاحب۔" فریدی نے کہا۔ "پہلے تو ہم شاید برٹش گی آنا ہی تک جاتے مگر اب نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھاننی پڑے۔"

حمید نے بہت برا سا منہ بنایا لیکن کچھ بولا نہیں۔

فریدی کہتا رہا۔ "چلی کی حکومت نے ہماری حکومت سے گفت و شنید کے بعد یہ طے کیا تھا کہ ہم اسے برٹش گی آنا تک پہنچا دیں اور وہاں سے پھر ان کے آدمی لے جائیں گے۔"

"آخر ہماری حکومت نے اسے منظور ہی کیوں کیا تھا۔" حمید بولا۔ "وہاں کی حکومت کا کوئی نمائندہ یہیں آ کر اسے کیوں نہیں لے سکتا۔"

"سنو! غلطی ہمارے ہی یہاں کے ایک شہری کی تھی۔ لوتھر اسے سنگ ہی کی مدد سے چرا کر لایا تھا۔ اس لئے ہماری حکومت کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ خود ہی اسے واپس کرا دے۔"

"ہوں....!" حمید سر ہلا کر بولا۔ "لیکن آخر وہاں کی حکومت اس چاندی کے زیور کے لئے

اتنی بیتاب کیوں ہے؟"

"حماقت آمیز سوال نہ کیا کرو۔" فریدی جھنجھلا گیا۔ "اگر خزانے کی بات محض افواہ ہو تر بھی اس کا شمار آثار قدیمہ میں ہوگا اور چونکہ وہ جنوبی امریکہ ہی کے ایک شاہی خاندان کی یادگا ہے اس لئے وہاں کے کسی بھی ملک کو اس کی خواہش ہو سکتی ہے۔"

"مگر آپ نے تو کہا تھا کہ اس پر کی تحریر حاصل کر لینے کے بعد وہ زیور بیکار ہو جاتا ہے۔ ا کی اتنی اہمیت نہیں رہ جاتی کہ اس کے لئے کوئی جدوجہد کرے۔"

"تم بالکل گدھے ہو۔ اہمیت کا سوال صرف سنگ ہی کے لئے تھا۔ میں اسے سنگ ہی نقطہ نظر سے دیکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اگر آثار قدیمہ کی حیثیت سے اس کی نظروں میں ا کی کوئی اہمیت ہوتی تو وہ اس مردہ شہزادی کے سارے ہی زیورات اُتار لاتا صرف مشہور ہے کہ انکا قوم کے شاہی خزانے کا سراغ بھی ہو سکتی ہے اب اگر ایک شخص اسے آثار قدیمہ والے نہ نظر سے نہیں دیکھتا بلکہ خزانے کے چکر میں ہے تو اس تحریر کے حاصل ہو جانے کے بعد طوق اس کے لئے ایک بے معنی چیز ہو گیا۔ پھر اس کے لئے ڈاکہ زنی کی ضرورت کیوں پیش آتی؟"

"سمجھ گیا....!" حمید سر ہلا کر بولا۔ "لیکن یہ ڈاکہ پڑا کس طرح۔ وہاں تو بہت سخت پ رہتا ہے؟"

"رہتا ہے.... لیکن پہرے والوں کو بدحواس کرنے کے لئے پانچ عدد اژدھے بہت زہ ہوتے ہیں۔"

"کیا مطلب....؟"

"انہوں نے گردو پیش کئی عدد اژدھے رینگتے ہوئے دیکھے۔ ظاہر ہے اگر کسی عمارت بیک وقت کئی عدد اژدھے دکھائی دیں تو وہاں کے لوگوں کا کیا حال ہوگا.... بہر حال سنتری ڈیوٹیاں چھوڑ کر ادھر اُدھر ہو گئے.... اور پھر جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔"

"اژدھے کیسے تھے؟"

"بالکل بے ضرر.... ایسے ہی جیسے اکثر تم نے سپیروں کی گردنوں میں لٹکتے ہوئے د ہوں گے۔ جنہیں بچے بھی ہاتھوں میں اٹھا لیتے ہیں۔"

"کیا وہ اژدھے بھی ساتھ ہی لے گئے؟" حمید نے پوچھا۔

"نہیں آج صبح وہ مختلف مقامات سے پکڑے گئے ہیں اور ہاں اس چینی کی لاش.... اس سے بہت کچھ رہنمائی ہوتی ہے.... اور حمید صاحب آج کی رات میرے لئے بڑی خوشگوار ثابت ہو گی۔"

اغوا

فریدی نے کیڈیلاک ایک تاریک گلی میں کھڑی کر دی۔ رات کے دس بج چکے تھے اور بندرگاہ کی یہ قریبی بستی سکوت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ وہ کیڈیلاک سے نیچے اُترا۔ اس کے ساتھ قاسم بھی تھا لیکن ایک عجیب حلئے میں۔ اس نے نیلے رنگ کی ایک ڈھیلی ڈھالی پتلون پہن رکھی تھی۔ بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے اور سر کے پچھلے حصے پر ایک چھوٹی سی گول ٹوپی منڈھی ہوئی تھی۔ قمیض کی جگہ ایک ملگجی سی بنیان تھی۔ ڈاڑھی تھی تو چھوٹی ہی.... لیکن.... بال اتنے گنجان تھے.... کہ.... مونچھوں سے مل کر انہوں نے دہانہ بالکل ڈھک لیا تھا.... اور.... پھر دیو جیسا ڈیل ڈول.... بہر حال.... قاسم حد درجہ خوفناک نظر آ رہا تھا۔

گلی سنسان پڑی تھی۔ فریدی تھوڑی دیر تک آہستہ آہستہ کچھ کہتا رہا۔ پھر وہ ایک طرف چل پڑے۔ آگے دوسری گلی تھی جس کے سرے پر رک کر فریدی نے ہلکی سی سیٹی بجائی اور دوسرے ہی لمحے میں تاریک گلی سے اس کا جواب ملا۔ آواز دور کی معلوم ہو رہی تھی۔

"بس اب جاؤ....!" فریدی قاسم کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔

قاسم پہلی گلی کے موڑ پر بھی نہیں پہنچا تھا کہ فریدی کی کیڈیلاک فراٹے بھرتی ہوئی سڑک پر نکل گئی۔

قاسم چلتا رہا۔ اب وہ تاریک گلیوں سے نکل کر ایک کشادہ راستے پر چل رہا تھا۔ جس کے دونوں طرف سالخوردہ پتھروں کی عمارتیں تھیں اور یہاں تاریکی بھی نہیں تھی۔ قاسم ایک عمارت کے سامنے رک گیا جس پر "سیلرس کلب" کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ یہ بندرگاہ کے علاقے میں ایشیائی جہاز رانوں کی واحد تفریح گاہ تھی لیکن اکثر یہاں مشرقی منشیات کے شوقین یورپی باشندے بھی دکھائی دے جاتے تھے۔ خصوصاً ہالینڈ کے ملاح جو چرس بھرے سگرٹوں پر جان دیتے ہیں۔ اس عمارت میں پہلے دراصل منشیات کے ایک لائسنس دار تاجر کا کاروبار تھا۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ اس کی دیسی منشیات کی کھپت یوروپین جہاز رانوں میں بھی ہونے لگی ہے تو اس نے باقاعدہ طور

پر چانڈو خانہ چلانے کیلئے اجازت حاصل کرلی اور اس کا یہ کاروبار "سیلرس کلب" کے تحت چ
لگا۔ حکام سے بنائے رکھتا تھا۔ اس لئے عموماً غیر قانونی حرکتیں بھی اس سے سرزد ہو جاتی تھیں۔

قاسم بے دھڑک اندر گھستا چلا گیا۔ عمارت کا نقشہ اسے پہلے ہی اچھی طرح سمجھا دیا گیا تھ
جیسے ہی وہ بڑے کمرے میں داخل ہوا کئی نظریں اس کی طرف بیساختہ اٹھیں۔ اس کے ڈیل ڈو
کا جائزہ لیا اور جھک گئیں۔ قاسم اس لباس میں دراصل کسی جہاز کا خلاصی معلوم ہو رہا تھا۔

وہ ایک خالی میز پر بیٹھ گیا۔ گردوپیش سے مختلف قسم کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔

اس نے ایک ویٹر کو اشارے سے بلا کر چائے طلب کی مگر یہاں کی بدبودار فضا میں اس کا د
گھٹا جا رہا تھا۔ مختلف قسم کے منشیات کے دھوئیں کے مرغولے کمرے میں چکراتے پھر رہے تھے

اس نے کسی نہ کسی طرح چائے زہر مار کی اور بُرا سا منہ بنائے ہوئے کمرے کا جائزہ لینا
وہاں مختلف ممالک کے جہاز راں نظر آ رہے تھے۔ چینی، جاپانی، ملائی، برمیز، انڈونیشین وغیرہ،
ایک چہرے سفید نسل سے بھی تعلق رکھتے تھے۔

اچانک قاسم کی نظر ایک سانولی سی لڑکی پر پڑی جو کاؤنٹر کے پیچھے سے نکل کر ہال میں آ
تھی۔ وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔

لڑکی کے جسم پر نارنجی رنگ کا اسکرٹ تھا اور اس کے ہونٹوں پر لپ اسٹک کی تہہ چڑ
ہوئی تھی۔ چہرے پر پاؤڈر نہیں تھا۔ نہ جانے کیوں؟ ہو سکتا ہے خود اسے ہی اس بات کا احساس
ہو کہ وہ پاؤڈر سے بغیر ہی اچھی لگتی ہے یا پھر اس میں تھوڑا بہت منطقی شعور بھی رہا ہو۔ کیونکہ
چہرے کا پاؤڈر اسکرٹ کے نیچے کالی کلوٹی پنڈلیوں کا عیب نہیں چھپا سکتا۔

قاسم نے بڑی بے چینی سے کرسی پر پہلو بدلا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ لڑ
آہستہ آہستہ چلتی ہوئی صدر دروازے کی طرف آ رہی تھی۔ کبھی کبھی وہ مسکرا کر ادھر اُدھر بیٹ
ہوئے لوگوں کی باتوں کا جواب بھی دیتی جاتی تھی۔

جیسے ہی وہ دروازے کے قریب پہنچی قاسم نے اچھل کر اسے پکڑ لیا۔ ایک پل کے لئے ا
کی نظر قاسم کے چہرے پر پڑی اور اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ پھر نہ جانے کیا ہوا کہ بیک وقت
ہال میں اندھیرا ہو گیا۔ شور مچ گیا۔ کرسیاں اور میزیں الٹنے لگیں۔

قاسم لڑکی کو کاندھے پر ڈالے اور ایک ہاتھ سے اس کا منہ دبائے ہوئے گلی میں بھاگ

تھا۔ اسے یقین تھا کہ قرب و جوار میں اس کے مددگار موجود ہیں ورنہ اس پر بدحواسی کا دورہ کبھی کا پڑ چکا ہوتا۔ لیکن اس صورت میں بھی اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ہوا میں اڑا جا رہا ہو۔ اسے نہ اپنی جسامت کا احساس تھا اور نہ اس بوجھ کا احساس جو اسکے شانے پر پڑا ہوا بُری طرح مچل رہا تھا۔

وہ بھاگتا ہوا اس گلی میں پہنچا جس کے سرے پر کھڑے ہو کر فریدی نے کسی کو کچھ اشارہ کیا تھا۔ جیسے ہی وہ گلی میں گھسا اس پر سامنے سے ٹارچ کی روشنی پڑی اور پھر فوراً ہی غائب ہو گئی۔

دوسرے لمحے میں اس نے حمید کی آواز سنی۔

"چلے آؤ.... سیدھے.... گھبرانا مت....!"

لڑکی اس کے شانے پر بُری طرح مچل رہی تھی۔ وہ اپنے منہ پر سے اس کا ہاتھ ہٹانا چاہتی تھی۔ اس سلسلے میں اس نے دونوں ہاتھوں سے قاسم کو نوچ کھسوٹ ڈالا تھا۔ لیکن شاید قاسم کو اس کا بھی احساس نہیں ہوا تھا۔

"ادھر ادھر....!" حمید نے کہا۔ "کار میں ڈال دو.... منہ دبائے رہنا۔"

قاسم اسے کار میں ٹھونس کر خود بھی اندر بیٹھ گیا اور کار چل پڑی۔

"منہ سے ہاتھ نہ ہٹنے پائے۔" حمید نے ایک بار پھر کہا۔

کار گلیوں سے گذرتی ہوئی سڑک پر نکل آئی تھی اس کی کھڑکیوں پر سیاہ پردے چڑھے ہوئے تھے لہٰذا باہر سے دیکھ لئے جانے کا خدشہ نہیں تھا۔ حمید بار بار قاسم کو تاکید کرتا جا رہا تھا کہ لڑکی کے منہ سے ہاتھ نہ ہٹنے پائے۔

"یہ! دل گھبرا رہا ہے.... غمید بھائی....!" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"اگر میرے کہنے کے خلاف کیا تو گولی مار دوں گا۔" حمید نے غصیلی آواز میں کہا۔

قاسم کے منہ سے عجیب قسم کی آوازیں نکلنے لگیں۔ پتہ نہیں اس نے حمید کی بات کا جواب دینے کی کوشش کی تھی یا لڑکی نے کوئی دوسرا حربہ استعمال کیا تھا۔

"کیا ہوا....؟" حمید نے ہنس کر پوچھا۔

"لک.... غس.... غُس نہیں....!" قاسم ہانپتا ہوا ہکلایا۔

کار فراٹے بھرتی رہی۔ رات زیادہ گذر جانے کی وجہ سے سڑکوں پر بھیڑ بھی نہیں تھی۔

قاسم پر بدحواسی کا دورہ پڑ چکا تھا اور اسے اب صرف اس کا احساس رہ گیا تھا کہ اس کی سانس

چل رہی ہے۔ اس کے علاوہ اس کا سارا وجود ذہن کے سناٹوں میں گم ہو چکا تھا۔

پھر آہستہ آہستہ اس پر غنودگی کی سی کیفیت طاری ہونے لگی۔

لیکن اس کے ذہن نے اچانک پھر سنبھالا لیا۔ ساتھ ہی اسے ایک سریلی آواز بھی سنائی دی

"میں شور نہیں مچاؤں گی۔"

"اوہ.... ہف... شکریہ شکریہ.... ارے ہائیں۔" قاسم بوکھلاہٹ میں حمید کا سر ٹٹولنے لگا۔

"میں شور نہیں مچاؤں گی.... میری جان نہ لو۔" لڑکی دوبارہ دبی دبی سی آواز میں بولی۔

"ہائیں ابے کیا چھوڑ دیا۔" حمید بھنا کر بولا۔

"ارے... حمید بھائی۔" قاسم ہکلا کر رہ گیا۔ اس کی سمجھ ہی میں نہیں آیا کہ لڑکی اس گرفت سے کس طرح نکل گئی۔

"ابے او قاسم کے بچے۔"

"میں کیا کروں حمید بھائی۔" قاسم رو دینے والی آواز میں بولا۔

"میں کہہ رہی ہوں کہ میں شور نہیں مچاؤں گی۔"

"جی ہاں.... جی ہاں....!" قاسم جلدی سے بولا۔

"اچھا....!" حمید نے قاسم سے کہا۔ "اگر یہ شور مچائے تو گلا گھونٹ کر مار ڈالنا۔"

قاسم کچھ نہ بولا۔ لڑکی بھی ایک کنارے دبکی بیٹھی رہی۔ اس نے قاسم کی خونخوار شکل ایک ہی جھلک دیکھی تھی لیکن اس کے ذہن پر اب بھی اس کا خوف مسلط تھا۔

تھوڑی دیر بعد کار فریدی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ کوٹھی تاریک پڑی تھی۔ حمید کار سیدھا پورٹیکو میں لیتا چلا گیا اور اس نے برآمدہ تاریک ہونے پر ذرہ برابر بھی تشویش کا اظہار نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ بھی ان کی اسکیم ہی کا کوئی جزو رہا ہو۔

اس نے کار سے اُتر کر سب سے پہلے قاسم کو کار سے نکالا۔ پھر لڑکی سے اترنے کو کہا وہ چپ چاپ نیچے اُتر آئی۔ حمید نے ٹارچ بھی نہیں روشن کی۔

وہ اندھیرے ہی میں برآمدے سے گذر کر اندر پہنچے۔ اندر روشنی تھی۔ لڑکی نے قاسم کو دیکھا جو ایک آرام کرسی پر پڑا ہانپ رہا تھا۔ اس کی مصنوعی ڈاڑھی کئی جگہ سے اکھڑ گئی تھی چہرے پر ناخنوں کی خراشیں تھیں جن سے خون نکل کر جم گیا تھا۔

"بیٹھ جاؤ....!" حمید نے لڑکی سے کہا۔

لیکن وہ کھڑی رہی۔ قاسم اپنی مصنوعی ڈاڑھی کے بال نوچ نوچ کر پھینک رہا تھا۔ اس نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر لڑکی کی طرف دیکھا۔

لڑکی کی عمر بیس سال سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ اس کی سانولی رنگت پر لپ اسٹک بُری نہیں معلوم ہوتی تھی۔ وہ خوبصورت نہ سہی مگر جاذب نظر ضرور تھی۔

❁

پرنسٹن کے ایک موٹر گیراج کے سامنے ایک جیپ کار رکی اور اس پر سے ایک آدمی کود کر بھاگتا ہوا گیراج کے اندر چلا گیا۔

کافی رات گذر جانے کے باوجود بھی گیراج میں کام ہو رہا تھا۔ آنے والا بھاگتا ہوا ایک میز کے قریب پہنچا جہاں ایک قوی ہیکل اور بارعب آدمی بیٹھا اونگھ رہا تھا۔

اپنے قریب آہٹ محسوس کر کے اس نے آنکھیں کھول دیں۔ دو خوفناک اور سرخ آنکھیں پھر اس نے اپنی چڑھی ہوئی مونچھوں کو داہنے ہاتھ کے انگوٹھے سے سہارا دے کر آنے والے کی طرف دیکھا۔

"میں سیلرس کلب سے آیا ہوں۔" آنے والے نے اس کے چہرے پر سے نظر ہٹا کر کہا۔

"ہوم! تو پھر....؟"

"لڑکی کو کوئی اٹھا لے گیا۔"

"ہام....!" خوفناک چہرے والا کھڑا ہو گیا۔

"کوئی اٹھا لے گیا۔ کسی نے بجلی کی مین لائن کاٹ دی تھی۔"

اس نے آنے والے کو گریبان سے پکڑ کر ایک طرف دھکیل دیا اور خود آگے بڑھ کر ایک موٹر سائیکل اٹھائی اور پھر وہ موٹر سائیکل گیراج کے اندر ہی سے اسٹارٹ ہو گئی۔

آنے والا ایک کنارے کھڑا اپنا کالر درست کر رہا تھا۔ اس نے گیراج سے نکلتی ہوئی موٹر سائیکل کو بڑی کینہ توز نظروں سے دیکھا۔

موٹر سائیکل اب سڑک پر جا رہی تھی۔ طوفان کی طرح۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سوار یا تو پاگل ہو گیا ہو یا اسے اپنی جان کا خوف نہ ہو۔ موٹر سائیکل زیادہ تر شہر کی سنسان سڑکوں ہی کی

طرف مڑ رہی تھی اور پھر کچھ دیر بعد اس کا رخ لڑکال جنگل کی طرف ہو گیا جب وہ سڑک کچی زمین پر اترنے لگی تو ایک جھاڑی سے ٹارچ کی روشنی کی ایک لمبی سی شعاع اس کے پیچھے چل گئی۔

❁

حمید قاسم کو عجیب انداز سے دیکھ رہا تھا اس میں غصہ مضحکہ اور ہمدردی سبھی کچھ تھا۔ وہ لڑ جسے وہ "سیلرس کلب" سے بالجبر اٹھا کر لائے تھے اتنے اطمینان سے ایک آرام کرسی پر نیم د تھی جیسے ان کی خاص الخاص استدعا پر ٹی پارٹی میں شرکت کے لئے آئی ہو۔

وہ تینوں خاموش تھے اور قاسم بار بار اس طرح اپنی آنکھیں مل کر لڑکی کو دیکھنے لگتا تھا جیسے اسے اس کے وجود پر یقین نہ ہو۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" حمید نے لڑکی سے پوچھا۔

"اوہ.... میرا نام نہیں معلوم۔" لڑکی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"جی ہاں.... جی ہاں نہیں مالوم....!" قاسم ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ پھر وہ اس طرح چلانے لگا جیسے منہ میں مسری کی ڈلی رکھ کر بھول گیا ہو۔

"حیرت ہے کہ آپ لوگ میرا نام بھی نہیں جانتے حالانکہ اس طرح اٹھا کر لائے تھے۔"

"الا قسم نہیں جانتے۔ جھوٹ تھوڑا ہی ہے۔" قاسم لچک کر بولا۔

حمید اسے گھورنے لگا۔

"ہائیں گھورتے کیوں ہو۔" قاسم نے کہا۔ پھر سر پر ہاتھ مار کر بولا۔ "تو تم ہی بات کرو نا.... میں کون ہوتا ہوں۔"

حمید چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر لڑکی سے بولا۔ "لیکن تم اس کے باوجود بھی بہت مطمئن نظر آ رہی ہو۔"

"پھر....!" لڑکی مسکرائی اور ایک طویل انگڑائی لے کر بولی۔ "میری زندگی ہی یہی ہے۔"

"زندگی....!"

"ہاں.... لیکن میں شاعری نہیں کر رہی ہوں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ قاسم بھی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے پھر آنکھیں مل مل کر لڑکی کو

دیکھنا شروع کر دیا۔ پھر اپنے بازو پر زور سے چٹکی لی اور "سی" کر کے رہ گیا۔

لڑکی کمرے کا ساز و سامان دیکھ رہی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ اس کی انگلیاں کرسی کے ہتھے پر اس طرح چل رہی تھیں جیسے اس کے ذہن میں وائیلن کا تصور ہو۔

"ایک سگریٹ دو گے۔" اچانک وہ حمید کی طرف مڑ کر بولی۔

"ہاں.... آں....!" حمید نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ذرا میرے کمرے سے سگریٹ کا ڈبہ اٹھا لاؤ۔"

"اچھا....!" قاسم اٹھتے اٹھتے پھر بیٹھ گیا۔

"کیوں....؟"

"کود جا کر لاؤ نا.... میں تمہارے باپ کا نوکر تو نہیں۔"

"مجھے بتاؤ.... میں خود لاؤں۔" لڑکی اٹھتی ہوئی بولی۔

"بیٹھو بیٹھو....!" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا اور قاسم کو گھورتا ہوا کمرے سے چلا گیا۔

لڑکی نے قاسم سے کہا۔ "آپ نے بھیس خوب بدلا تھا۔"

"ارے ہی.... ہی.... ہی.... میں کیا.... انہیں سالوں نے گت بنالی تھی۔"

"یہ ہیں کون....؟" لڑکی نے بڑے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

"ارے تم نہیں جانتیں....؟"

لیکن قبل اس کے کہ وہ جملہ پورا کرتا حمید سگریٹ کا ڈبہ لے کر واپس آ گیا۔ قاسم چپ ہو گیا۔ حمید نے شاید اس کا ادھورا جملہ سن لیا تھا۔ اس لئے اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی قاسم سے کہا۔ "اپنے کمرے میں جاؤ۔"

"پھر وہی....!" قاسم بھنا گیا۔ "کیا میں تم سے دبتا ہوں....؟"

"اوہ....!" لڑکی اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ "یہ مجھے ناپسند ہے شاید اب.... تم دونوں آپس میں لڑو گے۔"

"ضرورت پڑی تو ضرور لڑیں گے۔" قاسم اکڑ کر بولا۔ وہ اپنے بازوؤں پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔

"تم یہاں اپنی موجودگی کا غلط مقصد سمجھ رہی ہو۔" حمید اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتا ہوا بولا۔ "تھوڑی ہی دیر بعد تم آزاد ہو گی۔"

"مجھے حیرت ہے۔ تم لوگ مجھے بہت ہی خطرناک قسم کے آدمیوں کے درمیان سے لا۔
ہو۔" لڑکی بولی۔

"کیا واقعی....؟" حمید نے حیرت کا اظہار کیا۔ "میں تو ایسا نہیں سمجھتا۔"

"تم مجھے کیوں لائے ہو....؟"

"بس یونہی تفریحاً.... تمہیں قریب سے دیکھنے کے لئے۔"

"شاید میں پاگل ہو جاؤں گی۔" لڑکی اپنی پیشانی رگڑتی ہوئی بولی۔

"کیوں....؟" حمید اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

"میرے زندگی ہی بدمعاشوں میں گذری ہے۔ مگر ایسے بدمعاش.... انہوں نے میر
لئے کافی کشت و خون کیا ہے۔ مجھے دوسرے بدمعاشوں سے چھین لائے ہیں۔ میری نگہداش
ہوتی ہے۔ میں جب بھی باہر نکلتی ہوں میرے ساتھ دو آدمی ہوتے ہیں اور ان کی جیبیں
نہیں ہوتیں۔ وہ ریوالور رکھتے ہیں لیکن مجھے اب تک یہ نہ معلوم ہو سکا کہ یہ لوگ مجھے دوسر
سے کیوں چھین لائے ہیں؟"

"پہلے تم کہاں تھیں؟"

"صفدر آباد میں.... کمبر لینڈ ہوٹل کی ہوسٹس لیکن مجھ پر چند بدمعاشوں کا قبضہ تھا۔"

"یہ لوگ تمہیں کب لائے؟"

"ایک ماہ پہلے کی بات ہے۔"

"سرغنہ کون ہے؟"

"میں نام نہیں جانتی لیکن وہ خوفناک آدمی ہے۔ بڑی مونچھوں اور خونخوار آنکھوں والا۔

"سیلرس کلب کا منیجر....؟" حمید نے پوچھا۔

"نہیں.... وہ تو.... وہ بھی اس سے دبتا ہے۔ میں نہیں جانتی کہ سیلرس کلب سے اس
تعلق ہے۔"

"تم سیلرس کلب میں رہتی ہو....؟"

"ہاں.... وہاں مجھے ایک کمرہ دیا گیا ہے۔"

"تم سے کام کیا لیا جاتا ہے؟"

"کچھ بھی نہیں.... اکثر شام کو مجھے کاؤنٹر پر بیٹھنے کو کہا جاتا ہے اور بس۔ مجھے قید کر کے
نہیں رکھا گیا۔ لیکن پھر بھی نگرانی کافی ہوتی ہے۔ میں تنہا باہر نہیں نکل سکتی اور ہاں رات کو وہ
میرا کمرہ باہر سے مقفل کر دیتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ میں خواب میں چلتی ہوں۔ سوچتے ہوں گے
ممکن ہے مجھے کوئی حادثہ پیش آجائے۔ عجیب بات ہے مجھے یقین نہیں آتا مگر لوگ کہتے ہیں۔
صفدر آباد میں ایک سائیکو انیلسٹ نے کہا تھا کہ جو کام میں جاگتے میں نہیں کرنا چاہتی یا کرنا بھول
جاتی ہوں اسے نیند.... کی حالت میں کرنا چاہتی ہوں۔ لیکن مجھے بالکل علم نہیں ہوتا.... ہے نا
عجیب بات۔"

حمید چند لمحے اُسے غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟"

"ریکھا ڈنیئل.... میں کرسچین ہوں۔"

"ڈنیئل....؟"

"ہاں وہ میرے باپ تھے۔"

حمید کچھ اور پوچھنے والا تھا کہ اچانک پوری عمارت کی روشنی غائب ہو گئی۔ حمید بوکھلا کر اٹھا۔
وہ قدموں کی آوازیں سن رہا تھا۔ "خبردار.... گولی مار دوں گا۔" وہ ریوالور نکال کر چیخا اور پھر
اندھیرے ہی میں ایک فائر بھی کر دیا لیکن اس کے جواب میں اس نے کسی قسم کی آواز نہیں سنی۔

ایک بم کئی لاشیں

"کیا ہوا حمید بھائی؟" اس نے قاسم کی آواز سنی اور پھر اچانک اسے یاد آیا کہ اس سے ایک
زبردست غلطی سرزد ہوئی تھی۔ اسے لڑکی کو لے آنے کے بعد پھاٹک بند کرا کے کمپاؤنڈ میں
رکھوالی کرنے والے کتے چھوڑ دینے چاہئے تھے۔

فریدی نے خاص طور پر اس کی تاکید کی تھی۔ لیکن وہ بھول ہی گیا۔ وہ بڑی تیزی سے
دروازے کی طرف لپکا لیکن اس کا سر بند دروازے سے ٹکرا کر رہ گیا۔

"حمید بھائی....!" قاسم نے پھر گھٹی گھٹی سی آواز میں اسے پکارا۔

"چپ رہو حمید بھائی کے بچے۔" حمید جھلا گیا۔ وہ دیوار کے سہارے چلتا ہوا کمرے کے
دوسرے دروازے ٹٹولتا پھر رہا تھا۔

"بڑے آئے گرجنے برسنے والے۔" قاسم غرا کر بولا۔"خود مزے کر رہے ہیں... ہاں.... نہیں تو....!"

"ابے کیا بکتا ہے مردود....؟"

"ٹھہر تو جاؤ بتاتا ہوں۔" قاسم اندھیرے میں ادھر اُدھر ہاتھ چلاتا ہوا آگے بڑھنے لگا حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ دفعتاً اسے یاد آگیا کہ اس کی جیب میں سگار لائٹر پڑا ہے۔ دوسرے ہی لمحے میں سگار لائٹر کی ننھی سی لو اندھیرے میں جگمگانے لگی۔

"ہائیں....!" قاسم بوکھلا گیا۔"لل.... لڑکی.... کدھر گئی؟"

"جہنم میں....!" حمید غرایا۔

"اماں تم ٹھیک سے بات کیوں نہیں کرتے آخر۔" قاسم آستین چڑھاتا ہوا آگے بڑھا۔

"دور رہنا.... نہیں تو اچھا نہ ہوگا۔ تمہاری وجہ سے وہ نکل گئی۔"

"نکل گئی....؟" قاسم نے حیرت سے کہا۔

"تم شاید سو رہے تھے۔" حمید نے کہا پھر اچانک اس کے منہ سے ایک تحیر زدہ سی آواز نکلی۔ وہ دروازے کے قریب پڑی ہوئی ایک عجیب وضع کی چیز کی طرف دیکھ رہا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ پھر وہ اسے دیکھنے کے لئے جھکا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی اور وہ اُچھل کر پیچھے ہٹ آیا۔ سگار لائٹر بجھ گیا۔ اس نے اسے بدقت تمام دوبارہ روشن کیا۔ قاسم نے بھی آگے بڑھ کر اس چیز کا جائزہ لیا اور ہنسنے لگا۔

"اماں بوتل سے ڈرتے ہو.... واہ.... واہ.... مگر ہائیں۔ یہ کیا۔ یہ بوتل ہے یا گھڑی... الا قسم گھڑی کی طرح ٹک ٹک ٹک ٹک کر رہی ہے۔"

"قاسم....!" حمید کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔"دروازہ توڑ دو.... جلدی کرو۔"

"کیوں....؟"

"جلدی کرو.... ادھر آؤ.... اس دروازے میں ٹکر مارو۔"

"کیوں....؟" عجیب آدمی ہو۔"

"جلدی کرو سور.... یہ بوتل یا گھڑی نہیں بلکہ ٹائم بم ہے۔"

"ہائیں ہم.... ارے باپ رے۔" قاسم بدحواسی میں ایک کرسی کے پائے سے الجھ کر منہ

کے بل فرش پر گرا۔

حمید بے تحاشہ ایک دروازے پر ٹکریں مار رہا تھا لیکن اس کے بس کا روگ نہیں تھا۔ کمرے میں پھر اندھیرا چھا گیا۔ سگار لائٹر کی اسپرٹ کب تک چلتی۔

"او قاسم کے بچے۔" وہ حلق پھاڑ کر چیخا۔

"یار مذاق نہ کرو۔" قاسم خوفزدہ آواز میں بولا۔ پھر اس نے ہنسنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔"نہیں جھوٹ بم وم کچھ نہیں بنڈل ہے بنڈل.... واہ حمید بھائی۔"

حمید ٹٹولتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔"آؤ.... اٹھو.... خدا کے لئے۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف کھینچنے لگا۔"

"کیوں.... یار پریشان مت کرو.... لائٹ جلاؤ.... مجھے نیند آرہی ہے۔ قاسم نے بھاڑ سا منہ پھاڑ کر جماہی لی۔

"قاسم.... اگر یہ بم پھٹ گیا تو ہمارے پرخچے اڑ جائیں گے۔"

"اماں.... مت اُلو بناؤ۔" قاسم پھر ہنسنے لگا۔

حمید اسے چھوڑ کر دوبارہ دروازے پر ٹکریں مارنے لگا تھا۔

❁

جس وقت "سیلرس کلب" میں ہنگامہ ہوا فریدی عمارت سے زیادہ دور نہیں تھا۔ اس نے قاسم کو کامیاب ہوتے بھی دیکھا تھا اور اب اسے اس کے رد عمل کا انتظار تھا۔ ہنگامہ بڑھتا ہی گیا۔ لوگ عمارت سے نکل کر سڑک پر اکٹھا ہو گئے تھے اور ان میں سے کچھ قرب و جوار کی تاریک اور سنسان گلیوں میں گھستے پھر رہے تھے۔

اچانک اسی بھیڑ میں ایک جیپ کار اسٹارٹ ہوئی اور بھیڑ کی پرواہ کئے بغیر اندھا دھند ایک طرف بھاگنے لگی۔ لوگ چیختے ہوئے ادھر اُدھر ہٹ گئے دوسرے ہی لمحے میں فریدی نے ایک تاریک گلی میں گھس کر اپنی موٹر سائیکل سنبھالی اور جیپ کار کا تعاقب کرنے لگا۔ پھر اسے چند لمحے پرنسٹن کے موٹر گیراج کے باہر بھی رکنا پڑا۔ کیونکہ جیپ کار ڈرائیور اپنی گاڑی باہر چھوڑ کر گیراج کے اندر چلا گیا تھا۔

پھر اس نے گیراج کے اندر سے ایک موٹر سائیکل نکلتے دیکھی اس پر بیٹھے ہوئے آدمی کو

دیکھ کر وہ چونکا اور پھر اسے جیپ والے کا انتظار فضول معلوم ہونے لگا۔ دوسرے لمحے میں وہ بڑی مونچھوں والے موٹر سائیکل سوار کا تعاقب کر رہا تھا۔

فریدی کی موٹر سائیکل میں بہت ہی نفیس قسم کا سائیلنسر لگا ہوا تھا۔ اس لئے اس کی آواز زیادہ دور تک نہیں پھیل رہی تھی۔

تعاقب جاری رہا۔ متعاقب بہت جلدی میں معلوم ہوتا تھا۔ اس کی موٹر سائیکل طوفان کی طرح آگے بڑھ رہی تھی۔ فریدی نے اپنی موٹر سائیکل کی ہیڈ لائٹ بجھا دی تھی اور آگے والی موٹر سائیکل کی عقبی سرخ روشنی پر نظر جمائے ہوئے تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے محسوس کیا کہ اگلی موٹر سائیکل لڑکال جنگل کی طرف جا رہی ہے۔

فریدی نے مسکرا کر اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی۔ اسے پہلے ہی یقین تھا کہ سنگ ہی لڑکال جنگل میں کسی جگہ چھپا ہوا ہے اسی لئے اس نے اس دوران میں اپنا زیادہ تر وقت لڑکال جنگل میں گذارا تھا۔ لیکن اس طرح کہ سنگ ہی کو اس کا علم ہو جائے اور یہی ایک ایسا طریقہ تھا جس کی بناء پر سنگ ہی تک پہنچ بھی ممکن تھی۔ ورنہ اتنے بڑے اور گھنے جنگل سے کسی کو ڈھونڈ نکالنا مشکل ہی تھا اور آج کی اسکیم تو اس کی دانست میں بہت ہی شاندار تھی۔

سیلرس کلب تک اس کی رسائی اسی حادثے کی وجہ سے ہوئی تھی جو لڑکال جنگل سے واپس آتے وقت پیش آیا تھا۔ حملہ آوروں میں سے ایک چینی کا خاتمہ ہو گیا تھا تحقیقات کرنے پر اس چینی کا تعلق سیلرس کلب سے ظاہر ہوا۔ پھر سیلرس کلب میں ایک ایسی لڑکی دریافت ہوئی جس کی شخصیت بڑی پُراسرار تھی۔ بظاہر وہ معمولی صورت شکل کی ایک آوارہ سی لڑکی تھی ایسی ہی جیسی اس قسم کے مقامات پر عموماً پائی جاتی ہیں مگر وہ کڑی نگرانی میں رکھی جاتی تھی۔

فریدی نے دو تین گھنٹے تک اس کے متعلق چھان بین کی لیکن کسی خاص نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔ پھر اس نے ایک اندھی چال چلی۔ لڑکی کو مرکزی خیال بنا کر ایک پلاٹ مرتب کیا۔ اس نے سوچا تھا کہ اگر وہ لڑکی سنگ ہی سے متعلق ہوئی تو اس طرح سنگ ہی تک رسائی ممکن ہو جائے گی۔

ابھی تک تو اس کے اندازے درست نکلے تھے اور پھر جیسے ہی متعاقب کی موٹر سائیکل نے لڑکال جنگل کا رخ کیا اسے اپنی کامیابی کا سو فیصدی یقین ہو گیا۔

اب دونوں موٹر سائیکلیں جنگل کی وسطی سڑک پر دوڑ رہی تھیں۔ یہاں فریدی تاروں کی

چھاؤں سے بھی محروم ہو گیا تھا اس لئے اسے اپنی موٹر سائیکل کی ہیڈ لائٹ روشن کرنی پڑی۔

کچھ دیر بعد اگلی موٹر سائیکل ایک پگڈنڈی پر مڑ گئی۔ فریدی کافی فاصلے پر تھا۔ اس نے رفتار بڑھائی لیکن دوسرے ہی لمحے میں جنگل پر سکوت طاری ہو گیا۔ اگلی موٹر سائیکل کا انجن بند ہو گیا تھا۔ فریدی نے موٹر سائیکل روکتے روکتے اس پگڈنڈی سے بھی آگے نکل گیا۔

اس نے موٹر سائیکل روک کر ایک طرف کھڑی کر دی۔ اگلی موٹر سائیکل کا انجن بند ہو جانے کے بعد موٹر سائیکل سمیت جنگل میں گھسنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

وہ آہستہ آہستہ پگڈنڈی کی طرف بڑھنے لگا۔

سارا جنگل سائیں سائیں کر رہا تھا۔ کبھی کبھی آس پاس کے درختوں پر کوئی بڑا پرندہ اپنے پر پھڑپھڑاتا اور پھر وہی بوجھل سکوت طاری ہو جاتا۔

فریدی پگڈنڈی پر مڑ ہی رہا تھا کہ اچانک آسمان سے اس پر کوئی چیز گری ہلکی پھلکی سی چیز.... لیکن اتنی بڑی کہ اس نے فریدی کے گرد احاطہ کر لیا اور پھر وہ اس میں لپٹتا ہوا زمین پر گر گیا۔

"جال....!" اس کے ذہن نے دہرایا اور جیب میں پڑے ہوئے ریوالور کے گرد اس کی گرفت مضبوط ہو گئی۔

وہ جال میں بُری طرح پھنس گیا تھا اور اب وہ غیر ارادی طور پر جال سمیت آگے کی طرف پھسل بھی رہا تھا۔ اس نے بہت کوشش کی کہ وہ خود کو روک سکے لیکن شاید کئی آدمی بیک وقت اس پر اپنا زور صرف کر رہے تھے۔

آخر ایک جگہ اس کے سر میں ٹھوکر لگی شاید یہ کسی درخت کا تنا تھا۔ اس نے بڑی پھرتی سے اپنا بایاں ہاتھ اس کے گرد پھنسا دیا۔

داہنے ہاتھ میں ریوالور تیار تھا۔ دوسری طرف سے زور ہوتا رہا۔ لیکن جال اس جگہ سے ایک انچ آگے نہ بڑھ سکا۔

پھر فریدی نے جال کی ڈور کے بالکل سیدھ میں کسی کے قدموں کی آواز سنی۔ شاید کوئی جال کی تنی ہوئی ڈور کے سہارے اس طرف آ رہا تھا۔

فریدی کے ریوالور سے شعلہ نکلا اور ایک جگر خراش چیخ دور تک سناٹے میں لہراتی چلی گئی۔

پھر دفعتاً کئی قدموں کی آہٹیں ملنے لگیں۔ فریدی نے پھر فائر کیا۔ اس بار ایک بہت ہی کریہہ آواز گالی کی شکل میں سنائی دی۔ شاید وہ بھی زخمی ہو گیا تھا۔

آہٹیں بند ہو گئیں لیکن کسی آدمی کی ہلکی ہلکی کراہیں اب بھی سنائی دے رہی تھیں۔ جال کا تناؤ کم ہو گیا تھا۔ شاید اس کی ڈور چھوڑ دی گئی تھی۔ فریدی نے جال کے پھندے توڑنے چاہے لیکن ایک ہاتھ سے یہ ناممکن تھا.... دوسرے ہاتھ سے اس نے درخت کا تنا جکڑ رکھا تھا۔

اچانک اسے اپنے قریب ہی ہلکی سی سرسراہٹ سنائی دی۔ اس نے پھر آواز کی سمت فائر کر دیا۔ ایک چیخ پھر گونجی۔

"برساؤ.... گولیاں برساؤ۔" کوئی زور سے چیخا۔ "اِدھر.... اس طرف۔"

قبل اس کے کہ فریدی اس آواز پر بھی فائر کرتا۔ بیک وقت کئی فائر ہوئے اور ایک گولی تو اس درخت کے تنے پر بھی لگی جس سے فریدی جال سمیت چمٹا ہوا تھا۔

خطرہ اب بڑھ گیا تھا۔ فریدی نے سوچا اگر انہوں نے چاروں طرف سے گھیر کر فائر کرنا شروع کیا تو بچاؤ ناممکن ہو جائے گا۔

فائر پھر ہوئے اور اس بار وہ بال بال بچا۔ اس کا خدشہ درست نکلا تھا۔ اس بار اس کی پشت کی طرف سے بھی فائر ہوئے تھے۔

اس نے درخت کا تنا چھوڑ دیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ منہ کے بل زمین پر چلا آیا۔ جال کی ڈور دوبارہ تن گئی تھی اور اسے پھر کھینچا جانے لگا تھا۔

فریدی کے منہ سے ہلکی سی غراہٹ نکلی اور پھر اس نے چاروں طرف سے ہونے والے فائروں کی پرواہ کئے بغیر جال کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

اس کے بعد اسے وہاں سے نکل بھاگنے کی تدبیر کرنی چاہئے تھی مگر اس پر تو اب خون سوار ہو گیا تھا۔ اس نے ایک درخت کے تنے کی آڑ لے کر اندھا دھند چاروں طرف گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ پھر وہ ریوالور کے خالی چیمبر بھرنے کے لئے رکا ہی تھا کہ اس پر بیک وقت کئی آدمی ٹوٹ پڑے۔

"مل گیا.... مل گیا۔" ان میں سے ایک چیخا۔

حمید حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہا تھا لیکن قاسم کے کان پر جوں تک نہیں رینگ رہی تھی۔ نوکر شاگرد پیشے میں تھے لہٰذا ان تک اس کی آواز پہنچنے کا کوئی امکان ہی نہیں تھا۔ لڑکی کو لانے کے بعد خود اسی نے نوکروں کو چھٹی دے دی تھی۔

وہ پھر جھلا کر قاسم کی طرف پلٹا۔

"اچھا.... مرو سالے.... جہنم میں جاؤ۔"

"اے.... گالی والی مت دینا۔" قاسم غرایا۔

"ابے خدا کی قسم وہ ٹائم بم ہے۔"

"میرے ٹھینگے پر...." قاسم لاپروائی سے بولا۔

"تمہارے چیتھڑے اڑ جائیں گے۔"

"پرواہ نہ کرو....!" قاسم ہنس کر بولا۔ "میں تمہیں خوب سمجھتا ہوں.... اس میں بھی کوئی چال ہے۔ بتاؤ وہ لونڈیا کہاں ہے؟"

"لونڈیا کے بچے۔"

"خاموش....!" قاسم حلق پھاڑ کر چیخا۔ "زبان سے گدی کھینچ لوں گا۔ تم خود لونڈیاں کے بچے.... بلکہ چھوکری کے پلے۔"

حمید پھر پلٹ کر دونوں ہاتھوں سے دروازہ پیٹنے لگا۔ اچانک دوسرے کمرے میں لالٹین کی روشنی دکھائی دی۔

"کون ہے.... دروازہ کھولو....!"

"کون ہے....؟" اس نے جواب میں ایک نوکر کی آواز سنی۔

"جلدی کرو.... کھولو....!" حمید چیخا۔

دوسرے لمحے میں دروازہ کھل گیا اور حمید کسی پاگل کتے کی طرح کمرے سے نکل کر چیختا ہوا بھاگا۔ "نکل آؤ.... باہر نکل آؤ.... خطرہ ہے۔"

اب قاسم کی کھوپڑی کی برف بھی کچھ پگھلی وہ سوچنے لگا اگر یہ مذاق ہوتا تو حمید نوکروں کے سامنے اس قسم کی حرکت نہ کرتا۔

نوکر حمید کے پیچھے ہی دوڑتے چلے گئے تھے اور اب پھر اندھیرا چھا گیا تھا۔

کمرے کے سناٹے میں قاسم کو ٹائم بم کی "ٹک ٹک" صاف سنائی دے رہی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ یہ محض واہمہ ہی رہا ہو کیونکہ بم اس سے پانچ یا چھ گز کے فاصلے پر تھا۔

"ارے.... باپ رے۔" قاسم اچانک اچھل کر بھاگا سب سے پہلے دیوار سے ٹکرایا۔ پھر دروازے سے نکل کر دوسرے کمرے میں اوندھے منہ فرش پر جا گرا۔

"حمید بھائی۔" وہ اپنی پوری قوت سے چیخا اور پھر اٹھ کر ٹٹولتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ کئی منٹ تک وہ مختلف کمروں میں چکراتا پھرا لیکن اسے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ملا۔ ایک تو بدحواسی ہی اس پر بُری طرح مسلط تھی.... اور پھر اندھیرا.....

پھر نہ جانے کیوں اسے چپ سی لگ گئی وہ اب حمید کو آوازیں بھی نہیں دے رہا تھا۔ اس کی حالت ایک اندھے گونگے اور بہرے آدمی کی حالت سے مشابہ تھی۔ ذہن میں صرف ایک خیال تھا کہ کسی طرح وہ جلد سے جلد باہر نکل جائے اور وہ باہر کیوں جانا چاہتا تھا؟ اس کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ اسے یاد ہی نہیں رہ گیا تھا کہ وہ باہر کیوں نکلنا چاہتا ہے۔

دفعتاً ایک اتنا زبردست دھماکہ ہوا کہ قاسم کی آنکھوں کے سامنے زمین و آسمان کے چمکدار چیتھڑے اڑنے لگے وہ لہرا کر دھم سے فرش پر گرا۔

حمید اور سارے نوکر باہر لان پر اوندھے پڑے تھے۔

آخر تھوڑی دیر بعد ان کے حواس درست ہوئے۔ قرب و جوار کی کوٹھیوں سے لوگ نکل کر فریدی کی کوٹھی کی طرف آ رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہاں خاصی بھیڑ اکٹھا ہو گئی۔

❁

فریدی کسی وحشی درندے کی طرح ان لوگوں سے لڑ رہا تھا۔ پہلے دو ہی تین تھے مگر اب ان کی تعداد دس تک پہنچ گئی تھی۔

ایک بار پھر وہ جھکائی دے کر ان کے نرغے سے نکل گیا۔ ابھی اس کے دوسرے ہولسٹر میں ایک بھرا ہوا ریوالور باقی تھا۔ ایک تو اس نے اس جدوجہد کے دوران ہی میں کھو دیا تھا۔ ان سے الگ ہوتے ہی اس نے پے در پے دو فائر کئے اور پھر وہ اندھیرے میں دوڑتا چلا گیا۔

حملہ آور ایک دوسرے کو گالیاں دینے لگے۔

"آگے بڑھو....!" کسی نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہماری جانیں فالتو نہیں ہیں۔" کسی دوسرے نے کہا۔ "تم خود کیوں نہیں بڑھتے؟"

"اچھا....!" غرائی ہوئی آواز کے ساتھ ہی ایک فائر ہوا۔ ایک چیخ ابھری اور شاید احتجاج کرنے والا ہمیشہ کے لئے ٹھنڈا ہو گیا۔

کوئی کچھ نہ بولا اور نہ کسی نے اپنی جگہ سے حرکت کی۔

"کیا تمہاری شامت آ گئی۔" غرائی ہوئی آواز پھر سناٹے میں گونجی۔

"کیا کریں جناب اندھیرا۔" کسی نے دبی سی آواز میں کہا۔

"اندھیرے کے بچے! اگر وہ بچ کر نکل گیا تو پھر ہم شہر میں قدم بھی نہ رکھ سکیں گے۔ تم سب نے مل کر اس وقت کا کھیل بگاڑا ہے۔"

مخالف سمت سے پے در پے تین فائر ہوئے اور ادھر دو چیخیں بلند ہوئیں۔

شاید سچ مچ فریدی کا دماغ پھر گیا تھا۔ خطرات میں گھرے ہونے کے باوجود بھی وہ بار بار پلٹ پڑتا تھا۔ دو فائر پھر ہوئے لیکن حملہ آوروں کی طرف سے اس کا جواب نہیں دیا گیا۔ وہ سب بے تحاشہ زمین پر لیٹ گئے تھے۔

پھر قریب ہی کے ایک درخت پر سے ان پر ٹارچ کی روشنی پڑی اور ساتھ ہی دو فائر پھر ہوئے۔ دو چیخیں.... اور پھر فریدی درخت کی ایک شاخ پر بیٹھا دیر تک ان کے بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنتا رہا۔

مل گئی

دوسری صبح حمید کے لئے بڑی پریشان کن تھی۔ کوٹھی کے دو کمرے ملبے کے ڈھیر میں تبدیل ہو گئے تھے۔ قاسم ہسپتال میں تھا۔ اسے چوٹ تو نہیں آئی تھی لیکن دھماکے نے اس کے اعصاب پر بُرا اثر ڈالا تھا۔ رات ہی کو اس کے محکمے کے چند ذمہ دار آفیسر پہنچ گئے تھے اور انہوں نے اپنے سوالات سے ناک میں دم کر دیا تھا۔ لیکن حمید نے انہیں اصل واقع کی ہوا بھی نہ لگنے دی۔ اس نے ان سے یہی کہا کہ وہ اس دھماکے کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا۔ قاسم کے بارے میں بتایا کہ وہ کوٹھی میں تنہا تھا اور قاسم کو تاکید کر دی تھی کہ وہ اپنی زبان بند ہی رکھے۔

اس حال کو پہنچ جانے کے بعد قاسم میں اتنی ہمت نہیں رہ گئی تھی کہ وہ حمید سے بحث کر
اس نے چپ چاپ اس کے کہنے پر عمل کیا۔ ڈی ایس پی سٹی نے اس پر سوالات کی بوچھاڑ کی لیک
اس کے علاوہ اور کچھ نہ معلوم کر سکا کہ قاسم سو رہا تھا۔ اچانک اس کی آنکھ کھلی اور اسے ایسا محسو
ہوا جیسے زلزلہ آگیا ہو۔ پھر اس کے بعد کے واقعات اس کی یادداشت سے محو ہو گئے۔ بیان حمی
تھا اور زبان قاسم کی۔

یہ سب کچھ ہوا مگر فریدی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ حمید کو سب سے زیادہ تشویش اسی کے متعلا
تھی اسے یقین تھا کہ اسے بھی کوئی نہ کوئی حادثہ ضرور پیش آیا ہوگا کیونکہ مجرم اس کی اسکیم
واقف ہو گئے تھے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ لڑکی کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے فریدی کی کو
تک کس طرح پہنچتے۔ حمید کو یقین تھا کہ پچھلی رات کسی نے بھی اس کی کار کا تعاقب نہیں کیا تھ
پھر ایسی صورت میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا تھا کہ مجرم پوری اسکیم سے قبل از وقت
واقف ہو گئے تھے۔

فریدی کے لئے وہ بہت زیادہ پریشان تھا۔ مگر وہ اسے ڈھونڈتا بھی کہاں اس نے اپنی پور
اسکیم سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ اس کا کام بس اس لڑکی کے اغواء کے بعد ہی سے ختم ہو گیا تھا اور اسے
اس وقت تک لڑکی کو کوٹھی ہی میں روکے رکھنا تھا جب تک کہ فریدی واپس نہ آجاتا۔ اس کے
بعد کا کیا پروگرام تھا۔ یہ فریدی کو معلوم تھا یا خدا کو!

حمید دن بھر ادھر اُدھر بھٹکتا رہا۔ لیکن فریدی کہیں نہ ملا۔ ایک بار اس نے "سیلرس کلب"
پر بھی چھاپا مارا۔ سیلرس کلب کا مالک پُراسرار طور پر کہیں غائب ہو گیا تھا.... ملازمین موجود تھے
لیکن وہ اس کے متعلق کوئی ایسی بات نہ بتا سکے جس سے اس کی روپوشی کی وجہ ظاہر ہو سکتی۔ پھ
حمید نے اس لڑکی کے متعلق استفسار کیا۔ لیکن جواب میں وہی سب کچھ معلوم ہو سکا جس کا عل
حمید کو پہلے ہی تھا۔ لیکن ملازمین لڑکی کی شخصیت پر روشنی نہ ڈال سکے اور وہ ان دونوں آدمیوں
سے بھی واقف نہیں تھے جو لڑکی کی نگرانی کرتے تھے۔ لڑکی ہی کی طرح وہ دونوں بھی ان کے
لئے پُراسرار تھے۔

حمید کے ساتھ انسپکٹر جگدیش اور چند کانسٹیبل تھے۔ انہوں نے پوری عمارت کی تلاشی لی۔
حمید نے اس کمرے کو خاص طور سے دیکھا جس میں لڑکی اور اس کے دونوں نگران مقیم تھے۔ ایک

یک چیز الٹ پلٹ ڈالی لیکن کوئی ایسا سراغ نہ ملا جس سے مجرموں کی شخصیت پر روشنی پڑتی۔

آخر تھک ہار کر وہ ہسپتال کی طرف واپس آگیا۔ قاسم ابھی ہسپتال ہی میں تھا۔

حمید کو دیکھ کر اس نے بُرا سا منہ بنایا۔

"جب تک یہاں پڑا رہوں گا۔" اس نے کراہ کر کہا۔

"کیا تم یہاں سے چلنا چاہتے ہو؟"

"اور نہیں تو کیا یہاں زندگی بسر کرنے آیا ہوں۔ سالیاں مجھے دیکھ دیکھ کر ہنستی ہیں۔"

"کون....؟"

"یہی نرسیں! سالیاں....!"

"تب تو پھر تمہارے مزے ہی مزے ہیں۔" حمید کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ شاید وہ آج صبح سے اس وقت تک پہلی بار مسکرایا تھا۔

"میاں بس ختم کرو.... خدا غارت کرے ان عورتوں کو.... ان کی بدولت!"

"اچھا تم ٹھہرو.... میں تمہیں لے چلنے کا انتظام کرتا ہوں۔" حمید نے کہا اور ڈاکٹر کے رے کی طرف چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ہسپتال سے گھر کے لئے روانہ ہو گئے۔ قاسم اچھا خاصا تھا اور اب ما کے کے اثرات اس کے اعصاب پر سے زائل ہو گئے لیکن وہ خائف اب بھی تھا۔

راستے میں زیادہ تر خاموشی رہی۔ صرف ایک بار قاسم نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا تھا۔

"حمید بھائی! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔"

"کیوں.... کس لئے؟"

"میں تمہاری باتوں میں آکر بھی مصیبت میں پڑتا ہوں اور نہ آؤں تب بھی میرے لئے انہ کوئی وبال کھڑا ہو جاتا ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"تمہارا کہنا ماننے پر مجھے گھر چھوڑنا پڑا۔ اور جب پچھلی رات میں نے طے کر لیا تھا کہ تمہاری بات میں کبھی نہ آؤں گا تو مجھے چوہوں کی سی موت نصیب ہوتے ہوتے رہ گئی۔"

حمید بے اختیار مسکرا پڑا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ اس کا ذہن فریدی میں الجھا ہوا تھا۔

کیڈی شہر کی ایک پُر رونق شاہراہ سے گزر رہی تھی۔

اچانک حمید چونک پڑا۔ اتفاقاً اس کی نظر ملبوسات کی ایک دوکان کی طرف اٹھ گئی تھی اسے وہاں جو کچھ بھی نظر آیا وہ اسے چونکا دینے کے لئے کافی تھا۔

اس نے کیڈی فٹ پاتھ سے لگا کر روک دی۔

"کہاں چلے....؟" قاسم بولا۔

"وہی لڑکی.... رات والی....!"

قاسم نے اسے دونوں ہاتھوں سے دبوچ لیا۔

"یہ کیا حرکت....؟" حمید جھلا کر پلٹا۔

"جانے دو حمید بھائی! خدا کے لئے جانے دو۔" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "اب اپنے قریب کوئی لڑکی نہیں دیکھنا چاہتا۔"

"الگ ہٹو....!" حمید اسے دھکا دے کر باہر نکل گیا۔

قاسم نڈھال ہو کر سیٹ پر ڈھیر ہو گیا۔ وہ کچھ بڑبڑا بھی رہا تھا۔ حمید اس کی طرف دھ دیئے بغیر ملبوسات کی دوکان میں گھس گیا۔

لڑکی سیلز گرل کی طرف متوجہ تھی اور اس کے پیروں کے قریب چمڑے کا ایک سفری رکھا ہوا تھا۔ حمید اس کے پیچھے جا کر کھڑا ہو گیا۔ دونوں کے درمیان فاصلہ اتنا کم رہ گیا تھا کہ گرل چونکے بغیر نہ رہ سکی اور وہ لڑکی اس سے گفتگو کرنے میں اتنی محو تھی کہ اسے حمید موجودگی کی خبر نہ ہو سکی۔ لیکن پھر سیلز گرل کے چہرے پر استعجاب کے آثار دیکھ کر مڑی

"اوہ....!" اس کے منہ سے بیساختہ نکلا۔

حمید نہ تو اپنی جگہ سے ہٹا اور نہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی ہوئی اس کے ہونٹ بھنچے ہو تھے اور وہ براہِ راست لڑکی کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"آپ کیا چاہتے ہیں؟" اس نے خوفزدہ آواز میں کہا۔

حمید نے جواب میں جیب سے اپنا ملاقاتی کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

وہ چند لمحے اسے آنکھیں پھاڑے دیکھتی رہی پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔ نہیں سمجھتی کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"میری کار باہر موجود ہے۔" حمید نے سرد لہجے میں کہا۔

"اوہ.... اچھا....!" اس نے کہا اور پھر سیلز گرل کی طرف دیکھ کر ندامت آمیز لہجے میں لی۔ "آپ کا بہت بہت شکریہ مجھے ذرا ایک کام یاد آ گیا ہے میں جلد ہی واپس آ جاؤں گی۔"

اس نے بیگ اٹھایا اور دروازے کی طرف مڑ گئی۔

حمید اس کے آگے چل رہا تھا۔

حمید نے پچھلی نشست کا دروازہ کھولا اور وہ دونوں اندر بیٹھ گئے۔ قاسم منہ پھاڑے انہیں یکھ رہا تھا۔

"چلو.... ڈرائیو کرو....!" حمید نے قاسم سے کہا۔

"پھر لے چلو گے انہیں؟" قاسم نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"ہاں.... اور اس بار میں شرافت سے پیش نہیں آؤں گا۔" حمید نے کہا۔

لڑکی کچھ نہ بولی۔ اب اس کے چہرے پر بے چینی کے آثار نہیں تھے۔ حمید نے پھر اس کے راز میں پچھلی رات کی سی بے فکری اور لاپروائی محسوس کی۔

"وہ لوگ کہاں گئے؟" حمید نے پوچھا۔

"میں نہیں جانتی۔"

"لیکن اس وقت تمہارے محافظ کہاں ہیں؟"

"میں نہیں جانتی۔ میں کچھ بھی نہیں جانتی۔ میرا خیال ہے کہ اب میں اس شہر کی سڑکوں پر لوں کی طرح چیختی پھروں گی۔"

حمید اسے گھورنے لگا۔

لڑکی پھر بولی۔ "ایسے بدمعاشوں سے آج تک میرا سابقہ نہیں پڑا تھا۔"

"کیسے بدمعاش؟"

"تم جیسے....!" لڑکی بولی۔ "اتنے دیدہ دلیر کہ علانیہ خود کو محکمہ سراغ رسانی کا کوئی آفیسر ہر کریں۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں براہِ راست کو توالی پہنچایا جائے۔" حمید بھنا کر بولا۔

لڑکی تھوڑی دیر خاموش رہی۔ پھر اس نے کہا۔ "اگر تم لوگ اس کا مقصد بتا دو تو میں پاگل

ہونے سے بچ جاؤں۔"

"میں یہ پوچھتا ہوں کہ تم یک بیک آزاد کیسے ہو گئیں؟"

"میں خود بھی نہیں جانتی.... آج صبح جب میں باہر نکلی تو میرے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا بس اس کے علاوہ مجھے اور کسی بات کا علم نہیں۔"

"سیلرس کلب کا مالک اس وقت موجود تھا؟"

"نہیں! میں نے معمولی ملازمین کے علاوہ اور کسی کو نہیں دیکھا۔"

"وہ لوگ کون تھے جو تمہیں پچھلی رات ہمارے پاس سے لے گئے تھے؟"

"میں ان میں سے کسی کو بھی نہیں پہچانتی۔"

"پہلے کبھی نہیں دیکھا....؟"

"نہیں....!"

حمید چند لمحے خاموشی سے اسے گھورتا رہا پھر بولا۔ "تم پچھلی رات کسی بڑے مونچھ والے کا تذکرہ کر رہی تھیں۔ کیا وہ کوئی چینی ہے؟"

"نہیں! وہ چینی تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔" لڑکی بولی۔ "چینیوں کے چہرے کی ساخت ہی الگ ہوتی ہے۔"

"کیا ان میں کبھی تمہیں کوئی چینی بھی نظر آیا ہے؟"

"کبھی نہیں.... مجھے یقین ہے کہ.... میں نے کسی چینی کو ان میں نہیں دیکھا۔"

"سیلرس کلب میں....؟"

"وہ تو دوسری بات ہے.... وہاں سینکڑوں گاہک آتے جاتے رہتے ہیں۔ ان میں ہر نسل قوم کے آدمی ہوتے ہیں۔"

"اچھا.... یہ تو بتاؤ.... کیا یہ ضروری ہے کہ میں تمہارے بیانات پر یقین ہی کر لوں۔"

"قطعی نہیں.... مجھے یقین ہے کہ آپ یقین نہ کریں گے۔"

"جانتی ہو.... پچھلی رات تمہارے ساتھی ہمارے یہاں ایک ٹائم بم چھوڑ گئے تھے جو بعد پھٹ گیا۔"

"ارے....!" لڑکی اچھل پڑی۔ پھر اس نے خوفزدہ سی آواز میں پوچھا۔ "کوئی مرا تو نہیں۔"

"نہیں.... لیکن دو کمرے ڈھیر ہو گئے ہیں۔"

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد حمید نے قاسم سے کہا۔ "گھر کی طرف چلو۔"

"ہائیں.... کوتوالی تو چل رہے تھے۔" قاسم نے کہا۔ پھر چند لمحے خاموش رہ کر گلوگیر آواز میں بولا۔ "حمید بھائی کوتوالی ہی چلو۔"

"میں جو کہہ رہا ہوں کرو.... ورنہ پھر کسی مصیبت میں پڑو گے۔"

"اچھا بھائی....!" قاسم ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

کیڈی چلتی رہی۔

کچھ دیر بعد حمید پھر اس لڑکی سے مخاطب ہوا۔ "مگر گلو خلاصی کا موقع ہاتھ آنے کے بعد بھی تم اسی شہر میں کیوں موجود رہیں کیا تمہیں دوبارہ پکڑ لئے جانے کا خوف نہیں ہے؟"

"اگر آپ میرے چند سوالات کا تشفی بخش جواب دے دیں تو میں ہر قسم کی گفتگو کے لئے تیار ہوں۔"

حمید اسے تیز نظروں سے دیکھ کر رہ گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے لڑکی ابھی کچھ اور بھی کہنا چاہتی ہو۔

"قبل اس کے کہ تم کوئی بات بناؤ۔ میں یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ پولیس کی نظروں میں تمہاری پوزیشن صاف نہیں ہے۔"

"کچھ بھی ہو لیکن میں ان سوالات کا جواب ہر حال میں چاہوں گی۔ رہی پولیس کی بات.... تو مجھے آج تک دنیا کی کسی چیز سے خوف نہیں محسوس ہوا۔" لڑکی بولی۔

"ہوں....!" حمید اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ "کیا پوچھنا چاہتی ہو؟"

"پہلی بات تو یہ کہ مجھے اس طرح اغوا کرنے کا کیا مطلب تھا؟"

"تمہارے ذریعہ ہم چند خطرناک مجرموں تک پہنچنا چاہتے تھے۔"

"کیا پولیس بھی اس قسم کے طریقے اختیار کر سکتی ہے؟"

"تم ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتیں۔"

"مگر میں سمجھنا چاہتی ہوں۔ کیا آپ ان مجرموں کو براہِ راست نہیں پکڑ سکتے تھے؟"

"تمہیں ان معاملات سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے۔"

"ہونا چاہئے۔" لڑکی سخت لہجے میں بولی۔ "کیونکہ میرا وجود بھی ان گورکھ دھندوں میں ا ہوا ہے۔"

"کن گورکھ دھندوں میں....؟"

"دیکھئے! میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ اصل حالات کی مجھے خبر نہیں!"

"لیکن تم سمجھنا ہی کیوں چاہتی ہو۔ جب کہ تمہیں ابھی تک ان کی ذات سے کوئی نقصہ نہیں پہنچا اور پھر اب تم آزاد بھی ہو۔"

"آزاد....!" لڑکی نے تلخ لہجے میں کہا اور سر ہلا کر رہ گئی۔

"کیوں.... کیا تمہیں اس میں بھی شبہ ہے؟"

"ہاں! وجوہات ہیں.... یہ بیگ۔" اس نے اپنے سفری بیگ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "کل رات تک میرے پاس نہیں تھا۔ آج صبح جب میں سو کر اٹھی تو یہ مجھے اپنے سرہانے ملا۔ ا میں ایک کثیر رقم موجود ہے اور میرے نام ایک تحریر بھی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اب آزاد ہوں اور جہاں چاہوں جا سکتی ہوں۔ خیر یہ سب تو کچھ بھی نہیں۔ ان میں سب سے زی حیرت انگیز چیز میرا اپنا پاسپورٹ ہے جو نیویارک کے لئے حاصل کیا گیا ہے لیکن میرے فرشتو کو بھی اس کے مقصد کا علم نہیں۔ میں نے کبھی خواب میں بھی نیویارک جانے کی خواہش نہیں کی۔ پھر نہ صرف پاسپورٹ بلکہ ویزا بھی موجود ہے۔ کرنسی میں کچھ رقم امریکن سکوں کی شک میں بھی ہے.... ذرا مجھے ان سب کا مقصد سمجھائیے۔"

لڑکی نے بیگ کھول کر حمید کے سامنے رکھ دیا۔

کیڈی کوٹھی کے قریب پہنچ چکی تھی۔ حمید کو پھاٹک پر ایک آدمی دکھائی دیا جس کا چہرہ پٹیو سے ڈھکا ہوا تھا صرف آنکھیں ناک اور دہانہ نظر آ رہا تھا۔ حمید کے چہرے پر چھائی ہوئی مرد یکلخت غائب ہو گئی۔ کیونکہ وہ آدمی فریدی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

قاتلہ کے روپ میں

تھوڑی دیر بعد وہ سب برآمدے میں بیٹھے ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

حمید اپنی داستان سنا چکا تھا اور اب اسے توقع تھی کہ فریدی بھی کچھ کہے گا لیکن وہ خاموش

رہا۔ اس کی نظر لڑکی کے چہرے پر تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "تم یہاں آنے سے قبل کہاں تھیں؟"

قبل اس کے کہ لڑکی کوئی جواب دیتی حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اتنی دیر میں پہلی بار اس نے فریدی کی آواز سنی تھی۔

"کیا بات ہے؟" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

"کچھ نہیں۔" حمید فوراً سنبھل گیا۔ "ذرا مجھے ایک صاحبہ کو فون کرنا ہے۔"

پھر وہ ان تینوں کو برآمدے میں چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ اس کے چہرے پر اندرونی ہیجان کے آثار تھے۔ اس نے میز کی دراز کھول کر اپنا ریوالور نکالا اور اسے جیب میں ڈال کر پھر واپس جانے کے لئے مڑ ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔

حمید نے بُرا سا منہ بنا کر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "کیا حمید ہو؟"

حمید کے ذہن کو جھٹکا سا لگا اور اس کا پورا جسم کانپ کر رہ گیا۔ کیونکہ یہ سو فیصدی فریدی کی آواز تھی۔

"ہیلو کون ہے؟" دوسری طرف سے پھر آواز آئی۔

"میں حمید ہوں۔"

"اوہ.... کیا ہو گیا ہے تمہیں؟" حمید نے ہلکے سے قہقہے کی آواز سنی۔

"آپ کہاں سے بول رہے ہیں؟"

"اس کی فکر نہ کرو.... تم لوگوں پر جو کچھ گذری.... مجھے معلوم ہے۔"

"مگر برآمدے میں ایک دوسرا فریدی موجود ہے لیکن بیچارے کو اپنی آواز پر قابو نہیں۔ لہٰذا میں اس کی آواز صاف کرنے جا رہا ہوں۔"

"ٹھہرو.... میں نے تمہیں اسی لئے فون کیا تھا کہ کہیں تم کوئی گڑبڑ نہ کرو۔ وہ انور ہے۔"

"اچھا....!" حمید ایک لمبی سانس لے کر رہ گیا۔ پھر اس نے مختصر الفاظ میں لڑکی کے متعلق اسے سب کچھ بتا دیا۔

"اچھا دیکھو.... اس لڑکی کو اپنے ساتھ ہی رکھو۔ یہ کم بخت جو چال میرے ساتھ چل چکے

ہیں وہی اب ان کے منہ پر ماروں گا۔ فکر نہ کرو۔ انور کے پاس پورا پروگرام ہے۔ تمہار
قاسم کے پاسپورٹ بھی اسی کے پاس ہیں۔ اگر قاسم نے اپنا خیال بدل دیا تو اسے مجبور کر
ضرورت نہیں۔ سب سے اہم بات یہ کہ انور سے الجھنے کی کوشش مت کرنا....."

"گویا مجھے اس کے احکام کی تعمیل کرنی پڑے گی۔" حمید بگڑ کر بولا۔

"نہیں پیارے.... وقتی ضرورت.... اچھا بس۔ فکر مت کرو۔ میں لڑکی کے مسئلے
کرنے کے بعد پھر فون کروں گا۔ اُسے فی الحال روکے رہو۔"

"اچھا جناب....!" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ "حالانکہ اب قاسم جیسے دیو کا یہ عالم
لڑکیوں کی شکل ہی دیکھ کر پسینہ چھوڑ دیتا ہے۔"

فریدی نے ایک ہلکے سے قہقہے کے ساتھ سلسلہ منقطع کر دیا۔

حمید بڑے اطمینان سے ٹہلتا ہوا برآمدے میں واپس آگیا۔ یہاں لڑکی فریدی کے ہ
سے الجھی ہوئی تھی۔

"تم رمبا ناچنا جانتی ہو....؟" حمید نے لڑکی سے پوچھا۔

وہ بڑی سرگرمی سے انور سے بحث کر رہی تھی۔ اس بے تکے سوال پر جھلا گئی۔

"میں اب صرف موت کا ناچ ناچوں گی۔"

"بہت اچھا....!" حمید مسکرا کر قاسم کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ "اس ناچ کے لِ
سے بہتر ہم رقص تمہیں کہیں نہ ملے گا۔"

اس نے ایک بار قاسم پر قہر آلود نظر ڈالی اور پھر انور سے مخاطب ہو گئی۔ "ہاں....
بات کا جواب دیجئے۔"

"تمہاری بات کا جواب یہ ہے کہ ابھی ہم لوگ تمہاری طرف سے مطمئن نہیں ہیں۔" انور

"مجھے جھونکئے جہنم میں۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ آخر وہ لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہیں

"نہ میں تمہیں جہنم میں جھونک سکتا ہوں۔" حمید بولا۔ "اور.... نہ....!"

انور نے حمید کو گھور کر دیکھا اور حمید خاموش ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ انور ہر معاملے
فریدی کی نقل اتارنے کی کوشش کر رہا ہے۔

قاسم خاموش بیٹھا تھا۔ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سب اس کو ذبح کر

وگرام بنا رہے ہوں۔

لڑکی بری طرح بپھر گئی تھی۔ اس نے چیخ کر کہا۔ "مجھے جانے دو۔"

"یہاں سے جانے کی صورت میں تم حوالات میں ہو گی۔" حمید بولا۔

"مجھے اس کی پرواہ نہیں.... وہاں کم از کم میرے لئے الجھنیں تو نہ ہوں گی۔"

"الجھنیں تو نہ ہوں گی لیکن وہاں مجھ جیسے شریف آدمیوں سے ملاقات ناممکن ہے۔" حمید
نے کہا۔ "میرے ساتھ آؤ۔ میں تم پر حیرت انگیز انکشاف کروں گا۔"

لڑکی کے چہرے پر جھلاہٹ کے ساتھ ہی ندامت کے آثار بھی ابھر آئے۔

پھر وہ ہنسنے لگی لیکن اس ہنسی میں رو دینے کا سا انداز شامل تھا۔

"چلو چلو! بہت سی باتیں ہیں۔" حمید اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتا ہوا بولا۔ قاسم بڑی بے چینی سے
لو بدلنے لگا تھا، دو تین بار کھنکارا بھی لیکن جب حمید کے ہاتھ پکڑنے پر وہ کھڑی ہی ہو گئی تو
ں نے بڑی بے بسی سے انور کی طرف دیکھ کر سر جھکا لیا وہ اسے فریدی ہی سمجھ رہا تھا اور اسے
قع تھی کہ وہ حمید کو اس حرکت سے باز رکھے گا۔

اور پھر جیسے ہی حمید لڑکی کو اندر لے جانے کے لئے مڑا قاسم پر کھانسیوں کا دورہ پڑ گیا۔ لڑکی
دل نخواستہ حمید کے ساتھ چل رہی تھی۔

آخر وہ ایک جگہ رک گئی۔

"کیا کہنا چاہتے ہیں آپ....؟"

"چلی آؤ.... میں تمہیں اس ٹائم بم کی تباہ کاریاں دکھاؤں گا۔"

"مجھے یقین ہے کہ ایسا ضرور ہوا ہو گا۔ وہ لوگ بہت خطرناک ہیں۔ انہوں نے مجھے حاصل
رنے کے سلسلے میں دو تین خون کئے تھے۔"

وہ پھر حمید کے ساتھ چلنے لگی تھی۔ حمید نے اسے وہ دونوں کمرے دکھائے جو اب اینٹوں اور
اسٹر کا ڈھیر تھا۔

لڑکی تھوڑی دیر خاموش رہی۔ پھر اس نے پوچھا۔ "ان صاحب کے چہرے پر پٹیاں کیسی
دھی ہوئی ہیں؟"

"چوٹیں ہیں....!"

"کیا.... وہ یہاں تنہا تھے۔" لڑکی نے خوفزدہ انداز میں ملبے کے ڈھیر کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں.... بہر حال یہ سب کچھ تمہارے ہی سلسلے میں ہوا ہے۔"

"آخر آپ لوگوں کو مجھ سے اتنی دلچسپی کیوں ہے؟"

جواب میں حمید نے ایک طویل سانس لی اور پھر کچھ دیر ٹھہر کر بولا۔ "آؤ واپس چلیں۔"

اب حمید اسے اپنے کمرے میں لایا۔ قاسم اور انور شاید اب بھی برآمدے ہی میں تھے۔

"تم پہلے کس قسم کے لوگوں میں تھیں۔" حمید نے اس سے پوچھا۔

"میں نے پچھلی رات آپ کو جو کچھ بھی بتایا تھا اس میں رتی برابر بھی جھوٹ نہیں۔ کچھ بھی ہو وہ لوگ اتنے خطرناک نہیں تھے وہ جوئے کے اڈے چلاتے تھے اور میرا کام یہ تھا کہ میں شہر کے دولت مند لوگوں کو ان اڈوں تک پہنچاتی تھی۔ لیکن آخر یہ لوگ مجھ سے کیا کام لینا چاہتے تھے؟ میں سچ مچ پاگل ہو جاؤں گی۔"

"تم پھر بہکنے لگیں.... اچھا ہٹاؤ.... چھوڑو ان باتوں کو۔"

"میں بہکنے لگی ہوں؟" لڑکی نے استفہامیہ انداز میں پوچھا اور پھر اس پر جھلاہٹ طاری ہو گئی۔

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو....!"

"کون ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ حمید نے آواز پہچان لی۔ دوسری طرف سے بولنے والا فریدی ہی تھا۔

"حمید....!"

"اچھا.... ہاں دیکھو تم نے لڑکی کے پاسپورٹ کے متعلق یہی کہا تھا نا کہ وہ نیویارک کیلئے ہے۔"

"جی ہاں.... اور ویزا بھی ہے۔"

"پاسپورٹ صرف امریکہ کے لئے یا بین الاقوامی ہے؟"

"صرف امریکہ کے لئے.... اور ویزا صرف نیویارک کے لئے ہے۔"

"خوب.... یہ بڑی دلچسپ بات ہے اور ہاں کل تم لوگ بھی نیویارک کیلئے روانہ ہو جاؤ گے۔"

"پیدل....؟" حمید جھلا گیا۔

"بکواس مت کرو۔ انور کے پاس تم لوگوں کے بین الاقوامی پاسپورٹ موجود ہیں لیکن لڑکی

ہمارے ساتھ ہو گی۔"

"کیا....؟" حمید اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔

"جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو.... سمجھے۔"

"سمجھ گیا۔ لیکن اگر وہ چلنے پر رضامند نہ ہوئی تو...." حمید نے لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے انیسی زبان میں کہا۔

"کیا وہ اس وقت تمہارے قریب ہی موجود ہے؟"

"جی ہاں....!"

"اچھا.... اگر وہ تیار نہ ہو تو اس سے اتنا ضرور کہہ دینا کہ راجن کو ختم کرنے کے لئے نیلی لھیا استعمال کی گئی تھی۔"

"ذرا وضاحت کیجئے.... میں نہیں سمجھا۔" حمید نے کہا۔

لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ حمید ریسیور رکھ کر لڑکی کی طرف مڑا۔ جو اب ایک آرام کرسی میں پڑی ہوئی حمید کو عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"ہاں.... آپ مجھ سے کہنا کیا چاہتے تھے؟"

"صرف اتنی سی بات کہ ایک بار دھوکا کھا جانے کے باوجود بھی تم پر اعتماد کر لینے کو دل چاہتا ہے۔"

"میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں۔ مجھے مطلق علم نہیں کہ میرے جانے کے بعد کیا ہوا۔"

"اور نہ یہی جانتی ہو کہ اب کیا ہو گا۔"

"میں قطعی نہیں جانتی اور آپ کو آگاہ کر دینا چاہتی ہوں کہ اگر اب کچھ ہوا تو اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہو گی۔"

"میں نہیں سمجھا....!"

"جن حالات میں میری گلو خلاصی ہوئی ہے کیا وہ قابل اطمینان ہیں؟"

"ہرگز نہیں....!"

"پھر ہو سکتا ہے کہ یہ بھی ان لوگوں کی کوئی چال ہو۔"

"تمہیں اس کا اعتراف ہے؟"

لڑکی چند لمحے خاموش رہی۔ پھر اس نے کہا۔ "ہاں مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ میری

سمجھ میں یہی آتا ہے.... آخر آپ مجھے الفاظ کے گورکھ دھندوں میں پھانسنے کی کوشش کیوں کر رہے ہیں؟"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ آہ میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ گفتگو کبھی ختم نہ ہو۔"

حمید نے بڑی لمبی سانس کھینچی تھی لیکن قبل اس کے کہ وہ کوئی دوسرا جملہ کہتا انور اور قاسم بھی وہاں آ گئے۔

"اچھا باقی آئندہ۔" حمید سر ہلا کر بولا اور انور اسے گھورنے لگا۔

"ذرا میری ایک بات سنئے گا۔" حمید نے انور سے کہا اور قاسم سے یہ کہتا ہوا کہ وہ وہیں ٹھہرے کمرے سے باہر نکل گیا۔ انور اس کے پیچھے تھا۔ حمید اسے دوسرے کمرے میں لایا۔

"شاید آپ کا گلا بھی گھونٹا گیا تھا پچھلی رات کو....!"

"کیوں....؟" انور نے کہا۔

"آواز کچھ اسی طرح بھیک مانگ رہی ہے۔"

"کیا بکواس ہے....؟" انور جھلا گیا۔

"سنو بیٹا! میں حمید ہوں۔ تمہیں فریدی بننا مبارک.... لیکن اگر میری شان میں ذرہ برابر بھی گستاخی سرزد ہوئی تو تمہاری ناک اکھاڑ لوں گا۔"

بات بڑھ جاتی لیکن ٹیلی فون کی گھنٹی آڑے آئی۔ وہ دونوں کمرے سے نکل کر اس کمرے میں آئے جہاں لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ حمید نے بڑھ کر ریسیور اٹھایا لیکن پھر اس نے اسے انور کی طرف بڑھا دیا۔ شدید کال اسی کے لئے تھی۔

انور گفتگو کے دوران میں زیادہ تر "ہوں.... ہاں" کرتا رہا۔

وہ شام بڑی خوشگوار گذری۔ کئی بار حمید اور انور میں جھڑپیں بھی ہوئیں لیکن بات زیادہ نہیں بڑھنے پائی۔ قاسم پر البتہ قبرستان کا سناٹا طاری تھا۔

رات کو سارے خطرناک کتے کمپاؤنڈ میں آزاد چھوڑ دیئے گئے۔

حمید چونکہ رات بھر کا جاگا ہوا تھا۔ اس لئے اس نے آٹھ ہی بجے سے خراٹے لینے شروع کر دیئے۔ اس کے بعد پھر قاسم بھی سو گیا۔ انور جاگتا رہا۔ وہ بار بار کوٹھی کے مختلف حصوں کے چکر کاٹتا اور پھر ڈرائنگ روم میں آ بیٹھتا۔

لڑکی ایک کمرے میں تنہا سوئی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ انور کے جاگتے رہنے کا مقصد لڑکی کی نگرانی رہا ہو۔ کیونکہ وہ ہر چکر میں اس کے کمرے کے سامنے ضرور رکتا تھا۔ بیرونی برآمدے میں جانے کی ہمت اس میں نہیں تھی۔ کیونکہ باہر انتہائی خطرناک قسم کے کتوں کا راج تھا۔

کرسی کی پشت سے ٹک کر انور نے سگریٹ سلگائی اور ابھی دو ہی تین کش لئے تھے کہ اسے قریبی راہداری میں کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

سگریٹ کو ایش ٹرے میں رگڑتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

اس وقت کوٹھی کے کسی حصے میں بھی اندھیرا نہیں تھا حتیٰ کہ حمید اور قاسم نے بھی سوتے وقت اپنے کمروں کے بلب نہیں بجھائے تھے۔

انور کو راہداری میں وہ لڑکی نظر آئی وہ آہستہ آہستہ چل رہی تھی لیکن....اس کی آنکھیں بند تھیں۔ شانے نیچے کی طرف ڈھلکے ہوئے تھے اور ہونٹوں پر عجیب قسم کی مسکراہٹ تھی۔ ایسی مسکراہٹ جس کے لئے تشبیہ کی تلاش بے سود! زیادہ سے زیادہ اتنا کہا جا سکتا تھا کہ وہ اس وقت ایک ایسی معصوم بچی معلوم ہو رہی تھی جو سوتے میں مسکرا پڑی ہو۔ مگر یہ تشبیہ بھی ادھوری تھی۔ کیونکہ بچیوں کی مسکراہٹ میں جنسیت کا لگاؤ نہیں ہوتا۔

وہ انور کے قریب سے نکل گئی۔ راہداری روشن تھی ممکن ہے انور سے اس کا فاصلہ ایک فٹ سے بھی کم رہا ہو۔ لیکن لڑکی کی حالت میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہ ہوئی۔

پھر اچانک انور کی نظر اس خنجر پر پڑی جو لڑکی کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔ وہ بڑی تیزی سے آگے بڑھا۔ لیکن پھر رک گیا۔ کیونکہ لڑکی بھی حمید کے کمرے کے دروازے پر رک گئی تھی۔ اس نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا اور کمرے میں چلی گئی انور بھی بجلی کی سی تیزی سے ساتھ کمرے میں داخل ہو گیا۔

حمید چت پڑا سو رہا تھا۔ لڑکی ٹھیک اس کے پلنگ کے پاس رک گئی۔ پھر اس کا خنجر والا ہاتھ بلند ہوا لیکن وہ دوسرے ہی لمحے میں انور کی گرفت میں تھا۔

لڑکی کراہ کر پلٹی اور پھر اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ سرخ سرخ ڈراؤنی آنکھیں.... خنجر فرش پر گر گیا۔ حمید مردوں سے شرط باندھ کر سویا تھا۔ یہ سب کچھ ہوا مگر اسے خبر تک نہ ہوئی۔

اچانک لڑکی کے منہ سے ایک خوفزدہ سی چیخ نکلی اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے فرش پر پڑے

ہوئے خنجر کو دیکھنے لگی۔

"نہیں.... نہیں۔"

وہ سسکیاں لینے لگی۔

"وہ.... وہ.... دونوں تصویریں.... تھیں.... میں اب.... ہوش میں.... ہوں۔ بالکل.... ہوش میں ہوں.... وہ تصویریں تھیں.... خنجر بھی بیگ میں تھا۔"

دوسری لڑکی

جیسے ہی ہوائی جہاز کے پہیوں نے زمین چھوڑی۔ قاسم کے حلق سے بیک وقت کئی قسم آوازیں نکل کر رہ گئیں۔ یہ اس کا پہلا ہوائی سفر تھا اور ایر ہوسٹس جو ایک کافی خوبصورت لڑ تھی اسے شروع ہی سے تسلیاں دیتی رہی تھی لیکن جیسے ہی ہوائی جہاز اوپر اٹھا قاسم کو ایسا محسو ہوا جیسے اس کی کھوپڑی نیچے ہی رہ گئی ہو.... ہوسٹس قریب سے گذر رہی تھی۔ حمید نے قاسم طرف اشارہ کر کے اس سے کہا

"بھائی کو کچھ چاہئے۔"

"کیا چاہئے آپ کو....؟" ہوسٹس نے قاسم کی طرف جھک کر پوچھا۔

"پپ.... پپ.... پیراشوٹ۔" قاسم حلق پھاڑ کر چیخا۔

نہ صرف ہوسٹس بلکہ آس پاس کے دوسرے لوگ بھی ہنسنے لگے۔ حمید نے قاسم کے شا پر تھپکی دی اور وہ اس طرح اچھل پڑا جیسے اس کی پیٹھ پر سانپ چڑھ گیا ہو۔ قاسم اور انور حمید آگے والی سیٹوں پر تھے اور وہ پُر اسرار لڑکی حمید کے برابر بیٹھی ہوئی تھی۔ انور اب بھی فریدی کی شکل میں تھا۔ لیکن اب کے چہرے پر پٹیاں نہیں تھیں۔ البتہ یہاں وہاں کچھ ایسے نشانات ضرو نظر آرہے تھے جیسے خون جم کر کھرنڈ پڑ گئی ہو، سر پر ابھی تک پٹی تھی۔ لڑکی نے اپنی نیویارک کی روانگی کے متعلق حیرت سے ضرور سنا تھا لیکن اس نے اس سے انکار نہیں کیا تھا۔ لہٰذا حمید کو د جملہ بھی نہیں دہرانا پڑا تھا جو انکار کی صورت میں فریدی کے کہنے کے مطابق دہرانا تھا یہ سب کچ تو تھا ہی لیکن پچھلی رات کا واقعہ نوعیت کے اعتبار سے ایسا نہیں تھا کہ اسے نظر انداز کیا جا سکتا۔ انور نے جو شاید فریدی کے ٹھکانے سے واقف تھا اسے اس وقت فون پر اس واقعے کی اطلاع دے

دی تھی۔ اس پر فریدی نے جو رویہ اختیار کیا تھا اسے اس واقعے سے بھی زیادہ تعجب خیز کہنا چاہئے۔ اس نے اس واقعے کو کوئی اہمیت نہ دی اور انہیں تاکید کر دی کہ لڑکی سے اس کے متعلق قطعی کچھ نہ پوچھا جائے۔ دوسرے دن ان کے ساتھ لڑکی کی روانگی ضروری ہے۔

حمید بڑی الجھن میں تھا۔ نہ اسے اس جملے پر حیرت تھی اور نہ فریدی کے رویے پر۔ تعجب تو اسے اس خنجر پر تھا جس سے حملے کا ارادہ کیا گیا تھا۔ اس خنجر سے آدمی تو بہت بڑی چیز ہے ایک ننھا سا پرندہ بھی نہیں ہلاک کیا جا سکتا تھا۔ کیونکہ وہ چمکدار ٹین کا ایک ٹوائے ٹریگر (خنجر نما کھلونا) تھا لیکن لڑکی اس طرح بدحواس ہو گئی تھی جیسے وہ سچ مچ اقدام قتل کے سلسلے میں پکڑی گئی ہو اور پھر اس کے وہ بے ربط جملے.... حمید رات ہی سے کھول رہا تھا لیکن فریدی نے کہہ دیا تھا کہ اس سے کسی قسم کی باز پرس کی ہی نہ جائے اور شاید لڑکی بھی ان کے اس رویے پر حیران تھی اور اس پر سے یہ حیرت انگیز سفر وہ اس وقت گم سم بیٹھی کچھ سوچ رہی تھی۔ آنکھیں اس طرح پھیلی ہوئی تھیں جیسے وہ اندھیرے میں کچھ دیکھنے کی کوشش کر رہی ہو۔

ہوائی جہاز بلندی پر پہنچ کر سیدھا ہو گیا۔

قاسم کے منہ سے پھر ایک بے ہنگم سی آواز نکلی۔

"کیا میں کچھ گفتگو کر سکتی ہوں۔" لڑکی نے حمید سے پوچھا۔

"ضرور.... یقیناً....!"

"نیویارک پہنچنے کے بعد میرا کیا حشر ہو گا؟"

"حشر.... میں نہیں سمجھا.... بھئی میں کہہ رہا ہوں کہ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

لڑکی خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ اس کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری نظر آرہا تھا۔

"ہم وہاں بہترین قسم کی جگہوں پر اعلیٰ قسم کی تفریح میں حصہ لیں گے۔" حمید بولا۔

"ہو سکتا ہے کہ میں وہاں پہنچنے سے قبل ہی پاگل ہو جاؤں۔"

"تم ویسے ہی مجھے پاگل معلوم ہوتی ہو۔"

"میں رات والے واقعے کے متعلق گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔"

"اوہ....!" حمید نے قہقہہ لگایا۔ "ہم اس مذاق سے کافی محظوظ ہوئے تھے۔"

"نہیں.... نہیں.... وہ مذاق نہیں تھا۔"

"پھر....؟" حمید نے اپنے لہجے میں حیرت کے آثار پیدا کئے۔

"میں کس طرح بتاؤں.... میری سمجھ میں آتا۔ میں نے شاید آپ سے اپنے مرض کا تذکرہ کیا تھا کہ میں نیند کی حالت میں چلتی ہوں۔"

"تم نے بتایا تھا۔"

"لیکن....!"

قبل اس کے کہ لڑکی جملہ پورا کرتی۔ انور پلٹ کر بولا۔ "بہتر ہوگا اگر ہم یہاں اس قسم کی گفتگو نہ کریں۔"

لڑکی نے حمید کی طرف دیکھا اور خاموش ہوگئی۔

"پرواہ نہ کرو۔" حمید نے کہا۔ "زندگی اسی کا نام ہے۔"

لڑکی کچھ نہ بولی۔ اب اس کے چہرے پر الجھن کے آثار نظر آرہے تھے۔

"کب پہنچیں گے؟" قاسم نے انور سے پوچھا۔

"فکر نہ کرو.... کبھی نہ کبھی پہنچ ہی جائیں گے۔ تم خاموش بیٹھے رہو۔ ورنہ طبیعت خراب ہو جائے گی۔"

قاسم نے پھر کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ اسے چھینک آگئی۔

"میں نہ کہتا تھا۔" انور مسکرا کر بولا۔ "منہ بند ہی رکھو ورنہ چھینکتے چھینکتے بُرا حال ہو جائے گا۔"

قاسم نے ناک سکوڑ کر منہ پر رومال رکھ لیا۔

"یہ صاحب کچھ عجیب ہیں۔" لڑکی نے قاسم کی طرف اشارہ کر کے آہستہ سے کہا۔

"ہاں تمہارا خیال درست ہے۔" حمید بولا۔ "دراصل یہ افریقہ کے جنگلوں سے پکڑ کر لایا گیا تھا۔"

لڑکی مسکرانے لگی۔

"تم شاید مذاق سمجھتی ہو۔ یہ حقیقت ہے۔ پانچ سال کا تھا اور دور سے بن مانس کا بچہ معلوم ہوتا تھا۔ اسے آدمی بنانے کے سلسلے میں میں ہزاروں روپے خرچ کئے گئے ہیں اگر تم اس وقت اس کا نام پوچھتیں جب یہ آدھا حیوان تھا تو جانتی ہو کیا بتاتا؟"

"کیا بتاتا تھا....؟"

"کاپس....!"

"کیا مطلب....؟"

"قاسم کو کاپس کہتا تھا۔"

"نہیں جھوٹ۔" لڑکی ہنس کر بولی۔ پھر اس نے بڑی سنجیدگی سے دوبارہ قاسم کا جائزہ لیا۔

"میں سب سن رہا ہوں۔" قاسم مڑے بغیر غرایا۔

"بالکل آہستہ بولو تب بھی سن لیتا ہے۔" حمید اس کی طرف دھیان دیئے بغیر لڑکی سے بولا۔

لڑکی ہنسنے لگی۔

"اب اگر اسے پچھلے واقعات یاد دلاؤ.... تو بُرا مان جاتا ہے۔"

"کیوں خواہ مخواہ پریشان کر رہے ہیں آپ! نہیں؟" لڑکی بولی۔

"نہیں! نہیں کرنے دو پریشان۔" قاسم پلٹ کر بولا۔ "میں بھی سمجھ لوں گا کبھی۔"

"دیکھو....! اب کتنی صاف اردو بولتا ہے۔" حمید نے قاسم کی طرف دیکھے بغیر لڑکی سے کہا۔

قاسم اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر پھر سیدھا ہو گیا۔

"تم سنو ہی مت....!" انور نے قاسم سے کہا۔ "سمجھ لو کتا بھونک رہا ہے۔"

"شکر ہے کہ ہماری سیٹ محفوظ ہے۔" حمید لڑکی سے بولا۔ پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "دیکھو کہنے کا مقصد یہ تھا کہ دنیا میں کوئی بات ناممکن نہیں۔ کل کا بن مانس آج ہوائی جہاز میں سفر کر رہا ہے۔ حیرت انگیز بات ہے اسی طرح تم بلا مقصد امریکہ کا سفر کر رہی ہو اس لئے تمہیں بھی اس پر نہ تو حیرت ہونی چاہئے اور نہ پریشانی اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ آج تک کسی پر معلوم ہو سکا کہ یہ کس قسم کے جانوروں کی اولاد ہے۔ شروع میں ڈاکٹروں نے کہا تھا کہ یہ ناساخت ہاتھیوں جیسی ہے۔ پھر رائے بدل دی۔ اس پر خاصا ہنگامہ ہوا۔"

"ارے تری ہنگامے کی....!" قاسم نے پلٹ کر گھونسہ چلایا۔ حمید پیچھے کی طرف تن گیا کہ بازو میں کافی چوٹ آئی.... وہ جھلا کر اٹھ ہی رہا تھا کہ انور نے اس کی کمر پکڑ لی۔

"کیا کر رہے ہو....؟ بیٹھو....!"

"منع نہیں کرتے آپ....!" قاسم غصیلی آواز میں بولا۔

"اب نہیں بولے گا.... بیٹھو تو۔"

قاسم بگڑے ہوئے سانڈ کی طرح "فوں فوں" کرتا ہوا بیٹھ گیا۔ انور حمید کی طرف مڑ کر "تم باز نہیں آؤ گے۔ خدا کے لئے اپنی زبان قابو میں رکھو۔"

دوسرے مسافر انہیں حیرت سے دیکھنے لگے۔ اتنے میں ایئر ہوسٹس بوکھلائی ہوئی قا پاس پہنچی اور اس نے ہوائی جہاز میں سفر کرنے کے قواعد کے متعلق بتانا شروع کیا۔

"میری رائے ہے کہ آپ کافی پیجئے۔ اس سے بڑا سکون ملتا ہے۔" اس نے اسے مشورہ

"مناسب ہے۔" حمید بولا۔

ایئر ہوسٹس چلی گئی اور حمید پھر لڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ لیکن شاید اس کی طبیعت اب کچھ بگڑنے لگی تھی کیونکہ اس کا بھی یہ پہلا ہی فضائی سفر تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لی اور اس کا سر سیٹ کی پشت سے ٹک گیا تھا۔

ادھر قاسم کے لئے کافی آگئی تھی اس نے جیسے ہی کپ ختم کیا اسے قے کرنے کے تھیلی بھی لینی پڑی اور پھر ایسا معلوم ہونے لگا جیسے جہاز میں کوئی بگڑا ہوا درندہ آگھسا ہو۔

دوسرے مسافر پریشان ہو گئے۔

قاسم ساتھ ہی "توبہ توبہ" بھی کرتا جا رہا تھا۔ اسے اپنے سارے پچھلے گناہ یاد آ گئے۔ بڑی مشکلوں سے یہ طوفان تھما۔

قاسم بدحواس ہو کر اپنی سیٹ میں پڑ گیا۔ دوسرے مسافر بُرے بُرے سے منہ بنا رہے تھے

حمید نے بھی سیٹ کی پشت سے ٹک کر آنکھیں بند کر لیں۔ طبیعت کی جولانی پر رفتہ رفتہ حسی کی کہر مسلط ہوتی جا رہی تھی لیکن اس کا ذہن اب بھی جاگ رہا تھا۔ سکون ہوتے ہی اسے پچھلی رات کے واقعات یاد آنے لگے اگر انور لڑکی کو بروقت ٹوک نہ دیتا تو ممکن تھا کہ اس کی الجھن تو دور ہو ہی جاتی۔ آخر اس حرکت کا مقصد کیا تھا۔ لڑکی نے ہوش میں آنے کے بعد جو ربط جملے کہے تھے کیا حقیقتاً ان میں کوئی خاص بات پوشیدہ تھی؟ اگر اس کا مقصد قتل ہی کرنا پھر اس خنجر نما کھلونے کا کیا مطلب ہو سکتا تھا۔ پھر اگر وہ نیند ہی کی حالت میں تھی تو حمید کیوں....؟ اس نے قاسم کے کمرے کا رخ کیوں نہیں کیا تھا۔ انور بھی فریدی کے بھیس وہیں موجود تھا۔ اس پر یہ حملہ کیوں نہ ہوا؟ اور پھر اس پر فریدی کا رویہ؟ وہ تو اس واقعے سے زیادہ غیر واضح اور الجھن میں مبتلا کر دینے والا تھا۔ پتہ نہیں وہ لڑکی کیا بلا تھی اور فریدی اسے

بھج رہا تھا۔

حمید سوچتا اور اونگھتا رہا۔

راستے بھر اس کی بے چینی بڑھتی ہی رہی۔ لیکن اسے ایک بار بھی لڑکی سے اس کے متعلق گفتگو کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ انور بُری طرح سر پر سوار تھا۔ اگر حالات ایسے نہ ہوتے تو وہ کبھی کا نور سے الجھ پڑا ہوتا لیکن اسے فریدی کے کہنے کا پاس تھا۔ پتہ نہیں اس کی اسکیم کیا تھی۔

نیویارک پہنچ کر حمید کو ایک دوسرے حیرت انگیز واقعے سے دوچار ہونا پڑا۔ جیسے ہی وہ ایئر پورٹ پر اترے ایک خوبصورت تندرست اور انتہائی اسمارٹ قسم کی امریکن لڑکی ان کی طرف بڑھی۔

"اگر میں غلطی نہیں کر رہی تو تم ہی کرنل فریدی ہو۔" اس نے انور سے کہا۔

"اوہو....!" انور اس سے گرمجوشی سے مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ "کیا میں مس روزا شیپرڈ کو نہیں پہچانوں گا۔"

"پہچان لیا تم نے... ہاہا...!" لڑکی نے قہقہہ لگایا۔ پھر یک بیک سنجیدہ ہو کر بولی۔ "تمہارے سر میں کیا ہوا ہے؟"

"چوٹ....!" انور نے مسکرا کر کہا۔ پھر حمید سے بولا۔ "مس شیپرڈ سے ملو۔ میری اور ان کی دوستی بہت پرانی ہے لیکن ہم نے ایک دوسرے کو پہلے پہل دیکھا ہے یہ میرے ساتھی کیپٹن حمید ہیں۔"

"اوہ! بڑی خوشی ہوئی۔" روزا نے حمید سے مصافحہ کیا۔

"اور یہ مسٹر قاسم میرے دوست اور یہ مس ریکھا۔ کیپٹن حمید کی سیکریٹری۔"

روزا نے قاسم کو حیرت سے دیکھا لیکن اس وقت قاسم کے چہرے سے یتیمی برس رہی تھی اور اس کا چہرہ اتنے بڑے ڈیل ڈول پر بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی پہاڑ کی چوٹی پر ایک حقیر کدو رکھ دیا گیا ہو۔

حمید روزا کو بڑی توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ وہ دل ہی دل میں فریدی کو بُرا بھلا بھی کہہ رہا تھا۔ فریدی جو خود کو عورت کے معاملے میں انتہائی خشک ظاہر کرتا تھا۔

روزا انور سے ہنس ہنس کر باتیں کرتی رہی اور حمید کے سینے پر سانپ لوٹتے رہے۔

"قاسم کیا خیال ہے؟" اس نے قاسم کو آنکھ مار کر کہا۔

"خیال اٹک گیا ہے۔" قاسم کمزور سی آواز میں بولا۔

"کیا مطلب.....؟"

"کچھ سجھائی نہیں دیتا۔" قاسم نے اپنے سر پر ہاتھ مار کر کہا۔

حمید نے اسے زیادہ چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔

نیویارک کی سربفلک عمارتوں نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ ذرا ہی دیر میں اس کا چکرا گیا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ خواب دیکھ رہا ہو۔

اس کی ہم سفر لڑکی ریکھا اس سے بھی زیادہ مبہوت نظر آ رہی تھی۔

وہ ویٹنگ روم میں آئے۔ امریکن لڑکی روزا انور کو باتوں میں الجھائے ہوئے تھی۔ وہ تھوڑ دیر کے لئے وہاں سے ہٹی تو حمید نے انور کو الگ بلا کر اس کے متعلق استفسار کیا۔

"میں کچھ نہیں جانتا۔" انور بولا۔ "فریدی صاحب نے وہاں مجھے اس لڑکی کی ایک تصویر دی اور نام بتایا تھا۔ یہ بھی کہا تھا کہ یہ نیویارک میں ہمیں ملے گی اور ہمارا قیام اسی کے یہاں سے ہوگا۔"

"آخر فریدی صاحب اسے کیسے جانتے ہیں؟" حمید نے کہا۔ "اور پھر تمہیں دیکھ کر اس اسطرح گفتگو شروع کی تھی جیسے وہ فریدی صاحب کو جانتی تو ہو مگر ملنے کا اتفاق پہلی ہی بار ہوا ہو۔"

"شاید وہ دونوں پن فرینڈز ہیں۔"

بات یہیں تک پہنچی تھی کہ روزا واپس آ گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک نہایت شاندار کار بیٹھے ہوئے نیویارک کی کشادہ سڑکوں سے گذر رہے تھے۔

قاسم کی حالت اب پہلے سے بہتر تھی اور روزا کو اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا جیسے وہ اچانک آسمان سے اس کار میں ٹپکی ہو۔ ریکھا آنکھیں بند کئے سوچ رہی تھی۔ شاید وہ رد کے مقابلے میں احساسِ کمتری کا شکار ہو گئی تھی۔

کار کا سفر طویل ہی معلوم ہو رہا تھا کیونکہ متواتر ایک گھنٹہ چلنے کے بعد بھی وہ کسی عمار کے سامنے نہ رکی۔

پھر نیویارک کی اونچی عمارتوں والا حصہ بہت پیچھے رہ گیا۔

اب ان کے گرد و پیش ہرے بھرے باغات اور کھیتوں کے نہ ختم ہونے والے سلسلے تھے۔

حمید اونگھنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی نیند گہری ہو گئی۔

پھر پتہ نہیں وہ خود ہی جاگا یا کسی نے اسے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔

کار رک گئی تھی اور بقیہ لوگ نیچے اتر رہے تھے۔ حمید نے بھی جلدی سے ان کی تقلید کی۔

جہاں کار رکی تھی وہ ایک چھوٹا سا باغیچہ تھا اور اس کے وسط میں ایک مختصر سی دو منزلہ عمارت نظر آ رہی تھی۔

وہ عمارت کی طرف چل پڑے۔ روزا ان کی رہنمائی کر رہی تھی۔ اور پھر اس عمارت میں داخل ہوتے ہی حمید کے ذہن کو اتنا زبردست جھٹکا لگا کہ اسے چھٹی کا دودھ یاد آ گیا۔

اس کے سامنے سنگ ہی کھڑا مسکرا رہا تھا اور اسی کے قریب وہ امریکن ماہر آثار قدیمہ بھی موجود تھا جس کی پارٹی نے مردہ شہزادی کے طوق کے لئے سنگ ہی سے باقاعدہ جنگ کی تھی۔

لیکن.... ان دونوں کے انداز سے ایسا ظاہر ہو رہا تھا جیسے اب وہ بہت گہرے دوست ہوں۔

نئی مصیبت

حمید اور اسکے ہم سفر اس طرح کھڑے تھے جیسے ان کے جسموں کا سارا خون منجمد ہو گیا ہو۔

"کرنل فریدی.... اور کیپٹن حمید۔" سنگ ہی طنزیہ انداز میں جھک کر بولا۔ "وہاں آپ نے مجھے شرفِ میزبانی بخشنے سے انکار کر دیا تھا لیکن میں آپ کا مشکور ہوں کہ آپ نے ہزاروں میل کی دوری پر مجھے سرفراز فرمایا۔ آپ کھڑے کیوں ہیں؟ تشریف رکھئے نا.... آپ کا یہ خادم یہاں بہت معزز سمجھا جاتا ہے، کیونکہ ڈاکٹر؟" سنگ ہی نے بوڑھے ماہر آثار قدیمہ کی طرف دیکھا۔ پھر اس کی نظر قاسم پر پڑی۔ وہ اس کے ڈیل ڈول کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"آپ کی تعریف....؟" اس نے قاسم کی طرف اشارہ کر کے حمید سے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ پہلے تم اس سے تعارف حاصل کرو۔" حمید نے ریکھا کی طرف اشارہ کیا۔

سنگ ہی نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ یہ تم لوگوں کے لئے دردِ سر بنی۔"

"نہیں! یہ ہمارا اخلاقی فرض تھا کہ ہم اسے تمہارے پاس پہنچا دیں۔"

"شکریہ.... شکریہ۔" سنگ ہی سر ہلا کر بولا۔ پھر اس نے انور سے کہا۔ "کرنل صاحب آپ کیوں خاموش ہیں....؟"

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ واقعی تم بہت دلچسپ آدمی ہو۔" انور مسکرا کر بولا۔

"بہت زیادہ.... کرنل.... بہت زیادہ۔"

"ختم کرو یہ باتیں۔" ڈاکٹر شیپرڈ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ پھر اس نے روزا کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اسی وقت شہر واپس جاؤ۔"

"مگر ڈیڈی.... تم ان لوگوں کو کیا جانو۔ میرے مہمان ہیں۔ میں انہیں یہاں چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہوں۔"

"نہیں بے بی۔" سنگ ہی مسکرا کر بولا۔ "یہ دراصل میرے مہمان ہیں۔"

"میں نہیں سمجھی مسٹر سنگ۔"

"اب سے چھ ماہ پیشتر تمہارے ڈیڈی مشرق میں تھے نا۔"

"ہاں....!"

"ان لوگوں نے وہاں ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالی تھیں۔"

"کرنل فریدی نے....؟" روزا کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں....!"

"کیوں ڈیڈی....؟"

"تم جاؤ.... تمہیں ان باتوں سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے۔" ڈاکٹر شیپرڈ نے سخت لہجے میں کہا۔

"میں نہیں جا سکتی.... تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا تھا۔ تم جانتے تھے کہ میں نے کرنل سے خط و کتابت کے ذریعہ دوستی کی ہے۔ جب اس نے مجھے ایئر گرام کے ذریعہ مطلع کیا کہ وہ نیویارک آ رہا ہے تو تم ہی نے مجھ سے اس کو اپنے یہاں مدعو کرنے کی ترغیب دی تھی۔ آخر تم نے مجھے پہلے ہی کیوں نہیں بتایا۔"

"مکاروں کو مکاری ہی سے مارتے ہیں بے بی۔" سنگ ہی نے سنجیدگی سے کہا۔

"آہا....!" قاسم ہاتھ نچا کر دھاڑا۔ "تم سالے جھینگر کی اولاد.... ہمیں مارو گے۔" پھر اس نے انور کی طرف دیکھ کر کہا۔ "مجھے روکئے گا نہیں۔"

"بڑے جیالے معلوم ہوتے ہو۔" سنگ ہی مسکرا کر بولا۔ "ذرا اپنے چاروں طرف بھی ایک نظر ڈال لو۔"

انہوں نے چاروں طرف اچٹتی ہوئی سی نظر ڈالی۔ تین آدمی مختلف جگہوں پر ٹامی گنیں لئے رہے تھے۔

"یہ نہیں ہو سکتا۔" روزا چیخ کر آگے بڑھی۔

"چلی جاؤ....!" ڈاکٹر شیپرڈ غرایا۔

"ڈیڈی! تم ایک معزز آدمی ہو۔" روزا بے بسی سے بولی "میں تمہیں ایسا نہیں سمجھتی تھی۔ یہ ایسا جرم ہے۔ میرے خدا.... ڈاکٹر شیپرڈ اور قاتل....!"

"ڈاکٹر....!" سنگ ہی بولا۔ "بے بی کو یہاں سے ہٹا دو۔"

"میں نہیں جاؤں گی۔"

"روجر....!" ڈاکٹر نے کسی کو پکارا۔ دوسرے ہی لمحے میں ایک پستہ قد اور مضبوط جسم کا رکین کمرے میں داخل ہوا۔

"روزی کو.... شہر لے جاؤ۔"

"میں نہیں....!"

"شٹ اپ....!" ڈاکٹر حلق پھاڑ کر چیخا۔ اس کی آنکھیں براہِ راست روزا کی آنکھوں میں ی ہوئی تھیں اور روزا کے پیر کانپ رہے تھے۔

"چلو مسی....!" روجر نے اس کا شانہ چھو کر کہا۔

روزا چیختی اور احتجاج کرتی چلی گئی۔

حمید نے انور کی طرف دیکھا جو دم بخود کھڑا ہوا تھا اسے حیرت تھی کہ انور اتنا خاموش کیوں ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ سنگ ہی طوق تو حاصل کر ہی چکا ہے۔ پھر اب کیا ضروری ہے کہ وہ اپنے ثمنوں کو زندہ ہی رکھے۔ فریدی سے اسے اس بات کا خدشہ ہو سکتا ہے کہ وہ اس کا تعاقب کرے لہٰذا اپنی دانست میں فریدی پر قبضہ پا لینے کے بعد وہ چوک نہیں سکتا۔

"ہاں کرنل اب بتاؤ۔" سنگ ہی اطمینان سے بیٹھ کر سگریٹ سلگاتا ہوا بولا۔ "میں یہاں یکھوں گا کہ تم کتنے طاقت ور ہو۔"

اچانک انور کی آنکھوں سے بدحواسی جھانکنے لگی۔ اس نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا اور ہکلا رہ گیا۔ اس پر ڈاکٹر شیپرڈ اور سنگ ہی دونوں ہنس پڑے۔

حمید دل ہی دل میں جل بھن کر رہ گیا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ انور کا گلا دبا دے کم بخ
جب فریدی کی پوری نقل نہیں اتار سکتا تو ایسے آدمی کو اپنی جگہ دینے کی ضرورت ہی کیا تھی۔
یہ سوچ کر حمید کو فریدی پر غصہ آگیا۔

"مجھ سے پوچھو کیا چاہتے ہو....؟" حمید نے سنگ ہی سے گرج کر کہا۔

"ہاں انہیں سے پوچھ لو۔" انور رو دینے والی آواز میں بولا۔ "میں تو ایک غریب آدمی ہوا
بُری طرح پھنس گیا ہوں۔"

"شٹ اَپ....!" حمید نے انور کو دھکا دیا۔

"تم بھی مار لو بھائی۔" انور سچ مچ رونے لگا۔

"ہائیں.... فریدی صاحب۔" قاسم گڑبڑا کر بولا۔

"فریدی صاحب کی ایسی کی تیسی۔" انور اپنا سر پیٹنے لگا۔ "میں برباد ہو گیا۔ سنگ ہی اور ڈا
شیپرڈ انہیں حیرت سے دیکھ رہے تھے۔"

"ابے او مردود یہ کیا کر رہا ہے۔" حمید اردو میں دہاڑا۔

سنگ ہی نہ صرف اردو سمجھتا تھا بلکہ اچھی خاصی بول بھی لیتا تھا۔ حمید کی زبان سے ا
آفیسر کے لئے اس قسم کے جملے سنتے ہی وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انور کو دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا انور سے صرف دو فٹ
کے فاصلے پر رک گیا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی اور اندر کو دھنسی ہوئی چمکیلی آنکھیں انور کی آنکھوں
میں جھانک رہی تھیں۔

"حمید بھائی پاگل ہو گئے ہو کیا....؟" قاسم حمید کے قریب سرک کر بدبدایا۔

دفعتاً سنگ ہی ڈاکٹر شیپرڈ کی طرف مڑا۔ اس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور نتھنے اس طر
پھول رہے تھے جیسے اس کی سانس رک گئی ہو۔

"یہ فریدی نہیں ہے۔" اس نے ڈاکٹر شیپرڈ سے کہا۔

"کیا....؟" ڈاکٹر شیپرڈ بھی اسی طرح اچھلا جیسے کرسی کے دانت نکل آئے ہوں۔

"ہاں.... یہ فریدی نہیں ہے۔" سنگ ہی پلٹ کر انور کا گریبان پکڑتا ہوا بولا۔ "بتاؤ! تم کو
ہو....؟"

"م.... میں.... ایک قیدی ہوں۔" انور گڑگڑایا۔ "فریدی نے مجھے اس شرط پر جیل سے
رہائی دلائی تھی کہ میں اس کی شکل میں اس کے آدمیوں کے ساتھ نیویارک جاؤں گا۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" ڈاکٹر شیپرڈ گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔

"ہاں.... ہوا تو...." سنگ ہی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئی تھیں۔
پھر وہ حمید کی طرف پلٹا۔

"فریدی کہاں ہے؟"

"میں نہیں جانتا۔" حمید نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی۔

"میں بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔"

حمید اس کی بات سنی اَن سنی کر کے ڈاکٹر شیپرڈ سے بولا۔

"ڈاکٹر تم مجھے بڑے بے قوف آدمی معلوم ہوتے ہو۔"

"کیوں....؟" ڈاکٹر شیپرڈ بھنا گیا۔

"کیپٹن لوتھر کا انجام پیش نظر ہوتے ہوئے بھی تم نے ایسے خطرناک آدمی سے گٹھ جوڑ
کر لیا.... یاد رکھو.... سنگ ہی ایک ایسا کتا ہے جو آنکھ بند کر کے حملہ کرتا ہے۔"

"تم اپنی فکر کرو لڑکے۔" سنگ ہی غرایا۔

"پرواہ نہ کرو....!" حمید مسکرایا۔ "شاید تم وہ رات بھول گئے جب تم نے کیپٹن لوتھر کی
کوٹھی میں میری جان لینے کی کوشش کی تھی.... کیا تمہیں میری فولادی انگلیاں یاد نہیں؟"

"بکواس بند کرو.... موت تم سے زیادہ دور نہیں۔"

"ہم لوگ موت کے ہمسائے ہیں مسٹر سنگ....!" حمید تضحیک آمیز مسکراہٹ کیساتھ بولا۔

"انہیں تو ختم ہی کرو۔" ڈاکٹر شیپرڈ نے غصیلی آواز میں کہا۔

"ختم تو کئے ہی جائیں گے۔" سنگ ہی ایک طویل سانس لے کر بولا "لیکن ذرا ٹھہرو۔ طوق
بھی نامکمل ہے۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔" شیپرڈ بڑبڑایا۔

"طوق نامکمل کیوں ہے۔" حمید نے حیرت سے پوچھا۔

"زبان بند کرو....!" سنگ ہی جھلا کر بولا۔

اس دلچسپ واقعے کے لئے جاسوسی دنیا کا ناول "نیلی لکیر" جلد نمبر 14 ملاحظہ فرمائیں۔

شیپرڈ تینوں مسلح آدمیوں میں سے ایک کو الگ بلا کر آہستہ آہستہ کچھ کہنے لگا۔

"میں نے تمہیں پہلی بار غصے میں دیکھا ہے۔" حمید نے تضحیک آمیز لہجے میں سنگ ہی سے کہا۔ "شاید یہ اس شکست کا نتیجہ ہے۔"

"شکست....!" سنگ ہی اپنا موڈ بہتر بنانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ "ابھی فتح و شکست کا سوال ہی نہیں.... یہ ایک لمبا داؤ ہے.... فریدی بھی کیا یاد کرے گا۔ مگر اتنا مانتا ہوں کہ دونوں کے ستارے بہت اچھے ہیں۔"

"مانتے ہو نا.... ہم لوگ ستارے نہیں بلکہ سورج رکھتے ہیں.... مگر سنگ ہی۔ تم نے طوق کے نامکمل ہونے کے متعلق کیا بات کہی تھی؟"

"کچھ نہیں! کوئی خاص بات نہیں.... تم لوگ واقعی ہمارے مہمان ہو۔"

"تو کیا تم مجھ سے کیس معاملے میں گفتگو ہی نہ کرو گے؟" حمید نے کہا۔

"کیوں.... کیسی گفتگو؟"

"طوق کے متعلق۔"

"اپنی زندگیوں کے متعلق گفتگو کرنا چاہو تو میں تیار ہوں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"کیا تمہیں زندگی عزیز نہیں ہے؟"

"ہے کیوں نہیں؟"

"پھر ہمارے راستے سے ہٹ جاؤ۔"

"ہمیں تمہارے خزانے سے غرض نہیں۔" حمید نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ طوق کی تحقیق ہی تمہارے لئے اہم ہو سکتی ہے۔"

"میں اس کے متعلق کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔"

"تو پھر ہماری زندگیوں کے متعلق بھی تمہارا فکر مند ہونا فضول ہی ہے۔ ہم اسے جلد حکومت کے سپرد کئے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔"

سنگ ہی چند لمحے خاموش رہا پھر مسکرا کر بولا۔

"تم شاید اس لئے مطمئن ہو کہ فریدی میری گرفت میں نہیں آیا لیکن اس خیال میں نہ ر

تمہارا ملک نہیں.... یہاں تم سنگ ہی پر سبقت نہیں لے جا سکتے۔ تم نہیں جانتے کہ میں ان لوگوں میں کتنا بااثر ہوں۔"

"جی ہاں.... جی ہاں.... آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" قاسم اپنا پیٹ دباتا ہوا بولا اسے دراصل بہت شدت سے بھوک لگی ہوئی تھی اور نہ جانے کیوں اسے بالکل خوف نہیں محسوس ہو رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ سب کچھ محض مذاق ہو۔

"یہ کون ہے؟" سنگ ہی نے ایک بار پھر قاسم کو نیچے سے اوپر تک دیکھ کر پوچھا۔

"تم اپنے اثر و رسوخ کی بات کر رہے تھے۔" حمید نے اسے ٹوکا۔

"کچھ نہیں....!" سنگ ہی جھلاہٹ میں ہاتھ ہلا کر بولا۔

ٹامی گنوں سے مسلح آدمی ان کی طرف بڑھے۔

"کھکو....!" ان میں سے ایک دروازے کی طرف ٹامی گن کی نال سے اشارہ کرتا ہوا غرایا۔

وہ سب دروازے کی طرف چلنے لگے۔

"تم یہیں ٹھہرو....!" سنگ ہی نے ریکھا سے کہا۔

وہ جہاں تھی وہیں رک گئی۔ اس کی آنکھوں میں خوف جھانک رہا تھا۔

اس نے بڑی بے بسی سے حمید کی طرف دیکھا۔

"سنگ....!" حمید بھی چلتے چلتے رک کر بولا۔ "تمہارا مقصد تو پورا ہو ہی چکا ہے اب اسے میرے ہی ساتھ رہنے دو۔"

"کیسا مقصد....؟" سنگ ہی نے حیرت سے کہا۔ "تم ہوش میں ہو یا نہیں۔ یہ میری ننھی سی محبوبہ ہے.... میں اسے چاہتا ہوں.... ریکھا ڈارلنگ! اب تم مجھ سے جدا نہیں ہو گی۔"

"میں نے آپ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔" ریکھا خوفزدہ آواز میں بولی۔

"تم چلو....!" ایک مسلح امریکن نے حمید کو دھکا دیا اور وہ چپ چاپ آگے بڑھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک کمرے کے فرش پر بیٹھے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا تھا۔

یہ کمرہ غالباً گھر کے اسٹور کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا تھا۔ چاروں طرف مختلف قسم کی چیزوں کے انبار تھے اور درمیان میں تھوڑی سی جگہ خالی تھی وہیں یہ تینوں بیٹھے اپنے اپنے مستقبل

میں جھانکنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"یہ تم نے کیا کیا انور....؟" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

"یہ بھی اسکیم ہی کا ایک حصہ تھا۔"

"میں لعنت بھیجتا ہوں اس اسکیم پر.... جس سے مجھے بے خبر رکھا گیا۔ تم کیا مجھ سے زیادہ ہو؟"

"یہ فریدی صاحب کا نظریہ ہے۔" انور مسکرا کر بولا۔ "میرا اپنا نہیں۔"

"یعنی تم مجھ سے زیادہ ہو۔"

"یقیناً....!"

"میں تمہیں اپنے جوتے کی خاک کے برابر بھی نہیں سمجھتا۔"

"مت سمجھو۔"

"ارے باپ رے۔" دفعتاً قاسم اچھل پڑا اور پھر وہ باقاعدہ اچھلنے کودنے لگا۔ ایک بڑی چوہیا اس کی پتلون کے پائنچے سے نکل کر بھاگی۔

"ارے خدا تجھے غارت کرے۔" وہ زور سے دہاڑ کر اس کے پیچھے جھپٹا لیکن وہ ڈبوں کے ا میں غائب ہو گئی۔ پھر انہوں نے قاسم کو ہنستے سنا۔ وہ تیزی سے اُن کی طرف پلٹ کا آہستہ بولا۔ "درجنوں ڈبے.... خدا کی قسم.... مزہ آگیا۔"

"کیا ہوا....؟"

"مچھلیوں اور پھلوں کے ڈبے.... خوب ڈٹ کر کھاؤ مری جان.... آہم۔"

قاسم ڈبوں پر ٹوٹ پڑا۔

پُراسرار مشرقی

روزا راستے میں کافی دیر تک سسکیاں لیتی رہی۔ روجر خاموشی سے کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ نے ایک بار بھی نہ تو اس کی طرف دیکھا اور نہ اظہار ہمدردی کے سلسلے میں کچھ کہا۔

"روجر....!" آخر روزا ہی نے اسے مخاطب کیا۔ "یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ میں ڈیڈی نہیں سمجھتی تھی۔"

"وہ تو سب ٹھیک ہو رہا ہے لیکن میں اسے پسند نہیں کرتا کہ ڈاکٹر اس دوغلے چیز

اشتراک کریں۔"

"لیکن وہ ہے کون....؟"

"سنگ ہی.... ایک جلاوطن چینی.... جس نے اپنے ملک کی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش کی تھی۔"

"ڈیڈی اس سے کس معاملے میں اشتراک کر رہے ہیں۔"

"یہ انہیں سے پوچھئے تو بہتر ہے۔ میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔"

"اچھا تو یہی بتاؤ کہ اس ایشیائی سراغ رساں سے وہ کیوں الجھ رہے ہیں؟"

"میں کچھ نہیں بتا سکتا مسی۔"

روزا کچھ دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔

"مجھے ڈیڈی نے دھوکا دیا ہے.... اسے میں کبھی نہ بھولوں گی۔ اوہ اب میں سمجھی۔ انہوں نے اسی لئے مجھے فریدی سے قلمی دوستی پیدا کرنے پر اکسایا تھا۔"

"مسی.... میں تمہیں یہی مشورہ دوں گا کہ تم اس چکر میں نہ پڑو۔"

روزا کچھ نہ بولی۔

تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "مجھے سسکستھ ایونیو میں وائیلڈ کیٹس کے سامنے اتار دینا۔"

"بہت اچھا....!" روجر بولا۔ "مگر ڈاکٹر نے تو....!"

"اوہ انہوں نے گھر نہیں شہر کہا تھا.... جو میں کہہ رہی ہوں کرو۔"

روجر نے گاڑی سکستھ ایونیو کی طرف موڑ دی۔

اور پھر روزا وائیلڈ کیٹس (Wild Cats) کے سامنے اتر گئی یہ ایک شاندار ہوٹل تھا۔

وہ چند لمحے باہر ہی کھڑی رہی۔

روجر نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ اسے اس کی روانگی کا انتظار تھا۔ وہ تو بس یونہی بلا مقصد باہر ک گئی تھی اور پھر جیسے ہی وہ اندر جانے کے لئے مڑی اسے ایک مشرقی آدمی دکھائی دیا جو اس کے قریب ہی کھڑا اُسے بُری طرح گھور رہا تھا۔ روزا سہم گئی اسے اس کی آنکھوں میں برقی رو سی ملتی محسوس ہو رہی تھی۔ یہ ادھیڑ عمر کا ایک تندرست اور وجیہہ آدمی تھا اور اس کے کاندھوں پر یک بڑا سا سیاہ رنگ کا نیولا بیٹھا ہوا تھا۔

نیویارک جیسے شہر میں کسی ایسے آدمی کا دکھائی دے جانا معمولی بات نہیں تھی۔ جلد ہی لو اس کے گرد اکٹھا ہو گئے وہ ایک مہذب اور باسلیقہ آدمی معلوم ہوتا تھا۔ مگر اس کے شانے پر ہوا نیولا.... یہ کوئی اچھی علامت نہیں تھی۔

روزا اس کی نظر کی تاب نہ لا کر ہوٹل میں چلی گئی۔

وہ پُراسرار مشرقی آدمی بھی داخلے کے دروازے کی طرف مڑا۔ باہر کھڑا ہوا محافظ شاید سے واقف تھا.... اس نے مسکرا کر اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی اور اس سے نیولا لے لیا۔

پُراسرار مشرقی ہوٹل میں داخل ہوا۔ اس کے پیچھے لگی ہوئی بھیڑ نیولے کے ساتھ باہر رہ گئی تھی۔ پھر چند ہی لمحات کے بعد روزا نے اسے اپنی میز کے قریب ہی دیکھا۔

وہ اس سے اس کے ساتھ بیٹھنے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔

"جج.... جی ہاں.... بیٹھئے۔" روزا ہکلائی۔

"شکریہ....!" مشرقی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں دراصل آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں"

"کیا پوچھیں گے....؟" روزا کا دل دھڑکنے لگا۔

"اوہ.... کوئی خاص بات نہیں.... میں نے ایئر پورٹ پر آج صبح آپ کے ساتھ ایشیائی آدمی دیکھے تھے اور اگر میں غلطی پر نہیں ہوں، تو ان میں میرا ایک دوست بھی تھا۔"

"کون....؟"

"وہ غالباً کرنل فریدی تھا۔"

"اوہ.... تو کیا آپ کرنل کے دوست ہیں؟" روزا نے پُرجوش لہجے میں پوچھا۔

"ہاں.... میں اس کا دوست ہوں۔"

"تب تو.... تب تو آپ جلدی کیجئے کیونکہ اس کی زندگی خطرے میں ہے۔"

"کیا بات ہے؟"

"وہ اس وقت اَپ اسٹیٹ (Up State) میں ہے اور اس کے ساتھی بھی.... میں آپ پتہ بتا سکتی ہوں لیکن جلدی کیجئے۔"

روزا اسے پتہ بتانے لگی۔

وہ خاموشی سے سنتا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "آخر وہ لوگ کون ہیں جنہوں نے اسے

طرح روکا ہے؟"

"میں نہیں جانتی.... آپ جلدی کیجئے.... جایئے۔"

"مگر وہ تو آپ کے ساتھ تھے۔"

"اوہ.... میں دھوکا کھا گئی۔"

"اچھا تو آپ یہی باتیں میرے ایک ساتھی کے سامنے دہرا دیجئے۔ اس کے بعد پھر ہم کچھ کر سکیں گے۔"

"دیکھئے اس کا وقت نہیں ہے.... میں کہتی ہوں جلدی کیجئے.... اٹھئے میں بھی ساتھ چلوں گی۔"

"شکریہ.... بہت بہت شکریہ۔" مشرقی اٹھتا ہوا بولا۔

دونوں باہر آئے اور محافظ نے نیولا اسے واپس کر دیا۔ اب وہ پھر اس کے کاندھے پر سوار ہو گیا۔

مشرقی آدمی ایک چھوٹی سی کار میں بیٹھ گیا۔ لڑکی گھوم کر بائیں کھڑکی سے اسکے پاس جا بیٹھی۔

کار چل پڑی۔

"آپ کہاں چل رہے ہیں....؟" روزا دفعتاً چونک کر بولی۔

"زیادہ دور نہیں.... بس آپ میرے ساتھی کے سامنے....!"

"آپ بھی عجیب آدمی ہیں۔" روزا جھنجھلا گئی۔

"دیکھئے.... اس کے بغیر کام نہیں بنے گا۔"

"آپ اس معاملے کی اہمیت سے واقف نہیں ہیں۔"

"مجھے پورا پورا احساس ہے۔"

روزا خاموش ہو گئی۔ لیکن اس کے چہرے پر ذہنی الجھن کے آثار تھے۔

آخر کار گاڑی ایک سولہ منزلہ عمارت کے سامنے رک گئی اور وہ لفٹ کے ذریعہ دسویں منزل پر پہنچے۔ مشرقی نے ایک فلیٹ کے دروازے کا ہینڈل گھما کر کھولا۔

"آیئے....!" اس نے روزا سے کہا۔

"وقت برباد ہو رہا ہے....!" روزا جلدی سے بولی۔ "مجھے ڈر ہے کہ کہیں ان کی زندگیاں خطرے میں نہ پڑ جائیں۔"

"افسوس کہ میرا ساتھی کہیں باہر گیا ہوا ہے۔" مشرقی نے چاروں طرف دیکھ کر مایوسانہ

لہجے میں کہا۔

روزا اسے تیز نظروں سے گھورنے لگی۔ پھر دفعتاً اس کے چہرے پر زردی پھیل گئی۔ مشر نیولا اس کے کاندھوں سے اُتر کر گود میں آگیا تھا اور روزا ایسا محسوس کر رہی تھی جیسے وہ نیولا ا کینہ توز نظروں سے گھورتا ہو۔

اس کے جسم میں لرزہ طاری ہو گیا۔ پیشانی پر پسینے کی ننھی ننھی سی بوندیں پھوٹ آئیں۔

"کیوں کیا بات ہے۔" مشرقی نے اس کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔ وہ گفتگو کے دوران عموماً مخاطب کے چہرے سے اپنی نظریں ہٹائے ہی رکھتا تھا۔

"دیکھئے....!" روزا تھوک نگل کر بولی۔ "میں سمجھتی ہوں۔ آپ نے مجھے بطور یرغ پکڑ لیا ہے۔ لیکن میں حلفیہ کہتی ہوں کہ آپ کے دوستوں کی مصیبت کی وجہ میں نادانستہ طو بنی ہوں اور آپ خود سوچئے اگر میں اس سازش میں شریک ہوتی تو آپ سے ان لوگوں کا تذکر کیوں کرتی۔"

"ممکن ہے کہ تم مجھے بھی وہیں پہنچانا چاہتی ہو۔" مشرقی سرد لہجے میں بولا۔

"ہرگز نہیں.... میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں۔ اچھا یہ بہتر رہے گا کہ آپ فی الا مجھے اپنی قید ہی میں رکھئے اور خود پولیس کے ساتھ میرے بتائے ہوئے پتے پر جایئے.... حقیق کھل جائے گی۔"

"تمہیں سازش کا علم نہیں تھا۔"

"ہرگز نہیں.... ڈیڈی بھی ایسے آدمی نہیں ہیں۔ انہیں اس دوغلے چینی نے بہکایا ہے۔"

دفعتاً قریب ہی کہیں ایک ہلکی سی آواز کیساتھ کوئی دروازہ کھلا اور قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

"او.... شاید میرا ساتھی آگیا ہے۔" مشرقی کہتا ہوا مڑا۔

اور دوسرے ہی لمحے میں روزا کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ اس کے سامنے فریدی کھ مسکرا رہا تھا۔

"اوہ.... کرنل....!" وہ اس کی طرف بڑھی۔ "خدا کا شکر ہے کہ تم وہاں سے نکل آئے۔"

"یہ تو میرا ساتھی ہے جس سے ملانے کے لئے میں تمہیں لایا تھا۔" مشرقی جلدی سے بولا

"کیا مطلب....؟" روزا کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"بیٹھ جاؤ مس شیپرڈ....!" فریدی بولا۔

روزا چپ چاپ بیٹھ گئی۔

"کیا سنگ ہی ڈاکٹر شیپرڈ کے ساتھ ہی ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں.... لیکن.... کیا تم وہیں سے نہیں آرہے ہو....؟"

"نہیں.... میں تو کل رات سے یہاں ہوں۔"

"کرنل.... میں بہت پریشان ہوں.... اور ساتھ ہی شرمندہ بھی۔ میری پوری داستان سن لو.... پھر طنز کے تیر پھینکنا۔"

"میں طنز نہیں کر رہا ہوں۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "تم نے مجھ سے قلمی دوستی کیوں کی تھی؟"

"میں اس سوال کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"قلمی دوستی کے لئے تم نے مجھے ہی کیوں منتخب کیا؟"

"تمہارے کارناموں کی بنا پر....!"

"ٹھیک اسی لئے میں نے یہاں بھی تمہارے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی۔ ڈاکٹر شیپرڈ اور سنگ ہی دونوں کچھ تھوڑے سے بیوقوف بھی ہیں۔ یہ لوگ ہمیشہ یہ بھول جاتے ہیں کہ فریدی اتنی معمولی سی چالوں میں نہیں آسکتا.... مس شیپرڈ جس فریدی کو تم نے مہمان بنایا ہے وہ میرا ایک معمولی سا آدمی ہے سمجھیں۔"

روزا چند لمحے اسے مستفسرانہ نظروں سے دیکھتی رہی پھر بولی۔ "میرے خدا! میں سمجھی.... کیا تمہیں اس سازش کا علم پہلے ہی سے تھا؟ مگر آخر کیسے؟ تم ہزاروں میل کی دوری پر تھے۔ میں ہر وقت ڈیڈی کے ساتھ رہتی ہوں.... پھر بھی مجھے کچھ نہ معلوم ہو سکا۔"

"ہو سکتا ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "تمہارا پہلا ہی خط موصول ہونے پر میں تمہارے نام کے ساتھ "شیپرڈ" دیکھ کر ٹھٹکا تھا.... اور پھر میں نے یہاں تمہارے متعلق انکوائری کرائی تھی جس سے معلوم ہوا کہ تم ڈاکٹر شیپرڈ کی لڑکی ہو۔"

"اور تم محتاط ہو گئے۔" روزا بولی۔ "لیکن تمہارا اور ڈیڈی کا کیا معاملہ ہے۔ کیا یہ سچ ہے کہ تم نے ان کے ہتھکڑیاں لگائی تھیں؟"

"یہ بالکل درست ہے۔" فریدی سگار سلگا کر بولا۔ "میں نے بلاشبہ ایسا کیا تھا۔ انہوں معمولی مجرموں کی طرح میرے شہر میں اودھم مچائی تھی اور سنگ ہی نے ان کے کئی آدمیو ختم بھی کر دیا تھا۔"

"کیوں.... کس لئے؟"

"ڈاکٹر شیپرڈ جیسے عالم کیلئے یہ حرکت باعث ننگ ہے لیکن دولت کی لالچ کسی کو بھی چھوڑتی۔ تمہیں یاد ہوگا کہ چلی کے ایلپوم پہاڑ کی چوٹی پر انکا نسل کی ایک شہزادی کی لاش ملی تھی

"اوہ.... ہاں مجھے یاد ہے۔ ڈیڈی بھی اسے دیکھنے کے لئے گئے تھے۔"

"لاش سنگ ہی اور اس کے ایک ساتھی نے دریافت کی تھی اور سنگ ہی نے اس شہزادی کے گلے سے ایک زیور اتارا تھا وہی زیور ڈاکٹر شیپرڈ بھی حاصل کرنا چاہتے تھے اسی۔ سنگ ہی کے پیچھے لگے ہوئے میرے ملک تک گئے۔"

"زیور.... کیا وہ بہت قیمتی ہے؟"

"بہت زیادہ! ان لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں کسی بہت بڑے خزانے کا سراغ پوشیدہ زیور میں نے ان لوگوں سے حاصل کر لیا تھا اور وہ میرے یہاں کے سرکاری خزانے میں سنگ ہی اسے دوبارہ لے اڑا۔ اب ڈاکٹر شیپرڈ اور سنگ ہی میں سمجھوتہ ہو گیا ہے۔ وہ دونوں خز کی تلاش میں جائیں گے اور اب میری ایک پیش گوئی بھی سن لو۔ اگر سنگ ہی کو واقعی کوئی مل گیا تو وہ تمہارے باپ کو وہیں قتل کر دے گا۔"

روزا سناٹے میں آ گئی۔

"ایک بیٹی کی حیثیت سے تمہارا فرض ہے کہ تم انہیں اس سے باز رکھو۔"

"وہ میری نہیں سنیں گے۔" روزا خوفزدہ آواز میں بولی۔

"اگر وہ نہیں سنیں گے تو میری پیش گوئی اٹل ہے۔"

"پھر میں کیا کروں....؟"

"ایک تجویز ہے میرے ذہن میں۔ مگر شاید تم اس پر عمل نہ کر سکو۔"

"میں ہر تجویز پر عمل کرنے کو تیار ہوں۔ مگر تم مجھ پر اعتماد کیوں کرنے لگے؟"

"اگر مجھے تم پر اعتماد نہ ہوتا تو میں تم سے اس کے متعلق گفتگو ہی نہ کرتا۔"

"تجویز کیا ہے؟"

"مجھے ان کے پروگراموں سے مطلع کرتی رہو۔"

"اور آپ کے آدمیوں کا کیا ہوگا؟ میرا خیال ہے کہ وہ خطرے میں ہوں گے۔"

"اسی صورت میں جب انہیں یہ علم نہ ہو کہ فریدی ابھی تک ان کی گرفت میں نہیں آیا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اب تک ان پر یہ راز کھل گیا ہوگا لہٰذا ایسی صورت میں میرے آدمی محفوظ ہیں۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"پھر کبھی سمجھ لینا.... میں بتا دوں گا.... مگر ابھی نہیں! فی الحال یہ معلوم کرنے کی کوشش رو کہ سنگ ہی اب کہاں جانے کا ارادہ رکھتا ہے؟ میرے متعلق کسی سے بھی کوئی گفتگو نہ کرو گی۔ کر میرے ساتھیوں کی حبس بیجا پر برابر احتجاج کرتی رہو گی۔ غالباً سمجھ گئی ہو گی۔"

"بالکل سمجھ گئی۔"

"میں ہمیشہ یہیں ملوں گا.... اگر میں موجود نہ ہوں تو.... اوہ ٹھہرو.... میں تعارف کرانا تو بھول ہی گیا.... یہ میرے بزرگ مسٹر طارق[1] ہیں.... اور آپ تو انہیں جانتے ہی ہیں۔"

"میں یہاں کسے نہیں جانتا۔" طارق مسکرایا۔

تھوڑی دیر بعد روزا رخصت ہو گئی۔

"لڑکی قابل اعتماد معلوم ہوتی ہے۔" طارق نے ایک طویل سانس لینے کے بعد کہا۔

"یقیناً.... بہر حال میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ اسے یہاں تک لائے۔"

"تکلفات کو چھوڑو.... تمہارا یہ خزانہ میرے لئے ایڈونچر کا ایک نیا دروازہ کھول رہا ہے.... فکر مت کرو.... میں جنوبی امریکہ کا کیڑا ہوں۔ تم جانتے ہو کہ میری ساری زندگی ہی دفینوں کی تلاش میں گذری ہے۔"

"میں جانتا ہوں.... اسی لئے میں نے تعاون کی درخواست کی تھی۔"

"درخواست؟ کیا کہہ رہے ہو! میرے بیٹے.... ارے یہ تو میرا اپنا ہی کام ہے۔ مگر تم اپنے باپ سے بھی زیادہ عجیب معلوم ہوتے ہو۔ وہ کبھی کسی کا احترام نہیں کرتا تھا۔ پھر بھی بڑا عظیم آدمی تھا۔ دوستوں پر جان دینے والا مجھ پر ان کے کئی بڑے احسانات ہیں۔"

"آپ نے طوق کی تحریر سے کیا اندازہ لگایا؟" فریدی نے موضوع بدل دیا۔

---

[1] طارق کی پُراسرار شخصیت کی داستان "پراسرار کنواں" میں ملاحظہ فرمائیے۔

"کوئی خاص بات نہیں! جگہ جگہ جنگل اور پہاڑوں کے متعلق اشارے ہیں میرا خیال۔ سنگ اور شیپرڈ بہت کچھ جانتے ہیں۔"

ہوٹل میں ہنگامہ

ایک ہفتہ بعد فریدی اور طارق جنوبی امریکہ کے ایک ملک ایکویڈور کے صدر مقام کے ایک سرائے میں بیٹھے کافی پی رہے تھے۔

ان کے ساتھ ایک خوفزدہ لڑکا بھی تھا۔ وہ پچھلی ہی رات کو ہوائی جہاز سے یہاں پہنچے تھے ان کی رہنمائی اس نوخیز لڑکے نے کی تھی۔

یہ لڑکا روزا شیپرڈ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

روزا انہیں پچھلے سات دنوں میں سنگ ہی وغیرہ کی خبریں برابر پہنچاتی رہی تھی اس نے انہیں بتایا تھا کہ سنگ ہی کی پارٹی کیتو کے لئے روانہ ہو رہی ہے۔ طارق لڑکی کو ہمراہ لانے پر راضی نہیں تھا۔ مگر فریدی نے اس کی درخواست منظور کر لی تھی۔

روزا اس وقت ان کے پاس موجود نہیں تھی۔ شاید وہ بہت زیادہ تھک جانے کی وجہ سے سو گئی تھی۔

طارق اور فریدی بھی اپنی اصلی شکلوں میں نہیں تھے۔ طارق مقامی باشندوں کے کسی مذہبی پیشوا کے روپ میں تھا اور اس کا سیاہ نیولا ہر وقت اس کے کاندھے پر سوار رہتا تھا۔ فریدی نے بھی یہاں کے مقامی لوگوں ہی کی سی وضع اختیار کر لی تھی۔

وہ دونوں کافی دیر سے خاموش بیٹھے کافی سے شغل کر رہے تھے۔ سردی کی شدت نے انہیں گرم کپڑے پہننے پر مجبور کر دیا تھا۔ کیتو حالانکہ ٹھیک خط استوا پر واقع ہے۔ مگر سطح سمندر سے ہزار فٹ بلند ہونے کی بناء پر سال بھر سرد رہتا ہے۔

"میرا خیال صحیح تھا۔" فریدی کچھ دیر بعد بولا۔

"کیسا خیال؟"

"یہی کہ وہ پہاڑ اور جنگل برازیل کے خطے کے نہیں ہو سکتے۔ انکا نسل کے قدیم لوگ اپنی سرزمین کے علاوہ کسی دوسرے ملک سے واقف نہیں تھے۔ لہٰذا ڈھائی تین ہزار میل کا فاصلہ طے

برازیل پہنچنا قرین قیاس نہیں۔"

"تمہارا خیال ٹھیک ہے.... میں پھر کہتا ہوں کہ وہ لوگ بہت کچھ جانتے ہیں۔ سنگ ہی نے اسی لئے ڈاکٹر شیپرڈ پر ڈورے ڈالے ہیں۔ شیپرڈ ساری دنیا میں تنہا آدمی ہے جو تصویری زبانوں کو قریب قریب بالکل صحیح پڑھ سکتا ہے۔"

"اب ہمیں ان پر گہری نظر رکھنی چاہئے۔" فریدی بولا۔

"مگر تم اس لڑکی کو کیوں ساتھ لائے ہو؟ خواہ مخواہ ایک رکاوٹ ساتھ لئے پھر رہے ہو۔"

"آپ جانتے ہیں کہ میرے تین آدمی اُس کے ساتھ ہیں اور انہیں ساتھ لئے پھرنے کا مقصد یہ ہے کہ میں انہیں رہا کرانے کی کوشش کروں۔ اس طرح سنگ ہی مجھ پر ہاتھ ڈالنا چاہتا ہے اور میرے ساتھ ڈاکٹر شیپرڈ کی لڑکی ہے جسے میں بطورِ یرغمال اپنے پاس رکھوں گا۔ ابھی نہیں۔ کسی موقع پر میں ان لوگوں کو یہ بھی یہ بات جتا دوں گا.... ورنہ ہو سکتا ہے کہ وہ میرے آدمیوں کو ختم ہی کر دیں۔"

"ٹھیک ہے۔" طارق اپنے نیولے کو کاندھے سے اتار کر گود میں بٹھاتا ہوا بولا۔ "اب کیا کرنا ہے؟"

"دیکھئے.... یہ میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ اگر طوق ہاتھ آ گیا تو میں خزانے وغیرہ کے چکر میں نہیں پڑوں گا.... میرا سب سے پہلا کام یہ ہوگا میں اسے چلی کی حکومت کے سپرد کروں۔"

"اگر یہی کرنا ہے تو میرا خیال ہے کہ یہاں کی پولیس اس کے لئے بہت کارگر ثابت ہوگی۔ سانگ ہی کی دال نہیں گلے گی۔ شمالی امریکہ کی بات اور تھی۔"

"یہ قطعی نامناسب ہے میرے بزرگ۔"

"کیوں....؟"

"یہاں کی حکومت کو اگر اس کا علم ہو گیا تو پھر وہ طوق میرے ہاتھ نہیں لگ سکتا۔"

"کیوں....؟"

"آپ جانتے ہیں کہ انکا نسل کے لوگوں کی اصل سرزمین یہی ہے۔ یہاں کی حکومت اور حکومت چلی سے ابھی تک اس لاش کے متعلق جھگڑا چل رہا ہے۔ روائتی خزانے کے تذکرے بھی عام ہوں گے۔"

"لیکن.... یہاں اب انکا نسل کے لوگوں کی حکومت نہیں.... حاکم اسپینی لوگ" طارق نے کہا۔

"کچھ بھی ہو وہ طوق یہاں کی قومی ملکیت ہے۔ لیکن چونکہ وہ چلی سے چرایا گیا تھا ہماری حکومت اسے وہیں پہنچانا چاہتی ہے۔"

طارق کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ "سنگ ہی کے ساتھ پچیس آدمی ہیں۔"

"میں نے آدمیوں کی تعداد کی کبھی پرواہ نہیں کی۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"بالکل اپنے باپ کی طرح ضدی بھی ہو۔" طارق ہنسنے لگا۔

❁

سنگ ہی کی پارٹی کیتو کے ایک شاندار ہوٹل میں مقیم تھی۔

حمید قاسم اور انور بظاہر آزاد نظر آتے تھے لیکن ان میں سے ہر ایک بخوبی جانتا تھا کہ معمولی سی لغزش بھی اسے موت کے منہ میں پہنچا سکتی ہے۔ سنگ ہی کا رویہ ان کے دوستانہ تھا۔ لیکن کم از کم حمید اس کی فطرت سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ کسی بھی کوئی ایسی حرکت کر سکتا ہے جس کا گمان تک نہ ہو۔

وہ پُر اسرار لڑکی بھی پارٹی کے ساتھ تھی اور اب قاسم اس میں خاصی دلچسپی لینے لگا تھا لیکن حمید کی سمجھ میں اب تک یہ بات نہیں آئی تھی کہ آخر ان میں اس لڑکی کی موجودگی کا مقصد ہو سکتا ہے۔

انور اب بھی فریدی ہی کے میک اپ میں تھا۔ سنگ ہی نے ایک بار بھی اس سے یہ نہیں کہا کہ وہ اسے اس کی اصلی شکل میں دیکھنا چاہتا ہے۔

ہوٹل کی اسپینی خادمائیں قاسم کے لئے بڑی کشش رکھتی تھیں کیونکہ وہ سب تندرست مضبوط ہاتھ پیر کی عورتیں تھیں۔

قاسم، انور اور حمید ایک ہی کمرے میں تھے لیکن ان کی کڑی نگرانی ہوتی تھی۔ اس کے بھی حمید نے کئی بار یہ رائے ظاہر کی کہ لڑ بھڑ کر نکل ہی چلنا مناسب ہوگا۔ لیکن انور نے منظور نہیں کیا۔ وہ ہر بات پر یہی جواب دیتا تھا کہ "یہ بھی اسکیم ہی کا ایک حصہ ہے۔"

اور حمید کو لفظ "اسکیم" سے اتنی چڑ ہو گئی تھی کہ اسے سنتے ہی اس کی زبان کی نوک

گندی سی گالیاں مچلنے لگتی تھیں۔

وہ اس وقت بھی انور سے لڑ جھگڑ کر بیٹھا تھا۔ ہوٹل میں کئی قسم کی تفریحات موجود تھیں لیکن آج وہ شدت سے بور تھا۔

انور اور قاسم شاید ڈائننگ ہال میں تھے۔

حمید کافی دیر سے کمرے میں بیٹھا نکل بھاگنے کے امکانات پر غور کر رہا تھا۔ اسے یہ بھی محسوس نہ ہو سکا کہ ریکھا کب کمرے میں داخل ہوئی۔ حمید کی پشت دروازے کی طرف تھی۔

"آپ یہاں تنہا ہیں؟"

وہ ریکھا کی آواز پر چونک کر مڑا۔

"آؤ.... آؤ....!" اس نے کہا۔

"میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

"کرو! ہمارے پاس فی الحال باتوں کے علاوہ اور کچھ نہیں۔"

"میں اس دن جہاز پر آپ کو بتانا چاہتی تھی کہ میں نے ایک بات آپ سے چھپائی تھی۔ اس کا مقصد خود میری سمجھ میں بھی نہیں آیا تھا۔"

"ہوں.... میں سننا پسند کروں گا۔"

"شروع میں جب وہ مجھے صفدر آباد سے لائے تھے تو مجھے آپ دونوں کی تصویریں دکھائی گئی تھیں۔ وہ دوسرے صاحب یعنی فریدی کی.... اور تصویر دکھاتے وقت سیلرس کلب کا مالک مجھ سے کہا کرتا تھا کہ ان دونوں کو مار ڈالنا.... زندہ نہ چھوڑنا.... اس کا یہ زور کا معمول تھا.... وہ ان دو جملوں کے علاوہ اور کچھ نہیں کہتا تھا.... میں پہلے تو اسے اس کا مقصد پوچھنا چاہا لیکن اس نے ان جملوں کے علاوہ کبھی اور کچھ نہیں کہا۔"

"تو غالباً اب مقصد تم پر واضح ہو گیا ہوگا۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"قطعی نہیں.... بالکل نہیں.... اگر وہ میری ایک کمزوری یا بیماری سے فائدہ اٹھا کر آپ دونوں کو میرے ہاتھوں قتل کرانا چاہتے تھے تو پھر اس خنجر نما کھلونے کا کیا مقصد تھا۔ اس صورت میں تو انہیں اصلی خنجر یا ریوالور اس بیگ میں رکھنا چاہئے تھا۔"

"ٹھیک کہتی ہو۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "پھر وہ تمہارا پاسپورٹ.... اور ان لوگوں سے

نیویارک ہی میں ملاقات ہوئی.... خیر یہ بھی کچھ نہیں.... تشویش کی بات تو یہ ہے کہ یہ تمہیں کیوں ساتھ لئے پھر رہے ہیں۔"

"وہ سور کا بچہ چینی کہتا ہے کہ تم میری رانی ہو۔ میں ایک بہت بڑے خزانے کی تلاش ہوں۔ اس کے ملتے ہی تم سے شادی کرلوں گا۔"

"لیکن رانی کے لئے ضروری تو نہیں کہ وہ بھی اس کے ساتھ جھک مارتی پھرے۔"

"پھر بتایئے میں کیا کروں....؟"

"مزہ کرو.... وہ تمہیں رانی بنائے گا۔"

"مجھے اس کی صورت سے گھن آتی ہے۔"

"صورت دیکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے.... خزانہ....!"

"جہنم میں گیا خزانہ.... میں پاگل ہو جاؤں گی۔"

"خدا کے لئے اب ہو بھی جاؤ۔ بہت دنوں سے سن رہا ہوں ورنہ پھر میری کپتانی بن رانی بنانے کی حیثیت تو نہیں رکھتا.... وغیرہ وغیرہ....!" حمید خاموش ہو گیا۔

پھر یک بیک اس طرح اچھل پڑا جیسے موجودہ مشکلات کا کوئی حل سامنے آگیا ہو۔

ریکھا اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔

"بس کام بن گیا۔" حمید چٹکی بجا کر بولا۔ "ذرا اور قریب آؤ۔ کیا تم سچ مچ پاگل بن سکتی

"حمید صاحب! میرا مذاق نہ اڑایئے۔"

"سمجھنے کی کوشش کرو.... اگر تم پاگل بن جاؤ تو سارا کام بن جائے۔ آج رات کا کھانا کے وقت ڈائننگ ہال میں ہلڑ مچادو۔ سنگ ہی رازداری سے کام لے رہا ہے اور اس کا گروہ بڑا منظم اگر تم پاگل بن گئیں تو لوگوں کی توجہ تمہاری طرف مبذول ہو جائے گی اور یہ چیز پوری پا بدحواسی میں مبتلا کردے گی۔ تمہیں پاگل خانے تک پہنچانے کے لئے پولیس آجائے گی اس بعد میں سب دیکھ لوں گا.... بولو منظور ہے۔"

ریکھا نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ "تجویز ہے لیکن اگر میں سچ مچ پاگل خانے پہنچ گئی تو....؟"

"اسے میں سنبھال لوں گا کہتا تو ہوں.... تم یہ بھی جانتی ہو کہ ہم لوگ کون ہیں

بردار.... اس کے متعلق کسی کو بھی نہ بتانا.... میرے دونوں ساتھیوں سے بھی اس کا تذکرہ رنے کی ضرورت نہیں۔"

"اچھا.... لیکن نتیجہ کے آپ ذمہ دار ہوں گے میں تو اس قدر تنگ آگئی ہوں کہ سب کچھ رگزروں گی۔"

"میں پھر کہتا ہوں کہ تم نتیجے کی فکر مت کرو۔" حمید بولا۔

"لیکن مجھے کرنا کیا ہوگا....؟"

"چیخنا.... توڑ پھوڑ.... تمہارے دل میں کسی بھی چیز کیلئے ذرہ برابر درد نہ ہونا چاہئے.... ائنگ ہال میں ایسی سینکڑوں چیزیں ہیں۔ میزیں الٹ دینا۔ جو چیز ہاتھ میں آجائے وہی مجمع پر پھینچ مارنا۔"

"بڑا مشکل کام ہے۔"

"جان بچانے کے لئے سب کچھ آسان ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس سفر میں تمہاری شمولیت ا کیا مقصد ہے۔"

"کیا مقصد ہے؟" ریکھا تھوک نگل کر بولی۔

"کیا تم نے دفینوں کی بھینٹ کے متعلق کبھی کچھ نہیں سنا....؟"

"میں نے سنا ہے.... لیکن....!"

"لیکن ویکن کچھ نہیں.... کیا تم اپنے والدین کی.... اکلوتی لڑکی ہو....؟"

"نہیں.... قطعی نہیں۔"

"پھر کوئی اور بات ہوگی.... ہاں ٹھیک ہے.... دفینے کی بھینٹ نہیں.... مجھے اس قبیلے کے متعلق تو یاد ہی نہیں رہا جس کے افراد عورت کا گوشت بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔"

"نہیں....!" ریکھا کانپ کر ہذیانی انداز میں چیخی۔

"ارے چپ چپ.... غل غپاڑہ مت مچاؤ.... وہ تمہیں اس قبیلے کو رشوت کے طور پر پیش رکے اس کی سرحد پار اُتر جائیں گے ورنہ تم خود سوچو کہ ایسے سفر میں عورت کا کیا کام.... پھر تہ نہیں وہ تمہیں مسلم بھون کر کھائیں یا کچا ہی چبائیں.... خدا کی پناہ۔"

"نہیں.... نہیں....!" ریکھا بُری طرح کانپ رہی تھی۔ "میں تمہارا کہنا مانوں گی....!"

رات بہت سرد تھی۔

لیکن اس بڑے ہوٹل کا ڈائننگ ہال سنٹرل ہیٹنگ کی وجہ سے گرمایا ہوا تھا۔ ہر طرف سر قہقہے فضا میں ابھر رہے تھے اور آرکسٹرا نے ہلکے سروں میں ایک لطیف نغمہ چھیڑ رکھا تھا۔

ہال میں کہیں بھی کوئی میز خالی نہیں دکھائی دیتی تھی۔

ریکھا کی میز پر سنگ ہی... بڑی مونچھوں والا خوفناک آدمی اور شیپرڈ تھے۔

اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر انور، قاسم اور حمید تین مختلف میزوں پر تھے ان میں سے ایک کے ساتھ سنگ ہی کے تین تین مسلح آدمی بھی بیٹھے ہوئے تھے وہ بظاہر شریف صورت لیکن ان میں سے شاید ہی کوئی رہا ہو جس کے جیب میں اعشاریہ تین آٹھ کا ریوالور نہ موجود ہو۔

اچانک ہال میں ریکھا کی چیخ گونجی۔ اس نے شوربے کی پلیٹ ڈاکٹر شیپرڈ کے منہ پر کھینچ تھی۔ پھر اس نے میز بھی الٹ دی۔ وہ ہسٹیریائی انداز میں چیخ رہی تھی اور ساتھ ہی اس دونوں ہاتھ بھی چل رہے تھے جو خالی نہیں ہوتے تھے۔ ان میں سے ہر بار کوئی نہ کوئی چیز کسی کے لگتی ضرور تھی۔ گلاس.... چمچے.... کانٹے.... چھریاں.... پلیٹیں.... گلدان فضا تیرتے پھر رہے تھے۔

پھر اتنا شور ہوا کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔

"یہ کالی عورت کون ہے؟"

"نشے میں ہے۔"

"مارو.... پکڑو....!"

"سارے کالوں کو پکڑلو۔"

"پولیس.... پولیس....!"

"ارے میری ناک....!"

"ارے میرا سر....!"

"مارو.... پکڑو....!"

"پولیس.... پولیس....!"

"بھاگو...." حمید قاسم اور انور کو جھنجھوڑ کر بولا۔ "ورنہ ایک بھی کالا زندہ نہ بچے گا۔"

واقعی ان پر چاروں طرف سے یورش ہو گئی تھی۔

سنگ ہی کے ساتھیوں نے فائر کئے۔

اس پر اور زیادہ اودھم مچ گیا۔

وہ تینوں کسی نہ کسی طرح دروازے تک پہنچ گئے۔

قاسم اس وقت سچ مچ ان کی ڈھال بنا ہوا تھا۔ اگر وہ لوگوں کو اچھال اچھال کر راستہ نہ بناتا تو وہ نیامت تک دروازے کے قریب نہیں پہنچ سکتے تھے۔

باہر نکل کر وہ ایک طرف دوڑتے چلے گئے لیکن وہ اپنے پیچھے بھی قدموں کی آواز سن رہے تھے۔ تعاقب کرنے والا شاید تنہا ہی تھا اور وہ ایک سنسان راستے پر دوڑ رہے تھے۔

"ٹھہرو.... ٹھہرو...." تعاقب کرنے والا اردو میں چیخا۔ "میں دشمن نہیں ہوں.... رک جاؤ.... ورنہ مارے جاؤ گے۔"

وہ رک کر مڑے اور انور نے آنے والے پر ٹارچ کی روشنی ڈالی ان کے سامنے ایک دراز قد وڑھا کھڑا تھا اور اس کے کاندھے پر ایک بڑا سا نیولا سوار تھا۔

حسن اتفاق

"ٹارچ بجھادو....!" نووارد نے کہا۔

دوسرے ہی لمحے میں تعمیل کی گئی۔

حمید سوچ رہا تھا کہ کیا یہ فریدی ہے۔ مگر نہیں اگر اس کی یادداشت دھوکا نہیں دے رہی ہے وہ اسے پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہے۔

"میرے ساتھ آؤ....!" نووارد بولا۔

"آپ کون ہیں....؟" انور نے پوچھا۔

"دشمن نہیں ہوں.... جو کچھ میں کہوں کرتے جاؤ.... ورنہ مصیبت میں پڑو گے.... میں بیدی کا دوست ہوں۔"

وہ ایک طرف اندھیرے میں چلنے لگے۔ ہوٹل اب بھی زیادہ دور نہیں تھا۔ اس لئے انہیں

شور و غل کی آوازیں صاف سنائی دیتی تھیں۔

"ٹھہرو....!" تھوڑی دور چلنے کے بعد نووارد نے کہا۔ "تم سب ایک دوسرے کے ہا
پکڑلو.... اور ایک ہاتھ میرے ہاتھ میں دے کر.... ادھر نشیب میں چلے آؤ.... روشنی
ضرورت نہیں۔"

راستہ بڑا خراب تھا۔ وہ سب نشیب میں اترنے لگے۔

نووارد آگے تھا۔ دفعتاً اس کے نیولے نے ایک بہت ہی تیز اور کریہہ قسم کی آواز نکالی۔

اور پھر حمید کو یک بیک یاد آگیا اس نے اس آدمی کو کہاں دیکھا تھا۔

"طارق صاحب" اس نے آہستہ سے کہا۔ "دیر سے پہچاننے پر مجھے افسوس ہے۔"

"میک اپ کے باوجود بھی پہچان لیا۔" طارق نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"آپ کی آنکھیں جو ہزاروں میں پہچانی جاسکتی ہیں۔"

"لیکن یہ یک بیک ہوا کیا؟" طارق نے پوچھا۔

"لڑکی پاگل ہوگئی۔" قاسم بڑبڑایا۔ "وہ بہت دنوں سے کہہ رہی تھی کہ میں پاگل ہو جاؤں گی

"ذرا ٹارچ روشن کیجئے۔" طارق بولا۔ "میں ٹھیک ہی آیا ہوں۔ غالباً غار کا دہانہ یہی ہے۔

ٹارچ روشن کی گئی۔ پھر دوسرے لمحے وہ ایک غار میں اُتر رہے تھے۔ غار بہت زیادہ
نہیں تھا۔ مگر پھر بھی باہر کی سردی کے مقابلے میں نسبتاً آرام دہ معلوم ہوتا تھا۔

"آپ لوگ یہیں ٹھہریئے.... تاکہ میں فریدی کو مطلع کردوں.... وہ فکر مند ہوگا
اور ان لوگوں میں سے شاید ہی کوئی بچا ہو۔ انہوں نے فائرنگ کر کے اچھا نہیں کیا۔"

طارق چلا گیا۔ وہ کچھ دیر تک خاموش بیٹھے رہے۔

پھر انور نے پوچھا۔

"یہ کون تھا....؟"

"طارق....!" حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ "فریدی صاحب کے وال
دوستوں میں سے ہے اور انتہائی پُر اسرار.... سارا جنوبی امریکہ اس کا چھانا ہوا ہے.... یہا
زبانوں پر اسے قدرت حاصل ہے۔"

"کرتا کیا ہے؟"

"سیاحی اور دفینوں کا چکر.... کافی دولت مند ہے.... مستقل قیام نیویارک میں رہتا ہے۔
ر فریدی صاحب کی دور اندیشی کی داد دینی پڑتی ہے.... اس مہم کے لئے طارق سے زیادہ
ناسب آدمی ملنا دشوار تھا۔"

"پتہ نہیں اس بیچاری کیا کیا حشر ہوا۔" قاسم بڑبڑایا۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "مگر اس
ارق کے کاندھے پر بلی کیوں سوار رہتی ہے؟"

"بلی نہیں.... نیولا تھا....!" حمید نے کہا۔ "اس نسل کا نیولا صرف انہیں اطراف میں پایا
اتا ہے.... اسے یہاں شنکا کہتے ہیں.... کچھ قومیں اسے متبرک سمجھ کر پوجتی ہیں۔"

حمید نے پائپ سلگا لیا تھا۔

وہ پھر خاموش ہوگئے۔

کچھ دیر بعد انور نے کہا۔ "آخر یہ یک بیک ہوا کیا؟"

"یہ ساری باتیں تمہاری سمجھ سے بہت اونچی ہیں۔" حمید نے اکڑ کر کہا۔

"کیا مطلب....!"

"اسی لئے تو نہیں بتانا چاہتا کہ تمہیں مطلب بھی سمجھانا پڑے گا۔"

"تو کیا یہ تمہاری حرکت تھی؟"

"حرکت....!" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "اگر میں یہ حرکت نہ کرتا تو تم جہنم رسید ہو چکے ہوتے
ں تمہیں اتنا چغد نہیں سمجھتا تھا۔"

"ہوں.... تم سمجھتے ہو کہ تم نے کیا کیا ہے۔" انور تیز لہجے میں بولا۔

"تمہیں بیوہ کیا ہے۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "اب میرا دماغ مت چاٹو۔"

"مجھے نیند آرہی ہے۔" قاسم نے جماہی لے کر کہا۔ "اگر کسی نے شور مچایا تو گلا گھونٹ دوں
.... انور بھائی! تم رشیدہ صاحبہ کو بھی ساتھ کیوں نہیں لائے۔"

انور خاموش ہوگیا۔

حمید ہنس پڑا۔

"رشیدہ....!" اس نے کہا۔ "کیا اب بھی تمہیں اس سے عشق ہے۔"

"ارے لاحول.... ہپ.... کیا گڑبڑ.... حمید بھائی.... میں ایسا مذاق پسند نہیں کرتا۔"

قاسم بوکھلا گیا۔

انور اس پر بھی کچھ نہ بولا۔ شاید وہ حمید سے الجھنا نہیں چاہتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد انہوں نے غار کے دہانے پر قدموں کی آوازیں سنیں اور سنبھل کر بیٹھ باہر سے ٹارچ کی روشنی اندر رینگ آئی۔ آنے والے تین تھے۔ ٹارچ پھر بجھا دی گئی۔ کے چہرے نہ دیکھ سکے۔

"جگہ تو خاصی ہے۔" انہوں نے اندھیرے میں فریدی کی آواز سنی۔

پھر کسی نے دیا سلائی جلا کر دو موم بتیاں روشن کر دیں ان کے سامنے تین آدمی تھے۔ ایک تو طارق تھا جسے حمید نے اس کی غیر معمولی طور پر چمکدار آنکھوں کی بناء پر پہچان لیا تھا۔

دوسرا یقیناً فریدی تھا لیکن نہ تو اسے حمید پہچان سکا اور نہ انور۔ ویسے وہ قیاساً کہہ سکتے وہ فریدی ہی ہوگا۔ تیسرا ایک نوخیز لڑکا تھا جس کی عمر بظاہر سولہ سال سے زیادہ نہیں معلو تھی۔ ان کے سروں پر نمدے کے ہیٹ تھے اور جسموں پر ہاتھ کے بنے ہوئے اونی لباد کے جوتے بھی بدوضع اور بے ہنگم تھے۔

"جو کچھ بھی ہوا بہت بُرا ہوا طارق صاحب۔" فریدی پتھر کے بڑے ٹکڑے پر بیٹھتا ہوا

"اور اس کی تمام تر ذمہ داری حمید پر ہے۔" انور بول پڑا۔

"کیوں حمید نے کیا کیا....؟"

"اسی سے پوچھئے....!"

"تو تمہیں بتا دوں....!" فریدی جھنجھلایا ہوا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ لڑکی بن رہی تھی۔" انور نے کہا۔

"لہٰذا.... یہ حمید کی حرکت ہے....!" حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔ "وہ شیطان بن کر ا قالب میں حلول کر گیا تھا۔"

"نہیں جناب۔" قاسم نے کہا۔ "وہ تو عرصے سے کہہ رہی تھی کہ میں پاگل ہو جاؤں

فریدی کچھ نہ بولا۔

حمید نے سوچا تھا کہ جس وقت میں اپنا یہ کارنامہ فریدی کے سامنے دہراؤں گا تو وہ عُ

کراٹھے گا۔ لیکن اب نقشہ بدلتے دیکھ کر اس نے خاموش ہی رہنا مناسب سمجھا۔

"کچھ بھی ہو۔" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ "یہ اچھا نہیں ہوا۔ ابھی تک وہ میری نظروں میں تھے.... مگر اب میں بالکل اندھیرے میں ہوں۔ اب چونکہ انہیں یہاں والوں کی نظروں سے بھی پوشیدہ رہنا پڑے گا اس لئے وہ بہت زیادہ احتیاط سے کام لیں گے سنگ ہی اور اس کے خاص آدمی صاف نکل گئے.... دو فساد کے دوران میں ہلاک ہوئے اور آٹھ پکڑ لئے گئے ہیں.... ان میں قریب قریب سارے آدمی امریکن ہیں.... سنگ ہی کے ساتھیوں میں سے.... نہ تو کوئی پکڑا جا سکا.... اور نہ مارا ہی گیا۔"

"اور ڈاکٹر....؟" انور نے پوچھا۔

"وہ بھی نکل گیا.... اور سب سے زیادہ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ لڑکی کا بال بھی بیکا نہ ہو سکا.... وہ اس کے چاروں طرف چٹان کی طرح جم گئے تھے۔"

"آخر یہ لڑکی ہے کیا بلا....؟" حمید بڑبڑایا۔

فریدی نے اس بات کا جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولا۔

"مجھے دراصل تم لوگوں کی فکر تھی ورنہ سنگ ہی میری نظروں سے اوجھل نہیں ہو سکتا تھا۔"

"لیکن آخر ہمیں اس طرح جھونک دینے کا مقصد کیا تھا....؟" حمید نے پوچھا۔

"اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ میں ان لوگوں پر نظر رکھ سکوں۔ شاید تم واقف نہیں ہو کہ مجھے سنگ ہی کی اسکیموں کا علم قریب قریب پہلے ہی سے تھا۔"

پھر فریدی نے اپنی اور روزا کی قلمی دوستی کے متعلق سب کچھ دہراتے ہوئے کہا۔ "مجھے پہلے ہی شبہ ہوا تھا کہ سنگ ہی اور ڈاکٹر شیپرڈ مل گئے ہیں۔"

"چلئے مانتا ہوں۔" حمید نے کہا۔ "لیکن اگر وہ ہمیں ٹھکانے لگا دیتے تو؟"

"مجھے کچھ دنوں بعد صبر آ جاتا۔" فریدی نے انتہائی سنجیدگی سے کہا اور روزا کے علاوہ سب ہنس پڑے۔

گفتگو چونکہ اردو میں ہو رہی تھی اس لئے وہ بے تعلقانہ انداز میں الگ بیٹھی اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔

"اس سوال کا جواب سنجیدگی سے دیجئے۔" حمید دوسروں کے قہقہوں کی پرواہ نہ کرتے

ہوئے بولا۔

"سنجیدہ ترین جواب یہ ہے کہ تمہیں زندہ رہنا تو ہے نہیں۔ کبھی نہ کبھی مرنا ہی پڑے گا۔"

"اچھا تو یہی بتا دیجئے کہ ہم لوگ زندہ کیوں ہیں....؟"

"بے حیائی ہے تمہاری۔" فریدی بولا اور ایک بار پھر قہقہہ پڑا۔ لیکن حمید نے فریدی کو قسم کے موڈ میں پہلی بار دیکھا تھا۔ بہر حال اسے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ فریدی سب سامنے اس کے متعلق گفتگو کرنے سے احتراز کر رہا ہے۔

روزا بہت زیادہ پریشان نظر آنے لگی تھی۔ اس نے فریدی سے کہا۔ "بتاؤ میں کیا کر ڈیڈی خطرے میں ہیں۔"

نہ صرف حمید بلکہ انور اور قاسم بھی اس کی آواز سن کر چونک پڑے۔

"جب میری نظر ان لوگوں پر نہیں پڑ سکتی تو تمہیں مطمئن ہی رہنا چاہئے۔" فریدی کہا۔ "گھبراؤ نہیں.... سنگ ہی اس وقت تک ان کی حفاظت کرے گا جب تک کہ اپنے مقصد کامیاب نہ ہو جائے۔"

"اب حمید کو اچھی طرح یقین ہو گیا کہ وہ روزا شیپرڈ ہی ہے اور اپنے باپ کے لئے فکر مند ہے اس خیال سے اس کا دل باغ باغ ہو گیا کہ اب بھی ایک خوبصورت لڑکی اس کی ہم سفر ہو گی

اچانک اس نے طارق سے پوچھا۔

"کوٹی کی زیارت گاہ کہاں ہے؟"

"کیوں....؟" طارق اس کی طرف مڑا۔

"سنگ ہی اپنی پارٹی سمیت وہیں جانے کے لئے انتظامات کر رہا تھا۔"

"کوٹی کی زیارت گاہ۔" طارق اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بہت زیادہ پُر جوش نظر آ رہا تھا جلد ہی پھر پر سکون دکھائی دینے لگے۔ پھر آہستہ سے بیٹھتا ہوا بولا۔ "کیا؟ اس کا علم عام ط لوگوں کو تھا یعنی میرا مطلب ہے کہ ہوٹل والے اس سے واقف تھے؟"

"سب کو علم تھا.... اس نے کئی درجن بار بردار مہیا کئے تھے۔"

"تب تو ہر گز اُدھر نہیں جا سکتے۔" طارق نے کہا۔

"کیوں....؟"

"زیارت گاہ کے راستوں کی نگرانی شروع ہو جائے گی۔ فی الحال یہاں سے ان کا نکلنا ناممکن ہے۔"

کچھ دیر کے لئے پھر سکوت طاری ہو گیا۔ ہر شخص اپنے طور پر کچھ نہ کچھ سوچ رہا تھا۔

"کوٹی کی زیارت گاہ....!" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے طارق کے چہرے پر نظر جما کر ہا۔ "اس کی کیا اہمیت ہے؟"

"مشرقی اترائی میں ایک قدیم زیارت گاہ ہے۔ لوگ تفریحاً بھی وہاں جاتے ہیں لیکن اس کے دہی سے اُن خطرناک جنگلوں کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ جن کی طرف رخ کرنے کی بھی ہمت ہیں پڑتی۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر تک پھر خاموشی رہی۔

اچانک قاسم نے ایک انگڑائی لی اور بھرائی ہوئی آواز میں کچھ بڑبڑاتا ہوا روزا کو گھورنے لگا۔

"اب یہ ایک نیا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے۔" فریدی بولا۔ پھر اس نے حمید وغیرہ کو مخاطب کر کے ہا۔ "رات تمہیں اسی غار میں بسر کرنی پڑے گی۔"

"آپ لوگوں میں سے تو کسی نہ کسی کو یہاں ٹھہرنا ہی پڑے گا۔" حمید نے روزا کے چہرے پر ظر جمائے ہوئے کہا۔

"شش....!" اچانک فریدی نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ لی۔ غالباً یہ خاموش رہنے کا اشارہ تھا۔ وہ چند لمحے کچھ سنتا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "کوئی اِدھر آ رہا ہے۔" پھر اس نے ہاتھ کے مٹکے سے دونوں مومی شمعیں بجھا دیں۔

بقیہ لوگوں نے کسی قسم کی آہٹ نہیں سنی تھی۔

حمید نے اسے فریدی کی وحشت ہی سمجھا تھا۔

لیکن چند ہی لمحات کے بعد اسے اپنا خیال بدل دینا پڑا۔ وہ کئی قدموں کی آوازیں سن رہا تھا۔

لیکن چلنے والے بہت دور معلوم ہو رہے تھے۔ پھر آہٹیں آہستہ آہستہ قریب ہوتی گئیں۔

"خواہ وہ کوئی بھی ہوں ان تینوں کو چھپ جانا چاہئے۔" طارق نے کہا۔ "ادھر داہنی طرف یلہ کافی گہرا نشیب ہے.... جلدی کرو۔"

فریدی نے ٹارچ روشن کر لی اور قاسم، انور اور حمید نشیب میں اتر گئے۔ پھر فریدی نے مومی معیں دوبارہ روشن کر دیں۔

آنے والے شاید غار کے دہانہ پر رک گئے۔

پھر کسی نے باہر سے چیخ کر کچھ کہا.... جس کا جواب طارق نے اندر سے دیا۔ لیکن ب
فریدی کے لئے نئی تھی۔

تین آدمی غار میں داخل ہوئے۔ ان کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں اور یہ یہیں
باشندے معلوم ہوتے تھے۔

طارق کو دیکھ کر وہ ٹھٹک گئے۔

اور پھر فریدی نے محسوس کیا جیسے وہ اس سے خائف ہوں.... اس کا احترام
ہوں.... وہ تھوڑی دیر تک طارق سے گفتگو کرتے رہے پھر باہر نکل گئے۔

جب قدموں کی آوازیں بہت دور ہو گئیں تو طارق فریدی کی طرف مڑا۔

"وہ سنگ اور اس کے ساتھیوں کو تلاش کر رہے ہیں۔"

"لیکن.... آپ کے ساتھ ان کا رویہ....!"

"اوہ....!" طارق مسکرا کر اپنے نیولے کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ "یہ سب شکا کی
ہے.... یہاں کے مقامی باشندے اسے مقدس سمجھتے ہیں.... اور صرف ان کا مذہبی پیشوا
پال سکتا ہے.... میں نے انہیں بتایا کہ ہم مسافر ہیں اور سردی سے بچنے کے لئے ہم نے اس
پناہ لی ہے.... اس پر انہوں نے ہمارا میزبان بننے کی خواہش ظاہر کی مگر میں نے انکار کر دیا۔"

"مگر میں حمید وغیرہ کے لئے سوچ رہا ہوں.... انہیں کس طرح بچایا جائے.... سنگ
پارٹی میں ان کا بھی شمار ہوتا تھا۔"

"میک اپ....!" طارق بولا۔

"ہو سکتا ہے.... مگر قاسم ایک اچھا خاصا اشتہار ہے.... ہوٹل ہی میں وہ نظروں پر چڑھ گیا

"یہ مجھ پر چھوڑ دو.... جب تک شکا کی میرے شانے پر سوار ہے، متفکر ہونے کی ض
نہیں.... تم اسی وقت جا کر سرائے سے میک اپ کا سامان لے آؤ.... اور ہاں اپنے ساتھیو
کہہ دو کہ وہ جہاں ہیں فی الحال وہیں رہیں.... یہاں نہ آئیں.... ہو سکتا ہے کہ دوسری ٹولی
تلاش میں آ رہی ہو.... مگر نہیں.... ٹھہرو.... اگر راستے میں کسی سے مڈبھیڑ ہو گئی تو...

"اوہ....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "آپ میری فکر نہ کیجئے.... میں یہاں کی زبان نہیں

کیا ہوا.... گونگے دنیا کے ہر ملک اور ہر قوم میں پائے جاتے ہیں آپ کا یہاں موجود رہنا بہت
ضروری ہے۔"

پھر فریدی باہر جانے کے لئے اٹھا ہی تھا کہ دو تین آدمی بے تحاشا غار میں گھس آئے.... وہ
اس طرح ہانپ رہے تھے جیسے اب تک کوئی درندہ ان کا تعاقب کرتا رہا ہو۔

ان میں سے ایک نے ریوالور نکال کر فریدی وغیرہ کی طرف تان لیا اور ساتھ ہی اپنے
ہونٹوں پر انگلی رکھ لی۔

ریوالور نکالنے والا سنگ ہی تھا۔

فریدی نے بقیہ دو آدمیوں کو بھی پہچان لیا۔

ان میں سے ایک تو ڈاکٹر شیپرڈ تھا اور دوسرا بڑی مونچھوں والا بھاری بھرکم آدمی.... جو
سنگ ہی کے ساتھ مشرق ہی سے آیا تھا۔ اس کے کاندھے پر ریکھا غالباً بیہوش پڑی تھی۔

فریدی روزا کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا۔ اس نے اس کی طرف جھک کر آہستہ سے کہا۔
"خبردار.... تمہارا انداز بالکل بے تعلقانہ ہونا چاہئے۔"

شکار اور شکاری

طارق مقامی زبان میں کچھ بڑبڑانے لگا۔

"سنگ! ریوالور رکھ لو....!" ڈاکٹر شیپرڈ نے انگریزی میں کہا۔ "یہ لوگ بے ضرر قسم کے کسان
ہیں.... غالباً شب بسری کے لئے یہاں رکے ہیں، انہیں خوفزدہ کرنے کی بجائے اپنا مددگار بناؤ۔"

پھر اس نے آدھی اسپینی اور آدھی انگریزی میں طارق سے گفتگو کرنے کی کوشش کی۔

طارق بے دھڑک اسپینی بولنے لگا۔

یہ زبان فریدی بھی سمجھتا تھا۔

طارق نے کہا۔ "میں کوٹی کی زیارت گاہ کا ایک پجاری ہوں۔ میری طرف دشمن کی نگاہ سے
دیکھ کر زندہ نہ رہ سکو گے.... تم ہو کون؟"

"ہم مسافر ہیں۔" شیپرڈ بولا۔ "ہمارے چند دشمن ہمارے تعاقب میں ہیں ان سے بچنے کے
لئے ہم یہاں آ گئے ہیں.... ہم آپ کے دشمن نہیں.... ریوالور اس لئے نکالا گیا تھا کہ کہیں

آپ لوگ شور نہ مچادیں۔"

"اچھا یہ بات ہے۔" فریدی اسپینی میں بولا۔ "تم بالکل پریشان نہ ہو.... ابھی ابھی تین آدمیوں کو پناہ دی ہے۔ وہ بالکل گونگے ہیں۔ یا پھر ہم ان کی زبانیں نہیں سمجھ پاتے۔"

"کہاں ہیں....؟" ڈاکٹر شیپرڈ جلدی بولا۔

"ٹھہرو.... میں انہیں لاتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور نشیب میں اُتر گیا۔

اس کے جاتے ہی ڈاکٹر شیپرڈ نے گفتگو کا ماحصل سنگ ہی کو انگریزی میں بتادیا۔

طارق اس دوران میں انہیں اس طرح گھورتا رہا جیسے وہ دو عدد گونگے آدمیوں کو عجیب کی آوازیں نکالتے سن رہا ہو۔

"تم لوگ انگریزی سمجھتے ہو؟" دفعتاً ڈاکٹر نے طارق کی طرف مڑ کر اسپینی میں سوال کیا۔

طارق نے نفی میں سر ہلادیا۔

ڈاکٹر شیپرڈ کے چہرے پر مسرت کے آثار ابھر آئے۔ اس نے سنگ ہی سے انگریزی کہا۔ "قدرت مہربان معلوم ہوتی ہے.... اگر اس بوڑھے سے کسی طرح یہ نیولا حاصل جائے تو ساری مشکلیں آسان ہو جائیں۔"

"میں نہیں سمجھا...." سنگ ہی پلکیں جھپکاتا ہوا بولا۔

"یہ مقدس نیولا ہے.... اسے یہاں کے مذہبی پیشواؤں کے علاوہ اور کوئی نہیں پال سکتا بوڑھا بھی کوئی مذہبی پیشوا معلوم ہوتا ہے۔"

"لیکن مشکلیں کس طرح آسان ہوں گی۔"

"ہم میں سے کوئی ایک یہ نیولا اپنے ساتھ رکھے گا اور ہم بخیر و خوبی کوٹی کی زیارت گاہ پہنچ جائیں گے۔"

"محض اس نیولے کی وجہ سے۔" سنگ ہی نے تحیر آمیز انداز میں پوچھا۔

"ہاں.... ہم سب یہاں کے مقامی زائرین کی سی وضع اختیار کرلیں گے۔ ہم میں سے ایک مذہبی پیشوا بن جائے گا۔"

"خیال اچھا ہے....!" سنگ ہی سر ہلا کر رہ گیا۔

فریدی.... حمید، انور، قاسم کو ساتھ لے کر واپس آگیا۔

"آخاہ....!" سنگ ہی طنزیہ انداز میں مسکرا کر بولا۔ "آپ لوگ ہیں۔ مجھے توقع نہیں تھی دوبارہ ملاقات ہو سکے گی۔"

حمید نے اس پر ریوالور نکالنے کی بڑی اچھی ایکٹنگ کی حالانکہ اس کے پاس ریوالور نہیں تھا۔ لبن اس کا ہاتھ جیب میں جانے سے پہلے ہی سنگ ہی کا ریوالور نکل آیا۔

"ہرگز نہیں....!" وہ مسکرا کر بولا۔ "تم اب بھی میرے قبضے میں ہو۔"

حمید، انور اور قاسم نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھالئے۔

"میں نہیں سمجھا یہ کیا معاملہ ہے۔" طارق اسپینی زبان میں بڑبڑایا۔

"اوہ مقدس بزرگ....!" ڈاکٹر شیپرڈ بولا۔ "یہ ہمارے ادنیٰ غلام ہمارے مخالف ہو گئے ہیں۔ غض اس بات پر کہ ہم کوٹی کی عظیم روح سبوتا کی خدمت میں حاضری کیلئے جارہے ہیں۔"

"مگر تم آسمانی مذہب کے پیروکار معلوم ہوتے ہو۔"

"پھر کیا ہوا.... ہم سبوتا سے عقیدت رکھتے ہیں.... وہ سبوتا جو پتھروں کی خالق ہے.... س کی گود سے چشمے پھوٹتے ہیں.... جس نے آگ اگلنے والے پہاڑ پر اپنا سایہ ڈال کر ہمیشہ کے لئے ٹھنڈا کردیا.... جس نے آگ کے دیوتا جارس کو اس کے تخت سے کھینچ کر نیچے پھینک دیا ا.... ہم اس پر اسے بھینٹ چڑھائیں گے۔"

ڈاکٹر شیپرڈ نے بڑی مونچھوں والے آدمی کے کاندھے پر پڑی ہوئی بیہوش لڑکی کی طرف شارہ کیا۔

"کیا یہ سچ ہے....؟" طارق نے تالی بجا کر کہا اور آسمان کی طرف اپنے ہاتھ جوڑ لئے۔

"حقیقت ہے مقدس بزرگ....!" ڈاکٹر شیپرڈ نے کہا۔ "یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ بیمار ہنما ہمیں اس طرح غیر متوقع طور پر مل گیا۔"

"تمہارے دشمن ہمارے دشمن ہیں۔" فریدی بولا۔ پھر حمید وغیرہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ ان کے لئے جو کچھ کہو کیا جائے۔"

"ہم انہیں بھی سبوتا جیسی عظیم روح پر قربان کریں گے۔"

"واہ واہ....!" طارق نے اس بار تین مرتبہ تالی بجائی اور اپنے ہاتھ پہلے ہی کی طرح آسمان ل طرف اٹھا کر جوڑ لئے۔

فریدی نے انور، حمید اور قاسم کی ٹائیاں کھول کر ان کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے۔

"ہمارے ستارے پھر موافق معلوم ہوتے ہیں۔" سنگ ہی نے شیپرڈ سے انگریزی میں کہا۔

"اب تم لوگ آرام سے بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے ان لوگوں سے اسپینی میں کہا۔

"ہم تمہاری اچھی طرح حفاظت کریں گے۔" وہ سب بیٹھ گئے۔

بڑی مونچھوں والے نے لڑکی کو زمین پر لٹا دیا۔

"مگر...." ڈاکٹر شیپرڈ سنگ ہی کی طرف مڑ کر بولا۔ "مگر مجھے خوف ہے کہ کہیں یہ تینو انہیں ہمارے متعلق کچھ بتا نہ دیں۔"

"اوہ.... ناممکن....!" سنگ نے مسکرا کر کہا۔ "یہ لوگ اسپینی کے علاوہ شاید اور کوئی زبا نہیں سمجھ سکیں گے.... کیا خیال ہے؟"

"ہے تو ایسا ہی!" شیپرڈ سر ہلا کر بولا اور کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے طارق مخاطب کیا.... "مقدس بزرگ! ہم لوگ شاید آپ کی مقدس زیارت گاہ تک نہ پہنچ سکیں۔"

"کیوں؟ کس لئے؟" طارق نے حیرت سے کہا۔

"ان تینوں آدمیوں کی بدولت ہم پر ایک بہت بڑی مصیبت نازل ہوئی ہے۔"

"کیا ہوا....؟" طارق نے پُر وقار انداز میں آہستہ سے پوچھا۔

"ہم لوگ یہاں ایک ہوٹل میں مقیم تھے.... گانگلس ہوٹل.... ان تینوں نے اس لڑکی شراب پلا کر وہاں ہنگامہ برپا کرا دیا۔ اس پر یہاں کے لوگوں نے ہمارے آٹھ آدمی پکڑ لئے اور دو جان سے مار دیا.... ہوٹل والوں کو معلوم تھا کہ ہم کوٹی کی زیارت گاہ کی طرف جائیں گے... اب آپ جانتے ہیں کہ کیا ہوگا.... وہ لوگ تمام راستوں کی نگرانی شروع کر دیں گے.... آہ... شاید ہم زیارت سے محروم رہ جائیں۔"

"ہرگز نہیں....!" طارق جوش میں کھڑا ہو گیا۔ "کوٹی کی عظیم روح سبوتا اپنے بچوں کو مایوس نہیں کرے گی۔"

"کیا ہم سبوتا کے حضور میں حاضر ہو سکیں گے۔"

"ضرور.... قطعی....!"

"لیکن وہ لوگ ہمیں پہچانتے ہی قتل کر دیں گے۔"

"کوٹی کی عظیم روح انہیں اندھا کر دے گی۔" فریدی بولا۔ "تمہارے ساتھ مقدس لٹومی ہوں گے۔"

طارق کے چہرے پر نہ جانے کہاں کا تقدس پھٹ پڑا ہے۔ وہ سر ہلا کر بڑے شاہانہ انداز میں لگا۔ "میرے بچے شائد یہاں کے رسم و رواج سے واقف نہیں ہیں.... خصوصاً انہیں کوٹی عظیم روح کی خدمت میں حاضری دینے کا طریقہ نہیں معلوم....!"

"ہم نہیں سمجھے مقدس بزرگ....!" ڈاکٹر شیپرڈ سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"زائرین اپنے چہرے ڈھانک کر زیارت گاہ تک جاتے ہیں۔ صرف ان کی آنکھیں کھلی رہتی ہیں۔"

"مگر مقدس بزرگ.... وہ لوگ چہرے کھلوالیں گے۔"

"ہرگز نہیں....!" طارق پھر جوش میں آگیا۔ "تمہارے ساتھ سبوتا کا پجاری.... موگٹومی گا.... وہ ہرگز ایسا نہ کر سکیں گے.... تمہاری طرف اٹھے ہوئے ہاتھ خشک ہو جائیں گے۔"

"زندہ باد.... زندہ باد.... مقدس بزرگ زندہ باد....!"

سنگ ہی خاموش بیٹھا بیہوش ریکھا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر شیپرڈ سے انگریزی میں کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اب ہمیں بقیہ لوگوں کو بھی ڈھونڈنا چاہئے۔"

"ضرور ضرور....!" ڈاکٹر شیپرڈ بولا۔ "یہاں تو معاملات حیرت انگیز طور پر طے ہو رہے ہیں.... بوڑھا پجاری ہمیں زیارت گاہ تک پہنچانے کا ذمہ لیتا ہے.... میں نے اس سے کہا ہے کہ اس لڑکی کو سبوتا پر قربان کریں گے۔"

"اوہ.... تو کیا وہاں آدمیوں کی قربانی دی جاتی ہے؟" سنگ ہی بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"ہاں میرا خیال ہے کہ چوری چھپے اب بھی ایسا ہوتا ہے۔ ویسے یہاں اسپینیوں نے بڑے سخت قوانین بنا رکھے ہیں۔"

"تو اسے یقیناً خوشی ہوئی ہوگی۔"

"بہت زیادہ.... اچھا اب ہمیں اٹھنا چاہئے۔" ڈاکٹر شیپرڈ نے کہا۔ "لڑکی اور تینوں سوروں کو یہیں چھوڑتے ہیں۔"

"لبے.... تو خود سور....!" قاسم غرا کر بولا۔ اس نے لفظ "لبے" اردو میں کہا تھا اور بقیہ الفاظ انگریزی میں۔

"چپ چپ" حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔"اس وقت ان کے ستارے عروج پر ہیں۔ خاموش رہو۔ بولنے کی ضرورت نہیں۔ ویسے میں جانتا ہوں کہ ڈاکٹر شیپرڈ کی بارات کیسے چڑھے گی"

"یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟" طارق نے ڈاکٹر شیپرڈ سے اسپینی میں پوچھا۔

"اوہ.... یہ مردود....!" ڈاکٹر نے دانت پیس کر کہا۔"آپ کو اور آپ کے ساتھیو گالیاں دے رہے ہیں۔"

"اوہ.... اچھا....!" طارق مسکرا کر بولا۔"فکر نہ کرو.... قربان گاہ کے عظیم تیغے ا زبان پاک کردیں گے.... کوٹی کی عظیم روح سب کچھ سن رہی ہے.... سب دیکھ رہی ہے۔"

"اچھا مقدس بزرگ! ہم یہ قربانیاں آپ کی خدمت میں پیش کر کے اپنے بقیہ ساتھیو تلاش میں جارہے ہیں۔"

"کب تک واپس آجاؤ گے؟" طارق نے مشفقانہ لہجے میں پوچھا۔

"صبح سے پہلے ہی۔"

"کوٹی کی عظیم روح تمہاری حفاظت کرے.... اگر کہو تو میں تمہارے ہمراہ چلوں۔"

"آہ.... بہت بڑا احسان.... مقدس موگٹومی.... تمہارے پاؤں ہماری گردنوں پر ہ گے.... اے عظیم روح کے عظیم بیٹے۔"

"اچھا تو.... اپنے کمبلوں سے اپنا لباس اچھی طرح ڈھانک لو.... چہرہ چھپاؤ.... کوٹی عظیم روح تمہاری مدد کرے گی۔"

طارق کھڑا ہو گیا۔ نیولا پھر اس کے کاندھے پر سوار ہو گیا تھا۔

پھر تینوں طارق کے ساتھ باہر نکل گئے۔

ریکھا اب بھی بیہوش پڑی تھی۔ ان کے جاتے ہی سب سے پہلے روزا بولی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"اب تو بالکل ٹھیک ہو رہا ہے ننھی بچی۔" فریدی اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔"اب اس طر میں فریب سے تمہارے باپ کی نگرانی کر سکوں گا۔"

"لیکن یہ کھیل یہیں کیوں نہیں ختم کر دیتے۔ اس سے طوق چھین لو۔"

"نہیں.... اب میں نے اسکیم بدل دی ہے۔ ایڈونچر میری سب سے بڑی تفریح ہے اور؟

ایڈونچر جس میں قدم قدم پر موت سے ملاقات ہو جانے کے امکانات ہوں۔ ہاں اگر تم چاہو تو تمہیں نیویارک واپس بھجوا سکتا ہوں۔"

"نہیں.... میں واپس نہیں جاؤں گی۔"

حمید ایک لمبی آہ بھر کر رہ گیا۔ پھر اس نے قاسم سے کہا۔"تم بھی تو ذرا ایک آہ بھرنا پیارے۔"

فریدی اسے گھورنے لگا۔ لیکن اس نے کچھ کہا نہیں۔ انور بدستور خاموش بیٹھا رہا۔

"لیکن حضور!" حمید نے فریدی سے کہا۔"ہم کب تک اس طرح بیٹھے رہیں گے۔"

"صبح تک....!" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"ہائے.... میرے تو ہاتھ ٹوٹے جارہے ہیں۔" قاسم کراہ کر زنانہ لہجے میں بولا اور اس پر کو بھی ہنسی آگئی۔

"آپ نے تو کہا تھا کہ میں صرف طوق حاصل کرنا چاہتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"قطعی.... میرا اب بھی یہی خیال ہے۔" فریدی بولا۔

"تو پھر! سنگ ہی اب قریب قریب آپ کے قبضے میں ہے اور میرا دعویٰ ہے کہ وہ طوق اس گلے میں پڑا ہوا ہے۔"

"میں جانتا ہوں لیکن طارق خزانے کے لئے مصر ہے۔"

"لیکن میں طارق کے لئے اپنی گردن نہیں کٹوا سکتا۔"

"تم سب اگر واپس جانا چاہو تو جا سکتے ہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اچھا دیکھو شاید وہ ہوش آرہی ہے۔ خاموش رہو لیکن اسے صحیح حالات کا علم نہ ہونا چاہئے۔ کیا سچ مچ تم نے اسے ب پلائی تھی؟"

"ہرگز نہیں! یہ سو فیصدی جھوٹ ہے۔" حمید بولا۔

ریکھا کا جسم حرکت کر رہا تھا اور پھر وہ یک بیک اٹھ بیٹھی۔ سب سے پہلے اس کی نظر حمید پر پڑی۔

"آپ....!" اس کے ہونٹ کانپ کر رہ گئے۔

"ہاں ریکھا....! سنگ ہی نے ہمیں دوبارہ پکڑ لیا ہے، لیکن وہ اب خود بھی خطرے میں ہے۔ ی پارٹی کے دو آدمی مارے گئے اور آٹھ پکڑ لئے گئے۔ سنگ تمہیں کسی نہ کسی طرح نکال لایا۔"

"بہت برا ہوا۔" ریکھا چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی اور فریدی پر نظر پڑتے ہی یک بیک

چونک کر حمید سے پوچھا۔ "وہ سب کہاں ہیں.... اور ہم۔"

"ہم تو اس غار میں ہیں۔" قاسم بول پڑا۔ "اور وہ سالے جھک مارنے گئے ہیں۔"

فریدی ریکھا کو بہت دلچسپی اور توجہ سے دیکھ رہا تھا۔

فریدی کے علاوہ اور سب پر غنودگی کا حملہ ہو چکا تھا۔

صبح ہونے سے قبل ہی طارق واپس آ گیا۔ اس نے یہ اطلاع دی کہ اب تک سنگ ہی صرف دس آدمی مل سکے ہیں۔ پانچ اب بھی غائب ہیں۔

"ایک اور بات بھی قابل غور ہے۔" فریدی نے کہا۔ "کیا سنگ کے سارے آدمیوں کو اس مہم کے مقصد کا علم ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ نہیں۔" حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور سوتی ہوئی ریکھا کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ "یہ جانتی ہے! ڈاکٹر شیپرڈ جانتا ہے اور وہ بڑی مونچھوں والا جو حقیقتاً سیلر کلب کا مالک ہے جسے لوگ عام طور پر کلب کا مالک سمجھتے ہیں وہ اصل میں کلب کا منیجر تھا۔"

"مجھے علم ہے.... نریش ہی کلب کا مالک ہے۔"

"ہاں تو یہی تین ہستیاں اس راز سے واقف ہیں۔"

"ان لوگوں کی روانگی کب ہو گی؟" فریدی نے طارق سے پوچھا۔

"آج.... میں نے سارے انتظامات مکمل کر لئے ہیں۔" طارق نے کہا اور اپنے نیولے کی پشت پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

روانگی

دوسرے دن وہ سب غار ہی میں چھپے رہے اور طارق روانگی کے انتظامات مکمل کرتا رہا۔

سنگ ہی کے بقیہ پانچ آدمیوں کا پتہ نہ چل سکا۔ صرف دس آدمی اس کے ساتھیوں میں سے رہ گئے تھے۔ چار وہ خود تھے۔ ڈاکٹر شیپرڈ، نریش، ریکھا اور سنگ ہی۔

حمید، انور اور قاسم کی حیثیت قیدیوں کی سی تھی۔ لیکن اب ان کے ہاتھ کھول دیئے گئے تھے اور یہ فرض کر لیا گیا تھا کہ ایسے حالات میں وہ خود ہی بھاگنے کی ہمت نہ کر سکیں گے۔

ریکھا بالکل دم بخود تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ جاگتے میں بھی سو رہی ہو۔ سنگ ہی سے

اس کی حرکت کے بارے میں استفسار بھی کیا، لیکن ریکھا اس کے علاوہ اور کوئی جواب نہ دے سکی کہ اسے اس کے متعلق کچھ یاد ہی نہیں۔

سنگ ہی نے پھر مزید سوالات نہیں کئے اور اس کے ساتھ اس کا رویہ بھی بڑا اچھا رہا۔

شام تک طارق نے سارے انتظامات مکمل کر لئے۔ بار برداری کے لئے جانور اور آدمی بہ آسانی مل گئے۔ قاسم لاموں[1] کو دیکھ کر بہت ہنسا۔ نہ جانے کیوں وہ اسے مضحکہ خیز معلوم ہو رہے تھے۔

تیسری صبح وہ وہاں سے کوٹی کی زیارت گاہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ ان سب نے اون کے لمبے لبادے پہن رکھے تھے اور ان کے چہرے آنکھوں تک ڈھکے ہوئے تھے۔

طارق سب سے آگے تھا اور صرف اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔

بیس آدمیوں کا یہ قافلہ چکر دار راستوں سے کیتو کے نشیب میں اتر رہا تھا۔

سفید بادلوں کے ٹکڑے کبھی ان کے سروں پر سایہ ڈالتے.... اور کبھی آفتاب چمکنے لگتا۔ جب دھوپ ہو جانے کے باوجود بھی انہیں اپنے چاروں طرف دھند ہی دھند نظر آتی۔

طارق جو جنوبی امریکہ کا بہت پرانا سیاح تھا انہیں ایک ایسے راستے سے لے جا رہا تھا جو صرف کوٹی کے خاص پجاریوں کے لئے وقف تھا۔ لیکن انہیں وہاں بھی جگہ جگہ حکومت کے مسلح سپاہیوں سے ٹکرانا پڑا۔ خیریت یہ ہوئی کہ ابھی تک انہیں کوئی ایسی ٹولی نہیں ملی تھی جس میں کوئی یوروپین بھی ہوتا۔ یہ سب یہاں کے قدیم باشندے ہی تھے اس لئے طارق کا نیولا کافی بااثر ثابت ہوا، اور کسی نے طارق کے پیچھے چلتے ہوئے قافلے کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ وہ سب اسے دیکھ کر احتراماً اپنی گردنیں ہی جھکاتے رہے.... روزا کا ہاتھ فریدی کے ہاتھ میں تھا.... اور حمید کے سینے پر سانپ لوٹ رہے تھے۔

"تھک گئی ہو گی بیچاری....!" قاسم نے روزا کی طرف دیکھ کر حمید سے کہا۔

"لدوا دوں تمہارے اوپر....؟" حمید بولا۔

"ارے واہ....!" قاسم ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

"اچھا میں کوشش کروں گا۔"

"نن.... نہیں....!"

---

[1] لاما.... بار برداری کے کام آنے والا ایک جانور جو اونٹ سے کچھ چھوٹا اور لمبی گردن والا ہوتا ہے۔ اونٹ سے وہ صرف اس لئے مختلف ہے کہ اس کے کوہان نہیں ہوتا۔

دوسری طرف روزا فریدی سے کہہ رہی تھی۔ "شاید ڈیڈی کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے۔"

"نہیں! ایسا تو نہیں ہے۔"

"آخر اس سفر کا انجام کیا ہوگا؟"

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا.... جب تھک جاؤ تو بتا دینا۔"

"تو اس سے کیا ہوگا.... سب ہی پیدل چل رہے ہیں۔"

"نہیں تمہارے لئے انتظام ہو جائے گا۔"

"میں لاما پر تو ہرگز نہ بیٹھوں گی.... وہ لڑکی بیچاری شاید تھک گئی ہے۔" روزا نے ریکھا کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ لڑکی۔ اس نے مجھے عرصہ سے الجھن میں مبتلا کر رکھا ہے۔"

"کیوں....؟" روزا چونک کر فریدی کو گھورنے لگی۔

"میں ابھی تک سنگ کی پارٹی میں اس کی موجودگی کا مقصد نہیں سمجھ سکا۔"

"تم کبھی نہیں سمجھ سکو گے۔" روزا آہستہ سے بولی۔

"کیوں....؟"

"کیونکہ یہ ایک لڑکی کا معاملہ ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ دفعتاً وہ بہت زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگا تھا۔ روزا نے اس کی طرف دیکھ پھر اور کچھ کہنے کی ہمت نہ کر سکی۔ وہ ان تھوڑے ہی دنوں میں فریدی کی فطرت سے اچھی طر واقف ہو گئی تھی۔

فریدی کچھ دیر بعد بولا۔ "تمہیں اس لڑکی کے حالات کا علم نہیں۔ بہت عرصے کی بات۔ کہ یہ ایک کافی دولت مند آدمی کی سیکریٹری تھی۔ چند خطرناک آدمیوں نے اسی کے ہاتھوں اُ زہر دلوا دیا اور پھر انہوں نے کچھ ایسے حالات پیدا کئے کہ پولیس اس پر شبہ بھی نہ کر سکی.... میں اس لڑکی کو ان لوگوں کا غلام بننا پڑا.... اور وہ اس سے ذلیل سے ذلیل کام لینے لگے۔ پھر سنگ ہی کے آدمیوں کے ہتھے چڑھ گئی.... لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا ہوا کیوں؟ سنگ کے ساتھیوں کو اسے حاصل کرنے کے سلسلے میں کافی کشت وخون کا سامنا کرنا پڑا تھا۔"

"عورتوں کے لئے پورے پورے ملک تباہ ہو گئے ہیں۔" روزا مسکرا کر بولی۔

"تم پر رومان بُری طرح سوار ہے۔"

"میں نے ہمیشہ بڑے شاندار خواب دیکھے ہیں۔"

"بُری بات ہے.... جب یہ خواب حقیقتوں سے ٹکرا کر ٹوٹتے ہیں تو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔"

"تمہیں اس کا تجربہ ہے؟"

"میں نے یہ تو نہیں کہا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں نے کبھی خواب نہیں دیکھے۔"

"میں کہتی ہوں.... یہ بہت بُری بات ہے.... اگر آدمی ان خوابوں سے بھی محروم ائے تو پھر زندگی میں رہ ہی کیا جائے گا۔"

"کیا خواب تمہیں سچی مسرت بخشتے ہیں؟"

"میں سچی اور جھوٹی کے چکر میں نہیں پڑتی۔ لیکن مجھے خوابوں سے بڑا سکون ملتا ہے۔"

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ کسی بات پر حمید اور قاسم لڑ پڑے۔ قاسم اس پر جھلا کر جھپٹا ہی ہ اچھل کر بھاگا۔

"خبردار گولی مار دوں گا۔" سنگ ہی چیخ کر بولا اور پھر وہ سب ایک جگہ اکٹھا ہو گئے۔

فریدی قہر آلود نظروں سے حمید کو گھور رہا تھا۔

"میں انہیں ٹھکانے ہی کیوں نہ لگا دوں۔" سنگ ہی نے ڈاکٹر شیپرڈ سے کہا۔

"ہرگز نہیں.... تم انہیں کوٹی کی قربانی کے لئے وقف کر چکے ہو.... اگر تم نے اس کا ارادہ ظاہر کیا تو معاملات قابو سے باہر ہو جائیں گے۔"

"یہ اپنی شرارتوں سے باز نہیں آئیں گے۔"

"اوہ.... تو انہیں یہاں تک لانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ میں نے تو وہیں کہا تھا۔"

وہ پھر چلنے لگے۔

اس بار حمید قاسم کا ساتھ چھوڑ کر آگے بڑھ گیا تھا۔

سنگ ہی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر ڈاکٹر شیپرڈ سے بولا۔ "میں نے یہ جھنجھٹ محض اسی ا تھی کہ فریدی کھل کر سامنے آجائے۔ مگر ابھی تک تو اس سے مڈبھیڑ نہیں ہوئی۔"

"میرا خیال ہے کہ شاید وہ ادھر آنے کی ہمت ہی نہ کر سکے۔" ڈاکٹر شیپرڈ بولا۔

"خام خیالی ہے.... میں ہر ہر سیکنڈ اس کا منتظر ہوں۔"

"یہاں شاید وہ کامیاب نہ ہو سکے۔" ڈاکٹر شیپرڈ نے کہا۔

سنگ ہی کچھ نہ بولا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئی تھیں۔

"سنو ڈاکٹر....!" اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "میں نے اپنی زندگی میں کبھی اتنا نہیں سوچا۔"

"کس چیز کے متعلق۔"

"فریدی! میرے سینے میں دل کی جگہ پتھر کا ٹکڑا ہے.... لیکن.... لیکن" سنگ ہی یک خاموش ہو گیا۔

"تم کچھ کہہ رہے تھے۔" ڈاکٹر شیپرڈ نے تھوڑی دیر بعد اسے ٹوکا۔

"میں تمہیں ایک رات کا واقعہ سناؤں.... میرے آدمیوں نے فریدی پر حملہ کیا وہ تو لیکن ایک کو جان سے مار کر صاف نکل گیا اور اسی آدمی کی لاش سے وہ میرے ٹھکانے پہنچا.... اگر میں پہلے ہی سے ہوشیار نہ ہو گیا ہوتا تو....!"

سنگ ہی نے ریکھا کے اغواء کے واقعات دہرائے اور پھر بولا۔ "مجھے یقین تھا کہ فریدی نہ کوئی چال ضرور چلے گا لہٰذا میں نے وہی کیا جس کی وہ توقع رکھتا تھا۔ اسے بھی یقین تھا کہ کوئی نہ کوئی آدمی مجھے اس واقعے کی اطلاع ضرور دے گا۔ لہٰذا میں نے پہلے ہی سے ساری ا مرتب کر لی۔ میرے ایک آدمی نے لڑکال جنگل کا رخ کیا اور فریدی اس کا تعاقب کرنے لگا۔ اس وقت بھی وہ تنہا ہی تھا لیکن جانتے ہو کیا ہوا؟ اس نے میرے آٹھ آدمی ختم کر دیئے۔ پورے آٹھ.... اور ایک واقعہ تو خود تمہاری نظروں سے بھی گذر چکا ہے.... اس نے کتنی صا سے اپنی گردن بچالی.... حالانکہ تمہیں پورا یقین تھا کہ وہ دام میں آگیا ہے.... آخر تمہاری نے روزا شیپرڈ کے نام سے خط و کتاب کیوں کی تھی؟"

"اسے اصل واقعات کا علم نہیں تھا۔"

"لیکن تم تو مقصد سے واقف تھے۔"

"اگر میں کسی دوسرے نام سے خط و کتابت کرنے کی ترغیب دیتا تو وہ اس کا مقصد ضرور پوچھتی۔ خیر جو ہوا سو ہوا۔ مجھے اب بھی بہتر حالات کی توقع نہیں۔ جب تک فریدی قابو میں آجائے.... ہمیں مطمئن نہ ہونا چاہئے۔"

"چھوڑو.... ہٹاؤ.... میں بلاوجہ الجھن میں نہیں پڑتا۔" ڈاکٹر شیپرڈ ہاتھ ہلا کر بولا۔

وہ دونوں طارق کے پیچھے تھے۔ طارق ان کی گفتگو صاف سن رہا تھا۔ لیکن اس نے ایک بار بھی مڑ کر ان کی طرف نہیں دیکھا۔ اس کے چلنے کا انداز بالکل ایک گونگے اور بہرے آدمی کا سا تھا۔

فریدی اور روزا قافلے کے پیچھے تھے۔ آخری آدمیوں سے ان کا فاصلہ کم از کم سو گز ضرور ہو گا۔

سفید بادلوں کے پرے کے پرے شمال کی طرف اڑے جا رہے تھے۔ کبھی وہ نیلی چوٹیوں والے سربفلک درختوں کے درمیان سے گذرتے ہوئے معلوم ہوتے اور کبھی ایسا لگتا جیسے وہ ان چوٹیوں سے الجھ کر رک گئے ہوں۔ اس وقت ہلکی سی خنکی بہت خوشگوار معلوم ہو رہی تھی۔

فریدی بہت زیادہ محتاط نظر آرہا تھا۔ اس نے تقریباً پانچ یا چھ گھنٹے سے اپنے مخصوص سگار نہیں پئے تھے لیکن اس کے باوجود بھی کوئی اس کی ظاہر حالت سے یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس کے ذہن پر تمباکو کے نشے کی طلب مسلط ہے۔

"میں واقعی تھک گئی ہوں۔" اچانک روزا نے کراہ کر کہا۔

"اچھا میں انتظار کرتا ہوں۔"

"کیا انتظار کرو گے.... میں لاما پر ہرگز نہیں بیٹھوں گی۔"

"میں تمہارے لئے ہاتھی مہیا کروں گا.... وہ دیو کا بچہ دیکھا ہے نا تم نے! تم اس کی پیٹھ پر سفر کرو گی۔"

"کیا....؟ نہیں ہرگز نہیں۔"

"تو پھر، ناؤ کیا کروں....!" فریدی جھنجھلا گیا۔ "میں نے تو کہا تھا کہ واپس چلی جاؤ۔"

"خفا کیوں ہوتے ہو.... اب نہ کہوں گی کہ تھک گئی ہوں۔"

"آؤ....!" فریدی زمین پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "لدو میرے ہی اوپر لدو۔"

"نہیں ٹھیک ہے.... میں چل تو رہی ہوں۔"

"چلو! ورنہ گردن مروڑ کر کسی کھڈ میں پھینک دوں گا۔" فریدی نے آنکھیں نکال کر کہا اور روزا سچ مچ کانپ گئی۔ تعمیل کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہ تھا۔

"ڈر گئیں....؟" فریدی نے اسے اپنی پشت پر سنبھال کر اٹھتے ہوئے قہقہہ لگایا۔

"دیکھو.... فریدی ڈیئر یہ کتنا بُرا معلوم ہوتا ہے.... نہیں مجھے نیچے اُتار دو۔"

"تم اس وقت لڑکی نہیں بلکہ لڑکے ہو.... ڈمبولڈی کے چھوٹے بھائی پنگ پانگٹی ہو۔"

روزا ہنسنے لگی۔

کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "اس طرح تم بھی تھک جاؤ گے۔"

"میں تین دن تک تمہیں اسی طرح اٹھائے ہوئے چل سکتا ہوں۔"

"صرف مجھے یا کوئی بھی ہو؟" روزا نے پوچھا۔

"کوئی بھی ہو! خواہ اس کا وزن تم سے دوگنا ہو۔"

روزا کو شاید اس جواب سے مایوسی ہوئی تھی۔ کیونکہ دوسرے ہی لمحے میں اس نے ا طویل سانس لی۔

اتفاقاً حمید نے پلٹ کر ان کی طرف دیکھا اور بُرا سا منہ بنائے ہوئے پھر قاسم کے سا ساتھ چلنے لگا۔

"دیکھا فرزند....!" اس نے قاسم سے کہا۔ "ذرا پیچھے دیکھو۔"

قاسم نے پلٹ کر دیکھا اور ہنسنے لگا۔

شام ہوتے ہی طارق نے ایک کافی کشادہ غار ڈھونڈ لیا.... پورا قافلہ اس میں بہ آسانی رات گذار سکتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے طارق اس سرزمین کے چپے چپے سے واقف ہو۔

غار کے باہر جگہ جگہ الاؤ جل رہے تھے حالانکہ آسمان بادلوں سے ٹھکا ہوا تھا لیکن پھر بھی گھپ تاریکی نہیں تھی۔ بادلوں کے پیش منظر میں دور کے پہاڑوں کی چوٹیاں صاف نظر آ رہی تھیں۔

طارق، سنگ ہی اور ڈاکٹر شیپرڈ غار کے دہانے پر بیٹھے دن بھر کی تھکن دور کر رہے تھے۔

"اب ہمیں کتنا اور چلنا پڑے گا۔" ڈاکٹر شیپرڈ نے اسپینی میں پوچھا۔

"کل شام تک....!" طارق ایک طرف اپنا داہنا ہاتھ پھیلا کر بولا۔ "عظیم سبوتا کا مسکن.... ہلالی شکل کی دو چوٹیاں دیکھ رہے ہو.... یہ مقدس ہلال سبوتا کا مسکن ہے.... کوئی کی عظیم روح تم سفید فام آدمیوں پر مہربان ہو گئی ہے۔ تم جو اس کی تکذیب کرتے ہو۔"

"ہرگز نہیں.... مقدس بزرگ ہم اس کے عقیدت مندوں میں سے ہیں۔"

"میں خاص طور پر تمہیں نہیں کہہ رہا ہوں۔" طارق مسکرا کر بولا۔ "تمہارے پہلے حملہ آور فرانسسکو ہزارو کو اندھیری رات میں کس نے راستہ دکھایا تھا کوٹی کی عظیم روح اپنے قدیم پرستاروں سے ناخوش ہو گئی تھی اس نے تم سفید آدمیوں کے ہاتھوں انہیں ذلت بخشی۔ ہزارو کی

میں جب رات کے اندھیرے میں بھٹک رہی تھیں تو تم جانتے ہو کیا ہوا تھا؟"

"ہم نہیں جانتے مقدس بزرگ۔"

طارق کے لہجے میں اس وقت عجیب قسم کی عظمت پیدا ہو گئی تھی۔

ڈاکٹر شیپرڈ جو اسپینی سمجھتا تھا لیکن زبان کے لہجوں پر قادر نہیں تھا کچھ اس طرح مرعوب نظر ہا تھا جیسے وہ اس کے سامنے ایک ننھا سا بچہ ہو۔

فضا پر ہلکا سرمئی غبار سا طاری تھا۔ فلک بوس چوٹیاں سکوت میں ڈوبی کھڑی تھیں اور اس اسرار سناٹے میں طارق پانچ سو سالہ پرانی داستان دہرا رہا تھا۔ ڈاکٹر شیپرڈ کو ایسا محسوس ہو رہا تھا ے طارق بھی اسی زمانے کی کوئی بھٹکی ہوئی روح ہو.... ایسی روح.... جو صدہا سال تک ان وت میں ڈوبے ہوئے پہاڑوں کے گرد منڈلاتے رہنے کے بعد پہلی بار بولی ہو۔

ڈاکٹر شیپرڈ کی نظر اچانک ان چوٹیوں کی سمت اٹھ گئی جن کی طرف طارق نے اشارہ کیا تھا۔ نہ نے کیوں اسے محسوس ہوا جیسے وہ ہلالی شکل کی چوٹیاں اپنے پس منظر سے الگ ہو گئی ہوں۔

طارق کہہ رہا تھا۔

"پھر ان مقدس چوٹیوں سے ایک چیخ بلند ہوئی.... ایک روشنی پھوٹی اور انکا قوم کی سرزمین تباہی نازل ہو گئی.... اس روشنی میں رات ننگی ہو گئی تھی.... حملہ آور آگے بڑھتے گئے.... ن چاروں طرف خون ہی خون تھا.... پھر ایک وبا آئی.... سبوتا کے ستاروں کے جسموں پر ے بڑے آبلے پڑنے لگے جن سے زرد رنگ کا پانی بہتا تھا.... پھر وہ خوفناک پرندے جن کے ے کے پرے شمال کی طرف سے آ رہے تھے.... انہوں نے لاشوں کی طرف رخ بھی نہ ا.... زندہ آدمیوں کی بوٹیاں نوچنے لگے.... مگر سبوتا کا مسکن جیسا تھا ویسا ہی رہا.... میں ہیں آگاہ کرتا ہوں کہ ایک دن پھر ان ہلالی چوٹیوں سے روشنی پھوٹے گی.... رات ننگی جائے گی.... اور اس دن انکا کسانوں کے ہاتھ میں سفید فاموں کے سر ہوں گے.... ایسے ر.... جن سے ایک ایک بوند کر کے خون ٹپک رہا ہو گا۔"

طارق خاموش ہو گیا۔

ڈاکٹر شیپرڈ کو اپنی سانسیں رکتی ہوئی سی معلوم ہونے لگیں۔ اس کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ نگ ہی نے اسے مخاطب کرنے کی کوشش بھی کی لیکن.... ڈاکٹر شیپرڈ کے منہ سے آواز تک نہ

نکل سکی۔

رائفل اڑ گئی

دوسری شام وہ کوٹی زیارت گاہ تک پہنچ گئے۔

یہ پتھروں کی ایک چھوٹی سی ٹوٹی پھوٹی عمارت تھی۔ کچھ حصوں پر اب بھی چھتیر تھیں۔ اس عمارت میں کل نو آدمی تھے جن کی وضع قطع طارق سے ملتی جلتی تھی۔ یہ سب کے مندر کے پجاری تھے۔

طارق کو انہوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا لیکن اس کے ہمراہ غیر ملکیوں کو دیکھ کر انہوں نے ظاہر کی۔ طارق نے انہیں سمجھایا کہ وہ سبوتا کے عقیدت مند ہیں۔ اس کے باوجود بھ ملکیوں کو عمارت کی چھتوں کے نیچے پناہ نہیں دی گئی۔ انہیں باہر ہی ایک غار میں قیام کرنا پڑا

یہ بات فریدی کو پسند نہیں آئی۔ وہ ان لوگوں کو ایک سیکنڈ کے لئے بھی نظروں سے او نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔

"اب کیا کہتے ہو؟" طارق نے فریدی سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ رات ہی سے آگے بڑھ جانے کی کوشش کریں گے لیکن انہیں ایک دشواری کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان کا کوئی آدمی بھی مقامی زبانوں سے واقف نہیں برداروں کے بغیر یہ سفر کرنے سے رہے۔ صرف تحریر کے سہارے سفر جاری رکھنا ان کے سے باہر ہوگا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بار بردار آگے جانے پر رضامند ہوں گے ؟ نہیں۔ کیونکہ وہ ان کی زبان نہیں سمجھ سکیں گے۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" طارق نے پوچھا۔

"یہی کہ اگر ہم یہ سفر ساتھ ہی جاری رکھیں تو کیا حرج ہے؟"

"بھلا یہ کس طرح ممکن ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ ہم کو صرف یہیں تک آنا تھا۔"

"ہو سکتا ہے.... ابھی میں نے جن دشواریوں کا تذکرہ کیا ہے اس کا احساس انہیں ہوگا.... پوری پارٹی میں صرف آپ ہی ایک ایسے آدمی ہیں جو مقامی زبانوں سے واقف ہیں۔"

"پھر....؟"

"ٹھہریئے بتاتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور اِدھر اُدھر دیکھ کر ایک سگار سلگا لیا.... اس نے دن سے سگار نہیں پیا تھا۔ دو تین گہرے کش لینے کے بعد وہ طارق سے آہستہ آہستہ کچھ کہنے پھر شاید پندرہ بیس منٹ تک ان میں ردوقدح ہوتی رہی اس کے بعد طارق ہنستا ہوا اس غار کی ف چلا گیا جہاں سنگ ہی وغیرہ مقیم تھے۔

طارق کو غار میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ سب بوکھلا گئے۔ شاید وہ وہاں سے نکل جانے ہی کے لق گفتگو کر رہے تھے۔

طارق انہیں چند لمحے گھورتا رہا پھر یک بیک مقامی زبان میں برسنے لگا۔ بار بردار قلی غار کے رہے اور سنگ ہی کے ساتھیوں میں سے کوئی بھی اس زبان کو نہیں سمجھتا تھا.... وہ سب متحیر خوف زدہ نظروں سے طارق کی طرف دیکھتے رہے۔

طارق ایک لمحے کے لئے رکا ہی تھا کہ ڈاکٹر شیپرڈ نے ڈرتے ڈرتے اسپینی میں کہا۔ "مقدس رگ.... ہم یہ زبان نہیں سمجھ سکتے۔"

"تو میں تمہیں سمجھاتا ہوں....!" طارق بھی اسپینی ہی میں گرجا۔ "تم لوگ جھوٹے ہو۔"

ڈاکٹر شیپرڈ سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔

"میں نہیں سمجھا مقدس بزرگ....!"

"تم ہرگز اس لڑکی کو قربان نہیں کرو گے.... تم نے جھوٹ کہا تھا۔"

"نن.... نہیں.... قربان کریں گے۔" ڈاکٹر شیپرڈ ہکلایا۔

"میں اب مزید جھوٹ نہیں سننا چاہتا۔" طارق نے اپنے نیولے کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ئے کہا۔ "ابھی ابھی مراقبے میں میں نے سبوتا کے ہرکارے سیوبام سے گفتگو کی ہے۔ وہ غلط ریں نہیں دیتا.... اس نے بتایا ہے کہ تم ان تینوں قیدیوں کو قربانی کے لئے پیش کر کے لڑکی کو اف بچا لے جانے کی کوشش کرو گے۔"

ڈاکٹر شیپرڈ کی ہکلاہٹ کا سلسلہ جاری رہتا اگر سنگ ہی اسے اپنی طرف مخاطب نہ کر لیتا۔

"کیا کہہ رہا ہے؟" سنگ ہی نے پوچھا۔

ڈاکٹر شیپرڈ نے ساری بات دہرا دی۔

"اس زیارت گاہ میں کل کتنے آدمی ہوں گے؟"

"میں نہیں جانتا۔" ڈاکٹر شیپرڈ نے کہا۔

"ہوں گے.... جتنے بھی ہوں.... ہمارے پاس کافی اسلحہ ہے ہم سمجھ لیں گے یہ کہ جادوگر ہوتے ہیں۔ اگر انہیں یہاں ہمارے آنے کا مقصد معلوم ہو گیا تو مصیبت ہی آجائے"

"تو پھر میں کیا کروں؟" ڈاکٹر شیپرڈ نے بے بسی سے کہا۔

"اسے تھوڑی دیر کے لئے ٹال دو.... میں سارا انتظام کئے لیتا ہوں۔"

ڈاکٹر شیپرڈ نے طارق کی طرف دیکھا جو ایک ٹانگ پر کھڑا کچھ بدبدا رہا تھا۔

"مجھے بتاؤ کہ تم نے اپنے ساتھی سے کیا گفتگو کی ہے۔" طارق نے غرا کر کہا۔ "جھوٹ کہنا.... اس وقت بھی سیوتا کے ہرکارے سیلوبام کی روح میرے ساتھ ہے۔"

"وہ کہہ رہا ہے کہ مقدس بزرگ کو یقین دلا دو کہ لڑکی ضرور قربان کی جائے گی۔"

"جھوٹ.... سراسر جھوٹ.... سیوبام کی روح کہہ رہی تھی کہ تم اپنے دھماکے ہتھیاروں سے ہمیں ختم کر دینے کی اسکیم بنا رہے ہو.... لیکن سیوتا کے پجاریوں کی قوت واقف نہیں ہو.... تمہاری رائفلیں بیکار ہو جائیں گی سیوبام کی روح ہر وقت میرے گرد ناچتی رہتی ہے۔"

ڈاکٹر شیپرڈ کے چہرے پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئیں۔

"میں کس طرح یقین دلاؤں...." ڈاکٹر شیپرڈ نے رومال سے اپنے چہرے کا پسینہ کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا تم ذرا میرے ساتھ باہر آؤ۔"

ڈاکٹر شیپرڈ نے مڑ کر سنگ ہی کی طرف دیکھا۔

"کیا بات ہے؟" سنگ نے پوچھا۔

"مجھے اپنے ساتھ باہر لے جانا چاہتا ہے۔"

"میں بھی ساتھ چلوں گا۔"

"یہ بھی میرے ساتھ جانا چاہتا ہے۔" ڈاکٹر شیپرڈ نے کہا۔

"اوہ.... تم سب آؤ.... میں تمہیں ذبح کرنے کے لئے نہیں لے جا رہا ہوں....!" نے غصے میں کہا اور غار سے باہر نکل گیا۔ سنگ ہی اور ڈاکٹر شیپرڈ نے بھی اس کی تقلید کی۔

طارق چلتے چلتے ایک جگہ رک گیا۔

سنگ کا ہاتھ جیب میں پڑے ہوئے ریوالور پر تھا۔

"سیوبام کی روح کیا کہہ رہی ہے.... بتاؤں تمہیں....؟" طارق نے ڈاکٹر شیپرڈ سے کہا۔

ڈاکٹر شیپرڈ کچھ نہ بولا۔

طارق نے مسکرا کر کہا۔ "وہ کہہ رہی ہے کہ تمہاری منزل کوٹی کی زیارت گاہ نہیں ہے.... گے جاؤ گے۔"

"ہم کہاں جائیں گے؟" ڈاکٹر شیپرڈ نے تیزی سے پوچھا۔

"تم جہاں بھی جاؤ گے ہم تمہارے ساتھ ہوں گے۔"

"کیا کہہ رہا ہے؟" سنگ ہی نے پوچھا۔

ڈاکٹر شیپرڈ نے گفتگو انگریزی میں دہرا دی۔

"تم اسے باتوں میں لگائے رہو۔" سنگ ہی نے کہا۔ "میں سب ٹھیک کئے لیتا ہوں۔"

پھر وہ تیز قدموں سے چلتا ہوا غار کی طرف واپس آگیا۔ سامان کے ساتھ اسلحہ جات کے صندوق بھی باہر ہی پڑے ہوئے تھے۔ سنگ ہی نے صندوق کھول کر ایک ایسی رائفل نکالی جس پر سائیلنسر لگا ہوا تھا۔ پھر وہ اسے ہاتھ میں لئے ہوئے جھکا جھکا چٹانوں کی اوٹ میں چلنے لگا۔ ایک جگہ رک کر اس نے ادھر نظر ڈالی جہاں طارق اور ڈاکٹر شیپرڈ کھڑے گفتگو کر رہے تھے.... اندھیرا ضرور تھا مگر تاروں بھرے آسمان کے پیش منظر میں ان کے جسم صاف دکھائی دے رہے تھے.... اور طارق.... اسے پہچان لینا تو بالکل ہی آسان تھا کیونکہ نیولا اب بھی اس کے کاندھے پر سوار تھا۔ سنگ ہی نے اِدھر اُدھر دیکھ کر رائفل سیدھی کرنی ہی چاہی تھی کہ وہ اس کے ہاتھ سے نکل کر فضا میں اچھل گئی اور پھر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اڑتی ہوئی بیکراں تاریکیوں میں گم ہو گئی ہو۔

سنگ ہی اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے رائفل گرنے کی آواز نہیں سنی۔

وہ ڈرپوک نہیں تھا لیکن اس واقعے پر اسے اپنے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہوئے محسوس ہوئے۔ آس پاس کوئی بھی نہیں تھا.... اس کے جسم کے مسامات سے پسینہ ابل پڑا۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ سرپٹ غار کی طرف بھاگ رہا تھا۔ پھر جیسے ہی وہ غار میں داخل ہوا

اس پر چودہ طبق روشن ہوگئے۔ کیونکہ یہاں حمید انور اور قاسم کی حکمرانی تھی۔ انہوں نے کے دسوں ساتھیوں کو باندھ لیا تھا۔ سنگ ہی یہ ماجرا دیکھ کر پلٹا ہی تھا کہ انور نے اپنے رخ اس کی طرف کر دیا۔

"خبر دار.... اگر تم نے ذرہ بھی حرکت کی تو.... وہیں کھڑے رہو اور اپنے دونوں اوپر اٹھاؤ.... ٹھیک....!"

ٹھیک اسی وقت ڈاکٹر شیپرڈ بھی غار میں داخل ہوا اور اس کے منہ سے ایک تحیر آ نکلی.... انور نے اسے بھی ہاتھ اوپر اٹھا لینے کو کہا۔

"خدا کی قسم....!" شیپرڈ اپنے ہاتھ اٹھاتا ہوا بڑبڑایا۔ "وہ بوڑھا سچ مچ جادوگر معلوم ہوتا ہے"

"قاسم انہیں بھی باندھ لو....!" انور بولا۔

قاسم رسی لیکر ان کی طرف بڑھا لیکن ابھی ان کے قریب نہیں پہنچا تھا کہ طارق غار میں داخل ہوا۔ طارق نے یہاں کی کیفیت دیکھ کر ایک چبھتا ہوا سا قہقہہ لگایا۔

"خبر دار.... تم بھی ہاتھ اٹھاؤ۔" انور گرجا۔

اس پر طارق نے بلند آواز میں کچھ بڑبڑانا شروع کر دیا۔ انور اور حمید کے ریوالور آہستہ آہستہ نیچے جھکنے لگے اور پھر زمین پر گر گئے۔ قاسم کے منہ سے ایک خوفزدہ سی آواز نکلی.... اچھل کر انور اور حمید کے پیچھے جا چھپا۔

طارق نے پھر ایک قہقہہ لگایا اور ڈاکٹر شیپرڈ سے بولا۔ "اگر میں نہ ہوتا تو تم لوگ اس کہاں ہوتے۔"

سنگ ہی انور وغیرہ کی طرف لپکا۔

"روکو.... اسے.... کیا کرتا ہے۔" طارق غرایا۔

ڈاکٹر شیپرڈ نے جھپٹ کر سنگ ہی کو پکڑ لیا اور بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "سنگ... کر رہے ہو.... ٹھہر جاؤ.... بوڑھا جو کچھ کہے اس پر عمل کرو۔"

"کیوں....؟" سنگ ہی جھلا کر پلٹا۔

"اوہ.... اس وقت اسی نے مجھے اطلاع دی تھی۔ اچانک گفتگو کرتے کرتے اس نے مجھ کہا تھا فوراً جاؤ تمہارے ساتھی خطرے میں ہیں اور یہاں آکر سچ مچ میں نے یہی دیکھا۔"

سنگ ہی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر طارق کو دیکھنے لگا۔

"اوہ یہ تمہارا ساتھی....!" طارق نے تلخ ہنسی کے ساتھ کہا۔ "اس نے تھوڑی دیر قبل مجھے بے آواز رائفل سے مار ڈالنا چاہا تھا۔ اسی وقت جب ہم تم گفتگو کر رہے تھے۔ اس سے پوچھو رائفل کہاں گئی؟"

ڈاکٹر شیپرڈ نے حیرت سے سنگ ہی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "کیا یہ صحیح ہے؟"

"کیا پوچھ رہا ہے؟" سنگ بولا۔

"کیا تم نے کچھ دیر پہلے اس پر گولی چلانے کا قصد کیا تھا؟"

"ہاں یہ صحیح ہے۔"

"وہ طنزیہ لہجے میں پوچھ رہا ہے کہ رائفل کہاں گئی؟"

"میرے خدا....!" سنگ ہی سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر اکتائے ہوئے انداز میں بولا۔ "ڈاکٹر ہم سچ مچ کسی شیطانی چکر میں پھنس گئے ہیں۔ رائفل میرے ہاتھ سے نکل کر سیدھی آسمان کی طرف چلی گئی تھی۔"

"ارے باپ رے۔" قاسم کے منہ سے ڈری ڈری آواز نکلی۔ حمید اور انور آنکھیں بند کئے بے جان مجسموں کی طرح کھڑے رہے۔ ان کے ریوالور ان کے پیروں کے پاس پڑے تھے۔

دفعتاً ڈاکٹر شیپرڈ نے طارق سے کہا۔ "مقدس بزرگ! یہ اپنی حرکت پر نادم ہے اور اب پوری طرح آپ کی قوتوں پر ایمان لے آیا ہے۔"

"میں اسے نہیں مانتا۔ اسے یہ بات اپنے اعمال سے ثابت کرنی ہوگی۔ میں تمہیں بتاؤں.... ابھی تمہارا ایک خطرناک دشمن تمہاری تاک میں ہے اور وہ ابھی تک کھل کر تمہارے سامنے نہیں آیا.... اگر تم نے میری تجویزوں پر عمل نہ کیا تو پچھتاؤ گے.... میں جا رہا ہوں.... ان تینوں کو گرفتار کر لو۔ جان سے مارنے کی ضرورت نہیں.... یہ بڑے بُرے وقت ہمارے کام آئیں گے۔"

پھر طارق ڈاکٹر شیپرڈ کے جواب کا انتظار کئے بغیر غار سے باہر نکل گیا۔

حمید اور انور اب بھی اسی طرح کھڑے تھے.... اور قاسم زمین پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔

حمید، قاسم اور انور دوبارہ باندھ لئے گئے۔ سنگ اور شیپرڈ اپنے ساتھیوں کو کھول رہے تھے

لیکن ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں.... خاص طور پر ا
اور اس کے ساتھیوں کی حالت پر حیرت تھی۔ وہ بالکل بے جان نظر آرہے تھے....
ہو رہا تھا جیسے ان میں ہلنے جلنے کی بھی سکت نہ رہ گئی ہو۔

"سنو سنگ....!" شیپرڈ کراہ کر بیٹھتا ہوا بولا۔ "جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں اس پر سنجی
غور کرو.... ہاں پہلے یہ بتاؤ کہ رائفل کا کیا معاملہ تھا....؟"

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ کیسے ہوا۔ میں چاہتا تھا کہ بے آواز رائفل سے اس شیط
کر دوں۔ لیکن اچانک رائفل میرے ہاتھ سے نکل کر آسمان کی طرف چلی گئی۔"

"اب تم ایسی حرکت نہیں کرو گے.... سمجھے.... تم نہیں جانتے کہ حالات کیا ہیں
بوڑھا ہمارے اور ہمارے مقاصد کے متعلق سب کچھ جانتا ہے۔ وہ پُراسرار قوتوں کا مالک
کہتا ہے کہ اس خزانے کے متعلق سینہ بسینہ ایک پیشینگوئی چلی آرہی ہے جس کی رو سے
کی مدد کے بغیر نہیں مل سکتا۔ وہ کہتا ہے کہ یہ تقدیر تھی کہ ہم کیتو کے اس غار میں ملیں
غار میں دراصل ہمارا انتظار ہی کر رہا تھا۔ اس کے بیان کے مطابق پیشین گوئی یہ ہے
حاصل کرنے والی پارٹی کے بڑے ارکان میں سے ایک دوغلا زرد نسل کا آدمی ہوگا اور دو
سفید فام.... اور ان کی قیادت سبوتا کا ایک پجاری کرے گا.... وہ کہتا ہے کہ میری مدد
تم لوگ وہاں پہنچ ہی نہ سکو گے۔"

"یہ تو اچھا نہیں ہوا۔" سنگ ہی بڑبڑایا۔

"دیکھو سنگ! ٹھنڈے دماغ سے غور کرو.... اور اس بوڑھے کے خلاف تمہارے
جتنے بھی خیالات ہیں انہیں نکال پھینکو.... وہ سب کچھ جانتا ہے۔"

"تب تو پھر وہ اس جگہ کے متعلق بھی جانتا ہوگا جہاں خزانہ ہے۔"

"ہو سکتا ہے.... لیکن وہ مقدر بتاتا ہے.... کہتا ہے کہ خزانے کے حصوں کے لئے
ہو چکی ہے کہ سفید اور زرد آدمیوں کے ساتھ موگٹومی بھی ہو.... نہ اکیلا موگٹومی خزا
پہنچ سکتا ہے نہ ہم دونوں۔"

"افسوس کہ مجھے اپینی نہیں آتی ورنہ میں اس سے گفتگو کرتا۔" سنگ ہی نے کہا۔
چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ ہم کسی بڑی مصیبت میں گرفتار ہونے والے ہیں۔"

"ظاہر ہے کہ اب ہم ایسے جنگلوں میں داخل ہوں گے جہاں آج تک کسی کے قدم نہیں
پہنچے اور ہم وہاں اس طرح نہ چلیں گے جیسے اپنے پائیں باغ میں ٹہل رہے ہوں.... بہر حال کہنے
کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں ایک ایسا آدمی بھی چاہئے جو ان اطراف سے اچھی طرح واقف ہو...
اور یہاں کی مختلف زبانوں پر قدرت رکھتا ہو۔"

"تو کیا تمہیں اس کی باتوں پر یقین ہے۔"

"کیا تمہیں یقین نہیں آیا جبکہ تمہارے ہاتھوں سے رائفل اس طرح نکل چکی ہے۔"

سنگ ہی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "اس کے ساتھ کتنے آدمی ہوں گے۔"

"بس اتنے ہی جتنے یہاں تک ساتھ آئے تھے۔"

"میں تیار ہوں۔" سنگ ہی ایک طویل سانس لی کر بولا۔ ساتھ ہی اس کے ہونٹوں پر ایک
پھیکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

جنگ اور گرفتاری

دوسرے ہی دن قافلہ آگے بڑھا۔ فریدی اور روزا قافلہ کے پیچھے تھے۔ طارق پھر
میر کارواں بن گیا تھا لیکن اس بار اس کے داہنے اور بائیں سنگ اور شیپرڈ تھے۔ حمید، قاسم اور انور
بدستور قیدیوں کی حیثیت میں تھے۔

سنگ ہی خاموش تھا۔ روانگی کے وقت سے وہ اب تک بولا نہیں تھا۔ ڈاکٹر شیپرڈ نے کئی بار
اسے مخاطب کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔ دوپہر تک وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے انہیں
منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے سمت کا تعین کرنا تھا۔ ڈاکٹر شیپرڈ نے طارق کی طرف دیکھا لیکن
طارق بے تعلقانہ انداز میں کھڑا رہا۔

"اب آپ ہی ہماری رہنمائی کیجئے۔" ڈاکٹر شیپرڈ نے طارق سے کہا۔

"ٹھہرو....!" طارق ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں سیلوبام کی روح سے رجوع کرتا ہوں۔"

وہ آنکھیں بند کر کے ایک پیر پر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہونٹ ہل رہے تھے اور آنکھوں کے
پپوٹے کانپ رہے تھے۔ فریدی قریب ہی کھڑا تھا۔ اس نے اس موقع کے لئے طارق کو ہدایات
نہیں دی تھیں۔ اس نے سوچا معلوم نہیں اس سلسلے میں طارق کا جواب کیا ہو۔ لہٰذا اس نے

دوسرے ہی لمحے میں روزا کو لنگوا جیرال[1] میں مخاطب کیا۔ تخاطب تو دراصل طارق ہی سے تھا۔ فریدی کو یقین تھا کہ پوری پارٹی میں طارق کے علاوہ اور کوئی اسے نہ سمجھ سکے گا۔ اس نے "کہہ دو کہ اب اس وقت اسی جگہ قیام کرو.... کل صبح تمہیں راستہ معلوم ہو جائے گا.... یہی کہہ رہی ہے۔"

روزا بڑی ذہین لڑکی تھی۔ اس نے اس انداز میں سر ہلا دیا جیسے اس نے فریدی کی بات کا جواب اثبات میں دیا ہو۔

طارق نے تھوڑی دیر بعد آنکھیں کھولیں اور فریدی کے کہے ہوئے الفاظ اسپینی میں دہرا دیئے۔ شیپرڈ نے یہ بات سنگ ہی کو بتائی اور وہ اور زیادہ متفکر نظر آنے لگا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔

ابھی گھنے جنگلوں کا سلسلہ نہیں شروع ہوا تھا انہیں جلد ہی ایک ایسی جگہ مل گئی جہاں با آسانی قیام کر سکتے تھے۔

دوپہر کا کھانا کھا لینے کے بعد روزا نے اسٹوو پر کافی کا برتن رکھ دیا وہ اور فریدی سب سے الگ تھلگ بیٹھے ہوئے تھے۔

"رات تم نے اس کی رائفل کیسے اڑائی تھی؟" روزا نے ہنس کر پوچھا۔

"بس ہاتھ کی صفائی۔"

"لیکن آخر تم اپنے ساتھیوں کی درگت کیوں بنوا رہے ہو؟"

"وہ بہت آرام سے ہیں۔"

"اچھا یہ بتاؤ تمہاری زندگی میں بھاگ دوڑ کے علاوہ بھی اور کچھ ہے؟"

"ہاں سانپ سنگھ بھی ہیں۔" فریدی تنکے سے اپنے دانت کریدتا ہوا بولا۔

"تم عجیب آدمی ہو۔ میں نے تمہارے بچوں کے متعلق پوچھا تھا۔"

"میں ہی نہیں بتاؤں کیا۔"

"بیوی بھی نہیں؟"

"نہیں.... نہیں.... نہیں.... ذرا جلدی سے کافی دو۔" فریدی ران پر ہاتھ مار کر بولا

"اگر ہوتے تو کیا فائدہ ہوتا.... نہیں ہیں تو کون سا نقصان ہوا جا رہا ہے۔"

"کیا تمہاری زندگی میں اب تک کوئی عورت نہیں داخل ہوئی۔"

---

[1] جنوبی امریکہ کے ملک برازیل میں عام طور پر بولی جانے والی زبان۔

"یہ سب معلوم کر کے کیا کرو گی۔" فریدی اکتائے ہوئے انداز میں بولا۔

روزا چند لمحے کافی کے برتن پر نظر جمائے رہی پھر آہستہ سے بولی۔ "ہم دوست ہیں نا! تم سے مانتے ہو۔"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"

"کچھ نہیں....!" روزا مسکرا کر بولی۔ "جس کی زندگی میں سانپ سنگھ کے داخل ہوں اسے تو جان پڑی آواز نہ سنائی دیتی ہو گی.... لہٰذا....!"

"ٹھہرو....!" اچانک فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ وہ مڑ کر اپنے پیچھے بکھری ہوئی چٹانوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ بڑی تیزی سے اٹھ کر ادھر جھپٹا۔ لیکن اگر وہ ذرا سا تر چھا نہ ہو گیا ہوتا تو چٹانوں کے پیچھے سے ہونے والے فائر نے دوسری دنیا کی سیر کرا دی ہوتی.... دوسرا فائر ہوا اور فریدی چٹانوں کی طرف جانے کے بجائے ادھر بھاگا جہاں قافلے کے دوسرے لوگ دوپہر کے کھانے کے بعد اونگھ رہے تھے۔

"طارق ہوشیار....!" اس نے لنگوا جیرال میں کہا۔ "سنگ ہوشیار ہو گیا ہے.... میگزین پر قبضہ کر لو.... میرے تینوں ساتھیوں کو بھی خبردار کر دو.... شیپرڈ نکل کر نہ جانے پائے.... مزدوروں کو اپنے کنٹرول میں رکھو۔"

سنگ ہی اس وقت وہاں موجود نہیں تھا۔ فریدی نے پھر ادھر ہی کا رخ کیا روزا اس کے پیچھے بھاگتی پھر رہی تھی۔

"تم وہیں واپس جاؤ۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں! میرے پاس ریوالور ہے۔"

"بھاگ جاؤ....!" فریدی جھلا کر بولا اور چٹانوں میں کود گیا۔ اس بار وہ پھر بال بال بچا۔ گولی سنسناتی ہوئی اس کے داہنے بازو اور پہلو کے درمیان سے نکل گئی۔ اس کے سنبھلنے سے پہلے ہی سنگ ہی نے دوسرا فائر کر دیا۔ فریدی کے منہ سے ایک قسم کی چیخ نکلی اور گر کر نشیب میں لڑھکنے لگا۔ سنگ ہی دو چٹانوں کی درمیانی دراڑ سے نکل کر اس کی طرف جھپٹا۔

روزا نے فریدی کی چیخ سنی تھی اور وہ ابھی تک وہیں کھڑی ہوئی تھی جہاں فریدی اسے چھوڑ گیا تھا۔ فریدی کی چیخ سنتے ہی وہ بے تحاشہ چٹانوں کی طرف دوڑی اور پھر اس نے نشیب میں

بھاگتے ہوئے آدمی پر فائر کر دیا گولی نشانہ پر نہیں بیٹھی۔ سنگ ہی ایک گندی گالی دے کر دیوانوں کی طرح اس نے روزا پر پے در پے تین فائر کر دیئے لیکن ساری گولیاں سا چٹانوں پر پڑیں.... روزا اپنا نشانہ خطا ہوتے دیکھ کر پہلے ہی ہوشیار ہو گئی تھی۔

ایسے موقع پر سنگ ہی کو چاہئے تھا کہ وہ بھی اپنی حفاظت کی تدبیر کرتا لیکن وہ پا طرح بڑے بڑے پتھروں کو پھلانگتا ہوا نشیب میں بھاگ رہا تھا۔

یک بیک ایک طرف سے اس نے ٹھوکر کھائی اور پھر منہ کے بل زمین پر گرنے کی کئی فٹ اوپر اچھل گیا۔ اس کی دونوں پنڈلیاں فریدی کی فولادی گرفت میں تھیں اور اس کا جھول رہا تھا.... لیکن وہ دوسرے ہی لمحے کسی سانپ کے سر کی طرح دھڑ سمیت اوپر اٹھتا سنگ ہی کو اس کے جاننے والے محض اسی صلاحیت کی بناء پر جونک سے تشبیہ دیتے تھے جسم کو حیرت انگیز طور پر توڑنے مڑوڑنے میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔

فریدی کی گردن اس کے بازوؤں میں جکڑ کر رہ گئی۔

"اچھا بیٹے۔" فریدی اس کی ٹانگیں چیرتا ہوا بولا۔ "آج تم یہ حربہ مجھ پر بھی آزما لو۔"

سنگ ہی کچھ نہ بولا۔ وہ فریدی کی گردن پر اپنی گرفت صرف کر رہا تھا.... اچانک فر ایسا محسوس ہونے لگا جیسے سچ مچ اس کا دم گھٹ رہا ہو۔ وہ اس کی پنڈلیاں چھوڑ کر اپنی گردا اس کے بازوؤں کی گرفت ڈھیلی کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

دونوں ٹانگیں بھی فریدی کے گرد لپٹ گئیں۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی کے پیٹ سے اس کا بچہ چپک کر رہ گیا ہو۔ فریدی تھوڑی دیر تک زور لگاتا رہا لیکن سنگ گرفت ڈھیلی نہ ہوئی۔ آخر کار اس نے اس کے سر کے پشت کے نچلے حصے میں اپنی انگلیا دیں۔ سنگ ہی پہلے تو ضبط کرتا رہا لیکن پھر اس کے منہ سے ایک ہلکی سی آواز نکلی اور وہ ذ کے جسم سے علیحدہ ہو کر کسی مردہ چھپکلی کی طرح نیچے چلا آیا۔

وہ بیہوش ہو گیا تھا۔ فریدی بے ساختہ اس پر جھک پڑا اور اس کی گردن ٹٹول رہا تھا۔ پھ نے اس کی جامہ تلاشی لی۔ لیکن انکا نسل کی شہزادی کا پراسرار طوق اس کے پاس سے بر آمد نہ

دوسری طرف طارق اپنا تسلط جما چکا تھا۔ سنگ ہی کے ساتھی جکڑ لئے گئے تھے۔ طارق بار بردار مزدوروں کو پہلے ہی سے اپنے قبضے میں رکھا تھا۔ ان کی وجہ سے سنگ کے ساتھیو

دپانے میں اور زیادہ آسانیاں ہو گئی تھیں۔

ڈاکٹر شیپرڈ رہ کر سبوتا اور اس کے ہرکارے سیلو بام کی دہائیاں دے رہا تھا۔

روزا سنگ ہی اور فریدی کو ایک دوسرے سے گتھا ہوا دیکھ کر ان کی طرف بھاگی تھی۔

"کیپٹن حمید۔" اس نے چیخ کر کہا۔ "دوڑو.... ادھر....!"

انور، حمید اور قاسم بے تحاشا چٹانوں کی طرف دوڑنے لگے روزا ابھی ان کے ساتھ ہی ۔ انہوں نے فریدی کو دیکھا جو ایک پتھر پر بیٹھا اپنا دایاں بازو دیکھ رہا تھا اور اس کی آستین خون تر تھی۔ شاید اب اسے احساس ہوا تھا کہ اس کا ایک بازو سنگ ہی کی گولی سے زخمی ہو چکا ہے۔

سنگ ہی اس کے پیروں کے پاس اوندھا پڑا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

"کیا تم زخمی ہو۔" روزا چیخ کر فریدی پر جھک پڑی۔

"فکر نہ کرو.... میں بالکل ٹھیک ہوں۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

قاسم نے بیہوش سنگ ہی کو ہاتھوں پر اٹھایا اور وہ سب کیمپ کی طرف چل پڑے۔

"اب ڈیڈی کا کیا ہو گا....؟" روزا نے فریدی سے پوچھا۔

"اوہ! تم نے اچھا یاد دلایا.... دیکھو ابھی یہ بات ڈاکٹر پر ظاہر نہ ہونے پائے کہ تم روزا ... سمجھیں۔"

"کیوں....؟"

"پھر بتاؤں گا.... اس وقت مجھ سے بحث نہ کرو۔ جو کہوں کرتی جاؤ۔"

"اوہ! معاف کرنا.... مجھے تمہارے زخم کا خیال نہیں تھا۔"

"کوئی خاص بات نہیں.... صرف بازو کی کھال پھٹی ہے۔"

تھوڑی دیر بعد سنگ ہی باہوش حواس اپنے دوسرے ساتھیوں کے درمیان میں بیٹھا ہوا ری کو قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔

"طوق کہاں ہے؟" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"میں نہیں جانتا۔"

"میں تمہیں بڑے بے دردی سے مار ڈالوں گا۔"

"جو دل چاہے کرو.... طوق تمہیں نہیں مل سکتا۔"

گفتگو انگریزی میں ہو رہی تھی اور ڈاکٹر شیپرڈ سنگ ہی کو تحسین آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس دوران میں اسے اس بات کا علم ہو چکا تھا کہ وہ اور اسکے آدمی اب فریدی کے قبضے میں ہیں۔

"طوق کے بغیر تم خزانہ نہیں حاصل کر سکتے۔" ڈاکٹر شیپرڈ فریدی سے بولا۔ "اس کے طوق ضروری ہے۔"

"دیکھو ڈاکٹر احمق نہ بنو...!" فریدی نرم لہجے میں بولا۔ "تم نے ایک ایسے آدمی سے جوڑ کیا ہے جو پہلے بھی تمہارا دشمن تھا اور اب بھی ہے۔"

"تم اس کی پروانہ کرو۔" ڈاکٹر بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "میں اپنے حالات سے بخوبی واقف ہوں"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم خزانے تک ہماری رہنمائی نہیں کرو گے۔" فریدی نے کہا

"ہرگز نہیں خواہ تم میری بوٹیاں ہی کیوں نہ اڑا دو۔"

"زندہ باد ڈاکٹر...!" سنگ ہی بولا۔ "میں ایسے بہادر اور بیباک دوستوں کو پوجتا ہوں۔"

فریدی اور اس کے ساتھیوں نے ایک ایک کی جامہ تلاشی لی۔ سارا سامان چھان ڈالا طوق نہ ملا اور ڈاکٹر شیپرڈ اپنی ضد پر اڑا رہا۔

اور یہ بات سوچی ہی نہیں کہ وہ لوگ طوق اپنے ہمراہ نہ لائے ہوں۔ طوق بھی جس لئے سنگ ہی نے ایک زبردست خطرہ مول لے کر سرکاری خزانے پر ڈاکہ ڈالا تھا۔ وہ یقیناً اس کے لئے ضروری تھا۔ ورنہ سنگ اسے سرکاری خزانے سے اڑا کر خواہ مخواہ پولیس والوں کو پیچھے کیوں لگاتا۔

"پھر بتاؤ اب کیا کیا جائے؟" طارق نے فریدی سے پوچھا۔

"سنگ ہی جانتا ہے کہ اس کی زندگی اور موت کا انحصار صرف اسی طوق پر ہے اور یہ حقیقت ہے اگر طوق مل گیا ہوتا تو میں اسے زندہ نہ چھوڑتا۔"

"ڈاکٹر شیپرڈ بھی پھیل گیا۔ میرا خیال ہے کہ وہ بھی زبان نہیں کھولے گا۔"

"آپ اس کی زبان کھلوا سکتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"بھلا میں کس طرح کھلوا سکتا ہوں؟"

"کیا آپ ہپناٹزم کے ماہر نہیں ہیں۔" فریدی بولا۔

"اوہ.... خدا کی قسم تم نے ٹھیک یاد دلایا۔" طارق ہنسنے لگا۔ "واقعی اس کی زبان کھلوائی جا

سکتی ہے۔ اسکی قوت ارادی صفر کے برابر ہے ایک بہت معمولی سا ٹرانس اس کیلئے کافی ہوگا۔ مگر یہ سنگ ہی...؟ اس سے نپٹنا میرے بس کا روگ نہیں... یہ ذہنی طور پر بہت زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے۔"

"اسے تو میرے گھونسوں اور تھپیڑوں کے لئے چھوڑ دیجئے۔ میں سب ٹھیک کر لوں گا۔"

روزا کے قریب آجانے پر وہ دونوں خاموش ہو گئے۔

وہ رات بڑی عجیب تھی۔ جنگل کے سناٹے میں سنگ ہی کے ساتھیوں کی گالیاں گونج رہی تھیں۔ پوری پارٹی میں صرف ڈاکٹر شیپرڈ ایسا تھا جس کے ہاتھ نہیں باندھے گئے تھے اور ریکھا بھی آزاد تھی۔ لیکن وہ ہر وقت خاموش رہتی تھی.... ہوٹل والے واقعے کے بعد سے کسی نے اسے بولتے نہیں سنا تھا۔ روزا دوپہر کے بدلتے ہوئے حالات کے بعد سے زیادہ تر ڈاکٹر شیپرڈ کے قریب ہی قریب رہتی تھی۔ لیکن اس نے اس پر اپنی اصلیت نہیں ظاہر کی تھی۔ رات گئے اسے ڈاکٹر شیپرڈ سے الگ ہونا پڑا کیونکہ طارق اس پر عمل تنویم کرنے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر شیپرڈ اس اسکیم سے واقف نہیں تھا۔ جب طارق نے اس سے کہا ذرا میری طرف دیکھنا تو شیپرڈ یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ اس سے مرعوب نہیں ہے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کے جسم کی ساری قوت طارق کی آنکھوں میں کھینچی جا رہی ہو۔ اس نے دوسری طرف دیکھنے کی کوشش کی لیکن طارق کی آنکھوں سے نظر ہٹانے میں کامیاب نہ ہوا۔ اس کے حواس خمسہ جواب دیتے جا رہے تھے۔ طارق کی آواز اسے میلوں دور سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ جو برابر کہے جا رہا تھا "تم سو رہے ہو.... تمہاری نیند گہرتی ہوتی جا رہی ہے.... اور گہری ہوتی جا رہی ہے.... تم مجھے خزانے تک پہنچنے کا راستہ بتاؤ گے.... یقیناً بتاؤ گے.... دنیا کی کوئی قوت تمہیں اس سے نہیں روک سکتی.... تم سو رہے ہو.... تم سو رہے ہو۔"

شیپرڈ بہت جلد ٹرانس[1] میں آگیا۔ زیادہ دیر تک سجیشنز یا پاسز نہیں دینے پڑے۔ وہ آنکھیں بند کئے زمین پر چت پڑا تھا۔ پھر طارق نے سوالات کرنے شروع کئے۔ شیپرڈ جواب میں اس طرح بڑبڑا رہا تھا جیسے خواب میں کسی سے گفتگو کر رہا ہو۔

جس غار میں عمل کیا گیا تھا وہاں فریدی، طارق اور شیپرڈ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ چار موی شمعیں بھی غار کا اندھیرا دور نہیں کر سکتی تھیں۔ کچھ عجیب سا پُر اسرار ماحول تھا۔ فریدی سر

---

[1] یہ سب ہپناٹزم کی تکنیکی اصطلاحات ہیں۔ ان کی توضیح کے لئے صفحات سیاہ کرنا فضول ہے۔

جھکائے بڑی تیزی سے ڈاکٹر شیپرڈ کے الفاظ نوٹ کر رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد طارق نے کہا۔ "میں سمجھ گیا.... معلومات مکمل ہیں۔ اب اسے دو.... خود بخود جاگے گا۔"

فریدی کاغذ پر نظر ثانی کرتا ہوا بولا۔ "مگر ایک بات رہ گئی۔ اس لڑکی کی موجودگی کا مقـ

"بس اب یہ پھر کبھی دیکھا جائیگا.... مگر.... میرے خدا.... یہ تو.... وادیٔ تاریک کا پتہ۔

"وادیٔ تاریک....؟" فریدی نے استفہامیہ انداز میں دہرایا۔

"ہاں میں ایک بار وہاں جا چکا ہوں.... اگر اسے ہیروں کی وادی کہا جائے تو بـ ہوگا.... لیکن اس کے قریب پہنچ کر بھی میں ناکام ہی رہا تھا۔ میں نے دھوپ میں ہیروں کی دیکھی ہے.... معمولی سنگریزوں کی طرح بکھرے ہوئے ہیرے.... لیکن ان تک میری ہو سکی۔ تم سوال کرو گے آخر کیوں....؟ آہ تم بھی محسوس کرو گے.... جو کچھ میں نے پہنچنے پر محسوس کیا تھا... میرا خیال ہے کہ ہم یہیں سے واپس ہو جائیں۔ بڑی کوفت ہوتی ہـ

"کچھ بتایئے بھی تو....!"

"دو ہزار فٹ کی گہرائی میں ایک وادی ہے جس کا رقبہ پچیس مربع میل سے کسی طرح ہوگا اور کوئی ڈھلان ایسی نہیں ہے جس کے ذریعے نیچے تک پہنچنا ممکن ہو۔ وادی کے چا طرف سیدھی کھڑی ہوئی دیواریں سی نظر آتی ہیں۔ کنارے پر کھڑے ہو جایئے بس یہ م ہوگا جیسے کسی دو ہزار فٹ بلند دیوار پر کھڑے ہوں۔ نیچے گنجان جنگل نظر آتے ہیں جہاں در نہیں ہیں، وہاں دھوپ کی روشنی میں ستارے چمکتے نظر آتے ہیں۔"

عجیب آوازیں

"لیکن آپ واپسی کے لئے کیوں کہہ رہے ہیں۔" فریدی نے حیرت سے کہا۔

"میں ایک بار اس وادی میں اترنے کی کوشش کر چکا ہوں۔ مگر ناکام رہا۔"

"ضروری نہیں کہ دوسروں کو بھی ناکامی ہو۔" فریدی بولا۔

"برخوردار! یہ سراغ رسانی نہیں ہے۔"

فریدی اس سوال پر جھنجھلا گیا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ وہ طارق کا احترام کرتا تھا۔ محض ا

وہ اس کے باپ کے دوستوں میں سے تھا۔ طارق جیسے جہاندیدہ آدمی کی نظروں سے ا کا جذباتی تغیر پوشیدہ نہ رہ سکا۔ اس نے فوراً ہی مسکرا کر کہا۔ "تم یہ مت سمجھو کہ میری م ہو گئی ہے۔ اس طوق کا مسئلہ تو ایک بالکل ہی نئی چیز ہے۔ کاش میں نے بھی اس پر ایک ل لی ہوتی۔"

"مجھے یقین ہے کہ وہ اب بھی سنگ ہی کے قبضے میں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن اس نے اسے کہیں چھپا دیا ہے.... میرا خیال ہے کہ یہ مسئلہ بھی عمل تنویم سے حل ہے۔"

"سنگ ہی....!" طارق نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ناممکن ہے۔ وہ ٹرانس میں ہرگز نہ آئے ی قوت ارادی کافی پختہ معلوم ہوتی ہے۔ اس کے ٹائپ سے میں بخوبی واقف ہو گیا ہوں۔ ل ایسے بھی ہوتے ہیں مثال کے طور پر تمہیں بھی ٹرانس میں لانا ممکن نہیں۔ حمید ٹرانس جائے گا۔ قاسم جیسے دیو پیکر کو بھی ٹرانس میں لا سکتا ہوں.... انور بھی آجائے گا.... مگر ی کے ساتھ۔"

"یہاں سے کتنے دنوں کی راہ ہوگی؟" فریدی نے پوچھا۔

"یہاں سے۔" طارق بڑبڑایا۔ "یہ راستہ طویل بھی ہے اور پُر خطر بھی۔ یہ لوگ اسی راستے رہے تھے جس کا ذکر اس طوق کی تحریر میں ہوگا۔ سینکڑوں سال پرانی بات ہے.... میں ستے سے گیا تھا وہ نسبتاً آسان ہے۔"

"خیر.... فی الحال ہمیں سونا چاہئے۔ شاید ڈاکٹر صبح سے پہلے نہ اٹھے۔"

وہ اسی غار میں پڑ رہے.... سنگ ہی اور اس کے ساتھی دوسرے غار میں تھے انہیں فریدی ر کی نگرانی میں چھوڑا تھا.... اس لئے اسے اطمینان تھا اگر معاملہ صرف حمید کا ہوتا تو شاید ہی کے پاس سے ایک منٹ کے لئے بھی نہ ہٹتا.... لیکن دوسری صبح اس کے لئے ایک نئی لے کر نمودار ہوئی۔ سنگ ہی.... ریکھا اور اپنے سات مشرقی ساتھیوں سمیت غائب تھا۔ پیرڈ کے ساتھیوں میں سے تین امریکن جو یہاں تک ساتھ آئے تھے بدستور موجود تھے۔ ی حال میں ملے جس میں رکھے گئے تھے۔

نور بہت زیادہ شرمندہ نظر آرہا تھا۔ اس نے اس سلسلے میں فریدی سے گفتگو بھی کرنی چاہی۔

"پرواہ نہ کرو۔" فریدی نے کہا۔ "غلطی میری ہی تھی۔ سنگ ہی کے مقابلے میں طفل مکتب ہونے خود مجھے اس کی نگرانی کے لئے موجود رہنا چاہئے تھا۔"

پھر اس نے ڈاکٹر شیپرڈ سے کہا۔ "دیکھا تم نے اپنے وفادار دوست کو۔ تمہیں مصیبت میں چھوڑ کر خود فرار ہو گیا۔ حتیٰ کہ وہ تمہارے امریکن ساتھیوں تک کو چھوڑ گیا۔"

ڈاکٹر شیپرڈ کا سر ندامت سے جھک گیا اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "چلو اب میں تمہیں بتاؤں گا۔ اسے پچھلی رات کے واقعات قطعی یاد نہیں تھے۔"

"شکریہ....!" طارق مسکرا کر بولا۔ "ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ اب ہم تمہیں مزید مجبور نہ کریں گے۔ ویسے اگر تم نے کل ہی ہمارا ساتھ دیا ہوتا تو وہ طوق سنگ ہی نہ لے اڑتا۔"

چند لمحے خاموش رہنے کے بعد ڈاکٹر شیپرڈ نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ میرے بتائے ہوئے راستے سے منزل پر پہنچ جائے لیکن وہ اس طوق سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔"

"کیوں؟" طارق نے حیرت کا اظہار کیا۔

"طوق نامکمل ہے۔ لہٰذا وہ خزانہ نہیں حاصل کر سکتا۔"

"اوہ.... تو کیا وہ خزانہ کسی کی حفاظت میں ہے؟"

"ہاں! ہزارہا سال سے ایک وحشی نسل اس کی حفاظت کرتی آئی ہے اور غالباً آج بھی اسی کی حفاظت میں ہوگا۔ طوق کی تحریر سے میں نے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اس طوق کو بغیر کوئی خزانے کی جھلک بھی نہیں دیکھ سکتا۔"

"لیکن طوق نامکمل کیوں ہے؟"

"اس کے گرد چاندی کا ایک سانپ لپٹا ہوا تھا جو اب نہیں ہے۔ سنگ ہی کا خیال تھا کہ فریدی کے پاس ہے۔"

طارق نے استفہامیہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھا اور فریدی نے اقرار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "وہ سانپ حقیقتاً میرے ہی پاس ہے۔ میں نے طوق کو سرکاری تحویل میں دینے سے قبل سانپ اس سے الگ کر لیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ سنگ اسے اڑانے کی کوشش کرے گا۔"

"ہاں! اسے توقع تھی کہ وہ تمہیں ضرور پکڑ لے گا۔" ڈاکٹر شیپرڈ بولا۔

"وہ اس لڑکی کو ساتھ لئے کیوں پھر رہا ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"اوہ.... تحریر بڑی عجیب ہے۔" ڈاکٹر شیپرڈ نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "اس کے طالبِ محض اتنا ہی کافی نہیں کہ وہ طوق ان وحشیوں کو دکھایا جائے بلکہ ایک لڑکی اسے پہن سانپوں والے غار میں اتر جائے.... پتہ نہیں غار کیا بلا ہے۔ سنگ کا خیال تھا کہ وہ سانپوں کا مسکن ہوگا.... یہ لڑکی دراصل اسی مقصد کے تحت ساتھ لائی گئی ہے۔ دیدہ دانستہ کوئی شخص بھی ہے غار میں نہیں اتر سکتا جس میں سانپ رہتے ہوں.... اور اس لڑکی میں ایک ایسا مرض پایا جاتا ہے جس کی بناء پر اس سے یہ کام لیا جا سکتا ہے۔ وہ نیند کی حالت میں اٹھ کر چلتی ہے اور ان کاموں کو سرانجام دے ڈالتی ہے جنہیں کسی وجہ سے جاگتے میں نہیں کر پاتی۔ سنگ ہی کی اسکیم یہ ہے کہ وہ اس سے غار میں اترنے کو کہے گا۔ ظاہر ہے کہ لڑکی سانپوں کے خوف سے صاف انکار کر دے گی لیکن پھر نیند کی حالت میں وہی کر گزرے گی۔ کیونکہ اس کا ذہن اس سے بہت زیادہ متاثر ہوگا۔ ان چیز سے ہم خائف ہوتے ہیں وہ ہمیں خواب میں اکثر دکھائی دیتی ہے۔ اور نیند میں چلنے والے عام طور پر اس کا شکار ہوتے ہیں۔ وہ یقیناً اس قسم کا خواب دیکھے گی کہ وہ غار کی طرف جا رہی ہے۔ وہ سوتے ہی سوتے اٹھے گی اور غار کی طرف چلی جائے گی۔"

"شرم.... شرم.... ڈیڈی۔" روزا چیخ پڑی۔ "تمہیں شرم آنی چاہئے...." ڈاکٹر شیپرڈ تک کر اُسے گھورنے لگا۔

"اس طرح نہ دیکھو۔" روزا ہذیانی انداز میں بولی۔ "میں روزا ہوں.... تمہاری بیٹی.... میں تمہاری آنکھوں کے سامنے سانپوں والے غار میں اُتر جاؤں گی.... فریدی! میرے باپ کے ہاتھ سے رہ دو! اسے دھکے دیتے ہوئے وہاں تک لے چلو.... میں سانپوں والے غار میں اُتروں گی.... وہ سے خزانہ مل جائے گا.... اسے خزانہ چاہئے.... یہ اپنی بیٹی کو موت کے منہ میں دھکیل سکتا ہے.... اسے خزانہ ضرور ملے گا.... یہ میرا باپ ہے.... اس کے گلے میں مقدس صلیب لٹک رہی ہے.... اس کی ڈاڑھی کرائسٹ کی ڈاڑھی سے مشابہ ہے۔ ہاہا.... کرائسٹ ایک معصوم لڑکی کو سانپوں کے حوالے کر رہا ہے.... ہاہا....!" وہ پاگلوں کی طرح قہقہے لگاتی رہی.... اور پھر بے ہوش ہو کر گر گئی۔

ڈاکٹر شیپرڈ بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ وہ آنکھیں پھاڑے بیہوش روزا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔

"طارق صاحب۔" فریدی مضطربانہ انداز میں بولا۔ "جلدی کیجئے.... مجھے اس لڑکی قیمت پر بچانا ہے۔"

انہوں نے بہت جلدی میں روانگی کا انتظام کیا۔ روزا کے ہوش میں آنے کا بھی انتظا گیا۔ ڈاکٹر شیپرڈ اُسے اپنے کاندھے پر اٹھائے ہوئے چل رہا تھا۔

سنگ ہی کے فرار نے فریدی کے ذہن پر اتنا ناگوار اثر نہیں ڈالا تھا جتنا کہ ریکھا کا معلوم ہونے کے بعد پڑا۔ تین چار میل چلنے کے بعد انہیں شمال کی طرف مڑنا پڑا۔ ا جنگلوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا لیکن جنگلوں میں انہیں اب تک زندگی کے آثار صرف گا اور چھوٹے چھوٹے بندروں کی شکل میں ملے تھے۔

چمیلی کی خودرو جھاڑیاں پھولوں سے لدی ہوئی تھیں۔ جیسے جیسے وہ ڈھلان میں اتر جنگلوں کا سلسلہ گھنا ہوتا گیا۔

سورج اپنی آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا لیکن درختوں کی چھاؤں میں وہ بڑی خ قسم کی خنکی محسوس کر رہے تھے۔

روزا ہوش میں آتے ہی ڈاکٹر شیپرڈ کے کاندھے سے کود پڑی۔ فریدی قریب ہی چل اس نے اسے سنبھال لیا۔ ورنہ پتھریلی زمین پر اس کا سر پاش پاش ہو جاتا۔

"تم نے اس کے ہاتھ نہیں باندھے....؟" اس نے فریدی کو جھنجھوڑ کر کہا۔

"بکواس مت کرو۔" فریدی نے جھلائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"میں اس کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی۔"

حمید نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ "تم ان دونوں کی شکل نہ دیکھ دوسرے پر سنگ ہی کے خون کی پیاس سوار ہے۔ اس پوری پارٹی میں صرف میں ہی ایسا آدمی جسے کشت و خون سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

روزا اس کے ساتھ چلنے لگی۔ حمید نے اپنی رفتار کچھ کم کر دی اور پھر وہ دونوں قافلے پیچھے ہو گئے۔

قاسم بھلا کب حمید کا پیچھا چھوڑنے والا تھا۔ بتدریج رفتار کم کرتے کرتے وہ بھی ان د کے برابر پہنچ گیا۔ روزا کا ایک ہاتھ حمید کے ہاتھ میں تھا اور حمید اس سے کہہ رہا تھا۔ "یہ ز

ہے بھولی لڑکی.... یہاں ایسے بہتیرے حادثے ہوا کرتے ہیں۔"

"مگر مجھے اپنے باپ سے ایسی امید نہیں تھی۔ میں اسے اپنا باپ کہتے ہوئے شرم محسوس کرتی ہوں۔"

"یہی ہونا چاہئے۔" قاسم بڑی سنجیدگی سے بڑبڑانے لگا۔ "میرا باپ بھی اس قابل ہے کہ اسے گولی مار دی جائے۔ اسی کی بدولت میں ان اجاڑ جنگلوں میں دھکے کھاتا پھر رہا ہوں۔"

"کیوں؟ تمہارے باپ نے کیا کیا ہے؟" روزا نے پوچھا۔

"اسے پیدا کیا ہے....؟" حمید بولا۔

"تم چپ رہو۔" قاسم جھلا کر بولا۔ "میں تمہاری صورت نہیں دیکھنا چاہتا.... سب تمہاری ہی بدولت ہوا ہے۔"

"ابے تو کیا میں تیرا باپ ہوں۔"

"باپ سے بھی بدتر۔" قاسم نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"تم دونوں کی باتیں عجیب ہوتی ہیں.... جنہیں میں سمجھ نہیں پاتی۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح قاسم ٹل جائے۔ شیپرڈ کی زبانی ریکھا کے انجام کا پلان سن کر اُس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے لیکن اس پر جو اثر بھی ہوا تھا وقتی تھا نہ جانے کیوں وہ پچھلے دو تین دنوں سے ہمدردی اور رحم جیسے جذبات سے قطعی محروم ہو گیا تھا کہ یہ جنگل کی ہوا کا اثر رہا ہو۔

شام ہو گئی لیکن وہ چلتے ہی رہے۔ طارق نے قیام کیلئے کہا بھی لیکن فریدی نے پرواہ نہ کی۔

"کیا ستم کر رہے ہو۔" طارق نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "میں اس راستے سے تمہیں لے چل رہا ہوں جہاں آدمیوں کی آمد رفت رہتی ہے اس لئے دن کو یہاں خطرات سے سامنا نہیں ہوتا.... لیکن راتیں.... تم نہیں سمجھ سکتے یہاں رات کو اژدھوں کی حکمرانی ہوتی ہے۔ سورج غروب ہونے سے پہلے ہی ہمیں اپنے قیام کے لئے کوئی جگہ منتخب کر لینی چاہئے اور ہم اپنے گرد آگ روشن کئے بغیر اس صورت میں بھی محفوظ نہیں ہوں گے۔"

سارا جنگل گلہریوں اور بندروں کے شور سے گونج رہا تھا کچھ عجیب سا ماحول تھا۔ درختوں کی چوٹیوں پر شام کی سرخی مائل دھوپ بکھری ہوئی تھی انہوں نے قیام کے لئے ایک جگہ منتخب کر لی

اور اس کے گرد خشک لکڑیوں کے ڈھیر لگانے لگے۔ پھر تاریکی پھیلتے ہی ان میں آگ لگادی گ

رات گئے انہوں نے سچ مچ بڑے بڑے اژدھے دیکھے جو شکار کی تلاش میں ادھر اُدھر پھر رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر کاہل قسم کے آدمیوں کا تصور ذہن میں پیدا ہوتا تھا۔ وہ آگ دائرے کے قریب آتے اور اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے انہیں گھورتے اور وہ آنکھیں کچھ عجیب معلوم ہوتیں جن سے بے تعلقی کا اظہار ہوتا۔ لیکن بار بار منہ سے لپکتی ہوئی زبانیں کچھ اور تھیں بالکل ایسا معلوم ہوتا جیسے کوئی ایسا فقیر کھڑا دروازے پر صدا لگا رہا ہو جس کی آنکھوں طلب ہو.... اور نہ انداز ہی سے حاجت مندی کا اظہار ہوتا ہو۔

اچانک روزا چیخ پڑی۔ ایک اژدھا ایک درخت کی شاخ سے آہستہ آہستہ اپنے بل کھا ان کی طرف منہ بڑھا رہا تھا۔ فریدی نے رائفل اٹھالی۔

"مارتے ہو تو گولی سر ہی پر پڑے۔" طارق چیخا۔ ساتھ ہی فریدی نے فائر کیا گولی اژدہے کے سر کے چیتھڑے اڑا دیئے۔ اس نے بڑے کرب کے عالم میں اپنے جسم کو گرد اور شاخ سے اس کے سارے بل یکلخت کھل گئے اگر وہ سب پھرتی سے ایک طرف ہٹ نہ ہوتے تو اس نے مرتے مرتے دو چار کو لپیٹ میں لے لیا ہوتا۔

بہر حال وہ رات پھر باری باری سوتے جاگتے رہے اگر دن بھر کے تھکے ہوئے نہ ہو۔ شاید ایک لمحے کے لئے بھی ان کی پلکیں نہ جھپکتیں۔

صبح ہوتے ہی اژدھے نہ جانے کہاں غائب ہوگئے۔

ان کا سفر جاری رہا۔ حمید کا خیال تھا کہ وہ سو رہا ہے اور نہ جاگ رہا ہے۔ ایک درمیانی کیفیت تھی جس میں ہر بات کا احساس تو ہوتا ہے لیکن قوت فیصلہ قریب قریب مفقود ہو ہے۔ قاسم کی صورت سے ایسی وحشت ظاہر ہوتی تھی جیسے وہ اپنے غول سے بچھڑا ہوا کوئی ج بھینسا ہو۔

تیسرے دن طارق نے بتایا کہ وہ منزل مقصود پر پہنچ گئے ہیں۔ طارق آتش فشاں لاوے سے بنی ہوئی تقریباً پانچ سو فٹ بلند ایک سطح مرتفع کی طرف اشارہ کر رہا تھا اس نے بتایا حقیقتاً وہ بھٹکتے ہوئے ادھر آئے ہیں ورنہ اور پہلے پہنچنا چاہئے تھا۔ طارق کو راستے ہی میں اس بات احساس ہو گیا تھا کہ وہ راستہ بھول گیا ہے لیکن اس نے یہ بات کسی پر ظاہر نہیں کی تھی۔ منز

پر پہنچنے کے بعد اس نے اس کا اظہار کیا "اوہ تب تو.... تب تو سنگ ہی پہنچ چکا ہوگا۔"

ی نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ "بہت بُرا ہوا.... وہ لڑکی....؟"

"فکر مت کرو....!" ڈاکٹر شیپرڈ بولا۔ "وادی میں اترنے کا راستہ اُسے نہیں معلوم۔"

"کیا تم جانتے ہو....؟"

"راستے کا سراغ تمہارے پاس ہے۔" ڈاکٹر شیپرڈ بولا۔ "وہ سانپ جو تم نے طوق سے الگ کیا سانپ نہیں بلکہ وہ چاندی کا پترہ ہے اور اسے موڑ کر سانپ کی شکل دی گئی ہے۔ اگر اس کے ولے جائیں تو ہمیں غالباً اس پر بھی ایک تصویری تحریر ملے گی۔ وہی دراصل نیچے جانے استے کا سراغ ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" فریدی سر ہلا کر رہ گیا۔

"لاؤ.... مجھے دو.... میں دیکھوں۔" ڈاکٹر شیپرڈ بے صبری سے بولا۔ لیکن فریدی اس کی دھیان دیئے بغیر طارق سے لنگوا جرال میں گفتگو کرنے لگا۔

اوپر پہنچ کر انہیں وادی کے سرے تک پہنچنے کے لئے زیادہ دور نہیں چلنا پڑا۔ سطح مرتفع کا حصہ بالکل بنجر تھا۔ کسی طرف بھی سبزے کا نشان تک نہیں نظر آتا تھا۔ البتہ کہیں کہیں گھاس کے لمبے لمبے تنکے جن کی پتیاں گر چکی تھیں۔ گھڑنے دکھائی دے جاتے تھے۔ پھر وہ کے سرے پر پہنچ گئے وادی بالکل ویسی ہی تھی جیسا نقشہ طارق پہلے ہی الفاظ میں پیش کر چکا یدی نے چاروں طرف نظر دوڑائی لیکن کہیں بھی کوئی ایسا راستہ نہ سجھائی دیا جس سے نیچے امکان ہوتا۔ وہ سچ مچ "تاریک وادی" ہی تھی۔ اتنا گھنا جنگل انہیں راہ میں بھی کہیں نہیں ملا یدی دوربین سے نیچے دیکھنے لگا۔

"زندگی کے آثار بھی نہیں معلوم ہوتے۔" اس نے تھوڑی دیر بعد آنکھوں پر سے دوربین ہٹا۔

نہ جانے کیوں ان سبھوں پر عجیب قسم کا اضمحلال طاری تھا۔ وہ ایک روایتی خزانے کے پہنچ گئے تھے مگر پھر بھی ان میں کسی قسم کا جوش و خروش نہیں پایا جاتا تھا۔

"کیوں نہ ہم کنارے کنارے پوری وادی کا ایک چکر لگا ڈالیں۔" انور بولا۔ "ممکن ہے کوئی ...!"

"مجھے راستے کی نہیں۔" فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "سنگ ہی کی تلاش ہے۔"

"ضروری نہیں کہ وہ یہاں تک پہنچ ہی جائے۔" طارق نے کہا۔

"کیوں....؟"

"ڈاکٹر شیپرڈ کا بتایا ہوا راستہ میری معلومات کے مطابق ناقابل عبور جنگلوں سے ہ اور وہاں اب بھی پرانی نسل کے مردم خوروں کے پائے جانے کے امکانات ہو سکتے ہیں۔

اچانک ایک عجیب قسم کی آواز نے انہیں اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ پتہ نہیں وہ کیسی لیکن محسوس یہی ہوا تھا جیسے کسی نے قہقہہ لگایا ہو۔ پھر ایک چیخ سنائی دی.... نسوانی چ پھر وہی قہقہہ.... چیخ.... اور قہقہے میں کوئی خاص فرق نہیں تھا۔

آتشی بگولے

وہ آواز کی طرف چل پڑے۔ آواز تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد سنائی دیتی لیکن ا ہو رہا تھا جیسے وہ لحظہ بہ لحظہ دور ہوتی جا رہی ہو۔ وہ چلتے رہے حتیٰ کہ "تاریک وادی" بہ گئی۔ باربردار لامے انہوں نے چند قلیوں کی نگرانی میں نیچے ہی چھوڑ دیئے تھے۔

"یہ تو کسی عورت کی آواز معلوم ہوتی ہے حمید بھائی۔" قاسم نے کہا۔

"ہمیں قبر میں بھی عورتوں ہی کی آوازیں سنائی دیں گی۔" حمید نے ٹھنڈی سانس ا وہ اب بھی آواز ہی کی سمت چل رہے تھے۔

"ادھر....!" فریدی نے ایک طرف اشارہ کیا اور پھر وہ ڈھلان میں اترتے چلے گ

"ارے....!" دفعتاً طارق چلتے چلتے رک گیا۔ پھر دوسرے لمحے میں وہ ایک بڑے ہاتھ ٹیکے دائیں جانب نیچے دیکھ رہا تھا۔ "خدا کی قسم یہ سنگ ہی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو

وہ سب اسی طرف متوجہ ہو گئے۔ پندرہ بیس فٹ نیچے انہیں ایک آدمی دکھائی دیا کاندھے پر ایک عورت اس طرح پڑی تھی جیسے مردہ ہو۔ اس کے ہاتھ اور پیر بندھے ہوئے آوازیں سن کر وہ آدمی اوپر دیکھنے لگا۔ وہ بلاشبہ سنگ ہی تھا لیکن عجیب حال میں کہ ہوئے تھے جن میں اس کی گردن کسی خشکی کے کچھوے کی گردن کی طرح اوپر کی طرف تھی۔ سچ مچ وہ آدمی کے بجائے خشکی کا کچھوا ہی معلوم ہو رہا تھا۔

"آؤ....!" اس نے انہیں دیکھ کر قہقہہ لگایا۔ "خونی بگولے تمہارا انتظار کر رہے ہیں.... ں فریدی کو مخاطب کر رہا ہوں۔"

اس کے کاندھے پر پڑی ہوئی عورت نے پھر ایک ہذیانی سا قہقہہ لگایا اور سنگ ہی اس کی پشت پر بڑے پیار سے ہاتھ پھیرنے لگا پھر اس نے چیخ کر کہا۔ "ڈاکٹر شیپرڈ! میں جانتا تھا کہ تم ان ہنجاروں کو ضرور ساتھ لاؤ گے۔ مگر میرا اب کسی سے بھی جھگڑا نہیں۔ میں خزانے کا تنہا مالک ہوں۔ مجھے اب اس سانپ کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ راستہ مجھے مل گیا۔ آؤ تمہیں دکھاؤں.... آؤ.... ڈرو نہیں.... میرا اب کسی سے کوئی جھگڑا نہیں ہے۔"

"شاید اس کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ جو سنگ ہی کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ نیچے اترنے لگے۔ لیکن ان کے ہاتھ اپنے ریوالوروں پر تھے۔ پھر انہوں نے نیچے پہنچ کر سنگ ہی کو نرغے میں لے لیا۔ سنگ ہی کھڑا لاپروائی سے مسکراتا رہا۔

"لڑکی کے ہاتھ پیر کھول دو۔" فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"مشورہ قابل قبول نہیں ہے۔" سنگ ہی آہستہ سے بولا۔ "اس کا دماغ الٹ گیا ہے اگر میں نے اسے آزاد کر دیا تو یہ کسی چٹان سے چھلانگ لگا دے گی۔ نہیں مائی ڈیئر ہرگز نہیں۔ اوہ آؤ میں تمہیں راستہ دکھاؤں۔"

سنگ ہی بڑے اطمینان سے ان کے نرغے سے نکل کر ایک طرف چلنے لگا۔ وہ بھی اس کے پیچھے بڑھے۔ پھر انہیں جلد ہی ایک عجیب قسم کی آواز سنائی دینے لگی۔ بالکل ایسی ہی جیسے کوئی ریلوے انجن اسٹیم چھوڑ رہا ہو.... "شائیں شائیں۔"

"وہ دیکھو....!" سنگ ہی نے ایک جگہ رک کر ایک غار کے دہانے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "وہ رہا راستہ۔"

'شائیں شائیں' کی آواز اسی غار سے نکلتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی اور دہانے کے قریب ہی انہیں تین لاشیں نظر آئیں جو سنگ ہی کے ساتھیوں کی تھیں۔

"بے صبری اچھی نہیں ہوتی۔" سنگ ہی مسکرا کر بولا۔ "انہوں نے اندر گھسنا چاہا تھا لیکن اچھل کر اتنی دور آ پڑے اور ختم ہو گئے۔ یہ کسی قسم کے بگولے ہیں.... آواز بھی عجیب ہے۔"

"اور بقیہ چار کہاں ہیں؟" فریدی نے سوال کیا۔

"وہ.... ان میں سے کچھ تو ریچھوں کا شکار ہوئے اور کچھ کو اژدھے چٹ کر گئے۔" سنگ نے کچھ ایسے لہجے میں کہا جیسے وہ کسی کو اپنے اخراجات کا حساب دے رہا ہو۔ وہ چند لمحے خا رہا۔ پھر بولا۔ "میں ان بگولوں کے ختم ہونے کا انتظار کروں گا۔"

"بکواس ختم کرو۔" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔ "لڑکی اور طوق کو میرے حوالے کرو۔ کے بعد تم جہنم میں جاؤ۔ تم اس حال کو پہنچ گئے ہو کہ میں تم پر ہاتھ اٹھانے میں خود اپنی ز سمجھتا ہوں۔"

"اگر تم نے طوق یاریکھا کا مطالبہ کیا تو میری طرف سے اسے اعلان جنگ سمجھو.... میرا ہے اور میرا ہی رہے گا۔"

"او کمینے! میں خزانے کے لئے یہاں نہیں آیا ہوں۔"

سنگ ہی کچھ نہ بولا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی گہری سوچ میں ہو پھر یک بیک و ریوالور نکال کر گرجا۔ "اگر کسی نے بھی میری طرف بڑھنے کی کوشش کی تو جہنم میں پہنچادوں نہ تمہیں لڑکی ملے گی اور نہ طوق اور ہاں.... تم فریدی چپ چاپ وہ سانپ نکال کر میر حوالے کردو۔ ورنہ تم سب کی لاشیں یہاں پڑی سڑا کریں گی۔"

پھر اس نے اندھا دھند فائر کرنا شروع کر دیئے۔ پوزیشن لیتے لیتے تین قلی مارے گئے۔

ریوالور کے سارے چیمبر خالی ہو گئے تو سنگ ہی ایک طرف بھاگ نکلا۔ راستہ ناہموار ہو کے باوجود بھی اس کی رفتار تیز تھی۔

لیکن وہ زیادہ دور تک نہیں دوڑ سکا۔ کیونکہ اس کے کاندھے پر نہ جانے کب سے لڑکی کا بو رہا ہو۔ وہ ایک جگہ رک کر بیٹھ گیا۔ بالکل کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح لیکن اب بھی اس چہرے سے خوف کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔

"اچھا فریدی۔" اس نے یک بیک ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "آدھا تمہارا.... آدھا میرا۔"

"بکواس بند کرو.... اور طوق میرے حوالے کردو۔"

"میرے پاس نہیں ہے۔" سنگ ہی نے لاپروائی کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنبش دے کہا۔ "تم ایک بار اچھی طرح میرے اور میرے ساتھیوں کی تلاشی لے چکے ہو۔"

"کیوں....؟" فریدی ڈاکٹر شیپرڈ کی طرف مڑا۔

"طوق اسی کے پاس ہے۔" ڈاکٹر شیپرڈ بولا۔ "ہمارے لکڑی کے صندوقوں میں سے ایک کی دوسرے تختوں کی تھی اور طوق انہیں دونوں تختوں کے درمیان رکھا ہوا تھا۔ یہ اپنے ساتھ صندوق بھی لے گیا تھا۔"

"ڈاکٹر شیپرڈ....!" سنگ ہی دفعتاً اسے قہر آلود نظروں سے گھورنے لگا۔

"تم دغاباز ہو۔" ڈاکٹر ہتھے سے اکھڑ گیا۔ "تم مجھے موت کے منہ میں چھوڑ کر خود نکل آئے تھے۔"

"آہا ڈاکٹر....!" سنگ ہی ہنس پڑا۔ "تم مجھے اس طرح آنکھیں نہیں دکھا سکتے میں نے تم پر ان کیا ہے ورنہ عادت کے مطابق مجھے تم کو اسی وقت ٹھکانے لگا دینا چاہئے تھا جب تم نے تحریر کر مجھے راستے کا پتہ دیا تھا۔"

"سنگ....! لڑکی کو کاندھے سے اُتار کر الگ ہٹ جاؤ۔" فریدی نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"خوب، بہت اچھے۔ میں خزانے کی کنجی تمہارے حوالے کردوں۔ سنو کرنل۔ سنگ اس تک ہار ماننے کا قائل نہیں جب تک آخری سانس باقی رہے۔"

"تم پاگل ہو گئے ہو مجھے تم پر رحم آتا ہے۔" فریدی نرم لہجے میں بولا۔

"آہا....!" سنگ ہی زور سے چیخا۔ "شروع کردو۔"

ساتھ ہی ان پر چاروں طرف سے گولیاں برسنے لگیں۔ فریدی اور اس کے ساتھی بوکھلا سنگ ہی کے قہقہے ٹامی گنوں کی "ریٹ ٹیٹ" سے ہم آہنگ ہو گئے تھے۔ فریدی نے نیچے نگ لگادی۔ یہ حقیقت ہے کہ اسے اپنے ساتھیوں کا ہوش نہیں تھا حملہ اچانک ہوا تھا اور حملہ نامعلوم تھے سنگ ہی نے چار ساتھیوں کے متعلق بتایا تھا کہ وہ راستے ہی میں حادثات کا شکار ئے تھے اور بقیہ تین ساتھیوں کی لاشیں اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھی تھیں فریدی کے ہ ہی حمید اور انور نے بھی چھلانگیں لگائی تھیں۔ روزا بھی چونکہ قریب ہی تھی اس لئے اس بھی تساہلی نہیں برتی۔ وہ بے تحاشا بھاگتے رہے۔ فریدی کا ریوالور اس ہنگامے کے دوران میں گر گیا تھا وہ کافی دور نکل آئے تھے اور ٹامی گنوں کی آوازیں بھی اب نہیں آ رہی تھیں۔

"بہت بُرا ہوا۔" حمید ہانپتا ہوا بولا۔

"بقیہ لوگ یقیناً مارے گئے ہوں گے مجھے افسوس ہے۔" فریدی رک کر چاروں طرف دیکھتا بولا۔ "تم نے خود میری مجبوری دیکھی ہے۔ یہ بلا غیر متوقع طور پر نازل ہوئی تھی اب بتاؤ میں

تمہارے باپ کے لئے کیا کر سکتا تھا۔"

"مصیبتوں کی جڑ وہی ہے۔" روزا نے بیزاری سے کہا۔ "مجھے ذرہ برابر بھی افسوس نہ
فکر نہ کرو۔ مگر بیچارہ بوڑھا طارق.... قاسم.... مجھے ان کی موت پر گہرا صدمہ ہوگا۔"

"آؤ کوئی راہ نکالیں۔" فریدی نے کہا اور وہ پھر پلٹ پڑے کچھ دور چلنے کے بعد فرید
"ادھر سے آؤ۔"

وہ ایک تنگ سی دراڑ میں اتر گئے۔ زیادہ سے زیادہ پندرہ قدم چلنے کے بعد وہ پھر ایک
جگہ میں آنکلے۔ لیکن آگے جانے کا راستہ نہیں تھا کیونکہ ان کے اور دوسری طرف کی چٹا
درمیان میں پانی کا ایک چھوٹا سا چشمہ حائل تھا وہ کنارے کنارے سے چلنے لگے۔ بائیں طر
زمین دور سے خشک معلوم ہوتی تھی لیکن قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ وہ دلدل تھی۔ عجیب
دلدل جو بالکل اسی طرح کھول رہی تھی جیسے پانی پڑنے پر چونا کھولنے لگتا ہے۔ بلبلے بنتے او
جاتے۔ ہلکی سی سنسناہٹ کی آواز فضا میں گونج رہی تھی۔ فریدی چند لمحے کھڑا کچھ سوچتا رہا
سے بولا۔ "ذرا اپنے پائپ کی نلکی نکال کر مجھے دینا۔"

"کیا مطلب۔"

"اس وقت بھی دماغ چاٹو گے؟" فریدی جھلا کر بولا۔ "میرا ذہنی توازن درست ہے۔

حمید نے چپ چاپ تمباکو نوشی کے پائپ کی نلکی نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔ فری
اسے ایک جگہ دلدل میں گاڑ دیا۔ انور روزا اور حمید اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ لیکن
کہنے کی ہمت نہ کر سکا۔ روزا کی آنکھوں سے رحم اور ہمدردی کے جذبات کا اظہار ہو رہا تھا۔
بھی یہی سمجھی تھی کہ فریدی کا دماغ الٹ گیا ہے۔

فریدی نے جیب سے دیا سلائی نکال کر جلائی اور اسے نلکی کے سرے پر لگا دیا دوسر
لمحے میں نلکی کے سوراخ سے نیلے رنگ کی لپک پھوٹ نکلی جو برابر جلتی رہی اور پھر اس نے
دلدل سے نکال کر اس کا نچلا سرا صاف کرنے کے بعد حمید کو واپس کر دیا۔ حمید پھر کچھ
سکا۔ نہ جانے کیوں وہ اس وقت فریدی سے بہت زیادہ خوفزدہ ہو گیا تھا۔

"میں یہ نہیں مان سکتا۔" فریدی نے جلدی سے کہا۔ "کہ سنگ ہی اس سے واقف
میرے خدا اگر انہوں نے ہمارے سامان پر قبضہ کر لیا تو پھر انہیں وادی میں پہنچنے میں دش

جانتے ہو وہ ہمارے گیس ماسک نکال لیں گے اور بے دھڑک اس غار میں اتر جائیں گے۔"

"وہ ہے کیا بلا؟ آواز کیسی ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"کیا تم نے ابھی دیکھا نہیں۔ یہاں ان پتھروں کے نیچے کسی جلنے والی گیس کا بہت بڑا ذخیرہ
غار کے دہانے سے گیس کا اخراج ہوتا ہے بس اتنی سی بات۔ کیا اب بھی نہیں سمجھے؟"

"خدا کے لئے جلدی کرو.... طارق وغیرہ....!" روزا گھٹی گھٹی سی آواز میں بولی۔

"میں مجبور ہوں اپنی عادت سے۔" فریدی تیز قدموں سے پیچھے کی طرف لوٹتا ہوا بولا۔
"اگر بستر مرگ پر بھی کوئی تحقیقی مسئلہ ہاتھ آجائے تو میں اس میں الجھ کر رہ جاؤں گا۔"

دراڑ سے گذر کر وہ پھر باہر آگئے۔ فریدی بے تحاشہ دوڑ رہا تھا اور وہ سب اس کا ساتھ دے
تھے۔ پھر وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں سے غار کا دہانہ صاف نظر آرہا تھا۔ یہ لوگ نشیب میں تھے
ں نے سنگ ہی کے ساتھیوں میں سے دو آدمیوں کو دیکھا جو ٹامی گنیں لئے غار کے دہانے سے
ے ہی فاصلے پر کھڑے ہوئے تھے لیکن ان کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ غافل
ہیں پھر انہیں دو اور آدمی دکھائی دیئے جو دوسری طرف کے نشیب سے چڑھ کر غار کے
نے کی طرف آرہے تھے اور انہوں نے چہروں پر گیس ماسک چڑھا رکھے تھے۔ اس لئے پہچانے
سکے۔ وہ کچھ ذرا اور اوپر آئے تو انہیں ان کے ساتھ ایک تیسری ہستی بھی دکھائی دی جسے وہ
پیر پکڑے لٹکائے ہوئے تھے اور اس کے چہرے پر گیس ماسک چڑھا ہوا تھا۔ یہ یقیناً ریکھا ہی
جسے وہ اس طرح غار میں لے جا رہے تھے۔

"اے ریوالور بھی ہے کسی کے پاس....؟" فریدی نے دانت پیس کر سرگوشی کی۔

"نہیں.... گر گئے۔" سب کا یہی جواب تھا۔

"نہیں لے جا سکتے۔" فریدی ہذیانی انداز میں بولا۔ "وہ اسے نہیں لے جا سکتے اگر میری
لوں کے سامنے یہ اس درندگی کی بھینٹ چڑھ گئی تو میں خودکشی کر لوں گا۔"

پھر اس نے بڑی پھرتی سے اپنا کوٹ اتارا اور دیا سلائی کھینچ کر اس میں آگ لگا دی سنگ ہی
کا ساتھی ریکھا کو اٹھائے ہوئے غار کے دہانے کی طرف بڑھتے آرہے تھے۔ جب کوٹ میں
طرح آگ لگ گئی تو فریدی نے اسے غار کے دہانے کی طرف اچھال دیا۔ دفعتاً ایک زوردار
پیدا ہوئی اور دوسرے ہی لمحے میں غار کے دہانے سے درجنوں فٹ اونچی لپک نکلنے لگی اور

ساتھ ہی اتنے زور کا زناٹا پیدا ہوا کہ حمید وغیرہ بوکھلا گئے۔ سنگ ہی اور اس کے مسلح گنیں پھینک پھینک کر بے تحاشہ دوسری طرف بھاگے۔ لیکن سنگ ہی کی حاضر دماغی تھی۔ اس نے ریکھا کو نہیں چھوڑا۔ اس کا ساتھی تو ریکھا کا پیر چھوڑ کر بھاگ نکلا تھا لیکن نہایت اطمینان سے اسے کاندھے پر ڈال کر وہاں سے ہٹا.... فریدی نے اوپر پہنچ کر گنیں اٹھالیں اور پھر وہ آہستہ آہستہ دوسری طرف بڑھے۔ وہ چاروں سینے کے بل لیٹ اور رینگتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ حمید اور فریدی آگے تھے اور ان کے ہاتھوں میں تھیں۔ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "ان میں میگزین کم ہے۔ ذرا احتیاط سے.... انگلی ہی تمہارا ذہن بھی ٹریگر ہی پر ہونا چاہئے۔"

ابھی وہ سرے اوپر پہنچے بھی نہیں تھے کہ انہوں نے قدموں کی آوازیں سنیں۔ اپنے تین ساتھیوں سمیت دوبارہ اوپر کی طرف آرہا تھا۔ دو کے ہاتھوں میں ٹامی گنیں فریدی نے اندازہ لگالیا کہ ان پاس چار سے زیادہ ٹامی گنیں نہیں ہیں۔

"شروع ہو جاؤ۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

ٹامی گنوں سے گولیاں نکلیں اور سنگ ہی کے دونوں مسلح آدمی ڈھیر ہو گئے۔ سنگ ا دوسرا ساتھی سر پر پیر رکھ کر بھاگے۔ ادھر سے پھر فائر ہوئے لیکن وہ دونوں زد سے تھے۔ انہوں نے نیچے اُتر کر بقیہ دو ٹامی گنوں پر بھی قبضہ کر لیا۔

"بس سیدھے ادھر ہی۔" فریدی بولا۔ "جدھر ہم نے اپنا سامان چھوڑا تھا۔"

لیکن اتنے دور جانے کی نوبت نہیں آئی۔ سنگ ہی اور اس کا ساتھی راستے ہی میں مل

"خبردار....!" فریدی نے للکارا۔ "رک جاؤ.... ورنہ...." جملہ پورا کرنے سے سنگ ہی رک گیا لیکن اب بھی اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نہیں تھے وہ اتنے پر سکو میں رک کر مڑا تھا جیسے اس کے کسی شناسا نے سر راہے اسے پہچان کر آواز دی ہو۔

"تم بہت ذہین اور دلیر ہو۔ میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔" سنگ ہی مسکرا کر بولا۔

"جب بھی میں اس سفر کے حالات لکھنے بیٹھوں گا تو مجھے تمہاری یاد بے حد ستائے گی ان بگولوں کا تذکرہ خونی بگولوں کے نام سے کرنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن اب لکھنا پڑے گا کہ کی ذہانت نے انہیں آتشی بگولے بنا دیا تھا۔ مگر فریدی! مجھے افسوس ہے کہ تمہاری قبر ایسی جگ

گی جہاں کوئی مجاور بھی نہ نصیب ہوگا۔"

"بہت اچھا بیٹے! لیکن یہ بتاؤ کہ میرے ساتھیوں کا کیا بنا....؟"

"وہ میری قید میں ہیں اور میں ان سے بار برداری کا کام لوں گا۔ میں نہیں چاہتا تھا مگر کیا کروں ڈاکٹر شیپرڈ کی موت ہی آگئی تھی۔"

روزانے یہ خبر بڑے سکون کے ساتھ سنی اور فریدی نے سنگ ہی سے کہا۔ "اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھاؤ۔ میں تمہیں طوق سمیت زندہ واپس لے چلوں گا۔"

"نہ تم مجھے لے جاسکتے ہو اور نہ طوق....!" سنگ ہی نے ایسے لہجے میں کہا جس سے خود اعتمادی مترشح ہوتی تھی۔

"حمید اس کے گلے سے طوق نکال لو۔"

سنگ ہی چپ چاپ کھڑا رہا۔ جیسے ہی حمید اس کے قریب پہنچا نہ جانے کیا ہوا کہ سنگ ہی کا یک پیر اس کے سر پر پڑا اور ایسا معلوم ہوا جیسے سنگ ہی ہوا میں اڑ گیا ہو۔ کئی فٹ بلند ہو کر وہ پھر مین پر آیا اور ایک طرف بھاگا۔ پھر فریدی سے کچھ دور کے فاصلے پر رک گیا۔ فریدی نے جھلا کر ائر کیا۔ سنگ ہی بڑی پھرتی سے وار بچا گیا اور پھر ٹامی گن سے گولیاں ابلنے لگیں لیکن سنگ ہی ی جگہ کھڑے کھڑے اچھل کود کر اس طرح گولیاں خالی دے رہا تھا جیسے کوئی بندر کچھ شریر وں کے پتھراؤ سے خود کو بچا رہا ہو۔ آخر میگزین ختم ہو گیا۔ فریدی نے جھلاہٹ میں ٹامی گن اس کھینچ ماری۔ لیکن وہ اسے بھی بچا کر اس طرح ہنسنے لگا جیسے کسی ننھے بچے کو چڑا رہا ہو۔ فریدی کسی غضب ناک بھیڑیئے کی طرح غراتا ہوا اس کی طرف جھپٹا۔

سنگ ہی تین چار چھلانگوں میں اوپر پہنچ گیا۔ فریدی نہتا ہی اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ غار کے ہانے سے اب بھی اسی زور و شور کے ساتھ درجنوں فٹ اونچی لپک اٹھ رہی تھی اس کا محیط بھی ر کے دہانے ہی کے برابر تھا۔ بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے جہنم کی کوئی بھٹی کھل گئی ہو۔

"تم مجھے نہیں پاسکتے۔" سنگ ہی نے اپنی پوری قوت سے چیخ کر کہا۔ "طوق بھی میں اپنے ساتھ لے جارہا ہوں.... سمجھے۔"

پھر قبل اس کے کہ فریدی اس کے قریب پہنچتا اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے جہنم کے دہانے میں چھلانگ لگادی۔

فریدی جہاں تھا وہیں رک گیا۔ چند لمحے کھڑا خلا میں گھورتا رہا پھر واپسی کے لئے مڑا۔ کے پیچھے حمید، روزا اور انور متحیر کھڑے تھے۔ فریدی ان کی طرف مخاطب ہوئے بغیر نیچے اتر لگا۔ اس کے چہرے پر پسینے کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ نیچے اتر کر ایک پتھر پر گیا۔ وہ تینوں بھی اس کے ساتھ ہی ساتھ نیچے آئے تھے۔ روزا اس کے پیروں کے پاس بیٹھ گ وہ حیرت سے اس کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے تھے۔

"جاؤ.... طارق وغیرہ کو تلاش کرو۔" فریدی مضمحل آواز میں بولا۔ "غالباً وہ وہیں ہوں جہاں ہمارا سامان ہے۔"

انور اور حمید چپ چاپ چلے گئے۔ روزا وہیں بیٹھی رہی۔

"یہ میری فتح نہیں شکست ہے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"غلط ہے.... وہ لڑکی طوق سے زیادہ قیمت رکھتی ہے۔ تم نے اس کی جان بچائی ہے۔ نہیں.... فریدی.... تم عظیم ہو۔ یہ تمہاری سب سے بڑی فتح ہے۔ ایک انتہائی سرکش قو مجرم تم سے تنگ آکر خودکشی کر لیتا ہے۔"

"میں ڈاکٹر کو نہ بچا سکا۔ میں نے وعدہ کیا تھا۔"

"میں اسے اپنے ہاتھ سے گولی مار دیتی۔" روزا نے فخریہ انداز میں کہا۔

"اسی طرح جیسے کسی پاگل کتے کو مار دی جاتی ہے۔ باپ کے رشتے سے زیادہ میں انسانیت اہمیت دیتی ہوں۔"

"میں تمہاری عظیم روح کو سلام کرتا ہوں۔" فریدی اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کی آنکھ میں دیکھتا ہوا بولا۔ "میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔"

پھر وہ دونوں خاموش ہو گئے۔

تھوڑی دیر بعد قاسم اور طارق بھی وہاں پہنچ گئے۔ انور کا سر زخمی تھا۔ سنگ ہی کے بقیہ ساتھیوں نے کافی اودھم مچایا تھا اور وہ انور ہی کے ہاتھوں انجام کو پہنچ گئے تھے۔ طارق نے پو روداد سنی کچھ دیر خاموش رہا اور پھر بولا۔

"اب کیا ارادہ ہے....؟"

"وہ لڑکی کہاں ہے....؟" فریدی نے پوچھا۔

نمبر 15

جواب میں طارق نے بتایا کہ وہ حمید کی نگرانی میں ہے اور پھر وہ اپنے سوال کے جواب کا رکرتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی بولا۔ "اب واپسی کا ارادہ ہے۔"

"کیا اتنی مصیبتیں اٹھانے کے بعد یونہی ہی واپس ہو جائیں گے؟"

"بس طارق صاحب۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اب اگر کسی نے خزانے کا نام لیا تو میں اسی آگ میں جھونک دوں گا.... اوہ معاف کیجئے گا.... آپ میرے بزرگ ہیں.... آپ سوچئے.... کیا یہ ایک کھلی ہوئی دیوانگی نہیں ہے؟ کتنے اس دیوانگی کی بھینٹ چڑھ گئے.... اتنا روحانی سکون خزانے ملنے کے بعد نہ ہوتا جتنا اس لڑکی کو بچا کر نصیب ہوا ہے۔ آپ خود کیجئے.... میرے بزرگ...." فریدی خاموش ہو گیا۔ کوئی کچھ نہ بولا۔

آگ کی لپک کا زناٹا اب بھی کان پھاڑ رہا تھا۔

اندھیرا ہو چلا تھا اور اسی آگ سے دور دور تک روشنی پھیل رہی تھی۔

دفعتاً فریدی نے کہا۔ "مگر میں یہاں ایک بار پھر آؤں گا.... وادی تاریک میرے لئے کافی ش رکھتی ہے.... لیکن مطمع نظر خزانے کا حصول نہ ہوگا۔ کیا نیچے تک پہنچنا ہی ایک بڑا کارنامہ ہوگا....؟"

سناٹے میں جلتی ہوئی گیس کا زناٹا گونجتا رہا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 46

لاشوں کا سوداگر

(مکمل ناول)

نامعلوم مہم

کیپٹن حمید نے پانچویں بار کچھ پوچھنے کی کوشش کی لیکن فریدی کی تیز نظروں کی تاب نہ لا کر خاموش ہو گیا۔ رات کے ساڑھے بارہ بج چکے تھے اور کرنل فریدی کی سیاہ آسٹن شہر کی سڑکوں کے چکر کاٹ رہی تھی.... فریدی اور حمید دونوں سیاہ لباس میں ملبوس تھے اور فریدی کے زانوؤں پر چمڑے کا ایک تھیلا رکھا ہوا تھا جس میں نقب زنی اور قفل شکنی کے آلات کے علاوہ ایک عجیب وضع کی چھوٹی سی مشین بھی تھی۔

حمید فریدی کے پروگرام سے قطعی ناواقف تھا۔ اُسے بس ساتھ چلنے کے لئے کہا گیا تھا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ فریدی کبھی اسے اپنی اسکیموں کے متعلق کچھ نہیں بتایا کرتا تھا اور حمید کو بھی اس سلسلے میں کچھ ضد سی ہو گئی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی قبل از وقت کبھی کچھ نہیں بتاتا لیکن پھر بھی وہ پوچھنے سے باز نہیں آتا تھا۔

کار جیسے ہی چیتھم روڈ پر مڑی اس نے کہا۔ "میرے ذہن میں ایک اسکیم ہے۔"

"کیسی اسکیم....؟" فریدی نے پوچھا۔

"آپ مجھے یہیں اُتار دیجئے۔"

"کیوں....؟"

"میں کار کے پیچھے دوڑوں گا۔"

"بکو مت۔"

"اور یہ چیختا ہوا دوڑوں گا رو کو.... رو کو میری عقل اگلی سیٹ پر رہ گئی ہے۔"

فریدی مسکرا کر رہ گیا.... حمید بڑبڑاتا رہا۔ "خدا نے مجھے نائب تحصیلدار نہیں بنایا حشر کے

دن اس کا شکوہ کروں گا۔ اس محکمے میں نہ عزت ہے نہ آرام۔ گاؤں کے پٹواری مجھ سے زیا کرتے ہوں گے۔"

"تم کیا چاہتے ہو۔"

"آرام....!"

"تب تو تمہیں نائب تحصیلدار کی بیوی بننے کی خواہش کرنی چاہئے۔"

"میں بیوی کا نائب تحصیلدار بھی بننے پر تیار ہوں۔ مگر مجھے تھوڑا سا آرام ضرور چا میں اپنی افتادِ طبع سے مجبور ہو کر اس محکمے میں نہیں آیا ہوں۔"

"تو بیٹے خاں! تمہیں محکمہ آرام تو دنیا کے کسی بھی حصے میں نہیں ملے گا۔ ویسے نظروں میں صرف ایک جگہ ایسی ہے جہاں آرام ہی آرام ہے۔"

"مجھے اس کا پتہ بتایئے۔"

"قبر....!"

"میں وہاں بھی جانے کے لئے تیار ہوں بشرطیکہ کوئی خوبصورت سی لڑکی بھی میرے دفن ہونے کا وعدہ کرلے۔"

"آگئے اوقات پر۔" فریدی منہ بنا کر بولا۔

"میرے باپ دادا کی بھی یہی اوقات تھی جس کا نتیجہ میں بھگت رہا ہوں۔"

"اچھا بکواس بند کرو۔"

"بند ہو گئی۔ لیکن آپ کو یہ تو بتانا ہی پڑے گا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔"

"ابھی معلوم ہو جائے گا۔"

فریدی نے کار کی رفتار کم کر دی۔ وہ ایک ایسے علاقے میں تھے جہاں کئی بڑی بڑی کوٹھ تھیں لیکن ان میں سے شائد دو تین ہی ایسی رہی ہوں جن کی کسی کھڑکی میں روشنی نظر آ رہی؛

ایک جگہ فریدی نے کار روک دی۔

"اُترو....!" اس نے حمید سے کہا۔ "تم یہیں کھڑے رہو میں ابھی آتا ہوں۔"

"یہ بھی بتا دیجئے کہ اگر آپ واپس آنا بھول گئے تو میں کیا کروں گا۔"

"بکواس مت کرو۔" فریدی نے اُسے نیچے دھکیلتے ہوئے کہا۔

کار آگے بڑھ گئی۔ حمید اندھیرے میں مکا ہلاتا رہ گیا۔ جھلاہٹ شاید آخری منزل پر تھی لیکن خاموشی کے علاوہ اور چارہ ہی کیا تھا۔ وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔

آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور کسی وقت بھی بارش ہو سکتی تھی۔

شائد دس منٹ بعد فریدی واپس آ گیا۔ کار کہیں چھوڑ آیا تھا۔ لیکن چمڑے کا تھیلا اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ حمید کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کر کے ایک عمارت کی طرف بڑھا۔ پھاٹک کے قریب پہنچ کر اس نے حمید سے کہا۔ "میں پھاٹک کا تالا توڑنے جا رہا ہوں۔"

"بسم اللہ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے کہئے تو قریب کے تھانے میں اطلاع کر دوں۔"

"سنجیدہ ہو جاؤ.... ورنہ تھپڑ مار دوں گا۔"

فریدی نے تھیلے سے ایک اوزار نکالا اور اسے قفل کے کنڈے میں پھنسا کر زور کرنے لگا۔ دوسرے ہی لمحے میں کنڈا ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ الگ ہو گیا۔

پھاٹک کھول کر وہ اندر داخل ہوئے۔ چاروں طرف قبرستان کی سی ویرانی تھی۔ پائیں باغ چھوٹا ہی تھا۔ انہیں اصل عمارت تک پہنچنے میں دیر نہ لگی۔

برآمدہ بھی تاریک تھا اور بظاہر عمارت کے کسی بھی حصے میں زندگی کے آثار نہیں پائے جاتے تھے۔ فریدی نے جیب سے ٹارچ نکالی۔

صدر دروازہ بھی مقفل تھا اور یہ قفل ایسا نہیں معلوم ہوتا تھا جسے آسانی سے توڑا جا سکتا۔

فریدی اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ پھر وہ ایک کھڑکی کی طرف بڑھا۔

کھڑکی کا شیشہ توڑنے میں کیا دشواری ہو سکتی تھی۔ دوسرے ہی لمحے میں اُس نے شیشہ سے نکلی ہوئی جگہ میں ہاتھ ڈال کر اندر سے چٹخنی گرا دی۔ کھڑکی کھل گئی۔

اندر پہنچتے ہی حمید نے کچھ اس قسم کی بو محسوس کی جیسے اس عمارت میں عرصہ سے تازہ ہوا کا گذر نہ ہوا ہو۔ وہ ایک آراستہ کمرے میں کھڑے ہوئے تھے۔ فرنیچر پر گرد کی تہیں نظر آ رہی تھیں۔ فریدی کی ننھی سی ٹارچ کی شعاع بڑی تیزی سے کمرے میں گردش کر رہی تھی۔ پھر وہ پوری عمارت کا چکر لگانے کے بعد اس کمرے میں دوبارہ واپس آئے جہاں انہوں نے کسی قسم کا بھی کوئی سامان نہیں دیکھا تھا۔ یہ کمرہ بالکل خالی تھا۔ دیواریں اور فرش ننگے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہاں کبھی کوئی سامان رہا ہی نہ ہو۔ فریدی نے سوئچ آن کر کے کمرے میں روشنی کر دی۔

حمید نے محسوس کیا کہ فریدی آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کر رہا ہے۔ اس کے چہرے اس قسم کے آثار تھے جیسے اُسے اس کمرے کو اس حال میں دیکھ کر سخت مایوسی ہوئی ہو۔

"کچھ نہ ہوا۔ کچھ بھی نہ ہوا۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا نہ ہوا۔"

"اس کمرے کی حالت دیکھ رہے ہو۔"

"دیکھ رہا ہوں.... مگر مجھے کوئی خاص بات نظر نہیں آتی۔"

"یہاں پہلے بھی کافی سامان رہا ہوگا۔ ممکن ہے فرش پر قالین یا دری بھی رہی ہو حمید متحیرانہ انداز میں فریدی کو گھورنے لگا۔

"ٹھہرو بتاتا ہوں۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ پھر اس نے تھیلے سے وہ مشین نکالی جس استعمال سے حمید ابھی تک ناواقف تھا اور نہ پہلے ہی کبھی وہ فریدی کے پاس نظر آئی تھی۔ اس پچھلے حصے میں تار سے لگا ہوا ایک پلگ لٹک رہا تھا۔ فریدی نے وہ پلگ دیوار سے لگے ہوئے سو بورڈ میں نصب کر دیا۔ مشین زیادہ بڑی نہیں تھی اور اس کی شکل بکس نما کیمرے سے مشابہ تھی حمید تو یہی سمجھا کہ شاید وہ کسی قسم کا کیمرہ ہے جس سے فریدی کمرے کا فوٹو لینے کا ارادہ رکھتا ہے لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ چھوٹی سی مشین ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ چل پڑی اور اس میں سے مٹیالے رنگ کا گہرا غبار نکل کر فرش پر منتشر ہونے لگا۔

فریدی اپنے ہاتھوں کو آہستہ آہستہ جنبش دے رہا تھا۔

شاید ایک یا ڈیڑھ منٹ تک مشین چلتی رہی پھر فریدی نے اُسے بند کر دیا۔

"اب دیکھو...!" فریدی نے فرش کی طرف اشارہ کیا۔

اب فرش پر بے شمار قدموں کے نشانات نظر آ رہے تھے۔ مشین سے غبار منتشر کرنے سے پہلے فرش بالکل صاف دکھائی دیتا تھا۔

"مگر شاید تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں نے یہ سب کچھ پیروں کے نشانات کے لئے کیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"میں کچھ بھی نہیں سمجھ رہا ہوں۔"

"تو اب سمجھو۔ مجھے توقع تھی کہ اس کمرے میں تھوڑی جگہ ایسی بھی ہوگی جہاں پیروں کے

ت نہ ہوں گے۔"

"نہ ہوں گے۔ میں اب بھی نہیں سمجھا۔ لیکن ہاں اس طرف کونے میں نشانات نہیں ہیں۔

ں صاف ہے۔"

"ٹھیک.... ذرا ٹھہرو۔" فریدی نے کہا اور دیوار کی جڑ کے ساتھ چلتا ہوا اس حصے تک پہنچ جہاں قدموں کے نشانات نہیں تھے۔ پھر اس نے رک کر چاروں طرف دیکھا اور دیوار پر جگہ نظر جما دی۔

خاموشی کا ایک طویل وقفہ۔ حمید کو الجھن ہونے لگی تھی اور اب وہ فریدی کی طرف دیکھ نہیں رہا تھا۔ پھر اچانک وہ ایک عجیب طرح کا شور سن کر فریدی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

فریدی بھی اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ادھر دیکھو مجھے اس کی تلاش تھی۔" فریدی نے ایک ایسے خلاء کی طرف اشارہ کیا جو فرش ں اسی جگہ پیدا ہو گیا تھا جہاں قدموں کے نشانات نہیں تھے۔

حمید آنکھیں پھاڑے اُدھر ہی دیکھتا رہا۔

"دیوار سے ملے ہوئے ادھر ہی چلے آؤ۔" فریدی بولا۔

"میں آ رہا ہوں.... لیکن یہ سب ہے کیا بلا۔" حمید دیوار کے سہارے اس کی طرف بڑھتا وا بولا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی ٹارچ کی روشنی تہہ خانے میں رینگ گئی۔ سامنے ہی یڑھیاں تھیں۔

❁

آسکر اسٹریٹ میں سناٹا تھا۔ پوری سڑک روشن تھی۔ لیکن رات زیادہ گذر جانے کی وجہ سے آمد و رفت بند ہو گئی تھی۔ مکانوں کی کھڑکیوں میں زیادہ تر گہری نیلی روشنی نظر آ رہی تھی۔

اچانک آسکر اسٹریٹ کا سکوت شور و غل میں تبدیل ہو گیا۔ لیکن وہاں کے رہنے والے بدستور سوتے رہے۔ اگر کسی کی آنکھ کھلی بھی ہوگی تو بڑی بے پروائی سے کروٹ بدل کر دوبارہ سو گیا ہوگا۔ سب ہی جانتے تھے کہ آسکر اسٹریٹ میں ایک شراب خانہ بھی ہے اور اس کا مالک کوئی اچھا آدمی نہیں۔ سب ہی جانتے تھے کہ وہاں اچھے آدمی نہیں آتے۔ اسی لئے کسی میں اتنی ہمت

بھی نہیں تھی کہ وہ اس شراب خانے یا اس میں ہونے والی مذموم حرکات کے خلاف آواز ا
گریٹی کو سب جانتے تھے۔ وہ ایک لمبا تڑنگا دیسی عیسائی تھا۔ اس کی پیشانی زخموں
سے داغدار تھی اور بایاں گال ٹھوڑی سے لے کر کان کے نیچے تک دو حصوں میں تق
بھی کسی گہرے زخم ہی کا نتیجہ تھا۔ جبڑے بھاری اور چہرہ کافی بڑا تھا۔

گریٹی ہی اس شراب خانے کا مالک تھا اور اس شراب خانے میں رات کو عموماً شہر
ہوئے بدمعاش اکٹھا ہوا کرتے تھے۔ اکثر وہ نشے میں ہنگامہ برپا کر بیٹھتے اور اتنا شور ہو
پڑوس کے بہرے آدمیوں کی بھی نیندیں اچٹ جاتیں لیکن جیسے ہی گریٹی اپنے کمرے
مجمعے تک آتا اچانک اس طرح خاموشی چھا جاتی جیسے بھیڑوں کے گلے میں کوئی بھیڑیا گھس
بہکے ہوئے شرابیوں کا نشہ ہرن ہو جاتا۔

آج بھی یہی ہوا۔ دو آدمی کسی بات پر لڑ بیٹھے۔ پہلے بوتلیں چلیں پھر میزوں اور
کی باری آگئی جب تک گریٹی اپنے کمرے سے نکلتا کئی آدمیوں کے سر لہولہان ہو گئے اور
کرسیاں ٹوٹ گئیں۔

"کیا ہو رہا ہے" ہنگامہ کرنے والوں نے گریٹی کی گرجدار آواز سنی اور جہاں تھے
گئے۔ اس طرح سناٹا چھا گیا جیسے کچھ دیر قبل کوئی بات ہی نہ رہی ہو۔

"جھگڑا.... کس نے شروع کیا تھا۔" گریٹی کی تیز قسم کی سرگوشی کمرے میں گونج کر
اس کی خونی آنکھیں مجمعے کو گھور رہی تھیں اور وہ کمر پر ہاتھ رکھے سینہ تانے اس طرح کھڑا
کوئی دیوبالشتیوں کے سرزمین میں پہنچ گیا ہو۔

لوگوں نے ایک آدمی کی طرف اشارہ کیا۔ یہ بھی ایک کافی تندرست اور خوش پوش آ
لیکن اس کی آنکھوں سے پتہ چلتا تھا کہ وہ انتہائی کینہ توز اور خونی قسم کا آدمی ہے۔

"ادھر آؤ....!" گریٹی نے اس سے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"میں تمہارے باپ کا نوکر نہیں ہوں۔" دوسرا گرج کر بولا۔

گریٹی ایک دوسری میز کی طرف دیکھنے لگا جس کے گرد چار آدمی بیٹھے کچھ دیر قبل
کھیل رہے تھے لیکن اب انہوں نے تاش کی گڈی ایک طرف رکھ دی تھی اور گریٹی کے
کو بھوکی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ گریٹی نے انہیں کچھ اشارہ کیا اور وہ اپنے کمرے کی طر

واپس چلا گیا۔

دوسرا آدمی ہوشیار ہو چکا تھا لیکن اسے مدافعت کا موقع نہ مل سکا۔ چاروں اس پر ٹوٹ پڑے
تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں اس کے ہاتھ پیر سست پڑ گئے۔

دوسرے لمحے میں وہ اُسے کھینچتے ہوئے گریٹی کے کمرے کی طرف لے جا رہے تھے۔

گریٹی نے اُسے بڑی حقارت سے دیکھ کر اپنے آدمیوں سے کہا۔ "اس کے کپڑے اتار دو۔"

دوسرے آدمی نے پھر جدوجہد کرنی چاہی لیکن بس نہ چلا۔ انہوں نے اسے قابو میں کر کے
اس کے کپڑے اتار دیئے۔ جسم پر صرف ایک انڈرویئر رہ گیا۔

"اب دروازے کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔" گریٹی نے اس سے کہا۔

دروازہ کھلا ہوا تھا۔ یوں ہی وہ دروازے کی طرف مڑا۔ گریٹی نے اس کی کمر پر ایک لات
رسید کر دی۔ وہ منہ کے بل شراب خانے میں جا گرا۔ اس بار شراب خانے کی چھت قہقہوں کے
شور سے جھنجھنا اٹھی۔

"ان سے کہو زیادہ شور نہ مچائیں۔" گریٹی نے اپنے آدمیوں سے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

اتنے میں فون کی گھنٹی بجنے لگی اور وہ چاروں کمرے سے نکل گئے۔

گریٹی نے ریسیور اٹھا لیا۔ "ہیلو۔"

"گریٹی۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ہاں میں گریٹی بول رہا ہوں۔"

"چیتھم روڈ والی کوٹھی میں دو آدمی داخل ہوئے ہیں۔"

"کون ہیں۔"

"میں نہیں جانتا۔ فوراً پہنچو۔"

"اچھا....!" گریٹی ریسیور رکھ کر دروازے کی طرف مڑا۔

❁

"ہم کہاں جا رہے ہیں۔" حمید نے چاروں طرف دیکھ کر کہا۔

"آؤ۔" فریدی تہہ خانے کی پہلی سیڑھی پر پیر رکھتا ہوا بولا۔

"ٹھہرو....!" اچانک پشت سے آواز آئی۔ فریدی اور حمید کے ہاتھ بے اختیارانہ طور پر اپنی

پیشانیوں کی طرف گئے اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اُن کے چہروں پر سیاہ نقابیں کھینچ گئیں دروازے کی طرف مڑے۔

پانچ مسلح نقاب پوشوں کے ریوالور اُن کی طرف اٹھے ہوئے تھے۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" سب سے اونچے آدمی نے کہا۔

اُن کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔ لمبا آدمی چند لمحے انہیں گھورتا رہا پھر اس نے اپنے آدمیوں کہا۔ "ان کے چہرے کھول دو۔"

دو آدمی آگے بڑھے۔ انہوں نے اپنے ریوالور جیب میں رکھ لئے تھے لیکن اب بھی ریوالوروں کی نالیں فریدی اور حمید کی طرف تھیں۔

وہ دونوں ان کے قریب آگئے۔

"خبردار.....!" لمبے آدمی نے للکارا۔ "کوئی حرکت نہ ہو ورنہ دوسرے لمحے میں تم مردہ ہوگے

"ترکیب نمبر چوبیس۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا اور حمید بڑی پھرتی سے زمین پر بیٹھ گ فریدی نے بھی یہی کیا تھا۔

دونوں نقاب پوش اپنے ہی زور میں ان پر آرہے۔ اور پھر دوسرے ہی لمحے میں وہ فریدی ا حمید کی گرفت میں تھے۔ بیک وقت تین فائر ہوئے لیکن تینوں گولیاں سامنے والی دیوار پر پڑیں۔

قبل اس کے کہ وہ دوسرا راؤنڈ چلاتے فریدی نے اپنے قابو میں آئے ہوئے آدمی کو اُن کھینچ مارا۔ تین فائر پھر ہوئے لیکن کوئی گولی چھت پر پڑی اور کوئی دیوار پر کیونکہ وہ تینوں گر گئے تھے۔ فریدی ان پر بھوکے بھیڑیئے کی طرح جھپٹ پڑا۔ حمید کو کچھ نہ سوجھی تو اس نے اپنے شکا کو تہہ خانے میں دھکا دے دیا لیکن اسے اتنا ہوش کہاں تھا کہ وہ اس کی چیخ سن کر محظوظ ہو دوسری طرف فریدی ان چاروں سے گتھا ہوا تھا۔ حمید نے ریوالور نکالا۔ لیکن اس کی سمجھ ہی میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔ اس نے ریوالور پھر جیب میں ڈال لیا۔

پھر وہ بھی ان چاروں سے بھڑ گیا۔ اب ان میں سے کسی کے بھی ہاتھ میں ریوالور نہیں تھے۔

یہ چھ آدمی نہیں معلوم ہو رہے تھے۔ ان کے ہاتھ پیر تیزی سے حرکت کر رہے تھے اور حلق سے ایسی ہی آوازیں نکل رہی تھیں جیسے وہ جھلائے ہوئے درندے ہوں۔

چاروں نقاب پوش اس کوشش میں تھے کہ فرش سے اپنے ریوالور اٹھالیں لیکن شاید فریدی

ی یہی چاہتا تھا۔ ان کے ہاتھ ریوالوروں کی طرف نہ جاسکیں۔

"او گدھے! ریوالور سمیٹو!" فریدی نے جھلائی ہوئی آواز میں حمید سے کہا۔

حمید کو ہوش آگیا۔ واقعی اس سے ابھی تک گدھا پن سرزد ہوتا رہا تھا۔ وہ ریوالوروں کی رف جھک پڑا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں لمبے آدمی کی لات اس کی کمر پر پڑی اور وہ اوندھے منہ ش پر ڈھیر ہوگیا۔

حمید چوٹ کی پرواہ کئے بغیر پھر پلٹا۔ اس بار اگر اس سے ذرہ برابر بھی غفلت ہو جاتی تو لمبے دی کی ٹھوکر سے اس کے چہرے کا بھرتا بن گیا ہوتا۔ وہ بڑی تیزی سے ایک طرف سرک گیا۔ دوسری طرف فریدی کا گھونسہ لمبے آدمی کی پیشانی پر پڑا اور حمید کو چاروں ریوالوروں کو سمیٹ لینے کا موقع مل گیا۔

لیکن اس کی حسرت دل ہی میں رہ گئی کیونکہ جیسے ہی اس نے ریوالوروں پر قبضہ کیا وہ چاروں ھاگ نکلے۔

کار میں لاش

دوسری صبح ناشتے کی میز پر حمید اونگھ رہا تھا۔ رات کی غیر متوقع ورزش نے اس کے جسم کا ہند بند دکھا دیا تھا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر وہ لوگ اتنی جلدی کہاں غائب ہوگئے تھے۔" اس نے چونک کر کہا۔

"تم نے بات بھی پوچھی تو بے تکی۔" فریدی بولا۔

"ہاں بے تکی۔" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"بے تکی ہی ہے۔ تم نے اس آدمی کے متعلق غور نہیں کیا جسے تم نے تہہ خانے میں پھینکا تھا آخر وہ کہاں غائب ہوگیا۔ زندہ یا مردہ اسے تو کم از کم ملنا ہی چاہئے تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ تہہ خانے کے اندر بھی کوئی تہہ خانہ ہوگا۔"

"بس تو پھر یہ سوال ہی فضول ہے کہ وہ لوگ اتنی جلدی کہاں غائب ہوگئے۔"

"اچھا تو پھر بتایئے کہ میں اور کیا پوچھتا۔" حمید نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

فریدی نے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے کہا۔ "خیر سنو! تم نے اس

دوران میں ایک بڑی حیرت انگیز خبر سنی ہوگی۔ یہی کہ بازار میں سو سو روپے کے لا
نوٹ پھیل گئے ہیں۔"

"ہاں مجھے معلوم ہے۔"

"لیکن یہ نہ معلوم ہوگا کہ وہ نوٹ آئے کہاں سے۔"

"نہیں.... میں نہیں جانتا۔"

"وہ نوٹ سنٹرل بینک سے نکل کر پھیلے ہیں۔"

"سینٹرل بینک سے۔" حمید کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"ایک حیرت انگیز واقعہ جس کا تذکرہ ناممکنات کی تاریخ میں کیا جانا چاہئے۔"

"لیکن سینٹرل بینک سے کس طرح۔"

"یہی مسئلہ تو غور طلب ہے۔" فریدی نے کافی کی پیالی رکھتے ہوئے طویل سانس
کہا۔ "نوٹ وہیں سے ایشو ہوئے ہیں اور اب بھی اُن کی کافی بڑی تعداد بینک کے اسٹرو
میں موجود ہے اس کا مطلب سمجھتے ہو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ جواب طلب نظروں سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ بنکسال سے آئے ہوئے اصلی نوٹ اڑا کر اُن کی جگہ جعلی رکھ دیے

"بھلا یہ کس طرح ممکن ہے۔"

"ممکن نہیں ہے۔ اسی لئے تو یہ معاملہ میرے سپرد کیا گیا ہے فرزند۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ اس کے امکانات پر غور کر رہا تھا۔

"تو کیا رات کچھ اسی قسم کا چکر تھا۔" اُس نے پوچھا۔

"قطعی.... آخر تم نے اُس تہہ خانے میں کیا دیکھا تھا۔"

"مجھے وہاں ایک ملک الموت کی پرچھائیں نظر آئی تھی۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"اُس تہہ خانے میں کسی قسم کی مشین نصب تھی۔ کیا تم نے ان کے نشانات نہیں دیکھے۔
کمرہ اس طرح خالی دیکھ کر ہی سمجھ گیا تھا کہ اب وہاں کچھ نہ ہوگا۔ وہ لوگ مشین نکال لے گئے

"مگر کوٹھی تک آپ کی رسائی کیسے ہوئی تھی۔"

"میں نے اس دوران میں ایک ایسے آدمی پر نظر رکھی تھی جو کسی زمانے میں جعلی نوٹوں

ل بنانے کے سلسلے میں پکڑا گیا تھا۔ اُسی کے ذریعے میں اُس عمارت تک پہنچا۔ لیکن اب میں
بات کا ثبوت نہیں دے سکتا کہ اُس تہہ خانے میں نوٹ ہی چھاپنے کی مشین نصب تھی۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ مجرم کافی ہوشیار ہیں اور خاص طور سے آپ پر نظر رکھتے ہیں۔"

"ہاں.... آں....!" فریدی نے ایک طویل انگڑائی لی اور ناشتے کی میز سے اٹھ گیا۔

❁

گریٹی کا شراب خانہ اس وقت سرد تھا۔ گریٹی سوتا بھی وہیں تھا۔ اُسی کمرے میں جہاں اُس
نے اپنا آفس بنا رکھا تھا۔

ابھی وہ سو ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ گریٹی نے غرا کر کروٹ بدلی اور پھر آنکھیں بند
لیں۔ لیکن گھنٹی بجتی ہی رہی.... پھر وہ ایک گندی سی گالی بکتا ہوا اٹھ بیٹھا۔

"ہیلو....!" وہ ریسیور میں حلق پھاڑ کر چیخا۔

"گریٹی....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اوہ.... آپ ہیں۔" گریٹی کی آواز نرم پڑ گئی۔

"کل رات وہ دونوں کون تھے۔"

"وہ دیکھئے! بات دراصل یہ ہے کہ وہ بچ کر نکل گئے۔ میرا ایک آدمی بھی بُری طرح زخمی
و گیا ہے۔"

"کیا تم پہچان بھی نہیں سکے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اُن کے چہروں پر نقابیں تھیں۔"

"اچھا خیر.... خیر تمہیں بتاتا ہوں۔ وہ کرنل فریدی تھا۔"

"ارے....!" گریٹی کی آواز حلق میں پھنس گئی۔

"اپنے آدمیوں کو سمجھا دو کہ اُس عمارت کی طرف اب رخ بھی نہ کریں۔"

"بہت بہتر.... جناب بہتر۔"

"اور سنو.... راجو کو جانتے ہو نا۔"

"جی ہاں.... بہت اچھی طرح.... وہی راجو....!"

"ہاں تم جانتے ہو۔ اچھا.... سنو.... اُسی کی وجہ سے کرنل کی رسائی اُس عمارت تک ہوئی تھی۔"

"وہ کس طرح۔"

"کسی طرح بھی ہو.... اس سے سروکار نہیں۔ بہر حال راجو کو چھٹی دے دو سمجھے۔"

"جی ہاں اچھی طرح.... مگر کرنل۔"

"اس کی فکر نہ کرو.... لیکن اُس نے تمہیں پہچانا تو نہیں۔"

"ہرگز نہیں جناب.... میں بچہ نہیں ہوں۔"

"ہاں بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔"

"آپ مطمئن رہیں.... راجو کو کل تک چھٹی دے دی جائے گی۔"

"کل نہیں آج.... جتنی جلدی ممکن ہو سکے۔"

گریٹی نے جواب میں کچھ کہنا چاہا لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کیا جا چکا تھا۔

اُس نے ریسیور رکھ دیا۔ اُس کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔ وہ چند لمحے میز کے فون کو گھورتا رہا پھر کپ بورڈ سے شراب کی بوتل اٹھا کر ہونٹوں سے لگالی۔ دو تین گھونٹ خالص شراب کے لے کر اُس نے بوتل پھر اُس کی جگہ پر رکھ دی۔

پھر اُس نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی کا بٹن دبایا۔ بار بار دباتا ہی رہا۔ عمارت کے کسی دور حصے میں گھنٹی بج رہی تھی۔

پھر ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی دوڑتا ہوا کمرے کی طرف آرہا ہو۔ دوسرے ہی لمحے میں دروازہ کھلا اور ایک اینگلو انڈین لڑکی کا چہرہ دکھائی دیا۔

"یس ڈارلنگ....!" اُس کی سریلی آواز کمرے میں گونج گئی۔

"ڈارلنگ کی بچی چائے کہاں ہے۔" گریٹی دہاڑ کر بولا۔

"اوہ....! ابھی آئی۔ خفا کیوں ہوتے ہو۔" اُس نے کہا اور پھر دوڑتی ہوئی چلی گئی۔ گریٹی سامنہ بنائے بیٹھا رہا۔ شاید دو تین منٹ بعد وہ اپنے ہاتھوں پر ناشتے کی ٹرے اٹھائے ہوئے دوبارہ کمرے میں داخل ہوئی۔

"چڑچڑا.... گریٹی بالکل اچھا نہیں معلوم ہوتا۔" اُس نے ٹرے کو میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"شٹ اَپ....!" گریٹی دہاڑا۔

لڑکی پر بظاہر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ کافی خوبصورت اور تندرست تھی۔ عمر بیس اکیس

پچیس کے درمیان رہی ہوگی۔ عنابی رنگ کے اسکریٹ میں خاصی جچ رہی تھی۔

اُس نے گریٹی کے لئے چائے انڈیلی اور خود بھی ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"بات کیا ہے.... آج صبح ہی صبح۔"

"چپ رہو۔" گریٹی جھلا کر بولا۔

"نہیں چپ رہوں گی۔" لڑکی نے اُسی لہجے میں کہا۔ "تم ہمیشہ مجھے کتیا کی طرح دھتکارتے رہتے ہو۔"

"تم میری ہو کون....؟"

"میں تمہاری کوئی ہوں یا نہ ہوں.... لیکن تم میرے ہو۔"

"زبردستی....!" گریٹی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "حالانکہ تم میرے لئے کچھ نہیں کر سکتیں۔"

"کبھی کچھ کہہ کر تو دیکھو۔"

"تم نہیں کر سکو گی۔"

"گریٹی.... کمینے.... تم بتاؤ بھی تو۔"

"آج رات.... اُس آدمی کو بیہوش کرنا ہے۔"

"کسے....!"

"اوہ.... یہ کام بہت آسانی سے ہو جائے گا۔ تم اُسے جانتی ہو۔ وہ تم سے لفٹ ملنے کا خواہاں ہے۔ ہلکے سے اشارے پر تمہارے پیچھے لگ جائے گا لیکن تم اُسے کہیں اور لے جاؤ گی۔ یہ کام یہاں نہ ہوگا۔ سمجھیں راجو کو جانتی ہو۔"

"اچھی طرح جانتی ہوں۔"

"میں تمہیں بیہوشی کی دوا دوں گا۔ لیکن تم اُسے دوا دینے کے بعد پھر اُس جگہ نہیں ٹھہرو گی۔ سمجھیں۔"

❁

"ہیہات.... ہیہات....!" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "کتنا حسین موسم ہے اور میں اُلو کا پٹھا جعلی نوٹوں کے چکر میں پڑ کر دنیا اور عاقبت دونوں برباد کر رہا ہوں۔"

فریدی نے کار کو ایک تنگ سی گلی میں موڑتے ہوئے کہا۔ "زندگی سے زیادہ حسین و کوئی چیز نہیں۔ حسن کا معیار ہی زندگی ہے اور زندگی کیا ہے۔ شاید تم نہ جانتے ہو۔"

"زندگی....!" حمید نے پھر ٹھنڈی سانس لی۔ "زندگی چاندسی عورت کے سوا کچھ نہیں"

"نابدان کے کیڑے ہو تم۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"نہیں اس سے بھی بدتر۔ اس کی بھی مادہ ضرور ہوتی ہو گی۔"

"دماغ مت چاٹو.... سمجھے۔" فریدی آنکھیں نکال کر بولا۔ "میں تم سے ہزار بار کہہ ہوں کہ شادی کر لو۔"

"تب تو میں اور زیادہ اُلو ہو جاؤں گا۔"

"تب پھر سردی کھائے ہوئے کتے کے پلوں کی طرح ٹیاؤں ٹیاؤں نہ کیا کرو۔ سمجھے۔"

حمید نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔

کار گلی سے نکل کر دوسری سڑک پر آ گئی تھی۔ زیادہ سے زیادہ رات کے آٹھ بجے ہو گے۔ موسم کافی خوش گوار تھا اور شہر کی سڑکوں پر رونق نظر آ رہی تھیں۔

"حمید....!" فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اس گروہ میں کوئی عور بھی ہے۔"

"اگر ایسا ہے تو حمید.... ہے ہے اپنے سر پر جعلی نوٹوں کا بھوت سوار کر لوں گا۔ کیوں کہ آج کسی اندھے کنوئیں میں دھکیلنے کا ارادہ ہے۔"

"نہیں میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ کل تم نے پیروں کے نشانات کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ ان میں کسی عورت کے پیروں کے نشانات بھی تھے۔"

"بھلا کسی عورت کے پیر کے نشان کی پہچان کیا ہے۔"

"اونچی ایڑی کے جوتے کا نشان۔ سول سے ایڑی کا فاصلہ اور دونوں کا تناسب۔"

"آہا خوب یاد آیا۔ آخر آپ وہ مشین اب تک کہاں چھپائے ہوئے تھے۔"

"مشین! ارے تو کیا تم نے اسے پہلے پہل دیکھا ہے۔"

"جی ہاں۔"

"وہ تو ایک بہت ہی عام چیز ہے۔ انگلینڈ کی لائبریریوں میں عام طور پر پائی جاتی ہے۔ وہاں

کے ذریعے کتابوں کی الماریوں میں کیڑوں کو فنا کرنے کے لئے پاؤڈر چھڑکا جاتا ہے۔ لیکن میں اس کا ایک دوسرا اور اس سے بھی زیادہ کار آمد مصرف دریافت کیا ہے۔ لیکن جو پاؤڈر میں ال کرتا ہوں وہ میری اپنی ایجاد ہے۔"

"کیا آپ اس کے استعمال کو عام کریں گے۔ میرا خیال ہے کہ اس سے محکمے کو بہت فائدہ گا۔"

"یقیناً.... میں اسے رائج کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"مگر اس وقت ہم کہاں جا رہے ہیں۔"

"آج پھر میں راجو کا تعاقب کروں گا۔"

"کون راجو۔"

"وہی جس کا تعاقب کرتے کرتے میں اس عمارت تک پہنچا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن وہ ہمیں ملے گا کہاں۔"

"آر لکچو میں.... وہ ہمیشہ آٹھ سے دس تک آر لکچو میں بیٹھ کر پیتا ہے۔ آج سے ایک ماہ کوڑی کوڑی کو محتاج تھا۔ لیکن آج کل دولت مندوں کی سی زندگی بسر کر رہا ہے۔"

"کیا آپ کو یقین ہے کہ....!"

"ہاں مجھے یقین ہے کہ وہ بھی اس کھیل میں شریک ہے۔"

کیڈی آر لکچو کی کمپاؤنڈ کے باہر ہی رک گئی۔ وہ دونوں نیچے اُترے۔ لیکن آگے بڑھنے کی ے فریدی ایک طرف ہو گیا۔ ایسا کرتے وقت اس نے آہستہ سے حمید کا ہاتھ بھی دبایا تھا۔

حمید کی نظر سامنے اٹھ گئی۔ ایک ادھیڑ عمر آدمی جس کے جسم پر شام کا سوٹ تھا بدمست ابیوں کی طرح لڑکھڑاتا ہوا اندر سے پھاٹک کی طرف آ رہا تھا۔

"راجو....!" فریدی آہستہ سے بولا۔

"اچھا.... یہی ہے.... مگر بُری طرح ڈاؤن معلوم ہوتا ہے۔"

آنے والا پھاٹک سے گزر کر فٹ پاتھ پر رک گیا۔ فریدی اور حمید اس سے تھوڑے ہی صلے پر تھے۔ راجو نے ہاتھ اٹھا کر ایک گزرتی ہوئی ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ کیا اور ٹیکسی فٹ پاتھ سے آ لگی۔

"پپ.... پریٹی ولا۔" راجو پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھتا ہوا بولا۔

ٹیکسی چل پڑی۔ فریدی کی کیڈی لاک اس کا تعاقب کر رہی تھی۔

"تو کیا یہ پریٹی ولا میں رہتا ہے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "وہاں تو بہت زیادہ د لوگ رہتے ہیں۔"

"پتہ نہیں.... اس کی جائے قیام کا پتہ آج تک مجھے نہیں معلوم ہو سکا۔"

دونوں کاریں سڑک پر فراٹے بھرتی رہیں۔ شاید بیس منٹ بعد ٹیکسی پریٹی ولا پہنچ گئی۔

فریدی نے بھی کیڈی تیس یا چالیس گز کے فاصلے پر روک دی اور خود نیچے اتر بڑھنے لگا۔ انہوں نے ٹیکسی ڈرائیور کو دیکھا جو پچھلی نشست کا دروازہ کھولے ہوئے آوازیں دے رہا تھا۔ اتنے میں فریدی اور حمید اس کے قریب پہنچ گئے۔

اس نے ان کی طرف مڑ کر بے بسی سے پوچھا۔ "صاحب آپ ادھر ہی رہتے ہیں۔"

"ہاں کیوں....؟"

"یہ صاحب! پتہ نہیں کدھر رہتے ہیں۔ پی کر بے ہوش ہو گئے ہیں۔ اب میں انہیں لے جاؤں۔"

"ذرا اندر کی لائٹ جلاؤ۔" فریدی نے کہا۔ "ممکن ہے ہم انہیں جانتے ہی ہوں۔ پھر سے انگریزی میں بولا اگر بے ہوش ہوا تو کیوں نہ ہم اسے اپنے ساتھ لے چلیں۔ کیا خیال۔"

"یہ زیادہ اچھا ہوگا۔ میں آپ کا یہ طریقہ بہت پسند کرتا ہوں۔"

ڈرائیور نے اندر روشنی کر دی۔

"اوہ.... ہاں....!" فریدی بولا۔ "یہ تو میرا پڑوسی ہے۔ اچھا میں اسے گھر پہنچا دوں فکر مت کرو۔ تمہارے پیسے کتنے بنے۔"

"میٹر دیکھ کر بتاتا ہوں۔" ڈرائیور نے کہا اور میٹر پر جھک پڑا۔

فریدی نے بے ہوش راجو کو ٹیکسی سے نکالنے کے لئے ہاتھ بڑھائے لیکن دوسرے میں اس کے منہ سے تحیر زدہ سی آواز نکلی۔

وہ چند لمحے اسی طرح جھکا کھڑا رہا۔ پھر حمید کی طرف مڑ کر آہستہ سے بولا۔ "یہ

گیا۔"

"کیا مطلب....!"

فریدی نے ڈرائیور کو مخاطب کر کے پر سکون لہجے میں کہا۔ "یہ بے ہوش نہیں بلکہ مردہ ہے۔"

"جی صاحب....!" ڈرائیور بوکھلا کر دو چار قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"تم اسے کہاں سے لائے تھے۔"

"جج جناب.... میں.... کک.... کچھ نہیں جانتا۔"

"ہم جانتے ہیں کہ تم اسے آر لکچو سے لائے تھے۔ ڈرو نہیں۔ ہم پولیس کے آدمی ہیں۔ اچھا پھر وہیں واپس چلو جہاں سے اسے لائے تھے۔"

ڈرائیور بُری طرح کانپ رہا تھا۔ فریدی نے حمید سے کہا کہ وہ کیڈی میں چلے اور خود ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گیا۔

"اوہو.... تم بہت گھبرائے ہوئے ہو۔" فریدی ڈرائیور کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "اچھا ادھر ہٹو میں ڈرائیو کروں گا۔ کہیں ایکسیڈنٹ نہ کر بیٹھو۔"

ڈرائیور دوسری طرف کھسک گیا۔ فریدی ڈرائیو کرنے لگا۔ آر لکچو کے پھاٹک پر پہنچ کر اس نے گاڑی روک دی اور نیچے اُتر کر حمید سے بولا۔ "ہیڈ ویٹر کو یہیں بلا لاؤ میرا نام لینا۔ وہ ہم سے بخوبی واقف ہے۔ میں اسے شہرت نہیں دینا چاہتا۔ سمجھے۔"

حمید تین یا چار منٹ بعد ہیڈ ویٹر کے ساتھ واپس آ گیا۔ ہیڈ ویٹر کے چہرے پر سراسیمگی تھی۔ وہ فریدی سے اچھی طرح واقف تھا اور جب اس نے ٹیکسی میں لاش دیکھی تو کانپ کر رہ گیا۔

"تم اسے پہچانتے ہو۔ یہ یہیں سے اٹھ کر گیا تھا۔" فریدی نے اس سے کہا۔

"جی ہاں.... راجو صاحب ہمارے مستقل گاہک.... مگر....!"

"تم نے آج اسے دیکھا تھا۔"

"جی ہاں...."

"اس کے ساتھ کون تھا....؟"

"ایک اینگلو انڈین لڑکی جو غالباً پہلی بار ان کے ساتھ آئی تھی۔"

"کیا تم نے بھی اسے پہلی بار دیکھا تھا۔"

"جی ہاں.... میرا خیال ہے کہ وہ یہاں کبھی نہیں آئی۔"

"اس کا حلیہ۔"

"یہ ذرا مشکل کام ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں کتنا مشغول رہتا ہوں۔ ویسے میرا خ
کہ وہ نارنجی رنگ کے اسکرٹ میں تھی اور یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ کافی دلکش تھی۔"

"اچھا تم.... اس لاش کا تذکرہ کسی سے نہیں کرو گے۔" فریدی پر رعب آواز میں بو

بے رحم آدمی

دوسری صبح گریٹی اپنے کمرے میں ناشتہ کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ اس کی اینگلو انڈین سونیا بھی تھی۔

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ آج کل تم کیا کر رہے ہو۔" سونیا بولی۔ "پچھلی رات راجو کا نہ کیا حشر ہوا ہو۔ نہ جانے بے چارہ کہاں جا کر بے ہوش ہوا ہو۔"

"بے ہوش....!" گریٹی مسکرا کر بولا۔ "وہ بے چارہ تو مر بھی گیا۔"

"کیا مطلب....!" سونیا چائے کا گھونٹ لیتے لیتے رک گئی۔ پھر اس نے پیالی میز پر ر گریٹی کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"کیا کہہ رہے ہو....!" وہ آہستہ سے بولی۔

"ہاں.... یہ اخبار دیکھو۔ پہلے ہی صفحے پر اس کی لاش کی تصویر موجود ہے.... ڈاکٹروں کہنا ہے کہ اس کی موت کسی قسم کے زہر سے واقع ہوئی ہے۔"

سونیا اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ اس کا چہرہ زرد ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے خشک ہونٹوں پر ز پھیر کر کچھ کہنا چاہا لیکن کامیاب نہ ہوئی۔

"کیوں! ارے یہ پیالی تو ختم کرو۔" گریٹی مسکرا کر بولا۔

"تو وہ زہر تھا۔" سونیا اس طرح بولی جیسے خواب میں بڑبڑا رہی ہو۔ "وہ سفوف جسے تم بے ہوشی کی دوا کہا تھا۔"

"چلو بیٹھ جاؤ....!" گریٹی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "یہ اسٹیج نہیں میرا آفس ہے۔ ویسے جانتا ہوں کہ تم ایک اچھی اداکارہ ہو۔"

"گریٹی تم نے بہت بُرا کیا۔" سونیا کانپتی ہوئی بیٹھ گئی۔

"بکواس بند کرو۔" گریٹی بگڑ گیا۔ "آخر تم اسے اتنی اہمیت کیوں دے رہی ہو۔"

"اوہ.... تم.... میں نے تمہارے کئی جرموں میں شرکت کی ہے۔ لیکن میں یہ سوچ بھی ں سکتی تھی کہ تم مجھے ایسے کاموں میں بھی استعمال کرو گے۔ نہیں، نہیں یہ بہت بُرا ہے۔"

"اب اگر تم خاموش نہیں رہو گی تو تمہارا بھی یہی انجام ہو گا.... سمجھیں۔"

"آخر تم نے اُسے کیوں ختم کرا دیا۔"

"سنو گی.... اچھا سنو! اگر وہ راستے سے نہ ہٹایا جاتا تو.... اوہ میں کیا بک رہا ہوں۔ دیکھو ی! اپنے کام سے کام رکھو۔ گریٹی کے معاملات میں دخل اندازی کی سزا موت ہے۔ کس میں نی ہمت ہے کہ وہ گریٹی سے کسی بات کا جواب طلب کر سکے۔"

"یہ تو نہ کہو....!" سونیا چڑ کر بولی۔ "اس انگریز کے بوٹ کی مٹی چاٹنے سے فرصت ملے تو س قسم کی باتیں کرنا اس کے سامنے ایک ذلیل سے گیدڑ نظر آتے ہو۔"

"شٹ اَپ....!" گریٹی نے جھلا کر اس کے منہ پر ہاتھ مارا اور وہ کرسی سمیت الٹ گئی۔

وہ فرش پر بیٹھی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

گریٹی نے کھڑے ہو کر ناشتے کی میز پر ٹھوکر ماری۔ میز گری اور کمرہ چینی کے برتنوں کی کھنک سے گونج اٹھا۔

پھر وہ پیر پٹختا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

فریدی اپنی تجربہ گاہ میں ایک ٹسٹ ٹیوب پر جھکا ہوا ہلکے نیلے رنگ کے کسی سیال کا جائزہ لے رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ٹسٹ ٹیوب کو ریک میں رکھ کر ایک طویل سانس لی اور نوکر کو بلانے کے لئے گھنٹی بجانے لگا۔ نوکر کو آنے میں دیر نہیں لگی۔

"حمید کو یہاں بھیج دو۔" اس نے نوکر سے کہا۔ "اور سگار کا ڈبہ لیتے لگا۔"

نوکر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد حمید تجربہ گاہ میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں کئی رنگوں میں کپڑوں کی متعدد دھجیاں تھیں۔

"نارنجی رنگ کون سا ہے۔" اس نے آتے ہی ان دھجیوں کو فریدی کے چہرے کے کر ہلاتے ہوئے پوچھا۔

"کیوں....؟"

"اس کے اسکریٹ کا رنگ نارنجی ہی تو بتایا گیا تھا۔"

"وقت نہ برباد کرو۔" فریدی کے لہجے میں تلخی تھی۔

"پھر بتلایئے کہ میں اسے کس طرح تلاش کروں۔ ہیڈ ویٹر نے یہ بھی بتایا تھا کہ خوبصورت تھی۔ میں صبح سے اس چکر میں ہوں کہ وہ نارنجی اسکرٹ میں کیسی لگتی ہوگی۔"

"سنجیدہ ہو جاؤ۔ ورنہ بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔"

"آپ پوری بات بھی سنئے۔" حمید ایک کرسی پر گرتا ہوا بولا۔

"بکواس بند کرو۔" فریدی نے سگار سلگا کر کہا۔ "میں تمہیں ایک جگہ بھیجنا چاہتا ہوں۔"

"کافی ہاؤز کے علاوہ اور میں ہر جگہ جا سکتا ہوں۔ خواہ وہ جہنم ہی کیوں نہ ہو۔"

"تمہیں لاشوں کے سوداگروں کی نگرانی کرنی ہے۔"

"لاشوں کے سوداگر۔ کیا آپ اس وقت الف لیلیٰ سے بول رہے ہیں۔"

"نہیں میں جیتی جاگتی دنیا سے بول رہا ہوں فرزند۔ یہ بھی ایک عجیب سا لطیفہ ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"وہ لاشوں کے سوداگر ہیں۔ علانیہ لاشیں فروخت کرتے ہیں۔"

"اور میں ان کی نگرانی کے لئے مقرر کیا جا رہا ہوں۔"

"ہاں ہاں! تمہیں حیرت کیوں ہے۔"

"حیرت ویرت کچھ بھی نہیں۔ جب آپ جیسے آدمی کا ساتھ ہو تو متحیر ہونا وقت کی برباد کے علاوہ اور کچھ نہیں۔"

"سمجھ دار آدمی ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

حمید کہنے ہی والا تھا کہ ایک نوکر تجربہ گاہ میں داخل ہوا۔

"صاحب! وہ کہتا ہے کہ میں ملے بغیر نہ جاؤں گا۔" اس نے کہا۔

"کیا....!" فریدی اسے گھورنے لگا۔ "کون کہتا ہے۔"

"ایک آدمی جو صورت سے شریف نہیں معلوم ہوتا۔"

حمید قہقہہ لگا کر بولا۔ "سنا آپ نے۔ ابھی کیا ہے۔ اگر اس گھر کے کھٹمل اور مچھر بھی سراغ ن نہ ہو جائیں تو نام بدل دوں گا۔"

"نہیں کپتان صاحب! آپ خود دیکھ لیجئے۔ وہ مجھے کوئی اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا۔" نوکر کہا۔

گھر کے سارے نوکر اسے کپتان صاحب کہنے لگے تھے اور یہ اسی کی ایما پر ہوا تھا اگر کوئی اسے "صاحب" کہہ کر مخاطب کرتا تو دوسرے ہی لمحے میں اسے اس کی انگلیاں اپنی گردن میں ت ہوتی ہوئی محسوس ہوتیں اور پھر جب تک وہ کپتان صاحب کا نعرہ مار کر اپنی غلطی پر نادم نہ بتا اسے اپنی گردن چھڑانا مشکل ہو جاتا۔

"ہوں....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اچھا.... چلو میں آ رہا ہوں۔"

وہ دونوں نیچے آئے۔ حمید کا ذہن لاشوں کے سوداگروں میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ اور فریدی ان کے متعلق جس قسم کے لہجے میں گفتگو کی تھی اُسے وہ محض مذاق سمجھنے کے لئے تیار نہیں ڈرائنگ روم میں اسے ایک ایسا آدمی نظر آیا جسے وہ بارہا دیکھ چکا تھا۔ شہر کے ان غنڈوں میں کا شمار تھا جو عام آدمیوں میں خود کو اعلیٰ سوسائٹی کے افراد ظاہر کرنے کی کوشش کرتے تھے ن ان کی اصل حرکات سے صرف محکمہ سراغ رسانی ہی واقف تھا۔

"کیوں رجپال یہاں کیسے؟" فریدی اسے تیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"ایک بہت ہی اہم اطلاع کے ساتھ حاضر ہوا ہوں۔ ایسی اطلاع جسے آپ ہر حال میں پسند یں گے۔ میں نے ابھی ابھی اخبار میں راجو کی تصویر دیکھی ہے۔"

"کیا یہ اطلاع ہے؟" حمید نے تمسخر آمیز حیرت کا اظہار کیا۔

"آپ نہیں سمجھے جناب۔" رجپال بولا۔ "وہ اطلاع راجو کی موت کے سلسلے میں ہے۔"

"بیٹھ جاؤ۔" فریدی صوفے کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"میں جانتا ہوں کہ اس کی موت میں کس کا ہاتھ ہے۔" رجپال نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہوں.... کہتے چلو۔" فریدی بولا۔

"اس کی موت میں گریٹی کا ہاتھ ہے۔"

"بہت خوب....!" فریدی مسکرایا۔ "کیا آج کل اس سے جھگڑا ہو گیا ہے۔"

"دیکھئے آپ یہ نہ سمجھئے گا کہ میں اسے خواہ مخواہ پھنسوانا چاہتا ہوں۔ لیکن ہاں مجھے اعتراف ہے کہ اُس سے میرا حال ہی میں جھگڑا ہوا ہے اور یہ میرا جذبہ انتقام ہے جو مجھے یہاں لایا ہے۔ لیکن میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ محض میری جھلاہٹ نہیں ہے بلکہ اس میں حقیقت کا دخل ہے۔"

"جھگڑا کیوں ہوا تھا۔" فریدی نے اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

"اس نے میری سخت توہین کی تھی۔ آپ یقین نہ کریں گے۔ ایک معمولی سی بات نے میرے کپڑے اتروا کر مجھے اپنے شراب خانے سے نکلوا دیا تھا۔"

"کمال ہے میں تمہیں اتنا کمزور نہیں سمجھتا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"جب تین تین ریوالور نکل آئیں تو ایک نہتا آدمی کیا کر سکتا ہے۔"

کچھ دیر خاموشی رہی۔ فریدی کچھ سوچ رہا تھا اور اس کی نظر رجپال کے چہرے پر تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "آخر تم کس بناء پر گریٹی کو راجو کا قاتل ٹھہراتے ہو۔"

"دیکھئے میں بتاتا ہوں۔ گریٹی کی ایک داشتہ ہے۔ سونیا وہ اس کے شراب خانے میں بار کے فرائض بھی انجام دیتی ہے۔ گریٹی اس پر کڑی نظر رکھتا ہے اور وہ جب بھی باہر نکلتی ہے گر اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ میں نے کبھی اسے نہ تو تنہا دیکھا اور نہ یہی دیکھا کہ وہ گریٹی کے علاوہ اور کے ساتھ ہو۔ لیکن کل شام وہ مجھے راجو کے ساتھ نظر آئی تھی۔"

"کس لباس میں تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"اسکرٹ میں.... وہ اینگلو انڈین ہے۔"

"اسکرٹ کا رنگ کیا تھا۔"

"نارنجی....!"

"لیکن یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔" فریدی نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ تمہیں اسے کسی دوسرے کے ساتھ دیکھنے کا اتفاق ہی نہ ہوا ہو۔"

"جی ہاں ممکن ہے۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ راجو اس پر بُری طرح مرتا تھا اور اس نے کئی بار اس پر ڈورے ڈالنے کی بھی کوشش کی تھی۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس سلسلے میں اکثر گریٹی اور

راجو لڑ بھی گئے ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ گریٹی نے پانی سر سے اونچا ہوتے دیکھ کر اسے ختم ہی کر دیا ہو۔"

"تم نے انہیں کہاں دیکھا تھا۔"

"آر لکچو میں۔"

"کیا تم راجو کی روانگی تک آر لکچو ہی میں رہے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی نہیں.... میں ان کے جانے سے پہلے ہی اٹھ گیا تھا۔"

"اچھا وہاں گریٹی کا بھی کوئی آدمی موجود تھا۔"

"میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔"

"دونوں کے مل بیٹھنے کا انداز کیا تھا۔"

"حیرت انگیز.... انتہائی حیرت انگیز جناب میں نے اسی سونیا کا برتاؤ راجو کے ساتھ گریٹی کے شراب خانے میں بھی دیکھا ہے۔ وہ اسے کبھی منہ نہیں لگاتی تھی وہ اگر اس سے گفتگو بھی کرنا چاہتا تھا تو اس کی بھنویں تن جاتی تھیں۔ لیکن کل شام کو سونیا اس سے اس طرح ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی اور اس کے انداز میں اتنی لگاوٹ تھی کہ دوسرے لوگ اسے راجو کی بیوی یا محبوبہ ہی سمجھتے ہوں گے۔"

"ہوں.... تم وہاں سے کس وقت اٹھے تھے۔"

"شائد ساڑھے سات رہے ہوں گے۔"

"ٹھیک.... اچھا....!" فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "اچھا رجپال اس اطلاع کا شکریہ میں تمہاری فراہم کردہ معلومات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کروں گا۔"

رجپال کے چلے جانے کے بعد کافی دیر تک فریدی خاموشی سے بیٹھا رہا۔

لاشوں کے سوداگر والی بات اب بھی حمید کے ذہن میں کھٹک رہی تھی۔

"اب مجھے خواہ مخواہ الجھایا نہ کیجئے۔" اس نے تنگ آ کر کہا۔

"کیا....؟" فریدی اس طرح چونکا جیسے اسے وہاں اس کی موجودگی کا علم ہی نہ رہا ہو۔

"لاشوں کے سوداگر....!" حمید کرسی کے ہتھے پر ہاتھ مار کر بولا۔

"فی الحال اسے بھول جاؤ.... میں راجو کے متعلق سوچ رہا تھا۔"

"اچھا تو وہی بتایئے.... کچھ بولئے بھی تو۔ آپ کو خاموش دیکھ کر میری اپنی آواز حلق پھنسنے لگتی ہے۔"

فریدی صرف مسکرا کر رہ گیا۔

"راجو کے قتل کو دو حیثیتوں سے دیکھنا ہے۔" فریدی نے سگار سلگا کر صوفے کی پشت ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔ پہلی حیثیت تو یہ ہے کہ وہ جعلی کرنسی بنانے کے سلسلے میں مشتبہ تھا تعاقب کرتے کرتے میں اس عمارت تک پہنچا تھا اور وہاں جو کچھ بھی پیش آیا اس سے تم واقف اور شائد تم نے ہی یہ بات کہی تھی کہ مجرم ہماری طرف سے خاص طور پر ہوشیار ہیں اگر یہ ہے تب تو راجو کا قتل اسی سلسلے میں ہوا ہے۔ یعنی ان لوگوں کی نشاندہی کرنے والا ہمارے سے ہٹا دیا گیا.... دوسری حیثیت.... وہ گریٹی کی محبوبہ کا عاشق تھا۔"

"ذرا ٹھہریئے.... کیا آپ کو رجپال کی بات پر یقین ہے۔" حمید بولا۔

"کیوں.... میرا خیال ہے کہ یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ بھی نہیں ہے۔ یہ حقیقت۔ گریٹی نے اسے اپنے شراب خانے میں سب کے سامنے ذلیل کیا تھا۔"

"آپ کیا جانیں۔"

"بالکل غیر ضروری سوال ہے۔ دو خطرناک قسم کے بدمعاشوں میں جھگڑا ہو اور اس کی مجھ تک نہ پہنچے۔"

"خیر اچھا.... آپ دوسری حیثیت کا جائزہ لے رہے تھے؟"

"دوسری حیثیت میں کچھ دشواریاں ہیں۔ اگر راجو کا قتل رقابت کے سلسلے میں ہوا تھا کی نوعیت ایسی نہیں کہ اس پر یقین کیا جا سکے جس کے لئے قتل کے بھی امکانات ہو سکتے ہیں خود اس کے ساتھ تھی۔"

"میں اس پر یقین نہیں کر سکتا۔"

"اگر یقین نہیں کر سکتے تو کھڑے ہو جاؤ۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"میں آرلکچو کے ہیڈ ویٹر کو فون کر رہا ہوں۔ اسے ساتھ لے کر گریٹی کے شراب

جاؤ۔"

"میں جا رہا ہوں۔ فون کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"تم سمجھے نہیں۔ میں اس سے کہوں گا کہ وہ گاہک بن کر وہاں جائے کچھ شراب خریدے اور باہر آ کر تمہیں اطلاع دے اور وہاں تم پس منظر ہی میں رہو گے۔"

"کیوں؟ میرے خیال سے اسکی ضرورت ہی نہیں۔ ہم براہِ راست گریٹی سے گفتگو کریں۔"

"نہیں معاملات کو خراب نہ کرو۔ وہ بڑا چالاک ہے۔ مجھے تو اب بھی توقع نہیں ہے کہ وہ وہاں موجود ہو۔"

"کیوں....؟"

"میں نے کہا نا کہ.... گریٹی کافی چالاک ہے۔"

گریٹی اپنے کمرے میں بیٹھا اخبار دیکھ رہا تھا سامنے میز پر وہسکی کی بوتل اور سائیفن رکھے تھے۔ گلاس آدھے سے زیادہ خالی تھا اور ایش ٹرے پر رکھا ہوا سگریٹ آدھے سے زیادہ جل

اچانک سونیا بوکھلائی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ گریٹی نے اخبار سے نظر ہٹا کر اس کی دیکھا تک نہیں۔

"کیا ہے....؟" اس نے بدستور اخبار پر نظر جمائے ہوئے پوچھا۔

"گریٹی ڈیئر.... ابھی یہاں آرلکچو کا ہیڈ ویٹر آیا تھا۔ اس نے اسکاچ کی دو بوتلیں خریدیں گیا۔" سونیا نے کہا۔

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔" گریٹی اخبار سے نظر ہٹا کر اسے گھورتا ہوا بولا۔

سونیا شاید کچھ اور کہنا چاہتی تھی۔ لیکن گریٹی نے اسے بولنے کا موقع نہ دیا۔ وہ اس پر برس پڑا تم خواہ مخواہ مجھے بور کرتی ہو۔ بھلا یہ بھی کوئی ایسی بات تھی اگر وہ دو بوتلیں خرید کر لے تو....!"

دفعتاً وہ چونک کر کھڑا ہو گیا اور اس نے تیزی سے پوچھا "کون تھا۔"

"آرلکچو کا ہیڈ ویٹر۔"

"یہاں سے خرید کر لے گیا ہے۔"

"ہاں....!"

"کتنی دیر ہوئی۔"

"جیسے ہی وہ باہر گیا، ادھر چلی آئی۔"

"گڈ.... لارڈ.... تم بالکل گدھی ہو تم نے آر لکچو کا انتخاب کر کے سخت غلطی کی اسے کسی غیر معروف جگہ لے جانا تھا۔"

"ہوں....!" سونیا دانت پیس کر بولی۔ "اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ اسے میں زہر دے ہوں تو میں بھی اسی کے ساتھ جہنم میں چلی جاتی۔"

"بکواس بند کرو....!" گریٹی نے گرج کر کہا۔

"تم کتے ہو۔ تم نے مجھے دھوکا دیا۔ سونیا بھی اسی طرح گرجی۔"

دفعتاً گریٹی نرم پڑ گیا۔ اس نے مسکرا کر اس کے گال پر تھپکی دی اور آہستہ سے بولا۔ چھپ جانا چاہئے ڈارلنگ ورنہ تمہارا گریٹی بڑی مشکلات میں پھنس جائے گا۔"

"نہیں میں ہرگز نہیں چھپوں گی۔" سونیا کے لہجے میں بھی تلخی باقی تھی۔

"پاگل نہ بنو میری ننھی ڈارلنگ۔ آؤ میرے ساتھ آؤ۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کر گھسیٹ لے گیا۔

وہ دونوں ایک نیم تاریک سی راہداری طے کر رہے تھے۔ سونیا بظاہر احتجاج کر رہی انداز سے ایسا نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس کے ساتھ جانے پر تیار نہ ہو۔

اچانک ایک جگہ رک کر گریٹی نے اس کی گردن دبوچ لی۔ ایک ہاتھ سے وہ اس کا منہ ہوئے تھا اور دوسرے ہاتھ سے گلا گھونٹ رہا تھا۔ سونیا بُری طرح مچل رہی تھی۔ لیکن گریٹی کی فولادی گرفت سے نہ نکال سکی۔

تھوڑی دیر بعد وہ راہداری میں بے جان پڑی تھی اور گریٹی گٹر کا ڈھکنا اٹھا رہا تھا۔

پھر شائد پانچ منٹ کے اندر ہی اندر مونیا کی لاش گٹر میں ڈال دی گئی۔

چھان بین

اس وقت شراب خانہ بالکل خالی تھا۔ گریٹی کے ساتھی بھی موجود نہیں تھے وہ سونیا کو ٹھکانے لگا کر شراب خانے میں واپس آیا اور پھر صدر دروازہ بند ہی کرنے جا رہا تھا کہ فریدی اور ید داخل ہوئے۔ گریٹی گڑبڑا کر پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن پھر اس نے حیرت انگیز طریقے پر اپنی الت سنبھال لی۔

"اوہ.... کرنل صاحب۔" وہ اپنے مخصوص طنزیہ انداز میں مسکرایا۔ "فرمایئے میرے لائق ئی خدمت....!"

فریدی بھی جواباً مسکرایا لیکن کچھ بولا نہیں۔ وہ تیز نظروں سے شراب خانے کا جائزہ لے رہا تھا۔

گریٹی کا چہرہ زرد پڑنے لگا تھا۔ لیکن وہ اس وقت اپنے ذہن سے لڑ رہا تھا۔

"میں سونیا سے ملنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں.... کس لئے بھلا آپ کو میری محبوبہ سے کیا سروکار۔"

"یونہی! اُس سے کچھ پوچھنا ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ وہ اس وقت موجود نہیں ہے۔"

"کیا کچھ دیر قبل موجود تھی۔"

"جی نہیں! وہ صبح ہی سے کہیں گئی ہوئی ہے۔"

"کس کے ساتھ....!"

"ساتھ سے کیا مراد ہے آپ کی۔"

"تم ساتھ کا مطلب نہیں سمجھے۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں یہ بات نہیں۔ میں لفظ "ساتھ" کی اہمیت سمجھنا چاہتا ہوں۔"

"اہمیت یہ ہے کہ وہ باہر عموماً تمہارے ہی ساتھ دیکھی جاتی ہے۔ باہر کسی نے اسے کبھی تنہا دیکھا۔"

"آپ اس سے کیا پوچھیں گے۔" گریٹی نے ذرا گرم ہو کر پوچھا۔

"کیا پوچھوں گا کہ اس وقت یہاں آر لکچو کا ہیڈ ویٹر کیوں آیا تھا۔"

گریٹی نے اپنی حالت پر اس وقت قابو پالیا تھا اس لئے اس پر اس جملے کا کوئی خاص اثر نہیں

"مجھے افسوس ہے کہ وہ اس طرح موجود نہیں۔ ویسے آپ تشریف رکھئے۔ آج بہت تیز ہے۔ آپ کے لئے کیا تیار کروں۔ میں بہترین قسم کی شرابیں اپنے اسٹاک ہوں۔"

"میں شراب نہیں پیتا۔ لیکن کیا تم یہاں اس وقت تنہا ہی ہو۔"

"جی ہاں.... مگر آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"کتنی دیر سے تنہا ہو۔"

"میں آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔"

"میں تمہیں اس پر مجبور بھی کر سکتا ہوں۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔"

"اپنے سوالات کے جواب۔"

"سوالات کا مقصد ہے۔"

"مقصد سے سروکار نہ ہونا چاہئے۔"

"میں سمجھ گیا۔ شاید کسی دشمن نے میرے خلاف آپ کے کان بھرے ہیں۔"

"میرے سوال کا جواب دو۔" فریدی نے تیز لہجہ میں کہا۔ "تم یہاں کتنی دیر سے تنہا

"میں کیسے کہہ سکتا ہوں۔ کیونکہ صبح سے اب تک کئی گاہک آچکے ہیں۔"

"گاہکوں کے علاوہ۔"

"گاہکوں کے علاوہ.... تب تو میں تنہا ہی ہوں۔"

"لیکن تمہاری قمیض کے کالر پر لپ اسٹک کا بڑا سا دھبہ ہے جو غالباً تازہ ہی ہے۔"

گریٹی نے بوکھلا کر اپنے کالر پر ہاتھ پھیرا اور پھر انگلیوں کو دیکھنے لگا۔ مگر اس کا ذہن تھا۔ لہٰذا اس غیر متوقع جملے کا بھی اُس پر کچھ زیادہ اثر نہیں ہوا۔

اس نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کر فریدی سے کہا۔ "اوہ.... تو اب آپ میری نجی ز کریدیں گے۔"

"نہیں میں صرف یہ پوچھوں گا کہ وہ عورت سونیا کے علاوہ اور کون تھی۔"

گریٹی جھینپی ہوئی سی ہنسی ہنس رہا تھا چند لمحے بعد اس نے کہا۔ "دیکھئے خدارا سونیا سے اس کا تذکرہ نہ کیجئے گا۔ جی ہاں ابھی یہاں ایک عورت تھی اور محض اس کے لئے میں نے آج سونیا کو تنہا باہر جانے دیا تھا۔"

"اچھا.... اچھا....!" فریدی جواباً مسکرایا۔ چند لمحے معنی خیز انداز میں سر ہلاتا رہا پھر بولا۔ "چلو مجھے اسی عورت سے ملادو۔"

"شاید آپ آج مذاق کے موڈ میں ہیں۔ لیکن مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے کبھی آپ کے ساتھ آداب کی حدود سے تجاوز کیا ہو۔"

"نہیں گریٹی میں سنجیدہ ہوں۔ میں اس دوسری عورت سے بھی ملنا ضروری سمجھتا ہوں۔"

"تب تو آپ کو مایوسی ہوگی۔ کیونکہ تھوڑی دیر قبل ہی وہ یہاں سے گئی ہے۔"

"کس راستے سے۔"

"اسی سے۔" گریٹی نے صدر دروازے کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اندازاً کتنی دیر قبل۔"

"ایک گھنٹہ قبل۔"

"ابھی تم نے ایک گاہک کے ہاتھ اسکاچ کی بوتلیں فروخت کی تھیں۔"

"جی ہاں....!"

"خود تم نے یا کسی اور نے۔"

"میں عرض کر چکا ہوں کہ یہاں میرے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔"

"کیا تم اس گاہک کو پہچانتے ہو۔"

"جی ہاں! وہ آرلکچو کا ہیڈ ویٹر تھا۔"

"وہ دوسری عورت اس آدمی کے آنے کے بعد گئی تھی۔"

"جی نہیں پہلے ہی۔"

"لیکن وہ تو کہتا ہے کہ اینگلو انڈین لڑکی نے اس کے ہاتھ بوتلیں فروخت کیں۔"

"تب مجھے کہنے دیجئے کہ وہ پکا جھوٹا ہے۔"

"گریٹی بکواس نہ کرو۔ تمہاری فروخت کردہ بوتلیں میرے پاس ہیں اور ان پر سونیا کی

انگلیوں کے نشانات محفوظ ہیں۔"

"ضرور ہوں گے۔" گریٹی نے سر ہلا کر کہا۔ "شراب خانے کی مہتمم وہی ہے۔ سینکڑوں بار اس کے ہاتھ بوتلوں پر پڑتے ہیں۔ مگر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔ کھل کر کہئے مجھے الجھن میں نہ ڈالئے۔ آجکل میرا دل بہت کمزور ہو گیا ہے۔ ذرا سی الجھن میں ہار ہو جاتا ہے۔"

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ سونیا پولیس کی نظروں میں مشتبہ ہے اسے فوراً میرے سا ہیڈ ویٹر کو اسی نے شراب دی تھی اور پھر اس کے بعد وہ باہر نہیں نکلی۔"

"پھر میں آپ کو یقین بھی نہیں دلا سکتا۔" گریٹی نے لاپروائی سے کہا۔

"نہیں کوشش کرو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "ممکن ہے مجھے یقین آ ہی جائے۔ لیکن بہتر صورت یہی ہو گی کہ تم سونیا کو میرے سامنے لاؤ۔"

"اچھا یہی بتا دیجئے کہ پولیس اسے کیوں چاہتی ہے۔"

"راجو کی موت کے سلسلے میں۔"

"اوہ.... تو یہ بات ہے۔" گریٹی طویل سانس لے کر بولا۔ "میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا پر ضرور آفت آئے گی۔"

"کیوں؟ تم یہ کیوں سمجھتے تھے۔"

"حالات.... کرنل صاحب حالات۔" گریٹی الفاظ پر زور دیتا ہوا بولا۔ پھر اس نے کہا آپ لوگ کب تک یونہی کھڑے رہیں گے۔ آیئے ادھر آیئے۔"

گریٹی انہیں اپنے کمرے میں لایا۔

"میں آپ کو بتاؤں۔" اس نے میز کے کونے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "راجو میرا رقیب تھا ہی کے سلسلے میں میرا اس سے کئی بار جھگڑا ہو چکا تھا۔"

"سونیا بھی غالباً اس کی طرف جھک رہی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں جناب اسے تو اس کی صورت سے نفرت تھی۔"

"لیکن اس کے باوجود بھی وہ کل آٹھ بجے رات تک راجو کے ساتھ رہی تھی۔"

"بہتان ہے.... الزام ہے۔" گریٹی بھڑک کر کھڑا ہو گیا۔ "یہ ناممکن ہے۔ اگر ا

نمبر 15

خودکشی کرنے کے لئے تیار ہوں۔ میری عورت اور کسی دوسرے کے پاس چلی جائے۔"

"کیا وہ کل شام کو یہاں تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں.... وہ سینما گئی تھی۔"

"تم بھی ساتھ تھے۔"

"نہیں.... کل بھی میں نے اسے تنہا ہی جانے کی اجازت دے دی تھی۔"

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ مجھے تمہاری بکواس پر یقین آ گیا ہو گا۔"

"اگر نہیں آیا تو میں اسے اپنی بدقسمتی سمجھتا ہوں۔ بہرحال شائد اب آپ کسی دشمن کی ریشہ نیوں کی بناء پر یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں نے ہی راجو کو زہر دلوایا ہے اور اسی سے دلوایا ہے۔ جس لئے ہم دونوں میں رنجش ہو گئی تھی۔ واقعی اگر آپ یہی سوچتے ہیں تو یہ اپنی نوعیت کا واحد ں ہو گا۔ اس پر سے دوسری عجیب بات یہ کہ میں نے اس کے لئے آرلکچو کا انتخاب کیا۔ گویا ہ دانستہ اپنی گردن میں پھانسی کا پھندا ڈالا۔ کیوں جناب کیا آپ گریٹی کو اتنا بدھو سمجھتے ہیں۔ یہ نہیں کہتا کہ میرا دامن جرائم سے پاک ہے لیکن میں کبھی کچا کام نہیں کرتا کرنل صاحب۔"

"تمہارے دلائل تو واقعی کچے نہیں معلوم ہوتے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اور اسی سے میں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ یہ کام بھی کچے پن کے ساتھ نہیں ہوا لیکن گریٹی اس وقت اس عمارت کی تلاشی ضرور لوں گا۔"

"تلاشی کا وارنٹ ہے آپ کے پاس۔" گریٹی نے برجستہ پوچھا۔

"نہیں....!"

"تب تو آپ ہرگز نہیں لے سکتے تلاشی۔"

"مجھے کون روکے گا۔"

"قانون.... میں آپ پر مداخلت بیجا کا مقدمہ قائم کر دوں گا۔"

"اگر اتنی مہلت ملے تو ایسا ضرور کرنا۔"

"نہیں آپ تلاشی نہیں لے سکتے۔" گریٹی پھر کھڑا ہو گیا۔

"حمید" فریدی نے حمید کو مخاطب کیا۔ حمید اس کا مطلب سمجھ گیا۔

چلو.... ادھر بیٹھ جاؤ۔" حمید نے جیب سے ریوالور نکال کر اس کا رخ گریٹی کی طرف کرتے

ہوئے کہا۔

"ہاں تم چپ چاپ بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "ورنہ اگر حمید کے مارے بھی گئے تو ہمیں صرف ایک تحریری بیان دینا پڑے گا اور بس۔"

"یہ کیا آپ میرے ساتھ شرافت کا برتاؤ کر رہے ہیں۔ جب قانون کے محافظ ہی دھاندلیاں کرنے لگیں تو پھر بے چارے قانون کا کیا بنے گا۔" گریٹی کے لہجے میں بڑی تلخی

فریدی اس کی بات کا جواب دیئے بغیر کمرے سے نکل گیا۔

"بیٹھ جاؤ گریٹی۔" حمید نے ریوالور کی نال سے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

گریٹی لاپروائی سے ایک صوفے میں گرتا ہوا بولا۔ "مجھے بہت صدمہ ہے۔ کپتان م آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں آپ لوگوں سے ہاتھاپائی کروں گا آپ نہیں جانتے کہ میں کرنل کی کتنی عزت کرتا ہوں۔ میں نے تو یہ چاہا تھا کہ تھوڑی مہلت مل جائے۔ جب تک آپ وارنٹ حاصل کریں میں شراب کا وہ ذخیرہ یہاں سے ہٹا دوں جسے میں نے غیر قانونی طو چھوڑا ہے۔ اب یہ ہوگا کہ خواہ مخواہ دو چار دن حوالات کی سیر کرنی پڑے گی۔"

"شراب وراب سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں۔ یہ پولیس والوں کا کام ہے۔"

"اوہ کپتان صاحب بہت بہت شکریہ۔ فی الحال میں آپ کی خدمت میں صرف دو حقیر رقم پیش کر سکتا ہوں۔ ویسے وعدہ کرتا ہوں کہ ہمیشہ آپ لوگوں کی خدمت کرتا رہوں

"اچھا تو کیا اب فریدی اور حمید بھی رشوت لینے لگے ہیں۔ یہ نئی اطلاع ہے۔" ج حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"ارے.... نہیں.... یہ رشوت نہیں بلکہ نذرانہ ہے۔"

اتنے میں فریدی واپس آگیا۔ اس کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار تھے۔ اس نے گر گھورتی ہوئی آنکھوں سے دیکھا اور حمید کو واپس چلنے کا اشارہ کر کے کمرے سے نکل گیا۔

گریٹی ان دونوں کو رخصت کرنے کے لئے صدر دروازے تک آیا اور پھر جب وہ باہر رہے تھے تو اس نے تمسخر آمیز انداز میں کہا۔ "دوسری بار تلاشی کا وارنٹ لانا نہ بھولئے گا۔"

❁

فریدی تھوڑی دور چلنے کے بعد رک کر بولا۔

"حمید! مجھے اپنی یہ حماقت بھی زندگی بھر یاد رہے گی۔"

"میں خود بھی یہی سوچ رہا ہوں۔"

"مجھے آرلکچو کے ہیڈ ویٹر کو وہاں نہ بھیجنا چاہئے تھا۔"

"کیا آپ نے اچھی طرح تلاشی لی تھی۔"

"مجھے یقین ہے کہ میں نے عمارت کا گوشہ گوشہ دیکھ ڈالا ہے۔"

"کوئی دوسرا راستہ جس سے وہ باہر جا سکے۔"

"نہیں.... کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں۔"

"تہہ خانے....!"

"ہو سکتا ہے۔"

"تب تو آپ کو وہاں سے آنا نہ چاہئے تھا۔"

"ٹھیک ہے! لیکن میں فی الحال اس معاملے کو طول نہیں دینا چاہتا۔ ورنہ جعلی کرنسی والا کیس چوپٹ ہو جائے گا۔ یہ سب کچھ کسی انتہائی منظم اسکیم کے تحت ہو رہا ہے میں ایک بات اور سوچ رہا ہوں کہیں گریٹی نے اس لڑکی کو ختم ہی نہ کر دیا ہو۔"

"لیکن لاش تو ملتی ہی۔" حمید نے کہا۔

"نہیں ٹھہرو۔ اسے تم تسلیم کرتے ہو کہ ہیڈ ویٹر جھوٹ نہیں بولتا۔"

"قطعی....!"

"اس نے لڑکی ہی سے شراب خریدی تھی لیکن گریٹی بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ اسے جھوٹا ثابت کر رہا ہے۔ ساتھ ہی اس کا بھی اعتراف کرتا ہے کہ وہ پچھلی شام تین چار گھنٹے غائب رہی تھی۔ جانتے ہو اس کا کیا مطلب ہوا۔ یعنی وہ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ لڑکی اس جرم میں شریک نہیں ہے۔"

"تو آپ اس سے کیا مطلب اخذ کرتے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"یہی کہ وہ ہاتھ سے گئی۔" فریدی مضطربانہ انداز میں بولا۔ "اگر وہ ہمیں نہ ملی تو گریٹی اپنی گردن صاف بچا لے جائے گا۔ وہ کہے گا کہ وہ اسی شام باہر رہی تھی ہو سکتا ہے وہ راجو کی موت کی ذمہ دار ہی ہو۔ اور پھر پولیس ایک مفرور ملزمہ کو تلاش کرتی پھرے گی۔ نہیں حمید صاحب وہ ختم

کر دی گئی۔ گریٹی کی بچت اسی میں ہو سکتی تھی کہ لڑکی اقبال جرم نہ کرے۔"

"مگر لاش کیا ہوئی اس کی۔"

"ہو سکتا ہے کہ گودام کے کسی بورے میں ٹھونس دی گئی ہو۔ مجھے ایک زندہ ع تلاش تھی مردہ کی نہیں۔ اسی کی مناسبت سے میں نے تلاشی بھی کی تھی۔ اچھا تم یہیں دروازے کی کڑی نگرانی کرنا۔ میں پرنسٹن کے تھانے کو فون کر کے فورس منگواتا ہو عمارت کے فرش کا پلاسٹر اُکھڑوا دوں گا۔"

فریدی قریب ہی کی ایک دکان میں گھس گیا۔ غالباً وہ وہاں فون کرنے کے لئے گیا تھا

حمید کی نظر شراب خانے کے دروازے کی طرف تھی لیکن وہ بند تھا۔ کھڑکیاں کر دی گئی تھیں۔

پرنسٹن کے تھانے سے فورس کے آنے میں دیر نہیں لگی۔ شائد انہیں دس یا پند تک انتظار کرنا پڑا تھا۔ شراب خانے کا دروازہ بدستور بند تھا۔ دروازے پر دستک دی گئی۔

دروازہ کھلا۔ گریٹی کی شکل دکھائی دی وہ اب اپنا پچھلا لباس تبدیل کر چکا تھا۔

"کیوں کیا بات ہے۔" اس نے پولیس والوں کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"تلاشی....!" فریدی آہستہ سے بولا۔

"تلاشی کا وارنٹ۔" گریٹی نے بھی اسی انداز میں دہرایا۔

"ہتھکڑیاں لگا دو اس کے۔" فریدی نے پرنسٹن کے تھانے کے انچارج سے کہا۔

"آخر میری خطا سرکار۔" گریٹی طنزیہ انداز میں مسکرا کر بولا۔

"تم ایک ایسی عورت کو چھپانے کی کوشش کر رہے ہو جو زہر خورانی کے ایک کیس کے میں مطلوب ہے۔"

"اچھا.... آپ کی مرضی۔ ویسے میں کسی ایسی عورت سے واقف نہیں۔"

گریٹی کے ہتھکڑیاں لگا دی گئیں اور اس نے اس پر ذرہ برابر بھی احتجاج نہ کیا۔

تلاشی شروع ہو گئی۔ فریدی نے گودام میں رکھا ہوا ایک ایک بورا کھلوا دیا۔

کسی تہہ خانے کی تلاش میں کئی کمروں کے فرش کا پلاسٹر تک اکھاڑ دیا گیا۔ لیکن سونیا کی کہیں نہ ملی اور نہ کسی تہہ خانے ہی کا سراغ ملا۔

واپسی پر اچانک فریدی راہداری میں ایک جگہ رک گیا۔ اس کی نظر گٹر کے ڈھکن پر جمی ہوئی تھی۔

"آج حماقتوں کا دن ہے حمید۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیوں؟ اب کیا ہوا....؟"

فریدی گٹر کے ڈھکن کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ "بھلا اس سے بہتر اور کیا صورت رہی گی۔"

گٹر کا ڈھکن اٹھوانے سے پہلے فریدی نے قرب و جوار کا گہرا جائزہ لیا۔

"صفائی ہو چکی ہے.... یقیناً یہاں کی صفائی ہوئی ہے۔ ورنہ ڈھکن گرد آلود ہوتا۔ ہم نے لئے اس کا موقع دیا تھا حمید صاحب یہ حماقت زندگی بھر یاد رہے گی۔ کاش ہم اسے یہاں تنہا نہ رڑتے۔ وہ اس وقت اسے ٹھکانے ہی لگا کر واپس آیا تھا اور میں نے بھی پہلی بار تلاشی کے دوران میں اس گٹر کو نظر انداز کر دیا تھا۔"

گٹر کا ڈھکن اٹھایا گیا۔ بدبو سے ان کے دماغ پھٹنے لگے۔ تیز رفتار گندے پانی کی آواز انہیں سنائی دے رہی تھی۔ ٹارچ کی روشنی اندر ڈالی گئی لیکن بے سود تیزی سے بہنے والے گندے پانی کے علاوہ انہیں اور کچھ نہ دکھائی دیا۔

وہ پھر اس کمرے میں واپس آ گئے۔ یہاں گریٹی رہتا تھا۔ یہاں فریدی نے وہ قمیض برآمد کر لی جس کے کالر پر لپ اسٹک کا بڑا سا دھبہ دیکھا تھا۔ پھر وہ کمرے کی دوسری اشیاء کا جائزہ لینے کے سلسلے میں وہیں کا سامان الٹنے پلٹنے لگا۔

"حمید صاحب۔" وہ تھوڑی دیر بعد ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "پھر وہی لاشوں کے سوداگر۔"

"لاشوں کے سوداگر....!" حمید نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں....!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ اُس کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک ٹکڑا تھا جس پر مصر کے عجوبہ ابوالہول کی چھوٹی سی تصویر تھی۔

فرعون کی روح

شام خوشگوار تھی۔ دن بھر تیز دھوپ ہونے کے بعد مطلع ابر آلود ہو گیا تھا اور ہوا میں خنکی پیدا ہو گئی تھی.... اور حمید کی کھوپڑی میں عجیب قسم کی سرسراہٹیں پرورش پا رہی تھیں.... اس

نے پروگرام بنایا تھا کہ آج آٹھ سے گیارہ تک آر لکچو میں ڈانس کرے گا۔ اس کے بعد بقیہ را
کسی نائٹ کلب میں گزارے گا۔ کیونکہ دوسرے دن اتوار تھا۔

گریٹی والے کیس کی طرف سے اسے اطمینان تھا کہ اب کوئی دوسری شکل نہیں اختیا
کر سکتا۔ کیونکہ سونیا کی لاش شہر کے باہر اس نالے میں مل گئی تھی جس میں شہر کا سارا گندہ پانی بہتا تھا
گریٹی بدستور حوالات میں تھا۔ لاش دستیاب ہوتے ہی اس کی حالت بگڑنے لگی تھی۔

بہر حال حمید نے ناول چین لکھنا تھا لیکن اسی کی دانست میں شام کو جیسے ہی وہ با
جانے کے لئے تیار ہوا اسے نوکر نے اطلاع دی کہ فریدی اُسے بلا رہا ہے۔

پھر اس کی جھلاہٹ کا کیا پوچھنا۔ وہ سوچنے لگا کہ یقیناً پھر اس کی شامت آنے والی ہے اور ا
خوشگوار شام سے لطف اندوز نہ ہو سکے گا۔

"فرمایئے۔" وہ فریدی کے کمرے میں درانہ گھستا ہوا بولا۔

فریدی شیو کر چکا تھا اور اب کپڑوں کا انتخاب کر رہا تھا۔

"تھوڑی تفریح کا خیال ہے۔" فریدی نے کہا۔

"یہ آپ بول رہے ہیں۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اچھا تفریح کے ہجے کیجئے۔"

"نہیں فرزند! میں سچ کہہ رہا ہوں۔ ایسی تفریح تمہیں کبھی خواب میں بھی نصیب نہ ہوئی ہوگی۔"

"آپکی تفریح کا جو معیار ہے اسے میں قبر میں بھی نہ پسند کروں گا۔ خواب تو معمولی چیز ہے۔"

"بہر حال تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔"

"کاش کبھی یہ جملہ ملک الموت کی زبانی سن سکوں۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"کیا تم کہیں اور جانے کے لئے تیار تھے۔"

"جناب والا....!"

"اچھا تو جاؤ میں دراصل تمہیں ایک ایسی جگہ لے جانا چاہتا تھا جہاں خالص انگریز لڑکیوں سے ملنے کی توقع کی جا سکتی ہے۔"

"بعض انگریز لڑکیاں اسی سال کی عمر تک مس رہتی ہیں۔ میں نے سوچا شائد آپ نہ جانتے ہوں اس لئے بتا دیا آگے آپ کی مرضی۔"

"بھئی تم نہیں جانا چاہتے تو نہ جاؤ.... میں تمہیں مجبور نہیں کرتا۔"

"نہیں میں جانے پر مجبور ہوں خصوصاً جب آپ مجبور نہ کریں۔ ایسے حالات میں ہمیشہ وہی
تا ہے جو آپ چاہتے ہیں۔"

"سمجھتے تو ہو....!" فریدی مسکرا کر بولا۔

حمید نے جو کچھ کہا تھا وہ حقیقت تھی۔ اگر حمید کے انکار پر فریدی کوئی کام اسی کی مرضی پر
تا تھا تو پھر وہ کام حمید کو کرنا ہی پڑتا تھا۔ یہ کئی بار کا تجربہ تھا فریدی کچھ ایسا رویہ اختیار کرتا
اس پر مجبور ہی ہو جاتا۔

"بس ذرا سے میک اپ کی ضرورت پیش آئے گی۔" فریدی نے کہا۔

"کمال کرتے ہیں آپ بھی۔" حمید بھنا کر بولا۔ "اچھا میں یہ کپڑے اُتار کر آتا ہوں ورنہ
جائیں گے۔"

"بہت ہی معمولی سا میک اپ ہے۔" فریدی بولا۔ "کپڑے نہیں خراب ہوں گے بس ایک
ں صورت بدل جائے گی۔ ادھر دیکھو۔"

حمید نے فریدی کے چہرے کی طرف دیکھا جس پر اس نے اپنا داہنا ہاتھ رکھ لیا تھا۔ دوسرے
میں ہاتھ چہرے سے ہٹا لیا گیا اور حمید "ارے" کہہ کر اُسے گھورنے لگا۔ فریدی کی شکل
دل گئی تھی اور اب وہ صرف آنکھوں اور پیشانی ہی کی بناء پر پہچانا جا سکتا تھا۔ ناک اور ہونٹ
کے نہیں معلوم ہو رہے تھے۔

"کیوں!" فریدی مسکرا کر بولا۔ اس کی آواز میں ہلکی سی منمناہٹ تھی۔ "اب اگر میں تاریک
کی عینک لگا لوں تو مجھے کون پہچان سکے۔"

"کیا آپ جادوگر ہیں۔" حمید بوکھلا کر بولا۔ "ابھی تو آپ اچھے خاصے تھے۔"

"نہیں یہ دو ربڑ اسپرنگ ہیں جنہیں نتھنوں میں رکھ لینے سے ناک اوپر کی طرف اٹھ جاتی
اس سے اوپری ہونٹ میں بھی تھوڑا سا کھنچاؤ ہوتا ہے اور دہانے کی ہیئت بدل جاتی ہے۔ اسی
ناک کی نوک نیچے کی طرف جھکائی جائے تو حلئے میں ایک نمایاں فرق نظر آئے گا۔"

"تو کیا آپ میری ناک نیچے کی طرف جھکائیں گے۔"

"نہیں جڑ سے اڑا دوں گا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"لیکن ہم جائیں گے کہاں۔"

"برکلے ہاؤز۔ داخلہ صرف مخصوصین کے لئے ہے۔ میں نے دو عدد دعوت نامے کئے ہیں اور ہماری حیثیت ملک کے دو بڑے سرمایہ داروں کی ہو گی جو اس شہر کے باشندے ہیں بس اب وقت نہ برباد کرو سمجھے۔"

❁

تھوڑی دیر بعد وہ شہر کی مشہور عمارت برکلے ہاؤز کے سامنے کھڑے تھے۔ اندھیرا ہو تھا۔ عمارت کے سامنے کئی شاندار کاریں ایک قطار میں کھڑی تھیں۔

وہ دونوں کمپاؤنڈ سے گذر کر پورچ میں آئے۔

ایک دبلا پتلا سا انگریز جو سیاہ سوٹ میں ملبوس تھا ان کے استقبال کے لئے آگے بڑھا نے دونوں دعوت نامے اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔

"اوہ.... ادھر سے تشریف لے چلئے۔" انگریز ایک طرف ہٹ کر قدرے جھکتا ہوا بو

وہ انہیں ایک ایسے کمرے میں لایا جس کی ہر چیز سیاہ تھی۔ دیواریں، فرنیچر، پ دروازے سب سیاہ حتیٰ کہ میزوں پر رکھے ہوئے ایش ٹرے تک سیاہ تھے۔ یہاں انہیں آٹھ آدمی دکھائی دیئے۔ فریدی ان میں سے ایک ایک کو پہچانتا تھا۔ یہ سب شہر کے بڑے داروں میں سے تھے۔

"کیا آپ کے ناموں کا اعلان کر دوں۔" مذ قوق انگریز نے آہستہ سے پوچھا۔

"نہیں، شکریہ۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "اس کی ضرورت نہیں۔"

انگریز نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کیا اور وہ دونوں بیٹھ گئے۔ دوسرے لوگ آپس سرگوشیاں کر رہے تھے اور ان کی نظریں ان دونوں کی طرف تھیں۔

دفعتاً ایک دروازے کا پردہ سرکا اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے اس تاریک ماحول میں چاند ن ہو۔ یہ ایک انتہائی حسین لڑکی تھی اور اس کے جسم پر بے داغ سفید سلک کا لبادہ تھا۔ وہ آہستہ چلتی ہوئی ان دونوں کے قریب آئی۔ حمید آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھ رہا تھا اور سوچ کہ فریدی نے اس وقت سچ مچ اس پر احسان کیا ہے۔ لڑکی نے ایک نوٹ بک اور پنسل ان سامنے رکھی ہوئی چھوٹی سی میز پر رکھ دی۔

"نام اور پتہ۔" لڑکی نے کہا اور حمید کے کانوں میں چاندی کی گھنٹیاں سی بج اٹھیں۔

"کیا یہ ضروری ہے۔" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"قاعدہ یہی ہے۔ ویسے جو آپ مناسب سمجھیں۔"

فریدی نے وہی نام لکھ دیئے جو دعوت ناموں پر تحریر تھے۔

"شکریہ۔" لڑکی نوٹ بک اور پنسل سمیٹ کر واپس چلی گئی۔

پھر شائد دو یا تین منٹ بعد ایک دوسری لڑکی کمرے میں آئی۔ یہ بھی کافی دلکش تھی اور اس نے جسم پر بھی سفید ہی لبادہ تھا۔ اس نے آتے ہی کمرے کی روشنی گل کر دی۔ پھر ایک بڑی لش آواز اندھیرے میں گونجی۔

"کروڑہا برس گذرے جب یہ زمین آگ کا گولا تھی۔ ہزار ہا سال گذرے جب مصر پر بتاؤں کی حکومت تھی۔ ابوالہول اور اہرام خالص انسانی کارنامے نہیں ہیں۔ ان میں دیوتاؤں کا ی ہاتھ تھا۔"

لڑکی خاموش ہو گئی۔ کمرے کا اندھیرا حمید کو گراں گذر رہا تھا۔ اچانک انہوں نے دبی دبی سی سسکیوں کی آوازیں سنیں۔

پھر وہی آواز ہچکیوں اور سسکیوں کے ساتھ سنائی دینے لگی۔ "نہ اب وہ مصر ہے اور نہ آگ لولا۔ لیکن ہمارے دل سلگ رہے ہیں۔ ایک انجانی سی آگ۔ ایک انجانی سی آگ۔"

سسکیاں تیز ہو گئیں۔ آواز آتی رہی۔ "سب کچھ تباہ ہو جائے گا لیکن دیوتا ہمیشہ زندہ رہیں گے۔"

سسکیوں کی آوازیں دور ہوتی جا رہی تھیں۔ دفعتاً حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے رونگٹے ڑے ہو گئے ہوں۔ سسکیوں کی آواز دور ہوتی جا رہی تھی۔ لیکن لڑکی کی آواز بدستور اسی جگہ ئم تھی جہاں پہلے تھی۔ حالانکہ کچھ دیر پہلے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے لڑکی ہی سسکیوں اور ہچکیوں ے ساتھ گفتگو کر رہی ہو۔ لیکن اب دونوں آوازیں الگ ہو گئی تھیں۔ لڑکی کہہ رہی تھی۔ "لیکن ج یہ کیا ہو گیا ہے۔ روحیں اس طرف متوجہ نہیں ہو رہی ہیں.... فرعون.... فرعون.... ا تجھے پکارتی ہوں۔ آج تجھ سے بہتیرے راز دریافت کئے جائیں گے۔"

لڑکی خاموش ہو گئی.... اندھیرے اور سناٹے کا امتزاج ڈراؤنا معلوم ہونے لگا۔

چند لمحے خاموش رہ کر لڑکی پھر بولی۔ "حاضرین سے استدعا ہے کہ وہ دس منٹ اس طرح اموش بیٹھیں کہ ان کے ہونٹ کھلے ہوئے ہوں اور براہِ کرم وہ مٹھیاں نہ باندھیں.... فرعون

کی روح ٹھیک دس منٹ بعد حاضر ہو گی۔"

دس منٹ کی طویل خاموشی۔

حمید کو اپنے دل کی دھڑکنیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

پھر دس ہی نہیں بلکہ پندرہ منٹ گذر گئے لیکن کسی قسم کی بھی آواز نہیں سنائی دی۔ حمید ہتھیلیاں اور ہونٹ کھولے بیٹھا تھا۔

اچانک اسے اپنے قریب ہی ایک عجیب قسم کی روشنی دکھائی دی اور وہ بیساختہ اچھل روشنی کمرے میں گردش کرنے لگی اور پھر کافی دیر بعد یہ بات حمید کی سمجھ میں آئی کہ فریدی اپنی ٹارچ روشن کرلی تھی اور کمرے میں چل رہا تھا۔ کمرے کا بلب بھی روشن ہو گیا۔ فریدی بورڈ کے قریب کھڑا چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

کمرے میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ نہ صرف لڑکی بلکہ ان کے جانے پہچا لوگ بھی غائب ہو چکے تھے۔

"یہ کیا تماشہ تھا۔" حمید گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔

فریدی کے ہونٹوں پر ایک شرارت آمیز مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے کہا "توقع کے خلاف.... اچھا آؤ ہم دیکھیں کہ دوسرے کمروں میں کیا ہے۔"

فریدی ایک دروازے کا پردہ ہٹا کر کمرے سے نکل گیا۔ حمید بھی اس کے پیچھے تھا وہ دوسرے کمرے میں آئے یہاں بھی تاریکی تھی۔ فریدی نے ٹارچ روشن کرلی۔ یہ کمرہ بھی خالی تھا وہ آگے بڑھے، ایک دروازے کے اس طرف روشنی نظر آرہی تھی۔ فریدی پردہ ہٹا آگے بڑھ گیا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔

لیکن یہ کمرہ خالی نہیں تھا۔ انہیں سامنے ہی آرام کرسی پر ایک معمر انگیز نیم دراز نظر آ بھورے رنگ کی فرنچ کٹ ڈاڑھی میں وہ خاصا شاندار نظر آرہا تھا۔ انہیں دیکھ کر وہ اس انداز سیدھا ہو کر بیٹھ گیا جیسے ان کا منتظر ہی رہا ہو۔

"آیئے کرنل فریدی اور کیپٹن حمید، خوش آمدید تشریف رکھیے۔"

حمید بوکھلا گیا لیکن اس نے فریدی کی حالت میں کسی قسم کا بھی تغیر محسوس نہیں کیا۔

"شکریہ....!" فریدی ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ پھر اس نے حمید کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا

"کرنل.... یہ ہاتھ کی صفائی کا کھیل نہیں ہے اوہ مگر ٹھہریئے میں پہلے اپنا تعارف ں۔ مجھے ہڈسن کہتے ہیں ڈاکٹر ہڈسن۔"

"ڈاکٹر ہڈسن۔" فریدی نے آہستہ سے بڑبڑا کر سر ہلا دیا۔

ہاں تو کرنل میں یہ کہہ رہا تھا کہ یہ شعبدہ بازی نہیں ہے۔ آخر آپ بھیس بدل کر کیوں تھے۔"

محض یہ دیکھنے کے لئے کہ یہ کام علانیہ کیوں نہیں ہوتا۔"

بس اتنی سی بات۔" ہڈسن بولا۔ "جواب یہ ہے کرنل کہ اسے صرف مستحق آدمیوں کے وص رکھنا چاہتا ہوں۔ عوامی بھیڑ سے کوئی فائدہ نہیں۔"

لیکن تم نے اپنا کام جاری کیوں نہیں رکھا۔"

وہ تو اب بھی جاری ہے۔" ہڈسن نے مسکرا کر کہا۔ "فرعون کی روح نے محض اس بناء پر اسے انکار کر دیا تھا کہ دو آدمی بھیس بدل کر اور غلط نام اختیار کر کے آئے تھے۔"

بھلا فرعون کی روح کو اس سے کیا سروکار۔"

بہت بڑا سروکار ہے کرنل۔ روحیں بے اعتمادی نہیں پسند کرتیں۔ اگر تم لوگ اپنی صحیح میں آتے تو اس کی نوبت ہی نہ آتی۔"

صحیح شخصیت میں شاید مجھے داخلے کی بھی اجازت نہ ملتی۔"

ملتی اور ضرور ملتی کرنل۔ تم شائد یہ سمجھتے ہو کہ روحوں کی آڑ میں یہاں کوئی جرم ہو رہا ہے۔"

ضروری نہیں کہ میں یہی سمجھوں۔ حیرت انگیز باتوں کے لئے تجسس قطعی فطری امر ہے۔"

میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔ اگر آپ اس سلسلے میں مجھ سے گفتگو کرتے تو میں آپ کو رے میں بیٹھنے کی اجازت دے دیتا۔"

خیر اب سہی۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

اب آج تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کاروائی آدھی سے زیادہ ختم ہو چکی ہے اور لوگ سوالات کر رہے ہیں۔"

کیا....؟" فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔ "مگر وہاں تو اب کوئی بھی نہیں ہے۔"

سب ہیں.... کاروائی جاری ہے۔"

"لیکن میں تو ابھی وہیں سے آرہا ہوں۔"

ڈاکٹر ہڈسن نے قہقہہ لگایا اور پھر بولا۔ "یہی تو میں کہہ رہا ہوں مسٹر فریدی کہ یہ صفائی یا شعبدہ نہیں ہے۔ تم جس وقت ہال میں آئے تھے سب وہیں موجود تھے اور اب یہ اور بات ہے کہ وہ تمہیں نظر نہ آئے ہوں۔ وہ فرعون کی روح تھی جسے طلب کیا گیا تھا تمہاری اس حرکت کی بناء پر تمہیں محروم کر دیا۔ اچھا شائد تمہیں یقین نہیں آرہا ہے۔ ساتھ آؤ۔"

ہڈسن انہیں پھر اسی تاریک کمرے کی طرف لے گیا۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ حالانکہ قبل فریدی یہاں کا بلب روشن کر کے گیا تھا جس وقت یہ لوگ دروازے کے قریب پہنچے کمرے میں ایک بھرائی ہوئی سی آواز گونج رہی تھی۔ "تمہیں بہت سمجھ بوجھ سے کام لینا تین دن کے اندر اندر روئی کا بازار گرجائے گا۔ اس لئے اس میں فی الحال ہاتھ لگانے کی ضرورت نہیں۔ وہ کمبخت سراغ رساں پھر آگئے ہیں لہٰذا یہ سلسلہ بند ہو رہا ہے۔"

دوسرے ہی لمحے میں کمرے کا بلب پھر روشن ہو گیا اور فریدی کی نظر اُن لوگوں پر جنہیں وہ عمارت میں داخل ہوتے ہی دیکھ چکا تھا۔ شہر کے چند بڑے سرمایہ دار۔ وہ سب کرسیوں سے اٹھے اور باہر نکل گئے۔

"دیکھا تم نے۔" ہڈسن مسکرا کر بولا۔

"تو اس روح نے انہیں ہماری نظروں سے غائب کر دیا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"قطعی یہی بات ہے مسٹر..... آر..... کرنل فریدی۔"

"ڈاکٹر ہڈسن..... تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔" فریدی انتہائی گرمجوشی سے مصافحہ ہوا بولا۔

"اب آؤ..... اطمینان سے باتیں ہوں گی۔" ڈاکٹر ہڈسن نے فریدی کو اسی کمرے کی کھینچتے ہوئے کہا جہاں سے وہ چند لمحے پیشتر اٹھ کر آئے تھے۔

وہ بیٹھ گئے۔ ڈاکٹر ہڈسن نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی کا بٹن دبایا۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ لڑکی اندر داخل ہوئی جس نے تاریک کمرے میں فریدی اور حمید کے دستخط لئے تھے۔

"مشروبات میں کرنل فریدی کو کیا پسند ہے۔" ہڈسن نے لڑکی سے پوچھا۔

"کافی.....!" لڑکی نے جواب دیا۔

"تو ٹھیک کافی ہی لاؤ۔ مگر ٹھہرو..... کیپٹن حمید کیا پسند کرتے ہیں۔"

"ٹھہریئے۔" لڑکی نے کہا اور آنکھیں بند کئے چند لمحے خاموش رہی پھر آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں کھلیں اور ساتھ ہی ایک بڑی دلآویز سی مسکراہٹ بھی اس کے ہونٹوں پر پھیلتی گئی۔

"کیپٹن حمید کی کوئی پسند نہیں۔" لڑکی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "یہ کافی بھی پی لیں گے ویسے میں انہیں بہت پسند آئی ہوں۔"

"خوب.....!" ڈاکٹر معنی خیز انداز میں سر ہلاتا ہوا بولا۔ لڑکی چلی گئی۔

"کیا یہ بھی کوئی روح ہے ڈاکٹر۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں روحوں کی ایک خادمہ۔ روحیں اسے ہر وقت ہر بات کی اطلاع پہنچاتی ہیں۔"

"کتنی لڑکیاں ہیں تمہارے ساتھ؟" حمید نے پوچھا۔

"دو.....!"

"اور مرد کتنے ہیں۔"

"تین.....!" ڈاکٹر ہڈسن نے کہا۔ "اور سات عدد لاشیں۔"

"دو لاشیں تو تم فروخت بھی کر چکے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"ہاں پہلے نو عدد تھیں۔"

"کیسی لاشیں۔" حمید بول پڑا۔

"تم خاموش رہو۔" فریدی نے اردو میں کہا پھر ڈاکٹر ہڈسن سے بولا۔ "تم انہیں خاص طور پر کیوں فروخت کر رہے ہو۔ دنیا کے کسی دوسرے ملک کا انتخاب کیوں نہیں کیا۔"

"ابھی تمہارے شبہات رفع نہیں ہوئے۔" ڈاکٹر ہڈسن مسکرا کر بولا۔ "میں تمہاری حکومت کے لئے باقاعدہ طور پر اجازت نامہ حاصل کر چکا ہوں۔ اور انہیں یہاں اس لئے فروخت کرتا ہوں کہ یہ بھی دیوتاؤں ہی کی سرزمین ہے۔"

وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا کہ دفعتاً پوری عمارت ایک عجیب قسم کے شور سے گونج اٹھی۔ ڈاکٹر ہڈسن بے تحاشہ اٹھ کر بھاگتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

بغداد ۱۱۲۱ء

حمید نے فریدی کی طرف دیکھا اور فریدی سر ہلا کر مسکرانے لگا۔

"یہ کس بھوت خانے میں پکڑ لائے آپ مجھے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"فکر مت کرو۔ ان مغربیوں کا عجیب حال ہے۔ یہ ہمیں آج بھی احمق سمجھتے ہیں۔"

"مگر وہ لڑکی....!"

"سب فراڈ ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "ویسے ہمارے متعلق ان کی معلومات بہت وسیع"

"لیکن تاریک کمرے والے واقعے کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"کیا تم مجھے خیالات قائم کرنے کی مشین سمجھتے ہو۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

"اچھا یہی بتا دیجئے کہ وہ لاشیں شکر کی ہیں یا پلاسٹر آف پیرس کی۔"

فریدی جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ڈاکٹر ہڈسن واپس آ گیا۔

وہ بہت زیادہ غصے میں معلوم ہوتا تھا۔

"کرنل اپنی تباہ کاری دیکھ لو چل کر۔" اس نے کہا۔

"میں نہیں سمجھا ڈاکٹر۔"

"میرے ساتھ آؤ۔"

وہ آگے تھا اور یہ دونوں اس کے پیچھے اور ان کے قدم بھی اسی مناسبت سے اٹھ جس رفتار سے ہڈسن چل رہا تھا۔

جیسے ہی وہ ایک راہداری مڑے حمید کی نظر ایک لڑکی پر پڑی جو فرش پر چت پڑی؟ یہ وہی لڑکی تھی جسے تھوڑی دیر قبل کافی کے لئے بھیجا گیا تھا۔ شائد وہ بیہوش تھی۔

"دیکھو....!" ہڈسن نے رک کر بیہوش لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

"لیکن ڈاکٹر مجھے اس سے کیا سروکار۔ میں تو اس کمرے میں تھا۔" فریدی نے تنو لہجے میں کہا۔

"تم ذمہ دار ہو اس کے۔"

"آخر کس طرح۔"

"یہ روح کا انتقام ہے۔ یہاں آنیوالی تمام روحیں اس لڑکی پر اعتماد کرتی تھیں۔"

"تو میری وجہ سے اس اعتماد میں فرق آنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔"

"آخر تم بھیس بدل کر کیوں آئے۔"

"میں یہاں کا ایک ذمہ دار آفیسر ہوں۔ میرا فرض ہے کہ میں ایسے معاملات کو دیکھوں۔"

"لیکن یہ لڑکی بیہوش کس طرح ہوئی۔" حمید نے ہڈسن سے پوچھا۔

"خدا ہی جانے۔" ہڈسن نے تشویش آمیز لہجے میں جواب دیا۔ "ہمارے لئے یہ پہلا واقعہ ہے۔"

وہ کچھ دیر خاموش رہے پھر ہڈسن نے کہا۔ "روحوں کا خیال ہے کہ تم ہمیں کسی جرم سے متہم کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا وہ براہِ راست ڈاکٹر ہڈسن کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"کس جرم میں منتھی کرنا چاہتا ہوں۔" تھوڑی دیر بعد اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"کل روح کی زبانی سن لینا۔ آج اس نے تفصیل نہیں بتائی۔ لیکن خدا کیلئے اپنی اصل شکل میں آنا اور کاپی پر صحیح دستخط کرنا۔ اچھا کرنل اب مجھے اجازت دو۔ مجھے اس لڑکی کی جان بچانی ہے۔"

"ہمارے لائق کوئی خدمت ڈاکٹر....!" حمید نے کہا۔

"اوہ.... نہیں بھلا تم کیا کر سکو گے۔ یہ روحوں کی شکار ہے۔ آج میری ساری رات برباد جائے گی۔"

"کچھ روحیں میرے قبضے میں بھی ہیں ڈاکٹر...!" حمید بولا۔ "کہو تو میں ان سے مدد طلب کروں۔"

"کتنی پرانی روحیں ہیں۔"

"پانچ لاکھ برس پرانی۔"

ڈاکٹر ہڈسن ہنسنے لگا۔ "تم لوگ سچ مچ اسے شعبدہ سمجھتے ہو۔ لیکن میں تمہیں بتاؤں گا ضرور آنا اچھا شب بخیر۔"

فریدی اور حمید باہر آ گئے۔ فریدی غیر معمولی طور پر سنجیدہ اور خاموش تھا۔

"اب کیا خیال ہے؟" حمید نے اسے چھیڑا۔

"کچھ نہیں وقت کی بربادی ہے.... اس کیس میں میرا دل نہیں لگ رہا ہے۔"

"لیکن یہ بتائیے کہ آپ یہاں آئے کیوں تھے اور ابھی آپ نے کس کیس کا حوالہ دیا ہے۔"

"جعلی نوٹوں والا کیس۔"

"بھلا اس سے اور اُس معاملے سے کیا تعلق۔"

"تعلق ہے تو دریافت کرنا ہے۔"

"زبردستی۔"

"حالات ایسے ہیں فرزند۔ راجو نوٹوں والے معاملے سے منسلک تھا۔ راجو کے ذریعہ مشتبہ عمارت تک پہنچے۔ وہاں ہماری چند نامعلوم آدمیوں سے مڈبھیڑ ہوئی۔ پھر گریٹی۔ زہر دلوادیا اور ہمیں اُس لڑکی کی بھی لاش ملی جس نے راجو کو زہر دیا تھا۔ گریٹی حراست اور میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس رات اُس عمارت میں جن نقاب پوشوں سے ہوئی تھی اُن میں گریٹی بھی تھا.... خیر گریٹی کے یہاں تلاشی کے دوران میں ایک ایسا ہے جس کا تعلق براہِ راست ڈاکٹر ہڈسن سے ہے۔"

"کیسا کاغذ.... آپ شاید پہلی بار اس کا تذکرہ کر رہے ہیں۔"

"نہیں تو.... کاغذ تو تمہارے سامنے ہی ملا تھا۔ وہی جس پر ابوالہول کی تصویر دراصل ڈاکٹر ہڈسن کے نجی رائٹنگ پیڈ کا سرنامہ ہے۔ ایسے ہی ایک کاغذ پر میں ہڈسن کی درخواست دیکھ چکا ہوں جو اُس نے لاشوں کی فروخت کے سلسلے میں اجازت حاصل کرنے لئے دی تھی۔"

"دیکھئے! اس سے بھی دونوں کا تعلق نہیں ظاہر ہوتا۔" حمید نے کہا۔

"کیوں....؟"

"ایسے حالات میں ڈاکٹر ہڈسن کا لیٹر ہیڈ شہر میں کسی کے بھی پاس پایا جاسکتا ہے۔ طلب کی ہوئی روحیں شائد مستقبل کا حال بتاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ آدمی ہر حال میں اپنے سے باخبر ہونے کی خواہش رکھتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ گریٹی نے بھی اسی سلسلے میں ڈاکٹر ہڈ خط و کتابت کی ہو۔ لہٰذا اُس تک ہڈسن کا لیٹر ہیڈ اس طرح پہنچ سکتا ہے۔"

"تمہاری یہ دلیل معقول ہے لیکن کچھ اور باتیں بھی ہیں۔"

"اور وہ باتیں مجھے حشر کے دن معلوم ہوں گی۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"چلو بیٹھو....!" فریدی اُسے کار میں دھکیلتا ہوا بولا۔

نمبر 15

حمید اگلی سیٹ پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "اور آپ اُن لاشوں کے متعلق کبھی نہ بتائیں گے۔"

"تم احمق ہو۔" فریدی نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ "بعض اوقات تمہیں الف اور بے ا پڑتا ہے۔ تم خود کیوں نہیں سوچتے کہ وہ لاشیں کس قسم کی ہوسکتی ہیں۔"

"میں کچھ کچھ سمجھ رہا ہوں۔ ہڈسن نے گفتگو کے دوران میں قدیم مصر کا حوالہ دیا تھا کیا وہ ہیں۔"

"ٹھیک ہیں.... وہ ہزاروں سال پرانی حنوط کی ہوئی لاشیں ہیں۔ مصر میں ڈاکٹر ہڈسن نے مین خریدی تھی اور یہ لاشیں اسی زمین کی کھدائی کے دوران میں نکلی تھیں۔"

"تو اس طرح یہ لاشوں کے سوداگر ہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "آپ ذرا ذرا سی باتوں کو بھی پُراسرار بنا کر پیش کرتے ہیں.... لیکن ہاں وہ دوسرے اسباب کیا ہیں جنکی بناء پر آپ گریٹی لوگوں سے منسلک سمجھتے ہیں۔"

"اوہو! بڑی خوشی سے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں سچ مچ تمہیں ایک ذمہ دار آدمی دیکھنا ہوں اور میں آج کل ایک دوسرے مسئلے میں بھی الجھا ہوا ہوں۔"

"کون سا مسئلہ....؟"

"تمہیں یورپ کے مشہور بلیک میلر لیونارڈ یاد ہے۔"

"اچھی طرح....!"

"زندگی میں پہلی بار اُسے میری ہی وجہ سے ہتھکڑیاں نصیب ہوئی تھیں۔"

"جی ہاں.... مجھے یہ بھی یاد ہے۔"

"وہ انگلینڈ کے ایک قید خانے میں عمر قید کی سزا بھگت رہا تھا۔ ہونی تو چاہئے تھی اُسے موت ہی لیکن اُس پر کوئی قتل نہیں ثابت ہوسکا تھا بہرحال قصہ مختصر یہ کہ وہ جیل سے گیا ہے۔"

"تو آپ کیوں فکرمند ہیں۔ انگلینڈ جانے اور لیونارڈ۔"

"یہ بات نہیں ہے فرزند.... تم اُس کی پچھلی ہسٹری سے واقف نہیں ہو لیونارڈ ایسے ل کو بھلانا نہیں جانتا جن کی ذات سے اسے ذرہ برابر بھی نقصان پہنچا ہو۔"

"مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔" حمید بولا۔

"زیادہ خوش فہمی اچھی چیز نہیں ہے۔ اندھیرے سے آئے ہوئے تیر کا منہ کون ہے۔ لیونارڈ کبھی کھل کر سامنے نہیں آتا۔ اگر تم اُس کے شکاروں کی فہرست دیکھو تو تمہیں اسکاٹ لینڈ یارڈ کے کئی بہترین دماغ ملیں گے۔ انسپکٹر مورلینڈ، چیف انسپکٹر سارجنٹ گراہم، سپرنٹنڈنٹ مارشا سمتھ وغیرہ یہ سب لیونارڈ کے ہاتھوں قتل ہوئے لیکن پر مقدمہ چلایا گیا تو وہ ایک بھی قتل کا مرتکب نہ ثابت ہو سکا۔"

"تو آپ اس سے خوفزدہ ہیں۔"

"مستقبل کے متعلق جو تشویش ہوتی ہے ہر حال میں خوف نہیں کہلاتی۔"

"وہ کب فرار ہوا ہے۔"

"آج سے تین دن قبل کی بات ہے۔"

"اوہ تب تو ان لوگوں میں نہیں ہو سکتا۔" حمید نے کہا۔

"یہ لوگ....!" فریدی حقارت آمیز مسکراہٹ کیساتھ بولا۔ "یہ لوگ تو مسخرے"

"تو آپ یہ کیس مجھے دیتے ہیں نا....!"

"قطعی.... لیکن تم ان لڑکیوں کے چکر میں پڑ کر اپنی حجامت نہیں بنواؤ گے۔"

پتہ نہیں رات کو دو بجے تھے یا تین.... روزیٹی سوتے سوتے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی لگ اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ وہ تو برکلے ہاؤز کے ایک آرام دہ کمرے میں سوئی تھی۔ پھر ودق میدان میں کہاں سے پہنچی۔ پورا چاند آسمان پر چمک رہا تھا اور چاروں طرف پچھلے دودھیا چاندنی بکھری پڑی تھی۔

روزیٹی بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔ پھر اس کے منہ سے ایک ڈری ڈری سی چیخ نکلی۔ سمجھی کہ شائد خواب دیکھ رہی ہے۔ لیکن اب یقین ہو گیا کہ یہ حقیقت ہے۔

اس کے منہ سے متواتر کئی چیخیں نکلیں اور دھڑام سے زمین پر گر گئی۔ اس کی سمجھ آ رہا تھا کہ وہ کہاں ہے اور اس ویرانے میں کیونکر پہنچی۔

"یہ کون احمق ہے جس نے مجھے جگا دیا۔" قریب ہی کوئی ناک کے بل بولا منمناہٹ قدرتی معلوم ہو رہی تھی۔ روزیٹی پھر چیخنے لگی۔ ہسٹریائی انداز کی چیخیں تھ

لوم ہو رہا تھا جیسے وہ خاموش رہنے کی کوشش کر رہی ہو۔ لیکن اسے اپنی آواز پر قابو نہ رہ گیا ہو۔

دوسرے لمحے میں ایک عجیب الخلقت آدمی اس کے سامنے کھڑا تھا۔

اس کے سر پر ہالی ووڈ کے "بغداد مارکہ۔" فلمی کرداروں کی سی پگڑی تھی اور جسم پر ایک نما ....ڈاڑھی گلہری کی دم کیطرح سینے پر جھول رہی تھی۔ وہ گلہری کی دم سے اسلئے مشابہ تھی کا پھیلاؤ ٹھوڑی سے آگے نہیں تھا۔ لیکن لمبائی میں سینے تک چل آئی تھی اور مونچھیں ندارد۔

"تت.... تم کون ہو....!" روزیٹی نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

"تم کون ہو۔" اس آدمی نے غصیلی آواز میں پوچھا۔ اس بار اُس کی آواز کچھ ایسی تھی جیسے ہلی آدمیوں کی طرح بولنے لگی ہو۔

"میں روزیٹی ہوں:...." وہ بمشکل کہہ سکی۔

"روزیٹی.... نہیں تم تو عورت معلوم ہوتی ہو۔"

"میرا نام روزیٹی ہے۔"

"روزیٹی.... یہ کیسا واہیات نام ہے۔ کم از کم بغداد میں تو ایسے نام نہیں سنے جاتے۔"

"بغداد.... بغداد کیوں؟ میں کہاں ہوں۔"

"ارے تم یہ بھی نہیں جانتیں۔ تب تو تم کوئی خبیث روح ہو۔ ٹھہرو میں ڈنڈے سے ی خبر لیتا ہوں۔"

"ٹھہرو.... ٹھہرو....!"

"نہیں یوں نہیں.... ابھی تم خود اعتراف کرو گی کہ تم بغداد میں ہو اور یہ سنہ گیارہ سو ماہے۔"

"ارے بچاؤ۔" روزیٹی چیخنے لگی۔

"ارے او بدبخت عورت میں دیو نہیں ہوں کہ تجھے کھا جاؤں گا۔ مری کیوں جا رہی ہے۔ منہ کر کے کھڑی ہو جا۔ خبردار جو پلٹ کر دیکھا۔"

روزیٹی نے چپ چاپ تعمیل کی۔ اس عجیب الخلقت آدمی نے جیب سے ایک برش اور سیاہ ٹکاڑہ نکال کر برش سے روزیٹی کی قمیض پر لکھنا شروع کیا۔ بغداد سنہ گیارہ سو اکیس۔ ہو شیار خبیث روح کا نام روزیٹی ہے۔

"بس اب ادھر مڑ جاؤ۔" اس نے کہا۔ "روزیٹی نے پھر بے چوں وچرا تعمیل کی۔"

"اب میں تمہیں مار ڈالوں گا۔" اس عجیب الخلقت آدمی نے کہا اور اس کی گردن دبوچ روزیٹی کے حلق سے گھٹی گھٹی سی چیخیں نکلنے لگیں اور پھر بے ہوش ہو گئی۔

❁

دوسری بار جب اس کی نیند ختم ہوئی تو کافی دیر تک اس نے آنکھیں کھولنے کی ہر کی۔ لیکن آخر کب تک۔ دل کڑا کر کے آنکھیں کھولنی ہی پڑیں۔ اور پھر جو اس نے بوکھلا ہی لیٹے جست لگائی تو کوچ سے فرش پر تھی۔ کپڑے جھاڑتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔ اس نے خو کمرے میں پایا جس میں رات کو سوئی تھی۔ اور اب اسے سوچنا پڑا کہ شائد اس نے پچھلی را ڈراؤنا خواب دیکھا تھا۔

دیوار سے لگی ہوئی گھڑی سات بجا رہی تھی۔

وہ جلدی جلدی لباس تبدیل کرنے لگی۔ اچانک اس کی نظر شب خوابی کی قمیض کی پڑی اور ٹھٹک کر رہ گئی۔ سرخ رنگ کے حروف میں تحریر تھا۔ "بغداد سنہ گیارہ سو اکیس۔ اس خبیث روح کا نام روزیٹی ہے۔"

روزیٹی کے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ چھوٹ پڑا۔

وہ قمیض ہاتھ میں لئے بے تحاشہ دوڑتی ہوئی اس کمرے میں آئی جہاں ڈاکٹر ہڈسن پی رہا تھا۔

"کیا بات ہے۔" اس نے داہنی بھوں تان کر غصیلی آواز میں کہا۔

روزیٹی نے جواب دینے کی بجائے قمیض اُس کے سامنے ڈال دی۔ ڈاکٹر ہڈسن نے تحریر پڑھنے کے بعد روزیٹی کی طرف قہر آلود نظروں سے دیکھا۔

"کچھ منہ سے بھی بکو گی۔ کیا مطلب ہے اس بے ہودگی کا۔"

روزیٹی ہکلا ہکلا کر بیان کر چلی۔ پھر اس نے کہا۔ "اگر یہ تحریر نہ ملتی تو میں اسے خوا سمجھتی یقین کیجئے اس میں ایک لفظ بھی جھوٹ نہیں ہے۔"

ڈاکٹر ہڈسن نے کافی کی پیالی ہاتھ سے رکھ دی اور تحیر آمیز نظروں سے لڑکی کو دیکھ کبھی کبھی وہ قمیض کی تحریر کو بھی گھورنے لگتا تھا۔

"تمہیں یقین ہے کہ تم اپنا کمرہ اندر سے مقفل کر کے سوئی تھیں۔" اس نے روزیٹی سے پوچھا۔

"مجھے اچھی طرح یاد ہے جناب۔"

"نہیں تم بھول رہی ہو۔ تم نے مقفل نہیں کیا تھا۔"

"نہیں مجھے یقین ہے۔"

"اچھا چلو.... میں تمہارا کمرہ دیکھنا چاہتا ہوں۔"

وہ اس کے ساتھ اس کے کمرے تک آیا اور دروازے پر جھک کر کنجی کا سوراخ دیکھنے لگا۔

"اوہ ... یہ قفل ہی ناقص ہے۔" وہ بڑبڑایا۔ "اندر اور باہر کا سوراخ ایک ہی ہے اوہ.... اور شانات.... یقیناً کسی نکیلی چیز سے اسے کھولنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بلاؤ رولینڈ کے بچے ... آج میں اس کی کھال اتار دوں گا۔ کم بخت مردوں کی طرح سوتا ہے۔"

"میں نہیں سمجھی کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" روزیٹی نے دبی زبان میں کہا۔

"کیا میں لاطینی بول رہا ہوں۔" ڈاکٹر ہڈسن حلق پھاڑ کر بولا۔

روزیٹی کانپنے لگی۔

رنگ میں بھنگ

صبح کے آٹھ بج چکے تھے۔ لیکن حمید ابھی تک خراٹے لے رہا تھا۔ نوکروں کے جگانے سے ملا کیا اٹھتا۔ البتہ جب فریدی نے خود ہی اس کی زحمت برداشت کی تو اٹھا لیکن پھر لیٹ گیا۔

"نصیر! ایک بالٹی پانی لاؤ۔" فریدی نے نوکر کو آواز دی۔

حمید اچھل کر بیٹھ گیا۔

"آپ جانتے ہیں۔" وہ جھلا کر بولا۔ "میں پانچ بجے سویا ہوں۔"

"یہی تو میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ پانچ بجے تک کیا کرتے رہے۔"

"تو اس طرح جگا کر۔ میرا خیال ہے کہ آپ میری لاش کو بھی پریشان کریں گے۔ مرنے کی بھی بلاؤ۔ کن حالات میں مرے۔ ثابت کرو کہ تم مر گئے ہو۔ نہیں میں منطقی دلیل چاہتا ہوں۔"

فریدی ہنسنے لگا۔ لیکن پھر سنجیدگی سے بولا۔

"کھڑے ہو جاؤ۔"

"ہو گیا۔" حمید نے پلنگ سے چھلانگ لگائی اور پاگلوں کی طرح اپنے کپڑے نوچنے

"دو چار کتے چھوڑ دوں گا تم پر ورنہ ہوش میں آجاؤ۔"

حمید میز پر بیٹھ کر فریدی کو گھورنے لگا۔

"کیا آپ نہیں جانتے کہ میں پانچ بجے تک کام کرتا رہا ہوں۔"

"تو اب تمہیں کام کی نوعیت بھی بتانی پڑے گی۔"

"میں قبل از وقت کچھ نہیں بتاتا۔" حمید نے فریدی کی نقل اتاری۔

"تم رات بھر جھک مارتے رہے ہو۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "کیا تم مجھے اپنی حماقت کا مقصد بتا سکو گے۔"

"کیا مطلب....!" حمید چونک کر فریدی کو گھورنے لگا۔

"رات والی حماقت کا مقصد۔ یعنی بغداد سنہ گیارہ سو اکیس۔"

"آپ کیا جانیں۔"

"وقت نہ برباد کرو۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

"دیکھئے میں یہ سب اپنے طور پر کر رہا ہوں۔"

"میں شاید زندگی بھر تمہاری طرف سے مطمئن نہ ہو سکوں گا۔ تم کیا سمجھتے ہو اگر میں ہوتا تو رات ہی تمہارے پرزے اڑ گئے ہوتے۔"

"اب خواہ مخواہ رَوا نہ رکھئے۔" حمید ہنسنے لگا۔

"اچھا تو تم مذاق سمجھ رہے۔" فریدی نے کہا۔ "تم برآمدے ہی میں پکڑ لئے گئے رولینڈ وہیں سو رہا تھا۔ اس کی نیند بہت ہلکی ہے۔ وہ بُری طرح چونکا تھا اگر میں نے فوراً کر لی ہوتی تو تم گئے تھے۔ وہ بیدریغ تمہارا اگلا گھونٹ دیتا۔"

"اوہ.... نہیں! مجھے یقین ہے کہ برآمدے میں کوئی بھی نہیں تھا۔"

"کیا وہاں روشنی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں.... اندھیرا تھا۔"

"پھر تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہاں کوئی نہیں تھا۔"

"اچھا چلئے۔ یہی بتا دیجئے کہ آپ نے تدبیر کیا فرمائی تھی۔"

"بچوں کی سی ایک حرکت کرنی پڑی تھی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "چند لمحے کے لئے بلی بننا

"نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہشت کر کے پھر سو گیا مگر تم بتاؤ کہ اس کا مقصد کیا تھا۔"

"مقصد تو ابھی تک خود میری سمجھ میں نہیں آسکا۔" حمید کھوپڑی سہلاتا ہوا بولا۔

"ایک لڑکی کا معاملہ تھا نا۔" فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔ "اس لئے تم نے دوبارہ اس عمارت

منے کا خطرہ مول لیا۔ ابھی میں نے اسی قسم کا کوئی کام سپرد کیا ہوتا تو دم نکل کر رہ جاتا۔"

"مگر یہ تو فرمایئے کہ آپ میرے پیچھے کیوں لگے ہوئے تھے۔"

فریدی نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔

چند لمحے خاموشی رہی پھر حمید بولا۔ "میں سمجھ گیا۔ اس بار آپ مجھے آگے دھکیل کر اپنا کام

چاہتے ہیں۔"

"پہلے تو ارادہ نہیں تھا۔ لیکن اب تمہاری اس حماقت ہی نے ایک نیا راستہ دکھا دیا ہے۔"

"یعنی....!"

"کچھ نہیں ننھے بچے۔ نہیں ہر بات کی عام اجازت ہے۔ ان لوگوں سے جس طرح دل چاہے

و۔"

"ہوں! سمجھا۔" حمید نے سر ہلا کر کہا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "آپ نے ان لوگوں

لئے کیا کیا جو پچھلی رات کو تاریک کمرے میں موجود تھے۔"

"ان کے لئے کیا کرتا۔"

"ان سے کم از کم یہ تو معلوم ہی کیا جا سکتا ہے کہ وہ اچانک کہاں غائب ہو گئے تھے۔"

"وقت کی بربادی حمید صاحب۔" وہ بھی وہیں گئے جو ڈاکٹر ہڈسن کہہ چکا ہے۔ اسے یقیناً ان

پر اتنا ہی اعتماد رہا ہوگا ورنہ وہ اتنی صفائی سے اُلو بنانے کی کوشش نہ کرتا۔ اگر اب تم ان سے

گے بھی تو یہی جواب ملے گا کہ وہ وہاں سے ایک سیکنڈ کے لئے بھی نہیں ہٹے تھے اور تمہیں

لچسپ بات بتاؤں گریٹی ضمانت پر رہا کر دیا گیا ہے۔ ضامن یہاں کا ایک بڑا سرمایہ دار ہے۔"

"کیا وہ انہیں لوگوں میں سے تو نہیں ہے جو کل وہاں موجود تھے۔"

"نہیں ان میں سے نہیں تھے۔" فریدی نے کہا پھر سگار سلگا کر چند لمحے کچھ سوچتا رہا۔

"دیکھو....!" اس نے پھر حمید کو مخاطب کیا۔ "آج ہڈسن نے ہمیں خاص طور پر مدعو کیا

ہے۔ تم ٹھیک سات بجے وہاں پہنچ جانا۔"

"کیوں؟ کیا آپ نہیں جائیں گے۔"

"نہیں! جو کچھ میں کہوں کرتے جاؤ۔"

"تو پھر مجھے ناشتہ کر لینے دیجئے ورنہ آپ جو کچھ بھی کہیں گے میں اسے بھولتا جا

"ایک بات میں تمہیں بتادوں۔ رولینڈ سے ہمیشہ ہوشیار رہنا۔ وہ قتل کر دینے میں دیوانگی کی حد تک پہنچ سکتا ہے۔"

"رولینڈ وہی چکنی کھوپڑی والا۔"

"وہی....!" فریدی نے کہا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر کمرے سے چلا گیا۔

❁

ٹھیک سات بجے حمید برکلے ہاؤز پہنچ گیا لیکن اس کا استقبال بڑی سرد مہری کے گیا۔ اس وقت وہ عمارت میں تنہا مہمان تھا۔ وہاں سب کے چہرے لٹکے ہوئے تھے۔ ہو رہا تھا جیسے کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آیا ہو۔

"مجھے افسوس ہے۔" ڈاکٹر ہڈسن نے حمید سے کہا۔ "آج میں اپنا وعدہ نہ پورا کروں

"کیوں! روحیں ابھی تک ناراض ہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"بس ختم کرو اس بات کو کیپٹن....!" اس نے بہت بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "ہم لوگ سے چلے جائیں گے۔"

"کیوں کیا بات ہے۔"

"کوئی ہمیں خواہ مخواہ پریشان کر رہا ہے۔"

"یعنی ذرا وضاحت کرو ڈاکٹر ہو سکتا ہے کہ میں کوئی مدد کر سکوں۔"

"کرنل نہیں آئے۔" ہڈسن نے پوچھا۔

"ہاں وہ آج کل بہت مشغول ہیں۔"

"میں اس سلسلے میں اُن سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"وہ اتنے مشغول ہیں کہ انہوں نے اپنی جگہ مجھے بھیجا ہے۔ ورنہ تم نے مجھے تو مدعو نہیں کیا

"لیکن کل تم میک اپ میں کیوں آئے تھے۔"

"حالانکہ بتانا تو نہ چاہئے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "لیکن میں تم لوگوں کے کمالات ے بہت مرعوب ہوں۔"

حمید خاموش ہو کر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

"اچھا تو تم سن ہی لو کل رات کو کسی نے روزیٹی کو بہت پریشان کیا ہے۔"

"روزیٹی کون۔"

"وہی لڑکی جس کا روحوں سے تعلق ہے۔"

"اوہ.... مگر کس نے پریشان کیا۔"

"یہی تو معلوم نہیں ہو سکا۔ وہ اسے بے ہوش کر کے یہاں سے اٹھا لے گیا تھا اور پھر دوبارہ ے ہوش کر کے یہیں ڈال گیا.... اوہ مگر ٹھہرو تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"کس سوال کا۔"

"یہی کہ کل تم میک اپ میں کیوں آئے تھے۔"

"بات یہ ہے ڈاکٹر کہ ہم لوگ مجبور ہیں۔ ہمیں تمہارے متعلق ایک غلط اطلاع ملی تھی۔"

"کیسی اطلاع....!"

"اوہ.... مجھے دہراتے ہوئے شرم آ رہی ہے۔"

"دیکھو.... میں بہت پریشان ہوں کیپٹن! مجھے الجھن میں نہ ڈالو۔"

"کیا بتاؤں ڈاکٹر یہاں کے ایک بڑے تاجر نے تمہارے خلاف یہ شکایت کی تھی کہ تم شوں سے زیادہ لڑکیوں کا بیوپار کرتے ہو۔"

"کس نے شکایت کی تھی۔" ڈاکٹر ہڈسن بپھر گیا۔

"افسوس یہ بتانا میرے محکمے کے اصول کے خلاف ہے۔" حمید نے مغموم صورت بنا کر کہا۔

"یہ سراسر جھوٹ ہے.... اور میں اس سلسلے میں کھلی ہوئی تحقیقات کی درخواست کرتا ہوں۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ڈاکٹر۔" حمید نے نرم لہجے میں کہا۔ "کل ہم مطمئن ہو کر یہاں ے گئے تھے۔ اب تم بتاؤ کہ اس لڑکی کے متعلق تم کیا کہہ رہے تھے۔"

"مگر یہ کتنا بڑا اور گندہ الزام ہے کیا تم لوگوں کی نظروں میں دوسروں کا کوئی احترام نہیں۔"

"ہے کیوں نہیں ڈاکٹر! ہم اس کی اچھی طرح خبر لیں گے۔"

"آخر تم بتاتے کیوں نہیں کہ وہ کون ہے۔"

"بہت مشکل ہے۔ قاعدے سے تو مجھے یہ بھی نہ بتانا چاہئے تھا کہ تم لوگوں پر کوئی الزام کیا گیا تھا مگر اب یہ بات واضح ہو گئی کہ تم لوگوں کے خلاف یہاں کوئی سازش ہو رہی ہے۔"

"سازش.... میں نہیں سمجھا۔"

"تمہاری روحیں لوگوں کو کیا بتاتی ہیں۔"

"پہلے مجھے سوال کی نوعیت سمجھنے دو۔" ڈاکٹر ہڈسن حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "کوئی پیچیدہ سوال نہیں ہے اور نہ اسکا مقصد یہ ہے کہ تمہیں کسی الجھن میں مبتلا کیا جائے۔ میں خود ہی اس کا جواب دیتا ہوں۔ لوگ عموماً اپنے مستقبل کے بارے میں سوالات کرتے ہوں گے۔"

"بالکل درست ہے۔" ڈاکٹر ہڈسن سر ہلا کر بولا۔

"اچھا.... عام آدمیوں کا تو گزر ہے نہیں تمہارے یہاں.... زیادہ تر بڑے لوگ آتے ہیں۔"

"ہاں مجھے یہ بھی تسلیم ہے۔"

"غالباً ان میں سے بھی زیادہ تر تاجر ہی ہوں گے۔"

"یہ بھی درست ہے۔"

"ٹھیک....!" حمید سر ہلا کر بولا۔ "تاجر کا مستقبل کیا ہو سکتا ہے۔ بازار کا اتار اور چڑھاؤ۔"

"یقیناً....!"

"بازار کا اتار چڑھاؤ۔" حمید ایک لمبی سانس لے کر آرام کرسی میں دراز ہوتا ہوا بولا۔ "بازار کا اتار چڑھاؤ ان کا مستقبل ہے۔ وہ اس کے متعلق معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ڈاکٹر یہ تو سوچو کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جنہیں روحوں کی پیشین گوئی کی بناء پر نقصان بھی اٹھانا پڑتا۔ فرض کرو کسی چیز کا بازار گرنے والا ہے۔ روح نے اسکے متعلق پیشین گوئی کر دی نتیجہ یہ ہوا کہ کی نکاسی قبل از وقت ہی بند ہو گئی۔ اب بتاؤ اس شخص کا کتنا بڑا نقصان ہوا جو اس کا اسٹاک رکھتا ہے"

"ٹھیک ہے.... میں سمجھ گیا۔"

"بس تو ایسے ہی لوگ تمہارے خلاف سازش کر سکتے ہیں جنہیں تمہاری پیشین گوئیوں نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔"

"میں بالکل سمجھ گیا کیپٹن۔ قطعی سمجھ گیا اور یہ بھی سمجھ گیا کہ پچھلی رات روزیٹی

ماتھ وہ حرکت کیوں کی گئی تھی۔"

"حرکت کی گئی تھی۔" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"کچھ نہیں.... اس کا مقصد محض خوفزدہ کرنا تھا۔ میں پورا واقعہ بتاتا ہوں۔"

ڈاکٹر ہڈسن نے وہ سب کچھ دہرایا جس سے روزیٹی دوچار ہوئی تھی اس دوران میں اس نے زیٹی کو بھی وہیں بلوالیا تھا۔ حمید نے پورا واقعہ سن لینے کے بعد اس سے دو چار سوالات کئے اور کی سریلی آواز سے لطف اندوز ہوتا رہا۔

"بالکل ٹھیک ہے ڈاکٹر.... یہ سب کچھ تمہیں خوفزدہ کرنے کے لئے کیا گیا تھا۔"

"پرواہ نہیں.... میں یہ کام بند نہیں کروں گا۔ اس وقت تک جب تک خود حکومت ہی نہ ل دے۔" ڈاکٹر ہڈسن نے گرم لہجے میں کہا۔

"یہ نہ کہو ڈاکٹر.... مشرق آج بھی اتنا ہی پُر اسرار ہے جتنا صدیوں پہلے تھا۔ تمہاری یب نے اس پر ایک نیا غلاف چڑھا دیا لیکن غلاف کے نیچے وہی اصلیت ہے جو صدیوں پہلے ا۔ یہاں کے جادوگر تمہیں یہ کام بند کرنے پر مجبور کر دیں گے۔"

"جادوگر....!"

"ہاں ڈاکٹر.... آج بھی یہاں کا بچہ بچہ جادوگر ہے۔"

"میں نہیں مان سکتا۔ اب یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ زمانہ ختم ہو گیا۔"

"نہیں ہرگز نہیں۔" حمید جوش میں آکر بولا۔ وہ چاروں طرف دیکھنے لگا تھا۔ غالباً وہ کسی نئی ت کے لئے پہلے ہی سے تیار ہو کر آیا تھا۔ اچانک اس کی نظر مینٹل پیس پر رک گئی جہاں ہاتھی کے کئی کھلونے رکھے ہوئے تھے۔ ان میں ایک چوہیا بھی تھی جو پچھلی ٹانگوں پر بیٹھی ہوئی پوزیشن میں تھی جیسے اگلے پیروں سے کوئی چیز پکڑے ہوئے اسے کتر رہی ہو۔

"دیکھو ڈاکٹر.... مجھے اس بات پر مجبور نہ کرو کہ مجھے ہی تمہیں اپنا کوئی کارنامہ دکھانا پڑے۔"

"کیسا کارنامہ....!"

"جادو کا کرشمہ....!"

"تم....!" ڈاکٹر ہڈسن حقارت سے ہنس کر رہ گیا۔

"زیادہ بڑا جادوگر تو نہیں ہوں۔ لیکن کچھ نہ کچھ ضرور رکھتا ہوں۔ اپنی جھولی میں۔"

"میں کافی دلچسپی لوں گا۔" ڈاکٹر ہڈسن مسکرا کر بولا۔ "میں جانتا ہوں تم اپنے فلیٹ پر خرگوش نکالو گے۔"

"نہیں....!" حمید آرام کرسی کے ہتھے پر گھونسہ مار کر بولا۔ "میں بے جان چیزوں کو بخش سکتا ہوں۔ سمجھے.... کسی کے مردہ جسم میں اسی کی روح کو وقتی طور پر واپس بلا لینا یہ نہیں ہے۔ ڈاکٹر ہمارے یہاں کے بچے بھی ایسا کر سکتے ہیں تم نے فرعون کی ممی کی طرح کی روح کو تھوڑی دیر کے لئے رجوع کر لیا تو یہ کوئی بڑا کارنامہ نہ کہلائے گا۔"

حمید کرسی سے اٹھ کر مینٹل پیس کی طرف گیا اور ہاتھی دانت کی چوہیا کو ہتھیلی پر ہوئے واپس آیا پھر اسے میز پر رکھتا ہوا بولا۔ "یہ ایک بے جان چوہیا ہے ایک کھلونا... اسے گوشت و پوست میں لا سکتے ہو۔"

"نہیں بھائی۔" ڈاکٹر ہڈسن مضحکانہ انداز میں ہنستا ہوا بولا "میرے بس کا روگ نہیں۔"

ڈاکٹر ہڈسن حمید کا مضحکہ اڑا رہا تھا لیکن روزیٹی بہت زیادہ سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔

"اچھا ڈاکٹر تو تم ذرا اپنی آنکھیں کھلی رکھنا۔ میں اسے نہ صرف زندہ چوہیا میں تبدیل کر گا بلکہ جتنی دیر کہو گے اسے نچاتا بھی رہوں گا۔"

ہڈسن پھر ہنسنے لگا۔ روزیٹی نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ حمید پٹانگ بکواس شروع کر دی تھی اور ساتھ ہی ساتھ وہ طرح طرح کے پوز بنا کر اچھلتا کو جا رہا تھا۔ پھر ان دونوں کو یہ نہ معلوم ہو سکا کہ کب ہاتھی دانت کی چوہیا حمید کی جیب میں کب خود اس کی پالتو چوہیا جیب سے نکل کر میز پر آ گئی۔ جیسے ہی حمید نے اپنے دونوں ہاتھ سے ہٹائے روزیٹی کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی اور ڈاکٹر ہڈسن حیرت سے آنکھیں ہوئے آگے جھک گیا۔

"ناچو.... اب تم ناچو.... میں جس دھن پر چاہوں گا تمہیں اُس پر ناچنا پڑے گا۔" چوہیا کی طرف دیکھ کر کہا۔ "تم بھی ڈاکٹر ہڈسن اور روزیٹی کی ہم وطن ہو۔ ناچو میری جان۔"

جیسے ہی حمید نے سیٹی شروع کی تربیت یافتہ چوہیا میز پر پھدکنے لگی۔

ڈاکٹر ہڈسن کی آنکھوں میں حیرت تھی اور اس کے ہونٹ کھلے ہوئے تھے۔ روزیٹی چہرے پر خوف و حیرت کے ملے جلے آثار تھے۔

"ہاں جاؤ.... چلی جاؤ.... آؤ میری جیب میں آؤ۔" حمید نے مخصوص انداز میں میز بجائی اور چوہیا اس کے کوٹ کی جیب میں گھس گئی۔

حمید نے اسی جیب سے ہاتھی دانت کی چوہیا نکال کر میز پر ڈال دی۔

"واقعی ڈاکٹر....!" روزیٹی نے کچھ کہنا چاہا لیکن نہ کہہ سکی۔ اس کے چہرے پر پسینے کی بوندیں تھیں جنہیں وہ رومال سے خشک کر رہی تھی۔

اچانک وہ دبلا پتلا انگریز کمرے میں داخل ہوا۔ جو دربان کی حیثیت سے برآمدے میں بیٹھا تھا۔ اس نے ڈاکٹر ہڈسن کو کسی کا ملاقاتی کارڈ دیا۔

"اوہ.... کرنل فریدی۔" ڈاکٹر ہڈسن نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔ "جاؤ.... انہیں یہاں لاؤ۔"

انگریز چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد فریدی کمرے میں داخل ہوا۔

"میں جانتا تھا کہ تم یہیں ہو گے۔" اس نے حمید کو غصیلی آواز میں مخاطب کیا اور حمید سچ مچ گھبرا گیا۔

"میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ تم اب یہاں نہیں آؤ گے۔"

"کیا مطلب....!"

"شٹ اپ....!" فریدی اتنے زور سے چیخا کہ کمرے کی دیواریں جھنجھلا اٹھیں۔ پھر اس نے ڈاکٹر ہڈسن سے کہا۔ "اگر اب تم نے اسے اپنے یہاں آنے دیا تو اپنی لڑکیوں کی بربادی کے خود ذمہ دار ہو گے اور میں کسی قسم کی شکایت نہ سنوں گا سمجھے۔"

"مگر کرنل....!" ہڈسن نے کچھ کہنا چاہا لیکن فریدی اس کی طرف دھیان دیئے بغیر حمید کو دروازے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔ "نکلو یہاں سے۔"

حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ بھرے بازار میں ننگا کر دیا گیا ہو۔

دو فائر

سڑک تک پہنچتے پہنچتے حمید آپے سے باہر ہو گیا۔ غصے کے مارے اُس کا عجیب حال تھا۔ ذہن میں فریدی کے خلاف کئی بُرے الفاظ گونج رہے تھے اور غصے کی زیادتی گلا گھونٹ رہی تھی۔ وہ خود اپنے ہی ہاتھوں بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔ ابھی وہ کیڈی تک نہیں پہنچے تھے کہ انہیں ڈاکٹر ہڈسن کی

آواز سنائی دی جو انہیں پکارتا ہوا تیزی سے اسی طرف آرہا تھا۔ فریدی رک گیا لیکن اُس
اب بھی حمید کی گردن پر تھا۔

"مگر کرنل آخر اتنی خفگی کی کیا وجہ ہے۔ دو منٹ ٹھہرو۔ کچھ گفتگو کریں گے۔ یہ
آئے اور کھڑے ہی کھڑے چل دیئے۔" ڈاکٹر ہڈسن فریدی کے قریب پہنچ کر بولا۔

"میں بہت عدیم الفرصت آدمی ہوں۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"لیکن کل اتنے عدیم الفرصت نہیں تھے۔"

"مجھے افسوس ہے کل ایک غلط فہمی کی بناء پر یہاں چلا آیا تھا.... اب کوئی بات نہیں۔"

"وہ تو مجھے پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے۔"

"غالباً اسی نالائق سے معلوم ہوا ہوگا۔"

"اوہ.... انہیں نالائق نہ کہو.... یہ تو بڑے کام کمال کے آدمی ہیں۔ بے جان چیزوں
جان ڈالتے ہیں۔ ہاتھی دانت کی چوہیا کو میں نے ابھی تھرکتے دیکھا ہے۔ کرنل میرے خد
کمال ہے۔"

فریدی نے بڑی پھرتی سے حمید کے جیب میں ہاتھ ڈال کر چوہیا نکال لی اور اسے ڈاکٹر
کے چہرے کے برابر اٹھاتا ہوا بولا۔ "یہ رہی چوہیا.... میں تم سے یہی کہہ رہا تھا کہ اس
لڑکیوں کو بچانا۔ لڑکیاں اُس کی انہیں حرکتوں پر بُری طرح مرتی ہیں اور پھر تباہ ہو جاتی ہیں۔

اب حمید کی کھوپڑی بالکل ہی آؤٹ ہو گئی اور اس نے مچل کر اپنی گردن فریدی کی گ
سے آزاد کرالی لیکن وہ بھاگ نہیں سکا۔ کیونکہ فریدی نے اُس کی کلائی پکڑ لی تھی۔

"اچھا ڈاکٹر.... شب بخیر....!" فریدی نے کہا اور اگلی سیٹ کا دروازہ کھول کر حمید
اندر بیٹھ گیا۔ کیڈی چل پڑی۔

"کیا مطلب تھا اس کا۔" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔ "خود ہی بھیجا پھر اس طرح ذلیل بھی کیا

فریدی بے تحاشہ ہنسنے لگا اور اب حمید نے باقاعدہ طور پر اپنا سر پیٹنا شروع کر دیا۔

"بس اتنے ہی میں ہوش ٹھکانے آگئے۔" فریدی ہنسی ضبط کرتا ہوا بولا۔ "فرزند من اگ
اسکیم کا آخری حصہ تمہیں پہلے ہی بتا دیتا تم لاکھ برس میں بھی نہ کر سکتے جو میں چاہتا تھا۔"

"آپ کے چاہنے ہی کے لئے تو میں پیدا ہوا ہوں۔"

"تم سمجھتے ہو کہ اب وہ لوگ تمہیں منہ نہ لگائیں گے۔ لیکن برخوردار میرا دعویٰ ہے کہ کل
آرلکچو میں روزیٹی کے ساتھ رقص کرو گے۔ اگر ایسا نہ ہو تو فریدی کو گولی مار دینا۔ بہر حال تم
نے آخیر وقت تک اپنا پارٹ بڑی خوش اسلوبی سے ادا کیا۔"

❁

حمید نے تہیہ کر لیا تھا کہ اب وہ کسی کام میں ہاتھ نہ لگائے گا۔ پچھلی رات اسے فریدی کی اس
حرکت پر ایسا معلوم ہوا تھا جیسے نہ صرف اس کی بلکہ اس کی آنے والی نسلوں کی توہین ہو گئی ہو۔

آج صبح اس نے فریدی کے ساتھ ناشتہ نہیں کیا تھا۔ بلکہ اُس وقت کمرے سے باہر ہی نہیں
نکلا جب تک کہ فریدی باہر نہیں چلا گیا۔

پچھلی رات اس نے جو کچھ بھی کیا تھا فریدی کے کہنے پر۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ آخری منظر
کی اسکیم ہی کا ایک جزو تھا تو اس سے اس کا باخبر ہونا ضروری تھا۔ اس طرح اسے شرمندہ تو نہ ہونا
پڑتا۔ لیکن پھر وہ سوچنے لگا کہ باخبر ہونے کی صورت میں اس کی ایکٹنگ اتنی جاندار نہ ہو سکتی۔ بے
خبری میں تو سب کچھ بالکل فطری انداز میں ہوا تھا لیکن پھر بھی اُس کو فریدی پر غصہ تھا۔ جب
بھی پچھلی رات کا واقعہ یاد آتا وہ ایک بے نام سی الجھن محسوس کرنے لگتا تھا۔

فریدی کے کمرے میں دیر سے فون کی گھنٹی بج رہی تھی لیکن حمید کے کان پر جوں تک
نہیں رینگی۔ وہ آج کچھ بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ گھنٹی بند ہو گئی۔ پھر اُس کے بعد ہی ایک نوکر حمید
کے خواب گاہ میں داخل ہوا۔

"آپ کا فون ہے۔"

"کہہ دو موجود نہیں ہیں۔"

"مگر سرکار میں نے تو کہہ دیا کہ موجود ہیں۔"

"کس سے پوچھ کر کہہ دیا ہے۔" حمید اس پر برس پڑا۔

"صاحب کوئی عورت ہے۔"

"دیکھو....!" حمید فوراً نرم پڑ گیا۔ "مجھ سے پوچھے بغیر اس قسم کی حرکت نہ کیا کرو سمجھے!
تمہیں کہنا چاہئے تھا دیکھ لوں کپتان صاحب ہیں یا نہیں۔"

"حضور وہ انگریزی بول رہی تھی اور مجھے انگریزی میں یس سر اور نو سر کے علاوہ اور کچھ نہیں آتا۔"

"اور تم نے اس عورت کو بھی سر ہی کہا ہوگا۔"

"یس سر....!" نوکر نے کچھ اس انداز میں کہا کہ حمید کو ہنسی آگئی۔

وہ فریدی کے کمرے میں آیا۔ ریسیور میز پر پڑا ہوا تھا۔

"ہیلو....!"

"کون.... کیپٹن!" دوسری طرف سے نسوانی آواز آئی۔

"ہاں.... آں.... آپ کون ہیں؟"

"روزیٹی....!" اس طرح کہا گیا جیسے ہنسی روکنے کی کوشش کی جارہی ہو۔

"ہوں.... کیا بات ہے۔"

"کیا آج نہ آؤ گے۔" وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

"ضرور آؤں گا۔" حمید دانت پیس کر بولا۔

"آپ غصے میں معلوم ہوتے ہیں۔" دوسری طرف سے آواز آئی "مگر یہ اچھا ہی ہوا، میں تمہیں فون کرنے کی ہمت نہ کر سکتی۔"

"کیوں.... میں نہیں سمجھا۔"

"اگر رات والا واقعہ حقیقت پر مبنی ہوتا تو میں تم سے خائف ہوتی۔ لیکن اس وقت خا لطف آرہا ہے۔ ڈاکٹر کی زبانی اصل واقعہ معلوم کر کے میں بڑی دیر تک ہنستی رہی۔ تم نے کر صفائی سے ہمیں اُلو بنایا تھا۔ مگر پھر بھی تمہارے کمال کا معترف ہونا پڑتا ہے۔ کیونکہ چوہوں سدھانا قریب قریب ناممکن ہے۔"

"ہاں.... ہے تو....!"

"مگر میرا خیال ہے کہ تمہارا چیف عورتوں کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتا۔"

"تم ٹھیک سمجھیں۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اگر اس کا بس چلتا تو وہ عورت کی بجا کسی مرد کے پیٹ سے پیدا ہونے کی کوشش کرتا۔" جواب میں حمید نے ایک سریلا قہقہہ سنا۔

"اچھا چھوڑو.... آج کس وقت آرہے ہو۔"

"ہائیں کیا کل تم نے میرے چیف کی گفتگو نہیں سنی تھی۔"

"سنی تھی.... اسی لئے میں نے یہ کہا تھا کہ عورتوں کے بارے میں وہ اچھی رائے نہیں

جانتے ہو کہ ہم مغربی لوگ اس معاملے میں تنگ نظر نہیں ہیں۔"

میں جانتا ہوں۔"

ڈاکٹر تم سے ملنے کے مشتاق ہیں۔ ارے لو، وہ آ ہی گئے۔" روزیٹی نے کہا۔

ں کے بعد حمید کے کان میں ہلکی سی بھنبھناہٹ گونجتی رہی۔ شاید روزیٹی اور ڈاکٹر آپس و کرنے لگے تھے۔ "ہیلو" چند لمحوں کے بعد روزیٹی کی آواز آئی۔

ہیلو....!"

دیکھو.... ڈاکٹر کچھ کہنا چاہتے ہیں۔"

ہلو....!" ڈاکٹر کی آواز آئی اور پھر وہ بولتا ہی رہا۔ "شریر لڑکے آج تم ضرور آؤ گے میں ہت زیادہ پسند کرنے لگا ہوں۔ آج ہم ایک کال ٹیل پارٹی میں جارہے ہیں تمہیں ہمارے ہلنا ہوگا سمجھے اور تمہارے ساتھ تمہاری چوہیا بھی ہوگی۔ اور سنو جوان آدمی رقص کے م میں ساؤتھ امریکن کاک ٹیل بھی شامل ہے۔"

مگر میرے چیف نے....؟"

اوہ.... چھوڑو اسے.... وہ مجھے کوئی ملّا معلوم ہوتا ہے۔"

اچھا ڈاکٹر میں ضرور آؤں گا۔"

بہت اچھے.... میں سات بجے تمہارا منتظر رہوں گا۔"

ون کا سلسلہ دوسری طرف سے منقطع ہوگیا۔

❁

لریٹا نے ضمانت پر رہا ہوتے ہی اپنے شراب خانے کا رخ کیا تھا۔ اس کے پڑوسی اس کی ی پر خوش تھے وہ سمجھے تھے کہ شاید اب اس سے ہمیشہ کے لئے نجات مل گئی۔ کیونکہ انہوں تی اڑتی خبر سنی تھی کہ اس پر اس کی محبوبہ کے قتل کا الزام لگایا جارہا ہے۔ لیکن جب انہیں یہ لی کہ وہ ضمانت پر رہا کر دیا گیا ہے تو وہ اظہار ہمدردی کے لئے جوق در جوق اس کے پاس لگے۔ گریٹا اچھی طرح سمجھتا تھا کہ انہیں اس سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی وہ اخلاقاً برداشت کرتا رہا۔ ویسے بھی پڑوسیوں کے ساتھ اس کا برتاؤ بُرا نہیں تھا۔ وہ دراصل سے کوئی سروکار ہی نہیں رکھتا تھا۔

بہر حال جب ان سے فرصت ملی اور وہ رم کی آدھی بوتل ختم کر چکا تو اسے ہو
ستانے لگی اور اس کا دل اسے ملامت کرنے لگا شاید زندگی میں پہلی بار اُسے اپنے کمینہ پن
ہوا تھا۔ وہ آدھی بوتل میز پر ہی چھوڑ کر اٹھ گیا۔ سونیا کی تصویر بُری طرح اُس کے ذہن
تھی۔ وہ سونیا کو چاہتا تھا اس کی ہر خواہش پوری کرنے کی کوشش کرتا تھا اور سونیا ہر حال
وفادار کتیا کی طرح اس کے اشارے پر دم ہلانے لگتی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شاید اب
عورت اس کی زندگی میں کبھی داخل نہ ہو سکے۔

وہ ٹہلتا ہوا اسی راہداری میں آیا جہاں اس نے سونیا کو بڑی بے دردی سے مار ڈالا تھا
محسوس ہونے لگا جیسے سونیا اب بھی اس کی گرفت سے نکلنے کے لئے بے بسی سے ہاتھ
ہو۔ گریٹی کے چہرے پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئیں۔ وہ آہستہ آہستہ گٹر کے دہانے
بڑھنے لگا اور پھر اس کے قریب پہنچ کر اس کے جسم میں تھرتھری سی پیدا ہو گئی۔

وہ چپ چاپ کھڑا رہا۔ اس کے کانوں میں گرجے کی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ تیز قسم
جن کی جھنجھناہٹ اسے اپنے سارے جسم میں محسوس ہو رہی تھی اور پھر گھنٹیوں کے اس
اسے سونیا کے رونے کی آواز سنائی دی۔ کتنا درد تھا اس آواز میں۔ اس آواز میں کتنی پر
جب وہ اسے پیٹا کرتا تھا تو وہ ایسی ہی آواز میں روتی تھی۔ گریٹی کی آنکھوں سے دھاریں
اور وہ بے ساختہ زمین پر گر گیا۔ اس کی پیشانی گٹر کے آہنی اور کھردرے ڈھکن پر
رو رہا تھا اور اپنی پیشانی گٹر کے ڈھکن پر اس طرح رگڑ رہا تھا جیسے وہ سونیا کا رخسار ہو۔
بیک اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا چہرہ بڑا بھیانک لگ رہا تھا اور اب اس کی آنکھوں میں آنسو

"مار ڈالوں گا۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں چیخا۔ "میں فریدی کو مار ڈالوں گا۔"

دوسرے لمحے میں وہ بہت تیزی سے اپنے رہائشی کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ اس
کسی کے نمبر ڈائیل کئے۔

"ہیلو! میں گریٹی بول رہا ہوں۔ ہاں گریٹی.... مجھے ایک ریوالور چاہئے۔ باقاعدہ
پہلے میں نے اپنا سامان ضائع کر دیا تھا.... مجھے ایک ریوالور چاہئے.... سمجھے بولو....
نہیں دیتے۔"

"یہ کیا حماقت ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "تم سچ مچ گدھے ہو۔ خبر

یہاں فون مت کرنا۔ جب مجھے ضرورت ہو گی تم سے کسی نہ کسی طرح رابطہ قائم کر لوں گا۔"
اور پھر اس کے بعد ہی دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

گریٹی نے ریسیور پٹختے ہوئے ایک کریہہ سی گالی دی اور فون کو مکا دکھاتا ہوا بولا۔ "اچھا سور
بچے سب سے پہلے تجھ سے ہی نپٹوں گا۔ ٹھیک ہے تیری ہی بدولت سونیا کی جان گئی۔ اچھا تو
رات تیری آخری رات ہو گی۔"

❁

ڈیکن ہال میں امریکن سفارت خانے کی طرف سے کال ٹیل پارٹی دی گئی تھی جس کے
اور دوسرے پروگرام بھی تھے۔ حمید اس موقع پر پیچھے نہیں رہا تھا۔ اگر ڈاکٹر ہڈسن اسے
نہ کرتا تب بھی وہ یہاں ضرور پہنچتا۔ کیونکہ اس کے اور فریدی کے نام براہِ راست دعوت
ے آئے تھے۔ لیکن فریدی ڈیکن ہال میں موجود نہیں تھا۔

ڈاکٹر ہڈسن کے ساتھ دونوں لڑکیاں آئی تھیں اور حمید اپنے ڈنر سوٹ میں بڑا اسمارٹ لگ
تھا لیکن وہ اپنی پالتو چوہیا ساتھ نہیں لایا تھا۔

رقص میں وہ باری باری سے دونوں لڑکیوں کو ہم رقص بناتا رہا۔ روزیٹی اس تقریب کی
زادی تھی۔ شہر کے سینکڑوں آدمیوں نے اُس سے رقص کی درخواست کی لیکن وہ حمید کے
اوہ اور کسی کے ساتھ نہیں ناچی۔

دو بجے تک عورتیں کتیوں کی طرح بھونکنے لگیں۔ ساؤتھ امریکن کاک ٹیل کا دور شروع
ہو گیا تھا اور مہذب ترین آدمیوں پر بھی وحشت طاری ہونے لگی تھی۔ اور وہ جانوروں کی طرح
بے مہار ہو گئے تھے۔ اس وقت حمید روزیٹی کے ساتھ ناچ رہا تھا۔

"جنگلی کہیں کے۔" وہ حمید کا بازو نوچ کر بولی۔

"ہاہا.... ہاہا.... ہہ ہا۔" حمید موسیقی کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ قہقہے لگانے لگا۔

"مجھے یہ وحشیانہ انداز رقص بالکل پسند نہیں۔" روزیٹی بسور کر بولی۔

"تو پھر ختم کرو.... ہم کہیں چل کر بیٹھیں۔" حمید نے کہا۔

"ہاں یہی بہتر ہے.... میں بہت تھک گیا ہوں۔"

"ڈاکٹر کہاں ہے۔"

"پتہ نہیں....!"

"اور....وہ.....ریگی....!"

"میں نہیں جانتی.... کیا وہ مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے۔"

"ار.... نہیں.... تم تو.... کسی مصور کا حسین خواب ہو۔"

"مجھے شاعری سے نفرت ہے۔" نہ جانے کیوں روزیٹی کچھ جھلا سی گئی تھی۔

"تب پھر مجھے کہنے دو کہ ایک دن تمہارا خوب صورت جسم کیڑے کھا جائیں گے تم صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ جاؤ گی اور یہ کہ اس وقت بھی تمہارے پیٹ میں آنتیں ہیں۔ جنہیں دیکھنے سے گھن آتی ہے۔ اگر تمہارا پیٹ پھاڑ دیا جائے تو تمہارے چہرے پر لگے ہوئے روز اور غازے کی کیا وقعت رہ جائے گی۔"

"تم اُلو ہو۔" روزیٹا بھنا کر بولی۔

"میں شاعری بھی کر سکتا ہوں اور اُلو بھی ہوں۔"

وہ دونوں ناچتے ہوئے بھیڑ سے نکل کر اپنی میز پر آ گئے۔

ڈاکٹر ہڈسن اور ریگی وہاں بھی نہیں تھے۔ روزیٹی تشویش آمیز نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔

"کیوں کیا بات ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ڈاکٹر اور ریگی.... انہیں یہیں ہونا چاہئے تھا۔"

"ڈاکٹر کو ریگی سے عشق تو نہیں ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"تم بعض اوقات پاگلوں کی طرح بکواس کرنے لگتے ہو۔"

"کیوں کیا میں نے کوئی بُری بات کہہ دی ہے۔"

"ڈاکٹر بہت نیک آدمی ہے۔"

"تو کیا میں بُرا آدمی ہوں۔"

"میں کب کہتی ہوں۔"

"تو پھر مجھے تم سے عشق ہو گیا ہے۔"

"ہو جانے دو۔" گریٹی نے لاپروائی سے کہا۔

"نہیں یوں نہیں.... تم بھی کہو کہ تمہیں مجھ سے عشق ہو گیا ہے۔"

"تم کھلنڈرے ہو.... میرا مذاق نہ اڑاؤ۔"

اچانک داہنی طرف کی کھڑکی کا شیشہ ٹوٹ کر فرش پر گرا۔ حمید چونک کر ایک طرف ہو گیا اور اسی اضطراری حرکت نے اس کی جان بچائی کیونکہ شیشہ ٹوٹنے کے ساتھ ہی ایک فائر ہوا تھا۔

حمید نے خود کو کرسی سے گرا دیا تھا۔ پھر ایک ہنگامہ سا برپا ہو گیا۔ ہال میں کسی نہ کسی کے گولی ضرور لگی تھی۔ کچھ لوگ دوڑ کر حمید کی طرف آئے اور اُس نے کھڑکی کی طرف اشارہ کر دیا۔ روزیٹی دور کھڑی کانپ رہی تھی۔

حمید لوگوں کو بتا رہا تھا کہ کس طرح شیشہ توڑ کر دوسری طرف سے کسی نے فائر کیا تھا۔

اچانک اس کی نظر فریدی پر پڑی جو مجمع میں کھڑا اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی دونوں کی نظریں ملیں فریدی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

روزیٹی بھی فریدی کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس وقت اسے بہت پُر اسرار معلوم ہو رہا تھا۔ حمید فریدی کی طرف بڑھا۔

"فکر کی بات نہیں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "وہ پاگل ہو گیا ہے۔"

"کون....!"

"گریٹی۔ اُس نے پہلا فائر ڈاکٹر ہڈسن پر کیا تھا مگر وہ بچ گیا۔"

"ڈاکٹر کہاں تھا۔"

"باغ میں....!"

"کیا گریٹی پکڑ لیا گیا۔"

"نہیں۔"

زندہ لاش

روزیٹی وہاں تنہا رہ گئی۔ کیونکہ حمید کو فریدی اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ لوگ سوالات کر کے اسے پریشان کرنے لگے تھے اور روزیٹی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اب کیا کرے۔ اسے وہیں رک کر ڈاکٹر ہڈسن کا انتظار کرنا تھا۔

ا انتظار کا یہ وقفہ جلد ہی ختم ہو گیا۔ ڈاکٹر ہڈسن بھیڑ کو ہٹاتا ہوا ریگی سمیت اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"اوہ.... ڈاکٹر....!" روزیٹی نے کہا اور اسے اپنی ٹھنڈی سانس بڑی تسکین آمیز محسوس ہوئی۔

"کیوں.... کیا بات ہے۔" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"کسی نے کیپٹن حمید پر فائر کیا تھا۔" روزیٹی نے ٹوٹی ہوئی کھڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "وہ بچ گیا لیکن گولی ایک دوسرے آدمی کی ٹانگ میں لگی۔"

"کیپٹن کہاں ہے۔"

"اسے اس کا چیف اپنے ساتھ لے گیا۔"

"اچھا.... چلو جلدی کرو۔"

اتنے میں امریکی سفارت خانے کے ایک افسر نے مائیکروفون پر اعلان کیا کہ معزز مہمان اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ جائیں۔ پولیس نہیں چاہتی کہ ضروری کاروائی سے قبل کوئی باہر جائے۔

بھیڑ چھٹنے لگی۔ لوگ ادھر اُدھر کرسیوں پر بیٹھنے لگے تھے اور ہال میں مختلف قسم کی ملی جلی آوازیں گونج رہی تھیں۔ کچھ عورتیں جو نشے میں چور تھیں، اب بھی قہقہے لگا رہی تھیں۔

"یہاں ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں۔" ڈاکٹر ہڈسن چاروں طرف دیکھتا ہوا آہستہ سے بولا۔

"تو پھر نکلنے کی کیا صورت ہو گی۔" روزیٹی نے پوچھا۔

ڈاکٹر ہڈسن کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "مجھ پر بھی فائر کیا گیا تھا۔"

"کیا....!" روزیٹی اچھل پڑی۔

"ہاں.... میں باغ میں تھا۔ رولینڈ کی واپسی کا منتظر تھا۔"

"لیکن فائر کیا کس نے؟"

"میں خود الجھن میں ہوں اور پھر تم کہتی ہو کہ اس سراغ رساں پر بھی فائر کیا گیا تھا لیکن گولی نہ اس کے لگی اور نہ میرے۔ میں ایک نئی لائن پر سوچنے کیلئے مجبور ہو گیا ہوں۔"

روزیٹی کچھ نہ بولی۔ وہ تشویش آمیز نظروں سے ڈاکٹر ہڈسن کے چہرے کیطرف دیکھ رہی تھی۔

"فریدی بہت چالاک آدمی ہے۔" ڈاکٹر نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "یہ اسی کی حرکت ہے۔"

پولیس کی رپورٹ مرتب کرنے میں پورا ایک گھنٹہ صرف ہوا۔ پھر تین بجے ہال کے

ے کھول دیئے گئے۔

روزیٹی اس دوران میں خاموش ہی رہی اور ریگی ان لڑکیوں میں سے تھی جو بغیر ضرورت نہیں کرتیں۔ گفتگو کے دوران میں اکثر وہ مخاطب کو اس طرح دیکھنے لگتی تھی جیسے اس کے یک اس کی آواز ہی نہ پہنچ رہی ہو۔

ڈاکٹر ہڈسن بڑی تیز رفتاری سے اپنی کار برکلے ہاؤز کی طرف لئے جا رہا تھا اور اسے اس بات کا احساس تھا کہ ایک تیز رفتار موٹر سائیکل اس کا تعاقب کر رہی ہے۔ ایک بار روزیٹی نے بھی ل طرف اشارہ کیا۔ لیکن اس نے ڈاکٹر ہڈسن کے اطمینان میں ذرہ برابر بھی فرق محسوس نہیں برکلے ہاؤز کا پھاٹک کھلا ہوا تھا۔ وہ اپنی کار اندر لیتا ہوا چلا گیا۔

اسے یہ بھی دیکھنا تھا کہ کار کا تعاقب کرنے والا کون ہے۔ وہ کار کو ایک روش پر روک کر باغ کی دیوار کی طرف لپکا۔ لیکن ٹھیک اسی وقت ایک فائر ہوا اور گولی سنسناتی ہوئی اس کے ے نکل گئی۔ دوسرے ہی لمحے میں اس نے ایک ہلکی سی کراہ کے ساتھ خود کو زمین پر گرا ...اس نے لڑکیوں کی چیخیں سنیں اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی بھاری قدموں سے بھاگتا ہوا ے کی طرف جا رہا ہو۔

وہ زمین ہی پر پڑے پڑے پھاٹک کی جانب رینگنے لگا۔ تھوڑی ہی دور رینگنے کے بعد کچھ یاں سنائی دینے لگیں جیسے باہر کچھ لوگ ایک دوسرے سے گتھ گئے ہوں۔ ڈاکٹر ہڈسن پھاٹک رینگ آیا۔

سامنے سڑک پر اسے دو آدمی تاروں کی چھاؤں میں لڑتے ہوئے دکھائی دیئے۔ وہ ایک رے پر گھونسے برسا رہے تھے۔ ان میں سے ایک تو یقیناً بھاگ جانے کی فکر میں تھا۔ جیسے ہی وہ سا جانے کی کوشش کرتا دوسرا اس پر اس بُری طرح حملہ کرتا کہ اسے رک کر پلٹنا ہی پڑتا تھا۔

"رولینڈ....!" ڈاکٹر ہڈسن نے آہستہ سے پکارا۔ لیکن لڑنے والوں کے منہ سے ہلکی سی ز بھی نہ نکلی۔

"رولینڈ....!" ڈاکٹر ہڈسن نے پھر پکارا۔ مگر لڑنے والے بدستور لڑتے رہے اور اُن کی ف سے کوئی جواب نہ ملا۔ اس بار ہڈسن کی جھلاہٹ بڑھ گئی۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

اچانک ایک کار آکر ان لڑنے والوں کے قریب رک گئی۔ اس کی ہیڈ لائٹوں کی روشنی ایک

بار لڑنے والوں پر بھی پڑی تھی اور ڈاکٹر ہڈسن اُن میں سے ایک کو پہچان کر ششدر رہ گ

کار کی روشنی بجھا دی گئی اور اس پر سے دو آدمی اترے اتنے میں لڑنے والوں میں ڈھیر ہو چکا تھا۔ پھر ڈاکٹر ہڈسن کو تین دھندلے سائے نظر آئے جو گرے ہوئے آدمی کو کی طرف لے جا رہے تھے۔

قبل اس کے کہ ڈاکٹر ہڈسن کوئی فیصلہ کر تا کار فراٹے بھرتی ہوئی دور نکل گئی۔

پھر تقریباً تین چار منٹ تک وہ وہیں سینے کے بل زمین پر پڑا رہا۔

آہستہ آہستہ تاریکی کا غبار چھٹتا جا رہا تھا اور تارے اس طرح جھلملا رہے تھے جیسے کو بچہ مخصوص انداز میں پلکیں جھپکاتا ہے اور اب پھر وہی اتھاہ سناٹا اور جھینگروں کی جھائیں تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ازل سے اب تک سناٹے کا یہ سلسلہ ٹوٹا ہی نہ ہو۔

ہڈسن کچھ دیر تک تو زمین ہی پر پڑا ہوا رینگتا رہا۔ پھر سیدھا کھڑا ہو کر چلنے لگا۔ دونو لڑکیاں اب بھی کار ہی میں تھیں اور ایک دوسری سے اس طرح لپٹی ہوئی تھیں جیسے ا ساتھ ہی جینے اور مرنے کا تہیہ کر لیا ہو۔

دوسری صبح فریدی نیشنل بنک میں داخل ہوا اور سیدھا منیجر کے آفس میں چلا گیا شاید اس سے پہلے ہی سے واقف تھا۔ احتراماً کھڑا ہو گیا۔ لیکن اس کے سامنے بیٹھا ہوا آد بیٹھا رہا یہ شہر کا ایک بڑا سرمایہ دار تھا۔

منیجر نے کرسی کی طرف اشارہ کیا اور فریدی اس کا شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔

"فرمایئے! کیا خدمت کروں۔" منیجر نے مسکرا کر پوچھا۔

"اس بینک کی معرفت دو ممیاں فروخت کی گئی ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"کس نے خریدی ہیں۔"

"آپ نے....!" منیجر نے سر سے اشارہ کرتے ہوئے سامنے والے آدمی کی طرف

"اوہ.... آپ نے....!" فریدی اس کی طرف مڑ کر بولا۔

"جی ہاں.... کیوں....؟" اُس نے فریدی کو گھور کر پوچھا۔

"کیا آپ نے ممیاں یہاں سے اٹھوالیں۔"

"میں آپ کے سوالات کا جواب کیوں دوں۔" اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اس لئے....!" فریدی اس کے سامنے اپنا ملاقاتی کارڈ رکھتا ہوا بولا۔

اس نے کارڈ کو غور سے دیکھا اور پھر فریدی کو تیز نظروں سے دیکھنے لگا۔

"آپ یہ سب کیوں دریافت کر رہے ہیں۔"

"اس کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں جناب۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"ہاں میں نے دو ممیاں اسی بینک کی معرفت خریدی ہیں۔ قیمت ابھی ادا کر چکا ہوں۔ اب ممیاں یہاں سے اٹھوا کر گھر لے جاؤں گا اور کچھ۔"

"نہیں! اب ان ممیوں سمیت میرے ساتھ چلیں گے۔"

"تم جانتے ہو میں کون ہوں۔" اس آدمی نے بگڑ کر کہا۔

"زیادہ سے زیادہ کسی منسٹر کے سالے ہو گے.... اور کیا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اچھا میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں کون ہوں۔" اس نے فون کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

لیکن اسے ایک غیر متوقع ذہنی جھٹکے سے دوچار ہونا پڑا۔ فریدی نے میز پر رکھا ہوا رول اٹھا کر اس کے ہاتھ پر رسید کر دیا تھا۔

"خود کو میری حراست میں تصور کرو۔" فریدی نے اس انداز میں کہا جیسے بہت دنوں سے ملاقات ہونے پر کسی کی خیریت دریافت کر رہا ہو۔

"تم ہوش میں ہو یا نہیں۔" وہ آدمی گرج کر بولا۔

"میں قطعی ہوش میں ہوں۔ میرے کہنے پر عمل کرو، ورنہ ہتھ کڑیاں لگا کر لے چلوں گا۔ سمجھے.... میں جانتا ہوں کہ تم ایک بڑے سرمایہ دار ہو لیکن قانون بہر حال قانون ہے۔"

"آپ دیکھ رہے ہیں۔" وہ جھلا کر منیجر کی طرف پلٹا۔

منیجر کچھ نہ بولا۔ شاید اسے پہلے ہی سے خبردار کر دیا گیا تھا۔

"تم مجھے کسی بات پر مجبور نہیں کر سکتے۔" اس نے فریدی سے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم سرعام اپنی بے عزتی پر مسرور ہونا چاہتے ہو۔ خیریت اسی میں ہے کہ جو کچھ کہوں کرتے جاؤ۔"

"میں ہرگز نہیں جاؤں گا۔"

"اچھا تو چلو....!" فریدی جیب سے ہتھ کڑیوں کا جوڑا نکالتا ہوا بولا۔ پھر دروازے کی طرف دیکھ کر بلند آواز میں کہا۔ "رمیش اندر آجاؤ۔"

دوسرے ہی لمحے میں سرجنٹ رمیش ایک آدمی کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔

"اس کے ہاتھ پکڑو، میں ہتھ کڑیاں لگاؤں گا۔"

دونوں اس پر جھک پڑے اسے قابو کرنے میں زیادہ دشواری نہیں پیش آئی۔ فریدی نے ہتھکڑیاں لگادیں۔

"اچھا میں دیکھ لوں گا....!" وہ ہانپتا ہوا بولا۔

فریدی اسکی بات کا جواب دیئے بغیر رمیش سے بولا۔ "غالباً وہ ممیاں گاڑی پر رکھ دی گئی ہونگی۔"

"جی ہاں....!"

اب فریدی اپنے شکار کی طرف مڑا۔ ایک لمحہ اسے حقارت آمیز نظروں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "چلئے جناب.... اب آپ کو اسی صورت میں چلنا پڑے گا۔"

رمیش اور اس کے ساتھی نے اسے کھینچ کر کرسی سے اٹھادیا۔ بینک کا منیجر خاموشی سے بیٹھا رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ پتھر کا بت ہو۔

"اچھا جناب....!" فریدی منیجر کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہوا بولا۔

قیدی دروازے کے قریب رک گیا تھا۔ جیسے ہی فریدی اُس کے قریب پہنچا اُس نے آہستہ سے کہا۔ "ہتھکڑیاں اتروادیجئے.... میں وعدہ کرتا ہوں۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" فریدی نے کہا اور ہتھکڑیاں اس کے ہاتھوں سے الگ کردیں۔

اور پھر وہ باہر نکل آئے۔ سڑک پر پہنچتے ہی اُس آدمی نے فریدی سے کہا۔

"کیا گلو خلاصی کی کوئی صورت نہیں۔"

"گلو خلاصی کے لئے عدالتیں کھلی ہوئی ہیں۔ بس گاڑی میں بیٹھ جایئے۔"

"ایک لاکھ لے لیجئے۔"

"ایسی صورت میں ایک دوسرا مقدمہ بھی آپ پر قائم کیا جاسکتا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

محکمہ سراغ رسانی کی ایک بڑی سی وین سڑک پر موجود تھی۔ فریدی اپنے قیدی سمیت اُس

[illegible] نیچے دو ممیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ہزارہا سال پرانی لاشیں.... وین روانہ ہوگئی۔

[illegible] پھر فریدی تھوڑی ہی دیر بعد اپنے محکمے کے ڈی۔ آئی۔ جی کے آفس میں موجود تھا۔ اُس [illegible] قیدی بھی تھا اور ممیاں بھی.... ڈی۔ آئی۔ جی نے اُس قیدی کو تحیر آمیز نظروں سے [illegible] یرت کی بات بھی تھی۔ وہ نہ صرف ایک بڑا سرمایہ دار بلکہ پبلک لائف میں بھی لیڈر قسم [illegible] تھا۔

[illegible] یہ....!" ڈی۔ آئی۔ جی۔ نے آہستہ سے کہا۔

[illegible] جی ہاں.... اتنے اونچے قسم کے جرائم چھوٹے موٹے آدمی نہیں کرتے۔"

[illegible] لیکن معاملہ ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آسکا۔"

[illegible] میں عرض کرتا ہوں.... اس واقعے کا تعلق سینٹرل بینک والے معاملے سے ہے۔ وہاں [illegible] میں جعلی نوٹ آئے تھے۔"

[illegible] ہاں میں سمجھ گیا لیکن.... یہ معاملہ....!"

[illegible] ٹھہریئے.... میں بتاتا ہوں.... ڈاکٹر ہڈسن والا معاملہ گوش گزار کرچکا ہوں۔ اب میں [illegible] طریقہ بتاؤں گا جس سے ایسی انہونی باتیں بھی ہو جاتی ہیں۔"

[illegible] کا چہرہ زرد ہوگیا۔ فریدی ممیوں کی طرف اشارہ کرکے بولا۔ "کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ [illegible] ممیاں ہیں۔"

[illegible] ۔ آئی۔ جی کچھ بولا نہیں۔ وہ جواب طلب نظروں سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

[illegible] ممیاں نہیں صرف لکڑی کے خول ہیں اور ان پر اس طرح کاروغن کیا گیا ہے کہ یہ ممیاں [illegible] لتی ہیں اور آپ یقین کیجئے کہ آپ کو ان میں سے کسی میں بھی کوئی لاش نہ ملے گی۔"

[illegible] آخر یہ ہے کیا بلا۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

[illegible] لیجئے....!" اُس نے کہا اور ممی کے درمیانی جوڑ کو ٹٹولنے لگا۔ دوسرے ہی لمحے میں اُس کا [illegible] جھٹکے کے ساتھ کھل کر پیروں کی طرف کھڑا ہوگیا اور ساتھ ہی ڈی۔ آئی۔ جی کی [illegible] حیرت سے پھیل گئیں۔ کیونکہ ممی کے خول میں نوٹوں کے بنڈل بھرے ہوئے تھے۔

[illegible] دیکھئے.... یہ رہے اصلی نوٹ.... اور انہیں نمبروں کے جعلی نوٹ نیشنل بنک کے [illegible] ام میں پہنچ گئے ہوں گے۔"

"اور اب دیکھئے۔ مجھے یقین ہے کہ اس دوسرے خول سے کوئی زندہ لاش برآمد ہوگی نوٹ کسی فوق الفطرت طریقے سے اِدھر اُدھر نہیں منتقل ہوتے۔"

"کیا اس کے اندر کوئی ذی روح زندہ رہ سکتا ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے دوسری ممی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"سب کچھ ہو سکتا ہے.... جناب والا! اسے بھی دیکھ لیجئے۔"

فریدی نے دوسری ممی کا بھی ڈھکن اٹھا دیا۔ اس کی توقع کے مطابق سچ مچ اُس میں آدمی لیٹا ہوا نظر آرہا تھا۔ پھر وہ آدمی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا چہرہ گیس ماسک میں چھپا اور کمر کے گرد چاروں طرف آکسیجن کی تھیلیاں لگی ہوئی تھیں۔

فریدی نے آگے بڑھ کر اُسے پکڑ لیا اور دوسرے ہی لمحے میں اس کے چہرے سے ماسک ہٹا دیا گیا۔ یہ وہی دبلا پتلا مدقوق سا انگریز تھا جو برکلے ہاؤز میں دربانی کے فرائض انجام دیتا تھا۔ فریدی پر نظر پڑتے ہی اس کی گھگھی بندھ گئی۔

"تو یہ رہی وہ زندہ لاش....!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اور یہ طریقہ ہے جعلی نوٹوں کی تقسیم کا۔"

"تو کیا میاں بینک کی معرفت فروخت ہوتی رہی ہیں۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے پوچھا۔

"جی ہاں.... اُن کا پہلا شکار سینٹرل بینک تھا اور دوسرا نیشنل بینک۔"

انگریز کھڑا بُری طرح کانپ رہا تھا۔ پھر یک بیک وہ گر پڑا۔

فریدی نے جھک کر اُسے دیکھا اور پھر سیدھا کھڑا ہو کر بولا۔ "بیہوش ہو گیا ہے۔"

"تو کیا ڈاکٹر ہڈسن....!"

"جی ہاں.... وہی...." فریدی نے کہا۔ "وہ ان کا سرغنہ ہے۔ اُس کے ایک آدمی کو میں پچھلی ہی رات کو گرفتار کر چکا ہوں۔ ہڈسن نے اُسے میری نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لئے مقرر کیا تھا۔ پچھلی شام کو یہ دونوں میاں نیشنل بینک میں پہنچائی گئی تھیں۔ اُس کے بعد سے میرے پیچھے لگ گیا تھا۔ ہڈسن نے یہ کاروبار شروع کرنے کے قبل ہی سے مجھ پر نظر رکھی تھی۔"

فریدی نے اس سلسلے کے دوسرے واقعات دہرانے شروع کئے، روحوں سے گفتگو، پانچ آدمیوں کو دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو جانا.... اور سب سے بڑا لطیفہ.... روحوں نے ہڈسن کو اطلاع بھی دے دی تھی کہ اس وقت وہاں فریدی اور حمید بھی موجود ہیں۔

ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی سر ہلا کر بولا۔

خاص بات نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "اور پھر یہ حضرت۔"

نے قیدی کی طرف اشارہ کیا۔ ایک لمحہ خاموش رہا اور پھر بولا۔ "یہ ان ممیوں کو گھر لے ران نوٹوں کے حصے بخرے ہو جاتے.... یہ حضرت جو قوم کے لیڈر ہونے کا بھی ہیں۔"

کچھ نہ بولا۔ فریدی نے اُسے جھنجھوڑ کر کہا۔ "کیا کہتے ہو... کیا تمہیں اس جرم سے انکار ہے۔"

نہیں بولا۔ اُس نے آنکھیں کھولیں اور پھر بند کر لیں۔

ن تک پہنچے کس طرح۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے پوچھا۔

ی کے ذریعہ۔ میں ایک مشتبہ آدمی کا تعاقب کرتا ہوا چیتھم روڈ کی ایک عمارت تک ہاں میں نے ایک تہہ خانے میں کچھ ایسے نشانات دیکھے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہاں نصب تھی۔ پھر وہیں پانچ نامعلوم آدمیوں نے ہم پر حملہ کیا۔ لیکن فرار ہونے میں گئے۔ دوسرے دن اس آدمی کو زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا جس کے ذریعہ میں اُس پہنچا تھا۔ تفتیش کرنے پر معلوم ہوا کہ گریٹی کی محبوبہ سونیا اُس کے ساتھ تھی۔ سونیا وجہ ہوا تو گریٹی نے سونیا کو بھی ختم کر دیا۔"

مانے سونیا کے قتل کا واقعہ بالتفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ "ضمانت پر رہا ہونے کے بعد ہی یٹی کا دماغ چل گیا ہے۔ پچھلی رات ڈیکن ہال میں اسی نے گولیاں چلائی تھیں۔ اُس بھی گولی چلائی تھی۔ پھر اس نے دوسرا حملہ حمید پر کیا لیکن اس میں بھی ناکامیاب سچ مچ پاگل ہو گیا تھا۔ ڈیکن ہال میں ناکامیاب ہونے کے بعد اُس نے ہڈسن کی رہائش گاہ وہاں بھی اُس نے ہڈسن پر گولی چلائی تھی۔"

خاموش ہو گیا۔

زہریلا دُھواں

کچھ سوچنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے چونک کر کہا "ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ گریٹی ہاؤز میں بھی ڈاکٹر ہڈسن پر حملہ کیا۔ مجھے یقین تھا کہ گریٹی اُس پر دوسرا حملہ ضرور

کرے گا۔ مگر اس کے لئے برکلے ہاؤز کے ویران پائیں باغ کے علاوہ اور کوئی جگہ مناسب نہیں ہو سکتی۔ جیسے ہی ہڈسن کی کار ڈیکن ہال کی کمپاؤنڈ سے باہر نکلی میں نے حمید کو ضروری ہدایات دے کر اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ پھر وہی ہوا جس کی توقع تھی۔ گریٹی پہلے ہی سے پائیں باغ میں بیٹھا تھا۔ جیسے ہی ہڈسن کار سے اُترا اُس نے فائر کر دیا اور پھر اپنی دانست میں اُسے ختم کر کے طرف بھاگا.... باہر میں موجود تھا۔ بہر حال میں نے گریٹی کو بھی گرفتار کر لیا۔ لیکن اس حالت ٹھیک نہیں ہے۔"

"اس کی ضمانت کس نے دی تھی۔" ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔

"ضمانت دینے والے بھی یہی ذات شریف تھے۔" فریدی نے قیدی کی طرف اشارہ کر

"ہوں....!" ڈی۔ آئی۔ جی نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبالیا۔ تھوڑی دیر تک رہا پھر بولا۔ "اس پڑ شبہ نہیں کہ اگر تم اپنی آنکھیں کھلی نہ رکھو تو یہاں نہ جانے کیا کیا بھلا یہ کیس سول پولیس کے بس کا تھا۔ مگر بھئی مجھے اس آدمی پر حیرت ہے جو لکڑی کے خول میں اتنے عرصے تک زندہ رہا۔"

"حیرت کی بات نہیں.... گیس ماسک اور آکسیجن کی تھیلیاں اس کے پاس موجود

"ٹھیک ہے لیکن پھر بھی اس تنگ سے خول میں جکڑے پڑے رہنا محالات ہی میں میرا تو سوچ کر ہی دم گھٹ رہا ہے۔"

فریدی خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "بہر حال یہ ناممکن نہیں ہے۔ صرف ہونی چاہئے۔ یہ تو آکسیجن کے سہارے زندہ رہا لیکن میں نے اکثر سادھوؤں کو دیکھا تین دن تک زمین میں دفن رہنے کے بعد صحیح وسلامت نکلے ہیں۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔" ڈی۔ آئی۔ جی سر ہلا کر بولا۔ "لیکن ہڈسن کہاں ہے۔"

"اُسے بھی جلد ہی پیش کروں گا۔" فریدی نے قیدی اور بیہوش آدمی کی طرف

"یہ واقعہ فی الحال اسی کمرے تک محدود رہے تو بہتر ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

❁

حمید وائلن بجا رہا تھا اور روزیٹی ناچ رہی تھی۔

ڈاکٹر ہڈسن بھی اُسی کمرے میں موجود تھا اور کبھی کبھی نظر بچا کر حمید کے چہرے کی طرف بہت غور سے دیکھنے لگتا تھا۔ اچانک اُس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"میری ایک بات سن لو۔"

"ڈاکٹر پھر کبھی سنانا۔ یہ روزیٹی نہیں میری روح ناچ رہی ہے اور جب میری روح ناچنے لگتی ہے تو میں اندھا، گونگا، بہرا غرضیکہ بالکل اپاہج ہو جاتا ہوں۔"

روزیٹی ناچتے ناچتے رک گئی۔

حمید نے جھلا کر وائلن ایک صوفے پر پٹختے ہوئے کہا۔ "پوچھو کیا پوچھتے ہو۔"

"میرا آدمی رولینڈ رات سے غائب ہے۔"

"بس اتنی سی بات تھی ڈاکٹر۔ اچھا میں کوشش کروں گا کہ اس کا سراغ مل جائے۔"

پھر اُس نے روزیٹی سے کہا۔ "شروع ہو جاؤ۔"

"واقعی رولینڈ کی غیر حاضری تشویشناک ہو گئی ہے۔" روزیٹی حمید کی بات پر دھیان دیئے بغیر بولی۔

"ڈاکٹر کہیں اسی نے ہم دونوں پر گولی نہ چلائی ہو۔" حمید بولا۔

"نہیں ایسی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔"

"پھر تم پر گولی کون چلا سکتا ہے اور پھر ساتھ ہی ساتھ مجھ پر بھی۔ ہم دونوں کا دشمن کون ہو سکتا ہے۔"

"بھلا رولینڈ تمہارا دشمن کیوں ہو سکتا ہے۔" ڈاکٹر نے حمید کو تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تم تھوڑی دیر کے لئے یہاں سے چلی جاؤ۔" حمید نے روزیٹی سے کہا۔ "میں ڈاکٹر کو بتانا چاہتا ہوں کہ وہ میرا دشمن کیوں ہو سکتا ہے۔"

"بکواس مت کرو۔" روزیٹی نے کہا۔

"اچھا تو میں تمہارے سامنے ہی بتاتا ہوں۔ شائد رولینڈ کو تم سے دلچسپی ہے ادھر میں نے تم میں دلچسپی لینی شروع کر دی ہے لہٰذا اس کا بھڑک اٹھنا لازمی ہے اور چونکہ ڈاکٹر بھی مجھے پسند کرتے ہیں اس لئے وہ ان کا بھی دشمن ہو گیا ہے۔"

"بکواس....!" ڈاکٹر ہڈسن بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"یوں کام نہیں چلے گا ڈاکٹر....!" حمید نے چیلنج کرنے والے لہجے میں کہا۔ "یہ بکواس نہیں ہے کہ میں روزیٹی کو پسند کرنے لگا ہوں۔"

"فضول بکواس مت کرو۔" روزیٹی بگڑ کر بولی۔

"ارے تم بھی فضول کہہ رہی ہو.... یعنی....!"

"میں سنجیدگی سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔" ڈاکٹر ہڈسن تیز لہجے میں بولا۔

"میں غیر سنجیدہ نہیں ہوں۔"

"تم پچھلی رات کو کہاں غائب ہو گئے تھے۔"

"غائب تو تم ہوئے تھے ڈاکٹر....!"

"اوہ.... میں.... باغ میں تھا۔ میں اور ریگی تازہ ہوا چاہتے تھے۔"

"اگر میں کہوں کہ تم نے ہی مجھ پر گولی چلائی تھی۔"

"میں کیوں چلاتا۔" ڈاکٹر ہڈسن اُسے گھورنے لگا۔

"اچھا تو سنو! جب مجھ پر حملہ ہوا تھا تو تم باغ میں تھے اور میرا چیف مجھ سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا حملے کے بعد وہ مجھے اپنے ساتھ لے گیا اور کچھ اس قسم کی گفتگو شروع کی جس سے مترشح ہوتا تھا کہ وہ حملہ تمہاری ہی ایماء پر ہوا تھا۔"

"سراسر غلط ہے.... بھلا میں تم پر اس طرح کیوں حملہ کرنے لگا۔ اگر تمہیں ختم ہی کرنا ہوتا تو روزیٹی کے ذریعہ تمہیں زہر دلوا دیتا.... سمجھے۔"

ڈاکٹر ہڈسن ہنسنے لگا۔

"ٹھیک کہتے ہو ڈاکٹر۔" پشت کے دروازے سے آواز آئی۔

وہ سب چونک کر مڑے۔ دروازے میں فریدی کھڑا مسکرا رہا تھا اسکے دونوں ہاتھ جیبوں میں تھے

"میں تم سے متفق ہوں۔" وہ پھر بولا۔ "روزیٹی میرے اسسٹنٹ کو اسی طرح زہر دے

تھی جس طرح سونیا نے راجو کو....!"

"اوہ.... کرنل آؤ.... آؤ.... مگر تم بغیر اطلاع اندر کیسے چلے آئے۔" ڈاکٹر ہڈسن اٹھتا ہوا بولا

"بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ اس کا داہنا ہاتھ جیب سے نکل آیا اور اس

ریوالور تھا۔

"چلو بیٹھ گیا۔" ڈاکٹر ہڈسن مسکراتا ہوا بیٹھ گیا۔ "شاید تم اس وقت غصے میں ہو۔"

"ضرور یہی بات ہے۔" حمید چہک کر بولا۔ "تم ان کی غلط فہمی رفع کر دو۔" پھر اُس نے سے کہا۔ "جی ہاں! ڈاکٹر نے حملہ نہیں کیا تھا مجھ پر۔ خود ڈاکٹر پر بھی کسی نے حملہ کیا تھا۔ روزیٹی ڈارلنگ۔" وہ روزیٹی کو آنکھ مار کر مسکرانے لگا۔

"اچھا کرنل یہی بتا دو کہ میں کیپٹن پر حملہ کیوں کرنے لگا۔" ڈاکٹر ہڈسن نے کہا۔

"میں کب کہتا ہوں کہ تم نے اس پر حملہ کیا تھا۔"

"پھر....!"

"وہ تو ایک ایسے پاگل کی حرکت تھی جسے اپنے ہاتھوں اپنی محبوبہ کی موت یاد آ گئی تھی۔"

"میں بالکل نہیں سمجھا۔"

"گریٹی۔"

"گریٹی۔" ڈاکٹر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ لیکن پھر وہ فوراً ہی سنبھل کر بولا۔ .... یہ گریٹی کیا بلا ہے۔"

"گریٹی وہی بلا ہے جس نے راجو کا خاتمہ کرایا تھا۔"

"کون راجو....! میں کسی راجو کو نہیں جانتا۔"

"خوب....!" فریدی تلخ انداز میں مسکرایا۔ "شائد تم ان ممیوں سے بھی ناواقف ہو گے جو نیشنل بینک میں بھجوائی تھیں۔"

"میں قطعی واقف ہوں۔ کیوں! کیا ہوا۔ ہاں میں نے کل دو ممیاں نیشنل بینک کے توسط سے ت کی ہیں۔"

"اور اس سے قبل دو ممیاں سینٹرل بینک کے توسط سے فروخت کی تھیں۔"

"ہاں یہ بھی صحیح ہے۔" ڈاکٹر ہڈسن پر سکون لہجے میں بولا۔

"اور یہ بھی صحیح ہے کہ وہ ممیاں صرف لکڑی کے خول ہیں۔"

"کیا مطلب....!"

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو ڈاکٹر۔" فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔

"مگر بلاوجہ اپنے ہاتھوں کو تکلیف نہیں دیتا۔" ڈاکٹر ہڈسن نے لاپروائی سے کہا۔ "بیٹھ جاؤ

.... میں آج تمہیں برازیل کی کافی پلاؤں گا.... روزیٹی.... ریگی سے کہو کہ کافی تیار کرے

روزیٹی جانے کے لئے مڑی۔

"ٹھہرو....!" فریدی بولا۔ "اس کمرے سے باہر جانے والا اپنی موت کو دعوت دے گا"

روزیٹی رک گئی۔

"کیا سچ مچ تم سنجیدہ ہو۔" ڈاکٹر نے حیرت ظاہر کیا۔

"ہاں ایسی صورت میں ضرور سنجیدہ ہونا پڑتا ہے۔ جب ایک ممی سے نوٹوں کی گڈیاں ہوں اور دوسری سے ایک زندہ لاش۔"

اچانک ڈاکٹر ہڈسن صوفے سے اچھل کر زمین پر گر پڑا اور ساتھ ہی شیشے کا ایک چھوٹا دیوار سے ٹکرا کر پھٹا.... ہلکی سی آواز ہوئی اور فریدی نے ہڈسن پر فائر کر دیا۔ لیکن وہ بڑی سے فرش پر پھسل کر صوفے کی اوٹ میں ہو گیا۔

ادھر روزیٹی چھلانگ مار کر دروازے کے باہر نکل گئی۔ حمید اس کے پیچھے دوڑا۔ فریدی دوسرا فائر کیا لیکن وہ اپنے سر پر منڈلاتی ہوئی بلا سے لاعلم تھا۔ ہڈسن کا پھینکا ہوا شیشے کا گولا اسی جگہ دیوار پر لگا تھا جہاں فریدی کھڑا تھا اور گولے کے پھٹتے ہی اُس میں سے تھوڑا سا غبار نکل فضا میں نہ صرف چکرانے لگا تھا بلکہ آہستہ آہستہ پھیلاؤ بھی اختیار کرتا جا رہا تھا۔ لیکن اُس نہیں جیسے معمولی دھواں سرعت کے ساتھ اپنا دائرہ وسیع کرتا ہے بلکہ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اپنا حجم بڑھانے کے لئے فضا میں پھیلی ہوئی کسی غیر مرئی اور مخالف قوت سے زور آزمائی کر رہا یعنی اس کے بڑھنے کا انداز کچھ دبا دبا سا تھا۔ فریدی نے تیسرا فائر کیا لیکن بے سود۔

ہڈسن صوفے سے چپک کر رہ گیا تھا۔

فریدی کو یقین ہو گیا کہ اس کے پاس ریوالور نہیں ہے۔ ورنہ وہ ضرور فائر کرتا۔ وہ کر آگے بڑھنے ہی والا تھا کہ اس کے سر پر منڈلانے والا غبار یک بیک نیچے پھسل آیا۔ فری گردن جھٹک کر پیچھے ہٹنے کی کوشش کی۔ لیکن اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے ناک کے سوراخ تیز روچنگاریاں سی گھستی چلی گئی ہوں۔

اور پھر وہ جہاں تھا وہیں چکرا کر گر پڑا۔

اس کے گرنے کی آواز سنتے ہی ڈاکٹر ہڈسن صوفے کی اوٹ سے نکلا۔ اُس نے چٹکی

ل دبا رکھی تھی۔

پھر دوسرے ہی لمحے میں وہ بیہوش فریدی کو گھسیٹتا ہوا کمرے کے باہر لے جا رہا تھا۔ اُس نے ے راہداری میں ڈال دیا اور کمرے کا دروازہ بند کرنے لگا۔

اس وقت اُس کے چہرے پر بلا کی درندگی نظر آ رہی تھی۔ اُس کے خدوخال تک بدل کر رہ تھے شائد اس وقت اُس کے ساتھی بھی اُسے مشکل ہی سے پہچان سکتے۔

دروازہ بند کر کے وہ فریدی کی طرف مڑا اور اب اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا چاقو تھا۔

❁

مکان میں ریگی اور روزیٹی کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ اس کے باوجود بھی حمید کو ان پر قابو میں کافی دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔

لیکن کسی نہ کسی طرح اُس نے انہیں ایک کمرے میں بند ہی کر دیا اور خود باہر ہی ٹھہرا رہا۔ توقع تھی کہ فریدی ڈاکٹر سے نپٹ رہا ہو گا۔

"ڈارلنگ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔" روزیٹی نے منمناتی ہوئی آواز میں کہا۔

"کسی نہ کسی زبان میں ڈالنگ گدھے کو بھی کہتے ہوں گے۔" حمید بولا۔

"ابھی میں ناچ رہی تھی۔ تم نے کہا تھا کہ تمہاری روح ناچ رہی ہے۔"

"اب میں خود ناچ رہا ہوں.... اور جب میں ناچتا ہوں تو میری روح بھیک مانگنے لگتی ہے۔"

ریگی چیخ چیخ کر حمید کو گالیاں دے رہی تھی۔

"یہ ذرا قاعدے کی باتیں کر رہی ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

اوہ.... چپ ہو جاؤ ریگی۔" روزیٹی نے ریگی کو ڈانٹا۔

چلنے دو ڈیئر۔" حمید بولا۔ "اس کی آواز میں بڑی کشش ہے۔"

"تو کھول دوں۔" روزیٹی نے رو دینے والی آواز میں کہا۔

"ٹھہر جاؤ.... ذرا والد صاحب سے پوچھ لوں۔" حمید بولا۔

پھر اس نے دروازوں اور کھڑکیوں کا جائزہ لیا۔ جب یقین ہو گیا کہ وہ دونوں کسی طرح بھی نہ نکل سکیں گی تو وہ اس کمرے کی طرف چل پڑا جہاں اس نے فریدی اور ہڈسن کو چھوڑا تھا۔

لیکن راہداری میں اُسے وہ منظر دکھائی دیا جس نے اس کی رگوں کا خون منجمد کر دیا۔ فریدی

فرش پر بے حس و حرکت پڑا تھا اور ڈاکٹر ہڈسن غالباً اسی لئے اس پر جھک رہا تھا کہ اس کی گردن چھرا پھیر دے۔

"خبردار....!" حمید دونوں ہاتھ ہلاتا ہوا چیخا۔ بدحواسی میں وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ اس کے کوٹ کی اندرونی جیب میں پستول موجود ہے۔

ڈاکٹر ہڈسن چھرے کا دستہ مٹھی میں جکڑے ہوئے دیوانہ وار حمید کی طرف جھپٹا اور پھر اُ حمید دونوں ہاتھوں سے اس کا داہنا ہاتھ نہ پکڑ لیتا تو چاقو کا پھل اس کے سینے میں اتر گیا تھا۔

ہڈسن اس سے زیادہ طاقتور تھا لیکن شائد اس وقت حمید کی ساری طاقت اُس کے ہاتھوں میں کھینچ آئی تھی۔ ہڈسن اپنا داہنا ہاتھ کسی طرح نہ چھڑا سکا۔ مگر اس نے حمید کو جلد ہی نیچے گرا دیا۔ اس کا ہاتھ اب بھی حمید کی گرفت میں تھا۔

مگر اب تک حمید کی طاقت جواب دیتی جا رہی تھی اور ساتھ ہی اس کے ہاتھوں پر ڈاکٹر ہڈ کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ چاقو کی نوک آہستہ آہستہ حمید کی گردن کی طرف کھسک رہی تھی۔

اچانک فریدی نے کراہ کر کروٹ لی اور پھر بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔ اُس نے ڈاکٹر ہڈسن اور حمید دیکھا لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اُسے اپنا سر ایک بڑا سا پتھر معلوم ہو رہا جس کے بوجھ سے گردن دکھنے لگی تھی۔

لیکن اس کیفیت کے زائل ہونے میں دیر نہیں لگی۔ پتہ نہیں وہ کیسی گیس تھی جو سر الاثر تو تھی لیکن اُس کا اثر زائل ہونے میں بھی زیادہ دیر نہیں لگتی تھی۔

فریدی کا ذہن سوچنے سمجھنے کے قابل ہو گیا تھا۔ وہ بے تحاشہ ان کی طرف دوڑا۔

اس وقت چاقو کی نوک حمید کے سینے سے صرف ایک انچ کے فاصلے پر تھی۔ فریدی دونوں ہاتھوں سے ڈاکٹر کی گردن دبوچ کر اُسے ایک جھٹکے کے ساتھ کھڑا کر دیا۔ چاقو اب ہڈسن کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے بڑی تیزی سے ہاتھ گھمایا لیکن اتنی دیر میں فریدی اسے کمر پر لا کر نیچے پھینک چکا تھا۔

ہڈسن نے اٹھنے کی کوشش کی اور اس بار فریدی کی ٹھوکر اس کی ٹھوڑی پر پڑی۔ چاقو اس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔

فریدی نے گریبان پکڑ کر اُسے فرش سے اٹھایا اور پھر ایک گھونسہ اس کی ناک پر جڑ

ہڈسن اچھل کر کئی فٹ دور جا پڑا۔ وہ چاقو کے قریب ہی گرا تھا۔ اس نے لیٹے ہی لیٹے پھسل کر چاقو کا دستہ پکڑ لیا اور قبل اس کے کہ فریدی اس تک پہنچتا وہ تن کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کے چہرے پر خون ہی خون تھا۔

اس بار اس نے بڑی بے جگری سے حملہ کیا۔ لیکن یہ حملہ بھی ناکام رہا۔ فریدی اُسے گیند کی طرح ادھر سے اُدھر اچھال رہا تھا۔

اور حمید پاگلوں کی طرح قہقہے لگا رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اس وقت اس پر اذیت پسندی کا بھوت سوار ہو گیا تھا.... وہ ان دونوں لڑکیوں کو کمرے سے نکال لایا۔ دونوں نے ہڈسن کو اس حال میں دیکھ کر پاگل کتیوں کی طرح چیخنا شروع کر دیا۔ فریدی گھونسوں، تھپڑوں اور ٹھوکروں سے اس کی مرمت کر رہا تھا۔

حمید نے دونوں لڑکیوں سے سر لڑانے شروع کر دیئے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سچ مچ پاگل ہو گیا ہو۔ چونکہ ابھی ابھی خدا کے گھر سے لوٹا تھا اسلئے اُسے اُن کی شکلوں میں ذرہ برابر بھی دلکشی نہیں نظر آ رہی تھی اور انکے چیخنے اور گڑگڑانے کا انداز اُسے زیادہ سے زیادہ ظلم پر ابھار رہا تھا۔

"یہ کیا کر رہا تھا گدھے۔" اُسے فریدی کی گرج سنائی دی۔

حمید نے دونوں کی گردنیں چھوڑ دیں.... اور ہانپتا ہوا بولا۔ "اپنا حساب بے باق کر رہا تھا۔"

اس نے ڈاکٹر ہڈسن کو دیکھا جو فرش پر بے ہوش پڑا تھا۔

حمید دوبارہ لڑکیوں کی طرف بڑھا تھا کہ فریدی درمیان میں آ گیا۔

"تمہاری جمالیاتی حس کہاں گئی۔" اُس نے ہنس کر پوچھا۔

"جہنم میں۔"

"چلو بس کرو۔" فریدی نے اُسے ایک طرف ہٹا دیا۔

وہ عجیب نظروں سے بیہوش مجرم کی طرف دیکھ رہا تھا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 47

ہولناک ویرانے

(مکمل ناول)

طویلے کی بلا

حمید کو اچھی طرح معلوم تھا کہ آج کل اس کے ستارے گردش میں ہیں لیکن شامت کبھی
رے کر نہیں آتی۔ اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ ابھی اس پر کیا مصیبت آنے والی
ورنہ وہ کار گلی میں کھڑی کر کے مارٹن اینڈ مارٹن کی نئی سیلز گرل سے عشق نہ لڑاتا۔ لڑکی
ات کی اس دکان میں بالکل نئی نئی آئی تھی اور حمید نے جس دن سے اسے دیکھا تھا بلاناغہ کچھ
کچھ خریدنے کے بہانے یہاں آنے لگا تھا۔ کبھی رومال، کبھی ٹائیاں اور کبھی جرابیں۔ جس دن
خریدنے کو جی نہ چاہتا کسی ایسی چیز کی فرمائش کرتا جو دوکان میں موجود ہی نہ ہوتی۔ ایسے مواقع
اسے لڑکی سے زیادہ سے زیادہ گفتگو کرنے کی سعادت نصیب ہو جایا کرتی تھی.... بہر حال وہ
روزانہ کم از کم ایک بار اس دوکان میں ضرور آتا تھا۔

آج بھی وہ اسے تقریباً پندرہ یا بیس منٹ تک گفتگو میں الجھائے رہا تھا اور آج تو اس نے
اسے ایک فلم کی دعوت بھی دے ڈالی تھی۔ لیکن لڑکی جو شائد بہت زیادہ محتاط واقع ہوئی تھی کام
کی زیادتی کا بہانہ کر کے ٹال گئی۔ بہر حال حمید مایوس ہو کر یہ سوچتا ہوا پلٹ آیا کہ ایک نہ ایک دن
وہ ضرور پسیجے گی۔ لہٰذا اسے پسیجنے کی مہلت دے کر اب کہیں اور قسمت آزمائی کرنی چاہئے۔

جب کوئی کام نہ ہو تو ہر آدمی اپنی مخصوص ترین تفریحات کی طرف دوڑتا ہے۔ آج کل یہی
کیفیت حمید کی بھی تھی۔ مقصد خواہ ٹائیں ٹائیں فش ہی کیوں نہ ہو۔ عورت اس کی محبوب ترین
تفریح تھی اور اس تفریح کی معراج یہ تھی کہ وہ یا تو خود بیوقوف بن جاتا تھا یا بنا دیتا تھا۔ بیوقوف
بننا یا بنانا بجائے خود کوئی ایسی بُری بات نہیں لیکن بعض اوقات یہ رجحان نتائج کے اعتبار سے
خطرناک بھی ثابت ہوتا ہے۔

حمید کو بارہا اس کا تجربہ بھی ہو چکا تھا لیکن وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتا تھا۔ اس مارٹن اینڈ مارٹن کی سیلز گرل کی طرف سے مایوس ہو جانے کے بعد وہ سیدھا اس گلی میں آ اُس نے اپنی کار چھوڑی تھی۔

الیکٹرک پول دور ہونے کی وجہ سے یہاں خاصا اندھیرا تھا لیکن اُسے سوئی تو ڈھونڈنا تھی کہ روشنی کی پرواہ کرتا۔ کار پر بیٹھ کر مشین اسٹارٹ کی اور گلی سے سڑک پر آ گیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اس وقت آر لکچو کی طرف جانا چاہئے جہاں آج کچھ اسپیشل پروگر تھے اور اسے توقع تھی کہ وہاں اس کی کوئی نہ کوئی پرانی شناسا ضرور مل جائے گی۔

کار سڑکوں پر فراٹے بھرتی رہی۔ حمید کا موڈ پھر ٹھیک ہو گیا۔ وہ ہولے ہولے گنگنا لیکن اچانک اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اسکے حلق سے بیک وقت دو قسم کی آوازیں نکل رہی ہ

وہ خاموش ہو گیا لیکن دوسری آواز بدستور جاری رہی اور پھر کافی دیر بعد یہ بات اس میں آئی کہ وہ کسی شیر خوار بچے کے رونے کی آواز تھی۔

وہ بوکھلا کر دوسری سیٹ کی طرف مڑا۔ اندر اندھیرا تھا۔ لیکن حمید بہرا نہیں تھا۔ آو سیٹ کے علاوہ کہیں سے نہیں آ رہی تھی۔ اس نے اندر کی لائٹ جلا دی.... اور پھ دوسرے ہی لمحے میں کار کی رفتار کم کر کے اسے سڑک کے کنارے نہ لگا دیتا تو ایک ایکسیڈنٹ لازمی تھا۔ حقیقتاً اُس کے ہاتھ پیر بُری طرح کانپ رہے تھے۔ پچھلی سیٹ نوزائیدہ بچہ کپڑوں میں لپٹا ہوا پڑا حلق پھاڑ رہا تھا۔

حمید کار سے اُتر آیا۔ سڑک کافی چلتی ہوئی تھی۔ راہگیروں نے کار سے بلند ہو آوازیں سنیں اور ایک اچھے خاصے آدمی کو اس پر سے اترتے دیکھا جو بہت زیادہ بوکھلایا ہوا تھا۔ ایسی صورت میں اگر کچھ راہگیر چلتے چلتے رک گئے تھے تو یہ حیرت کی بات نہیں تھی۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ وہ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولے حیرت پھاڑے ہوئے بچے کو گھور رہا تھا۔ اُسے اپنے گرد اکٹھا ہوتی بھیڑ کا بھی احساس نہیں رہ اچانک کسی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ حمید چونک کر مڑا۔

ایک ادھیڑ عمر کا شریف صورت آدمی براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

اب حمید کو اپنی پوزیشن کا احساس ہوا اور اس نے ذہنی انتشار کے ان لمحات میں جو

اس کی خامیوں کا احساس اسے بھی تھا۔ لیکن وہ اتنی جلدی میں اور کوئی فیصلہ کر بھی تو نہیں سکتا تھا۔ دنیا کا ہر آدمی کرنل فریدی کی طرح فولادی اعصاب نہیں رکھتا۔

"کیوں جناب کیا بات ہے۔" اُس آدمی نے پوچھا۔

"میری بدنصیبی۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"بچے کی ماں کہاں ہے اور آپ نے اس غریب کو اس طرح پچھلی سیٹ پر کیوں ڈال رکھا ہے۔"

"افسوس کہ گود میں لے کر کار ڈرائیو کرنا شائد ماؤں کے بس کا بھی روگ نہیں۔"

بھیڑ سے ایک لڑکی کھڑکی میں جھک کر بچے کو دیکھنے لگی اور پھر حمید نے دردناک آواز میں بتانا شروع کیا "بچے کی ماں ہسپتال میں تھی۔ وہیں یہ بچہ پیدا ہوا۔ ماں مر گئی اور بچے کو مجھے لانا پڑا۔ ایسے بے درد ہوتے ہیں یہ ہسپتال والے بھی۔"

"کیا یہ آپ کا بچہ ہے۔" لڑکی نے مڑ کر حمید سے پوچھا۔

"جی ہاں۔" حمید کی آواز اور زیادہ دردناک ہو گئی۔ "اب میں اسے گھر لے جا رہا ہوں۔ لیکن مجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح لے جاؤں۔"

"اچھا آپ فکر نہ کیجئے۔ میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔ بیچارہ کیسا رو رہا ہے۔"

"میں زندگی بھر آپ کا احسان مند رہوں گا۔" حمید گڑگڑا کر بولا۔

یہ لڑکی کافی دلکش، اسمارٹ اور الٹرا موڈرن قسم کی تھی۔ عمر بیس سے زیادہ نہ رہی ہو گی۔ سفید ساڑھی اور سفید بلاؤز میں ملبوس تھی۔

اس نے بڑے اطمینان سے کار کا دروازہ کھولا اور بچے کو گود میں لے کر سیٹ پر بیٹھ گئی۔

حمید نے کار اسٹارٹ کر دی۔ لیکن اس وقت اس کی عقل کھوپڑی کے گرد ناچ رہی تھی۔ اس نے بوکھلاہٹ میں ایک زبردست حماقت کی تھی۔ اُسے اس قسم کے جھوٹ سے بچنا چاہئے تھا۔

اب وہ سوچ رہا تھا کہ یہ لڑکی گھر تک ضرور ساتھ جائے گی۔ نہ صرف ساتھ جائے گی بلکہ اتفاقاً کچھ دیر ٹھہر کر بچوں کی پرورش و پرداخت کے سلسلے میں ایک چھوٹا سا لیکچر بھی دے گی اور پھر اگر فریدی اس وقت گھر ہی پر موجود ہوا تب تو اس کی شامت ہی آ جائے گی اور وہ اس سلسلے میں ضرور جواب طلب کرے گا کہ اس نے غلط بیانی سے کیوں کام لیا۔

دراصل اس نے یہ جھوٹ اس لئے گھڑا تھا کہ کم از کم وقتی ہی طور پر عام آدمیوں کی پوچھ

گچھ سے بچ جائے۔ اگر وہ حقیقت کہہ دیتا تو کم از کم آدھے گھنٹے تک اسے جھک مارنی پڑتی۔

بہر حال وہ ایک بہت بڑی دلدل میں پھنس گیا تھا اور اب سوچتے سوچتے اس کے ذہن کی سیٹیاں سی بجنے لگی تھیں.... بچہ برابر روئے جا رہا تھا۔

"یا خدا رحم کر اس کے حال پر۔" لڑکی نے درد ناک آواز میں کہا اور حمید نے جواباً ٹھنڈی سانس لی اور اس ٹھنڈی سانس کی آواز لڑکی کے کانوں تک پہنچانے کی کوشش میں ا کھانسیوں سے دوچار ہونا پڑا۔

"آپ کس طرح رکھیں گے اسے۔" لڑکی نے حمید سے پوچھا۔

"کیا بتاؤں محترمہ! میں تو پاگل ہو جاؤں گا۔"

"میرے خیال سے ایک پرائیویٹ نرس انگیج کر لیجئے۔"

"اوہ.... بہت معقول رائے ہے۔ آپ کا بہت بہت شکریہ میں یہی کروں گا۔"

"عورتیں تو ہوں گی ہی آپ کے یہاں۔"

"اوہ.... یہی تو سب سے بڑی بد نصیبی ہے۔ گھر پر بڑے بھائی کے علاوہ اور کوئی نہیں او اتنے کریک ہیں کہ خدا کی پناہ.... بچے کو دیکھتے ہی کہیں گے کہ اگر ماں مر گئی ہے تو اس گدھ زندہ رکھنا فضول ہی ہوگا۔"

"یہ لڑکی ہے یا لڑکا۔"

حمید اس سوال پر بوکھلا گیا۔ اس کے فرشتوں کو بھی اس کا علم نہیں تھا کہ وہ لڑکی لڑکا.... اس نے دل ہی دل میں خود کو گالیاں دیں اور کراہ کر بولا آپ کو یقین نہ آئے گا لیکن دماغ اتنا بے قابو ہو گیا ہے کہ شائد آپ کے اس سوال کا جواب نہ دے سکوں۔ اس کی ما موت نے میرے ذہن پر بہت بُرا اثر ڈالا ہے۔ نہ میں نے ابھی اسے اچھی طرح دیکھا ہے او یہی یاد ہے کہ ڈاکٹر نے کیا کہا تھا۔ آپکو تکلیف تو ہوگی.... ذرا مجھے بھی بتایئے کہ یہ لڑکی ہے یا لڑکا

لڑکی چند لمحے خاموشی کے بعد بولی۔ "لڑکا ہے۔"

"آہ.... اے.... بد نصیب لڑکے۔" حمید گلوگیر آواز میں کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"پریشان ہونا فضول ہے۔" لڑکی نے اُسے دلاسا دیا۔ "سب ٹھیک ہو جائے گا۔ خدا جو کرتا ہے ٹھیک ہی کرتا ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اس کی الجھن آہستہ آہستہ بڑھتی ہی جا رہی تھی اور وہ ذہنی طور پر اس قابل رہ گیا تھا کہ لڑکی کی سریلی آواز سے لطف اندوز ہو سکتا۔

لڑکی پھر چہکارنے لگی۔ لیکن شائد وہ خود بھی اس معاملے میں اناڑی تھی بچہ کسی طرح بھی نہ ہوا۔

"بھوکا ہے شائد۔" اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"پھر بتایئے میں کیا کروں۔" حمید بے بسی سے بولا۔ "میں نہیں جانتا کہ اتنے چھوٹے بچے کو جاتا ہے۔"

"آج ہی پیدا ہوا تھا۔" لڑکی نے پوچھا۔

"جی ہاں.... بالکل آج ہی۔"

"تب تو شائد اسے گھٹی دی جائے گی۔"

"میں نہیں جانتا کہ یہ گھٹی کیا چیز ہے۔"

"یہ تو میں بھی نہیں جانتی۔ پتہ نہیں کیا کیا ملا ہوتا ہے اس میں.... اوہ دیکھئے! کیوں نہ ہم لڑکے پاس چلیں۔"

حمید نے سوچا اگر پہلے شامت نہیں آئی تھی تو اب آجائے گی۔ اس جھوٹ کو نبھانے کا طریقہ یہ ہو سکتا تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح جلد از جلد گھر پہنچ جاتا۔

"نہیں.... میرا خیال ہے کہ راستے میں جتنی دیر لگے گی پریشانیوں میں اضافہ ہی ہوگا۔ جلد سے جلد گھر پہنچنا چاہئے وہاں کوئی نہ کوئی تدبیر ضرور ہو جائے گی۔"

"جیسی آپ کی مرضی.... ویسے مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ بیمار نہ پڑ جائے۔"

"اب جو کچھ بھی مقدر میں ہوگا بھگتنا ہی پڑے گا۔" حمید نے درد ناک آواز میں کہا۔

وہ فی الحال اس لڑکی سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس پیچھا چھڑائے۔ لڑکے کی تو خیر کوئی بات ہی نہیں تھی۔ اُسے ہر حال میں پولیس کی حفاظت ملتا۔

لڑکی اچھی خاصی تھی اور حمید انتشار کے ان لمحات میں بھی یہ سوچنے سے باز نہیں آیا تھا کہ اس کے تعلقات بڑھانے کے امکانات کی بنیاد پڑ گئی ہے لیکن یہ اُسی صورت میں ہو سکتا تھا کہ وہ

اُس کے سامنے جھوٹا نہ بنتا۔

کار فراٹے بھرتی رہی۔ بچہ روتا رہا اور لڑکی "ہوں ہوں" کر کے اُسے ہلاتی رہی۔

خدا خدا کر کے کار فریدی کی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی اور پھاٹک ہی پر حمید کی ہو جانے کا ارادہ کرنے لگی.... کیونکہ فریدی برآمدے ہی میں بیٹھا شائد کوئی کتاب دیکھ رہا

حمید اس بات کا فیصلہ نہ کر سکا کہ کار کو گیراج کی طرف لے جائے یا پورچ کی طرف کار کا رخ پورچ ہی کی طرف تھا اور اس میں حمید کی قوت فیصلہ کو دخل نہیں تھا۔

کار جیسے ہی پورچ میں داخل ہوئی فریدی بے ساختہ چونک پڑا۔ چونکنے کی وجہ کار حلق پھاڑتے ہوئے بچے کی آواز تھی۔

حمید بوکھلایا ہوا کار سے اترا اور پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر کھڑا ہو گیا۔

لڑکی بچے کو گود میں سمیٹے ہوئے نیچے اُتر آئی۔

"لائیے.... مجھے دیجئے۔" حمید نے بوکھلاہٹ میں بچے کو اس کی گود سے جھپٹتے ہو

اب اس کی کھوپڑی بالکل ہی آؤٹ ہو گئی تھی۔

"آئیے.... آئیے۔" وہ لڑکی سے کہتا ہوا فریدی کی طرف جھپٹا۔ بچے کو اُس کی گود

کر پھر لڑکی کی طرف مڑا۔

"میں آپ کا احسان مند ہوں.... بہت احسان مند ہوں۔ چلئے میں آپ کو گھر چھوڑ آؤں

"نہیں اس کی ضرورت نہیں.... یہ تو میرا فرض تھا۔" لڑکی مسکرا کر بولی۔

بچہ فریدی کی گود میں پڑا مچل رہا تھا اور وہ حیرت سے منہ کھولے احمقوں کی طرح الل کو گھور رہا تھا۔

"ڈرائیور.... ڈرائیور....!" حمید آگے بڑھ کر حلق پھاڑنے لگا۔ ڈرائیور شائد کہیں ہی تھا لہٰذا اسے وہاں پہنچنے میں دیر نہیں لگی۔

"اے دیکھو....!" حمید نے کہا۔ "مس صاحب کو گھر چھوڑ آؤ۔"

"ارے جناب! پہلے اس بیچارے کی خبر لیجئے۔" لڑکی نے کہا۔

حمید چونک پڑا۔ اس سے اب تک جتنی بھی حرکتیں سرزد ہوئی تھیں ان میں ارادے نہیں تھا۔ اُسے اس بات کا احساس ہی نہیں رہ گیا تھا کہ وہ کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے....

اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ بوکھلا کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ بچہ اب بھی اس کی گود میں اور وہ پہلے ہی کی طرح بے حس و حرکت بیٹھا انہیں گھور رہا تھا۔

"م.... میرے.... ب بڑے بھائی صاحب۔" حمید فریدی کی طرف اشارہ کر کے ہکلایا۔

فریدی کی حالت میں اب بھی کوئی تغیر نہ ہوا۔

ڈرائیور الگ آنکھیں پھاڑے ایک ایک کو گھور رہا تھا۔

ان لوگوں کے اس رویے پر لڑکی بھی بوکھلا گئی۔

"میں کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔" حمید نے پھر اُس سے کہا۔

"جناب بچے کی خبر لیجئے۔"

"اوہ.... جی ہاں۔" حمید جلدی سے بولا۔ "ڈرائیور آپ کو گھر پہنچا دو۔"

پھر وہ بچے کو فریدی کی گود سے اٹھا کر تیر کی طرح اندر چلا گیا۔

فریدی کھڑا ہو کر اپنے کپڑے جھاڑنے لگا۔ اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا۔

لڑکی اب بھی وہیں کھڑی تھی۔

"واقعی اس واقعے نے ان کے ذہن پر بُرا اثر ڈالا۔" لڑکی نے فریدی سے کہا۔

"جی ہاں....!" فریدی آہستہ سے بولا۔ "تشریف رکھئے۔"

"جی نہیں اب جاؤں گی۔ کیا سچ مچ گھر میں کوئی عورت نہیں۔"

"جی نہیں۔" فریدی نے آہستہ سے سر ہلا دیا۔

"اچھا دیکھئے.... یہ میرا پتہ ہے۔" وہ وینٹی بیگ سے اپنا کارڈ نکال کر فریدی کی طرف بڑھاتی ہوئی بولی۔ "اگر کوئی ضرورت پیش آئے تو مجھے فون کیجئے گا۔ میں کئی اچھی نرسوں کو جانتی ہوں۔"

"شکریہ۔" فریدی کارڈ لیتا ہوا بولا۔ "اگر کوئی ضرورت پیش آئی تو میں ضرور تکلیف دوں گا۔"

ڈرائیور کار کا پچھلا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ لڑکی کار میں بیٹھ گئی۔

فریدی اس وقت تک برآمدے ہی میں کھڑا رہا جب تک کار پھاٹک سے نہیں گذر گئی۔

پھر وہ سیدھا حمید کے کمرے میں آیا۔ حمید کمرے میں کھڑا پاگلوں کی طرح چاروں طرف دیکھ رہا تھا اور بچہ.... وہ بستر پر پڑا تھا اور اس کی زبان تالو سے نہیں لگ رہی تھی۔

"دیکھئے! پہلے میری بات سن لیجئے۔" حمید چار ہزار الفاظ فی منٹ کی رفتار سے بولنے لگا۔

"ایسے موقع پر آدمی بوکھلا جاتا ہے۔ پاگل ہو جاتا ہے سڑی ہو جاتا ہے۔ پہلے پوری بات سن
کبھی کبھی بدحواسی میں اس قسم کی غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں۔ دیکھئے پہلے پوری بات سن لیجئے۔
آدمی ہی سے ہوتی ہے۔ میری جگہ اگر آپ ہوتے۔ نہیں پہلے پوری بات سن لیجئے۔"

"خاموش رہو۔" فریدی نے جھلا کر کہا۔

حمید خاموش ہو گیا۔ لیکن اس کے ہونٹ اب بھی ہل رہے تھے۔

"یہ بچہ کہاں تھا۔"

"میری کار کی پچھلی سیٹ میں تھا۔ آپ پوری بات بھی تو سنئے۔"

"پوری بات کے بچے اب تک تم نے چوتھائی بات بھی نہیں بتائی۔"

"یہ بچہ!" حمید بچے کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "حیرت انگیز طور پر میری کار میں پایا گ

"کیا مطلب۔"

"جی ہاں....!"

"کیا جی ہاں! تم ہوش میں ہو یا نہیں۔"

"میں ہوش میں ہوں۔ اچھا شروع سے سنئے میں کار راجر اسٹریٹ کی ایک گلی میں
کر کے ایک دوکان میں چلا گیا۔ واپسی پر میں نے کار گلی سے نکالی اور چل پڑا۔ وہاں مجھے
نہیں معلوم ہو سکا تھا۔ کافی دور چلنے کے بعد اچانک اس سور نے رونا شروع کر دیا۔"

"لیکن تم اسے یہاں کیوں لائے ہو۔ سیدھے کوتوالی نہیں لے جا سکتے تھے۔"

"اُف.... اس ٹریجڈی کا حال سن کر آپ مجھے مارنے دوڑیں گے۔"

بچہ اب بھی روئے جا رہا تھا۔

"بکو جلدی سے۔" فریدی اس کی گردن دبوچ کر جھٹکے دیتا ہوا بولا۔

اور پھر حمید کو پوری داستان دہرا دینی پڑی۔

"میرا خیال ہے" فریدی اس کے خاموش ہوتے ہی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "تم سے زیا
تو وہ لوگ ہوں گے جو عدالتوں میں عرائض نویسی کرتے ہیں۔"

"اب جو دل چاہے کہئے، حماقت تو ہو ہی گئی۔" حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی فون پر کوتوالی کے نمبر ڈائیل کر رہا تھا۔

دوسری طرف حمید بچے پر جھکا ہوا بکواس کر رہا تھا۔ "ارے چپ ہو جا.... میرے باپ کے
وا.... شاباش.... شوشو۔" وہ سیٹی اور چٹکی بجانے لگا۔ "آدمی کا بچہ بڑا سور ہوتا ہے۔ بکرا
دھایا جا سکتا ہے حتیٰ کہ چوہے بھی ٹرینڈ کئے جا سکتے ہیں مگر آدمی کا بچہ اس سے بڑا سور شائد
ئے زمین پر نہ ملے۔"

یاقوت کی انگشتری

تقریباً دو گھنٹے گذر جانے کے بعد فریدی ان کپڑوں کو الٹ پلٹ رہا تھا جن میں بچہ لپٹا ہوا ملا تھا۔
بچہ پولیس کے حوالے کر دیا گیا اور پولیس نے اسے شہر کے سب سے بڑے میٹرنٹی سینٹر
پہنچا دیا تھا۔

"کون سی کار لے گئے تھے۔" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"آسٹن....!"

"اگر تم نے پہلے ہی بتا دیا ہوتا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "خیر.... آؤ.... میں اسے بھی
بھوں گا لیکن میرا خیال ہے کہ یہ حرکت دیدہ دانستہ نہیں کی گئی۔"

"دیدہ دانستہ سے کیا مراد ہے۔"

"یعنی یہ سمجھ کر بچہ کار میں نہیں ڈالا گیا کہ وہ تمہاری کار ہے۔"

"اس کا والی ہی نہیں پیدا ہوتا۔" حمید نے کہا۔

"نہیں بعض حالات میں ہو سکتا ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کیا اس سے پہلے بعض
رموں نے اصل واقعے سے ہماری توجہ ہٹانے کے لئے اس قسم کی دوسری حرکتیں نہیں کیں۔"

"اوہ.... ہاں.... ممکن ہے۔"

"لیکن مجھے تمہاری بوکھلاہٹ پر افسوس ہے۔"

"میری جگہ اگر آپ ہوتے۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔ میں تمہاری جگہ ہوتا تو کیا ہوتا۔ یہ ایک الگ بات ہے لیکن اگر تم
ری جگہ ہوتے تو کبھی کی تمہاری ہڈیاں سڑ گل گئی ہوتیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ دونوں وہاں سے اٹھ کر گیراج میں آئے۔ کار واپس آ گئی تھی اور ڈرائیور

اسے گیراج میں چھوڑ کر غالباً سونے کے لئے جا چکا تھا۔

فریدی نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر روشنی کر دی۔

وہ پچھلی نشست کے ایک ایک جوڑ کا جائزہ لے رہا تھا۔

"بہت مشکل ہے۔" اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "تم نے زبردست حماقت کی.... نشانات کی تلاش فضول ہے قطعی فضول۔"

"میرا خیال ہے کہ اب اس معاملے میں سر مارنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔" حمید بولا۔

"ضرورت ہے میں تنگ آ گیا ہوں۔ میرا خون بہت دنوں سے کھول رہا ہے۔ آئے دن شہر میں اس قسم کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں۔ آدمی کے بچے کی اتنی بھی وقعت نہیں رہ گئی جتنی کتے کے پلے کی ہوتی ہے۔ کیا تمہیں یاد نہیں پچھلے ماہ ایک نالے میں ایک نوزائیدہ بچے کی لاش کتے گھسیٹتے پھر رہے تھے۔ پچھلے چھ ماہ میں جتنے بھی اس قسم کے کیس ہوئے ہیں اُن میں سے کسی ایک کا بھی پتہ نہیں لگایا جا سکا۔ اور پھر یہ سب پولیس کے بس کا روگ نہیں۔"

"میں....!" فریدی کار کا دروازہ بند کرتا ہوا بولا۔ "میں دیکھوں گا کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔"

وہ پھر برآمدے کی طرف واپس ہو رہے تھے۔ اچانک فریدی پورچ ہی میں رک گیا۔ اُس کی آنکھیں زینے کے نیچے پڑی ہوئی کسی چمکدار چیز پر تھیں۔ ننھی سی سرخ روشنی۔ چنگاری سی دہک رہی تھی۔ دوسرے ہی لمحے میں فریدی نے جھک کر اسے اٹھا لیا۔

یہ ایک انگشتری تھی جس میں یاقوت کا ایک بڑا سا نگینہ جگمگا رہا تھا۔

"کیا یہ تمہاری ہے۔" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"نہیں....!" حمید اُسے فریدی سے لے کر دیکھتا ہوا بولا۔ "اوہ.... کہیں یہ اُس لڑکی کی نہ ہو۔"

"نہیں اس کی بھی نہیں ہو سکتی۔"

"کیوں....؟"

"عقل استعمال کرو۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "اگر یہ اس لڑکی کی ہے تو وہ اسے پیر کے انگوٹھے میں پہنتی ہو گی۔ اس کی نرم و نازک انگلیاں تو میں دیکھ ہی چکا ہوں۔"

واقعی یہ حقیقت تھی کہ انگشتری کا قطر کافی بڑا تھا.... اتنا بڑا کہ کم از کم وہ کسی عورت کی انگشتری تو ہرگز نہیں ہو سکتی تھی۔

"یہ ہمارے کسی ملازم کی بھی نہیں ہو سکتی۔" فریدی بڑبڑایا۔ "بے داغ یاقوت کا اتنا بڑا نگینہ کسی دولت مند ہی رکھ سکتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ یہ ہمارے کسی ملنے والے کی ہو۔" حمید نے کہا۔

"نہیں.... آج یہاں اس لڑکی کے علاوہ اور کوئی نہیں آیا۔"

"واہ... ابھی جگدیش آیا تھا.... اس کے ساتھ ایک سب انسپکٹر بھی تھا۔ چار کانسٹیبل زنانہ پولیس فورس کی ایک کارپورل بھی تھی۔"

"ان میں سے کسی کی بھی نہیں ہو سکتی۔ کسی کی بھی انگلیاں اتنی موٹی نہیں ہیں۔"

"تب پھر دادا مرحوم کی روح آئی ہو گی۔" حمید بیزاری سے بولا۔ "مرحوم کو انگشتریوں کا بڑا شوق تھا جو انگلیوں میں نہیں آتی تھیں انہیں گلے میں لٹکائے رکھتے تھے۔"

فریدی خاموش رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے حمید کی بکواس سنی ہی نہ ہو۔

"آؤ....!" وہ حمید کا ہاتھ پکڑ کر گیراج کی طرف کھینچتا ہوا بولا۔

"کہاں....!"

"وہیں جہاں تم نے کار کھڑی کی تھی۔"

"دیکھئے.... میں پھر کہتا ہوں کہ اس جھنجھٹ میں نہ پڑیئے۔"

"معاملہ اگر کسی غریب گھرانے کا ہوتا تو شائد میں باز بھی آ جاتا۔" فریدی نے کہا۔

"ہائیں.... گھرانے کا بھی پتہ لگا لیا آپ نے....!"

"قطعی.... جس قسم کے کپڑوں میں وہ بچہ لپٹا ہوا ہے وہ تو اسی چیز کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ کسی غریب گھرانے میں ایسے کپڑے کہاں۔ نہایت عمدہ قسم کی تین عدد مردانی قمیضیں ہیں۔ کل بیداغ۔ غریب گھرانے کے لوگ اس طرح کپڑے نہیں ضائع کیا کرتے.... کیا سمجھے۔"

"ٹھیک کہتے ہیں آپ۔ واقعی یہ بات غور طلب ہے۔ لیکن اب اس وقت وہاں جانے سے کیا فائدہ ہو گا۔ جگدیش وغیرہ تو وہاں پہنچ ہی گئے ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" فریدی نے کہا۔ "مجھے کسی روز ناچے کی خانہ پُری تو کرنی نہیں ہے میرے اور پولیس کے نظریئے میں فرق ہے۔ چلو بکواس مت کرو۔"

وہ اسے کھینچ کر گیراج میں لایا اور پھر وہ دونوں راجر اسٹریٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔

"بعض اوقات آپ کی دوڑ دھوپ قطعی غیر ضروری ثابت ہوتی ہے۔" حمید نے راستے میں کہا۔

"غیر ضروری سے کیا مراد ہے۔"

"یہی کہ اب آپ وہاں کیا پائیں گے۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ جرم کرنے والے محکمہ پولیس سے اپنی چالاکیوں کی داد وصول کرنے کے لئے وہاں اب بھی موجود ہوں گے۔"

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ بچہ وہاں کسی دوسری بستی سے لایا گیا ہوگا۔ اگر یہی خیال ہے فضول ہے۔ چور کا دل ہی کتنا۔ ایسے معاملات میں زیادہ دور کا سفر کوئی بھی نہیں اختیار کرتا اور پھ ایسی صورت میں جب کہ بچہ زندہ بھی ہو۔"

"میرے خدا۔" حمید پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔ "تو اب اس وقت گھر گھر کی کنڈی کھٹکھٹائے گا۔"

"دیکھا جائے گا۔" فریدی لاپروائی سے بولا اور سگار سلگانے لگا۔ کار حمید ڈرائیو کر رہا تھا۔ ا

زیادہ رات نہیں گذری تھی مشکل سے دس بجے ہوں گے۔ شہر کی رونق میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر حمید نے کہا۔ "راجر اسٹریٹ کی اندرونی گلیاں تو ایسی نہ جہاں دولت مند گھرانے آباد ہوں۔ تنگ و تاریک عمارتیں ہیں۔"

"ہاں.... آں....!" فریدی نے تھوڑی دیر بعد پہلو بدلا.... پتہ نہیں یہ "ہاں" حمید جواب میں کہی گئی تھی یا وہ کچھ اور سوچ رہا تھا۔

وہ جلد ہی منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ حمید نے کار ٹھیک اُسی جگہ کھڑی کی جہاں پہلے کھڑی کی تھ دو کانسٹیبل وہاں موجود تھے۔ انہوں نے ایک نئی اطلاع دی۔ لیکن اس اطلاع کی وضا نہیں کر سکے۔ ان کے بیان کے مطابق جگدیش وغیرہ کسی قریبی عمارت کے فلیٹ میں اس مع کی چھان بین کر رہے تھے۔

ایک کانسٹیبل نے ان کی رہنمائی کی اور وہ وہاں پہنچ گئے جہاں جگدیش نے درجنوں آدمیو پوچھ گچھ کے لئے روک رکھا تھا۔

"اوہ.... یہ بہت اچھا ہوا۔" جگدیش فریدی کو دیکھ کر اٹھتا ہوا بولا۔ "میں ابھی آپ کو کرنے والا تھا۔"

"کوئی خاص بات۔" فریدی نے چاروں طرف ایک اچٹتی ہوئی سی نظر ڈال کر کہا۔

"جی ہاں.... میں بتاتا ہوں۔"

وہ اس وقت ایک عمارت کی دوسری منزل پر تھے۔ جگدیش، فریدی اور حمید کو ساتھ لے کر راہداری میں ایک طرف چلنے لگا۔

آگے چل کر انہیں ایک فلیٹ کے دروازے پر ایک کانسٹیبل کھڑا نظر آیا۔

"کیا بتانا چاہتے ہو مجھے۔" فریدی چلتے چلتے رک کر بولا۔

"میں یہاں تحقیقات کرنے آیا تھا کہ اس فلیٹ کے ایک کرایہ دار نے ایک عجیب اطلاع دی۔ ے بیان کے مطابق پچھلے دو ماہ سے یہاں ایک پُر اسرار جوڑا آباد رہا ہے۔ عورت حاملہ تھی۔"

"پُر اسرار جوڑا۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "پُر اسرار کیوں؟ کیا مرد بھی حاملہ یا حامل تھا۔"

"پوری بات سنا کیجئے.... حمید صاحب۔" جگدیش جھنجھلا گیا۔

اگر فریدی بھی اسے غصیلی نظروں سے نہ گھورنے لگتا تو حمید نے دوبارہ جگدیش کی ٹانگ لی ۔ فریدی نے سر کی جنبش سے بیان جاری رکھنے کا اشارہ کیا۔

"میں نے اسے پُر اسرار جوڑا کہہ کر غلطی نہیں کی۔" جگدیش بولا۔ "پڑوسیوں سے ان کے ت بڑے اچھے تھے اور پڑوسی بھی ان کا کافی خیال رکھتے تھے۔ آج یہاں زچگی ہوئی تھی۔"

"زچگی.... لاحول ولا قوۃ۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر پیچھے کھسک گیا۔

"تم کہتے جاؤ۔" فریدی جگدیش سے بولا۔

"پڑوس کی ایک عورت نے اس سلسلے میں اُن کی بہت مدد کی۔"

"جگدیش وہ خاص بات بتاؤ جس کے لئے مجھے یہاں لائے ہو۔" آخر فریدی نے بھی جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"جناب کہنے کا مطلب یہ ہے کہ زچگی کے بعد پڑوس کی ایک بوڑھی عورت زچہ کے پاس گئی تھی اور اس کا ارادہ تھا کہ وہ رات اسی کے ساتھ گذارے گی لیکن ابھی ایک گھنٹہ قبل اس بوڑھی عورت کے کسی عزیز کو اس سے ملنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس نے یہاں آکر اسے پر دستک دی۔ لیکن جواب ندارد۔ اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے اندر کوئی موجود ہی نہ ہو۔ ائی دستک دینے کے بعد بھی وہ کامیاب نہ ہو سکا.... پھر ایک عورت اندر آگئی۔ پڑوس کی گئی عورت ایک جگہ فرش پر بیہوش پڑی تھی اور زچہ بچہ، شوہر وغیرہ مع سامان غائب تھے۔"

"گوہر....!" حمید حلق پھاڑ کر بولا۔

"میں فلیٹ کو ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں اور وہ بڑھیا کہاں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"جب وہ کسی طرح ہوش میں نہ آسکی تو اسے ہسپتال بھیج دیا گیا۔"

"خیر.... یہی فلیٹ ہے۔"

"جی ہاں....!"

"آؤ....!" فریدی نے کہا اور فلیٹ میں چلا گیا۔

پھر کافی دیر تک وہ وہاں سر مارتے رہے لیکن ایک مردانہ قمیض کے علاوہ اور کچھ بھی ہاتھ نہ آیا

"حمید....!" فریدی آہستہ سے بولا۔ "یہ چوتھی قمیض ہے۔"

"ہاں کم از کم ایک درجن تو ہونی ہی چاہئیں.... اور یہ حقیقت ہے یہ قمیض بھی انہ

قمیضوں کے سائز کی معلوم ہوتی ہے۔"

"بس یہ قمیضیں اتنی بے دردی سے کیوں استعمال کی گئی ہیں۔"

"دیکھئے میں پھر آپ سے عرض کروں گا کہ یہ کیس جگدیش ہی وغیرہ کے لئے چھو آپ کے شایان شان نہیں۔"

"پہلے میں نے بھی یہی سوچا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "مگر اب مجھے اپنا خیال بدل دینا پڑا

"اگر آپ کو اپنا خیال بدل دینا پڑا ہے تو پھر مجھے بھی اپنا خیال بدل دینا پڑے گا۔" حم بڑی بے بسی سے کہا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک فریدی وہاں ٹھہر کر لوگوں سے پوچھ گچھ کرتا رہا۔ لیکن یہ کوئی بتا سکا کہ وہ عورت اور مرد کون تھے اور کہاں سے آئے تھے۔

حالات پیچیدہ ضرور تھے لیکن سنسنی خیز نہیں معلوم ہو رہے تھے۔ اسی لئے حمید کی بھی اعتدال سے تجاوز نہیں کر سکی تھی۔ پیچیدگیوں کے باوجود بھی کیس بالکل سیدھا سا بعد کے واقعات نے بچے کی حیثیت بھی واضح کر دی تھی۔

البتہ فریدی کا ذہن ان قمیضوں میں الجھا ہوا تھا۔

دوسری صبح حمید دیر میں اٹھا.... فریدی ناشتہ کر چکا تھا لیکن ابھی ناشتے کی میز سے اٹھا نہ

"ابھی وہ لڑکی آئی تھی۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"لڑکی....!" حمید حیرت سے بولا۔ پچھلی رات کے واقعات کسی ادھورے خواب کی

یادداشت کے دھندلکوں میں گردش کرنے لگے اور اس نے چہک کر کہا۔ "واقعی۔"

"میں نے اُسے حقیقت بتا دی ہے۔"

"یہ بہت بُرا کیا آپ نے۔"

"حمید تم اپنے اس رجحان کی بناء پر کسی دن جہنم رسید ہو جاؤ گے۔ اسی واقعہ سے تمہیں ت پکڑنی چاہئے۔"

"میں آپ کو کس طرح سمجھاؤں کہ میں حسن کو ایک آرٹسٹ کی نظر سے دیکھتا ہوں اور بس اپنے گردوپیش رنگینیاں چاہتا ہوں.... آدمی اور جانور کا فرق ہر وقت میرے پیش نظر رہتا ہے۔"

"اس معاملے میں آدمی اور جانور میں کوئی فرق نہیں۔ خیر اسے جانے دو.... میں دوسرے ات پر غور کر رہا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ تمہارے خلاف کسی قسم کی سازش ہو۔"

"سازش.... میرے خلاف.... میں نہیں سمجھا۔"

"ہاں.... ہاں.... فرض کرو آج کوئی عورت دعویٰ کرتی ہے کہ وہ بچہ تمہارا تھا تم نے ی سے بچنے کے لئے اُسے زبردستی ماں سے چھین لیا۔"

"اُسے اس کا ثبوت دینا پڑے گا۔" حمید بولا۔

"ثبوت تم خود ہی مہیا کر چکے ہو۔ تم نے پچھلی رات اسے اپنا بچہ کہا تھا اور ایک عورت تم پر کھا کر اسے تمہارے گھر تک پہنچا گئی تھی۔ تم نے درجنوں آدمیوں کے سامنے اعتراف کیا تھا ہ تمہارا بچہ ہے۔"

"لیکن کوئی عورت خواہ مخواہ اس کا دعویٰ کرنے ہی کیوں لگی۔"

"بیٹے خاں.... کیا تمہیں یہ نہیں معلوم کہ یہاں ہمارے ہزاروں دشمن ہیں۔"

"دشمن ہیں تو۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن اس حرکت سے انہیں کیا فائدہ پہنچے گا۔ میرا خیال ہے کہ ہمارے دشمن تو صرف ہماری زندگیوں ہی کے گاہک ہو سکتے ہیں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کچھ سوچنے لگا تھا۔

اتنے میں نوکروں نے دوسری بار میز پر ناشتہ لگا دیا تھا۔

حمید خاموشی سے پلیٹوں پر ہاتھ صاف کرتا رہا اور فریدی اخبار دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اخبار میز پر پٹخ کر ہونٹوں میں کچھ بڑبڑانے لگا۔ چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار تھے۔

"کیا بات ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"پتہ نہیں یہ آدمیوں کی سوسائٹی ہے یا جانوروں کا ریوڑ۔ اخبار اٹھاؤ.... تو.... قتل اغواء اور عصمت دری کے علاوہ اور کسی قسم کی خبریں نہیں دکھائی دیتیں۔"

"آخر اس کی وجہ کیا ہے۔"

"مستقبل کی طرف سے بے اطمینانی خود اعتمادی کا فقدان۔"

"اس کا علاج بھی ہے کوئی۔"

"شافی علاج ہے۔ مگر یہ دور ہے نئے تجربات کا۔ ایک اسٹیج پر نئے تجربات بھی ختم ہو گے اس کے بعد پھر اسی دقیانوسی علاج کی طرف دنیا دوڑے گی۔"

"اعتدال قناعت اور جہد مسلسل۔"

"بس قناعت کا تو نام ہی نہ لیجئے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "اس لفظ سے جلے ہوئے بو آتی ہے۔"

"تمہارے ذہن میں قناعت کا تصور بہت ہی گھٹیا قسم کا معلوم ہوتا ہے۔ قناعت سے یہ مراد لیتے ہو کہ آدمی تارک الدنیا ہو جائے۔ ملے تو کھائے ورنہ فاقے کرے۔ حالانکہ یہ مطلب نہیں ہے۔ قناعت کا مطلب ہوس سے دامن بچانا ہے۔"

"کچھ اُس بچے کے متعلق بھی فرمایئے اس کے سلسلے میں قناعت کس طرح برتی جا سکتی ہے۔"

"بالکل اسی طرح جیسے تم بھوک کی شدت میں نالیوں کا کیچڑ نہیں چاٹنا شروع کرو۔ سلسلے میں تمہیں مستقبل سے اچھی توقعات نہ ہوں تو تم یہ بھی کر سکتے ہو۔"

"بڑی گنجلک بات ہے۔ اس کے کئی مفہوم ہو سکتے ہیں۔ خیر مارئیے گولی میں اس قسم کی باتوں کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"تمہیں اب اپنی غلط قسم کی حسن پرستی سے باز آنا ہی پڑے گا ورنہ....!"

"اوہو.... سنئے تو.... بابا....!" حمید نے اُسے جملہ نہ پورا کرنے دیا۔ "ذرا سنئے شاندار دیہاتی پروگرام ہو رہا ہے۔"

آج اتوار تھا اور فریدی کے ملازمین قریب ہی کے ایک کمرے میں ریڈیو پر دیہاتی

سن رہے تھے۔

ٹھیک اسی وقت اناؤنسر کی آواز سنائی دی۔ ابھی آپ دھوبیوں کے گیت سن رہے تھے اب ایک ضروری اعلان سنئے۔ ہمارے ملک کے آئرن پرنس مسٹر آئی۔ جے خاور اطلاع دیتے ہیں کہ کل شام کو ریلوے اسٹیشن سے ان کا ایک سوٹ کیس گم ہو گیا ہے جس میں کچھ استعمالی کپڑے، کچھ کاغذات اور چند بیش قیمت انگشتریاں تھیں۔ مسٹر خاور اعلان کرتے ہیں کہ سوٹ کیس ان تک پہنچانے کے والے کو مبلغ دو ہزار روپے انعام دیئے جائیں گے۔ اگر صرف کاغذات ہی پہنچا دیئے جائیں تب بھی پہنچانے والا اسی انعام کا مستحق ہو گا اور اُس سے بقیہ دوسری چیزوں کے متعلق باز پرس نہ کی جائے گی۔

قارون کا مقبرہ

اعلان ختم ہو جانے کے بعد پھر پروگرام شروع ہو گیا۔ اس بار چماروں کا ناچ نشر ہو رہا تھا۔

"یہ مردنگ بھی بڑے غضب کی چیز ہوتی ہے۔" حمید مردنگ کی تھاپوں پر سر ہلاتا ہوا بولا۔

"اور اس سے پہلے کے اعلان کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"مضحکہ خیز....!" حمید نے کافی انڈیلتے ہوئے کہا۔

"مضحکہ خیز کیوں؟"

"سوٹ کیس جس کے بھی ہاتھ لگا ہو گا وہ واپس کیوں کرنے لگا۔"

"دو ہزار کے انعام کا اعلان تھا۔"

"بنڈل....!" حمید منہ بنا کر بولا۔ "صرف کاغذات پہنچا دینے پر بھی انعام کی رقم بدستور برقرار رہے گی اور پہنچانے والے سے بقیہ دوسری چیزوں کا مطالبہ نہ کیا جائے گا۔"

"ہو سکتا ہے کہ کاغذات دوسری چیزوں سے زیادہ اہم ہوں۔"

"ٹھہریئے۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "آخر آپ یکایک اس اعلان کے پیچھے کیوں پڑ گئے۔"

"محض اس لئے کہ آئی۔ جے خاور کی گمشدہ انگشتریوں میں سے ایک میرے پاس ہے۔"

"کیا مطلب....!" حمید کافی کی پیالی رکھ کر فریدی کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

فریدی نے جیب سے ایک انگشتری نکال کر میز پر ڈال دی۔ یہ وہی یاقوت کی انگشتری تھی جو

اسے پچھلی رات پورچ میں پڑی ہوئی ملی تھی۔

"اسے دیکھو....! اندر کی طرف آئی جے کے حروف کندہ ہیں۔ عشرت جمیل خاور نے اسے کبھی دیکھا ہے۔"

"اتفاق نہیں ہوا۔" حمید نے جواب دیا۔

"لوہے کا سب سے بڑا تاجر.... اور لوہا پگھلانے کی بھٹی سے بہت زیادہ مشابہت رکھتا گول مٹول اس کے ہاتھوں کے لئے ایسی ڈبل روٹیوں کا تصور کرو جن میں پانچ پانچ شاخیں آئی ہوں.... پھر اس کے بعد اس انگشتری کو دیکھو.... غیر معمولی حد تک موٹی انگلیوں ہی آسکے گی۔"

"چلئے مان گیا.... لیکن اگر یہ اعلان آپ نہ سنتے تو....!"

"آئی جے کے سے کسی خاص نتیجے پر نہ پہنچ سکتا۔ شہر میں خاور جیسے درجنوں موٹے ہوں گے"

"بہر حال۔" حمید ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "اگر یہ انگشتری خاور ہی کی ہے تو اس کھوپڑی میں بھی مغز کے بجائے لوہے کا برادہ ہی معلوم ہوتا ہے۔"

"ہاں یہ اعلان تو یہی ظاہر کرتا ہے.... ہو سکتا ہے کہ اخبار میں بھی اشتہار ہو۔ اشتہارات کا صفحہ تو دیکھو۔"

حمید اخبار کے صفحات الٹنے لگا۔

"آپ کا خیال بالکل درست ہے۔" اُس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "اشتہار کے وہی الفاظ جو ہم ابھی ریڈیو پر سن چکے ہیں۔"

"ٹھیک۔" فریدی کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتا ہوا بولا۔ "معاملہ دلچسپ ہے۔" وہ پھر سوچنے لگا تھا۔

"دال ذرا مشکل ہی سے گلے گی۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ "وہ بہت بڑا آدمی ہے۔"

"مجھے تاؤ دلا رہے ہو۔" فریدی نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"تاؤ نہیں دلا رہا ہوں، حقیقت عرض کر رہا ہوں۔ اگر وہ واقعی مجرم ہے تو اس کی دیدہ دلیر کی داد دینی پڑے گی جناب۔"

"اوہو.... ایک معمولی سا چور بھی اپنی گلو خلاصی کے لئے ہاتھ پیر ضرور مارتا ہے۔"

"جب مجھے یہ چار عدد قمیضیں الجھن میں ڈالے ہوئے ہیں۔ انگوٹھی ہاتھ سے نکل کر گر سکتی ہے قمیض.... اور قمیض بھی وہ جن پر شہر کی سب سے مشہور ٹیلرنگ شاپ کے لیبل لگے ہیں۔ یعنی وہاں سے قمیضوں کے مالک کا پتہ بہ آسانی لگایا جا سکتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ آج تو دوکان بند ہو گی۔" حمید نے کہا۔

"ہاں اتوار کو ساری بڑی دوکانیں بند رہتی ہیں۔ لیکن ہمیں خاور سے ضرور ملنا چاہئے۔"

"اس کا آفس بھی تو بند ہو گا۔"

"فکر نہ کرو.... میں اس کی رہائش گاہ سے واقف ہوں۔ روشن محل میں رہتا ہے۔"

"افسوس اتوار بھی ہاتھ سے گیا۔" حمید سر پیٹ کر بولا۔

"چلو اٹھو! بکواس کرنے کی ضرورت نہیں۔" فریدی گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔ "کپڑے تبدیل کرنے کے لئے صرف آدھا گھنٹہ دے سکتا ہوں۔"

حمید چیختا چلاتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

روشن محل شہر کی ایک عظیم الشان عمارت تھی اور اس میں ملک کا سب سے بڑا لوہے کا تاجر جمیل خاور رہتا تھا۔

فریدی اور حمید کو زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ملازم نے انہیں روشن محل کی شاندار عمارت میں پہنچا دیا۔ وہاں شائد دس منٹ تک انہیں خاور کی آمد کا انتظار کرنا پڑا۔

حمید نے اسٹڈی میں داخل ہونے والے انسان نما تودے کو بڑی حیرت سے دیکھا۔ خاور کا قد ٹ سے زیادہ نہیں تھا۔ مگر پھیلاؤ.... خدا کی پناہ....!

چلنے کا انداز ایسا تھا جیسے پیروں میں چھوٹے چھوٹے پہیے لگے ہوں اور وہ چلنے کی بجائے پھسل

"آ.... فوں.... آ.... فوں....!" وہ صوفے پر گر کر ہانپتا ہوا بولا۔ "فرمایئے کرنل ب.... آفوں.... کیسے تکلیف.... فرمائی.... آفوں.... آ.... فوں۔"

"میں نے ریڈیو پر آپ کا اعلان سنا تھا۔"

"اوہ.... بہت.... آفوں.... شکریہ.... آپ نے توجہ فرمائی.... آ.... فوں.... خوش آئے میری.... آ.... فوں۔"

"غالباً یہ انگشتری آپ کی ہے۔" فریدی نے جیب سے انگشتری نکال کر اسے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں.... میری ہے۔" وہ اسے الٹنے پلٹنے لگا۔ پھر جلدی سے بولا۔ "اوہ سوٹ کیس مل گیا ہے۔"

فریدی نے حمید کی طرف دیکھا اور اس نے قمیضوں کا بنڈل فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

"اور یہ قمیضیں بھی غالباً آپ ہی کی ہیں۔" وہ تہہ کی ہوئی قمیضیں اس کے پیر فرش پر ڈالتا ہوا بولا۔

"میں یہ سب نہیں۔ کاغذات چاہتا ہوں کرنل صاحب.... آ.... فوں.... ہیں اور اسی سوٹ کیس.... آ.... فوں.... میں تھیں.... میں بھلا آپ کو انعام دے کیا کروں گا.... البتہ آپ کا احسان.... زندگی بھر یاد رہے گا۔"

"مجھے افسوس ہے کہ مجھے صرف یہی چیزیں مل سکی ہیں۔ سوٹ کیس یا کاغذات سے نہیں گذرے۔"

"پھر یہ چیزیں آپ کو کیسے ملیں.... آفوں.... فوں۔"

"ایک نوزائیدہ بچہ انہیں قمیضوں میں لپٹا ہوا پڑا پایا گیا تھا اور انگشتری بھی انہیں قمیضوں

"نوزائیدہ بچہ۔" خاور حیرت سے منہ اور آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔ کمرے کے سکوت کی مسلسل "آ.... فوں" گونج رہی تھی۔

"جی ہاں.... یہ پچھلی رات کی بات ہے۔ کسی نامعلوم آدمی نے بچے کو کیپٹن حمید کے ڈال دیا تھا۔"

"ڈالا بھی تو آپ ہی لوگوں کی کار میں۔ خدا کی پناہ۔" خاور نے دونوں ہاتھوں سے

"آپ کا سوٹ کیس کن حالات میں کھویا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"ریلوے اسٹیشن سے.... میں کل شام کو تار جام سے واپس آیا تھا۔ گھر پہنچ کر وہی سوٹ کیس غائب ہے جس میں بہت ہی ضروری قسم کے کاغذات تھے۔"

"اس نوزائیدہ بچے کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

خاور نے اس کا جواب فوراً ہی نہیں دیا۔ وہ فریدی کو غور سے دیکھ رہا تھا اور اس

طرح جھپک رہی تھیں جیسے وہ اس سوال پر غور کر رہا ہو۔

"کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کا تعلق میری ذات سے ہوگا۔" اس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"نہیں! میں قبل از وقت کچھ نہیں سمجھتا۔ بات دراصل یہ ہے کہ میں اس واقعے کی تحقیقات کر رہا ہوں۔"

"میں اس نوزائیدہ بچے کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ شائد کوئی مجھے پھانسنے کی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن یہ اس کی خام خیالی ہے۔ میں نہیں پھنس سکتا۔ پہلے میں سمجھا تھا شائد سوٹ کیس کاغذات کے لئے اڑایا گیا ہے.... مگر اب.... میرے خدا....!"

وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا.... پھر بے چینی سے پہلو بدل کر اپنے گالوں پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ "میں معاملات کی تہہ تک پہنچ رہا ہوں۔"

"کیسے معاملات.... اگر بہت زیادہ نجی نہ ہوں تو مجھے بھی آگاہ کیجئے۔"

"آگاہ کرنا ہی پڑے گا۔ یقیناً مجھ پر کوئی بڑی مصیبت نازل ہونے والی ہے۔"

وہ پھر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ حمید اس کے چہرے میں ایک خاص بات محسوس کر رہا تھا۔ وہ یہ کہ اس کے چہرے سے جذباتی تغیر کا اظہار قطعی نہیں ہوتا تھا۔

"میں بہت بدنصیب آدمی ہوں۔" خاور نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "اور کوئی میری اس بدنصیبی سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ کہنے کا مطلب یہ کہ میں لاولد ہوں۔ دوسری بات ابھی حال ہی میں دو سال کی طویل رنجش کے بعد میری بیوی یہاں آنے پر راضی ہوئی ہے شائد دو یا تین دن بعد آجائے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ بات بھی کسی کو ناگوار گذری ہو۔ وہ نہ چاہتا ہو کہ ہم دونوں صلح و آشتی کی زندگی بسر کر سکیں۔"

"تو کیا وہ آپ کے ساتھ نہیں رہتیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی نہیں.... وہ دو سال سے مجھ سے الگ ہے۔ سعید آباد میں اپنے والدین کے ساتھ مقیم ہے۔ میں نے کبھی سختی نہیں کی۔ اس کے اخراجات بھی پورے کرتا رہا ہوں ہاں البتہ اس دو سال کے عرصے میں کبھی اُس سے ملنے کی کوشش نہیں کی۔"

"اور اب وہ خود ہی آنا چاہتی ہیں یا اسکی تحریک آپ کی طرف سے ہوئی ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"دیکھئے.... میں نے ہمیشہ یہی چاہا ہے کہ ہم دونوں میں رنجش باقی نہ رہے لیکن وہ ذرا تیز

مزاج کی ہے۔ قوت برداشت بالکل نہیں رکھتی۔ میں بہت نرمی سے پیش آتا ہوں اس سے بھی.... خیر چھوڑیئے۔"

وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔" فریدی نے اُسے ٹوکا۔

"کس سوال کا....؟"

"یہی کہ وہ خود سے آنا چاہتی ہیں یا آپ نے اس پر زور دیا۔"

"نہیں وہ خود ہی آنا چاہتی ہے۔"

"بہر حال آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کوئی یا تو اپنا بچہ آپ کے سر تھوپنا چاہتا ہے یا یہ چا کہ آپ دونوں کے تعلقات طلاق پر ختم ہو جائیں۔"

"ٹھیک بالکل یہی بات ہے کرنل صاحب۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ اس کیس کی تفتیش کر ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ کوئی میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔"

"کیا آپ اپنے کسی ایسے دشمن کا پتہ بتا سکتے ہیں جس کی طرف سے آپ کو اس قسم خدشات لاحق ہوں۔"

"ہاں میں بتا سکتا ہوں۔ لیکن آپ اُس پر میرا نام نہ ظاہر کیجئے گا۔"

"یہ میرے محکمے کا مخصوص ترین اصول ہے۔"

"اچھا تو سنئے.... وہ میرا سوتیلا بھانجا ضیغم ہے۔ اسٹار سرکس کا مالک۔ جانوروں کی صحبت خود بھی جانور ہو گیا ہے۔ مجھ سے خدا واسطے کا بیر رکھتا ہے۔ اور یہ بات بھی کھلی ہوئی ہے کہ میں لاولد مر جاؤں تو میرے ترکے کا مالک وہی ہو گا۔"

"ضیغم....!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر خاور سے بولا۔ "اچھا جناب۔ فی الحال یہ اور انگشتری میرے ہی پاس رہیں گی۔" فریدی بولا۔

"ضرور ضرور.... شوق سے.... میں بھی آپ سے ملتا رہوں گا۔"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ جب میں مناسب سمجھوں گا خود ہی مل لوں گا۔"

اس دوران میں حمید بڑی توجہ اور دلچسپی سے خاور کو دیکھتا رہا تھا اور اب وہ ایک بار پھر کے چلنے کا منظر دیکھنا چاہتا تھا۔ لیکن خاور ان کی روانگی کے وقت بھی صوفے سے نہ اٹھا۔ بیٹھے

بیٹھے معافی کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔

واپسی پر حمید بُری طرح قہقہے لگا رہا تھا۔ آخر اس نے کہا۔

"کمال ہے.... اور مجھے اپنی قسمت پر بھی رونا آ رہا ہے کہ اس شہر کا باشندہ ہونے کے باوجود بھی میں قارون کے مقبرے کی زیارت نہ کر سکا تھا۔"

"قارون کے مقبرے کی داد نہیں دی جا سکتی حمید۔" فریدی تحسین آمیز لہجے میں بولا۔ اس کے لئے اس سے بہتر تشبیہ کوئی دوسری نہیں ہو سکتی۔ بعض اوقات تمہاری ذہانت کا بھی قائل ہونا پڑتا ہے۔"

"اور یہ مقبرہ بد تمیز اور بد اخلاق بھی ہے۔" حمید چہک کر بولا۔

"نہیں.... یہ بات تو نہیں۔"

"ہے کیوں نہیں.... اُسے کم از کم کھڑے ہو کر ہم سے مصافحہ کرنا چاہئے تھا۔"

"اوہ.... تم دراصل اُس بیچارے کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے۔ وہ خود سے کھڑا ہی نہیں ہو سکتا۔ جہاں بیٹھ گیا بیٹھ گیا۔ پھر دو تین نوکر مل کر اُسے اٹھاتے ہیں۔ ہمارے چلے آنے کے بعد نوکروں نے اٹھایا ہو گا۔"

"ہمارے مقدر میں بھی عجوبے ہی لکھے ہوئے ہیں۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ مگر اس متعلق آپ کے خیالات کیا ہیں۔

"اس واقعے سے اس کا کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔ اگر یہ بات ہوتی تو وہ اپنی قمیض نہ تبدیل کرتا۔ اور اگر سہواً ایسا ہو بھی گیا ہوتا تو سوٹ کیس کی گمشدگی کا اعلان کبھی نہ کراتا۔"

"اوہ ٹھیک یاد آیا۔ آپ نے ان کاغذات کے متعلق اس سے کچھ نہیں پوچھا۔"

"وہ میرے لئے غیر ضروری ہیں۔"

"اچھا اگر اس نے محض بکواس کی ہو تو۔"

"تب بھی میرے موجودہ رویے سے کیس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ میں تو صرف یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ انگشتری اور قمیض اسی کی ہیں یا نہیں۔"

"اچھا.... اب.... دوسرا قدم۔"

"فی الحال ہم اس ہسپتال تک جائیں گے جہاں وہ بڑھیا زیر علاج ہے۔"

"اوہ.... ہاں.... آپ کو سب سے پہلے اُسی سے ملنا چاہئے تھا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔

"ضیغم کو جانتے ہو۔"

"جانا چہ معنی دارد! کئی بار سوچ چکا ہوں کہ اسے دو چار دن کے لئے بند کرادوں۔"

"کیوں؟"

"پرلے سرے کا بدتمیز اور شیخی خورہ ہے۔ اس طرح سینہ تان کر چلتا ہے جیسے اُس کی ٹکر آج تک کوئی پیدا ہی نہ ہوا ہو۔ طاقت پر بڑا گھمنڈ ہے۔ لڑکیوں کے سامنے خاص طور سے شیخیاں بگھارتا ہے۔ بڑے فخر سے کہتا ہے کہ شیروں سے کشتی لڑنا اس کا محبوب ترین مشغلہ ہے۔"

"وہ غلط تو نہیں کہتا۔"

"سرکس کے شیر اور باربرداری کے گدھے میں کیا فرق ہوتا ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"لیکن آخر تمہیں اُس سے اتنی پرخاش کیوں ہے۔"

"بس ہے.... وجہ میں خود نہیں جانتا۔"

"وجہ یقیناً کوئی لڑکی ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ اسی کے سرکس کی کوئی لڑکی ہو۔"

"لڑکیوں کی وجہ سے کسی سے پرخاش رکھنا میرا شیوہ نہیں۔ یہ تو ایسی ہی بات ہوئی کہ اگر مجھے کبھی کسی بس پر جگہ نہ ملے تو میں بس کنڈیکٹر کا دشمن ہو جاؤں۔"

"اچھا بس! اب اس بات کو یہیں ختم کردو۔ ورنہ تمہیں بکواس کے لئے موضوع مل جائے گا۔ میں خاموشی کے موڈ میں ہوں۔"

حمید بُرا سا منہ بنا کر کار کے باہر دیکھنے لگا۔ لیکن پھر جلد ہی پلٹ کر بولا۔

"ضیغم سے کب مل رہے ہیں۔"

"اگر ضرورت سمجھی تو ملوں گا ورنہ نہیں۔"

حمید خاموش ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ سول ہسپتال پہنچ گئے.... لیکن انہیں ایک غیر متوقع خبر سے دوچار ہونا پڑا.... بڑھیا مر چکی تھی۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ اسے گلا گھونٹ کر بیہوش کیا گیا تھا اور غالباً اسی بنا پر اسکے پھیپھڑوں کی بعض رگیں پھٹ گئی تھیں۔ صبح تک ناک اور منہ سے خون جاری رہا تھا۔

وہ چل بسی تھی۔ ڈاکٹر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پولیس اس کا بیان لینے میں ناکام رہی تھی۔

بعد فریدی نے ان نرسوں سے پوچھ گچھ شروع کی جو رات بھر اس کے قریب رہی تھیں۔

ں کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں تھی۔" میٹرن نے فریدی کو بتایا۔ "ہوش اور بیہوشی کی کش

ں بھر جاری رہی تھی اور وہ بے تحاشہ ہذیان بکتی رہتی تھی۔"

ذکرو....!" فریدی بولا۔ "کیا کہتی تھی۔"

بے تکی باتیں.... مثلاً.... ارے ارے.... پاگل ہوئے ہو.... نکل جاؤ یہاں سے۔

.... کیمرہ ہٹا لے جاؤ.... زیادہ تر وہ یہی چیختی تھی.... کیمرہ ہٹاؤ.... بے شرم کہیں کے

رہ ہٹاؤ۔"

دوسرے دلائل

وڑی دیر بعد وہ پھر سڑکیں ناپ رہے تھے۔ لیکن شائد اس وقت ان میں سے کوئی بھی

ے موڈ میں نہیں تھا۔ دونوں ہی بڑھیا کے ہذیان میں الجھے ہوئے تھے

اب کیا ارادہ ہے۔" تھوڑی دیر بعد حمید نے پوچھا۔

سوچ رہا ہوں کہ ضیغم سے بھی مل لوں۔"

اچھا یہ بتایئے کیا آپ بڑھیا کے ہذیان کو اہمیت دے رہے ہیں۔"

اہمیت دی بھی جا سکتی ہے اور نہیں بھی۔"

واضح بات۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "واضح ترین بات یہ ہے کہ ابھی یہ کیس خود

ہی ذہن میں صاف نہیں ہے۔ کئی الجھاوے ہیں۔ کئی سوالات ہیں.... بے شمار۔"

"آج آپ کوئی واضح بات نہیں کہہ رہے ہیں۔"

اس نے بات ادھوری ہی چھوڑ دی۔

"ہائے! آج اتوار ہے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "دفتر کے چپراسی بھی آج ہنی

منا رہے ہوں گے.... لیکن میں نابکار....!"

اس نے بھی جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ فریدی نے لفظ "بے شمار" پر تان توڑی تھی اور حمید نے

"پر اختتام کیا۔

مگر فریدی اس طرح خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ اُسے حمید کی آواز بھی نہیں سنائی دی تھی۔

تھوڑی دیر بعد اس نے چونک کر کہا۔ "نہیں.... وہ ضیغم نہیں ہو سکتا۔ مرد کا جو طریقہ جانا ہے کسی طرح بھی ضیغم اس پر پورا نہیں اترتا۔"

"میک اپ سرکار....!" حمید بولا۔ "ضیغم بڑا اچھا بہروپیا ہے۔"

"اتنا اچھا بھی نہیں ہے کہ اپنے سر کی مخصوص بناوٹ کو چھپا لے جائے۔ اُس کا پورا جسم اس قابل نہیں ہے کہ اس پر کامیاب قسم کا میک اپ کیا جا سکے۔ لہٰذا وہ اس قسم کا خطرہ مول ہی نہیں سکتا۔"

"تب تو پھر مجھے کہنے دیجئے کہ آپ حشر تک اصل مجرم کا پتہ نہ لگا سکیں گے۔"

"کیوں....؟"

"ظاہر ہے کہ اب مجرم عام آدمیوں کی بھیڑ میں گم ہو گیا ہوگا۔ خاور بھی بتائے ہوئے نہیں ہے۔ رہ گئی عورت تو.... اس کا ملنا بھی محال ہے۔ میں تو یہ عرض کروں گا کہ اس کیس کو اپنے ہاتھ میں لے کر گذشتہ کارناموں پر خاک نہ ڈالئے۔ اس قسم کی چوری چکاری کے کیس پولیس ہی کے لئے مناسب ہیں۔"

"حمید! یہ کیس سول پولیس کے بس کا نہیں ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔ ایسے ہی درجنوں کیس ہیں جن میں پولیس آج تک ناکام رہی ہے میں آئے دن نوزائیدہ بچے زندہ یا مردہ شاہراہوں پر پڑے پائے جاتے ہیں۔ لیکن پولیس ایک فیصدی کامیابی بھی پولیس کے حصے میں آئی ہے؟"

"ٹھیک ہے! لیکن اس کیس کی نوعیت ہی الگ ہے۔"

"کیس آپ کے ذہن میں صاف بھی نہیں ہے اور آپ اس کی نوعیت سے بھی واقف عجیب بات ہے.... اُر.... ہا.... کتنا حسین چہرہ گذر گیا ایسے موقعوں پر گاڑی کی رفتار ذرا کم کر دیا کیجئے۔"

"کیس کی نوعیت۔" فریدی اس کی بکواس پر دھیان دیئے بغیر بولا۔ "اچھا سنو گنبد ضرور ہے لیکن اس کی بالائی منزل خالی نہیں معلوم ہوتی۔ وہ ایک حد تک کافی چالاک ہے۔ اگر یہ حرکت اس کی ہوتی تو وہ اُسے اپنی قمیضوں میں لپیٹ کر نہ پھینکتا۔ اور اگر ایسی حماقت بھی جاتی تو وہ اپنے گمشدہ سوٹ کیس کے متعلق ہرگز اعلان نہ کراتا۔ اچھا چلو خود اسی کے

15

طابق فرض کر لو کہ کوئی اسے پھنسانا چاہتا ہے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھنسانے کا مقصد سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ بچہ غیر قانونی ہی ہونے کی بناء پر پھینکا گیا تھا۔ اگر پھینکنے والا اسے کے سر تھوپنا چاہتا ہے تو وہ پرلے سرے کا احمق ہے کیونکہ وہ غیر قانونی بچہ خاور کی دولت یک حبہ کا بھی مستحق نہیں ہو سکتا اور اگر وہ اس طرح خاور سے کچھ روپیہ اینٹھنا چاہتا ہے تو یہ ں کی خام خیالی ہے۔ اس واقعہ کے پولیس کے علم میں آ جانے کے بعد وہ اس سے ایک کوڑی صول نہیں کر سکتا۔ پھر اس نے یہ حرکت کیوں کی۔"

"اُسے اگر اس بات کا علم ہوتا کہ خاور سوٹ کیس کی گمشدگی کا اعلان کرا دے گا تو شائد وہ دوسرا طریق کار اختیار کرتا۔" حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔

"ہاں بات معقول ہے۔ اسے تسلیم کیا جا سکتا ہے ممکن ہے اسے علم نہ رہا ہو کہ اسی سوٹ میں کپڑوں کے علاوہ کچھ ایسے کاغذات بھی ہیں جو بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں اور ان کی گی خاور کو اعلان کرانے پر مجبور کر سکتی ہے۔ لیکن یہ تو سوچو کہ اعلان نہ ہونے کی صورت لیا پولیس خاور تک پہنچ سکتی تھی؟"

"قطعی پہنچ سکتی تھی۔" حمید نے کہا۔ "اور یہ خود آپ کی کہی ہوئی بات ہے کہ جس ٹیلرنگ پ میں قمیضیں تیار کی گئی ہیں اسی کے ذریعہ خاور کا پتہ معلوم کیا جا سکتا ہے۔"

"لیکن اگر اس نے یہ حرکت پولیس کے علم میں لانے ہی کے لئے تھی تو پھر اس کی افادیت ختم ہو جاتی ہے۔"

"کیوں....؟"

"ذرا کھوپڑی استعمال کرو۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

"کثرت استعمال کی بناء پر اب وہ استعمال کے قابل ہی نہیں رہ گئی ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ کیا تم اتنا نہیں سوچ سکتے کہ مجرم کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ وہ اس صورت میں پہنچتا جب وہ اسے تمہاری کار میں پھینکنے کی بجائے خاور کی کوٹھی میں پھینکتا عورت اُسے خاور کا بچہ ثابت کر کے اس کا اعلان کر دینے کی دھمکی دیتی۔ اس طرح وہ خاور سے کافی روپیہ اینٹھ سکتے تھے۔"

"چلئے میں اسے تسلیم کئے لیتا ہوں کہ اس جرم کا یہ مقصد نہیں ہو سکتا۔" حمید نے کہا۔

"لیکن خاور نے تو ایک بات اور کہی تھی.... یعنی اس طرح کوئی دشمن اس کی بیوی کو اس سے
ہی رکھنا چاہتا ہے۔"

"اس مسئلے پر تو ابھی گفتگو ہی نہیں کی جا سکتی۔"

"کیوں....؟"

"ہم اس کی بیوی کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ نہ ہمیں یہی معلوم کہ ان دونوں کے درم
میں ناچاقی کی وجہ کیا ہے۔"

"اسے معلوم کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔"

"قطعی ہے.... اگر ناچاقی کی وجہ خاور کی جنسی بے راہ روی ہے تب تو اس واقعے کا اثر
کے تعلقات پر پڑ سکتا ہے۔ ورنہ نہیں.... سینکڑوں آدمی روزانہ اس قسم کی حرکتیں کیا کرتے
لیکن ان کی بیویاں اس بناء پر ان سے قطع تعلق نہیں کر لیتیں۔"

"تو اب آپ اس کی بیوی کی بھی ہسٹری کھنگالیں گے۔"

"یقیناً وہ تو کرنا ہی پڑے گا.... جرم کا مقصد معلوم کئے بغیر جرم کا سراغ مشکل ہی سے ملتا ہے۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد کیڈی اسٹار سرکس کمپنی کے آفس کے سامنے رک
گئی۔ یہ دفتر اتوار کو بھی کھلا رہتا تھا۔ ضیغم دفتر ہی میں موجود تھا۔

اس کی عمر چالیس کے قریب رہی ہوگی۔ لحیم شحیم اور ورزشی جسم کا آدمی تھا۔ جبڑوں
بھاری پن کے مقابلے میں اس کا سر اتنا چھوٹا تھا کہ غیر متناسب معلوم ہوتا تھا ہونٹ پتلے اور ان
کی طرف دھنسے ہوئے تھے۔ رنگت سفید لیکن صحت آمیز سرخی کی حامل تھی۔ جب وہ گفتگو کر
تو اس کے سارے دانت پورے طور پر نمایاں ہو جاتے۔ سفید اور چمکیلے دانت لیکن اسے گفتگو
کرتے دیکھ کر کسی ایسے بھیڑیئے کا تصور ذہن میں ضرور پیدا ہوتا تھا جو اپنے شکار کی ہڈیاں چبا
ہو۔ اس کے لہجے میں بھی عموماً بڑی تلخی ہوا کرتی تھی.... ظاہری بناوٹ کے ساتھ ہی ساتھ ان
کی ذہنی ساخت بھی عجیب تھی.... اس کی کھوپڑی میں یہ خیال برف کی طرح منجمد ہو کر رہ گیا
کہ وہ دنیا کے ہر آدمی کو طاقت سے زیر کر سکتا ہے۔

فریدی اور حمید کو دیکھ کر اس نے بہت بُرا سا منہ بنایا۔

فریدی جو بشرہ شناسی میں ماہر تھا جلدی سے بولا۔ "ہم دراصل ایک انکوائری کے سلسلے میں

ہیں۔"

"جب آپ جیسے حضرات انکوائری کے سلسلے میں آئیں تو معاملہ بڑا ہی ہو سکتا ہے....
ٹ!" ضیغم ان کی طرف سگریٹ کیس بڑھاتا ہوا بولا۔

"شکریہ....! میں سگار پیتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "کیا آپ آئرن پرنس مسٹر خاور کے
چلن کے متعلق کچھ بتا سکیں گے۔"

"خاور کا چال چلن!" ضیغم نے حیرت سے کہا۔ پھر بے تحاشہ ہنس پڑا۔ اس کا نہ ختم ہونے
والا قہقہہ کسی لکڑ بگھے کی غراہٹ سے بہت زیادہ مشابہت رکھتا تھا۔

"خدا کی شان ہے کہ اب خاور جیسے لوگ بھی چال چلن کے قابل ہونے لگے۔" اس نے کچھ
دیر بعد کہا۔

فریدی اس کے جواب میں کچھ نہیں بولا۔ شائد یہ بات ضیغم کے لئے خلاف توقع تھی۔ وہ
انداز میں فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے اپنے جملے پر فریدی کا ریمارک سننے کا متمنی ہو۔

پھر اس نے خود ہی کہا۔ "لیکن آپ نے اس کے چال چلن کی تصدیق کرنے کے لئے اس
رکو کیوں منتخب فرمایا ہے۔" اسکے لہجے میں تلخی کے ساتھ ہی ساتھ ایک قسم کا چیلنج بھی تھا۔

"محض اسلئے کہ آپ دونوں کے تعلقات خوشگوار نہیں ہیں۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"تب پھر میں اس کے خلاف غلط باتیں بھی کہہ سکتا ہوں۔"

"غلط باتوں میں بھی کچھ درست ہوتی ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اور مجھ میں اتنا سلیقہ
ہ میں اپنے کام کی باتیں منتخب کر سکوں۔"

"بات کیا ہے؟" ضیغم فریدی کو گھورنے لگا۔

"نہایت اہم! پچھلی رات کو ہمیں ایک نوزائیدہ بچہ ملا ہے جسے چند قمیضوں میں لپیٹ کر کہیں
دیا گیا تھا.... اور وہ قمیضیں خاور کی ہیں۔"

"کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ قمیضیں خاور ہی کی ہیں۔"

"مجھے یقین ہے.... صرف مجھے ہی نہیں خاور کو بھی یقین ہے کہ وہ قمیضیں اسی کی ہیں۔"

ضیغم بے تحاشہ ہنس پڑا۔ وہ کافی دیر تک ہنستا رہا.... حمید دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا
کیونکہ اس کے ہنسنے کا انداز بڑا توہین آمیز تھا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی نادان

بچے کی حماقت آمیز گفتگو پر قہقہے لگا رہا ہو۔

فریدی کے رویے میں البتہ کسی قسم کا بھی تغیر نہیں واقع ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر
آثار تھے اور آنکھوں سے بے تعلقی جھلک رہی تھی۔

"اب میں سمجھ گیا۔" ضیغم بدستور ہنستا ہوا بولا۔ "آپ اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔"

"کیوں! وقت کیوں ضائع کر رہا ہوں۔"

"آپ خاور کے حالات سے واقف نہیں۔ وہ اس بچے کا باپ ہرگز نہیں ہو سکتا اس
بننے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ لیکن یہ حرکت بھی اس کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی۔"

"آپ دو متضاد باتیں کہہ رہے ہیں۔"

"اُوبابا! وہ بچہ کسی اور کا ہوگا۔ خاور اسے اپنا ظاہر کرنا چاہتا ہے۔"

"یعنی خود ہی اپنی گردن پھنسوانا چاہتا ہے۔" فریدی نے حیرت ظاہر کی۔

"بھلا اس کی گردن کیا پھنسے گی۔ دو چار ہزر روپے دے کر معاملہ برابر کرالے گا
ہے بابا۔"

"لیکن وہ یہ سب کچھ کرے گا ہی کیوں؟ کیا اس میں اس کی بدنامی نہیں۔"

"بدنامی....!" ضیغم ہنس پڑا۔

"کیا لفظ بدنامی پر آپ کو ہنسی آ رہی ہے مسٹر ضیغم۔" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

"نہیں کیپٹن حمید مجھے آپ لوگوں کی سنجیدگی پر ہنسی آ رہی ہے۔"

"اور مجھے آپ کی عقل پر رونا آ رہا ہے۔" حمید بولا۔

فریدی نے سوچا اگر بات بڑھ گئی تو وہ بہتیری باتیں نہ معلوم کر سکے گا اس لئے وہ
بول پڑا.... "خاور نے مجھے بتایا ہے کہ آپ اسے پھنسانا چاہتے ہیں۔"

"کیا....؟" ضیغم فریدی کی طرف پلٹ پڑا۔ "میں اسے پھنسانا چاہتا ہوں۔ ا
خراب ہو گیا ہے.... میں اسے پھنساؤں گا.... وہ کتے کا پلا ہے۔"

"نہیں وہ تو ہاتھی کا بھی ابا ہے۔" حمید ہنس پڑا۔

"کیپٹن حمید میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔" وہ پھر حمید کی طرف پلٹ پڑا
اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتا رہا پھر فریدی سے بولا۔ "اگر مجھے اُس سے نپٹنا ہی

پڑے گا تو ایک ہی گھونسے میں اس کا سڑا ہوا مغز ناک کے راستے بہہ جائے گا۔"

"مجھے علم ہے کہ آپ بہت طاقت ور ہیں۔" فریدی اُسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"ٹھہریئے۔" ضیغم سنجیدگی سے بولا۔ "میں بتاتا ہوں کہ اس کی چال کیا ہے۔"

وہ چند لمحے کچھ سوچ سوچ کر سر ہلاتا رہا پھر بولا۔ "آپ جانتے ہیں کہ اس کی بیوی اس سے
ہے۔"

"مجھے علم ہے۔"

سنجیدگی کی وجہ بھی جانتے ہیں۔" ضیغم نے پوچھا۔

"نہیں اس کا مجھے علم نہیں۔"

"خاور کافی دولت مند آدمی ہے۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں۔"

"یہ بھی جانتا ہوں۔"

"پھر اس کی بیوی اس کے ساتھ کیوں نہیں رہتی۔"

"ممکن ہے مزاجوں میں ہم آہنگی نہ ہو۔"

"مزاجوں میں تو بڑی ہم آہنگی ہے جناب۔" ضیغم مسکرا کر بولا۔ "اتنی ہم آہنگی کہ آپ
کو بھی عورت ہی سمجھ سکتے ہیں۔ مگر عورت.... بیوی نہیں بلکہ شوہر چاہتی ہے۔"

"اوہ.... اچھا.... اچھا۔" فریدی اس طرح آنکھیں پھاڑ کر سر ہلانے لگا جیسے اصل بات اس
سمجھ میں اب آئی ہو۔

ضیغم نے پھر ایک زور دار قہقہہ لگایا لیکن اس بار وہ جلد ہی سنجیدہ ہو کر بولا۔ "کچھ بھی ہو
کو ایک ایسی ہستی کی ضرورت یقیناً محسوس ہوتی ہوگی جو اس کی دیکھ بھال کر سکے۔ وہ چاہتا ہے
اس کی بیوی پھر واپس آ جائے۔"

ضیغم خاموش ہو کر سگریٹ سلگانے لگا۔

پھر کچھ دیر بعد بولا۔ "اسے واپس لانے کیلئے خاور کے پاس آخری حربہ یہی رہ گیا تھا۔ یہ
رہائی بھی اس کیلئے فائدہ مند ثابت ہوگی۔ میرا خیال ہے کل کے اخبارات میں یہ خبر آ جائے گی۔"

"ضروری نہیں ہے۔"

"اوہ.... تب تو اس کے سارے کئے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔ نہیں فریدی صاحب اس کی

پبلسٹی ضرور ہونی چاہئے۔"

"کیوں....؟"

"تاکہ اس کی بیوی واپس آجائے۔" ضیغم نے اپنے مخصوص انداز میں قہقہہ لگایا۔

"اوہ.... تو آپ بھی یہی چاہتے ہیں کہ وہ واپس آجائے۔"

"نہیں....!" ضیغم سنبھل کر بولا۔ "بھلا مجھ سے کیا غرض۔ لیکن میں بعد کے مث
حالات سے ضرور لطف اندوز ہونا چاہتا ہوں۔"

"بعد کے حالات سے کیا مراد ہے۔"

"ممکن ہے کہ وہ اس خبر پر چلی ہی آئے.... لیکن پھر.... آپ بچے تو نہیں ہیں کرنل

"نہیں انہیں ان معاملات میں بچہ ہی سمجھئے۔" حمید بول پڑا۔ "ابھی ان کی شادی نہیں ہوا

"خوب خوب....!" ضیغم سر ہلا کر مسکرانے لگا۔

"مگر مسٹر ضیغم! اس نے بچہ کہاں سے مہیا کیا ہوگا۔" فریدی نے پوچھا۔ اس نے حمید کے ریمارک کو اس طرح نظر انداز کر دیا تھا جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو۔

"دولت سب کچھ مہیا کر سکتی ہے کرنل۔ اور پھر اس طرح بچے کے ضائع ہو جانے کا کوئی امکان نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس نے اسے کسی ایسی ہی جگہ پھینکوایا ہوگا جہاں سے وہ جلد لیا جا سکے۔ بچے کے والدین کو بھی اطمینان ہی ہوگا۔ انہیں دو چار ہزار روپے بھی مل گئے گے اور ان کا بچہ اس وقت کسی سرکاری پرورش گاہ میں محفوظ ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ خاور کے لئے اپنے کسی ملازم ہی کو منتخب کیا ہو۔ نہیں کرنل یہ سارا معاملہ بالکل آسان ہے مگر ذہانت کی بھی داد دینی ہی پڑے گی۔ میں اب تک اسے صرف ایک فرسٹ کلاس گاؤدی تصو تھا۔ مگر اب مجھے اپنی رائے بدلنی پڑے گی۔"

فریدی بڑی سنجیدگی سے اس کی گفتگو سن رہا تھا۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس۔

"مسٹر ضیغم! اگر میں آپ سے نہ ملتا تو مجھے بڑا افسوس ہوتا۔ آپ نے معاملے کو بالکل ہی کر دیا۔ مجھے تو آپ کی ذہانت پر حیرت ہے۔"

"کیوں؟ ہے نا....!" ضیغم نے قہقہہ لگایا۔ "مگر یہ بیچارے کی بدنصیبی ہے کہ کمبخ جیسے ذہین آدمی کے ہاتھ میں آگیا ہے۔ بھئی میری رائے تو یہ ہے کہ اس معاملے کو ا

ہے گا۔ ورنہ ابھرے بغیر اس بیچارے کا مقصد حل نہیں ہوگا.... واہ بھئی خوب رہی۔"

ضیغم پھر ہنسنے لگا۔

کیکوا کندا

فریدی چند لمحے غور سے ضیغم کو دیکھتا رہا پھر بولا۔ "مگر مسٹر ضیغم جب آپ یہ سوچ سکتے ہیں کی بیوی بھی کیوں نہ یہی نتیجہ اخذ کر سکے گی۔"

اس سوال پر ضیغم سٹپٹا گیا۔ لیکن اس نے اس تغیر کو پھر ایک بناوٹی قہقہے میں چھپانے کی ما کی۔

"اوہ....! اگر اُس نے بھی یہی سوچا تب تو پھر میں اس سچویشن سے محظوظ نہ ہو سکوں گا۔ وئی اسے یقین دلا دیتا۔"

"خاور سے آپ کا کیا رشتہ ہے۔"

اس سوال پر ضیغم اسے گھورنے لگا۔

"کیوں کرنل! کیا اب میرا مضحکہ اڑانے کا ارادہ ہے۔" اس نے تلخ لہجے میں فریدی سے پوچھا۔

"قطعی نہیں! میں نے تو صرف رشتہ پوچھا تھا۔"

"اچھا تو سنئے!" ضیغم نے گرج کر کہا۔ "ہم میں یہی رشتہ ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے نا ہیں۔"

"اوہ.... آپ نے تو عربی طرز کی رجزیہ شاعری شروع کر دی۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"آج شاعری کر رہا ہوں اور کسی دن ایک خونی ڈرامہ اسٹیج کروں گا۔" ضیغم میز پر گھونسہ مار دلا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"تو سمجھ لیجئے! خاور میرے ہی ہاتھوں مارا جائے گا۔"

"آپ ایک ذمہ دار آفیسر کے سامنے گفتگو کر رہے ہیں۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"مجھے اس کی پرواہ نہیں۔"

تو پھر اسے یاد رکھئے کہ اگر خاور قدرتی موت بھی مرا تو میرا محکمہ اس میں دلچسپی لئے بغیر نہ

رہ سکے گا۔

"آپ کا محکمہ۔" ضیغم حقارت آمیز قہقہے کے ساتھ بولا۔ "میں نے اب تک دس خون ہیں۔ لیکن پھر بھی اس وقت ایک آزاد شہری کی حیثیت سے آپ سے گفتگو کر رہا ہوں۔"

"واقعی کمال ہے۔" حمید ہنس پڑا اور ضیغم جھلا کر بولا۔

"میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔ ثبوت مہیا کیجئے اور میرے ہتھکڑیاں لگا دیجئے۔"

"اچھا میں خیال رکھوں گا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "ذرا اس کیس سے فرصت مل جائے تو

"ضرور کوشش کیجئے گا۔" ضیغم تلخ لہجے میں بولا۔

فریدی اور حمید اٹھ گئے۔

واپسی پر حمید نے راستے میں کہا۔ "کہئے اب کیا خیال ہے اس جانور کے متعلق۔"

"اگر میں نے اسے سبق نہ دیا تو مجھے زندگی بھر افسوس رہے گا۔" فریدی بولا۔

"اچھا اس نے جو کچھ خاور کے متعلق کہا ہے اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔"

"فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"اچھا اب مجھے کہنے دیجئے۔"

"بکو....!"

"آپ نے کل رات والی لڑکی کو اصل واقعے سے کیوں آگاہ نہیں کیا۔"

"بکواس مت کرو۔"

"کم از کم اس کا پتہ ہی پوچھ لیا ہوتا...." حمید نے کہا۔

"پتہ.... پتہ تو مجھے معلوم ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ نہ جانے کیوں یک بیک اس کا ٹھیک ہو گیا تھا۔

"تو پھر بتا دیجئے نا۔" حمید بچوں کی طرح ٹھنک کر بولا۔

"اٹھارہ کنکس لین.... نام بھی بتا دوں۔"

"کاش آپ سچ مچ بتا دیں۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"زرینہ پرویز۔"

"ہائیں تو کیا شادی شدہ ہے۔"

"نہیں پرویز اس کے باپ کا نام ہے۔"

"شکر ہے پروردگار.... اور اس کے باپ کا بھی بہت بہت شکریہ وغیرہ۔"

"تو پھر تمہیں کنکس لین کے پاس اتار دیا جائے۔"

"ارے آج آپ اتنے مہربان کیوں ہیں۔"

"کبھی کبھی تم پر ترس بھی آتا ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں نہیں مان سکتا۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "کوئی بات ضرور ہے۔"

"کیا بات ہو سکتی ہے۔" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"اس طرح آپ کا کوئی کام بنتا ہو گا۔"

"میرے تو سارے کے سارے کام کسی نہ کسی طرح بن ہی جاتے ہیں حمید صاحب۔"

"کیا آپ اس لڑکی پر کسی قسم کا شبہ کر رہے ہیں۔"

"شبہ نہیں.... بھئی میں تو فی الحال تم سے پیچھا چھڑا کر کچھ سوچنا چاہتا ہوں۔"

"شکریہ شکریہ۔" حمید نے خوشی کا اظہار کیا۔

"اچھا اب اتر جاؤ۔" فریدی نے ایک جگہ کیڈی روک دی۔ "اگر ممکن ہو تو آج ضیغم کے رکس میں ضرور جانا۔"

"یہ بات کہی ہے آپ نے۔ اب میں اس کیس میں دل و جان سے دلچسپی لوں گا.... ہاہا ضیغم سے ٹکراؤ۔ مزہ آ جائے گا۔ میں بہت عرصہ سے اس کی گردن توڑنے کی فکر میں ہوں۔"

"حمید! سنجیدگی سے میرا ایک مشورہ سنو۔ ضیغم سے بھڑنے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری ردن کی ہڈیاں بھی بہت عزیز ہیں۔"

"آپ اس سے مرعوب ہو گئے ہیں۔"

"چلو یہی سمجھ لو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں ٹارزن یا زمبو کا بیٹا نہیں ہوں کہ ہر ایک پر ٹوٹ ہی آتا رہوں۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ سنگ ہی سے جیسے کیڑے نے مجھے عاجز کر دیا تھا۔"

"خیر میں آپ کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہ کروں گا۔" حمید نے کہا اور کیڈی سے اتر گیا۔

کیڈی فراٹے بھرتی ہوئی آگے نکل گئی۔

حمید چند لمحے سڑک کے کنارے ہی کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ پھر کنکس لین کی طرف مڑنے کی

سنسنی خیز جاسوسی کی داستان کے لئے جاسوسی دنیا کے ناول "نیلی لکیر" اور "خونی بگولے" ملاحظہ فرمائیے۔

بجائے ایک قریبی ریستوران میں گھس گیا۔

اتوار ہونے کی وجہ سے ریستوران میں کافی بھیڑ تھی۔ حمید کو ایک بھی میز خالی نہ مل سکی ویسے وہ یہاں بیٹھنے کے لئے نہیں آیا تھا۔ مقصد صرف یہ تھا کہ زرینہ پرویز سے ملنے سے ا ریستوران کے غسل خانے کے آئینے میں اپنے حلئے کا ایک بار جائزہ لے سکے۔

اس نے کاؤنٹر پر کھڑے ہی کھڑے ایک کپ چائے پی اور پیسے ادا کر کے سیدھا غسل خا کی طرف چلا گیا۔

پھر شائد بیس منٹ بعد وہ باہر آیا۔ اس دوران میں اس نے اپنے چہرے اور بالوں کی خا مرمت کر لی تھی۔

یہاں سے کنکس لین کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ اس لئے وہ پیدل ہی چل پڑا۔

ایک بج چکا تھا اور دھوپ کافی تیز تھی۔ لیکن اسکے باوجود بھی اس کی طبیعت جولانی پر تھی کنکس لین کی اٹھارویں کوٹھی کے سامنے وہ رک گیا۔ وہ یہاں تک تو چلا آیا تھا لیکن اب رہا تھا کہ اس سے ملے کس بہانے سے۔ اگر وہ گھر پر موجود نہ ہوئی تو پھر اسے کیا کرنا پڑے گا اگر اس کا باپ کوئی دقیانوسی قسم کا آدمی ثابت ہوا تو صورت حال کیا ہو گی۔ اسے اس سے قبل کئی الٹرا موڈرن قسم کی لڑکیوں کے قدامت پسند والدین سے ملنے کا اتفاق ہو چکا تھا اور وہ اس اچھی طرح پیش نہیں آئے تھے۔

اور پھر وہ سوچ رہا تھا کہ "تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہئے۔"

اچانک اس کی نظر بائیں باغ کے ایک گوشے کی طرف اٹھ گئی۔ جہاں ایک بڑا سا سائن ایک درخت کے تنے سے لٹک رہا تھا۔ اور اس پر "برائے فروخت" تحریر تھا۔

درخت کے نیچے بے شمار گملوں میں صدہا قسم کے پودے نظر آ رہے تھے۔

"اب "برائے فروخت" کا مفہوم اس پر واضح ہو گیا۔ اور ساتھ "تقریب بہر ملاقات سوجھ گئی۔

دوسرے لمحے میں وہ بے کھٹکے بائیں باغ میں داخل ہو رہا تھا۔ پھر وہ سیدھا وہیں جا کر رک "برائے فروخت" کا بورڈ لٹک رہا تھا۔

"فرمائیے۔" اسے پشت سے کسی کی آواز سنائی دی اور وہ چونک کر مڑا۔ اس کے سا

دبلا پتلا اور پست قد بوڑھا پلکیں جھپکا رہا تھا۔

حمید نے اس کے رکھ رکھاؤ سے اندازہ لگا لیا کہ وہ کوٹھی کا مالک ہی ہو سکتا ہے۔

"مجھے یہ بورڈ یہاں لایا ہے۔ ویسے میں مس زرینہ سے واقف ہوں۔"

"تو فرمائیے نا آپ کیا چاہتے ہیں۔" بوڑھے نے نرم لہجے میں کہا۔

"کیکواکنڈا....!" حمید سنجیدگی سے بولا۔

"کیا....؟" بوڑھا اُسے گھورنے لگا۔

"کیکواکنڈا....!" حمید کی سنجیدگی میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔

"یہ کیا بلا ہے؟"

"ارے آپ کیکواکنڈا نہیں جانتے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "اوہ.... شائد آپ پودوں کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔"

"جی! کیا فرمایا۔" بوڑھا نتھنے پھلا کر بولا۔ "جناب میں پودوں پر اتھارٹی ہوں۔ مجھے ڈاکٹر پرویز کہتے ہیں۔"

"اوہ.... ڈاکٹر صاحب۔" حمید مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ "آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔"

"مجھے بھی ہوئی۔" بوڑھا اس سے مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ "مگر کیکواکنڈا....!"

"کیکواکنڈا....!" حمید نے تصحیح کی۔ "مجھے حیرت ہے کہ کیکواکنڈا سے متعلق لٹریچر آپ کی نظر سے نہیں گذرا۔ یہ آرچڈ کی ایک نسل سے تعلق رکھتا ہے اور گانگو کے خطے میں پایا جاتا ہے۔ ابھی حال ہی کی دریافت ہے۔"

"اوہ! تب بھی اُسے اس سال کی نباتات کی انسائیکلوپیڈیا میں ہونا چاہئے۔"

"ضرور ہو گا۔" حمید نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ نہیں ہے۔" بوڑھے نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

"تو بہر حال کیکواکنڈا آپ کی نرسری میں نہیں ہے۔"

بوڑھے نے اس کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔

"اچھا زیور اس کا ہو گا۔"

"زیٹوراس کا....!" بوڑھا حیرت سے بڑبڑایا۔

"اوہ تو آپ زیٹوراس کا بھی علم نہیں رکھتے۔"

"ذرا ایک منٹ ٹھہریئے....!" بوڑھا ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ یہ بھی کوئی غیر معروف قسم ہو۔"

"غیر معروف نہیں جناب! بہت ہی قیمتی ہے۔"

"اچھا تو میرے ساتھ آیئے۔ میں انسائیکلو پیڈیا میں دیکھتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ ان دونوں پودوں کے کوئی اور بھی نام ہوں۔"

"ضرور دیکھئے.... لیکن میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ ان ناموں کے علاوہ اور کوئی نہیں۔" دونوں پورچ سے گذر کر برآمدے میں آئے۔

اس نے ایک نوکر سے کہا۔ "زرینہ سے کہو کہ انسائیکلو پیڈیا لے کر آئے۔" نوکر جانے لگا۔

"ٹھہرو۔" بوڑھے نے کہا۔

نوکر رک گیا۔

"کیا کہو گے؟" اس نے اس سے پوچھا۔

"سائیکل کا پیڈل لے کر چلئے۔" نوکر نے نہایت سنجیدگی سے دست بستہ کہا۔

"دیکھا.... آپ نے۔" بوڑھا حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔

"انسائیکلو پیڈیا.... مائی ڈیئر۔" حمید نے نوکر سے کہا۔

"نہیں بنے گا سرکار مجھ سے۔" نوکر بیزاری سے بولا۔

"گنوار ہو تم....!" بوڑھا جھلا گیا۔ "میں خود ہی لاتا ہوں۔"

بوڑھا اٹھ کر چلا گیا۔

ادھر حمید بہت شدت سے بور ہو رہا تھا۔ اُسے نہیں معلوم تھا کہ بوڑھا نباتات کی انسائیکلو پیڈیا پر اتر آئے گا ورنہ وہ کبھی بے تکی نہ ہانکتا.... کیکواکنڈا اور زیٹوراس کا خود اسی کی تخلیق تھے۔ حمید گلو خلاصی کی تدبیر سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک ایک دروازے سے زرینہ برآمد ہوئی۔ حمید کو دیکھ کر ٹھٹکی پھر بے تحاشہ ہنسنے لگی۔

"فرمایئے حمید صاحب۔" وہ آگے بڑھتی ہوئی بولی۔ "اب کون سی مصیبت نازل ہوئی آپ پر؟"

"مصیبت!" حمید بوکھلا کر بولا۔ "فی الحال مجھے اپنے ڈیڈی سے بچایئے۔"

"کیوں.... کیا ہوا۔"

"اوہ.... میں دراصل رات والے معاملے کے متعلق معذرت کرنے کے لئے آیا تھا کہ آپ کے ڈیڈی سے مڈبھیڑ ہو گئی اور اب وہ نباتات کی انسائیکلو پیڈیا لینے گئے ہیں۔"

"جناب! رات میں آپ کو نہیں جانتی تھی ورنہ اس طرح اُلو نہ بنتی۔ میں نے آپ کے کارنامے بہت سنے ہیں۔"

"اوہ.... وہ تو سب ٹھیک ہے مگر.... انسائیکلو پیڈیا۔"

"ارے تو آخر گھبراہٹ کی کیا بات ہے۔ تھوڑی دیر تک اُن سے نباتات پر گفتگو کیجئے تب تک میں باہر چلنے کے لئے تیار ہو جاؤں گی۔ میں خود آپ سے ملتی۔ نہ جانے کیوں میں ایک بار پھر اس بچے کو دیکھنا چاہتی ہوں.... بیچارہ.... نہ جانے کس بدنصیب نے ایسی حرکت کی ہے۔"

اتنے میں بوڑھا ایک موٹی سی کتاب بغل میں دبائے ہوئے واپس آ گیا۔

"کیکواکنڈا تو نہیں ملا جناب.... دوسرے کا کیا نام بتایا تھا۔" بوڑھے نے حمید سے کہا پھر زرینہ سے بولا۔ "اوہو.... کیا تم انہیں جانتی ہو۔"

"جی ہاں.... یہ محکمہ سراغ رسانی کے آفیسر کیپٹن حمید ہیں۔" زرینہ مسکرا کر بولی۔

"محکمہ سراغ رسانی کے آفیسر۔" بوڑھا پلکیں جھپکانے لگا۔

"جی ہاں.... آپ نے کرنل فریدی کا نام سنا ہو گا۔ یہ اُن کے اسسٹنٹ ہیں۔"

"کرنل فریدی۔" بوڑھا جلدی سے بولا۔ "اوہ ہاں ہاں۔ میں اُسے جانتا ہوں۔ وہ میرے ہوم دوست.... کا لڑکا ہے۔ وہی فریدی نا۔"

"جی ہاں.... وہی۔" حمید بولا۔

"کیا آپ نے اسی کی زبان سے ان پودوں کے نام سنے ہیں۔"

"جی ہاں.... جی ہاں۔" حمید جلدی سے بولا۔

"تب تو یہ پھر ضرور ہوں گے۔ اس کا باپ افریقہ اور جنوبی امریکہ پر اتھارٹی تھا۔ کیا نام بتایا تھا اُس کا۔"

"زیٹوراس...." حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

زرینہ مسکراتی ہوئی اندر چلی گئی اور حمید پودوں کے متعلق بکواس سن سن کر بور ہوتا رہا لیکن کرتا بھی کیا۔ جب اس کی شامت آتی تھی تو وہ اسی قسم کی حماقتیں کر بیٹھتا تھا۔

پھر شائد آدھے گھنٹے کے بعد وہ زرینہ کے ساتھ کار میں بیٹھا ہوا اپنی گلو خلاصی پر خدا کا شکر ادا کر رہا تھا.... بوڑھے نے اس کے دماغ کی چولیں ہلا دیں تھیں۔

"آپ نے پچھلی رات جھوٹ کیوں بولا تھا۔" زرینہ نے حمید سے کہا۔ وہ خود کار ڈرائیو کر رہی تھی۔

"مصلحتاً....!" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "اگر میں نہ کرتا تو لوگ میرا بھیجا چاٹ کر رکھ دیتے۔ مقصد یہ تھا کہ کسی طرح جلد سے جلد وہاں سے چل دوں گا مگر آپ درمیان میں آکودیں۔"

"میں پچھلی رات ٹھیک سے سو نہیں سکی۔" زرینہ نے کہا۔ "مجھے بار بار بچے کا خیال آتا اور ساتھ ہی آپ کی دشواریاں بھی سامنے آجاتی تھیں۔ مگر آپ حمید صاحب۔" وہ ہنسنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد بولی۔ "مگر آپ کی ایکٹنگ کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ آپ سچ مچ ایک بے کے بچے کے باپ معلوم ہو رہے تھے۔"

"اور اب میں اس وقت خود کو ایک لاوارث بچہ محسوس کر رہا ہوں۔"

"کیوں؟"

"پتہ نہیں....!" حمید ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

"تو اب آپ لوگ بچے کے والدین کی تلاش میں ہوں گے۔" زرینہ نے پوچھا۔

"ہاں.... صاحب خواہ مخواہ ایک بلا سر پر پڑی ہے۔ اب اسے بھگتنا ہی پڑے گا۔"

"مجھے سراغ رسانی کا بہت شوق ہے اور میں اس کیس میں آپ کا ہاتھ بٹا سکتی ہوں۔"

"آپ کس طرح ہاتھ بٹائیں گی۔"

"آپ لوگوں کے گھروں کے اندر تو گھس نہیں سکیں گے۔ میں یہ کام نہایت آسانی سے انجام دے سکوں گی۔ ہمیں دراصل ایک ایسی عورت تلاش کرنی ہوگی جو آج ہی کل میں زچگی سے فارغ ہونے کے باوجود بھی گود خالی رکھتی ہو۔"

"ایسی سینکڑوں مل جائیں گی۔" حمید نے کہا۔ "جو کل فارغ ہوئی ہوں گی اور آج ال

ں بھی خالی ہو گئی ہوں گی۔"

"اوہ.... تو اس کا پتہ لگانا بھی مشکل نہ ہوگا۔ پڑوسی کم از کم یہ تو بتا ہی دیں گے کہ اس کے ہاں انتقال ہو چکا ہے.... مگر اصل مجرمہ کسی حال میں بھی نہ چھپ سکے گی۔"

"لیکن اس مہم کا اختتام شائد چھ ماہ بعد ہوگا۔" حمید بولا۔ "شہر میں لاکھوں مکان ہیں۔"

"بہر حال میں مجرموں کا پتہ لگا کر انہیں معقول سزا دلوانا چاہتی ہوں۔"

حمید آستین سرکا کر گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔ "تین بجنے والے ہیں۔ کیوں نہ ہم اسٹار سرکس کے رام دیکھیں۔ آج اتوار ہے ایک شو ساڑھے تین بجے بھی ہوگا۔"

"یک بیک سرکس کی کیسے سوجھ گئی۔"

"سرکس میں کئی لڑکیاں ہیں۔ اگر آپ کو سراغ رسانی کا شوق ہے تو وہاں پتہ لگانے کی کوشش کیجئے گا کہ اصل مجرمہ کون ہے؟"

"کیا اوٹ پٹانگ ہانک رہے ہیں.... حمید صاحب۔"

"نہیں میں قطعی سنجیدہ ہوں۔" حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔

کوٹ لے گیا

سرکس سے واپسی پر حمید زرینہ کو ہائی سرکل نائٹ کلب لے گیا۔ لیکن یہ بات اس کی سمجھ نہ آسکی کہ فریدی نے اسے اسٹار سرکس جانے کے لئے کیوں کہا تھا۔ وہاں کوئی خاص واقعہ نہیں آیا تھا۔ حتیٰ کہ ضیغم بھی نہیں دکھائی دیا تھا۔

نائٹ کلب کی دلچسپیاں شباب پر تھیں۔ اس لئے حمید نے یہ سوچنا ہی ترک کر دیا کہ فریدی نے سرکس کے لئے کیوں تاکید کی تھی۔

نائٹ کلب کے منیجر نے حمید کی شکل دیکھتے ہی جھرجھری سی لی لیکن پھر اس کے ساتھ کی بجائے ایک لڑکی دیکھ کر مطمئن ہو گیا۔ وہ حمید سے بہت زیادہ خائف رہتا تھا۔ اور وہ تھا بھی اسی قسم کا آدمی کہ بچے اس کے پیچھے تالیاں بجا سکتے تھے۔ یعنی اس کی شخصیت میں بھاری پن بالکل نہیں تھا۔

حمید اور زرینہ ایک میز کے گرد بیٹھ گئے۔

"آپ تھک گئی ہیں شائد۔" حمید بولا۔

"تنہا ہوتی تو ضرور تھک جاتی۔ لیکن آپ کی گفتگو تھکن محسوس کرنے کا موقع ہی نہیں دیتی۔"

"پتہ نہیں کیوں آپ کے ڈیڈی مجھے بہت اچھے لگے ہیں۔"

"ڈیڈی کی پسندیدگی کا شکریہ۔" زرینہ ہنس پڑی۔ پھر اِدھر اُدھر دیکھ کر بولی۔ "وہ آپ کو بہت بُری طرح گھور رہا ہے۔"

"کون....!" حمید چونک کر دیکھنے لگا پھر مسکرا کر بولا۔ "کیا آپ اسے نہیں جانتیں۔"

"نہیں.... میں یہاں پہلی بار آئی ہوں۔"

"یہ یہاں کا منیجر ہے.... اور میں اسے مہابور کہتا ہوں۔ اسے شعر سنانے کا خبط ہے اور اس کے ساتھ عموماً بہت ہی غیر شاعرانہ قسم کی حرکتیں کیا کرتا ہوں۔"

"مثلاً....!"

"کبھی کبھی میں اپنا بکرا یہاں لے آتا ہوں۔"

"بکرا....!" زرینہ نے حیرت سے کہا۔

"ہاں.... میں نے کتے کے بجائے بکرا پال رکھا ہے۔ نجس بھی نہیں ہوتا اور وقت ضرورت ذبح کر کے کھایا بھی جا سکتا ہے۔"

"اور آپ کو شرم نہیں آتی.... کیا ساتھ لئے پھرتے ہیں۔"

"کیا کروں مجبوری ہے۔ تنہائی گراں گذرتی ہے اس لئے بکرا ہی سہی۔ ان عورتوں کو کیوں نہیں آتی جو کتے ساتھ لئے پھرتی ہیں۔"

"تنہائی گراں گذرتی ہے تو شادی کیوں نہیں کر لیتے۔"

"اپنی طرف شادی بیاہ کا رواج نہیں ہے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر کرسی کی پشت ٹیک لگاتا ہوا بولا۔

"کس سرزمین سے تعلق رکھتے ہیں آپ۔" زرینہ نے شوخی سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بنجر آباد.... نام ہے اس سرزمین کا۔ وہاں دور دور تک عورتوں کا پتہ نہیں۔ عقیدہ کا یہ ہے کہ جس گھر میں عورت ہوتی ہے وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ ایک بار ایک نے غلطی سے شادی کر لی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ ہر سال ایک نیا بھوت اس کے پیچھے لگ جاتا تھا

نمبر 15

میں ایک درجن بھوتوں نے اس کے انجر پنجر ڈھیلے کر دیئے۔ وہ پاگل ہو کر سڑکوں پر بھونکتا پھرتا تھا۔"

زرینہ ہنسنے لگی اور حمید بکتا رہا۔ "بنجر آباد ایک آزاد علاقہ ہے۔ وہاں عورتوں کے لئے کوئی قانون نہیں۔ صرف مرد بستے ہیں۔"

"اور ان کے مرتے ہی بستی ویران ہو جائے گی۔" زرینہ نے کہا۔

"اب جو کچھ بھی ہو۔"

"نہیں سنجیدگی سے بتایئے کہ آخر آپ لوگ شادی کیوں نہیں کرتے۔ خصوصاً فریدی صاحب۔"

"کوئی پوچھتا بھی ہے ہم لوگوں کو۔" حمید نے دردناک لہجے میں کہا اور ایک ویٹر کو اشارے سے بلا کر کھانے کا آرڈر دیا۔

"اوہ.... کھانا نہیں.... کھانا گھر ہی پر کھاؤں گی۔" زرینہ نے کہا۔

"آج باہر ہی سہی.... نہیں تکلف کی ضرورت نہیں۔" حمید نے کہا۔ پھر بڑبڑانے لگا۔ "اے یہ بور تو ادھر ہی آ رہا ہے۔"

"کون....!" زرینہ چونک کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"منیجر! اب اس سور کی غزل سننی ہی پڑے گی۔"

"آنے دیجئے.... تفریح رہے گی۔" زرینہ ہنس کر بولی۔

"آداب بجالاتا ہوں کپتان صاحب۔" منیجر میز کے قریب پہنچ کر بولا۔

"آخاہ! مزاج تو اچھے ہیں۔ بیٹھئے بیٹھئے۔" حمید نے سر کی جنبش سے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"بہت دنوں بعد نیاز حاصل ہوئے۔"

"کون؟ نیاز....!" حمید نے حیرت کا اظہار کیا۔ "نہیں وہ تو پرسوں بھی ملا تھا۔"

منیجر احمقوں کی طرح ہنسنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔ "آپ تو بقول شاعر....!"

"ٹھہریئے ٹھہریئے۔" حمید جلدی سے بولا۔ "ایک ضروری بات یاد آ گئی۔ کل میرے لئے ایک میز مخصوص رکھئے گا۔ کل میرے ساتھ برخوردار بغراخاں بھی آئے گا۔"

"میں دست بستہ معافی چاہتا ہوں جناب عالی.... اب یہاں کتے بھی نہیں آتے کیا آپ کی فرمائش بورڈ پر نہیں پڑی۔"

"کل بھی میری نظر نوٹس بورڈ پر نہیں پڑے گی.... آپ بے فکر رہئے۔"

"آپ نے وعدہ کیا تھا۔" منیجر بے بسی سے بولا۔

"یہ ۵۴ء کی بات ہے۔"

"دیکھئے پریشان نہ کیجئے۔ میرا بڑا نقصان ہو جاتا ہے۔"

"ایک شرط پر میں آپ کی بات مان سکتا ہوں۔"

"کس شرط پر۔"

"کوئی ایسا واقعہ سنائیے جس پر یقین نہ آئے۔"

"جی....!" منیجر دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

زرینہ کا بُرا حال تھا۔ وہ دانتوں میں رومال دبائے ہنسی روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ہاں جلدی سے سنائیے۔" حمید بولا۔

"مجھے کوئی ایسا واقعہ یاد نہیں آ رہا ہے۔" منیجر مردہ سی آواز میں بولا۔

"یاد نہیں آ رہا ہے.... تو آپ کوئی سچا واقعہ یاد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ سچی کے یقین نہ آئے گا۔ میں تو ایسی بات سننا چاہتا ہوں جس پر یقین نہ آئے۔"

منیجر چند لمحے حمید کو گھورتا رہا پھر جھلا کر بولا۔ "میں گدھی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔"

"مجھے یقین ہے۔" حمید نے انتہائی سنجیدگی سے کہا اور زرینہ بے ساختہ پھوٹ پڑی۔

منیجر پر بیک وقت شرمندگی اور جھنجھلاہٹ کا حملہ ہوا اور اس کی شکل حد درجہ مضحکہ آنے لگی۔ وہ بُرا سا منہ بنائے ہوئے اٹھا اور سیدھا اپنے آفس کی طرف چلا گیا۔

زرینہ اب تک ہنسے جا رہی تھی۔

"واقعی حمید صاحب.... کمال کے آدمی ہیں آپ۔" اس نے کہا۔

"کیا کروں.... یہ نہ کرتا تو اس کمبخت کی کئی غزلیں زہر مار کرنی پڑتیں۔"

"کہیں وہ بیاض لینے کے لئے نہ گیا ہو۔" زرینہ بولی۔

"فکر نہیں.... بیاض سمیت اسے کسی اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگانی پڑے گی۔"

اتنے میں ویٹر نے میز پر کھانا چن دیا.... کھانے کے دوران میں زیادہ تر خاموشی ہی

اب حمید کا ذہن پھر موجودہ کیس کے سلسلے میں بھٹکنے لگا تھا۔ سب سے زیادہ الجھن اسے ا

تھی کہ آخر فریدی نے اسے سرکس دیکھنے کے لئے کیوں بھیجا تھا اور غالباً وہ بھی چاہتا تھا کہ
ینہ بھی وہاں لے جائی جائے۔ اسی لئے اس وقت اس نے سرکس کے لئے کہا تھا۔ جب وہ کنکس
ا جانے کے لئے کیڈی سے اتر رہا تھا۔

کھانے کے بعد زرینہ نے کہا کہ اب وہ گھر واپس جائے گی۔ نو بجنے کے بعد وہ گھر سے باہر رہنے
عادی نہیں۔ حمید نے بھی یہی سمجھا کہ اب اسے جانے ہی دے۔ وہ کلب کے منیجر سے دوبارہ
بڑ چھاڑ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

زرینہ چلی گئی اور حمید وہیں بیٹھا پائپ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا۔ اچانک اس نے اپنے قریب
کئی زوردار قہقہے سنے۔ وہ چونک کر مڑا۔ قریب ہی کی ایک میز پر تین آدمی بُری طرح ہنس
ے تھے اور ایک نوجوان ان کے قریب کھڑا ہوا جھینپے ہوئے انداز میں اپنے چمکدار دانتوں کی
ائش کر رہا تھا۔

"تمہاری مونچھیں کہاں گئیں۔" ایک نے پوچھا۔

"ارے یار خارش ہو گئی تھی۔" نوجوان بیٹھتا ہوا بولا۔

"کہاں....!" وہ آگے جھک کر اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر سیدھا ہو کر بولا۔

"کیوں اڑاتے ہو.... ساری جلد سپاٹ اور بے داغ پڑی ہے۔ بھئی اتنی شاندار مونچھوں کی
ائی مجھے تو بہت گراں گذری ہے۔"

"کسی عورت کی عنایت معلوم ہوتی ہے۔ آج کل کی عورتیں بڑی مونچھیں قطعی نہیں پسند
رتیں۔" دوسرے نے کہا اور معنی خیز انداز میں مسکرانے لگا۔

"یار و یقین کرو۔" نوجوان بے بسی سے بولا۔

"کر لیا یقین.... اچھا یہ بتاؤ وہ عورت کون ہے۔"

"کوئی نہیں یار.... خارش ہو گئی تھی۔"

"جھوٹ کی حد ہوتی ہے۔ اچھا ختم کرو! ہمیں کیا۔" ایک نے کہا۔

"کیا پرسوں تک خارش نہیں تھی۔" دوسرا بول پڑا۔

"نہیں تھی! کبھی نہیں تھی۔" نوجوان جھنجھلا گیا۔ "مونچھیں میری تھیں یا تمہاری تھیں۔"

"اماں تو خفا کیوں ہوتے ہو۔ بولو کیا پیو گے۔ پتہ نہیں وہ عورت ہے یا جنت کی حور جس کا

تذکرہ کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔"

"خود ہی سمجھ لو۔" نوجوان لاپروائی سے بولا۔

"ملاؤ گے نہیں؟"

"کوئی گرنی پڑی عورت نہیں ہے۔ بس اب اس سے آگے گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔ کہو بیٹھوں تمہارے ساتھ ورنہ اٹھ کر چلا جاؤں۔"

"آج کیا ہو گیا ہے میرے شیر کو۔" ایک نے دوسرے کو مخاطب کر کے کہا۔

"چھوڑو بھی یار کیوں بور کر رہے ہو بیچارے کو۔"

"بھئی اب نہ بولیں گے۔" ان میں سے ایک نے ویٹر کو بلا کر شراب کا آرڈر دیا۔

حمید کا ذہن قلابازی کھانے لگا.... وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ وہی آدمی نہ ہو جس کی انہیں تلاش تھی۔ اس کا حلیہ بھی قریب قریب یہی بتایا گیا تھا۔ بڑی اور گھنی مونچھیں بیضوی چہرہ گھونگھریالے بھورے بال۔ اور ٹھوڑی میں خفیف سا گڑھا۔ لیکن اب اس کے چہرے پر مونچھیں نہیں تھیں۔ ممکن ہے پہچان لئے جانے کے خوف سے اس نے مونچھیں صاف کرا دی ہوں۔ بڑی مونچھیں رکھنے والوں کی شخصیت میں سب سے نمایاں چیز مونچھیں ہی ہوتی ہیں۔ اور پھر اس کے ساتھیوں میں سے ایک نے برسوں تک اس کے چہرے پر مونچھیں دیکھی تھیں۔ پچھلی رات کو واقعہ ہوا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے آج ہی مونچھوں کی صفائی کی ہو۔

حمید سوچتا رہا لیکن پھر اسے اپنے اس خیال پر ہنسی آنے لگی۔ وہ پھر سوچنے لگا کہ اگر اسی طرح مجرم ہاتھ آنے لگیں تو پھر جاسوسی ناولوں اور حقیقی زندگی میں فرق ہی کیا رہ جائے.... گویا وہ اس وقت یہاں اسی لئے آیا تھا کہ اصلی مجرم سے مڈبھیڑ ہو جائے.... حمید لاحول پڑھتا ہوا آج شام کے اخبار کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ادھر شراب آ گئی تھی اور وہ چاروں پی پی کر ڈینگیں مارنے لگے تھے۔

"تم کیا جانو.... ایڈونچر کسے کہتے ہیں۔" نووارد نوجوان نے کہا۔ "میں نے ایسے ایسے کارنامے انجام دیئے ہیں کہ سنو تو پسینہ آ جائے۔"

"نہیں سننا چاہتے بھائی۔" ان میں سے ایک بے ڈھنگے پن سے ہنستا ہوا بولا۔ "تم بتاؤ وہ بکری کون ہے جو تمہاری مونچھیں چبا گئی۔ مجھ سے نہ چھپاؤ پیارے۔ ورنہ میں تمہارے سسرال والوں کو

ہ دوں گا۔"

"ماں بھائی.... خدا قسم۔" دوسرا بولا۔ "یہ سسرال کیا ہے۔ اسے سسرال کیوں کہتے ہیں۔"

وہ سب گھٹیا قسم کی بے تکی گفتگو کر رہے تھے لیکن نووارد ذہین بھی معلوم ہوتا تھا اور تعلیم بھی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اس کا تعاقب کرنے میں کیا حرج ہے۔ ہو سکتا ہے یہ وہی ہو جس کی تلاش تھی۔ فی الحال دو باتیں تو اس میں پائی جاتی تھیں۔ اس کے بال بھی گھونگھریالے تھے۔ رنگت بھوری تھی اور ٹھوڑی میں خفیف سا گڑھا۔ مونچھوں کے متعلق تو وہ سن ہی چکا تھا۔ مونچھیں بڑی شاندار رہی ہوں گی ورنہ اتنی کڑی تنقید نہ کی جاتی۔

حمید نے تہہ کر لیا کہ اس کا تعاقب ضرور کرے گا۔ اس نے ویٹر کو بلا کر کھانے کا بل ادا کیا دوبارہ پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد نووارد اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر اٹھ گیا۔ انہوں نے اس کو روکنا چاہا مگر اُس شائد کسی ضروری کام کا بہانہ کیا۔ حمید نے اس کا جملہ نہیں سنا لیکن وہ ریمارک ضرور سنے جو جملے پر دیئے گئے تھے جن کا مقصد وہی "مرغے کی ایک ٹانگ" تھا۔ یعنی ضرور کوئی نئی عورت جس کے چکر میں مونچھیں بھی گنوائیں اور اب دوستوں کی دل شکنی بھی کی جا رہی ہے۔

اُس کے ساتھی کافی پی گئے تھے لیکن وہ خود زیادہ نشے میں نہیں تھا۔ نہ تو اس کے قدموں ہی لغزش تھی اور نہ آنکھوں ہی سے معلوم ہوتا تھا کہ اس نے شراب پی رکھی ہے۔ حالانکہ اس بھی کئی پیگ لئے تھے۔

وہ باہر نکل ہی رہا تھا کہ حمید بھی اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ نووارد باہر کھڑی ہوئی ایک کار میں ہ گیا اور حمید سوچنے لگا کہ یہ بہت بُرا ہوا۔ لیکن اُسے فوراً یاد آ گیا کہ ٹیکسیوں کا اڈہ کلب کی کمپاؤنڈ لے پھاٹک کے سامنے ہی ہے۔ قبل اس کے کہ وہ اپنی کار اسٹارٹ کرتا حمید تیزی سے چلتا ہوا ٹک سے گذر گیا۔ اس کا رخ ٹیکسیوں کے اڈے کی طرف تھا۔ دو تین ٹیکسیاں کھڑی دیکھ کر اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

اور پھر جب تک وہ کار پھاٹک سے باہر آتی حمید ایک ٹیکسی میں بیٹھ چکا تھا۔ تعاقب شروع ہو گیا۔

سڑک پر ٹریفک کی زیادتی تھی لیکن ٹیکسی ڈرائیور کافی ہوشیار معلوم ہوتا تھا۔ اس نے اپنی ٹیکسی اس کار کے پیچھے لگائے ہی رکھی۔

اگلی کار والا جلدی میں نہیں معلوم ہوتا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ فضا کی خنکی سے لطف اندوز ہونا چاہتا ہو۔ اس کی کار آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔

حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ دیدہ دانستہ ایسا نہ کر رہا ہو۔ کہیں اسے اس تعاقب کا علم نہ ہو گیا ہو۔ ٹیکسی کے اندر کی روشنی اس نے پہلے ہی گل کرا دی تھی۔

لیکن پھر تھوڑی ہی دیر بعد حمید کو اپنا خیال بدل دینا پڑا۔ اگر اسے تعاقب کا علم ہوتا تو وہ اسے آزمانے کی کوشش کرتا۔ اپنی کار کسی سنسان سڑک یا گلی میں موڑ دیتا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا ایسی ہی سڑکوں سے اس کی کار گذر رہی تھی جن پر بہت زیادہ ٹریفک تھا۔

حمید بار بار کلائی کی گھڑی دیکھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ حماقت نہ کر رہا ہو۔

تھوڑی دیر کے بعد کار کا رخ موڈل ٹاؤن کی طرف ہو گیا۔ یہ ایک چھوٹی سی خوبصورت بستی تھی۔ یہاں چالیس یا پچاس چھوٹے چھوٹے بنگلے تھے اور ان میں زیادہ تر متمول لوگ رہتے تھے۔

ہیڈ لائیٹس بجھا دو۔" حمید نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔

"چالان ہو جائے گا صاحب۔" ڈرائیور بولا۔

"فکر نہ کرو.... میں سپاہی کو کچھ دے دلا کر ٹھیک کر لوں گا۔"

اگلی کار موڈل ٹاؤن میں داخل ہو رہی تھی۔ پھر وہ ایک بنگلے کے سامنے رک گئی۔

حمید نے ٹیکسی ڈرائیور سے روکنے کو کہا اور اس کے ہاتھ میں دس کا نوٹ پکڑا کر اترتا ہوا بولا۔ "یہیں پر میرا انتظار کرنا.... جانا نہیں.... سمجھے میرا تعلق پولیس سے ہے۔ چلے گئے تو زحمت میں پڑو گے۔ ٹیکسی کا نمبر مجھے زبانی یاد ہے۔"

"اچھا صاب۔"

حمید آگے بڑھ گیا۔ سڑک پر اندھیرا تھا۔ اگلی کار سے اترا ہوا آدمی شائد بنگلے کا پھاٹک کھول رہا تھا۔ پھر اس نے پھاٹک کو دھکیل کر اس کے پٹوں کو ادھر اُدھر کرتے ہوئے اسے دیکھا۔ حمید سمجھ گیا کہ وہ یہیں رہتا ہے اور اب کار کو بھی اندر لے جائے گا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُس نے محسوس کیا جیسے وہ کسی سے لڑ پڑا ہو۔ وہ اُس کی آواز اچھی طرح پہچانتا تھا۔ غصیلی آواز گالیوں میں تبدیل ہو گئی۔ پھاٹک کے اندر دو آدمی ایک دوسرے کو زیر کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ حمید ابھی کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ ایک نے دوسرے کو

گرا دیا۔

"خبردار یہ کیا ہو رہا ہے۔" حمید چیخ کر آگے بڑھا۔ دوسرا آدمی جو اپنے شکار کو دبائے ہوئے تھا کر بھاگا.... اور غالباً یہ معجزہ ہی تھا کہ حمید سے ٹکرانے کے باوجود بھی اس کی گرفت میں حمید جھونجھل میں آ کر گرتے گرتے بچا۔ ابھی سنبھل بھی نہیں پایا تھا کہ اس نے قریب ہی موٹر سائیکل اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی۔

دوسرا آدمی پھاٹک میں کھڑا پاگلوں کی طرح چیخ رہا تھا۔

"لے گیا.... میرا کوٹ لے گیا۔"

حمید نے جیب سے ٹارچ نکال کر روشن کی۔ یہ وہی آدمی تھا جس کا تعاقب کرتا ہوا وہ یہاں پہنچا تھا۔

سڑک کے کنارے

"کون ہو تم....!" وہ جھلا کر حمید پر جھپٹ پڑا۔

"راہگیر ہوں بھائی.... تمہیں لڑتے دیکھ کر رک گیا تھا۔" حمید نے نرم لہجے میں کہا۔

"اوہ شائد میں پاگل ہو گیا ہوں۔" اس نے کہا اور اپنی کار میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کر دیا۔ اب اس کا رخ اسی طرف موڑ رہا تھا جدھر سے موٹر سائیکل کی آواز آ رہی تھی۔

حمید بھی لپک کر ٹیکسی میں جا بیٹھا۔

"ابھی ٹھہرو....!" اس نے ڈرائیور سے کہا۔ "اس گاڑی کو کچھ دور نکل جانے دو۔"

اگلی کار بہت تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ حمید نے بھی رفتار تیز کرا دی۔ لیکن اس بار اس کی ہیڈ لائیٹس روشن تھیں خود حمید نے ڈرائیور کو خاص طور سے ہدایت دی تھی کہ اب ہیڈ لائٹس نہ بجھائی جائیں۔

اس کی نظر اگلی کار پر تھی اور کان موٹر سائیکل کی آواز پر۔

پھر اچانک موٹر سائیکل کی آواز غائب ہو گئی اور ساتھ ہی حمید نے اپنی اسکیم بدل دی۔ اب اس کا تعاقب نہیں جاری رکھنا چاہتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ اس بنگلے کی تلاشی لی جائے جس کا ہے کہ اس آدمی کے خلاف کوئی ثبوت ہی ہاتھ آ جائے۔ اس نے سوچا کہ بنگلہ یقیناً خالی

ہوگا۔ شائد وہاں نوکر بھی نہ ہوں۔ اگر نوکر ہوتے تو وہ خود ہی پھاٹک کھولنے کی زحمت گوارا کرتا۔ بلکہ کار کا ہارن بجا کر نوکروں کو بلاتا۔

"ڈرائیور! ٹیکسی پھر اسی طرف موڑلو۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"جی صاب۔"

"ٹیکسی گھمالو۔ پھر واپس چلیں گے۔ تم فکر نہ کرو تمہیں مناسب اجرت دی جائے گی۔"

ڈرائیور نے گاڑی کی رفتار کم کر کے اسے سمت مخالف میں موڑ لیا۔

"اب جتنا تیز چل سکتے ہو چلو۔ ہمیں وہیں جانا ہے جہاں پہلے ٹیکسی روکی تھی۔"

ٹیکسی فراٹے بھرنے لگی۔ حمید مڑ مڑ کر دیکھتا جا رہا تھا۔ مگر دور دور تک کسی دوسری گاڑی کا نہیں تھا۔

اسے کوٹ والے مسئلے پر حیرت تھی۔ آخر وہ اس کا کوٹ اتار کر کیوں لے بھاگا اور پھر کے متعلق اس آدمی کی بدحواسی۔

اگر کوٹ کی جیب میں کوئی بھاری رقم تھی تو جسم سے کوٹ اتارنے کے مقابلے میں جیب صرف رقم نکال لینا نسبتاً زیادہ آسان تھا۔ آخر حملہ آور نے کوٹ اتارنے کی زحمت کیوں گوا

واقعی یہ ایک بہت بڑی گتھی تھی جسے سلجھانا بظاہر آسان کام نہیں معلوم ہوتا تھا۔

"ٹھیک! بس نہیں روک دو۔" اس نے تھوڑی دیر بعد ڈرائیور سے کہا۔

ٹیکسی رک گئی۔ حمید نے اترتے وقت پھر ایک دس کا نوٹ ڈرائیور کے ہاتھ میں پکڑا آہستہ سے بولا۔ "سی روڈ پر سمر کوٹیج کے سامنے میرا انتظار کرو۔"

ٹیکسی چلی گئی اور حمید بنگلے کیطرف بڑھا۔ پھاٹک اب بھی کھلا ہوا تھا اور اندر گہری تاریکی

حمید بے دھڑک اندر گھستا چلا گیا۔ برآمدے میں بھی اندھیرا اور سناٹا تھا۔ حمید چ آہٹ لیتا رہا پھر آگے بڑھا۔ ہینڈل گھما کر صدر دروازے کو دھکا دیا.... اور دروازہ کھل جا سخت حیرت ہوئی۔ اسے توقع تھی کہ اسے کسی کھڑکی کا شیشہ توڑ کر اندر داخل ہونا پڑے گا سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک ایسی عمارت جس میں کوئی موجود نہ ہو مقفل نہ ہوگی۔ وہ درد کر کے پیچھے ہٹ گیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اندر کسی سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے۔ ایسی صورت میں پریشانیوں

ہو سکتا تھا کیونکہ تلاشی کا یہ طریقہ قطعی غیر قانونی تھا۔

ابھی وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ اندر قدموں کی ہلکی سی آواز سنائی دی اور حمید تاریکی میں سرک گیا۔ کوئی باہر ہی کی طرف آ رہا تھا۔ حمید ایسی صورت میں برآمدے سے باہر نہیں جانا چاہتا تھا۔ تاروں کی چھاؤں میں دیکھ لئے جانے کا خطرہ تھا۔

کوئی دروازہ کھول کر باہر آیا۔ اندھیرا ہونے کی وجہ سے حمید صرف آہٹ ہی سے اُس کا اندازہ لگا سکا تھا۔ دوسرے لمحے میں اس نے روشنی کی ایک باریک سی لکیر دروازے پر پڑتی دیکھی اور پھر ایک ہاتھ دکھائی دیا جس میں کوئی نکیلا اور باریک سا اوزار تھا۔

پھر اسے یہ سمجھ لینے میں دیر نہیں لگی کہ وہ آدمی کس قسم کا ہو سکتا ہے۔ یقیناً وہ بھی چوری چھپے اس مکان میں داخل ہوا تھا اور اب اس اوزار کی مدد سے دوبارہ قفل بند کرنے جا رہا تھا۔

حمید نے سوچا کہ اب اس کا تعاقب کرنا فضول ہی ہے۔ کیوں نہ اسے اس حال میں پکڑ لے۔ ظاہر ہے کہ وہ ایک غیر قانونی حرکت کر رہا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ وہ بھی اسی آدمی کے ساتھیوں میں سے رہا ہو جو مالک مکان کا کوٹ اتار کر لے بھاگا تھا۔

"ٹھہرو....!" حمید آہستہ سے بولا۔ "میرے ہاتھ میں.... ریوالور ہے.... دوست!"

لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس پر حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اس آدمی پر اس کی دھمکی کا مطلق اثر نہ ہوا۔ وہ بدستور اپنے کام میں مشغول رہا۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو۔" حمید نے سخت لہجے میں کہا۔

"میرے ہاتھ خالی نہیں ہیں۔" دوسری طرف سے جواب ملا اور حمید کے ہوش ٹھکانے ہوگئے.... آواز فریدی کی تھی۔ وہ خود کو بالکل گھامڑ محسوس کرنے لگا۔ پھر اس نے دوسری بار فریدی کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا۔ "چلے آؤ چپ چاپ۔"

اس نے باہر تاروں کی چھاؤں میں ایک دھندلا سایہ دیکھا اور بجھے ہوئے دل کے ساتھ اس کی طرف بڑھ گیا۔

وہ دونوں باہر آئے۔

"میں تم پر فخر کروں یا یہ محض اتفاق تھا۔" فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"نہیں مجھ پر فخر ہی کیجئے۔ کیونکہ میں آج کل دھمکی دینے کے بعد ہی ٹانگ پر گولی مار دیتا

ہوں۔ بلکہ بعض حالات میں پہلے فائر کر دیتا ہوں دھمکی بعد میں دیتا ہوں۔"

"شکر کرو میں تھا کوئی دوسرا ہوتا تو تم اس وقت کہیں اور ہوتے۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"اگر آپ بول نہ دیتے تو حقیقت واضح ہو جاتی۔"

"بکواس مت کرو۔ تمہارے پاس ریوالور نہیں ہے۔"

"ہے کیوں نہیں۔"

"اچھا اسی پر ایک ایک ہزار کی شرط رہی۔"

حمید اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔ وہ سڑک پار کر کے دوسری طرف نکل آئے تھے۔

"تمہاری آواز میں وہ وزن نہیں تھا جو سچ بولتے وقت ہونا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی کہتا رہا۔ "ذرا کھوپڑی استعمال کیا کرو۔ ایسے مواقع پر یا تو خاموشی سے حالات کا جائزہ لینا چاہئے یا پھر اتنی پھرتی سے حملہ کر دینا چاہئے کہ دوسرے کو سنبھلنے کا موقعہ ہی نہ ملے۔ مگر فرزند تم ادھر کیسے آ نکلے۔"

"ٹھہریئے بتاتا ہوں.... کیا گاڑی لائے ہیں آپ۔"

"ہاں.... وہ ڈی روڈ پر ہے۔"

"اچھا پھر میں پہلے اپنی ٹیکسی کا تصفیہ کر لوں۔ آپ ساتھ ہی چلیں گے نا۔"

"قطعی....!"

وہ سی روڈ پر آئے یہاں حمید نے ٹیکسی والے کو کچھ اور رقم دے کر رخصت کر دیا۔ پھر ڈی روڈ پر وہ کیڈی لاک میں بیٹھ گئے۔

"ہاں تم نے بتایا نہیں کہ تم یہاں تک کیسے پہنچے۔"

حمید نے اپنی داستان شروع کر دی اور جب کوٹ والے واقعے پر پہنچا تو فریدی بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔

"یہ بڑی عجیب بات ہے۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔ "کہیں اس نے یونہی نہ کہہ دیا ہو کہ وہ اس کا کوٹ لے بھاگا ہے۔"

"نہیں.... میں نے ٹارچ کی روشنی میں دیکھا تھا اس کے جسم پر کوٹ نہیں تھا۔ حالانکہ اُس سے تھوڑی ہی دیر قبل جب میں نے اسے کلب میں دیکھا تھا اس کے جسم پر کوٹ موجود تھا۔"

"حمید تم نے غلطی کی۔ تمہیں موٹر سائیکل کا تعاقب کرنا چاہئے تھا۔"

"میرے کاموں میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی خامی رہ جاتی ہے۔" حمید خوشگوار لہجے میں بولا۔

"نہیں کہنے کا یہ مطلب نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر مجھے پہلے ہی سے اس کا علم نہ ہوتا تو تم بنگ کا کام کر کے واپس لوٹتے.... خیر....!"

"آپ کو کیسے علم ہوا تھا۔"

"محض مونچھوں کے تذکرے پر۔ تم جانتے ہو وہ کون ہے۔"

"نہیں.... میں اس کا نام تک نہیں جانتا۔"

"اس کا نام رشید ہے.... اور وہ خاور کی ایک آئرن فیکٹری کا منیجر ہے۔"

"خاور کی فیکٹری کا منیجر۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ہاں.... اور آج جب میں خاور کے بعض آدمیوں سے مل رہا تھا مجھے اس کی مونچھوں کا خیال ہوا۔ ایسی شاندار مونچھوں پر استرا چلوانا کوئی بھی پسند نہیں کر سکتا۔ اسی بناء پر میں نے مکان کی تلاشی لینے کا پروگرام بنایا۔ لیکن مجھے کوئی ایسی چیز نہیں ملی جس سے اس کیس پر روشنی ہو۔ البتہ میں اس کی ایک ایسی تصویر لئے جا رہا ہوں جس میں مونچھیں ہیں۔"

"وہ تو اس سے بھی تصدیق ہو جائے گی۔ راجر اسٹریٹ والے اسے پہچان لیں گے۔"

"بڑی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ "مگر یہ کوٹ والا معاملہ۔"

"نا اس نے جملہ پورا نہیں کیا۔ پھر تھوڑے دیر تک خاموشی رہی۔

"آخر آپ نے مجھے سرکس کیوں بھیجا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"میں تمہیں اور زرینہ کو ساتھ دیکھنے کیلئے۔" فریدی ہنسنے لگا۔ "کافی اچھے لگ رہے تھے تم لوگ۔ میں نے دو کینہ توز آنکھیں بھی دیکھی تھیں جو تمہیں شبہ کی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔"

"کس کی آنکھیں تھیں؟"

"جم کی....!"

"کا زرینہ سے کیا تعلق....!"

"یہ سے کوئی تعلق نہیں۔ میں تمہاری بات کر رہا تھا۔"

"مجھے کینہ توز نظروں سے کیوں دیکھ رہا تھا۔"

"اوہ... کیا تمہارے دل میں اس کے خلاف کینہ نہیں۔"

"ہے لیکن کسی خاص وجہ سے نہیں۔ مجھے اس کی لاف و گزاف پسند نہیں۔"

"کچھ بھی ہو وہ تمہیں اچھی نظروں سے نہیں دیکھ رہا تھا۔"

"لیکن وہ مجھے کہیں بھی نہیں دکھائی دیا تھا۔"

"وہ چھپ کر تمہاری نقل و حرکت کا جائزہ لے رہا تھا اور میں نے تمہیں وہاں دراصل ا
لئے بھیجا تھا کہ میں ضیغم پر اس کا ردعمل دیکھ سکوں۔ اس کی صبح والی گفتگو کو میں نے کوئی اہ
نہیں دی تھی۔ لیکن اب سوچ رہا ہوں کہ اس کا اس معاملے میں کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہے۔"

"کیوں آپ نے صبح والی گفتگو کو کوئی اہمیت کیوں نہیں دی تھی۔"

"وہ اس وقت دراصل نشے میں تھا اور نشے میں وہ ہمیشہ بہت ہی لمبی چوڑی ڈینگیں مارا کرتا ہے

"مگر میں کیسے سمجھ لوں کہ وہ نشے میں ہونے کی وجہ سے بہکا ہوا تھا۔" حمید نے کہا۔ "کیا
خاور کے معاملات پر اس نے کافی مدلل قسم کی گفتگو کی تھی۔"

"میں ان شیخیوں کے بارے میں کہہ رہا تھا جو اس نے اپنے جرائم کے سلسلے میں بگھاری تھیں

"ہو سکتا ہے کہ وہ محض شیخیاں ہی نہ ہوں۔" حمید نے کہا۔ "اس کی شخصیت میری نظ
میں ہمیشہ مشتبہ رہی ہے۔"

"میں بھی اُسے شبہ کی نظر سے دیکھتا رہا ہوں۔ لیکن حمید صاحب سب سے بڑی چیز
ہے۔ اس شہر میں درجنوں ایسے افراد ہوں گے جو مجرم ہوتے ہوئے بھی قانون کی زد
ہوئے ہوں گے۔ ہم اُسی وقت کچھ کر سکتے ہیں جب جرم ہمارے علم میں آجائے۔ پھر مج
تلاش ہمارا کام ہے۔ ہاں یہ بتاؤ کہ رشید کس طرف گیا تھا۔"

"اسی طرف.... ہم ٹھیک جا رہے ہیں۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی۔ پھر حمید نے کہا۔ "شام کے اخبار میں تو اس بچے کے
آگئی ہے اور یہ بھی تھا کہ جن قمیضوں میں بچہ لپٹا ہوا ملا ہے وہ مسٹر خاور کی ہیں۔ مسٹر
اسے تسلیم بھی کر لیا ہے لیکن اس کا بیان ہے کہ وہ کسی ایسے بچے سے واقف نہیں۔ کمشنر
کیس اور اس کے متعلق خاور کے اعلانات کا بھی تذکرہ تھا۔ مگر اس مکان کے متعلق کچھ
تھا جہاں بچہ پیدا ہوا تھا۔ اس بڑھیا کے بارے میں بھی کچھ نہیں تھا جسے گلا گھونٹ کر بیہو

اس کی موت کی بھی خبر نہیں تھی۔"

"ٹھیک ہے۔" فریدی بولا۔ "رپورٹ میں نے ہی مرتب کرائی تھی اور میرے ہی ایماء پر
کی اشاعت ہوئی ہے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر حقیقت کو چھپانے سے کیا فائدہ۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ
م کو اس کا علم نہ ہوگا۔ کیا وہ یہ نہ جانتا ہوگا کہ بیہوش بڑھیا نے ہوش میں آنے کے بعد سارے
ات بیان کر دیئے ہوں گے اور کیا ان کی پُر اسرار گمشدگی کی شہرت نہ ہوئی ہوگی۔"

ٹھیک ہے وہ سب کچھ جانتا ہوگا۔ اگر نہ جانتا ہوتا تو مونچھیں منڈوانے کی ضرورت ہی نہیں
یہ سب کچھ مجرم کو دھوکے میں رکھنے کے لئے نہیں کیا گیا بلکہ اخبارات اور پبلک کی نکتہ
ں سے بچنے کیلئے کیا گیا ہے۔ پتہ نہیں ہم کب مجرموں کو گرفتار کر سکیں۔ اگر دیر لگی تو اخبار
لگیں گے کہ اتنے سراغ موجود ہونے کے باوجود بھی پولیس ابھی تک کچھ نہیں کر سکی۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "اب رشید کو گرفتار کر لینے میں کیوں
ٹ ہے۔"

"کوئی ہچکچاہٹ نہیں۔ بس اس کی مونچھوں والی تصویر راجر اسٹریٹ والوں کو دکھا کر تصدیق
ہے۔ اُس کے بعد میں اُسے پکڑ لوں گا۔"

کیڈی لاک رات کے سناٹے میں فراٹے بھرتی رہی۔ سڑک بالکل سنسان پڑی تھی۔ حمید
کے کوٹ کے متعلق سوچ رہا تھا۔ ممکن ہے فریدی کے ذہن میں بھی یہی رہا ہو۔

"ایک بات ہے جناب۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ "ضیغم کے دلائل بھی قابل قبول تھے۔
یسے دولت مند آدمیوں کے لئے یہ کام مشکل نہیں۔"

"یعنی وہ اس طرح برگشتہ بیوی کو اپنے پاس بلانا چاہتا ہے۔"

"جی ہاں! اس قسم کے شوہر اپنی بیویوں پر دھاک بٹھانے کے لئے سب کچھ کر گذرتے ہیں۔
ے کئی آدمیوں کو جانتا ہوں جو عیاشی کی صلاحیت نہ رکھنے کے باوجود بھی بہت ہی مشہور قسم
ائل ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی بیویوں پر صلاحیتوں کی دھاک بٹھائیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ
ہر کرتے ہیں کہ تم ہمارے معیار پر پوری نہیں اتری ہو اسی لئے ہم تمہاری پرواہ نہیں کرتے۔"

"ٹھیک ہے۔" فریدی نے کہا۔ "میں تمہارے اس نظریئے کی تردید نہیں کروں گا اور نہ میں

نے یہی کہا ہے کہ ضیغم کے دلائل غلط تھے۔"

"پھر کیا دشواری ہے۔"

"عدالتیں ٹھوس قسم کے ثبوت چاہتی ہیں۔ نفسیاتی امکانات پر کوئی غور نہیں کرتا۔ کے کیس کے متعلق ضیغم نے جو کچھ بھی کہا ہے اس کے امکانات ہیں لیکن یقین کے ساتھ نہ جاسکتا کہ حقیقت یہی ہے۔ امکانات تو اس کے بھی ہو سکتے ہیں کہ خاور کو کوئی بدنام کرنا چاہ چھان بین کرنے پر مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ عنقریب ہونے والے اسمبلی کے انتخابات میں لینے والا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اس کے کسی حریف نے اسے بدنام کرنے کے لئے کچھ کیا ہو۔ اگر اس کے خلاف جرم ثابت ہو جائے تو اس کی سوشل پوزیشن کیا ہوگی۔ کیا صورت میں امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہو سکے گا۔"

"قطعی نہیں....!" حمید نے کہا۔ "مجھے اس کا علم نہیں تھا۔"

اچانک کیڈی کی ہیڈ لائٹس کی روشنی سڑک پر کھڑی ہوئی ایک کار پر پڑی اور فر کیڈی کی رفتار کم کر دینی پڑی۔ سڑک زیادہ کشادہ نہیں تھی اور وہ کار اس طرح ترچھی کھڑ تھی کہ راستہ قریب قریب بند ہو گیا تھا۔

کچھ اور آگے بڑھنے پر انہیں ایک آدمی دکھائی دیا جو سڑک کے کنارے اوندھا پڑا اس کا ایک پیر کار کے پائیدان پر تھا۔

فریدی نے کیڈی روک دی اور وہ بڑی تیزی سے نیچے اتر آئے۔

حمید نے مضطربانہ انداز میں اس آدمی کو سیدھا کیا۔

"یہ تو وہی ہے.... کیا نام بتایا تھا آپ نے۔" اس نے کہا۔

"رشید....!"

"جی ہاں....!"

"پھر وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ فریدی کی ٹارچ کی روشنی بیہوش آدمی کے چہرے پر پڑ رہ

تعاقب

دوسری صبح حمید ذرا دیر میں بیدار ہوا اور آنکھ کھلتے ہی پچھلی رات کے واقعات ذ

لگانے لگے۔ وہ کافی دیر تک رشید کو ہوش میں لانے کی کوشش کرتے رہے تھے لیکن انہیں اس میں کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ پھر تھک ہار کر انہیں اسے ہسپتال پہنچانا پڑا۔ وہاں بھی تقریباً دو گھنٹے تک وہ اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کرتے رہے۔ لیکن انہیں مایوسی ہی ہوئی۔ پھر وہ گھر واپس آ گئے۔ بہر حال ڈاکٹر نے اس کی بیہوشی کے بھی وہی اسباب بتائے جو بڑھیا کی بیہوشی کے بتائے تھے۔ یعنی رشید کو بھی گلا گھونٹ کر بیہوش کیا گیا تھا اور اس کے خیال کے مطابق رشید کی حالت بھی خطرے سے باہر نہیں تھی۔

حمید کافی دیر تک بستر ہی پر پڑا اس کے متعلق سوچتا رہا۔

فریدی کوٹھی میں موجود نہیں تھا۔ ناشتے کی میز پر بھی اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ ناشتے کے دوران ہی میں زرینہ کا فون آیا۔ وہ حمید سے آج کے پروگرام کے متعلق پوچھ رہی تھی اور ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اس بچے کو لے کر اس کی پرورش کرنا چاہتی ہے۔ حمید اس خواہش پر چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے اس وقت تو اسے مذاق میں ٹال دیا۔ لیکن پھر بہت دیر تک اس کے متعلق سوچتا رہا۔

دس بجے فریدی واپس آ گیا۔ اس کے چہرے پر بے چینی کے آثار تھے۔

"وہ بھی ختم ہو گیا۔" اس نے آتے ہی کہا اور فلٹ ہیٹ میز پر پھینک کر ایک صوفے میں گر گیا۔

"کون ختم ہو گیا؟" حمید نے پوچھا۔

"رشید.... اور وہ بھی کوئی بیان نہ دے سکا۔ کچھ بولا ہی نہیں۔ مرنے سے دو تین گھنٹے پیشتر اس کے منہ اور ناک سے خون جاری ہو گیا تھا۔ بہر حال اس میں بھی وہی سب علامتیں پائی گئی ہیں بڑھیا میں پائی گئی تھیں۔"

فریدی خاموش ہو کر سگار سلگانے لگا۔

کچھ دیر سکوت رہا پھر فریدی نے کہا۔ "دوسری دلچسپ بات یہ ہے کہ راجر اسٹریٹ والوں نے رشید کی تصویر دیکھتے ہی کہہ دیا کہ یہی آدمی زچہ کے ساتھ تھا۔"

"تو پھر اس صورت میں ہم اسے بڑھیا کا قاتل نہیں قرار دے سکتے۔" حمید بولا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ لیکن پڑوسیوں نے رشید کے علاوہ کسی دوسرے آدمی کو وہاں کی نہیں دیکھا تھا۔"

"اب آپ رشید کے کوٹ کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔"

"کیا کہوں! کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ اب کیس بہت زیادہ الجھ گیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ رشید پر بعد کو بھی اسی آدمی نے حملہ کیا تھا جو اس کا کوٹ اتار لے گیا تھا تو پھر ہمیں یہ بھی تسلیم کرلینا پڑے گا کہ وہی شخص بڑھیا کا بھی قاتل ہے کیونکہ دونوں کی موت یکساں حالات میں واقع ہوئی ہے۔ اگر اسے بڑھیا کا بھی قاتل تسلیم کرلیا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ رشید اُس کی شخصیت سے واقف تھا کیونکہ اس نے بڑھیا کا گلا رشید کی موجودگی ہی میں گھونٹا ہوگا۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ رشید اور وہ دونوں شریک کار تھے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے رشید کا گلا کیوں گھونٹ دیا اور رشید کا کوٹ اتارنے کا کیا مطلب تھا۔ پھر رشید اس کوٹ کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے اتنا بدحواسی میں بھاگا تھا جیسے اس کوٹ کی قیمت لاکھوں روپے رہی ہو.... اب اس ساری تگ و دو کے مقصد پر غور کرو کیا یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا ہے کہ خاور کو ایک غیر قانونی بچے کا باپ ثابت کیا جاسکے۔ اگر ہم اسے تسلیم بھی کرلیں تو ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ اس سے خاور کو جو نقصان پہنچ گا وہ اس تگ و دو کے مقابلے میں کوئی خاص اہمیت رکھتا ہے یا نہیں۔"

"آپ خاور ہی کو اصل مجرم تصور کر کے اس مسئلے پر کیوں نہیں غور کرتے۔" حمید بولا۔

"اچھا چلو ہم اس نقطہ نظر سے بھی واقعات کا جائزہ لیتے ہیں۔"

فریدی چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "ضیغم کی گفتگو کا لب لباب یہی تھا نا کہ وہ اس طرح اپنی صلاحیتوں کا پروپیگنڈا کر کے اپنی بیوی کو واپس بلانا چاہتا ہے۔ لیکن اب سنو! اگر اس میں شوہر بننے کی صلاحیت ہے ہی نہیں تو وہ بیوی کو بلا کر کرے گا کیا۔ اور اگر صلاحیت ہے تو اسے ایک نہیں ہزار عورتیں مل سکتی ہیں کیونکہ اس کے پاس دولت ہے۔ دولت سینکڑوں عیوب پر پردہ ڈال دیتی ہے اور پھر ایسے موقعے پر جب کہ وہ الیکشن کے لئے کھڑا ہو رہا ہے۔ کبھی یہ نہ چاہے گا کہ اس کی سوشل پوزیشن خطرے میں پڑ جائے۔ یہ حرکت اس سے الیکشن کے بعد بھی سرزد ہو سکتی تھی پھر دو سال سے اس کی بیوی اس کے پاس نہیں ہے اگر وہ اس کے لئے اتنا ہی بے تاب ہے کہ کی واپسی کے لئے ہر صحیح یا غلط راستہ اختیار کر سکتا ہے تو اس نے ان دو برسوں کے عرصے میں سے کبھی ملنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔ ہمیشہ یہی کہتا رہا ہے کہ اگر اسے میرے ساتھ رہنا ہو خود ہی چلی آئے گی.... بولو.... اب کیا کہتے ہو! اچھا اور سنو۔ اگر وہ خود ہی اس حرکت کا ذمہ

اس کا یہ مطلب ہوا کہ اس نے اس سلسلے میں اپنے ایک ملازم رشید سے مدد لی تھی۔ لیکن پھر ختم کرا دینے میں کیا مصلحت ہو سکتی ہے؟"

"رشید کو کیوں ختم کر دیا۔" حمید نے حیرت سے دہرایا۔ "کمال کرتے ہیں۔ آپ بھی.... یہ کھلی ہوئی بات ہے۔"

"کیا کھلی ہوئی بات ہے۔"

"ارے خاور نے اس سے اس معاملے میں مدد لی اور پھر اس خیال سے اسے ختم کر دیا کہ کہیں افشاں نہ کر دے۔"

"خود خاور نے ختم کر دیا۔" فریدی مسکرایا۔ "کیا وہ خاور ہی تھا جس نے رشید کا کوٹ اتارا تھا۔ اس پہاڑ سے تو قع رکھتے ہو کہ وہ اتنا پھرتیلا ہوگا۔"

"ہو سکتا ہے کہ اس نے کسی دوسرے سے کام لیا ہو۔"

"تمہاری کھوپڑی اس وقت شائد کسی دلدل میں پھنس گئی ہے۔ رازداری کے خیال سے اس نے آدمی کو ختم کرا دیا اور ایک دوسرے آدمی پر اعتماد رکھتا ہے۔ کیا بکواس ہے۔ نہیں حمید خاور میں اس قسم کے جرائم کی صلاحیت قطعی نہیں ہے۔"

"ارے پھر کیا مجرم بھی کسی کے بطن سے پیدا کیا جائے گا۔" حمید اپنا سر پیٹ کر بولا۔

"مجرم....!" فریدی مسکرایا.... لیکن پھر کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"کہئے کہئے خاموش کیوں ہو گئے۔ کوٹ کا مسئلہ مجھے بُری طرح پریشان کئے ہوئے ہے۔"

"کوٹ کا مسئلہ.... میں خود اسی کے متعلق سوچ رہا ہوں۔"

"دیکھئے میں اس سلسلے میں کچھ اور سوچ رہا ہوں۔" حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔

"کیا سوچ رہے ہیں آپ۔" فریدی مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔

حمید غالباً اس کے لہجہ پر جھنجھلا گیا۔ اس لئے اس نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔

"میں جو کچھ بھی سوچ رہا ہوں۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔ "مجھے اس محکمہ میں آنے سے پہلے ہی بتانا چاہئے تھا۔"

فریدی اس پر کچھ نہیں بولا۔ وہ کسی گہری سوچ میں تھا۔ تھوڑی دیر بعد حمید نے اسے زرینہ کے متعلق بتایا جو اس بچے کو سرکاری پرورش گاہ سے حاصل کرنا چاہتی تھی۔ حمید سمجھا تھا کہ یہ

اطلاع فریدی کو چونکا دے گی لیکن خلاف توقع فریدی نے اسے سرسری طور پر سنا لیکن اپنا
نہیں ظاہر کیا۔

یہ حقیقت تھی کہ رشید کی موت نے ایک بار پھر انہیں تاریکی میں چھوڑ دیا تھا۔ اور اب
کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ فریدی صرف خاور ہی کو کھنگالتا نچوڑتا رہے۔ اسے
تھی کہ وہ رشید کے قاتل تک خاور ہی کے ذریعہ پہنچ سکتا ہے۔ بچے والے کیس کے سلسلے
رشید مجرم ثابت ہوا تھا اور بچے کا تعلق خاور سے ظاہر کیا جارہا تھا۔ ایسی صورت میں اب خا
فریدی کے سامنے تھا.... اور پھر دوسری طرف ضیغم تھا۔ لیکن اس کے خلاف فریدی ابھی
ثبوت بہم نہیں پہنچا سکا تھا۔ ویسے ضیغم کے معاملے میں بعض دوسری دشواریاں بھی تھیں۔
خاور کا کھلا ہوا دشمن تھا۔ خود اس نے اس کا اعتراف کیا تھا لیکن اب پھر یہی سوال پیدا ہوتا
ضیغم کے نزدیک خاور کو ایک غیر قانونی بچے کا باپ ثابت کرنے میں کیا افادیت ہو سکتی تھی۔
اس سے اسے کیا فائدہ پہنچتا۔ فریدی اور حمید تین دن تک اسی موضوع پر بحث کرتے
لیکن کسی خاص نتیجے پر نہ پہنچ سکے۔

فریدی نے رشید کے بنگلے کی ساری چیزیں الٹ پلٹ ڈالیں لیکن اسے کوئی ایسی چیز نہ
جس سے بچے کی ماں کی شخصیت پر روشنی پڑتی یا اس کا سراغ مل سکتا۔

حقیقتاً اب وہی ایک ہستی رہ گئی تھی جو اس جرم کی نوعیت یا اس کے مقصد پر روشنی ڈا
تھی۔ اس کی تلاش اشد ضروری تھی۔

فریدی زیادہ تر خاموش رہتا تھا۔ اس نے اپنی موجودہ مشغولیات کے متعلق حمید سے
کرنا ترک کر دیا تھا۔ یا دوسرے الفاظ میں حمید کو بالکل چھٹی تھی۔

دوسری طرف شہر کے اخبارات روزانہ اپنے اداریوں میں نت نئی باتیں لکھ رہے
بہتیرے تو یہاں تک مطالبہ کر بیٹھے تھے کہ خاور کے خلاف قانونی کاروائی شروع کر دی
بعض اخبارات نے اس واقعے کو سیاسی اغراض کے تحت بُری طرح اچھالا تھا اور وہی پرانی
باتیں بد سلیقگی کے ساتھ دہرائی گئی تھیں جو عام طور پر سرمایہ داروں کے خلاف سننے
ہیں۔ پھر ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں مقامی حکام پر بھی چوٹیں کرنا کتنا ضروری ہو جاتا ہے

ایک دن حمید فریدی کو چھیڑ ہی بیٹھا۔

"آپ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔" اس نے کہا۔

"میں یہیں اور بہت کچھ کر رہا ہوں۔ بہت جلد تم کسی کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں دیکھو گے اور
ری آنکھیں حیرت سے پھیل جائیں گی۔"

"آخر کچھ تو بتایئے۔"

"ابھی کچھ نہیں! محض شبہے کی بناء پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ویسے اب یہ کیس ایک نیا رخ اختیار
ہے مگر حمید کوٹ کا مسئلہ ابھی تک حل نہیں ہو سکا۔"

"سنئے! ایک بات میری سمجھ میں آئی ہے۔"

"کیا....؟"

"خاور کا سوٹ کیس اسی لئے اڑایا گیا تھا کہ اس کے کپڑوں کے ذریعہ اس کے خلاف ایک
ثابت کیا جائے۔ ممکن ہے رشید کا کوٹ بھی اسی لئے چھینا گیا ہو۔"

"مگر رشید تو پہلے ہی سے ایک جرم میں الجھا ہوا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "اگر اس کا کوٹ بھی
قسم کے کسی کام میں استعمال کیا جانے والا تھا تو پھر رشید کو ختم کیوں کر دیا گیا۔ مگر نہیں حمید یہ
نہیں ہے۔ حقیقتاً حملہ آور صرف کوٹ ہی حاصل کرنا چاہتا تھا اسے مار ڈالنے کی نیت نہیں
تھا۔ اگر نیت یہ ہوتی تو وہ پہلے اسے مار ڈالتا پھر کوٹ اتار لیتا۔ رشید اس کا تعاقب کر رہا تھا
ہے دونوں پھر ٹکرا گئے ہوں۔ رشید نے کوٹ چھیننے کی کوشش کی ہو اور اسی جدوجہد میں مارا
ہو۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا رشید اس شخص سے واقف تھا۔"

"اس کیس میں آپ بار بار اپنے نظریات تبدیل کر رہے ہیں۔ غالباً اب آپ یہ ثابت کرنے
کوشش کریں گے کہ رشید حملہ آور سے واقف تھا۔ حالانکہ شائد آپ ایک بار یہ ثابت کر چکے
کہ رشید حملہ آور کی شخصیت سے ناواقف تھا۔"

"تم بھول رہے ہو۔ میں نے یہ کبھی نہ کہا ہوگا۔ رشید کی موت کے بعد سے میرا نظریہ یہ رہا
کہ رشید اور وہ شریک کار تھے۔ کیونکہ بڑھیا اور رشید کی موتیں یکساں حالات میں واقع ہوئی
تھیں۔ اگر رشید نہ مرتا تو میں اسے ہی بڑھیا کا قاتل ٹھہراتا۔"

"اوہ مگر کوٹ کی بات پھر رہ گئی۔" حمید نے کہا۔

"کوٹ....!" فریدی نے ایک طویل سانس لی۔ "حالات یہ کہہ رہے ہیں کہ رشید کوٹ

حاصل کرنے کے لئے حملہ آور کے پیچھے دوڑا تو ضرور تھا لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اس کو
لئے قانونی چارہ جوئی نہ کر سکتا۔"

"کیوں نہ کر سکتا۔ یہ آپ کس بناء پر کہہ رہے ہیں۔"

"عقل استعمال کرو فرزند....!" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "ہم اس بات کو تسلیم
ہیں کہ رشید اور حملہ آور ایک دوسرے سے واقف تھے۔ اس نے اس پر پہلا حملہ اس کے
کے کمپاؤنڈ میں کیا تھا اور حملے کا مقصد محض کوٹ چھیننا تھا۔ رشید کو مار ڈالنا نہیں۔ اُسے اطمینا
کہ رشید کوٹ کے حصول کیلئے قانونی چارہ جوئی نہیں کر سکتا ورنہ وہ اسے پہلے ہی حملے میں مار ڈالتا

"ٹھیک ہے.... میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کوٹ میں کیا تھا۔ یقیناً کوئی ایسی چیز رہی ہوگی جو قیمتی تو
لیکن اس کے حصول کے لئے قانون کا سہارا لینا ممکن نہ ہوگا۔"

"کیا چیز ہو سکتی ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

"الہام ہونے دو۔ بتادوں گا۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔ "اس کیس کے دوران میں مجھ میں ایک ذہنی ا
ہوا ہے۔"

"وہ کیا....؟"

"قدامت پر بُری طرح جان دینے لگا ہوں۔ عورتوں مردوں کے آزادانہ تعلقات کو
نظروں سے نہیں دیکھتا جنسی معاملات میں جذبات کی تہذیب ناممکن ہے۔ اس سلسلے
سائنٹیفیک بحث قطعی بکواس ہے۔ بچاؤ صرف پابندیوں میں ہے۔ بعض مغربی عالم جنہیں میں
سمجھتا ہوں اس سلسلے میں بڑی سائنٹیفک قسم کی بحثیں چھیڑتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ پابندیاں
بے راہروی کو جنم دیتی ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ مغرب کدھر جا رہا ہے۔ وہاں تو اب
جنسوں کے باہمی تعلقات پر کسی قسم کی بھی پابندی نہیں رہ گئی۔ لیکن میرا دعویٰ ہے کہ
مغربی ممالک کا ہر پانچواں آدمی جنسی بے راہروی کا شکار ہے۔ ذرا انسائیکلوپیڈیا سکسوالس اٹھا کر د
مغربی ممالک میں پائی جانے والی جنسی بے راہروی کی اتنی اقسام ملیں گی کہ تم سناٹے میں آجاؤ گے

"بہت بُرا ہوا جناب۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"کیا مطلب....!"

"مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ اس کیس کے اختتام پر ڈاڑھی نہ رکھ لیں۔ ارے سرکار کیا رکھا
ان فضول باتوں میں.... بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست۔ چار دن کی زندگی ہے اگر
ولی بن کر جئے تو قبر میں افسوس کرنا پڑے گا۔"

فریدی کچھ نہیں بولا۔ وہ اٹھ کر ٹہلنے لگا تھا۔

دن بھر وہ آفس سے بھی غائب رہا اور شام کو جب آفس سے گھر آیا تو فریدی موجود تھا۔
ن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے کچھ نہ بولنے کی قسم کھائی ہو۔

حمید نے بھی چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ کھانے کی میز پر بھی خاموشی ہی رہی۔

نو بجے فریدی نے فون پر کوئی اہم پیغام وصول کیا۔

"چلو.... جلدی کرو۔" اس نے حمید سے کہا۔ "کپڑے تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں۔
کوٹ ڈال لو۔"

حمید نے چپ چاپ تعمیل کی۔ فریدی کے موڈ میں جھلاہٹ کی آمیزش بھی تھی۔ اسی لئے
نے چوں وچرا کی ہمت نہیں کی۔

فریدی نے گیراج سے کیڈی کے بجائے چھوٹی آسٹن نکالی۔ حمید سمجھ گیا کہ معاملہ اہم ہی
سکتا ہے۔ یہ کار بہت ہی مخصوص قسم کی مہموں میں استعمال کی جاتی تھی۔

فریدی اب بھی خاموش تھا۔

تھوڑی دیر بعد کار راجن پورے کی ایک تاریک گلی میں کھڑی کر دی گئی۔ دونوں طرف کئی
منزل اونچی عمارتیں تھیں اور گلی میں اس قدر تاریکی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا تھا۔

فریدی کار سے اُتر گیا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔

گلی سے گذر کر وہ سڑک پر آگئے۔

فریدی کو شائد کسی کا انتظار تھا۔ وہ سڑک کی دوسری طرف کے ایک بک سٹال پر جا کر
کھڑے ہو گئے۔ فریدی اس طرح مختلف شوکیسوں پر نظر دوڑا رہا تھا جیسے اسے کسی خاص کتاب کی
تلاش ہو۔ ان دونوں نے اپنے السٹروں کے کالر کھڑے کر رکھے تھے اور فلٹ ہیٹوں کے گوشے
پیشانیوں پر جھکے ہوئے تھے۔

شائد کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھے ہوئے آدمی کو اس ہیئت پر تعجب نہیں ہوا تھا۔ ہوتا بھی کیو جب کہ وہ ہر رات اس قسم کے آدمیوں کو ارجن پورے کے چکر لگاتا ہوا دیکھا کرتا تھا۔ ارجن پورہ غریب آدمیوں کی بستی تھی اور ہر رات یہاں شہر کے متعدد لوگ اپنے منہ چھپائے ہوئے آتے۔ تنگ و تاریک گلیوں سے لڑکیاں نکل کر ان کی کاروں میں بیٹھ جاتیں اور ان گلیوں کی تاریکی جگمگاتی ہوئی سڑکوں کے اس ظلم پر روتی اور سسکتی رہ جاتی۔

غالباً کتب فروش ان دونوں کو بھی اسی قسم کا آدمی سمجھا تھا۔ وہ بدستور اپنے کام میں مشغول رہا۔

اچانک ایک عورت ان کے قریب سے تیزی سے گذری۔ حمید چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ ایک دراز قد عورت تھی۔ اس نے ایک لمبا کوٹ پہن رکھا تھا اور کوٹ کے کالر پر اتنا اونچا فر لگا تھا کہ اس کا سر قریب قریب چھپ کر رہ گیا تھا۔ چال سے جوان ہی معلوم ہوتی تھی۔ حمید اس کے سفید اور سبک ہاتھ دیکھے۔ چہرہ دیکھنے کی حسرت ہی رہ گئی تھی۔

فریدی نے جلدی سے ڈائجسٹ کی ایک کاپی خریدی اور حمید کا ہاتھ دبا کر آگے بڑھ گیا۔ حمید نے اس عورت کو ایک کار میں بیٹھتے دیکھا۔ غالباً وہ بہت جلدی میں معلوم ہوتی تھی۔ لیکن اس بار بھی وہ اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا۔ فریدی تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اس طرف جا رہا تھا جہاں اس نے کار کھڑی کی تھی۔

حمید نے محسوس کیا کہ فریدی نے اپنی کار اسی عورت کی کار کے پیچھے لگا دی ہے۔

فائروں کی گونج

حمید نے ایک جھرجھری سی لی اور اندھیرے میں فریدی کو گھورنے لگا۔ کار کے اندر تاریکی تھی۔ کبھی کبھی سڑک کی روشنی اس کے چہرے پر پھسلتی ہوئی تاریکی میں گم ہو جاتی تھی۔ فریدی کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔ حمید نے ایک طویل سانس لی اور آہستہ سے بولا۔ "کیا آپ نے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔"

"نہیں.... کیا تم نے دیکھا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں میں بھی نہ دیکھ سکا۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "ویسے آپ کے لئے ٹھیک رہے گی۔"

"کیا بکتے ہو۔"

"وہی جو کچھ دیکھتا ہوں اور قطعی محو حیرت نہیں ہوں کہ دنیا کیا ہو جائے گی۔"

حمید سچ مچ خاموش ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ عورت وہی ہے جس کی انہیں تلاش تھی مگر ...وہ عورت تو راجر اسٹریٹ کے ایسے مکان میں تھی جہاں کی رہنے والی کسی بھی عورت سے ...نہیں کی جا سکتی کہ وہ کار ڈرائیو کرنا بھی جانتی ہو گی اور نہ وہ اتنی دولت مند ہو سکتی ہے کہ ...میں اتنا شاندار فر لگا سکے۔

تھوڑی دیر بعد اگلی کار شہر کی حدود سے باہر نکل گئی اور دفعتاً حمید چونک کر بولا۔

"یہ کیا معاملہ ہے۔ اس کے آگے بھی ایک کار معلوم ہوتی ہے۔"

"ہاں وہ ارجن پورے ہی سے اس کار کا تعاقب کر رہی ہے۔" فریدی نے کہا۔

فریدی نے اپنی کار کی ہیڈ لائیٹس بجھا دی تھیں اور اگلی کار کی عقبی سرخ روشنی پر نظر جمائے ...ئے راستہ طے کر رہا تھا۔ سڑک بالکل ویران تھی۔ اور وہ اس وقت جھریالی کے ویرانے سے ...رہے تھے۔

"یہ آخر کہاں جا رہی ہے۔" حمید مضطربانہ انداز میں پہلو بدل کر بولا۔

"جہنم میں۔" فریدی غرایا۔ "ہمیت کے ان ہولناک ویرانوں میں جہاں انسانیت سسک ...ک کر دم توڑ دیتی ہے۔"

"لیکن اگلی کار پر کون ہے؟"

"حمید خاموش رہو.... باتیں پھر ہو جائیں گی۔"

"اچھا صرف اتنا بتا دیجئے یہ عورت وہی تو نہیں ہے جس کی ہمیں تلاش تھی۔"

"حقیقتاً ہمیں کسی کی تلاش نہ ہونی چاہئے تھی۔ مجرم ہمارے علم میں تھے۔"

"کون....؟"

"شیطان کا بیٹا.... حیوان کی بیٹی۔"

"آغا حشر یاد آ رہے ہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"شٹ اپ....!" فریدی سچ مچ غصے میں تھا۔

...اب وہ اس علاقے میں تھے جہاں لوگ دن کے اجالے میں بھی جاتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ ...دونوں کاریں سڑک چھوڑ کر کچے راستے پر اتر گئی تھیں اور ان کی روشنیاں بجھی ہوئی نہیں

تھیں۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ سب سے آگے والی کار ڈرائیو کرنے والا عورت والی کار کے وجود سے بے خبر نہیں تھا۔

اور پھر اچانک ایک جگہ سب سے آگے والی کار رک گئی۔ اس کے ساتھ ہی عورت کی کار بھی رکی۔

ادھر فریدی نے بھی اپنی کار روک دی۔

"تم مجھے خوفزدہ نہیں کر سکتے سمجھے۔" انہوں نے ایک نسوانی آواز سنی۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

وہ دونوں کار سے اتر کر زمین پر لیٹ گئے۔ عورت ان سے زیادہ فاصلے پر نہیں معلوم ہوتی تھی

"بکواس مت کرو۔" یہ کسی مرد کی آواز تھی۔ "میں نے تمہیں ایک بات سے آگاہ کرنے کے لئے بلایا ہے۔ وہ یہ کہ آج سے میں تمہارا مالک ہوں۔"

"اور میں تمہیں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ مجھے کسی بات کی پرواہ نہیں۔ میں خود اپنی مالک ہوں دنیا کی کوئی طاقت مجھے کسی معاملے میں مجبور نہیں کر سکتی۔"

"اگر یہ بات ہے تو تم جا سکتی ہو۔" مرد بولا۔

"تمہارے لہجے میں دھمکی ہے۔" عورت نے کہا۔ "لیکن یہ یاد رکھنا کہ میری زبان کی ایک ہلکی سی جنبش تمہیں پھانسی کے تختے تک پہنچا سکتی ہے۔"

مرد نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔ "خام خیالی ہے۔ میں کبھی کوئی کچا کام نہیں کرتا۔"

اچانک ایک فائر ہوا اور کسی کے زمین پر گرنے کی آواز آئی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں عورت چیخنے لگی۔

"کون ہے....؟ یہاں کیا ہو رہا ہے۔" دفعتاً فریدی کی گرجدار آواز سناٹے میں لہراتی چلی گئی.... اور وہ اس طرح چیخی جیسے کوئی اس کا گلا گھونٹ رہا ہو.... حمید اور فریدی آواز کی طرف دوڑنے لگے۔ لیکن اب سناٹا چھا گیا تھا۔

قریب ہی ایک کار اسٹارٹ ہوئی اور فراٹے بھرتی ہوئی اندھیرے میں گم ہو گئی۔ اس کی ساری روشنیاں بجھی ہوئی تھیں۔

فریدی کی ٹارچ کی روشنی نے دوسرے ہی لمحے میں اسے جالیا۔ لیکن حمید کو اس پر حیرت

کہ فریدی نے اسے نکل جانے دیا۔ حالانکہ وہ اس کا تعاقب بھی کر سکتا تھا۔ فریدی ٹارچ بجھا دوسری کار کی طرف مڑا جو ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔ اس نے پھر ٹارچ روشن کی اور روشنی کا دائرہ سہمی ہوئی عورت پر پڑا جو اپنی کار میں بیٹھنے ہی والی تھی۔

"ٹھہرو....!" فریدی اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "کیا بات تھی۔"

"اوہ.... وہ مجھے لوٹنا چاہتا تھا۔ لیکن میں بچ گئی۔ میری رقم بچ گئی۔ آپ ٹھیک وقت پر پہنچے۔ بہت شکریہ۔"

حمید غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ یہ ایک وجیہہ اور صحت مند عورت تھی۔ عمر پچیس اور تیس کے درمیان میں رہی ہوگی۔ چہرہ پر کشش مگر سخت گیروں کا سا تھا۔ آنکھوں کی بناوٹ صاف کہہ رہی تھی کہ وہ اپنی مقصد براری کے سلسلے میں انتہائی بے رحم بھی ثابت ہو سکتی ہے۔

"آپ یہاں اس ویرانے میں اس وقت کیا کر رہی تھیں۔" فریدی نے پوچھا۔

اور پھر اس عورت نے اتنی صفائی اور بے تکلفی سے جھوٹ بولا کہ حمید اس کی صورت دیکھتا رہ گیا۔ اس نے کہا۔ "میں تار جام سے واپس آ رہی تھی۔ راہ کے ایک چائے خانے میں اس آدمی سے ملاقات ہوئی۔ دوران گفتگو میں اس نے بتایا کہ وہ ایک ایسا راستہ بھی جانتا ہے جس سے تھوڑے ہی وقت میں شہر تک کی مسافت طے ہو جائے گی۔"

"خوب.... لیکن فائر کس نے کیا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"اسی نے....!"

"میرا خیال ہے کہ وہ کوئی پاگل تھا۔" فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "کیونکہ پہلے تو اس نے کیا پھر گلا گھونٹنے لگا۔"

"نہیں.... وہ میرا وینٹی بیگ چھیننے کی کوشش کر رہا تھا۔ گلا نہیں گھونٹا تھا۔" عورت نے کہا۔

"تو اب آپ کہاں جائیں گی۔"

"شہر....!"

"چلئے میں ساتھ چل رہا ہوں۔ ممکن ہے وہ پھر حملہ کرے۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ نہیں.... آپ کہاں تکلیف کریں گے۔ میں خود ہی چلی جاؤں گی۔"

"تعجب ہے کہ آپ کو خطرے کا احساس نہیں۔ میں آپ کی گاڑی میں بیٹھ کر چلوں گا اور

میرے ساتھی میری گاڑی لے جائیں گے۔"

"نہیں میں تنہا جاؤں گی۔"

"آپ تنہا نہیں جائیں گی۔" فریدی کے لہجے میں سختی تھی۔

"کیا آپ بھی اسی ڈاکو کے ساتھیوں میں سے ہیں۔" عورت نے بے باکی سے کہا۔

"نہیں میں اس کے ساتھیوں میں سے ہوں جس نے اپنی مونچھیں منڈوادی تھیں۔"

عورت چونک کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ ٹارچ کی روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ حمید نے اس کی آنکھوں میں بدحواسی کے آثار دیکھے۔

"اور محترمہ.....!" فریدی تلخ لہجے میں بولا۔ "آپ کے وینٹی بیگ میں اعشاریہ دو پانچ پستول ہے اسے میرے حوالے کر دیجئے۔"

"تم کون ہو۔" اچانک عورت نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"میں کوئی بھی ہوں لیکن میں تمہاری ہی گاڑی میں سفر کروں گا۔" فریدی نے کہا اور اس کے ہاتھ سے اس کا وینٹی بیگ چھین لیا۔

عورت شور مچانے لگی۔

فریدی نے قہقہہ لگایا اور آہستہ سے بولا۔ "اب یہاں کوئی چوتھا آدمی موجود نہیں ہے۔ اس ویرانے سے لوگ دن کو بھی نہیں گذرتے کیونکہ میلوں تک انہیں کہیں درخت کا سایہ نہیں نصیب ہوتا۔ چلو اب بیٹھ جاؤ کار میں۔ میں چاہتا ہوں کہ مجھے تمہارے جسم میں ہاتھ نہ لگانا پڑے۔"

"کیا آپ نے اس خادم کو فراموش کر دیا۔" حمید غمگین لہجے میں بولا۔ "یہ خاکسار اپنے فرائض بخوبی انجام دے سکتا ہے۔"

عورت چپ چاپ دروازہ کھول کر اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی فریدی دوسری طرف سے گھوم کر اسٹیئرنگ کے پیچھے پہنچ گیا۔ حمید اس وقت تک نیچے ہی کھڑا رہا جب تک فریدی نے کار اسٹارٹ نہیں کر دی۔ پھر وہ چھوٹی آسٹن میں جا بیٹھا۔

فریدی نے عورت کے وینٹی بیگ سے پستول نکال کر بیگ اسے واپس کر دیا تھا۔

"اب اپنا بیگ دیکھ لو۔ کہیں میں نے رقم نہ نکال لی ہو۔"

عورت کچھ نہ بولی۔ وہ اس سے بہت زیادہ مرعوب نظر آ رہی تھی۔

"آپ کون ہیں۔" اس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"میں کوئی بھی ہوں لیکن میں کبھی کوئی غیر قانونی قسم کی حرکت نہیں کرتا۔"

عورت پھر خاموش ہو گئی۔ فریدی اس کی چڑھتی ہوئی سانسوں کی آواز صاف سن رہا تھا۔

"دوسرے تم سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ پھر میں کیوں نہ کروں۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب.....!" اس بار عورت کے لہجے میں سختی تھی۔

"میں رشید اور اس کی مشغولیات سے اچھی طرح واقف تھا۔"

"میں کسی رشید کو نہیں جانتی۔"

"ہاں اب نہ جانتی ہو گی کیونکہ وہ بیچارا اب اس دنیا میں نہیں۔"

"آپ نہ جانے کہاں کی باتیں کر رہے ہیں۔"

"یہ اسی عالم آب و گل کی باتیں ہیں۔"

"میں کچھ نہیں جانتی۔ آپ لوگ خواہ مخواہ ایک شریف عورت کو پریشان کر رہے ہیں۔ میں آپ کے خلاف قانونی کاروائی کروں گی۔"

"اور گواہوں میں اس بچے کو پیش کیجئے گا جو سرکاری پرورش گاہ میں ہے۔"

"پتہ نہیں کیا بکواس ہے۔" عورت اونچی آواز میں بولی۔ "آج سب پاگل ہی مل رہے ہیں۔"

فریدی ہنسنے لگا مگر ہنسنے کا انداز بڑا زہریلا تھا۔

"اس میں شک نہیں کہ تم ایک دلیر عورت ہو اور بہتیرے مردوں پر سبقت لے جا سکتی ہو..... مگر آخر عورت ہی ہو۔ ایک مرد کے سامنے بے بس ہو گئیں اور اب میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ اب رشید کا کوٹ اس کے پاس نہیں ہے۔ وہ تمہیں خواہ مخواہ دھمکا رہا تھا..... رشید کا کوٹ میرے پاس ہے۔"

"آپ کے پاس۔" عورت بے ساختہ بولی پھر فوراً ہی سنبھل کر کہنے لگی۔ "کیا وہ دن رات..... میں کسی کو نہیں جانتی۔"

"نہ جانتی ہوں گی۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور خاموش ہو گیا۔

کار کی رفتار خاصی تیز تھی اور سڑک بالکل سنسان نظر آ رہی تھی۔

اچانک ایک کراسنگ پر بائیں طرف سے ایک کار بڑی تیزی سے آکر راہ میں حائل ہو گئی اگر فریدی بڑی پھرتی سے بریک لگا کر کار سڑک کے نیچے نہ اتار دیتا تو ایکسیڈنٹ لازمی تھا۔ کیفیت حمید کی بھی ہوئی۔ وہ بھی کار کو سڑک کے نیچے اتار لے گیا۔

فریدی ابھی سنبھلنے نہیں پایا تھا کہ تیسری کار سے فائر ہوا۔ لیکن گولی پچھلے دروازے کے شیشے پر پڑی۔

"لیٹ جاؤ.... لیٹ جاؤ۔" فریدی نے عورت کو جھنجھوڑ کر کہا اور خود چھلانگ مار کر باہر نکل گیا۔ اور اس نے اترتے اترتے تیسری کار کے دروازے پر فائر کر دیا۔ حمید والی کار کی ہیڈ لائٹس روشنی تیسری کار پر پڑ رہی تھی۔

اس بار تیسری کار کی اوٹ سے فائر ہوا۔

حمید بھی کار سے اُتر آیا تھا لیکن اس کے پاس ریوالور نہیں تھا۔ اندھیرے میں فائر ہو رہے۔ اتنے میں حمید کو ایک تدبیر سوجھ گئی۔ وہ چھوٹی آسٹن کے پیچھے آکر اسے سڑک کی طرف دھکیلے گا۔ مگر مشکل یہ تھی کہ سڑک پر پہنچنے کے بعد اس کا رخ تیسری کار کی طرف کیسے ہو جائے۔ وہ دراصل کار کو دھکیلتا ہوا تیسری کار کی طرف لے جانا چاہتا تھا۔ اس طرح وہ کار کی اوٹ لئے ہوئے تیسری کار تک پہنچ جاتا جسکے پیچھے سے ایک نامعلوم آدمی فریدی پر گولیاں برسا رہا تھا۔

حمید کی یہ تدبیر ناکام رہی۔ کار کو موڑنے کے لئے اسے اس کی آڑ سے نکل کر اسٹیئرنگ تک جانا پڑتا۔ لیکن کار کی آڑ سے نکلنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

تھوڑی تھوڑے وقفے سے وہ فائر کی آوازیں سنتا رہا۔

اس کے لئے اس بات کا اندازہ لگانا مشکل تھا کہ فریدی کہاں سے فائر کر رہا ہے۔

اچانک اس نے عورت والی کار کو بھاگتے دیکھا۔ وہ سڑک چھوڑ کر جھریالی کی چٹیل میدان میں دوڑ رہی تھی۔

"دیکھنا اسے۔" حمید نے فریدی کی آواز سنی اور وہ کسی قسم کے خطرے کی پرواہ کئے بغیر کار کی آڑ سے نکل آیا۔ پھر اس نے فائروں کے ساتھ ہی ساتھ یکے بعد دیگرے دو دھماکے سنے۔ فائروں کی آواز سے مختلف تھے۔ شائد فریدی نے تیسری کار کے ٹائروں پر فائر کر کے انہیں بیکار کر دیا تھا۔

حمید نے کار اسٹارٹ کی اور تیزی سے اسے میدان میں اتار دیا۔ عورت والی کار کی عقبی سرخ روشنی بہت دور اندھیرے میں چمک رہی تھی۔

حمید کار کی رفتار تیز کرتا رہا۔ اسے نہ سمت کا احساس تھا اور نہ مقام کا۔ بس وہ کسی نہ کسی طرح کار تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔

عورت بھی نائد راستے سے ناواقف تھی اور "جدھر سینگ سمائے بھاگو" والے محاورے پر عمل کر رہی تھی۔

حمید نے اسے جلد ہی جالیا۔ دونوں کاروں کا فاصلہ مشکل سے دس گز رہ گیا تھا۔ اچانک اس نے عورت کی آواز سنی جو چیخ کر کہہ رہی تھی۔ "میرا پیچھا چھوڑ دو۔ تمہیں کتنی رقم چاہئے۔"

"صرف دس ہزار۔" حمید نے ہانک لگائی۔ "کار روک کر معاملہ طے کر لو۔"

اگلی کار کی رفتار کم ہو گئی اور ساتھ ہی حمید نے بھی رفتار کم کر دی۔ دونوں کاریں ساتھ ہی رک گئیں۔

حمید چھلانگ مار کر نیچے آگیا۔ عورت بھی کار سے اُتر آئی۔

"مگر تم.... تم کون ہو۔" اس نے حمید سے پوچھا۔

"اس آدمی کا ساتھی جو تمہاری کار میں تھا۔"

"کیا سچ مچ وہ کوٹ اب تم لوگوں کے پاس ہے۔"

"ہاں.... ہاں بالکل۔" حمید جلدی سے بولا۔ اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ فریدی نے اس پر عملیت نہیں ظاہر کی۔

"اس کوٹ کی اہمیت سے واقف ہو۔" عورت نے پوچھا۔

"حمید سوچنے لگا کہ عورت بہت چالاک معلوم ہوتی ہے۔"

"میرا ساتھی سب کچھ جانتا ہے۔" حمید نے جواب دیا۔

"تم نہیں جانتے۔"

"میں تو صرف تمہیں جانتا ہوں۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"مجھے جانتے ہو۔" عورت کے لہجے میں سراسیمگی تھی۔

"جب سے تمہیں دیکھا ہے سب کچھ بھول گیا ہوں اور اگر تمہارے لئے دو چار قتل بھی

کرنے پڑے تو باز نہ آؤں گا۔ بڑی مونچھوں والا بے وفا تھا۔ مجھے بھی آزما کر دیکھ لو۔"

"مجھے ایک ہمدرد کی ضرورت ہے۔" عورت گلوگیر آواز میں بولی۔

"فکر نہ کرو میں تمہارے لئے جان تک دے سکتا ہوں۔ ویسے میری شکل بھی دیکھ لو۔ بد صورت سے بدمعاش معلوم ہوتا ہوں اور نہ بدصورت ہوں۔" حمید نے ٹارچ کی روشنی اپنے چہرے پر ڈالی۔

"تم بہت اچھے ہو۔" عورت نے کہا۔ "میری مدد کرو گے۔"

"ارے تم کچھ کہہ کر بھی تو دیکھو۔ تمہیں مصیبت سے نکالنے کے لئے اپنے ساتھی کی گردن بھی اڑا سکتا ہوں۔"

"مجھے وہی سب کچھ چاہئے جو تمہارے ساتھی نے اس آدمی سے چھیننا ہے۔"

"بہت مشکل ہے جان کی بازی لگانی پڑے گی۔ مگر خیر! اچھا تو ایک تدبیر ہے۔ خود کو لوگوں کے حوالے کردو۔ جو کچھ میرا ساتھی کہے اس سے انکار نہ کرو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ دن کے اندر تمہارے مطالبات پورے کردوں گا۔"

"میں تیار ہوں۔" عورت نے ایک طویل سانس لی۔

ویرانے میں جنگ

تھوڑی دیر بعد دونوں کاریں آگے پیچھے واپس ہو رہی تھیں۔ عورت کی کار آگے تھی۔ حمید نے اس وقت چٹکی بجاتے ایک دشوار مسئلہ حل کرلیا تھا۔ وہ عورت کو بے بس کر کے قیدی کی حیثیت سے بھی لے جاسکتا تھا مگر اس صورت میں اسے ایک کار وہیں چھوڑ دینی پڑتی لیکن وہ اس کے لئے تیار نہیں تھا۔

بہر حال اب وہ اپنی خوشی سے دوبارہ ان کے ہاتھ پڑ گئی تھی۔

وہ ٹھیک اسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے روانہ ہوئے تھے۔ لیکن اب یہاں سناٹا تھا۔ کار ضرور موجود تھی مگر اس کے آس پاس زندگی کے آثار نہیں تھے۔

حمید سوچنے لگا کہ اب کیا کرے۔ اس نے ٹارچ روشن کر کے کار کا جائزہ لینا شروع کیا۔ اس کے دونوں ٹائر پھٹ کر بیکار ہو چکے تھے اور حمید نے ایک خاص بات مارک کی۔ کار میں نمبر کی پلیٹ

نہیں تھی۔ اور ٹیل لائٹ کے نیچے دو ایسے ہک لگے ہوئے تھے جن میں وقتی طور پر نمبروں کی پلیٹ پھنسا کر اسے دوبارہ الگ کیا جاسکتا تھا۔

"کیا یہ اسی کی کار ہے جو تمہیں یہاں لایا تھا۔" حمید نے عورت سے پوچھا۔

"ہاں....!" عورت نے جواب دیا۔ چند لمحے خاموشی رہی پھر اس نے کہا۔ "تمہارا ساتھی کہاں گیا.... مگر میں نہیں سمجھ سکتی۔"

"کیا نہیں سمجھ سکتیں۔"

"تم لوگ صورت سے بُرے آدمی نہیں معلوم ہوتے۔"

"اوہ تو کیا رشید صورت سے بُرا آدمی معلوم ہوتا تھا۔" حمید آہستہ سے بولا۔

عورت نے کوئی جواب نہ دیا۔

حمید سوچنے لگا کہ اب شہر کی طرف چل دینا چاہئے۔ پتہ نہیں فریدی کہاں ہو۔ اس لق و دق ویرانے میں کسی کو تلاش کرلینا آسان کام نہیں تھا۔

"آؤ چلیں شہر واپس چلیں۔" اس نے عورت سے کہا۔

"نہیں میرا خیال ہے کہ ہمیں یہاں کوئی چھپنے کی جگہ تلاش کرنا چاہئے۔" عورت بولی۔ "اور ہمیں تک وہیں ٹھہرنا چاہئے۔ مجھے یقین ہے کہ تمہارے ساتھی کی لاش قریب ہی پڑی ہوگی۔"

"کیوں....! یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو۔"

"ضیغم بہت خطرناک آدمی ہے۔"

"ضیغم....!" حمید ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ فریدی نے ایک بار بحث کے دوران میں ضیغم کو بالکل ہی الگ کر دیا تھا اس نے ثابت کیا تھا کہ ضیغم کو اس حرکت سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

"تم ضیغم کا نام سن کر سناٹے میں کیوں آگئے۔"

"میں یہ سوچ رہا تھا کہ وہ سرکس کا مسخرہ میرے ساتھی کو کس طرح مار سکتا ہے۔"

"وہ درندہ ہے۔"

"کون ضیغم....!" حمید نے حقارت آمیز لہجے میں کہا۔ وہ ابھی کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ قریب سے اسے ہلکی سی آواز سنائی دی۔ وہ چونک کر مڑا اور ساتھ ہی اس کی ٹارچ کی روشنی دور تک پھیلتی

چلی گئی۔

فریدی اس سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ وہ جلد ہی ان کے قریب پہنچ گیا۔

"کیا ہوا....؟" حمید مضطربانہ انداز میں بولا۔

"نکل گیا.... لیکن.... اوہ کیا تم اسے لے آئے۔"

"ہاں یہ اب سیدھی ہو گئی ہیں اور ہم بدمعاشوں کو اس بدمعاش پر فوقیت دیتی ہیں۔"

"چلو واپس چلیں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "میں صبح اس سے سمجھ لوں گا۔ وہ سمجھ شائد میں اس سے واقف نہیں ہوں۔"

پھر اس نے عورت کی کار کا دروازہ کھولتے ہوئے اس سے کہا۔ "چلو بیٹھو۔"

عورت دروازے کی طرف بڑھی ہی تھی کہ پشت سے ان پر ٹارچ کی روشنی پڑی اور ہی ایک گرج دار آواز سنائی دی۔ "تم سب اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو۔"

"بہت اچھا میرے ننھے نالائق۔" فریدی ہنستا ہوا پلٹا۔

انہوں نے اپنے ہاتھ اٹھا لئے تھے۔

"عورت! تم میرے پاس آجاؤ۔" آنے والے نے کہا۔ "اور تم دونوں کار کے پاس۔ کر اس وقت تک چلتے رہو جب تک ٹارچ کی روشنی نظر آئے۔"

"بیکار جھنجھٹ کر رہے ہو۔" فریدی بولا۔ "بہتر یہ ہے کہ ہم دونوں کو گولی مار دو کے بعد زندگی بھر پانی سے مکھن نکالتے رہنا۔"

"نہیں میں خواہ مخواہ خون نہیں بہانا چاہتا۔ لیکن اگر میرے کہنے پر عمل نہ کرو گے بے دریغ تم لوگوں کو گولی مار دوں گا۔"

"ہم مرنا ہی چاہتے ہیں دوست! تم فائر کرو۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "مگر حمید کو کیوں اس کی ہنسی بڑی خوفناک معلوم ہوئی۔"

اور پھر اچانک فریدی نے اس کی طرف چھلانگ لگائی۔ دوسرے ہی لمحے میں جلتی ہو زمین پر تھی۔

حمید نے اپنی ٹارچ روشنی کر لی۔ فریدی ایک نقاب پوش سے گتھا ہوا تھا۔

دفعتاً حمید نے محسوس کیا کہ عورت پھر بھاگنے کا ارادہ کر رہی ہے۔ حمید نے جھپٹ کر ا

ر15

پکڑ لیا۔

"تم کہاں چلیں۔"

"مجھے خوف معلوم ہو رہا ہے۔"

"نہیں یہ منظر ضرور دیکھو۔ ابھی تم اسے درندہ کہہ رہی تھیں۔"

نقاب پوش ایک بار پھر فریدی کی گرفت سے نکل گیا۔ لیکن بھاگنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

نے صرف فریدی کی ٹانگ چلتے دیکھی۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے نقاب پوش ہوا میں اڑ گیا ہو۔

لٹ اونچا اچھل کر دھم سے زمین پر آگرا۔ اس پر فریدی کی لات پڑی اور وہ سر پکڑ کر زمین

پنے لگا۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"ضیغم کو اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا۔" حمید نے عورت سے کہا۔

وہ کھڑی بُری طرح کانپ رہی تھی۔

نقاب پوش پھر اٹھا اور اس بار اس کا حملہ بڑا شدید تھا۔

فریدی ایک طرف ہٹ گیا اور وہ اپنے ہی زور میں عورت کی کار سے آٹکرایا۔ لیکن شائد اب

میں پلٹنے کی سکت نہیں رہ گئی تھی۔ وہ اٹھا اور کار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

"اب! ضیغم کو بے نقاب کر دو۔" فریدی ہنستا ہوا بولا۔ "بیوقوف کہیں کا! اگر اس کے پاس

توس ہوتے تو یہ پہلے ہی کیوں بھاگتا۔"

لیکن اس جملے پر ایسا معلوم ہوا جیسے ضیغم سوتے سوتے یک بیک جاگ اٹھا ہو۔

اور پھر ایک بھوکے بھیڑیئے کی طرح فریدی پر ٹوٹ پڑا۔ ابھی تک شائد وہ یہی سمجھے ہوئے

وہ پہچانا نہیں جا سکا۔

اس بار کی جدوجہد زندگی اور موت کی جدوجہد تھی۔ اس قسم کی جدوجہد ہمیشہ خطرناک ہوتی

جب ایک آدمی یہ سوچ لے کہ موت ہی میں اس کی بچت ہے خواہ وہ اس کی اپنی موت ہو یا اس

حریف کی اور اس بار سچ مچ فریدی کو دانتوں پسینہ آگیا۔ لیکن وہ بھی اس نفسیاتی لمحے سے بے خبر

تھا.... وہ جانتا تھا کہ اس وقت ذرا سی غفلت بھی اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سلا سکتی ہے۔

یہ ضیغم نہیں تھا بلکہ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے سرکس کا کوئی شیر کٹہرا توڑ کر باہر نکل

آیا ہو جسے ایک ہفتے سے خوراک نہ ملی ہو۔

ایک بار تو اس نے فریدی کو گرا ہی لیا اور اس کی گردن پر مشاقی کے کمال کا مظاہرہ کرنے والا تھا کہ فریدی کے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں اس کی ہنسلی کی ہڈیوں میں دھنس پڑیں.... دھنسی ہی چلی گئیں۔

پھر قبل اس کے کہ حمید اس کی مدد کے لئے پہنچتا ضیغم خود ہی نیچے آگیا۔

فریدی کا داہنا ہاتھ اس کے چہرے پر تھا اور ضیغم کے حلق سے پھنسی پھنسی سی کراہیں نکل رہی تھیں۔ آخر کار وہ بالکل ہی خاموش اور بے حس و حرکت ہو گیا۔

فریدی نے اس کے چہرے سے نقاب الگ کر دیا۔

ضیغم زمین پر چت پڑا تھا اور اس کی ناک سے خون نکل کر دونوں گالوں پر بہہ رہا تھا۔ عورت کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکلی اور اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔

ضیغم بے ہوش ہو گیا تھا۔ فریدی اور حمید نے اٹھا کر اسے کار میں ڈال دیا۔

جھریالی کے میدانوں کا سناٹا بڑا ہولناک معلوم ہو رہا تھا۔ پھر وہی لامتناہی سکوت طاری تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

پچھلی سیٹ پر ضیغم بیہوش پڑا تھا اور اگلی سیٹ پر فریدی اسٹیئرنگ کر رہا تھا۔ عورت اس کے ساتھ تھی۔

شہر پہنچ کر فریدی نے بیہوش ضیغم کو کوتوالی میں چھوڑا اور عورت کو ساتھ لئے ہوئے واپس آگیا۔ حمید کو اس کے رویے پر حیرت ضرور ہوئی لیکن اس نے کچھ پوچھا نہیں۔ البتہ عورت کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

ظاہر ہے کہ اگر وہ بدمعاش ہوتے تو کوتوالی کا رخ کبھی نہ کرتے۔

"بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ عورت چپ چاپ بیٹھ گئی۔ اب برسوں کی بیمار نظر آنے لگی تھی۔

"کیا ضیغم شروع ہی سے رشید کے ساتھ تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"آپ کون ہیں۔" عورت نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"محکمہ سراغ رسانی کا ایک آفیسر.... مجھے فریدی کہتے ہیں۔"

عورت کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے وہ ہمیشہ کے لئے گونگی ہو گئی ہو۔

"تم بولتی کیوں نہیں ہو۔" فریدی گرج کر بولا۔ "یہ نہ سمجھو کہ تمہاری خاموشی اس جرم پر پردہ ڈال دے گی اور تمہاری غلط بیانی بھی تمہیں نہ بچا سکے گی۔ اس وقت وہ تصویریں ضیغم کی جیب میں تھی جنہیں حاصل کرنے کے لئے اس نے رشید کا کوٹ چھینا تھا۔ رشید نے انہیں اپنے کوٹ کے استر میں چھپایا تھا۔"

عورت بُری طرح کانپنے لگی۔ اس کی آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا لیکن یہ شدت خوف کا نتیجہ تھا۔ وہ رو نہیں رہی تھی۔

"میں پوچھتا ہوں کیا بڑھیا کا گلا ضیغم ہی نے گھونٹا تھا۔"

"ہاں....!" عورت کے حلق سے ایسی آواز نکلی جیسے کوئی تیز چھری اس کا آدھا نرخرہ کاٹ گیا ہو۔

"تصویریں رشید نے لی تھیں۔"

اس بار عورت نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"حمید اسے تھوڑی برانڈی دو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔ عورت نے اس پر یہ نہیں کہا کہ شراب نہیں پیتی۔ حمید چلا گیا.... فریدی خود کبھی نہیں پیتا تھا۔ لیکن مہمانوں کے لئے رکھتا ضرور تھا۔ جب تک برانڈی نہیں آگئی اس نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا۔

عورت حمید کے ہاتھ سے گلاس لے کر اس چڑھا گئی جیسے حقیقتاً اسے اس کی ضرورت رہی ہو۔ وہ تقریباً دس منٹ تک آنکھیں بند کئے آرام کرسی میں پڑی رہی۔ پھر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اب اس کے چہرے پر پھر وہی پہلے سے زندگی کے آثار نظر آنے لگے۔

وہ چند لمحے فریدی کو گھورتی رہی پھر اس نے کہا۔ "تصویریں آپ کے پاس ہیں تو ہوا کریں۔ میں ہر قسم کی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوں۔ مجھے کسی بات کی پرواہ نہیں۔ آپ مجھ سے کسی بات کا اعتراف نہیں کرا سکتے۔"

"مجھے اعتراف کرانے کی ضرورت نہیں۔ اس سلسلے میں وہ کون سا ایسا راز ہے جو مجھ پر ظاہر نہیں ہو چکا۔ میں تمہیں سب کچھ بتا سکتا ہوں۔ تمہارے اور رشید کے تعلقات قائم ہوئے تم

جذبات کی رو میں بہہ گئیں اور تمہیں آخیر وقت تک اس کی نیت پر شبہ نہیں ہوا۔ یہ حقیقت اس وقت کھلی جب وہ انتہائی بے حیائی سے تمہاری تصویریں لے رہا تھا اور اسی وقت تمہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ رشید کا ایک شریک کار بھی ہے۔ بڑھیا نے رشید کی بے حیائی پر احتجاج کیا تھا۔ اس پر ضیغم نے دوسرے کمرے سے نکل کر اس کا گلا گھونٹ دیا.... اور پھر اس وقت تمہیں ہوش آیا اور اس وقت یہ بات تمہاری سمجھ میں آئی کہ یہ دونوں تمہیں بلیک میل کرنے کے لئے مواد اکٹھا کر رہے ہیں۔ وہ تصویریں ساری زندگی تمہارے حواس پر مسلط رہتیں اور وہ تمہیں دونوں ہاتھوں سے لوٹتے رہتے۔ تم سے کافی لمبی لمبی رقمیں وصول کی جاتیں.... کیوں کیا میں غلط کہہ رہا ہوں... اور کیا اب بھی یہ بتانے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے کہ تم خاور کی بیوی ہو۔"

عورت کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی اور وہ پھر آرام کرسی میں گر گئی۔

حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ کبھی وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر عورت کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی فریدی کی طرف۔

"خاور کی بیوی۔" حمید نے متعجبانہ انداز میں دہرایا۔

"جناب خاور کی بیوی۔ جو دو سال سے خاور سے الگ تھی۔ خاور کے ایک ملازم رشید نے ان پر ڈورے ڈالے اور اپنی چال میں کامیاب ہو گیا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے خاور کو اس بات پر اکسایا ہو کہ اب اسے اپنی بیوی سے صلح کر لینی چاہئے۔ اس طرح یہ سونے کی چڑیا ہمیشہ اس کی مٹھی میں رہتی اور وہ وقت بے وقت ان تصویروں کی تشہیر کی دھمکی دے کر اس سے لمبی لمبی رقمیں وصول کرتا رہتا اس اسکیم میں غالباً ضیغم شروع ہی سے شریک رہا ہے لیکن بعد میں اس نے تصویریں رشید سے چھین لیں۔ وہ تنہا ہی اس سونے کی چڑیا کا مالک بننا چاہتا تھا۔ اور پھر ایک بات اور تھی۔ خاور اور ضیغم ایک دوسرے کے دشمن بھی ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر خاور لاولد مر جائے تو اس کی دولت کا مالک ضیغم ہی ہو گا۔ لہٰذا یہ تصویریں وہ دوسرے مقصد کے لئے استعمال کر سکتا ہے۔ فرض کرو خاور کبھی سچ مچ باپ بننے والا ہوتا تو یہ تصویریں اس تک پہنچا جاتیں۔ پھر اس کی بیوی کا جو کچھ بھی انجام ہوتا ظاہر ہے۔ لازمی امر ہے کہ خاور ایسی صورت اسے اپنا بچہ تسلیم کرنے پر تیار نہ ہوتا اور ضیغم بدستور اس کے ترکے کا امیدوار رہتا۔

"لیکن سوال یہ ہے کہ اس سلسلے میں خاور کی قمیضیں کیوں استعمال کی گئی تھیں۔" حمید

"اس کی اسکیم کے تحت تو مجرموں کا ہرگز یہ مقصد نہیں معلوم ہوتا تھا کہ یہ بات پولیس پر ظاہر ہو جائے ورنہ پھر بلیک میلنگ کیسے ہو پاتی۔"

"ٹھیک ہے.... وہ سمجھے تھے کہ جرم اس کے خلاف ثابت نہیں ہو سکے گا۔ حمید صاحب یہ حرکت تو محض اس لئے کی گئی تھی کہ حالات میں شدت پیدا کی جا سکے۔ یعنی اس کیس کے سلسلے میں کسی نہ کسی طرح خاور کو بھی ملوث کر لیا جائے اور اس کا نام بھی پولیس ریکارڈ میں موجود رہے۔ اس طرح اس عورت پر مجرموں کی گرفت اور زیادہ مضبوط رہتی اور اس عورت کو خود بھی اس کا احساس رہتا کہ اس کی ذرا سی لغزش بھی اسے جہنم میں پہنچا سکتی ہے۔ لہٰذا وہ بے دریغ مجرموں کے مطالبات پورے کرتی رہتی۔"

"مگر پہلے تو آپ نے کہا تھا کہ ضیغم کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔"

"ٹھیک ہے اس وقت کیس کے متعلق نظریہ دوسرا تھا۔ اس وقت یہ عورت تاریکی میں تھی۔ اس کی شخصیت تو رشید کے کوٹ اور اس کی موت کے واقعات کے بعد سے ابھری ہے۔ میں نے تم سے کہا تھا نا کہ اس کوٹ کی حیثیت ایسی معلوم ہوتی ہے کہ اس کے حصول کے لئے قانونی چارہ جوئی نہیں کی جا سکتی۔ پھر ساتھ ہی مجھے بڑھیا کا ہذیان یاد آیا۔ وہ یہی بکتی رہی تھی۔ "بے شرم کیمرہ ہٹاؤ.... یہاں سے جاؤ۔" اب میں نے کیس پر دوسرے ہی پہلو سے غور کرنا شروع کر دیا۔ ایسے موقع پر تصویریں لینے کا مقصد بلیک میلنگ کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا اور بلیک میل مفلسوں یا غیر اہم ہستیوں کو نہیں کیا جا سکتا۔ معاً میرا خیال خاور کی بیوی کی طرف گیا جو دو سال سے اپنے شوہر سے نہیں ملی تھی۔ میں نے سعید آباد میں تفتیش کرائی اور مجھے یہ رپورٹ ملی کہ عورت تین ماہ سے وہاں نہیں ہے۔ پھر میں نے اس کی تصویر حاصل کی اور یہیں شہر ہی میں اسکی تلاش شروع کر دی۔ تم جانتے ہو کہ میری بلیک فورس کے آدمی اس کام میں کتنے پھرتیلے ہیں۔"

وہ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "اس سازش میں دو زبردست کمزوریاں تھیں جن کی بناء پر مجرم پکڑے گئے ورنہ ان تک پہنچنا بہت دشوار ہوتا۔ پہلی بات تو یہ کہ خاور کی قمیض اور انگشتری استعمال کرنا سب سے بڑی حماقت تھی دوسری خامی یہ کہ بڑھیا کو سسکنے کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا۔ اگر اس کے ہذیان کا علم مجھے نہ ہوتا تو تصویروں تک ذہن کی رسائی ممکن نہ ہوتی۔ ہاں ایک خامی اور.... رشید کو چاہئے تھا کہ راجر اسٹریٹ میں زچگی کے لئے مکان حاصل کرنے سے قبل ہی اپنی

مونچھیں صاف کرادیتا۔ اس طرح اس کے حلئے کا طرہ امتیاز ختم ہو جاتا اور لوگوں کو حلیہ بیان کرنے میں دشواری ہوتی۔ اپنے یہاں بھوری مونچھیں شاذونادر ہی دکھائی دیتی ہیں۔"

خاموشی کا ایک طویل وقفہ..... عورت دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپائے آرام کرسی میں ہانپ رہی تھی۔

"اب کیا ارادہ ہے؟"

"جگدیش کو کچھ دیر قبل فون کر چکا ہوں۔ وہ آ ہی رہا ہوگا۔"

"اوہ..... کیا اس بیچاری کی بچت کسی طرح ممکن نہیں ہے۔" حمید بولا۔

"بچت! کیا بک رہے ہو۔ میں سوسائٹی کے جسم پر ایسے زہریلے ناسوروں کا وجود نہیں برداشت کر سکتا۔ اگر اسے خاور سے کوئی شکایت تھی تو کیا عدالت کے دروازے بند تھے۔ علیحدگی ہو سکتی تھی۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ کمرے کی فضا بوجھل سی معلوم ہونے لگی تھی۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 48

لیونارڈ کی واپسی

(مکمل ناول)

کار میں خنجر

کیپٹن حمید دم سادھ کر چت لیٹ گیا۔ چھت بالکل سپاٹ تھی۔ اگر وہ اتنی احتیاط سے کام لیتا تو نیچے سے اُس کا دیکھ لیا جانا یقینی تھا۔ رات تاریک ضرور تھی، لیکن مطلع گرد آلود نہیں تھا اس لئے دور سے بھی دیکھ لئے جانے کے امکانات تھے۔

وہ چند لمحے اسی طرح چپ چاپ پڑا رہا۔ پھر پٹ لیٹ کر سینے کے بل کھسکنے لگا۔ چھت کنارے پہنچ کر اُس نے نیچے نظر ڈالی۔ صحن تاریک پڑا تھا۔ لیکن پھر بھی فرش دکھائی دے رہا چھت صحن کے فرش سے دس فیٹ سے زیادہ اونچی نہیں تھی۔ بہر حال اُسے فرش تک پہنچنے کوئی دشواری نہیں پیش آئی۔

اور پھر اُس کے قدم ایک کمرے کی طرف اٹھنے لگے جس کی کھڑکیوں کے شیشوں سے گ نیلی روشنی نظر آرہی تھی۔ حمید ایک پل کے لئے کمرے کے سامنے رک کر کچھ سوچتا رہا۔ دروازے پر ہاتھ رکھا۔ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔ اُس نے بہ آہستگی دروازہ کھولا اور دھڑک اندر داخل ہو گیا۔ گہری نیلی روشنی میں اس کا چہرہ بڑا بھیانک لگ رہا تھا۔ گھنی سیاہ ڈا اور ڈاڑھی پر کسی مکان کے سائبان کی طرح جھکی ہوئی مونچھیں۔ لباس بھی امریکی وضع اوباشوں کا سا تھا۔

اس نے چاروں طرف دیکھ کر ایک طویل سانس لی۔

سامنے مسہری پر ایک نوجوان لڑکی سو رہی تھی۔ حمید پھر دروازے کی طرف بڑھا اور چڑھا دی۔

پھر جیب سے ریوالور نکال کر داہنے ہاتھ میں لیا اور بائیں ہاتھ سے لڑکی کو جھنجھوڑ کر جگا

وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھی.... ساتھ ہی حمید کی انگلی ہونٹوں سے جا لگی اور ریوالور کا رخ لڑ طرف ہو گیا۔ لڑکی کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور چہرے پر کچھ ایسے آثار نظر آنے لگے

وہ کسی لاش کا چہرہ ہو۔

"یہ ریوالور بے آواز ہے اس لئے شور وغل پسند نہیں کرتا۔" حمید آہستہ سے بولا۔

لڑکی کی حالت میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔

"تمہیں اس مکان میں کس نے ٹھہرایا ہے۔" حمید نے پوچھا۔ اس کے لہجے سے سفاکی مترشح ہی تھی۔

اچانک لڑکی سنبھل کر بیٹھ گئی اور اب اس کی پلکیں بھی جھپکنے لگی تھیں۔

"تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو....؟" لڑکی نے دلیر بننے کی کوشش کی۔

"میرے سوال کا جواب دو۔"

"اور اگر میں نہ دوں تو....!"

"تب میں ریوالور جیب میں ڈال کر اُس وقت تک تمہارا گلا گھونٹتا رہوں گا جب تک کہ تم رے سوال کا جواب دینے پر آمادہ نہ ہو۔"

"تم صرف اسی لئے یہاں آئے ہو۔" لڑکی نے لاپروائی سے پوچھا۔

"ہاں! وقت نہ ضائع کرو۔"

"لیکن تم کیوں یہ جاننا چاہتے ہو۔"

"مطلب یہ کہ ہم نہیں چاہتے.... کہ یہ مکان کبھی آباد رہے۔"

"میں سمجھی۔" لڑکی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"کیا سمجھیں؟"

"یہی کہ یہ مکان کسی غیر قانونی حرکت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔"

"لڑکی! بکواس بند کرو۔ میں جو کچھ پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔"

لڑکی چند لمحے خاموشی سے اُسے گھورتی رہی پھر بولی۔ "محکمہ سراغ رسانی کے آفیسر کیپٹن ر کو جانتے ہو۔"

"کیوں....!" وہ چونک پڑا۔

"اسی نے میرے لئے یہ مکان کرائے پر حاصل کیا ہے۔"

"تم جھوٹی ہو۔"

"میں بالکل صحیح کہہ رہی ہوں۔ اب تم چپ چاپ یہاں سے کھسک جاؤ۔ اُن لوگوں کو تم بھی طرح جانتے ہو گے۔"

"شٹ اپ! تم مجھے دھوکا نہیں دے سکتیں۔ میں نے اس سلسلے میں کسی مسٹر اسلم کا نام ہے مجھے بتاؤ.... وہ اسلم کون ہے اور کہاں رہتا ہے۔"

"اسلم.... ہاں.... مکان اسی نام سے حاصل کیا گیا ہے۔ لیکن وہ کیپٹن حمید ہے اور عا اچھی طرح جانتے ہو گے کہ وہ کرنل فریدی کی کوٹھی میں رہتا ہے۔"

"میں اچھی طرح جانتا ہوں۔" حمید نے ایک طویل سانس لی اور کرسی کھینچ کر بیٹھ دوسرے ہی لمحے میں وہ اپنے چہرے سے مصنوعی ڈاڑھی الگ کر رہا تھا۔

اور پھر لڑکی کی ظاہری حالت میں ایک زبردست تغیر واقع ہوا۔

اس کا سارا جسم کانپ رہا تھا اور چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

"اب بتاؤ۔" حمید اُسے گھورتا ہوا بولا۔ "کرنل فریدی پر کس نے گولی چلائی تھی۔"

لڑکی کچھ نہ بولی۔

حمید کہتا رہا۔ "تم نے مجھے پہلے یہ نہیں بتایا تھا کہ اسلم ہی کیپٹن حمید ہے۔ اور اب.... ا تمہاری گردن پوری طرح میری گرفت میں آگئی ہے۔ تم ابھی اور اسی وقت مجھے بتاؤ گی کہ فر پر کس نے گولی چلائی تھی۔"

"میں نہیں جانتی۔"

"بکواس.... تمہیں بتانا پڑے گا۔ جب تم اسلم کو کیپٹن حمید کی حیثیت سے جان سکتی تمہیں اس کا بھی علم ہو گا۔"

"میں نہیں جانتی۔ آپ کا جو دل چاہے کیجئے۔"

"میرا دل....!" حمید اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔

لڑکی اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"سچی بات تو یہ ہے۔" حمید نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "مجھے اس معاملے میں دلچسپی نہیں۔ میں تو کسی طرح تم پر اپنی گرفت مضبوط رکھنا چاہتا ہوں۔"

"کیوں....؟"

"مجھے تم سے....!" حمید نے جملہ پورا کرنے سے پہلے ہی شرما کر سر جھکا لیا۔

لڑکی کچھ نہ بولی۔ حمید اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

"نہیں بتاتا....!" حمید دانتوں میں انگلی دبا کر ہنسنے لگا۔

"میں سمجھتی ہوں۔" لڑکی مسکرائی۔ "تم نہ کہو.... مگر میرے دل....!" اس نے

پورا کیا۔

"ہائے تمہارے دل میں بھی.... تب تو میں بڑا اُلو کا پٹھا ہوں۔"

لڑکی اُسے سوالیہ انداز میں دیکھتی رہی۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے خواہ مخواہ تمہیں پریشان کیا۔" حمید بولا۔

"میں جانتی ہوں کہ تم کیپٹن حمید ہو۔ میں نے اس واقعے سے پہلے ہی تمہیں اکثر چھپ کر دیکھا ہے۔ مگر تم بہت بڑے آدمی ہو۔"

"مگر سوال تو یہ ہے کہ تم نے مجھے ٹوکا کیوں نہیں.... تم نے کہا کیوں نہیں کہ تم اسلم نہیں حمید ہو۔"

"اگر میں یہ کہہ دیتی تو تم مجھ سے دور ہو جاتے۔ میں تو چاہتی تھی کہ تم مجھ پر شبہ کرتے اسی صورت میں تم مجھ سے قریب رہ سکتے تھے۔ میں تمہیں بہت دنوں سے جانتی ہوں۔"

"تو کرنل فریدی پر حملہ میرے لئے ایک خوشگوار واقعہ ثابت ہوا.... ہا.... میں خوش ہوں۔"

"یہ نہ کہو۔" لڑکی بولی۔ "مجھے بڑی پریشانیاں اٹھانی پڑی ہیں۔ میرے فلیٹ سے کسی نے رے چیف پر گولی چلائی تھی۔ میں خود کہتی ہوں کہ گولی میرے فلیٹ سے چلائی گئی تھی مجھے کا بھی اعتراف ہے کہ غسل خانے میں ایک خالی کارتوس ملا تھا لیکن میں نہیں جانتی کہ وہ کہاں آیا تھا۔ اس سے پہلے میں نے کبھی کارتوس کی شکل تک نہیں دیکھی تھی۔ اسی بناء پر کہہ سکتی ہوں کہ گولی میرے فلیٹ ہی سے چلائی گئی تھی۔ لیکن میں مجرم کے وجود سے واقف نہیں ہوں۔ دنوں تک پولیس پریشان کرتی رہی پھر تم ہمدرد بن کر آئے اور مجھے اس فلیٹ سے اس مکان منتقل کر دیا۔

"اور اب تم ہمیشہ یہیں رہو گی۔"

"مگر پولیس تو اب بھی میری تلاش میں ہو گی۔"

"ہوا کرے.... جب تک میرے دم میں دم ہے تمہارا کوئی کچھ نہ کر سکے گا۔"

"نہیں میں اسے درست نہیں سمجھتی۔"

"کیوں....!"

"اس طرح میرے خلاف شبہات اور زیادہ مستحکم ہو جائیں گے اور پھر.... اس روپوشی کی ربرا نقصان بھی ہو رہا ہے۔ میری ملازمت آگئی ہی سمجھو۔"

"تم شائد ٹیلی فون ایکس چینج میں تھیں۔"

"ہاں....!"

"فکر نہ کرو.... سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"لیکن اس وقت تم اس ہیئت میں کیوں آئے تھے۔"

"محض یہ معلوم کرنے کے لئے کہ تم میری شخصیت سے حقیقتاً واقف ہو یا نہیں۔"

"میں سمجھی! اگر میں تمہاری شخصیت سے واقف ہوں تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ میں سے ملی ہوئی ہوں۔"

"بالکل یہی خیال تھا میرا۔ مگر اب حقیقت مجھ پر واضح ہو گئی اور میں شرمندہ ہوں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے.... مگر میری پوزیشن پولیس کی نظر میں کیا ہو گی۔"

"میں اس کیس کا انچارج ہوں۔" حمید سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "کیا تم یہ سمجھتی ہو نے تمہیں مفرور قرار دیا ہو گا.... ہرگز نہیں.... اور کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ تمہاری ملازم ہو گئی ہو گی۔ ہرگز نہیں.... میں نے تمہارے لئے ایک ماہ کی رخصت میڈیکل گراؤنڈ پر کرلی ہے۔"

"سچ....!" لڑکی پُر مسرت لہجے میں چیخی۔

"کیا تمہیں یقین نہیں آیا۔" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یقین تو ہے.... مگر آخر تم نے میرے لئے اتنی دردسری کیوں مول لی۔"

"یہ نہ پوچھو.... ورنہ میں اپنا وہی پہلا سوال دہراؤں گا۔"

لڑکی کچھ نہ بولی۔

حمید بھی کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "اچھا اب تم آرام کرو.... اب تم قطعی لیکن واضح رہے کہ تم پچھلے ایک ہفتہ سے بیمار ہو اور مزید تین ہفتے بیمار رہنے کے بعد ا جاؤ گی۔ وہ فلیٹ ویسے بھی تمہارے لئے موزوں نہیں تھا۔ اس مکان میں آرام سے ر وغیرہ وغیرہ.... آج چھا.... اب آرام کرو۔"

"اب کب ملو گے۔" لڑکی لگاوٹ کے انداز میں بولی۔

"آہ.... میرا دل تو چاہتا ہے کہ تمہیں اپنے کوٹ کے کالر میں لگالوں اور تم ہ ساتھ رہو.... مگر خیر.... کل شام آر لکچو میں گذاریں گے وغیرہ وغیرہ۔"

تھوڑی دیر بعد حمید پھر سڑک پر تھا لیکن اب وہ چھپتا چھپاتا ہوا نہیں چل رہا تھا۔

دوسری سڑک پر پہنچنے کے لئے اُسے ایک مختصر سی گلی پار کرنی پڑی۔

کیڈی لاک اب بھی وہیں کھڑی تھی جہاں وہ اُسے چھوڑ کر گیا تھا۔

"اب مجھے کسی خیراتی ہسپتال میں پہنچا دیجئے۔" حمید کیڈی کے پاس پہنچ کر آہستہ سے بولا۔

یقیناً اس نے کسی دوسرے کو مخاطب کیا تھا۔ لیکن دوسری طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ حمید ک کر کیڈی کے اندر دیکھا۔ مگر اُسے اگلی سیٹ پر فریدی نہیں نظر آیا۔ حالانکہ وہ اُسے ک کے پیچھے بیٹھا ہوا چھوڑ کر گیا تھا۔

اس وقت جو کچھ بھی ہوا فریدی کی ایماء پر!

ایک ہفتہ قبل جب فریدی ایک تقریب میں شرکت کی غرض سے بار کر اسٹریٹ کی ایک ں میں موجود تھا کسی نے اس پر فائر کیا۔ گولی سامنے والی عمارت کی ایک کھڑکی سے چلائی گئی فریدی بال بال بچا۔ صرف ایک بالشت کے فرق نے اس کی جان بچالی ورنہ گولی کھڑکی کی ٹ کے بجائے اس کی پیشانی پر پڑتی جس فلیٹ سے گولی چلائی گئی تھی اس میں ایک عیسائی لڑکی گلوریا مقیم تھی لیکن اس نے واقع سے لاعلمی ظاہر کی۔ ویسے اس نے یہ ضروری بتایا کہ اس کچھ دیر قبل فائر کی آواز سنی تھی۔

فلیٹ کی تلاشی لینے پر غسل خانے میں ایک خالی کارتوس ملا، جو کچھ ہی دیر قبل خالی کیا گیا تھا۔

اس کے باوجود بھی لڑکی یہی کہتی رہی کہ وہ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ اس نے فائر واز بھی سنی تھی اور آواز قریب ہی کی معلوم ہوئی تھی لیکن اس نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی کیونکہ پڑوس کے بچے اکثر نقلی امریکی ریوالوروں سے کھیلتے رہتے تھے۔

پولیس تو اُسے حراست میں لینا چاہتی تھی لیکن فریدی نے ایسا نہیں ہونے دیا۔ ویسے دن بھر اُسے پریشان کرتی رہی۔ پھر شام کو حمید اسلم کے نام سے اسکے پاس پہنچا۔ اس سے ہمدردی کی اور بتایا کہ وہ اسے عرصے سے جانتا ہے اور صحیح معنوں میں اس کی مدد کرنا چاہتا ہے۔

لڑکی جو بظاہر پریشان معلوم ہوتی تھی، بے چوں وچرا اس کے ساتھ ایک دوسرے مکان میں ا ہو گئی۔ حمید اس کے بعد بھی اس سے برابر ملتا رہا۔ مگر کیپٹن حمید کی حیثیت سے نہیں۔ اور اس وقت اس نے یہ سب فریدی ہی کے کہنے پر کیا تھا۔ فریدی یہاں تک اس کے ساتھ آیا تھا کیم کے مطابق اسی سڑک پر اُسے حمید کی واپسی کا منتظر رہنا تھا۔

مگر کیڈی لاک خالی تھی.... حمید نے جیب سے ٹارچ نکالی۔

لیکن ٹارچ روشن کرتے ہی گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اگلی نشست کی پشت گاہ میں خنجر دستے تک پیوست تھا۔

سیٹ پر کئی جگہ خون کے چھوٹے چھوٹے دھبے نظر آ رہے تھے۔

اور کچھ ایسے نشانات بھی دکھائی دیئے جن سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ گاڑی کے اندر دو سے زیادہ آدمیوں میں کشمکش ہو چکی ہے۔

مگر.... حمید الجھن میں پڑ گیا۔ دو جھگڑنے والوں میں ایک یقیناً بہت اطمینان سے رخصت ہوا تھا ورنہ حمید کو کار کا دروازہ بند نہ ملتا۔

ٹارچ کی روشنی کار کے قرب وجوار کی زمین پر رینگنے لگی۔ لیکن یہاں حمید کو کسی قسم کے نشانات نہیں مل سکے حتیٰ کہ یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ باہر نکلنے کے لئے کون سا دروازہ استعمال گیا ہوگا۔

خون کے دھبے بھی سیٹ کے علاوہ اور کہیں نہیں ملے۔

بڑی عجیب بات تھی۔ آخر فریدی کہاں گیا؟ کیا اس کے نامعلوم دشمن اسے پکڑ لے لیکن خنجر کی موجودگی اس خیال کی تردید کر رہی تھی، جو لوگ قاتلانہ حملہ کر سکتے ہیں، انہیں کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے کہ وہ کسی کو پکڑ کر لے جائیں۔

تو پھر اس کا یہ مطلب ہوا کہ حملہ آور اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوئے۔

وہ کافی دیر تک کھڑا ادھر اُدھر دیکھتا رہا۔ سوال یہ تھا کہ وہ وہاں ٹھہرے یا چلا جائے۔ کے لئے تشویش اپنی جگہ پر لیکن وقت کا تقاضا بھی کوئی چیز ہے اور پھر اگر کار کا دروازہ بند والا فریدی ہی تھا تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ کافی اطمینان کے ساتھ یہاں سے گیا ہے۔ اگر آوروں کو بھگا دینے کے بعد یہاں سے رخصت ہوا ہے تو حمید کا اس کے انتظار میں یہا حماقت ہی تھی۔

اور اگر حملہ آور اُسے پکڑ لے گئے ہیں تو کار کا دروازہ بند کر جانا نفسیاتی نقطہ نظر سے یقین ہو جاتا ہے۔ بہر حال حمید نے یہی فیصلہ کیا کہ فریدی محفوظ ہے۔ رہ گیا اس طرح ہو جانا تو یہ فریدی کیلئے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وقت پر اُسے جو کچھ بھی سوجھ جاتی کر گزرتا

حمید کیڈی میں بیٹھ گیا۔ پھر خیال آیا کہ وہ غلطی کر رہا ہے۔ کیوں نہ کیڈی کو اُن تمام سمیت یہیں چھوڑ دے اور خون کے دھبے تو بہر حال محفوظ تھے کیونکہ وہ پہلے ہی خشک ہو چ

وہ چپ چاپ کیڈی سے اُتر آیا اور اس کا ایک دروازہ کھلا چھوڑ کر پیدل ہی چل پڑا۔

آج کی مہم خوشگوار بھی ثابت ہوئی تھی اور ناخوش گوار بھی۔

گلوریا کے متعلق وہ سوچ رہا تھا کہ حقیقتاً وہ فریدی پر گولی چلانے والے سے کوئی نہ کو

سکتی ہے، ورنہ وہ اسی وقت اُسے ٹوک دیتی جب اس نے اپنا نام اسلم بتایا تھا اور پھر اس کے ی وہ اُسے ملتی رہی تھی اور اس دوران میں اس نے کبھی یہ نہیں ظاہر ہونے دیا تھا کہ وہ اس لیت سے واقف ہے۔

کیس بیگ

حمید کو توقع تھی کہ گھر پر فریدی سے ضرور ملاقات ہوگی، لیکن وہ وہاں بھی نہیں تھا۔ حمید شی سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ دو بج چکے تھے اور ذہن نیند سے بوجھل ہو رہا تھا۔

پھر اسے پتہ نہیں کہ وہ کب سو گیا۔

اور ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ سوچنے لگا کہ آخر آنکھ کھلی ہی کیوں۔ نے میز پر رکھی ہوئی ٹائم پیس کی طرف دیکھا سوا تین بجے تھے اور پھر اچانک آنکھ کھلنے کی وجہ ی سمجھ میں آ گئی۔ کوئی اس کے کمرے کا دروازہ پیٹ رہا تھا۔

حمید جھلا کر اٹھ بیٹھا۔ لیکن وہ سوچنے لگا کہ یہ فریدی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ فریدی ایسے موقع ں کے کمرے میں رکھے ہوئے ٹیلی فون کے بزر سے کام لیا کرتا تھا۔ نوکروں میں اتنی ہمت ں تھی کہ وہ اس بدتمیزی سے اس کے کمرے کا دروازہ پیٹ سکتے۔

اس نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں دروازہ کھولا۔ کوتوالی انچارج انسپکٹر جگدیش کھڑا پلکیں پکا رہا تھا۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔" حمید چیخ کر بولا۔ "آخر تم یہاں تک کیسے پہنچ گئے۔"

"فریدی صاحب کہاں ہیں۔" جگدیش نے پوچھا۔

"یار تم آدمی ہو یا...."

"حمید صاحب آپ حالات کی نزاکت سے واقف نہیں ہیں۔"

"کیا مطلب....!"

"ٹرمار وڈ پر دو بجے ایک کانسٹیبل کو فریدی صاحب کی گاڑی ملی ہے جس کی اگلی سیٹ پر ایک نجر پیوست ہے۔ اور خون کے کئی دھبے۔"

"تم نے اس قسم کا کوئی کانسٹیبل خواب میں دیکھا ہوگا۔ کیڈی گیراج میں ہے اور فریدی ہب اپنے کمرے میں سو رہے ہوں گے۔"

"نہیں کیڈی گیراج میں نہیں ہے اور فریدی صاحب بھی اپنے کمرے میں نہیں ہیں۔"

"تب تو بات تشویش ناک ہے۔ مگر کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ اپنی ہی گاڑی ہے۔"

"آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں اچھی طرح چھان بین کرنے کے بعد یہاں آیا ہوں۔"

قصہ مختصر یہ کہ حمید خود کو دل ہی دل میں گالیاں دیتا ہوا جگدیش کے ساتھ شرما روڈ کی طرف روانہ ہو گیا۔

بات بڑھ گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔

بہر حال وہ لوگوں کے سوالات کے جواب گول مول طریقے سے دیتا رہا۔

صبح تک حالات اور کچھ ہو گئے۔ آفس کے روزنامچے سے معلوم ہوا کہ فریدی چار دن سے شہر ہی میں نہیں ہے۔ حمید کو اس کا قطعی علم نہیں تھا اور ہوتا بھی کیسے جب کہ فریدی پچھلی رات تک اس کے ساتھ رہا تھا۔

اس نے حمید کو یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ دفتر کے روزنامچے کے مطابق شہر میں موجود نہیں ہے۔

بہر حال اب وہ سوچ رہا تھا کہ پچھلی رات پولیس والوں سے گفتگو کے دوران میں اُس کوئی ایسی بات کہی تھی یا نہیں جس سے روزنامچے کی تردید ہو سکتی۔ اُسے نہیں یاد آیا کہ اس کوئی ایسی بات کہی ہو۔ وہ خود ہی اُن سے کھل کر گفتگو نہیں کر رہا تھا۔

شام کے اخبارات کے ہاکروں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ آج کی سب سے زیادہ سنسنی خیز فریدی کی گمشدگی ہی تھی۔ قریب قریب سارے ہی اخبار نے ایک ہفتہ قبل والے حملے کا حوالہ دیا تھا۔

لیکن حمید نے یہ بات ضرور محسوس کی تھی کہ سارے ہی اخبارات نے اس سلسلے میں قیا آرائیوں سے گریز کیا تھا۔

❁

اسی شام کو حمید گلوریا کے ساتھ آرلکچو کے ایک فیملی کیبن میں بیٹھا جھک مار رہا تھا۔ بے دلی سے کسی تفریح میں حصہ لیا جائے تو اسے جھک مارنا ہی کہیں گے۔

بے دلی کی وجہ خود گلوریا ہی تھی۔ وہ حسین ضرور تھی مگر دوران گفتگو میں اکثر اس ہونٹ سکوڑ لیتی تھی جیسے چھینک روکنے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس کی یہ عادت حمید کی حس کے لئے سم قاتل ثابت ہوئی تھی۔ عورتوں کے معاملے میں اس کے احساسات لارڈ

15

ب ترین احساسات سے کسی طرح کم نہیں تھے۔

وہ اسے طوعاً و کرہاً برداشت کر رہا تھا۔ فریدی نے اُسے خاص طور پر ہدایت دی تھی کہ گلوریا

رکھے۔

"تم کیا سوچ رہے ہو....؟" گلوریا نے پوچھا۔

"تم نے شام کا کوئی اخبار دیکھا ہے۔"

"میں ہمیشہ صبح کے اخبار دیکھتی ہوں۔"

"پچھلی رات کرنل فریدی کی کار شرما روڈ پر پائی گئی ہے۔ اگلی نشست کی پشت گاہ میں ایک پوسٹ ملا ہے اور خون کے کچھ دھبے۔"

"اوہ.... تو پھر کسی نے حملہ کیا۔ لیکن کرنل کہاں ہیں۔"

"کرنل....!" حمید طویل سانس لے کر بولا۔ "مجھے توقع ہے کہ آج شام تک اُن کی لاش ندی یا نالے میں مل جائے۔"

"نہیں....!" گلوریا حیرت اور خوف سے آنکھیں پھاڑ کر بولی۔

"ہاں.... اور اب مجھے بھی اپنی زندگی خطرے میں نظر آ رہی ہے۔" حمید آہستہ سے بولا۔

"اور تم یہاں اتنے اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہو۔" گلوریا کے لہجے میں حیرت تھی۔

"مر جانے میں مجھے زیادہ فائدہ نظر آتا ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ چلو اٹھو.... میں یہاں نہیں بیٹھوں گی۔"

"کیوں....؟"

"یہاں تم پر نہایت آسانی سے حملہ ہو سکتا ہے۔"

"فکر نہ کرو! میں ڈرپوک نہیں ہوں۔"

"پھر تمہارے چہرے پر ہوائیاں کیوں اڑ رہی ہیں۔"

"کھیاں ہوں گی۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"نہیں آج تمہارا رویہ پہلے سے بہت بدلا ہوا ہے۔ کیا تمہیں اب تک یقین نہیں آیا کہ میں طرآور سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔"

"بھئی ختم کرو.... یہ قصہ! مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"پھر کیا سوچ رہے ہو۔"

"کچھ نہیں میرا موڈ بہت خراب ہے۔ چلو چلیں۔" حمید اٹھ گیا۔

ٹھیک دس بجے حمید سونے کی تیاری کر رہا تھا کہ ڈی۔ آئی۔ جی کا فون آیا۔ اُس نے اُسی
اپنے بنگلے پر طلب کیا تھا۔

افسران بالا کے سامنے تنہا جانے سے وہ ہمیشہ کتراتا رہتا تھا۔ یوں تو ڈی۔ آئی۔ جی
درجنوں بار مل چکا تھا لیکن فریدی کے ساتھ۔

مگر اب تو اُسے ہر حال میں وہاں پہنچنا تھا۔

اس نے گیراج سے چھوٹی آسٹن نکالی اور دل ہی دل میں سر پیٹتا ہوا ڈی۔ آئی۔ جی کے
کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اسے فریدی کے متعلق ڈی۔ آئی۔ جی کو بتانا
پڑے۔ ویسے فریدی کا آرڈر تھا کہ وہ اس کے مشاغل کے متعلق کبھی کسی کو کچھ نہ بتائے
پوچھنے والا محکمے کا کوئی بڑا آفیسر ہی کیوں نہ ہو۔ وہ سخت الجھن میں تھا۔ فریدی نے
روزنامچے میں دفتر سے اپنی غیر حاضری تحریر کی تھی۔ جس کا کھلا ہوا مطلب یہ تھا کہ وہ اپنے
تین دنوں کی کارگذاریوں کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

حمید کی الجھن بڑھتی رہی اور اس وقت اور زیادہ بڑھ گئی جب کار ڈی۔ آئی۔ جی کے
کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔

ڈی۔ آئی۔ جی تک پہنچنے کے لئے اُسے "رسمیات" سے دوچار نہیں ہونا پڑا۔ ایک آ
اس کا منتظر تھا۔ اس نے اُسے ڈرائنگ روم تک پہنچا دیا۔

ڈی۔ آئی۔ جی تنہا نہیں تھا۔ محکمے کا سپرنٹنڈنٹ اور دو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ بھی موجود تھے۔

"فریدی کا کچھ پتہ چلا۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں.... ابھی تک تو کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔"

"خیر.... ایک بہت پرانے کیس کے متعلق گفتگو کرنے کے لئے میں نے تمہیں بلایا ہے۔
حمید کی الجھن رفع ہو گئی۔ بات فریدی سے کسی پرانے کیس پر ٹل گئی تھی۔

ڈی۔ آئی۔ جی چند لمحے اُسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "لیونارڈ والے کیس میں تم فریدی کے سا
ہی تھے نا۔"

لیونارڈ کا نام سن کر حمید بیساختہ چونک پڑا۔

"جی ہاں.... میں اس کے ساتھ تھا۔"

"اس کیس سے متعلق کچھ معلومات فراہم کر سکو گے۔"

"معلومات.... جی ہاں.... مگر....!"

"بات بہت پرانی ہو گئی....؟" ڈی۔ آئی۔ جی نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔ اس کا موڈ بہت
خراب معلوم ہو رہا تھا۔

"جی ہاں! اگر ریکارڈ روم سے....!"

"کیس بیگ نکلوا لیا جائے تو.... میں پھر کیا تم سے خاک پوچھوں گا۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے
کا جملہ پورا کر دیا۔

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ ڈی۔ آئی۔ جی میز پر گھونسہ مار کر بولا۔ "سب سوتے رہے ہیں۔
ارڈ کا کیس بیگ ریکارڈ روم سے غائب ہے۔"

اس اطلاع پر حمید سناٹے میں آ گیا۔ ڈی۔ آئی۔ جی چبھتا رہا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ کیا
تے ہیں۔ پھر اس نے سپرنٹنڈنٹ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "ریکارڈ کیپر کے خلاف کاروائی کی گئی۔"

"جواب.... جواب طلب کیا گیا ہے۔"

"جواب طلب کیا گیا ہے۔ اُسے اور اُس کے عملے کو حراست میں ہونا چاہئے تھا مسٹر۔"

سپرنٹنڈنٹ کچھ نہ بولا۔

ڈی۔ آئی۔ جی پھر حمید کی طرف مڑا اور اس کی روح فنا اور بقا کے مسئلے پر غور کرنے لگی۔

"تم بتا سکتے ہو کہ لیونارڈ نے بلیک میلنگ کے لئے کون سا طریقہ اختیار کیا تھا۔"

"جی ہاں عرض کرتا ہوں۔" حمید اپنی پیشانی سے پسینہ خشک کرتا ہوا بولا۔

"ایک اخبار تھا اسٹار جو یورپ میں بلیک میلنگ کے مختلف طریقوں پر ایک مضمون بالا قساط
کر رہا تھا۔ ان میں اُن خطوط کے نمونے دیئے جاتے تھے جو لوگوں سے رقم اینٹھنے کیلئے بلیک
ل کی طرف سے وقتاً فوقتاً لکھے گئے تھے، لیکن حقیقت یہ تھی کہ انہیں خطوط کے ذریعے لیونارڈ
شکاروں سے رقمیں وصول کیا کرتا تھا۔ اسٹار کے لئے وہ مضامین اسی کا ایک آدمی لکھتا تھا۔"

"تم نے آج صبح کا کوئی اخبار دیکھا۔"

"جی ہاں....!"

"لیڈی پرکاش کے متعلق خبر دیکھی تھی۔"

"جی نہیں! مجھے اتنا وقت ہی نہیں ملا کہ پورا اخبار دیکھ سکوں۔"

"دیکھو....!" ڈی۔ آئی۔ جی نے میز پر رکھے ہوئے اخبار کی طرف اشارہ کیا۔

حمید نے اخبار اٹھالیا۔ پہلے صفحے کی ایک مختصر سی خبر کے گرد سرخ پنسل سے بنائے ہو
حاشئے پر اس کی نظر پہلے ہی پڑی تھی۔

خبر تھی۔ "کل شام لیڈی پرکاش کو ایک عجیب و غریب خط موصول ہوا ہے۔ خط کسی گمنام طرف سے ہے اور اس کی اوٹ پٹانگ عبارت لکھنے والے کے ذہنی فتور کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ خط کا مضمون یہ ہے

مائی ڈیئر لیڈی پرکاش!

دریائے ٹیمز میں اس مقام پر مچھلیاں نہیں پائی جاتیں جہاں جہاز لنگر انداز ہوتے ہیں۔ کوئی سفید گلاب پیش کرے تو کیمرے کا دھیان ضرور رکھنا چاہئے، اللہ بڑا کارساز ہے، ویسے سنا کہ کار سازی میں ہنری فورڈ بھی اپنا جواب نہیں رکھتا۔ وی آنا میں ایک تصویر ڈیڑھ لاکھ کی تھی۔ دریائے ٹیمز کی مچھلیاں تین لاکھ مانگتی ہیں۔"

حمید خبر پڑھ کر ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف دیکھنے لگا۔

"لیکن....!" ڈی آئی جی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "لیڈی پرکاش کو اس قسم کا کوئی نہیں ملا۔ اُس نے آج ہی اس خبر رساں ایجنسی کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ دائر کیا ہے۔"

"تب تو خبر رساں ایجنسی....!"

"خبر رساں کمپنی کے کارکنوں نے اس سے اپنی لاعلمی ظاہر کی ہے۔ اخبارات کے ا کہتے ہیں کہ انہیں یہ خبر اُسی ایجنسی کے ٹیلی پرنٹرز پر موصول ہوئی ہے۔"

"لیونارڈ.... سو فیصدی لیونارڈ....!" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔

"مجھے بتاؤ کہ فریدی کہاں ہے؟"

"یقین فرمایئے.... مجھے علم نہیں ہے۔"

"حملے کے متعلق اس نے کیا خیال ظاہر کیا تھا۔"

"کچھ بھی نہیں وہی عام بات۔ شہر کیا پورے ملک کے جرائم پیشہ اُن کے دشمن ہیں۔"

"لیکن میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ حملہ لیونارڈ کی طرف سے ہوا ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔ "فریدی ہی نے پہلی بار اس کے ہتھکڑیاں لگائی تھیں۔ پورے یور پولیس اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔ کیا وہ آزاد ہونے کے بعد ایسے آدمی کو چھوڑ دے گا جو بدولت اسے زندگی میں پہلی بار جیل کی صورت دیکھنی پڑی تھی۔"

"جی ہاں اب میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ لیکن فریدی صاحب نے اس دوران میں ا

رڈ کا نام نہیں لیا۔"

س دوران سے کیا مراد ہے تمہاری۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

مطلب یہ کہ آج سے چار دن قبل کی بات ہے۔" حمید فوراً سنبھل گیا۔

کیا تم نے بھی اُسے تین دن سے نہیں دیکھا۔"

جی نہیں۔"

لیکن اس کی گاڑی۔"

گاڑی وہ چار دن قبل اپنے ساتھ لے گئے تھے۔"

تمہیں یقین ہے کہ تم جھوٹ نہیں بول رہے ہو۔"

میرا خیال ہے کہ فریدی صاحب بھی آپ کے سامنے جھوٹ بولنے کی ہمت نہیں ۔" حمید نے مکھن کا ڈبہ رسید کیا۔

لیکن حمید کے اس جملے کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ محکمہ سراغ رسانی کا ڈپٹی انسپکٹر جنرل اتنا یں ہو سکتا۔

اس نے ایس۔ پی اور ڈی۔ ایس۔ پی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "آپ لوگ جا سکتے ہیں۔"

"اب بتاؤ۔"

"کل رات ہم ساتھ ہی شرمارو ڈ تک گئے تھے۔ مجھے وہاں سے ایک دوسری جگہ جانا تھا۔ ام یہ تھا کہ فریدی وہیں شرمارو ڈ پر ٹھہر کر میرا انتظار کریں گے، لیکن واپسی پر میں نے کار کو الت میں پایا جس کی رپورٹ آپ تک پہنچ چکی ہے۔ مگر نہیں.... رپورٹ یہ ہے کہ اس کا دروازہ کھلا ہوا پایا گیا تھا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ میں نے چاروں دروازے بند پائے تھے۔"

"اس کی کیا اہمیت ہے۔"

"اس کی اہمیت یہ ہے کہ فریدی صاحب نہ صرف زندہ ہیں بلکہ جہاں بھی گئے ہیں۔ آزادانہ پر گئے ہیں، ورنہ حملہ آور کو کیا پڑی تھی کہ وہ کار کا دروازہ بند کر کے جاتا۔ نفسیاتی نقطہ نظر ....!"

"بکواس.... اسے منطقی دلیل نہیں کہیں گے۔ لیونارڈ جیسے مجرم جلد باز نہیں ہوتے۔ میرا ہے کہ فریدی اس کی گرفت میں آگیا ہے۔"

حمید کے ذہن میں اس لغو ترین خیال کے خلاف کئی دلیلیں تھیں لیکن اس نے بات بڑھانا سب نہیں سمجھا۔ حکام بالا کی عام ذہنیت یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں سے ذہنی طور پر

شکست کھانے کے بعد اور زیادہ جھلا جاتے ہیں۔

"یہ بھی ممکن ہے۔" حمید بولا۔

"لیکن پچھلی رات تم کہاں گئے تھے۔"

حمید جھنجھلا گیا اور اس نے تہیہ کر لیا کہ اب سچ نہیں بولے گا۔

"شرما روڈ کی دوسری طرف البرٹ روڈ پر لائن آرٹ پریس ہے۔ وہاں ہمیں ایک آدمی کو چیک کرنا تھا، جو ایک بار جعلی نوٹ چھاپنے کے جرم میں سات سال کی قید بھگت چ آج کل وہ لائن آرٹ پریس میں بحیثیت مشین مین کام کر رہا ہے۔"

"اس آدمی کو کیوں چیک کرنا تھا۔"

"پتہ نہیں! فریدی صاحب کبھی مجھے اپنی اسکیموں سے آگاہ نہیں کرتے۔"

"اور یہ بُری عادت کبھی نہ کبھی اُسے پچھتانے پر مجبور کر دے گی۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس طرح پیچھا چھڑائے۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔ "تم بھی جا سکتے ہو۔ لیکن مجھے ا کے پچھلے کیس کے متعلق دوسری معلومات بھی درکار ہیں۔ جتنا بھی تمہیں یاد آسکے کل شا لکھ کر میرے پاس پہنچاؤ۔"

لیڈی پرکاش

حمید ذہن پر ناخوشگوار اثرات لے کر ڈی۔ آئی۔ جی کے یہاں سے واپس آیا تھا۔ وہ را لیونارڈ کے متعلق سوچتا رہا تھا۔ لیونارڈ یورپ کا بین الاقوامی شہرت رکھنے والا بین الاقوامی بلیک جسے پانچ سال قبل فریدی نے ہتھکڑیاں پہنائی تھیں۔ یہ وہی لیونارڈ تھا جس نے کافی عرص سپرنٹنڈنٹ جیکسن کی حیثیت سے محکمہ سراغ رسانی پر حکومت کی تھی، اور سپرنٹنڈنٹ اس کی قید میں سڑتا رہا تھا۔

لیونارڈ نے زندگی میں پہلی بار فریدی کی وجہ سے جیل کی صورت دیکھی تھی۔ وہ تھا۔ سازشی تھا۔ بلیک میلر تھا لیکن لندن کی پولیس اس کے خلاف ایک بھی قتل نہ ثابت کر اس پر مقدمہ چلا اور اُسے عمر قید کی سزا ہو گئی۔ لیکن وہ تین سال بعد جیل سے فرار ہو۔ کامیاب ہو گیا۔

فریدی نے چند ماہ پیشتر حمید کو اس کے فرار کی خبر سنائی تھی اور خدشہ بھی ظاہر کیا تھا کہ ڈایک بار پھر مشرق کا رخ کرے گا۔

اور آج اخبار میں لیڈی پرکاش کے متعلق خبر دیکھ کر اُسے یقین آگیا کہ پچھلے چند دنوں کی اتوں میں لیونارڈ کے علاوہ اور کسی کا ہاتھ نہیں ہو سکتا۔ آج سے پانچ سال قبل بھی لیونارڈ نے ں کے بعض بڑے گھرانوں کی عورتوں کو بلیک میل کرنے کے لئے اسی قسم کے انوکھے طریقے رکئے تھے۔

حمید راستے بھر مختلف قسم کے خیالات میں الجھا رہا۔

پھاٹک کھلا ہوا تھا اور رکھوالی کرنے والے خوفناک السیشن کمپاؤنڈ میں چکر لگا رہے تھے۔ جیسے حمید کی کار اندر داخل ہوئی چوکیدار پھاٹک بند کر کے شاگرد پیشہ کی طرف چلا گیا۔

حمید کار کو گیراج میں ڈال کر لوٹ ہی رہا تھا کہ پھاٹک پر کوئی کار رکی اور کسی نے پھاٹک ہلانا وع کر دیا۔

حمید سوچنے لگا کہ اس وقت کون ہو سکتا ہے۔ بارہ بج چکے تھے۔ پھر وہ پھاٹک کی طرف بڑھ ا رہا تھا کہ سناٹے میں فائر کی آواز گونجی اور ساتھ ہی ایک چیخ سنائی دی۔ چیخ کسی عورت کی تھی۔

حمید بے تحاشہ پھاٹک کی طرف دوڑا تھا لیکن قبل اس کے کہ وہ قریب پہنچتا کار فراٹے بھرتی وئی اندھیرے میں غائب ہو گئی۔

حمید چوکیدار کو آوازیں دینے لگا۔ پھاٹک کے تالے کی کنجی اسی کے پاس تھی۔

نہ صرف چوکیدار بلکہ دو تین نوکر بھی دوڑتے ہوئے پھاٹک کی طرف آئے۔

"پھاٹک کھولو جلدی....!" حمید بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

پھاٹک کھلتے ہی اس نے ٹارچ روشن کی۔ پھاٹک سے صرف تین قدم کے فاصلے پر کوئی ورت منہ کے بل پڑی ہوئی تھی اس کے جسم پر فاختئی رنگ کا ریشمی اسکرٹ تھا۔ حمید نے جھک اُسے سیدھا کیا اور اس کے منہ سے ایک تحیر زدہ سی آواز نکل گئی.... یہ گلوریا تھی۔

تھوڑی دیر بعد گلوریا ڈرائنگ روم کے ایک صوفے پر بیہوش پڑی تھی اور حمید اسے ہوش لانے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس کا ذہن اس فائر میں الجھا ہوا تھا جس کی آواز اس نے سنی تھی مگر گلوریا کے جسم پر کہیں کوئی زخم نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی بیہوشی خوف کا نتیجہ رہی ہو۔

آدھے گھنٹے بعد گلوریا کو ہوش آگیا اور وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھی۔ پہلے وہ گھبرائی ہوئی نظروں سے

چاروں طرف دیکھتی رہی پھر کھڑی ہو کر پاگلوں کی طرح اپنے جسم پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

"گولی نہیں لگی....!" حمید آہستہ سے بولا اس کے حرکات و سکنات کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آواز سن کر گلوریا اس طرح اچھل پڑی جیسے اسے اس کی موجودگی کا علم ہی نہ رہا ہو۔

"اوہ.... مائی ڈیئر کیپٹن۔" وہ اچھل کر اس پر آرہی اور حمید ایک طرف ہٹ بھی نہ سکا کیونکہ ایسی صورت میں وہ دیوار سے جا ٹکراتی۔

"مجھے بچاؤ.... مجھے بچاؤ۔" وہ ایک ایسے ننھے پرندے کی طرح ہانپ رہی تھی جو کسی باز کے پنجے سے اتفاقاً چھوٹ گیا ہو۔

"کیا بات ہے۔" حمید اُسے الگ ہٹاتا ہوا بولا۔

"میں خطرہ محسوس کر رہی ہوں۔ وہ مجھے مار ڈالیں گے۔ میں اب تک تمہیں دھوکا دیتی رہی ہوں۔ مجھے بچاؤ.... میں سب کچھ بتا دوں گی۔"

"آہم....!" حمید نے ایک طویل سانس لی اور اٹھ کر اُن گھنٹیوں کے بٹن دبانے لگا جو نوکروں کے کوارٹروں میں لگی ہوئی تھیں۔

"ٹھہرو....!" وہ گلوریا کی طرف مڑ کر بولا۔ "میں ابھی سنتا ہوں۔"

دو منٹ کے اندر ہی اندر سارے نوکر برآمدے میں اکٹھا ہو گئے۔ یہ تعداد میں آٹھ تھے۔

"جاؤ.... تم لوگ رائفلیں نکال لو اور کمپاؤنڈ میں پھیل جاؤ۔ عقبی پارک کا خاص طور خیال رکھنا اور اگر کوئی کمپاؤنڈ میں داخل ہونے کی کوشش کرے تو بے دریغ گولی مار دینا۔"

نوکروں نے پہلی بار فریدی کی کوٹھی میں اس قسم کا حکم سنا تھا۔ وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر پلکیں جھپکانے لگے۔

"جاؤ.... جلدی کرو۔"

"آپ ہمیں کچھ نہیں بتائیں گے۔" فریدی کے مخصوص خادم شریف نے پوچھا۔

"میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو۔" حمید نے سخت لہجے میں کہا۔

"آٹھ رائفلیں نکالو.... جاؤ۔"

وہ سب چلے گئے.... گلوریا دروازے میں کھڑی گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ حمید کی طرف مڑا اور وہ پھر ڈرائنگ روم میں چلے گئے۔

"ہاں اب بتاؤ۔" حمید بیٹھتا ہوا بولا۔

"کیا خطرہ ہے.... تم نے رائفلیں....!"

"چھوڑو.... یہ ہمارا دن رات کا کھیل ہے.... بہر حال اب تم جو کچھ بھی کہو گی میں اس پر
ہیں کروں گا۔"

"پھر بتانا ہی بیکار ہے۔"

"تمہاری مرضی۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"خدا کے لئے بچاؤ۔ میں قطعی نادانستگی میں سازش کا شکار ہوئی ہوں۔"

"اگر یہی سچی بات تھی جو تم اب کہنے جا رہی ہو تو پہلے بتا دینے میں کیا حرج تھا۔"

"اوہ.... تم سمجھے نہیں۔ پہلے مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ میں بھی مار ڈالی جاؤں گی۔"

"کیا اس وقت کوئی تمہارا تعاقب کرتا ہوا آیا تھا۔"

"ہاں.... آر لکچو سے اٹھ کر میں سیدھی گھر گئی۔ فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ اس لئے میں پیدل آ پڑی تھی۔ کچھ دور چلنے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ کوئی میرا تعاقب کر رہا ہے۔ اُف کتنا بھیانک آدمی تھا۔ ابھی تک اس کی شکل میرے ذہن پر مسلط ہے۔ اس کی آنکھوں میں درندگی تھی وہ سچ مچ آدم خور معلوم ہوتا تھا۔ میں گھر آگئی اور میں نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ وہ دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میری روح لرز گئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ گھر میں آنے کے لئے موقع کا منتظر ہو۔ پھر میں ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر دوسری طرف کے دروازے سے نکلی اور تقریباً دوڑتی ہوئی ٹیکسیوں کے اڈے پر پہنچ گئی۔ لیکن جب میں ایک ٹیکسی میں جا رہی تھی میں نے مڑ کر دیکھا اور میری جان نکل گئی کیونکہ وہ بھی ایک ٹیکسی کے قریب کھڑا ہوا جانتی تھی کہ مجھے صرف تمہارے ہی پاس پناہ مل سکتی ہے۔ میں یہاں پہنچی اور پھاٹک کھولنے کی کوشش کر رہی تھی کہ کسی نے مجھ پر فائر کیا۔ پھر مجھے یاد نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا۔"

"کیا فائر اسی ٹیکسی سے ہوا تھا جس پر تم آئی تھیں۔"

"میں کچھ نہیں بتا سکتی۔ مجھے معلوم ہی نہ ہو سکا کہ فائر کس طرف سے ہوا تھا۔"

"بہر حال فائر ہوتے ہی وہ ٹیکسی چل پڑی تھی جس پر تم آئی تھیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ فائر اسی ٹیکسی سے ہوا ہو۔"

"کیا وہ آدمی اس وقت بھی تمہارے پیچھے تھا جب تم یہاں آرہی تھیں۔"

"میرا خیال ہے کہ تھا۔ کیونکہ ایک دوسری ٹیکسی تھوڑی ہی فاصلے سے برابر تعاقب کرتی رہی۔"

"تو دوسری ٹیکسی یہاں تک آئی تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"مجھے ہوش نہیں.... میں یادداشت پر زور دینے کے باوجود بھی یہ نہیں بتا سکتی کہ وہ یہاں تک آئی تھی یا نہیں۔"

"اچھا... اب پرانی کہانی کی طرف لوٹ آؤ۔"

گلوریا چند لمحے حمید کی طرف دیکھتی رہی پھر بولی۔ "مگر تم پہلے ہی کہہ چکے ہو کہ تمہیں اس پر یقین نہیں آئے گا۔"

"شروع ہو جاؤ۔ اب زیادہ بیوقوف بننے کی تاب نہیں ہے۔"

"خیر تم یقین کرو یا نہ کرو۔ میں اب کچھ نہیں چھپاؤں گی۔ جس دن میرے فلیٹ کے سامنے والی عمارت میں تقریب تھی۔ ایک فوٹو گرافر میرے پاس آیا اور مجھ سے استدعا کی کہ میں اپنے فلیٹ سے اسے تقریب کی دو ایک تصویریں لینے دوں۔ اس نے بتایا تھا کہ وہ ایک مقامی روزنامے کا فوٹو گرافر ہے۔ ڈیلی آبزرور کا فوٹو گرافر۔ میرا اس میں کوئی نقصان نہیں تھا۔ میں نے اسے اجازت دے دی۔ وہ تھوڑی دیر تک جگہ منتخب کرتا رہا اور آخر کار اس نے اس کام کے لئے غسل خانہ پسند کیا۔ اس کی ایک کھڑکی بالکل اس مقام کے سامنے تھی جہاں مہمانوں کا استقبال کیا جا رہا تھا۔ میں اُسے غسل خانے میں چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ دراصل میں اس دن ایک دلچسپ ناول پڑھ رہی تھی اور اُسے ختم کئے بغیر رکھنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ کچھ دیر بعد میں نے فائر کی آواز سنی تھی لیکن میں نے اُسے کوئی اہمیت نہ دی کیونکہ پڑوس کے بچے اکثر نقلی امریکی پستولوں سے کھیلتے رہتے تھے اور کئی تو اتنے شریر تھے کہ اکثر ہاتھ بڑھا کر میری بالکنی پر فائر کرتے تھے اور مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ دھماکہ میرے کان کے قریب ہی ہوا ہو۔ میں نے سمجھی کہ یہ کسی بچے کی شرارت ہی ہوگی اور پھر میری آنکھیں اس وقت کھلیں جب پولیس والے فلیٹ میں گھس آئے۔ میں نے لاعلمی ظاہر کی اور یہ حقیقت ہے کہ مجھے اس وقت تک اس کا علم نہیں ہوا جب تک غسل خانے سے خالی کارتوس نہیں برآمد ہوا۔ فوٹو گرافر جا چکا تھا۔ میں نے جلدی میں ایک فیصلہ کیا یہی کہ میں اس سے لاعلمی ہی ظاہر کرتی رہوں ورنہ مجھے اس فوٹو گرافر کو پیدا کرنا پڑے گا۔ میں نے پولیس کو بیان دیا کہ میں سو رہی تھی۔ اگر کوئی اس دوران میں فلیٹ میں گھس آیا ہو تو میں نہیں جانتی کیونکہ میں سونے سے قبل فلیٹ کا دروازہ بند کرنا بھول گئی تھی۔ پولیس مجھے ہر ہر طرح سے ہلاتی جلاتی رہی مگر میں اپنے پچھلے بیان سے ایک انچ بھی نہیں ہٹی پھر تم اسلم بن کر آئے۔ میں تمہیں بہت دنوں سے جانتی تھی اور مجھے یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ حملہ کرنل فریدی پر ہوا ہے۔ تم اسلم کے روپ میں آئے تو میں سمجھ گئی کہ اب مجھے تختہ مشق

ے گا۔ میں نے سوچا کہ اگر تم پر یہ ظاہر کئے دیتی ہوں کہ تم کیپٹن حمید ہو تو یہ تمہارے شبہات تقویت دینے کے لئے کافی ہوگا۔ میں خاموش رہی۔ لیکن تم نے کل رات اسے دوسرے بچے سے اگلوا لیا۔ میں تمہیں کس طرح یقین دلاؤں کہ میں تمہیں پہلے سے جانتی ہوں۔ میں بہت قریب سے دیکھتی رہی ہوں۔ تمہاری دوستی کی خواہش مند تھی مگر تم عموماً اونچے طبقے ورتوں میں اٹھتے بیٹھتے تھے، میں ایک غریب لڑکی تھی اس لئے کبھی ہمت نہیں کر سکی، جو کچھ کہنا تھا کہہ چکی۔ جو برتاؤ چاہو کرو۔ میں تمہارے ہاتھوں مرنے کے لئے بھی تیار ہوں۔"

حمید اُسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔ جب وہ اپنی داستان ختم کر چکی تو اُس نے کہا۔ "اب میں اُس بات کا منتظر ہوں، جو تم مجھے کل بتاؤ گی۔"

"تمہاری مرضی۔" گلوریا مایوسانہ انداز میں بولی اور اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

"اگر میں تمہاری اس داستان پر یقین کر لوں تو ایک دوسرا سوال بھی پیدا ہوتا ہے۔"

"وہ کیا....!" گلوریا آنکھیں کھول کر بے دلی سے بولی۔

"کارتوس.... رائفل کا تھا.... اور رائفل ایسی چیز نہیں جسے کوئی فوٹو گرافر اپنے کیمرے میں چھپا سکے۔"

"ہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔" گلوریا سر ہلا کر بولی۔ "اس کے پاس ایک کیمرے کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔ مگر میں تو اپنے کمرے میں تھی۔ ہو سکتا ہے باہر کوئی دوسرا آدمی بھی رہا ہو۔ مگر سوچتی ہوں کہ آخر وہ کارتوس غسل خانے میں کیوں پھینک دیا گیا۔ کیا رائفل سے خالی کارتوس نکالے بغیر وہ وہاں سے نہیں جا سکتا تھا۔"

"اب خود تم نے ہی ایک دوسرا سوال بھی پیدا کر دیا۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"نہیں تم خود سوچو! آخر اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا کوئی آدمی جان بوجھ کر مجھے پولیس کے گلے پھنسانا چاہتا ہے۔"

"کیا تم کسی اہم شخصیت کی مالک ہو۔"

"میری شخصیت کے بارے میں تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔"

"پھر کوئی تمہیں پھنسانا کیوں چاہے گا۔ کیا تمہارے جیل جانے سے کسی کو فائدہ پہنچ سکتا ہے کسی ایسی ہی عورت کا نام لو جو تمہاری رقیب ہو۔"

"میں کسی ایسے آدمی کو نہیں جانتی.... مگر پھر کارتوس....!"

"کارتوس.... جلدی میں رہ گیا۔ فائر کرنے والا اُسے چھپا کر ہی فلیٹ میں لایا ہوگا۔ چھپا کر

ہی واپس لے گیا ہوگا۔ چھپا کر لے جانے کے لئے اُسے نال اور کندے کو الگ کرنا پڑا ہوگا لہٰذا کارتوس کا گرنا ضروری ہے۔"

"اوہ....!"

"لیکن یہ تو بتاؤ کہ وہ تمہیں مار ڈالنے پر کیوں تل گئے ہیں۔"

"میں کیا بتا سکتی ہوں۔"

"تم اُن سے واقف نہیں ہو۔"

"قطعی نہیں۔"

"پھر مار ڈالنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"اوہ ڈیئر! میں نے اس قسم کے بہتیری داستانیں پڑھی ہیں۔ وہ ایسے آدمیوں کو مار ڈالتے ہیں جو اُن کے ایک آدمی کا بھی صورت آشنا ہو۔"

"یعنی....!"

"ظاہر ہے کہ میں اس فوٹو گرافر کو دوبارہ دیکھتے ہی پہچان لوں گی۔"

"تم نے ڈیلی آبزرور کے دفتر کے چکر ضرور لگائے ہوں گے۔" حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"قدرتی بات ہے.... میں اپنی گردن ضرور چھڑانا چاہوں گی۔"

"لیکن وہ وہاں نہیں ملا۔"

"ملا..... لیکن وہ فوٹو گرافر نہیں ہے۔"

"وہ فوٹو گرافر نہیں ہے۔"

"تو تم نے اُسے تلاش کر لیا ہے۔"

"میں نے اُسے تلاش کر لیا ہے اور شائد اسی لئے.... اب وہ مجھے ختم کر دینا چاہتے ہیں۔"

"وہ کون ہے۔"

"میں نہیں جانتی۔ لیکن اس کے ٹھکانے سے واقف ہوں۔ اب اس کے چہرے پر مونچھیں ہیں۔"

"بہت چالاک معلوم ہوتی ہو۔" حمید پھر اُسے مشکوک نظروں سے دیکھنے لگا۔

"نہیں اس کی سب سے بڑی پہچان اس کی انگلیاں تھیں۔ میں نے ایسی انگلیاں کبھی نہیں دیکھیں۔ بیچ کی انگلی کے علاوہ اور ساری انگلیاں ایک جیسی لمبائی رکھتی ہیں۔ حتیٰ کہ چھوٹی انگلیا

ی قریب قریب پہلی ہی انگلیوں کے برابر ہوں گی۔"

حمید کچھ نہ بولا.... وہ.... خالی.... خالی آنکھوں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

❁

لیڈی پرکاش اپنی کوٹھی کے برآمدے میں ٹہل رہی تھی۔ رات کے دو بج چکے تھے، لیکن ں کی آنکھوں میں نیند کا کوسوں پتہ نہیں تھا۔ وہ بار بار پائیں باغ میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں نہیں گاڑ دیتی تھی۔ سر پرکاش اس وقت کوٹھی میں موجود نہیں تھے، ورنہ وہ بھی اُسی کے ساتھ ہلتے ہوئے نظر آتے۔ وہ اسے بے حد چاہتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ وہ اس سے دوگنی عمر کے تھے با ائد اس سے بھی زیادہ۔ لیڈی پرکاش زیادہ سے زیادہ پچیس سال کی رہی ہوگی۔ لیکن قدرت کی نائی کا ایک بہترین نمونہ۔ وہ مرمر سے تراشا ہوا ایک سبک سا مجسمہ معلوم ہوتی تھی۔

اس نے خبر رساں ایجنسی کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ تو دائر کر دیا تھا لیکن نہ جانے وں اخبار کی وہی خبر اس کے ذہن میں انتشار برپا کئے ہوئے تھی۔

وہ برآمدے سے پھر اندر لوٹ گئی۔ فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ اس نے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو....!"

"کون بول رہا ہے۔"

"لیڈی پرکاش....!"

"آج تم نے اخبار میں خبر دیکھی۔ ذرا سوچنا تو وہ آدمی کتنا چالاک ہے، جو تمہارے متعلق نی معلومات رکھتا ہے، ایک بار تم وی۔ آنا میں بھی اُس سے دوچار ہو چکی ہو۔ وہ ساری معلومات ایسے ہی انوکھے انداز میں کسی اخبار کی زینت بھی بن سکتی ہیں اور تصویریں تو ایسے مواقع پر مفت تقسیم کی جاتی ہیں۔ اچھا شب بخیر۔" دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ اور لیڈی پرکاش بدحواس ہو کر ایک کرسی میں گر گئی۔

ادھوری نظم اور گھونسہ

حمید گلوریا کو گھور رہا تھا۔

"اور اگر تمہارے بتائے ہوئے پتہ پر وہ آدمی نہ ملا تو۔" اس نے کہا۔

"اس کے بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ ظاہر ہے کہ کرنل جیسے آدمیوں پر حملہ کرنے کے

لئے گروہ چاہئے۔ مجرم یقیناً انتہائی دلیر اور چالاک ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ اسے اس بات کا علم ہو میں اس کے ٹھکانے سے واقف ہو گئی ہوں۔ نہیں مجھے یقین کے ساتھ کہنا چاہئے کہ اسے اس کا علم ہے، ورنہ مجھ پر حملہ کیوں ہوتا۔"

"تم پر حملہ....!" حمید کسی سوچ میں پڑ گیا۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "نہیں تم مطمئن نہیں کر سکتیں۔ تم نے اس درمیان میں کئی رنگ بدلے ہیں۔ میں کس طرح یقین کر لوں ہو سکتا ہے کہ یہ حملہ بھی کسی سازش کا نتیجہ ہو۔ اس طرح مجرم تمہیں ہم سے قریب رکھنا چاہ ہوں.... نہیں! تمہیں میری نجی قید میں رہنا ہوگا۔"

"نجی قید سے کیا مراد ہے۔"

"یہی کہ جب تک ہم اصل مجرم کو نہ پکڑ لیں، تم یہیں اسی عمارت میں رہو گی۔"

"اور تم اسے قید کہتے ہو۔" گلوریا مسکرا کر بولی۔ "تم اگر دھکے دے کر نکالو تب بھی یہاں نہیں جاؤں گی۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے۔ اتنے میں ایک نوکر کمر میں داخل ہوا۔ اس کے کاندھے سے رائفل لٹکی ہوئی تھی۔

"صاحب ہمیں کتنی دیر تک اسی طرح رہنا ہے۔"

"ساری رات۔ بھاگ جاؤ۔" حمید جھلا کر بولا۔

"مگر کرنل صاحب تو کہہ رہے ہیں کہ اس کی ضرورت نہیں۔"

"کرنل صاحب۔" حمید اچھل پڑا۔

"جی ہاں۔"

"وہ کہاں ہیں۔"

"اپنے کمرے میں۔"

حمید گلوریا کو ڈرائنگ روم میں چھوڑ کر تقریباً دوڑتا ہوا فریدی کے کمرے تک آیا۔ نوکر بیان درست تھا۔ فریدی شب خوابی کے لباس میں تھا اور غالباً سونے کی تیاری کر رہا تھا۔

"کیا ہنگامہ برپا کر رکھا ہے۔" فریدی اُسے دیکھ کر بڑبڑایا۔

"ہنگامہ....!" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ شائد وہ کچھ اور بھی کہنے جارہا تھا فریدی نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"اب وہ کیا کہتی ہے۔"

"آپ اندر کس طرح آئے۔"

"پیروں سے چل کر.... تم میری بات کا جواب دو۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔

حمید چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر گلوریا کی بیان کی ہوئی داستان دہرا دی۔

حمید کے خاموش ہو جانے کے بعد بھی فریدی کچھ نہ بولا۔

"اب آپ فرمائیے کہ یہ سب کیا تھا۔ آپ ہمیشہ مجھے تاریکی میں رکھ کر ذلیل کراتے ہیں۔"

"آئندہ اُجالے میں ذلیل کروں گا مطمئن رہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"ڈی۔ آئی۔ جی آپے سے باہر ہے۔ ریکارڈ روم سے لیونارڈ کا کیس بیگ غائب ہو گیا ہے۔"

"کیس بیگ....!" فریدی نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں کیس بیگ.... اسی بناء پر ڈی۔ آئی۔ جی نے لیونارڈ کی واپسی کے متعلق سوچا ہے اور ج کے اخبارات میں لیڈی پرکاش کے متعلق ایک خط شائع ہوا ہے۔"

"ہاں میں نے بھی دیکھا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ لیونارڈ ہماری سرزمین پر قدم رکھ چکا ہے اور نا ہے کہ مجھ پر وہ حملہ اسی کی طرف سے ہوا ہو۔"

"میں پچھلی رات کے حملے کے متعلق جاننا چاہوں گا۔"

"پچھلی رات بھی حملہ ہوا تھا لیکن وار خالی گیا اور وہ میری گرفت میں آنے کے بعد بھی نکل گیا۔"

"لیکن سیٹ پر خون کیسا تھا۔ آپ تو مجھے زخمی بھی نہیں نظر آتے۔"

"مجھے پتہ نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ حملہ آور ہی زخمی ہو گیا ہو۔ میں نے اس کی گردن پکڑی تھی۔"

"کیا خیال ہے۔ کیا لیونارڈ بذاتِ خود حملے کر رہا ہے۔"

"نہیں.... اسکے آدمی۔ وہ تو صرف اسکیمیں بناتا ہے۔ اس قسم کے کام خود نہیں کرتا۔"

"تعجب ہے کہ اس نے اتنی جلدی یہاں آدمی بھی مہیا کر لئے۔"

"اس کے آدمی یہاں تھے کب نہیں۔ دنیا کے گوشے گوشے میں اس کے آدمی ہمیشہ موجود ہیں۔ یہاں آکر اس نے دوبارہ انہیں منظم کر لیا۔"

کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر حمید نے کہا۔ "گلوریا کے بیان کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔"

"یہ بیان درست معلوم ہوتا ہے۔"

"کیوں؟ کس طرح یقین کر لیا آپ نے.... اس سے پہلے بھی تو مختلف قسم کے بیانات.... ہالہ۔ میں نے پچھلی رات کی باتیں تو آپ کو بتائی ہی نہیں۔ وہ اسلم کی حیثیت میں بھی میری ت سے واقف تھی۔"

حمید نے وہ واقعہ بھی دہرا دیا۔

"ٹھیک ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "لیکن یہ بیان جو اس نے اس وقت دیا ہے! تو درست معلوم ہوتا ہے۔"

"میں یقین کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔" حمید نے متفکرانہ انداز اختیار کرتے ہو کہا۔ "کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ حملہ بھی ایک ڈرامہ ہو۔"

"ڈرامہ تو تھا ہی....!"

"پھر بھی آپ....!"

"ہاں! لیکن اس ڈرامے میں ولین کا رول میں ادا کر رہا تھا اور جس وقت تم اُسے پھانک اٹھا کر اندر لا رہے تھے، میں بھی خاموشی سے اندر چلا آیا تھا۔"

فریدی خاموش ہو کر مسکرانے لگا۔ "یہ حال ہے تمہارا۔ اگر حقیقتاً حملہ آور میرے علاوہ اور ہوتا تو تمہارے یہ انتظامات رکھے رہ جاتے۔"

"لیکن مجھے ڈی۔ آئی۔ جی کی جھڑکیاں سننی پڑی ہیں.... اس کا ذمہ دار کون ہے۔" جھنجھلا کر بولا۔

"پرواہ مت کرو....!"

"اگر بال بچے دار ہوتا تو واقعی پرواہ نہ کرتا.... سمجھے آپ....؟"

"میں سب کچھ سمجھ گیا۔ لڑکی کو فی الحال یہیں رکھو.... لیکن....!"

"خبر دار.... خبر دار....!" حمید نے فریدی کا جملہ پورا کرنے کے لئے بکنا شروع کر "اُسے اپنی بہن سمجھنا اور وغیرہ وغیرہ....!"

"بکواس مت کرو.... جو کچھ میں کہوں اس پر عمل کرو۔" فریدی نے کہا اور اٹھ کر در بند کر دیا۔

کمرے میں کافی دیر تک ہلکی ہلکی سرگوشیاں گونجتی رہیں۔

❁

دوسرے دن لیڈی پرکاش کی سالگرہ تھی۔ پوری کوٹھی میں مہمان بھرے ہوئے اچانک ایک ملازم نے اسے اطلاع دی کہ فون پر اسے کوئی بلا رہا ہے۔

پچھلی رات کا فون اب بھی اس کے ذہن پر مسلط تھا۔ اس لئے کانپ کر رہ گئی۔ حالانک

اب تک کئی کالیں ریسیور کر چکی تھی لیکن پھر بھی ہر کال پر اُس کا دل لرز اٹھتا تھا۔

"ہیلو....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "لیڈی پرکاش....!"

"جی ہاں.... آپ کون ہیں؟"

جواب میں ہلکا سا قہقہہ سنائی دیا پھر آواز آئی۔ "دریائے ٹیمز کی مچھلیوں میں سے ایک۔"

"دیکھئے.... میری درخواست سنئے۔" لیڈی پرکاش نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں درست اتنی بڑی رقم کا انتظام نہیں کر سکتی.... رحم کیجئے۔"

"سر پرکاش ارب پتی ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ٹھیک ہے! لیکن میں انہیں کیا بتاؤں گی۔ کیا بہانہ کروں گی۔ تین لاکھ بہت ہوتے ہیں۔"

"کوشش کرو.... ورنہ انجام تم جانتی ہو۔"

"میں سب کچھ جانتی ہوں۔ اچھا فی الحال مجھے معاف کیجئے۔ میرے یہاں مہمان ہیں۔ میں جواب دوں گی۔ وہ انجام میں پسند نہیں کروں گی جس کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے۔"

"اچھا.... لیکن بہت جلد۔ میں زیادہ انتظار نہیں کروں گا۔" لیڈی پرکاش ریسیور رکھ کر کچھ وہیں کھڑی رہی پھر لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے باہر چلی گئی۔

❁

حمید فون کا ریسیور رکھ کر ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف مڑا۔ وہ اس وقت محکمہ سراغ رسانی کے کیشن روم میں تھے اور حمید نے یہیں سے لیڈی پرکاش سے فون پر گفتگو کی تھی اور ساتھ ہی نہ ان کی گفتگو ریکارڈ بھی ہوتی گئی تھی۔

پھر پندرہ منٹ کے اندر ہی اندر آپریٹر نے ریکارڈ تیار کر کے گراموفون پر رکھ دیا۔

ڈی۔ آئی۔ جی نے ریکارڈ سن کر تحسین آمیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھا۔

"فریدی نے تمہیں بہت اچھی ٹریننگ دی ہے۔"

حمید کوئی جواب دینے کے بجائے شرمیلے انداز میں مسکراتا رہا۔

"اچھا! میرے آفس میں آؤ۔"

آفس میں پہنچ کر ڈی۔ آئی۔ جی نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا اور جب وہ خود بیٹھ گیا تو نے بھی اُس کی تقلید کی۔

"اس گفتگو سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے بھی کوئی اس کے متعلق اُس سے گفتگو کر چکا ہے۔"

"جی ہاں یہی معلوم ہوتا ہے۔"

"تب تو ہم اُسے آسانی سے پکڑ سکیں گے۔"

حمید نے وجہ نہیں پوچھی۔ ڈی۔ آئی۔ جی نے خود کہا۔ "لیڈی پرکاش کے فون سے ایک دو فون کنکٹ کرالیا جائے اور ایک آدمی ہر وقت اُسے اٹنڈ کرے۔ جب کوئی بھی اس قسم کی کال لیا پرکاش کے پاس آئے ہم فوراً ہی انکوائری سے دریافت کرلیں کہ وہ کال کہاں سے آئی تھی۔"

حمید فوراً ہی کچھ نہیں بولا۔

"کیوں....؟" ڈی۔ آئی۔ جی نے اس سے رائے طلب کی۔

"مگر دشواری یہ ہے جناب والا....!" حمید خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"ہاں ہاں! کہو کیا دشواری ہے۔"

"اگر انکوائری نے کسی پبلک کال بوتھ کا حوالہ دیا تو۔"

"ہوں....!" ڈی۔ آئی۔ جی بھی کچھ سوچنے لگا۔

"لیونارڈ ایسا خطرہ کبھی نہ مول لے گا۔ اس قسم کے کاموں کے لئے پبلک کال بوتھ ہی فون کراتا ہوگا۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔" ڈی۔ آئی۔ جی سر ہلا کر بولا۔ "لیکن پھر تم نے اپنی اور اُس کی گفتگو ریکارڈ کرائی ہے۔"

"دیکھئے مجرموں تک ہم صرف لیڈی پرکاش ہی کے ذریعہ پہنچ سکیں گے لیکن اگر میں جاکر اُس سے کچھ پوچھنا چاہوں تو وہ قطعی لاعلمی ظاہر کرے گی اور اس خیال کا مضحکہ اڑا۔ کہ کوئی اُسے بلیک میل کرنا چاہتا ہے۔ لیکن یہ ریکارڈ بہرحال اُسے راہِ راست پر لے آئے گا۔"

"ٹھیک ہے.... اچھا.... اب فریدی کے متعلق کچھ بتاؤ۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کے متعلق کیا عرض کروں۔ مجھے ابھی تک اُن کی طرف کوئی پیغام نہیں ملا اور نہ میں یہی جانتا ہوں کہ وہ کہاں ہیں، لیکن میرا دعویٰ ہے کہ وہ جہاں ہوں گے محفوظ ہی ہوں گے۔"

"مگر اب اُس کے اس طریقہ کار سے میں بھی عاجز آگیا ہوں۔ ہر موقع پر اس قسم کا غیر ذمہ دارانہ رویہ درست نہیں معلوم ہوتا۔"

"حضور والا! گستاخی ضرور ہے، مگر یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اپنی زندگی کی حفاظت کے سلسلے میں اکثر غیر قانونی طریقے بھی اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ اس وقت فریدی صاحب

اور موت کا سوال ہے۔ لیونارڈ یا جو کوئی بھی ہو انہیں ہر قیمت پر ختم کر دینے پر تل گیا ہے۔ خود غور فرمایئے۔ ایسی صورت میں۔"

ڈی۔ آئی۔ جی کچھ نہ بولا۔ لیکن اس کے چہرے پر کبیدگی کے آثار تھے۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی۔ پھر ڈی۔ آئی۔ جی سر کی جنبش سے اُسے جانے کا اشارہ کرتا ہوا پھیلے ہوئے کاغذات کی طرف متوجہ ہو گیا۔

❁

حمید اُن کاموں میں سے ایک کو پایہ تکمیل تک پہنچا چکا تھا۔ جو اُسے پچھلی رات فریدی نے تھے۔ لیکن ابھی دو اور باقی تھے جن میں سے ایک قطعی بے سروپا اور کسی ایسے دماغ سے معلوم ہوتا تھا جس میں فتور ہو۔

پچھلی رات اُسے توقع تھی کہ آج صبح فریدی سے ناشتے کی میز پر ضرور ملاقات ہوگی لیکن وہ دھیرے ہی پھر کہیں چلا گیا تھا۔ اس نے حمید کے لئے ایک تحریر اس غرض سے چھوڑی تھی کے متعلق کسی کو کچھ نہ بتایا جائے۔ اس نے یہ نہیں لکھا تھا کہ وہ پھر کب اور کہاں ملے گا۔

حمید ٹھیک چار بجے گھر سے روانہ ہو گیا، جو کام اب اُسے کرنا تھا وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے تھا اور اس کا مقصد کم از کم اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

بہرحال کام تو اسے کرنا ہی تھا اور خود اس کا انجام تقدیر کے رحم و کرم پر تھا۔ کام ایسا ہی تھا مخصوص مکان کی کھڑکی کے نیچے کھڑے ہو کر گنگنانا اور پھر نظم بھی ایسی جس میں گھر کی سے زیادہ خوبصورت لڑکی کو مخاطب کیا گیا ہو۔ انجام ظاہر ہے۔ لیکن وہ مطمئن تھا کہ انجام کی ذمہ داری فریدی کے سر ہوگی۔ لاکھ پوچھنے پر بھی فریدی نے اس حرکت کا مقصد نہیں

مکان ایسے حصے میں تھا جہاں زیادہ تر غیر ملکی آباد تھے۔ نظم انگریزی میں تھی۔ اس سے حمید اندازہ کرلیا تھا کہ مکین یوروپین ہی ہوں گے۔

یہ حرکت اسے میک اپ میں کرنی تھی، لہٰذا اس کی طرف سے تو اطمینان تھا کہ کسی قسم کا ہونے پر دوسرے دن کے اخبارات یہ نہ لکھ سکیں گے کہ محکمہ سراغ رسانی کا ایک آفیسر کی میں غنڈہ گردی کرتا ہوا پکڑا گیا ہے۔

کھڑکی کھلی ہوئی تھی.... اور کمرے میں کھنکتے ہوئے سے قہقہے گونج رہے تھے۔ اکثر سریلی

قسم کی چیخیں بھی سنائی دیتی تھیں۔

حمید ٹھیک کھڑکی کے سامنے پہنچ گیا۔ اندر تین انگریز لڑکیاں تھیں۔ ان میں سے ایک ہاتھ میں ربر کا ایک چھوٹا سا غبارہ تھا اور شاید بقیہ دو میں سے کسی ایک پر وہ غبارہ کھینچ مارتا تھی۔ دونوں نے خود کو بچانے کے لئے خاصی دھما چوکڑی مچا رکھی تھی۔

حمید نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ قریب و دور ہر طرف سناٹا تھا۔

اس نے نظم شروع کر دی۔

"یہ کھڑکی.... میری امیدوں کا مرکز ہے۔"

لڑکیاں چونک کر رک گئیں۔ وہ آنکھیں پھاڑے اُسے گھور رہی تھیں۔

حمید ہولے ہولے رٹی ہوئی نظم دہراتا رہا۔

"میں اس گھر کی سب سے حسین لڑکی کو مخاطب کر رہا ہوں۔

یہ کھڑکی کل بھی کھلی ہوئی تھی۔

لیکن آج اس کے گرد بہاریں لہرا رہی ہیں۔

روز صبح سورج کی پہلی کرن اس سے گذر کر کسی کے گال چومتی ہے۔

میں اُس لڑکی سے مخاطب ہوں۔"

غبارہ حمید کے چہرے سے ٹکرا کر پھٹا اور اُس میں بھرے ہوئے رنگین پانی کی کافی مقدا کے حلق کے نیچے اُتر گئی۔

دوسرے لمحے میں وہ اپنا سینہ دبائے ہوئے بُری طرح تھوتھو کر رہا تھا۔

پھر حمید کے سنبھلنے سے پہلے ہی طوفان اس کے سر پر پہنچ گیا۔ ایک لحیم شحیم اور معمر ع اُس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی ہوئی گالیاں اڑا رہی تھی۔

"حرامی.... کتے.... لڑکیوں کو چھیڑتا ہے.... جانتا ہے میں مسز وارنر ہوں۔"

وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر حمید پر جھپٹی اور حمید اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

"کیا بات ہے۔" کسی نے قریب ہی سے کہا۔ حمید بوکھلاہٹ میں اس کی صرف ایک جھلک دیکھ سکا۔ وہ بھی کوئی انگریز ہی تھا۔

"لڑکیوں کو پریشان کرتا ہے۔" مسز وارنر دھاڑ کر بولی۔

حمید نے اچھل کر بھاگنا چاہا۔ لیکن انگریز کا گھونسہ اس سے پہلے ہی اس کے جبڑے پ تھا۔ وہ کئی فٹ دور جا پڑا۔

اور پھر اُس نے اسی میں عافیت سمجھی کہ کسی طرح وہاں سے بھاگ نکلے کیونکہ قرب و جوار بنگلوں سے لوگوں نے باہر نکلنا شروع کر دیا تھا۔ اُسے کچھ اچھی طرح یاد نہیں تھا کہ وہاں سے پر پیر رکھ کر بھاگا تھا یا پیر پر سر رکھ کر۔

لفافہ

حمید دو دن تک اپنی چوٹیں سہلاتا رہا۔ تیسرا کام اس سے بھی زیادہ خطرناک تھا اور حمید نے اب تک انجام نہیں دیا تھا۔ وہ فریدی کا منتظر تھا۔ لیکن اس واقعے کے بعد سے اب تک اس ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

اور لیونارڈ.... لیونارڈ کو تو وہ جہنم میں جھونک چکا تھا۔ اگر آفس میں کبھی اُس کے نام کی صدا میں پڑتی تو حمید ایسا بُرا منہ بناتا جیسے کسی نے اُسے گالی دی ہو۔

فریدی کے متعلق پوچھ گچھ کرنے والوں کو اول تو وہ کوئی جواب ہی نہیں دیتا تھا، لیکن اگر زیادہ پریشان کرتا تو اس کا جواب ہوتا۔ "جہنم میں۔"

آفیسروں سے صرف لاعلمی ظاہر کر دیتا۔

تیسرا کام.... وہ اب اس کے متعلق سوچنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔

اُسے اب اس کی فکر بھی نہیں تھی کہ فریدی نے اُسے مسز وارنر کے یہاں کیوں بھیجا تھا؟ کا مقصد کیا تھا؟

وہ تو اب مسز وارنر اور اس کی تینوں لڑکیوں سے نپٹنا چاہتا تھا۔ اس نے اس کے متعلق ان دو ں میں کافی معلومات بہم پہنچائی تھیں۔

آج اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ کسی نہ کسی طرح اس انگریز سے تو ضرور ہی بھڑے گا جس نے پر حملہ کیا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ وہ مسز وارنر کا کوئی پڑوسی ہی ہوگا اور اس کا پتہ مسز وارنر ہی ل سکتا تھا۔ لیکن وہ بحیثیت کیپٹن حمید مسز وارنر کے یہاں جا دھمکا۔

مسز وارنر اس کا وزیٹنگ کارڈ دیکھ کر بوکھلا گئی۔

"میں ایک رپورٹ کے سلسلے میں تفتیش کرنے کی غرض سے آیا ہوں۔"

"کیسی رپورٹ کیپٹن....! اوہ ٹھہریئے.... اس موسم میں آپ چائے پینا تو ضرور پسند ریں گے۔" مسز وارنر نے کہا۔

"نہیں شکریہ۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ "رپورٹ تمہارے خلاف لکھوائی گئی ہے۔"

"میرے خلاف.... نہیں۔" اُس نے حیرت سے کہا۔

"دو دن قبل تم نے ایک آدمی مسٹر خان کو اپنی لڑکیوں کی مدد سے نہ صرف لوٹ لیا، اسے زدوکوب بھی کیا تھا۔ مسٹر خان نے رپورٹ میں لکھوایا ہے کہ تمہاری لڑکی اُسے پھانس یہاں لائی اور تم نے اس کی جیب سے ڈیڑھ ہزار روپے نکلوا لئے پھر دو تین مردوں نے مل اُسے خوب پیٹا۔"

"اوہ.... تو اس حرامزادے نے یہ لکھوایا ہے۔" مسز وارنر نے کہا اور لفظ حرامزادے پر کا خون کھولنے لگا۔

"ذرا ٹھہریئے۔" مسز وارنر بولی۔ "میں مسٹر بارن کو بلاتی ہوں۔"

وہ یہیں موجود تھے اور میں اُن کے سامنے ہی آپ سے اس مسئلے پر گفتگو کروں گی۔"

"شوق سے بلاؤ۔" حمید نے کہا اور اس کی نظر بچا کر اس کی ایک لڑکی کو آنکھ ماردی۔ تم لڑکیاں بھی کمرے میں موجود تھیں جسے آنکھ ماری گئی تھی اس نے مسکرا کر منہ پھیر لیا۔

"تم لوگ میری واپسی تک اس مسئلہ پر گفتگو نہیں کرو گی۔" اس نے اپنی لڑکیوں کی طر دیکھ کر کہا اور باہر چلی گئی۔

لڑکیاں حمید کی طرف دیکھ دیکھ کر آپس میں اشارے کرتیں اور ہنسنے لگتیں۔

"کیا مجھ میں کوئی ایسی چیز بھی ہے جسے دیکھ کر ہنسی آسکے۔"

لڑکیاں اور زور سے ہنسنے لگیں۔ یہ سب جوان تھیں اور ان کے متعلق یہ اندازہ کرلینا مشکل تھا کہ ان میں سے کون چھوٹی ہے اور کون بڑی۔ ایک جسے حمید نے آنکھ ماری تھی وہ اس آنکھیں نہیں ملا رہی تھی اور کچھ دبی دبی سی بھی نظر آنے لگی تھی۔ حمید نے سوچا کہ یہی معقول رہے گی۔ ورنہ یہ لڑکیاں ہنستی رہیں گی اور وہ خواہ مخواہ خود کو بیوقوف محسوس کرتا رہے اس نے باری باری سے بقیہ دو کو بھی آنکھ مار کر ٹھنڈا کر دیا اور پھر حمید آنکھ مارنے کے نفسیاتی منظر پر غور کرنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد مسز وارنر ایک انگریز کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی اور حمید نے انگریز کو پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔

یہ وہی تھا جس نے اس کے جبڑے پر گھونسہ مارا تھا۔ حمید نے نیچے سے اوپر تک اس کا لیا اور اس کا یہ اندازہ کافی تحقیر آمیز تھا۔ غالباً انگریز نے بھی یہ بات محسوس کرلی۔

"اب پوچھئے.... مسٹر بارن سے۔" مسز وارنر بولی۔

"میں تم سے پوچھتا ہوں اگر یہ تمہارے گواہ ہیں تو ان کی ضرورت عدالت میں پیش آئے گی۔"

"لیکن میں کم از کم حقیقت تو ظاہر ہی کر سکوں گا۔" مسٹر بارن مسکرا کر بولا۔

"میں اُسی سے گفتگو کروں گا جس کے خلاف رپورٹ لکھوائی گئی ہے۔"

"رپورٹ کس نے لکھوائی ہے۔" بارن نے پوچھا۔

"کسی مسٹر خان نے....!" مسز وارنر نے جواب دیا۔

"فون ہے تمہارے یہاں۔" بارن نے مسز وارنر سے پوچھا۔ حمید نے اس کی آنکھوں میں شیطانی چمک دیکھی۔

"نہیں....!"

"اچھا تو میں پولیس اسٹیشن سے معلوم کرتا ہوں۔" بارن نے کہا اور باہر چلا گیا۔

حمید کا چہرہ ایک بار پھر فق ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ کوتوالی میں اس قسم کی کوئی رپورٹ درج نہیں کرائی گئی تھی۔ اُسے توقع تھی کہ وہ یونہی مسز وارنر کو رعب میں لے لے گا، ورنہ اس نے کوتوالی کے انچارج انسپکٹر جگدیش کو پہلے ہی سمجھا دیا ہوتا۔

اُس نے بے چینی سے کرسی پر پہلو بدلا۔ فی الحال پھر فرار ہی پر قرار کرنے کے علاوہ اور کوئی رہ نہیں رہ گیا تھا۔

"اچھا مسز وارنر....!" وہ اٹھتا ہوا بولا۔ "بہتر طریقہ یہی ہوگا کہ میں ایک سڑا سا کانسٹیبل بھیج کر تمہیں کوتوالی میں طلب کروں۔ پھر میں دیکھوں گا تمہارے حمائتیوں کو۔"

مسز وارنر اُسے روکتی ہی رہ گئی لیکن وہ بڑی تیزی سے باہر نکلا اور کار میں بیٹھ گیا۔

بارن واپس آیا تو اس نے حمید کو کمرے میں نہیں دیکھا۔ مسز وارنر بہت زیادہ متفکر نظر آرہی تھی۔

"کہاں گیا؟" بارن نے پوچھا۔

"دھمکی دے کر گیا ہے کہ میں تمہیں کوتوالی میں طلب کروں گا۔"

بارن نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ مسز وارنر کی لڑکیاں کمرے سے جا چکی تھیں۔

"تم بالکل بیوقوف ہو ایما۔" بارن آہستہ سے بولا۔

مسز وارنر کے چہرے پر پہلے تو حیرت کے آثار پیدا ہوئے پھر وہ چقندر کی طرح سر
ہو گئی۔ بارن سے اس کی واقفیت صرف چند دنوں پہلے کی تھی۔ لیکن وہ اتنی بے تکلفی سے
صرف اُسے اس کی عرفیت سے مخاطب کر رہا تھا بلکہ بیوقوف بھی کہہ رہا تھا۔ مسز وارنر
عورتوں میں سے تھی جنہیں رکھ رکھاؤ اور آداب کا بڑا خیال ہوتا ہے۔"

"مسٹر بارن....!" وہ خشک لہجے میں بولی۔ "میرا خیال ہے کہ ابھی ہماری جان پہچان
تکلفی کی حدود میں نہیں داخل ہوئی۔"

"ہم سالہا سال سے ایک دوسرے سے واقف ہیں۔" بارن مسکرا کر بولا۔

"مسٹر بارن میں بے تکلفی کی عادی نہیں ہوں۔"

"ایما.... پھر کہتا ہوں کہ تم اس بے تکلفی پر فخر کرو گی۔"

"مسٹر بارن....!" مسز وارنر تقریباً چیخ کر بولی۔

"آہا.... ایما! افسوس ہوگا۔" بارن مسکرا کر بولا اور اپنے جیب سے ایک کارڈ نکال کر
وارنر کی طرف بڑھا دیا۔ کارڈ پر جلی حروف میں صرف "لیونارڈ" تحریر تھا۔

مسز وارنر اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے پیر کانپ رہے تھے۔ چند ہی لمحوں میں وہ برس
کی بیمار نظر آنے لگی۔

"بیٹھ جاؤ۔" بارن نے نرم لہجے میں کہا۔

مسز وارنر بیٹھ گئی۔ وہ بار بار اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔

"ہاں تو ایما میں یہ کہہ رہا تھا کہ کوتوالی میں اس قسم کی کوئی رپورٹ نہیں درج کرائی گئی
فریدی کا اسسٹنٹ حمید تھا اور وہ کسی چکر میں ہے۔"

"مگر آپ....!"

"ہاں تمہیں حیرت ہوگی۔ تم اپنی زندگی میں پہلی بار مجھے دیکھ رہی ہو تم دنیا کی تیسر
چوتھی ایجنٹ ہو جسے یہ فخر حاصل ہوا ہے۔"

"میں نے اخبارات میں آپ کے فرار کی خبر پڑھی تھی، لیکن یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی
آپ یہاں تشریف لائیں گے۔"

"فریدی....!" بارن دانت پیس کر بولا۔ "مجھے فریدی یہاں لایا ہے اور ایما وہ اب ردی
ہو گیا ہے۔ میں اُسے چوہے کے بل سے بھی نکال کر مار ڈالنا چاہتا ہوں۔"

"اوہ! تو وہ حملے.... آپ ہی کی طرف سے ہوئے تھے۔"

"ہاں! ایما وہ بڑا خوش قسمت ہے، لیکن میں اُسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"لیکن اس کا اسسٹنٹ یہاں کے چکر کیوں لگا رہا ہے۔ اب میں سمجھی۔ ہو سکتا ہے کہ اُس دن
کا کوئی آدمی رہا ہو۔"

"اوہ.... ایما.... وہ خود حمید ہی تھا۔"

"ارے....!"

"ہاں.... وہ لوگ جانتے ہیں کہ تم میری ایجنٹ ہو۔ اس لئے وہ تمہارے ذریعہ مجھ تک
ی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن بات تو جب ہے کہ تم حمید کے ذریعہ فریدی تک جا پہنچو۔"

"یہ کس طرح ممکن ہے جناب۔"

"بہت آسانی سے تمہاری لڑکیاں اُس سے سب کچھ پوچھ لیں گی۔"

"نہیں جناب! میں اپنی لڑکیوں کو خراب کرنا پسند نہیں کروں گی۔"

"ایما! یہ تم مجھ سے کہہ رہی ہو۔ کیا یہ تمہاری لڑکیاں ہیں۔ تم ایک دن ان سے جو کام لینے
دیں اس سے بھی واقف ہوں۔ کیا یہ تین مختلف یتیم لڑکیاں نہیں ہیں جنہیں تم نے لندن
یک یتیم خانے سے حاصل کر کے پالا ہے۔ کیا یہاں کے درجنوں امیر زادے ان کے چکر میں
ہیں۔ کیا تم اُن سے مستقبل کے وعدوں پر بڑی بڑی رقمیں نہیں وصول کرتیں۔ کیا؟ یہ اور
ہے ایما کہ ابھی تم نے ان سے پیشہ کرانا نہیں شروع کیا۔"

"میں معافی چاہتی ہوں جناب۔" مسز وارنر گڑگڑا کر بولی۔ "مگر فریدی کیا جانے کہ میں
کے لئے کام کرتی رہی ہوں۔"

"آہا.... تم اب تک ایک بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا رہی ہو۔ فریدی میرے ایک ایک ایجنٹ
واقف تھا اور ہے لیکن وہ تم لوگوں کے خلاف کوئی ثبوت نہیں مہیا کر سکا اور نہ کر سکتا ہے۔
سے اپنا سب سے بڑا کارنامہ تصور کرتا ہوں کہ میرا کوئی ایجنٹ کبھی قانون کی گرفت میں
آ سکتا۔"

"مجھے اس کا تجربہ ہے جناب۔"

"مجھے فریدی کا مردہ جسم چاہئے ایما اور میں اُسے ہر قیمت پر حاصل کر کے رہوں گا۔ اگر آج
تمہاری لڑکیاں میرے کام آ گئیں تو تم سال بھر کے اندر ہی اندر کروڑ پتی کہلاؤ گی۔"

"میں انتہائی کوشش کروں گی جناب۔"

"شکریہ ایما۔"

وہ چلا گیا اور ایما آدھے گھنٹے تک صوفے میں بے حس و حرکت پڑی رہی۔ اُسے اپنا دل میں دھڑکتا محسوس ہو رہا تھا۔ زندگی میں پہلی بار اس نے لیونارڈ کو دیکھا تھا۔

❁

حمید بہت شدت سے بور ہو رہا تھا۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی زندگی ہی سے ہو گیا ہو۔ گلوریا اس کے لئے ایک مستقل روگ بنی ہوئی تھی۔ وہ کافی حسین تھی.... مگر وہ گفتگو کے دوران میں اس طرح ہونٹ سکوڑتا جیسے زکام ہو گیا ہو۔ اپنی اس "ادا" (یا جو کچھ اسے کہتے ہوں) کی بناء پر وہ بعض اوقات حمید کو ایک ایسی دہقانی عورت معلوم ہونی لگتی تھ ابھی ابھی آٹا گوندھ کر اٹھی ہو۔ حمید کی کھوپڑی عجیب تھی اور اسی کھوپڑی پر ایک ایسی لڑکی کر دی گئی تھی جس کی وہ شکل نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

شام ہو چکی تھی۔ وہ برآمدے میں بیٹھا چائے پی رہا تھا اور گلوریا بھی ساتھ تھی۔ اچانک پھاٹک پر مسز وارنر کی سب سے حسین لڑکی دکھائی دی۔

"یہ کون ہے۔" گلوریا حمید کو گھور کر بولی۔ وارنر کی لڑکی برابر قریب آتی جا رہی تھی۔

"ہو گی کوئی! تم سے مطلب۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"اوہ معاف کرنا۔" گلوریا شرمندہ ہو گئی۔

لڑکی برآمدے میں آ گئی۔ حمید کھڑا ہو گیا۔

"اوہ.... کیپٹن۔" لڑکی گنگنائی۔

"بیٹھو.... بیٹھو....!"

"ممی بہت پریشان ہیں۔" لڑکی بیٹھتی ہوئی بولی۔ "آخر بات کیا ہے۔ کوتوالی میں تو کہ بھی رپورٹ نہیں درج کرائی۔"

"پرواہ مت کرو۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "اُس نے مجھ سے شکایت کی تھی اور میں معلوم کرنا چاہتا تھا۔"

"حقیقت یہ ہے کہ وہ ہماری کھڑکی کے سامنے کھڑا ایک نظم پڑھ رہا تھا۔ تم خود بتا شریفوں کا طریقہ ہے۔ اس پر مسٹر بارن نے اُس کی مرمت کر دی! کیا وہ تمہارا کوئی دوست

"ہاں یہی مصیبت ہے۔ خیر تم جو کچھ کہہ رہی ہو مجھے اس پر یقین آ گیا ہے لیکن یہ مسٹ کون ہے۔"

"ہمارا ایک پڑوسی! قریب ہی کے ایک بنگلے میں رہتا ہے۔"

"چائے لو۔" حمید نے پیالی اُس کی طرف کھسکا دی۔

"شکریہ۔" پیالی قبول کر لی گئی۔

گلوریا تھوڑی دیر تک اُسے تیکھی نظروں سے دیکھتی رہی پھر وہاں سے اٹھ کر اندر چلی گئی۔

"یہ کون تھی۔" لڑکی نے پوچھا۔

"میری پرائیویٹ سیکریٹری۔" حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔

"تب تم اُسے چاہتے بھی ہو گے۔" لڑکی نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں! وہ تمہاری طرح حسین نہیں ہے۔"

"شٹ اپ۔" لڑکی نے جھینپی ہوئی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "تم نے مجھے آنکھ کیوں تھی۔ اگر ممی دیکھ لیتی تو۔"

"میں انہیں بھی آنکھ مار دیتا۔"

"تم بیہودے بھی ہو۔" لڑکی یک بیک جھلا گئی۔

"پوری بات تو سنو! میں انہیں برابر آنکھ مارتا رہتا اور پھر انہیں یقین آ جاتا کہ میری آنکھ بھی کوئی نقص ہے۔"

لڑکی بیساختہ ہنس پڑی۔ "تم بڑے شریر ہو۔"

"تم بہت حسین ہو۔"

"شٹ اپ....!"

"جیسی تمہاری مرضی۔"

"تم میرے ساتھ چلو! ورنہ ممی پر ہارٹ اٹیک ہو جائے گا اور وہ مہینوں کے لئے چارپائی لیں گی۔"

"میں ضرور چلوں گا۔" حمید نے کہا۔

❁

حمید جب مسز وارنر کو ہر طرح سے اطمینان دلا کر اُس کے بنگلے سے نکلا تو اندھیرا پھیل چکا تھا.... اس نے اپنی کار بنگلے سے تھوڑے فاصلے پر کھڑی کی تھی۔ جب وہ کار کی طرف جا رہا تھا تو کوئی آدمی اُسے دھکا دیتا ہوا اُسکے قریب سے گذر گیا اور کوئی چیز حمید کے پیروں کے پاس گری۔

"اندھے ہو گیا۔" حمید غرایا۔ لیکن وہ آدمی مڑا تک نہیں اور پھر کچھ دور جا کر وہ اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ حمید کو اُس چیز کا خیال آیا، جو اُس کے پیروں کے پاس گری تھی۔

حمید نے جھک کر اُسے اٹھالیا۔ وہ ایک لفافہ تھا۔

پھر وہ بڑی تیزی سے کار تک آیا۔ بستی سے نکل کر ایک جگہ اُس نے کار روک دی۔ دراصل اُس لفافے کو کھولنا چاہتا تھا جس پر اُس کا نام تحریر تھا۔ اُس نے اندر کی لائٹ جلا کر چاک کیا اور پھر تحریر پر نظر پڑتے ہی تلوؤں سے لگی اور تالو پر بجھی۔

تحریر فریدی کی تھی۔ اس نے لکھا تھا۔

"بیکار وقت نہ برباد کرو۔ لڑکیاں بہتیری مل جائیں گی تم نے تیسرا کام ابھی تک نہیں کیا۔ اُسے آج ٹھیک دس بجے رات کو ہونا چاہئے۔ اگر اس میں کوتاہی ہوئی تو تمہاری شامت آ جائے گی۔ سمجھے۔ تم میرے غصے سے بھی واقف ہو۔ یہ تمہیں پاگل پن ہی معلوم ہوگا۔ لیکن میں جو کہتا ہوں اُسے ہونا چاہئے۔ خواہ اس کا مقصد تمہاری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔"

پنجرہ اور لاش

حمید پاگلوں کی طرح کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ اُسے تیسرا کام بہر حال کرنا تھا۔ دس بجنے میں تین گھنٹے باقی تھے.... لیکن کام.... حمید بار بار اسٹیئرنگ سے ایک ہاتھ ہٹا کر اپنی کھوپڑی سہلانے لگتا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد کار ایک سنسان راستے پر ہولی۔ حمید کیڈی جیسی شاندار گاڑی سے بے دردی کے ساتھ پیش آ رہا تھا۔ وہ اس وقت نہ صرف کچے راستے پر چل رہی تھی بلکہ کبھی ایسے گڑھوں میں بھی اتار دیا جاتا تھا جن پر برساتی پانی اکٹھا تھا۔

تین چار دن قبل بارش ہو چکی تھی اور سارا ویرانہ مینڈکوں کی آواز سے گونج رہا تھا۔ حمید ایک جگہ کیڈی روک دی۔ نیچے اُترا اور ٹارچ نکال کر کیڈی کی بربادی کا منظر دیکھنے لگا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک تسکین آمیز مسکراہٹ تھی۔ یہاں چاروں طرف سے پانی سے بھرے ہوئے گڑھے بکھرے ہوئے تھے۔ حمید کی ٹارچ کی روشنی اِدھر اُدھر رینگتی رہی۔

پھر اچانک وہ جیب سے رومال نکال کر ایک بڑے سے مینڈک کی طرف جھپٹا لیکن اس کے قریب پہنچنے سے قبل ہی وہ پانی میں رینگ گیا۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے حمید پر مینڈک پکڑنے کا دورہ پڑ گیا ہو۔ لیکن وہ ایک بھی نہ پکڑ سکا۔ اس نے دوسرے گڑھوں کے کنارے بیٹھے ہوئے مینڈکوں پر پتھر برسانے شروع کر دیئے۔ یہ سب کچھ جھلاہٹ کا نتیجہ تھا۔

پھر اُسے ہوش آ گیا۔ اُس نے ٹارچ کی روشنی کلائی کی گھڑی پر ڈالی اور نہ جانے کیا بڑبڑانے لگا۔ دس بجنے میں ڈھائی گھنٹے اور باقی تھے۔

وہ چند منٹ کھڑا پیشانی رگڑتا رہا۔ پھر اچھل کر گاڑی میں جا بیٹھا۔

کیڈی ایک بار پھر جھاڑ جھنکاڑ میں گھس رہی تھی۔

اور پھر تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ ایک چھوٹے سے گاؤں میں رک گئی۔ یہ ماہی گیروں کی بستی تھی۔

❁

کیواس بڑا ہوٹل نہیں تھا لیکن صفائی اور خوش سلیقگی کی بناء پر وہ کافی مقبول تھا۔ عمارت تین منزلوں پر مشتمل تھی۔ نچلی منزل پر ہوٹل تھا۔ اوپری دو منزلوں پر قیام کرنے والوں کے لئے کمرے تھے۔

ہوٹل کا مالک شہزاد وہمی مزاج کا آدمی تھا اور یہاں کی صفائی و شائستگی میں دراصل اسی کے کودخل تھا۔

وہ کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھا کرتا تھا اور کاؤنٹر پر ایک نوکر محض اس لئے رکھا جاتا تھا کہ وہ ہر لحظہ ٹرپر جھاڑن پھیرتا رہے۔ خود شہزاد کے کپڑوں میں اگر کسی دوسرے کے لباس کی رگڑ بھی لگ جاتی تھی وہ یا تو اپنے لباس کا وہ حصہ فوراً دھو ڈالتا تھا یا لباس ہی تبدیل کر دیتا تھا۔ اس کا یہ خبط جنون کی حد تک پہنچ گیا تھا.... اور اپنے اس مراق کی بناء پر وہ اپنے ملازمین کے لئے ایک مصیبت بن کر رہ گیا تھا۔

اس کا یہ مراق اس کے ملازمین کے لئے خواہ کچھ رہا ہو لیکن کم از کم خود اس کیلئے تو بڑا منفعت ثابت ہوا تھا کیونکہ اونچے طبقے کے لوگ بھی آہستہ آہستہ کیواس کو پسند کرنے لگے تھے۔

شہزاد ہر وقت ہوٹل میں موجود رہتا تھا۔ اس کا مراق خواہ کچھ بھی رہا ہو لیکن وہ اس کی ملاہا کمزوری کا نتیجہ تھا کیونکہ اعصابی کمزوری کے شکار شہزاد کی طرح نڈر اور جھگڑالو نہیں تھے۔ عادات و اطوار کے لحاظ سے شہزاد کوئی اچھا آدمی نہیں تھا۔ کیونکہ اس کے ہوٹل میں قیام کرنے والوں کو ناجائز طور پر حاصل کی ہوئی منشیات سے لے کر عورتیں تک دستیاب ہو جاتی تھیں۔

شہزاد چڑچڑا اور گھنا تھا لیکن اپنے گاہکوں کو بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتا تھا۔ کاؤ
سے دو تین فٹ کے فاصلے پر بیٹھا کرتا تھا تاکہ اس کا جسم اور کپڑے گاہکوں کی بے تکلفی سے محفو
رہ سکیں۔ اکثر بے تکلف قسم کے گاہک اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے اس کے کاندھے
ہاتھ رکھ دیا کرتے تھے یا اس کے بازو چھو کر اس سے گفتگو کرتے تھے۔ ایسے مواقع کے بعد اُ
ہمیشہ اپنے کپڑے تبدیل کرنے پڑتے تھے۔

آج بھی وہ کاؤنٹر سے تین فٹ کے فاصلے پر آرام کرسی میں پڑا ہوا نوکروں کو گھور رہا تھا۔
ان کی ایک ایک حرکت پر نظر رکھتا تھا۔ اگر ان میں سے کسی کو اپنے کپڑوں کے اندر ہاتھ ڈال
/ جسم کھجاتے دیکھ لیتا تو اس وقت تک دم نہ لیتا جب تک کہ اس کے ہاتھ دوبارہ نہ دھلوا لیتا۔

وہ کافی دیر سے آرام کرسی میں پڑا ہوا اٹھنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ اچانک اس کی نظر کاؤنٹر
بائیں سرے کی طرف اٹھ گئی جہاں ایک پنجرہ رکھا ہوا تھا اور پنجرے پر سیاہ رنگ کا غلاف
پنجرہ بالکل ایسا تھا جیسا تیتر پالنے والے رکھتے ہیں۔ شہزاد غرا کر ایک نوکر کی طرف
"اُوے.... کیا یہاں لوفر لفنگے بھی آنے لگے۔"

"نہیں سرکار....!" نوکر ڈائننگ ہال میں چاروں طرف نظریں دوڑاتا ہوا بولا۔

"پھر یہ تیتر کا پنجرہ کہاں سے آیا۔" شہزاد جھلا کر کھڑا ہو گیا۔

"ہائیں!" نوکر نے بھی حیرت ظاہر کی۔ پھر اس نے بڑی تیزی سے پنجرے کی طرف جھ
کر اُسے کاؤنٹر سے اٹھا لیا۔

اور پھر جو کچھ بھی ہوا وہ شہزاد جیسے مراقی کی موت کے مترادف تھا۔ کاؤنٹر سے ہٹتے
پنجرے کا نچلا حصہ فرش پر آرہا اور ساتھ ہی دس بارہ موٹے موٹے غلیظ مینڈک چاروں طر
سے پھدکنے لگے۔ شہزاد دہاڑ کر پیچھے ہٹا اور اس کی ٹکر سے شیشے کی ایک الماری چور چور ہو گئی

وہ گندے مینڈکوں سے بچنے کے لئے بار بار اچھل کر اِدھر سے اُدھر ہٹ رہا تھا اور ساتھ
کاؤنٹر کے پیچھے ابتری پھیل رہی تھی۔ ریکوں پر رکھی ہوئی بوتلیں، ڈبے، مرتبان، چینی کے
نیچے گر گر کر مختلف قسم کی آوازیں پیدا کر رہے تھے۔ پھر پورے ڈائننگ ہال میں اتفرا تفری
گئی۔ لوگ اپنی میزیں چھوڑ چھوڑ کر کاؤنٹر کی طرف لپکنے لگے۔

اس بھیڑ میں کیپٹن حمید بھی موجود تھا اور اس طرح متحیرانہ انداز میں شہزاد کی اچھل
دیکھ رہا تھا جیسے وہ مینڈک آسمان سے گرے ہوں۔ آہستہ آہستہ سارا ہال قہقہوں سے گونج
پھر دو تین آدمی شہزاد کو کھینچ کر ہال میں لائے۔ وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا اور ساتھ ہی اس کے

منظقات کا طوفان بھی امنڈ رہا تھا۔

"تیرہ.... نمبر.... تیرہ نمبر....!" وہ حلق پھاڑ کر چیخا۔ پھر اپنے آدمیوں کو آوازیں دینے
"شرفو.... رحیم.... گل خان.... افضل.... پٹھان.... سب چلو تیرہ نمبر والا.... نکلنے نہ
مار ڈالو سالے کو.... اے.... چھوڑو مجھے۔ الگ ہٹو....!" اس نے ایک آدمی کو دھکا دیا۔

پھر وہ بڑی تیزی سے دوسری منزل کے زینوں کی طرف جھپٹا۔ اس کے تین چار نوکر بھی
کے ساتھ دوڑ رہے تھے۔

حمید بھی زینوں کی طرف بڑھا۔ بہتیرے گاہکوں نے بھی اس کی تقلید کرنی چاہی، لیکن محکمہ
رسانی کے دو آدمی ان کی راہ میں حائل ہو گئے اور کچھ اس انداز میں انہیں اوپر جانے سے
نے لگے جیسے ان کا تعلق بھی ہوٹل ہی سے ہو۔

اوپر پہنچ کر شہزاد تیرہ نمبر کے کمرے کے سامنے رک گیا اور پھر اُس نے اس طرح دروازہ
شروع کر دیا جیسے وہ اُسے گھونسوں اور تھپڑوں ہی سے توڑ کر رکھ دے گا۔

لیکن اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ حالانکہ شیشوں سے اندر کی روشنی صاف دکھائی دے رہی
اور دروازہ اندر ہی سے بند تھا۔ اس شور و غل میں سوئے ہوئے آدمی کی بھی نیند اچٹ جاتی۔

آخر شہزاد نے جھلا کر ایک شیشہ توڑ دیا اور اندر ہاتھ ڈال کر چٹخنی نیچے گرا دی۔ دروازہ کھلا
شہزاد طوفان کی طرح اندر گھستا چلا گیا۔

حمید تھوڑے ہی فاصلے پر کھڑا حالات کی تبدیلی کا منتظر تھا۔

اچانک اس نے شہزاد کی گھٹی گھٹی سی آواز سنی.... "خون.... خون.... قتل....!"
وہ دروازے کی طرف جھپٹا اور شہزاد سے ٹکرا گیا۔ وہ بدحواسی کے عالم میں کمرے سے نکل
بھاگا۔

"کیا بات ہے۔" حمید نے ڈانٹ کر پوچھا۔

"قتل....!" شہزاد ہانپتا ہوا بولا۔ "اُسے کسی نے قتل کر دیا۔ میں کچھ نہیں جانتا.... سب
نے دیکھا ہے.... شرفو.... افضل.... ارے بولو نا.... کیا میں نے اُسے قتل کیا ہے۔"

"میرے ساتھ آؤ۔" حمید اُسے کمرے کی طرف گھسیٹتا ہوا بولا۔

"نہیں جاتا۔" شہزاد نے جھٹکا مار کر اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

"ہوش میں آؤ۔ تم ایک پولیس آفیسر سے گفتگو کر رہے ہو۔" حمید کے لہجے میں سختی تھی۔

شہزاد چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

"میرے ساتھ آؤ۔" حمید نے دوبارہ کہا اور پھر اس کے نوکروں سے بولا۔ "تم لوگ میری اجازت کے بغیر نیچے نہیں جاؤ گے۔"

راہداری میں دوسری منزل کے کرائے دار اکٹھا ہونے لگے تھے۔ حمید نے انہیں ا کمروں میں جانے کے لئے کہا۔

پھر اُس نے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر کمرے کے اندر نظر ڈالی۔ سامنے ہی ا آدمی فرش پر اوندھا پڑا تھا اور اس کے اردگرد خون پھیلا ہوا تھا۔

حمید شہزاد اور اُس کے آدمیوں کو وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کر کے زینوں کے سرے پر اس کے دونوں آدمی اب بھی نیچے موجود تھے۔ اس نے اُن میں سے ایک کو آواز دی۔ وہ اوپر آ اس نے اس سے کہا۔ "کوتوالی فون کر دو کہ کیواس کے تیرھویں کمرے میں ایک خون ہو گیا۔ نیچے کے سارے دروازے بند کرا دو۔ کوئی باہر نہ جانے پائے۔"

حمید پھر تیرھویں کمرے میں واپس آ گیا۔

شہزاد کی بُری حالت تھی۔ وہ ایک آرام کرسی میں پڑا ہانپ رہا تھا۔ تین سب انسپکٹر بھوکے بھیڑیوں کی طرح گھور رہے تھے اور حمید ٹانگیں پھیلائے دونوں ہاتھ کمر پر رکھے کمرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ پائپ اس کے دانتوں میں دبا ہوا تھا اور کبھی دھوئیں کی باریک لکیر ہونٹوں کے بائیں گوشے سے نکل کر فضا میں بل کھانے لگتی تھی۔

اچانک شہزاد اچھل کر کھڑا ہو گیا اور حلق پھاڑ کر بولا۔ "مگر یہ لاش اس آدمی کی نہیں ہے تیرہ نمبر میں ٹھہرا ہوا تھا۔"

"کیا....؟" حمید نے پائپ منہ سے نکال لیا اور ساتھ ہی اس کی ٹانگیں بھی ایک دوسر سے جا ملیں۔

"جی ہاں.... میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ آپ میرے نوکروں اور ملحقہ کمروں مکینوں سے پوچھ سکتے ہیں۔"

"تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔" حمید دہاڑا۔

"مجھے ہوش ہی نہیں تھا۔"

"تم بکواس کر رہے ہو۔ تم نے ہال میں درجنوں آدمیوں کے سامنے چیخ کر کہا تھا کہ تیر

ل کو مار ڈالو۔"

"جی ہاں! مجھے یاد ہے۔ میں نے کہا تھا۔" شہزاد بولا۔ اُس نے بڑی حد تک خود پر قابو پا لیا تھا۔

"پھر....!"

"تیرہ نمبر والا۔ بڑا سور تھا.... وہ مجھے مینڈک کہہ کر مخاطب کیا کرتا تھا۔ میں اپنے گاہکوں ا ویسا سب کچھ برداشت کر لیتا ہوں۔ اس لئے ہنس کر ٹال دیتا تھا۔ آج ابھی دو ہی گھنٹے قبل کی ہے۔ میں نے اپنے کاؤنٹر پر ایک پنجرہ رکھا ہوا دیکھا۔ مجھے حیرت ہوئی۔ پنجرہ اب بھی کاؤنٹر پچھے مل جائے گا اور مینڈک بھی موجود ہوں گے۔"

"کیا بک رہے ہو۔" ایک سب انسپکٹر نے اُسے ڈانٹا۔ "کیا اب تم دماغ کی خرابی کا ڈھونگ ؤ گے۔"

"جایئے! دیکھ لیجئے۔" شہزاد ہاتھ ہلا کر بولا۔ "پنجرے پر غلاف چڑھا ہوا تھا اور اس میں ک تھے.... جایئے دیکھئے میرا ہزاروں کا نقصان ہوا ہے۔"

"پھر وہی بکواس....!"

"ٹھیک ہے۔" حمید نے سب انسپکٹر سے کہا۔ "مینڈک میں نے بھی دیکھے تھے۔"

"میں سمجھا کہ شائد یہ اُسی حرامزادے کی حرکت ہے۔" شہزاد بولا۔ "وہ مجھے مینڈک کہہ کر یا کرتا تھا.... اس لئے.... میں نے غصے میں کہہ دیا تھا میری جگہ جو بھی ہوتا یہی کہتا اور پھر ں نے مارا بھی ہوتا تو اُسی کو جس پر مجھے شبہہ تھا.... مگر لاش ایک ایسے آدمی کی ہے جسے میں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ میں بھلا کسی دوسرے آدمی کو کیوں مارنے لگا اور سنئے جناب مجھے ذرہ بھی اس کی پرواہ نہیں ہے۔ میں بچہ نہیں ہوں۔ ڈاکٹر کی رپورٹ خود ہی بتا دے گی کہ قتل وقت ہوا ہے۔"

"تیرہ نمبر میں کون تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"نام اور پتہ ہوٹل کے رجسٹر میں معلوم ہو جائے گا۔" شہزاد بولا۔ "پہلے آپ اس کے یوں سے اس کا حلیہ پوچھ لیجئے۔ میں اس وقت سے اب تک آپ کے ساتھ رہا ہوں۔ اس آپ یہ بھی نہ کہہ سکیں گے کہ میں نے اپنے کرائے داروں کو کچھ سمجھا دیا ہے۔"

"مجھے منطق نہ پڑھاؤ۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ "جتنا پوچھا جائے اس سے زیادہ نہ بکو۔"

حمید اُسے وہیں چھوڑ کر پھر دوسری منزل پر پہنچ گیا۔ یہاں اُس نے دوسرے کمروں کے یداروں سے پوچھ گچھ شروع کی۔

اور سب نے یہی کہا کہ لاش اس آدمی کی نہیں ہے، جو اس کمرے میں چار بجے سہ پہر کو دیکھا گیا تھا۔

مرنے والا کوئی بھی رہا ہو، لیکن حمید کو اس کے مرنے پر افسوس تھا..... افسوس یوں تھا کہ وہی ایک ایسا آدمی تھا جس کے ذریعے لیونارڈ تک پہنچنا ممکن تھی..... حمید نے پہلی ہی نظر میں اس بڑے خسارے کا اندازہ کر لیا تھا۔ مرنے والے کے چہرے پر گھنی مونچھیں تھیں اور ہاتھوں کی چھوٹی انگلیاں تیسری انگلیوں کے برابر تھیں اور اس کی گھنی مونچھیں نقلی ثابت ہوئی تھیں۔ لیکن گلوریا نے کیواس ہوٹل کا نام نہیں لیا تھا۔ اس نے کوئی دوسرا پتہ بتایا تھا، جو اب اُسے یاد بھی نہیں رہ گیا تھا۔ لیکن فریدی کو اس نے پتہ نوٹ کرا دیا تھا۔ پھر فریدی کیا کر رہا تھا۔ حمید کافی دیر تک اوپری منزل کی راہداری میں کھڑا سوچتا رہا۔ اسی رات کو فریدی نے تین کام اس کے سپرد کئے تھے۔ تیسرا کام اُس نے اس وقت انجام دیا تھا۔ یعنی مینڈکوں کا پنجرہ کیواس ہوٹل کے کاؤنٹر پر رکھ کر ردِ عمل کا انتظار کرنا۔

❁

ٹھیک تین بجے حمید گلوریا کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچ گیا۔ وہ بھی اس کے ساتھ آنے پر مصر تھی لیکن اسے بہت سختی سے روک دیا گیا۔

ہر دو اس بلڈنگ کے پندرھویں فلیٹ کا دروازہ بجانے تک مقفل نہیں تھا۔ حمید سمجھا شاید ان کوئی ہو۔ اس نے دستک دینے کے خیال سے دروازے پر ہاتھ رکھا اور دروازہ کھل گیا۔ یعنی وہ بند نہیں تھا۔ اندر تاریکی تھی۔ حمید نے ٹارچ روشن کی۔ پورا فلیٹ سنسان پڑا تھا۔ یہاں تین کمرے تھے اور تینوں کا سامان بے ترتیبی سے بکھرا پڑا تھا۔ کئی جگہ جلے ہوئے کاغذات کے ڈھیر بھی نظر آئے۔ اچانک حمید قدموں کی آہٹ سن کر چونک پڑا۔

"ڈرو نہیں فرزند!" اُسے فریدی کی آواز سنائی دی۔ وہ قریب آ کر بولا۔ "چوٹ ہو گئی نے بہت دیر کی۔ اگر یہ کام دو دن قبل ہو گیا ہوتا تو اس کی نوبت نہ آتی۔ اور اب ہم ایک پھر اندھیرے میں ہیں۔"

"ہمارے مقدر میں اُجالا تھا ہی کب۔" حمید نے فرمایا۔ اُسے وہ چوٹ یاد آئی جس کا نشان کے جبڑے پر بنا تھا۔ اُسے وہ غبارہ یاد آیا جس کا کڑوا کسیلا پانی اس کے حلق کے نیچے اتر گیا تھا۔

"ہاں! ہو سکتا ہے۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔ "چلو اب یہاں کیا رکھا ہے۔ میں سب کچھ جان چکا ہوں اور اب یہ بات میری سمجھ میں آئی ہے کہ لیونارڈ نے اپنا کیبن بیک پر کا روم سے کیوں نکالا ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ ویسے وہ اس سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔ لیکن اچانک حمید نے محسوس کیا جیسے اندھیرے میں فریدی کسی ہو۔

دونوں فلیٹ سے نکل آئے لیکن اچانک حمید نے محسوس کیا جیسے اندھیرے میں فریدی کسی

ہم رقص اور لاؤڈ سپیکر

حمید انجان تھا وہیں رک گیا۔ راہداری تاریک پڑی تھی۔ اس کے باوجود بھی اسے یقین کامل تھا کہ فریدی وہاں موجود نہیں ہے۔ اچانک اسے تھوڑے ہی فاصلے پر فائر کی آواز سنائی دی اور اب طرح کا احساس ہوا۔ اس کے قدم بڑی تیزی سے زینوں کی طرف بڑھنے لگے۔ آواز یقیناً سے آئی تھی۔

لیکن نیچے سناٹا تھا البتہ شمال کی طرف اندھیرے میں کافی فاصلے پر کسی کار کی عقبی سرخ نظر آ رہی تھی۔

پھر اس نے جو کچھ بھی کیا اس میں اس کی قوتِ فیصلہ کو دخل نہیں تھا۔ وہ اپنی کار میں بیٹھ کر چل پڑا جدھر کار کی عقبی روشنی نظر آ رہی تھی۔ وہ بتدریج کار کی رفتار تیز کرتا جا رہا تھا۔ اچانک عقبی سرخ روشنی غائب ہو گئی۔ حمید برابر اسی طرف دیکھتا رہا تھا لیکن نہ تو وہ اسی بات کر سکا کہ اگلی کار اچانک کسی طرف مڑ گئی تھی اور نہ یہی سمجھ سکا کہ آگے کوئی شیب ہے۔

روشنی یک بیک اسی طرح اندھیرے میں گم ہو گئی جیسے کبھی اس کا وجود ہی نہ رہا ہو۔

حمید کی کار کی ہیڈ لائٹس کی روشنی دور تک سڑک پر پھیل رہی تھی۔

اس نے رفتار کچھ اور تیز کر دی۔

اور پھر چند ہی لمحوں کے بعد اس کی نظر ایک ایسی کار پر پڑی جو سڑک کے کنارے کھڑی تھی۔ حمید نے یک لخت اپنی کار کی رفتار کم کر دی۔

لیکن یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ اس سے کوئی حماقت سرزد ہونے والی ہے۔ آخر کار اس نے کار کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اس نے پھر رفتار تیز کر دی اور پھر وہاں سے تقریباً چار فرلانگ کے

فاصلے پر نہ صرف کار روک دی بلکہ انجن بھی بند کر دیا۔

اس کا داہنا ہاتھ ریوالور کے دستے پر تھا۔

پانچ منٹ سے زیادہ نہیں گذرے تھے کہ ایک کار فراٹے بھرتی ہوئی قریب سے نکل گئی۔ وہی تھی، جو حمید کو راستے میں کھڑی دکھائی دی تھی۔ مگر اس بار اس کے اندر بھی روشنی تھی۔ ڈرائیو کرنے والی ہر حال میں کوئی عورت تھی۔ ایک لحیم شحیم انگریز عورت۔ اُسے پہچاننے کے لئے صرف ایک جھلک ہی کافی تھی۔ یہ مسز وارنر تھی۔

❁

دوسری رات لیڈی پرکاش اپنے ایک دوست کے ساتھ ہائی سرکل نائٹ کلب میں داخل ہوئی۔ وہ اس وقت پہلے سے بھی زیادہ حسین لگ رہی تھی اور اس کے چہرے کے اطمینان اور سکون سے یہ اندازہ کرنا دشوار تھا کہ وہ آج کل ذہنی الجھنوں کی شکار ہے۔ کیپٹن حمید نے اُسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھا۔ وارنر خاندان کی سب سے حسین لڑکی اس کے سامنے گرد ہو کر گئی تھی۔

اس نے لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ بھی لیڈی پرکاش کو دیکھ رہی تھی۔

"مجھے ساری بہت اچھی لگتی ہے۔" وہ حمید کے کان کے پاس گنگنائی۔

"مگر تم ساری میں بھی اتنی حسین نہیں معلوم ہو گی۔" حمید بڑبڑایا۔

"ہونہہ....!" وہ بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"ارر.... کیا تم بُرا مان گئیں، میں تو یونہی چھیڑ رہا تھا تمہیں۔ کہاں تم کہاں وہ مشرق مغرب کا فرق ہے۔ مگر اس وقت مجھے اپنے ڈیڈی بُری طرح یاد آ رہے ہیں۔"

"کیوں! ڈیڈی کیوں!" لڑکی نے حیرت ظاہر کی۔

"وہ اس عورت کو دیکھ کر پاگل ہو جاتے۔"

"اپنے ڈیڈی کے لئے.... بکواس کر رہے ہو۔ شش۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ بڑی توجہ سے لیڈی پرکاش کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہال میں داخل ہوتے ہی شہر کے کئی معزز لوگ اپنی کرسیاں چھوڑ کر استقبال کے لئے آگے بڑھے تھے۔

"یہ کون ہے۔" لڑکی نے حمید سے پوچھا۔

"یہ.... مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے پہلے بھی اسے کہیں دیکھا ہے۔"

"کوئی امیر عورت معلوم ہوتی ہے۔"

"اونہہ ہو گی۔" حمید نے کہا۔ "وہ تم سے زیادہ حسین نہیں ہے۔"

ریکریئیشن ہال میں رقص کے لئے موسیقی شروع ہو گئی تھی۔ لڑکی کی ایڑیاں موسیقی کے چڑھاؤ کے مطابق فرش پر بجنے لگیں۔

"تمہارا کوئیک اسٹیپ کیسا ہے۔"

"میرا کوئیک اسٹیپ....!"

حمید جملہ پورا نہیں کر سکا۔ ہائی سرکل نائٹ کلب کا منیجر اس پر جھکا ہوا کہہ رہا تھا۔ "آپ کا فون ہے۔"

"فون! ہمپ۔" حمید جھنجھلا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے لڑکی سے کہا "میں ابھی آیا۔"

حمید منیجر کے ساتھ اس کے آفس میں آیا۔ ریسیور میز پر پڑا ہوا تھا۔

"ہیلو....!"

"کون....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"حمید.... کیپٹن حمید۔"

"آہا.... کپتان صاحب ہیں۔" حمید نے فریدی کی آواز پہچان لی۔

"دیکھئے کپتان صاحب۔ اس وقت وارنر کی لڑکی کو کھسکا ہی دیجئے اور اگر آپ اس وقت لیڈی پرکاش کو اپنا ہم رقص نہ بنا سکے تو میں آپکو.... کپتان صاحب.... کیا کہوں کہ کیا سمجھنے لگوں گا۔"

"ہم.... اچھا.... مگر آپ ہیں کہاں۔"

"بہت قریب! اس کی فکر نہ کرو۔"

حمید کچھ اور کہنا چاہتا تھا لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

"یہ لڑکی بہت حسین ہے جناب۔" نائٹ کلب کے منیجر نے کہا۔ "بقول شاعر....!"

"ہائیں! منیجر.... تم ہوش میں ہو یا نہیں۔"

"تم میری لڑکیوں پر نظر رکھتے ہو۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

"ارے.... خدا کی قسم! میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ کمال کر دیا.... واہ.... بقول شاعر۔"

"ٹوپ! میں شعر سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

حمید اُسے کرسی میں دھکیلتا ہوا کمرے سے نکل آیا۔

ٹوئیک رقص کا نام

لڑکی اس کی منتظر تھی۔ اُس نے حمید کے چہرے پر پریشانی کے آثار دیکھے۔

"کیا بات ہے۔" اس نے پوچھا۔

"وہ کیلتاؤں لینڈ نہیں کیا بات ہے۔"

"کیا ہوا....!"

"نہ جانے کیوں یہاں پولیس بیس منٹ کے اندر ہی اینڈیریڈ کرنے والی ہے۔"

"پولیس ریڈ کرنے والی ہے۔" لڑکی نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں مجھے فون پر ابھی اس کی اطلاع ملی ہے۔ ریڈ کا مطلب یہ ہے کہ میری ساری محنت برباد ہوئی۔ پتہ نہیں کتنے گھنٹے صرف ہوں۔ سارے دروازے بند کر لئے جائیں گے اور کوئی جا سکے گا۔"

"اوہو.... تب پھر مجھے جانے دو۔"

"میں تنہا بور ہو کر مر جاؤں گا.... مجھے تو بہر حال ٹھہرنا پڑے گا۔ نہیں تم نہیں جا سکتیں۔"

"نہیں کیپٹن! مجھے جانے دو۔ اگر دیر ہوئی تو ممی پریشان ہوں گی۔ پارٹ ایٹ ہو جا میں کل پھر ملوں گی.... جہاں کہو مل جاؤں۔"

"آر لکچو میں.... ٹھیک نو بجے۔"

لڑکی کھڑی ہو گئی اور حمید نے کہا۔ "ٹھہرو! میں بھی چلتا ہوں۔ کہیں وہ لوگ تمہیں پھاٹک ہی پر نہ روک لیں۔"

حمید اسے ٹیکسیوں کے اڈے تک لایا جو کلب سے زیادہ دور نہیں تھا۔

"کل آر لکچو میں ضرور رہنا! ورنہ لڑائی ہو جائے گی۔" حمید ٹیکسی کا دروازہ بند کرتا ہوا بولا۔

"ضرور ضرور....!"

ٹیکسی چلی گئی اور حمید ایک طویل سانس لے کر پھر ناٹ کلب کی طرف روانہ ہو گیا۔

اب لیڈی پرکاش وہاں نہیں تھی جہاں حمید اسے کچھ دیر قبل چھوڑ کر گیا تھا۔

لیکن اُسے یقین تھا کہ وہ باہر نہ گئی ہو گی کیونکہ ٹیکسیوں کے اڈے پر بھی اس کی نگاہ کلب کے کمپاؤنڈ کے پھاٹک ہی کی طرف رہی تھی۔

وہ سیدھا پکچر ریشن ہال میں چلا گیا۔ کوئیک اسٹیپ کا راؤنڈ چل رہا تھا۔ اس نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ آخر کار ایک جگہ گیلری میں لیڈی پرکاش اسے نظر آ گئی۔

وہ ایک میز پر تنہا تھی۔ گیلری میں اور بھی میزیں خالی پڑی تھیں دیر تک حمید تو خود اس کے ساتھ بیٹھنے کے لئے ایک عمدہ سا بہانہ تراش سکتا تھا۔

وہ مضمحل قدموں سے چلتا ہوا گیلری میں آیا۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی غم آلود سنجیدگی تھی۔ آنکھوں میں اداسی کے گہرے بادل تھے۔ اس نے چاروں طرف ایک اچٹتی سی نظر ڈالی۔

میزیں خالی ضرور تھیں لیکن ان سب پر ریزرویشن کے کارڈ نظر آ رہے تھے۔

حمید چاروں طرف نگاہ دوڑاتا ہوا لیڈی پرکاش کے قریب سے گذر گیا لیکن اس نے ایک بار بھی اس کی طرف نہیں دیکھا۔ البتہ خود لیڈی پرکاش اسے بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔

حمید نے پوری گیلری کا چکر لگا ڈالا لیکن ایک بھی ایسی میز نہ دکھائی دی جس پر ریزرویشن کا کارڈ نہ ہو۔

واپسی میں وہ ایک بار پھر لیڈی پرکاش کے قریب سے گذرا لیکن اب وہ بڑبڑا رہا تھا۔ "کہیں کہیں بھی نہیں.... آج کہیں مرنے کے لئے بھی جگہ نہیں ملے گی۔"

لیڈی پرکاش نے ایک ایک لفظ سنا اور حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ شکل و شباہت کے لحاظ سے حمید کافی کشش رکھتا تھا۔

وہ اسے گیلری کے دوسرے سرے تک جاتے دیکھتی رہی۔ حمید سرے پر رک گیا۔ کچھ دیر وہ دونوں ہاتھ پتلون کی جیبوں میں چھپائے کھڑا رہا۔ پھر بڑی تیزی سے اس طرف مڑا جدھر لیڈی پرکاش بیٹھی ہوئی تھی۔ اتفاق سے گیلری کے اس حصے میں وہ بالکل تنہا تھی۔

حمید بڑی شاندار ایکٹنگ کر رہا تھا۔ اب اس کے قدم بڑی تیزی سے لیڈی پرکاش کی میز کی طرف اٹھ رہے تھے۔

پھر اس کے قریب پہنچ کر وہ یکلخت رک گیا۔ لیڈی پرکاش بوکھلا گئی۔

"میں یہاں بیٹھنا چاہتا ہوں۔" حمید نے کسی اجڈ گنوار کی طرح پھر سے کہا۔

"ب.... بیٹھئے۔" لیڈی پرکاش کے منہ سے غیر ارادی طور پر نکل گیا۔

حمید ایک جھٹکے کے ساتھ بیٹھتا ہوا بولا۔ "شکریہ! جیسے ہی آپ کے ساتھی آئیں گے میں چلا جاؤں گا۔ ذرا دیکھئے.... ساری میزوں پر ریزرویشن کارڈ موجود ہیں۔ میزیں خالی ہیں کہ نہیں۔ میں نے رات لوں اور میں یہاں تھوڑی دیر بیٹھنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور ضرور بیٹھئے۔" لیڈی پرکاش زبردستی مسکرائی۔ وہ کچھ مرعوب سی نظر آنے لگی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کوئی اجنبی اُس سے اس طرح بے دھڑک گفتگو کر رہا تھا۔ ورنہ خود پولیس کے اعلیٰ افسر بھی اس سے گفتگو کرتے وقت ہکلاتے تھے۔ اجنبی کی تو بات ہی الگ ہے، لیڈی پرکاش کی دلچسپی اس میں اس کی وجہ سے تھی۔ شخصیت اتنی متاثر کن تھی کہ جس مقابل کا بس سامنے

سے نکلائے بغیر گذر جانا ممکنات میں سے نہ تھا۔

حمید کا لہجہ بھی ایسا تھا جیسے اُسے اس کی یا اس کے حسن کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہ ہو۔

"میں آپ کو بور نہیں کروں گا۔" حمید نے کہا اور رقص کی طرف متوجہ ہو گیا کوئیک اسٹ
کا راؤنڈ چل رہا تھا اور پورا ہال کان پھاڑ دینے والی موسیقی سے گونج رہا تھا۔ حمید پھر لیڈی پرکاش
طرف مڑ کر بولا۔ "جیسے ہی راؤنڈ ختم ہو گا میں اٹھ جاؤں گا۔"

"آپ بیٹھئے جناب۔" لیڈی پرکاش بڑے دلآویز انداز میں مسکرائی۔ "میں آپ سے ا
کے لئے تو نہیں کہہ رہی۔ میں اس میز پر تنہا ہوں۔"

حمید سوچنے لگا کہ اس کا ساتھی کہاں گیا؟ اور جب وہ آئی تھی تو کئی آدمی اس کے استق
کے لئے اٹھے تھے، لیکن وہ میز پر تنہا تھی۔

"شکریہ....!" حمید نے لاپروائی سے کہا اور پھر رقص کی طرف متوجہ ہو گیا۔

لیڈی پرکاش اُسے عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"یہ کوئیک اسٹپ ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "یا چند گھسیارے پیروں میں کھر
باندھ کر گھاس چھیل رہے ہیں۔" پھر اس نے لیڈی پرکاش کی طرف مڑ کر غصیلے لہجے میں
"یہ لڑکیاں گدھوں کے ساتھ ناچیں گی مگر میرے ساتھ نہیں ناچیں گی۔ آپ خود بتایئے! ا
آدمی بھی ایسا دکھایئے جو سلیقے سے رقص کر رہا ہو۔"

"آپ کا خیال بالکل ٹھیک ہے۔ اسی لئے میں تنہا بیٹھنا پسند کرتی ہوں۔" لیڈی پرکاش بو
میز پر پروگرام کی ایک کاپی پڑی ہوئی تھی، حمید اُسے الٹنے پلٹنے لگا۔

"لیجئے....!" اس نے تمسخر آمیز لہجے میں کہا۔ "یہاں والز اور سلو فوکس ٹروٹ بھی م
ہیں۔ کمال ہے.... بھلا یہاں کون ہے۔"

"آپ بہت مشاق معلوم ہوتے ہیں۔" لیڈی پرکاش مسکرائی۔

"نہیں میں اس کا دعویٰ تو نہیں کر سکتا.... لیکن ذرا آپ مجھے یہ بتایئے کیا میں صورت
غیر مہذب یا بُرا آدمی معلوم ہوتا ہوں۔"

"نہیں جناب! قطعی نہیں۔" لیڈی پرکاش نے سنجیدگی سے کہا۔

"پھر آخر یہ لڑکیاں میری ہم رقص بننا کیوں پسند نہیں کرتیں۔" حمید نے جھلائے ہ
بچے کی طرح کہا۔

اس سوال کا لیڈی پرکاش نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خود بھی اس مسئلے پر بڑی سنجیدگی سے
کرنے لگی تھی کہ آخر لڑکیاں اس کے ساتھ رقص کرنا کیوں پسند نہیں کرتیں۔

"میں خود ہی اب کسی سے درخواست نہیں کرتا۔" حمید گردن اکڑا کر بولا۔

"آپ کیا پئیں گے۔" لیڈی پرکاش نے پوچھا۔

"ٹھنڈا پانی۔ مجھے ذرا ذرا سی بات پر غصہ آجاتا ہے۔"

"کون سی شراب آپ پسند کرتے ہیں۔"

"میں کسی قسم کی بھی شراب پسند نہیں کرتا۔"

"اب میں سمجھی۔" لیڈی پرکاش اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "لڑکیاں اسی لئے
پ سے دور بھاگتی ہیں۔"

"کس لئے۔"

"یہی کہ آپ کا انداز گفتگو کافی کھردرا ہوتا ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ رقص ختم ہو گیا۔ لوگ گیلری میں اپنی اپنی میزوں پر واپس آگئے۔

لیڈی پرکاش نے ویٹر سے کافی طلب کی۔

قریب و دور کی کئی میزوں سے لیڈی پرکاش کے کئی شناسا حمید کو بُری طرح گھور رہے تھے۔
میں سے کئی ایسے بھی تھے، جنہیں کچھ دیر قبل وہ رقص کی درخواست پر مایوس کر چکی تھی۔

لیڈی پرکاش نے حمید کے لئے کافی بنائی اور اس کی طرف کھسکاتی ہوئی بولی۔ "اس کے بعد
ر کے لئے موسیقی شروع ہو گی، پھر میں دیکھوں گی کہ آپ کتنا اچھا ناچتے ہیں۔"

"کیا میں تنہا ناچوں گا۔ ہوا کو ہم رقص بناؤں گا۔" حمید جھلا کر بولا۔

"نہیں....!" لیڈی پرکاش نے مسکرا کر کہا۔ "اتفاق سے مجھے بھی اس بات کا دعویٰ ہے کہ
والز بہت اچھا ناچتی ہوں۔"

"اچھا.... دیکھوں گا۔ لیکن واضح رہے کہ میری ہم رقص کسی قسم کی غلطی کرنے پر عموماً
بلا اٹھتی ہے۔"

"کیوں....!"

"میں اس کے پیر پر بڑی بے دردی سے پیر رکھ دیتا ہوں۔"

"فکر نہیں.... میں غلطی کرنے والوں کی پنڈلی کی ہڈی پر ٹھوکر مارتی ہوں۔"

"اچھا.... دیکھیں ہم میں سے کون چیختا ہے۔" حمید بچوں کی طرح ہنس پڑا۔

تھوڑی دیر بعد والز کے لئے موسیقی شروع ہو گئی لوگ گیلری سے اٹھنے لگے، لیڈی پرکاش
ایک شناسا اُس سے درخواست کرنے کے لئے اٹھا ہی تھا کہ وہ حمید کا ہاتھ پکڑ کر کھڑی ہو گئی۔

ایک بار پھر ہال میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔

دوسری طرف کی گیلری میں ایک آدمی اپنے ساتھی سے پوچھ رہا تھا۔ "یہ لیڈی پرکاش کس کے ساتھ ناچ رہی ہے۔"

"کیپٹن حمید.....!" اس کے ساتھی نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ "پرانا عورت خور... شاید تم بھی لیڈی پرکاش سے رقص کی درخواست کی تھی۔"

"اونہہ ختم بھی کرو یار۔" دوسرا بولا۔ "بھلا ان باتوں کی پرواہ کون کرتا ہے۔ وہ سمجھے کیا اس سے بہتر عورتیں میرے ساتھ رقص کرنے پر فخر کرتی ہیں اور پھر ہو سکتا ہے آج اس کا موڈ ٹھیک نہ رہا ہو۔"

دوسری طرف لیڈی پرکاش حمید سے کہہ رہی تھی۔ "واقعی آپ مشاق ہیں۔" میں مانتی ہوں۔

"اور میں بھی یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ مجھے آپ کے پیر پر پیر رکھنے کا موقع نہیں مل سکا۔"

"آپ کہاں رہتے ہیں۔"

"جہاں دل چاہتا ہے رہ جاتا ہوں۔"

اچانک لاؤڈ سپیکر چیخنے لگا۔ "لیڈی پرکاش سپیشر فون پر آپ کی کال آئی ہے... اور یہ بہت ضروری ہے۔"

لیڈی پرکاش اس طرح ایک جھٹکے کے ساتھ حمید سے الگ ہوئی جیسے یہ پیام ان کے درمیان تلوار بن کر گرا ہو۔

سوچا کچھ ہوا کچھ

حمید نے لیڈی پرکاش کی حالت میں بہت ہوا تغیر محسوس کیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

"کیا مطلب.....!" حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"میری کال ہے۔"

"کون بیوقوف ہے جو یہاں فون کرنے کا مطلب مزہ کرکرا ہو گیا۔"

"میں ابھی آئی ہوں۔"

"نہیں... میں نہیں ناچوں گا۔"

"میں ابھی آئی۔" لیڈی پرکاش تیزی سے چلی گئی۔

منیجر اپنے آفس کے سامنے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ خفیف سا جھکا۔

"یور لیڈی شپ.... آپ کا فون ہے۔"

"شکریہ۔ میں دیکھتی ہوں۔" لیڈی پرکاش اس کے آفس میں چلی گئی۔

اس نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ ریسیور اٹھاتے وقت اس کا ہاتھ بری طرح کانپ

"ہیلو!"

"ہیلو! لیڈی پرکاش۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "دریائے ٹیمز کی مچھلیاں۔"

"اوہ... آپ ہیں! کیا آپ مجھے کہیں سکون نہ لینے دیں گے۔"

"تم حرکتیں ہی ایسی کر رہی ہو... ابھی تم کس کے ساتھ ناچ رہی تھیں۔"

"کیوں! میں نے اس کا نام نہیں پوچھا۔"

"لیڈی پرکاش.... کان کھول کر سن لو... میں اپنا مطالبہ ہر صورت میں پورا کروں گا، خواہ سے بھی جوڑ توڑ کرو۔ مجھ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ ضرورت پڑی تو میں تمہیں موت کے بھی اتار دوں گا۔"

"میں نہیں سمجھی کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"خیر ختم کرو۔" دوسری طرف سے تلخ لہجے میں کہا گیا۔ "اب میں زیادہ انتظار نہیں کر سکتا۔ اس شہر میں ایک ایسا آدمی بھی ہے جو ان چیزوں کو چار لاکھ میں بھی خرید لے گا۔"

"دیکھئے.... صرف ایک ہفتے کی مہلت دیجئے۔ میں انتظار کر رہی ہوں۔"

"کیپٹن حمید اور کرنل فریدی بھی اس انتظام میں شامل ہیں۔" دوسری طرف سے طنزاً پوچھا گیا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں نے ان دونوں کے صرف نام سنے ہیں۔ آج تک ملنے کا نہیں ہوا۔ یقیناً آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"لیڈی پرکاش مجھے ضد نہ دلاؤ ورنہ میں تمہاری زندگی برباد کر دوں گا۔ کیا یہ جھوٹ ہے کہ کیپٹن حمید کے ساتھ ناچ رہی تھیں اور وہ اب بھی ریکریشن ہال میں تمہارا انتظار کر رہا ہے۔"

"وہ کیپٹن حمید ہے۔" لیڈی پرکاش حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولی۔

"اتنا میں جانتا ہوں کہ وہ لوگ مجھ تک نہ پہنچ سکیں گے لیکن کم از کم یہ تو میرا تمہیں لے تو جائے گی۔"

"کچھ بھی ہو لیکن میں آپ سے استدعا کروں گی کہ مجھے پبلک مقامات پر نہ کال کیا کریں۔"

"لیڈی پرکاش! تمہیں ایک ہفتے کی مہلت اور دی جاتی ہے اور یہ آخری مہلت ہوگی۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ لیڈی پرکاش ریسیور کو ہک پر رکھ کر بڑبڑاتی

ہوئی پیچھے ہٹی۔ اس کے چہرے پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئی تھیں۔

اُس نے اپنا وینٹی بیگ کھول کر آئینہ نکالا اور پسینہ خشک کر کے جلدی جلدی میک اَپ درست کرنے لگی۔

پھر دروازہ کھول کر باہر نکلی۔ منیجر وہاں موجود نہیں تھا۔

ریکریئیشن ہال میں اب سناٹا تھا۔ راؤنڈ ختم ہو چکا تھا اور رقاص گیلری میں تھے۔ اُس نے ہر کو اپنی ہی میز پر بیٹھے دیکھا۔

حمید نے دور ہی سے محسوس کر لیا کہ اس کے ساتھ کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہے حالانکہ وہ اپنے اضطراب کو مسکراہٹ میں چھپانے کی کوشش کر رہی تھی، آنکھیں بدستور ز انتشار کی طرف اشارہ کر رہی تھیں۔ وہ ایک طویل سانس لے کر بیٹھ گئی۔

"آپ نے بُرا تو نہیں مانا۔" اُس نے حمید سے پوچھا۔

"گراں ضرور گزرتی ہیں ایسی باتیں۔"

"اوہ.... مجھے افسوس ہے۔ ایک بہت ضروری کال تھی۔"

لیڈی پرکاش نے یہ جملہ بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ حمید براہِ راست اس کی آنکھوں میں د رہا تھا۔ لہٰذا اس نے اس ہلکے سے تغیر کو فوراً ہی محسوس کر لیا، جو اس جملے کو ادا کرتے وقت ان واقع ہوا تھا۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر لیڈی پرکاش نے پوچھا۔

"آپ نے آج تک اپنے متعلق کچھ نہیں بتایا۔"

"اور نہ میں نے ابھی تک آپ کے متعلق پوچھا ہے۔" حمید نے جواب دیا۔

"آپ کون ہیں کیا کرتے ہیں.... اور....!"

"کہاں رہتے ہیں۔" حمید نے اس کا جملہ پورا کرتے ہوئے کہا۔ "میں اس وقت ڈیوٹی پر ہوں۔ ورنہ میں آپ کو ہرگز یہ نہ بتاتا کہ میں کیپٹن حمید ہوں۔ نام تو آپ نے سنا ہی ہوگا.... میرا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے ہے۔"

لیڈی پرکاش اس کی صاف گوئی پر ششدر رہ گئی۔ منیجر کے آفس سے آتے وقت وہ سو آئی تھی کہ اگر وہ کیپٹن حمید ہی ہے تو یقیناً میری ٹوہ میں ہوگا اور کبھی اپنی اصلیت نہ ظاہر کرے

حمید نے اُس میں یہ تبدیلی بھی محسوس کر لی اور دفعتاً اس کا ذہن اُس فون کال کی طر متوجہ ہو گیا جس کے اعلان پر لیڈی پرکاش مضطربانہ انداز میں اُس سے الگ ہو گئی تھی۔ وہ سو تھا کہ کیا وہ کال لیونارڈ کی طرف سے تھی؟ اُس کے طریقوں سے تو وہ واقف ہی تھا۔ وہ اپنے

ادہ سے زیادہ خوفزدہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے فون پر اُسے اسی بات آگاہ کیا ہو کہ وہ اس وقت حمید کے ساتھ ہے۔

"میں نے آپ کا نام سنا ہے۔" لیڈی پرکاش خشک لہجے میں بولی۔ "کیا اس طرح تعارف ل کرنے کا کوئی خاص مقصد تھا۔"

"جی ہاں۔" حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

اور لیڈی پرکاش کے چہرے پر ایک سایہ سا آکر گذر گیا۔ لیکن آنکھوں سے بدستور انتشار ہوتا رہا۔

"کیا مقصد تھا۔" لیڈی پرکاش نے اپنے لہجے میں سختی پیدا کرنے کی کوشش کی۔

"مقصد حاصل ہو گیا۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "میں نے اس وقت دو ہزار کی شرط جیتی ہے۔"

"یعنی....!"

"ایک دوست نے کہا تھا کہ آج لیڈی پرکاش رقص کے لئے کسی کی بھی درخواست قبول کریں گی۔ موڈ بہت خراب ہے۔ بات بڑھ گئی۔ معاملہ دو ہزار کی شرط پر پہنچ کر ختم ہو گیا اور ار میرے ہیں۔ میں آپ کا مشکور ہوں۔"

حمید کرسی سے اٹھ کر احتراماً تھوڑا سا جھکا اور فوجیوں کے سے انداز میں داہنی ایڑی پر گھوم کر یشن ہال سے نکلا چلا گیا۔

❁

محکمہ سراغ رسانی کے سارے انسپکٹر لیونارڈ کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ فریدی کو اس کے پر چھوڑ دیا گیا اور سرکاری طور پر حمید کو ایک ایسے گروپ کے ساتھ کام کرنا تھا جس میں آصف بھی شامل تھا۔ احکامات براہِ راست ڈی۔ آئی۔ جی کے آفس آئے تھے، اس لئے حمید ہ مار سکا۔ ورنہ آصف جیسے لوگوں سے نباہ کرنا کم از کم اُس کے بس کا روگ تو نہیں تھا اور ستم آصف سینیارٹی کی بناء پر اس ٹولی کا انچارج بنا دیا گیا تھا۔

آصف فریدی اور حمید کا پرانا دشمن تھا۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے یہ دونوں زمین سے آسمان پر گئے تھے۔ انسپکٹروں میں آصف سب سے سینئر تھا لیکن کارکردگی میں صفر کے برابر ہونے کی بناء فسروں کی نظر میں اس کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ لیکن اس بار اپنے لئے عزت افزائی کا پروانہ دیکھ سے کافی دیر تک یقین نہیں آیا۔ ماتحتوں میں حمید کا نام دیکھ کر تو اس کی باچھیں کھل گئیں۔

سب سے پہلے اس نے حمید ہی کو طلب کیا۔

"حمید....!"

"کیپٹن حمید!" حمید نے تصحیح کی۔

"میں بدتمیزی نہیں پسند کرتا۔"

"کیپٹن حمید!" حمید ایک ایک لفظ پر زور دیتا ہوا بولا۔ "اگر آپ نے اب مجھے صر
حمید کہا تو میں آپ پر ہتک عزت کا دعویٰ دائر کر دوں گا۔ سمجھے جناب۔ ڈی آئی جی بھی
کیپٹن کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔"

"فریدی کہاں ہے؟"

"سبحان اللہ۔ کیا یہ بھی میرے فرائض میں داخل ہوگا۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"قطعی تمہیں بتانا پڑے گا کہ فریدی کہاں ہے۔"

"کرنل فریدی۔" حمید نے تصحیح کی۔

"اچھی بات ہے! میں تمہیں دیکھوں گا۔"

"دن ہی دن دیکھیے گا، رات کو میں عموماً نظر نہیں آیا کرتا۔"

"شٹ اپ۔"

"آصف صاحب! گردن پکڑ کر کھڑکی کے باہر پھینک دوں گا۔ سمجھے زبان سنبھالیے
کیپٹن کا اعزاز مجھے اس لیے نہیں ملا ہے کہ انسپکٹر صاحبان مجھ پر رعونس جمانے کی کوشش کر
ویسے آپ ہم لوگوں کے انچارج بنائے گئے ہیں۔ بنے رہئے۔ لیکن یہ بھی اسی وقت تک ہوگا
تک آپ شرافت سے پیش آئیں گے۔"

"میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتا۔ یہاں سے چلے جاؤ۔"

"شکریہ۔" حمید کمرے سے نکل گیا۔

اسی شام کو آصف نے اسے کیواس ہوٹل کی نگرانی پر مقرر کر دیا۔ اسے رات بھر کر
ہوٹل کے صدر دروازے کی نگرانی کرنی تھی۔ لیکن اسے معجزہ ہی کہنا چاہئے کہ حمید بارہ بجے
ہوٹل ڈی فرانس میں وارنر کی لڑکی کے ساتھ ناچتا رہا پھر اس کے بعد گھر جا کر سو گیا۔

دوسری صبح اُس نے آصف کے سامنے جو تحریری رپورٹ پیش کی وہ یہ تھی۔

"چھ بجے شام سے چار بجے صبح تک کیواس ہوٹل کے صدر دروازے کی نگرانی کرتا رہا
بجے تک کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ میں اس وقت تک کسی لڑکی کی آمد کا انتظار کرتا رہا
تک کہ ہوٹل بند نہیں ہو گیا۔ لیکن ایک بھی لڑکی وہاں جاتی نہیں دکھائی دی۔ اس سے یہی
اخذ کیا جا سکتا ہے کہ وہاں لڑکیاں نہیں جاتیں اور وہ ایک تھرڈ کلاس ہوٹل ہے۔ ہو
ہو جانے کے بعد بھی میں صدر دروازے کی نگرانی کرتا رہا اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ

اب بھی اپنی جگہ پر موجود ہے، میری ذاتی رائے ہے کہ صدر دروازے سے نیک چلنی کی
طلب کر لی جائے۔"

آصف نے مختصر سی رپورٹ دیکھی۔ اور غصے میں بل کھا کر رہ گیا۔

"یہ کیا ہے؟" وہ تھوڑی دیر بعد حلق پھاڑ کر چیخا۔ "میں اسے ایس پی کے سامنے پیش کروں گا۔"

"ضرور کیجئے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کارکردگی کے سلسلے میں مجھے بھی ترقی مل جائے۔" حمید
اتنائی سنجیدگی سے کہا۔ "اور آپ کی تحریر تو میرے پاس محفوظ ہی ہے۔ اس تحریر میں صرف
کہا گیا ہے کہ میں رات بھر کیواس کے صدر دروازے کی نگرانی کرتا رہوں۔ چنانچہ میں کرتا
ٹھیک چار بجے گھر واپس گیا۔ نگرانی کی غرض و غایت سے واقف نہیں تھا اس لئے اپنی سمجھ
مطابق یہ رپورٹ مرتب کر کے آپ کی خدمت میں پیش کرنے کا فخر حاصل کر رہا ہوں۔"

"تم نگرانی کے مقصد سے واقف نہیں تھے۔" آصف نے جھلا کر کہا۔

"قطعی نہیں جناب انسپکٹر صاحب۔"

"کیا کچھ دن قبل کیواس میں ایک قتل نہیں ہوا اور تم حیرت انگیز طور پر وہاں پہلے سے
موجود نہیں تھے۔"

"آہا.... ٹھیک اب یاد آیا۔ لیکن دروازے کی نگرانی کا کیا مطلب تھا۔"

"آج رات کو مراقبہ کر کے کل جواب دوں گا۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور فوجیوں کے
میں اڑیاں بجاتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

اس وقت کمرے میں آصف اور انور کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا ورنہ آصف کو بڑی
ہوتی۔

حمید کی رپورٹ اٹھا کر اُس نے اُس کے پرزے پرزے اڑا دیئے۔ وہ اس واقعے کو آگے
لانا بھی تو کسی بناء پر۔ حماقت خود اُسی سے ہوئی تھی۔ اس نے حمید کو تحریری حکم دیا تھا کہ اُسے
کے صدر دروازے کی نگرانی کرنی ہے، لیکن اس میں اس کا تذکرہ نہیں تھا کہ اس سے اس کا
ہو گیا ہے۔ اگر وہ اس معاملے کو آگے بڑھاتا تو اُسے شرمندگی ہی اٹھانی پڑتی۔

اپنے اس حرکت کا مقصد حمید کو پریشان کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔

اُدھر حمید نے بھی تہیہ کر لیا تھا کہ اگلا پچھلا حساب اسی بار بیباق کر دے گا۔

شام کو آفس سے نکلتے وقت اس نے محسوس کیا کہ آصف اس کی تاک میں ہے اور یہ حقیقت
تھا کہ آج آصف باقاعدہ طور پر حمید کا تعاقب کر رہا تھا۔

حمید چھوٹی آسٹن میں تھا اس لئے آصف کو ٹیکسی کرنی پڑی اور حمید نے تہیہ کر لیا کہ آج

ٹیکسی ڈرائیور کو کافی فائدہ پہنچائے بغیر نہیں رہے گا۔ اس نے آر لکچنو میں رک کر نگڑا
کیا۔ آصف اس وقت بڑی مہارت کا ثبوت دے رہا تھا۔

حمید جب ویٹر کو ناشتے کے لئے ہدایات دے رہا تھا وہ بڑی پھرتی سے ڈائننگ ہال میں د
ہو کر ایک قریبی کیبن میں گھس گیا۔ حمید نے اسے کھنکھیوں سے دیکھا۔

آر لکچنو میں اُس نے سات بجا دیئے۔ کچھ دیر تک کاؤنٹر کلرک سے چھیڑ چھاڑ کرتا رہا
وارنر کی لڑکی آگئی کیونکہ آج کل وہ دونوں آر لکچنو ہی میں مل رہے تھے۔

سات بجے وہ آر لکچنو سے نکلے۔ آصف بھی کیبن سے نکل کر باہر آیا۔

حمید کی کار شہر کی گلیوں کے چکر لگانے لگی۔

"کیا بات ہے۔" لڑکی بولی۔ "آج تم آر لکچنو میں رکے نہیں۔"

"روزانہ ایک ہی قسم کی تفریح کھل جاتی ہے۔ آج کچھ اور دیکھیں گے۔"

کار سڑکوں پر چکراتی رہی اور آصف ایک ٹیکسی میں اس کا تعاقب کرتا رہا۔ اُسے یقین
حمید فریدی کے ٹھکانے سے ضرور واقف ہوگا اور روزانہ کم از کم ایک ہی بار اس سے ضر
ہوگا۔ اگر اس طرح وہ فریدی ہی کے ٹھکانے سے واقف ہو گیا تو یہ بھی اس کے لئے ایک بہ
کارنامہ ہوگا کیونکہ ڈی۔ آئی۔ جی ہر حال میں فریدی کا سراغ چاہتا تھا۔

آٹھ بجے حمید نے کار ایک گھٹیا سے شراب خانے کے سامنے روک دی اور لڑکی سے
ہوا نیچے اُتر گیا کہ وہ اس کا انتظار کرے۔ شراب خانہ بدنام قسم کا تھا۔ آصف کو کچھ سوچنے پ
ہونا پڑا۔ اس نے تھوڑے ہی فاصلے پر ٹیکسی رکوا دی۔ حمید شراب خانے میں داخل ہو چکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ شراب خانے سے نکل کر پھر کار میں آ بیٹھا۔

"کیا کرتے پھر رہے ہو تم...." لڑکی منمنائی۔

"بس اب کہیں نہ رکوں گا۔" حمید نے کہا اور کار اسٹارٹ کر دی۔

آصف کی ٹیکسی پھر اس کا تعاقب کر رہی تھی۔ اس بار حمید نے اپنی گاڑی اُس سڑک
دی، جو تار جام کی طرف جاتی تھی۔

"ہائیں کدھر جا رہے ہو۔" لڑکی گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔ وہ شہر کے باہر نکل
تھے۔

"پرواہ مت کرو۔"

"نہیں واپس چلو۔"

"پیچھے دیکھو۔" حمید نے کہا۔ "ایک کار آ رہی ہے۔ اس میں ایک ایسی عورت ہے جو

دی کرنا چاہتی ہے۔ میں اُسے بیوقوف بنانا چاہتا ہوں۔"

لڑکی مڑ کر دیکھنے لگی۔

"ہاں ہے تو۔"

"بس دیکھتی جاؤ۔ تھوڑی دور اور آگے جا کر ہم اچانک مڑیں گے اور پھر مزہ آجائے گا۔"

"کیا مزہ آجائے گا۔ نہ جانے تم کیا بک رہے ہو۔"

"وہ عورت۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "زبردستی شادی کرنا چاہتی ہے۔ اس لئے
ساڑھے چار بجے شام سے اس کا پٹرول پھکوا رہا ہوں۔ کار اس کی اپنی نہیں بلکہ ٹیکسی ہے۔ اس کے میٹر
اب تک کم از کم پچاس یا پچپن میل بنائے ہوں گے۔"

حمید نے جملہ ختم کر کے کار موڑ لی اور اُس کا رخ اب پھر شہر کی طرف تھا۔ سامنے سے آتی
ئی کار زیادہ فاصلے پر نہیں تھی۔ اچانک وہ ترچھی ہو کر حمید کی راہ میں حائل ہو گئی۔ اگر حمید
ت پورے بریک نہ لگا دیتا تو ایکسیڈنٹ لازمی تھا۔ لڑکی کا سر ڈیش بورڈ سے ٹکراتے ٹکراتے بچا
اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

حمید نے تین چار آدمیوں کو سامنے والی کار سے کودتے دیکھا اور دیکھتے ہی دیکھتے اُن لوگوں
نے حمید کی کار کو گھیر لیا۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ اور چپ چاپ باہر نکل آؤ۔" کسی نے گرج کر کہا اور اُن دونوں پر ٹارچ
روشنی پڑی۔ حمید اپنا ہاتھ جیب تک نہیں لے جا سکا کیونکہ اس کی پیشانی سے ایک ریوالور کی
لی آ لگی تھی۔

"کھینچ کر باہر نکال لو۔" ان آدمیوں میں سے ایک نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

بہر حال چند ہی لمحوں میں حمید پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ وہ کسی مصیبت میں پھنس گیا ہے
کہ اُسے بے قابو کر کے اُس کے ہاتھ پیر باندھے جا رہے تھے اور لڑکی قریب ہی کھڑی تھر تھر
پ رہی تھی۔

مسٹر بارن

نگھے کے لئے فریدی کی طرح حمید بھی غائب ہو گیا۔ دو دن ہو گئے لیکن اس کا کہیں سراغ
آصف تو جلا بیٹھا ہی تھا اُس نے وہ وہ زہر افشانیاں کیں کہ خدا کی پناہ۔

دو دن قبل جب وہ حمید کا تعاقب کر رہا تھا تو اُسے شہر ہی میں اس کا پیچھا چھوڑ دینا پڑا تھا۔ دفعتاً

ایک جگہ ٹیکسی ڈرائیور سے اس نے پوچھ لیا کہ کتنے میل بنے ہیں اور پھر جواب میں "تیس میل" سن کر اُسے اپنا پرس یاد آیا جس میں ہرگز اتنی رقم نہیں تھی، جو اس سے زیادہ سفر کا بار اٹھا سکے۔ مجبوراً اُسے تعاقب کا خیال ترک کر دینا پڑا تھا۔ حمید کے غائب ہو جانے پر اُس نے محکمے کو رپورٹ دی کہ وہ ایک انگریز لڑکی کے ساتھ تار جام کی طرف جاتا ہوا دیکھا گیا تھا۔

تیسرے دن مسز وارنر نے اپنی لڑکی کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی اور شبہ ظاہر کیا کہ اُسے کیپٹن حمید نے اغوا کیا ہے۔ آصف کی باچھیں کھل گئیں، کیونکہ وہ بھی اپنی رپورٹ میں انگریز لڑکی کا حوالہ دے چکا تھا۔

اس شام کے اخبارات نے اغواء کی اس سنسنی خیز خبر کی سرخیاں نت نئے انداز میں چھاپیں اور ہاکروں نے تو آسمان سر پر اٹھا لیا۔

گلوریا اب بھی فریدی کی کوٹھی میں مقیم تھی۔ اس نے بھی اس اغواء کی خبر پڑھی اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ وہ سچ مچ اپنی بہتیری توقعات حمید سے وابستہ کر بیٹھی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب وہ کیا کرے۔ وہاں ٹھہرے یا چلی جائے۔ اُسے کوٹھی کے نوکروں کی آنکھوں میں اپنے لئے تمسخر نظر آنے لگا تھا۔

آخر اس نے فیصلہ کیا کہ اُسے وہاں سے چلا جانا چاہئے.... وہ آدمی جس نے اُسے مصیبت میں پھنسایا تھا کیوا س ہوٹل میں قتل کر دیا گیا تھا۔ لہٰذا اب اس کی دانست میں خود اس کے لئے کوئی خطرہ نہیں رہ گیا تھا۔

اس نے ایک بوڑھے نوکر پر اپنا ارادہ ظاہر کیا لیکن اس نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے متعلق نوکروں کو کسی قسم کے احکامات نہیں دیئے گئے تھے۔

بہر حال اس نے اپنا سوٹ کیس اٹھایا اور چل پڑی۔ نوکروں نے اسے جاتے دیکھا لیکن کسی نے کا اظہار نہیں کیا۔

مسز وارنر بے خبر سو رہی تھی۔ اچانک ہنگامے کی آواز سن کر اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس کی دونوں لڑکیاں شاید اس سے پہلے ہی جاگ گئی تھیں۔

یہ فائروں کی آوازیں تھیں اور قریب ہی سے آتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ ساتھ ہی آدمیوں کے چیخنے کا شور بھی سنائی دے رہا تھا۔

وہ بوکھلا کر برآمدے میں نکل آئی۔

اور پھر حقیقت ظاہر ہونے میں دیر نہیں لگی۔ مسٹر بارن کے بنگلے پر پولیس نے ریڈ کیا تھا۔ ادھر سے بھی گولیاں چل رہی تھیں۔ مسز وارنر چکرا کر دو چار قدم پیچھے ہٹ آئی۔ وہ چند لمحے اسی طرح کھڑی رہی پھر اپنی لڑکیوں سے گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"چلو.... اندر چلو....!" وہ انہیں اندر جانے کے لئے دھکیلنے لگی۔

"کیوں ممی.... یہ کیا ہو رہا ہے۔"

"ممی کی بچی اندر چل۔"

اس نے انہیں دھکیل کر اندر کیا اور دروازہ بند کرتے ہوئے بڑبڑائی۔ "خدا رحم کرے" پھر لڑکیوں کی طرف مڑ کر بولی۔ "جاؤ اپنے کمروں میں جاؤ۔"

"کیوں ممی!.... مسٹر بارن۔"

"چلی جاؤ۔" مسز وارنر جھلا کر چیخی۔

دونوں لڑکیاں چلی گئیں۔

مسز وارنر کے چہرے پر زردی چھا گئی تھی اور اس کا سینہ لوہار کی دھونکنی کی طرح پھول اور پچک رہا تھا۔ اُس نے اپنے سینے پر ہاتھوں صلیب کا نشان بنایا۔ کچھ دیر تک اسی حالت میں کھڑی رہی لیکن ذہنی انتشار میں اضافہ ہوتا گیا۔

اچانک فائروں کی آوازیں آنی بند ہو گئیں اور یہ سناٹا بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کسی نے شور کے انتشار کے بعد دم توڑ دیا ہو۔

مسز وارنر ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کے پیر بُری طرح کانپ رہے تھے۔

پھر وہ اپنے برآمدے میں بھاری قدموں کی آواز سن کر اچھل پڑی۔

کوئی باہر سے گھنٹی بجا رہا تھا۔ مسز وارنر بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔

تین چار بار گھنٹی بجی اُس کے بعد دروازہ پیٹا جانے لگا۔ مسز وارنر اپنی حالت سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی۔

"کون ہے!" اُس نے انتہائی کوشش کے بعد اپنے حلق سے غصیلی سی آواز نکالی۔

"پولیس....!" باہر سے آواز آئی۔ "دروازہ کھولو۔"

وہ آگے بڑھی اور جی کڑا کر کے دروازہ کھول دیا۔ سامنے فریدی کھڑا تھا۔ اُس کے بال بے ترتیب تھے پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے اور چہرے پر دو ایک جگہ گہری خراشیں نظر آرہی تھیں، جن سے خون نکل کر جم گیا تھا۔

"کھیل ختم ہو گیا مسز وارنر....!" وہ مسکرا کر بولا۔

"کیسا کھیل.... آپ کون ہیں؟"

"تم مجھے اچھی طرح پہچانتی ہو.... اور کھیل بھی تمہارے لئے نیا نہیں۔ بارن کے ہتھکڑ لگ چکی ہیں۔"

"کیوں....؟ کیا کیا مسٹر بارن نے۔" مسز وارنر حیرت انگیز طور پر دلیر ہوتی جا رہی تھی۔

"اُسے اسی بات کا تو افسوس ہے کہ وہ کچھ کر نہیں پایا۔"

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"میں عبرانی یا لاطینی زبان میں گفتگو نہیں کر رہا ہوں۔ فریدی نے خشک لہجے میں کہا اور اپنے پیچھے کھڑے ہوئے سب انسپکٹر کی طرف مڑ کر بولا۔ "اسے بھی حراست میں لے لو لیونارڈ کی ایجنٹ ہے۔"

"نہیں....!" وہ ہذیانی انداز میں چیخی۔ "یہ غلط ہے۔ میں کسی لیونارڈ کو نہیں جانتی۔"

"غالباً یہ نام بھی تمہارے لئے نیا ہوگا۔"

"میں کسی لیونارڈ کو نہیں جانتی۔"

"آفیسر! تم اسے حراست میں لے لو۔" فریدی نے سب انسپکٹر سے کہا اور اس نے بڑی بے دردی سے مسز وارنر کے ہاتھ میں ہتھکڑی لگا دی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" مسز وارنر پاگلوں کی طرح چیخی۔ "یہ کیا ہو رہا ہے۔"

"کیا تم لیونارڈ سے واقف نہیں ہو۔" فریدی نے پُرسکون لہجے میں پوچھا۔

"نہیں نہیں.... نہیں۔"

"آچ.... چھا۔" فریدی چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ پھر وہ ایک الماری کی طرف بڑھا اُسے کھول کر ایک وینٹی بیگ نکالا۔ یہ مسز وارنر ہی کا تھا۔ فریدی نے اُسے کھول کر میز پر اُلٹ دیا۔ اور پھر گری ہوئی چیزوں میں سے ایک وزیٹنگ کارڈ اٹھا کر مسز وارنر کے چہرے کے قریب لے جاتا ہوا بولا۔ "یہ کیا ہے۔"

وزیٹنگ کارڈ پر بڑے حرفوں میں صرف "لیونارڈ" تحریر تھا۔

مسز وارنر نے ہاتھ پیر ڈال دیئے۔ اگر سب انسپکٹر نے اپنا داہنا بازو آگے نہ بڑھا دیا ہوتا تو گر ہی پڑی تھی۔

مسز وارنر بیہوش ہو چکی تھی۔

❁

دوسرے دن شائد ہی کوئی ایسا اخبار رہا ہو جس کے دو ایڈیشن نہ چھپے ہوں۔ "لیونارڈ کی گرفتاری" اُس دن ہاکر اسی ایک سرخی کو لئے چیختے پھر رہے تھے.... سارے اخبارات نے .... اور مسز وارنر کی تصاویر شائع کی تھیں اور پوری خبر میں یہ لطیفہ سب سے زیادہ دلچسپ کو توالی میں مسز وارنر اور لیونارڈ میں مار پیٹ تک کی نوبت آگئی تھی۔ بارن اس سے منکر تھا لیونارڈ ہے اور مسز وارنر پاگلوں کی طرح چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی کہ وہ لیونارڈ ہے اور وہ وزیٹنگ جو فریدی نے مسز وارنر کے وینٹی بیگ سے برآمد کیا تھا اُسی کا دیا ہوا تھا۔

اخبارات میں یہ بھی تھا کہ کیپٹن حمید ابھی تک لاپتہ ہے اور کرنل فریدی کا خیال ہے کہ اس زندگی میں دراصل لیونارڈ ہی کا ہاتھ تھا یہ اور بات ہے کہ ابھی تک اس نے اپنے لیونارڈ ہونے کا اعتراف نہیں کیا۔ لیکن محکمہ سراغ رسانی کو یقین ہے کہ وہ لیونارڈ ہی ہے کیونکہ وہ اُس سے کافی حد تک مشابہ ہے۔ بعض معمولی سے فرق اس بات کا ثبوت نہیں ہو سکتے کہ وہ لیونارڈ نہیں ہے کیونکہ ایسے معمولی سے فرق پیدا کرنے پر ہر آدمی قادر ہو سکتا ہے۔

مسز وارنر کی لڑکی کے اغوا کا واقعہ بھی اسی سلسلے کی کوئی کڑی معلوم ہوتا ہے۔ آخیر میں تھا کرنل فریدی اب بھی مطمئن نہیں حالانکہ لیونارڈ گرفتار کیا جا چکا ہے، لیکن پھر انہیں کئی باتیں کھٹک رہی ہیں، جن کا تذکرہ انہوں نے اخبار نویسوں سے نہیں کیا۔

مسز وارنر کے متعلق تھا کہ اس نے ایک اہم انکشاف کیا ہے۔ لیونارڈ اُس سے ایک کام لینا چاہتا تھا۔ اس نے شہر کی ایک معزز عورت (جس کا نام محکمہ سراغ رسانی ظاہر نہیں کرنا چاہتا) کو بلیک میل کرنے کے لئے جال بچھایا تھا۔ اور اُس سے ایک بہت بڑی رقم کا مطالبہ کر رہا تھا۔ پروگرام کے مطابق وہ رقم مسز وارنر ہی اُس عورت سے وصول کر کے لیونارڈ تک پہنچاتی۔

❁

لیڈی پرکاش کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور وہ قہر آلود نظروں سے فریدی کو گھور رہی تھی۔ فریدی اُسی کے ڈرائنگ روم میں تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے کچھ دیر قبل کوئی رلانے والی بات کہی ہو۔

"لیڈی پرکاش.... آخر اب اس کا اعتراف کر لینے میں کیا حرج ہے۔"

"کرنل فریدی آپ ایک معزز آدمی ہیں ورنہ میری زبان سے آپ کچھ اور سنتے۔"

"جو کچھ بھی سنتا اُس پر مجھے قطعی افسوس نہ ہوتا۔"

"آپ عجیب ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ بھی کافی مشغول آدمی ہوں گے۔"

"لیڈی پرکاش میں آپ سے اعتراف کرائے بغیر ہرگز واپس نہ جاؤں گا۔"

"کرنل فریدی۔" وہ پھر جھلا گئی۔ "مجھے اس پر مجبور نہ کیجئے کہ میں آپ کے آفیسروں سے آپ کی شکایت کروں۔"

"اچھا....!" فریدی ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "اگر خود لیونارڈ ہی نے مقدمے کے دوران اس کا اعتراف کر لیا تو.... اُس وقت آپ کی کیا پوزیشن ہوگی۔"

"دیکھا جائے گا۔" وہ جلدی سے کہہ گئی۔ پھر فوراً ہی سنبھل کر بولی۔ "کس بات کا اعتراف کر لے گا۔"

"یہی کہ وہ آپ کو بلیک میل کرنا چاہتا تھا۔"

"وہ کہنے ہی کیوں لگا جب کہ نہ میں اُسے جانتی ہوں اور نہ وہ مجھے جانتا ہے۔"

"اس کے باوجود بھی وہ وی آنا میں آپ سے ایک بڑی رقم وصول کر چکا ہے۔"

"کرنل صاحب! بس اب جائیے۔ میرے پاس فالتو وقت نہیں ہے۔"

"اچھا ختم کیجئے! کیا آپ کے یہاں گراموفون ہے۔"

"کیا اوٹ پٹانگ باتیں کر رہے ہیں آپ۔"

"اگر ہو تو ذرا منگوائیے۔ میں ایک ریکارڈ سن کر واپس چلا جاؤں گا۔ یہ میری آخری درخواست ہے۔ اوہ آپ تو مجھے اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے آپ کو میرے صحیح الدماغ ہونے پر شبہ ہو۔"

"واقعی کرنل! میں نہیں سمجھ سکتی۔" لیڈی پرکاش مسکرائی۔ لیکن اس مسکراہٹ میں جھلاہٹ کا عنصر بہت زیادہ تھا۔

"مجھے مایوس نہ کیجئے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

لیڈی پرکاش تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی، پھر اُس نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی کا بٹن دبایا۔ دوسرے ہی لمحے میں ایک نوکر کمرے میں داخل ہوا۔

"گراموفون اٹھالاؤ۔" اُس نے اس سے کہا۔

گراموفون آنے تک خاموشی رہی۔ ملازم نے گراموفون لا کر میز پر رکھ دیا۔ فریدی نے اپنے مینٹل سے ایک ریکارڈ نکالا۔

لیڈی پرکاش حیرت سے فریدی کو دیکھ رہی تھی۔ نوکر جا چکا تھا۔ فریدی گراموفون پر ریکارڈ چڑھا کر لیڈی کی طرف مڑا۔

"....لیڈی پرکاش....!" گراموفون سے کسی مرد کی آواز آئی۔

نہ آواز ایک قہقہے کے ساتھ۔ "دریائے ٹیمز کی مچھلیوں میں سے ایک۔"

ئیے.... میری درخواست سنئے۔" لیڈی پرکاش کی آواز تھی۔ "میں سردست اتنی بڑی م نہیں کر سکتی! رحم کیجئے۔"

پرکاش ارب پتی ہے۔" مرد کی آواز۔

ک ہے! لیکن میں انہیں کیا بتاؤں گی۔ کیا بہانہ کروں گی۔ تین لاکھ بہت ہوتے ہیں۔"

شش کرو.... ورنہ انجام تم جانتی ہو۔"

ں سب کچھ جانتی ہوں۔ اچھا فی الحال مجھے معاف کیجئے۔ میرے یہاں مہمان ہیں۔ میں دوں گی۔ وہ انجام میں پسند نہیں کروں گی جس کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے۔"

جا.... لیکن بہت جلد۔ میں زیادہ انتظار نہیں کروں گا۔"

ری نے ساؤنڈ بکس اٹھا دیا.... اس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی.... اور ش اس طرح ڈھیلے ڈھالے انداز میں صوفے میں دھنسی ہوئی تھی جیسے اُسے یقین ہو کہ دیر بعد مر جائے گی۔

ب آپ کیا کہتی ہیں۔" فریدی نے کہا۔

ی پرکاش صرف تھوک نگل کر رہ گئی۔

ردانہ آواز کیپٹن حمید کی تھی۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

یکھئے کک کرنل۔" لیڈی پرکاش جملہ پورا کرنے کی بجائے اپنی پیشانی پر پسینے کی بوندیں نے لگی۔

ں آپ کی بدنامی نہیں پسند کروں گا۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ بت ہی نہ آئے، ورنہ آپ اس ریکارڈ کے مصرف سے تو واقف ہوں گی.... ظاہر ہے کہ ارڈ کے مقدمے کے دوران میں عدالت میں پیش کیا جائے گا۔"

اوہ.... کرنل....!"

لیکن نہیں! آپ کا ماضی خواہ کچھ رہا ہو۔ لیکن اب تو آپ باعزت طور پر زندگی بسر کر رہی ں یہ کبھی نہ چاہوں گا کہ آپ سر پرکاش کی نظروں میں ذلیل ہو جائیں۔ اگر یہ ریکارڈ میں پیش کیا گیا تو مجبوراً آپ کو اُن قابل اعتراض تصویروں اور خطوط کا تذکرہ کرنا پڑے ارڈ کے قبضے میں ہیں اور جن کی قیمت وہ تین لاکھ طلب کر رہا ہے۔"

پھر آپ کیا چاہتے ہیں۔"

"میری مدد کیجئے۔"

"میں نے لیونارڈ کو گرفتار تو کرلیا ہے لیکن وہ اس بات کا اعتراف نہیں کرتا کہ وہ لیو ہے۔ حالانکہ وہ لیونارڈ سے بہت کچھ مشابہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ مشابہت کوئی خاص بات نہیں بہتیرے لوگ دوسروں سے مشابہ ہوتے ہیں۔"

"لیکن آپ کے پاس اس کی دوسری نشانیاں بھی تو ہوں گی۔" لیڈی پرکاش بولی۔ "مثلاً پرنٹس۔ انہیں وہ کیسے جھٹلائے گا۔"

"یہی تو مصیبت ہے۔" فریدی نے کہا۔ "سب کچھ تھا لیکن اُس نے اپنا کیس بیگ پہلے دفتر سے غائب کرادیا تھا۔"

"خیر.... بہر حال.... میں آپ کی مدد کیسے کرسکتی ہوں۔"

"اس نے رقم سمیت آپ کو کہاں بلایا تھا اور آپ کو وہاں کب جانا ہے۔"

"کل رات کو جانا تھا.... مگر وہ تو جیل میں ہے۔"

"کہاں جانا تھا۔"

"کمٹالی کے میدان میں۔"

"تو آپ کل ضرور جایئے گا۔"

"کیوں! اب تو وہ جیل میں ہے۔"

"کسی سے کہیئے گا نہیں۔" فریدی نے رازدارانہ انداز میں کہا۔ "وہ آج رات کو جیل سے فر ہو جائے گا۔"

"میں آپ کی کوئی بات نہیں سمجھ سکتی۔"

"اوہو....! میں اُسے دوبارہ موقعہ واردات پر پکڑنا چاہتا ہوں۔"

"میں سمجھ گئی۔"

"سمجھ گئیں نا....!" فریدی مسکرانے لگا۔

اپاہج لیونارڈ

لیڈی پرکاش ایک بجے رات سے دو بجے تک کمٹالی کے سنسان علاقے میں لیونارڈ کا انتظا کرتی رہی، لیکن وہ نہیں آیا۔ آخر وہ تھک ہار کر واپس آگئی وہ اپنے ساتھ پوری رقم لے گئی تھی۔ دوسرے دن اُسے ٹیلی فون پر پھر اُسی آدمی کی خوفناک آواز سنائی دی جسے وہ کئی بار سن چکی تھی۔

وہ کہہ رہا تھا۔ "میں وہاں موجود تھا لیڈی پرکاش.... لیکن مصلحتاً تم سے نہیں ملا۔ کیا تم بتا ی ہو کہ میری گرفتاری کی خبر سننے کے باوجود بھی تم وہاں کیوں آئی تھیں۔"

"کیونکہ میں لیونارڈ سے اچھی طرح واقف ہوں۔ ایک بار لندن میں بیک وقت دس عدد ارڈ پیدا ہوگئے تھے۔ پولیس نے دسوں کو پکڑ لیا لیکن اس کے باوجود بھی اس کی رسائی لیونارڈ ں نہیں ہوئی۔"

"تم بہت عقل مند ہو۔ لیڈی پرکاش! چلو اس عقلمندی کے صلے میں میں ایک لاکھ معاف ا ہوں۔ تم صرف دو ہی لاکھ لانا۔"

"شکریہ.... مگر اس بار مجھے وہ تصویریں اور خطوط واپس مل جانے چاہئیں۔"

"مطمئن رہو.... ایسا ہی ہوگا۔"

"میں کیسے یقین کرلوں۔ پچھلی بار وی۔ آنا میں بھی تم نے مجھے دھوکا دیا تھا۔"

"اس بار ایسا نہیں ہوگا لیڈی پرکاش۔ مطمئن رہو۔"

"تو پھر میں کب آؤں۔"

"پرسوں بارہ بجے رات کو۔"

"اچھا میں آؤں گی۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہوگیا۔

لیڈی پرکاش نے کاغذ کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر پنسل سے گھسیٹ دیا۔ "پرسوں بارہ بجے ت کو۔" اور پرزے کو مٹھی میں دبائے ہوئے عمارت کے اس حصے میں چلی گئی جہاں کبوتر رکھے ے تھے۔ ایک کبوتر دوسروں سے الگ ایک پنجرے میں بند تھا۔ لیڈی پرکاش نے اُسے نکالا اور کے پرزے کو اس کے پیر میں پڑے ہوئے چھلے سے لگی ہوئی ایک نلکی سے ٹھونس دیا۔

یہ نامہ بر فریدی ہی نے اُسے دیا تھا تاکہ وہ اُسے حالات سے مطلع کرتی رہے۔

لیڈی پرکاش نے کبوتر کو فضا میں اچھال دیا۔ کبوتر نے بلند ہو کر عمارت کے گرد چکر لگایا اور یک طرف اڑتا چلا گیا۔

لیڈی پرکاش فریدی سے پورا پورا تعاون کررہی تھی کیونکہ فریدی نے اُس دن اُسی کے نے نہ صرف وہ ریکارڈ توڑ دیا تھا بلکہ وعدہ کیا تھا کہ لیونارڈ کے پاس اُس کے لئے بلیک میلنگ کا جو بھی سامان ہوگا کسی کو دکھائے بغیر ضائع کردیا جائے گا۔

❁

رات تاریک تھی.... اور کمٹالی کا لق ودق میدان حد درجہ ڈراؤنا معلوم ہورہا تھا لیکن ایک

عورت اُس رونگٹے کھڑے کر دینے والے ماحول میں بے خوف و خطر لیونارڈ جیسے خطرناک آدمی کا انتظار کر رہی تھی۔

آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور کسی وقت بھی بارش ہو سکتی تھی۔ لیڈی پرکاش بارہ سے ایک تک انتظار کرتی رہی لیکن کوئی نہ آیا۔ آخر اُسے سوچنا ہی پڑا کہ لیونارڈ مآل اندیشی سے کام لے رہا ہے۔ ہر ہر طرح اپنا اطمینان کرنا چاہتا ہے۔ ممکن ہے وہ آج بھی نہ آئے۔

لیکن سارا میدان تو سنسان پڑا تھا۔ اگر فریدی دوبارہ لیونارڈ کی تاک میں ہے تو کم از کم وہ تو یہاں موجود ہی ہوگا۔

لیڈی پرکاش اپنی کار میں بیٹھ گئی۔ اس وقت حقیقتاً اس کے پاس دو لاکھ کی رقم بڑے نوٹوں کی شکل میں موجود تھی۔ تھوڑی دیر بعد اُسے یہ سوچ کر خوف محسوس ہونے لگا کہ کہیں کوئی دوسرا ہی اُسے نہ لوٹ لے۔

لیڈی پرکاش نے بے تحاشہ کار اسٹارٹ کی اور بڑی تیز رفتاری سے سڑک تک لائی۔

سڑک سنسان پڑی تھی۔ وہ برابر رفتار تیز کرتی جا رہی تھی۔ اچانک اس نے محسوس کیا کہ ایک دوسری کار بھی بالکل اُسی کار کے برابر چل رہی ہے۔ لیڈی پرکاش کے ہاتھ پیر پھول گئے۔

"لیڈی پرکاش....!" دوسری طرف کی کار سے آواز آئی۔ بولنے والا لہجے کے اعتبار سے انگریز معلوم ہوتا تھا اور اس نے اُسے انگریزی ہی میں مخاطب کیا تھا۔

"ہاں میں ہوں۔" لیڈی پرکاش سہمی ہوئی آواز میں بولی۔

"گاڑی روک دو۔ میں مطمئن ہوں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

لیڈی پرکاش نے رفتار کم کر دی۔

"اندر کی لائٹ جلا دو۔" دوسری کار سے آواز آئی۔

لیڈی پرکاش نے اپنی کار کے اندر روشنی کر دی اور پھر بریک لگا کر انجن بند کر دیا۔ دوسری کار بھی رک گئی اور اس پر سے ایک آدمی اُترا۔

"رقم کہاں ہے؟" اس نے پوچھا۔

لیڈی پرکاش نے پچھلی سیٹ پر پڑی ہوئے چمڑے کے تھیلے کی طرف اشارہ کیا۔

اس نے اُسے اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

"ٹھہریئے۔" لیڈی پرکاش بولی۔ "میری چیزیں میرے سپرد کیجئے۔"

لیکن وہ پچھلی سیٹ سے تھیلا اٹھا چکا تھا۔

اُس نے اُسے اپنی کار میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "لیڈی پرکاش! میرے پاس سب کچھ محفوظ

ایسی جلدی بھی کیا ہے۔ میں ابھی یہاں بہت دنوں تک قیام کروں گا۔"

"اور مجھے بدستور بلیک میل کرتے رہو گے۔"

"نہ! نہ ہرگز نہیں لیڈی پرکاش۔ تم بہت معزز عورت ہو۔ میں نے مجبوراً تمہیں تکلیف دی اب میں تمہارا دوست ہوں۔ آئندہ ہم دوستوں کی طرح ملیں گے اور تم اونچے حلقوں میں تعارف کراؤ گی۔"

"میں سمجھی۔" لیڈی پرکاش ایک لمبی سانس لے کر بولی۔ "یعنی مجھے چارہ بنا کر دوسروں کو پھنساؤ گے اور میں مجبوراً تمہارا آلہ کار بنی رہوں گی۔"

"تم بہت ذہین ہو۔ لیڈی پرکاش! اچھا شب بخیر.... بہت جلدی تم سے ایک معزز آدمی کی حیثیت سے تمہارے گھر ہی پر ملاقات کروں گا۔"

"ٹھہرو پیارے....!" قریب ہی سے ایک تیز قسم کی سرگوشی سنائی دی اور لیونارڈ بے ساختہ چونک پڑا۔ لیڈی پرکاش کی کار کی اسٹپنی کے قریب ایک آدمی کھڑا تھا۔ لیکن تاریکی کی وجہ سے پہچانا نہیں جا سکتا تھا۔

"میرے ہاتھ میں ریوالور ہے.... لیونی ڈارلنگ۔" نووارد بولا۔ "اور اُس کا رخ تمہاری ہی طرف ہے۔ اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔"

لیڈی پرکاش نے فریدی کی آواز صاف پہچان لی اور اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

لیونارڈ نے دیوانوں کی طرح فریدی پر چھلانگ لگائی۔

فریدی بڑی پھرتی سے پیچھے ہٹ گیا اور لیونارڈ منہ کے بل نیچے چلا آیا۔

فریدی نے آگے بڑھ کر اپنا ایک پیر لیونارڈ کی پشت پر رکھ دیا۔

"تم جسمانی طور پر زیادہ طاقتور نہیں ہو! لیونارڈ!" فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُسے اپنے اس جملے پر شرمندہ ہونا پڑا۔ کیونکہ اس کی ٹانگ اب لیونارڈ کی گرفت میں تھی اور وہ خود زمین پر تھا۔

لیونارڈ کسی پاگل کتے کی طرح فریدی کو بھنبھوڑ رہا تھا۔ اچانک اس کی گردن فریدی کی گرفت سے نکلی اور ساتھ ہی ایک گھونسے نے جو اس کی ناک پر پڑا اُسے بدحواس کر دیا۔

لیڈی پرکاش نے ایک دل ہلا دینے والا منظر دیکھا۔ وہ ہاتھ میں ٹارچ لئے اُن دونوں پر جھکی ہوئی لڑ رہی تھی۔

"لیونارڈ....!" فریدی اس کی ٹانگ مروڑتا ہوا کہہ رہا تھا۔ "اب تم بھی جیل خانے سے نہیں نکل سکو گے۔"

لیونارڈ کی چیخ دور تک سناٹے میں لہراتی چلی گئی۔ پھر دوسری چیخ.... اور اس کے بعد وہ بیہوش ہو گیا۔

فریدی نے اس کے دونوں پیر ٹخنوں سے اُتار دیئے تھے۔

"لیڈی پرکاش....!" فریدی سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ "میں آپ کا مشکور ہوں۔"

"کیا آپ نے اس کے پیر توڑ دیئے ہیں۔"

"ہاں لیڈی پرکاش اور یہ اب زندگی بھر پیروں کے بل کھڑا نہ ہو سکے گا۔ میں اپنے دشمنوں کو جان سے نہیں مارا کرتا۔ ایسا کرنے سے انتقام کی لذت ختم ہو جاتی ہے۔"

"انتقام! کیا پچھلے دنوں آپ پر اسی نے حملہ کیا تھا۔"

"ہاں! اس کے علاوہ اور کون کرتا۔ اس کی گاڑی سے اپنا تھیلا اٹھا لیجئے۔ اچھا شب بخیر۔ آپ کی چیزیں حاصل ہوتے ہی آپ تک پہنچا دی جائیں گی۔ مطمئن رہئے۔ کسی کو اُن کی ہوا بھی نہ لگنے پائے گی۔ اچھا ٹاٹا۔"

لیڈی پرکاش نے لیونارڈ کی کار سے تھیلا اٹھایا اور چند لمحے کھڑی فریدی کو دیکھتی رہی اور پھر اپنی کار میں بیٹھی ہوئی بولی۔ "میں مرتے دم تک آپ کی احسان مند رہوں گی۔"

"اس کی ضرورت نہیں لیڈی پرکاش....!" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

لیڈی پرکاش کی کار فراٹے بھرتی ہوئی اندھیرے میں غائب ہو گئی۔

❁

"یار کیا تماشہ بنا رکھا ہے تم نے۔" ڈی۔ آئی۔ جی فریدی پر جھلا گیا۔

"کتنے لیونارڈ پکڑو گے۔" اُسے سوتے سے اٹھ کر آنا پڑا تھا۔ رات کے تین بجے تھے۔

"اب ایک بھی نہیں پکڑوں گا۔ جناب یہ آخری تھا۔"

"آخر یہ ہے کیا! ایک کو تم نے جیل میں ٹھونس رکھا ہے اور اب یہ دوسرا۔ جب تمہیں یقین نہیں تھا تو تم نے بارن کو خواہ مخواہ کیوں ذلیل کیا۔ جانتے ہو اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ وہ محکمے پر مقدمہ قائم کر دے گا۔ سفارتی پیمانے پر ہمارے خلاف کارروائی ہو گی۔"

"اگر بارن نے اس کی جرأت کی تو میں اس کی ہڈیاں توڑ دوں گا۔" فریدی نے کافی سنجیدگی سے کہا اور ڈی۔ آئی۔ جی ہتھے سے اکھڑ گیا۔

"تو پھر غیر ذمہ دارانہ گفتگو سے پرہیز کیا کرو۔"

"میں ٹھیک عرض کر رہا ہوں۔" فریدی مسکرایا۔ "بیچارا حمید ہر حال میں بیچارا ہے، طرح دل چاہے اُسے استعمال کیجئے۔"

"کیا مطلب....!"

"بارن دراصل آپ کا پرانا خادم حمید ہے۔ کچھ دن تک میں نے بھی بارن کا رول ادا کیا ہے اور اُس مخصوص موقع کے لئے حمید پر بارن کا میک اپ کر دیا تھا۔"

"میں کچھ نہیں سمجھا۔"

"شروع سے عرض کرتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور اپنی جیبیں ٹٹول کر رہ گیا۔

"اوہ.... سالگا لو سگار....!" ڈی۔ آئی۔ جی مضطربانہ انداز میں بولا۔ "تمہارے لئے اجازت ہے۔ تم میرے سامنے سگار پی سکتے ہو۔ بہت پہلے کہہ چکا ہوں اور بیان جاری رکھو۔"

"شکریہ۔" میں نے آٹھ گھنٹے سے سگار نہیں پیا۔ فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ اُس نے دو تین کش لئے اور پھر بولا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ داستان کہاں سے شروع کروں۔ ویسے اگر میں اتنا پیچیدہ راستہ نہ اختیار کرتا تو لیونارڈ تک پہنچنا محال ہو جاتا۔ لیکن اس وقت یہ اس طرح پکڑا گیا ہے، جیسے کوئی چوہا چوہے دان میں آپھنسے۔ بہر حال لیونارڈ کے کیس بیگ سے اس داستان کا آغاز ہوتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ریکارڈ روم سے اپنا کیس بیگ غائب کرا دینے کے بعد ہی سے اس نے مجھ پر حملے شروع کئے تھے۔ کیس بیگ غائب کرانے کا مقصد صرف یہ تھا کہ لیونارڈ اس بار اپنے صرف اُن ایجنٹوں سے رابطہ قائم کرے جن تک میری پہنچ نہیں ہوئی تھی۔ ظاہر ہے کہ مجھے جن ایجنٹوں کا علم تھا میں نے ان کا حوالہ اپنی رپورٹ میں دیا تھا اور رپورٹ کیس بیگ میں محفوظ تھی لیکن دو تین نام ایسے بھی تھے جن کا حوالہ دینا میں بھول گیا تھا۔ لیونارڈ انہیں لوگوں سے اس بار کام لیتا رہا ہے۔ وہ کل تین تھے۔ اُن میں سے ایک کیواس ہوٹل میں قتل کر دیا گیا اور بقیہ دو کو اس وقت تک سارجنٹ رمیش نے گرفتار کر لیا ہوگا۔ لیونارڈ کے گرد اپنا جال مضبوط کرنے کے لئے مجھے بہت کچھ کرنا پڑا ہے۔ اس کا جو ایجنٹ کیواس میں قتل کیا گیا تھا اُسی نے مجھ پر اس کی لڑکی گلوریا کے فلیٹ سے گولی چلائی تھی اور پھر اُسے گلوریا نے اس کی غیر معمولی قسم کی انگلیوں کی وجہ سے پہچان لیا۔ لیونارڈ کو شائد اس کی خبر ہو گئی اور اس نے اُسے قتل ہی کرا دیا۔ کیواس ہوٹل کے جس کمرے میں اس کی لاش پائی گئی تھی وہاں لیونارڈ کا ایک دوسرا ایجنٹ مقیم تھا اور اُس کے متعلق مجھے شبہ تھا کہ وہ لیونارڈ کی قیام گاہ سے واقف ہے۔ لہٰذا میں بہت قریب سے اس کی نگرانی کرتا رہا۔ دوسری طرف ایک دوسرے چکر میں بھی تھا۔ اسکیم یہ تھی کہ میں ایک دوسرا لیونارڈ بھی پیدا کر دوں جو لیڈی پرکاش سے رقم وصول کرنے کی کوشش کرے اس کے لئے میں نے دیدہ دانستہ لیونارڈ کی ایک ایسی ایجنٹ عورت کا انتخاب کیا جس کا حوالہ میں اپنی رپورٹ دے چکا تھا۔ مسز وارنر.... اور پھر میں اس سے بڑے ڈرامائی انداز میں ملا۔ میں بارن کے میک اپ میں تھا۔ یعنی میں نے

قریب قریب خود کو لیونارڈ کا ہم شکل بنالیا تھا۔ پھر میں نے مسز وارنر کو یقین دلادیا کہ میں لیونارڈ ہوں۔"

فریدی نے وہ طریقہ بتایا جس سے اس نے مسز وارنر سے تعارف حاصل کیا تھا۔

ڈی۔ آئی۔ جی بے اختیار مسکرا پڑا۔

فریدی نے بیان جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "میں دراصل اُس دن دو مختلف قسم کے جال بچھانا چاہتا تھا۔ ایک تو بحیثیت بارن مسز وارنر سے تعارف حاصل کرنا اور دوسرا.... وہ اور زیادہ دلچسپ ہے۔ لیکن حمید کا موڈ پٹنے کے بعد بہت زیادہ خراب ہو گیا تھا اس لئے اس نے میرے بتائے ہوئے دوسرے کام پر اُسی وقت لعنت بھیج دی۔ ورنہ شاید لیونارڈ اسی رات کو پکڑ لیا گیا ہوتا۔ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ کیواس ہوٹل والے ایجنٹ پر مجھے شبہ تھا کہ وہ لیونارڈ کے ٹھکانے سے واقف ہے۔ دوسرا طریقہ جو میں نے اختیار کرنا چاہا تھا اگر حمید نے اُس پر اُسی رات عمل کر ڈالا ہوتا تو وہ ایجنٹ لیونارڈ کے پاس جانے پر مجبور ہو جاتا اور میں اس کا تعاقب کر کے لیونارڈ تک پہنچ جاتا۔"

فریدی نے چند لمحے خاموش رہنے کے بعد مینڈکوں کے پنجرے والا لطیفہ دہرایا۔

"لیکن اس بے تکی حرکت کا مقصد۔" ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔

"میں عموماً بے تکی ہی حرکتیں کرتا ہوں۔" فریدی کا لہجہ قدرے ناخوشگوار ہو گیا، لیکن اس نے فوراً ہی خود کو سنبھال کر ہنستے ہوئے کہا۔ "کیواس کے مالک کو صفائی کا خبط ہے اور وہ اس طرح میز پر کہنیاں ٹیک کر بیٹھتا ہے کہ بعض اوقات دور سے دیکھنے پر پہلی نظر میں کوئی بہت بڑا مینڈک معلوم ہوتا ہے۔ لیونارڈ کا ایجنٹ اُسے مینڈک کہہ کر چڑایا کرتا تھا۔ ایک بار دونوں میں اسی بات پر جھگڑا بھی ہو گیا تھا۔ میں نے یہ ماجرا دیکھ کر ہی وہ اسکیم مرتب کی تھی۔ بہر حال ادھر مینڈکوں والا ہنگامہ برپا ہوا اور ادھر میں نے لیونارڈ کے ایجنٹ کو فون کیا.... لیکن جواب نہ ملا۔ تدبیر یہ تھی کہ میں اُسے اس ہنگامے کی اطلاع دیتے ہوئے بتاتا کہ شہزاد چھرالے کر اُس کے کمرے کی طرف آرہا ہے اُسے شبہ ہے کہ پنجرے میں مینڈک وہی لایا ہے۔ میں اُسے یہ بھی بتاتا کہ میں بھی اُسی ہوٹل کا ایک کرائے دار ہوں اور نہیں چاہتا کہ اُسے کوئی گزند پہنچے پھر وہ جس راستے سے بھی نکل کر بھاگتا اُس کی.... مڈبھیڑ حمید سے ضرور ہوتی۔ ویسے بیچارے حمید کو ابھی تک یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ مینڈکوں والی حرکت کا مقصد کیا تھا اور.... لیکن وہ اسکیم ناکام رہی۔ میرا خیال ہے کہ حمید کو وہاں دیکھ کر یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا کہ اُسی کی حرکت ہو گی اور پھر بدحواسی میں وہ لیونارڈ کی قیام گاہ ہی کا رخ کرتا۔"

"لیکن خود کو لیونارڈ پوز کرنے میں کیا مصلحت تھی۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے پوچھا۔

"مقصد محض یہ تھا کہ لیونارڈ کو ذہنی انتشار میں مبتلا کیا جا سکے.... مسز وارنر کے ذریعے میں نے تھوڑی سی بلیک میلنگ بھی کی ہے اور مسز وارنر میرے ہی کہنے پر لیڈی پرکاش کے گرد منڈلاتی رہی ہے۔ میں نے بحیثیت لیونارڈ شہر کے بعض چھٹے ہوئے بدمعاشوں سے بھی رابطہ قائم کر رکھا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لیونارڈ کے دونوں ایجنٹ میرے چکر میں رہنے لگے۔ اور لیونارڈ کی توجہ کچھ دنوں کے لئے فریدی کی طرف سے ہٹ گئی اور پھر اُس کے ایجنٹوں نے کئی بار فریدی کو بھی نقلی لیونارڈ کے بنگلے کے آس پاس منڈلاتے دیکھا اور پھر انہوں نے ایک دن یہ بھی دیکھا کہ نقلی لیونارڈ یا بارن نے ایک دن اپنے بدمعاشوں کی مدد سے کیپٹن حمید اور وارنر کی لڑکی کو اغوا کر لیا اور یہ بات بھی لیونارڈ کے نوٹس میں آئی کہ مسز وارنر نے اسی لڑکی کے اغواء کے الزام میں حمید کے خلاف رپورٹ درج کرائی ہے۔ لیونارڈ سچ مچ بوکھلا گیا۔ اس نے میری طرف سے بالکل توجہ ہٹالی اور سارا زور بارن پر صرف کرنے لگا۔ اُسے ڈر تھا کہ کہیں نقلی لیونارڈ لیڈی پرکاش والی رقم پر نہ ہاتھ صاف کر جائے۔

پھر جب حمید کو میں نے بارن بنا کر جیل خانے میں پہنچا دیا تو لیونارڈ کو ایک گونہ اطمینان ہوا اور اس نے پہلے مجھ سے نپٹنے کی بجائے یہی بہتر سمجھا کہ لیڈی پرکاش سے جتنی جلد ہو سکے رقم وصول کر لے.... اور پھر جناب آپ کا یہ خادم دو بار مرتے مرتے بچا ہے۔" فریدی خاموش ہو کر مسکرانے لگا۔

"کیوں؟ کیسے؟" ڈی۔ آئی۔ جی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کسی کار کی اسٹپنی میں دو تین گھنٹے تک بند رہنے کا اتفاق ہوا ہو تا تو آپ صحیح اندازہ کر سکتے۔ میں دو راتیں اس قسم کی حرکت کر چکا ہوں.... لیڈی پرکاش کی اسٹپنی میں گھس کر بیٹھنا اور وہ بھی اس طرح کہ لیڈی پرکاش کو خبر نہ ہو۔ وہ لیونارڈ کی مطلوبہ رقم لے کر کمٹالی کے میدان میں گئی تھی۔ پہلی رات لیونارڈ نے اس کے قریب آنے کی ہمت نہیں کی اور اُسے یونہی واپس آنا پڑا۔ غالباً لیونارڈ یہ دیکھتا رہا ہو گا کہ کہیں پولیس بھی تو کمٹالی کے میدان سے دلچسپی نہیں لے رہی ہے.... اور رات وہ اچھی طرح اپنا اطمینان کر لینے کے بعد لیڈی پرکاش سے ملا۔ لیکن اس کی موت لیڈی پرکاش اپنے ساتھ لئے پھر رہی تھی۔ میں نے لیڈی پرکاش کی کار کی اسٹپنی سے نکل کر لیونارڈ پر حملہ کر دیا.... یہ ہے پوری داستان۔"

"اور اس بار پھر تم نے تنہا ہی سب کچھ کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"مجبوری تھی جناب کسی کار کی اسٹپنی اتنی بڑی نہیں ہوتی کہ اس میں بیک وقت دو آدمی سما سکیں.... اور بھیڑ بھاڑ کا انجام تو آپ جانتے ہی ہیں۔ پولیس کی مدد سے میں اُسے لاکھ برس میں

بھی نہ گرفتار کر سکتا۔"

فریدی خاموش ہو گیا.... اچانک ایک سرکاری ڈاکٹر کمرے میں داخل ہوا۔

"اس کے دونوں پیر شائد ہمیشہ کے لئے بیکار ہو گئے ہیں اور اس طرح اکھڑے ہیں کہ بٹھانا قریب قریب ناممکن ہے۔ شاید اب وہ پیروں کے بل کبھی نہ کھڑا ہو سکے۔"

فریدی مسکرا کر بولا۔

"اب لیونارڈ خود ہی عدالت میں پھانسی کی استدعا کرے گا۔ شاید وہ اپاہج ہو کر زندہ رہنا پسند کرے۔"

فریدی خاموش ہو کر فرش کی طرف دیکھنے لگا۔

ڈی۔ آئی۔ جی نے اس پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور نہ جانے کیوں خود بخود کانپ کر رہ گیا۔

ختم شد

ابنِ صفی

جلد نمبر
16

جاسوسی دنیا

50- پاگل خانے کا قیدی

51- شعلوں کا ناچ

52- گیارہواں زینہ



پیشرس

پاگل خانے کا قیدی ملاحظہ فرمایئے۔ اس میں فریدی اور حمید سے ملئے۔ حمید کی دلچسپیاں اس کی شرارتیں اور رام گڈھ کی پُراسرار فضاؤں میں پروان چڑھنے والی یہ کہانی کتنی دلچسپ اور کتنی معرکۃ الآرا ہے۔ اس کا فیصلہ بھی آپ ہی کر سکیں گے لیکن میں اتنا ضرور کہوں گا کہ ابن صفی کے اندازِ بیان نے اردو میں جاسوسی ناول لکھنے والوں کے لئے ایک نئی طرح ڈالی ہے، جو اپنی مثال آپ ہے۔ جاسوسی ادب میں ابن صفی کے معیار پر پہنچنا ایک لمبے عرصے تک شاید کسی کے لئے بھی ممکن نہیں ہوگا۔ وہ قاری کو کہانی کے تانے بانے میں اس طرح الجھا دیتے ہیں کہ پڑھنے والا اس وقت تک ناول ہاتھ سے نہیں چھوڑ تا جب تک اسے ختم نہ کر لے۔ پاگل خانے کا قیدی بھی ایسی ہی کہانی ہے، جسے آپ ایک ہی نشست میں پڑھنا پسند کریں گے۔

پبلشر

ایک سفر

کمپارٹمنٹ میں کئی افراد تھے۔ لیکن سب خاموش تھے۔ ٹرین فراٹے بھر رہی تھی.... کمپارٹمنٹ ایئر کنڈیشنڈ تھا ورنہ لوگ سکون سے مطالعہ کرنے اور اونگھنے کی بجائے بہت شدت سے بچین نظر آتے کیونکہ کمپارٹمنٹ کے باہر مئی کا آتش بار سورج اپنی قہرانگیزی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

کمپارٹمنٹ میں دو کافی خوبصورت لڑکیاں بھی تھیں۔ اسی لئے کیپٹن حمید پر اختلاج قلب کا دورہ پڑ گیا تھا، جہاں حسن ہو وہاں سناٹا اُسے غیر فطری معلوم ہوتا تھا اور کسی غیر فطری ماحول میں جسمانی نظام کا متاثر ہونا ضروری ہے لہٰذا اس پر اختلاج کا دورہ پڑ گیا۔

فریدی ایک کافی ضخیم کتاب میں سر کھپا رہا تھا۔ مطالعہ میں انہماک اور چیز ہے اور اس کے انداز سے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی لائبریری کے وسیع کمرے میں تنہا بیٹھا ہو۔ سگار سلگاتے وقت بھی اس کی نظر کتاب ہی پر ہوتی تھی۔ یہ کسی جرمن مصنف کی تصنیف جرمن ہی زبان میں تھی۔

فریدی کمپارٹمنٹ میں بیٹھے ہوئے تمام افراد سے مختلف نظر آ رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ دوسرے لوگ بار بار اُسے دیکھتے تھے۔ لوگوں کے دیکھنے پر تو حمید کو کوئی اعتراض نہ تھا۔ لیکن وہ لڑکیاں.... وہ دونوں فریدی میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہی تھیں۔ دلچسپی لینے کی بات ہی تھی کیونکہ فریدی ایک بار بھی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔ ہر وہ نوجوان ایسی لڑکیوں کے لئے عجوبہ ہوگا، جو انہیں نظر انداز کر کے اس طرح مطالعہ میں مشغول ہو جائے کہ ایک آدھ بار

نظروں کا تصادم بھی نہ ہو سکے۔ ویسے وہ لڑکیاں حقیقتاً اتنی ہی پرکشش تھیں کہ ایک معمر آدمی درد سر کا بہانہ کر کے بار بار آہیں بھر رہا تھا اور انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے کبھی کبھی بڑبڑانے بھی لگتا تھا۔

لڑکیوں کے ساتھ بھی ایک معمر آدمی تھا۔ اس کی آنکھیں دھندلی تھیں۔ لیکن پھر بھی اُن سے مترشح ہوتا تھا کہ وہ بہت ذہین اور پڑھا لکھا آدمی ہے۔ چہرہ بیضوی اور ڈاڑھی مونچھوں سے بے نیاز تھا۔ پیشانی اونچی اور بہت کشادہ... سر پر برف کے سے شفاف بال جنکی تعداد پر شائد عمر کی زیادتی بھی اثرانداز نہیں ہو سکی تھی۔ مجموعی طور پر اُس کا چہرہ نرم دل شفیق آدمیوں کا سا تھا۔

اس نے بھی اکثر فریدی کے انہماک کو توجہ اور دلچسپی کی نظر سے دیکھا تھا۔ حمید اس پر اور زیادہ کباب ہوا تھا.... لیکن.... اس وقت اُسے کچھ سوجھ ہی نہیں رہا تھا۔ لوگ اس کی طرف عموماً اسی وقت متوجہ ہوتے تھے جب وہ اپنے مخصوص انداز میں بولنا شروع کرتا تھا اور فریدی کی شخصیت ایسی تھی کہ دوسرے اُسے ہر حال میں دوبارہ دیکھنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

حمید سوچنے لگا کہ اب اُسے زبردستی بوڑھے سے جان پہچان پیدا کرنی چاہئے، لیکن فی الحال کوئی طریقہ نہیں سوجھ رہا تھا۔ اس نے فریدی کی طرف دیکھ کر ایک ٹھنڈی سی سانس لی اور پھر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ وہ بہت شدت سے بور ہو رہا تھا۔ وہ پندرہ منٹ بھی خاموش رہنا پسند نہیں کرتا تھا، چہ جائیکہ متواتر چار گھنٹے.... اُسے چار گھنٹے چار سال معلوم ہوئے تھے۔ چار گھنٹے سے اس نے زبان نہیں کھولی تھی اور اب قریب ہی تھا کہ اُکتاہٹ دردسر میں تبدیل ہو جائے، اچانک اُس کی نظر ایک رومال پر پڑی، جو باتھ روم کے قریب فرش پر پڑا ہوا تھا۔ یہ رومال حمید نے اس بوڑھے کے ہاتھ میں دیکھا تھا جو لڑکیوں کے ساتھ تھا۔

وہ اٹھ کر باتھ روم کی طرف گیا اور رومال اٹھا کر لڑکیوں کی سیٹ کی طرف بڑھا۔

"یہ رومال شائد آپ کا ہے۔" حمید نے بوڑھے سے کہا۔

"اوہ.... جی ہاں.... شکریہ....!" بوڑھا رومال لیتا ہوا مسکرایا اور پھر آہستہ سے بولا۔ "آپ شائد اُن صاحب کے ساتھ ہیں۔"

"جی ہاں.... وہ بڑے بھائی ہیں میرے۔" حمید نے مغموم لہجے میں کہا۔

"بیٹھئے....!" بوڑھا ایک طرف کھسکتا ہوا بولا۔ "وہ تو بے تحاشا پڑھنے والوں میں سے معلوم

ہوتے ہیں۔"

"شکریہ....!" حمید بیٹھتا ہوا بولا۔ "جی ہاں! بظاہر ایسا ہی ہے۔"

"بظاہر....!" بوڑھے نے دہرایا۔

لڑکیاں خاموش ہو گئیں۔ شائد وہ اُن کی گفتگو سننے لگی تھیں۔

"جی ہاں! کوئی خاص بات نہیں۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ اس کی آواز حد درجہ غمناک ہو گئی تھی۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔" بوڑھے نے دلچسپی کا اظہار کیا۔

"ایک بہت بڑی بدنصیبی جناب.... وہ ایک جرمن مصنف کی کتاب ہے۔"

"ہاں ہے تو.... میں نے باتھ روم کی طرف جاتے وقت دیکھا تھا۔"

"لیکن وہ جرمن نہیں جانتے۔" حمید نے کہا۔

"کیا بات ہوئی.... واہ....!" بوڑھا ہنسنے لگا۔ لڑکیاں بھی مسکرائیں۔ حمید نے دیکھا کہ بات نہیں بنتی تو وہ بوکھلا کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا فریدی اس وقت کتاب کو چہرے کے برابر اٹھائے دیکھ رہا تھا اور کتاب الٹی تھی شائد وہ کوئی چارٹ تھا جسے وہ الٹ کر دیکھ رہا تھا۔

"وہ دیکھئے....!" حمید جلدی سے بولا۔ "کیا کتاب الٹی نہیں ہے۔"

"اَ....ہا.... ٹھیک ہے۔" بوڑھے نے کہا۔

اتنے میں فریدی نے چارٹ دیکھ کر کتاب پھر زانو پر رکھ لی۔

"مگر....!" حمید آہستہ سے بولا۔ "وہ لوگوں پر رعب ڈالنے کے لئے ایسا نہیں کرتے۔"

"میں سمجھا تھا واقعی کوئی ذہین اور سنجیدہ لڑکا ہے۔" بوڑھے نے منہ بنا کر کہا۔

"آپ غلط سمجھے ہیں۔ وہ جاہل نہیں ہیں۔ آکسفورڈ سے ایم۔اے کیا تھا۔ یہی کہا تھا میں نے کہ یہ ایک بہت بڑی بدنصیبی ہے۔"

"کیا بدنصیبی ہے۔" بوڑھے نے اکھڑے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"یہ پاگل ہیں۔" حمید نے گلوگیر آواز میں کہا اور اپنی بھیگی ہوئی آنکھیں خشک کرنے لگا۔

"کیا مطلب....!" بوڑھا حمید کو گھورتا ہوا بولا۔ "اور آپ انہیں اس طرح لئے پھر رہے ہیں۔"

"آپ مطمئن رہیں۔ یہ اُس قسم کے پاگل نہیں ہیں کہ دوسروں کے لئے دردسر بنیں۔ یہ

صرف اپنے لئے خطرناک ہیں۔"

"وہ کیسے....!" بوڑھا پھر دلچسپی لینے لگا تھا اور لڑکیاں بھی آپس کی گفتگو بند کر کے بوڑھے کے شانے پر جھک آئی تھی۔

"ابھی اور اسی وقت....!" حمید آہستہ سے بولا۔ "ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اُٹھ کر کوٹ پہنیں، چھڑی اٹھائیں اور چلتی ہوئی ٹرین سے اس طرح نکل جائیں جیسے اپنے کمرے سے نکل کر ٹہلنے جا رہے ہوں۔"

"اوہ....!" بوڑھا سر ہلا کر رہ گیا پھر حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔ "دوسروں سے جھگڑتے تو نہیں۔"

"نہیں جناب! وہ کسی سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔ جھگڑنا کیسا....!"

"گھر والوں کے ساتھ برتاؤ کیسا ہے۔" بوڑھے نے پوچھا۔

"کسی سے کوئی غرض ہی نہیں رکھتے۔ جرمن اور فرانسیسی زبانوں سے عشق ہے۔ ہر ماہ سینکڑوں روپے کی کتابیں خریدتے ہیں لیکن انہیں اسی طرح لئے بیٹھے صفحات الٹا کرتے ہیں۔"

"دیکھا تم نے....!" بوڑھا لڑکیوں کی طرف مڑ کر بولا۔ "یہ صاحبزادے مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"لاحول ولا قوۃ....!" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر اٹھتے ہوئے کہا۔ "بزرگوں نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ مسافرت میں اجنبیوں سے گفتگو کرنے میں دولت و عزت کا زیاں ہوتا ہے۔"

"بیٹھو! بیٹھو!" بوڑھا اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھاتا ہوا بولا۔ "میں گرہ کٹ نہیں ہوں، اس لئے دولت کے زیاں کا خطرہ نہیں۔ عزت اس لئے خطرے میں نہیں کہ میں نے تمہیں گالیاں نہیں دیں.... کہاں پڑھتے ہو....! کس ایئر میں....!"

"میں اب کسی بات کا جواب نہ دوں گا۔" حمید جھنجھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "مجھ سے بہتر میرا بھائی ہے، جو کبھی کسی سے گفتگو نہیں کرتا۔"

"کیا تمہارے بیان میں صداقت تھی۔"

"نہیں میں جھوٹا ہوں اور اس مسئلے پر کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔"

"میں مذاق سمجھا تھا۔" بوڑھے نے سنجیدگی سے کہا۔ "مجھے اُن کے حالات بتاؤ۔ مجھے لوگ ذہنی امراض کا اسپیشلسٹ کہتے ہیں۔ تم لوگ شائد رام گڈھ جا رہے ہو۔"

"ہاں ہم وہیں جا رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"کس غرض سے۔"

"علاج کے علاوہ اور کیا غرض ہو سکتی ہے۔ ویسے وہ یہی سمجھتے ہیں کہ گرمیاں گذارنے کے لئے رام گڈھ سے زیادہ بہتر اور کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔"

"ہاں.... آں.... میں حالات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ ممکن ہے کچھ مدد کر سکوں۔"

"حالات....!" حمید نے لڑکیوں کی طرف دیکھ کر ایک طویل سانس لی۔ "میں بتا سکتا ہوں لیکن آپ وعدہ کیجئے کہ میرا مذاق نہیں اڑایئے گا۔ ابھی ابھی آپ نے مجھے خواہ مخواہ شرمندہ کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"اوہو! اُسے بھول جاؤ میاں لڑکے۔ میں بھی غلطی پر نہیں تھا۔ آج کل طالب علموں میں دوسروں کو بیوقوف بنانے کا مرض عام ہے حالانکہ یہ بھی ایک قسم کا چھچھورا پن ہے۔ بچوں کی سی عادت.... خود نمائی کا خبط.... ہاں تو تم مجھے بتاؤ۔"

"کیا عرض کروں بچپن ہی سے گم سم رہتے آئے ہیں اور ان کی حالت تو آپ کے سامنے ہے۔ حالات مضحکہ خیز ہیں۔ مثلاً رات کو ٹہل کر آئے چھڑی کو بستر پر ڈال کر لحاف اوڑھا دیا اور خود جا کر چھڑی کی جگہ کونے میں کھڑے ہو گئے.... دیکھئے.... آپ لوگ ہنس رہے ہیں نا.... لاحول ولا قوۃ۔"

حمید بُرا سا منہ بنا کر خاموش ہو گیا۔ لڑکیاں واقعی ہنس رہی تھیں۔

"ہو سکتا ہے.... ہو سکتا ہے۔" بوڑھا سر ہلا کر بولا۔ "ویسے اس قسم کی باتوں پر ہنسی تو ضرور آئیگی۔ میں تمہیں جھوٹا نہیں سمجھتا.... ہاں اچھا.... عام حالات میں یادداشت کی کیا کیفیت ہے۔"

"اُدھار لیتے ہیں.... لفظ اُدھار یاد رہتا ہے لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ لیا تھا یا دیا تھا۔ لہٰذا کم از کم گھر والے تو انہیں قرض دیتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ اُن بیچاروں کو قرض دے کر عموماً پشیمان ہونا پڑتا ہے کیونکہ یہ زبردستی اتنی ہی رقم پھر کسی موقع پر موصول کر لیتے ہیں کہ تم نے فلاں دن مجھ سے قرض لیا تھا.... اب واپس کرو۔"

"واقعی عجیب کیس ہے۔" بوڑھے نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "شادی ہو گئی ہے۔"

"اچھا ہی ہوا کہ ابھی تک نہیں ہو سکی۔"

"خواہش کرتے ہیں۔" بوڑھے نے پوچھا۔

"نہیں.... البتہ مجھ سے کہتے ہیں کہ اب تم شادی کرلو۔"

بوڑھا تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ بالکل ٹھیک ہیں۔ گھر والوں کو بیوقوف بنا رہے ہیں۔"

"ہائیں! کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ بچپن سے اب تک بیوقوف ہی بناتے آرہے ہیں۔"

"بچپن میں کیا کیفیت تھی۔"

"بچپن میں حالات پریشان کن تھے۔ والد صاحب کے ساتھ بازار گئے اور اچانک والد صاحب کو احساس ہوا کہ وہ اُن کے ساتھ نہیں ہیں۔ ہوا یہ تھا کہ کسی دوسرے کے ساتھ اُس کے گھر تک پہنچ جاتے تھے۔ کھانے بیٹھے تو سالن کے بجائے روٹیوں سے چاول کی پلیٹ صاف کرگئے۔ مار پڑی تو ہنستے ہنستے بیدم ہوگئے۔"

"اور اس کے باوجود بھی.... تم کہتے ہو کہ انہوں نے ایم۔اے کیا ہے۔"

"یہی تو خاص بات ہے جناب! ڈاکٹروں کی عقل چکر میں ہے۔ ایک صاحب ان کی سائیکوانیلیسس کرنے بیٹھے تھے۔ وہ تھپڑ پڑا تھا کہ آج تک یاد کرتے ہوں گے۔"

"تھپڑ....!" ایک لڑکی نے حیرت سے دہرایا۔

"جی ہاں! میں نہیں جانتا کہ اس طریقے کا کیا نام ہے۔ بہر حال ماہر نفسیات نے ان سے کہا کہ وہ لفظ کہے گا اور بھائی صاحب اس کے جواب میں دوسرا لفظ کہیں گے۔"

"اوہ.... اچھا اچھا....!" بوڑھے نے سر ہلایا۔

"جی ہاں.... ماہر نفسیات نے پہلا لفظ ازار بند کہا۔ بھائی صاحب بولے آؤٹ آف ڈیٹ۔ اُس نے کہا نیل پالش.... آپ نے فرمایا چھچھوندر.... پتہ نہیں اور کیا کیا اوٹ پٹانگ چلتی رہی۔ آخر میں ماہر نفسیات نے کہا گالی.... آپ نے تھپڑ کہہ کر ہاتھ گھمادیا۔"

لڑکیاں ہنس پڑیں اور بوڑھا بولا۔ "وہ کوئی عطائی رہا ہوگا۔ اس کیس کے لئے یہ طریقہ لغو ہے ویسے کیس دلچسپ اور انوکھا ہے۔ آپ رام گڈھ میں کہاں ٹھہریں گے۔"

"کسی ہوٹل میں....!"

"مجھے خوشی ہوگی اگر آپ میرے ساتھ قیام کریں۔" اُس نے فریدی کی طرف دیکھتے

ہوئے کہا، جو اس وقت بھی کتاب کو الٹ کر اپنے چہرے کے برابر اٹھائے ہوئے تھا۔ "یہ کیس میرے لئے بہت دلچسپ ہے۔ اس طرح میرے تجربے میں بھی اضافہ ہوگا۔"

"مگر.... میں کیسے عرض کرسکتا ہوں۔ انہیں پر رضامند کرلینا آسان کام نہ ہوگا۔"

"کیوں انہیں کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔"

حمید کچھ سوچنے لگا۔ اس نے یہ بکواس محض اس لئے شروع کی تھی کہ لڑکیوں کو کچھ دیر ہنسانے کے بعد اُن سے بے تکلف ہو جائے گا، لیکن حالات نے سنجیدگی اختیار کرلی۔ اچانک اس نے بوڑھے سے پوچھا۔

"آپ کا ذاتی ہسپتال ہے۔"

"ذاتی ہسپتال بھی ہے اور میں سرکاری مینٹل ہسپتال کے میڈیکل بورڈ کا چیئرمین بھی ہوں۔"

"حمید پھر کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔

"مگر جناب.... میں ابھی کوئی واضح جواب نہیں دے سکتا۔"

"دیکھئے گا! اگر ہوسکے تو! ویسے اس میں آپ ہی کا فائدہ ہے۔"

کہاں تو حمید اس چکر میں تھا کہ کچھ تفریح حاصل کرے گا اور کہاں اب اُسے خلجان میں مبتلا ہو جانا پڑا۔ بات ایسی ہی تھی۔ اگر وہ بوڑھا واقعی مینٹل ہسپتال کے میڈیکل بورڈ کا چیئرمین تھا تو فریدی سے رام گڈھ میں اس کی ملاقات یقینی تھی کیونکہ فریدی جس کام کے لئے رام گڈھ جارہا تھا وہ وہاں کے پاگل خانے ہی سے تعلق رکھتا تھا حالانکہ حمید کو اس نے تفصیل نہیں بتائی تھی مگر پھر بھی وہ اس سے تو واقف ہی تھا کہ پروگرام میں پاگل خانہ بھی شامل ہے۔

لڑکیاں پھر گفتگو میں مشغول ہوگئی تھیں، لیکن بار بار اُن کی نظریں فریدی کی طرف ضرور اٹھتی تھیں اور شائد موضوع گفتگو بھی فریدی ہی تھا۔

بوڑھا بڑبڑا رہا تھا۔ "واقعی یہ کیس دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس سلسلے میں اس کی جو حجامت بننے والی ہے اُس کا ذمہ دار وہ خود ہی ہوگا۔

تین ریوالور

تھوڑی دیر بعد وہ پھر فریدی کے پاس جا بیٹھا اور ایسی مسکین صورت بنائی جیسے کمسنی ہی میں والدین کے سائے سے محروم ہو گیا ہو۔

ساری تفریح کرکری ہو کر رہ گئی تھی اور اب وہ سوچ رہا تھا کہ کس طرح معاملات کو برابر کرے۔

"غالباً اب ٹرین کسی اسٹیشن پر رکنے والی ہے۔" فریدی کتاب پر نظر جمائے ہوئے بڑبڑایا۔

"کافی کے لئے کہہ دینا۔"

"نہیں ڈائینگ کار میں چلیں گے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"اس کی کیا ضرورت ہے۔"

"بس یونہی دل چاہتا ہے۔"

"غیر ضروری حرکتوں سے احتراز کیا کرو۔"

"یہ میری ضد ہے۔ آپ کبھی میرا کہنا نہیں مانتے۔ آپ کو چلنا ہی پڑے گا۔"

"آہا.... کوئی خاص بات....!"

"بس اٹھئے! ٹرین رک رہی ہے۔"

"اگر لو لگ گئی تو....!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ کے بدلے میں مر جاؤں گا.... بس....!"

فریدی نے کتاب بند کر کے رکھ دی۔ لیکن لڑکیوں کو یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ وہ اب بھی اُن کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ البتہ بوڑھے سے دو ایک بار نظریں ملیں اور پھر وہ حمید سے بولا۔ "چلو! پتہ نہیں کیوں بور کرنا چاہتے ہو۔"

گاڑی ایک اسٹیشن پر رکی تھی وہ دونوں کمپارٹمنٹ سے اُتر کر ڈائینگ کار میں جا بیٹھے۔

"ہاں! کیوں لائے ہو یہاں....!" فریدی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"آپ جانتے ہیں کہ میں بالکل گدھا ہوں۔"

"میرے جاننے نہ جاننے سے کیا ہوتا ہے۔"

"میں ہمیشہ غلطیاں کرتا رہا ہوں۔"

"نہیں ہمیشہ تو نہیں۔ تم کہنا کیا چاہتے ہو۔"

"ٹھہریئے بتاتا ہوں۔" حمید نے کہا اور ویٹر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ کافی کا آرڈر دینے کے بعد وہ پھر بولا۔ "آپ کی عزت میرے ہاتھ میں ہے۔"

"میری عزت! کیا مطلب....!"

"اوہ.... معاف کیجئے گا۔ میں بہت زیادہ کنفیوز ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ میری عزت آپ کے ہاتھ میں ہے بلکہ ہم دونوں کی عزت۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس کے ہاتھ میں ہیں۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ آپ کی ہاں یا نہیں پر دونوں کی عزتوں۔"

"میرا خیال ہے کہ یہاں ڈائینگ کار میں اس وقت کوئی عورت بھی موجود نہیں ہے پھر کیوں تم میرا وقت برباد کر رہے ہو۔"

"اچھا تو سنئے! اگر آپ پاگل ہیں تو ٹھہرنے کا بھی معقول انتظام ہو سکتا ہے۔"

"میں جا رہا ہوں۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ لیکن ٹرین حرکت میں آچکی تھی۔ مجبوراً اُسے پھر بیٹھ جانا پڑا۔

"مجھ سے ایک حماقت ہو گئی ہے۔" حمید نے بسور کر کہا۔

"ارے بکو بھی کچھ....!"

"کیا آپ مجھے معاف کر دیں گے۔"

"معاف کرنے سے پہلے گلا ضرور گھونٹ دوں گا۔ مجھے بور نہ کرو۔"

"اگر میں کسی سے یہ کہوں کہ آپ کا ذہنی توازن بچپن ہی سے بگڑا ہوا ہے تو آپ میرے ساتھ کیا برتاؤ کریں گے۔"

"میں سچ مچ پاگل ہو کر تمہیں گولی مار دوں گا۔"

"میں بہت سنجیدگی سے گفتگو کر رہا ہوں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ ویٹر نے کافی کی ٹرے لا کر میز پر رکھ دی تھی۔ وہ سگار سلگا کر اپنے لئے کافی بنانے لگا۔ پھر وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ "تم کچھ دیر کے لئے سامنے والی برتھ پر بیٹھے تھے۔"

"جی ہاں! مجھ سے یہ حماقت سرزد ہوئی تھی۔"

"پھر! کیا بات ہے۔"

"کچھ نہیں.... میں نے اُن سے کہا تھا کہ آپ میرے بڑے بھائی ہیں۔"

"اچھا بس اب خاموش رہو۔ بھلا اس جملے میں کون سی ایسی خاص بات ہے جس کے لئے مجھ سے داد طلب کرنا چاہتے ہو۔ بے تکی باتوں پر تو ہنسی آنے سے رہی بلکہ اکثر تو تمہاری عقل پر رونے کو بھی دل نہیں چاہتا۔"

"ہائے پوری بات تو سنئے۔" حمید کراہ کر بولا.... اور پھر اُس نے مغموم سی آواز میں پوری داستان دہرا دی۔

فریدی مسکرا کر بولا۔ "چلو پروانہ نہ کرو۔ اگر مجھے تختہ مشق بنا کر تم نے تھوڑی سی تفریح کر لی تو اس میں میرا کیا حرج ہے۔ اب تم اُس سے نہایت صفائی سے کہہ سکتے ہو کہ میں ہوٹل کے علاوہ اور کہیں قیام کرنے پر رضامند نہیں۔ بات اس طرح ختم ہو جائے گی۔ تم بھی نرے ڈیوٹ ہو ڈیوٹ....!"

"ہائے....!" حمید پھر کراہا۔ "یہی تو مصیبت ہے کہ آپ کو اُس سے دوبارہ بھی ملنا پڑے گا۔ اُس وقت میری کیا پوزیشن ہو گی۔"

"ملنا پڑے گا! کیا مطلب....!" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"وہ منٹل ہاسپٹل کے میڈیکل بورڈ کا چیئرمین ہے۔"

"کیا....؟" فریدی نے کافی کی پیالی میز پر رکھ دی۔ حمید اس کی آنکھوں میں ایک عجیب قسم کی چمک دیکھ رہا تھا۔

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"ہاں! اس میں قطعی جھوٹ نہیں ہے۔ یہ بھی شامت ہی تھی۔ اگر مجھے معلوم ہوتا....!"

"مانگو، کیا مانگتے ہو فرزند....!" فریدی کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

"واپسی کا کرایہ....!" حمید نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"ایک بار پھر کہنا پڑتا ہے کہ بعض اوقات تمہاری حماقت بہت کار آمد ثابت ہوتی ہے۔"

"ہائیں تو کیا معاملہ ٹھیک ہے۔"

"بالکل ٹھیک ہے حمید صاحب! اس وقت تو گویا غیب سے مدد ہوئی ہے۔"

"ارے.... وہ مارا....!" حمید نے زبردستی ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"تو اب مجھ سے اس کا تعارف یہ کہہ کر کرا دینا کہ آپ والد صاحب کے گہرے دوستوں میں سے ہیں۔"

"اچھا تو کیا.... قیام بھی کیجئے گا اسی کے یہاں....!"

"تمہاری بات تو اُسی صورت میں نبھے گی....!" فریدی نے کہا۔

"تو پھر آپ کو خبطی بھی بننا پڑے گا۔"

"خبطی کیا! میں اس سے زیادہ بھی کچھ بننے کو تیار ہوں۔"

"اور اب مجھے ہرگز یہ نہ بتائیں گے کہ اصل چکر کیا ہے۔"

"مجھے ایک پاگل کے متعلق تحقیقات کرنی ہیں، جو دس سال سے رام گڈھ کے منٹل ہاسپٹل میں ہے اور آج سے دس سال قبل میڈیکل بورڈ کے موجودہ چیئرمین نے اسکا داخلہ وہاں کرایا تھا۔"

"تو آپ اس کے متعلق کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

"فی الحال تم معاملے کی بات کرو۔" فریدی نے کہا۔

"میں کیا کہوں! جو کہئے وہ کیا جائے۔"

"جو تمہارا دل چاہے کرو۔ میں نے خود کو تمہارے رحم و کرم پر چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"اچھا تو پھر بعد میں مجھ پر تاؤ نہ کھائیے گا۔"

"مطمئن رہو۔" فریدی نے کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔ کچھ دیر خاموشی سے سگار کا دھواں بکھیرتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔ "اس سے پہلے تم کئی بار پاگلوں کے رول ادا کر چکے ہو.... خیر ہتاؤ۔"

"نہیں کہئے کہئے....!" حمید جلدی سے بولا۔

"کچھ نہیں۔ وقت بہت برباد کراتے ہو۔ کافی دیر تک یہاں بیٹھنا پڑے گا۔ دوسرا اسٹیشن تقریباً پچاس میل کے فاصلے پر ہے۔"

"آپ کام بن جانے کی بعد بھی مجھ پر ردار کھتے رہتے ہیں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد حمید نے کہا۔ "کیا آپ مجھے اُس پاگل کے متعلق کچھ نہ بتائیں گے۔"

"کیا بتاؤں۔ اس سے زیادہ میں بھی نہیں جانتا کہ اس پاگل پر ایک عورت اور اُس کی بچی کے اغواء کا الزام ہے۔"

"اتنی ذرا سی بات کے لئے کرنل فریدی کو تکلیف دی گئی ہے۔"

"میں نے خود ہی تکلیف کی ہے۔ نجی طور پر.... تم جانتے ہی ہو کہ میں محض تفریح کی خاطر ایک ماہ کی چھٹی ہرگز نہیں لے سکتا۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کیس میں پیچیدگی ضرور ہوگی۔"

"ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی۔"

"بہر حال آپ نہیں بتانا چاہتے۔"

"کیا جاننا چاہتے ہو۔"

"کیا اس کیس سے تعلق رکھنے والے کوئی اہمیت رکھتے ہیں۔"

"ہاں! ہے تو یہی بات! ورنہ.... اوہ دیکھو! ٹرین کی رفتار کم ہو رہی ہے۔ یہ کوئی بہت ہی چھوٹا سا اسٹیشن ہوگا۔ جلدی کرو تاکہ ہم اپنے کمپارٹمنٹ تک پہنچ سکیں۔ یہاں بڑی تپش ہے۔"

حمید نے کافی کا بل ادا کیا۔ ٹرین ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر رکی اور دونوں ڈائینگ کار سے اُتر کر اپنے کمپارٹمنٹ میں آگئے۔

"ہم یہاں تو نہیں تھے۔" فریدی چاروں طرف دیکھتا ہوا بڑبڑایا۔

"یہیں تھے! بھائی صاحب۔" حمید تنگ آجانے والے انداز میں بولا۔ "یہ دیکھئے ہمارا سب سامان یہاں موجود ہے۔"

"بکواس....!" فریدی نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "کیا ساری دنیا میں ہمارا ہی سامان ایسا ہو سکتا ہے۔"

"نہیں بھائی صاحب! آپ کی یہ کتاب۔" حمید نے برتھ پر سے کتاب اٹھا کر فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"آہا.... ٹھیک.... ہم یہیں تھے۔ عام آدمی جرمن زبان سے دلچسپی نہیں رکھتے۔"

فریدی برتھ پر بیٹھ گیا۔ دوسرے مسافر انہیں گھور رہے تھے لیکن بوڑھے کا انداز دوسروں سے مختلف تھا۔

فریدی نے پھر کتاب اٹھالی۔ بوڑھا اب حمید کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی پھر پہلے ہی کی طرح مطالعہ میں گم ہو گیا۔

حمید اس کے پاس سے اٹھ کر بوڑھے کے پاس جا بیٹھا۔

"کیوں....!" بوڑھے نے پوچھا۔ "کیا آپ تیار ہیں۔"

"کیا عرض کروں میری تو ہمت پڑی نہیں کہنے کی۔ ویسے ایک تجویز ہے.... میرے ذہن .... اُف فوہ.... میری آنکھیں جل رہی ہیں۔ کہیں لُو کا اثر نہ ہو گیا ہو۔"

"جب آپ باہر جا رہے تھے میرا دل چاہا تھا کہ روک دوں۔ ٹھنڈک سے یکلخت گرمی میں چلا جانا خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ آپ بھی جانتے ہوں گے۔"

"میں کیا کرتا۔ بس سر ہی تو ہو گئے کہ ڈائینگ کار میں چل کر کافی پئیں گے۔"

"کافی! خدا کی پناہ! اس آب و ہوا میں۔"

"اب آپ ہی دیکھئے! مجبوراً مجھے بھی پینی پڑی۔ انکار کرتا تو آفت ہی آجاتی۔ وہ ٹھیک ہی مثل ہے کہ چھوٹا بھائی ہونے سے بہتر ہے کہ آدمی کتا ہو جائے۔"

"شراب بھی پیتے ہیں۔" بوڑھے نے پوچھا۔

"اس کے تو نام ہی سے نفرت ہے۔ اگر آپ کی زبان سے شراب کا نام ہی سن لیں تو کم از کم اُس گلاس میں پانی پینا پسند نہیں کریں گے جسے آپ نے استعمال کیا ہو۔"

"اچھا ہے! ورنہ شراب اور زیادہ خطرناک ثابت ہوتی۔ ہاں ابھی آپ کون سی تجویز پیش کر رہے تھے۔"

"تجویز یہ ہے کہ اگر آپ مناسب سمجھئے تو ہمارے والد صاحب کے دوست بن جائیے اور ہمیں اس رشتے کی بناء پر اپنے یہاں قیام کرنے پر مجبور کیجئے۔ شاید وہ مان جائیں کیونکہ والد صاحب کے دوستوں کا بہت احترام کرتے ہیں۔ ان کا نام کمال ہے اور میں جمال ہوں۔ والد صاحب کے نام کے لئے آپ سر افضال کا حوالہ دے سکتے ہیں۔"

"سر افضال....!" بوڑھا بڑبڑایا۔ "آپ لوگ کسی اچھے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔"

"نہیں خاندان تو کچھ ایسا زیادہ اچھا نہیں ویسے اللہ جسے چاہے عزت دے جسے چاہے ذلت دے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"جھوٹی شیخیاں بگھارنا اپنا مسلک نہیں ہے۔ پشت ہا پشت سے ہم لوگ دولت مند نہیں رہے ہیں۔ ہمارے دادا صاحب انگریزی فوج میں ایک معمولی سے سپاہی تھے۔ ترقی کرتے کرتے جنرل

کے عہدے تک پہنچ گئے تھے اور دادا کے باپ ایک معمولی کسان تھے۔"

"تم واقعی بلند خیال اور اعلیٰ کردار کے مالک ہو۔" بوڑھا مسکرا کر بولا۔ "بہت کم لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔"

"بہر حال کہنے کا مطلب یہ کہ آپ رام گڈھ کے اسٹیشن پر اچانک ہم دونوں کو پہچان لیجئے گا۔ یہاں کمپارٹمنٹ میں نہیں۔ ورنہ بھائی صاحب کو شبہہ ہو جائے گا اور وہ فوراً یہ سوال کر بیٹھیں گے کہ آپ نے اتنی دیر میں کیوں پہچانا.... اور وہاں اسٹیشن پر وہ یہ بات بھول چکے ہوں گے کہ ہم سب نے ایک ہی کمپارٹمنٹ میں سفر کیا تھا۔"

"اتنی جلدی بھول جاتے ہیں۔"

"جی ہاں۔ قطعی۔ میرا دعویٰ ہے کہ وہ یہ بھی بھول گئے ہوں گے کہ ابھی ہم دونوں ڈائننگ کار میں تھے۔ ہاں مگر وہ کتاب جو جرمن یا فرانسیسی میں ہو اُسے وہ کبھی اور کسی حال میں نہیں بھولتے۔ اکثر کہتے ہیں کہ میں کسی جرمن یا فرانسیسی لڑکی سے شادی کروں گا، ورنہ میری زندگی تلخ ہو جائے گی۔"

"بھئی یہ کیس انوکھا ہے۔" بوڑھا مضطربانہ انداز میں ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

"ایک بار کا ذکر ہے۔" حمید کوئی لطیفہ چھیڑنے ہی جا رہا تھا کہ اس نے فریدی کو اپنی جگہ سے اٹھتے دیکھا۔

"خدا خیر کرے۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ فریدی پھر بیٹھ گیا۔ وہ مضطربانہ انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔ حمید اس کی طرف بڑھا۔

"تم کہاں چلے گئے تھے۔" فریدی غرایا۔

"مم.... میں.... یہیں تو تھا۔"

"میری چھڑی کہاں ہے۔"

"چھڑی.... دیکھئے ہم ٹرین میں ہیں۔"

"آہا.... لاحول ولا قوۃ.... بھئی یہ گاڑی کب پہنچے گی۔"

قبل اس کے حمید کوئی جواب دیتا۔ اُس نے کمپارٹمنٹ کے تین آدمیوں کو ریوالور نکالتے ہوئے دیکھا۔

"کوئی اپنی جگہ سے جنبش نہیں کرے گا۔" اُن میں سے ایک نے چیخ کر کہا اور بقیہ لوگ جو نہتے تھے بوکھلا گئے۔ معاملہ کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آیا۔

کار پر فائرنگ

فریدی نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدلا۔ حمید کو تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اچانک اس کے سامنے کسی جاسوسی ناول کا کوئی باب کھل گیا ہو۔ یہ تینوں آدمی کمپارٹمنٹ میں اس وقت موجود نہیں تھے جب وہ کافی پینے کے لئے ڈائننگ کار کی طرف گئے۔ غالباً ان کے جانے کے بعد ہی وہ کمپارٹمنٹ آئے ہوں گے۔

لوگوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں لیکن حمید نے بوڑھے ڈاکٹر کی حالت میں کسی قسم کی بھی تبدیلی محسوس نہ کی۔ وہ نہایت سکون کے ساتھ ان تینوں کو دیکھ رہا تھا۔ البتہ اس کی دونوں لڑکیاں خوفزدہ نظر آ رہی تھیں۔

تقریباً آدھے منٹ تک یہی کیفیت رہی۔ پھر اچانک اُن تینوں نے اپنے ریوالور جیب میں ڈال لئے اور ان میں سے ایک نے نہایت سنجیدگی سے کہنا شروع کیا۔ "یہ اور اسی قسم کے دوسرے انجانے حادثے.... زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ آپ سفر پر جا رہے ہیں خوش ہیں۔ لیکن کسی کو غیب کا حال نہیں معلوم۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس کی موت کب اور کس طرح آ جائے۔ یہ ٹرین کسی دوسری ٹرین سے لڑ سکتی ہے۔ گاڑی پر ڈاکوؤں کا حملہ ہو سکتا ہے پھر.... کیا ہو گا۔ عقلمند وہی ہے جو آج ہی کل کا بندوبست کر لے۔ کل کا بندوبست یہ ہے کہ آپ کے بعد آپ کے بچے کسی پریشانی کا شکار نہ ہوں۔"

"میں اپنی زندگی کا بیمہ نہیں کراؤں گا۔" حمید اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر چیخا۔

اور وہ آدمی خاموش ہو گیا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر ہنس کر بولا۔ "حضرت نوحؑ کا لڑکا طوفان سے بچنے کے لئے درخت پر چڑھ گیا تھا.... ہاں تو صاحبان.... اپنی زندگی کا بیمہ کرانا نہ بھولئے.... اور گرینڈ لائف انشورنس کمپنی کو ہمیشہ یاد رکھئے۔ ہزاروں آسانیاں.... سینکڑوں کفائتیں اور کفالتیں....!"

اس نے جیب سے گرینڈ لائف انشورنش کمپنی کا لٹریچر نکال کر کمپارٹمنٹ میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ لوگوں کو غصہ تو بہت آرہا تھا لیکن نفسیاتی طور پر وہ ایک طرح کی سرور انگیز طمانیت بھی محسوس کر رہے تھے کیونکہ ابھی ابھی وہ گویا موت کے منہ سے واپس آئے تھے۔

بوڑھے ڈاکٹر نے لٹریچر نہیں لیا۔ حمید نے بھی انکار کر دیا۔ لیکن فریدی اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھاتا ہوا بولا۔ "بیٹھ جاؤ..... کیا تم اپنی زندگی کا بیمہ کرا چکے ہو۔"

"قطعی..... سو فیصدی..... میں ہی نہ کراؤں گا۔"

"اگر تم مر جاؤ..... تو تمہارے بچوں کی مالی حالت خراب نہ ہو گی..... کیوں؟"

"قطعی..... مالی اعتبار سے ان کی حالت بہتر ہی رہے گی۔"

"تو گویا تم سکون سے مر سکتے ہو۔"

"جی ہاں.....! مجھے مرتے وقت اب کوئی پریشانی نہیں ہو سکتی۔"

"تو پھر اب زندہ رہ کر کیا کرو گے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا اور اُس کے دونوں ہاتھ اُس کی گردن کی طرف بڑھ گئے۔

"ارے..... ارے.....!" وہ ایک طرف کھسک کر کھڑا ہو گیا۔

"نہیں! اب تمہاری زندگی بیکار ہے۔" فریدی بھی اٹھتا ہوا بولا۔ اس کی آنکھوں سے درندگی جھانکنے لگی تھی۔ ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُس پر سچ مچ خون سوار ہو۔

"کیا بات ہے۔ کیا معاملہ ہے۔" اس کے دونوں ساتھی چیختے ہوئے لپکے۔

"اس کی زندگی کا بیمہ کرنے جا رہا ہوں۔" فریدی غرایا۔ "اگر تمہیں اپنے بال بچوں کی مالی حالت درست کرانی ہو تو تم بھی آؤ۔"

فریدی نے اس کی گردن پکڑ لی اور کمپارٹمنٹ میں خاصی ہڑبونگ مچ گئی۔ اس کے ساتھیوں کے علاوہ دوسرے لوگ بھی دوڑ پڑے لیکن ڈاکٹر بدستور اپنی جگہ پر جما رہا اور اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

بہر حال فریدی اس کا گلا نہیں گھونٹ سکا۔ لوگوں نے اُسے الگ کر دیا تھا اور بیمہ کمپنی کا لٹریچر تقسیم کرنے والا دور کھڑا اپنی گردن سہلا رہا تھا۔

حمید اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "پرواہ نہ کرو دوست۔ مگر تم لوگوں کا طریقہ بہت انوکھا ہے۔"

"جی ہاں جناب!" وہ ایک طویل سانس لے کر اپنا گلا صاف کرنے لگا۔ پھر بولا۔ "خطرناک بھی ہے۔ بعض اوقات لوگ بہت بُری طرح پیش آتے ہیں۔"

"لیکن یہ طریقہ..... غیر قانونی ہے۔"

"ریوالور نقلی ہیں جناب اور پھر ہماری نیت میں فتور نہیں ہے۔ لوگ عموماً ہمیں معاف ہی کر دیتے ہیں۔"

"مگر یہ طریقہ.....!" حمید کچھ سوچنے لگا۔

"اس طرح لوگ ہمیشہ ہمیں یاد رکھتے ہیں اور جب وہ اپنی زندگی کا بیمہ کرانے کا ارادہ کرتے ہیں تو انہیں گرینڈ لائف انشورنش کمپنی ضرور یاد آتی ہے۔ ہمارا یہ طریقہ ابھی تک پچانوے فیصدی کامیاب رہا ہے۔ اس طرح ہم سچ مچ انہیں انجانے حادثات کے امکانات پر غور کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔"

حمید نے فریدی کی طرف دیکھا جو پھر اپنی کتاب میں ڈوب گیا تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ شروع سے اب تک اپنی جگہ سے ہلا بھی نہ ہو۔ ڈاکٹر کی تمام تر توجہ فریدی ہی کی طرف تھی اور وہ دونوں لڑکیاں بھی..... حمید کے دل پر چوٹ لگی۔

ٹرین کی رفتار پھر سست ہونے لگی تھی۔ حمید ڈاکٹر کے پاس جا بیٹھا۔

"ان لوگوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟"

"مسخرے ہیں! لیکن آپ کو یہ سن کر حیرت ہو گی کہ میں نے پہلی بار انہیں رام گڈھ کی ریلوے لائین پر دیکھا ہے اور آج تک اس قسم کے بیمہ ایجنٹوں کے متعلق کچھ سننے کا بھی اتفاق نہیں ہوا مگر آپ کے بھائی صاحب اس سے کیوں الجھ پڑے تھے۔"

حمید ہنس کر بولا۔ "ارے وہ تو بس یونہی..... اُس سے کہنے لگے۔ تم نے اپنی زندگی کا بیمہ کرایا ہے۔ اس نے کہا جی ہاں۔ آپ بولے پھر اب تمہیں مر جانا چاہئے تاکہ تمہارے بچے مالی فائدہ حاصل کر سکیں۔"

لڑکیاں ہنسنے لگیں اور بوڑھا بھی مسکرا دیا۔

"بھئی مجھے شبہ ہے۔" بوڑھے نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"کس بات پر.....!"

"ان کی دماغی حالت.... مجھے خراب نہیں معلوم ہوتی۔ بہر حال میں دیکھوں گا۔"

"کیوں آپ کو شبہہ کیوں ہے؟"

"ایک لمبی بحث ہے! تم اکتا جاؤ گے۔ بہر حال اگر میرے ساتھ قیام کرو تو....!"

حمید چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "آخر آپ نے میری باتوں پر اعتماد کیوں کر لیا۔"

"تمہارے اس سوال کا مطلب میں نہیں سمجھا۔"

"ہو سکتا ہے کہ ہم لوگ فراڈ ہوں۔ ہماری پیشانی پر تو یہ بات لکھی نہیں ہے کہ ہم جو کچھ بھی کہہ رہے ہیں سچ کہہ رہے ہیں اور ابھی آپ بھی شبہہ ظاہر کر رہے تھے۔"

"برخوردار.... تم غلط سمجھے۔ میرا یہ مقصد نہیں تھا کہ تم جھوٹے ہو بعض اوقات لوگ کسی اچھے خاصے آدمی کو بھی پاگل سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ بات صرف اتنی سی ہوتی ہے کہ وہ عام آدمیوں سے ذہنی طور پر مختلف ہوتا ہے۔"

"مختلف ہونا ہی تو پاگل پن ہے۔" حمید نے کہا۔

"ہر گز نہیں۔ مختلف ہونا پاگل پن نہیں ہو سکتا۔ ضروری نہیں کہ جو چیز میٹھی نہ ہو وہ کڑوی ہو گی.... ترش بھی ہو سکتی ہے.... نمکین بھی اور پھیکی بھی۔ میں اگر یہ کہوں کہ تم عام آدمیوں سے مختلف ہو تو اس کا مطلب یہ نہ ہو گا کہ تمہارے سر پر سینگ ہیں۔ یا تم ایک عدد سونڈ کے مالک ہو یا آدمی ہی نہیں ہو۔"

"میں سمجھ گیا آپ بالکل ٹھیک فرما رہے ہیں لیکن آخر یہ اختلاف کس قسم کا ہو سکتا ہے۔"

"اسے دیکھنا اور سمجھنا پڑے گا۔ تم کہہ رہے ہو کہ یاد داشت بھی کمزور ہے اس لئے ان کا معائنہ کئے بغیر میں قطعی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

ٹرین پھر ایک اسٹیشن پر رک گئی۔ اب پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور رام گڈھ کے پہاڑ بہت دور دھند میں لپٹے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

بیمہ کمپنی کے ایجنٹ کمپارٹمنٹ سے جا چکے تھے۔

"یہ لوگ بھی عجیب تھے۔" حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔ "مگر جناب! اس وقت پورے کمپارٹمنٹ میں صرف آپ ہی مطمئن نظر آ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے آپ اُسے مذاق ہی سمجھے ہوں۔"

"میں بھی تمہاری تعریف ہی کروں گا۔" بوڑھے نے کہا۔ "کیونکہ تمہیں اتنا ہوش تھا کہ میری دلی کیفیات کا اندازہ کر سکو! کیوں کیسی رہی۔"

"ٹھیک ہی رہی! مجھے بچپن ہی سے ریوالور مضحکہ خیز معلوم ہوتے رہے ہیں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"اوہو! تب تو مجھے تمہارا بھی نفسیاتی تجزیہ کرنا پڑے گا۔"

"نفسیاتی تجزیہ....!" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔ "لاحول ولا قوۃ۔"

"کیوں لاحول کیوں پڑھ رہے ہو۔"

"میں ابھی تک اسے تجزیاتی نفسیہ بولتا رہا ہوں۔ اب شرم آ رہی ہے۔ ان لوگوں نے مجھے جاہل ہی سمجھا ہو گا جن کے سامنے اب تک یہ لفظ دہراتا رہا ہوں۔ بہتیری چیزیں مجھے غلط ناموں سے یاد آتی ہیں۔"

"کوئی بات نہیں! تمہارا بھی علاج ہو جائے گا۔" بوڑھا مسکرانے لگا۔

"میرے خدا کیا خاندان بھر پاگل ہے۔" حمید بے بسی سے بولا۔

لڑکیاں بھی ہنسنے لگیں۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ ان میں سے ایک کچھ کہنے کیلئے بے قرار ہے۔

ٹرین پھر چل پڑی تھی۔ اب مناظر تبدیل ہو گئے تھے۔ سورج مغربی افق میں جھک رہا تھا اور چاروں طرف سرسبز پہاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ جھلسا دینے والی گرمی لطیف سی خنکی میں تبدیل ہو گئی تھی۔ اب کمپارٹمنٹ کی کھڑکیاں بھی بند نہیں تھیں۔

یک بیک فریدی پھر کھڑا ہو گیا۔ وہ کچھ مضطرب سا نظر آ رہا تھا۔

حمید اٹھ کر اُسکی طرف جھپٹا۔ فریدی بلند آواز میں بول رہا تھا۔ لیکن انداز سے یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ دوسروں کو اپنی آواز سنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر خلاء میں گھورتا ہوا کہہ رہا تھا۔ "وہ ٹھیک کہہ رہا تھا مجھے ابھی اور اسی وقت اپنی زندگی کا بیمہ کرا لینا چاہئے۔"

"اس وقت تو ناممکن ہے بھائی جان۔" حمید نے کہا۔ "ویسے آپکا خیال بالکل درست ہے۔"

فریدی پھر بیٹھ گیا۔

اس کے بعد پھر کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ حمید پھر اپنی برتھ پر آ بیٹھا۔

ٹرین آٹھ بجے رات کو رام گڈھ پہنچی اور بوڑھا ڈاکٹر پروگرام کے مطابق سچ مچ ان دونوں

سے آ ٹکرایا۔

"میرا خیال ہے کہ تم دونوں سر افضال کے لڑکے ہو۔" اس نے کہا۔

"جی ہاں.... جی ہاں.... فرمایئے۔" حمید جلدی سے بولا۔

"اوہو.... کیا مجھے نہیں پہچانا۔ میں ڈاکٹر نجیب ہوں۔"

"ہائیں آپ.... اُف فوہ.... کتنے بدل گئے ہیں۔" حمید گرمجوشی میں ہاتھ ہلاتا ہوا بولا۔

"تم شائد جمال ہو۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"جی ہاں.... اور یہ کمال بھائی جان ہیں۔"

"اوہو! کمال میاں تم تو بالکل بدل گئے ہو۔" ڈاکٹر نے فریدی کی طرف مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا، لیکن فریدی کے جسم میں حرکت نہ ہوئی۔ وہ بت کی طرح کھڑا پلکیں جھپکائے بغیر ڈاکٹر کو گھور رہا تھا۔

"اوہو! بھائی جان۔" حمید جلدی سے بولا۔ "یہ نجیب چچا ہیں والد مرحوم ان کے گہرے دوستوں میں سے تھے۔"

"اچھا....!" فریدی اس طرح چونکا جیسے اب تک خواب دیکھتا رہا ہو۔ دوسرے لمحے میں وہ جھک کر بڑی عاجزی کے ساتھ ڈاکٹر سے مصافحہ کر رہا تھا۔

"یقین مانئے! مجھے انتہائی افسوس ہے کہ میں آپ کو نہ پہچان سکا۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "توقع ہے کہ آپ میری یہ غلطی معاف کر دیں گے۔"

"کوئی بات نہیں.... کوئی بات نہیں۔" ڈاکٹر بولا۔

"نہیں کہئے کہ میں نے معاف کر دیا۔ ورنہ میں ذہنی کوفت میں مبتلا رہوں گا۔" فریدی نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"معاف کر دیا بھئی۔" ڈاکٹر ہنسنے لگا۔ "کیا اسی ٹرین سے اُترے ہو۔"

"جی ہاں....!" حمید بولا۔

"کہاں قیام ہوگا؟"

"ہوٹل میں....!" حمید نے جواب دیا۔

"کیا....؟ سر افضال کے لڑکے رام گڈھ آئیں اور ہوٹل میں قیام کریں۔ ناممکن....

قطعی ناممکن۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ تمہیں میرے یہاں قیام کرنا پڑے گا۔"

"اوہو.... دیکھئے۔" فریدی پلکیں جھپکاتا ہوا بولا۔ "آپ کو بڑی تکلیف ہوگی۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ واہ یہ بھی کوئی بات ہوئی۔" ڈاکٹر نے کہا۔ پھر اُن کے قلیوں کو ہدایات دینے لگا۔

ایک لمبی سی سیاہ رنگ کی کار میں بیٹھ کر وہ شہر کی طرف روانہ ہوگئے۔ دونوں لڑکیاں بے تحاشہ چہک رہی تھیں۔ فریدی اور حمید خاموش تھے۔ حمید کا تو دل چاہ رہا تھا کہ وہ کائیں کائیں شروع کر دے لیکن فریدی بار بار اُس کے پیر پر پیر رکھ دیتا تھا۔

یہاں کافی خنکی تھی اور حمید کو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ جہنم سے جنت میں آگیا ہو۔ مطلع صاف تھا اور اونچے پہاڑ سکوت میں ڈوبے کھڑے تھے۔

آج کا دن حمید کے لئے "عجیب" ثابت ہوا تھا لیکن وہ اس سے بے خبر تھا کہ رات "عجیب ترین" ثابت ہونے والی ہے۔ اچانک ایک موڑ پر دو تین فائر ہوئے اور کار کے اگلے پہیوں کے ٹائر برسٹ ہوگئے.... کار رک گئی۔ پھر سات آٹھ آدمیوں نے کار کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔

"لڑکیوں کو باہر نکال کر مار ڈالو۔" کسی نے چیخ کر کہا اور بوڑھا ڈاکٹر ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا کر رہ گیا، جسے فریدی اور حمید نہ سن سکے۔

"کیا سچ مچ بیمہ ہی کرانا پڑے گا۔" حمید آہستہ سے بولا۔

"یہ دو آدمی اور کون ہیں۔" کار کے اندر ٹارچ کی روشنی پڑی۔

"کمال اور جمال....!" فریدی نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔

"لڑکیوں کو باہر نکال لو۔" کسی نے پھر کہا۔

بوڑھا ڈاکٹر چپ چاپ بیٹھا رہا۔ کار کے دروازے کھلے اور لڑکیاں نیچے کھینچ لی گئیں۔ ان کے حلق سے ڈری ڈری سی آوازیں نکل رہی تھیں۔

فریدی اور حمید بھی نیچے اُتر گئے لیکن ڈاکٹر بدستور بیٹھا رہا۔ کار کی ہیڈ لائٹس اب بھی روشن تھیں اور ان کی روشنی کچھ دور کھڑی ہوئی دو کاروں پر پڑ رہی تھی۔

"تم لوگ اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو۔" ایک آدمی غرایا۔ اس کے ہاتھ میں یقیناً ریوالور ہی تھا۔ اندھیرا ضرور تھا مگر مطلع صاف ہونے کی وجہ سے کم از کم ریوالور تو نظر آسکتا تھا اور آدمیوں کی

تعداد بھی معلوم کی جاسکتی تھی۔ وہ آٹھ تھے۔

"تم لوگ کیا چاہتے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"ارے.... یہ تو وہی مردود معلوم ہوتا ہے۔" کسی نے کہا۔ "جس نے ٹرین میں میرا اگلا گھونٹنے کی کوشش کی تھی.... اس کے ہاتھ پیر تو ضرور توڑے جائیں گے۔"

جنگ اور پسپائی

حمید سناٹے میں آگیا کیونکہ اس نے بولنے والے کی آواز پہچان لی تھی اور یہ آواز اُس آدمی کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی تھی جس نے ٹرین میں ریوالور دکھا کر بیمہ کمپنی کی پبلسٹی کی تھی۔

فریدی کے چہرے پر پھر ٹارچ کی روشنی پڑی۔

"ہاں وہی ہے۔" کسی نے کہا لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی اس پر حملہ کر چکا تھا۔

"مارو.... ہاں مارو۔" وہ اُسے دبوچ کر ریوالور والے کے سامنے کرتا ہوا بولا۔

حمید بھی پہلے ہی سے تیار تھا وہ اُن آدمیوں کی بھیڑ میں گھستا چلا گیا، جنہوں نے لڑکیوں کو گھیر رکھا تھا۔

"تم سے ہمارا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ تم کون ہو۔" ریوالور والے نے فریدی سے کہا۔

جواب میں فریدی کے بازو میں جکڑا ہوا آدمی فضا میں بلند ہو کر ریوالور والے پر گرا اور دونوں بیک وقت زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ فریدی نے انہیں سنبھلنے کی مہلت نہیں دی۔ دوسرے لمحے میں ریوالور اُس کے قبضے میں آچکا تھا۔

دوسری طرف حمید نے ہنگامہ برپا کر دیا تھا۔ فریدی نے ایک ہوائی فائر کرنا چاہا مگر شائد ریوالور کا وہ چیمبر خالی تھا۔ وہ پے در پے ٹریگر دباتا چلا گیا لیکن ایک بھی فائر نہ ہوا۔

وہ دونوں زمین سے اٹھ چکے تھے۔ فریدی ان کے حملے کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن وہ چپ چاپ کھڑے رہے۔ فریدی بیوقوف نہیں تھا کہ اُسے ان کے اس رویئے پر حیرت ہوتی۔ پھر اچانک وہ فریدی پر ٹوٹ پڑے اور فریدی اس کے لئے پہلے ہی سے تیار تھا۔ وہ بڑی پھرتی سے ان کے درمیان سے نکل گیا اور ان دونوں کے سر ایک دوسرے سے ٹکرا کر رہ گئے۔ پھر فریدی تیر کی

طرح دوسرے مجمعے میں جا گھسا۔

حمید کو درحقیقت مدد کی ضرورت تھی۔ فریدی کے پہنچتے ہی پے در پے کئی چیخیں بلند ہوئیں۔ اچانک کسی نے چیخ کر کہا۔ "وہ گئے.... وہ نکل گئے۔"

بہت دور کسی کار کی عقبی سرخ روشنی آہستہ آہستہ اندھیرے میں گم ہوتی جا رہی تھی۔ نامعلوم آدمیوں کی کاروں میں سے ایک غائب تھی۔

"چلو پکڑو انہیں۔" ایک دوسری آواز سنائی دی اور وہ سب کے سب کار کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے.... فریدی اور حمید تنہا رہ گئے۔

"کیا پاگل پن ہے۔" حمید ہانپتا ہوا بڑبڑایا۔

"عجیب لوگ ہیں۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "اور ڈاکٹر نجیب.... وہ ان سے بھی زیادہ پُراسرار معلوم ہوتا ہے۔ وہ لڑکیوں اور اپنے ڈرائیور سمیت نکل گیا.... اور دیکھو.... شاید وہ دوسری کار بھی اسٹارٹ نہیں ہو رہی ہے۔"

"اور ان لوگوں کی لاپروائی بھی ملاحظہ ہو۔ ہماری طرف سے بالکل بے خبر ہو گئے ہیں۔ آپ پاگل خانے کا معائنہ فرمانے کے لئے آئے تھے.... ہاہا....!"

"دیکھو! وہ پھر اِدھر ہی آرہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اب ہمیں چھپ جانا چاہئے۔"

"اگر انہوں نے سامان پر ہاتھ صاف کر دیا تو....!"

"مجھے توقع نہیں ہے۔" فریدی نے کہا اور حمید کا ہاتھ پکڑ کر سڑک کی دُوسری جانب کی ڈھلان کی طرف کھینچنے لگا۔ وہ زیادہ نیچے نہیں گئے۔ دو تین بڑے پتھروں کی اوٹ سے وہ سڑک کا حال بخوبی دیکھ سکتے تھے۔

نامعلوم آدمیوں نے ڈاکٹر نجیب کی کار بھی اسٹارٹ کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی لیکن انہیں اس میں بھی ناکامی ہوئی۔

"بوڑھا بڑا فتین ہے۔" اُن میں سے کسی نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

"مگر وہ دونوں کہاں گئے۔"

اس کا کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُن کی نظروں میں "اُن دونوں"

کی کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔

"اب کھسک چلو یہاں سے۔" کوئی بولا۔ "ورنہ وہ یقیناً پولیس کے ساتھ واپس آئے گا۔"

"کیا پیدل ہی چلنا پڑے گا۔"

"اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں.... خیر دیکھیں گے اُسے۔"

"اگر پولیس کے ساتھ اس کی واپسی کا امکان ہو تو ہمیں سڑک بھی چھوڑنی ہی پڑے گی۔"

"چلو.... وقت نہ برباد کرو۔"

پھر وہ سب دوسری طرف ڈھلوان میں اترتے چلے گئے۔

"میں بھی پاگل ہو جاؤں گا جناب بھائی صاحب۔" حمید ایک طویل سانس لیکر آہستہ سے بولا۔

"ابھی ہمیں یہیں ٹھہرنا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ ہم پر ہاتھ ڈالنے کے لئے انہوں نے یہ تدبیر کی ہو۔"

"اور اگر نہیں تو میں انہیں پاگل ہی سمجھوں گا۔" حمید بولا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر فریدی نے کہا۔ "اُن کے پاس رائفلیں بھی تھیں، جن سے ڈاکٹر کی کار کے ٹائر پھاڑے گئے تھے۔ لیکن انہوں نے جھگڑے کے وقت انہیں استعمال نہیں کیا۔ ایک ریوالور صرف دھمکانے کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔"

"صرف دھمکانے کے لئے۔ یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔"

"محض اس لئے کہ وہ خالی تھا اور اب بھی میرے پاس موجود ہے اور پھر یہ سوچو کہ وہ بیمہ کمپنی والے بھی ان لوگوں کے ساتھ تھے۔ اس سے کیا نتیجہ اخذ کرتے ہو۔"

"اخذ کر لیا۔"

"کیا اخذ کر لیا۔"

"حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے اس وقت اخذ کے معنی نہیں یاد آ رہے ہیں۔"

"خیر پھر کبھی یاد کرنا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر سڑک کی دوسری طرف اچھال دیا۔ کئی سیکنڈ تک اسکے لڑھکنے کی آواز آتی رہی اور پھر سکوت طاری ہو گیا۔

وہ تھوڑی دیر تک اور انتظار کرتے رہے پھر فریدی پتھروں کی اوٹ سے نکل کر سڑک پر آ گیا۔

"مگر حیرت ہے کہ وہ اپنی کار بھی چھوڑ گئے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "اس کے ذریعہ تو پتہ چل

ہی جائے گا کہ وہ کون تھے۔"

فریدی کچھ نہ بولا وہ ڈاکٹر نجیب کی کار میں کچھ تلاش کر رہا تھا.... پھر وہ اسٹپنی کی طرف گیا اور ٹارچ روشن کر کے اس کا جائزہ لینے لگا۔

"سامان تو محفوظ ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

فریدی اب بھی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد وہ حملہ آوروں کی کار کی طرف جا رہے تھے۔ ٹارچ کی روشنی کار پر پڑی اور فریدی بولا۔ "وہی بات ہے جو میں سوچ رہا تھا۔"

"کیا سوچ رہے تھے۔"

"کیا تمہاری آنکھیں بند ہیں۔ یہ کوئی پرائیویٹ کار نہیں بلکہ ٹیکسی ہے۔"

"اوہ....!" حمید اس کے میٹر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

فریدی تھوڑی دیر تک اُس ٹیکسی میں بھی کچھ دیکھتا رہا پھر حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "کافی چالاک لوگ تھے۔ انہوں نے کچھ بھی نہیں چھوڑا۔"

"بہت کچھ چھوڑا ہے جناب۔"

"یعنی....!"

"ہمیں چھوڑ گئے.... یہی کیا کم ہے۔"

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ سڑک پر روشنی پھیل گئی۔ غالباً وہ تین یا چار کاریں تھیں جو آگے پیچھے اسی طرف آ رہی تھیں۔ فریدی اور حمید سڑک کے کنارے ہو گئے۔

آگے والی ایک سیاہ رنگ کی پولیس کار تھی اور وہ ٹھیک ان کے پاس ہی رک گئی۔

"خبردار اپنی جگہ سے جنبش نہ کرنا۔" کار کے اندر سے آواز آئی۔ پھر دروازہ کھلا اور یکے بعد دیگرے تین آدمی نیچے اتر آئے۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔" ان میں سے ایک بولا۔ فریدی نے فوراً اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے اور حمید نے اُس کی تقلید کی۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ یہ دوسری تفریح بھی خاصی رہے گی۔ دوسری گاڑیوں سے بھی لوگ اُتر رہے تھے۔ ذرا ہی سی دیر میں انکے گرد مسلح کانسٹیبلوں کی بھیڑ اکٹھا ہو گئی۔

"تمہارے دوسرے ساتھی کہاں ہیں۔" پولیس افسر نے فریدی اور حمید سے کہا۔

"اوہ.... جناب وہ لوگ تو بدمعاشوں کی کار لے بھاگے۔" فریدی نے جلدی سے کہا۔ "جی

ہاں.... وہ ڈاکٹر نجیب تھے.... سر افضال کے دوست.... گہرے دوست.... جی ہاں.... بدمعاشوں نے ہماری کار پر فائر کر کے اس کے اگلے ٹائر پھاڑ دیئے اور پھر حملہ کر دیا۔ ہم دونوں لڑتے رہے اور ڈاکٹر نجیب بدمعاشوں کی ایک گاڑی لے گئے.... جی ہاں۔"

"ڈاکٹر صاحب ذرا قریب آیئے۔" آفیسر نے مڑے بغیر کہا اور ایک آدمی اس کے قریب پہنچ گیا۔ فریدی اور حمید کے چہروں پر ٹارچ کی روشنی پڑی۔

"جی ہاں یہ وہی ہیں۔" انہوں نے ڈاکٹر نجیب کی آواز سنی۔

"ہاں! بتاؤ! تمہارے ساتھی کہاں ہیں۔" آفیسر نے پھر فریدی سے پوچھا۔

"اوہو....!" حمید جلدی سے بولا۔ "کیوں چچا نجیب یہ کیا معاملہ ہے۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔" نجیب نے خشک لہجے میں کہا۔ "یہ لوگ اپنے طور پر تم لوگوں پر شبہ کر رہے تھے۔"

"خیر.... خیر.... کوئی بات نہیں۔" حمید غصیلے لہجے میں بولا۔ "آپ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ہم بھی اُن لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی یہ غلط فہمی جلد ہی رفع ہو جائے گی۔"

"اپنے ساتھیوں کا پتہ بتاؤ۔" آفیسر گرجا۔

"زبردستی کا تو کوئی علاج ہی نہیں ہے۔" حمید نے کہا۔ فریدی بالکل خاموش رہا۔

اچھا....!" پولیس آفیسر غرایا۔ "ان کے ہتھکڑیاں لگادو.... اور تم لوگ کھڑے کیوں ہو.... انہیں تلاش کرو.... جاؤ۔"

سنسان سڑک بھاری قدموں کی آواز سے بجنے لگی اور ان دونوں کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی گئیں اور انہوں نے کوئی تعرض نہ کیا۔

"اچھا ڈاکٹر صاحب۔" حمید نے ایک طویل سانس لی۔ "ہمارا سامان احتیاط سے رکھئے گا۔ جلد ہی پھر ملیں گے۔"

"کیا ان کا کوئی سامان بھی ہے۔" پولیس آفیسر نے ڈاکٹر نجیب سے پوچھا۔

"جی ہاں! اگر لٹانہ ہوگا تو کار کی اسٹپنی ہی میں ہوگا۔"

"اُسے ہماری کار میں رکھوا دیجئے۔" آفیسر بولا۔

"آپ کو پشیمانی ہوگی جناب۔" حمید نے آفیسر سے کہا۔

"خاموش رہو۔"

"اچھا جناب۔"

فریدی نے حمید کے پیر پر اپنا پیر رکھ دیا اور حمید نے خاموشی اختیار کر لی۔

تقریباً ایک گھنٹے تک حملہ آوروں کی تلاش جاری رہی لیکن ان کا نشان بھی نہ ملا۔ ان دوران میں ڈاکٹر نجیب اپنی کار کے پہیے تبدیل کراتا رہا تھا۔

لیکن دونوں "مجرموں" کی روانگی کے وقت تک پہیے تبدیل نہیں ہو سکے تھے۔ اس لئے پولیس آفیسر نے وہاں دو مسلح کانسٹیبل چھوڑ دیئے اور بقیہ لوگ "مجرموں" سمیت شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

حمید ہی کے الفاظ میں پولیس آفیسر انہیں راستے بھر "بور" کرتا رہا۔ مگر اُن دونوں نے چپ سادھ لی تھی۔ اچانک کچھ دیر بعد فریدی نے پولیس آفیسر سے کہا۔

"غالباً کیپٹن ماتھر کا بنگلہ کوتوالی کے قریب ہی ہے۔"

"کیوں؟" آفیسر اُسے گھورنے لگا۔

"کچھ نہیں یونہی.... مطلب یہ ہے کہ میں کیپٹن ماتھر کے علاوہ اور کسی سے گفتگو کرنا پسند نہیں کروں گا۔"

"واہ.... راجہ صاحب۔" دوسرے آفیسر نے قہقہہ لگایا۔

"اچھا....!" حمید کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ فریدی نے اس کا ہاتھ دبا دیا۔

"ماتھر صاحب سے کوتوالی ہی میں ملاقات ہو جائے گی۔ فکر نہ کرو۔" پہلے آفیسر نے کہا۔

رام گڈھ کا ایس۔ پی کیپٹن ماتھر فریدی کے دوستوں میں سے تھا اور کسی زمانے میں اس کا کلاس فیلو بھی رہ چکا تھا۔

اس وقت اس کا کوتوالی میں موجود ہونا غیر معمولی واقعہ نہیں تھا کیونکہ ڈاکٹر نجیب شہر کی سربرآوردہ شخصیتوں میں سے تھا۔ اس نے اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعے کی اطلاع براہِ راست ماتھر کو دی تھی اور ماتھر نے ایک ڈی۔ ایس۔ پی کی سرکردگی میں پولیس کا ایک مسلح دستہ اس کے ساتھ روانہ کر دیا تھا.... مگر جب مجرم اس کے سامنے آئے تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں لیکن فریدی نے اُسے خاموش ہی رہنے کا اشارہ کر دیا۔ پھر بھی وہ کچھ نروس سا نظر

آنے لگا تھا۔ پھر وہ انہیں ساتھ لئے ہوئے ایک ایسے کمرے میں آیا جہاں اُن تینوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

فریدی نے ہنس ہنس کر اپنے ہتھکڑیاں لگنے کی واردات بیان کی۔ ساتھ ہی ماتھر بھی ہنستا رہا۔ پھر فریدی نے اس سے کہا کہ وہ ان دونوں کے متعلق کسی کو کچھ نہ بتائے اور نہ اُن سے دوبارہ ملنے کی کوشش کرے، لیکن اس نے اس کا تذکرہ نہیں کیا کہ ان کے رام گڈھ آنے کا مقصد کیا تھا اور وہ ڈاکٹر کے یہاں کیوں قیام کرنا چاہتے ہیں۔

تھوڑی ہی دیر بعد اُسی ڈی۔ ایس۔ پی کو ان کی ہتھکڑیاں کھولنی پڑیں، جو انہیں گرفتار کر کے لایا تھا۔

"میں مطمئن ہوں۔" ماتھر اس سے بولا۔ "یہ معزز لوگ ہیں۔ انہیں ان کے سامان سمیت ڈاکٹر نجیب کی کوٹھی تک پہنچادو۔ میں انکے اور انکے خاندان والوں سے ذاتی طور سے واقف ہوں۔"

"تب مجھے بہت افسوس ہے جناب۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے لجاجت سے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔" حمید بولا۔ "اکثر غلط فہمی ہو ہی جاتی ہے۔ اب براہِ کرم ہمیں ڈاکٹر کی کوٹھی تک پہنچانے میں جلدی کیجئے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ ایک پولیس کار میں اپنے سامان سمیت ڈاکٹر نجیب کی کوٹھی کی طرف جا رہے تھے۔

ڈاکٹر نجیب کوٹھی ہی میں موجود تھا اور اُس نے اُن دونوں کی واپسی کو حیرت کی نظروں سے دیکھا اور واپسی بھی ایسی جو انتہائی اعزاز و اکرام کے ساتھ ہوئی تھی۔ ڈی۔ ایس۔ پی خود ان کے ساتھ آیا تھا اور انہیں وہاں چھوڑ کر واپس جاتے وقت اُس نے بڑی لجاجت سے اُن دونوں سے معافی مانگی تھی۔

"کیا اس واقعے کے بعد بھی یہ ضروری تھا کہ تم لوگ یہیں واپس آتے؟" ڈاکٹر نجیب نے کہا۔

"آپ سے وعدہ جو کر چکے تھے۔" فریدی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"ورنہ کم از کم مجھے تو ہوٹل ہی میں آرام ملتا ہے۔ مگر میں والد مرحوم کے کسی دوست کا کہنا کیسے ٹال سکتا ہوں۔"

"اچھا.... اچھا....!" ڈاکٹر نجیب نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "میں دیکھوں گا تم زندگی بھر

میرے ساتھ رہنے کے باوجود بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکو گے۔ میں ڈاکٹر نجیب ہوں سمجھے۔"

ڈاکٹر نے ایک زہریلا سا قہقہہ لگایا اور اس کے چہرے کی نرمی یکلخت غائب ہو گئی۔ پیشانی کا وہ نور جو نرم دلی کی علامت ہوا کرتا ہے تاریکی کی چادر اوڑھ کر سو گیا۔ فریدی اور حمید اُسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

دشمنوں کا ہمدرد

ڈاکٹر چند لمحے انہیں گھورتا رہا پھر بولا۔

"میں نے ایسے ڈرامے بہت دیکھے ہیں۔ تم لوگوں کی حقیقت ہی کیا ہے۔"

"آپ نہ جانے کیا کہہ رہے ہیں۔" فریدی نے جواب طلب نظروں سے حمید کیطرف دیکھا۔

"میں کیا بتاؤں بھائی صاحب میں خود حیرت میں ہوں۔ اسٹیشن پر خود ہی ملے، خود ہی مدعو کیا۔ پھر پولیس کے حوالے کر دیا اور اب.... مگر ٹھہریئے! مجھے کچھ یاد آرہا ہے۔"

"کیا یاد آرہا ہے۔"

"ان بدمعاشوں میں میں نے اس آدمی کی آواز بھی سنی تھی جس نے کمپارٹمنٹ میں گرینڈ لائف انشورنش کمپنی کا لٹریچر تقسیم کیا تھا۔"

"اچھا....!" فریدی نے حیرت ظاہر کی۔

"اسی لئے.... ڈاکٹر صاحب....!"

"بس ختم کرو!" ڈاکٹر نجیب ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ابھی تمہارے لئے کمرے درست کرا دیئے گئے ہیں۔"

ڈاکٹر وہاں سے چلا گیا اور وہ دونوں ایک دوسرے کی صورت دیکھتے رہ گئے۔ پھر حمید نے لاعلمی اور حیرت کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنبش دی اور جیب سے پائپ نکال کر اس میں تمباکو بھرنے لگا۔

"کیا وہ ہمیں پہچانتا ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔

"خدا ہی جانے.... اور وہ گل رُخان ستم بَر بھی کہیں نظر نہیں آتیں۔" حمید بولا۔

"نہیں حمید یہ معاملہ کافی دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔"

"اچھا! دیکھئے۔ میں بوڑھے کو ٹٹولتا ہوں۔"

"یعنی....!"

"یہی کہ وہ ہماری شخصیتوں سے واقف ہے یا نہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ ہمیں نہیں جانتا۔" فریدی نے کہا۔ "ورنہ وہ ہمیں چیلنج نہ کرتا۔ اس نے یہی تو کہا تھا کہ تم میرے ساتھ زندگی بھر رہنے کے باوجود بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکو گے۔"

"ہاں کہا تو تھا۔"

"پھر تم خود ہی سوچو....!"

"دیکھئے ابھی معلوم کئے لیتا ہوں۔"

حمید وہاں سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں آیا لیکن یہ بھی خالی تھا۔ وہ آگے بڑھا، اتنے میں ایک آدمی سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ وہ کمرے میں داخل ہو رہا تھا اور شائد ڈاکٹر کا ملازم تھا۔ حمید نے اس سے ڈاکٹر کے متعلق پوچھا اور ملازم نے اُسے اس کمرے میں پہنچا دیا جہاں ڈاکٹر اپنی دونوں لڑکیوں کے ساتھ بیٹھا کافی پی رہا تھا۔

"کیا بات ہے۔" ڈاکٹر نے لاپروائی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"سنئے! جناب پہلے میں یہ سمجھا تھا کہ پولیس اپنے طور پر ہمیں لے جا رہی ہے لیکن اب معلوم ہوتا ہے خود ہی ہم لوگوں کے متعلق شبہے میں مبتلا ہیں۔"

"کیا میرا شبہہ غلط ہے۔" ڈاکٹر نے پرسکون لہجے میں پوچھا۔

"ایس۔ پی۔ ماتھر کی تصدیق پر بھی آپ مطمئن نہیں ہیں۔ دیکھئے میرا یہ مطلب نہیں کہ ہم آپ ہی کے یہاں قیام کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بات تو خود آپ ہی نے کہی تھی۔ مقصد یہ ہے کہ آپ بلاوجہ کسی شریف آدمی پر شبہہ کیوں کریں۔"

"ماتھر کی کیا حقیقت ہے آج کل اس سے بڑے بڑے بک جاتے ہیں۔" ڈاکٹر بولا۔ "کوئی بڑی رقم.... خیر میں اپنا وقت برباد کرنا نہیں چاہتا۔ تم یہاں شوق سے رہ سکتے ہو۔"

"ہم ان حالات میں یہاں ہرگز نہ رہیں گے خواہ بھائی صاحب کو مجھے باندھ ہی کر کیوں نہ لے جانا پڑے۔"

"باندھ کر کیوں لے جانا پڑے گا۔"

"وہ تو یہی سمجھ بیٹھے ہیں کہ آپ سچ مچ والد صاحب کے دوست ہیں۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "آپ نہیں جانتے کہ وہ واپسی میں راستے بھر بگڑتے آئے ہیں۔ میں یہ بات اُن کے ذہن نشین کرانا چاہتا تھا کہ آپ ہم پر شبہہ کر رہے ہیں۔ لیکن وہ برابر یہی کہتے رہے ہیں کہ نہیں پولیس اپنے طور پر ہمیں لے گئی تھی اور اُن کے اس خیال کی تائید اس ڈی۔ ایس۔ پی نے بھی کر دی، جو ہمارے ساتھ یہاں تک آیا تھا۔"

"ٹھہرو....!" بوڑھا اٹھتا ہوا بولا۔ اس نے میز کے قریب جا کر فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کئے۔

ادھر حمید لڑکیوں سے کہنے لگا۔ "انہیں یہاں سے لے جانے کے لئے خاصی ہاتھا پائی کرنی پڑے گی۔ لاحول ولا قوۃ کس مصیبت میں پھنس گیا۔ مگر ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ان لوگوں نے نہ تو سامان میں ہاتھ لگایا اور نہ ہم میں سے کسی کو مار ڈالنے ہی کی کوشش کی۔ حالانکہ ان کے پاس رائفلیں بھی تھیں اور ریوالور بھی۔"

ڈاکٹر فون پر کسی سے گفتگو کر رہا تھا۔ ایک لڑکی نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر حمید کو چپ رہنے کا اشارہ کیا اور دوسری نے ہاتھ اٹھا کر اس قسم کا اشارہ کیا جس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ تم مطمئن رہو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ پھر وہ دونوں ایک دوسری کو دیکھ کر مسکرانے لگیں اور حمید نے بڑے سعادت مندانہ انداز میں اپنے سر کو جنبش دی۔

ڈاکٹر ریسیور رکھ کر مڑتا ہوا بولا۔ "میں نے ابھی ماتھر سے گفتگو کی ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ ڈاکٹر نے سوال کیا۔ "اس نے کیا کہا ہو گا؟"

"یہی کہ ہم سر افضال کے لڑکے ہیں۔"

"اور.... کیا کہا ہو گا؟"

"اور.... اور....!" حمید کچھ سوچ کر جلدی سے بولا۔ "ہاں بھائی صاحب اُس کے کلاس فیلو بھی تو رہ چکے ہیں۔ اُس نے یہ ضرور بتایا ہو گا۔ وہ شروع ہی سے کریک رہے ہیں۔"

"اور کچھ.... اور کچھ....!"

"بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں۔"

"اُس نے بتایا کہ کمال کتوں کا شوقین ہے اور اُنکے بارے میں بہت اچھی معلومات رکھتا ہے۔"

"جی ہاں! ہمارے پاس ایک سو ساٹھ کتے ہیں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا "اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہیں پالنا قریب قریب ناممکن ہے۔ لیکن بھائی صاحب.... واقعی کمال کرتے ہیں۔"

"اچھا....!" ڈاکٹر کے لہجے میں تمسخر تھا۔ "بھئی مجھے بھی بتانا۔ وہ کس قسم کے کتے ہیں۔ مجھے بھی تھوڑی بہت دلچسپی کتوں سے ہے۔"

"مثال کے طور پر۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "افریقی جنگلی نسل کا کتا ڈنگو....!"

"خوب تو گویا تمہارے پاس یلوڈنگو بھی ہے۔"

"جی ہاں....!"

"جغرافیہ کی کتاب میں میں نے بھی یلوڈنگو کے متعلق پڑھا تھا۔" پروفیسر مسکرا کر بولا۔

"ضرور پڑھا ہوگا۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "لیکن آپ میری معلومات کو چیلنج نہیں کر سکتے۔"

"آؤ میں تمہیں اپنے کتے دکھاؤں.... اپنے بھائی کو بھی بلالو۔"

"ڈیڈی! کیا اب صبح نہ ہوگی۔" ایک لڑکی نے کہا۔

"نہیں ابھی اور اسی وقت....!" ڈاکٹر سنجیدگی سے بولا۔

حمید سمجھ گیا کہ اس کا کیا مقصد ہے لہٰذا اس نے بھی کسی قسم کی ہچکچاہٹ نہ ظاہر کی۔ وہ دونوں وہاں سے اٹھ کر اس کمرے میں آئے یہاں فریدی ایک صوفے پر نیم دراز سگار پی رہا تھا۔

"ڈاکٹر ہمیں اپنے کتے دکھانا چاہتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"اچھا....!" فریدی نے بچوں کی طرح خوش ہو کر کہا۔ "ضرور ضرور....!"

اس کی آنکھوں میں اس وقت اس بچے کی آنکھوں کی سی چمک نظر آ رہی تھی جس نے کلاس روم کی بوریت کے دوران میں اچانک چھٹی کی گھنٹی سن پائی ہو۔ ویسے حمید کے کہنے کے انداز سے اس نے بھی سمجھ لیا تھا کہ وہ کسی قسم کا امتحان ہی ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر انہیں عمارت کے اس حصے میں لایا، جہاں کتے رکھے جاتے تھے۔

اچانک ڈاکٹر کے منہ سے ایک عجیب قسم کی آواز نکلی جسے تحیر آمیز بے ساختگی کے نتیجے کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔

اور اُسے متحیر کر دینے والی چیز ربر کا ایک پائپ تھا جو راہداری میں دور تک پھیلا ہوا دکھائی دے رہا تھا اور اس کا ایک سرا سامنے والے کمرے کے دروازے کے نیچے غائب ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر نے کسی مخصوص انداز میں سیٹی بجائی اور اُسے بار بار دہراتا رہا.... پھر یک بیک وہ ربر کے پائپ کے دوسرے رخ کی طرف دوڑنے لگا اور اس کا ساتھ دینے میں فریدی نے پہل کی، پھر حمید کو بھی دوڑنا پڑا۔ وہ باہر لان پر نکل آئے۔

یہاں اندھیرا تھا۔ دفعتاً ڈاکٹر رک کر مایوسانہ انداز میں بولا۔ "ٹارچ....!"

پھر وہ دوبارہ عمارت کی طرف بھاگنے ہی والا تھا کہ فریدی نے جیب سے ٹارچ نکال لی۔

لیکن ٹارچ روشن کرتے ہی قریب کی جھاڑیوں میں گویا زلزلہ سا آ گیا۔

دوسرے ہی لمحے میں فریدی نے ٹارچ زمین پر پھینک کر جھاڑیوں میں چھلانگ لگا دی۔

حمید ٹارچ اٹھا کر اُسی طرف جھپٹا لیکن ڈاکٹر بدستور اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔

جھاڑیوں کا زلزلہ تیز ہو گیا۔ ساتھ ہی انسانی چیخیں اور کراہیں بھی فضا میں اُبھرنے لگیں۔

پھر کئی بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں دور تک سناٹے میں لہراتی چلی گئیں۔

حمید کو جھاڑیوں میں دو آدمی نظر آئے۔ ایک تو زمین پر بیہوش پڑا تھا اور دوسرا فریدی کی مضبوط گرفت میں کسی بے بس پرندے کی طرح پھڑ پھڑا رہا تھا۔

دونوں کو کھینچ کر جھاڑی سے نکالا گیا۔

ڈاکٹر اب بھی وہیں کھڑا تھا جہاں حمید نے اُسے چھوڑا تھا۔ فریدی نے دوسرے مجرم کے ہاتھ اس کی ٹائی سے باندھتے ہوئے حمید سے کہا۔ "وہاں ایک گیس سلنڈر بھی موجود ہے اور یہ پائپ اسی سے اٹیچ ہے۔"

ڈاکٹر ایک طویل سانس لے کر آہستہ سے بولا۔ "وہ سب مر گئے ہوں گے۔"

"کون....؟" فریدی نے پوچھا۔

"کتے! اُس کمرے میں کتے تھے۔ ایسے کتے جن کا یہاں ملنا مشکل ہے۔"

"اور یہ دونوں کون ہیں۔" فریدی نے ان دونوں آدمیوں کے چہروں پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ کوٹھی کے سارے نوکر شور سن کر باہر نکل آئے تھے اور انکے ساتھ ڈاکٹر کی لڑکیاں بھی تھیں۔

"میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہیں۔" ڈاکٹر کے لہجے میں سختی رخصت ہو چکی تھی۔

پھر اُس نے اپنے نوکروں اور لڑکیوں کو مخاطب کر کے پوچھا۔ "اب کوئی اندر تو نہیں ہے۔"

انہوں نے نفی میں جواب دیا اور ڈاکٹر نے انہیں تجربہ گاہ کی طرف جانے کے لئے کہا۔

دوسری طرف فریدی قابو میں آئے ہوئے آدمی سے پوچھ گچھ کر رہا تھا۔

"کمال صاحب! انہیں چھوڑ دیجئے کوئی فائدہ نہیں ہے۔" ڈاکٹر نے دفعتاً فریدی کو مخاطب کیا۔

"اوہو! شائد آپ فرشتے ہیں۔" فریدی نے ٹارچ کی روشنی اپنے چہرے پر ڈالتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ دیکھئے.... میں انہیں کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔"

اس کی پیشانی سے خون بہہ بہہ کر چہرے پر پھیل رہا تھا۔

"اوہو.... تو تم.... اب تک....!" ڈاکٹر مضطربانہ انداز میں بولا۔ "چلو.... چلو میں دیکھوں.... زمرینہ.... صبیحہ تم تجربہ گاہ میں جا کر ڈریسنگ کا سامان تیار کرو۔"

"ہرگز نہیں....!" فریدی نے کسی ضدی بچے کے سے انداز میں کہا۔ "جب تک میں ان سے اس حرکت کی وجہ نہ دریافت کرلوں، ڈریسنگ نہیں کراؤں گا۔"

"وجہ کا علم شائد ان کے فرشتوں کو بھی نہ ہو۔" ڈاکٹر بولا۔ "یہ کرائے کے ٹٹو ہیں۔"

دونوں لڑکیاں فریدی کی طرف بڑھیں اور انہوں نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر ایک طرف گھسیٹتے ہوئے کہا۔ "چلئے۔"

"کاش....!" حمید ایک طویل سانس لے کر آہستہ سے بڑبڑایا۔ "میری کھوپڑی بیچ سے دو ہو گئی ہوتی۔"

"جمال میاں....!" فریدی لڑکیوں کیساتھ چلتا ہوا پلٹ کر بولا۔ "ان دونوں کا خیال رکھنا۔"

"بہت اچھا بھائی صاحب۔" حمید نے جواب دیا لیکن دل میں کہنے لگا۔ "کاش تم سچ مچ پاگل ہوتے۔"

"پھر وہ ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہوا، جو مجرم کے ہاتھ کھول رہا تھا۔"

"ارے.... ارے! یہ کیا کر رہے ہیں آپ....!" حمید بوکھلا کر اُس کی طرف بڑھا۔

"کچھ نہیں! [illegible]" ڈاکٹر نے جواب دیا۔ "تم نہیں سمجھتے۔"

وہ اس کے ہاتھ جو پشت پر بندھے ہوئے تھے کھول چکا تھا۔ ہاتھ کھلتے ہی وہ آدمی بے تحاشہ بھاگا۔ حمید نے جھپٹنا چاہا لیکن ڈاکٹر نے اسے پکڑ لیا۔ اتنے میں وہ آدمی بھی اٹھ کر بھاگا جو زمین پر

بیہوش پڑا تھا۔ نوکر شور مچانے لگے لیکن ڈاکٹر نے انہیں ڈانٹ دیا۔

"میں اس پاگل پن کو نہیں برداشت کر سکتا۔" حمید آپے سے باہر ہو گیا۔

جواب میں ڈاکٹر نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔ "جاؤ تم بھی تجربہ گاہ میں جاؤ۔ صبیحہ سے کہہ دینا کہ الماری سے ایک گیس ماسک نکال کر بھجوا دے۔ تم سب بھی جاؤ۔" ڈاکٹر نے نوکروں کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔

"میں ہرگز نہیں جاؤں گا۔ آپ مجھے اس کی وجہ بتایئے، ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔ پہلے انہوں نے راہ میں حملہ کیا لیکن ان کے انداز قاتلانہ نہیں تھے حالانکہ وہ بہ آسانی ہماری زندگیاں ختم کر سکتے تھے۔ انہوں نے سامان بھی نہیں لوٹا اور اب انہوں نے آپ ہی کے بیان کے مطابق آپ کے انتہائی قیمتی کتوں کا صفایا کر دیا اور آپ.... آپ نے انہیں بھی نکل جانے دیا جو ہاتھ آ چکے تھے۔"

"بس اب جاؤ۔" ڈاکٹر ہاتھ ہلا کر بولا۔ "میں تم لوگوں سے بہت شرمندہ ہوں اور اس تکلیف کی تلافی کرنے کی کوشش کروں گا، جو تم لوگوں کو میری ذات سے پہنچی ہے۔"

ڈاکٹر کے اس جملے پر حمید نے وہاں سے چلے جانا ہی مناسب سمجھا۔ اس نے سوچا کہ ڈاکٹر اب راہ پر آ رہا ہے، اس لئے اُسے ناراض نہ کرنا چاہئے۔

"میں جا رہا ہوں ڈاکٹر! مگر یہ چیز.... آپ نے دیکھا نہیں کمال بھائی کا پورا چہرہ خون میں ڈوبا ہوا تھا اور آپ نے انہیں چھوڑ دیا۔"

"مجھے افسوس ہے۔ انہوں نے جلد بازی سے کام لیا۔ لیکن ہیں بہت دلیر، وہاں راستے میں بھی انہوں نے بڑی بے جگری سے اُن لوگوں پر حملہ کیا تھا۔"

"مگر آپ کا رویہ.... ڈاکٹر....!"

"اونہہ! تم اس کی پرواہ نہ کرو.... جاؤ۔"

حمید نوکروں کی رہنمائی میں ایک طرف چل پڑا۔ وہ اس معاملے میں بہت سنجیدگی سے غور کر رہا تھا۔ آخر یہ ڈاکٹر ہے کیا بلا اور وہ لوگ کون تھے۔ یقیناً فریدی اس معاملے کے متعلق بہت کچھ جانتا ہے، لیکن وہ اُسے کیوں بتانے لگا۔

حمید نے نوکروں سے اس مسئلے پر گفتگو کرنی چاہی لیکن وہ خاموش رہے۔ ہر سوال کا اُن کے

پاس ایک جواب تھا۔ "معلوم نہیں۔"

حمید جھلا گیا۔ اگر یہ اُس کے نوکر ہوتے تو مارتے مارتے بے دم کر دیتا۔

وہ خاموشی سے اُن کے ساتھ چلتا رہا۔

وہ لڑکیاں

تجربہ گاہ میں پہنچ کر صبیحہ اور زرینہ نے فریدی کو ایک آرام کرسی پر بٹھا دیا۔ فریدی نے اتنی ہی دیر میں اندازہ کر لیا تھا کہ صبیحہ بہت شوخ لڑکی ہے۔

دونوں نے بڑی پھرتی سے پیشانی کا زخم صاف کیا اور خود ہی ڈریسنگ بھی کرنے لگیں حالانکہ ڈاکٹر نے صرف ڈریسنگ کا سامان درست رکھنے کے لئے کہا تھا۔ جس کا مطلب اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا کہ واپسی پر خود ڈاکٹر ہی ڈریسنگ کرے گا۔

"کمال صاحب۔" یک بیک صبیحہ نے اُسے مخاطب کیا۔ "کیا یہ صحیح ہے کہ آپ... پپ... پا...!"

"شٹ اپ یہ کیا بکواس ہے۔" زرینہ جلدی سے بول پڑی۔

"ہاں ہاں کہئے کہئے۔" فریدی بولا۔

"آپ کے چھوٹے بھائی کہتے ہیں کہ آپ.... پپ.... پا....!"

"صبیحہ کی بچی....!" زرینہ چیخی۔

"اچھا جانے دو۔" صبیحہ گردن جھٹک کر بولی۔

"میں سمجھ گیا۔" فریدی مسکرایا۔ "غالباً جمال مجھے پاگل کہتا ہوگا۔ کیوں ہے نا یہی بات۔"

"نہیں نہیں.... یہ غلط ہے۔" زرینہ نے کہا اور صبیحہ کو گھورنے لگی۔ جواب میں صبیحہ اُسے منہ چڑھا دیا۔

"اچھا! آنے دو ڈیڈی کو۔"

"جھگڑا کرنے کی ضرورت نہیں۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں اس کا بُرا نہیں مانتا۔ میرا پورا خاندان مجھے پاگل سمجھتا ہے اور میں سوچتا ہوں کہ اس میں میرا حرج ہی کیا ہے.... اچھا تو اب میں سمجھا۔ وہ گدھا شائد مجھے اسی لئے رام گدھ لایا ہے۔ یہاں کا پاگل خانہ تو کافی مشہور ہے۔"

"دیکھئے کمال صاحب.... یہ صبیحہ.... بالکل احمق ہے۔ آپ کچھ خیال نہ کیجئے۔"

"ہم دونوں پاگل خانے کے چیئرمین کی لڑکیاں ہیں۔" صبیحہ اپنی ہنسی روکنے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔ "کمال صاحب! آپ خود سوچئے۔"

"تم خاموش نہیں رہو گی۔" زرینہ پھر جھلا گئی۔

"اور یہ زرینہ۔" صبیحہ نے شوخی سے کہا۔ "بہت زیادہ چالاک لڑکی ہے۔ اس لئے مجھ میں اثر کچھ کم آیا ہے۔ ویسے میں بھی خاصی پاگل ہوں۔"

قدموں کی آہٹ پر وہ خاموش ہو گئیں اور حمید نے تجربہ گاہ میں داخل ہوتے ہی ایک ایسی ٹھنڈی سانس لی کہ خود اُسے اپنی کھوپڑی منجمد ہوتی معلوم ہونے لگی۔ وہ خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کیوں....؟" فریدی نے پوچھا۔

"کچھ نہیں...!" حمید نے جواب دیا۔ "بات صرف اتنی سی ہے کہ میرا بھی پاگل ہو جانے کو دل چاہنے لگا ہے۔ کوئی تدبیر بتائیے... ڈاکٹر نے اُن دونوں کو چھوڑ دیا.... باقی سب خیریت ہے۔"

"چھوڑ دیا۔" فریدی نے حیرت کا اظہار کرنے کے لئے اپنی پلکیں جھپکائیں۔

صبیحہ بے تحاشہ ہنسنے لگی۔ پھر قہقہوں کے ساتھ بولی۔ "میں نے جھوٹ نہیں کہا تھا۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" فریدی نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "ڈاکٹر آدمی نہیں.... بالکل.... بالکل وہ معلوم ہوتے ہیں۔"

"کیا معلوم ہوتے ہیں۔" صبیحہ نے پوچھا۔

"پتہ نہیں کیا معلوم ہوتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ کسی لفظ کی تلاش ہی فضول ہے۔ سارے کتے مر گئے اور انہوں نے مجرموں کو معاف کر دیا۔ خدا کی پناہ۔"

"آہا! ٹھیک یاد آیا۔" حمید نے لڑکیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ڈاکٹر نے ایک گیس ماسک منگوایا ہے۔ غالباً وہ اُس کمرے میں جائیں گے جس میں گیس چھوڑی گئی ہے۔"

"کمال ہے بھئی۔" فریدی اٹھ کر ٹہلتا ہوا بولا۔ "کس دل سے اپنے کتوں کی لاشیں دیکھ سکیں گے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" صبیحہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "وہ ہم لوگوں کی لاشیں دیکھ سکتے ہیں،

لیکن کتوں کی لاشیں تو اُن سے ہرگز نہ دیکھی جائیں گی۔"

"صبیحہ.....!" زرینہ نے اُسے پھر ڈانٹا۔

صبیحہ ایک ہذیانی سا قہقہہ لگا کر بولی۔ "میں پاگل ہوں۔"

"تمہیں شرم نہیں آتی..... ڈیڈی کا مضحکہ اڑاتی ہو۔"

زرینہ بُرا سا منہ بنائے ہوئے ایک الماری کی طرف بڑھی، غالباً وہ گیس ماسک نکالنے جا رہی تھی۔ حمید صبیحہ کی طرف شرارت آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"کیا بات ہے۔" صبیحہ نے چیلنج کرنے کے سے انداز میں کہا۔

"کچھ نہیں! بھلا یہ بھی کوئی بتانے کی بات ہے کہ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

"فکر نہ کیجئے! یہ تو پہلا فاقہ ہے۔"

حمید جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ زرینہ چیخ مار کر اُس کے سامنے آ گری۔

"سانپ.....!" وہ اٹھتے اٹھتے پھر چیخی۔

کھلی ہوئی الماری سے ایک سیاہ رنگ کا سانپ نکل رہا تھا۔ حمید بھی اچھل کر کھڑا ہو گیا اور صبیحہ بدحواسی میں زرینہ کو دروازے تک گھسیٹ لے گئی۔ نوکر برآمدے میں تھے۔ چیخ سن کر وہ بھی تجربہ گاہ میں گھس آئے۔

"اوہو..... ڈرو نہیں.....!" فریدی پُرسکون آواز میں بولا۔

حمید اس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی اپنے ہاتھ کی صفائی ضرور دکھائے گا۔

اور پھر جو کچھ بھی ہوا چشم زدن میں ہوا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ سکا کہ فریدی کا ہاتھ اس پر کیسے پڑا۔ وہ تو بس اُس کے داہنے ہاتھ میں ایک بڑا سا کیچوا لٹکتا دیکھ رہے تھے۔ اُس نے اُس کے سر کا نچلا حصہ اس طرح چٹکی میں دبا رکھا تھا کہ سانپ کا کھلا ہوا منہ کسی طرح بند ہی نہیں ہو سکتا تھا۔

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ.....!" زرینہ پھر چیخی۔

"بھائی صاحب! بھائی صاحب۔" حمید نے خوفزدہ سی آواز میں ہانک لگائی۔

فریدی نے سانپ کو ایک جھٹکا اور دے کر فرش پر ڈال دیا۔ رینگنا تو دور کی بات تھی اب وہ لہریں بھی نہیں لے سکتا تھا۔ صرف دم میں خفیف سی لرزش باقی تھی۔ وہ اُسے وہیں چھوڑ کر الماری کی طرف چلا گیا۔

پھر شائد دو یا تین منٹ بعد دو عدد گیس ماسک لئے ہوئے باہر جانے لگا۔

"یہیں میرا انتظار کرو۔" اُس نے دروازے کے قریب پہنچ کر حمید سے کہا۔

حمید اپنے سر کو خفیف سی جنبش دے کر پھر سانپ کی طرف دیکھنے لگا، جو غالباً اب مر چکا تھا۔

"کیا یہ زندہ ہے۔" زرینہ نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

"نہیں! اس کی ساری ہڈیاں اپنے جوڑوں سے الگ ہو گئی ہوں گی۔ بھائی صاحب اس فن کے ماہر ہیں۔"

حمید نے صبیحہ کی طرف دیکھا جو اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔

"کیا الماری مقفل تھی؟" حمید نے زرینہ سے پوچھا۔

"جی ہاں.....!" اُس نے جواب دیا۔

"کیا ڈاکٹر سانپوں پر بھی تجربہ کرتے ہیں۔"

"نہیں کبھی نہیں.....!"

"تو پھر اس کا یہ مطلب ہوا کہ یہ سانپ کسی نے یہاں رکھا تھا اور اس صورت میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہ انہیں لوگوں کی حرکت ہے، جنہوں نے کتوں کے کمرے میں گیس چھوڑی تھی۔ وہ جانتے رہے ہوں گے کہ گیس ماسک اسی الماری میں ہیں اور یقیناً ایسی حالت میں وہ نکالے جائیں گے۔"

حمید خاموش ہو کر لڑکیوں کی طرف دیکھنے لگا لیکن انہوں نے اس کے اس خیال پر رائے زنی نہیں کی۔ دفعتاً حمید کو یاد آیا کہ فریدی سانپ کے کھلے ہوئے منہ کو بغور دیکھتا رہا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں نے ایک ہی بات سوچی ہو کیونکہ حمید بھی دوسرے ہی لمحے میں اُسے بجلی کے بلب کی طرف اٹھا کر اُس کے کھلے ہوئے دہانے کا جائزہ لے رہا تھا۔

سانپ کے منہ میں دانت نہیں تھے۔ حمید نے مزید اطمینان کرنے کے لئے اپنی چھوٹی انگلی اُس کے منہ میں ڈال دی۔

اور پھر ایک طویل سانس لے کر مردہ سانپ کو فرش پر ڈال دیا۔ حقیقتاً اُس کے دانت نکال دیئے گئے تھے اور وہ سچ مچ ایک کیچوے ہی کی طرح بے ضرر تھا۔ زرینہ اور صبیحہ اُس کی حرکتوں کو عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

حمید سوچ رہا تھا کیا ڈاکٹر انہیں اپنے یہاں سے بھگانے کے لئے یہ سب کچھ کر رہا ہے۔ اُن دونوں مجرموں کو چھوڑ دینے کا تو یہی مطلب ہو سکتا ہے؟

وہ رات انہیں تجربہ گاہ میں بسر کرنی پڑی۔ ڈاکٹر نے کسی کو بھی کوٹھی میں نہیں جانے دیا۔ اُس کے خیال میں پوری کوٹھی گیس سے متاثر ہو گئی تھی۔

فریدی ایک خبطی آدمی کا بہترین رول ادا کرتا رہا۔ اُس نے ڈاکٹر سے کچھ بھی نہیں پوچھا۔ حتیٰ کہ خود سے سانپ کا تذکرہ بھی نہیں کیا۔ ڈاکٹر نے خود ہی مردہ سانپ کو دیکھ کر اُس کے متعلق پوچھا تو فریدی نے اتنا ہی کہا کہ ہاں اُس نے اُسے مار ڈالا تھا۔ اُس نے ڈاکٹر سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ وہ مقفل الماری میں کس طرح پہنچا ہو گا۔

دوسری صبح جب حمید اور فریدی لان پر تنہا تھے تو حمید نے پچھلی رات کے واقعات کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

"کیا آپ نے دیکھا تھا کہ سانپ کے منہ میں دانت نہیں تھے۔" اُس نے کہا۔

"ہاں میں نے دیکھا تھا۔"

"اور لڑکیوں کے بیان کے مطابق الماری مقفل تھی۔"

"رہی ہو گی۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"تو پھر یہی سمجھنا چاہئے کہ ڈاکٹر ہماری شخصیتوں سے واقف ہے اور نہیں چاہتا کہ ہم یہاں قیام کریں۔"

"اوہ! تو تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ ہم سے واقف ہے۔" فریدی بولا۔

"پھر کیا سمجھوں۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ ہمیں نہیں جانتا۔ اگر جانتا ہوتا تو اس قسم کی حرکتیں ہرگز نہ کرتا۔"

"تو پھر اُس کا مطلب یہ ہے کہ ان سب واقعات کا ذمہ دار کوئی اور ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔"

"آخر آپ کھل کر بات کیوں نہیں کرتے۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"حالات تمہارے سامنے ہیں۔ تم ہی کچھ روشنی ڈالو۔"

"اگر آپکے یہاں آنے کا مقصد معلوم ہو جائے تو ڈال سکتا ہوں روشنی...!" حمید اکڑ کر بولا

"مقصد بھی بتا چکا ہوں۔"

"اچھا تو یہ بھی بتا دیجئے کہ وہ پاگل کس قسم کا ہے جس میں آپ دلچسپی لے رہے ہیں اور اس کی اصلیت کیا ہے۔"

"اونہہ.... ختم کرو.... ڈاکٹر اپنی طرف آ رہا ہے۔"

ڈاکٹر نجیب انہیں کی طرف آ رہا تھا لیکن جلدی میں نہیں معلوم ہوتا تھا۔

"ہلو.... کمال زخم کیسا ہے۔" اُس نے اُن کے قریب پہنچ کر پوچھا۔

"ٹھیک ہی ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور سر پر بندھی ہوئی پٹی پر آہستہ آہستہ ہاتھ پھیرنے لگا۔

"مجھے افسوس ہے۔"

"افسوس! کس بات پر۔" فریدی اُسے غور سے دیکھنے لگا۔

"پچھلی رات کے واقعات....!" ڈاکٹر کے انداز میں ہچکچاہٹ تھی۔

"اوہ....!" فریدی ایک مختصر سے قہقہے کے ساتھ بولا۔ "مجھے ایسے واقعات سے بڑی دلچسپی ہے۔ ذہنی ورزش کے ساتھ اگر جسمانی ورزش بھی نہ ہو تو آدمی کاہل ہو جاتا ہے۔"

"تو تم.... ذہنی ورزش بھی کرتے ہو۔"

"جی ہاں! اور اسی کا نتیجہ ہے کہ میرے خاندان والے مجھے پاگل سمجھتے ہیں۔" فریدی نے قہر آلود نظروں سے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اور غالباً اس گدھے نے آپ کو بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا کرنا چاہا ہے۔"

"نہیں.... نہیں....!"

"آپ کی صاحب زادی محترمہ صبیحہ مجھے بتا چکی ہیں۔"

"اوہ.... اوہ.... وہ بڑی شریر ہے۔ تم اس کی باتوں پر دھیان نہ دو۔"

"آپ پاگل خانے کے میڈیکل بورڈ کے چیئرمین ہیں نا....!"

"ہاں.... آپ....!"

"اور شائد اسی لئے میں یہاں لایا گیا ہوں کہ میرا علاج کیا جائے۔" فریدی کا لہجہ ناخوشگوار ہو گیا۔

"نہیں.... بھئی.... وہ تو تم اتفاقاً مجھے اسٹیشن پر ملے تھے۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"خیر.... خیر....!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن آپ میری ذہنی حالت ٹھیک کرنے پر اپنا وقت نہیں برباد کریں گے۔"

"نہیں بھئی.... تم بالکل ٹھیک ہو۔"

"ہو سکتا ہے کہ اس نے آپ کو فرانسیسی اور جرمن کا لطیفہ بھی سنایا ہو۔"

"کیا وہ بھی غلط ہے۔" ڈاکٹر نے مسکرا کر حمید کی طرف دیکھا۔

"سو فیصدی غلط.... محض مجھے غصہ دلانے کے لئے تمام میں کہتا پھرتا ہے کہ میں فرانسیسی اور جرمن سے نابلد ہوں۔"

"مگر.... بھئی.... تم نے وہ کتاب الٹی پکڑ رکھی تھی۔"

"کون سی کتاب....!"

"اوہ.... وہ.... کچھ نہیں.... کچھ نہیں....!" ڈاکٹر فوراً سنبھل گیا۔ کتاب کا واقعہ ٹرین سے متعلق تھا اور ڈاکٹر نے یہ ظاہر کیا تھا کہ ان سے اسٹیشن پر اتفاقاً ملاقات ہو گئی تھی۔

"نہیں بتایئے کون سی کتاب....!" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

حمید نے ڈاکٹر کو آنکھ مار کر فریدی کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ لیکن فریدی نے جھلاہٹ میں نہ صرف اس کا ہاتھ ہٹا دیا بلکہ ایک ہاتھ رسید کرنے کی بھی کوشش کی۔ حمید اچھل کر ڈاکٹر کے پیچھے ہو گیا۔

"ارے.... ارے.... ہائیں....!" ڈاکٹر نے فریدی کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"تو آپ اس سور کو بھی تو سمجھایئے کہ میں اس کا بڑا بھائی ہوں۔ مجھے تمام جگہوں پر ذلیل کرتا پھرتا ہے۔"

"میں سمجھا دوں گا۔ خیر اسے جانے دو۔ تم ابھی ذہنی ورزش کی بات کر رہے تھے۔"

"جی ہاں.... کیا وہ بھی پاگل پن کی بات تھی۔"

"نہیں.... نہیں.... قطعی نہیں۔"

"ذہنی.... ورزش....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "میں پچھلی رات کے واقعات پر ذہنی ورزش کر رہا ہوں۔ کمرے میں گیس ڈال کر کتوں کو ختم کیا گیا۔ پھر اس الماری سے سانپ برآ

ہوا جس میں گیس ماسک رکھے ہوئے تھے اور سانپ بھی کیسا، جس کے دانت پہلے ہی توڑ دیئے گئے تھے اور پھر آپ نے ہاتھ آئے ہوئے مجرم بھی چھوڑ دیئے۔"

ڈاکٹر نجیب چند لمحے اُسے خاموشی سے گھورتا رہا۔ پھر مضطربانہ انداز میں بولا۔ "آؤ.... چلو میں اس کے متعلق اطمینان سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"چلئے....!" فریدی بولا۔

پاگل کا نشانہ

وہ ڈرائنگ روم میں آئے جہاں ناشتہ میز پر لگایا جا چکا تھا اور لڑکیاں شائد انہیں کی منتظر تھیں۔ صبیحہ حمید کو دیکھ کر مسکرائی اور حمید بھی مسکرا دیا۔ ڈاکٹر خیالات میں کھویا ہوا تھا۔ کچھ دیر تک وہ خاموشی سے ناشتہ کرتے رہے پھر ڈاکٹر بولا۔

"ہاں تو تم کیا کہہ رہے تھے۔"

"کیا کہہ رہا تھا۔" فریدی نے سوچنے کے سے انداز میں اپنی پیشانی پر شکنیں ڈال لیں۔

"پچھلی رات کی باتیں جن پر تم ذہنی ورزش کرتے رہے ہو۔"

"آہا ٹھیک! میں ان واقعات کو کبھی نہیں بھول سکتا، محض اس لئے کہ وہ تحیر انگیز ہیں.... انتہائی تحیر انگیز.... ورنہ میں ہر بات بہت جلد بھول جاتا ہوں۔ جب ہم اسٹیشن سے اس طرف آ رہے تھے تو ہم پر چند نامعلوم آدمیوں نے حملہ کیا تھا۔ اُن میں سے ایک کی آواز بالکل ایسی ہی تھی جیسے بیمہ کمپنی کے اُس ایجنٹ کی جو ہمیں ٹرین میں ملا تھا۔"

"ڈاکٹر صاحب اُس واقعے سے ناواقف ہیں۔" حمید جلدی سے بولا۔

اس پر فریدی نے بیمہ کمپنی کے ایجنٹوں کی عجیب و غریب حرکت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ اُن میں سے ایک وہ ایجنٹ ضرور تھا جس نے کمپارٹمنٹ میں ریوالور نکالا تھا۔ اچھا دوسری بات.... انہوں نے ہمارے سامان میں ہاتھ نہیں لگایا اور نہ ہی ہمیں جان ہی سے مارنے کی کوشش کی، حالانکہ اُن کے پاس اسلحے بھی موجود تھے۔ پھر یہاں کوٹھی میں کتوں پر آفت آئی۔ الماری سے سانپ برآمد ہونے کا مقصد یہی تھا کہ اس واقعے کے بعد آپ لوگوں کو

ایک دوسرے حادثے سے دوچار کیا جائے، ورنہ وہ سانپ اسی الماری سے کیوں برآمد ہوتا جس میں گیس ماسک رکھے تھے۔ ظاہر ہے کہ کتوں والے واقعے کے بعد گیس ماسک کی ضرورت پیش آنی لازمی تھی۔ مگر اُس سانپ کا مقصد؟ آپ خود ہی فرمایئے کہ اس کے دانت کیوں نکال دیئے گئے تھے اور سب سے بڑی بات تو یہ کہ آپ نے ہاتھ آئے ہوئے مجرموں کو کیوں چھوڑ دیا۔"

فریدی خاموش ہو کر ڈاکٹر کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"وہ ہمیں صرف خوفزدہ کرنا چاہتے ہیں۔" ڈاکٹر آہستہ سے بولا۔

"کون....!"

"چند نامعلوم آدمی....!"

"کیوں خوفزدہ کرنا چاہتے ہیں؟"

"تاکہ میں کوٹھی چھوڑ دوں۔"

"کیا یہ کوٹھی کرائے پر حاصل کی گئی ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں میری اپنی ہے۔ اب سے پچیس سال قبل میں نے اسے خریدا تھا۔"

"کون ہیں وہ بہبودے، جو آپ سے آپ کا مکان چھیننا چاہتے ہیں۔ مجھے بتایئے۔ میں اُن سے سمجھ لوں گا۔ کیپٹن ماتھر میرے گہرے دوستوں میں سے ہیں۔"

"تم نہیں سمجھے! میں خود بھی پولیس کی مدد لے سکتا تھا۔"

"پھر کیوں نہیں لی....!"

"وجہ ہے! میں نہیں چاہتا کہ پولیس کو اس کا علم ہو....!"

"کمال کرتے ہیں۔ ارے ان خطرناک حالات میں رہنا آپ کو پسند ہے۔"

"یہ ایک راز ہے۔"

"لیکن.... میری یہ چوٹ....!" فریدی اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ "مجھے مجبور کر رہی ہے کہ میں ماتھر کو اس کی اطلاع دے دوں۔"

"خدا آپ کو اس کی توفیق دے۔" صبیحہ بول پڑی اور ڈاکٹر اُسے قہر آلود نظروں سے گھورنے لگا۔

"میں ضرور اُسے مطلع کروں گا۔"

"تم میرا کہنا نہیں سنو گے.... سر افضال....!"

"سنئے تو سہی۔" فریدی نے اُس کی بات کاٹ دی۔ "آخر وہ راز کیسا ہے؟"

ڈاکٹر تھوڑی دیر خاموش رہ کر کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "تم مجبور کرو گے تو بتانا ہی پڑے گا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ لوگ ان حرکتوں پر اتر آئیں گے۔ ورنہ میں تمہیں کبھی یہاں نہ لاتا۔"

"ہو سکتا ہے کہ میں آپ کے کسی کام آ ہی سکوں۔" فریدی نے کہا۔

"میں بتا دوں گا مگر پہلے تم وعدہ کرو کہ یہ بات صرف تم دونوں ہی تک رہے گی۔"

"سن رہے ہو۔" فریدی حمید کی طرف دیکھ کر غرایا۔ "اگر تم نے یہ بات کسی سے کہی تو ہڈیاں پسلیاں ایک کر دوں گا۔"

"میں کسی سے نہیں کہوں گا۔" حمید نے سعادت مندانہ لہجے میں کہا۔

فریدی پھر ڈاکٹر کی طرف دیکھنے لگا اور ڈاکٹر آہستہ سے بولا۔ "اس عمارت میں کہیں پر ایک بہت بڑا دفینہ ہے۔"

"دفینہ....!" فریدی نے آہستہ سے دہرایا اور اُس کا چہرہ یک بیک سرخ ہو گیا۔ آنکھوں میں عجیب قسم کی چمک نظر آنے لگی۔ لیکن حمید خوب سمجھتا تھا کہ یہ تغیر قطعی بناوٹی ہے۔ اس کا جذبات سے کوئی تعلق نہیں۔

"دفینہ....!" ڈاکٹر نے کہا۔ "میں نے یہ عمارت بحری جہاز کے ایک انگریز کپتان سے خریدی تھی۔ وہ یہاں تنہا رہتا تھا اور جس دن اُس نے مجھ سے رقم وصول کی تھی، اُس سے پندرہ دن بعد کوٹھی خالی کر دینے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن وہ تیسرے ہی دن اسی کوٹھی میں مردہ پایا گیا۔ کسی نے اس کے سر میں گولی ماری تھی۔ اس کا ایک ملازم بھی تھا۔ اس نے بتایا کہ کچھ عرصہ سے پراسرار آدمی تاریک راتوں میں کوٹھی کے کمپاؤنڈ میں چکر لگاتے رہے ہیں اور انہوں نے کئی جگہ کھدائی بھی کی تھی۔ اکثر کوٹھی کے اندر بھی گھس آئے تھے۔ دو ایک بار انگریز کپتان کو اُن پر گولیاں بھی چلانی پڑی تھیں۔ لیکن کپتان نے ان واقعات کی رپورٹ پولیس کو کبھی نہیں دی، بہرحال کوٹھی کا سودا اس کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا۔ اس لئے اس کی موت کے بعد قانونی طور پر مجھے قبضہ مل گیا۔ لیکن اسی کے ساتھ ہی ساتھ مجھے بھی مصائب کا شکار ہونا پڑا۔ شروع شروع میں کچھ لوگوں نے کوٹھی خریدنے کی پیشکش کی۔ پھر مجھے غائبانہ طور پر دھمکیاں ملنے لگیں۔ پچیس

سال ہو گئے ان بکھیڑوں میں پڑے ہوئے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ نہ تو ابھی تک وہ لوگ ہی کامیاب ہو سکے اور نہ میں ہی۔ وہ اکثر چوروں کی طرح کوٹھی میں گھس کر اُسے تلاش کرتے رہے ہیں۔ امتحاناً میں نے اکثر کوٹھی کو ایک ایک ہفتہ کے لئے بالکل خالی چھوڑ دیا ہے، لیکن پھر بھی وہ کامیاب نہیں ہو سکے۔ ویسے ان کی تلاش کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ پچیس سال سے.... خدا کی پناہ.... اور اب وہ اس بات پر اُتر آئے ہیں کہ جس طرح ممکن ہو مجھ سے کوٹھی خالی کرالیں۔"

ڈاکٹر خاموش ہو کر فریدی کیطرف دیکھنے لگا۔ جسکے چہرے پر اب بھی جوش کے آثار تھے۔

"ٹھیک ہے۔" وہ مضطربانہ انداز میں بولا۔ "پولیس کو اطلاع نہ دینی چاہئے۔ ورنہ پوری کوٹھی کھود ڈالی جائے گی.... دفینہ نہ ہو تب بھی پولیس یہ جاننا چاہے گی کہ آخر وہ اس میں کیوں دلچسپی لے رہے ہیں۔"

"بالکل یہی بات میں بھی سوچتا ہوں۔" ڈاکٹر نے ایک طویل سانس لی۔

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔" صبیحہ مایوسانہ انداز میں بولی۔

"تم چپ رہو....!" ڈاکٹر نے اُسے ڈانٹ دیا۔

"ڈیڈی میں پاگل ہو جاؤں گی۔"

"ضرور ہو جاؤ۔"

"آپ پاگل نہیں ہو سکتیں۔" فریدی نے اُسے اطمینان دلایا۔ "بس دیکھتی رہئے کہ میں کرتا ہوں۔"

"آپ کیا کریں گے۔" صبیحہ نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں پوچھا۔

"میں اُن گیدڑوں پر موت بن کر گروں گا۔" فریدی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "میرے پاس ریوالور ہے۔ میں اس کا لائسنس رکھتا ہوں۔ میرا نشانہ بڑا شاندار ہے۔ جمال ذرا اٹھنا تو۔ شاباش....!"

فریدی نے جیب سے ریوالور نکال لیا تھا۔ ڈاکٹر اُسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

حمید بدستور بیٹھا رہا۔ فریدی نے اُسے گردن سے پکڑ کر اٹھا دیا۔

پھر کھینچتا ہوا کمرے کے دوسرے سرے تک لے جاتا ہوا بولا۔ "سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔"

حمید نے چپ چاپ تعمیل کی، ویسے اُس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ کیا ہونے

ہے۔ فریدی نے میز پر سے ایک گلاس اٹھا کر حمید کے سر پر رکھ دیا اور حمید کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی.... فریدی اُس گلاس پر نشانہ لگانے جا رہا تھا۔

"کیا کرنے جا رہے ہو تم....!" دفعتاً ڈاکٹر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"نشانہ دیکھئے میرا۔"

"ارے نہیں.... خبردار....!" ڈاکٹر اُس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ مگر فائر ہو چکا تھا۔ گلاس کے پرزے اڑ چکے تھے اور حمید کھڑا اپنا سر سہلا رہا تھا۔

"اگر تمہارا ہاتھ بہک جاتا تو.... بولو....!" ڈاکٹر نے فریدی کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"یہ نالائق مر جاتا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "اور مجھے خوشی ہوتی۔ اچھا آپ ہی فرمائیے کیا آپ کسی پاگل آدمی سے ایسے نشانے کی توقع کر سکتے ہیں۔"

"نہیں.... ہرگز نہیں۔"

"اور یہ گدھا مجھے پاگل کہہ کر بدنام کرتا پھرتا ہے۔"

"میں نے کب کہا تھا کس سے کہا تھا۔" حمید جھلا کر بولا۔

"کیوں محترمہ صبیحہ....!" فریدی صبیحہ کی طرف مڑا۔

"اوہو.... میں سمجھ گئی تھی کہ یہ مذاق کر رہے ہیں۔" صبیحہ نے جواب دیا۔

"بہرحال کہا تھا....!"

"نہیں کہا تھا۔" ڈاکٹر جلدی سے بولا۔ "صبیحہ تم آخر شرارت سے باز کیوں نہیں آتیں۔"

صبیحہ کچھ نہیں بولی۔

"کہئے تو.... اور دکھاؤں۔" فریدی نے کہا۔ "اس کی ناک پر بسکٹ رکھ کر...."

"نہیں.... نہیں.... میں اس کی اجازت ہرگز نہ دوں گا۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ تمہارا نشانہ بہت اچھا ہے۔"

"خیر.... ہاں تو آپ مجھے بتائیے! وہ کون لوگ ہیں۔" فریدی بیٹھتا ہوا بولا۔

"اس سے کیا فائدہ ہوگا۔"

"میں انہیں مرعوب کرنے کی کوشش کروں گا۔ انہیں سمجھاؤں گا کہ آپ تنہا نہیں ہیں اور آپ یقین کیجئے کہ میں اُس وقت تک یہاں سے واپس نہیں جاؤں گا جب تک کہ اس کا تصفیہ نہ

ہو جائے۔"

"میں کیسے بتا سکتا ہوں جب کہ وہ کبھی کھل کر سامنے آئے ہی نہیں۔"

"انہیں تو آپ جانتے ہی ہوں گے جنہوں نے یہ کوٹھی آپ سے خریدنے کی کوشش کی تھی۔"

ڈاکٹر تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔"اُن میں سے صرف ایک آدمی یہاں موجود ہے لیکن تم آخر اُسے کس طرح مرعوب کرو گے.... وہ یہاں کا ایک ذی حیثیت آدمی ہے۔"

"آپ اس کی پرواہ نہ کیجئے.... صرف پتہ بتا دیجئے۔"

"نہیں بھئی! اگر تم کوئی غیر قانونی حرکت کر بیٹھے تو....!"

"نہیں.... میں پاگل نہیں ہوں.... حالانکہ لوگ مجھے بچپن ہی سے پاگل سمجھتے آئے ہیں۔ مگر یہ تو سوچئے.... کہ اگر میں پاگل ہوتا تو مجھے ریوالور کا لائسنس کیسے مل جاتا۔"

"میں تمہیں پاگل نہیں سمجھتا۔"ڈاکٹر نے پلکیں جھپکائیں۔

"تو پھر بتا دیجئے۔"

"سردار محمود.... وہ یہاں کا بہت بڑا آدمی ہے۔"

"پتہ بتائیے۔"

"جس سے بھی پوچھو گے بتا دے گا۔ وہ بہت مشہور آدمی ہے۔"

"اچھی بات ہے.... میں دیکھوں گا۔"فریدی کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر بڑبڑایا۔

"مگر تم کرو گے کیا؟"ڈاکٹر نے پوچھا۔

"اُس سے زیادہ پریشان کروں گا جتنے آپ اب تک ہو چکے ہیں۔"

"دیکھو بھئی! میں پھر تمہیں سمجھاتا ہوں کہ اسکی ضرورت نہیں! بس تم اپنی زبان بند رکھنا۔"

"زبان تو بند رہے گی لیکن میرے ہاتھ نہیں باندھے جا سکتے۔"

"سردار محمود کے یہاں بم کیوں نہ پھینکا جائے۔"حمید نے فریدی سے کہا۔

"نہیں.... نہیں....!"ڈاکٹر اور اُس کی لڑکیاں بیک وقت بولیں۔

"کوئی مرے گا نہیں۔"حمید نے سنجیدگی سے کہا۔"وہ دھوئیں کا بم ہوگا۔"

"دھوئیں کا بم لاؤ گے کہاں سے۔"ڈاکٹر نے کہا۔

"میں سائنس کا گریجویٹ ہوں۔"فریدی نے فخریہ انداز میں کہا۔

"یعنی تم خود بنا لو گے۔"

"قطعی....!"

"نہیں.... میں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔"

"آپ مشورہ دیں یا نہ دیں۔"فریدی اپنی پیشانی پر بندھی ہوئی پٹی پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔"اس زخم سے خون بہا تھا اور اب تکلیف بھی محسوس ہو رہی ہے۔"

حمید نے محسوس کیا کہ ڈاکٹر کے چہرے پر بے اطمینانی کے آثار نہیں ہیں۔

ناشتے کے بعد ڈاکٹر اپنے ذاتی ہسپتال کی طرف چلا گیا۔ فریدی اور حمید لان پر آ بیٹھے۔

"کیا خیال ہے۔"حمید نے فریدی سے کہا۔"لڑکیوں پر رنگ تو خوب جمایا مگر ان دونوں میں عشق کرنے کی صلاحیت نہیں معلوم ہوتی۔"

"اس سے میرا وہ مقصد نہیں تھا جو تمہارے ذہن میں ہے۔"فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"اچھا اس کہانی کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"عرف عام میں ہم اُسے بنڈل کہیں گے۔ بچوں کو بہلانے کی سی باتیں اور اسی لئے میں نے بھی اچھل کر اُسے یقین دلا دیا تھا کہ میں بالکل چغد ہوں۔"

"خیر مجھے تو پہلے ہی سے یقین تھا۔"حمید نے سنجیدگی سے کہا اور فریدی نے اُس کی پیٹھ پر ایک گھونسہ جما دیا۔

برآمدے سے صبیحہ انہیں دیکھ رہی تھی، جیسے ہی فریدی کا گھونسہ حمید پر پڑا وہ "ہاں.... ہاں" کر کے دوڑی۔ اس پر فریدی نے اس کے قریب پہنچتے پہنچتے دو چار ہاتھ جھاڑ دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حمید سچ مچ جھلا گیا۔ صبیحہ اُن کے درمیان میں آ گئی۔

"آپ ہٹ جایئے براہِ کرم....!"فریدی نے کہا۔

"کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ جمال صاحب آپ سے کمزور ہیں۔"صبیحہ نے پوچھا۔

"آپ خواہ مخواہ....!"

"نہیں کمال صاحب آپ زیادتی کرتے ہیں۔ چھوٹے بھائی کو بھی غصہ آ سکتا ہے۔"

پھر اُس نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف کھینچتے ہوئے کہا۔"چلئے! میرے ساتھ ایسے بڑے بھائی پر خدا کی مار....!"

فریدی وہیں کھڑا رہا اور وہ حمید کو کوٹھی کی طرف گھسیٹ لے گئی۔

دھماکہ

صبیحہ نے لائبریری میں پہنچ کر حمید کو ایک کرسی میں دھکیل دیا اور اپنے چہرے پر سے بالوں کی وہ لٹ ہٹاتی ہوئی بولی، جو بار بار اپنی جگہ سے ہٹ کر چہرے پر جھول جاتی تھی۔

"اگر میں اسے قینچی سے اڑادوں تو کیسی رہے۔"

"ایک بہت بڑا مسئلہ حل ہو جائے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیسا مسئلہ....؟"

"میں اس سے ایک مصنوعی مونچھ بناڈالوں اور پھر بھیس بدل کر اُن لوگوں کی حجامت بناؤں جو دفینے کے چکر میں ہیں۔"

صبیحہ ہنسنے لگی۔ پھر سنجیدہ ہو کر بولی۔ "تو آپ کو بھی اس کہانی پر یقین نہیں ہے۔"

"کیوں! یقین کیوں نہ ہوتا۔" حمید یک بیک اور زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگا۔

"کچھ نہیں.... کوئی بات نہیں.... ہاں تو میں یہ کہنے والی تھی۔ آخر آپ اتنے سعادت مند کیوں ہیں؟"

"نہیں آپ مجھ سے اُسی کہانی کی بات کیجئے۔"

"مجھے اُس سے کوئی دلچسپی نہیں کیونکہ اس کہانی کا آغاز میری پیدائش سے قبل ہوا تھا۔"

"آپ کچھ چھپا رہی ہیں۔"

"ہاں میں یہ چھپا رہی تھی کہ میں مرجانے کی حد تک بور ہو چکی ہوں۔ نہ ڈیڈی یہ کوٹھی چھوڑتے ہیں اور نہ.... میں کہتی ہوں کیوں نہ ہم اس موضوع پر خاموش ہی رہیں۔"

"جیسی آپ کی مرضی....!" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"مگر مجھے آپ پر رحم آتا ہے۔"

"کیوں....!"

"آپ کے بھائی صاحب پاگل ہوں یا نہ ہوں لیکن آپ کے ساتھ ان کا برتاؤ انتہائی افسوس

ناک ہے۔ میں اسے سعادت مندی نہیں بلکہ بزدلی سمجھتی ہوں۔ آپ چپ چاپ پٹتے رہتے ہیں۔ چھی چھی.... بلکہ لاحول ولا قوۃ۔"

"میں کیا کروں۔ وہ مجھ سے زیادہ طاقت ور ہیں۔"

"طاقت سے کچھ نہیں ہوتا ہمت چاہئے۔" صبیحہ نے سنجیدگی سے کہا اور حمید اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔ یہ لڑکی بھی نوعیت کے اعتبار یکتا معلوم ہوتی تھی۔ یعنی وہ اس جیسے آدمی کو بھی گھسنے کی کوشش کر رہی تھی۔

حمید نے سوچا کہ اسے شیشے میں اتارنا یقیناً ایک بہت بڑا کارنامہ ہوگا۔

"ہمت! ہمت سے کیا بنتا ہے۔" وہ تھوڑی دیر بعد تشویش کن لہجے میں بولا۔

"جوڈو سمجھتے ہیں آپ....!" صبیحہ نے پوچھا۔

"بچپن میں سمجھتا تھا اب بھول گیا ہوں۔"

"میں سنجیدگی سے گفتگو کر رہی ہوں، جوڈو یا جیو جیتو.... کشتی کا جاپانی طریقہ۔"

"اوہو! میں سمجھ گیا۔ میں نے اس کے متعلق کہیں پڑھا تھا۔"

"میں آپکی مدد کر سکتی ہوں۔ میرے پاس اس فن کی ایک باتصویر کتاب ہے۔ آپ بہ آسانی مشق بہم پہنچا سکیں گے۔ پھر دیکھتی ہوں کہ وہ حضرت آپ پر کس طرح غالب آتے ہیں۔"

"میں آپ کا مشکور ہوں گا۔" حمید نے اشتیاق ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

صبیحہ ایک الماری کے قریب گئی اور اُس میں سے ایک ضخیم کتاب نکال لائی۔ "دو طریقے ہیں" وہ حمید کی طرف کتاب بڑھاتی ہوئی بولی۔ "جو ہاتھی کو مچھر سے زیر کرادیں۔"

حمید مضطربانہ انداز میں جلدی جلدی ورق گردانی کرنے لگا۔

"صبیحہ خدا کے لئے اپنی حرکتوں سے باز آجاؤ۔" انہیں زرینہ کی آواز سنائی دی، جو ایک دروازے میں کھڑی صبیحہ کو گھور رہی تھی۔

"خدا کے لئے تم میری سراغ رسانی ترک کردو۔" صبیحہ دانت پیس کر بولی۔

پھر دونوں میں سچ مچ جھڑپ ہوگئی۔ زرینہ لڑنے میں کمزور معلوم ہوتی تھی۔ جتنی دیر میں اُس کے منہ سے ایک بات نکلتی، صبیحہ دس سنا ڈالتی لیکن آخر کار پسپا اُسی کو ہونا پڑا۔ وہ چیختی چنگھاڑتی اور پیر پٹختی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

لیکن حمید یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ زرینہ فطرتاً صبیحہ کی ضد واقع ہوئی ہے کیونکہ اس غل غپاڑے کا اس پر مطلق اثر نہیں ہوا تھا اور وہ بدستور پُر سکون نظر آ رہی تھی۔

"دیکھئے! آپ اس کے چکر میں نہ پڑیئے گا۔" اُس نے تھوڑی دیر بعد حمید سے کہا۔ "اس سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہوگا۔ آپ اگر اس کی باتوں میں آئے تو خواہ مخواہ آپ کو بہت بھگتنا پڑے گا۔ یہ آئے دن نوکروں میں سر پھٹول کراتی رہتی ہے۔"

"اچھا!" حمید نے حیرت ظاہر کی۔

"خود ڈیڈی بھی اس سے عاجز ہیں۔"

"یہ آپ سے چھوٹی ہیں یا بڑی۔"

"مجھ سے دو سال چھوٹی ہے لیکن جب ڈیڈی کا احترام نہیں کرتی تو میرا کیا کرے گی۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ پھر دروازے کیطرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "ذرا ٹھہریئے۔"

اس نے باہر نکل کر چاروں طرف نگاہ دوڑائی جب یقین ہو گیا کہ صبیحہ آس پاس کہیں موجود نہیں ہے تو پھر لائبریری میں واپس چلا گیا۔

"دیکھئے!" اُس نے زرینہ کو مخاطب کیا۔ "آپ ٹھیک کہتی ہیں کہ صبیحہ صاحبہ ڈاکٹر کا بھی احترام نہیں کرتیں۔ یہی نہیں بلکہ انہیں جھوٹا بھی سمجھتی ہیں۔ مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ انہیں دفینے والی کہانی پر یقین نہیں ہے۔"

"میں نے سنا تھا۔" زرینہ بولی۔ "لیکن یہ سوچ بھی نہیں سکتی کہ ڈیڈی جھوٹ بولیں گے۔ بہت اونچے آدمی ہیں۔"

"کیا یہ کوٹھی آپ کی بھی پیدائش سے قبل خریدی گئی تھی۔"

"جی ہاں....!"

"بدتمیزی تو ضرور ہے۔ لیکن کیا میں آپ کی عمر پوچھ سکتا ہوں۔"

"عمر....!" زرینہ کے چہرے پر الجھن کے آثار نظر آنے لگے۔

"میں معافی چاہتے ہوئے اپنا سوال واپس لیتا ہوں۔" حمید نے شرمندگی کا اظہار کیا۔

"اوہو.... اس کی ضرورت نہیں۔" زرینہ مسکرائی۔ "حقیقت یہ ہے کہ مجھے اپنی صحیح عمر معلوم نہیں.... ڈیڈی ہم دونوں پر بھی ایک تجربہ کر رہے ہیں۔ آپ جانتے ہی ہوں گے کہ

نفسیات قسم کے لوگوں کو تجربات کا کتنا شوق ہوتا ہے۔ اسی تجربے کی بناء پر ڈیڈی نے ہم دونوں کو اسکول یا کالج میں تعلیم نہیں دلوائی۔"

"بھلا وہ کیسا تجربہ ہوگا۔" حمید نے تحیر آمیز انداز میں اپنے ہونٹ سکوڑ لئے۔

"ڈیڈی اس موضوع پر ایک کتاب لکھ رہے ہیں کہ اگر آدمی کو اپنی صحیح عمر معلوم نہ ہو تو وہ جلدی بوڑھا نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے انہوں نے ہمیں اسکول میں بھی داخل نہیں کرایا تھا۔ داخل کرتے تو عمریں بھی لکھوانی پڑتیں۔ ویسے میں اتنا ضرور جانتی ہوں کہ صبیحہ مجھ سے دو سال چھوٹی ہے، اور یہ ڈیڈی ہی نے بتایا تھا۔ بہر حال وہ ہم دونوں پر اپنے اس نظریئے کا تجربہ کر رہے ہیں۔"

"خوب! کمال ہے۔" حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔

"اچھا....!" وہ اٹھتی ہوئی بولی۔ "میں آپ کو صرف اتنا بتانا چاہتی تھی کہ صبیحہ سے ہوشیار رہئے گا۔ ورنہ وہ آپ کو کسی نہ کسی مصیبت میں ضرور پھنسا دے گی۔"

"میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ ویسے میں یہ کتاب پڑھنا چاہتا ہوں۔ وقت گذاری کے طور پر سمجھ لیجئے۔"

"شوق سے پڑھئے۔ آدمی کو بس اپنی عقل درست رکھنی چاہئے۔"

زرینہ چلی گئی اور حمید اُن دونوں بہنوں کے متعلق سوچتا رہا.... دونوں میں کتنا تضاد ہے۔ پھر اُسے ڈاکٹر کا خیال آیا اور وہ اُسے اور زیادہ پُر اسرار معلوم ہونے لگا۔ آخر یہ عمر کا کیا لطیفہ تھا۔ نفسیاتی طور پر سمجھ میں آنے والی بات ضرور تھی.... مگر....؟ ایسی بھی نہیں کہ کسی پر اس کا باقاعدہ تجربہ کر کے کتاب لکھی جائے۔ قطعی حماقت انگیز.... کیا اُسے توقع ہے کہ وہ ان لڑکیوں کے بڑھاپے کی عمر شروع ہونے تک زندہ رہے گا۔ ظاہر ہے کہ اس سے قبل نہ تجربہ مکمل ہو سکتا ہے اور نہ کتاب ہی تکمیل پا سکتی ہے۔

وہ کچھ دیر تک وہیں بیٹھا رہا پھر باہر چلا آیا۔ وہ اس تجربے کا تذکرہ فریدی سے بھی کرنا چاہتا تھا۔ لیکن فریدی اُسے کہیں نہ ملا۔ وہ شام تک اس کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن مایوسی ہی ہوئی۔ فریدی کافی رات گئے تک واپس نہیں آیا۔ ڈاکٹر نے بھی اس پر تشویش ظاہر کی اور ماتھر کو فون کیا۔ لیکن اس نے بھی فریدی کے متعلق لاعلمی ظاہر کی۔

حمید رات بھر اطمینان سے خراٹے لیتا رہا۔ ظاہر ہے کہ اُسے کیا تشویش ہو سکتی تھی کیونکہ

فریدی یہاں کسی کام ہی کے لئے آیا تھا۔

دوسری صبح حمید خود سے بیدار نہیں ہوا بلکہ کوئی بے تحاشہ اُس کے کمرے کا دروازہ پیٹے جارہا تھا اور اس کی متواتر آوازوں نے اُسے جگادیا تھا۔ اُس نے اٹھ کر جلدی سے جسم پر شب خوابی کا لبادہ ڈالا اور پھر دروازہ کھول دیا۔

اس طرح دروازہ پیٹنے والی صبیحہ تھی۔ اُس کے ہاتھ میں شائد آج کا کوئی اخبار تھا۔ وہ حمید کو ایک طرف ہٹاتی ہوئی کمرے میں گھس آئی۔

"واقعی آپ کے بھائی صاحب دھن کے پکے معلوم ہوتے ہیں۔" اُس نے حمید کی طرف اخبار بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں سمجھا آپ کیا کہہ رہی ہیں۔"

"دیکھئے....!" اُس نے اخبار کا صفحہ الٹ کر ایک سرخی کی طرف اشارہ کیا۔

"سردار محمود کی کوٹھی میں پُراسرار دھماکہ۔ پوری کوٹھی دھوئیں سے بھر گئی۔ کسی جانی یا مالی نقصان کی اطلاع نہیں ملی۔ قرب وجوار میں کافی ہیجان پایا جارہا ہے۔ بعد کی اطلاعات مظہر ہیں کہ وہ دھوئیں کا بم تھا۔ سردار محمود کا بیان ہے کہ وہ اُن کے کسی دشمن کی حرکت معلوم ہوتی ہے، لیکن انہوں نے کسی خاص آدمی پر اپنا شبہ نہیں ظاہر کیا۔"

حمید خبر پڑھ کر صبیحہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"اور وہ حضرت ابھی تک واپس نہیں آئے۔" صبیحہ نے کہا۔

"نہیں آئے۔" حمید نے خواہ مخواہ اضطراب ظاہر کرنا شروع کردیا۔

"ڈیڈی کا خیال ہے کہ اُن کے لئے پاگل خانہ ہی مناسب رہے گا اور انہیں افسوس ہے کہ انہوں نے دفینے کا قصہ آپ لوگوں کو کیوں بتایا۔"

"مجھے جانا چاہئے۔"

"کہاں؟"

"بھائی صاحب کی تلاش میں۔"

"آپ صرف دو ہی بھائی ہیں۔"

"جی ہاں....!"

"جائیداد یقیناً بڑی ہوگی اور بینک بیلنس بھی۔"

"جی ہاں! خدا کے فضل سے بہت کچھ ہے۔"

"تب پھر آپ انہیں مرہی جانے دیجئے۔"

"کیا لغویت ہے؟" حمید نے غصہ ظاہر کیا۔

"لغویت نہیں۔ اُن کے مرجانے پر آپ جائیداد کے تنہا مالک ہوں گے۔"

"آپ کو اس قسم کی فضول باتیں نہ کرنی چاہئیں۔"

"حالانکہ میں نے آپ کے فائدے ہی کی بات کہی ہے۔"

"تو اس طرح آپ محترمہ زرینہ کی موت کی بھی خواہش مند ہوں گی۔"

"یقیناً میرا بس چلے تو میں اُسے آج ہی مار ڈالوں۔"

"ڈاکٹر کے سامنے یہی الفاظ دہرانے کی ہمت ہے۔"

"اوہو! ڈیڈی....!" صبیحہ مضحکہ اڑانے والے انداز میں ہنسی۔ "انہیں تو جب چاہوں زہر دے دوں۔"

"اچھا اچھا! میں ڈاکٹر کو سب کچھ بتادوں گا۔"

"وہ تو بعد کی بات ہے۔ آپ لوگ اپنے بچاؤ کی فکر کیجئے۔ میں پولیس کو اطلاع دینے جارہی ہوں کہ دھوئیں کا بم پھینکنے والا کون ہے۔"

حمید اس کی سنجیدگی دیکھ کر بوکھلا گیا۔

"مجھے سردار محمود سے ہمدردی ہے۔ ڈیڈی خواہ مخواہ ایک شریف آدمی پر الزام رکھ رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ سردار صاحب نے کبھی کوٹھی خریدنے کی خواہش ظاہر کی ہو لیکن اس بات کا ڈیڈی کے پاس کیا ثبوت ہے کہ ان حرکتوں میں انہیں کا ہاتھ ہے۔"

حمید میز کے گوشے پر بیٹھ کر صبیحہ کو بغور دیکھنے لگا۔ ویسے اس نے اپنے چہرے پر سراسیمگی کے سارے آثار پیدا کر رکھے تھے۔

"اور آپ کے بھائی صاحب سو فیصدی پاگل معلوم ہوتے ہیں۔" صبیحہ پھر بولی۔ "میں انہیں پاگل خانے ضرور بھجواؤں گی اور آپ جیل کے منتظر رہئے۔"

"میں نے کیا کیا ہے۔" حمید نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

"آپ نے....!" وہ حمید کے قریب پہنچتی ہوئی بولی۔ "خیر میں آپ کو معاف کرتی ہوں آپ پر مجھے نہ جانے کیوں رحم آتا ہے۔"

اچانک وہ حمید کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی اور حمید نے موج میں آکر آنکھیں بند کرلیں صبیحہ سر سہلاتے سہلاتے گال بھی سہلانے لگی۔ پھر حمید کا کیا پوچھنا وہ خود کو تخت سلیمان محسوس کرنے لگا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں تخت الٹ گئی کی بھی سیر کرنی پڑی۔ کیونکہ صبیحہ گال سہلاتے سہلاتے اچانک ایک بھرپور ہاتھ رسید کردیا تھا اور پھر اُس کے سنبھلنے سے پہلے ہی وہاں سے ہوا ہوگئی۔ حمید ایک ہاتھ داہنے گال پر رکھے اور بُرا سا منہ بنائے بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز سن رہا تھا۔

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ دوسرے گال پر اپنے ہی ہاتھ سے تھپڑ رسید کرلے۔

اچانک ڈاکٹر کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک اخبار تھا۔

"تم نے دیکھی وہ خبر۔" اُس نے آتے ہی کہا۔ اس کے لہجے میں مسرت آمیز لرزش تھی۔

"جی ہاں دیکھ لی۔" حمید نے اپنا موڈ ٹھیک کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "میں جا ہوں بھائی نے جو کچھ کہا ہے کر گزریں گے۔"

"یہ بہت اچھا ہوا۔ لیکن کمال صاحب ہیں کہاں۔"

"پتہ نہیں! مجھے تشویش ہے۔ ویسے اُن کی ذہنی حالت کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ ویسے انہیں صرف سنکی کہا جاسکتا ہے۔ پاگل نہیں۔ انہیں تلاش کرنا چاہئے اب کوئی ایسی حرکت ہونی چاہئے جس سے سردار محمود کو علم ہوجائے کہ اس دھماکے کا تع میری ذات سے ہے۔ ایسا ضرور ہونا چاہئے۔"

نمبر چوالیس

محض دکھاوے کے لئے حمید فریدی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ ورنہ اُسے ذرہ برابر تشویش نہیں تھی۔ البتہ وہ سردار محمود کے متعلق معلومات فراہم کرنا ضروری سمجھتا تھا۔

فریدی کو ڈاکٹر کی کہانی پر یقین نہیں آیا تھا لیکن اس کے باوجود بھی اُس نے سردار محمود

خلاف وہ حرکت کر ڈالی تھی۔ یہ بات حمید کی سمجھ میں نہ آسکی۔ دوسری طرف اُسے ڈاکٹر سے زیادہ اس کی لڑکیاں پُراسرار معلوم ہو رہی تھیں اور صبیحہ اُسے تو وہ ایک اچھا سبق دینا چاہتا تھا۔

وہ تمام دن باہر ہی باہر رہا۔ شام کو اس نے سوچا کہ ماتھر سے بھی ملتا چلے، ممکن ہے فریدی سے وہیں ملاقات ہوجائے۔ اس کا خیال درست نکلا۔ فریدی ماتھر کے بنگلے میں موجود تھا اور بہت اچھے موڈ میں تھا۔ حمید نے اُسے سارے واقعات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ "اب ڈاکٹر چاہتا ہے کہ سردار محمود اس بات سے آگاہ ہوجائے کہ دھوئیں کے بم کا تعلق اسی کی ذات سے تھا۔ ویسے صبیحہ کو دفینے والی کہانی پر بالکل یقین نہیں۔"

"میں اسے بھی کوئی اہمیت نہیں دیتا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"پھر آپ نے سردار محمود کی کوٹھی میں بم کیوں پھینکا تھا۔"

"وہ تو آج بھی پھینکا جائے گا۔"

"آخر معاملہ کیا ہے؟"

"تم فی الحال اس کی فکر نہ کرو۔ اگر ہوسکے تو کل ڈاکٹر کو گھر سے باہر ہی نہ نکلنے دینا۔ مگر نہیں.... یہ تمہارے بس کی بات نہیں۔ خیر میں ہی کوئی انتظام کرلوں گا لیکن تم اس کے فون میں تو کچھ نہ کچھ خرابی پیدا ہی کرسکو گے۔ یہ بہت ضروری ہے.... خواہ تمہیں اس کے تار ہی کیوں نہ کاٹنے پڑیں۔"

"آخر کیوں....!"

"کل میں پاگل خانے کی سیر کرنا چاہتا ہوں۔ وہ وہاں کے انتظامی اُمور میں بھی دخیل ہے اور اسکی لاعلمی میں کوئی باہری آدمی پاگل خانے میں نہیں داخل ہوسکتا۔ خواہ وہ کوئی سرکاری آفیسر ہی کیوں نہ ہو۔ پاگل خانے میں داخلے کے اجازت نامے پر اُسکے دستخط ہونے ہر حال میں لازمی ہیں۔"

"میں سمجھ گیا۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "اچھا۔ میں اس بات کی کوشش بھی کروں گا کہ وہ کل گھر سے باہر نکلنے ہی نہ پائے۔"

"کیسے روکو گے۔"

"نہایت آسانی سے۔ آپ یہی چاہتے ہیں نا کہ کل وہ نہ تو پاگل خانے جائے اور نہ فون پر کسی سے گفتگو کرسکے۔"

"ہاں میں یہی چاہتا ہوں۔"

"تو یہ ہو جائے گا۔ میں آج ہی رات کو اُس کی دونوں لڑکیوں سمیت غائب ہو جاؤں گا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا اور فریدی اپنے داہنے ہاتھ کی مٹھی باندھ کر گھونسہ بنانے لگا۔ لیکن خلاف توقع اس نے بہت نرمی سے کہا۔ "میں اس معاملے میں تم سے سنجیدگی کی توقع رکھتا ہوں۔"

"پھر اس کے علاوہ اور کوئی تدبیر میرے ذہن میں نہیں ہے۔"

"فرض کرو اگر لڑکیاں نہ ہوتیں تو تم کیا کرتے۔"

"ایک منٹ کے لئے بھی وہاں نہ ٹھہرتا۔"

"مذاق ختم کرو۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "تم اس سے کہہ دینا کہ وہ کل گھر سے باہر نہ نکلے۔ اسی طرح سردار محمود کو دھماکے والے معاملے کے متعلق یقین دلایا جاسکتا ہے کہ وہ اسی کا کام تھا۔ سمجھے.... اور اس کے بعد تم ٹیلی فون کے تار تو کاٹ ہی سکتے ہو۔"

"پھر دن بھر میں کیا کرتا رہوں گا۔"

"جو کچھ آج کرتے رہے ہو۔ بس اب دفع ہو جاؤ۔"

حمید دفع ہو جانے کے باوجود بھی سیدھا ڈاکٹر کی طرف نہیں گیا۔ کافی رات گئے تک ہوٹلوں اور ریستورانوں کے چکر کاٹتا رہا اور پھر جب کوٹھی پہنچا تو ڈاکٹر کو اپنا منتظر پایا۔

"کچھ پتہ چلا۔" ڈاکٹر کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

"جی ہاں ملے اور عجیب حال میں ملے۔ مجھے تو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آتا۔ وہی بھلے صاحب جو آکسفورڈ یونیورسٹی کے گریجویٹ ہیں خدا کی پناہ.... حمید اپنا منہ پیٹ کر خاموش ہو گیا۔"

"کیوں! کس حال میں تھے۔" ڈاکٹر کا اشتیاق بڑھ گیا۔

"اُن کے جسم پر امریکن غنڈوں کا سا لباس تھا اور وہ ایک بدنام قسم کے ہوٹل میں چند لفنگوں کے ساتھ تاش کھیل رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر انہیں یکلخت غصہ آگیا اور اُس کے ساتھ ہی اپنی آستین سمیٹنے لگے۔ ایک نے اُن سے کہا بھی کہ استاد کہو تو ہاتھ صاف کردوں۔ لیکن وہ مجھے الگ لے گئے اور بتایا کہ آج رات کو پھر سردار محمود کی کوٹھی میں دھوئیں کا بم پھینکا جائے گا۔ ڈاکٹر سے کہہ دینا کہ کل دن بھر کوٹھی سے کمپاؤنڈ میں بھی نہ نکلیں۔"

"کیوں؟" ڈاکٹر کی حیرت بڑھ گئی۔

"پتہ نہیں۔ انہوں نے پوری بات نہیں بتائی۔ البتہ یہ ضرور کہا تھا کہ اسی طرح سردار محمود کو یقین دلایا جاسکتا ہے کہ اس معاملے میں ڈاکٹر ہی کا ہاتھ ہے۔"

"بہت خوب۔ بہت خوب۔ یہ اشد ضروری تھا۔ کل میں باہر نہیں نکلوں گا۔ اور کچھ؟"

"اور دوسری اہم بات میں خود کہنا چاہتا ہوں۔"

"وہ کیا؟"

"محترمہ صبیحہ آپ ہی کی وہ میں رہتی ہیں۔"

"کیا مطلب....؟" ڈاکٹر یک بیک چونک پڑا۔ اس کا یہ انداز نہ جانے کیوں حمید کو بہت پُراسرار معلوم ہوا۔

"انہیں دفینے والی کہانی پر یقین نہیں ہے۔ مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ تم بیوقوف ہو اگر تمہیں اس پر یقین آجائے۔"

"اوہ....!" ڈاکٹر کے چہرے پر اطمینان نظر آنے لگا اور وہ ہنس کر بولا۔ "وہ شیطان ہے۔ یہ بات تو وہ مجھ سے بھی کئی بار کہہ چکی ہے۔ تم اس کی باتوں میں نہ آنا۔ بہت شریر ہے۔"

حمید نے پھر یہ بات آگے نہیں بڑھائی۔ وہ ڈاکٹر کے رویئے پر غور کرنے لگا۔ آخر وہ اس بُری طرح چونکا کیوں تھا اور پھر پوری بات سن لینے کے بعد مطمئن بھی نظر آنے لگا تھا۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ اس معاملے کو چھوڑ کر کوئی دوسرا معاملہ بھی ہو سکتا ہے جس کے لئے صبیحہ کا اس کوٹھی میں رہنا غیر متوقع ہی نہیں بلکہ ناممکنات میں سے ہو۔

صبیحہ کے بارے میں سوچتے وقت حمید کو اس کا تھپڑ یاد آگیا اور وہ سوچنے لگا کہ اُس سے اس کا بدلہ کس طرح لیا جائے۔ وہ سوچتا رہا اور اُسے نیند آگئی۔

دوسری صبح ٹھیک آٹھ بجے اُس نے ٹیلی فون کے تار کاٹ دیئے۔

ڈاکٹر نے ابھی تک سچ مچ کوٹھی سے باہر قدم نہیں نکالا تھا اور حمید کو توقع تھی کہ وہ فریدی کے ہر مشورے پر عمل کرے گا البتہ اُسے ٹیلی فون کی فکر ضرور تھی۔ تار غالباً اس لئے کٹوائے گئے تھے کہ ڈاکٹر فون پر بھی کسی سے رابطہ نہ قائم کر سکے لیکن یہ ضروری تو نہیں تھا کہ وہ اپنے فون سے کام نہ لے سکنے کی بناء پر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہتا۔ فون کی خرابی کی اطلاع وہ کسی

دوسری جگہ سے بھی ٹیلی فون کے محکمے کو دلوا سکتا تھا۔ ایسی صورت میں تار کاٹنے کا علم اُسے یقینی طور پر ہو جاتا.... پھر.... حمید سوچتا اور الجھتا رہا لیکن یہ حقیقت ہے کہ گیارہ بجے تک ڈاکٹر نے فون استعمال کرنے کی ضرورت ہی نہیں محسوس کی۔

آج حمید لڑکیوں سے دور ہی دور رہنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر صبیحہ سے ملاقات ہو گئی تو وہ مستقل طور پر پیچھا پکڑ لے گی اور حمید ڈاکٹر کی نگرانی نہ کر سکے گا۔ نگرانی کا خیال بھی نیا نہیں تھا۔ یہ کہنا قطعی غلط ہو گا کہ حمید ڈاکٹر کی طرف سے مطمئن تھا کیونکہ اُسے ابھی تک اس بات پر یقین نہیں آیا تھا کہ وہ ان دونوں پر اعتماد کرنے لگا ہے۔

تقریباً بارہ بجے ایک کار کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ ایک آدمی اس میں سے اُتر کر پورچ کی طرف دوڑنے لگا۔ اس نے بڑے گھبرائے ہوئے لہجے میں ایک نوکر سے ڈاکٹر کے متعلق پوچھا اور اس بات پر مصر ہوا کہ اُسے براہِ راست ڈاکٹر کے پاس پہنچا دیا جائے۔ راستے میں حمید سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ اُس نے اس آدمی کو غور سے دیکھا اور پہلی ہی نظر میں کھٹک گیا۔

ڈاکٹر لائبریری میں تھا۔ حمید جلدی سے راہداری سے نکل کر لان پر آیا اور باہر ہی باہر لائبریری کی پشت پر پہنچ گیا۔ اب وہ ٹھیک اس کھڑکی کے نیچے تھا جس کی دوسری طرف ڈاکٹر ایک آرام کرسی میں لیٹا ہوا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔

"کیوں کیا بات ہے۔" ڈاکٹر کی آواز صاف سنائی دی۔ اُس کے لہجے میں استعجاب تھا۔ حمید بالکل کھڑکی سے لگ کر کھڑا ہو گیا، جو اس کے سر سے تقریباً ایک بالشت اونچی تھی۔

"نمبر چوالیس کی حالت بہت خراب ہے۔ اُسے کسی نے زہر دیا ہے۔"

"زہر دیا ہے۔" ڈاکٹر نے دہرایا۔

"جی ہاں اور محکمہ سراغ رسانی کا ایک آفیسر وہاں موجود ہے۔"

"تو تم نے سب سے پہلے پولیس کو اطلاع دی تھی۔" ڈاکٹر کا لہجہ ناخوشگوار تھا۔

"نہیں جناب.... وہ آفیسر بہت مشہور آدمی ہے اور وہ خود ہی آج صبح نمبر چوالیس کے متعلق پوچھ گچھ کرنے کے لئے وہاں آیا تھا۔"

"خود ہی آیا تھا۔" ڈاکٹر نے حیرت سے دہرایا۔ "اور وہ کوئی مشہور آدمی ہے۔"

"جی ہاں.... کرنل فریدی۔"

"کرنل فریدی۔" کرسی کھسکانے کی آواز آئی شاید ڈاکٹر کھڑا ہو گیا تھا۔

"اور جناب! کرنل فریدی ہی نے ہمیں یہ بات بتائی تھی کہ اُسے زہر دیا گیا ہے۔"

"بیٹھ جاؤ۔" ڈاکٹر مضطربانہ انداز میں بولا۔ "تمہاری باتیں بے ربط ہیں آخر کرنل فریدی وہاں کیسے پہنچ گیا۔"

"بس وہ وہاں آیا۔ ڈیوٹی انچارج سے مل کر اُس نے اس کے متعلق پوچھ گچھ کی اور سیدھا اس کی کوٹھری کی طرف چلا گیا۔ ظاہر ہے کہ انچارج اُسے کیسے روکتا۔ وہ کوئی معمولی آدمی تو ہے نہیں۔ بہر حال جب وہ اس کی کوٹھری میں پہنچا تو وہ بیہوش پڑا تھا۔ کرنل ہی نے یہ بات سب سے پہلے محسوس کی کہ اُسے زہر دیا گیا ہے۔ میں نے آپ کو فون کیا لیکن شاید آپ کا فون خراب ہے۔ انکوائری سے یہی معلوم ہوا تھا.... پھر سیدھا یہیں چلا آیا۔"

"نہیں فون تو ٹھیک ہے۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "خیر کرنل فریدی وہاں موجود ہے یا چلا گیا۔"

"موجود ہے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے۔ نمبر چوالیس بچ جائے گا.... یا....!"

"کچھ کہا نہیں جا سکتا۔"

"اچھا! تم اپنی زبان بالکل بند رکھنا۔ تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا کہ اُسے میں نے ہی پاگل خانے میں داخل کیا تھا۔"

"میری زبان بالکل بند رہے گی۔ آپ مطمئن رہیں۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر ڈاکٹر نے کہا۔ "اب تم وہیں واپس جاؤ۔ جیسے ہی کرنل وہاں سے رخصت ہو مجھے فوراً فون پر اطلاع دینا۔ میں دیکھوں گا کہ فون میں کیا خرابی ہے۔"

حمید کھڑکی کے پاس سے ہٹ آیا۔ اس کی دانست میں اب کوئی کھٹکا نہیں تھا۔ ڈاکٹر فریدی کی موجودگی میں وہاں جانے سے رہا لہٰذا اب اُس کی بھی ضرورت نہیں تھی کہ ڈاکٹر کو فون کی خرابی سے لاعلم رکھا جائے۔

حمید پورچ میں کھڑا نووارد کی کار کو پھاٹک سے نکلتے دیکھتا رہا۔ ڈاکٹر ابھی تک لائبریری ہی میں تھا۔ حمید پہلے تو اس کمرے میں گیا جہاں فون رکھا ہوا تھا پھر لائبریری کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے بھر وہ اپنے چہرے پر بدحواسی کے آثار پیدا کرتا رہا۔

پھر لائبریری میں داخل ہوتے ہی للکارا۔ "ڈاکٹر کسی نے ٹیلی فون کے تار کاٹ دیئے ہیں۔"

ڈاکٹر نے بڑے پُر سکون انداز میں اس کا یہ جملہ سنا اور پھر اُس کے ہونٹوں پر ایک طنز آمیز مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ لیکن وہ کچھ کہے بغیر پھر مطالعہ میں مصروف ہو گیا۔

حمید چپ چاپ کھڑا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کہے.... وہ سوچنے لگا کہ کیا ڈاکٹر سچ مچ اُس کی حرکتوں سے واقف ہے۔ اس کی مسکراہٹ اور لاپروائی کے اظہار کا تو یہی مطلب ہو سکتا ہے۔

"اب اور کیا کہنا چاہتے ہو۔" ڈاکٹر کتاب بند کر کے عینک کے اوپر سے حمید کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"کچھ نہیں!" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ "میرا خیال تھا کہ یہ معاملہ اتنا غیر اہم نہیں ہو سکتا جسے اس طرح رواداری میں ڈال دیا جائے۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن اب اس کے علاوہ چارہ بھی نہیں۔ ویسے اگر تم تاروں کو درست کر سکو تو میں تمہارا مشکور ہوں گا۔ سلامت سے کہو۔ وہ تار مہیا کر دے گا۔"

ڈاکٹر نے پھر کتاب کھول لی اور حمید وہاں سے چلا آیا۔

تاروں کی درستگی میں بیس منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔ حمید اس دوران میں اس نووارد کے متعلق سوچتا رہا تھا۔ اور وہ خبر.... زہر کسے دیا گیا تھا۔ کیا اُسی پاگل کو جس کے لئے فریدی رام گڈھ آیا تھا لیکن یہ حیرت انگیز بات نہیں تھی کہ آج ہی فریدی نے اس تک پہنچنا چاہا اور آج ہی اُسے زہر دے دیا گیا؟ لیکن وہ زہر دینے والا کون ہو سکتا ہے؟ اور ان معاملات میں ڈاکٹر نجیب کی کیا حیثیت تھی؟ حمید اس گتھی کو نہ سلجھا سکا۔ فون کو ٹسٹ کرنے کے لئے وہ پھر کمرے میں آگیا۔ اب وہ ٹھیک ہو گیا تھا۔

حمید خیالات میں کھویا ہوا میز کے گوشے سے ٹک گیا۔ آخر وہ کون تھا جس کے لئے فریدی کو یہاں تک آنا پڑا۔ اس نے کسی کے اغواء کا بھی تذکرہ کیا تھا لیکن پوری بات نہیں بتائی تھی۔ لیکن ڈاکٹر نجیب.... وہ اُس پاگل سے بھی زیادہ پُر اسرار معلوم ہوتا تھا۔ پاگل کے زہر دیئے جانے سے زیادہ اُس نے وہاں فریدی کی موجودگی پر تشویش ظاہر کی تھی۔ آخر کیوں؟

اچانک فون کی گھنٹی بجی اور حمید نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو....!"

"ڈاکٹر نجیب۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ہاں.... میں ہی ہوں۔" حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"نمبر چوالیس مر گیا اور کرنل یہ کہہ کر چلا گیا تھا کہ وہ ابھی یہاں کے مقامی حکام کو لا کر باضابطہ کاروائیوں کی تکمیل کرے گا.... مگر....!"

"مگر کیا؟" حمید نے پوچھا۔

"اُس کے جانے کے ٹھیک پندرہ منٹ بعد ایک دوسرا کرنل فریدی آدھمکا ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"ایک دوسرا آدمی جو خود کو کرنل فریدی ظاہر کرتا ہے۔ میں نے اُسے فی الحال روک لیا ہے۔ آپ جو کچھ کہیں کیا جائے۔ یہ آدمی نوعمر ہے اور اسے کسی طرح بھی کرنل فریدی نہیں تسلیم کیا جا سکتا۔"

"میرا خیال ہے کہ اُسے بھی لاش دکھا دو۔" حمید بولا۔

"تم میری آواز کی بہت اچھی نقل کر رہے ہو۔" ڈاکٹر نجیب نے کہا جو کمرے کے دروازے میں کھڑا حمید کو گھور رہا تھا۔ حمید جلدی سے ریسیور رکھ کر ہر قسم کے خطرے کے لئے تیار ہو گیا۔

دھوکا اور فائر

فون کی گھنٹی پھر بجی۔ لیکن اس بار حمید نے ریسیور نہیں اٹھایا۔ ڈاکٹر بھی جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ گھنٹی بجتی رہی۔ آخر ڈاکٹر نے کہا۔

"دیکھو.... کون ہے۔"

حمید کو اس پر متحیر ہونے کا موقع بھی نہ مل سکا اور اُس نے ریسیور اٹھالیا۔ البتہ اُس نے ڈاکٹر کو سچ مچ حیرت میں ڈال دیا کیونکہ اس بار اس کی آواز عورتوں کی سی تھی۔ یہ آواز نہ صرف نسوانی بلکہ صبیحہ کی آواز سے مشابہہ بھی تھی۔

"ہاں.... ڈاکٹر موجود ہیں! ٹھہریئے۔" حمید ماؤتھ پیس میں کہہ کر ڈاکٹر کی طرف مڑا۔

اُس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی لیکن ڈاکٹر کے ہونٹ خشک ہوگئے تھے اور وہ جلدی جلدی پلکیں جھپکا رہا تھا۔ اُس نے حمید کے ہاتھ سے ریسیور لے لیا۔

"ڈاکٹر نجیب اسپیکنگ.... اوہ.... کیا .... کیسی لاش.... اچھا.... اچھا.... ہاں.... ہاں.... خیر کوئی فکر نہ کرو۔ بس تمہاری زبان بند رہنی چاہئے۔"

ڈاکٹر نے ریسیور رکھ دیا اور ایک کرسی میں گر کر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ حمید ٹھیک اُس کے سامنے بیٹھا سر کھجاتا رہا تھا۔ اچانک ڈاکٹر نے اُسے مخاطب کیا۔ "پہلے تم نے کس کا فون ریسیور کیا تھا۔"

"کال آپ ہی کی تھی۔" حمید نے شرمندگی ظاہر کرنے والے لہجے میں کہا۔

"کون تھا۔"

"اس نے اپنا نام نہیں بتایا مگر پیغام عجیب تھا۔"

"کیا تھا....؟"

"اوٹ پٹانگ.... کہنے لگا نمبر اکیاون یا اکتالیس یا اور کوئی نمبر.... مجھے نمبر یاد نہیں.... بہرحال وہ نمبر مر گیا۔ ایک کرنل سعیدی چلا گیا اور اب دوسرا کرنل سعیدی آیا ہے۔ کرنل سعیدی یا اور کچھ۔ نام کے متعلق میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ مجھے صحیح یاد ہے۔"

"تم نے فون کے تار کیوں کاٹے تھے۔" ڈاکٹر کے لہجے میں سختی پیدا ہو گئی۔

"تاکہ مجھے ان کی مرمت کرنی پڑے۔" حمید نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

"میں بہت زیادہ بیوقوف نہیں بن سکتا۔"

"یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"تم دونوں اب مجھے اپنی نیک نیتی کا یقین نہیں دلا سکتے۔"

"اگر یقین نہ کرنا چاہیں تو آپ کو دنیا کی کوئی طاقت یقین نہیں دلا سکتی۔"

"تو گویا تم اب بھی یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم لوگ میرے ساتھ کوئی چال نہیں چل رہے ہو۔"

"میں مرتے دم تک آپ کو اپنی نیک نیتی کا یقین دلاتا رہوں گا۔"

ڈاکٹر چند لمحے کچھ سوچتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔ "اچھا تو میں ابھی امتحان کئے لیتا ہوں۔ آؤ میرے ساتھ.... چلو اٹھو....!"

حمید اُٹھ کر اُس کے ساتھ ہو لیا۔

ڈاکٹر اُسے عمارت کے باہر نہیں لے گیا۔ لیکن پھر بھی حمید کو کافی چلنا پڑا کیونکہ عمارت کا پھیلاؤ بہت زیادہ تھا۔ بالآخر وہ ایک کمرے کے سامنے رک گئے جس کا دروازہ بند تھا۔ ڈاکٹر نے آگے بڑھ کر دروازے پر نظریں جمادیں۔ پھر تھوڑی دیر بعد حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "کیا تم اس تحریر کو پڑھ سکتے ہو۔"

"کون سی تحریر؟" حمید نے پوچھا۔ وہ دروازے سے تقریباً چار فٹ کے فاصلے پر تھا اور ابھی تک اُسے کوئی تحریر نظر نہیں آئی تھی۔

"یہ تحریر۔" ڈاکٹر نے دروازے پر ایک جگہ انگلی رکھ کر کہا۔

حمید اتنا آگے بڑھا کہ دروازے پر بالکل لگ گیا لیکن اب بھی اُسے کوئی تحریر نہ دکھائی دی۔ پھر وہ کوئی چبھتا ہوا جملہ کہنے کے لئے مڑنے ہی والا تھا کہ ڈاکٹر نے پیچھے سے اُسے ایک زوردار دھکا دیا۔ کیواڑ خود بخود کھلے اور حمید منہ کے بل کمرے میں جا گرا۔ دروازہ خود بخود پھر بند ہو گیا اور حمید نے سنبھلنے سے پہلے ہی تالے میں کنجی گھومنے کی آواز سنی۔

"اب کچھ دیر آرام بھی کرو۔" اُس نے ڈاکٹر کا قہقہہ سنا۔ "تم بہت تھک گئے ہو گے۔"

حمید اٹھ کر دروازے پر ٹکریں مارنے لگا۔ لیکن دروازہ کمزور نہیں تھا۔ اس نے ڈاکٹر کو آوازیں دیں، لیکن جواب ندارد پھر وہ تاؤ میں آکر زبانی طور پر اس سے ایک گندہ سا رشتہ قائم کرنے لگا۔ مگر شائد ڈاکٹر جا چکا تھا۔

یہ کمرہ نہیں بلکہ ایک کوٹھری تھی اور اس میں صرف یہی ایک دروازہ تھا، جس سے حمید اندر داخل ہوا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں اُسے گھٹن کا احساس ہونے لگا۔ عمارت کا یہ حصہ دور افتادہ تھا۔ حمید کو توقع نہیں تھی کہ کوئی نوکر بھی اُس کی آواز سن سکے، لہٰذا غل غپاڑہ بند کر کے وہ نہایت سنجیدگی سے حالات پر غور کرنے لگا۔ ایسے مواقع پر غور کرنے کے علاوہ اور کوئی عقلمندی سرزد نہیں ہو سکتی۔ بہرحال حمید کے غور و فکر کا نتیجہ اسکے سوا اور کیا ہو سکتا تھا کہ محض فریدی کی وجہ سے یہ دن دیکھنا پڑا۔ اگر وہ اُسے صحیح واقعات سے باخبر رکھتا تو اس کی نوبت کیوں آتی۔ وہ بہرحال ہوشیار رہتا۔ زیادہ نہیں تو صرف ڈاکٹر کی پوزیشن ہی واضح کر دی ہوتی۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔

گھڑی اس کی کلائی پر موجود تھی لہٰذا وہ بہ آسانی اس بوریت کی عمر طویل کا اندازہ کر سکتا تھا۔

دوپہر کا کھانا غائب۔ سہ پہر کی چائے ندارد اور اب گھڑی چھ بجا رہی تھی۔ حمید نے قطعی یہ نہیں سوچا کہ اس وقت غروب آفتاب کا منظر بڑا حسین ہوگا۔ وہ تو اب صرف رات کے کھانے کے متعلق سوچ رہا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ اگر رات اسی کوٹھری میں بسر کرنی پڑی تو پھر اپنے آباؤ اجداد تک کے خون کا انتقام لے ڈالیں گے۔ اس کے ذہن میں نہ تو زرینہ کی سنجیدگی کی تصویر تھی اور نہ صبیحہ کے چنچل پن کی تصویر.... اس وقت تو معدہ دماغ سے بھیک مانگ رہا تھا اور دماغ پر ایک بہت بڑا بسکٹ مسلط تھا۔ اتنا بڑا بسکٹ جس میں سے خیرات بھی نکالی جا سکے۔

سات بج کر چھ منٹ پر اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی اُسے پکار رہا ہو۔ پہلے تو سمجھا کہ یہ بھی خالی معدے کی اختراع ہے لیکن پھر یقین آگیا۔ آواز دور کی تھی۔ کبھی وہ قریب سے آتی ہوئی معلوم ہوتی اور کبھی دور ہو جاتی اور پھر حمید نے اُسے پہچان لیا۔ وہ فریدی کی آواز تھی۔ حمید دونوں ہاتھوں سے دروازہ پیٹ پیٹ کر حلق پھاڑنے لگا۔

راہداری دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سے گونج اٹھی۔

"حمید....!" فریدی نے پھر آواز دی اور شائد اب وہ اسی کوٹھری کے دروازے پر تھا۔

"لاشیں جواب نہیں دیا کرتیں۔" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔

پھر پانچ منٹ بعد دروازہ کھل گیا اور حمید نے فوراً محسوس کیا کہ اس دروازے پر اسپرنگ لگے ہوئے ہیں۔

"پوری عمارت میں تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اور میرا ہی موجود ہونا آپ کو شاق گذر رہا ہے تو پھر بتا دیجئے غیر موجود یا ناموجود جو کچھ بھی قواعد کے رو سے کہتے ہیں۔"

"ڈاکٹر اور اُس کی لڑکیاں کہاں ہیں۔"

"لڑکیاں میرے دل و دماغ میں محفوظ ہیں۔ باقی بچا ڈاکٹر تو اُسے جہنم میں جھونکئے۔"

"حمید سنجیدگی سے گفتگو کرو۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

"میں بہت شدت سے بور ہوں۔" حمید بے دلی کا اظہار کرتا ہوا بولا۔ "اور آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔"

"نوکر بھی غائب ہیں۔" فریدی بڑبڑایا۔ "مجھے اس کی توقع نہیں تھی۔"

"وہ باورچی خانے میں ہوں گے۔" حمید نے کہا۔

"نہیں میں تمام دیکھ چکا ہوں۔"

"آپ چلئے تو میرے ساتھ۔"

"لیکن تم یہاں.... کیا وہ تمہیں قید کر گئے تھے۔"

"اجی نہیں توبہ کیجئے۔ آیئے تو میرے ساتھ۔"

فریدی اس کے ساتھ چلنے لگا۔ وہ دونوں باورچی خانے میں آئے اور حمید نعمت خانے پر ٹوٹ پڑا۔ اس میں کھانے کے لئے بہت کچھ تھا۔

"دیکھئے! آپ جب تک تلاش کیجئے۔" حمید کیک کا ایک بڑا سا ٹکڑا ٹھونس کر منہ چلاتا ہوا بولا۔

"کیا بیہودگی ہے۔" فریدی جھلا گیا۔

"اگر پیٹ بھرنا بیہودگی ہے تو میں اس زندگی پر ہزار بار لعنت بھیجتا ہوں۔"

"تو اسکا یہ مطلب ہے کہ تم کافی دیر تک وہاں بند رہے ہو۔" فریدی غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

"ہاں.... پرواہ نہیں۔ میں ایک بجے سے وہاں مراقبہ میں تھا.... کیک لذیذ ہے۔"

"اچھا پہلے تم زہر مار کر لو پھر کچھ بتانا۔"

"خدا آپ کا ہاضمہ ہمیشہ درست رکھے۔" حمید نے ہاتھ اٹھا کر دعا دی۔

فریدی کی آنکھوں میں بے چینی مترشح تھی۔

"یہ دوسرا فریدی کون تھا۔" حمید نے پوچھا۔ اُس کا منہ برابر چل رہا تھا۔

"تم جانتے ہو۔"

"میں کیا نہیں جانتا۔"

"ہاں....!" فریدی ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "چوٹ ہو گئی۔ میں نے معاملات کو اچھی طرح سمجھے بغیر طریق کار متعین کر لیا تھا۔ اُسی کا نتیجہ ہے۔"

"ہوا کیا۔"

"کسی نے کرنل فریدی بن کر پاگل خانے میں داخلے کا پاس حاصل کیا اور وہاں جا کر اُس پاگل تک رسائی حاصل کی جس کی تلاش مجھے تھی اور پھر غالباً زبردستی اُسے زہر کا انجکشن دے دیا۔"

"پھر جب آپ پہنچے تو کیا ہوا۔"

"جب تک کہ ماتھر نے وہاں پہنچ کر تصدیق نہیں کر دی۔ وہ لوگ مجھے دھوکہ باز سمجھتے رہے۔ میں نے وہیں سے فون کر کے ماتھر کو بلایا تھا۔"

"یہاں ڈاکٹر نے میری حجامت بنادی۔" حمید نے کہا اور آج کے سارے واقعات دہرانے لگا۔

"کیا تم اُس آدمی کو پہچان لو گے جو یہاں آیا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"یقیناً پہچان لوں گا۔ میرا خیال ہے کہ وہ پاگل خانے ہی کا کوئی ڈاکٹر تھا۔"

"ہوں.... اچھا....!" فریدی کچھ سوچنے لگا۔

"اب آپ بھی مجھے صحیح حالات سے آگاہ نہ کریں گے۔"

"نہیں.... میں چاہتا ہوں کہ اس بار تمہیں کسی چونی والے جاسوسی ناول کا مزہ آجائے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا یہی بتا دیجئے کہ ڈاکٹر ہماری وجہ سے فرار ہوا ہے۔"

"بنیادی طور پر تو یہی بات ہے لیکن خود ڈاکٹر کے ذہن میں بھی یہ بات نہ ہو گی کہ وہ ہماری وجہ سے فرار ہو رہا ہے۔ اُس کے فرار کی وجہ حقیقتاً پاگل کی موت ہے۔"

"وہ پاگل کون تھا۔"

"وہ پاگل تھا ہی نہیں.... وہ ایک قیدی تھا۔ پاگل خانے کا قیدی۔"

"ہاں! اپنا اپنا مقدر ہے۔" حمید ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "میں ایسا بدبخت ہوں کہ مجھے پاگل خانہ بھی نصیب نہیں ہوتا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ بہت سنجیدگی سے کسی مسئلے پر غور کر رہا تھا۔

کیک حمید کے حلق سے بھی کچھ اوپر ہو چکا تھا۔ اس لئے اب اُسے پانی کے گھونٹ اتارنے میں تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ بدقت تمام اس نے تین چار گھونٹ لئے اور ایک لمبی سی ڈکار لے کر کھڑا ہو گیا۔

"اب اگر آپ جہنم کی طرف بھی اشارہ کریں تو بے دریغ چھلانگ لگا دوں۔"

فریدی تقریباً آدھے گھنٹے تک عمارت کے مختلف حصوں کی دیکھ بھال کرتا رہا۔ پھر اُس نے ڈاکٹر کی تجربہ گاہ کا رخ کیا۔ یہاں بھی اُس نے چند الماریاں کھولیں اور اُن میں رکھے ہوئے سامان کا جائزہ لیتا رہا۔ حمید خاموشی سے اس کے ساتھ اِدھر اُدھر ٹہلتا پھر رہا تھا۔

اچانک فریدی نے اُس کی طرف مڑ کر کہا۔ "ڈاکٹر کے پاس تین کاریں تھیں ذرا گیراج میں دیکھنا تو کوئی گاڑی ہے یا نہیں۔"

حمید لیبارٹری سے نکل کر گیراج کی طرف چل پڑا۔ پوری کمپاؤنڈ سنسان اور تاریک پڑی تھی۔ گیراج کے سامنے پہنچ کر اُس نے ٹارچ روشن کی۔ گیراج میں تالا بند نہیں تھا۔ یہ عجیب بات تھی کہ ڈاکٹر نے اپنے پیچھے چھوڑے ہوئے سامان کی محافظت کا کوئی انتظام نہیں کیا تھا۔ سارے کمرے کھلے پڑے تھے اور سامان جوں کا توں موجود تھا۔ شائد ہی کوئی چیز عمارت سے ہٹائی گئی ہو۔ پتہ نہیں، وہ نوکروں کو اپنے ساتھ لے گیا تھا یا انہیں چھٹی دے دی تھی۔

حمید گیراج میں داخل ہوا۔ ایک کار موجود تھی۔ اس کی ایک کھڑکی پر حمید کو ایک ریشمی رومال پڑا ہوا نظر آیا۔ یہ رومال صبیحہ کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہو سکتا کیونکہ اس پر اُلو کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ حمید اُسے کئی بار صبیحہ کے ہاتھ میں دیکھ چکا تھا۔ اُس نے آگے بڑھ کر اُسے اٹھالیا۔

رومال کے ایک گوشے پر کوئی چیز بندھی ہوئی تھی۔ حمید نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے گرہ کھولی.:.. اور.... یہ کاغذ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تھا جس پر پنسل سے جلدی میں کچھ لکھا گیا تھا۔

"جمال صاحب!" کاغذ پر تحریر تھا۔ "ڈیڈی سچ مچ پاگل ہو گئے ہیں۔ انہوں نے آپ کو کمرے میں بند کر دیا ہے اور ہم لوگوں کو یہاں سے لے جا رہے ہیں۔ ہم کہاں جا رہے ہیں یہ آپ کو اُس نقشے سے معلوم ہو گا جو لیبارٹری کی تیرہ نمبر والی الماری میں رکھا ہوا ہے اور جمال صاحب! کیا لکھوں.... میں نہ جانے کیوں آپ لوگوں پر اعتماد کرتی ہوں۔ نقشہ تلاش کر کے فوراً آیئے۔ آج میں بہت زیادہ خطرہ محسوس کر رہی ہوں.... صبیحہ!"

حمید یہ تحریر پڑھ کر سرپٹ دوڑتا ہوا تجربہ گاہ میں آیا لیکن فریدی وہاں موجود نہیں تھا۔ دو میزیں الٹی ہوئی نظر آئیں۔ شیشے کے بہتیرے آلات کے ریزے فرش پر بکھرے ہوئے تھے اور فرش پر کئی جگہ تازہ خون کے دھبے تھے۔

حمید بڑی تیزی سے دروازے کی طرف مڑا اور باہر پہنچنے سے قبل ہی اُس نے ایک فائر کی آواز سنی، جو کمپاؤنڈ ہی کے کسی حصے سے آئی تھی۔ پھر پے در پے مزید تین فائر.... حمید نے جھپٹ کر تجربہ گاہ کی روشنی گل کر دی۔

اب اُس نے لیبارٹری سے نکلنے کا ارادہ بھی ترک کر دیا تھا۔ کیونکہ اس نے ابھی ابھی چند

مخصوص قسم کی چیخیں سنی تھیں.... آواز فریدی کی تھی اور یہ چیخیں ایک طرح کا اشارہ تھیں، جس کا مطلب اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا کہ جہاں ہو وہیں رک جاؤ.... حمید دم بخود کھڑا رہا۔

نقشہ اور تعاقب

کمپاؤنڈ پر پھر سناٹا طاری ہو گیا تھا۔ حمید نے تجربہ گاہ کا دروازہ بند کر کے پھر روشنی کر دی۔ وہ جلد از جلد اُس نقشے کو تلاش کر لینا چاہتا تھا جس کا حوالہ صبیحہ نے اپنے خط میں دیا تھا۔ مگر وہ نقشہ.... آخر اس قسم کے کسی نقشے کا کیا مقصد ہو سکتا تھا۔

یہاں تقریباً دو درجن الماریاں تھیں اور ہر الماری پر اس کے نمبر موجود تھے، حمید تیرہ نمبر کی الماری کے سامنے رک گیا۔ اچانک اس نے تجربہ گاہ کے دروازے پر فریدی کی آواز سنی۔

"اندر کون ہے۔"

"میں ہوں۔" حمید دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ اُس نے دروازہ کھول دیا۔ فریدی اندر داخل ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"دروازہ بند کر دو۔" اُس نے کہا۔ حمید دروازہ بند کر کے فریدی کا جائزہ لینے لگا۔ اُس کی ٹائی کی گرہ ڈھیلی ہو کر سینے پر جھول رہی تھی اور بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ گالوں پر ہلکی ہلکی خراشیں تھیں جن سے خون نکل کر لکیروں کی شکل میں جم گیا تھا۔

"کیا معاملہ تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"انہوں نے....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "میرا خیال ہے کہ انہوں نے خاص طور پر تجربہ گاہ ہی کو نشانہ بنانا چاہا تھا۔ تعداد میں پانچ تھے اور اپنے چہرے نقابوں میں چھپا رکھے تھے۔"

"اور آپ بھی خاص طور پر تجربہ گاہ ہی میں دلچسپی لے رہے تھے۔" حمید نے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ دونوں کی دلچسپیوں کی ایک ہی وجہ ہو۔" فریدی نے جواب دیا۔

"وجہ مجھے بھی بتایئے۔"

"ابھی بور مت کرو۔"

حمید طنزیہ انداز میں مسکرایا اور آہستہ سے کہنے لگا۔ "وجہ دریافت کرنے کے لئے آپ کو

ساری الماریاں الٹنی پڑیں گی۔"

"کیا مطلب....!"

"مگر میں اُس الماری سے واقف ہوں جس میں وجہ بند ہے۔"

"بکواس مت کرو۔" فریدی بڑبڑا کر ایک الماری کا تالا توڑنے لگا۔ اور حمید تیرہ نمبر کی الماری کی طرف متوجہ ہو گیا۔ تالا توڑنا مشکل نہیں تھا وہ جلد ہی کامیاب ہو گیا۔ اس الماری میں صرف کاغذات تھے۔ حمید نے ان سب کو نکال نکال کر فرش پر ڈھیر کر دیا۔

"کیا کر رہے ہو۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

"میں کہاں تک بیکار بیٹھا رہوں۔ آپ اپنا کام کیجئے۔"

فریدی ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑاتا ہوا اپنے کام میں مشغول رہا۔

تھوڑی دیر کی محنت کے بعد حمید کو نقشہ مل گیا۔ وہ بہت واضح اور صاف تھا۔

"وہ مارا....!" حمید فرش سے کئی فٹ اونچا اچھل گیا۔

"میں کان پکڑ کر باہر نکال دوں گا۔" فریدی کو سچ مچ غصہ آ گیا تھا۔ اُس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔

"یہ دیکھئے! نقشہ یہ رہا۔" حمید اُس کے غصے کی پرواہ کئے بغیر دہاڑا۔

فریدی نے جھپٹ کر اُسکا گریبان پکڑ لیا اور گھستا ہوا کمرے کے دوسرے سرے پر لے گیا۔

"دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔" اُس نے اس کی گردن پکڑ کر دیوار کی طرف موڑتے ہوئے کہا۔

"واقعی میرے ستارے گردش میں ہیں۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"دن بھر بند رہا اور اس وقت..." وہ جملہ پورا کرنے کی بجائے اُس نقشے کے متعلق سوچنے لگا۔ کیا فریدی کو کسی اور چیز کی تلاش تھی۔ وہ دیوار ہی کی طرف منہ کئے ہوئے اطمینان سے کھڑا رہا۔

اچانک اُس نے فریدی کی ہلکی سی کراہ سنی اور کسی کے فرش پر گرنے کی آواز آئی۔ حمید بے ساختہ پلٹا۔ فریدی الماری سے تقریباً ڈیڑھ گز کے فاصلے پر فرش سے اٹھ رہا تھا اور ساتھ ہی وہ اپنا داہنا بازو بھی رگڑتا جا رہا تھا۔

"کیا ہوا....؟" حمید بوکھلا کر اُس کی طرف دوڑا۔

"شاک....!" فریدی فرش سے اٹھتا ہوا بولا۔ "تالے میں کرنٹ ہے۔"

اب حمید یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ کہیں صبیحہ نے اُسے بیوقوف تو نہیں بنایا ہے۔ کیونکہ فریدی نے جس الماری کے تالے کی طرف اشارہ کیا تھا اس کا نمبر "چھ" تھا۔

"آخر آپ کیا تلاش کر رہے ہیں۔" حمید نے پلکیں جھپکاتے ہوئے پوچھا۔

"ابھی بتاتا ہوں۔ ذرا لائٹ آف کر دو۔"

حمید نے روشنی گل کر دی۔ فریدی شائد پھر الماری کے قریب پہنچ چکا تھا کیونکہ آوازیں کچھ اس قسم کی آ رہی تھیں۔ جیسے وہ تالا توڑ رہا ہو۔ دوسرے ہی لمحے میں کھٹاکے کی آواز آئی اور فریدی نے کہا۔ "لائٹ آن کرو۔"

حمید نے پھر روشنی کر دی۔ فریدی تالا توڑ کر الماری کے پٹ کھول چکا تھا اور وہ الماری.... حمید اپنا سر سہلانے لگا۔ کیونکہ الماری میں کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ خالی پڑی ہوئی تھی۔ کسی خانے میں ایک تنکا بھی نہیں نظر آ رہا تھا۔ فریدی کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔

"یہ کیا حماقت ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

"تھی تو حماقت ہی! میں بیکار وقت ضائع کر رہا تھا۔"

"اب میری بھی کچھ سن لیجئے۔" حمید نے کہا۔

"تم بھی بکو۔" فریدی جھلا کر اُس کی طرف مڑا۔

حمید نے صبیحہ کا خط اور نقشہ اُس کے سامنے رکھ دیا۔ فریدی تھوڑی دیر تک خط اور نقشے کا جائزہ لیتا رہا پھر بولا۔ "یہ خط کہاں ملا تھا؟"

"گیراج میں....!" حمید نے کہا اور رومال کا قصہ بتاتا ہوا بولا۔ "رومال پر اُلو کی تصویر تھی ورنہ میں کبھی متوجہ نہ ہوتا۔ مجھے یہ پرندہ کسی عظیم سراغ رساں کی طرح عظیم معلوم ہوتا ہے۔"

"مگر یہ نقشہ! آخر اس کی ضرورت ہی کیا تھی۔ نہیں یہ سب بکواس ہے۔ ڈاکٹر ہمارا وقت برباد کرنا چاہتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ وہ ہمیں سردار محمود ہی کا آدمی سمجھتا ہے۔"

"تو کیا یہ سچ مچ کسی دفینے ہی کا چکر ہے اور اچانک آپ نے یہاں کسی چیز کی تلاش کیوں شروع کر دی تھی۔"

"دفینہ وغیرہ سب بکواس ہے۔ یہاں مجھے اُن چیزوں کی تلاش تھی جن کے متعلق خود مجھ

بھی کوئی علم نہیں ہے۔"

حمید کے چہرے پر الجھن کے آثار نظر آ رہے تھے۔ آخر اس نے جھلا کر کہا۔ "اب میں کچھ نہیں پوچھوں گا۔"

"بتاتا ہوں۔" فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "کل رات میں نے سردار محمود کے یہاں کچھ ایسی چیزوں کا تذکرہ سنا تھا جو اُن لوگوں کے خیال کے مطابق تجربہ گاہ میں ہو سکتی ہیں کیونکہ تجربہ گاہ ہمیشہ رات کو خالی پڑی رہتی ہے اور وہ چیزیں ایسی ہی جگہ رکھی جا سکتی ہیں جس کی طرف کسی کا خیال نہ پہنچ سکے۔ مگر بعض اوقات فریدی سے حماقتیں سرزد ہوتی ہیں۔ میں نے یہ نہ سوچا کہ ڈاکٹر نے فرار ہوتے وقت یہاں ایسی کوئی چیز نہ چھوڑی ہو گی۔"

"مگر یہ عمارت کھلی پڑی ہوئی ہے اور یہاں ہزاروں کا سامان ہے۔ کیا ڈاکٹر سچ مچ پاگل ہو گیا ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا اور حمید کی الجھن بدستور بڑھتی رہی۔

"لاؤ.... وہ نقشہ تو لاؤ۔" فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

وہ کچھ دیر تک نقشے پر جھکا رہا پھر بولا۔ "میں اسے بھی وقت کی بربادی ہی سمجھتا ہوں لیکن چلو یہی سہی۔ ویسے اس نقشے کے وجود کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی.... اچھا آؤ۔"

"نقشہ آپ کی سمجھ میں آ گیا۔" حمید نے پوچھا۔

"ہاں! وہ بہت صاف ہے۔ لیکن.... وہ جگہ.... کیا ہو گی.... یہ نہیں کہا جا سکتا۔"

"کیسی جگہ....!"

"جہاں آخری تیر بنا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ نشانات رام گڈھ کے ایک غیر آباد حصے کی طرف اشارہ کرتے ہیں اسلئے یہ بتانا مشکل ہے کہ اختتام کسی عمارت پر ہو گا... یا... آؤ.... گیراج میں ایک گاڑی تو موجود ہے۔ لیکن پہلے میں اس عمارت کی نگرانی کے لئے ماتھر کو فون کر دوں۔"

فون کرنے کے بعد وہ گیراج میں آئے۔ گاڑی موجود تھی اور اس میں کافی مقدار میں پٹرول بھی تھا۔ پٹرول کے دو بھرے ہوئے ٹن الگ سے بھی موجود تھے۔

حمید کی دانست میں وہ ایک نامعلوم منزل کے لئے روانہ ہو گئے۔ کیونکہ نقشہ حمید کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ کار سنسان راستوں پر دوڑتی رہی۔

"ان دونوں میں سے مجرم کون ہے۔ سردار محمود یا ڈاکٹر۔" حمید نے پوچھا۔

"دونوں....!"

"اور دونوں ایک دوسرے کے دشمن بھی ہیں۔"

"ہاں.... اور....!" فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "یار حمید ایک بات سمجھ میں نہیں آتی.... خیر ہٹاؤ.... پھر دیکھیں گے۔"

"نہیں ابھی اور اسی وقت دیکھیں گے۔" حمید جھلا گیا۔

"اندھیرے میں کیا دیکھو گے! ویسے تم یہ ضرور دیکھو گے کہ ہمارا تعاقب ہو رہا ہے۔"

"یعنی....!" حمید چونک کر مڑا۔ کافی فاصلے پر کسی دوسری کار کی ہیڈ لائیٹس نظر آ رہی تھیں۔ وہ تھوڑی دیر تک دیکھتا رہا لیکن دونوں کاروں کے درمیانی فاصلے میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ اس لئے اُسے بھی یہی سوچنا پڑا کہ وہ تعاقب ہی ہو سکتا ہے۔

"پرواہ نہ کرو۔" فریدی بڑبڑایا۔ "آج میں شکار کھیل رہا ہوں۔"

"ضرور کھیلئے۔" حمید نے بیزاری سے کہا۔ "میرے مقدر میں تو ایک گراموفون بھی نہیں ہے کہ کالو قوال کے ریکارڈ ہی سننا شروع کر دوں۔"

"گھبراؤ نہیں! ابھی جنگل میں منگل برپا کر دوں گا۔ سردار محمود زندہ دل آدمی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ ڈاکٹر نے مجھ سے مدد حاصل کی ہے۔ ورنہ وہ پاگل خانے میں کرنل فریدی بن کر کیوں داخل ہوتا۔"

"کیا وہ سردار محمود تھا۔"

"اس کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔"

"یعنی آپ کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے۔"

"اتنا ٹھوس کہ سردار محمود کو زندگی ہی میں میدانِ حشر کا مزہ آ جائے گا۔"

"اور ڈاکٹر....!"

"ڈاکٹر....!" فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "وہ اس قابل ہے کہ ڈگڈگی بجا کر اُسے بندروں کے ساتھ نچایا جائے۔"

کار بدستور سنسان سڑک پر دوڑتی رہی۔

فریدی نے کہا۔ "آگے ایک موڑ اور ہے اسکے بعد ہم سیدھے جائیں گے.... اوہو.... اب یاد آیا... وہ آخری تیر کا نشان... مگر نہیں... وہ سڑک تو ہم پیچھے چھوڑ آئے ہیں... خیر دیکھو۔"

"کار کی روشنیاں بجھا دیجئے نا۔ سڑک صاف ہے۔" حمید نے کہا۔

"اوہو.... انہیں اس کا بھی احساس نہ ہونا چاہئے کہ ہم اس تعاقب سے باخبر ہیں۔"

کار ایک دوسری سڑک پر مڑ گئی اور کچھ دور چل کر حمید پھر مڑا۔ دوسری کار اب بھی اس کے پیچھے تھی۔

"ہم غلط نہیں آئے۔ وہ غالباً ہڈی کی کھاد بنانے والی فیکٹری کی چمنی ہی ہے۔ داہنی طرف دیکھو۔ اسی کے چار فرلانگ کے فاصلے پر تیر کا آخری نشان تھا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ اُس چمنی کیطرف دیکھ رہا تھا، جو اندھیرے میں بھی صاف نظر آ رہی تھی۔

کار چلتی رہی.... اچانک فریدی نے کہا۔ "چار فرلانگ۔"

اور کار کی رفتار کم کر کے انجن بند کر دیا۔

"جلدی سے اُتر آؤ۔" اس نے کہا اور حمید دروازہ کھول کر نیچے کود گیا۔ فریدی کہہ رہا تھا۔ "اب میں سمجھ گیا۔ انہیں بھی ڈاکٹر کی تلاش ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اسی کے پاس جا رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ صبیحہ ٹھیک ہی ہو.... آؤ۔"

وہ ایک طرف اندھیرے میں چلنے لگے۔ تھوڑی ہی دور پر روشنی نظر آ رہی تھی۔ اترائی میں غالباً وہ کوئی عمارت تھی اور اس کی کھڑکیوں میں روشنی تھی۔ فریدی کی رفتار تیز ہو گئی۔ وہ کافی نیچے اُتر آئے تھے۔ اس لئے اس کا پتہ چلنا دشوار تھا کہ دوسری کار وہاں پہنچی یا نہیں۔

وہ ایک مختصر سی عمارت تھی اور اس میں تین کمروں سے زیادہ نہ رہے ہوں گے۔ اس کی کئی کھڑکیاں روشن تھیں۔ فریدی حمید کو ایک بڑے پتھر کے پیچھے دھکیل کر خود عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ لیکن اس کی واپسی بھی جلد ہی ہوئی۔

"ٹھیک ہے۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "وہ لوگ یہیں ہیں۔ میں نے صرف ڈاکٹر کو دیکھا ہے۔ لڑکیاں نظر نہیں آئیں...." وہ دونوں پتھر کی اوٹ میں تھے۔ یعنی سڑک سے اتر کر عمارت کی طرف آنے والے انہیں دیکھ نہیں سکتے تھے۔ حمید کو تو احساس بھی نہ ہوتا کہ کب کون آیا اور کب گیا کیونکہ اُس نے کسی قسم کی آواز نہیں سنی تھی اور نہ وہ پتھر کی اوٹ سے جھانکنے ہی کی

کوشش کر رہا تھا۔

"وہ وہاں پہنچ گئے۔" فریدی نے سرگوشی کی اور دوسرے ہی لمحے میں ایک چھناکا سا سنائی دیا۔ جیسے شیشے کی کوئی چادر فرش پر گر کر چور چور ہو گئی ہو۔ حمید نے اب بھی آواز کی طرف دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ مطمئن تھا کہ فریدی تو دیکھ ہی رہا ہے۔ جب وہ چاہے گا اُسے کسی مشین کی طرح حرکت میں لے آئے گا۔

اچانک فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور وہ پنجوں کے بل چلتے ہوئے بڑی تیزی سے عمارت کی ایک دیوار کے نیچے پہنچ گئے۔ پھر انہوں نے قدموں کی آہٹیں سنیں، برآمدے میں کوئی کسی سے کہہ رہا تھا۔ "تم یہاں ٹھہرو، جو بھی اِدھر آئے نہایت اطمینان سے گولی مار دینا۔"

فریدی نے آگے بڑھ کر برآمدے میں جھانکا۔ کھڑکیوں سے آنے والی روشنی اتنی کافی تھی کہ وہ ستون سے چمٹے ہوئے اُس آدمی کو بخوبی دیکھ سکتا تھا جس کی پشت اُسی کی طرف تھی۔

حمید نے فریدی کو برآمدے میں جاتے دیکھا اور وہ خود ابھی دوسرے سرے تک پہنچا بھی نہیں تھا کہ اُسے برآمدے میں کوئی کودتا ہوا دکھائی دیا۔ پتہ نہیں وہ آدمی تھا یا جانور۔ گول مٹول سا۔ وہ اُسی کی طرف آ رہا تھا۔ حمید دو تین قدم پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن حقیقت معلوم ہونے میں دیر نہ لگی۔ وہ فریدی تھا اور اس نے کسی کو اپنی پیٹھ پر لاد رکھا تھا۔ اس نے ایک بے جان سے آدمی کو زمین پر ڈال دیا۔

"آؤ....!" وہ حمید کا ہاتھ پکڑتا ہوا آہستہ سے بولا۔

"مگر یہ....!"

"اس کی پرواہ نہ کرو.... اسے گھنٹوں میں ہوش آئے گا۔"

وہ دونوں دبے پاؤں چلتے ہوئے برآمدے میں آئے اور کھڑکیوں کے سامنے سے گذرتے ہوئے انہیں جھکنا پڑا کہ وہ دوسری طرف سے دیکھے نہ جا سکیں۔ وہ دروازے میں داخل ہو کر ایک چھوٹی سی راہداری میں پہنچ گئے۔

سامنے والے کمرے میں ڈاکٹر آتشدان کے قریب ایک آرام کرسی میں پڑا ہوا تھا اور اُس کے تین ایسے آدمیوں نے گھیر رکھا تھا جن کے چہروں پر سیاہ نقاب تھے۔

ڈاکٹر کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری نظر آ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ قطعی بے

الذہن ہو۔ وہ تین آدمی غالباً اپنے اس غیر متوقع اقدام کا ردعمل معلوم کرنا چاہتے تھے، ورنہ پھر اُس خاموشی کا کیا مطلب تھا؟

زرینہ

حمید نے اپنے ہاتھ پر کوئی ٹھنڈی سی چیز محسوس کی۔ فریدی نے اس کی طرف ایک ریوالور بڑھایا۔ حمید نے اس کے دستے پر مضبوطی سے انگلیاں جما دیں۔

"ڈاکٹر....!" اندر ایک قوی ہیکل آدمی کہہ رہا تھا۔ "یہ آخری موقع ہے، اس کے بعد تمہیں افسوس کرنے کا بھی موقعہ نہ دیا جائے گا۔"

"میں نے آج تک اپنے کسی فعل پر افسوس نہیں کیا۔" ڈاکٹر کا لہجہ پُر سکون تھا۔ "تم دس سال سے مجھے دیکھ رہے ہو.... دس سال سے....!"

"جاؤ انہیں تلاش کرو۔" اس آدمی نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا۔ "اور اس خبیث کو بولنا ہی پڑے گا۔"

وہ دونوں دروازے کی طرف بڑھے اور فریدی نے جلدی سے حمید کو اشارہ کیا۔ حمید ایک طرف سمٹ گیا۔ فریدی دروازے کی دوسری طرف تھا۔

جیسے ہی وہ دونوں باہر نکلے اُن کے سروں پر بیک وقت دو ضربیں پڑیں اور وہ ڈھیر ہو گئے۔ ریوالوروں کے دستے کافی وزنی تھے۔ تیسرا آدمی بھی غرا کر دروازے کی طرف جھپٹا لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی کا گھونسہ اُس کے جبڑے پر پڑا اور وہ ڈاکٹر کے پیروں کے پاس جا گرا۔

"کمال.... جمال....!" ڈاکٹر کی مسرت آمیز چیخ تھی۔

لیکن فریدی اس کی طرف متوجہ تک نہ ہوا۔

"سردار محمود! چہرے سے نقاب اتار دو۔" فریدی نے ریوالور کا رخ اُس کی طرف کرتے ہوئے کہا اور پھر حمید سے بولا۔ "میری جیب میں ہتھکڑیوں کا ایک جوڑا ہے، جو بارہ بجے کے بعد ہی سے میرے پاس رہا ہے۔ سردار محمود کے ہاتھ یقیناً سخت ہوں گے۔"

سردار محمود اپنا نقاب الگ کرتا ہوا بولا۔ "تم کیا سمجھتے ہو! ہم ایک ڈرامے کا ریہرسل کر رہے

تھے.... کیوں ڈاکٹر....!"

"ڈرامہ ختم ہو گیا۔ حمید ہتھکڑیاں لگادو۔ کرنل فریدی تمہیں پاگل نمبر چوالیس کو زہر کا انجکشن دینے کے الزام میں گرفتار کرتا ہے۔"

"کرنل فریدی.... تم....!" ڈاکٹر لڑکھڑا کر دیوار سے جالگا۔

حمید ہتھکڑیاں لے کر آگے بڑھا اور فریدی نے گرج کر کہا۔ "نہیں محمود! تم اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرو گے۔ میں تم پر فائر بھی کر سکتا ہوں۔"

"یہ بکواس ہے۔ میں کسی پاگل کو نہیں جانتا۔" سردار محمود چیخا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ وہ پاگل نہیں تھا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اُس بیچارے کو کئی دن سے بخار تھا۔ تم کرنل فریدی بن کر اُس کی کوٹھری میں داخل ہوئے اور تم نے اُسے زہر کا انجکشن دیا۔ وہ غالباً یہ سمجھا ہوگا کہ تم ڈاکٹر ہو کیونکہ تم میک اپ میں بھی تھے۔ حمید ہتھکڑیاں لگادو تاکہ میں اطمینان سے یہ داستان سردار محمود کو سنا سکوں۔"

حمید نے ہتھکڑیاں لگادیں۔ سردار محمود چپ چاپ کھڑا رہا۔

جب ہتھکڑیاں لگ چکیں تو اس نے مسکرا کر کہا۔ "جو کچھ کہہ رہے ہو اسکا کوئی ثبوت بھی ہے۔"

"ثبوت! میں نے آج تک کوئی کچا کام ہی نہیں کیا۔ میں جانتا ہوں کہ تم یہاں کے ذی اثر لوگوں میں سے ہو۔ لیکن دنیا کی کوئی طاقت تمہیں پھانسی کے پھندے سے نہیں بچا سکتی۔"

"مجھ پر جھوٹا الزام لگایا جارہا ہے۔" سردار محمود نے تلخ لہجے میں کہا۔ "اس کے لئے تمہیں عدالت میں جواب دہ ہونا پڑے گا۔"

"میں جواب دے لوں گا۔ تم اس کی پرواہ نہ کرو۔ اے.... ڈاکٹر تم کہاں چلے.... بیٹھو... ورنہ تمہارا حشر بھی کچھ اچھا نہیں ہوگا۔"

اس پر ڈاکٹر اور سردار محمود نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ اشارے ہوئے پھر ڈاکٹر گلا صاف کر کے بولا۔ "میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ ہم ایک ڈرامے کے لئے ریہرسل کر رہے تھے۔"

"مگر ڈاکٹر! کیا یہ ریہرسل ہماری ہی تقدیر میں لکھ دیا گیا۔ ٹرین پر بیمہ کمپنی کے ایجنٹوں کی ریہرسل۔ پھر راستے میں کار پر ڈاکے کا ریہرسل اور اب یہ ریہرسل نہیں ڈاکٹر یہ ڈرامہ اب اسٹیج

نہیں ہو سکے گا۔ ہر قسم کے ریہرسل فضول ہیں۔ محمود صاحب نے پاگل خانے میں زہر کا انجکشن دینے کا ریہرسل فرمایا۔ لیکن اس بات کا خیال نہ رکھا کہ پاگل نمبر چوالیس کے بازو پر عقیق کا ایک بڑا سا مہرہ بھی موجود ہے اور وہ بوکھلاہٹ میں اُس پر اپنے انگوٹھے کا ایک بہت ہی واضح نشان چھوڑ آئے۔ میں نے کہا کہ آخر میں کیوں اس ریہرسل سے محروم رہوں۔ لہٰذا آج جب سردار محمود صاحب تین بجے اپنے ڈرائنگ روم میں لائم جوس پی رہے تھے میں ان سے زیادہ دور نہیں تھا۔ وہ گلاس ختم کر کے وہاں سے ہٹے اور میں نے اپنا پارٹ ادا کرنا شروع کر دیا۔ ظاہر ہے کہ میں نے وہ گلاس کیوں چرایا ہوگا۔ بہر حال چھ بجے تک فنگر پرنٹ کے ایکسپرٹ اس بات پر متفق ہو گئے کہ عقیق کے مہرے اور گلاس کے نشانات میں کوئی فرق نہیں۔ کیوں سردار محمود! کیا ڈرامہ اسٹیج ہو سکے گا۔"

سردار محمود اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔ اس کی حالت غیر ہوتی جارہی تھی۔

فریدی نے آگے بڑھ کر اُسے ایک کرسی میں دھکیل دیا۔

"اب تم بکو ڈاکٹر....!"

"کیا تم سچ مچ کرنل فریدی ہو۔"

"میرا وقت نہ برباد کرو۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "لڑکیاں کہاں ہیں! بلکہ اُن دونوں میں سے وہ لڑکی کون ہے!"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میں اُس لڑکی کا نام پوچھنا چاہتا ہوں۔ جس کے لئے یہ سارا ہنگامہ ہوا ہے۔ جس کے لئے تم دس سال سے دھکائے جاتے رہے ہو.... ڈاکٹر جلدی کرو۔ میرے پاس وقت کم ہے۔"

"زرینہ....!" ڈاکٹر نے مردہ سی آواز میں کہا۔

داستان

کمرے میں ڈاکٹر، فریدی اور حمید کے علاوہ دونوں لڑکیاں بھی تھیں اور وہ چاروں قیدی دوسرے کمرے میں بند کر دیئے گئے تھے۔ کھاد کی فیکٹری سے فریدی نے ماتھر کو فون کر دیا تھا اور اب وہ اُسی کا منتظر تھا۔

ڈاکٹر کمرے میں ٹہل ٹہل کر کہہ رہا تھا۔ "میں کیا کرتا۔ بالکل بے بس تھا۔ پولیس کو اطلاع دینے کی صورت میں بھی اس کی حفاظت نہ کر سکتا۔"

"میں یہ داستان شروع سے سننا چاہتا ہوں۔" فریدی بولا۔

ڈاکٹر چند لمحے خاموش رہا پھر اُس نے کہا۔ "مگر تم یہاں پہنچے کس طرح۔"

"آہا خوب یاد آیا....!" فریدی نے جلدی سے کہا۔ "اس نقشے کا کیا مطلب تھا ڈاکٹر.... وہ غالباً تیرہ نمبر کی الماری میں تھا اور چھ نمبر کی الماری میں کیا تھا۔"

"وہ نقشہ! میں نے ان دونوں کے لئے بنایا تھا تاکہ خطرے کی صورت میں یہ یہاں تک پہنچ سکیں۔" ڈاکٹر دونوں لڑکیوں کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اور چھ نمبر کی الماری میں وہ کاغذات تھے جن سے یہ ثابت کیا جا سکتا تھا کہ زرینہ حقیقتاً کون ہے۔"

"میں حقیقتاً کون ہوں۔" زرینہ نے اس جملے پر حیرت کا اظہار کیا۔ لیکن ڈاکٹر اس کی طرف دھیان دیئے بغیر بولا۔ "سردار محمود اور سردار ہاشم دونوں سگے بھائی تھے۔ سردار ہاشم سردار محمود سے زیادہ مالدار تھا۔ آج بھی جنوب میں اس کی چاندی کی کئی کانیں ہیں۔ لیکن وہ اپنی بیوی کو حاملہ چھوڑ کر فوت ہو گیا۔ سردار محمود نے بہت کوشش کی کہ اس کی بیوی کو ختم کر دیا جائے، لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی اس کا ایک ہمدرد بھی تھا.... ایاز.... وہ سردار ہاشم کا منیجر تھا اور اسے سردار ہاشم سے بہت محبت تھی۔ وہ اس کی بیوی کی حفاظت کرتا رہا۔ ہاشم کی موت کے تین ماہ بعد ایک بچی پیدا ہوئی۔ لیکن اب اُن دونوں کی زندگیاں خطرے میں تھیں۔ سردار محمود ان کا خاتمہ کر دینے پر تلا ہوا تھا۔ آخر ایک دن ایاز اُن ماں بیٹیوں سمیت غائب ہو گیا۔ سردار محمود نے انہیں بدنام کرنے کے لئے افسانے تراشے اور اُن کے حلئے مشتہر کرا دیئے۔ ایاز میرا پرانا شناسا تھا اس کی یہ بدنامی میرے کانوں تک بھی پہنچی۔ بات کچھ دنوں بعد ختم ہو گئی۔ میں اس کہانی میں کیسے داخل ہوتا ہوں۔ یہ بھی عجیب واقعہ ہے۔ ایاز کے فرار کے ٹھیک چھ ماہ بعد مجھے سرکاری طور پر انگلینڈ جانا پڑا۔ چونکہ قیام کی مدت پانچ سال تھی اس لئے بیوی اور بچوں کو بھی ساتھ لے جانے کی اجازت مل گئی تھی۔ اس وقت ہمارے صرف ایک آٹھ ماہ کی بچی تھی۔ ہم یہاں سے بندرگاہ کے لئے روانہ ہوئے تین دن بعد وہاں پہنچے۔ بچی راستے میں بیمار پڑ گئی۔ اس لئے ہمیں روانگی ملتوی کرنا پڑی لیکن بچی چار دن سے زیادہ زندہ نہ رہ سکی۔ واقعی وہ ایک پاگل کر دینے والا واقعہ تھا۔ ہو سکتا تھا

کہ دوسروں پر اتنا اثر نہ ہوتا ہو مگر میں تو قریب قریب پاگل ہو گیا تھا۔ مجھے یہ بھی نہیں یاد رہ گیا تھا کہ ہم انگلینڈ کے لئے یہاں آئے ہیں۔ میں سارا دن سڑکوں کی خاک چھانا کرتا تھا۔ اب میں سوچتا ہوں تو مجھے حیرت ہوتی ہے۔ کیا مجھے توقع تھی کہ وہ بچی مجھے دوبارہ مل جائے گی۔ اچانک ایک دن ایاز سے ملاقات ہو گئی۔ اُس کے متعلق میں قریب قریب سب کچھ بھلا چکا تھا۔ لیکن ایاز نے خود ہی اس کا اظہار کیا۔ سردار ہاشم کی بیوہ ہیضے کا شکار ہو کر فوت ہو چکی تھی لیکن بچی کو ایاز اب بھی سینے سے لگائے پھر رہا تھا۔ اس نے میرے واقعات سن کر ایک تجویز پیش کی۔ کیوں نہ میں اس بچی کو لے کر اپنی بچی کی طرح پالوں۔ کسی کو علم بھی نہ ہوگا کہ وہ میری بچی نہیں ہے۔ پاسپورٹ کی درستگی بھی نہیں کرائی گئی تھی، لہٰذا ایک بچی اُسی پاسپورٹ پر نہایت آسانی سے انگلینڈ کا سفر کر سکتی تھی۔ میں ایاز کو اپنی قیام گاہ پر لایا۔ میری بیوی کو جب اُس کے حالات معلوم ہوئے تو وہ بچی کو لے لینے پر اڑ گئی۔ میں بھی نیم رضامند تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بچی ہمارے ساتھ انگلینڈ چلی گئی۔ اس کے ٹھیک ڈیڑھ سال بعد صبیحہ پیدا ہوئی۔ پھر مجھ پر دوسری مصیبت نازل ہوئی یعنی انگلینڈ سے واپسی سے چھ ماہ قبل میری بیوی بیمار ہوئی اور ایک ماہ بعد وہ بھی چل بسی۔ بہرحال اس واقعے سے محکمہ سراغ رسانی کو بھی کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی لہٰذا میں اپنی پریشانیوں کا تذکرہ کر کے بور نہیں کروں گا۔ پانچ سال پورے کر کے میں انگلینڈ سے واپس آ گیا۔ میرے اعزہ کو دو لڑکیاں دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ شائد میں نے اپنی بچی کی موت پر ان میں سے کسی کو خط لکھ دیا تھا۔ بہرحال مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ لکھا تھا یا نہیں۔ ممکن ہے لکھ ہی دیا ہو۔ میں نے انہیں جھٹلانے کی کوشش کی۔ اس پر بات پھیل گئی لیکن معاملہ صرف چہ میگوئیوں ہی تک محدود رہا۔ لیکن آج سے دس سال پہلے کی بات ہے کہ ایک واقعے نے حالات کو دوسرے رنگ میں ڈھال دیا۔ ایک رات ایاز میرے پاس پہنچا۔ وہ بہت زیادہ پریشان تھا۔ محمود کے آدمی اُس کے پیچھے تھے۔ اُس نے کچھ کاغذات میرے سپرد کئے اور استدعا کی کہ میں اُسے پاگل خانے میں پہنچا دوں۔ ایک پاگل کی حیثیت میں.... اُس نے بتایا کہ اُسے زندہ رہنے کی خواہش نہیں ہے۔ مگر وہ لڑکی کے سن بلوغ کو پہنچنے تک زندہ رہنا چاہتا ہے تاکہ سردار محمود کی حجامت اپنے ہاتھوں سے بنا سکے۔ میں نے بھی سوچا تدبیر تو ٹھیک ہے۔ اس طرح اس کی زندگی بھی محفوظ ہو جائے گی۔ میں نے اُسے پاگل خانے میں داخل کرا دیا۔ سردار محمود کو اس کا علم ہو گیا۔ لڑکیوں کے بارے میں پہلے ہی چہ

میگوئیاں ہو چکی تھیں۔ اُسے شک ہو گیا اور اُس نے ہر ہر طرح سے پتہ لگانے کی کوشش کی۔ مجھے ڈراتا دھمکاتا بھی رہا۔ دونوں لڑکیاں سمجھدار ہو چکی تھیں۔ اس لئے انہیں مطمئن کرنے کے لئے مجھے ایک فرضی دفینے کی داستان تراشنی پڑی۔ وہی داستان میں نے تم کو بھی سنائی تھی۔"

"مجھے اُس پر کبھی یقین نہیں آیا تھا۔" صبیحہ بولی۔

"تم خاموش رہو۔" ڈاکٹر اُسے گھورتا ہوا بولا۔ پھر فریدی سے مخاطب ہو گیا۔ "نہ سردار محمود ان واقعات کی اطلاع پولیس کو دے سکتا تھا اور نہ میں ہی ایسا کر سکتا تھا۔ وہ اسلئے نہیں دے سکتا تھا کہ اُس کی نیت میں فتور تھا۔ اپنے بھائی کی جائیداد پر ہمیشہ قابض رہنے کیلئے چپ چاپ لڑکی کو ٹھکانے لگا دینا چاہتا تھا۔ میں اسلئے خاموش تھا کہ اگر پولیس کو اس واقعے کا علم ہو گیا تو لڑکی سردار محمود کے حوالے کر دی جائے گی کیونکہ قانونی طور پر وہی اس کا ولی تھا۔ اس طرح وہ سیدھی موت کے منہ میں چلی جاتی۔ بہر حال وہ مجھے ہر ہر طرح پریشان کرتا رہا۔ وہ سمجھتا تھا کہ ایک دن میں تنگ آ کر لڑکی کو اُس کے سپرد کر دوں گا لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ حتیٰ کہ اُسے آج تک یہی نہ معلوم ہو سکا کہ ان دونوں میں سے اس کی بھتیجی کون ہے۔ وہ تو الگ رہا۔ یہ دونوں خود ابھی تک ایک دوسری کو سگی بہنیں سمجھتی رہی ہیں۔ سردار محمود نے تو یہاں تک کوشش کی تھی کہ ان دونوں ہی کو ختم کرا دے۔ لیکن .... خدا کا انصاف! وہ آج تک لاولد ہے اور اب اُس کا رخ چھا کے تختے کی طرف ہو گیا ہے اور زرینہ اپنی اور اُس کی دونوں جائیدادوں کی مالک بنے گی۔"

"ارے .... واہ....!" صبیحہ ہاتھ نچا کر بولی۔ "بڑی آئیں کہیں کی۔ کیا میں کہیں مر گئی ہوں۔ سردار محمود کی جائیداد میں لوں گی۔ اتنی جائیدادیں کیا کلیجے میں بھریں گی۔ اری واہ رے میری بلبل یہ رونا کیسا۔" وہ اٹھ کر زرینہ کے آنسو خشک کرنے لگی۔

"صبیحہ....!" ڈاکٹر بگڑ گیا۔ "اُسے پریشان نہ کرو ورنہ تھپڑ مار دوں گا۔ وہ مجھے تم سے زیا عزیز ہے۔ اسلئے کہ وہ میرا شاہکار ہے۔ اُسے میں نے جیسا بنانا چاہا بن گئی اور تم نہ جانے کیا بن گئی ہو۔"

"میں بیوقوف بن گئی ہوں ڈیڈی۔" صبیحہ نے قہقہہ لگایا۔ "سردار ہاشم کی بیٹی میں ہوں۔ آپ خواہ مخواہ اپنی لڑکی کو میری جائیدادیں دلوانا چاہتے ہیں۔"

"ارے کم بخت یہ کیا کہتی ہے۔" ڈاکٹر اپنا سر پیٹ کر بولا۔ "اگر تو نے یہ بات کہی تو میرے فرشتے بھی یہ نہ ثابت کر سکیں گے کہ تم سردار ہاشم کی لڑکی نہیں ہے۔"

"نہیں ڈاکٹر....!" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "میرے پاس اس کا ثبوت ہے کہ صبیحہ تمہاری ہی لڑکی ہے اور یہ ثبوت مجھے آج ہی ملا ہے۔ تمہاری مرحومہ بیوی کی ڈائری جسے تم نے اپنی تجربہ گاہ میں رکھ چھوڑا تھا۔ اتنی احتیاط سے کہ سردار محمود کا ہاتھ اُس تک بہت آسانی سے پہنچ سکتا تھا۔"

"رشوت.... رشوت.... میں کبھی نہ مانوں گی۔" صبیحہ شور مچانے والے انداز میں بولی۔

"اوہ.... واقعی۔" ڈاکٹر سر ہلا کر بولا۔ "میں بالکل گدھا ہوں۔"

"تب میں آپ کی لڑکی نہیں ہوں۔ خواہ مجھے آپ کی بھی جائیداد نہ ملے۔" صبیحہ نے اس انداز میں کہا کہ فریدی اور حمید بے ساختہ ہنس پڑے اور ڈاکٹر دانت پیستا ہوا صرف گھونسہ دکھا کر رہ گیا۔

دوسرے دن حمید کے استفسار پر فریدی نے اس کیس کی ابتداء پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ مرکزی محکمے کو رام گڈھ کی پولیس کے متعلق ایک گمنام شکایت نامہ موصول ہوا تھا کہ ایاز پر دسترس ہونے کے باوجود بھی وہ سردار ہاشم کی بیوی اور بچی کا پتہ نہیں لگا سکتی اور ایاز بنا ہوا پاگل ہے۔ غالباً یہ شکایت نامہ سردار محمود ہی کی طرف سے بھیجا گیا تھا کیونکہ اس میں یہ بھی تحریر تھا کہ ایاز کو پاگل خانے میں داخل کرانے والا ڈاکٹر نجیب ہے۔ سردار محمود نے یہ سوچا ہو گا کہ ممکن ہے کہ مرکزی محکمے کی تحقیقات کے دوران میں اس کی بھتیجی بے نقاب ہو جائے اور وہ اس کا کام تمام کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ لیکن اُسے کسی طرح فریدی کی آمد اور اُس کے طریق کار کے متعلق علم ہو گیا۔ لہٰذا اُسے اسی میں بہتری نظر آئی کہ وہ ایاز ہی کا خاتمہ کر دے ورنہ ہو سکتا ہے کہ اس کی سازش کا راز ظاہر ہو جائے۔

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 51

شعلوں کا ناچ

(مکمل ناول)

وحشی اجنبی

سلور مون ریستوران میں ایک آدمی داخل ہوا اور سب کی نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ ایک دراز قد اور گٹھیلے جسم کا جوان تھا۔ چہرہ بھرا ہوا.... اور بڑے بالوں والی سیاہ ٹوپی کے نیچے دو بڑی بڑی اور وحشت زدہ آنکھیں جن میں سرخ ڈورے نظر آرہے تھے۔ جسم پر لمبا کوٹ تھا اور کاندھے پر ایک کمبل۔

اُس کی شخصیت میں ایک خاص قسم کی کشش تھی جس کی بناء پر دوسرے اُسے دیکھنے پر مجبور تھے۔ ایک کرسی پر بیٹھتے وقت اُس کے ہونٹ ذرا سے کھلے اور سفید چمکدار دانتوں کی قطار کی ایک جھلک دکھائی دی۔ اس کے انداز میں بڑی درندگی تھی۔

ریستوران میں بیٹھی ہوئی ایک لڑکی اپنے ساتھی کی طرف جھک کر آہستہ سے بولی۔ "اس آدمی کو دیکھ کر نہ جانے کیوں ذہن میں کسی بھیڑیئے کا تصور ابھرتا ہے۔"

لڑکی کا ساتھی چونک کر اس کی طرف مڑا۔ وہ بھی نووارد کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

"ہاں! خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔" اُس کے ساتھی نے کہا۔

"مگر اس کی آنکھیں۔" لڑکی نہ جانے کیوں کانپ کر رہ گئی۔

"اُس کی آنکھیں....!" ساتھی نے ایک طویل سانس لی اور تلخ لہجے میں بولا۔ "اس کی آنکھوں میں تمہیں اپنی روح کے ویرانے نظر آتے ہوں گے۔ اس کی آنکھوں میں تمہیں اپنے جسم کی تسکین کا پیغام نظر آرہا ہوگا۔ تم عورتیں آنکھوں سے سب کچھ معلوم کر لیتی ہو۔"

"شش اُلو کہیں کے۔" لڑکی مسکرائی۔ "تم مرد بدگمانی کے کیچڑ کے کیڑے ہو۔ میں تو یہ کہہ

رہی تھی کہ اُس کی آنکھیں خونیوں کی سی ہیں۔"

اچانک ایک گرجدار آواز سن کر ہال میں بیٹھے ہوئے تمام لوگ چونک پڑے۔

نووارد ایک ویٹر پر گرج رہا تھا۔ "ابے یہ سالن! چڑیا کے بچے کے لئے لایا ہے۔ مذاق کرتا ہے فقیر سمجھتا ہے.... یہ لے۔"

اس نے جیب سے سو کا ایک نوٹ نکال کر میز پر پٹخ دیا۔

منیجر کاؤنٹر کے پیچھے سے نکل کر بڑی تیزی سے اُس کی طرف آیا۔

"فرمایئے! جناب والا....!"

"فرمایئے کیا بھئی! یہ تمہارا نوکر آدمی ہے یا اُلو۔ ہم نے کھانے کے لئے کہا تھا اور یہ کھانا لایا ہے.... کیا ہمیں بچہ سمجھتا ہے.... اتنا ذرا سا سالن.... اور یہ دو چپاتیاں.... خدا کی مار.... نوٹ پکڑو.... کھانا لاؤ کھانا....!"

منیجر نے اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھا اور پھر اپنے چہرے پر لجاجت کے آثار پیدا کرتا ہوا بولا۔ "اوہ جناب والا معاف کیجئے گا۔ میں ابھی آپ کے لئے انتظام کرتا ہوں۔ نوٹ آپ اپنے پاس ہی رکھئے۔"

"نہیں.... نوٹ تم رکھو.... جلدی کرو۔" وہ غصیلے انداز میں میز پر گھونسہ مار کر بولا۔

"بہت بہتر جناب۔" منیجر نے میز سے نوٹ اٹھا کر جیب میں رکھ لیا اور ویٹر کو الگ بلاتا ہوا بولا۔ "یہ کوئی کوہستانی معلوم ہوتا ہے ایک پوری مرغی.... آدھی ران اور بیس چپاتیاں اس کی میز پر لگادو.... چائے کے لئے کہے تو پانچ پیالیوں والی چائے دانی رکھنا۔"

ویٹر نے نووارد کی میز صاف کر دی اور پانچ منٹ کے اندر ہی اندر منیجر کی ہدایت کے مطابق میز پر کھانا لگا دیا گیا۔

"ٹھیک ہے۔" نووارد غرایا۔ "ہم تجھے خوش کریں گے۔"

ویٹر ادب سے سلام کر کے ہٹ گیا۔

ہال کے دوسرے لوگ اُسے حیرت سے دیکھتے رہے۔

"بالکل جانور معلوم ہوتا ہے۔" لڑکی نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"ہاں تم لوگ اب تہذیب و شائستگی سے اکتا گئی ہو۔ تمہیں اب سے ہزاروں سال پرانا

چاہئے۔ ہزاروں سال پرانا مرد جو ہر معاملے میں بالکل جاہل ہو۔"

"تم گدھے ہو۔" لڑکی بھنا کر بولی۔

"گدھا محض اپنی شائستگی ہی کی بناء پر بدنام ہے۔ اتفاق رائے نہ ہونے پر مجھے گدھا ہی کہو گی۔ شیر یا چیتا کبھی نہیں کہہ سکتیں، حالانکہ ابھی اُس آدمی کو دیکھ کر تمہارے ذہن میں بھیڑیئے کا تصور ابھرا تھا۔"

"تم بار بار اُس کا حوالہ کیوں دے رہے ہو۔"

"محض اس لئے کہ تم اُس سے بہت زیادہ متاثر ہوئی ہو۔"

"بکواس ہے۔"

دوسری طرف وہ نووارد بلند آواز میں ویٹر سے کہہ رہا تھا۔ "ارے.... ادھر مرغیوں میں بالکل دم نہیں ہوتا۔ ہڈیوں پر کھال لپٹی ہوئی ہے۔"

"حضور کیا کیا جائے اِدھر ایسی ہی ملتی ہیں۔" ویٹر نے مؤدبانہ جواب دیا۔

"ہاں.... ہاں....!" نووارد سر ہلا کر ران ادھیڑنے لگا۔ اس سلسلے میں وہ اپنے دونوں ہاتھ استعمال کر رہا تھا۔

بیس منٹ کے اندر اندر سارے برتن صاف ہو گئے اور باقی بچی ہوئی دو چپاتیوں سے اُس نے اپنے دونوں ہاتھ صاف کئے.... پھر اُس نے چائے طلب کی۔

"کتنا مردانہ پن ہے اس کے اندر میں۔" لڑکی بولی۔ "شاید اب وہ چڑ کر سچ مچ اپنے ساتھی کو جلا رہی تھی۔"

"سبحان اللہ کیا کہنے ہیں۔" اس کے ساتھی نے جلے بھنے ہوئے لہجے میں کہا۔

"پتہ نہیں.... یہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔" لڑکی بولی۔ "اِدھر کا تو معلوم نہیں ہوتا۔"

"یہ اُدھر کا ہے جہاں کے لوگ اپنی عورتوں کو بھیڑوں سے بھی بدتر سمجھتے ہیں۔"

"بھیڑیں دودھ دیتی ہیں نا۔" لڑکی مسکرا کر بولی۔ "عورت سے مرد کا پیٹ نہیں بھرتا.... سمجھے! وہ لوگ ٹھیک کرتے ہیں۔ یہی ہونا چاہئے۔ ہر عورت فطرتاً مرد چاہتی ہے۔ خادم نہیں۔ وہاں کی عورتوں کو حقیقی مسرت ملتی ہو گی۔"

"تم مجھے غصہ دلا رہی ہو۔"

"ہاہا....!" لڑکی طنزیہ انداز میں ہنسی۔ "تمہیں ہرگز غصہ نہیں آئے گا۔ غصہ تو اسے آ
ہے۔ اُسے اس بات پر غصہ آتا ہے کہ اُسے پلیٹ میں تھوڑا سا سالن دیا جاتا ہے۔ کوارٹر پلیٹ
اُسے اس بات پر غصہ آتا ہے کہ یہاں کی مرغیاں دبلی ہوتی ہیں اور اُس کے دانت کھال سے
پھسل کر ہڈیوں سے جا ٹکراتے ہیں۔ دیکھو ویٹر سمجھدار معلوم ہوتا ہے اس نے بہت بڑی چا
دانی اس کے سامنے رکھی ہے۔"

انٹلکچوالس کا یہ جوڑا آپس میں الجھتا رہا اور نووارد وہاں سے جانے کے لئے اٹھ گیا۔

ویٹر نے نوٹ کے بقیہ روپے طشتری میں رکھ کر پیش کئے۔

"یہ کیا....!" نووارد نے حیرت کا اظہار کیا۔

"آپ کے بقیہ روپے۔"

"ہشت....!" وہ طشتری کو دوسری طرف کھسکاتا ہوا بولا۔ "جاؤ.... یہ تمہارا انعام ہے۔"

زیادہ رات نہیں گئی تھی۔ ابھی صرف سات بجے تھے۔ لیکن سردیوں کی راتیں جن کی ابتدا
اور انتہا میں کافی فاصلہ معلوم ہوتا ہے۔

اجنبی ریستوران سے نکل کر فٹ پاتھ پر آگیا۔

وہ جگمگاتی ہوئی دکانوں اور دہکتی ہوئی سڑکوں کو اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا جیسے
اپنی زندگی میں پہلی بار کسی بڑے شہر میں آیا ہو۔

اُس کے قریب سے زرق برق لباس میں خوبصورت عورتیں گذرتیں اور وہ ٹھٹک کر ایک
طرف ہو جاتا اور پھر کچھ دیر رک کر نندا سی آنکھوں سے اُن کی سبک خرامی دیکھتا رہتا۔ حتیٰ کہ
کسی موڑ پر نظروں سے اوجھل ہو جاتیں اور وہ آگے بڑھ جاتا۔ سربفلک عمارتوں کو نیچے سے
تک دیکھتے وقت وہ اپنی بڑے بالوں والی سیاہ ٹوپی پر ہاتھ ضرور رکھ لیتا تھا۔

خوبصورت اور سبک کاریں چکنی سڑک پر پھسل رہی تھیں اور وہ بڑی دیر سے سڑک
کرنے کے انتظار میں کھڑا تھا۔ دوسری طرف کے فٹ پاتھ پر اُسے بھیڑ نظر آرہی تھی۔ اُ
کوئی چیز تھی جسے دیکھنے کے لئے لوگ اس کے گرد اکٹھا ہو گئے تھے۔

بدقت تمام وہ سڑک پار کرنے میں کامیاب ہوا۔

مجمعے کے درمیان میں اُسے ایک آدمی دکھائی دیا جس نے اپنے داہنے ہاتھ پر سات

سانپ لٹکا رکھے تھے اور اس کے پیچھے بے شمار ڈبوں اور مرتبانوں کے ڈھیر تھے۔ ایک اونچے اسٹول
پر پیٹرومیکس لیمپ رکھا ہوا تھا۔

وہ آدمی چیخ رہا تھا۔ "تو صاحبان جب بادشاہ چلا گیا تو اس کی نوجوان ملکہ نے.... اپنے حبشی
غلام کو طلب کیا.... اے بچے۔ جاؤ مجمعے سے باہر جاؤ۔" اس نے کہانی روک کر ایک بچے کو ڈانٹا جو
مجمعے میں گھسنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لڑکا آگے پہنچ چکا تھا۔

کہانی سنانے والے نے اسے دھمکانے کے لئے سانپوں والا ہاتھ اس طرف بڑھا دیا۔ لڑکا
پلٹ کر اجنبی کو دھکا دیتا ہوا مجمعے سے باہر نکل گیا۔

"اوئے خدائی خوار....!" اجنبی جھلا کر پلٹا مگر لڑکا جا چکا تھا۔

"ہاں تو صاحبان وہ ایک ملک کی ملکہ تھی۔ اسے کس چیز کی کمی تھی۔ ذرا اپنی جیب پاکٹ سے
ہوشیار رہئے گا.... جہاں دس شریف ہوتے ہیں وہاں دو چار ذاتِ شریف بھی آجاتے ہیں جی
ہاں.... ہاں تو.... صاحبان....!"

"او.... صاحبان کے بچے۔" اچانک مجمعے کے باہر سے کسی نے کہانی سنانے والے کو للکارا۔
لوگ چونک کر مڑے۔ ایک ڈیوٹی کانسٹیبل پیچھے کھڑا کھانس رہا تھا۔

کھانس چکنے کے بعد اس نے بلغم کا پٹاخہ سڑک پر مارتے ہوئے کہا۔ "آج پھر تو نے یہاں
مجمع لگایا ہے.... ہائیں....!"

"دوسرے جمعدار نے اجازت دے دی تھی جمعدار۔" کہانی سنانے والے نے دانت نکال دیئے۔

"ہٹاؤ.... یہاں سے کاٹھ کباڑ جمعدار کے جنے۔" کانسٹیبل ہاتھ ہلا کر بولا۔

"تم کہانی سناؤ۔" اجنبی نے بازاری دوافروش سے کہا۔

کانسٹیبل اجنبی کو گھورنے لگا۔ لوگ ایک ایک کر کے کھسکنے لگے تھے۔

"ٹھہرو....!" اجنبی ہاتھ اٹھا کر چیخا۔ "ٹھہر جاؤ کہانی ضرور سنی جائے گی۔ یہ کون ہوتا ہے
روکنے والا۔"

"ابے ہوش میں ہے یا نہیں۔" کانسٹیبل اجنبی پر جھپٹا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ اُس کے دونوں ہاتھوں پر تھا اور ہاتھ اوپر کی طرف اٹھتے
جا رہے تھے۔ اجنبی نے اُسے سر سے بلند کر کے فٹ پاتھ پر پٹخ دیا۔

بھگدڑ مچ گئی۔ دوافروش کے ڈبے اور مرتبان اُلٹنے لگے۔

دو چار دوسرے کانسٹیبل اِدھر اُدھر سے دوڑ پڑے۔ اجنبی اُن حالات سے بے پرواہ کانسٹیبل کے دوبارہ اٹھنے کا انتظار کر رہا تھا۔ اچانک پانچ کانسٹیبل اُس پر ٹوٹ پڑے۔ دس پانچ راہگیر بھی اُن کا ہاتھ بٹانے لگے۔

لیکن اب اجنبی نے ایک بڑا سا چاقو نکال لیا تھا۔ یکے بعد دیگرے چار پانچ چیخیں فضا میں لہرائیں اور اجنبی حملہ آوروں کے نرغے سے نکل کر سڑک پار کرتا ہوا ایک پتلی سی گلی میں گھس گیا۔

گلی میں اندھیرا تھا اور وہ اپنے پیچھے بھاگتے ہوئے آدمیوں کا شور سن رہا تھا۔ اچانک اُس نے محسوس کیا کہ کوئی اُس کے آگے بھی بھاگ رہا ہے۔

اُس نے چاقو کے دستے پر اپنی گرفت مضبوط کر لی اور بھاگتا رہا۔

پھر ایک جگہ اُسے جھٹکا سا لگا اور وہ منہ کے بل گرنے کی بجائے بائیں طرف گھومتا چلا گیا۔ اُس کے دونوں بازو کسی کی گرفت میں تھے۔

اس جدوجہد میں چاقو اُس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

"خاموش رہو۔" اُس نے ایک تیز قسم کی سرگوشی سنی۔ "میں تمہارا دوست ہوں۔ میرے ساتھ آؤ.... ورنہ یہ لوگ تمہاری بوٹیاں اڑا دیں گے۔"

اجنبی اپنے ہاتھ چھڑا کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اُس سے دو تین فٹ کے فاصلے پر اندھیرے میں کوئی اور بھی تھا۔

اُس نے پھر نرم لہجے میں کہا۔ "میرے ساتھ آؤ دوست....!"

"چلو....!" اجنبی پھٹی ہوئی سی آواز میں بولا۔

"جلدی کرو۔ وہ آ گئے۔" اُس نے اجنبی کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔

اندھیرا.... اندھیرے ہی میں اجنبی نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔ اندھیرے ہی میں اوپر جانے کے لئے زینے طے کرنے لگا۔ اس کا ایک ہاتھ اب بھی دوسرے آدمی کے ہاتھ میں تھا اور باہر کے شور و غل کی آوازیں اب بھی اس کے کانوں تک پہنچ رہی تھیں۔

وہ دونوں ایک جگہ رک گئے۔ اجنبی نے قفل میں کنجی گھومنے کی آواز سنی۔

ایک دروازہ ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ کھلا۔

"آ جاؤ....!" دوسرے آدمی نے کہا اور اجنبی ٹٹول کر دروازے میں داخل ہو گیا۔

سوئچ دبنے سے ہلکی سی آواز ہوئی اور کمرہ روشن ہو گیا۔ اجنبی کے سامنے ایک دراز قد آدمی کھڑا تھا۔ اس کے جسم پر انگریزی وضع کا اعلیٰ ترین لباس تھا اور ہاتھوں میں جواہرات کی انگشتریاں جگمگا رہی تھیں۔ لیکن اس کا چہرہ.... وہ السٹر کے اٹھے ہوئے کالر اور نیچے جھکے ہوئے فلٹ ہیٹ کے گوشے کے پیچھے چھپ گیا تھا۔

"تم بہت بہادر ہو.... بہت دلیر....!" اُس نے اجنبی کو نیچے سے اوپر تک دیکھتے ہوئے کہا۔

اجنبی کوئی جواب دیئے بغیر اُسے گھورتا رہا۔

"تم کون ہو....!" آخر اجنبی نے پوچھا۔

"تمہارا دوست....! دوست کوئی بھی ہو ہر حال میں فائدہ ہی پہنچاتا ہے۔ تم نے اس وقت چھ آدمیوں کو زخمی کیا ہے اور یہ تو کل ہی معلوم ہو سکے گا کہ ان میں سے کتنے مر گئے۔"

"مر گئے ہوں گے۔" اجنبی نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی۔

"ٹھیک ہے! مجھے اُن کے مرنے یا جینے کی فکر نہیں۔ مگر میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تم جیسا دلیر دوست پھر مجھے نہیں ملے گا۔"

"ملے گا کیوں نہیں۔" اجنبی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "کیوں مجھے کیا ہو جائے گا۔"

"تمہیں! تمہیں میرے دوست.... اگر پولیس تمہیں پا گئی.... تو تم پھانسی پر لٹکا دیئے جاؤ گے۔"

"دوسری دنیا میں ملیں گے دوست مجھے معلوم ہے کہ تمہارا یہاں کا قانون ایسے لوگوں کو زندہ نہیں رہنے دیتا۔ ورنہ.... ورنہ میں تو اس سے پہلے بھی سترہ آدمیوں کو جان سے مار چکا ہوں۔"

"اوہ....!"

"ہاں دوست....!" اجنبی نے مسکراتے ہوئے ایک طویل انگڑائی لی۔

"اچھا دوست.... دوست میں تمہارے لئے جان کی بازی لگا دوں گا۔" دوسرے آدمی نے کہا۔ "میں تمہیں یہاں سے کہیں اور لے جاؤں گا۔ قانون کے ہاتھ تم تک نہ پہنچ سکیں گے۔"

اجنبی کچھ نہ بولا۔

پُراسرار دوست

تھوڑی دیر بعد ایک لمبی سی سیڈان تاریک گلیوں سے نکل کر شاہراہ پر آگئی۔ اجنبی پچھلی سیٹ پر تھا اور دوسرا آدمی ڈرائیو کر رہا تھا۔ اجنبی کی ہیئت بدل چکی تھی۔ اب اس کے جسم پر ایک قیمتی سوٹ تھا اور سر پر لمبے بالوں کی ٹوپی کی بجائے فلٹ ہیٹ.... جن لوگوں کو اس نے تھوڑی دیر قبل زخمی کیا تھا وہ بھی شاید اب اسے نہ پہچان سکتے۔

ان کا سفر آدھے گھنٹے تک جاری رہا.... پھر سیڈان ایک عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔

"آؤ دوست....!" دوسرے آدمی نے پچھلی نشست کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ اجنبی گاڑی سے اتر آیا۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ کمرے کی سجاوٹ کا جائزہ لے رہا تھا۔ جہاں اسے بٹھایا گیا تھا اور وہ آدمی اب وہاں موجود نہیں تھا جو اُسے یہاں لایا تھا۔

وہ زیادہ دیر تک تنہا نہیں رہا۔ وہ آدمی واپس آگیا لیکن اس کی حالت میں اب بھی کوئی تغیر واقع نہیں ہوا تھا۔ اُس کا چہرہ اب بھی اجنبی کی نظروں سے پوشیدہ تھا۔

"میں نے تمہیں سلور مون ریستوران میں دیکھا تھا۔" اُس نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کہاں.... میں نہیں سمجھا۔" اجنبی نے پوچھا۔

"جہاں تم نے کھانا کھایا تھا۔" اُس نے کہا۔ "میں نے وہیں تم کو اپنی دوستی کے لئے منتخب کر لیا تھا۔ پھر جب میں نے تمہیں مشکلات میں گھرا ہوا دیکھا تو .... میں .... اور دیکھو دوست.... ریستوران میں میں نے صرف یہ سوچا تھا کہ تم سے دوستی کروں اور جب تمہیں پریشانی میں دیکھا تو مجھے تم سے اتنی ہی محبت معلوم ہوئی جتنی ایک پرانے دوست کے لئے معلوم ہونی چاہئے۔"

"میں تمہارا شکر گذار ہوں دوست۔" اجنبی مسکرا کر بولا۔ "اور تم مجھے.... غیر وفادار دوست نہ پاؤ گے۔"

"میں بے غرض محبت کرتا ہوں۔" اُس آدمی نے کہا۔

"پرواہ نہ کرو۔" اجنبی بولا۔ "میں ناسپاس نہیں ہوں۔"

"اب میں اپنے دوست کے متعلق جاننا چاہوں گا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔"

"میں .... نصرت ہوں.... نصرت جلال.... میں کسی کو نہیں بتاتا کہ میں کون ہوں۔ لیکن تم.... تم میرے دوست ہو۔ تم نے خان جلال کا نام سنا ہے۔"

"خان جلال.... نام تو سنا ہے۔"

"خان مقلاق....!" اجنبی نے کہا۔

"خان مقلاق.... ہاں ہاں....!" دوسرا آگے جھک آیا۔

"میں خان مقلاق کا بیٹا ہوں.... نصرت جلال.... چھوٹا خان مقلاق۔"

"کسی ہمدرد دوست کو دھوکا دینا بُری بات ہے۔" اُس نے کہا۔

"کیا مطلب....!" اجنبی کی بھنویں تن گئیں۔

"یہی کہ تم ایک غلط بات کہہ رہے ہو۔"

"مجھے جھوٹا کہنے والا زندہ نہیں رہتا۔" اجنبی اچھل کر کھڑا ہو گیا لیکن پھر سنبھل کر بیٹھتا ہوا بولا۔ "معاف کرنا.... میں تمہیں دوست کہہ چکا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔" وہ ہنس کر بولا۔ "تم بڑے غصہ ور معلوم ہوتے ہو۔"

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں اپنی اصلیت کسی کو نہ بتاتا لیکن.... تم میرے دوست ہو۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا کہ تم جھوٹ کہہ رہے ہو۔ خان مقلاق بہت بڑا آدمی ہے۔ آزاد علاقے کا حکمران۔ اس کا بیٹا.... اس طرح.... میرا مطلب ہے کہ اگر خان مقلاق کا بیٹا یہاں آتا تو حکومت اُس کے لئے خاص قسم کے انتظامات کرتی۔"

"میں دنیا دیکھنا چاہتا ہوں۔" اجنبی نے برجستہ کہا۔ "خان بابا.... نے....!"

وہ یک بیک خاموش ہو کر اُسے گھورنے لگا۔ پھر جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "تم کیسے دوست ہو۔ میں نے ابھی تک تمہاری شکل بھی نہیں دیکھی۔"

"اوہو.... تو اس سے ہماری دوستی پر کیا اثر پڑتا ہے۔"

"مہربانی کر کے اپنی ٹوپی اتار دو اور کالر نیچے گرا دو۔ ورنہ میں زبردستی....!"

"نہیں پیارے دوست.... نصرت خاں۔" اُس کی آواز دردناک ہو گئی۔ "تم میری صورت کبھی نہ دیکھ سکو گے.... کبھی نہیں! میری صورت آج تک کسی نے نہیں دیکھی۔ میں ایک

بد نصیب آدمی ہوں۔ میرا چہرہ اتنا بد نما ہے کہ تم اس پر تھوک دو گے۔ یہاں سے چلے جاؤ گے ہو سے نفرت کرو گے اور میرا دل ٹوٹ جائے گا۔ میں محبت کا بھوکا ہوں۔ پیار چاہتا ہوں۔ مجھے اس کیلئے مجبور نہ کرو۔ پیارے دوست.... نصرت خاں.... اور مقلاق کے آٹھویں خان اعظم....!"

"اوہ تو تمہیں یقین آگیا کہ میں چھوٹا خان ہوں۔"

"مجھے یقین ہے دوست.... میں ایک بار خان اعظم سے مل چکا ہوں۔ تم اُن سے بہت مشابہ ہو۔"

"ٹھیک....!" اجنبی ہنس کر بولا۔ "لوگ کہتے ہیں کہ اگر میں ڈاڑھی رکھ لوں اور وہ سفید ہو جائے تو میں خان بابا کا ہم شکل ہو جاؤں گا۔"

"بالکل ٹھیک کہتے ہیں نصرت خان.... تم خانِ اعظم کے اکلوتے بیٹے ہو نا۔"

"ہاں.... یہ درست ہے۔"

"لیکن تم.... اس حال میں یہاں کیوں۔"

"راز داری کی قسم کھاؤ تو بتا دوں۔"

"میں سڑتی ہوئی تین ہزار لاشوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہارا راز ہمیشہ راز ہی رہے گا۔"

"یہ کیسی قسم تھی! تمہارا مذہب کیا ہے۔" اجنبی اُسے گھورنے لگا۔

"میرا مذہب....!" اُس نے سر ہلا کر کہا۔ "میرا مذہب وہی ہے جو.... خیر ہٹاؤ! تمہیں شائد اُس قسم پر اعتراض ہے جو میں نے ابھی کھائی ہے۔"

اجنبی کچھ نہ بولا۔ وہ اُسے مشتبہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"یہ قسم....!" اس پر اسرار دوست نے کہا۔ "یہ قسم وہی ہے جو ہزاروں سال سے طاقتور لوگ کھاتے آئے ہیں۔ میرا مذہب.... قوت ہے.... میری جنت خونریزی ہے اور میرا جہنم وہ پلنگ ہے جس پر کمزور آدمی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرتے ہیں۔"

"تم عجیب ہو۔" نصرت خان ہنسنے لگا۔

"اور میں نے تمہیں اس لئے دوست بنایا ہے۔" وہ کہتا رہا۔ "اسی لئے یہاں لایا ہوں کہ تم دلیر ہو اور جس وقت اپنے شکار پر جھپٹتے ہو تمہارے دل میں رحم کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ کیا تمہارا مذہب بھی وہی ہے جو میرا ہے۔"

"نہیں بھئی! میں خدا پرست ہوں اور خدا کا بندہ۔" نصرت خاں بولا۔

"میں بھی خدا کا بندہ ہوں۔" اس کے پر اسرار دوست نے کہا۔ "اور وہ بڑی مچھلی بھی خدا کی بندی ہے جو چھوٹی مچھلیوں کو نگل جاتی ہے.... نہیں نصرت خاں.... تم میرے مذہب سے الگ نہیں ہو۔"

"اوئے.... خدائی خوار.... تم کہنا کیا چاہتے ہو۔" نصرت خان ہنسنے لگا۔

"میں فی الحال اور کچھ نہیں کہنا چاہتا سوائے اس کے کہ میں تمہارا راز افشاء نہیں کروں گا۔"

نصرت خان تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"خان بابا.... بہت سخت گیر آدمی ہیں اور اب میں بچہ نہیں ہوں۔ انہوں نے مجھے قید کر رکھا تھا۔ ہمارے ادنیٰ ملازم بھی چار چار عورتیں رکھتے ہیں لیکن میں.... مجھے بچپن سے اب تک عورتوں سے دور رکھا گیا ہے۔ میں دنیا دیکھنا چاہتا تھا مجھے مقلاق کے قلعے کی دیواروں سے نفرت ہو گئی تھی۔ میں وہاں سے چھپ کر نکل آیا اور اب میں وہاں کبھی واپس نہیں جاؤں گا۔ کبھی نہیں۔ خان بابا پاگل ہو گیا ہے۔ مجھے ایک لڑکی سے محبت ہو گئی تھی۔ اس نے قتل کرا دیا تھا۔ وہ بہت حسین تھی دوست بہت حسین۔ میں اُسے ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ مجھے خان بابا سے نفرت ہو گئی ہے۔ میں اب وہاں کبھی نہ جاؤں گا۔ میں مقلاق کا آٹھواں خان نہیں بننا چاہتا۔ میں دنیا دیکھنا چاہتا ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ ساری دنیا کے سمندر چھان ماروں۔"

"پرواہ مت کرو۔" اُس کے پُر اسرار دوست نے کہا۔ "تم ساری زندگی میرے ساتھ رہو۔ میرا سب کچھ تمہارا ہے۔ میں تمہارے خان بابا سے بھی زیادہ طاقت ور اور اختیار رکھتا ہوں۔"

"آخر تم ہو کون....!" نصرت خان نے حیرت سے کہا۔

"میں طاقت ہوں۔"

"پٹھان ہو.... طاقت خان....!"

اُس کا دوست ہنسنے لگا۔

"چھوڑو.... میں کچھ بھی ہوں اسکی پرواہ نہ کرو۔ مگر یہ سمجھ لو کہ آج سے تم ایک نئی زندگی اور ایک نئی دنیا میں قدم رکھ رہے ہو۔ تمہاری محبوبہ بہت حسین تھی لیکن تم اسے بھول جاؤ گے۔"

"کبھی نہیں بھولوں گا۔" نصرت خان کو غصہ آگیا۔

"بھول جاؤ گے۔ اچھا اٹھو.... میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں وکھاؤں حسن کسے کہتے ہیں تم اُس ایک عورت کے لئے رنجیدہ ہو۔ طاقت تمہارے لئے ہزار عورتیں مہیا کرے گی۔"

"کرے گی.... طاقت خان کرے گی ہاہا....!" نصرت خان ہنسنے لگا۔ "چلو میں چلتا ہوں۔"

ایک بار پھر وہ اُسی سیڈان میں سفر کر رہے تھے۔

"مجھے اپنا چہرہ دکھا دو۔" نصرت خان بولا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم سے نفرت نہیں کروں گا۔"

"میرے دوست تم مجھے دکھ پہنچا رہے ہو.... اور میں اپنے کسی دوست سے اس کی توقع نہیں رکھتا مجھے معاف کر دو۔"

"اچھا دوست....!" نصرت خان ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "اب کبھی اس کی خواہش نہیں کروں گا۔"

"شکریہ! تم بہت اچھے ہو۔"

گاڑی پھر ایک شاندار عمارت کے سامنے رک گئی۔

نصرت خان کے پُر اسرار دوست نے کہا۔ "جاؤ.... یہ پُر مسرت رات تمہارے لئے اپنے بازو کھولے ہوئے ہے۔"

نصرت خان کار سے اتر کر عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو گیا اور سیڈان آگے بڑھ گئی۔

نصرت خان پورچ میں پہنچ کر رک گیا۔ پھر جیسے ہی برآمدے میں پہنچنے کے لئے سیڑھیاں طے کرنے لگا دو لحیم شحیم آدمی صدر دروازے سے اس کی طرف جھپٹے۔

"طاقت....!" نصرت خان آہستہ سے بڑبڑایا اور وہ دونوں الٹے پاؤں پیچھے کھسکتے ہوئے صدر دروازے کے اِدھر اُدھر کھڑے ہو گئے۔

نصرت خان بے دھڑک اندر گھستا چلا گیا۔ راہداری کافی طویل تھی اور اس کے دونوں طرف کمرے تھے۔ راہداری کا اختتام ایک دروازے پر ہوا۔ دروازے کے اُس طرف سامنے ہی ایک پست قد آدمی جس کا سر انڈے کے چھلکے کی طرح سپاٹ اور چکنا تھا کھڑا سگار پی رہا تھا۔ نصرت کو دیکھتے ہی اُس نے سگار فرش پر پھینک کر اُسے جوتے سے مسلتے ہوئے قدرے جھک کر کہا۔ "خوش آمدید۔"

نصرت جواباً سر کو خفیف جنبش دے کر مسکرایا۔

اب وہ کافی طویل و عریض ہال میں کھڑا تھا۔

ہال میں کچھ لوگ چاقو پھینکنے کی مشق کر رہے تھے۔ نصرت انہیں بڑی توجہ اور دلچسپی سے دیکھنے لگا۔ گنجا آدمی کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اُس نے ہاتھ اٹھا کر اُسے روک دیا۔ نشانہ بازوں نے اس کی مطلق پرواہ نہ کی کہ کوئی نیا آدمی بھی وہاں موجود ہے۔ وہ بدستور چاقو پھینکنے میں مشغول رہے مگر نصرت نے ایک کو بھی کامیاب ہوتے نہیں دیکھا۔ کسی کا چاقو اب تک ٹارگٹ کے اُس دائرے میں نہیں پڑا تھا جس کے لئے وہ کوشاں تھے۔

"یہ بڑا دلچسپ مشغلہ ہے۔" نصرت گنجے میزبان کی طرف مڑ کر بولا۔

"جی حضور....!"

"کیا میں بھی کوشش کروں۔"

"ضرور.... ضرور.... کیا میں حضور کے نام کا اعلان کر دوں۔"

"میرا نام.... ضرغام ہے۔" نصرت بولا۔ "یہ نام دراصل اُس کے پُر اسرار دوست کا منتخب کیا ہوا تھا۔ اُس نے اسے تاکید کر دی تھی کہ وہ اپنی اصلیت کسی پر بھی ظاہر نہ کرے۔"

"طاقت کے نئے دوست" گنجے نے بلند آواز میں کہا۔ "مسٹر ضرغام! اب اپنی مشاقی کا مظاہرہ کریں گے۔"

دوسرے لوگ ایک طرف ہٹ گئے۔ نصرت نے کشتی سے ایک چاقو اٹھایا۔ ٹارگٹ کی طرف دیکھنے لگا۔ اس میں کئی دائرے تھے اور اُن کا قطر دو انچ تھا۔

"نیلا دائرہ۔" نصرت نے کہا اور دوسرے ہی لمحے میں چاقو اُس کے ہاتھ سے نکل کر نیلے دائرے میں پیوست ہو گیا۔ اُس نے دوسرا چاقو اٹھایا۔

تھوڑی دیر بعد ہر دائرے میں ایک ایک چاقو پیوست نظر آنے لگا۔

نشانہ بازوں میں سے کئی اُسے کینہ توز نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

پھر اچانک سارا ہال بینڈ کی موسیقی سے گونجنے لگا۔ نصرت بوکھلا کر آواز کی طرف مڑا۔ ہال کے دوسرے سرے پر ایک دروازے سے نیم عریاں انگریز لڑکیوں کی ایک قطار برآمد ہو رہی تھی۔

پندرہ نیم عریاں لڑکیوں کا رقص۔ نصرت کے ہاتھ سے آخری چاقو چھوٹ کر فرش پر جا گرا۔ لڑکیوں کی قطار آہستہ آہستہ اُس کی طرف بڑھتی آ رہی تھی۔ نصرت پتھر کے بت کی

طرح کھڑا رہا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور کانوں کی لویں خون اگلتی معلوم ہو رہی تھیں۔

لڑکیاں اُس کے گرد دائرہ بنا کر ناچنے لگیں۔ لاؤڈ اسپیکر سے موسیقی منتشر ہو رہی تھی۔ اس کے گرد پندرہ حسین ترین لڑکیاں ناچ رہی تھیں اور ہال میں سولہواں متنفس وہ خود تھا۔ نہ بازوؤں اور گنجے میزبان کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اچانک ہال کے سارے قمقمے بجھ گئے اور اندھیرے میں سریلے قہقہوں اور چیخوں نے یلغار کر دی۔

طاقت

سردیوں کی شفاف چاندنی جنگل پر بکھری ہوئی تھی۔

کرنل فریدی نے اپنی شاندار کیڈیلاک سڑک کے نیچے اتار دی۔ نکھری ہوئی چاندنی میں سائیں سائیں کرتا ہوا جنگل بڑا پُرکشش معلوم ہو رہا تھا۔

فریدی کار سے اتر کر نیچے کھڑا ہو گیا۔ پھر اُس نے پچھلی نشست کی کھڑکی پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "تم زندہ ہو یا مر گئے۔"

"اس سردی میں مرنے سے بھی احتراز نہ کروں گا۔" اندر سے آواز آئی اور یہ آواز کیپٹن حمید کے علاوہ اور کس کی ہو سکتی تھی۔ اُس نے دروازہ کھول کر نیچے اترتے ہوئے کہا۔ "کیا گاڑی کو دھکا دینا پڑے گا۔"

"رسی نکالو۔"

"دیکھئے! اگر میں گر کر مر گیا تو تمام تر ذمہ داری آپ پر ہو گی۔" حمید نے کہا۔ "میرے ہاتھ اور پیر بُری طرح ٹھٹھر گئے ہیں اور اگر اس وقت میں نے درخت پر چڑھنے کی حماقت کی تو سیدھا تحت الثریٰ میں پہنچ جاؤں گا۔"

"رسی نکالو.....!" فریدی جھنجھلا کر بولا۔

حمید نے کار سے ایک موٹی سی رسی کا لچھا نکال کر زمین پر پٹخ دیا۔

"میں تمہیں درخت پر نہیں چڑھاؤں گا۔" فریدی نے کہا اور رسی کا لچھا اٹھا کر ایک طرف چلنے لگا۔

حمید نے حیرت کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنبش دی اور وہ بھی اُس کے ساتھ اس طرح چلنے لگا جیسے اُسے کوئی پیچھے سے دھکیل رہا ہو۔

سڑک کے دونوں طرف کچھ اس قسم کی جھاڑیاں تھیں جنہیں پار کرنا آسان کام نہیں تھا۔ وہ کانٹے دار جھاڑیاں تھیں اور اندازہ نہیں کیا جا سکتا تھا کہ اندر کی طرف اُن کا پھیلاؤ کتنا ہو گا۔

"مجھے بتایئے۔ آخر آپ کیا کرنا چاہتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"تم پرواہ نہ کرو۔ رسی اٹھا لینے کے بعد تم یہاں سے چپ چاپ کھسک جاؤ گے سمجھے۔ پھر یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔"

فریدی نے ایک جگہ رک کر رسی کا لچھا کھولا اور اُس کے سرے پر پھندا بنانے لگا۔

حمید حلق سے بے تکی آوازیں نکالتا ہوا اپنی گردن مسل رہا تھا۔

فریدی نے مڑ کر اُس کی طرف دیکھنے کی زحمت نہیں گوارا کی۔ رسی کا پھندا ایک درخت کی ایک موٹی سی شاخ میں پڑ چکا تھا اور اب وہ رسی کو جھٹکے دے کر اُس کی مضبوطی کا اندازہ کر رہا تھا۔

"اَب کب ملاقات ہو گی۔" حمید نے رو دینے والی آواز میں پوچھا اور فریدی کو بیساختہ ہنسی آ گئی۔

"میں بالکل مایوس ہو گیا ہوں۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

اُس نے فریدی کو رسی پر چڑھتے دیکھا اور اپنا سر کھجانے لگا۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ چلو اچھا ہی ہوا۔ جب تک ملاقات نہ ہو بہتر ہی ہے۔ آج کل کرنل فریدی روز ہی نت نئی حرکتیں کر رہا تھا۔ اور پھر وہ ان کا مقصد بھی نہیں بتاتا تھا۔

فریدی درخت پر پہنچ چکا تھا۔ رسی حمید کے پیروں کے پاس آ گری۔ اس نے اُسے تہہ کر کے اٹھایا اور کیڈی میں آ بیٹھا۔

انجن اسٹارٹ کر دینے کے بعد بھی وہ تھوڑی دیر تک ساکت و صامت بیٹھا رہا حالانکہ فریدی نے تاکید کر دی تھی کہ وہ یہاں سے فوراً چلا جائے۔ حمید دراصل اسی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ وہ اس وقت شہر سے چالیس میل کے فاصلے پر ایک ویرانے میں تھا۔ گھر سے چلتے وقت جب فریدی نے رسی کی فرمائش کی تھی تو صرف یہ بتایا تھا کہ ایک درخت پر چڑھنا ہو گا۔ مگر اس حماقت کا مقصد کیا تھا؟ اُسے حمید بار بار ذہن پر زور دینے کے باوجود بھی نہ سمجھ سکا۔

آخر کیڈی چل پڑی۔ سڑک سنسان پڑی تھی۔ اس لئے حمید بے کھٹکے اُسے زیادہ سے زیادہ

رفتار سے چلا رہا تھا۔

تھوڑی دیر میں وہ سب کچھ بھول گیا کیونکہ سردی کی شدت نے خود اُسی کے خیال کے مطابق اُس کی کھوپڑی تک منجمد کر دی تھی۔

وہ جلد سے جلد شہر پہنچنا چاہتا تھا۔ سردی کی شدت کے باوجود بھی چاندنی بڑی بھلی لگ رہی تھی۔ حمید کو اس کا بھی احساس تھا.... مگر سردی.... وہ چیخ چیخ کر گانے لگا۔ محض اس خیال سے کہ چیخنے سے جسم میں گرمی آتی ہے۔ حمید اچھا گا لیتا تھا لیکن اب اسے وہ کیا کرتا کہ سردی کی وجہ سے ہر بول کی دھن انگریزی ہوتی جا رہی تھی۔

خدا خدا کر کے وہ شہر پہنچا۔ راستے میں سب سے پہلے ہائی سرکل نائٹ کلب ہی ایک ایسی جگہ ملتی تھی جہاں وہ اپنے ٹھٹھرے جسم کو گرمی پہنچا سکتا تھا۔

اُس نے کیڈی کمپاؤنڈ میں کھڑی کر دی اور کلب کی عمارت میں گھس گیا۔ گیارہ بج چکے تھے اور یہی وقت کلب کی رونق کا تھا۔

اسے ایک بھی میز خالی نہ دکھائی دی۔ لیکن ایسا بھی کیا تھا کہ وہ وہاں سے یونہی رخصت ہو جاتا۔ اس نے منیجر کے کمرے کا رخ کیا۔

ہائی سرکل کا منیجر اس کے خاص شکاروں میں سے تھا۔ وہ حمید کو شعر سناتا تھا۔ جب شعر نہیں سوجھتے تھے تو نثر ہی میں مکھن لگانا شروع کر دیتا تھا اور اس کا ایمان تھا کہ حمید کی ناخوشی اس کے لئے ایسے لمحات لا سکتی ہے جو مسندِ عشق پر بھی پانسی کے تختے کا مزہ دیں۔

وہ حمید کو اپنے آفس میں دیکھ کر گھبرا گیا۔

"آخاہ! کپتان صاحب! واللہ بڑے موقعے سے تشریف لائے۔" وہ اس کی پیشوائی کے لئے اٹھتا ہوا بولا۔

"بور مت کرو۔ بیٹھ جاؤ۔ وہاں کوئی میز خالی نہیں ہے۔ اس لئے میں یہیں بیٹھ کر کافی پیؤں گا۔ ذرا جلدی سے کافی منگواؤ۔ خوب گرم ہونی چاہئے ورنہ کافی پاٹ کسی شاعر کے سر پر پھوڑ دی گی۔" حمید ایک کرسی میں گرتا ہوا بولا۔

"ضرور.... ضرور.... جناب.... سر آنکھوں پر.... مگر اس ٹھٹھرا دینے والی رات میں آپ تنہا ہیں.... مجھے حیرت ہے.... بقول شاعر....!"

"نہیں شاعر نہیں.... کافی جلدی کرو۔" حمید میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

"ابھی لیجئے۔" منیجر میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجانے لگا۔

ایک ویٹر کمرے میں داخل ہوا اور کافی کا آرڈر لے کر چلا گیا۔

منیجر حمید کو ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا رہا۔ آنے والے لمحات خود اُس کی دانست میں اس کے لئے بہتر نہیں ہو سکتے تھے۔ ہائی سرکل نائٹ کلب میں حمید کا داخلہ ہمیشہ اس کے لئے کسی نہ کسی پریشانی کا باعث بن جایا کرتا تھا۔

"کیا دیکھ رہے ہو۔" اچانک حمید اسے گھورنے لگا۔

"کچھ نہیں! کچھ بھی نہیں.... میں یہ سوچ رہا تھا کہ آج آپ کے انداز بڑے شاعرانہ قسم کے ہیں۔ آہ بالکل عاشق نامراد و مہجور کے لئے۔ وہ جو ہجر کی سنسان راتوں میں تڑپتا رہا ہو۔ اوہ کپتان صاحب آج آپ کے چہرے پر بڑا سوز و گداز ہے.... آہ.... میں سمجھا.... بیوفائی.... محض بیوفائی کسی ستم گر نے آپ کے دل کے ٹکڑے کر دیئے ہیں.... بقول شاعر....!"

حمید منہ پھاڑے اُسے گھورتا رہا اور پھر جیسے ہی اُس نے شعر پڑھنے کا ارادہ کیا حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"اگر تم نے آج مجھے ایک بھی شعر سنایا تو اس عمارت میں زلزلہ آ جائے گا سمجھے۔"

"میں سمجھ گیا جناب۔" منیجر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "یقیناً آپ پر کسی ستم گر نے ظلم ڈھایا ہے۔"

"ستم گر کے بچے! ابھی تک کافی نہیں آئی۔"

"اوہ.... ٹھہریئے.... میں خود دیکھتا ہوں۔" منیجر نے کہا اور اُٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔

اُس کے جانے کے چند ہی لمحوں کے بعد ایک اینگلو انڈین لڑکی آفس میں داخل ہوئی اور حمید کی طرف دیکھے بغیر مڑ کر دفتر کا دروازہ بند کرنے لگی۔

پھر دروازہ بند کر کے اُس طرف مڑتے ہی وہ کچھ چونک سی پڑی۔

"منیجر کہاں ہیں۔" اُس نے پوچھا۔

"تشریف رکھئے.... وہ ابھی آتے ہیں۔"

لڑکی بیٹھ گئی۔

حمید نے اس پر تفصیلی نظر ڈالی اور ہائی سرکل نائٹ کلب کے منیجر کی قسمت پر عش عش کئے بغیر نہ رہ سکا۔ کیونکہ جس انداز میں اس نے دفتر میں داخل ہو کر دروازہ بند کیا تھا وہ اسی بات کی طرف اشارہ کرتا تھا کہ منیجر سے کافی بے تکلف ہے۔

لڑکی بہت حسین اور پُرکشش تھی۔

اتنے میں کسی نے آفس کے دروازے کا ہینڈل باہر سے گھمایا۔ دروازہ کھل گیا اور منیجر کی بوکھلائی ہوئی شکل دکھائی دی۔

"اوہو....!" وہ اندر گھستا ہوا بولا اور اس طرح درمیان ہی میں رک گیا جیسے پرانی کہانیوں والے کسی شہزادے کی طرح پتھر کا ہو گیا ہو۔

"منیجر....! پلیز یہ تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔" حمید اُسے معنی خیز انداز میں آنکھ مار کر بولا۔

"اوہ.... ہا.... ہاں...." منیجر دونوں ہاتھ پھیلا کر لڑکی کی طرف بڑھا۔

"کیا تم بہت مشغول ہو۔" لڑکی نے اس سے پوچھا۔

"نہیں تو.... بالکل نہیں۔"

لڑکی حمید کی طرف دیکھنے لگی۔

"اوہ کیا میں یہاں سے اٹھ کر چلا جاؤں۔" حمید نے کہا۔

"نہیں.... نہیں....!" لڑکی مسکرائی۔ "آپ بیٹھئے.... میں تو یونہی.... بس چلی آئی وہاں ہال میں کوئی میز خالی نہیں تھی۔"

"اچھا.... اچھا.... میں بھی اسی اتفاق کا شکار ہوں۔" حمید نے منیجر کی طرف مڑ کر کہا "بڑے کافی پاٹ کے لئے کہہ دو.... اور تین کپ۔"

منیجر کچھ اس درجہ بوکھلایا ہوا تھا کہ میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجانے کی بجائے سرپٹ باہر نکل گیا۔

"کیا آپ میرے لئے تکلیف کر رہے ہیں۔" لڑکی نے حمید سے کہا۔

"کیسی تکلیف.... بھلا اس میں تکلیف کیسی۔ ایسی خطرناک سردی میں کسی کو کافی پیش کرنا تکلفات میں سے نہیں ہو سکتا۔"

"اوہ شکریہ! سردی تو واقعی بہت زیادہ ہے۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک ویٹر نے اندر آ کر کہا۔ "آپ کو ایک صاحب یاد فرما رہے ہیں۔"

"مجھے....!"

"جی ہاں....!"

"میں ابھی حاضر ہوا۔" حمید لڑکی سے کہتا ہوا باہر نکل گیا۔ لیکن وہ ایک صاحب جنہوں نے اُسے یاد فرمایا تھا منیجر کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔

"اس حماقت کا مطلب....!" حمید بھنا کر بولا۔

"میں صرف اتنا عرض کرنا چاہوں گا جناب کپتان صاحب کہ آپ اُس پر ہاتھ صاف کرنے کی کوشش نہیں کریں گے۔"

"کیا وہ تمہاری محبوبہ ہے پیارے منیجر۔"

"آپ کو اس سے سروکار نہ ہونا چاہئے جناب۔"

"اگر وہ تمہاری محبوبہ ہے تو مجھے افسوس ہوا۔ تم اسکے قابل نہیں ہو۔ کیا عمر ہو گی تمہاری۔"

"آپ خواہ مخواہ بات بڑھا رہے ہیں۔"

"نہیں! میرا خیال ہے کہ تم پینتالیس کے ضرور ہو گے۔"

"کپتان صاحب۔"

"اور وہ چوبیس سے زیادہ نہیں ہو گی۔ میرا دعویٰ ہے۔"

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔"

"کچھ بھی نہیں۔ میں تمہارا بھلا ہی چاہوں گا۔"

"آپ براہِ کرم.... میں یہاں ہال میں ایک میز کا انتظام کئے دیتا ہوں۔"

"کچھ بھی ہو۔ وہ کافی میرے ساتھ پئے گی۔ میں اُسے مدعو کر چکا ہوں۔ ارے جان کیوں نکل رہی ہے۔ کیا مجھے ڈاکو سمجھتے ہو۔"

"دیکھئے میں اسے پسند نہیں کرتا۔"

"مجھے تمہاری پسند کی پرواہ نہیں۔ لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ انتخاب غلط ہے۔ تم چالیس سے اوپر ہو اس لئے کم سے کم تیس سال کی محبوبہ ہونی چاہئے۔ اچھا میری عمر کے متعلق تمہارا کیا اندازہ ہو گا۔"

"حمید صاحب....!" منیجر دانت پیس کر بولا۔ "اتنا یاد رکھئے کہ چیونٹی بھی دب کر کاٹ ہی

لیتی ہے۔"

"اس لئے میں نے آج تک کسی چیونٹی سے عشق نہیں کیا۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔ اچھا.... ہم تینوں وہیں کافی پئیں گے ورنہ دوسری صورت میں کیا فائدہ کہ تمہاری محبوبہ تمہاری حالت پر قہقہے لگانے پر مجبور ہو جائے۔ ہاں شاباش....!"

حمید نے کہا اور اُس کا جواب سنے بغیر وہاں سے چل دیا۔

آفس میں اینگلو انڈین لڑکی ایک آرام کرسی پر نیم دراز چھت کی طرف دیکھ رہی تھی۔

حمید نے آفس میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ لڑکی بدستور آرام کرسی میں پڑی رہی۔

"معاف کیجئے گا۔" اُس نے مسکرا کر کہا۔ "میں بہت تھک گئی ہوں۔"

"اوہو! کوئی بات نہیں۔" حمید نے سنجیدگی اور بھولے پن کے ساتھ کہا۔

منیجر بہت اچھا آدمی ہے۔ اُسے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

"جی ہاں....!" لڑکی مسکرائی۔ "ہم دونوں گہرے دوست ہیں۔"

"اوہ تب تو آپ مجھے بھی.... اپنا گہرا دوست سمجھئے۔ کیونکہ منیجر سے میرے تعلقات بہت پرانے ہیں۔"

"بڑی خوشی ہوئی۔"

"مجھے حمید کہتے ہیں۔"

"میں ڈالی ہوں۔"

"ڈالی.... واہ کتنا حسین نام ہے۔" حمید نے کہا اور منیجر کی طرف دیکھنے لگا جو دروازے میں کھڑا احمقوں کی طرح پلکیں جھپکا رہا تھا۔ حمید اُسے آنکھ مار کر بولا۔

"یہ نام سن کر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کانوں میں چاندی کی گھنٹیاں بج اٹھی ہوں۔ مدھم سروں میں کسی نے ستار چھیڑ دیا ہو اور دور کسی ویرانے میں....!"

منیجر پر کھانسیوں کا دورہ پڑ گیا۔ لیکن لڑکی اُس کی طرف دھیان دیئے بغیر بولی۔

"اوہ آپ تو شاعر معلوم ہوتے ہیں۔"

"شاعر تو وہ ہیں۔" حمید نے منیجر کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ.... منیجر کی شاعری۔" لڑکی نے قہقہہ لگایا۔ "یہ مجھے اردو میں شعر سنا کر انگریزی میں

اس کا ترجمہ کرتے ہیں۔ پتہ نہیں ٹھیک کرتے ہیں یا غلط میں تو غلط ہی سمجھتی ہوں۔ آپ کا کیا خیال ہے۔"

"کوئی ترجمہ سنے بغیر خیال کس طرح ظاہر کیا جا سکتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"تم وہاں کیوں کھڑے ہو۔" لڑکی نے منیجر سے کہا۔

"کافی آ رہی ہے۔" منیجر مردہ سی آواز میں بولا۔ "اُس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور وہ برسوں کا بیمار نظر آنے لگا تھا۔"

حمید کی صلاحیتوں سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ یہیں اپنے کلب ہی میں اُس نے مختلف اوقات میں حمید کے ساتھ مختلف لڑکیاں دیکھی تھیں۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ حمید تھوڑی ہی دیر میں نہ صرف خود لڑکیوں سے بے تکلف ہو جاتا ہے بلکہ انہیں بھی بے تکلفی پر مجبور کر دیتا ہے۔

وہ بڑی بے دلی سے آگے بڑھا اور ایک کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔

اتنے میں کافی بھی آ گئی۔ حمید نے تین کپ تیار کئے۔

"اوہو....! واقعی آپ کو بہت تکلیف ہوئی۔" لڑکی نے کافی کا کپ لیتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ کی دانست میں مجھے تکلیف ہوئی ہے۔" حمید نے منیجر سے پوچھا۔

اُس نے کوئی جواب نہ دیا لیکن کافی کا کپ لے کر اس طرح ہونٹوں سے لگا لیا جیسے حمید کا خون پینے جا رہا ہو۔

"ہاں.... آپ کسی شعر کے بارے میں کچھ کہہ رہی تھیں۔" حمید نے لڑکی سے کہا اور وہ منیجر کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگی لیکن پھر جلد ہی سنجیدہ بھی ہو گئی وہ کس حد تک منیجر کے جذبات کا پاس کرتی تھی مگر اس کی وجہ حمید کی سمجھ میں نہ آ سکی۔ وہ سوچنے لگا کیا حقیقتاً لڑکی بھی اس کھوسٹ میں دلچسپی لے رہی ہے۔

لڑکی اچانک خاموش اور فکر مند ہو گئی تھی۔ اُس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے اُسے منیجر کے سلسلے میں اپنے رویئے پر ندامت ہو۔ پھر کافی پینے کے دوران میں وہ ایک بار بھی نہیں بولی اور کافی ختم کر چکنے کے بعد اٹھ ہی گئی۔

"مجھے جلدی ہے۔" اس نے حمید سے کہا۔ "امید ہے کہ پھر ملاقات ہو گی۔"

"ضرور.... ضرور....!" حمید نے جواب دیا لیکن اب اُس کے انداز میں کافی بے تکلفی پیدا

ہو گئی۔ لڑکی کے ساتھ ہی منیجر بھی باہر چلا گیا۔ حمید وہیں بیٹھا رہا۔ اچانک اُس کی نظر ایک ریشمی رومال پر پڑی جو اُسی آرام کرسی پر پڑا ہوا تھا۔ جس پر لڑکی تھی۔ حمید نے اُسے غیر ارادی طور پر اٹھالیا۔ ایک لطیف سی خوشبو اُس کے دماغ میں گونج کر رہ گئی۔

رومال کے نیچے ایک چھوٹی سی سنہری ٹکیہ پڑی بجلی کی روشنی میں چمک رہی تھی۔ حمید نے اسے بھی اٹھالیا۔ اُس کا قطر قریب قریب چونی کے برابر ضرور ہو گا اور ٹکیہ سونے کی تھی۔ دوسرے ہی لمحے میں حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اُس سنہرے سکے پر ایک طرف "طاقت" تحریر تھا اور دوسری طرف ایک مہر تھی۔ بالکل اُسی قسم کی مہر جیسی سرکاری کرنسی میں ہوتی ہے۔ لیکن وہ سنہرا سکہ.... رائج الوقت سکوں میں سے نہیں تھا۔

غیر مہذب آدمی

یہ سکہ! اس سے قبل بھی کئی بار حمید کی نظر سے گذر چکا تھا۔ اُس نے اُسے فریدی کے پاس دیکھا تھا۔ وہ اکثر فرصت کے اوقات میں کافی غور و خوض کے ساتھ اس کا جائزہ لیا کرتا تھا۔ اُس کے متعلق استفسار پر حمید نے اسے بارہا بڑبڑاتے سنا تھا۔ "ہو سکتا ہے کہ سنہری ٹکیہ کسی بہت بڑے حادثہ کا پیش خیمہ ہو۔"

بس اتنا ہی۔ اُس کے بارے میں وہ یہی ایک جملہ کئی بار سن چکا تھا اور اس وقت اسی قسم کا ایک دوسرا سکہ دیکھ کر وہ بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا۔

باہر قدموں کی آہٹ ہوئی اور حمید نے سکہ اور رومال جیب میں ڈال لئے۔ آنے والا منیجر ہی تھا۔

"لاحول ولا قوۃ۔" وہ اپنی کرسی پر بیٹھتا ہوا بڑبڑایا۔

"مائینڈ دیٹ مائی ڈیئر۔" حمید اُسے انگلی دکھاتا ہوا بولا۔ "میں لاحول سے بھاگنے والے شیطانوں میں سے نہیں ہوں۔"

"کپتان صاحب! میں آپ کو اپنا دوست سمجھتا تھا۔ آپ کے لئے خلوص رکھتا تھا۔ آپ نے میرے اعتماد کو ٹھیس لگائی ہے۔ بقول شاعر....!"

"یقیناً اس وقت کا شاعر کوئی مرثیہ گو ہو گا۔ اس لئے معاف رکھو۔"

دوران گفتگو میں حمید نے جیب سے وہی رومال نکال لیا جو اسے آرام کرسی پر ملا تھا۔ لیکن منیجر نے اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔ حمید اُسے بار بار اپنے چہرے کے قریب نچانے لگتا۔

منیجر کہہ رہا تھا۔ "آپ اتنے دنوں کے تعلقات کا بھی پاس نہیں کرتے۔"

"کیا.... کیا ہے میں نے.... بتاؤ.... کیا کیا ہے میں نے۔" حمید بھی جھنجھلا گیا۔

"آپ نے؟ خیر میں کچھ نہ کہوں گا۔ میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔" منیجر غم ناک لہجے میں بولا۔

حمید نے جیب سے وہی سکہ نکالا اور اُسے چٹکی میں لے کر میز کے گوشے کو آہستہ آہستہ کھٹکھٹانے لگا۔ منیجر نے اُسے دیکھا لیکن اس کے انداز میں کچھ اس قسم کی بے تعلقی تھی جسے بناوٹی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ حمید نے اُسے وہ سکہ اچھی طرح دکھا دیا لیکن پھر بھی منیجر کے رویئے میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔

بہر حال حمید کو یقین ہو گیا کہ وہ سکہ اور رومال منیجر کے نہیں ہو سکتے۔ حمید نے اُسے احتیاط سے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا اور رومال کو منیجر کی نظر بچا کر اُسی آرام کرسی پر ڈال دیا جس پر سے اُسے اٹھایا گیا تھا۔

پھر اس کا ذہن اس طلائی سکے میں الجھ کر رہ گیا.... کیا وہ اسی لڑکی کا تھا؟ رومال تو یقیناً لڑکی ہی کا تھا کیونکہ وہ اسے اس کے ہاتھ میں بھی دیکھ چکا تھا مگر سکہ۔

"ڈالی کہاں رہتی ہے۔" وہ اچانک منیجر سے پوچھ بیٹھا۔

"میں نہیں جانتا۔" منیجر نے چیخ کر کہا۔

دفعتاً حمید سنجیدہ ہو گیا۔ اب وہ اس معاملے کو مذاق ہی تک محدود نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ اُسے اس سکے کے متعلق معلومات فراہم کرنی تھیں۔ اس سکے کی مہر اسے اس معاملے میں سنجیدہ ہونے پر مجبور کر رہی تھی۔ یہ مہر دراصل اسی کے ملک کا سرکاری نشان تھی اور ملکی کرنسی کے علاوہ سرکاری کاغذات میں بھی استعمال ہوتی تھی اور عام آدمیوں کے لئے اس کا استعمال قطعی غیر قانونی تھا۔ ورنہ حمید یہ بھی سمجھ سکتا تھا کہ وہ ٹکیہ سونے کی تجارت کرنے والی کسی فرم سے تعلق رکھتی ہو گی۔

بہر حال حمید قطعی سنجیدہ ہو گیا۔

"اگر میرے اس رویئے سے تمہیں تکلیف پہنچی ہو تو مجھے افسوس ہے میں صرف مذاق کے موڈ

میں تھا۔ تم تو میری عادت سے واقف ہو۔ اب میں اس مسئلے پر تم سے کبھی کوئی گفتگو نہ کروں گا۔"

منیجر نے اُسے غور سے دیکھا اور اُس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں سچ کہتا ہوں یہ محض مذاق تھا۔" حمید نے دوبارہ سنجیدگی سے کہا۔ "میں تو صرف تمہیں چڑھانا چاہتا تھا۔ تمہاری چڑچڑاہٹ مجھے بہت پسند ہے۔"

حمید پھر ہنسنے لگا۔ اس بار منیجر بھی اس کا ساتھ دے رہا تھا لیکن وہ ہنسی خوش دلی کی علامت نہیں تھی۔ وہ زبردستی ہنس رہا تھا۔

حمید تھوڑی دیر تک بیٹھا پائپ پیتا رہا۔ پھر چند رسمی جملے کہتا ہوا وہاں سے اٹھ گیا۔

اُسے دراصل اُس ویٹر کی تلاش تھی جو لڑکی کی موجودگی میں آفس میں آیا تھا۔ وہ اُسے ہال ہی میں ایک جگہ مل گیا۔ حمید اُسے اشارے سے بلا کر آگے بڑھ گیا۔

دونوں آگے پیچھے بلیرڈ روم میں داخل ہوئے۔ حمید نے جیب سے دس کا ایک نوٹ نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"فرمایئے۔" ویٹر نے نہایت ادب سے پوچھا۔

"یہ تمہارا انعام ہے۔"

ویٹر متحیرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں صرف تھوڑی سی معلومات چاہتا ہوں۔" حمید بولا۔

"فرمایئے جناب۔"

"کیا وہ لڑکی کلب کی مستقل ممبر ہے جو ابھی منیجر کے آفس میں تھی۔"

"جی ہاں جناب! وہ مستقل ممبر ہیں۔"

"نام کیا ہے؟"

"مس ڈریلا مورگن....!"

"کہاں رہتی ہے؟"

"یہ مجھے معلوم نہیں جناب۔ بھلا میں کسی کے گھر کا پتہ کیسے جان سکتا ہوں۔"

"تم کوشش کرو تو میرے لئے معلوم کر سکتے ہو۔"

"وہ کس طرح جناب۔ میں آپ کی خدمت کرتے ہوئے فخر محسوس کروں گا۔"

"اس وقت پونے بارہ بجے ہیں۔ ٹھیک پندرہ منٹ بعد منیجر سونے کے لئے اوپری منزل پر چلا جائے گا۔ وہ لڑکی منیجر کی خاص دوستوں میں سے ہے۔ سب جانتے ہیں۔"

"جی ہاں.... جناب۔"

"تم کلرک سے اُس کا پتہ معلوم کر سکتے ہو۔"

"وہ کبھی نہ بتائے گا۔"

"اوہ سنو تو سہی۔ جب منیجر سونے کے لئے اوپر چلا جائے تو تم کلرک سے کہنا کہ منیجر نے کچھ چیزیں مس ڈریلا تک پہنچانے کے لئے کہا تھا۔ لیکن جلدی میں نہ تو تم نے ہی اس کا پتہ پوچھا اور نہ منیجر نے بتایا۔ لہٰذا.... ہاں سمجھ گئے۔"

"جی ہاں....!" ویٹر نے کہا لیکن اس کے انداز میں اب بھی ہچکچاہٹ تھی۔

"ڈرو نہیں.... کیا تم مجھ سے واقف نہیں ہو۔"

"اچھی طرح واقف ہوں کپتان صاحب۔"

"تم یہ جانتے ہو کہ میں منیجر کو اکثر چھیڑتا رہتا ہوں۔"

"جانتا ہوں جناب۔" ویٹر مسکرایا۔

"تم یقین رکھو! کلرک کو ذرہ برابر بھی شبہ نہ ہوگا۔ اچھا میں تمہیں کمپاؤنڈ میں ملوں گا۔ میری گاڑی پہچانتے ہو نا۔"

"جی ہاں جناب۔" ویٹر نے دس کا نوٹ جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

حمید وہاں سے نکل کر کمپاؤنڈ میں آ گیا۔ سردی پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی تھی۔ وہ کیڈی میں بیٹھ گیا۔

اور تقریباً آدھے گھنٹے تک اُسے اسی طرح بیٹھے رہنا پڑا۔ لیکن اسے اپنی اسکیم میں ناکامی نہیں ہوئی۔ ویٹر کیڈی کے پاس آ کر آہستہ سے بولا۔ "تیرہ آگلن اسکوائر کوئینس اسٹریٹ۔"

"شاباش.... آئندہ بھی تمہیں موقع دیا جائے گا۔" حمید نے کہا اور کیڈی اسٹارٹ کر دی۔

❁

نصرت خان صوفے سے اٹھ کر وحشیانہ انداز میں چلتا ہوا ٹیلی فون تک گیا جس کی گھنٹی بڑی دیر سے بج رہی تھی۔ اُس نے دانت پیس کر ریسیور اٹھایا اور ماؤتھ پیس میں بہت زور سے دھاڑا۔

"کون ہے؟"

"چچ.... چچ....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ہیلو! کہا کرتے ہیں دوست....!"

"نہیں کہا کرتے۔ کیا میں کسی کا غلام ہوں۔"

"طاقت....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"آہا.... تم ہو دوست....!" نصرت خان کا لہجہ نرم ہو گیا۔ "اچھا ہیلو۔"

"بہت اچھے۔ ہاں تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں۔"

"دیکھو دوست! مجھے کوئی تکلیف نہیں۔ میں شہزادہ ہوں اور ایک شہزادے ہی کی طرح ہوں۔ لیکن تمہاری تہذیب میرے لئے تکلیف دہ ہے اور میں اتنا مہذب ہرگز نہیں بن سکتا جو تم مجھے بنانا چاہتے ہو۔"

"نہیں دوست! تم میرے لئے اتنی سی قربانی تو کرو۔ آخر تمہارا نقصان کیا ہے اس میں۔"

"نقصان تو کچھ بھی نہیں ہے لیکن مجھے غصہ آجاتا ہے۔ ابھی وہ دونوں گدھے آتے ہوں گے۔"

"کون....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"وہی جو مجھے مصافحہ کرنے کی مشق کرا رہے ہیں۔"

"ہاں مجھے اطلاع ملی ہے۔" دوسری طرف سے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا گیا۔ "کل تم ان میں سے ایک کا ہاتھ توڑ دیا ہے۔"

"میں کیا کرتا.... بار بار.... ہاتھ ملاؤ.... یہ ٹھیک نہیں وہ ٹھیک نہیں آخر غصہ آ لیکن میں نے اُس وقت بھی یہی کہا تھا کہ آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔"

"خیر.... خیر.... گھبراؤ نہیں۔ تم بہت جلد کامیاب ہو جاؤ گے۔"

"محض تمہاری خاطر دوست....!" نصرت خان نے کہا۔ "ورنہ.... اب تک.... میں بہت غصہ ور ہوں۔"

"اچھا.... اچھا.... میں تھوڑی دیر بعد پھر تمہیں فون کروں گا اور تم جواب میں ہیلو کہو گے۔"

"اچھا بابا....!" نصرت نے طویل سانس لے کر کہا اور ریسیور رکھ کر ایک صوفے میں گر گیا۔

❁

کھانے کی میز پر چار آدمی تھے۔ ایک تو نصرت خان تھا۔ دوسری ایک عورت تیسرا

ادھیڑ عمر کا مرد تھا۔ چوتھا ایک خوشرو اور تندرست جوان۔

نصرت خان نے بڑی پلیٹ سے مرغ مسلم اٹھا کر دونوں ہاتھوں سے اس کی ٹانگیں الگ کر لیں۔

"یوں نہیں۔" معمر نے اسے ٹوکا۔

"بکو مت....!" نصرت خان مرغ کی ٹانگیں دانتوں سے ادھیڑتا ہوا غرایا۔

معمر آدمی نے ایک طویل سانس لی اور خاموشی سے کھانے میں مشغول ہو گیا۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ نصرت خان کی خونخوار آنکھوں کی طرف دیکھ سکتا۔ نصرت خان کے ہاتھ اور دانت برابر کام کرتے رہے۔ اس نے چھری اور کانٹے کو اٹھا کر کمرے کے دوسرے سرے پر پھینک دیا تھا۔

"یہ بُری بات ہے ضرغام۔" عورت بولی۔ "ہاتھ گندے ہو جاتے ہیں۔" اور پھر دوسرے ہی لمحے میں نصرت خان کا گندہ ہاتھ عورت کے گال پر پڑا۔ وہ کرسی سمیت دوسری طرف الٹ گئی۔

"ابے تو کیا واقعی جانور ہے۔" نوجوان دھاڑ کر کھڑا ہو گیا۔

نصرت خان کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ خونخوار آنکھوں سے اس نوجوان کو گھور رہا تھا۔ معمر آدمی عورت کو اٹھانے لگا۔

اچانک نصرت خان نے کھانے کی میز الٹ دی۔ نوجوان اس غیر متوقع حملے کے لئے تیار نہیں تھا۔ وہ بُری سرعت سے پیچھے ہٹا لیکن دوسرے ہی لمحے میں نصرت خان اس کے اوپر تھا۔ نوجوان نے بہت کوشش کی کہ اس کی گرفت سے نکل جائے لیکن ممکن نہ ہوا.... نصرت خان اسے اپنے بازوؤں میں جکڑے ہوئے بُری طرح بھینچ رہا تھا۔

"چھوڑ دیجئے.... خدا کے لئے چھوڑ دیجئے۔" معمر آدمی گلوگیر آواز میں چیخا۔

نوجوان کی آنکھیں اپنے حلقوں سے اُبلی پڑ رہی تھیں۔

"ضرغام صاحب۔ آپ کو خدا کا واسطہ چھوڑ دیجئے۔" عورت روتی ہوئی بولی۔

اچانک نصرت خان اُسے چھوڑ کر الگ ہٹ گیا۔ اور وہ کسی مردہ چھپکلی کیطرح فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

❁

فون کی گھنٹی بجی اور نصرت خان چونک پڑا۔ وہ صوفے پر پڑا اونگھ رہا تھا۔

"ہیلو....!" وہ ماؤتھ پیس میں دھاڑا۔

"طاقت....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"آہا.... دوست تم ہو۔"

"ہاں میں ہوں! اور بہت زیادہ مغموم....!"

"کیوں.... تم مغموم کیوں ہو۔"

"تمہاری وجہ سے.... تم مجھے بہت دکھ پہنچاتے ہو۔"

"نہیں دوست....!" نصرت خان ہنسنے لگا۔ "ہرگز نہیں جس دن میں نے یہ محسوس کیا کہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچا رہا ہوں اسی دن نصرت خان خود اپنے ہی ہاتھوں کتے کی موت مر جائے گا۔ خان جلال والئی مقلاق کا بیٹا احسان فراموش نہیں ہو سکتا۔"

"پچھلی رات تم نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے۔"

"اوہ.... دیکھو دوست....!" نصرت خان نے کہا۔ "کھانے کے معاملے میں میرا مہذب ہونا ناممکن ہے جس دن میں نے مریضوں کی طرح ہاتھ روک روک کر کھانا کھایا اسی دن مجھے تپ دق ہو جائے گا اور میں کتے کی موت مر جاؤں گا۔ جانوروں کی طرح کھانا کھائے بغیر بدن میں جان نہیں آتی۔ میرے اپنے نظریے کے مطابق کھانا اس طرح کھانا چاہئے جیسے ذرا بھی ہاتھ رکنے پر کوئی دوسرا اسے جھپٹ لے جائے گا۔"

"تو تم بھی نظریات رکھتے ہو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ہاں میرے دوست....!" نصرت خان نے انگریزی میں کہا۔

"بائیں تم انگریزی بھی بول سکتے ہو۔"

"نہ صرف انگریزی بلکہ فرنچ اور جرمن بھی۔" نصرت خان بولا۔ "ان زبانوں میں لکھ پڑھ بھی سکتا ہوں۔"

"تب.... میرے دوست مجھے حیرت ہے کہ تم مہذب نہیں بن سکتے۔"

"ہاں.... دوست.... میری تربیت ہی کچھ اس ڈھنگ سے ہوئی ہے کہ مجھ پر تعلیم کا کوئی خاص اثر نہیں پڑا۔ میں نے قلعہ مقلاق کی چہار دیواری ہی میں محدود رہ کر تعلیم حاصل کی ہے۔ تین انگریز معلم مجھے پڑھاتے تھے لیکن ان کی کڑی نگرانی ہوتی تھی۔ اگر وہ مجھے مہذب بنانے کی کوشش کرتے تو خان بابا کا کوئی ادنیٰ سا پیادہ انہیں موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ خان بابا کا قول ہے کہ

موجودہ تہذیب نے صرف نامرد اور بزدل پیدا کئے ہیں۔"

"اوہ.... لیکن اب تو تم خان بابا کی قید سے آزاد ہو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"لیکن میں اُن کے نظریئے کا قائل ہوں۔" نصرت خان بولا۔ "ویسے میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم نے مجھے بہت کچھ مہذب بنا دیا ہے۔ لیکن دوست کھانے کے معاملے میں کبھی تم مجھے مہذب یا دوسرے الفاظ میں مریض نہ پاؤ گے۔"

"خیر.... خیر پرواہ نہ کرو۔ مجھے تم سے بڑی محبت ہے اور میں تمہاری زیادتیاں بھی برداشت کر سکتا ہوں لیکن دوست! اب کبھی کسی عورت پر ہاتھ نہ اٹھانا۔"

"دیکھا جائے گا۔" نصرت خان بولا۔

❁

اُسی شام کو اُس عمارت کے ایک کمرے میں نصرت خاں ایک خوبصورت سی اینگلو انڈین لڑکی کے ساتھ کھڑا تھا۔

"تم بہت اچھی ہو! بہت خوبصورت۔" نصرت خان لڑکی سے کہہ رہا تھا۔ "میں تمہیں بہت پسند کرتا ہوں۔"

"تب پھر تمہیں میرے کہنے پر چلنا ہوگا۔"

"میں ناچوں گا۔"

"میں تمہیں ناچنا سکھاؤں گی۔ یہ ہماری تہذیب کے لئے ضروری ہے۔"

نصرت نے سر کی جنبش سے رضامندی کا اظہار کیا۔ گراموفون پر پہلے ہی سے موسیقی کا ریکارڈ چڑھا ہوا تھا۔ لڑکی نے ٹرن ٹیبل کو متحرک کر کے ساؤنڈ بکس رکھ دیا۔ کمرہ موسیقی سے گونجنے لگا۔ وہ کافی دیر تک کوشش کرتی رہی لیکن نصرت خان کے پلے کچھ بھی نہ پڑا اور لڑکی بُری طرح تھک گئی کیونکہ نصرت خان بالکل کسی نیزے باز کی طرح پینترے بدلنے لگتا تھا۔ وہ بار بار اُسے ٹوکتی جا رہی تھی۔ نصرت خان جھلا گیا۔ کچھ اکتاہٹ بھی تھی۔ لیکن لڑکی تھی کہ کسی طرح پیچھا چھوڑنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔

آخر نصرت خان نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اُس کا رخ دوسری طرف کرتے ہوئے کہا۔

"اس طرح کھڑی ہو جاؤ۔"

لڑکی دوسری طرف منہ کر کے کھڑی ہو گئی۔

دفعتاً نصرت خان نے اُسکی ٹانگوں میں اپنا پیر پھنسا کر دھکا دیا اور وہ منہ کے بل فرش پر جا گری۔ اُسکی ناک سے خون کا فوارہ جاری ہو گیا۔ وہ اتنی سخت جان بھی نہیں تھی کہ بیہوش نہ ہو جاتی۔

بُرے پھنسے

سنہرا سکہ تقریباً ایک ماہ سے حمید کی جیب میں تھا.... لیکن ابھی تک اُسے اس کی غرض و غائت نہیں معلوم ہو سکی تھی۔ ڈریلا سے اس نے دوستی کی اور یہ دوستی بے تکلفی کی حد تک پہنچ گئی لیکن اُسے یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ وہ سکہ اُسی کا تھا یا نہیں۔

حمید اپنی ہی دھن میں تھا۔ اُس نے فریدی سے اس سکے کا تذکرہ نہیں کیا۔ البتہ اُس نے فریدی سے اس سکے کے بارے میں ضرور پوچھا تھا جو خود فریدی کے پاس تھا لیکن فریدی نے اُسے بھی کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا لہٰذا حمید نے سوچا کہ کیوں نہ وہ خود ہی اس کے متعلق تحقیقات کا سلسلہ جاری رکھے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ فریدی سے پہلے ہی کامیاب ہو جائے۔

بظاہر آج کل فریدی کے پاس کوئی کیس نہیں تھا لیکن پھر بھی وہ بعض اوقات بہت زیادہ فکر مند نظر آنے لگتا تھا ایسے حالات میں کبھی کبھی وہ پُر اسرار سکہ بھی اس کے ہاتھ میں ہوا کرتا تھا۔

آخر ایک دن حمید اس قصے کو چھیڑ ہی بیٹھا۔

"فکر نہ کرو.... کھیلو.... کھاؤ.... تفریح کرو۔" فریدی کا جواب تھا۔ "اپنی کھوپڑی کا خون فضول جلاتے ہو۔"

"نہیں میں آج کل کام کرنے کے موڈ میں ہوں۔" حمید بولا۔

"مجھے حیرت ہے۔" فریدی نے خشک سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اچھا یہی بتا دیجئے کہ آپ ایک ماہ قبل درخت پر کیوں چڑھے تھے اور پھر دو دن تک کہاں رہے تھے۔"

"یہ بھی نہیں بتا سکتا۔ حماقت تھی اور کیا کہوں۔ یہی سمجھو۔" اُس نے کہا۔

"ویسے مجھے آج کل ایک آدمی کی تلاش ہے۔"

"کس کی....؟"

"والئی مقلاق کے بیٹے نصرت جلال کی۔"

"یہ کیا بلا ہے۔"

"وہ مقلاق کے قلعے سے گذشتہ ماہ فرار ہو گیا ہے۔"

"ہو جانے دیجئے.. آخر آپ کو اُس کی تلاش کیوں ہے۔ مقلاق آزاد علاقہ ہے۔ ہماری حکومت کو اُس کی فکر کیوں ہونے لگی۔"

"والئی مقلاق نے ہم سے درخواست کی ہے کہ ہم اُس کے بیٹے کو تلاش کرنے میں مدد دیں اور اگر وہ درخواست نہ کرتا تب بھی حکومت کو اُس میں دلچسپی لینی ہی پڑتی۔"

"کیوں....!"

"تمہیں وہ کیس تو یاد ہی ہو گا۔ ایک بازاری دوا فروش کے سلسلہ میں جو جھگڑا ہوا تھا۔ کسی نے ایک کانسٹیبل کو اٹھا کر اس طرح پٹخا تھا کہ وہ ایک دن سے زیادہ زندہ نہ رہ سکا اور پھر وہ پانچ آدمیوں کو زخمی کر کے صاف نکل گیا تھا۔"

"ہاں وہ کیس مجھے یاد ہے اور پولیس حملہ آور کا پتہ لگانے میں ناکام رہی تھی۔"

"حملہ آور کا جو حلیہ بیان کیا جاتا ہے وہ والئی مقلاق کے روانہ کئے ہوئے حلئے کے مطابق ہے اور حادثے سے کچھ دیر پیشتر اُسی حلئے کے ایک آدمی نے سلور مون ریستوران میں کھانا کھایا تھا۔"

"کیا یہ ضروری ہے کہ وہ اب بھی یہیں ہو۔" حمید نے کہا۔

"نہیں.... یہ ضروری نہیں ہے۔"

"جہنم میں جائے۔ آخر آپ کیوں دردِ سری مول لے رہے ہیں کیا اُس کے علاوہ اور کوئی خاص بات ہے۔"

"خاص ہی بات ہے۔ بہت زیادہ خاص۔ پرسوں میں نے ایک آدمی دیکھا ہے جو خان مقلاق کے لڑکے سے بہت مشابہ ہے مگر اُسے دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کوئی غیر مہذب کوہستانی ہے وہ اپنا نام ضرغام بتاتا ہے نیشنل آئرن ورکس کا جنرل منیجر ہے۔"

حمید ہنس پڑا اور کافی دیر تک ہنستا رہا۔

"کیوں اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"ایک ماہ قبل وہ آیا اور ایک بہت بڑے کارخانے کا جنرل منیجر ہو گیا ایک کوہستانی سردار کا لڑکا آئرن فیکٹری کا جنرل منیجر۔ اُس نے کبھی خواب میں بھی کوئی آئرن فیکٹری نہ دیکھی ہو گی۔"

"ہوں....!" فریدی کچھ سوچنے لگا۔

"اور میں.... آج کل ایک دوسرے ادھیڑ بن میں ہوں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید کہتا رہا۔ "کیا کرنسی کی مہریں عوام بھی استعمال کر سکتے ہیں۔"

"کیا مطلب....!" فریدی چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

"مثال کے طور پر....!" حمید اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالتا ہوا بولا۔ "یہ سنہری ٹکیہ.... اس پر کرنسی کی مہر موجود ہے۔ لیکن سرکاری طور پر اسے سکہ نہیں کہا جا سکتا۔"

"تم نے میری اجازت کے بغیر....!" فریدی اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالتا ہوا بولا۔ لیکن جملہ پورا نہ کر سکا۔ غالباً وہ اسے وہی سکہ سمجھا تھا جسے وہ بہت احتیاط سے ہر وقت اپنے پاس ہی رکھا کرتا تھا۔ وہ اب بھی اس کی جیب میں موجود تھا۔

"ہاں.... کہئے.... کہئے....!" حمید بولا۔ "کیا آپ مجھے چور سمجھتے ہیں۔"

"یہ تمہیں کہاں سے ملا....؟"

"اللہ مسبب الاسباب ہے جناب۔" حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "ضروری نہیں کہ ہر نعمت آپ کو عطا ہو اس سے میں محروم رہ جاؤں۔"

"بکواس مت کرو.... اِدھر لاؤ۔"

حمید نے سکہ اُسے دے دیا۔ فریدی تھوڑی دیر تک دونوں سکوں کو دیکھتا رہا پھر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔"

"جی ہاں دونوں۔ مگر ہم دونوں میں فرق ہے۔ آپ کا سکہ کسی خبیث صورت مرد کی ذات سے تعلق رکھتا ہو گا۔"

"تمہیں یہ کہاں سے ملا۔"

"لمبی داستان ہے۔" حمید بولا۔ "لیکن اس سکے کے مالک کے متعلق میں ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کر سکا۔"

حمید چند لمحے خاموش رہا پھر اُس نے سارا واقعہ دہرا دیا۔

"اور تم اب اس کا تذکرہ کر رہے ہو۔" فریدی ملامت آمیز لہجے میں بولا۔

"اگر آپ مجھے پہلے ہی اس کی اہمیت سمجھا دیتے۔"

"اہمیت.... فی الحال اہمیت اس سے زیادہ نہیں ہے کہ سرکاری مہر کا استعمال قطعی غیر قانونی ہے.... اور....!" فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"اور یہ طاقت.... یہ کیا بلا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ کسی دواخانے کا اشتہار ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "طاقت کسی طلائی یا نقرئی گولی کا نام ہو گا۔ کیا خیال ہے۔ پبلسٹی کا خیال اور انوکھا طریقہ۔"

"بکواس بند کرو۔ مجھے اُس لڑکی کا پتہ بتاؤ جس کے رومال کے نیچے تمہیں یہ سکہ ملا تھا۔"

"مجھے یقین ہے کہ اسکا تعلق کسی یونانی دواخانے سے نہیں ہو گا کیونکہ وہ خود انگلو انڈین ہے۔"

"میں پتہ پوچھ رہا ہوں۔"

حمید نے پتا بتا دیا۔ فریدی اُسے اپنی ڈائری میں نوٹ کرنے لگا۔

"جب کوئی کیس نہیں ہوتا تو آپ زبردستی کوئی نہ کوئی کام پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ارے جناب ضروری نہیں کہ یہ سنہری ٹکیاں آپ کے ذوق تجسس کے شایان شان ہی ثابت ہوں۔ سونا فروخت کرنے والی بہترین فرمیں اپنے سونے کو کسی خاص شکل میں ڈھال کر فروخت کرتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ "طاقت" کسی خاص فرم کا ٹریڈ مارک ہو۔"

"مگر یہ سرکاری کرنسی کی مہر۔" فریدی بولا۔

"ہو سکتا ہے کہ اس فرم نے اس کے لئے حکومت سے اجازت حاصل کر لی ہو۔"

"فرموں کے امکانات پر پہلے ہی میری نظر گئی تھی اور اس سلسلے میں میں نے اچھی طرح اطمینان کر لیا ہے کہ یہ کسی تجارتی فرم کا سونا نہیں ہے۔"

"پھر یہ کیا بلا ہے۔ خدا کے لئے کوئی نئی مصیبت نہ کھڑی کیجئے گا۔ ڈریلا بہت زور رنج لڑکی ہے اگر میں کبھی دیر سے پہنچتا ہوں تو بگڑ جاتی ہے اگر آپ نے اسے کسی نئے کام سے الجھا لیا تو ہفتوں اس کی شکل دیکھنے کو ترسوں گا۔"

"وہی لڑکی جس کا پتہ تم نے بتایا ہے۔" فریدی نے پوچھا

"جناب.... لیکن آپ اُسے پریشان نہیں کریں گے.... سمجھے۔"

"نہیں میں اُس سے نہیں ملوں گا۔"

"شکریہ.... میری اولادیں آپ پر قربان....!"

فریدی خاموش رہا۔

❁

حمید نے جو کچھ بھی دیکھا وہ اُسے خواب کی بات معلوم ہوئی۔

وہ شام ہی سے ڈریلا کا تعاقب کر رہا تھا اور اس وقت رات کے آٹھ بج گئے تھے۔ ڈریلا کا تعاقب اس کے لئے نئی بات نہیں تھی وہ اس سے دوستانہ تعلقات بھی رکھتا تھا اور اکثر اُسے دھوکے میں ڈال کر اس کا تعاقب بھی کرتا تھا لیکن اُسے یقین تھا کہ ڈریلا اس کی دورخی سے واقف نہیں ہے.... اور اس دردسری کا باعث؟ اس انوکھے سکے کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا۔

حمید نے اُسے جیمس مارٹن میں داخل ہوتے دیکھا۔ یہ ایک مشہور تمباکو فروش کمپنی تھی.... وہ جانتا تھا کہ ڈریلا تمباکو سے رغبت نہیں رکھتی لیکن پھر بھی وہ اکثر وہاں جاتی رہتی تھی۔ حمید نے تہیہ کر لیا کہ وہ آج وہاں اُس کی آمد و رفت کا مقصد ضرور معلوم کرے گا۔

اُس نے اُسے اکثر کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے ایک بھدے سے آدمی سے گفتگو کرتے دیکھا تھا اس لئے وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ دونوں میں رومان چل رہا ہوگا۔

حمید برابر والی گلی میں گھس گیا۔ یہاں کئی کاریں کھڑی تھیں اور جیمس مارٹن کے کاؤنٹر کے پیچھے کی کھڑکی اُسی گلی میں کھلتی تھی۔ گلی میں اندھیرا تھا اور حمید کاروں کے درمیان میں گھس کر بہ آسانی کاؤنٹر دیکھ سکتا تھا کیونکہ عقبی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔

ڈریلا کاؤنٹر پر اپنا وینٹی بیگ رکھے اُس میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔ پھر اُس نے کوئی چیز نکال کر کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھے ہوئے آدمی کی طرف بڑھائی۔ حمید بجلی کی روشنی میں اُس ننھی سی چیز کی چمک دیکھ کر کھڑکی سے جا لگا۔

کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھے ہوئے آدمی نے اُسے اپنے ہاتھ میں لے کر اوپر کی طرف اٹھایا۔ شائد وہ اُسے زیادہ روشنی میں دیکھنا چاہتا تھا۔

یہ ایک چمکدار سنہری ٹکیہ تھی۔

پھر اُس آدمی نے بائیں طرف رکھی ہوئی تجوری کھولی اُس میں سے چند بڑے بڑے نوٹ نکالے اور انہیں گننے لگا۔

سو سو کے بیس نوٹ اُس نے ڈریلا کے سامنے رکھ دیئے۔ ڈریلا نے انہیں کاؤنٹر سے اٹھا کر اپنے وینٹی بیگ میں ڈال لیا اور کچھ کہے بغیر باہر نکل گئی۔

اب حمید اُس کے تعاقب کا خیال ترک کر چکا تھا۔ وہ گلی سے نکل آیا۔ ڈریلا جا چکی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ اس سنہری ٹکیہ کا حیرت انگیز مصرف اب اس کی سمجھ میں آ چکا تھا.... لیکن مقصد....؟ آخر وہ تھی کیا بلا۔

حمید کافی دیر تک سڑک کے کنارے کھڑا خیالات میں گم رہا۔ آخر اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ بھی اُس سنہری ٹکیہ کو اُسی طرح استعمال کرے گا جس طرح ڈریلا نے کیا تھا۔

دوسرے لمحے میں وہ جیمسن اینڈ مارٹن کے کاؤنٹر پر تھا۔

اُس نے کوٹ کی اندرونی جیب سے وہ سنہرا سکہ نکال کر کاؤنٹر پر رکھ دیا۔

کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھے ہوئے آدمی نے سکے کو چٹکی میں پکڑ کر اوپر کی طرف اٹھایا چند لمحے اس پر نظر جمائے رہا پھر نیچے جھک کر تجوری کھولی.... اور.... حمید کے سامنے کاؤنٹر پر سو سو کے بیس نوٹ پڑے ہوئے تھے۔

"دیکھئے! سردی کی لہر کب تک رہتی ہے۔" حمید نوٹوں کو سمیٹتا ہوا بڑبڑایا اور وہ آدمی چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

"کیا آپ مجھے پرنس ہنری کا تمباکو دے سکیں گے۔" حمید نے اُس سے کہا۔

"پرنس ہنری....!" وہ آدمی مسکرایا۔ "جی ہاں! مگر آپ کو تھوڑی سی تکلیف کرنی پڑے گی۔ میرے پیروں میں شدید درد ہے۔ اُس کمرے کے کسی شلف پر آپ کو ڈبے مل جائیں گے۔ معاف کیجئے گا۔ تکلیف دے رہا ہوں۔ بات یہ ہے کہ یہ تمباکو زیادہ رائج نہیں ہے۔ خاص ہی خاص آدمی پیتے ہیں اس لئے یہاں رکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔"

"کوئی بات نہیں۔" حمید نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔ "کدھر بتایا تھا۔"

اُس نے ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا جس پر پھولدار ریشمی پردہ لٹکا ہوا تھا اور پھر اُس نے دیوار سے لگے ہوئے سوئچ بورڈ کا ایک سوئچ آن کر دیا۔ پردے کے پیچھے روشنی نظر آنے لگی۔

حمید نے پردہ ہٹایا اور دوسرے کمرے میں داخل ہو گیا لیکن یہاں ایک پلنگ اور بستر کے علاوہ اور کچھ بھی نہ تھا۔ وہ بڑی تیزی سے مڑا مگر دروازہ بند ہو چکا تھا۔

دروازہ بھی عجیب تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا اوپر سے لکڑی کا کوئی تختہ پھسل کر نیچے آ گیا ہو۔ کمرے کے دوسرے سرے پر اسی قسم کا ایک دروازہ اور بھی تھا۔ حمید نے باری باری دونوں پر زور آزمائی کی لیکن وہ اپنی جگہ سے ہلے بھی نہیں۔

"بیکار ہے میرے دوست....!" اُس نے اچانک ایک آواز سنی اور چونک پڑا۔

دوسرے دروازے کے قریب وہی آدمی کھڑا تھا جس سے کچھ دیر قبل اُس نے کاؤنٹر پر ہزار روپے وصول کئے تھے۔

"یہ کمرہ مقبرہ بھی بن سکتا ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "تم چیختے چیختے مر جاؤ تب بھی تمہاری آواز اس کمرے سے باہر نہ پہنچ سکے گی۔"

"نہ مجھے چیخنے کی ضرورت ہے اور نہ مرنے کی۔" حمید نے ہنس کر کہا۔ "لیکن دو ہزار روپے تمہارے باپ بھی مجھ سے وصول نہیں کر سکتے۔ خواہ تم میری بوٹیاں اڑا دو۔"

"تم کون ہو۔" اُس آدمی نے پوچھا۔

"یہ نہیں بتا سکتا۔ ابھی نیا پھنسا ہوں۔ اس لئے اناڑی پن میں مارا گیا۔"

"کون ہو تم....!" اس بار سخت لہجے میں پوچھا گیا۔

"میں.... رشید ہوں....!" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"کون رشید....!"

"یار یہ سوال ٹیڑھا ہے۔"

"میرا مطلب یہ ہے کہ وہ سکہ تمہیں کہاں سے ملا تھا۔"

"جہاں سے سب کو ملتا ہے۔"

"کہاں سے ملتا ہے؟"

"یہ تو میں اپنے باپ کو بھی نہیں بتا سکتا۔" حمید نے سنبھل کر کہا۔ "اور تم پوچھنے والے ہوتے ہی کون ہو۔ چپ چاپ دروازہ کھول دو۔ ورنہ میں.... بہت بُرا آدمی ہوں۔"

"میری بات کا جواب دو۔" اُس نے سرد لہجے میں کہا اور اب وہ خالی ہاتھ نہیں تھا۔ حمید کی

طرف ایک ریوالور کی نال اٹھی ہوئی تھی۔

"اسے تو جیب ہی میں رکھو۔ سنہرا سکہ رکھنے والے اتنے کمزور دل کے نہیں ہوتے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"جواب دو۔"

"میں تمہارا سوال ہی بھول گیا۔"

"سکہ تمہیں کہاں سے ملا تھا۔"

"تم نے یہ سوال کبھی کسی اور سے بھی کیا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"تم اپنی بکواس جاری ہی رکھو گے۔" اس آدمی نے دانت پیس کر کہا۔

"ہاں اور تمہیں قطعی حق حاصل نہیں کہ تم مجھ سے اس قسم کا سوال کرو۔ سمجھے۔ مجھے یہی بتایا گیا ہے۔ کیوں خواہ مخواہ بات بڑھاتے ہو۔"

"کیا تمہیں یہاں کا پتہ بتایا گیا تھا۔"

"ظاہر ہے.... ورنہ میں کیوں آتا۔"

"لیکن تمہاری شناخت کا کارڈ میرے فائل میں نہیں ہے۔"

"یہ میری نہیں بلکہ دوسروں کی غلطی ہے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

وہ آدمی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "سکہ تمہیں کس طرح ملا تھا؟"

"پھر وہی بکواس۔" حمید بگڑ گیا۔ "کیا تمہیں علم ہے کہ دوسروں کو سکہ کس طرح ملتا ہے۔"

"نہیں....!" اس نے بے ساختہ کہا لیکن پھر کچھ پشیمان سا نظر آنے لگا۔

"پھر تم مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو۔ کیا یہ خلاف قانون نہیں ہے۔"

"ہے تو....!" اس نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن کیا تم نے ایک خلاف قاعدہ حرکت نہیں کی۔"

"کیا حرکت کی ہے میں نے۔"

"مجھ سے گفتگو کیوں کی تھی۔" اس نے کہا۔ "پرنس ہنری کا تمبا کو تمہیں کسی دوسری دوکان سے بھی مل سکتا تھا۔"

"ہاں مجھ سے غلطی ضرور ہوئی ہے لیکن یہ بات قطعی بھول گیا تھا کہ مجھے روپے لے کر چپ چاپ یہاں سے چلا جانا چاہئے تھا۔"

"مجھے اطمینان نہیں ہوا۔" اُس نے کہا۔

"خیر پرواہ نہیں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "تم مجھے شوق سے بند کر رکھو۔ لیکن تم
اس کے لئے جوابدہی کرنی پڑے گی۔ کیونکہ آج رات مجھے ایک کام انجام دینا ہے۔"

"اچھا ٹھہرو....!" وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "میں اپنا اطمینان کئے لیتا ہوں۔"

وہ ریوالور کا رخ حمید ہی کی طرف کئے ہوئے پلنگ کے قریب آیا اور فرش تک لٹکتی ہو
چادر میں ہاتھ ڈال کر ایک عجیب وضع کا صندوق سا کھینچ کر باہر نکال لیا لیکن صندوق کا ڈھکن اٹ
ہی حمید کی آنکھیں کھل گئیں۔ کیونکہ اس میں ٹرانسمیٹر قسم کی کوئی چیز تھی۔ بناوٹ کے اعتبار
ٹرانسمیٹر سے کچھ مختلف ضرور تھی لیکن بالکل مختلف نہیں کہی جا سکتی تھی۔

اُس آدمی نے اس کا پلگ نکال کر دیوار سے لگے ہوئے سوئچ بورڈ پر لگا دیا اور پھر اُس مشین
ایک ہلکی سی آواز نکلنے لگی۔ زناٹے کی آواز دراصل یہ اسمیں لگی ہوئی ایک چرخی کی آواز تھی جو بہ
تیزی سے گردش کر رہی تھی اتنی تیزی سے کہ چرخی کی جگہ بے رنگ سی خلاء نظر آنے لگی تھی۔

پھر اُسی صندوق سے ٹیلی فون کے ریسیور سے ملتی جلتی ایک چیز نکالی اور اُسے ریسیور ہی
طرح استعمال کرنے لگا۔

"سکس تھری! اسپیکنگ سر۔" اُس نے ماؤتھ پیس میں کہا اور جیسے ہی اُس کے منہ سے آ
نکلی مشین میں گردش ہوئی۔ چرخی روشن ہو گئی۔

وہ حمید کے وہاں آنے اور روپیہ وصول کرنے کی روداد بیان کرنے لگا۔

"جی ہاں وہ یہاں موجود ہے۔" اُس نے کہا۔ اس دوران میں اس کی نظر برابر حمید کی طر
رہی تھی اور ریوالور.... اُس کا رخ تو حمید کی طرف ہونا ہی چاہئے تھا۔

حمید بھی اُسے بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ اب خاموش ہو کر دوسری طرف بولنے والے کی بات سن
تھا۔ پھر اُس نے ریسیور فرش پر رکھ دیا اور مشین کے پاس سے ہٹکر حمید سے بولا۔ "چلو بات کرو۔"

حمید نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو....!" اُس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"کیا بات ہے....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ان حضرات کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" حمید نے کہا۔ "میں نے سکہ دیا....!"

"سکہ نہیں طاقت کہو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "تم شائد نئے معلوم ہوتے ہو۔"

"جی ہاں.... یہی بات ہے۔ صرف ایک ہفتہ پرانا ہوں۔ اور پہلی بار طاقت....!"

"فکر مت کرو.... اور سب ٹھیک ہے۔ بس اپنے کاموں میں مشغول رہو۔ اب ریسیور
اُسے دے دو۔"

"بہت اچھا....!" حمید نے کہا لیکن ریسیور اُس آدمی کو دینے کی بجائے تھوڑے توقف کے
ساتھ آواز بدل کر ماؤتھ پیس میں بولا۔ "یس سر....!"

"تم نے ریسیور ابھی نہیں دیا اُسے۔"

"میں ہی بول رہا ہوں جناب۔"

"ریسیور اُسے دے دو.... تم بہت چالاک معلوم ہوتے ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ میرے آدمی
بیوقوف نہیں ہیں۔"

"ذرہ نوازی ہے جناب کی۔" حمید نے مسکرا کر کہا اور ریسیور فرش پر ڈال کر مشین کے پاس
سے ہٹ گیا۔

اُس آدمی نے پھر ریسیور اٹھا لیا لیکن اس بار وہ صرف سنتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ریوالور کا رخ حمید کی طرف کئے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "سامنے والے
دروازے کے قریب جاؤ۔ پیچھے مڑ کر دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ ورنہ خواہ مخواہ مجھے ایک کارتوس
خراب کرنا پڑے گا۔"

طوعاً و کرہاً حمید نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ اس دوران میں اُس نے کئی بار ارادہ بھی کیا کہ
اُسے غافل پا کر حملہ کر بیٹھے لیکن وہ اُسے ایک لمحے کے لئے بھی غافل نہیں پا سکا تھا۔

حمید دروازے کے قریب ایک منٹ تک اسی حالت میں کھڑا رہا تھا پھر بولا۔ "کیوں پریشان
کر رہے ہو یار۔ کب تک اس طرح کھڑا رہنا پڑے گا۔"

کوئی جواب نہ ملنے پر وہ مڑا لیکن اب کمرے میں خود اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ وہ چند
لمحے کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر مشین کی طرف جھپٹا جو ابھی تک حرکت میں تھی۔ لیکن تیزی سے
گھومنے والی چرخی کی روشنی غائب ہو چکی تھی۔ اس میں روشنی اسی وقت تک رہتی تھی جب تک
کوئی بولتا رہتا تھا۔

"ہیلو.....!" حمید نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا اور تیزی سے گھومنے والی چرخی پر روشن ہو گئی۔ حمید اُسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"کون.... اوہ کیپٹن حمید.....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ آخر کچھ مہلت بھی دو گے یا نہیں۔ دیکھو اس چکر میں نہ پڑو۔ یہ فریدی کے بس کا روگ نہیں۔ میں لیونارڈ.... مسٹر کیو.... اور جیر الڈ شاستری سے بہت مختلف ہوں۔ میرا معیار کے مطابق وہ معمولی چور اور اچکے تھے اور تم تو خیر کسی شمار میں نہیں ہو۔ میں فریدی کو بھی بچہ سمجھتا ہوں۔ اسی لئے میں تم دونوں کی جان بخشی کرتا ہوں تم جیمس مارٹن تمباکو فروش ہی کے خلاف کوئی ثبوت نہ مہیا کر سکو گے۔ میں تو خیر بہت دور کی چیز ہوں۔ اچھا اب اس مشین سے کم از کم پانچ قدم کے فاصلے پر ضرور ہٹ جاؤ ورنہ اپنی موت کے خود ذمہ دار ہو گے۔ میرا نام طاقت ہے۔ میرے ننھے بچے فریدی کو مطلع کر دینا۔"

حمید نے بوکھلا کر ریسیور فرش پر پھینک دیا اور دو ہی تین جستوں میں دیوار سے جالگا۔ مشین سے اس کا فاصلہ تقریباً دس گز ضرور رہا ہو گا۔

بے بسی

حمید حیرت سے منہ کھولے مشین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جس کی چرخی کی گردش کی رفتار پہلے سے بھی زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ اس میں سے نکلنے والی تیز قسم کی روشنی آنکھوں کے لئے ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھی پھر اچانک اُسی چرخی سے ایک شعلہ سا لپکا اور پوری مشین جلنے لگی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی نے اُسے پٹرول میں ڈبو کر آگ لگا دی ہو۔

پھر اس کا پلگ خود بخود سوئچ بورڈ سے نکل کر فرش پر آ رہا۔

پندرہ بیس منٹ کے اندر ہی اندر مشین راکھ کا ڈھیر ہو گئی۔

نہ جانے کیوں حمید اس وقت ذہنی طور پر مفلوج سا ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ چند لمحے راکھ کے ڈھیر کی طرف دیکھتا رہا پھر اُس کی نظر اُس دروازے کی طرف اٹھ گئی جس سے وہ کمرے میں داخل ہوا تھا۔ اس کے قدم غیر ارادی طور پر دروازے کی جانب اٹھنے لگے۔ دروازے میں اب صرف وہی

پردہ جھول رہا تھا جسے ہٹا کر حمید کمرے میں داخل ہوا تھا۔

وہ تمباکو کی دوکان میں پہنچ گیا۔ کاؤنٹر کے پیچھے وہی آدمی موجود تھا جس نے کچھ دیر قبل اُسے ریوالور دکھا کر دھمکیاں دی تھیں۔

حمید کو دیکھ کر وہ نہایت ادب سے کھڑا ہو گیا اور اُس کی طرف پرنس ہنری کا ڈبہ بڑھاتا ہوا بولا۔ "جناب کا تمباکو۔"

حمید کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور آنکھیں حلقوں سے اُبلی پڑ رہی تھیں۔ اس نے بائیں ہاتھ سے ڈبہ لیتے ہوئے داہنے ہاتھ سے اس زور کا گھونسہ اس کے جبڑے پر رسید کیا کہ وہ پچھلی دیوار سے ٹکرا کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

"دوڑو بچاؤ۔" وہ فرش سے اٹھتا ہوا چیخا۔ "مار ڈالا.... مار ڈالا۔"

حمید کاؤنٹر پر دونوں ہاتھ ٹیک کر دوسری طرف کود چکا تھا۔ اس نے اپنے شکار کو فرش سے نہیں اٹھنے دیا اور اس کی چیخیں؟ وہ کسی طرح بھی نہ رک سکیں۔ راہگیروں اور پڑوسیوں کا ایک جم غفیر دوکان میں گھس آیا۔

"خبردار.....!" حمید گرجا۔ "اگر کوئی بھی قریب آیا تو اُسے بھی جیل کی شکل دیکھنی پڑے گی۔"

دو ایک پولیس کانسٹیبل بھی اندر گھس آئے تھے۔

"انہیں باہر نکال دو۔" حمید نے کانسٹیبلوں کی طرف دیکھ کر مجمع کی طرف اشارہ کیا۔

شہر کی فورس کا شائد ہی کوئی ایسا آدمی ہو جو حمید کو نہ پہچانتا رہا ہو۔

"باہر جائیے.... باہر جائیے۔" کانسٹیبلوں نے مجمع کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اُدھر حمید اپنے شکار کو گریبان سے پکڑ کر دوبارہ اٹھا چکا تھا۔

"آپ.... آپ.... میرا.... جرم بھی تو.... بتائیے۔" وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

حمید نے اُسے کرسی میں دھکا دے دیا۔

پھر اُس نے کانسٹیبل سے کہا۔ "تم میں سے ایک باہر ٹھہرے گا اور تم اندر دروازہ بند کر دو۔"

لوگوں کو باہر نکلوا دینے کے بعد حمید نے دروازہ اندر سے بند کرا دیا۔ ایک کانسٹیبل اندر ہی رہ گیا۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔" اُس آدمی نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"ابھی معلوم ہو جائے گا۔" حمید فون کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "ابھی دیکھوں گا کہ تم لوگ

کتنے چالاک ہو۔"

دوسرے لمحے میں وہ فریدی کے نمبر ڈائیل کر رہا تھا سب سے پہلے اس نے گھر ہی فون مناسب سمجھا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ وہ پہلی ہی کوشش میں فریدی سے رابطہ قائم کرنے کامیاب ہو جائے گا۔ ویسے اگر وہ گھر پر نہ ملتا تو کسی نہ کسی دوسرے ٹھکانے پر ضرور مل جاتا۔

لیکن یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ فریدی گھر ہی مل گیا۔ حمید نے اُسے یہاں بلانے کے لئے سنہرے سکے کا حوالہ دینا کافی سمجھا۔

پھر وہ وہیں ٹھہر کر فریدی کا انتظار کرتا رہا۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن حقیقت تو یہ تھی کہ بھی حمید کی کھوپڑی میں برف ہی جمی ہوئی تھی۔ اُس نے ایک بار بھی اس کمرے کی طرف نہیں دیا جس میں کچھ دیر قبل مقید رہ چکا تھا۔

فریدی ٹھیک پندرہ منٹ بعد وہاں پہنچ گیا۔ اُس نے حمید سے پوری روداد سنی اور بُری جھلا گیا۔ وہ اس وقت صحیح معنوں میں برافروختہ نظر آرہا تھا۔

"کیا اب تم نے مجھے یہاں جھک مارنے کے لئے بلایا ہے۔"

"کیوں! ارے جناب۔ میں تقریباً ایک گھنٹے تک اس کمرے میں قید رہا ہوں۔" حمید کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

دوکاندار اب بھی کاؤنٹر کے پیچھے خاموش بیٹھا ان کی حرکتوں کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

حمید کبھی کبھی کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھتا اور دل ہی دل میں تاؤ کھا کر رہ جاتا۔ رہا تھا کہ کہیں الٹی آنتیں گلے نہ پڑیں۔ اُس جیسا ایکٹر آج تک اس کی نظروں سے نہیں گذر

فریدی نے پردہ ہٹا کر دوسرے کمرے میں جھانکا۔ اتفاقاً حمید کی نظر بھی اُدھر ہی اٹھ اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ہوا میں اڑا جارہا ہو۔ نہ تو کمرے میں اب وہ پلنگ تھا اور نہ جلی مشین کی راکھ۔ ان کی بجائے اب وہاں لکڑی کے صندوقوں کے ڈھیر نظر آرہے تھے بالکل معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کمرہ سال ہا سال سے بحیثیت گودام استعمال کیا جاتا رہا ہو۔

"کیا تم اسی کمرے کی بات کر رہے تھے۔" فریدی قہر آلود انداز میں حمید کی طرف پلٹ

"اب میں کیا بتاؤں۔ میں بالکل گدھا ہوں۔" حمید بوکھلا کر بولا۔ "میں یہاں تھا اور سب کچھ ہوتا رہا۔"

"مت بکو۔"

"ارے تو کیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں۔ یہ دیکھئے دو ہزار کے نوٹ۔" حمید نے کہتے ہوئے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔

اور وہ منظر بڑا دلچسپ تھا جب وہ بوکھلا بوکھلا کر یکے بعد دیگرے اپنی ساری جیبیں ٹٹول رہا تھا اور اسکی پیشانی سے پسینے کی بوندیں اسطرح بہہ رہی تھیں جیسے کہیں سے بارش میں بھیگ کر آیا ہے۔

اب وہ دو ہزار کے نوٹ بھی اس کے پاس نہیں تھے۔

حمید نے جھپٹ کر اُس آدمی کے سر پر دو ہتھڑ رسید کر دیا اور وہ بلبلا اٹھا۔

"خدا کی قسم یہ ظلم ہے۔ سراسر ظلم۔ جرم بھی نہیں بتاتے اور خواہ مخواہ مارے جاتے ہیں۔"

"حمید.....!" فریدی نے ڈانٹا۔

حمید خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ ایسے مواقع پر ٹھنڈا پانی بھی کہیں آس پاس موجود نہیں ہوا کرتا۔ ورنہ وہ خون کے گھونٹ پینے کے بجائے اسی سے شغل کرتا۔

فریدی چند لمحے کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر حمید کو الگ لے جا کر آہستہ سے بولا۔

"بات تو بگڑ ہی چکی ہے۔ اب کچھ کرنا چاہئے۔"

حمید کو اُس سے اتنی نرمی کے اظہار کی توقع نہیں تھی اس لئے وہ خلوص دل سے ہمہ تن گوش نہیں بلکہ خر گوش ہو گیا۔

"اسے اسی وقت اور اسی حالت میں گرفتار کر لینا چاہئے۔ ورنہ حالات تمہارے سامنے ہی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارے اس اقدام کا ہم دونوں ہی پر کوئی بُرا اثر پڑے۔ باہر بھیڑ بڑھتی ہی جارہی ہے۔ میں یہاں سے مسٹر شرما مجسٹریٹ کو فون کرتا ہوں۔ تم باہر اُن کا انتظار کرو۔ جیسے ہی وہ آئیں ان سے دس دس کے تین نوٹوں پر اُن کے دستخط لے لینا.... اور میں اپنی بلیک فورس کے تین آدمیوں کو بھی رنگ کروں گا۔ وہ بھی جلد ہی یہاں پہنچ جائیں گے۔"

"لیکن.... اسکیم کیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"اسے غیر ملکی تمباکو کی بلیک مارکیٹنگ کے الزام میں پکڑیں گے۔"

"آپ تلاشی کیوں نہیں لیتے.... وہ سکے....!"

"پھر وہی بکواس۔" فریدی بگڑ گیا۔ "اس قسم کا کوئی ثبوت تم فراہم نہ کر سکو گے۔ سمجھے!

قطعی.... ناممکن ہے.... وقت نہ برباد کرو۔"

حمید دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

❁

ڈریلا مورگن لمبے لمبے قدم رکھتی ہوئی گلی پار کر رہی تھی۔ گلی کے سرے پر پہنچ کر وہ چند لمحوں کے لئے رکی اور پھر آگے بڑھ گئی۔

جب وہ ان گلیوں سے گذر رہی تھی تو کوئی اس کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک پرزہ دے کر ایک دوسری گلی میں غائب ہو گیا تھا۔ یہ اُس کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی اس قسم کے پرزے اسی طرح اسے سینکڑوں بار مل چکے تھے اور وہ اس کے مقصد سے اچھی طرح واقف تھی۔ اس نے ایک جگہ رک کر پرزے پر نظر ڈالی۔ اس پر صرف "کیفے نبراسکا" تحریر تھا۔

کیفے نبراسکا پہنچنے میں تین منٹ صرف ہوئے۔

وہ سیدھی منیجر کے کیبن میں چلی گئی۔

"طاقت....!" اُس نے منیجر کی طرف دیکھ کر کہا۔

منیجر اُس پر ایک اچٹتی سی نظر ڈال کر مسکرایا اور آہستہ سے بولا۔ "بیٹھ جاؤ۔"

ڈریلا نے بیٹھتے وقت اپنا وینٹی بیگ منیجر کی میز پر رکھ دیا۔

"آئندہ سے تمہیں یہیں سے کیش ملے گا۔ تمہارے پاس کل کتنے سکے ہیں۔"

"صرف دو....!"

"گھر پر ہیں۔"

"نہیں میں انہیں ہمیشہ اپنے ساتھ ہی رکھتی ہوں۔"

"لاؤ! مجھے دے دو! اور فی الحال رقم اتنی ہی اپنے پاس رکھو جتنی ضروری ہو۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"جہاں سے ابھی تم نے کیش لیا تھا۔ وہاں تمہاری ہی وجہ سے پولیس پہنچ گئی ہے۔"

"میری وجہ سے۔" ڈریلا بے ساختہ چونک پڑی۔

"ہاں.... آں.... کیپٹن حمید تمہارا تعاقب کر رہا تھا۔ کیا تم بتا سکتی ہو کہ سکہ اُس کے پاس کیسے پہنچا۔"

"کیا.... اُس کے پاس کوئی سکہ تھا۔" ڈریلا نے پوچھا۔

"ہاں! اُس نے اُسے جیمس مارٹن کے یہاں کیش کرانے کی کوشش کی تھی۔"

"تب تو پھر وہ میرا ہی گمشدہ سکہ ہوگا۔ میرا ایک سکہ گم ہو گیا تھا اور میں نے اس کی رپورٹ ہیڈ کوارٹر کو بھی دے دی تھی۔ کیپٹن حمید میرا دوست ہے لیکن یہ مجھے اسی وقت معلوم ہوا ہے کہ وہ میری نادانستگی میں بھی مجھ پر نظر رکھتا ہے۔"

"اس کی پرواہ نہ کرو۔ سکے مجھے دے دو اور وہ رقم بھی جو تمہیں جیمس مارٹن سے ملی ہے۔"

ڈریلا نے مطلوبہ چیزیں اپنے وینٹی بیگ سے نکال کر میز پر ڈال دیں۔

"فی الحال اسے اپنے پاس رکھو۔" منیجر نے پانچ بڑے نوٹ میز ہی پر پڑے رہنے دیئے اور بقیہ نوٹ سکوں سمیت دراز میں ڈال دیئے۔

"اور تم....!" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "کیپٹن حمید سے برابر ملتی رہو گی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اب تم سے کترانا شروع کر دے لیکن تم اس سے زبردستی ملو گی اس کی رہائش گاہ پر جاؤ گی۔ فریدی سے بھی تعلقات پیدا کرو۔ اس پر یہ بات ظاہر کرو کہ تم اپنے متعلق اس کے شبہے سے واقف ہوتے ہوئے بھی اس سے ذرا برابر خائف نہیں ہو۔"

ڈریلا اُسے حیرت سے دیکھتی رہی۔ اُسے اسکی آنکھیں حد درجہ خوفناک معلوم ہو رہی تھیں۔

❁

نصرت خان باہر سے آیا تھا۔ نوکر نے اُسے اوور کوٹ اتارنے میں مدد دی اور پھر اوور کوٹ اور فلٹ ہیٹ لے کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

نصرت خان نے ایک طویل انگڑائی لے کر گھڑی کی طرف دیکھا۔ رات کے ساڑھے گیارہ بجے تھے۔

وہ خواب گاہ کی طرف چل پڑا۔ یہاں شائد فون کی گھنٹی پہلے ہی سے بج رہی تھی۔ نصرت خان کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں۔ وہ اب صرف سونا چاہتا تھا۔

"ہیلو....!" وہ ریسیور اٹھا کر غرایا۔

"ضرغام....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اوہ.... تم ہو دوست....!" نصرت مسکرایا۔

"ہاں میں ہی ہوں۔ دیکھو! سکس تھری کو پولیس لے گئی ہے۔"

"کیوں.... کس طرح۔"

"تمباکو کی بلیک مارکیٹنگ کا الزام ہے۔"

"اوہ.... تب پھر فکر کی کیا بات ہے۔" نصرت نے لاپروائی سے کہا۔

"الزام فرضی ہے۔ حقیقت کچھ اور ہے۔"

"تو بتاؤنا.... دوست....!" نصرت جھنجھلا گیا۔

"فریدی کو کہیں سے طاقت کا سکہ مل گیا ہے اور وہ اس کے پیچھے ہے۔"

"سکس تھری...!" نصرت اپنی یادداشت پر زور دیتا ہوا بولا۔ "وہ تو شائد ہمارا ایک بینک ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ کیپٹن حمید آج ایک ایسی لڑکی کا تعاقب کر رہا تھا جسے سکہ کیش کرانا تھا۔"

"میں سمجھا۔ کیا تم اُس کے لئے پریشان ہو۔"

"نہیں! قطعی نہیں۔ ہمارے گرد فولاد کی دیواریں ہیں۔ تم طاقت کو کیا سمجھتے ہو۔ اس ملک اصلی حکمران وہی ہے۔"

"میں ابھی تمہیں اچھی طرح نہیں سمجھ سکا۔"

"مجھے سمجھنے کی کوشش کا دوسرا نام وقت کی بربادی ہے۔ سمجھے ضرغام۔"

"ہاں اتنا تو سمجھتا ہوں۔" نصرت نچلا ہونٹ چبا کر بولا۔ "پہلے تم میرے دوست تھے۔ یہ اُ وقت کی بات ہے جب میں غیر مہذب تھا اس وقت تم مجھ پر حکومت نہیں کر سکتے تھے۔ تم نے آہ آہستہ مجھے مہذب بنایا اور اب میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھے ہمیشہ تمہارا غلام بنا رہنا پڑے گا۔"

"غلام....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ تم اب بھی میر دوست ہو۔ حکمران تو حکومت نہیں کرتا۔ درحقیقت عنانِ حکومت اس کے دوستوں ہی ہاتھ میں ہوتی ہے۔ نہیں دوست! تم میرے متعلق ایسا نہیں سوچ سکتے۔"

"خیر چھوڑو.... کام کی بات کرو۔" نصرت بولا۔

"تمہیں فریدی سے ہوشیار رہنا چاہئے۔ اُسے خان جلال کے لڑکے کی تلاش ہے۔"

"فریدی کا تذکرہ سنتے سنتے میرے کان پک گئے ہیں۔ لیکن میں نے اُسے آج تک نہ دیکھا۔ بس ایک بار مجھے معلوم ہو جائے کہ فریدی کون ہے۔"

کیا تم نے اسے ابھی تک نہیں دیکھا۔"

"نہیں۔ میں نے نہیں دیکھا۔"

"حالانکہ وہ تم سے کئی بار مل چکا ہے۔ اُسے شبہ ہے کہ تم نصرت خان ہی ہو۔"

"مجھے کسی نے یہ نہیں بتایا کہ میں فریدی سے مل چکا ہوں۔"

"کل تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ کل نیاگرا ہوٹل میں وہ بھی ہوگا۔"

"مجھے کون بتائے گا۔ کیا تم بھی وہاں موجود ہو گے۔"

"نہیں.... میں وہاں نہیں جاؤں گا۔"

"پھر مجھے کون بتائے گا....!"

"طاقت کا کوئی دوست....!"

"اچھا تو میں کل ہی اُسے بھی دیکھ لوں گا۔"

"نہیں ضرغام! کل تم وہی کرو گے جس کیلئے کہا گیا ہے۔ کل کے پروگرام میں فریدی کو نہ شامل کرو۔ فریدی کی نشاندہی تو اسلئے کی جائے گی کہ تم اس کی عقابی نظروں سے محفوظ رہ سکو۔"

"اوہ.... تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ مجھے یہ ضرور سوچنا پڑے گا کہ میں یہاں کم از کم ایک آدمی سے ضرور خائف ہوں۔ نہیں دوست! میں یہ ذلت نہیں گوارا کر سکتا۔ پہلے فریدی اس کے بعد دوسرا کام۔"

"ضرغام.... تم وہی کرو گے جو میں کہہ رہا ہوں۔ تم نے فریدی کا صرف نام سنا ہے۔ اسے دیکھا نہیں ہے۔ دیکھنے کے بعد بھی تم اس کی صلاحیتوں کا صحیح اندازہ نہیں کر پاؤ گے۔"

"دوست بس خاموش رہو۔" نصرت خان غرایا۔ "کیا تم چاہتے ہو کہ میں اسی وقت اُسے تلاش کر کے قتل کر دوں۔"

"اوہو! تم پھر غلط سمجھے۔" دوسری طرف سے ہنسنے کی آواز آئی۔ "تمہاری غصیلی آواز مجھے بہت پیاری لگتی ہے۔ اس لئے چھیڑ چھیڑ کر غصہ دلاتا ہوں۔ فریدی تمہارا ایک گھونسہ بھی برداشت نہ کر سکے گا۔ میں جانتا ہوں کہ اس کی موت ہی تمہیں یہاں لائی ہے، لیکن دوست بہت زیادہ ضروری کام پہلے ہونے چاہئیں۔ سمجھے! اگر تم نے پہلے اسے قتل کر دیا تو پھر کام میں خاک لطف آئے گا۔ بات تو جب ہے کہ اُس کی موجودگی ہی میں وہ ہو جائے اور بیچارا بے بسوں کی طرح

اپنی ہی بوٹیاں نوچتا پھرے.... کیا سمجھے۔"

"ہوں.... میں سمجھ گیا۔"

"اچھا تو پھر یہی ہوگا نا....!"

"بالکل یہی ہوگا۔"

"وہاں تمہارے مددگار بھی ہوں گے۔"

"مجھے کسی مددگار کی ضرورت نہیں۔ اچھا بس اب ختم کرو مجھے نیند آرہی ہے۔" نصرت نے کہا اور جواب کا انتظار کئے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔

حملہ اور تدارک

فریدی کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر نہ تو غور و فکر کے آثار تھے جھنجھلاہٹ ہی کے۔ قریب ہی حمید آرام کرسی میں پڑا ہوا پائپ پی رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کر بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ ٹیلی فون کا کوئی نیا سسٹم ہو۔ ایسا جس کے ایکسچینج یا مرکزی اسٹیشن بولنے والوں کی تصویریں بھی دکھائی دیتی ہوں۔ یہی بات ہو سکتی ہے ورنہ وہ مشین جس متعلق تم بتاتے ہو کم از کم میری معلومات کے ذخیرے کے لئے تو ایک نئی ہی چیز ہے۔ اس بھی اس کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ دوسری طرف سے بولنے والے نے نہ صرف تمہارا نام مخاطب کیا بلکہ میرا حوالہ بھی دیا تھا۔

"کچھ بھی ہو، مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔" حمید بڑبڑایا۔

"پرواہ مت کرو۔" فریدی مسکرایا۔ "کبھی کبھی تمہاری غلطیاں بھی میرے لئے بہت ثابت ہوتی ہیں۔ لیکن اب تم اُس لڑکی ڈریلا سے ہوشیار رہنا۔"

"اگر وہ کبھی نظر آئی تب نا۔"

"ضرور نظر آئے گی۔ اس گروہ کا طریق کار نیا اور چونکا دینے والا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ سربراہ حقیقتاً لومڑی ہو۔ ہو سکتا ہے شیر سے بھی زیادہ ثابت ہو۔ جیمس مارٹن والے آدمی یہی کہتا ہے کہ ڈریلا اپنی جگہ پر بدستور رہے گی۔"

"اگر ایسا ہوا تو پھر آپ دیکھئے گا۔"

"جلد بازی کی ضرورت نہیں۔ ابھی تو ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ یہ گروہ چاہتا کیا ہے۔"

"بہر حال یہ ماننا پڑے گا کہ اس کی تنظیم بڑی زبردست ہے۔"

"ہاں.... آں....!"

کچھ دیر کے لئے پھر خاموشی ہو گئی۔

اب فریدی میز کے گوشے سے ٹک کر سگار سلگا رہا تھا۔

"لیکن آپ نے اُس آدمی کو پکڑنے کے لئے بلیک مارکیٹنگ کا کیس کیوں بنایا تھا۔" حمید نے پوچھا۔ "ویسے آپ اپنے مخصوص اجازت نامہ کو بھی کام میں لا سکتے تھے۔ اس کے تحت آپ کسی کو بھی گرفتاری کی وجہ بتائے بغیر حراست میں لے سکتے ہیں۔"

"میں فی الحال اس معاملے کو اتنا اہم نہیں سمجھتا کہ مخصوص اختیارات سے کام لوں۔"

"آچ.... چھا....!" حمید نے جلے ہوئے پائپ کی راکھ ایش ٹرے میں الٹ کر ایک طویل انگڑائی لی اور بولا۔ "اُس نامعلوم آدمی کا چیلنج....!"

"چھوڑو....!" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "اُس نے شاید جاسوسی ناول بہت زیادہ پڑھے ہیں۔"

"خیر.... آپ اسے اس طرح ٹال رہے ہیں.... لیکن.... میں....!"

"تم بھی صبر کرو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"حمید نے کچھ کہنے کے لئے ٹھنڈی سانس بھری لیکن اس کا وار خالی گیا کیونکہ ٹھیک اسی وقت ایک نوکر نے کمرے میں داخل ہو کر کسی کا تعارفی کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا۔"

"ہائیں....!" حمید کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں اور اُس نے وہ کارڈ فریدی کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"ڈریلا مورگن....!" فریدی اپنے مخصوص انداز میں مسکرایا۔ نوکر جا چکا تھا۔ فریدی نے کچھ دیر بعد کہا۔ "سچ مچ یہ لوگ کوئی جاسوسی ناول اسٹیج کر رہے ہیں۔ اچھا تم یہیں ٹھہرو۔ کم از کم پندرہ منٹ بعد تم ڈرائینگ روم میں آنا۔"

"ہائیں پندرہ منٹ بعد۔" حمید اپنی کھوپڑی سہلاتا ہوا بولا۔ "پندرہ منٹ بعد وہاں باقی کیا بچے گا۔"

"شٹ اپ....!" فریدی اُسے کرسی میں دھکا دیتا ہوا بولا اور کمرے سے نکل آیا۔

ڈریلا ڈرائینگ روم میں حمید کی منتظر تھی۔ لیکن دروازے میں سے ایک ایسا آدمی نظر آیا جس سے آنکھیں ملانا کم از کم اُس کے بس کا روگ تو نہیں تھا۔ وہ بوکھلا کر بغلیں جھانکنے لگی۔ اُس نے اس سے پہلے فریدی کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"کیپٹن حمید ابھی آتے ہیں۔" فریدی ڈرائینگ روم میں داخل ہوتا ہوا آہستہ سے بولا اور ڈریلا بیساختہ کھڑی ہو گئی اُس کی یہ حرکت قطعی اضطراری تھی۔

"تشریف رکھئے۔" فریدی نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

ڈریلا بیٹھ گئی۔

"میں فریدی ہوں۔ شائد آپ نے میرا نام سنا ہو۔" فریدی نے مصافحہ کے لئے اُس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔ میں نے سنا ہے۔ بڑی خوشی ہوئی۔" فریدی کے ہاتھ میں ڈریلا کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ اس نے اُسے بڑی نرمی سے چھوڑ دیا۔

فریدی اس کے سامنے ہی بیٹھ گیا۔

"حمید بہت دلچسپ آدمی ہے۔ وہ اکثر مجھ سے آپ کا تذکرہ کرتا رہا ہے۔ تذکرہ نہیں بلکہ شاعری کہئے۔ لیکن وہ غلط نہیں کہتا تھا۔"

"ہاں وہ اکثر میرا مضحکہ بھی اڑاتا ہے۔" ڈریلا نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔

"آپ کا مضحکہ....!" فریدی نے حیرت ظاہر کی۔

"میں آج تک سمجھ ہی نہ سکی کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے۔"

"شادی کی درخواست تو نہیں کی اُس نے کبھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں کبھی نہیں.... وہ عجیب آدمی ہے۔" ڈریلا نے کہا۔ اُس کی آواز کانپ رہی تھی اور اُس نے ایک بار بھی فریدی کے چہرے پر نظر ڈالنے کی ہمت نہیں کی تھی۔

"کیا آپ کو میرا یہاں بیٹھنا ناگوار ہے۔" فریدی نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"ہرگز نہیں.... نہیں جناب۔"

"حمید میرا ایک محبوب ترین ساتھی ہے۔ اسی لئے مجھے اسکے دوستوں سے بھی محبت ہے۔"

ڈریلا نے اچٹتی نظر فریدی کے چہرے پر ڈالی اور پھر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ فریدی کہہ رہا

تھا۔ "لیکن آپ پہلی بار یہاں آئی ہیں۔ شاید آپ کی دوستی زیادہ پرانی نہیں ہے۔"

"کیا حمید صاحب بہت مشغول ہیں۔" ڈریلا نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں ذرا جلدی میں ہوں۔"

"شاید دس منٹ اور بیٹھنا پڑے آپ کو۔" فریدی بولا۔

"اوہ.... تب تو میں معافی چاہتی ہوں۔" ڈریلا اٹھتی ہوئی بولی۔ "آپ ان سے کہئے گا کہ آج شام چھ بجے میرے گھر ضرور آئیں۔"

"بہتر ہے۔" فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ "ویسے اگر آپ بیٹھتیں تو مجھے خوشی ہوتی۔"

"پھر کبھی.... ضرور.... ملاقات ہو گی۔"

فریدی اُس کے ساتھ برآمدے تک آیا۔ پھر وہ پورچ میں اتر گئی۔ فریدی اسے جاتے دیکھتا رہا۔ حمید کہیں قریب ہی موجود تھا جیسے ہی وہ نظروں سے اوجھل ہوئی وہ فریدی کے قریب آگیا۔

"بہت خوبصورت....!" فریدی بڑبڑاتا ہوا حمید کی طرف مڑا۔

"جی.... کیا آپ نے کچھ کہا ہے.... یا میرا واہمہ ہے۔" حمید بوکھلا کر بولا۔

"نہیں واقعی وہ بہت دلکش ہے۔"

"خدا میرے بال بچوں کی مغفرت کرے۔" حمید اپنا سر سہلانے لگا۔

"مگر وہ چلی گئی۔" فریدی نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

حمید چند لمحے نیچے سے اوپر تک اسکا جائزہ لیتا رہا پھر بولا۔ "کیا آپ مذاق کے موڈ میں ہیں۔"

"نہیں میں سنجیدہ ہوں۔"

"خدا سب کے دن پھیرے۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"خیر.... ہاں آج شام نیاگرا میں ڈنر ہے۔ مقامی تاجروں نے وزیر تجارت کو دعوت دی ہے۔ ہم دونوں بھی معززین شہر کی حیثیت سے مدعو کئے گئے ہیں۔"

"لیکن میں تو آج چھ بجے شام کو ڈریلا کے گھر جاؤں گا۔" حمید نے کہا۔

"بکواس مت کرو یہ غیر ضروری کام کل بھی ہو سکتا ہے۔"

"اوہو! تو آپ بھی دعوتوں کو ضروری قرار دینے لگے ہیں۔ آج بڑی انہونی باتوں سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔"

"ہاں یہ دعوت کم از کم میرے لئے ضروری ہے۔ اگر میرا بس چلتا تو میں وزیر تجارت
پبلک مقامات پر جانے ہی سے روک دیتا۔"

"کیا مصیبت ہے۔ بات ڈریلا سے وزیر تجارت پر پہنچ گئی۔"

"سنجیدگی سے.... ورنہ چانٹا ماردوں گا۔"

حمید خلاف توقع سنجیدہ نظر آنے لگا۔

اس وقت نئے وزیر تجارت کے خلاف بے تحاشہ سازشیں ہو رہی ہیں اور سابق
تجارت کے مستعفی ہونے کے بعد جب سرکاری حلقوں نے موجودہ وزیر تجارت کی تقرری
امکانات پر روشنی ڈالی تھی تو اس کے ٹھیک دوسرے ہی دن ان پر قاتلانہ حملہ بھی ہوا تھا۔ تقر
کے بعد سیاسی جوڑ توڑ شروع ہو گئے۔"

"تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وزیر تجارت پر دوبارہ حملہ ہو سکتا ہے۔"

"ہاں اس کے امکانات ہیں۔"

"میں آپ کے شبہے کی وجہ بھی معلوم کرنا چاہوں گا۔" حمید نے کہا۔

"یہ بات تمہاری سمجھ میں مشکل ہی سے آئے گی اور نہ میرے پاس اتنا وقت ہے کہ میں
کے اقتصادی مسائل پر بحث کر سکوں۔ بس اتنا سمجھ لو... مگر.... نہیں.... اسے بھی جانے
ایک موٹی سی بات! نئی تجارتی پالیسی کا ابھی سرکاری طور پر اعلان نہیں ہوا۔ لیکن کیا تم نئی تجا
پالیسی سے واقف نہیں ہو۔ آخر اعلان سے پہلے یہ بات پبلک میں کیسے آ گئی۔ اس کے قبل از و
انکشاف کی وجہ سے سرکاری حلقوں میں خاصی بے چینی پائی جاتی ہے۔ پالیسی بدلنے سے رہی۔
دنوں بعد اس پالیسی کا اعلان سرکاری طور پر بھی ہو جائے گا۔ اس پالیسی کی بناء پر کابینہ میں پھ
بھی پڑ گئی ہے لیکن وزیر تجارت کی پشت پناہی ایک بہت ہی مضبوط پارٹی کر رہی ہے اور یہ پالیسی
کے اشارے پر مرتب کی گئی ہے۔ پالیسی چونکہ متنازعہ ہے اس لئے اگر وزیر تجارت کا وجود در
سے ہٹ جائے تو وہ پالیسی سرکاری حیثیت کبھی نہ حاصل کر سکے گی۔ ملک کے چند بڑے سر
داروں کا خیال ہے کہ یہ پالیسی ان کا کفن ثابت ہو گی۔ ویسے وزیر تجارت نے اپنے ایک بیان میں
تھا کہ وہ پالیسی ہر ایک کیلئے مفید ثابت ہو گی اور اس سے ملک کا اقتصادی نظام سدھر جائے گا۔"

"کیا حقیقتاً اس پالیسی سے سرمایہ داروں کو نقصان پہنچے گا۔" حمید نے پوچھا۔

"مجھے اس سے سروکار نہیں۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر حمید نے کہا۔ "کیا وزیر تجارت اس خطرے سے آگاہ نہ ہوں گے۔"

"مجھے اس سے بھی بحث نہیں۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "میں خطرہ محسوس کر رہا ہوں
س لئے میں دیکھوں گا کہ میں اس کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔"

"کیا محکمے کی طرف سے بھی آپ کو اس کے لئے کوئی ہدایت ملی ہے۔"

"نہیں.... نیاگرا ہوٹل میں ڈیوٹی پر نہیں ہوں گا۔ ویسے میں نے اس بات کا انتظام کیا ہے
ہ میری کرسی ٹھیک وزیر تجارت کے سامنے رہے۔ اُسی میز پر۔"

"معاف کیجئے گا۔" حمید منہ بنا کر بولا۔ "آخر آپ خدائی فوجدار کیوں بنتے جا رہے ہیں۔
ضرورت ہو یا نہ ہو.... اپنی ٹانگ ضرور اڑائیں گے۔"

"برخوردار.... آخر اس مخصوص اجازت نامے کا مقصد کیا ہے۔ کیا وہ مجھے اس لئے ملا ہے
کہ اسے فریم کرا کر ڈرائینگ روم کی کسی دیوار کی زینت بڑھاؤں۔"

"آپ نے اپنی زندگی خود ہی تلخ کر لی ہے۔"

"اپنی زندگی کے بارے میں کیا خیال ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ بہت شدت سے بور ہو رہا تھا لیکن فریدی کا پروگرام
کچھ اور تھا۔ حمید نیاگرا ہوٹل کی بجائے ڈریلا کے گھر کا رخ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ مضمحل انداز میں قدم
گھسیٹتا ہوا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

❁

نیاگرا ہوٹل کی رونق آج پہلے سے کئی گنا زیادہ بڑھ گئی تھی۔

ڈنر کے بعد وزیر خزانہ سے ایک مختصر سی تقریر کی استدعا کی گئی۔ اگر استدعا نہ کی جاتی تب
بھی وہ تقریر ضرور کرتے کیونکہ تقریر تو ایک ہفتہ قبل ہی تیار کر لی گئی تھی۔ شعراء اور رہنمایان
قوم کی دعوتیں خالی از علت نہیں ہوتیں چونکہ دونوں ہی کی نظریں دور رس ہوتی ہیں لہٰذا دعوت
کا مقصد اُن سے کس طرح پوشیدہ رہ سکتا ہے۔

شاعر ایسے مواقع پر ہمیشہ مساوات کے گیت گاتا ہے اور رہنمائے قوم پر مساوات کا دورہ پڑتا
ہے۔ وہ عام آدمیوں پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ بھی انہیں میں سے ایک ہے۔

نیاگرا ہوٹل میں بھی دعوت کے بعد مراتب و درجات کی تمیز اڑ گئی۔ "عوامی" بننے کوشش میں وزیر تجارت "گھریلو" بن گئے۔ کسی نے انہیں ایک بڑی میز پر چڑھا دیا اور حاضر کرسیاں چھوڑ کر اُس میز کے گرد اکٹھا ہو گئے۔

وزیر تجارت تقریر کرتے رہے۔ نیاگرا کا ڈائیننگ ہال شور تحسین سے گونجتا رہا۔

پھر اچانک ایک عجیب بات ہوئی۔ کسی نے وزیر تجارت کو میز سے دھکیل دیا۔

وہ نیچے فرش پر گرے اور ساتھ ہی دو چیخیں ہال میں گونج کر رہ گئیں۔ ان میں سے ایک بڑی کربناک تھی۔

"زینے....!" کسی نے چیخ کر کہا "اوپری گیلریوں کے زینے۔ حمید.... رمیش.... ساجد"

وزیر تجارت کو کئی آدمیوں نے مل کر اٹھایا لیکن اُس کی کسی نے خبر نہ لی جو قریب ہی فرش پڑا تڑپ رہا تھا۔ ایک آدمی جس کی گردن میں بڑا سا خنجر پیوست تھا۔ وہ تو اُس کی دوسری آخری چیخ تھی جس نے لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کیا۔

وزیر تجارت بخیریت تھے۔

❁

حمید نے بھی فضا میں تیرتے ہوئے خنجر کی چمک دیکھی تھی پھر اس نے چیخوں کے ساتھ ہی فریدی کی آواز بھی سنی اور بے تحاشا زینوں کی طرف لپکا۔ یہ اوپری گیلری کے زینے تھے۔

وہ تیزی سے اوپر چڑھتا چلا گیا اور اوپر پہنچ کر اُس نے محسوس کیا کہ گیلری کی روشنی ابھی کسی نے بجھائی ہے۔

وہ بہت احتیاط سے پھر زینوں کی طرف پلٹنے لگا۔ آگے بڑھنے میں دھوکا کھانے کا بھی ڈر تھا کیونکہ پوری گیلری تاریک پڑی تھی۔

نیچے سے ابھرنے والا شور بڑھتا جا رہا تھا۔ اُس نے زینوں پر بہت سے قدموں کی آواز سنیں۔ غالباً لوگ اوپر آ رہے تھے۔ اچانک کوئی حمید سے ٹکرایا۔ ساتھ ہی اُسے ایسا محسوس ہوا اس کی داہنی کنپٹی پر قیامت ٹوٹ پڑی ہو اس کے کانوں میں سیٹیاں سی بجنے لگیں۔ سر اس چکرایا کہ وہ توازن برقرار نہ رکھ سکا۔

پھر اُسے نہیں معلوم کہ اس کے بعد کیا ہوا۔

اُس کی نیند آنکھوں میں کسی قسم کی تکلیف کی وجہ سے اچٹ گئی۔ کھڑکی سے آنے والی دھوپ اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی تھی اور سورج آنکھوں کے سامنے چمک رہا تھا۔

یادداشت واپس آنے میں دیر نہیں لگی۔ وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ بیٹھا۔

سب سے پہلے اس کی نظر نیاگرا کے منیجر پر پڑی۔ جو قریب ہی ایک آرام کرسی میں پڑا ہوا اخبار دیکھ رہا تھا۔

حمید کو اٹھتے دیکھ کر وہ اخبار پھینک کر کھڑا ہو گیا۔

"کپتان صاحب! آپ آرام کیجئے۔ ڈاکٹر کا یہی مشورہ ہے۔" اُس نے کہا۔

"تو کیا میں ابھی نیاگرا ہی میں ہوں۔"

"جی ہاں! اب آپ کی طبیعت کیسی ہے۔"

"میں ٹھیک ہوں۔ مجھے حادثے کے متعلق بتایئے۔" حمید نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"حادثہ.... میرے خدا.... اب تک میرا ریشہ ریشہ کانپ رہا ہے۔ آپ اوپری گیلری میں بیہوش پائے گئے تھے۔ کرنل صاحب نہ ہوتے تو وہ خنجر آنریبل منسٹر ہی کے سینے میں پیوست ہوتا۔ پھر بھی.... آپ خود سوچئے کہ اس سے ہوٹل کا ریپوٹیشن کتنا خراب ہوا۔"

"وزیر تجارت بچ گئے نا۔"

"مگر محکمہ صنعت و تجارت کے ڈپٹی سیکریٹری.... وہ خنجر اُن کی گردن میں لگا اور وہ بیچارے اسی وقت ختم ہو گئے۔ خنجر غالباً زہریلا تھا۔ فریدی صاحب اس سے زیادہ کر بھی کیا سکتے تھے۔ پھر بھی اُن کی پھرتی کی داد دینی ہی پڑے گی۔ آنریبل منسٹر کے سر میں کافی چوٹ آئی ہے لیکن پھر بھی وہ کرنل کے بہت زیادہ شکر گذار ہیں۔ ظاہر ہے زندگی کے مقابلے میں سر کی چوٹ کیا اہمیت رکھتی ہے۔ لیکن یہ تو بتایئے کہ آپ....!"

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی اور منیجر یہ کہتا ہوا میز کی طرف لپکا۔ "غالباً کرنل ہی ہوں گے۔ ہر دس منٹ پر آپ کے لئے فون کر رہے ہیں۔"

وہ ریسیور اٹھا کر "ہاں.... ہاں" کرتا رہا پھر مڑ کر حمید سے بولا۔ "کرنل صاحب۔"

حمید نے اٹھ کر ریسیور اُس سے لے لیا۔

"ہیلو....!"

"حمید....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "تم بالکل ٹھیک ہو نا۔"

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"اچھا تو فوراً آجاؤ.... اپنے متعلق کسی سے گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیڈی وہیں ہوٹل کے گیراج میں ہے۔ جتنی جلد ممکن ہو پہنچ جاؤ۔"

"میں ابھی آیا۔" حمید نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

"ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا۔" منیجر بولا۔ "آپ بیہوش تھے۔ یہ معمہ سمجھ میں نہ آیا۔"

"میں کہاں بیہوش تھا۔"

"اوپر.... گیلری میں.... اسی حصے میں جہاں سے خنجر پھینکا گیا تھا۔"

"آج.... چھا.... خیر یہ واقعہ بھی کل کے اخبار میں آجائے گا۔ اچھا.... شکریہ۔ گیراج سے گاڑی نکلوا دیجئے۔"

نیا سیکریٹری

فریدی گھر ہی پر موجود تھا اور اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پچھلی رات پل بھر کے لئے بھی نہیں سویا۔

قبل اس کے کہ وہ حمید سے کچھ پوچھتا حمید ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ گیا۔

"تو وہ اُس وقت بھی گیلری ہی میں موجود تھا۔" فریدی نے ختم ہوئے ہوئے سگار کو ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے کہا۔ "دراصل غلطی مجھ ہی سے ہوئی تھی۔ میں بھیڑ کو کنٹرول نہ کر سکا۔ لوگ بے تحاشا گیلری میں پہنچ گئے اور مجرم کو اس بھیڑ میں گم ہو جانے کا موقع مل گیا۔"

"کیا آپ نے اسے خنجر پھینکتے دیکھ لیا تھا۔"

"ظاہر ہے.... ورنہ ڈپٹی سیکریٹری کی بجائے وزیر تجارت ہی رخصت ہو گئے ہوتے۔"

حمید کچھ دیر تک خاموش رہا پھر سر ہلا کر بولا۔ "آپ سراغ رساں نہیں بلکہ کوئی پہنچے ہوئے بزرگ معلوم ہوتے ہیں یا پھر اب ہم لوگ کسی جاسوسی ناول ہی کے کردار ہو کر رہ گئے ہیں۔"

"کیوں....؟"

"ارے جناب آپ کو پہلے ہی سے الہام ہو گیا تھا کہ وزیر تجارت پر حملہ ضرور ہو گا اور آپ کچھ اس طرح سے انتظام میں منہمک تھے جیسے اگر حملہ ہوا بھی تو آپ اسے ناکام بنا دیں گے اور وہی ہوا بھی۔"

"ہاں معلوم تو کچھ ایسا ہی ہوتا ہے اگر واقعات کا تجزیہ نہ کیا جائے تو دنیا کا ہر واقعہ معجزہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ حملے کے امکانات پر پہلے ہی روشنی ڈال چکا ہوں۔ اسباب بھی بتائے تھے۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ حملہ ہو ہی جائے گا اور پھر مجھے خنجر کی توقع تو تھی ہی نہیں.... ایسے مواقع پر عموماً زہر ہی استعمال کیا جاتا ہے اس کیلئے میں نے یقیناً کافی انتظامات کئے تھے اور کوئی بھی چیز طبی معائنے کے بغیر وزیر تجارت کے سامنے نہیں گئی۔ دوسرا امکان ریوالور کا ہو سکتا تھا۔ اس کیلئے بھی میں سب کچھ کر گذرا تلاشی لئے بغیر کسی کو بھی اندر نہیں جانے دیا تھا۔ بہتیرے تو اس پر بگڑ کر واپس ہی چلے گئے تھے۔ حمید صاحب اگر واقعی حملہ نہ ہوا ہوتا تو آج صبح کے اخبارات محکمہ سراغرسانی پر اس بُری طرح برستے کہ مزا ہی آجاتا۔ کل میں نے بڑے بڑے آدمیوں کی جیبیں ٹٹولی ہیں لیکن پھر بھی خنجر کسی نہ کسی طرح اندر پہنچ ہی گیا۔ ہو سکتا ہے وہ پہلے ہی سے کہیں چھپا دیا گیا ہو۔

"ہاں ٹھیک ہے۔" حمید بولا۔ "مگر سوال تو یہ ہے کہ ہر طرح مطمئن ہو جانیکے بعد بھی آپ نے کسطرح حملہ آور کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ مطمئن ہو جانے کے بعد نفسیاتی نکتہ نظر سے....!"

"میں سمجھ گیا کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔" فریدی نے اس کی بات کاٹ دی۔ "نفسیاتی ہی نکتہ نظر سے ایسے مواقع پر مطمئن ہو جانے کے بعد بھی اطمینان نہیں ہوتا۔ تم یہی کہنا چاہتے ہو نا کہ پھینکے ہوئے خنجر کی زد سے انہیں کیسے بچا لیا گیا۔"

"جی ہاں.... میں یہی پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"ایک معمولی سی مضحکہ خیز بات ہے۔ آنریبل منسٹر شروع میں بہت زیادہ سنجیدہ رہے۔ پھر آہستہ آہستہ اُن کا رویہ کچھ عوامی سا ہوتا گیا اور پھر ان کی سپورٹسمین اسپرٹ بالکل ہی بیدار ہو گئی اور وہ تقریر کرنے کے لئے میز پر جا چڑھے۔ میز پر چڑھنے کی ترغیب دینے والی ایک عورت تھی میں نے شروع ہی سے اسے منسٹر صاحب کے گرد منڈلاتے دیکھا تھا۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ وہ کچھ مضطرب سی ہے کسی سے گفتگو کرتے وقت بھی اس کے چہرے سے ذہنی پراگندگی صاف ظاہر ہوتی تھی۔ آنکھوں سے صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ مخاطب کی طرف متوجہ ہونے کے

باوجود بھی کوئی غیر متعلق بات سوچ رہی ہے جیسے ہی وزیر موصوف نے تقریر کرنے پر آمادگی ظاہر کی وہ پہلے سے زیادہ بے چین نظر آنے لگی لیکن پھر بھی وہ کافی گھل مل کر آنریبل منسٹر سے گفتگو کر رہی تھی.... اور پھر اس نے انہیں میز پر کھڑے ہو کر تقریر کرنے کا مشورہ دیا۔ وزیر موصوف کے عوامی جذبات اچھی طرح بیدار ہو گئے تھے اور غالباً وہ سچ مچ یہ محسوس کرنے لگے تھے کہ وہ اپنے خاندان کے افراد کے درمیان موجود ہیں اس لئے بے تکلفانہ ماحول پیدا کرنے کے لئے میز پر جا چڑھے۔ عورت ان کے قریب ہی قریب رہی۔ حالانکہ وہ میز کے نیچے تھی لیکن میز ہی پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی اور اس کی نظریں بار بار اوپری گیلری کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔ چہرے سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ اسے کسی بات کا انتظار ہے۔ کبھی کبھی وہ کنکھیوں سے وزیر موصوف کو بھی دیکھ لیتی تھی۔ وہ تقریر کر رہے تھے لیکن اس عورت کی بے چین آنکھوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ایک لفظ بھی نہیں سن رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ میری دلچسپی کافی بڑھ گئی ہو گی۔ پھر نہ صرف وہ عورت بلکہ اوپری گیلری بھی میری توجہ کا مرکز بن گئی۔ کچھ دیر بعد میں نے دبیز پردے کے پیچھے کسی چیز کی چمک دیکھی پردے کے پیچھے سے ایک ہاتھ نکلا.... اور میں نے آنریبل منسٹر کو میز سے دھکیل دیا۔"

"وہ عورت کون تھی؟" حمید نے پوچھا۔

"زوبی....!"

"زوبی....!" حمید نے متحیرانہ انداز میں کہا۔ "سر جمشید کی بہن.... وہ تو ایک بہت مشہور سیاسی لیڈر بھی ہے۔"

"وہی.... اور ایک بڑے پاگل کی بیوی بھی۔"

"پاگل کی بیوی.... کیا مطلب....!"

"مطلب بہت جلد واضح ہو جائے گا۔ تمہیں زوبی سے بہت قریب رہنا ہے۔"

"ہے تو اچھی خاصی! مگر نہیں! سیاست سے دلچسپی لینے والی عورتیں عموماً بور ہی ثابت ہوتی ہیں۔"

"اور تم بعض اوقات ان پر بھی سبقت لے جاتے ہو۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

کچھ دیر خاموش رہی پھر فریدی بولا۔ "جہاں تم بیہوش پائے گئے تھے وہاں ایک جوڑا سفید دستانے بھی ملے ہیں اور سب سے زیادہ دلچسپ چیز ایک پرس جس میں سو سو کے تین نوٹوں کے

علاوہ پانچ سنہرے سکے بھی موجود ہیں۔"

"سنہرے سکے۔" حمید نے مضطربانہ انداز میں دہرایا۔

"سنہرے سکے۔ غالباً حملہ آور بہت ہی بدحواسی کے عالم میں وہاں سے فرار ہوا ہے اور یہ سنہرے سکے.... یہ کسی انتہائی خطرناک تنظیم سے تعلق رکھتے ہیں۔"

"اور جس کا سربراہ آپ کو کھلے ہوئے الفاظ میں چیلنج کر چکا ہے۔" حمید بولا۔

"میری حقیقت ہی کیا ہے۔ پچھلی رات کے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسکا چیلنج حکومت کیلئے ہے۔ پہلے تو میں یہ سمجھا تھا کہ وہ کوئی ایسا مجرم ہے جو اپنی حرکات میں ڈرامائی انداز پیدا کر کے پولیس کو بیوقوف بنانا چاہتا ہے مگر اب.... مجھے اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور کرنا پڑے گا۔"

"خنجر کے دستے پر نشانات بھی نہیں ملے۔"

"قطعی احمقانہ سوال ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اس قسم کے مجمعے میں کسی پر حملہ کرنے والے اناڑی نہیں ہوا کرتے اور تمہاری معلومات میں اضافہ کے لئے یہ بھی کہتا چلوں کہ خنجر دستے سے پکڑ کر نہیں پھینکے جاتے۔"

"خیر.... لیکن اب آپ کیا کریں گے۔"

"فی الحال تمہارے دماغ کا علاج کرنا ہے میں نے پچھلی رات محض زینوں کی نگرانی کے لئے کہا تھا۔ تم آخر اوپر کیوں دوڑے گئے تھے۔"

"صرف اس لئے کہ صبح تک بیہوش رہنا چاہتا تھا۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "ورنہ آپ رات بھر مجھے بور کرتے رہتے۔"

فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور پھر بولا۔ "تم.... تمہاری سزا یہ ہے کہ تم اپنی زندگی سے بیزار ہو جاؤ اور میں آج ہی تمہیں یہ سزا دینے والا ہوں۔ تم کچھ دنوں تک سر فیروز کے پرائیویٹ سیکریٹری کے فرائض انجام دو گے۔"

"کیا مطلب! کون سر فیروز.... وہی زوبی کا شوہر نا۔"

"ہاں وہی....!"

"لیکن آپ نے ابھی اُسے ایک پاگل کی بیوی کہا تھا۔"

"فکر نہ کرو۔ وہ ایسا پاگل نہیں ہے کہ تمہارا منہ نوچنے کی کوشش کرے۔"

"اور پرائیویٹ سیکریٹری.... میں کچھ بھی نہیں سمجھا۔"

"تقریباً ایک ہفتے سے اس کی طرف سے اخبارات میں پرائیویٹ سیکریٹری کے لئے اشتہ شائع ہو رہا ہے۔"

"ابھی تک اسے کوئی آدمی نہیں ملا۔" حمید نے پوچھا۔

"یقیناً یہ تمہارے لئے حیرت کی بات ہوگی۔ لیکن اُس کے پاس کوئی بھی تین دن سے زیادہ نہیں ٹکتا۔"

"کیوں....؟" حمید کی دلچسپی بڑھ رہی تھی۔

"وہ خبطی ہے جس طرح وہ چاہتا ہے لوگ اس طرح نہیں رہتے اور بس اس کے علاوہ کوئی بات نہیں۔ اس کے پاس ابھی تک ڈاکٹر زیٹو[1] جیسی شخصیت کا کوئی آدمی نہیں پہنچا۔ مجھے توقع ہے کہ وہ تمہارے لئے بہترین قسم کی تفریح مہیا کرے گا۔"

"ایسی بات.... آچھا.... زوبی بھی ہے۔ خیر میں تیار ہوں۔"

"مگر ایک بات سوچ لو۔ میں یہ نہ سنوں کہ اس نے تمہیں تین دن ہی بعد نکال دیا۔ تمہیں ہر حال میں وہاں اس وقت تک ٹھہرنا پڑے گا جب تک میں چاہوں۔ مقصد زوبی کی نگرانی اور اس کے ملنے والوں کے متعلق معلومات بہم پہنچانا ہے۔"

"مگر اتنا تو آپ مجھے بتا ہی دیں گے کہ لوگ کس بناء پر وہاں نہیں ٹھہرتے۔"

"سر فیروز کا خبط۔ تم نے محض اس کا نام ہی سنا ہے یا کبھی دیکھا بھی ہے۔"

"نہیں دیکھا تو نہیں ہے۔"

"نہ دیکھا ہوگا۔ بہر حال میں صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ وہ نیم دیوانہ ہے۔ لیکن بے ضرر صرف دماغ چاٹتا ہے۔"

"فکر نہیں! میں تیار ہوں۔"

"مگر اصل مقصد سے لاپرواہ نہیں ہوگے۔"

"آپ مطمئن رہئے۔"

"اچھا.... اشتہار میں ملنے کا وقت تین سے چھ بجے تک دیا گیا ہے۔ تم آج ہی جاؤ گے۔ ا

---

[1] ڈاکٹر زیٹو کی دلچسپ داستان کے لئے جاسوسی دنیا کا ناول "چیختے دریچے" جلد نمبر 11 ملاحظہ کیجئے۔

میں کوتاہی نہ ہو اور وہاں.... میک اپ ضروری ہے حالانکہ میں خود بھی اس عطائی پن کو بیسویں صدی کے شایان شان نہیں سمجھتا مگر کیا کیا جائے۔ یہ معاملہ ہی ایسا ہے کہ اسکے بغیر کام نہیں چلے گا۔ ہم لوگ اب یہاں والوں کیلئے اجنبی نہیں رہے۔ مجھے سرکاری تقریبات نے برباد کیا اور تمہیں عورتوں نے.... ورنہ ہمارے پیشے کے لئے گمنام ہی قسم کی زندگی زیادہ مناسب ہوتی ہے۔"

"میک اپ کی فکر نہیں۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "مگر وہی پلاسٹک میک اپ ہونا چاہئے تاکہ مجھے روز روز محنت نہ کرنی پڑے اور ہاں... ایک استدعا اور ہے میک اپ میں کشش ضرور ہونا چاہئے۔"

"کیوں.... نہیں یہ ضروری نہیں۔"

"ضروری ہے جناب۔ میں لعنت بھیجتا ہوں اُس ساعت پر جب کوئی لڑکی مجھے ایک بار دیکھ کر دوسری بار نہ دیکھے۔ خدارا مجھ سے میری یہ مسرت نہ چھینئے گا۔"

"دیکھا جائے گا۔ تم ایک گھنٹے بعد تجربہ گاہ میں آجانا۔" فریدی نے کہتے ہوئے اسے چلے جانے کا اشارہ کیا۔

❁

سر فیروز کی عالی شان کوٹھی کے ایک کمرے میں تین نوجوان لڑکیاں مغموم بیٹھی تھیں۔

"میں تو اب خودکشی کر لوں گی۔" اُن میں سے ایک نے یک بیک کہا۔

"پھر ہم دو ہی رہ جائیں گی۔" دوسری ٹھنڈی سانس لے کر بولی اور تیسری بیساختہ ہنس پڑی۔ پھر وہ بھی سنجیدہ ہو کر دعا مانگنے کے سے انداز میں بولی۔ "اے پروردگار بھیج کسی کو۔ ایسے کو بھیج جو کم از کم ایک ہفتہ تو چل سکے۔"

"آمین....!" بقیہ دو لڑکیوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

"ورنہ....!" تیسری بڑبڑائی۔ "ٹھیک تین بجے سے چھ بجے تک میرے خدا میں بور ہو کر مر جاؤں گی۔ ارے خدا کے لئے تم دونوں میں سے کوئی آج میرے بدلے چلی جائے میں آج یونہی بور ہوں۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ متواتر دو دن تک اس کے عیوض جاتی رہوں گی۔"

"نہیں.... یہ ناممکن ہے۔" دونوں نے کہا۔

"اچھا....!" تیسری نے ایک طویل سانس لی اور خاموش ہو گئی۔

اتنے میں ایک نوکر کمرے میں داخل ہوا۔

"ایک آیا ہے۔" اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ شائد وہ دوڑ کر یہاں تک آیا تھا۔

"کون....!" ایک نے پوچھا۔

"سیکریٹری....!"

"ویری گڈ....!" تیسری اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

"لاؤ.... اُسے یہیں لاؤ۔" ایک بولی۔ "سب کچھ سمجھا دیں۔ کاش یہ تین ہی دن رک جائے۔"

نوکر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک نوجوان کے ساتھ پھر واپس آیا۔ لڑکیوں نے اجنبی پر تنقیدی نظریں ڈالیں۔ یہ پچیس سال سے زیادہ نہ ہوگا۔ چہرہ دلکش لیکن آنکھیں کچھ کھوئی کھوئی سی تھیں بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ خواب دیکھ رہا ہو۔ آنکھوں پر موٹے فریم اور دبیز شیشوں کی عینک تھی۔ کمرے میں داخل ہو کر سب سے پہلے اس نے عینک اتار کر شیشے صاف کئے پھر اسے دوبارہ ناک پر جما کر لڑکیوں کو باری باری سے گھورنے لگا۔

"آپ حضرات میں سے سر فیروز کون صاحب ہیں۔" اُس نے پوچھا۔

"سر فیروز....!" ایک لڑکی مسکرائی۔ "ہم میں سے.... کیا آپ کو نظر نہیں آتا کہ یہ لڑکیاں ہیں۔"

"میں لڑکیوں کا پرائیویٹ سیکریٹری بننا پسند نہیں کروں گا۔ سمجھے۔" وہ نوکر کو گھونسہ دکھا کر بولا۔

"چلے گا....!" ایک لڑکی گہری سانس لے کر آہستہ سے بولی۔

"تشریف رکھئے۔ سر فیروز سے پندرہ منٹ بعد ملاقات ہو سکے گی۔"

"تشریف....!" اجنبی نے حیرت سے دہرایا۔

"جی ہاں۔"

"مگر اشتہار میں تشریف کے متعلق کچھ نہیں تھا اور میں یہ بھی نہیں جانتا کہ تشریف کہتے ہیں۔"

"مطلب یہ ہے کہ بیٹھ جایئے۔ کیا آپ کو اردو نہیں آتی۔"

"کیا میں فرانسیسی میں گفتگو کر رہا ہوں۔" اجنبی جھلا گیا۔

"چلے گا۔ سو فیصدی چلے گا۔" ایک نے جھک کر دوسری کے کان میں کہا۔ "خدا کی قسم آجائے گا۔ اس گھر میں ہر وقت قہقہے گونجیں گے۔"

"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" اجنبی نے تیسری لڑکی کو للکارا۔

"تشریف رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ بیٹھ جایئے۔" اُس نے جواب دیا۔

"ایسی بات کس کام کی جس کا مطلب سمجھانا پڑے۔ لاحول ولا قوۃ.... تشریف رکھئے۔ گویا آدمی نہ ہوا.... آٹے کا بورا ہوا۔"

"سبھی بولتے ہیں۔"

"کتے بھی تو بھونکتے ہیں۔ آپ بھی بھونکئے۔" اجنبی جھنجھلا گیا۔ "کیا سر فیروز بھی اسی قسم کی بے تکی گفتگو کے عادی ہیں۔"

"نہیں وہ آپ سے زیادہ فلسفی ہیں۔" ایک لڑکی نے قہقہہ لگایا۔

"تب تو ٹھیک ہے۔ ورنہ مجھے انٹرویو کے دوران ہی میں واک آؤٹ کر جانا پڑتا۔"

"ارے تم کیا دیکھتے ہو۔" ایک لڑکی نے نوکر سے کہا۔ "چائے لاؤ۔"

"نہیں شکریہ۔" اجنبی بولا۔ "میں ابھی پرسوں ہی چائے پی چکا ہوں۔"

"کیا بات ہوئی۔" لڑکی اپنی ساتھیوں کی طرف دیکھ کر سوالیہ انداز میں بولی۔

"مجھ سے پوچھئے۔" اجنبی گرج کر بولا۔ "کیا آپ میرا مذاق اڑا رہی ہیں۔"

"نہیں جناب قطعی نہیں۔ ہم لوگ بھی ہفتے میں صرف ایک بار چائے پیتے ہیں۔ ویسے ہم نے سمجھا شاید آپ روزانہ پیتے ہوں۔"

"جب مجھے غصہ آتا ہے تو دن میں کئی بار چائے پیتا ہوں۔"

"کیا بات ہوئی۔" اُس لڑکی نے پھر اسی انداز میں کہا۔

"بات یہ ہوئی کہ جب مجھے غصہ آئے گا تو وہ باورچی ہی پر اترے گا۔ سمجھیں آپ۔ مطلب یہ ہے کہ میں اس طرح باورچی کو سزا دیتا ہوں۔"

"شادی ہو گئی ہے آپ کی۔" ایک نے پوچھا۔

"میں کیوں بتاؤں کہ نہیں ہوئی۔ ہرگز نہیں بتاؤں گا۔ آپ کو ذاتیات سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے۔"

لڑکیاں ہنسنے لگیں۔

"واہ وا.... اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔ آ گیا مجھے غصہ۔" اجنبی نوکر کی طرف جھلا کر پلٹا۔

"ابے کیا دیکھتا ہے چائے لا۔"

نوکر بھی ہنس پڑا۔

"چائے....!" اجنبی پھر دہاڑا۔ نوکر بدستور ہنستا رہا.... اور اجنبی نے "چائے لا، چائے لا" کی گردان کرتے ہوئے اپنا سر پیٹنا شروع کر دیا۔

خبطی بوڑھا

لڑکیوں کے قہقہے، اجنبی کی چیخم دہاڑ۔ خدا کی پناہ۔ ذرا سی دیر میں ایسا معلوم ہونے لگا جیسے وہاں چوپایوں کے ریوڑ کے ریوڑ گھس آئے ہوں۔

"سر فیروز.... سر فیروز....!" اجنبی حلق پھاڑ کر چیخا اور لڑکیاں یک بیک خاموش ہو گئیں اور نوکر تو کھسک ہی گیا۔

"کہاں ہیں سر فیروز.... میں اُن سے تم لوگوں کی شکایت کروں گا۔" اجنبی نے گرج کر کہا۔

"میں یہاں ہوں۔" کسی نے پشت سے کہا اور اجنبی یکلخت آواز کی طرف مڑا۔

دروازے میں ایک پستہ قد اور گٹھیلے جسم والا بوڑھا کھڑا تھا اور وہ اس طرح اپنی پلکیں جھپکا رہا تھا جیسے کافی دیر تک اندھیرے میں رہنے کے بعد یک بیک روشنی میں آ گیا ہو۔

اس کی پیشانی کافی کشادہ تھی اور مونچھوں کے سفید بال کمانوں کی طرح نچلے ہونٹ پر جھکے ہوئے تھے۔

"آپ سر فیروز ہیں۔" اجنبی نے پوچھا۔

"ہاں.... ہاں.... میں سر فیروز ہوں۔ اگر سر فیروز نہ ہوتا تو اس عمارت میں کیسے ہوتا۔ یہ سر فیروز کی کوٹھی ہے۔"

"آچ.... چھا! تو گویا یہاں ہونے کا یہ مطلب ہے کہ آپ سر فیروز ہیں۔ یہاں جو بھی پایا جائے وہ سر فیروز ہی ہوگا۔ یہ لڑکیاں سر فیروز ہیں۔ میں سر فیروز ہوں، آپ سر فیروز ہیں اور.... وہ کہاں گیا.... نوکر.... وہ بھی.... یعنی کہ....!"

"آپ کون ہیں۔" سر فیروز نے پوچھا۔

"آپ کے بیان کے مطابق میں سر فیروز ہوں۔ ورنہ یہاں کیوں پایا جاتا۔" اجنبی نے ائی سے کہا۔

"آپ کی تعریف....!" سر فیروز نے لڑکیوں کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"اوہ.... چچا جان۔" ایک لڑکی بولی۔ "یہ سیکریٹری ہیں۔ نئے سیکریٹری ہم نے انہیں منتخب ا ہے۔"

"سیکریٹری۔" سر فیروز مسرت آمیز لہجے میں چیخا اور اجنبی کی طرف اس طرح جھپٹا جیسے دنوں بعد کوئی بچھڑا ہوا دوست ملا ہو۔ وہ اجنبی سے بغل گیر ہو گیا، اور پھر اچانک کمرے میں عجیب قسم کی آواز گونجی۔ اجنبی سر فیروز کے شانے پر سر رکھے بلک بلک کر رو رہا تھا۔

"ہائیں.... ارے.... ارے.... بھئی۔ سر فیروز بوکھلا کر اس کی پیٹھ تھپکنے لگا۔ لڑکیاں ہکا دنوں کو گھور رہی تھیں۔"

"بس کرو.... بھائی.... بس میاں! ارے.... ارے.... تمہیں کیا تکلیف ہے۔"

"حلق میں کل سے تکلیف ہے.... ہینہ.... ہینہ....!" اجنبی ہچکیاں لیتا ہوا بولا۔ "کوئی دوا ہ نہیں کرتی۔"

"ہائیں.... یہ بات ہے۔" سر فیروز زور سے بولا۔ "زوبی.... زوبی.... تم کہاں ہو۔"

"چچی موجود نہیں ہیں۔" ایک لڑکی نے کہا۔

"ارے تم تو موجود ہو۔ فون کرو ناڈاکٹر کو۔ سیکریٹری کے حلق میں درد ہے۔ فوراً آیئے۔"

لڑکیاں حیرت سے ایک دوسری کو گھورتی ہوئی کمرے سے چلی گئیں۔

"بیٹھ جاؤ.... بیٹھ جاؤ۔" سر فیروز اجنبی کو چکارتا ہوا ایک صوفے کی طرف لے گیا اور پھر ے بٹھا کر خود صوفے کے ہتھے پر اس طرح بیٹھ گیا جیسے حلق کے درد کا مریض نقاہت کا بھی ار ہو اور اُسے کسی کے بازوؤں کے سہارے کی ضرورت ہو۔"

سر فیروز اُسے داہنے بازو کا سہارا دیتے ہوئے بائیں ہاتھ سے اس کا سر سہلا رہا تھا۔

لڑکیاں پھر واپس آ گئیں۔

"کر دیا فون....!" سر فیروز نے پوچھا۔

"جی ہاں....!" جواب ملا۔

اجنبی نے رونا بند کر دیا تھا۔ مگر اُسکی ناک سے اب بھی عجیب قسم کی آوازیں نکل رہی تھیں۔

"دیکھو....!" سر فیروز صوفے کے ہتھے سے اٹھتا ہوا بولا۔ "ڈاکٹر کے آنے تک سیکریٹری خیال رکھنا۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

"ضرور.... ضرور.... ہم خیال رکھیں گے۔" ایک لڑکی نے کہا۔

سر فیروز کمرے سے چلا گیا۔

لڑکیاں چند لمحے آپس میں اشارے کرتی رہیں پھر ایک سیکریٹری کی طرف بڑھی۔

"سیکریٹری صاحب! آپ کی تعلیم کہاں تک ہے۔" اُس نے پوچھا۔

"یہاں سے ہمالیہ پہاڑ تک۔"

"یعنی....!"

"کیا آپ مجھے جاہل سمجھتی ہیں۔ میں آئس کریم کا اسپیشلسٹ ہوں۔ سمجھیں محترمہ۔"

"سمجھ گئی۔" لڑکی سر ہلا کر بولی۔ "پھر آپ یہاں کیوں آئے ہیں.... اوہ ٹھیک! سمجھ سردیوں میں آئس کریم نہیں چلتی۔"

"کن لوگوں سے سابقہ پڑا ہے۔" سیکریٹری اکتائے ہوئے انداز میں بولا۔ "بھلا آئس کر کیسے چلے گی کیا وہ کوئی جاندار چیز ہے۔"

"آپ رونے کیوں لگے تھے۔" دوسری لڑکی نے پوچھا۔

"کون میں۔" سیکریٹری بگڑ کر بولا۔ "کہیں آپ گھاس تو نہیں کھا گئی ہیں۔"

"سیکریٹری! تم بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہے ہو۔" تیسری کو غصہ آ گیا۔

"میں سر فیروز کا سیکریٹری ہوں تمہارا نہیں۔"

"اگر میں چاہوں تو تم یہاں سیکریٹری نہیں ہو سکتے۔"

"ضرور چاہو۔ ہمیشہ چاہتی رہو۔ مجھے پرواہ نہیں۔"

اتنے میں نوکر نے ڈاکٹر کی آمد کی اطلاع دی۔

ڈاکٹر اور سر فیروز کمرے میں داخل ہوئے۔

سر فیروز ڈاکٹر سے کہہ رہا تھا۔ "ہاں.... آں.... بلایا تو تھا مگر یاد نہیں آ رہا ہے کہ کس لئے بلایا تھا۔"

"حلق میں درد....!" وہ لڑکی سیکریٹری کی طرف دیکھ کر بولی جس سے کچھ دیر قبل اس کی جھڑپ ہو چکی تھی۔

"جی ہاں۔ ان کے حلق میں درد ہے۔" سیکریٹری نے لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ.... ہاں.... ڈاکٹر۔" سر فیروز سر ہلا کر بولا۔ "اف فوہ.... بیٹی۔ مجھے افسوس ہے کہ ڈاکٹر کے آنے میں دیر ہوئی۔ ڈاکٹر ذرا اسے دیکھو تو.... پچھلی رات یہ روتی اور چیختی رہی تھی۔"

"ہاں.... اچھا....!" ڈاکٹر نے مصنوعی حیرت کا اظہار کیا۔ پھر لڑکی سے بولا۔

"کیا صرف تھوک نگلنے میں تکلیف محسوس ہوتی ہے یا ویسے بھی درد معلوم ہوتا ہے۔"

"ویسے بھی معلوم ہوتا ہے۔" سیکریٹری نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

ڈاکٹر لڑکی کے قریب پہنچ چکا تھا۔ لڑکی کھڑی ہو گئی۔

"بیٹھ جاؤ.... بیٹھ جاؤ۔" سر فیروز بولا۔

"ارے ان کے حلق میں درد ہے۔" لڑکی نے جھنجھلا کر کہا۔

"شرارت نہیں لڑکی۔" سر فیروز آنکھیں نکال کر بولا۔ "بیٹھ جاؤ۔"

"میں اچھی بھلی ہوں چچا جان۔"

"پھر وہی بکواس۔ بیٹھ جاؤ۔" سر فیروز نے جھنجھلا کر کہا۔

"بیٹھ جایئے نا۔" سیکریٹری نے ٹکڑا لگایا۔ "بزرگوں کی بات ٹالنا بد نصیبی کی علامت ہے۔"

لڑکی اُسے قہر آلود نظروں سے گھورتی ہوئی بیٹھ گئی۔ دوسری لڑکیاں منہ دبائے ہنس رہی تھیں۔

"منہ کھولئے۔" ڈاکٹر نے لڑکی کی ٹھوڑی پکڑ کر کہا۔ "اُس کے داہنے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی ٹارچ تھی جسے وہ اُس کے چہرے کے برابر اٹھائے ہوئے تھا۔"

"چلو منہ کھولو جلدی....!" سر فیروز گرجا۔

لڑکی نے منہ کھول دیا۔ ڈاکٹر ٹارچ روشن کر کے کچھ دیکھتا رہا۔ پھر تشویش آمیز انداز میں سر ہلا کر الگ ہو گیا۔

"کیا رات بھر روتی چیختی رہی ہیں۔" اُس نے سر فیروز سے پوچھا۔

"ہاں.... ڈاکٹر....!"

"تب تو میرا خیال ہے کہ حلق میں پھوڑا بن رہا ہے۔"

"میں کہتی ہوں.... کیا بے تکی....!"

"تم چپ رہو۔" سر فیروز گرجا۔ "یقیناً پھوڑا بن رہا ہے۔ انتہائی خطرناک ڈاکٹر فوراً کوئی تدبیر ہونی چاہئے۔"

"فی الحال تھروٹ پینٹ لگا کر دیکھتا ہوں۔" ڈاکٹر اپنے بیگ سے کسی دھات کی سلائی نکال کر اس کے سر پر روئی لپیٹتا ہوا بولا۔

"میں کہتی ہوں۔"

"پھر وہی بکواس.... خاموش رہو۔" سر فیروز نے پھر اُسے ڈانٹ دیا۔

ڈاکٹر روئی کی پھریری تھروٹ پینٹ میں ڈبو کر لڑکی کی طرف بڑھا۔

"منہ کھولئے۔"

لڑکی نے منہ کھول دیا اور تھروٹ پینٹ کی پھریری اُس کے حلق میں اترتی چلی گئی۔ اُسے ابکائی آگئی اور ڈاکٹر اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ لڑکی اسے دھکا دیتی ہوئی اٹھ کر بھاگی۔

"میں عاجز آگیا ہوں ان لڑکیوں سے۔" سر فیروز نے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔

"یہ دونوں بھی کچھ بیمار سی نظر آرہی ہیں۔" سیکریٹری نے لقمہ دیا۔

"جہنم میں جائیں۔" سر فیروز بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "لیکن تم کون ہو۔"

"اوہو.... میں تو آپ کا سیکریٹری ہوں۔"

"تو یہاں بیٹھے کیوں جھک مار رہے ہو۔ میرے ساتھ آؤ.... اور ڈاکٹر اس کے لئے تم مناسب سمجھو کرو۔ یہ لڑکیاں میرے بس سے باہر ہو گئی ہیں۔"

وہ سیکریٹری کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

دونوں آگے پیچھے ایک کمرے میں داخل ہوئے۔ اس کمرے کی وضع بھی انوکھی تھی۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ کسی کمہار کی دوکان ہو۔ ہر طرف مٹی کے کھلونوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ میز پر کھلونے۔ صوفوں پر کھلونے۔ فرش پر کھلونے۔ الماریوں میں کھلونے اور یہ سب مٹی کے تھے۔

"بیٹھ جاؤ۔" سر فیروز نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

سیکریٹری نے مٹی کے کھلونے ایک طرف کھسکا دیئے اور بیٹھتا ہوا بولا۔ "آج موسم

خوشگوار ہے۔"

"ڈکٹیشن....!" سر فیروز نے میز پر رکھے ہوئے کاغذ قلم اور دوات کی طرف اشارہ کیا۔

سیکریٹری کاغذ اور پنسل سنبھال کر بیٹھ گیا۔

"لکھو.... گنگاوتی کو بعد سلام شوق معلوم ہو کہ میں کھلونوں کی دیکھ بھال اچھی طرح کر رہا ہوں۔ کیا لکھا.... ہاں ٹھیک ہے.... آگے لکھو.... میں اب اپنی زندگی سے بیزار ہو گیا ہوں۔ آؤ اپنی دوکان سنبھالو.... کیا لکھا.... ہاں.... ٹھیک ہے.... بس کرو.... اتنا کافی ہے۔"

سر فیروز خاموش ہو گیا۔ وہ کچھ سوچتا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد چونک کر بڑبڑانے لگا۔ "دو دو آنے.... چار چار آنے.... دو دو آنے.... چار چر آنے.... دو دو آنے چار چر آنے۔"

سیکریٹری کافی دلچسپی سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ آہستہ آہستہ سر فیروز کی آواز بلند ہوتی گئی۔ اس کے سامنے میز پر مٹی کے کھلونوں کی قطار تھی اور وہ "دو دو آنے چار چار" کی ہانک لگا رہا تھا۔

تھپڑ اور مینڈھے

رات کہر آلود تھی۔ سردی سے در و دیوار تک ٹھٹھرے ہوئے تھے۔ ابھی زیادہ وقت نہیں گذرا تھا لیکن پھر بھی شہر کی رونق پر اضمحلال اور پژمردگی کا حملہ ہو چکا تھا۔ شاہراہوں پر کہر میں لپٹی ہوئی روشنی اونگھتی سی معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن شراب خانے، ہوٹل اور نائٹ کلب اَب بھی آباد تھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے شاہراہوں کی روح کھینچ کر ان عمارتوں میں اُتر آئی ہو۔

فٹ پاتھ قریب قریب ویران ہو چکے تھے۔ فرینکلن بار کے سامنے والے فٹ پاتھ پر ایک دراز قد آدمی دیر سے کھڑا شائد کسی کا منتظر تھا۔ اس کے جسم پر سیاہ رنگ کا لمبا کوٹ تھا اور سر پر خاکستری وضع کا گہرا نیلا فلٹ ہیٹ۔

تھوڑی دیر بعد ایک کار آکر اسی کے قریب رک گئی۔

"بہت انتظار کرایا لیڈی زوبی۔" وہ آدمی کار کی اگلی نشست کا دروازہ کھولتا ہوا بولا۔

"ہاں مجھے پندرہ منٹ تک ایک ضروری کام میں الجھا رہنا پڑا۔" کار کے اندر سے ایک مترنم سی آواز آئی۔

وہ آدمی زوبی کے برابر بیٹھ گیا اور کار پھر چل پڑی۔ زوبی ہی کار ڈرائیو کر رہی تھی اس کی عمر پچیس اور تیس کے درمیان رہی ہوگی۔ خاصی پُرکشش عورت تھی تھوڑے سے بال ہمیشہ اس کی پیشانی پر بکھرے رہتے تھے۔ رہن سہن کے طریقے سے خود کو انٹلکچوال ظاہر کرنے کی عادی تھی ہمیشہ اعلیٰ قسم کا لباس بے ڈھنگے پن سے استعمال کرتی تھی۔ زیورات کی بھی شائق تھی۔ لیکن پیروں میں عموماً گھٹیا قسم کے سستے چپل ہوا کرتے تھے۔

"آج کہاں چلنا ہوگا۔" مرد نے پوچھا۔

"ابھی مجھے نہیں معلوم۔" زوبی نے جواب دیا۔

"میں اکثر سوچتا ہوں لیڈی زوبی....!"

"کیا سوچتے ہیں۔"

"طاقت کے متعلق....!"

"فضول ہے۔ طاقت ایک تنظیم کا نام ہے۔" زوبی نے کہا۔ "جو لوگ اسے کسی ایک فرد سے منسوب کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔"

"لیڈی زوبی! احکامات تو کسی فرد واحد ہی سے ملتے ہیں۔"

"ہر تنظیم کا ایک سربراہ ہوا کرتا ہے۔"

"وہ کون ہے۔"

"ہوگا کوئی۔ اس سے غرض ہی کیا ہے۔"

"میرا تو خیال ہے کہ ہم گیارہ آدمیوں میں سے ایک یقیناً سربراہ ہے۔" مرد نے کہا۔

"مجھے یقین ہے.... کہ آپ غلطی پر ہیں۔"

"کیوں.... میں غلطی پر کیوں ہوں۔"

"ہم گیارہ کی موجودگی میں بھی اُس کی آواز ٹرانسمیٹر میں سنائی دیتی ہے۔" زوبی نے کہا۔

مرد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر اُس نے کہا۔ "لیڈی زوبی یہ تو ہو سکتا ہے کہ ہم اُس کے پیغامات کے ریکارڈ ٹرانسمیٹروں پر سنتے ہیں۔"

"ہوگا.... ہمیں اس سے بحث ہی کیوں ہو۔" زوبی نے لاپروائی سے کہا۔

"لیڈی زوبی۔ میں اکثر سوچتا ہوں اگر وہ ہمیں پھنسا کر خود کبھی الگ ہو گیا تو۔"

"آپ کے خیالات.... مجھے افسوس ہے۔ افسوس کی بات ہے اگر گیارہ بڑوں میں سے کوئی اس قسم کے خیالات کا اظہار کرے۔"

"ہاں واقعی افسوس کی بات ہے۔" مرد نے کہا۔ "لیکن.... کیا یہ ممکن نہیں کہ مجھے گیارہ بڑوں کی فہرست سے نکال دیا جائے۔"

"یہ آپکی مرضی پر منحصر ہے۔ اگر کہئے تو آج ہی کی میٹنگ میں اس معاملے کو پیش کروں۔"

"مگر اس کا ردعمل کیا ہوگا۔"

"آپ کی علیحدگی۔"

"مجھے اس میں شبہہ ہے۔" مرد بولا۔

"کیوں؟ کیسا شبہہ۔"

"ممکن ہے آپ لوگوں کو خیال ہو کہ میں علیحدگی اختیار کرنیکے بعد طاقت کا راز فاش کردوں۔" زوبی ہنسنے لگی۔

"یہ تنظیم اتنی کچی نہیں ہے۔ آپ ثبوت کہاں سے فراہم کریں گے۔ کیا لیڈی زوبی کے کردار پر کوئی شبہہ کر سکے گا۔ کیا نو بڑے آدمیوں کے متعلق کوئی ایسا سوچ سکے گا۔ ہرگز نہیں۔ اگر آپ نے ہمارے متعلق کچھ کہنا بھی چاہا تو لوگ آپ کو پاگل سمجھیں گے۔"

مرد بھی کسی سوچ میں پڑ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "اچھا لیڈی زوبی میں شکر گذار ہوں گا اگر آپ گیارہ بڑوں کی فہرست سے میرا نام خارج کرا سکیں۔"

"ہو جائے گا۔ مطمئن رہئے۔ لیکن میں تنظیم سے اس بیزاری کی وجہ ضرور پوچھوں گی۔"

"بیزاری نہیں ہے۔ اگر مجھے سربراہ کی شخصیت کا علم ہو جائے تو میں تنظیم کے لئے جان بھی لڑا سکتا ہوں۔"

"سربراہ کی شخصیت تنظیم کے بغیر کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ ہم سربراہ کے نہیں تنظیم کے وفادار ہیں۔ سربراہ کوئی بھی ہو۔"

"یہ بات نہیں ہے.... آخر وہ کھل کر سامنے کیوں نہیں آتا۔"

"یہ بھی تنظیم ہی کا ایک جزو ہے۔"

"اس کا یہ مطلب ہوا کہ سربراہ کو ہم پر اعتماد نہیں ہے۔" مرد بولا۔

"آپ واقعی اس قابل نہیں ہیں کہ آپ کا شمار تنظیم کے بڑوں میں کیا جائے۔"

"کیوں....؟" مرد کے لہجے میں تحیر تھا۔

"آپ تنظیم کے بنیادی فلسفے ہی سے واقف نہیں ہیں۔"

"کیا تنظیم کا کوئی فلسفہ بھی ہے۔" مرد کے لہجے میں طنز تھا۔

"قطعی ہے اور اس کا تعلق براہِ راست تنظیم کے سربراہ کی شخصیت سے ہے۔"

"میں ضرور معلوم کرنا چاہوں گا۔"

"تنظیم کے سربراہ کی شخصیت ہمیشہ پردہ راز میں رہے گی وہ کبھی عام آدمیوں کے نہیں آئے گا کیونکہ عمومیت آدمی کو بے وقعت کر دیتی ہے۔ لوگوں پر نہ انسانیت حکومت ہے نہ شرافت بلکہ خوف حکومت کرتا ہے۔ اندیکھی شخصیتوں کا خوف ہی لوگوں کو گ جھکائے رکھنے پر مجبور کر سکتا ہے اس لئے ہماری تنظیم کا سربراہ کھل کر کبھی سامنے نہ آئے"

"تو وہ حکومت کرنا چاہتا ہے۔" مرد نے پوچھا۔

"کر رہا ہے۔ ملک پر اس کے علاوہ اور کس کی حکومت ہے جو وہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے چاہے گا وہی ہوگا۔ مثال کے طور پر نئی تجارتی پالیسی ہی کو لے لیجئے۔ میرا دعویٰ ہے ک اعلان کبھی نہ ہو سکے گا۔"

"مگر.... وزیر تجارت تو بہر حال بچ گیا۔"

"پرواہ نہیں.... کوئی دوسرا طریقہ اختیار کیا جائے گا۔ نئی تجارتی پالیسی فائیلوں ہی رہ جائے گی۔"

مرد تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر ہنسنے لگا۔

"لیڈی زوبی۔ میں ابھی تک مذاق کر رہا تھا۔ تنظیم سے علیحدگی کا ارادہ نہیں رکھتا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن اس کا افسوس ضرور ہے کہ ابھی تک میں تنظیم کے بنیادی سے ناواقف تھا۔"

"خیر.... کوئی بات نہیں۔ بہتیرے ناواقف ہیں بات دراصل یہ ہے کہ ہمارا دستور نہیں۔ بہر حال اگر آپ مزید معلومات چاہتے ہیں تو کبھی اطمینان سے ملئے تب میں آپ گی کہ یہ تنظیم کتنی ہمہ گیر اور ٹھوس ہے۔"

"میں ضرور ملوں گا لیڈی زوبی۔"

"اوہ.... ہم غالباً دوسری منزل پر پہنچ گئے۔" زوبی نے کہا۔ کار ایک گلی میں داخل ہو رہی تھی۔ تھوڑی دور چل کر زوبی نے کار روک دی پھر اُس نے سامنے والے مکان کے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "اس دروازے پر تین بار دستک دیجئے۔ یہیں سے ہمیں میٹنگ کے مقام کا پتہ معلوم ہوگا۔ ذرا جلدی کیجئے۔"

مرد کار سے اتر کر دروازے کی طرف بڑھا۔ زوبی اپنے ونٹی بیگ سے ریوالور نکال چکی تھی۔ ابھی وہ دروازے کے قریب بھی نہیں پہنچا تھا کہ پے در پے دو فائر ہوئے۔ ایک چیخ بلند ہوئی اور زوبی کی کار فراٹے بھرتی ہوئی گلی پار کر گئی۔

"تمہارا نام گیارہ بڑوں کی فہرست سے خارج کر دیا گیا۔" زوبی نے پر سکون لہجے میں بڑبڑائی اور اس کی کار سنسان سڑک پر دوڑتی رہی۔

تقریباً بیس منٹ بعد وہ ایک عظیم الشان عمارت کے سامنے رکی جس کے پھاٹک پر "ضرغام" کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔

وہ کار سے اتر کر برآمدے میں آئی۔ یہاں ایک ملازم نے اسے اوور کوٹ اتارنے میں مدد دی اور دوسرا نوکر اُسے اس کمرے میں لے گیا جہاں پہلے ہی سے نو آدمی موجود تھے۔ نصرت خان میز کے آخری سرے پر تھا یعنی وہی اس میٹنگ کی صدارت کر رہا تھا۔ زوبی کو دیکھ کر نصرت خان کے علاوہ اور سب کھڑے ہو گئے۔ زوبی ایک خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"میرا خیال ہے کہ اب کاروائی شروع کر دی جائے۔" ایک آدمی بولا۔ "وقت ہو گیا ہے اب گیارہویں کا انتظار کب تک کیا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" نصرت خان بولا۔ وہ زوبی کی طرف دیکھ کر عجیب انداز میں مسکرایا تھا۔

"میٹنگ کا مقصد....!" نصرت خان نے آہستہ سے کہا۔ "اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ نئی تجارتی پالیسی کے اعلان کو روکنے کے لئے کوئی مؤثر قدم اٹھایا جائے۔"

"سب سے پہلے ہم پچھلی رات والے حملے کی ناکامی کے اسباب معلوم کرنا چاہیں گے۔" ایک آدمی نے کھڑے ہو کر کہا اور پھر بیٹھ گیا۔

"اس واقعے کو نہ چھیڑا جائے تو بہتر ہے۔" نصرت خان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"میں بتاتی ہوں۔" زوبی نے کہا۔ "یہ سب کچھ ایک نامعقول آدمی کی دخل اندازی کی بنا پر ہوا تھا۔ ورنہ حملے کی کامیابی میں شبہ بھی نہ کیا جاسکتا۔"

"وہ آدمی تو آئندہ بھی روڑے اٹکاتا رہے گا۔" سوال کرنے والے نے کہا۔

"اُس کے لئے بھی کچھ سوچا جائے گا۔" زوبی نے جواب دیا۔

"مگر....!" ایک دوسرے آدمی نے کہا۔ "کیا وہ سازش سے پہلے ہی باخبر ہو گیا تھا۔"

"یہ ناممکن ہے۔" نصرت خان غرایا۔

"پھر کیا وہ.... کسی غیر انسانی قوت کا مالک ہے۔ یہ تو بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ خود پھینکے جانے کا منتظر ہی رہا ہو۔"

"محض اتفاق!" زوبی نے کہا۔

نصرت خان غصے میں بھن رہا تھا لیکن زوبی بار بار اُس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیتی تھی۔ وہ اپنی ناکامی کا تذکرہ نہیں سننا چاہتا تھا۔ زوبی چند لمحے خاموش رہی پھر اُس نے کہا۔

"دراصل ہم سے شروع ہی میں غلطی ہوئی۔ تجارتی پالیسی کے اعلان کو روکنے کا طریقہ ناقص تھا۔ ہمیں اس طرح کام کرنا چاہئے کہ ملک میں ہر اس نہ پھیلے اس طرح ہم فریدی جیسے آدمیوں کی بھی نظر سے بچے رہیں گے۔"

اس جملے پر نصرت خان نے جھلا کر کچھ کہنا چاہا لیکن زوبی نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"اب میرے ذہن میں ایک دوسری اسکیم ہے۔" زوبی پھر بولی۔ "میرا دعویٰ ہے کہ اگر کامیاب ہو جائے تو نئی تجارتی پالیسی کا مسودہ کسی ردی فروش کی دوکان ہی پر بک سکے گا اور ہم کسی کو منظر عام پر بھی آنے کی ضرورت نہ پیش آئے گی۔"

"پہلے ہی وہی اسکیم بنائی ہوتی۔" کسی نے زوبی سے کہا۔

"غلطیاں آدمی ہی کرتے ہیں۔" زوبی خشک لہجے میں بولی۔ لیکن اس کا موڈ جلد ہی ٹھیک ہو گیا۔ وہ چند لمحے کچھ سوچتی رہی پھر اس نے کہا۔ "اگر ہماری حکومت کے تعلقات ایک ملک سے خراب ہو جائیں تو نئی تجارتی پالیسی کو بے بسی کی موت مرنا پڑے گا۔"

ان میں سے ایک آدمی ہنسنے لگا۔

"میں آپ کی ہنسی کا مطلب نہیں سمجھی۔" زوبی نے کہا۔

"کچھ نہیں.... آپ بیان جاری رکھئے۔" اُس نے جواب دیا۔

زوبی نے اپنے شانوں کو لاپروائی کے اظہار میں جنبش دی اور بولی۔ "سوال پیدا ہوتا ہے کہ تعلقات کیسے خراب کرائے جائیں۔ طریقہ نہایت آسان ہے لیکن طریقہ صرف ان حضرات کو بتایا جاسکے گا جو اس کے لئے کچھ کام کر سکیں۔"

"طریقہ معلوم کئے بغیر ہم کام کرنے کا اندازہ کیسے کر سکتے ہیں۔" ایک آدمی بولا۔

"یہ میں جانتی ہوں کہ آپ میں سے کون اس کے لئے مناسب ہے۔ بہر حال جو لوگ مناسب ہیں انہیں کے سامنے اسکیم رکھی جاسکتی ہے۔"

"پھر ہم سب کو بلانے کی کیا ضرورت تھی۔" ایک نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"طاقت کا حکم۔" زوبی آہستہ سے بولی۔

پھر اس پر کسی کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا۔

زوبی نے کہنا شروع کیا۔ "سر جگدیش، پرنس جیپال سنگھ، سیٹھ گنگولی.... آپ تینوں حضرات اس کام کے لئے منتخب کئے گئے ہیں۔ کل ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے رات کو آپ برکلے ہاوز میں تشریف لائیں گے اور بقیہ حضرات اگر اسے بے اعتمادی تصور کریں تو یہ ان کی زیادتی ہو گی اگر یہ بے اعتمادی ہے تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ ہمارا سربراہ ہم میں سے کسی پر بھی اعتماد نہیں کرتا کیونکہ وہ آج تک ہمارے سامنے نہیں آیا۔"

"نہیں.... یہ بات نہیں.... ہم مطمئن ہیں۔" سب نے یک زبان ہو کر کہا۔

"کچھ دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر مجلس برخاست ہو گئی۔ زوبی کے علاوہ سب چلے گئے۔"

ضرغام خاموش بیٹھا زوبی کو گھور رہا تھا۔

"تمہاری تیز مزاجی سے میں تنگ آگئی ہوں۔" زوبی اٹھلائی۔

"چپ رہو۔ پتہ نہیں کیوں میں تمہارا اتنا خیال کرتا ہوں۔" نصرت غرایا۔

"نہیں ضرغام ڈیئر! غصہ اچھی چیز نہیں۔"

"پرنس شمشاد کیوں نہیں آیا۔" ضرغام نے پوچھا۔

"میں نے اس کا نام فہرست سے خارج کر دیا ہے۔" زوبی ہنس پڑی۔ "احتیاطاً ایک فائر اور

کر دیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ صبح اس کی اکڑی ہوئی لاش ملے گی۔"

"اسی لئے بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہی ہو۔" نصرت خان نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"نہیں ڈیئر! مجھے طاقت سے جو حکم ملا تھا اُس کے مطابق....!"

"طاقت...!" ضرغام تمسخر آمیز انداز میں ہنسا۔ "میرے سامنے یہ مضحکہ خیز نام نہ دہرایا کرو۔"

"ضرغام میں تمہیں بہت چاہتی ہوں۔ لیکن طاقت کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سن سکتی۔"

"تم کیا کرو گی میرا....!" ضرغام غرایا۔

"میں تم سے درخواست کروں گی کہ طاقت کا احترام کرنا سیکھو۔"

"اب میں کتے کے پلے کا بھی احترام کرونگا کیونکہ اب میں خود اپنی نظروں میں ذلیل ہو گیا ہوں۔"

"کیوں....؟"

"میرا نشانہ خطا کرنے لگا ہے۔"

"فضول بک رہے ہو۔ اگر فریدی اسے دھکیل نہ دیتا تو تمہارا خنجر ٹھیک سینے ہی پر اترتا۔"

"فریدی....!" نصرت خان دانت پیس کر رہ گیا۔

"پرنس جیپال کا کہنا کسی حد تک صحیح معلوم ہوتا ہے۔ شائد فریدی ہماری راہ پر ہے۔ کسی طرح ہماری اسکیم کا علم ہو گیا تھا۔"

"اب میری راہ....! تم لوگوں سے الگ ہو گئی ہے۔" نصرت خان بولا۔ "تم تجارتی با کے چکر میں ہو.... اور میرا شکار.... میں اُسے ہر حال میں مار ڈالوں گا۔"

"کسے.... فریدی کو۔"

"ہاں.... میں اسے....!"

"ٹھہرو! ضرغام میری بات سنو۔ اگر اس سے بھڑے بغیر ہی ہمارا کام چل جائے تو ہمیں سے بھڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اس طرح ہو سکتا ہے کہ ہمارے کام میں رکاوٹ پڑے فریدی کے ایک نہیں ہزاروں دشمن ہیں لیکن آج تک اسے کوئی بھی ٹھکانے نہیں لگا سکا۔ جو اس سے بھڑا خود فنا ہو گیا۔ شہر کے بُرے آدمی اُسے "ہزار آنکھوں" والے کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ تم اس سلسلے میں طاقت سے مشورہ کئے بغیر کوئی قدم نہ اٹھانا۔"

"میں تمہارے طاقت کی طرح چوہا نہیں ہوں۔"

"ضرغام.... اپنی زبان بند کرو۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میری محبت....!"

"خاموش رہو۔ کیا تم مجھے بھی پرنس شمشاد سمجھتی ہو۔"

"میں طاقت کے لئے توہین آمیز الفاظ نہیں سن سکتی۔"

دوسرے لمحے میں زوبی کے داہنے گال پر ایک زوردار تھپڑ پڑا اور وہ کرسی سے لڑھک گئی۔

نصرت خان اسے بالوں سے پکڑ کر دوبارہ اٹھاتا ہوا بولا۔ "میں بدتمیز محبوباؤں سے اسی طرح پیش آتا ہوں۔"

"ہاں.... ہاں.... مارو....!" زوبی ہانپتی ہوئی بولی۔ "رک کیوں گئے۔ اُس وقت تک مارتے رہو جب تک میں مر نہ جاؤں لیکن طاقت....!"

"طاقت....!" اس کے گال پر دوسرا تھپڑ پڑا۔

❁

گیارہ بجے زوبی اپنی کوٹھی میں واپس آئی۔ اُس کا موڈ بہت زیادہ خراب تھا۔ اُسے اپنے گالوں پر اتنا پوڈر اور روژ تھوپنا پڑا تھا کہ اپنی شکل سے خود ہی گھن آنے لگی۔ لیکن یہ نہ کرتی تو نصرت خان کی انگلیوں کے نشانات کس طرح چھپتے۔

جیسے ہی اُس نے راہداری میں قدم رکھا اُسے عجیب قسم کا شور سنائی دیا۔ یہ اس کے لئے ایک انوکھی بات تھی۔ اُس کے قدم آواز کی طرف اٹھنے لگے۔

اور پھر ہال میں اُس نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ وسط میں دو مینڈھے ایک دوسرے کو ٹکر مار رہے تھے۔ ایک سرے پر سر فیروز کھڑا تھا اور دوسرے سرے پر ایک نوجوان جسے زوبی نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ سر فیروز کی تینوں بھتیجیاں، عالیہ، شہرزاد اور نوشابہ بھی وہاں موجود تھیں۔

"پکڑیئے۔" دفعتاً نوجوان نے للکار کر کہا۔ "پکڑیئے... جناب آپکا مینڈھا فاؤل کر رہا ہے۔"

"ارے جاؤ جاؤ۔" سر فیروز ہاتھ ہلا کر بولا۔ "تمہارا خود فاؤل کرتا ہوگا۔"

لڑکیاں زوبی کے نزدیک آ گئیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" زوبی نے پوچھا۔

"مینڈھے لڑ رہے ہیں۔" نوشابہ بولی۔

"یہ تو میں بھی دیکھ رہی ہوں۔ مگر یہ بالکل نئی حرکت ہے۔ یہ آدمی کون ہے۔"

"چچا کا نیا سیکریٹری....!" شہزاد نے کہا۔ "پہلے سیکریٹری بھاگتے تھے مگر اب شاید سیکریٹری کی وجہ سے ہم سب کو گھر چھوڑ کر بھاگنا پڑے گا۔"

"دیکھئے آپ کا مینڈھا زیادتی کر رہا ہے۔" سیکریٹری جھلا کر بولا۔

"کون سا....؟" سر فیروز نے پوچھا۔

"وہ.... چتکبرا....!" سیکریٹری نے جواب دیا۔

"ارے.... بکو نہیں.... وہ تمہارا ہے۔"

"ہرگز نہیں آپ کا ہے۔"

"پھر وہی بکواس۔ میں کہتا ہوں وہ تمہارا ہے۔"

"اچھا ثابت کیجئے کہ وہ میرا ہے۔"

"ثابت ہو گیا.... چلو ٹھیک ہے۔"

"آپ ٹھیک سمجھتے ہیں تو ٹھیک ہی ہو گا۔" سیکریٹری نے بے بسی سے کہا۔

اس دوران میں شہزاد زوبی کو عالیہ کے حلق میں تھروٹ پینٹ لگنے کا لطیفہ سناتی رہی۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ نئے سیکریٹری نے سر فیروز کو مشورہ دیا ہے کہ کوٹھی کا کوئی گوشہ مٹی کے کھلونوں سے خالی نہ رہے۔ چنانچہ کل سے اس پر عملدرآمد شروع ہو جائے گا۔

"یہ آخر ہے کون.... کہاں سے آیا ہے؟" زوبی بڑبڑائی۔

"مجھے تو کوئی کالج اسٹوڈنٹ معلوم ہوتا ہے، جو تفریح اور وقت گذاری کے لئے یہاں آگیا ہے۔" عالیہ نے کہا۔

زوبی تشویش آمیز نظروں سے سیکریٹری کو دیکھتی رہی۔

"زوبی....!" دفعتاً سر فیروز نے اُسے آواز دی۔

"فرمائیے۔" زوبی کا لہجہ تنفر آمیز تھا۔

"میں نے تمہارے لئے بھی ایک مینڈھا منگوایا ہے۔"

زوبی کچھ کہے بغیر ہال سے چلی گئی۔ وہ سیکریٹری کی وجہ سے الجھن میں پڑ گئی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ نچلے طبقے کے لوگ بڑے آدمیوں کے کتوں سے بھی بے تکلف ہونے کی ہمت نہیں رکھتے۔ آخر یہ ہے کون۔ ویسے سر فیروز کی طرح وہ بھی اسے دیوانہ ہی معلوم ہوا تھا مگر اس

آنکھوں میں کوئی ایسی بات نہیں دکھائی دی تھی جو اُس کے دماغی خلل کی طرف اشارہ کرتی۔ وہ سوچنے لگی۔ ممکن ہے عالیہ ہی کا خیال درست ہو۔

وہ بڑی دیر تک اپنی خواب گاہ میں ٹہلتی رہی۔ کوٹھی پر سکوت مسلط ہو چکا تھا۔ مینڈھوں کی لڑائی شاید ختم ہو چکی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ زبردستی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نیند سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ساتھ ہی بار بار گھڑی کی طرف بھی دیکھتی جا رہی تھی۔

پھر ٹھیک ڈیڑھ بجے اٹھ کر ایک بڑا سا صندوق کھولا۔ اس میں سے ایک عجیب وضع کی مشین نکالی اور اس کا پلگ سوئچ بورڈ پر نصب کر دیا۔ مشین سے ایک ریسیور بھی منسلک تھا۔ پلگ لگاتے ہی مشین چل پڑی تھی۔

"ہیلو....!" زوبی نے ماؤتھ پیس میں کہا اور مشین میں تیزی سے گردش کرنے والی ایک چرخی روشن ہو گئی۔

"زوبی....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "کیا خبر ہے۔"

"سب ٹھیک ہے جناب۔ کل میں نے اُن تین آدمیوں کو برکلے ہاوز میں طلب کیا ہے جن کے متعلق آپ نے ہدایت دی تھی۔"

"ٹھیک ہے.... اور کوئی خاص بات۔"

"گیارہ بڑوں میں سے ایک کم ہو گیا ہے۔ وہ آپ کے متعلق شبہات میں مبتلا تھا اس لئے میں نے اُس ختم کر دیا۔"

"غالباً تم پرنس شمشاد کی بات کر رہی ہو۔"

"جی ہاں.... وہی تھا۔"

"لیکن وہ زندہ ہے۔ بہت چالاک آدمی ہے۔ خیر میں اسے دیکھوں گا۔ تمہاری ایک بھی گولی اس کے نہیں لگی۔ تم پرواہ مت کرو۔ اس کا خیال ہی ترک کر دو۔ وہ تنظیم کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ثبوت کہاں سے مہیا کرے گا اور یہ اچھا ہی ہوا کہ وہ بچ گیا۔ میں فی الحال کشت خون نہیں چاہتا۔ تجارتی پالیسی سے نپٹنے کے بعد دیکھا جائے گا۔ لیکن ضرغام پر کڑی نظر رکھنا.... سمجھیں.... اچھا بس.... شب بخیر....!"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

سکہ ساز

کرنل فریدی نے کاغذات ایک طرف رکھ دیئے اور پھر اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ میز پر رکھے ہوئے فون کا بزر بول اٹھا۔ اس نے ریسیور اٹھالیا۔ آئی جی کے آفس سے طلبی ہوئی تھی۔ فریدی نے ریسیور رکھ کر سگار کو ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے جماہی لی اور سر پر ہاتھ پھیرتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

آئی جی کے اردلی نے اس کے لئے دروازے کی چق اٹھائی اور وہ اندر چلا گیا۔

آئی جی تنہا تھا اور اچھے موڈ میں معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ فریدی کو دیکھتے ہی اس نے مسکرا کر اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی تھی۔

فریدی اس کا اشارہ پا کر بیٹھ گیا۔

"کیا تم مجھے نہیں بتاؤ گے کہ تمہیں سازش کا علم کیونکر ہوا تھا۔" آئی جی نے مسکرا کر پوچھا۔

"آپ یقین کیجئے کہ مجھے صرف شبہ تھا۔"

"شبہے کی بھی آخر کوئی وجہ ہوتی ہے۔"

فریدی نے شبہے کی وجہ دہرادی جس کا تذکرہ وہ حمید سے بھی کر چکا تھا۔

ڈی۔ آئی۔ جی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "اگر شبہے کی وجہ صرف اتنی سی ہے مجھے کہنے دو کہ کوئی غیبی قوت تمہاری مدد کرتی ہے۔"

"غیبی قوت تو سب کی مدد کرتی ہے لیکن.... کیا شبہے کی وجہ جاندار نہیں ہے۔"

"نہیں! میرا خیال ہے کہ نہیں۔ بھلا وزیر تجارت کی موت سے تجارتی پالیسی پر کیا اثر پڑتا ہے۔ اس کا اعلان تو بہر حال ہو جائے گا۔"

"اس کا اعلان غیر سرکاری طور پر تو ہو ہی چکا ہے۔ آخر سرکاری اعلان سے پہلے وہ منظر عام پر کیوں اور کس طرح آگئی۔"

"ہاں یہ تو ہوا ہے اور اس کے سلسلے میں تحقیقات بھی ہو رہی ہیں۔"

"لیکن کیوں ہوا.... کس طرح ہوا۔"

"آپس کے اختلافات....!"

"تو آپ کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وزیر تجارت کی مخالفت کرنے والے مضبوط نہیں ہیں ورنہ وہ تجارتی پالیسی مرتب ہی نہ ہو پاتی۔"

"یہ بھی درست ہے۔"

"اب یہ بات ماننی پڑے گی کہ کچھ لوگ اس پالیسی کے حق میں نہیں ہیں ورنہ قبل از وقت وہ منظر عام پر کیوں آجاتی۔"

"یہ بھی مانتا ہوں لیکن وزیر تجارت کی موت کی بناء پر تجارتی پالیسی کا اعلان کیسے رک جاتا اس پر روشنی ڈالو۔"

"آپ انسان کے ذاتی اثر کے تو قائل ہوں گے ہی۔"

"قطعی ہوں۔"

"وزیر تجارت کی پارٹی بہت مضبوط ہے اور اس استحکام کی وجہ خود وزیر تجارت کا ذاتی اثر ہے۔ اگر وہ ختم ہو جائیں تو پارٹی میں پھوٹ پڑ جائے گی اور پھوٹ پڑ جانے کے بعد تجارتی پالیسی کا جو حشر ہوگا.... ظاہر ہے۔"

"بات اب سمجھ میں آگئی۔ اصلیت یہ ہے کہ مجھے سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اسی لئے میں ان معاملات پر غور بھی نہیں کرتا۔" ڈی آئی جی نے کہا.... پھر ہنس کر بولا۔ "جہاں تم جیسا کام کرنے والا موجود ہو وہاں لامحالہ بقیہ لوگ ذہنی طور پر مفلوج ہو کر رہ جائیں گے۔"

"قطعی نہیں جناب! ماتحتوں کو آفیسروں ہی سے روشنی ملتی ہے۔"

کچھ دیر تک فریدی خاموش رہا.... پھر بولا۔ "اور یہ بھی عرض کر دوں کہ یہ ایک خفیہ تنظیم کی حرکت معلوم ہوتی ہے۔"

"خفیہ تنظیم....!" آئی جی نے حیرت سے دہرایا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"جی ہاں....! کچھ دنوں قبل میں نے ایک سگریٹ فروش کو تمباکو کی بلیک مارکیٹنگ کے سلسلے میں گرفتار کیا تھا۔"

"ہاں میں نے سنا تھا اور مجھے اس پر حیرت بھی ہوئی تھی کہ تم....!"

"وہ کیس بالکل فرضی تھا۔"

"کیا مطلب....!" آئی جی اُسے تیکھی نظروں سے گھورنے لگا۔

"جی ہاں! ضرورتاً ایسا کیا گیا تھا۔" فریدی نے کہا اور پھر اسے پوری روئیداد دہرانی پڑی۔ اس نے ان طلائی سکوں کا بھی تذکرہ کیا اور یہ بھی بتایا کہ نیاگرا ہوٹل کی بالائی گیلری میں بھی ایک پرس ملا تھا اور اُس سے ویسے ہی طلائی سکے برآمد ہوئے تھے۔

"کیا سکے تمہارے پاس ہیں۔" آئی جی نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"جی ہاں....!" فریدی نے کہا اور تین چار سکے جیب سے نکال کر آئی جی کے سامنے ڈال دیئے۔

وہ کافی دیر تک ان کا جائزہ لیتا رہا پھر سر ہلا کر بولا۔ "عجیب بات ہے اور ایک سکے کے عوض دو ہزار روپے۔"

"جی ہاں! اب تک کا مشاہدہ تو یہی ہے۔ اُس لڑکی کو بھی دو ہزار ملے تھے اور حمید نے بھی دو ہی ہزار پائے۔"

"جلدی کر گیا۔" آئی جی نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

"اس وقت میں نے بھی یہی سوچا تھا کہ حمید نے جلدی میں کام بگاڑ دیا مگر اب سوچتا ہوں کہ اگر حمید سے یہ حرکت سرزد نہ ہوتی تب بھی ہم تنظیم کے نچلے طبقے کے لوگوں کے ذریعہ سرغنہ تک نہ پہنچ سکتے۔"

"ارے تو تم نے اس تنظیم میں طبقات کا بھی تعین کر لیا ہے۔"

"ہاں جناب انداز تو کچھ ایسے ہی ہیں۔"

آئی جی پھر کسی سوچ میں پڑ گیا اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ "تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ہم عنقریب کسی بڑی الجھن میں مبتلا ہونے والے ہیں۔"

"حالات ایسے ہی ہیں.... اور.... میں اَب ایک دوسرے خطرے کے امکانات پر بھی غور کر رہا ہوں۔"

"کیسا خطرہ۔"

"مجھے یقین ہے کہ وزیر تجارت پر کسی ذاتی مناقشے کی بناء پر حملہ نہیں ہوا تھا۔ اگر ہم فساد کی

تجارتی پالیسی کو تسلیم کر لیں تو کسی نئے خطرے کا امکان بدستور قائم رہتا ہے۔ کچھ نامعلوم افراد یہ چاہتے ہیں کہ پالیسی کا اعلان نہ ہو سکے اب اس کیلئے وہ کوئی دوسرا طریقہ بھی استعمال کر سکتے ہیں۔"

"ہاں ہو سکتا ہے۔"

"میں اُسی دوسرے طریقے کے متعلق غور کر رہا ہوں۔"

"لیکن طریقے کے متعلق غور کرنے سے تو کام نہیں چلے گا۔ یہ بات بھی تم سے پوشیدہ نہیں ہے کہ وزیر تجارت پر حملے کی وجہ سے ملک میں ہراس پھیل گیا ہے۔ اخبارات حملہ آور کی تلاش کے لئے چیخ رہے ہیں۔ فی الحال مقدم چیز ہے بھی یہی.... سب سے پہلے تمہیں حملہ آوروں کو بے نقاب کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔"

"کوشش آپ جانتے ہیں کہ میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا۔ لیکن اس مقصد کو سامنے رکھ کر کوشش کرنا پانی سے مکھن نکالنے کے مترادف ہوگا۔"

"کیوں....؟"

"حملہ آور کو پکڑ بھی لیا تب بھی سازشی اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے اور اس سے ملک کو جو نقصان پہنچے گا اس کی تلافی ناممکن ہوگی۔"

"پھر تم کیا کرنا چاہتے ہو۔"

"تجارتی پالیسی کے خلاف سازش کو ناکام بنانا۔ ہو سکتا ہے اس کوشش میں مجرم بھی ہاتھ آجائیں۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر آئی۔ جی نے کہا۔ "یوں تو.... سارا محکمہ ہی اس سلسلے میں کام کر رہا ہے۔ لیکن مجھے تمہارے علاوہ اور کسی پر اعتماد نہیں۔"

"یہ آپ کی عنایت ہے۔ خدا نے چاہا تو آپ کے اعتماد کو ٹھیس نہیں لگے گی۔"

"مجھے براہِ راست حالات سے آگاہ کرتے رہنا۔"

"ایسا ہی ہوگا۔ آپ مطمئن رہیں۔ یہ معاملہ ہی ایسا ہے کہ اس میں اس کی تمام تر ذمہ داری خود پر نہیں لے سکتا۔"

"کیا مطلب....!"

"یہی کہ میں ہر معاملے میں آپ کے مشورے کا پابند رہوں گا۔"

"ٹھیک.... میں یہی چاہتا ہوں۔"

فریدی وہاں سے پھر اپنے آفس میں واپس آگیا۔ چند لمحے سگار سے شغل کرتا رہا پھر فون سے ریسیور اٹھا کر کسی کے نمبر ڈائیل کرنے لگا۔

"ہیلو.... اوہ.... میں کرائم رپورٹر انور سے ملنا چاہتا ہوں۔ شکریہ.... ہیلو.... انور میں فریدی بول رہا ہوں۔ کیا تم نے حالات پر اچھی طرح غور کرلیا.... ہوں.... ہوں.... اچھا... آج سات بجے ہائی سرکل نائٹ کلب میں ملو.... ہاں.... ہاں.... ٹھیک ہے۔"

ریسیور رکھ کر اس نے بجھا ہوا سگار سلگایا اور سرجنٹ رمیش کی طرف دیکھنے لگا جو اپنی ڈسک پر بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔ انداز سے ایسا معلوم ہوا جیسے وہ اُس سے کچھ کہنا چاہتا ہو۔ لیکن اُس نے اُسے مخاطب نہیں کیا۔

کلاک نے چار بجائے اور فریدی نے میز پر پھیلے ہوئے کاغذات کو سمیٹ کر دراز میں رکھ دیا۔

"کیا تم ابھی بیٹھو گے رمیش....!" اُس نے رمیش سے پوچھا۔

"جی ہاں.... مجھے کچھ کاغذات مکمل کرنے ہیں۔"

"اچھا.... اگر اس دوران میں میرا کوئی فون آئے تو پیغام نوٹ کرلینا۔"

تھوڑی دیر بعد وہ کیڈیلاک میں بیٹھا ہوا بندرگاہ کی طرف جارہا تھا۔ اُس کے ذہن میں۔ شمار الجھاوے تھے جن کی جھلک اُس کے چہرے پر بھی نظر آرہی تھی۔ لیکن بندرگاہ کے علاقے میں داخل ہوتے ہی اسکا چہرہ اس طرح پُرسکون نظر آنے لگا جیسے یک بیک پانی سے بھرے ہوئے بادلوں کے پھٹ جانے کے بعد آسمان پہلے سے بھی زیادہ نکھرا، ستھرا اور نیلا نظر آنے لگتا ہے۔

اس نے ایک ایسی سڑک پر کیڈی روک دی جہاں کئی چھوٹے چھوٹے شراب خانے اور ہوٹل تھے۔ کار جس شراب خانے کے سامنے رکی تھی اس پر "ایورگرین بار" کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ فریدی کیڈی سے اتر کر سیدھا بار میں گھستا چلا گیا۔ کاؤنٹر کے پیچھے ایک مریل سا اینگلو انڈین بارٹنڈر موجود تھا۔

"میں ہارڈی سے ملنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے اس سے کہا۔

"آپ کہاں سے آئے ہیں۔"

"جہنم سے۔" فریدی غرایا۔ "تمہیں اس سے کیا غرض۔"

"وہ آج کل کسی سے نہیں ملتا۔"

"تم بتاتے ہو یا میں تمہاری گردن مروڑ دوں۔"

"دیکھئے جناب! شاید آپ اس علاقے سے واقف نہیں ہیں۔" بارٹنڈر اپنے سرخ سرخ نتھنے پھلا کر بولا۔

"میں جانتا ہوں کہ یہ علاقہ لفنگوں اور بدمعاشوں سے بھرا پڑا ہے لو یہ رہا میرا کارڈ.... اب بتاؤ۔" فریدی نے اپنا تعارفی کارڈ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

بارٹنڈر نے کارڈ پر نظر ڈالی اور اس کے نتھنے پھولنے اور پچکنے لگے۔

"کرنل صاحب.... بات دراصل یہ ہے۔" وہ ہانپتا ہوا بولا۔ "ہارڈی.... اگر میں آپ کو اس کا پتہ بتادوں تو وہ مجھے مارتے مارتے ادھ مرا کردے گا۔ آج کل اس کا ہاتھ بہت کھلا ہوا ہے۔ جب ادھار لیتا تھا تب تو کچھ مروت بھی کر جاتا تھا۔"

"اچھا.... تو کیا آج کل وہ ادھار نہیں لیتا۔"

"نہیں جناب.... آج کل تو وہ بات بات پر بڑے نوٹ نکالتا ہے۔"

"خیر.... ہوگا.... ہاں تو وہ اس وقت کہاں ہے۔"

"دیکھئے کرنل صاحب.... حضور والا.... میرا نام نہ بتایئے گا۔"

"تم میرا وقت برباد کررہے ہو۔"

بوڑھا کھانس کر کراہا اور پھر اپنے نتھنے مسل کر کہنے لگا۔ "وہ کئی جگہ مل سکتا ہے۔ جناب.... کارمن کے قمار خانے میں.... سنگ سنگ بار میں.... کیفے مارکونی میں۔"

"میں اُس کے گھر کا پتہ پوچھ رہا ہوں.... ڈفر....!"

"گھر.... آہ....!" وہ پھر کراہا اور اس طرح کمر ٹٹولنے لگا جیسے سچ مچ کسی نے اُس پر گھونسوں کی بارش کردی ہو۔

"کیا تم نہیں بتاؤ گے۔" فریدی نے اس کا گریبان پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور وہ گھبرا کر پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ "بتاتا ہوں.... وہ سنگ سنگ بار کے اوپر والے فلیٹ میں رہتا ہے۔"

فریدی بار سے نکل کر سڑک پر آگیا۔ سنگ سنگ بار وہاں سے غالباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر رہا ہوگا جس عمارت میں بار تھا وہ تین منزلہ تھی۔ پہلی منزل پر بار تھا اور اوپر کی دونوں منزلوں پر رہائشی فلیٹ تھے اور ٹھیک بار کے اوپر والے فلیٹ میں ہاوڈی رہتا تھا۔

فریدی زینے طے کر کے ہارڈی کے فلیٹ کے سامنے پہنچ گیا۔ دروازہ بند تھا لیکن اندر سے قہقہوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

فریدی نے ٹھوکر مار کر دروازہ کھول دیا اور اس طرح اچانک کمرے میں داخل ہوا کہ جو جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ کمرے میں چار آدمی تھے میز پر وہسکی کی دو بوتلیں اور چار گلاس موجود تھے۔ سوڈے کی نصف درجن بوتلیں فرش پر ان کے پیروں کے پاس رکھی ہوئی تھیں۔ چاروں آدمیوں کے منہ حیرت سے کھلے اور پھر بند ہو گئے۔

"تم میں سے کوئی.... اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرے گا۔" فریدی غرایا۔ "اپنے ہاتھ میز پر رکھ لو۔"

انہوں نے مشینوں کی طرح اپنے ہاتھ میز پر رکھ دیئے۔

فریدی کے دونوں ہاتھ کوٹ کی جیبوں میں تھے۔

"میں اس کا مطلب نہیں سمجھا کرنل صاحب۔" ہارڈی نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔ یہ ایک خاصے تن و توش کا آدمی تھا۔ عمر چالیس سے اوپر تھی اور سر کا درمیانی حصہ انڈے کے چھلکے کی طرح شفاف تھا۔ جسم پر سیاہ پتلون اور براؤن چمڑے کی جیکٹ تھی۔

"میں تم سے علیحدگی میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

ہارڈی نے اپنے تین ساتھیوں کی طرف دیکھ کر کچھ کہنا ہی چاہا تھا کہ فریدی بولا۔ "نہیں، میرے ساتھ چلو گے۔"

"اور اگر میں انکار کر دوں تو....!"

دفعتاً فریدی کا رویہ بالکل بدل گیا۔ اُس نے مسکرا کر کہا۔ "مجھے اس بات پر افسوس ہو گا ہارڈی۔" اُس کے موڈ کی تبدیلی پر ہارڈی کے چہرے سے الجھن کے آثار ظاہر ہونے لگے۔

"ہم قطعی دوستانہ فضا میں گفتگو کریں گے۔"

"یہاں بھی آپ کو کافی دوستانہ ماحول ملے گا۔" ہارڈی نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"نہیں.... میرے کہنے پر عمل کرو۔"

"میں کسی کا پابند نہیں ہوں اور پھر آپ مجھ پر کون سا الزام رکھ کر دھونس جما رہے ہیں۔"

"تم نہیں سنو گے۔" فریدی کا موڈ پھر خراب ہو گیا۔

دیکھئے....! اس علاقے میں....!"

قبل اس کے کہ وہ جملہ پورا کرتا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر اس کی کرسی میں ٹھوکر مار دی۔

وہ غالباً اس کے لئے تیار نہیں تھا۔ بے خیالی میں توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ ادھر وہ کرسی سمیت فرش پر گرا اور اُدھر اس کے بقیہ ساتھی اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ ہارڈی سنبھلنے نہیں پایا تھا کہ فریدی کا مکا اُس کے ایک ساتھی کے جبڑے پر پڑا اور جھونک میں اپنے ساتھ دوسرے کو بھی گھسیٹتا چلا گیا۔ تیسرے کی پنڈلی پر ٹھوکر پڑی اور وہ چیخ کر بیٹھ گیا۔ دوسری ٹھوکر ہارڈی کے پیٹ پر پڑی جو اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

فریدی نے بڑی میز الٹ دی۔

"چلو.... تم تینوں کمرے میں جاؤ۔" فریدی نے ریوالور کی نال سے دوسرے کمرے کے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"جاؤ....!" وہ پھر غرایا اور وہ چپ چاپ کمرے میں چلے گئے۔ فریدی نے جھپٹ کر اس کا دروازہ باہر سے بند کر دیا اور پھر وہ اگر برق کی سی سرعت سے ایک طرف نہ ہٹ گیا ہوتا تو سوڈے کی ایک بوتل اس کے سر پر پھٹی ہوتی دوسری بوتل بھی اس نے خالی دی۔ تیسری کے لئے ہارڈی جھکا ہی تھا کہ فریدی نے اس پر چھلانگ لگائی۔ دس ہی منٹ میں اس نے ہارڈی کو ادھ مرا کر کے رکھ دیا اور اس میں اتنی طاقت بھی نہ رہ گئی کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکتا۔

فریدی نے اُسے ایک کرسی میں دھکیلتے ہوئے کہا۔ "ہاں اب بتاؤ کہ میں اس علاقے میں کیا نہیں کر سکتا۔"

ہارڈی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا اور اُس کے ہونٹوں سے خون کی بوندیں ٹپک ٹپک کر چمڑے کی جیکٹ پر پھیل رہی تھیں۔

"گیارہ نومبر کی رات کو تم گٹاری کے جنگل میں کیا کر رہے تھے۔" فریدی نے اسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"گٹاری....!" ہارڈی کے منہ سے ہلکی سی آواز نکلی اور پھر خاموش ہو گیا۔

"تمہیں بتانا پڑے گا۔"

"میں وہاں زبردستی لے جایا گیا تھا۔"

"اور پھر وہاں سے یک بیک غائب کیسے ہو گئے تھے۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔ میری آنکھوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔"

"ہوں! لے کون گیا تھا۔"

"دیکھئے! میں بتاتا ہوں۔ کیا آپ مجھے اتنی اجازت دیں گے کہ میں منہ دھو سکوں۔"

"اجازت ہے اور اپنے آدمیوں سے کہو کہ شور نہ مچائیں ورنہ میں بہت بُری طرح پیش آؤں گا"

"ہارڈی نے اٹھ کر اپنے آدمیوں کو شور مچانے سے منع کیا اور غسل خانے کی طرف ہ گیا۔ فریدی اس کے ساتھ تھا۔ منہ صاف کرنے کے بعد وہ ہونٹ بھینچ بھینچ کر تھوکتا ہوا پھرا کمرے میں واپس آگیا۔

"میں آپ کی یہ زبردستی یاد رکھوں گا۔ ہارڈی الماری کھول کر شراب کی بوتل نکالتا ہوا بو اس نے ایک گلاس میں تین انگل خالص وہسکی لی اور ایک ہی گھونٹ میں چڑھا گیا۔ ہونٹوں زخموں میں سوزش ہونے لگی اور وہ منہ بنا کر بولا۔

"آپ بعض اوقات اپنے اختیارات سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں۔"

"اگر میں اس وقت ذرا سا بھی چوکتا تو میری یہی حالت ہوتی جو تمہاری ہے یا شاید تم لو مجھے ختم ہی کر دیتے۔"

ہارڈی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "میں نہیں جانتا کہ وہ گٹاری کا جنگل ہ کیونکہ میری آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ البتہ تاریخ ضرور یاد ہے۔ وہی تاریخ جس کا آ نے ابھی حوالہ دیا ہے۔"

"میں پوچھتا ہوں تم وہاں کیا کر رہے تھے۔"

"میں نے کوئی غیر قانونی کام نہیں کیا تھا۔ اگر کیا تھا تو بتایئے۔" یک بیک ہارڈی جوش میں آگ

"میں ابھی تھکا نہیں ہوں سمجھے۔" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

"اگر میں نے وہاں کوئی غیر قانونی کام کیا تھا تو میرے ہتھکڑیاں لگا دیجئے۔"

"تم وہاں جعلی سکے بنا رہے تھے۔" فریدی نے کہا۔ "میرے پاس ثبوت بھی موجود ہے۔

"میں کہہ تو رہا ہوں کہ میرے خلاف قانونی کارروائی کیجئے۔"

"قانونی کارروائی تو میں اس وقت کرتا ہوں جب میرے ہاتھ شل ہو جاتے ہیں۔"

"اچھا تو ماریئے مجھے۔ اُس وقت تک مارتے رہئے جب تک کہ میں مر نہ جاؤں۔"

"تمہیں وہاں لے جانے والے کون تھے۔"

"میں نہیں جانتا.... اگر جانتا بھی ہوتا تو کبھی نہ بتاتا۔"

"آج صبح تم کیفے نبراسکا میں کیوں گئے تھے۔" اچانک فریدی نے پوچھا اور ہارڈی کے چہرے زردی پھیل گئی۔

"بولو.... تم وہاں کیوں گئے تھے۔"

"کیا آپ یہی سوال ہر اس آدمی سے کریں گے جو آج کیفے نبراسکا گیا ہو۔"

"نہیں یہ سوال صرف تمہارے لئے مخصوص ہے۔ ہر آدمی نے آدھے تولہ سونے کے دو زارنہ وصول کئے ہوں گے۔"

ہارڈی کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا۔

"میرا اندازہ غلط نہیں تھا کہ طاقت کے سکے ڈھالنے میں تمہارے علاوہ اور کسی کا ہاتھ نہیں ہو سکتا۔ تم ایک ماہر سکہ ساز ہو اور سکہ سازی کے جرم میں چھ بار کے سزایافتہ.... میں غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں.... اور ہاں یہ بھی بتا دوں کہ تم ناجائز سکوں سے بھی غلط فائدہ اٹھا رہے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تمہیں ان سکوں کا مصرف نہ بتایا گیا ہوگا۔ یہ تمہاری اپنی دریافت ہے.... بولو.... جواب دو۔"

"اب میں کیا بولوں....!" ہارڈی نے بے بسی سے کہا۔

"اور اگر ان لوگوں کو کسی طرح یہ معلوم ہو گیا کہ تم ان سکوں کے مصرف سے واقف ہو گئے ہو تو وہ تمہیں زندہ نہ چھوڑیں گے۔"

ہارڈی کچھ نہ بولا۔ فریدی چند لمحے اسے گھورتا رہا۔ پھر بولا۔ "تمہیں ان لوگوں کے نا بتانے ہی پڑیں گے۔"

ہارڈی نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "کرنل صاحب یقین کیجئے میں ان میں سے ایک کی بھی شکل نہیں دیکھ سکا تھا وہ مجھے ایک ہفتے تک روزانہ وہاں لے جاتے رہے ہیں۔"

"جب پٹی کھلتی تھی تو میں خود کو ایک تہہ خانے میں پاتا۔ طاقت کے سکے میں نے بلاشبہ ڈھالے ہیں۔"

"اور پھر ایک دن تم اتفاقاً ان سکوں کے استعمال سے واقف ہوگئے اور تم نے ویسے ہی سکے اپنے لئے بھی ڈھال لئے جب ضرورت ہوتی ہے ایک سکے کے عیوض دو ہزار وصول کر لیتے ہو۔"

"مجھے اس کا اعتراف ہے۔"

"کم از کم اُس آدمی کے متعلق تو بتا ہی سکو گے جس نے تمہیں اس کام پر آمادہ کیا ہوگا۔"

"اوہو! وہ بھی تو کبھی کھل کر سامنے نہیں آیا۔ مجھے ایک خط لکھ کر ایک جگہ بلایا گیا۔ پھر وہاں ایک ایسے آدمی سے ملاقات ہوئی جو اپنا چہرہ سیاہ نقاب میں چھپائے ہوئے تھا پہلے دن مجھے یہ کہہ کر لے جایا گیا کہ مجھے جعلی سکوں کو پرکھنا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں ایک پرانا مشاق ہوں۔ میں نے سوچا ممکن ہے کہ وہ لوگ اپنے بنائے ہوئے سکوں کے نقائص معلوم کرنا چاہتے ہوں بہر حال صرف اتنے سے کام کے لئے انہوں نے مجھے دو ہزار کا آفر دیا۔ رقم معقول سے بھی کچھ زیادہ تھی لہٰذا میں ان کے ساتھ چلا گیا۔ جب انہوں نے آنکھوں پر پٹی باندھنے کی تجویز پیش کی تو مجھے حالات کی سنگینی پر یقین آگیا۔ پھر تہہ خانے میں پہنچ کر انہوں نے اپنی صحیح اسکیم پیش کی لیکن مجھ سے کہا گیا کہ وہ سونے کے اسمگلر ہیں اور سونے کو اس مخصوص شکل میں لا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجتے ہیں۔ مجھے یقین کر لینا پڑا۔ کیونکہ بہتیری تجارتی فرمیں اپنا سونا کسی مخصوص شکل میں فروخت کرتی ہیں اور چونکہ ان لوگوں نے خود کو اسمگلر ظاہر کیا تھا اس لئے مجھے اپنے اس طرح لائے جانے پر بھی تعجب نہ ہوا۔ بہر حال میں ان کے سونے کو ایک مخصوص شکل میں ڈھالتا رہا اور وہ مجھے اس کی معقول اجرت دیتے رہے یہی ایک رات کے دو ہزار روپے۔"

ہارڈی خاموش ہوگیا۔ فریدی کی نظر اُس کے چہرے پر تھی۔ اُس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔ "آدمی کون تھا جس کے ذریعے تم اس سکے کے مصرف سے واقف ہوئے۔"

"آپ نے خواہ مخواہ میرے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اگر پہلے ہی پوچھتے تو میں سب کچھ بتا دیتا۔"

"خیر پرواہ نہیں۔" فریدی مسکرایا۔ "اب بھی اتنی رعایت کر سکتا ہوں کہ تمہارے خلاف باقاعدہ طور پر کوئی کاروائی نہ کروں۔ ویسے تمہاری اطلاع کے لئے اتنا ضرور کہوں گا کہ تم اب ایک خطرناک گروہ کے لئے کام کرتے رہے ہو اور اگر تم اپنی پہلی فرصت میں اس شہر سے کھسک ہی نہ گئے تو مرنے کے بعد تمہیں افسوس کرنے کا موقع بھی نہ ملے گا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"مطلب.... میں سمجھا دوں گا۔ پہلے تم مطلب کی بات کرو۔"

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں چند نقاب پوشوں کی نگرانی میں کام کرتا رہا ہوں۔ میں نے ان کی شکلیں تو نہیں دیکھیں لیکن ان میں سے کسی کی آواز جہاں بھی سنوں گا پہچان لوں گا چنانچہ تقریباً پندرہ دن قبل کی بات ہے کہ ان میں سے ایک آواز میرے کانوں میں پڑی اور میں متحیر رہ گیا کیونکہ وہ ایک بہت بڑا آدمی تھا۔ مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ یہ کیفے نبراسکا کی بات ہے۔ میں نشے میں تھا اور چونکہ مجھے اپنے ایک دشمن کی نظر سے بچنا بھی تھا جو اُس وقت کیفے نبراسکا ہی میں تھا اس لئے میں نے اپنے اوور کوٹ کے کالر اوپر اٹھا رکھے تھے میں دراصل اپنے اس دشمن کے پیچھے تھا لیکن دوسرے آدمی کی آواز سن کر مجھے اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ میں پہلے ہی سے اُن پراسرار آدمیوں کی طرف سے مشکوک تھا جنہوں نے مجھ سے سونا ڈھلوایا تھا۔ اس لئے مجھے اس آدمی کی آواز سن کر کھوج پڑ گئی اور پھر آدمی بھی کون....!"

"وہ کون تھا....!"

"پولو کا مشہور کھلاڑی پرنس جسپال....!"

"آہا....!" فریدی کے چہرے پر تحیر کے آثار ابھرے اور پھر فوراً ہی غائب ہوگئے۔

"مجھے اُن لوگوں کی اس بات پر یقین نہیں آیا تھا کہ وہ سونے کے اسمگلر ہیں اور اپنے سونے کو ایک مخصوص شکل میں ڈھال کر اسمگل آؤٹ کرتے ہیں۔"

"کیوں! تمہیں یقین کیوں نہیں آیا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"آپ نے مجھ پر بہت ظلم کیا ہے.... میں پہلے ہی....!"

"نہیں....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "پہلے تم ہرگز نہ بتاتے۔ اسی لئے میں نے تمہیں الگ لے جانا چاہا تھا، جو کچھ بھی ہوا ہے اس کے ذمہ دار تم خود ہو۔ اب میرا وقت برباد نہ کرو۔"

ہارڈی نے پھر گلاس میں تین چار انگل خالص وہسکی لی اور چڑھا گیا۔

"آپ نے کیا پوچھا تھا۔ ذرا ایک سگار مجھے بھی دیجئے۔"

فریدی سے سگار لے کر اُس نے سلگاتے ہوئے کہا۔ "ہاں آپ نے شبہے کی وجہ دریافت کی تھی۔ آپ خود فرمائیے۔ اگر آپ نے اُن سکوں کو دیکھا ہے تو آپ خود ہی شبہے کی وجہ معلوم کر سکتے ہیں۔"

"پھر بھی....!"

"ان سکوں پر سرکاری کرنسی کی مہر ہے۔ آپ خود سوچئے اسمگلنگ ویسے ہی ایک غیر قانونی حرکت ہے۔ اگر اتفاق سے وہ سکہ آپکے ہاتھ لگ جائے تو کیا اُس کی مہر آپ کو اپنی طرف متوجہ نہ کرلے گی۔ ضرور کرلے گی۔ پھر بھلا چوروں میں اتنی ہمت کہاں کہ وہ کوئی ایسی چیز استعمال کر سکیں جن سے ان کی چوری کا سراغ ملنے میں آسانی ہو۔ میں اسمگلروں کو چور ہی سمجھتا ہوں۔"

"ختم کرو.... تم نے سکے کا مصرف کیسے معلوم کیا۔"

"پرنس جسپال نے تین سکے کیفے نبراسکا میں کیش کرائے تھے۔"

"براہِ راست منیجر سے یا وہ اور کوئی تھا۔"

"جی نہیں! منیجر سے اور سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ منیجر سے کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ آپ نے ایک سکہ دیا اور دو ہزار کے نوٹ ملے۔ چپ چاپ لئے واپس آگئے۔ میں اب تک صرف دس ہزار بنا سکا ہوں۔"

"میرا مشورہ ہے کہ اب یہ سلسلہ ختم کردو اور کچھ دنوں کے لئے یہاں سے تمہارا چلا جانا بہتر ہے۔"

"آخر اب آپ اتنی ہمدردی سے کیوں پیش آرہے ہیں۔" ہارڈی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا اور دوبارہ گلاس میں شراب انڈیلنے لگا۔

"ہاں! ہمدردی کی وجہ بھی ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "بعض اوقات زبان کھلوانے کے لئے مجھے اپنے ہاتھ بھی استعمال کرنے پڑتے ہیں اور اکثر مجھے اس پر افسوس بھی ہوتا ہے۔"

فریدی نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد کیڈی چکنی سڑک پر دوڑ رہی تھی اور فریدی کا ذہن اس سڑک سے بھی زیادہ سپاٹ ہو چکا تھا۔ پرنس جسپال ایک بڑا آدمی تھا پولو میں بین الاقوامی شہرت کا مالک تھا اور ملک کی سربرآوردہ ہستیوں میں شمار کیا جاتا تھا اس سازش کی ابتداء اور انتہا کم از کم اس کے فہم و ادراک سے تو بالاتر تھی ہی۔ فی الحال اپنا پروگرام تبدیل کردینے کے باوجود بھی ہائی سرکل نائٹ کلب کی طرف جارہا تھا۔ جہاں اُسے کرائم رپورٹر انور سے ملنا تھا۔

جلاوطن شہزادہ

سر فیروز کی کوٹھی میں بھونچال سا آگیا تھا۔ چھوٹے سے لے کر بڑے تک نئے سیکریٹری کو بُرا بھلا کہہ رہے تھے۔ لیکن نیا سیکریٹری سر فیروز کی آنکھوں کا تارا تھا۔

پہلے سر فیروز کے مٹی کے کھلونے صرف انکے اپنے کمرے ہی تک محدود تھے لیکن سیکریٹری نے انہیں پوری کوٹھی میں پھیلانے کی اسکیم بنا ڈالی۔ کوٹھی کے سارے نوکر مزید کھلونوں کی خرید پر لگا دیئے اور سر فیروز کی بھتیجیوں کو نہ صرف ناشتہ بلکہ دوپہر کا کھانا بھی تیار کرنا پڑتا۔

کھلونے جمع کرنا سر فیروز کی ہوبی نہیں تھی۔ اسے خبط بھی نہیں کہا جاسکتا تھا۔ کیونکہ اس کے پس منظر میں ایک بہت ہی کلاسیکل قسم کے عشق کی داستان تھی حقیقت خدا جانے لیکن کہا یہی جاتا تھا کہ سر فیروز کو جوانی میں ایک کمہار کی لڑکی سے عشق ہو گیا تھا۔ وہ سڑک کے کنارے مٹی کے کھلونے بیچا کرتی تھی۔

کلاسیکل قسم کے عشق کا مطلب ہی یہی ہوتا ہے کہ اس کا اختتام شادی جیسی غیر رومانی حرکت پر نہ ہو۔ لڑکی کا سراغ یہیں تک مل سکا تھا کہ وہ شہر کے کسی فٹ پاتھ پر کھلونوں کی دوکان لگایا کرتی تھی۔ البتہ سر فیروز کی شروع سے اب تک کی ہسٹری لوگوں کو ازبر تھی۔ وہ پہلے عشق کی ناکامی کے بعد شادیوں پر شادیاں کرتے رہے اور بیویوں پر بیویاں مرتی رہیں۔ آخر بڑھاپے میں زوجہ آنکرائی لیکن اس نے کم از کم سر فیروز کی زندگی میں مرنے سے صاف انکار کردیا تھا اور تقریباً آٹھ سال سے اپنے انکار پر قائم تھی۔

بہر حال جب سر فیروز نے یہ دیکھا کہ وہ مرنے کا نام ہی نہیں لیتی تو اس کا لاشعور شعور پر حاوی ہو گیا اور کمہاری کی لڑکی والا سلسلہ پھر جاری ہو گیا۔ یہ عام آدمیوں کی نہیں بلکہ ماہرین نفسیات کی رائے تھی ورنہ شعور و لاشعور کی بات عام آدمی کیا جانیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ کمہار کی لڑکی کا قصہ بھی اُسی وقت ظاہر ہوا تھا جب سر فیروز نے کھلونوں میں دلچسپی لینی شروع کی تھی۔ حقیقت کیا تھی.... خدا جانے۔

اس کا دماغ ہی قریب قریب الٹ گیا تھا لیکن ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق پاگل پن خطرناک قسم کا نہیں تھا۔ بعض اوقات تو وہ پاگل بالکل نہیں معلوم ہوتا تھا۔ البتہ پاگل پن کا دورہ

شروع ہونے سے اب تک اس کا کوئی پرائیویٹ سیکریٹری ایک ہفتے سے زیادہ اُس کی ملازمت میں نہیں رہ سکا تھا۔ ان کے بھاگ نکلنے کی وجوہات میں سے ایک یہ بھی تھی کہ جب سر فیروز کھلونے بیچنے کا دورہ پڑتا تو نہ صرف وہ خود "دو دو آنے.... چار چار آنے" کی ہانک لگاتا بلکہ سیکریٹریوں کو بھی اس پر مجبور کرتا۔ انہیں بھی اُسی کے ساتھ ہی ساتھ "دو دو آنے.... چار چار آنے" کی گردان کرنی پڑتی تھی۔ سنجیدہ لوگ تو اسے برداشت کرنے سے رہے۔ نتیجے کے طور پر انہیں بھاگنا ہی پڑتا تھا.... مگر یہ نیا سیکریٹری جب سے آیا تھا نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ اُس نے سر فیروز کو پٹی پڑھائی کہ اسکی تینوں بھتیجوں کو بھی کھلونے فروخت کرنے میں اسکی مدد کرنی چاہئے۔

لڑکیوں نے سنا تو انہیں بہت تاؤ آیا مگر کر ہی کیا سکتی تھیں۔ ویسے انہوں نے اس کے خلاف ہاتھ پاؤں تو بہت مارے مگر کامیابی نہ ہوئی۔ پچھلی رات انہیں بھی کافی دیر تک سر فیروز اور اُس کے سیکریٹری کے ساتھ چیخنا پڑا تھا۔

آج صبح ہی سے سر فیروز اور اس کا سیکریٹری بہت زیادہ مشغول تھے۔ دو نوکر مٹی کے کھلونوں سے بھرے ہوئے ٹوکرے اٹھائے ان کے ساتھ تھے اور وہ کوٹھی کی خالی جگہوں کو کھلونوں سے بھرتے پھر رہے تھے۔ لڑکیوں میں تو اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس کی مخالفت کرتیں البتہ انہیں یقین تھا کہ جب یہ طوفان بدتمیزی زوبی کی خواب گاہ کی طرف جائے گا تو دلچسپی کا خاصا سامان مہیا ہو جائیگا۔

زوبی شائد ابھی سو ہی رہی تھی۔ خواب گاہ کا دروازہ اندر سے بند تھا۔

ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر زوبی کی خواب گاہ کے علاوہ کوٹھی کے ہر حصے میں مٹی کے کھلونے نظر آنے لگے۔

"اب صرف لیڈی صاحبہ کی خواب گاہ رہ گئی ہے۔" سیکریٹری بڑبڑایا۔

"وہاں بھی رکھیں گے۔" سر فیروز سر ہلا کر بولا اور دونوں نوکر ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

بہر حال یہ قافلہ لیڈی زوبی کی خواب گاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

سر فیروز نے آگے بڑھ کر دستک دی لیکن جواب نہیں ملا۔

سر فیروز پر آہستہ آہستہ جھلاہٹ کا دورہ پڑتا گیا اور اب وہ پوری قوت سے دروازہ پیٹ رہا تھا۔

"کون ہے.... کیا ہے۔" دفعتاً زوبی کی چیخ سنائی دی۔

"دروازہ کھولو....!" سر فیروز نے بھی اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

پھر شائد پانچ منٹ بعد دروازہ کھلا زوبی نارنجی رنگ کے لبادے میں ملبوس دروازے میں کھڑی انہیں گھور رہی تھی۔ آنکھیں خمار آلود تھیں اور چہرے پر بڑی دلآویز قسم کی سرخی تھی، سنہرے بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔

سیکریٹری اپنے ہونٹ مسلنے لگا۔

"کیا ہے....؟" زوبی نے جھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"تم ہٹو تو....!" سر فیروز اسے ایک طرف ہٹاتا ہوا بولا اور کمرے میں چلا گیا۔ زوبی ایک طرف ہٹ کر اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔ اس کے انداز سے ایسا مترشح ہو رہا تھا جیسے سر فیروز سے کوئی انہونی حرکت سرزد ہوئی ہو۔

"لاؤ....!" سر فیروز نے ہاتھ ہلا کر نوکروں سے کہا۔

"کیا....؟" زوبی جھلا کر نوکروں کی طرف مڑی۔ "خبردار.... اگر اس کمرے میں کوئی داخل ہوا تو کھال گرا دوں گی۔"

"ارے واہ....!" سر فیروز ہاتھ نچا کر بولا۔ "بڑی آئیں کھال گرانے والی۔ سیکریٹری ان حرامزادوں کی گردن پکڑ کر اندر لاؤ۔"

سیکریٹری آگے بڑھا ہی تھا کہ زوبی نوکروں پر ٹوٹ پڑی۔ کھلونوں کے ٹوکرے فرش پر گرے اور نوکر اچھل کر پیچھے ہٹ گئے۔

"زوبی" سر فیروز چیخا۔ "کیا کر رہی ہو۔"

زوبی پھر کمرے میں گھسی اور چمڑے کا ایک بڑا سا چابک اٹھا کر شائیں شائیں دو تین ہاتھ نوکروں پر جھاڑ دیئے۔ پھر نوکر کہاں ٹھہرنے والے تھے۔ وہ تو بھاگ ہی نکلے لیکن سیکریٹری وہیں کھڑا رہا۔

"مجبوری ہے.... سیکریٹری....!" سر فیروز نے جھینپی ہوئی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"ہمت نہ ہارنی چاہئے جناب۔" سیکریٹری نے کہا اور اچھل کر پیچھے ہٹ گیا کیونکہ اس کے اگلے حملے پر زوبی کا ہاتھ اس کی طرف گھوم گیا تھا۔

سیکریٹری نے وار خالی دیا لیکن وہاں سے بھاگا نہیں۔

زوبی نے پھر اس پر حملہ کیا لیکن اس بار پھر اُسے مایوسی ہوئی کیونکہ سیکریٹری بندروں کی طرح پھرتیلا تھا۔

پھر زوبی پر جیسے دورہ سا پڑ گیا۔ وہ بے تحاشا چابک گھمانے لگی۔ لیکن ایک بار بھی چابک سیکریٹری کے جسم پر نہیں پڑا۔ سر فیروز پہلے تو چپ چاپ پلکیں جھپکاتا رہا پھر وہاں سے کھسک کر ادھر زوبی نے جھلا کر چابک پھینک مارا لیکن سیکریٹری.... وہ اس سے بھی بچ گیا لیکن وہ سے ہٹا نہیں۔

"چلے جاؤ یہاں سے.... نکلو....!" زوبی ہانپتی ہوئی چیخی۔

"میرا قصور.... لیڈی صاحبہ۔" سیکریٹری نے انتہائی مسکین چہرہ بنا کر کہا۔

"کیا بیہودگی پھیلائی ہے تم نے۔"

"پرائیویٹ سیکریٹری کا اور کیا مصرف ہو سکتا ہے لیڈی صاحبہ۔"

"لیکن تم لوگ کوٹھی کو کباڑ خانہ نہیں بنا سکتے۔"

"میں نے کیا کیا۔ میں تو صرف ہاں میں ہاں ملاتا ہوں۔ تجویز صاحب ہی کی تھی۔ میں نے اُس کی تائید کر دی تھی۔"

"اور پچھلی رات مینڈھے.... اس سے پہلے تو کبھی شاید انہوں نے مینڈھوں کی شکل نہ دیکھی ہو۔"

"مجھے تسلیم ہے! لیکن قصور اس میں بھی میرا نہیں ہے۔ مجھے یاد نہیں کہ کس طرح مینڈھا نکلا تھا کہ سر ہو گئے۔ کہنے لگے۔ مینڈھا کیا ہوتا ہے۔ میں نے بتایا تو مصرف پوچھا۔ میں کہا لڑائے جاتے ہیں۔ بولے ہم بھی لڑائیں گے بس اتنی بات تھی۔"

"تم کون ہو؟"

"تفضل حسین....!" سیکریٹری کا جواب تھا۔

"اس سے پہلے کیا کرتے تھے۔"

"فخر کیا کرتا تھا کہ میں نبراسکا یونیورسٹی کا ڈاکٹر ہوں۔"

"تمہیں بات کرنے کی بھی تمیز نہیں۔ تم لیڈی زوبی سے گفتگو کر رہے ہو۔"

"لوگ مجھے عموماً معاف کر دیتے ہیں کیونکہ میں کریک ہوں۔"

"تمہیں احساس ہے کہ تم کریک ہو۔"

"نہیں لوگ کہتے ہیں اور میں انہیں گدھا سمجھتا ہوں۔ میں بالکل کریک نہیں ہوں۔ ہاں ایک مرض مجھ پر ضرور ہے وہ یہ کہ میں بعض اوقات سب کچھ بھول جاتا ہوں۔"

"تمہیں یہاں کس نے بھیجا تھا۔"

"کسی غیبی قوت نے! میں یہی محسوس کرتا ہوں۔ ویسے میں نے اشتہار ضرور پڑھا تھا۔"

"اچھا میرے سامنے سے دفع ہو جاؤ۔"

سیکریٹری نے سلام کے لئے ہاتھ اٹھایا اور وہاں سے چل پڑا۔ راہداری کے موڑ ہی پر سر فیروز سے ملاقات ہو گئی۔ وہ شائد بہت دیر سے وہیں کھڑا ان کی گفتگو سننے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کیا کہہ رہی تھیں۔" اس نے پلکیں جھپکائے ہوئے آہستہ سے پوچھا۔

"کہتیں کیا.... میں کوئی ڈرپوک ہوں۔ آخر آپ اتنا ڈرتے کیوں ہیں۔"

"میں ڈرتا نہیں ہوں۔" سر فیروز اپنے کمرے کی طرف جاتا ہوا بولا۔ سیکریٹری بھی اُسی کے ساتھ چلنے لگا۔ "جھگڑا نہیں کرنا چاہتا۔ تم نے دیکھا وہ کتنی بدمزاج ہے۔"

"جی ہاں.... مجھ سے کہنے لگیں کہ تمہیں یہاں سے جانا پڑے گا۔"

"ہرگز نہیں.... میں تمہیں کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتا۔ تم نہیں جا سکتے۔ اگر تم چلے گئے تو میں مر جاؤں گا۔"

"بھلا میرے رہنے سے آپ کو کیا فائدہ ہے۔"

"نہیں لڑکے.... میں استدعا کرتا ہوں۔ آؤ میرے ساتھ آؤ.... میں پاگل نہیں ہوں۔"

سیکریٹری یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ وہ کنکھیوں سے سر فیروز کے چہرے کیطرف دیکھ رہا تھا۔ سر فیروز نے اپنے کمرے میں داخل ہو کر سیکریٹری کے بھی اندر پہنچ جانیکے بعد دروازہ مقفل کر دیا۔

اچانک سیکریٹری چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"یہ آواز کیسی تھی۔" اس نے سر فیروز کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کیسی آواز....!"

سیکریٹری نے ایک بار پھر ہلکی سی کھرکھراہٹ سنی۔

"یہ.... سنا آپ نے....!"

"اماں چھوڑو.... چوہے ہوں گے۔" سر فیروز نے سر ہلا کر کہا۔

لیکن سیکریٹری بدستور اس ریک کی طرف دیکھ رہا تھا جس پر مٹی کے کھلونے کے ڈھیر کے ڈھیر نظر آ رہے تھے۔ آواز ان ڈھیروں ہی سے آئی تھی اور وہ آواز قطعی ایسی نہیں تھی جسے چوہوں کی نقل و حرکت کا نتیجہ قرار دیا جا سکتا۔

"ہوگا کچھ.... ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ تم بہت پھرتیلے معلوم ہوتے ہو۔ اس کا ایک چابک بھی تم پر نہیں پڑا۔ کیا تمہیں زوبی سے خوف نہیں معلوم ہوتا۔"

"مجھے اپنے علاوہ اور کسی سے خوف نہیں معلوم ہوتا۔" سیکریٹری بدستور کھلونوں کے ڈھیر کی طرف متوجہ رہا۔

سر فیروز کہہ رہا تھا۔ "وہ ایک خطرناک.... آہم.... دو دو آنے.... چار چار آنے.... دو دو آنے.... چار چار آنے.... سیکریٹری شروع ہو جاؤ۔"

قبل اس کے کہ سیکریٹری شروعات کرتا۔ کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"کون ہے....!" سر فیروز دہاڑا۔

"دروازہ کھولو....!" آواز زوبی کی تھی۔

سر فیروز کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ سیکریٹری بغور اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سر فیروز اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی اسے زبردستی دروازے کی جانب دھکیلے لئے جا رہا ہو۔

دروازے کے قریب پہنچ کر اس نے بڑی بے بسی سے سیکریٹری کی طرف دیکھا اور پھر جیب سے کنجی نکال کر دروازہ کھول دیا۔

زوبی طوفان کی طرح کمرے میں داخل ہوئی اور سیدھی سیکریٹری کے سر پر پہنچ کر رکی۔

"تم ابھی اور اسی وقت کوٹھی سے چلے جاؤ گے۔" اُس نے کہا۔

"کسی نے بے پر کی اڑائی ہے۔" سیکریٹری لاپروائی سے بولا۔

"گٹ آؤٹ....!" زوبی حلق پھاڑ کر چیخی۔

"پھر کسی وقت غور کروں گا۔"

"سن رہے ہیں آپ۔" وہ سر فیروز پر چڑھ دوڑی۔ "یہ میری توہین کر رہا ہے۔"

"کیوں؟ تم توہین کر رہے ہو۔" سر فیروز نے احمقانہ انداز میں سیکریٹری سے پوچھا۔

"پتہ نہیں....!" سیکریٹری یک بیک چونک کر بولا۔ پھر اپنی آنکھیں مل کر چاروں طرف حیران نظروں سے دیکھنے لگا۔

"میں کہاں ہوں۔" اس کے حلق سے گھٹی گھٹی سی آواز نکلی۔

سچ مچ ایسا معلوم ہونے لگا تھا جیسے وہ ابھی سوتے سوتے جاگا ہو۔

زوبی نے کچھ کہنا چاہا لیکن پھر رک گئی۔ اُسکے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

"میں کہاں ہوں۔" سیکریٹری آہستہ آہستہ بڑبڑاتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ "میں ابھی آر لکچو میں تھا۔ شیلا کہاں گئی.... شیلا....!"

اس نے کسی شیلا کو آواز دی۔

"نہ جانے کہاں گئی۔ آپ لوگ کون ہیں۔" وہ یکے بعد دیگرے زوبی اور سر فیروز کو گھورنے لگا۔

"اب بیوقوف بناؤ گے۔" زوبی مسکرا پڑی۔

"میں نہیں سمجھا۔" سیکریٹری نے حیرت کا اظہار کیا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "شیلا آپ کی کون ہے۔ وہ مجھے یہاں کیوں لائی ہے۔ ابھی ہم آر لکچو میں ناشتہ کر رہے تھے۔"

اس نے پھر شیلا کو آواز دی۔

"تم میرے سیکریٹری ہو.... کیا نام.... تفضل حسین....!"

"کیا بکواس ہے! میں داراب ہوں۔ شہزادہ داراب.... اوہ یہ تو کھلونوں کی دوکان معلوم ہوتی ہے۔"

"تم کہاں کے شہزادے ہو۔"

"بخارا کا جلاوطن شہزادہ.... داراب....!"

"کیا اب تم ہمیں اُلو بناؤ گے۔" زوبی تحقیر آمیز انداز میں مسکرائی۔

"زوبی.... جاؤ.... یہاں سے.... خدا کے لئے جاؤ۔" سر فیروز نے کہا۔ وہ کچھ خوفزدہ سا نظر آنے لگا تھا۔

"خاموش رہو۔" زوبی نے اُسے ڈانٹ دیا۔ "یہ کوئی بدمعاش معلوم ہوتے ہیں۔ اسے پولیس کے حوالے کروں گی۔"

"کیا کہا تم نے۔" سیکریٹری مٹھیاں بھینچ کر بولا۔ اس کی پلکیں تک نہیں جھپک رہی تھیں اور وہ زوبی کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ زوبی اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

"تم لوگ مجھ سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتے ہو۔" سیکریٹری کی چبھتی ہوئی سی آواز کمرے کے سناٹے میں گونجی۔ "اسی لئے تم مجھے یہاں لائے ہو۔ اس سے پہلے بھی ایک بار ایک آدمی نے مجھے شراب پلا کر مجھ سے دس ہزار کے چیک پر دستخط لئے تھے۔ لیکن اس وقت میری چیک بک میری جیب میں نہیں ہے۔"

وہ اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا۔

"زوبی جاؤ.... خدا کے لئے جاؤ۔" سر فیروز زوبی کو شانوں سے پکڑ کر دروازے کی طرف دھکیلنے لگا۔ وہ اب خاموش ہو گئی تھی اس کے ہونٹوں سے احتجاجاً کچھ جملے نکلے لیکن کسی کی سمجھ میں نہیں آسکا کہ اس نے کیا کہا تھا۔

سیکریٹری اب بھی پتھر کے بت کی طرح وہیں کھڑا تھا۔

"کیا بات ہے! تم کون ہو۔"

"شہزادہ داراب....!"

"مذاق چھوڑو۔ تم بڑے عمدہ آدمی معلوم ہوتے ہو۔ تم نے اسے سچ مچ ڈرا دیا۔ ورنہ شیطان سے بھی نہیں ڈرتی۔"

"وہ کون ہے، جو مجھ سے اتنی بدتمیزی سے پیش آئی تھی۔ میں ایک جلاوطن شہزادہ ضرور ہوں، لیکن میرے پاس اتنی دولت ضرور ہے کہ میں آدھا شہر خرید سکتا ہوں۔"

"وہ.... مم.... میری.... بیوی ہے.... تم میرے سیکریٹری ہو۔ ہاں شروع ہو جاؤ، دو آنے.... چار چار آنے.... دو دو آنے چار چار آنے۔" لیکن سیکریٹری بدستور خاموش کھڑا رہا۔

سر فیروز جھنجھلا گیا۔ "ختم کرو یار.... اب وہ نہیں آئے گی۔"

"تم بھی بدتمیزی سے پیش آرہے ہو۔" سیکریٹری نے تلخ لہجے میں کہا۔ "میں اسے نہیں برداشت کر سکتا۔ دروازہ کھولو۔ میں باہر جاؤں گا۔ مجھے جانے دو۔"

سیکریٹری آگے بڑھا۔ لیکن دفعتاً اس کے قدم لڑکھڑا گئے۔ اس طرح لڑکھڑائے کہ اُسے رکنا پڑا۔ اس کا جسم بڑی شدت سے کانپنے لگا تھا۔ جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جس پر رعشہ طاری

نہ ہو۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ دھڑام سے فرش پر گرا اور بیہوش ہو گیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد بیہوش سیکریٹری کے گرد خاصی بھیڑ اکٹھا ہو گئی۔ زوبی.... سر فیروز کی بھنچیاں! کوٹھی کے سارے ملازمین۔

"کیا خیال ہے؟" زوبی سر فیروز کے چہرے کے قریب ہاتھ نچا کر بولی... "سب مکاری ہے۔"

"خدا سے ڈرو....!" سر فیروز نے کہا۔

"فضول باتیں نہ کیجئے۔ میں اسے دیکھ لوں گی۔ قبر تک جو پیچھا نہ چھوڑوں۔"

"کیا کرو گی تم....!" سر فیروز غصے میں کانپنے لگا۔

"میں اسے اسی حال میں کسی ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گی۔"

بیچارے سیکریٹری کی روح فنا ہو گئی۔ وہ سوچنے لگا کہ اب پول کھلنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔

"کسی ماہر کے پاس لے جاؤں گی۔" زوبی پھر بولی۔ "ڈاکٹر شوکت سے بہتر کون ہو گا۔ وہ میرا ملاقاتی بھی ہے۔"

ڈاکٹر شوکت کا نام سن کر سیکریٹری کی جان میں جان آئی۔ ورنہ وہ تو سوچ چکا تھا کہ اب اُسے ڈھونگ ختم کر دینا چاہئے۔ ڈاکٹر شوکت کے نام پر وہ مطمئن ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ ڈاکٹر شوکت اپنے مریضوں کا معائنہ تنہائی میں کرتا ہے اور اس وقت کوئی نرس بھی مخل نہیں ہو سکتی۔

"تم خواہ مخواہ....!" سر فیروز بڑبڑا کر رہ گیا۔

"میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔" زوبی نے سخت لہجے میں کہا۔ پھر نوکروں کی طرف دیکھ کر بولی۔ "ایک اسٹریچر لاؤ۔"

دو نوکر کمرے سے چلے گئے۔ زوبی بڑبڑاتی رہی۔ "مجھے یقین ہے کہ یہ سب مکاری ہے۔ اگر ڈاکٹر شوکت نے بھی یہی رائے ظاہر کی تو میں اسے پولیس کے حوالے کر کے ہی واپس آؤں گی۔"

سر فیروز کے احتجاج کے باوجود بھی وہ اسے اسٹریچر پر لدوا کر لے گئی۔ اسٹریچر ایک بڑی سی وین میں رکھ دیا گیا۔ دو نوکر اسٹریچر کے قریب بیٹھ گئے اور زوبی خود ہی وین کو ڈرائیو کرتی ہوئی ڈاکٹر شوکت کے ہسپتال تک لے گئی۔

یہ ذہنی امراض کے ماہر ڈاکٹر شوکت کا ذاتی ہسپتال تھا۔

ڈاکٹر شوکت نے مریض کے حالات سنے اور ایک نرس کے ساتھ اُسے اسٹریچر سمیت

آپریشن تھیٹر میں بھجوادیا۔

"ڈاکٹر.....!" زوبی نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ بیہوش نہیں ہے۔"

"پھر.....!"

"بنا ہوا ہے۔"

"خیر میں ابھی معلوم کئے لیتا ہوں۔ پندرہ منٹ بعد آپ کو اسکے متعلق بہت کچھ بتا سکوں گا۔"

ڈاکٹر شوکت اسے انتظار کرنے والوں کے کمرے میں چھوڑ کر آپریشن تھیٹر کی طرف گیا۔ مریض میز پر چت پڑا تھا اور نرس اُسے گھور رہی تھی۔ ڈاکٹر کے آتے ہی وہ باہر چلی گئی دروازہ جو اسپرنگ پر تھا خود بخود بند ہو گیا۔

ڈاکٹر شوکت نے مریض کی نبض پر انگلیاں رکھی ہی تھیں کہ اس نے آنکھیں کھول دیں ساتھ ہی ہونٹوں پر انگلی رکھ کر ڈاکٹر کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

ڈاکٹر حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں حمید ہوں.... کیپٹن حمید۔" مریض نے آہستہ سے کہا۔

"ارے.... حمید.... کیوں....؟" ڈاکٹر شوکت متحیرانہ انداز میں بولا۔

"یہ سب کچھ ایک کیس کی تحقیقات کے سلسلے میں ہے۔ تم فریدی صاحب کو فون کر کے اطمینان کر سکتے ہو۔ لیڈی زوبی کو یقین دلادو کہ میں واقعی بیہوش ہوں۔"

"مگر میں اسے مرض کیا بتاؤں گا۔"

"ڈوال پرسنالٹی.... دوہری شخصیت.... اس میں آسانی یہ ہو گی کہ میں خود بخود ہی ہوش میں آؤں گا۔"

"اوہو! تم اس مرض کے متعلق جانتے ہو۔" ڈاکٹر شوکت مسکرایا۔

"ہاں.... آں.... ہم لوگوں کو سب کچھ جاننا پڑتا ہے.... اچھا.... تو ٹھیک ہے نا۔"

"اگر تم سچ بول رہے ہو اور لیڈی زوبی پر اس طرح ڈورے ڈالنے کا ارادہ نہیں ہے تو...."

"یقین کرو دوست.... اگر فریدی صاحب اس سے انکار کر دیں تو تم بعد میں بھی اُسے کر سکتے ہو۔ ویسے بھی شادی شدہ عورتوں سے عشق کرنا میرے اصول کے خلاف ہے۔"

"اچھا...." ڈاکٹر شوکت اسے دوبارہ لٹاتا ہوا بولا۔

پندرہ منٹ بعد اس نے زوبی کو مطلع کیا کہ مریض سچ مچ بیہوش ہے۔

"مرض کی نوعیت کیا ہے۔" زوبی نے پوچھا۔

"دوہری شخصیت۔"

"یہ کیا بلا ہے۔"

"ایک ذہنی مرض! آدمی سوتے سوتے بیدار ہو کر اپنی پچھلی شخصیت کے بارے میں سب کچھ بھول جاتا ہے اور وہ اُس وقت ایک بالکل ہی الگ شخصیت کا مالک ہوتا ہے۔ اکثر یہ کیفیت کئی کئی گھنٹوں تک قائم رہتی ہے اور پھر دوسری بار کی نیند اسے پھر اسکی پرانی ذہنی حالت میں واپس لے آتی ہے اور وہ اس نیند سے بیدار ہونے پر اپنی دوسری شخصیت کے بارے میں سب کچھ بھول جاتا ہے۔"

"مگر اُس نے تو جاگتے ہی جاگتے خود کو شہزادہ کہنا شروع کر دیا تھا۔"

"ایسا بھی ممکن ہے کہ کسی قسم کے ذہنی انتشار کے عالم میں بھی اس قسم کا دورہ پڑ سکتا ہے۔ مگر ایسا بہت کم ہوتا ہے اگر جاگتے ہی میں دورہ پڑا تھا تو یہ کیس میرے لئے بہت زیادہ دلچسپ ثابت ہو گا۔ آپ انہیں ہوش کی حالت میں بھی کسی دن میرے یہاں ضرور لائیے گا.... اور ہاں دیکھئے۔ یہ بیہوشی بالکل نیند ہی کی طرح ختم ہو گی۔ طبی تدابیر سے ہوش میں لانے کی کوشش نہ کیجئے گا ورنہ مریض کی زندگی بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔"

روشن دان

ہائی سرکل نائٹ کلب میں کرائم رپورٹر انور کرنل فریدی کا منتظر تھا۔ انور ایک جوان سال اور ذہین آدمی تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جن کے متعلق یہ کہنا دشوار ہوتا ہے کہ کب کیا کر گزریں گے۔ بظاہر وہ ایک مقامی اخبار کا کرائم رپورٹر تھا لیکن روزی کا انحصار محض اسی پیشے پر نہیں تھا۔ ورنہ وہ اس معمولی آمدنی سے زندگی کیسے بسر کر سکتا۔ دراصل اس کی آمدن کا ذریعہ راشی قسم کے پولیس آفیسرز تھے۔ انور ان کی کمزوریوں سے واقف تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس کا بھی "حصہ" نکالنے پر مجبور تھے۔ ویسے وہ ہمیشہ اس تاک میں رہتے تھے کہ کسی طرح انور سے بدلہ لیں۔ لیکن ابھی تک انہیں موقع نہیں مل سکا تھا۔ دشواری تو یہ تھی کہ وہ اسے کسی کیس میں پھانس کر عدالت میں

بھی نہیں پیش کر سکتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ایسا کرنے پر الٹا وہ خود ہی نقصان اٹھا جائیں گے۔ انور ان کے خلاف ایسے ایسے رازوں کا انکشاف کرتا کہ انہیں جان چھڑانا مشکل ہو جاتا۔

صرف فریدی ہی ایسا تھا جس کے آگے وہ سر نہیں اٹھا سکتا تھا اور صحیح معنوں میں اس کی عزت کرتا تھا۔ لیکن اس لئے کہ فریدی ایک ذمہ دار آفیسر تھا۔ بلکہ یہاں بھی اس کی خود سری آڑے آتی تھی اور وہ اس طرح اپنے دل کو سمجھا دیا کرتا تھا کہ فریدی ایک ذہین ترین آدمی اور پیشہ ور کا مالک ہے اسی لئے وہ اس کی عزت کرتا ہے۔

فریدی انور کی صلاحیتوں سے بخوبی واقف تھا اور وہ ایک نہیں درجنوں بار اس سے بہت اہم قسم کے کام لے چکا تھا۔ بعض حالات میں اپنے ماتحتوں سے زیادہ انور پر اعتماد کرتا تھا۔

فریدی نے اُسے موجودہ کیس کی تفاصیل سے آگاہ رکھا تھا اور وہ اس میں بھی انور سے کام لینا چاہتا تھا۔ فریدی دیئے ہوئے وقت سے پندرہ منٹ بعد نائٹ کلب پہنچا۔

"تمہیں انتظار کرنا پڑا۔"

"کوئی بات نہیں۔" انور مسکرایا۔

"حالات سنگین ہوتے جا رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ بہت بڑے بڑے لوگ اس تنظیم سے تعلق رکھتے ہیں۔ کنور جسپال سے تو تم واقف ہی ہو گے۔"

"جی ہاں! اچھی طرح۔"

"وہ بھی ہے۔"

"تب تو....!"

"ہاں ہاں! میں سمجھتا ہوں۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "ابھی تک صرف دو کا سراغ مل سکا ہے۔ لیڈی زوبی اور کنور جسپال....!"

"زوبی....!" انور بڑبڑایا۔ "ہاں.... ہو سکتا ہے.... حمید تو شائد وہیں ہے۔"

"میں نہیں جانتا کہ وہ کیا کرے گا۔ آج سہ پہر کو ڈاکٹر شوکت کا فون آیا تھا.... زوبی حمید کو بیہوشی کی حالت میں ہسپتال لے گئی تھی۔"

"بیہوشی کی حالت میں۔"

"ہاں.... غالباً کوئی پلاٹ....!" فریدی مسکرایا۔ "دوہری شخصیت والا ڈرامہ۔ اس نے

ڈاکٹر شوکت کو تنہائی میں بتایا کہ وہ دوہری شخصیت کا مظاہرہ کرنا چاہتا ہے۔"

"اس کی ضرورت ہی کیوں پیش آئی۔"

"پتہ نہیں! حمید احمق نہیں ہے لیکن بے صبرا ضرور ہے۔ جلد بازی میں اکثر بنے بنائے کام بگاڑ دیتا ہے۔"

"میری رائے ہے کہ اسے وہاں سے ہٹا دیجئے۔"

"کیوں....!"

"اب یہ بھی بتاؤں۔" انور مسکرایا۔ "لیڈی زوبی عورت ہے۔ کم عمر ہے اور حسین بھی۔"

"چھوڑو....!" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "تم حمید کو غلط سمجھے ہو۔ وہ ان لوگوں میں سے ہے جو خواہ مخواہ اپنی بے راہ روی کا پروپیگنڈہ کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت اس کی آدھی بھی نہیں ہوتی۔ خیر اس کی بحث چھوڑ دو۔ میں کنور جسپال کے متعلق بہت کچھ سوچ رہا ہوں۔ کیا تم بتا سکو گے کہ وہ اس وقت کہاں ملے گا۔"

"اس حد تک اس سے واقفیت نہیں رکھتا۔" انور بولا۔

"اچھا تو آؤ۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "کیا موٹر سائیکل پر آئے ہو۔"

"جی ہاں....!"

"اسے یہیں چھوڑ دو.... واپسی پر لے لینا۔"

وہ دونوں کیڈی میں بیٹھ کر کلب کی کمپاؤنڈ سے باہر آئے۔ پھر کچھ دیر چلنے کے بعد فریدی نے کیڈی ایک پبلک فون بوتھ کے قریب روک دی۔

دونوں اتر کر بوتھ میں داخل ہوئے۔ فریدی نے مشین میں سکہ ڈال کر کسی کے نمبر ڈائیل کئے۔

"ہیلو....!" وہ ماؤتھ پیس میں بولا۔ "کیا کنور صاحب موجود ہیں.... اوہ.... کیا اس وقت ملاقات کریں گے.... اوہ.... اچھا.... کل کسی وقت.... خیر.... کیا وقت دیں گے.... گیارہ بجے.... اوہ.... اچھا.... دیکھئے سیکریٹری صاحب میرا نام نوٹ کر لیجئے.... کیپٹن اجیت کمار.... نہیں کنور صاحب.... مجھ سے واقف نہیں ہیں.... میں خود ان سے ملنا چاہتا ہوں.... اچھا شکریہ۔"

فریدی نے ریسیور ہک میں لگا دیا۔ وہ باہر آ گئے۔

"صرف پندرہ منٹ....!" فریدی کیڈی کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "وہ پندرہ منٹ بعد کہیں

جائے گا.... آؤ....!"

کیڈی پھر چل پڑی۔ اب اس کا رخ کنور جسپال کی اقامت گاہ سمر گھاٹ پیلس کی طرف تھا۔ کنور جسپال ریاست سمر گھاٹ کا حکمران تھا لیکن آئینی تبدیلی کے بعد ریاست تو کسی ضلعے میں ضم ہو گئی تھی اور وہ خود زیادہ تر شہر ہی میں رہنے لگا تھا لیکن اس کی سوشل پوزیشن میں اب بھی کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ دولت اتنی تھی کہ پشت ہا پشت اطمینان کی زندگی بسر ہو سکتی تھی۔

فریدی نے اپنی کار سمر گھاٹ پیلس سے ایک فرلانگ ادھر ہی روک دی۔ کیڈی سڑک پر تھی اور سمر گھاٹ پیلس کا صرف پھاٹک نظر آ رہا تھا۔ کیونکہ پھاٹک پر ایک کافی قوت والا بلب روشن تھا۔

انہیں وہاں پہنچے مشکل سے آدھا منٹ گذرا ہو گا کہ پھاٹک سے ایک کار نکل کر داہنی جانب والی سڑک پر مڑ گئی۔

کیڈی بھی آگے بڑھی۔ سنسان سڑک پر دو کاریں آگے پیچھے دوڑ رہی تھیں۔

"کیا یہ ضروری ہے کہ اس کار میں جسپال ہی ہو۔" انور بڑبڑایا۔

"اگر اس کے معمولات میں فرق نہیں آیا تو وہ جسپال ہی ہو سکتا ہے گاڑی رولس رویس ہے اور اس گاڑی کو ہمیشہ وہ خود ہی ڈرائیو کرتا ہے۔"

انور پھر کچھ نہیں بولا۔

تقریباً بیس منٹ بعد اگلی کار ایک جگہ رک گئی۔ کیڈی بھی رکی اور اب دونوں کاروں میں اتنا ہی فاصلہ تھا جتنا کہ تعاقب کے دوران میں رہا تھا۔

"ارے.... برکلے ہاؤز....!" دفعتاً فریدی بڑبڑایا۔ "وہ برکلے ہاؤز میں گیا ہے مگر کل تک یہ عمارت خالی تھی۔"

وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا پھر آہستہ سے بولا۔ "مگر شائد یہ عمارت سر فیروز ہی کی ہے جسے وہ کرائے پر دیتا رہتا ہے۔"

"آپ کو کیسے علم ہے کہ یہ عمارت کل تک خالی تھی۔" انور نے پوچھا۔

"کیا تم ڈاکٹر ہڈسن والا کیس بھول گئے۔ وہ اسی عمارت میں مقیم تھا اور پھر اُس کی گرفتاری کے بعد سے مقدمے کے اختتام تک یہ عمارت سرکاری تحویل میں رہی ہے اور میرا خیال ہے

[1] اس کیس کے لئے "لاشوں کا سوداگر" جلد نمبر 15 ملاحظہ کیجئے۔

برسوں تک اس پر سرکاری قبضہ رہا ہے۔"

"پھر....!"

"پھر کیا.... بعض اوقات تم بھی حمید ہی کی طرح گدھے ہو جاتے ہو۔ یہ عمارت سر فیروز کی ہے اور زوبی اس کی بیوی ہے۔ زوبی پہلے ہی سے مشتبہ ہے اور اب جسپال روشنی میں آیا ہے۔ چلو ہمیں کسی نہ کسی طرح عمارت میں داخل ہی ہونا پڑے گا۔ وہاں کمپاؤنڈ میں روشنی بھی نظر آ رہی ہے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ جسپال وہاں چوری چھپے نہیں داخل ہوا۔"

وہ دونوں کیڈی سے اتر کر سڑک پر کھڑے ہو گئے۔ فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ اچانک وہ ایک پتلی سی سڑک پر مڑ گیا۔

لیکن وہ دونوں اس بات سے بے خبر تھے کہ ایک تیسرا آدمی بھی ان کے پیچھے چل رہا ہے۔ یہ پتلی سی سڑک دو عمارتوں کے درمیان زیادہ روشن نہیں تھی اور چلنے والا بھی اسی ڈھنگ سے چل رہا تھا کہ تعاقب کا گمان تو ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

فریدی اور انور برکلے ہاؤز کی پشت پر پہنچ گئے۔

"تم یہیں ٹھہرو۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "میں اوپر جاؤں گا۔"

عمارت کی پشت کی دیوار پر گرمیوں میں پھیلنے والی جنگلی بیلوں کی خشک اور موٹی جٹائیں جھول رہی تھیں۔ فریدی نے ان میں سے ایک پر زور لگا کر اس کی مضبوطی کا اندازہ کیا اور پھر بے تکان اسی کے سہارے اوپر چڑھتا چلا گیا۔ انور کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس نے جوتے بھی نہیں اتارے تھے۔ وہ ایک پل کیلئے اوپر تاروں بھرے آسمان کے پیش منظر میں دکھائی دیا اور پھر غائب ہو گیا۔

انور کی پشت دیوار سے لگی ہوئی تھی اور وہ سیدھا کھڑا اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ رہا تھا۔ بہت دور کہیں کہیں روشنی کے دھبے سے نظر آ رہے تھے اور جھینگروں کی مسلسل جھائیں جھائیں کان پھاڑ رہی تھی۔

وہ آدمی جو فریدی اور انور کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا اُس سے تھوڑے ہی فاصلے پر زمین پر سینے کے بل رینگ رہا تھا۔

❁

برکلے ہاؤز کے ایک کمرے میں پرنس جسپال، سیٹھ گنگولی اور سر جگدیش بیٹھے ہوئے تھے اور

زوبی جو پہلے سے کہیں زیادہ حسین نظر آ رہی تھی میز پر دونوں ہاتھ ٹیکے آگے کی طرف جھکی ہو
اُن کے چہروں کو بغور دیکھ رہی تھی۔

"کیا اس اسکیم میں کوئی خامی ہے۔" اُس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"نہیں خامی تو نہیں ہے.... مگر....!" سیٹھ گنگولی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"نہیں اگر آپ کو اس سے اختلاف ہے تو بے دھڑک اظہار خیال کیجئے۔" زوبی نے کہا۔

"اختلاف تو نہیں ہے مگر میں سوچتا ہوں کہ اس کا اثر تجارتی پالیسی پر کیا پڑے گا۔"

"ٹھیک تو ہے گنگولی صاحب۔" کنور جسپال بولا۔ "اگر دونوں ملکوں کے تعلقات خرا
ہو جائیں تو تجارتی پالیسی کا اعلان ہرگز نہ ہو سکے گا کیونکہ اس کا انحصار سراسر اُسی ملک پر ہے۔"

"آہا.... اب میں سمجھ گیا۔"

"مگر لیڈی زوبی آپ نے جو کام میرے سپرد کیا ہے۔" کنول جسپال جملہ ادھورا ہی چھوڑ
کچھ سوچنے لگا پھر آہستہ سے بولا۔ "اچھا خیر.... اسے بہر حال ہونا ہی ہے، خواہ کوئی صورت ہ
میری طرف سے مطمئن رہئے۔"

"اور میں بھی یقین دلاتا ہوں۔" سر جگدیش بولا۔

البتہ سیٹھ گنگولی کے چہرے پر اب بھی تشویش کے آثار تھے۔ زوبی نے اس پر اچٹتی سی
ڈال کر کہا۔ "کیا آپ کچھ ہچکچاہٹ محسوس کر رہے ہیں۔"

"ہاں....! میں محسوس کر رہا ہوں کہ اُسے دھوکہ دینا آسان نہیں۔"

"دھوکا....!" زوبی مسکرائی۔ "ارے وہ اسے دھوکا ہرگز نہ سمجھے گا جس ملک کی مخالفت آ
کرانا چاہیں گے، اُس سے تو اجیروں کی یونین پہلے ہی بدظن ہیں۔ یقین کیجئے کہ سیکریٹری آپ
اُس دن سے دیوتا سمجھنے لگے گا جب آپ اس کے سامنے یہ اسکیم رکھیں گے تو کچھ تعجب نہیں
وہ آپ کو پوجنے ہی لگے.... اور یہ بھی سن لیجئے کہ اگر وہ پکڑا گیا تو کبھی یہ نہ کہے گا کہ وہ آپ
ورغلایا ہوا تھا۔"

زوبی خاموش ہو گئی۔ کنور جسپال اور سر جگدیش بھی گنگولی کو سمجھانے لگا۔ اور اس نے کا
دیر بعد آمادگی ظاہر کی۔

"اب ایک دوسری بات۔" زوبی نے کہا۔ "یہ آپ لوگوں کی اطلاع کے لئے ہے۔ کہ

شاد کو اب تنظیم سے الگ ہی سمجھئے گا۔"

"کیوں....!" سب نے بیک وقت حیرت ظاہر کی۔

"وہ تنظیم سے بدظن ہو گیا ہے۔"

"تب پھر اُسے زندہ رکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔" جسپال بولا۔

"طاقت کا حکم اسکے برعکس ہے۔ طاقت کا کہنا ہے کہ اب اُس سے کوئی سروکار ہی نہ رکھا جائے۔"

"یہ حکم الجھن میں ڈالنے والا ہے۔" سر جگدیش نے کہا۔

"کیوں! نہیں میرا خیال ہے یہ طاقت کی ایک بہترین تجویز ہے۔ وہ اس طرح تنظیم کو استحکام
شا چاہتا ہے۔ یہ چیز تو تنظیم کے استحکام کی طرف اشارہ کرتی ہے اگر ہم اس کے کسی مخالف کو اس
ے حال پر چھوڑ دیں۔ خود آپ ہی سوچئے کیا وہ ہمارے خلاف کوئی ثبوت مہیا کر سکے گا۔"

"نہیں! ہمارا خیال ہے کہ وہ ایسا نہیں کر سکے گا۔"

"پھر.... ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم اُس کے خون سے ہاتھ رنگیں۔ بس اس کی بے بسی کا
ماشہ دیکھتے رہئے۔ یہ تنظیم کے لئے ایک قسم کا امتحان بھی ہے۔ ہمیں خوشی ہو گی اگر وہ تنظیم کو
نقصان پہنچانے کی کوشش کرے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح ہمیں اپنے وہ رخنے بھی بند کرنے کا
موقع ملے گا جن پر ہماری نظر بھی نہیں پڑی ہے۔"

"طاقت اس صدی کا بہترین دماغ ہے۔" کنور جسپال نے تحسین آمیز انداز میں کہا۔

"اور لیڈی زوبی کے متعلق کیا خیال ہے۔" سر جگدیش مسکرا کر بولا۔

"یہ ایک ایسی طاقت ہیں کہ دل بے اختیار کھنچے چلے جاتے ہیں۔" کنور جسپال نے کہا اور سیٹھ
گنگولی بے ڈھنگے پن سے ہنسنے لگا۔

❁

فریدی نے روشن دان میں خفیف سا دراڑ کر رکھا تھا اور اس دوران میں اُس نے ان کی گفتگو کا
ایک ایک لفظ سنا تھا۔

کبھی کبھی وہ مڑ کر پیچھے کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا۔ لیکن اس وقت تو اس کی تمام تر توجہ کمرے
کی طرف تھی۔ جس وقت ایک طویل القامت سایہ اس پر جھپٹا تھا فریدی نے اپنے داہنے بازو
پر ایک ٹھنڈی سی تکلیف محسوس کی وہ بڑی پھرتی سے مڑا لیکن حملہ آور اپنا کام کر چکا تھا۔ خنجر

اس کے بازو سے نکل کر چھت پر گرا۔ حملہ آور کی گردن اُس کے بائیں بازو میں پھنسی ہوئی تھی لیکن حملہ آور بھی کمزور نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اس نے فریدی کی گرفت سے نکلنا چاہا لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی نے داہنے ہاتھ سے اس کی ناک پکڑ کر اینٹھ دی۔ ساتھ ہی اُس کا سر روشن دان میں ٹھونسنے لگا۔ وہ تو اتفاقاً اس کا ہاتھ اس کی ناک پر جا پڑا تھا۔ ورنہ حملہ آور کو بے بس کرنا اتنا آسان کام نہ ہوتا۔ فریدی نے اسے سینے تک روشندان میں ٹھونس دیا اور پھر اچھل کر بڑی تیزی سے چھت کے اُس سرے کی طرف پہنچا جدھر سے اوپر آیا تھا۔

نیچے اترتے ہی اندھیرے میں کسی چیز سے ٹھوکر لگی اور وہ بوکھلا کر اس پر جھک پڑا۔ کیا وہ انور کی لاش تھی؟ فریدی کے سر میں سیٹیاں سی بجنے لگیں۔ اُس نے انجام کی پرواہ کئے بغیر جیب سے ٹارچ نکالی۔

انور زمین پر اوندھا پڑا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا اور اس کے سر کی پشت پر ایک بڑا زخم تھا جس سے خون نکل کر چاروں طرف جم گیا تھا۔

فریدی نے ٹارچ بجھا کر جیب میں ڈالی اور انور کو کاندھے پر ڈال کر دوڑنے لگا۔ وہ اپنے بازو کا زخم بھول گیا تھا نہ جانے کس طرح وہ اپنی کار تک پہنچا۔

❁

وہ سب اچھل کر کھڑے ہوگئے۔ انہیں اوپر روشن دان میں ایک آدمی دکھائی دیا جو ان کے خیال کے مطابق ان پر کودنا چاہتا تھا کیونکہ اس کا آدھا دھڑ کمرے میں داخل ہو چکا تھا اور وہ اس طرح اپنے دونوں ہاتھ ہلا رہا تھا جیسے بقیہ جسم کو روشن دان سے نکال کر نیچے آنا چاہتا ہو۔

"ہائیں....!" لیڈی زوبی حیرت سے بولی۔ "یہ تو ضرغام معلوم ہوتا ہے۔"

"ہاں ہے تو وہی....!" کنور جسپال نے آہستہ سے کہا۔ پھر اس نے اسے آواز دی "ضرغام"

اس بڑے کمرے کی چھت عمارت کی دوسری چھتوں سے زیادہ اونچی تھی۔

"ضرغام کے بچو! اوپر آؤ۔" ضرغام چنگھاڑا۔

"اس حرکت کا کیا مطلب۔" سر جگدیش نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "یہ آدمی بہت بدتمیز ہے میں اسے قطعی پسند نہیں کرتا۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ روشندان میں پھنس گیا ہے۔" زوبی نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

"ویسے وہ اتنا بیوقوف بھی نہیں ہے کہ اس روشندان سے نیچے آنے کی کوشش کرے اور پھر اونچائی کتنی زیادہ ہے۔ شائد کوئی پاگل ہی اوپر سے کودنے کی کوشش کرے۔ کوئی گڑبڑ ضرور ہے سر جگدیش....!"

"کیا تم اوپر نہیں آؤ گے۔" ضرغام پھر غرایا۔

"ہم آرہے ہیں۔" زوبی نے چیخ کر جواب دیا اور ساتھیوں سے بولی۔ "اس کی ناک بھی زخمی معلوم ہوتی ہے.... یہ دیکھئے.... فرش پر خون کی بوندیں۔"

وہ بڑی سراسیمگی کے عالم میں چھت پر پہنچے۔ ضرغام داہنے پیر کا گھٹنا ٹیک ٹیک کر روشندان سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن بایاں پیر ہلتا بھی نہیں تھا۔ دوسرے پیر کو استعمال کرتا تو کبھی کا اس مصیبت سے نجات پا گیا ہوتا۔

اُن لوگوں نے اُسے کسی نہ کسی طرح روشندان سے نکالا۔

"میرا بایاں ٹخنہ اکھڑ گیا ہے سمجھے! ورنہ میں تمہیں تکلیف نہ دیتا۔" ضرغام نے جھلائے ہوئے لہجے میں "یہاں فریدی تھا۔"

"فریدی....!" سب کی زبان سے بیک وقت نکلا اور پھر وہ اس طرح خاموش ہوگئے جیسے سانپ سونگھ گیا ہو.... وہ ضرغام کو نیچے لائے۔

ضرغام بُری طرح برس رہا تھا۔ "مجھے یقین ہے کہ اس نے تمہاری گفتگو کا ایک ایک لفظ سنا ہوگا کیونکہ وہ آدھے گھنٹے تک اوپر رہا ہے۔"

"لیکن تم ادھر کیسے آنکلے تھے۔" زوبی نے مضمحل آواز میں پوچھا۔

"میں نے قسم کھائی ہے کہ میں اسے مار ڈالوں گا۔ اس وقت ہائی سرکل کلب سے اس کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا۔ میں اسے مار ڈالوں گا۔ خدا کی قسم....!"

"فریدی....!" سیٹھ گنگولی کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہ تو بہت بُرا ہوا۔"

"پرواہ نہ کیجئے۔" لیڈی زوبی نے سخت لہجے میں کہا۔ "اگر وہ ہمارا کچھ کر سکتا ہوتا تو بھاگ کیوں جاتا۔ وہ ہمارا کچھ نہیں کر سکتا۔ اس کی بکواس کون سنے گا۔ ہمارے خلاف وہ جو کچھ بھی کہے گا بکواس ہی سمجھی جائے گی۔ ہاں یہ ضرور ہوا ہے کہ اب ہمیں کوئی دوسری اسکیم سوچنی پڑے گی۔

موجودہ اسکیم تو اب کامیاب نہیں ہو سکتی۔"

کمرے میں سناٹا طاری ہو گیا۔

اظہارِ عشق

حمید اپنے کمرے میں بیہوش پڑا تھا۔ اب بھی بیہوش رہنے کی وجہ یہ تھی کہ سر فیروز کسی ایسی بیوہ عورت کی طرح اس کے سر پر مسلط تھا جس کا اکلوتا لڑکا مر گیا ہو۔ حمید کئی بار دل ہی دل میں اسے بے نقط سنا چکا تھا۔

تقریباً چار گھنٹے سے اس نے پائپ نہیں پیا تھا اور اب اسکی روح کو بھی جمائیاں آنے لگی تھیں۔

"ابے اب کھسکو بھی اُلو کے پٹھے۔" اس نے ایک بار پھر دل ہی دل میں کہا۔ لیکن سر فیروز کوئی نوجوان لڑکی تو تھا نہیں کہ دل کی زبان سمجھ لیتا۔ وہ بدستور اس کے سرہانے جما رہا۔

آخر تنگ آکر اس نے فیصلہ کیا کہ اب اسے ہوش میں آجانا چاہئے۔ کم از کم چار پانچ گھنٹے گذر ہی گئے تھے۔

بہر حال وہ ہوش میں آگیا۔ اس انداز میں آیا جیسے وہ کمرے میں تنہا ہو۔

"شکر ہے.... شکر ہے۔" سر فیروز جلدی سے بولا اور حمید اچھل پڑا۔

"او ہو.... آپ....!" حمید بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔ "آپ یہاں....!"

"کچھ نہیں۔ سب ٹھیک ہے۔ تم میرے سیکریٹری ہی ہو نا۔"

"جناب والا....!"

"گڈ.... تو اس کا مطلب یہ کہ اب تم دورے کی حالت میں نہیں ہو۔"

"کیسا دورہ....!" حمید پلکیں جھپکاتا ہوا بولا۔

"سب ٹھیک ہے.... گڈ.... تم شہزادے تو نہیں ہو۔"

"شہزادہ.... میں نہیں سمجھا۔"

"مطلب یہ کہ.... کچھ نہیں سب ٹھیک ہے۔ شروع ہو جاؤ۔ دو دو آنے چار چار آنے۔"

"دو دو آنے.... چار چار آنے۔" حمید نے دہرایا۔

"ویری گڈ....!" سر فیروز اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "سب ٹھیک ہے۔"

"میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکا جناب۔"

"تم سچ مچ بیہوش ہو گئے تھے یا زوبی کو اُلو بنا رہے تھے۔" اس نے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

"میں بیہوش! یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ ویسے مجھے اپنی اس حرکت پر ندامت ہے کہ آج بوقت سو گیا۔ امید ہے کہ آپ معاف فرمادیں گے۔"

سر فیروز کے چہرے پر مایوسی کے آثار نظر آنے لگے۔ لیکن یہ کیفیت جلد ہی رفع ہو گئی۔

"اچھا اب تم آرام کرو۔ آج ہم رات بھر مینڈھے لڑائیں گے۔" اس نے کہا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

"رات بھر مینڈھے لڑاؤ گے۔" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔ "ضرور بیٹے خاں۔ آج کی رات بری ہے۔"

اس نے پائپ میں تمباکو بھری اور اسے سلگا کر آرام کرسی پر دراز ہو گیا۔ اس کا ذہن کچھ نئے پلاٹ مرتب کر رہا تھا مگر دشواری یہ تھی کہ فریدی کا مشورہ لئے بغیر کوئی نیا اقدام ناممکن تھا.... رہ گئی بیہوشی والی حرکت تو وہ ایک ضمنی سی چیز تھی۔

رات کے کھانے کی میز پر سر فیروز سے ملاقات نہیں ہوئی اس نے کھانے سے انکار کر دیا۔ اس کی بھتیجیاں عالیہ، شہر زاد اور نوشابہ موجود تھیں۔ کھانے کے دوران وہ کنکھیوں سے حمید کی طرف دیکھتی رہی تھیں لیکن کوئی کچھ بولی نہیں تھی۔

کھانے کے بعد کافی پیتے وقت عالیہ جو خود کو سب سے زیادہ شریر ثابت کرنے کی کوشش کرتی تھی بولی۔

"بعض لوگ واقعی بہت چالاک ہوتے ہیں۔"

دونوں لڑکیاں چند لمحے اُسے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ دیکھتی رہیں۔ پھر بولیں۔

"جملے کی وضاحت کرو۔"

"مثلاً.... آپ....!" عالیہ نے حمید کی طرف اشارہ کیا۔

"مثلاً میں...." حمید نے کافی کی پیالی میز پر رکھتے ہوئے بُرا سا منہ بنایا۔ "کیا چالاکی دیکھی ہے آپ لوگوں نے۔"

"کیا دوپہر کی بیہوشی ڈھونگ نہیں تھی۔" عالیہ نے کہا۔

"سر فیروز بھی میری بیہوشی کا حوالہ دے چکے ہیں۔" حمید تشویش آمیز لہجے میں بولا "لیکن ان کی بات کا کیا اعتبار۔ کیا میں حقیقتاً بیہوش ہو گیا تھا۔"

لڑکیاں ہنس پڑیں۔

"دیکھئے.... میں آپ لوگوں سے زیادہ ہنس سکتا ہوں۔ اگر مجھے غصہ آگیا تو آپ ہنستے ہنستے مر جائیں گی.... سمجھیں۔"

"تم خود مرو گے اور بہت جلد مرو گے۔ چچی کا چڑے کا چابک... ملک الموت سے کم نہیں۔"

"چچی، چمڑا، چابک!" حمید نے قہقہہ لگایا۔ "اور چ سے کیا ہوتا ہے۔ چھچھوندر.... چغد.. چمگادڑ.... چور.... چمار.... ہاہا....!"

"اچھا! تم یہ سب کچھ چچی کو کہہ رہے ہو.... اچھا اچھا....!" شہزاد بولی۔

"آپ کا نام بھی چ سے چہرزاد ہونا چاہئے تھا۔"

"نہیں چھچھوندر....!" عالیہ نے دبی زبان سے کہا اور شہزاد اسے دونوں ہاتھوں سے پیٹنے لگی۔

یہ تینوں مختلف والدین سے تھیں اور سر فیروز لاولد ہونے کی بناء پر اپنے بھائیوں اولادوں میں سے کسی نہ کسی کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔

"ہاں.... ہاں.... ارے.... ارے۔" حمید بیچ بچاؤ کرانے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ "حالانکہ لفظ چھچھوندر بہت بُرا ہے لیکن پھر بھی آپ سے استدعا کروں گا کہ محترمہ عالیہ کو معاف کر دیجئے۔"

شہزاد کو سچ مچ غصہ آگیا تھا۔

حمید اس کا اسکریو کستا رہا۔ "اپنی طرف تو دشمنوں کو بھی چھچھوندر نہیں کہتے کیونکہ اس ماں کی عزت پر حرف آتا ہے۔ چھچھوندر ہماری طرف اس لڑکی کو کہتے ہیں جس کی ماں کو آدا کا طعنہ دینا ہوتا ہے۔"

عالیہ برابر ہنستی رہی تھی۔ حمید کے اس جملے پر اس نے دوبارہ شہزاد کو چھچھوندر کہہ دیا شہزاد کا بھرپور ہاتھ اس کے گال پر پڑا۔ بس پھر دونوں لپٹ پڑیں۔ عالیہ نے اس کے بال بکھیر جھنجھوڑ ڈالے۔

نوشابہ انہیں الگ کرنے کی پوری پوری کوشش کر رہی تھی لیکن ان دونوں پر تو جیسے بھوت سوار ہو گیا تھا۔ وہ کسی طرح بھی ایک دوسری کو نہیں چھوڑ رہی تھیں۔

حمید دور ہی کھڑا ہائیں ہائیں کرتا رہا۔

نوشابہ نے بڑی دشواری سے انہیں الگ کیا اور شہزاد کو دھکیلتی ہوئی اس کے کمرے کی طرف لے جانے لگی۔ عالیہ پھر اس کی طرف جھپٹ رہی تھی۔ حمید درمیان میں آگیا۔

"تم ہٹ جاؤ۔" عالیہ اسے دھکیلتی ہوئی بولی۔

"آپ میری لاش ہی پر سے گذر کر محترمہ شہزاد کی طرف جا سکیں گی۔"

"محترمہ....!" عالیہ نے دانت پیس کر سخت لہجے میں کہا۔

"چلئے.... چلئے....!" حمید اس کا بازو پکڑ کر کھینچتا ہوا بولا۔ "دل تو نہیں چاہتا کہ آپ کو آپ کے کمرے تک پہنچاؤں مگر آپ خطرناک ہو گئی ہیں۔"

وہ اسے اس کے کمرے تک پہنچا کر پھر ڈرائینگ روم میں واپس آگیا کیونکہ ابھی اسے کافی کا کپ اور پینا تھا۔ عالیہ اپنے کمرے کی طرف جاتے وقت واپسی کے لئے مچل تو ضرور رہی تھی لیکن اس کے اس رویے میں جان نہیں معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ جسمانی طاقت کے اعتبار سے شہزاد سے کمزور تھی۔

نوشابہ بھی ڈرائینگ روم میں واپس آکر اپنے لئے کافی کا دوسرا کپ تیار کرنے لگی۔ وہ حمید کو عجیب نظروں سے گھور رہی تھی۔

"تم آخر کرنا کیا چاہتے ہو۔" اس نے اس سے پوچھا۔

"میں یہاں رہنا چاہتا ہوں۔" حمید نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔ "دوسرے سیکریٹریوں کی طرح بھاگوں گا نہیں۔"

"وہ تو میں دیکھ رہی ہوں۔ تم نہیں بھاگو گے خواہ کوٹھی ہی ویران ہو جائے۔"

"یہاں میرا دل لگ گیا ہے۔"

"لگنا بھی چاہئے۔ لیکن تم چچا جان سے کوئی رقم نہ وصول کر سکو گے۔ حساب کتاب سب چچی جان کے ہاتھ میں رہتا ہے۔"

"ہائیں تو کیا میں بے تنخواہ کام کر رہا ہوں۔"

"نہیں.... تنخواہ تو ملے ہی گی۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تم اوپر سے کچھ نہ اینٹھ سکو گے۔"

"کیا آپ مجھے کوئی فراڈ سمجھتی ہیں۔"

"تم نے ان دونوں کو کیوں لڑادیا۔"

"آہ.... یہ نہ پوچھئے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"کیوں....!"

"جب میں....!" وہ رک رک کر بولا۔ "آپ کی .... طرف دیکھتا ہوں.... تو وہ دونوں.... مجھے گھورنے لگتی ہیں۔"

"کیا مطلب....!"

"اب.... مطلب.... کچھ نہیں.... شائد میں پاگل ہو گیا ہوں۔ اگر نہیں ہوا تو ہو جاؤں گا.... یقیناً مجھے بھاگنا پڑے گا۔"

"میں پوچھ رہی ہوں کہ تم نے ان دونوں میں جھگڑا کیوں کرادیا۔"

"کیا آپ مجھے کافی نہ دیں گی۔ میں دنیا کا مظلوم ترین انسان ہوں۔"

"تم.... نہ جانے کیا ہو۔ اگر اس وقت بیہوش نہ ہو جاتے تو چچی....!"

"ہاں کیا.... پھر وہی بیہوشی۔ کیا میں حقیقتاً کبھی بیہوش ہوا تھا۔"

"پتہ نہیں.... میرے دماغ میں اتنی قوت نہیں ہے کہ تم سے گفتگو کر سکوں۔" اس نے کافی بنا کر حمید کی طرف کپ کھسکا دیا۔

"شکریہ.... لیکن.... آپ بار بار چچی کی دھمکی کیوں دیتی ہیں۔"

"اگر وہ چاہیں تو تم یہاں نہیں رہ سکتے۔"

"اور آپ کیا چاہیں گی۔"

"میں.... کیوں! میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔"

"کیا سیکریٹری کی عدم موجودگی میں آپ لوگوں کو بور نہیں ہونا پڑتا۔"

نوشابہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر خاموشی سے کافی کے گھونٹ لیتی رہی پھر بولی۔

"عالیہ چچی کی ناک کا بال ہے۔ وہ ان سے ضرور کہے گی کہ تم نے اسے شہر زاد سے لڑوادیا۔ مجھے آپ کی چچی کی ذرہ برابر پرواہ نہیں ہے۔ میں آپ کے چچا کا سیکریٹری ہوں۔"

نوشابہ کے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آپ اس طرح مسکرا رہی ہیں جیسے میں نے کوئی حماقت آمیز بات کہہ دی ہو۔"

"قطعی حماقت آمیز۔ کیونکہ ہو گا وہی جو چچی چاہیں گی۔ کیا تم نے محسوس نہیں کیا کہ چچا جان اُن سے کتنے خوفزدہ رہتے ہیں۔"

"خوفزدہ کیوں رہتے ہیں۔"

"کیا اب تم نجی معاملات میں بھی دخیل ہونا چاہتے ہو۔"

"آپ بالکل غلط سمجھیں ہیں۔ میں صرف اپنی ملازمت برقرار رکھنا چاہتا ہوں۔"

"ملازمت....!" وہ پھر تلخ انداز میں مسکرائی۔

"کیوں! بھئی آپ کی مسکراہٹ....!"

"تم ملازمت کے لئے یہاں ہو یا تفریح کے لئے۔"

"یہ کیا بات ہوئی اسے جملہ سمجھوں یا کسی معمے کا اشارہ نمبر چار سو بیس... دائیں سے بائیں۔"

"تمہیں ملازمت کی ضرورت تو نہیں۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

حمید اس جملے پر بوکھلا گیا۔ لیکن چہرے سے کیا ظاہر ہوتا؟ کیونکہ چہرے پر تو پلاسٹک میک اپ تھا البتہ اس نے آنکھیں ضرور بند کر لیں اور زبردستی مسکرانے کی کوشش کرنے لگا۔

"تم کوئی کالج اسٹوڈنٹ ہو اور تفریح کے لئے یہاں آ گھسے ہو۔" نوشابہ بولی اور حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔

"نہیں آپ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ میں اسٹوڈنٹ ضرور تھا مگر اب نہیں ہوں۔ بعض مجبوریوں کی بناء پر مجھے ایم۔اے کا دوسرا سال چھوڑنا پڑا۔ یہ ملازمت میں نے اس لئے پسند کی ہے کہ مجھے پڑھنے کا وقت بھی ملتا رہے گا.... مگر میں.... میں بالکل اُلو ہوں۔ جہاں آپ موجود ہیں وہاں شاعری کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔" حمید کی آواز درد ناک ہو گئی۔ "میں صرف آپ کی وجہ سے یہاں نہیں رہ سکتا۔"

"کیوں میری وجہ سے کیوں! میں نے کیا کیا ہے۔"

"آپ نے کچھ نہیں کیا۔ قصور میرا ہی ہے۔"

"کیا بک رہے ہو۔ میں کچھ نہیں سمجھی۔"

"میں نے آپ کو کیوں اپنے ذہن میں گھسنے دیا۔" حمید نے مغموم آواز میں کہا اور اس کے گالوں پر دو آنسو ڈھلک آئے۔

"اوہ.... گدھے کہیں کے۔" نوشابہ جھینپے ہوئے لہجے میں بولی اور ڈرائینگ روم سے چلی گئی۔

حمید چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اٹھ کر عالیہ کے کمرے کے دروازے پر آیا جو اندر سے بند تھا۔ اس نے آہستہ سے دستک دی۔

"میں ہوں۔" حمید نے گھٹی گھٹی سی آواز میں کہا۔

"تم کیوں ہو۔" اندر سے عالیہ بولی۔ پھر قدموں کی آہٹ سنائی دی اور دروازہ کھل گیا۔

"مجھے افسوس ہے۔" حمید نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"ہاں یہ حرکت تمہاری ہی تو تھی۔"

"بہر حال میں محترمہ شہر زاد کو اتنا بد تمیز اور بد اخلاق نہیں سمجھتا تھا۔"

"ارے.... وہ پکی کمینی ہے۔ ذلیل کہیں کی۔"

"جی ہاں.... ورنہ مذاق ہی مذاق میں کیا نہیں ہو جاتا۔ ویسے شائد.... میں آج رات بھر نہ سو سکوں۔ مجھے دلی اذیت پہنچی ہے۔"

"اچھا اب جاؤ مجھے بور نہ کرو۔"

"آپ نے مجھ پر جادو کر دیا ہے۔"

"کیا....؟"

"جادو.... میں مر جاؤں گا۔"

"ڈفر! تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ کیا سچ مچ چچی کا چابک بھول گئے۔"

"یاد کرنیکی کوئی بات بھی ہوتی۔ ایک بھی میرے جسم پر نہیں پڑا۔ میں آپ سے.... محبت....!"

"محبت.... محبت! میں سمجھی۔" اس نے جھپٹ کر حمید کا کان پکڑ لیا پھر اس کے چہرے کو دوسری طرف موڑتی ہوئی بولی۔ "جاؤ.... سو جاؤ صبح محبت کا جواب دوں گی۔"

دروازہ حمید کی کھوپڑی سے ٹکرایا کیونکہ وہ بند ہو چکا تھا۔

حمید چند لمحے وہیں کھڑا اپنی کھوپڑی سہلاتا رہا پھر شہر زاد کے کمرے کی طرف چل پڑا۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔

"کیا ہے....!" اندر سے جھلائی ہوئی آواز آئی۔

"میں ہوں محترمہ شہر زاد....!" حمید نے رو دینے والی آواز میں کہا۔

دروازہ کھلنے میں دیر نہیں لگی۔ شہر زاد بڑے پھولوں والے سلیپنگ گاؤن میں تھی۔

"فرمایئے محترم....!" اس نے اپنے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا۔

"آخر آپ مجھ سے کیوں خفا ہیں۔"

"شروعات تو آپ ہی نے فرمائی تھی۔"

"میرا ہرگز یہ مقصد نہیں تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ محترمہ عالیہ اس طرح آپ کی توہین کریں گی۔ آہ مجھے بہت دکھ ہوا ہے۔ غالباً کل وہ اس معاملے کو چچی کے سامنے پیش کریں۔"

"میں اُس سور کی بچی زوبی سے بالکل نہیں ڈرتی۔"

حمید نے دل میں کہا۔ "وہ مارا.... کام بن گیا۔"

"آپ ڈریں ہی کیوں۔" وہ کمرے میں داخل ہوتا ہوا بولا۔ "میرا خیال ہے کہ سارا معاملہ دسر فیروز ہی کا بگاڑا ہوا ہے۔ آخر وہ ان سے اتنے خائف کیوں رہتے ہیں۔"

"انکی حیثیت ایک غلام سے زیادہ نہیں ہے۔" شہر زاد دروازہ بند کرتی ہوئی بولی۔ "بیٹھ جاؤ۔"

حمید ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ شہر زاد کہہ رہی تھی۔ "سب کچھ زوبی کے قبضے میں ہے وہ ان سے سادے چیکوں پر دستخط لے کر بہت بڑی بڑی رقمیں بینک سے نکالتی ہے اور ان رقموں کا کیا کرتا ہے.... خدا جانے۔"

"اوہ.... یہ تو بہت بُرا ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

"ہمسے سے بھی بُرا اور چچا جان اس سے اس طرح ڈرتے ہیں جیسے اُن کا رزق اسی کے ہاتھ میں ہو۔"

"چچ چچ....!" حمید نے افسوس ظاہر کیا۔

"تم یہ نہ جان سکو گے کہ زوبی ہی کسی سیکریٹری کو نہیں ٹکنے دیتی۔ نہ جانے کیوں وہ اس گھر میں کسی باہری آدمی کا وجود نہیں دیکھ سکتی۔ اس کے برخلاف چچا جان ہمیشہ ایک ایسے آدمی کے لئے کوشاں رہتے ہیں جو ہر وقت ان کے ساتھ رہے۔"

"میرا خیال ہے کہ تفکرات ہی کی بناء پر ان کا دماغ ماؤف ہو گیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"مجھے شبہ ہے۔"

"کس بات میں۔" حمید کی دلچسپی بڑھ رہی تھی۔

"اسی میں کہ اُن کا دماغ خراب ہے۔"

"ارے.... وہ تو صاف ظاہر ہے۔ محترمہ شہر زاد! ورنہ اتنا بڑا آدمی اور اس طرح کھلونوں کی دوکان سجاتا پھرے۔"

"خیر....! اگر تم یہاں کچھ دن رہ گئے تو خود ہی دیکھ لو گے۔"

"کیا دیکھ لوں گا۔"

"میرا سر....!" شہر زاد جھلا گئی۔

"وہ تو دیکھ ہی رہا ہوں۔ آہ آپ کا سر....! آپ کی گھونگھریالی زلفیں.... یہ پیشانی جیسے آدھا چاند بادلوں سے جھانک رہا ہو۔ محترمہ شہر زاد میں پاگل ہونے سے پہلے ہی مر جاؤں گا۔"

"تم ہوش میں ہو یا نہیں۔"

"ہوش میں ہوتا تو یہ کیوں کہتا کہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

"یہاں سے چلے جاؤ۔"

"آہا! کل تو مجھے کوٹھی ہی سے نکلنا پڑے گا۔ لیڈی زوبی....!"

"کیا تم بھی اُس سے ڈرنے لگے ہو۔"

"آج دیکھا آپ نے۔ اگر ایک چابک بھی میرے جسم پر پڑ جاتا تو مجھے خودکشی ہی کرنی پڑتی۔"

"میں نے دیکھا تھا تم بہت پھرتیلے ہو۔ بہت زیادہ اور اسی لئے میں تمہیں ڈرپوک بھی نہیں سمجھتی۔ تم اس وقت بھی اس سے بڑی بے پروائی سے گفتگو کر رہے تھے جب وہ چابک ہلاتے ہلاتے جھک گئی تھی۔"

"کیا آپ چاہتی ہیں کہ میں یہاں سے نہ جاؤں۔"

"ہاں میں یہی چاہتی ہوں۔"

"میں وجہ ضرور پوچھوں گا محترمہ شہر زاد....!"

"میں سوچتی ہوں کہ تم پر اعتماد نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہم سب کا خیال ہے کہ تم کوئی اسٹوڈنٹ ہو اور محض ایڈونچر کی خاطر یہاں آ گھسے ہو۔ کیونکہ چچا جان کی جھک سارے شہر میں

شہر ہے۔"

"آہم....! آپ بھی یہی سمجھتی ہیں۔ اچھا پھر....!"

"ایڈونچر کی خاطر میں تمہارے لئے ایک اچھا موقع فراہم کر سکتی ہوں۔"

"میں تیار ہوں۔"

"ہم زوبی کے کمرے کی تلاشی لیں گے۔"

"آہم.... کس لئے محترمہ شہر زاد۔"

"بس یونہی.... میں وجہ نہیں جانتی۔ بس دل چاہتا ہے۔ چچا جان اس سے بہت خوفزدہ رہتے ہیں۔ لیکن انداز زن مرید شوہروں کا سا نہیں ہے۔ میں نے بہتیرے مرد دیکھے ہیں جو اپنی بیویوں سے ڈرتے ہیں لیکن تم خود سوچو! کیا ایسے شوہر اپنے بیویوں کے سادہ چیکوں پر دستخط بھی کرتے ہوں گے۔ آخر چچا جان ایسا کیوں کرتے ہیں۔"

"آپ بہت ذہین ہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "کسی اور کی اس پر نظر نہ پڑی ہوگی۔"

"اس معاملے میں تم مجھ سے متفق ہونا۔"

"میں متفق ہوں۔ لیکن آپ تلاشی کیوں لینا چاہتی ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ زوبی چچا جان کو بلیک میل کر رہی ہے۔"

"آپ واقعی بہت ذہین ہیں۔ ہو سکتا ہے.... مگر تلاشی۔"

"پوری بات سنو۔" شہر زاد جھلا گئی۔ حمید خاموش ہو گیا اور بولی۔ "ہو سکتا ہے اس کے قبضے میں کچھ ایسا مواد ہو۔ میرا مطلب بلیک میلنگ اسٹف....!"

"میں سمجھ گیا۔ اچھا میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی مدد کروں گا۔"

"شائد آج رات زوبی واپس نہ آئے گی۔ مگر کمرے کا قفل....!"

"آپ قفل کی پرواہ نہ کیجئے۔" حمید نے کہا اور اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

خوفناک دھماکہ

لیڈی نے بیہوش انور کو صوفے پر ڈال دیا۔ وہ اپنی کوٹھی میں پہنچ چکا تھا۔

ڈاکٹر کے آنے میں دیر نہیں لگی۔ ڈاکٹر انور کا زخم دیکھنے لگا اور فریدی نے اپنے بازو کا زخم خود ہی دیکھنا شروع کر دیا۔ زخم زیادہ گہرا نہیں تھا اس نے خود ہی اسے صاف کر کے بائیں ہاتھ سے بینڈیج کر لی۔ ڈاکٹر کی موجودگی ہی میں انور کو ہوش آ گیا تھا لیکن وہ خاموش پڑا رہا۔ ڈاکٹر کے جانے ہی بڑبڑانے لگا۔

"میں بالکل گدھا ہوں۔ اچھا خاصا دیوار سے لگا کھڑا تھا۔ قریب ہی آہٹ محسوس ہوئی اور میں کچھ ایسا خالی الذہن ہو رہا تھا کہ خواہ مخواہ آگے بڑھ گیا اور پھر ظاہر ہے۔ بے خبری میں سبھی کا یہی حشر ہوتا ہے۔"

"فکر مت کرو۔" فریدی اپنی آستین الٹ کر بینڈیج کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ "ہم بھی حماقت سے خالی نہیں ہیں۔"

"کیا ہوا۔"

"خنجر.... اتفاقاً نظر اٹھ گئی۔ ورنہ یہ زندگی کی آخری رات ہوتی۔ خیر کچھ بھی ہو۔ یہ معلوم ہی ہو گیا کہ وہ بے خبر نہیں ہیں اور لسٹ میں ایک نئے نام کا اضافہ ہوا پرنس شمشاد....!"

"پرنس شمشاد....!" انور نے حیرت سے دہرایا۔

"ہم پرنس جسپال کا تعاقب کرتے ہوئے وہاں پہنچے تھے۔ قریب قریب سبھی چوٹی کے لوگ ہیں۔ سر جگدیش، سیٹھ گنگولی، زوبی تو موجود تھی ہی۔ وہ بھی تنظیم میں کسی بڑی حیثیت کی مالک معلوم ہوتی ہے۔ پرنس شمشاد موجود نہیں تھا اور اس کے متعلق کہا گیا تھا کہ وہ تنظیم سے برگشتہ ہو گیا ہے۔ یہ آدمی اپنے کام کا معلوم ہوتا ہے اور سنو.... اب یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ تجارتی پالیسی کو ناکام بنانے کے لئے آئندہ کون سا طریقہ اختیار کریں گے۔"

"کیا....!"

"کچھ نہیں.... اب شائد ہی وہ اسے بروئے کار لائیں۔ اس لئے اس کا تذکرہ ہی فضول ہے۔ یہ بھی عجیب معاملہ ہے۔ مجرم سامنے ہیں لیکن میں انہیں گرفت میں نہیں لے سکتا۔"

"کیوں....؟ کیا دشواری ہے۔"

"ثبوت.... ثبوت کہاں سے مہیا کروں گا اور ثبوت مہیا کئے بغیر ان میں سے کسی کو ہاتھ درد سری ہی ثابت ہو گا۔ نہیں ان پر ہاتھ ڈالنا ویسے بھی فضول ہی ہو گا۔ اس طرح ہم اس ا

مجرم تک نہ پہنچ سکیں گے جس نے تنظیم کی داغ بیل ڈالی ہے۔"

انور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو.... اوہ.... تم کیوں؟ واقعی.... شاباش.... اچھا فرزند.... میں اُسے ہر قیمت پر اسی وقت حاصل کرنا چاہوں گا۔ تم کسی نہ کسی طرح اُسے لے کر عقبی پارک میں پہنچ جاؤ۔ میں آ رہا ہوں۔ تم نے ایک بہترین کارنامہ سرانجام دیا ہے۔"

فریدی نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کے چہرے پر دبے ہوئے جوش کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اس نے انور کی طرف دیکھ کر کہا۔ "چلو ایک مشین تو ہاتھ لگی۔"

"کیسی مشین.... کون تھا....؟" انور نے پوچھا۔

"حمید نے ویسی ہی ایک مشین زوبی کی خواب گاہ سے برآمد کر لی ہے جیسی اس نے جیمس اینڈ ہارٹن تمباکو فروش کی دوکان میں دیکھی تھی۔ اچھا انور اب تم آرام کرو۔ میں اس سے اسی وقت ملوں گا۔"

"میں بھی چلوں۔"

"نہیں.... ضرورت نہیں۔"

پندرہ منٹ کے اندر ہی اندر فریدی وہاں سے روانہ ہو گیا۔ اس کا زخمی بازو اب بہت زیادہ تکلیف دہ ہو گیا تھا اور اسٹیئرنگ کرنے میں کافی دشواری محسوس ہو رہی تھی لیکن اُسے شاید اپنے بچنے سے انس ہی نہیں بلکہ عشق تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد کیڈی منزل مقصود پر پہنچ گئی۔ سر فیروز کی کوٹھی کا عقبی پارک سنسان پڑا تھا۔ اس کا رقبہ چار فرلانگ سے کسی طرح کم نہ رہا ہو گا اور اندھیری رات میں یہاں کسی کو تلاش کر لینا آسان کام نہیں تھا۔ یہاں پہنچ کر فریدی کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ کہاں بھٹکتا پھرے۔ معلوم نہیں حمید کس حصے میں ہو گا۔

اُس نے اپنے زخمی بازو پر ہاتھ رکھ کر سسکی سی لی اور چاروں طرف اندھیرے میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔

اچانک اسے تھوڑے ہی فاصلے پر کئی قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ ایک درخت کے تنے سے لپٹ کر کھڑا ہو گیا۔

آنے والے اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر رک گئے۔ پانچ آدمیوں کے دھندلے مجسمے۔

"تم لوگ یہیں ٹھہرو۔" یہ کسی عورت کی آواز تھی۔ فریدی نے صاف پہچان لیا۔ بولنے والی زوبی کے علاوہ اور کوئی نہیں تھی۔

"اب کیا ارادہ ہے۔ لیڈی زوبی۔"

"نیا سیکریٹری.... اب مجھے یقین آگیا ہے کہ وہ فریدی ہی کا کوئی جاسوس ہے۔ میں اسے یہاں لاؤں گی اور تم لوگ اسے اٹھا کر وہیں لے جاؤ گے۔"

فریدی کے ہونٹ بھینچ گئے۔ پانچ سایوں میں سے ایک عمارت کی طرف بڑھ رہا تھا۔

❁

حمید کے لئے کوٹھی سے نکلنا مشکل نہیں تھا کیونکہ کوٹھی میں کتے نہیں تھے۔ مشین اس نے حاصل کرلی تھی البتہ شہزاد کو اپنی کوششوں میں ناکامی ہوئی تھی۔ وہ کوئی ایسی چیز نہ حاصل کر سکی جو اس کے خیال کی تائید کرتی۔

کوٹھی میں ہر طرف سناٹا تھا۔ کلاک نے ڈیڑھ بجائے اور حمید عقبی پارک کی طرف روانہ ہو گیا۔ پارک میں پہنچ کر اسے بہر حال خود کو چھپانا تھا کیونکہ زوبی باہر تھی حالانکہ عقبی پارک کی طرف سے اسکی واپسی کا امکان نہیں تھا پھر بھی حمید احتیاطاً درختوں کے جھنڈ کی طرف بڑھ گیا۔

ہر طرف اندھیرے کی حکمرانی تھی۔ سناٹے میں جھینگروں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ اچانک کسی اُلو کی تیز آواز سناٹے میں دور تک لہراتی چلی گئی۔ اسی قسم کی دوسری آواز پر حمید کو چونکنا پڑا.... تیسری.... چوتھی.... اور پانچویں.... آوازوں نے تو اسے اچھی طرح ہوشیار کر دیا۔

اور وہ قریب کی جھاڑیوں میں گھستا چلا گیا۔

آواز ایک بار پھر سناٹے میں لہرائی اور یک بیک حمید بھی اُلو ہو گیا۔ اس کے حلق سے بھی اسی قسم کی چند آوازیں نکل کر فضا میں منتشر ہو گئیں جن کا جواب فوراً ہی ملا اور پھر سناٹا چھا گیا۔

اُسے یقین تھا کہ اس نے غلطی نہیں کی۔ اُلو کی سی آوازیں نکالنے والا فریدی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک مخصوص اشارہ تھا اور فریدی کی اپنی ایجاد.... وہ مختلف قسم کے پرندوں اور جانوروں کی آوازیں نکالنے پر قادر تھا اور اکثر انہیں محض اشاروں کے طور پر استعمال کرتا تھا۔

اُلو کی آواز کا یہ مطلب تھا کہ "خطرہ ہے چھپ جاؤ۔"

اس نے پھر وہی آواز سنی۔ اس بار آواز بہت قریب سے آئی تھی شاید فریدی اس کی آواز

ہی اس تلاش میں چل پڑا تھا۔ حمید کو بھی پھر اُلو بننا پڑا۔ اُسے یہ حرکت انتہائی مضحکہ خیز معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن یہ طریقہ پہلے بھی کئی بار کار آمد ثابت ہو چکا تھا۔ اس لئے اس کی افادیت سے تو انکار کیا ہی نہیں جا سکتا تھا۔ اُسے وہ واقعہ بھی یاد آگیا جب ایک بار فریدی کو اندھیرے میں کتوں کی طرح بھونکنا پڑا تھا اور اس حرکت کی بناء پر ایک بہت بڑی کامیابی اس کے حصے میں آئی تھی۔

جھاڑیوں میں سرسراہٹ ہوئی اور کسی نے آہستہ سے کہا۔ "حمید تم ہو۔"

"نہیں میں اس کی مادہ ہوں۔" حمید لچک کر بولا۔

"ہاں.... مشین بھی ہے لیکن وہ میرے علاوہ اور کسی پر شبہ نہیں کرے گی۔"

"تم اب یہاں نہیں رہو گے۔" فریدی بولا۔ "جلدی کرو۔ کیڈی پارک کے باہر موجود ہے۔"

"مگر میں تو یہیں رہنا چاہتا ہوں۔ بڑی مشکل سے ایک کوراہ پر لایا ہوں، ارے واہ۔"

"بکواس مت کرو.... چلو....!"

"چلنا تو پڑے ہی گا۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ "مگر خطرہ کیا تھا۔"

"چار آدمی تمہارے منتظر ہیں اور زوبی تمہیں یہاں سے لانے کے لئے اندر گئی ہیں۔"

"آہا.... تو کیا واقعی وہ مجھے پہچان گئی ہے۔"

"نہیں! لیکن تم بعد کے حالات سے واقف نہیں ہو.... چلو....!"

"ارے.... میں اپنے جوتے وہیں چھوڑ آیا ہوں۔" حمید نے رو دینے والی آواز میں کہا۔

"کام خراب کرو گے۔" فریدی جھنجھلا گیا۔ "جاؤ.... چلو....!"

"میں کہاں جاؤں.... اور آپ....!"

"کیڈی زیادہ دور نہیں ہے۔" وہ اس کی گردن ایک طرف گھماتا ہوا بولا۔ "بس سیدھے چلے جاؤ۔ جھاڑیوں کا سلسلہ جہاں ختم ہوتا ہے وہاں سے دس یا بارہ گز کے فاصلے پر ایک گہری کھائی ہے۔ کیڈی تمہیں وہیں ملے گی۔ سیدھے گھر ہی جانا۔ مشین کی حفاظت ضروری ہے۔"

حمید کو وہیں چھوڑ کر فریدی پھر جھاڑیوں سے نکل گیا۔

کھائی کے قریب پہنچ کر وہ ایک لمحے کے لئے رکا اور جھک کر کھائی کی گہرائی کا اندازہ کرنے لگا۔ اوپر سے کیڈی کی تلاش فضول تھی کیونکہ کھائی کے اوپر درختوں کا سایہ تھا۔

وہ نیچے اترنے کے لئے کوئی اچھا سا راستہ تلاش کرنے لگا لیکن اس نے جو طریقہ اختیار کیا تھا

اسے احمقانہ ہی کہنا چاہئے۔ وہ زمین پر بیٹھ کر ہاتھ سے ٹٹول ٹٹول کر نیچے اترنا چاہتا تھا۔ مگر اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا کیونکہ درختوں کی گھنی شاخوں نے اس جگہ کو تاروں کی چھاؤں سے بھی محروم کر دیا تھا۔ اچانک اُسے نیچے ایک جگہ ایک ننھی سی چمکدار چیز دکھائی دی جو برابر حرکت کر رہی تھی لیکن اس کے دائرہ عمل میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ پھر کافی دیر بعد یہ بات اس کی سمجھ میں آئی کہ کوئی ایک ننھی سی ٹارچ روشن کر کے اسے نیچے آنے کا اشارہ کر رہا ہے۔ ایسی ایک ٹارچ فریدی کے جیب میں رہا کرتی تھی۔

حمید نیچے اترنے لگا۔ وہ روشنی ہی کی طرف دیکھتا ہوا راستہ طے کر رہا تھا۔ نیچے پہنچ کر اسے کیڈی دکھائی دی جو زیادہ دور نہیں تھی۔

"کدھر گئے جناب۔" حمید منمنایا لیکن دوسرے ہی لمحے میں ایک ٹھنڈی سی چیز اس کی داہنی کنپٹی سے آ لگی۔

"اسے پچھلی سیٹ پر رکھ دو۔" کسی نے آہستہ سے نرم آواز میں کہا۔

"تم....!" حمید ہکلایا۔

"پرواہ نہ کرو.... میں بُرا آدمی نہیں ہوں۔ ویسے تمہاری کنپٹی پر فاؤنٹین پن نہیں رکھا ہے۔"

حمید نے داہنے ہاتھ سے پچھلی نشست کا دروازہ کھولا اور بائیں ہاتھ سے مشین اندر رکھ دی۔

"اب پیچھے ہٹ جاؤ۔ ٹھیک .... شکریہ۔" اُس نے کہا "اور زیادہ شکر گذار ہوں گا اگر میرے لئے کار ڈرائیو کرو۔"

اس کی آواز ابھی تک سرگوشیوں کی حد سے آگے نہیں بڑھی تھی۔ ورنہ ممکن تھا کہ حمید آواز سے اسے پہچاننے کی کوشش کرتا۔

وہ چپ چاپ اگلی سیٹ پر جا بیٹھا۔ ایسے آدمیوں کا اسے تجربہ تھا۔ جو حاوی ہو جانے کے باوجود بھی نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ اس لئے وہ بے چوں وچرا تعمیل کر رہا تھا۔ ایسے لوگ جو گاہے سہلاتے سہلاتے تھپڑ مار دیں اُسے بالکل پسند نہیں تھے اور وہ اس نامعلوم آدمی میں کسی ایسے آدمی کی پرچھائیں دیکھ رہا تھا۔

"روشنی کئے بغیر چلتے رہو۔ یہاں کی سطح بالکل ہموار ہے۔ بے کھٹکے چل سکتے ہو۔ میں تم پر اعتماد کرتا ہوں اس لئے میں نے تمہاری جیبیں بھی نہیں ٹٹولیں۔ لیکن ریوالور بہر حال گردن

رہے گا۔ کیونکہ تم زیادہ نیک نام نہیں ہو۔ ویسے پیارے بہت ہو۔"

حمید بھنا کر رہ گیا لیکن کچھ بولا نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اس سے کس طرح نپٹا جائے۔

کیڈی اندھیرے میں چلتی رہی۔ حمید اب بھی ریوالور کی نال اپنی گردن پر محسوس کر رہا تھا دور چلنے کے بعد وہ بڑبڑایا۔

"کب تک اندھیرے ہی میں چلنا پڑے گا۔ مجھے دشواری ہو رہی ہے۔ لیکن اسے اس کا کوئی جواب نہیں ملا۔"

"دیکھو دوست.... تم زیادتی کر رہے ہو۔" حمید نے پھر کہا لیکن اس بار بھی جواب نہ ملا۔

"میں نہیں جاؤں گا۔" حمید نے جھلا کر کیڈی روک دی لیکن اس پر بھی نامعلوم آدمی نے کچھ نہیں کہا البتہ ٹھنڈا لوہا اب بھی حمید کی گردن سے چپکا ہوا تھا۔

اُس نے آہستہ سے ہاتھ بڑھا کر دروازے کا ہینڈل گھمایا اور باہر چھلانگ لگا دی۔ کوئی ٹھوس چیز کیڈی میں گری اور ساتھ ہی ایک زبردست دھماکہ ہوا اور حمید منہ کے بل زمین پر گرا۔ پھر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس پر شعلوں کی بارش ہو گئی ہو۔ وہ زخمی کتوں کی طرح چیخنے لگا۔

❁

فریدی کافی دیر سے زوبی کا منتظر تھا لیکن وہ ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔ اس کے ساتھی اب تک وہیں کھڑے تھے جہاں وہ انہیں چھوڑ کر گئی تھی۔

اچانک ایک زوردار دھماکہ ہوا اور ایسا معلوم ہوا جیسے سارا پارک پل بھر کے لئے روشنی میں نہا گیا ہو۔ چاروں آدمی بھڑک کر ادھر اُدھر بھاگنے لگے۔ پھر فریدی نے متواتر چیخیں سنیں اور چپ کر رہ گیا کیونکہ آواز حمید کی تھی۔

دوسرے لمحے میں وہ بے تحاشہ اس طرف بھاگ رہا تھا۔ جہاں اب بھی روشنی نظر آ رہی تھی۔

وہ کھائی میں کود پڑا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر کیڈی دھڑا دھڑ جل رہی تھی۔ حمید اس سے زیادہ دور نہیں تھا۔ وہ زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا اور اب چیختے چیختے اس کا گلا بیٹھنے لگا تھا۔ فریدی نے جھپٹ کر اسے بازوؤں میں اٹھایا اور مخالف سمت میں دوڑنے لگا۔ کیڈی کا ڈھانچہ جل رہا تھا۔ ابھی ٹنکی نہیں پھٹی تھی۔ ورنہ اس کے بھی پرخچے اڑ گئے ہوتے۔ فریدی کی بدحواسی کا سبب یہی خیال تھا۔

وہ جلد سے جلد خطرے کی حدود سے نکل جانا چاہتا تھا۔ حمید اس کے کاندھے پر پڑا چیخ رہا تھا اور اس طرح دوڑ رہا تھا جیسے ملک الموت اس کے تعاقب میں ہو۔

ایک دل ہلا دینے والا دھماکہ پھر ہوا اور فریدی گرتے گرتے بچا بالکل ایسا معلوم ہوا جیسے زلزلہ آگیا ہو۔

حمید اس طرح چیخ رہا تھا جیسے وہ کوئی چیخنے کی مشین ہو۔ فریدی دوڑتا رہا اس کے زخمی بازو تکلیف نہ جانے لاشعور کے کس تاریک نہاں خانے میں جاسوئی تھی۔

حمید کی جان بچانے کے لئے وہ اپنی تکلیف بھول گیا تھا۔

زخمی بھیڑیا

آئی۔جی کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں تھیں وہ بہت زیادہ فکر مند نظر آرہا تھا۔ فریدی بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر ذہنی اذیت کے آثار تھے۔

"تو آپ مجھے اجازت نہیں دیں گے۔" دفعتاً اس نے کہا۔

"دیکھو بھئی.... میں تمہیں کس طرح سمجھاؤں۔"

"حمید کی حالت نازک ہے.... اگر وہ مر گیا.... تو آپ جانتے ہیں کیا ہوگا۔" دفعتاً فر چہرہ سرخ ہو گیا اور آنکھیں آگ اگلنے لگیں۔ "یہ شہر جہنم بن جائے گا۔ میں جواب تک قانو حفاظت کرتا رہا ہوں۔ قانون شکن بن جاؤں گا۔"

"یہ تم مجھے سنا رہے ہو۔" آئی جی کو بھی غصہ آگیا۔

"آپ ایک سیٹھ گنگو کو بچا رہے ہیں، بچائیے... میں دیکھتا ہوں کہ آپ کس کس کو بچاتے

"تم ہوش میں ہو یا نہیں کس سے بات کر رہے ہو۔"

"نہیں میں ہوش میں نہیں ہوں۔"

"تب تم جا سکتے ہو۔ پھر کسی وقت ملنا.... میں ایسا قدم اٹھانے کی اجازت ہرگز نہیں سکتا جس سے محکمے پر حرف آئے۔"

"شکریہ....!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "میں دیکھوں گا کہ اپنی ذمہ داری پر کتنا کچھ کر سکتا ہو

"ٹھہرو....!" آئی جی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اس کا خیال رکھنا کہ تمہارا مخصوص اجازت نامہ منسوخ ہو چکا ہے۔"

"میں جانتا ہوں لیکن وجہ نہیں پوچھوں گا۔"

"وجہ میں ضرور بتاؤں گا.... ٹھہرو.... فریدی.... ٹھہر جاؤ.... میں تم سے عمر میں بہت بڑا ہوں۔ میری بات سنو۔ ورنہ منہ پر تھپڑ مار دوں گا۔"

فریدی دروازے کے قریب پہنچ کر رک گیا لیکن آئی جی کی طرف نہیں مڑا۔ آئی جی کہتا رہا۔ "جب وزیر تجارت خود ہی زوبی کی حمایت کر رہے ہیں تو پھر ہم کیا کر سکتے ہیں۔ زوبی نے خاص طور پر تمہاری شکایت کی ہے اسی لئے مخصوص اجازت نامہ منسوخ کر دیا گیا ہے۔"

فریدی آئی جی کی طرف مڑا۔ اب اس کا چہرہ پُر سکون ہو چکا تھا اور آنکھوں میں پھر وہی پرانی خمار آلود کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔

"وزیر تجارت....!" اس نے تمسخر آمیز لہجے میں کہا۔ "عہدہ آدمی نہیں بناتا۔ عورت کے معاملے میں وہ بھی ایک معمولی مرد ہیں۔ لیکن یہ عہدہ کل کسی دوسرے آدمی کو بھی مل سکتا ہے۔ ہم اور آپ جہاں کے تہاں رہیں گے۔ قانون بنانے والے نہیں جانتے کہ قانون کی حفاظت کے سلسلے میں کونسی دشواریاں پیش آتی ہیں۔ بعض اوقات قانون کی حفاظت کے لئے غیر قانونی طریقے بھی اختیار کرنے پڑتے ہیں۔"

"ہمیں وہیں رہنا چاہئے جہاں ہم ہیں۔ بس میں اتنا ہی کہنا چاہتا ہوں۔"

"ملک کی تباہی میں نہیں دیکھ سکوں گا، خواہ میں اپنی جگہ رہوں یا نہ رہوں۔ میرا نیلگوں آسمان بے کرانہ....!"

فریدی آئی جی کے کمرے سے نکل گیا۔

❁

نصرت خان کسی زخمی درندے کی طرح جھلایا ہوا تھا۔ حالانکہ ڈاکٹر نے اسے مکمل طور پر آرام کرنے کو کہا تھا لیکن وہ اس کی پروانہ کر کے چھڑی ٹیکتا ہوا لنگڑاتا پھر رہا تھا اور اس کی حالت اس زخمی کتے کی سی تھی جو جھلاہٹ میں مکھیوں پر بھی بھونکنے لگتا ہے۔ صبح سے اب تک اس نے پوری عمارت کو کباڑ خانہ بنا کر رکھ دیا تھا جو چیز سامنے پڑ گئی اسی پر غصہ اتار کر رکھ دیا۔ سارے نوکر

اپنے اپنے کمروں میں بند ہو کر بیٹھ رہے تھے۔ کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس کا سامنا کر سکتا۔ نتیجہ ظاہر ہے صبح سے نصرت خان کو ایک کپ چائے بھی نہیں نصیب ہوئی تھی۔ اس پر اُسے اور زیادہ تاؤ آ رہا تھا۔ قریب تھا کہ وہ نوکروں کے کوارٹروں پر ہلہ بول دیتا کہ زوبی آ گئی۔ نصرت خان جہاں تھا وہیں تھم گیا۔

زوبی نے متحیرانہ انداز میں کمرے کی حالت دیکھی۔ میز اور کرسیاں الٹی پڑی تھیں۔ دیوار سے لگی تصویروں کے فریم شیشوں سے محروم ہو چکے تھے۔ خوشنما گلدانوں کے ریزے فرش پر بکھرے ہوئے تھے۔

"یہ کیا ہوا....!" زوبی اسے گھورتی ہوئی بولی۔

نصرت خان نے کوئی جواب نہ دیا۔

"تم بولتے کیوں نہیں ڈیئر....!"

"ڈیئر کی بچی... میں صبح سے بھوکا ہوں اور تمہاری تہذیب پر لعنت بھیجنے کو دل چاہتا ہے۔"

"کیوں.... تم بھوکے کیوں ہو۔"

نصرت خان لنگڑاتا ہوا اسکی طرف بڑھتا رہا لیکن اس وقت اُسکے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"او.... زوبیا.... تو بہت حسین ہے.... زوبیا.... تو میرے لئے چائے تیار کرے گی۔"

"نوکر کہاں گئے۔"

"جہنم میں۔" نصرت خان نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ "تم میرے لئے چائے تیار کرو۔"

"میں نے ایسے کام کبھی نہیں کئے۔"

"تب تم عورت ہو یا کتیا۔ پھر تمہارا کیا مصرف ہے۔"

"کیا تم کبھی تمیز سے گفتگو نہیں کر سکتے۔"

جواب میں نصرت خان نے اس کے بازو پر اپنی گرفت اتنی سخت کر دی کہ اس کے منہ سے چیخیں نکلنے لگیں۔

نصرت خان اُسے کھینچتا ہوا کمرے سے باہر لے جانے لگا۔

"مجھے چھوڑو.... چھوڑو.... مجھے جانور....!"

نصرت خان اُسے گھسیٹتا رہا حتیٰ کہ وہ باورچی خانے میں پہنچ گئے۔

"جاؤ.... چائے تیار کرو....!" نصرت خان اسے دھکا دیتا ہوا بولا۔

وہ باورچی خانے کے فرش پر گری۔

"کیا میں تمہاری لونڈی ہوں۔" زوبی پاگلوں کی طرح چیخی۔

"چائے۔" نصرت دانت پیس کر بولا۔ "اگر تم نے چائے نہ بنائی تو مارتے مارتے کھال گرا دونگا۔"

"نہیں بناؤں گی۔"

"اچھا....!" نصرت خان اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "دیکھتا ہوں۔"

اس نے جھپٹ کر بائیں ہاتھ سے اس کے بال جکڑ لئے اور ساتھ ہی داہنا ہاتھ گال پر پڑا۔

زوبی پاگل کتیا کی طرح چیخنے لگی۔

لیکن چائے تو اسے بنانی ہی پڑی۔ صرف چائے نہیں بلکہ پورا ناشتہ تیار کرنا پڑا۔ نصرت خان ملک الموت کی طرح سر پر سوار تھا۔

اتنی مار اگر کسی دوسری عورت پر پڑی ہوتی تو کم از کم اس کی آنکھوں پر ورم تو آ ہی گیا ہوتا لیکن زوبی کی آنکھیں.... وہ اب بھی پُر سکون تھیں ان میں ہلکی سی نمی بھی نہیں محسوس کی جا سکتی تھی۔ البتہ گال سرخ ہو گئے تھے اور کہیں کہیں وہ سرخی ہلکی سی نیلاہٹ میں بھی تبدیل ہو گئی تھی۔

زوبی نے ناشتہ باورچی خانے ہی کی میز پر لگا دیا۔

اور پھر جب نصرت خان سلائیس کے لئے ہاتھ بڑھا رہا تھا زوبی نے تلخ لہجے میں کہا۔ "میں جسمانی طور پر تم سے بہت کمزور ہوں اس لئے تم مجھ پر ظلم کرتے ہو.... لیکن فریدی نے پچھلی رات تمہیں روشندان میں ٹھونس دیا تھا اور تم اس وقت لنگڑاتے پھر رہے ہو۔"

نصرت خان میز سے اٹھ گیا۔ چند لمحے زوبی کو خونخوار نظروں سے گھورتا رہا پھر ناشتے کی میز الٹ دی۔ اگر زوبی اچھل کر پیچھے نہ ہٹ گئی ہوتی تو اسے لنگڑانے کی بجائے شائد زندگی بھر گھسٹنا پڑتا کیونکہ میز بہت بڑی اور فولاد کی بنی ہوئی تھی۔ نصرت خان چپ چاپ باورچی خانے سے نکل گیا لیکن اسکے اس رویئے پر نہ جانے کیوں زوبی کانپ کر رہ گئی۔ نہ جانے کیوں اسکی خاموشی اسکے غصے سے بھی زیادہ خوفناک معلوم ہوئی تھی۔ وہ بھی بڑی تیزی سے باورچی خانے سے نکلی.... نصرت آگے جا رہا تھا۔ اس کی لنگڑاہٹ غائب ہو چکی اور وہ اچھے خاصے آدمیوں کی طرح چل رہا

تھا۔ زوبی بہت ذہین تھی۔ وہ اس کا مطلب سمجھتی تھی وہ جانتی تھی کہ ذہنی ہیجان کی بناء پر وہ اس بات کو بھول گیا ہے کہ اس کا پیر اکھڑ گیا ہے اُسے تکلیف کا احساس ہی نہیں رہ گیا۔ پھر زوبی نے اسے اس کمرے میں جاتے دیکھا جس میں پھینکے جانیوالے خاص قسم کے خنجروں کا اسٹاک رہتا تھا۔

زوبی بچوں کے بل دوڑنے لگی۔ شاید وہ بھی پاگل ہو گئی تھی۔ اس نے بے تحاشہ دروازہ کھینچ کر بند کر دیا۔

"زوبی.... میں تجھے مار ڈالوں گا۔" نصرت خان اندر سے دھاڑا۔ "دروازہ کھول دے۔"

"نہیں.... دروازہ نہیں کھلے گا۔" زوبی ہسٹریائی انداز میں چیخی۔ "دروازہ نہیں کھلے گا تم پاگل ہو گئے ہو۔"

نصرت خان دروازے پر ٹکریں مارنے لگا مگر زوبی کو یقین تھا کہ دروازہ کمزور نہیں ہے۔

اچانک دوسرے کمرے میں فون کی گھنٹی بجی اور متواتر بجتی ہی رہی۔ زوبی نصرت کو کمرے میں چیختا چھوڑ کر فون والے کمرے میں چلی گئی۔

"ہیلو ضرغام....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ضرغام سو رہے ہیں۔" زوبی نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "آپ کون ہیں۔"

"اوہ.... کون زوبی.... تم یہاں ہو۔"

اور اب زوبی نے بھی اس کی آواز پہچان لی۔ وہ "طاقت" کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

"آپ ہیں۔" زوبی نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ "ضرغام پاگل ہو رہا ہے۔ میں نے اسے کمرے میں بند کر دیا ہے۔"

"اسے کیا ہوا۔"

"پچھلی رات....!"

"اوہ....! پچھلی رات کی باتیں مجھے معلوم ہیں۔ اس وقت کیا ہوا۔ مگر نہیں ٹھہرو۔ ہم فون پر گفتگو نہیں کریں گے۔ ضرغام کی خواب گاہ میں جاؤ۔ سمجھیں۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا اور زوبی ریسیور رکھ کر ضرغام کی خواب گاہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ یہاں ویسی ہی ایک مشین موجود تھی جیسی پچھلی رات زوبی کے کمرے سے چرائی گئی تھی۔ تھوڑی دیر میں اُس نے اس مشین پر "طاقت" سے رابطہ قائم کر لیا۔

"فریدی سے ہوشیار رہو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "میں نے تمام مشینیں شہر کے مختلف سٹیشنوں سے ہٹوالی ہیں اور اس گفتگو کے بعد تم یہ مشین بھی اس کمرے سے ہٹا دو گی۔ ریکارڈنگ روم میں ایک تہہ خانہ ہے۔ تم تو جانتی ہی ہو اسے وہیں پہنچا دینا۔ پچھلی رات ضرغام کی وجہ سے کام خراب ہو گیا۔ اگر اس نے فریدی کو چھیڑا تھا تو پھر زندہ نہ چھوڑنا چاہئے تھا۔ خیر غلطی انسان ہی سے ہوتی ہے۔ خود میں نے رات ایک زبردست غلطی کی۔ واقعہ سے تو تم واقف ہو۔ فضیل یہ ہے کہ میں نے پچھلی رات حمید سے وہ مشین حاصل کی جسے وہ تمہارے کمرے سے چرا کر لے جا رہا تھا اسی کے ساتھ اس کی کار میں بیٹھ کر اسے ڈرائیو کرنے پر مجبور کیا۔ ریوالور کی نال اس کی گردن سے لگا کر ایک بم کے سیفٹی کیچ سے نکال دیا تھا اور ظاہر ہے کہ پھر میں مشین سمیت کار سے اتر گیا ہوں گا۔ توقع یہ تھی کہ گردن کی خفیف سی جنبش بھی چھڑی کو پیچھے کھسکا دے گی اور بم کا سیفٹی کیچ ہٹ جائے گا اسکیم کو کامیابی ہوئی لیکن حمید کے پرخچے نہ اڑ سکے وہ بچ گیا مجھے خود بھی حیرت ہے کہ وہ کیسے بچ گیا۔ ویسے اسکی حالت خراب ہے۔ سارا جسم زخموں اور آبلوں سے بھرا پڑا ہے۔ جانتی ہو اب فریدی کیا کر رہا ہے۔ تم نے تو وزیر تجارت کی حمایت حاصل کر کے اپنی پوزیشن مضبوط کر لی لیکن آج فریدی سیٹھ گنگولی کو زبردستی پکڑ کر اپنے مکان میں لے گیا اور اس کی اچھی طرح مرمت کی۔ میرا خیال ہے کہ گنگولی نے کم از کم گیارہ بڑوں کے نام تو بتا ہی دیئے ہونگے۔"

"پکڑوا لے گیا۔" زوبی نے حیرت سے کہا۔ "یہ کیونکر ممکن ہے۔ گنگولی کی حیثیت۔"

"گنگولی عیاش طبع آدمی ہے۔ ایک خوبصورت سی اینگلو انڈین لڑکی اُسے ایک غیر آباد مقام پر لے گئی۔ جہاں فریدی کے آدمی پہلے ہی سے موجود تھے انہوں نے اسے بے بس کر کے ایک بند گاڑی میں ڈالا اور لے اڑے۔ جانتی ہو اب وہ کہاں ہے۔"

"کہاں ہے۔"

"پاگل خانے میں۔ اُس کا سر مونڈ دیا گیا ہے اور چہرے پر کالک لگا دی گئی ہے۔ فریدی نے اس کی بھنوئیں تک منڈوا دی ہیں اور اب تم خود سوچو کیا یہ واقعہ گنگولی کے لئے پاگل کر دینے والا نہیں ہے۔ نفسیاتی اعتبار سے سوچنے کی کوشش کرو۔ اتنی بڑی شخصیت کا مالک۔ اسے اس طرح بے بس کر کے پیٹا گیا۔ پھر علانیہ اسے پاگل خانے پہنچا دیا گیا۔ منہ پر کالک لگائی گئی۔ کھلی کار میں پاگل خانے تک لے جایا گیا۔ کیا اس نے وہاں پہنچ کر پاگلوں کی طرح گلا نہ پھاڑا ہو گا کیا وہ جھلاہٹ

میں لوگوں کو مارنے نہ دوڑا ہوگا۔ دنیا کا ہر صاحب اختیار آدمی بے بسی کے عالم میں یہی سب کچھ کرتا ہے۔ پھر جب پاگل خانے والوں کو اس کے پاگل پن پر یقین آجائے گا تو پھر لاکھ وہ کہا کرے کہ وہ سیٹھ گنگولی ہے۔"

"یہ بہت بُرا ہوا.... بہت بُرا.... لیکن پاگل خانے میں رکھنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔" زوبی نے کہا۔

"مقصد یہی ہے کہ ایک پولیس آفیسر کے غیر قانونی رویے کے خلاف احتجاج نہ کیا جا سکے۔ جب تک وہ پاگل خانے میں رکھنا چاہے رکھ سکتا ہے۔"

"کیوں.... کیا کوئی اس کے خلاف کاروائی نہیں کر سکتا۔" زوبی نے پوچھا۔

"علم ہی کسے ہے جو کاروائی کرے گا۔"

"میں کروں گی۔"

"نہیں! میں فی الحال اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔ سارا کام بگڑ جائے گا۔ اُسے اس روشنی میں دیکھو کہ دنیا کی ہر تنظیم قربانیوں کے بعد ہی مستحکم ہوتی ہے ابھی ہمیں اسی قسم کے صدہا تجرباتی ادوار سے گذرنا پڑے گا۔ مجھے یقین ہے کہ گنگولی نے گیارہ بڑوں کے نام ضرور بتائے ہوں گے۔ اب دیکھنا ہے کہ فریدی کیا کرتا ہے۔ جانتی ہو اس نے صرف گنگولی ہی کو کیوں منتخب کیا؟ ویسے سر جگدیش اور کنور جسپال بھی اس کے سامنے ہی تھے۔ آخر اُن میں سے کیوں نہیں؟"

"گنگولی ڈرپوک آدمی ہے۔" زوبی نے کہا۔

"بالکل ٹھیک! یہی بات ہے کنور جسپال یا سر جگدیش جیسے آدمیوں پر وہ ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ گنگولی بڑا آدمی سہی مگر ہے فطرتاً بنیا۔ کیا خیال ہے۔"

"درست ہے۔"

"خیر اسے ہٹاؤ.... تمہاری نظر میں بھی اس کی کوئی اہمیت نہ ہونی چاہئے۔ میں نے تم سے ضرغام کے بارے میں کہا تھا کہ اسے کڑی نگرانی میں رکھنا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ فریدی سے ٹکرانے پائے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ایسا کیوں ہوا۔ مقصد یہ ہے کہ آئندہ ایسا نہ ہونے پائے۔ اگر وہ ہاتھ سے گیا تو تنظیم کا داہنا بازو ٹوٹ جائے گا۔"

"ضرغام کی اہمیت آج تک میری سمجھ میں نہ آسکی۔" زوبی نے کہا۔ "بظاہر اُس نے ابھی

کوئی خاص کام بھی نہیں کیا۔ کیا یہ سب کچھ اس لئے کہ وہ ایک ماہر خنجر انداز ہے۔"

"نہیں زوبی! تم تنظیم کا ایک بہترین دماغ ہو اس لئے ضروری ہے کہ تم ہر معاملے سے باخبر رہو۔ میں سب سے زیادہ تم پر اعتماد رکھتا ہوں۔"

"یہ آپ کی مہربانی ہے۔"

"مہربانی نہیں زوبی۔ میں جانتا ہوں کہ کون کتنے پانی میں ہے۔ میں تمہاری صلاحیتوں سے بخوبی واقف ہوں۔ اچھا تو سنو میں تمہیں بتاؤں۔ ضرغام کا اصل نام نصرت خان ہے اور وہ خان مقلاق کا اکلوتا بیٹا ہے۔ یعنی ہونے والا خان مقلاق۔"

"اوہ....!" زوبی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

دوسری طرف سے آواز آئی۔ "میں جب چاہوں موجودہ خان مقلاق مر سکتا ہے اور نصرت خان مقلاق کا حکمران ہو سکتا ہے۔ غالباً اب تم اس کا مصرف سمجھ گئی ہو گی۔ موجودہ خان ایک طاقتور حکمران ہے اور نصرت خان بھی اس سے کم نہ ہوگا۔ میں دراصل قلعہ مقلاق کو تنظیم کا مرکز بنانا چاہتا ہوں۔ تم خود سوچو۔ کیا اس کے بعد گوبر شاہی "طاقت" سے ٹکرا سکے گی۔ میں ہندوستانی باشندوں کو نئے آلات حرب سے مسلح کروں گا۔ اوہو.... تم گوبر شاہی پر ابھی تک ہنس رہی ہو۔ میں جمہوریت کو گوبر شاہی کہتا ہوں کیونکہ تیور اس کے بھی شاہانہ ہوتے ہیں لیکن چونکہ حکومت کرنے والے بہ آسانی بیچے اور خریدے جا سکتے ہیں اس لئے انہیں گوبر شاہی سے تشبیہ دینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے.... ہاں تو میں تمہیں ضرغام کے متعلق بتا رہا تھا۔ تم نے سنا ہوگا کہ خان مقلاق کا لڑکا، مقلاق کے قلعے سے بھاگ کر اس طرف آگیا ہے، ایک زمانے میں پولیس بھی اُس کی تلاش میں تھی.... زوبی.... وہ خود سے نہیں بھاگا تھا بلکہ میں نے ہی ایسے حالات پیدا کرائے تھے جن کی بناء پر اُسے قلعہ مقلاق سے بھاگنا پڑا.... اور اب یہ بات میں بہت آسانی سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ تنظیم کے حلقے سے نہیں نکل سکتا۔"

"آپ کا خیال درست ہے۔" زوبی نے کہا۔ "مگر فی الحال اُسے کس طرح سنبھالا جائے۔"

اس کے بعد اُس نے پوری داستان دہرا دی۔

"میرا خیال ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "اب اسے یہاں سے ہٹا ہی دینا چاہئے۔ تم فکر نہ کرو۔ اُسے اسی طرح کمرے میں بند رہنے دو اور اب تم اس مشین کو تہہ خانے میں پہنچا

کر یہاں سے چلی جاؤ۔ نوکروں کو سمجھا دینا کہ وہ اپنے کمروں سے باہر نہ نکلیں۔"

"لیکن مجھے اب کیا کرنا چاہئے۔" زوبی نے پوچھا۔

"آرام....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "زوبی.... اب تم آرام کرو اور سارے معاملات مجھ پر چھوڑ دو۔"

کنور شمشاد

حمید کی حالت اب خطرے سے باہر تھی۔ لیکن پھر بھی وہ نقل و حرکت کے قابل نہیں تھا۔ سارے جسم پر بڑے بڑے آبلے تھے اور پنڈلیوں کا تو قیمہ بن گیا تھا۔

دوسری طرف انور کے سر کے زخم نے بھی تشویشناک صورت اختیار کر لی تھی۔ ڈاکٹروں کے اندیشے کے مطابق زہر پھیل جانے کا امکان تھا اور انہوں نے اسے چلنے پھرنے سے روک دیا تھا۔

بظاہر فریدی تنہا رہ گیا تھا لیکن حقیقتاً ایسا نہیں تھا۔ وہ ان لوگوں سے کام لے رہا تھا جو اُس کے محکمے سے متعلق نہ ہوتے ہوئے بھی اُس کے پابند تھے۔ یہ اس کی بلیک فورس کے لوگ تھے جن کا تذکرہ وہ اکثر حمید سے بھی کر چکا تھا لیکن حمید ان میں سے کسی کی بھی شخصیت سے واقف نہیں تھا۔ لیکن وہ اتنا ضرور جانتا تھا کہ فریدی کی بلیک فورس میں کچھ اینگلو انڈین لڑکیاں بھی ہیں یہ بات فریدی ہی نے اُسے بتائی تھی اور ایک بار تو خود اُسے تجربہ[1] بھی ہو چکا تھا۔

فریدی نے اپنی بلیک فورس کی مدد سے سیٹھ گنگولی پر ہاتھ ڈالا۔ کچھ پوچھنے سے قبل کافی دیر تک ہر ہر طرح سے اُس کی مرمت کرتا رہا۔ پھر معاملے کی طرف آیا۔ گنگولی نے اُن دس شخصیتوں کے نام ظاہر کر دیئے جن سے وہ واقف تھا۔ سربراہ کے متعلق وہ کچھ نہ بتا سکا۔ البتہ یہ ضرور تھا کہ میٹنگ میں عام طور پر ہر قسم کی تجاویز زوبی ہی پیش کیا کرتی ہے۔ وزیر تجارت پر حملہ کرنے والے کی شخصیت پر بھی وہ کوئی روشنی نہ ڈال سکا لیکن اس کا اعتراف کر لیا کہ قتل کی اسکیم زوبی ہی نے بنائی تھی۔ جب فریدی اس کا سر اور بھنویں منڈوانے لگا تو گنگولی نے بہت شدت سے احتجاج کیا اور پھر پاگل خانے والی اسکیم سن کر تو اُس کی جان ہی نکل گئی اور وہ سچ مچ پاگلوں کی سی

[1] اس سلسلے کے لئے جاسوسی دنیا کا ناول "سازش کا جال" جلد نمبر 14 ملاحظہ فرمائیے۔

حرکتیں کرنے لگا لیکن وہ بہر حال فریدی کی اسکیم تھی۔ فریدی.... جس کے متعلق اعلیٰ آفیسروں کا خیال تھا کہ کسی حد تک وہ خود بھی دیوانہ ہے۔

اس نے اسے پاگل خانے بھجوا ہی دیا۔ دس آدمیوں کے نام اُسے معلوم ہی ہو چکے تھے۔ ان میں سے کچھ ایسے تھے جو پہلے ہی روشنی میں آ چکے تھے اور بقیہ کے متعلق وہ اس سے زیادہ نہ سوچ سکا کہ وہ عملی اعتبار سے تنظیم میں کوئی خاص مقام نہ رکھتے ہوں گے۔ زیادہ سے زیادہ مالی امداد دیتے ہوں گے.... اور بس!

گنگولی کو ٹھکانے لگا دینے کے بعد اُسے ایک خاص بات یاد آئی جسے وہ پوچھنا بھول گیا تھا۔ اس نے پچھلی رات والے حملہ آور کے متعلق اس سے کچھ نہیں پوچھا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی کوئی اہم ہی آدمی رہا ہو۔ بہر حال اب یہ بات کم از کم گنگولی سے تو نہیں معلوم کی جا سکتی تھی کیونکہ وہ پاگل خانے میں پہنچ چکا تھا اور پاگل خانہ کے منتظمین کو یہ نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ اسے کس نے داخل کرایا ہے۔

فریدی بالکل خالی الذہن ہو رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اس کا دوسرا اقدام کیا ہونا چاہئے۔ گنگولی کو اُس نے محض اس توقع پر پکڑوایا تھا کہ اس سے سرغنہ کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور معلوم ہو سکے گا لیکن وہ کچھ نہ بتا سکا۔

فریدی کافی دیر تک سوچتا رہا۔ اچانک اسے پرنس شمشاد کی حیثیت یاد آئی۔ "وہ تنظیم سے برگشتہ ہو چکا ہے۔" اس کے ذہن میں زوبی کے الفاظ گونجے۔

اگر وہ تنظیم سے برگشتہ ہو چکا ہے تو کافی کار آمد ثابت ہو سکتا ہے۔ فریدی سوچنے لگا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سربراہ سے واقف ہو ورنہ برگشتگی کیا معنی رکھتی ہے۔ ایسے لوگوں سے برگشتگی کا انجام خود اُسے بھی معلوم ہوگا، جو سامنے نہ آتے ہوں جن کی شخصیتیں پردہ راز میں ہوں۔ ایسے لوگوں سے برگشتگی کے خیال سے بھی لوگ لرزتے ہیں کیونکہ معلوم نہیں وہ کب اور کہاں ہاتھ صاف کر لیں۔ یقیناً شمشاد کے لئے سربراہ کی حیثیت پردۂ راز میں نہ ہوگی اسی لئے اُس نے یہ جرأت مندانہ اقدام کیا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے ارکان اس قسم کی حرکت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہ سربراہ کی شخصیت سے واقف نہیں ہیں۔

اب فریدی سوچ رہا تھا کہ پرنس شمشاد سے کس طرح رابطہ قائم کرے۔ ویسے وہ اس کے

متعلق سب کچھ جانتا تھا۔ پرنس شمشاد بھی ریاستوں کے خاتمے سے قبل ایک چھوٹی سی ریاست کا مالک تھا۔ لیکن کیریئر کے اعتبار سے وہ ہمیشہ سے عجیب رہا تھا۔ اُس کا نام شہزور سنگھ تھا اور وہ شہزور تخلص کرتا تھا.... اور شہزور سنگھ کے بجائے پرنس شمشاد ہی کہلانا زیادہ پسند کرتا تھا۔ شکار اور شاعری اس کے محبوب ترین مشاغل تھے۔ ریاست کے خاتمے کے بعد سے وہ گل و بلبل اور لب و رخسار کی شاعری چھوڑ کر انقلابی شاعری کرنے لگا تھا اور اکثر مجلسوں میں فخریہ کہا کرتا تھا کہ حکمرانی کے دور میں بھی اس کے خیالات انقلاب کے حق میں تھے۔ ثبوت میں وہ اپنے عشقیہ اشعار کو کھینچ تان کر انقلاب کے سر منڈھنے کی کوشش کرنے لگتا کبھی کہتا کہ گل سے مراد عوام ہیں اور گلچیں سے مراد پرانا نظام کبھی لب و رخسار کو اعلیٰ معیار حیات ثابت کر کے شاعر کو عوام کا نمائندہ بنا دیتا اور لب و رخسار کے لئے اس کی بے چینی کو عوام کی بے چینی اور خواہش ثابت کر کے جو وہ اعلیٰ معیار حیات کے حصول کے لئے رکھتے ہیں۔

شہر کے درجنوں ناکارہ شاعر اس کے ٹکڑوں پر پلتے تھے۔ ان سے وہ اپنی انقلاب پسندی اور شاعرانہ صلاحیتوں کا پروپیگنڈہ کراتا تھا۔ اس کی یہ حرکت عموماً شاعروں میں ضرور انقلاب برپا کر دیتی تھی۔ اس کے گرگے دوسرے شعراء پر چوٹ کرتے۔ تقدیم و تاخیر کا مسئلہ اٹھاتے اور مشاعرے میں روحِ انقلاب پر چوٹ کرتے۔ تقدیم و تاخیر کا مسئلہ شامیانے کی طنابیں کٹنے کی وجہ سے پرانا نظام سامعین، شعراء اور جناب صدر سمیت وہیں کا وہیں ڈھیر ہو کر رہ جاتا۔ بہر حال یہ تھا پرنس شمشاد۔

اس وقت فریدی کسی قسم کی احتیاط برتنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس نے سوچا کہ اُسے پرنس شمشاد سے براہِ راست گفتگو کرنی چاہئے۔

پرنس شمشاد نے اُسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ وہ ایک تندرست اور وجیہہ آدمی تھا۔ عمر پینتالیس سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ خدوخال تیکھے تھے اور آنکھیں بھوری تھیں۔

"فریدی صاحب میں نے آپ کا نام بہت سنا ہے مگر شاید آپ بہت محتاط ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ آپ کا حلقہ احباب محدود ہے۔" پرنس شمشاد نے کہا۔

"اس سلسلے میں محتاط سے زیادہ لفظ مصروف موزوں ہوگا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"چلئے ایک آدھ بار شکار ہی کی رہے۔ میں نے سنا ہے کہ آپ شکار کا شوق رکھتے ہیں۔"

نے آپ کے کتوں کے متعلق بھی بہت کچھ سنا ہے۔"

"کنور شمشاد! میں اس وقت ایک ضرورت سے آیا ہوں۔"

"ہاں ہاں.... فرمایئے۔ میرے لائق کوئی خدمت۔"

"میں کنور جسپال، سر جگدیش، گنگولی یا بقیہ دوسرے سات آدمیوں میں سے بھی کسی سے مل سکتا تھا۔"

دفعتاً کنور شمشاد کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"میں نہیں سمجھا کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" اس نے آہستہ سے کہا اور اس کی آنکھیں فریدی کے چہرے پر ہی رہیں۔

"میں جانتا ہوں کہ آپ تنظیم سے الگ کر دیئے گئے ہیں۔"

"کیسی تنظیم کرنل فریدی۔"

"طاقت....!"

"میرے خدا....!" کنور شمشاد نے ایک طویل سانس لی۔

فریدی خاموشی سے اس کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا۔

"کرنل فریدی!.... یہ ٹھیک ہے کہ اب میرا اس تنظیم سے کوئی تعلق نہیں۔"

"اور آپ تنظیم کے سربراہ کی شخصیت سے بھی واقف نہیں ہیں۔"

"یہ بھی درست ہے اور یہ حقیقت ہے کہ تنظیم سے میری علیحدگی بھی اسی بناء پر ہوئی ہے۔ اصولی طور پر دیکھئے فریدی صاحب! وہ تنظیم کیسی ہوگی جس کے سربراہ کی شخصیت پردہ راز ہو۔ ظاہر ہے کہ اس کا مقصد نیک نہ ہوگا۔"

"میں آپ سے متفق ہوں۔"

"پہلے میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ تنظیم حقیقتاً ملک و قوم کے لئے سود مند ثابت ہوگی مگر.... اور مجھے تو اب ہنسی آتی ہے۔ میں گیارہ بڑوں میں شامل تھا لیکن مجھے یقین ہے میں تنظیم کی اصلیت سے واقف نہ ہوں گا۔"

"لیکن آپ ان لوگوں تک پہنچے کس طرح تھے۔"

"زوبی....!" شمشاد ٹھنڈی سانس لیکر بولا۔ "لیڈی زوبی! اُسے تو آپ جانتے ہی ہوں گے۔"

"ہاں میں اُسے جانتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "گیارہ بڑوں میں وہ بھی شامل ہے۔"

"تب تو آپ بہت کچھ جانتے ہیں۔ مگر کیا فائدہ.... سربراہ تک پہنچنا آسان کام نہیں ہے۔"

"آپ ان لوگوں میں کس طرح پہنچے تھے۔ فی الحال میں یہ جاننا چاہتا ہوں۔"

"زوبی....!" شمشاد نے پھر ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"زوبی لے گئی تھی۔" فریدی نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔

"ہاں کرنل.... یہ ایک مضحکہ خیز واقعہ ہے۔ عورت.... اور پھر خوبصورت عورت وہ متمول اور ذی اثر لوگوں کو پھانستی ہے اور آہستہ آہستہ ان کے خیالات بدلتی رہتی ہے.... پھر ....وہ اس تنظیم کے چکر میں پڑ جاتے ہیں۔"

"میں سمجھ گیا....!"

"اگر آپ اُن لوگوں کی تاک میں ہیں تو زوبی سے بچے رہئے گا۔" کنور شمشاد مسکرا کر بولا۔

"مگر آپ تنظیم سے الگ کیوں ہو گئے۔"

"یہ بتا کر میں خواہ مخواہ اپنی گردن نہیں پھنساؤں گا۔"

"آپ کی گردن تو اب بھی پھنسی ہوئی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ہرگز نہیں! اگر میری گردن پھنسی ہوئی ہوتی تو وہ لوگ مجھے کبھی کا ختم کر چکے ہوتے۔"

"ٹھیک ہے.... میں سمجھتا ہوں۔ میں نے یہ بات یونہی کہہ دی تھی۔ آپ لوگوں کیخلاف کوئی ثبوت بہم پہنچانا آسان کام نہیں ہے۔"

"ہے نا.... تنظیم کا سربراہ شیطان کا بھی استاد معلوم ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کرنل فریدی کہ میں تنظیم سے الگ نہ ہوتا مگر ایک واقعہ جس نے میری آنکھیں کھول دیں۔ اس علیحدگی کا سبب بنا ہے۔ میں انقلاب پسند ضرور ہوں مگر ذہنی انقلاب میرا نصب العین ہے۔ اس انقلاب سے مجھے نفرت ہے جو خون خرابے کا باعث بنے۔"

فریدی اُس واقعے کا منتظر رہا جو کنور شمشاد کی علیحدگی کا باعث بنا تھا۔ لیکن شمشاد خاموش ہی رہا۔

"کس واقعے نے آپ کی آنکھیں کھول دی تھیں۔" آخر فریدی نے پوچھا۔

"وزیر تجارت کے قتل کی سازش۔"

"اوہ....!"

"واقعی اُس دن آپ نے کمال کیا تھا۔ وہ لوگ اپنا سامنہ لے کر رہ گئے لیکن ایک آدمی پھر بھی شکار ہو گیا تھا۔"

"خنجر کس نے پھینکا تھا۔"

"اس کا مجھے علم نہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس کا علم تین آدمیوں کے علاوہ چوتھے کو نہیں ہوگا۔ سربراہ جانتا ہوگا۔ زوبی یقیناً جانتی ہوگی کیونکہ اسی نے اسکیم بنائی تھی اور خود خنجر پھینکنے والا۔ زوبی بڑی چالاک ہے۔ انتہائی چالاک.... ایک رات اُس نے مجھ پر بھی دو فائر کئے تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ میں کسی عورت کے ہاتھوں مرنا تو ہرگز پسند نہیں کروں گا۔"

"اور آپ نے زوبی کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی۔"

"کاروائی میں اسی وقت کرتا مگر وہ کار پر تھی اور میں پیدل....!"

"میری مراد قانونی کاروائی سے تھی۔"

"نہیں۔ یہ انہیں خواہ مخواہ اشتعال دلانا ہوتا۔ غالباً آپ میرا مطلب سمجھ گئے ہوں گے۔"

"نہیں میں نہیں سمجھا۔"

"میں اَب انہیں چھیڑنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ اندھیرے سے آئے ہوئے تیر سے بچنا بہت مشکل کام ہے۔"

"خیر.... یہ آپ کا اپنا معاملہ ہے۔ ویسے میں تنظیم کے مالیات کے متعلق بھی آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"کرنل اس پر میں صرف گفتگو ہی کر سکوں گا لیکن یہ نہ بتا سکوں گا کہ روپیہ آتا کہاں سے ہے۔"

"گیارہ بڑے مفلس تو نہیں ہیں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"دوسروں کے متعلق میں کچھ نہیں جانتا لیکن میں اپنے بارے میں نہایت صفائی سے کہہ سکتا ہوں کہ آج تک میرا ایک پیسہ بھی تنظیم پر خرچ نہیں ہوا۔"

"پھر وہاں آپ کا کیا مصرف تھا۔"

"صرف انکی میٹنگ میں شریک ہونا۔ یہ بات واضح کر دوں کہ میں بہت پرانا ممبر نہیں تھا۔"

"کیا آپ گیارہویں تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں.... میں آخری تھا۔ میرے بعد کوئی اور نہیں ہوا۔"

"آپ کتنے عرصہ رہے ہیں۔"

"غالباً ایک سال یا اس سے کچھ زیادہ۔ آہا.... وہ بھی بڑا دلچسپ واقعہ تھا۔ زوبی سے ان دنوں نئی نئی دوستی ہوئی تھی اور میں بڑی بڑی عمدہ غزلیں کہہ رہا تھا.... ہاں.... غالباً، ہاں وہی غزل تو تھی.... بہار میں.... خمار.... میں.... قرار میں.... مطلع یاد نہیں ہے اس کا ایک شعر تو...!"

"زوبی سے نئی نئی دوستی ہوئی تھی۔" فریدی نے کام کی بات یاد دلائی۔

"اوہ.... جی ہاں.... جی ہاں.... شکریہ۔ میں بہکنے لگا تھا۔ شائد آپ کو شعر و سخن سے دلچسپی نہیں ہے۔"

"قطعی نہیں۔" فریدی نے کھردرے لہجے میں کہا۔

"بہر حال.... وہ ایک بڑی خوشگوار رات تھی۔ ہم نے یونہی تفریحاً ایک نائٹ کلب میں جوا کھیلنا شروع کیا اور اپنی جیبوں کی آخری پائی بھی ہار گئے۔ پھر کھلاڑیوں کی پھبتیاں ہمارے لئے تکلیف دہ ہوتی گئیں۔ زوبی مجھے ایک طرف لے گئی اور اپنے پرس سے سونے کے دو ننھے ننھے سکے نکالے۔ میں سمجھا شائد اشرفیاں ہیں۔"

"طاقب کے سکے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"اوہ کرنل.... آپ تو سب کچھ جانتے ہیں۔" شمشاد نے حیرت ظاہر کی۔

"ہاں یہ بات بھی میرے لئے بہت پرانی ہے۔ آپ کو ایک سکے کے عوض کہیں سے دو ہزار کی سرکاری کرنسی ملی ہوگی اور اس طرح زوبی نے آپ کو تنظیم کی طرف کھینچا ہوگا۔"

"بالکل یہی بات ہے۔" شمشاد اُسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"اب کنور صاحب! آپ مجھے یہ بتایئے کہ ضرغام کون ہے۔"

"بھئی کمال ہے۔" شمشاد ہنس کر بولا۔ "جو بات میں نہیں جانتا وہی آپ بھی نہیں جانتے۔"

"آپ اُس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے۔"

"صرف اتنا کہ وہ میرے بعد تنظیم کے بڑے آدمیوں میں شامل ہوا ہے۔"

"کیا؟ ابھی تو آپ نے کہا تھا کہ آپ آخری ممبر تھے۔" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"میں نے غلط کہا تھا۔ میں اس کمبخت کو بھول ہی گیا تھا۔ مجھے اس سے بڑی نفرت ہے۔ اس کے آنے سے پہلے زوبی مجھے چاہتی تھی مگر مجھے حیرت ہے کہ وہ آیا کہاں سے.... کہاں ہے؟"

"اس کے عادات و اطوار اُسے کوئی اچھا آدمی نہیں ثابت کرتے۔"

"اکھڑ قسم کا آدمی ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"بہت زیادہ.... بعض اوقات وہ زوبی سے بھی بُری طرح پیش آتا ہے۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی، پھر فریدی نے کہا۔ "میں سمجھا تھا شاید مجھے آپ سے مدد مل سکے۔"

"میں ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں۔" شمشاد نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

"آپ سربراہ کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ کیا آپ کو کسی پر شبہ بھی نہیں ہے۔"

"محض شبہے سے کیا ہوتا ہے کرنل۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس کے خلاف بھی کوئی ثبوت نہ پہنچا سکیں وہ انتہائی چالاک اور ذہین معلوم ہوتا ہے۔"

"بہر حال آپ کو کسی پر شبہ ہے۔" فریدی نے کہا۔

شمشاد کسی سوچ میں پڑ گیا پھر تھوڑی دیر بعد آہستہ سے بولا۔ "دیکھئے کسی نہ کسی پر شبہ ہونا فطرتی امر ہے۔ میرا خیال ہے کہ تنظیم سے تعلق رکھنے والے ہر آدمی کو کسی نہ کسی پر سربراہ ہونے کا شبہ ضرور ہوگا۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس شبہے کی کچھ نہ کچھ حقیقت بھی ہوگی۔"

"آپ کو کس پر شبہ ہے۔"

"مجھے صرف تین دن کی مہلت دیجئے۔ پھر میں آپ کو بتا سکوں گا کہ مجھے کس پر شبہ ہے۔"

"یعنی آپ تین دن میں اس کا فیصلہ کریں گے کہ آپ کو کس پر شبہ ہے۔" فریدی نے مُسکرا کر کہا۔

"جی نہیں! میں ان تین دنوں میں اپنے شبہے کو یقین میں تبدیل کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"یہ خدمت آپ میرے سپرد کر دیجئے۔ میں اُسے یقین میں تبدیل کر لوں گا۔"

"نہیں کرنل ابھی نہیں۔ میں بتا دوں گا۔"

"خیر آپ کی مرضی۔"

فریدی نے مصلحتاً خاموشی اختیار کر لی۔ کنور شمشاد اُسے کام کا آدمی معلوم ہو رہا تھا۔

❁

حمید ہولے ہولے کراہ رہا تھا۔ اُس کی حالت اب پہلے سے بہتر تھی۔ ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق وہ خطرے سے نکل چکا تھا۔

اُس کے جسم پر بے شمار زخم تھے جن سے کافی مقدار میں خون بہہ گیا تھا اور اسے اپنی کمزوری محسوس ہونے لگی تھی جیسے وہ سالہا سال سے اسی حالت میں پڑا ہو۔

کچھ بھی ہو وہ فریدی کا شاگرد تھا اور اس حال میں بھی اُس نے اپنی بے بسی کا اظہار دوسروں پر نہیں ہونے دیا تھا۔

پہلی بار جب وہ ہوش میں آیا تھا تو فریدی بھی اُس کے پاس موجود تھا اور اُس نے قریب کھڑی ہوئی ایک نرس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "نرس جب میں مرنے لگوں تو اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دینا۔"

اس پر فریدی نے زبان سے تو کچھ نہیں کہا تھا لیکن دل ہی دل میں اس کی مستقل مزاجی کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکا۔

انور کے سر کی چوٹ بہت گہری تھی اور اُسے نقل و حرکت سے قطعی روک دیا گیا تھا۔ رشیدہ اُس کے ساتھ تھی اور کبھی کبھی وہ حمید کی طرف بھی آجاتی تھی۔

اس وقت حمید بہت زیادہ بیزار نظر آرہا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اس وقت اس کے کمرے میں ایک بوڑھی نرس کی ڈیوٹی تھی۔ اتفاقاً رشیدہ ادھر آنکلی۔

حمید نے چھوٹتے ہی پوچھا۔ "انور زندہ ہے یا مر گیا۔"

"نہیں وہ زندہ ہے اور اس کی حالت تم سے اچھی ہے۔" رشیدہ نے جواب دیا۔

"نہیں مرے گا۔"

"ہرگز نہیں۔ کیا تم چاہتے ہو کہ وہ مر جائے۔"

"ہاں میں چاہتا ہوں۔"

"کیوں....؟"

"وجہ پوچھتی ہو!" حمید ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

"فضول باتیں نہ کرو۔ میں تم سے یہ پوچھنے آئی تھی کہ فریدی صاحب کہاں ملیں گے۔"

"وہ خود بھی اسی چکر میں ہیں۔ ورنہ انور کو ایسی مہم پر کیوں لے جاتے۔"

"تم سے خدا سمجھے۔ قبر کے کنارے پہنچ گئے ہو مگر اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے۔"

"رشو! ڈیئر! مجھے اس کی خوشی ہے کہ میرا چہرہ برباد ہونے سے بچ گیا۔"

"مجھے فریدی صاحب کا پتہ بتاؤ.... پریشان نہ کرو۔"

"کیوں؟ کیا کوئی خاص بات ہے۔"

"میں ان سے پوچھوں گی کہ یہ کن لوگوں کی حرکت ہے۔"

"اوہو.... کیا ارادے ہیں۔"

"کیا اس معاملے کا کچھ تعلق لیڈی زوبی سے بھی ہے۔" رشیدہ نے پوچھا۔

"کیوں تمہیں کیسے علم ہوا۔ کیا انور نے بتایا ہے۔"

"نہیں.... وہ بیہوشی کے دوران میں کئی بار اس کا نام لے چکا ہے۔"

"ہوگا.... میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"تم جانتے ہو.... ورنہ اس طرح چونک کر سوال کیوں کرتے۔ خیر نہ بتاؤ۔ میں خود دیکھ لوں گی۔ انور سے پوچھا تھا لیکن وہ بھی ٹال رہا ہے۔"

"یہ سب کچھ تمہارے بس کا نہیں ہے۔" حمید نے کہا۔

"لیڈی زوبی۔" رشیدہ کچھ سوچتی ہوئی بڑبڑائی۔ "وہ کوئی اچھی عورت نہیں ہے۔ میں اُسے اچھی طرح جانتی ہوں۔ مجھ سے بچ کر وہ کہاں جائے گی۔"

پھر حمید کے کچھ بولنے سے قبل ہی وہ کمرے سے چلی گئی۔

آٹھ بڑوں کی شامت

کنور جسپال اور سر جگدیش ہائی سرکل نائٹ کلب کے ایک مخصوص کیبن میں خاموش بیٹھے تھے۔ انہیں شائد کسی کا انتظار تھا۔

کچھ دیر بعد سر جگدیش نے کہا۔ "بھئی اگر فریدی ہماری راہ پر لگ گیا ہے تو....!"

"اس کی پرواہ نہ کیجئے سر جگدیش....!" کنور جسپال اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"وہ بیچارا کرے گا کیا۔ اگر واقعی وہ کچھ کر سکتا ہوتا تو اس رات برکلے ہاؤز سے بھاگتا کیوں۔ میرا خیال ہے کہ اس نے ہماری گفتگو بھی اچھی طرح سن لی ہوگی۔"

"یقیناً سنی ہوگی۔ ضرغام تو اس وقت نمودار ہوا تھا جب ہماری گفتگو اختتام پر تھی۔"

"پھر بتائیے.... اُس نے ہمارا کیا بگاڑ لیا۔"

"لیکن.... طاقت خوفزدہ معلوم ہوتا ہے۔ اُس نے ساری مشینیں اٹھوالی ہیں۔"

"احتیاط تو بہر حال کرنی ہی پڑے گی۔" کنور جسپال نے کہا۔ "اگر اُن میں سے ایک بھی مشین حکومت کے ہاتھ لگ جاتی تو سارا کھیل بگڑ جاتا۔ یہ طاقت کا اپنا راز ہے۔"

"طاقت بذات خود راز ہے۔" سر جگدیش نے کہا۔ "میں تو بعض اوقات سوچتا ہوں کہ کہیں اسی اہم پُر اسرار آدمی ہی کے ہاتھوں نہ مارے جائیں۔"

"نہیں یہ ایک فضول سا خیال ہے۔" کنور جسپال بولا۔

"کیوں! کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ.... ارے.... یہ کیا....!" سر جگدیش بات کرتے کرتے اچھل پڑا۔ یہی کیفیت کنور جسپال کی بھی ہوئی۔

میز سے کوئی ٹھوس چیز ٹکرا کر نیچے گری تھی۔ وہ دونوں چند لمحے اُسے گھورتے رہے۔ پھر کنور جسپال نے جھک کر اُسے اٹھالیا۔

وہ کاغذ میں لپٹا ہوا پتھر کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تھا۔ پہلے تو وہ پتھر کے ٹکڑے کو الٹ پلٹ کر دیکھتے رہے پھر سر جگدیش نے کاغذ کو فرش سے اٹھالیا۔

"اوہو.... یہ بات ہے۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر اُس نے کاغذ کنور جسپال کیطرف بڑھادیا۔

کاغذ پر تحریر تھا

"زوبی کا انتظار مت کرو۔ وہ نہیں آئے گی۔ پبلک مقامات پر بیٹھ کر طاقت کا تذکرہ کرنا درست نہیں۔ احتیاط رکھو.... اور اس وقت تم دونوں کو اپنی کوٹھیوں میں ہونا چاہئے تھا.... ویسے کسی سے حراساں ہونے کی ضرورت نہیں۔ فریدی یا کوئی دوسرا تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ طاقت سے بھی خوف کھانا فضول ہے۔ وہ اپنے مخالفوں کا بھی خون کرنا پسند نہیں کرتا۔ کیا تمہارے سامنے کنور شمشاد کی مثال نہیں ہے۔"

تحریر پڑھ کر تھوڑی دیر تک وہ دونوں بے حس و حرکت بیٹھے رہے۔ پھر کنور جسپال نے کہا۔

"یہاں سے ہمیں اٹھ جانا چاہئے۔"

سر جگدیش کچھ نہ بولا۔ اُس کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے لیکن اس کے برخلاف کنور

جسپال مطمئن نظر آرہا تھا۔

سر جگدیش اپنی کار میں بیٹھ کر کوٹھی کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا کنور جسپال طاقت ہے۔ کیونکہ اسے اُس کے چہرے پر بے اطمینانی کے آثار نہیں نظر آئے تھے۔ اس خط یا رقعہ پھینکنے کا کام وہ کسی دوسرے سے بھی لے سکتا تھا اور یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ تنظیم محض چند دس آدمیوں تک محدود نہیں ہے طاقت کے بے شمار ایجنٹ ملک بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ سر جگدیش کو ایک جھرجھری سی آئی۔ خیالات کی رو تھوڑی دیر کے لئے دوسری طرف بھٹک گئی لیکن اسے دوبارہ طاقت کی طرف آنے میں دیر نہیں لگی۔ سر جگدیش سوچ رہا تھا کہ جس طرح اُس نے وہ عجیب و غریب مشین شہر کے سارے خفیہ مقامات سے اٹھوالی ہے اُسی طرح وہ ضرورت پڑنے پر ان دس بڑے آدمیوں کو بھی ٹھکانے لگا سکتا ہے۔

کار شہر کی سڑکوں سے گذرتی رہی۔ سر جگدیش کو اس کا احساس ہی نہ ہو سکا کہ وہ کب نائٹ کلب سے اٹھا اور کب گھر پہنچ گیا۔

کار پھاٹک کے اندر داخل ہو ہی رہی تھی کہ ایک فائر ہوا اور اس کا پچھلا شیشہ چکنا چور ہو گیا دوسرا فائر ہوا اور سر جگدیش کی چیخ سناٹے میں دور تک لہراتی چلی گئی۔

❁

کنور جسپال بھی ہائی سرکل نائٹ کلب سے اٹھ کر اپنی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ اس کا گیراج کوٹھی کی کمپاؤنڈ ہی میں تھا لیکن اس کا فاصلہ اصل عمارت سے تقریباً ایک فرلانگ ضرور رہا ہوگا۔ وہ کار کو پورچ کی طرف لے جانے کی بجائے سیدھا گیراج کی طرف لیتا چلا گیا۔

اس سے دراصل بے خیالی میں یہ غیر معمولی واقعہ سرزد ہو گیا تھا ورنہ آج تک اس نے گیراج کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی۔ عموماً پورچ سے گیراج تک کار کوئی نہ کوئی ڈرائیور ہی لے جایا کرتا تھا۔ گیراج کے قریب پہنچ کر اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ بہر حال وہ گیراج سے عمارت کی طرف پیدل ہی واپس ہوا۔

عقبی پارک والے راستے کے قریب پہنچ کر وہ یک بیک ٹھٹک گیا۔ مہندی کی قدِ آدم باڑھ کے پیچھے اُسے ہلکی سی روشنی دکھائی دی تھی۔ روشنی کا ایک ننھا سا دائرہ جو آہستہ آہستہ حرکت کر رہا تھا۔

کنور جسپال چپ چاپ کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔ پھر تیزی سے آگے بڑھا۔ اچانک دوسری طرف سے کسی نے اس پر چھلانگ لگائی۔ کنور جسپال دانت کچکچا کر پلٹ پڑا لیکن حملہ آور کمزور نہیں تھا اس نے اپنا ایک ہاتھ کنور جسپال کے منہ پر جما دیا تھا اور دوسرے ہاتھ سے اس زور کا گھونسہ اسکے پیٹ پر رسید کیا کہ وہ دوہرا ہو گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ زمین پر تھا اور حملہ آور اسکے سینے پر۔

حملہ آور کا داہنا ہاتھ بلند ہوا اور کنور جسپال کے حلق سے ہلکی سی کراہ نکلی اس کا سر چکرا گیا۔ آنکھیں بند ہو گئیں مکمل بے خبری کا لمحہ .... اور پھر جب دوبارہ اُس کی آنکھیں کھلیں تو اسے اپنے دل کی دھڑکنیں تالو میں محسوس ہو رہی تھیں۔ حلق خشک ہو گیا تھا۔

حملہ آور فرار ہو چکا تھا۔ کنور جسپال نے اٹھنا چاہا لیکن اس کے منہ سے ایک تیز قسم کی چیخ نکلی اور وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکا۔ پہلی چیخ تو غیر ارادی طور پر بے ساختہ نکلی تھی لیکن اب اس نے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے چیخنا شروع کر دیا تھا۔ اس کی سمجھ ہی میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا ہو گیا ہے اس کی چیخیں سن کر کوٹھی سے کئی آدمی دوڑ پڑے، ان کے ہاتھوں میں ٹارچیں تھیں۔ انہوں نے کنور جسپال کو زمین پر چت پڑا دیکھا۔ اُس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ اندھوں کی طرح پلکیں جھپکا رہا تھا۔ اس کے داہنے بازو میں ایک خنجر دستے تک پیوست تھا۔ غالباً وہ بازو کا گوشت چھیدتا ہوا زمین میں اتر گیا تھا۔ کنور جسپال اچھے تن و توش اور مضبوط جسم کا آدمی تھا۔ بزدل بھی نہیں تھا۔ اگر وہ چاہتا تو خود ہی بائیں ہاتھ سے خنجر نکال کر اٹھ سکتا تھا مگر معاملہ اس کی سمجھ میں آیا نہیں تھا۔

خنجر اس کے بازو سے کھینچا گیا لیکن خنجر پر نظر پڑتے ہی کنور جسپال اپنی چوٹ بھول گیا۔

یہ خنجر بالکل اُسی ساخت کا تھا جس ساخت کا وزیر تجارت پر پھینکا گیا تھا.... سر موفرق نہیں تھا اور اس نے اسی قسم کا خنجر اکثر نصرت خان کے پاس بھی دیکھا تھا۔ کنور کے ہونٹ بھنچ گئے۔ کچھ دیر قبل جس چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی غصہ سے سرخ نظر آنے لگا۔

دوسرے لمحے میں وہ ان لوگوں کو وہیں چھوڑ کر کوٹھی کی طرف جا رہا تھا۔

❁

دوسری صبح کا اخبار کم از کم زوبی کے لئے بڑا پریشان کن تھا۔ سرجگدیش پر ریوالور سے حملہ۔ گولی بائیں شانے کو چھوتی ہوئی گذر گئی۔ کنور جسپال پر خنجر سے حملہ.... سیٹھ چمن لال کے یہاں

پھینکا گیا۔ مسٹر جاوید پر فائر۔ وہ بال بال بچا۔ سر جمشید کی کار ایک جیپ سے ٹکرا گئی اور اُسے ی حالت میں ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ جیپ کا ڈرائیور غائب.... جیپ چوری کی تھی۔

غرضیکہ ایک ہی رات میں شہر کے آٹھ بڑے آدمیوں پر مختلف قسم کی مصیبتیں نازل ہوئی ں اور یہ آٹھ بڑے آدمی تنظیم کے کارکن تھے لیکن ان میں کوئی بھی مرا نہیں تھا۔

زوبی اخبار پھینک کر کھڑی ہو گئی۔ تنظیم کے گیارہ کارکن تھے۔ کنور شمشاد کی علیحدگی کے د س رہ گئے تھے جن میں زوبی بھی شامل تھی۔

آٹھ کارکنوں کے متعلق اُس نے اخبار میں بُری خبریں پڑھیں لہٰذا نصرت خان کے لئے اُس تشویش قدرتی تھی۔

دس منٹ کے اندر ہی اندر وہ نصرت خان کی قیام گاہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ وہ سوچ رہی تھی کیا طاقت اب انہیں ختم کر دینا چاہتا ہے لیکن وہ اپنے اس خیال کی تائید نہ کر سکی۔ ایسی حرکتیں ا اُس وقت کی جاتی ہیں جب کسی راز کے فاش ہو جانے کا ڈر ہو.... طاقت کو اس قسم کا کوئی ں نہیں ہو سکتا کوئی نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس تک کس طرح رسائی کتی ہے لیکن پھر.... آخر ان حملوں کی وجہ؟

اس نے نصرت خان کو اسی حال میں دیکھا جس حال میں پچھلے دن چھوڑ کر گئی تھی۔ وہ ایک ال دار کرسی پر بیٹھا لان کے چکر لگا رہا تھا اور اس کے ہاتھ میں بھی صبح کا اخبار تھا۔

زوبی کو دیکھ کر اُس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"تم ٹھیک ہو نا۔" زوبی نے کار سے اترتے ہی پوچھا۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں.... اور اس وقت تمہارے ہی متعلق سوچ رہا تھا۔"

"اخبار دیکھا۔"

"ہاں.... دیکھا.... یہ سب اپنے ہی آدمی ہیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ کہیں تم بھی کسی حادثے کا شکار نہ ہو گئی ہو۔"

"نہیں.... میں محفوظ ہوں! مگر یہ خبریں۔"

"ٹھیک ہے! آخر ہم دونوں کیوں محفوظ ہیں۔" نصرت خان نے کہا۔

"ٹائد تم نے بھی یہی سوچا ہے، جو میں سوچ رہی تھی۔"

"تم نے کیا سوچا تھا۔"

"طاقت....!"

"میں یقین نہیں کر سکتا۔ حالانکہ میں اُس کا چہرہ کبھی نہیں دیکھ سکا لیکن وہ مجھے ایسا آدمی نہیں معلوم ہوتا کہ دوستوں کو دغا دے۔"

"پھر کیا بات ہو سکتی ہے۔"

"خدا جانے.... اور اُن میں سے کوئی مرا بھی نہیں۔" نصرت خان بولا۔

"مشین تہہ خانے ہی میں ہے یا اٹھوالی گئی۔" زوبی نے پوچھا۔

"وہیں ہے! اچھا ہوا تم آ گئیں۔ میں نیچے نہیں جا سکتا۔ پیر کی تکلیف بڑھ گئی ہے۔"

نصرت خان آج ضرورت سے زیادہ مہذب نظر آ رہا تھا اس نے ایک بار بھی اپنے جنگلی پن کا مظاہرہ نہیں کیا۔ پتہ نہیں کیا بات تھی۔

زوبی تہہ خانے میں آئی۔ کافی دیر تک مشین حرکت میں رہی لیکن.... دوسری طرف سے کوئی آواز نہ سنائی دی۔ آخر زوبی نے مشین بند کر دی اور پھر اوپر آ گئی۔

ایک دن یہیں اس نے طاقت سے فون پر بھی گفتگو کی تھی لیکن اُس کا ٹیلی فون نمبر شاید نصرت خان کو بھی نہیں معلوم تھا۔ وہ اکثر صرف اس کی کال ریسیو کیا کرتا تھا۔

زوبی نے اس کا تذکرہ نصرت خان سے کیا لیکن اس نے طاقت کے فون نمبر سے لاعلمی ظا کی اور پھر وہ دونوں اسی کمرے میں آ بیٹھے جہاں فون رکھا ہوا تھا۔

تقریباً ساڑھے دس بجے تک فون کی گھنٹی بجی اور زوبی نے جھپٹ کر ریسیور اٹھا لیا۔

دوسری طرف سے بولنے والا وہی پُراسرار آدمی تھا جسے وہ لوگ طاقت کے نام سے جانتے تھے

"کون.... زوبی.... خوب! اچھا ہوا کہ تم یہیں موجود ہو۔" دوسری طرف سے آواز آئی

"مشین پر جاؤ۔"

زوبی ریسیور رکھ کر تہہ خانے کی طرف بھاگی۔ نصرت خان اُسے آوازیں ہی دیتا رہ گیا۔

مشین پر طاقت کی آواز سنائی دی۔ "زوبی....!"

"جی ہاں میں ہی ہوں۔"

"تم اور ضرغام محفوظ ہو نا۔"

"جی ہاں.... لیکن....!"

"اوہ....! یقیناً تم غلط فہمی میں مبتلا ہو گئی ہو گی۔ ان واقعات کا میری ذات سے کوئی تعلق ہیں لیکن میں شاید دوسروں کو یقین نہ دلا سکوں۔"

"مجھے یقین ہے۔" زوبی جلدی سے بولی۔

"اور ضرغام کا کیا خیال ہے۔"

"وہ آپ کو ایک وفا شعار دوست تصور کرتا ہے۔"

"یہ فریدی کی حرکت ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ہیں....!" زوبی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ہاں! فریدی کی.... مگر یہ حرکت اس کے حق میں نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی۔ تم خود سوچو کہ وہ اس سے کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے لیکن اس کی معلومات کی تو داد دینی ہی پڑے گی۔ اس نے تم دونوں کو موڑ دیا گویا اُسے یقین ہے کہ تم دونوں کسی حال میں بھی میری طرف سے بدگمان نہیں ہو سکتے.... اور اُس نے پرنس شمشاد کو بھی چھوڑ دیا ہے۔ یعنی وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اب اُس کا ظیم سے کوئی تعلق نہیں۔"

"مگر جناب.... اس حرکت کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔"

"مقصد صاف ہے۔ اُس نے اُن میں سے کسی کو بھی جان سے نہیں مارا۔ اُس نے سوچا ہو گا ممکن ہے ان میں سے کوئی میری شخصیت سے واقف ہی ہو اور اپنی جان کی سلامتی کے لئے پولیس میرا پتہ نشان بتا دے۔"

"اگر وہ یہی سمجھتا ہے تو احمق ہے۔" زوبی نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ کنور شمشاد اُس سے مل گیا ہے۔"

"ملنے دو! اُس کی پرواہ نہ کرو۔ شمشاد ہی کی مثال اُسے پاگل کر دینے کے لئے کافی ہو گی۔ یعنی اس نے اپنے ایک مخالف کو بھی اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش نہیں کی۔"

"لیکن دیکھئے! فریدی نے میری پوزیشن کتنے خطرے میں ڈال دی ہے۔" زوبی نے کہا۔

"یقیناً.... مجھے اس کا احساس ہے۔ جب آٹھ بڑے تمہیں ہر طرح محفوظ دیکھیں گے تو بالآخر انہیں اُن وارداتوں میں میرا ہاتھ نظر آنے لگے گا.... اور وہ تمہارے دشمن ہو جائیں

گے۔ اُن سب کا خیال ہے کہ تم میری شخصیت سے واقف ہو۔"

"درست فرمایا.... لیکن فریدی کیلئے کیا کیا جائے۔"

"فکر مت کرو۔ بس دیکھتی جاؤ۔ اُسے خود کشی کرنی پڑیگی۔ یہی میری خواہش بھی ہے ورنہ میں اسے جس وقت چاہوں ٹھکانے لگا سکتا ہوں۔ میں تو اندھیرے کا تیر ہوں۔ کیا سمجھیں۔"

زوبی نے ہلکا سا قہقہہ سنا اور پھر طاقت نے کہا۔ "زوبی تمہیں اسکی طرف سے ہوشیار رہنا چاہئے۔"

"اُوہو! تو کیا آپ میری خبر گیری نہ کریں گے۔"

"کیوں نہیں۔ مگر تم اب کچھ دنوں کے لئے ضرغام کی کوٹھی ہی میں قیام کرو گی تمہیں ہر حال میں اس کی حفاظت کرنی چاہئے اس کی اہمیت میں تم پر پہلے ہی ظاہر کر چکا ہوں۔"

"میں جانتی ہوں! آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہی ہوگا۔ مگر.... ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ آخر فریدی نے ایک ہی رات میں اتنی بہت سی واردا تیں کیسے کر ڈالیں۔"

"اس کی بلیک فورس کام کر رہی ہے زوبی۔ اُس نے اپنے محکمے کے کسی آدمی سے کوئی مدد نہیں لی۔ تمہاری کوششوں کی بناء پر اُس کے آفیسر اُس کے خلاف ہو گئے ہیں اور اب اُسے محکمے سے کوئی امداد نہیں مل رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وزیر تجارت کے قتل کی سازش کی تفتیش کے لئے کوئی دوسرا آدمی مقرر کیا جائے گا۔"

"پھر آخر یہ اپنی ٹانگ کیوں اڑا رہا ہے۔"

"بس ضدی ہے جس بات کے پیچھے پڑ جائے اور پھر اُسے اپنے اسسٹنٹ کے زخمی ہو جانے پر بھی غصہ ہے۔"

"آپ اس کا قصہ ہی کیوں نہیں پاک کر دیتے۔"

"یوں نہیں.... بات تو جب ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں ہی سے اپنا گلا گھونٹ لے۔ بعض اوقات میں بھی تھوڑی سی تفریح چاہتا ہوں۔ میری تفریح یہی ہے کہ میں اپنے دشمنوں کو خود کشی پر مجبور کر دیتا ہوں۔"

"میرے لئے اور کوئی کام....!" زوبی نے پوچھا۔

"نہیں.... بس اتنا ہی کہ تم ضرغام کی دیکھ بھال کرو۔ میں تمہیں لیڈی فیروز کے بجائے ملکہ مقلاق دیکھنا چاہتا ہوں۔ اچھا اب.... بس....!"

دوسری طرف سے آواز آنی بند ہو گئی۔

بلیک میلر کی تلاش

آخر رشیدہ فریدی تک پہنچ ہی گئی۔ وہ بندرگاہ کے علاقے کے ایک بار میں بیٹھا ہوا اُسے مل رشیدہ بھی اُدھر کسی کام ہی سے آئی تھی۔ اُسے فریدی کو بار میں دیکھ کر حیرت ہوئی۔ وہ تی تھی کہ فریدی شراب نہیں پیتا۔

"اوہو.... تم یہاں....!" فریدی نے رشیدہ کو دیکھ کر حیرت ظاہر کی۔

"مجھے آپ کی تلاش تھی۔ اتفاقاً آپ یہاں نظر آ گئے۔"

"کیوں.... انور کیسا ہے؟"

"پہلے سے بہت بہتر اور حمید صاحب بھی ٹھیک ہی ہیں۔"

"لیکن تمہیں میری تلاش کیوں تھی۔"

"میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ ان واقعات کا لیڈی زوبی سے کیا تعلق ہے۔"

"ہوں....!" فریدی اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔ "انور نے کیا بتایا ہے۔"

"اس نے تو مجھے کچھ بھی نہیں بتایا۔"

"پھر....!"

"بیہوشی کے دوران میں اس نے کئی بار زوبی کا نام لیا تھا۔"

"فرض کرو! میں نے تعلق بتا بھی دیا تو تم کیا کرو گی۔"

"جو کچھ مجھ سے ہو سکے گا.... زوبی کے متعلق میں سب کچھ جانتی ہوں۔"

"کیا جانتی ہو۔"

"لیڈی فیروز سے پہلے وہ اتنی باعزت نہیں تھی۔" رشیدہ نے کہا۔

"کیوں! ویسے بھی وہ سر جمشید کی بہن ہے۔"

"سر جمشید اس سے متنفر تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اسے اس کی بہن سمجھے یہی حالت آج ہے۔"

"خیر یہ چیز موجودہ معاملات سے قطعی غیر متعلق ہے۔"

"میں یہ کہہ رہی تھی کہ لیڈی فیروز بننے سے قبل وہ ایک بلیک میلر کی ایجنٹ تھی۔"

"اوہو....!" فریدی آگے کی طرف جھک آیا۔ "تم ایک نئی بات بتا رہی ہو۔"

"سر فیروز کے ساتھ اُس کی شادی بھی ایک معمہ ہے۔ جس زمانے میں وہ اُس بلیک میلر کی ایجنٹ تھی اُسی دوران میں اس نے سر فیروز سے ملنا جلنا شروع کیا پھر ایک دن دونوں کی شادی کا اعلان ہو گیا۔"

"لیکن تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا۔"

"سر جمشید! زوبی کے مشاغل کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ میری ایک دوست کے ذریعہ اس نے یہ کام میرے سپرد کر دیا تھا۔"

"تو تم اُس بلیک میلر کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ ضرور جانتی ہو گی۔"

"جی ہاں! وہ مسٹر مورگن کہلاتا تھا۔ کوئی دیسی عیسائی تھا اور اس کے پاس بہت سی لڑکیاں تھیں اور وہ سب اپنے پہلے نام کے ساتھ مورگن لکھتی تھیں۔"

"اوہ....!" فریدی کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے پوچھا۔

"کیا ان میں کوئی ڈریلا مورگن بھی تھی۔"

"یقیناً تھی.... مجھے اچھی طرح یاد ہے۔"

"اسکے اوپری ہونٹ کے بائیں گوشے پر ایک ابھرا ہوا سرخ رنگ کا تل تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں.... مجھے یاد پڑتا ہے یقیناً تھا....!"

"تم کہتی ہو کئی لڑکیاں اپنے ناموں کے ساتھ مورگن استعمال کرتی تھیں۔"

"جی ہاں۔"

"تو وہ سب بیویاں ہونے سے رہیں۔" فریدی نے کہا۔

"اور لڑکیاں بھی نہیں ہو سکتیں۔" رشیدہ مسکرا کر بولی۔ "اگر لڑکیاں تھیں تو وہ سب بیک وقت پیدا ہوئی ہوں گی کیونکہ وہ سب تقریباً ہم عمر تھیں۔"

"مورگن اب کہاں مل سکے گا؟"

"یہ بتانا بہت دشوار ہے۔"

"اچھا اس کا حلیہ ہی بتاؤ۔"

"افسوس! یہ بھی مشکل ہے۔ میں نے ایک بار صرف اس کی جھلک دیکھی تھی اور چہرہ بھی برے سامنے نہیں تھا۔ ویسے اتنا ضرور بتا سکتی ہوں کہ وہ ایک دراز قد آدمی تھا.... اور اُس وقت نیلے سوٹ میں ملبوس تھا۔"

"تم نے اُسے کہاں دیکھا تھا۔"

"یہیں کے ایک ہوٹل میں۔"

"کس ہوٹل میں۔"

"جیکسنز کارنر میں.... وہ ہوٹل آج بھی ہے اور غالباً اس کا مالک بھی وہی ہے جو اس زمانے میں تھا.... اور یہ بھی سنئے کہ وہ مورگن کا مستقل اڈا تھا۔"

فریدی خاموش رہا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔

"تم شاید اسی چکر میں ادھر آئی تھیں۔ اچھا ہوا کہ مجھ سے پہلے ملاقات ہو گئی۔ اب تم ہسپتال جاؤ۔ انور اور حمید کی دیکھ بھال اچھی طرح ہونی چاہئے اور اس معاملے کو مجھ پر چھوڑ دو۔ اگر تمہاری ضرورت محسوس ہوئی تو تمہیں اطلاع دے دی جائے گی.... بس اب جاؤ۔"

"میں چاہتی.... تھی....!"

"نہیں کچھ نہیں.... تم جا سکتی ہو۔"

رشیدہ چپ چاپ اٹھی اور چلی گئی۔ بار ٹنڈر اسے جاتے دیکھتا رہا۔ یہ وہی بار ٹنڈر تھا جس کی مرمت ایک بار فریدی ہارڈی کے سلسلے میں کر چکا تھا۔ رشیدہ کے چلے جانے کے بعد وہ خوف زدہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ رشیدہ کے آنے پر وہ سمجھا تھا کہ شاید فریدی اُسی کا منتظر تھا لیکن اس کے تنہا واپس جانے پر اسکی سانس پھولنے لگی۔ فریدی یہاں بہت دیر سے بیٹھا تھا۔ کسی یونہی.... نہ تو اس نے ابھی تک کوئی چیز طلب کی تھی اور نہ بار ٹنڈر ہی کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

بار ٹنڈر کانپتے ہوئے ہاتھوں سے گلاس صاف کر کے انہیں ریک میں لگاتا رہا لیکن اس کی نظریں فریدی ہی پر تھیں۔ اچانک فریدی نے اُسے اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا اور اس کے ہاتھ سے گلاس چھوٹ کر فرش پر گرا۔ چھناکے کی آواز کمرے میں گونج کر رہ گئی۔

"یہہ.... یہہ.... یس سر....!" وہ ہکلایا۔

"ادھر آؤ....!" فریدی کا لہجہ انتہائی سرد تھا۔

بار ٹنڈر لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے اس کی طرف بڑھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے کہا۔

لیکن بار ٹنڈر کھڑا کانپتا رہا۔

"بیٹھو! اس وقت یہاں تمہارا کوئی خریدار موجود نہیں ہے۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

"آپکے حکم سے بیٹھ رہا ہوں۔" بار ٹنڈر کانپتا ہوا بولا۔ "ورنہ آپکے برابر کیسے بیٹھ سکتا ہوں۔"

"جیکسنز کارنر کا مالک کون ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"شاید اب میری موت قریب آگئی ہے۔" بار ٹنڈر بڑبڑایا۔

"میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

"جناب آپ مجھ سے ہمیشہ خطرناک آدمیوں کے متعلق پوچھتے ہیں۔"

"تم نے پھر بکواس شروع کر دی۔"

"جناب والا.... پچھلی بار....!"

جملہ پورا ہونے سے قبل ہی فریدی نے اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا۔

"بتاتا ہوں...." بار ٹنڈر رو دینے والی آواز میں بولا۔ "اس کا مالک حقیقتاً گومے ہے لیکن یہ بات بہت کم آدمیوں کو معلوم ہے۔ عام آدمی سمجھتے ہیں کہ اس کا مالک پٹو ہے۔"

"گومے کب سے اس کا مالک ہے۔"

"ٹھہریئے.... بتاتا ہوں۔" بار ٹنڈر نے کہا اور انگلیوں پر کچھ گننے لگا پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "شاید پندرہ سال.... بیس بھی ہو سکتے ہیں۔"

"ہوں.... اور گومے ملتا کہاں ہے۔"

"وہ.... دیکھئے.... یہ تو مجھے معلوم نہیں.... یہ آپکو وہی آدمی پٹو بتا سکے گا۔ گومے پٹو کی بیوی کا شوہر ہے۔ اتنا میں ضرور جانتا ہوں اس لئے گومے نے پٹو کو سیاہ و سفید کا مالک بنا رکھا ہے۔"

"یاد کر کے بتاؤ۔ کیا تم کبھی کسی مسٹر مورگن سے بھی واقف تھے، جو جیکسنز کارنر میں بیٹھا کرتا تھا۔"

"جناب! میں جانتا ہوں۔ وہ وہیں مقیم تھا۔ ایک پُر اسرار آدمی۔ یہاں کے سبھی لوگوں نے

ن کا نام سنا تھا لیکن شاید ہی کسی نے کبھی اسے دیکھا ہو۔ ویسے اس کی فیاضی کے قصے اس علاقے میں عام تھے۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "پٹو ہر وقت وہاں ملتا ہے۔"

"جی ہاں....!"

"وہ یہاں کتنی مدت سے ہے۔"

"پانچ سال سے۔"

"اچھا اب تم جا سکتے ہو۔"

"شش.... شکریہ! جناب والا۔" بار ٹنڈر اٹھ کر پھر کاؤنٹر کے پیچھے چلا گیا۔ فریدی بھی ایور گرین بار سے نکل کر جیکسنز کارنر کی طرف چل پڑا۔ یہ ہوٹل یہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔

آج وہ پھر ادھر ہارڈی ہی کے چکر میں آیا تھا لیکن اس سے ملاقات نہ ہونے پر ایور گرین میں آبیٹھا تھا۔

جیکسنز کارنر میں پہنچ کر فریدی نے ایک ویٹر سے پٹو کے متعلق پوچھا اور اس نے اُسے ایک چھوٹے سے کمرے میں پہنچا دیا جہاں ایک پستہ قد آدمی ایک بڑی سی میز کے سرے پر بیٹھا پائپ پی رہا تھا۔ فریدی کو دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا۔ لیکن شاید وہ اُسے پہچانتا نہیں تھا۔

"فرمایئے جناب۔" وہ اپنے ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ "تشریف رکھئے۔"

"میں مسٹر گومے سے ملنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"کس لئے....!"

"اگر میں یہ نہ بتانا چاہوں تو۔" فریدی نے خواہ مخواہ چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا۔

"تب پھر میں آپ کی کوئی خدمت نہ کر سکوں گا۔"

"کیا یہ بتانا ضروری ہے کہ میں ان سے کیوں ملنا چاہتا ہوں۔"

"قطعی جناب! یہ مسٹر گومے کا حکم ہے۔"

"کچھ کاروباری گفتگو کروں گا۔" فریدی نے کہا۔ "میرا تعلق موڈرن ڈسٹلری سے ہے۔"

"اوہ.... تو آپ وہ گفتگو مجھ سے کر سکتے ہیں۔"

"مسٹر پٹو! میرا وقت نہ برباد کیجئے۔ مجھے بتایئے کہ مسٹر گومے کہاں ملیں گے۔ میں اُن کے

علاوہ اور کسی سے گفتگو نہیں کر سکتا۔ اس معاملے کی نوعیت الگ ہے۔"

پٹو چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کرنے لگا اور فریدی نے وہ نمبر اپنے ذہن میں محفوظ کر لئے۔ فون پر ایک یا ڈیڑھ منٹ کی گفتگو کے بعد پٹو فریدی کی طرف مڑا۔

"سات بجے آپ ان سے مورائیل مینشن کے آٹھویں فلیٹ میں مل سکتے ہیں۔"

"شکریہ مسٹر پٹو....!" فریدی نے کہا۔ میز سے اپنی فلٹ ہیٹ اٹھائی اور کمرے سے نکل آیا۔

❁

فریدی جیسے ہی اپنے آفس میں داخل ہوا سرجنٹ رمیش نے اُسے بتایا کہ آئی جی کے آفس میں اُسے طلب کیا گیا ہے۔

"حمید کا کیا حال ہے۔" فریدی نے پوچھا۔ "تم ہسپتال گئے تھے۔"

"جی ہاں! ٹھیک ہیں۔ لیکن صبح سے ایک ادھیڑ عمر کی نرس ان کے کمرے میں ہے۔" فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ دکھائی دی اور اُس نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ پھر وہ آئی جی کے آفس کی طرف روانہ ہو گیا۔

کنور جسپال اور سر جگدیش آئی جی کے آفس میں موجود تھے۔ فریدی ان کی طرف متوجہ تک نہیں ہوا۔

آئی جی نے سر کی جنبش سے خالی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ فریدی نے بیٹھتے وقت اُن دونوں پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور پھر آئی جی کی طرف دیکھنے لگا۔

"تم نے آج کا اخبار دیکھا۔" آئی جی نے اس سے پوچھا۔

"جی ہاں! دیکھا تھا۔"

"شہر کے آٹھ بڑے آدمیوں پر پچھلی رات جو حملے ہوئے تھے ان کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔"

"میں کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا۔"

"ان دونوں حضرات سے واقف ہو۔"

"اوہ.... جی ہاں۔" فریدی کنور جسپال اور سر جگدیش کی طرف معذرت طلب نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ "میری بد نصیبی ہے۔"

"آپ کنور جسپال.... اور آپ سر جگدیش۔"

"غالباً آپ دونوں پر بھی....!" فریدی جملہ پورا کرنے سے پہلے ہی خاموش ہو گیا۔ ایسا م ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"ہم دونوں پر بھی حملے ہوئے تھے۔" کنور جسپال بولا۔ "میرا داہنا بازو زخمی ہے۔"

"صبح سے اس وقت تک میں کئی بار ان حیرت انگیز حملوں کے متعلق سوچ چکا ۔" فریدی نے انگلی سے اپنی ٹھوڑی سہلاتے ہوئے کہا۔ "حملے.... بڑی عجیب بات ہے کہ بھی حملہ کامیاب نہیں ہو سکا۔"

"ہاں یہ بات قابل غور ہے۔" آئی جی سر ہلا کر بولا۔

"کیا آپ اس مسئلے پر روشنی ڈال سکیں گے۔" فریدی نے ان دونوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہم خود ہی متحیر ہیں۔" کنور جسپال نے کہا۔

"ظاہر ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور پھر آئی۔ جی سے مخاطب ہو گیا۔ "آپ نے یاد فرمایا تھا۔"

"ہاں! بیٹھو....!" آئی جی نے کہا۔ پھر اُن دونوں سے بولا۔ "آپ اس سلسلے میں براہِ راست کمشنر سے رجوع کیجئے۔ ہمارے لئے وہیں سے احکامات آتے ہیں۔ ہم براہِ راست کسی معاملے ۔ دخل انداز نہیں ہو سکتے۔"

"بہتر ہے۔" کنور جسپال اٹھتا ہوا بولا۔ "اب اجازت دیجئے۔ ہم چیف کمشنر سے بھی ملیں گے۔"

وہ دونوں چلے گئے۔ لیکن فریدی بڑے بے تعلقانہ انداز میں بیٹھا رہا۔

"یہ چاہتے ہیں کہ دو چار سادہ لباس والے ان کے گھروں پر تعینات کر دیئے جائیں۔"

"ضرور چاہیں گے۔"

"مگر یہ واقعہ ہے دلچسپ۔" آئی جی مسکرا کر بولا۔ "شائد ان کا سرغنہ اب ان کی طرف سے طمئن نہیں ہے۔ یہ سارے وہی لوگ ہیں جن کی لسٹ تم نے پیش کی تھی اور ہاں ان میں سیٹھ کھلی بھی تو تھا۔ وہ پُر اسرار طور پر غائب ہو گیا ہے۔"

"خدا بہتر جانتا ہے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا بات ہے۔" آئی۔ جی اُسے متحیرانہ انداز میں گھورنے لگا۔

"کچھ نہیں!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "بہت اچھا ہوا کہ یہ کیس اب میرے ہاتھ میں نہیں ورنہ خواہ مخواہ میرا ریکارڈ خراب ہوتا۔"

"یہ تم سے کس نے کہہ دیا ہے کہ کیس تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے تمہیں بہرحال اُس پُراسرار آدمی کو ڈھونڈنا ہے۔ رہ گئی زوبی کی بات....!"

"میں بہت تھک گیا ہوں جناب!" فریدی مضمحل آواز میں بولا۔ "میں نے محکمے کی کافی خدمت کی ہے۔ اب کچھ دن آرام کرنا چاہتا ہوں۔ میں آپ کا شکر گذار ہوں گا کہ اگر یہ کیس کسی دوسرے کے سپرد کر دیں۔"

"نہیں.... ایسے حالات میں تمہارا آرام یقیناً دوسروں کے لئے تکلیف دہ ہوگا۔ بھئی تم زوبی سے بھڑے بغیر بھی اپنا کام جاری رکھ سکتے ہو۔"

"وہ کس طرح؟"

"میرا خیال ہے کہ زوبی بھی اُس آدمی کی اصلیت سے واقف نہیں ہے۔"

"کچھ بھی ہو! مجھے یقین ہے کہ زوبی کے بغیر اس کیس میں کچھ نہیں ہو سکتا۔ میرا مخصوص اجازت نامہ منسوخ کر کے میری سخت توہین کی گئی ہے.... لیکن.... خیر....!"

فریدی خاموش ہو گیا۔ اس کی نظریں فرش پر تھیں۔ کچھ دیر بعد اُس نے آہستہ سے کہا۔ "آپ یہ کیس باضابطہ طور پر کسی اور کے سپرد کر دیجئے کیونکہ اب میں جو کچھ کرنے جا رہا ہوں اپنی ذمہ داری پر۔ ہو سکتا ہے کہ اس سلسلے میں قانون میرے ہی ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دے۔"

اعترافات

ٹھیک سات بجے فریدی نے مورائیل مینشن کے فلیٹ نمبر آٹھ کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ جلد ہی کھل گیا لیکن ایک نوخیز لڑکی دروازے میں کھڑی تھی۔

"کیا آپ موڈرن ڈسٹلری سے تعلق رکھتے ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں....!"

"اندر تشریف لائیے۔" لڑکی پیچھے ہٹتی ہوئی بولی۔

فریدی نے کمرے میں پہنچ کر لڑکی کی طرف استفہامیہ انداز میں دیکھا۔

"آپ تشریف رکھئے میں مسٹر گومے کو اطلاع دیتی ہوں۔" لڑکی نے کہا اور دروازے سے نکل گئی۔

فریدی صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ اور گومے ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے تھے۔ گومے پرتگالی تھا اور شراب کا بیوپار اس کا خاص پیشہ تھا اور شاید وہ یہاں شراب کا سب سے بڑا اسمگلر بھی تھا۔ اس کے علاوہ بھی بہتیری غیر قانونی حرکات اس سے سرزد ہوتی رہتی تھیں۔

دو یا تین منٹ بعد گومے کمرے میں داخل ہوا لیکن اُسے دروازے ہی میں رک جانا پڑا۔ اس کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس نے اپنی حالت پر قابو پا لیا تھا۔

"خوش آمدید کرنل....!" وہ مسکراتا ہوا فریدی کی طرف بڑھا۔ پھر دونوں نے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔

"آخر اس طرح....!" گومے نے حیرت کا اظہار کیا۔ "میں نہیں سمجھ سکتا اگر آپ مجھے فون کر دیتے تو میں خود ہی آپ کے پاس پہنچ جاتا۔"

"میری آمد کا تعلق تمہاری ذات سے قطعی نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"پھر یہ موڈرن ڈسٹلری کی بات....!"

"اوہو! یہ بھی کچھ نہیں ہے۔ تمہارا آدمی پٹو بڑا چالاک ہے۔ وہ مجھے تمہارا پتہ ہرگز نہ بتاتا۔ پھر اُس سے فرق ہی کیا پڑتا ہے۔"

"خیر.... مجھے آگاہ کیجئے کہ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"ایک آدمی کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ تم میری مدد کرو گے۔"

"ضرور جناب! آپ فرمائیے تو....!"

"مورگن نامی ایک شخص جو کبھی کبھی جیکسنز کارنر میں ٹھہرا کرتا تھا۔"

"اوہ.... مورگن؟ ہاں اس کے متعلق میں جو کچھ بھی جانتا ہوں آپ کو بتا دوں گا۔"

"وہ کہاں مل سکے گا۔"

"افسوس کہ مجھے اس کا علم نہیں۔ وہ ایک انتہائی پُراسرار آدمی تھا۔"

"تم نے اُسے کب سے نہیں دیکھا۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ آٹھ سال پہلے کی بات ہے۔

آج سے آٹھ سال پہلے وہ آخری بار جیکسنز کارنر میں ٹھہرا تھا۔ واقعی وہ انتہائی پُراسرار آدمی تھا۔ شہر کی بے شمار لڑکیاں اس پر مرتی تھیں۔ اس بُری طرح کہ وہ سب اپنے ناموں کیساتھ مورگن لگاتی تھیں۔ لیکن اُن میں سے شاید ہی کبھی کسی نے اُسے دیکھا بھی ہو۔ وہ اُنکی موجودگی میں کبھی کمرے سے باہر نکلتا ہی نہیں تھا۔ وہ کمرے سے باہر کھڑی ہو کر اُس سے گفتگو کیا کرتی تھیں۔"

"یہ تو ناممکنات میں سے ہے کہ انہوں نے اُسے دیکھا نہ ہو۔"

"نہیں میں بالکل درست اطلاع دے رہا ہوں۔"

"جب انہوں نے اُسے دیکھا ہی نہیں تو اس پر مرنے کس طرح لگی تھیں۔"

"یہی معمہ اب بھی مجھے اکثر الجھن میں ڈالے رہتا ہے۔ ان میں کئی بہت اونچے خاندانوں کی لڑکیاں بھی تھیں۔"

"مثلاً سر جمشید کی بہن زوبی۔" فریدی نے پوچھا۔

"اوہ بالکل ٹھیک۔ جی ہاں زوبی جو آج کل لیڈی کہلاتی ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ گومے نے کہا۔ "میں کسی ایسے آدمی کو اپنے ہوٹل میں قیام کی اجازت نہ دیتا مگر اُس نے ایک بار میری مدد کی تھی۔ میں اس کا احسان مند تھا مگر آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ اس کے باوجود بھی اس کی شکل کبھی نہ دیکھ سکا۔"

"اڑنے لگے۔" فریدی مسکرایا۔

"میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں۔ وہ بڑا عجیب تھا۔ آپ یہ ہرگز نہ سمجھئے کہ میں آپ کو اس کا حلیہ نہیں بتانا چاہتا۔ اگر آپ کہیں تو میں آپ کو اس کی تصویر بھی دے سکتا ہوں۔"

"تم شائد نشے میں ہو گومے۔"

گومے ہنسنے لگا۔ پھر اُس نے کہا۔ "دیکھئے! وہ اتنا ہی عجیب تھا کہ اس کے متعلق کوئی گفتگو بھی عجیب معلوم ہوتی ہے۔"

"گومے تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔"

"ہاں کرنل! اور آپ یقین کیجئے کہ میں آپ سے ذرا برابر بھی جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔"

فریدی چند لمحے خاموشی سے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ "اچھی بات ہے گومے تمہیں آج کی بات برسوں یاد رہے گی۔"

"اوہو.... آپ سچ مچ خفا ہو گئے۔ دیکھئے میں آپ کو بتاتا ہوں۔ میرا مطلب یہ تھا کہ میں نے کبھی گوشت و پوست میں اس کی شکل نہیں دیکھی۔ وہ ہمیشہ پُراسرار طریقے پر ہوٹل میں آتا اور اسی طریقے سے وہاں سے رخصت بھی ہو جاتا تھا.... حتیٰ کہ ہوٹل کے خدمت گار بھی اس کی شکل نہیں دیکھ پاتے تھے۔ جاتے وقت وہ منیجر کے نام ایک لفافہ چھوڑ جایا کرتا تھا جس میں دوران قیام کے اخراجات کی رقم ہوا کرتی تھی۔ آمد کی اطلاع بذریعہ تار دیا کرتا تھا اور اُس کی ہدایتوں میں سے کوئی اس کیلئے کمرہ مخصوص کرا جایا کرتی تھی۔ پھر دوری صبح معلوم ہوتا کہ مورگن اپنے کمرے میں موجود ہے لیکن کمرے کا دروازہ کبھی نہ کھلتا... غالباً اب آپ سمجھ گئے ہونگے۔"

"سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "لیکن تمہیں اُس کی تصویر کہاں سے مل گئی تھی۔"

"اُسے محض اتفاق ہی کہا جا سکتا ہے کہ آخری بار ہوٹل سے رخصت ہوتے وقت وہ کمرے میں اپنا پاسپورٹ چھوڑ گیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ اس کی لاعلمی میں وہاں رہ گیا ہوگا۔"

"اوہ....!" فریدی مضطربانہ انداز میں بولا۔ "مجھے وہ پاسپورٹ چاہئے۔"

"آٹھ سال پہلے کی بات ہے جناب! تقریباً ایک سال تک وہ پاسپورٹ میرے پاس رہا۔ اس توقع پر شاید وہ پھر کبھی واپس آجائے۔ لیکن آج آٹھ سال گذر گئے۔ ایک سال بعد میں نے پاسپورٹ کی تصویر نکال کر اپنے البم میں لگائی اور پاسپورٹ... مجھے یاد نہیں پڑتا کہ وہ کہاں ہوگا۔"

"وہ تصویر تو محفوظ ہے یا وہ بھی نہیں۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

"جی ہاں! قطعی محفوظ ہے۔"

"مجھے ابھی چاہئے۔"

"ٹھہریئے....!" گومے نے کہا اور ہاتھ بڑھا کر میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ دوسرے ہی لمحے وہی لڑکی کمرے میں داخل ہوئی جس نے فریدی کی آمد پر دروازہ کھولا تھا۔

"میرا البم لاؤ۔" گومے نے اس سے کہا.... لڑکی چلی گئی۔

"مگر معاملہ کیا ہے کرنل....!" گومے نے پوچھا۔

"ایک کیس میں اُس کی ضرورت ہے اور اب تم اس کے متعلق مجھ سے کچھ نہیں پوچھو گے اور نہ اس ملاقات کا تذکرہ کسی سے کرو گے۔ سمجھے۔"

"سمجھ گیا.... ایسا ہی ہوگا۔"

تھوڑی دیر بعد لڑکی البم لائی۔ گومے اُس کے ورق الٹنے لگا۔ پھر ایک چھوٹی سی تصویر نکال کر فریدی کی طرف بڑھادی۔

تصویر دیکھ کر فریدی نے ایک طویل سانس لی اور مسکرا کر بولا۔ "اس کی مونچھیں بڑی شاندار ہیں کیوں.... کیا خیال ہے؟"

"یقیناً ہیں....!" گومے نے کہا۔ وہ فریدی کا چہرہ بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اُسے مایوسی ہی ہوئی کیونکہ وہ فریدی کے چہرے سے کسی بات کا اندازہ نہ لگا سکا۔

"گومے....!" فریدی نے تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر کہا۔ "یہ ناممکن ہے کہ اس کا پتہ تمہارے ذہن میں محفوظ نہ ہو اور تم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ پاسپورٹ میں اس کا پتہ نہ رہا ہوگا۔"

"کرنل میں کب کہتا ہوں کہ ایسا نہیں ہے۔ وہ یقیناً اتنا ہی پُراسرار آدمی تھا کہ اس کی ذات سے تعلق رکھنے والی چیز کبھی نہیں بھلائی جاسکتی اور کیا آپ یہ سوچ سکتے ہیں کہ میں اس کی ٹوہ میں نہ رہا ہوں گا۔ مگر پاسپورٹ والے پتہ پر میں اُس سے آج تک نہیں مل سکا۔ پتہ اُسی شہر کی ایک عمارت کا تھا۔ کنگس لین کی گیارہویں کوٹھی۔ لیکن وہاں دوسرے لوگ رہتے ہیں اور جوزف مورگن سے کوئی واقف تک نہیں۔"

"پاسپورٹ کہاں کے لئے تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"جرمنی....!"

"اس کی شناساؤں میں کوئی لڑکی ڈریلا مورگن بھی تھی۔"

"یقیناً تھی.... اور میں اسے بے حد پسند کرتا تھا۔"

"میں پسندیدگی کی وجہ نہیں پوچھوں گا۔" فریدی مسکرا کر اٹھتا ہوا بولا۔

"چل دیئے.... بیٹھئے کرنل.... کچھ پیجئے۔"

"میں کافی اور سادہ پانی کے علاوہ کچھ نہیں پیتا.... شکریہ....!"

"مجھے حیرت ہوتی ہے کہ آپ شراب کے بغیر اتنا دماغی کام کیسے کر لیتے ہیں۔"

"شراب نہیں پیتا اسی لئے کر لیتا ہوں۔ شرابیوں کی ذہنی موت بہت جلد ہو جاتی ہے۔ اچھا بخیر....!"

❁

ڈریلا مورگن سفید اسکرٹ میں بہت حسین لگ رہی تھی۔ اس کے ہونٹ یاقوت کی قاشوں کی طرح دمک رہے تھے۔ اُس نے آئینے پر آخری نظر ڈالی اور وینٹی بیگ اٹھا کر دروازے کی طرف بڑھی ہی تھی کہ کسی نے دروازے کو باہر سے ہولے ہولے کھٹکھٹایا۔

ڈریلا نے دروازہ کھول کر آنے والے پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی۔ یہ ایک خستہ حال نوجوان تھا۔ اُس نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر ڈریلا کی طرف بڑھا دیا۔ لفافہ دے کر وہ وہاں ٹھہرا نہیں۔ لفافہ پر ڈریلا کا پتہ ٹائپ کیا ہوا تھا۔ اُس نے لفافہ چاک کر کے خط نکالا۔ ٹائپ کی ہوئی دو سطریں تھیں۔

"جوزف مورگن تمہیں دس بجے ہوٹل ڈی فرانس کے کمرہ نمبر اکتالیس میں طلب کرتا ہے۔"

ڈریلا کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں۔ وہ تقریباً پندرہ منٹ تک ٹائپ کی ہوئی ان دو سطروں کو گھورتی رہی۔

اس کے پورے چہرے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں تھیں اور اُس نے بے خیالی میں اپنے بالوں کی سرخی گالوں پر پھیلالی تھی اور اس کا چہرہ حد درجہ مضحکہ خیز نظر آنے لگا تھا۔ اچانک اس نے چونک کر دیوار سے لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ سوا نو بج چکے تھے۔ پھر اُس کی نظر آئینے پر پڑ گئی اور وہ جلدی جلدی اپنا میک اپ درست کرنے لگی۔

پندرہ منٹ بعد وہ سڑک پر ٹیکسی یا کسی دوسری تیز رفتار سواری کا انتظام کر رہی تھی۔

وہ ٹھیک دس بجے ہوٹل ڈی فرانس کے کمرہ نمبر اکتالیس کے سامنے پہنچ گئی۔ اس کی سانس پھول رہی تھی اور دل بہت شدت سے دھڑک رہا تھا۔ ٹھیک دس بجے وہاں پہنچنے کے لئے کئی بار رکنا بھی پڑا تھا۔

اس نے اِدھر اُدھر سراسیمہ نظروں سے دیکھا۔ راہداری ویران پڑی تھی۔ پھر وہ دروازے کے بہت قریب ہو کر آہستہ آہستہ آوازیں دینے لگی۔ "مسٹر مورگن مسٹر مورگن... یہ ڈریلا ہے۔"

اچانک دروازہ کھلا اور کسی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر کھینچ لیا۔ ڈریلا کے منہ سے ہلکی سی چیخ

نکل گئی۔

"ڈرو نہیں.... ڈرو نہیں....!" دراز قد نقاب پوش نے کہا۔ "ویسے میرا چہرہ تم آج بھی نہ دیکھ سکو گی۔"

ڈریلا اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔ اُس کے حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے۔

"بیٹھ جاؤ۔" نقاب پوش نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

ڈریلا بیٹھ گئی۔ اس کا وینٹی بیگ اب بھی فرش پر پڑا ہوا تھا۔

"تمہیں حیرت تو ہو گی ڈریلا۔" نقاب پوش نے کہا۔

ڈریلا نے صرف اثبات میں سر ہلا دیا۔ زبان تو کھل نہیں رہی تھی۔

"ہم کتنے دنوں بعد مل رہے ہیں کچھ یاد ہے۔"

"شش.... شاید.... آٹھ سال بعد....!"

"ہاں! اتنا عرصہ ضرور گذرا ہو گا۔ آج کل کیا کر رہی ہو۔"

"وہی جو کچھ آپ نے کہا تھا۔"

"یعنی طاقت....!"

"جی ہاں....!"

"تم نے اُسے دیکھا ہے۔"

"جی نہیں.... مگر.... اکثر سوچا ہے کہ.... کہیں آپ ہی طاقت نہ ہوں۔"

"غلط سوچا ہے تم نے۔"

تھوڑی دیر کے لئے وہ دونوں خاموش ہو گئے۔

پھر ڈریلا نے کہا۔ "آپ بہت بدل گئے ہیں۔ خصوصاً آپ کی آواز۔"

"ہاں.... آں.... میں بہت بدل گیا ہوں۔ ڈریلا میرا دل چاہتا ہے کہ آج تمہیں اپنی شکل بھی دکھا دوں۔ کیوں.... کیا خیال ہے۔"

"اسے میں اپنی خوش نصیبی سمجھوں گی۔" ڈریلا نے بے دلی سے کہا۔

دوسرے ہی لمحے میں دراز قد آدمی کے چہرے سے نقاب علیحدہ ہو گیا اور ساتھ ہی ڈریلا اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

"بیٹھ جاؤ....!" فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"آپ مجھ پر کسی قسم کی زیادتی نہیں کر سکتے۔" ڈریلا نے بیٹھتے ہوئے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"کیا مورگن بلیک میلر تھا....!" فریدی نے پوچھا۔

"میں کچھ نہیں جانتی۔"

"میں تمہارے لئے اس بلیک میلر سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہوں سمجھیں!"

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ آپ کس بلیک میلر کا تذکرہ کر رہے ہیں۔"

"خوب...!" فریدی مسکرایا۔ "اچھا یہی بتا دو کہ تم اپنے نام کیساتھ مورگن کیوں لگاتی ہو۔"

"میرے باپ کا یہی نام تھا۔"

"لیکن میں تم سے جوزف مورگن کے متعلق گفتگو کر رہا ہوں۔"

"میرے باپ کا نام ہیری مورگن تھا۔ میں کسی جوزف مورگن کو نہیں جانتی۔"

"مگر تم نے ابھی کچھ دیر پہلے مجھے مورگن سمجھ کر بہت سی باتیں کی تھیں۔"

"آپ مجھ پر خواہ مخواہ الزام لگا رہے ہیں۔ میں نے آپ سے کسی قسم کی گفتگو نہیں کی۔ آپ نے مجھے یہاں دھوکے سے بلایا اور اب میری عزت پر ڈاکہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ میری ایک آواز پر آس پاس کے لوگ دوڑ پڑیں گے۔ آپ مجھے یہاں نہیں روک سکتے۔"

فریدی ہنسنے لگا۔ پھر سنجیدگی سے بولا۔ "یہ دیکھ رہی ہو.... ادھر.... میز پر.... یہ قلمدان نہیں ہے بلکہ ایک انتہائی طاقت ور مائیک ہے اور اس وقت بھی ہماری گفتگو اسی کے ذریعہ دوسرے کمرے میں ریکارڈ ہو رہی ہے۔ اگر تم جیسی ننھی منی عورتیں مجھے بیوقوف بنانے میں کامیاب ہو جائیں تو پھر مجھے خودکشی ہی کرنی پڑے۔"

ڈریلا کچھ نہ بولی۔ اس کا چہرہ غازے کی گہری تہوں کے باوجود بھی پیلا نظر آنے لگا تھا۔

"آپ مجھ سے کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔" ڈریلا نے تھوڑی دیر بعد مردہ سی آواز میں کہا۔

"اُس نے تمہیں کس طرح اپنے قابو میں کیا تھا۔"

"بلیک میل کر کے۔"

عشق آگ اور موت

ڈریلا کرسی پر پڑی ہانپ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے تھوڑی ہی دیر میں اس کا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔

"چلو میں تم سے بلیک میلنگ کی وجہ نہ پوچھوں گا۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن تمہیں طریقہ کار تو بتانا ہی پڑے گا۔"

ڈریلا خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

"میں دوسرا طریقہ بھی اختیار کر سکتا ہوں ڈریلا۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن یہ بتا دینے کے بعد میرا انجام کیا ہوگا۔" ڈریلا نے مضمحل آواز میں پوچھا۔

"بُرا نہیں ہوگا۔ میں تمہیں پولیس کے حوالے نہیں کرونگا۔ تم میری حفاظت میں رہو گی۔"

ڈریلا چند لمحے خاموش رہی پھر اُس نے کہا۔ "اُس کے پاس تقریباً دو درجن لڑکیاں تھیں۔ اُس نے انہیں کسی نہ کسی طرح پھانس رکھا تھا۔ میں بھی انہیں میں تھی۔ اُس نے مجھے بلیک میل کر کے اپنے قابو میں کیا تھا۔ ہم اس کے لئے کیس فراہم کرتے تھے۔ بڑے گھرانے کی عورتوں تک رپورٹ پہنچاتے تھے اور وہ ان کے خلاف ٹھوس قسم کے ثبوت فراہم کر کے انہیں بلیک میل کرنا شروع کر دیتا تھا۔ یہ اب سے آٹھ سال پہلے کی بات ہے پھر اُس نے ہم سب کو ایک پُر اسرار شخصیت "طاقت" کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ ہمارے سارے راز اُس کے سپرد کر دیئے لیکن میرا اپنا خیال ہے کہ طاقت مورگن ہی کا دوسرا روپ ہے۔ بہر حال مورگن کے لئے ہمیں مفت کام کرنا پڑتا تھا۔ مگر طاقت.... وہ ہمیں تنخواہیں دیتا ہے۔ میں صرف اپنے متعلق جانتی ہوں مجھے ہر ماہ چھ ہزار روپے ملتے ہیں۔"

"یعنی طاقت کے تین سکے۔"

"اب تمہیں کیا کرنا پڑتا ہے۔"

"سرکاری آفیسروں سے عشق۔ میں انہیں اپنے جال میں پھانس کر حکومت کے راز معلوم کرتی ہوں۔"

"اور وہ طاقت تک کس طرح پہنچتے ہیں۔"

"میرے پاس ایک اسٹیشن تھا۔ آپ نے اس پر چھاپا مارا۔ وہی تمباکو فروش پھر دوسرا اسٹیشن اب وہ بھی بند کر دیا گیا ہے۔ میں ساری اطلاعات وہاں پہنچا دیا کرتی تھی اور مجھے احکامات بھی ں سے ملتے تھے۔"

"اب کیا صورت ہے۔"

"بیکاری.... نہ کوئی پیغامات ملتے ہیں اور نہ کوئی کام ہوتا ہے۔ غالباً یہ آپ کی عنایت کا نتیجہ ہے۔ اکثر میں نے سوچا ہے کہ آپ طاقت سے بھی زیادہ چالاک ہیں۔ یہی مورگن والا قصہ۔ میں ں سمجھ سکتی کہ آپ کو اس کا علم کیسے ہوا۔"

"کیا مورگن نے تمہیں اس بات پر مجبور کیا تھا کہ تم اپنے نام کیساتھ اس کا نام بھی لگاؤ۔"

"نہیں.... یہ میرے باپ کا بھی نام تھا.... ہیری مورگن....!"

"مگر میری معلومات کے مطابق اُسکی ساری لڑکیاں اپنے ناموں کیساتھ مورگن لگاتی تھیں۔"

"یہ غلط ہے۔ اُن میں سے صرف میرے نام کے ساتھ مورگن استعمال ہوتا ہے۔"

"وہ ساری لڑکیاں بھی اب طاقت کے لئے کام کر رہی ہوں گی۔"

"جی ہاں....!"

"میں اُن کے نام اور پتے چاہتا ہوں۔"

"لیکن میرا کیا انجام ہوگا۔ طاقت مجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔ اُسے ہر بات کا علم ہو جاتا ہے۔"

"اس کی پرواہ نہ کرو۔ تم میری حفاظت میں رہو گی۔ طاقت کے فرشتے بھی تم تک نہیں پہنچ ں گے۔ ہاں مجھے ان لڑکیوں کے نام اور پتے لکھوا دو۔"

ڈریلا اب بہت زیادہ مضطرب نظر آنے لگی لیکن اُسے نام اور پتے لکھوانے ہی پڑے۔

"اچھا اب بتاؤ۔" فریدی نوٹ بک جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ "تم میرے سوال کا جواب بالکل ں دو گی۔ ابھی تک میں نے جو کچھ معلوم کیا ہے وہ میرے کسی کام نہیں آسکتا۔"

"میں نے ابھی تک آپ کے ہر سوال کا بالکل صحیح جواب دیا ہے۔"

"کیا تم شہر کے کسی ایسے بڑے آدمی کا نام بتا سکتی ہو جو طاقت سے تعلق رکھتا ہو۔"

ڈریلا تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ "نہیں میں کسی ایسے بڑے آدمی کو نہیں جانتی۔"

"تمہیں یقین ہے کہ تمہارا جواب بالکل صحیح ہے۔" فریدی نے اُسے تیز نظروں سے دیکھتے

ہوئے پوچھا۔

"مجھے یقین ہے۔"

"اُس کے چکر میں پھنسی ہوئی لڑکیوں میں سے کوئی لڑکی زوبی بھی تھی۔"

"نہیں اس نام کی تو کوئی بھی لڑکی مجھے یاد نہیں آتی۔"

"پھر سوچو.....!"

"مجھے یقین ہے کہ اس نام کی کوئی لڑکی نہیں۔"

"اس نام کی کسی لڑکی کو اُس نے بلیک میل بھی نہیں کیا تھا۔"

"نہیں..... میری معلومات کے مطابق تو اُن عورتوں میں زوبی نام کی کوئی نہیں تھی۔"

"اب..... خیر ہاں..... یہ تو رہ ہی گیا۔ تم مجھے ان عورتوں کے نام اور پتے بھی نوٹ کراؤ جنہیں مورگن بلیک میل کر رہا تھا۔"

"میرے ذمہ دو عورتیں تھیں جن سے میں ہر ماہ بھاری رقمیں وصول کر کے مورگن تک پہنچاتی..... اور اب بھی..... میرا خیال ہے اگر مورگن ہی طاقت ہے تو وہ کسی نہ کسی طرح اُن سے رقمیں ضرور وصول کراتا ہوگا۔ ورنہ وہ اتنی بڑی بڑی تنخواہیں کہاں سے دے سکتا ہے۔"

"وہ دو عورتیں کون ہیں۔"

"لیڈی جگدیش.....!"

"سر جگدیش کی بیوی.....!" فریدی نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"جی ہاں..... اور دوسری..... راجکماری ریکھا..... پرنس جسپال کی بہن۔"

"خوب.....!" فریدی اپنے ہاتھ ملنے لگا۔ پھر کچھ دیر بعد بولا۔ "اس کمرے میں جاؤ۔"

"کیوں؟"

"جاؤ..... جو میں کہہ رہا ہوں کرو۔ تمہارے لئے یہی بہتر ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ طاقت کا کوئی ہرکارہ تمہیں موت کے گھاٹ اتار دے۔"

ڈریلا چند لمحے کھڑی کچھ سوچتی رہی پھر بادلِ ناخواستہ دوسرے کمرے میں چلی گئی جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ لیکن اُس کے داخل ہوتے ہی دروازہ بند ہو گیا۔ پھر اندر سے کچھ اس قسم کی آوازیں آنے لگیں جیسے کچھ آدمی آپس میں لڑ پڑے ہوں۔

فریدی آرام کرسی میں پڑا ہوا نہایت اطمینان سے سگار کے کش لیتا رہا۔ تقریباً دس منٹ رے کا دروازہ کھلا اور دو آدمی باہر آئے۔

دونوں جوان العمر تھے اور تعلیم یافتہ معلوم ہوتے تھے۔

"کیوں؟" فریدی نے پوچھا۔

"سب ٹھیک ہے۔" ایک نے جواب دیا۔

"بس لے جاؤ۔ میرا خیال ہے وہ زیادہ وزنی نہ ہوگی۔"

"لیکن.....!"

"ہاں اچھا.....!" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "بیٹھ جاؤ..... یہ اس وقت تک دوسروں کی نظروں نہ آنے پائے جب تک کہ اس کیس کا خاتمہ نہ ہو جائے۔ دوسری بات..... تم دونوں کل شام لکچو میں ملنا.....!"

❁

فریدی کو جو کچھ بھی معلوم کرنا تھا ڈریلا سے معلوم کر چکا تھا۔ وہ مورگن کی دوسری لڑکیوں نہیں ملا اور نہ اُن عورتوں کی طرف توجہ دی جنہیں مورگن بلیک میل کرتا رہا تھا۔

وہ پرنس شمشاد سے دوبارہ ملا جس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ تین دن بعد اپنے شبہے کا اظہار کر سکے گا۔

"کرنل میں سخت الجھن میں ہوں۔" پرنس شمشاد نے کہا۔ "یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ م کے آٹھ ارکان پر حملے کیوں ہوئے اور کوئی حملہ کامیاب کیوں نہیں ہوا۔ اسی واقعے کی بناء پر اپنا نظریہ بدل دینا پڑا ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"دیکھئے بتاتا ہوں۔ لیکن اس سے پہلے ایک الجھن اور بھی ہے اگر وہ حملے طاقت کی طرف سے تے ہیں تو میں کیوں چھوڑ دیا گیا ہوں۔ وہ سب تو اس کے معتمد تھے اور میں تنظیم سے الگ ہوا تھا۔ اُسے میری طرف سے زیادہ خطرہ ہونا چاہئے۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کو اپنے لئے بے ضرر سمجھتا ہو۔"

"نہیں فریدی صاحب! اس معاملے کو دوسری روشنی میں دیکھنے کی کوشش کیجئے۔ آخر کوئی جان لیوا کیوں نہیں ثابت ہوا۔"

"میرے پاس آپ کے اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے۔" فریدی بولا۔

"لیکن میں سمجھتا ہوں۔" پرنس شمشاد سر ہلا کر بولا۔ "اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ انہیں آٹھ آدمیوں میں سے کوئی طاقت ہے۔"

"کیا....؟" فریدی کے چہرے پر حیرت کے آثار پیدا ہوئے پھر وہ ہنسنے لگا۔ اس انداز میں جیسے پرنس شمشاد نے کوئی احمقانہ بات کہہ دی ہو۔

"خیر اسے جانے دیجئے۔" اس نے کہا۔ "پہلے آپ کا نظریہ کیا تھا۔"

"پہلے.... پہلے میں سر فیروز پر شبہہ کر رہا تھا۔"

"تو اپنے اسی شبہے پر قائم رہئے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کیوں؟"

"ان آٹھ آدمیوں پر وہ حملے میں نے کرائے تھے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ نے....؟" کنور شمشاد بے ساختہ اچھل پڑا۔

"جی ہاں میں نے.... لیکن یہ بات آپ ہی تک محدود رہے گی۔"

"ارے.... قطعی.... قطعی.... مگر اس میں کیا مصلحت تھی۔"

"بس یونہی میں انہیں خوفزدہ کرنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ طاقت بالکل تنہا رہ جائے۔ ابھی دو اور باقی ہیں زوبی.... اور ضرغام.... ان دونوں کو کسی چوہے دان میں بند کر کے مار دوں گا۔ آپ کو علم ہوگا کہ میرے دو بہترین ساتھی ہسپتال میں ایڑیاں رگڑ رہے ہیں۔ میں طاقت کے علاوہ گروہ کے ایک ایک آدمی کو چن چن کر ماروں گا۔"

"مگر اس سے کیا ہوگا۔" شمشاد بولا۔ "طاقت تک پہنچنے کی تدبیر کیجئے۔ وہ تو ہر حال میں محفوظ رہے گا۔"

"سر فیروز کے متعلق آپ کیا کہہ رہے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"اوہو.... اُسے رہنے دیجئے۔ اب وہ مجھے مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔"

"کچھ کہئے بھی تو۔ ممکن ہے وہ کوئی کام ہی کی بات ہو۔"

"زوبی کی وجہ سے خیال پیدا ہوتا ہے۔ آخر طاقت اس پر اتنا اعتماد کیوں کرتا ہے۔"

"ہاں یہ بات تو سوچنے کی ہے۔"

"سر فیروز یہاں کا سب سے بڑا سرمایہ دار ہے اور کبھی سیاسی اکھاڑوں کا بھی پہلوان رہ چکا ہے اسے اس قسم کی حکومت جمانے کا خبط ہو جائے تو تعجب کی بات نہیں۔ مگر فریدی صاحب پھر بھی.... اس بات پر یقین کرنے کو تو دل نہیں چاہتا۔"

"آخر کیوں؟" فریدی نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"سر فیروز پاگل ہے۔ مٹی کے کھلونے سامنے رکھ کر دو دو آنے چار چار آنے کی ہانک لگایا کرتا ہے۔ آخر اس کی کیا ضرورت ہے۔"

"لوگوں کو دھوکے میں رکھنے کا ایک بہترین طریقہ۔" فریدی نے جواباً کہا۔

"نہیں فریدی صاحب۔ ہم ٹھوس قسم کے حقائق سے دوچار ہیں۔ یہ کسی چار پیسے والے سوسی ناول کا معاملہ نہیں ہے یا کسی گھٹیا سے فلم کا پلاٹ نہیں۔ آپ خود سوچئے لاحول ولا قوۃ میرا خیال ہے کہ ایک معمولی سا آدمی بھی اگر ان واقعات سے واقف ہو تو سر فیروز ہی پر شبہ کرے گا اور یہی سمجھے گا کہ وہ بنا ہوا پاگل ہے مگر.... طاقت.... وہ اتنا بدھو نہیں معلوم ہوتا۔ آخر اسے اس قسم کا سوانگ بھرنے کی ضرورت ہی کیا ہو سکتی ہے۔ میرا خیال ہے وہ کوئی ایسا آدمی ہوگا جو دوسروں کے لئے قطعی ناقابلِ توجہ ہو۔ ہو سکتا ہے وہ اس وقت کسی معمولی سے بار میں بیٹھا ہوا کوئی گھٹیا سی شراب پی رہا ہو۔ سر فیروز اپنے پاگل پن کی وجہ سے ایک بچے کی توجہ بھی اپنی طرف مبذول کرا سکتا ہے۔ کیوں؟ آپ سمجھے یا نہیں۔"

"بالکل سمجھ گیا.... بلکہ پہلے بھی سمجھتا تھا.... میں تو آپ کی رائے معلوم کرنا چاہتا تھا۔"

"لیکن....!" کنور شمشاد بولا۔ "میرا یہ نظریہ ہے کہ اُن آٹھوں ہی میں سے کوئی نہ کوئی طاقت ہے مگر.... نہیں.... کیا حقیقتاً اُن پر وہ حملے آپ ہی کی طرف سے ہوئے تھے۔"

"ہاں.... یہ حقیقت ہے۔" فریدی نے اس کی طرف سگار کا ڈبہ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"شکریہ! میں تمباکو نہیں پیتا.... پھر.... میں اب بالکل تاریکی میں ہوں اور آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔"

"آپ شکاری ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اور ہر شکاری ایڈونچر کا شائق ہوتا ہے۔ کیا طاقت کا پتہ لگا لینا ایک بہت بڑا ایڈونچر نہ ہوگا۔"

"یقیناً ہوگا.... مسٹر فریدی اور ہوا سے لڑنے کے متعلق بھی میں یہی خیال رکھتا ہوں۔"

"لیکن اتنا تو آپ بھی سمجھتے ہیں کہ جب تک طاقت آزاد ہے آپ بھی خطرے سے باہر نہیں۔"

"ایک بات میں آپ کو بتادوں فریدی صاحب کہ میں اس سے ذرہ برابر بھی خائف نہیں ہوں۔ زوبی نے مجھ پر دو فائر کئے تھے لیکن میں نے اس کا تذکرہ آپ کے علاوہ اور کسی سے نہیں کیا۔ اگر میں اس سے خائف ہوتا تو آپ میری شکل اس شہر میں نہ دیکھتے۔"

"اس بے خوفی کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوگی۔ کنور صاحب۔ میں وہی وجہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"وجہ... اسکی کیا وجہ ہو سکتی ہے بس میں نے آج تک کسی سے بھی خوف نہیں محسوس کیا۔"

"بہر حال....!" فریدی ایک طویل سانس لیکر بولا۔ "ہماری آج کی ملاقات بھی بیکار رہی۔"

"بھئی آپ جو کچھ بھی کہئے کرنے کا تیار ہوں۔" کنور شمشاد نے کہا۔

"میں زوبی کا اغواء چاہتا ہوں۔"

"کیا مطلب....!"

"اس کا مطلب آپ نہیں سمجھتے۔"

"سمجھتا ہوں.... لیکن اس سے کیا ہوگا۔"

"یہ بعد میں بتاؤں گا.... بولئے ممکن ہے یا نہیں۔"

"بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں۔"

"میں اس سلسلے میں آپ کی مدد کا طالب ہوں۔"

"میں کیا مدد کر سکتا ہوں.... اور پھر آپ مجھ سے مدد کیوں چاہتے ہیں۔"

"مجھے ایک ساتھی کی ضرورت ہے جس پر میں اعتماد کر سکوں۔ ایک بے خوف ساتھی کی ضرورت ہے۔ مشکلات کا جم کر مقابلہ کر سکے۔ اگر میرے دونوں ساتھی ہسپتال میں نہ ہوتے میں آپ کو تکلیف نہ دیتا۔"

کنور شمشاد کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

"دیکھئے! میں بتادوں کہ میں قانون سے بہت ڈرتا ہوں۔ یہی وجہ تنظیم سے علیحدگی کی بھی ہے۔ میں آپ کے لئے یہ کر سکتا ہوں۔ کوئی بہت بڑی بات نہیں لیکن آپ ہر حال میں میرے ساتھ ہوں گے۔"

"اس سے آپ مطمئن رہئے جہاں تک قانون کا تعلق ہے اس سے آپکا بچاؤ میں کروں گا۔"

"بس تو ٹھیک ہے۔" کنور شمشاد نے کہا۔ "آپ اس کا اغواء کب چاہتے ہیں۔"

"آج رات کو۔"

"تو آپ مجھے کہاں ملیں گے۔"

"یہیں آپ کے گھر پر....!" فریدی نے کہا۔ "اس کا پتہ لگانا میرا کام ہوگا کہ زوبی اس وقت کہاں موجود ہے۔"

❁

نصرت خان کا پیر اب ٹھیک ہو گیا تھا۔ لیکن مزاج کا چڑچڑاپن بدستور باقی تھا۔ وہ ذرا ذرا سی بات پر لوگوں پر چڑھ دوڑتا تھا۔ خصوصاً زوبی تو بُری طرح نالاں تھی۔ وہ ہر ہر طرح اُس کا موڈ ٹھیک رکھنے کی کوشش کرتی۔

آج بھی وہ اسی غرض سے اس کو ہائی سرکل نائٹ کلب میں لے آئی تھی۔ رات کے نو بجے تھے اور کلب کی رعنائیاں شباب پر تھیں وہ اسے ریکریئیشن ہال کی طرف لیتی چلی گئی۔

"اوہ... زوبیا... تو مجھے بہلانے کی کوشش کرتی ہے۔" نصرت خان نے کہا۔ "لیکن سب فضول ہے۔ جب تک میرے ہاتھ فریدی کے خون سے رنگ نہ جائیں میری افسردگی نہیں دور ہو سکتی۔"

وہ دونوں ایک خالی میز پر بیٹھ گئے۔ یہی ایک میز خالی تھی۔ شاید زوبی اسے پہلے ہی سے مخصوص کرا چکی تھی۔ انکے بعد والی میز پر صرف ایک آدمی تھا اور اس کی پشت اُن کی طرف تھی۔

"تو مجھے یہاں بیکار لائی ہے زوبیا۔ مجھے کہیں سکون نہیں مل سکتا۔"

"ضرغام چھوڑ ان باتوں کو۔ کیا تمہارے دل میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں۔"

"جگہ تو ہے لیکن کبھی کبھی تجھ پر غصہ بھی آتا ہے۔"

"کیوں نہ ہم دونوں یہاں سے چلے جائیں۔"

"مقلاق....!"

"خان بابا کی زندگی میں یہ ناممکن ہے۔ وہ میری کھال گرادے گا۔"

"تم اس بوڑھے سے اتنا ڈرتے ہو۔"

"ہاں میں اسی کا نطفہ ہوں۔ اُس کے آگے سر نہیں اٹھا سکتا۔ اُس نے مجھے پاپوش سے مارا ہے اس کے علاوہ میرا سر اور کسی کے آگے نہیں جھکا۔"

زوبی تحیر آمیز انداز میں ہنسنے لگی اور نصرت خان جھنجھلا کر بولا۔ "زوبیا! میں تیری بوٹیاں اڑادوں گا.... میرا مضحکہ اڑاتی ہے۔"

"تم شیر ہو.... بہت طاقت ور.... انتہائی دلیر....!" زوبی یک بیک سنجیدگی سے بولی۔ "مگر ذہنی اعتبار سے کمتر....!"

"کیوں! کیا ثبوت ہے تیرے پاس۔ میں ذہنی طور پر بھی کمتر نہیں ہوں۔"

"ذہنی کمتری کی اس سے بہتر مثال اور کیا ہوگی ایک شہزور جوان ایک نحیف بوڑھے کے ہاتھوں پٹ جاتا ہے۔"

"نحیف! کیا بکتی ہے زوبیا۔ خان بابا آج بھی فولاد کی چٹان ہے۔"

"وہم ہے تمہارا۔"

"اچھا بکواس بند.... میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔"

"مقلاق نہ سہی کہیں اور چلو! میں اب یہاں نہیں رہنا چاہتی۔"

"کیوں....؟"

"میں تمہیں نہیں کھونا چاہتی۔ تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔"

"تو گویا تم.... میرے دوست طاقت کا ساتھ چھوڑنا چاہتی ہو۔"

"طاقت....!" زوبی کا منہ بگڑ گیا۔ "طاقت کو بھی دیکھ رہی ہوں۔ اس کے بہترین رفیق فریدی کے ہاتھوں پٹ رہے ہیں اور وہ خاموش ہے ایک رات میں آٹھ آدمیوں پر حملے ہوئے۔ اب تم خود انصاف کرو۔"

"میں سوچتا ہوں۔" نصرت خان نے فکر مندانہ لہجے میں کہا۔ "مگر میں اسے دوست کہہ چکا ہوں اور مجھے مرتے دم تک اسے نباہنا ہے خواہ کچھ ہو جائے۔"

"تم ابھی اس کی دوستی کے مقصد سے واقف نہیں ہو۔" زوبی نے کہا۔

"میں اس سلسلے میں بھی کچھ نہیں سننا چاہتا۔ بکواس بند کرو۔"

"تمہاری مرضی۔ ویسے وہ تمہیں ہمیشہ غلام بنائے رکھنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔"

"زوبیا.... میں کیا کہہ رہا ہوں۔"

"زوبی خاموش ہو گئی اور نصرت خان بڑبڑانے لگا۔ مجھے بھی اس کی خاموشی پسند نہیں ہے۔

خصوصاً فریدی کے معاملے میں.... لیکن....!"

اچانک وہ چونک کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ کیونکہ سامنے والی میز پر تنہا بیٹھے ہوئے آدمی کا رخ ب انہیں کی طرف تھا۔ اسے پہچان لینے کے لئے پہلی ہی نظر کافی تھی۔ یہ فریدی تھا اور وہ نصرت خان کے بجائے زوبی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ زوبی بری طرح بوکھلا گئی۔

"اگر کوئی حرج نہ ہو لیڈی زوبی۔!" فریدی اٹھ کر احتراماً تھوڑا سا جھکتا ہوا بولا۔ "تو میں آپ کی میز پر آجاؤں۔ آج شام کی تنہائی میرے لئے بڑی تکلیف دہ ہے۔"

نصرت خان قہر آلود نظروں سے زوبی کو دیکھنے لگا۔ زوبی جیسے مسحور ہو کر رہ گئی تھی وہ برابر فریدی کی آنکھوں میں دیکھے جا رہی تھی اور ایسا محسوس کر رہی تھی جیسے اس کے جسم کی ساری طاقت سمٹ کر آنکھوں میں آگئی ہو اور پپوٹے بوجھل سے محسوس ہو رہے تھے۔ اتنے بوجھل جیسے اپنے حلقوں سے باہر نکل پڑیں گے۔

"ضرور.... ضرور....!" اُس کے ہونٹ ہلے اور دھیمی سی آواز نکلی۔

"نہیں....!" نصرت خان میز پر گھونسہ مار کر گرجا۔

"آپ کی تعریف لیڈی زوبی۔" فریدی نے نرم لہجے اور دھیمی آواز میں پوچھا۔

"مم.... مسٹر ضرغام....!" زوبی نے کہا اور اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی۔

"زوبیا.... بکواس بند۔" نصرت خان اور زیادہ جھلا گیا لیکن فریدی کے سکون میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اُس نے اسی نرم لہجے میں کہا۔

"لیڈی زوبی! اب میں پوچھوں گا کہ یہ کون بدتمیز ہے۔"

دوسرے ہی لمحے میں نصرت خان کے دونوں ہاتھ فریدی کی گردن کی طرف لپکے لیکن فریدی کے بائیں ہاتھ کی کہنی اس سے پہلے ہی اُس کے چہرے پر لگ چکی تھی۔ پھر داہنا ہاتھ بھی اور نصرت خان پچھلی میز سے ٹکرا کر دو تین آدمیوں سمیت فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ پھر زوبی کی چیخ کے ساتھ ہی صرف ہال میں نہیں بلکہ پوری عمارت میں اندھیرا ہو گیا۔

❁

فریدی نے بیہوش زوبی کو اسٹیشن ویگن میں ڈال دیا اور پھر ان لوگوں کا انتظار کرنے لگا جو

نصرت خان کو لا رہے تھے۔ یہ چار آدمی کنور شمشاد نے مہیا کئے تھے۔

نصرت خان کو پکڑ لینے کی تجویز کنور شمشاد نے پیش کی تھی۔ اُس نے کہا تھا کہ وہ نصرت خان کو زوبی کی موجودگی ہی میں ذلیل کرنا چاہتا تھا۔ فریدی نے تھوڑی ردد قدح کے بعد اُس کی بات مان لی تھی۔ وہ اسٹیشن ویگن کے عقبی دروازے کے پاس کھڑا رہا۔

گلی تاریک اور سنسان تھی اور یہاں سے نائٹ کلب کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ چاروں نصرت خان کو اٹھائے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔ نصرت خان ہوش میں تھا۔ مگر بے بس.... اُس کے ہاتھ اور پیر بندھے ہوئے تھے اور منہ میں رومال ٹھونس دیا گیا۔ اسے بھی اسٹیشن ویگن میں ڈال دیا گیا۔

کنور شمشاد اسٹیئرنگ پر تھا۔ لہٰذا فریدی اگلی سیٹ کی طرف بڑھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کی دونوں پسلیوں سے دو ریوالوروں کی نالیں آ لگیں۔

"اُدھر نہیں! تم بھی پیچھے ہی بیٹھو....!" چاروں میں سے ایک نے کہا۔ "اور اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھالو۔"

"کیا مطلب....!" فریدی کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

"مطلب بتانے کا وقت نہیں ہے۔ بس بیٹھ جاؤ۔" اگلی سیٹ سے آواز آئی لیکن یہ کنور شمشاد کی آواز نہیں معلوم ہوتی تھی۔

"اس مذاق کا مطلب....!"

"آہستہ.... ورنہ یہیں خاتمہ ہو جائے گا۔" کسی نے کہا اور ریوالور کی نالیں اُس کی پسلیوں میں اور زیادہ سختی سے چبھنے لگیں۔

پھر اُسے زبردستی اسٹیشن ویگن میں دھکیل دیا گیا۔

اسٹیشن ویگن فراٹے بھرتی ہوئی روانہ ہو گئی۔ اس کی کھڑکیوں پر سیاہ پردے کھینچ دیئے گئے تھے اور اندر اندھیرا تھا ہی۔ ریوالوروں کی نالیں اب بھی فریدی کی پسلیوں سے لگی ہوئی تھیں۔

"کنور شمشاد تم ہوش میں ہو یا نہیں۔" فریدی غرایا۔

اگلی سیٹ والے نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "کیوں بھئی! کیا اس گاڑی میں کوئی آدمی اس نام کا بھی ہے۔"

"کوئی نہیں....!" چاروں میں سے ایک نے کہا۔

"کرنل فریدی....!" اگلی سیٹ سے آواز آئی۔ "تم کنور شمشاد کو بہت پیچھے چھوڑ آئے ہو۔ اُسے جب ہوش آئے گا تو وہ دوسروں کی نظروں سے چھپ کر اپنے گھر تک پہنچنے کی کوشش کرے گا کیونکہ اُسے ایک بہت ہی گندی نالی میں پھینکا گیا ہے۔"

"پھر تم کون ہو۔"

"اس کی پرواہ نہ کرو۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ اسٹیشن ویگن آدھے گھنٹے سے زیادہ نہیں چلی لیکن وہ جہاں رکی تھی وہ کوئی روشن جگہ تھی کیونکہ باہر کی روشنی سیاہ پردوں سے بھی دکھائی دے رہی تھی۔ عام اندازہ یہی ہو سکتا تھا کہ وہ کسی سڑک پر رکی ہے۔ لیکن وہاں کے سناٹے کی طرف توجہ مبذول ہوتے ہی فریدی الجھن میں پڑ گیا۔ لیکن اس کی الجھن بھی جلد ہی رفع ہو گئی۔ اُسے ٹھوکے مار مار کے نیچے اتارا گیا۔ یہ کسی عمارت کی ایک بہت کشادہ راہداری تھی۔ اتنی کشادہ کہ اس میں برابر سے دو کاریں بہ آسانی چل سکتی تھیں۔ اگلی سیٹ سے ایک طویل القامت آدمی اترا جس کا پورا چہرہ سیاہ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔

زوبی ہوش میں آ چکی تھی۔

"اسے کھول دو....!" نقاب پوش نے نصرت خان کی طرف اشارہ کر کے کہا اور زوبی بے ساختہ اچھل پڑی۔

"طاقت....!" اُس نے ایک سسکی سی لی اور طویل القامت نقاب پوش ہنسنے لگا۔

نصرت خان کھلتے ہی فریدی کی طرف جھپٹا لیکن نقاب پوش درمیان میں آ گیا۔

"نہیں دوست....!" اُس نے نصرت خان کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے زوبی سے کہا تھا کہ فریدی خودکشی کرے گا۔ اس کے لئے یہی مناسب ہے۔"

اس پر فریدی بے تحاشہ ہنس پڑا۔

"تمہاری ہنسی ابھی چیخوں میں بدل جائے گی۔" نقاب پوش نے کہا۔

"ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو مسٹر مورگن....!" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"مورگن....!" زوبی کے حلق سے چیخ سی نکلی۔

"ہاں! جوزف مورگن....!" فریدی مسکرایا۔ "ایک گھٹیا سا بلیک میلر جو ایک ملک پر حکومت

کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔"

نقاب پوش بالکل خاموش کھڑا رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے سکتہ ہو گیا ہو۔

"کیا یہ صحیح ہے۔" زوبی نے آہستہ سے پوچھا۔

"بکواس ہے۔" نقاب پوش غرایا۔ پھر اُس نے چاروں آدمیوں سے کہا۔ "اسے لے چلو۔"

ریوالوروں کی نالیں پھر فریدی کے جسم سے آلگیں اور وہ اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے ہوئے نہایت اطمینان سے چلتا رہا۔

وہ ایک بہت بڑے کمرے میں آئے۔ یہاں فرنیچر زیادہ نہیں تھا۔

"فریدی! مرنے سے پہلے طاقت کے عجائبات دیکھ لو۔" نقاب پوش نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا۔ "ادھر دیکھو....!"

سامنے والی دیوار پر ایک چھ فٹ اونچا اور تقریباً دس فٹ لمبا دھندلا شیشہ نصب تھا۔ دیوار لکڑی کی تھی اور اس پر جا بجا مختلف سائز کے بلب بھی لگے ہوئے تھے۔ نقاب پوش نے آگے بڑھ کے دیوار ہی پر لگے ہوئے ایک بٹن پر انگلی رکھ دی اور اس طویل و عریض شیشے پر بجلیاں سی کوندنے لگیں پھر آہستہ آہستہ پورا شیشہ روشن ہو گیا۔ اس پر کچھ دھندلی مگر رنگین متحرک تصویریں نظر آ رہی تھیں۔ پھر وہ تصویریں بھی صاف ہوتی گئیں۔ یہ کسی آفس کا منظر تھا لوگ فائیلوں اور رجسٹروں میں منہمک تھے۔

"یہ میرا ایک آفس ہے۔" نقاب پوش فریدی کیطرف مڑ کر بولا۔ "ٹیلی ویژن کے بارے میں تم جانتے ہو گے لیکن تم کسی ٹیلی ویژن سیٹ پر اداکاروں سے گفتگو نہیں کر سکتے... ادھر دیکھو....!"

نقاب پوش نے دیوار سے ایک بلب روشن کر دیا۔ اس کی روشنی اتنی تیز تھی کہ اس پر نظر نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ اچانک نقاب پوش نے شیشے کی طرف رخ کر کے کہا۔ "منیجر.... کام کیسا جا رہا ہے۔"

فوراً ہی ایک تصویر کرسی سے اٹھی اور احتراماً جھک کر بولی۔ "بہت بہتر جناب! ملاحظہ فرمائیے... وقت بھی کام ہی ہو رہا ہے۔"

"شکریہ منیجر....!" نقاب پوش نے کہا اور تصویر پھر بیٹھ کر میز پر رکھے ہوئے کاغذات الٹنے پلٹنے لگی۔

نقاب پوش نے فریدی کی طرف مڑ کر کہا۔ "یہ آفس یہاں سے سینکڑوں میل دور ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ سچ مچ متحیر تھا۔

"میں نے دنیا کے بہترین دماغ اکٹھا کئے ہیں کرنل....!" نقاب پوش پھر بولا۔

"اب خود تم ہی انصاف کرو۔ حکومت کس کا حصہ ہے میرا یا ان کا جنہیں تم صحیح حکمران سمجھتے ہو۔"

"لیکن کیا تم اپنے اس خواب کی تعبیر کے لئے زندہ رہو گے۔"

"میں زندہ رہوں یا نہ رہوں۔ مگر یہ تنظیم ہمیشہ زندہ رہے گی۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ تنظیم اسی شہر تک محدود ہے۔ کرنل فریدی اس سے ملک کا کوئی بھی گوشہ خالی نہیں ہے۔ میں اگر مر بھی جاؤں تو میرا جانشین یہ بار اپنے کاندھوں پر اٹھالے گا۔ اچھا.... اب میری ایک فیکٹری دیکھو جہاں اسلحہ تیار کیا جاتا ہے۔ یہ بھی یہاں سے سینکڑوں میل کے فاصلے پر ہے کرنل فریدی دیکھو اور اس بات کا اعتراف کرو کہ تم طاقت کے سامنے ایک حقیر کیڑے سے بھی زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔"

وہ ایک بار پھر دیوار کے قریب گیا اور شیشے پر پھر بجلیاں سی کوندنے لگیں اور اس کے بعد سچ مچ ایک فیکٹری کا منظر اُن کے سامنے آ گیا۔ بے شمار آدمی بڑی بڑی مشینوں پر کام کر رہے تھے۔

"وقت کم ہے۔" نقاب پوش اپنی کلائی کی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "میں تمہیں کیا کیا دکھاؤں فریدی....!"

"بس اب اپنا چہرہ دکھا دو پیارے جو کم از کم زوبی اور خان مقلاق کے بیٹے کے لئے کافی حیرت انگیز ہو گا۔"

"اور تمہارے لئے کرنل....!" نقاب پوش نے تمسخر آمیز لہجے میں پوچھا۔

"میرے لئے کوئی نئی بات نہ ہو گی۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "کیونکہ میں تمہیں بہت دنوں سے جانتا ہوں.... جوزف مورگن....!"

"کیوں زوبی....!" نقاب پوش زوبی کی طرف مڑ کر بولا۔ "کیا تمہیں جوزف مورگن کا چہرہ دیکھ کر حیرت ہو گی۔"

"میں نے پہلے ہی کب دیکھا تھا جو اب حیرت ہو گی۔" زوبی نے بیزاری سے کہا۔ "لیکن کیا یہ سچ ہے کہ آپ جوزف.... مورگن....!"

نقاب پوش ہنس کر بولا۔ "ہاں.... یہ صحیح ہے۔ میں فریدی کی پندرہ منٹ کی زندگی میں اس کا دل نہیں توڑنا چاہتا۔ ہاں میں جوزف مورگن ہوں۔"

"لہٰذا اب نقاب اتار دو....!" فریدی نے کہا۔ "ورنہ مجھے ہی اجازت دو کہ میں تمہاری نقاب کشائی کر دوں۔"

"تم بہت چہک رہے ہو فریدی۔ کیا تمہیں اپنی موت پر یقین نہیں ہے۔"

"موت میرے لئے کھلونا ہے دوست! میں اگر مر بھی گیا تو کیا ہوگا۔ اگر میرے مرنے ہی پر دنیا تمہارے وجود سے پاک ہو سکتی ہے تو میں مرنے کے لئے قطعی تیار ہوں۔"

"مجھے تم سے عشق تو نہیں ہے کہ میں تمہاری موت کے بعد خودکشی کر لوں گا۔" نقاب پوش ہنس پڑا۔

"تم شائد اسے ناممکن سمجھتے ہو۔ حالانکہ اس عمارت کے گرد پولیس گھیرا ڈال چکی ہوگی۔ تم شاید یہ سمجھتے ہو کہ تم نے اپنی چالاکی سے مجھ پر قابو پایا ہے۔ اس خیال کو دل سے نکال دو۔ اگر میں یہاں نہ آنا چاہتا تو تمہارے فرشتے بھی نہیں لا سکتے تھے۔"

"شائد خودکشی سے پہلے تم پاگل ہو جاؤ گے۔" نقاب پوش نے تحیر آمیز انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔

"کنور شمشاد تم ہار گئے ہو...." فریدی کے الفاظ ان لوگوں پر بم کی طرح گرے اور نقاب پوش کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

زوبی اور نصرت خان اُسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔

"میں جانتا تھا....!" فریدی نے کہا۔ "کہ تم مجھے اپنی کسی کمین گاہ میں لے جاؤ گے۔ اسی لئے میں نے زوبی کو اغواء کر کے رکھنے کی جگہ کا انتخاب تم پر چھوڑ دیا تھا۔ لیکن مجھے اس کی توقع نہیں تھی کہ تم وہیں سے طاقت کا سوانگ بھر لو گے بہر حال اُس اسٹیشن ویگن کا تعاقب میرے آدمیوں کر کرنا تھا.... بولو.... اب کیا کہتے ہو۔ مسٹر جوزف مورگن تمہارے لئے یہ پاسپورٹ پھانسی کا پھندا بن گیا جو تم نے آج سے آٹھ سال پہلے جیکسنز کارنر میں کھو دیا تھا۔ اس کی تصویر میں تمہارا میک اپ ذرا کچا تھا.... اور پھر اُن آنکھوں کا کیا کرتے جن کی ساخت کا بدلنا ممکن ہی نہیں۔"

"تم لوگ باہر جاؤ۔" دفعتاً نقاب پوش نے اپنے چاروں آدمیوں سے کہا۔

وہ کمرے سے چلے گئے۔ نقاب پوش نے ریوالور نکال لیا تھا اور اس کا رخ فریدی کی طرف تھا

وہ الٹے قدموں چلتا ہوا پھر اُسی دیوار کی طرف جا رہا تھا جس پر بلب لگے ہوئے تھے۔

اچانک فریدی نے محسوس کیا جیسے وہ پورا کمرہ بڑی تیزی سے نیچے کی طرف جا رہا تھا جس پر ب لگے ہوئے تھے۔

وہ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا اور نقاب پوش نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

زوبی نصرت خان سے آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی۔ "یہ سچ مچ شمشاد ہی معلوم ہوتا ہے۔ بالکل ی کی آواز تھی۔ میرا مطلب یہ قہقہہ....!"

"ہاں زوبی! میں سن رہا ہوں۔" نقاب پوش نے اپنے چہرے سے نقاب اتارتے ہوئے کہا۔ "میں شمشاد ہوں۔ تمہیں وہ رات یاد آ رہی ہوگی جب تم نے مجھے تنظیم کا غدار سمجھ کر مجھ پر فائر کئے تھے۔"

زوبی کچھ نہ بولی۔ وہ تحسین آمیز نظروں سے کنور شمشاد کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"میں نے بلیک میلنگ بھی کی ہے۔" شمشاد بولا۔ "محض تنظیم کی مالی حالت بہتر بنانے کیلئے۔ رفیروز کو اگر میں تمہارے ذریعہ بلیک میل نہ کرتا تو تنظیم کبھی اپنے پیروں پر کھڑی نہ ہو سکتی اور م خود سوچو! پیسے کا یہ مصرف کس کام کا کہ وہ تجوریوں میں پڑا رہے اور اگر میں تمہیں بلیک میل نہ رتا تو تم کبھی سر فیروز سے روپیہ گھسٹنے کا ذریعہ نہ بنتیں.... بولو.... کیا میں غلط کر رہا ہوں۔"

زوبی اب بھی کچھ نہ بولی۔

کمرہ بدستور نیچے کی طرف دھنستا جا رہا تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد ایک دھچکا سا لگا اور کنور شمشاد ، علاوہ اور سب گرتے گرتے بچے۔

شمشاد کے ریوالور کا رخ اب بھی فریدی کی طرف تھا۔ اس نے زوبی سے کہا۔

"میں تنظیم کے بڑے آدمیوں کو قریب سے دیکھنا چاہتا تھا اس لئے میں ان میں شامل ہو گیا اور انہیں اچھی طرح پرکھ لینے کے بعد اس طرح اُن سے علیحدہ ہو گیا اور زوبی اُن سب میں تم میرے معیار پر پوری اتری تھیں اور شہزادہ نصرت.... مجھے تمہاری دوستی پر فخر ہے۔"

"اور مجھے تمہاری ذہانت پر فخر ہے دوست! تم اسی قابل ہو کہ ساری دنیا پر حکومت کرو۔" رت خان نے کہا۔

"نہیں میں دنیا کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔"

اچانک فریدی نے اُس پر چھلانگ لگائی۔ لیکن وہ بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ فریدی

منہ کے بل زمین پر گرا۔

"میں اب بھی تمہیں اپنے ہاتھ سے نہیں ماروں گا۔" شمشاد ہنس کر بولا۔

"کھڑے ہو جاؤ۔ تمہیں خود کشی کرنی پڑے گی اور ہاں جب تمہارے آدمی عمارت میں داخل ہوں گے تو اس کمرے کے بجائے ایک ضیافت گاہ ملے گی جہاں ہر قسم کی شرابیں میزوں پر لگی ہوں گی اور وہ بے چارے اپنی تھکن دور کریں گے.... ہاہا.... فریدی.... تم نے مجھ سے بھڑ کر اچھا نہیں کیا.... چلو اٹھو.... ہاں.... شاباش.... اُس دروازے کی طرف چلو۔"

ریوالور کی نال فریدی کی گردن سے جا لگی اور وہ سامنے والے دروازے کی طرف چلنے لگا۔ وہ چاروں ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل ہوئے جس میں دیواروں سے دو دو فٹ کے فاصلے پر چاروں طرف فرش سے چھت تک لوہے کے جنگلے لگے ہوئے تھے۔ فریدی کو کمرے کے وسط میں دھکیل دیا گیا اور یہ تینوں جنگلے کے درمیان میں کھڑے رہے۔ کمرے میں بہت تیز روشنی تھی۔ شمشاد نے اپنا ریوالور فریدی کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ "لو ہم تینوں کو گولی مار دو۔"

فریدی چپ چاپ کھڑا رہا۔ پھر شمشاد نے ہنس کر کہا۔ "اٹھا لو۔ وہ گائے گا نہیں.... اور نہ اس میں سے شعلہ نکلے گا۔"

فریدی کی جیب میں خود اس کا ریوالور موجود تھا اور ابھی تک کسی نے اُسے ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ اس نے جیب سے اپنا ریوالور نکال کر بے تحاشا شمشاد کی طرف فائر کر دیا.... لیکن اُسے فائر ہرگز نہیں کہا جا سکتا تھا کیونکہ نہ تو آواز ہوئی اور نہ شعلہ ہی نکلا۔ اس کے بجائے ریوالور کی نال سے پگھلا ہوا سیسہ نکل کر اس کے پیروں کے پاس گر پڑا۔ ساتھ ہی فریدی نے یہ بھی محسوس کیا جیسے اس کے جسم میں طاقت ہی نہ رہ گئی ہو۔ کمرے کی چھت سے اس پر ایک بہت تیز قسم کی روشنی پڑ رہی تھی جو کمرے کی معمولی روشنی سے مختلف تھی۔ فریدی نے اسے محسوس کیا اور دو قدم آگے بڑھ گیا اُسی کے ساتھ ہی ساتھ روشنی کے دائرے نے بھی حرکت کی۔ وہ اب بھی اُسی روشنی میں نہایا ہوا کھڑا تھا۔ اُس نے چھت کی طرف نظر اٹھائی لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُسے ریوالور پھینک کر اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لینے پڑے۔ اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے سورج نیچے اتر آیا ہو۔ وہ کئی منٹ تک اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھے ان تینوں کے قہقہے سنتا رہا۔

"فریدی۔" شمشاد نے کہا۔ "او کرنل صاحب! کیا بات ہے بھئی۔ اٹھاؤ ریوالور پھر کوشش

ں اس کمرے میں تم جدھر بھی جاؤ گے موت کی شعاع تمہارا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ تم ہر حال ں اُس کے دائرے میں رہو گے۔"

فریدی نے پھر ریوالور اٹھا کر دو فائر کیے.... لیکن اس کی نال سے پھر پگھلا ہوا سیسہ نکل کر ش پر گرا۔ فریدی کو اپنی جگہ سے حرکت کرنے میں بھی نقاہت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ جدھر ی جاتا روشنی کا دائرہ بھی اُس کے ساتھ ہی ساتھ کھسکتا رہا۔ ہاتھوں میں اتنی طاقت بھی نہیں ی کہ وہ اُس زہریلی روشنی کے مخرج پر ریوالور ہی کھینچ مارتا۔

"فریدی....!" شمشاد نے اسے مخاطب کیا۔ "کامیابی صرف اسی طرح ہو سکتی ہے کہ نال ے نکلنے والی گولی پر یہ زہریلی روشنی نہ پڑنے پائے۔ تدبیر میں بتائے دیتا ہوں عمل کرنا نہ کرنا ہارا کام ہے۔ ریوالور کی نال اپنی کنپٹی پر رکھ کر ٹریگر دبا دو۔ گولی نال سے نکل کر سیدھی کھوپڑی ں گھس جائے گی کیونکہ صرف اسی صورت میں اس پر روشنی نہیں پڑ سکتی۔ یہی تدبیر بہتر رہے ا اور پھر ایڑیاں رگڑ کر مرنے سے کیا فائدہ۔ ویسے یہ روشنی زندگی بھر تمہارے ساتھ ہی ساتھ جتی رہے گی۔"

فریدی پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہرے پر خوف کے آثار تھے۔ آخر اُس نے رو دینے کے سے انداز میں کہا۔ "مجھے معاف کر دو شمشاد۔ میں مرنا نہیں چاہتا۔"

شمشاد کا قہقہہ کافی طویل تھا۔

"فریدی.... خودکشی کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔" اس نے کہا۔ "ورنہ اگر ایک گھنٹے بھی ں میں روشنی میں کھڑے رہے تو عمر خضر بھی تمہارے لئے بیکار ہو گی۔"

"نہیں.... نہیں.... شمشاد مجھے معاف کر دو.... میں وعدہ کرتا ہوں۔"

"خودکشی فریدی.... خودکشی....!"

"اللہ.... مجھے معاف کرے۔" فریدی نے ایک طویل سانس لی اور ریوالور کی نال اپنی کنپٹی ر رکھ دی۔

"اللہ.... اللہ....!" اُس نے پھر بڑی دردناک آواز میں کہا اور ٹریگر دبا دیا۔ پھر اُس کے ں سے ایک جگر خراش چیخ نکلی اور وہ فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کے سر کے نیچے سے خون کی ایک

پتلی سی لکیر فرش پر بہہ نکلی۔

"تم نے دیکھا زوبی....!" شمشاد بے ساختہ ہنس پڑا۔ "میں کبھی کوئی غلط بات نہیں کہتا۔"

اس نے دیوار کے ایک سوئچ بورڈ پر ہاتھ رکھا اور زہریلی روشنی کا دائرہ فریدی کی لاش پر سے غائب ہو گیا۔

"ٹھائیں....!" اچانک ایک فائر ہوا اور نصرت خان کی چیخ کمرے میں گونج اٹھی.... پھر دوسرا فائر ہوا اور شمشاد بال بال بچا۔ اس نے جنگلے کے دروازے سے فریدی کی لاش پر چھلانگ لگا دی۔

"ٹھائیں....!" تیسرا فائر ہوا۔

"زوبی.... روشنی....!" شمشاد فریدی سے گتھا ہوا چیخا۔ لیکن قبل اس کے کہ زوبی سوئچ بورڈ تک پہنچتی فریدی نے روشنی کی مخرج پر ریوالور کھینچ مارا۔ شیشے کے بہت سے ٹکڑے فرش پر گرے لیکن ساتھ ہی ایسا معلوم ہوا جیسے جہنم میں کوئی بھٹی کھل گئی ہو۔ روشنی کے مخرج سے شعلوں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔"

"ارے یہ کیا کیا....!" شمشاد حلق کے بل چیخا۔

فریدی نے اُسے شعلوں کی بوچھاڑ کی زد پر دھکیل دیا۔ شمشاد نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن فریدی کی ٹھوکر اس کی پیشانی پر پڑی اور وہ کتوں کی طرح حلق پھاڑتا ہوا وہیں ڈھیر ہو گیا اور دوسرے ہی لمحے میں جلتے ہوئے گوشت کی بو کمرے میں پھیلنے لگی.... اس کی لاش پر شعلے رقص کر رہے تھے اور فریدی قریب ہی کھڑا ہانپ رہا تھا۔

❁

دوسرے دن فریدی آئی۔جی کے آفس میں بیٹھا ہوا یہ داستان سنا رہا تھا۔

"اور جناب....!" اُس نے مسکرا کر کہا۔ "وہ بھی اتفاق ہی تھا کہ میری جیب میں ایک قلم تراش چاقو پڑا رہ گیا تھا۔ میں نے دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈال کر اندر ہی اندر ریوالور کے چیمبر خالی کئے اور بائیں ہتھیلی چاقو سے زخمی کر لی۔ خالی ریوالور نکال کر کنپٹی پر رکھا اور ٹریگر دبا دیا.... کنپٹیاں دبائے ہوئے گر پڑا.... شائد ہتھیلی کی کوئی رگ کٹ گئی تھی اور میں چاہتا بھی یہی تھا۔ خون کافی تیزی سے بہہ رہا تھا۔ بہر حال وہ لوگ دھوکا کھا گئے.... پھر میری پہلی گولی نصرت کی پیشانی پر لگی دوسری نے شمشاد کا شانہ زخمی کیا.... پھر زوبی دوبارہ اس زہریلی روشنی کو استعمال

نے چلی تھی کہ میں نے اُس کے بلب پر ریوالور پھینک مارا۔ خدا کی پناہ.... وہ شعلوں کی رش.... میں زندگی بھر نہ بھول سکوں گا اور آخر کار شمشاد انہیں شعلوں کی نذر ہو گیا.... اور روہاں سے میرا نکلنا مشکل ہو گیا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں زوبی کو نہ بچا سکا۔ وہ بھی وہیں جل ری۔ پتہ نہیں وہ روشنی کیسی تھی جس کا بلب ٹوٹتے ہی قیامت آ گئی میں نہیں جانتا تھا کہ میں اس ہ خانے سے کس طرح نکلا۔ مجھے قطعی یاد نہیں.... میں بے تحاشا بھاگ رہا تھا.... اور وہ ھاکے.... اتنا ہی مجھے یاد ہے کہ باہر نکل کر میں ایک عمارت کے کھنڈروں میں چل رہا تھا اور ں کے گرد آدمیوں کے ہجوم در ہجوم نظر آ رہے تھے۔ مگر جناب! خطرہ اب بھی باقی ہے۔ شمشاد نے کہا تھا کہ اُس کے مرنے سے تنظیم نہیں مرے گی۔ کوئی دوسرا اُس کی جگہ سنبھال لے گا۔ اگر یہ حقیقت ہے تو سمجھ لیجئے کہ اب ان لوگوں تک رسائی قطعی ناممکن ہو جائے گی.... قطعی ممکن....!"

"ٹھیک کہتے ہو۔" آئی۔جی نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "اگر تمہاری جگہ میں ہوتا تو میرے سارے بال سفید ہو گئے ہوتے۔"

"سنئے....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "پچھلی رات ہمارے آدمی اُس عمارت میں بھٹک کر واپس آ گئے تھے۔ ابھی تک کسی کو اس کا علم نہیں ہے کہ وہ عمارت یک بیک ڈھیر کیسے ہو گئی۔ کیا ممکن نہیں کہ ہم اس واقعہ کو بھلا ہی دیں۔ یعنی میرا مطلب یہ ہے کہ کاغذات پر نہ لایا جائے۔"

"اس سے کیا ہو گا۔"

"تنظیم کی بیخ کنی۔ تہہ خانے میں ہم چاروں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا اور میرے سوا کوئی بھی وہاں سے زندہ نہیں واپس آیا۔ ہو سکتا ہے کہ تنظیم کو دوسرا سربراہ نصیب ہی نہ ہو سکے۔ دوسری صورت میں اگر اس واقعہ کو شہرت دی گئی تو ممکن ہے کہ یہ اس تنظیم کے پھولنے پھلنے کا باعث بن جائے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو فریدی۔ ایسا ہی ہو گا۔" آئی۔جی بولا اور پھر کمرے پر سکوت طاری ہو گیا۔

❁

گری ہوئی عمارتوں کے گرد فوج کا پہرہ تھا۔ زوبی کی لاش بہت ردی حالت میں ملی۔ نصرت خان اور کنور شمشاد کی ہڈیاں بھی نہ مل سکیں۔ فریدی خود اپنی نگرانی میں ملبہ ہٹوا رہا تھا۔

اُن عمارتوں کے نیچے تہہ خانوں اور سرنگوں کا جال سا بچھا ہوا ملا۔ دو تہہ خانے اور تین سرنگیں اب بھی محفوظ تھیں.... ان میں سے کافی تعداد میں اسلحہ برآمد ہوا۔

لیکن فریدی کو وہ مشین نہ مل سکی جس سے پیغام رسانی کا کام لیا جاتا تھا تقریباً ایک ہفتہ تک وہ ملبہ ہٹواتا رہا۔ آٹھویں دن آئی۔جی کے آفس میں پھر ایک میٹنگ ہوئی جس میں آئی۔جی ڈی۔ آئی۔جی اور فریدی کے علاوہ کوئی چوتھا آدمی شریک نہیں تھا۔

"لیکن تم اُن آٹھ آدمیوں کے لئے کیا کرو گے۔" آئی۔جی نے فریدی سے پوچھا۔

"طاقت والے کیس میں میرے پاس اُن کے خلاف ثبوت نہیں ہے۔" فریدی نے جواب دیا۔ "لیکن میں انہیں چھوڑوں گا نہیں۔"

"کیا کرو گے۔"

"انہیں جیل بھجوانا میرا کام ہے اُنکے ایک نہیں درجنوں جرائم معہ ثبوت میرے علم میں ہیں۔"

"مگر یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔"

"وہ جیل جائیں گے۔" فریدی ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔ "ہم پہلے ہی اس بات پر متفق ہو چکے ہیں کہ طاقت کے کیس کو اچھالا نہیں جائے گا۔ اگر میں اُسی معاملے میں انہیں پھانسنے کی کوشش کروں گا تو.... ظاہر ہے کہ....!"

"ٹھیک ہے.... ٹھیک ہے...." آئی۔جی جلدی سے بولا۔ "مگر اب گنگولی کا کیا ہوگا۔ پاگل خانے سے نکلنے کے بعد وہ یقیناً تمہارے خلاف طوفان اٹھائے گا۔"

"نہیں وہ ایسا نہیں کر سکے گا۔ ورنہ اُس کی یہ کوشش اسے کم از کم پانچ سال تک جیل کی ہوا کھلائے گی اور پھر اس کے علاوہ میں اس کے ایک ایسے راز سے واقف ہوں جس کے افشاء پر وہ سوسائٹی میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جائے گا۔"

"کیا معاملہ ہے....!" آئی۔جی نے مسکرا کر پوچھا۔

"ایسا نہیں ہے جس کے لئے قانون کوئی سزا تجویز کر سکے، ایک اخلاقی جرم جسے ظاہر کرنا میری دانست میں کمینگی ہی ہوگی۔ لہٰذا اس سلسلے میں معافی کا خواستگار ہوں۔"

آئی۔جی نے پھر اُس کے متعلق کچھ نہیں پوچھا لیکن اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ شائد وہ کوئی خیال ہی تھا جو اسے مسکرانے پر مجبور کر رہا تھا۔ اُس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"تمہارا مخصوص اجازت نامہ بحال کر دیا گیا ہے۔"

"مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اُس سے فائدے کی بجائے ہمیشہ نقصان ہی پہنچا ہے۔ اجازت نامے سے نہ تو ریوالور کی گولیاں نکلتی ہیں اور نہ وہ میری جان ہی بچا سکتا ہے۔"

"پھر بھی وہ تمہارے لئے ضروری ہے۔"

"میں سچ عرض کرتا ہوں کہ وہ میرے کسی کام نہیں آتا بلکہ جب منسوخ ہوتا ہے تو مجھے خواہ مخواہ ہم چشموں میں خفیف ہونا پڑتا ہے۔ لہٰذا مجھے اس سے معاف ہی رکھئے۔"

"عجیب آدمی ہو۔"

"جو کچھ بھی آپ سمجھیں۔ میں کبھی اور کسی حال میں خود کو مجبور نہیں سمجھتا.... میں نے اس دوران بہتیرے غیر قانونی اقدامات کئے ہیں لیکن کس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ کس نے ٹوکا تھا مجھے.... اچھا اب اجازت دیجئے۔ مجھے اپنے زخمی ساتھیوں کے پاس پہنچنا ہے۔"

"اب کیا کیفیت ہے۔"

"بہت جلد ٹھیک ہو جانے کی توقع ہے۔"

"ہاں.... یہ تو بھول ہی گیا تھا کہ وزیر تجارت تم سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"کیا سرکاری حیثیت میں....!"

"نہیں یونہی....!"

"تو پھر اس ملاقات کے لئے غریب خانہ ہی زیادہ موزوں رہے گا۔"

فریدی آئی۔جی کے آفس سے چلا گیا۔

اور وہ دونوں کافی دیر تک خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 52

گیارہواں زینہ

(مکمل ناول)

لٹیرا

طاہرہ نے کار روک دی۔ وہ بُری طرح تھک گئی تھی۔ ابھی پچاس میل کا سفر اور باقی تھا۔ ک بالکل سنسان پڑی تھی۔ اُس نے اسٹیئرنگ سے ہاتھ ہٹا کر رومال اٹھایا اور اس سے ہولے لے اپنی پیشانی رگڑنے لگی۔

اُسے طویل ڈرائیونگ کا خبط تھا۔ تارجام سے نصیر آباد کا فاصلہ ایک سو بیس میل سے کسی ح کم نہ رہا ہوگا۔ لیکن وہ آج ہی نصیر آباد سے تارجام گئی تھی اور آج ہی اُس کی واپسی بھی ئی تھی۔ اس وقت دن کے تین بجے تھے۔ اُس نے دوپہر کا کھانا ابھی تک نہیں کھایا تھا حالانکہ نے کی باسکٹ پچھلی نشست پر رکھی ہوئی تھی۔ لیکن بھوک کے باوجود بھی کھانے کی خواہش ں تھی اُس نے پھلوں کی ٹوکری سے ایک کیلا نکالا اور اُس کا چھلکا اتارنے لگی۔ پھر چھلکا کھڑکی ے باہر پھینکا گیا۔ ٹھیک اُسی وقت ایک تیز رفتار کار برابر سے گذری لیکن دوسرے ہی لمحے میں ٹوں کی چرچراہٹ کے ساتھ رک گئی۔ طاہرہ کی کار سے اس کا فاصلہ بمشکل تمام دس گز رہا ا۔ طاہرہ کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ کیلے کا چھلکا شاید اُس دوسری کار میں جا گرا تھا۔

طاہرہ کھڑکی سے سر نکال کر دیکھنے لگی۔ اگلی کار کی سامنے والی سیٹ سے ایک خوشرو نوجوان ر رومال سے اپنا گال صاف کر رہا تھا۔ طاہرہ نے بوکھلا کر اپنا سر پیچھے کھینچ لیا۔

نوجوان کھڑکی کے قریب آکر بولا۔

"مجھے افسوس ہے کہ آپ مرد نہ ہوئیں۔" اُس نے کہا۔

"دیکھئے....!" لڑکی ہکلائی۔ "غ.... غغ.... غلطی ہوئی۔"

"اگر آپ مرد ہوتیں.... تو....!"

"ہاں.... آں....!" اُس نے پچھلی سیٹ پر رکھی ہوئی پھلوں کی ٹوکری اٹھاتے ہوئے کہا۔ "مجھے ڈر ہے کہ آپ پھر کوئی غلط نہ کر بیٹھیں۔"

طاہرہ کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔ وہ پھلوں کی ٹوکری اٹھاتے ہوئے اپنی کار کی طرف جارہا تھا۔

طاہرہ پھر کھڑکی سے سر نکال کر باہر دیکھنے لگی۔

وہ اپنی کار میں بیٹھ چکا تھا۔ کار اسٹارٹ ہوئی اور ہوا سے باتیں کرنے لگی۔

طاہرہ کی سراسیمگی دور ہونے میں دیر نہیں لگی۔ اُسے اُس کی جسارت پر حیرت تھی۔ اس کے لئے یہ پہلا اتفاق تھا۔ پہلی زک تھی جو ایک مرد کے ہاتھوں نصیب ہوئی تھی ورنہ ابھی تک تو وہ خود ہی دوسروں پر چھائی رہی تھی۔ اس کے ہم جماعت طلباء میں شریر سے شریر لڑکا بھی اُس سے گفتگو کرتے وقت ہکلانے لگتا تھا۔ یک بیک اُسے پھلوں کے اُس ڈاکو پر غصہ آگیا اور اُس نے بھی اپنی کار اسٹارٹ کردی۔

وہ سوچ رہی تھی کہ اُسے اس کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہئے۔ کار کی رفتار خاصی تیز تھی۔ اُس نوجوان کی آنکھوں میں ناچتی ہوئی شرارت اُسے بار بار یاد آرہی تھی اور ہر بار اُس کے ہونٹ نفرت سے سکڑ جاتے۔

خود اپنے کالج میں وہ "ہنٹر والی" کہلاتی تھی اور اچھے اچھے اُس سے گھبراتے تھے۔ خلیفے قسم کے لڑکوں میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس پر آوازے کسنے کا ارادہ بھی کرسکتے۔ اُس کے ہم جماعت لڑکوں کا خیال تھا کہ وہ خوبصورت ضرور ہے لیکن اس میں عورت پن برائے نام بھی نہیں ہے۔ نصیر آباد کے ایک دولت مند گھرانے سے اس کا تعلق تھا۔ ڈرائیونگ کا شوق جنون کی حد تک رکھتی تھی اور اس میں خاصی مشاق بھی تھی.... اس نے تہیہ کرلیا کہ اگر موقع مل سکا تو وہ اُس کی کار میں سائڈ ضرور مارے گی۔

وہ آہستہ آہستہ کار کی رفتار تیز کرتی رہی اور آخر کار اُس لٹیرے کی کار کو جا ہی لیا۔ سڑک سنسان پڑی تھی اور وہ اتنی کشادہ تھی کہ اس پر تین کاریں برابر سے بہ آسانی چل سکتی تھیں۔ طاہرہ کی کار دوسری کار کے برابر دوڑنے لگی لیکن اُسے سائڈ مارنے کا موقع نہ مل سکا۔

لانکہ کئی بار ایسا ہوا کہ دونوں کا درمیانی فاصلہ ایک فٹ سے بھی کم رہ گیا۔ مگر وہ لٹیرا کافی لاک معلوم ہوتا تھا۔

"کیا ارادے ہیں جناب۔" اُس نے طاہرہ کو مخاطب کیا۔ "یہ فورڈ کا چھکڑا نہیں ہے۔"

طاہرہ کچھ نہ بولی۔ اس نے ایک بار پھر سائیڈ مارنے کی کوشش کی لیکن وہ صاف بچالے گیا۔

"دیکھئے آپ مجھے خواہ مخواہ چھیڑ رہی ہیں۔ میں آپ کے والد صاحب سے شکایت کردوں گا۔" پھلوں کا لٹیرا بولا۔

طاہرہ اس پر بھی کچھ نہ بولی۔ دراصل اس کا ذہن پراگندہ ہوگیا تھا۔ کچھ سمجھ میں ہی نہیں رہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ اُس نے اپنا حوصلہ بڑھانے کے لئے اپنے چند پچھلے کارنامے یاد کئے۔ لیکن اس سے بھی کام نہ چلا۔ پھر اُسے خود غصہ آگیا اور وہ اپنی کار آگے نکال لے گئی۔ برے کے قہقہے نے غصے کی آگ اور تیز کردی۔

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنی بوٹیاں نوچ ڈالے اس وقت اُس کے غرور کو حقیقی معنوں میں ٹھیس لگی تھی۔ اب وہ اس کوشش میں تھی کہ چپ چاپ نکل ہی جائے لیکن تھوڑی ہی دیر میں برے کی کار اُس کی کار کے برابر پہنچ گئی۔

اُس نے کھکھار کر کہا۔ "میں نے کہا.... کیا خفا ہوگئیں۔"

"شٹ اپ....!" طاہرہ حلق پھاڑ کر چیخی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ چند لمحے کھانستی رہی۔

"کیا پیس کی ٹکیاں پیش کردوں۔" لٹیرے نے اُسے چھیڑا۔

"تم کمینے ہو۔" طاہرہ نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"شکر ہے کہ آپ بے تکلف تو ہوئیں۔" لٹیرے نے بے تکان جواب دیا۔

طاہرہ اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے اسٹیئرنگ کرتی رہی۔ اس کی نظر سامنے تھی ذہن ہوا میں اڑ رہا تھا۔

"آپ کا تھرماس خالی نہیں ہوگا۔" لٹیرے نے پھر اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ "اس میں چائے یا کافی ضرور ہوگی اور یہ بھی ممکن ہے کہ شیری کی کاک ٹیل ہو۔"

"خاموش رہو۔" طاہرہ پلٹ پڑی۔ "میں لفنگوں کو منہ لگانا پسند نہیں کرتی۔"

"اچھی بات ہے۔" اُس نے کہا۔ "میں آپ کے لئے کوئی شریف آدمی مہیا کرنے کی

کوشش کروں گا۔"

"شٹ اَپ....!"

"یہ کیا چیز ہوتی ہے محترمہ! میں انگریزی نہیں سمجھتا۔"

"سور....!" طاہرہ زیرِ لب بڑبڑا کر پھر خاموش ہو گئی۔

دونوں کاریں اب بھی برابر برابر دوڑ رہی تھیں۔

"لفنگے بھی بھوک اور پیاس محسوس کرتے ہیں۔" نوجوان بولا۔ "لہٰذا اگر آپ کا تھرماس میرے کام نہ آسکا تو میں خود کو انتہائی بدقسمت سمجھوں گا۔"

"تم اُسمیں ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے... اور پھلوں کی ٹوکری بھی تمہیں واپس کرنی پڑے گی سمجھے!"

"نہیں سمجھا۔ میں اس قسم کی فضول باتیں سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتا۔"

اچانک پیچھے سے کسی تیسری کار کے ہارن کی آواز آئی اور پھلوں کے لٹیرے نے اُسے آگے نکل جانے کا موقع دینے کے لئے اپنی کار کی رفتار کم کر دی۔ طاہرہ کی گاڑی آگے نکل گئی اور پھر وہ کار بھی آگے بڑھ گئی جس کو اُس نے راستہ دیا تھا۔

وہ کار تو آگے نکل گئی لیکن طاہرہ نے اپنی کار روک دی۔ روکی بھی تو اسطرح کہ لٹیرے کی کار کا راستہ رک گیا لیکن اس نے بڑی پھرتی سے بریک لگا کر اُسے طاہرہ کی کار سے ٹکرانے سے بچالیا۔

"کیا تم مرنا چاہتی ہو۔" اُس نے مسکرا کر پوچھا۔

"میں بدتمیزی نہیں پسند کرتی۔" وہ بے تحاشہ چیخی۔

"اس میں تمہاری پسند کا سوال ہی نہیں ہے۔"

طاہرہ اپنی کار سے اُتر آئی۔ ساتھ ہی وہ بھی اُترا لیکن طاہرہ اُس کی پرواہ کیے بغیر اُس کی کار کی طرف جھپٹی وہ چپکے سے دوسری طرف کھسک گیا۔ بہر حال قبل اس کے کہ وہ اُس کی گاڑی سے پھلوں کی ٹوکری اٹھاتی اُس نے اس کا تھرماس پار کر دیا۔ طاہرہ نے ٹوکری اپنی کار میں ڈالی اور پھر اُس کی کار فراٹے بھرنے لگی۔

نوجوان نے وہیں کھڑے کھڑے تھرماس کا ڈھکن کھولا اور اُس میں کافی تھی۔ اُس نے تھرماس ہی منہ میں لگالیا۔ جتنی پی سکا پی لی اور بقیہ کو سڑک کے کنارے انڈیل کر اپنی کار میں آبیٹھا.... پھر اس کی کار بھی آگے بڑھ گئی۔

لیکن تین یا چار میل چلنے کے بعد بھی اُسے طاہرہ کی کار کہیں نظر نہ آئی۔

بات یہ ہوئی تھی کہ طاہرہ وہاں سے بہت تیزی سے چلی تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ تیز سے تیز ر کے ساتھ وہ اس کی دسترس سے نکل جائے گی لیکن پھر اُسے یہ خیال ترک کر دینا پڑا کیونکہ س کی مہارت اور مشاقی کا نمونہ پہلے ہی دیکھ چکی تھی۔

بہر حال وہ اُس سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی لہٰذا اب اُس سے بہتر اور کوئی تجویز ہو ہی نہیں ی تھی کہ وہ کار کو کسی کچے راستے پر اتار کر اُس کے آگے بڑھ جانے کا انتظار کرے۔

پھر اُس نے یہی کیا۔ کار سڑک کی بائیں جانب کے ایک کچے راستے پر اتاری اور آگے بڑھتی گئی۔ یہ راستہ نشیب میں تھا اور نیچے جا کر کچھ اس طرح ایک طرف مڑ گیا تھا کہ سڑک پر سے تک کسی کی نظر کا پہنچنا محال ہی تھا۔ اُس نے کار وہیں کھڑی کر دی اور چند لمحے بیحس و حرکت ی کچھ سوچتی رہی۔ پھر پچھلی سیٹ کی طرف مڑی اور کھانے کی باسکٹ میں ہاتھ ڈال دیا۔

پھر جلدی سے ہاتھ کھینچ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ اُسے کافی کے تھرماس کی تلاش تھی۔

دوسرے لمحے میں اُس نے جھلا کر اپنی پیشانی پر دو ہتھڑ رسید کیا اور سو فیصد بسورنے لگی۔

"کمینہ.... مردود....!" وہ آہستہ سے بڑبڑائی۔

لیکن جلدی ہی اُسے اپنی دوسری غلطی کا بھی احساس ہو گیا۔ یہ راستہ اتنا تنگ تھا کہ کار نے کی گنجائش نہیں تھی۔ نیچے دور تک ایک گہری کھڈ تھی۔ یعنی گاڑی کو بیک کرنے کی ش بھی موت کے لئے دعوت نامہ ہی ثابت ہوتی۔ ذرا سی لغزش اُسے اُس گہری کھڈ میں پہنچا تھی۔

وہ چند لمحے کچھ سوچتی رہی پھر کار سے اُتر کر آگے بڑھی۔ اُس نے سوچا ممکن ہے آگے جا کر کشادہ جگہ مل جائے کہ وہ کار موڑ سکے لیکن اُسے مایوسی سے دوچار ہونا پڑا۔ آگے چل کر وہ ایک پتلی سی پگڈنڈی میں تبدیل ہو گیا تھا اور پگڈنڈی کے دونوں طرف زمین اس حد تک ھی کہ کار تو پگڈنڈی پر ٹک جاتی اور اُس کے چاروں پہیے خلاء میں ناچتے رہ جاتے۔ طاہرہ کا ڑانے لگا۔ ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو گئے اور پورے جسم سے پسینہ چھوٹ پڑا۔ اُس کی سمجھ میں آرہا تھا کہ کیا کرے۔

وہ پھر کار کی طرف واپس آئی۔ اُس نے سوچا اب سڑک کی طرف چلنا چاہئے۔ ممکن ہے

کوئی صورت نکل ہی آئے۔ کسی دوسرے کی مدد کے بغیر کار کا وہاں سے نکلنا قطعی ناممکن تھا۔

پھر وہ تقریباً دوڑتی ہوئی سڑک تک آئی۔

سڑک ویران پڑی تھی۔ وہ ایک درخت کے تنے سے ٹک کر ہانپنے لگی۔

اس کی بدحواسی بڑھتی جارہی تھی۔ آج زندگی میں پہلی بار اُسے احساس ہوا کہ عورت بے بس اور کمزور ہوتی ہے۔

دفعتاً مخالف سمت سے ایک کار آتی دکھائی دی اور اُس کا دل دھڑکنے لگا۔

وہ آنے والوں سے مدد کی درخواست کرسکتی تھی مگر ظاہر ہے کہ اُس کی کار کے متعلق استفسار ضرور کیا جاتا کہ وہ وہاں کیسے پہنچی اور طاہرہ اُس کا کوئی معقول جواب نہ دے سکتی۔

کار نزدیک آگئی۔ ساتھ ہی طاہرہ کو غصہ بھی آگیا کیونکہ یہ اُسی کی کار تھی۔ جس کی بدولت اُسے یہ پریشانی نصیب ہوئی تھی۔

وہ کار روک کر اُتر پڑا۔ اُس کے ہاتھ میں طاہرہ کا تھرماس تھا۔

"یہ لیجئے۔" اُس نے بڑی بے پروائی سے تھرماس اُس کی طرف بڑھادیا۔

طاہرہ کا دل تو چاہا کہ ایک تھپڑ رسید کردے۔ لیکن اپنی پوزیشن کا احساس کرکے خاموش رہ گئی۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر تھرماس واپس لے لیا۔

وہ واپس جانے کے لئے مڑا ہی تھا کہ طاہرہ نے کہا۔

"آپ کی بدولت میں مصیبت میں پھنس گئی ہوں۔"

"میری بدولت.... مصیبت....!" وہ مڑ کر بولا۔

"میری کار.... وہاں.... نیچے پھنس گئی ہے۔" طاہرہ نے ہاتھ اٹھا کر نشیب میں اشارہ کیا۔

"کیا میں اُسے وہاں لے گیا تھا۔" اُس نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"تمہیں کار وہاں سے نکالنی پڑے گی۔ سمجھے۔" طاہرہ پھر جھلا گئی۔

"بہت خوب! یہ استدعا کرنے کا نیا طریقہ ہے۔"

"استدعا نہیں۔ تمہاری ہی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔"

"میری ہی وجہ سے تو سب کچھ ہوا ہے۔ نیلا نیلا بیکراں آسمان.... یہ اُفق کو چومتے ہوئے درختوں کی قطاریں.... اور یہ آپ.... جس کی آنکھیں جھیل میں کھلے ہوئے کنول کی طرح

تہ ہیں.... آہا.... خیر تو کہنے کا یہ مطلب کہ دھونس دھڑلے سے کام نہیں چلے گا۔ لجاجت ے استدعا کیجئے تو شائد میں کچھ مدد بھی کرسکوں یا پھر میری مزدوری دیجئے۔ آپ کی باسکٹ میں نے کی چیزیں بھی ہوں گی۔ کافی تو بالکل نہیں بچی۔"

"میری کار نکالو.... ورنہ میں تم پر پتھر برساؤں گی۔"

"پھر کاٹنے دوڑو گی۔ خدا محفوظ رکھے! اچھا تو میں چلا....!"

جیسے ہی وہ اپنی کار کی طرف مڑا۔ جھلاہٹ میں اچانک طاہرہ کا "ہنٹر والی پن" جاگ اٹھا۔ اُس جھپٹ کر اُس کے کوٹ کا کالر پکڑ لیا اور اُسے بُری طرح جھنجھوڑ کر ہسٹریائی انداز میں چیخی۔

ہیں کار نکالنی پڑے گی۔ نکالنی پڑے گی۔"

"آہم....!" ایک تیسری آواز سنائی دی اور طاہرہ بے ساختہ چونک پڑی۔

اُس آدمی کی کار کی پچھلی نشست سے ایک دوسرا آدمی باہر آرہا تھا۔

"کیا بات ہے۔" اُس نے دونوں کے قریب پہنچ کر کہا۔

طاہرہ کے ہاتھ سے اُس کا گریبان چھوٹ گیا اور اُس نے محسوس کیا کہ وہ اُس دوسرے آدمی آمد پر کچھ سٹپٹا گیا ہے۔ طاہرہ کو اس دوسرے آدمی کی موجودگی کا علم نہیں تھا۔ ممکن ہے وہ لا سیٹ پر سویا رہا ہو۔ اُس کی آنکھیں بھی نیند میں ڈوبی سی معلوم ہورہی تھیں۔ طاہرہ ایک بار زیادہ اُس کے چہرے کی طرف دیکھنے کی ہمت نہ کرسکی۔ وہ ایسی ہی بارعب اور پُروقار شخصیت لک تھا۔

"کیا بات ہے۔" اُس نے پھر صاف مگر مدہم آواز میں پوچھا۔ اُس کی آواز نیند کے اثر سے تھی۔

طاہرہ تھوڑی دیر تک ہکلائی اور پھر اُس کی زبان قینچی کی طرح چل پڑی۔

دوسرا آدمی پہلے کو قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔ طاہرہ کے خاموش ہوتے ہی اُس نے "مجھے بتایئے! آپ کی کار کہاں ہے۔"

"وہ اُدھر.... نیچے.... آیئے.... دکھاؤں۔"

"میں سمجھ گیا۔ اچھا! مجھے افسوس ہے کہ آپ کو پریشانی ہوئی۔"

پھر وہ دوسرا آدمی تنہا نشیب میں اُتر گیا۔ طاہرہ سوچنے لگی کہ کہیں وہ بھی کوئی نئی حرکت نہ

کر بیٹھے۔

"اب شامت آگئی کار کی۔" پھلوں کے لٹیرے نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"کیا مطلب....!"

"میرے بڑے بھائی ہیں۔ پاگل بھی ہیں۔ میں تو عاجز آگیا ہوں ان سے۔ خدا نے چاہا تو کار سمیت کھڈ میں گریں گے۔ چلو پیچھا چھوٹا۔"

طاہرہ بوکھلا کر نشیب کی طرف دوڑی۔ لیکن اُسے موڑ ہی پر رک جانا پڑا۔ کیونکہ دوسرا آدمی کار کو بیک کرتا ہوا سڑک کی طرف لا رہا تھا۔ وہ الٹے پاؤں واپس آئی۔

کار سڑک پر آگئی اور دوسرا آدمی اُس پر سے اُترتا ہوا بولا۔ "میں ایک بار پھر معذرت چاہتا ہوں۔ اس کی وجہ سے خواہ مخواہ آپ کو پریشان ہونا پڑا۔"

طاہرہ اس طرح خالی الذہن ہو گئی تھی کہ کچھ کہے بغیر کار میں بیٹھی اور انجن اسٹارٹ کر دیا۔ کار فراٹے بھرتی ہوئی آگے نکل گئی۔

اُن کی تلاش

طاہرہ کئی دنوں تک اُن دونوں کے متعلق سوچتی رہی۔ وہ دونوں ہی عجیب تھے۔ ایک انتہا غیر سنجیدہ اور تکلیف دہ حد تک بے تکلف، دوسرا ضرورت سے زیادہ سنجیدہ۔ اُس دوسرے آدمی کے متعلق اُس نے بڑی اچھی رائے قائم کی تھی۔ لیکن وہ لمحات یاد کر کے وہ نہ جانے کیوں کانپ جاتی۔ وہ لمحات.... جب اُس نے اُس سے گفتگو کی تھی۔

طاہرہ کو عورت پن سے نفرت تھی۔ وہ مردوں کی طرح زندگی بسر کرتی تھی۔ اُسے کبھی کسی سے خوف محسوس نہیں ہوا۔ لیکن.... وہ آدمی.... وہ اکثر سوچتی کہ اُس نے اُس کے شر ساتھی کے مقابلے میں اُس کے متعلق کوئی اچھی رائے کیوں قائم کی ہے۔ وہ اس کے بارے میں کیوں سوچتی ہے۔ اس کا ذہن اُسے یادداشت کی سطح سے جھٹک کیوں نہیں دیتا.... شائد اس لئے کہ اُس نے اپنی زندگی میں خود کو پہلی بار عورت محسوس کیا تھا.... اور اس وقت جب کہ وہ اس سے ہم کلام تھی۔

طاہرہ نے ان واقعات کا تذکرہ اپنی سب سے قریبی دوست کورنیلیا سے کیا۔ جسے وہ پیار سے کورنی کہتی تھی۔ کورنیلیا اینگلو انڈین تھی۔ اُس کی ہم عمر اور ہم جماعت بھی تھی وہ بھی طاہرہ ہی کی طرح افتادِ طبع کے معاملے میں انوکھی تھی۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ دونوں نصیر آباد ہی آئے ہیں۔" کورنی نے پوچھا۔

"مجھے یقین ہے لیکن اس یقین کی بنیاد کسی منطقی دلیل پر نہیں ہے۔"

"دل کہتا ہے کیوں؟" کورنی معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

طاہرہ اُس کی مسکراہٹ کا مطلب سمجھ کر جلدی سے بولی۔ "مجھے دراصل اُس سور سے انتقام لینا ہے جو پھلوں کی ٹوکری اور تھرماس لے گیا تھا۔"

"میں سمجھی.... تو پھر کیا ارادہ ہے؟ انہیں تلاش کریں۔" کورنی نے پوچھا۔

"دل تو یہی چاہتا ہے۔ مجھے بڑی خفت ہوئی تھی اور تم جانتی ہو کہ جب مجھے کسی مرد کے مقابلے میں خفت اٹھانی پڑتی ہے تو میں کیا کرتی ہوں۔"

"میں جانتی ہوں۔ مگر ہم انہیں کہاں تلاش کرتے پھریں گے۔ ضروری نہیں کہ ہمیشہ دل کی آواز سچی ہی ثابت ہو۔"

"دیکھو....!" طاہرہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ ٹورسٹ تھے اگر ٹورسٹ تھے تو اُن کا قیام یقینی طور پر سریم بالا ہلز پر ہوگا۔"

"تب تو میں ضرور چلوں گی۔ آج کل سریم بالا گلزار ہوگا۔ اوہو.... تمہاری ایک کوٹھی بھی تو ہے وہاں۔ میرا خیال ہے کہ اگر وہ تمہیں وہاں مل جائے تو کسی تدبیر سے اُسے گیارہویں زینے پر چڑھا دینا۔"

یک بیک طاہرہ سنجیدہ ہو گئی۔

"کورنی....ڈیئر....!" اُس نے تھوڑی دیر بعد مغموم لہجے میں کہا۔ "اُس منحوس کا حوالہ میرے سامنے نہ دیا کرو۔"

"میں نے اکثر اُس کے متعلق سوچا ہے.... طاہرہ! کیا وہ سب کچھ حقیقت ہے جو میں اُس کے بارے میں سنتی رہی ہوں۔"

"تم کئی بار پوچھ چکی ہو۔ کورنی اس کی حقیقت میں شبہے کی گنجائش نہیں ہے وہ زینہ اب تک

پانچ جانیں لے چکا ہے۔"

"کیا یہ بھی صحیح ہے کہ ہمیشہ گیارہ تاریخ اور گیارہ بجے رات ہی کو وہ حادثات پیش آئے تھے۔"

"ہاں یہ بھی حقیقت ہی ہے۔ اس کے آخری شکار کو زیادہ عرصہ نہیں گذرا صرف ڈیڑھ ماہ پہلے کی بات ہے۔"

"آخر وہ آدمی زینے پر چڑھا ہی کیوں تھا۔" کورنیلیا نے پوچھا۔

"محض یہ ثابت کرنے کے لئے وہ سب کچھ واہمہ تھا۔ ہم سب وہاں موجود تھے۔ جیسے ہی کلاک نے گیارہ بجائے وہ زینوں پر چڑھتا چلا گیا پھر وہ گیارہواں ہی زینہ تھا جس پر قدم رکھتے ہی ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اُسے اچھال دیا ہو۔ وہ سر کے بل نیچے آیا اور تین چار منٹ کے اندر ہی اندر تڑپ کر سرد ہو گیا۔"

"مجھے معلوم ہے تمہارے چچا نے اُس رات شائد ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کو بھی وہاں مدعو کیا تھا۔"

"یقیناً اُس کے علاوہ اور پھر کیا کرتے۔ وہ ہمارا نیا منیجر تھا۔ شاید تم نے بھی اُسے دیکھا ہو۔ جوان آدمی تھا۔ بس ایک دم سے وہ اُسے واہمہ ثابت کرنے پر تل گیا۔ چچا جان نے اُسے باز رکھنا چاہا لیکن ناکام رہے۔ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی اور دوسرے آفیسروں کو دراصل اسی نے مدعو کیا تھا۔ بات یہ تھی کہ سریم بالا والی کوٹھی کو حکومت کرائے پر حاصل کرنا چاہتی تھی۔ مقصد جو کچھ بھی رہا ہو۔ خدا جانے! چچا جان نے عذر پیش کیا کہ وہ آسیب زدہ ہے اور ہر ماہ کی گیارہ تاریخ گیارہ بجے رات کو وہاں کوئی نہ کوئی غیر معمولی بات ضرور ہوتی ہے اور بالا خانے کا گیارہواں زینہ تو خاص طور پر مخدوش ہو جاتا ہے۔ اس پر ہمارے نئے منیجر نے کہا کہ یہ سب واہمہ ہے اور وہ اُسے ثابت کر دے گا۔ بہر حال درجنوں تماشائیوں کے مجمع میں وہ زینوں پر چڑھا.... اور انجام جو کچھ ہوا وہ ان آنکھوں نے بھی دیکھا ہے۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر طاہرہ نے کہا۔ "شاید تم نے کوٹھی نہیں دیکھی۔ بہت کشادہ ہے۔ اُس کے کئی حصے اب بھی سیزن میں کرائے پر اٹھا دیئے جاتے ہیں مگر آسیب زدہ حصہ مقفل ہی رکھا جاتا ہے۔"

"ختم کرو۔" کورنی ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "چلنے کے متعلق کیا کہتی ہو۔"

"میں تیار ہوں۔"

"مگر کم از کم ایک ہفتہ ضرور قیام کریں گے۔ کیا کوٹھی کا کوئی حصہ خالی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ دو کمرے ابھی تک خالی ہیں۔ یا کئی ہوں۔ کوٹھی چونکہ بدنام ہے اس لئے بہت کم ٹورسٹ اُدھر کا رخ کرتے ہیں۔ حالانکہ اُس کے ایک مخصوص حصے کے علاوہ اور ہر جگہ امن رہتا ہے.... مگر شاید اس بار پھر کسی کی شامت آئی ہے۔"

"یعنی....!"

"اس بار پھر وہ آسیب زدہ حصہ کرائے پر اٹھ گیا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ تمہارے چچا سے سرکاری طور پر اُس کے لئے جواب طلب کیا جائے گا۔ یعنی حالات سے باخبر ہوتے ہوئے بھی انہوں نے اُسے کرائے پر اٹھا دیا۔"

"جواب طلب ہونے کی صورت میں وہ قطعی بری الذمہ ہوں گے کیونکہ یہ حصہ اُسی ڈی۔ ایس۔ پی کے ایماء پر دیا گیا ہے جو حادثے کے وقت وہاں موجود تھا۔"

"تب تو معاملہ گڑبڑ معلوم ہوتا ہے۔" کورنی سر ہلا کر بولی۔

"مجھے خود بھی حیرت ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ ڈی۔ ایس۔ پی سے اُس کی دشمنی ہو۔ جسے وہ حصہ کرائے پر دلوایا گیا ہے۔"

اُسی سہ پہر کو وہ سریم بالا کے لئے روانہ ہو گئیں۔ سریم بالا کی شادات پہاڑیاں نصیر آباد سے دس میل دور شمال کی جانب واقع تھیں لیکن آبادی کا شمار نصیر آباد ہی کی آبادی میں ہوتا تھا۔ گرمیوں کی شروعات تھی اس لئے سریم بالا کی پہاڑیاں پہلے سے زیادہ آباد ہو گئی تھیں۔ نزدیکی شہروں کے ٹورسٹ کافی بڑی تعداد میں یہاں آئے تھے۔ ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو پورا سیزن یہیں گذارنا چاہتے تھے۔ بہر حال یہ یہاں تفریحات کا زمانہ تھا۔ نائٹ کلب اور ہوٹل دن رات آباد رہتے تھے۔

اقامتی ہوٹلوں میں جگہ نہیں رہ گئی تھی اور کرائے پر اٹھنے والی عمارتوں کا یہ حال تھا کہ کالی کوٹھی جیسی بدنام عمارت کے بھی وہ حصے قریب قریب آباد ہی ہو گئے تھے جن پر آسیب کا اثر نہیں تھا۔

یہ کوٹھی نصیر آباد کے ایک متمول خاندان کی ملکیت تھی اور اس کے متعلق کئی پشتوں سے پُراسرار واقعات سنے جا رہے تھے۔ اسی خاندان کے کئی افراد اُسی کوٹھی میں پُراسرار حالات میں

موت کا شکار ہو چکے تھے۔ گیارہویں زینے کی داستانیں ان اطراف میں عام تھیں۔ طاہرہ بھی اُسی خاندان کی ایک فرد تھی۔

ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر وہ دونوں سیریم بالا پہنچ گئیں۔

"مگر کورنی....!" طاہرہ نے کہا۔ "ہم اُن کی تلاش کہاں سے شروع کریں۔"

"فی الحال انہیں جہنم میں جھونکو۔ ذرا ان سرسبز پہاڑیوں کی طرف دیکھو اور ان کی چوٹیوں پر چھائی ہوئی سنہری دھند جن میں کئی رنگ لہریں لے رہے ہیں۔"

طاہرہ کچھ نہ بولی۔ کورنیا بڑبڑاتی رہی۔ میں ان مناظر کو دیکھ کر پاگل ہو جاتی ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ ایک ننھی سی بچی کی طرح ان پہاڑیوں پر چھلانگیں مارتی پھروں۔"

"مجھے ان سب میں کوئی خاص بات نہیں نظر آتی۔" طاہرہ نے کہا۔

"تم میں جمالیاتی حس ہے ہی نہیں۔"

"چھوڑو.... ختم کرو۔" طاہرہ نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اچھا تو پھر ہم فی الحال کوٹھی ہی کی طرف چل رہے ہیں۔"

"جہاں دل چاہے چلو۔ مجھے اُن آدمیوں سے قطعی کوئی دلچسپی نہیں ہے جن کے چکر میں تم یہاں آئی ہو۔ مجھے تو تبدیلی درکاری تھی۔ اپنا شہر تو ہڈیوں کے پنجروں اور زندہ لاشوں کا مسکن ہے یا پھر وہاں کے آدمی چلتی پھرتی مشین معلوم ہوتے ہیں۔"

"بہت اونچی اڑ رہی ہو آج کل۔ کس شاعر کا مطالعہ کر رہی ہو۔ کیٹس یا بائرن کے علاوہ اور کون ہوگا۔ یہ ساری باتیں جو تم نے ابھی کی ہیں میری نظر میں اُن کی وقعت ذہن کے جالے سے زیادہ نہیں ہے۔"

"تمہاری تخلیق ریتلی مٹی سے ہوئی ہے۔" کورنیا نے کہا۔

اُن کی کار کالی کوٹھی کے پھاٹک پر پہنچ چکی تھی۔ اس عمارت کا نام تو دانش منزل تھا مگر یہ سریم بالا میں کالی کوٹھی کے نام سے مشہور تھی۔ غالباً وجہ تسمیہ وہ پُر اسرار روایات تھیں جو اس سے منسوب رہی تھیں۔

یہ ایک کافی لمبی چوڑی عمارت تھی۔ گرمیوں میں اس کے پھاٹک پر ایک چوکیدار بھی نظر آنے لگتا تھا۔ ورنہ ویسے یہاں صرف ایک مالی اور ایک ایسا آدمی رہتا تھا جس کے سپرد عمارت کی

دیکھ بھال تھی۔

چوکیدار طاہر کو پہچانتا تھا۔ وہ اسکی کار کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ کار کی رفتار رینگنے کی حد تک کم تھی۔ چوکیدار طاہرہ کو بتا رہا تھا کہ آسیب زدہ حصے کے کرایہ دار اپنا زیادہ تر وقت عمارت کے اندر ہی گذارتے ہیں اور آج صبح انہوں نے سیاہ رنگ کی بلیوں کے پانچ سر باہر پھینکوائے تھے۔

"جی ہاں.... مس صاحب۔" چوکیدار نے کہا۔ "انہوں نے مالی کو بتایا تھا کہ صرف سر ہی ملے تھے اور دھڑ غائب تھے۔"

"وہ کتنے آدمی ہیں۔" طاہرہ نے پوچھا۔

"دو ہیں صاحب! مگر وہ خائف نہیں معلوم ہوتے۔ انہوں نے بڑی لاپروائی سے وہ پانچوں سر باہر پھینک دیئے تھے۔"

"ہاں... اچھا... دیکھو... سامان اتراؤ.. اور اُن سے کہہ دو کہ میں اُن سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"کیوں....!" کورنیا نے کہا۔ "نہیں! اس بوریت سے کیا فائدہ۔ سامان اتروا دو۔ اس کے بعد ہم کہیں چل کر چائے پئیں۔"

"نہیں میں انہیں سمجھاؤں گی۔ وہ اسی وقت اُس حصے کو خالی کر دیں۔" طاہرہ نے کہا۔

"تم بعض اوقات بہت شدت سے کھلنے لگتی ہو۔" کورنیا نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "کیا وہ بچے ہیں کیا انہیں حالات کا علم نہ ہوگا۔"

طاہرہ کار سے اُتر گئی اور اُس نے اپنے ساتھ کورنیلیا کو بھی عمارت کے اُس حصے کی طرف کھینچنا شروع کر دیا جس کا رخ مغرب کی جانب تھا۔

"وہ یہی سمجھیں گے کہ ہم اُن سے فلرٹ کرنا چاہتے ہیں۔" کورنیلیا نے کہا۔

"چلو.... بکواس نہ کرو۔ میں نہیں چاہتی کہ اس عمارت کی تاریخ میں کسی نئے حادثے کا اضافہ ہو۔"

"آہا.... اب مجھ سے بھی اڑنے کی کوشش کر رہی ہو۔" کورنیا مسکرائی۔ "یہ کیوں نہیں کہیں کہ تم اُن دلیر آدمیوں کو دیکھنا چاہتی ہو۔"

"یہی سمجھ لو۔ میں انہیں دیکھنا اور سمجھنا چاہتی ہوں۔"

کورنیلیا خاموش ہو گئی وہ دونوں وہاں پہنچ گئیں۔

برآمدے کا رخ مغرب کی جانب تھا اور وہاں سرخی مائل دھوپ پھیلی ہوئی تھی اور دونوں کرائے دار برآمدے ہی میں موجود تھے۔ ان کی آہٹ پر ایک آدمی مڑ کر باہر دیکھنے لگا۔

"ارے....!" دفعتاً طاہرہ چلتے چلتے رک گئی اور ساتھ ہی وہ آدمی بھی اچھل پڑا۔ اُس کی اس حرکت پر دوسرے نے بھی مڑ کر اُن کی طرف دیکھا۔

"یہ تو وہی دونوں ہیں۔" طاہرہ بڑبڑائی۔

"کون.... وہی.... نہیں....!" کورنیلیا بھی متحیر نظر آنے لگی۔

طاہرہ پہلے تو ٹھٹکی تھی مگر اب وہ آگے بڑھی۔

اُدھر پھلوں کے لٹیرے نے دوسرے سے کہا۔ "کیوں؟ میں نہ کہتا تھا کہ آسیب وہیں سے ہمارے پیچھے لگے ہوئے آئے ہیں۔"

"اوہ.... آیئے آیئے۔" دوسرا آدمی اٹھتا ہوا بولا۔

وہ دونوں اوپر برآمدے میں آگئیں۔ یہاں اور بھی کرسیاں موجود تھیں۔

"بیٹھیے....!" اُس نے کہا۔

طاہرہ تو آگئی تھی لیکن اُس کے قریب پہنچتے ہوئے اُس کی پھر وہی حالت ہو گئی جو پہلی بار ہوئی تھی۔ وہ محسوس کر رہی تھی کہ بمشکل ہی اُس سے گفتگو کر سکے گی۔ وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی ہوئی بیٹھ گئی۔

پھلوں کا لٹیرا کورنیلیا کو گھور رہا تھا اور کورنیلیا بڑی بے پروائی سے دوسری طرف دیکھ رہی تھی۔

"کیا آپ اس عمارت کی ہسٹری سے واقف ہیں۔" طاہرہ نے دوسرے آدمی سے پوچھا۔

"جی ہاں اچھی طرح۔" اُس نے آہستہ سے جواب دیا۔

"اس کے باوجود بھی.... خیر.... میں آپ کو یہی مشورہ دوں گی کہ آپ کسی دوسرے حصے میں منتقل ہو جایئے۔"

"شکریہ.... لیکن میں آپ کی اس کرم فرمائی کا مقصد ضرور پوچھوں گا۔"

"بس یونہی! کیا آپ ایک دن میرے کام نہیں آئے تھے۔" طاہرہ نے سر جھکائے ہوئے جواب دیا۔ وہ خود میں اتنی ہمت ہی نہیں پاتی تھی کہ اُس سے آنکھ ملا کر گفتگو کر سکتی۔ نہ جانے اس کی آنکھوں میں کیا تھا۔ بظاہر وہ کچھ غنودہ سی تھیں۔ کچھ اداس اداس سی۔ پلکیں نیچے کی طرف جھکی

ہی تھیں۔

"آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ ہم یہاں ہیں۔"

"میں نے یہ سنا تھا کہ کسی نے یہ حصہ کرائے پر لیا ہے۔ دراصل یہ عمارت میرے ہی خاندان کی ملکیت ہے۔"

"اوہ.... آپ نواب عابد کی کون ہیں۔"

"بھتیجی.... مجھے طاہرہ کہتے ہیں.... اور یہ میری دوست.... کورنیلیا ڈورتھ۔"

"بڑی خوشی ہوئی۔" پھلوں کا لٹیرا بولا۔

"دیکھیے محترمہ طاہرہ۔ ہم لوگ یہاں بہت آرام سے ہیں۔" دوسرے نے کہا۔ "رہ گئے غیر معمولی واقعات تو ہم اُن سے خائف نہیں ہیں۔"

"آخر آپ خاص طور پر اسی حصے میں رہنے پر کیوں مصر ہیں۔" طاہرہ نے پوچھا۔

"بس یونہی۔ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ مجھے بھوتوں سے دلچسپی ہے۔"

"اور مجھے چڑیلوں سے۔" پھلوں کے لٹیرے نے کہا۔

لیکن طاہرہ اُس کی طرف متوجہ نہیں ہوئی۔ البتہ کورنیلیا نے اُسے قہر آلود نظروں سے دیکھا۔ لٹیرا اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا تھا اور اُس کی نظر اُسی پر تھی۔

"خیر....!" طاہرہ نے ایک طویل سانس لیکر کہا۔ "لیکن اُن زینوں سے ہوشیار رہیے گا۔"

"میں آج کافی دیر تک گیارہویں زینے پر بیٹھا رہا ہوں۔" اُس نے جواب دیا۔

"ہو سکتا ہے لیکن وہ ہر ماہ کی گیارہ تاریخ اور گیارہ بجے رات کو مخدوش ہو جاتا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتی کہ آپ خود کو خطرے میں کیوں ڈال رہے ہیں۔"

"آپ بیکار پریشان ہیں۔" دوسرا آدمی ہنسنے لگا۔ "ہم بالکل محفوظ ہیں، اور کسی قسم کی بھی بے اطمینانی نہیں محسوس کرتے.... بات دراصل یہ ہے کہ یہ ایک شرط کا معاملہ ہے۔ مسٹر ایلس۔ پی راجن سے شرط ہوئی تھی۔ اس کا کہنا ہے کہ ہم ایک ہفتے سے زیادہ اس عمارت میں نہیں رہ سکیں گے۔"

"تب تو مجھے کہنے دیجئے کہ راجن آپ کا دشمن ہے اور اس طرح آپکی جان لینا چاہتا ہے۔"

"ارے نہیں....!" وہ ہنسنے لگا۔

"آپ بھی یہیں کہیں مقیم ہیں۔" پھلوں کے لٹیرے نے پوچھا۔

"جی ہاں.... میں شمالی رخ کے کمروں میں ہوں۔"

"اچھی بات ہے تو میں آپ کی نصیحت پر عمل کروں گا۔ اپنا سامان آپ کے کمروں میں لیے چلتا ہوں۔ انہیں یہیں رہنے دیجئے۔"

دوسرے آدمی نے اُسے گھور کر دیکھا اور وہ اپنا سر سہلانے لگا۔

نہ جانے کیا تھا

اُسی رات کو طاہرہ اور کورنیلیا اپنے رہائشی کمرے میں بیٹھی کچھ سوچ رہی تھیں۔

"اس لفنگے کو یقیناً کچھ سزا دینی چاہئے۔" کورنیلیا بولی۔ "وہ دوسرا بیچارہ تو بڑا شریف معلوم ہوتا ہے۔"

"مجھے کچھ سوچنے پر مجبور ہونا پڑا ہے۔" طاہرہ بولی۔ "محض ایڈونچر کی خاطر آج تک کوئی کرایہ دار یہاں نہیں آیا۔ آخر یہ لوگ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے۔"

"میں کیا بتاؤں۔ مجھے خود بھی یقین نہیں ہے کہ کوئی آسیبی خلل ہے۔"

"کیا....!" کورنیلیا نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"لیکن تم کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کرو گی۔ کبھی نہیں۔ اب میں نے سوچا ہے کہ میں قصے کو ختم ہی کر دوں۔"

"کیسا قصہ! میں بالکل نہیں سمجھی۔"

"ٹھہرو! بتاتی ہوں۔" طاہرہ اٹھتی ہوئی بولی۔ "ذرا کافی کا برتن آتش دان پر رکھ دوں۔"

کورنیلیا حیرت سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

طاہرہ آتش دان پر کافی کے لئے پانی رکھ کر پھر واپس آ گئی۔

"میرے خاندان کا کوئی فرد بھی اسے آسیبی خلل نہیں سمجھتا۔ لیکن ظاہر یہی کیا جاتا ہے کہ اس کے علاوہ پھر اور کیا کہا جائے۔"

"تو گویا وہ موتیں....!"

"ہاں! میں سمجھ گئی تم جو کچھ کہنا چاہتی ہو۔ مگر اُن موتوں کے ذمہ دار ہمارے خاندان والے نہیں ہیں۔ چھ ماہ قبل جس آدمی کو حادثہ پیش آیا تھا اُسے روکنے کے لئے ہم نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا لیکن کامیابی نہیں ہوئی تھی۔"

"وہ تھا کون....؟"

"پتہ نہیں کون تھا۔ اُس کے متعلق آج تک کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔ اپنی موت سے دو ماہ قبل ہمارے یہاں آیا تھا۔"

"مگر تم کہانی تو سنانے جا رہی تھیں۔ کیا اُن کے کہانیوں کے علاوہ کوئی اور بھی داستان ہے جو عام طور پر مشہور ہیں۔"

"ہاں! لیکن کورنیلیا تم کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کرو گی۔"

"کبھی نہیں۔"

"میں تمہیں صرف اس لئے بتا رہی ہوں کہ ہمیں اس سلسلے میں کچھ کرنا ہے۔"

"میں اس کے لئے بھی تیار ہوں۔"

اچانک کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"کون ہے۔" طاہرہ نے جھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"تو اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے۔" باہر سے آواز آئی۔

"یہ تو اُسی لفنگے کی آواز ہے۔" کورنیلیا نے آہستہ سے کہا۔

طاہرہ کچھ نہ بولی۔ اُس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔ آخر اٹھ کر اُس نے دروازہ کھول دیا۔ لیکن برآمدے میں کوئی بھی نہیں تھا۔

"کون ہے؟" طاہرہ نے بلند آواز میں پوچھا لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ پھر وہ کمرے سے ٹارچ نکال لائی اور بائیں باغ میں اُس کی روشنی ڈالنے لگی۔ آس پاس ایک متنفس نظر نہیں آیا۔

وہ دونوں پھر کمرے میں آ گئیں اور دروازہ اندر سے بند کر لیا گیا۔

"آواز تو اُسی کی تھی۔" کورنیلیا نے کہا۔

"اونہہ....!" طاہرہ آتش دان سے کافی کا برتن اتارتی ہوئی بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "شاید وہ

ہمیں ڈرانا چاہتا ہے۔"

"کیا آپ دروازہ نہیں کھولیں گی۔" باہر سے آواز آئی۔

"نہیں....!" طاہرہ نے سخت لہجے میں کہا۔

"اچھا تو پھر میں کسی رخنے یا سوراخ سے اندر آجاؤں گا۔ لیکن آپ اس وقت "فاؤل" کا نعرہ نہیں لگائیں گی۔"

"جواب مت دو۔" طاہرہ نے آہستہ سے کورنیلیا سے کہا۔

کورنیلیا مسکرائی لیکن وہ آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ پھر وہ دیوار سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔

"اچھا تو میں آرہا ہوں۔" باہر سے آواز آئی اور ساتھ ہی کورنیلیا نے چٹخنی گرا کر دروازہ کھول دیا۔

لیکن آنے والا صرف ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا تھا جس سے ٹکرا کر سامنے کی دیوار پر لٹکا ہوا کیلنڈر ہلنے لگا۔ باہر پہلے ہی کا سناٹا طاری تھا۔ کورنیلیا نے جھپٹ کر ٹارچ اٹھائی اور باہر نکل گئی۔

دور لان پر کوئی کھڑا تھا۔ اُس نے روشنی ڈالی۔ یہ وہی لفنگا تھا۔

وہ اُس کی طرف بڑھنے لگا اور قریب آکر بولا۔

"اب ٹھیک ہے میں دراصل تمہیں ہی باہر لانا چاہتا تھا۔"

"کیوں؟" کورنیلیا نے درشت لہجے میں پوچھا۔

"میں تمہارا نام بھول گیا تھا۔ یاد کرنے کی کوشش کی تو الجھن ہونے لگی سوچا چل کر پوچھ ہی لوں لیکن اُس نکچڑھی لڑکی کی موجودگی میں نہیں پوچھنا چاہتا تھا۔"

"کیا ہم میں بے تکلفی ہے۔" کورنیلیا نے جھلائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"نہیں ہے تو اب ہو جائے گی اس کی فکر فضول ہے۔ ہاں تو مجھے تمہارا نام گورنیلیا یاد آرہا تھا۔ کیا صحیح ہے۔"

"تم گدھے ہو۔ خود کو نہ جانے کیا سمجھتے ہو۔"

"مجھے افسوس ہے کہ تم بھی اُس کی طرح چڑچڑی اور بددماغ نکلیں۔" اُس نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

کورنیلیا کچھ سوچنے لگی۔ پھر دفعتاً اُس نے اپنی آواز میں نرمی اور لگاوٹ پیدا کر کے کہا۔ "میں

نے غلط نہیں کہا تھا کہ تم گدھے ہو۔ یہاں کتنی سردی ہے۔ کیا تم کمرے میں نہیں چل سکتے۔"

"وہ چڑچڑی بدمزگی پیدا کر دے گی۔"

"ہرگز نہیں تمہارا منہ میٹھا ہو جائے گا۔ ہم نے کافی تیار کی ہے۔"

کورنیلیا اُسے کمرے میں لائی لیکن قبل اس کے کہ طاہرہ کچھ کہتی اُس نے کہا۔ "بگڑنے کی ضرورت نہیں۔ یہ باہر سردی کھا رہے تھے۔"

"جی ہاں.... روکھی سردی۔" وہ مسکرا کر بولا۔ "انہوں نے کہا کہ اندر حلق تر کرنے کے لئے بھی کچھ مل جائے گا۔"

طاہرہ خاموش ہی رہ گئی۔

کورنیلیا نے دروازہ بند کر دینے کے بعد اس سے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "بیٹھ جاؤ۔"

وہ ایک آرام کرسی میں گرتا ہوا کراہا۔

"انہیں ایک کپ کافی چاہئے۔" کورنیلیا اپنی بائیں آنکھ دبا کر بولی۔

طاہرہ سر ہلا کر دروازے کی طرف گئی اور اُسے مقفل کر کے کنجی جیب میں ڈال لی۔

"ہائیں....!" وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"میں قوت میں تم سے کم نہیں ہو سکتی۔" طاہرہ تلخ انداز میں مسکرائی۔ "اور پھر ہم دو ہیں۔"

"یا اللہ....!" وہ آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ پھر اپنا سر سہلانے لگا۔

"بتاؤ کہ تم لوگ کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو۔"

"ہم لوگ احمق ہیں اور جان دینے آئے ہیں۔ اُسے بھوت مار ڈالیں گے اور میں تو خیر اُسی وقت مر گیا تھا جب پہلی بار تم نظر آئی تھیں اور مس کورنیلیا کو دیکھ لینے کے بعد تو خیر تجہیز و تکفین بھی ہو گئی۔ حسرت ان گدھوں پر ہے جو بن کھلے مرجھا گئے۔"

"کورنی....!" طاہرہ کورنیلیا کی طرف دیکھے بغیر بولی۔ "میرے سوٹ کیس میں چمڑے کا ہنٹر ہو گا.... نکالو....!"

"نکالو بھئی! کھڑی منہ کیا دیکھتی ہو۔" پھلوں کے ٹیرے نے کورنیلیا سے کہا۔ "میں ہمیشہ اُسے کافی میں بھگو کر کھاتا ہوں۔"

"تم شاید مذاق سمجھتے ہو۔" طاہرہ اُسے تیکھی نظروں سے دیکھ کر غصیلے لہجے میں بولی۔

"میں تمہیں پیٹوں گی۔ تم بے بسی سے پٹتے رہو گے اگر غل غپاڑہ مچاؤ گے تو پھر جانتے ہی ہو کہ کیا ہوگا۔ لوگ تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کریں گے۔"

"اور تم فارغ البال ہو جاؤ گے۔" کورنیلیا نے کہا۔ "اچھا میں ہنٹر لاتی ہوں۔"

"ذرا ٹھہریئے!" وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اب مجھے سوچنا پڑے گا۔ میں سنجیدہ ہوں۔"

"کیا سوچنا پڑے گا۔"

"یہی کہ میں اس وقت بڑی خراب پوزیشن میں ہوں۔ اگر میرا شور سن کر کچھ آدمی آ گئے تو میں سچ مچ فارغ البال ہو جاؤں گا۔"

"سمجھتے ہو نا۔" کورنیلیا نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں پوچھا۔

"بالکل سمجھتا ہوں۔ اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ منہ سے ایک لفظ نکالے بغیر چپ چاپ ہنٹروں کا شمار کرتا رہوں گا۔"

"نہیں طاہرہ۔" کورنیلیا سر ہلا کر بولی۔ "اس سے کام نہیں چلے گا۔ کیوں نہ ہم دونوں یونہی شور مچانا شروع کر دیں۔"

"مچاؤ....!" لٹیرے نے لاپروائی سے کہا۔ "خوب حلق پھاڑو۔ جب لوگ اکٹھا ہو جائیں تو جو دل چاہے اُن سے کہہ دینا۔ میں اول درجے کا بے حیا ہوں۔ سو پچاس جوتوں میں عزت نہیں جاتی اور ہزار دو ہزار مارنے کون آئے گا.... ہاں شروع ہو جاؤ۔ تم بھی کیا یاد کرو گی۔ مگر اس سے پہلے اگر کافی کا ایک کپ مل جاتا تو اچھا تھا۔"

طاہرہ خونخوار نظروں سے اُسے گھورتی رہی۔ البتہ کورنیلیا بے تحاشہ ہنس رہی تھی۔

"میں ہر وقت ہر قسم کے حادثات کے لئے تیار رہتا ہوں۔"

"تو بتا دو چم چم ڈیئر تم کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو۔" کورنیلیا اُس کا سر سہلا کر بولی۔

"پہلے ہی اس طرح پوچھا ہوتا۔ خواہ مخواہ اپنا اور میرا وقت برباد کیا۔ لاؤ کافی لاؤ۔ ذرا دماغ کی خشکی رفع ہو تو اپنی شخصیت اور یہاں آنے کے مقصد پر روشنی ڈالوں۔"

کورنیلیا کپ میں کافی انڈیلنے لگی۔ طاہرہ اب بھی وہیں کھڑی تھی اور اُس کے چہرے پر درشتی کے آثار اب بھی موجود تھے لیکن اُس نے کورنیلیا کو روکا نہیں۔ کورنیلیا نے کافی کا کپ پھلوں کے لٹیرے کو دیتے ہوئے کہا۔

"بس اب شروع ہو جاؤ۔ زیادہ بیوقوف بنانے کی کوشش فضول ہے۔ ورنہ پھر میں طاہرہ کو کسی طرح نہ روک سکوں گی۔"

"اوہو! تو کیا میں ان محترمہ سے خائف ہوں۔"

"تم یقیناً خائف ہو۔" کورنیلیا نے کہا۔ "اور زبردستی دلیر بننے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"چلو خیر یہی سہی۔ تمہارے کہنے سے میں اسے تسلیم کیے لیتا ہوں۔ تم بھی کیا یاد کرو گی۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ اُس نے جلد ہی پیالہ خالی کر کے میز پر رکھ دیا اور جیب سے پائپ نکال کر اُس میں تمباکو بھرنے لگا۔

"تم پھر خاموش ہو گئے۔" کورنیلیا نے اُسے ٹوکا۔

"آ.... ہاں.... اچھا.... ٹھہرو....!" وہ پائپ کو دانتوں میں دبا کر دیا سلائی جلانے لگا۔

طاہرہ سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ لیکن اس کے ہونٹ اب بھی بھنچے ہوئے تھے اور الجھن آنکھوں سے مترشح ہو رہی تھی۔

اُس نے ایک بار بھی کورنیلیا کی طرف نہیں دیکھا۔ اُس کی نظر پھلوں کے لٹیرے کی طرف تھی جو سر جھکائے پائپ سلگا رہا تھا۔

اُس نے دو تین کش لے کر دھوئیں کے بادل اڑائے اور سنجیدگی سے بولا۔

"میرے بڑے بھائی کمال صاحب اچھے خاصے بھوت ہیں۔ عالم یہ ہے کہ رات کو سوتے سوتے چونکے۔ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ پھر جو بھی قریب ہوا اُس کی شامت آ گئی۔ کہتے ہیں اٹھو ٹہلیں گے۔ گھڑی کی طرف دیکھئے تو تین بجے ہیں۔ ٹہلنے کہاں جائیں گے۔ مرگھٹ.... خدا کی پناہ۔ چاروں طرف ہو کا عالم۔ کالی اور بھیانک رات۔ ذرا ایسے میں کسی مرگھٹ کا تصور کیجئے۔ بس جناب ٹہل رہے ہیں۔ جلی ہوئی چتاؤں کی راکھ کریدی جا رہی ہے۔ کسی طرح اس عمارت کے متعلق سن پایا اور بس آپ دیکھ ہی رہی ہیں۔ میں تو جب سے یہاں آیا ہوں رات بھر جاگتا ہوں اور دن بھر سونے کا پروگرام رہتا ہے۔"

"اس میں سچائی کتنی ہے۔" طاہرہ نے بڑی دیر بعد تلخ لہجے میں پوچھا۔

"جتنی آپ سمجھ لیں۔" اُس نے لاپروائی سے کہا۔

"پچھلی رات کیسی گذری۔" کورنیلیا نے پوچھا۔

"بہت بُری۔ رات بھر بلیاں روتی رہیں۔ صبح جب صحن میں نکلے تو زینوں کے نیچے پانچ سیاہ بلیوں کے سر ملے۔"

"تمہیں خوف نہیں محسوس ہوا۔"

"نہیں بھائی کمال کی موجودگی میں بھوتوں سے ڈرنا فضول ہے بلکہ منطقی اعتبار سے قطعی لغو۔ کیونکہ اگر کوئی شخص بھائی کمال سے خائف نہیں تو سمجھ لیجئے کہ دنیا کا بڑے سے بڑا بھوت اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

طاہرہ کو یک بیک دوسرے آدمی کی آنکھیں یاد آگئیں اور وہ کانپ کر رہ گئی۔ لہٰذا ایسی صورت میں وہ اُس کے بیان کی تردید کیسے کر سکتی تھی۔ ایسی جو عام آدمیوں میں نہیں ہوتی۔

"میں تمہاری آمد کا مقصد معلوم کرنا چاہتی ہوں۔" طاہرہ نے کہا۔

"بھائی صاحب نے ابھی تک مقصد پر روشنی نہیں ڈالی۔ البتہ وہ ساری رات صحن ہی میں گذارتے ہیں اور صحن ہی پر بھوتوں کی حکمرانی ہوتی ہے۔"

"اور تم کیا کرتے ہو۔"

"بس واویلا نہیں کرتا اور سب کچھ کر گذرتا ہوں۔ سوچنے کی بات ہے۔ خدا کی پناہ میں کہاں تک اور کیا کیا بتاؤں۔"

"میں تم لوگوں کی آمد کے مقصد کے علاوہ اور کچھ نہیں جاننا چاہتی۔"

"جب بھی مجھے مقصد معلوم ہوا اُس کے ایک گھنٹے کے بعد تمہیں بتادوں گا۔"

طاہرہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"کون ہے؟" کورنیلیا نے پوچھا۔

"چوکیدار....!" باہر سے آواز آئی۔

"کیا بات ہے۔" طاہرہ نے اٹھ کر قفل میں کنجی گھماتے ہوئے کہا۔

لیکن دروازہ کھلنے تک باہر سے کوئی جواب نہیں ملا۔ چوکیدار سامنے کھڑا تھا۔ جیسے ہی اُس کی نظر اُس آدمی پر پڑی اُس نے کہا۔

"اوہ آپ یہاں ہیں۔"

"کیوں کیا بات ہے۔" وہ اٹھتا ہوا بولا۔

"وہاں پتہ نہیں کیا ہو رہا ہے۔ میں نے ابھی ایک فائر کی آواز سنی تھی۔" چوکیدار نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"فائر کی آواز....!" طاہرہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں! وہ سو فیصدی فائر ہی کی آواز تھی۔"

پھلوں کا ٹیرا اٹھ کر دروازے کی طرف جھپٹا۔ اُس کے ساتھ ہی طاہرہ بھی نکلی۔ پھر وہ بڑی تیزی سے عمارت کے مغربی حصے کی طرف جا رہے تھے۔ ان کے ساتھ چوکیدار بھی تھا۔

برآمدے میں پہنچتے ہی انہوں نے کچھ اس قسم کی آوازیں سنیں جیسے بند کمرے میں دھڑا دھڑ فرنیچر گر رہا ہو۔ کچھ آدمی لڑ پڑے ہوں۔ قدموں کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

"کون ہے.... کون ہے۔" چوکیدار نے ڈری ڈری آواز میں ہانک لگائی۔

"سوتے جاگتے رہو۔"

اندر کی آوازوں میں سرعت اور تیزی پیدا ہو گئی۔

"کیا کمال صاحب اندر ہیں۔" طاہرہ نے اُس سے پوچھا۔

"جی ہاں! میں انہیں یہیں چھوڑ کر نکلا تھا۔" اُس نے جواب دیا اور آگے بڑھ کر دروازہ پیٹنے لگا۔ پھر اُس نے چیخ کر کہا۔ "گھبرائیے گا نہیں۔ یہاں بہت سے لوگ ہیں۔"

یکلخت اندر سے آوازیں آنی بند ہو گئیں لیکن وہ برابر پیٹتا رہا۔

دو منٹ گذر گئے۔ پھر کمرے کے اندر قدموں کی آوازیں گونجنے لگیں جو آہستہ آہستہ دروازے کے قریب آرہی تھیں۔

دروازہ ایک جھٹکے کے ساتھ کھلا۔ کمال سامنے کھڑا انہیں قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور شب خوابی کا لباس تار تار ہو رہا تھا۔

"کیا بات ہے۔" طاہرہ نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"کچھ نہیں کوئی بات نہیں۔" اُس نے خلاف توقع نرم آواز میں کہا۔ درشتی کے آثار آن واحد میں غائب ہو گئے تھے۔ لیکن طاہرہ اس کے بعد پھر کچھ نہ سن سکی۔ کیونکہ اُس نے اپنے ساتھی کو اندر کھینچ کر دروازہ بند کر دیا تھا۔"

وہ دونوں کافی دیر تک برآمدے میں گم سم کھڑی رہیں۔

بھیانک چہرہ

انہوں نے چوکیدار کو رخصت کر دیا اور چپ چاپ اپنے کمروں کی طرف روانہ ہو گئیں۔ طاہرہ کے پیر لڑکھڑا رہے تھے۔ وہ بدقت تمام اپنے کمروں تک پہنچیں کورنیلیا کی حالت بھی کچھ اچھی نہیں تھی۔ اس کا دل بڑی شدت سے دھڑک رہا تھا اور زبان خشک ہو کر تالو سے لگ گئی تھی۔ کمرے میں داخل ہو جانے کے بعد بھی اُن کی حالت اعتدال پر نہیں آئی۔

طاہرہ ایک گلاس ٹھنڈا پانی چڑھا کر آرام کرسی میں گر گئی پھر تقریباً پانچ منٹ تک کمرے میں سکوت طاری رہا۔ وہ دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کیطرف دیکھے جا رہی تھیں بالآخر طاہرہ بولی۔

"کمرے میں اُس کے علاوہ اور کون تھا۔"

"میرا خیال ہے....!" کورنیلیا اتنا ہی کہہ کر خاموش ہو گئی اُس نے اپنا خیال ظاہر نہیں کیا۔

طاہرہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ ساتھ ہی آواز آئی۔

"میں ہوں۔ دروازہ کھول دو۔"

یہ ساجد کی آواز تھی۔ پھلوں کے لٹیرے نے انہیں اپنا نام ساجد بتایا تھا۔

کورنیلیا نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ یہ ساجد ہی تھا۔ لیکن طاہرہ کو اُس کے چہرے پر سراسیمگی یا پریشانی کے آثار نہیں نظر آئے۔

"کیا سچ مچ تمہارے پاس چمڑے کا کوئی ہنٹر ہے۔" اُس نے پوچھا۔

"ہاں ہے تو.... کیوں؟" طاہرہ کرسی سے اٹھتی ہوئی بولی۔

"ضرورت ہے.... واپس کر دیا جائے گا۔"

"میرا خیال ہے کہ تم لوگ اس عمارت سے بھی زیادہ پُراسرار ہو۔ وہاں کمرے میں کیا ہو رہا تھا۔"

"دیکھو گی۔" اُس نے پوچھا۔

"کیا؟"

"وہی جو کمرے میں ہوا ہے۔"

طاہرہ نے اقرار یا انکار کی صورت میں جواب نہیں دیا بلکہ خاموشی سے اُسے گھورتی رہی۔

"چمڑے کا ہنٹر۔" ساجد نے پھر کہا۔

"اُسے نکال لاؤ۔" طاہرہ کورنیلیا کی طرف مڑ کر بولی۔ کورنیلیا کچھ سوچتی ہوئی اٹھ کر

دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

"ہنٹر کیا کرو گے۔" طاہرہ نے ساجد سے پوچھا۔

"اگر دیکھنا چاہو تو میرے ساتھ چل سکتی ہو۔"

"کیا دیکھوں گی۔"

"بہت کچھ.... بلکہ اس سے بھی زیادہ۔" اُس نے کہا اور پھر کچھ سوچ کر مسکرانے لگا۔

"پھر کوئی شرارت....!" طاہرہ بھی مسکرائی لیکن جلد ہی سنجیدگی اختیار کر کے بولی۔ "کمال صاحب اندر کیا کر رہے تھے۔"

"یہ بتانا بہت دشوار ہے۔ بس وہ چیز دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی ہے۔"

"مجھے تم پر اعتماد نہیں ہے۔"

"جانے دو.... میں خوشامد تو نہیں کرتا۔" ساجد نے لاپروائی سے کہا۔

کورنیلیا واپس آ گئی۔ اُس کے ہاتھ میں چمڑے کا ایک بہت بڑا ہنٹر تھا۔

"آخر ہنٹر کی ضرورت کیوں پیش آئی۔" طاہرہ نے پوچھا۔ اُس کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔

"کوئی خاص بات نہیں ہے۔ میں تھوڑی دیر بعد واپس کر دوں گا۔"

ساجد کورنیلیا کے ہاتھ سے ہنٹر لے کر باہر چلا گیا اور پھر وہ دونوں تھوڑی دیر تک ایک دوسرے کی طرف دیکھتی رہیں۔

"میں دیکھوں گی کہ وہ ہنٹر کیوں لے گیا ہے۔" طاہرہ نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھی۔

"اونہہ! لے گیا ہو گا۔ چلو اِدھر خوامخواہ خود کو الجھن میں ڈال رہی ہو۔ مجھے نیند آ رہی ہے بھئی۔"

"تم سو جاؤ۔" طاہرہ نے دروازے میں رک کر کہا۔

کورنیلیا کا دل تو نہیں چاہتا تھا لیکن اُسے مجبوراً اُس کا ساتھ دینا پڑا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ طاہرہ اُسے ڈرپوک سمجھے۔

باہر بالکل سناٹا تھا۔ کبھی کبھی چوکیدار کی صدا "سوتے جاگتے رہو" سناٹے میں لہراتی ہوئی دور تک پھیلتی جاتی۔

وہ عمارت کے مغربی حصے کی طرف جا رہی تھی۔ ان کی رفتار معمول سے زیادہ تھی۔ زینے کے قریب پہنچ کر وہ دبے پاؤں اوپر چڑھ گئیں۔

دروازے کی جھریوں سے کمرے کی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ طاہرہ نے سینڈل بھی اتار

دیئے اور پنجوں کے بل چلتی ہوئی ایک دروازے کے قریب پہنچ گئی۔ کورنیلیا بھی اُس کی تقلید کر رہی تھی۔

کمرے کے اندر کا منظر عجیب تھا۔ نہ جانے کیوں طاہرہ نے بوکھلا کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ کورنیلیا کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

کمال ایک کرسی میں بندھا ہوا تھا اور ساجد ہاتھ میں ہنٹر لئے ہوئے اُسے گھور رہا تھا جیسے اُس سے پہلے بھی دو چار ہاتھ رسید کر چکا ہو۔

"تو تم نہیں بولو گے.... کیوں؟" ساجد نے غصیلی آواز میں کہا۔

لیکن کمال نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسکا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا ہوا تھا اور آنکھیں بند تھیں۔

"شائیں....!" ساجد نے ہنٹر رسید کیا لیکن کمال پتھر کے بت کی طرح بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے یک بیک ساجد پر ہنٹر برسانے کا بھوت سوار ہو گیا ہو۔ "شائیں شائیں" کی آوازیں بغیر توقف کمرے میں گونج رہی تھیں۔

طاہرہ کا قلب اُلٹنے لگا۔ اُسے کمال کی خاموشی پر حیرت تھی۔

ساجد نے اُسے بتایا تھا کہ کمال اس کا بڑا بھائی ہے۔ لیکن یہ کیا ہو رہا تھا.... اور ایسی حالت میں اُسے کیا کرنا چاہئے۔

اچانک انہوں نے پشت پر کسی کے قدموں کی آواز سنی اور بے ساختہ چونک کر مڑیں اُن سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک دھندلا سا سایہ نظر آ رہا تھا۔

"بُری بات ہے۔" سائے کی سرگوشی انہیں صاف سنائی دی۔

طاہرہ کے ہاتھ میں دبی ہوئی ٹارچ کا بٹن دب گیا اور دوسرے ہی لمحے میں وہ لڑکھڑا کر دیوار سے جا لگی۔

اس کی ٹارچ کی روشنی جس آدمی پر پڑی تھی وہ کمال کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا مگر اندر اب بھی ہنٹر کی "شائیں شائیں" گونج رہی تھی۔ طاہرہ کا سر چکرا گیا۔ کورنیلیا بھی اسی سے لگی ہوئی کھڑی تھی۔ دونوں کے جسم بُری طرح کانپ رہے تھے۔ کورنیلیا بھی دروازے کی جھری سے کمرے کے اندر کے حالات دیکھتی رہی تھی۔ اور اِدھر ٹارچ کی روشنی میں اس نے بھی کمال کو پہچان لیا تھا۔

"ڈرو نہیں۔" انہوں نے پھر سرگوشی سنی۔ "چلو میں تمہیں تمہارے کمروں تک چھوڑ آؤں۔" لیکن اُن دونوں نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔

"چلو....!" اس بار انداز میں تحکم تھا۔

طاہرہ ہمت کر کے آگے بڑھی۔

"سینڈل پہنو....!"

اُن دونوں نے مشینوں کی طرح حکم کی تعمیل کی اور برآمدے سے نیچے اُتر گئیں۔

سایہ اُن کے ساتھ چل رہا تھا۔

وہ شمالی برآمدے تک اُن کے ساتھ گیا جب وہ اوپر برآمدے میں پہنچ گئیں تو اُس نے کہا۔ "ٹھہرو۔ میں دو چار باتیں بھی کروں گا۔ کمرہ کھولو۔"

طاہرہ نے کمرے کے دروازے کے دونوں پٹ کھول دیئے۔ اندر کی روشنی سائے کے اوپر پڑی۔ یہ سو فیصدی کمال ہی تھا۔

کمرے میں داخل ہو کر اُس نے دروازہ بند کر دیا۔

"سگار کا دھواں گراں تو نہیں گزرے گا۔" کمال نے دانتوں میں سگار کا گوشہ کاٹتے ہوئے کہا.... طاہرہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"میں بھوت نہیں ہوں۔" کمال نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "تم دونوں بیٹھ جاؤ۔ تمہارے پیر کانپ رہے ہیں۔"

وہ چپ چاپ بیٹھ گئیں۔

کمال نے دونوں پر اچٹتی سی نظر ڈالی اور ہونٹوں کو دائرے کی شکل دے کر آہستہ آہستہ دھواں چھوڑنے لگا۔

"بہت زیادہ دلیر ہونا بھی اکثر مشکلات پیدا کر دیتا ہے۔" کمال نے آہستہ سے کہا۔ "اب تم دونوں اپنے کمروں سے باہر نہیں نکلو گی۔"

"لیکن یہ کیا ہو رہا ہے۔" طاہرہ بڑبڑائی۔

"اس عمارت کے لئے کوئی غیر متوقع بات تو نہیں۔" کمال نے کہا۔

"آپ کون ہیں۔"

"میں کمال ہوں۔ تمہارا کرایہ دار....!"

"اور وہ.... وہاں.... کمرے میں....!"

"اوہ....!" کمال مسکرایا۔ "وہ میرا بھوت ہے۔ لیکن تم دونوں اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کرو گی۔ بہتر تو یہ ہو گا کہ یہاں سے چلی ہی جاؤ۔"

"آپ مجھے اُس آدمی کے متعلق بتایئے جو کمرے میں....!"

"نہیں.... بس تم کمرے سے نہیں نکلو گی۔ اسی میں تمہاری بہتری ہے۔"

کمال جانے کے لئے مڑا۔ مگر دروازے کے قریب پہنچ کر پھر رک گیا اور اُن کی طرف دیکھے بغیر بولا۔ "ایڈونچر کا شوق بُرا نہیں ہوتا لیکن ہم سانپ کے منہ میں انگلی دے دینے کو تو ایڈونچر نہیں کہیں گے۔"

"کمال صاحب۔" طاہرہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔ "آپ کا ہم شکل کون تھا۔"

"ہم شکل تھا۔" کمال اُن کی طرف مڑ کر مسکرایا۔ "کیا تمہیں اس پر حیرت ہے کہ ہم نے ایک بھوت پکڑ لیا ہے۔ وہ جو میرا ہم شکل ہے۔ اس عمارت میں کسی بات پر حیرت کرنا بجائے خود حیرت انگیز ہے.... اور پھر جب حیرت کرنے والی عمارت کے مالکوں میں سے ہو.... تو.... مجھے حیرت کی وجہ ضرور معلوم کرنی پڑے گی اور میں یہ چاہوں گا کہ تم جو داستان کورنیلیا کو سنانا چاہتی تھیں مجھے بھی سنادو۔"

"آپ! آپ کو کیسے علم ہوا۔" طاہرہ نے بے ساختہ پوچھا۔

"یہ بھی کوئی حیرت انگیز بات نہیں۔ ساجد نے تمہاری گفتگو کا کچھ حصہ سن لیا تھا مگر وہ بالکل گدھا ہے اُسے پوری داستان سننی چاہئے تھی۔ تم سنانے کے موڈ میں تھیں نا۔"

"ضروری نہیں کہ وہ آپ کو بھی سنائی جائے۔" طاہرہ نے خشک لہجے میں کہا۔ لیکن پھر نہ جانے کیوں اُسے اپنے اس کھردرے پن پر افسوس ہونے لگا۔

"آپ کی مرضی۔" کمال نے لاپروائی کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنبش دی اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

کورنیلیا نے جھپٹ کر چٹخنی چڑھادی اور ایک آرام کرسی میں گر کر دونوں ہاتھوں سے منہ چھپالیا۔

"کیوں تمہیں کیا ہوگیا۔" طاہرہ نے پوچھا۔

"میرے خدا! اُس کی آنکھیں۔ میں نے سنا ہے کہ خبیث روحیں جیتے جاگتے انسانوں کی شکل میں آسکتی ہیں۔ لیکن وہ مخاطب سے آنکھ ملا کر بات نہیں کرسکتیں۔ تم نے دیکھا تھا بات کرتے وقت وہ دوسری طرف دیکھنے لگتا تھا۔ اور ویسے بھی اُس کی آنکھیں ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے کسی سنسان جنگل میں دو چراغ روشن ہوں۔"

"آہا.... تم نے تو شاعری شروع کردی۔" طاہرہ ہنسنے لگی۔

"تو کیا تم اُسے انسان سمجھتی ہو۔ کیا تم نے اُسے کرسی میں بندھا ہوا نہیں دیکھا تھا۔ وہ بیک وقت ہنٹر کی مار بھی کھا رہا تھا اور باہر ہم سے ہم کلام بھی تھا۔"

طاہرہ کچھ نہ بولی۔ وہ خود بھی اسی مسئلے پر غور کررہی تھی۔

"لیکن اُس نے ہمیں باہر نکلنے سے کیوں روکا ہے۔" طاہرہ نے کہا۔

"یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر طاہرہ نے کہا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہ دونوں ہیں کون۔"

"طاہرہ کہیں ہم کسی جال میں تو نہیں پھنس گئے۔" کورنیلیا نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

طاہرہ کی پیشانی پر شکنیں تھیں جن سے ذہنی ہیجان مترشح تھا۔ وہ کافی دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔ "ہوسکتا ہے۔ ہوسکتا ہے۔"

"کیا ہوسکتا ہے۔"

"اوہ! کچھ نہیں.... کورنی ڈیئر اب ہمیں سو جانا چاہئے اور کل تم واپس چلی جانا.... میں یہیں ٹھہروں گی۔"

"یہ ناممکن ہے۔ واپسی تو ساتھ ہی ہوگی خواہ کل چلو خواہ کچھ دنوں کے بعد۔"

"کیا تمہارے لئے موجودہ حالت خوفناک نہیں ہے۔" طاہرہ نے پوچھا۔

"تم اپنی کہو۔ تم کیا سمجھتی ہو۔"

"میں.... میں فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتی۔ ان دونوں کے متعلق معلومات بہم پہنچانا میرے لئے ضروری ہوگیا ہے۔"

"تم پاگل ہوگئی ہو۔"

"چلو ختم کرو۔" طاہرہ نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "مجھے نیند آرہی ہے۔"

کورنیلیا پھر بھی نہ اٹھی۔

"کیوں....!" طاہرہ بولی۔

"اوہو! دیکھو اگر ہم ایک ہی مسہری پر سوئیں تو کیا حرج ہے۔" کورنیلیا نے کہا اس پر طاہرہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

"ڈرپوک.... میں سمجھ گئی.... اچھا چلو۔"

کورنیلیا سو گئی لیکن طاہرہ کروٹیں بدلتی رہی۔ اُسے نیند نہیں آرہی تھی۔ اُس نے کئی بار

کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئی وجہ یہ تھی کہ اُس کے ذہن پر مختلف قسم کے خیالات نے یلغار کر دی تھی۔ ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا کسی طرح یہ سلسلہ ختم نہ ہوتا تھا۔

آخر وہ اٹھ بیٹھی۔ تھوڑی دیر تک یونہی بیٹھی رہی پھر اٹھی۔ گھڑی ایک بجا رہی تھی۔ وہ وہاں سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں آئی۔ یہاں بھی کچھ دیر کھڑی خیالات میں گم رہی۔ پھر سوٹ کیس کھول کر ایک گرم پتلون اور جیکٹ نکالی۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ کمرے سے نکل کر دروازہ مقفل کر رہی تھی کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی طاہرہ ہے جو ساڑھی میں بہت حسین لگتی ہے اب اُس کے جسم پر پتلون اور جیکٹ تھی اور پیروں میں گرپ سول کے جوتے۔ سر پر اُس نے ریشمی رومال باندھ لیا تھا اور اُس کے گھونگھریالے بال اُس میں بالکل چھپ گئے تھے۔ وہ برآمدے سے نیچے اُتر آئی۔

آسمان میں خالی خالی ستارے نظر آ رہے تھے اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے تھوڑی ہی دیر میں پورا آسمان بادلوں سے ڈھک جائے گا۔

وہ عمارت کے مغربی حصے کی طرف چل پڑی۔ چاروں طرف ہو کا عالم تھا اور اب چوکیدار کی آواز بھی نہیں سنائی دے رہی تھی۔ اُس نے سوچا کہ صبح کو اُس کی اچھی طرح خبر لے گی۔

مغربی حصے کا برآمدہ سنسان تھا۔ وہ نیچے ہی رک کر آہٹ لینے لگی۔ لیکن کسی طرح کی آواز نہ سنائی دی۔ البتہ دروازوں کی جھریوں سے کمرے کی روشنی صاف نظر آ رہی تھی جو اس بات کی دلیل تھی کہ وہ لوگ ابھی جاگ رہے ہیں۔

پھر طاہرہ آہستہ سے برآمدے میں داخل ہو گئی اور ایک بار پھر اُس کی داہنی آنکھ دروازے کی جھری سے جا لگی۔

کمرے میں کوئی بھی نہیں تھا لیکن صحن کی طرف کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ یہ دراصل سونے کا کمرہ تھا اور ان دونوں کے بستر خالی نظر آ رہے تھے۔

مسہریوں پر پڑی ہوئی چادریں چاروں طرف سے فرش پر لوٹ رہی تھیں۔ طاہرہ نے مایوسی سے ہونٹ سکوڑے۔ پھر وہ واپسی کا ارادہ کر ہی رہی تھی کہ ایک مسہری کی چادر ہلی اور اُس کے نیچے سے کوئی سیاہ سی چیز باہر رینگ آئی۔ پھر دوسری نکلی اور طاہرہ کی گھگھی بندھ گئی۔ وہ کسی آدمی کے ہاتھ ہرگز نہیں ہو سکتے تھے۔ تھے تو ہاتھ ہی لیکن آدمی کے نہیں۔ ہاتھوں نے چادر اوپر اٹھائی اور طاہرہ کا خون رگوں میں منجمد ہو گیا یہ ایک انتہائی خوفناک چہرہ تھا۔ جس پر دو گول گول آنکھیں انگاروں کی طرح دمک رہی تھیں اور ان کے چاروں طرف بال ہی بال تھے۔ کھڑے

کھڑے سے سیاہ بال جن کی لمبائی ایک بالشت سے کسی طرح کم نہ رہی ہو گی۔ طاہرہ نے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں۔

چیختی کھوپڑی

دوسری بار اُس کی آنکھیں غیر ارادی ہی طور پر کھلیں لیکن اُس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ واپسی ہی کے لئے جنبش کر سکتی۔

وہ تاریک بلا مسہری کے نیچے سے نکلی لیکن تن کر کھڑے ہونے کے باوجود بھی اُس کی کمر جھکی ہوئی تھی۔ سارا جسم بڑے بڑے سیاہ بالوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ پہلے وہ اُسے کوئی ان دیکھی چیز سمجھی تھی مگر اب اُسے یاد آیا کہ وہ نصیر آباد کے عجائب گھر میں صدہا بار اس قسم کے گوریلے دیکھ چکی ہے۔ یہ گوریلا ہی تھا لیکن عجائب گھر کے گوریلوں سے مختلف۔ ان گوریلوں سے الگ جن کی آنکھوں میں طاہرہ نے ہمیشہ اداسی دیکھی تھی اور جو بچوں کے تنگ کرنے پر کٹہرے کے اندر چیخ چیخ کر بے بسی سے خاک اڑانے لگتے تھے۔

یہ ایک خونخوار درندہ معلوم ہو رہا تھا۔ طاہرہ نے کمال کو پکارنے کی کوشش کی لیکن حلق سے آواز نہ نکل سکی۔

مگر وہ چیخ تو بے اختیاری کی تھی جو دوسرے ہی لمحے میں حلق کے پھندوں سے آزاد ہو کر دور تک فضا میں پھیلتی چلی گئی تھی.... اور پھر وہ کسی کے بازوؤں میں آ رہی۔ شاید اُسی نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"تم نہیں باز آؤ گی۔" یہ کمال کی آواز تھی جسے اُس نے انتہائی سراسیمگی اور بدحواسی کے عالم میں بھی پہچان لیا۔

"وہ.... وہاں.... اندر.... وہ سنو....!" وہ ہکلائی۔

ساتھ ہی کمرے سے کچھ اس قسم کی آواز آئی جیسے کوئی کسی کو چمکار رہا ہو۔ پھر ہلکی سی غراہٹ.... اس کے بعد سناٹا چھا گیا۔

"میں نے تمہیں منع کیا تھا۔" اُس نے کمال کی غصیلی آواز سنی۔

"وہ.... مم.... میں.... اندر.... درندہ....!" طاہرہ پھر ہکلائی۔

کمال نے اُسے ایک طرف ہٹا کر دروازہ کھولا۔ شاید وہ باہر سے مقفل تھا۔ کیونکہ طاہرہ نے قفل میں کنجی گھمانے کی آواز سنی تھی۔

دروازہ کھلتے ہی برآمدے کا کچھ حصہ روشن ہو گیا۔

"تشریف لے چلئے۔" طاہرہ نے ساجد کی آواز سنی وہ اُس کے پیچھے تھا۔ طاہرہ غیر ارادی طور پر کمرے میں داخل ہو گئی۔

لیکن اب یہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ طاہرہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ پھر اُس نے کمال پر نظر جمادی جو اس طرح ناک سکوڑے کھڑا تھا جیسے کسی قسم کی بو پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔

طاہرہ کے حواس آہستہ آہستہ واپس آگئے اور اُس نے کہا۔

"یہاں.... ایک گوریلا تھا۔"

"پتہ نہیں کیا کیا ہے یہاں لیکن تمہاری حرکت۔ تم یہاں کیوں آئی تھیں۔" کمال نے جھلا کر کہا۔

طاہرہ نے اُس کا کوئی جواب نہ دیا۔

البتہ ساجد تڑ سے بولا۔ "کہیں یہ بھی کوئی بھوتنی نہ ہو.... ٹھہریئے! میں معلوم کیے لیتا ہوں۔" اُس نے جیب سے ایک بڑا سا چاقو نکالا اور اُسے کھولتے ہوئے کہا۔ "بھوتوں کا خون سبز رنگ کا ہوتا ہے۔"

طاہرہ اُس کی طرف دھیان نہ دے کر بولی۔ "وہ اُس مسہری کے نیچے سے نکلا تھا۔"

"لیکن میں نے سارا کھیل بگاڑ دیا۔" کمال نے خشک لہجے میں کہا۔

طاہرہ کچھ نہ بولی۔ ساجد اُسے شرارت آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا لیکن طاہرہ اُسے خاص طور پر نظرانداز کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"بیٹھ جاؤ۔" اچانک کمال نے اُس کی طرف مڑ کر کہا۔

طاہرہ نے چپ چاپ تعمیل کی۔ وہ نہ جانے کیوں اُس کے سامنے خود کو بے بس محسوس کرنے لگی تھی۔

"تم اس وقت یہاں کیوں آئی تھیں۔"

"بس یونہی۔"

"ایڈونچر....!" کمال تلخ سے انداز میں مسکرایا۔

"یہی سمجھ لیجئے۔"

کمال ساجد کی طرف دیکھ کر مسکرایا پھر بولا۔ "یہ واقعی بہت دلیر ہیں کیوں نہ انہیں کچھ دیر کے لئے اُس کمرے میں بند کر دیا جائے جس میں لاش رکھی ہوئی ہے۔"

"میں پانچ ہزار لاشوں میں بیٹھ کر ستار بجا سکتی ہوں کمال صاحب۔"

"آہا....!" ساجد نے قہقہہ لگایا۔ "تو ٹھہریئے! میں طبلے کا بھی انتظام کرلوں ورنہ آپ کو دقت ہو گی۔"

"کیا واقعی اتنی ہی دلیر ہو۔" کمال نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرا اپنا تو یہی خیال ہے۔"

"صرف اسی معاملے یا ہر معاملے میں۔" کمال نے سنجیدگی سے پوچھا۔

طاہرہ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ پھر اُس نے کہا۔ "ابھی آپ نے کسی لاش کا تذکرہ کیا تھا۔"

"ہاں.... میرا ہم شبیہہ مر گیا۔"

"کیا وہ حقیقتاً کوئی آدمی تھا۔" طاہرہ نے پوچھا۔

"حالانکہ تمہیں یقین ہے کہ وہ آدمی ہی ہے۔" کمال اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

طاہرہ چونک کر اُسے گھورنے لگی۔ لیکن کمال وہ بات ہی اڑا کر بولا۔ "اس کے پاس کوئی بہت دیر الاثر قسم کا زہر تھا۔ اُس نے خودکشی کرلی۔"

"پولیس کو سنانے کے لئے یہ کہانی بہت شاندار رہے گی۔" طاہرہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "مگر شائد آپ کو معلوم نہیں کہ لاشوں کا پوسٹ مارٹم بھی کیا جاتا ہے لیکن ہنٹر کے نشانات کیسے پائیں گے آپ لوگ۔"

"ہاں! واقعی اُسے بھی سوچنا چاہئے۔" کمال نے تشویش آمیز نظروں سے ساجد کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کیوں نہ ہم اُسے چپ چاپ کہیں دفن کر دیں۔" ساجد بولا۔ "مگر مشکل تو یہ ہے کہ...!" وہ طاہرہ کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

"مجھے یقین ہے کہ یہ محترمہ اپنی زبان بند ہی رکھیں گی۔" کمال نے طاہرہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ "کیوں....؟"

"آپ کو یقین کیوں ہے کہ میں اپنی زبان بند ہی رکھوں گی۔"

"اس لئے کہ تمہیں ان بھوتوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہو سکتی۔ تمہارے والد کی موت کے

بھی یہی ذمہ دار نہیں تھے۔"

"آپ کیا جانیں....!" طاہرہ چونک کر اُسے گھورنے لگی۔

"میں جانتا ہوں۔" کمال نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ پھر بولا۔ "میں تمہیں وہ لاش دکھانا چاہتا ہوں۔ شائد پہلے بھی وہ آدمی تمہاری نظر سے گذرا ہو۔"

"مگر وہ تو آپ کا ہم شکل تھا۔" طاہرہ نے کہا۔

"وہ میک اپ تھا۔ جو اب نہیں ہے۔ اب تم اُسے اُس کی اصلی شکل میں دیکھو گی۔"

"اوہ! میں ضرور دیکھوں گی۔" طاہرہ نے مضطربانہ انداز میں اٹھتے ہوئے کہا۔ پھر یک بیک اُس کے چہرے کی رنگت بدل گئی اور وہ کچھ ایسی نظروں سے اُسے دیکھنے لگی جن میں خوف اور شبہے کی آمیزش موجود تھی۔

"مگر یہاں ایک گوریلا تھا۔" اُس نے کہا۔

"اس کی پرواہ نہ کرو۔" کمال نے بے پروائی سے کہا۔ "آدمی کے لئے آدمی سے زیادہ خطرناک اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ فی الحال.... چلو.... شائد تم اُسے پہچانتی ہو۔"

"نہیں! میں اپنے کمرے میں واپس جاؤں گی۔"

اس پر ساجد نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور طاہرہ کی انا پھر جاگ اٹھی۔

"چلو....!" وہ غرا کر بولی۔

وہ کمرے سے نکل کر صحن میں آئے۔ صحن کافی طویل و عریض تھا اور یہاں چاروں طرف اونچی اونچی گھاس اُگی ہوئی تھی۔

کمال اور ساجد کے ہاتھوں میں ٹارچیں تھیں۔

ساجد نے پتھر کے زینوں کی طرف روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔ "وہ اوپر کے ایک کمرے میں ہے۔ کیوں طاہرہ صاحبہ کیا آپ ان زینوں پر قدم رکھنے کی ہمت کر سکیں گی۔"

"بکواس مت کرو۔" کمال نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا اور طویل دالان میں بائیں طرف مڑ گیا۔ پھر ایک کمرے کے سامنے رک کر ٹارچ کی روشنی دروازے پر ڈالی جس سے ایک بڑا سا قفل لٹکا ہوا تھا۔ قفل کھول کر اُس نے دروازے کو دھکا دیا لیکن ساتھ ہی اُس کے منہ سے ایک ہلکی سی تحیر آمیز آواز نکلی۔ کمرہ خالی تھا۔ ساجد ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا کر رہ گیا۔ وہ کمرے میں داخل ہوئے۔ کمال تشویش آمیز نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیوں کیا بات ہے۔" طاہرہ نے دبی زبان سے پوچھا۔

"لاش یہیں تھی۔" کمال نے جواب دیا۔ "اور میرا دعویٰ ہے کہ اس قفل میں میرے علاوہ اور کسی نے ہاتھ نہیں لگایا۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔" طاہرہ نے مضحکانہ انداز میں پوچھا۔

"پھر بتاؤں گا۔" کمال نے کہا اور جھک کر فرش کا جائزہ لینے لگا۔ فرش گرد آلود تھا۔ لیکن ایک جگہ کافی پھیلاؤ میں گرد کی تہہ کچھ بگڑی بگڑی سی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ سیدھا کھڑا ہو کر تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا اور پھر انہیں باہر چلنے کا اشارہ کر کے وہ بھی کمرے سے نکل گیا۔

اب وہ کمرے کو کھلا ہی چھوڑ کر وہاں سے واپس جا رہے تھے۔ قفل کمال کے ہاتھ میں تھا۔

لیکن خواب گاہ کو انہوں نے اس حالت میں نہیں دیکھا جس میں چھوڑ کر گئے تھے۔ مسہریاں الٹی پڑی تھیں۔ بستر اِدھر اُدھر پڑے ہوئے تھے۔ دوسرا سامان بھی ردی حالت میں تھا۔

"کیا خیال ہے۔" کمال طاہرہ کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ "کیا اب ہم لوگ یہاں سے بھاگ جائیں۔"

"میں آپ کو یہی مشورہ دوں گی کہ آپ اسی وقت دوسرے کمروں میں منتقل ہو جائیے۔ میں اور کورنیلیا ایک کمرے میں ہو جائیں گے۔ مگر.... میں یہ مشورہ فضول دے رہی ہوں.... پتہ نہیں آپ نے کس مقصد کے تحت اس حصے کو رہائش کے لئے پسند کیا ہے۔"

"کیا مقصد ہو سکتا ہے۔" کمال نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"کچھ بھی ہو۔ لیکن میں اسے صرف ایڈونچر نہیں سمجھ سکتی۔"

"پھر....!"

"کمال صاحب! نہ جانے کتنے اس چکر میں یہاں آئے اور یا تو پراسرار طریقے پر غائب ہو گئے یا پھر اُن کی لاشیں ملیں۔"

"کس چکر میں۔ ہم کسی ایسے چکر سے واقف نہیں ہیں۔" کمال نے سنجیدگی سے کہا۔ "ہمارا مقصد تو صرف یہ دریافت کرنا ہے کہ ان بھوتوں کی تندرستی کیسی ہے۔"

"اگر خراب ہو تو.... وزارت صحت....!" ساجد جملہ پورا نہیں کر سکا کیونکہ وہ نہ جانے کیوں اچھل پڑا تھا۔ پھر اُس نے خفیف ہو کر کہا۔ "لاحول ولا قوۃ.... چوہا تھا شائد۔"

"آپ لوگ میرا مضحکہ اڑا رہے ہیں۔" طاہرہ تنک کر بولی۔

"ہو سکتا ہے۔" کمال بولا۔ "ہم اُس وقت تک سنجیدہ نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم ہمیں بھی وہی داستان نہ سنا دو جو کورنیلیا کو سنانے والی تھیں۔"

"کیا آپ اُس سے واقف نہ ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ وہ داستان آپ کو یہاں تک لائی ہوگی۔ ورنہ خواہ مخواہ خطرے میں پڑنا کسے پسند ہوگا۔"

"ہم کچھ بھی نہیں جانتے۔ یقین کرو ویسے میں روحانیات کا متعلم ہوں اور اس قسم کی مافوق الفطرت چیزیں میرے لئے بہت دلچسپ ہوتی ہیں۔"

"لیکن ان واقعات کا روحانیات سے کیا تعلق؟" طاہرہ نے کہا۔

کمال جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ صحن کی طرف سے ایک گرجدار آواز آئی۔

"چلے جاؤ.... یہاں سے چلے جاؤ۔"

اور پھر سناٹا طاری ہو گیا۔ طاہرہ کو اپنے جسم میں ایک سرد سی لہر دوڑتی محسوس ہوئی۔ عجیب قسم کی آواز تھی۔ اُس نے کمال اور ساجد کی طرف دیکھا۔ ساجد کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے مگر کمال کا چہرہ پہلے ہی کی طرح پُر سکون نظر آرہا تھا۔

طاہرہ اپنے دل کی دھڑکنیں صاف سن رہی تھی بلکہ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دل کانوں ہی میں دھڑکنے لگا ہو۔

"چلے جاؤ.... چلے جاؤ۔" آواز پھر آئی اور اس بار طاہرہ نے محسوس کر لیا کہ وہ آواز عجیب کیوں معلوم ہوتی تھی۔ آواز گرجدار ضرور تھی لیکن اُس میں رو دینے کا سا انداز بھی شامل تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی شدید تکلیف کی بناء پر کوئی چیخ رہا ہو۔

"ان مسخروں کی شامت آگئی ہے۔" کمال صحن کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ساجد بھی اُن کے پیچھے چلا اور طاہرہ کے قدم بھی غیر ارادی طور پر اٹھ گئے۔

صحن میں تاریکی اور سناٹے کا وہی عالم تھا۔ جھینگروں کی مسلسل جھائیں جھائیں بھی سناٹے ہی کا ایک جزو معلوم ہو رہی تھی۔

عمارت کے کسی دور افتادہ حصے سے چمگادڑوں کے چیخنے کی آواز آئی اور ساتھ ہی پھر کسی نے کہا۔

"چلے جاؤ یہاں سے.... چلے جاؤ۔"

آواز زینوں کی طرف سے آئی تھی۔ کمال کی ٹارچ روشن ہو گئی۔ ساتھ ہی طاہرہ کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکلی۔ درمیانی زینے پر ایک کھوپڑی رکھی ہوئی تھی۔

"کیا مسخرہ پن ہے۔" کمال بڑبڑایا۔ "یہی گیارہواں زینہ ہے۔"

روشنی کا دائرہ اب بھی کھوپڑی ہی پر تھا۔

"چلے جاؤ.... یہاں سے.... چلے جاؤ۔" کھوپڑی سے آواز آئی۔

طاہرہ نے بڑی مضبوطی سے ساجد کا بازو پکڑ رکھا تھا۔

"میں وہیں آرہا ہوں.... فرزند....!" کمال نے کہا اور زینوں کی طرف بڑھنے لگا۔ طاہرہ نے بے اختیارانہ انداز میں کمال پر چھلانگ لگائی۔

"نہیں.... نہیں.... آپ پاگل ہو گئے ہیں۔"

"اوہ.... اسے لے جاؤ.... تم بھی جاؤ۔" کمال نے اُسے ساجد کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔ "کمرہ اندر سے بند رکھنا۔ جاؤ۔"

پھر طاہرہ کو اچھی طرح یاد نہیں کہ وہ کس طرح کمرے میں پہنچی۔ تھوڑی دیر بعد جب اُس کے حواس بجا ہوئے تو اُس نے خود کو اُسی کمرے میں پایا جہاں سے کچھ دیر پہلے اُس نے وہ ڈراؤنی آوازیں سنی تھیں۔

ساجد سینے پر ہاتھ باندھے کمرے کے وسط میں خاموش کھڑا تھا۔

طاہرہ نے کچھ کہنا چاہا لیکن الفاظ نہ ملے۔ اُسے اپنا جسم اتنا ہلکا محسوس ہو رہا تھا جیسے ہوا کا ایک معمولی سا جھونکا اُسے اڑا دینے کے لئے کافی ہوگا۔

"تمہاری حالت اچھی نہیں ہے۔" ساجد نے سنجیدگی سے کہا۔

طاہرہ کچھ نہ بولی۔ اُس وقت اُس کا غرور خاک میں مل گیا تھا۔ اُسے اس کا احساس تھا لیکن اس پر افسوس ہرگز نہیں تھا۔ اس کیفیت کی وجہ وہ خود بھی نہ سمجھ سکی۔ حالانکہ وہ مواقع اُس کے لئے بڑے تکلیف دہ ہوتے تھے جب اُس کے غرور کو ٹھیس لگتی تھی۔

"تم نے.... تم نے.... کمال صاحب کو.... روکا نہیں۔" وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

"ہاں.... میں نے نہیں روکا۔" ساجد مسکرا کر بولا۔ "میں نے سوچا اگر کمال صاحب درمیان سے ہٹ جائیں تو تم مجھ میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو جاؤ گی۔"

"کیا بکواس ہے۔"

"بکواس نہیں حقیقت ہے۔ کمال صاحب عورتوں کے معاملے میں بدنصیب ترین انسان ہیں۔ اس لئے اُن کے پیچھے پڑنا وقت کی بربادی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ مجھے دیکھو.... میں ایک گھنٹے میں پندرہ ہزار میل کی رفتار سے آہیں بھر سکتا ہوں۔"

"شٹ اپ....!"

"تمہاری مرضی۔" ساجد مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔

طاہرہ صحن کی طرف کے دروازے کی جانب دیکھنے لگی جو اندر سے بند تھا۔

"رمبا ناچنا آتا ہے تمہیں۔" ساجد نے پوچھا۔

"میں کہتی ہوں خاموش رہو۔" طاہرہ جھنجھلا گئی۔ "پتہ نہیں تم لوگ کیا کر رہے ہو۔"

"ہم لوگ....!" ساجد ایک شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ کسی نے صحن کی طرف سے دروازے کو دھکا دیا۔ ساتھ ہی آواز بھی سنائی دی جو کمال ہی کی تھی۔ ساجد نے دروازہ کھول دیا۔ کمال اندر داخل ہوا۔ اُس کے ہاتھ میں وہی انسانی کھوپڑی تھی جسے کچھ دیر قبل طاہرہ نے گیارہویں زینے پر دیکھا تھا۔

کمال نے اُسے فرش پر ڈالتے ہوئے طاہرہ سے کہا۔ "کیا تم رات یہیں بسر کرو گی۔"

"نن.... نہیں.... تو....!"

"اب جاؤ....!" اُس نے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ پھر ساجد سے بولا۔ "انہیں ان کے کمرے تک چھوڑ آؤ۔"

طاہرہ چپ چاپ اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی۔ اس میں اُس کے ارادے کو قطعی دخل نہیں تھا۔ پتہ نہیں کیوں کمال اُس کے ذہن پر اس بُری طرح حاوی ہو گیا تھا۔

بھوتوں کے شکاری

دوسری صبح کورنیلیا نے اُسے جھنجھوڑ کر جگایا لیکن اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ نشے میں ہو۔ پچھلی رات تقریباً ساڑھے تین بجے وہ اپنے کمرے میں واپس آئی تھی اور کورنیلیا کے پاس سو گئی تھی۔ کورنیلیا اُس وقت بے خبر سوئی ہوئی تھی۔

"کیا بھنگ پی رکھی ہے تم نے۔" کورنیلیا نے اُسے کھینچ کو بٹھاتے ہوئے کہا۔

"اوں.... ہوں.... مجھے سونے دو۔"

"وہاں ایک صاحب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

"کون ہے۔"

"میں نہیں جانتی۔ لیکن وہ اُن دونوں میں سے نہیں ہے۔"

"اوہ.... کہہ دو کہ میں سو رہی ہوں۔ طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"وہ بہت غصے میں ہے۔"

"اوہ.... کان نہ کھاؤ.... کہہ دو....!"

"وہ بدتمیز بھی معلوم ہوتا ہے۔ میں اُس سے دوسری بار گفتگو نہیں کرنا چاہتی۔" کورنیلیا نے کہا۔

اتنی دیر میں طاہرہ اچھی طرح ہوش میں آ گئی تھی۔

"کون ہے! کیا چاہتا ہے۔"

"میں نہیں جانتی.... وہ تم سے ملنا چاہتا ہے۔"

"کیا وہ مجھے جانتا ہے۔" طاہرہ نے پوچھا۔

"عجیب احمق ہو۔ بھلا میں کیا جانوں۔"

"اوہ.... اچھا....!" طاہرہ اٹھ کر غسل خانے میں آئی۔ منہ پر پانی کے چھینٹے دیتے وقت اُسے پچھلی رات کے واقعات یاد آئے اور وہ اُن دونوں کی خیریت دریافت کرنے کے لئے بے چین ہو گئی۔ کمال جیسا آدمی آج تک اُس کی نظروں سے نہیں گذرا تھا۔

اُسے وہ خوفناک کھوپڑی یاد آئی جو انسانوں کی طرح بولتی تھی اور جسے کمال نے بعد میں اس طرح فرش پر پھینک دیا تھا جیسے اس کی نظروں میں وہ بالکل بے حقیقت ہو۔

پھر اُس کے بعد کیا ہوا ہو گا؟ طاہرہ کا ذہن بھٹکنے لگا اور وہ بے خیالی میں اپنے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارتی رہی۔ اُسے وقت کا احساس نہیں رہ گیا تھا اگر کورنیلیا باہر سے اُسے مخاطب نہ کرتی تو وہ نہ جانے کتنی دیر تک کھڑی اس شغل کو جاری ہی رکھتی۔ پھر کورنیلیا بھی غسلخانے میں گھس آئی۔

"کیا سو گئی ہو۔" اُس نے کہا۔

"کیا مصیبت آ گئی ہے۔" طاہرہ جھنجھلا گئی۔

"وہ کہتا ہے کہ اگر دیر ہو گئی تو میں وہیں آ جاؤں گا۔"

"کون گدھا ہے۔ میں دیکھتی ہوں۔"

طاہرہ نے اُسی لباس پر شب خوابی کا لبادہ ڈال لیا اور کورنیلیا کے ساتھ دوسرے کمرے میں آئی۔ یہاں حقیقتاً ایک آدمی اس کا منتظر تھا اور وہ اُسے جانتی تھی۔ یہ یہاں کا ایک مستقل کرائے دار تھا۔ لیکن طاہرہ نے اس سے پہلے اُسے کبھی غصے میں نہیں دیکھا۔ یہ ادھیڑ عمر کا ایک صحت مند آدمی تھا۔ قوی مضبوط تھے اور وہ اپنے مضبوط بازوؤں کی نمائش کا خاص طور پر شائق معلوم ہوتا تھا کیونکہ ایک سرد صبح ہونے کے باوجود بھی وہ آدھی آستین کی قمیض میں تھا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ لوگوں کی پالیسی کیا ہے۔" اُس نے غصیلی آواز میں کہا۔

"کیوں؟ میں نہیں سمجھی کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" طاہرہ حیرت سے بولی۔

"آخر نواب صاحب اُس حصے کو کرائے پر کیوں اٹھا دیتے ہیں جب کہ انہیں معلوم ہے کہ یہاں ایک نہیں کئی کیس ہو چکے ہیں۔"

"آپ کو اس سے کیا نقصان پہنچا ہے۔" طاہرہ کا موڈ بھی خراب ہو گیا۔

"راتوں کی نیند حرام ہو گئی ہے۔ بُرا ہو مکانوں کی قلت کا ورنہ یہ عمارت رہنے کے قابل ہے۔"

"آخر ہوا کیا....!"

"میرے ساتھ چلئے تو دکھاؤں۔ جب بھی اُس حصے میں کوئی کرایہ دار آتا ہے میری شامت آجاتی ہے۔ میرا سب کچھ تباہ ہو گیا۔ ایک چیز بھی اپنی اصلی حالت میں نہیں ہے۔ صرف وہی کمرہ محفوظ ہے جس میں سوتا ہوں۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"چلئے نا میرے ساتھ۔ میں دکھاؤں۔ کسی نے ساری چیزیں کچل کر رکھ دی ہیں۔ کرسیاں اور میزیں تک چور ہو کر رہ گئی ہیں۔"

"اوہ تو ایسی صورت میں آپ کو کمرے چھوڑ دینا چاہئے کہیں اور انتظام کر لیجئے۔"

"کہاں! جہنم میں۔" وہ غرایا۔ "آپ ہی کوئی اور جگہ دلوا دیجئے۔ دوسرا مکان حاصل کر لینا ایسا آسان ہے۔ دیکھئے۔ میں کھلے ہوئے الفاظ میں کہہ رہا ہوں کہ اگر وہ حصہ آج ہی مقفل نہ کرا دیا گیا تو معاملے کو آگے بڑھا دوں گا۔"

"یعنی! میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"میں پولیس کو اس کی اطلاع دوں گا۔ جب وہ حصہ مخدوش ہے تو اُسے کرائے پر کیوں اٹھایا جاتا ہے۔ اخبارات میں مقامی حکام سے سوال کر دوں گا کہ وہ اُسے ہمیشہ کے لئے کیوں نہیں بند کرا دیتے۔ آج سے چھ ماہ قبل ایک واردات ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کی آنکھوں کے سامنے ہوئی تھی۔ آخر اُسی وقت وہ حصہ سرکاری طور پر کیوں نہیں مقفل کرا دیا گیا تھا.... اور پھر یہ دونوں کرائے دار مجھے اچھے آدمی نہیں معلوم ہوتے۔"

"میں آپ سے استدعا کروں گی کہ ایسا ضرور کیجئے۔ میں خود بھی یہی چاہتی ہوں کہ اُس حصے کو سرکاری طور پر مقفل کرا دیا جائے۔"

"وہ دونوں ہیں کون....!"

"میں نہیں جانتی۔"

"مگر چوکیدار تو کہہ رہا تھا کہ وہ پچھلی رات کو یہاں آئے تھے۔"

"آپ قطعی غیر ضروری باتیں کر رہے ہیں۔" طاہرہ جھلا گئی۔

"اچھی بات ہے۔ اب میں کچھ نہیں کہوں گا۔" اس نے کہا اور اٹھ کر کمرے سے چلا گیا۔

"کریک ہے کیا۔" کورنیلیا نے ہنس کر کہا لیکن طاہرہ خاموش ہی رہی۔

اس کا ذہن پھر رات کے واقعات میں الجھنے لگا تھا۔

"کیا معاملہ ہے۔ کوئی خاص بات۔" کورنیلیا نے پوچھا۔

"بہت خاص۔ لیکن میں الجھن میں ہوں۔ وہ دونوں میرے لئے مستقل دردِ سر ہو گئے ہیں۔"

"کیا دونوں سے عشق ہو گیا ہے۔" کورنیلیا نے قہقہہ لگایا۔

"گھٹیا باتیں نہ کرو۔" طاہرہ نے بُرا سا منہ بنایا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ان دونوں پر سب کے سب کیوں خار کھائے ہوئے ہیں۔ یہ کون تھا جو ابھی بکواس کر کے گیا ہے۔"

"ایک کرائے دار۔" طاہرہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ چند لمحے خاموش رہی پھر اُس نے کہا۔ "ہمیں وہ سب کچھ ضرور دیکھنا چاہئے جس کے متعلق اُس نے کہا تھا۔"

"مگر اس کا خیال رکھنا کہ وہ بہت تاؤ کھا کر یہاں سے گیا ہے۔" کورنیلیا نے کہا۔

طاہرہ نے دوسرے کمرے میں جا کر لباس تبدیل کیا اور باہر جانے کے لئے تیار ہو گئی۔ کورنیلیا پہلے ہی سے تیار تھی۔

وہ عمارت کے اُس حصے میں آئیں جہاں وہ کرائے دار مقیم تھے۔

"دیکھئے! مجھے افسوس ہے۔" طاہرہ نے اُس سے کہا۔ "میں سو کر اٹھی تھی اور آپ جانتے ہیں کہ ایسے اوقات میں دماغ پر قابو نہیں ہوتا۔"

"کوئی بات نہیں۔" کرائے دار بولا۔ "لیکن میرے اس نقصان کا کیا ہو گا۔"

"میں دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"جائیے دیکھ لیجئے۔" وہ ایک کمرے کی طرف اشارہ کر کے ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر کی حالت وہیں سے صاف نظر آ رہی تھی۔ لیکن پھر بھی طاہرہ اندر چلی گئی۔ کورنیلیا بھی ساتھ تھی۔ دونوں نے متحیرانہ انداز میں چاروں طرف دیکھا۔ کمرہ درحقیقت کسی کباڑی کی دوکان معلوم ہو رہا تھا۔ فرنیچر اور دوسرے آرائشی لوازمات شکستہ حالت میں ڈھیر تھے۔ ان میں سوکھی ہوئی گھاس اور خشک مٹی کے بڑے بڑے ٹکڑے بھی شامل تھے۔

زیادہ غور سے جائزہ لینے پر جانوروں کی ہڈیاں سینگ اور پھٹے پرانے جوتے بھی نظر آئے۔

کرایہ دار باہر ہی تھا وہ ان کے ساتھ اندر نہیں آیا تھا۔

طاہرہ گھوم پھر کر کمرے کی تباہ حالی دیکھ رہی تھی۔ اچانک وہ چلتے چلتے رک گئی اور جھک کر فرش سے کوئی چیز اٹھائی۔ پھر چوروں کی طرح اِدھر اُدھر دیکھ کر اُسے اپنے بلاؤز کے گریبان میں رکھ لیا۔

"مگر یہ سب ہوا کیسے۔ مجھے حیرت ہے۔" طاہرہ نے اُس سے کہا۔

"میں کہتا ہوں کہ جب بھی کوئی اُس منحوس حصے میں مقیم ہوا ہے میرا کچھ نہ کچھ نقصان ضرور ہوا ہے۔"

"آپ دوسرے کمرے میں سوئے تھے؟ یعنی میرا مطلب یہ ہے کہ اس کمرے میں کوئی نہیں تھا۔"

"جی نہیں وہاں کوئی نہیں تھا۔" اُس نے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں مقامی حکام سے ضرور فریاد کروں گا اور آپ شام کے اخبارات میں بہت کچھ دیکھیں گی۔ میرا اتنا نقصان ہوا ہے۔ سینکڑوں روپے کا فرنیچر برباد ہو گیا۔"

"آپ کو اس سے کوئی بھی نہیں روک سکتا۔" طاہرہ نرمی سے بولی۔ "یقیناً آپ کا بہت نقصان ہوا ہے۔"

"میں کہتا ہوں! وہ حصہ کرائے پر اٹھایا ہی کیوں جاتا ہے۔"

"دیکھئے۔ یہ ہمارا قطعی نجی معاملہ ہے۔ ہم کسی سے درخواست کرنے نہیں جاتے کہ وہ ہمارا کرایہ دار بنے۔ آپ ہر وقت کمرے خالی کر سکتے ہیں۔"

"پھر وہی فرعونیت والی بات۔" کرایہ دار جھلا اٹھا۔ "اچھی بات ہے۔ میں دیکھ لوں گا۔"

وہ دونوں وہاں سے چلی آئیں۔ کورنیلیا نے اُس کے متعلق گفتگو چھیڑنی چاہی لیکن طاہرہ نے ہاتھ ہلا کر اُسے روک دیا۔ وہ کچھ سوچ رہی تھی۔

"اچھا تم نے وہاں سے کیا اٹھایا تھا۔" کورنیلیا نے پوچھا۔

"بھوت کی لنگوٹی۔" طاہرہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"مجھے تو اب تم سے خوف معلوم ہونے لگا ہے۔"

"میں تمہیں یہی مشورہ دوں گی کہ واپس جاؤ۔"

"اور تم یہیں رکو گی.... آخر کیوں.... کیا واقعی! وہ آدمی کمال تمہارے ذہن پر۔"

"پھر بکواس شروع کر دی تم نے....!"

"پھر مجھے بتاؤ تاکہ تم یہاں کیوں رکنا چاہتی ہو۔ وہاں سے تم نے کیا اٹھایا تھا۔"

"میں یہ معلوم کیے بغیر نہیں جا سکتی کہ وہ دونوں کون ہیں اور یہاں کیوں آئے ہیں۔"

کورنیلیا خاموش ہو گئی۔ طاہرہ عمارت کے مغربی حصے کی طرف جا رہی تھی۔

"کیا وہیں جا رہی ہو۔" کورنیلیا نے پوچھا۔

"ہاں....!"

"تب تم تنہا ہی جاؤ۔ مجھے نہ جانے کیوں اُس سے خوف معلوم ہوتا ہے۔"

"کس سے۔"

"کمال سے.... لیکن وہ دوسرا آدمی.... ساجد.... کافی دلچسپ ہے۔"

کورنیلیا اُس کے ساتھ نہیں گئی۔ مغرب رخ والے برآمدے کے قریب پہنچتے ہی طاہرہ کو وائیلن کی آواز سنائی دی۔ نشست کے کمرے کے دروازے کھلے ہوئے تھے اُسے ساجد نظر آیا جس کے سر پر سفید سمور کی ٹوپی تھی اور جسم پر تبت کے لاماؤں کا سا زرد رنگ کا ریشمی لبادہ۔ وہ آنکھیں بند کئے جھوم جھوم کر وائیلن بجا رہا تھا۔ طاہرہ بے تکلف اندر چلی گئی۔ کمال موجود نہیں تھا۔ ساجد نے شائد اُس کی آہٹ نہیں سنی تھی۔ وہ بدستور آنکھیں بند کئے وائیلن بجاتا رہا۔

طاہرہ نے زور سے میز پر ہاتھ مارا اور ساجد اچھل پڑا۔

"آہا.... آہا....!" وہ شور مچانے کے سے انداز میں بولا۔ "تان سین کے متعلق مشہور ہے کہ اُس کے گیت پر ساز خود بج اٹھتے تھے.... اور جب میں ساز بجاتا ہوں تو زمین پھٹتی ہے اور اُس میں سے عورتیں ابلنے لگتی ہیں۔"

"کمال صاحب کہاں ہیں۔" طاہرہ نے اُس کی بکواس پر دھیان نہ دے کر پوچھا۔

"کمال صاحب!" ساجد نے ایک طویل سانس لی اور خاموش ہو گیا۔

"کہاں ہیں۔" طاہرہ نے پوچھا۔

"میں نے پچھلی رات انہیں ذبح کر دیا اور اس وقت وائیلن بجا رہا ہوں۔ بیٹھو تمہیں وہ گیت سناؤں.... جو تان سین نے....!"

"کمال صاحب۔" طاہرہ نے پکارا۔

اور ساجد وائیلن پر بجانے لگا۔ "آواز دے کہاں ہے۔ دنیا مری جواں ہے۔" طاہرہ آگے بڑھی۔ وہ دوسرے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔

"ٹھہریئے۔" ساجد وائیلن ایک طرف رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ "وہ اس وقت کسی سے نہیں مل

سکتے۔ آپ کیا چاہتی ہیں۔"

طاہرہ جھلائے ہوئے انداز میں پلٹ پڑی۔ "میں یہ چاہتی ہوں کہ آپ لوگ جلد سے جلد یہ عمارت خالی کر دیں۔ سمجھے! ورنہ بات بہت بڑھ جائے گی۔"

"ہم تین ماہ کا کرایہ ادا کر چکے ہیں۔" ساجد بولا۔

"رقم واپس کر دی جائے گی۔"

"ہم تین ماہ گذارے بغیر یہاں سے نہیں جا سکتے۔" ساجد نے خشک لہجے میں کہا۔

"اچھا تو پھر پولیس آپ سے جواب طلب کرے گی۔"

"کیا بات ہے محترمہ طاہرہ۔" وہ کمال کی آواز سن کر مڑی۔ کمال دروازے میں کھڑا حیرت سے پلکیں جھپکا رہا تھا۔

"آپ لوگ جو کچھ بھی کر رہے ہیں قانون اُسے نظر انداز نہیں کر سکتا۔"

"کیا آپ پچھلی رات کے بارے میں گفتگو کر رہی ہیں۔"

"نہیں....!" طاہرہ اپنے بلاؤز کے گریبان میں ہاتھ ڈالتی ہوئی بولی۔ "کیا یہ فاؤنٹین پن آپ کا نہیں ہے۔" اُس نے گریبان سے ایک فاؤنٹین پن نکال کر اُسے دکھایا۔

"دیکھوں....!" اُس نے ہاتھ بڑھا کر فاؤنٹین پن اُس سے لے لیا۔ اُسے الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا پھر اُس کے چہرے پر نظر جما کر بولا۔ "ہاں یہ میرا ہی ہے۔ آپ کے پاس کیسے پہنچا۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پچھلی رات ساگر صاحب کے کمرے میں آپ ہی تھے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

طاہرہ نے اُسے بتایا کہ وہ قلم اُسے کہاں سے اور کن حالات میں ملا تھا۔ کمال پوری بات سن کر مسکرایا۔

"اور تمہیں یقین ہے کہ اُس کمرے میں میں نے ہی توڑ پھوڑ مچائی ہو گی۔"

"پھر یہ قلم وہاں کیسے پہنچا۔ ساگر اس کی اطلاع پولیس کو دینے جا رہا ہے۔"

"تب تو پھر مجھے بھی پولیس کو اطلاع دینی چاہئے کہ پچھلی رات یہاں ایک انسانی کھوپڑی حلق پھاڑ رہی تھی۔ میرے ہم شکل نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ محترمہ طاہرہ کو ایک گوریلا نظر آیا تھا اور مجھے ان ساری حرکتوں کی ذمہ دار محترمہ طاہرہ معلوم ہوتی ہیں۔"

طاہرہ کچھ نہ بولی۔ وہ لاجواب ہو گئی تھی۔

وہ کچھ دیر تک خاموش ہی پھر اُس نے کہا۔ "آپ اُس کھوپڑی کو اٹھا لائے تھے۔"

"ہاں! وہ تمہارے سامنے ہی کی بات ہے.... بیٹھ جاؤ۔"

"تشریف رکھئے محترمہ طاہرہ۔" ساجد نے پھر ایک طویل سانس لی اور کمال اُسے گھورنے لگا۔ اُس نے اپنے شانوں کو جنبش دے کر وائیلن کے تاروں پر ناخن لگانا شروع کر دیا۔

"بند کرو! ورنہ میں اسے تمہارے سر پر پھوڑ دوں گا۔" کمال غرایا۔

"اچھا جناب!" ساجد نے وائیلن میز پر ڈال کر ایک طویل انگڑائی لی اور باہر چلا گیا۔

"یہ عجیب آدمی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کبھی غصے میں انہیں مار نہ بیٹھوں۔" طاہرہ نے کہا۔

"ایسے مواقع پر غصہ ضبط کر لینا۔" کمال مسکرایا۔ "وہ بہت شریر ہے! خیر ہاں تو.... ہم اُس کھوپڑی کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔"

"آپ نے اُسے کیسے ہاتھ لگایا ہو گا۔"

"کیوں؟ بھلا اس میں کیا دشواری ہو سکتی تھی۔ کیا آپ یہ سمجھتی ہیں کہ وہ کوئی بُری روح تھی جو اُس کے اندر چیخ رہی تھی۔"

"پھر....!" طاہرہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"قطعی نہیں! مگر میں آپ کو کیوں بتاؤں۔ آپ نے مجھے اب تک وہ داستان نہیں سنائی جو آپ اپنی ساتھی کو سنانے والی تھیں۔"

"کیا آپ کو اس کا علم نہیں ہے۔"

"نہیں میں کچھ نہیں جانتا۔"

"تو پھر کیا یہاں جھک مارنے آئے ہیں۔"

"نہیں بھوت مارنے۔ میں ایک پیشہ ور قسم کا بھوت مار ہوں۔ میں نے اب تک درجنوں بڑے بڑے اور بین الاقوامی قسم کے بھوتوں کا قلع قمع کیا ہے۔ یہ ہے میری موجودگی کا مقصد....!"

پرانی داستان

کمال خاموش ہو گیا۔ طاہرہ بیک وقت کئی باتیں سوچ رہی تھی۔ لیکن اس کا فیصلہ کرنا اس کے بس سے باہر تھا کہ وہ کمال کو کیا سمجھے۔

کمال اُس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ مسکراہٹ معنی خیز تھی لیکن طاہرہ اُسے بھی کوئی معنی نہ

پہنا سکی آخر کمال بولا۔

"تم مجھے اُن لوگوں میں تصور کر رہی ہو جو یہاں دفینے کے چکر میں آتے رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہاں کوئی ایسا دفینہ نہیں ہے جس پر روحوں کا سایہ ہو۔ روحیں جو دفینے کے لئے قربانیاں مانگتی ہوں۔"

"اُوہو.... پھر کیا مقصد ہے۔" طاہرہ بے ساختہ بولی۔

"مقصد ابھی بتا چکا ہوں۔ اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں ہے۔" کمال نے سگار سلگا کر دھواں منتشر کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا تو پھر وہ کھوپڑی...." طاہرہ نے کہا۔ "وہ غیر ارادی طور پر بے تکلف ہوتی جا رہی تھی۔"

"اوہ.... محض بچوں کا کھیل۔" کمال نے سنجیدگی سے کہا۔ "اس کے اندر مائیکروفون کا ایک چھوٹا سا ہارن فٹ تھا اور تاروں کا ایک سلسلہ اوپری منزل پر چلا گیا تھا۔ لیکن میں اُن کے دوسرے سرے تک نہیں پہنچ سکا کیونکہ مجھے اوپر آتے دیکھ کر انہوں نے تار کاٹ دیئے اور اپنے ساز و سامان سمیت غائب ہو گئے۔"

طاہرہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔ لیکن کچھ بولی نہیں۔

"اب ایسی صورت میں.... میں کیا سمجھوں۔" کمال نے کہا۔ "دفینے پر منڈلانے والی روحیں یا.... تم کیا سوچنے لگیں۔"

"میں ابھی تک یقین اور شبہے کی کشمکش میں مبتلا ہوں۔ روایت یہی ہے کہ یہاں ایک دفینہ ہے اور اُس پر روحوں کا سایہ ہے۔ لیکن اب.... اب....!"

"اب تم یہ سوچنے لگی ہو کہ پھر ان حرکتوں کا کیا مطلب ہے۔"

"یقیناً....!"

"کیا اس دفینے کے علاوہ بھی تمہیں کسی دوسری داستان کا علم ہے۔"

"نہیں! اس کے علاوہ میں اور کچھ نہیں جانتی۔ یہ کوٹھی دراصل ہمارے مورث اعلیٰ کو جاگیر میں ملی تھی۔ لیکن یہ اُس وقت اتنی بڑی اور عظیم الشان نہیں تھی۔ یہاں دراصل کسی فرقے کی عبادت گاہ تھی۔ غدر کے زمانے میں اس فرقے کے افراد نے یہاں بہت سے انگریزوں کو قید کر رکھا تھا اور اُنکے مذہبی پیشوا نے کافی لوٹ مار کی تھی اور لوٹ کا بہت سامان یہاں اکٹھا کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ مقامی راجہ کو اُس نے قتل کر کے اُسکی بے شمار دولت پر قبضہ کر لیا تھا اور وہ ساری دولت یہیں کسی مقام پر چھپا دی گئی تھی۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ لوگ دراصل ٹھگ تھے بہر حال

ہمارے مورث اعلیٰ کی مدد سے انگریزی فوج یہاں پہنچی اور یہاں کافی کشت و خون ہوا۔ کہا جاتا ہے اُن لوگوں کا مذہبی پیشوا یا سرغنہ یہیں قتل کر دیا گیا تھا لیکن مقامی راجہ کا خزانہ کسی کو بھی نہ مل سکا۔ خود میرے ہی خاندان کے کئی افراد اس چکر میں موت کا شکار ہوئے۔ میرے والد....!"

طاہرہ خاموش ہو گئی۔ کچھ دیر تک خاموش رہی پھر کمال نے کہا۔ "یہ داستان بھی میرے لئے نئی نہیں۔"

"پھر آپ اور کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

"چھ ماہ پہلے جو واقعہ پیش آیا تھا اُس کی تفصیل۔"

"اس کی بھی موت ہی اُسے یہاں لائی تھی۔ وہ ہمارا منیجر تھا۔ حکومت نے کسی مقصد کے لئے کوٹھی کرایہ پر حاصل کرنے کی پیشکش کی تھی۔ ہماری طرف سے یہی مندر پیش کیا گیا۔ اس پر منیجر نے کہا کہ وہ گیارہ تاریخ کو گیارہ بجے رات گیارہویں زینے پر چڑھ کر دکھا دے گا۔ غالباً اُس کا بھی یہی خیال تھا کہ ان واقعات میں کسی آدمی ہی کا ہاتھ ہے۔ اُس نے شہر کے بعض حکام کو مدعو کیا اور ان کے سامنے زینے پر چڑھنے لگا۔ جیسے ہی اُس نے گیارہویں زینے پر قدم رکھا ایک تیز قسم کی روشنی کا جھماکا سا ہوا۔ ہماری آنکھیں چندھیا گئیں۔ ہم نہیں دیکھ سکے کہ وہ کیسے نیچے گرا۔ کچھ لوگوں کا بیان ہے کہ وہ اس طرح اُچھلا تھا جیسے کسی غیر مرئی قوت نے اُسے اچھال دیا ہو۔ وہ سر کے بل گرا تھا۔ ظاہر ہے جو حالت ہوئی ہو گی۔ گیارہواں زینہ کافی بلندی پر ہے۔ بہر حال وہ بیچارا اپنا بیان دینے کے لئے زندہ نہیں رہ سکا۔ پھر کسی کی ہمت نہیں پڑی کہ وہ اوپر جا سکتا۔ دوسرے دن البتہ پوری کوٹھی پولیس والوں سے بھر گئی تھی۔"

طاہرہ خاموش ہو گئی۔ پھر تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ "اب آپ کا تجربہ یہ ثابت کرتا ہے کہ چند نامعلوم آدمیوں ہی کی حرکت ہے۔ لیکن گیارہواں زینہ! آخر وہ گرا کیسے ہو گا۔ کیا گیارہویں زینے کے نیچے اسپرنگ پوشیدہ ہیں۔"

"قطعی نہیں۔" کمال بولا۔ "اس سلسلے میں بھی میں اپنا اطمینان کر چکا ہوں۔ اسپرنگ کا امکان نہیں ہے لیکن تم اُس روشنی کو کیوں نظر انداز کیے دے رہی ہو جو اچانک اور غیر متوقع طور پر نظر آئی تھی کیا اس کے اچانک ظاہر ہونے پر تم اچھل نہ پڑی ہو گی۔"

"مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ میں بے تحاشہ اچھل پڑی تھی۔ وہ روشنی اتنی تیز تھی کہ نیچے کئی پٹرومیکس لیمپ ایسے ہی نظر آنے لگے تھے جیسے خود اُن کے سامنے کوئی ننھا سا دیا بے وقعت ہو جائے۔"

"اچھا اب اُس آدمی کے متعلق سوچو جو زینوں پر چڑھ رہا تھا۔ وہ لاکھ دلیر سہی لیکن غیر متوقع طور پر ظاہر ہونے والی روشنی نے اُس کے پیر ضرور اکھاڑ دیئے ہوں گے۔ اور پھر ہو سکتا ہے کہ روشنی کے ساتھ ہی ساتھ اُسے اوپر کچھ اور بھی نظر آیا ہو۔ گیارہویں کیا نویں ہی زینے سے اوپر کے دریچے صاف دکھائی دینے لگتے ہیں۔ فرض کرو اُسے وہاں کوئی گوریلا ہی نظر آیا ہو۔ اس کی جگہ اگر تم ہوتیں تو تمہارا بھی یہی حشر ہوتا حالانکہ تم عام عورتوں سے بہت مختلف ہو۔"

"مکھن.... مسکا.... بٹر....!" ساجد نے برآمدے سے نعرہ لگایا۔

اور طاہرہ بے تحاشہ ہنسنے لگی۔ کمال بُرا سا منہ بنا کر رہ گیا۔

ساجد نے اُس کے بعد خاموشی اختیار کر لی۔ ماحول پھر سنجیدہ ہو گیا اور طاہرہ نے کہا۔

"مگر وہ لوگ اتنی جلدی غائب کہاں ہو جاتے ہیں۔"

"شائد تم یقین نہ کرو۔" کمال نے بجھا ہوا سگار سلگا کر کہا۔ "اس عمارت کے نیچے سرنگوں اور تہہ خانوں کا جال سا بچھا ہوا ہے۔"

طاہرہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"ہاں.... یہ میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں.... ان میں کچھ سرنگوں کی حالت بتاتی ہے کہ وہ صدہا سال پرانی ہیں اور کچھ بالکل نئی معلوم ہوتی ہیں۔ اس عمارت کا شاید ہی کوئی کمرہ ایسا ہو جس میں تہہ خانہ نہ ہو۔ رات میں نے تمہارے کمرے کی بھی سیر کی ہے۔ اُس کے فرش میں بھی ایک پوشیدہ دروازہ ہے۔"

طاہرہ اس طرح ہنسنے لگی جیسے اُسے یقین نہ آیا ہو۔

"میں جھوٹ نہیں کہہ رہا ہوں۔" کمال نے کہا۔

"اچھا آپ نے میرے کمرے میں کیا دیکھا۔"

"تم اور کورنیلیا ڈر کے مارے ایک ہی مسہری پر سوئی تھیں۔"

"اوہ.... آپ نے کسی نوکر سے سنا ہو گا۔" طاہرہ پھر ہنسنے لگی۔

"اچھا.... آج رات دیکھ لینا۔" کمال نے سنجیدگی سے کہا۔

"لیکن مقصد! آپ کہتے ہیں کہ دفینے والی داستان فضول ہے۔ آپ نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ یہ انسانوں ہی کی حرکتیں ہیں۔ پھر.... مقصد!.... آخر ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ گیارہ تاریخ.... گیارہ بجے رات.... گیارہواں زینہ.... یہ سب کیا بلا ہیں۔ ہر ماہ کی گیارہ تاریخ کو گیارہ بجے رات یہاں نہ جانے کیا ہوتا ہے۔ بارہویں کی صبح کو زینوں پر خون ملتا ہے۔ خصوصاً گیارہ ہو!

زینے پر تو ایک انچ جگہ بھی ایسی نہیں ملتی جہاں خون نہ ہو۔ گیارہویں زینے سے اوپر کے زینے بے داغ ہوتے ہیں۔ ان پر خون کا ہلکا سا دھبہ بھی نہیں نظر آتا۔ رات بھر وہ غل غپاڑہ رہتا ہے کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی۔ بھلا کس میں ہمت ہے کہ وہ اُس وقت یہاں داخل ہو سکے۔"

"میں وہ رات یہیں گذاروں گا۔" کمال نے مسکرا کر کہا۔

"آپ پتہ نہیں کس مٹی سے بنے ہیں۔" طاہرہ بولی۔

"ملتانی مٹی سے۔" ساجد نے برآمدے سے ہانک لگائی۔ "چکنے گھڑے ہیں۔"

اس بار اُن دونوں ہی نے دھیان نہیں دیا۔

"کیا تم اس مہم میں حصہ لینا چاہتی ہو۔ میں تمہیں خطرات سے دور ہی رکھوں گا۔"

"میں تیار ہوں۔" طاہرہ نے کہا۔

"یا اللہ۔" ساجد نے برآمدے میں اتنے زور سے ٹھنڈی سانس لی کہ اُسے کھانسی آنے لگی۔

طاہرہ کو پھر ہنسی آ گئی اور کمال جھلا کر اٹھا لیکن ساجد اُس کے برآمدے میں پہنچنے سے قبل ہی کھسک گیا تھا۔ کمال واپس آ گیا۔

"یہ آپ کے چھوٹے بھائی ہیں۔" طاہرہ نے پوچھا۔

"بیہودہ ہے۔" کمال نے بات اڑا دی۔ "ہاں! مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ تم کافی ذہین اور دلیر ہو۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کام بہ آسانی انجام دے سکو گی۔ مگر یہ بات ایک مخصوص مدت تک راز ہی رہے گی۔ تم اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کرو گی۔ حتیٰ کہ کورنیلیا سے بھی نہیں۔"

"آپ مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہیں۔"

"ساگر کی نگرانی۔"

"ساگر....!" طاہرہ کی آنکھوں سے حیرت جھانکنے لگی۔

"ہاں ساگر۔ آج اُس کی نقل و حرکت پر نظر رکھو۔"

طاہرہ کسی سوچ میں پڑ گئی۔

"تم سوچ رہی ہو گی کہ میں نے تم پر اتنی جلدی اعتماد کیسے کر لیا۔" کمال نے کہا۔

"اوہ.... کیا آپ جادوگر ہیں۔" طاہرہ نے حیرت سے کہا۔ "ہاں میں یہی سوچ رہی تھی اور یہ بھی سوچ رہی تھی کہ میں آپ پر اعتماد کروں یا نہ کروں۔"

"میں تمہیں کیا نقصان پہنچا سکتا ہوں؟" کمال نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کیا تمہارے ساتھ کسی قسم کی سازش کا امکان ہے۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔"

"پھر.....!"

"پھر کچھ نہیں۔ میرے لئے یہ ایک نیا تجربہ ہوگا۔ میں اس کا تعاقب ضرور کروں گی۔ آخر اُسی کے کمرے پر بھوتوں کا حملہ کیوں ہوا اور وہاں آپ کے قلم کی موجودگی کا کیا مطلب تھا۔"

"اسی لئے میں کہتا ہوں کہ تم بہت ذہین ہو۔"

طاہرہ کچھ نہیں بولی۔ کمال سر جھکائے کچھ سوچ رہا تھا۔ اُس کی پیشانی پر شکنیں اُبھری ہوئی تھیں اور طاہرہ اُسے عجیب انداز سے دیکھ رہی تھی۔

پھر کمال نے ایک نئی تجویز پیش کی۔ اُس نے اُس سے کہا وہ بھی ساگر کے ہمراہ پولیس اسٹیشن جائے اور کسی طرح کمال کا فاؤنٹین پن شناخت کرلے۔

طاہرہ اس عجیب و غریب تجویز پر الجھن میں پڑ گئی اور کمال اُسے اور زیادہ پُر اسرار معلوم ہونے لگا۔ لیکن اس نے اس کی تشفی کردی۔ اُس نے کہا کہ وہ اس طرح ساگر کا اعتماد حاصل کرسکے گی اور اگر تعاقب کے دوران میں ساگر کی نظر اس پر پڑی بھی گئی تو اُسے محض اتفاق سمجھے گا۔ اس طرح وہ شبہے سے بالاتر ہو جائے گی۔

طاہرہ مطمئن تو ہوگئی مگر ایک بے نام سی خلش اُس کے ذہن میں اب بھی باقی تھی۔ اب بھی وہ اس بات کا فیصلہ نہیں کرسکی تھی کہ کمال کو دوست سمجھے یا دشمن۔

بہرحال وہ کمال کی تجاویز کو ذہن نشین کرلینے کے بعد اپنے کمرے کی طرف روانہ ہوگئی۔ لیکن یہاں نیا شگوفہ کھلا دیکھا۔ کورنیلیا اپنے سامان کے ساتھ ایک پورٹیبل گراموفون بھی لائی تھی جس پر اس وقت موسیقی کا ایک ریکارڈ بج رہا تھا اور کورنیلیا ساجد کے ساتھ رمبا ناچ رہی تھی۔ ساجد اپنے اسی مضحکہ خیز لباس میں تھا۔ یعنی سمور کی سفید ٹوپی اور زرد رنگ کے لبادے میں۔

طاہرہ کو بڑی حیرت ہوئی۔ اس کی دانست میں ابھی تک وہ دونوں دور دور ہی رہے تھے اور حقیقت بھی یہی تھی۔

طاہرہ کو دیکھتے ہی کورنیلیا اچھل کر الگ ہٹ گئی۔ لیکن ساجد آنکھیں بند کئے ہوئے بدستور ناچتا رہا اور اس انداز میں جیسے کورنیلیا اب بھی اُس کے بازوؤں میں ہو۔ وہ ناچتا رہا..... طاہرہ بے تحاشہ ہنستی رہی۔ کورنیلیا بھی ہنس رہی تھی۔ لیکن اس کی ہنسی میں ندامت بھی شامل تھی۔

اچانک وہ آنکھیں بند کئے ہوئے طاہرہ کی طرف جھپٹا اور طاہرہ نے بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ کر اُسے دھکا دے دیا۔ وہ دیوار سے جا ٹکرایا اور اس کی آنکھیں کھل گئیں لیکن پیشانی پر

ناگواری کی شکن تک نہیں تھی۔

اُس نے بڑے پُر خلوص انداز میں کہا۔ "میرے لائق کوئی خدمت۔"

"چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔" طاہرہ سنجیدگی سے بولی۔ "کمال صاحب نہیں چاہتے کہ ہم لوگوں میں کسی قسم کا تعلق ظاہر ہو۔"

"آہم.....!" ساجد ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "پوری طرح پھنس گئی ہو۔ خیر میرا کیا جاتا ہے۔ اگر تم اپنی خوشی سے اپنے سر پر استرا نہ پھروالو تو میرا ذمہ۔ ویسے مجھے ان گھونگھریالے بالوں کے ضائع ہونے کا بڑا افسوس ہوگا۔"

"کیا مطلب.....!"

"کمال صاحب کریک ہیں۔" ساجد نے سنجیدگی سے کہا۔ "فلسفہ کے کیڑے ہیں۔ لہٰذا کھوپڑی الٹ گئی ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ اگر عورتیں سر منڈوانا شروع کردیں تو دنیا کی آبادی حیرت انگیز طور پر بڑھ سکتی ہے۔ دلیل کے طور پر وہ افریقہ کی اُن اقوام کو پیش کرتے ہیں جن کی عورتوں میں سر منڈوانے کا رواج پایا جاتا ہے۔ اُن میں سے ہر عورت عمر طبعی کو پہنچتے پہنچتے تقریباً تیس یا چالیس بچے جن ڈالتی ہے..... ہاں..... تو.....!"

"کیوں بکواس کررہے ہو۔ جاؤ۔" طاہرہ نے جھینپے ہوئے انداز میں کہا۔

"تمہاری مرضی۔" ساجد لاپروائی کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنبش دے کر بولا۔ "میں نے اپنا فرض ادا کردیا۔ یہ تو تم محسوس کررہی ہوگی کہ وہ حیرت انگیز طور پر اپنی باتیں منوا لیتے ہیں۔ تم خوشی سے اپنا سر منڈواؤ گی۔ ان کا فلسفہ اتنی مضبوطی سے تمہارے ذہن میں جڑیں پکڑے گا کہ تم مجبور ہو جاؤ گی۔ میں اب تک چالیس عدد حسین ترین لڑکیوں کا حشر دیکھ چکا ہوں۔ وہ اب بھی سر منڈواتی ہیں اور خوش ہیں..... اچھا..... ٹاٹا..... میرے باپ کا کیا جاتا ہے۔"

وہ کمرے سے چلا گیا۔ دونوں خاموشی سے ایک دوسری کی طرف دیکھتی رہیں پھر انہوں نے بیساختہ ہنسنا شروع کردیا۔

"ذرا سوچو تو۔" کورنیلیا نے کہا۔ "تمہارا سر انڈے کے چھلکے کی طرح صاف ہے اور کانوں میں آویزے جھول رہے ہیں۔ ہونٹوں پر لپ اسٹک ہے اور نشیلی آنکھیں..... ہائے۔"

"تم بتاؤ کمینی۔ یہ ذرا سی دیر میں اتنی بے تکلفی کیسی۔" طاہرہ نے اُس کے بال پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"اُرر..... چھوڑو....." کورنیلیا ایک طرف لچکتی ہوئی بولی۔ "بتاتی ہوں۔"

"چلو ساؤنڈ بکس اٹھاؤ۔" طاہرہ نے اُسے گراموفون کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

"میں کیا بتاؤں طاہرہ۔" کورنیلیا ریکارڈ سے ساؤنڈ بکس اٹھا کر ٹرن ٹیبل کو روکتی ہوئی بولی۔ "میں خود نہیں سمجھ سکتی کہ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا۔ وہ تھوڑی ہی دیر میں اس طرح بے تکلف ہو جاتا ہے جیسے برسوں پرانی ملاقات ہو۔ میں تو کم از کم یہی محسوس کرنے لگی تھی۔ صرف پندرہ منٹ میں اُس نے مجھے رقص کرنے پر آمادہ کر لیا۔ اب مجھے خود الجھن ہو رہی ہے۔"

"یہ دونوں ہی عجیب ہیں۔" طاہرہ آہستہ سے بڑبڑائی۔

"کیوں؟ کوئی خاص بات۔"

"کچھ نہیں! میں بھی ساگر کے ساتھ پولیس اسٹیشن جاؤں گی۔ مجھے یہاں ان دونوں کی موجودگی الجھن میں مبتلا کر رہی ہے۔"

"مگر تم نے تو ابھی اُس سے کہا.... تھا....!"

"وہ کچھ نہیں.... اُسے بھول جاؤ۔ وہ بھی ایک چال تھی۔ یہ دونوں نہ جانے کون ہیں مجھے خوف معلوم ہوتا ہے۔"

"ہائیں! لفظ خوف.... اور تمہاری زبان سے۔ میں کیا سن رہی ہوں۔"

"میں بھی انسان ہی ہوں۔" طاہرہ نے لاپروائی سے کہا۔

چور دروازہ

اس طرح طاہرہ نے اُسے ٹال دیا ورنہ حقیقت یہی تھی کہ اُس کی چھٹی حس ان لوگوں کی طرف سے اپنے لئے کوئی خطرہ محسوس کر رہی تھی۔

ساگر نے اُس کے اس خیال کو بہت سراہا کہ وہ بھی اُس کے ساتھ پولیس اسٹیشن جا کر اپنی طرف سے بھی ایک رپورٹ درج کرائے گی۔ طاہرہ اُس کے تباہ حال کمرے میں کمال کا فاؤنٹین پن دوبارہ ڈال کر مطمئن ہو گئی تھی۔

اسکیم کے مطابق اُس نے ساگر کے ساتھ ہی اپنی رپورٹ بھی درج کرائی اور موجودہ گڑبڑ کے سلسلے میں کمال اور ساجد پر شبہہ ظاہر کیا پھر جب پولیس موقع واردات کا جائزہ لینے کے لئے کوٹھی میں آئی تو طاہرہ نے کمال کا فاؤنٹین پن شناخت کر لیا لیکن اُسے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ سب

انسپکٹر نے اس سلسلے میں کمال سے کیا گفتگو کی۔ بہر حال جب سب انسپکٹر کمال کے کمرے سے نکل کر جانے لگا تو طاہرہ اور ساگر مغربی رخ والے برآمدے سے زیادہ دور نہیں تھے۔ طاہرہ نے کمال کو دیکھا جو برآمدے میں کھڑا غرا رہا تھا۔ سب انسپکٹر برآمدے کے نیچے اُتر آیا تھا۔

کمال اُس سے کہہ رہا تھا۔ "آپ کیا سمجھتے ہیں جناب۔ جائیے نصیر آباد کے ڈی۔ایس۔پی مسٹر کمار سے پوچھ لیجئے کہ میں کون ہوں۔ انہیں کی سفارش پر میں نے یہ حصہ کرائے پر حاصل کیا ہے.... اور میں کوئی گیا گذرا آدمی نہیں ہوں کہ آپ لوگ آکر مجھ پر دھونس جمائیں۔ میں جلال آباد یونیورسٹی کے شعبہ روحانیات کا صدر ہوں میرے خلاف کوئی کاروائی کرنے سے پہلے اپنے ڈی۔ایس۔پی سے ضرور مشورہ لیجئے گا سمجھے۔"

اتنا کہہ کر وہ تیر کی طرح اندر چلا گیا اور دوسرے ہی لمحے میں دروازہ بھی ایک زوردار آواز کے ساتھ بند ہو گیا۔

سب انسپکٹر کے چہرے پر جھلاہٹ اور شرمندگی کے ملے جلے آثار تھے وہ سیدھا طاہرہ اور ساگر کی طرف چلا آیا۔

"آپ لوگ فکر مت کیجئے۔" اُس نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "میں ان حضرت کو دیکھ لوں گا۔ ڈی۔ایس۔پی صاحب کے باپ بھی جھک ماریں گے۔ ساگر صاحب! اب آپ ایک رپورٹ اور درج کرا دیجئے کہ اُس نے پولیس کی کاروائی کے بعد آپکو جان سے مار دینے کی دھمکی دی تھی۔"

"آہا....!" ساگر نے انتہائی خلوص سے کہا۔ "آپ کا جو دل چاہے لکھ لیجئے۔ دستخط میں کر دوں گا۔"

"اچھا تو آپ آدھے گھنٹے بعد یہاں سے روانہ ہو جائیے گا۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ پھر طاہرہ سے بولا۔ "اور آپ بطور گواہ اپنا ایک بیان دیجئے گا۔ یہی کہ دھمکی آپکی موجودگی میں دی گئی تھی۔"

"آں.... ہاں.... ضرور....!" طاہرہ نے بے دلی سے کہا۔ لیکن وہ سوچ رہی تھی کہ حقیقتاً اُسے کیا کرنا چاہئے کہیں یہ چیز کمال کے خلاف نہ ہو۔

سب انسپکٹر کے چلے جانے کے بعد اُس نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح کمال تک پہنچ سکے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ اب اُسے ساگر کی شخصیت بھی بڑی پُراسرار معلوم ہونے لگی تھی۔ اُس نے محسوس کیا تھا کہ ساگر ان دونوں سے کچھ اسی قسم کی پرخاش رکھتا تھا جیسے عمارت کے بھوت وہی ہوں۔ آدھے گھنٹے کے بعد اُسے پھر ساگر کے ساتھ پولیس اسٹیشن جانا پڑا۔ سب انسپکٹر نے پہلے ہی سے رپورٹ تیار کر رکھی تھی۔ انہیں صرف اسی پر دستخط بنانے پڑے۔

"کم از کم تین آدمی اور مل جائیں تو بہتر ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"کیسے تین آدمی....!" ساگر نے پوچھا۔

"ایسے جو اس دھمکی کے سلسلے میں شہادت دے سکیں۔"

ساگر چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "میں مہیا کرلوں گا۔"

"جتنی جلدی ہو سکے اتنا ہی اچھا ہے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

پولیس اسٹیشن سے باہر آکر ساگر نے طاہرہ سے استدعا کی کہ وہ کچھ دیر تک اور اُس کے ساتھ رہے کیونکہ وہ اب تک اسی کی کار استعمال کرتا رہا تھا۔ طاہرہ نے سوچا شاید وہ اُن تینوں آدمیوں کی فکر میں ہے جن کی فراہمی کے لئے اُسے سب انسپکٹر سے ہدایت ملی ہے۔

طاہرہ نے بڑی خوشی سے اُس کے لئے ڈرائیو کرنا منظور کرلیا۔

تقریباً ڈھائی گھنٹے میں وہ ایسے تین آدمی مہیا کر سکا۔ اس کے لئے طاہرہ کو متعدد ہوٹلوں، کلبوں اور عمارتوں کے سامنے کار روکنی پڑی تھی۔

بہر حال سارا دن گذر گیا اور طاہرہ کمال کی ہدایت کے مطابق چھپ کر ساگر کا تعاقب نہ کر سکی۔

پھر رات ہو گئی۔ وہ کمال تک پہنچنے کے لئے بُری طرح بے تاب تھی اور اس بات کی منتظر تھی کہ کسی طرح کورنیلیا سو جائے۔ ساگر کی طرف سے تو وہ مطمئن تھی کہ وہ اُسے کمال سے ملتے نہ دیکھ سکے گا کیونکہ وہ یہاں تھا ہی نہیں۔ سر شام ہی وہ یہ کہہ کر چلا گیا تھا کہ جب تک حالات درست نہ ہو جائیں گے وہ اپنے ایک عزیز کے ساتھ قیام کرے گا۔

تقریباً گیارہ بجے کورنیلیا سوئی۔ طاہرہ نے پھر سیاہ پتلون اور سیاہ جیکٹ پہنی۔ باہر پھیلی ہوئی تاریکی نے اُسے اپنے سینے میں چھپالیا۔

اُس کا دل دھڑک رہا تھا اور وہ اس ملاقات کے علاوہ اور کسی چیز کے متعلق نہیں سوچ رہی تھی حتیٰ کہ ملاقات کا مقصد بھی اُس کے ذہن میں نہیں تھا۔ وہ اندھیرے میں آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ اس عمارت سے متعلق ڈراؤنی باتیں بھی اُسے یاد نہیں آئیں۔

برآمدے میں پہنچ کر اُس نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ لیکن اندر سے جواب نہیں ملا۔ کمرے میں بھی تاریکی تھی۔ اُس نے دروازے پر ہاتھ پھیرا۔ وہ باہر سے مقفل نہیں تھا۔ دوسرے دروازوں پر جاکر بھی اُس نے اطمینان کرلیا کہ وہ دونوں اندر ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ کوئی بھی دروازہ مقفل نہیں تھا۔

اُس نے ایک ایک کر کے سارے دروازوں پر دستک دی لیکن اندر بدستور سناٹا رہا۔ اپنے

کمروں سے یہاں تک آنے میں ذرہ برابر بھی خوف نہیں محسوس ہوا تھا۔ لیکن اب اُس کے پیر کانپنے لگے اور پھر اُسے احساس ہوا کہ وہ خواہ مخواہ ایک حماقت میں مبتلا ہو گئی ہے۔

وہ بڑی تیزی سے برآمدے سے اتری اور بے تحاشہ اپنے کمروں کی طرف دوڑنے لگی پیروں میں کرپ سول جاتے تھے ورنہ چوکیدار کو یقیناً اپنی طرف متوجہ کرلیتی جو کہیں تھوڑے ہی فاصلے پر "سوتے جاگتے رہو" کی ہانک لگا رہا تھا۔ وہ اس وقت کچھ عجیب سی کیفیت محسوس کر رہی تھی۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر اُس نے ہانپتے ہوئے سوچا کہ خوف کے احساس میں ایک مخصوص قسم کی بو بھی شامل ہوتی ہے۔ پھر وہ اُس بو کے متعلق سوچنے لگی جو اس وقت اُس کے ذہن پر چھائی ہوئی تھی۔ اس طرح وقتی طور پر خوف کا احساس زائل ہو گیا اور پھر وہ اُس بو کے راز کو بھی پا گئی۔ وہ تو شبنم میں بھیگی ہوئی گھاس کی بو تھی جو اُس کے کپڑوں میں بسی ہوئی نفتھلین کی بُو سے ہم آہنگ ہو کر ذہن پر ایک عجیب سا اثر ڈال رہی تھی۔

اُس نے جیکٹ اور پتلون اُتار کر سونے کا لباس پہنا اور آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر اپنے ستے ہوئے زرد چہرے کو گھورنے لگی اُسے اپنے عورت پن پر بڑی کوفت محسوس ہو رہی تھی۔ ان دنوں سے پہلے کبھی اُس کے وہم میں بھی یہ بات نہ رہی ہو گی کہ وہ کسی موقعے پر خائف بھی ہو سکتی ہے۔

اُس نے ایک طویل سانس لی۔ لیکن درمیان ہی سے اُس کا سلسلہ منقطع ہو گیا کیونکہ اُس نے اپنے قریب ہی ایک عجیب طرح کی کھڑکھڑاہٹ سنی تھی.... وہ اچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔ سنگار میز کی داہنی طرف دیوار میں ایک بڑی سی خلاء نظر آئی۔ طاہرہ نے پھر بے تحاشہ ایک چھلانگ لگائی اور دروازے کے قریب پہنچ گئی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُس نے ایک ہلکا سا قہقہہ سنا اور دیوار کی خلاء میں دو چہرے دکھائی دیئے۔ جانے پہچانے چہرے۔

دیکھتے ہی دیکھتے کمال اور ساجد کمرے میں آگئے۔

"تم نے دیکھا۔" کمال آہستہ سے بولا۔

"دیکھا....!" طاہرہ نے اپنے ہونٹ بھینچ لئے۔ وہ دل کی دھڑکنوں پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ "لیکن اس طرح" اُس نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "میں نہیں سمجھ سکتی کہ یہ کہاں تک درست ہے۔"

"مجھے افسوس ہے محترمہ طاہرہ۔" کمال بولا۔ "ہم یہ رات اسی کمرے میں گذاریں گے۔ پھر یہ دیکھئے کہ ہم سچ مچ بھوت تو ہیں نہیں کہ ہماری زندگیاں ہر حال میں محفوظ ہوں.... ذرا ٹھہریئے۔"

کمال خلاء کی طرف واپس گیا۔ طاہرہ صرف اتنا ہی دیکھ سکی کہ اُس نے ایک بار خلاء میں ہاتھ ڈال کر اُسے بڑی سرعت سے باہر نکال لیا اور پھر اُسی قسم کی گھڑ گھڑاہٹ کمرے میں گونج کر رہ گئی جیسی پہلے سنائی دی تھی.... دیوار برابر ہو چکی تھی۔ کمال اُس کی طرف لوٹ آیا۔

"اس وقت وہ ہماری تاک میں ہوں گے۔" کمال نے کہا۔ "ہمارے کمروں پر یقیناً ایک منظم حملہ کیا جائے گا جس کے اثرات تم کل صبح بھی دیکھ سکو گی۔"

طاہرہ کچھ نہ بولی۔ وہ خاموشی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اُن کے لباس اچھی حالت میں نہیں تھے۔ اُن پر کافی گرد تھی اور جا بجا مکڑیوں کے جالے لپٹے نظر آ رہے تھے۔

طاہرہ نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "بیٹھ جایئے! میں ابھی آپ کے کمروں کی طرف گئی تھی۔"

"واقعی تم بہت باہمت ہو۔" کمال نے اُسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

لیکن طاہرہ اپنی بدحواسی یاد کر کے دل ہی دل میں شرمندہ ہو رہی تھی۔

"میں یہ بتانے گئی تھی کہ....!"

"آہا.... مجھے معلوم ہے کہ وہ شام تک آپ کو ساتھ لئے پھرتا رہا ہے۔"

"آپ کیا جانیں۔"

"دن کی بات ہے۔ کوئی ایسا واقعہ نہیں تھا جو چھپ سکتا۔"

"خیر بہر حال! مجھے تعاقب کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔"

"حالانکہ آپ اُس کا تعاقب ہی کرتی رہی تھیں۔ اگر آپ اُن مقامات کی تفصیل دے سکیں جہاں جہاں وہ گیا تھا تو اس سے مقصد حل ہو جائے گا۔"

"اوہ.... وہ تو میں بتا سکتی ہوں۔" طاہرہ نے کہا اور بیان کر چلی۔

"ذرا ٹھہریئے۔ اگر میں نوٹ کرتا چلوں تو زیادہ بہتر ہو گا مگر اس وقت نہ میرے پاس کاغذ ہے اور نہ قلم۔"

طاہرہ نے سنگار کی دراز سے پنسل اور پیڈ نکال کر اُس کی طرف بڑھا دیا۔

"شکریہ....!"

طاہرہ نے ایک بار پھر تفصیل دہرائی اور وہ نوٹ لیتا گیا۔

"بس ٹھیک۔" اُس نے پنسل میز پر ڈال کر ایک انگڑائی لی اور جیب سے سگار نکال کر اُس کا کونا توڑنے لگا۔

"آپ نے سب انسپکٹر سے سخت کلامی کر کے اچھا نہیں کیا۔" طاہرہ نے تشویش آمیز لہجے

ں کہا۔ "وہ انتقامی جذبہ کے تحت کوئی نہ کوئی کارروائی ضرور کرے گا۔"

"اس کی پروانہ نہ کرو۔ لیکن میں ایک بار پھر تمہیں سمجھاؤں گا کہ اس طرح تنہا باہر نہ نکلا ر۔ اس وقت تم نے ایک بہت بڑی حماقت کی تھی۔"

"آئندہ احتیاط برتوں گی۔ مگر وہ چاہتے کیا ہیں۔ انہوں نے عمارت پر کیوں قبضہ کر رکھا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تقریباً سو سال سے عمارت اُن کے قبضے میں ہے۔"

"تمہارا خیال درست ہے اور قبضے کا مقصد غالباً آج بھی وہی ہے جو سو سال پہلے تھا۔"

"کیا مقصد ہو سکتا ہے۔"

"بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔ اب تم سو جاؤ۔ ہم دونوں اسی کمرے میں رہیں گے۔ لیکن اس رے کا دروازہ کھلا رہنے دینا۔ شائد دوسرے ہی کمرے میں کورنیلیا سو رہی ہے.... اوہ.... کوئی ط بات مت سوچو۔ یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ اُس کمرے میں بھی ایک چور دروازہ موجود ہے۔"

ہڈیوں کے ڈھانچے

خواب گاہ میں آ کر کافی دیر تک طاہرہ ٹہلتی رہی۔ کورنیلیا بے خبر سو رہی تھی۔ دوسرے رے میں کمال اور ساجد تھے لیکن ساجد اس وقت بہت سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ اُس نے ایک بار بھی اہرہ کو چھیڑنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ دونوں کمروں کے درمیان صرف ایک دروازہ حائل تھا ر کمال کی ہدایت کے مطابق اُسے کھلا ہی رہنے دیا گیا تھا۔ مسہری دروازے کے سامنے ہی تھی۔ اہرہ سوچ رہی تھی کہ ایسی حالت میں مسہری پر لیٹنا اُس کے لئے قریب قریب ناممکن ہی ہو گا۔ ر کے دباؤ سے پپوٹے بوجھل ہوئے جا رہے تھے۔ تقریباً ایک گھنٹہ گذر گیا۔ طاہرہ ایک آرام ی میں پڑی ہوئی نیند سے لڑتی رہی۔ دوسرے کمرے میں بھی ایک مسہری تھی جس پر ساجد اٹے لے رہا تھا۔ یہ دراصل کورنیلیا کا کمرہ تھا لیکن پچھلی رات سے وہ دونوں ایک ہی کمرے میں رہی تھیں۔

کمال کی عجیب کیفیت تھی لیکن طاہرہ کو اُس میں ذرہ برابر بھی تصنع نظر نہ آیا۔ وہ کبھی ٹہلنے لگ کبھی بیٹھ کر سگار کا دھواں بکھیرتا۔ کبھی پنسل سے کچھ لکھنے لگتا۔ اُس نے ایک بار بھی طاہرہ کے کمرے کی طرف نہیں دیکھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ خود کو تنہا محسوس کر رہا ہو۔ جیسے ساجد

کے خراٹوں کی آوازیں بھی اس کے کانوں تک نہ پہنچ رہی ہوں۔ اکثر وہ پلکیں جھپکائے بغیر کافی دیر تک کمرے کی کسی نہ کسی چیز کو گھورتا رہتا۔

طاہرہ کا ذہن غنودگی سے ہم آغوش ہونے کے باوجود بھی اُس میں کافی دلچسپی لے رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک نامعلوم توجیہہ کی بناء پر مطمئن ہو گئی۔ ساجد اور کمال اُسے اپنے ہی خاندان کے افراد معلوم ہونے لگے۔ ہو سکتا ہے کہ نیند سے بوکھلائے ہوئے ذہن نے اُسے فریب دیا ہو۔ بہر حال وہ آرام کرسی ہی پر سو گئی۔

پھر دوسری صبح وہ خود سے نہیں جاگی۔ کورنیلیا نے اُسے جگایا اور ساتھ ہی وہ اُس پر برس بھی پڑی۔

"کیوں تم آرام کرسی پر کیوں سوئی تھیں۔ کہہ دیا ہوتا کہ میں تمہارے ساتھ نہیں سو سکتی۔"

"اوہ.... وہ.... بات یہ ہوئی...." طاہرہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ اُس نے سوچا کہ کمال وغیرہ کورنیلیا کے بیدار ہونے سے قبل ہی وہاں سے چلے گئے ہوں گے۔ ورنہ وہ آرام کرسی پر سونے کے سلسلے میں شکوہ کیوں کرتی۔

"بس یونہی بیٹھے بیٹھے سو گئی تھی۔ ارادتاً ایسا نہیں ہوا تھا۔" اُس نے کہا۔

پھر وہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں آئی۔ طاہرہ بہت ذہین تھی اُس نے سوچا کہ کمرے میں اِدھر اُدھر سگار کی راکھ ضرور موجود ہو گی۔ لہٰذا اُسے صاف کر دینا چاہئے۔ ورنہ کورنیلیا خواہ مخواہ بات کا بتنگڑ بنا دے گی... مگر اُسے کہیں بھی سگار کی راکھ نہ ملی۔ سگار کی راکھ ہی پر منحصر نہیں کمرے میں کہیں بھی کسی دوسرے کی موجودگی کے نشانات نہ ملے۔ ساجد مسہری ہی پر سویا تھا۔ لیکن اُس وقت بستر پر ایک شکن بھی نہیں تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ساری رات خالی پڑا رہا ہو۔

طاہرہ نے اس سلسلے میں سکوت اختیار کر لیا۔

وہ سارا دن اُن دونوں کمروں میں چور دروازے تلاش کرتی رہی لیکن اُسے اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ اُس کمرے میں بھی جہاں اُسے پچھلی رات ایک دیوار میں خلاء نظر آئی تھی۔ اس وقت اُس کا نشان بھی نہ مل سکا۔

ساجد اور کمال سے دن بھر ملاقات نہ ہوئی البتہ سر شام سگار آیا اور اُس نے بتایا کہ پولیس اسٹیشن میں پھر طلبی ہوئی ہے۔ لیکن گواہوں سمیت۔ لہٰذا اُسے اُن تینوں آدمیوں کو پھر تلاش کرنا پڑے گا جن کی شہادتیں درج کرائی گئی تھیں۔

اس مہم کے لئے طاہرہ نے خود سے اپنی خدمات پیش کیں۔

"میں آپ کو بہت تکلیف دے رہا ہوں۔" سگار نے شرمندگی ظاہر کی۔ "لیکن آپ کے

پاس کار ہے۔ وقت کم صرف ہوتا ہے۔"

"اسکی پرواہ نہ کیجئے۔" طاہرہ نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔ "اسمیں میرا مفاد بھی شامل ہے۔"

سب سے پہلے وہ ایک ریستوران میں آئے۔ سگار نے اُس کے منیجر سے کسی آدمی کے متعلق پوچھ گچھ کی اور پھر مایوسانہ انداز میں سر ہلاتا ہوا باہر نکل آیا۔

"بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔" اُس نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ "راجن کو اس وقت یہاں ہر حال میں موجود رہنا تھا۔ دیکھئے اب اختر اور مائیکل بھی ملتے ہیں یا نہیں۔ اس وقت تھانے میں اُن کی حاضری ضروری ہے۔"

"چلئے دیکھتے ہیں۔ ممکن ہے راجن صاحب تھوڑی دیر بعد یہاں آئیں۔" طاہرہ بولی۔ "آپ نے منیجر سے تو کہہ ہی دیا ہو گا۔"

"جی ہاں.... دیکھئے۔"

کار پھر آگے بڑھ گئی۔ سورج دور کی پہاڑیوں میں غروب ہو رہا تھا اور سرسبز چٹانوں پر کئی طرح کے رنگ لہریں لے رہے تھے۔ سریم بالا کی آبادی بکھری ہوئی ہے اور کسی جگہ بھی آدمی کو اس کا احساس نہیں ہونے پاتا کہ وہ کسی شہری آبادی میں ہے۔ ہری بھری پہاڑیوں کے درمیان سفید اور بھوری عمارتیں چاروں طرف پھیلی ہوئی نظر آتی ہیں۔ طاہرہ کار ڈرائیو کرتے وقت سوچ رہی تھی کہ آج بھی وہ کمال کے لئے خاصی معلومات فراہم کر سکے گی۔ مگر سگار کا ان معاملات سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ وہ پچھلے دو دنوں کے علاوہ ہمیشہ اُسے سیدھا سادہ بے ضرر انسان معلوم ہوا تھا۔ وہ سریم بالا کے لینڈ کسٹم کا انسپکٹر تھا اور طاہرہ کی کوٹھی کے ایک حصے کا مستقل کرایہ دار۔ اُس کے خاندان کے دوسرے افراد نصیر آباد میں کہیں رہتے تھے اور وہ ملازمت کے سلسلے میں سریم بالا میں مقیم تھا۔

کار اونچی نیچی اور چکر دار سڑکوں پر دوڑتی رہی۔

"سگار صاحب۔" طاہرہ نے اُسے مخاطب کیا۔ "کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ موجودہ گڑبڑ میں انہیں دونوں کا ہاتھ ہے۔"

"ہو یا نہ ہو۔" سگار بولا۔ "لیکن موجودہ خلفشار کا باعث یہی دونوں ہیں۔ ان کی آمد سے قبل سکون تھا۔ یوں تو ہر ماہ کی گیارہ کی رات کو وہاں شیطانی ہنگامہ برپا ہوتا ہے لیکن دوسرے لوگوں پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔"

"اچھا آپ کے کمرے کی تباہی کا ذمہ دار کون ہو سکتا ہے۔" طاہرہ نے پوچھا۔ "ویسے اس کا

فاؤنٹین پن وہاں ملا ہے.... لیکن....!"

"میں یہ کبھی بھی نہیں سوچ سکتا کہ اسکے ذمہ دار وہ دونوں ہیں۔ بھلا وہ میرے کمروں میں داخل کیسے ہو سکتے ہیں اور پھر وہ کمرہ مقفل تھا۔ میں ہمیشہ کچی نیند سوتا ہوں۔ لیکن یقین کیجئے اُس رات ایک سیکنڈ کیلئے بھی میری آنکھ نہیں کھلی اور سارا سامان چوری ہو گیا۔ کیا یہ کسی آدمی کا کام ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اتنا فرنیچر توڑنے میں اتنا شور ہوتا کہ مردے بھی قبروں سے نکل پڑے۔"

"پھر وہاں.... اُس کے فاؤنٹین پن کا پایا جانا....؟" طاہرہ نے سوال کیا۔

"بدروحوں کی حرکت۔ وہ اسی طرح وہاں سے انہیں ہٹانا چاہتی ہیں۔ اب دیکھئے نا کہ میں نے سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی ان دونوں کے خلاف رپورٹ درج کرا دی ہے۔"

"مجھے تو وہ دونوں بھی بھوت ہی معلوم دیتے ہیں۔" طاہرہ نے کہا۔ "یقیناً وہ ساری رات سو نہ سکتے ہوں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ اُن کے دماغوں میں فتور ہے۔ وہ اُس روایتی دفینے ہی کے چکر میں ہیں۔ میں لعنت بھیجتا ہوں ایسے دفینے پر جس کے حصول کے لئے زندگی کو خطرے میں ڈالنا پڑے۔ ویسے یہ روایت بھی مجھے بکواس ہی معلوم ہوتی ہے.... آپ کا کیا خیال ہے؟"

"ہم سب بھی اسے بکواس ہی سمجھتے رہے ہیں۔" طاہرہ بولی۔ "ورنہ اب تک کوٹھی کا ایک ایک حصہ کھود ڈالا جاتا۔"

"مگر یہ دونوں ہیں کون۔" ساگر نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ "اُس نے کل سب انسپکٹر سے کہا تھا کہ وہ جلال آباد یونیورسٹی کے شعبہ روحانیات کا صدر ہے۔ لیکن جلال آباد یونیورسٹی میں روحانیات کا شعبہ ہی نہیں ہے۔"

"روحانیات کا شعبہ ہی نہیں ہے۔" طاہرہ نے حیرت سے دہرایا۔

"جی ہاں نہیں ہے۔ میں تحقیق کر چکا ہوں۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔" طاہرہ نے کہا۔ "اب تو مجھے اس میں بھی شبہ ہے کہ ڈی۔ ایس۔ پی نصیر آباد نے اُن کی سفارش کی ہو گی۔"

"مجھے بھی یقین نہیں ہے۔" ساگر بولا۔ "یہاں کے انچارج نے اُس کے متعلق معلوم کرنا چاہا تھا لیکن ڈی۔ ایس۔ پی صاحب مل نہیں سکے۔ وہ آج کل دورے پر ہیں۔"

"بس پھر کیا ہے۔" طاہرہ نے خوش ہو کر کہا۔ "سب انسپکٹر انہیں پھانس لے گا۔"

"لیکن یہ بات آپ کو کس سے معلوم ہوئی تھی کہ ڈی۔ ایس۔ پی نے انکی سفارش کی تھی۔"

"چچا جان سے.... نواب عابد صاحب سے۔"

"نہیں محترمہ طاہرہ.... کوئی بات ضرور ہے۔" ساگر سر ہلا کر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ خود نواب صاحب بھی اب دفینے کے چکر میں پڑ گئے ہیں اور ان دونوں آدمیوں کی مدد سے اُسے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے یہی بات ہو۔" طاہرہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ لیکن چچا جان نے اس کا اظہار نہیں کیا۔

جواب میں ساگر نے کچھ نہیں کہا.... کار چلتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے اُسے ایک عمارت کے سامنے رکوایا اور طاہرہ کو منتظر رہنے کا اشارہ کرتا ہوا اندر چلا گیا۔

اب اچھی طرح اندھیرا پھیل گیا تھا۔ طاہرہ نے محسوس کیا کہ اُس نے اتنی دیر میں پورے سریم بالا کا چکر لگا ڈالا ہے۔ تھوڑی دیر بعد ساگر نے واپس آ کر کہا۔

"وہ دونوں تو مل گئے اختر اور مائیکل.... ہو سکتا ہے راجن اب پولیس اسٹیشن پہنچ گیا ہو۔" پھر اُس نے دوسری طرف مڑ کر کہا۔ "تم دونوں پیچھے بیٹھ جاؤ۔"

پچھلی نشست کا دروازہ کھلا اور دو آدمی اندر بیٹھ گئے۔ ساگر طاہرہ کے برابر جا بیٹھا۔

"اب ہمیں سیدھے پولیس اسٹیشن ہی چلنا چاہئے۔" ساگر بولا۔

کار پھر چل پڑی۔ تھوڑی دیر تک چلتی رہی۔ پھر ساگر نے کہا۔

"اوہ ٹھیک یاد آیا۔ میں بھی کتنا احمق ہوں۔ کہیں راجن ہیری کاٹیج میں نہ ہو۔ ذرا کار دائیں طرف موڑ لیجئے۔ یہاں بھی دیکھ لوں۔"

"راستہ ٹھیک نہیں۔" طاہرہ بولی۔

"تو پھر یہیں روک لیجئے۔ آپکو تکلیف تو ہو گی۔ بہت دیر ہو گئی۔ ایک فرلانگ چلنا پڑے گا۔"

طاہرہ نے سنسان سڑک پر کار روک دی۔ لیکن انجن نہیں بند کیا۔ ہیڈ لائیٹس اور اندر کی لائٹ بدستور جلتی رہیں اختر اور مائیکل یا جو کچھ بھی اُن کے نام رہے ہوں پچھلی نشست ہی پر موجود تھے۔ راجن کی تلاش میں ساگر تنہا گیا تھا۔

طاہرہ اب بور ہونے لگی تھی اور سوچ رہی تھی کہ یہ قصہ بھی جلد ہی ختم ہو جائے تو اچھا ہے۔ اُس نے دونوں کہنیاں اوپر اٹھا کر ایک انگڑائی لی لیکن ہاتھوں کے گرانے کی نوبت نہیں آئی کیونکہ وہ پیچھے سے پکڑ لئے گئے تھے۔ قبل اس کے کہ طاہرہ سنبھلتی ایک ہاتھ اُس کے منہ پر پڑا اور وہیں جم کر رہ گیا۔

پھر انجن بند ہوتے ہی روشنی بھی گل ہو گئی۔ طاہرہ کو پچھلی نشست پر کھینچ لیا گیا تھا۔ گرفت اتنی مضبوط تھی کہ جنبش کرنا بھی محال تھا۔

کسی کا ہاتھ بدستور اُس کے منہ پر جما رہا۔ اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ پھر اُسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کا گلا بھی گھونٹا جا رہا ہو۔ ذرا سی دیر میں اُس کا ذہن گہری تاریکی میں ڈوب گیا۔

لیکن دوبارہ ہوش آنے میں بھی دیر نہیں لگی۔ کار ابھی تک چل رہی تھی اور اُس کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ منہ میں حلق تک کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا اور وہ سانس لینے میں دشواری محسوس کر رہی تھی۔

اندر کی روشنی بجھی ہوئی تھی۔

بندشیں کچھ اس قسم کی تھیں کہ وہ حرکت بھی نہیں کر سکتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد کار رک گئی اور اُسے کار سے نکال کر نیچے زمین پر ڈال دیا گیا۔ طاہرہ کی سمجھ میں نہیں آ سکا کہ وہ کس مقام پر ہے۔ کیونکہ چاروں طرف گہرا اندھیرا تھا۔

پھر دو آدمیوں نے اُسے اٹھایا اور ایک طرف چلنے لگے۔ طاہرہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ رہی تھی اور اُس کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا اور اب اُسے سچ مچ خوف محسوس ہونے لگا تھا۔ اُسے کمال اور ساجد یاد آئے لیکن وہ سوچنے لگی کہ ممکن ہے کہ وہ اب تک اُسے دھوکا دیتے رہے ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ ساگر اور وہ ایک ہی پارٹی سے تعلق رکھتے ہوں۔ کچھ دیر بعد طاہرہ نے محسوس کیا جیسے وہ لوگ زینوں سے نیچے اُتر رہے ہوں۔

دوسرے ہی لمحے میں کسی نے ٹارچ روشن کی اور وہ ساگر کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ وہ اُس کے آگے چل رہا تھا۔ طاہرہ عجیب قسم کی بدبو محسوس کر رہی تھی۔ سیلن کی بو اور بساندھ۔ یقیناً یہ کوئی تہہ خانہ ہی تھا۔

"اب یہ اپنے پیروں سے چلے گی۔" ساگر نے رک کر اُس پر ٹارچ کی روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔

طاہرہ کو فرش پر ڈال دیا گیا۔ پھر اُس کے ہاتھ پیر رسیوں کی بندش سے آزاد ہو گئے۔ منہ سے کپڑا بھی نکال دیا گیا۔

"تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو۔" طاہرہ نے خوفزدہ آواز میں کہا۔

"ابھی معلوم ہو جائے گا۔" ساگر نے نرم آواز میں کہا۔ "تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ مطمئن رہو۔"

وہ پھر چل پڑے۔ یہ کوئی سرنگ تھی جو تقریباً چھ فٹ چوڑی اور آٹھ فٹ اونچی رہی ہو گی۔

بدبو کی وجہ سے طاہرہ کا دم گھٹ رہا تھا۔

ساگر ایک ایسے دروازے کے سامنے رک گیا جس میں بڑا سا قفل پڑا ہوا تھا اور سرنگ یہاں ختم ہونے کے بجائے دو شاخوں میں تقسیم ہو کر مخالف سمتوں میں مڑ گئی تھی۔ ساگر نے قفل کھول کر دروازے کو دھکا دیا اور ٹارچ کی روشنی میں اندر جو کچھ بھی طاہرہ کو نظر آیا اُس کی ایک جھلک ہی رگوں میں خون منجمد کر دینے کے لئے کافی تھی۔ بے شمار ہڈیوں کے ڈھانچے۔ طاہرہ کے پیچھے کھڑے ہوئے آدمیوں نے اُسے اندر دھکیل دیا۔ طاہرہ کی چیخ تہہ خانے میں گونج کر رہ گئی۔

وہ اُن ڈھانچوں پر جا گری تھی۔ گرنے کے بعد بھی اُس کے منہ سے پے در پے کئی چیخیں نکل گئیں۔

ساگر نے ایک طرف رکھا ہوا مٹی کے تیل کا لیمپ روشن کر دیا۔ طاہرہ بے تحاشہ اٹھ کر دیوار سے جا لگی اور ساگر ہنسنے لگا۔

"ڈرو نہیں۔" اُس نے نرم لہجے میں کہا۔ "اگر تم میرے سوالات کے صحیح جوابات دو گی تو تمہارا یہ حشر نہیں ہو گا۔"

طاہرہ کچھ نہیں بولی۔ کوئی چیز اُس کے حلق میں پھنس کر بولنے سے روک رہی تھی۔

ساگر اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اختر اور مائیکل دروازے کے دونوں طرف خاموش کھڑے تھے۔

"وہ دونوں کون ہیں اور کہاں ہیں؟" ساگر نے پوچھا۔

"مم.... میں....!" طاہرہ ہکلا کر رہ گئی۔

"ڈرو نہیں....!"

"میں نہیں جانتی کہ وہ کون ہیں۔"

"لیکن تم اُن سے برابر ملتی رہی ہو۔"

طاہرہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"پھر....!"

"میں نہیں جانتی کہ وہ کون ہیں۔ میں یہی معلوم کرنا چاہتی تھی کہ وہ کون ہیں۔"

"تم وہ قلم میرے کمرے سے اٹھا لے گئی تھیں.... اور پھر اُسے وہیں ڈال گئی تھیں۔ کیا اُسی نے ایسا کرنے کے لئے کہا تھا۔"

"اُسی نے کہا تھا۔"

"اور اُسی کے مشورے پر تم نے بھی رپورٹ درج کرائی تھی۔"

طاہرہ نے پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اور تم انہیں نہیں جانتیں۔"

"نہیں....!"

"بکواس ہے.... میں کبھی یقین نہیں کر سکتا۔" ساگر کا لہجہ سخت ہو گیا۔

اور طاہرہ صرف تھوک نگل کر رہ گئی۔

"وہ کہاں ہیں؟" ساگر نے خونخوار آنکھوں سے گھور کر پوچھا۔

"وہیں ہوں گے وہیں.... اور میں کیا جانوں۔"

"نہیں! وہ کل رات سے وہاں نہیں ہیں۔"

"پھر میں کیا بتا سکتی ہوں۔ آپ یقین کیجئے۔ میں ان کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتی۔"

"تم جھوٹی ہو۔" ساگر نے گرج کر کہا۔

طاہرہ کا دل ڈوبنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح اس مصیبت سے پیچھا چھڑائے۔ وہ اپنی حالت سنبھالے رکھنے کیلئے انتہائی جدوجہد کر رہی تھی۔ وہ حقیقتاً کمال اور ساجد کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتی تھی اُسے بتاتی کیا۔ بہر حال وہ انہیں دونوں کی بدولت اس نامعلوم وبال میں پھنسی تھی اور اب وہ اپنے ایڈونچر کے شوق کو دل ہی دل میں سلواتیں سنا رہی تھی۔

"یوں نہیں جناب۔" دروازے کے قریب کھڑے ہوئے آدمیوں میں سے ایک نے کہا۔

"صرف ایک چھٹانک خون.... عقل ٹھکانے آ جائے گی۔"

"مجبوراً کوئی نہ کوئی اذیت دینی ہی پڑیگی۔" ساگر طاہرہ کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے بولا۔

"میں کچھ نہیں جانتی ساگر صاحب۔" طاہرہ گڑگڑائی۔

"نہ جانتی ہو گی۔" ساگر نے لاپروائی سے کہا۔ "خیر اب اپنی معلومات میں اضافہ کرو۔ دنیا کے بہتیرے عجائبات ابھی تک تمہاری نظروں سے نہ گذرے ہوں گے۔ تم ایک ذہین لڑکی ہو۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تمہاری جنرل نالج میں اضافہ ہو۔ کیا تم آدم خور چوہوں کے متعلق علم رکھتی ہو۔"

طاہرہ کچھ نہیں بولی۔

ساگر نے تھوڑی دیر بعد پھر کہا۔ "تم نہیں جانتیں لیکن میں تمہیں دکھاؤں گا۔ اختر.... وہ پنجرہ لاؤ....!"

اختر چلا گیا۔ ساگر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور وہ طاہرہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میں نہیں چاہتا تھا کہ نواب عابد کے خاندان کا کوئی فرد اس چکر میں پڑ کر موت کا شکار ہو۔ لیکن تم نے مجھے مجبور کر دیا۔ تم ان خوفناک چوہوں کے ساتھ یہاں چھوڑ دی جاؤ گی اور صرف دو دن بعد ہمیں یہاں ہڈیوں کا ایک نیا پنجرہ ملے گا۔"

طاہرہ کانپ گئی۔

ساگر پھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی اور دوسرے ہی لمحے میں اختر خالی ہاتھ کمرے میں داخل ہوا۔

"کیا بات ہے۔" ساگر نے حیرت سے پوچھا۔

"جناب! یہاں ہمارے علاوہ بھی اور کوئی موجود ہے۔" اختر ہانپتا ہوا بولا۔

"ہشت کیا بکواس ہے۔ تم نے کسی کو دیکھا ہے۔"

"جی نہیں آہٹیں سنی ہیں۔"

"وہم ہے.... جاؤ.... پنجرہ لاؤ.... وہ بہت دنوں سے بھوکے ہیں اور پھر آج انہیں زندہ گوشت ملے گا.... جاؤ....!"

"ساگر صاحب! خدا کے لئے۔" طاہرہ گڑگڑائی۔

"مجھے خدا سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ویسے وہ چوہے آج ضرور خدا کا شکر ادا کریں گے۔"

اختر دوبارہ چلا گیا تھا اور اب کمرے پر خاموشی مسلط تھی۔ ویسے طاہرہ کو یہی محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی ہر سانس چیخ رہی ہو۔ دل کنپٹیوں میں دھڑکتا معلوم ہو رہا تھا۔

اچانک پھر دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز آئی اور اختر دھڑام سے اندر آ گرا۔

"جناب.... جناب....!" وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ "میں نے کسی کو دیکھا ہے۔"

"ضرور دیکھا ہو گا۔" ساگر تلخ انداز میں مسکرایا۔ "اختر میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں تم چاہتے ہو کہ یہ لڑکی صرف آج کی رات بچ جائے۔"

"جناب یقین کیجئے....!"

"مائیکل تم جاؤ....!" ساگر کا لہجہ بہت سرد تھا۔

"ٹھہریئے۔" طاہرہ اپنا کانپتا ہوا ہاتھ اٹھا کر بدقت بولی۔ "میں بتاتی ہوں۔ چچا جان نے اُن دونوں کو بھیجا ہے.... دفینہ تلاش کرنے کے لئے.... میں نے چچا جان سے وعدہ کیا تھا کہ انہیں اس کام میں مدد دوں گی۔ وہ دونوں ڈاکو ہیں بینکوں کی تجوریاں توڑتے ہیں۔ نقب لگاتے ہیں۔"

"مکھیاں مار کر شمار کرتے ہیں۔" ساگر نے قہقہہ لگایا۔ پھر تلخ لہجے میں بولا۔ "اب تم سچ بولو یا

جھوٹ میرے چوہے آج رات بھوکے نہیں رہیں گے اور اختر تم کب تک اس طرح زمین پر پڑے رہو گے.... اٹھو۔"

اختر ہاتھ ٹیک کر اٹھ رہا تھا کہ مائیکل نہ جانے کس طرح اُس کے اوپر آگرا اور دونوں کی چیخیں تہہ خانے میں گونج کر رہ گئیں۔

ساگر جھلا کر پلٹا۔ لیکن اُس کے منہ سے بھی ایک تحیر آمیز آواز نکلی اور طاہرہ کی آنکھیں تو پہلے ہی پھیل گئی تھیں۔

دروازے میں کمال کھڑا انہیں گھور رہا تھا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں ریوالور تھا۔

"میں یہ پوچھنے کے لئے آیا ہوں ساگر صاحب۔" اُس نے سنجیدگی سے کہا۔ "کہ آپ یہ ڈھانچے کس حساب سے فروخت کریں گے۔ یہ اتنے ہی ہیں یا کچھ اسٹاک کسی دوسرے گودام میں بھی ہے۔"

"تم یہاں سے بچ کر نہیں جاسکتے۔" ساگر غرایا۔

اس کی پھرتی یقیناً بڑی حیرت انگیز تھی۔ اس نے طاہرہ کو اپنے آگے کر کے بازوؤں میں جکڑ لیا تھا اور کمال کے ریوالور کا رخ طاہرہ کے سینے کی طرف تھا۔

لیکن اب طاہرہ کو نہ جانے کیوں اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں رہ گئی تھی۔ اُس نے رہائی کے لئے ہاتھ پیر مارنے شروع کر دیئے۔

"اختر.... مائیکل....!" ساگر چیخا۔ لیکن اُن کے اٹھنے سے پہلے ہی ساجد کمرے میں داخل ہو چکا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں لوہے کی ایک موٹی سی سلاخ تھی۔ پہلے اختر ہی سامنے پڑا۔ اور اُسے دوسرے ہی لمحے میں اپنا سر پکڑ کر ڈھیر ہو جانا پڑا۔

پھر مائیکل غرا کر جھپٹا۔ ساجد نے سلاخ گھمائی تو لیکن وہ مائیکل کی گرفت میں آگئی۔ پہلے سلاخ کے لئے زور ہوتا رہا پھر دونوں لپٹ پڑے۔ کمال آہستہ آہستہ ساگر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اچانک اس کا پیر اختر کے سر سے بہتے ہوئے خون پر پھسل گیا اور انتہائی کوشش کے باوجود بھی وہ نہ سنبھل سکا۔ ادھر وہ گرا اُدھر ساگر نے طاہرہ کو چھوڑ کر اُس پر چھلانگ لگا دی۔

ریوالور اب بھی کمال کے ہاتھ میں تھا اور ساگر اُسے چھین لینے کی کوشش کر رہا تھا۔

طاہرہ بے حس و حرکت کھڑی اُن کی کشمکش دیکھ رہی تھی۔ مائیکل یقیناً ساجد سے زیادہ طاقتور تھا۔ دونوں ایک دوسرے پر گھونسے برسا رہے تھے۔

طاہرہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

اچانک اسکی نظر لوہے کی سلاخ پر پڑی اور اُس نے جھپٹ کر اُسے اٹھالیا۔ پھر وہ آندھی کی طرح ساگر اور کمال کی طرف بڑھی۔ دونوں گتھے ہوئے تھے۔ اس نے سلاخ ساگر کے سر پر رسید کر دی مگر دوسرے ہی لمحے میں اُسکے ہاتھ پیر پھول گئے کیونکہ وہ کراہ ساگر کی نہیں بلکہ کمال کی تھی۔

وہ سب کیا تھا

غلطی کا احساس ہوتے ہی سلاخ اُس کے ہاتھ سے چھوٹ پڑی اُس نے بدحواسی میں ساگر کی بجائے کمال کے سر کو نشانہ بنالیا تھا۔

یہ لمحہ واقعی عجیب تھا۔ طاہرہ اُن دونوں پر جھکی ہوئی تھی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ دفعتاً ساگر اچھل کر الگ ہٹ گیا۔ ریوالور اُس کے ہاتھ میں تھا اُس نے کمال پر فائر کر دیا جو اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ طاہرہ نے اُسے اچھل کر دوسری طرف گرتے دیکھا اور وہ پاگلوں کی طرح ساگر پر ٹوٹ پڑی۔

پھر فائر ہوا اور گولی اُس کے داہنے بازو اور پسلیوں کے درمیان سے نکل گئی۔

طاہرہ کو دراصل ہوش نہیں تھا کہ وہ کیا کر رہی ہے۔

کمال نے پھر ساگر پر چھلانگ لگائی اور طاہرہ ہڈیوں کے ڈھانچے پر جا پڑی اُس نے ساگر کو کمرے سے بھاگتے دیکھا۔

لیکن کمال اُس کے پیچھے جانے کی بجائے مائیکل پر جھپٹا جو ساجد کو زمین پر گرائے ہوئے اُس کا گلا گھونٹ رہا تھا۔

دوسرے ہی لمحے میں طاہرہ نے اُسے کمال کی گرفت میں دیکھا وہ اُسے اپنے سر سے اونچا اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اُس نے اُسے فضا میں بلند کر کے سامنے والی دیوار پر دے مارا۔

مائیکل کے حلق سے ایک ہی چیخ نکل سکی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ آخری چیخ رہی ہو۔

طاہرہ اب بھی ہڈیوں کے ڈھانچوں پر بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اُس کے جسم میں آنکھوں اور تیزی سے دھڑکتے ہوئے دل کے علاوہ اور کچھ بھی نہ ہو.... کمال نے آگے بڑھ کر اُسے اٹھایا۔

"وہ.... وہ نکل گیا۔" طاہرہ بدقت تمام بولی۔

"باہر نہیں نکل سکتا.... میں نے ساری راہیں پہلے ہی مسدود کر دی ہیں۔ مگر ریوالور اُس کے پاس ہے۔"

قریب ہی ساجد کھڑا ہانپ رہا تھا۔

"آپ کے سر سے خون بہہ رہا ہے۔" اس نے کہا۔

"محترمہ طاہرہ کی مہربانی ہے۔" وہ مسکرایا۔

"دیکھئے.... وہ.... غلطی....!" طاہرہ اس سے زیادہ اور کچھ نہ کہہ سکی۔ نہ جانے کیوں اُس کی آنکھوں میں آنسوؤں کا طوفان امنڈ آیا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"انہیں سنبھالو۔" کمال نے ساجد سے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

"میں تمہیں کسطرح سنبھالوں۔" ساجد طاہرہ کے قریب جا کر بولا مگر وہ بدستور روتی رہی۔

"اب ایسی صورت میں میں بھی رونا شروع کر دوں تو کیسی رہے۔" ساجد نے کہا۔

طاہرہ اب بھی کچھ نہ بولی۔ بس وہ روئے جا رہی تھی اور اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیوں رو رہی ہے۔ اُس نے کئی بار اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر خاموش ہونے کی کوشش کی لیکن وہ ناکام رہی۔

"کیا یہ رونا بھی ایڈونچر میں شامل ہے۔" ساجد جل کر بولا۔

"مجھے افسوس ہے.... مجھے افسوس ہے۔" طاہرہ بدقت تمام بولی۔

اور ساجد اچھل پڑا۔ اس کی وجہ شائد فائر کی آواز تھی جسے طاہرہ نے بھی سنا تھا۔ وہ حیرت انگیز طور پر خاموش ہو گئی۔ بالکل اسی طرح جیسے کسی کار میں پورے بریک لگ گئے ہوں۔

ساجد دروازے کی طرف جھپٹا۔ طاہرہ بھی اُس کے پیچھے بھاگی لیکن سرنگ کے سرے پر پہنچ کر ساجد رک گیا۔

طاہرہ بھی سوچنے لگی کہ آواز کدھر سے آئی تھی۔

وہ تین سرنگوں کے دہانے پر کھڑے تھے اور اس کا فیصلہ کرنا آسان کام نہیں تھا کہ آواز کدھر سے آئی تھی۔

"اس طرح آگے بڑھنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔" ساجد بڑبڑایا۔ "وہ اس وقت پاگل ہو رہا ہے اور اُس کے ہاتھ میں ریوالور ہے۔"

"کمال صاحب تنہا ہیں۔" طاہرہ نے پھنسی پھنسی سی آواز میں کہا۔

"اس کی پرواہ نہ کرو۔ تنہائی میں اُن کے ہاتھ بہت تیزی سے چلتے ہیں۔"

"میں مطمئن نہیں ہوں۔"

"آہا....!" ساجد جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "تمہیں میری فکر کیوں نہیں ہے۔ کمال صاحب میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں۔"

"آپ ایسی حالت میں بھی اپنی شرارتوں سے باز نہیں آ رہے ہیں۔" طاہرہ نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"لیکن اسکے باوجود بھی آج تک میری شادی نہیں ہو سکی۔" ساجد ٹھنڈی سانس لیکر بولا۔

اور ٹھیک اسی وقت انہیں قدموں کی آواز آئی جو داہنی طرف کی سرنگ سے آ رہی تھی۔

"کون ہے؟" طاہرہ نے سرگوشی کی۔

"چلنے کا انداز.... اپنے تئیں مار خاں ہی کا سا ہے۔" ساجد بولا۔

اور پھر کمال روشنی میں آ گیا۔

"وہ نکل گیا۔" اُس نے کہا۔ "لیکن.... اب بھی میری دسترس سے باہر نہیں ہے۔ تم طاہرہ کو اُن کے کمرے میں لے جاؤ اور وہیں میرے منتظر رہنا۔"

"میری کار نہ جانے کہاں ہو گی۔" طاہرہ بڑبڑائی۔

"میں تمہاری کار ہی پر واپس آؤں گا۔ جاؤ۔"

طاہرہ ساجد کے ساتھ چلتی رہی۔ اُسے وقت کا بھی احساس نہیں رہ گیا تھا۔

اُسے اچھی طرح یاد نہیں کہ وہ کیسے اپنے کمرے میں پہنچی۔ ساجد نے چور دروازہ کھلا ہی رہنے دیا تھا۔

کورنیلیا موجود نہیں تھی اور کمرہ باہر سے مقفل تھا۔

طاہرہ نے دیوار سے لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ گیارہ بج رہے تھے۔

"وہ یقیناً میری تلاش میں گئی ہو گی۔" طاہرہ نے کہا۔

"وہ رمبا بہت اچھا ناچتی ہے۔" ساجد بولا۔ "کیا تم بھی ناچ سکتی ہو۔"

"ساجد صاحب پتہ نہیں آپ دونوں کس قسم کے آدمی ہیں۔"

"ہم دونوں پٹھان قسم کے آدمی ہیں۔ کمال صاحب نسلاً آفریدی ہیں۔ اور میں.... میری نسل کا پتہ آج تک نہیں چل سکا۔ ویسے تلاش جاری ہے۔"

"مجھے ان حادثات کے متعلق بتایئے۔"

"اگر یہ حادثات تھے تو مجھے ان پر پھر غور کرنا پڑے گا۔ کیونکہ میں تو ابھی تک پنگ پانگ کھیلتا رہا ہوں لیکن اگر تم کمال صاحب سے پوچھو تو وہ کہیں گے کہ میں لوڈو کھیل رہا تھا۔ بس طاہرہ صاحبہ! اس سے زیادہ میں کبھی کچھ نہیں جانتا۔"

"وہ ہڈیوں کے ڈھانچے کیسے تھے۔"

"کچھ پرانے تھے اور کچھ نئے۔ ویسے اپنے کام کا ایک بھی نہیں تھا۔"

"آپ مجھے چڑھا رہے ہیں۔" طاہرہ جھنجھلا گئی۔

"میں بہت تھک گیا ہوں طاہرہ صاحبہ۔" ساجد کچھ اور کہتے کہتے رک گیا پھر آہستہ سے بولا۔ "شاید ادھر کوئی آرہا ہے۔ اچھا میں چلا۔ ممکن ہے کورنیلیا ہو۔ میں دروازے کی طرف سے واپس آؤں گا اور اُس وقت مجھے گرما گرم کافی کا ایک کپ درکار ہوگا۔ کورنیلیا سے ان واقعات کا تذکرہ مت کرنا۔ کسی سے بھی نہیں سمجھیں۔"

ساجد چور دروازے میں اُتر گیا اور دیوار برابر ہوگئی۔ ساتھ ہی کسی نے باہر کے قفل میں کنجی گھمائی۔ آنے والی کورنیلیا ہی تھی۔ طاہرہ کو کمرے میں دیکھ کر اُس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی۔ وہ سچ مچ ڈر گئی تھی۔ لیکن طاہرہ نے اُسے بتایا کہ شاید وہ دوسری طرف کا دروازہ اندر سے بند کرنا بھول گئی تھی وہ کھلا ہوا تھا۔ لہٰذا اُسے اندر پہنچنے میں دشواری نہیں ہوئی۔

"تم ساگر صاحب کے ساتھ گئی تھیں۔" کورنیلیا نے پوچھا۔

"ہاں پھر اُس کے بعد اپنے ایک عزیز کے گھر چلی گئی تھی۔" طاہرہ نے بات ختم کردی۔

تھوڑی دیر بعد ساجد واپس آگیا۔ اس دوران میں طاہرہ نے کافی کے لئے ہیٹر پر پانی رکھ دیا۔

اُس کے آتے ہی نیا ہنگامہ شروع ہوگیا۔ اُس نے کورنیلیا کو پھر رمبا ناچنے پر آمادہ کرلیا۔ طاہرہ کو الجھن ہو رہی تھی۔ اُس کے ذہن پر اب بھی ہڈیوں کے ڈھانچے مسلط تھے اور وہ سوچ رہی تھی کہ اگر کمال اور ساجد وہاں نہ پہنچتے تو اس کا کیا حشر ہوتا.... آدم خور چوہے.... وہ کانپ گئی۔

گراموفون کی موسیقی کمرے میں گونج رہی تھی۔ کورنیلیا اور ساجد ناچ رہے تھے۔ پھر طاہرہ کو مائیکل یاد آیا جسے کمال نے دیوار پر دے مارا تھا۔ وہ سوچنے لگی کہ وہ تو یقیناً مر گیا ہوگا۔ اختر کے سر پر ساجد نے سلاخ ماری تھی اور اب اتنے اطمینان سے ناچ رہا ہے جیسے سچ مچ وہ ابھی تک پنگ پانگ ہی کھیلتا رہا ہو۔

موسیقی کے ساتھ ہی ساتھ کورنیلیا کے چیختے ہوئے قہقہے بھی کمرے میں گونج رہے تھے۔

"بس بند کرو۔" طاہرہ جھنجھلا کر چیخی۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس پر ہسٹریا قسم کا کوئی

دورہ پڑ جائے گا۔ ذہنی انتشار انتہا کو پہنچ گیا تھا۔

دونوں ناچتے ناچتے رک گئے۔ ریکارڈ سے ساؤنڈ بکس اٹھا دیا گیا اور ساجد نے طاہرہ سے کہا۔

"ابھی تو اچھی بھلی تھیں۔"

"تم لوگ مجھے پاگل بنا دو گے۔" طاہرہ نے پھٹی پھٹی سی آواز میں کہا اور دوسرے کمرے میں آکر دروازہ بند کرلیا۔ وہ دونوں دوسری طرف سے دروازہ ہی پیٹتے رہ گئے۔

طاہرہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر آرام کرسی میں گر گئی۔

اُس پر سچ مچ غشی سی طاری ہوتی جا رہی تھی۔

دوسری صبح اُسے کورنیلیا سے معلوم ہوا کہ کمال پچھلی رات آکر ساجد کو اپنے ہمراہ لے گیا تھا۔ اس کے بعد سے دونوں کا کوئی پتہ نہیں اور کوٹھی کی کمپاؤنڈ پولیس والوں سے بھری ہوئی ہے۔ طاہرہ بوکھلا کر باہر نکل آئی۔

حقیقتاً کمپاؤنڈ میں چاروں طرف پولیس ہی پولیس نظر آرہی تھی۔ طاہرہ عمارت کے مغربی حصے کی طرف چل پڑی لیکن وہاں مسلح پہرہ تھا۔ اُسے برآمدے میں بھی نہیں جانے دیا گیا۔

اُس نے ایک کانسٹیبل سے کہا۔ "میں کمال صاحب سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"یہاں کوئی کمال ومال نہیں ہے۔" اُس نے جواب دیا۔

"کل تو تھے۔"

"میں نہیں جانتا۔ اُدھر جانے کی اجازت نہیں ہے۔"

طاہرہ چپ چاپ پلٹ آئی اور دن بھر خاموشی سے سب کچھ دیکھتی رہی۔ کمال اور ساجد کا کہیں پتہ نہ تھا۔ گیراج سے ان کی کار بھی غائب تھی لیکن خود طاہرہ کی کار موجود تھی۔ اُسے اپنی کار کے اسٹیئرنگ میں کاغذ کا ایک ٹکڑا بندھا ہوا نظر آیا۔ طاہرہ نے مضطربانہ انداز میں اُسے کھینچ کر کھول ڈالا۔ اس میں اُسی کو مخاطب کر کے کمال نے لکھا تھا۔

"ان واقعات سے متعلق اپنی زبان ہمیشہ بند رکھنا۔ میں تمہارا شکر گذار ہوں تم بہت دلیر لڑکی ہو۔ بہت جلد تم سے دوبارہ ملاقات ہونے کی توقع ہے۔ پھر میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔"

طاہرہ نے اس تحریر کو کئی بار پڑھنے کے بعد کاغذ کا ٹکڑا بلاؤز کے گریبان میں رکھ لیا۔

تین دن تک طاہرہ وہاں مقیم رہ کر پولیس کی کاروائیاں دیکھتی رہی۔ لیکن وہاں پولیس کی موجوگی کی وجہ کسی کو بھی نہ معلوم ہو سکی۔ کورنیلیا اس ماحول میں نہ ٹھہر سکی۔ وہ دوسرے ہی دن سے رخصت ہوگئی تھی۔

تیسرے دن طاہرہ نے بھی اپنا سامان کار کی اسٹپنی میں رکھوادیا لیکن پولیس والوں نے کوئی تعرض نہ کیا.... طاہرہ کے ذہن پر عجیب طرح کی اداسی مسلط تھی۔

اُسکی کار سریم بالا کی پیچیدہ اترائیوں سے نکل کر میدان میں آگئی۔ آج وہ بہت بے دلی سے ڈرائیو کررہی تھی۔ اُسے تیز قسم کی ڈرائیونگ سے عشق تھا۔ لیکن آج اُسکی کار کی رفتار بہت کم تھی۔

اچانک ایک تیز رفتار کار برابر سے نکلی اور کوئی گیلی سی چیز اُس کے گال سے ٹکرا کر گود میں آرہی۔ یہ کیلے کا چھلکا تھا۔ یک بیک اُس کا دل خوشی سے ناچ اٹھا۔

دوسری کار آگے جاکر رُک گئی تھی۔ طاہرہ نے رفتار بڑھادی اور چشم زدن میں اُس کے برابر پہنچ گئی۔ اسٹیئرنگ کے سامنے ساجد بیٹھا ہوا گال کھجارہا تھا اور کمال پچھلی نشست پر تھا۔ طاہرہ سے نظر ملتے ہی وہ عجیب انداز سے مسکرایا۔

پھر وہ سب کاروں سے نیچے اُتر آئے۔

"میں تمہارا شکر گذار ہوں کہ تم نے کسی سے اُس کا تذکرہ نہیں کیا۔" کمال نے کہا۔ "آؤ اِدھر درخت کے نیچے آجاؤ۔"

وہ ایک سایہ دار درخت کی نیچے جابیٹھے۔ ساجد خاموش تھا۔

"اسکا تذکرہ کسی سے کبھی مت کرنا۔" کمال نے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر طاہرہ کیطرف بڑھاتے ہوئے کہا اور دفعتاً طاہرہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ کارڈ پر تحریر تھا۔ "کرنل فریدی۔"

"آپ.... آپ....!"

"ہاں! میں ایک بار پھر تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ تم نے ہماری بہت مدد کی ہے۔"

طاہرہ کو سکتہ سا ہو گیا تھا۔ وہ اس وقت ملک کے ایک بہت بڑے آدمی سے ہم کلام تھی وہ جو بین الاقوامی شہرت کا مالک تھا۔

"میرے وزیٹنگ کارڈ ابھی چھپ کر نہیں آئے۔" ساجد بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "ورنہ تم میری شخصیت سے بھی واقف ہو جاتیں۔ لوگ مجھے کیپٹن حمید کے نام سے یاد کرتے ہیں اور بھلا دیتے ہیں۔"

طاہرہ خاموش ہی رہی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُسے کیا کہنا چاہئے۔

"ساگر گرفتار ہو گیا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "وہ درندوں اور فرشتوں کا گروہ تھا۔ اُن کے آباؤ اجداد ٹھگ تھے مگر غالباً اُن ٹھگوں سے مختلف جو کالی دیوی کے پجاریوں میں سے تھے اور اُسے انسانوں کی بھینٹ دیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کا دیوتا کالی سے مختلف ہے۔ کم از کم اپنے یہاں کی

ضمیات سے تو اس کا کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔ ٹھیک گیارہویں زینے کے نیچے والے تہہ خانے میں اُس کا بت شکستہ حالت میں موجود ہے۔ یہ لوگ وہاں ہر ماہ کی گیارہ تاریخ کو انسانی قربانی دیا کرتے تھے۔ اس عمارت کی تاریخ یہی بتاتی ہے کہ وہ غدر سے پہلے ان ٹھگوں کی عبادت گاہ تھی۔ اُن کی نسلیں آج تک وہاں عبارت کرتی رہی ہیں اور ان کا طریقہ کار یہی تھا جو تم دیکھ اور سن چکی ہو۔ دوسروں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی تھی کہ وہ حصہ آسیب زدہ ہے۔ لہٰذا لوگ اُس سے دور ہی دور رہتے تھے۔ بہر حال یہ مذہب پوشیدہ طور پر اب تک زندہ رہا۔ اس کے ماننے والوں کا خیال ہے کہ اگر وہ دیوتا کو انسان کی بھینٹ نہ دیں گے تو مفلس ہو جائیں گے۔ اُن کے نام ہندوؤں مسلمانوں، سکھوں اور عیسائیوں کے سے ہیں لیکن حقیقتاً ان مذاہب سے اُن کا کوئی تعلق نہیں۔ ان کا دیوتا دولت کا دیوتا ہے۔ دولت اس کی رحمت ہے جو ان پر نازل ہوتی ہے اور وہ اُسے خوش کرنے کے لئے اُس پر اپنے ہی جیسے انسانوں کو قربان کر دیتے ہیں۔ ساگر اُن کا مذہبی پیشوا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہ لینڈ کسٹم کا انسپکٹر تھا۔ لیکن اُس سے زیادہ دولت مند شاید ہی ان اطراف میں اور کوئی نکل سکے۔ اس کا دیوتا رشوت کی شکل میں اس پر اپنی رحمتیں نازل کرتا رہا۔ وہ لاکھوں کا آدمی ہے۔ اب تک تقریباً ڈیڑھ سو افراد گرفتار ہو چکے ہیں لیکن ان میں ایک بھی مفلس نہیں ملا۔ انہیں انسانی خون کے عوض دولت ملی ہے۔"

تھوڑی دیر کے لئے سکوت ہو گیا۔ پھر طاہرہ بولی۔

"لیکن آپ اس واقعے کو چھپانا کیوں چاہتے ہیں۔"

"مصلحت....!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "تم جانتی ہو کہ یہ خبر آگ کی طرح ساری دنیا میں پھیل جائے گی اور ہم مہذب ممالک کے سامنے سر اٹھانے کے قابل نہ رہ جائیں گے۔ تم خود سوچو کتنی بُری بات ہے۔"

"ہے تو....!"

"تم نے ہڈیوں کے ڈھانچے دیکھے تھے۔ ایسے ہی سیکڑوں ڈھانچے دوسرے تہہ خانوں میں پڑے ہیں۔ یہ سب انہیں آدمیوں کے ڈھانچے ہیں جو اب تک اُس خونی دیوتا پر قربان کئے جاتے رہے ہیں۔ ان کم بختوں کے پاس سے کئی طرح کی بلائیں برآمد ہوئی ہیں۔ گوشت خور چوہے۔ خوفناک بن مانس۔ مردہ خور بجو مگر حیرت ہے کہ یہ لوگ اب تک بچے رہے۔"

طاہرہ خاموش رہی۔ وہ کچھ نہیں کہنا چاہتی تھی۔ مگر سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کہنا چاہتی ہے آخر اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"آپ مطمئن رہئے۔ میرے گھر والوں کو بھی اس کا علم نہ ہونے پائے گا۔"

"شکریہ....!" فریدی بولا۔ "اور میں ایک بار پھر اس کا اعتراف کروں گا کہ تم عام عورتوں سے بہت مختلف ہو۔ بہت دلیر۔ لیکن ساتھ ہی یہ نصیحت بھی کروں گا کہ آئندہ الٹے سیدھے ایڈونچر سے احتراز کرنا۔ اکثر تم آنکھیں بند کر کے بہت آگے بڑھ جاتی ہو۔"

طاہرہ کچھ نہ بولی۔ نہ جانے کیوں وہ سوچ رہی تھی کہ فریدی کو اس کے علاوہ بھی اور کچھ کہنا چاہئے۔ لیکن اُس نے اور کچھ نہیں کہا۔ پھر دونوں بہت ہی مخلصانہ انداز میں مصافحہ کر کے رخصت ہو گئے۔

طاہرہ کے ذہن پر کئی دنوں تک اُداسی چھائی رہی۔

وہ اکثر بے خیالی میں بڑبڑانے لگتی۔ "کمال کاش تم.... سچ مچ کمال ہوتے۔ ایک گمنام شخصیت.... ایک معمولی آدمی....!"

پھر خود ہی کہتی۔ "کیا بکواس ہے.... میں.... کیا بک رہی ہوں۔ وہ کسی ناول کا پلاٹ نہیں تھا۔ کسی فلم کی کہانی نہیں تھی جس میں میں نے ہیروئن کا رول ادا کیا ہو۔"

لیکن وہ بے نام سی اداسی ہر وقت اُس کے ذہن پر چھائی رہتی۔ وہ زبردستی ہنسنے کی کوشش کرتی.... بے تحاشہ قہقہے لگاتی.... لیکن اس کے بعد اس کا دل اور زیادہ ڈوبنے لگتا۔

ختم شد

ابنِ صفی

جلد نمبر 17

جاسوسی دنیا

53- سرخ دائرہ

54- خونخوار لڑکیاں

55- سائے کی لاش



پیشرس

''سرخ دائرہ'' کی کہانی موجودہ سوسائٹی کے ایک گھناؤنے رخ کو بے نقاب کرتی ہے۔ ابن صفی نے اس سے قبل بھی مختلف صورتوں میں ان تلخ حقیقتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جو ہمارے معاشرے میں اپنی غلاظتوں کے ساتھ گھس آئی ہیں اور جنہوں نے زندگی کا چہرہ مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔ چوری، ڈکیتی، اغوا اور اسی طرح کے جرائم پہلے بھی تھے اور آج بھی ہیں۔ لیکن آج کی زندگی نے تعیش پسندی اور سرمایہ دارانہ نظام کی وجہ سے کچھ ایسی چیزیں بھی شامل کر دی ہیں جو بہت ہی انوکھے اور بے رحمانہ جرائم کا سبب بن جاتی ہیں۔ آج کا مجرم زیادہ چالاک ہے۔ اسی لئے وہ پردے کا شکاری بن کر شکار کھیلتا ہے۔

''سرخ دائرہ'' ایسی ہی حقیقتوں کی نقاب کشائی کرتا ہے۔ بینکوں کے ڈاکو، تجوریوں کے نقب زن اور اسی قماش کے مجرم آپ کو ملیں گے اور ان کا ماحول ہے ہوٹلوں کی زندگی، ریس کے میدان اور اونچی سوسائٹیوں کی عیاشی!

ان میں کچھ ایسے بھی ''شریف آدمی'' ہیں جنہوں نے فلسفیوں کے نام پر اپنے نام رکھ چھوڑے تھے؟ کیوں؟ اسکا جواب کوئی بھی نہ دے سکا۔ یہ ایک بھیانک طنز تھا۔

اس میں اپنے پرانے، جھلائے ہوئے شکست خوردہ آصف سے ملئے۔ اس کی جھلاہٹ دوسروں کے قہقہوں کا سبب بن جاتی ہے۔ اس میں ایک سراغ رساں ''عورت'' بھی ہے اور آپ سوچ سکتے ہیں کہ اگر ''عورت'' کے ساتھ حمید کو تفتیش کا موقع مل جائے تو اس کا کیا عالم ہوگا۔

اس کہانی میں کھوج، واقعات کی تفتیش، چھان بین کے طریقے اور سراغ رسانی کے جدید انداز کا بہت دلچسپ تذکرہ ہے اور ابن صفی کا یہی آرٹ ہے کہ وہ ہمیشہ ہر بار، ہر کہانی میں اپنے قارئین کے سامنے ایک نئی دنیا پیش کرتے رہتے ہیں۔

پبلشر

دھمکی

یہ میٹنگ محکمہ سراغ رسانی کے سپرنٹنڈنٹ کی صدارت میں ہو رہی تھی۔

محکمے کے بہترین اور بدترین دماغ وہاں موجود تھے۔ ان میں کرنل فریدی بھی تھا لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے اس میٹنگ سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔ اس کی نظر تو تقریر کرتے ہوئے سپرنٹنڈنٹ کے چہرے پر تھی مگر ذہن کہیں اور تھا۔ ویسے اس کے چہرے پر اکتاہٹ کے آثار ضرور تھے۔

''کیپٹن حمید.... انسپکٹر آصف اور لیفٹیننٹ سنگھ کے درمیان بیٹھا ہوا نئی لیڈی انسپکٹر مس ریکھا لارین کو گھور رہا تھا۔ یہ ایک عیسائی لڑکی تھی۔ پہلے زنانہ پولیس فورس میں تھی۔ پھر ابھی حال ہی میں محکمہ سراغ رسانی میں منتقل کر دی گئی تھی اور فریدی نے اس کے متعلق پیشین گوئی کی تھی کہ وہ ذہانت کے معاملے میں کئی سینئر انسپکٹروں پر بھی سبقت لے جائے گی۔ حمید کو اس کے ہونٹوں کی تراش بہت پسند تھی۔ عورتوں کی ذہانت سے اسے آج کل کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ بیوقوف سے بیوقوف عورت بھی اگر حسین ہو تو ہزاروں افلاطونوں پر حکومت کر سکتی ہے۔ لہٰذا ذہانت کی وجہ سے کسی عورت کو کریڈٹ دینا ذہنی بے مائیگی کا سب سے بڑا

ثبوت ہے۔ اگر وہ ذہین بھی ہوتی ہے تو ذہانت سے کام لینا ہرگز نہیں جانتی۔

مگر اس میٹنگ کا مقصد ریکھا کے حسن کے متعلق اظہار خیال کرنا نہیں تھا۔ یہ لوگ ایک اہم مسئلے پر غور کرنے کے لئے اکٹھا ہوئے تھے۔ شہر میں پچھلے چند ماہ سے کچھ اس قسم کی وارداتیں ہو رہی تھیں۔ جو نوعیت کے اعتبار سے قصہ کہانیوں والے جرائم سے کسی طرح کم نہیں تھیں۔ ان وارداتوں میں قتل بھی تھے اور ڈاکے بھی۔ چوریاں اور اغواء کے کیس بھی۔ خیال یہ تھا کہ یہ کسی ایک ہی گروہ کی حرکت ہے اور اس خیال کا محرک تھا سرخ دائرہ!

''سرخ دائرہ'' سپرنٹنڈنٹ حاضرین کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔ ''آپ جانتے ہیں کہ اب تک جتنی بھی وارداتیں ہوئی ہیں ان میں ہمیں سرخ سے دائرے سے ضرور دوچار ہونا پڑا ہے۔ سرخ دائرہ! آپ اس کی نوعیت سے واقف ہیں۔ اسی بناء پر میرا خیال ہے کہ یہ لوگ پرانے اور عادی قسم کے مجرم نہیں ہیں! بلکہ یہ نوسشقوں مگر پڑھے لکھے لوگوں کا گروہ ہے۔ جس نے پولیس اور پبلک کو خوفزدہ کرنے کے لئے سرخ دائرے کا ڈھونگ رچایا ہے۔ ورنہ ایسی چیزیں صرف جاسوسی ناولوں اور کہانیوں ہی تک محدود ہیں۔ ابھی تک یہ لوگ پکڑے نہیں جا سکے۔ بلکہ ان کا نشان تک نہیں مل سکا۔ وجہ یہ ہے کہ ہم ان کے معیار سے بلند ہو کر سوچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمیں یہ سرخ دائرہ ورغلاتا ہے۔ ہمارے ذہن میں کسی بہت ہی منظم قسم کی دہشت پسند پارٹی کا تصور ابھرتا ہے۔ لہٰذا ہم اسی کی مناسبت سے اپنا طریق کار متعین کرتے ہیں۔ ہمیں دراصل خرگوشوں کا شکار کرنا ہے لیکن ہم ہاتھیوں کے شکار کا سامان لے کر نکلتے ہیں۔ دراصل خرگوش کے شکار کا ہمیں خیال تک نہیں آتا۔ ظاہر ہے کہ جب ہم ہاتھیوں کے لئے نکلیں گے تو خرگوشوں پر ہماری نظریں ہی نہ پڑیں گی۔ غالباً آپ لوگ میرا مطلب سمجھ گئے ہوں گے۔ بہرحال میں یہ چاہتا ہوں کہ اب یہ قضیہ ختم ہو جائے تو بہتر ہے۔ معاملہ اب سول پولیس کے ہاتھوں سے نکل کر ہم تک آ گیا ہے۔''

سپرنٹنڈنٹ اپنا پائپ سلگانے کے لئے خاموش ہو گیا۔

حمید نے مڑ کر فریدی کی طرف دیکھا جس کے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ پھیل رہی تھی اور وہ اب بھی سپرنٹنڈنٹ ہی کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

سپرنٹنڈنٹ نیا تھا۔ ابھی حال ہی میں کسی دوسری جگہ سے منتقل ہو کر یہاں آیا تھا۔ اس سے پہلے فوج کی سیکرٹ سروس میں رہ چکا تھا۔ وہ پائپ کا کش لے کر اپنے چہرے کے سامنے دھواں بکھیرتا ہوا بولا۔

''میرے اکثر ساتھیوں کو شکایت ہے کہ انہیں کام کرنے کے لئے بہت کم مواقع نصیب ہوتے ہیں۔''

اس نے خاموش ہو کر خاص طور سے فریدی کی طرف دیکھا۔ لیکن اب فریدی جیب سے سگار نکال کر اس کا گوشہ توڑنے میں مشغول ہو گیا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے سپرنٹنڈنٹ کا یہ جملہ سنا ہی نہ ہو۔

سپرنٹنڈنٹ پھر بولا۔ ''میری خواہش ہے کہ یہ کام کسی ایک کی بجائے کئی افراد کی ایک پارٹی کے سپرد کر دوں۔''

''جس کا سربراہ کسی مکھن باز کو بنایا جائے۔'' حمید آہستہ سے بولا اور انسپکٹر آصف اسے خونخوار آنکھوں سے گھور کر رہ گیا۔ البتہ دوسری طرف بیٹھا ہوا لیفٹیننٹ سنگھ بے اختیار مسکرا پڑا۔

''یہ پارٹی.... انسپکٹر آصف کی قیادت میں کام کرے گی۔'' سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

''آہم....!'' حمید نے لیفٹیننٹ کو آنکھ ماری۔

''پارٹی کے دوسرے ممبروں کے نام ہیں۔'' سپرنٹنڈنٹ نے کہا اور پائپ کا ایک طویل کش لے کر دھواں نکالتا ہوا بولا۔ ''انسپکٹر جاوید، لیفٹیننٹ سنگھ، مس لارسن اور سب انسپکٹر تنویر۔''

پھر کمرے میں سناٹا طاری ہو گیا۔

ریکھا لارسن کنکھیوں سے فریدی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ فریدی کے چہرے پر بڑی بشاشت تھی۔

ایک بار انسپکٹر آصف نے بھی اس کی طرف دیکھا۔ لیکن نہ جانے کیوں اسے بڑی مایوسی ہوئی۔ فریدی کی عادت ہی کچھ اسی قسم کی تھی کہ وہ اپنے دشمنوں کو بھی خوش ہونے کا موقع نہیں دیتا تھا۔

''دیکھا آپ نے۔'' انسپکٹر مکرجی نے فریدی کی طرف جھک کر کہا۔

''ہاں آں....!'' مجھے خرگوش کے شکار سے کوئی دلچسپی نہیں۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''میں ان حضرت کا شکر گزار ہوں۔''

پھر سپرنٹنڈنٹ نے طریقہ کار کے متعلق بحث چھیڑ دی۔ اس میں زیادہ تر وہی لوگ حصہ لے رہے تھے جن کے ناموں کا اعلان کیا گیا تھا۔

اچانک سپرنٹنڈنٹ نے فریدی کو مخاطب کر کہا۔

''کرنل فریدی! کیا آپ گفتگو میں بھی حصہ نہ لیں گے۔''

''اوہ....!'' فریدی ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ''بات دراصل یہ ہے کہ مجھے خرگوشوں کے شکار کا تجربہ ہی نہیں۔''

''ہم ....خیر....!'' سپرنٹنڈنٹ دوسری طرف مخاطب ہو گیا۔ اگر اس کا بس چلتا تو اس جواب پر فریدی کی بوٹیاں اڑا دیتا۔

یہاں کئی لوگوں کے چہروں سے کبیدہ خاطری ظاہر ہو رہی تھی لیکن وہ خاموش تھے۔ البتہ فریدی کے اس جواب نے انہیں کسی حد تک خوش ضرور کر دیا تھا۔

''اب یہاں ہمارے بیٹھنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔'' مکرجی نے فریدی سے کہا۔

''ڈسپلن....مسٹر مکرجی۔'' فریدی بولا۔

مکرجی بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

دوسری ہی صبح ان پانچ افراد کو ایک نئے کیس سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ کنگس لین کے ایک متمول آدمی کی لاش تھی جس کی آنتیں پیٹ سے نکل کر فرش تک لٹک آئی تھیں اور اس کے قریب ہی فرش پر سرخ دائرہ موجود تھا' جسے بنانے کے لئے سرخ رنگ کی چاک استعمال کی گئی تھی۔ یہ قتل زور واسکوائر میں ہوا تھا اور لاش خواب گاہ میں پائی گئی تھی۔

عمارت میں مقتول کے علاوہ آٹھ افراد اور بھی تھے۔ لیکن وہ سب رات بھر بے خبر سوتے رہے تھے۔ لاش صبح آٹھ بجے دیکھی گئی۔

خواب گاہ میں چاروں طرف ابتری نظر آ رہی تھی۔ شائد ہی کوئی چیز اپنی پچھلی حالت میں رہی ہو۔ صاف ظاہر تھا کہ وہاں خاصی ہڑبونگ ہوئی ہوگی لیکن اس کے باوجود بھی برابر کے کمرے میں سونے والی کو اس کی خبر نہ ہوئی۔ وہ مقتول کی لڑکی تھی اور اس کا دعویٰ تھا کہ وہ ہمیشہ کچی نیند سوتی ہے۔ اگر کوئی بچوں کے بل چلتا ہوا بھی اس کی قریب سے گذر جائے تو اس کا جاگ پڑنا لازمی ہوگا۔

انسپکٹر آصف کی پارٹی بڑے انہماک سے لاش اور کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ لیکن خود انسپکٹر آصف دور کھڑا انہیں اس انداز میں دیکھ رہا تھا جیسے سکول ماسٹر نے اپنے کچھ شاگردوں کو حل کرنے کے لئے کوئی سوال دیا ہو اور اب ان کے جوابات کا منتظر ہو۔

ریکھا کے علاوہ سب لوگ لاش کے پاس سے ہٹ کر دوسری چیزوں کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ ریکھا لاش کو بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ خصوصیت سے مرنے والے کا بایاں ہاتھ اس کی توجہ کا مرکز تھا۔

آصف پہلے ہی لاش کا جائزہ لے چکا تھا۔ کچھ دیر بعد ریکھا لاش کے پاس سے ہٹ کر آصف کے قریب آ گئی۔

''آپ کا کیا خیال ہے؟'' اس نے آصف سے پوچھا۔

''نہیں مس ریکھا۔'' آصف سر ہلا کر مسکرایا۔ ''پہلے آپ سب لوگ کسی ایک رائے پر متفق ہو جائیے' پھر میں اپنا خیال ظاہر کروں گا۔''

ریکھا نے کچھ نہیں پوچھا۔ وہ وہیں کھڑی کچھ سوچتی رہی۔

تھوڑی دیر بعد وہ سب ایک بات پر متفق ہو گئے۔ یعنی حملہ آور کئی تھے۔ انہوں نے مقتول کو سوتے سے اٹھایا اور پھر کافی جدوجہد کے بعد وہ اس پر قابو پا سکے۔ پھر اسے فرش پر گرا کر اس کا پیٹ چاک کر دیا۔ متفق ہونے والوں میں ریکھا بھی تھی۔ لیکن اس نے ایک چیز کی طرف سب کی توجہ مبذول کرائی جسے شائد وہ سب نظر انداز ہی کر گئے تھے۔

"مقتول کے بائیں ہاتھ کی انگلیاں۔" اس نے کہا۔ "ان کے سروں پر سرخی نظر آ رہی ہے۔ صرف چھوٹی انگلی پر سرخی نہیں ہے۔ اب بتایئے آپ حضرات کیا کہیں گے۔ کیا واضح طور پر یہ اس کا اشارہ نہیں ہے کہ ہمارے فیصلہ میں کچھ گڑبڑ ہے۔"

لیفٹیننٹ سنگھ نے جھک کر اس کی انگلیوں کو چھوا اور سرخی اس کی انگلیوں میں چھوٹ آئی۔ پھر اس کا موازنہ دائرے کی سرخی سے کرنے کے بعد اس نے کہا۔ "بے شک مس ریکھا ٹھیک کہہ رہی ہیں۔"

"پھر.....!" آصف نے سوال کیا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو وہ دائرہ محرموں نے کسی خاص مقصد کے تحت اسکی انگلیوں میں رنگین چاک کے نشان ڈالے ہیں، یا پھر وہ پاک مقتول کے ہاتھ میں بھی رہی ہے۔"

ریکھا خاموش ہو کر پھر لاش کی طرف دیکھنے لگی۔

"ہوگا..... دونوں باتیں ہو سکتی ہیں۔" آصف نے لاپروائی سے کہا۔

"لیکن ہمیں اس چیز کو سرسری نظر سے نہ دیکھنا چاہئے۔" ریکھا بولی۔

"مس ریکھا، کیا آپ اسے کلیو کے طور پر استعمال کرنا چاہتی ہیں۔"

"جی ہاں..... میں یہی محسوس کر رہی ہوں۔"

"اچھا تو آپ محسوس کیجئے۔ بقیہ لوگ کام کریں گے۔" آصف نے تلخ سے لہجے میں کہا۔ "ویسے اگر آپ فریدی کے ساتھ کام کرتیں تو اسے بڑی خوشی ہوتی۔ کیونکہ وہ بھی عالم محسوسات کا بادشاہ ہے۔"

آصف کے دوسرے ساتھیوں کو بھی اس کا یہ جملہ بہت گراں گزرا اور تو سب خاموش ہی رہے لیکن لیفٹیننٹ سنگھ اکھڑ گیا۔

"آصف صاحب! آپ جھک مارتے ہیں۔ ہم میں سے کسی کی بھی رائے کا آپ مضحکہ نہیں اڑا سکتے۔"

"اپنا لہجہ ٹھیک کرو۔" آصف غرایا۔ "میں پارٹی کے لیڈر کی حیثیت رکھتا ہوں۔"

"یار آصف! تمہیں تو سیاسی پارٹی کا لیڈر ہونا چاہئے تھا۔" انسپکٹر جاوید نے کہا۔ "جہاں

ذہانت سے زیادہ رشک و حسد کے داؤ پیچ کام آتے ہیں۔"

بات آگے نہیں بڑھ سکی کیونکہ محکمہ سراغ رسانی کے فوٹو گرافر اپنے ساز و سامان سمیت وہاں پہنچ گئے تھے۔

بہرحال ریکھا بے تعلقانہ انداز میں ان سب کی کاروائیاں دیکھتی رہی۔ آصف کی بات اسے ناگوار گزری تھی اور اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ آصف کو نیچا دکھائے بغیر نہ رہے گی۔ آصف اس وقت ایک کھڑکی سے ٹیک لگائے کھڑا فوٹو گرافروں کو دیکھ رہا تھا۔ کھڑکی میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں اور دوسری طرف بارجہ تھی۔ یہ کمرہ دراصل دوسری منزل پر تھا اور بارجہ دوسرے کمروں کے سامنے تک پھیلا ہوا تھا۔

اچانک آصف اچھل کر آگے کی طرف ہٹ گیا۔ پھر کھڑکی کی طرف مڑ کر اپنی پیٹھ تھپتھپانے کی کوشش کرنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی پیٹھ پر رینگتے ہوئے کسی مکوڑے کو جھاڑنے کی کوشش کر رہا ہو۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں ریکھا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں کیونکہ شارک اسکن کے سفید کوٹ پر سرخ رنگ کا دائرہ بہت نمایاں تھا اور کچھ دیر پہلے وہ دائرہ آصف کی پشت پر ہرگز نہیں تھا۔ ورنہ وہ پہلے ہی دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا۔

رفتہ رفتہ سب نے اسے دیکھ لیا لیکن آصف کو اس کی خبر نہیں تھی۔

"کیا بات ہے۔" اس نے دوسروں کو اپنی طرف گھورتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

"سرخ دائرہ۔" انسپکٹر جاوید نے کہا۔

"کیوں بکواس کرتے ہو۔ یار اپنا کام کرو۔" آصف جھنجھلا گیا۔ انسپکٹر جاوید اس کے پرانے ساتھیوں میں سے تھا اور قریب قریب ہم عمر بھی۔

"تمہاری پشت پر سرخ دائرہ موجود ہے۔" جاوید نے سنجیدگی سے کہا۔ پہلے تو آصف کچھ سمجھا ہی نہیں پھر اچانک اسے اس مکوڑے کا خیال آ گیا جو اسے اپنی پشت پر رینگتا محسوس ہوا تھا۔

اس نے جلدی سے کوٹ اتار ڈالا۔ دائرہ اسی رنگ کی چاک سے بنایا گیا تھا جس رنگ کی چاک اس کمرے کے فرش والے دائرے میں استعمال کی گئی تھی یا جس کے دھبے مقتول کی

انگلیوں پر ملے تھے۔

آصف کوٹ کو وہیں چھوڑ کر بارجے پر دوڑنے لگا۔ پھر دوسرے لوگ بھی بارجے پر آ گئے۔

آصف کی پشت پر دائرہ کس نے بنایا تھا۔ یہ انتہائی کوششوں کے باوجود بھی نہ معلوم ہو سکا۔

اب آصف نے لاش کو تو چھوڑ دیا تھا اور ایک ایک کی جامہ تلاشی لیتا پھر رہا تھا کہ شاید کسی کے پاس سے سرخ چاک برآمد ہی ہو جائے۔ ساری عمارت الٹ پلٹ ڈالی گئی لیکن رنگین چاک کا ٹکڑا بھی کہیں سے دستیاب نہ ہو سکا۔

ریکھا آصف کی بدحواسیوں پر ہنستی رہی۔

تھوڑی دیر بعد وہ نچلی منزل کے کمرے میں دوبارہ اکٹھے ہوئے۔ آصف غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

''فریدی کو یہ حادثہ کبھی پیش نہ آتا.... سنا تم نے۔'' جاوید اس کے چہرے کے قریب انگلی نچا کر بولا۔

''جاوید! تم حد سے بڑھ رہے ہو۔'' آصف غرایا۔ ''میں اس قسم کی جاہلانہ بے تکلفی قطعی پسند نہیں کرتا۔''

''فریدی کی بات آپ کہاں سے لے بیٹھے جاوید صاحب۔'' لیفٹیننٹ سنگھ نے کہا۔ ''شہر کا بڑے سے بڑا بدمعاش اس کے نام سے تھراتا ہے۔''

''ہم یہاں غپیں ہانکنے کے لئے نہیں آئے سمجھے آپ لوگ۔'' آصف جھلا گیا۔

''تلاشیوں میں وقت برباد کرنے آئے ہیں۔'' جاوید نے کہا۔

''اچھی بات ہے۔'' آصف غرایا۔ ''میں خود سے انچارج نہیں بنا ہوں بلکہ ایک اعلیٰ آفیسر نے یہ خدمت میرے سپرد کی ہے۔''

''ہمیں اس سے انکار کب ہے مسٹر آصف۔'' لیفٹیننٹ سنگھ نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''ہم آپ کے ہر حکم کی تعمیل کے لئے مستعد ہیں۔ کچھ کہئے بھی تو....!''

''میرا خیال ہے کہ....!'' ریکھا کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

سب لوگ اس کی طرف دیکھنے لگے۔

''نہیں کچھ نہیں....!'' ریکھا سر ہلا کر بولی۔ ''میں اپنا خیال نہیں ظاہر کرنا چاہتی۔''

''اس کے لئے میں شکر گزار ہوں۔'' آصف اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔

اس بار اس کا لہجہ قابل اعتراض تھا۔ لیکن ریکھا چپ چاپ اسے بھی برداشت کر گئی۔

البتہ دوسرے پھر آصف پر برس پڑے۔

اور سراغ رسانی کی یہ ٹیم مڈل سکول کے طلباء کی کوئی جماعت معلوم ہونے لگی۔ جب آصف کا غصہ بہت بڑھ گیا تو اس نے بالکل خاموشی اختیار کر لی۔

بہرحال کسی نہ کسی طرح انہوں نے واردات کے متعلق ایک چھوٹی سی رپورٹ مرتب کی اور لاش کو وہاں سے اٹھوا دینے کے بعد عمارت سے نکل آئے۔

لیکن آصف کے لئے ایک دوسرا جھٹکا باہر بھی موجود تھا۔ جب وہ اسٹیشن ویگن میں بیٹھ رہے تھے انہیں اس کے فرش پر دوسرا سرخ دائرہ دکھائی دیا جس کے درمیان میں کاغذ کی ایک چٹ چسپاں تھی اور چٹ پر ٹائپ کے حروف میں تحریر تھا۔

''آصف! تم زندہ رہو گے، لیکن زندگی سے بیزار.... یہ ہمارا فیصلہ ہے!''

پانچ شریف آدمی

حمید بڑی دیر سے فریدی کا دماغ چاٹ رہا تھا۔

''آپ کی سخت توہین ہوئی ہے جناب.... آپ مانیں یا نہ مانیں۔''

''چلو.... ختم بھی کرو۔'' فریدی بیزاری سے بولا۔

''میں تو کبھی ختم نہیں کر سکتا۔ خواہ خود ہی ختم ہو جاؤں.... آہا.... مگر وہ ریکھا۔ مجھے اس کی بہت فکر ہے۔''

''کیوں....؟''

''ان بور قسم کے آدمیوں میں رہ کر اسے تپ دق ہو جائے گا۔''

''کھسکو یہاں سے۔ کیا تمہیں اور کوئی کام نہیں ہے۔'' فریدی بڑبڑایا۔ وہ کسی کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا اور چاہتا تھا کہ حمید کسی طرح ٹل جائے۔ مگر حمید پر ریکھا سوار تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ فریدی سے بڑی عقیدت رکھتی ہے۔ لہٰذا فریدی کو چاہئے کہ اسے ضرور لفٹ دے۔

حمید پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کہنا چاہئے۔ کس طرح فریدی کو اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ ریکھا سے خوش اخلاقی سے پیش آئے۔

وہ سوچ ہی رہا تھا کہ ملازم کسی کا وزیٹنگ کارڈ لایا اور فریدی نے کارڈ اسے واپس کرتے ہوئے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ ''بٹھاؤ۔''

''کون ہے؟'' حمید نے پوچھا۔

''ریکھا....!'' فریدی نے اکتا کر کتاب بند کرتے ہوئے کہا اور کرسی سے اٹھ گیا۔

''واہ.... کیا بات ہوئی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ کوئی خاص بات لے کر آئی ہوگی۔ لہٰذا استدعا ہے کہ....!''

فریدی کمرے سے نکل گیا۔ حمید جملہ پورا نہ کر سکا لیکن وہ یہاں ٹھہر تو نہیں سکتا تھا۔ شاید پندرہ یا بیس دن سے اُس نے کسی لڑکی سے گفتگو نہیں کی تھی اور اس نے یہ پندرہ یا بیس دن اس طرح گذارے تھے جیسے کسی لق و دق ریگستان میں تنہا چھوڑ دیا گیا ہو۔

ڈرائنگ روم میں فریدی اور ریکھا موجود تھے۔ ریکھا فریدی سے کہہ رہی تھی۔ ''انہوں نے میری بات نہیں سنی۔ اگر آپ مجھے تھوڑا سا وقت دے سکیں تو میں بہت مشکور ہوں گی۔''

حمید خاموشی سے ایک صوفے پر بیٹھ گیا تھا اور یہ صوفہ ان دونوں سے کافی فاصلے پر تھا۔

''یقیناً شوق سے.... کہئے۔'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

ریکھا کنکس لین والی واردات اور آصف کی پارٹی کی تحقیقات کے متعلق بتانے لگی۔

فریدی غور سے اسے سنتا رہا، کبھی کبھی وہ اسے روک کر ایک آدھ سوال بھی کر لیتا تھا۔

پھر ریکھا داستان کے اس حصہ پر پہنچی جہاں سے رنگین چاک بھری انگلیوں کا واقعہ شروع ہوتا تھا۔ یک بیک فریدی سنبھل کر بیٹھ گیا اور ریکھا نے بھی اس میں یہ تبدیلی محسوس کر لی۔ وہ بڑے جوش و خروش کے ساتھ بیان کر رہی تھی اور حمید اس کے ہونٹوں کے زاویے ناپ رہا تھا۔

قوسوں پر قربان ہو رہا تھا۔

''داہنا ہاتھ صاف تھا۔'' فریدی نے پوچھا۔

''جی ہاں....!''

''اچھا! کیا ساری انگلیوں میں چاک بھری ہوئی تھی۔''

''جی نہیں، چھوٹی انگلی بے داغ تھی۔''

''خوب.... اچھا پھر۔''

پھر آصف کے کوٹ پر بنے ہوئے دائرے کا تذکرہ چھڑ گیا۔

''واہ.... یہ بڑی عجیب بات ہے۔'' فریدی بڑبڑایا۔ ''سچ مچ یہ لوگ بہرام اور آرسین پن وغیرہ کے کارنامے دہرا رہے ہیں۔''

''یہی نہیں .... بلکہ ایک دائرہ اسٹیشن ویگن میں بھی ملا جس کے درمیان میں ایک سلپ چسپاں تھی اور اس پر تحریر تھا۔ ''آصف تم زندہ رہو گے لیکن زندگی سے بیزار، ہمارا فیصلہ ہے۔''

''واہ....!'' حمید مسکرا کر بولا۔ ''اس بات پر تو ان لوگوں کی عزت کرنے کو دل چاہتا ہے۔''

ریکھا حمید کی طرف دیکھ کر ہنسی اور حمید کا دل چاہا کہ اپنے ہی دانتوں سے اپنی گردن ادھیڑ ڈالے۔

''یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔ پھر بلند آواز میں پوچھا۔ ''کیا تحریر ہاتھ کی تھی؟''

''جی نہیں ٹائپ۔''

''چالاک ہیں، اچھا پھر.... آصف کا کیا خیال ہے۔''

''خیال سے تو آصف کو دشمنی ہے۔'' ریکھا مسکرا کر بولی۔ ''نہ تو وہ کوئی ذاتی خیال رکھتے ہیں اور نہ کسی دوسرے کے خیال کو خاطر میں لاتے ہیں، میں ابھی تک انہیں سمجھ ہی نہیں سکی۔''

ریکھا نے اتنا ہی کہا' اپنی اور آصف کی گفتگو کا تذکرہ نہیں کیا۔

''یعنی ابھی تک آپ لوگ اس کیس کے متعلق کوئی رائے نہیں قائم کر سکے۔''

''جی نہیں.... اور یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ سرخ دائرہ....!''

''نہیں....!'' فریدی بات کاٹ کر بولا۔ ''یہ ضروری نہیں ہے کہ اس واردات میں انہی لوگوں کا ہاتھ ہو، کوئی دوسرا بھی سرخ دائرے کی وباء سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔''

''جی ہاں.... یہ بھی ممکن ہے۔''

''اچھا تو آپ چاہتی کیا ہیں۔''

''میں اپنے طور پر اس کیس کی تفتیش کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ لوگ کبھی کامیاب نہ ہوسکیں گے۔ میں تو آپ کے طریق کار پر عمل کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ میں نے جو کچھ بھی سیکھا ہے، آپ ہی سے سیکھا ہے۔''

''ہائیں....!'' حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ ''اور میں اب تک اس سے ناواقف رہا۔''

''اوہ.... آپ غلط سمجھے۔'' ریکھا نے جلدی سے کہا۔ ''میں کرنل صاحب کے کیسوں کی رپورٹیں بہت غور سے پڑھتی رہی ہوں۔''

''تو پھر اب باقاعدہ شاگرد ہوجایئے نا۔'' حمید گنگنایا۔

''فضول باتیں نہ کرو۔'' فریدی جھلا کر اس کی طرف مڑا۔

''یہ میرا نیک مشورہ تھا۔'' حمید نے سنجیدگی سے کہا اور دیوار سے لگی ہوئی ایک پینٹنگ کی طرف دیکھنے لگا۔

''بہرحال مس ریکھا، سب سے پہلے آپ کو یہ دیکھنا پڑے گا کہ قتل ہوا کیسے۔ اسی پر غور کرنے سے ممکن ہے، کوئی کلیو بھی ہاتھ آجائے۔''

''قتل بڑے عجیب حالات میں ہوا ہے۔ کمرے میں ساری چیزیں الٹی پڑی تھیں اور لاش فرش پر تھی۔ اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ مقتول پر کافی جدوجہد کے بعد قابو پایا جاسکا ہوگا۔ مگر ایسی کش مکش خاموشی سے نہیں ہوسکتی۔ الماریوں کا گرنا، سنگار میز کا الٹنا، مگر اس کی لڑکی جو برابر ہی کے کمرے میں سوئی ہوئی تھی اطمینان سے رات بھر سوتی رہی۔ وہ کمرہ دوسری منزل پر تھا ٹھیک اس کمرے کے نیچے والے کمرے میں بھی اسی خاندان کے کئی افراد موجود تھے۔ لیکن چھت پر وزنی الماریوں کے گرنے سے انکی نیند میں خلل نہیں پڑا۔ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے۔''

''ہاں.... آں.... آپ ٹھیک راستے پر جارہی ہیں۔'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

ریکھا بھی خاموش ہوکر کچھ سوچنے لگی۔

''انگلیوں کے نشانات کی تلاش تو ضرور ہوئی ہوگی۔'' فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

''لیفٹیننٹ سنگھ نے اس سلسلے میں کچھ کام کیا ہے۔ لیکن وہاں مقتول کی انگلیوں کے علاوہ اور کسی دوسری ٹائپ کے نشانات نہیں ملے۔''

''کیا مقتول شب خوابی کے لباس میں تھا۔''

''جی ہاں....!''

''بستر کی کیا حالت تھی۔''

''بس یہی معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی کو سوتے سے زبردستی اٹھایا گیا ہو۔''

''ہوں....!'' فریدی سر ہلا کر بولا۔ ''اچھا مقتول کے بارے میں آپ لوگوں کی معلومات کیا ہیں۔''

''وہ ایک دولت مند آدمی تھا۔ ماضی قریب میں اس کا کسی سے کوئی جھگڑا نہیں ہوا تھا۔ اس نے اپنے بعد تین لڑکیاں چھوڑی ہیں۔ بیوی پہلے ہی مرچکی تھی۔''

''اس کا اٹھنا بیٹھنا کن لوگوں میں تھا۔''

''اوہو، ابھی شاید اس کا علم پارٹی کے کسی فرد کو نہ ہو!''

''مجرموں کے داخلے اور فرار کے راستوں کا پتہ تو چل ہی گیا ہوگا۔'' فریدی نے کہا۔

''مجھے علم نہیں ہے کہ انہوں نے اس سلسلے میں کیا کیا؟'' ریکھا بولی۔

''آخری بار اسے کس نے زندہ دیکھا تھا۔''

''اس نوکر نے جو رات کو اس کی واپسی کا انتظار کیا کرتا تھا۔''

''گویا وہ پچھلی رات گھر سے باہر بھی رہا تھا۔''

''جی ہاں.... تقریباً ساڑھے گیارہ بجے اس کی واپسی ہوئی تھی۔''

''ڈاکٹر کی لاش کے متعلق کیا رائے ہے۔''

''قتل ایک اور دو کے درمیان ہوا تھا، تین ڈاکٹر اس بات پر متفق ہیں۔ صرف ایک کی رائے ہے کہ قتل بارہ بجے سے پہلے ہوا ہوگا۔''

''بہرحال دو مختلف رائیں ہیں، خیر.... اچھا مس ریکھا۔ میں دیکھوں گا کہ آپ کے لئے کیا کرسکتا ہوں۔ ویسے میں آپ کی ذہانت کا معترف ہوں۔''

''یہاں آپ غلطی پر ہیں۔'' حمید بول پڑا۔ ''آپ بھول رہے ہیں کہ میں نے آپ سے بھی پہلے ان کی ذہانت کا اعتراف کیا تھا۔''

''آپ حضرت کی ذرہ نوازی کا شکریہ۔ میں تو بہرحال طفل مکتب ہوں۔'' ریکھا نے کہا۔

''اور مس ریکھا۔'' فریدی نے اس انداز میں کہا جیسے وہ کسی ایک ہی بات پر عرصہ سے بولتا رہا ہو۔ ''انگلیوں پر چاک کے دھبے.... یہ بہت اہم ہیں۔ یقیناً ایک کلیو آپ کے ہاتھ آ گیا ہے۔''

''لیکن اسی طرح جیسے کوئی کارآمد چیز ہاتھ آ جائے.... لیکن میں اس کے استعمال سے واقف نہ ہوں۔''

''فکر نہ کیجئے۔ بعض اوقات چیزوں کا غلط استعمال ہی طریقہ استعمال سمجھا دیتا ہے۔ کل میں آپ کو اس کلیو کے متعلق کچھ بتا سکوں گا۔''

شیش محل کے پانچویں فلیٹ میں پانچ شریف آدمی ایک گول میز کے گرد بیٹھے ہوئے کچھ سوچ رہے تھے۔ خوش پوش اور شائستہ صورت آدمی شریف ہی کہلاتے ہیں۔ لہٰذا جب تک انہوں نے گفتگو نہیں شروع کی اس وقت تک شریف ہی معلوم ہوتے رہے، لیکن اس گفتگو کے باوجود بھی اس کی ذات سے لفظ ''شریف'' علیحدہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس کی حقیقت یہ تھی کہ پانچ آدمیوں کی اس ٹولی کا نام ''جنٹل فائیو'' یعنی پانچ شریف تھا.... اور ان سے جرائم کے علاوہ اور کسی قسم کی شرافت آج تک نہیں سرزد ہوئی تھی۔ ان کے چہرے فلاسفروں اور پروفیسروں جیسے تھے۔ ان کی آنکھیں ہر وقت سوچ میں ڈوبی رہتیں۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے یہ اس عظیم کائنات کا کوئی عظیم ترین عقدہ حل کرنے کی کوشش کر رہے ہوں۔

''ہم میں سے وہ مسخرہ کون ہے۔'' دفعتاً ان خاموش آدمیوں میں سے ایک نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے پھر اپنا سوال دہرایا اور ایک آدمی بولا۔

''ہم میں سے کوئی بھی نہیں ہوسکتا۔''

''پھر کیا فرشتے سرخ دائرہ بناتے ہیں۔''

''کوئی بھی بناتا ہو.... لیکن ہم میں سے کسی کو کیا پڑی ہے۔'' دوسرے آدمی نے اپنے تینوں ساتھیوں کی طرف دیکھ کر کہا اور وہ صرف سر ہلا کر رہ گئے۔ ان کی آنکھیں اس وقت بھی سوچ میں ڈوبی ہوئی سی معلوم ہو رہی تھیں۔

''پھر مجھے بتاؤ نا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ ہم نے آج تک جتنی بھی تجوریاں توڑی ہیں ان پر صبح کو پولیس نے سرخ دائرے ضرور دریافت کئے ہیں۔ لیکن کیا ہم نے کبھی کوئی قتل بھی کیا ہے۔''

''کبھی نہیں۔'' چاروں آدمی یک زبان بولے۔

''لیکن بعض لاشوں کے قریب بھی یہ دائرے پائے گئے ہیں۔''

''آخر یہ ہے کون، ہم میں سے کوئی اس قسم کی حرکت کرنے ہی کیوں لگا۔ یہ تو کوئی ایسا آدمی معلوم ہوتا ہے جو ہمیں پھانسی کے تختے پر دیکھنا چاہتا ہے۔''

''مگر کون....؟ ہمیں کون جانتا ہے۔ جبکہ ہم خود بھی ایک دوسرے کو نہیں جانتے۔ ہم ایک دوسرے کے نام تک سے ناواقف ہیں۔ ایک دوسرے کی قیام گاہیں ہمیں نہیں معلوم۔''

''آہا.... کتنی عجیب بات ہے۔ کتنی عجیب۔''

''اور ہم نے کبھی اس پر بھی غور کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی کہ ہم ایک دوسرے سے ملے کس طرح تھے۔''

''مگر ہمیں کم از کم اس پر غور تو کرنا چاہئے۔''

''سب سے پہلے ہم دونوں ملے تھے۔'' ایک نے دوسرے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

دوسرے نے سر ہلا کر اس کی تصدیق کی۔

''کیفے جبران کی میز نمبر تیرہ ہمارے لئے یادگار حیثیت رکھتی ہے۔ آج بھی اس پر ہمارا قبضہ ہے۔ وہ ہمیشہ مخصوص رہتی ہی۔''

''کچھ بھی ہو.... میں آج اپنی قسم توڑ دوں گا۔'' ایک نے کہا۔ اس کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔ ان پانچوں میں سب سے زیادہ پریشان یہی نظر آ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ''پچھلی رات کنگسن لین میں بھی ایک قتل ہوا ہے، اور وہاں بھی ایسا ہی سرخ دائرہ پایا گیا ہے، حالانکہ ہم نے کنگس لین میں قدم بھی نہیں رکھا۔''

''ہم اس چور کو پکڑ سکتے ہیں۔'' ایک آدمی نے کہا۔ ''جو شروع سے اب تک کچھ بولا ہی نہیں تھا۔''

''اس کے متعلق پھر باتیں کریں گے۔ میں فی الحال اپنی قسم توڑنے جا رہا ہوں۔''

''قسم.... تو کیا.... یعنی....!'' ایک آدمی ہکلا کر بولا۔ بقیہ تین بھی اسے حیرت سے دیکھنے لگے تھے۔

''میں آپ لوگوں کو اپنے متعلق سب کچھ بتاؤں گا۔''

''لیکن ہم اپنی قسمیں توڑنے پر تیار نہیں۔'' چاروں بیک وقت بولے۔ پھر انہوں نے بھی ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھنا شروع کر دیا۔ جیسے غیر متوقع طور پر اپنی زبانوں سے ایک ہی جملہ نکلنے پر انہیں تعجب ہو۔

''آہا.... تب تو یہ معاملہ بالکل ہی صاف ہو گیا۔'' قسم توڑنے والا بولا۔

ان چاروں نے اس پر کسی قسم کا سوال نہیں کیا۔ انکی آنکھیں پھر سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔

''مجھے ایک فقیر نے کیفے جبران کی تیرھویں میز پر بھیجا تھا۔'' قسم توڑنے والے نے کہا۔ ''مجھے ریس کا چسکا ہے۔ میں ریس کھیلے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ ہم جواری لوگ ضعیف الاعتقاد بھی ہوتے ہیں۔ ریس کورس کے باہر ایک تباہ حال فقیر بیٹھا کرتا تھا۔ یہ بہت عرصے کی بات ہے۔ اب آج کل وہ نظر نہیں آتا۔ وہ اکثر لوگوں کو کامیاب ہونے والے گھوڑوں کے نمبر بتا دیا کرتا تھا۔ ایک دن جبکہ میں ریس کورس میں داخل ہونے جا رہا تھا، اس نے خود میرا شانہ پکڑ کر مجھے روک لیا اور اپنی سرخ آنکھیں میری آنکھوں میں گڑوتا ہوا بولا.... ''تیرہ نمبر.... صرف تیرہ۔'' اور پھر مجھے داخلے کے گیٹ میں دھکیل کر دوسری طرف چلا گیا۔ لوگ اکثر اس کی منتیں کیا کرتے تھے لیکن وہ کسی کو کچھ نہیں بتاتا تھا، اس دن اس سے یہ نئی حرکت سرزد ہوئی تھی۔ یعنی

خود سے کسی کو نمبر بتانا.... میں نے اس دن اپنی ساری پونجی تیرہ نمبر پر جھونک دی اور جب میں وہاں سے واپس ہوا تو پچاس ہزار کا مالک تھا۔ اگلی ریس پر اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ لہٰذا میں نے اس دن ریس کورس میں قدم بھی نہیں رکھا۔ اس کے بعد والی ریس کے موقع پر وہ پھر ملا اور میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ جواب میں اس نے مسکرا کر کہا کہ اب تم ہمیشہ مجھے پریشان کرتے رہو گے۔ میں نے کہا آپ کی عنایت ہوگی۔ بولا.... بکواس ہے۔ ویسے تمہاری تقدیر ''ک ج'' کی تیرھویں میز پر چمک سکتی ہے۔ لیکن وہاں بیٹھ کر تم سب اپنی اصلیت چھپاؤ گے۔ اگر کوئی تمہارے پاس بیٹھنا چاہے تو اعتراض نہ کرنا۔ اس سے تمہارے خواہ کتنے ہی اچھے تعلقات کیوں نہ ہو جائیں، تم اسے اپنا پتہ نشان نہیں بتاؤ گے۔ میں نے پوچھا یہ ''ک ج'' کیا چیز ہے۔ کہنے لگا تمہارے ستاروں کے حروف.... ان حروف سے جو جگہ بھی بن جائے، تیرہ نمبری میز کبھی نہ بھولنا.... تم تیرہ ہی نمبر کا گھوڑا بھی جیت چکے ہو۔ بس اب کچھ نہ پوچھنا۔ ورنہ برباد ہو جاؤ گے۔ دفع ہو جاؤ۔ بس تو پھر دوستو میں وہاں سے چلا آیا ''ک ج'' کیا تلاش شروع ہوئی۔ شہر میں کیفے جبران کے علاوہ اور کسی جگہ کا نام ''ک ج'' سے مرکب نہیں تھا اور وہاں تیرہ نمبر کی میز بھی موجود تھی۔ میں نے اسے اپنے لئے مستقل طور پر مخصوص کرا لیا۔ پھر ایک ایک کر کے آپ لوگ آئے.... کیا آپ کو بھی اسی فقیر نے بھیجا تھا۔''

وہ چاروں اسے قہر آلود نظروں سے گھور رہے تھے۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

''تم نے اپنی قسم توڑ دی۔ ہمیں اپنے متعلق سب کچھ بتا دیا۔ اب بہتری اسی میں ہے کہ چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔ دوبارہ تمہاری شکل نہ دکھائی دے ورنہ نتیجے کے تم خود ذمہ دار ہو گے اور اب کیفے جبران میں بھی تمہارا قدم رکھنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہوگا۔ چپ چاپ اٹھو اور چلے جاؤ۔''

پہلا شریف آدمی

''جنٹل فائیو'' کے پانچویں آدمی کو دھکے دے کر فلیٹ سے باہر نکال دیا گیا اور اس نے سڑک پر پہنچ کر عمارت کی طرف دیکھتے ہوئے پھر ایک بہت بڑی قسم کھائی۔ مگر اس قسم کا تعلق ان چار آدمیوں کی زندگیوں سے تھا جنہوں نے دھکے دے کر اسے فلیٹ سے نکالا تھا۔

یہ پانچواں رکن جنٹل فائیو کا سب سے زیادہ کارآمد آدمی تھا۔ بلندیوں پر چڑھنے، وہاں سے بے دریغ نیچے چھلانگ لگا دینے میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ مضبوط سے مضبوط تجوریاں اس طرح اس کے ہاتھ کے ایک اشارے پر کھل جاتی تھیں جیسے وہ اسی کے انتظار میں بند پڑی رہی ہوں۔

حقیقتاً یہ جنٹل فائیو کا پانچواں نہیں بلکہ پہلا آدمی تھا۔ کیونکہ اس سے پہلے کیفے جبران کی تیرھویں میز پر مستقل طور پر کسی کا قبضہ نہیں تھا۔ دوسرے چار آدمی ایک ایک کر کے اس کے بعد ہی اس میز پر آئے تھے اور اسی مناسبت سے وہ ایک دوسرے کو مخاطب کرنے کے لئے نمبر شمار استعمال کرتے تھے۔ مثلاً یہ نکالا ہوا آدمی جنٹل فرسٹ کہلاتا تھا۔ اس طرح دوسرے جنٹل سیکنڈ، تھرڈ، فورتھ اور ففتھ کہلاتے تھے۔ آہستہ آہستہ یہ لوگ ایک دوسرے کی عادات و خصائل سے واقف ہوئے اور انہوں نے محسوس کیا کہ وہ پانچوں ایک ہی قسم کے آدمی ہیں۔

یعنی مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے۔ بس پھر پانچ آدمیوں کی ایک ٹولی بن گئی اور یہ بھی حقیقت تھی کہ اس طرح ان کی تقدیریں بھی جاگ اٹھی تھیں۔ یہ پانچوں تعلیم یافتہ اور اونچی سوسائٹیوں میں اٹھنے بیٹھنے والے لوگ تھے اور شہر کے مختلف حصوں میں ان کی شاندار قسم کی قیام گاہیں تھیں۔ سواری کے لئے کاریں بھی رکھتے تھے۔ یہ جب بھی کہیں ہاتھ صاف کرتے انہیں اتنا مل جاتا کہ مہینوں عیش سے گذرتی۔ چوریوں اور ڈکیتیوں کا طریقہ سائنٹیفک ہوا کرتا تھا۔

اس لئے معمولی تربیت یافتہ پولیس اب تک ان کی گرد کو بھی نہیں پا سکی تھی۔ یہ سب ایک دوسرے کے لئے بھی انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتے تھے کیونکہ ایک دوسرے سے الگ ہو جانے کے بعد ہر شریف آدمی دوسرے کے متعلق کچھ بھی نہیں جان سکتا تھا کیونکہ کسی کو بھی دوسروں کی قیام گاہوں تک کا علم نہیں تھا۔

جنٹل فرسٹ نے ایک بار پھر شیش محل کی طرف تنفر آمیز نظروں سے دیکھا جس کے پانچویں فلیٹ میں وہ اپنے چاروں ساتھیوں کو چھوڑ آیا تھا۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ اپنی کار کے قریب پہنچ گیا، وہ خوفزدہ نہیں تھا۔ حالانکہ اسے یقین تھا کہ وہ چاروں یقینی طور پر اس کا تعاقب کریں گے۔

اور پھر جب وہ کار ڈرائیو کر رہا تھا تو اس کے زانوؤں پر ایک چھوٹی سی رائفل رکھی ہوئی تھی اور عقب نما کا زاویہ کچھ بدل دیا گیا تھا۔ تاکہ تعاقب کرنے والوں کو نظر میں رکھا جائے۔ مگر رات کا وقت ہونے کی بناء پر اس قسم کی احتیاطی تدبیر فضول ہی ثابت ہوئی کیونکہ عقب نما آئینے میں وہ صرف اپنے پیچھے آنے والی کاروں کی ہیڈ لائیٹس ہی دیکھ سکتا تھا۔ پھر شہر کی بھری پُری سڑکوں کا کیا کہنا۔ کاروں کا تارکب ٹوٹتا ہے۔ لیکن اسے بہرحال اپنا اطمینان کرنا تھا۔ اب اس نے دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ اپنی کار کو سنسان اور تاریک گلیوں میں موڑنے لگا اور تھوڑی ہی دیر بعد اسے یقین آ گیا کہ کوئی اس کے تعاقب میں نہیں ہے۔ اس نے گود سے رائفل اٹھا کر نیچے ڈال دی۔

جنٹل فرسٹ ایک دراز قد آدمی تھا۔ عمر پینتیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ لیکن سر کے بال قبل از وقت صاف ہو گئے تھے۔ اس کی آنکھیں بہت جاندار تھیں اور اس سے اس کی جسمانی قوت کا اندازہ کر لینا بہت آسان تھا۔ ایسی سچی آنکھیں بہت کم آدمیوں کو نصیب ہوتی ہیں۔

اس نے اپنی کار کیفے جبران کے سامنے روک دی اور اتر کر سیدھا اندر چلا گیا۔ تیرہ نمبر کی میز خالی تھی اور اس پر ریزرویشن کی تختی رکھی ہوئی تھی۔

ویٹروں نے ہاتھ اٹھا اٹھا کر اسے سلام کیا۔ وہ اسے مسٹر ڈیکارٹس کے نام سے جانتے

تھے۔ حالانکہ اس کا یہ نام نہیں تھا۔ ان پانچوں نے دنیا کے پانچ مشہور فلسفیوں کے نام اختیار کر رکھے تھے۔ ڈیکارٹس، لائبنیز، اسپنوزا، ہیوم، برکلے۔ پتہ نہیں اس طرح وہ ان فلسفیوں کی ہنسی اڑانا چاہتے تھے یا کچھ اور مقصد تھا۔

جنٹل فرسٹ سیدھا منیجر کے کمرے کی طرف چلا گیا۔ بند دروازے پر دستک دی۔ اندر کچھ کھڑکھڑاہٹ سنائی دی۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کرسیاں اور میزیں کھسکائی جا رہی ہوں۔ پھر آواز آئی۔

''آ جاؤ....!''

جنٹل فرسٹ نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا۔ منیجر میز پر دونوں کہنیاں ٹیکے بیٹھا دروازے کی طرف گھور رہا تھا۔ آنے والے کو دیکھ کر جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

''آہا.... مسٹر ڈیکی۔ آیئے آیئے۔'' اس نے کہا۔ وہ اسے ڈیکارٹس کی بجائے ڈیکی کہا کرتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے دوست اسے ڈیکی ہی کہتے ہوں گے۔

جنٹل فرسٹ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا اور اب اس نے دیکھا کہ کمرے میں ایک اینگلو انڈین لڑکی بھی موجود ہے۔

''میں ایک ضروری بات کہنا چاہتا ہوں۔'' جنٹل فرسٹ نے لڑکی کیطرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ضرور ضرور.... آیئے.... میرے ساتھ۔'' منیجر نے اٹھ کر اپنی کرسی کھسکائی اور دوسرے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر چلنے کا اشارہ کیا۔

دونوں کمرے میں چلے گئے۔

''تیرہ نمبر کی میز کا ریزرویشن کس کے نام سے ہے۔'' جنٹل فرسٹ نے اس سے پوچھا۔

''آپ کے نام سے مسٹر ڈیکی۔ آپ جیسا لاپرواہ اور فراخ دل رئیس آج تک ہماری نظروں سے نہیں گزرا۔ آپ صرف اس میز کے لئے ہمیں پانچ سو روپے ماہوار دیتے ہیں۔''

''اچھا تو اب اس میز کو میری عدم موجودگی میں بھی کوئی استعمال نہ کرنے پائے۔''

''ہرگز نہیں جناب۔ وہ تو ہمیشہ خالی پڑی رہتی ہے۔'' منیجر نے کہا۔ ''اس کو صرف آپ یا آپ کے احباب استعمال کرتے ہیں۔''

''اب میرے علاوہ اور کوئی نہیں.... سمجھ گئے نا آپ۔''

''آپ کے چاروں دوست بھی نہیں۔'' منیجر نے حیرت سے کہا۔

''جی ہاں.... وہ بھی نہیں۔ آپ انہیں منع کرتے وقت میرا حوالہ دے سکتے ہیں۔''

''بہت بہتر مسٹر ڈیکارٹس۔''

وہ پھر اس کمرے سے منیجر کے آفس میں آ گئے۔ اینگلو انڈین اب بھی موجود تھی اور اب وہ جنٹل فرسٹ کو بڑی نشیلی آنکھیں بنا کر دیکھ رہی تھی۔ لیکن جنٹل فرسٹ کو عورتوں سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔

وہ منیجر کے کمرے سے نکل کر ہال میں آیا اور وہاں رکے بغیر آگے بڑھ گیا۔

باہر اس کی کار کھڑی تھی۔ اس نے اگلی نشست پر بیٹھ کر اسٹارٹ کیا، لیکن وہ کار کو آگے نہیں بڑھا سکا۔ کیونکہ ایک ٹھنڈی سی چیز اس کی گردن سے آ لگی تھی۔

اس جگہ بہت سی کاریں کھڑی تھیں اور اس حصے میں زیادہ روشنی نہیں تھی۔ جنٹل فرسٹ کو سر گھمانے تک کا موقع نہیں ملا۔

اس کے گلے سے خرخراہٹ کی آواز نکلنے لگی اور وہ پشت گاہ پر گردن ڈالے ہوئے اس طرح تڑپنے لگا جیسے کوئی ذبح کیا ہوا مرغ۔

چاروں طرف سناٹے کی حکمرانی تھی۔ یہ دراصل ایک گلی تھی اور یہاں اس وقت آمد و رفت نہیں تھی۔ چونکہ سڑک پر کاریں کھڑی کرنے کا حکم نہیں تھا، اس لئے یہ گلی عام طور پر کاروں سے بھری رہا کرتی تھی۔ قریب ہی ایک سینما ہاؤس بھی ہونے کی وجہ سے پارک کی جانے والی کاروں کی زیادتی ہی رہتی تھی۔

جنٹل فرسٹ تڑپتا رہا۔ رائفل اب اس کی گود سے نیچے گر گئی تھی۔ آہستہ آہستہ خرخراہٹ کی آوازیں مدہم ہوتی گئیں اور پھر یک بیک وہ ٹھنڈا ہو گیا۔

گلی کی سناٹے کا وہی عالم رہا۔

دوسرا شو ختم ہونے پر جب تماشائی اپنی کاروں کے لئے گلی میں داخل ہوئے تو انہیں لاش کا علم ہوگیا....اور پھر....وہی ہوا جو ایسے مواقع پر عام طور پر ہوا کرتا ہے۔ اچھی خاصی سراسیمگی پھیل گئی۔ زیادہ تر لوگ اپنی کاریں گلی سے نکال کر ہوا ہوگئے۔ بہرحال کسی نہ کسی طرح پولیس کو اطلاع ہوئی۔ چونکہ یہ علاقہ کوتوالی ہی کے حلقے میں تھا اس لئے یہاں انسپکٹر جگدیش کی موجودگی ضروری تھی۔ اس نے موقعہ واردات کا معائنہ کیا اور ذرا ہی سی دیر میں اس کی عقل چکرا گئی۔ اگر کار کا انجن چل نہ رہا ہوتا تو شائد وہ اسے عام قسم کی وارداتوں سے زیادہ اہمیت نہ دیتا۔ لیکن ایسی صورت میں وہ سمجھے بوجھے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔

حالانکہ فریدی نے اس سے کہہ رکھا تھا کہ جب بھی وہ کسی پیچیدہ کیس سے دوچار ہو، اسے اپنی مدد کے لئے بلا سکتا ہے۔ لیکن پھر بھی اسے فون کرتے وقت جگدیش ہچکچا رہا تھا۔ کیونکہ اب دو بجنے والے تھے، بہرحال اس نے ایک پبلک کال بوتھ سے فریدی کو فون کر ہی دیا۔ فریدی گھر ہی پر موجود تھا، اور ابھی تک سویا نہیں تھا۔

ٹھیک تین بجے وہ حمید سمیت موقعہ واردات پر پہنچ گیا۔ حمید کو شائد وہ جگا کر لایا تھا۔ اس لئے کہ جگدیش کا سامنا ہوتے ہی حمید نے منہ پھیر لیا۔

فریدی نے بہت خاموشی سے لاش کا جائزہ لیا۔ لاش کے پیروں کے قریب پڑی ہوئی رائفل خاص طور پر اس کی توجہ کا مرکز تھی۔ جگدیش کو توقع تھی کہ فریدی اس سلسلے میں کوئی نیا انکشاف کرے گا، لیکن اس نے اس کے متعلق کچھ بھی نہیں کہا۔

''کیا تمہیں کوئی ایسا آدمی بھی ملا جو لاش کو شناخت کر سکے۔'' اس نے جگدیش سے پوچھا۔

''جی ہاں.... کیفے جبران والے۔ وہ ان کا مستقل گاہک تھا۔ منیجر کا بیان ہے کہ وہ گیارہ

بجے کیفے میں آیا تھا۔''

''اوہ....اچھا۔ تو میں منیجر ہی سے گفتگو کروں گا۔'' فریدی بولا۔

جگدیش انہیں کیفے جبران میں لایا۔ اس نے پہلے ہی منیجر کو پابند کر دیا تھا کہ وہ اسے اطلاع دیئے بغیر کہیں نہ جائے۔ جگدیش کو دیکھتے ہی وہ دبی زبان سے اس کی نادر شاہی کے خلاف احتجاج کرنے لگا۔

''اوہ....دیکھئے۔'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ ''بات ہی ایسی ہے....صرف آپ ہی یہاں ایسے ہیں جس سے ہمیں مقتول کے متعلق کچھ معلوم ہوسکتا ہے۔ کیا آپ اس کا نام بتا سکیں گے۔''

''نام....جی ہاں....مسٹر ڈیکارٹس....''

''ڈیکارٹس!'' فریدی نے حیرت سے دہرایا اور حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

''کیا یہ مستقل گاہک تھا۔'' فریدی نے پوچھا۔

''ایک عجیب وغریب گاہک جناب۔ انہوں نے تقریباً ایک سال سے تیرہ نمبر کی میز مخصوص کرا رکھی تھی اور اس کے لئے وہ ہر ماہ مبلغ پانچ سو روپے ادا کرتے تھے۔''

''شاید آپ کو نیند آرہی ہے۔'' حمید برجستہ بولا۔

''نہیں جناب۔'' منیجر نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''میں جاگ رہا ہوں....مجھے یقین ہے کہ اس پر مشکل ہی سے کسی کو یقین آئے گا۔ مگر یہ حقیقت ہے۔ ہمارے کئی ویٹر اسے ایک سال سے یہاں دیکھ رہے ہیں۔''

''خوب....!'' فریدی کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں اور اس نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا وہ یہاں تنہا بیٹھا کرتا تھا۔''

''جی نہیں، چار آدمی اور بھی ہیں اور ہاں دیکھئے....شاید اس سے کچھ کام چل سکے۔ گیارہ بجے مسٹر ڈیکارٹس اسی لئے یہاں آئے تھے کہ آئندہ ان چاروں کو اس میز پر نہ بیٹھنے دیا جائے۔''

''کیا مطلب....؟''

''انہوں نے کہا تھا کہ کل سے ان چاروں کو اس میز پر نہ بیٹھنے دیا جائے۔ جی ہاں اتنی

بات کے علاوہ انہوں نے اور کچھ نہیں کہا تھا۔''

''کیا آپ ان چاروں کو پہچان سکیں گے؟''

''جی ہاں.... ضرور۔ میں آپ کو ان کے نام بھی بتا سکتا ہوں۔ ایک صاحب اسپنوزا ہیں، دوسرے لائبنیز، تیسرے ہیوم اور چوتھے برکلے۔''

''اور آپ....!'' حمید غرایا۔ ''آپ غالباً شلائر مافریا فوئیر باخ ہوں گے۔ یہ کیفے ہے یا فلسفیوں کا بھنگ خانہ۔''

''آپ مقتول کے گھر کا پتہ تو ضرور جانتے ہوں گے۔'' فریدی نے کہا۔ ''دیکھئے جواب نفی میں نہ دیجئے گا۔ ایسے پراسرار گاہک کے متعلق آپ نے پوری چھان بین کی ہوگی۔''

''مجھے اس سے انکار نہیں ہے جناب۔'' منیجر مسکرا کر بولا۔ ''میں نے کئی بار ان پانچوں کا چھپ کر تعاقب کیا تھا۔ لیکن کامیاب صرف ایک ہی بار ہوا تھا۔ لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ ان پانچوں میں سے کس کی قیام گاہ ہے۔''

''پتہ....!'' فریدی نے جیب سے نوٹ بک نکالتے ہوئے کہا۔

''شیش محل کا پانچواں فلیٹ۔''

فریدی نے نوٹ بک میں جلدی جلدی کچھ لکھ کر اسے بند کرتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا یہ روزانہ یہاں بیٹھتے تھے۔''

''جی نہیں.... اکثر کئی کئی دن تک نہیں آتے تھے۔''

''کیا کبھی کوئی عورت بھی ان کے ساتھ ہوتی تھی۔''

''جی نہیں۔ میں نے اس ایک سال کے عرصے میں ان کیساتھ کبھی کوئی عورت نہیں دیکھی۔''

''کیا پہلے بھی کبھی اس نے یہ کہا تھا کہ اسکے چاروں دوستوں کو اس میز پر نہ بیٹھنے دیا جائے۔''

''کبھی نہیں جناب۔ اس پر تو مجھے حیرت تھی۔ میرا خیال ہے کہ وہ پانچوں نہ صرف ہم خیال تھے بلکہ ان کے عادات واطوار بھی ایک سے تھے۔''

''عادات و اطوار سے آپ کو واقفیت تھی۔'' فریدی نے اسے تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''پھر تو آپ ان کی متعلق بہت کچھ جانتے ہوں گے۔''

''آپ میرا مطلب نہیں سمجھے۔'' منیجر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''یہ میرا اندازہ ہے کہ وہ ایک ہی جیسے عادات و خصائل رکھتے ہوں گے۔ آدمی کی صورت ہی دیکھ کر اس کے متعلق بہتیری رائیں قائم کی جاسکتی ہیں اور میرا دعویٰ ہے کہ ان میں سبھی غلط نہیں ہوتیں۔''

''خیر....!'' فریدی آہستہ سے بولا۔ ''کیا اس کے یہاں سے جانے کے بعد ان چاروں میں سے کوئی نظر آیا تھا۔''

''جی نہیں۔''

''اچھا.... بہت بہت شکریہ۔ آپ غالباً اس سے زیادہ اور کچھ نہیں جانتے۔''

''جانتا ہوتا تو آپ کو سوال کرنے کی زحمت ہی نہ کرنی پڑتی۔''

''اچھا جناب۔'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ''ہوسکتا ہے کہ آپ کو پھر زحمت دی جائے۔''

''اوہ.... ضرور! میں ہر وقت حاضر ہوں۔''

وہ کیفے سے باہر آ گئے۔ جگدیش نے منیجر کو کیفے بند کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ حمید بڑبڑا رہا تھا۔ ''اب کسی دن ہمیں سکندر اعظم اور چنگیز خاں کی لاشوں سے بھی دوچار ہونا پڑیگا۔''

''واقعی یہ بڑی مضحکہ خیز بات ہے کہ انہوں نے پانچ مشہور فلسفیوں کے نام اختیار کر رکھے تھے۔'' فریدی نے کہا اور کسی سوچ میں پڑ گیا۔

پھر اس نے جگدیش سے کہا۔ ''اچھا بھئی میں تو چل دیا۔ اب کل شام تک تم مجھ سے مل سکتے ہو۔ مرنے والے کی انگلیوں کے نشانات لے لینا اور وہ رائفل۔ اسے بہت احتیاط سے پیک کر کے فنگر پرنٹ ڈیپارٹمنٹ میں بھجوا دینا۔ کار کی جو کھڑکی کھلی ہوئی تھی.... مگر نہیں۔ پوری کار پر انگلیوں کے نشانات کی تلاش ضروری ہے۔ اچھا بھئی تو کل ضرور ملنا۔ فی الحال ایک معمولی سی رپورٹ مرتب کرلو۔ یہ کیس بڑا دلچسپ ہے۔''

حمید اور فریدی کار میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔

''میرا سر پھٹا جا رہا ہے۔'' حمید منمنایا۔

''بس شیش محل تک۔ اس کے بعد ہم گھر واپس جائیں گے۔''

''اچھا جناب!'' حمید انگڑائی لے کر بولا۔ ''مگر خدا کا شکر ہے کہ یہ سرخ دائرہ اینڈ کمپنی

کی حرکت نہیں ہے۔''

فریدی کچھ نہیں بولا۔ کار فراٹے بھرتی رہی۔ اس وقت ساری سڑکیں سنسان پڑی تھیں۔ اس لئے کار طوفان کی طرح آگے بڑھ رہی تھی۔

''سرخ دائرہ۔'' فریدی تھوڑی دیر بعد آہستہ سے بڑبڑایا ''آج آفس میں آصف کی میز پر بھی ایک سرخ دائرہ دیکھا گیا ہے۔''

حمید اور ریکھا

وہ شیش محل پہنچ گئے۔ عمارت سنسان پڑی تھی۔ کہیں کہیں کھڑکیوں میں روشنی نظر آ رہی تھی۔ ورنہ پوری عمارت تاریکی سے ہم آغوش تھی۔

ساڑھے چار بج رہے تھے۔ پانچویں فلیٹ کے سامنے وہ رک گئے۔

حمید نے بڑھ کر دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔ لیکن شاید وہ اندر سے بند ہی نہیں تھا کیونکہ دوسرے یا تیسرے جھٹکے پر دونوں پٹ کھل گئے۔

اندر اندھیرا تھا۔ فریدی نے جیب سے ٹارچ نکال کر روشن کر لی۔ یہ کمرہ بالکل خالی تھا۔ یہاں کسی قسم کا فرنیچر بھی نہیں تھا۔ دیواریں ننگی پڑی تھیں۔

وہ آگے بڑھے۔ اس کے بعد ہی ایک چھوٹا سا کمرہ اور تھا۔ یہاں انہیں صرف ایک گول میز دکھائی دی جس کے گرد پانچ کرسیاں پڑی تھیں۔

یہ فلیٹ ان ہی دونوں کمروں پر مشتمل تھا اور یہاں ایک میز اور پانچ کرسیوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔

فریدی نے سوئچ دبا کر کمرے میں روشنی کر دی اور ٹارچ کو جیب میں ڈال کر متحیرانہ انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔

''بڑی عجیب بات ہے۔ اس میز پر بھی ۱۳ کا ہندسہ موجود ہے۔'' فریدی آہستہ سے

بولا۔ ''اور پانچ کرسیاں.... اوہو.... کسی چیز کو ہاتھ نہ لگانا۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ہمیں یہاں انگلیوں کے نشانات نہ ملیں۔''

وہ تقریباً پندرہ یا بیس منٹ تک انہی کمروں میں ٹہلتے رہے۔ پھر فریدی نے کہا۔ ''اب ہمیں آس پاس کے آدمیوں سے ملنا چاہئے۔''

حمید نے اندازہ کر لیا تھا کہ ابھی فریدی کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔ اس لئے وہ کسی بات میں دخل نہیں دے رہا تھا اور ویسے بھی چونکہ اسے سوتے سے اٹھ کر آنا پڑا تھا اس لئے اس کا موڈ بھی ٹھیک نہیں تھا۔

انہیں پڑوسیوں کو جگانا پڑا۔ لیکن جاگنے والے یہ معلوم کر کے خوش نظر آنے لگے تھے کہ فلیٹ نمبر پانچ کے متعلق معلومات بہم پہنچانے والے پولیس سے تعلق رکھتے ہیں۔ ورنہ پہلے تو ان کے چہروں پر ناگواری کے آثار ضرور نظر آئے تھے۔

انہوں نے بتایا کہ یہ فلیٹ زیادہ تر مقفل ہی رہتا ہے۔ اکثر پانچ آدمی وہاں آیا کرتے تھے۔ کچھ دیر بیٹھتے اور چلے جاتے اور فلیٹ مقفل کر دیا جاتا۔ پڑوسی ان کی طرف سے مطمئن نہیں تھے۔ انہیں یقین تھا کہ وہ بُرے آدمی ہیں اور کسی بُرے ہی مقصد کی تحت انہوں نے یہ فلیٹ حاصل کیا ہے۔ انہوں نے ان پانچوں کے حلئے بھی بتائے لیکن بیانات میں اختلاف تھا۔

بہرحال پڑوسیوں سے انہیں کوئی مدد نہ مل سکی۔ لیکن فریدی کا خیال تھا کہ وہ بے نیل و مرام واپس نہیں جا رہا ہے۔ قریبی تھانے سے دو کانسٹیبل طلب کر کے اس نے وہاں ان کی ڈیوٹی لگا دی تھی اور اب وہ فنگر پرنٹ ڈیپارٹمنٹ کے فوٹو گرافروں کو وہاں بلانے کیلئے فون کرنے جا رہا تھا۔

''اس سے کیا فائدہ ہوگا۔'' حمید نے پوچھا۔

''ہوسکتا ہے کہ یہاں ہمیں مقتول کی انگلیوں کے نشانات بھی مل جائیں۔''

''کیا آپ کو کیفے جہان کے منیجر کے بیان پر یقین نہیں تھا۔''

''تاوقتیکہ مجھے مکمل ثبوت نہ مل جائے میں کسی بات پر بھی یقین نہیں کرتا۔''

فنگر پرنٹ ڈیپارٹمنٹ کے فوٹو گرافروں کے لئے فون کرنے کے بعد وہ گھر کی طرف

واپس ہوئے۔ فریدی کار ڈرائیو کر رہا تھا اور حمید اس کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی پلکیں نیند کے دباؤ سے جھکی جا رہی تھیں۔ اچانک فریدی بڑبڑانے لگا۔

''بہت دنوں کے بعد اب کیس ہاتھ آیا ہے.... حمید صاحب.... آپ کا کیا خیال ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ میں اس مہم میں شریک ہو جاؤں جو آئندہ سال چاند میں جا رہی ہے۔''

''چاند میں چاندسی لڑکیاں نہیں ہوتی حمید صاحب! وہاں بھی تو تمہیں پتھر اور ریت کے سوا کچھ نہ ملے گا۔''

''آپ تو نہ ہوں گے وہاں۔''

''اتنا اکتا گئے ہو مجھ سے۔''

بات آگے نہ بڑھ سکی کیونکہ حمید نے کھڑکی سے لگ کر خراٹے شروع کر دیئے تھے۔

اسی دن تین بجے فریدی نے حمید سے بتایا کہ شیش محل کی فلیٹ نمبر پانچ کی میز اور کرسیوں پر پائے جانے والے نشانات میں مقتول کی انگلیوں کے نشانات بھی موجود ہیں۔

''اور حمید صاحب۔'' اس نے کہا۔ ''اگر آپ ہوائی قلعے نہ بنانے کا وعدہ کریں تو ایک بات اور بھی بتاؤں۔''

''بشرطیکہ اس میں کسی لڑکی کا تذکرہ شامل نہ ہو۔''

''ہوسکتا ہے کہ آصف سے تمہارا ٹکراؤ ہو ہی جائے۔''

''آہا.... خدا کی قسم مزہ آجائے گا۔''

''اس فلیٹ میں مجھے سرخ رنگ کی چاک کے دو ٹکڑے بھی ملے تھے۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔

لیڈی انسپکٹر مس ریکھا کنکس لین کی عمارت زوردا سکوائر کے آس پاس منڈلا رہی تھی۔ وہ ابھی تک اس عمارت میں ہونے والے قتل کے متعلق کچھ بھی نہیں معلوم کر سکی تھی۔ ویسے زیادہ

تر اس کا وقت اس کلیو پر غور کرنے میں گزرا تھا جس کی طرف فریدی نے اشارہ کیا تھا۔

مقتول کے گھر والوں نے تو کوئی ایسی بات نہیں بتائی تھی جس سے اسباب قتل پر روشنی پڑ سکتی۔ لہٰذا فی الحال وہ کلیو اس کے لئے بیکار ہی تھی۔

اس نے مقتول کے حلقہ احباب میں بھی پوچھ گچھ کا سلسلہ جاری رکھا تھا۔ لیکن وہ آصف کو اپنی کارروائی کی رپورٹ نہیں دیتی تھی اور آصف نے بھی اسے ناکارہ تصور کر کے نظر انداز کر رکھا تھا۔ وہ کبھی سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ عورتیں بھی اس کے دوش بدوش کام کرنے کی اہل ہو سکتی ہیں۔

ریکھا زوردا سکوائر کے سامنے سے گذرتی ہوئی چیتھم روڈ پر نکل آئی اور یہاں اچانک اس کی ملاقات کیپٹن حمید سے ہوگئی جو ایک تمبا کو فروش کے یہاں پائپ کا تمبا کو خرید رہا تھا۔

''اوہو! مس ریکھا۔ آپ کون سا تمبا کو پیتی ہیں۔''

''میں تمبا کو خریدنے نہیں آئی۔'' ریکھا مسکرا کر بولی۔

''اوہو.... معاف کیجئے گا.... ہم....!''

''میں آپکا تھوڑا سا وقت برباد کرنا چاہتی ہوں۔'' ریکھا چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''وقت کبھی برباد نہیں ہوا کرتا مس ریکھا۔ فرمایئے میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔''

''کنکس لین والے کیس....!''

حمید کھانسنے لگا اور ریکھا جملہ پورا نہ کر سکی۔

''دیکھئے ہم یہاں سڑک پر اطمینان سے گفتگو نہ کر سکیں گے۔'' اس نے کہا۔ ''یہاں سے آرلکچو قریب ہے اور وہاں کی چائے بھی بڑی اچھی ہوتی ہے۔''

پھر اس نے کار کی طرف اشارہ کیا اور ریکھا پچھلی نشست پر جا بیٹھی۔ آرلکچو تک پہنچنے میں پانچ منٹ سے زیادہ عرصہ نہیں لگا۔

روز کی طرح آج بھی آرلکچو میں کافی رونق تھی۔ وہ ایک خالی کیبن میں چلے گئے۔

''آج میں کسی یتیم خرگوش کی طرح اداس ہوں۔'' حمید بیٹھتے ہی بولا۔

''نہیں جناب۔ اس سے کام نہیں چلے گا۔'' ریکھا نے ہنس کر کہا۔ ''محکمے کی ٹاپسٹ

لڑکیوں سے میں آپ کی تعریف سن چکی ہوں۔''

''تو پھر....!'' حمید نے حیرت سے کہا۔ ''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''کچھ نہیں! ہاں تو میں کہنا چاہتی ہوں کہ کنکس لین والے کیس....!''

''ٹھہریئے۔ پہلے آپ یہ بتایئے کہ آپ کی پارٹی کی معلومات کیا ہیں۔''

''میں نہیں جانتی۔ سب الگ الگ کام کررہے ہیں اور میں نے تو ابھی تک آصف کو کوئی رپورٹ نہیں دی۔''

''اور نہ آئندہ دیں گی۔''

''خیال تو یہی ہے۔''

''خیر....اچھا تو آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔''

''وہ کلیو.... مجھے الجھن میں ڈالے ہوئے ہے۔ مقتول کے بائیں ہاتھ کی انگلیوں پر رنگین چاک کے نشانات۔''

''میں آپ کے لئے تھوڑا بہت کام کرتا ہی رہا ہوں۔'' حمید نے سنجیدگی سے کہا اور پھر کیبن میں داخل ہونے والے ویٹر کو آرڈر کی تفصیل سمجھانے لگا۔

''اوہ....آپ خواہ مخواہ تکلیف کررہے ہیں۔'' ریکھا بڑبڑائی۔ ویٹر جاچکا تھا۔

''ہاں تو میں کہہ رہا تھا....مقتول کے متعلق میں نے معلوم کیا ہے کہ وہ بائیں ہاتھ سے لکھنے کا عادی تھا۔''

''اوہ....!'' ریکھا سیدھی ہوکر بیٹھ گئی۔

''ایسی صورت میں دو ہی باتیں سوچی جاسکتی ہیں۔'' حمید نے کہا۔ ''یا تو وہ دائرہ خود مقتول ہی نے بنایا تھا یا پھر قاتل دوسروں کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ دائرہ مقتول کے علاوہ اور کسی نے نہیں بنایا۔ دونوں ہی صورتیں پیچیدگیوں سے خالی نہیں ہیں۔ پہلی صورت میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مقتول نے دائرہ کیوں بنایا اور دوسری صورت میں اس کے علاوہ اور کیا سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ قاتل اس دائرے کو مقتول سے کیوں منسوب کرنا چاہتے ہیں۔''

''جی ہاں....یقیناً....!'' ریکھا بولی۔

''اچھا یہ تو ہوئی کلیو کی بات....اب مقتول کی شخصیت کی طرف آیئے۔ وہ یہاں کا ایک سرمایہ دار تھا۔ اسے چند نامعلوم آدمیوں نے قتل کردیا۔ چند آدمی اس لئے کہہ رہا ہوں کہ مقتول کے کمرے کی ابتری اسی چیز کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ صرف دو آدمیوں کی لڑائی پورا کمرہ نہیں الٹ سکتی۔ خیر ہاں تو اس کے قتل کے سلسلے میں سرخ دائرے کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ اس سے پہلے بھی شہر میں تین قتل ہوچکے ہیں اور ان میں بھی وہی سرخ دائرہ سامنے آیا تھا۔ قتل کے علاوہ بھی متعدد وارداتوں میں سرخ دائرہ نظر آتا رہا ہے۔ مگر فی الحال ہم صرف مختلف آدمیوں کے قتل ہی کے سلسلے میں اس کا جائزہ لیں گے۔ سارے مقتولین میں صرف ایک چیز مشترک نظر آتی ہے آپ نے پچھلے ریکارڈ تو دیکھے ہیں۔''

''جی ہاں....دیکھے ہیں۔''

''اچھا تو بتایئے کہ وہ مشترک چیز کیا ہے۔''

ریکھا سوچنے لگی۔ حمید خاموشی سے کیبن کے باہر دیکھتا رہا۔ تقریباً پانچ منٹ گذر گئے۔ لیکن ریکھا نے کوئی جواب نہ دیا۔

''آپ نے پچھلی رپورٹیں غور سے نہیں پڑھیں۔'' حمید نے مایوسانہ انداز میں سرہلا کر کہا۔

''ہوسکتا ہے۔''

''نہیں کھلے ہوئے الفاظ میں اعتراف کیجئے۔''

''چلئے کرلیا۔'' ریکھا ہنس کر بولی۔

''ان میں مشترک چیز گھوڑ دوڑ ہے۔'' حمید نے کہا۔

''کیا....؟ میں نہیں سمجھی۔''

''آہا....!'' حمید زہرخند کے ساتھ بولا۔ ''گھوڑ دوڑ....اس دوڑ کو کہتے ہیں جس میں گدھے دوڑائے جاتے ہیں۔''

''یہ نہیں....آپ میرا مافی الضمیر نہیں سمجھے۔ گھوڑ دوڑ ان میں مشترک ہے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔''

''وہ سب کسی نہ کسی طرح گھوڑ دوڑ سے ضرور متعلق تھے۔ پچھلے تین قتل، اگر آپ کو یاد

ہوتو.... مگر نہیں آپ کو کیا یاد ہوگا۔ مقتولوں میں سے دو تو جاکی تھے اور ایک گھوڑے کا مالک کنکس لین والا مقتول بھی ریس میں دوڑنے والے دو گھوڑوں کا مالک تھا۔ غالباً اب آپ گئی ہوں گی۔"

"جی ہاں.... جی ہاں۔" ریکھا نے کہا۔ وہ کچھ بے چین سی نظر آنے لگی تھی۔

"لہٰذا میرا مشورہ ہے کہ آپ اسی لائن پر کام کیجئے۔ کوئی دشواری پیش آئے تو حاضر ہوں۔"

ریکھا نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ چائے اور اس کے لوازمات میز پر لگائے جا تھے۔ دونوں خاموشی سے چائے پیتے رہے۔

جنٹل تھرڈ نے جلدی جلدی کھڑکیوں کے شٹر چڑھا دیئے۔ پتہ نہیں یہ اس کا وہم تھا حقیقت تھی۔ اسے کھڑکیوں کے شیشوں سے ایک سایہ دکھائی دیا تھا اور پھر وہ پل بھر میں نظر سے غائب بھی ہوگیا تھا۔

وہ کھڑکیاں اور دروازے بند کرکے کمرے میں بیٹھ گیا۔ پھر اچانک اسے ایسا محسوس جیسے کوئی دروازے پر دستک دے رہا ہو۔

"کون ہے؟" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"میں ہوں جناب ویٹر.... آپ کا فون ہے۔"

"میری کال ہے۔"

"جی ہاں جناب۔"

"اچھا.... ویٹر شکریہ۔ میں ابھی آتا ہوں۔ ہولڈ آن رکھو۔"

جنٹل تھرڈ ایک ایسی عمارت میں مقیم تھا جس کے نچلے حصے میں ایک چھوٹا سا ہوٹل تھا

جنٹل تھرڈ کے پیغامات اسی ہوٹل کے فون پر آیا کرتے تھے۔ جنٹل تھرڈ نے جلدی جلدی پتلون چڑھائی اور ٹائی کے بغیر ہی کوٹ پہن کر کمرے سے نکل آیا۔

ہوٹل کے منیجر کے انداز استقبال سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس کی نظروں میں انتہائی قابل احترام شخصیت ہے۔ جنٹل تھرڈ نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو.... کون ہے؟"

"برکلے!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"میں اسپنوزا ہوں۔" جنٹل تھرڈ نے کہا۔

"کسی نے پچھلی رات جنٹل فرسٹ کو قتل کردیا۔ کیفے جبران والی گلی میں۔"

"اوہ....!" جنٹل تھرڈ کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹتے چھوٹتے بچا۔

"شیش محل والے فلیٹ پر پولیس کا قبضہ ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ناممکن....!" جنٹل تھرڈ نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"ناممکن تو مجھے بھی معلوم ہوتا ہے۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ مگر یہ حقیقت ہے، مجھے ملی ہوئی اطلاع غلط نہیں ہوسکتی۔ بہرحال بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ میرا خیال ہے کہ پولیس ہمارے وجود سے واقف ہوگئی ہے۔"

"مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ آخر اسے کس طرح علم ہوا۔"

"اوہو! ذرا سوچنے کی عادت ڈالو۔ کیا کیفے جبران کے منیجر اور دوسرے ملازمین نے جنٹل فرسٹ کی لاش شناخت نہ کی ہوگی اور کیا پولیس کو ہمارے متعلق نہ بتایا ہوگا۔"

"مگر اس ٹھکانے کا علم ان لوگوں کو کیسے ہوسکتا ہے۔" جنٹل تھرڈ نے کہا۔

"یہی بات میری سمجھ میں بھی نہیں آتی۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "بہرحال بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ مجھے کیا کرنا ہوگا۔"

"تو کیا تم بہت زیادہ خوفزدہ ہو۔" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"نہیں قطعی نہیں!"

''اچھا تو پھر آج رات کو ہم کہاں ملیں گے۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''اگر حالات یہی ہیں تو ہمیں فی الحال ملنا ملانا ترک کر دینا چاہئے۔'' جنٹل تھرڈ نے کہا۔

''نہیں آج تو ہمیں یقینی طور پر کہیں نہ کہیں ملنا ہے۔ حالات خطرناک صورت اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ ہمیں اس نامراد سرخ دائرے کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا۔''

''تم کہاں سے بول رہے ہو۔''

''ایک پبلک کال بوتھ سے۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''اچھا تو ہم آج ملیں گے.... مگر کہاں؟''

''کیفے جبران ہی میں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''حالانکہ یہ چیز خطرناک ہی ہوگی مگر ہم تھوڑا سا میک اپ کر لیں گے۔ پہچان کے لئے ہماری ٹائیاں سیاہ رنگ کی ہوں گی۔ اسے یاد رکھنا۔ اوہو.... اچھا بس۔''

سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے اچانک کوئی خطرہ سر پر دیکھ کر بولنے والا خاموش ہو گیا ہو۔

کیفے میں بھوت

فریدی نے اس آدمی کی طرف غور سے دیکھا جو کچھ کاغذات اس کے سامنے رکھ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا تھا۔

''سب کچھ مکمل ہے۔'' اس نے پوچھا۔

''جی ہاں.... سب مکمل ہے۔''

''شکریہ.... اب تم جا سکتے ہو۔''

وہ آدمی چلا گیا اور فریدی اس کے لائے ہوئے کاغذات کو الٹنے پلٹنے لگا۔ پھر کچھ دیر بعد اس نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ چپراسی اندر آیا۔

''حمید صاحب کو بھیج دو۔'' فریدی کاغذات پر نظر جمائے ہوئے بولا۔

پھر شاید پانچ یا چھ منٹ بعد حمید کمرے میں داخل ہوا۔ فریدی نے سر کی جنبش سے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ لیکن کاغذات سے اس کی نظر نہیں ہٹی تھی۔

حمید کے چہرے پر ناگواری کے آثار نہیں تھے۔ ریکھا کا قدم درمیان میں نہ ہوتا تو اس سے اتنی مستعدی کی توقع خواب و خیال ہی کی بات ہوتی۔ آج کل وہ صحیح معنوں میں کام کرنے کے موڈ میں تھا۔

''کیوں؟ کیا رہا؟'' فریدی نے تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر کہا۔

''مقتول کی تصویر اشاعت کے لئے پریس کو دے دی گئی ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اب اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ کیونکہ مجھے اس کی قیام گاہ کا پتہ معلوم ہو گیا ہے۔''

''وہ کیسے....؟''

''ڈیلی میل کے منیجر نے وہ تصویر شناخت کر لی ہے۔ وہ بھی اس کا نام ڈیکارٹس بتاتا ہے۔ وہ دونوں ایک ہی عمارت کے دو مختلف حصوں میں رہتے تھے۔''

''ہوں.... مگر اب تصویر کی اشاعت کو تم غیر ضروری کیوں سمجھتے ہو۔'' فریدی نے پوچھا۔

''مقصد یہی تھا نا کہ ہمیں اس کی قیام گاہ کا پتہ معلوم ہو سکے۔''

''قطعی نہیں۔'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''محض قیام گاہ کا پتہ معلوم ہونے سے کیا ہو سکتا ہے۔ یہ تو طے شدہ بات ہے کہ ڈیکارٹس فرضی نام تھا۔ ہو سکتا ہے کہ تصویر کی اشاعت کے بعد ہمیں اس کے متعلق کچھ اور بھی معلوم ہو سکے۔ ہاں کیا تم اس کی قیام گاہ پر گئے تھے۔''

''میں ابھی وہیں سے آ رہا ہوں۔'' حمید نے کہا۔ ''مگر یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اس کے یہاں کوئی نوکر نہیں تھا۔''

''مکان کی تلاشی لی تھی۔''

''ابھی نہیں.... جگدیش تلاشی کا وارنٹ حاصل کرنے گیا ہے۔''

''ہاں.... اچھا.... وہ تو ہوتا ہی رہے گا۔ لیکن اب دوسری بات سنو۔ وہ رائفل جو مقتول کی کار پر ملی تھی اس پر مقتول ہی کی انگلیوں کے نشانات ہیں۔''

"یعنی خودکشی۔"

"نہیں.... خودکشی تو نہیں ہوسکتی کیونکہ گولی گردن پر بائیں طرف لگی تھی۔ اگر سامنے کے حصے کی بات ہوتی تو کسی حد تک خودکشی کا شبہ کیا جاسکتا تھا۔"

"کیوں....!"

"خودکشی کرنے والے عموماً نرخرے یا دل کے مقام پر فائر کرتے ہیں تاکہ موت جلدی واقع ہو اور انہیں اذیت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ موت جانکنی سے زیادہ خوفناک نہیں ہوتی۔ خیر اسے بھی چھوڑو۔ آدمی آسانی پسند واقع ہوا ہے۔ آسانی پسند کو اگر فطرت ثانیہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ تم خود کوشش کرکے دیکھ لو۔ رائفل کی نال اپنی گردن کے دائیں بائیں پہلو پر رکھ کر ٹریگر تک ہاتھ لے جاؤ۔ یقیناً یہ چیز تمہارے لئے دقت طلب ہوگی۔ لیکن تم رائفل کی نال اپنے نرخرے پر رکھ کر اور اس کے کندے کو زمین پر ٹکا کر پیر کے انگوٹھے سے ٹریگر بہ آسانی دبا سکتے ہو۔ خیر چھوڑو اس تذکرے کو کام کی بات کرو۔ خودکشی کے لئے وہ گلی موزوں نہیں تھی جبکہ اس کا اپنا گھر بھی موجود تھا۔"

"تو مجھے اب کیا کرنا چاہئے۔" حمید نے پوچھا۔

"کیفے جبران پر نظر رکھو.... میز نمبر تیرہ.... پانچ آدمی.... پانچواں فلیٹ.... وہاں بھی صرف ایک ہی میز اور اس پر بھی تیرہ کے ہندسے کی موجودگی۔ یہ ساری چیزیں بڑی عجیب ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ لوگ جواری یا سٹہ باز ہیں۔ اسی قسم کے لوگ طاق اعداد کو سعد تصور کرتے ہیں۔ پانچ اور تیرہ دونوں ہی طاق اعداد ہیں۔"

اچانک فریدی خاموش ہوکر کچھ سوچنے لگا۔ پھر بڑی تیزی سے اٹھا۔

"میرے ساتھ آؤ۔" کہتا ہوا وہ دروازے سے نکل گیا۔

حمید نے بُرا سا منہ بنا کر شانوں کو جنبش دی۔ لیکن اسے ہر حال میں فریدی کے ساتھ جانا تھا۔ خواہ وہ اسے جہنم ہی میں لے جاتا لیکن اس نے اسے آج تک اس طرح آفس سے اٹھ کر بھاگتے نہیں دیکھا تھا۔

حمید کے بیٹھتے ہی کار حرکت میں آگئی۔ فریدی اسے تیز سے تیز چلانے کی کوشش کررہا

تھا۔ گھر تک پہنچنے میں دس منٹ سے زیادہ نہیں لگے اور فریدی لائبریری میں جا گھسا۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ پرانے رسائل اور اخبارات کی بڑی الماری خالی کررہا تھا۔ حمید نے محسوس کیا کہ وہ اس ڈھیر میں سے صرف ایک ماہنامے کے شمارے الگ کررہا ہے۔ یہ ماہنامہ "اسپورٹ" تھا۔

جب وہ بیس یا بائیس پرچے الگ کرچکا تو ورق گردانی کی باری آئی۔

وہ بڑی تیزی سے ان کے ورق الٹ الٹ کر انہیں ایک طرف ڈالتا جارہا تھا۔

"آہا....!" یک بیک اس کے منہ سے ایک ہلکی سی تحیر آمیز آواز نکلی اور اس نے وہ شمارہ حمید کے سامنے ڈال دیا۔ جس کی ورق گردانی کررہا تھا۔

"ارے....!" حمید پتلون کی کریز سنبھالے بغیر فرش پر دوزانوں بیٹھتا ہوا بڑبڑایا۔

"یہ تو اسی کی تصویر ہے۔"

"نہیں ٹھہرو....!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "اس کی وہ تصویر بھی لاؤ۔"

"میرے پاس ہی موجود ہے۔" حمید نے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔

اس نے ڈیکارٹس یا اس پراسرار آدمی کی لاش کی تصویر نکالی جس کے لئے کیفے جبران کی تیرھویں میز دائمی طور پر مخصوص تھی۔

"ذرہ برابر بھی فرق نہیں ہے جناب۔" اس نے رسالے میں چھپی ہوئی تصویر کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

"اب تصویر کے نیچے کا مضمون پڑھو۔" فریدی بولا۔

"مسٹر جوزف بارڈ۔" حمید پڑھنے لگا۔ "جنہوں نے ۱۸ فروری کی ریس میں پچاس ہزار کی رقم جیتی۔ انہوں نے اپنا سارا سرمایہ یلو پیتھر نامی گھوڑے پر لگا دیا۔ جس پر نمبر ۱۳ تھا.... لکی تھرٹین مسٹر بارڈ ایک زندہ دل اور یار باش آدمی۔ ان کا خیال ہے کہ یہ رقم ان کے پاس زیادہ دنوں تک نہیں رکے گی۔"

حمید خاموش ہوگیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بڑبڑایا۔ "یہ نام جوزف بارڈ بھی مجھے بنڈل ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ بھی ہنگری کے ایک ممتاز ادیب کا نام ہے اور یہ نوبل پرائز [illegible] د مدر

بھی رہ چکا ہے۔"

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر لائبریری سے نکلا چلا گیا۔ پھر حمید اس وقت اس کے کمرے میں پہنچا جب وہ فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کر رہا تھا۔

"ہیلو.... کیفے جبران.... اوہ اچھا کیا منیجر ہیں۔ دیکھئے میں فریدی بول رہا ہوں۔ کرنل کرنل فریدی.... ذرا ڈیکارٹس کے متعلق کچھ پوچھنا ہے۔ کیا آپ مجھے یہ بتا سکیں گے کہ تیرہ نمبر کی میز کب اور کس تاریخ کو مخصوص کرائی گئی تھی۔ دیکھئے بھئی.... رجسٹر بھی دیکھئے میں ہولڈ آن کئے ہوں.... شکریہ۔"

فریدی خاموش ہوگیا۔ ریسیور اب بھی اس کے کان سے لگا ہوا تھا۔ اسی حالت میں تین منٹ گزر گئے۔ پھر اس نے کہا۔ "اوہ.... اچھا بہت بہت شکریہ۔ جی نہیں ابھی تک ہمیں اس کا صحیح نام بھی نہیں معلوم ہوسکا۔"

وہ ریسیور رکھ کر حمید کی طرف مڑا اور ایک طویل انگڑائی لے کر بولا۔ "یہ ساری معلومات عجیب ضرور ہیں۔ لیکن اس قتل سے بھی ان کا کوئی تعلق ہے.... یہ نہیں کہا جا سکتا۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"پچھلے سال ۱۸ فروری کو وہ تیرہ نمبر کے گھوڑے پر پچاس ہزار جیتا تھا، اور ۲۱ فروری کو اس نے کیفے جبران میں تیرہ نمبر کی میز مخصوص کرائی تھی۔ یعنی صرف تین دن بعد۔"

"لیکن آپ کو یک بیک یہ کیسے یاد آ گیا کہ اس کی تصویر اسپورٹ میں چھپی تھی۔ حالانکہ اس کا قتل تین دن پہلے کی بات ہے۔"

"وہ دراصل جوئے اور سٹے پر یاد آیا تھا۔ تیرہ کا عدد، پھر تیرہ نمبر کا گھوڑا، رپورٹر کے نوٹ میں لکی تھرٹین کا حوالہ، یہ سب ذہن میں محفوظ رہنے والی چیزیں ہیں۔ اگر تمہیں کبھی اس قسم کا اتفاق پیش آئے تو تم بھی یاد رکھو گے۔ مثلاً تیرہ کے عدد کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ سعد ہے۔ لہٰذا اگر اسی نمبر پر تمہارے علم میں کوئی دوسرا ایک بڑی رقم جیت لے تو تم اسے ہمیشہ یاد رکھو گے۔"

حمید خاموشی سے اسپورٹ کے صفحات الٹتا رہا۔ فریدی بھی خاموش ہوگیا۔

"عجیب معاملہ ہے۔" اس نے کچھ دیر بعد سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "اگر مقتول کا تعلق سرخ دائرہ والوں کی پارٹی سے تھا تو.... مگر نہیں۔"

وہ پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔

"سوچنے کو ساری زندگی پڑی ہوئی ہے۔" حمید بولا۔ "لیکن آپ مجھے کام بتایئے۔"

"اوہو! آج کل بہت تیز ہو رہے ہو۔" فریدی اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"میں کام چور تو نہیں ہوں۔"

"کب سے حمید صاحب۔"

"جب سے ریکھا محکمے میں آئی ہے۔" حمید نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"میں سمجھتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اس سلسلے میں تم سے کچھ کہنا وقت کی بربادی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ ویسے اتنا ضرور کہوں گا کہ تم نے مفت میں خود کو بدنام کر لیا ہے۔"

"آپ معرفت کی اس منزل سے واقف نہیں ہیں۔ پھر آپ اس کی لذت کیا جانیں۔ میں اسے بدنام نہیں بلکہ شہد کا مرتبان سمجھتا ہوں۔"

"خیر اب یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ کام یہی ہے کہ کیفے جبران پر نظر رکھو۔ کیونکہ مقتول نے اپنی موت سے کچھ ہی دیر پہلے منیجر سے کہا تھا کہ وہ اس کے چاروں ساتھیوں کو تیرھویں میز پر نہ بیٹھنے دیں۔"

"اس سے کیا غرض۔"

"کاش تمہارے حصے میں بھینس ہی کی عقل آئی ہوتی۔"

"اس صورت میں بھی آپ کو بین بجانے کا موقع ضرور دیتا۔"

"بکواس مت کرو.... جو کچھ میں کہوں اسے انجام دو۔ بس اب جاؤ۔"

"صرف ایک بات اور.... کیا ان پانچوں کا تعلق سرخ دائرے سے بھی ہوسکتا ہے۔"

"ابھی اس کا تصفیہ نہیں کر سکا۔ تم اس چکر میں نہ پڑو۔ ہمیشہ زینہ بزینہ آگے بڑھنے کی کوشش کیا کرو۔ اسطرح چھلانگ لگانے سے بھی اپنی ہی ریڑھ کی ہڈی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔"

"کیوں نہ میں آج رات ریکھا کو کیفے جبران لے جاؤں۔"

''جو تمہارا دل چاہے کرو۔ بس اب دفع ہو جاؤ۔'' فریدی نے کہا اور اٹھ کر پھر لائبریری میں چلا آیا

حمید جہاں تھا وہیں رہا۔ لیکن اس کے چہرے پر بھی گہرے تفکر کے آثار تھے۔

چاروں شریف آدمی ایک ایک کر کے کیفے جبران میں داخل ہوئے۔ ان میں سے تین مختلف میزوں پر بیٹھ گئے۔ ایک کو کہیں جگہ نہ ملی۔ پورے ہال میں صرف ایک میز خالی تھی اور یہ تھی نمبر ۱۳۔ اس پر اب بھی ریزرویشن کی تختی رکھی ہوئی تھی۔

وہ سیدھا شراب کے کاؤنٹر کی طرف گیا۔ کیفے جبران میں بار بھی تھی۔ ان چاروں نے اتنے حیرت انگیز طور پر اپنی شکلیں تبدیل کی تھیں کہ پہلے سے نشانیاں قائم کئے بغیر شاید ایک دوسرے کو پہچان بھی نہ سکتے۔

بارٹنڈر نے اسے روز کا گاہک نہ سمجھ کر اس کی طرف توجہ تک نہ دی۔ وہ دوسرے خریداروں کے جگ بیئر سے بھر رہا تھا۔

کیفے جبران اپنی بیئر کے لئے خاص طور پر مشہور تھا۔ یہ دراصل کئی قسم کی بیئروں کا مرکب ہوا کرتا تھا۔

جنٹل فورتھ نے کاؤنٹر پر ہاتھ مار کر بھاری آواز میں بیئر طلب کی۔ بارٹنڈر نے اس کی طرف دیکھ کر سر ہلایا اور دوسروں کے جگ بھرتا رہا۔

بڑی دیر بعد اس کے آرڈر کی تعمیل کی گئی۔ جنٹل فورتھ جھلایا ہوا تھا۔ مگر اس نے اپنی ظاہری حالت میں فرق نہ آنے دیا تھا۔

''وہ میز خالی ہے۔'' اس نے تیرہ نمبر کی میز کی طرف اشارہ کیا۔ ''حالانکہ اس پر ریزرویشن کا کارڈ موجود ہے۔ لیکن اگر اس دوران میں کوئی آ گیا تو میں اٹھ جاؤں گا۔''

''نہیں جناب.... یہ ہمارے اصول کے خلاف ہے۔'' بارٹنڈر نے لاپروائی سے کہا اور پھر اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

جنٹل فورتھ بیئر کا گھونٹ لے کر ہونٹوں کو رومال سے خشک کرتا ہوا کاؤنٹر سے ٹک گیا۔ وہ اپنے تین ساتھیوں کو ہال میں تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اچانک اس کی نظر ایک دراز قد آدمی پر پڑی جو ہال میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ سیاہ رنگ کے اوور کوٹ اور ٹوئیڈ کے پتلون میں تھا۔ اوور کوٹ کے کالر کانوں تک اٹھے ہوئے تھے اور سر پر سفید رنگ کی فلٹ ہیٹ تھی، جس کا اگلا گوشہ ناک پر جھکا ہوا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا تیرہ نمبر کی میز کی طرف آیا۔ ریزرویشن کی تختی اٹھا کر میز کے نیچے ڈال دی اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ اس کا رخ کاؤنٹر کی طرف تھا لیکن وہ جس انداز میں وہاں داخل ہوا تھا اس نے سب کو اس کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔

جنٹل فورتھ نے بارٹنڈر کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر برافروختگی کے آثار تھے لیکن اچانک اس کے ہاتھ سے بیئر کا جگ چھوٹ کر فرش پر آ رہا۔ جنٹل فورتھ بوکھلا کر پھر میز کی طرف مڑا کیونکہ اس نے بارٹنڈر کے چہرے کی بدلتی ہوئی حالت بغور دیکھی تھی۔ اس بار دوسرا جگ فرش پر گرا اور یہ خود جنٹل فورتھ کا جگ تھا۔ تیرہ نمبر کی میز پر بیٹھے ہوئے آدمی کا چہرہ اسے صاف نظر آ رہا تھا۔ ستا ہوا زرد چہرہ، ویران آنکھیں اور ایک دوسرے پر جمے ہوئے ہونٹ۔ لیکن یہ چہرہ جنٹل فرسٹ کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہو سکتا تھا۔

پھر بارٹنڈر کی چیخ ہال میں گونج کر رہ گئی۔ کچھ اور لوگوں کی نظریں بھی تیرھویں میز پر بیٹھے ہوئے آدمی پر پڑ چکی تھیں۔ ان میں سے جو روز کے گاہک تھے بُری طرح کانپ رہے تھے۔ کئی کمزور دل کے آدمی تو اپنی کرسیوں سے لڑھک کر فرش پر آ گرے۔ کیونکہ انہوں نے چند دن قبل اسی آدمی کی لاش دیکھی تھی۔

پھر وہاں گویا زلزلہ سا آ گیا۔ میزیں الٹ گئیں۔ کرسیاں الٹنے لگیں۔ وہ لوگ جو ان واقعات سے واقف نہیں تھے وہ بھی اٹھ کر بھاگے۔ وہ اس لئے بھاگے کہ انہوں نے دوسروں کو بھاگتے دیکھا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہال کا مجمع سڑک پر پہنچ گیا۔ ان میں ''چاروں شریف آدمی''

بھی تھے۔

کیفے سے برآمد ہونے والا آخری آدمی منیجر تھا۔ وہ ان چاروں کے قریب آ کر کھڑا ہوگیا۔ مگر اس کے چہرے پر خوف کے بجائے حیرت کے آثار تھے۔

''یہ کیا ہوا۔'' دفعتاً اس نے بارٹنڈر کا شانہ جھنجھوڑ کر کہا۔ جو اسکے پاس سے گذر رہا تھا۔

''اوہ.... جناب.... کک.... کیا آپ نے نہیں دیکھا۔'' وہ کانپتا ہوا بولا۔

''کیا نہیں دیکھا۔'' منیجر کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

''بھوت....!''

''کیا مطلب....!''

''ڈیکارٹس صاحب کا بھوت۔''

''کیا بکتے ہو.... کہاں ہے بھوت.... کدھر ہے بھوت۔''

''اچھا صاحب میں جھوٹا ہوں.... مگر یہ اتنے سارے لوگ۔'' اس نے جنٹل فورتھ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''یہ صاحب تو وہیں میرے پاس کھڑے ہوئے تھے۔''

منیجر نے مستفسرانہ نظروں سے جنٹل فورتھ کی طرف دیکھا۔

''میں کچھ نہیں جانتا۔'' جنٹل فورتھ نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ ''میں نے دوسروں کو بھاگتے دیکھا، خود بھی بھاگ کھڑا ہوا۔''

منیجر چند مستقل گاہکوں کی بھیڑ میں پہنچ گیا۔ انہوں نے بارٹنڈر کے بیان کی تصدیق کردی اور منیجر نے انہیں بتایا کہ اسے کچھ بھی نہیں نظر آیا۔ وہ اپنے کمرے میں تھا۔ اچانک اس نے ہنگامے کی آواز سنی اور جس وقت وہ ہال میں پہنچا تو وہاں ایک متنفس بھی نہیں تھا۔

آہستہ آہستہ وہ پھر ہال کی طرف آنے لگے۔ حقیقتاً اب یہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ تیرہ نمبر کی میز خالی تھی اور اب ریزرویشن کی تختی بھی رکھی نظر آ رہی تھی۔ ویسے ہال کی ابتری کا یہ عالم تھا جیسے وہاں تین چار سرکش قسم کے سانڈ آپس میں لڑ پڑے ہوں۔

ان آدمیوں کی بھیڑ میں کیپٹن حمید بھی تھا۔ اس نے بھی تیرہ نمبر کی میز پر بیٹھنے والے آدمی کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ بس دوسروں کو بھاگتے دیکھ کر خود بھی کودتا پھلانگتا ہوا باہر نکل گیا تھا

اور پھر جب اسے بھوت والی بات معلوم ہوئی تو وہ کسی سوچ میں پڑ گیا۔

پُراسرار لڑکی

دوسرے دن جنٹل فرسٹ کے بھوت کا واقعہ شہر کے سارے اخبارات میں آ گیا۔ لیکن یہ کوئی ایسی بات نہ تھی جس پر سبھی یقین کر لیتے۔ زیادہ تر لوگ اسے افواہ ہی سمجھتے تھے۔ بہرحال کسی پر کچھ بھی ردعمل ہوا ہو، چاروں شریف آدمی سب سے زیادہ پریشان تھے۔ وہ دوسری صبح ایک چھوٹے سے چائے خانے میں ملے اور پچھلی رات والے واقعے پر گفتگو شروع ہوگئی۔

''کیا اب ہمیں اپنی قسمیں توڑ ہی دینی چاہئیں۔'' جنٹل ففتھ نے کہا۔

''یقینی طور پر....!'' سب بیک زبان بولے۔

''لیکن اس کے بعد ہم پل بھر کے لئے بھی جدا نہ ہوں گے۔'' جنٹل ففتھ نے کہا۔

''کیوں....؟'' جنٹل تھرڈ نے پوچھا۔ بقیہ دو کے چہروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بھی اس کی وجہ دریافت کرتے ہیں۔

جنٹل ففتھ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''اگر ہم جنٹل فرسٹ کو اپنی ٹولی سے الگ نہ کر دیتے تو وہ کبھی نہ مارا جاتا۔ قاتل کو خدشہ لاحق ہوا ہوگا کہ کہیں اب وہ سیدھا پولیس اسٹیشن نہ چلا جائے اور یہ بات تو ثابت ہی ہو چکی ہے کہ کوئی ہمیں قتل کے الزام میں پھنسانا چاہتا ہے۔ ورنہ ہماری توڑی ہوئی تجوریوں پر سرخ دائرے کیوں ملتے؟''

''تم ٹھیک کہتے ہو۔'' جنٹل فورتھ سر ہلا کر بولا۔ ''مگر فی الحال ہمیں اس بات کو یہیں ختم کر دینا چاہئے۔ سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کی روداد سنیں۔ آخر ہم کس طرح کیفے جبران کی تیرھویں میز پر پہنچے تھے۔ سب سے پہلے میں جنٹل سیکنڈ سے درخواست کرونگا۔''

''میں....!'' جنٹل سیکنڈ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''جیل میں تھا.... ایک لمبی سزا کاٹنے کے بعد رہا ہوا۔ جیل کے دروازے ہی پر میری ایک فقیر سے ملاقات ہوئی۔ وہ خود ہی سر ہوگیا

تھا۔ ورنہ ملاقات کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ میں سمجھا کوئی دیوانہ ہوگا لیکن اس نے میرا ہ
جھنجھوڑ کر کہا تھا کہ تمہاری تقدیر کیفے جبران کی تیرھویں میز پر ہی۔ لیکن جو کوئی بھی تمہیں اس
پر ملے اسے نہ تو تم اپنے متعلق کچھ بتانا اور نہ اس سے اس کے متعلق کچھ پوچھنا۔ اس سلسلے م
اس نے مجھے ایک بہت بڑی قسم دی تھی۔ البتہ اس کی اجازت تھی کہ میں اس میز پر بیٹھنے والو
کے ساتھ مل کر کوئی کام کرسکتا ہوں، اس میں سراسر فائدہ ہی ہوگا۔ بہرحال میں وہاں گیا۔ جنر
فرسٹ سے ملاقات ہوئی اور میں نے تھوڑے ہی دنوں میں اندازہ کرلیا کہ وہ بھی میری
طرح ایک شاطر چور ہے آہستہ آہستہ ایک دوسرے کی قلعی کھلتی گئی۔ پھر جنرل تھرڈ بھی آ گئے ا
ہم تینوں نے لمبے لمبے ہاتھ مارنے شروع کردیئے۔"

جنرل سیکنڈ خاموش ہوگیا۔ پھر جنرل تھرڈ کی باری آئی اور اس نے اپنی روداد شرو
کردی۔ اسے سٹے کا شوق تھا۔ اسے بھی ایک فقیر کے ذریعے دو چار بار سٹے میں کامیابی ہوئی
تھی اور وہ بھی اسی فقیر کے کہنے پر کیفے جبران کی تیرھویں میز پر آ گیا تھا۔

جنرل فورتھ جواری تھا۔ اسے بھی کئی بار ایک فقیر کی وجہ سے لمبی رقمیں جیتنے کا اتفاق ہوا تھ
اور پھر اسی فقیر کے ذریعے اس کی رسائی کیفے جبران کی تیرھویں میز تک ہوئی۔

جنرل فورتھ نے فقیر کا حلیہ بتا کر اپنے ساتھیوں سے اس کی تصدیق چاہی جنرل سیکنڈ اور
تھرڈ دونوں ہی اس سے متفق تھے۔

اب جنرل ففتھ کی باری آئی اور وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"مجھے کبھی کوئی فقیر نہیں ملا۔ جس نے مجھے کیفے جبران تک پہنچایا تھا اسے کسی طرح فقیر
نہیں کہا جاسکتا کیونکہ اس کے پاس ایک لمبی سی سیاہ رنگ کی سیڈان تھی اور وہ خود بھی اعلیٰ تری
لباس میں تھا ہوا یہ کہ ایک رات میں نے ایک بڑی جگہ پر ہاتھ صاف کیا تھا۔ واپسی پر گشتی
پولیس نے دوڑالیا۔ اگر وہ لمبی سی سیاہ کار والا میری مدد نہ کرتا تو میرا پکڑ لیا جانا لازمی تھا اور پھر
جب میں نے اس سے گفتگو شروع کی تو اس نے چوری کے متعلق وہ وہ گر بتائے کہ میں عش
عش کرتا رہ گیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اکیلا آدمی ہمیشہ مار کھاتا ہے۔ کم از کم دو چار ساتھی تو
ہونے ہی چاہئیں۔ اس کے بعد ہی اس نے مجھے کیفے جبرا کی تیرھویں میز کے متعلق بتایا۔ اس
نے کہا کہ تمہیں وہاں کم از کم چار آدمی ضرور ملیں گے۔ وہ تمہیں سب سے پہلے یہاں اس شہر
میں چوری کرنے کے گر بتائیں گے اور تم چند ہی مہینوں میں اتنا کمالو گے کہ ساری زندگی بیٹھ کر
کھا سکو۔ قسم اس نے مجھے بھی دی تھی کہ نہ میں ان لوگوں سے پوچھوں اور نہ اپنے متعلق انہیں
کچھ بتاؤں۔ فقیروں وغیرہ پر میرا اعتقاد کبھی نہیں رہا۔ اب میں یہ سوچتا ہوں کہ شاید وہ نامعلوم
آدمی ہم پانچوں کو بہت قریب سے دیکھتا رہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے ہماری ذہنیتوں کے
مطابق ہمیں اس چکر میں پھانسنے کے طریقے اختیار کئے۔"

"مگر دوست....!" جنرل تھرڈ نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "ہم لوگ تو اپنی بد اعتقادی
کی وجہ سے پھنس گئے تھے۔ تمہیں کیا ہوا تھا۔"

"آہا! دوست میں جانتا تھا کہ تم یہ سوال ضرور کرو گے۔ میں دراصل اس آدمی کو کسی گروہ
کا سرغنہ سمجھا تھا۔ وہ بڑا شاندار آدمی تھا۔ میں نے سوچا اس کے گروہ میں شامل ہوجانے کی بعد
فائدے ہی میں رہوں گا.... مگر....!"

وہ تینوں اسطرح ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے جیسے انہیں اس کے بیان میں شبہ ہو۔

دفعتاً جنرل ففتھ کی آنکھوں میں ایک عجیب قسم کی چمک لہرائی اور وہ ایک طویل قہقہے کے
بعد بولا۔ "میں سمجھتا ہوں تم لوگوں کا خیال ہے کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ دوستو! اگر میں
جھوٹا ہوں تو نہ تو میں جنرل فرسٹ کا قاتل ہوسکتا ہوں اور نہ جنرل فرسٹ کا بھوت۔ کیونکہ ان
دونوں ہی مواقع پر میں تم لوگوں کے ساتھ رہا ہوں۔"

"شبہ.... کمال کرتے ہو۔" جنرل سیکنڈ جلدی سے بولا۔ "نہیں شبہ کیوں ہونے لگا۔ خیر
اب اسے ختم کرو۔ ہم سب دلدل میں پھنس گئے ہیں۔ نہ نکلتے ہیں اور نہ غرق ہوتے ہیں۔ اب
ہمیں کیا کرنا چاہئے۔"

"اسے بھی فی الحال چھوڑو۔" جنرل فورتھ بول اٹھا۔ "پہلے ہمیں اس بھوت کے مقصد
سے واقف ہونا چاہئے۔ کیا وہ سچ مچ بھوت تھا۔"

"بھوت....!" جنرل ففتھ نے حقارت آمیز لہجے میں کہا۔ "میرے نزدیک بھوتوں کی
کوئی اصلیت نہیں ہے۔ اس واقعے کو بھی اگر عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کرو تو حقیقت

ظاہر ہو جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ نامعلوم آدمی اب ہمیں کیفے جبران میں نہیں
چاہتا۔ یہ بات تو اخبارات میں بھی آ چکی ہے کہ تیرھویں میز پر پانچ آدمی بیٹھا کرتے تھے
قتل سے کچھ دیر قبل جنٹل فرسٹ نے انتہائی غصیلے موڈ میں کیفے جبران کے منیجر سے کہا تھا
آئندہ ہم چاروں کو تیرھویں میز پر نہ بیٹھنے دے۔ ظاہر ہے کہ پولیس کو اسی بناء پر ہم چاروں
تلاش ہوگی اور وہ نامعلوم آدمی فی الحال یہ نہیں چاہتا کہ ہم پولیس کے ہتھے چڑھیں۔
فرسٹ کو بھی اس نے شائد اسی لئے قتل کر دیا کہ کہیں وہ پولیس تک نہ جا پہنچے۔"

"یعنی اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ نامعلوم آدمی ہمیں ہر حال میں پہچان سکتا ہے۔"

جنٹل فورتھ بولا۔ "ورنہ وہ بھوت کی بہروپ میں ہمارے سامنے کیوں آیا۔ ہم نے
شکلوں میں کافی حد تک تبدیلیاں کر لی تھیں۔ اتنی تبدیلیاں کہ اگر سیاہ ٹائی کو اپنی پہچان قرار
دیتے تو شاید ایک دوسرے کو پہچاننا بھی مشکل ہو جاتا۔"

"ٹھیک ہے۔" جنٹل ففتھ نے کہا۔ "میرا بھی یہی خیال ہے کہ وہ ہمیں ہر حال
پہچان سکتا ہے۔"

"پھر تو ہمیں ہر وقت موت کے لئے تیار رہنا چاہئے۔" جنٹل سیکنڈ بولا۔

"میں اتنا ڈرپوک نہیں ہوں۔" جنٹل ففتھ نے کہا۔ "اتنی بدحواسی بھی ٹھیک نہیں ہے
چاروں بھیڑوں کو ایک بھیڑیا کھا جائے۔ میرے ذہن میں ایک دوسری تجویز بھی ہے کیوں
ہم بھی اسے مکاری سے ماریں۔ ہم فی الحال یہ کیوں ظاہر کریں کہ ہم اُس سے برگشتہ ہو گئے ہیں

کیپٹن حمید بہت اداس تھا۔ کیونکہ ریکھا نے اس کی اس تجویز سے اتفاق نہیں کیا تھا کہ
دونوں مل کر کام کریں۔ ظاہر ہے کہ حمید لڑکیوں کے معاملے میں کافی بدنام تھا اور وہ محکمے
ابھی بالکل نئی نئی آئی تھی۔ اس لئے نہیں چاہتی تھی کہ کسی کو اس پر انگلی اٹھانے کا موقعہ ملے۔

حمید بڑی دیر سے اس بات پر غور کر رہا تھا کہ آج وہ اسے کس طرح نیاگرا ہوٹل میں لے
جائے۔ جہاں آج رقص کا پروگرام تھا۔ آخر اسے ایک تدبیر سوجھ ہی گئی۔ وہ جانتا تھا کہ ریکھا
آجکل اپنا زیادہ تر وقت کنکس لین زوردا سکوائر کے آس پاس گذارتی ہے۔ زوردا سکوائر وہی عمارت
تھی جہاں کچھ دن قبل ایک لاش پائی گئی تھی اور وہ لاش زوردا سکوائر کے مالک مسٹر صمد کی تھی۔

صمد کے متعلق حمید نے بہت سی معلومات فراہم کر لی تھیں۔ محض اس لئے کہ ریکھا کی مدد
کرنے کے بہانے اس کا قرب حاصل کر سکے۔ مگر حقیقت تو یہ تھی کہ وہ ساری معلومات قطعی
بیکار تھیں۔ ویسے ریکھا جیسی نوآموز کے لئے تو یہ بات بہت زیادہ اہمیت رکھتی تھی کہ صمد بائیں
ہاتھ سے لکھنے کا عادی تھا اور اس کے بائیں ہاتھ ہی کی انگلیوں پر رنگین چاک کے دھبے ملے
تھے۔ اسی بنیاد پر اس نے اس قتل کے متعلق بہت کچھ سوچا تھا لیکن ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ
سکی تھی۔ حمید جانتا تھا کہ وہ کسی نہ کسی نتیجے پر پہنچنے ہی کے لئے زوردا سکوائر کے گرد منڈلایا کرتی
ہے۔ لہٰذا وہ سرِشام ہی کنکس لین کی طرف نکل گیا۔ وہ اپنی موٹر سائیکل پر تھا۔

گھر سے تو وہ اچھے خاصے حلئے میں چلا تھا، لیکن ایک جگہ موٹر سائیکل روک کر وہ ایک
پبلک پیشاب خانے میں گیا اور جب وہاں سے واپس آیا تو حلیہ ہی کچھ اور تھا۔ اس کی ناک کا
نچلا حصہ اوپر کی طرف اٹھا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی اوپری ہونٹ بھی اس طرح اوپر اٹھ گیا تھا
کہ آگے کے دو دانت دکھائی دینے لگے تھے۔ یہ فریدی کا ایجاد کردہ ایک ریڈی میڈ میک اپ
تھا۔ ناک کے دونوں نتھنوں میں دو چھوٹے چھوٹے اسپرنگ اس طرح پھنسائے جاتے تھے کہ
ناک کا نچلا حصہ اوپر اٹھ جاتا تھا۔ یہ میک اپ ایک بار کامیاب بھی ہو چکا تھا۔ اس لئے حمید
نے اسی پر اکتفا کی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ ریکھا اسے نہ پہچان سکے گی اور وہ جب بھی چاہے گا محض
دو انگلیوں کی ہلکی سی جنبش سے اپنی اصلی شکل میں آ جائے گا۔

کنکس لین میں مڑتے ہی اس کی نظر ریکھا پر پڑی جو ٹھیک زوردا سکوائر کے سامنے
والے بک اسٹال کے شوکیس پر جھکی ہوئی تھی۔

حمید نے زوردا سکوائر کے نیچے والے فٹ پاتھ کے قریب موٹر سائیکل روک دی۔ اُس
نے ریکھا کو اپنی طرف مڑتا دیکھا لیکن اس کی طرف دھیان دیئے بغیر بڑی تیزی سے زینوں

تک گیا، وہاں دو زانو بیٹھ کر اس طرح آگے کی طرف جھکا جیسے کوئی چیز اٹھا رہا ہو۔ راہداری کے زینے سڑک سے بھی دکھائی دیتے تھے اور ریکھا تو اب بک اسٹال سے کچھ آگے بڑھ کر اس کی اس حرکت کو غور سے دیکھنے لگی تھی۔

حمید پھر وہاں سے اٹھ کر بھاگتا ہوا موٹر سائیکل تک آیا اور اسے اتنی جلدی میں اسٹارٹ کیا کہ خود اسے بھی شبہ ہونے لگا جیسے وہ سچ مچ کوئی جرم ہی کر کے بھاگ رہا ہو۔

ریکھا بڑی تیزی سے سڑک پار کر رہی تھی، کیونکہ دوسری طرف کے فٹ پاتھ سے لگی ہوئی کئی ٹیکسیاں کھڑی تھیں۔ اُس نے بہت عجلت میں ڈرائیور کو آگے جانے والی موٹر سائیکل کا تعاقب کرنے کے سلسلے میں ہدایات دیں اور دوسرے ہی لمحے میں اس کی ٹیکسی حمید کی موٹر سائیکل کا تعاقب کرنے لگی۔

نیاگرا ہوٹل شہری آبادی سے بہت دور ایک پر فضا مقام پر واقع تھا اور یہاں کے اخراجات اتنے زیادہ تھے کہ متوسط طبقے کے لوگ تو ادھر کا رخ بھی نہیں کرتے تھے۔

نو میل کی مسافت طے کرنے کے بعد حمید نیاگرہ کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوا، اور موٹر سائیکل کو سیدھا گیراج کی طرف لیتا چلا گیا۔ یہاں کا قانون تھا کہ صرف وہی ٹیکسیاں کمپاؤنڈ میں داخل ہو سکتی تھیں جنہیں گاہکوں کے انتظار میں رکنا ہو۔ دوسری صورت میں وہ پھاٹک ہی پر ٹھہرتی تھیں اور گیٹ سارجنٹ کا اسٹاف باہر سے آئے ہوئے مسافروں کا سامان ہوٹل کی عمارت تک پہنچا دیا کرتا تھا۔

ریکھا کی ٹیکسی بھی پھاٹک ہی پر رک گئی۔ وہ شاید زندگی میں پہلی بار اس طرف آئی تھی۔ ٹیکسی کا کرایہ ادا کر کے وہ اندر چلی گئی، لیکن جس کا تعاقب کرتی ہوئی یہاں تک آئی تھی وہ غائب تھا۔

''اوہو.... آپ....!'' حمید نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔

اب ریکھا اتنی گاؤدی بھی نہیں تھی کہ اسے اپنی غلطی کا احساس جلد ہی نہ ہو جاتا۔ حمید نے حلیہ ضرور بدل لیا تھا مگر لباس اور قد و قامت تو کسی طرح بھی نہیں بدلے جا سکتے تھے۔

''میں سمجھ گئی۔'' ریکھا نے جھینپی ہوئی سی ہنسی کے ساتھ کہا اور حمید سوچنے لگا کہ عورت ہم

عورت ہوتی ہے، خواہ وہ محکمہ سراغ رسانی کی انسپکٹریس ہو خواہ کسی مملکت کی صدر۔

''آج یہاں بڑا شاندار پروگرام ہے۔'' حمید ڈھٹائی سے بولا۔

''ہوگا.... میں واپس جا رہی ہوں۔'' ریکھا نے خشک لہجے میں کہا۔

''واہ.... بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔ میرا خیال ہے کہ ابھی آپ اندر بھی نہیں گئیں۔''

''مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ آپ کو ایسا نہ کرنا چاہئے تھا۔''

''آہا.... میں کبھی غلط کام نہیں کرتا۔'' حمید نے فخریہ انداز میں کہا۔ ''آپ زندگی بھر کنکس لین میں بھٹکتی رہیں تب بھی کامیابی ممکن نہ ہوتی۔ میں نے ذرا ہی سی دیر میں کم از کم یہ تو معلوم کر لیا کہ کنکس لین میں آپ کی بھی نگرانی ہو رہی ہے۔''

''کیا مطلب....؟ کون کر رہا ہے؟''

''ایک اینگلو انڈین لڑکی۔'' حمید نے کہا۔ ''وہ دیکھئے.... وہ ہال میں داخل ہو رہی ہے۔''

ریکھا مڑ کر دیکھنے لگی۔ اس نے زرد رنگ کے اسکرٹ کی ایک ہلکی سی جھلک دیکھی جو ہال کے بڑے دروازے میں غائب ہو گئی تھی۔ حمید نے یہ بات غلط نہیں کہی تھی۔ ریکھا حقیقتاً اس سے ناواقف تھی کہ کنکس لین سے اس کی روانگی کے بعد ایک دوسری ٹیکسی بھی اس کے پیچھے روانہ ہوئی تھی، لیکن یہ بھی درست تھا کہ حمید اس کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا ممکن ہے وہ محض اتفاق ہی رہا ہو۔

''کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں۔'' ریکھا نے پوچھا۔

''میں نے آج تک کرنل فریدی سے کم رتبے کے آدمی سے جھوٹ ہی نہیں بولا۔'' حمید نے خشک لہجے میں کہا اور ہوٹل کی عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ ریکھا اس کے پیچھے چل رہی تھی۔ پھر دونوں ساتھ ہی ڈائننگ ہال میں داخل ہوئے۔

زرد اسکرٹ میں صرف ایک اینگلو انڈین لڑکی وہاں نظر آ رہی تھی اور وہ بہت خوبصورت تھی، ریکھا سے بھی زیادہ۔ لہٰذا حمید نے سوچا کہ عاقبت سنوارنے کیلئے یہی بہتر ہوگا کہ وہ فی الحال ریکھا کا خیال چھوڑ کر اسی اینگلو انڈین لڑکی سے اپنی توقعات وابستہ کر لے۔ اسے یہ بھی دیکھنا تھا کہ وہ حقیقتاً ریکھا کا تعاقب کر رہی تھی، یا وہ محض اتفاق تھا۔

''بیٹھیے۔'' حمید نے ایک خالی میز کی طرف اشارہ کیا۔ زرد اسکرٹ والی لڑکی یہاں زیادہ دور نہیں تھی اور اپنے میز پر تنہا ہونے کی وجہ سے چاروں طرف ایسے انداز میں دیکھ رہی تھی جیسے اسے کسی ساتھی کی ضرورت ہو۔

''میں ہرگز یقین نہیں کرسکتی حمید صاحب! آپ مجھے خواہ مخواہ پریشان کررہے ہیں۔''

''آپ یقین کرکے کریں گی بھی کیا۔ آپ جو کچھ بھی کریں گی اس کا ثواب براہ راست آصف کو پہنچے گا۔'' حمید نے جلے بھنے لہجے میں کہا۔

اینگلو انڈین لڑکی انہیں بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔

''اچھا اب مجھے اجازت دیجئے۔ لیکن ایک بار پھر کہوں گا کہ میں نے یہ حرکت صرف اس لئے کی تھی کہ آپ کی نگرانی کرنے والوں کے متعلق کچھ معلوم کرسکوں۔''

حمید نے کہا اور اٹھ کر باتھ روم کی طرف چلا گیا۔ واپسی پر اس کی ناک پھر اٹھی ہوئی تھی۔ ہونٹ کھل گئے تھے اور دانت باہر جھانکنے لگے تھے۔ اب وہ لڑکی کی پشت والی میز پر بیٹھ گیا تھا۔ ریکھا وہیں بیٹھی رہی جہاں پہلے تھی۔ لیکن اب وہ بھی یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ حمید کے بیان میں کتنی صداقت ہے۔ وہ وہاں سے اٹھ کر کاؤنٹر کے پاس پہنچی۔ اس سے آج کا پروگرام طلب کیا اور اس کی قیمت دے کر کاپی کو رول کرتی ہوئی ریکریئیشن ہال کی طرف بڑھ گئی۔ جیسے ہی وہ اس کے دروازے میں داخل ہوئی زرد اسکرٹ والی اینگلو انڈین لڑکی بھی اٹھ کر اسی طرف روانہ ہوگئی۔

پھر قتل

ریکریئیشن ہال میں کچھ لوگ اسکیٹنگ کررہے تھے۔ رقص کا پروگرام شروع ہونے میں ابھی دو گھنٹے باقی تھے، ریکھا نے گیلری کی ایک میز سنبھال لی۔ دونوں کناروں کی گیلریاں اس وقت قریب قریب خالی ہی تھیں۔ کہیں کہیں اکا دکا آدمی نظر آرہے تھے۔

زرد اسکرٹ والی اینگلو انڈین لڑکی اسی گیلری کے نیچے سے گزرتی ہوئی آگے بڑھ گئی جس میں ریکھا بیٹھی ہوئی تھی۔ ریکھا اسے کنکھیوں سے دیکھتی رہی۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ لڑکی اسکیٹس پہنے ہوئے چوبی فرش پر تیرتی ہوئی نظر آنے لگی۔ وہ یقیناً اس میں کافی مشاق معلوم ہوتی تھی۔ اکثر وہ تیزی سے دوڑتی ہوئی داہنے پیر کے پنجے پر کھڑی ہوکر لٹو کی طرح ناچ جاتی۔

ریکھا نے حمید کو بھی اس کمرے کی طرف جاتے دیکھا جس میں اسکیٹس کا اسٹاک رہتا تھا، اور پھر دس منٹ بعد ہی وہ پیروں میں اسکیٹس لگائے ہوئے برآمد ہوا۔ لڑکی بہت تیزی سے اوپر سے نیچے آرہی تھی۔ اچانک ایسا معلوم ہوا جیسے وہ حمید سے ٹکرا جائے گی۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی لیکن حمید بڑی صفائی سے کترا کر فراز کی طرف تیرتا چلا گیا۔ لڑکی بھی بڑی ڈھیٹ معلوم ہورہی تھی۔ وہ نشیب میں پہنچ کر پھر فراز کی طرف مڑی اور حمید نے یک لخت اپنا راستہ بدل دیا۔ اس بار لڑکی گڑبڑا گئی۔ اس کے پیر بہک گئے اور توازن برقرار نہ رکھ سکنے کی بناء پر وہ سامنے والی دیوار سے جا ٹکرائی۔ اگر وہ دیوار سے ہاتھ نہ لگا دیتی تو سر کے کئی ٹکڑے ہوگئے ہوتے۔ وہ گالیوں کی بوچھاڑ کرتی ہوئی پلٹ پڑی۔ حمید بھی حلق پھاڑ پھاڑ کر اسے سلواتیں سنانے لگا اور ریکھا اس کی اس صلاحیت پر دنگ رہ گئی۔

اسکیٹنگ کرنے والے ان کے گرد اکٹھا ہونے لگے۔

''اے... اے مسٹر۔'' بھیڑ سے کسی نے کہا۔ ''آپ ایک خاتون سے گفتگو کررہے ہیں۔''

''جی ہاں میں اندھا نہیں ہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ خاتون ہیں۔''

''آپ کا لہجہ خراب نہ ہونا چاہئے۔'' اس کے سامنے کھڑے ہوئے ایک آدمی نے کہا۔

لڑکی اب وہاں نہیں تھی۔ اس نے اندازہ کرلیا تھا کہ وہاں ٹھہرنے میں اسی کی سبکی ہوگی۔ اس لئے اس نے کھسک جانے ہی میں عافیت سمجھی۔ وہ سیدھی اس کمرے میں چلی گئی تھی جہاں اسکیٹ رکھے تھے۔

ادھر لوگ حمید کی جان کو آگئے تھے۔ اس نے نہ جانے کس طرح ان سے پیچھا چھڑایا۔ لڑکی اسکیٹ اتار کر ڈائننگ ہال کی طرف جارہی تھی۔ حمید نے بھی اپنے اسکیٹ اتارے

اور اپنا کوٹ بھی اتار کر ریکھا کی میز پر ڈالتا ہوا بولا۔ ''یہ سب کچھ آپ کے لئے کر رہا ہوں۔ میرا کوٹ گھر پہنچا دیجئے گا۔ حالانکہ سردی بہت ہے مگر خیر میں صرف سویٹر ہی میں بسر کرلوں گا۔''

ریکھا منہ کھولے بیٹھی ہی رہ گئی اور حمید ریکریئیشن ہال سے چلا گیا۔ اس نے اُسے وقت بھی بدلی ہوئی شکل میں دیکھا تھا جب وہ اسکیٹنگ کر رہا تھا، لیکن وہ اس طرح اپنا اتار کر کیوں پھینک گیا تھا۔ ریکھا نے اسے احتیاط سے تہہ کر کے کرسی پر رکھ دیا۔

زرد اسکرٹ والی لڑکی ڈائننگ ہال میں بھی نہیں رکی۔ اُس کے متعلق حمید کا اندازہ نہیں تھا۔ سڑک کی دوسری طرف کھڑی ہوئی ٹیکسی پھاٹک سے صاف نظر آ رہی تھی اور یہ لڑکی ہی کی ٹیکسی تھی، حمید کو یقین تھا۔ آخر اس نے اسے اس میں بیٹھتے دیکھا۔ گیراج زیادہ نہیں تھا، وہ جھپٹتا ہوا چلا اور موٹر سائیکل نکال کر سڑک پر آ گیا۔ مطلع غبار آلود نہ ہونے کی پر اسے کوئی دقت نہیں ہوئی تھی۔ تاروں کی چھاؤں میں اُس نے لڑکی کو ٹیکسی میں بیٹھتے دیکھا تھا۔ اگر آسمان پر بادل ہوتے تو شاید اسے ناکامی ہی کا منہ دیکھنا پڑتا۔ کیونکہ وہ لڑکی بڑی پھرتیلی تھی۔

ٹیکسی کی عقبی سرخ روشنی بہت دور نظر آ رہی تھی۔

حمید سوچ رہا تھا کہ آج وہ کچھ نہ کچھ کر کے ہی رہے گا۔ اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ لڑکی گنکس لین میں ریکھا کی نگرانی کر رہی تھی۔ اگر نگرانی کر رہی تھی تو وہ یقیناً مجرموں ہی سے کچھ نہ کچھ تعلق رکھتی ہوگی۔

چونکہ ٹیکسی اور موٹر سائیکل دونوں ہی خاصی تیز رفتار تھیں۔ لہٰذا شہر تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ مگر شہر میں پہنچ کر حمید بوکھلا گیا۔

اس نے نیاگرہ کے سامنے اندھیرے میں ٹیکسی کا صرف ڈھانچہ ہی دیکھا تھا، رنگ وغیرہ

اندازہ اندھیرے میں کیا ہوتا۔ شہر اور نیاگرہ کی درمیانی سڑک پر روشنی کا انتظام نہیں تھا ورنہ وہ راستے میں کم از کم اُس کی رنگت سے تو واقف ہو ہی جاتا۔

بہر حال شہر میں داخل ہوتے ہی لڑکی والی ٹیکسی ٹریفک کے ہجوم میں کھو گئی اور حمید ہاتھ ملتا رہ گیا۔ یہاں دائیں بائیں آگے پیچھے ٹیکسیاں ہی ٹیکسیاں تھیں۔

جسم پر کوٹ نہ ہونے کی وجہ سے ٹھنڈی ہوا کے تھپیڑوں نے اس کا دماغ درست کر دیا تھا۔ اس ناکامی نے اسے بالکل ہی کھوپڑی کے باہر کر دیا اور اس کا دل چاہنے لگا کہ موٹر سائیکل کو کاندھے پر اٹھا کر بے تحاشہ پانچ سو میل فی گھنٹے کی رفتار سے پاگل خانے کی طرف دوڑنا شروع کر دے۔

اُس نے ایک جگہ رک کر رومال سے اپنی آنکھیں خشک کیں جن سے ٹھنڈی ہوا کی وجہ سے راستے بھر پانی بہتا آیا تھا۔

حمید نے فریدی سے اس واقعے کا تذکرہ نہیں کیا۔ کرتا بھی کیا۔ فریدی سے اس ناعاقبت اندیشی کی جو داد ملتی اس کا اندازہ اسے اچھی طرح تھا۔ حمید کو دل ہی دل میں اپنی اس غلطی کا اعتراف تھا۔ اسے اس لڑکی کے سامنے ہرگز نہ آنا چاہئے تھا۔ ظاہر ہے کہ اس نے اسے کنکسن لین ہی میں ریکھا کا تعاقب کرتے دیکھا ہوگا۔

مگر وہ اسے کیا کرتا کہ اس کا نام حمید تھا اور وہ ایک لڑکی تھی۔ جہاں یہ دونوں اقسام موجود ہوں وہاں جو کچھ بھی ہو جائے کم ہے۔ رہ گیا سر پیٹنا تو وہ بعد کی بات ہے اور حمید کی تقدیر بھی۔

اس کے گھر پہنچنے سے پہلے ہی اس کا کوٹ پہنچ گیا تھا۔ ریکھا خود نہیں آئی تھی اپنے نوکر سے بھجوا دیا تھا اور نوکر کو بھی تاکید کر دی تھی کہ وہ کسی نوکر ہی کے ہاتھ میں دے لیکن یہ نہ بتائے

کہ وہ اسے کہاں سے لایا تھا۔

ریکھا حمید کے معاملے میں کچھ ایسی ہی محتاط ہوگئی تھی۔

حمید جب گھر پہنچا تو فریدی ڈرائینگ روم ہی میں بیٹھا ہوا کچھ پڑھ رہا تھا۔ لیکن یہ کوئی کتاب نہیں تھی بلکہ سفید کاغذ کے کچھ اوراق تھے جن پر پنسل کی تحریر تھی۔

اس نے حمید کو بتایا کہ وہ یلو پینتھر کی ہسٹری دیکھ رہا تھا۔

''اور دوسری دلچسپ بات حمید صاحب۔'' اس نے کہا'' یہ ہے کہ کنکس لین والا مقتول صمد ہی یلو پینتھر کا مالک تھا۔''

''یلو پینتھر کیا بلا ہے؟''

''اوہو.... وہی گھوڑا جس پر ڈیکارٹس نے پچاس ہزار جیتے تھے۔''

''اچھا....!'' حمید نے حیرت سے کہا۔ پھر کچھ دیر بعد بولا۔ ''مگر میں نہیں سمجھا.... آپ آخر یلو پینتھر کی ہسٹری کیوں لے بیٹھے۔ کیا وہ دونوں اس لئے مار ڈالے گئے کہ دونوں ہی نے یلو پینتھر کی وجہ سے مالی فائدہ اٹھایا تھا....؟''

''نہیں یہاں کئی باتیں ہیں۔ یلو پینتھر پر رقم جیتنے کے تین دن بعد ڈیکارٹس نے یا جو کچھ بھی اس کا نام ہو، کیفے جبران کی تیرھویں میز ریزرو کرائی تھی اور گھوڑے کا نمبر بھی تیرہ تھا۔ شیش محل کے پانچویں فلیٹ میں جو میز ملی تھی اس پر بھی تیرہ ہی کا ہندسہ پڑا ہوا تھا۔''

''مگر اس کے لئے تو آپ کہہ چکے ہیں کہ جواری لوگ طاق اعداد....!''

''ہاں ٹھیک ہے۔'' فریدی اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ''مگر یہ تو سوچو کہ کیفے جبران ہی کیوں؟ میز مستقل طور پر مخصوص کرائی گئی تھی، اور وہ اس کے لئے پانچ سو روپے ماہوار ادا کرتا تھا۔ کیفے جبران کوئی بہت اچھی جگہ نہیں ہے۔ پھر ایک میز کا ریزرویشن پانچ سو روپے ماہوار.... خدا کی پناہ۔ یہاں بہت بڑے بڑے ہوٹل ہیں لیکن اُن کے رہائشی کمرے بھی اتنے گراں نہ ہوں گے۔ کیفے کے منیجر کا کہنا ہے کہ مقتول نے پانچ سو کا آفر خود سے دیا تھا۔ ورنہ اس طرح دائمی طور پر میزیں کہیں بھی مخصوص نہیں کی جاتیں۔ میرا خیال ہے کہ کبھی راجوں مہاراجوں نے بھی اس قسم کی حماقت نہ کی ہوگی۔''

''چلئے اسے بھی تسلیم کئے لیتا ہوں، لیکن اس معاملے میں یلو پینتھر کو کیوں گھسیٹ رہے ہیں؟''

''اس لئے کہ اگلی ریس میں یلو پینتھر دوڑنے والا تھا لیکن اب نہ دوڑے گا۔ دیکھو! ابھی تو میں واقعات کی کڑیاں ملا رہا ہوں۔ کسی خاص نتیجے پر ابھی تک نہیں پہنچ سکا۔''

''یلو پینتھر کیوں نہ دوڑے گا؟''

''اس کا مالک ہی مر گیا۔''

''کوئی نہ کوئی وارث تو ہوگا ہی۔ یلو پینتھر تو سونے کی چڑیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ کبھی نہیں ہارا۔''

''صمد کا وارث اس کا لڑکا ہے۔ لیکن وہ سختی سے مذہب کا پابند ہے۔ لہٰذا اب یلو پینتھر ریس میں نہیں دوڑ سکے گا۔''

''تو آپ کا خیال ہے کہ صمد یلو پینتھر ہی کی وجہ سے مارا گیا۔''

''ہاں.... میں یہی سوچ رہا ہوں۔ ابھی تک یہاں جتنے بھی ایسے قتل ہوئے ہیں جن میں سرخ دائرے کو بھی دخل رہا ہو، وہ سب ریس ہی سے کسی نہ کسی طرح تعلق رکھنے والے لوگ تھے، کیا تمہیں اُن دونوں جاکیوں کے قتل یاد نہیں، وہ دونوں ہی ماہر ترین شہسوار تھے۔''

''تو پھر یہ کسی گھوڑے ہی کا چکر ہے۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''کسی کا کوئی نیا گھوڑا تیار ہو رہا ہوگا، یا ہو سکتا ہے، پرانا ہی ہو مگر پھسڈی.... میرا خیال ہے اسی ریس میں اول یا دوم آنے والا گھوڑا، ظاہر ہے کہ اب یلو پینتھر تو دوڑے گا نہیں، کیوں نہ ہم یہ دیکھیں کہ یلو پینتھر کے بعد کس کی کامیابی متوقع ہے۔''

''اگر تمہارا نظریہ صحیح بھی ہو تو کم از کم اس ریس میں اسکے دوڑنے کی توقع نہیں کی جا سکتی۔''

''کیوں....؟''

''عقل استعمال کرو۔ اس گھوڑے کا مالک دیدہ و دانستہ اپنی گردن کبھی نہ پھنسائے گا۔ صاف ظاہر ہے کہ قتل اسی مقصد کے تحت ہوا ہے کہ یلو پینتھر نہ دوڑ سکے۔ لہٰذا یلو پینتھر کے بعد والے گھوڑے کے مالک پر قتل کا شبہ ضرور کیا جا سکتا ہے۔''

''نہیں آپ یقینی طور پر ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ قتل یلو پینتھر کی وجہ سے ہوا ہے۔''

''میں کہہ سکتا ہوں۔'' فریدی بڑی خود اعتمادی کے ساتھ بولا۔ ''بلکہ بہت جلد ثابت کردوں گا۔ ویسے اپنی معلومات کیلئے سن لو کہ وہ دونوں مقتول جاکی صمد کے تنخواہ دار تھے، کے پاس یلو پیتھر ہی نہیں چھ گھوڑے اور بھی تھے، وہ انہی دونوں جاکیوں کے زیر تربیت تھے۔

''مگر اس دن تو آپ کہہ رہے تھے کہ اس کے پاس صرف دو گھوڑے تھے۔''

''میں نے یہ کبھی نہ کہا ہوگا۔ تمہارے سننے میں فرق آیا ہے، میں نے کہا تھا کہ اس دو گھوڑے ریس میں حصہ لیتے ہیں، غیر تربیت یافتہ یا زیر تربیت گھوڑوں کی بات ہی نہیں۔''

وہ ابھی کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا کہ ایک نوکر نے آ کر کسی کی فون کال کی اطلاع دی۔

''دیکھو یار کون ہے۔'' فریدی جھنجھلائے ہوئے لہجے میں حمید سے بولا۔

''ہوسکتا ہے ڈی۔آئی۔جی صاحب ہوں۔''

''کیوں! وہ کیوں؟ کوئی خاص بات۔''

''نہیں وہی پرانی بات، کہ تم بھی غافل نہ رہو۔''

''واہ....!''

''چلو دیکھو....!'' فریدی ہاتھ ہلا کر بولا۔

حمید ڈرائینگ روم سے اٹھ کر فریدی کی خوابگاہ میں آیا۔ فون کا ریسیور میز پر پڑا ہوا تھا۔

''ہیلو....!'' اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

''کون صاحب ہیں؟'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ مگر یہ آواز کسی عورت کی تھی۔

''حمید! کیپٹن حمید۔''

''اوہ.... میں ریکھا بول رہی ہوں۔ دیکھئے جلد آیئے۔ وہ زرد اسکرٹ والی قتل کردی گئی اور وہی سرخ دائرہ اس کی لاش کے قریب موجود ہے۔''

''آپ کہاں ہیں؟''

''میں تنہا نہیں ہوں.... پوری پارٹی ہے۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''وہیں کنگس لین میں۔ اس کی لاش رودر اسکوائر کے سامنے والی بلڈنگ کے ساتویں فلیٹ میں پائی گئی ہے آس پاس والوں کا بیان ہے کہ وہ اسی فلیٹ میں رہتی تھی۔''

''لاش کیسے ملی؟''

''اسے گولی ماری گئی ہے۔ پڑوسیوں نے فائر کی آواز اور اس کی چیخ سنی تھی۔ آپ آسکتے ہوں تو آجایئے۔ یقیناً کوئی نہ کوئی کلیو ہاتھ آجائے گا۔''

''آصف موجود ہے؟'' حمید نے پوچھا۔

''جی ہاں.... اور وہ حضرت خواہ مخواہ دوسروں پر بور ہو رہے ہیں۔''

''اچھا.... میں آرہا ہوں۔'' حمید نے کہا اور ریسیور رکھ کر تقریباً دوڑتا ہوا ڈرائینگ روم میں آیا۔ پھر اسے فریدی کو وہ بات بتانی ہی پڑی، جس کا تذکرہ اس نے ابھی تک نہیں کیا تھا اور نہ کرنا ہی چاہتا تھا۔

''بڑے احمق ہو....!'' فریدی اسے خونخوار آنکھوں سے دیکھتا ہوا غرایا۔ ''اگر تم نے یہ محسوس کرلیا تھا کہ وہ ریکھا کا تعاقب کررہی ہے تو تمہیں ان دونوں ہی سے کترانا چاہئے تھا۔''

''اب میں کیا بتاؤں کہ کیا ہوگیا۔ وہ بڑی خوبصورت لڑکی تھی، میں اس کی لاش کیسے دیکھ سکوں گا۔ آپ اگر جانا چاہتے ہوں تو جایئے۔''

''میں یوں بھی تمہیں ساتھ نہ لے جاتا۔'' فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''تو کیا آپ وہیں جائیں گے؟ میرا خیال ہے کہ آصف....!''

''اونہہ آصف....!'' فریدی بڑبڑاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

کنگس لین پہنچ کر وہ پہلے مقتولہ کے فلیٹ میں نہیں گیا، بلکہ آس پاس والوں سے اس کے متعلق پوچھ گچھ کرتا رہا۔ لڑکی کا نام سیسل پیکرافٹ تھا۔ وہ وہاں تنہا رہتی تھی۔ اس سے وہاں کبھی کوئی ملنے کے لئے نہیں آیا تھا۔ پیشہ نامعلوم.... مدت قیام ایک سال تھی۔ پڑوسیوں میں نیک نام مگر پراسرار تھی۔ اسی قسم کی اور بھی بہتیری معلومات فراہم کرنے کے بعد فریدی نے اس کے فلیٹ کا رخ کیا۔

یہاں آصف کی پارٹی ریکھا سمیت موجود تھی اور فنگر پرنٹ ڈیپارٹمنٹ کے فوٹو گرافر مختلف مواقع کی تصویریں لے رہے تھے۔ لاش ایک طرف فرش پر پڑی تھی اور اس پر پولیس ہسپتال کا ایک ڈاکٹر جھکا ہوا تھا۔

لاش پر نظر پڑتے ہی فریدی جہاں تھا وہیں رک گیا۔ کیونکہ مقتولہ کی صورت کچھ جا
پہچانی سی معلوم ہو رہی تھی۔ پھر اچانک اسے یاد آ گیا کہ اُس نے اسے ڈیکارٹس کے قتل وا
رات کو کیفے جبران میں دیکھا تھا، وہ منیجر کے ساتھ تھی۔

آصف نے فریدی کو حیرت سے دیکھا وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فریدی وہاں ا
طرح پہنچ جائے گا۔ شاید اسے علم ہی نہ رہا ہو کہ قریب ہی ایک دواخانے سے ریکھا حمید کو فو
کر چکی ہے۔

''میں اس لڑکی کو پہلے سے جانتا تھا۔ تم کچھ اور نہ سمجھنا'' فریدی نے کہا اور لاش
طرف دیکھنے لگا۔ گولی سر کی پشت میں لگی تھی۔ لاش جس پوزیشن میں پڑی تھی اس سے تو یہ
معلوم ہوتا تھا کہ وہ حملہ آور کو دیکھ ہی نہ سکی ہوگی۔ لاش اوندھی پڑی تھی۔ فریدی نے لیفٹیننٹ
سنگھ کو اشارے سے اپنے قریب بلایا۔

''لاش اسی حالت میں ملی یا پوزیشن تبدیل کی گئی ہے؟'' اس نے اُس سے پوچھا۔

''نہیں ابھی اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا گیا'' لیفٹیننٹ سنگھ نے کہا۔ ''آصف کا طریق کا
جدید ترین ہے۔ لیکن خدارا یہ نہ پوچھئے گا کہ اس سلسلے میں اس کا کیا خیال ہے۔''

''نہیں.... میں نہیں پوچھوں گا۔'' فریدی نے اس دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے
جس کے سامنے لاش پڑی ہوئی تھی۔ یہ دوسرے کمرے کا دروازہ تھا۔

فریدی اس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ آصف نے ٹوک دیا۔

''کس کی اجازت سے۔''

''کام کے وقت ٹوکا نہ کرو۔'' فریدی نے کہا اور کمرے میں داخل ہو گیا۔

دوسری طرف اور کوئی دروازہ نہیں تھا۔ اس فلیٹ میں یہی دو کمرے تھے۔

ایسی صورت میں اس کے علاوہ اور کیا سوچا جا سکتا تھا کہ قاتل اس کی آمد سے پہلے ہی
کسی طرح فلیٹ میں داخل ہو گیا ہوگا۔ یا ہو سکتا ہے کہ اس کی دانست میں بھی پہلے سے موجود
رہا ہو۔ مگر گولی کا نشانہ سر کی پشت پر تھا۔ اس لئے زیادہ قرین قیاس یہی بات تھی کہ حملہ مقتولہ کی
لاعلمی ہی میں کیا گیا ہوگا۔

فریدی الٹے پاؤں لوٹ آیا۔

''دوسروں کا احترام کرنا سیکھو۔'' آصف غصیلی آواز میں بولا۔

اُس کا عاشق

فریدی نے بڑی خوش اخلاقی کے ساتھ جواب دیا۔ ''میں جن کا احترام نہیں کرتا، ان میں چلنے پھرنے کی بھی سکت نہیں رہ جاتی۔''

اور پھر اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر مقتولہ کے فلیٹ سے نکل آیا۔ ایک بار پھر اسے مقتولہ کے پڑوسیوں سے پوچھ گچھ کرنی پڑی اور اس نے اس گفتگو سے یہی نتیجہ اخذ کیا کہ کوئی اس کی عدم موجودگی ہی میں فلیٹ میں داخل ہوا ہوگا۔ ایک ایسا عینی شاہد بھی مل گیا تھا جس نے مقتولہ کو فلیٹ کا قفل کھولتے دیکھا تھا۔ وہ دونوں ساتھ ہی عمارت میں داخل ہوئے تھے۔ اس کا فلیٹ بھی اسی لائن میں تھا اور دونوں فلیٹوں کے درمیان صرف دو فلیٹ حائل تھے۔ وہ اسے قفل کھولتا چھوڑ کر اپنے فلیٹ میں چلا گیا تھا۔ پھر اسے اپنے فلیٹ میں داخل ہوئے بمشکل تمام دو یا تین منٹ ہی گذرے ہوں گے کہ اس نے فائر اور چیخ کی آواز سنی۔

اب فریدی کی لئے ایک نیا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ کیفے جبران سے تعلق رکھنے والی دو ہستیاں عجیب و غریب حالات میں قتل کر دی گئی تھیں۔ ایک کی لاش کے قریب سرخ دائرہ ملا تھا اور دوسری گو کہ سرخ دائرہ سے تعلق نہیں رکھتی تھی لیکن اس کے سلسلے میں بھی سرخ دائرے کا اشتباہ موجود تھا کیونکہ شیش محل کے پانچویں فلیٹ میں رنگین چاک کے ٹکڑے ملے تھے۔

فریدی نے اپنی کار کیفے جبران کے راستے پر ڈال دی۔ کلاک ٹاور کا گھنٹہ ایک بجا کر خاموش ہو گیا تھا۔ سڑکیں آہستہ آہستہ ویران ہوتی جا رہی تھیں۔ ٹریفک کی بھیڑ بھاڑ نہ ہونے کی وجہ سے کیفے جبران تک کی مسافت طے کرنے میں زیادہ وقت نہیں لگا۔

کیفے جبران پوری طرح آباد تھا۔ فریدی نے کاؤنٹر کلرک سے منیجر کے متعلق پوچھا۔

منیجر اپنے کمرے ہی میں موجود تھا۔ ایک ویٹر نے اس کی رہنمائی کی۔

''اوہو! کرنل صاحب۔'' منیجر اٹھ کر قدرے جھکتا ہوا بولا۔ ''تشریف لائیے۔''

''میں سیسل پے کرافٹ کے متعلق کچھ پوچھنا چاہتا ہوں؟''

''سیسل پے کرافٹ....!'' منیجر بڑبڑایا۔ ''میں نہیں سمجھا۔''

''سیسل پے کرافٹ۔'' فریدی نے کہا۔ ''اگر آپ اس نام کے ہجے پوچھیں تو میں نہ بتا سکوں گا۔''

''میں یہ نام پہلی بار سن رہا ہوں۔'' منیجر نے اس طرح کہا جیسے اپنی یادداشت پر زور دے رہا ہو۔

''مجھے حیرت ہے۔'' فریدی مسکرایا۔ ''حالانکہ آپ اس لڑکی سے بہت زیادہ بے تکلف معلوم ہوتے تھے۔''

''لڑکی! کیا یہ کسی لڑکی کا نام ہے؟''

''ہاں! مجھے جھلانے کا موقعہ نہ دیجئے تو بہتر ہے۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ ''میں اُس لڑکی کا تذکرہ کر رہا ہوں جو ڈیکارٹس کے قتل والی رات کو آپ کے ساتھ تھی۔''

''ہائیں....!'' منیجر نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ ''کیا نام لیا تھا آپ نے....!''

''سیسل پے کرافٹ۔''

''نہیں جناب۔'' منیجر بے ساختہ ہنس پڑا۔ ''اس کا نام میری جیرنگٹن ہے۔''

''آپ کو یقین ہے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''اب اس کا کیا جواب دوں۔'' منیجر نے شرمیلے انداز میں کہا۔ ''ہم بہت گہرے دوست ہیں اور شاید ہمیں ایک دوسرے کی پشت ہا پشت کے نام زبانی یاد ہوں۔''

''تب تو یقیناً آپ کو بہت صدمہ ہوگا۔''

''کیا مطلب....؟''

''اس کا نام سیسل پے کرافٹ تھا اور اس کی شہادت تقریباً ایک درجن آدمی دیں گے۔ خود اس کے پڑوسی۔''

''نہ جانے آپ کس کی بات کر رہے ہیں کرنل صاحب! یقیناً آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے مگر آپ یہ سب کس سلسلے میں پوچھ رہے ہیں۔''

''میں جس لڑکی کے متعلق پوچھ رہا ہوں، اُسے کسی نے قتل کر دیا ہے۔''

''کیا....؟''

''جی ہاں! قتل.... کنگس لین کی ایک عمارت میں۔''

''کنگس لین کی عمارت۔'' منیجر بڑبڑایا۔ ''سیسل ڈگراف۔''

''سیسل پے کرافٹ۔'' فریدی نے تصحیح کی۔ ''وہ اپنے رہائشی فلیٹ میں قتل کی گئی ہے۔''

''تب تو وہ میری جیرنگٹن نہیں ہو سکتی۔''

''کیوں؟ کوئی وجہ؟''

''وہ راجر اسٹریٹ میں رہتی ہے۔'' منیجر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ''آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔ کیا آپ کو ریس سے دلچسپی نہیں ہے؟''

فریدی منیجر کے اس سوال پر چونک پڑا۔

''آپ نے یہ کیوں پوچھا.... کیا اس بات کا موقع تھا۔''

''جی ہاں.... ریس سے دلچسپی رکھنے والا ہر آدمی میری جیرنگٹن سے ضرور واقف ہوگا۔ کیونکہ وہ ریس کورس میں پریوں کی طرح اٹکھیلیاں کرتی پھرتی ہے۔ اس کے پاس دو نہایت شاندار گھوڑے ٹمپسٹ اور شہباز ہیں۔ اس بار ٹمپسٹ اور یلو پیتھر کا مقابلہ تھا۔ مگر اب شاید یلو پیتھر نہ دوڑ سکے۔ میں نے یہی سنا ہے، صمد کا لڑکا اسد تو بڑے مذہبی خیالات کا آدمی ہے۔ وہ اب اسے ریس میں نہیں دوڑائے گا۔ پھر آپ یقین کیجئے کہ اس بار ٹمپسٹ نے بازی جیت لی۔''

فریدی اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی وہ خاموش ہوا، اُس نے کہا۔ ''میری یادداشت نے مجھے آج تک دھوکا نہیں دیا۔ مجھے یقین ہے کہ مقتولہ وہی لڑکی ہے جسے میں نے اس رات آپ کیساتھ دیکھا تھا۔ اچھا کیا اس کے کوئی بہن بھی ہے جو اس سے مشابہت رکھتی ہو؟''

''نہیں! میری جیرنگٹن کی کوئی بہن نہیں ہے۔'' منیجر نے کہا۔

فریدی پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔ آخر اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ''کیا آپ تھوڑی سی

تکلیف برداشت کریں گے؟''

''فرمایئے! میرے لائق جو بھی خدمت ہو۔'' منیجر نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

''میں آپ کو کنگسن لین تک لے جانا چاہتا ہوں۔''

''میں ضرور چلوں گا مگر.....!'' منیجر کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

فریدی نے مستفسرانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''میں یہ عرض کر رہا تھا۔'' منیجر بولا۔ ''وہ کسی عورت کی لاش ہوگی۔ میں کس طرح دیکھ سکو

''مگر.....!'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''آپ کے جبڑے کی بناوٹ تو کہتی ہے کہ آ

بہت مضبوط دل کے آدمی ہیں۔ نہ صرف مضبوط دل کے بلکہ کسی حد تک سنگدل بھی۔''

''ہوسکتا ہے۔'' منیجر بھی جواباً مسکرایا۔ ''مگر عورت کے معاملے میں نہیں۔ ایک

تراش چاقو سے ایک عورت کی انگلی کٹ گئی تھی۔ میں نے خون بہتے دیکھا اور مجھے چکر آ

اگر میرے ساتھی نے سہارا نہ دیا ہوتا تو گر ہی پڑتا۔ ویسے آپ کہہ رہے ہیں تو میں ضرور

گا۔ کیونکہ آپ میرے ہیرو ہیں اور میں آپ کی دوستی کا خواہش مند ہوں۔''

''شکریہ.....!''

وہ دونوں کیفے سے باہر نکلے۔ فریدی نے اسے اپنی ہی کار میں بیٹھنے کی پیش کش

حالانکہ منیجر کی کار وہیں موجود تھی۔

''میں آپ کو پہنچا دوں گا۔'' فریدی نے کہا۔

''ارے نہیں.... آپ کہاں تکلیف کریں گے۔ کنگسن لین میں ٹیکسیوں کا اڈا

ہے۔'' منیجر نے فریدی کی کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر تک وہ خاموشی ہی سے سفر کرتے رہے۔ پھر فریدی بولا۔

''بڑی عجیب بات ہے۔ اس دوران میں جتنے بھی قتل ہوئے ہیں وہ سب کسی نہ کسی

ریس ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ صمد کے دو جاکی اور صمد اور اب آپ کہہ رہے ہیں کہ اس لڑ

گھوڑے بھی ریس میں دوڑتے ہیں۔''

''خدارا آپ اس لڑکی کو قتل نہ کیجئے۔'' منیجر بُرا مان جانے والے لہجے میں بولا۔ ''وہ

بے موت مر جاؤں گا۔ آپ کسی سیسل پے کرافٹ کا تذکرہ کر رہے تھے۔ جو کنگسن لین میں رہتی تھی۔ میری راجرس اسٹریٹ میں رہتی ہے۔''

''خدا کرے ایسا ہی ہو کہ آپ کی میری محفوظ ہو۔'' فریدی بولا۔ ''خیر اس تذکرے کو جانے دیجئے۔ میں ڈیکارٹس کے متعلق کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔''

''ڈیکارٹس.....!'' منیجر نے ایک طویل سانس لی پھر بولا۔ ''وہ معاملہ تو میرے لئے سوہان روح بن گیا ہے۔ ایسا بدنام ہوا ہے کیفے کہ خدا کی پناہ۔ بھوت والا واقعہ تو آپ نے اخبارات میں پڑھا ہی ہوگا۔ عجیب چیز تھی وہ بھی۔''

منیجر بے تحاشہ ہنسنے لگا۔ جب اچھی طرح ہنس چکا تو بولا۔ ''میں اپنے آفس میں تھا کہ ہال سے ہڑبونگ کی آواز آئی۔ بوکھلا کر اٹھا تو میز کے پائے سے الجھ کر وہیں ڈھیر ہوگیا۔ مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ کس طرح اٹھا، بہرحال .... جب ہال میں پہنچا تو عجیب کیفیت نظر آئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہاں مہا بھارت ہوئی ہو۔ میزیں الٹی پڑی تھیں اور وہاں اُلو بول رہا تھا۔ البتہ باہر سے اب بھی غل غپاڑے کی آواز آ رہی تھی۔ باہر نکلا تو لوگ بھوت بھوت چیخ رہے تھے۔ حالانکہ میں ہال ہی میں سے گذر کر آیا تھا، اور مجھ سے قسم لے لیجئے جو مجھے وہاں کسی کا سایہ بھی نظر آیا ہو۔''

''آپ کے یہاں بار بھی تو ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''جی ہاں.....!''

''پھر ہوسکتا ہے کہ کوئی شرابی بہک گیا ہو۔''

''مگر جناب! میرا بارٹنڈر تو نشے میں نہیں تھا۔ وہ قسم کھا کر کہتا ہے۔''

''ضرور وہ کمزور دماغ کا آدمی ہوگا۔ اکثر ضعیف الاعتقاد لوگوں کا خیال ہے کہ قتل ہونے کے بعد آدمی بھوت بن جاتا ہے، اور اس کی روح انتقام کیلئے بھٹکتی رہتی ہے۔ خیر چھوڑیئے بھوتوں کے متعلق میری معلومات محدود ہیں۔ ڈیکارٹس کے ساتھیوں میں سے بھی کبھی کوئی نظر آیا تھا۔''

''نظر آتا تو میں آپ کو ضرور مطلع کرتا، وعدہ کر چکا ہوں!''

''بڑے عجیب لوگ تھے۔ ڈیکارٹس کی قیام گاہ کا سراغ ہمیں مل گیا تھا لیکن وہاں کوئی

ایسی چیز نہیں ملی جس سے اس کی یا اس کے ساتھیوں کی شخصیت پر روشنی پڑ سکتی۔ اچھا کیا آپ جانتی ہیں کہ ڈیکارٹس بھی ریس کا رسیا تھا؟''

''کیا واقعی! تب تو میرا شبہ درست تھا۔'' منیجر بولا۔

''کیسا شبہ؟'' فریدی نے پوچھا۔

''پچھلے سال اسپورٹ میں ایک آدمی کی تصویر شائع ہوئی تھی جس نے یلو پینتھر پر پچاس ہزار جیتے تھے۔ ڈیکارٹس ہو بہو ویسا ہی تھا۔ مگر پچاس ہزار جیتنے والے کا نام کچھ اور تھا۔ مجھے یاد نہیں.... مگر ڈیکارٹس ہرگز نہیں تھا۔''

''وہ اس سے پہلے بھی آپ کا گاہک رہا ہوگا۔''

''جی نہیں.... اس کے بعد آیا تھا۔ آپ نے غالباً ایک بار مجھ سے فون پر بھی اس کے متعلق گفتگو کی تھی۔''

''جی ہاں! مجھے یاد ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''کیا حقیقتاً ڈیکارٹس وہی آدمی تھا....؟'' منیجر نے پوچھا۔

''شاید! وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ میں نے بھی اسپورٹ میں اس کی تصویر دیکھی تھی۔ مگر اس سلسلے میں ایک بات بڑی دلچسپ ہے۔ آہا ٹھہریئے! پہلے میرے ایک سوال کا جواب دیجئے۔''

''فرمایئے۔''

''کیا اس نے خاص طور پر تیرہ نمبر کی میز کے ریزرویشن پر اصرار کیا تھا....؟''

''جی ہاں!'' منیجر نے کہا۔ ''اور اسی لئے مجھے یہ بات آج بھی یاد ہے کہ یہ ریزرویشن پچاس ہزار جیتنے کے بعد ہوا تھا اور یہ بھی یاد ہے کہ اس جیت میں یلو پینتھر کا نمبر تیرہ تھا اگر وہ تیرہ نمبر کی میز مخصوص کرانے پر زور نہ دیتا تو مجھے یلو پینتھر کا نمبر آج بھی یاد نہ ہوتا۔ آپ سمجھے ہیں نا میرا مطلب! ایسا اکثر ہوتا ہے۔''

''جی ہاں! قطعی نفسیاتی معاملہ ہے۔''

کنگسن لین میں پہنچ کر فریدی نے اسی عمارت کے سامنے کار روک دی جہاں قتل ہوا

تھا۔ مگر انہیں معلوم ہوا کہ لاش وہاں سے لے جائی جا چکی ہے۔

''یہ تو بُرا ہوا۔'' فریدی بڑبڑایا۔

''اب ہمیں کہاں جانا ہوگا؟'' منیجر نے پوچھا۔

''اب تو بس کوتوالی ہی چلنا ہوگا....!''

''چلئے! مجھے کوئی اعتراض نہیں۔''

''آپ کا وقت برباد کر رہا ہوں۔'' فریدی نے کہا۔

''نہیں .... آپ اس کی پرواہ نہ کیجئے۔ میں کوئی خاص کام نہیں کر رہا تھا۔ ویسے یہاں میری کے رہنے کا امکان ہی نہیں ہو سکتا۔ وہ اتنی مفلس نہیں ہے کہ اس قسم کی عمارتوں کے فلیٹوں میں رہتی پھرے۔''

کار پھر چل پڑی اور وہاں سے کوتوالی تک کے راستے میں وہ دونوں خاموش ہی رہے۔ کوتوالی پہنچ کر فریدی نے مردہ خانے کا رخ کیا۔ اس وقت وہاں سنتری کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا' جس نے فریدی کو دیکھتے ہی سلیوٹ کیا۔

''وہ اس اینگلو انڈین لڑکی کی لاش۔'' فریدی نے اس سے کہا۔

''نمبر دو میں جناب۔'' سنتری نے جواب دیا۔

وہ ایک کمرے میں آئے۔ یہاں لاش ایک چادر سے ڈھکی ہوئی پڑی تھی۔ فریدی نے جھک کر اس کا چہرہ کھول دیا۔ ساتھ ہی منیجر کے حلق سے ایک جگر خراش چیخ نکلی اور وہ چاروں شانے چت فرش پر گر گیا۔

''اوہو....!'' فریدی اُسے اٹھاتا ہوا بولا۔ ''یہ کیا کر رہے ہیں آپ.... اگر کسی کی نظر پڑ گئی تو زندگی تلخ ہو جائے گی آپ کی۔''

منیجر کی آنکھیں بند تھیں اور وہ کھڑے کھڑے لہرا رہا تھا۔ یہ عالم تھا کہ اب گرا اور تب گرا۔ فریدی اس کے شانے پکڑے ہوئے تھا۔

''دیکھئے! سنبھلئے! اتنی کمزوری.... نہیں آپ کو مرد ہونا چاہئے۔''

''مجھے یہاں سے لے چلئے۔'' منیجر آنکھیں بند کئے ہوئے پھنسی پھنسی سی آواز میں بولا۔

''یوں نہیں! پہلے آپ خود کو سنبھال لیجئے۔ ورنہ کوتوالی والے آپ کو تنگ کر ڈالیں گے۔''

منیجر لاش کی طرف منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔ اب اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن ان پر عجیب طرح کی ویرانی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اندھا ہو گیا ہو۔

''ہاں! میں نے کہا کہ مجھے لے چلئے۔'' اس نے کہا۔

''فریدی نے اس کی آواز میں بھی ویرانی محسوس کی، اجنبیت محسوس کی۔ یہ اس آدمی کی آواز نہیں معلوم ہوتی تھی جو کچھ دیر قبل اس سے کار میں گفتگو کرتا رہا تھا۔''

''چلئے.... لیکن اس طرح نہیں.... ہم مصیبت میں پھنس جائیں گے۔''

''چلئے....!'' وہ باہر نکلتا ہوا بولا۔

پتہ نہیں.... اس نے خود کو سنبھال لیا تھا یا ابھی تک اس پر وہی کیفیت طاری تھی۔

پھر کار میں بیٹھتے ہی اس نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔ فریدی نے اسے رونے دیا۔ وہ بالکل خاموش ہو گیا تھا۔

منیجر نے ہچکیوں اور سسکیوں کے درمیان کہا۔ ''اب راجرس اسٹریٹ چلئے.... میں آپ کو دکھاؤں میری وہیں رہتی تھی۔''

''میں آپ سے پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ میری یادداشت مجھے بہت کم دھوکا دیتی ہے۔''

منیجر کچھ نہ بولا۔ وہ اب بھی روئے جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ سست پڑ گیا۔

''میں برباد ہو گیا۔ فریدی صاحب۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''دنیا میں اس سے زیادہ مجھے اور کوئی عزیز نہیں تھا۔ اس کا ہر شوق پورا کرتا تھا۔ اب میں کیا کروں گا.... کیسے جیوں گا۔ زندگی اندھیرے میں رینگتا ہوا ایک اژدھا معلوم ہو گی۔''

''گھوڑ دوڑ سے تعلق رکھنے والا چوتھا قتل.... اور سرخ دائرہ۔''

''سرخ دائرہ....!'' دفعتاً منیجر اچھل پڑا۔ ''کیا اس میں بھی سرخ دائرہ؟''

''جی ہاں! اس کی لاش کے قریب بھی فرش پر سرخ دائرہ دیکھا گیا ہے۔''

''میرے خدا یہ کیا ہو رہا ہے۔'' منیجر بڑبڑایا۔ ''سرخ دائرہ صمد اور اس کے جاکیوں کی لاش کے قریب بھی ملا تھا۔''

فریدی کچھ نہیں بولا اور پھر بقیہ راستہ خاموشی ہی سے طے ہوا۔ راجرس اسٹریٹ کی جس عمارت کے سامنے منیجر نے کار روکنے کو کہا تھا وہ بڑی شاندار تھی۔ وہ دونوں کار سے اتر کر اندر داخل ہوئے۔

صدر دروازے پر ایک صاف ستھرے ملازم نے ان کا استقبال کیا۔ غالباً وہ چوکیدار تھا جو صبح تک جاگ رہا تھا۔ فریدی نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کی۔ میری جیرنگٹن یقینی طور پر رات گئے گھر آنے کی عادی تھی۔ ورنہ اس علاقے میں چوکیدار کی ضرورت نہیں تھی۔ ساتھ ہی فریدی نے یہ بھی محسوس کیا کہ منیجر میری کی عدم موجودگی میں بھی بغیر روک ٹوک اس کے گھر میں جا سکتا ہے کیونکہ چوکیدار اس طرح ان کے پیچھے چل رہا تھا جیسے خود منیجر ہی اس مکان کا مالک ہو۔

وہ ایک کمرے میں آئے۔ سامنے کی دیوار پر مقتولہ کی ایک بڑی تصویر آویزاں تھی اور فریدی اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

خان افضل

منیجر نے یہاں پھر رونا شروع کر دیا۔ نوکروں کو بھی یہ بات معلوم ہو گئی اور وہ سب منیجر کے گرد اکٹھا ہونے لگے۔ یہ تعداد میں پانچ تھے۔

''دیکھو! تم لوگ دیکھو!'' منیجر روتا ہوا نوکروں سے بولا۔ ''اب میں کیا کروں.... مجھے بتاؤ۔''

نوکروں نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ سب بھی اپنے چہرے ڈھانپ کر سسکیاں لینے لگے تھے۔

ذرا ہی سی دیر میں فریدی کے چہرے پر بیزاری کے آثار نظر آنے لگے۔

''اچھا اب آپ انہیں رخصت کر دیجئے۔'' فریدی نے نوکروں کی طرف دیکھ کر کہا۔

نوکر وہاں سے ہٹا دیئے گئے اور وہ اپنی آنکھیں خشک کرنے لگا۔ جو اب انگاروں کی طرح سرخ تھیں۔

''آپ کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کسی دوسری جگہ سیسل پیکرافٹ کے نام سے بھی رہتی ہے؟'' فریدی نے پوچھا۔

''جی نہیں.... میرے لئے یہ چیز اس کی موت سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہوئی ہے
نہیں جانتا کہ اس کا مقصد کیا تھا۔''

''اور یہی نہیں.... یہ کوئی دو چار دن کی بات نہیں۔ وہ پورے ایک سال سے وہا
نام سے مقیم تھی۔''

''اب میں کیا بتاؤں جب کہ وہ مر چکی ہے۔ ایسی صورت میں یہی کہا جا سکتا ہے
مجھے دھوکا دیتی رہی تھی.... بظاہر مجھے چاہتی تھی لیکن حقیقتاً وہ کوئی اور تھا جس سے اسے محبت
وہ یقیناً کوئی غریب آدمی رہا ہوگا، تبھی تو اس گھٹیا سے فلیٹ میں....!''

منیجر کی آواز غصیلی ہوتی جا رہی تھی اور اب اس میں غم کا شائبہ بھی نہیں تھا۔

''مجھے اس لئے چاہتی تھی کہ میری دولت اس کے لئے تن آسانیاں پیدا کرے اور
کی تسکین کے لئے کوئی اور ہی تھا.... اُف یہ عورتیں۔''

''تو یہ سارا ٹھاٹھ آپ ہی کی بدولت تھا۔'' فریدی چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''جی ہاں.... قطعی.... نہ صرف یہ بلکہ دوسرے شوق بھی میں ہی پورے کرتا تھا۔ مثلاً
دوڑ کا شوق، ٹمپسٹ اور شہباز میں نے ہی اسے خرید کر دیئے تھے میں سچ کہتا ہوں کہ
انہیں گولی مار دوں گا.... لعنت ہے!''

''ابھی تو آپ رو رہے تھے جناب۔''

''بلاشبہ رو رہا تھا.... شاید زندگی بھر روتا رہوں۔ مگر یہ اب دیکھئے نا کہ مجھے دھوکا دیا
آخر دوسری جگہ نام بدل کر رہنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''اور آپ نے اس پر غور نہیں کیا کہ وہ ٹھیک زوردا سکوائر کے سامنے جا کر رہی تھی
عمارت کے سامنے جہاں صمد رہتا تھا۔'' فریدی نے کہا۔

''اوہ.... ہو....!'' منیجر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور پھر وہ آہستہ سے بڑبڑا
''آخر یہ قصہ کیا ہے.... کہیں وہ کسی سازش کا شکار تو نہیں ہوئی۔''

''خدا جانے۔''

''کرنل صاحب پتہ لگائیے..... میں اس کے لئے اپنی ساری پونجی صرف کر دوں گا۔''

''کیوں، کیا پھر بھول گئے کہ اس نے آپ کو دھوکہ دیا تھا۔''

''اوہ....!'' وہ اپنے سر کی بال نوچتا ہوا بولا۔ ''میں پاگل ہو جاؤں گا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔''

''فی الحال صبر کیجئے.... اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔''

''کیا مطلب....؟''

''یہی کہ تاوقتیکہ میں اس کے متعلق سب کچھ نہ معلوم کر لوں۔''

''ٹھیک ہے.... مگر اب....!''

''کچھ نہیں.... اب ایک دوسری بات بھی سنئے۔ وہ آج محکمہ سراغ رسانی کے ایک فرد کا تعاقب کرتی ہوئی نیاگرہ ہوٹل تک گئی تھی۔''

''کیا....؟ نہیں....؟ بھلا وہ کس طرح؟''

''ایک پارٹی سرخ دائرہ والوں کے سلسلے میں تفتیش کر رہی ہے نا.... اسی کے ایک رکن کا اس نے تعاقب کیا تھا اور وہ تعاقب کنگس لین ہی سے شروع ہوا تھا۔''

''میرے خدا.... کیا کر رہی تھی میری!''

''میں آپ سے متفق ہوں کہ وہ کسی سازش کا شکار ہوئی ہے۔ ورنہ خود بھی کیوں مار ڈالی جاتی.... کیوں؟ آپ خود سوچئے۔''

''جی ہاں....!'' منیجر حقیقتاً کچھ سوچ رہا تھا۔

''اور یہ سرخ دائرہ والے اتنے پھرتیلے اور چالاک ہیں کہ تعریف کرنے کو دل چاہتا ہے۔ انہوں نے ایک جیتے جاگتے آفیسر کی پشت پر سرخ دائرہ بنا دیا۔''

''ارے....؟''

''جی ہاں....!'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''اور میں آپ کو کیا بتاؤں.... لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہ لوگ صرف گھوڑ دوڑ ہی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔ بڑی عجیب بات ہے۔ وہ یا تو تجوریاں توڑتے ہیں یا پھر گھوڑ دوڑ سے تعلق رکھنے والوں کو قتل کر دیتے ہیں۔''

''تو پھر میں کیا کروں۔'' منیجر خوفزدہ سی آواز میں بولا۔ ''میں ان دونوں گھوڑوں کو گولی ہی مار دوں کیا...؟''

''کیوں؟ کیا اُن دونوں کے دوڑنے سے مجرم آپ کی گرفت میں آجائیں گے؟''

''ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا... ویسے توقع یہی ہے۔''

''مگر اب میں ایک دوسری بات بھی سوچ رہا ہوں۔''

''وہ کیا...؟''

''وہ دونوں گھوڑے میں نے میری ہی کے نام سے خریدے تھے۔ لہٰذا اس کے مرنے کے بعد وہ میری ہی ملکیت ٹھہرے... نہیں کرنل صاحب یہ سازش براہِ راست میرے ہی خلاف کی گئی ہے۔''

''کیوں؟ آپ کے خلاف کیوں؟'' فریدی نے حیرت ظاہر کی۔

''ظاہر ہے کہ یلو پینتھر کے بعد دوڑ میں ٹمپسٹ ہی کامیاب ہوگا۔ کیا لوگوں کے ذہن میں یہ بات نہیں آسکتی کہ ہوسکتا ہے میں نے ہی یہ سارا جال بچھایا ہو۔''

''ہاں شبہ تو ہوسکتا ہے۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

''پھر بتایئے! بہتر یہی ہے کہ میں یا تو انہیں فروخت کردوں یا گولی مار دوں۔''

''نہیں میں ان میں سے کسی کے لئے بھی مشورہ نہیں دوں گا۔''

''پھر بتایئے! میں کیا کروں؟''

''کتنی بار کہوں کہ ٹمپسٹ کو دوڑنے دیجئے۔ بقیہ میں دیکھ لوں گا۔''

''جیسی آپکی مرضی۔ ویسے اب میرا دل ان کاموں سے بُری طرح اچاٹ ہوگیا ہے۔''

''اب میرے چند سوالات کے جواب دیجئے۔ اس کے بعد میں آپ کو کیفے میں چھوڑ آؤں گا۔''

''اب بھلا ایسی صورت میں کیفے کی طرف جانا کہاں ہوسکتا ہے۔ رات میں یہیں بسر کروں گا۔ ورنہ یہ سارے نوکر رات ہی کو غائب ہوجائیں گے اور صبح یہاں جھاڑو پھری ہوئی نظر آئے گی۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔ مگر دیکھئے... میں یہ تو بھول ہی گیا تھا اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ آپ کسی سے بھی اس کا تذکرہ نہیں کریں گے کہ میری جیرنگٹن قتل کردی گئی ہے۔ اسے سیسل پیکرافٹ ہی بنی رہنے دیجئے۔ اس وقت تک جب تک مجرموں کو پکڑ نہ لوں۔ دوسری صورت میں پولیس آپ کو اس قدر پریشان کرے گی کہ آپ گھوڑوں کو گولی مارنے کے بجائے اپنا ہی خاتمہ کرلیں گے۔''

''اچھی بات ہے۔ میں کسی کو بھی نہ بتاؤں گا۔'' منیجر نے کچھ سوچ کر سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''مگر نوکروں کو تو معلوم ہی ہوچکا ہے۔''

''آپ اس کی پرواہ نہ کیجئے۔ انہیں میں ٹھیک کرلوں گا۔ وہ اپنی زبان سے اس کے متعلق ایک لفظ بھی نہ نکال سکیں گے۔ اگر آپ سے کوئی میری جیرنگٹن کے متعلق پوچھے بھی تو کہہ دیجئے گا کہ وہ کہیں باہر گئی ہوئی ہے۔''

''میں یہی کروں گا کرنل صاحب۔ مگر کہیں میرا بھی نمبر نہ آجائے۔''

''کیا مطلب...!''

''مطلب! ارے دیکھئے ناصد مار ڈالا گیا۔ اس کے جاکی ختم کئے گئے... محض یلو پینتھر کی وجہ سے؟ یلو پینتھر کے بعد ٹمپسٹ کا نمبر آتا ہے۔ میری ٹمپسٹ کی مالک تھی وہ اس طرح مار ڈالی گئی... اور اب ٹمپسٹ کا مالک میں ہوں... نہیں جناب کرنل صاحب! یا تو ٹمپسٹ دوڑے گا نہیں یا پھر میں ہی اسے گولی مار کر اپنی جان بچاؤں گا۔''

''آپ پھر بہک گئے، مرد بنئے!''

منیجر خاموش ہوگیا۔ اس کے چہرے پر ذہنی کش مکش کے آثار تھے۔ آخر اس نے تھوڑی دیر بعد مردہ سی آواز میں کہا۔ ''اچھا آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہی کروں گا۔''

''گڈ! بس اب تھوڑا سا وقت اور لوں گا۔'' فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''اچھا یہ بتایئے کہ ٹمپسٹ کے بعد کسی کے جیتنے کی توقع ہوسکتی ہے؟''

''تھنڈر... ہاں تھنڈر ہی تو ہے!''

''اس کا مالک کون ہے؟''

''خان افضل.....!'' منیجر نے کہا۔

''آہا..... خان افضل..... اوہ.....!'' فریدی ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔ وہ خان افضل سے اچھی طرح واقف تھا۔ خان افضل شہر کے ان بڑے بدمعاشوں میں سے تھا جن کے عیوب دولت چھپا لیتی ہے۔ اگر اس کے پاس دولت نہ ہوتی تو اسے غنڈہ قرار دے کر شہر بدر کر دیا گیا ہوتا مگر خان افضل جو دو تین فیکٹریوں کا مالک تھا اور سرکاری تعمیرات کے ٹھیکے لیا کرتا تھا شہر کے بڑے بڑے ادداروں کے جلسوں کی صدارت کرنی پڑتی تھی اور اس کے متعلق لوگ کہا کرتے تھے کہ خدا مسب الاسباب ہے۔ جو ڈنک مار دینے والی خطرناک مکھیوں سے شہد مہیا کرتا ہے۔ لہٰذا یہ اس کی شان سے بعید نہیں ہے کہ کسی جاہل اور کندہ ناتراش کو جلسہ تقسیم اسناد کی صدارت کی توفیق عطا کر دے۔

تو خان افضل ایسا آدمی تھا کہ فریدی تھوڑی دیر کے لئے سوچ میں پڑ گیا۔

بہر حال پھر اس نے بات آگے نہیں بڑھائی۔ پہلے کچھ دیر تک میری جیرنگٹن کے نوکروں کے اسکریوکستا رہا۔ پھر منیجر کو وہیں چھوڑ کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

دوسرے دن سہ پہر تک وہ بہت مشغول رہا۔ اس نے پچھلی رات کے واقعات حمید کو بتا دیئے تھے اور حمید دن بھر انہیں کے متعلق سوچتا رہا تھا۔

سہ پہر کو فریدی واپس آیا۔ حمید اس کا منتظر ہی تھا۔ اسے توقع تھی کہ اب یہ کیس نیا رخ سے آگے بڑھے گا کیونکہ اب فریدی پوری طرح اس میں دلچسپی لے رہا تھا۔

حمید نے اس کے آتے ہی میری جیرنگٹن کی گفتگو چھیڑ دی۔

''میری جیرنگٹن.....!'' فریدی ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ''وہ ایک بڑی پراسرار لڑکی تھی۔ تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ اس نے سیسل پے کرافٹ کے نام سے وہ فلیٹ اُسی دن حاصل کیا تھا جس دن کیفے جبران میں تیرہ نمبر کی میز ریزرو کرائی گئی تھی۔''

''تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ بھی ان پانچوں کی شریک تھی۔''

''کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ وہ پانچوں تو اس سرخ دائرہ سے بھی زیادہ پُراسرار ہیں۔''

''کیوں کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ سرخ دائرہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''میں ابھی کچھ نہیں سمجھتا۔ الجھی ہوئی ڈور کا ایک بہت بڑا گٹھر میرے سامنے پڑا ہوا ہے اور میں اس کے دونوں سرے تلاش کر رہا ہوں جس دن ایک سرا بھی ہاتھ آ گیا اسی دن میں کوئی قطعی فیصلہ کر سکوں گا اور ہاں دوسری بات یہ کہ جب پچھلی رات آصف کو تو الی سے اپنے گھر واپس جا رہا تھا ایک تاریک گلی میں کسی نے اسے اٹھا کر پٹخ دیا اور پھر اس کی پشت پر وہی سرخ نشان بنا کر فرار ہو گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ آج چھٹی پر ہے اور اس کی بیوی صدقہ خیرات کر رہی ہے۔''

حمید ہنسنے لگا۔ دیر تک ہنستا رہا پھر بولا۔ ''یہ سرخ دائرہ والے بھی بڑے ذہین اور ماہر نفسیات قسم کے لوگ معلوم ہوتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ کون کس طرح مر سکتا ہے۔ اگر یہی عالم رہا تو آصف کچھ دن بعد گھر ہی سے نکلنا چھوڑ دے گا۔''

''مگر تم کہاں تھے..... رات میرے جانے کے بعد تم گھر پر تو نہیں تھے۔''

''ایک معمر عورت کی دلجوئی کر رہا تھا۔'' حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ ''اس کی عمر پینتالس سال ہے۔ اسے اس بات کا بڑا قلق ہے کہ اب اس کی کوئی بھی پرواہ نہیں کرتا۔''

''بہت بدنام ہو رہا ہوں تمہاری وجہ سے۔'' فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

''نہیں اب آپ کی بڑی شہرت ہوگی۔'' حمید سر ہلا کر سنجیدگی سے بولا۔ ''میں یہ کام فی سبیل اللہ کر رہا ہوں۔ لوگ کہنے لگے کہ کرنل فریدی کے اسسٹنٹ کو دیکھو وہ بوڑھی عورتوں کو بھی اداس ہونے کا موقع نہیں دیتا۔''

''بکواس مت کرو۔ چلو تیار ہو جاؤ۔ ہمیں خان افضل کے یہاں چلنا ہے؟''

''خان افضل؟ کیا مطلب آپ جائیں گے اس کے یہاں؟''

''ہاں کام ہے۔''

''کس سلسلے میں.....؟''

''اسی سلسلے میں، ٹمپسٹ کے بعد اُسی کے گھوڑے تھنڈر کا نمبر ہے۔''

''اتنا میں بتائے دیتا ہوں کہ وہ بہت بدتمیز آدمی ہے۔''

"مجھے علم ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "تم تیار ہو جاؤ۔"

"آپ جایئے۔ میں تو برداشت نہ کرسکوں گا۔" حمید نے کہا اور بڑبڑاتا ہوا کمر گیا۔ فریدی اس کا انتظار کرتا رہا۔ آج وہ دن بھر دوڑتا رہا تھا۔ لیکن اس کے چہرے کی کہہ رہی تھی جیسے ابھی ابھی سو کر اٹھا ہو۔

حمید چلنے کے لئے تیار ہو کر آ گیا لیکن وہ جنگی لباس میں تھا۔ خطرناک مہموں پر سے پہلے وہ عموماً اسی قسم کی تیاریاں کیا کرتا تھا۔ اس کے جسم پر چمڑے کا جیکٹ ہوا کرتا تھ کے استر میں اندر کی طرف ریوالور کے کارتوس رکھنے کے لئے بے شمار خانے تھے۔ جیکٹ نیچے کمر پر ایک چوڑی سی پیٹی جس سے دائیں بائیں دو ہولسٹر لٹکتے رہتے تھے اور ہولسٹرو پڑے ہوئے ریوالور بھی خالی نہیں ہوا کرتے تھے۔ ایسے مواقع پر نہ تو وہ ٹائی باندھتا تھا ایسی پتلون پہنتا تھا جن کے پائنچے ٹخنوں سے نیچے ہوں۔

"بہت خوب....!" فریدی اسے نیچے سے اوپر تک دیکھتا ہوا مسکرایا۔ "اے میکبیک چرواہے ہم کوئی ڈرامہ اسٹیج کرنے نہیں جا رہے ہیں۔"

"آپ نہیں سمجھتے! وہ بڑا لفنگا ہے۔ ابھی پچھلے ہی مہینے کی بات ہے اس نے ایک انسپکٹر کو اپنے مکان میں بند کر کے بُری طرح پیٹا تھا۔ اس کے بعد اپنے کپڑے پھاڑے پر دو چار خراشیں ڈال کر سیدھا کمشنر صاحب کے بنگلے پر پہنچ گیا اور رپورٹ کر دی کہ فلاں انسپکٹر نے میرے ساتھ بدسلوکی کی ہے۔ بے چارا سب انسپکٹر اس وقت تک بند رہا جب تک کوتوالی میں سب انسپکٹر کے خلاف رپورٹ نہیں لکھ لی گئی۔ جب وہ رپورٹ وغیرہ درج کر واپس ہوا تو اس کے آدمیوں نے سب انسپکٹر کو چھوڑا۔ وہ معاملہ ابھی تک چل رہا تھا۔"

"اچھی بات ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اگر میں پٹنے لگوں تو تم بھاگ آنا... پوری اجازت ہے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ خان افضل سے ملنے کے لئے روانہ ہو گئے۔ خان افضل ایک بھرکم آدمی تھا۔ اس کے بڑے سے چہرے پر چوٹ کے کئی نشان تھے۔ آواز پاٹ دار اور تھی۔ جنگ عظیم سے پہلے وہ ایک جننگ فیکٹری میں مشین صاف کرنے پر ملازم تھا۔

نہیں کیا ہوا کہ جنگ شروع ہوتے ہی وہ پھیلنے اور بڑھنے لگا۔ ابتدا فوجی کمپنیوں میں مرغیاں سپلائی کرنے سے ہوئی تھی اور انتہا خدا جانے۔ کیونکہ اب بھی وہ پھیلتا اور بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ فطرتاً چڑچڑا اور بداخلاق تھا۔ گالیاں تو نوک زبان پر رہتی تھی۔

مگر فریدی اور حمید کا استقبال اس نے خندہ پیشانی سے کیا۔ کچھ دیر رسمی گفتگو ہوتی رہی، پھر فریدی اصل موضوع پر آ گیا۔ اس نے جیب سے میری جیرنگٹن کی تصویر نکالی اور اُسے دکھاتا ہوا بولا۔ "کیا آپ اسے پہچانتے ہیں؟"

"ارے.... ہائیں.... یہ تو میری ہے.... میری جیرنگٹن.... کیوں کیا بات ہے؟"

"اُس نے ابھی حال ہی میں ایک رپورٹ درج کرائی تھی۔" فریدی نے کہا۔

"اس کا خیال ہے کہ کوئی اس کے گھوڑے ٹمپسٹ کو آنے والی دوڑ میں شریک ہونے سے روکنا چاہتا ہے۔"

"اور وہ خان افضل کے علاوہ اور کون ہوسکتا ہے.... کیوں؟" خان افضل نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "مگر تھنڈر ٹمپسٹ کا باپ ہے۔ اس لونڈیا کا بھی دماغ خراب ہوا ہے۔ شاید.... کیوں؟"

"مجھے اس کی اطلاع تو نہیں ہے مگر میں اس ریس میں شریک ہونے والے سارے گھوڑوں کے مالکوں سے مل رہا ہوں۔"

"ضرور ملئے.... میں منع نہیں کرتا۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ وہ آپ کا قیمتی وقت برباد کرا رہی ہے۔ اس کی ہسٹری مجھ سے سنئے۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ کوئی باعزت عورت ہے۔ ہرگز نہیں۔ آدھے درجن آدمیوں کو تو میں جانتا ہوں جن کی وہ داشتہ رہ چکی ہے۔ اب آج کل گریشن کی دولت سے کھیل رہی ہے۔"

"کون گریشن! کیفے جبران کا منیجر نا....!"

"ہاں وہی....!"

"کیا گریشن دولت مند بھی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ایک منیجر....!"

"منیجر....!" خان افضل نے ایک گونجیلا سا قہقہہ لگایا۔ "وہ کیفے جبران کا مالک ہے.... یہی نہیں اس کے اور بھی درجنوں کاروبار ہیں۔ پکا فراڈیا ہے سالا....!"

ایک....دو....تین

فریدی اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ گفتگو کرتے وقت خان افضل کی آنکھوں کی حرکت بند ہوجاتی تھی۔ نہ پلکیں جھپکتی تھیں اور نہ دیدے ہی جنبش کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ پتھر کی آنکھیں ہوں۔ شاید یہی وجہ تھی کہ فریدی ابھی تک اس کے چہرے پر خیالات یا جذباتی تغیرات کا عکس نہیں دیکھ سکا تھا۔

''وہ کچھ بھی ہو افضل صاحب۔'' فریدی نے کہا۔ ''مگر میں یہ محسوس کررہا ہوں کہ اچھے گھوڑوں کے مالکوں اور جوکیوں کی شامت آ گئی ہے۔''

''کیوں....؟''

''صمد اور اس کے جاکیوں کے قتل۔''

''ہاں....آں! میں نے بھی اکثر اس کے متعلق سوچا ہے، لیکن میں خائف نہیں ہوں، آپ یقین کیجئے۔''

''سرخ دائرہ والوں نے اب تک یا تو تجوریاں توڑیں اور پھر ان لوگوں کو قتل کیا ہے جن کا کچھ نہ کچھ تعلق گھوڑ دوڑ سے بھی ہو۔ اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟''

''میں اگر اپنا خیال ظاہر بھی کردوں تو آپ کو اسے سے کیا فائدہ پہنچے گا؟''

''ہوسکتا ہے فائدہ پہنچ ہی جائے۔ مجھے یقین ہے کہ مجھے کسی ایسے ہی آدمی سے فائدہ پہنچے گا جس کا تعلق گھوڑ دوڑ سے ہو اور غالباً آپ بھی اسے سمجھتے ہوں گے کہ قانون کی مدد کرنا بڑی اچھی بات ہے۔''

''مگر مجھے پولیس کے محکمے سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔''

''ہونی بھی نہیں چاہئے۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔

''کیوں....؟''

''کسی زمانے میں آپ پولیس کے ہاتھوں بہت تنگ ہوئے ہوں گے۔''

حمید فریدی کو روک نہ سکا۔ صرف دل ہی دل میں جھنجھلا کر رہ گیا۔

خان افضل اچھل کر کھڑا ہوگیا تھا۔ اس کی سانس پھول رہی تھی۔ وہ دونوں اس کے سامنے ایسے لگ رہے تھے جیسے دو بالشتیے بیٹھے ہوں۔

''بس اب تشریف لے جایئے۔'' وہ ہاتھ پھیلا کر دھاڑا۔ ''اگر یہ بات کسی اور نے کہی ہوتی یا آپ فریدی صاحب کے ساتھ نہ ہوتے۔''

''مجھے افسوس ہے افضل صاحب، آپ تشریف رکھئے۔''

''نہیں جناب۔'' اس نے کہا اور یک لخت دوسرے کمرے کی طرف مڑ گیا۔

وہ تنہا بیٹھے رہے۔

''تم بڑے سؤر ہو۔'' فریدی حمید کی طرف دانت پیستا ہوا بولا۔

''واقعی بڑی غلطی ہوئی۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔ ''میں تو سمجھا تھا کہ دو ہاتھ ہوجائیں گے۔ مجھے کوئی اس سے بھی زیادہ سخت بات کہنی چاہئے تھی۔''

''تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے....چلو اٹھو۔''

وہ دونوں باہر آئے۔ فریدی کا موڈ بہت خراب ہوگیا تھا اور حمید کی کس بات کا جواب نہیں دے رہا تھا۔

''آپ آج کل اتنے بھولے کیوں ہوگئے ہیں؟'' حمید نے کہا۔

''بکواس مت کرو۔ بلکہ مجھ سے فی الحال الگ ہی ہوجاؤ تو بہتر ہے۔''

''ارے آپ کیا بات کررہے ہیں۔ وہ اس موضوع پر کوئی گفتگو کرنا ہی نہیں چاہتا تھا۔''

''میں کہتا ہوں خاموش رہو۔''

حمید پھر نہیں بولا۔ کار سڑک پر دوڑتی رہی۔

یہ واقعات ہی بڑے عجیب تھے۔ اب تک جتنے بھی کیس ہوئے تھے انہیں مجرم یا مجرموں نے ایک بھی ایسا نشان نہیں چھوڑا تھا جس سے ان کا سراغ ملنے میں مدد ملتی اور وہ سرخ دائرہ۔

فریدی کا خیال تھا کہ وہ سرخ دائرہ دراصل اسی لئے استعمال کیا جاتا ہے کہ پولیس کو مجرم کا سراغ ہی نہ مل سکے۔ اس لئے فریدی کے پاس ایک نفسیاتی توجیہہ تھی اس کا کہنا تھا کہ لوگ سرخ نشان دیکھ کر بعض چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کردیتے ہیں، یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ کسی

مجرم سے کوئی غلطی ہی سرزد نہ ہو۔ اس کے ثبوت میں وہ ڈیکارٹس کے حالیہ قتل کا واقعہ
تھا، اس میں مجرم نے دوسروں پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی کہ ڈیکارٹس نے خودکشی
لیکن اس میں کامیاب نہ ہوسکا، اس نے سر یا سینے کی بجائے گردن کے ایک پہلو پر رائفل
فائر کیا تھا۔ بہرحال اس کیس میں سرخ دائرہ کو دخل نہیں تھا۔ اسی لئے یہ معمولی سی بات
کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ لیکن اگر وہاں وہ سرخ دائرہ موجود ہوتا تو شاید اس کی طرف دھیان
کی بھی ضرورت نہ پیش آتی۔ بس یہ اطمینان ہوجاتا کہ یہ حرکت سرخ دائرہ والوں ہی کی
رزنامچوں کی خانہ پری کردی جاتی۔

بہرحال تین دن گذر گئے اور وہ ادھر اُدھر سر مارتا رہا۔ دوسری طرف اعلیٰ حکام ناک
دم کئے ہوئے تھے کہ اب اسے اس کیس کو اپنے ہاتھ میں لے لینا چاہئے۔ لیکن وہ باضابطہ
پر اس کا انچارج بننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ ڈی۔آئی۔جی نے اسے سمجھایا بھی کہ اس کا
محض یہ تھا کہ آصف وغیرہ کی نالائقی کا خود انہیں یقین دلایا جائے، کیونکہ انہیں اعلیٰ حکام
جانبداری کی شکایت تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ فریدی اور حمید کے علاوہ اور کسی کو موقع ہی کب
جاتا ہے کہ انہیں اپنی صلاحیتوں کو ظاہر کرنے کا اتفاق ہو۔

آصف کا یہ عالم تھا کہ اب اس کی روح لرزنے لگی تھی۔ سرخ دائرہ کے نام ہی پر
منہ اتر جاتا تھا۔ میری جیرنگٹن کے قتل والی رات کے واقعہ نے اسی طرح اس کے حوا
کردیئے تھے مگر اس کی وجہ اسکی سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ مجرم ہمیشہ محض ہلکی سی تنبیہہ کرکے
چھوڑ کیوں دیتا ہے۔ بہرحال آصف کا بُرا حال تھا اور وہ خدا سے دعا کررہا تھا کہ اب شہر
کوئی ایسی واردات نہ ہو جس کے سلسلے میں اسے وہ منحوس سرخ دائرہ دیکھنا پڑے۔ مگر یہ ضرو
نہیں تھا کہ اس کی دعا قبول ہی ہوجاتی۔ میری کے قتل کی دوسری ہی رات کو ایک بینک کی
تجوریاں ٹوٹ گئیں اور ان تجوریوں پر وہی سرخ دائرے موجود تھے۔

فریدی ایک ایک کرکے اگلی ریس میں حصہ لینے والے سارے گھوڑوں کے مالکوں سے
چکا تھا۔ لیکن حمید کو یقین تھا کہ خود فریدی کی نظروں میں بھی ان ملاقاتوں کی کوئی اہمیت نہیں
اور اب وہ یہ بھی محسوس کرنے لگا تھا کہ فریدی غیر معمولی طور پر خاموش رہنے لگا

اسی سے اس نے اندازہ لگالیا تھا کہ اب یہ کیس کسی فیصلہ کن موڑ پر پہنچنے والا ہے۔

فریدی ایسے مواقع پر عموماً خاموش ہی ہوجایا کرتا تھا۔

پھر ایک دن حمید کو معلوم ہوا کہ وہ آئندہ ہونے والی ایک ریس کا منتظر تھا اور پھر شاید
زندگی میں پہلی بار ان لوگوں نے ریس کورس میں قدم رکھا۔ اس سے قبل انہیں کسی کیس کے
سلسلے میں بھی وہاں جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ فریدی تو خیر تھا ہی محتاط آدمی لیکن حمید کو بھی
ریس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

مگر جب اس نے ریس کورس میں قدم رکھا تو اسے دل ہی دل میں عہد کرنا پڑا کہ وہ
آئندہ بھی یہاں آتا رہے گا۔ کیونکہ وہاں مردوں سے زیادہ عورتیں تھیں۔

ریس شروع ہونے میں ابھی دیر تھی۔ فریدی اصطبلوں کی طرف بڑھا جو یہاں سے دو
ڈھائی فرلانگ کے فاصلے پر واقع تھے۔

''کہاں.... اُدھر کیا ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''عورتوں کے سوا اور سب کچھ ہے۔'' فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔

گھوڑے اصطبلوں سے نکالے جارہے تھے۔ وہاں کیفے جبران کے مالک یا منیجر گریش
سے ملاقات ہوگئی۔

''آہا.... کرنل صاحب.... آیئے آیئے! کیا بتاؤں.... آج مجھے یہاں آنا پڑا....'' گریش
نے گلوگیر آواز میں کہا۔ ''اور جناب، میں آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ میں بھی خطرے میں ہوں۔''

''کیوں؟ کوئی خاص بات....؟'' فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''دو دن سے کچھ نامعلوم آدمی کیفے جبران کی نگرانی کررہے ہیں۔ میں محسوس کررہا ہوں
کہ وہ بڑے منظم طریقے پر یہ کام کرتے ہیں۔ ان کی ڈیوٹیاں تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ دو ہی
صورتیں ہوسکتی ہیں، یا تو میں بھی چل بسا یا پھر اب آپ لوگ پریشان کریں گے۔''

''میں نہیں سمجھا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''

''ہوسکتا ہے کہ وہ آپ ہی کے محکمے کے آدمی ہوں۔''

''میرے محکمے کے! نہیں میرا خیال ہے کہ ایسی کوئی اسکیم نہیں تھی۔ خیر میں دیکھوں گا کہ

وہ کون لوگ ہیں۔''

''مگر کرنل صاحب!'' گریش نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اگر یہ صرف گھوڑوں کی ہار جیت کا معاملہ ہے تو آدمی کیوں قتل کئے جا رہے ہیں؟ بہتر تھنڈر اس کے آگے جا رہا تھا۔ اچانک ایک تیسرے گھوڑے نے تھنڈر کے آگے نکلنے کی کوشش خطرناک طریقہ یہ تھا کہ وہ گھوڑے ہی ختم کر دیئے جاتے۔ مثلاً یلو پینتھر، ٹمپسٹ یا اور کوئی۔ اس طرح وہ ٹمپسٹ کے برابر پہنچ گیا۔ ٹمپسٹ اور تھنڈر میں بہت کم فاصلہ تھا۔ دیکھتے ہی کی طرف سے خدشہ ہوتا۔''

''میں خود بھی حیرت میں ہوں۔'' فریدی نے کہا۔ ''اور میں ابھی تک اس کے متعلق دیکھتے ٹمپسٹ بھی تھنڈر کے برابر پہنچ گیا۔ تیسرا گھوڑا دونوں کے پیچھے رہ گیا۔ تھنڈر اب ٹمپسٹ صحیح رائے قائم نہیں کر سکا۔''

''مگر یہاں ریس کورس میں آپ کی موجودگی سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آج یہاں کے پیچھے تھا۔ پھر یک بیک ٹمپسٹ سر کے بل نیچے چلا گیا۔ کچھ سمجھ ہی میں نہ آ سکا کہ وہ کیسے نہ کچھ ہو کر رہے گا۔'' گریش نے کہا۔ گرا۔ خان افضل کا تھنڈر طوفان کی طرح آگے بڑھتا جا رہا تھا۔

''آپ کا خیال صحیح ہے۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''آج یہاں.....!'' اور پھر کچھ دیر بعد تھنڈر کی جیت کا اعلان کر دیا گیا۔

''اوہ مسٹر گریش۔'' فریدی نے حمید کو جملہ پورا کرنے کا موقعہ دیئے بغیر کہا۔ ''آپ ٹمپسٹ کے گرد بھیڑ اکٹھا ہو گئی تھی اور زیادہ تر تماشائی ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں بھر رہے تھے وقت بہت مصروف معلوم ہوتے ہیں، ہم پھر ملیں گے۔'' کیونکہ سب سے زیادہ ٹکٹ ٹمپسٹ ہی کے نمبر کے بکے تھے۔

فریدی اس سے مصافحہ کر کے آگے بڑھ گیا۔ پھر وہ دونوں اس جگہ جا کر رکے جہاں ادھر ٹمپسٹ کا جاکی تو گرتے ہی ختم ہو گیا تھا کیونکہ وہ بھی سر کے بل ہی گرا تھا اور اس اصطبلوں کا سلسلہ ختم ہوا تھا۔ کے سر کی ہڈیاں چور چور ہو گئی تھیں۔

یہاں پہنچے ہوئے انہیں تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ایک اصطبل سے ایک بدہیئت ٹمپسٹ کو تھوڑی دیر بعد گولی مار دی گئی کیونکہ اس کے ایک پیر کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ نکل کر اُن کی طرف بڑھا۔ قریب پہنچ کر اس نے فریدی کو بڑے ادب سے سلام کیا۔ وہ ایک گریش دیوانوں کی طرح چیختا پھر رہا تھا۔ ''یہ دھوکا تھا..... یہ سازش تھی۔''

جو بشرہ شناسی میں کچھ نہ کچھ دخل رکھتا تھا اس کے متعلق کوئی اچھی رائے نہیں قائم کر سکا۔ پھر اس کی آواز لاؤڈ سپیکر پر سنی گئی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''کرنل صاحب..... خدارا ٹمپسٹ کی لاش کے پاس آیئے۔ میں ثابت کر دوں گا کہ یہ سازش تھی..... جلد آیئے۔''

''سب ٹھیک ہے جناب۔ میں نے بہت کڑی نظر رکھی ہے۔ آپ لوگوں کے علاوہ اب بڑی عجیب بات تھی۔ مردہ جاکی کی کسی کو بھی پرواہ نہیں تھی۔ نہ گریش کو نہ تماشائیوں کو۔ تک ادھر کوئی غیر جانا پہچانا آدمی نہیں آیا۔''

''اور کوئی خاص بات۔''

''نہیں جناب..... اور سب ٹھیک ہے۔''

''اچھا جاؤ.....!''

وہ چلا گیا۔ حمید نے اس کے متعلق پوچھا۔ مگر کوئی تسلی بخش جواب نہ ملا۔

ریس کا سگنل ہونے سے کچھ دیر قبل ہی وہ وہاں پہنچ گئے جہاں سے انہیں ریس دیکھنی سگنل ہوا، گھوڑے دوڑ پڑے..... میری جیر نگٹن کا ٹمپسٹ دوسرے نمبر پر تھا۔ خان افضل کا

گریش گھوڑے کی لاش پر ماتم کر رہا تھا اور تماشائی اپنی لگائی ہوئی رقم کے ضائع ہونے پر آہیں بھر رہے تھے۔ ایک آدمی بھی مر گیا تھا۔ مگر وہ آدمی نہیں تھا۔ وہ تو صرف جاکی تھا۔ جاکی بہت ملتے ہیں مگر ٹمپسٹ جیسے گھوڑے نایاب ہیں۔

''مجھے کیوں بلایا ہے؟'' فریدی نے گریش کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''اوہ..... کرنل صاحب۔'' گریش گلوگیر آواز میں بولا۔ ''سازش۔''

''ہاں..... ہو سکتا ہے۔ لیکن مجھے اس کی موت سے زیادہ جاکی کی موت سے سروکار ہے۔

یقیناً سازش کرنے والے کی سزا موت ہی ہونی چاہئے۔ اس کا کیا نام تھا...؟''

''سندر...!'' گریش نے کہا۔

''ہاں... اچھا... آپ نے مائیکروفون پر کہا تھا کہ آپ اسے سازش ثابت کریں گے۔'' فریدی نے کہا۔

''جی ہاں... میں ثابت کردوں گا۔ میں سچ کہتا ہوں آپ سے... اگر مجھے ثبوت ہوجائے کہ یہ کس کی حرکت ہے تو میں اسے اسی طرح گولی مار دوں۔''

پھر اس نے ٹمپسٹ کا ٹوٹا ہوا پیر اٹھا کر کہا۔ ''یہ دیکھئے... اس کی نعل غائب ہے۔'' اس کے ٹوٹے ہوئے پیر کی نعل غائب تھی۔

فریدی کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ ''ہاں... ہے'' اور وہ متجسس نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

''اس ریس کورس کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ دوڑتے وقت کسی گھوڑے کی نعل نکل گئی ہو۔'' گریش نے کہا۔

''سائیس کہاں ہے؟'' فریدی نے پوچھا۔

''سائیس... اوہ... سائیس... کمال ہے... یہ سب کچھ ہوگیا اور سائیس ندارد۔'' گریش بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

فریدی اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ حمید نے اسے کئی قسم کے معنی پہنانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔

''کیا وہ اس وقت اصطبل میں موجود تھا، جب گھوڑا لایا جارہا تھا؟'' فریدی نے پوچھا۔

''جی ہاں قطعی تھا... آہا... میں بھی کتنا گدھا ہوں... یہ حرکت سائیس کو ملائے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔''

''نعلیں کس نے جانچی تھیں؟''

''کمپنی کے ایگزامینر نے... میں بھی موجود تھا۔ اس نے نعلیں کی طرف سے بے اطمینانی نہیں ظاہر کی تھی۔''

''ریس شروع ہونے سے کتنی دیر پہلے جانچ کی گئی تھی؟''

''شاید دو گھنٹے قبل... جی ہاں... اور کیا...!''

''میں ایگزامینر اور سائیس دونوں سے ملنا چاہتا ہوں۔''

ایگزامینر نے فریدی کے استفسار پر صاف کہہ دیا کہ جس وقت اس نے جانچ کی تھیں نعلیں میں کسی قسم کی کوئی خامی نہیں پائی گئی تھی۔ اس کے بعد اگر کچھ ہوا تو وہ اس کے لئے ذمہ دار قرار نہیں دیا جاسکتا۔

''نعل تو بہرحال رہی ہوگی۔'' گریش بولا۔ ''میرے جاکی! ریس شروع ہونے سے دس منٹ قبل بھی نعلیں کی جانچ کرتے ہیں۔''

''تب پھر یہ محض اتفاق بھی ہوسکتا ہے کہ دوڑتے دوڑتے ایک نعل نکل گیا۔ آپ یقین کے ساتھ اسے سازش نہیں قرار دے سکتے۔''

''آپ جانئے۔'' گریش بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''میں نے آپ کو آگاہ کردیا۔''

''یہ میرا قطعی فیصلہ نہیں تھا۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''میں صرف امکانات پر غور کررہا ہوں۔ خیر اب ہمیں سائیس کو بھی دیکھنا چاہئے، کیونکہ اس وقت تو نعل بدلی نہیں جاسکتی جب گھوڑا دوڑ رہا ہو۔''

وہ اصطبل میں آئے... سائیس غائب تھا۔ دوسروں سے پوچھ گچھ کرنے کے باوجود بھی اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔

''دیکھ لیا آپ نے...!'' گریش نے کہا۔ ''حالانکہ اسے گھوڑے کی واپسی تک یہیں رہنا چاہئے تھا۔''

فریدی کچھ سوچنے لگا۔ لیکن اس کی متجسس نظریں اب بھی اصطبل میں چاروں طرف بھٹکتی پھر رہی تھیں۔

اچانک بھوسے کے ایک ڈھیر میں حرکت ہوئی اور ایک پیر اس میں سے نکل کر فرش پر پھیل گیا۔

''ارے...!'' گریش اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

پھر وہ بڑی تیزی سے بھوسے کے اس ڈھیر کو ادھر اُدھر پھیلانے لگا۔

''یہی.... یہی ہے۔'' گریش نے بے ساختہ کہا۔ ایک بیہوش آدمی فرش پر پڑا تھا۔ کے سر کا پچھلا حصہ بُری طرح زخمی تھا۔ کسی وزنی چیز سے اُس کے سر پر ضرب لگائی گئی تھی۔

''میرے اندازے بہت کم غلط ہوتے ہیں۔'' گریش بڑبڑا رہا تھا۔ ''سازشی یہ کہ کہ میری موت کے بعد ٹمپسٹ بھی نہ دوڑ سکے گا۔''

''پہلے اسے ہوش میں لانا چاہئے۔'' فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔

تقریباً آدھ گھنٹے کی جدو جہد کے بعد وہ ہوش میں آیا۔ لیکن اس کی حالت اچھی تھی۔ اس نے جو کچھ بتایا وہ غیر تشفی بخش تھا۔

اس کے بیان کے مطابق کسی نے اس کی لاعلمی میں عقب سے حملہ کیا تھا۔ سر کی نے اسے مڑ کر دیکھنے کا بھی موقعہ نہ دیا۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں بتا سکا۔ حتیٰ کہ کسی پر شبہ کرنے سے بھی انکار کر دیا۔

''شاید اسکاٹ لینڈ یارڈ والے بھی سرخ دائرہ والوں کا سراغ نہ پا سکیں۔'' فریدی نے سامنہ بنا کر کہا۔ ''کم بخت غلطی کرنا تو جانتے ہی نہیں۔''

شکار کے لئے

تین دن تک وہ پھر مکھیاں مارتے رہے۔ یہ حمید کا خیال تھا کہ آج کل وہ لوگ مکھیاں رہے ہیں۔ ریس کورس والے واقعات کے بعد سے پھر کوئی واردات نہیں ہوئی تھی اور وہ دونوں ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے تھے۔ حمید فریدی کو بات بات پر چھیڑتا رہتا۔

''جناب.....!'' وہ کہتا۔ ''یہاں پانچ زندگیاں ختم ہوگئیں اور تفتیش کا یہ عالم ہے کہ روز اول.... کیا میں یہ سمجھ لوں کہ آپ ذہنی طور پر تھک گئے ہیں۔''

''ناممکن نہیں ہے۔'' فریدی کا جواب ہوتا۔

آج تو دونوں میں صبح ہی سے بڑی گرما گرم بحث ہو رہی تھی۔ آخر فریدی نے تنگ آ کر کہا

''تم یہ نہ سمجھو کہ میں مجرم سے واقف نہیں ہوں۔ اس کے خلاف کوئی ثبوت اب تک میرے ہاتھ نہیں لگا۔ جس دن مجھے اس کی طرف سے اطمینان ہوا.... مجرم کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں دیکھ لینا۔''

''تھکے ہوئے ذہن کی بات ہے۔ مگر خیر اسی بات کی خوشی ہے کہ ابھی اس میں اپج کا مادہ باقی ہے جسے آپ پکڑیں گے کہہ دیں گے کہ میں نے اسی کے لئے کہا تھا۔''

''اب کیوں غصہ دلاتا ہے مجھے۔'' فریدی بے ساختہ ہنس پڑا۔

''غصے میں بھی آپ ثبوت مہیا کئے بغیر اُسے گرفتار نہیں کریں گے۔ میں جانتا ہوں۔''

''پرواہ مت کرو.... ویسے اگر تم چاہو تو میں تمہیں مجرم کا نام اور پتہ لکھ کر دے دوں۔ مگر اسے اس وقت تک نہ دیکھنا جب تک مجرم گرفتار نہ ہو جائے۔''

''اچھا چلئے.... یہی سہی۔''

فریدی نے ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر اسے لفافے میں رکھتے ہوئے کہا۔

''میں اسے سیل کر کے تمہارے سپرد کر دوں گا۔''

اچانک فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے بولنے والا شاید کوئی بہت ہی اہم بات کہہ رہا تھا۔ فریدی کے چہرے پر کچھ اسی قسم کے آثار تھے۔

آخر فریدی نے یہ کہتے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔ ''میں ابھی آ رہا ہوں۔''

''کیوں اب کیا ہوا؟''

وہی پراسرار آدمی پھر دکھائی دیئے ہیں جو ریس والے حادثات سے پہلے کیفے جبران کی نگرانی کرتے رہے تھے۔

''وہ....!''

''چلو اٹھو....!''

''کیا اٹھوں.... میں جب بھی وہاں جاتا ہوں میری جیر نگٹن بُری طرح یاد آنے لگتی ہے اور ساتھ ہی ریکھا کی بے مہری بھی۔ خیر میں بھی دیکھوں گا کہ یہ صاحبزادے کتنے پانی میں ہیں۔''

''افسوس یہ ہے کہ عورت آدمی کو جنم دیتی ہے اس کی قبر نہیں بن سکتی۔ ورنہ میں تمہارے

لئے اس کی کوشش کرتا۔'' فریدی نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور حمید ہنسنے لگا۔

پھر وہ دونوں کیفے جبران کے لئے روانہ ہوگئے۔ فریدی کار کو کیفے جبران تک نہیں لے گیا، بلکہ اسے ایک فرلانگ کے فاصلے پر ایک گلی میں کھڑا کر کے پیدل ہی کیفے جبران کی طرف چل پڑا۔

''ٹھہرو....!'' فریدی چلتے چلتے رک کر بولا۔ ''ہاں ہے تو.... گریش نے یہی حلیہ بتایا تھا۔ وہ کیفے کی مخالف سمت میں فٹ پاتھ ....ابے وہ سیاہ ڈاڑھی والا....!''

''آہا.... ہے تو.... پھر....؟''

''تم یہیں ....اسی جگہ ٹھہرو.... میں عقبی دروازے سے کیفے میں جاتا ہوں۔''

فریدی حمید کو وہیں چھوڑ کر کیفے میں چلا گیا۔ وہ عقبی دروازے سے داخل ہونے پر ہال سے گذرے بغیر منیجر کے کمرے تک پہنچ گیا۔

''اوہ آپ آ گئے۔'' گریش اٹھتا ہوا بولا۔ ''ایک باہر موجود ہے اور دوسرا ہال میں۔ بتایئے میں کیا کروں؟''

''فکر نہ کرو.... ہال میں کون ہے!''

''وہ بھی ڈاڑھی ہی میں ہے اور اس کے جسم پر سفید کوٹ ہے۔''

''کیا بس یہ صرف نگرانی ہی کیا کرتے ہیں یا کوئی اور بھی حرکت....؟'' فریدی نے پوچھا۔

''میرے اختلاج کے لئے یہ نگرانی ہی کیا کم ہے جناب۔''

''میں دیکھوں گا کہ یہ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔'' فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''ویسے میں ایک ضروری بات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔''

''فرمایئے....!''

''میری جیرنگٹن کے سلسلے میں آپ کا کوئی رقیب تو نہیں تھا....؟''

''اس قحبہ کا تو اب نام ہی نہ لیجئے۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ صرف میری پابند ہوتی تو سیبل کے نام سے لنکسن لین میں بھی کیوں رہتی۔''

''کیا آپ کسی ایسے آدمی سے واقف نہیں ہیں جس کی نظر اس پر رہی ہو؟''

''وہ ایک خوبصورت عورت تھی۔ ہر ایک کی نظر اس پر رہی ہوگی۔''

''آپ کسی پر شبہ نہیں ظاہر کر سکتے؟''

''نہیں، میں خواہ مخواہ کسی کی گردن نہیں پھنسوانا چاہتا۔''

''مجھے اس کے عاشقوں کی لسٹ چاہئے۔''

''کیا اب آپ میرا مضحکہ اڑانا چاہتے ہیں کرنل صاحب۔''

''نہیں.... میں ایک ضروری بات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔''

''مجھے علم نہیں ہے۔'' منیجر نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

''خیر آپ نہ بتایئے.... لیکن خان افضل کم از کم اس کے نصف درجن عاشقوں کے نام تو بتا ہی سکے گا۔''

''کیا مطلب....؟''

''سردار افضل نے اس کے کثیر العشاق ہونے کا تذکرہ کیا تھا۔''

''تو وہ کتا.... اب اس طرح مجھے بھی ذلیل کرنا چاہتا ہے۔'' گریش نے غرا کر کہا۔

''میری عورتیں صرف میری پابند رہی ہیں۔ یقیناً میری کسی سازش کا شکار ہوئی ہے۔ آپ نے بتایا تھا کہ وہ کسی سرکاری سراغ رساں کا تعاقب کرتی ہوئی نیاگرا تک گئی تھی۔''

''ہاں.... میں نے کہا تھا۔''

''پھر آپ بتایئے میں کیسے سمجھ لوں کہ وہ بھی کسی سازش کا شکار نہیں تھی۔ اگر وہ صرف عشق کا معاملہ تھا تو نام تبدیل کر کے عشق کرنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آ سکتی۔''

''حالانکہ عشق میں نام و نشان تک مٹ جاتا ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''خیر اسے چھوڑیئے۔ میں ذرا اس ڈاڑھی والے سفید کوٹ کو بھی دیکھ لوں۔''

وہ عقبی دروازے سے نکل کر پھر گلی میں پہنچ گیا۔ وہ کیفے کے صدر دروازے سے ہال میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ سڑک پر پہنچ کر اس نے اس سمت نگاہ ڈالی جہاں حمید کو چھوڑا تھا۔ مگر حمید نظر نہیں آیا اور کیفے کے سامنے والے فٹ پاتھ پر وہ آدمی بھی موجود نہیں تھا جس کی نگرانی کے لئے اس نے حمید کو ہدایت کی تھی۔ البتہ اس کی بجائے.... مگر فریدی فوری طور پر اس کا فیصلہ

نہ کر سکا کہ اس دوسرے نے پہلے کی جگہ سنبھالی ہے۔ وہ ایک ملبوسات کی دوکان کے شوکیس
جھکا ہوا تھا۔ لیکن اس کا حلیہ اسی آدمی کا سا تھا جس کے متعلق گریش نے اطلاع دی تھی کہ
کیفے کے ہال میں موجود ہے یعنی ڈاڑھی والا جس کے جسم پر سفید کوٹ تھا۔

میک اپ کے ماہر فریدی کو اس کی ڈاڑھی کچھ مصنوعی سی معلوم ہو رہی تھی۔ اس آدمی
شوکیس کے پاس سے ہٹ کر ایک نظر کیفے کی طرف ڈالی اور ملبوسات کی دوکان میں چلا گیا
فریدی تیزی سے چلتا ہوا کیفے کے ہال میں آیا۔ مگر یہاں کوئی ایسا آدمی موجود نہیں تھا جس
کے سیاہ ڈاڑھی ہوتی۔ وہ پھر اتنی ہی تیزی سے واپس آیا۔ سڑک پار کرتے وقت اس نے
قدمی کا مظاہرہ نہیں کیا، ملبوسات کی دوکان میں ڈاڑھی والا اب بھی موجود تھا۔ فریدی دوکا
میں داخل ہو گیا اور اس نے دوکان دار سے جدید ترین تراش کے فراکوں کی فرمائش کی۔
دراصل اس آدمی کو قریب سے دیکھ کر اطمینان کرنا چاہتا تھا کہ وہ میک اپ میں ہے یا نہیں؟

دوسرا آدمی اسے نیچے سے اوپر تک دیکھ کر اپنے سامنے پھیلے ہوئے ملبوسات کا جائزہ لینے لگا

دو چار فراک دیکھنے کے بعد فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ ''مجھے تو سبھی اچھے معلو
ہو رہے ہیں۔ مگر پہننے والی....'' پھر وہ اس طرح بڑبڑانے لگا جیسے بلند آواز میں سوچ رہا ہو
''وہی آ کر لے جائیں گی۔'' پھر دوکاندار سے بولا۔ ''اچھا.... بہت بہت شکریہ.... شام کو
آئیں گے۔ ممکن ہے ناپسند کر دیا جائے۔''

دوکان سے نکل کر پبلک فون بوتھ سے اس نے سادہ لباس والوں کے لئے ایک قر
اسٹیشن کو فون کیا اور شاید دو ہی منٹ بعد دو آدمی وہاں پہنچ گئے۔ فریدی انہیں سیاہ ڈاڑھی وا
کی نگرانی کی ہدایت دے کر وہاں سے ہٹ آیا۔ لیکن کیفے جبران میں دوبارہ داخل نہیں ہوا۔

اب وہ حمید کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ حمید اسکے تعاقب میں ضرور
ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے اس سلسلے میں کوئی پیغام بھی بھیجا ہو.... یہ سوچ کر وہ گھر کی طرف
روانہ ہو گیا۔

اس کا خیال غلط نہیں تھا۔ اس کی عدم موجودگی میں حمید نے اُس کے لئے دوبار فون
تھا۔ آخری کال یہ تھی کہ ارجن پورے کی شہامت بلڈنگ کے نیچے والے چائے خانے

اُسے پہنچ جانا چاہئے۔

فریدی کے لئے ایک سیکنڈ کی بھی دیر کرنا ناممکنات میں سے تھا۔ اب وہ ارجن پورے کی
طرف روانہ ہو گیا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اب تک اس کیس سے بُری طرح اکتا گیا ہوتا۔
دوسرے اکتا ہی گئے تھے۔ آصف کی پارٹی کو تو ابھی تک سیسل پیکرافٹ ہی کی حقیقت نہیں
معلوم ہو سکی تھی۔ کیونکہ اخبارات میں اس کے قتل کی خبر شائع ہوئی تھی۔ تصویر نہیں چھپی تھی۔
ریکھا کو صرف اتنا معلوم تھا کہ وہ لڑکی قتل کر دی گئی جس نے اُس کا نیا گرہ تک تعاقب کیا تھا۔
لیکن فریدی نے اسے اس چیز کا اظہار کرنے سے بھی روک دیا تھا۔ بہرحال ابھی تک یہ بات
ظاہر نہیں ہوئی تھی۔ سیسل پیکرافٹ کے نام سے قتل ہونے والی میری جیرنگٹن تھی۔

چائے خانے میں حمید سے ملاقات ہوئی۔ فریدی کو دیکھتے ہی حمید کا چہرہ سرخ ہو گیا اور
اس نے آہستہ سے کہا۔ ''وہ چاروں اسی عمارت کی اوپری منزل پر رہتے ہیں اور ابھی حال ہی
میں ایک پانچواں آدمی بھی ان کا شریک ہوا ہے۔''

''کس کی باتیں کر رہے ہو۔'' فریدی بڑبڑایا۔

''شروع سے سنئے۔ میں اس آدمی کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک پہنچا ہوں وہ اوپری منزل
پر چلا گیا اور میں نے یہاں اس کے متعلق پوچھ گچھ کی۔ وہ تعداد میں چار ہیں۔ یہاں کے
لوگوں کو اس لئے عجیب معلوم ہوتے ہیں کہ چاروں ڈاڑھی والے ہیں اور پانچواں جو ان کے
بعد آیا ہے میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔''

''کون ہے؟''

''کیشو....!''

''اوہ.... ہو! وہ نقب زن۔''

''جی ہاں.... وہی....!''

''اچھا.... پھر....!''

''اس وقت کیشو بھی اوپری منزل پر موجود ہے۔''

فریدی کچھ سوچنے لگا اور حمید نے کہا۔

''اگر یہ چاروں وہی ہوئے تو.... مطلب یہ کہ وہ چار آدمی جو ڈیکارٹس کی میز پر
کرتے تھے؟''

''ممکن ہے۔'' فریدی نے بے خیالی کے انداز میں جواب دیا۔ پھر چونک کر بولا۔ ''
ان کا انتظام کئے دیتا ہوں۔ یہ کام تمہاری شایان شان نہیں کہ نقب زنوں اور معمولی اچکو
تعاقب کرتے پھرو۔''

''یعنی آپ کو یقین نہیں ہے کہ یہ وہی چاروں ہیں۔'' حمید نے کہا۔

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر اٹھ گیا اور حمید کو بھی اس کا ساتھ دینا پڑا۔ فریدی نے
اپنی کار پر گھر واپس جانے کو کہا.... وہ اس وقت اس کے کسی سوال کا جواب دینے پر آمادہ
نہیں آتا تھا۔

پھر اس کے بعد حمید کو علم نہیں تھا کہ وہ سارا دن کیا کرتا رہا۔ تقریباً نو بجے رات کو
فون آیا۔ اس نے حمید کو بینک آف تہران کے قریب ایک ریستوران میں بلایا تھا۔ حمید
وقت باہر جانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ کیونکہ آج نہ جانے کیوں ریکھا نے بھی نو بجے اس
پاس پہنچنے کی اطلاع دی تھی اور حمید اس وقت اسی کا انتظار کر رہا تھا۔ بہرحال حمید نے فر
سے پوچھا کہ کیا وہ ریکھا کو بھی اپنے ساتھ لاسکتا ہے؟ اس پر فریدی کی آواز کچھ غصیلی
تھی۔ لیکن اس نے اسے اس سے روکا نہیں۔

ٹھیک نو بجے ریکھا آ گئی۔ لیکن وہ کہیں جانے پر تیار نہیں تھی۔ غالباً وہ سرخ دائرہ
بارے میں کوئی گفتگو کرنے آئی تھی۔

''میں آپ کو اس وقت فریدی صاحب کے پاس لے جانا چاہتا ہوں۔ مطمئن رہئے
کسی ہوٹل میں لے جا کر رقص کی درخواست نہیں کروں گا۔''

وہ بینک آف تہران کی طرف روانہ ہوگئے۔ فریدی ایکس وائی زیڈ ریستوران میں مو
تھا لیکن وہ تنہا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ گریش بھی تھا۔

''سنو حمید! اور تم بھی سنو ریکھا۔'' اس نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔ ''آج میں سرخ
والوں کو گرفتار کرنے جا رہا ہوں۔ وہ بینک آف تہران میں چوری کریں گے۔ میرا خیال

یہ وہی چاروں ہیں جو کیفے جہران کی تیرھویں میز پر بیٹھا کرتے تھے۔ اسی لئے گریش صاحب بھی میرے ساتھ ہیں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ ریکھا کے چہرے سے بھی صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کچھ سمجھ ہی نہیں سکی۔

''مگر آپ کام خراب کر دینے پر تلے ہوئے ہیں کرنل صاحب۔ میں آپ سے پھر کہہ رہا ہوں کہ فورس بلوا لیجئے۔''

''نہیں گریش صاحب، یہ میرے اصول کے خلاف ہے، وہ چار ہوں یا چار سو، کام اکیلے ہی ہوگا۔ فورس کا مطلب ہے ہنگامہ.... اور ہنگامے کا مطلب تو آپ سمجھتے ہی ہیں۔ اب دیکھئے گا کہ یہ کام کتنے شاعرانہ انداز میں انجام پاتا ہے۔ کیونکہ ہمارے ساتھ لیڈی انسپکٹر مس ریکھا بھی ہیں۔''

شکار اور شکاری

ریکھا کچھ جھینپی اور کچھ جھنجھلائی۔ کیونکہ گریش اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ اسے فریدی سے توقع نہیں تھی کہ وہ کسی موقع پر اس طرح اس کی ٹانگ گھسیٹے گا۔

''میں کس طرح یقین کرلوں کہ آپ کامیاب ہی ہو جائیں گے۔'' گریش نے کہا۔

''ہوسکتا ہے یہ اطلاع ہی غلط ہو کہ آج وہ یہاں چوری کریں گے، یا درست ہونے کی صورت میں یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ آپ کی طرف سے ہوشیار ہوں۔''

''اس کی فکر نہ کیجئے.... میرے مخبر بہت کم غلطیاں کرتے ہیں۔''

تقریباً گیارہ بجے تک وہ وہیں بیٹھے رہے۔ پھر وہاں سے اٹھ کر دوسرے ریستوران میں جا بیٹھے۔ لیکن اس علاقے میں ایک بھی ایسا ہوٹل یا ریستوران نہیں تھا جس میں رات بھر کی سروس چلتی رہی ہو۔ ایک بجے وہ تیسرے ریستوران سے اٹھے جو بند ہونے والا تھا۔

''حمید ریوالور ہے تمہارے پاس۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔

''میں آج کل ہر وقت ریوالور رکھتا ہوں۔''

''خیر.... ٹھیک ہے۔ دو ریوالور کافی ہیں۔''

پھر اچانک فریدی نے انہیں چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ بینک کی عمارت کی دائیں ہاتھ والی گلی میں داخل ہو رہے تھے۔ آس پاس کی دوکانیں بند ہو چکی تھیں اور یہ حصہ نہ صرف ویران بلکہ تاریک بھی تھا۔

''لیکن ہمیں معلوم کیسے ہوگا کہ وہ عمارت میں داخل ہو گئے۔'' گریش نے سرگوشی کی۔

''ابھی حال ہی میں ایک نقب زن بھی ان میں شامل ہو گیا ہے۔ کیشو یہاں کا مشہور نقب زن اور کئی بار کا سزا یافتہ ہے۔ میں نے آج ہی اُسے توڑ لیا ہے۔ وہ ہمیں سگنل دے گا۔''

''تب تو پھر بازی مار لی۔'' گریش نے ایک طویل سانس لے لی کر کہا۔ ''اب میں بھی مطمئن ہوں۔ میدان آپ ہی کے ہاتھ رہے گا۔''

''اب اگر ہم خاموشی اختیار کریں تو بہتر ہے۔'' فریدی بولا۔

وہ تقریباً ایک گھنٹے تک اندھیرے میں دیوار سے لگے کھڑے رہے۔ پھر اوپر کی ایک کھڑکی میں ایک ننھا سا چمکدار نقطہ نظر آیا۔ یہ غالباً سلگتی ہوئی سگریٹ تھی۔ ''آؤ....'' فریدی سڑک کی طرف بڑھتا ہوا آہستہ سے بولا۔

وہ سڑک پر آئے.... بینک کی عمارت کے نیچے پہرہ دینے والے سنتری غائب تھے لیکن ان کی بندوقیں دیوار سے ٹکی کھڑی تھیں۔

فریدی دبے پاؤں چلتا ہوا دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ اس کے ساتھیوں نے اسے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ نزدیک یا دور ایک متنفس بھی نہیں نظر آ رہا تھا۔ حمید کو حیرت تھی کہ آخر سنتری کہاں گئے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں ان دونوں کی لاشوں سے سابقہ نہ پڑے۔

اندر ہر طرف تاریکی تھی۔ فریدی کی ننھی سی ٹارچ کی باریک سی شعاع ان کی رہنمائی کر رہی تھی۔

تھوڑی ہی دیر چلنے کے بعد انہوں نے قدموں کی چاپ سنی، وہ رک گئے۔ ساتھ ہی آواز آنی بند ہو گئی۔ فریدی تقریباً پانچ منٹ تک وہیں ٹھہرا رہا۔

اندھیرا ہونے کی وجہ سے یہ بتانا دشوار تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ وہ پھر آگے بڑھے۔ اب فریدی اپنی ٹارچ بہت کم روشن کر رہا تھا اور وہ چاروں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے ایک قطار میں آگے بڑھ رہے تھے۔ فریدی سب سے آگے تھا۔ شاید ریکھا کے لئے اس قسم کی مہم نئی چیز تھی۔ کیونکہ حمید اس کی گہری گہری سانسوں کی آواز سن رہا تھا۔

اچانک وہ چلتے چلتے روشنی میں آ گئے۔ کمرہ پوری طرح روشن تھا اور شاید بینک کا اسٹرانگ روم یہی تھا۔ کیونکہ یہاں چاروں طرف تجوریاں ہی تجوریاں نظر آ رہی تھیں۔

ان میں تین تجوریاں انہیں کھلی نظر آئیں۔ ایک کے نیچے چند چھوٹے چھوٹے زیورات بھی پڑے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے بہت ہی جلدی میں تجوری کا سامان سمیٹا ہو اور گری پڑی چیزوں پر دھیان دیئے بغیر وہاں سے چلا گیا ہو۔

''چوٹ ہو گئی..... چلو۔'' فریدی بڑی تیزی سے واپسی کے لئے مڑا۔ حمید اور ریکھا بھی دروازے کی طرف جھپٹے۔ وہ دروازے تک پہنچ بھی گئے لیکن فریدی! ان کے منہ حیرت سے کھلے رہ گئے۔ کیونکہ فریدی نے آگے بڑھنے کی بجائے پلٹ کر گریش کے جبڑے پر گھونسہ رسید کر دیا تھا۔

گریش اچھل کر دوسری طرف کی دیوار سے جا ٹکرایا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اسٹرانگ روم فائر کی آواز سے گونج کر رہ گیا۔ گریش نے گرتے گرتے فریدی پر فائر کر دیا تھا۔

دوسرا فائر پھر ہوا۔ حمید اور ریکھا جو دروازے ہی پر تھے بدحواسی میں اسٹرانگ روم سے نکل گئے۔

لیکن فریدی.... اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ حمید کو یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کمرے کے اندر ہی ہے یا باہر نکل گیا۔ اچانک حمید کو اپنی اس بزدلی کا احساس ہوا اور وہ ریوالور نکال ہی رہا تھا کہ اندر پھر ایک فائر ہوا۔

''گریش ریوالور پھینک دو۔'' انہوں نے فریدی کی آواز سنی۔ ''نہ تم مجھے گولی مار سکتے ہو اور نہ یہاں سے نکل سکتے ہو۔ بہتر یہی ہے کہ دائرہ پورا کر دو۔ وہ ابھی ادھورا ہے۔ فریدی کے سامنے ہاتھ کی صفائی ذرا مشکل ہی سے چلتی ہے۔''

اس بات کا جواب تیسرے فائر نے دیا۔ حمید نے فائر کے بعد ہی فریدی کا قہقہہ سنا جو

کہہ رہا تھا۔ ''اچھا گریش خالی کر ڈالو اپنا ریوالور اور آسانی رہے گی۔ میں نے تو قسم کھا رکھی ہے کہ تم جیسے چوہوں پر اپنے کارتوس کبھی برباد نہ کروں گا۔''

پھر اچانک ریکھا اور حمید نے اپنی پشت پر بھاری قدموں کی آوازیں سنیں۔ پانچ انکی طرف بڑھ رہے تھے۔ یہ لمبے سیاہ لبادوں اور چہرے تک جھکی ہوئی فلٹ ہیٹوں میں

''خبردار آگے نہ بڑھنا۔'' حمید نے ریوالور کا رخ ان کی طرف کرتے ہوئے کہا

''ہمارے پاس پانچ ریوالور ہیں۔ سمجھے جناب کپتان صاحب۔'' آنے والوں میں ایک نے کہا.... مگر اس کی آواز سن کر حمید کا ہاتھ خود بخود جھک گیا۔ یہ کوتوالی انچارج جگدیش کی آواز تھی۔ جگدیش نے فلٹ ہیٹ کا گوشہ اوپر اٹھا دیا اور پھر کسی شبہے کی گنجائش نہ رہ گئی۔ دوسروں کے چہرے بھی اب روشنی میں آ گئے تھے۔ حمید نے ایک ایک کو پہچان لیا۔ چاروں سب انسپکٹر تھے۔

اچانک اندر سے دھینگا مشتی کی آواز آنے لگی۔ حمید دروازے کے سامنے آ گیا۔

فریدی گریش پر ٹوٹ پڑا تھا۔ شاید وہ ابھی تک تجوری کی اوٹ میں چھپا رہا تھا۔ اتنے آدمیوں کی بھیڑ دیکھ کر شاید مایوس ہو گیا تھا۔ کیونکہ جیسے ہی لوگ اندر داخل ہوئے اس نے ہاتھ پیر ڈال دیئے۔ اس کا ریوالور دور فرش پر پڑا ہوا تھا۔

فریدی اسے کالر سے پکڑ کر اٹھاتا ہوا بولا۔ ''دائرہ پورا کرو۔''

اس نے ایک تجوری کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا۔ حمید کی نظر تجوری پر پڑی.... ایک نامکمل سرخ دائرہ موجود تھا اور اس کے نیچے فرش پر سرخ رنگ کی چاک کا ٹکڑا پڑا ہوا تھا۔

گریش بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ فریدی مسکرا کر بولا۔ ''ان پانچ چوروں سے بھی لیکن ان میں سے ایک بھی نقب زنی کا سلیقہ نہیں رکھتا۔ وہ پانچوں تو بیچارے دو پہر حوالات میں ہیں۔''

ان پانچوں نے اپنے لبادے ڈھیلے کر دیئے تھے اور ان کے نیچے سے ان کی وردیاں صاف نظر آ رہی تھیں۔

''گریش.... قاتل ایک نہ ایک دن پکڑا ہی جاتا ہے۔ خواہ وہ کتنا ہی پھرتیلا اور چالاک

کیوں نہ ہو۔'' فریدی بولا۔ ''تم نے اُن پانچوں کو محض اس لئے پھانسا تھا کہ ایک دن قتل کے الزامات ان کے سر تھوپ کر خود الگ ہو جاؤ۔ تم نے چن چن کر پانچ شاطر چوروں کو اکٹھا کیا تھا۔ طریقہ کار ایسا تھا کہ وہ تمہاری شخصیت سے واقف نہ ہو سکے۔ تم ان کے ساتھ سائے کی طرح لگے رہتے تھے۔ وہ جہاں کہیں بھی چوریاں کرتے تم بھی ان کی لاعلمی میں ان کے قریب ہی ہوتے تھے۔ وہ اپنا کام کر کے ہٹے اور تم نے اپنا کام شروع کر دیا۔ یعنی وہاں ایک سرخ دائرہ بنا کر رفو چکر ہو گئے۔ قتل کی وارداتوں کی ان غریبوں کو خبر تک نہ ہوتی تھی۔ کیونکہ قتل تم کرتے تھے اور وہاں بھی سرخ دائرہ بناتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ ہم لوگوں نے ان سب وارداتوں کو کسی ایک پارٹی سے منسوب کرنا شروع کر دیا۔ تمہارا مقصد بھی یہی تھا تم ان چاروں کو میک اپ میں بھی پہچانتے تھے۔ اس لئے تم نے مجھے ان کے پیچھے لگایا۔ تم نے یہ سوچا ہوگا کہ میں کچھ دنوں تک ان کی نگرانی کراؤں گا۔ محض اس لئے کہ ان کے خلاف زیادہ سے زیادہ ثبوت فراہم کر سکوں اور تم اس دوران میں ان کی معیت میں پھر کہیں نہ کہیں اس سرخ دائرہ سے ملاقات کرا دو۔ لیکن میں نے آج خود ہی تمہارے لئے سارے مواقع فراہم کر دیئے۔ تمہیں اس کا علم نہیں تھا کہ وہ چاروں پکڑے جا چکے ہیں ورنہ تم سے اس وقت یہاں دائرہ بنانے کی حماقت سرزد نہ ہوتی۔ اس وقت تمہاری اسکیم یہ تھی کہ تم کسی جگہ سرخ دائرہ بنا دو گے۔ اگر وہ چاروں پکڑ لئے گئے تو وہ دائرہ انہیں سے منسوب کیا جائے گا اور تم صاف اپنی گردن بچا لے جاؤ گے اور ظاہر ہے کہ ان چاروں کی کہانیوں پر کسے یقین آتا.... لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ مجھے تم پر پہلے ہی سے شبہ ہو چکا تھا۔ اسی رات کو جب تمہارے کیفے میں ڈیکارٹس کا بھوت نمودار ہوا تھا، تم نے اسے دیکھا تھا اور اس کی طرف سے لاپروائی برتی تھی۔ تم سمجھے تھے کہ شاید وہ ڈیکارٹس کے ساتھیوں ہی میں سے کسی کا بہروپ ہے۔ پھر تم نے باہر نکل کر لوگوں سے کہنا شروع کر دیا تھا کہ ہال میں تمہیں کچھ بھی نہیں دکھائی دیا تھا.... اگر تمہیں یہ معلوم ہو جاتا کہ وہ بھوت فریدی تھا تو تم چیخ مار کر بے ہوش ہو جانے کی ایکٹنگ ضرور کرتے کیوں.... کیا کہتے ہو۔'' فریدی نے اس کے گریبان کو جھٹکا دیا۔

گریش اس طرح لڑکھڑایا کہ فریدی بھی اس کے ساتھ گرتے گرتے بچا۔

گریش بے حس و حرکت فرش پر پڑا تھا۔

''ارے.....!'' دفعتاً فریدی اس پر جھکتا ہوا بولا۔ ''یہ تو مر گیا۔''

پھر شاید دو ہی منٹ بعد اس کے منہ اور ناک سے سبز رنگ کا پانی بہنے لگا۔ یہ زہر کی علامت تھی۔ اس دوران میں کسی وقت اس نے ان کی لاعلمی میں زہر کھا لیا تھا۔ سوال یہ تھا کہ اسے زہر کہاں سے ملا؟ اس سلسلے میں صرف ایک ہی بات کہی جا سکتی تھی وہ یہ کہ اسے خود اب یقین نہ رہا ہوگا کہ وہ اپنی اسکیموں میں کامیاب ہی ہوتا رہے گا۔ اس لئے اس نے پاس زہر رکھنا شروع کر دیا تھا، تاکہ ضرورت پڑنے پر پھانسی کے پھندے سے تو محفوظ رہے۔

دوسرے دن کے اخبارات نے لیڈی انسپکٹر ریکھا، کوتوالی انچارج انسپکٹر جگدیش چاروں سب انسپکٹروں کا یہ کارنامہ جلی حرفوں میں شائع کیا۔ فریدی اور حمید کا کہیں نام بھی نہ تھا۔ لیکن ابھی تک یہ بات صاف نہیں ہوئی تھی کہ قتل کی ان وارداتوں کا مقصد کیا تھا۔ مقصد دریافت کرنے کے سلسلے میں فریدی کو بڑی محنت کرنی پڑی۔ جب اس نے اپنی تحقیقات ماحصل سامنے رکھا تو ایک کی بجائے دو مقاصد نظر آئے۔ ایک تو اس کا دوسرا گھوڑا شہباز ابھی تک ریس میں دوڑا نہیں تھا اس کے لئے اس نے اپنا بھی ایک گھوڑا ٹمپسٹ ختم کر دیا۔ کے بعد شہباز کو بے خطر دوڑا سکتا تھا کیونکہ ٹمپسٹ کی موت کا الزام کسی دوسرے نامعلوم کے سر جا پڑتا۔ حقیقتاً وہ خان افضل کو پھانسنا چاہتا تھا کیونکہ ان چاروں میں خان افضل کا بھائی اکمل بھی شامل تھا۔

اس طرح تو قتل کی وارداتوں کا مقصد اپنے ایک گھوڑے کو ریس کے میدان میں تنہا تھا۔ دوسرے مقصد کے سلسلے میں حالات کا تجزیہ کرنے پر میری جیرنگٹن کی شخصیت ابھر آئی۔ کی تفتیش کے مطابق وہ نہ صرف فاحشہ بلکہ جنسی بوالہوسی کے مرض میں مبتلا تھی۔ صمد اس دونوں جاکی اور وہ جاکی جو ٹمپسٹ سے گر کر مرا تھا سب کے سب اس کے اسیروں میں تھے۔ ہوسکتا ہے کہ گریش نے ان سب کے قتل کی اسکیم انتقامی جذبہ کے تحت بنائی ہو اور ساتھ ہی ساتھ اس فتنے یعنی میری جیرنگٹن کا بھی خاتمہ کر دیا ہو۔ جس کی بدولت اسے دوسروں کو قتل کرنا پڑا تھا۔

خان افضل کو تو وہ یقینی طور پر پھانسنا چاہتا تھا۔ جیسا کہ بعد کی تحقیقات سے ثابت ہوا۔ خان افضل اس کا بہت پرانا حریف اور رقیب تھا۔ وہ اسے نہ صرف کاروباری میدان میں اکثر شکست دیتا رہتا تھا، بلکہ اس کی بہتیری محبوباؤں پر بھی ڈورے ڈال چکا تھا۔

یہ بات راز ہی رہی کہ میری جیرنگٹن نے ریکھا کا تعاقب کیوں کیا تھا اور وہ گنگسن لین میں اپنا نام تبدیل کر کے گریش ہی کے ایماء پر رہی تھی یا اسے علم نہیں تھا کہ گریش اس کی دوسری حیثیت سے بھی واقف ہے۔

وہ فقیر بھی گریش ہی ہوسکتا تھا، جس نے چار عدد قربانی کے بکرے تیار کئے تھے۔ کیونکہ گریش کی قیام گاہ سے فریدی نے میک اپ کا بہت سا جدید ترین سامان بھی برآمد کیا تھا۔

بہرحال فریدی کو اسے اپنے ناکام کیسوں میں جگہ دینی پڑی۔ اس کا خیال تھا کہ گریش اگر زہر نہ کھاتا تو یہ بھی ممکن تھا کہ ان وارداتوں کا کوئی تیسرا مقصد بھی نکل آتا۔

البتہ آصف کی پشت پر بنائے جانے والے نشانات کے متعلق وہ اب بھی شبہے میں تھا۔ اس کی دانست میں دلیر سے دلیر مجرم بھی اس قسم کا خطرہ نہیں مول لے سکتا۔

آخر ایک دن اس نے بہت غور و خوض کے بعد حمید کے کان پکڑ ہی لئے۔

اور حمید کو اعتراف کرنا پڑا کہ یہ حرکت اس کی تھی۔

''میں نے جناب۔'' اس نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ''کم از کم ایک ماہ کے لئے آصف کی زندگی تلخ کر دی تھی اور میری جیرنگٹن کی قتل والی رات کو تو مزہ ہی آ گیا تھا۔ میں نے ایک تاریک گلی میں اس کی ٹانگوں میں ٹانگ پھنسا کر گرا دیا۔ ایک منٹ تک سواری گانٹھے رہا اور پھر پشت پر سرخ دائرہ بنا کر دوسری گلی میں چھلانگ لگا دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آصف کو لمبے بخار پہ چلا جانا پڑا۔''

وہ سمجھا تھا کہ فریدی بھی اس پر قہقہے لگائے گا..... لیکن خلاف توقع فریدی اس پر برس پڑا، اور مجبوراً حمید دوسری باتیں سوچنے لگا تاکہ اس کے لیکچر کی آواز اس کے کانوں تک پہنچ ہی نہ سکے۔ ایسے مواقع پر حمید خوبصورت لڑکیوں کے متعلق سوچنے لگتا تھا۔

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 54

خونخوار لڑکیاں

(مکمل ناول)

قاسم اور وہ لڑکیاں

گرانڈیل احمق قاسم راجرس اسٹریٹ کے موڑ پر بڑی دیر سے ان دونوں لڑکیوں کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ اب تک درجنوں بار ان کا تعاقب کر چکا تھا۔ وہ لڑکیاں راجرس اسٹریٹ ہی میں کہیں رہتی تھیں لیکن قاسم ان کے گھروں سے ناواقف تھا۔ اس کی ہمت ہی نہیں پڑتی تھی کہ وہ راجرس اسٹریٹ کے اندر قدم بھی رکھتا۔ وجہ یہ تھی کہ وہاں اس کے باپ کے کئی شناسا رہتے تھے اور قاسم اپنے باپ سے بھی زیادہ اس کے ہنٹر سے ڈرتا تھا اور ہنٹر بھی ایسا نامعقول تھا کہ صرف لڑکیوں ہی کے معاملے میں بہت زیادہ چاق و چوبند ہو جایا کرتا تھا۔ قاسم کی بیوی دراصل اس کے باپ کی بھتیجی تھی اور قاسم کا کہنا تھا کہ وہ اس کی سب کچھ ہو سکتی تھی لیکن بیوی کبھی نہیں ہو سکتی..... ہاں تو وہ ہنٹر صرف قاسم کی بیوی کے تحفظ کے لئے تھا۔

لیکن جسے کیپٹن حمید دھکا دے جائے اُسے ڈوبنے سے کون بچا سکتا ہے۔ قاسم آج کل دراصل اسی کی نصیحت پر عمل کر رہا تھا۔ یہ مشورہ اسی کا تھا کہ قاسم لڑکیوں کا تعاقب کیا کرے، کبھی تو کسی کا دل پسیجے گا۔ قاسم نے بھی سوچا ہرج ہی کیا ہے اس میں۔ کسی قسم کے دھوکے کا بھی امکان نہیں۔ دھوکے کا امکان اُس صورت میں ہوتا جب حمید یہ کہتا کہ ہم دونوں مل کر

لڑکیوں کا تعاقب کریں گے۔ اس پر تو وہ قیامت تک راضی نہ ہوتا کیونکہ کئی بار حمید کے چکر پڑ کر اپنی حجامت بنوا چکا تھا۔

بہر حال قاسم نے ایک چھوڑ دو لڑکیوں کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔ خیال یہ تھا کہ ایک نہیں تو دوسری ضرور پھنسے گی۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ پندرہ دن گذر جانے کے بعد بھی نتیجہ برآمد نہ ہوا ہو۔

یہ دونوں لڑکیاں اُسے بہت اچھی لگتی تھیں۔ اچھے لگنے کی وجہ ان کی خوبصورتی نہیں تھی خوبصورت تو وہ تھیں ہی نہیں، بس یونہی معمولی سا ناک نقشہ تھا۔ قاسم کو وہ اس لئے پسند تھیں کہ اس کے الفاظ میں ''خاصی تگڑی تھیں''۔

وہ صبح نو بجے ہی راجرس اسریٹ کے موڑ پر آ جایا کرتا تھا۔ حالانکہ لڑکیاں دس بجے سے پہلے نہیں آتی تھیں۔

آج بھی وہ ٹھیک نو بجے ہی وہاں پہنچا تھا۔ مگر آدھے گھنٹے تک انتظار کرتے رہنے کے بعد اچانک اُسے یاد آیا کہ آج تو اتوار ہے۔ وہ کالج نہیں جائیں گی۔ یہ سوچ کر قاسم کے دل میں اداسی کے بادل چھا گئے۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور دل ہی دل میں اپنے باپ کو بُرا بھلا کہنے لگا۔ جس کی بدولت اُسے لڑکیوں کے پیچھے کتوں کی طرح مارا مارا پھرنا پڑتا تھا۔ اگر اس نے اُس کی شادی کسی چھ فٹ اونچی اور کم از کم ڈھائی فٹ چوڑی عورت سے کی ہوتی تو آج اُس کی زندگی بھی کسی گھریلو قسم کے شریف آدمی کی طرح بسر ہو رہی ہوتی۔

دبلی پتلی لڑکیوں سے اُسے اتنی نفرت ہو گئی تھی کہ وہ ان کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا تھا خواہ وہ اندر کے اکھاڑے کی پریاں ہی کیوں نہ ہوں۔ اگر کبھی کسی دبلی پتلی لڑکی پر نظر بھی پڑ جاتی تو وہ نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر اس انداز میں بڑبڑانے لگتا جیسے اس کی ہڈیاں سلگ رہی ہوں۔ ایسے مواقع پر اگر کوئی اس کے قریب ہوتا تو اُسے یہ الفاظ ضرور سنائی دیتے۔

''ایسی ہو تو مر ہی کیوں نہیں جاتیں۔ زمین کا بوجھ ہلکا کرو۔ خدا کرے ٹی بی ہو جائے چولہے میں جاؤ۔'' وہ اسی طرح ناک سکوڑ سکوڑ کر بڑبڑاتا ہوا اس کے قریب سے گذر جاتا۔

اس وقت بھی وہ بڑبڑا رہا تھا۔ یعنی اپنے باپ کے متعلق زبان سے کچھ سوچ رہا تھا۔ اکثر

وہ زبان سے بھی سوچنے لگتا تھا لیکن جس دن اُسے اس کی ذہنی حالت زبان سے سوچنے پر مجبور کرتی تھی اُس دن کسی نہ کسی سے اس کا جھگڑا ضرور ہو جاتا تھا۔ وہ راجرس اسٹریٹ کے موڑ سے ہٹ کر سڑک کی دوسری طرف کے فٹ پاتھ پر چلا گیا۔ سامنے ہی ایک کتاب فروش کی دوکان تھی جس کے شوکیس میں چمچماتے ہوئے مغربی رسائل رکھے ہوئے تھے۔ وہ جھک کر اُن کے سرورق کی نیم عریاں تصویریں دیکھنے لگتا۔ ان میں کچھ رسائل کھیل کود سے متعلق بھی تھے ایک پر اسے ایک گھونسہ باز کی تصویر نظر آئی جو اپنے ہاتھوں میں گھونسے بازی کے دستانے پہنے ہوئے ایسے انداز میں کھڑا تھا جیسے اپنے حریف پر حملہ کرنے یا اس کا حملہ روکنے جا رہا ہو۔ تصویر کو دیکھتے دیکھتے قاسم کی ذہنی رو بہک گئی اور وہ یہ بھول کر کہ ایک دوکان کے سامنے کھڑا ہے تصویر ہی کا سا پوز بنانے لگا۔

دوکاندار نے حیرت سے اُسے دیکھا۔ دو ایک راہگیر بھی رک گئے اور پھر اچانک قاسم کو بھی اپنی حماقت کا احساس ہو گیا۔ اس نے عجیب طرح کا منہ بنایا اور پھر بوکھلائے ہوئے انداز میں دوکاندار سے پوچھا۔

''تھنے..... کتنے قا..... ہے بھائی۔''

''کیا چیز جناب۔'' دوکاندار نے مسکرا کر پوچھا۔

اس کی مسکراہٹ قاسم کو زہر ہی لگی اور اُسے غصہ آ گیا۔

''ابے یہاں کتابوں اور کسالوں..... رسالوں کے علاوہ اور کیا ہے۔'' قاسم دہاڑا۔

''آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔'' دوکاندار نے بھی اپنے نتھنے پھلائے۔

قاسم کو اس کا لہجہ اتنا بُرا لگا کہ اُس نے اس کے سر پر دو ہتھڑ رسید کر دیا۔

دو ہتھڑ اور قاسم جیسے دیوزاد کا۔ خدا کی پناہ..... دوکاندار کے حلق سے ایک بیساختہ قسم کی کراہ نکلی اور وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس کے جان پہچان والے ہاں ہاں کر کے دوڑے..... اور قاسم پینترا بدل کر کھڑا ہو گیا۔

کچھ تو وہ تھا ہی کریک اور کچھ اس بات کا خیال آ گیا تھا کہ نگاراں خوبرو کی گلی کے سامنے آن نہ جانے پائے۔ ایک مجہول سے آدمی نے اس کے گریبان پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش

کی لیکن دوسرے ہی لمحے میں قاسم کا بھرپور تھپڑ اُسے سڑک پر لے گیا۔ بس پھر کیا تھا، خاصا ہنگامہ برپا ہوگیا۔ لوگوں نے چاروں طرف سے قاسم پر یورش کردی۔ قاسم جم کر لڑتو تھا لیکن اپنے ہاتھی جیسے ڈیل ڈول کی بناء پر بھاگ نہیں سکتا تھا۔ حالانکہ جنگ مغلوبہ کی صورت میں بھاگ نکلنا ہی زیادہ مفید ثابت ہوتا ہے۔

دو ہی چار ہاتھ چلانے کے بعد قاسم کو خیال آیا کہ ایسے میں وہ دونوں لڑکیاں نہ آجائیں اگر انہوں نے اسے اس طرح ہاتھا پائی کرتے دیکھ لیا تو یہی سمجھیں گی کہ وہ کوئی لوفر ہے۔ رد کا بہکنا تھا کہ اس کے قالب میں سعادت مندی حلول کرنے لگی۔ ہاتھ سست پڑنے لگے ہے ایسی صورت میں پٹ جانے کے علاوہ اور کیا ہوسکتا تھا۔ اب اُس پر چاروں طرف سے تھ اور گھونسے پڑنے لگے مگر وہ سب اس کے سامنے بالشتیوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے تھے۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی نیک نفس اور شریر ہاتھی کو چند شریر بچے چھیڑ رہے ہیں۔ قا ان کے وار اپنے بازوؤں پر روک روک کر انہیں اس انداز میں پیچھے دھکیل رہا تھا جیسے وہ سب کچھ مذاق ہی رہا ہو۔

پھر اچانک قریب ہی ایک دوسرا ہنگامہ شروع ہوگیا۔ شاید وہ اس سے بھی زیادہ اہم کیونکہ قاسم کی بھیڑ دوسری طرف بھاگنے لگی۔

دیکھتے ہی دیکھتے قاسم وہاں تنہا رہ گیا۔ لوگ اپنی دوکانیں چھوڑ چھوڑ کر مجمع کی طرف جارہے تھے اور قاسم کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔

وہ یوں بھی کافی لمبا تھا اور اس وقت فٹ پاتھ پر کھڑا تھا، جو سڑک سے تقریباً ایک فٹ اونچی ضرور رہی ہوگی۔ بہرحال وہ مجمع کے اندر کا حال بخوبی دیکھ سکتا تھا۔

مجمع میں اُسے وہی دونوں لڑکیاں نظر آئیں..... مگر عجیب حال میں..... وہ پاگلوں کی طرح اچھل اچھل کر ہاتھ میں آئی ہوئی چیزیں کلاک ٹاور کی طرف پھینک رہی تھیں۔ اپنی سینڈل، فاؤنٹین پن، سڑک پر پڑے ہوئے کیلے کے چھلکے، جو کچھ بھی ہاتھ لگا کلاک ٹاور گھڑی پر کھینچ مارا۔ ان کی زبان سے گالیوں کے طوفان امنڈ رہے تھے۔

قاسم بُری طرح بدحواس نظر آنے لگا لیکن اچانک اس کی کھوپڑی کی تاریکیوں میں ایک

خیال طلوع ہوا۔ وہ سوچنے لگا کہیں انہوں نے اس کی طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لئے تو یہ سب کچھ نہیں کیا۔ عورت کے معاملے میں بڑے بڑے افلاطونوں کا منطقی شعور مردہ ہوجاتا ہے، پھر وہ بیچارہ تو پیدائشی ہونق تھا۔ یہ خیال اُسکے ذہن میں ابھرا اور پتھر کی لکیر کی طرح اٹل ہوگیا۔

خوابوں کے جزیرے کی پریاں اس کا سر سہلانے لگیں اور اس کے ریشے ریشے میں محبت انگڑائیاں لینے لگی۔ ان دونوں لڑکیوں کی محبت جنہوں نے مہذب اور تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود بھی اسے بچانے کے لئے اس طرح رسوا ہونا گوارا کرلیا تھا۔ دریائے محبت جوش میں آیا اور قاسم بھیڑ کو چیرتا ہوا ان دونوں کے قریب پہنچ گیا۔

''بس بس جانے دیجئے۔ میں کیا ان سالوں سے ڈرتا ہوں۔'' قاسم خلاف عادت بہت روانی کے ساتھ بولا۔ ورنہ وہ لڑکیوں سے گفتگو کرتے وقت عموماً ہکلانے لگتا تھا۔

''ہٹ..... سامنے سے۔'' ایک لڑکی نے اچھل کر اپنا ہاتھ گھما دیا اور وہ ہاتھ براہِ راست قاسم کے داہنے گال پر پڑا۔ دوسری طرف سی دوسری لڑکی نے حملہ کیا۔

''ہائیں..... ہائیں..... ارے.....!'' قاسم بوکھلا کر پیچھے ہٹنے لگا۔ اچانک ایک نے اچھل کر قاسم کے بال پکڑے اور پوری قوت سے نیچے کی طرف جھکانے لگی۔ اسے اس میں کچھ دشواری بھی نہیں ہوئی کیونکہ وہ ایک لڑکی تھی، ایسی لڑکی جس کا تعاقب وہ عرصے تک کرتا رہا تھا۔ وہ کوئی مرد نہیں تھا جسے قاسم کی ایک ہی ضرب موت کے گھاٹ اتار دیتی۔

قاسم ہکلاتا ہوا جھکتا چلا گیا۔ دوسری لڑکی اس کی پشت پر گھونسے برسانے لگی۔

لوگوں نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھالیا..... قہقہے اور تالیاں.....!

قاسم کا یہ عالم تھا کہ اب اس کی ہکلاہٹ بھی بند ہوگئی تھی۔ پھر اچانک پولیس آ گئی جس کے ساتھ زنانہ فورس کی تین لڑکیاں بھی تھیں۔ حلقے کا تھانہ یہاں سے قریب ہی تھا اور آج کل ہر تھانے پر زنانہ فورس کی دو تین لڑکیاں ضرور رہتی تھیں۔ شہر کے حالات ہی کچھ ایسے تھے۔

ان لڑکیوں نے قاسم کا پیچھا چھڑایا اور انہیں ان وحشی لڑکیوں کو قابو میں لانے کے لئے بھی زیادہ جدوجہد نہیں کرنی پڑی کیونکہ پولیس کو دیکھتے ہی ان کی حالت میں حیرت انگیز تبدیلی ہوگئی تھی۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ سوتے سوتے جاگ پڑی ہوں اور اب ان کے

چہرے پر خوف کے آثار بھی نظر آنے لگے تھے۔

''آپ کون ہیں؟'' سب انسپکٹر نے قاسم سے پوچھا جسے اپنے کپڑے جھاڑنے کی ہوش نہیں تھا۔

''مم.....میں.....!'' قاسم تھوک نگل کر رہ گیا۔

''میں بتاتا ہوں۔'' ایک آدمی بھیڑ کو چیرتا ہوا آگے آیا۔ یہ وہی دوکاندار تھا جس کی پر قاسم نے کچھ دیر قبل دو ہتھڑ رسید کیا تھا۔

''جناب.....!'' اس نے سب انسپکٹر سے کہا۔ ''یہ حضرت بھی پاگلوں کی سی حرکتیں کر رہے تھے۔ انہوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ دو تین آدمیوں کو مارا تھا۔ آپ دوسروں سے دریافت کر سکتے ہیں۔''

''ابے بھاگ.....تو نے بھی تو..... بدتمیزی کی تھی۔'' قاسم ہانپتا ہوا دہاڑا۔

''دیکھا آپ نے.....کیا یہ شریفوں کی طرح گفتگو کر رہے ہیں۔'' دوکاندار نے سب انسپکٹر کی طرف دیکھ کر کہا۔

''بس چلے جاؤ.....ورنہ اچھا نہ ہوگا۔''

''آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔'' دفعتاً سب انسپکٹر نے قاسم کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔

''آپ بھی ذرا ہوش ہی میں رہئے گا، جی ہاں۔ میں کسی بنئے کا لونڈا نہیں ہوں۔''

''چلو.....!'' سب انسپکٹر نے اپنے ساتھیوں کیطرف مڑ کر بولا۔ ''انہیں گاڑی میں بٹھاؤ۔''

''میں نہیں جاؤں گا۔'' قاسم دہاڑا۔ ''تم مجھے اس طرح نہیں لے جا سکتے۔ میں اپنی کار میں جاؤں گا۔''

''تمہاری کار.....شاید ابھی دماغ قابو میں نہیں آیا۔'' سب انسپکٹر تلخ سی ہنسی کیساتھ بولا۔

''کیا تم مجھے جھوٹا سمجھتے ہو۔'' قاسم غرایا۔ ''تم مجھے اس طرح نہیں لے جا سکتے۔ اگر میری کار غائب ہوگئی تو تم زندگی بھر کمانے کے بعد بھی اس کی قیمت ادا نہ کر سکو گے.....ہاں۔''

''یہ حقیقت تھی کہ قاسم یہاں تک اپنی شاندار بیوک میں آیا کرتا تھا اور اُسے راجرس اسٹریٹ سے ایک فرلانگ پیچھے چھوڑ کر خود پیدل یہاں تک آتا اور لڑکیوں کی آمد کا منتظر رہتا۔

جیسے ہی وہ لڑکیاں راجرس اسٹریٹ سے نکل کر سڑک پر آتیں انکا تعاقب بھی پیدل ہی ہوتا تھا۔

''دھکا دے کر گاڑی میں بٹھاؤ۔'' سب انسپکٹر اپنے آدمیوں کی طرف دیکھ کر گرجا۔

''پچھتانا پڑے گا۔ میں بتائے دیتا ہوں۔'' قاسم ہوا میں مکا ہلاتا ہوا بولا۔ ''میں کہتا ہوں کہ میں اپنی گاڑی ہی میں بیٹھ کر کہیں جا سکتا ہوں۔''

سب انسپکٹر چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ ''کہاں ہے گاڑی۔''

''اُدھر.....!'' قاسم نے مجمعے کے اوپر سے مخالف سمت میں ہاتھ اٹھا کر کہا۔

سب انسپکٹر نے ایک کانسٹیبل کو ساتھ جانے کا اشارہ کیا۔ قاسم آگے بڑھ کر لوگوں کو ہٹاتا ہوا نکلا چلا گیا۔ لیکن اب اس کے حواس گم تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ لوگ اُسے تھانے لے جائیں گے، بات بڑھے گی، پھیلے گی پھر اگر اُس کے باپ کے کانوں تک یہ خبر گئی تو بارات ہی چڑھ جائے گی۔

چہرے کا ہنٹر قاسم کی آنکھوں کے سامنے رقص کرنے لگا۔ معاملہ لڑکیوں کا تھا وہ اپنی کار کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ کانسٹیبل بھی قریب پہنچ گیا تھا، وہ اسے اس شاندار بیوک کے قریب رکا ہوا دیکھ کر جلدی جلدی پلکیں جھپکانے لگا۔

''تم کس کے ڈرائیور ہو.....!'' اس نے قاسم سے پوچھا۔

''ہائیں.....ڈرائیور.....!'' قاسم آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ ''میں اپنا ڈرائیور ہوں۔ اب تم سے کیا بات کروں، اپنے سب سے بڑے آفیسر کے پاس لے چلو۔''

''آئی جی صاحب آج کل دورے پر ہیں۔'' کانسٹیبل نے احمقانہ انداز میں کہا۔

''کون بائی جی۔''

''آئی۔جی.....آئی جی۔''

''کوئی بھی ہوں، مجھے کسی کی بھی پرواہ نہیں ہے۔'' قاسم غرایا۔ لیکن ذہنی طور پر وہ اس وقت ایک خرگوش سے بھی بدتر ہو رہا تھا۔ اچانک ایک خیال بڑی تیزی سے اُس کے ذہن میں اُبھرا اور اس نے کانسٹیبل سے کہا۔

''میں فون کرنا چاہتا ہوں۔''

''دیر ہو رہی ہے، داروغہ جی مجھے کھا جائیں گے۔''

''میں تمہیں مالا مال کر دوں گا پیارے..... بس دو منٹ..... میرے ساتھ سامنے ریستوران تک چلو۔''

''دیر نہ کیجئے گا۔''

''نہیں پیارے الاقسم.....!''

قاسم تیزی سے سڑک پار کرنے لگا۔ اس وقت بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی کوٹنے والے انجن میں تیز رفتاری پیدا ہوگئی ہو۔ کانسٹیبل سائے کی طرح اس کے پیچھے لگا تھا۔ قاسم اتنا بدحواس تھا کہ اس نے ریستوران میں پہنچ کر کاؤنٹر کلرک کی اجازت کے بغیر نمبر ڈائیل کرنے شروع کر دیئے۔

''ہیلو.....!'' وہ ماؤتھ پیس میں دہاڑا۔ ''اس کی آواز حلق کے بجائے بلغم بھرے پھیپھڑوں سے نکلتی معلوم ہو رہی تھی۔

''ہیلو! کون صاحب بول رہے ہیں۔ کون حمید بھائی..... آہا..... میں بول رہا ہوں۔ قاسم قاسم! ..... خدا کے لئے مجھے بچاؤ..... میں گرفتار ہوگیا ہوں۔ یہ لوگ مجھے پرنسٹن تھانے میں لے جا رہے ہیں۔''

''تم کہاں سے بول رہے ہو۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''یہاں سے۔''

''ابے کہاں سے..... جگہ کا نام..... ڈیوٹ.....!''

''میں ڈیوٹ..... میرا باپ ڈیوٹ..... حمید بھائی..... بس آجاؤ۔ میں راجرس اسٹریٹ کے قریب والے ریستوران کیا نام ہے..... کیا نم..... کیفے جلٹھنڈے سے بول رہا ہوں۔ یار کچھ گھپلا ہوگیا ہے۔ دو لڑکیاں بھی ہیں۔''

''ارے! تو کیا وہ تم ہو۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''وہی لڑکیاں تو نہیں، جنہوں نے کلاک ٹاور پر پتھر برسائے ہیں۔''

''وہی..... وہی..... الاقسم حمید بھائی۔ میرا دل چاہتا ہے کہ خودکشی کر لوں۔''

''میری موجودگی میں آپ ایسا نہیں کر سکتے۔'' پیچھے کھڑے ہوئے کانسٹیبل نے کہا۔

''اماں نہیں بھائی میں مذاق کر رہا تھا۔'' قاسم نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھے بغیر کہا۔

''کیا.....؟'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''مجھے بچاؤ..... حمید بھائی۔''

''تم گدھے ہو، میرا وقت برباد نہ کرو۔'' دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسلہ منقطع ہوگیا۔

''خدا تمہیں غارت کرے۔'' قاسم ریسیور رکھ کر کانسٹیبل کی طرف پلٹا۔ چند لمحے اسے قہر آلود نظروں سے گھورتا رہا پھر بولا۔ ''تم نے بیچ میں بول کر کباڑا کر دیا۔''

''میں نے کیا کیا۔'' کانسٹیبل کی تیوریاں بھی چڑھ گئیں۔

''میں نے تم سے کہا تھا کہ میں مذاق کر رہا ہوں..... وہ سمجھا شاید میں نے اس سے کہا ہے۔ اب وہ نہیں آئے گا۔''

''کون نہیں آئے گا۔''

''محکمہ سراغ رسانی کا کیپٹن حمید۔''

''آپ انہیں کیا جانیں۔''

''کیوں نہ جانوں..... تم کون ہوتے ہو اعتراض کرنے والے۔''

''اچھا چلئے..... دیر ہو رہی ہے۔''

قاسم نے جھنجھلا کر اُسے ایک موٹی سی گالی دینی چاہی لیکن یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ موٹی سی عقل اس موٹی سی گالی پر غالب آ گئی۔ چونکہ کانسٹیبل کی بالائی منزل کی چھت سرخ رنگ کی تھی اور قاسم اسے عینک کے بغیر بھی صاف دیکھ سکتا تھا، اس لئے اُس کے منہ سے گالی نہ نکل سکی، ہو سکتا ہے بچپن میں وہ سرخ پگڑیوں سے خوف ہی کھاتا رہا ہو۔ سب انسپکٹر کی خاکی پگڑی سی وہ ذرہ برابر بھی مرعوب نہیں ہوا تھا۔

بہرحال تھوڑی دیر بعد وہ اپنی کار سمیت پرنسٹن کے تھانے میں پہنچ گیا۔

انچارج نے نیچے سے اوپر تک دیکھ کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا، پھر وہ اُن دونوں لڑکیوں کی طرف متوجہ ہوا جو بہت زیادہ خائف اور ساتھ ہی ساتھ شرمندہ بھی نظر آ رہی تھیں۔ لیکن اُس

نے اُن سے کسی قسم کے سوالات نہیں کئے۔ قاسم سے بھی کچھ نہیں پوچھا۔ ایسا معلوم ہو
جیسے وہ کسی کا منتظر ہو۔

قاسم بار بار ان دونوں کو گھورنے لگتا تھا۔ وہ الجھن میں تھا۔ الجھن کی بات ہی تھی
سمجھا تھا کہ انہوں نے یہ حرکت محض اس لئے کی ہے کہ لوگ اس کا پیچھا چھوڑ کر اُن کی طر
متوجہ ہو جائیں، مگر پھر اُسے انہیں کے ہاتھوں پٹنا پڑا تھا۔ اس کا ذہن ان کے اس رویہ کو
معنی نہ پہنا سکا۔

''ہمیں کچھ کہنا ہے۔'' اچانک ایک لڑکی نے بھرائی ہوئی آواز میں انچارج سے کہا۔

''مجھے سننا آتا ہی نہیں۔'' انچارج بے رخی سے بولا اور قاسم کو غصہ آ گیا۔ وہ ان لڑکیو
کی توہین کیسے برداشت کر لیتا جن کا تعاقب اتنے دنوں سے کرتا رہا تھا۔ غصے میں اس کی زبا
ذرا کم لڑکھڑاتی تھی۔ اس لئے وہ اپنے مخصوص انداز میں دہاڑا۔

''آپ کو سننا پڑے گا۔''

''بس آپ تو خاموش ہی بیٹھے رہئے۔'' انچارج نے خشک لہجے میں کہا۔ ''اگر کرنل فرید
صاحب نے آپ کو بھی روکے رکھنے کے لئے نہ کہا ہوتا تو آپ کہیں اور ہوتے۔''

''کہاں ہوتا..... پھانسی کے تختے پر۔'' قاسم نے لڑکیوں کی طرف کنکھیوں سے دیکھ
ہوئے کہا۔ ''میں ہر وقت سینے پر گولی کھانے کے لئے تیار رہتا ہوں۔''

جنس مقابل کی موجودگی میں اچھے اچھے شیخیاں بگھارنے کے سلسلے میں اکثر انتہائی پھ
پنے کی باتیں کرنے لگتے ہیں، قاسم تو بیچارا تھا ہی ڈیوٹ۔

قاسم کی اس حماقت پر دو چار کو ہنسی آ گئی اور کچھ اُسے خونخوار نظروں سے گھورنے
جن میں انچارج بھی شامل تھا۔ لیکن اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی قاسم اچھل کر کھڑا ہو
کیونکہ اس نے کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا۔

پھر سب ہی کھڑے ہو گئے۔ فریدی نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور دونوں لڑکیو
طرف دیکھنے لگا۔ حمید قاسم کو گھور رہا تھا۔ لیکن قاسم کا یہ عالم تھا کہ مسکرانے کے لئے اس
ہونٹ ناکافی تھے۔ اس کی خواہش تھی کہ سارے جسم پر ہونٹ ہی ہونٹ بن جائیں، اور

مسکراہٹ ہی مسکراہٹ ہو۔ اس مسکراہٹ میں ایک خاموش چیلنج بھی تھا۔ ''ابے دیکھ
ہوں پر
ایک چھوڑ دو لڑکیاں۔''

دھونس جمانے والی

حمید کو بھی دراصل اسی بات پر حیرت تھی۔ ایک چھوڑ دو لڑکیاں اور وہ بھی ایسی، جو قاسم
کے معیار پر سو فیصد پوری اترنے والی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ قاسم کو کب سے اس کا سلیقہ ہوا۔
ان معاملات میں وہ اسے بالکل گاؤدی تصور کرتا تھا۔

فریدی اُس سب انسپکٹر سے واقعات سن رہا تھا، جس نے انہیں موقعہ واردات پر پکڑا
تھا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی اس نے پھر اُن لڑکیوں کی طرف دیکھا لیکن پھر فوراً ہی قاسم کی
طرف متوجہ ہو گیا۔

''میرے ساتھ آؤ.....'' وہ اٹھتا ہوا بولا۔ قاسم بوکھلا کر ایک کرسی کے پائے سے الجھ کر
وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس بار اُن خوفزدہ لڑکیوں کے ہونٹوں پر بھی خفیف سی مسکراہٹ دکھائی دی۔

قاسم خود ہی اٹھا کسی نے اُس کی مدد نہیں کی۔ فریدی ایک ایسے کمرے میں داخل ہوا جو
خالی تھا، قاسم گرتا پڑتا وہاں پہنچا۔ اس کے بعد ہی حمید بھی پہنچ گیا۔

''یہ لڑکیاں تمہارے ساتھ تھیں۔'' فریدی نے پوچھا۔

''کس..... ساتھ..... نہیں تو..... الگ تھیں..... الاقسم بالکل الگ۔''

''میں پوچھ رہا ہوں اس واقعے سے پہلے تم تینوں کہاں تھے۔''

''مم..... میں..... ایک بک اسٹال پر تھا اور وہ نہ جانے کہاں تھیں۔ میں نہیں جانتا۔''

''مجھ سے بھی جھوٹ بولو گے، حالانکہ میں تمہارے حق میں تمہارے باپ سے بھی زیادہ
خطرناک ثابت ہو سکتا ہوں۔''

''میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔''

"پھر تم نے ایک بک اسٹال والے سے جھگڑا کیوں کیا تھا۔"

"اس نے بدتمیزی کی تھی۔"

"تم ان لڑکیوں کو نہیں جانتے۔"

"جی نہیں۔"

"پھر ان میں کیوں جا کودے تھے۔"

قاسم نے دانتوں میں انگلی دبائی اور شرمیلے انداز میں سر جھکا کر مسکرانے لگا۔

"بولو.....!" فریدی جھنجھلا گیا۔ "میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

"میں.....میں.....حمید بھائی کو بتا دوں گا۔" قاسم نے شرمیلے انداز میں کہا۔

"ہاں.....حمید بھائی تمہاری سہیلی ہیں نا۔" حمید بولا۔

"کیا.....!" قاسم آنکھیں پھاڑ کر حمید کی طرف پلٹا۔ "کیا کہا تم نے سہیلی.....گدھا لونڈیا ہوں۔ میرے ٹھینگے پہ گیا سالا تھانہ وانہ.....مت سفارش کرنا۔ پھانسی تھوڑا ہی ہو جائے گی۔"

"قاسم.....!" فریدی کی آواز کمرے میں گونجی۔

"جی ہاں.....آپ اسے منع نہیں کرتے۔"

"میں کیا پوچھ رہا ہوں تم سے۔"

"پوچھئے۔" قاسم کا موڈ بگڑ گیا۔ "مجھے کسی کا ڈر نہیں پڑا ہے۔ میں نے ایک ناول پڑھا تھا کہ محبوبت کرنا جرم نہیں ہے.....جی ہاں!"

"قاسم.....!" دفعتاً فریدی نرم پڑ گیا۔ "میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے سب کچھ بتا دو۔ تم بچے ہو۔ جیل کی سختیاں برداشت کر لو گے۔ مگر وہ بیچاریاں.....تمہیں ان پر ضرور رحم آنا چاہئے۔"

"پھر بتائیے میں کیا کروں۔" قاسم نے گلوگیر آواز میں کہا۔ "کہاں وہ گرج رہا تھا کہاں اب اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ ذہنی رو بہکنے اور اُس کے جسمانی ردعمل میں دیر ہی نہیں لگتی تھی۔

"مجھے سب کچھ بتا دو۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "وہ تمہیں کب اور کہاں ملی تھیں تم انہیں کب سے جانتے ہو۔ اس واقعے سے پہلے تم تینوں کہاں تھے۔"

"وہ مجھے آج سے پندرہ دن پہلے ملی تھیں۔ میں انہیں پندرہ دن سے جانتا ہوں۔ ان واقعات سے پہلے میں بکسٹال پر تھا اور وہ دونوں نہ جانے کہاں تھیں۔ الاقسم میں نہیں جانتا۔"

"اس سے پہلے تم تینوں کہاں ملتے رہے ہو۔"

"راجرس اسٹریٹ کے موڑ پر.....پھر میں انہیں کالج پہنچا کر واپس ہو جایا کرتا تھا.....وہ گانا ہے نا.....محبوبت اثر کرتی ہے، دھیرے دھیرے۔"

دفعتاً حمید نے فریدی سے کہا۔ "آپ جائیے.....یہ معاملہ آپ کے بس کا نہیں ہے۔"

فریدی چند لمحے قاسم کو گھورتا رہا پھر کمرے سے چلا گیا۔

حمید نے قاسم کے بازو سہلانے شروع کر دیئے اور قاسم اس طرح منہ پھیلائے کھڑا رہا جیسے کوئی بدسلیقہ اور پھوہڑ بیوی اپنے فدوی قسم کے شوہر سے نخرے کرتی ہے۔

"یار تم بڑے خوش قسمت ہو۔" حمید نے کہا۔ "تمہیں ویسی ہی لڑکیاں مل گئیں جیسی تم چاہتے تھے۔ مگر تم دو یا کرو گے، ایک میری رہی کیوں؟"

"نہیں.....یہ نہیں ہو سکتا۔" قاسم غرایا۔

"ان میں سے ایک کچھ دبلی ہے اور بیمار بھی معلوم ہوتی ہے۔"

"بکواس ہے، میں یقین نہیں کر سکتا۔ ہوگی بیمار.....تمہاری بلا سے۔ ایک بھی نہیں مل سکتی۔"

"پھر بھی دو کیا کرو گے۔"

"اپنی قبر میں لے جاؤں گا۔ تم سے مطلب.....!"

"اچھی بات ہے۔" حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "میں تمہاری بیوی اور باپ کو فون کر کے یہیں بلوائے لیتا ہوں۔"

حمید دروازے کیطرف مڑا لیکن دوسرے ہی لمحے میں قاسم نے جھپٹ کر اسکی کمر پکڑ لی۔

"نہیں.....میں انہیں بلاؤں گا۔" حمید نے کہا۔

"کیوں گھپلا کرتے ہو یار.....حمید بھائی۔ میں تو مذاق کر رہا تھا۔ اچھا دبلی والی تم لے لو.....الاقسم لے لو۔"

"مگر اُس پر قبضہ کرنے سے پہلے میں یہ بھی معلوم کرنا چاہوں گا کہ ان دونوں نے تمہیں

کیوں پیٹنا شروع کر دیا تھا۔"

"حمید بھائی یہی تو سمجھ میں نہیں آتا۔" قاسم تشویش کن لہجے میں بولا۔ "پہلے انہوں نے ہلڑ مچایا۔ اسی لئے ہلڑ مچایا کہ لوگ مجھے چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ پھر جب میں شکریہ ادا کرنے کے لئے قریب گیا تو وہ مجھ پر الٹ پڑیں۔"

حمید کچھ سوچنے لگا۔ پھر پوچھا۔ "کیا اس سے پہلے بھی کبھی تم نے ان سے گفتگو کی؟"

"میں چپکے چپکے محبوبت کر رہا تھا..... محبوبت ایسے ہی ہوتی ہے، حمید بھائی۔"

"میں کچھ نہیں سمجھا..... مجھے پورا واقعہ بتاؤ کہ تم نے اُن سے کس طرح محبت شروع کی تھی۔" قاسم نے بڑی روانی کے ساتھ پندرہ روز کی رپورٹ دی۔

اور حمید بے ساختہ لاحول پڑھ کر اُسے بُرا بھلا کہنے لگا۔

"پھر کیا کرتا۔" قاسم جھنجھلا کر بولا۔ "کیا اُن کے گھر میں گھس جاتا۔"

"اُن کے گھر دیکھ لئے ہیں تم نے۔"

"نہیں..... کیا ضرورت تھی..... وہ کیا شعر ہے..... ترے نام پر مٹا ہوں، مجھے کیا ہے جہاں سے۔"

"نشاں سے.....!" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"نہیں جہاں سے..... کیا تم مجھے جاہل سمجھتے ہو۔" قاسم جھلا کر بولا۔

"ختم کرو..... میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔"

"یعنی تم مجھے جیل جانے دو گے۔"

"نہیں میں تمہیں پھانسی دلوا کر تمہاری بیوی سے عقد کر لوں گا۔"

"کیا..... ذرا زبان سنبھال کر۔" قاسم چنگھاڑا۔ "گدی سے زبان کھینچ لوں گا۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی کمرے میں داخل ہوا۔ "تم دونوں باہر جاؤ اور ان سے ایک لڑکی کو یہاں بھیج دو۔"

"یہ کچھ بھی نہیں جانتا۔" حمید نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔ "صرف ان دونوں کا تعاقب کیا کرتا تھا۔"

"اونہہ..... ختم کرو..... جاؤ۔"

حمید اور قاسم کمرے سے چلے گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک لڑکی آئی۔

"بیٹھ جاؤ.....!" فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

لڑکی بیٹھ گئی۔ وہ بہت زیادہ خائف نظر آ رہی تھی۔ اُس نے ایک بار بھی فریدی کی طرف دیکھنے کی جرأت نہیں کی۔ سر جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔

"تمہارا کیا نام ہے۔" فریدی نے پوچھا لیکن لڑکی جواب دینے کی بجائے رونے لگی۔

اور پھر اُس نے بدقت کہا۔ "ہمیں..... معاف..... کر دیجئے۔"

"ہاں..... ہو سکتا ہے کہ ہم تمہیں معاف کر دیں لیکن اُسی صورت میں جب ہمیں اس پاگل پن کی وجہ معلوم ہو جائے۔"

لڑکی سسکیاں لیتی رہی اور فریدی اس کے جواب کا منتظر رہا۔

اچانک ایک آدمی کمرے میں درآنہ گھستا چلا آیا۔ ادھیڑ عمر کا ایک صحت مند آدمی تھا۔ اُسے دیکھتے ہی لڑکی کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکلی اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا کر پھر سسکیاں لینے لگی۔

"میں اس طرح چلے آنے کی معافی چاہتا ہوں کرنل فریدی۔" آنے والے نے کہا۔

"کوئی بات نہیں جناب..... فرمایئے میرے لائق کوئی خدمت۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ لیکن اُس کی عقابی آنکھیں بڑے معنی خیز انداز میں اُسکے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

آنے والا یہاں کا سٹی مجسٹریٹ تھا اور فریدی اُسے اچھی طرح جانتا تھا۔

"میری بھانجی ہے۔" آنے والے نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیا آپ کو واقعات کا علم ہو چکا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہو چکا ہے..... کیا میں توقع کروں کہ آپ میری عزت کا پاس کریں گے۔"

"آپ کی عزت میری عزت ہے جناب۔" فریدی نے خاکسارانہ لہجے میں کہا۔

"مگر آپ مجھے اس کی اجازت تو دے ہی دیں گے کہ میں اسکی وجہ دریافت کر سکوں۔"

"وجہ تو ڈاکٹر بھی نہیں دریافت کر سکے کرنل۔" سٹی مجسٹریٹ نے کہا۔ "ویسے اُن کا خیال

ہے کہ یہ کسی قسم کا دورہ ہے۔''

''لیکن ان دونوں پر بیک وقت ایک ہی قسم کا دورہ..... میں نہیں سمجھ سکتا۔''

''میں خود بھی الجھن میں ہوں۔'' سٹی مجسٹریٹ بولا۔ ''میں نے بھی یہی سنا تھا کہ یہ دونوں

''جی ہاں.....!'' فریدی سر ہلا کر بولا۔ ''اچھا..... وہ دوسری لڑکی کون ہے۔''

''اسی کی کلاس فیلو..... وہ بھی پڑوسی ہی ہے..... میں درخواست کروں گا کہ اس

کو آگے نہ بڑھایئے۔''

''میں نے اب تک اس معاملے کو آگے نہیں بڑھایا۔ لیکن آپ خود سوچئے اس قسم

واقعات جب اکٹھا ہو جائیں تو مجھ جیسے آدمی کو ضرور تشویش ہوگی۔''

''میں سمجھتا ہوں کرنل..... مجھے علم ہے کہ شہر میں ایسے کئی واقعات ہو چکے ہیں۔''

''اچھا..... مجھے صرف یہی بتا دیں کہ انہوں نے کلاک ٹاور پر اپنا غصہ کیوں اتارا

''سائرہ.....!'' دفعتاً سٹی مجسٹریٹ نے لڑکی کو مخاطب کیا لیکن اس کے ہاتھ

چہرے ہی پر جمے رہے۔

''سائرہ..... تم سے جو کچھ پوچھا جا رہا ہے..... بتاؤ۔'' سٹی مجسٹریٹ نے سخت لہجے میں

''مجھے نہیں معلوم..... میں کچھ نہیں جانتی۔ مجھے یاد نہیں۔'' وہ ہذیانی انداز میں بولی

''تو تم میری بے عزتی کراؤ گی..... کیوں!''

لڑکی نے اور زیادہ تیزی سے رونا شروع کر دیا۔

''بہتر ہے آپ انہیں اس وقت گھر ہی لے جایئے۔'' فریدی بولا۔

''مگر اس دوسری لڑکی سے بھی تھوڑی سی گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔''

''دونوں ساتھ ہی جائینگی۔'' سٹی مجسٹریٹ نے کہا۔ ''آپکو جو کچھ پوچھنا ہو پوچھ لیں

''آپ کی موجودگی ضروری نہیں ہے۔'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ انہیں بھی

جایئے۔ پھر اُس نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔

سٹی مجسٹریٹ لڑکی کو کرسی سے اٹھا کر باہر لے جانے لگا۔ گھنٹی کی آواز پر ایک کا

اندر آیا۔ فریدی نے اس سے دوسری لڑکی کو لانے کو کہا۔

دوسری لڑکی اندر آئی، لیکن اب اُس کے چہرے پر خوف و خجالت کی بجائے غصے کے آثار تھے۔ فریدی سمجھ گیا کہ سٹی مجسٹریٹ کا سہارا مل جانے کی وجہ سے اب کوئی نئی کروٹ لینے والی ہے۔ ویسے بھی صورت سے وہ کافی ذہین اور فتنہ پرداز معلوم ہوتی تھی۔

''بیٹھ جایئے۔'' فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

''آپ اُس لفنگے کو بچانا چاہتے ہیں، میں سمجھتی ہوں، مجھے ابھی معلوم ہوا ہے کہ وہ آپ کی جان پہچان والا ہے۔''

''دوسری بات آپ نے غلط نہیں کہی..... لیکن پہلی بات میں سننے کے لئے تیار نہیں۔''

''وہ بہت دنوں سے ہمارا تعاقب کیا کرتا تھا۔ آج ہم نے پیٹ دیا اور یہ بالکل بکواس ہے کہ ہم نے کلاک ٹاور پر پتھر چلائے تھے۔ آپ اُسے بچانے کیلئے ہمارے خلاف کیس بنا رہے ہیں۔''

''بہت خوب۔'' فریدی اُسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا مسکرایا۔

''لیکن کچھ دیر قبل آپ لوگ معافی کس بات کی مانگ رہی تھیں۔ روئی کیوں تھیں؟''

''یہ بھی سراسر جھوٹ ہے..... بکواس ہے۔''

''میں ہار گیا بھئی۔'' فریدی ہنسنے لگا۔ ''تم جا سکتی ہو۔''

''یوں نہیں..... اس موٹے کے خلاف ہماری رپورٹ درج کی جائے۔''

''اچھا.....!'' فریدی جیب سے فاؤنٹین پن نکالتا ہوا بولا۔ ''بولو..... کیا لکھوں۔'' اس نے اپنی نوٹ بک کھول لی تھی۔

''میں تھانے کے روزنامچے پر رپورٹ چاہتی ہوں مسٹر۔''

''اچھا..... اچھا..... لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم دونوں ننگے پیر کیوں ہو..... وہ تمہارے سینڈل بھی ہضم کر گیا۔''

لڑکی سٹپٹا گئی۔ لیکن پھر فوراً ہی بولی۔ ''ہم نے سینڈلوں سے اس کی مرمت کی تھی۔''

''ہاں! ہو سکتا ہے لیکن کسی کو پیٹنے کے لئے صرف ایک ہی جوتا اتارا جاتا ہے، دونوں نہیں۔ کیونکہ ایک ہاتھ اپنے بچاؤ کے لئے بھی خالی رکھا جاتا ہے۔ کیوں.....؟''

اس نے فوراً ہی جواب دینے کی کوشش نہیں کی اور فریدی اُسے بولنے کا موقع دیئے بغیر

بولا۔ ''دفع ہو جاؤ..... لیکن یہ نہ سمجھنا کہ قانون کی آنکھیں بند ہیں۔ تم شوق سے اس
خلاف رپورٹ درج کرادو، لیکن خود مجسٹریٹ صاحب کا کہنا ہے کہ تم دونوں کسی ذہنی مر
مبتلا ہو۔''

''غلط.....!''

''قطعی غلط ہے..... حقیقت کیا ہے، اسے دریافت کرنا میرا کام ہے..... جاؤ۔''

وہ فریدی کی نظروں کی تاب نہ لاکر وہاں سے اٹھ گئی اور فریدی بھی اُس کے پی
اٹھا۔ وہ اس کمرے میں آئے جہاں سائرہ اور سٹی مجسٹریٹ، قاسم اور حمید سمیت موجود تھے
سائرہ کی ساتھی نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے مگر خاموش ہی رہ گئی۔

''آپ اگر کچھ دیر ٹھہریں تو میں مشکور ہوں گا۔'' فریدی نے مجسٹریٹ سے کہا۔

''ضرور..... ضرور.....!''

''انہیں آپ گھر جانے دیں۔'' وہ لڑکیوں کی طرف دیکھ کر بولا۔

''نہیں..... میں انہیں ساتھ ہی لے جاؤں گا۔''

''اچھا تو پھر..... ہمیں کہیں..... معاف کیجئے گا..... میں آپ کو تکلیف دے رہا ہ
اگر آپ پھر اسی کمرے تک چل سکیں تو.....!''

''اوہ..... ہاں..... ہاں.....!'' مجسٹریٹ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں پھر اسی کمرے میں آئے جہاں کچھ دیر قبل دونوں میں گفتگو ہو چکی
مجسٹریٹ کے چہرے پر الجھن اور شرمندگی کے آثار تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ جلد
جلد وہاں سے بھاگ جانا چاہتا ہو۔

فریدی چند لمحے اُسی کے بولنے کا منتظر رہا لیکن مجسٹریٹ کی آنکھیں اوپر نہیں اٹھ
تھیں۔ آخر فریدی نے پوچھا۔ ''کیا گھر پر بھی کبھی اس قسم کا دورہ پڑنے کا اتفاق ہو چکا ہے؟''

''جی ہاں..... صرف ایک بار۔ شاید پچھلے ہی ہفتہ کی بات ہے۔''

''کیا آپ مجھے اُس کے متعلق کچھ بتانا پسند کریں گے؟''

''ہاں کیوں نہیں۔'' مجسٹریٹ نے مضمحل آواز میں کہا۔ ''اُس نے اپنے ایک بزرگ

جنکا وہ بہت زیادہ احترام کرتی ہے کتابیں کھینچ ماری تھیں۔ پھر چھری لے کر دوڑی تھی۔ اُن سے
صرف اتنی غلطی سرزد ہوئی تھی کہ وہ اُسکی اجازت حاصل کئے بغیر اسکے کمرے میں چلے گئے تھے۔''

''اوہو..... او.....!'' فریدی نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدلا۔

''وہ چھری لے کر دوڑی۔ لیکن ان کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی ایسا معلوم ہوا جیسے وہ
یک بیک ہوش میں آ گئی ہو۔''

''یعنی اُس نے چھری پھینک دی ہوگی۔'' فریدی بولا۔

''جی ہاں..... چند لمحے کھڑی حیران حیران چاروں طرف دیکھتی رہی پھر اُن کے قدموں
پر گر کر رونا شروع کر دیا۔''

''ہوں.....!'' فریدی صرف سر ہلا کر رہ گیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

''اچھا..... اُس دوسری لڑکی کے متعلق بھی کچھ معلوم ہو سکے گا۔''

''نہیں..... اسکے متعلق میں کچھ نہیں جانتا۔'' مجسٹریٹ نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

فریدی سمجھ گیا کہ وہ اس کے استفسارات کو لغو اور غیر ضروری سمجھ رہا ہے لہٰذا اُس نے
کہا۔ ''میں اُسے کسی قسم کا مرض سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ شہر میں اب تک اس قسم کی تیس یا
چالیس وارداتیں ہو چکی ہیں۔ پچھلے ہفتے ایک لڑکی نے ایک دوکاندار کو چاقو مار دیا تھا آپ خود
سوچئے۔ کیا پہلے بھی کبھی اس قسم کی وارداتیں ہوئی ہیں اور دوسری سب سے اہم بات یہ ہے کہ
یہ مرض ابھی تک نچلے طبقے کی عورتوں یا لڑکیوں میں نہیں پایا گیا۔ میں اس سلسلے میں شہر کے
بہترین ڈاکٹروں سے بھی گفتگو کر چکا ہوں۔ وہ اس قسم کے مرض کے وجود سے انکار کرتے ہیں
جس کا حملہ چشم زدن میں ہو کر سائے کی طرح گزر جاتا ہو۔ اب تک کی رپورٹ یہ ہے کہ ایسی
کیفیت کسی بھی لڑکی پر دو منٹ سے زیادہ طاری نہیں رہی۔ بعض حالات میں یہ وقفہ آدھے
منٹ سے بھی کم کا پایا گیا ہے۔ کئی لڑکیوں کا طبی معائنہ بھی کیا گیا لیکن کسی ذہنی مرض کی
علامات اُن میں نہیں پائی گئیں۔''

مجسٹریٹ خاموشی سے سنتا رہا تھا۔ فریدی کے خاموش ہوتے ہی اس نے کہا۔

''پھر آخر یہ سب کیا ہے۔ اب تک کئی ڈاکٹر سائرہ کو دیکھ چکے ہیں۔ ان کا بھی یہی خیال

ہے کہ وہ کسی ذہنی مرض میں مبتلا نہیں ہے۔''

''پھر آپ بتایئے! یہ چیز میرے لئے الجھن کا باعث ہوسکتی ہے یا نہیں۔'' فریدی نے کہا۔ ''میں اس سے پہلے بھی ایک بار ایک مرض ہی کے سلسلے میں الجھنوں کا شکار ہو چکا ہوں شاید آپ کو یاد ہو..... وہ ناخن اکھاڑ دینا۔ مرنے والوں کے ناخن گوشت چھوڑ کر اوپر جاتے تھے۔ آپ کو اس سلسلے میں یہ بھی یاد ہوگا کہ.....!''

''جی ہاں مجھے یاد ہے۔ وہ ڈاکٹر[1] داخ والا کیس..... اچھی طرح یاد ہے۔''

''پھر آپ بتایئے..... میں اپنی تشویش کے معاملے میں حق بجانب ہوں یا نہیں۔ اچھا دوسری لڑکی کا کیا نام ہے۔ کیا آپ مجھے اس کا پتہ بتا سکیں گے۔''

''اس کا نام روحی ہے اور وہ راجرس اسٹریٹ کی اٹھارویں کوٹھی میں رہتی ہے۔''

''شکریہ۔'' فریدی نوٹ بک میں اس کا نام اور پتہ لکھتا ہوا بولا۔ ''ظاہر ہے کہ وہ کسی اچھے ہی خاندان سے تعلق رکھتی ہوگی۔''

''جی ہاں..... خان بہادر سجاد کی لڑکی ہے۔''

فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اٹھتا ہوا بولا۔ ''تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں آپ مطمئن رہیں۔ اس واقعے کی پبلسٹی نہ ہونے پائے گی۔''

''شکریہ.....!''

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں لڑکیوں سمیت چلا گیا۔ قاسم بہت اداس نظر آ رہا تھا۔ فریدی اس سے کچھ نہیں بولا البتہ اس نے حمید کو الگ بلا کر کہا۔ ''دوسری لڑکی کا نام روحی ہے۔ اٹھارہ راجرس اسٹریٹ میں رہتی ہے۔''

''اور پہلی.....!''

''وہ ہمارے کام نہ آ سکے گی' کیونکہ کچھ بیوقوف سی ہے۔ تم جانتے ہو کہ بیوقوف آدمی سے کچھ معلوم کرنا آسان نہیں ہے۔ روحی ذہین بھی ہے اور چالاک بھی۔ اس لئے وہ کام آ جائے گی۔ کیا سمجھے۔''

---

[1] اس داستان کے لئے جاسوسی دنیا کا ناول ''تاریک سائے'' ملاحظہ فرمایئے۔

اَیاز اور چینی

حمید کو آج کل لڑکیوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی ورنہ وہ اس موقع پر خوشی سے ناچنے لگتا کیونکہ آج خود فریدی ہی اُسے ایک لڑکی کے پیچھے لگا رہا تھا۔

پھر فریدی اُسے وہیں چھوڑ کر چلا گیا۔ قاسم کے خلاف کسی نے کوئی باقاعدہ رپورٹ نہیں لکھوائی تھی۔ اس لئے اُسے بھی گلوخلاصی حاصل ہوگئی۔ ویسے اُسے اطمینان تھا کہ حمید کی موجودگی میں کوئی اس کا بال بھی بیکا نہ کر سکے گا۔

تھانے سے نکلتے ہی اس نے چہکنا شروع کر دیا۔ حمید نے اس کی کار سنبھال لی تھی۔

''بیٹے قاسم اُن میں سے ایک سٹی مجسٹریٹ کی بھانجی ہے۔'' حمید نے کہا۔

''وہ تمہاری والی نا! جو کچھ دُبلی سی ہے۔''

''میری والی.....!'' حمید نے حیرت سے کہا پھر آہستہ سے بولا۔ ''مجھے آج کل لڑکیوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی۔''

''تمہاری مرضی.....!'' قاسم نے بڑے خلوص سے کہا۔ ''میں نے تو اجازت دے دی تھی۔''

''ہائیں! ابے قاسم کیا دماغ خراب ہوا ہے۔ تم اور مجھے اجازت دو گے۔ کیا تم ٹھیکیدار ہو ان لڑکیوں کے۔''

''تم گھپلا نہیں کر سکتے حمید بھائی۔'' قاسم نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ ''سب سے پہلے میں نے ان لڑکیوں کا پتہ لگایا تھا۔''

''ابے او..... کولمبس کے پٹھے۔ وہ لڑکیاں ہیں امریکہ نہیں۔ آپ نے پتہ لگایا تھا۔''

''کچھ بھی ہو جائے تم گھپلا نہیں کر سکتے۔ تم خود کولمبس کے پٹھے۔ زبان سنبھال کر ہاں۔''

''تمہیں ان لڑکیوں کے نام معلوم ہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں.....!''

''میں جانتا ہوں۔'' حمید نے چڑھانے کے سے انداز میں کہا۔ ''لہٰذا تم اُن سے دستبردار ہو جاؤ۔''

''الاقسم.....اچھا نہیں ہوگا۔''

''تم شاید جیل ہی جانا چاہتے ہو۔''

''میں جہنم میں جانا چاہتا ہوں۔تمہاری بلا سے۔''

''تم نے اُن کے ہاتھوں سے سینڈل کھائے تھے۔تمہیں ڈوب کر مرنا چاہئے۔''

قاسم چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

''زور سے ایک بھی نہیں پڑی تھی.....الاقسم.....!''

''اچھا تو پھر ایک کام کرو.....!''

''کیا.....!''

''اب زور سے ایک مجھ سے کھالو۔میں اُن لڑکیوں سے دستبردار ہو جاؤں گا۔''

''میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔'' قاسم نے منہ پھلا لیا۔

''دُبلی والی کا نام سائرہ ہے۔'' حمید نے کہا۔

''نہیں شاعرہ ہوگا۔'' قاسم نے قابلیت کا اظہار کیا۔

''کیوں.....؟''

''تلفظ یہی ہے۔'' قاسم نے عالمانہ شان سے کہا۔''جاہل اور بے پڑھے لوگ سائرہ کہتے ہیں۔''

حمید ہنسنے لگا پھر بولا۔''تلفظ کے بچے.....تگڑی والی کا نام روحی ہے۔شاید میں اُسے آج ہی شام کو سیر کے لئے باہر لے جاؤں۔''

''جہاں دیکھ لیا.....دونوں کو قتل کر دوں گا۔'' قاسم غرایا۔

اچانک ایک جگہ حمید نے کار روک دی اور قاسم کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔

''جاؤ.....انہیں راجرس اسٹریٹ میں تلاش کرو.....میں تو یونہی مذاق کر رہا تھا۔''

''میں پہلے ہی جانتا تھا۔'' قاسم ہنسنے لگا۔لیکن اس کی نظر غیر ارادی طور پر ادھر ہی اٹھ گئی جدھر حمید دیکھ رہا تھا۔

اُسے جوتوں کی دوکان میں وہی آدمی نظر آیا، جو لڑکیوں کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ قاسم نے اُن دونوں لڑکیوں کو بھی ڈھونڈھ ہی نکالا۔وہ تھوڑے ہی فاصلے پر ایک کار میں

ہوئی تھیں۔

قاسم دوسرے ہی لمحے میں حمید کا شانہ دبوچ کر بولا۔''کیوں.....؟''

''ہاں.....اب تم جاؤ ورنہ تمہارے ابا خفا ہوں گے۔'' حمید ہمدردانہ لہجے میں بولا۔

''حمید بھائی.....میں بالکل مروت نہیں کروں گا۔''

''تم جاتے ہو یا میں کسی ڈیوٹی کانسٹیبل کو بلا کر تمہیں پھر تھانے بھجوا دوں۔''

''اماں جاؤ.....مرگئے بھجوانے والے.....ہاں.....گویا میں بالکل گدھا ہوں۔دیکھوں تو کیسے بھجواتے ہو۔میں تو اس وقت اُن بیچاریوں کو بچانا چاہتا تھا۔''

''تم بچا چکے نا.....!''

''ہاں.....ہاں.....اب اُن کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے۔''

''اچھا تو بس اب جاؤ۔''

''نہیں جاتا.....تمہارے باپ کی سڑک ہے۔'' قاسم بچوں کی طرح الجھ پڑا۔

''قاسم کیوں شامت آئی ہے۔''

''کیا کر لو گے تم میرا.....کوئی میں تمہاری سفارش پر چھوٹا ہوں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔وہ پھر لڑکیوں کی کار کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔مجسٹریٹ شاید چپلوں کے دو جوڑے لے کر واپس آیا تھا۔وہ اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔لڑکیاں پچھلی سیٹ پر تھیں۔حمید نے روحی کو کار سے اترتے دیکھا۔پھر وہ فٹ پاتھ پر چڑھ گئی۔مجسٹریٹ کی کار آگے جا چکی تھی۔حمید نے بڑی تیزی سے سڑک پار کی اور قاسم کار ہی میں بیٹھا منہ پھاڑے ہوئے اُسے گھورتا رہا۔

''ذرا ٹھہریئے.....!'' حمید روحی کے قریب پہنچ کر بولا۔وہ رک کر اُس کی طرف مڑی۔

''اوہ.....ہاں.....کیا بات ہے۔''

''اب مجھے یقین آ گیا ہے۔'' حمید نے آہستہ سے کہا اور روحی اُسے گھورتی رہی اور حمید پھر بولا۔''وہ درحقیقت لفنگا ہے۔اُس نے یقیناً آپ سے بدتمیزی کی ہوگی۔میں چاہتا ہوں کہ آپ پھر اُس کی تھوڑی سی مرمت کر دیں۔''

''کیوں.....!'' روحی پلکیں جھپکاتی ہوئی بولی۔

''بس یونہی.....ورنہ آپ کو بدنام کرتا پھرے گا۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''ابھی مجھ سے کہہ رہا تھا کہ.....آپ.....!''

''ہاں.....ہاں.....کہیئے۔''

''مجھے شرم آتی ہے۔'' حمید نے بڑی معصومیت سے کہا۔

''کہیئے بھی تو.....پھر میں دیکھوں گی کہ آپ کی شرم ضروری تھی یا غیر ضروری۔''

''وہ کہہ رہا تھا کہ آپ اس پر عاشق ہوگئی ہیں اور دیکھئے نا اَب بھی اُس نے آپ کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ وہ اُدھر دیکھئے.....کار میں بیٹھا ہوا ہے۔''

''اوہ.....اچھا.....!'' روحی بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ ''ٹھہریئے! میں اسے اپنی محبت کا یقین دلائے دیتی ہوں۔ چپلیں نئی ہیں اور کافی مضبوط بھی۔''

وہ فٹ پاتھ سے اتر کر قاسم کی طرف بڑھنے لگی۔ قاسم نے اسے اپنی طرف آتے دیکھا۔ تیور کچھ اچھے نظر نہیں آئے اور اس نے حمید کو اس سے باتیں کرتے بھی دیکھا تھا۔ اس لئے اس کی اوندھی کھوپڑی میں بھی یہ بات آ گئی کہ معاملہ کچھ گڑبڑ سا ہے۔

دوسرے ہی لمحے میں اس نے کار اسٹارٹ کی اور مڑ کر دیکھے بغیر اڑتا چلا گیا۔ روحی آدھے ہی راستے سے واپس ہونا پڑا۔ حمید اب بھی وہیں کھڑا تھا۔

وہ اس کے قریب پہنچ کر بولی۔ ''مائی ڈیئر مسٹر سراغ رساں۔ اب گھر واپس جاؤ۔ شام ہو رہی ہے ورنہ اماں ماریں گی سمجھے! جاؤ میرے ننھے بچے۔''

حمید سناٹے میں آ گیا۔ وہ اُسے اتنی فارورڈ نہیں سمجھتا تھا۔

''نائیں.....! اماں بی نے کہا تھا اکیلے گھر مت آنا۔'' حمید نے بچوں کے سے لہجے میں کہا۔ ''تم پانچ بھائی بھی نہیں جو مجھے کہنا پڑے کہ پانچوں آپس میں بانٹ لو۔''

''میں تمہارے لئے مہابھارت ہی ثابت ہوں گی۔ اسے یاد رکھنا.....اب جاؤ.....میں پہلے بھی کیپٹن حمید کی بہتیری تعریفیں سن چکی ہوں۔ لیکن میں دوسری لڑکیوں سے بہت مختلف ہوں۔ اگر تم مجھے زیادہ پسند آئے تو میں تمہیں متلی بھی کر سکتی ہوں۔ میں عورت نہیں مرد ہوں سمجھے

''اسی لئے تھانہ میں رو پڑی تھیں۔''

''کیا تم اپنی بے بسی پر کبھی نہیں روئے۔''

''ہاں رویا ہوں.....مگر انہیں مواقع پر جب بہت دنوں سے کوئی لڑکی نہیں ملی۔''

''تم کیا چاہتے ہو۔''

''کچھ بھی نہیں.....تم جیسی واہیات لڑکیوں سے بھلا میں کیا چاہوں گا۔''

''میں واہیات ہوں.....!'' وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

''واہیات سے بھی بدتر.....!''

''تو پھر تم بھی کچھ دیکھنا چاہتے ہو۔''

''ہاں! مگر وہ تمہاری صورت کے علاوہ ہو تو بہتر ہے۔''

''اچھا اگر بڑے بہادر ہو تو آؤ میرے ساتھ۔'' روحی نے اُسے چیلنج کیا اور حمید سوچ میں پڑ گیا کہ اُسے عورتوں کے کس ریوڑ میں جگہ دی جا سکتی ہے۔ ابھی تو وہ اپنی نوعیت کی ایک ہی ثابت ہوئی تھی۔

''چلو.....میں تیار ہوں۔'' حمید بولا۔

''تم مجھے نہیں جانتے۔ مجھے اس کا اعتراف ہے کہ میں کلاک ٹاور کی گھڑی توڑنا چاہتی تھی۔ تم سوال کرو گے کیوں؟ وہ بھی سن لو۔ میں چاہتی تھی کہ دس بجے سے پہلے ہی وہاں پہنچ جاؤں جہاں جانا تھا لیکن کلاک ٹاور نے دس بجا دیئے اور مجھے گھڑی پر غصہ آ گیا۔ میں کچھ اسی قسم کی کریک ہوں سمجھے۔''

''آہا.....خوب.....مانتا ہوں۔'' حمید نے سر ہلا کر سنجیدگی سے کہا۔ ''اس پر مجھے اپنے غصے کا ایک واقعہ یاد آ رہا ہے۔ مگر چلو کہیں اطمینان سے بیٹھ کر۔''

''یہ بھی ممکن ہے.....میں تم سے خائف نہیں ہوں۔''

''روحی صاحبہ.....!'' حمید نے آگے بڑھتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔ ''اگر لڑکیاں مجھ سے خائف ہوتیں تو آپ تک میری شہرت کا افسانہ کیسے پہنچتا۔''

حمید ایک قریبی ریستوران میں داخل ہو گیا۔ مگر وہ محسوس کر رہا تھا کہ کوئی اس کا تعاقب

کر رہا ہے۔ روحی اس کے پیچھے تھی۔ وہ ایک خالی کیبن میں جا بیٹھے اور حمید کہنے لگا۔

''کسی گھڑی پر دو چار منٹ تک غصہ اتار دینا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ میں نے ایک ساری رات ایک گدھے پر غصہ اتارا تھا۔ گدھے سے مراد آدمی نہیں ہے، جیسے کسی مخصوص کے آدمی کو لوگ گدھا کہہ دیتے ہیں۔ بلکہ سچ مچ کا گدھا..... ہاں تو اتفاقاً ایک بار مجھے ایک ایسے مکان میں قیام کرنا پڑا جس سے ملا ہوا کسی دھوبی کا گھر تھا۔ رات میں اُس کے گدھ نے ہینکنا شروع کیا۔ میری نیند اچٹی اور مجھے غصہ آ گیا۔ بھلا گدھے سے آدمیوں کی سی باتیں کرتا۔ اُسی کی زبان میں اُسے سلواتیں سنانی شروع کر دیں۔ دو چار بار اُسے چیلنج بھی کیا کہ آئے میدان میں..... نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے پڑوسی نے میرے میزبان کے دروازے پر دستک دے کر کہا۔ ''اگر تم مجھے ضد دلاؤ گے تو میں بھی ایک پال لوں گا۔''

روحی ہنسنے لگی اور حمید نے اپنی سنجیدگی کو برقرار رکھتے ہوئے کہا۔ ''بہر حال میں غصے پر بولا۔ ''میرے لئے یہی بہتر بھی ہوتا ہے کہ مجھے لوگوں کے نام نہ معلوم ہوں، ورنہ میری راتوں کی نیند حرام ہو جاتی ہے۔ میں سوچنے لگتا ہوں کہ اگر اس کا نام تفضل حسین ہے تو اس کے باپ کا کیا نام ہوگا۔ کیا تحمل ہوگا کیونکہ تفضل کا قافیہ تحمل ہی ہو سکتا ہے یا پھر زیادہ سے زیادہ تجمل ہوگا۔ خیر چلئے۔ دل کو تھوڑی سی تسکین ملی اور نیند آ گئی۔ دوسرے دن میاں تفضل حسین سے پوچھا بھئی تمہارے باپ کا کیا نام ہے۔ بڑی سعادتمندی سے بولے محمد حیدر بخش..... سنکر میرا سر چکرا گیا۔ پھر بوکھلا کر دادا کا نام پوچھا جواب ملا محمد علی اور میں اپنا سر پیٹ کر خاموش ہو گیا۔ پھر پردادا کا نام پوچھنے کی ہمت نہیں پڑی کہ ممکن ہے کہ اسے سن کر اس سے زیادہ مایوسی ہو۔''

''مایوسی..... بھلا مایوسی کیوں.....!'' روحی ہنسنے لگی۔

''کیوں..... آپ مایوسی کہتی ہیں۔ اس سلسلے میں بعض لمحات ایسے بھی گذرے ہیں کہ میں خودکشی کے امکانات پر غور کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ آپ خود سوچئے اس تجربے کے بعد میری راتیں کیسی گذری ہوں گی۔ مثلاً کسی تہور علی سے ملاقات ہوئی۔ جلدی میں ان کے باپ کا نام پوچھنا بھول گیا اور رات قیامت بن کر آئی۔ اب سوچ رہا ہوں کہ ان کے باپ کا نام تصور علی ہو سکتا ہے کیونکہ قافیہ یہی ہے لیکن پھر خیال آیا کہ جب تفضل حسین کے باپ کا نام محمد حیدر بخش ہو سکتا ہے تو تہور علی کے باپ کا نام شیخ سلاور کیوں نہ ہوگا۔ بس اختلاج شروع

''کیا میں مخل ہوا ہوں۔'' اُس نے خفیف ہونے کی شاندار ایکٹنگ کی۔

''نہیں جناب..... قطعی نہیں! تشریف رکھئے۔'' حمید نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

''آپ سے ملئے.....!'' روحی بولی۔ ''آپ محکمہ سراغ رسانی کے آفیسر کیپٹن حمید ہیں۔''

''اوہ..... اچھا بڑی.....!''

''ظاہر ہے کہ آپ کو خوشی ہوگی۔'' حمید جلدی سے بولا۔ ''کیا رکھا ہے ان رسمی باتوں میں۔ میں تو آپ سے ہرگز آپ کا نام نہیں پوچھوں گا۔''

آنے والا کچھ جھینپا جھینپا سا نظر آنے لگا کیونکہ اُس نے بڑی گرم جوشی کا اظہار کیا تھا لیکن روحی پر اس کا ذرہ برابر بھی اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ بدستور شرارت آمیز انداز میں مسکراتی رہی۔

''میرے بہتیرے ایسے احباب ہیں جن کے ناموں سے میں واقف نہیں ہوں۔'' حمید

ہوگیا۔ تصور علی اور شیخ سلاور میں ٹھن گئی۔ خدا محفوظ رکھے، ساری رات جاگ کر گزار دی۔

''اب آپ خواہ مخواہ میرا وقت برباد کر رہے ہیں۔ آپ باتیں بڑی اچھی کر لیتے ہیں مگر..... مجھے جلدی ہے۔ اچھا پھر کبھی ملاقات ہوگی۔'' روحی نے مصافحہ کے لئے ہاتھ دیا۔ حمید نے اُس سے ہاتھ ملاتے وقت ایک طویل سانس لی اور نشیلی آنکھیں بنا کر سامنے والے کی طرف دیکھنے لگا۔

وہ بھی روحی کے ساتھ ہی اٹھتا ہوا مسکرا کر بولا۔ ''مجھے ایاز کہتے ہیں۔''

حمید نے پہلے تو اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں پھر بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑایا۔

''اب کیا ہوسکتا ہے۔ اب تو سن ہی لیا۔ خدا کے لئے اب اپنے والد کا نام بھی بتا جایئے ورنہ زندگی مجھ پر حرام ہوجائے گی۔''

''باپ کا نام تو ہرگز نہ بتاؤں گا.....!''

''چلو.....!'' روحی اُسے دھکیلتی ہوئی بولی اور وہ دونوں کیبن سے باہر چلے گئے۔

حمید نے اس لڑکی کے متعلق یہی رائے قائم کی تھی کہ وہ صرف موڈی ہے۔ فطرتاً نہیں ہے کہ ہر ایک سے بے تکلف ہوجائے بلکہ زبردستی ایسا کرتی ہے۔

لیکن یہ سب کچھ تھا کیا؟ وہ کافی عرصے سے فریدی کو ایسی لڑکیوں کے چکر میں دیکھ تھا..... حمید کا خیال تھا کہ لڑکیوں میں وقتی طور پر پیدا ہوجانے والا وحشیانہ پن کسی ذہنی مرض کا نتیجہ ہوسکتا ہے لیکن وہ فریدی سے اس بات پر نہیں الجھا تھا۔ الجھتا بھی کیوں جبکہ اسی بہا بھانت بھانت کی لڑکیوں سے ملنے کا اتفاق ہوتا رہتا تھا۔ ویسے فریدی نے آج پہلے خصوصیت سے اُسے کسی لڑکی پر نظر رکھنے کو کہا تھا۔

فریدی اس سلسلے میں کیا کر رہا ہے۔ اس کا علم اُسے نہیں تھا اور نہ اُس نے معلوم کر کوشش ہی کی تھی۔ وہ کافی دیر تک ریستوران میں بیٹھا رہا۔ پھر جیسے ہی کلاک نے چار وہ اٹھ گیا۔

آج کل وہ مستقل طور پر اکتاہٹ کا شکار ہو رہا تھا۔ پتہ نہیں کیوں۔ وجہ خود اُسے بھی معلوم تھی۔ وہ کچھ بجھا بجھا سا رہتا تھا۔ کبھی کبھی سوچتا کہ اُسے اپنے ذہن پر بوریت کی گر

بیٹھنے دینا چاہئے۔ کوشش کرتا کہ اضمحلال کو پاس بھی نہ بھٹکنے دے اسلئے زبردستی اپنے ساتھیوں کو چھیڑ چھیڑ کر قہقہے لگاتا۔ خوب چہکتا لیکن تھوڑی ہی دیر بعد اُسے محسوس ہونے لگتا کہ وہ تو بڑی بور قسم کی باتیں ہیں۔ مثلاً ابھی کچھ ہی دیر پہلے اُس نے روحی کی موجودگی میں چہکنے کی کوشش کی تھی اور اب محسوس کر رہا تھا جیسے اس نے بہت ہی گھٹیا قسم کی باتیں کی ہوں۔ کسی تھرڈ کلاس مسخرے کی طرح دوسروں کو زبردستی ہنسانے کی کوشش کرتا رہا ہو۔

''پھر اس بے نام سی اداسی کو کہاں دفن کروں۔'' وہ آہستہ سے بڑبڑاتا ہوا اٹھ گیا۔

لڑکیاں بھی اب اُسے کھلنے لگی تھیں۔ ویسے عادتاً وہ انہیں دیکھ کر بے چین ضرور ہوجاتا تھا لیکن جب کسی سے گفتگو شروع ہوجاتی تو تھوڑی ہی دیر بعد اُسے وحشت سی ہونے لگتی۔

وہ ریستوران سے باہر نکل کر بڑی دیر تک ادھر اُدھر پھرتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کہاں جائے۔ پتھر اور سیمنٹ کی دیواریں اُسے کھانے کو دوڑ رہی تھیں۔ وہ کھلی ہوا چاہتا تھا۔

وہ ذرا ہی دیر میں روحی اور اس کے ساتھی کے متعلق سب کچھ بھول گیا حالانکہ اُسے ہر حال میں اُن دونوں پر نظر رکھنی چاہئے تھی۔ ایاز اس نے اپنا نام بتایا تھا۔ پتہ نہیں وہ بھی حقیقت تھی یا جھوٹ۔ آدمی مکار قسم کا معلوم ہوا تھا اور پھر اُس کا رویہ بھی مشتبہ تھا۔ حمید نے اُسے اپنا اور روحی کا تعاقب کرتے دیکھا تھا اور پھر اس طرح اُن سے ملا تھا جیسے اُسے کیبن میں حمید کی موجودگی کا علم ہی نہ رہا ہو۔

مگر حمید کی اداسی تجسس کی جبلت پر غالب آگئی تھی۔ اگر کوئی اور موقع ہوتا تو وہ اس آدمی کی اصلیت کا پتہ لگائے بغیر نچلا نہ بیٹھتا۔

وہ ایک فٹ پاتھ پر کھڑا ہوکر سوچنے لگا کہ کہاں جائے۔ اچانک اُسے نیاگرہ ہوٹل کا خیال آیا جو شہر سے باہر ایک پُر فضا مقام پر واقع تھا اور آج کل گرمیوں کے موسم میں وہاں کی راتیں بڑی خوشگوار ہوا کرتی تھیں۔

وہاں آج کل کھلے آسمان کے نیچے رقص ہوتا تھا اور رقص گاہ کے گرد پھولدار جھاڑیوں میں رنگ برنگ کے قمقمے جگمگایا کرتے تھے۔ موسیقی کی لہریں دور تک سناٹے میں منتشر ہوکر بڑی

خوشگوار بازگشت پیدا کرتیں۔

اس نے سوچا کہ اگر وہ کوشش کرے تو یہ رات بڑی خوشگوار ثابت ہوسکتی ہے مگر نیا میں رات گذارنے کے لئے ایوننگ سوٹ ضروری تھا اور ایوننگ سوٹ کے لئے اُسے گھر ضرور جانا پڑتا لیکن گھر پہنچنے پر یہ بھی ممکن تھا کہ وہ نیاگرہ تک جا ہی نہ سکتا۔

اس کا دل چاہا کہ کسی دیوار سے ٹکرا کر ہمیشہ کے لئے قصہ ہی ختم کردے۔ اُسے بیک بیک فریدی پر غصہ آ گیا جو اُسے اپنے رنگ میں ڈھالنے کی کوشش کررہا تھا۔

''آج میں ضرور پیوں گا۔'' وہ جھلائے ہوئے لہجے میں بڑبڑایا۔ ''مجھے شرافت اور انسانیت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

اس نے بڑی تیزی سے سڑک پار کی اور اب وہ ٹیکسیوں کے اڈے کی طرف بڑھ رہا تھا لیکن اس کے فرشتوں کو بھی اس کا علم نہیں تھا کہ ایک دُبلا پتلا چینی اس کا تعاقب کررہا ہے۔ جو کبھی بے خبر ہو کر راہ نہیں چلتا تھا لیکن اس وقت اُس کی ذہنی حالت اعتدال پر نہیں تھی۔

اُس نے ایک ٹیکسی لی اور ڈرائیور سے کاسینو بار چلنے کو کہتا ہوا پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔

تعاقب کرنے والا چینی دوسری ٹیکسی میں بیٹھ چکا تھا۔

بار میں ہنگامہ

قاسم غصے میں پاگل ہو رہا تھا اُسے یقین تھا کہ حمید نے روحی کو اُس کے خلاف ورغلایا ہے اور وہ کسی بُرے ہی ارادے کے تحت اس کی طرف بڑھی تھی۔ اس نے کنکسن کے چوراہے کے قریب اپنی بیوک روک دی اور وہیں حمید کا منتظر رہا۔ وہاں اس لئے رکا تھا کہ حمید خواہ راجرس اسٹریٹ جائے یا اپنے گھر کی طرف اُسے کنکسن کے چوراہے سے ضرور گزرنا پڑے گا۔

قاسم تقریباً تین گھنٹے تک رکا رہا۔ اس نے اپنی گاڑی سڑک کے نیچے اُتار کر کھڑی کردی اور سڑک سے گذرنے والی ہر کار کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گھورنے لگتا تھا۔

تقریباً پانچ بجے حمید اُسے ایک ٹیکسی میں بیٹھا ہوا نظر آیا۔

''ٹھہر تو جانا دغا باز.....!'' اُس نے دھاڑ کر اپنی کار اسٹارٹ کردی اور پھر اتنی جلدی اُسے سڑک پر لایا کہ وہ ایک کار سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ دونوں نے بریک لگائے اور کاروں کے اگلے حصوں میں صرف ایک فٹ یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔

''اندھا.....!'' دوسری کار کا ڈرائیور کھڑکی سے سر نکال کر چیخا۔

''پیچھے ہٹاؤ.....!'' قاسم دہاڑا۔

اور جیسے ہی دوسری کار کے ڈرائیور نے اسے غور سے دیکھا اس کی روح فنا ہوگئی۔ شہر میں قاسم کے باپ کی تقریباً چار درجن ٹیکسیاں چلتی تھیں اور یہ ٹیکسی بھی اتفاق سے انہیں میں سے ایک تھی۔

دوسرے ہی لمحے میں ڈرائیور اُسے آندھی اور طوفان کی سی سرعت سے آگے نکال لے گیا۔ ویسے یہ ضروری نہیں تھا کہ قاسم اپنے یہاں کام کرنے والے سینکڑوں آدمیوں میں سے ہر ایک کو پہچانتا رہا ہو۔

اس نے بھی اپنی کار بڑھائی اور دل ہی دل میں حمید کو گالیاں دیتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ممکن ہے روحی بھی اس کے ساتھ رہی ہو۔

وہ کار کی رفتار تیز کرتا رہا اور اُس کار کو پیچھے چھوڑتا ہوا آگے بڑھ گیا جس سے ٹکر ہوتے ہوتے بچی تھی۔

اس کے بعد جو کار دکھائی دی اس کے متعلق قاسم نے یہی اندازہ کیا کہ وہ ہوسکتی ہے کیونکہ یہی راجرس اسٹریٹ کے سامنے سے گزری تھی۔

قاسم نے رفتار کچھ اور تیز کی اور ٹیکسی کے برابر پہنچ گیا حمید پچھلی سیٹ پر موجود تھا۔ ''قبر تک پیچھا نہیں چھوڑوں گا..... سمجھے۔'' قاسم نے چیخ کر کہا۔

''تم کہاں چلے گئے تھے پیارے.....!'' حمید چہک کر بولا۔ ''دیکھو آخر وہ خفا ہوگئی نا..... تم بھاگے کیوں تھے۔ وہ کہہ رہی تھی ایسے بیوقوفوں سے دور رہنا چاہئے۔''

''ابے تم خود بیوقوف! اپنی گاڑی کو رکواؤ ورنہ لڑا دوں گا۔''

حمید نے ڈرائیور سے رکنے کو کہا۔ اُس کے ذہن میں ایک نئی شرارت جنم لے رہی تھی۔ ٹیکسی رک گئی۔ دوسری طرف قاسم نے بھی کار روک دی تھی۔ اس طرح دونوں کاروں نے سڑک کی پوری چوڑائی گھیر لی تھی۔ اس سلسلے میں انہیں پیچھے آنے والی کاروں سے گندی گندی گالیاں سنائی دیں۔ ٹیکسی ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھا کر سڑک کے اتار دی۔ دوسری کاروں کو آگے بڑھنے کے لئے راستہ مل گیا۔ ان میں وہ کار بھی تھی جس پر کا تعاقب کرنے والا چینی بیٹھا ہوا تھا۔

حمید ٹیکسی کا کرایہ ادا کر کے قاسم کی کار کے قریب آیا۔

''کیا بات ہے۔'' اُس نے قاسم کی ٹھوڑی میں ہاتھ لگا کر کہا۔ قاسم نے کسی روٹھی ہوئی عورت کی طرح اُس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا۔

''تم مجھے اُلو نہیں بنا سکتے..... ہاں.....!''

''میں نے تمہارے ساتھ کوئی بُرائی نہیں کی بلکہ تقریباً دو گھنٹے تک اُسے تمہاری خصوصیات بتاتا رہا ہوں، مگر اُسے یقین نہیں آتا۔''

''کیا بتایا تھا تم نے۔'' قاسم نے اشتیاق ظاہر کیا۔

''یہی کہ شاید تم دنیا کے سب سے زیادہ طاقتور آدمی ہو۔''

''ہاں..... ارے..... ہی ہی ہی..... میں کیا۔''

''واہ..... کیا میں نے غلط کہا تھا۔'' حمید نے انگلی نشست کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''میں نے اُسے تمہارے درجنوں کارنامے سنائے۔''

''پھر اُس نے کیا کہا۔'' قاسم نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

''کہنے لگی اب میں قاسم صاحب کو بہت قریب سے دیکھوں گی۔''

''قاسم صاحب!..... کیا کہا تھا۔'' قاسم نے پُر اشتیاق لہجے میں کہا۔

''دو ایک بار بے خودی میں قاسم پیارے بھی کہہ گئی تھی۔''

''ارے..... نہیں..... جھوٹ..... ہی ہی ہی۔''

''خیر آئندہ ملاقات ہونے پر تم خود ہی حقیقت معلوم کر لو گے۔'' حمید نے کہا اور

بڑی دیر تک ہونٹ بھینچے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر ہنستا رہا۔

حمید نے اب کاسینو بار جانے اور شراب پینے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔

''قاسم.....!'' اُس نے تھوڑی دیر بعد اُسے مخاطب کیا۔

''آں..... ہاں.....!'' قاسم چونک پڑا۔ وہ اپنے ہوائی قلعوں میں کھو گیا تھا۔

''اگر تم تھوڑی سی ہمت کر جاؤ تو کام بن سکتا ہے۔''

''کس طرح.....!''

''جس مرد کو بھی اس کے ساتھ دیکھو پیٹ دو۔''

''ارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ حمید بھائی۔ جب کہو تب۔ ابھی اگر کسی کو دکھا دو تو میں اسی وقت تمہیں اپنا کمال دکھا سکتا ہوں۔''

''نہیں ابھی صبر کرو۔''

''مگر یار حمید بھائی وہ کلاک ٹاور پر پتھراؤ کیوں کر رہی تھیں۔''

''کیا تمہیں یقین ہے کہ انہوں نے کلاک ٹاور ہی پر پتھراؤ کیا تھا۔''

''ارے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔'' قاسم ہنس کر بولا۔

''بڑی شریر لڑکیاں معلوم ہوتی ہیں۔''

''ہاں ہیں تو.....!'' حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر حمید نے کہا۔ ''ہم کیوں نہ راجرس اسٹریٹ ہی چلیں۔ مجھے اس کا مکان معلوم ہے۔ وہ تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہوگی۔''

''کبھی نہیں..... حمید بھائی..... میں بہت بدقسمت آدمی ہوں۔'' قاسم نے گلوگیر آواز میں کہا۔

''دل نہ تھوڑا کرو۔'' حمید نے اُسے تسلی دی۔ ''اسے فضل کرتے دیر نہیں لگتی یار!''

''میں تو سوچتا ہوں کہ اب مر ہی جاؤں۔''

''ہرگز نہیں۔'' حمید سنجیدگی سے بولا۔ ''ایسا نہ کرنا۔ نہیں تو تمہاری بیوی کو بڑی خوشی ہوگی۔''

''ہائیں..... تم نے پھر اس کا تذکرہ چھیڑا۔'' قاسم نے غصیلی آواز میں کہا۔

حمید آہستہ آہستہ پھر بوریت محسوس کرنے لگا تھا لہٰذا اُس نے تیسری بار اپنا ارادہ بدل

دیا۔ اب وہ راجرس اسٹریٹ بھی نہیں جانا چاہتا تھا۔ اُس نے سوچا تھا کہ قاسم کو ایک بار پھر کے ہاتھوں پٹوا دے گا۔ لیکن ان دنوں کسی ایک بات پر طبیعت جمتی ہی نہیں تھی۔ حمید کوشش کہ اپنے ذہن کو کرید کرید کر اس بیزاری کی وجہ دریافت کر لے، مگر کامیابی نہ ہوتی۔

وہ سوچنے لگا کہ اب اُسے اُن لغویات کو چھوڑ کر کوئی ٹھوس کام کرنا چاہئے۔ ممکن ہے طرح بیزاری رفع ہو سکے۔ اُسے یاد آیا کہ فریدی ان دنوں اکثر سنگ سنگ بار کے چکر کاٹ ہے اور فریدی سے تضیع اوقات کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ لہٰذا وہ کسی خاص ہم قسم کا چکر ہوگا۔"

دفعتاً اس نے قاسم سے کہا۔ "مجھے بندرگاہ کے علاقے میں لے چلو۔"

"راجرس اسٹریٹ نہیں۔" قاسم بولا۔

"نہیں اس وقت مناسب نہیں ہے۔ اگر اس کے باپ سے مڈبھیڑ ہوگئی تو سارا کھیل جائے گا۔"

"باپ ہے اُس کا؟" قاسم نے پوچھا۔ اس کے لہجے میں بڑی مایوسی تھی۔

"نہ صرف باپ بلکہ دادا بھی۔ کبھی خان بہادر سجاد کا نام سنا ہے۔"

"ہاں..... ہاں کیوں نہیں۔"

"روحی اُس کی لڑکی ہے۔"

"ہات تیری تقدیر کی.....!" قاسم بسور کر بولا۔ پھر تھوڑی دیر بعد کہنے لگا۔ "نہیں جو بھائی۔ یہ گاڑی نہیں چلے گی۔ وہ والد صاحب کے دوستوں میں سے ہیں۔"

"تم جانو.....!" حمید نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ وہ دراصل اب اس موضوع کو ختم ہی کر دینا چاہتا تھا۔

قاسم نے گرینگ روڈ پر کار موڑی اور اب وہ بندرگاہ کے علاقے کی طرف جا رہے تھے۔ حمید سنگ سنگ بار تک جانا چاہتا تھا۔ یہ بندرگاہ ہی کے علاقے میں تھا اور وہاں کا انڈین بارٹنڈر فریدی اور حمید سے اسی طرح واقف تھا جیسے دنیا کے سارے آدمی ملک الموت سے واقف ہیں۔

حمید نے سنگ سنگ بار سے کافی فاصلے پر کار رکوائی اور نیچے اُتر گیا۔

"میں بھی آؤں۔" قاسم نے پوچھا۔

"نہیں..... اب تم جاؤ۔ میں یہاں ایک سرکاری کام سے آیا ہوں۔"

"اچھا اُس دوسری لڑکی کے متعلق کیا خیال ہے۔" قاسم نے آہستہ سے پوچھا۔

"اس سے کہوں گا کہ وہ تم سے محبت کرنے لگے۔ اب دفع ہو جاؤ۔"

حمید آگے بڑھ گیا۔ لیکن قاسم کی کار جہاں تھی وہیں کھڑی رہی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ حمید کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔"

حمید پیدل ہی سنگ سنگ بار کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس بار کا مالک پی سنگ نامی ایک چینی تھا۔ کئی بار کا سزا یافتہ اور کافی بدنام بھی تھا۔

جیسے ہی حمید نے بار کے اندر قدم رکھا، مریل سے اینگلو انڈین بارٹنڈر نے اُسے خوفزدہ نظروں سے دیکھ کر کاؤنٹر پر پھیلی ہوئی چیزوں کو رکھنا اٹھانا شروع کر دیا۔

لیکن حمید کاؤنٹر کی طرف نہیں گیا۔ چونکہ یہ مہینے کی آخری تاریخیں تھیں اس لئے یہاں زیادہ بھیڑ بھی نہیں تھی۔ کئی میزیں خالی نظر آ رہی تھیں۔ ورنہ ویسے یہاں شام کو تل رکھنے کی بھی جگہ نہیں ہوا کرتی تھی۔ حمید دروازے کے قریب کی ایک میز پر بیٹھ گیا۔ آج کل یہاں کاروبار زتی پر معلوم ہوتا تھا کیونکہ ایک چھوڑ تین تین ویٹر نظر آ رہے تھے۔ ورنہ پہلے تو ایک ہی ویٹر ہوا کرتا تھا اور اکثر بارٹنڈر بھی ویٹر کا کام کرتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ یہ دونوں نئے ویٹر چینی تھے۔ حمید چاروں طرف غور سے دیکھ رہا تھا۔ ایک بار پھر اس کی نظریں بارٹنڈر کی نظروں سے ملیں اور بار ٹنڈر نے سر جھکا لیا۔ حمید نے اُسے دونوں چینی ویٹروں کو کچھ اشارہ کرتے دیکھا۔ اُسے یقین تھا کہ اُس نے اشارہ ضرور کیا ہے۔ وہ اس کا واہمہ نہیں ہو سکتا۔ بہرحال دوسرے ہی لمحے میں اس کے خیال کی تصدیق ہوگئی۔ وہ دونوں چینی ویٹر صدر دروازے کے قریب آ کر کھڑے ہو گئے۔ تیسرا پرانا ویٹر حمید کی طرف بڑھا۔

"آپ کے لئے کیا لاؤں۔" اُس نے حمید سے پوچھا۔

"اور بیئر اسکوائش.....!" حمید نے کہا۔

"نہیں ہے۔"

''تو پھر سادہ پانی میں برف ڈال لاؤ۔''

''گستاخی معاف! یہ بار ہے۔'' ویٹر بولا۔

دفعتاً حمید نے ایک چیخ سنی، جو کسی بند کمرے میں گونجی تھی۔ دوسرے لوگ بھی چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگے تھے۔

بارٹنڈر نے بلند اور کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''کوئی خاص بات نہیں ہے حضرات! ایک ملازم جن کی پوری بوتل چُرا کر صاف کر گیا ہے۔ اسی کی مرمت ہو رہی ہے۔''

لوگ پھر اپنے گلاسوں اور بوتلوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔

حمید ایک بند دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ آواز دراصل اسی کے پیچھے سے آئی تھی۔ نہ جانے کیوں اُسے وہ آواز کچھ جانی پہچانی معلوم ہوئی تھی۔

''یہ سرکاری کام ہو رہا ہے۔'' اچانک اُس نے قاسم کی آواز سنی اور چونک کر مڑا۔ وہ بار پر جھکا ہوا مسکرا رہا تھا۔

''میں کرنل صاحب کو اس کی اطلاع ضرور دوں گا۔'' قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''بڑے پارسا بنتے ہیں۔''

''بیٹھو! بیٹھو!'' حمید نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

قاسم اُس کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس کی پشت کاؤنٹر کی طرف تھی اور وہ بند دروازہ جس سے آواز آئی تھی کاؤنٹر کے پیچھے تھا۔ حمید جانتا تھا کہ پی سنگ اس کمرے کو اپنے آفس کے طور پر استعمال کرتا ہے۔

''بچاؤ..... بچاؤ.....!'' چیخ پھر سنائی دی اور حمید اس بار بیساختہ اچھل پڑا۔ اب اس نے آواز پہچان لی تھی۔ یہ آواز فریدی کے دوسرے اسسٹنٹ سرجنٹ رمیش کی تھی۔ تیسری چیخ نے تو رہے سہے شبہات بھی زائل کر دیئے۔

''قاسم.....!'' حمید قاسم کی طرف جھک کر آہستہ سے بولا۔ ''تم یہ چیخیں سن رہے ہو۔''

''ہاں..... سن رہا ہوں۔''

''یہاں جھگڑا بھی ہو سکتا ہے۔''

''کیوں! کون کرے گا جھگڑا۔''

''دیکھو! میں شروع کرتا ہوں۔'' حمید نے چاروں طرف گھورتی ہوئی نظروں سے دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔ ''تم کاؤنٹر کے پیچھے والے دروازے کو توڑ کر اندر گھسنے کی کوشش کرنا۔ یہ چیخیں سرجنٹ رمیش کی تھیں۔''

چیخ پھر سنائی دی اور یک بیک حمید نے کھڑے ہو کر بارٹنڈر سے کہا۔ ''یہ کون ہے! میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''تم سے مطلب.....!'' ایک چینی غرا کر اُس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ''چپ چاپ بیٹھو ورنہ باہر چلے جاؤ۔''

دوسرے ہی لمحے میں حمید کا گھونسہ اس کی ٹھوڑی پر پڑا اور وہ ایک میز سے ٹکرا کر میز سمیت دوسری طرف الٹ گیا۔ قاسم اٹھ کر کاؤنٹر کی طرف جھپٹا اور ساتھ ہی سامنے آتی ہوئی ہر میز کو الٹتا بھی گیا۔ اب دوسرے چینی نے حمید پر حملہ کیا لیکن اس کا گھونسہ خلا میں ناچ کر رہ گیا۔ حمید بڑی پھرتی سے پیچھے ہٹ گیا تھا۔ چینی نے اس حملے پر اپنی پوری قوت صرف کر دی تھی۔ لہٰذا وار خالی جانے پر وہ اپنے ہی زور میں منہ کے بل فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ تیسرے ویٹر نے حمید پر بوڑے کی بوتل کھینچ ماری لیکن حمید غافل نہیں تھا۔ اس نے اُسے بھی خالی دیا اور وہ ایک گاہک کے سر پر پڑی۔

دوسری طرف قاسم نے بارٹنڈر کو اٹھا کر کاؤنٹر کے باہر پھینک دیا تھا اور اب دروازے پر ٹکریں مار رہا تھا۔ اُسے تو یہی محسوس ہوا جیسے وہ دروازہ توڑ کر اندر جا پڑا ہو۔ لیکن وہ محض اس کا خیال تھا۔ دروازے کے دونوں پٹ محفوظ تھے اور وہ خود پیٹ کے بل فرش پر پڑا ہوا دوبارہ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر وہ ہاتھی جیسا ڈیل ڈول..... اسے آسانی سے اٹھا کر سیدھا کھڑا کر دینا بہت مشکل تھا۔

بیک وقت پانچ آدمی قاسم پر ٹوٹ پڑے، جو اس بند کمرے میں پہلے ہی سے موجود تھے۔

حمید نے وہاں تک پہنچنے میں دیر نہیں لگائی۔

''اُسے ہٹا لے جاؤ۔'' دفعتاً حمید نے پی سنگ کی آواز سنی اور ایک طرف سرجنٹ رمیش کو

بیہوش پڑا دیکھا۔

اُس کمرے میں وہی پانچ آدمی تھے اور چھٹا خود پی سنگ تھا۔ حمید کوشش کرنے لگا طرح قاسم کو اٹھنے میں مدد دے۔ قاسم طاقتور ضرور تھا لیکن اُس میں پھرتی نہیں تھی۔ ہوا کیسے..... کیونکہ وہ حد سے زیادہ جسیم آدمی تھا۔

''اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ ورنہ گولی مار دوں گا۔'' حمید نے پی سنگ کی آواز سنی اور اُسے بھی۔ وہ سامنے کھڑا تھا اور اُس کے داہنے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور کا رخ حمید کیطرف تھا۔

حمید نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔ پانچوں آدمی بھی قاسم کو چھوڑ کر الگ ہو گئے۔ قاسم ہانپتا ہوا اٹھا اور پی سنگ کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر اُس کے دیوتا کوچ کر گئے۔ دھماکے والے اسلحہ سے بہت ڈرتا تھا۔ البتہ ہاتھ پیر کی لڑائی میں وہ شاید رستم سے بھی پیچھے ہٹتا۔ اُس نے بھی ہانپتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

''اسے لے جاؤ۔'' پی سنگ نے بیہوش رمیش کی طرف اشارہ کر کے اپنے آدمیوں سے کہا۔ ''گلی میں وین کھڑی ہے۔''

''پی سنگ کیوں شامت آئی ہے۔'' حمید نے اُسے للکارا۔

''شامت کا حال ابھی معلوم ہوگا۔ میں پی سنگ ہوں سمجھے۔ یہ رمیش تو یہاں آیا ہی نہیں تھا اور تم دونوں میری سیکریٹری مس جوزف کو چھیڑ رہے تھے۔''

اُس نے مس جوزف کو آواز دی اور ساتھ ہی ایک آدمی کو اشارہ کیا کہ وہ کاؤنٹر کی طرف کا دروازہ بند کر دے کیونکہ باہر سے بھی لوگ بار میں داخل ہونے لگے تھے۔

دروازہ بند کر دیا گیا اور ساتھ ہی ایک خوبصورت سی نوعمر اینگلو انڈین لڑکی داہنی طرف کے دروازے سے اندر آئی۔

''یہ دونوں تمہیں چھیڑ رہے تھے مس جوزف۔''

لڑکی نے انہیں خور سے دیکھا اور بولی۔ ''ہاں! انہوں نے مجھے زبردستی اٹھا لے جانے کی کوشش کی تھی۔''

''دیکھا تم نے۔'' پی سنگ نے حمید سے کہا۔

حمید اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے مس جوزف کو گھور رہا تھا۔ اتفاقاً مس جوزف کی نظریں پھر اس کی طرف اٹھ گئیں اور حمید نے بے تحاشہ اُسے آنکھ مار دی۔ لڑکی کے منہ سے گالیوں کا طوفان امنڈ پڑا۔ پی سنگ اس کی طرف دیکھنے لگا۔ حمید موقع کا منتظر ہی تھا۔ اُس نے اسی لئے اُسے آنکھ ماری تھی کہ موجودہ حالت میں کسی قسم کی تبدیلی واقع ہو جائے۔ جیسے ہی پی سنگ کی نظر اس پر سے ہٹی اس نے پی سنگ پر چھلانگ لگا دی۔ پی سنگ دیوار سے جا ٹکرایا لیکن ریوالور حمید کے ہاتھ میں نہیں آ سکا۔ وہ اب پی سنگ کے ہاتھ میں بھی نہیں تھا۔ حمید نے اس کی ناک پر ایک بھرپور ہاتھ رسید کر دیا۔ قاسم اُن لوگوں پر ٹوٹ پڑا تھا، جو رمیش کو اٹھا کر وہاں سے لے جا رہے تھے۔

مس جوزف منمنائی ہوئی سارے کمرے میں ناچتی پھر رہی تھی۔ پی سنگ کمزور آدمی نہیں تھا..... ذرا ہی سی دیر میں بُری طرح ہانپنے لگا۔ وہ اُسے اپنے نیچے دبائے رکھنا چاہتا تھا..... دوسری طرف کاؤنٹر والا دروازہ بڑی شدت سے پیٹا جا رہا تھا اور پھر ایسا معلوم ہونے لگا جیسے اُسے توڑ ڈالنے کی کوشش کی جا رہی ہو۔

''دروازہ کھولو..... پولیس ہے۔'' کسی نے بھاری بھرکم آواز میں کہا۔

پی سنگ کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ خائف ہو گیا ہے کیونکہ دوسرے ہی لمحے میں اُس نے اپنے آدمیوں سے کہا۔ ''رمیش کو یہیں رہنے دو۔ مس جوزف ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ بس اب دروازہ کھول دو۔''

اس بدلتے ہوئے نقشے نے قاسم کے ہاتھ پیر روک دیئے اور پی سنگ پھر بولا۔ ''دیکھو! ٹھہرو! تم پانچوں دوسری طرف سے گلی میں نکل جاؤ اور مس جوزف تم دروازہ کھول دینا۔ جلدی کرو۔ اپنا اسکرٹ دو چار جگہوں سے پھاڑ ڈالو۔''

''قاسم.....!'' حمید نے جلدی سے کہا۔ ''یہ پانچوں یہاں سے نکلنے نہ پائیں۔''

''ان کے باپ بھی نہیں نکل سکتے۔'' قاسم داہنی طرف کے دروازے پر جھپٹتا ہوا بولا۔

ایک بار پھر جدوجہد شروع ہو گئی لیکن دروازہ ٹوٹنے ہی والا تھا، مس جوزف اپنا اسکرٹ پھاڑ رہی تھی۔ اچانک دروازہ ٹوٹا اور آدمی اندر آ گرے، ان میں دو کانسٹیبل بھی تھے۔

پھر آٹھ دس کانسٹیبل اندر گھس آئے ان میں ایک سب انسپکٹر بھی تھا۔

''ارے آپ.....!'' اُس نے حمید کو دیکھ کر کہا۔

''ہاں! یہ لوگ سارجنٹ رمیش کو پکڑ لائے تھے۔'' حمید نے کہا۔

اچانک مس جوزف نے چیخ چیخ کر رونا شروع کر دیا اور پی سنگ دہاڑنے لگا۔ ہے۔ یہ سراسر زیادتی ہے۔ ان لوگوں نے میری سیکریٹری کو زبردستی لے جانا چاہا تھا۔ بہت پٹے ہوئے تھا۔ وہ ادھر پڑا ہوا ہے، اور یہ دونوں ہم پر زبردستیاں کر رہے تھے۔''

''پی سنگ تمہاری بکواس کام نہیں آئے گی۔'' حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''ہاں ہاں.....آپ لوگ بادشاہ ٹھہرے، جو چاہیں کرتے پھریں۔'' پی سنگ ہانپتا ہوا ہوں۔

''تمہارے پاس اس ریوالور کا لائسنس ہے۔'' حمید نے فرش پر پڑے ہوئے ریوا طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''تم یہ نہیں کہہ سکو گے کہ اسے ہم نے استعمال کیا تھا کیونکہ ا دستے پر صرف تمہاری ہی انگلیوں کے نشانات ملیں گے۔''

پی سنگ کا چہرہ اُتر گیا۔

قاسم اور تیسری لڑکی

لڑکی چیخ چیخ کر رونے لگی۔ وہ حمید کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کر مغلظات بھی سنا رہی تھی۔

''کیا قصہ ہے جناب۔'' سب انسپکٹر نے حمید سے پوچھا۔

''سب فراڈ ہے۔ اب یہ لوگ کیس بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آپ وہ ریوالور سے اٹھوا لیجئے۔ نشانات ضائع نہ ہونے پائیں۔''

پھر اس نے پی سنگ سے پوچھا۔ ''تم رمیش کو یہاں کیوں لائے تھے۔''

''میں لایا تھا۔'' پی سنگ غصیلی آواز میں بولا۔ ''تم لوگ زیادتی بھی کرتے ہو پھنسا بھی دیتے ہو۔ مس جوزف ایک اچھے خاندان کی لڑکی ہے۔''

''تم اس کی پرواہ نہ کرو۔ اس کی شایان شان سلوک کیا جائے گا۔''

قاسم کی نظریں اُس لڑکی پر تھیں اور وہ اپنے ہونٹ چاٹ رہا تھا۔

دفعتاً رمیش نے کراہ کر کروٹ بدلی اور حمید اس کی طرف جھپٹا۔ رمیش اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ حمید نے سہارا دے کر اُسے بٹھا دیا لیکن اس کی آنکھیں اب بھی بند تھیں اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیاں دبائے ہوئے تھا۔

''رمیش.....!'' حمید نے اُسے ہلایا۔

رمیش نے آنکھیں کھولیں اور پھر بند کر لیں۔ وہ اتنی سرخ تھیں جیسے خون سے ڈوبی ہوئی ہوں۔

''آپ انہیں سنبھالئے۔'' حمید نے سب انسپکٹر سے کہا۔ ''میں رمیش کو لے جا رہا ہوں۔ اس کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔'' پھر وہ قاسم کی طرف مڑ کر بولا۔

''کیا تمہاری کار کہیں قریب ہی ہے۔''

''آں.....!'' قاسم چونک پڑا۔ وہ لڑکی کو گھورنے میں محو تھا اور کسی ایسی چمگادڑ کی طرح پلکیں جھپکا رہا تھا جو اندھیرے سے اجالے میں پکڑ لائی گئی ہو۔

''اپنی گاڑی یہاں لاؤ۔''

''اچھا.....!'' قاسم نے بھاڑ سا منہ کھول کر کہا اور لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

''ان میں سے ایک کو بھی چھوڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' حمید رمیش کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اٹھاتا ہوا بولا۔

باہر قاسم کی کار موجود تھی۔ اس نے رمیش کو پچھلی سیٹ پر لٹا دیا۔ رمیش ابھی تک کچھ بولا نہیں تھا۔ لہٰذا یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ ہوش ہی میں ہے۔ اس کی آنکھیں بھی بند تھیں۔

وہ سول ہسپتال میں آئے اور وہیں سے حمید نے فریدی کو بھی فون کیا لیکن وہ گھر پر موجود نہیں تھا۔ دوسری جگہوں میں بھی جہاں اس کے ملنے کے امکانات تھے پوچھ گچھ کی گئی..... فریدی کہیں بھی نہ مل سکا۔

رمیش کی عجیب کیفیت تھی۔ وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد اپنی سرخ سرخ آنکھیں کھولتا اور بند کرتا۔ پھر اسی طرح خلاء میں گھورنے لگتا جیسے اُسے کچھ دکھائی ہی نہ دے رہا ہو۔ نہ وہ کسی کی آواز سن رہا تھا نہ کسی کی طرف دیکھتا اور نہ اس کے ہونٹ ہی ہلتے۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سماعت اور بصارت سے محروم ہو گیا ہو۔ ڈاکٹر نے اس کی پیشانی پر ابھری ہوئی نیلے رنگ کی دھاریوں کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا۔ ''حمید صاحب! انہیں بہت سخت قسم کی اذیت دی گئی ہے۔ رسی پھنسا کر اس کا حلقہ اتنا تنگ کیا گیا ہے کہ یہ بیہوش ہو گئے ہیں۔ میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ یہ اندھے یا بہرے نہیں ہو جائیں گے۔'' اور حمید سوچ رہا تھا کہ آخر اُسے اذیت ہی کیوں گئی تھی۔ یہ طریقہ تو کچھ اگلوا لینے ہی کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔ آخر وہ لوگ اس رقم کیا معلوم کرنا چاہتے تھے اور وہاں گیا ہی کیوں تھا۔

وہ اسے ہسپتال ہی میں چھوڑ کر پھر بندرگاہ کے علاقے کی طرف روانہ ہو گیا۔ قاسم بھی اس کے ساتھ تھا۔ اس نے ایک بار بھی حمید سے یہ نہیں کہا کہ اب اُسے واپس جانا چاہئے۔

''اب کہاں!'' قاسم نے اس سے پوچھا۔

''وہیں سنگ سنگ بار۔''

''یار حمید بھائی مجھے افسوس ہے کہ ان میں سے ایک بھی نہیں مر سکا۔ مگر یار وہ جوجو.....الاقسم.....کیا چیز تھی۔''

''مس جوزف.....!'' حمید نے تصحیح کی۔

''کیسی زہریلی گالیاں دے رہی تھی۔'' قاسم ہنسنے لگا۔ ''چلو ہم دونوں قریب قریب ہو گئے۔ میں نے لونڈیوں کے ہاتھ سے مار کھائی تھی۔ تم نے گالیاں سن لیں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ اب وہ مذاق کے موڈ میں نہیں تھا۔ مگر یہ کہنا قطعی غلط ہو گا کہ ہنگامے نے اس کی طبیعت کو پہلے سے بھی زیادہ مکدر کر دیا ہو گا۔ یہ بات نہیں تھی۔ دفعتاً جیسے اب ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی روح پر سے اداسی کا بوجھ اتر گیا ہو۔ وہ بیزاری دھوئیں کی طرح اڑ گئی تھی، جو پچھلے چند ہفتوں سے اس کے ذہن پر مسلط رہی تھی اور اب وہ خود کو پہلے کی طرح کا سدا بہار محسوس کر رہا تھا۔

جب سے اسے کیڈی[1] والا حادثہ پیش آیا تھا وہ کچھ اسی قسم کا ہو گیا تھا۔ اس کے اندر زندگی کی لہر عموماً اسی وقت پیدا ہوتی تھی جب زندگی ہی خطرے میں ہو۔ سنگ سنگ بار میں اس وقت کے ہنگامے نے اس میں نئی روح پھونک دی تھی۔

اس نے قاسم کو اسٹیرنگ پر سے ہٹا دیا تھا اور خود ہی کار ڈرائیو کر رہا تھا اور اتنے وحشیانہ انداز میں ڈرائیو کر رہا تھا کہ قاسم کے ہوش اڑے جا رہے تھے۔ بار بار اُسے ایکسیڈنٹ کا خطرہ محسوس ہونے لگتا مگر چونکہ ہیکٹر قسم کا آدمی تھا اس لئے اپنی کمزوری کا اعتراف نہیں کر سکتا تھا۔

وہ جلد ہی سنگ سنگ بار کے سامنے پہنچ گئے جہاں اب پہلے سے بھی زیادہ بھیڑ نظر آ رہی تھی۔ حمید اور قاسم مجمع میں گھستے چلے گئے۔ اندر سناٹا تھا۔ صرف دو کانسٹیبل وہاں نظر آ رہے تھے۔ حمید کو دیکھتے ہی ایک بولا۔

''صاحب وہ چینی بھاگ گیا۔''

''کیا.....!''

''جی ہاں اور دوسرے تھانے میں ہیں۔ ہم انہیں یونہی لے جا رہے تھے۔ کیونکہ ہمارے پاس ہتھکڑیاں نہیں تھیں۔ بس ہیرا بازار کے قریب پہنچ کر غائب ہو گیا۔''

''غائب ہو گیا۔'' حمید نے حیرت سے دہرایا۔

''جی ہاں! ہمیں تو بالکل یہی معلوم ہوا جیسے وہ یا تو ہوا میں گھل گیا یا پھر اُسے زمین نگل گئی ہو۔ ہم غافل نہیں تھے جناب۔''

حمید سوچ میں پڑ گیا۔ اُسے ابھی تک ان حالات کا علم نہیں تھا جن کے تحت رمیش کی درگت بنائی گئی تھی۔ بہرحال وہ کوئی خاص ہی معاملہ رہا ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا تعلق فریدی کی ذات سے ہو۔

حمید چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اس کی نظر سنگ بار کی بالائی منزل کی طرف اٹھ گئی۔ اس نے ہارڈی کو دیکھا جو اوپر بارجے پر کھڑا سڑک کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہ شہر کے شورہ پشت قسم کے بدمعاشوں میں سے تھا اور بندرگاہ کے علاقے میں خصوصیت سے اس کی دھاک بیٹھی ہوئی

---

[1] گولڈن جوبلی نمبر ملاحظہ فرمایئے

تھی۔ حمید نے سوچا ممکن ہے ہارڈی ہی اس سلسلے میں کوئی مدد کر سکے۔ اُسے یاد آیا کہ فریدی نے ہارڈی کو ایک بہت بڑے جنجال سے بچایا تھا۔ ویسے اُس نے خود اُس کی مدد ضرور کر دی تھی۔ فریدی تنہا تھا اور ہارڈی اپنے چار ساتھیوں سمیت اپنے مخصوص بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ اُس نے فریدی پر بھی بندرگاہ کے علاقے میں اپنی حکومت کا رعب چاہا لیکن اُس دن شاید ہارڈی کا ستارہ گردش ہی میں تھا کہ نہ صرف اُسے بلکہ اُس کے ساتھیوں کو بھی فریدی کے ہاتھوں بُری طرح پٹنا پڑا تھا۔ اس کے بعد فریدی نے نہ صرف معاف کر دیا تھا بلکہ اُسے بہت بڑی مصیبت سے نجات بھی دلائی تھی۔

حمید نے سوچا ممکن ہے ہارڈی پی سنگ کی گرفتاری میں اُسے کچھ مدد دے سکے نے ہاتھ کے اشارے سے ہارڈی کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ ہارڈی نے اُسے دیکھا اور اس کھل اٹھا جیسے اسے اس کا انتظار ہی رہا ہو۔

دو منٹ بعد ہارڈی نیچے آ گیا۔

''کام ادھورا رہا کپتان صاحب۔'' اُس نے آہستہ سے کہا۔ ''مگر یہ سب کچھ ہوا مجھے افسوس ہے کہ پی سنگ نکل گیا۔''

''اوہو! تو کیا آج کل پی سنگ سے تمہارے تعلقات اچھے نہیں تھے۔''

''کبھی اچھے نہیں تھے۔ میں چینیوں کو بالکل پسند نہیں کرتا اور پھر وہ تو انتہائی ہے..... مگر بات کیا تھی کپتان صاحب۔''

''اُس نے سارجنٹ رمیش کو بند کر رکھا تھا، جو ہمیں بیہوشی کی حالت میں ملا۔ اُ تک ہوش نہیں آیا۔''

''اور ایسے مجرم کو انسپکٹر صاحب نے نکل جانے دیا۔'' ہارڈی نے متحیرانہ لہجے میں آہستہ سے بولا۔ ''یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے دو چار ہزار کے نوٹ تھما دیئے ہوں۔''

''خدا جانے.....!'' حمید بولا۔ ''کیا تم اس سلسلے میں میری کچھ مدد کر سکو گے۔''

''بھلا میں کیا مدد کر سکتا ہوں۔''

''پی سنگ نے شہر تو نہ چھوڑ دیا ہوگا۔''

ہارڈی کچھ سوچنے لگا۔ قاسم نے ہاتھ اٹھا کر ایک طویل انگڑائی لی اور اس طرح منہ چلانے لگا جیسے کچھ دیر قبل کھائی ہوئی مٹھائی کا مزہ اب ترشی میں تبدیل ہو گیا ہو۔ ساتھ ہی ایک ٹھنڈی سانس لے کر اُس نے اپنے پیٹ پر بھی ہاتھ پھیرا۔ جسمانی ورزش نے اُس کی بھوک چمکا دی تھی۔

''آپ کی تعریف.....!'' دفعتاً ہارڈی نے قاسم کو نیچے سے اوپر تک دیکھتے ہوئے کہا۔

''کرنل ٹاور۔'' حمید نے سنجیدگی سے کہا اور قاسم گدھے کی طرح پھول گیا اور ہارڈی کی طرف بڑی حقارت سے دیکھنے لگا۔

''محکمے میں نئے ہیں۔'' ہارڈی نے پوچھا۔

''تم مجھ سے پی سنگ کی بات کرو ہارڈی۔''

''پی سنگ۔'' ہارڈی نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ ''اس نے اپنی مٹی پلید کر لی۔ اب نہ وہ شہر چھوڑ سکے گا اور نہ یہی ممکن ہوگا کہ منظر عام پر آئے۔ اُس نے بھاگ کر سخت غلطی کی۔ ایک نہیں ہزار بہانے تھے۔''

''بہانہ تو اس نے بڑا شاندار پیدا کیا تھا۔'' حمید نے مسکرا کر کہا مگر پھر ایک غلطی کر بیٹھا۔ ''اگر وہ ریوالور نہ نکالتا تو ہم اپنی بے گناہی کسی طرح نہ ثابت کر سکتے۔ ریوالور بغیر لائسنس کا تھا اور اس کے دستے پر صرف اسی کی انگلیوں کے نشانات تھے۔ وہ محض اس ریوالور کی وجہ سے بھاگ نکلا ورنہ..... ورنہ ہمیں تارے نظر آ جاتے۔''

''میں کچھ نہیں سمجھا کپتان صاحب۔'' ہارڈی نے پراشتیاق لہجے میں کہا۔

اس پر حمید نے بے کم و کاست پوری داستان دہرا دی۔ قاسم کو بڑا غصہ آیا۔ اُسے بھوک لگی ہوئی تھی اور وہ اس انتظار میں تھا کہ ہارڈی کھسکے تو وہ حمید سے کسی ہوٹل میں چلنے کی فرمائش کرے۔ مگر بات تھی کہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

''اچھا بس! خواہ مخواہ بے تکی ہانک رہے ہو۔'' قاسم غرایا۔

''میں آپ لوگوں کا بدانديش نہیں ہوں جناب۔'' ہارڈی نے کہا۔ ''ہو سکتا ہے کام ہی آ جاؤں۔''

''اسی وقت کام آؤ گے؟'' قاسم نے نڈھال سی آواز میں پوچھا۔

ہارڈی اس کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔ وہ تو اسے محکمہ سراغ رسانی کا کوئی آفیسر سمجھا تھا۔ اس کے کہ وہ اُس جملے کی وضاحت چاہتا حمید بول پڑا۔

''اگر کام ہی آنا ہے تو دیر نہ کرو۔''

''دیکھئے..... میرا خیال ہے کہ پی سنگ اس وقت کارپینٹر کے قمار خانے میں ہوگا۔ میں نے غلط نہیں کہا تھا کہ پی سنگ شہر نہیں چھوڑ سکتا۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ کارپینٹر کے قمار خانے کا مالک دراصل پی سنگ ہی ہے۔''

''میرے لئے نئی اطلاع ہے۔''

''ہے نا!'' ہارڈی چہک کر بولا۔ ''پی سنگ کروڑوں کا آدمی ہے اور اس نے مختلف ناموں سے درجنوں کاروبار کر رکھے ہیں۔''

''اچھا تو پھر ہم کارپینٹر کے قمار خانے ہی میں کیوں نہ چلیں۔''

''ابھی نہیں..... ایک بجے سے پہلے ہرگز نہیں۔''

''اخ بجے۔'' قاسم دہاڑا۔

''جی ہاں..... احتیاط.....!'' ہارڈی جلدی سے بولا۔ وہ اسکے ڈیل ڈول سے بہت مرعوب معلوم ہو رہا تھا۔ حمید نے پھر اُسے اپنی طرف مخاطب کرنے کیلئے کہا۔ ''اچھا تم کہاں ملو گے۔''

''یہیں اپنے فلیٹ میں۔ اب مجھے جانے دیجئے۔ پی سنگ بڑا چالاک ہے۔ وہ جہاں بھی ہوگا اس تک ایک ایک لحظہ کی خبریں پہنچ رہی ہوں گی۔''

''بہتر ہے جاؤ۔'' حمید نے کہا۔ ''میں ساڑھے بارہ بجے تک تمہارا انتظار کسٹم کراسنگ کروں گا! لیکن سونہ جانا۔''

''نہیں جناب ایسا بھی کیا۔'' ہارڈی نے کہا اور اپنے فلیٹ کی طرف چلا گیا۔

''غمید بھائی۔'' قاسم کے حلق سے ایک دردناک سی آواز نکلی۔

''بھوکے ہو!'' حمید نے پوچھا۔

''ہاں.....!''

''مجھے کھا جاؤ۔''

قاسم ہنسنے لگا۔ مگر اس کی ہنسی بڑی بے جان تھی، قہقہے کے اختتام پر بالکل ایسی ہی آواز اُس کے حلق سے نکلی جیسے کوئی گدھا رینک رہا ہو۔

''چلو..... یہاں کوئی ایسا ہوٹل نہیں ہے جہاں تمہارے معیار کے مطابق کھانا مل سکے۔''

حمید کار کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

وہاں سے دونوں آرلیکچو میں آئے جہاں ان کی شخصیتیں گمنام نہیں تھیں۔ خصوصاً قاسم تو ویٹروں سے لے کر منیجر تک کی آنکھوں کا تارا تھا۔ وہ یہاں بیٹھ کر بے تحاشہ کھاتا اور بے تحاشہ پیے بانٹتا۔ کاؤنٹر کلرک ایک اینگلو برمیز لڑکی تھی اس لئے قاسم بلاناغہ یہاں آتا تھا۔ قاسم ایک میز پر جم گیا اور حمید کاؤنٹر پر پہنچ کر سول ہسپتال کے نمبر رنگ کرنے لگا۔ اسے معلوم کرنا تھا کہ فریدی وہاں پہنچا یا نہیں۔ وہاں سے اسے ہولڈ ان کرنے کے لئے کہا گیا کیونکہ فریدی وہاں موجود تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد فریدی کی آواز آئی جو اُسے سول ہسپتال پہنچنے کے لئے کہہ رہا تھا۔

حمید ریسیور رکھ کر قاسم کی میز پر آیا۔

''تم زہر مار کرو..... میں جا رہا ہوں۔''

''جاؤ.....!'' قاسم نے بڑے مخلصانہ انداز میں کہا۔ اُس نے کاؤنٹر کلرک کو حمید کی طرف دیکھ کر بڑے دلآویز انداز میں مسکراتے دیکھا تھا اور اس کی ہڈیاں سلگ گئی تھیں۔ یہ اینگلو برمیز لڑکی قاسم کو بہت پسند تھی کیونکہ وہ اُس سے بھی مسکرا کر ہی گفتگو کرتی تھی۔ وہ ہر گاہک سے مسکرا کر گفتگو کرتی تھی لیکن قاسم کے لئے یہ بھی ناقابل برداشت تھا۔ وہ ہر اُس لڑکی کو اپنی ملکیت سمجھنے لگتا جو اس سے سیدھے منہ بول لیتی۔

حمید چلا گیا۔ قاسم بیٹھا کھانے پر ہاتھ صاف کرتا رہا۔ اس کی میز پر ہمیشہ دو ویٹر ہوا کرتے تھے۔ پتہ نہیں کب کسی آرڈر کے سلسلے میں ایک کی غیر حاضری دوسرے آرڈر کی تعمیل میں حارج ہو جائے۔ کھانے کے دوران میں اس کی فرمائشات کا سلسلہ برابر جاری رہا کرتا تھا۔ اور آج تو اُس نے بھوک کی شدت کی وجہ سے حد ہی کر دی تھی۔ پوری میز پلیٹوں

گلاسوں اور قابوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ اس کے باوجود بھی اگر ایک ویٹر موجود تو دوسرا لازمی طور پر غائب ہوتا۔ وہ تقریباً ایک گھنٹے تک کھاتا رہا۔

آرلکچو کے پرانے گاہکوں کے لئے تو اب وہ عجوبہ نہیں رہ گیا تھا۔ مگر نئے آنے والوں کے لئے تو وہ خاصی دلچسپی کا سامان بن جایا کرتا تھا۔ عورتیں خاص طور سے اُسے دیکھتیں اور پھر ہنس کر اپنے ساتھیوں سے سرگوشیاں کرنے لگتیں۔ اس وقت قاسم کو احساس ہوتا کہ وہ انکو مچی تھی۔ اس کی رنگت گندمی تھی اور چہرہ ملیح تھا۔ ہونٹوں پر ہلکے رنگ کی لپ اسٹک اس کی پرلے سرے کا بیوقوف نظر آتا ہوگا۔ بس پھر اُس سے بوکھلاہٹیں سرزد ہونے لگتیں۔ کبھی شوربے کی پلیٹ اپنے اوپر الٹ لیتا۔ کبھی پانی کی بوتل کی بجائے سرکے کی بوتل گلاس میں الٹ کر پینے لگتا اور پھر جب غلطی کا احساس ہوتا تو بُرا سا منہ بناتے وقت سارا سرکہ پھوار کی شکل میں اس کے ہونٹوں سے اُبل پڑتا۔

آج بھی کچھ اسی قسم کی واردات ہوگئی۔ ہوا یہ کہ قاسم نے کھانے کے بعد کافی طلب کی اور اس انڈونیشی لڑکی میں دلچسپی لیتا رہا، جو اُس کے قریب ہی کی ایک میز پر تنہا بیٹھی تھی۔ اُس کے ہونٹ اور آنکھوں کے نیچے کے اُبھار قاسم کو بہت پسند آئے تھے۔ وہ لڑکی بھی کنکھیوں سے کبھی کبھی قاسم کی طرف دیکھ لیتی تھی۔ قاسم نے اُسے محسوس کرلیا تھا۔ وہ ایک بار نظریں نیچی کئے ہوئے تھا۔ وہ ہانپتا ہوا بیٹھ گیا۔ لوگ اپنی میزوں کی طرف واپس گئے لیکن لڑکی وہیں کھڑی کر کے مسکرائی بھی تھی۔ قاسم اُسے دیکھنے میں اتنا محو تھا کہ اُس نے کافی میں شکر کی بجائے نمک ڈال لیا اور قاسم نے تھوک نگل کر بدقت تمام کہا۔ ''ترشیف..... تشریف..... رر رکھئے۔''

چمچے دانے دار نمک کے ڈال لئے اور پھر عادت کے مطابق ایک بڑا سا گھونٹ لیا، جو منہ میں رکے بغیر حلق سے نیچے اتر گیا۔

''اِع..... ی..... عی.....!'' اس نے ہونٹ پھیلا دیئے اور اُبکائیاں لینے لگا۔ خیریت یہی ہوئی کہ کپ ہاتھ سے چھوٹ فرش پر نہیں گرا۔

''خدا..... تم..... غو..... غارت کرے۔'' وہ ویٹر کی طرف مڑ کر دہاڑا۔

''جی صاحب!'' ویٹر چونک کر بولا۔

''یہ کیسی شکر ہے۔'' قاسم کی غراہٹ پورے ڈائننگ ہال میں سنی گئی۔

''شکر ہے صاحب۔'' ویٹر نے بوکھلا کر جواب دیا۔

''زہر ہے۔'' قاسم اُسی آواز میں چیخا۔ ''چکھو..... اسے..... چکھو نا..... ورنہ میں تمہارے سر پر توڑ دوں گا۔''

کئی لوگ اپنی میزوں سے اٹھ کر ان کے قریب آ گئے اور قاسم زہر ہی زہر کے نعرے لگانے لگا۔ لیکن جلد ہی اس کی آواز دب گئی کیونکہ وہ انڈونیشی لڑکی بھی اٹھ کر اس کی میز کے قریب آ گئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں بھی کافی کا کپ تھا۔ اس نے ویٹر کو ہٹا کر خود قاسم کی کافی چکھی اور پھر اُسے قریب دیکھ کر یکلخت خاموش ہوگیا اور اس نے مسکرا کر پوچھا۔

''کیا بات ہے؟''

''کک..... کافی.....!'' قاسم ہکلایا۔ ''آؤٹ آف..... آرڈر..... معلوم ہوتی ہے۔''

''اوہو..... تو اس پر اتنا غصہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔'' لڑکی اٹھلائی۔ ''آدمی کو اس سانیت کے جامے سے باہر نہ ہونا چاہئے۔''

''جج..... جی..... ہاں..... جہاں..... ٹھیک ہے۔'' قاسم اس وقت صحیح الفاظ ادا کرنے سے قاصر تھا۔ وہ ہانپتا ہوا بیٹھ گیا۔ لوگ اپنی میزوں کی طرف واپس گئے لیکن لڑکی وہیں کھڑی رہی اور قاسم نے تھوک نگل کر بدقت تمام کہا۔ ''ترشیف..... تشریف..... رر رکھئے۔''

''میں محسوس کر رہی ہوں کہ آپکی اصلاح کی ضرورت ہے۔'' لڑکی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''جج..... جی..... ہاں اور کیا۔'' قاسم نے رومال سے اپنے چہرے کا پسینہ خشک کرتے ہوئے کہا۔

''آدمی اور جانور میں کیا فرق ہے۔'' لڑکی نے پوچھا۔

''م..... میں سوچ کر جواب دوں گا..... ابھی..... ذرا ٹھہریئے۔'' قاسم نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ پھر تقریباً ڈیڑھ منٹ بعد مسکرا کر بولا۔ ''آدمی کے دم نہیں ہوتی..... جی ہاں..... اور کیا..... دم ہی تو۔''

''چلئے میں آپ کو بتاؤں کہ انسانیت اور آدمیت کسے کہتے ہیں۔''

''چلو..... کہاں..... ہی..... ہی..... ہی..... ضرور..... ضرور۔''

"میرا ایک اصلاح خانہ ہے۔ میں آپ کو آدمی بنادوں گی۔"

قاسم خوش بھی تھا اور بدحواس بھی۔ اس نے بڑی پھرتی سے بل کے دام چکائے اور اس کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہوگیا..... تھوڑی دیر بعد وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھے کسی نامعلوم منزل کی طرف اڑے جارہے تھے۔ کم از کم قاسم کے لئے تو وہ "منزل" نامعلوم ہی تھی۔ اس نے بھی پوچھنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی کہ وہ اُسے کہاں لے جارہی ہے۔

یہ سفر شاید ایک گھنٹے تک جاری رہا۔ قاسم راستے بھر پچھلی سیٹ پر پڑا آنکھیں بند ہانپتا رہا تھا۔ اس لئے وہ نہ دیکھ سکا تھا کہ ٹیکسی شہر سے نکل کر ویرانے کی طرف جارہی ہے۔ ویسے اگر دیکھ بھی لیتا تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑسکتا تھا۔ ٹیکسی ایک جگہ رکی اور اُسے لڑکی کی مترنم آواز سنائی دی، جو اس سے نیچے اترنے کو کہہ رہی تھی۔ وہ شہر سے یہاں تک ٹیکسی ڈرائیور کے پہلو میں بیٹھ کر آئی تھی، جیسے ہی قاسم کار سے اترا اس کی آنکھوں کے سامنے چنگاریاں اڑنے لگے اور وہ دوسرے ہی لمحے میں کسی تناور درخت کی طرح زمین پر ڈھیر ہوگیا..... لگنے والی ضرب اتنی ہی شدید تھی۔

کیا فریدی پاگل تھا

فریدی کی پیشانی پر سلوٹیں تھیں اور وہ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا..... تھوڑی دیر بعد اس نے حمید سے کہا۔

"رمیش کی حالت قابل اطمینان نہیں ہے۔"

"یعنی.....!" حمید بوکھلا گیا۔ اُسے رمیش سے بڑی محبت تھی۔

"ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ شاید اس کا ذہنی توازن ہمیشہ کے لئے بگڑ جائے۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ پی سنگ نے ایسی جرأت کس طرح کی۔" حمید نے کہا۔

"پی سنگ.....!" فریدی نے اپنا نچلا ہونٹ پھر دانتوں سے دبالیا اور کچھ دیر بعد

"پی سنگ پر بہت عرصہ سے میری نظر تھی۔ رمیش عرصہ سے اُس کی نگرانی کررہا تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ موجودہ کیس سے پی سنگ کا کیا تعلق ہے۔"

"موجودہ کیس سے آپ کی کیا مراد ہے؟"

"وحشی لڑکیاں۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا اور خاموش ہوگیا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ کیس کس طرح سے ہے۔"

"کیوں.....!"

"آپ کا یہی خیال ہے نا کہ یہ کوئی مرض نہیں ہے۔ بالکل اُسی طرح جیسے وہ ناخن اکھاڑ وبا کوئی مرض نہیں تھی۔"

"ہاں میرا خیال یہی ہے۔"

"مگر آپ نے اس کے مقصد پر بھی غور کیا ہے۔"

"یہ بجائے خود مقصد ہے۔"

"وضاحت ہوجائے تو بہتر ہے۔ ورنہ مرنے کے بعد بھی میں.....!"

"وضاحت! قبل از وقت ہوگی۔ تم اسکی پرواہ نہ کرو۔ ہوسکتا ہے میں غلطی ہی پر ہوں۔"

"خیر..... جانے دیجئے! ویسے میری دانست میں اگر لڑکیوں کا یہ وحشیانہ پن بجائے خود ایک مقصد ہے تو اس میں جرم کہاں سے آئے گا اور اگر جرم ہے تو اس کی نوعیت کیا ہے۔ اگر ایک لڑکی کسی دوکاندار کو چاقو ماردیتی ہے یا اگر کوئی لڑکی اپنے باپ پر چاقو لے کر دوڑتی ہے یا کلاک ٹاور پر پتھراؤ کرتی ہے تو آپ ان سارے واقعات کو ایک ہی رشتے میں کیسے منسلک کریں گے۔ ناخن اکھاڑ وباء کا شکار تو ملک کے بہت بڑے بڑے لوگ ہوتے تھے اور اس کا مقصد یہ تھا کہ قوم کو بہترین قسم کے دماغوں سے محروم کردیا جائے۔ مگر اس کیس میں!"

"ہاں ٹھیک ہے! واقعات ایسے ہی ہوتے ہیں کہ انہیں ایک رشتے میں منسلک نہیں کیا جاسکتا لیکن کیا یہ بات حیرت انگیز نہیں ہے کہ صرف طالب علم لڑکیاں ہی اس وباء کا شکار ہورہی ہیں اور لڑکیاں بھی وہ جو مالدار طبقے سے تعلق رکھتی ہیں۔"

"یہی تو میں پوچھ رہا ہوں کہ مقصد کیا ہے۔"

"یہ ابھی نہیں بتا سکتا۔ خود مجھے بھی معلوم نہیں..... لیکن۔"

فریدی پھر کچھ سوچنے لگا۔

حمید نے اپنے پائپ میں تمباکو بھری اور اُسے سلگاتا ہوا بولا۔ "ویسے جہاں تک روحی کا تعلق ہے اُس سے گفتگو کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وہ کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی ہے اور کچھ اس انداز میں کہ ساتھ ہی ساتھ چیلنج بھی کرتی جاتی تھی کہ سرکاری سراغرساں بھی اسے نہ معلوم کر سکیں گے جو کچھ وہ چھپانے کی کوشش کر رہی ہے۔"

"لیکن تم اُسے یاد رکھنا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "وہ لڑکی ہماری معلومات کا ذریعہ ضرور بنے گی۔"

"یعنی آپ کو توقع ہے کہ وہ خود ہی سب کچھ اُگل دے گی۔ برضا و رغبت۔"

"نہیں بلکہ وہ ہمیں شکست دینے کے خبط میں مبتلا ہو کر یقینی طور پر حماقتیں کرے گی۔"

"یہ ستاروں کی چال کے مطابق پیشین گوئی ہے یا آپ کی جمالیاتی حس۔"

"تم مجھ پر طنز کر رہے ہو۔" فریدی مسکرایا۔

"نہیں میں نہایت شرافت سے گفتگو کر رہا ہوں۔ ویسے میں آپ کو مطلع کر دوں کہ قاسم اُسے اپنی طرف متوجہ کی فکر میں ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ یہ پیشین گوئی محض اس کی افتادِ طبع کی بناء پر تھی۔"

"خیر!" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "اب میں ہارڈی سے ملنے جا رہا ہوں۔"

"جاؤ.....!" فریدی بولا۔ "مگر میرا دل نہیں چاہتا کہ ہارڈی پر اعتماد کر لوں۔"

"پی سنگ سے اُس کے تعلقات اچھے نہیں ہیں۔" حمید نے کہا۔ "مجھے اس کا علم ہے۔ ہارڈی سمجھتا ہے کہ بندرگاہ کے علاقہ پر خود چھایا ہوا ہے، اور پی سنگ! وہ تو وہاں کا بے تاج بادشاہ سمجھا ہی جاتا رہا ہے حالانکہ دونوں میں آج تک کھلم کھلا ٹکراؤ نہیں ہوا، مگر اندرونی حالات سے میں بے خبر نہیں ہوں۔"

"تمہاری مرضی..... ویسے محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔"

"تو آپ بھی چلئے نا۔"

"میں بے بس تو نہیں ہوں کہ ہارڈی جیسے چھچھورے آدمیوں سے مدد طلب کروں۔"

"طاقت والے کیس میں کیا ہوا تھا۔" حمید کا لہجہ پھر طنزیہ ہو گیا۔

"میرے گھونسوں نے اُس سے حقیقت اُگلوائی تھی..... اب تم جا سکتے ہو۔ میرا دماغ نہ چاٹو لیکن گاڑی نہ لے جانا۔"

"ہائیں..... پیدل!"

"جاؤ..... میرا وقت نہ برباد کرو۔"

حمید لباس تبدیل کر کے باہر آیا۔ کچھ دور پیدل چلنے کے بعد ایک ٹیکسی لی اور کسٹم کراسنگ کی طرف روانہ ہو گیا۔

ہارڈی کے معاملے میں اس نے فریدی کو مطمئن کرنے کی کوشش ضرور کی تھی۔ مگر اب خود بھی مطمئن نہیں تھا۔ فریدی کے اندازے بہت کم غلط ثابت ہوا کرتے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں ہارڈی سچ مچ نہ دھوکا دے جائے مگر اب تو چل ہی پڑا تھا۔ واپسی پر بڑی مضحکہ خیز ہوتی۔ فریدی اس پر ضرور پھبتیاں کستا۔ اس نے سوچا کہ وہ کارپینٹر کے قمارخانے میں قدم بھی نہ رکھے گا۔ اس طرح ہارڈی کا بھی امتحان ہو جائے گا۔"

کسٹم کراسنگ پر ہارڈی اس کا منتظر تھا۔

"کیا آپ تنہا ہیں۔" اس نے حمید سے پوچھا۔

"نہیں تم بھی تو ہو میرے ساتھ.....!" حمید اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔

"تب پھر میں آپ کو اس کا مشورہ نہیں دوں گا کہ آپ کارپینٹر کے قمارخانے میں قدم بھی رکھیں۔ وہ بہت بُری جگہ ہے۔ آپ کو اس کا علم ہے کہ وہاں غیر قانونی طور پر جوا ہوتا ہے لیکن کیا ایک بار بھی پولیس کا چھاپہ کامیاب ہو سکا ہے؟"

"ٹھیک ہے! ابھی تک ہم اُسے قمارخانہ نہیں ثابت کر سکے۔" حمید بولا۔

"پھر یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ آپ وہاں تنہا جائیں۔"

"میں بھیڑ بھاڑ بالکل نہیں پسند کرتا۔" حمید نے جواب دیا۔

"شعلوں کا ناچ" جلد نمبر 16 ملاحظہ فرمائیے۔

''میں کب کہتا ہوں کہ آپ اپنے ساتھ دس پانچ آدمی اندر لے جایئے۔ وہاں تو بس دو ہی جائیں گے۔''

''پھر تم کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''کم از کم دس آدمیوں کو باہر موجود رہنا چاہئے جو ضرورت پڑنے پر اندر بلائے جا سکیں۔''

''لیکن اس وقت ایسے آدمیوں کا مہیا ہونا ممکن نہیں ہے۔ ویسے غالباً تمہاری مراد پولیس لباس والوں سے ہے۔''

''جی ہاں! میں یہی چاہتا ہوں۔ کم از کم دس سادہ لباس والے۔''

''بہت مشکل ہے..... آؤ تم ڈرتے کیوں ہو۔''

''میں ڈرتا نہیں ہوں۔'' ہارڈی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ ''میں نے تو آپ ہی کے بھلے کے لئے کہا تھا۔ رہ گیا میرا معاملہ تو وہ خود کار پینٹر کا قمار خانہ ہو خواہ محکمہ سراغرسانی کا دفتر میں ہر جگہ اپنی ہی ایک منفرد حیثیت رکھتا ہوں۔''

''چلو بیٹھو.....!'' حمید نے اُسے ٹیکسی میں دھکیلتے ہوئے کہا۔ ''مجھے بھی سب جانتے ہیں۔ خواہ وہ کار پینٹر کا قمار خانہ ہو خواہ کسی درزی کی دوکان۔''

''آپ کی مرضی۔'' ہارڈی ٹیکسی میں بیٹھتا ہوا بڑبڑایا اور ٹیکسی پھر چل پڑی۔ حمید ہارڈی کے پاس ہی پچھلی سیٹ پر موجود تھا۔

''سارجنٹ رمیش والے معاملے کے متعلق کرنل صاحب کا کیا خیال ہے۔'' ہارڈی نے پوچھا۔

''پتہ نہیں! شام سے اب تک میری اور ان کی ملاقات نہیں ہو سکی۔ رمیش کی حالت بہت نازک ہے۔ ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ ہوش میں آنے کے بعد وہ پاگل ہو جائے گا۔''

''یعنی واقعی ..... پی سنگ کی شامت آ گئی ہے۔'' ہارڈی اس طرح بڑبڑایا جیسے خود سے مخاطب ہو۔

کار پینٹر کے قمار خانے سے تھوڑے فاصلے پر انہوں نے ٹیکسی چھوڑ دی اور پیدل ہی آگے بڑھے۔ دفعتاً ہارڈی نے رک کر کہا۔ ''ہم گویا موت کے منہ میں کودنے جا رہے ہیں۔ میں ایک بار پھر آپ کو باز رکھنے کی کوشش کروں گا۔ اگر پی سنگ وہاں موجود ہو تو وہاں سے

باہر نکلنا مشکل ہو جائے گا۔''

''ہاں! ایک بات میں مان سکتا ہوں کہ قمار خانے والے میری صورت دیکھتے ہی بھڑک جائیں گے۔''

''یہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں۔'' ہارڈی بولا۔

''اچھا تو پھر ایک دوسری صورت بھی ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''اس طرح شاید میں کسی قسم کے خطرے میں پڑے بغیر ہی کامیاب ہو جاؤں۔''

''وہ کیا.....؟''

''صرف تم اندر جاؤ..... اگر پی سنگ موجود ہو تو مجھے مطلع کر دینا۔ پھر اس کے فرشتے بھی وہاں سے نہ نکل سکیں گے۔''

''اب آپ آئے ہیں قرینے پر۔'' یہی میں بھی چاہتا ہوں۔ اچھا آپ پچن بار میں میرا انتظار کیجئے۔ میں نے اپنی طرف سے یہ تجویز پیش کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا کہ کہیں آپ کو میری نیت میں فتور نہ نظر آنے لگے۔

''ارے..... واہ.....!'' حمید ہنسنے لگا۔ ''اگر مجھے تم پر اعتماد نہ ہوتا تو یہاں تک آتا ہی کیوں اور اگر آتا بھی تو تنہا کبھی نہ آتا۔''

ہارڈی اسے وہیں چھوڑ کر ایک نیم روشن گلی میں گھس گیا اور حمید ٹہلتا ہوا پچن بار کی طرف چلا جو یہاں سے صرف دو سو قدم کے فاصلے پر تھا۔

لیکن وہ ابھی اس کے دروازے کے قریب بھی نہیں پہنچا تھا کہ ایک آدمی بڑی تیزی سے دوڑتا ہوا اس کے قریب سے نکلا اور کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر فٹ پاتھ پر گر پڑا۔

''ارے.....!'' حمید کے منہ سے بیساختہ نکلا۔ یہ گرنے والا ہارڈی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ حمید جھپٹ کر اُسے اٹھانے لگا۔

''اوہ..... کیپٹن!'' ہارڈی بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ ''وہ نکلا جا رہا ہے۔ وہ اُدھر۔'' اُس نے بڑی تیزی سے مڑ کر مخالف سمت میں اشارہ کیا۔ سڑک سنسان تھی اور تھوڑے ہی فاصلے پر صرف ایک چلتی ہوئی کار کا عقبی حصہ دکھائی دے رہا تھا۔

پھر وہ اچھل کر کھڑا ہوتا ہوا متاسفانہ لہجے میں بولا۔ ''کیا کریں..... وہ نکل جا
ٹیکسی بھی نہیں ہے۔''

پھر دفعتاً وہ سڑک کے دوسرے کنارے کی طرف دوڑنے لگا۔ حمید نے بھی اس کا
دیا۔ دوسری طرف فٹ پاتھ سی لگی ہوئی ایک موٹر سائیکل کھڑی تھی۔

ہارڈی نے اُسے بڑی پھرتی سے اسٹارٹ کیا اور کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''بیٹھ جا
''پتہ نہیں کس کی ہو۔'' حمید بڑبڑایا۔

''قانون آپ کا ساتھ دے گا کیونکہ آپ ایک مجرم کا تعاقب کر رہے ہیں..... چلو
حمید کیریئر پر بیٹھ گیا اور دوسرے ہی لمحے میں موٹر سائیکل ہوا سے باتیں کرنے لگی۔

''واہ رے مقدر.....!'' ہارڈی ہنس کر بولا۔ ''موٹر سائیکل بھی واٹر کول انجن کی
بالکل بے آواز۔''

اگلی کار شہر سے ویرانے کی طرف جا رہی تھی۔ شہر سے نکلتے ہی ہارڈی نے موٹر سائیکل
ہیڈ لائٹ بجھا دی۔

''یار کہیں ایکسیڈنٹ نہ کر بیٹھنا۔'' حمید بڑبڑایا۔

''میں اناڑی نہیں ہوں کپتان صاحب!''

حمید دل ہی دل میں اس کی پھرتی اور مستعدی کی تعریف کر رہا تھا۔ اگلی کار کی رفتار
تیز تھی۔ اس میں اور موٹر سائیکل کے درمیان دو فرلانگ کا فاصلہ ضرور رہا ہوگا۔ اچانک ایک
کار رک گئی اور ادھر ہارڈی نے بھی بریک پر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ موٹر سائیکل کی رفتار کم ہوگئی۔

''ہوشیار.....!'' ہارڈی نے تیز قسم کی سرگوشی کی۔ حمید نے پیر نیچے لٹکا دیے۔
سائیکل رک گئی۔ وہ اب بھی کار سے کچھ فاصلے پر تھی۔

حمید کیریئر سے اُتر ہی رہا تھا کہ اچانک اُسے گھٹن کا احساس ہوا۔ کوئی چیز تیزی سے
پر گری تھی اور پھر اُسے ہاتھ پیر ہلانے کا موقع نہ مل سکا۔ وہ سر سے پیر تک ایک کمبل میں لپٹا
تھا۔ اس نے یکلخت اپنے پورے جسم کا زور صرف کر کے اس وبال سے نکلنے کی کوشش کی
کامیاب نہ ہو سکا۔ کیونکہ وہ لوگ تعداد میں پانچ تھے اور پانچوں نے کیکڑوں کی طرح اپنے

اس کے گرد جما دیئے تھے۔ حمید نے ہارڈی کے قہقہے کی آواز سنی جس میں کسی درندے کی سی
غراہٹ بھی شامل تھی۔

پھر اُس کے پیر زمین سے خود بخود اٹھ گئے۔ حمید نے ایک بار پھر رہائی کے لئے جدوجہد
کی لیکن بے سود۔ کمبل میں اس کا دم گھٹ رہا تھا

لیکن جب وہ لوگ اسے اٹھا کر چلنے لگے تو اس کے چہرے پر ہلکی سی ٹھنڈی ہوا لگی جس
کی بناء پر اوسان بجا رکھنے میں مدد مل گئی۔

پھر ایک جگہ اُسے زمین پر پٹخ دیا گیا۔ حمید نے بے تحاشہ جست لگائی اور کمبل سے نکل
گیا۔ ساتھ ہی اُسے کئی تمسخر آمیز قہقہے سنائی دیئے لیکن اسے حسرت نکالنے کا موقع نہ مل سکا
کیونکہ اس کی طرف پانچ ریوالور کی نالیں اٹھی ہوئی تھیں۔ ہارڈی نے بڑھ کر اس کی جیب سے
ریوالور نکال لیا۔

یہ کچی دیواروں کا ایک وسیع کمرہ تھا اور یہاں آٹھ آدمی تھے۔ پانچ وہ جن کے ہاتھوں
میں ریوالور تھے۔ چھٹا ہارڈی ساتواں پی سنگ جس کے ہونٹوں پر ایک شیطانی مسکراہٹ رقص
کر رہی تھی۔ سب سے زیادہ حیرت حمید کو آٹھویں آدمی پر ہوئی۔ یہ آٹھواں آدمی قاسم تھا جسے
ایک کرسی میں بٹھا کر رسیوں سے جکڑ دیا گیا تھا۔ اس کے چہرے پر خون نظر آ رہا تھا اور قمیض
بھی سینے تک خون میں بھیگی ہوئی تھی۔ لیکن وہ بیہوش نہیں تھا۔ تیل سے جلنے والے لیمپ کی
روشنی میں اس کا چہرہ بڑا ڈراؤنا معلوم ہو رہا تھا۔

''حمید صاحب۔'' ہارڈی نے مسکرا کر کہا۔ ''یہ جگہ بڑی پرفضا ہے۔ تھوڑی ہی دور پر ایک
تالاب ہے جہاں مولسری کے کئی درخت ہیں۔ وہیں میں نے آپکی قبر کیلئے جگہ منتخب کر لی ہے۔''

''نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ''میں پہلے طوائفوں کے محلے میں
اپنے لئے زمین الاٹ کرا چکا ہوں۔''

''ذرا ہی سی دیر میں ساری زبانی طراریاں دھری رہ جائیں گی کپتان صاحب۔''

''خبردار حمید بھائی۔'' دفعتاً قاسم دھاڑا۔ ''ان حرامزادوں کو وہ بات ہرگز نہ بتانا۔''

حمید سمجھ گیا کہ وہ اُس سے کچھ پوچھنے کی کوشش کرتے رہے ہیں مگر قاسم کو کس بات کا علم

تھا؟ حمید سوچنے لگا۔ مگر پھر حقیقت اس پر روشن ہوگئی..... موٹی عقل والے بھی اپنی زندگی خطرے میں دیکھ کر حیرت انگیز طور پر عقلمند ہو جاتے ہیں۔ قاسم نے شاید اسی میں اپنی بہتری سمجھی تھی کہ خواہ مخواہ جھوٹ بولتا رہے۔ ہوسکتا ہے کہ اُس نے اُن سے یہی کہا ہو کہ وہ کوئی اہم بات جانتا ہے۔ مگر بتائے گا نہیں کیونکہ ایسی صورت میں عموماً خاموشی ہی پر زندگی کا انحصار ہوا کرتا ہے۔

''بیکار باتوں میں وقت ضائع نہ کرو تو بہتر ہے۔'' پی سنگ نے ہارڈی سے کہا۔

''مجھے تمہارے معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' ہارڈی خشک لہجے میں بولا۔ ''میں نے تو یہ سب کچھ اپنی روح کی تسکین کے لئے کیا ہے۔ ان میں سے اگر ایک کو بھی میں جان سے مار سکا تو سمجھوں گا کہ میری زندگی فضول نہیں ضائع ہوئی۔''

''یہ تم کہہ رہے ہو احسان فراموش کتے!'' حمید گرجا۔

''ہاں میں کہہ رہا ہوں۔ تمہیں ایسی اذیتیں دے کر ہلاک کروں گا کہ.....!''

''کیپٹن حمید!'' پی سنگ کی آواز ہارڈی کی آواز پر حاوی ہوگئی اور ہارڈی اپنا نچلا ہونٹ چبانے لگا۔ وہ خاموش ہوگیا لیکن نفرت سے ہونٹ سکوڑتے ہوئے دوسری طرف دیکھتا رہا۔

''کیپٹن حمید!'' پی سنگ بولا۔ ''تم لوگ کس چکر میں ہو۔''

''میں تو مس جوزف کے چکر میں ہوں۔ دوسروں کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

''شاباش حمید بھائی۔'' قاسم نے قہقہہ لگایا۔ ''ڈرنا مت۔''

قاسم نے یہ قہقہہ زبردستی لگایا تھا۔ حمید نے اسے محسوس کرلیا۔

''یہ کبھی نہیں بتائیں گے۔'' دفعتاً پی سنگ کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا اور اس نے اپنے آدمیوں سے کہا۔ ''اسے بھی باندھ دو اور انگیٹھی میں کوئلے دہکاؤ۔''

''آہا..... اب تم نے کام کی بات کی ہے۔'' ہارڈی بیساختہ ہنس پڑا۔ ''یہ خدمت مجھے سونپ دو۔ میں اس کے جسم کی ساری چربی نکال لوں گا۔''

حمید کو بھی ایک کرسی میں گرا کر ہاتھ پیر رسیوں سے جکڑ دیئے گئے۔ اس نے بہت کوشش کی کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکیں لیکن یہ محال تھا کیونکہ بیک وقت چھ آدمی اُس سے لپٹ پڑے تھے اور پی سنگ نے ریوالور سنبھال لیا تھا۔ آخر کار انہوں نے حمید کو بے بس کر کے

باندھ ہی لیا۔

''ابے تم لوگ بالکل عورت ہو۔'' قاسم بڑبڑایا۔ ''صرف میرا ایک ہاتھ کھول دو پھر میں تمہیں تماشا دکھاؤں۔''

''تمہاری یہ حسرت بھی پوری کردی جائے گی۔'' ہارڈی مسکرا کر بولا۔ ''مگر سب سے پہلے تماشا پیش کرنے کا فخر ہم حاصل کریں گے۔''

ایک آدمی باہر چلا گیا۔ غالباً وہ انگیٹھی میں کوئلے دہکانے کے لئے گیا تھا۔ ہارڈی پھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اچانک سناٹے میں ایک نسوانی چیخ گونجی ''بچاؤ..... بچاؤ۔''

''یہ کون ہے؟'' پی سنگ نے ہارڈی سے پوچھا جو دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''پتہ نہیں۔'' ہارڈی نے رک کر کہا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا۔ پھر پی سنگ کی طرف مڑے بغیر بولا۔ ''کیا یہاں کوئی عورت بھی تھی۔''

''تھی۔'' پی سنگ نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ ''مگر اب نہیں ہوسکتی۔ میں نے اُسے واپس جانے کی تاکید کردی تھی..... اور!''

چیخ پھر سنائی دی لیکن اس بار ایسا معلوم ہوا تھا جیسے یہ آواز دور سے آئی ہو۔ یقینی طور پر پہلی چیخ کی آواز اتنی دور سے نہیں آئی تھی۔

''جاؤ دیکھو.....!'' پی سنگ نے اپنے آدمیوں سے کہا۔

چاروں آدمی باہر نکل گئے۔ ہارڈی نے بھی جانا چاہا لیکن پی سنگ بول پڑا۔

''تم یہیں ٹھہرو گے۔'' اس کا لہجہ تحکمانہ تھا۔

''کیوں.....؟'' ہارڈی غرا کر پلٹا۔ شاید اسے اس کا لہجہ ناگوار گزرا تھا۔

''تم میرے ساتھ ہی باہر نکلو گے۔''

''تم ہوش میں ہو یا نہیں..... کیا میں تمہارے باپ کا نوکر ہوں۔''

''نہیں تم تو میری محبوبہ کے نوکر کے باپ ہو۔'' حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ ''ویسے پی سنگ تم بڑے کمینے معلوم ہوتے ہو۔ ہارڈی نے تمہارے لئے کتنی محنت کی ہے، اگر میں ہارڈی کی جگہ ہوتا تو مار مار کر تمہارا بھرکس نکال دیتا۔''

''شٹ اپ.....!'' پی سنگ چیخا۔

''سچی بات کڑوی لگتی ہے۔ ہارڈی تم سے کمزور نہیں ہے۔'' حمید بولا۔

اس وقت پی سنگ کے ہاتھ میں ریوالور نہیں تھا۔ اُسے وہ پہلے ہی جیب میں ڈال چکا تھا۔ دفعتاً ہارڈی نے پی سنگ پر چھلانگ لگادی لیکن پی سنگ کی بجائے وہ دیوار سے جا ٹکرایا۔ پی سنگ دور کھڑا جیب سے ریوالور نکال رہا تھا۔

''تم اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کرو گے۔'' اس نے آہستہ سے کہا اور ہارڈی جہاں تھا وہیں تھم گیا۔

''پی سنگ.....ریوالور زمین پر ڈال دو۔'' دروازے سے فریدی کی آواز آئی۔

پی سنگ کی پشت دروازے کی طرف تھی۔

پی سنگ نے چپ چاپ ریوالور زمین پر ڈال دیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں ایسا معلوم ہوا جیسے وہ اڑ کر کھڑکی سے گذر گیا ہو۔ ساتھ ہی ایک فائر بھی ہوا لیکن حمید کی دانست میں اس نے کارتوس ہی برباد کیا تھا۔ پی سنگ کے مقابلے میں وہ اس وقت کم پھرتیلا ثابت ہوا تھا۔

حوالات میں حُسن

''آہا..... ہارڈی! تم اس کی نقل کر کے کامیاب نہیں ہو سکتے۔'' فریدی نے کہا۔ وہ فی الحال گیا۔ ایسا احمق نہیں ہے کہ دوبارہ پلٹ کر خود کو خطرے میں ڈالے۔

''نہیں کرنل۔'' ہارڈی جواباً مسکرایا۔ ''مجھے بھاگنے کی کیا ضرورت ہے، میری نیت صاف تھی۔''

''ذرا اس کی بھی وضاحت کر دو۔''

''میں جانتا تھا کہ آپ آئیں گے۔ اگر میں ڈرامہ نہ کھیلتا تو پی سنگ کا پھنسنا مشکل تھا لیکن آپ کی جلد بازی نے سارا کھیل بگاڑ دیا۔''

''اوہو! تو گویا تم نے مصلحتاً یہ سب کچھ کیا تھا۔''

''جی ہاں! اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا تھا۔ اگر میں کپتان صاحب کو پہلے ہی سب

بتا دیتا تو میں اتنی سچی اداکاری کبھی نہ کر سکتا۔''

''ان دونوں کو کھول دو۔'' فریدی نے قاسم اور حمید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں کھول دوں گا۔'' ہارڈی نے کہا۔ ''لیکن آپ پی سنگ کو دیکھئے۔ اگر اُسے موقع مل گیا تو ہمارا یہاں سے نکلنا مشکل ہو جائے گا۔''

''میں تمہارے مشورے کا محتاج نہیں ہوں۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ ''جو میں کہہ رہا ہوں کرو۔''

''شاید آپ میری طرف سے بدگمان ہیں۔''

''ہارڈی!'' فریدی غرایا۔

ہارڈی چپ چاپ آگے بڑھا اور حمید کو کھولنے لگا۔ وہ کنکھیوں سے فریدی کی طرف بھی دیکھتا جا رہا تھا لیکن فریدی خاموش کھڑا رہا البتہ ریوالور کا رخ اب بھی ہارڈی ہی کی طرف تھا۔

حمید نے چھوٹتے ہی ہارڈی پر حملہ کر دیا۔

''خبردار.....نہیں۔'' فریدی نے سخت لہجے میں کہا اور حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے پیچھے ہٹ گیا۔

ہارڈی کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔ وہ فریدی جیسے آدمی کی طرف سے مطمئن نہیں ہو سکتا تھا۔ اچانک باہر قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور پی سنگ کے پانچوں آدمی کمرے میں داخل ہوئے۔ لیکن جیسے ہی اُنکی نظر فریدی پر پڑی انہوں نے دروازے کی طرف پلٹنا چاہا۔

''ٹھہرو.....!'' فریدی نے انہیں للکارا۔ ''اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔''

وہ سب جہاں تھے وہیں رک گئے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ بھی اٹھا دیئے۔ کیونکہ وہ اس وقت خالی ہاتھ تھے۔

''تم لوگ مجھے اچھی طرح جانتے ہو گے۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ''میری عادتوں سے بھی واقف ہو گے۔ نہ واقف ہو تو سنو! میری ٹریگر پر رکھی ہوئی انگلی بعض اوقات رکنا نہیں جانتی۔''

وہ کچھ نہیں بولے۔ چپ چاپ ہاتھ اٹھائے کھڑے رہے۔ اتنی دیر میں حمید قاسم کو بھی کھول چکا تھا اور قاسم ان پانچوں کو اس طرح گھور رہا تھا جیسے کچا ہی چبا جائے گا۔

''فریدی صاحب! کیا میں ان سالوں کو سنبھال لوں۔'' قاسم نے پوچھا۔

''نہیں.....!'' فریدی نے جواب دیا۔ پھر حمید سے بولا۔ ''انکی جیبوں سے ریوالور

حمید نے بڑی تیزی سے ان کی جامہ تلاشی لے کر پانچ ریوالور برآمد کر لئے پھر

کا اشارہ پا کر ہارڈی کو بھی ٹٹولنے لگا لیکن اُس کے پاس سے ایک بڑے چاقو کے علاوہ

نہ نکلا۔ اب فریدی نے ان پانچوں کو مخاطب کر کے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

''ہارڈی کو مارو۔''

''یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔'' ہارڈی اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

''دوسری صورت میں تم ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جاؤ گے ہارڈی۔ فریدی حفاظ

اختیاری کے سلسلے میں ایک نہیں دس آدمیوں کو جان سے مار سکتا ہے اور میں تم لوگوں کو

ہوں کہ میرے حکم کے خلاف تمہارا ایک قدم بھی تمہیں موت ہی کی طرف لے جائے گا

مارو..... ہارڈی کو۔ نہیں قاسم! تم صرف دیکھو گے۔ پیچھے ہٹو۔''

قاسم بُرا سا منہ بنائے ہوئے پیچھے ہٹ گیا۔

وہ لوگ ہارڈی ہی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ لیکن انداز سے ایسا نہیں معلوم ہوتا تھا

اُس پر ہاتھ اٹھانے کی بھی جرأت کر سکیں گے۔

''اچھا تو پھر تم ہی ان لوگوں کو مارو۔'' فریدی بولا لیکن اس کی سنجیدگی میں ذرہ برا

فرق نہیں آیا تھا۔

''آخر آپ کی منشاء کیا ہے۔''

''کیا تم ابھی تک نہیں سمجھ سکے۔'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ ''حالانکہ میں

زبان میں گفتگو کر رہا ہوں۔ خیر چلو تمہاری خاطر ایک بار پھر دہرا دوں۔ کم سے کم الفاظ

مطلب یہ ہے کہ یا تو تم ان لوگوں کے ہاتھوں پٹو یا انہیں پیٹو۔''

''میں پیٹ دوں سب سالوں کو۔'' قاسم نے لجاجت آمیز لہجے میں پوچھا۔

''نہیں! میں نہیں چاہتا کہ ہارڈی جیسے ذلیل احسان فراموش کتے کو کوئی شریف

ہاتھ بھی لگائے۔''

اُس نے ان پانچوں آدمیوں کو پھر ٹوکا اور ساتھ ہی اُس کے ریوالور سے ایک شعلہ بھی

نکلا۔ اُن میں سے ایک کی فلک ہیٹ اڑ گئی اور وہ بدحواسی میں اچھل کر ہارڈی پر جا پڑا۔ ہارڈی

نے اُسے فریدی کی طرف دھکیل دیا۔ فریدی سو نہیں رہا تھا۔ اُس نے پیچھے ہٹ کر ایک لات

اُسے رسید کر دی اور وہ پھر ہارڈی ہی پر جا گرا۔ لیکن اس بار اُس نے ہارڈی کی گردن پکڑ لی اور

ہارڈی نے اس کے جبڑے پر دو تین مکے رسید کر دیئے بس پھر کیا تھا۔ جنگ شروع ہو گئی۔ وہ

چاروں بھی ہارڈی پر پل پڑے۔

حمید فریدی کی اس حرکت کو بڑی حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ یہ ایک بالکل ہی انوکھا خیال تھا

یعنی فریدی ہارڈی کو ان لوگوں سے پٹوا رہا تھا جن کی اس نے مدد کی تھی۔ ہارڈی کے لئے اس

سے زیادہ تلخ تجربہ اور کیا ہوتا۔ وہ غصے سے آگ ہو رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں اُس کا لباس تار

تار ہو گیا۔ ویسے وہ کسی وحشی درندے کی طرح اُن لوگوں سے نپٹ رہا تھا۔ اُن لوگوں کے انداز

سے بھی ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اُسے ختم ہی کر کے دم لیں گے۔ اُن کے چہرے لہولہان تھے

اور جسم کے دوسرے حصوں پر بھی چوٹیں آئی تھیں۔

ہارڈی، ہارڈی ہی تھا۔ پانچ کیا اگر دس بھی ہوتے تو وہ خود پر انہیں قابو نہ پانے دیتا۔

''آخر یہ سلسلہ کب تک جاری رہیگا۔'' حمید نے فریدی کے قریب آ کر آہستہ سے پوچھا۔

''پرواہ مت کرو۔ کیا یہ کھیل دلچسپ نہیں ہے۔''

حمید خاموش ہو گیا۔ ہارڈی اب تک دو آدمیوں کو گرا چکا تھا اور وہ بیہوش پڑے تھے پھر

تیسرے کا اضافہ ہو گیا اور باقی بچے ہوئے آدمی ہارڈی کو گرا دینے کے لئے اپنی رہی سہی

طاقت صرف کرنے لگے۔

باہر تاریکی اور سناٹے کی حکمرانی تھی اور یہاں اس کمرے میں موت و حیات کی کشمکش

جاری تھی۔ ایک بار ان دونوں نے ہارڈی کو گرا ہی لیا لیکن شاید اب ان میں اتنی سکت ہی نہیں

رہ گئی تھی کہ اپنے پیروں پر کھڑے رہ سکتے۔ ہارڈی کے ساتھ ہی وہ دونوں بھی اُسی پر ڈھیر

ہو گئے۔ تینوں کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ بُری طرح ہانپ رہے تھے لیکن پورے جسم میں

صرف آنکھیں ہی حرکت کر رہی تھیں۔ بڑا عجیب منظر تھا۔ پتہ نہیں وہ خود اس وقت ذہنی حالت

کے کس اسٹیج سے گزر رہے تھے۔ حمید کو تو ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ تین بے بس پرندے
کے سارے پر کسی شریر بچے نے نوچ کر سسکنے کے لئے چھوڑ دیا ہو۔

اُس نے فریدی کی طرف دیکھا اور کانپ کر رہ گیا۔ اُسے اس کی آنکھوں میں
چمک نظر آ رہی تھی۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ ایسی مسکراہٹ جو عموماً شریر ہی بچوں کے
نظر آتی ہے۔

''آؤ! واپس چلیں۔'' فریدی نے حمید اور قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔

''اور..... یہ!'' حمید نے زخمیوں کی طرف اشارہ کیا۔

''انہیں یہیں مرنے دو۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

قاسم اور حمید بھی باہر آئے۔ حمید نے مڑ کر اُس عمارت کی طرف دیکھا۔ یہ مٹی
تھی۔ اندھیرے میں بھی اس کا بیڈھنگا پن محسوس کیا جاسکتا تھا۔ چاروں طرف درخت
جھاڑیوں کے سلسلے پھیلے ہوئے تھے۔

وہ دونوں خاموشی سے فریدی کے پیچھے چلتے رہے۔ ایک جگہ رک کر فریدی نے
روشن کی اور پھر چلنے لگا۔ جھاڑیوں میں فریدی کی چھوٹی سی آسٹن کار موجود تھی۔

''اُسے سڑک پر لے چلو۔'' اس نے حمید سے کہا۔ ''آگے چل کر جہاں جھاڑیوں کا
سلسلہ ختم ہوتا ہے داہنی طرف مڑ جانا۔''

''یہاں کسی عورت کی چیخیں.....!''

''ہاں! چلو اپنا کام کرو۔ وہ میری روح چیخ رہی تھی تمہارے لئے۔''

حمید کار میں بیٹھ کر اُسے اسٹارٹ کرنے لگا اور فریدی نے قاسم سے پوچھا۔ ''تم
آ پھنسے تھے۔''

''جی ہاں..... وہ..... بس پھنس گیا۔''

''کوئی لڑکی۔'' فریدی نے پوچھا۔

''للل..... ہی..... ہی..... ہی..... نن نہیں تو.....!''

''تم دونوں کسی دن لڑکیوں ہی کے چکر میں ختم کر دیئے جاؤ گے۔''

قاسم کچھ نہ بولا۔ فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر وہ سڑک کی طرف چلنے لگا۔ قاسم کھسکتا
کھنکارتا ہوا اُس کے ساتھ چل رہا تھا۔ کئی بار جھاڑیوں سے الجھ کر گرتے گرتے بچا۔ حمید کار
بہت سڑک پر اُن کا منتظر تھا۔

''تم ہی کار ڈرائیو کرو گے۔'' فریدی نے اس سے کہا۔ پھر قاسم سے بلند آواز میں بولا۔
''تم بھی آگے ہی بیٹھو۔ میں پچھلی سیٹ پر تھوڑی دیر سونا چاہتا ہوں۔''

وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ قاسم پہلے ہی حمید کے برابر بیٹھ چکا تھا۔ کار چل پڑی۔ حمید کا
ذہن بُری طرح الجھا ہوا تھا۔ اس کی دانست میں ابھی تک فریدی کی ساری حرکتیں ہوشمندی
کے منافی رہی تھیں۔ ان لوگوں کو اس طرح آپس میں لڑانا۔ پھر انہیں اُس حال میں وہیں چھوڑ
کر چلے آنا۔ اس قسم کی حرکتیں کسی ہوشمند آدمی سے نہیں سرزد ہوسکتیں۔ آخر فریدی کیا کرنا
چاہتا ہے۔ حمید سوچتا رہا لیکن فریدی سے پوچھنے کی زحمت نہیں گوارا کی۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ
فریدی کچھ نہ بتائے گا۔ پھر وہ قاسم سے پوچھنے لگا کہ وہ وہاں کیسے پہنچ گیا تھا۔ قاسم نے بڑی
مشکل سے پورا واقعہ دہرایا۔ وہ دراصل اس موضوع ہی کو ٹال جانا چاہتا تھا۔

''تم کسی دن لڑکیوں کے چکر میں اپنی موٹی سی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔'' حمید بولا۔

''یہی فریدی صاحب نے بھی کہا تھا۔'' قاسم نے سنجیدگی سے کہا۔ ''اب مجھے ڈر معلوم
ہو رہا ہے..... مگر میں بالکل چغد ہو جاتا ہوں۔''

''چغد نہیں بھینس۔ چغد تو ایک چھوٹے سے پرندے کو کہتے ہیں۔''

''تم خود بھینس۔!'' قاسم جھنجھلا گیا۔ ''ہاں نہیں تو۔''

پھر وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ کار جنگل کے سناٹے میں دوڑتی رہی۔
حمید کا ذہن پھر کچھ دیر قبل پیش آئے ہوئے واقعات میں الجھ گیا۔ پی سنگ اور ہارڈی کا باہمی
تعاون اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا جب کہ دونوں آپس ہی میں لڑ مرنے کے لئے تیار ہو گئے
تھے۔ آخر پی سنگ کو پریشانی کیوں تھی؟ وہ کیوں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ فریدی نے اس کے پیچھے
اپنے آدمی کس مقصد سے لگا رکھے ہیں..... پھر وہ لڑکیوں کے اس عجیب و غریب مرض کے
متعلق سوچنے لگا۔ کیا فریدی کی دانست میں اس کا پی سنگ سے بھی کوئی تعلق ہے؟ مگر کیا؟ اگر

کچھ لڑکیاں پاگل ہو کر دوسروں کو مار بیٹھتی ہیں تو اس سے پی سنگ یا کسی دوسرے کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔''

''میرا گھر راستے ہی میں پڑتا ہے حمید بھائی۔'' دفعتاً قاسم بڑبڑایا۔

''پھٹا ہوا سر لے کر گھر جاؤ گے۔ اگر بیوی پوچھ بیٹھی تو۔''

''لعنت ہے سالی پر..... اسی کی بدولت تو.....!'' قاسم جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو

''جھک مارتے ہو۔ میں یقین نہیں کر سکتا۔'' حمید نے کہا۔ ''تم جھوٹے ہو۔''

''تمہاری کون لگتی ہے..... کیوں؟'' قاسم جھنجھلا گیا۔

''خواہ مخواہ بیچاری کو بدنام کرتے پھرتے ہو۔''

''اچھا بس خاموش رہو، ورنہ مجھے غصہ آ جائے گا۔ تم کیا جانو اُسے۔ ابھی پرسوں ہی خالہ سے کہہ رہی تھی کہ میں بالکل گدھا ہوں۔ میں نے چھپ کر سنا تھا۔ پھر مجھے غصہ آ میں دھڑ دھڑاتا ہوا کمرے میں چلا گیا اور کہا کہ وہ ثابت کرے۔ کیا کرتی بیچاری اپنا سا کر رہ گئی۔ میں نے ڈانٹ پلائی تو کہنے لگی میں چوچا جان کو پھون کر دوں گی۔''

بیوی کے لہجے کی نقل اتارنے کے سلسلے میں قاسم بڑی دیر تک لچکتا رہا۔

''تو وہ تمہیں گدھا ثابت نہیں کر سکی۔'' حمید نے پوچھا۔

''اس کا باپ بھی نہیں کر سکتا۔''

''اس کا باپ تمہارا چچا ہے۔''

''ہوگا سالا! تم طرفداری نہ کیا کرو اُن لوگوں کی سمجھے!'' قاسم نے غصیلے لہجے میں

کچھ دیر خاموش رہا پھر ٹھنڈی سانس لے کر دردناک آواز میں بولا۔ ''تم نہیں سمجھ سکتے کہ کس طرح اپنی زندگی گزار رہا ہوں۔ تم کبھی نہ سمجھو گے۔ اگر معمے حل کرنے کی عادت نہ ہوتی میں کبھی کا مر گیا ہوتا۔ اُسی میں اپنا دماغ الجھائے رکھتا ہوں۔ پچھلی بار میرا پہلا انعام آتے آتے مگر سالے نے لنگور کی بجائے انگور دے دیا۔ اچھا یہ بتاؤ اگر عورت بیوی یا بیوہ ہو جائے پڑوسن کے شوہر سے بچ کر رہنا چاہئے۔ بولو..... بیوی ہوگا یا بیوہ۔''

''مجھے معموں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' حمید نے بیزاری سے کہا۔

''اچھا یہ بتا دو..... سمندر یا مچھندر کے سینے سب رازوں کا پالینا بہت مشکل ہے۔ سمندر ہوگا یا مچھندر..... اوپر سے نیچے سرپٹ یا مرگھٹ بنتا ہے۔''

''مت بکواس کرو۔''

''اچھا فریدی صاحب..... آپ بتا دیجئے۔'' قاسم پچھلی سیٹ کی طرف مڑا۔

''ہائیں.....!'' وہ ہاتھ بڑھا کر پچھلی سیٹ کو ٹٹولتا ہوا بولا۔ ''ارے باپ رے۔''

''کیا ہوا.....؟'' حمید نے مڑے بغیر پوچھا۔

''نف..... ری..... دی..... ص..... صاحب۔''

دوسرے ہی لمحے میں حمید نے رفتار کم کر کے کار روک دی۔ قاسم کا لہجہ نہ جانے کیا کہہ رہا تھا۔ پچھلی سیٹ خالی تھی۔ حمید نے اندر روشنی کر دی اور ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑانے لگا۔

''کوئی اٹھا لے گیا۔'' قاسم نے پوچھا۔ ''وہ تو سو رہے تھے۔''

حمید کچھ نہیں بولا۔ تھوڑی دیر تک بُرا سا منہ بنائے بیٹھا رہا پھر کار اسٹارٹ کر دی۔

''ہائیں..... تلاش نہیں کرو گے۔'' قاسم نے کہا۔

''بیٹھے رہو، چپ چاپ۔'' حمید جھنجھلا گیا۔ قاسم خاموش ہو گیا۔ اُس کے سر میں تکلیف تھی اس لئے یوں بھی اب وہ خاموش ہی رہنا چاہتا تھا۔ ابھی تک زخم کھلا ہوا تھا۔ حمید نے قاسم کو آرلکچو کے پھاٹک پر چھوڑ کر گھر کی راہ لی۔ قاسم پہلے تو گھر ہی جانا چاہتا تھا لیکن پھر اُسے یاد آ گیا تھا کہ اس کی کار آرلکچو کے کمپاؤنڈ ہی میں رہ گئی تھی۔ انڈوینشین لڑکی کے ساتھ جاتے وقت وہ اپنی کار وہیں چھوڑ گیا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بوکھلاہٹ میں اُسے یاد ہی نہیں آیا تھا کہ یہیں اُس کی کار بھی موجود ہے۔ بہر حال وہ اُس کے ساتھ ٹیکسی میں گیا تھا۔

حمید نے گھر آ کر سونا چاہا لیکن نیند نہ آئی۔ باورچی کو جگا کر کافی کے لئے کہا۔ نوکروں کے معاملے میں وہ فریدی سے بہت مختلف تھا۔ فریدی کبھی کسی نوکر کو ناوقت جگاتا نہیں تھا۔ اگر کبھی رات گئے کافی کی خواہش ہوتی تو خود ہی کچن میں جا گھستا۔

کافی پینے کے بعد بھی اُسے نیند نہ آ سکی۔ پھر شاید چار بجے اُس کی آنکھ لگ گئی۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں وہ گھوڑے بیچ کر سویا ہوگا۔

پھر نیند کیسے اچٹ گئی۔ یہ بات تھوڑی دیر تک سمجھ میں آ ہی نہ سکی۔ ویسے فون کی گھ
بہت دیر سے بج رہی تھی۔

''ہیلو.....!'' حمید مسہری سے چھلانگ لگا کر دہاڑا۔ پھر ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس
بولا۔ ''کون ہے..... کیا بات ہے..... رات کو بھی۔''

لیکن اچانک وہ خاموش ہو گیا کیونکہ روشندان میں دھوپ نظر آ رہی تھی۔

''میں قدیر ہوں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''دولت گنج تھانے سے بول رہا ہوں
یہاں ایک ایسی لڑکی موجود ہے جس نے ایک ٹریفک کانسٹیبل کو مارا پیٹا ہے۔''

''کانسٹیبل زندہ ہے یا مر گیا۔'' حمید نے جھلا کر کہا۔

''کون صاحب بول رہے ہیں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''میں بول رہا ہوں۔''

''کپتان صاحب۔''

''ارے ہاں ہاں۔''

''تو بس آ جایئے۔ کیا آپ نے نہیں پہچانا..... میں قدیر ہوں۔''

''آہا..... قدیر صاحب..... اچھا..... اچھا..... میں آدھے گھنٹے تک پہنچ سکوں گا۔''

حمید نے ریسیور رکھ دیا۔ گھڑی ساڑھے دس بجا رہی تھی۔ سب سے پہلے اُس نے فریدی
کے متعلق معلوم کیا جو پچھلی رات سے اب تک گھر واپس نہیں آیا تھا۔ پھر دولت گنج جانے کی
تیاری کرنے لگا۔

شہر کے سارے تھانوں کے لئے فریدی کے خاص احکامات تھے کہ جب بھی کوئی اس قسم
کی لڑکی آئے اُسے یا حمید کو براہِ راست مطلع کیا جائے۔

قدیر دولت گنج کے تھانے کا انچارج تھا۔ حمید نے اُسے اپنا منتظر پایا۔

''یہ کیا مصیبت ہے جناب۔'' قدیر نے کہا۔ ''اپنے یہاں یہ پہلا ہی کیس آیا ہے۔''

''اور بھی آئیں گے مطمئن رہئے۔'' حمید مسکرا کر بولا۔ ''لڑکی کہاں ہے۔''

''زنانہ حوالات میں..... مجھے اس پر بہت ترس آ رہا ہے۔ کسی اچھے خاندان کی لڑ

معلوم ہوتی ہے۔ آپ اُسے دیکھ کر یہ کہہ ہی نہیں سکتے کہ اس نے کانسٹیبل پر حملہ کیا ہوگا۔''

''پھر اُسے روک کیوں رکھا ہے۔''

''اس نے حملہ کیا تھا۔'' قدیر نے کہا۔ ''کانسٹیبل نے اُسے سڑک پار کرنے سے روکا تھا۔
بس وہ اُس پر ٹوٹ پڑی اس کا چہرہ نوچ ڈالا۔ دانتوں سے وردی کی دھجیاں اڑا دیں۔''

''آہا تب تو آپ بھی بہت زیادہ خائف رہے ہوں گے۔''

''اب تو بھیگی بلی بن گئی ہے۔ کچھ دیر تک روتی بھی رہی تھی۔ البتہ اپنا نام اور پتہ بتانے
پر کسی طرح تیار نہیں ہوتی۔''

''اچھا میں دیکھتا ہوں۔'' حمید نے کہا اور زنانہ حوالات کی طرف روانہ ہو گیا۔

سلاخوں کے پیچھے لڑکی موجود تھی، لیکن حمید اس کی شکل نہیں دیکھ سکا، کیونکہ وہ گھٹنوں میں
سر دیئے بیٹھی تھی اور پھر جیسے ہی اس نے حمید کی آہٹ پر سر اٹھایا حمید کی آنکھوں میں بجلی سی
چمک گئی۔ پہلی نظر میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ کتنی حسین ہے۔ دوسری نظر بھی تفصیلی جائزے
کیلئے ناکافی تھی اور تیسری نظر کو اتنا ہوش کہاں کہ وہ تفصیل میں جا سکتی۔ حمید اسکی اداس آنکھوں
میں کھو گیا۔ اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے وہ کسی سنسان مقام پر کھڑا ہو۔ خاموشی سے پرواز
کرنے والے پرندوں کی قطاریں افق کی سرخی میں لہرا رہی ہوں اور کسی پرسکون جھیل میں افق کے
رنگین لہریئے آنکھ مچولی کھیل رہے ہوں۔ لیکن ان سب پر ایک خوب آ گیں سی اداسی بھی مسلط ہو۔

حمید کے اشارے پر سلاخوں دار دروازہ کھول دیا گیا۔ لڑکی زمین سے اٹھ گئی تھی۔ اُس
نے حمید کو نیچے سے اوپر تک دیکھ کر اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

''باہر آیئے۔'' حمید نے نرم لہجے میں کہا اور وہ چپ چاپ سلاخوں کے باہر چلی آئی۔

''آپ جہاں جانا چاہتی ہوں چلی جایئے۔ آپ سے کوئی کچھ نہیں پوچھے گا۔''

وہ چند لمحے خاموش کھڑی رہی پھر آہستہ سے بولی۔ ''شکریہ۔''

حمید باہر جانے کے راستہ میں آیا جہاں انسپکٹر قدیر بیٹھا ہوا تھا۔

''وہ صدر دروازے سے نکل گئی ہے۔'' حمید نے اُس سے کہا۔ ''میں چاہتا ہوں کہ ایک
سادہ لباس والا اس کا تعاقب کرے..... جلدی کرو۔''

"زنانہ فورس کی کسی لڑکی کے متعلق کیا خیال ہے جسے اُس نے دیکھا نہ ہو۔" قدیر نے

"بہت اچھا خیال ہے..... یہ اور بھی اچھا رہے گا مگر جلدی کیجئے۔" حمید نے مضطر انداز میں کہا۔

حالات ہی کچھ ایسے تھے کہ ایسی لڑکیوں کے خلاف سخت قسم کے اقدامات ممکن نہیں عام آدمی اسے کوئی دبائی ذہنی مرض سمجھتے تھے۔ ڈاکٹروں کی رائے تھی کہ کسی مستقل مرض کا تک موجود نہیں ہے ان کی دانست میں وہ ایک وقتی ذہنی تبدیلی تھی جس کی وجہ جذباتی الجھا ہوسکتا تھا اور اعصابی اختلال بھی۔ لیکن اعصابی اختلال کی شکار لڑکیاں بمشکل تمام دو فیصد سکی تھیں۔ ابھی تک جتنے بھی کیس ڈاکٹروں کے علم میں لائے گئے تھے۔ ان میں قریب قر ساری ہی لڑکیاں صحت منداور صحیح الدماغ تھیں۔ اعصابی کمزوری کے آثار بھی نہیں ملے تھے

محکمہ سراغ رسانی اس سلسلے میں کسی جرم کے امکانات پر غور کررہا تھا بہرحال کئی طرح آرائیں موجود تھیں اس لئے فی الحال ایسی لڑکیوں کو زیادہ تر سرکاری اصلاح خانوں میں بھیج جاتا تھا اور ان کے رویہ کی یومیہ رپورٹ محکمہ سراغ رسانی کو ملتی رہتی تھی۔ یہ دوسری بات ہے آج کل "محکمہ سراغ رسانی" صرف فریدی کی میز ہی تک محدود ہوکر رہ گیا تھا..... اور ہونا یہی چاہئے تھا کیونکہ یہ فریدی ہی کی اُپج تھی، ورنہ بات کسی وبائی ذہنی مرض پر ٹل گئی ہوتی۔

حمید دولت گنج کے تھانے سے سیدھا آفس پہنچا۔ فریدی یہاں بھی موجود نہیں تھا اس کی میز پر اصلاح خانوں کی رپورٹوں کے ڈھیر نظر آرہے تھے۔ حمید بیٹھ کر انہیں دیکھنے ان رپورٹوں میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ کسی لڑکی پر بھی ابھی تک کسی اصلاح خانے میں قسم کا دورہ نہیں پڑا تھا۔ حمید پچھلی رپورٹیں بھی دیکھتا رہا تھا لیکن ایک بھی مثال ایسی نہ مل سکی اصلاح خانوں میں کسی لڑکی کی معمول کی ذہنی حالت میں کوئی تغیر واقع ہوا ہو۔ وہ بڑی دیر اس مسئلے پر غور کرتا رہا۔ ایسی لڑکیوں میں سے ابھی تک صرف تین لڑکیاں اصلاح خانوں نہیں بھیجی گئی تھیں۔ دو کو تو فریدی ہی نے چھوڑ دیا تھا۔ روحی اور سائرہ جنہیں سٹی مجسٹریٹ سفارش پر چھوڑا گیا تھا اور تیسری آج حُمید کی وجہ سے بچ گئی تھی۔ سائرہ اور روحی کی رہائی لئے فریدی نے یہ جواز پیش کیا تھا کہ وہ اُن کے ذریعہ بہت کچھ معلوم کرسکے گا لیکن جب

پاس اس لڑکی کو چھوڑ دینے کے لئے کوئی بہانہ نہیں تھا۔ وہ تو بس اس سے متاثر ہوا تھا اور اس وجہ کو تھوڑی دیر کے لئے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی رخصت ہوگئی تھی اور وہ تعاقب والا معاملہ تو محض دکھاوا تھا۔ آخر قدیر اور دوسرے لوگوں کو بھی تو مطمئن کرنا ہی تھا۔

وہ لڑکی ایسی ہی تھی، جو اسے صحیح معنوں میں عورت معلوم ہوئی تھی اور اُس سے نظر ملتے ہی وہ بوکھلا گیا تھا۔ شاید برسوں کے بعد ایسی لڑکی ملی تھی۔ ویسے تو روز ہی ایک آدھ سے سابقہ رہتا تھا لیکن حمید کا خیال تھا کہ وہ لڑکیاں نہیں بلکہ "لونڈے" ہوا کرتے تھے۔ بالکل ایسے ہی جیسے اُس کے دوسرے مرد دوست تھے۔ اُن لڑکیوں میں عورت پن نام کو بھی نہ ہوتا۔ ان میں ایک چیز بھی ایسی نظر نہ آتی جس کی بناء پر انہیں جنس مقابل کی صف میں جگہ دی جاسکتی۔ بعض اوقات تو وہ حمید کو سو فیصدی "ہیجڑے" معلوم ہوتیں۔ بہرحال وہ انہیں عورتیں نہیں سمجھتا تھا۔

چھلانگ

وہ فائلیں الٹتا رہا اور اس کے ذہن پر وہی لڑکی مسلط رہی۔ اچانک اُس کی نظر رمیش کے ڈیک کی طرف اٹھ گئی اور اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ سوتے سوتے جاگ پڑا ہو۔ اُسے ابھی تک رمیش کے متعلق نہیں معلوم ہوسکا تھا کہ وہ کس حال میں ہے۔ اُس نے فائیل رکھ کر فون کا ریسیور اٹھایا اور سول ہسپتال کے نمبر ڈائیل کرنے لگا۔

وہاں سے اطمینان بخش اطلاع ملی۔ رمیش اب ہوش میں تھا۔ لیکن احتیاطاً ابھی اُس سے کسی کو گفتگو کرنے کی اجازت نہیں ملی تھی۔

حمید ریسیور رکھ کر پھر فائل الٹنے لگا۔ اس پر پھر اکتاہٹ کا حملہ ہونے لگا تھا وہ وہاں سے اٹھنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ حمید نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو.....!"

"کرنل صاحب۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"نہیں میں حمید ہوں۔"

''اوہ..... میں قدیر بول رہا ہوں۔ دیکھئے..... ابھی مس رانا نے فون پر اطلاع دی کہ وہ لڑکی راگ محل میں گئی ہے اور اس وقت بھی وہیں ہے اور دوسری بات بھی سنئے۔ اس کا چہرہ پہلے ہی سے کچھ جانا پہچانا سا معلوم ہوا تھا۔ کیا آپ کو علم ہے کہ وہ سرلا ہے۔''

''کیا بے سروپا باتیں کر رہے ہیں آپ۔'' حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

''بے سروپا نہیں جناب..... آج سے چھ ماہ قبل آپ ہی کے آفس سے اس عورت کا وارنٹ جاری ہوا تھا۔ اسکی ایک کاپی مع تصویر میرے فائیل میں بھی موجود ہے۔ آپ اپنے یہاں کے فائلوں میں دیکھئے میرے بیان کی تصدیق ہو جائیگی۔ حوالہ نمبر ای تھری اپان ففٹی تھری ہے۔''

''اچھا اچھا..... میں دیکھتا ہوں۔ آپ زنانہ فورس والی لڑکی سے کہہ دیجئے کہ اس پر برابر نظر رکھے..... یا ٹھہریئے! میں یہاں سے کسی کو اس کی مدد کے لئے بھیجے دیتا ہوں۔ بہر حال اُسے نظر میں رکھنا ضروری ہے۔ کیا نمبر بتایا تھا آپ نے۔''

''ای تھری اپان ففٹی تھری۔''

حمید نے پنسل اٹھا کر میز پر نمبر لکھا اور ریسیور رکھ کر ففٹی تھری کا فائیل تلاش کرنے لگا۔ فائیل جلد ہی مل گیا کیونکہ فریدی کے کاغذات کبھی بے ترتیبی سے نہیں رکھے جاتے تیسرے ہی صفحے پر وہ نمبر مل گیا جس کا تذکرہ قدیر نے کیا تھا اور اس پر لگی ہوئی تصویر۔ حمید کا دل چکرا گیا۔ وہ سو فیصدی وہی لڑکی تھی جسے حمید نے چند گھنٹے پیشتر حوالات سے نجات دلائی تھی۔

حمید نے فائیل بند کر دیا اور آنکھیں بند کر کے اس طرح اپنے سر کو جھٹکے دینے لگا جیسے کسی بھٹکے ہوئے خیال کو اس کی صحیح جگہ پر لانے کی کوشش کر رہا ہو۔

کچھ دیر بعد اُس نے پھر فائیل کھولا اور تصویر کے نیچے والی عبارت پڑھنے لگا۔

''سرلا مکرجی..... عمر تیس سال لیکن حیرت انگیز طور پر کمسن معلوم ہوتی ہے۔ عموماً یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ انیس یا بیس سے زیادہ نہیں ہے۔ ۱۳ر جون ۵۵ء تک ماہر نباتات ڈاکٹر اے ایچ زیدی کی لیبارٹری میں بحیثیت اسسٹنٹ کام کرتی رہی۔ ۱۳ر جون کی شب ڈاکٹر زیدی کو پانی میں بیہوشی کی دوا دے کر ان کا کوئی بیش قیمت فارمولا چرا لے گئی۔ وہ فارمولا زیر تجربہ تھا۔ ڈاکٹر زیدی اس پر بہت احتیاط سے تجربہ کر رہے تھے اور اُن کے کسی بھی اسسٹنٹ

فارمولے کا علم نہیں تھا۔ ملزمہ تعلیم یافتہ ہے۔ بی۔ ایس۔ سی کی ڈگری رکھتی ہے۔ بنگالی ہونے کے باوجود بھی اردو پر اُسے قدرت حاصل ہے۔ زیادہ تر غرارے اور ڈوپٹے میں رہتی ہے۔ عموماً یہی ظاہر کرنے کی کوشش کرتی ہے کہ وہ بنگالی نہیں ہے۔''

فائیل کو بند کر کے اس نے پائپ سلگایا اور اس طرح نڈھال ہو کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا جیسے بہت تھک گیا ہو۔ یہ حقیقت تھی کہ اس نئے انکشاف پر وہ شدت سے بور ہو گیا تھا۔

اس نے دو چار لمبے لمبے کش لئے اور پھر چونک کر اٹھ بیٹھا۔

اب وہ اس کمرے کی طرف جا رہا تھا جہاں لیڈی انسپکٹر مس ریکھا بیٹھا کرتی تھی۔ وہ حمید کو اپنے کمرے میں دیکھ کر بوکھلا گئی کیونکہ عموماً وہ اس سے دور ہی دور رہا کرتی تھی۔

''میں تمہیں تھوڑی سی تکلیف دینا چاہتا ہوں۔'' حمید نے اسے مخاطب کر کے کہا۔

''کیا بات ہے کہئے!''

''راگ محل میں اس وقت ایک ملزمہ موجود ہے۔ فی الحال زنانہ فورس کی ایک لڑکی مس رانا اس کی نگرانی کر رہی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس پر نظر رکھو۔''

''رانا کو میں جانتی ہوں۔ کیا یہ کوئی اہم معاملہ ہے۔''

''اس کا علم صرف فریدی صاحب کو ہی ہو سکتا ہے۔ ویسے وہ بہت چالاک ہے، ورنہ میں خود ہی اُس کی نگرانی کرتا۔''

''وہ ملزمہ ہے کون؟''

''سرلا مکرجی..... ڈاکٹر زیدی کی لیبارٹری اسسٹنٹ۔''

''آہا..... اور آپ اسے اپنا کام کہہ رہے ہیں حالانکہ یہ کیس اب بھی میرے ہی پاس ہے مگر آپ مذاق تو نہیں کر رہے ہیں۔''

''نہیں میں سنجیدہ ہوں۔''

''اچھا تو پھر میں جا رہی ہوں لیکن اگر وہ سرلا نہ ہوئی تو میں آپ سے سمجھ لوں گی۔''

''میں سمجھا دوں گا..... فی الحال تم جاؤ۔''

''سرلا تو بڑی حسین عورت ہے۔ تعجب ہے کہ آپ اپنی جگہ مجھے بھیج رہے ہیں، اسی لئے

یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"وہ تم سے زیادہ حسین نہیں۔" حمید نے عادت کے مطابق ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

ریکھا جانے کے لئے تیار ہوگئی تھی، لیکن شاید اب بھی اُسے حمید کے بیان میں شبہ تھا۔

"مگر دیکھو" حمید نے کہا۔ "تم صرف نگرانی کرو گی۔ اسکے خلاف کوئی کاروائی نہ کرنا۔"

"کیوں؟"

"شاید فریدی صاحب کو کسی دوسرے معاملے میں بھی اس کی ضرورت ہے۔ تم فوراً حالات سے آگاہ کرتی رہنا۔"

ریکھا چلی گئی اور حمید پھر اپنے کمرے کی طرف واپس آیا لیکن دروازے ہی پر اُس نے محسوس کرلیا کہ فریدی واپس آ گیا ہے۔ اس کا قیاس غلط نہیں تھا۔ فریدی وہاں موجود تھا اور اس کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار تھے، جو حمید کو دیکھتے ہی اور زیادہ گہرے ہوگئے۔

"یہ فائیل کس نے بکھیرے ہیں۔" اس نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"میں نے۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔ "اور میں ان میں میر تقی میر کی کوئی غزل تلاش کر رہا تھا۔ آپ یقین کیجئے۔ ویسے میرے پاس آپ کے لئے ایک بڑی شاندار اطلاع ہے۔"

"بکو.....!"

"نہیں۔ وہ اطلاع اُسی صورت میں آپ تک پہنچ سکتی ہے جب آپ مجھے ہارڈی وغیرہ کے حشر سے آگاہ کردیں۔"

"او.....!" فریدی کے ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور پھر وہ بولا۔

"پچھلی رات میں نے بہت بُری طرح وقت برباد کیا ہے۔"

"کیوں..... میں تو سمجھا تھا شاید آپ بھی ہوش میں نہیں ہیں۔"

"چلو یہی سمجھ لو..... مگر اس کے متعلق مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔ بعض اوقات مجھ سے بچپنا سرزد ہو جایا کرتا ہے۔"

"شرط پوری کئے بغیر آپ اُس نئی اطلاع سے محروم ہو جائیں گے۔"

"چلو..... بتاؤ..... کیا پوچھنا چاہتے ہو۔" فریدی بے دلی سے بولا۔

"ہارڈی وغیرہ کے خلاف آپ نے جو رویہ اختیار کیا تھا۔"

"وہ رویہ اپنی جگہ پر بالکل درست تھا اور اس کے لئے میں کبھی شرمندہ نہیں ہوسکتا۔ ہارڈی اسی قابل ہے کہ اسے گھٹیا سے گھٹیا آدمیوں سے پٹوایا جائے۔ وہ خود کو بندرگاہ کے غلاظتے کا سب سے بڑا غنڈہ سمجھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ پانچوں آدمی اس سے کبھی آنکھ ملانے کی بھی ہمت نہ کرسکتے۔ یہ صدمہ ہارڈی کے لئے بڑا جان لیوا ثابت ہوگا۔"

"لیکن آپ سے بچپنا کون سا سرزد ہوا۔"

"یہ خام خیالی ہے کہ پی سنگ ان کی خبر لینے کے لئے دوبارہ وہاں آئے گا۔ یہی سوچ کر میں نے ساری رات جنگل میں گذار دی۔ تمہیں کار میں دھوکہ دیا۔ خیال یہ تھا کہ پی سنگ وہیں کہیں چھپا ہوگا۔ لہٰذا اسے دھوکہ میں رکھنے کے لئے مجھے کاروائی حرکت کرنی پڑی۔ ویسے مجھے افسوس ہے کہ پچھلی رات تمہیں بڑی پریشانیاں اٹھانی پڑی تھیں۔"

"تو کیا آپ نے انہیں یونہی چھوڑ دیا۔"

"نہیں اب وہ حوالات میں ہیں۔"

"آخر آپ پی سنگ کے چکر میں کیوں ہیں۔"

"آخر اُسے اتنی فکر کیوں ہے کہ میں اس کی نگرانی کرا رہا ہوں۔ یقیناً وہ کوئی بہت ہی اہم معاملہ ہوگا جس کے لئے اُس نے محکمہ سراغ رسانی کے ایک آفیسر کو پکڑوا کر اذیت دینے کی کوشش کی تھی۔ پی سنگ کی نگرانی میرے لئے کوئی نئی بات نہیں۔ تقریباً ایک سال سے میرے آدمی اس کے پیچھے ہیں۔"

"آخر کس لئے۔"

"آخر کا دورہ پڑ گیا ہے تم پر۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کوئی خاص بات نہیں ہے۔ شہر کے سارے مجرم جن کے خلاف میں کوئی ثبوت بہم نہیں پہنچا پاتا میری نگرانی میں رہتے ہیں۔ ان میں سے بہتیرے اس سے واقف بھی ہیں لیکن آج تک کسی کو جرأت نہیں ہوئی کہ میرے کسی آدمی پر ہاتھ ڈال سکتا۔"

"تو پی سنگ اب روپوش ہوگیا۔"

"قطعی یہی بات ہے۔"

حمید نے پھر کچھ کہنے کے لئے ہونٹ ہلائے ہی تھے کہ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"بس! ہاں تم مجھے کیا بتانے والے تھے۔"

"آج صبح ایک خوبصورت سی لڑکی دولت گنج کی حوالات میں تھی۔ مجھے وہ اتنی اچھی لگی کہ میں نے اُسے رہا کرادیا۔"

"کیوں.....؟"

"آپ نے اُن دونوں کو کیوں چھوڑ دیا تھا۔ آپ دو کو چھوڑ دیں اور میں ایک کو بھی چھوڑ دینے کا حق نہیں رکھتا۔ ہائے وہ کتنی حسین تھی۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوگیا۔

چند لمحے خاموش رہا اور پھر فریدی کی غصیلی آنکھوں کی پرواہ کئے بغیر بولا۔ "میرے پاس اس کی تصویر بھی موجود ہے۔"

"بکواس مت کرو۔" فریدی نے کہا اور اس کی بکواس سے پیچھا چھڑانے کے لئے اصلاح خانوں کی رپورٹیں دیکھنے لگا۔

حمید نے فٹی تھری کا فائیل کھول کر اسکی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آپ بھی دیکھ لیجئے۔"

فریدی کی نظر سرلا کی تصویر پر پڑی اور وہ چونک پڑا۔ "کیا مطلب!"

"وہ یہی تھی لیکن نکل گئی۔"

"گدھے!" فریدی دہاڑا۔

"گدھے تو موجود ہیں لیکن وہ نکل گئی۔" حمید نے بڑی معصومیت سے کہا۔

"نہیں تم بکواس کررہے ہو۔" فریدی کے ہونٹوں پر ایک ایسی مسکراہٹ نظر آئی جس میں جھنجھلاہٹ بھی شامل تھی۔ اس کے بعد ہی حمید نے گراموفون کے ریکارڈ کی طرح شروع کردیا اور پھر جیسے ہی راگ محل کا نام اس کی زبان پر آیا، فریدی نے کرسی سے چھلانگ لگادی اور حمید کے سنبھلنے سے پہلے وہ کمرے سے جاچکا تھا۔

راگ محل

فریدی کی یہ چھلانگ ..... حمید نے سوچا کہ نتائج کے لحاظ سے یقیناً بہت سنسنی خیز ثابت ہوگی۔ مگر شام تک اُسے کوئی سنسنی خیز اطلاع نہ مل سکی۔ تقریباً چھ بجے فریدی واپس آیا لیکن اسکے چہرے پر تشویش کے آثار دیکھ کر حمید کو بڑی مایوسی ہوئی۔ اسکا یہی مطلب تھا کہ ابھی کامیابی کوسوں دور ہے۔ حمید نے اُسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ مگر شاید فریدی خود ہی کچھ بتانا چاہتا تھا۔

"راگ محل بڑی اچھی جگہ ہے حمید۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "تم شاید وہاں کبھی نہ گئے ہوگے کیونکہ داخلہ صرف ممبروں کا ہی ہوسکتا ہے یا پھر وہاں لوگ مہمانوں کی حیثیت سے جاتے ہیں اس کے لئے بھی کم از کم تین پرانے ممبروں کی سفارش ضروری ہوتی ہے۔ شہر کے بہت بڑے بڑے آدمی اُس کے ممبر ہیں۔"

"ہاں میں نے اس کے متعلق بہت کچھ سنا ہے۔" حمید نے کہا۔ "شاید وہ مختلف قسم کے آرٹسٹوں کا کوئی ادارہ ہے۔ وہاں راگ رنگ کی محفلیں زیادہ ہوا کرتی ہیں۔"

"ارے پرستان ہے..... پرستان۔" فریدی مسکرا کر آہستہ سے بولا۔ لیکن اس کا یہ لہجہ حمید کیلئے بالکل نیا تھا۔ بالکل اوباش آدمیوں کا سا لہجہ۔ وہ متحیرانہ انداز میں اسکی طرف دیکھنے لگا۔

"تم آج کل بہت اداس ہو۔" اس نے پھر کہا۔ "کیا تم نے کبھی راگ محل کے پبلک جلسوں میں بھی شرکت نہیں کی۔"

"مجھے پکے گانوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ویسے جب کبھی سننے کو دل چاہتا ہے اپنے بکرے کو دو چار ڈنڈے لگا دیتا ہوں۔"

"حمید تم وہاں ضرور جاؤ۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "بلکہ اگر مستقل ممبر ہی بن جاؤ تو زیادہ بہتر ہے۔"

"میں سمجھا۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "مگر میری سفارش کون کرے گا۔"

''سب کچھ تیار ہے۔ ممبری کے فارم پر تین پرانے ممبروں کے دستخط موجود ہیں۔ بہت ہی مقبول قسم کا ممبر تمہیں اپنے ساتھ وہاں لے جائے گا۔''

''میرا وہاں کیا کام ہوگا۔''

''کوئی آسان سا کام، جو بھی تمہیں پسند ہو۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ ''مثلاً سیکھنا..... حالانکہ تم بہت اچھا وائیلن بجاتے ہو مگر ذرا خود کو مبتدی ہی ظاہر کرنا۔ اس سے جو تمہارا دل چاہے۔ اب اٹھو! میں بہت جلدی میں ہوں۔''

''کیا ابھی.....!''

''فی الحال تجربہ گاہ تک۔''

''میک اپ.....!'' حمید نے بُرا سا منہ بنایا۔ ''نہیں..... میں بے تحاشہ تکلیف محسوس ہوں۔ گرمیوں میں پلاسٹک کے ٹکڑے..... خدا کی پناہ۔''

''ڈرو نہیں..... کم سے کم پلاسٹک استعمال کروں گا۔''

''لیکن میں کوئی بدنما چہرہ نہیں برداشت کرسکوں گا۔''

''چلو! متعدد تصویریں تمہارے سامنے ہوں گی، جو پسند آجائے۔ اب اٹھو۔''

دورِ جدید کے سراغ رسانوں کے لئے میک اپ وغیرہ بڑی بھونڈی چیزیں ہیں۔ دورِ تفتیش کی بنیاد منطق اور جرائم کی نفسیات پر رکھتے ہیں۔ مگر بہتیرے کیس ایسے ہوتے ہیں جن میں یہ دونوں ہی چیزیں کارآمد نہیں ثابت ہوتیں۔ کیونکہ بعض مجرم ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے خلاف ثبوت بہم پہنچانا مشکل ہوجاتا ہے۔ ایسے ہی مجرموں کے لئے یہ طریقہ کسی حد تک کامیاب ہوتا ہے۔ فریدی میک اپ کو کامیابی کا ذریعہ بنانے میں خوشی نہیں محسوس کرتا تھا۔ بعض اوقات مجبوراً اُسے اُس کا سہارا لینا ہی پڑتا تھا۔ ویسے اُس نے میک اپ کی اُن خامیوں پر قابو پالیا تھا جن کی بناء پر میک اپ کرنے والوں کو دوسروں سے دور ہی دور رہنا پڑتا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اس کے میک اپ کئے ہوئے چہرے کو ایک فٹ کے فاصلے سے بھی نہیں پہچانا جاسکتا۔

اس وقت بھی اُسے حمید کے چہرے پر ایسا ہی میک اپ کرنا تھا۔ تجربہ گاہ میں پہنچ

فریدی نے ایک فائیل حمید کے سامنے ڈال دیا جس میں دوسرے شہروں کے مفرور مجرموں کی تصاویر تھیں۔ حمید سمجھ گیا کہ یہ کوئی گہری چال ہے۔ وہ تھوڑی دیر تک فائیل کے صفحات الٹتا رہا پھر ایک چہرہ منتخب کرکے اُسے فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک اس کے چہرے کی مرمت ہوتی رہی۔ پھر فریدی اُسے گردن سے پکڑ کر کرسی سے اٹھاتا ہوا بولا۔

''تم جاوید پریمی ہو..... راگ رنگ کے دیوانے۔''

''مگر اس کا نام تو ستیش ہے۔''

''ہاں! مگر وہ ستیش کی حیثیت سے خود کو متعارف نہیں کرا سکتا۔ کیونکہ ایک مفرور مجرم ہے اور اسی لئے میں نے اس میک اپ میں ہلکی سی مونچھوں کا اضافہ کردیا ہے اور میک اپ بھی اسی قسم کا ہے کہ بہت غور سے دیکھے جانے پر تم ستیش معلوم ہوگے۔''

''راگ محل میں کیا ہے۔''

''وہی سب کچھ جو میں تمہیں ابھی بتا چکا ہوں۔''

''یعنی آپ مجھے محض اس لئے وہاں بھیج رہے ہیں کہ وہ پرستان ہے۔''

''فی الحال تمہیں یہی سمجھنا چاہئے اور تم وہاں ان تفریحات کے علاوہ اس وقت تک اور کچھ نہیں کرو گے جب تک کہ تمہیں دوسری ہدایات نہ ملیں۔ خیر اب سنو کہ تم وہاں کس طرح پہنچو گے۔ ٹھیک دس بجے تمہیں فردوس منزل کے گیارہویں فلیٹ میں پہنچنا ہے۔ وہاں مسٹر پی کمار اگی رہتے ہیں۔ وہ تمہیں راگ محل لے جائیں گے۔ راگ محل سے واپسی پر تم گھر نہیں آؤ گے بلکہ فردوس منزل کے سامنے والی عمارت کے آٹھویں فلیٹ میں فی الحال تمہارا مستقل قیام ہوگا۔ اس کی کنجی بھی تمہیں مل جائے گی جب تک کہ میں نہ کہوں تم گھر کا رخ بھی نہیں کرو گے..... کیا سمجھے!''

''سمجھ گیا..... اگر میں..... خیر جانے دیجئے۔''

''اچھی بات ہے جانے دو۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''غیر ضروری باتوں سے جتنا بچو اتنا ہی اچھا ہے۔''

حمید نے ٹھیک دس بجے فردوس منزل کے دروازے پر دستک دی۔ پی سی راگی کے بارے میں وہ سوچتا آیا تھا کہ وہ کوئی دبلا پتلا خوبصورت سا بوڑھا ہوگا۔ فریدی نے اسے بتایا تھا کہ وہ بڑا فنکار ہے۔ اس کی ٹکر کا پیانسٹ کم از کم اس شہر میں تو ملنا مشکل ہی ہے، لہٰذا حمید کے ذہن میں اس کی تصویر فنکاروں ہی کی سی تھی۔

دستک دینے کے دو تین منٹ بعد دروازہ کھلا۔ دوسرے ہی لمحے میں حمید کے سامنے ایک لمبا تڑنگا اور سیاہ فام آدمی کھڑا تھا۔ اس کے اگلے دو دانت نچلے ہونٹ پر رکھے ہوئے تھے۔

''مجھے راگی صاحب سے ملنا ہے۔'' حمید نے کہا۔

''مل لیجئے۔'' وہ مسکرا کر بولا۔ اس کی مسکراہٹ بھی بڑی کریہہ تھی۔

''آپ ہی ہیں۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔ کیونکہ وہ اُسے فنکار کی بجائے کوئی جلاد ہو رہا تھا۔

''جی ہاں..... میں ہی ہوں..... فرمایئے۔''

حمید نے جیب سے وہی فارم نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا جس پر راگ محل کے ممبروں کے سفارشی نوٹ تھے۔

''اوہو..... اچھا..... اندر آ جایئے۔ میں آپ کا منتظر تھا۔ صرف دس منٹ بعد ہم ہو جائیں گے۔'' وہ پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ حمید کمرے میں چلا گیا۔

راگی اُسے وہیں چھوڑ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا تھا۔ حمید دیوار سے لگی ہوئی تصویر دیکھنے لگا۔ اُسے حیرت تھی کہ ایسا بدصورت اور بے ڈھنگا آدمی اتنا خوش مزاج کیسے ہو سکتا۔ یہ سب اعلیٰ درجہ کی پینٹنگ تھیں۔

راگی حسب وعدہ دس منٹ بعد تیار ہو کر آ گیا۔ وہ دونوں باہر آئے۔ ایک ٹیکسی لی اور راگ محل کی طرف روانہ ہو گئے۔

راگ محل ایک بہت بڑے ہال کا نام تھا۔ یہاں وہ سب کچھ تھا جو ایک بہترین قسم کی تفریح گاہ کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ جیسے ہی وہ گیٹ پر پہنچے دو آدمیوں نے ان کا استقبال کیا اور پھر اصل عمارت کے دروازے پر قدم رکھتے ہی حمید کے کانوں سے موسیقی کی لہریں

ٹکرائیں۔ سارا ہال بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ شاید اس وقت یہاں رقص کی مشق ہونے والی تھی کیونکہ تقریباً ڈیڑھ درجن لڑکیاں رقص کے لباس میں نظر آ رہی تھیں۔

ہال بہت بڑا تھا اوپر بھی چاروں طرف گیلریاں تھیں۔ حمید سر جھکائے راگی کے ساتھ چلا رہا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ راگی بہت عزت کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ رقاص لڑکیاں ہاتھ اٹھا اٹھا کر اسے سلام کر رہی تھیں۔

وہ حمید کو سیکریٹری کے کمرے میں لایا اور ممبر بننے کے سارے مراحل جلد ہی طے ہو گئے، یہ حمید محسوس کر رہا تھا کہ سیکریٹری اسے بہت غور سے دیکھ رہا ہے۔

یہ ادھیڑ عمر کا ایک صحت مند آدمی تھا لیکن اُس کے لمبوترے چہرے پر چھوٹی سی فرنچ کٹ داڑھی کچھ اچھی نہیں لگتی تھی۔ ویسے بھی اس کی آنکھوں کی بناوٹ حلیم اور بردبار آدمیوں کی بناوٹ سے بہت مختلف تھی۔ حالانکہ وہ اپنے انداز گفتگو سے یہی ظاہر کرتا تھا کہ وہ ایک اچھے کردار کا با اصول آدمی ہے۔ وہ حمید سے رسمی گفتگو کرنے کے بعد بولا۔

''میرا خیال ہے کہ میں اس سے پہلے بھی آپ کو کہیں دیکھ چکا ہوں لیکن یاد نہیں پڑتا کہ کہاں دیکھا تھا۔''

''ہو سکتا ہے..... میں اکثر یہاں آتا رہتا ہوں۔'' حمید نے اپنی آواز بدلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا..... ان معاملات میں وہ فریدی ہی کا شاگرد تھا۔

''تو آپ کا مستقل قیام یہاں نہیں رہتا۔''

''اب تو مستقل ہی ہے۔ میں دراصل.....!'' حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ پھر ہنس کر بولا۔ ''کیا یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ میرا پیشہ کیا ہے۔''

''نہیں..... قطعی نہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ تین معزز ممبر اپنا اطمینان کر لینے کے بعد ہی سفارش کر سکتے ہیں اور پھر راگی صاحب جیسے گریٹ آرٹسٹ کی ہمراہی۔ نہیں مسٹر جاوید پریمی یہ کلا منڈلا ہے۔ یہاں صرف روحیں دیکھی اور پرکھی جاتی ہیں۔ جسم اگر آلو چھولے بھی بیچتا ہو تو ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔ اگر آپ اپنے پیشے کے متعلق مجھے نہیں بتانا چاہتے تو میں آپ کو مجبور نہیں کروں گا۔''

حمید جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا..... ایک لڑکی چھن چھن کرتی ہوئی کمرے میں آئی۔ اس کے پیروں میں گھونگھرو بندھے ہوئے تھے اور وہ رقص کے لباس میں تھی۔

''یہ کون ہیں؟'' اس نے حمید کی طرف اشارہ کر کے سیکریٹری سے پوچھا۔ انداز میں بھولا پن تھا لیکن لہجے کی ذرا سی لغزش اُسے بھونڈے پن میں بھی تبدیل کر سکتی تھی۔ اداکاری کے اس حسن کو محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔

لڑکی بڑی دلکش تھی۔ آنکھیں کنول تھیں اور ہونٹ گلاب کی پنکھڑیاں۔ حمید جلد صرف یہی دو تشبیہیں سوچ سکا کیونکہ اُس کے جسم کی ہر جنبش پر کسی نہ کسی عضو کا حسن ایک انداز میں ظاہر ہو رہا تھا اور حمید کا ذہن تشبیہات کے التزام میں اتنی تیز رفتاری کا ثبوت سے قاصر تھا۔

''یہ ہمارے نئے ساتھی مسٹر پریمی ہیں۔''

''ہاہا!'' وہ ایک سریلی سی چیخ کیساتھ حمید کیطرف ہاتھ بڑھاتی ہوئی بولی۔ ''میں راگنی ہوں''

''آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔'' حمید نے گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔

''کیوں راگی صاحب۔'' وہ حمید کو کچھ اور کہنے کا موقع دیئے بغیر راگی سے بولی۔ وقت اجنبی والا رقص کیسا رہے گا۔''

''ہوں..... میں کیا بتا سکتا ہوں۔'' راگی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ حمید سمجھ گیا کہ راگنی کی بے تکلفی گراں گذری ہے۔ راگنی چھن چھن کرتی دوڑتی چلی گئی اور پھر فوراً ہی باریک سی آواز ساز کے پردوں پر لہراتی چلی گئی۔

''ارے..... اجنبی.....!''

شاید یہ راگنی کی آواز تھی۔ ''اجنبی'' کو اتنا کھینچا گیا کہ آواز بتدریج باریک ہوتے ہوتے سناٹے میں گم ہوگئی اور پھر مختلف قسم کے سازوں کی موسیقی کا طوفان سا امنڈ پڑا۔ ساتھ ہی کئی سریلی آوازوں کا کورس بھی گونجا۔

''تو کون ہے..... تو کون ہے۔''

تھمتے ہوئے سازوں کے درمیاں سے وہی باریک سی آواز پھر بتدریج بلند ہو رہی تھی

''اجنبی.....!'' آواز کے انتہائی نقطہ عروج پر ساز خاموش ہوگئے اور صرف گھونگھروں کی ''چھنا چھن'' باقی رہ گئی۔ پھر ''تو کون ہے..... تو کون ہے۔'' کا کورس شروع ہوتے ہی ساز پہلے ہی کی طرح گونجنے لگے۔

حمید کی روح اُن نغمات میں کھوئی جا رہی تھی مگر سیاہ فام اور بدصورت راگی کی آنکھیں اس کے ذہن کو جھنجھوڑ رہی تھیں۔ وہ آنکھیں جن میں نفرت اس طرح کروٹیں بدل رہی تھی جیسے کسی ویرانے میں سانپ رینگ رہا ہو۔

''میں اسے برداشت نہیں کر سکتا۔ سمجھے آپ۔'' وہ سیکریٹری کی میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

''کیا بات ہے مسٹر راگی۔ میں کچھ نہیں سمجھا'' سیکریٹری نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''آرٹسٹ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آدمی ننگا ہو کر ناچنے لگے، انسانیت اور شرافت کا جنازہ نکال دے۔ آپ کے آرٹسٹ بدتمیز اور غیر مہذب ہوتے جا رہے ہیں۔''

''میں پھر نہیں سمجھا مسٹر راگی۔''

''میں راگنی کی بدتمیزی کے متعلق کہہ رہا ہوں۔''

''بدتمیزی!'' سیکریٹری نے حیرت سے کہا۔ ''نہیں تو مسٹر راگی۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں!''

''کیا نئے آدمیوں سے گفتگو کرنے کا یہی طریقہ ہے۔''

''اوہو..... مسٹر راگی۔'' سیکریٹری نے ایک طویل قہقہہ لگایا جو سو فیصدی تصنعآمیز تھا پھر بولا ''تعجب ہے آپ یہ کہہ رہے ہیں۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ وہ ایک شوخ اور مست الست قسم کی لڑکی ہے۔''

''ہاں! راگی نے خشک لہجے میں کہا۔ ''اور بعض اوقات وہ اس سرمستی کے عالم میں فاحشہ عورتوں سے بھی بدتر ہو جاتی ہے۔ سیکریٹری صاحب! سچا آرٹسٹ کبھی خود کو پوز نہیں کرتا۔ اُس کی روح ہر وقت ناچتی رہتی ہے لیکن اوپر سے وہ کسی جھیل کی طرح پرسکون نظر آتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں بے چینی کے بجائے ایک پروقار قسم کا ٹھہراؤ ہوتا ہے۔''

''اس کے لئے بڑے ظرف کی ضرورت ہے مسٹر راگی۔'' سیکریٹری نے کہا۔ ''آپ بہت بڑے آرٹسٹوں کی باتیں کر رہے ہیں۔''

''میں اس کلامندر کے ہر آرٹسٹ کو بڑا دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''ہر آرٹسٹ بڑا نہیں ہوسکتا۔''

''اگر نہیں ہوسکتا تو راگی کو یہاں سے ہمیشہ کے لئے جانا پڑے گا۔''

''اررر.....نہیں .....مسٹر راگی!'' سیکریٹری بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔ ''آپ بغیر راگ محل فن کا مقبرہ بن جائے گا۔ نہیں آپ ایسا نہیں کر سکتے۔''

''میں کب چاہتا ہوں کہ ایسا کروں.....مگر.....آپ حالات کو دیکھ ہی رہے ہیں۔''

''اچھا دیکھئے میں انہیں سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ مگر آپ ہمیں نہیں چھوڑ سکتے۔ آ راگ محل کی زندگی ہیں نا۔''

یہ گفتگو راگی کی خاموشی پر ختم ہوگئی۔

اس واقعے کو ایک ہفتہ گزر گیا۔ حمید اس دوران میں برابر راگ محل جاتا رہا تھا لیکن ا اس چیز کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی کہ وہ ہمیشہ راگی کے ساتھ ہی وہاں جاتا۔ کئی لڑکیاں سے کافی گھل مل گئی تھیں لیکن سرلا اُسے ایک دن بھی نظر نہ آئی۔ اُس نے اس کے متعلق، غور کیا لیکن کچھ بھی سمجھ نہ آیا۔ وہ اپنے محکمے کے سادہ لباس والوں کو راگ محل کے گرد منڈلا دیکھتا اور سوچتا شاید یہ سب کچھ سرلا ہی کے لئے ہو رہا ہے مگر سرلا تھی کہاں؟ راگ محل کا چپہ حمید نے دیکھ ڈالا تھا اور یہ چیز اُس کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھی کہ وہاں کوئی چھپنے کی بھی ہوگی۔ وہ سوچتا شاید فریدی سرلا کے معاملے میں اپنی ہی کسی غلطی کا شکار ہوگیا ہے۔ اُسے دھوکا دے کر یہاں سے نکل گئی اور وہ شاید یہی سوچتا رہ گیا کہ وہ وہیں چھپی ہوگی۔ کے علاوہ حمید اور کچھ نہیں سوچ سکتا تھا۔ ویسے کسی دوسرے پہلو سے راگ محل کے متعلق سوچنا فضول ہی تھا۔ فریدی اُسے وہاں اس لئے نہیں بھیج سکتا تھا کہ خود راگ محل ہی کسی قسم جرائم کا مرکز ہے۔ وہاں تو صحیح معنوں میں مختلف قسم کے فنون کی خدمت ہو رہی تھی اور صرف چیدہ چیدہ ہستیوں کا گذر ہوسکتا تھا۔ اسی بناء پر اکثر راگ محل کے خلاف طوفان بھی کرتے تھے لیکن انہیں بڑی سختی سے دبا دیا جاتا تھا کیونکہ شہر کے بہتیرے سربرآوردہ لوگ کے سرپرست تھے۔

لیکن وہ شام حمید کے لئے بڑی سنسنی خیز تھی جب اُسے راگ محل میں ایک نیا تجربہ ہوا۔ وہ ایک رقص کرنے والی لڑکی کے لئے وائیلن بجا رہا تھا کہ ایک ملازم نے اُسے سیکریٹری کا پیغام دیا۔ وہ اس سے اپنے آفس میں ملنا چاہتا تھا حمید اپنا شغل ترک کر کے اُس کے کمرے میں داخل ہوا۔

''اوہ آیئے مسٹر ستیش.....!'' سیکریٹری نے مسکرا کر کہا اور حمید بیساختہ چونک پڑا۔ وہ یہاں کی رنگ رلیوں میں پڑ کر یہ تو بھول ہی گیا تھا کہ وہ ایک مفرور مجرم کے میک اپ میں ہے ورنہ شاید اُس کے چونکنے کے انداز میں اتنی بیساختگی نہ پیدا ہوسکتی۔ بہرحال وہ دوسرے ہی لمحے میں مسکرا کر بولا۔

''مجھے آپ سے شکایت ہے کہ آپ مجھے غلط نام سے مخاطب کر رہے ہیں۔ میرا نام جاوید پریمی ہے۔''

''آپ اس کی پرواہ نہ کیجئے۔ مگر میرا خیال ہے کہ پولیس سے بچنے کے لئے صرف یہ مونچھیں ہی کافی نہ ہوں گی۔''

''کیا آپ نشے میں ہیں مسٹر سیکریٹری۔'' حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''نہیں مائی ڈیئر مسٹر ستیش.....!''

اب حمید کو محسوس ہوا کہ فریدی نے اُسے اس میک اپ میں وہاں کیوں بھیجا تھا کیونکہ وہ سیکریٹری کے ہاتھ میں ایک ریوالور دیکھ رہا تھا۔ بھلا راگ محل میں ریوالور کا کیا کام؟ سیکریٹری نے ریوالور کو میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

''راگ محل یا جیل.....ان میں سے آپ کسے ترجیح دیں گے۔''

''کیا یہ کسی ڈرامے کا ریہرسل ہے مسٹر سیکریٹری۔'' حمید نے لاپروائی سے مظاہرہ کیا۔

''آپ جانتے ہیں مسٹر ستیش کہ راگ محل میں آج تک کوئی ڈرامہ نہیں ہوا۔ یہاں کے حقائق ہی اتنے دلچسپ ہوتے ہیں کہ تفریح کے لئے قصے کہانیوں کا سہارا نہیں لینا پڑا۔ اب یہی دیکھ لیجئے کہ جنوبی صوبے کا ایک قاتل راگ محل میں آرٹ کی خدمت کر رہا ہے۔ اگر میں یہاں کے سارے فنکاروں کو اکٹھا کر کے اُسے بے نقاب کر دوں تو کیسی رہے۔''

آہستہ آہستہ حمید کو عقل آ رہی تھی۔ اچانک اُس نے سرد اور سفاک قسم کے لہجے میں

''اُس سے پہلے یا تو تم مر جاؤ گے یا ستیش ہی مر جائے گا۔''

''میرے ہاتھ میں ریوالور ہے۔'' سیکریٹری نے مسکرا کر کہا۔

''تمہاری معلومات میں اضافہ کرنے کے لئے مجھے بتانا ہی پڑے گا کہ جسے میں نے کیا تھا اس کے ساتھ چھ آدمی تھے۔ اگر میں اُن میں سے ایک کو قتل نہ کر دیتا تو میرا قتل ہو لازمی تھا۔''

''تب تو تم نے اُسے حفاظت خود اختیاری کے تحت قتل کیا تھا۔'' سیکریٹری نے آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ایسی صورت میں تمہیں فرار نہ ہونا چاہئے تھا۔''

''مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ میں دوسری بار بھی اپنی حفاظت کر سکتا۔''

''تم تنہا تھے۔'' سیکریٹری نے پوچھا اور اثبات میں جواب پا کر دوبارہ سوال کیا۔ اب بھی تنہا ہو۔''

''ہاں میں اب بھی تنہا ہوں لیکن تم نے مجھے اس طرح پہچانا ہے جیسے میری تلاش رہے ہو۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تمہارے پاس اس ریوالور کا لائسنس ہے۔''

''ریوالور..... ریوالور کی بات جانے دو۔ میں تم سے فی الحال ایک سودا کرنا چاہتا ہوں ابھی تک یہ سودا ہے لیکن انکار کی صورت میں حکم بن جائے گا اور اس کے بعد تمہارے مقدر یا تو ہتھکڑیاں ہوں گی یا کسی ریوالور کی گولی تمہارے خطِ تقدیر میں سرخ تحریر کا اضافہ کر دیگی۔''

''یار سیکریٹری صاحب۔'' حمید ہنس کر بولا۔ ''تم تو شیکسپیئر کے کسی ویلن کی طرح رہے ہو۔ میں اسے دھمکی سمجھوں یا لٹریچر میں ایک حسین اضافہ۔''

''مجھے اور زیادہ خوشی ہوئی۔ تم پڑھے لکھے آدمی ہو۔'' سیکریٹری نے خشک لہجے میں ''دلیر بھی ہو تنہا بھی ہو تمہیں ساتھیوں کی ضرورت ہے۔ تم جانتے ہو کہ راگ محل کی دیواریں مستحکم ہیں۔ کیا یہاں کے کسی فرد پر کسی قسم کی آنچ بھی آ سکتی ہے۔''

''نہیں..... قطعی نہیں..... پھر.....!''

''پھر تمہیں فی الحال ہمارا ایک کام کرنا ہوگا۔ خوشی سے نہ کرو گے تو زبردستی۔ لیکن

بھاگ نہیں سکتے۔ جب بھی ارادہ کیا جہاں کہیں بھی ہو گے تمہاری کھوپڑی میں سوراخ ہو جائے گا۔ ہمارے آدمی ہر وقت تمہاری نگرانی کریں گے۔''

حمید تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔ ''کام کی نوعیت معلوم کئے بغیر میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن دھوکہ نہ ہو، ورنہ میں بخشنا تو جانتا ہی نہیں۔''

''تمہیں ریگل لاج میں ایک چھوٹا سا پیکٹ پہنچانا ہوگا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ میں تمہیں خطرات سے بھی آگاہ کر دوں تا کہ دھوکے کا احتمال نہ رہے۔ میرے ساتھ آؤ۔'' وہ اُسے وہاں سے دوسرے کمرے میں لے گیا۔

راگ اور خون

تقریباً دو گھنٹے بعد حمید راگ محل کے باہر آیا۔ اس کے ساتھ میں ایک خوبصورت سا پیکٹ تھا۔ للی بسکٹ کا پیکٹ۔ وہ اُسے یونہی کھلے عام ہاتھ میں دبائے ہوئے چل رہا تھا۔ اس پیکٹ کے لئے اتنی راز داری! حمید سے کہا گیا تھا کہ وہ اُسے آٹھ دس آدمیوں کی نگرانی میں ریگل لاج تک لے جائے گا۔ اُسے یقین تھا کہ وہ اس کی نگرانی کر رہے ہوں گے لیکن وہ اُن کی شخصیتوں سے ناواقف تھا۔ ویسے اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ وہ بیچ سڑک پر بھی قتل کیا جا سکتا ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر اس پیکٹ میں ہے کیا؟ وہ اسے اجنبی ہاتھوں میں دینے جا رہا تھا اُسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ ہوگا کون۔ اس سے تو یہ کہا گیا تھا کہ جس کے لئے یہ پیکٹ بھیجا جا رہا ہے وہ خود ہی اُسے پہچان کر اس سے لے لے گا۔ اس اتنے سے کام کی اجرت پانچ سو نوٹوں کی شکل میں دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ بڑی عجیب بات تھی۔ وہ پیکٹ علانیہ طور پر لے جایا جا رہا تھا اور آٹھ دس آدمی چھپ کر اس کی حفاظت کر رہے تھے اور پھر اسے پیدل ہی ریگل راج تک پہنچانا تھا۔ جس کا فاصلہ راگ محل سے ڈھائی میل ضرور رہا ہوگا۔ حمید چلتا رہا۔ اب تک ایک میل تک پیدل چل چکا تھا۔

اس وقت شہر کے ایک بھرے پُرے حصے سے گزرتے وقت بھی موت اُس کی آنکھوں کے سامنے ناچ رہی تھی۔ اچانک ایک گلی سے ایک چھوٹا سا جلوس نکلا۔ حمید پہلے ہی سے اس

کے نعرے سنتا رہا تھا۔ غالباً یہ جلوس کارپوریشن کے الیکشن سے تعلق رکھتا تھا۔

''اپنا ووٹ کس کو دو گے!'' ایک آدمی چیخا۔

''بندے علی کو۔'' درجنوں آوازیں ہم آہنگ ہو جاتیں۔

وہ جلوس کچھ اس طوفانِ بدتمیزی کی طرح گلی سے نکلا کہ حمید کے پاؤں اکھڑ گئے۔ کئی ایک بیک وقت اُس سے آ ٹکرائے تھے اور پھر..... لٹی بسکٹ کا پیکٹ بھی اُس کی گرفت سے نکل گیا بس پھر کیا تھا..... کھوپڑی ہوا ہوگئی۔ بوکھلاہٹ میں اُسکا ہاتھ ایک ایک کے گریبان پر پڑنے لگا۔ جلوس تتر بتر ہوگیا۔

''کیا ہے! کیا ہے۔'' کسی نے چیخ کر پوچھا۔

''مخالف پارٹی کا آدمی..... شیخ چھتانی کا آدمی۔''

''مارو سالے کو.....!''

سالے کے حواس غائب ہوگئے اور وہ سر پر پیر رکھ کر بھاگا۔ جلوس چیختا چنگھاڑتا ہوا اُس کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ اندھیرا پھیل چکا تھا اور سڑکیں جگمگا رہی تھیں۔ لیکن یہاں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قیامت آ گئی۔ بعض راہگیروں نے بھی دوڑنا شروع کر دیا تھا لیکن وہ خوف کی وجہ سے بھاگ رہے تھے۔ دوسروں کو بھاگتے دیکھا، خود بھی بھاگ لئے۔ دوکانیں دھڑا دھڑ بند ہونے لگیں تھیں۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اب اگر ایسے موقع پر کسی کے ہاتھ آ گیا تو کچومر نکل جائے گا۔

اچانک وہ ایک گلی میں مڑ گیا۔ لیکن اس میں اس کے ارادے کو دخل نہیں تھا۔ یہ فعل غیر ارادی طور پر سرزد ہوا تھا۔ بہر حال اس کے ستارے اچھے ہی تھے کہ آگے چل کر گلی تاریک ہوگئی تھی۔ وہ بے تحاشہ دوڑتا ہی رہا۔ اس کے پیروں میں کریپ سول جوتے تھے اور دوڑنے کے بل دوڑ رہا تھا۔ اس لئے آواز بھی نہیں ہو رہی تھی۔ وہ تقریباً پندرہ منٹ تک تاریک گلیوں میں چکراتا رہا۔ پھر اُس نے سوچا کہ اب اسے سڑک پر نکل جانا چاہئے۔ تعاقب کرنے والوں کی آوازیں بھی اب نہیں سنائی دیتی تھیں۔

اُسے اچھی طرح یاد نہیں کہ وہ کس طرح اپنی قیام گاہ تک پہنچا۔ یہ اُسی عمارت کا فلیٹ تھا جہاں فریدی نے اُسے ٹھہرنے کو کہا تھا۔

وہ پلنگ پر گر کر ہانپنے لگا۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اُسے بہت ہی تیز قسم کا بخار ہوگیا ہو کیونکہ اس وقت اس کے خیالات بڑے ''ہذیانی'' قسم کے ہو رہے تھے۔ بے سروپا اور وہ ہانپ رہا تھا اور غصے کا تو پوچھنا ہی کیا۔ وہ گالیاں بھی بے تکی اور مہمل ہی تھیں، جو دل ہی دل میں سراغ رسانی اور سراغ رسانوں کو دے رہا تھا۔

وہ آدھ گھنٹے تک بے سدھ پڑا رہا۔ پھر اٹھ کر دو تین گلاس پانی چڑھا گیا۔ لٹی بسکٹ کا پیکٹ اُس کے ذہن میں تھا۔ اس وقت اس کے اعصاب پر فریدی سوار تھا، جو کچھ سوچے سمجھے بغیر اُسے جہاں چاہتا تھا جھونک دیتا تھا۔ بہت دیر بعد اُسے وہ پیکٹ یاد آیا لیکن وہ گالیاں کھائے بغیر نہ رہ سکا۔

ویسے اُسے اُس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں تھی کیونکہ اس کی دانست میں وہ اُسی آدمی کے ہاتھ لگا ہوگا جس کے لئے بھیجا گیا تھا۔

اُس کا جوڑ جوڑ دکھنے لگا تھا اور تھکن بھی شباب پر تھی۔ وہ ملبوسات کی الماری کی طرف بڑھا کہ اب لباس تبدیل کر کے سو جائے۔ اتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی۔

''ارے..... کیا مصیبت آ گئی ہے۔'' وہ بڑبڑاتا ہوا دروازے کے قریب آیا اور چٹخنی گرائی۔ دروازہ کھلا اور سامنے راگ محل کے دو ایسے آرٹسٹ کھڑے نظر آئے جن سے حمید کے تعلقات بہت اچھے تھے۔

''تمہیں راگ محل تک چلنا ہے۔'' ان میں سے ایک نے کہا۔

اس کا لہجہ اتنا خراب تھا کہ حمید کو غصہ آ گیا۔ اُس نے بگڑ کر کہا۔ ''ضروری نہیں ہے۔ اب میں سونا چاہتا ہوں۔''

لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس نے دیکھا کہ اُن کے کوٹوں کی جیبوں سے ریوالور کی نالیں جھانک رہی ہیں اور آنکھوں میں سفاکی اور درندگی تو پہلے ہی سے نظر آ رہی تھی۔

حمید نے چپ چاپ مڑ کر اپنی فلٹ ہیٹ اٹھائی۔ باہر نکل کر دروازے کو مقفل کیا اور اُن کے ساتھ چلنے لگا۔ وہ ان دونوں کے بیچ میں تھا اور وہ اس سے لگے ہوئے چل رہے تھے۔ باہر سڑک پر ایک کار موجود تھی ایک نے حمید کو پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور دوسرا اسٹیئرنگ کے

سامنے جا بیٹھا۔ کار چل پڑی۔

حمید اپنی بائیں پسلی میں ریوالور کی نال کی چبھن محسوس کر رہا تھا۔ اُس نے کنکھیوں سے اپنے قریب بیٹھے ہوئے آرٹسٹ کو دیکھا پھر اسطرح نشست کی پشت گاہ سے ٹک گیا جیسے وہ کچھ مذاق ہی ہو۔ حمید انہیں یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ ذرہ برابر بھی خائف نہیں ہے۔

راگ محل میں اس وقت صرف تین لڑکیاں پیانو اور طبلے پر رقص کی مشق کر رہی تھیں۔ ہر کچھ اس درجہ بوکھلایا ہوا تھا کہ نہ تو اسے پیانو کی آواز سنائی دی اور نہ وہ رقص کرتی ہوئی لڑکیاں ہی دکھائی دیں۔

حمید کو سیکریٹری کے آفس میں دھکیل کر دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا لیکن یہاں بیٹھی ہوئی عورت پر اس کی نظر فوراً پڑ گئی۔ یہ سرلا کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ سیکریٹری کے علاوہ ایک آدمی اور بھی تھا جس کے چہرے پر سرخ رنگ کی داڑھی تھی اور آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک۔ حمید نے اس پہلے پہل دیکھا تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" سیکریٹری نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

حمید نہ جانے کیوں یہاں پہنچ کر مطمئن ہو گیا تھا۔ اُس نے چاروں طرف اچٹتی ہوئی نظر ڈالی اور پھر جواب طلب نظروں سے سیکریٹری کی طرف دیکھنے لگا۔

"وہ پیکٹ کہاں ہے؟" سیکریٹری نے گرج کر پوچھا۔

"یہ کہو کہ اب تمہاری نیت میں فتور آ گیا ہے۔" حمید نے بھی بالکل اُسی کے لہجے میں جواب دیا۔

"کیا مطلب.....؟"

"یہی کہ تم وعدہ کے مطابق مجھے پانچ سو روپے نہیں دینا چاہتے۔"

"کیا تم نے اُسے ریگل لاج تک پہنچا دیا تھا۔"

"نہیں وہ راستے ہی سے خود بخود ریگل لاج تک جا پہنچا۔"

سیکریٹری اُسے چند لمحے گھورتا رہا پھر بولا۔ "سنجیدگی سے گفتگو کرو، ورنہ ہو سکتا ہے یہیں تمہاری لاش پھڑکنے لگے۔"

"مجھے لاشوں سے خوف نہیں معلوم ہوتا اور میں بالکل سنجیدگی سے گفتگو کر رہا ہوں۔"

"جو کچھ بھی کرنا ہے جلدی کیجئے۔" سرلا نے منیجر سے کہا۔

"یہ مجھ سے عشق نہیں کریں گے محترمہ۔" حمید اُسے آنکھ مار کر بولا اور سرلا بوکھلا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"تم زیادہ بکواس نہ کرو۔ پیکٹ واپس کر دو۔"

"اگر وہ میرے پاس ہو تو ضرور واپس لے لو۔"

"کس کے پاس ہے۔"

"اوہ مسٹر سیکریٹری۔" حمید کا لہجہ دفعتاً نرم ہو گیا۔ "کیا ممکن نہیں ہے کہ اُس آدمی نے راستے ہی میں مجھ سے وہ پیکٹ لے لیا ہو۔"

"میں احمق نہیں ہوں۔" منیجر غرایا۔

"اگر میں تمہیں احمق سمجھتا ہوں تو مجھے یقیناً گولی مار دو.....!"

"تم نہیں بتاؤ گے۔"

"کیا تمہارے آدمی اندھے تھے جن کی نگرانی میں مجھے ریگل لاج بھیجا گیا تھا۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا تھا۔ کیا انہوں نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ میں نے کس طرح اُس غول بیابانی سے اپنی جان بچائی تھی۔ آخر کوئی دوسرا وہ پیکٹ چھیننے ہی کیوں لگا۔ بظاہر وہ بسکٹوں کا پیکٹ تھا۔"

"لیکن حقیقتاً کیا تھا۔" منیجر نے سوال کیا۔

"میں کیا جانوں..... میں نے اُسے کھول کر دیکھا نہیں تھا۔ کیا نگرانی کرنے والوں نے نہیں بتایا۔"

"اچھا دوست تم بھی کیا یاد کرو گے۔" سیکریٹری نے بڑبڑا کر سرخ داڑھی والے کی طرف دیکھا اور سرخ داڑھی والے نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی۔

"سرلا.....!" سیکریٹری نے سرلا سے کہا۔ "تم باہر جاؤ..... تم نے آج تک کسی کو قتل ہوتے نہ دیکھا ہوگا۔"

"پہلے پیکٹ کا سراغ ملنا چاہئے۔" سرلا بولی۔ "قتل کرنے سے کیا فائدہ ہوگا؟ اگر وہ غلط

ہاتھوں میں پہنچ گیا تو۔"

"تم جاؤ تو.....!"

حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا لیکن اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سیکریٹری شام ہی کو میز کی دراز سے ایک ریوالور نکالا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اب بھی وہیں موجود ہو۔

دفعتاً کسی نے دروازے کو دھکا دیا۔

"کون ہے؟" سیکریٹری نے غصیلی آواز میں کہا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں دروازہ کھل گیا۔ سامنے راگی کھڑا تھا۔ وہ کمرے میں چلا

"مسٹر راگی۔" سیکریٹری نے مسکرا کر کہا۔ "مجھے افسوس ہے اس وقت ہم ایک پرائیو موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں۔"

"اوہ اچھا! میں جا رہا ہوں۔" راگی دروازے کی طرف مڑا۔

"ٹھہریئے مسٹر راگی۔" حمید نے بلند آواز میں کہا۔ "بھلا مجھے ان کے پرائیو موضوعات سے کیا سروکار ہو سکتا ہے۔ میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔"

"تو پھر چلئے۔" راگی نے اس کی طرف مڑ کر کہا۔

"نہیں مسٹر راگی آپ جایئے۔" سیکریٹری جھنجھلا کر بولا۔ "میں ان حضرت کی اصلیت سے واقف ہو گیا ہوں۔"

"اوہو! تو آپ بھی واقف ہو گئے ہیں۔" راگی نے حیرت سے کہا۔

"ارے مسٹر راگی تو کیا آپ جان بوجھ کر ایک مفرور قاتل کو آرٹسٹ بنالائے تھے" سیکریٹری شکایت آمیز لہجے میں بولا۔

"مفرور قاتل..... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" راگی نے پھر حیرت کا اظہار کیا۔ "ارے یہ تو شہر کا سب سے بڑا عورت خور کیپٹن حمید ہے۔"

"کیا.....؟" سیکریٹری اچھل پڑا۔ سرخ داڑھی والا بھی کھڑا ہو گیا تھا۔ سرلا کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں حمید نے دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی لیکن راگی نے اُسے اس طرح اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا جیسے کسی شریر بچے کو دوڑتے میں پکڑ لے۔

"آپ کہاں چلے حمید صاحب۔" اُس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "آپ یہاں بھیس بدل کر عیاشی کرنے آئے تھے لیکن یہ کلا مندر ہے۔ آوارہ پریوں کا اکھاڑہ نہیں۔ آپ کی شامت ہی آپ کو یہاں لے آئی تھی۔"

دفعتاً سرخ داڑھی والا خنجر کھینچ کر اُس کی طرف جھپٹا۔ لیکن قریب پہنچنے سے پہلے ہی راگی کی لات اُس کے پیٹ پر پڑی اور وہ خنجر پھینک کر دوہرا ہو گیا۔

سیکریٹری میز کی دراز سے ریوالور نکال چکا تھا۔ وہ اُس کا رخ اُن دونوں کی طرف کرتا ہوا بولا۔ "تو مسٹر راگی تم لازمی طور پر کرنل فریدی ہو۔"

"اب آپ کو شاید خواب آ رہے ہیں۔" راگی مسکرا کر بولا۔ "میں تو اس عورت خور کو اچھا سبق دینا چاہتا تھا۔ اسی لئے اب تک خاموش اور موقعے کا منتظر تھا لیکن اگر آپ مجھے فریدی سمجھنے پر مصر ہیں تو چلئے یہی سہی۔ میں چھ ماہ سے آپ کے کلا مندر کی سیوا کر رہا ہوں۔"

سیکریٹری پے در پے ریوالور کا ٹریگر دباتا ہی چلا گیا۔ کھٹ کھٹ کی آواز کے علاوہ اور کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ ریوالور خالی تھا۔

راگی یا فریدی نے پرزور قہقہہ لگایا۔ اب اُس نے حمید کو چھوڑ دیا تھا۔

"جہاں فریدی ہو، وہاں بغیر لائسنس کے ریوالوروں کا دم نکل جاتا ہے۔ مسٹر سیکریٹری۔ یہ حمید کے جانے کے بعد سرشام ہی خالی کر دیا گیا تھا۔"

سرخ داڑھی والا جو اب بھی پیٹ پکڑے زمین پر بیٹھا ہوا تھا اپنی دانست میں ان دونوں سے نظر بچا کر خنجر کی طرف ہاتھ بڑھانے لگا۔ اُدھر اُس کا ہاتھ خنجر کے دستے پر پڑا اور ادھر فریدی کا جوتا اس کے ہاتھ پر پہنچ گیا۔ سرخ داڑھی والا ایک بار پھر درد کی شدت سے چیخا لیکن اگر اس دوران میں فریدی بڑی پھرتی سے جھک نہ گیا ہوتا تو سیکریٹری کے پھینکے ہوئے ریوالور کا اس کے سر پر جا پڑنا لازمی تھا۔ سرلا ایک کنارے کھڑی بُری طرح کانپ رہی تھی۔

"حمید تم دروازے پر ٹھہرو۔" فریدی نے کہا۔ "سنا ہے سیکریٹری صاحب کو اپنی طاقت پر بہت ناز ہے۔ مجھے دیکھنا ہے کہ یہ پی سنگ کی ہڈیاں کتنی دیر میں توڑ سکتے ہیں۔"

"پی سنگ..... کہاں ہے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"اس کی عینک اتار دو اور داڑھی نوچ ڈالو۔ پی سنگ کا دیدار نصیب ہو جائے گا۔"

سیکریٹری گھونسا تان کر فریدی کی طرف جھپٹا لیکن فریدی جیب سے ریوالور نکالتا ہوا

"جہاں ہو وہیں ٹھہرو! میں آج لڑنے بھڑنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

پھر حمید سے کہا۔ "دروازہ بند کر دو۔ یہ تو میرے اصول کے خلاف ہے کہ کوئی مجرم پھوٹے بغیر شریف آدمیوں کی طرح حوالات میں چلا جائے۔"

حمید نے جھپٹ کر دروازہ بند کر دیا۔ وہ اب پہلے سے بھی زیادہ پھرتیلا نظر آنے لگا

"ہاں تو سیکریٹری صاحب آپ بہت طاقتور ہیں..... اوہو! آپ مطمئن رہئے۔ وقت راگ محل میں ہم چاروں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ میں آپ کے آدمیوں کو پہلے یہاں سے باہر ہانک چکا ہوں۔ وہ کسی سڑے سے بار میں اس وقت شراب پی رہے گے۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا سیکریٹری صاحب کہ آپ بہت طاقتور ہیں لہٰذا سرلا کے بال پکڑ کر اُسے زمین سے اٹھا لیجئے۔"

سیکریٹری بدستور اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔

"چلئے! چلئے! ورنہ میرے ریوالور کی گولی کم از کم آپ کی ران کی ہڈی ضرور توڑ دے گی اور ابھی آپ کو پی سنگ پر بھی قوت آزمائی کرنی پڑے گی۔ گو کہ آپ اُس کے ایک ادنیٰ ہیں۔ سرلا ہی وہ مجرمہ ہے جس کی وجہ سے لڑکیوں میں پاگل پن کی وباء پھیلی ہے۔"

"نہیں..... نہیں۔" سرلا خوفزدہ آواز میں چیخی۔

"اوہو..... کیا تم نے ڈاکٹر زیدی کے اُس عرق کا فارمولا نہیں چرایا تھا جو وہ قوت کے لئے تیار کر رہے تھے۔"

سرلا کچھ نہ بولی۔ چپ چاپ کھڑی کانپتی رہی۔ فریدی نے سیکریٹری سے کہا "ہے وہ عرق اسے نکالو نا۔ تم بھی پیو اور پی سنگ کو بھی پلاؤ۔ ظاہر ہے تم دونوں کو بھی مجھ پر آ ہی رہا ہوگا۔ اُسے پی کر تم یہ بھی بھول جاؤ گے کہ میرے ہاتھ میں ریوالور ہے۔ پھر اپنا نہایت آسانی سے انجام دے سکو گے۔"

"یہ سب بکواس ہے۔" پی سنگ نے چیخ کر کہا "تم خواہ مخواہ ہمیں پھانسنے کی کوشش کر رہے

"پی سنگ..... میں ایک سال سے تمہارے چکر میں ہوں۔ اگر اس میں نہیں تو کسی دوسرے معاملے میں پھنس جاؤ گے۔ تم نے قتل کرائے ہیں اور اب اس عرق کے ذریعہ شہر کو جہنم بنا رہے ہو۔ لڑکیوں کو اس کی لت پڑ گئی ہے۔ وہ اپنے گھروں سے بڑی بڑی رقمیں غائب کر کے اسے خریدتی ہیں، اسی لئے یہ وباء غریب گھرانوں کی لڑکیوں میں نہیں پھیل سکی۔

"سب جھوٹ ہے! بکواس ہے۔ پتہ نہیں کیا کہہ رہے ہو۔ تم میرے پرانے دشمنوں میں سے ہو۔"

"میں جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں اُسے عدالت میں ثابت کرنے کے لئے میرے پاس بے ثبوت ہیں۔ ڈاکٹر زیدی نے حقیقتاً یہ عرق طالب علموں ہی کے لئے بنانے کی کوشش کی تھی۔ اسے پی کر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ذہن پر جلا ہوگئی اور پھر یاد داشت حیرت انگیز طور پر ذہن کے تاریک گوشوں کو کریدنے لگتی ہے۔ مگر اس میں دو خامیاں رہ گئی تھیں۔ ایک تو یہ کہ یہ شراب بھی زیادہ نشہ آور ہوگیا تھا اور دوسری یہ کہ اگر اس کے نشے کی حالت میں آدمی کو غصہ آجائے تو وہ کتوں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے، ڈاکٹر زیدی کو دوسری خامی کا علم نہیں تھا۔ یہ سو فیصدی میری دریافت ہے۔ تم یوں بھی غیر قانونی طور پر شراب کشید کرتے رہے ہو۔ سرلا تم سے ملی اور نئے بیوپار کے متعلق مشورہ لیا۔ تم اس پر روپیہ لگانے کے لئے تیار ہو گئے۔ سرلا تمہارے لئے عرق کشید کرتی رہی اور تم اسے اپنے چند خوبصورت ایجنٹوں کے ذریعہ مالدار گھرانوں کی لڑکیوں میں کھپاتے رہے۔ وہ شروع میں اپنی قوت حافظہ بڑھانے کے لئے اُسے استعمال کرتی رہیں۔ پھر آہستہ آہستہ اس بُری طرح اس کی عادی ہوگئیں کہ انہیں ہر وقت نشے کی ضرورت محسوس ہونے لگی اور اب تم دونوں ہاتھوں سے روپیہ بٹور رہے ہو۔ تمہارے ایجنٹ ان لڑکیوں کو دھمکی دیتے ہیں کہ وہ عرق کے متعلق کسی کو کچھ نہ بتائیں ورنہ پھر انہیں اس کی ایک بوند بھی نہ مل سکے گی۔ لہٰذا وہ اصلاح خانوں کی قید برداشت کر لیتی ہیں مگر اس عرق کی ہوا تک نہیں لگنے دیتیں، چونکہ وہ ہر وقت اس کے نشے میں رہنا چاہتی ہیں لہٰذا جب کبھی بھی نشے کی حالت میں انہیں غصہ آجاتا ہے تو وہ جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتی ہیں۔ سرلا خود بھی اس نشے کی عادی ہے اور اس کے نشے اور غصے نے ہماری توجہ راگ محل کی طرف مبذول کرائی تھی۔ ورنہ ویسے بھی یہاں میں چھ ماہ سے راگی آرٹسٹ کی حیثیت سے کام کر رہا ہوں لیکن وہ دوسرا چکر تھا۔ میں

دیکھنا چاہتا تھا کہ یہاں پی سنگ کی سرپرستی میں کیا ہوتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اب میں اس حرکت کو ''پیش بینی'' کا نام دے دوں..... خیر ختم کرو۔ مگر نہیں آج کا لطیفہ بھی سنتے جاؤ۔ حمید یہاں اس شکل میں اس لئے لایا گیا تھا کہ تم اس سے کسی قسم کا کام لو۔ تم لوگوں کی حرکت سے میں پہلے واقف تھا کہ تم قانون سے بھاگے ہوئے مجرموں کو سہارا دے کر ان سے مختلف قسم کے کام لیتے ہو۔ ادھر چونکہ تمہارے دلوں میں یہ شبہ پیدا ہوگیا تھا کہ میں تمہارے سارے آدمیوں سے واقف ہوں اس لئے تم نے اس تقسیم کاری کے لئے راگ محل کو منتخب کیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں تقسیم کرنے والے ایسے آدمیوں کی ضرورت بھی درپیش ہوسکتی ہے جو بالکل نئے ہوں اور جن پر میری نظر بھی نہ ہو۔ تم نے اپنے پرانے دستور کے مطابق ہر کوئی مفرور مجرم سمجھ کر پھانسنے کی کوشش کی۔ میں یہی چاہتا تھا۔ نہیں پی سنگ تم چپ چاپ کھڑے رہو گے۔ ہاں اور وہ جلوس جس کے نرغے میں آکر حمید نے پیکٹ کھویا تھا میری ترتیب دیا ہوا تھا۔ مگر حمید کے فرشتوں کو بھی اس کی خبر نہ تھی ورنہ اتنی شاندار ایکٹنگ نہ کرسکتا۔

''کیا.....!'' حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔ ''حمید کا شاندار جنازہ کیسا رہے گا۔''

''جلوس ہی کی وجہ سے تم بچ گئے بیٹے..... ورنہ بیک وقت آٹھ گولیاں تمہارے جسم چھلنی کردیتیں۔'' فریدی مسکرا کر بولا اور پھر اُس نے سیکریٹری سے کہا۔ ''میرے پاس وقت نہیں ہے۔ سرلا کو بال پکڑ کر زمین سے اٹھاؤ..... چلو.....!'' ساتھ ہی اُس نے فائر بھی کردیا۔ گولی اس کی بائیں ران کو چھوتی ہوئی گذر گئی۔ سیکریٹری اچھل کر ایک طرف ہٹا اور کرسی سے ٹکرا کر فرش پر ڈھیر ہوگیا۔ وہ پاگلوں کی طرح اپنی ران ٹٹول رہا تھا۔ پھر وہ بوکھلا کر کھڑا ہوگیا اور تحاشہ سرلا کی طرف جھپٹا۔ دوسرے ہی لمحے میں سرلا زمین سے ایک فٹ کی اونچائی پر جھولتی ہوئی ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی۔

''واقعی تم کافی طاقتور ہو۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔ مگر حمید کو فریدی کی اس حرکت پر بڑا غصہ آیا۔ وہ کسی خوبصورت عورت کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا اسلئے وہ سیکریٹری کیطرف بڑھا۔

''کہاں چلے؟ چپ چاپ اپنی جگہ کھڑے رہو ورنہ میں تمہیں بھی.....!''

حمید جھلا کر پلٹا لیکن فریدی کے چہرے پر نظر پڑتے ہی اُس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے

کتنی درندگی اور سفاکی تھی اس کے چہرے پر!

''اس کی وجہ سے شہر کی تقریباً چار سو لڑکیاں برباد ہوئی ہیں۔'' فریدی غرایا۔ ''ہر طرح برباد ہوئی ہیں، پی سنگ کے ایجنٹ انہیں اپنی مائیں یا بہنیں نہیں سمجھتے تھے۔ وہ سب طالبات ہیں۔ ان کا مستقل تاریکیوں میں جاسویا۔ وہ اس لئے برباد ہوئیں کہ اپنی قوت حافظہ پر جلا کرنا چاہتی تھی۔ یہ مقصد پھر نشے کی عادت میں کھوگیا۔ حمید پیچھے ہٹ آؤ..... میرا بس چلے تو میں اس عورت کو کتوں سے نچوا ڈالوں۔''

سرلا چیخے چیخے مضمحل ہوگئی تھی اور ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے اسکے حواس جواب دے رہے ہوں۔

''اسے نیچے ڈال دو۔'' فریدی نے سیکریٹری کو حکم دیا۔ ''اور اب پی سنگ کو اتنا پیٹو کہ وہ چلنے پھرنے سے معذور ہوجائے۔''

''نن..... نہیں۔'' سیکریٹری ہانپتا ہوا بولا۔

''میں تمہارے خلاف کوئی قتل نہیں ثابت کرسکوں گا کہ تمہیں پھانسی ہی ہوجائے۔'' فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔ ''لیکن میرے ریوالور کی گولی تمہیں موت سے ضرور ہمکنار کرسکتی ہے۔ میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔ پی سنگ جیسے مجرموں کو پکڑنے کے سلسلے میں ایک نہیں اگر دس آدمیوں کی جانیں بھی تلف ہوجائیں تو محافظوں کو خوشی ہی ہوگی..... کیا سمجھے۔''

سیکریٹری چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر پی سنگ پر ٹوٹ پڑا۔ پی سنگ کے منہ سے گالیوں کا طوفان امنڈ پڑا۔ ایک بار پھر حمید کی نظروں کے نیچے ویسا ہی ڈرامہ شروع ہوگیا جیسا کچھ دن پہلے وہ ایک ویرانے میں دیکھ چکا تھا۔ دونوں ایک دوسرے پر حملے کررہے تھے اور ان کے انداز میں وحشت تھی۔ وہ دو اجنبی کتوں کی طرح غرا غرا کر ایک دوسرے پر جھپٹ رہے تھے اور حمید پاگل ہوا جارہا تھا۔ آخر فریدی کو ہوکیا گیا ہے۔ اس نے یہ کون سا طریقہ ایجاد کیا ہے۔

اچانک ان دونوں کے شور میں فریدی کی آواز ابھری۔ ''تم دونوں اس وقت اُن لڑکیوں سے بھی بدتر نظر آرہے ہو جو تمہارے نشیلے عرق کا شکار ہوکر جانوروں کی طرح بے عقل ہوجاتی ہیں..... مارو ایک دوسرے کو۔ اچھی طرح توڑو، اگر کسی کے بھی ہاتھ سست ہوئے تو وہ موت کی گود میں جاسوئے گا۔''

وہ دونوں ایک دوسرے کو نوچتے اور بھنبھوڑتے رہے۔ پی سنگ کو غالباً اس بات پر
کہ اُس کا ایک ملازم اُسے پیٹ رہا ہے اور سیکریٹری؟ اسے موت کا بھی خوف تھا اور پہلی
غصہ بھی کیونکہ وہ انتہائی زیرک ہونے کے باوجود بھی فریدی کے جال میں پھنس گیا تھا۔

یہ جنگ تقریباً ایک گھنٹے تک جاری رہی۔ حمید پر اکتاہٹ طاری تھی۔ سرلا ہوش
آ گئی تھی اور اب ایک کونے میں منہ ڈالے ہوئے کسی سردی کھائے ہوئے بکری کی
طرح کانپ رہی تھی۔

پھر دونوں تھک کر گر گئے۔ وہ سر سے پیر تک خون میں نہائے ہوئے تھے۔

کمرے کا سناٹا بڑا بھیانک تھا۔ حمید کو ہزارہا سال پہلے کا آدمی یاد آ رہا تھا۔ وحشی
جانوروں کی سی حس رکھنے والا۔ اُس نے فریدی کی طرف دیکھا اور کانپ گیا۔ سرلا پھر بیہوش
تھی۔ دوسری صبح پی سنگ کے سارے اڈوں پر چھاپے مارے گئے۔ اُس عرق کی بہت بڑی
برآمد ہوئی۔ اس کے علاوہ لاتعداد غیر قانونی طور پر مہیا کی ہوئی چیزیں۔ ڈاکٹر زیدی نے اُس
کا تجربہ کر کے بتایا کہ وہ سو فیصدی وہی عرق تھا جس کا فارمولا سرلا نے اس کی لیبارٹری سے
تھا۔ پھر فریدی نے اس عرق کا تجربہ خود اپنے اوپر کیا اور اپنی باضابطہ رپورٹ میں اس کا
کرتے ہوئے لکھا۔ ''اگر اس کے نشے کی حالت میں غصہ آ جائے تو پھر آدمی کو ہوش نہیں رہتا
کیا کر رہا ہے۔ یہ کیفیت صرف تھوڑی دیر تک رہتی ہے یا ہو سکتا ہے کہ اس مدت کا انحصار آدمی
مزاج اور اس کی جسمانی قوت پر ہو۔ کمزور آدمیوں کو جلد ہی غصہ آتا ہے اور جلد ہی رفع بھی ہو
ہے۔ طاقتور دونوں ہی صورتوں میں زیادہ وقت لیتے ہیں۔ بہرحال غصے کی کیفیت رفع ہونے
بعد نشے کے اثرات بھی زائل ہو جاتے ہیں اور نشے سے پہلے کی سی کیفیت لوٹ آتی ہے۔''

حمید کو اس کیس میں صرف دو ہی واقعات زیادہ اہم معلوم ہوئے تھے اور وہ دونو
واقعات وہی تھے جن میں فریدی نے آدمیوں کو کتوں کی طرح لڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ حمید
اس کی وجہ بہت پوچھی لیکن ہر بار فریدی کا یہی جواب ہوتا۔ ''میں تفریح کے موڈ میں تھا۔''

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 55

سائے کی لاش

(مکمل ناول)

پیشرس

ابن صفی نے ''سائے کی لاش'' میں ایک بار پھر ثابت کر دیا ہے کہ وہ نئی راہیں پیدا کرنے کے عادی ہیں۔ ایک ہی راستہ پر چلنا اس کا شیوہ نہیں ان کے قلم کی عظمتوں کی کہانی آج کے اردو ادب کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ وہ مزاح اور تحیر اور حیرت انگیز واقعات کا جو حسین امتزاج پیش کرتے ہیں..... اپنی جگہ پر خود ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کہانی میں مڈونگا اور لیڈی تنویر کے کردار نفسیات کے طالب علموں کے لئے ایک درس کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اتنی کردار نگاری صرف عظیم ابن صفی کا حصہ ہے۔ گرانڈیل احمق قاسم اور حمید کی شرارتیں اس بار عروج پر ملیں گی اور آپ قہقہہ لگانے پر مجبور ہوں گے۔

پبلشرز

پُراسرار عورت

اس بار بہت زور سے بجلی کڑکی اور گھوڑا گرتے گرتے بچا۔ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ہوا کا زور..... رات کا اندھیرا۔

وہ ایک طوفانی رات تھی مگر شاید گھوڑا ابھی طوفان سے کم نہیں تھا۔ وہ اپنے سوار کو اس طرح اڑائے جا رہا تھا جیسے وہ بھی اس ہنگامہ خیز رات کا ایک جزو ہو۔ بیس میل کی مسافت طے کرنے کے بعد بھی اس کے پیر سست نہیں ہوئے تھے۔ اندھیرے میں اس طرح فراٹے بھرنے سے تو یہی معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس کا جانا پہچانا راستہ ہے، سوار کی حالت البتہ ابتر تھی۔ وہ گھوڑے کی گردن سے لپٹا ہوا تھا، اُسے ہوش ہی نہیں تھا کہ لگام کب اور کیسے اُس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ لگام کہیں گر ہی گئی ہوگی، ورنہ کہیں نہ کہیں گھوڑا اس سے الجھ کر گرا ضرور ہوتا۔

یہی غنیمت تھا کہ سڑک زمین کی سطح سے کافی اونچی تھی اور اس پر پانی نہیں اکٹھا ہوا تھا، ورنہ وہ اس رفتار سے دوڑ بھی نہ سکتا۔

سڑک کے دونوں طرف جنگلوں کے سلسلے پھیلے ہوئے تھے۔ کبھی کبھی بجلی کی چمک ایک لحظہ کے لئے انہیں چونکا دیتی اور پھر وہ اسی گھنے اندھیرے اور بارش کے شور میں کھو جاتے۔

گھوڑے کی ٹاپوں کی ''تڑاک.....تڑاک'' بارش کے شور کے باوجود بھی دور ہی سے کانوں

تھی۔

گھوڑا دوڑتا رہا۔ بادل چنگھاڑتے رہے اور ہوا کی شائیں شائیں بارش کے شور کو

زیادہ بھیانک بناتی رہی۔

سوار کو ہوش نہیں کہ گھوڑا کب شہر کی حدود میں داخل ہوا۔ بارش کا ہیجان اب کچھ کم ہو

تھا لیکن گھوڑے کی رفتار میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی کیونکہ سڑکیں سنسان پڑی ہوئی تھیں

ویسے ابھی اتنی رات نہیں گئی تھی کہ سڑکیں ویران ہو جاتیں۔

بارش اور ہوا کے زور نے بجلی کے تاروں کو جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ نتیجے کے طور پر شہر کے بعض

حصے بالکل ہی تاریک ہو گئے تھے۔

گھوڑا اب جس حصے سے گذر رہا تھا وہاں زیادہ تر متمول لوگ آباد تھے، وہ ایک عمارت

کی کمپاؤنڈ کے پھاٹک میں گھس پڑا۔ اب اس کی رفتار سست ہو گئی تھی، ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے

اب وہ گر ہی پڑے گا۔ پورٹیکو میں پہنچ کر وہ شاید اپنی پوری قوت سے ہنہنایا اور اس کے حلق

سے کربناک آوازیں نکلتی رہیں۔

اچانک تاریک برآمدے میں بہت سے قدموں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ کئی ٹارچیں

روشن ہوئیں اور کسی عورت کی چیخ سنائی دی۔ ''میرا بچہ۔''

سوار ابھی تک گھوڑے کی گردن ہی سے لپٹا ہوا تھا۔ چار آدمیوں نے اسے اتارا اور

گھوڑے نے زمین پر بیٹھ کر اپنی گردن ایک طرف ڈال دی۔

عورت سسکیاں لے رہی تھی۔ کیونکہ اس نے بیہوش نوجوان کا خون میں بھیگا ہوا شانہ

دیکھ لیا تھا۔

اُسے ایک کمرے میں لے جا کر مسہری پر ڈال دیا گیا۔ یہ چاروں آدمی خوش پوش اور

مہذب تھے۔ انہیں گھر کے ملازموں میں سے نہیں سمجھا جا سکتا تھا، لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے

وہ سب اس عورت کا احترام کرتے ہوں۔ عورت دراز قد اور بھرے ہوئے جسم کی تھی۔

پینتالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہوگی۔ چہرہ اس عمر میں بھی پرکشش تھا، لیکن اس پر اذیت

پندی کی ساری علامتیں موجود تھیں۔ پتلے پتلے بھنچے ہوئے ہونٹ، بھاری جبڑے، چمکیلی اور

بے چین آنکھیں جن میں اس وقت آنسو تھے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُن سے کوئی غیر

فطری فعل سرزد ہو رہا ہو۔ یعنی آنسو ہونے کے باوجود بھی وہ روتی ہوئی سی نہیں معلوم ہو رہی

تھی۔

اُن میں سے ایک آدمی نے نوجوان کا زخمی شانہ کھول دیا تھا اور زخم کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے سر اٹھا کر سسکتی ہوئی عورت سے کہا۔

''محترمہ تنویر..... یہ کسی جانور کے دانتوں کے نشانات ہیں۔''

''اوہو.....!'' عورت نے جلدی سے آنسو پونچھ ڈالے اور خود بھی جھک کر خون بھرے

ہوئے حصے کو دیکھنے لگی۔

''ہاں یہ دانتوں ہی کے نشانات ہو سکتے ہیں۔'' اس نے پرسکون لہجے میں کہا۔

نوجوان کے جسم کا اوپری حصہ برہنہ کر دیا گیا تھا۔

''آپ باہر تشریف لے جائیے، تاکہ بھیگے ہوئے کپڑے اتار سکیں۔'' ایک آدمی نے

عورت سے کہا اور وہ کمرے سے چلی گئی۔

وہ اس کے بھیگے ہوئے کپڑے اتار کر اُسے ایک خشک چادر سے لپیٹنے لگے۔

''کسی جنگلی درندے کے دانت۔'' ایک بڑبڑایا۔

''نہیں! میرا خیال ہے کہ یہ کسی جنگلی درندے کے دانت نہیں ہیں، ورنہ شانے کی ہڈی

محفوظ نہ رہتی۔ ہاں بھیڑیئے کے امکانات ہو سکتے ہیں، مگر اپنی طرف کے بھیڑیئے اتنے

خطرناک نہیں ہوتے کہ بڑی عمر کے آدمیوں پر اس طرح حملہ کر بیٹھیں۔ ریچھ کے متعلق سوچا

بھی نہیں جا سکتا کیونکہ بقیہ جسم بے داغ پڑا ہوا ہے۔ اس کے ناخنوں کی ڈالی ہوئی خراشیں کافی

گہری ہوتی ہیں اور حملے کے وقت وہ اپنے بڑے بڑے ناخن ضرور استعمال کرتا ہے۔ دوسرے

جنگلی درندوں میں تیندوا سب سے زیادہ ہلکا جانور ہے، لیکن اُسکے جبڑوں کی گرفت بھی ہڈیاں

توڑ دیتی ہے۔''

''پھر.....!'' ایک آدمی نے سوال کیا۔

''یہ تو حضرت ہوش میں آنے کے بعد بتا سکیں گے۔ کسی کا کہنا ماننا تو جانتے ہی نہیں، جو

دھن سوار ہوئی تو ہوئی۔ اس موسم میں انہیں شکار سے باز رہنے کو کہا گیا۔ پتہ نہیں رائفل کی چھوڑی، نوکروں اور خیمے کا کیا حشر ہوا۔"

"محترمہ تنویر بہت پریشان ہیں۔"

"لیکن.....!" ایک آدمی نے آہستہ سے کہا۔ "کیا اُنکے چہرے پر پریشانی کے آثار ہیں۔"

"نہیں! وہ اپنے سینے میں فولاد کا دل رکھتی ہیں۔" ایک آدمی نے درشت لہجے میں کہا ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے وہ سوال ناگوار گذرا ہو۔ یہ ایک معمر مگر تندرست آدمی تھا۔

وہ پھر بیہوش نوجوان کی طرف متوجہ ہوگیا۔ یہ ایک کافی قبول صورت نوجوان تھا۔ عمر بیس بائیس سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ چہرے پر صحت مندی کے آثار تھے اور جسم گٹھیلا تھا۔ جسم کی بناوٹ یہی کہتی تھی کہ وہ ورزشوں کا عادی ہے۔

"اوہو.....!" ایک آدمی نے کہا۔ "ہم کیا کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر کو فون کرنا چاہئے۔"

اچانک قدموں کی آواز سنائی دی۔ وہ چونک پڑے۔ تنویر کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔

"نہیں اب آپ لوگ تکلیف نہ کریں۔ میں خود ہی دیکھ لوں گی۔ آپ اپنے کمروں میں جا سکتے ہیں۔" اس نے کہا۔

وہ چاروں چپ چاپ باہر نکل گئے۔ اُن کے کمروں میں جانے کا یہ مطلب تھا کہ اب تنویر کی اجازت حاصل کئے بغیر رات بھر کمروں سے باہر نہ نکل سکیں گے۔ ان کے لئے یہ عجیب وغریب عورت کی طرف سے یہی حکم تھا۔

تنویر چند لمحے اپنے بیہوش اکلوتے بیٹے کی طرف دیکھتی رہی پھر کمرے سے نکل گئی۔ اُس نے شاید اُن چاروں کی ساری گفتگو سن لی تھی۔

وہ متعدد کمروں سے گذرتی ہوئی ایک نیم تاریک کمرے میں آئی۔ یہاں کے بلب پر کچھ اس قسم کا شیڈ لگایا گیا تھا کہ روشنی ایک محدود دائرے میں تھی۔ جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئی ایک تاریک گوشے سے عجیب طرح کی آوازیں آنے لگیں۔ سیٹیاں..... سسکاریاں اور ایسی آوازیں، جو کسی آدمی کے بند ہوتے ہوئے حلق سے نکل رہی ہوں۔

تنویر اس تاریک گوشے کی طرف بڑھی۔ آوازیں پہلے سے بھی زیادہ تیز ہوگئیں، تنویر نے دیوار سے لٹکا ہوا چمڑے کا ایک بڑا سا چابک اتارا اور اُسے تاریک گوشے کی طرف گھمانے لگی۔ "شائیں.....شائیں.....شائیں.....شائیں۔"

آوازیں آنی بند ہوگئیں اور کمرے میں پھر پہلے ہی کا سا سکوت طاری ہوگیا۔

"مڈونگا.....!" تنویر کی آواز کمرے میں گونجی۔ "میرے بچے کو کسی جنگلی درندے نے زخمی کر دیا ہے۔"

"مرجانے دے۔" تاریک گوشے سے اس قسم کی آواز آئی جیسے ریلوے انجن نے اسٹیم چھوڑی ہو۔

جواب میں تنویر نے پھر اُسی گوشے کی طرف چابک گھمایا اور سناٹا چھا گیا۔

"سن مڈونگا.....!" تنویر نے پروقار آواز میں کہا۔ "تجھے بتانا پڑے گا کہ میرا بچہ کیسے زخمی ہوا ہے۔"

"نہیں بتاؤں گا.....نہیں بتاؤں گا۔" سیٹیاں اور سسکیاں پھر گونجیں۔

"تو مجھے اپنے پیر نہیں چاٹنے دیتی۔ میں نہیں بتاؤں گا۔"

تنویر نے پھر چابک گھمایا اور تاریک گوشے سے آواز آئی۔ "مار ڈال..... مجھے مار ڈال۔"

"تجھے بتانا پڑے گا۔" تنویر غرائی۔

"مڈونگا.....پیر چاٹے گا۔"

تنویر چند لمحے خاموش رہی۔ پھر اُس نے داہنے پیر سے سینڈل اتار کر اُسے تاریکی کی طرف بڑھا دیا۔ وہ خود روشنی میں تھی اور ایک پیر پر کھڑی ہوئی تھی۔

اس کے چہرے پر کچھ اس قسم کے آثار تھے جیسے وہ بڑی کراہیت محسوس کر رہی ہو۔

اندھیرے سے عجیب قسم کی غراہٹ بلند ہو رہی تھی اور ساتھ ہی "چپڑ چپڑ" کی آوازیں جیسے کتا پانی لپا رہا ہو۔

"ختم کرو۔" تھوڑی دیر بعد تنویر نے جھنجھلا کر کہا اور اپنا پیر کھینچ لیا۔ پیر بھیگا ہوا تھا اس نے دوبارہ سینڈل میں نہیں ڈالا اور ساری کو بھی اس طرح ٹخنوں کے اوپر اٹھائے رہی جیسے وہ پیر

کسی بہت ہی گندی چیز میں جا پڑا تھا۔

''شائیں.....!'' اندھیرے میں پھر ایک بار چابک گھمایا گیا اور تنویر غرائی ''مُنڈونگا..... باہر نکل۔''

''اندھیرا..... تنوی..... اندھیرا.....!'' وہی سسکارتی ہوئی آواز اندھیرے سے آئی۔

تنویر نے آگے بڑھ کر سوئچ آف کر دیا۔ کمرے کا روشن حصہ بھی تاریک ہو گیا اور وہ وہاں سے چل پڑی۔ وہ جس کمرے سے بھی گذرتی اُس کا بلب بجھاتی جاتی۔

اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر اندھیرے میں کوئی چیز رینگ رہی تھی، جس کے حرکت کرنے سے ایک عجیب سی آواز پیدا ہوتی۔ ''چٹ..... چٹ..... چٹ۔''

زخمی کے کمرے میں پہنچ کر اُس نے وہاں بھی اندھیرا کر دیا اور دروازے کے ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ ''چٹ..... چٹ۔'' کی آواز اس کمرے میں بھی داخل ہوئی لیکن ٹھیک اسی غائب بھی ہو گئی جہاں تنویر کھڑی تھی۔

''مُنڈونگا..... کیا تو میرے بچے کی بو محسوس کر رہا ہے۔'' تنویر نے کہا۔

''ہاں..... کر رہا ہوں۔''

''دیکھ..... اُسے کیا ہوا ہے۔''

''چٹ چٹ۔'' کی آواز پھر کمرے میں گونجنے لگی اور پھر چند ہی لمحوں میں وہی پہلے کا سناٹا طاری ہو گیا۔

شاید ایک منٹ بعد سسکاریاں اور سیٹیاں سنائی دینے لگیں۔

''تنویر.....!'' اندھیرے سے آواز آئی۔ ''کتا..... یہ کسی کتے کے دانت ہیں۔ تیرا بچہ مر جائے گا۔''

''کیا بکتا ہے.....!'' تنویر چیخی۔

''ہاں مر جائے گا..... مگر مُنڈونگا اُسے بچا سکتا ہے۔ بچا سکتا ہے تنوی۔''

''بچا لے مُنڈونگا۔'' تنویر گھگھیائی۔

''مگر میں روزانہ تیرے پیر چاٹوں گا۔''

''اچھا سُور کے بچے۔''

''کتا زہریلا ہے..... میں رات بھر اس کے زخم چوسوں گا اور یہ صبح تجھے ٹھیک ملے گا۔ یہاں سے چلی جا۔''

''تو رات بھر یہاں اس کمرے میں نہیں رہ سکتا۔'' تنویر نے کہا۔

''اچھا تو پھر میں اسے لے جا رہا ہوں۔''

''لیکن اگر اُسے ہوش آ گیا تو۔''

''میرے کمرے میں اندھیرا ہو گا تنوی۔ اگر اُسے ہوش آ گیا تو میں اسے باہر ڈال دوں گا۔''

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر تنویر نے کہا۔

''اچھا..... تو یہی کر..... لیکن یاد رکھ اگر میرا بچہ مر گیا تو میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔''

جواب میں ایک عجیب سی آواز گونج کر رہ گئی۔ شاید یہ اُس پراسرار ہستی کا قہقہہ تھا۔ تنویر خاموش رہی۔ پھر ''چٹ چٹ'' کی آواز اس کے قریب سے گذر کر کمرے سے باہر جاتی معلوم ہوئی۔ جب آواز آنی بند ہو گئی تو تنویر نے سوئچ آن کر دیا۔

مسہری خالی تھی۔ تنویر نے تشویش آمیز نظروں سے چاروں طرف دیکھا اور ایک کرسی میں گر گئی۔ اس کے چہرے پر گہرے تفکر کے آثار تھے۔

وہ ایک مضبوط دل کی عورت تھی۔ بعض لوگ تو اُسے سکندر تک کہہ بیٹھتے تھے لیکن اس کے چاروں مشیروں نے آج پہلے پہل اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے پہلی بار اُس کی سسکیاں سنی تھیں۔ اپنے شناساؤں میں وہ ایک پراسرار عورت سمجھی جاتی تھی۔ وہ پراسرار ہی سہی مگر وہ کوئی معمولی عورت نہیں تھی۔ اسکی کئی فیکٹریاں اور ملیں تھیں۔ شہر کی متمول ترین ہستیوں میں شمار ہوتا تھا۔ اُس کا حلقہ احباب محدود تھا۔ چند گنے چنے آدمی اکثر اس کی کوٹھی میں دیکھے جاتے۔ یہ بھی وہ لوگ تھے جنہوں نے زبردستی مادام تنویر سے تعارف حاصل کیا تھا، ورنہ وہ خود کسی سے کبھی نہیں ملتی تھی۔ وہ نہ صرف اپنے ملازموں بلکہ لڑکے کے لئے بھی انتہائی پراسرار تھی۔ اس کی کوٹھی کا ایک حصہ ایسا بھی تھا جہاں کوئی نہیں جانے پاتا تھا اور یہ حصہ وہی تھا جہاں کچھ دیر پہلے چابکوں کی ''شائیں شائیں'' گونجتی رہی تھی۔ تنویر کے علاوہ اور کسی کو بھی علم نہیں تھا کہ وہاں کیا ہے۔ ویسے باورچیوں کو روزانہ تقریباً دس سیر گوشت کے پارچے اس طرح انگاروں پر بھوننے پڑتے تھے کہ

بھن جانے کے بعد اُن سے خون ٹپکتا رہے یعنی آدھ کچے پارچے اور وہ سارے کا سارا گوشت خود تنویر اٹھا کر عمارت کے اس حصے میں لے جایا کرتی تھی۔

اس کے علاوہ آج تک وہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکا تھا۔ اکثر اُس حصے کی طرف سے عجیب وغریب آوازیں لوگ سنتے اور سہم جاتے مگر کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس حصے کا معلوم کرنے کی کوشش کرتا۔ تنویر کا خوف اس طرح ان لوگوں پر غالب تھا۔

دوسروں پر حکومت کرنے والی تنویر کی یہ رات بڑی بے چینیوں میں گذری جارہی تھی۔

وہ کبھی اٹھ کر ٹہلنے لگتی ..... کبھی بیٹھ جاتی۔ کبھی کھڑکی کے قریب جاکر کھڑی ہوجاتی کمپاؤنڈ میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں اس طرح گھورنے لگتی جیسے اُسے کسی کی تلاش ہو۔

اچانک اُس کے کتوں نے آسمان سر پر اٹھالیا اور تنویر جھپٹ کر ایک الماری کے قریب پہنچی۔ اُسے کھول کر ایک ریوالور نکالا۔ کمرے کی روشنی گل کردینے کے بعد وہ پھر کھڑکی کے قریب آگئی۔ کتے بدستور بھونکے جارہے تھے۔

آج یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ کتے روز ہی رات کو اسی طرح اچانک بھونکنے لگتے تھے لیکن اس سے پہلے کبھی تنویر کو ریوالور نکالنے کی ضرورت نہیں پیش آئی تھی۔

دو بج گئے تنویر ابھی تک جاگ رہی تھی وہ اپنے لڑکے عدنان کے لئے بہت پریشان تھی۔ ایک فکرمند ماں کی طرح بہتیری اچھی اور بُری باتیں سوچ رہی تھی۔

اچانک اُس نے عدنان کی چیخیں سنیں، روشنی لاؤ..... روشنی لاؤ..... میں کہاں ہوں۔ یہاں بہت اندھیرا ہے..... کیا میں اندھا ہوگیا ہوں۔"

آواز بڑی تیزی سے قریب آتی جارہی تھی۔ دوسرے ہی لمحے میں تنویر راہداری میں تھی وہ دوڑتی ہوئی عمارت کے اُسی پراسرار حصے کی طرف جارہی تھی جہاں اُس نے کسی پر چابک برسائے تھے۔ تاریک راہداریاں منور ہوتی چلی گئیں۔ پھر اُسے عدنان نظر آیا۔ جو ایک دیوار کا سہارا لئے لڑکھڑاتا ہوا چل رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔

"عدنان.....!" تنویر چیخی اور عدنان نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ سیدھا کھڑا ہونے کی کوشش کررہا تھا۔ تنویر نے آگے بڑھ کر اُسے سہارا دیا۔

"تو میں گھر ہی میں ہوں۔" عدنان کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

اچانک ایسا معلوم ہوا جیسے تنویر یکلخت بدل گئی ہو۔ اس نے پیشانی پر بل ڈال کر کہا۔

"میں تم سے بہت ناراض ہوں عدنان۔"

"نہیں! ممی ڈیئر! تمہیں خوش ہونا چاہئے کہ میں واپس آگیا۔ میرا گھوڑا کہاں ہے اور ہی رائفل۔"

"گھوڑا اصطبل میں ہوگا..... رائفل کے متعلق مجھے علم نہیں۔ میں نے تمہیں اس شکار سے رکھنے کی کوشش کی تھی۔"

"کیا تمہیں علم تھا ممی کہ مجھے یہ حادثہ پیش آئے گا" عدنان نے اُسے گھور کر پوچھا۔

"چلو..... اپنے کمرے میں چلو۔ تم کمزوری محسوس کررہے ہو۔"

"میری بات کا جواب دو ممی..... کیا تمہیں علم تھا۔"

"شٹ اَپ....."

عدنان خاموش ہوگیا۔ لیکن اُس کے چہرے پر پائے جانے والے آثار یہی کہہ رہے تھے "وہ اپنی ماں کی ڈکٹیٹرشپ پسند نہیں کرتا۔ وہ اُسے اُسی کمرے میں لائی جہاں کچھ دیر قبل خود تھی اور اُسے آرام کرسی میں دھکیلتی ہوئی بولی۔ "مجھے بتاؤ کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا۔"

"مجھے یاد نہیں..... اوہ ممی..... اب میں سونا چاہتا ہوں۔ اف فوہ..... کتنی جلن ہے میرے سینے میں۔"

"تم مجھے بتائے بغیر نہیں سوسکو گے، مجھے تمہاری یہ خودسری بالکل پسند نہیں ہے۔"

"سونے کی خواہش کرنا خودسری نہیں ہے۔ تم اب تک کیوں نہیں سوئیں۔"

"میری بات کا جواب دو۔ تم بہت بدتمیز ہوتے جارہے ہو۔"

"میں شاید موت کے منہ سے نکل کر آیا ہوں ممی!" عدنان نے خشک لہجے میں کہا۔

"ہاں میں جانتی ہوں..... مجھے اس کے متعلق بتاؤ۔"

"صبح بتاؤں گا..... اب مجھے سونے دو۔"

"تم بتائے بغیر نہیں سو سکتے۔ اگر مجھے تیسری بار بھی یہی دہرانا پڑا تو میں بہت بُری طرح

پیش آؤں گی۔ موت کے منہ میں جانا اور نکل آنا مردوں ہی کا کام ہے۔ اگر تم لڑکی ہوتے
کچھ پوچھے بغیر ہی تمہیں تھپک کر سلا دیتی۔''

''میں نہیں جانتا کہ ماں کی شفقت کس چڑیا کا نام ہے۔'' عدنان بُرا سا منہ بنا کر بولا

''تم حقیقتاً بہت بدتمیز ہوتے جا رہے ہو۔ میں تم سے کبھی نہ بولوں گی۔'' تنویر نے
ہوئے کہا۔

''اوہو! ممی خفا ہو گئیں۔'' عدنان بے بسی سے بولا۔ ''بیٹھ جاؤ..... بتاتا ہوں..... یہ
شکار کے لئے نکل گیا تھا۔ نوکر خیمے میں تھے اور خیمہ مجھ سے تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلے پ
ایک کتے نے پیچھے سے گھوڑے پر حملہ کیا اور گھوڑا بدک کر بھاگا۔ میں نے مڑ کر دیکھا،
جنگلی کتا نہیں معلوم ہوتا تھا..... حقیقتاً کسی کا پالتو تھا۔ مگر جنگل میں۔ میرا مطلب ہے کہ
آبادیوں میں ایسے کتے نہیں دکھائی دیتے۔ میرا گھوڑا بے تحاشہ دوڑ رہا تھا، لیکن کتے سے
فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ ایک بار کتے نے چھلانگ لگائی اور مجھ پر آ رہا۔ شاید اس کا حملہ میری
ہی کے لئے تھا۔ لیکن اس کے دانت شانے ہی میں اترتے چلے گئے۔ مجھے اچھی طرح یا
ہے کہ میں نے اُسے کس طرح جھٹک دیا تھا۔ گھوڑا دوڑتا ہی رہا..... پھر بارش شروع ہو گئ
جانے کیوں مجھ پر غشی سی طاری ہوتی جا رہی تھی۔ پھر مجھے یاد نہیں کہ کیا ہوا..... یہ بتاؤ میرا
زندہ ہے یا مر گیا۔''

''مجھے علم نہیں ہے۔''

''علم ہونا چاہئے..... ممی وہ ایک بڑا شاندار گھوڑا ہے۔ اسی نے آج میری جان بچائی ہے

''وہ کتا کیسا تھا.....؟''

''اوہ..... وہ..... اس کا رنگ سیاہ تھا..... اور جسم کی بناوٹ گرے ہاؤنڈ کی سی تھی۔ لیکن
نے آج تک سیاہ رنگ کا گرے ہاؤنڈ نہیں دیکھا۔''

''کیا اس کے سر پر سفید دھاریاں بھی تھیں۔''

عدنان تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''میں نے اتنے غور سے نہیں دیکھا تھا
ہے دھاریاں رہی ہوں..... اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نہ رہی ہوں۔''

''ٹھیک ہے..... تمہیں اتنا ہوش کہاں رہا ہوگا کہ یہ دیکھتے۔'' تنویر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔
''تم تو کسی ننھی سی بچی کی طرح خوفزدہ ہو گئے تھے۔ عدنان کیا تمہیں ریوالور کی مشق نہیں ہے۔''

''ہے کیوں نہیں..... کیا تم یہ سمجھتی ہو ممی کہ میں ڈر کر بھاگا تھا۔ گھوڑا بے قابو ہو گیا تھا۔ پھر
طوفان آ گیا۔ اگر تم اس طرح طنز کرو گی تو میں ابھی اور اسی وقت شکارگاہ واپس جاؤں گا۔''

''خاموش بیٹھو۔'' تنویر نے اُسے جھڑک دیا۔ چند لمحے چپ رہی پھر پوچھا۔ ''اس کتے کے
ساتھ کوئی آدمی بھی نظر آیا تھا۔''

''میں نہیں دیکھ سکا۔'' عدنان نے جواب دیا پھر بولا۔ ''کیا تم اس کتے کے متعلق کچھ جانتی ہو۔''

''کیوں.....؟'' تنویر اُسے گھورنے لگی۔

''تم نے ابھی سفید دھاریوں کے متعلق پوچھا تھا۔''

''کچھ نہیں..... یونہی۔''

''مجھے بتاؤ کہ وہ کس نسل کا کتا تھا۔''

''میں نہیں جانتی، لیکن اب تم میری اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہیں نکلو گے..... سمجھے!''

''کیوں..... مجھے وجہ بتاؤ۔''

''تم واقعی بہت بدتمیز ہوتے جا رہے ہو۔''

''ممی ڈیئر! تم ذرا ذرا سی بات پر خفا ہو جاتی ہو۔ میں تمہاری پریشانی کی وجہ معلوم کرنا چاہتا
ہوں۔ تم کئی دنوں سے پریشان نظر آ رہی ہو۔''

''تم مجھے پریشان نہیں دیکھنا چاہتے..... کیوں؟''

''قدرتی بات ہے ممی۔''

''اچھا تو میں اس طرح خوش رہ سکتی ہوں کہ تم میرے کہنے پر عمل کرو۔''

''یعنی تمہاری اجازت کے بغیر گھر سے باہر قدم نہ نکالوں۔''

''ہاں..... میں یہی چاہتی ہوں۔''

عدنان نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''تم نے مجھے
ہال اندھیرے میں کیوں ڈال دیا تھا۔''

''ڈاکٹر نے یہی کہا تھا کہ تمہیں اندھیرے میں ہوش آنا چاہئے۔''

''اندھیرا تو میرے کمرے میں بھی ہوسکتا ہے۔''

''تم پھر بحث کرنے لگے۔''

''ہاں تو میں تم سے کچھ پوچھا ہی نہ کروں۔'' عدنان نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔

''نہ پوچھا کرو۔''

''تم ابھی تک مجھے ایک ننھا سا بچہ سمجھتی ہو۔ یہ مجھے پسند نہیں ہے۔''

''میری پسند تمہاری پسند ہے..... اُسے ہمیشہ یاد رکھنا۔ اب سو جاؤ۔'' تنویر اٹھتی ہوئی

عدنان خاموش ہی رہا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا تھا اور اپنا نچلا ہونٹ دانتوں دبا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

تنویر اُس کے کمرے سے نکل کر پھر عمارت کے اُسی حصے کی طرف جا رہی تھی۔ دروازے پر پہنچ کر وہ رک گئی۔

''مُدونگا! مُدونگا۔'' اُس نے آہستہ سے آواز دی۔ لیکن اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ دو بار آواز دینے کے بعد وہ پھر رہائشی حصوں کی طرف پلٹ آئی۔

اب پھر بوندا باندی شروع ہوگئی تھی اور آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ تنویر برآمدے میں نکل آئی۔ کمپاؤنڈ سنسان پڑا تھا۔ درختوں سے بوندوں کے گرنے کی آوازیں ہو رہی تھیں اور ہوا سائیں سائیں کرتی ہوئی گذر رہی تھی۔

تنویر نے برآمدے کے بلب نہیں روشن کئے۔ وہ ٹٹولتی ہوئی آگے بڑھی اور ایک کرسی میں لیٹ گئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ صبح چوکیدار کی بُری طرح خبر لے گی کیونکہ اُن میں شاید ایک بھی نہیں جاگ رہا تھا۔

ریوالور تنویر کی گود میں رکھا ہوا تھا۔ آج سے پہلے کبھی وہ اس طرح برآمدے میں آکر بیٹھی تھی۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی اور ذہن مختلف قسم کے خیالات میں بُری طرح الجھا ہوا تھا مگر وہ خائف نہیں تھی۔

وہ بڑی پراسرار عورت تھی۔ اُس کا لڑکا عدنان بھی اُس کے کسی راز سے واقف نہیں تھا

نہیں جانتا تھا کہ اُس کی ماں کون ہے! کیا ہے؟ وہ اپنے باپ کے متعلق بھی کچھ نہیں جانتا تھا۔ حد یہ ہے کہ اُسے اپنے باپ کا نام تک نہیں معلوم تھا۔

ہم شکل مردہ

کرنل فریدی آفس میں اپنی میز پر اخبار پھیلائے بیٹھا تھا۔ حمید اور رمیش اپنی میزوں پر تھے۔ رمیش کاغذات میں الجھا ہوا تھا اور حمید..... وہ تو اب محض فریدی کو چڑھانے کے لئے ''ٹوٹو پلے پن اپ'' کے پرچے آفس میں بھی لانے لگا تھا۔ اس وقت بھی وہ پرچے کی ورق گردانی کر رہا تھا۔ اس میں ہالی وڈ کی ایکٹریسوں کی نئی نیم عریاں تصاویر تھیں۔ کبھی کبھی وہ دور ہی سے رمیش کو بھی کوئی پوز دکھانے لگتا۔ فریدی اخبار میں محو تھا۔

اچانک لیڈی انسپکٹر ریکھا کمرے میں گھس آئی۔ اُس کا چہرہ سرخ تھا اور سانس پھولی ہوئی تھی۔ وہ آتے ہی اخبار پر جھک پڑی۔

فریدی نے اُسے تیکھی نظروں سے دیکھا۔ اُسے ریکھا سے ایسی بے تکلفی کی توقع نہیں تھی۔ آج وہ اجازت لے کر بھی کمرے میں داخل نہیں ہوئی تھی۔''

''کیا بات ہے۔''

''اوہ..... میں معافی چاہتی ہوں۔'' ریکھا سٹپٹا گئی۔ ''لیکن بات ایسی ہی ہے۔''

''کیا بات ہے..... بیٹھ جاؤ۔'' فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

حمید نے میز کی دراز سے دو تین پرچے اور نکال لئے۔ آج کل ریکھا سے اُس کی بول چال نہیں تھی اور جھگڑے کی وجہ قاسم تھا۔ قاسم آج کل زیادہ تر حمید ہی کے ساتھ رہتا اور ریکھا پر خاص طور سے اس کی نظرِ عنایت تھی بلکہ وہ حمید کے ساتھ اپنا زیادہ تر وقت اسی لئے گذارتا تھا کہ شاید ریکھا کا دیدار ہی نصیب ہو جائے مگر ایسا بہت کم ہوتا تھا۔

اس جھگڑے سے پہلے وہ تینوں کبھی کبھی کیفے یا ہوٹل میں مل بیٹھا کرتے تھے۔ ریکھا قاسم

کی حماقتوں سے کافی محظوظ ہوتی، لیکن ایک دن جب حمید اور ریکھا آرلیکچو میں بیٹھے غپیں مار
تھے۔ قاسم آ گیا اور اچانک ریکھا کی نظر قاسم کی کوٹ کی جیبوں پر پڑی، جو رہ رہ کر پھول
پچکتی ہوئی سی معلوم ہونے لگتی تھیں۔ ریکھا کے استفسار پر قاسم نے بتایا کہ وہ خرگوش کے بچے
پھر رہا ہے کیونکہ ریکھا کو خرگوش بہت پسند ہیں۔ شائد ریکھا نے پہلے کبھی کسی موقعہ پر کہا تھا
اُسے خرگوش بہت پسند ہیں۔ اگر امکان میں ہو تو وہ سارا دن خرگوشوں سے کھیلتی رہے۔

قاسم نے اُسے بتایا کہ اُسے بھی خرگوشوں سے اتنی ہی محبت ہے۔ اس سلسلے میں اس
شاید بوکھلاہٹ میں یہ بھی کہہ دیا کہ اسے ریکھا سے بھی اتنی ہی محبت ہے، ریکھا اس پر اکڑ
گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قاسم کی گھگھی بندھ گئی اور حمید اس کی صفائی پیش کرنے لگا۔ پھر بات اتنی
کہ دونوں میں لڑائی ہوگئی۔ اُسی دن سے دونوں میں بول چال بند تھی۔

''ہاں.....!'' فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''کیا اس اخبار میں کچھ ہے۔''

''جی ہاں..... میں اس تصویر کے متعلق کچھ کہنا چاہتی ہوں۔'' ریکھا نے اخبار کی
تصویر کی طرف اشارہ کیا۔

''اوہ..... یہ ..... ہاں..... کیوں؟ یہ سعید بابر کی تصویر ہے، جو ابھی حال ہی میں
افریقہ سے یہاں آیا ہے۔''

حمید نے بہت زور سے اپنے گال پر تھپڑ مارا اور پھر رمیش کو غصیلے انداز میں گھونسہ دکھا
لگا..... فریدی اُسے کنکھیوں سے دیکھ کر پھر ریکھا کی طرف دیکھنے لگا۔

''اگر میں یہ کہوں کہ میں نے کچھ دن پہلے اس آدمی کی لاش دیکھی تھی تو.....!'' ریکھا
پورا نہ کر پائی کیونکہ حمید رمیش کو مخاطب کر کے بلند آواز میں کہہ رہا تھا۔ ''اس اطلاع پر میں
بھی منڈوا سکتا ہوں۔''

''فی الحال تم باہر چلے جاؤ۔'' فریدی غرایا۔

''بہت بہتر جناب۔'' حمید پن اَپ کے پرچے سنبھالتا ہوا اٹھنے لگا۔ وہ فرش پر گرے
حمید انہیں اٹھانے کیلئے جھکا۔ کئی پرچے کھل گئے تھے جن میں بڑی بڑی نیم عریاں تصویریں تھیں

''گٹ آؤٹ۔'' فریدی جھلا گیا اور حمید پرچوں کو وہیں فرش پر چھوڑ کر باہر نکل گیا۔

''رمیش.....!'' فریدی نے کہا۔ ''انہیں سمیٹ کر باہر پھینک دو۔۔''

رمیش اٹھ کر پرچے سمیٹنے لگا اور فریدی نے ریکھا سے کہا۔ ''ہاں تم کیا کہہ رہی تھیں۔''

ریکھا، جو رمیش کو پرچے سمیٹتے دیکھ رہی تھی چونک پڑی۔ ''جی ہاں! آپ یقین کیجئے میں
اس کی لاش دیکھی تھی۔''

''کب دیکھی تھی..... اور پھر تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو کہ یہ اُسی کی لاش رہی ہوگی۔''

''اگر وہ محض مشابہت تھی تو مجھے حیرت سے بھی زیادہ کچھ اور ہونا چاہئے۔''

''ہاں..... آں..... اکثر ایسی مشابہتیں بھی ہوتی ہیں۔ خود میرے تجربے میں ایسے واقعات
ئے ہیں۔ میرے کئی کیسوں میں ایسی شکلیں سامنے آ چکی تھیں۔''

''مگر جناب! وہ مشابہت ہی سہی۔ میں نہ جانے کیا محسوس کر رہی ہوں۔''

''اس لائن میں آگے بڑھنے کی صلاحیت تم میں بدرجہ اتم موجود ہے۔'' فریدی نے کہا۔
ہم اسے چھٹی حس کہتے ہیں۔ خیر تم کیا محسوس کر رہی ہو۔''

''دیکھئے بتاتی ہوں۔'' ریکھا نے کہا پھر رمیش کیطرف دیکھ کر بولی۔ ''تم نے بھی اس مفلوج
فقیر کو صدر کے علاقے میں کہیں کہیں ضرور دیکھا ہوگا، جو بڑی عجیب قسم کی دعائیں دیا کرتا تھا۔''

''جی ہاں..... میں نے دیکھا ہے۔'' رمیش نے جواب دیا۔

''ذرا یہ تصویر دیکھنا۔''

''رمیش اٹھ کر میز کے قریب آ گیا۔ کچھ دیر تک سر جھکائے تصویر کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر
بولا۔ بڑی مشابہت ہے بلکہ بعض حالات میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ دونوں میں سرمو فرق نہیں۔''

''مگر یہ فقیر تمہیں یاد کیسے رہ گیا۔ دن بھر سینکڑوں فقیر تمہاری نظروں سے گذرتے ہوں گے۔''

''جناب! وہ فقیر ہی عجیب ہے۔'' رمیش نے کہا۔

''ہے نہیں بلکہ تھا..... کیونکہ میں اس کی لاش دیکھ چکی ہوں۔''

''کب..... کیا وہ مر گیا۔'' رمیش نے پوچھا۔

''غالباً پچھلے ہفتے کی بات ہے۔ پھر میں نے اس آدمی کو۔'' ریکھا نے تصویر کی طرف
اشارہ کیا۔ ''کل شام ایک کار سے اترتے دیکھا۔ اگر میں اس فقیر کی لاش نہ دیکھ چکی ہوتی تو.....

آپ خود سوچئے۔"

"ہُم..... مجھے بتاؤ کہ وہ فقیر عجیب کیوں تھا۔"

ریکھا اور رمیش ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئے۔ پھر رمیش نے کہا۔ "حمید بھائی بھی اس فقیر کو دیکھا ہوگا۔ وہ بہت اچھی طرح بتا سکیں گے۔"

"حمید کو بلاؤ۔"

سارجنٹ رمیش باہر چلا گیا اور فریدی کچھ سوچنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ جبراً کراہ اس معاملے میں دلچسپی لے رہا ہے۔ ریکھا نے جتنے جوش و خروش کے ساتھ تذکرہ چھیڑا تھا اس کی مناسبت سے وہ توجہ بھی دے رہا تھا۔ اگر وہ اسے کوئی اہمیت نہ دیتا تو ریکھا کو خواہ مخواہ شرمندگی ہوتی۔ وہ حمید کی آمد کا منتظر رہا۔

حمید رمیش کے ساتھ واپس آیا۔ شاید اس نے فریدی کی جھڑکیوں کا بُرا نہیں مانا تھا کیونکہ اُس وقت بھی بڑے اچھے موڈ میں نظر آ رہا تھا۔ حالانکہ ریکھا سے بول چال بند تھی اس نے آتے ہی ریکھا سے کہا۔

"خواہ مخواہ..... بات کا بتنگڑ بنانے سے کیا فائدہ۔ میں نے بھی اخبار میں سعید بابر کی تصویر دیکھی تھی اور خاموش رہ گیا تھا۔"

"یہاں مسئلہ زیر بحث یہ ہے کہ وہ فقیر اتنی شدت سے لوگوں کے ذہنوں پر کیوں سوار تھا۔" فریدی نے کہا۔

"کیا ان لوگوں نے نہیں بتایا۔" حمید بولا۔

"ان کا خیال ہے کہ تم ان سے بہتر طریقے پر بتا سکو گے۔"

"ہا.....!" حمید سر کھجا کر بولا۔ "وہ کچھ اس انداز میں بھیک مانگتا تھا کہ لوگ کھڑے کھڑے شادیاں کرنے پر تل جاتے تھے۔ آپ سنتے تو اُسے گولی ہی مار دیتے۔"

"کیا بکواس ہے۔"

"جی ہاں..... اس کی صدا ہوتی تھی دے جا بابا..... خدا تیری محبوبہ کو سلامت رکھے۔ وہ کبھی بوڑھی نہ ہو..... بچے نہ جنے..... وغیرہ وغیرہ۔"

فریدی نے رمیش کی طرف دیکھا اور رمیش نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ریکھا کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی تھی۔

"مگر کیا یہ کوئی کیس بن رہا ہے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر پوچھا۔

"شاید بن ہی جائے۔" فریدی نے تصویر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوئے..... پن اپ کے پرچے کیا ہوئے۔" حمید نے رمیش سے پوچھا۔

"باہر پھینک دیئے۔"

"کیا.....؟" حمید نے آنکھیں نکالیں۔

"کرنل صاحب نے کہا تھا۔"

"تم یہاں آفس میں اس قسم کی لغویات مت لایا کرو۔" فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔

"ایک کیس کے سلسلے میں لایا تھا جناب۔" حمید نے بڑی سنجیدگی سے کہا اور ریکھا مسکرا پڑی۔ لیکن اس نے منہ بھی پھیر لیا کہ کہیں حمید کی نظر اس کی مسکراہٹ پر نہ پڑ جائے۔

"ہاں تو فقیر کی لاش بھی تم نے دیکھی تھی۔" فریدی نے کہا۔

"جی..... جی ہاں..... غالباً وہ سردی سے اکڑ کر مر گیا تھا۔ اسکی دونوں ٹانگیں بیکار تھیں۔"

"اچھا..... اور کیا بتا سکتی ہو اس کے متعلق۔"

"اور کیا! اور تو کوئی خاص بات نہیں ہے۔ میں نے اس کی لاش سات جنوری کی شام کو دیکھی تھی۔"

"اچھا تو بس.....!" فریدی نے سگار کیس سے سگار نکال کر اس کا گوشہ توڑتے ہوئے کہا۔ "یہ ایک حیرت انگیز واقعہ ضرور ہے، مگر ایسا بھی نہیں ہو سکتا ہے کہ ہمارا محکمہ اس میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو۔"

"مگر یہ سعید بابر افریقہ سے آیا۔" ریکھا نے کہا۔

"تو کیا ہم پر احسان کیا ہے۔" حمید گردن جھٹک کر بولا۔ "آیا ہوگا۔"

"میں آپ سے بات نہیں کر رہی ہوں۔"

"میں بھی سن رہا ہوں..... بہرا نہیں ہوں۔"

فریدی کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر اخبار پڑھنے لگا تھا۔ رکیھا اٹھ کر چلی گئی اور حمید کی چال کی نقل اتارنے کے سلسلے میں لچکنے لگا۔ اس دوران میں رمیش بھی شاید کسی کام سے چلا گیا تھا۔

''تم سے میں عاجز آ گیا ہوں۔'' فریدی نے اخبار رکھتے ہوئے کہا۔

''عاجزی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ یقیناً آپ مقبول بندے معلوم ہوتے ہیں۔''

''کیوں! آج کہیں سے بھیک مل رہی ہے۔ بہت چہک رہے ہو۔''

''حیلہ روزی بہانہ موت۔ آج کل قاسم کی دو تین خالہ زاد سالیاں مجھ پر بہت مہربان اور میں اب اس کا قائل ہو گیا ہوں، خواہ بیوی نہ ہو، لیکن ایک آدھ سالی ضرور ہونی چاہئے۔ نغمگی ہے اس لفظ میں ''سالی''.....سا.....لی.....سا.....لی.....!''

حمید اس طرح سالی سالی کی ہانک لگانے لگا جیسے اپنی پالتو کتیا کو آواز دے رہا ہو۔

فریدی نے نہایت اطمینان سے اٹھ کر اس کے دونوں کان پکڑے اور اُسے دروازے طرف گھما کر کمر پر ایک لات رسید کر دی۔ حمید سنسان برآمدے میں دور تک دوڑتا چلا گیا۔ اُسی رفتار سے لان کی طرف گھوم گیا اور اب وہ بڑے اطمینان سے ٹہلتا ہوا اُدھر جا رہا تھا جہاں فریدی کی کار کھڑی کی جاتی تھی۔ اُسے علم تھا کہ فریدی ڈیڑھ بجے کے بعد باہر جائے گا لیکن اس کے باوجود بھی وہ اُس کی کار لے اڑا۔ آخر اس لات کا بدلہ بھی تو ہونا چاہئے تھا۔

اس نے قاسم کے گھر کی راہ لی جہاں آج کل قاسم کی بیوی کی تین عدد خالہ اور ماموں بہنیں مقیم تھیں۔ یہ تینوں ہی بڑی زندہ دل اور خوش مزاج تھیں۔ ویسے قاسم جیسے شخص کی ہم نے ان صفات کو اور زیادہ چمکا دیا تھا۔

وہاں ہر وقت ہی کوئی نہ کوئی تفریح ہوتی رہتی تھی۔ مگر اس وقت کی تفریح قطعی خلاف تھی۔ اُس نے قاسم کو پورچ میں چت پڑا دیکھا جس کے پیٹ پر ایک بہت بڑا پتھر رکھا ہوا پتھر کیا چٹان کا ٹکڑا کہنا چاہئے جس کا وزن کم از کم پچاس من ضرور رہا ہوگا اور اس پتھر پر قاسم دونوکر بڑے بڑے ہتھوڑے برسا رہے تھے۔

قاسم کی سالیاں اوپر برآمدے میں حیرت سے منہ کھولے کھڑی تھیں۔ ان کے قریب

بیوی بھی تھی مگر اس کا موڈ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا تھا۔ وہ آج بھی وہی ننھی منی سی گڑیا لگ رہی تھی۔ ایسی خوبصورت عورت حمید کی نظر سے کم گذری تھیں۔ مگر بیچارہ قاسم کیا کرتا۔ اس کا تو پہاڑ پر گلہری والا معاملہ تھا۔ وہ تو کوئی اپنی ہی جیسی گرانڈیل لڑکی چاہتا تھا۔

حمید کار سے اُتر کر سیدھا پورٹیکو کی طرف چلا گیا۔ قاسم ہتھوڑا برسانے والے نوکروں پر بگڑ رہا تھا۔

''اور زور سے.....ابے سالو! کیا کھانے کو نہیں ملتا۔''

''ایک سر پر بھی جما دو.....دیکھا جائے گا۔'' حمید نے کہا۔

''ارے خدا تمہیں غارت کرے تم آ گئے۔'' قاسم نہ جانے کیوں بوکھلا گیا۔

''ہاں میں آ گیا ہوں اور اس پتھر پر کھڑا ہو کر ایک تقریر کروں گا۔''

''ہائیں.....آؤ اچھا.....تم بھی کیا یاد کرو گے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں کمزور ہوں۔'' قاسم نے کہا اور پھر نوکروں کو مخاطب کر کے دہاڑا۔ ''ہٹ جاؤ بے۔''

نوکر ہٹ گئے اور حمید پتھر پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ بڑی مشکل سے اُسے کامیابی ہوئی۔ قاسم کی سالیاں بے تحاشہ ہنس دی تھیں اور بیوی!.....وہ بیچاری تو حمید کی صورت دیکھتے ہی وہاں سے کھسک گئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اب قاسم کی خیر نہیں۔ آخر کو بیوی ہی تھی۔ ویسے ہی وہ اس کی حماقتوں کی بناء پر دوسروں کے سامنے شرمندہ سی رہتی تھی۔ اب حمید صاحب بھی تشریف لائے تھے، جو کچھ نہ ہو جاتا کم تھا۔

حمید پتھر پر چڑھنے کو چڑھ تو گیا مگر ڈر رہا تھا کہ کہیں یک بیک قاسم کی ذہنی رو بہک نہ جائے۔ ایسی صورت میں اُسے شہادت ہی نصیب ہوتی پہلے اسکا ارادہ تھا کہ قاسم کا بخیہ ادھیڑے مگر اب یہ خیال ترک کر دینا پڑا۔ پتہ نہیں کب قاسم جھلا کر پتھر سمیت اُسے زمین پر پٹخ دے۔

حمید نے جھک کر تینوں کو سلام کیا اور چپ چاپ اتر گیا۔

''اماں.....وہ تقریر.....!'' قاسم نے کہا۔

''تقریر وہاں سے کروں گا۔'' حمید نے لڑکیوں کی طرف اشارہ کیا۔

''چلو بے! توڑو پتھر!'' قاسم نے نوکروں کو للکارا۔ ''جب تک پتھر نہیں ٹوٹے گا چھٹی نہیں

ملے گی۔"

نوکر پہلے ہی سے پسینہ پسینہ ہو رہے تھے۔ انہوں نے بڑے ملتجانہ انداز میں لڑکیوں کی طرف دیکھا اور ایک لڑکی نے کہا۔ "اب اسے ختم کیجئے..... کوئی دوسرا کرتب۔"

"آؤ تم تینوں پتھر پر کھڑی ہو جاؤ۔" قاسم نے کہا۔

"ہاں..... یہ بڑی معقول بات ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "بلکہ کہو تو اپنی بیوی کو بھی بلا لوں۔"

"بلا لو۔" قاسم نے جھونک میں کہا۔ پھر فوراً ہی سنبھل کر بولا۔ "کون..... بیوی۔"

"کہاں ہے تمہاری بیوی۔"

"ابھی اندر گئی ہے۔"

"کیا.....!" قاسم حلق پھاڑ کر دھاڑا۔ پھر کروٹ لے کر پتھر کو ایک طرف دھکیل دیا اور اٹھتا ہوا بولا۔ "کیا کہا تم نے۔"

"میں نے کہا تمہاری بیوی کو بھی بلا لوں۔" حمید نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

"نائیں..... تم نے اپنی بیوی کہا تھا۔"

"تمہارے سننے میں فرق آیا ہے پیارے۔"

"تم خود ہو گے پیارے۔ میں گردن توڑ دوں گا تمہاری۔"

"اب ریکھا سیدھی ہو گئی ہے۔" حمید نے آہستہ سے کہا "تمہیں پوچھ رہی تھی۔"

"نہیں! الاقسم۔" قاسم کے ہونٹوں پر ایک شرمیلی سی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

"ہاں..... بس خاموش رہو۔" حمید نے جواب دیا۔ انکی سرگوشیاں لڑکیوں تک نہیں پہنچی تھیں۔ پھر دونوں ہنسنے لگے۔

"ہاں.....!" ایک لڑکی بولی۔ "ابھی تو آپ حمید صاحب کو مارنے دوڑے تھے۔"

"ارے وہ..... وہ تو میں مذاخ کر رہا تھا۔" قاسم نے جواب دیا۔

"قاسم کے مذاق بڑے دلچسپ ہوتے ہیں۔" حمید نے اُن میں سے ایک لڑکی کو آنکھ مار کر کہا۔ ظاہر ہے کہ اُس آنکھ مارنے کا مقصد اپنی بات میں زور پیدا کرنا ہوتا تھا۔ وہ تینوں ہنس

پڑیں لیکن قاسم نے حمید کو آنکھ مارتے دیکھ لیا تھا۔ اس نے بوکھلا کر لڑکیوں کی طرف دیکھا مگر وہ ہرانے کی بجائے ہنس رہی تھی۔ قاسم کی کھوپڑی یکلخت الٹ گئی اور حمید کو بھی دھیان نہیں رہا کہ اس نے کیا کیا تھا، کیونکہ یہ سب کچھ رواروی میں ہوا تھا۔

اچانک قاسم نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "آؤ..... میرے ساتھ۔" گرفت اتنی سخت تھی کہ حمید کو اپنی کلائی ٹوٹتی ہوئی سی محسوس ہونے لگی۔ مگر وہ چپ چاپ اسکے ساتھ چلتا رہا۔ ہاتھا پائی میں اپنی ہی بے عزتی تھی۔ قاسم اُسے لڑکیوں کے سامنے ہی اٹھا کر پٹخ دیتا۔ وہ اُسے عمارت کے عقبی حصے کی طرف لے گیا اور گریبان پکڑ کر جھنجھوڑتا ہوا بولا۔ "تم نے سلیمہ کو آنکھ کیوں ماری تھی۔"

اب حمید کو یاد آیا اور اُس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ آسمان سر پر گرتا محسوس ہونے لگا۔ جس وقت قاسم غصے میں ہو اُسے کوئی بات سمجھا لینا آسان کام نہیں تھا۔ بہر حال حمید نے ہاتھ پاؤں مارے۔ "ارے! یار تم بالکل ہی بھولے ہو..... کیا وہ بُرا مان گئی تھی۔"

"مانے یا نہ مانے..... لیکن تم نے کمینہ پن کیوں کیا۔"

"اگر یہ کمینہ پن ہوتا تو ضرور بُرا مانتی..... ذرا ٹھنڈے دل سے سوچو۔"

"نہیں میں گرم دل سے سوچوں گا..... میری بات کا جواب دو۔"

"اس طرح اگر میں تمہارے باپ کو آنکھ ماروں تو وہ بھی بُرا نہیں مانیں گے۔"

"میرے باپ کو آنکھ مارو گے۔ ہڈیاں نہ چبا جاؤں گا تمہاری..... یہ مجال۔"

قاسم نے گریبان کو جھٹکا دیا اور حمید کی روح فنا ہو گئی۔

"اچھا ایک بات سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"دس سمجھنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن اگر تم نہ سمجھا سکے تو میں قبر کھود کر دفن کر دوں گا سمجھے! بُرے باپ کو آنکھ ماریں گے، بڑے مارنے والے..... ہاں۔"

"تم کسی عورت کو ماں کہتے ہو۔"

"میری ماں بچپن ہی میں مر گئی تھی۔"

"پرواہ مت کرو! میں تو ایک مثال دینے جا رہا تھا تم کسی عورت کو ماں کہو تو وہ خوش ہو گی۔ لیکن اسکو باپ کی جورو کہہ کر دیکھ لو کیا حشر ہوتا ہے تمہارا۔ حالانکہ باپ کی جورو ہی ماں ہوتی ہے۔"

''اچھا میں سمجھ گیا..... آگے کہو۔''

''کیا کہوں..... تمہیں دنیا کا کچھ تجربہ ہی نہیں ہے۔ تم کچھ نہیں جانتے..... کی مطلب نہیں سمجھتے۔''

''ارے تم تو بڑے قابل ہو۔ پھر بتاؤ نا.....!'' قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔

''آنکھ مارنے کے انداز میں بھی فرق ہوتا ہے۔ ایک آنکھ اس طرح ماری جاتی ہے لوگ بُرا مان جاتے ہیں، لیکن اگر تم اپنا ایک گال پھلا کر آنکھ مارو تو کوئی بھی بُرا نہیں مانے گا۔ سمجھ میں..... تم اس طرح کسی کو آنکھ مار کر دیکھنا۔''

قاسم کا ایک گال غیر ارادی طور پر پھولتا چلا گیا۔ لیکن پھر آنکھ مارنے کی گنجائش ہی نہیں گئی کیونکہ اس طرف کی آنکھ خود بخود بند ہوگئی تھی۔ قاسم چند لمحے کوشش کرتا رہا پھر بڑی نجی سے بولا۔ ''نہیں بنتا۔''

''اچھا ادھر دیکھو.....!'' حمید نے اپنا ایک گال پھلا کر اُسے آنکھ ماری۔

''تم سے تو بن جاتا ہے۔'' قاسم نے بے بسی سے کہا۔ ''مگر اپنا یہ سالا گال ہی ایسا ہے پھول کر آنکھ پر چڑھ جاتا ہے۔ اچھا اگر دوسری آنکھ ماری جائے تو.....!''

''کوئی حرج نہیں ہے۔'' حمید نے بڑے خلوص سے کہا۔

قاسم نے پھر ایک طرف کا گال پھلایا اور دوسری طرف کی آنکھ مارنے کی کوشش کی لیکن وہ آنکھ صرف بند ہوگئی۔ ظاہر ہے کہ ایک آنکھ تو پہلے ہی بند تھی۔

''کیوں! بنا کہ نہیں۔'' قاسم نے حمید سے پوچھا۔

''بننے لگے گا..... تھوڑی مشق کی ضرورت ہے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

قاسم نے حمید کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا اور وہیں دھوپ میں کھڑے کھڑے مشق شروع کر تھی۔ اب وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ حمید کو یہاں لایا کیوں تھا۔

''اب نہیں بنتا حمید بھائی۔'' قاسم نے پھر بڑی بے بسی سے کہا۔ اتنے میں وہ لڑکیاں وہاں آ گئیں۔

''ارے بھائی صاحب۔'' ایک نے قاسم سے کہا۔ ''کیا سعید بابر کے یہاں نہیں چلنا؟

''ارے وہ خود ہی آ جائے گا۔'' قاسم سر ہلا کر بولا۔ ''مگر سعید..... سعید نہیں کلو..... میرے ...ر کا نام کلو ہے۔''

''ہائیں کیا کہہ رہے ہیں آپ۔'' لڑکی بولی۔ ''سعید بابر..... بابر نہیں۔''

سعید بابر کے نام ہی پر حمید کو جھرجھری سی آ گئی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ یہ سالا کمبل ہی ...یں چھوڑتا۔ بھلا یہاں بھی سعید بابر کے تذکرہ کی کیا ضرورت تھی۔

''اچھا..... اچھا..... وہی جس کا تذکرہ کل کیا تھا۔'' قاسم نے مسکرا کر کہا۔ ''بڑا عجیب نام ...سعید بابر بالکل شیر ببر معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر وہ گلہری کا بچہ نکلا تو میں اس کی گردن مروڑ ...گا..... ہاں یہ سالے نام بھی بڑا دھوکا دیتے ہیں..... نام پہاڑ خان اور خود مچھر کی اولاد۔''

''قاسم یار..... تم تو فلسفی ہوتے جا رہے ہو۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔

''اور کیا..... ہاں نہیں تو سالے۔''

پھر حمید نے اس لڑکی سے پوچھا۔ ''آپ سعید بابر کو کیسے جانتی ہیں۔ وہ تو شاید افریقہ سے ...ہے۔''

''میں اُسے افریقہ ہی سے جانتی ہوں۔ نیروبی میں میرے چچا کا بزنس ہے۔ میں بھی ...ن سال رہ چکی ہوں..... اوہو..... آپ بھی چلئے..... بڑا لطف رہے گا۔ آپ یقیناً اُسے ...کریں گے۔''

''ہم لوگ کسی کو بھی پسند نہیں کرتے۔'' قاسم نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ ''کیوں حمید بھائی۔''

حمید نے قاسم کی بات پر دھیان دیئے بغیر کہا۔ ''میں اُس سے ضرور ملوں گا۔ مجھے افریقہ ...پسند ہے۔ مگر آج تک جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔''

''ارے تمہارے لئے کیا مشکل ہے حمید بھائی۔ کوئی کیس بناؤ..... بس چلے چلیں گے۔ ہی ...وہاں کی یلایلیاں کیسی ہوں گی..... ہی ہی ہی.....'' قاسم بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

''یلایلیاں کیا چیز۔'' تینوں لڑکیوں نے حیرت ظاہر کی۔

''ارے وہ کچھ نہیں..... جی ہاں تو آپ کب جائیں گی وہاں۔'' حمید جلدی سے بولا۔

''کل چل رہے ہیں۔'' اس نے کہا اور لڑکیاں واپس جانے کے لئے مڑیں اور قاسم

بڑبڑانے لگا۔

''یار حمید بھائی..... بڑی بوریت رہے گی۔ کل میں نے یوں ہی وعدہ کرلیا تھا۔ کل اُس سالے کی تعریفوں کی پل باندھے جارہے ہیں۔''

''چلو دیکھتے ہیں..... ڈھب پر آ گیا تو مرغا۔''

''ہاہا.....!'' قاسم حمید کے شانے پر ہاتھ مار کر ہنسا اور حمید کو ایسا معلوم ہوا جیسے اس کے شانے پر کوئی بڑی سی چٹان آ گری ہو۔ وہ دونوں پورچ کی طرف جارہے تھے۔ اچانک قاسم کا دماغ پھر سنک گیا اور چلتے چلتے رک کر غصیلی آواز میں بولا۔ ''تم اپنے گھر جاؤ۔''

''کیوں.....؟''

''تم آج کل یہاں روزانہ آرہے ہو..... میں خوب سمجھتا ہوں۔ نہیں تم اپنے گھر جاؤ۔''

''کیا سمجھتے ہو۔''

''تم ان تینوں کی وجہ سے آتے ہو۔''

''اچھا تو پھر.....!''

''اچھا تو پھر..... یہ کہ چپ چاپ چلے جاؤ۔''

''اچھا..... تو پھر میرا نام حمید ہے سمجھے! تمہارے گلے میں رسی ہوگی اور میں سارے شہر میں ڈگڈگی بجاتا پھروں گا، اچھا میں چل دیا۔'' حمید اپنی کار کی طرف بڑھا۔

اچانک سلیمہ نے برآمدے سے آواز دی۔ ''کیا آپ جارہے ہیں۔ آپ نے تو چلنے کو کہا تھا۔''

''انہیں جانے دو۔'' قاسم سر ہلا کر بولا۔ ''ان کے..... ان کے پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔''

حمید کار میں بیٹھ چکا تھا، لیکن اسٹارٹ بھی نہیں کر پایا تھا کہ سلیمہ اس کے قریب پہنچ گئی۔

''کیا بات ہے۔'' اُس نے پوچھا۔

''قاسم بھگا رہا ہے۔''

''کیوں.....؟''

''اُسکا خیال ہے کہ میں صرف آپکی وجہ سے یہاں آتا ہوں۔'' حمید گلوگیر آواز میں

''ان کا بھی دماغ خراب ہے شاید..... آپ چلئے..... میں بھی چل رہی ہوں۔'' سلیمہ دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔

حمید نے کار اسٹارٹ کردی اور قاسم۔ ''ہائیں ہائیں۔'' کرتا ہوا دوڑا لیکن کار پھاٹک سے گذر چکی تھی۔ قاسم پلٹ کر اپنے گیراج کی طرف لڑھکنے لگا۔

دوسرے پر فائر

تنویر کبھی تنہا باہر نہیں نکلتی تھی۔ اس کے ساتھ ہمیشہ دو باڈی گارڈ ہوتے تھے اور دونوں اپنے پاس بھرے ہوئے ریوالور رکھتے تھے اور اب کچھ دنوں سے وہ عدنان کو بھی تنہا باہر نہیں نکلنے دیتی تھی۔ دو باڈی گارڈ اُس کے ساتھ بھی رہا کرتے تھے۔

یہ چاروں آدمی بظاہر سیدھے سادے اور بے ضرر تھے، لیکن ان کی حقیقت صرف تنویر کو معلوم تھی۔ یہ چاروں اول درجے کے بدمعاش، سازشی اور قاتل تھے۔ ویسے یہ تنویر سے بہت ڈرتے تھے۔ اس کے ایک اشارے پر اس طرح آگے بڑھتے تھے جیسے پالتو کتے ہوں۔

اس وقت وہ تنویر محل کے ایک کمرے میں بیٹھے شائد تنویر ہی کے منتظر تھے۔ وہ بالکل خاموش تھے اور فکرمند نظر آرہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد تنویر کمرے میں داخل ہوئی۔ اُس کے ہاتھ میں آج کا اخبار تھا۔ اُسے دیکھتے ہی وہ کھڑے ہوگئے۔ تنویر نے سر کی جنبش سے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ مؤدب بیٹھ گئے۔

''تم لوگوں کو شکایت تھی کہ میں تم سے کبھی کام نہیں لیتی۔'' تنویر ایک کرسی کھینچ کر بیٹھتی ہوئی بولی۔ ''مگر اب کام کا وقت آ گیا ہے۔''

وہ بڑی توجہ سے اس کی گفتگو سن رہے تھے۔ تنویر نے اخبار میز پر پھیلا دیا اور اخبار میں چھپی ہوئی ایک تصویر کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ ''اس آدمی کو جہاں دیکھو گولی مار دو۔''

وہ باری باری سے اس تصویر کو دیکھنے لگے۔ پھر ایک نے پوچھا۔ ''یہ رہتا کہاں ہے۔''

''تلاش کرو۔'' تنویر نے کہا۔ ''اخبار میں اُس کا پتہ نہیں ہے۔''

''ہم جلد سے جلد اسے نپٹانے کی کوشش کریں گے۔''

''بس اتنا ہی کہنا تھا۔'' تنویر اٹھ گئی۔ اس کے ساتھ ہی وہ بھی اٹھے اور اس وقت تک کھڑے رہے جب تک وہ باہر نہیں چلی گئی۔

پھر وہ بیٹھ کر ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگے۔ آخر ان میں سے ایک نے کہا۔

''محترمہ تنویر بڑے دل گردے کی عورت ہیں۔ انہوں نے اس طرح اس قتل کا حکم صادر فرمایا ہے جیسے ہمیں سعید بابر کے سر میں تیل مالش کرنی ہے۔''

''کیا اس کے متعلق اخبار میں کوئی خبر بھی ہے۔'' دوسرے نے پوچھا۔

''ہاں ہے تو۔'' پہلے نے اخبار پر نظر جماتے ہوئے کہا۔ ''یہ نیروبی سے آیا ہے، وہاں کوئی بہت بڑا آدمی ہے۔ اس میں یہ تحریر ہے کہ وہ اپنے اعزہ سے ملنے کے لئے یہاں آیا ہے۔''

''اور مادام تنویر چاہتی ہیں کہ ہم اُسے گولی ماردیں۔'' تیسرا بولا۔

''ہمیں اس سے غرض نہ ہونی چاہئے۔'' چوتھے نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ ''حکم..... حکم ہے۔''

''ہم کب کہہ رہے ہیں کہ حکم نہ مانیں گے۔''

اچانک عدنان کمرے میں داخل ہوا اور وہ پھر کھڑے ہوگئے۔ عدنان نے مسکراتے ہوئے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''آج کل تم لوگ بیکار ہو۔'' عدنان بیٹھتا ہوا بولا۔

''نہیں! ہم مادام کا ضروری کام کررہے ہیں۔''

''کون سا کام۔''

''اوہ..... جناب آپ کے زخم کا کیا حال ہے۔'' ایک نے دفعتاً پوچھا۔

''تم بڑے گدھے ہو..... جو کچھ میں پوچھ رہا ہوں، اُس کا جواب دو۔''

''جناب عالی..... آپ خود خیال فرمائیں..... ہم کیسے بتا سکتے ہیں۔''

''کیا! تمہیں بتانا پڑے گا۔''

''بہتر یہ ہوگا کہ آپ ہمیں شوٹ کردیں ورنہ مادام کا غصہ ہمارے لئے موت سے بھی زیادہ بھیانک ہوگا۔''

''میری کوئی وقعت نہیں ہے..... کیوں؟'' عدنان نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''نہیں جناب..... ہم آپ کے لئے بھی جان دینے کو حاضر ہیں۔''

عدنان کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ''اچھا میرے لئے بھی ایک کام کرو۔''

''فرمایئے..... جناب۔''

''مجھے وہ کتا چاہئے جس نے شکارگاہ میں مجھ پر حملہ کیا تھا۔''

''کتا.....!'' چاروں نے حیرت سے دہرایا۔

''ہاں..... وہ کتا ہی تھا۔ سیاہ رنگ کا اونچا سا کتا..... جسم کے ساخت گرے ہاؤنڈ کی سی تھی اور شائد سر پر سفید دھاریاں بھی تھیں۔''

''ہم اُسے تلاش کرنے کی کوشش کریں گے جناب۔ مگر کیا وہ بہت خطرناک ہے۔''

''شاید خطرناک ہی ہے۔''

''آپ اُس کی لاش چاہتے ہیں۔''

''نہیں زندہ..... لاش کیا کروں گا۔''

''ہم انتہائی کوشش کریں گے۔''

عدنان بھی اٹھ کر چلا گیا۔ اُس کے چلے جانے کے بعد کافی دیر تک خاموشی رہی پھر ایک نے آہستہ سے کہا۔

''دونوں ہی عجیب ہیں..... ہم کتنے دنوں سے یہاں ہیں، لیکن ہمیں آج تک مادام کے تعلق کچھ نہیں معلوم ہوسکا۔''

''مگر اس آدمی سعید بابر کو ہم کہاں تلاش کرتے پھریں گے۔ بڑا ٹیڑھا کام ہے۔''

''کچھ بھی ہو..... ہمیں یہ کام کرنا ہی پڑے گا۔'' اس معمر آدمی نے کہا جو کم بولتا تھا اور بقیہ تینوں اس کا احترام بھی کرتے تھے۔

"وہ تو ہے.....لیکن اگر ہم اس میں کامیاب نہ ہو سکے تو۔"

"بس یونہی خیال ہے.....ناکامی کی صورت میں ہمارا کیا حشر ہوگا۔"

"ناکامی کی بات ہی نہ سوچو۔ میں اسے شارع عام پر گولی مار سکتا ہوں۔" معمر آدمی نے کہا۔

"سوچ سمجھ کر دعویٰ کرو.....آج کل یہ سب کچھ بہت مشکل ہو گیا ہے۔ جب سے سادہ لباس والوں کا چارج کرنل فریدی نے لیا ہے، بہت کم جرائم ہو پاتے ہیں۔"



حمید کی کار فراٹے بھر رہی تھی اور سلیمہ پہلے پہل تنہا اس کے ساتھ باہر نکلی تھی۔ اُن تینوں میں یہی تھی بھی سب سے زیادہ زندہ دل۔ ایسی کہ حمید اس کی ہم نشینی میں بوریت نہیں محسوس کر سکتا تھا۔

"آخر آپ دونوں کے تعلقات کیسے ہیں۔" سلیمہ نے پوچھا۔

"بہت ہی دلچسپ۔" حمید بولا۔ "وہ خود ہی تعلقات قائم کرتا ہے، اور بگاڑ بیٹھتا ہے۔"

"مگر بیگم صاحبہ تو کہتی ہیں کہ آپ ہی نے انہیں بگاڑ رکھا ہے۔"

"غلط کہتی ہیں۔ میں نے اُسے بگاڑا نہیں بلکہ ہاتھی بنایا ہے۔"

سلیمہ پہلے تو ہنسی پھر آہستہ سے مغموم لہجے میں بولی۔ "دونوں کی زندگی برباد ہو گئی ہے میں تو لعنت بھیجتی ہوں ایسی شادی پر۔"

"مگر مجھے بے جوڑ شادیاں بہت پسند ہیں۔ اگر بیوی یا شوہر پسند کا مل جائے تو زندگی محدود ہو جاتی ہے۔ آدمی مطمئن ہو جاتا ہے۔ سمجھ بیٹھتا ہے کہ اس کی زندگی میں بس یہی ایک رہ گئی تھی، جو پوری ہو گئی۔ اب اُسے کچھ نہیں کرنا ہے۔"

"واہ.....! یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔"

"قاسم ہی کی مثال لے لیجئے۔ اگر بیوی پسند کی ملی ہوتی تو وہ اپنے پیٹ پر پتھر نہ باندھتا۔ منہ سے لوہے کے گولے نہ نکالتا.....موٹی موٹی سلاخیں نہ موڑتا۔"

سلیمہ پھر ہنسنے لگی۔ اُس کے ہنسنے کا انداز حمید کو بہت پسند تھا۔ بھرے بھرے سے ہونٹ

کھلنے اور چمکدار دانتوں کی قطار جھانکنے لگتی۔ آنکھوں میں شوخی عود کر آتی اور اس کا سارا جسم تھرکتا سا محسوس ہونے لگتا اور ایسا معلوم ہوتا جیسے ایونگ ان پیرس کی لپٹیں اس کے ہونٹوں سے نکل رہی ہوں۔

"مگر ہم کہاں چل رہے ہیں۔" سلیمہ نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"ہم کیوں نہ افق کے پار چلیں۔"

"آہا.....آہا.....تو اب آپ مجھ سے رومانی قسم کی گفتگو کریں گے۔ اچھا چلئے میں شرما گئی۔ اب کیا کہیں گے آپ۔"

"اب میں یہ کہوں گا کہ دنیا کے ہر آدمی کو فرشتوں کی طرح زندگی بسر کرنی چاہئے۔"

"میں آپ کے متعلق بہت کچھ سن چکی ہوں۔"

"اور اب مجھ میں یہ جملہ سننے کی تاب نہیں رہ گئی۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"شہر کی جس نئی لڑکی سے ملاقات ہوتی ہے وہ میرا نام معلوم ہو جانے کے بعد یہی کہتی ہے۔ آخر آپ میرے متعلق کیا سن چکی ہیں۔"

"کچھ نہیں.....کوئی اور بات کیجئے۔"

"آپ ہی چھیڑیئے کوئی بات۔"

"نہیں آپ تو باتوں کے ماہر ہیں۔"

"خیر میں ہی شروع کرتا ہوں.....سعید بابر سے آپ پہلے بھی.....!"

"نو.....نو.....پلیز.....سعید بابر کی باتیں سنتے سنتے کان پک گئے ہیں۔ پتہ نہیں راحلہ کو اس میں کون سی خوبیاں نظر آئی ہیں۔ نہیں سعید بابر کے علاوہ اور کوئی بات۔"

"سراغ رسانی سے دلچسپی ہے آپ کو۔" حمید نے پوچھا۔

"بہت زیادہ.....حد سے زیادہ.....میرے لئے آپ میں صرف یہی ایک کشش ہے۔"

"ویسے میں بالکل اُلو کا پٹھا ہوں.....کیوں؟"

"نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں یہ کہنا چاہتی تھی کہ آپ کچھ اور نہ سمجھئے گا۔"

"اور کیا سمجھوں گا۔"

"اوہ..... آپ اپنی بات کیجئے۔ ہاں مجھے سراغ رسانی سے بہت دلچسپی ہے۔"

"اچھا تو اگر آپ کسی مفلوج فقیر کو بیمار جانوروں کی طرح رینگ رینگ کر بھیک مانگتے دیکھتیں پھر اچانک ایک دن آپ اس کی لاش بھی دیکھ لیتیں..... اور کچھ ہی دنوں کے بعد اسی بھیک سعید بابر آپ کے سامنے آجاتا..... تو.....!"

"کیا بات ہوئی۔ میں خاک بھی نہیں سمجھی۔"

"کچھ دنوں بعد سعید بابر اس طرح آپ کے سامنے آیا کہ اُس مفلوج مردہ فقیر اور سعید بابر میں سرمو فرق نہیں تھا۔"

"کیا مطلب.....؟"

"دونوں کی شکلیں ایک تھیں۔"

"نہیں.....!"

"یہ حقیقت ہے..... میں سینکڑوں آدمیوں کی شہادت دلوا سکتا ہوں۔"

"اوہو..... تب میں یقیناً اُس کا تذکرہ سننا پسند کروں گی۔"

"کیا آپ کی عدم موجودگی میں وہ لوگ سعید بابر کے یہاں جائیں گے۔"

"پہلے سے وقت مقرر کئے بغیر وہ کسی سے نہیں ملتا۔"

"اُس کا باپ بھی ملے گا۔"

"کیسے.....!"

"اوہ..... کیپٹن حمید آف انٹیلی جنس بیورو سے ملنے سے کون انکار کرے گا۔"

"واہ..... یہ تو ٹھیک ہے مگر آپ اس سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔"

"کچھ نہیں بس ایک نظر دیکھوں گا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی تصویر اس سے مختلف ہو۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے مگر کیا آپ کو اس کا پتہ معلوم ہے۔"

"پتہ..... وہاں شاید وہ کنگس لین کی کسی عمارت میں مقیم ہے۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ کنگس لین میں اُسے کہاں تلاش کریں گے۔"

"آپ تو سراغ رساں ہیں۔"

"چلئے!" حمید ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "یہ بھی سہی۔"

اُسے اطمینان تھا کہ وہ کار میں بیٹھے ہی بیٹھے اس کی قیام گاہ کا پتہ لگا لے گا۔ وجہ یہ تھی کہ آج کل سادہ لباس والوں کا انچارج فریدی تھا اور اس نے انہیں کچھ اس انداز میں پھیلایا تھا کہ شہر کے ہر حصے میں دو ایک سادہ لباس والے ہر وقت موجود ملتے تھے۔

حمید نے کار کنگس لین کے موڑ پر روک دی اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ سڑک کی دوسری طرف ایک سادہ لباس والا موجود تھا۔ حمید نے اُسے اشارے سے بلایا۔ وہ بڑی تیزی سے کار کے قریب آیا۔

"یس سر.....!"

"پتہ لگاؤ کہ سعید بابر کہاں ٹھہرا ہوا ہے۔ وہ افریقہ سے آیا ہے۔"

"سولہ نمبر کی کوٹھی میں جناب..... وہ موجود ہے۔ ایک انگریز سیکریٹری اور تین ملازم ایک بوڑھی بڑے بالوں والی کتیا بھی ہے۔"

"بہت خوب! تم لوگ بہت تندہی سے کام کر رہے ہو۔"

"یس سر.....!"

"اب تم جاسکتے ہو۔"

وہ سلام کر کے چلا گیا۔

"یہ سب کتنا سنسنی خیز ہے۔ میرے خدا.....!" سلیمہ نے پرمسرت لہجے میں کہا۔

"ابھی آپ نے دیکھا ہی کیا ہے۔" حمید نے کہا اور کار کنگس لین کے اندر موڑ دی۔

یہاں دونوں طرف بڑی شاندار عمارتیں تھیں۔ ان کی کار سولہ نمبر کی کوٹھی کے سامنے رک گئی۔ حمید کار کو کمپاؤنڈ کے اندر نہیں لے گیا۔ وہ دونوں اُتر کر پھاٹک میں داخل ہوئے اور دالان کے دروازے میں ایک صاف ستھرے ملازم نے ان کا استقبال کیا۔ حمید نے اُسے اپنا کارڈ دے کر کہا۔ "ضروری کام ہے۔"

"صاحب تو سو رہے ہیں..... میں مس صاحب کو اطلاع کئے دیتا ہوں۔"

"صاحب سے کام ہے..... خیر..... مس صاحب ہی سہی۔"

''آپ یہاں تشریف رکھئے۔'' اُس نے نشست کے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ اندر چلا گیا۔

وہ اس کمرے میں آئے۔ سلیمہ چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔

''آپ مس صاحب سے مل کر کیا کریں گے۔''

''یہ تو اُس سے ملنے کے بعد ہی سوچوں گا کہ کیا کرنا چاہئے۔''

سلیمہ خاموش ہوگئی۔ مگر شاید اُسے اس طرح انتظار میں بیٹھنا گراں گذر رہا تھا۔ حمید خاموش تھا۔ اچانک قدموں کی آواز سنائی دی۔ پھر دوسرے ہی لمحے میں حمید کو ایسا محسوس ہوا وہ سچ مچ خواب دیکھ رہا ہو۔ کیونکہ دروازے میں کھڑے ہوئے آدمی اور اُس مفلوج فقیر میں کوئی فرق تھا تو یہی تھا کہ یہ اپنے پیروں پر کھڑا تھا اور وہ بیچارا پیروں سے معذور ہونے کی گھسٹتا پھرتا تھا۔

• حمید فوراً ہی سنبھل گیا۔ اُس نے اپنے چہرے سے استعجاب نہیں ظاہر ہونے دیا۔

سعید بابر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے آگے بڑھا۔

''میری خوش قسمتی ہے کہ آپ تشریف لائے۔ میرے لائق کوئی خدمت۔'' اس نے گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

''اوہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''ایک ضمنی سی کاروائی ہے۔ مجھے اکثر باہر آئے ہوئے لوگوں سے پوچھ گچھ کرنی پڑتی ہے۔ میں صرف آپکے پاسپورٹ پر ایک نظر ڈالوں گا۔''

اچانک حمید کو قاسم کا قہقہہ سنائی دیا اور حمید کی روح فنا ہوگئی۔ دوسری طرف سعید بابر نوکر کو بلانے کے لئے گھنٹی کا بٹن دبا رہا تھا۔

دوسرے ہی لمحے میں راحلہ، نجمہ اور قاسم کمرے میں داخل ہوئے۔

''ہائیں تم یہاں.....!'' قاسم بھاڑ سا منہ کھول کر رہ گیا۔

''ہاں..... میں یہاں ایک سرکاری کام سے آیا ہوں۔'' حمید نے جواب دیا۔

''اوہ آپ مس راحلہ.....!'' سعید بابر راحلہ کی طرف بڑھا۔

نجمہ سلیمہ سے بولی۔ ''یہ کیا حرکت تھی۔'' بہرحال کمرے میں عجیب سی افراتفری مچ گئی۔

بوکھلایا ہوا سا معلوم ہو رہا تھا۔ شاید ایک منٹ بعد حالات اعتدال پر آئے۔

حمید راحلہ سے کہہ رہا تھا ''آپ کے پاس سے میں یہیں آتا جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ آپ بھی یہیں آنے والی ہیں تو میں نے کہا کہ پہلے ہی اپنا کام نپٹاتا چلوں۔ مگر محترمہ سلیمہ آپ بھی میرے ساتھ چلی آئیں۔''

قاسم نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا اور بند کرلیا۔

''اوہو.....! یہ میری مزید خوش قسمتی ہے کہ آپ میرے دوستوں کے دوست ہیں۔''

سعید بابر نے دوبارہ حمید سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

اُس کا طلب کردہ نوکر آ گیا تھا۔ اُس نے اس سے کہا۔ ''مس براؤن کو بھیج دو۔''

قاسم منہ چلانے لگا۔ پھر اُس کے ہونٹوں پر ایک شریر سی مسکراہٹ نظر آئی اور اس نے سرداں کی نظر بچا کر حمید کو آنکھ ماردی۔

''ہم تین سال بعد ملے ہیں محترمہ راحلہ۔'' سعید بابر نے راحلہ سے کہا۔ ''آپ یہاں کب سے مقیم ہیں۔''

''ہم ابھی حال ہی میں آئے ہیں۔''

''بڑی اچھی ملاقات رہی۔ خصوصاً آپ سے۔'' اُس نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''میں بڑی شدت سے ایک ہمدرد آفیسر کی ضرورت محسوس کر رہا تھا اور اب تو آپ آفیسر ہی نہیں بلکہ دوست بھی ہیں۔ میرے دوستوں کے دوست! یعنی میرے بھی۔''

''میرے لائق کوئی خدمت.....''

''اگر اس نشست کے بعد آپ مجھے تھوڑا سا وقت دے سکیں تو شکر گذار ہوں گا۔''

''بات کوئی ایسی پوشیدہ بھی نہیں مگر دوسروں کے بور ہونے کا اندیشہ ہے۔''

''نہیں آپ ہر قسم کی گفتگو چھیڑ سکتے ہیں۔'' راحلہ نے کہا۔ ''بور ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

اتنے میں نوکر نے آکر اطلاع دی کہ مس براؤن موجود نہیں ہیں۔

''اوہو! وہ تو میں بھول ہی گیا تھا۔'' سعید نے کہا۔ ''ٹھیک ہے..... وہ اندر نہ ہوگی۔''

پھر اُس نے اُن لوگوں کو مخاطب کر کے کہا۔ ''آپ سب اپنے ہی ہیں۔ میں بھی ایک بہت بڑی الجھن میں گرفتار ہو گیا ہوں۔''

سب لوگ خاموشی سے اس کے دوسرے جملے کے منتظر رہے۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں یہ داستان کہاں سے شروع کروں۔'' اُس نے طرف دیکھ کر کہا۔ ''ویسے میں آپ سب سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہاں میری شکل و شباہت فقیر بھی آپ کی نظروں سے گذرا ہے۔''

''ارے ہی ہی ہی۔'' قاسم ہنسا۔ ''یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔''

سلیمہ نے حمید کی طرف دیکھا اور حمید نے اپنی بائیں آنکھ دبا دی۔

''آپ نے نہیں دیکھا۔'' سعید نے مایوسی سے کہا۔ ''خیر..... لیکن ایسا سننے میں آرہا میں بہت پریشان ہوں۔''

''کیا سننے میں آرہا ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''ایسے ہی ایک فقیر کے متعلق..... خیر مشابہت ہونا کوئی بڑی بات نہیں۔ اکثر ایسا ہ ہے اور محض مشابہت کی بناء پر میں پریشان نہیں ہو سکتا..... مگر.....!''

حمید کو الجھن ہونے لگی۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ جائے۔ رک رک کر بول رہا تھا۔ سب لوگ بڑی توجہ سے سن رہے تھے۔ صرف قاسم ایسا تھا جو بار بار بدلتا رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بُری طرح اکتا گیا ہو۔

''خیر میں یہ بات وہیں سے شروع کرتا ہوں۔ جہاں سے شروع ہوئی تھی۔ میرا ایک بھائی تھا۔ تیرہ یا چودہ سال کی عمر میں وہ نیروبی سے نکل بھاگا۔ بچپن ہی سے اُس کی حالت تھی۔ وہ رات رات بھر گھر سے غائب رہتا۔ لیکن والد مرحوم اُس سے سختی کا برتاؤ کبھی نہ کر میں کہتا ہوں کہ اُسے اُن کے بے جا لاڈ ہی نے بگاڑا تھا۔ اُس کی ماں یعنی میری سوتیلی والدہ کے بچپن ہی میں مرگئی تھیں۔ محترمہ راحلہ آپ کو تو ان حالات کا علم ہوگا۔''

''نہیں میں نہیں جانتی۔''

''خیر آپ نہ جانتی ہوں گی۔ بہت پرانی بات ہوئی۔ شائد نیروبی والوں کو بھی یاد نہ ہو اور ایسی اہم بات بھی نہیں تھی۔ بہر حال ایک رات وہ ہم لوگوں کیلئے ہمیشہ کیلئے غائب ہو گیا۔''

قاسم نے بھاڑ سا منہ پھیلا کر آواز کے ساتھ جماہی لی اور منہ چلاتا ہوا ایک ایک کی دیکھنے لگا۔ پھر اس طرح پلکیں جھپکائیں جیسے سوتے سوتے اٹھا ہو۔

''پھر اچانک مجھے اس کا ایک خط ملا، جو یہیں سے پوسٹ کیا گیا تھا۔ یہ پانچ سال پہلے کی ہے۔ اس نے اپنی خستہ حالی کی داستان لکھی تھی۔ میں نے اُسے لکھا کہ وہ نیروبی واپس لیکن اس نے وہاں آنے سے انکار کر دیا۔ اُس نے مجھے لکھا کہ وہ زیادہ کا مطالبہ نہیں کرتا رقم اتنا ہی دیتا رہوں جس سے وہ بافراغت بسر اوقات کر سکے۔ میں اُسے تین ہزار بہاولپور الائیڈ بینک کی معرفت بھیجنے لگا۔ اس سے خط و کتابت بھی برابر رہتی تھی۔ ابھی پچھلے اس نے الائیڈ بینک سے تین ہزار روپے وصول کئے تھے۔ اتفاقاً میرا یہاں آنے کا بن گیا۔ میں نے اُسے بھی اپنے ارادے سے آگاہ کر دیا تھا۔ اب جو میں اس کی قیام گاہ ہوں تو مجھے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اس نام کا کوئی آدمی کبھی تھا ہی نہیں۔ اُس عمارت میں چوکیدار خان تقریباً پچیس سال سے رہتی ہے۔ میں نے پڑوسیوں سے بھی اس کی تصدیق انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ رشید بابر نامی کسی آدمی کو نہیں جانتے۔''

''کیا آپ کے بھائی آپ کے ہم شکل تھے۔'' حمید نے پوچھا۔

''جی ہاں..... ہم میں بہت زیادہ مشابہت تھی..... خیر..... اب اپنے ہم شکل ایک فقیر کی تلاش کر رہا ہوں۔ میں بڑی الجھن میں ہوں کپتان صاحب۔ اگر رشید وہ رقم وصول کرتا رہا تو بھیک مانگنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر اُسے رقومات نہیں ملیں تو پھر انہیں کون وصول کرتا رہا۔ خیر میرا ہم شکل تھا تو وہ رشید کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔''

''وہ یقیناً آپ کا ہم شکل تھا۔'' حمید نے ایک طویل سانس لی۔

''کیا آپ نے اُسے دیکھا تھا۔'' سعید نے بیساختہ پوچھا۔

''جی ہاں..... میں عرصہ تک آپ کے ہم شکل ایک فقیر کو دیکھتا رہا ہوں۔''

''اب مجھے یقین آ گیا۔'' سعید نے آہستہ سے غمگین آواز میں کہا اور بیجان سا ہو کر سوفے پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کی پھٹی پھٹی سی آنکھوں میں ویرانی تھی۔ پھر اُس نے تھوڑی دیر بعد

کہا۔ ''میرے خدا..... یہ کیا اندھیر ہے کہ وہ بھیگ مانگتا پھر رہا ہے اور کسی نے پچھلے
کے نام سے تین ہزار روپے وصول کئے ہیں۔ میں نے الائیڈ بینک میں اچھی طرح
ہے۔ اس کا حساب بھی وہاں چلتا تھا۔ آخری رقم جو اس نے وہاں سے نکالی ہے وہ پچاس
اور تین ہزار تو ہر ماہ وصول کرتا رہتا تھا۔''

''وہ رقم کس تاریخ کو نکالی گئی تھی۔'' حمید نے پوچھا۔

''میرے یہاں پہنچنے سے تین دن پہلے یعنی..... سات جنوری کو۔''

''سات جنوری.....!'' حمید بے ساختہ چونک پڑا۔

''جی ہاں..... اسی تاریخ کو اس نے پچاس ہزار روپے بینک سے نکالے تھے اور
بڑی رقم تھی۔ اب اس کے اکاؤنٹ میں صرف سات روپے پڑے ہوئے ہیں۔''

''سات روپے..... سات جنوری۔'' حمید بڑبڑایا۔ ''اور یہی سات جنوری اس کی
بھی تاریخ ہے۔''

''موت.....!'' سعید بابر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ''یہ کیا کہہ رہے ہیں۔''

''کسی نہ کسی سے تو آپ کو اس کی اطلاع ملنی ہی تھی۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔

''جی ہاں..... سات جنوری کو اس کی لاش صدر کے ایک فٹ پاتھ پر دیکھی گئی تھی
وہ دھم سے صوفے میں گر گیا اور تینوں لڑکیاں اس کے گرد اکٹھا ہو گئیں۔ وہ بیہوش
تھا، لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے سکتہ ہو گیا ہو۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن پلکیں
متحرک نہیں تھیں۔

اچانک ایک فائر ہوا اور گولی راحلہ کے سر پر سے گذرتی ہوئی سامنے کی دیوار
کھڑکی کے شیشے میں ایک ناہموار سا سوراخ تھا۔ راحلہ تو دھڑام سے فرش پر آ رہی اور
لوگ بدحواسی میں ادھر اُدھر بھاگنے لگے۔ حمید اچھل کر برآمدے میں آ رہا۔ اُس نے اس
طرف دیکھا جس سے گذر کر گولی اندر پہنچی تھی اور پھر اس کے سیدھ میں دوڑنے لگا، لیکن
سامنے والی مہندی کی باڑھ کے پیچھے اُسے کوئی بھی نہیں دکھائی دیا۔ سعید کے تینوں نوکر
کی آواز سن کر ہی باہر آئے تھے۔

فائر اور لڑکی

حمید نے کمپاؤنڈ کا چپہ چپہ چھان مارا، لیکن اُسے ایک بھی ایسا آدمی نہیں مل سکا جسے وہ
رکرنے کے الزام میں جکڑ لیتا۔ پھر اُس نے عمارت کے اندر بھی چھان بین شروع کی، لیکن
نیجہ کچھ نہ نکلا۔ سعید بابر بہت پریشان نظر آ رہا تھا۔

''ہوسکتا ہے کہ یہ فائر میرے ہی لئے رہا ہو۔'' اس نے کہا۔

''آپ کے لئے کیوں؟''

''جو میرے بھائی کی موت کا باعث بنا ہے، وہ میری زندگی کا خواہاں بھی ہوسکتا ہے۔
ظاہر ہے کہ اس نے رشید کے نام پر ایک لاکھ اسی ہزار روپے وصول کئے۔ اب جب کہ میں
یہاں آ گیا ہوں، لازمی بات ہے کہ ان واقعات کی رپورٹ پولیس کو دوں گا۔ لہٰذا قبل اس کے
کہ میں ان کے خلاف کوئی کاروائی کروں، وہ مجھے بھی ختم کر دینا چاہتا ہے۔''

''نائیں..... نائیں۔'' قاسم حمید کی طرف ہاتھ اٹھا کر دھاڑا۔ ''یہ بڑا منحوس آدمی ہے۔
جہاں اس کے قدم جاتے ہیں، ٹھائیں ٹھائیں شروع ہو جاتی ہے۔''

''نہیں جناب یہ میری خوش قسمتی ہے کہ کپتان صاحب یہاں اس وقت تشریف رکھتے
تھے، ورنہ غیر ملکیوں کی شکایات پر کون کان دھرتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ انہوں نے اپنی
آنکھوں سے دیکھ لیا۔''

''بڑی خوش قسمتی۔'' قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''ذرا بلاؤ..... وہ کون ہے مس بلیک.....
اُسے بلاؤ پھر دیکھوں خوش قسمتی۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔'' سعید بابر نے کہا۔

''قاسم بھائی..... کیا بکواس لگا رکھی ہے آپ نے۔'' راحلہ نے اُسے ڈانٹا اور قاسم بُرا سا
منہ بنائے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

سعید بابر حیرت سے ایک ایک کی صورت دیکھ رہا تھا۔ راحلہ نے اپنی داہنی کنپٹی کے

قریب انگلی لے جا کر اُسے چکر دیا۔ مطلب یہ تھا کہ قاسم کا اسکریو ڈھیلا ہے۔

''اوہ..... اچھا.....!'' سعید بابر پھر حمید سے مخاطب ہو گیا۔ ''ہاں تو..... جناب اب یہ زندگی بھی خطرے میں پڑ گئی ہے، لیکن میں اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک کہ اُس مردود کا پتہ نہ لگ جائے جس کی بدولت میرا بھائی ایڑیاں رگڑ کر مر گیا۔''

''قدرتی بات ہے۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔

اچانک ایک نوکر دوڑتا ہوا کمرے میں آیا۔ اُس کی سانسیں چڑھی ہوئی تھیں اور چہرہ پر تھا۔ ''مس صاحب.....!'' وہ ہانپتا ہوا بولا۔ ''گودام میں..... بورے میں!''

''کیا بات ہے۔'' سعید بابر اُسے گھورنے لگا۔

''مس صاحبہ..... گودام میں بیہوش.....!''

''ارے.....!'' وہ دروازے کی طرف جھپٹتا ہوا بولا۔ ''کپتان صاحب۔''

''آپ لوگ یہیں ٹھہریں۔'' حمید نے دوسروں سے کہا اور اس کے پیچھے چلا گیا۔ ابھی دروازے سے باہر بھی نہیں نکلا تھا کہ قاسم بڑبڑایا۔ ''کھالینا..... مس ساب کو..... ہاں۔''

راحلہ اُس پر برس پڑی۔

سعید بابر بڑی تیزی سے راہداری طے کر رہا تھا۔ پھر وہ ایک کمرے کے سامنے رکا جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ حمید نے محسوس کیا کہ سعید بابر اندر جاتے ہوئے ہچکچا رہا ہے۔ شاید اُس نوکر کا منتظر تھا جس نے اُسے اطلاع دی تھی۔

''کہاں مر گئے تھے۔'' وہ اچانک نوکر پر برس پڑا جو لنگڑاتا ہوا اسی طرف آ رہا تھا۔

شاید اس بھاگ دوڑ میں اس کے پیر میں چوٹ آ گئی تھی۔

''اندر جناب..... وہ اُدھر.....!''

''چلو.....!'' سعید بابر نے اسے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ نوکر کے پیچھے ہی پیچھے وہ دونوں بھی اندر داخل ہوئے۔

حمید کو سامنے ہی دو ٹانگیں نظر آئیں جن پر کشمشی رنگ کے اسٹاکنگ تھے اور ٹاپ ہیل جوتے..... آدھا دھڑ ایک بورے میں تھا۔

سعید بابر کے ہاتھ پیر بُری طرح کانپنے لگے تھے۔ آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں اور وہ کسی اعصاب زدہ آدمی کی طرح مخبوط الحواس نظر آ رہا تھا۔

''یہ..... یہ کپتان صاحب..... میری سیکریٹری..... مس براؤن۔''

''تو پھر نکالئے نا..... پتہ نہیں یہ لاش ہے یا.....!''

''لاش.....!'' سعید بابر کے حلق سے چیخ سی نکلی اور لڑکھڑاتا ہوا دیوار سے جا لگا۔

''آپ بھی کمال کرتے ہیں۔'' حمید جھنجھلا گیا اور خود ہی سے اُسے بورے سے نکالنے کی کوشش کرنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد ایک بڑی خوبصورت انگریز لڑکی فرش پر چت پڑی ہوئی تھی۔ وہ مردہ نہیں تھی۔ صرف بیہوش تھی۔ مگر اب سعید بابر خوفزدہ نہیں تھا۔ البتہ اُس کے چہرے پر حیرت کے آثار ضرور تھے اور اس کا ملازم بھی متحیر ہی نظر آ رہا تھا۔

''کیا یہ یہیں پڑی رہے گی۔'' حمید نے کہا۔

''جی.....!'' سعید بیساختہ چونک پڑا۔ ''جی ہاں..... جی نہیں۔''

''مسٹر سعید۔'' حمید بولا۔ ''مجھے بڑی حیرت ہے۔ اُس فائر نے آپ کو اتنا زیادہ پریشان نہیں کیا تھا۔''

''ٹھیک ہے۔'' سعید بڑبڑایا۔ ''یہ واقعہ اُس فائر سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے۔''

''نہیں میرے خیال سے یہ بھی اُسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ ممکن ہے اس نے فائر کرنے والے کو دیکھ لیا ہو۔ یعنی فائر کرنے سے قبل! اور وہ اپنی اسکیم کو ناکام ہوتے دیکھ کر یہ حرکت کر بیٹھا ہو۔''

''مگر..... میں نہیں جانتا یہ کون ہے۔''

''کیا مطلب.....!'' حمید چونک کر اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ''کیا مس براؤن نہیں ہے۔''

''نہیں..... یہ مس براؤن نہیں ہے۔'' سعید نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

حمید نے نوکر کی طرف دیکھا اور نوکر بھی سر ہلا کر بولا۔ ''یہ اپنی مس ساب نہیں ہیں۔''

''آپ اسے پہچانتے بھی نہیں۔''

''نہیں جناب..... مجھے حیرت ہے۔ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔''

''مس براؤن کہاں ہے۔''

''وہ دو گھنٹے کے لئے باہر گئی ہے۔''

''مگر آپکے ملازم نے تو کہا تھا کہ صاحب سو رہے ہیں۔ میں مس صاحب کو خبر کرتا ہوں۔''

''میری جگہ اگر آپ بھی ہوتے تو یہی کرتے۔''

''یعنی.....!''

''آپ خود سوچئے کپتان صاحب، ایسے آدمی کی حالت کیا ہوگی جس کا کوئی ہم شکل فرد بھی موجود ہو۔ تصویر شائع ہوتے ہی پریس رپورٹروں کا تار بندھ گیا۔ سینکڑوں آدمی بھی دیکھنے کیلئے آئے۔ میرے خدا..... میں حیلہ نہ کرتا تو اور کیا کرتا۔ لسلی براؤن لوگوں سے گفتگو کر کرتے تنگ آ گئی اور اسے بھی ٹل جانا پڑا۔ ملازم کو شائد علم نہیں تھا کہ وہ باہر چلی گئی ہے۔''

''اوہ..... اچھا! مگر یہ واقعی بڑی حیرت انگیز بات ہے۔ گولی باہر سے چلائی گئی تھی۔ اُس لڑکی نے حملہ آور کو دیکھ لیا تھا تو حملہ آور نے اسے بیہوش کر کے یہاں اندر لانے کا خطرہ کیوں مول لیا۔ وہ اُسے کمپاؤنڈ ہی میں کہیں بیہوش کر کے ڈال سکتا تھا۔''

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کپتان صاحب۔ آخر اسے یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی۔ میں یقیناً کسی بہت بڑی سازش کا شکار ہو گیا ہوں۔''

چند لمحہ خاموش رہ کر پھر حمید نے کہا۔ ''کیا یہ یہیں پڑی رہے گی۔''

''جو کچھ آپ فرمائیں کیا جائے۔'' سعید نے جواب دیا۔

''اسے کسی ہوادار کمرے میں لے چلنا چاہئے۔''

''نہیں!'' سعید بولا..... ''بیرونی برآمدے میں..... نہ جانے یہ ہوش میں آ کر کون سا فتنہ کھڑا کرے۔ نہیں کپتان مجھے بہت محتاط رہنا چاہئے۔''

''ہوں.....!'' حمید نے سر ہلا دیا۔ ویسے وہ سوچ رہا تھا کہ اُسے اُس کو اٹھانے میں پہل نہ کرنی چاہئے۔ سعید بابر حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''اسے اٹھایئے۔'' حمید نے کہا۔

''میں کیوں اٹھاؤں۔'' سعید بابر جھنجلائے ہوئے سے لہجے میں بولا۔

حمید نے نوکر کی طرف دیکھا۔ وہ بھی کانپتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ پھر حمید نے بیہوش لڑکی کو اٹھا لیا اور بیرونی برآمدے کی طرف جانے والی راہداری طے کرنے لگا۔ سعید بابر اس کے پیچھے چل رہا تھا۔

قاسم کی نظر اس جلوس پر پہلے پڑی اور وہ بیساختہ چنگھاڑا۔ ''دیکھا..... میں نہ کہتا تھا..... ہاہا۔''

''چلو..... ایک صوفہ اٹھا لاؤ اندر سے.....!''

''اچھا..... اچھا.....!''

قاسم نے ڈرائنگ روم کا ایک صوفہ اس طرح اٹھا لیا جیسے وہ کوئی کھلونا ہو۔ صوفہ برآمدے میں ڈال دیا گیا اور بیہوش لڑکی اس پر ڈال دی گئی۔ قاسم منہ کھولے پلکیں جھپکا رہا تھا۔ کبھی وہ حمید کی طرف دیکھتا اور کبھی بیہوش لڑکی کی طرف۔ تینوں لڑکیاں بھی وہیں پہنچ گئی تھیں۔

تقریباً پندرہ یا بیس منٹ تک وہ مختلف تدبیریں عمل میں لاتے رہے لیکن اُسے ہوش نہیں آیا۔ اگر اس دوران میں نہ تو سعید ہی نے کسی ڈاکٹر کو بلانے کی تجویز پیش کی اور نہ ہی حمید نے اس کے متعلق سوچا۔

پورے آدھ گھنٹے کے بعد لڑکی کسمسائی۔ پپوٹوں میں متواتر جنبش ہونے لگیں اور پھر اس نے کروٹ لینے کی کوشش کی، لیکن سلیمہ اگر جلدی سے آگے بڑھ کر ہاتھ نہ لگا دیتی تو وہ صوفے کے نیچے چلی آئی ہوتی۔ سلیمہ کا ہاتھ لگتے ہی وہ اچھل کر بیٹھ گئی۔ چند لمحے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھتی رہی پھر ہذیانی انداز میں چیخی۔

''میں یہاں نہیں رہوں گی..... میں اس ملک میں نہیں رہوں گی۔''

''وہ سب خاموش رہے۔''

''مسٹر بابر میں آپ سے کہہ رہی ہوں۔'' وہ پھر اُسی انداز میں چیخی۔ ''میں واپس جاؤں گی۔''

''آپ مجھے کیا جانیں..... آپ کون ہیں۔'' بابر نے پوچھا۔

''کیا.....؟'' لڑکی اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

''آپ کون ہیں! یہاں کیسے آئیں۔'' بابر نے پھر اپنا سوال دہرایا۔

''میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔'' لڑکی نے بُرا سا منہ بنا کر تلخ لہجے میں کہا۔ ''میرا

سر چکرا رہا ہے۔ وہ کم بخت میرا گلا گھونٹ رہا تھا۔ یہ مکان بھوتوں کا مسکن ہے۔ میں اب یہاں نہیں رہوں گی۔"

"تم مجھے اُلو نہیں بنا سکتیں۔" دفعتاً سعید بابر گرجا۔ "یہاں ایک سرکاری آفیسر بھی موجود ہیں سمجھیں۔"

"مسٹر بابر.....!" لڑکی نے متحیرانہ آواز میں کہا۔

"تم کون ہو۔ کیا چاہتی ہو۔" سعید بابر نے سخت لہجے میں کہا۔

"میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔" لڑکی ہاتھ ہلا کر رو دینے کے سے انداز میں بولی۔

"ہاں.....!" قاسم بڑے خلوص سے بڑبڑایا۔ "آپ خواہ مخواہ مذاق کر رہے ہیں۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"میں پوچھتا ہوں تم کون ہو۔" سعید بابر جھلا گیا۔ "سیدھی طرح بتاؤ، ورنہ میں پولیس رنگ کروں گا۔"

"مسٹر بابر کیا آپ کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" لڑکی بھی چیخ پڑی۔ "آپ مجھے پہچانتے..... لسلی براؤن کو نہیں پہچانتے۔"

"لسلی براؤن....." بابر حلق پھاڑ کر چیخا۔ "تم مجھے اندھا بنا رہی ہو۔ پاگل بنا رہی ہو لسلی براؤن ہو، دن دہاڑے میری آنکھوں میں دھول جھونکو گی۔"

"میں پاگل ہو جاؤں گی۔ تم مجھے جھٹلا رہے ہو۔" لڑکی اپنے بال نوچنے لگی اور حمید گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کسے جھوٹا سمجھے اور کسے سچا۔

"اُمیں..... یہ تمہارے قدم کی برکت ہے..... ہاں۔" قاسم نے ہنس کر حمید سے کہا۔

حمید اس کی طرف دھیان دیئے بغیر بولا۔ "آپ سب براہِ کرم خاموش رہیں۔" پھر نے لڑکی سے پوچھا۔ "تم لسلی براؤن ہو۔"

"میں نہیں جانتی۔" لڑکی غرائی۔ "یہ اچھا مذاق ہے۔ لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ لسلی براؤن ہوں۔ مسٹر بابر اگر آپ نے مجھے اس طرح ذلیل کرنا تھا تو یہاں لائے کیوں تھے"

"مسٹر بابر..... تمہیں لسلی براؤن تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"تب تو پھر وہ نشے میں ہیں یا اُنکا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ آپ ان نوکروں سے پوچھئے۔"

مگر نوکروں نے بھی اُسے لسلی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

"اب تم کیا کہو گی۔" حمید بولا۔ "یہ بھی تمہیں پہچاننے سے انکار کرتے ہیں۔"

لسلی براؤن غصیلی آنکھوں سے ایک ایک کو دیکھتی رہی۔ پھر اس نے سعید بابر سے کہا۔ مسٹر بابر میں کیا سمجھوں۔ کیا آپ یہاں ایک اجنبی ملک میں مجھے ملازمت سے برطرف کرنا چاہتے ہیں۔"

"کپتان صاحب! میں سچ مچ پاگل ہو جاؤں گا۔" سعید بابر نے حمید سے کہا۔ "یہ کوئی بہت بڑی سازش ہے۔ اسے حراست میں لیجئے۔ مگر لسلی براؤن..... وہ یقیناً خطرے میں ہوں گی۔ یہ لڑکی نکل کر جانے نہ پائے ورنہ لسلی براؤن کی موت کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔"

"آپ نتائج اخذ کرنے میں جلدی کر رہے ہیں۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

پھر لڑکی سے بولا۔ "تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ لسلی براؤن تم ہو۔"

"ثبوت..... خدا کی پناہ..... ارے ثبوت میں میرے کاغذات موجود ہیں۔ میرا پاسپورٹ جس پر میری تصویر موجود ہے۔"

"میں پاسپورٹ دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"میں ابھی لاتی ہوں.....!" وہ اٹھ کر عمارت کے اندر جانے لگی۔

"ہائیں..... ہائیں۔" سعید بابر متحیرانہ انداز میں چیخا۔ "اندر کہاں..... خبردار۔"

لڑکی نے دروازے پر رک کر اُسے غصیلی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ میرا سامان بھی ہضم کر لیں گے۔ میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔ اپنے صندوق سے پاسپورٹ نکالوں گی۔"

"کیا میں خواب دیکھ رہا ہوں۔" سعید بابر نے اپنے بازو میں زور سے چٹکی لی اور "سی" کر کے رہ گیا۔

"میں اور مسٹر بابر تمہارے ساتھ چلیں گے ٹھہرو۔" حمید نے کہا اور سعید کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے آگے بڑھ گیا۔

''چلو گھر چلیں۔'' قاسم نے لڑکیوں سے کہا۔ وہ کچھ بوکھلایا ہوا سا نظر آنے لگا تھا۔

انگریز لڑکی بڑی تیزی سے چلتی رہی۔ ایک کمرے کے دروازے پر رک کر اُس نے چابی نکالی اور اُسے ہینڈل کے سوراخ میں ڈال کر دروازہ کھولا اور کمرے میں چلی گئی۔

''یہ غلط ہے..... یہ ناممکن ہے..... یہ لسلی کی چیزوں میں ہاتھ نہیں لگا سکتی۔'' سعید بابر نے کہا اور حمید کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھنے لگا۔

''ٹھہریئے..... صبر سے کام لیجئے۔ زیادہ بے صبری اچھی نہیں ہوتی۔'' حمید بولا۔

لڑکی پاسپورٹ لئے ہوئے کمرے سے نکل آئی۔ اُس کے چہرے پر شدید غصے کے آثار تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ذرا سی ٹھیس پر پھٹ پڑے گی۔

''یہ لیجئے..... یہ ہے پاسپورٹ..... مگر مجھے یقین ہے کہ میں پاگل ہو جاؤں گی۔''

حمید پاسپورٹ لے کر دیکھنے لگا..... تصویر اسی لڑکی کی تھی۔ نام لسلی براؤن، سکونت نیروبی، پیشہ ملازمت اور پتہ سعید بابر ہی کا تھا۔ حمید نے پاسپورٹ سعید بابر کی طرف بڑھا دیا۔

''یہ فراڈ ہے۔ کھلا ہوا فراڈ۔ میں دلدل میں پھنس رہا ہوں۔''

''تم خود فراڈ ہو۔'' لڑکی ہذیانی انداز میں چیخی اور حمید کا ہاتھ پکڑ کر کمرے میں گھسیٹ لے گئی۔ ''یہ دیکھئے..... یہ ساری چیزیں میری ہیں۔ یہ جوتے میرے پیروں میں فٹ ہوتے ہیں، یہ ملبوسات میرے جسم پر فٹ ہوتے ہیں۔''

سعید بابر بھی کمرے میں گھس آیا تھا۔ لڑکی مختلف جوتے اور سینڈل پہن پہن کر حمید کو دکھانے لگی۔

''ان صندوقوں کی کنجیاں میرے پاس ہیں۔'' اس نے کہا..... اور سعید بابر کو گھونسہ دکھا کر چنگھاڑی۔ ''یہ کمینہ پن ہے..... تم مجھے اس اجنبی دیس میں ملازمت سے برطرف نہیں کر سکتے اگر یہاں کا قانون میرا ساتھ نہیں دے گا تو میں تمہیں گولی مار دوں گی۔''

''آپ سن رہے ہیں۔'' سعید بابر نے حمید سے کہا۔

''ہاں میں سن رہا ہوں مسٹر سعید بابر! لیکن فی الحال کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اس کاغذات پولیس کو مطمئن کر دینے کے لئے کافی ہوں گے۔ آپ یا آپ کے تین نوکروں کے

بیانات ان کاغذات کے سامنے کوئی وقعت نہیں رکھتے..... یا پھر آپ کوئی ٹھوس ثبوت پیش کیجئے کہ وہ لسلی براؤن نہیں ہے۔''

''میں ڈوب گیا۔'' سعید بابر آہستہ سے بڑبڑایا بلکہ اسی انداز میں جیسے خود سے مخاطب ہو۔ پھر اُس نے حمید سے کہا۔ ''کیا آپ کی موجودگی میں مجھ پر فائر نہیں کیا گیا تھا۔''

''آپ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ فائر آپ ہی کے لئے تھا۔ ہو سکتا ہے نشانہ اور کوئی رہا ہو۔ آپ کے علاوہ کمرے میں پانچ افراد اور بھی تھے۔''

''ان حالات میں..... جبکہ..... میرا بھائی۔''

''اس کے لئے بھی آپ کے پاس کوئی واضح ثبوت نہیں ہے۔ محض شباہت کی بناء پر وہ فقیر آپ کا بھائی نہیں ہو سکتا۔ اپنے بھائی کی تلاش جاری رکھئے۔ ہو سکتا ہے وہ کسی بناء پر آپ کے سامنے نہ آنا چاہتا ہو۔''

''آپ تو میرا بیڑا ہی غرق کئے دے رہے ہیں۔'' سعید بابر نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''فی الحال آپ اس لڑکی کا معاملہ طے کیجئے۔''

''معاملہ کیا طے کرنا ہے۔ مجھے پاگل کتے نے نہیں کاٹا ہے کہ اسے اپنے ساتھ رہنے دوں۔ یہ حوالات میں رہے گی۔ اس وقت تک جب تک کہ میری سیکریٹری لسلی براؤن کا پتہ نہ بتا دے۔ اس کے پاس اُس کے صندوقوں کی کنجیاں تک موجود ہیں۔''

''اچھی بات ہے۔'' حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔ ''آپ براہِ راست پولیس سے رابطہ قائم کیجئے۔''

''لیکن آپ میری مدد نہیں کریں گے۔'' سعید بابر نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ ''حالانکہ آپ میرے دوستوں کے دوست ہیں۔''

''اور ایک ذمہ دار آفیسر بھی۔'' حمید نے خشک لہجے میں کہا اور واپسی کے لئے مڑ گیا۔

ڈرائنگ روم میں صرف راحلہ موجود تھی۔ قاسم وغیرہ جا چکے تھے۔ حمید سوچنے لگا کہ کم از کم سلیمہ کو تو اس کا انتظار کرنا ہی چاہئے تھا۔



''بکواس بند کرو۔ میرے کان نہ کھاؤ۔'' فریدی نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔ حمید کو بڑی حیر
ہوئی۔ سعید بابر والا واقعہ ایسا ہی تھا کہ معمول کے مطابق فریدی کو اس میں کافی دلچسپی
چاہئے تھی۔ پھر حمید کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ فریدی بولا۔ ''فی الحال صرف اتنی ہی بات میں
دلچسپی لے سکتا ہے کہ سعید بابر کے ڈرائنگ روم میں کسی نے فائر کیا تھا وہ بھی اُس صورت
جب سعید بابر اس کی اطلاع پولیس کو دے۔''

''بس اتنی سی بات۔'' حمید نے مایوسی سے کہا۔ ''مگر وہ اس لڑکی کا معاملہ۔''

''وہ بھی کچھ نہیں ہے۔ سعید بابر کو چاہئے کہ کیس کو اپنے سفارت خانے میں پیش
کرے۔ ہم سے براہِ راست اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ویسے اگر تمہیں لڑکی کے معاملے
تفتیش تفریحاً کرنی ہو تو فارن برانچ میں جا کر اس کے ویزا کا انکوائری فارم نکلوالو۔ اس پر
براؤن کی تصویر موجود ہوگی۔''

حمید اٹھ کر دفتر کے اُس کمرے میں آیا جہاں باہر سے آنے والوں کے کاغذات کار
رہتا تھا۔ اُس نے متعلقہ کلرک سے پچھلے ایک ماہ کے کاغذات نکالنے کو کہا۔ اُسے ان لوگوں
آمد کی صحیح تاریخ کا علم نہیں تھا۔ کلرک نے دو ہی چار فارم الٹے تھے کہ حمید کی نظر اُسی لڑکی
تصویر پر پڑی جو سعید بابر کے یہاں بیہوش ملی تھی۔ اس نے فارم کا ایک ایک کالم دیکھ ڈالا
پھر اُسے تسلیم کر لینا پڑا کہ لسلی براؤن اُس لڑکی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

حمید پھر فریدی کے کمرے میں واپس آیا۔ فریدی غور سے اس کی بات سنتا رہا۔ پھر بولا

''بس تو یہ سعید بابر کوئی فراڈ کر رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی وجہ سے وہ اُس لڑکی سے
پیچھا چھڑانا چاہتا ہو۔ مگر وہ بڑا احمق معلوم ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کاغذات کی موجودگی میں
کی بات کون سنے گا۔''

''نہیں جناب! وہ اتنا احمق نہیں ہو سکتا کہ اس قسم کی کوئی حرکت کرے۔ وہ کافی چالاک
آدمی معلوم ہوتا ہے۔''

''ہو سکتا ہے کہ وہ خود ہی کسی سازش کا شکار ہو گیا۔ مگر کسی شکایت کے بغیر ہم کوئی کارروائی

کیے کر سکتے ہیں۔''

اچانک ریسیپشن روم کے اردلی نے کمرے میں داخل ہو کر کسی کا وزیٹنگ کارڈ حمید کو دیا۔

''اوہو..... سعید بابر۔'' حمید بڑبڑایا۔ پھر اردلی سے پوچھا۔ ''تنہا ہے۔''

''جی ہاں.....!''

''اچھا کہہ دو میں آ رہا ہوں۔''

اردلی چلا گیا۔ حمید نے فریدی کیطرف دیکھ کر کہا۔ ''پتہ نہیں اب وہ کیا سنانے آیا ہے۔''

''تم چلو! میں بھی آ رہا ہوں۔ اس آدمی کو کم از کم دیکھ ہی لوں۔ لیکن تم اُس سے میرا
عارف نہیں کراؤ گے۔''

''یعنی میں آپ سے گفتگو بھی نہیں کروں گا۔''

''نہیں قطعی نہیں۔''

حمید اٹھ گیا۔ ریسیپشن روم میں سعید بابر اس کا منتظر تھا۔ حمید نے اُس کے چہرے پر دلی
کیفیات پڑھ لیں۔ وہ بہت زیادہ پریشان معلوم ہوتا تھا۔

''کپتان صاحب! آپ خفا ہو کر چلے آئے تھے۔ حالانکہ میں مظلوم اور آپ کی امداد کا
مستحق ہوں۔ کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ میں کسی وجہ سے اس لڑکی کو لسلی براؤن تسلیم نہیں کرنا
چاہتا۔ کیا میں اتنا احمق ہوں کہ کاغذات کو جھٹلا کر خواہ مخواہ اپنی گردن پھنسانے کی کوشش کرونگا۔''

''یہی تو میں بھی نہیں سمجھ سکتا۔''

''اب میں آپ کو لسلی براؤن کا پاسپورٹ دکھانے لایا ہوں۔ اُس وقت میں بہت زیادہ
الجھن میں تھا اور یہ بھول گیا تھا کہ لسلی براؤن کا پاسپورٹ میرے ہی پاس موجود ہے۔''

اُس نے جیب سے ایک پاسپورٹ نکال کر حمید کی طرف بڑھا دیا۔ اس پاسپورٹ کی
تصویر اس لڑکی سے مختلف تھی۔ بہت فرق تھا۔ زمین و آسمان کا فرق..... اتنے میں فریدی بھی
ریسیپشن روم میں آ گیا۔

''اچھا تو آپ نے اور اس لسلی نے ساتھ ہی اپنی آمد یہاں یہاں درج کرائی تھی۔''
حمید نے پوچھا۔

''جی ہاں.....ہم دونوں ساتھ آئے تھے۔ انکوائری فارم تو ہوگا آپ کے یہاں۔ اپنا اطمینان کر لیجئے۔''

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی نے اُسے آنکھ ماری۔ حمید سمجھ گیا کہ وہ اسے دوسرے انکوائری فارم کا تذکرہ کرنے سے روکنا چاہتا ہے۔

''اچھا جناب.....!'' حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ ''آپ یہ پاسپورٹ میرے پاس چھوڑ دیجئے۔ میں دیکھوں گا۔''

''مگر میں لسلی کے لئے کیا کروں۔ وہ صرف دو گھنٹے کے لئے باہر گئی تھی لیکن چار گھنٹے گذر چکے ہیں کپتان صاحب! پتہ نہیں وہ کس حال میں اور کہاں ہوگی۔ اُس کے لئے کچھ کیجئے۔ آپ میرے دوستوں کے دوست ہیں۔ آپ پر میرا حق ہے۔''

''وہ کہاں گئی تھی۔''

''اس نے کسی جگہ کا نام نہیں لیا تھا۔ بس وہ پریس رپورٹروں کے ہجوم سے گھبرا کر چلی گئی تھی۔''

''میں دیکھوں گا کہ اُس کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔'' حمید نے کہا۔ ''اچھا وہ لڑکی اس وقت کہاں ہے۔''

''میں اُسے نوکروں کی نگرانی میں چھوڑ کر آیا ہوں۔ ویسے وہ لسلی براؤن اس لئے بھی کہ ہر وقت میرے سر پر سوار رہے۔ یہ میرا اپنا خیال ہے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ لسلی براؤن زندگی خطرہ میں ہوگی۔ کچھ کیجئے۔''

حمید نے فریدی کی طرف دیکھا جو سعید بابر کو بغور دیکھ رہا تھا۔

''میں کچھ نہ کچھ ضرور کروں گا۔ آپ مطمئن رہئے۔'' حمید آہستہ سے بولا۔

سعید بابر زیادہ دیر نہیں ٹھہرا۔ فریدی اس دوران میں خاموش ہی رہا تھا۔ سعید کے چلے جانے پر وہ اٹھا اور حمید سے مخاطب ہوئے بغیر ریسپشن روم سے چلا گیا۔

حمید ایک بار پھر ریکارڈ روم میں بیٹھا فارموں کی فائیل الٹ رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس کا پاسپورٹ کا ویزا انکوائری فارم فائیل میں موجود نہ ہوگا۔ مگر دوسرے ہی لمحے میں اس کی کھوپڑی ناچنے لگی کیونکہ اس دوسری لسلی براؤن کا انکوائری فارم بھی فائیل میں موجود تھا اور اس لڑکی کی

بھی اسی تاریخ کو ہوئی تھی جس تاریخ کو دوسری لڑکی کی ہوئی تھی۔

وہ سناٹے میں آ گیا.....اپنی نوعیت کا واحد کیس.....وہ کافی دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا۔

حیرت انگیز نشانات

سعید بابر بے خبر سو رہا تھا۔ اچانک اُس کی آنکھ کھل گئی۔ پتہ نہیں وہ کسی قسم کی آواز تھی یا سعید بابر کی چھٹی حس.....جس نے اُسے جگا دیا تھا وہ اٹھ بیٹھا۔ کمرہ کی کھڑکیاں بھی بند تھیں۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا دو بج رہے تھے۔ سردیوں کی پہاڑی رات کائنات پر مسلط تھی۔

یکایک اُسے داہنی طرف کی کھڑکی میں ہلکی سی سرسراہٹ سنائی دی، وہ دبے پاؤں بستر سے اٹھا۔ اُس کے چہرے پر ذرہ برابر بھی بے اطمینانی یا پریشانی کے آثار نہیں تھے۔ وہ بنچوں کے بچھا ہوا میز کے قریب آیا۔ بہ آہستگی اس کی دراز کھینچی اور اندر ہاتھ ڈال کر ایک ریوالور نکالا جس کا دستہ ہاتھی دانت کا تھا۔ اُس نے اُس پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔

کمرے میں مدھم سی نیلے رنگ کی روشنی تھی۔ اچانک وہی کھڑکی اپنے فریم سمیت ہلنے لگی اور پھر سرسراہٹ کی آواز ہوئی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ فریم سمیت دیوار سے نکل کر فرش پر آ گرے گی۔ چاروں طرف کا پلاسٹر اُدھڑتا جا رہا تھا۔

پھر اچانک وہ فرش پر آ گری اور ساتھ ہی سعید نے دیوار کی خلاء میں فائر کر دیا۔

ایک چیخ دور تک سناٹے میں لہراتی چلی گئی۔ مگر وہ چیخ نہیں ہو سکتی تھی، وہ تو کسی ریلوے انجن کی سیٹی تھی۔ اُس کے فوراً بعد ہی ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے کوئی ریلوے انجن پے در پے ٹکر کھا رہا ہو۔ پھر بھاگتے ہوئے بھاری قدموں کی آوازیں۔ سعید بابر نے ریوالور خالی کر دیا۔

ذرا ہی سی دیر میں پھر وہی پہلے کا سا سناٹا طاری ہو گیا، لیکن سعید بابر نے اپنے کمپاؤنڈ میں کاروں کا اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ کاروں سے اسٹارٹ ہوئی۔

پھر وہ بڑی تیزی سے باہر نکلا۔ ساری عمارت سنسان پڑی تھی۔ لیکن اب وہ اتنا احمق بھی نہیں تھا کہ کمپاؤنڈ میں ٹارچ روشن کرتا۔ نوکروں کے کوارٹروں میں بھی روشنی نہیں نظر آ رہی تھی۔ پتہ نہیں وہ سو رہے تھے یا خوف کی وجہ سے باہر نکلنے کی ہمت نہیں رہ گئی تھی۔ سعید تھوڑی دیر تک

برآمدے میں کھڑا رہا پھر اندر چلا گیا۔ ایک کمرے میں پہنچ کر اندھیرے میں ٹٹولتا ہوا ادھر طرف گیا اور محض ہندسوں کی ترتیب کو ذہن میں رکھ کر اندھیرے ہی میں کسی کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ دوسری بار ریسیور اٹھا لیا گیا۔

''ہیلو.....!'' دوسری طرف سے ایک بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔

''میں کیپٹن حمید صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''کون صاحب ہیں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''اُن سے کہئے کہ سعید بابر فون پر ہے۔''

''وہ سو رہا ہے۔''

''آپ کون ہیں؟''

''فریدی.....!''

''اوہ..... کرنل صاحب..... معاف فرمایئے گا۔ میں نے ناوقت آپ کو تکلیف دی۔ خطرے میں ہوں جناب..... کسی نے میری خواب گاہ کی کھڑکی گرا کر اندر گھسنے کی کوشش کی تھی میں نے فائر کر دیا۔ اب سناٹا ہے، لیکن مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ روشنی کر سکوں۔''

''کیا کہا آپ نے..... کھڑکی گرا دی گئی۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''جی ہاں..... فریم سمیت دیوار سے نکل آئی ہے۔''

''یہ کیسے ممکن ہے۔''

''مجھے خود حیرت ہے جناب..... میں کسی قسم کی آواز سن کر جاگ پڑا تھا۔ میں نے کھڑکی کے چاروں طرف کا پلاسٹر اُدھڑتے دیکھا۔ پھر فریم اپنی جگہ سے کھسکا اور پوری کھڑکی اندر آ گری۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی آہستہ آہستہ اُس پر زور آزمائی کر رہا ہو، ہیلو..... ہاں..... آپ خود سوچئے..... مجھے بالکل تنہا سمجھئے۔ میں نے چھ فائر کئے تھے، لیکن نوکروں کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ وہ بدستور اپنے کوارٹروں میں ہیں۔''

''لڑکی کہاں ہے۔''

''میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ رات کا کھانا اُس نے زبردستی میرے ساتھ کھایا تھا اور اس

کے کمرے میں سونے چلی گئی تھی۔ اب ایک اور مصیبت آ گئی ہے، ہم اپنے یہاں کے [illegible] کے دفتر میں گئے تھے، وہاں سے حکم ملا ہے کہ انکوائری کے درمیان میں اُسے [illegible] کی نگرانی میں رکھوں۔''

''جی ہاں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی ''میں آ رہا ہوں، آپ جہاں ہیں وہیں ٹھہریئے، وہ کھڑکی باہر ہی کی طرف سے کھلتی رہی ہوگی۔''

''جی ہاں۔''

''کس طرف۔''

''بائیں بازو کی..... دیکھئے بتاتا ہوں، چوتھی..... نہیں پانچویں..... ہاں پانچویں ہی تو ہے کھڑکی ہے، وہ بائیں بازو کی پانچویں کھڑکی ہے۔''

''اچھا..... آپ وہیں ٹھہریئے جہاں اس وقت ہیں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ سعید بابر چند لمحے وہیں کھڑا رہا پھر ٹٹولتا ہوا ایک طرف چل پڑا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بہت جلدی میں ہو۔ کئی جگہ تو لڑکھڑا کر گرتے گرتے بچا۔ لیکن وہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ پھر ایک کمرے میں گھس کر اس کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

لیکن زیادہ دیر تک اندر نہیں ٹھہرا۔ اب وہ پھر اُسی کمرے کی طرف جا رہا تھا جہاں [illegible] نے فریدی نے تاکید کی تھی۔ اب کیا وقت تھا۔ سعید اندازہ نہیں کر سکا۔ لیکن اُسے اس کا احساس تھا کہ فون کرنے کے بعد سے اب تک ایک گھنٹے کی مدت ضرور گذری ہوگی۔

اچانک اندر گھنٹی بجی۔ شاید برآمدے میں کوئی گھنٹی کا بٹن دبا رہا تھا۔ سعید نے سوچا آنے والی فریدی کے علاوہ اور کون ہوگا۔

وہ برآمدے کی طرف جھپٹا..... برآمدے میں اندھیرا تھا۔

''مسٹر بابر.....!'' کسی نے برآمدے سے کہا۔

''کون..... اوہ..... کیا..... کرنل صاحب۔''

''ہاں..... میں ہوں..... اب آپ روشنی کر سکتے ہیں۔''

سعید بابر نے سوئچ بورڈ ٹٹول کر برآمدے میں روشنی کر دی۔ اس کے سامنے ایک دراز قد

آدمی سیاہ السٹر اور سیاہ فلٹ ہیٹ میں کھڑا تھا۔ روشنی ہوتے ہی اس نے فلٹ ہیٹ کا
اوپر اٹھا دیا۔ سعید بابر کو ابھی تک فریدی سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ ویسے اس نے
شہرت بہت پہلے سنی تھی۔ افریقہ کے پولیس افسروں میں اکثر اس کے تذکرے رہا کرتے
کیونکہ وہ بین الاقوامی شہرت کا مالک تھا۔

''خوش آمدید.....!'' سعید بابر ہاتھ پھیلا کر آگے بڑھتا ہوا بولا۔ ''ہم پہلی بار مل
ہیں کرنل صاحب! آپ کے متعلق میرا اندازہ غلط تھا، آپ تو مجھ سے بھی کم عمر معلوم ہوتے ہیں

''میں آپ کی خواب گاہ دیکھنا چاہتا ہوں مسٹر بابر۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔

اس دوران میں اس کی نظر ایک بار بھی سعید بابر کے چہرے سے نہیں ہٹی تھی۔

''اوہ..... جی ہاں..... آیئے۔'' سعید بابر نے کہا اور آگے بڑھ کر ٹارچ کی روشنی
اسے راستہ دکھانے لگا۔

وہ خواب گاہ میں آئے جہاں کھڑکی فریم سمیت اب بھی فرش پر پڑی ہوئی تھی اور
کے دونوں طرف ادھڑے ہوئے پلاسٹر کے ڈھیر تھے۔ فریدی چند لمحے تیز نظروں سے کمر
جائزہ لیتا رہا پھر ایک طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''آپ نے شاید وہاں سے فائر کیا تھا۔''

''جی ہاں وہیں سے۔''

''آپ کے فائر سے کوئی زخمی ہوا ہے، کیونکہ باہر دیوار پر خون ہے۔''

''اوہ..... میں نے ایک چیخ سنی تھی..... مگر.....!''

''مگر..... کیا.....!''

''میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ چیخ ہی تھی۔ جناب عجیب طرح کی آواز تھی۔
معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی ریلوے انجن کی سیٹی ہو۔ پھر ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے انجن
کر تیزی سے اسٹیم چھوڑ رہا ہو۔''

''جناب میری معلومات میں کوئی نیا اضافہ ہونے والا ہے۔'' فریدی مسکرایا۔

''یقین کیجئے..... جو کچھ میں نے سنا تھا عرض کر دیا۔''

''اس کھڑکی کے نیچے کچھ بڑے عجیب قسم کے نشانات ہیں۔'' فریدی نے دیوار کی طرف

ں اشارہ کیا اور پھر سعید بابر کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

''ان نشانات کا مطالعہ میرے لئے بڑا دلچسپ ثابت ہوگا۔'' اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

''کیسے نشانات ہیں۔''

''اگر آپ دیکھنا چاہیں.....!''

''میں ضرور دیکھوں گا.....!'' سعید بابر نے کہا اور فریدی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ
ں کمپاؤنڈ میں آئے۔ ان کے ہاتھوں میں ٹارچیں تھیں۔ عمارت کے بائیں بازو کی طرف
کر فریدی رک گیا اور بولا۔

''ذرا احتیاط سے..... میں روشنی دکھا رہا ہوں۔ کہیں وہ نشانات ضائع نہ ہو جائیں۔''

وہ پھر چلے۔ فریدی زمین پر روشنی ڈالتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ کہیں کہیں وہ سعید بابر سے
ا کر چلنے کو کہتا۔ کھڑکی کے سامنے وہ رک گئے۔

''یہ نشانات.....!'' فریدی نے ایک جگہ روشنی ڈالی۔

یہاں زمین نرم اور نم آلود تھی اس لئے نشانات کافی گہرے تھے۔ سعید بابر جھک کر دیکھنے
لیکن شاید اُس کی سمجھ میں نہ آ سکا تھا۔ وہ سیدھا کھڑا ہو کر بے دلی سے بولا۔ ''جی ہاں..... یہ
نشانات.....!''

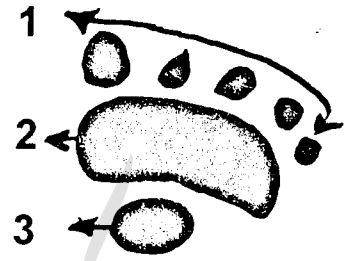
''شاید آپ نے غور سے نہیں دیکھا۔'' فریدی مسکرایا۔ ''ورنہ آپ کے چہرے پر حیرت
ثار ضرور ہوتے۔''

''یہ حقیقت ہے کہ میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔''

''یہ نشانات دور تک ہیں اور ان کی ترتیب بتاتی ہے کہ یہ کسی ایسے جانور کے پیروں کے
نشانات ہیں جو صرف دو پیروں سے چلتا ہے۔''

''گوریلا.....!'' سعید بابر بڑبڑایا۔

''نہیں گوریلے کے پیر سپاٹ ہوتے ہیں۔ تلوؤں میں اتنی گہرائی نہیں ہوتی..... یہ دیکھئے۔''
فریدی ایک تنکا اٹھا کر نشان کے مختلف حصوں کی طرف اشارہ کرنے لگا۔



''یہ انگلیاں[1]..... یہ انگلیوں کے[2] نیچے کا ابھار..... اور یہ گول[3] نشان..... جو ایڑی ہ
ہوسکتا ہے۔ ایڑی اور انگلیوں کے نیچے کے اُبھار کا فاصلہ دیکھئے۔ تلوے کتنے گہرے ہ
گوریلے کے تلوؤں میں گہرائی نہیں ہوتی۔ یہ کسی آدمی کا پیر ہو ہی نہیں سکتا۔ مختلف قسم
جانوروں کے متعلق ''میری معلومات کم نہیں ہیں۔ مگر یہ پیر..... یقیناً میری معلومات کے دائر
سے باہر ہے۔''

''پھر یہ کیا ہے۔'' سعید بابر کی آواز حلق میں پھنسنے لگی تھی۔

''خدا بہتر جانتا ہے.....!'' فریدی سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ ''میں اپنے فوٹو گرافر
بلانا چاہتا ہوں..... آپ کا فون استعمال کروں گا۔''

''اوہ..... ضرور..... ضرور.....!''

''فریدی نے دوبارہ عمارت میں داخل ہوکر اپنے محکمے کے فوٹو گرافر کو فون کیا ا
دونوں ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے۔''

سعید بابر کا چہرہ زرد تھا اور ہونٹ خشک ہوگئے تھے۔ فریدی نے ایک بار پھر اُسے غور
دیکھا اور باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں گھورنے لگا۔ پھر اُس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

''جتنی جلد ہو سکے آپ یہاں سے چلے جایئے۔''

سعید بابر نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔

''کرنل صاحب میرا بھائی اگر ایڑیاں رگڑ کر مر گیا۔ میں اُسے تین ہزار روپے بھوا

ہلد ہر ۶۰
ہاتھ پر گھسٹ گھسٹ کر بھیگ مانگتا رہا۔ خواہ میری جان چلی جائے میں اس آدمی کو سزا دیئے
نہیں جاؤں گا، جو اس حرکت کا ذمہ دار ہے۔ آپ خود سوچئے۔ اگر آپ کا کوئی بھائی.....!''

''آپ نے الائیڈ بنک میں تحقیق کی تھی۔''

''جی ہاں..... ہر ماہ تین ہزار کا ڈرافٹ رشید بابر کے اکاؤنٹ میں جمع ہوتا رہا تھا اور
رشید بابر کے چیک پر ادائیگی ہوتی رہی تھی۔ میرے یہاں پہنچنے سے تین دن قبل آخری رقم
پچاس ہزار نکالی گئی اور اسی دن شام کو میرے بھائی کی لاش ایک فٹ پاتھ پر ملی۔ میرے
خدا..... کتنی زبردست ٹریجڈی ہے۔''

''پہلے ڈرافٹ پر کس نے تصدیق کی تھی کہ یہی رشید بابر ہے۔'' فریدی نے سوال کیا۔

''میجر داراب نے۔''

''یہ کون ہے۔''

''داراب اینڈ کمپنی کا پروپرائٹر..... اس کی فرم ہم سے لین دین رکھتی ہے۔ میں نے اُسے
کہہ دیا تھا کہ وہ اس ڈرافٹ کی تصدیق کر کے رشید بابر کا اکاؤنٹ کھلوا دے۔''

''آپ اس سلسلے میں اس سے ضرور ملے ہوں گے۔ قدرتی بات ہے۔''

''جی ہاں..... میں اُس سے بھی پوچھ گچھ کر چکا ہوں۔''

''وہ کیا کہتا ہے۔''

''اُسے کچھ یاد نہیں۔ بات پانچ سال پرانی ہے۔ میرے یاد دلانے پر اُس نے یہ تو تسلیم
کرلیا کہ اُس نے میرے لکھنے پر کسی کے ڈرافٹ کی تصدیق کی تھی۔ جب اسے اس کا نام بھی
یاد نہیں تو پھر صورت شکل یاد رکھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

''داراب سے آپ پہلی بار کب ملے تھے۔''

''بس ابھی حال ہی میں۔ البتہ کاروباری تعلقات شاید پندرہ سال پرانے ہیں۔''

''یعنی اس ڈرافٹ کی تصدیق سے پہلے اُس نے آپ کو نہیں دیکھا تھا۔''

''جی نہیں..... میں نے عرض کیا نا کہ ابھی حال ہی میں ہم دونوں ایک دوسرے کے
صورت آشنا ہوئے ہیں۔''

"تب تو وہ اس واقعہ کو بھلا دینے میں حق بجانب ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں.....؟ میں نہیں سمجھا۔"

"اگر وہ آپ کو پہلے دیکھ چکا ہوتا تو رشید بابر اُسے آج بھی یاد ہوتا۔ محض اتنی قریبی مشابہت کی بناء پر حیرت انگیز چیزیں ہمیشہ یاد رہتی ہیں۔ کیوں..... مثلاً یہ آپ کی سیکریٹری والا قصہ مجھے یاد رہے گا۔"

"اور شاید میں اُسے قبر میں یاد کر کے متحیر ہوتا رہوں۔" سعید بابر نے تلخ لہجے میں کہا۔

"یہ لڑکی لسلی براؤن کب سے آپ کے پاس ہے۔"

"تقریباً تین سال سے۔"

"آپ کو اچھی طرح یاد ہے۔" فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں..... مجھے اچھی طرح یاد ہے۔"

"تو پھر نیروبی سے آئی ہوئی اطلاعات غلط ہوں گی۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب.....!" سعید بابر بیساختہ چونک پڑا۔

"میں نے آج ہی بذریعہ وائرلیس ٹیلی گرافی یہ معلومات بہم پہنچائی ہیں کہ آپ کی فرم سے تعلق رکھنے والا ایک فرد بھی لسلی براؤن نامی کسی لڑکی کو نہیں جانتا۔"

"اوہ.....!" سعید بابر ہنسنے لگا۔ فریدی استفہامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"آپ نے یہی پوچھا تھا کہ وہ کب سے میرے پاس ہے۔"

"ہاں! یہی پوچھا تھا۔"

"یہ تو نہیں پوچھا تھا کہ وہ میری سیکریٹری کب سے ہے۔ اگر آپ یہ پوچھتے تو میں عرض کرتا کہ وہ صرف کاغذات پر میری سیکریٹری ہے اور کاغذات پر بھی اُس وقت آئی جب پاسپورٹ بنوانے لگے تھے۔ ظاہر ہے کہ میرے اور اس کے علاوہ کسی کو اس کا علم نہیں ہو سکتا سچ پوچھئے تو یہ سفر محض اسی کے اصرار پر ہوا تھا، مگر اب....."

سعید بابر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "اب میں نے اُس کھو دیا ہے۔"

"محبوبہ.....!" فریدی مسکرایا۔

جواب میں سعید بابر نے پھر ایک ٹھنڈی سانس لی اور خاموش ہو گیا۔

عدنان اپنے گھر میں ایک طرح سے قید ہی تھا۔ وہ تنویر کی عدم موجودگی میں بھی گھر سے نہیں نکال سکتا تھا۔ اگر وہ ایسا کرتا بھی تو اُسے اپنی اس ناعاقبت اندیشی پر زندگی بھر پشیمانی ہوتی کیونکہ یہاں تنویر کی حکومت تھی۔ اگر وہ گھر سے باہر جانے پر زور دیتا تو ملازمین اس کی بے عزتی تک کر بیٹھتے۔

وہ اپنی ماں کی سخت گیریوں سے تنگ آ گیا تھا۔ مگر قہر درویش پر جاں درویش، اس میں ہمت نہیں تھی کہ اس کے خلاف آواز اٹھا سکتا۔ اُس کی دانست میں اس کی ماں کریک تھی۔ وہ اپنی ماں ہی کا بیٹا تھا۔ وہ زیادہ تر ایسی ہی حرکتیں کرتا جو تنویر کو ناپسند تھیں۔

آج صبح ہی تنویر کہیں گئی ہوئی تھی۔ دو باڈی گارڈ اس کے ساتھ تھے۔ عدنان کے باڈی گارڈ گھر ہی پر موجود تھے۔ اس نے انہیں طلب کیا۔

"تم دونوں نے اپنی زندگی میں کبھی کوئی بڑا کام بھی کیا ہے۔" عدنان نے بڑی حقارت سے پوچھا۔

وہ دونوں خاموش رہے۔

"کیا تم بہرے ہو۔" عدنان گرجا۔

"نہیں جناب! ہم آپ کا سوال ہی نہیں سمجھ سکے۔"

"تم بڑا کام نہیں سمجھتے..... کیوں؟"

"سمجھتے تو ہیں..... مگر سوال کا مقصد سمجھے بغیر جواب کیسے دیا جا سکتا ہے۔"

"آج تمہیں ایک بڑا کام انجام دینا ہے۔"

"فرمایئے۔"

"اُس کمرے کا تالا توڑیں گے جس میں مادام تنویر کے علاوہ اور کوئی نہیں جاتا ہے۔"

"ہم سے یہ نہیں ہو سکے گا جناب۔"

"کیا تم میرا حکم ماننے سے انکار کر رہے ہو۔"

"جہاں مادام تنویر کی کوئی بات آ پڑے وہاں ہم یقیناً انکار کر دیں گے۔"

"میں تمہیں گولی مار دوں گا۔" عدنان گرجا۔

"گولی مار دیجئے..... مگر یہ بڑا کام ہم سے نہیں ہو سکے گا۔"

عدنان خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد مسکرا کر نرم لہجے میں بولا۔ "مادام تنویر کو اس کا علم نہیں ہونے پائے گا۔ تم آخر اتنا ڈرتے کیوں ہو، تم میرے باڈی گارڈ ہو۔ تمہارے تعلق کا راست مجھ سے ہے۔ تمہارے افعال کے لئے میں جوابدہ ہوں۔"

"ہم مجبور ہیں جناب۔"

وہ دونوں منہ لٹکائے ہوئے چلے گئے۔ عدنان کچھ دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ پھر اٹھ کر تنویر کے نجی آفس کی طرف چلا گیا۔ یہاں تین لڑکیاں کلرک تھیں، جو تنویر کے نجی اخراجات کی دیکھ بھال کیا کرتی تھیں۔ عدنان نے ان میں سے ایک کو الگ بلایا، یہ لڑکی ابھی حال ہی میں آئی تھی اور شاید اُسے اس عمارت کے مکینوں کے متعلق کچھ نہیں معلوم تھا، تنویر کو بھی اُس نے ایک آدھ بار دیکھا تھا۔

"تم مجھے جانتی ہو۔ میں عدنان ہوں۔" عدنان نے اُس سے کہا۔

"جی ہاں.....!"

"میرا ایک کام کر دو گی۔"

"فرمایئے۔"

"اگر تم میری مدد کرو گی تو ہم ہمیشہ کے لئے گہرے دوست بن جائیں گے۔"

"ہاں..... ہاں..... بتایئے۔" لڑکی نے کہا۔ عدنان عورتوں کے لئے پرکشش تھا۔

"میری ماں لیمو بہت پسند کرتی ہے، مگر مجھے نہیں کھانے دیتی۔ میں اس کے لیموں چاہتا ہوں۔"

لڑکی ہنسنے لگی اور عدنان بولا۔ "میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ ایک کمرے میں لیموؤں کا اسٹاک رہتا ہے۔ میں تمہارے لئے بھی نکال لاؤں گا۔ بس تم راہداری کے سرے پر کھڑی

رہنا کہ کوئی اُدھر آ تو نہیں رہا ہے۔"

"چلئے.....!" لڑکی پھر ہنس پڑی۔ وہ دونوں اُس راہداری میں آئے جس کے دوسرے سرے پر اُس پراسرار کمرے کا دروازہ تھا۔ لڑکی راہداری کے اسی سرے پر رک گئی۔

عدنان نے جیب سے ایک مڑا ہوا تار نکالا اور دروازے میں پڑے ہوئے قفل پر ہاتھ صاف کرنے لگا۔ قفل کھلنے میں دیر نہیں لگی۔ اُس نے دروازے میں تھوڑا سا درہ کیا۔ کمرے میں گہری تاریکی تھی۔ اندر سے ایک عجیب قسم کی بدبو کا بھپکا آیا لیکن عدنان جو تنویر کا بیٹا تھا دروازہ کھول کر دھڑ دھڑاتا ہوا اندر گھس گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ راہداری میں تھا۔ اُس کے حلق سے ایک عجیب سی چیخ نکلی کسی نے اُسے اٹھا کر کمرے سے باہر پھینک دیا تھا۔ لڑکی تو یہ واقعہ دیکھتے ہی سر پر پیر رکھ کر بھاگ گئی۔ عدنان کے گھٹنوں اور سر میں کافی چوٹیں آئیں۔

دوسری طرف اُس کے باڈی گارڈ چیخ سن کر دوڑ پڑے تھے۔ سامنے والے کمرے کا دروازہ بند تھا لیکن قفل انہیں راہداری کے فرش پر پڑا دکھائی دیا۔ انہوں نے خوفزدہ نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے عدنان کو اٹھانے لگے۔ وہ اسے سہارا دیتے ہوئے راہداری سے نکال لائے۔

یہ اتفاق ہی تھا کہ ٹھیک اُسی وقت تنویر بھی آ پہنچی۔ عدنان کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اُس نے باڈی گارڈوں سے اس کے متعلق پوچھا۔ پہلے تو وہ ہچکچاتے رہے، لیکن پھر انہیں بتانا ہی پڑا کہ عدنان نے اُس کمرے کا قفل کھول لیا تھا۔

تنویر بے تحاشہ دوڑتی ہوئی راہداری میں چلی گئی۔ عدنان ایک کرسی میں پڑا ہانپتا رہا۔

"میں تم دونوں کو جان سے مار دوں گا..... سمجھے!" وہ انہیں گھونسہ دکھا کر بولا۔

"ہم کیا کرتے جناب۔"

"شٹ اپ.....!"

چار منٹ بعد تنویر واپس آ گئی، لیکن اُس کا موڈ بہت خراب معلوم ہو رہا تھا اور اس کے ہاتھ میں چمڑے کا چابک تھا۔

"عدنان! کھڑے ہو جاؤ۔" اُس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

عدنان چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔ چاروں باڈی گارڈ وہیں کھڑے تھے۔

''تم لوگ جاؤ۔'' عدنان نے اُن سے کہا۔

''نہیں.....وہ یہیں ٹھہریں گے۔'' تنویر نے سرد لہجے میں کہا۔ ''تم اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔''

عدنان نے ہاتھ بھی اٹھا دیئے۔ تنویر کا چابک والا ہاتھ حرکت میں آ گیا۔

''شائیں...شائیں۔'' عدنان کے پشت پر چابک پڑ رہے تھے اور وہ ہونٹ بھینچے کھڑے تھے۔

''میں گن رہا ہوں۔'' عدنان نے تلخ لہجے میں کہا۔

''گنتے رہو۔'' تنویر کا ہاتھ تیزی سے چلنے لگا۔

''یہ پتھر پر نہیں.....میرے جسم پر پڑ رہے ہیں مادام تنویر.....مگر میرے سینے میں بھی تم کا دل ہے۔''

''تمہاری دھمکیاں مجھے اور زیادہ سنگدل بنا دیں گی۔'' تنویر بولی۔ لیکن اس کا ہاتھ چلتا رہا۔ کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اُسے روک دیتا۔ باڈی گارڈ کھڑے کانپتے رہے۔

''میں بس نہیں کہوں گا.....مادام تنویر۔'' عدنان نے کہا۔ ''اور نہ رحم کی درخواست کروں گا۔''

تنویر کا ہاتھ رک گیا۔ چابک فرش پر ڈال کر وہ کرسی میں گر گئی۔ اس کی آنکھیں بڑی خونخوار نظر آ رہی تھیں۔ اچانک عدنان نے چابک اٹھایا اور چاروں باڈی گارڈوں پر ٹوٹ پڑا۔

''اُلو کے پٹھو.....میں نے تم سے کہا تھا کہ یہاں سے چلے جاؤ۔''

باڈی گارڈ ایک دوسرے پر گرتے پڑتے بھاگ نکلے۔

میجر داراب

حمید کے لئے یہ گتھی عجیب تھی۔ مگر اُسے اس گتھی میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ جس الجھاؤ میں کسی عورت کو بھی دخل ہوتا تھا، وہ کم از کم حمید کی ذہنی جمناسٹک سے بچا ہی رہتا تھا۔ کیونکہ حمید پھر حمید ٹھہرا.....ظاہر ہے کہ عورت اُس کے حصے میں آئی اور گتھی فریدی کے حصے میں۔

بات کرنا فریدی کا کام تھا کہ وہ لڑکی حقیقتاً سلمیٰ براؤن تھی یا کوئی اور۔ حمید کے لئے تو وہ صرف لڑکی تھی۔ اگر اس کا نام سلمیٰ براؤن کی بجائے کیوی بوٹ پالش براؤن ہوتا تب بھی وہ اس میں اتنی ہی دلچسپی لیتا۔

وہ سعید بابر کی کوٹھی کے چکر لگانے لگا۔ دن میں کئی کئی بار کوئی نیا سوال تیار کر کے جا پہنچتا اور سعید بابر اس بات پر بے تحاشہ خوشی کا اظہار کرتا کہ محکمہ سراغ رسانی کے دو بہترین دماغ اُس کے معاملے میں اتنی دلچسپی لے رہے ہیں۔

آج اچانک اس کی ملاقات اس لڑکی سے ہو گئی جسے سعید بابر کڑی نگرانی میں رکھتا تھا اور اُسے باہر نہیں نکلنے دیا جاتا تھا۔ وہ حمید کو برآمدے ہی میں ملی اور اُس کے سر پر دونوں کر مسلط تھے۔ سعید بابر گھر میں موجود نہیں تھا۔

لڑکی نے اٹھ کر اس کا استقبال کیا اور ایک تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ ''وہ شریف آدمی گھر پر موجود نہیں ہے۔''

''اوہ.....اچھا.....!''

''لیکن ٹھہریئے.....میں آپ سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔''

''اوہ.....ضرور.....ضرور.....!'' حمید وہیں ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

''مجھے یہ سزا کیوں دی گئی ہے۔ کیا آپ بتا سکیں گے۔''

''سزا تو تم نے آج کل ہم لوگوں کو دے رکھی ہے۔'' حمید مسکرا کر بولا۔

''کیا آپ لوگ نیروبی سے براہِ راست نہیں معلوم کر سکتے۔ میں آپ کو اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے پتے دے سکتی ہوں۔''

''کیا وہ لوگ اس کی بھی تصدیق کر سکیں گے کہ تم سعید بابر کی سیکریٹری ہو۔''

لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا۔ سر جھکائے بیٹھی رہی۔ اُس کے چہرے کی رنگت بڑی تیزی سے بدل رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے سر اٹھایا۔ اُس کی آنکھیں غمگین تھیں اور چہرے پر پہلے سے زیادہ نرماہٹ تھی۔ اُس نے آہستہ سے کہا۔ ''نہیں اس کی تصدیق نہیں کر سکیں گے۔''

''اس کا جواب وہی ذلیل کتا دے سکتا ہے۔ لیکن اب تو وہ مجھے سلمیٰ براؤن ہی تسلیم

کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ یہ مرد بڑے کتے ہوتے ہیں۔ کبھی تمہارے لئے ٹھنڈی سانس بھریں گے ....روئیں گے۔ گڑگڑائیں گے اور کبھی اس طرح منہ پھیر لیں گے جیسے ..... میں کہوں..... سعید بابر اور میں گہرے دوست تھے۔ ایک دوسرے کو بے حد چاہتے تھے لیکن یہ اُس سے چھپ کر ملتی تھی۔ کیونکہ افریقہ کے انگریز بہت متعصب ہیں۔ وہ کالوں سے نفرت کرتے ہیں حالانکہ سعید بابر بہتیرے انگریزوں سے بھی زیادہ حسین ہے مگر اس کا تعلق کالی نسل سے ہے۔ اور اب میں کہتی ہوں کہ افریقہ کے انگریز اپنے تعصب میں حق بجانب ہیں۔ سعید بابر مجھے یہاں اپنی سیکریری بنا کر لایا تھا اور اب یہاں آ کر ایک نئی مصیبت میں پھنسا دیا۔ مقصد میں نہیں جانتی کہ کیا ہوسکتا ہے۔ یہ ہمارا ایک تفریحی سفر تھا۔ ویسے وہ اپنے کسی بھائی سے بھی ملنا چاہتا تھا۔"

"سعید کے آدمیوں کو تو اس کا علم ہوگا کہ تم اس کی سیکریٹری کی حیثیت سے سفر کر رہی والی ہو۔"

"کوئی نہیں جانتا۔ کسی کو بھی اس کا علم نہیں۔ میرے عزیز اور دوست یہی سمجھتے ہیں کہ یہ سفر مومباسہ ہی تک محدود ہوگا۔ میں نے اُن سے یہی کہا تھا کہ میں تین ماہ مومباسہ میں قیام کروں گی۔"

"یہی وجہ ہے کہ سعید بابر.....!" حمید جملہ پورا کرنے سے پہلے ہی خاموش ہوگیا۔

"ہاں! ہاں..... کہئے..... سچی بات ہر حال میں کہہ دینی چاہئے۔ آپکی زبان رک کیوں گئی۔ آپ یہی کہنا چاہتے ہیں نا کہ اسی لئے سعید اور زیادہ صفائی سے جھوٹ بول رہا ہے۔"

"خدا جانے..... میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"ہاں..... آپ مجھے اس قید سے رہائی نہیں دلا سکتے۔ میں اچھی خاصی قیدی ہوں۔ امور کے دفتر سے سعید کو ہدایت ملی ہے کہ انکوائری کے دوران میں وہ مجھے اپنی نگرانی میں رکھے۔ مگر نگرانی کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ میں کہیں قید کردی جاؤں۔ سعید کے علاوہ میں اور کو یہاں نہیں جانتی۔ مگر تازہ ہوا اور کھلے آسمان پر تو ہر آدمی کا حق ہوتا ہے۔ ان دیواروں میں میرا دم گھٹ رہا ہے۔ میں مرجاؤں گی۔"

"آپ میرے ساتھ باہر چل سکتی ہیں۔"

"سچ.....!" لڑکی پر مسرت انداز میں چیخی۔

"جی ہاں.....!"

"مگر یہ.....!" لڑکی نے نوکروں کی طرف دیکھا۔

"میں انہیں اپنے ساتھ لے جارہا ہوں۔" حمید نے نوکروں سے کہا۔

"صاحب کی اجازت نہیں ہے۔" ایک نوکر نے بڑے ادب سے جواب دیا۔

"ان سے کہہ دینا کپتان صاحب اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔"

"اُن کا انتظار کرلیجئے تو بہتر ہے۔"

حمید نے بات آگے نہیں بڑھائی۔ وہ سمجھتا تھا کہ لڑکی اس طرح باہر نہیں جاسکے گی۔ لہٰذا اس نے یہی مناسب سمجھا کہ سعید کا انتظار ہی کرے۔

آج کل ہائی سرکل نائٹ کلب میں رقص کے پروگرام ہو رہے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر یہ لڑکی اس کے ساتھ ہوئی تو کلب میں اس کی خاصی دھوم رہے گی۔

اُسے تقریباً آدھے گھنٹے تک سعید بابر کا انتظار کرنا پڑا پھر جیسے ہی وہ آیا حمید اسے اپنے ساتھ لیتا ہوا اندر چلا گیا۔ لڑکی برآمدے ہی میں رہ گئی۔

"میں آپ کا بہت شکر گذار ہوں کپتان صاحب لیکن میری زندگی خطرے میں ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں ابھی تک آپ کے لئے کچھ نہیں کرسکا۔" حمید بولا۔

"میں ابھی تک دراصل اپنے ہی ایک معاملے میں ادھر کے چکر لگا تا رہا ہوں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"بھئی بات یہ ہے کہ ویزا انکوائری سیکشن میرے ہی چارج میں ہے اور میں آج آپ پر یہ حقیقت واضح کررہا ہوں کہ دونوں لڑکیوں کے انکوائری فارم ریکارڈ روم میں موجود ہیں۔ دونوں ہی لسلی براؤن اور مسٹر سعید بابر کی سیکریٹری۔"

"میرے خدا.....!" سعید بابر منہ کھول کر رک گیا۔

"جی ہاں..... یہ متعلقہ کلرک کی غلطی ہے کہ اس نے اس پر دھیان نہیں دیا۔ آپ خود

سوچ سکتے ہیں کہ سیکشن کی کتنی بدنامی ہوگی۔"

"یقیناً..... یقیناً.....!"

"بس یہی چکر ہے۔ میرا خیال ہے کہ آج سے میں اس لڑکی کو چکر دینا شروع کردوں اس طرح کام نہیں بنے گا۔ لہٰذا میں اسے اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔"

سعید بابر کسی سوچ میں پڑ گیا۔ چند لمحے خاموش رہا، پھر تفکر آمیز لہجے میں بولا۔ "ناظم الامور کی دفتر سے.....!"

"مجھے معلوم ہے کہ وہ آپ کی نگرانی میں ہے، مگر آپ یہ نہ بھولئے کہ یہاں کے محکمہ سراغ رسانی کے ساتھ بھی فراڈ کیا گیا ہے۔"

"آپ جو مناسب سمجھئے کیجئے.....!" اس نے مردہ سی آواز میں کہا۔ "لیکن مجھے میری تسلی براؤن ضرور ملنی چاہئے۔ ورنہ میں اس لڑکی کو گولی مار دوں گا۔ بھائی سے تو ہاتھ دھو چکا..... پتہ نہیں کیا چکر ہے۔"

"مجرم بہت جلد سزا کو پہنچیں گے۔" حمید نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر محبت آمیز انداز میں کہا۔ "جس کام میں کرنل فریدی کا ہاتھ پڑ جائے اس کا بیڑا پار ہی سمجھئے۔"

جب حمید لڑکی کو ساتھ لے کر چلنے لگا تو سعید بابر نے اردو میں کہا۔ "بہت محتاط رہئے گا کپتان صاحب۔"

"مجھ سے زیادہ محتاط آج تک کوئی پیدا نہیں ہوا۔" حمید ہاتھ ہلا کر بولا اور وہ دونوں کار میں بیٹھ گئے۔

"وہ آپ کا کہنا مان گیا۔" لڑکی نے کہا۔

"میں ایک ذمہ دار آفیسر ہوں۔ اس لئے اس وقت تمہیں یہاں کی ایک بہترین تفریح گاہ میں لے جاؤں گا۔"

"اوہ..... آپ کا بہت بہت شکریہ۔"

"تو سعید بابر نے تمہیں دھوکا دیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"یقیناً..... مگر اس کا مقصد میں ابھی تک نہیں سمجھ سکی۔ ہم دونوں ابھی تک محض دوست

رہے ہیں۔ میں بھی اُسے صرف اسی حد تک پسند کرتی ہوں۔ ہماری شادی کا بھی کوئی امکان نہیں رہا ہے۔ پھر اس کی اس حرکت کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔"

"تم اس کے اُس بھائی کے متعلق کیا جانتی ہو جس سے ملنے کے لئے وہ یہاں آیا تھا۔"

"کچھ بھی نہیں جانتی۔ اس نے بس یونہی رواروی میں اس کا تذکرہ کیا تھا۔ وہ بھی محض اس لئے کہ وہ اس سے بہت مشابہ تھا۔"

"تم دونوں نے ساتھ ہی اپنی آمد یہاں درج کرائی تھی۔"

"ہاں! ہم دونوں ساتھ گئے تھے۔"

اسکے بعد حمید نے کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ اس کے قریب ہی اگلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اسکے جسم سے اٹھنے والی لیونڈر کی بھینی بھینی خوشبو حمید کے ذہن پر بُری طرح مسلط ہوگئی تھی۔ وہ بیداری میں خواب دیکھنے لگا تھا۔ ویسے اُسے اس کا ہوش تھا کہ کہیں ایکسیڈنٹ نہ ہو جائے۔

کار ہائی سرکل نائٹ کلب میں رکی، وہ دونوں ہال میں جانے سے پہلے منیجر کے کمرے میں گھس گئے۔ منیجر کمرے ہی میں موجود تھا۔ حمید کو دیکھ کر بڑے ادب سے کھڑا ہوگیا۔

"کرنل صاحب بھی تشریف رکھتے ہیں۔" اُس نے کہا اور لڑکی کو گھورنے لگا۔

"کہاں تشریف رکھتے ہیں۔" حمید بوکھلا گیا۔

"ہال ہیں..... ہو سکتا ہے انہیں علم ہوگیا ہو کہ آپ ایک سروِ گلزار شباب کے ساتھ یہاں قدم رنجہ فرمائیں گے۔"

"شٹ اپ.....!" حمید جھنجھلا گیا۔

"ارے نہیں کپتان صاحب"

دل بہت بلبلِ شیدا کا ہے نازک گلچیں
پھول گلزار میں یوں توڑ کہ آواز نہ ہو

"فرنیچر ٹوٹنے کی آواز پسند کرو گے۔" حمید آگے بڑھتا ہوا بولا۔

"اررر..... دیکھئے..... بس دور ہی رہئے گا۔ بقول شاعر..... جی ہاں..... سراپا ناز آپ کے ساتھ ہے اور آپ مجھ سے دھول دھپا کرنے چلے ہیں۔"

حمید رک گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ فریدی یہاں کیوں آیا۔ بھلا فریدی کو کسی

نائٹ کلب سے کیا سروکار۔

''میں فی الحال یہیں بیٹھوں گا۔'' حمید نے اس سے کہا۔ ''جب فریدی صاحب باہر جائیں تو مجھے اطلاع دینا۔''

''گویا میں وہاں جا کر یہ دیکھتا رہوں کہ وہ کب تشریف لے گئے۔''

''ہاں.....!''

''کیا آپ مجھے کوئی گرا پڑا آدمی سمجھتے ہیں۔'' منیجر نے اکڑ کر انگریزی میں کہا۔

''اگر تم نے انگریزی میں اپنی قابلیت کا اظہار کیا تو تمہاری گردن مروڑ دوں گا۔''

''آپ مجھے دھمکا رہے ہیں۔''

''تم بیٹھ جاؤ۔'' حمید نے لڑکی کی طرف مڑ کر کہا۔ مگر لڑکی غائب تھی۔ حمید دروازے کی طرف جھپٹا۔ مگر وہ برآمدے میں بھی نظر نہیں آئی۔ حمید ہال کی طرف دوڑا۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلا گیا۔ ریکریئیشن ہال میں بھی دیکھا لیکن وہ کہیں نہ ملی۔ پھر اُسے اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ اُسے حقیقتاً کمپاؤنڈ ہی کی طرف جانا چاہئے تھا۔ اگر لڑکی اسے جل دے کر نکل گئی تھی تو ہال میں جانے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ حالانکہ اب یہ فضول ہی تھا لیکن پھر بھی اُس کے قدم کمپاؤنڈ کی طرف اٹھ گئے۔ وہ پھاٹک والی روش طے کر رہا تھا کہ کسی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ حمید جھنجھلا کر پلٹا۔

''کیوں پریشان ہو۔'' اُس نے فریدی کی آواز سنی۔

حمید خاموش ہی رہا۔ جواب کیا دیتا۔

''لڑکی کے غائب ہو جانے کا غم ہے۔'' فریدی چڑھانے کے سے انداز میں بولا۔

''اوہ.....تو یہ آپ تھے۔'' حمید چونک کر بولا۔

''بکواس مت کرو۔'' فریدی بگڑ گیا۔ ''تم اُسے لائے کیوں تھے؟''

''مجھے توقع تھی کہ میں اس سے کچھ معلوم کر سکوں گا۔''

''کیا معلوم کیا۔''

''یہی کہ کوئی خوبصورت لڑکی دیر تک نہیں ٹھہرتی۔''

''تم نے میری ساری اسکیم چوپٹ کر دی۔'' فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''پھر کوئی دوسری اسکیم بن جائے گی۔ مگر یہ تو فرمایئے کہ آپ کو اس کا علم کیسے ہوا۔''

''میں یہیں موجود تھا.....پھر مجھے کیسے علم نہ ہوتا۔''

''تو آپ نے اُسے نکل کیوں جانے دیا.....!''

''محض اس لئے کہ تم اپنا وقت نہ برباد کرو۔''

''میں سعید بابر کو کیا جواب دوں گا۔''

''اُسے جواب دینا تمہارے فرائض میں نہیں۔ تم اپنے روزنامچے میں نہایت اطمینان سے لکھ سکتے ہو کہ تم پوچھ گچھ کرنے کے لئے اُسے اپنے ساتھ آفس لا رہے تھے، ایک جگہ کار روک کر تم کسی کام سے اترے جب کار کی طرف واپس ہوئے تو وہ غائب تھی۔''

''آخر آپ کیا کرنا چاہتے ہیں۔''

''یہاں میجر داراب موجود ہے۔ اس کے ساتھ دو لڑکیاں ہیں ان میں سے ایک کے ساتھ تم رقص کرو گے۔''

''میں شاید ناچنے ہی کے لئے پیدا ہوا ہوں۔'' حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ ''میں میجر داراب کو نہیں پہچانتا۔''

''میں بتاؤں گا۔'' فریدی اس کا ہاتھ پکڑ کر ہال کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

''مگر وہ لڑکی۔''

''اُسے جہنم میں جھونکو.....میجر داراب کے ساتھ دو لڑکیاں ہیں۔''

فریدی اُسے ہال کے صدر دروازے تک لایا۔

''وہ اُدھر..... بڑی پینٹنگ کے نیچے والی میز پر.....وہی میجر داراب ہے۔ اس کے قریب والی میز خالی ہے.....میں نے مخصوص کرائی ہے۔''

''کیا آپ کو علم تھا کہ میں یہاں آؤں گا۔''

''ہاں مجھے علم تھا اور یہ کوئی ایسی حیرت انگیز بات نہیں جس کے متعلق سوچنے میں تم اپنا وقت برباد کرو۔ آج صبح تم نے رمیش سے کہا تھا کہ تم لسلی براؤن کو یہاں رقص میں لانے کی

کوشش کرو گے.....بس اب جاؤ۔"

فریدی برآمدے سے کمپاؤنڈ میں اتر گیا۔ حمید پر اب بھی اُسی لڑکی کی گمشدگی کی فکر سوار تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر وہ اسطرح اور اتنی جلدی غائب کہاں ہوگئی۔ اب وہ پھر منیجر کے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ منیجر نے اُسے دیکھ کر ایک ٹھنڈی سانس لی اور کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

حمید نے اس بار اُس سے کوئی بُرا برتاؤ نہیں کیا۔

"کیا تم نے اُسے کمرے سے نکلتے دیکھا تھا۔" حمید نے اس سے پوچھا۔

"پرواہ نہ کیجئے کپتان صاحب۔ یہ سنگدل ایسے ہی ہوتے ہیں۔"

دیکھیں محشر میں اُن سے کیا ٹھہرے
تھے وہی بت وہی خدا ٹھہرے

"میں شعر سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ میری بات کا جواب دو۔"

"جی ہاں.....میں نے اُسے باہر جاتے دیکھا تھا۔ ایک لڑکی نے اشارے سے اُسے بلایا تھا۔"

"لڑکی نے.....!"

"جی ہاں.....آپ مطمئن رہئے۔ وہ کوئی مرد نہیں تھا۔" منیجر معنی خیز انداز میں مسکرایا۔

حمید مزید کچھ کہے بغیر دروازے کی طرف مڑ گیا۔ اُس نے منیجر کے قہقہے کی آواز سنی۔ لیکن وہ اس وقت اس سے الجھنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

وہ ہال میں آیا اور سیدھا اُس خالی میز کی طرف چلا گیا جو فریدی نے غالباً اسی کے لئے مخصوص کرائی تھی۔ میجر داراب خاموش بیٹھا تھا اور اس کے ساتھ تھی دو لڑکیاں آپس میں اونچی آواز میں گفتگو کر رہی تھیں۔ میجر داراب ایک دبلا پتلا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ گال پچکے ہوئے تھے اور آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔ سرد طبیعت آدمی معلوم ہوتا تھا۔ ظاہر ایسا ہو رہا تھا جیسے اُسے ان لڑکیوں سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔ شاید وہ ان کی گفتگو بھی نہیں سن رہا تھا۔

حمید نے لڑکیوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے ایک طویل سانس لی اور سسکیوں کی طرح بڑبڑاتا ہوا چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ دونوں لڑکیاں سفید فام اور قبول صورت تھیں۔ اچانک ایک ویٹر میجر داراب کی میز کے قریب آ کر نہایت ادب سے جھکا اور آہستہ آہستہ کچھ کہنے لگا۔ لڑکیاں خاموش ہوگئیں۔ حمید نے میجر داراب کو اٹھ کر جاتے دیکھا۔ وہ اُس دروازے

کی کمرے میں داخل ہو رہا تھا جو ہال میں کھلتا تھا ہوسکتا ہے کہ اُس کی کوئی ٹیلی فون کال رہی ہو۔

ابھی رقص شروع ہونے میں دیر تھی اور زیادہ تر لوگ ہال ہی میں تھے، کبھی کبھی ریکریئیشن ہال کی طرف سے موسیقی کی ایک لہر آتی اور پھر سکوت طاری ہو جاتا۔ شاید آپریٹر مائیک ٹسٹ کر رہا تھا۔ حمید بہت مغموم نظر آ رہا تھا۔ لڑکیوں نے اُس کی طرف دیکھا اور پھر گفتگو میں مشغول ہوگئیں۔ اتنے میں وہی ویٹر آیا پھر ان کی میز کے قریب آ کر بولا۔ "صاحب کسی ضروری کام سے باہر تشریف لے گئے ہیں۔ آپ کے لئے کہا ہے کہ آپ یہیں تشریف رکھیں گی۔"

"اوہ.....ٹھیک جاؤ۔" ایک لڑکی بولی۔ پھر اُس نے دوسری کی طرف جھک کر آہستہ سے کچھ کہا اور دونوں بیساختہ ہنس پڑیں۔ حمید نے بھی قہقہہ لگایا اور جیسے ہی لڑکیوں نے اُس کی طرف دیکھا اُس نے گویا اپنے قہقہے میں بریک سا لگا دیا اور کچھ پشیمان سا بھی نظر آنے لگا۔ لڑکیاں چند لمحے اُسے غصیلی نظروں سے دیکھتی رہیں، پھر انہوں نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

حمید بوکھلائے ہوئے انداز میں اٹھا اور ان کی میز کے قریب جا کر بولا۔ "میں معافی چاہتا ہوں۔"

لڑکیوں نے پھر اُسے گھور کر دیکھا اور حمید ہکلایا۔ "ایک بیوقوف آدمی سمجھ کر معاف کر دیجئے۔ میں دوسروں کو ہنستے دیکھ کر خود بھی ہنسنے لگتا ہوں۔ جو لوگ مجھ سے واقف ہیں فوراً معاف کر دیتے ہیں۔"

"تم ایسے ہو.....اسی لئے اپنی میز پر تنہا نظر آ رہے ہو۔" ایک لڑکی نے کہا۔

"نہیں اس کی وجہ تو دوسری ہے۔" حمید ایک کرسی کھینچ کر بیٹھتا ہوا بولا۔

ایک لڑکی کی آنکھوں میں احتجاج تھا لیکن دوسری بدستور مسکراتی رہی بلکہ حمید نے بھی یہ دیکھا کہ اُس نے اس لڑکی کو آنکھ ماری تھی۔

"تم شاید شیری پیتی ہو۔" اس نے دوسری لڑکی سے کہا۔ ایک لمحہ خاموشی رہی پھر بولی۔ "مگ پورٹ پیتی ہوں۔"

حمید نے ویٹر کو اشارے سے بلا کر پورٹ اور شیری کے لئے کہا اور اپنے لئے کافی منگوا رہا تھا کہ ایک لڑکی بولی۔ "واہ.....تم کافی پیو گے۔ نہیں یہ غلط ہے۔ ویٹر! لارج وہسکی اور

سوڈا یا جو یہ پسند کریں۔"

"لارج وہسکی اور سوڈا۔" حمید شیخی میں آ کر بولا۔ اس نے سوچا ایک آدھ پگ میں کیا بگڑے گا۔ انکار کی صورت میں ہوسکتا ہے کہ یہ لڑکیاں اُسے بالکل ہی چغد سمجھ کر دھتکار دیں۔ اگر فریدی نہ کہتا تب بھی اُسے کم از کم ایک ساتھی کی ضرورت یقیناً محسوس ہوتی۔

مگر جب دور شروع ہو جائے تو معاملہ ایک ہی آدھ پگ تک محدود نہیں رہتا۔ لڑکیاں عادی معلوم ہوتی تھیں، مگر حمید اناڑی تھا۔ اس نے شاید زندگی میں دو ہی چار بار شراب پی تھی اور ہر موقع پر کھوپڑی سے باہر ہو گیا تھا۔ چنانچہ آج بھی یہی ہوا اور پھر کھوپڑی سے باہر ہونے کے بعد کہاں کی لڑکیاں اور کہاں کا رقص۔ حمید نے آگے پیچھے جھول کر کہا۔

"میں..... جھولا..... جھولوں گا.....!"

"پہلے بل ادا کر دو۔" ایک لڑکی بولی۔

حمید نے جھلا کر جیب سے پرس نکالا اور اُسے میز پر پٹختا ہوا بولا۔ "کیا غریب سمجھتی ہو مجھے..... میں..... لسل..... لسل..... لسلی براؤن ہوں..... ہاں۔"

لڑکی نے پرس سے کچھ نوٹ نکال کر ویٹر کی لائی ہوئی ٹرے میں ڈال دیئے اور پرس پھر حمید کی جیب میں ٹھونس دیا اور اس کے بعد وہ دونوں وہاں سے اٹھ ہی گئیں۔

"ہائیں..... میں..... بھی..... میں بھی۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ مگر وہ اتنی دیر میں ہال سے نکل چکی تھیں۔ حمید نے قریب سے گذرنے والے ایک ویٹر کی گردن پکڑ لی۔

"جی صاحب۔" ویٹر بوکھلا گیا۔ یہاں کے سارے ویٹر حمید کو پہچانتے تھے۔

"منیجر کو بھیج دو..... میں شعر سننا چاہتا ہوں۔"

"اچھا صاحب.....!"

حمید نے اس کی گردن چھوڑتے ہوئے کہا۔ "اگر تم اُسے نہ لائے تو..... میں تمہیں جہنم میں پہنچا دوں گا۔"

شامت اعمال کو منیجر خود ہی کسی کام سے اُدھر آ نکلا تھا۔ اُس نے حمید کو ویٹر کی گردن پکڑتے دیکھا اور قریب قریب دوڑتا ہوا اُس کی میز کی طرف آیا۔

"یہ کیا کر رہے تھے آپ.....!" وہ ہانپتا ہوا بولا۔

"ہائے..... تم آ گئے..... مری جان..... باٹھو..... باٹھو.....!"

"نہیں..... میرے پاس وقت نہیں ہے۔"

"تمہیں بیٹھنا پڑے گا۔" حمید نے اسے جھنجھوڑ کر زبردستی بٹھا دیا۔

"ارے ارے..... یہ آپ کیا کر رہے ہیں..... ہائیں۔"

"مجھے اشعار سناؤ..... میری جان.....!" حمید جھک کر اُسکی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"میں اس وقت آپ سے بات نہیں کرنا چاہتا..... آپ نشے میں ہیں۔"

"تم کتے کے پلے ہو..... مجھے شعر سناؤ۔"

"آپ میری توہین کر رہے ہیں۔"

حمید نے میز پر جھک کر اُسے دونوں ہاتھوں سے دبوچ لیا اور منیجر اُٹھنے کی کوشش کر رہا اس کے آس پاس قہقہے ہی قہقہے تھے۔ ویسے چونکہ وہاں اونچے ہی طبقے کے لوگ آتے اس لئے ہڑبونگ صرف اسی میز تک محدود رہی۔

ابھی یہ دھینگا مشتی کسی فیصلہ کن منزل پر نہیں پہنچی تھی کہ میجر داراب آ گیا۔ یہ سیاہ سوٹ ملبوس تھا اور دبلا ہونے کی وجہ سے غیر معمولی طور پر دراز قد معلوم ہو رہا تھا۔ وہ چند لمحے حیرت سے دیکھتا رہا پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر میز کے قریب پہنچ گیا۔

"یہ میز میرے لئے مخصوص تھی۔" اس نے سرد لہجے میں منیجر سے کہا۔

"اب آپ دیکھ رہے ہیں جناب میجر صاحب..... یہ نشے میں ہیں۔" منیجر ہانپتا ہوا بولا۔ وہ ان سے یہی کہنے آیا تھا کہ یہ میجر صاحب کی میز ہے۔"

"کون ہے۔" میجر داراب نے حقارت سے پوچھا۔

"کیپٹن حمید.....!"

"گیٹ آؤٹ..... ہل ود یو.....!" حمید نے منیجر کو جھنجھوڑ ڈالا۔

"کیپٹن پلیز..... میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ.....!" داراب غرایا۔

"خاموش رہو، کیچوے..... ورنہ میں تمہیں یہیں دفن کر دوں گا۔" حمید تن کر کھڑا ہو گیا۔

"دیکھا میجر صاحب۔" منیجر اچھل کر ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔ "دیکھا آپ نے..... حضرت نے کلب کو کباڑ خانہ بنا رکھا ہے۔ زبردست ٹھہرے..... اب آپ سے بھی بدتمیزی کر رہے ہیں۔ خدا ان پولیس والوں سے سب کو محفوظ رکھے..... آمین..... بقول شاعر.....!"

حمید اور داراب ایک دوسرے کو خونخوار نظروں سے گھور رہے تھے۔

اچانک داراب بڑی پھرتی سے جھکا اور حمید کو اپنے بازوؤں میں جکڑ کر اوپر اٹھا لیا۔ اس کی یہ حرکت معجزے سے کم نہیں تھی۔ وہ بہت دبلا تھا۔ اس کے چہرے پر ہر وقت مردنی چھائی رہتی تھی۔ گال پچکے ہوئے تھے اور آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔ وہ کسی زندہ آدمی کا چہرہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔ پھر بھی اُس نے حمید جیسے قوی ہیکل آدمی کو اٹھا لیا تھا اور حمید اس کی گرفت میں اس طرح ہاتھ پیر مار رہا تھا جیسے کوئی ننھا سا بچہ کسی بڑے کی گود سے اترنے کی کوشش کر رہا تھا۔

سنسان سڑک

وہ اُسے اسی طرح اٹھائے ہوئے چلتا رہا۔ ہال قہقہوں سے گونج رہا تھا اور حمید کا نشہ وہ تو کبھی کا ہرن ہو چکا تھا۔

میجر داراب نے برآمدے میں پہنچ کر آہستہ سے اُسے اتار دیا۔

"اب تم گھر جا سکتے ہو.....!" اُس نے سرد لہجے میں کہا۔ "اگر کھوپڑی پر کنٹرول نہیں تھا تو پیتے کیوں ہو۔"

حمید کی مٹھیاں بھنچ گئیں لیکن قبل اس کے کہ وہ کوئی اقدام کرتا، میجر داراب ایڑیوں پر گھوما اور ہال میں چلا گیا۔ وہاں سبھی نشے کی ترنگ میں تھے اس لئے کسی نے بھی یہاں تک آنے کی زحمت نہیں گوارا کی تھی۔ بس اپنی جگہوں پر بیٹھے ہنستے رہ گئے تھے۔

حمید آہستہ آہستہ منیجر کے کمرے کی طرف چلنے لگا۔ اس کی حالت ابتر تھی۔ سارا سرور رخصت ہو گیا تھا۔ ایسی بے عزتی سے کبھی اس کا سابقہ نہیں پڑا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ خبر سارے

سارے شہر میں اڑتی پھرے گی۔ ہو سکتا ہے کہ اخبارات بھی زہر اگلیں۔ انہیں تو بس پولیس والوں کے خلاف کچھ لکھنے کا بہانہ مل جانا چاہئے۔

وہ منیجر کے کمرے میں داخل ہوا۔ کمرہ خالی تھا۔ وہ ایک آرام کرسی میں گر گیا۔ اُس کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں تھیں اور آنکھیں سرخ۔ سانسیں چڑھی ہوئی تھیں۔ وہ تقریباً ایک منٹ تک اسی طرح پڑا رہا تھا، پھر اٹھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ منیجر کمرے میں داخل ہوا لیکن وہ دروازے ہی کے قریب رک گیا تھا۔

اچانک وہ شور مچانے والے انداز میں کہنے لگا۔ "زیادتی آپ ہی نے کی تھی جناب! آج آپ نے میری بہت بے عزتی کی ہے۔ میں آپ کا بہت احترام کرتا ہوں۔ آپ مجھ پر ظلم کرتے ہیں۔"

حمید سیدھا بیٹھتا ہوا بولا۔ "مجھے افسوس ہے۔"

منیجر ہکا بکا رہ گیا۔ اُسے حمید سے اس رویہ کی توقع نہیں تھی۔ شاید وہ سمجھا تھا کہ حمید میجر داراب کا غصہ اس پر اتارے گا۔

"دیکھئے نا کپتان صاحب۔" وہ آگے بڑھ کر ناصحانہ انداز میں کہنے لگا۔ "آپ ایک بہت بڑی پوزیشن کے مالک ہیں۔ آپ کو ہر وقت اس کا خیال رکھنا چاہئے آپ بعض اوقات عام آدمیوں کی سی حرکتیں کرنے لگتے ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ منیجر کہتا رہا۔ "اب آپ خود سوچئے..... اس وقت یہ بات کہاں تک پھیلے گی۔"

"ہاں..... آں..... تم اپنا کام کرو۔" حمید نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ "میں تھوڑی دیر تک بیٹھوں گا۔"

"آپ زندگی بھر یہیں بیٹھئے..... مجھے خوشی ہوگی۔ مگر آپ کی رسوائی مجھے بھی گراں گزرے گی۔ میں اتنی قدر کرتا ہوں آپ کی۔"

"اب یہ گراموفون بند کرو..... یا باہر چلے جاؤ۔" حمید غرایا۔

منیجر چپ چاپ اپنی کرسی پر جا بیٹھا۔ اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ منیجر نے ریسیور اٹھا لیا۔ پھر حمید کی طرف بڑھ کر بولا۔ "آپ کا فون ہے۔"

"ہیلو..... حمید اسپیکنگ.....!" حمید نے ریسیور لے کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

''اب مجھے اپنی شکل نہ دکھانا سمجھے۔'' دوسری طرف سے فریدی کی غصیلی آواز آئی۔

''بہت بہتر.....!'' حمید نے جھلا کر کہا اور ریسیور کو کریڈل پر پٹخ کر پھر اسی کرسی میں آ گرا۔ شراب کا اثر تو ابھی باقی ہی تھا۔ دماغ میں گرمی تھی۔ خون جوش کھا رہا تھا۔ اُسے فریدی پر غصہ آ گیا اور وہ سوچنے لگا کہ کل ہی اپنی پہلی فرصت میں استعفیٰ دے دے گا۔ مگر یہ رات کہاں بسر ہوگی..... اُس نے سوچا۔ کیوں نہ قاسم ہی کے گھر چلا جائے۔

یہ سوچ کر وہ باہر نکلا۔ اس وقت دوبارہ ہال میں واپس جانا ممکن نہیں تھا۔ بے خیالی میں وہ اس طرف چل پڑا جہاں کار کھڑی کی تھی۔ مگر کار وہاں موجود نہیں تھی۔ شاید فریدی اُسے لے گیا تھا۔ وہ کمپاؤنڈ سے باہر نکلا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک دوا فروش کی دوکان سے قاسم کو فون کر رہا تھا۔

''ہیلو.....!'' دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز آئی۔

''میں حمید ہوں..... قاسم ہے گھر پر۔''

''میں سلیمہ ہوں..... کہئے حضرت خوب غائب ہوئے۔''

''بہت مشغول تھا۔ ذرا قاسم کو فون پر بلائیے۔''

''ٹھہریئے..... ایک منٹ.....!''

حمید انتظار کرتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد آواز آئی۔ ''واؤں..... واؤں..... ہالو..... واؤں..... واؤں..... میں خانا..... خا رہا ہوں..... ہالو.....!''

''قاسم.....!'' حمید نے کہا۔ ''میں رات تمہارے یہاں بسر کرنے آ رہا ہوں۔''

''ہائیں..... واؤں..... واؤں..... قیا مطالب.....!''

''بس یونہی..... گھر نہیں جانا چاہتا۔''

''ہاچھا..... آ جاؤ..... آ جاؤ..... واؤں..... واؤں..... آہا ضارور آ جاؤ..... تم سے ایک ضاروری بات کرنی ہائے..... واؤں..... واؤں۔''

حمید نے ریسیور رکھ دیا۔ باہر آ کر ایک ٹیکسی کی اور قاسم کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا۔ سردی بہت زیادہ تھی اور آج ہوا بھی بہت تیز تھی۔ شراب کا اثر ابھی زائل نہیں ہوا تھا۔

ہوا لگتے ہی حمید کی پلکیں بھاری ہونے لگیں۔ اُس نے پائپ میں تمباکو بھری، اور پشت سے ٹیک لگا کر ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی نے اسے میجر داراب کے پیچھے کیوں لگایا تھا۔ اتنا اُسے معلوم ہوا تھا کہ سعید بابر نے اپنے ہمشکل بھائی کے سلسلے میں داراب کا تذکرہ کیا تھا۔ اُس کے پہلے ڈرافٹ پر میجر داراب ہی نے تصدیق کی تھی اور الائیڈ بینک میں اس کا اکاؤنٹ بھی اسی کی سفارش پر کھولا گیا تھا۔ مگر کم از کم داراب کے متعلق یہ سوچا نہیں جا سکتا تھا کہ وہ تین ہزار روپے ماہوار پر اپنی نیت خراب کر بیٹھتا۔ وہ لاکھوں میں بھی کروڑوں میں کھیلتا تھا۔ اس کے لئے لاکھ ڈیڑھ لاکھ کی رقم اتنی کشش نہیں رکھتی تھی کہ وہ اس کے لئے ایسی پراسرار وارداتیں کرتا۔ فریدی نے تو اس کی لڑکیوں میں سے ایک کے ساتھ شادی کرنے کو کہا تھا۔ مقصد کچھ بھی رہا ہو۔ حمید کو سب سی زیادہ حیرت اُس لاش نما آدمی کی شخصیت پر تھی۔ اُس نے اُسے پھول کی طرح اٹھا لیا تھا۔

حمید کو ایک بار پھر اُس پر غصہ آ گیا اور اُس نے ایک بہت بڑی قسم کھائی کہ وہ اُس سے اس توہین کا بدلہ ضرور لے گا۔

حمید نے ٹیکسی کمپاؤنڈ میں لے جانے کے بجائے پھاٹک ہی پر رکوا دی۔ کیونکہ قاسم پھاٹک ہی پر ٹہل رہا تھا۔ اس کے ساتھ سلیمہ بھی تھی۔

''میں یہیں تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔'' قاسم نے کہا۔ ''گھر میں گھپلا ہو جائے گا۔''

''کیا بات ہے۔''

''یہ سالا..... سعید بابر..... مصیبت ہو گیا ہے۔'' اور سلیمہ کی طرف دیکھنے لگا۔

''ہاں..... یہ آدمی مجھے خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ نہ جانے کیوں میں ایسا محسوس کرتی ہوں۔ وہ بظاہر بڑا خوش اخلاق ہے، مگر کوئی چیز..... نہ جانے کیا چیز ہے اس میں..... جس کی بناء پر اس سے خوف معلوم ہوتا ہے۔''

''مگر وہ تم لوگوں کے لئے کیوں مصیبت ہو گیا ہے۔''

''میں نہیں پسند کرتا۔''

''کیا نہیں پسند کرتے۔''

''اُس کی اور راحلہ کی دوستی.....وہ دن میں کئی بار آتا ہے۔ دونوں میں سرپوشیاں ہوتی رہتی ہیں۔''

''سرپوشیاں.....کیا.....!''

''سرپوشیاں نہیں جانتے۔'' قاسم نے قہقہہ لگایا۔ ''بڑے قابل بنتے ہو، کان پکڑو تو بتادوں۔''

حمید نے ہاتھ بڑھا کر قاسم کا کان پکڑلیا اور قاسم مسکرا کر بولا۔ ''ٹھیک ہے..... پوشیاں.....وہی آہستہ آہستہ باتیں کرنا۔''

سلیمہ بے تحاشہ ہنس پڑی۔

''ابے سرگوشیاں.....لم ڈھگ.....!''

''ہائیں.....تم نے میرا کان پکڑ رکھا ہے۔'' قاسم اس کا ہاتھ جھٹکتا ہوا بولا۔ ''دھوکے باز.....میں نے تم سے اپنا کان پکڑنے کو کہا تھا۔''

''ایک ہی بات ہے۔'' حمید نے کہا۔ پھر وہ سلیمہ سے بولا۔ ''کیا آپ کو بھی اُن دونوں کا ملنا ناگوار ہے۔''

''میں نے صرف یہ کہا تھا کہ بابر جو کچھ بھی نظر آتا ہے، حقیقتاً وہ نہیں ہے۔''

''آپ کے پاس کوئی ثبوت بھی ہے.....یا یہ محض قیاس ہے۔''

''میں محسوس کرتی ہوں۔''

''ان سے زیادہ میں محسوس کرتا ہوں۔'' قاسم بولا۔ ''اس سالے کو مرغا بنانا چاہئے۔ نے دیکھا نہیں وہ کتنا کمینہ.....اُس بیچاری پلپلی براؤن کو ساتھ لایا اور یہاں آکر کہہ دیا کہ تو اُسے پہچانتا ہی نہیں۔''

''سلمی براؤن.....'' حمید نے تصحیح کی۔

''میرے ٹھینگے سے وہ کوئی براؤن ہو۔ میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ وہ بڑا کمینہ آدمی ہے۔''

دفعتاً حمید کو خیال آیا کہ اُسے سلمی براؤن کے متعلق سعید بابر کو فون کرنا چاہئے۔ اُس نے قاسم سے کہا کہ وہ سعید بابر کو فون کرنا چاہتا ہے۔ قاسم کے استفسار پر اُس نے بتایا کہ وہ خود سعید بابر کو ٹھیک کرنے کے چکر میں ہے۔ قاسم کی چھت کے نیچے رات بسر کرنے کے لئے

ی خاکہ وہ قاسم کی ہاں میں ہاں ملائے۔

قاسم نے مزید سوالات نہیں کئے۔ وہ تھوڑی دیر بعد ملنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ سلیمہ حمید ہ ہی رہی۔ ساتھ ہی وہ دونوں اُس کمرے میں آئے جہاں فون تھا۔ اُس نے سعید بابر کے یل کئے، وہ گھر ہی پر موجود تھا۔ اُس نے اُسے وہ بُری خبر سنائی اور سعید بابر گرجنے لگا۔ ''میں آپ سے پہلے ہی کہا تھا.....اب بتایئے! میں ناظم الامور کے دفتر کو کیا جواب دونگا۔''

''آپ نہایت اطمینان سے اس کا سارا بار یہاں کے محکمہ سراغ رسانی پر ڈال سکتے ہیں۔ ہے کہ یہاں کے محکمہ سراغ رسانی کے ساتھ بھی فراڈ کیا گیا ہے.....لہٰذا.....!''

''سب جہنم میں جائے۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''سلمی مجھے واپس ملنی چاہئے۔ وہ براؤن جو میرے ساتھ آئی ہے۔''

''آپ پرواہ نہ کیجئے۔'' حمید نے کہا۔ ''اس کا اس طرح غائب ہوجانا آپ کے حق میں اچھا ہوا ہے۔''

''میرے حق میں کیا اچھا ہوا ہے۔'' سعید غرایا۔

''محکمہ سراغ رسانی آپ کے معاملے میں پوری طرح دلچسپی لینے لگے گا۔ ویسے اُسے اس سے کوئی دلچسپی نہ ہوتی جو آپ کا ہم شکل تھا۔ آپ کے پاس اس کا کوئی ثبوت تو نہیں کہ وہ آپ کا بھائی ہی تھا۔''

''دوسری طرف سے کوئی آواز نہ آئی۔'' حمید نے کہا۔ ''ہیلو.....!''

''یس.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''ہاں آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مگر میری وہ رٹ کہ میری زندگی یہاں خطرے میں ہے۔ اس کے لئے آپ لوگ کیا کر رہے ہیں۔''

''بہت کچھ کر رہے ہیں آپ مطمئن رہئے۔'' حمید نے کہا اور جواب کا انتظار کئے بغیر ریسیور رکھ دیا۔

سلیمہ نے پوچھا۔ ''کیا وہ لڑکی آپ کے ساتھ تھی۔''

''ہاں.....میں اُسے ہیڈ کوارٹر لے جارہا تھا.....راستے میں وہ دھوکا دے کر نکل گئی۔''

''یہ سلمی براؤن والا واقعہ کیا حیرت انگیز نہیں ہے۔''

''اپنے لئے کچھ بھی حیرت انگیز نہیں ہے۔'' حمید نے مسکرا کر کہا۔ ''میری زندگی کا ہر
انگیز دن وہ ہوگا جب کوئی لڑکی مجھ سے شادی کرنے پر آمادہ ہو جائے گی۔''

''مگر اُس دن آپ مغموم بھی ہوں گے۔'' سلیمہ بولی۔ ''کیونکہ کوئی زندہ لڑکی تو
سے شادی کرنے سے رہی۔''

''میرے لئے یہ موضوع بہت زیادہ المناک ہے۔ اس لئے اسے یہیں ختم کردو۔''

فریدی کی کار تاریکی کا سینہ چیرتی ہوئی سنسان سڑک پر تیرتی رہی۔ لیڈی انسپکٹر
اُس کے برابر بیٹھی ہوئی اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ رہی تھی۔ اُس نے کچھ کہنے کے
ہونٹ کھولے اور پھر بند کر لئے۔ فریدی کی نظر ونڈ شیلڈ پر تھی۔ اچانک وہ بولا۔

''ہماری یہ مہم خطرناک بھی ہوسکتی ہے۔ اسی لئے میں تمہیں ساتھ لانے سے احتراز کر رہا
''آپ فکر نہ کیجئے..... اس کی تمام تر ذمہ داری خود مجھ پر ہے۔ آپ بتایئے کیا م
فائلوں میں سر کھپانے سے میں آگے بڑھ سکوں گی۔''

''اگر تم صرف تعاقب کرنے کے آرٹ پر زور دو تب بھی تمہارا مستقبل محفوظ ہی ہ
میں اس وقت جس مہم پر جا رہا ہوں، وہ کم از کم کسی عورت کے بس کی نہیں۔''

''آپ کہاں جا رہے ہیں۔''

''بالی کیمپ..... وہاں ایک آدمی رہتا ہے جس تک پہنچنے کے لئے کافی دشواریوں کا
بھی ہوسکتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تھوڑی سی ورزش بھی کرنی پڑے۔ ورزش کا مطلب غال
سمجھتی ہی ہوگی۔ نہیں میں تمہیں وہاں تک ہرگز نہیں لے جاؤں گا۔ تم چڑھائی والے ہوٹل
میرے فون کا انتظار کرنا۔ ہوسکتا ہے کہ میں تمہیں فون کرنے کی ضرورت محسوس کروں۔ ہو
ہے کہ بات بڑھ جائے اور بالی کیمپ کے تھانے سے مدد طلب کرنی پڑے۔ یہ کام تم وقت
انجام دے سکو گی۔''

''اگر وہ ایسی ہی خطرناک جگہ ہے تو آپ وہاں تنہا کیوں جائیں۔''

''یہ بہت ضروری ہے تنہا گئے بغیر اُس آدمی کو تلاش کر لینا آسان کام نہ ہوگا۔ میں
اصل ابھی تک اُن نشانات کو نہیں سمجھ سکا جو سعید بابر کی کمپاؤنڈ میں ملے تھے۔ وہ کسی جانور
کے پیر کا نشان تو ہرگز نہیں ہوسکتا۔ مجھے یقین ہے مگر اُسے کسی آدمی کے پیر کا نشان سمجھنے میں بھی
دشواری پیش آئے گی۔ اُسے کسی آدمی کے پیر کا نشان سمجھنے میں مجھے تامل ہے۔''

''ہوسکتا ہے وہ نشان محض دھوکا ہی ہو۔ میں نے آپ ہی کے کسی کیس میں پرندوں کے
پاؤں کے نشانات کے متعلق پڑھا تھا۔ مگر وہ جوتوں کے تلے میں لگے ہوئے خاص قسم کے
تلوں کے نشانات ثابت ہوئے تھے۔

''ہوسکتا ہے..... یہی بات ہو۔'' فریدی نے کہا۔ ''وہ کسی جوتے کے سول کے نشانات
بھی ہوسکتے ہیں مگر اتنے چوڑے جوتے بھی سمجھ میں نہیں آسکتے۔ انگلیوں کے نیچے کے ابھار کی
چوڑائی تقریباً سات انچ تھی۔ چلو میں یہ بھی مانے لیتا ہوں کہ وہ اتنے ہی چھوڑے جوتے ہونگے،
لیکن پہننے والے کے پنجے اتنے چوڑے ہرگز نہیں ہوسکتے۔ جب پنجے اتنے چوڑے نہیں ہوسکتے
تو پورے سول پر یکساں دباؤ ہرگز نہیں پڑسکتا۔ جب یکساں دباؤ نہیں پڑسکتا تو نشان کے بعض
حصے یقیناً غیر واضح ہونگے۔ مگر ہمیں ایک نشان بھی ایسا نہیں ملا جس کا کوئی حصہ غیر واضح ہوتا۔''

ریکھا چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔ ''مگر آپ بالی کیمپ میں اس کے متعلق.....!''

''ہاں..... میں اسی کے متعلق وہاں معلومات فراہم کرنے کی توقع رکھتا ہوں۔ تمہیں
چڑھائی والے ہوٹل میں چھوڑ دوں گا۔''

''مگر آج حمید صاحب کہاں ہیں۔''

''وہ ایک دوسرا کام انجام دے رہا ہے۔'' فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

لہجے کی تلخی ریکھا نے محسوس کر لی اور اس قسم کے سوالات کرنے لگی جن کے جواب ہی
سے وہ اس تلخی کی تہہ تک پہنچ جائے لیکن فریدی سے کچھ معلوم کر لینا آسان کام نہیں تھا۔ حمید
والے واقعے کی تشہیر نہیں چاہتا تھا اس لئے اس نے پہلے ہی انتظام کر لیا تھا کہ اس کی خبر
اخبارات میں نہ آنے پائے۔ ریکھا کے سوالات کے جواب ایسے نہیں تھے جن سے وہ واقعات
کا اندازہ کر سکتی۔ پھر وہ خاموش ہوگئی۔

"اچانک کار کی داہنی سمت سے ایک تیز رفتار موٹر سائیکل نکلی اور ٹھیک کار کے سامنے دوڑنے لگی۔ کار سے اس کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ دس گز رہا ہوگا۔ فریدی نے چاہا کہ اپنی کار داہنی طرف سے آگے لے جائے لیکن اس کی کار کی ہیڈ لائیٹس کا ڈائریکشن بدلتے ہی موٹر سائیکل اب بھی سامنے ہی تھی۔ فریدی نے بائیں جانب سے نکلنا چاہا لیکن اس بار بھی وہی واقعہ پیش آیا۔

"بالکل گدھا ہے کیا.....!" ریکھا بڑبڑائی۔

"نہیں شاید میں گدھا بننے والا ہوں۔ ٹارچ اور ریوالور سنبھالنا۔"

"خطرہ.....!" ریکھا بڑبڑائی۔

"یقیناً.....اب اس کی رفتار بھی کم ہوتی جا رہی ہے۔ یا تو مجھے رفتار کم کرنی پڑے گی یا کار روکنی پڑے گی۔"

پھر فریدی نے عقب نما آئینے کی طرف دیکھا مگر پیچھے سڑک سنسان پڑی تھی۔ نزدیک یا دور کہیں بھی کسی کار کی ہیڈ لائیٹس نہیں دکھائی دے رہی تھیں۔

"کیا قصہ ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔

"کیا میں اس کے پچھلے پہیے پر فائر کروں۔" ریکھا نے پوچھا۔

"نہیں..... یہ کام میں ہی کروں گا۔"

"کیسے..... کیجئے گا۔"

"دیکھو! بتاتا ہوں.....مگر ٹھہرو.....میں ایک بار اُسے متنبہ کر دوں۔"

پھر فریدی نے چیخ کر کہا۔ "اگر تم مرنا ہی چاہتے ہو تو اب کار میرے قابو سے نکلتی ہے۔"

لیکن موٹر سائیکل سوار کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ آخر فریدی نے جھلا کر رفتار بڑھائی لیکن موٹر سائیکل والا بھی غافل نہیں تھا۔ ساتھ ہی موٹر سائیکل کی رفتار بھی تیز ہوگئی۔

اب بھی دونوں کے درمیان پہلے ہی کا سا فاصلہ تھا۔

فریدی نے کوٹ کی جیب سے ریوالور نکالا۔ اس کا ایک ہاتھ اسٹیئرنگ پر تھا۔ ریوالور کو گود میں ڈال کر داہنی طرف کی کھڑکی کا شیشہ گرانے لگا اور ریکھا کانپ گئی۔ اس کی سمجھ میں

آ رہا تھا کہ وہ کس طرح فائر کرے گا۔ ایک ہاتھ اسٹیئرنگ پر ہوگا دوسرے سے وہ فائر کرے گا۔ اس کے لئے اُسے کھڑکی کی طرف اتنا جھکنا پڑے گا کہ اسٹیئرنگ والا ہاتھ بہک بھی جائے گا۔ لیکن وہ کچھ بولی نہیں کیونکہ فریدی نے روانگی کے وقت ہی اس مہم کے خطرناک ہونے کے امکانات ظاہر کئے تھے۔ مقصد یہی تھا کہ ریکھا اُس کے ساتھ نہ جائے۔

فریدی نے ریوالور والا ہاتھ کھڑکی کے باہر نکالا۔ موٹر سائیکل، سوار سمیت کار کی اگلی روشنی میں نہائی ہوئی تھی۔ فریدی کھڑکی کی طرف جھکا۔ مگر ریکھا کی نظر اسٹیئرنگ پر رکھے ہوئے ہاتھ پر تھی۔ اچانک فریدی کے منہ سے ہلکی سی کراہ نکلی اور کار ایک جھٹکے کے ساتھ رک گئی۔ ریکھا کا سر ڈیش بورڈ سے جا ٹکرایا۔ فریدی نے پورے بریک لگائے تھے۔ موٹر سائیکل فراٹے بھرتی ہوئی آگے نکل گئی۔ فریدی کا داہنا ہاتھ اب بھی کھڑکی کے باہر ہی تھا اور وہ کسی چیز کو باہر طرف گرانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"انجن بند کر دو.....!" اُس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

ریکھا بوکھلا گئی۔ کار کے اندر اندھیرا تھا۔ بہرحال اُس نے بڑی پھرتی سے انجن بند کیا۔

"روشنی.....!" فریدی نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔ ریکھا کی ٹارچ اس کے زانو کے قریب ہی پڑی تھی۔ اُس نے کھڑکی میں اس کی روشنی ڈالی اور دوسرے ہی لمحے میں اُس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ فریدی کی داہنی کلائی ایک خوفناک کتے کے جبڑوں میں تھی۔ فریدی نے بائیں ہاتھ سے اس کے سر پر ایک گھونسہ رسید کیا اور وہ غراتا ہوا دوسری طرف پلٹ گیا۔ سر پر پوری طرح روشنی پڑ رہی تھی۔ یہ ایک غیر معمولی طور پر دراز قد کتا تھا۔ رنگت سیاہ تھی۔ جسم بالکل بلاؤنڈ گرے ہاؤنڈ کی سی تھی..... سر پر تین سفید دھاریاں تھیں۔ کتے نے ایک بار پھر چھلانگ لگائی اور آدھے دھڑ سے کھڑکی میں گھس آیا۔ ریکھا پھر چیخی۔

اس بار فریدی نے اسے باہر دھکیل دیا۔

"تمہارا پستول.....ٹارچ جلاؤ۔"

ریکھا نے پھر ٹارچ روشن کی۔ بدقت تمام بلاؤز کے گریبان سے پستول نکالا۔ اس دوران میں فریدی نے کھڑکی کا شیشہ چڑھا دیا۔ کتا اچھل اچھل کر اس پر پنجے مار رہا تھا۔ فریدی

نے شیشے کو تقریباً ایک انچ نیچے کھسکایا اور پستول سے کتے پر فائر کر دیا۔ مگر اس نے یہ بھی دیکھ کہ کتا بڑی پھرتی سے خود کو بچا گیا۔ اُس نے دوسرا فائر کیا لیکن اس بار بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ تیسرے فائر پر کتے نے سڑک کے کنارے کی جھاڑیوں میں چھلانگ لگا دی۔ فریدی نے اُسی سمت دو فائر اور کئے لیکن جھاڑیوں میں جنبش تک نہ ہوئی۔

پھر تقریباً دو یا تین منٹ تک وہ بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔

سارا جنگل جھینگروں کی جھائیں جھائیں سے گونج رہا تھا۔ کبھی کبھی گیدڑوں کی آوازیں بھی فضا میں ابھرتیں اور دور تک تیرتی چلی جاتیں۔

''ہمیں یہیں سے واپس ہونا چاہئے۔'' فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ''میرا ہاتھ زخمی ہو گیا ہے۔ مجھے فوراً انجکشن لینا چاہئے۔ کتا غیر معمولی تھا۔''

وہ نیچے اترا اور اپنا ریوالور اٹھا کر پھر کار میں آ بیٹھا۔ انجن اسٹارٹ کیا اور کار شہر کی طرف موڑنے لگا۔

''بڑا حیرت انگیز کتا تھا۔'' اس نے کہا۔ ''انتہائی پھرتیلا..... یقیناً بڑی محنت سے سدھایا گیا ہوگا۔ مگر میں نہیں جانتا کہ وہ کس نسل سے ہے۔''

''میں آپ کا ہاتھ دیکھوں۔'' ریکھا نے کہا۔

''پرواہ نہ کرو..... اس کے دانت ہڈیوں تک پہنچ گئے تھے۔ مگر آج تک میری نظروں نے ایسا تیز رفتار کتا نہیں گذرا گویا وہ ستر میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑتا رہا تھا۔ وہ موٹر سائیکل اس لئے سامنے آئی تھی کہ میں کار روک دوں اور کتا مجھ پر حملہ کر دے۔''

''آپ کو تو اسی موٹر سائیکل والے کو گولی مارنی چاہئے تھی۔''

''یہ کیسے ممکن تھا۔ مین نے اسی لئے تمہیں فائر نہیں کرنے دیا تھا کہ کہیں تمہارا ہاتھ بہک جائے۔ اس وقت تک ہمارے پاس اُسے گولی مارنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔''

''پتہ نہیں وہ مردود تھا کون۔''

''تم نے نہیں دیکھا کہ اس کے چہرے پر سیاہ نقاب تھی۔''

''میں نے نہیں دیکھا تھا ورنہ آپ مجھے اس پر فائر کرنے سے باز نہ رکھ سکتے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ ریکھا بھی تھوڑی دیر تک خاموش رہی۔ پھر اُس نے کہا۔

''آپ کو کچھ اندازہ ہے..... وہ کون رہا ہوگا۔''

''خدا جانے..... میرے ایک نہیں ہزاروں دشمن ہیں مگر اس قسم کا کتا زندگی میں پہلی بار نظر سے گذرا ہے۔''

''آپ کی کلائی سے خون بہہ رہا ہوگا۔'' ریکھا نے مضمحل آواز میں کہا۔

''پرواہ نہ کرو..... میرا جسم خون بہانے کا عادی ہے۔ شائد ہی اس کا کوئی حصہ زخم کے نشان سے خالی ہو۔''

ریکھا نے ایک طویل سانس لی اور خاموش ہو گئی۔

کچھ دیر بعد فریدی نے کہا۔ ''مجھ پر غشی طاری ہو رہی ہے۔ تم ڈرائیو کرو۔ میں پچھلی نشست پر جا رہا ہوں۔ شائد! میں شائد بیہوش ہو جاؤں گا۔ تم مجھے سیدھے سول ہسپتال لے جانا پرائیویٹ ہسپتال نہیں..... سمجھیں۔''

فریدی نے کار روک دی اور پچھلی نشست پر جانے کے لئے اٹھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے وہیں ڈھیر ہو گیا۔

اس کا آدھا دھڑ کار کے پچھلے حصے میں تھا اور پیر اگلی نشست پر۔

ریکھا ہسٹریائی انداز میں اُسے آوازیں دے رہی تھی۔

دوسرا سفر

''وہ خطرے سے باہر نہیں ہیں۔'' سول سرجن نے اس کمرے میں آ کر کہا۔ جہاں لیڈی ریکھا اور سارجنٹ رمیش موجود تھے۔ دونوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

''کتا حیرت انگیز طور پر زہریلا معلوم ہوتا ہے۔'' سول سرجن نے پھر کہا۔

''مسٹر آئی جی اور ڈی آئی جی کو فون کر چکا ہوں۔''

"خ..... خطرے سے..... کک..... کیا مراد ہے آپ کی۔"

"یعنی..... وہ..... آپ کا ساتھ چھوڑ بھی سکتے ہیں۔"

"نہیں.....!" رمیش بے اختیار چیخا اور کسی بچے کی طرح پھوٹ پڑا۔ اُسے اپنے آفیسر سے بہت محبت تھی۔ وہ جو آفیسر سے زیادہ ایک بڑا بھائی تھا۔ ریکھا دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

اچانک ایک ڈاکٹر نے کمرے میں آ کر کہا۔ "وہ ہوش میں آ گئے ہیں۔"

"آہا.....!" سول سرجن یکلخت اچھل پڑا۔ "تب تو..... تب تو کوئی خطرہ نہیں ہے۔" اس نے کہا اور تیزی سے دروازے میں مڑ گیا۔

رمیش کی بیساختہ قسم کی سسکیاں ابھی تک جاری تھیں، لیکن اُس نے کسی نہ کسی طرح برآمدے میں آ کر ریکھا کو یہ خوشخبری سنائی۔ ریکھا بھی وہاں رو ہی رہی تھی۔

کچھ انہیں دونوں پر منحصر نہیں تھا محکمے کا ہر وہ آدمی جو فریدی سے حسد نہیں رکھتا تھا اُسے بے حد چاہتا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں کئی آفیسر وہاں پہنچ گئے۔ اُن میں ڈی۔ آئی۔ جی بھی تھا۔ لیکن حمید..... اُسے اس کا علم ہی نہیں تھا۔ ریکھا نے کئی بار گھر پر فون کیا مگر وہ قاسم کے یہاں تھا۔

دوسری صبح اُس نے یہ خبر اخبار میں پڑھی لیکن خبر بھی مکمل نہیں تھی۔ اس جملے پر خبر اختتام ہوا تھا کہ دو بجے رات تک کرنل فریدی خطرے سے باہر نہیں تھے۔ ایک دوسرے اخبار میں لیڈی ریکھا کا بیان کردہ واقعہ بھی موجود تھا۔ حمید پریشان ہو گیا۔ پہلے اُس نے گھر کا رُخ کیا۔ پھر وہاں سے سیدھا سول ہسپتال پہنچا۔ کمپاؤنڈ ہی میں اُسے معلوم ہو گیا کہ فریدی کی حالت بہتر ہے، لیکن حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح اُس کے سامنے جائے۔ فریدی رات بھر موت و حیات کی کشمکش میں رہا تھا اور وہ قاسم کے یہاں میٹھی نیند سویا تھا۔ اُسے شرمندگی تھی۔ حالانکہ یہ سب کچھ اس کی نادانستگی میں ہوا تھا۔ مگر پھر بھی وہ فریدی کے سامنے جاتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔

مگر جانا تو تھا ہی۔ اُس نے ڈرتے ڈرتے پرائیویٹ وارڈ کے اس کمرے میں قدم رکھا جہاں

فریدی تنہا موجود تھا۔ رمیش اور ریکھا بھی جا چکے تھے۔ اُن دونوں نے رات یہیں گذاری تھی۔

اس وقت فریدی بستر کی بجائے آرام کرسی پر تھا۔ مگر اُس کے چہرے سے یہ اندازہ کرنا بہت مشکل تھا کہ وہ پچھلی رات موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہ چکا تھا۔ صرف پٹی کے علاوہ جو اس کی کلائی پر چڑھی ہوئی تھی۔ حمید کو اور کوئی غیر معمولی بات نظر نہیں آئی۔

فریدی اُسے دیکھ کر مسکرایا اور حمید کے ہونٹ کپکپانے لگے۔

"بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے کہا۔ اُس کی آواز میں بھی اضمحلال نہیں تھا۔ حمید چوروں کی طرح بیٹھ گیا۔ سمٹا سمٹایا ہوا سا۔

"تم نے پچھلی رات بہت بہک کر کہا تھا کہ تم اب مجھے اپنی شکل نہیں دکھاؤ گے۔"

فریدی بدستور مسکراتا رہا۔

حمید نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی نظریں فرش پر تھیں۔ فریدی بھی خاموش ہو گیا۔ حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "میں نے رات قاسم کے یہاں بسر کی تھی۔ صبح کے اخبار میں خبر سے مجھے معلوم ہوا۔"

"ہاں! کتا بہت زہریلا تھا۔ مگر شاید میری قوت دافعہ میں ابھی انحطاط نہیں ہوا۔ بہرحال اب میں بالکل ٹھیک ہوں اور مجھے اُس کتے کی فکر ہے۔ ایسا کتا آج تک میری نظر سے نہیں گذرا۔"

"آپ گھر کب چلیں گے۔"

"ابھی اور اسی وقت..... مجھے صرف تمہارا انتظار تھا۔ لیکن تم مجھے اس طرح لے چلو گے جیسے میں نقل و حرکت سے مجبور ہوں۔"

"کوئی خاص آئیڈیا.....!" حمید اُسے غور سے دیکھنے لگا۔

"ہاں..... قطعی.....!"

پھر حمید نے وجہ نہیں پوچھی۔ فریدی بستر پر جا لیٹا اور حمید باہر نکل کر ایمبولینس گاڑی کا انتظار کرنے لگا۔ چار آدمی ایک اسٹریچر لائے۔ فریدی کو بستر سے اٹھا کر اسٹریچر پر ڈالا گیا، اس کے بعد وہ ایمبولینس گاڑی تک پہنچا۔

حمید متحیر تھا کہ آخر فریدی کیا کرنا چاہتا ہے۔

عدنان نے اخبار میز پر رکھ کر ایک طویل سانس لی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ پھر اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس کے اندر اضطراب ظاہر ہو رہا تھا۔ اس نے ایک بار پھر اخبار اٹھا کر کوئی خاص خبر دوبارہ پڑھی اور اخبار کو توڑتا مروڑتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا۔

راہداری میں ایک نوکر سے اس نے تنویر کے متعلق پوچھا اور یہ معلوم کر کے کہ تنویر لائبریری میں ہے وہ اسی طرف چلا گیا۔

تنویر بھی اخبار ہی دیکھ رہی تھی۔ عدنان کی آہٹ پر چونک کر اُسے استفہامیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

''تم نے وہ خبر پڑھی ممی..... کرنل فریدی کے متعلق۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے تم نے اس رات مجھ سے پوچھا تھا کہ کتے کے سر پر سفید دھاریاں تو نہیں تھیں۔''

''ہوں..... تو پھر.....!'' تنویر نے اُسے تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا اور ہونٹ بھینچ لئے۔

''کچھ نہیں..... کرنل فریدی بڑا شاندار آدمی ہے۔ اگر وہ مر گیا تو مجھے بڑی کوفت ہوگی۔ ہم دونوں میں یونہی معمولی سی جان پہچان ہے۔ ایک بار ہمیں ایک ساتھ شکار کھیلنے کا اتفاق ہوا تھا..... کیا کہنے ہیں اس کے نشانے کے۔ خدا کی قسم ہاتھ چوم لینے کو دل چاہتا ہے۔ ممی وہ بندر کی طرح پھرتیلا..... لومڑی کی طرح چالاک اور شیر کی طرح نڈر ہے۔''

''ہوں..... تو پھر.....!''

''میں اُسے دیکھنے جاؤں گا۔''

''تم گھر سے باہر قدم نہیں نکال سکو گے..... ویسے اگر نوکروں کے ہاتھوں بے عزتی پسند ہے تو میں کچھ نہیں کہتی۔''

''ممی..... تم مجھے خودکشی پر مجبور کر رہی ہو۔'' عدنان جھنجھلا گیا۔

''میری اجازت کے بغیر تم وہ بھی نہیں کر سکو گے۔'' تنویر نے انتہائی سرد لہجے میں کہا۔

''تم مجھے نہیں روک سکو گی۔ اگر فریدی زندہ ہے تو ہم دونوں ملکر اس کتے کو تلاش کریں گے۔''

''اس سلسلے میں میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔''

''تو پھر تم ہی مجھے اس کتے کے متعلق کچھ بتا دو۔''

''میں کچھ نہیں جانتی۔''

''پھر تم نے سفید دھاریوں کے متعلق کیوں پوچھا تھا۔''

''یونہی..... عدنان..... یہاں سے جاؤ۔ میں اخبار دیکھ رہی ہوں۔''

''تم مجھے باہر نہیں نکلنے دو گی..... کیوں؟''

تنویر دوبارہ اخبار دیکھنے لگی تھی۔ اُس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''میں فریدی کو فون کرنے جا رہا ہوں۔'' عدنان بولا۔

''دفع ہو جاؤ..... یہاں سے۔'' تنویر نے اخبار سے نظر ہٹائے بغیر جھنجھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

عدنان چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر لائبریری سے چلا گیا۔ جیسے ہی وہ باہر نکلا تنویر اخبار پھینک کر کھڑی ہوگئی۔ میز کی دراز سے ایک قلم تراش چاقو نکالا اور باہر نکل کر بڑی تیزی سے ٹیلی فون کی طرف چلنے لگی جدھر ٹیلی فون کے تار کا کھمبا تھا۔

اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور چاقو سمیت ٹیلی فون کے تاروں پر جھک پڑی۔ ذرا ہی سی میں تار کٹ گئے۔ اب وہ پھر لائبریری ہی کی طرف واپس جا رہی تھی۔

لائبریری میں پہنچ کر اُس نے کال بل کا بٹن دبایا اور دوسرے ہی لمحے میں ایک باوردی باڈی گارڈ اندر آ گیا۔

''باڈی گارڈ کو یہاں بھیج دو.....!'' اُس نے اس سے کہا اور پھر اخبار اٹھا کر اس کی ورق گردانی کرنے لگی۔ مگر اس کے چہرے سے یہ نہیں ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے ابھی کوئی غیر معمولی کام انجام دیا ہے۔

تھوڑی دیر بعد چاروں باڈی گارڈ لائبریری میں داخل ہوئے۔

''بیٹھ جاؤ.....!'' تنویر نے سامنے پڑی ہوئی کرسیوں کی طرف اشارہ کیا اور ان کے بیٹھنے تک خاموش رہی..... پھر بولی۔ ''میں عدنان کو یہاں سے ہٹانا چاہتی ہوں۔''

''مگر آپ نے فرمایا تھا۔''

"پوری بات سنو۔" تنویر نے بولنے والے کو ڈانٹ دیا۔

ایک لمحے کے لئے وہاں موت کی سی خاموشی طاری ہوگئی۔ تنویر کی کرخت آواز دیواروں اور چھت سے ٹکرا کر ایک قسم کی جھنکار سی پیدا کرنے لگی۔ "تم لوگوں کو صرف باتیں بنانا آتی ہیں۔ عملی حیثیت سے صفر ہو۔ تم سے ابھی تک اتنا نہ ہوسکا کہ سعید بابر کو ٹھکانے لگا دیتے۔"

"محترمہ! ہم تین بار کوشش کر چکے ہیں۔" معمر آدمی نے کہا۔ "لیکن شاید ابھی اس کے ستارے گردش میں نہیں آئے۔"

"بکواس مت کرو..... تم سب نکمے ہو۔ وہ تو دور کی بات ہے۔ تم سے اتنا نہیں ہوسکتا کہ عدنان کو نگرانی میں رکھو۔ اسی عمارت میں رہ کر وہ خلاف حکم حرکتیں کر جاتا ہے اور تم آنکھیں بند کئے بیٹھے رہتے ہو۔"

"محترمہ وہ بھی مالک ہیں۔"

"جب میں اُسکے خلاف کوئی حکم دوں تو اُسے میرا بیٹا نہ سمجھو۔" تنویر آنکھیں نکال کر بولی۔

"اب ایسا ہی ہوگا۔" معمر آدمی نے کہا۔ "مگر وہ بے تحاشہ ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر اپنے بچاؤ کے سلسلے میں ہم سے کوئی گستاخی ہوجائے..... تو.....!"

"گستاخی ہوجانے دو.....!"

"تو پھر اب اطمینان رکھئے کہ وہ آپکے حکم کے خلاف ایک قدم بھی نہ اٹھا سکیں گے۔"

تنویر تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر آہستہ سے بولی۔ "میں اُسے یہاں سے ہٹانا چاہتی ہوں۔ مگر ٹھہرو! تم نے فریدی کے متعلق پڑھا۔"

"جی ہاں.....!" معمر آدمی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اور ہمیں افسوس ہے کہ وہ اب خطرے سے باہر ہے۔"

"کیا خبر ہے۔"

"اُسے اسٹریچر پر ڈال کر گاڑی میں رکھا گیا اور کیپٹن حمید اسے گھر لے گیا۔"

"جب وہ اپنے پیروں سے چل بھی نہیں سکتا تو اُسے ہسپتال سے کیوں ہٹایا گیا۔"

"خدا ہی جانے۔"

"خیر مجھے اس سے بحث نہیں۔" عدنان اور فریدی ایک دوسرے کے شناسا ہیں۔ عدنان ایک کتے ہی نے حملہ کیا تھا اور اتفاق سے وہ کتا بھی اسی قسم کا تھا جس کے متعلق اخبارات یا ہے۔ لہٰذا عدنان فریدی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ فی الحال میں نے ٹیلی کے تار کاٹ دیئے ہیں۔ مگر یہ طریقہ زیادہ دیر تک کامیاب نہیں ثابت ہوسکتا۔"

"وہ فریدی سے رابطہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔" معمر آدمی نے حیرت سے کہا۔

"ہاں.....!"

"تو کیا آپ انہیں اپنے حالات سے بالکل ہی لاعلم رکھتی ہیں۔"

"شٹ اپ..... تمہیں اس سے کوئی بحث نہ ہونی چاہئے۔"

"میں معافی چاہتا ہوں..... محترمہ.....!" معمر آدمی گڑگڑایا۔

"آج رات اُسے یہاں سے ہٹا دو۔"

"جو حکم ہو۔"

"قریب آؤ..... اپنی کرسیاں قریب کھسکا لاؤ۔"



رات اندھیری تھی اور کیپٹن حمید سارجنٹ رمیش کے ساتھ سعید بابر کی کوٹھی کے گرد منڈلا رہا تھا مگر سارجنٹ رمیش کو اسکیم نہیں معلوم تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اندھیرے میں سر مارنے کا کیا ہے۔

"یہ چکر کیا ہے بڑے بھائی۔" رمیش بڑبڑایا۔

"بدنصیبی.....!" حمید ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "گدھے بھی اس وقت گھاس رہے ہوں گے لیکن ہم سردی کھا رہے ہیں۔ رمیش کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟"

"ہاں..... کیوں؟"

"تمہاری شادی بھی نہیں ہوئی۔ پھر تم اس محکمے میں کیوں جھک مار رہے ہو۔"

"تو تمہارے ساتھ کون سی مصیبت ہے۔ تم بھی تو آزاد ہو۔ تم کیوں یہاں جھک مار

رہے ہو۔'' رمیش نے کہا۔

''میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میری شادی نہ ہو جائے۔ اُس وقت کیا ہوگا۔''

''آپ کو شادی کی ضرورت ہی کیا ہے۔''

''میں مار بیٹھوں گا تمہیں..... تم بھی یہی کہتے ہو۔''

''میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔ درجنوں لڑکیاں تو تمہارے ساتھ ماری ماری پھرتی ہیں۔''

''آہا..... یہی تو تم نہیں سمجھتے۔ اس راز سے واقف نہیں ہو۔ نہ سمجھو تو بہتر ہے۔''

''آخر پھر بھی۔''

''چھوڑو..... ہم اس وقت ڈیوٹی پر ہیں۔ ہمیں لڑکیوں کی باتیں نہ کرنی چاہئیں۔''

''انسپکٹر ریکھا کی بات کرو..... وہ تو اپنے محکمے ہی کی ہیں۔'' رمیش نے قہقہہ لگایا۔

ٹہلتے ہوئے عمارت کی پشت پر جا نکلے۔

''ریکھا.....!'' حمید کہہ رہا تھا۔ ''اس نے شائد فریدی صاحب سے پریم اسٹارٹ کر رکھا ہے۔''

''میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں۔ دن میں کم از کم دس بار صاحب کے کمرے میں آتی ہیں۔''

''ہائے..... ریگ زاروں میں کہیں ہوتی ہے پانی کی نمود..... آپ بھگتے گی..... کرنل ہا
اسٹون کو مجھ سے زیادہ اور کوئی نہیں سمجھتا۔ دنیا کی ڈیڑھ درجن حسین ترین عورتوں کو میں جا
ہوں جو آج بھی کرنل ہارڈ اسٹون کو سافٹ کوک بنانے کے چکر میں ہیں۔''

''واقعی حمید بھائی..... سمجھ میں نہیں آتا کہ کرنل صاحب عورتوں سے اتنا بدکتے کیوں ہیں۔''

''نہیں ایسا بھی نہیں ہے۔ کیا تم نے انہیں کبھی کسی عورت کے ساتھ ناچتے نہیں دیکھا۔''

''نہیں.....!'' رمیش نے حیرت سے کہا۔

''آہا..... تم نے نہیں دیکھا۔ اُس وقت وہ حضرت پرانے کھلاڑی اور پرلے سرے
عیاش معلوم ہوتے ہیں۔ مگر حقیقت..... میرا دعویٰ ہے کہ اس شخص میں عورت کے حسن
محظوظ ہونے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ اگر ضرورتاً انہیں کسی بھینس کے ساتھ ناچنا پڑے تب
وہ اتنے ہی ہشاش بشاش نظر آئیں گے۔''

''کمال ہے..... یہاں تو یہ عالم ہے کہ اگر کبھی کسی لڑکی نے مسکرا کر بات کر لی تو ہفتوں

بدیں حرام..... بس یہ معلوم ہوتا ہے جیسے وہ سچ مچ مجھ پر عاشق ہوگئی ہو اور ایسے میں دل
لتا ہے دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی۔ یقیناً وہ بھی اپنے فراق میں اسی طرح تڑپ
ہوگی۔''

''ہائیں.....!'' حمید نے متحیرانہ انداز میں کہا۔ ''رمیش! تم مادر زاد عاشق معلوم ہوتے ہو
ں کے باوجود بھی کرنل ہارڈ اسٹون کی نظر میں اچھے کے اچھے۔''

''میں لڑکیوں کی دم میں تو نہیں بندھا رہتا۔'' رمیش نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''لڑکیوں کے متعلق سوچنے رہنا اس سے بھی بُرا ہے فرزند.....!''

''مارو گولی.....!'' رمیش نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔ ''سردی لگ رہی ہے۔ آخر ہم کب تک
رات جھک مارتے پھریں گے۔''

جب تک کہ سعید بابر کے دشمن اُسے ختم نہ کر دیں۔ یہ لوگ غیر ممالک سے اسی لئے آتے
ہم کام چور اور نکمے نہ ہونے پائیں۔''

''کیا اس کے کچھ دشمن بھی ہیں۔'' رمیش نے پوچھا۔

حمید اثبات میں جواب دے کر ایک دیوار سے ٹک گیا۔ رمیش سعید بابر کے ہم شکل فقیر کو
چکا تھا لیکن اُسے اُن واقعات کا علم نہیں تھا، جو اس کے بعد ظہور پذیر ہونے والے تھے۔
ں نے شروع سے اس بات کا خیال رکھا تھا کہ سعید بابر کی ذات سے تعلق رکھنے والے کسی
واقعہ کا ذکر اخبارات میں نہ آنے پائے اور اس نے سعید بابر کو تاکید بھی کر دی تھی کہ ان
ات کے متعلق کسی کو کچھ نہ بتائے۔ سعید بابر نے اس پر حیرت بھی ظاہر کی تھی۔ لیکن فریدی
اسے سمجھا دیا تھا کہ بات پھیلنے پر پریس رپورٹر اُس کی زندگی تلخ کر دیں گے۔

''تو وہ یہاں مقیم کیوں ہے۔'' رمیش نے پوچھا۔

''پتہ نہیں! اگر وہ مرنا ہی چاہتا ہے تو ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔'' حمید دیوار سے اپنی
ٹانگ رگڑتا ہوا بولا۔

وہ پھر ٹہلتے ہوئے سڑک کی طرف چل پڑے۔ سعید بابر کی کمپاؤنڈ اب تاریک ہو چکی
دروازہ بھی تاریک تھا۔ حمید اور رمیش سلاخوں دار پھاٹک کے قریب آ کر رک گئے۔ یہ

کوٹھی ایک ایسی جگہ پر واقع تھی جس کے آس پاس کوئی الیکٹرک پول نہیں تھا اس لئے باہر کے قریب و جوار میں تاریکی ہی رہتی تھی۔

پھاٹک اندر سے بند تھا لیکن اس کی اونچائی زیادہ نہیں تھی۔ پہلی ہی کوشش میں وہ دوسری طرف پہنچ گیا۔ رمیش باہر ہی رہا۔ حمید نے آہستہ سے کہا۔

"چلے آؤ۔"

رمیش نے اس کی تقلید کی۔ اندر چاروں طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔

"کراٹا کی باڑھ کی اوٹ ہی میں رہنا۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

عمارت میں کہیں بھی روشنی نظر نہیں آ رہی تھی۔ حمید نے اپنی ریڈیم ڈائیل والی گھڑی کی طرف دیکھا۔ بارہ بج چکے تھے۔ وہ دونوں آہستہ آہستہ پورچ کی طرف بڑھتے رہے۔

ادھر تین دنوں سے برابر سعید بابر شکایت کرتا رہا تھا کہ چند نامعلوم آدمی عمارت میں داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ جاگ کر راتیں گذارتا ہے۔ آج یہاں ان دونوں کی موجودگی کی یہی وجہ تھی۔

وہ تقریباً ایک بجے تک سرگرداں رہے لیکن سعید بابر کے بیان کی تصدیق نہ ہو سکی۔

"کیوں نہ اب میں ہی حملہ کر دوں۔ اس اُلو کے پٹھے پر۔" حمید نے جھلائے ہوئے میں کہا اور رمیش ہنسنے لگا۔

"نہیں یار.....!" حمید پھر بولا۔ "کچھ نہ کچھ کرنا ہی چاہئے۔ مجھے یہ آدمی بھی بڑا پُراسرار معلوم ہوتا ہے۔ سنو! کیوں نہ ہم اندر چلیں۔ میرا خیال ہے کہ کوئی کھڑکی آزمانی چاہئے۔"

"اگر تم نے ایسی کوئی حماقت کی تو بھگتو گے۔" حمید نے اپنے پیچھے ایک تیز قسم کی سرگ سنی اور بیساختہ اچھل پڑا۔ رمیش بھی بوکھلا گیا۔

"چلو اب یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ میں اپنا اطمینان کر چکا ہوں۔" وہی آواز پھر آئی لیکن اس بار حمید نے پہچان لیا۔ یہ فریدی کی آواز تھی اور اب وہ کراٹا باڑھ پھلانگ کر ان کے قریب پہنچ چکا تھا۔

"عمارت خالی ہے۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔ "سعید بابر اندر موجود نہیں ہے۔"

"مگر آپ کیوں چلے آئے۔" حمید بڑبڑایا۔ "آپ تو خود کو صاحب فراش ظاہر کرتا ہے تھے۔"

"وہ تو میں اب بھی ہوں لیکن اُجالے میں تم مجھے پہچان نہ سکو گے۔"

"میک اپ.....!" حمید نے کہا۔

"ہاں.....اب اس کے بغیر کام چلتا نظر نہیں آتا۔"

"تو آپ آرام نہیں کریں گے۔ آپ کی کلائی بُری طرح زخمی ہوگئی ہے۔"

"پرواہ نہ کرو.....اب یہاں سے نکلو۔ ہمیں بالی کیمپ کی طرف چلنا ہے۔"

حمید جھلا گیا۔ مگر کچھ بولا نہیں۔ وہ سمجھا تھا کہ اب یہاں سے گھر ہی کی طرف جانا ہوگا۔ شدید سردی کے احساس کے باوجود بھی اس کی پلکیں نیند سے جھکی آ رہی تھیں۔ وہ کمپاؤنڈ سے باہر آئے۔ تھوڑی دور پیدل چلنے کے بعد فریدی اپنی گاڑی کے قریب پہنچ گیا۔

"تم کار ڈرائیو کرو گے۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"اس وقت مجھ سے یہ کام نہ لیجئے ورنہ کار سمیت کسی درخت ہی پر بسیرا ہوگا۔"

"بکواس مت کرو۔"

"نیند کا یہی عالم ہے جناب۔"

"رمیش تم ڈرائیو کرو.....کیا تمہیں بھی نیند آ رہی ہے۔"

"جی نہیں.....میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

رمیش اور حمید اگلی نشست پر جا بیٹھے اور فریدی نے پچھلی نشست کا دروازہ کھولا۔ کچھ دیر بعد کار سنسان سڑکوں پر چکراتی ہوئی بالی کیمپ کی طرف جا رہی تھی اور حمید کھڑکی پر بازو ٹیکے بڑے اطمینان سے سو رہا تھا۔

"رمیش ہمیں جلد پہنچنا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "رفتار اور تیز کرو۔"

"بہت بہتر جناب۔" رمیش نے کہا اور رفتار تیز کر دی۔

اس وقت وہ اسی سڑک پر تھے جس پر چند روز قبل فریدی کو ایک حیرت انگیز تجربہ ہوا تھا۔ فریدی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ریوالور کے دستے پر اُس کی گرفت بہت مضبوط تھی مگر آج وہ بیخبر تھا

خوبی اس سڑک سے گذر گیا۔

جب کار بالی کیمپ والی سڑک پر مڑ رہی تھی۔ فریدی نے حمید کو جھنجھوڑ کر اٹھا دیا۔

''تم جھولے پر نہیں ہو فرزند.....!'' اُس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

حمید کچھ نہیں بولا۔ چپ چاپ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ویسے اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ کار سے چھلانگ لگا دے۔ آنکھوں میں جلن سی محسوس ہونے لگی تھی اور کھوپڑی ہوا میں معلق معلوم ہو رہی تھی۔

''رمیش کار روک دو۔'' فریدی نے کہا اور رمیش نے رفتار کم کر کے کار کو سڑک کی کنارے لگا دیا۔ فریدی حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرم لہجے میں بولا۔ ''یہ کام بہت اہم ہے۔ ورنہ میں ایسی صورت میں بستر مرگ سے اٹھنے کی زحمت کیوں گوارا کرتا۔''

حمید خاموش ہی رہا۔ بہر حال وہ اب ذہن کو نیند کے پیچ و خم سے آزاد کرانے کی کوشش کر رہا تھا اور خود اُسے بھی احساس ہو چلا تھا کہ اس وقت جھلاہٹ کا مظاہرہ قطعی بے تکا رہے گا۔

''اس کام کا سارا دارومدار تم پر ہے۔'' فریدی بولا۔

''ہاں.....اچھا.....پھر.....!''

''ہاں.....اچھا.....پھر کیا؟ کیا ابھی تک نیند سوار ہے۔''

''نہیں.....میں بالکل ٹھیک ہوں۔''

''تمہیں وہ نیگرو شکاری زغالی یاد ہے نا جو کبھی نواب وجاہت مرزا کے یہاں میر شکاری کی حیثیت سے ملازم تھا۔''

''ہاں مجھے یاد ہے۔''

''اس وقت ہم اُسی کے پاس جا رہے ہیں اور ہمیں اُس سے اُن نشانات کے متعلق معلومات حاصل کرنی ہیں جو سعید بابر کی کمپاؤنڈ میں ملے تھے۔''

''وہ کیا بتا سکے گا۔''

''مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک بار اس نے ایسے ہی حیرت انگیز نشانات کا تذکرہ کیا تھا اور بات غالباً افریقہ نیروبی ہی کی تھی.....البتہ وہ واقعہ یاد نہیں آ رہا ہے جس کے سلسلے میں اس نے

چھیڑی تھی۔''

''زغالی کہاں ہے۔''

''بالی کیمپ کی ایک بستی میں۔ میں تمہیں وہیں لے چل رہا ہوں۔ خطرناک آدمیوں کی بستی ہے۔ ہر وہ آدمی جو رات میں نظر آئے اُس کے سامنے زغالی کا نام ضرور لینا ورنہ جسم پر کپڑے بھی نظر نہ آئیں گے۔''

''یہ آپ کہہ رہے ہیں؟'' حمید نے حیرت سے کہا۔

''ہاں میں کہہ رہا ہوں..... یہ موقع ہی ایسا ہے کہ میں بات نہیں بڑھانا چاہتا..... سمجھے.....زغالی تمہیں یقیناً پہچان لے گا۔ میرے متعلق تم کہہ سکتے ہو کہ میں علم الاجسام کا ایک پروفیسر ہوں اور میرے پاس کسی حیرت انگیز جانور کے پیروں کے نشانات کے فوٹو ہیں اور تم سے اس کے پاس اسی لئے لائے ہو کہ وہ مجھے اپنی معلومات سے فائدہ پہنچائے۔''

اس کی درندگی

چاروں طرف پکے کچے مکانات کے سلسلے بکھرے ہوئے تھے۔ بستی میں گھسنا دشوار ہو گیا تھا۔ چاروں طرف کتوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا تھا۔ پھر ذرا ہی سی دیر میں ایسا معلوم ہونے لگا جیسے ساری بستی جاگ پڑی ہو۔ دروازوں کے کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں آنے لگیں۔ اچانک ایک گلی میں چار آدمی ان کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ ایک نے ان پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔

''ہم زغالی کے پاس جا رہے ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''اوہ جائیے.....جائیے.....!'' ٹارچ والا ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔ ''کیا آپ اندھیرے میں گئے جائیں گے۔ آپ کے پاس ٹارچ نہیں ہے۔''

''نہیں.....ہم سے غلطی ہوئی۔ لانا بھول گئے۔'' حمید بولا۔

''چلئے.....میں آپ کو راستہ دکھاتا ہوں۔!'' ٹارچ والے نے کہا۔

وہ لوگ پھر چل پڑے۔ ایک آدمی ٹارچ کی روشنی میں انہیں نہ صرف راستہ دکھا رہا تھا بلکہ ان کتوں کو ڈانٹتا بھی جا رہا تھا جو ادھر اُدھر کی گلیوں سے نکل کر بھونکنے لگتے تھے۔

پھر وہ ایک پختہ عمارت کے سامنے رک گئے جو سرخ اینٹوں سے بنائی گئی تھی۔ عمارت بہت پرانی تھی اور اس کی اینٹوں میں لونا لگنے لگا تھا۔

ان کا راہبر وہاں پہنچ کر رخصت ہو گیا۔

حمید نے صدر دروازے کی زنجیر کھٹکھٹائی اور اُس وقت تک کھٹکھٹاتا رہا جب تک کہ اندر سے ایک غصیلی آواز نہیں آئی۔

"کون ہے.....!" کسی نے دھاڑ کر پوچھا۔

"ایک ضرورت مند.....دروازہ کھولو.....!" حمید نے کہا۔

"کیا صبح نہ ہوتی۔" کسی نے دروازے کے قریب آ کر کہا۔ "تم کون ہو!"

"میں کیپٹن حمید ہوں.....مرکزی سی آئی ڈی کا ایک آفیسر۔"

دوسری طرف سے ایک ہلکی سی غراہٹ سنائی دی اور ساتھ ہی دروازہ چڑچڑاہٹ کے ساتھ کھل گیا۔

اندر زرد رنگ کی ہلکی سی روشنی تھی اور ان کے سامنے ایک چوڑا چکلا مگر معمر نیگرو کھڑا تھا اُس کی گردن شانوں میں دھنسی ہوئی تھی۔ وہ بڑے غور سے حمید کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

"بے شک آپ وہی ہیں.....مگر مجھے حیرت ہے اتنی رات گئے۔"

وہ اُن کے آگے چلنے لگا۔ اس کی چال عجیب تھی۔ اس طرح اچھل اچھل کر چل رہا جیسے ٹانگیں چھوٹی بڑی ہوں۔

وہ انہیں ایک ایسے کمرے میں لایا جہاں بید کی تین چار میلی سی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں دیوار سے ایک رائفل لٹکی نظر آ رہی تھی۔ یہاں مٹی کے تیل کا ایک لیمپ تھا جسے زغالی نے ہی روشن کر دیا تھا۔

"آپ لوگ بیٹھئے.....!" اس نے قدرے جھک کر کہا۔

یہ تینوں بیٹھ گئے۔ رمیش حیرت سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ اُس نیگرو کی طرف بھی دیکھتا لیکن کچھ اس انداز میں کہ فوراً ہی دوسری طرف دیکھنے لگتا جیسے وہ اُس کو خوفزدہ نہ ہونے کی کوشش کر رہا ہو۔

"ہاں.....اب بتائیے.....میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"یہ پروفیسر دیال ہیں۔ علم الاجسام کے ماہر۔" حمید نے فریدی کی طرف اشارہ کیا جو آپ میں تھا۔

"علم الاجسام کیا۔" زغالی نے سوال کیا۔

"آپ ہی بتائیے جناب۔" حمید نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"بات یہ ہے کہ میں پہلے کرنل فریدی کے پاس گیا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "انہوں نے آپ کے پاس بھیج دیا۔ میرے پاس دراصل چند حیرت انگیز نشانات کے فوٹو ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ کسی جانور کے پیروں کے نشانات ہیں مگر اس قسم کا کوئی جانور میرے علم میں نہیں ہے۔ مجھے معلوم تھا کہ کرنل فریدی بھی لامحدود معلومات رکھتے ہیں اسی لئے میں اس سلسلے میں ان کے پاس گیا تھا مگر انہوں نے بھی لاعلمی ظاہر کی۔ پھر آپ کا پتہ بتایا کہ آپ ضرور باضرور اس پر روشنی ڈال سکیں گے۔"

"مگر اس کے لئے آپ دن کو بھی آ سکتے تھے۔" زغالی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

"دیکھئے بات دراصل یہ ہے۔" فریدی جلدی سے بولا۔ "یہ نشانات کئی دنوں سے یونیورسٹی میں زیرِ بحث ہیں۔ ہم میں سے کئی پروفیسران کے متعلق تحقیقات کر رہے ہیں۔ کل صبح ہمیں اپنی رپورٹیں پیش کرنی ہوں گی۔ بس اسلئے دوڑا آیا کہ شاید آپ سے کچھ مدد مل جائے۔"

زغالی تھوڑی دیر تک اُسے غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "لائیے.....وہ نشانات کہاں ہیں؟"

فریدی نے جیب سے ایک کارڈ نکال کر اسکی طرف بڑھا دیا جس پر دو نشانات کا عکس تھا۔

"یہ نشانات کہاں ملے تھے۔" زغالی نے آہستہ سے پوچھا۔

"لڑکال جنگل میں۔" فریدی نے جواب دیا۔

زغالی خاموشی سے نشانات کو دیکھتا رہا پھر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "نہیں میں نے اپنی زندگی میں کبھی ایسے نشانات نہیں دیکھے۔ اگر اس قسم کا کوئی جانور لڑکال جنگل میں موجود ہے تو اس کا شکار بڑا دلچسپ رہے گا۔"

پھر حمید کیطرف دیکھ کر اس نے کہا۔ "کرنل صاحب تو یقیناً اس جانور کی تلاش میں ہوں گے۔"

''میں نے آج ہی اُن سے اس کا تذکرہ کیا ہے۔'' فریدی نے کہا۔

زغالی نے سر جھکا لیا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں تھیں۔ کمرے میں گہرا سکوت مسلط ہو گیا۔ لیمپ کی مدھم روشنی میں زغالی کا چہرہ بڑا بھیانک لگ رہا تھا۔

اچانک حمید بولا۔ ''مگر کرنل صاحب نے تو کہا تھا کہ تم ان نشانات کے متعلق کچھ بتا سکو گے۔''

''یہ کس بناء پر کہا تھا، انہوں نے۔'' زغالی نے سر اٹھا کر پوچھا۔ لیکن اب وہ ان میں سے کسی کے بھی چہرے کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا اور اس کی آنکھیں چہرے کی جھریائی ہوئی کھال میں ایسی ہی لگ رہی تھیں جیسے وہ کسی سالخوردہ مگر خونخوار گینڈے کی آنکھیں ہوں۔

''تم نے شاید کبھی اُن سے اس قسم کا تذکرہ کیا تھا۔ ایسے نشانات غالباً افریقہ میں کہیں تمہاری نظروں سے گذرے تھے۔''

''مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی اس قسم کی گفتگو کی ہو۔ ویسے میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ کرنل غلط کہتے ہیں۔ اب دیکھئے نا میں کتنا بوڑھا ہوں اسی لئے بھلکڑ بھی ہو گیا ہوں۔ آپ سمجھتے ہیں نا۔''

''تو پھر..... گویا..... مجھے یہاں بھی ناکامی ہوئی۔'' فریدی بڑبڑایا۔

زغالی کچھ نہ بولا۔ بدستور سر جھکائے بیٹھا رہا۔

دفعتاً فریدی اٹھ گیا۔ ''اچھا تو میں نے ناحق آپ کو تکلیف دی۔''

''کوئی بات نہیں ہے جناب۔ میں کرنل صاحب اور اُن کے دوستوں کا خادم ہوں۔''

حمید اور رمیش بھی اٹھ گئے۔ صدر دروازے تک وہ خاموشی سے آئے پھر زغالی نے حمید سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ''ہر خدمت کے لئے مجھے ہر وقت یاد رکھئے۔''

ان کے باہر نکلتے ہی دروازہ آواز کے ساتھ بند ہو گیا۔ وہ چل پڑے۔ فریدی ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا رہا تھا۔

گلی کے موڑ پر انہیں رک جانا پڑا کیونکہ گلی پتلی تھی اور دوسری طرف سے چار آدمیوں کا ایک جلوس اس گلی میں داخل ہو رہا تھا۔ چاروں ایک لائن میں تھے اور انہوں نے ایک بہت لمبا بنڈل اپنے کاندھوں پر سنبھال رکھا تھا۔

وہ اُن کے قریب ہی سے گذر گئے۔ فریدی رک گیا تھا۔ حمید نے آگے بڑھنا چاہا لیکن

ں نے اس کا ہاتھ دبا دیا۔

وہ چاروں آدمی زغالی کے مکان کے سامنے رک گئے تھے اور اب دروازے کی زنجیر ہلا رہے تھے۔

فریدی چند لمحے وہیں کھڑا رہا پھر گلی میں مڑ گیا۔

وہ سڑک پر نکل آئے۔ ٹھیک گلی کے سامنے ہی انہیں کار نظر آئی۔ فریدی رک گیا۔ کار خالی تھی۔ وہ چند لمحے کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر سگار لائٹر جلا کر روشنی میں ڈیش بورڈ پر نظر ڈالنے لگا۔

اچانک اس نے مڑ کر حمید سے کہا۔ ''حمید اس کار کے نمبر نوٹ کر لو۔ غالباً انہیں لوگوں کی ار ہے جو ابھی گلی میں ملے تھے..... اور تم دونوں واپس جاؤ۔''

''کیا ہمیں کار چھوڑنی پڑے گی۔'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں کار لے جاؤ۔'' فریدی نے کہا اور بڑی تیزی سے اسی گلی میں چلا گیا۔

''چلو مری جان.....!'' حمید رمیش کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ایک طویل سانس لیتا ہوا بولا۔

''نمبر تو نوٹ کر لو۔''

''ہاں..... نمبر.....!'' حمید نے کہا اور دیا سلائی جلا کر کار کے نمبر دیکھے اور انہیں ذہن ن کرتا ہوا سیدھا ہو گیا۔

''آؤ چلیں..... ذرا سی دیر میں میں بھی مرغوں کی طرح بانگ دینے لگوں گا۔ صبح تو ہو ہی نا ہے۔''

وہ اپنی کار میں آ بیٹھے۔ حمید نے اس بار بھی رمیش ہی سے ڈرائیو کرنے کی استدعا کی۔ نے بہت دیر سے پائپ نہیں پیا تھا۔

سردی بے تحاشہ بڑھ گئی تھی۔ پائپ کے دو تین گہرے کش لینے کے بعد اس نے کچھ ن محسوس کیا۔

''پتہ نہیں وہ چاروں کیا اٹھائے ہوئے تھے۔'' رمیش نے کہا۔

''یار جہنم میں ڈالو۔ ہمیں اس سے کیا کہ لقا کبوتر دم کیوں اٹھائے رہتا ہے۔ مگر تم کیا اس محکمے کی ملازمت ہی ایسی ہے۔ چوبیس گھنٹے سراغ رساں بنے رہئے۔''

"نہیں حمید بھائی.....وہ بنڈل عجیب تھا۔ اتنا لمبا بنڈل آخر اس میں تھا کیا۔"

"آئس کریم.....!"

رمیش خاموش ہو گیا.....کار سڑک پر دوڑتی رہی۔

صبح کے نو بجے تھے۔ دھوپ اچھی طرح پھیل چکی تھی۔ تنویر اپنی لائبریری میں بیٹھی اخبار دیکھ رہی تھی۔ وہ صبح کی چائے لائبریری ہی میں پیتی تھی۔ یہ اُس کا معمول تھا۔ چائے کے دوران میں اخبار دیکھتی رہتی۔ کھانا بھی تنہا ہی کھاتی۔ کم از کم اس کے بیٹے عدنان کو تو یاد نہیں تھا کہ کبھی وہ دونوں کھانے کی میز پر ساتھ بیٹھے ہوں۔ اُس کی کوٹھی میں آئے دن دعوتیں بھی ہوتی رہتی تھیں لیکن وہ کبھی مہمانوں کے ساتھ نہ بیٹھتی۔ میزبانی کے فرائض عدنان کو انجام دینے پڑتے۔ وہ تو اپنی ماں کو نیم دیوانی ہی سمجھتا تھا۔

تنویر اخبار ایک طرف میز پر پھینک کر کھڑی ہو گئی۔ وہ باہر ہی جا رہی تھی کہ ایک ملازم نے آ کر اس کو فون کال کی اطلاع دی۔

تنویر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کمرے میں آئی جہاں فون تھا۔ اس نے لاپروائی سے ریسیور اٹھالیا اور نڈھال سی آواز میں "ہیلو" کہا۔

ذرا ہی سی دیر میں اس کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ دوسری طرف سے بولنے والا کوئی ایسی ہی بات کہہ رہا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا "کچھ اندازہ ہے تمہیں کہ یہ حرکت کس کی ہو سکتی ہے۔"

پھر وہ دوسری طرف سے بولنے والے کا جواب سنتی رہی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کا صحت مند چہرہ کسی پرانے مریض کا چہرہ معلوم ہونے لگا تھا۔

"ہوں.....اچھا.....!" اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "تم بالکل پرواہ نہ کرو۔ میں دیکھوں گی۔ ویسے یہ میرا مشورہ ہے کہ تم اب وہاں سے ہٹ جاؤ۔ کیوں کیا خیال ہے۔"

جواب میں پھر کچھ کہا گیا اور تنویر سر ہلا کر بولی۔ "جہاں بھی جاؤ مجھے اپنی جائے قیام سے

رکھنا.....اچھا.....ہاں دیکھو.....مجھے تم پر ہمیشہ سے اعتماد رہا ہے۔ تم مرجاؤ گے لیکن کسی ایک لفظ بھی نہیں کہو گے۔ اچھا.....!"

اُس نے ریسیور رکھ دیا۔ چند لمحے کھڑی کچھ سوچتی رہی پھر بیرونی برآمدے میں آ کر اس نے سارے ملازمین کو اکٹھا کیا۔ نجی دفتر کی کلرک لڑکیوں کو بھی وہیں بلوالیا۔

"تم سب.....!" وہ انہیں مخاطب کر کے بولی۔ "بیس منٹ کے اندر اندر کوٹھی خالی کر دو۔ آج چھ بجے شام تک کیلئے تم سبھوں کو چھٹی ہے۔ میں ہیڈ آفس فون کر رہی ہوں۔ وہاں آج کیلئے تمہیں تفریح الاؤنس ملے گا۔ بیس منٹ کے اندر اندر یہاں سے چلے جاؤ۔"

پھر وہ انہیں وہیں چھوڑ کر اندر چلی آئی۔ ملازمین کی اس بھیڑ میں اس کے چاروں باڈی گارڈ شامل نہیں تھے۔

بیس منٹ کے اندر ہی اندر کوٹھی میں اُلو بولنے لگی۔ نوکروں کو اس کے رویہ پر ذرہ برابر بھی حیرت نہیں ہوئی تھی۔ وہ اس قسم کی انہونی باتوں کے عادی ہو چکے تھے ان کا بھی یہی خیال تھا کہ تنویر ایک نیم دیوانی عورت ہے۔

کمپاؤنڈ کا پھاٹک تنویر نے خود اپنے ہاتھوں سے بند کیا۔ چاروں باڈی گارڈ بھی متحیر نہیں تھے۔ اُن کی مجال نہیں تھی کہ وہ تنویر کے کسی کام میں دخل دے سکتے۔ خاموشی سے یہ سب کچھ دیکھتے رہے۔ آخر تنویر نے تھوڑی دیر بعد اُن چاروں کو طلب کیا۔

"تم کل اُسے لے کر وہاں کس وقت پہنچے تھے۔"

"شاید تین بجے تھے۔" معمر آدمی نے جواب دیا۔

"کیا اُسے ہوش آ گیا تھا۔"

"جی نہیں.....وہ زغالی کے مکان پر پہنچ کر بھی بیہوش ہی رہے تھے۔"

"تمہاری موجودگی میں اُسے ہوش آ گیا تھا۔"

"نہیں محترمہ.....ہم زغالی کو سب کچھ سمجھا کر واپس آ گئے تھے۔"

"ہوں.....!" وہ انہیں غور سے دیکھتی ہوئی سرد لہجے میں بولی۔ "مگر اب عدنان وہاں نگاہ ہے۔"

''میں نہیں سمجھا محترمہ.....!'' معمر آدمی نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''سمجھنے کی کوشش کرو۔'' تنویر آہستہ سے بولی۔ ''تمہارے وہاں پہنچنے سے تھوڑی ہی دیر قبل کیپٹن حمید وہاں دو آدمیوں کے ساتھ پہنچا تھا۔''

''وہ وہاں کس لئے گیا تھا۔'' معمر آدمی نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

''پتہ نہیں.....!'' تنویر نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دے کر کہا۔ ''بہرحال چار اور پانچ کے درمیان عدنان غائب ہوگیا جس کمرے میں اُسے رکھا گیا تھا اس کا قفل ٹوٹا ہوا ملا اور صدر دروازہ کھلا ہوا تھا۔ زغالی اُسے کمرے میں بند کر کے سوگیا تھا۔ اب تم بتاؤ کہ یہ حرکت کس کی ہوسکتی ہے۔''

''کیپٹن حمید وہاں کیوں گیا تھا۔'' معمر آدمی بڑبڑایا۔

''تو تمہارا خیال ہے کہ یہ حرکت انہیں لوگوں کی ہے۔''

''جی ہاں..... پھر ایسی صورت میں یہی کہا جاسکتا ہے۔ اسکے علاوہ اور کیا سمجھیں گے۔''

''میں نے اُسے وہاں کیوں بھجوایا تھا۔''

''تاکہ وہ فریدی تک نہ پہنچ سکیں۔''

''پھر.....!'' تنویر اُسے گھورنے لگی۔

''محترمہ آپ یقین کیجئے۔'' معمر آدمی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''ہم نے اُس کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا تھا۔ ہمیں نہیں معلوم کہ اُن لوگوں کو کیسے خبر ہوگئی۔''

تنویر کچھ نہیں بولی۔ وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر اُس نے کہا۔ ''اب ایک دوسری اسکیم ہے لیکن تم زیادہ محتاط رہو گے۔''

''فرمایئے محترمہ.....! ہم شاید اسی بار آپ کا کام صحیح طور پر انجام دے سکیں۔ ویسے آج کل شاید ہمارے ستارے ہی گردش میں ہیں جس کام میں ہاتھ لگاتے ہیں بگڑ جاتا ہے۔''

''پرواہ مت کرو..... اکثر ایسا بھی ہوتا ہے۔'' تنویر مسکرا کر بولی اور وہ چاروں بیساختہ چونک پڑے۔ انہوں نے اپنے ہوش میں پہلی بار تنویر کو مسکراتے دیکھا تھا۔

''میں فی الحال تمہیں اپنے ایک راز میں شریک کرنا چاہتی ہوں۔ مگر اس کی کیا ضمانت

کہ وہ راز ہمیشہ تم چاروں ہی تک محدود رہے گا۔''

''ہماری وفاداری میں شبہ نہ کیجئے۔ ہم نے ہر موقع پر آپ کیلئے جان کی بازی لگائی ہے۔ ن میں ہم صرف اپنی وفاداری ہی پیش کر سکتے ہیں کیونکہ وہ ہماری سب سے بڑی قسم ہے۔''

''اچھا تو آؤ ..... میں تمہیں عمارت کے اس حصے میں لے چلوں گی جہاں آج تک ے علاوہ اور کوئی نہیں جاسکا۔''

''ہم اسے اپنی سرفرازی سمجھیں گے۔'' معمر آدمی نے قدرے جھک کر کہا۔

''تم کبھی کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کرو گے۔''

''کبھی نہیں محترمہ..... آپ ہم پر اعتماد کیجئے۔''

''اچھا تو آؤ میرے ساتھ۔''

وہ اُس راہداری میں چل رہے تھے جس کے سرے پر وہ دروازہ تھا جس کی دوسری طرف ال تنویر کے علاوہ اور کسی کو نہیں معلوم تھا۔

تنویر نے دروازے کا قفل کھول کر دونوں پٹ کھول دیئے۔ کمرہ تاریک تھا۔

''چلو.....!'' تنویر ایک طرف ہٹتی ہوئی بولی۔ معمر آدمی سب کے آگے تھا۔ وہ کسی ہٹ کے بغیر اندر چلا گیا۔ اُس کے ساتھیوں نے بھی اس کی تقلید کی۔ تنویر کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اُن چاروں کے بعد کمرے میں چلی جائے گی۔ مگر اُس کا رویہ خلاف تھا۔ اُس نے دوسرے ہی لمحے میں دروازے کے پٹ کھینچ کر باہر سے بند کر لئے۔

''محترمہ.....!'' اندر سے آواز آئی۔ مگر تنویر قفل چڑھا چکی تھی۔

پھر اُس نے چیخ کر کہا۔ ''مڈونگا تیرے شکار۔ تیری بہت پرانی خواہش پوری ہوگئی۔ آدمی ہشت۔''

''محترمہ..... محترمہ.....!'' چاروں بیک وقت چیخے اور پھر اچانک ان کے حلق سے عجیب نا آوازیں نکلنے لگیں۔

''بچاؤ..... بچاؤ۔'' کے شور کے ساتھ ہی ریلوے انجن کی سیٹیاں بھی گونج رہی تھیں۔

''محترمہ..... تنویر.....!''

''تنویر.....حرامزادی.....کتیا۔''

''اوتنویر.....سُوّر کی بچی۔''

''ذلیل کمینی.....دروازہ کھولو۔''

باہر تنویر کے ہونٹوں پر ایک سفاک سی مسکراہٹ تھی اور آنکھیں کسی بھوکے سانپ کی آنکھوں کی طرح چمک رہی تھیں۔



فریدی صبح ہی سے بہت زیادہ متفکر تھا۔ آج صبح اس کے چار بہترین کتے پراسرار طور پر مردہ پائے گئے تھے۔ چاروں رکھوالی کرنے والے السیشن تھے۔

علامات سے فریدی اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ موت زہر سے واقع ہوئی تھی اور یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جسے حیرت انگیز کہا جاسکتا۔ کوئی بھی باہر سے گوشت کے چند زہریلے ٹکڑے کمپاؤنڈ میں پھینک کر ان کی جانیں لے سکتا تھا۔

دو ٹکڑے ملے بھی تھے اور فریدی نے انہیں کیمیاوی تجزیئے کے لئے بھجوا دیا تھا ویسے جمیل کا بیان تھا کہ ساڑھے چار بجے جب اس کی واپسی ہوئی تھی کتے زندہ تھے۔

فریدی نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ ایک ملازم اندر داخل ہوا۔

''حمید کو بھیج دو۔'' فریدی نے کہا۔ ملازم چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد حمید دروازے میں نظر آیا۔

''تم نے کیا کیا؟'' فریدی نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''معاملہ بالکل گول ہے۔ کوتوالی سے معلوم ہوا کہ فقیر کی لاش سول ہسپتال روانہ کردی گئی تھی اور سول ہسپتال والے کہتے ہیں کہ وہ طلباء کی مشق کے لئے میڈیکل کالج بھیج دی گئی تھی۔''

''میڈیکل کالج والے کیا کہتے ہیں۔'' فریدی نے پوچھا۔

''میڈیکل کالج والے کہتے ہیں کہ اس تاریخ کو تین لاوارث لاشیں انہیں موصول ہوئی تھیں اور اب یہ بتانا مشکل ہے کہ کس کے ٹکڑے کہاں دفن کئے گئے تھے۔ مگر ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ سول ہسپتال کا رجسٹر بتاتا ہے کہ اس تاریخ کو وہاں سے چار لاشیں میڈیکل

بھیجی گئی تھیں مگر میڈیکل کالج کے رجسٹر میں صرف تین لاشوں کی وصولیابی درج ہے۔''

''اوہ.....'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

''مگر اب آپ اُس لاش کے چکر میں کیوں پڑ گئے ہیں۔ یہ تو ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ سعید بابر کے ایک ہمشکل کی لاش صدر میں پائی گئی تھی۔''

''یہ کھلی ہوئی حقیقت میری آنکھوں کے سامنے ہے۔''

''پھر.....!'' حمید نے اُسے جواب طلب نظروں سے دیکھا۔

''کچھ نہیں.....میں فی الحال کچھ اور سوچ رہا ہوں۔ ویسے یہ ضروری نہیں کہ وہ آدمی سعید بابر کا بھائی ہی رہا ہو۔''

''اگر رہا بھی تو اب کیا ہوسکتا ہے۔'' حمید جھنجھلا گیا۔

''اس مسئلے کو یہیں چھوڑ دو.....!'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''فی الحال میں زغالی میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہا ہوں۔ تم نے پچھلی رات کیا محسوس کیا تھا۔''

''یہی کہ وہ ان نشانات کے متعلق کچھ جانتا ہے لیکن بتانا نہیں چاہتا۔''

''ٹھیک ہے.....لڑکال جنگل کے نام پر اُسے کتنی حیرت ہوئی تھی.....یاد ہے۔''

''جی ہاں.....مجھے یاد ہے۔ لڑکال جنگل کا نام سن کر وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا تھا۔''

''اچھا خیر.....چھوڑو.....مجھے اطلاع ملی ہے کہ زغالی آج ہی صبح کو بالی کیمپ والی بستی سے ہٹ گیا ہے۔ اس وقت وہ راجن پورے کی شاپور بلڈنگ کے ساتویں فلیٹ میں ہے۔ میری بلیک فورس کے کچھ آدمی تو دیکھ بھال کر ہی رہے ہیں لیکن تم بھی خیال رکھنا اور یہ بھی دیکھنا ہے کہ وہ بالی کیمپ سے کیوں ہٹا ہے۔''

پُراسرار سایہ

حمید خاموشی سے سنتا رہا۔ پھر فریدی بھی خاموش ہوگیا۔

''ایک بات مجھے سمجھایئے۔'' حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ''مسلی براؤن آپکی موجودگی ہی میں ہائی سرکل نائٹ کلب سے غائب ہوگئی تھی۔ لیکن آپ نے اُسکی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں کی۔''

''غیر ضروری چیزوں کی پرواہ مجھے کبھی نہیں ہوتی۔''

''حالانکہ آپ پہلے ہی سے اسکی ٹوہ میں رہے تھے کہ حمید اُسے کب اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔''

''ہاں! ہاں.....تو کیا ہوا۔''

''خط استوا خط سرطان میں گھس گیا۔'' حمید جھلاہٹ میں ناچتا ہوا بولا۔ ''میں پاگل ہو جاؤنگا۔''

''اللہ کی مرضی.....!'' فریدی نے ایک طویل سانس لی اور مغموم لہجے میں بولا۔ ''مگر اس صورت میں بھی تم میری نگرانی میں رہو گے۔ پاگل خانوں میں آج کل بڑی بدنظمی رہتی ہے۔''

''قبر میں بھی ہم دونوں لپٹ کر ہی سوئیں گے اور آپ وہاں بھی فاؤل فاؤل چلائیں گے..... مجھے یقین ہے۔''

''خیر اب کام کی باتیں کرو.....!''

''میں کبھی بیکار باتیں نہیں کرتا۔''

''کل رات تم نے اس کار کا نمبر نوٹ کیا تھا۔''

''جی ہاں کیا تھا.....!''

''مجھے دو۔''

حمید نے جیب سے نوٹ بک نکالی۔ اُس نے وہ ورق پھاڑا جس پر کار کے نمبر تحریر تھے اور اُسے فریدی کے سامنے ڈالتا ہوا بولا۔ ''آپ وہاں کیوں رکے تھے۔''

''اب تمہیں اس کی پرواہ نہیں ہونی چاہئے کیونکہ میں وہاں سے صحیح وسلامت واپس آ گیا ہوں۔''

''کوئی بات نہیں ہے۔ میں زغالی ہی سے پوچھ لوں گا۔ مگر ایک بات تو صرف آپ ہی بتا سکیں گے۔''

''پوچھو.....!''

''اس کیس کے سر پیر کا بھی کہیں پتہ ہے۔ بات سعید بابر کے بھائی سے شروع ہوئی تھی۔ سعید بابر پر حملہ..... اُس کے کمپاؤنڈ میں عجیب وغریب نشانات کا پایا جانا۔ لسلی براؤن کا کیس آپ پر ایک کتے کا حملہ۔ مگر اس کے متعلق وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا تعلق بھی اسی کیس سے ہے پھر لسلی براؤن نقلی کا غائب ہو جانا۔''

''پھر تمہارا اور میجر داراب کا عشق.....!'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''اس کی تو میں ہڈیاں توڑے بغیر نہیں رہوں گا۔''

''کیا تمہیں اب بھی اُس کی قوت کا صحیح اندازہ نہیں ہوا۔''

''ٹریگر کو انگلی سے کھینچتے وقت زیادہ قوت نہیں صرف ہوتی۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔

''اور پھانسی کا پھندا گلے میں پڑ جانے کے بعد تو کسی بات کا ہوش ہی نہیں رہتا۔'' فریدی نے کہا۔

''پھانسی.....!'' حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ ''شاید پھانسی کا خوف بھی مجھے اس سے باز نہ رکھ سکے۔''

''نہیں! تم فی الحال ایسا نہیں کر سکتے۔ میرا کھیل بگڑ جائے گا۔''

''تو کیا وہ بھی اس کیس میں کہیں نہ کہیں موجود ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''بہت زیادہ حمید صاحب۔''

''آہا.....تب تو.....!''

''نہیں ٹھہرو..... یہ میرا شبہ ہے۔ فی الحال ہم اس کے خلاف کوئی قانونی کاروائی نہیں کر سکتے۔''

''مجھے نہیں یاد پڑتا کہ کبھی آپ کا شبہ غلط نکلا۔''

''یہ اور بات ہے، لیکن مکمل شہادت فراہم کئے بغیر میں کوئی عملی قدم نہیں اٹھاتا۔''

حمید خاموش ہو گیا۔ فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

''ویسے مجھے یقین ہے کہ تمہیں میجر داراب کی ہڈیاں توڑنے کا موقع ضرور نصیب ہوگا۔ فی الحال تم زغالی پر نظر رکھو۔''

''آخر آپ اُس بیچارے کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔'' حمید نے کہا۔ ''وہ تو انتہائی برخوردار قسم کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔''

''تم اُسے نہیں جانتے۔ وہ انتہائی خطرناک آدمی ہے۔ بہت عرصہ سے ہمارے یہاں مقیم ہے اس لئے اب اُس میں تہذیب کے بھی کچھ آثار پائے جانے لگے ہیں ورنہ پہلے کبھی وہ

ایک کنکھنے کتے کی طرح لوگوں پر جھپٹ پڑتا تھا۔ تہذیب نے اُسے مکاری بھی سکھا دی ہے۔ اچھا بس اب جاؤ۔ اس کی نگرانی بہت ضروری ہے۔ تم اگر بھول چوک بھی گئے تو پرواہ نہ کرنا۔ بہر حال مجرموں کو اس کا علم ہو جانا چاہئے کہ تم زغالی کی نگرانی کر رہے ہو۔"

اس سے کیا فائدہ ہوگا۔"

"اب یہ بات مجرموں کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہی کہ ہم زغالی میں دلچسپی لیتے رہے ہیں۔"

"تو کیا آپ کو یقین ہے کہ زغالی بھی مجرموں کا ساتھی ہے۔"

"ہاں کسی حد تک..... بہر حال اب جاؤ حمید..... فضول وقت نہ برباد کرو۔"

حمید چلا گیا۔ فریدی تھوڑی دیر تک کمرے میں ٹہلتا رہا۔ پھر اُس نے فون کا ریسیور اٹھا کر کوتوالی کے نمبر ڈائیل کئے۔

"ہیلو.....!" اُس نے کہا۔ انسپکٹر جگدیش کی آواز سنائی دی۔

"ایک منٹ توقف کیجئے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

پھر جلد ہی دوسری طرف سے جگدیش کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو.....! جگدیش میں فریدی ہوں۔ ذرا دیکھو تو آج کسی مسز تنویر نے کوئی رپورٹ تو نہیں درج کرائی ہے۔"

"اوہ جناب! اُس عورت نے تو پوری کوتوالی کو ہلا کر رکھ دیا ہے مگر آپ..... کیا قصہ ہے۔"

"رپورٹ کیا ہے جگدیش.....!"

"کل رات سے اس کا لڑکا عدنان اور اُس کے چاروں باڈی گارڈ غائب ہیں۔ اس کا خیال ہے باڈی گارڈوں نے اُسے اغوا کیا ہے اور اب وہ تنویر سے کسی بھاری رقم کا مطالبہ کریں گے۔ اُس نے اپنے لڑکے اور باڈی گارڈز کی تصویریں بھی دیں ہیں۔ آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ یہ شہر کے چار بدمعاشوں کی تصویریں ہیں کئی بار کے سزایاب بدمعاش.....!"

"اوہ..... ذرا مجھے بھی تو ان کے نام بتاؤ۔"

جگدیش نام بتاتا رہا اور فریدی ایک کاغذ پر نوٹ کرتا گیا۔ پھر اس نے کہا۔ "یہ لوگ تو واقعی اُس سے کسی بڑی رقم کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔"

"مگر.....!" جگدیش نے کہا۔ "تنویر کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ انہیں ایک بھی نہ دے گی خواہ اُسے اپنے بیٹے ہی سے کیوں نہ ہاتھ دھونے پڑیں۔ بڑی شاندار عورت ہے جناب..... ایس۔ پی صاحب اُس سے.....!"

"ہیلو.....!"

"جی ہاں.....!" جگدیش ہنستا ہوا بولا۔ "میں ادھر اُدھر دیکھنے لگا تھا کہ کہیں کوئی سن تو نہیں رہا ہے۔ ایس۔ پی صاحب اُس سے گفتگو کرتے وقت ہکلا رہے تھے۔ بڑی شاندار عورت ہے۔ چالیس اور پچاس کے درمیان ہوگی۔ مگر صحت بڑی شاندار ہے۔ بڑا شاندار جسم ہے۔"

"سب کچھ شاندار.....!" فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"اوہ..... کیا آپ اُس سے کبھی نہیں ملے۔"

"نہیں..... صرف نام سنتا رہا ہوں۔"

"ضرور ملئے جناب..... آپ اُسے بے حد پسند کریں گے۔"

"ہاں..... پسند ہی کرنے کے لئے میں اس سے ضرور ملوں گا۔ تم مطمئن رہو۔"

"میں کیا بتاؤں..... میں تو اُس سے آنکھیں ملا کر گفتگو نہیں کر سکا۔" جگدیش بولا۔ لیکن فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

اب وہ پھر کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر لکیریں ابھر آئی تھیں۔ ایک بار اُس نے پھر ریسیور اٹھایا اور اپنے ڈی۔ آئی۔ جی کے نمبر ڈائیل کرنے لگا۔ ڈی۔ آئی۔ جی گھر ہی پر موجود تھا۔ فریدی نے اُس سے تنویر کی رپورٹ کے متعلق بتا کر استدعا کی کہ وہ تنویر والا کیس اپنے محکمے میں ٹرانسفر کرا لے۔

"ابھی یہ کیسے ممکن ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"یہ بہت ضروری ہے جناب۔ براہِ راست میری زندگی اور موت کا سوال ہے۔"

"کیوں..... میں نہیں سمجھا۔"

"مجھ پر ایک زہریلے کتے نے حملہ کیا تھا۔ بعض حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے میں یہ نہیں سوچ سکتا کہ وہ محض اتفاق تھا۔"

''ہاں..... حالات سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔ کسی موٹر سائیکل سوار نے تمہارا راستہ روکنے کی کوشش کی تھی۔''

''جی ہاں..... اور اس سازش کی جڑیں تنویر کی موجودہ رپورٹ میں ملتی ہیں۔ میں نے یہ اندازہ کیا ہے۔''

''اوہو..... کیا قصہ ہے۔!''

''قصہ تو ابھی خود میرے ذہن میں بھی صاف نہیں ہے لیکن آپ مجھ پر اعتماد کیجئے۔''

''اچھا میں کیس منتقل کرالوں گا۔ تم مطمئن رہو۔''

''آج ہی جناب۔''

''اچھا بابا..... ایک طرف تم کان کھا رہے ہو اور دوسری طرف میرا نواسا۔''

''میں بھی تو آپ کا بچہ ہوں آخر۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''مگر ضدی..... بچے..... اچھا..... اور کچھ.....!''

''نہیں جناب..... بس اتنا ہی شکریہ۔''

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو جانے پر فریدی نے بھی ریسیور رکھ دیا۔ لیکن ریسیور رکھتے ہی گھنٹی بجی۔

''ہیلو.....!'' اس نے دوبارہ ریسیور اٹھالیا۔

''میں ریکھا بول رہی ہوں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''آپ کی طبیعت اب کیسی ہے۔''

''ٹھیک ہوں۔''

''زخم..... کیسے ہیں۔''

''اب زیادہ تکلیف نہیں ہے۔''

''مجھے بڑی بے چینی ہے۔''

''کیوں.....!''

''وہ دیکھئے..... میں سوچتی ہوں..... آپ کے زخموں میں تکلیف ہوگی اور مجھے نیند نہیں آتی۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ زخم میری کلائی پر ہوں۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔'' فریدی کے ہونٹوں پر ایک شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ ''یقیناً وہ کتا کوئی خبیث روح تھی۔ تب ہی تو تم ایسا محسوس کر رہی ہو۔''

''میرا مطلب ہے۔''

''کیا مطلب ہے۔''

''وہ..... وہ..... دیکھئے..... خدا کرے آپ جلدی سے اچھے ہو جائیں۔ کیا میں آپ کو دیکھنے کے لئے آ سکتی ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ آپ آج کل کسی سے نہیں ملتے۔''

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔ میری ذہنی حالت اچھی نہیں ہے۔ زہر کا اثر کچھ نہ کچھ ذہن پر بھی ہوا ہے۔ کبھی کبھی بُری طرح بہک جاتا ہوں۔''

''خدا رحم کرے۔''

''اور کچھ.....!'' فریدی نے پوچھا۔

''جی نہیں..... بس خدا کرے آپ جلد اچھے ہو جائیں۔''

''شکریہ.....!'' فریدی نے کہا اور بُرا سا منہ بنا کر فون رکھ دیا۔

اُسے بعض اوقات اپنے محکمے پر غصہ آنے لگتا۔ خواہ مخواہ ایک لیڈی انسپکٹر بھی مہیا کر لی حالانکہ اس کی قطعی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

وہ سگار سلگا کر ایک آرام کرسی میں نیم دراز ہو گیا۔

بمشکل تمام دو یا تین منٹ گذرے ہوں گے کہ فون کی گھنٹی پھر بجی۔ فریدی نے اٹھ کر ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے حمید کی آواز سنائی دی۔

''میں نگرانی کر رہا ہوں جناب۔''

''وہ تو مجھے معلوم تھا۔ اتنی سی بات کے لئے فون کرنے کی کیا ضرورت تھی۔'' فریدی نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

''میں یہ پوچھتا ہوں کہ اگر وہ میرے سوالات کا جواب نہ دے تو میں کیا کروں۔''

''سوالات کرنے کو تم سے کس نے کہا تھا۔'' فریدی کی آواز تیز ہو گئی۔

''میں اُس سے صرف ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔''

''تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہوگیا۔ بکواس کئے جارہے ہو۔''

''اچھا جناب.....!'' حمید نے مردہ سی آواز میں کہا۔ ''میں تو اُس سے صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تیری کھوپڑی میں سوراخ ہوگیا مگر وہ میری بات کا جواب ہی نہیں دیتا۔ اس سے یہی سوال کرنے کے لئے بے شمار آدمی اکٹھا ہوگئے ہیں۔''

''اوہ.....تو زغالی قتل کردیا گیا۔''

''جناب والا.....!''

''فوراً واپس آجاؤ.....اب وہاں تمہاری ضرورت نہیں ہے۔''

''کیا میں یہ نہ معلوم کروں کہ اس کا قتل کن حالات میں ہوا۔''

''نہیں.....مجھے رپورٹ مل جائے گی۔ تم واپس آجاؤ۔''

فریدی نے ریسیور رکھ کر بجھا ہوا سگار سلگایا اور پھر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ لیکن اس کے چہرے پر تشویش کے آثار نہیں تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے پہلے ہی سے علم رہا ہو کہ زغالی مار ڈالا جائے گا۔''

جلد ہی پھر فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھا لیا۔ لیکن اس بار وہ ایک عجیب و غریب زبان میں گفتگو کر رہا تھا، بس ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی زبان ہل نہیں رہی ہے بلکہ کنکروں اور پتھر کے ٹکڑوں پر سڑک کوٹنے والا انجن چل رہا ہو۔ یہ سلسلہ کافی دیر تک جاری رہا۔ کبھی کبھی وہ خاموش ہوکر دوسری طرف سے بولنے والے کی بات سننے لگتا تھا۔ اس کے چہرے پر اب پھر گہرے تفکر کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

ریسیور رکھتے وقت اُس نے ایک طویل سانس لی اور دروازے کی طرف مڑا۔ حمید بڑی دیر سے دروازے میں خاموش کھڑا اُسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

''کیا میں ڈاکٹر کو بلاؤں۔'' حمید نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا اور فریدی ہنس پڑا۔ حمید نے کچھ ایسے انداز میں یہ جملہ کہا تھا کہ اُسے جیسے فریدی کے صحیح الدماغ ہونے میں شبہ ہو۔

''بیٹھو.....!'' فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ ''میں تمہیں بتاؤں کہ اُس کی موت کیسے واقع ہوئی۔''

بیٹھ گیا۔ فریدی چند لمحے خاموش ہوکر بولا۔ ''ایک طویل قامت برقعہ پوش عورت زغالی کے ساتویں فلیٹ کے سامنے رکی۔ فلیٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے سائیلنسر لگا ہوا ریوالور نکالا اور پھر بقول تمہارے زغالی کی کھوپڑی میں سوراخ ہوگیا۔ شاپور بلڈنگ میں باہر کی طرف زینے ہیں اور ساتواں فلیٹ دوسری منزل پر ہے۔ نیچے سے سامنے کے فلیٹوں کے دروازے دکھائی دیتے ہیں۔ ہاں تو زغالی کو ختم کرنے کے بعد وہ پچھلے زینوں سے نیچے اُتر گئی اور اسی وقت اپنا برقعہ زینوں ہی پر پھینک گئی تھی۔''

''تب تو وہ گرفتار بھی ہوچکی ہوگی۔''

''کیوں.....نہیں تو.....وہ نکل گئی۔''

''اور آپکی بلیک فورس کے جیالے منہ دیکھتے کر رہ گئے۔'' حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''نہیں وہ بیچارے کچھ سمجھ ہی نہیں سکے تھے۔ وہ تو تھوڑی دیر بعد ہلڑ ہونے پر انہیں قتل کا ...ورنہ یہ حقیقت ہے کہ وہ گرفتار کرلی گئی ہوتی۔ فلیٹ کا دروازہ پہلے ہی سے کھلا ہوا تھا ...ہی کی نظر لاش پر پڑ گئی اور اس نے ہسٹریا کی مریض کی طرح چیخنا شروع کردیا۔ بلیک ...لے نیچے تھے اور اس فلیٹ کی نگرانی کر رہے تھے۔ بہرحال اُس آدمی کی چیخیں سن کر ہی ...طرف متوجہ ہوئے۔''

''تب پھر آپ وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ کوئی عورت ہی تھی۔ برقعہ میں مرد بھی تو ...ہے۔''

''برقعے کے ساتھ عورت ہی کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ ویسے یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا ...عورت ہی تھی۔ بہرحال بلیک فورس حرکت میں آگئی ہے۔''

''زغالی کیوں مارا گیا.....؟'' حمید نے پوچھا۔

''زغالی.....!'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''کئی وجوہات ہوسکتی ہیں جن میں سے ایک ...ہے کہ زغالی اُن نشانات کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور جانتا تھا۔ خیر ختم کرو۔ بالی کیمپ ...لوگ آج چین کی نیند سوئیں گے۔ زغالی ایسا ہی آدمی تھا۔ میرا خیال ہے کہ اگر ...پر اُس کی لاش دفن نہ کی گئی تو جنازہ یونہی پڑا رہ جائے گا۔ کیونکہ اس کے ساتھی اُس

سے صرف ڈرتے تھے۔ انہیں اُس سے محبت نہیں تھی۔''

فریدی تھوڑی دیر کیلئے خاموش ہوگیا۔ پھر اٹھتا ہوا بولا۔ ''میں صبح سے صرف دو مرتبہ کالز ریسیور کرتا رہا ہوں۔ اب ایک فون میں بھی کروں گا۔'' اُس نے کسی کے نمبر ڈائل کئے

''ہیلو..... کون سعید بابر صاحب۔ میں فریدی ہوں۔'' فریدی کے لہجے میں گھبراہٹ تھی

''بھاگئے..... جتنی جلد ممکن ہو سکے..... وہ عمارت چھوڑ دیجئے۔ آپ بہت بڑے خطرے میں ہیں۔'' پھر کسی جواب کا انتظار کئے بغیر فریدی نے ریسیور رکھ دیا۔

''کیا مطلب.....!'' حمید بوکھلا کر کھڑا ہوگیا۔

''بیٹھو..... بیٹھو..... اس کی فکر نہ کرو۔''

''آپ مجھے کچھ نہیں بتائیں گے۔''

فریدی نے آرام کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرلیں۔

حمید سارا دن گھر میں رہا۔ آج اتوار تھا اور دوپہر ہی سے مطلع ابر آلود ہوگیا تھا اس وہ باہر نہیں گیا۔

وہ دن بھر فریدی کو فون کرتے یا کالیں ریسیور کرتے دیکھتا رہا۔ حمید کے مکرر استفسار اُس نے اتنا ہی کہا کہ وہ بستر مرگ پر بھی کام کرسکتا ہے۔

شام کو اُس نے خاص طور پر نوکروں کو ہدایت دی کہ کوئی کتا کھلا نہ چھوڑا جائے۔ اس پر بھی حیرت ہوئی لیکن اب اُس نے کچھ نہ پوچھنے کی قسم کھالی تھی۔

ایک بار جب فریدی لیبارٹری میں تھا۔ حمید نے اس کی ایک کال ریسیو کی۔ دوسری طرف سے بولنے والی کوئی عورت تھی۔ یہ بات ذرا دیر میں سمجھ آئی کہ بولنے والی لیڈی انسپکٹر کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتی۔

''فریدی صاحب کا انتقال ہوگیا۔'' حمید نے بڑی دردناک آواز میں کہا۔

''نہیں.....!'' ریکھا اتنے زور سے چیخی کہ ریسیور جھنجھنا اٹھا۔

''یہاں کفن دفن کا انتظام ہو رہا ہے لیکن انہوں نے مرتے وقت کہا تھا کہ ریکھا کو میرے ساتھ ہی دفن کرنا۔''

بڑے کمینے ہیں آپ۔'' ریکھا جھلا گئی۔ ''اس قسم کے فضول مذاق کرتے ہوئے آپ کو آتی۔ بتایئے فریدی صاحب کیسے ہیں۔''

بس ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سو رہے ہوں۔ عرصہ سے اس قسم کی بارونق لاش دیکھنے کی

''

ٹ اپ.....!'' ریکھا حلق کے بل چیخی اور سلسلہ منقطع کردیا۔

ر اندھیرا پھیلنے لگا۔ سورج غروب ہو چکا تھا اور آسمان ابر آلود ہونے کی وجہ سے فضا روشنی سے بھی محروم ہوگئی تھی۔

روں کے لئے فریدی کا سخت آرڈر تھا کہ وہ رات کے کسی بھی حصے میں اپنے کوارٹروں قدم نہ نکالیں، خواہ کچھ بھی ہوجائے۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے صرف ایک کتا کمپاؤنڈ نے دیا۔

اور اب..... ہم لوگ۔'' اُس نے حمید سے کہا۔ ''یہ رات مختلف قسم کی تفریحات میں گے۔ اگر تم سونا چاہتے ہو تو یہیں ایک آرام کرسی پر سو بھی سکتے ہو۔''

اوپری منزل کے ایک کمرے میں تھے۔ جس کی کھڑکیاں عقبی پارک کی طرف کھلتی یہ اسلحہ کا کمرہ تھا۔

بولے ان سارے انتظامات کے متعلق کچھ نہیں پوچھا۔ وہ پکچر پوسٹ اور فوٹو پلے پن بہت رسائل اٹھا لایا تھا اور اب ان کی ورق گردانی کرنے لگا۔ سارے نوکر کوارٹروں اس لئے اس کمرے میں اسٹو جل رہا تھا اور اس پر کافی کا پانی چڑھا ہوا تھا۔

قریباً گیارہ بجے فریدی نے کمرے کی روشنی گل کردی اور حمید میز پر رسالہ پٹختا ہوا یہاں تو مچھر بھی نہیں ہیں کہ اندھیرے میں ان کی سارنگی ہی سے دل بہلتا۔''

توقع ہے کہ دل بہلنے کا کچھ نہ کچھ سامان مہیا ہی ہوجائے۔'' فریدی بولا۔

حمید نے اب بھی کچھ نہیں پوچھا۔ اُس نے آنکھیں بند کرلیں لیکن ایسے میں نیند ہوگی ہو۔ فریدی اپنا وقت برباد نہیں کرتا تھا۔ اب تمام تیاریوں کا کچھ نہ کچھ مقصد

پتہ نہیں وہ کب تک آنکھیں بند کئے آرام کرسی کی پشت گاہ سے ٹکا رہا پھر اچانک چونک پڑا۔ کیونکہ فریدی اُس کا داہنا شانہ دبا رہا تھا۔

''اُدھر.....وہ دیکھو.....عقبی پارک کی دیوار پر.....سامنے.....!'' اُس نے آہستہ سے کہا

کافی گہرا اندھیرا تھا۔ لیکن دیوار کے دھندلے سے آثار تو نظر ہی آ رہے تھے۔ حمید دیوار پر ایک گول مٹول سا سایہ دیکھا اور پھر اُس سائے نے زمین پر چھلانگ لگائی۔ سا ایک تیز قسم کی غراہٹ سنائی دی اور وہ کسی کتے ہی کی غراہٹ تھی۔

''یہ میرے کسی کتے کی آواز نہیں ہوسکتی۔'' فریدی نے کہا اور میز پر پڑی ہوئی را اٹھالی مگر نیچے زمین پر جھاڑیوں اور درختوں کی وجہ سے گہری تاریکی تھی۔

اچانک ایسا معلوم ہوا جیسے دو کتے آپس میں لڑ پڑے ہوں۔ مگر آواز صرف ایک سنائی دے رہی تھی اور فریدی برابر یہ کہے جا رہا تھا کہ وہ اس کے کسی کتے کی آواز ہے.....پھر.....ایک بڑی لمبی آواز سنائی دی اور سناٹا چھا گیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے وہ کتا آخری چیخ رہی ہو۔

بڑا سا گول مٹول سایہ اب درختوں کے نیچے سے نکل کر کھلے میں آ گیا تھا۔ اس فریدی کی رائفل سے ایک شعلہ نکلا اور وہ دس پندرہ فٹ اوپر اچھل گیا۔ مگر اس کے بعد کچھ نہ معلوم ہوسکا کہ وہ کہاں گیا۔

''افسوس.....!'' فریدی کی بھرائی ہوئی آواز تشمرے میں گونجی اور حمید کی نظر پارک دیوار کی طرف اٹھ گئی۔ گول مٹول سایہ گویا اڑتا ہوا دیوار پار کر رہا تھا۔ فریدی نے پھر فائر مگر اس فائر کا انجام نہ معلوم ہوسکا۔

دوسرے ہی لمحے میں فریدی حمید کو کھینچتا ہوا زینے طے کر رہا تھا۔ وہ عقبی پارک میں گئے۔ ٹارچ کی روشنی اندھیرے میں آڑی ترچھی لکیریں بنا رہی تھی۔

حمید کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ دوسرا کتا سیاہ رنگ کا تھا اور اس کے سر پر دھاریاں تھیں جسم گرے ہاؤنڈ کا سا تھا۔

کسی نے اس کی دونوں پچھلی ٹانگیں چیر دی تھیں۔

قاسم اور سایہ

فریدی دیوار کی طرف جھپٹا۔ حمید بھی اس کے ساتھ ہی آگے بڑھ گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں فریدی کے منہ سے ایک تحیر آمیز آواز نکلی وہ ٹارچ کی روشنی میں جھکا ہوا زمین پر کچھ دیکھ رہا تھا۔

''حمید.....!'' دفعتاً اس نے سر اٹھا کر کہا۔ ''یہ تو ویسے ہی نشانات ہیں۔''

حمید بھی جھک پڑا۔ یہ وہی حیرت انگیز نشانات تھے جو سعید بابر کی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں پائے گئے تھے اور جن کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے فریدی نے زغالی سے مدد لینے کی کوشش کی تھی۔

دیوار کے نیچے نرم زمین تھی۔ اس لئے نشانات بہت زیادہ واضح تھے۔

''میرے خدا.....!'' حمید بڑبڑایا۔ ''وہ کیا بلا تھی۔ میں نے اُسے اڑتے دیکھا تھا۔ وہ دیوار سے دو یا تین گز بلند تھا۔''

''افسوس ہے کہ میرے دونوں فائر خالی گئے۔''

''جب وہ دیوار سے زمین پر آئی تھی۔'' حمید نے کہا۔ ''کیا وہ لڑھکتی ہوئی ایک بہت بڑی گیند نہیں معلوم ہو رہی تھی۔''

حمید کو توقع تھی کہ اب فریدی بھاگ کر دیوار کی پشت پر جائے گا۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ عمارت کی طرف چل پڑا۔

''ایسے ہی کسی کتے نے آپ پر حملہ کیا تھا۔'' حمید نے پوچھا۔

''ہاں.....یہ لاش تو اُسی کتے کی معلوم ہوتی ہے۔'' فریدی نے جواب دیا۔ ''مجھے افسوس ہے کہ یہ زندہ میرے ہاتھ نہ آسکا۔''

اندر آ کر فریدی نے کسی کے نمبر ڈائیل کئے۔ ریسیور کان سے لگائے رہا۔ پھر ڈس کنکٹ

کر کے دوبارہ نمبر ڈائیل کئے اور فوراً ہی پھر ڈس کنکٹ کر دیا۔ اس طرح اس نے لگاتار تقریباً پچیس بار وہی نمبر ڈائیل کئے اور وہ نمبر حمید کے ذہن نشین ہو گئے۔ بہر حال اس کے بعد فریدی نے ریسیور کریڈل میں ڈال دیا۔

"آپ کس سے گفتگو کرنا چاہتے تھے۔"

"کسی سے بھی نہیں۔ میں تو صرف ایک تجربہ کرنا چاہتا تھا، جو سو فیصدی کامیاب رہا۔"

"کیا کامیاب رہا۔ میرا خیال ہے کہ آپ نے ابھی تک اپنا وقت برباد کیا ہے۔ آپ کی جگہ اگر میں ہوتا تو دیوار کے اُس طرف پہنچنے میں دیر نہ کرتا۔"

"تم پر کیا منحصر ہے۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "شیخ نتھو اور میر جمن بھی یہی کرتے۔"

"خیر..... خیر.....!" حمید نے بیزاری سے کہا۔ "آپ کے سب تجربات ختم ہو گئے یا ابھی کچھ باقی ہیں۔"

"اب تم سو سکتے ہو۔ مجھے توقع ہے کہ باقی رات آرام سے گذرے گی۔"

فریدی کمرے سے چلا گیا اور حمید بڑی تیزی سے ٹیلی فون ڈائریکٹری پر جھپٹ پڑا۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ اس نمبر کی تلاش میں اوراق الٹ رہا تھا، جو کچھ دیر قبل بار بار ڈائیل کیا گیا تھا۔

مگر نمبر سے پتہ معلوم کر لینا آسان کام نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے جھلا کر ڈائریکٹری میز پر پٹخ دی اور پھر اسے اپنی عقل پر غصہ آنے لگا۔ آخر اتنی دیر تک ڈائریکٹری میں سر کھپانے کی کیا ضرورت تھی۔ نمبر کے ذریعہ پتہ تو انکوائری سے بھی معلوم کیا جا سکتا تھا۔ ٹیلی فون انکوائری میں کئی لڑکیاں اس کی شناسا بھی تھیں۔

اس نے انکوائری کو رنگ کیا۔ اتفاق سے لڑکی جان پہچان والی ہی نکلی اور حمید کو جلد ہی مطلوبہ پتہ مل گیا۔ لیکن جب وہ پتہ ایک کاغذ پر نوٹ کر کے ریسیور کریڈل میں رکھ رہا تھا اُس نے فریدی کی آواز سنی۔

"لیکن تم کوئی حماقت نہیں کرو گے۔"

حمید دروازے کی طرف مڑا۔ فریدی سامنے کھڑا سگار سلگا رہا تھا۔

"آپ نے مسز تنویر کے نمبر کیوں ڈائیل کئے تھے۔"

"بس یونہی..... میں نے سوچا کہ تمہیں کسی شاندار عورت کی سرپرستی میں دے دیا جائے۔"

"شکریہ..... مجھے آپ ہی کے زیر سرپرستی ہر قسم کا مزہ آ جاتا ہے۔ آپ مزید تکلیف نہ کریں۔"

"تم اُدھر کا رخ بھی نہیں کرو گے سمجھے۔"

"مجھے بوڑھی عورتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہی مسز تنویر ہے۔ تنویر بٹلائل ملز اور تنویر آئرن ورکس کی مالکہ۔"

"ہاں وہی..... کیا تم اس سے کبھی مل چکے ہو۔"

"اگر وہ بائیس اور تیس کے درمیان میں ہوگی تو یقیناً کبھی نہ کبھی مل چکا ہوں گا۔"

"اس کا لڑکا تمہاری عمر کا ہوگا۔"

"اور اس سے ایک آدھ چھوٹی کوئی لڑکی ہوگی۔ میں شرط لگانے کے لئے تیار ہوں۔"

"تم ہار جاؤ گے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ "مگر وہ خونخوار کتا آج بھی تنہا نہ رہا ہوگا۔ آپ نے اس تجربے کے چکر میں اُسے نکل جانے دیا۔"

"حمید صاحب! مجرم میری جیب میں رکھے ہوئے ہیں۔ جس وقت چاہوں ہتھکڑیاں پہنا دوں۔ مگر میں فی الحال ایسا نہیں کرنا چاہتا۔ بس دو چار دن اور ٹھہر جاؤ تا کہ جو کسر باقی رہ گئی ہے وہ بھی پوری ہو جائے۔"

"آپ تو ایسا کہہ رہے ہیں گویا یہ کسر میری شادی سے پوری ہوگی۔"

"شٹ اَپ.....!" فریدی نے کہا اور جانے کے لئے مڑا۔ لیکن حمید فوراً ہی بول پڑا۔

"تو پھر آپ اُس گول مٹول سائے کے متعلق بھی جانتے ہوں گے۔"

"نہیں میں نہیں جانتا کہ وہ کیا بلا ہے..... یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ ہمارے ہی لئے آئی تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اُسی کتے کا تعاقب کرتی ہوئی یہاں آئی ہو۔ رہا کتا تو وہ ایک بار پہلے مجھ پر حملہ کر چکا ہے۔ ممکن ہے آج بھی اسے یہاں اسی نیت سے لایا گیا ہو۔"

"تو کیا..... وہ سایہ اُس کتے کا تعاقب بھی کر سکتا ہے۔"

"خدا جانے.....!" فریدی نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "کیا تمہیں نیند نہیں آ رہی ہے۔"

حمید بھنا کر وہاں سے اٹھ گیا۔ اپنے کمرے میں آ کر اس نے لباس تبدیل کیا۔ بستر پر جانے سے پہلے ایک پائپ پینے کی تیاری کرنے لگا۔ وہ پُراسرار سایہ اب بھی اس کے ذہن پر مسلط تھا۔ وہ کوئی بھاری بھرکم مگر ایسی چیز تھی جو گیند کی طرح لڑھک سکتی تھی اور ٹینس کی گیند کی طرح اچھل بھی سکتی تھی۔ پہلے فائر پر تو وہ حقیقتاً کسی ایسی ٹینس بال ہی کی طرح اچھلی تھی جسے پوری قوت سے زمین پر پٹخ دیا گیا ہو۔ حمید دیر تک اس کے متعلق سوچتا رہا پھر ذہنی رو اس خطرناک کتے کی طرف بہک گئی۔ اس نے بھی شائد زندگی میں پہلی بار اس قسم کا کوئی کتا دیکھا تھا مگر کیا اُسی خوفناک سائے نے اس کی ٹانگیں چیر ڈالی تھیں۔ یہ بات اس کی سمجھ میں نہ آ سکی۔ اگر یہ سایہ وہی تھا جس کے پیروں کے نشانات سعید بابر کی کھڑکی کے نیچے ملے تھے تو اس کتے سے اسکا کیا تعلق ہے۔ اسی کتے نے فریدی پر حملہ کیا تھا۔ مگر سائے کا حملہ سعید بابر کے لئے تھا۔ اسکا یہ مطلب ہوا کہ دونوں کے راستے الگ الگ تھے پھر اُن دونوں کا ٹکراؤ کیا معنی رکھتا ہے۔

حمید کو جلد ہی نیند نہ آ سکی۔ وہ بستر پر پڑا جاگتا رہا۔ اُسے مجرموں سے زیادہ فریدی پُراسرار معلوم ہو رہا تھا۔ اس وقت نہ تو اس نے کتے کی لاش کی پرواہ کی تھی اور نہ یہی معلوم کرنے کی کوشش کی تھی کہ وہ پُراسرار سایہ کہاں سے آیا تھا اور کدھر گیا تھا۔ اس کے برخلاف وہ فون پر تنویر کے نمبر ڈائیل کرتا رہا تھا۔

اچانک اس کے فون کی گھنٹی بجی اور وہ بیساختہ اچھل پڑا۔ اس عمارت میں تین فون تھے۔ ایک فریدی کی خواب گاہ میں رہتا تھا۔ دوسرا حمید کی خواب گاہ میں اور تیسرا لائبریری میں۔

"ہیلو.....! کیا سو گئے۔" اس نے فریدی کی آواز سنی۔

"آپ کہاں سے بول رہے ہیں۔" حمید نے بوکھلا کر پوچھا۔

"بستر سے۔"

"اور میں اہرام مصر پر ہوں۔"

"سنو مذاق نہیں۔ تمہیں ایک کام کرنا ہے۔"

"بستر پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا دوں..... یہی نا۔" حمید جھلا گیا۔

"اس وقت نہیں صبح.....!"

"تو کیا صبح نہ ہوتی..... بتایئے کیا کام ہے۔"

"صبح ضرور ہوگی.....!" دوسری طرف سے آواز آئی "مگر اس کام کی شروعات بستر پر ہی پڑے ہو سکتی ہے۔"

"ابھی کچھ کہہ دوں گا تو.....!"

"شٹ اپ..... میری سنو..... کسی طرح قاسم اور سعید بابر کو لڑا دو۔"

"بڑے موڈ میں ہیں آپ.....!"

"آ..... ہاں..... تم نے مجھے راحلہ کے متعلق بتایا تھا۔ بس لڑا دو..... دونوں کو..... تمہاری ہو جائے گی۔"

"آخر آپ ان دونوں کو کیوں لڑانا چاہتے ہیں۔"

"ایک تجربہ کر رہا ہوں۔"

تجربے کے نام پر حمید جھلا گیا۔ اُس نے بائیں ہاتھ سے اپنا گلا گھونٹتے ہوئے کہا۔ "ان ریت ڈالئے میری..... وجہ پوچھوں تو فرمایئے ایک تجربہ کر رہا ہوں۔"

"قاسم کی خواب گاہ میں فون ضرور ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

"ہوگا..... مجھے پتہ نہیں۔"

"تم اس کے نمبر ڈائیل کرو..... کوئی دوسرا بولے تو کہو قاسم سے ملنا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ ہوگا۔ اٹھا بھی تو پھاڑ کھانے کے سے انداز میں فون پر آئے گا۔ تم کہنا کہ تم سعید بابر بول رہے ہو اور پھر راحلہ کے متعلق کچھ پوچھ بیٹھنا۔"

"سچویشن کا تصور کر کے حمید بے تحاشہ ہنس پڑا اور دوسری طرف سے آواز آئی۔ سمجھ گئے نا۔"

"میں سمجھ گیا..... لیکن آپ وجہ نہیں بتائیں گے کیوں؟"

"حمید سچ پوچھو تو ابھی یہ سارے معاملات تجرباتی دور میں ہیں۔ ویسے دو ایک مجرم میری نظر ضرور ہیں مگر بیکار۔ مکمل شہادت ملے بغیر میں ان کی طرف اشارہ بھی نہیں کر سکتا کیونکہ سوسائٹی میں کافی باعزت اور اونچی پوزیشن کے لوگ ہیں۔ خیر اچھا..... اب تم اپنا تجربہ شروع کرو۔"

حمید فون کا سلسلہ منقطع کر کے سوچ میں پڑ گیا۔ ضروری نہیں کہ فون خواب گاہ میں ہو۔ قاسم کے نوکر یا گھر کے افراد شاید ہی اُسے جگانے کی ہمت کر سکیں۔ پھر اچانک اُسے یاد آیا۔ اس نے ایک بار دو تین ٹیلی فون آپریٹر لڑکیوں کا تعارف قاسم سے کرایا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ انہیں فون کرتا ہو۔ دن کو بیوی کی وجہ سے دشواری ہوتی ہوگی اس لئے وہ رات کو ضرور کال کرتا ہوگا۔ وہ دونوں الگ الگ کمرے میں سوتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے آج کل اپنا فون خواب گاہ میں رکھ چھوڑا ہو۔

اس نے قاسم کو فون کرنے سے پہلے ایک بار پھر فریدی سے رابطہ قائم کیا۔

"ہیلو..... میں ہوں..... جی ہاں..... مگر سعید بابر کو تو آپ نے کنکس لین سے بھگا دیا ہے۔"

"یہی تو مصیبت ہے۔" فریدی بولا۔ "وہ ابھی تک وہیں جما ہوا ہے۔ میرے کہنے کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس نے بعد کو مجھے فون کیا تھا۔ کہتا تھا کہ وہ قطعی کسی سے مرعوب یا خائف نہیں ہے۔ اگر اس کا بھائی یہاں ایڑیاں رگڑ کر مرا ہے تو میں بھی یہیں مر جاؤں گا۔ وہ کہتا کہ وہ ایسے بزدلوں سے مرعوب نہیں ہوسکتا جو ایک اپاہج کی رقم ہضم کر کے اسے بھیگ مانگنے پر مجبور کرتے رہے۔ اب میں تمہیں بتاؤں کہ قاسم کی وجہ سے اُسے وہ کوٹھی چھوڑنی ہی پڑے گی۔"

"آخر آپ اُس بیچارے کو وہاں سے کیوں نکلوانا چاہتے ہیں۔"

"یہ ابھی نہ پوچھو..... بس دیکھتے جاؤ۔"

فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ اب حمید قاسم کے نمبر ڈائیل کر رہا تھا۔ اُسے تقریباً چھ بار نمبر ڈائیل کرنے پڑے۔ پھر دوسری طرف سے ریسیور اٹھنے کی آواز آئی۔

"ہالو..... قون..... کون ہے۔" قاسم کی دہاڑ سنائی دی۔

"قاسم صاحب.....!" حمید نے اپنی آواز بدلنے کی کوشش کی۔

"ہاں قاسم صاحب..... تم کون ہو..... یہ بھی قوئی حرکت ہے۔"

"کیا راحلہ جاگ رہی ہیں۔"

"ابے تم کون ہو.....!" قاسم دہاڑا۔

"سعید بابر.....!" حمید نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا.....!" چند لمحے خاموشی رہی پھر حمید کے "ہیلو" کہنے پر قاسم پھٹ پڑا۔ "ابے او باہر کے بچے تیرا دماغ تو نہیں چل گیا ہے..... سالے.....!"

"ذرا تمیز سے گفتگو کیجئے۔" حمید نے لہجے میں غصیلا پن پیدا کیا۔

"تیری تمیز کی دم..... یہ راحلہ کیا تیری ممانی لگتی ہے۔"

"قاسم صاحب! آپ حد سے بڑھ رہے ہیں۔"

"ابے میں تیری بوٹیاں اڑا دوں گا۔ بڑا افریقہ کا بچہ۔ خبردار جواب کبھی ادھر کا رخ کیا۔ بس بھر دوں گا۔"

"میں آپ کی دھجیاں اڑا دوں گا۔ آپ ہیں کس خیال میں۔" حمید نے کہا۔ "راحلہ ہے اور ہمیشہ میری رہے گی۔"

"تیرے باپ کی ہے راحلہ..... اچھا ٹھہرو..... سُوَر کے بچے! میں وہیں تمہارے گھر پر آتا ہوں..... پھر دیکھوں گا کہ راحلہ کس کی ہے۔"

"آپ میرے گھر پر آ کر اپنی موت کو دعوت دیں گے۔"

"اچھا..... اچھا.....!"

"راحلہ کو ساتھ لیتے آیئے گا۔" حمید نے کہا۔

"خرموش.....!" قاسم چنگھاڑا۔ "سُوَر کے بچے..... ابے میں سچ مچ آ رہا ہوں۔ اسی طرح دیکھوں گا کہ تجھ میں کتنا دم ہے۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔ حمید پیٹ دبائے ہوئے بے تحاشہ قہقہے لگا رہا تھا۔ پھر فریدی سے گفتگو کرنے کے لئے ریسیور اٹھایا۔

"کیا بات ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"وہ ابھی اور اسی وقت سعید بابر کی ہڈیاں توڑنے جا رہا ہے۔"

"خوب.....!"

"میں بھی جا رہا ہوں۔"

"تم کیا کرو گے۔"

"واہ.....اصل تفریح تو وہیں ہوگی.....اچھا میں چلا۔"

"ٹھہرو.....! سنو وہ دونوں تمہیں دیکھنے نہ پائیں۔"

"آپ مطمئن رہیں.....!" حمید نے کہا۔ ریسیور کریڈل میں ڈالا اور بڑی تیزی سے لباس تبدیل کرنے لگا۔ کمرے سے باہر نکلتے وقت اُس کے جسم پر سیاہ پتلون اور چمڑے کی جیکٹ تھی۔

اُسے کچھ اچھی طرح یاد نہیں کہ اُس نے گھر سے سعید کی کوٹھی تک کا راستہ کیسے طے کیا کار ایک گلی میں کھڑی کر کے

وہ کوٹھی کی پشت پر پہنچ گیا۔ کوٹھی کے گرد قد آدم چہار دیواری تھی۔ حمید بڑی احتیاط سے اس پر چڑھا اور دوسری طرف اتر گیا۔

لیکن آج ایک حیرت انگیز بات اس نے مارک کی تھی۔ کوٹھی کی کمپاؤنڈ کا پھاٹک کھلا تھا اور عمارت کی بعض کھڑکیوں میں روشنی بھی نظر آ رہی تھی۔

حمید پام کے گملوں کی اوٹ میں رک گیا۔ یہاں سے پھاٹک صاف نظر آتا تھا۔ اچانک اُسے قاسم کی آواز سنائی دی، جو شاید پھاٹک میں داخل ہونے سے پہلے ہی دہاڑنے لگا۔

"ابے او سعید بابر کے بچے.....میں آ گیا.....نکل تو باہر۔"

پھر پھاٹک میں اس کے پہاڑ جیسے جسم کا دھندلا سا سایہ نظر آیا۔ وہ پورچ کی طرف جا رہا تھا اور ساتھ ہی مغلظات کا طوفان امنڈا ہوا تھا۔ اچانک حمید کے جسم کے سارے رونگٹے کھڑے ہو گئے کیونکہ قاسم کے پیچھے بھی ایک سایہ تھا۔ وہی گول مٹول سا سایہ جو تھوڑی دیر قبل فریدی کی کوٹھی میں نظر آیا تھا۔ وہی تھا.....سو فیصدی وہی تھا۔

حمید اُسے محض واہمہ نہیں سمجھ سکتا تھا۔ وہ زمین پر کسی بڑی سی گیند کی طرح لڑھک رہا تھا اور قاسم شاید اس کی موجودگی سے لاعلم تھا۔ دونوں میں بمشکل تمام دس گز کا فاصلہ رہا ہوگا۔

حمید بوکھلا گیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں فائر کر دینے کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا۔

اس نے ریوالور نکال کر پے در پے تین فائر جھونک دیئے۔

"ہت تیرے کی.....!" اُس نے قاسم کی چنگھاڑ سنی۔ "سالے بزدل۔"

حمید نے اس گول مٹول سائے پر فائر کئے تھے اور اُسے اچھل کر دوبارہ زمین پر گرتے دیکھا تھا مگر پھر اُس کے بعد وہ نظر نہیں آیا اور قاسم بھی ندارد.....

"قاسم.....!" حمید نے اُسے آواز دی۔

"ق.....ق.....ون.....!" قریب ہی سے کپکپاتی ہوئی آواز آئی۔

ساتھ ہی کسی نے اوپری منزل کی ایک کھڑکی سے آوازوں کی سمت ٹارچ کی روشنی ڈالی۔

"حمید بھائی.....!" قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ وہ شائد ابھی تک زمین پر چت پڑا رہا تھا۔

پھر اوپری منزل والی کھڑکی کی طرف ہاتھ ہلا کر چیخا۔

"آؤ سالے.....نیچے آؤ۔ تم نے ایک پولیس آفیسر کی موجودگی میں مجھ پر گولیاں چلائی ہیں۔"

"کون ہے.....!" اوپر سے آواز آئی۔

"میں تمہارا باپ.....نیچے آؤ.....!" قاسم نے للکارا۔

حمید بوکھلا گیا۔ یہ نئی مصیبت تھی۔ قاسم کو کنٹرول کرنا آسان کام نہیں تھا۔ وہ کیا سوچ کر آیا تھا اور کیا ہو گیا؟ فریدی نے اُس سے کہا تھا کہ وہاں اس کی موجودگی کا علم اُن دونوں کو نہ ہونے پائے۔ مگر وہ پُراسرار سایہ درمیان میں آ کودا۔ اگر حمید اس پر فائر نہ کرتا تو قاسم کہاں ہوتا۔

"قاسم شور نہ مچاؤ۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔ "تم اس وقت خطرے میں تھے۔ گولی میں نے چلائی تھی۔"

"ارے واہ.....!" قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ "میں ہی خطرے میں تھا اور مجھ ہی پر تم نے گولی چلائی.....تمہاری عقل میں کھوپڑی ہے یا نہیں۔"

دفعتاً نچلی منزل کا دروازہ کھلا اور بیرونی برآمدے کا کچھ حصہ روشن ہو گیا۔

سعید بابر شب خوابی کے لباس میں دروازے میں کھڑا تھا۔ قاسم بڑی تیزی سے اس کی طرف جھپٹا۔ مگر حمید نے اس سے بھی زیادہ تیزی سے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔

"تم اس وقت یہاں کیوں آئے ہو۔" حمید نے اس سے پوچھا۔

"اس سالے کو بابر بناؤں گا۔ مگر تم نے مجھ پر فائر کیوں کیا تھا۔" وہ رک کر حمید کی طرف پلٹ پڑا۔

"کون صاحبان.....!" سعید بابر نے برآمدے سے کہا۔ "میں نے شاید فائروں کی آوازیں سنی تھیں۔ میرے ہاتھ میں بھی ریوالور ہے اور میں ایک ستون کی اوٹ میں ہوں۔"

"کیپٹن حمید.....!" حمید نے گرجدار آواز میں کہا۔

"اوہو..... کپتان صاحب..... فرمایئے۔" سعید بابر پھر روشنی میں آ گیا۔

"میں فرماؤنگا.....!" قاسم دہاڑا۔ "اور ایسا فرماؤنگا کہ تم مہینوں چارپائی سے اٹھ نہ سکو گے۔"

"یہ کون صاحب بول رہے ہیں کپتان صاحب! آپ حضرات یہاں کیوں تشریف لائے۔"

"جہاں تم کہو۔" قاسم نے چیلنج کرنے سے انداز میں کہا۔ "میں ہر جگہ تیار ملوں گا۔"

"قاسم خاموش رہو.....!" حمید نے کہا۔

وہ دونوں برآمدے میں پہنچ گئے۔

"اوہو..... قاسم صاحب.....!" سعید بابر نے حیرت سے کہا پھر حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔ "میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس وقت آپ حضرات کی موجودگی کا کیا مطلب ہے۔"

"موجودگی کا مطلب موجودگی ہے۔" قاسم غرایا۔ "ہاں اب کہو، جو کچھ کہہ رہے تھے۔"

"میں کچھ نہیں سمجھا جناب۔"

"جناب سالا گیا چولہے میں..... میں شرافت سے نہیں پیش آؤں گا۔"

حمید نے سوچا کہیں راز فاش نہ ہو جائے۔ اگر ایسا ہوا تو فریدی اچھی طرح اُسکی خبر لے گا۔ لہٰذا اس نے سعید بابر سے کہا۔ "کیا آپکو علم ہے کہ آج رات بھی آپ بال بال بچے ہیں۔"

"یہ تم نے کیسے سمجھ لیا کہ یہ بال بال بچے ہیں۔" قاسم غرایا۔ "کیا تم میرا ہاتھ پکڑ لوگے ہے اتنی ہمت..... ہاں بابر صاحب۔ اب تم راحلہ کا نام ناپاک زبان سے نکالو تو دیکھوں۔"

"راحلہ کیا مطلب.....!"

قاسم کا ہاتھ چل گیا۔ بھرپور ہاتھ۔ سعید بابر لڑکھڑاتا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

"قاسم..... تم ہوش میں ہو یا نہیں۔" حمید درمیان میں آ گیا۔ "پیچھے ہٹو ورنہ گولی مار دوں گا۔"

"ارے..... ارے.....!" قاسم پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

"بس چلے ہی جاؤ۔ اسی میں خیریت ہے۔ میں اس وقت ڈیوٹی پر ہوں۔ سعید بابر کی

حفاظت سرکاری طور پر کر رہا ہوں۔ اس وقت تمہارا دوست نہیں..... جاؤ۔"

سعید بابر فرش پر بیٹھا بایاں گال دبائے خون تھوک رہا تھا۔

"اچھا سرکاری کے بچے! میں تمہیں بھی دیکھ لوں گا۔" قاسم یکلخت دوسری طرف مڑتا ہوا بولا۔ پھر برآمدے کے نیچے اتر کر دھاڑا۔ "سعید بابر..... کان کھول کر سن لو..... اب اگر تم نے راحلہ کا نام بھی لیا تو جہنم میں ہو گے۔ ہاں.....!" اور پھر وہ تیزی سے چلتا ہوا تاریکی میں گم ہو گیا۔

"یہ یہاں اس وقت کیوں آیا تھا۔" حمید نے سعید بابر سے پوچھا۔

"میں نہیں جانتا..... عجیب وحشی آدمی ہے۔"

"ویسے وہ کئی بار مجھ سے بھی کہہ چکا ہے کہ اُسے آپکا اور راحلہ کا ملنا جلنا پسند نہیں ہے۔"

"جھک مارتا ہے..... میں اور راحلہ بہت جلد شادی کرنے والے ہیں۔"

"اوہ خیر..... مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔" حمید نے کہا۔ "لیکن یہ نئی اطلاع اُس کے لئے سنسنی خیز ضرور تھی۔ سنسنی خیز اس لئے تھی کہ قاسم اس کے متعلق سنتے ہی شائد اپنی ہی ہڈیاں چبا ڈالے۔"

"آج یہاں دراصل میری ڈیوٹی تھی۔" حمید نے سعید بابر سے کہا۔ "جس دن سے آپ پر حملہ ہوا ہے کوئی نہ کوئی یہاں ضرور موجود رہتا ہے۔"

"میں شکر گذار ہوں جناب۔"

"ذرا ٹارچ مجھے دیجئے اور میرے ساتھ آیئے۔" وہ دونوں برآمدے میں آئے۔

حمید نے ٹارچ کی روشنی وہاں ڈالی جہاں اُسے وہ پُراسرار سایہ نظر آیا تھا۔ یہاں ویسے ہی حیرت انگیز نشانات موجود تھے۔

"میرے خدا.....!" سعید بابر خوفزدہ آواز میں بڑبڑایا۔

"میں نے اسی پر فائر کیا تھا..... مگر شائد وہ فولاد یا پتھر کی کوئی مخلوق ہے۔"

"چلئے۔" سعید بابر اُسکا ہاتھ پکڑ کر برآمدے کیطرف کھینچتا ہوا بولا۔ "یہاں اب نہ ٹھہریئے۔"

سعید دوڑ رہا تھا۔ حمید کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا۔ لہٰذا حمید کو بھی دوڑنا پڑا تھا۔ سعید بابر دروازہ بند کر کے ہانپنے لگا۔

خوفناک لمحات

حمید کو نہیں معلوم تھا کہ اب فریدی کا کیا پروگرام ہے۔ اُس نے اُسے وہ سارے واقعات بتائے تھے جو سعید بابر کی کوٹھی میں پیش آئے تھے، جواب میں فریدی نے مسکرا کر صرف اتنا ہی کہا۔ ''ضروری نہیں کہ ہماری ساری اسکیمیں کامیاب رہی ہوں۔ میں نے دوسری طرح کام نکالنا چاہتا تھا مگر نہیں ہو سکا۔''

حمید نے سوچا کہ نہیں ہو سکا تو جہنم میں جائے۔ اُسے کیا؟ مگر اُس نے فریدی کو راحلہ اور سعید بابر کی ہونے والی شادی کی خوشخبری سنا ہی دی۔

''بہت دلچسپ.....!'' فریدی مسکرایا۔ اُس کی آنکھوں میں شرارت آمیز چمک تھی۔

''ضرور دلچسپ.....!'' حمید دانت نکال کر بولا۔ ''دوسروں کی شادیوں کے متعلق سن کر آپ کو کافی مزہ آتا ہے۔''

فریدی باہر جانے کے لئے تیار تھا اس لئے بات آگے نہ بڑھ سکی۔ حمید اپنے کمرے میں آ گیا، وہ پچھلے چوبیس گھنٹوں میں بمشکل تمام تین گھنٹے سویا ہوگا۔

بستر پر جانے سے پہلے اُس نے قاسم کو فون کیا۔ فون سلیمہ نے ریسیور کیا تھا۔ پھر قاسم آ گیا۔

''میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔'' قاسم نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''مت کرو بات.....لیکن میں سرکاری طور پر وہاں سعید بابر کی حفاظت کے لئے تھا۔''

''سرکاری کی ایسی کی تیسی۔ تم نے پہلے مجھ پر گولی چلائی پھر دوبارہ گولی مار دینے کی دھمکی دی۔ ویسے اگر تم مجھ سے نپٹنا چاہو تو میں اب بھی تیار ہوں۔''

''میں نے تم پر گولی نہیں چلائی تھی۔ تمہارے پیچھے ایک آدمی تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سعید کی تاک میں آیا ہو۔ بہر حال میری ایک بھی گولی اس کے نہیں لگی۔ سعید بابر کی زندگی خطرے میں ہے۔ ایک بار تمہاری موجودگی میں بھی اس پر فائر ہو چکا ہے۔''

''صرف زندگی خطرے میں ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ سالا مرے بھی تو کسی طرح۔''

''اب میں ایک بُری خبر سناؤں گا۔'' حمید نے کہا۔ ''راحلہ اور سعید کی شادی ہونیوالی ہے۔''

''قیا.....!'' قاسم دہاڑا۔ ''قبھی نہیں ہونے دوں گا۔''

''بھلا تم کیسے روک سکو گے۔ راحلہ اپنی مرضی کی مالک ہے۔''

''میں دونوں کو گولی مار دوں گا۔''

''آخر کیوں! تمہارا کیا بگڑتا ہے۔''

''میں اب دنیا میں کسی کی شادی نہیں ہونے دوں گا.....سا مجھے۔''

''کیوں برخوردار.....!''

''یونہی.....میرا دل چاہتا ہے اور اب تو میں سعید بابر کو شہر ہی میں نہ رہنے دوں گا۔''

قاسم نے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا۔ حمید نے جیسے ہی ریسیور رکھا۔ گھنٹی پھر بجی۔

''ہیلو.....حمید۔'' آواز آئی۔ آواز فریدی کی تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔ ''عدنان والا کیس بھی میرے ہی پاس ہے۔ تم تنویر سے مل کر اُن چاروں آدمیوں کے متعلق ضرور معلومات فراہم کرو، جو عدنان کے ساتھ ہی غائب ہو گئے تھے۔ اس کے لئے اپنی تمامتر ہمدردیاں ظاہر کرنا محض اس لئے کہ ہم میں شناسائی تھی سمجھے۔''

''سمجھ گیا.....جا رہا ہوں۔ لیکن نیند کی وجہ سے دماغ کچھ ماؤف سا ہو رہا ہے۔ اگر ایسی ذہنی حالت میں مجھے تنویر سے عشق ہو گیا تو تمام تر ذمہ داری آپ پر ہوگی۔ کیونکہ نیند ہی کے عالم میں ایک بار.....!'' حمید بکتا رہا اور فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

اُسے بہت عرصہ سے تنویر کو دیکھنے کی تمنا تھی۔ اُس نے اس کی حیرت انگیز صحت کے متعلق بہت کچھ سن رکھا تھا۔

تنویر نے اُسے اپنے نجی آفس میں ریسیو کیا۔ لیکن حمید اس کے چہرے سے قطعی اندازہ نہ لگا سکا کہ وہ اپنے لڑکے کے لئے مغموم ہے۔

آفس میں دو لڑکیاں رجسٹروں پر جھکی ہوئی تھیں۔

''مجھے یہاں کی پولیس سے بڑی شکایت ہے۔'' تنویر نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''لیکن آپ لوگ بھی غلطیاں کرتے ہیں۔ کئی بار کے سزایافتہ لوگوں کو آپ نے باڈی گارڈ بنا رکھا تھا۔''

"یہ تو مجھے اب معلوم ہوا ہے کہ وہ سزا یافتہ تھے۔" تنویر بولی۔ "اُن مردودوں نے مجھے اپنے سرٹیفکیٹ دکھائے تھے۔"

"چوریوں، ڈکیتیوں اور کشت وخون کے سرٹیفکیٹ . . . . . !" حمید نے پوچھا۔

"نہیں..... انہوں نے کہا کہ وہ ریٹائرڈ فوجی ہیں۔ ان کے پاس سرٹیفکیٹ تھے۔"

"اوہ..... تو آپ ان کے متعلق دھوکے میں تھیں۔"

"قطعی دھوکے میں رہی۔"

"وہ آپ کے پاس کب سے تھے۔"

"پانچ سال سے..... لیکن اس دوران میں کبھی انہوں نے مجھے شکایت کا موقع نہیں دیا۔ میں نہیں سمجھ سکتی کہ وہ عدنان کو کیوں لے گئے۔"

"اگر عدنان صاحب ہی انہیں کہیں لے گئے ہوں تو۔"

"نہیں..... وہ مجھے اطلاع دیئے بغیر کہیں نہیں جاسکتا۔" تنویر نے کہا اور کچھ سوچنے لگی۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے کچھ اور بھی کہے گی لیکن وہ کافی دیر تک کچھ نہ بولی اور حمید دونوں لڑکیوں کا جائزہ لیتا رہا۔

"ٹھہریئے..... میں ابھی آتی ہوں۔" تنویر نے کہا اور اٹھ کر آفس سے نکل گئی۔

حمید اب باقاعدہ طور پر لڑکیوں کو گھورنے لگا تھا۔ ایک لڑکی سے کئی بار نظریں ملیں۔ حمید کے دیکھنے کا انداز کچھ ایسا تھا کہ لڑکی کو بولنا ہی پڑا۔

"کیا آپ کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔"

"جی ہاں.....!" حمید ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ لڑکیوں کو کلرکی کرتے دیکھ کر میرا کلیجہ خون ہوجاتا ہے۔"

لڑکی بُرا سا منہ بنا کر پھر کاغذات میں مشغول ہوگئی۔ حمید نے دوسری لڑکی کی طرف دیکھا جو اُسے غور سے دیکھ رہی تھی۔

"آپ کا کلیجہ خون کیوں ہوجاتا ہے جناب۔"

"آپ اتنی ذرا سی بات نہیں سمجھ سکتیں۔ میں لڑکیوں کو انکے صحیح مقام پر دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"ذرا مجھے بھی تو آگاہ کیجئے اس مقام سے۔" لڑکی اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولی۔

"رنگین مرغزاروں میں چاندی کی جھیلوں کے کنارے، صنوبر کے سائے تلے اور.....!"

"یعنی ہم.....!" لڑکی بات کاٹ کر بولی۔ "مرغزاروں کی گھاس چریں اور جھیل سے ٹھنڈا پانی پی کر سو رہیں۔"

"اوہو..... آپ میں جمالیاتی حس بالکل نہیں معلوم ہوتی۔"

"جی ہاں..... اس وقت بالکل مردہ ہوگئی ہے جمالیاتی حس..... کیونکہ صبح سے اب تک صرف دو سلائیس اور ایک کپ چائے پر ہوں۔ لنچ کے بعد پھر جاگ اٹھے گی جمالیاتی حس۔"

"اوہو! مجھ سے غلطی ہوئی۔" حمید جلدی سے بولا۔ "لڑکیوں کا صحیح مقام دراصل باورچی خانہ ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میری نانی صاحبہ اپنے وقت کی سب سے بڑی مفکر تھیں۔"

"خدا غارت کرے ان نانیوں اور دادیوں کو انہیں کی بدولت عورتوں کی مٹی پلید ہوئی ہے۔"

حمید جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ تنویر واپس آگئی۔ لیکن اس کا چہرہ اُترا ہوا تھا آنکھوں سے بے چینی مترشح تھی۔

"ذرا میرے ساتھ آیئے۔" اس نے کہا اور پھر دروازے کی طرف مڑ گئی۔ حمید اٹھ کر باہر نکل آیا۔

"کیا بات ہے..... آپ کچھ پریشان سی نظر آرہی ہیں۔"

"ہاں..... میں پریشان ہوں۔ میں دراصل آپ کو ایک چیز دکھانا چاہتی تھی لیکن اب وہ وہاں نہیں ہے..... آیئے میرے ساتھ۔"

حمید اپنے شانوں کو جنبش دے کر اس کے ساتھ چلنے لگا۔ وہ رہائشی عمارت میں آئے۔ یہ ٹائپسٹ ہی کا کمرہ تھا۔ تنویر نے مغل پیس پر رکھے ایک آبنوسی ڈبے کی طرف اشارہ کیا جس پر نقش ونگار بنے ہوئے تھے۔

"آج کل میری کوٹھی میں کچھ نامعلوم آدمی..... ٹھہریئے۔" وہ دروازے کی طرف جھپٹی اور حمید اس ڈبے کی طرف دیکھنے لگا۔ تنویر کا جملہ اور اشارہ دونوں ہی ادھورے سے رہ گئے تھے۔ وہ دروازے تک گئی اور پھر واپس آگئی۔

''میں نہیں سمجھ سکتی کہ یہ کیا قصہ ہے۔ ہر وقت مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی چھپ کر میری گفتگو سن رہا ہو..... عدنان کا اس طرح غائب ہو جانا کسی گہری سازش کا پیش خیمہ ہے۔ پہلے تو میں یہ سمجھتی تھی کہ شاید وہ چاروں مجھ سے کوئی بڑی رقم وصول کرنا چاہتے ہیں۔''

''ہمارا بھی یہی خیال تھا۔'' حمید نے کہا۔

''مگر اب..... پچھلی ہی رات کی بات ہے کمپاؤنڈ میں کچھ نامعلوم آدمی موجود تھے انہوں نے کئی کھڑکیوں سے شیشے توڑ کر اندر گھسنے کی کوشش بھی کی تھی۔''

''کامیاب نہیں ہو سکے۔'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں کامیاب ہو سکے..... لیکن آج صبح میں نے ایک کھڑکی کے نیچے ایک لاکٹ پڑا پایا تھا۔ میں نے سوچا ہو سکتا ہے کہ پولیس کے کسی کام آ سکے لہٰذا میں نے اُسے اس سیاہ ڈبے میں رکھ دیا۔ آپ کی آمد پر میں نے ارادہ کیا کہ وہ لاکٹ آپ کو دکھاؤں..... مگر میرے خدا اس ڈبے میں لاکٹ کی بجائے.....!''

تنویر پھر خاموش ہو گئی۔ اُسکے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی بُری خبر سناتے ہوئے ڈر رہی ہو۔ آخر اس نے بدقت تمام کہا۔ ''اس ڈبے میں ایک کٹا ہوا ہاتھ ہے۔''

حمید ڈبے کی طرف جھپٹا اور اُسے مینٹل پیس سے اتار کر کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔

''کیا یہ مقفل ہے۔'' اُس نے پوچھا۔

''نہیں وہ سفید بٹن دبایئے۔'' تنویر بولی۔

بٹن پر انگلی پڑتے ہی ڈھکن اچھل کر سیدھا کھڑا ہو گیا..... لیکن حمید..... لڑکھڑا کر دو چار قدم پیچھے ہٹ گیا۔ ڈبہ اب بھی اس کے ہاتھ میں ہی تھا۔ مگر نظر نہیں آ رہا تھا کیونکہ آنکھوں اور ڈبے کے درمیان زرد رنگ کا گہرا غبار حائل ہو گیا تھا۔ پھر اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اندھیرے میں ہو۔ گہرے اندھیرے میں۔ پھر اُسے یاد نہیں کہ کیا ہوا۔ نہ جانے کتنی دیر بعد ہوش آیا۔ اُسے وقت کا احساس نہیں ہوا۔ البتہ اب بھی وہ اندھیرے ہی میں تھا اور اس کی ذہنی حالت اعتدال پر نہیں آئی تھی۔ اُس نے زمین سے اپنا وہ ہاتھ اٹھانا چاہا جس پر ریڈیم ڈائیل کی گھڑی تھی لیکن یہ بھی ممکن نہ ہوا۔ ویسے وہ محسوس کر رہا تھا کہ اُس کے ہاتھ پیر آزاد ہیں۔

ہوش میں آئے ہوئے کافی وقت گذر گیا لیکن حمید کی ذہنی اور جسمانی حالت درست نہ ہوئی۔ اس کا ذہن اوٹ پٹانگ خیالات کی آماج گاہ بنا ہوا تھا۔ کیفیت وہی تھی جو کسی بے ربط خواب کی ہوتی ہے۔

پھر اُس نے کسی کے قدموں کی آہٹ سنی اور دفعتاً چاروں طرف روشنی پھیل گئی۔ زینوں پر اُسے تنویر نظر آئی۔ بڑی شان سے آہستہ آہستہ نیچے آ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں چمڑے کا ہنٹر تھا..... وہ حمید سے تین یا چار فٹ کے فاصلے پر رک گئی۔ اس کی آنکھوں سے حقارت اور نفرت جھانک رہی تھی۔

''عدنان کہاں ہے۔'' اس نے سرد لہجے میں کہا۔

''میں..... کیا جانوں.....!'' حمید نے بدقت کہا۔

''یہ اذیت خانہ ہے..... تم سسک سسک کر مر جاؤ گے۔''

حمید نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن دوسرے ہی لمحے میں تنویر نے اس کے سینے پر پیر رکھ دیا اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اُس کے سینے کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی۔

پتہ نہیں وہ حقیقتاً اتنی ہی طاقتور تھی یا یہ حمید کی موجودہ نقاہت تھی جس کی بناء پر اس نے ایسا محسوس کیا تھا۔

''خیریت اسی میں ہے کہ چپ چاپ پڑے رہو۔ اُس نے اس کے سینے پر سے پیر ہٹاتے ہوئے کہا۔ ورنہ یہاں تمہیں کوئی رونے والا بھی نہیں ملے گا۔''

حمید پھر حمید تھا اور تنویر عورت تھی۔ معمر اور سخت مزاج ہی سہی لیکن اپنی صحت اور رکھ رکھاؤ کی بناء پر غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتی تھی۔

''تنویر.....!'' حمید نے درد ناک لہجے میں کہا۔ ''ہوش میں آنے کے بعد میں کچھ اور سمجھا تھا مگر تم عدنان کا قصہ لے بیٹھیں۔''

''کیا سمجھے تھے۔'' تنویر غرائی۔

''میں سمجھا تھا شاید تم مجھ پر عاشق ہو گئی ہو۔''

''شٹراپ.....!'' چمڑے کا ہنٹر حمید کے پیروں پر پڑا۔ مگر وہ تلملانے کی حد تک بھی ہاتھ

پیر نہیں ہلا سکتا تھا۔ ڈبے سے نکلنے والا زرد رنگ کا غبار شائد اسی لئے استعمال کیا گیا تھا کہ اس کی قوت ہی ختم ہو جائے۔ مگر حمید کی زبان کی قوت سلب کرنا کس کے بس کا روگ تھا۔

''میں اس ٹریجڈی کے بعد ایک کہانی لکھوں گا جس کا عنوان ہوگا 'سنگدل محبوبہ'۔''

ہنٹر پھر پڑا۔

''مار ڈالو.....!'' حمید مسکرا کر بولا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ حمید کو چوٹ کا بھی کچھ ایسا زیادہ احساس نہیں ہو رہا تھا۔

تنویر چند لمحے اُسے گھورتی رہی پھر بولی۔

''تمہیں بتانا پڑے گا کہ عدنان کہاں ہے۔''

''ہم اُسے تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر یہ طریقہ بڑا عجیب و غریب ہے۔ تنویر کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ عدنان کو ہم نے اغواء کیا ہے۔''

تنویر کچھ نہ بولی۔ وہ غور سے اُسے دیکھ رہی تھی۔

''خدا کی قسم بس ذرا سا مسکرا دو۔ ان پتلی پتلی یاقوتی کاشوں پر مسکراہٹ بڑی بھلی لگتی ہوگی۔''

''شٹ اَپ.....!''

حمید ایک ٹھنڈی سی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ اُس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ عدنان کہاں ہے۔

''کیا تم ایک رات زغالی کے گھر نہیں گئے تھے۔'' تنویر نے پوچھا۔

''یقیناً گیا تھا.....!''

''تمہارے ساتھ کون کون تھا۔''

''سارجنٹ رمیش اور پروفیسر دیال۔''

''کیوں گئے تھے۔''

''کسی عجیب و غریب جانور کے پیروں کے نشانات کے متعلق معلومات حاصل کرنے کیلئے۔''

''نشانات کہاں ملے تھے۔''

''افریقہ کے ایک تاجر سعید بابر کی کمپاؤنڈ میں۔''

''تمہیں زغالی کے پاس کس نے بھیجا تھا۔''

''کرنل فریدی نے۔''

''اُسے کیا معلوم کہ زغالی اُس کے متعلق کچھ بتا سکے گا۔''

''کرنل فریدی آدمی نہیں جن ہیں۔'' حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

تنویر تھوڑی دیر کے لئے پھر خاموش ہو گئی اور حمید بولا۔ ''تم آخر یہ سب مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہو۔ کیا تم اُس جانور کے متعلق کچھ جانتی ہو۔''

''ہاں..... میں جانتی ہوں۔'' تنویر کے ہونٹوں پر ایک سفاک سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ''میں جانتی ہوں۔ وہ آدمی کا گوشت بڑی رغبت سے کھاتا ہے۔ کل رات وہ کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کا گوشت کھانے کیلئے گیا تھا مگر وہ دونوں ہوشیار تھے۔ پھر وہ سعید بابر کا گوشت کھانے کیلئے گیا لیکن وہاں بھی کیپٹن حمید ہی آڑے آیا۔ لہٰذا اب تم خود سوچ لو کافی سمجھدار ہو۔''

حمید سناٹے میں آ گیا۔ اب اس کی عقل راستے پر آ رہی تھی۔ نہ صرف عقل صحیح راستے پر آ رہی تھی بلکہ فریدی کی بعض ''حماقتیں'' بھی یاد آ رہی تھیں۔ مثلاً پچھلی رات کو اس نے اس گول گنبل بلا کے تعاقب میں جانے کی بجائے تنویر کے ٹیلی فون نمبر ڈائیل کرنا شروع کر دیئے تھے۔

تو کیا..... تنویر ہی..... حمید کانپ گیا۔ اُس نے تنویر کی طرف دیکھا جو پلکیں جھپکائے بغیر اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

''کیا تم اسے دیکھنا چاہتے ہو۔'' تنویر کی تیز قسم کی سرگوشی کمرے میں گونجی۔

حمید کچھ نہ بولا۔

''میں تمہیں دکھاؤں گی۔'' تنویر دائیں طرف والی دیوار کی طرف جاتی ہوئی بولی۔ اچانک کمرے کی تیز روشنی دھندلاہٹ میں تبدیل ہو گئی..... اور حمید نے محسوس کیا جیسے سامنے والی دیوار اپنی جگہ سے کھسک کر ایک طرف دوڑتی چلی گئی ہو۔ ساتھ ہی سڑتے ہوئے گوشت کی بدبو سے اس کا دماغ پھٹنے لگا۔

اگلی ہوئی دیوار کی دوسری طرف گہری تاریکی تھی لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ تاریکی بھی دھندلاہٹ میں تبدیل ہو گئی۔

فرش پر ایک بہت بڑی سی گیند لڑھکتی پھر رہی تھی۔ حمید کچھ اس قسم کی آوازیں بھی سن رہا تھا جیسے کوئی ریلوے انجن اسٹیم چھوڑ رہا ہو۔

''ٹمڈونگا.....! میں وہاں روشنی کروں گی۔'' تنویر نے کہا۔

اور وہ گول مٹول سایہ لڑھکتا ہوا ایک طرف چلا گیا اور دوسرا کمرہ بھی روشنی میں نہا گیا۔

مگر حمید نے دوسرے ہی لمحے میں اپنی آنکھیں بند کرلیں کیونکہ سامنے ہی اسے انسانی ہڈیوں کے تین پنجر نظر آ گئے تھے۔ دو تو صرف ہڈیوں کے ڈھانچے تھے لیکن تیسرے پر ابھی تھوڑا گوشت باقی تھا اور شاید یہ اسی کی بدبو تھی۔ اچانک ایک آدمی گھٹنوں کے بل چلتا ہوا اُس کمرے میں آ گیا جہاں حمید فرش پر چت پڑا ہوا تھا۔ آنے والے کا شیو بڑھا ہوا تھا اور اس کے چہرے پر مردنی تھی۔ آنکھیں حلقوں میں گھسی ہوئی تھیں۔ حمید نے اسے پہچان لیا۔ وہ انہیں چاروں میں ایک تھا جن کی تصویریں اُس نے کوتوالی میں دیکھی تھیں وہ آتے ہی تنویر کے قدموں پر ڈھیر ہوگیا۔

''معاف کردیجئے محترمہ..... خدا کے لئے معاف کردیجئے۔'' وہ روتا ہوا گڑگڑایا مگر تنویر نے بُرا سا منہ بنا کر اُسے ٹھوکر ماردی۔

حمید کی حالت رفتہ رفتہ بہتر ہوتی جارہی تھی لیکن وہ فرش پر بے حس و حرکت پڑا رہا تھا۔ اس کا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر وہ گول سایہ روشنی کا نام سن کر وہاں سے ہٹ کیوں گیا تھا۔

''نہیں تجھے معاف نہیں کیا جاسکتا۔'' تنویر روتے ہوئے باڈی گارڈ سے کہہ رہی تھی۔

''ٹمڈونگا کی غذا بنے گا۔ اس کے لئے یہاں ایک شکار اور بھی ہے کیپٹن حمید۔ وہ نہیں بتاتا کہ عدنان کہاں ہے۔ اگر تو بتادے تو میں اُسے معاف کرسکتی ہوں۔''

حمید نے دل میں کہا۔ ''تم مجھے ضرور معاف کردو گی میری الہڑ بڑھیا۔''

اب بہت کچھ اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ اس نے نحیف آواز میں کہا۔ ''میں بتادوں گا۔''

''بتاؤ..... میں تمہیں معاف کردوں گی۔''

''پانی.....!''

''بتانے کے بعد پانی بھی مل جائے گا۔''

''میں مر رہا ہوں.....!'' حمید نے اس طرح اپنی آنکھوں کو گردش دی جیسے سچ مچ اس پر طاری ہو رہی ہو۔

''پانی.....!'' اُس کے حلق سے ایک ڈراؤنی سی آواز نکلی۔

''میں پانی لا رہی ہوں۔'' تنویر نے کہا اور زینوں کی طرف جھپٹی۔ حمید نے اس وقت تک ہچکی جاری رکھی جب تک کہ اس کے قدموں کی آہٹ سکوت میں نہیں ڈوب گئی۔

دوسرا بدنصیب آدمی اُسے بڑی بے تعلقی سے دیکھ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس ہر قسم کے جذبات فنا ہوگئے ہوں حتیٰ کہ اس کے چہرے پر خوف کے آثار بھی نہیں تھے۔ نے اشارے سے اُسے اپنے پاس بلایا اور وہ گھٹنوں کے بل جھپٹا جیسے کوئی کتا اپنے مالک سیٹی پر دُم ہلاتا ہوا دوڑا چلا آئے۔

''یہ روشنی میں کیوں نہیں آتا۔'' حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

''روشنی میں اُسے دکھائی نہیں دیتا۔''

''وہ ہے کیا بلا۔''

''خبیث..... نہ وہ آدمی ہے اور نہ جانور۔''

''کیوں نہ ہم اُسے مار ڈالیں۔''

''ناممکن..... وہ ہزاروں پر بھاری ہے..... لیکن کیا آپ کے پاس ریوالور ہے۔''

''نہیں.....!''

''قطعی ناممکن.....!''

''پھر کیا تم مرنا ہی چاہتے ہو۔'' حمید نے کہا۔

''مقدر.....!'' اُس نے بے بسی سے کہا لیکن پھر جلدی سے بولا۔ ''تنویر کے بلاؤز کے گریبان میں ہر وقت ایک پستول رہتا ہے۔''

''اوہ..... بس اب تم ہٹ جاؤ۔'' حمید نے کہا اور آنکھیں بند کرلیں۔ باڈی گارڈ پھر گھٹنوں کے بل چلتا ہوا وہیں پہنچ گیا۔ جہاں تنویر اُسے چھوڑ کر گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد پھر زینوں پر قدموں کی آہٹ ہوئی۔ تنویر پانی کا گلاس لئے ہوئے نیچے آ رہی تھی۔ اُس نے قریب آ کر حمید کو آوازیں دیں۔ لیکن حمید چپ چاپ پڑا رہا۔ تنویر شاید یہ سمجھی کہ اس پر دوبارہ غشی طاری ہوگئی ہے۔

وہ اس کے قریب ہی بیٹھ کر اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارنے لگی اور پھر حمید یک بیک اس پر ٹوٹ پڑا۔ سب سے پہلے اس کا ہاتھ اس کے گریبان کی طرف بڑھا لیکن کامیابی نہ ہوئی اور حمید اُس کی طاقت کا اندازہ کر کے ششدر رہ گیا۔ وہ کبھی کسی عورت میں اتنے پھرتیلے پن اور طاقت کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ تنویر اس کی گرفت سے نکل گئی اور باڈی گارڈ چیخا۔

''کپتان صاحب یہ سوئچ بورڈ کی طرف نہ جانے پائے۔''

حمید نے پھر اس پر چھلانگ لگائی مگر اس کا سر دیوار سے ٹکرایا لیکن وہ پھر سنبھل کر تنویر کی طرف جھپٹا۔ مگر اب وہ سوئچ بورڈ کے قریب پہنچ چکی تھی۔ دفعتاً روشنی دھندلاہٹ میں تبدیل ہوگئی۔ باڈی گارڈ کے حلق سے ایک خوفزدہ سی چیخ نکل گئی۔ دوسری طرف تنویر چیخ کر بولی۔

''ڈونگا میں خطرے میں ہوں۔''

حمید کو بس اتنا ہی یاد ہے وہ گیند سی بلا اتنی تیزی سے وہاں پہنچی تھی جیسے کسی نے اس پر ہٹ لگائی ہو۔ تنویر نے ایک زہریلا سا قہقہہ لگا کر کہا۔ ''ڈونگا'' لیکن وہ آگے نہ کہہ سکی کیوں کہ زینوں کی طرف سے پے در پے تین چار فائر ہوئے۔ کمرے میں سیٹیاں اور سسکاریاں گونجنے لگیں۔

''تنوی.....تنوی.....!'' سیٹیوں اور سسکاریوں میں کوئی کہہ رہا تھا۔ ''میں تو چلا..... تیرا وقت بھی قریب ہے۔''

تنویر دیوانہ وار زینوں کی طرف فائر کرنے لگی اور پھر شاید اس کا پستول خالی ہی ہوگیا۔ سیٹیاں اور سسکاریاں اب بھی کمرے میں گونج رہی تھیں اور وہ بڑی سی گیند اپنی ہی جگہ پر بڑی تیزی سے گردش کر رہی تھی۔ زینوں کی طرف ایک فائر پھر ہوا اور وہ آوازیں بھی ختم ہوگئیں۔

حمید نے اندھیرے میں فریدی کا قہقہہ سنا وہ کہہ رہا تھا۔ ''تنویر اب وہ چیز ختم ہوگئی جس

کی وجہ سے تم سالہا سال سے اپنے گھر والوں اور قریبی حلقوں میں پُراسرار مشہور رہی ہو اور یہ خالی پستول اب اپنے سر پر مار لو۔ کم از کم ایک کارتوس خودکشی کے لئے تو چھوڑا ہوتا۔''

سائے کی لاش

فریدی سوئچ بورڈ کے پاس پہنچ چکا تھا۔ اس نے کمرے میں روشنی کر دی۔ دفعتاً تنویر کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی اور اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ فریدی کے ہاتھ عدنان بھی تھا۔

وہ عجیب الخلقت آدمی یا جانور فرش پر چت پڑا ہوا تھا۔ انتہائی ڈراؤنا۔ اس کی لاش بھی خوفزدہ کر دینے کے لئے کافی تھی۔ اس کا قد بمشکل تمام چار فٹ رہا ہوگا۔ پھیلاؤ بھی اُس سے کسی طرح کم نہ رہا ہوگا۔ چہرہ جھریایا ہوا اور خوفناک تھا۔ بڑے بڑے دانت ہونٹوں سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ پلکیں تک سفید ہوگئی تھیں اور اس کے پیر..... وہ یقیناً عجیب تھے۔ خود اس کی جسامت سے بھی زیادہ عجیب۔

''ڈونگا.....!'' اچانک تنویر چیخ مار کر اس کی لاش پر گر پڑی۔

''میرے پیارے.....!'' وہ اپنے بال نوچ رہی تھی۔ ''تو دس ہاتھیوں سے زیادہ طاقتور تھا..... مگر میرے پیر چاٹتا تھا۔ ڈونگا..... میں تجھ پر ظلم کرتی تھی۔ تجھے کوڑے لگاتی تھی تو میرا پرستار تھا۔ میں زندگی بھر تیرے لئے روتی رہوں گی۔ تیرے قاتل کو کبھی معاف نہ کروں گی۔''

''ممی..... کیا تم پاگل ہوگئی ہو۔'' عدنان جھینپے ہوئے انداز میں چیخا۔ تنویر کچھ نہ بولی۔

وہ آگے کی طرف جھکی اور مردہ آدم خور کے منہ پر اپنا منہ رکھ دیا۔

''میں اسے گولی مار دوں گا۔'' عدنان فریدی سے ریوالور چھیننے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔

فریدی نے اُسے آہستہ سے ایک طرف ہٹاتے ہوئے کہا۔ ''اس وقت یہ تمہاری ماں نہیں ہے۔ صرف ایک عورت ہے۔''

عدنان سر جھکائے ہوئے زینوں کی طرف مڑ گیا۔ فریدی نے اُسے روکا نہیں۔ وہ اوپر جانے کے لئے زینے طے کر رہا تھا۔ حمید اور فریدی خاموش کھڑے رہے۔ باڈی گارڈ ایک

کونے میں منہ ڈالے کھڑا بُری طرح کانپ رہا تھا۔

''بدبو سے میرا دماغ پھٹ رہا ہے۔'' حمید بڑبڑایا۔ ''یہ کمبخت آدم خور بھی تھا۔ تین باڈی گارڈوں کو صاف کر گیا۔ ان کی لاشیں سڑ رہی ہیں اور چوتھا وہ اُدھر ہے۔''

فریدی حمید کی بات کی طرف دھیان دیئے بغیر تنویر کی طرف بڑھا جو اب بھی مڈونگا کی لاش پر پڑی کسی چھوٹی سی بچی کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

فریدی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور وہ اچھل کر کھڑی ہوگئی۔ اس کا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا ہوا تھا اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

''جاؤ یہاں سے ..... میں تم سے التجا کرتی ہوں۔ اگر میں مجرم ہوں تو مجھے اسی تہہ خانے میں بند کردو۔ میں ایڑیاں رگڑ کر مر جاؤں گی۔''

''مجھے تم سے ہمدردی ہے۔'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ ''اسی لئے میں نے تمہارے لئے خودکشی تجویز کی تھی کیونکہ تمہارے عدالت میں پیش ہونے سے عدنان کا سوشل اسٹیٹس خطرے میں پڑ جائے گا۔ ہاں سعید بابر اور داراب کی گرفتاری میں مجھے مدد ملے گی۔''

''سعید بابر..... داراب.....!'' تنویر نے حیرت سے کہا اور اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔

چند لمحے فریدی کو گھورتی رہی پھر آہستہ سے بولی۔ ''انہیں کیوں گرفتار کرو گے۔ ان کی پشت پناہی کر رہے تھے تم.....!''

''ہاں..... میں کبھی کبھی مجرموں کو اُس وقت پکڑتا ہوں جب وہ میرے گلے میں بانہیں ڈالے مجھے اپنی محبت کا یقین دلا رہے ہوں۔''

''اُس کے بھائی کا قصہ.....!'' تنویر نے استفہامیہ انداز میں پوچھا۔

''اُس کا بھائی.....!'' فریدی ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ''اُس کا بھائی ابھی میری محافظت میں تھا اور شاید سوتیلی ماں اس وقت میرے سامنے کھڑی ہے۔''

''تم کیا..... جانو..... تم کیا جانو.....!'' اس نے مضطربانہ انداز میں فریدی کا ہاتھ پکڑ لیا۔

فریدی اسی طرح کھڑا رہا۔ اس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔

''میرے ذرائع لامحدود ہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''مگر عدنان اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔''

''نہ جانتا ہوگا..... میں نے ابھی تک اُس سے اس کا تذکرہ بھی نہیں کیا۔''

''میں ضرور مدد دونگی۔ تم جو کچھ بھی کہو، میں ان کتوں کی لاشیں دیکھنا چاہتی ہوں۔ انہوں نے خواہ مخواہ میری پرسکون زندگی میں زہریلے کانٹے بوئے۔ میں سب کچھ بھول گئی تھی۔''

''تمہیں براہِ راست پولیس سے مدد طلب کرنی چاہئے تھی۔''

''میں اپنی پرانی تاریک زندگی پر سے پردہ نہیں ہٹانا چاہتی تھی۔ تمہیں پورے حالات کا علم نہیں ہے شاید۔''

فریدی نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ اپنی کلائی کی گھڑی کیطرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''میرے ساتھ آؤ..... وقت کم ہے۔'' پھر اُس نے باڈی گارڈ سے کہا۔ ''شنکر تم یہیں ٹھہرو گے۔''

''اچھا..... حضور..... والا.....!''

وہ تینوں اوپر آئے اور حمید نے محسوس کیا کہ وہ ابھی تک ایک تہہ خانے میں رہے ہیں۔

تنویر بڑبڑا رہی تھی۔ ''عدنان کو تہہ خانوں کا بھی علم نہیں تھا۔''

فریدی نے کہا۔ ''مجھے ان پُراسرار کمروں کا علم عدنان سے ہوا تھا۔ تہہ خانے میں نے دریافت کئے تھے۔ میری اسکیم دوسری تھی۔ یہاں اس طرح آنے کا ارادہ نہیں تھا جس طرح پہنچا ہوں۔ مگر میرے مخبروں نے خبر دی کہ کیپٹن حمید کو تمہاری کوٹھی سے برآمد ہوتے نہیں دیکھا گیا اور اس وقت شاید مجھے ایک منٹ کی بھی دیر ہوتی تو.....!''

''مجھے اس پر افسوس نہیں ہے۔'' تنویر نے سرد لہجے میں کہا۔ ''میں عدنان کو بچانا چاہتی تھی لیکن مڈونگا کی موت کے بعد مجھے اس کے بچ جانے کی بھی خوشی نہیں ہے۔ میں شروع ہی سے سمجھتی تھی کہ عدنان تمہارے قبضے میں ہے۔''

''چار خون تمہاری گردن پر..... زغالی کو بھی تم نے ہی گولی ماری تھی اور برقعہ زینوں پر پھینک گئی تھی۔''

''میری گردن پر سینکڑوں خون ہیں۔'' تنویر نے لاپروائی سے کہا۔ ''زغالی کو اس لئے مار دیا تھا کہ کہیں مڈونگا کی کہانی تم تک نہ پہنچ جائے۔ وہ اس سے واقف تھا۔''

حمید اس کی گفتگو پر عش عش کر رہا تھا۔ ایسی عورت آج تک اس کی نظر سے نہیں گزری تھی۔ ابھی ابھی اُسے ایک سنگین ترین جرم کرتے ہوئے پکڑا گیا تھا لیکن اب وہ اتنے سکون اور اتنی لاپروائی سے باتیں کر رہی تھی جیسے کسی ڈرامے کی ریہرسل میں حصہ لے کر لوٹی ہو۔

اوپر سارے کمرے ویران پڑے تھے۔ کہیں بھی کوئی نوکر نہیں دکھائی دیا۔ شاید تنویر نے انہیں چھٹی دے دی تھی۔

''میں نے یہی سمجھ کر عدنان کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی تھی کہ وہ تم لوگوں کے قبضے میں ہے۔'' تنویر نے کہا۔

فریدی ایک کمرے میں رک گیا اور ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ ''بیٹھ جاؤ..... ابھی ہمیں آدھے گھنٹے تک انتظار کرنا پڑے گا۔''

''عدنان کہاں ہے..... میں اب اُس کے سامنے نہیں آنا چاہتی۔''

''میں خود نہیں چاہتا..... وہ تمہیں گولی مار دے گا۔''

تنویر کچھ نہ بولی۔ فریدی نے کہا۔ ''وہ میرے آدمیوں کے پاس محفوظ ہے۔''

''تم کیا کرنا چاہتے ہو۔''

''میں انہیں موقع پر گرفتار کرنا چاہتا ہوں کیونکہ اُن کے خلاف میرے پاس فی الحال ایک شہادت ہے وہ بھی مکمل نہیں ہے۔''

''موقع سے کیا مراد ہے۔''

''ان کا خیال ہے کہ عدنان کا اغواء محض افواہ ہے۔ وہ یہیں اسی کوٹھی میں کہیں موجود ہے۔ لہٰذا آج وہ تم دونوں کو ختم کر دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ تمہارے مڈونگا کے لئے بھی وہ کافی انتظامات کے ساتھ آئیں گے ان کے ساتھ ایک بہت بڑا جال ہوگا۔ اب تم مجھے بتاؤ کہ یہ کیا قصہ ہے۔ ویسے تمہیں عدالت میں حاضر کر دینے کے لئے وہ ایک باڈی گارڈ ہی کافی ہوگا جو مارا گیا ہے اور تین لاشیں۔''

''تم بار بار اُس کا تذکرہ نہ کرو۔ میں کہہ چکی ہوں کہ میری گردن پر سینکڑوں کے خون ہیں۔ آج بھی افریقہ کے مشرقی ساحل کے لوگ سنالنی کے نام سے کانپتے ہیں۔''

''سنالنی.....!'' یک بیک فریدی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں..... سنالنی..... سمندری اکو، جس کا صحیح حلیہ کہیں کے سرکاری ریکارڈ میں موجود نہیں ہے۔''

''ہاں..... میں سنالنی ہوں۔'' تنویر غرائی۔ ''سنالنی تنوی..... میں نے درجنوں سرکاری جہاز لوٹے ہیں۔ جب میں اپنے قزاقوں سمیت کسی جہاز پر جا پڑتی تھی تو وہاں آگ خون اور چیخوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔ میں سنالنی تنوی ہوں جس نے سفید فام جہاز رانوں کی زندگی تلخ کر دی تھی۔ میری لاش کے لئے انگریزوں نے ایک لاکھ پونڈ کے انعام کا اعلان کیا تھا۔ تم آج بھی میری لاش انگریزوں کے حوالے کر کے ان سے یہ انعام حاصل کر سکتے ہو۔ ویسے اب شاید ہی انگلینڈ والوں کو یقین آئے کہ میں ہی سنالنی ہوں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ میں کسی مہم میں کام آ گئی۔''

''تم یہاں بہت دنوں سے ہو۔'' فریدی نے کہا۔

''ہاں..... میں یہاں اس وقت آئی تھی جب عدنان صرف ایک سال کا تھا اور اُسی ذلیل کی بدولت آئی تھی جس کے بیٹے نے یہاں بھی میری زندگی تلخ کر دی۔ افریقہ کے مشرقی ساحل پر قزاقوں کے کئی گروہ کام کرتے تھے۔ میرا گروہ سب سے زیادہ طاقتور تھا۔ اکثر یہ گروہ آپس ہی میں ٹکرا جاتے اور اچھا خاصا کشت و خون ہوتا۔ ایک گروہ کا سردار بابر تھا۔ اسی سعید بابر اور عدنان کا باپ۔ ہم دونوں کے گروہ ایک بار آپس میں ٹکرا گئے۔ بابر کے گروہ کو شکست ہوئی۔ وہ گرفتار ہو کر میرے سامنے آیا۔ نہ جانے کیوں مجھے اس پر رحم آ گیا اور میں نے بابر سے باقاعدہ طور پر شادی کر لی۔ اُس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ غیر شادی شدہ ہے کچھ دن وہ ساحل پر رہتا تھا اور کچھ دنوں کے لئے اندرون ملک میں چلا جایا کرتا۔ لیکن اس نے مجھے اپنا صحیح نام بابر بھی نہیں بتایا تھا۔ وہ شہباز کے نام سے مشہور تھا۔ میں کچھ اس طرح اس کی محبت میں ڈوبی ہوئی تھی کہ میں نے کبھی یہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی کہ وہ کون ہے۔ کہاں رہتا ہے! حالانکہ مڈونگا نے مجھے شادی ہی کے موقع پر آگاہ کر دیا تھا کہ شادی کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ میں نے اس کی بات پر دھیان نہ دیا۔ وہ ایک بہت بڑا جادوگر اور ستارہ شناس تھا۔ سینکڑوں میل دور سے طوفان کی بو سونگھ لیتا تھا۔ وہ ہاتھیوں کی طرح طاقت ور تھا۔ میرا غلام تھا۔ مجھ سے ڈرتا تھا۔

میرے پیر چاٹتا تھا۔ میں نے اس کا کہنا نہ سنا۔ بہرحال شادی ہوگئی۔ پھر عدنان پیدا ہوا..... اور مجھے شہباز کے بارے میں کچھ شکوک نے گھیر لیا۔ اکثر وہ تین تین ماہ غائب رہتا۔ ایک بار میں نے چھپ کر اس کا تعاقب کیا اور پھر یہ حقیقت مجھ پر کھلی کہ وہ نیروبی کا ایک باعزت تاجر ہے بہت بڑا تاجر اور اس کا نام شہباز نہیں بلکہ بابر تھا اور یہی نہیں..... یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ شادی شدہ ہے۔ ایک لڑکے اور تین لڑکیوں کا باپ ہے۔ لڑکا اس وقت بارہ سال کا تھا۔ مجھ پر خون سوار ہوگیا۔ میں نے چاہا کہ بابر کو قتل کردوں مگر اس بار مڈونگا نے مجھے بہت بڑی دھمکی دی۔ اُس نے کہا کہ اگر میں نے بابر کے خون میں ہاتھ رنگے تو وہ مجھے قتل کردے گا۔ اس نے کہا کہ بابر کا خون میرے لئے تباہی لائے گا۔ میں نے بابر کے سلسلے میں ایک بار اس کی بات نہیں مانی تھی اس کے لئے مجھے پچھتانا پڑا تھا۔ لہٰذا اب مجھے اس کی بات کو اہمیت دینی پڑی۔ میں نیروبی سے دل شکستہ واپس آئی۔ دل مردہ ہوگیا تھا اس لئے قزاقی ترک کردی چونکہ میرا صحیح حلیہ سرکاری فائلوں میں موجود نہیں تھا اس لئے میں کچھ دنوں کے بعد یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئی لیکن داخلہ باضابطہ طور پر نہیں ہوا۔ میں مڈونگا کو بھی اپنے ساتھ لائی تھی۔ چونکہ وہ عجیب الخلقت تھا اس لئے مجھے اس کو دوسروں کی نظروں سے چھپائے رکھنا پڑتا تھا۔ مڈونگا نے کبھی کسی حال میں میرا ساتھ نہیں چھوڑا۔ میرا دل زندگی کے آخری لمحات تک اس کیلئے روتا رہے گا۔"

تنویر ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوگئی۔

"مگر سعید بابر کو کیسے علم ہوا کہ تم اس کی سوتیلی ماں ہو۔ ظاہر ہے کہ بابر نے اپنے خاندان والوں سے یہ بات چھپائی ہوگی کہ اس نے دوسری شادی کرلی ہے۔ اگر یہ بات ہوتی تو وہ تمہیں اپنی اصلیت سے کیوں نہ آگاہ کرتا۔"

"آج سے دس سال پہلے بابر یہاں آیا تھا۔ اتفاقاً ایک جگہ مجھ سے ملاقات ہوگئی۔ شکایات کا دفتر لے بیٹھا۔ میں نے اس سے کہا کہ خیریت اسی میں ہے کہ وہ مجھے بھول جائے اور سکون سے زندگی بسر کرنے دے ورنہ اس کا انجام بڑا دردناک ہوگا۔ میں اب بھی وہی ہوں جس کا نام مشرقی ساحل کی عورتیں اپنے بچوں کو ڈرانے کے لئے استعمال کرتی تھیں۔ بہرحال وہ مجھ سے متفق ہوگیا۔ لیکن میں جانتی ہوں کہ وہ مجھ سے بہت ڈرتا تھا اُس نے ا

بیٹے سے میرا اور عدنان کا تذکرہ ضرور کیا ہوگا کہ ہم دونوں اس کے لئے خطرناک بھی ثابت ہوسکتے ہیں۔ بہرحال جب اس کتے نے عدنان پر حملہ کیا تو میں سمجھ گئی کہ بابر کے خاندان کے کسی فرد نے اس سرزمین پر قدم رکھا ہے۔ کتے کی شکل و شباہت عدنان نے مجھے بتائی تھی اور اسی بناء پر میں نے یہ سوچا تھا۔ کیونکہ اس قسم کے کتے بابر کے علاوہ شاید ساری دنیا میں اور کسی کے پاس نہیں تھے۔ بابر کو کتوں کا شوق تھا اور وہ ان کی نسلوں پر مختلف قسم کے تجربے کیا کرتا تھا۔ کئی نسلوں کے ملاپ سے اس نے یہ نئی نسل پیدا کی تھی۔ یہ بڑے خطرناک اور انتہائی درجہ زہریلے تھے۔ اکثر وہ انہیں بحری حملوں میں استعمال کیا کرتا تھا۔"

"مگر یہ کتا تو داراب کے پاس تھا۔" فریدی نے کہا۔ "میں تصدیق کرچکا ہوں۔ وہی اُسے ایسے کاموں کے لئے استعمال بھی کرتا تھا۔"

"ہوسکتا ہے..... داراب اور بابر بہت پرانے دوست تھے۔ میجر داراب اب بھی بہت دنوں تک افریقہ میں رہ چکا ہے اور شائد اب بھی وہاں اس کی تجارت ہے۔ بہرحال سعید بابر اس کے بل بوتے پر یہاں آیا ہے..... اور داراب..... وہ ویسے بھی مجھ سے دشمنی رکھتا ہے۔ وہ بہت عرصہ سے مجھ سے شادی کرنے کا خواہش مند تھا میں نے اسے دھتکار دیا۔ ایک موقع پر اسکی بے عزتی بھی کی اور پھر وہ خاموش ہو رہا..... لیکن.....!"

"آہا..... ٹھہرو.....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا اور ایسا معلوم ہوا جیسے وہ کچھ سننے کی کوشش کررہا ہو۔ پھر وہ اٹھتا ہوا بولا۔ "تنویر! تم اپنی پوری قوت سے عدنان کو آواز دو۔ اسی طرح آواز دیتی ہوئی اوپری منزل پر چلو..... کہیں کی روشنی نہ جلانا..... چلو اٹھو..... یہ آخری مرحلہ ہے اس کے بعد مجرم ہمارے ہاتھوں میں ہوں گے۔"

"تم کیا کرنا چاہتے ہو۔"

"بس دیکھتی رہو..... اٹھو..... دیر نہ کرو.....!" فریدی نے حمید کو بھی اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ تنویر عدنان کو آوازیں دیتی ہوئی زینے طے کررہی تھی۔ اچانک حمید نے عدنان کی بھی آواز سنی "میں یہاں ہوں ماں.....!"

آواز کے ساتھ ہی ایک کمرہ روشن ہوا۔ پھر شاید اُسی کمرے کی کسی کھڑکی کا شیشہ ٹوٹ

کر چھپچھناتا ہوا فرش پر آ رہا۔

''بہت عمدہ.....'' فریدی بڑبڑایا۔ ''سب کچھ اندازے کے مطابق ہی ہو رہا ہے۔ آؤ تنویر واپس چلیں.....کام ہو گیا۔''

''کیا ہو گیا.....!''

''جس کمرے سے عدنان کی آواز آئی تھی وہاں کھڑکی کے قریب ایک مجسمہ رکھا ہوا تھا جیسے ہی کمرے میں روشنی ہوئی مجسمے کو عدنان سمجھ کر باہر سے کسی نے فائر کر دیا اور ظاہر ہے اب فائر کرنے والا ہاتھوں ہاتھ یہاں لایا جا رہا ہو گا۔''

''کیا تمہارے آدمی یہاں موجود ہیں۔''

''تقریباً پچاس آدمی تاریک کمپاؤنڈ میں بکھرے ہوئے ہیں۔''

''اوہ! تم واقعی بہت اونچے آدمی ہو۔ بہت ذہین.....مگر اس کتے نے تم پر حملہ کیوں کیا تھا۔''

''سعید بابر میری طرف سے مطمئن نہیں تھا.....وہ جانتا تھا کہ میں اس کی مخالفت ہی میں تفتیش کرتا رہا ہوں۔''

وہ تینوں پھر نیچے آ گئے۔

''اسٹڈی میں چلو.....!'' فریدی نے تنویر سے کہا۔ ''میرے آدمی انہیں وہیں لائیں گے۔''

اسٹڈی میں پہنچ کر وہ بیٹھنے بھی نہیں پائے تھے کہ باہر روش پر بہت سے قدموں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

دوسرے ہی لمحے میں ایک جم غفیر اندر گھس آیا۔ یہ سادہ لباس والے تھے اور انہوں نے میجر داراب اور سعید بابر کو پکڑ رکھا تھا۔

''آہا.....کرنل صاحب۔'' دفعتاً سعید بابر نے خوشی کا نعرہ لگایا۔

''ہاں.....!'' فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔ ''تم شاید یہ سمجھے ہو گے کہ یہ تنویر کے آدمی ہیں۔''

''جی ہاں.....ہم اُس گول سائے کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک آئے تھے۔ وہ اندر گھسا اور ایک پائپ کے سہارے دیوار پر چڑھ ہی رہا تھا کہ میجر داراب نے اس پر فائر کر دیا۔ میرا دعویٰ ہے کہ وہ اسی عمارت میں رہتا ہے۔ یہیں.....اور اگر وہ یہیں رہتا ہے تو اس عورت

پوچھئے کہ میرے مفلوج بھائی نے اس کا کیا بگاڑا تھا۔ اس نے اُسے فٹ پاتھ پر کیوں کا کر مارا.....پوچھئے نا.....!''

''تم نے اس کے سائے کو یہاں کب دیکھا تھا۔''

''ابھی ابھی.....ابھی میجر داراب نے اس پر فائر کیا تھا.....دو منٹ بھی نہ گذرے ہوں گے۔''

''حالانکہ.....!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''میں اُسے ایک گھنٹہ قبل ختم کر چکا ہوں۔ کیا تم ے کی لاش دیکھو گے۔''

''اوہو! تو پھر وہ دوسرا.....!''

''دوسرا آج تک پیدا ہی نہیں ہوا سعید بابر۔'' فریدی بولا۔ ''اور سعید بابر.....اس عورت نے تمہارے بھائی کو جنم دیا تھا۔ وہ اسی کی گود میں پل کر جوان ہوا ہے اور تمہاری جائیداد میں سے اُسے آدھا حصہ یقینی طور پر ملے گا۔''

''پتہ نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔''

''تم بیکار اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔'' داراب نے سعید سے کہا۔ ''یہ لوگ ہمیں کسی جال میں پھانسنے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

اچانک حمید نے داراب کی پیٹ میں ایک گھونسہ رسید کر دیا اور جیسے ہی وہ چیخ مار کر دوہرا ہوا دونوں ہاتھوں کے گھونسے اس کے شانوں پر پڑے اور وہ منہ کے بل فرش پر گر گیا۔

''ہائیں..... ہائیں.....کپتان صاحب۔'' سعید بابر بولا اور حمید کا الٹا ہاتھ اس کے گال پر

''تم لوگ مفت میں مجھے رات بھر جگاتے رہے ہو۔'' حمید غرایا۔

داراب اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس بار حمید نے اس کے سر پر ٹھوکر ماردی اور وہ اُسے بلا دیتا ہوا دوبارہ ڈھیر ہو گیا۔

''سعید بابر.....!'' فریدی بولا۔ ''مسلسل براؤن میری قید میں ہے اور اس نے اعتراف کیا ہے۔ اُس کے ایک پاسپورٹ کی تصویر میک اپ میں تھی۔ تم نے بڑا پُراسرار ڈرامہ کھیلا تھا ہمانے کی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ تم دونوں کے پاسپورٹ جعلی تھے۔ تم بہت دنوں سے

یہاں آ گئے تھے۔ تم ہی فقیر بن کر سڑکوں پر بھیک مانگتے پھرتے تھے پھر ایک دن تم مر گئے۔ تم نے پہلے ہی کسی رشید بابر کے نام یہاں کے بینکوں میں رقمیں منتقل کرنی شروع کر دی تھیں۔ مقصد یہ تھا کہ تم یہاں اپنے کسی بھائی کی موجودگی ظاہر کرنا چاہتے تھے۔ پھر اس کا بھی اعلان چاہتے تھے کہ وہ بھائی مر گیا اور تم اب اپنے باپ کی جائیداد کے تنہا مالک ہو۔ تمہیں خدشہ تھا کہ کبھی نہ کبھی تنویر یا عدنان تمہاری افریقہ والی جائیداد کے دعویدار بن جائیں گے۔ بس تم نے فقیر کا بہروپ اختیار کر لیا۔ کچھ اس قسم کی صدائیں لگاتے رہے کہ لوگ تم میں دلچسپی لینے لگے۔ یہ تم نے اس لئے کیا تھا کہ تمہاری شکل و شباہت اُن کے ذہن نشین ہو جائے۔ لہٰذا یہی ہوا۔ جب تمہاری تصویر اخبارات میں چھپی تو لوگوں میں حیرت پھیل گئی۔ جب تم نے اپنے بھائی کی کہانی چھیڑی تو کم از کم مجھے بھی یقین ہو گیا کہ وہ تمہارا بھائی ہی رہا ہوگا۔ تم جانتے تھے کہ تنویر سب کچھ سمجھ جائے گی لیکن تمہارے خلاف کوئی قانونی کاروائی نہ کر سکے گی۔ کیونکہ ایسی صورت میں خود اس کی بھی پول کھل جائے گی۔ تم تو دراصل تنویر کے مرنے کے بعد عدنان کے کسی اقدام کے امکانات پر غور کر رہے تھے۔ تمہاری دانست میں تنویر مرتے وقت ہی عدنان کو اس راز سے آگاہ کر کے کاغذات اُس کے سپرد کرتی۔ تم نے ٹھیک سوچا تھا۔ تنویر حقیقتاً اس بکھیڑے کو اپنی زندگی میں نہ اٹھنے دیتی۔ ہاں تو تم ایک فائر سے دو شکار کرنا چاہتے تھے۔ عدنان کی موت..... اور تمہارے بھائی کی موت کی سرکاری طور پر تصدیق..... اگر ان میں سے ایک کام بھی ہو جاتا تو تمہاری دولت ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جاتی اور عدنان کو تم قتل نہ کر سکتے، تب بھی تمہارا کام بن جاتا۔ اگر عدنان کبھی یہ جھگڑا اٹھاتا بھی تو تم یہ کہہ دیتے کہ یہ آدمی یقیناً اس پارٹی سے تعلق رکھتا ہے جو تمہارے بھائی کی موت کی ذمہ دار تھی۔ تم نے شروع ہی سے ہمیں یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ کچھ لوگ تمہیں زبردستی یہاں سے واپس بھیجنا چاہتے ہیں۔ اُس وقت جب تم کیپٹن حمید کو اپنی روداد سنا رہے تھے تم پر ایک فائر ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ فائر تمہارے کسی آدمی نے کیا ہوگا۔ پھر لسلی براؤن والا اسٹنٹ سامنے آیا اس کا مقصد بھی محض حالات کو پُراسرار بنانا تھا۔ یعنی تمہاری پُراسرار داستان تمام میں پھیل جائے۔ دوسری طرف تم ہمیں یہ سمجھانا چاہتے تھے کہ تمہارے بھائی کی موت کے ذمہ دار لوگوں کی حمایت سے لسلی براؤن

ملتی ہے اور تمہیں خوف زدہ کرنے کے لئے تمہارے پیچھے لگ رہی ہے تاکہ تم ان حالات سے گھبرا کر یہاں سے بھاگ نکلو۔ آخر میں ہوتا یہ کہ ایک دن لسلی بھی غائب ہو جاتی اور تم پولیس کی رپورٹ میں ایک بھاری رقم درج کرا دیتے۔ تمہارا کیس اور زیادہ تقویت پا جاتا اور پولیس اس نتیجے پر پہنچنا پڑتا کہ وہ فقیر حقیقتاً تمہارا بھائی تھا اور ہم اُس کی موت کی تصدیق کر دیتے۔"

"کیا آپ مجھے کوئی جاسوسی ناول سنا رہے ہیں۔" سعید بابر مسکرا کر بولا۔ "یعنی میں ہی بھائی بنا تھا اور پھر مر بھی گیا..... اور اب یہاں کھڑا جاسوسی ناول سن رہا ہوں۔"

"ابھی راحلہ سے تمہاری شادی نہیں ہوئی۔" فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔

"اس جملے اور اس داستان کا تعلق بھی واضح فرما دیجئے۔" سعید بابر مسکرا کر بولا۔

"ابے بندر کے بچے.....!" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "اپنی یہ مسکراہٹ بند کر دو، ورنہ دار اب طرح تمہیں بھی بیہوش کر دوں گا۔"

"تہذیب کو ہاتھ سے نہ جانے دیجئے۔" سعید نے سرد لہجے میں کہا۔ "ابھی آپ میرے خلاف کوئی جرم ثابت نہیں کر سکے۔"

"کیا راحلہ کو یہ نہیں معلوم تھا۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "کہ تم جس دم کے ماہر ہو۔"

"اس نے یہ فن ایک ہندو یوگی سے سیکھا تھا۔ تم نے راحلہ کو بھی اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کی تھی کہ وہ تمہارے اس کمال کا تذکرہ کسی سے نہ کرے۔ تمہیں صرف تین چار گھنٹے کے لئے مردہ بننا پڑا تھا۔ جس دم کے ماہر تو کئی کئی ہفتے زمین میں دفن رہتے ہیں اور پھر زندہ نکل آتے ہیں۔ تمہاری بات یہ کہ تمہاری لاش کے ساتھ تین دوسری لاشیں بھی میڈیکل کالج کو بھیجی گئی تھیں۔ لیکن وہاں صرف تین پہنچیں۔ مردہ گاڑی کھینچنے والوں کو بھی اس پر حیرت تھی۔ اُن کا بیان ہے کہ انہوں نے چار لاشیں سول ہسپتال کے مردہ خانے سے اٹھائی تھیں لیکن جب انہوں نے میڈیکل کالج میں گاڑی کھولی تو اُس میں تین ہی برآمد ہوئیں۔ اُن سے حماقت یہ ہوئی تھی کہ وہ گاڑی کو ایک گلی میں کھڑی کر کے ایک جگہ چرس کے دم لگانے کے لئے رک گئے تھے۔ اسی دوران میں تم گاڑی سے نکل بھاگے، انہوں نے اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا لیکن جب میں

نے تفتیش شروع کی تو انہیں اُگلنا ہی پڑا اور پھر میں نے نیرو بی سے بھی تحقیق کی ہے۔ جس کی کہانی وہاں کا سراغ رساں بھی سناتا ہے۔ ویسے وہ تمہارے کسی دوسرے بھائی کے وجود کے متعلق خاموش ہے۔ اس کی دانست میں تمہارا کوئی سوتیلا بھائی ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا کیونکہ تمہارا باپ ایک عیاش آدمی تھا۔ بہرحال میں تمہیں اس سارے فراڈ کے الزام میں حراست میں لیتا ہوں اور تم نے یا داراب نے اس وقت عدنان پر گولی چلائی تھی۔''

پھر اُس نے سادہ لباس والوں میں سے ایک کو مخاطب کر کے کہا۔ ''اسکے ہتھکڑیاں لگا دو۔''

سعید بابر خاموش تھا۔

فریدی نے بیہوش داراب کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''میں اسے اس لئے حراست میں لیتا ہوں کہ اس نے ایک رات اُسی زہریلے کتے کے ذریعہ میری زندگی کا خاتمہ کرنے کی کوشش کی تھی۔''

اچانک کمرے میں فائر کی آواز گونجی اور انہوں نے تنویر کو زمین پر گرتے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں چھوٹا سا پستول تھا۔ فریدی اس کی طرف جھپٹا۔

''فریدی بیٹے!'' وہ آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی۔ ''میں نے تمہارے ..... کہنے کے مطابق خودکشی کر لی..... میں نے اپنے پستول میں اُوف..... یہ گولی..... اسی لئے بچائی تھی..... میری گولی ..... کسی وقت..... تم پر بھی..... اُوف ..... اس ..... استعمال کر سکتی تھی۔ مگر ..... بیٹے تمہیں عدنان کا سرپرست سمجھتی ہوں..... وہ تمہیں بہت پسند کرر..... تا..... ہاف.....!''

اس کی گردن ایک جھٹکے کے ساتھ بائیں طرف جا پڑی۔

''تم بھی بھول گئے تھے کہ پستول اسی کے پاس ہے۔'' فریدی نے حمید سے کہا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ آنکھیں پھاڑے تنویر کی لاش کو گھور رہا تھا۔

کمرے کی فضا بوجھل سی ہو گئی تھی اور قریب ہی کہیں ایک کتا رو رہا تھا۔

ختم شد

ابنِ صفی

نمبر
18

جاسوسی دنیا

56- پہلا شعلہ

57- دوسرا شعلہ

58- تیسرا شعلہ

59- جہنم کا شعلہ



پیشرس

ہر مصنف کا ایک شاہکار ہوتا ہے۔ ابن صفی کا شاہکار ان کے ناولوں کا سیٹ ''شعلے'' ہیں۔ یہ تمام ناول انفرادی طور پر بھی مکمل ناولٹ ہیں مگر سب کو ملا کر پڑھنے سے لطف دوبالا ہوجاتا ہے۔

ایڈونچر کے شائق حضرات اس میں اپنی پسند کی بہت سی چیزیں تلاش کرسکیں گے۔ ابن صفی کی ایک بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ ہر ذوق کی تسکین کا مواد فراہم کرتے ہیں اور کسی کو بھی مایوس نہیں کرتے۔ اس سلسلے میں ایڈونچر، سیر و سیاحت، دھول دھپہ، سائنٹیفک جاسوسی ادب سب کچھ آپ کو مل جائے گا۔ بیشتر قارئین کی رائے میں یہ ابن صفی کا ماسٹر پیس سلسلہ ہے۔

ڈاکٹر سلمان، تتاریہ، خانم اور ساحرہ جیسے ذہن سے چپک جانے والے کرداروں کو آپ کبھی فراموش نہیں کرسکیں گے۔ کردار نگاری اور ان کی نفسیات پر ابن صفی کو جو ملکہ حاصل ہے اس کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔

پبلشر

ڈاکٹر اوہان

زندگی کی یکسانیت کو مستقل طور پر برداشت کرتے رہنا ہر ایک کے بس کا روگ نہیں۔ خصوصاً کیپٹن حمید جیسے سیلانی آدمیوں کے لئے تو یہ چیز موت سے بھی بدتر ثابت ہوتی ہے۔ تقریباً دو سال سے اس نے کوئی بھی چھٹی نہیں لی تھی اور اب اس بات پر اڑ گیا تھا کہ وہ دو ماہ کی چھٹی لے کر ہی رہے گا۔

چھٹی مل گئی..... لیکن فریدی نے چھٹی نہیں لی۔ ظاہر ہے کہ چھٹی اس لئے نہیں لی گئی تھی کہ وہ اسے شہر ہی میں رہ کر گذار دیتا۔ اپنے شہر سے تو اسے وحشت ہونے لگی تھی۔

گرمیوں کا موسم شروع ہو چکا تھا اس لئے اس نے رام گڈھ جانے کا پروگرام بنایا۔ مگر تنہا نہیں..... اس پروگرام میں گرانڈیل احمق قاسم بھی شریک تھا۔

وہ دونوں آج ہی رام گڈھ پہنچے تھے اور وہاں کے سب سے بڑے ہوٹل ''دلکشا'' میں ان کا قیام تھا..... مگر دونوں ایک دوسرے کے لئے اجنبی تھے۔ ان کے کمرے ایک ہی منزل اور ایک ہی راہداری میں تھے۔ لیکن ان کے درمیان تقریباً آٹھ یا دس کمروں کا فاصلہ تھا۔

یہاں آنے سے قبل دونوں نے ایک اسکیم بنائی تھی۔ اسکیم دراصل حمید ہی کی ذہنی اپج کا نتیجہ تھی اور اس اسکیم کی وجہ تھی زندگی کی یکسانیت سے اکتاہٹ۔

یہاں پہنچتے ہی حمید کو یقین ہوگیا تھا کہ اسکیم نہ صرف سو فیصدی کامیاب ہوگی بلکہ اس سے

بہتیرے دوسرے فوائد بھی حاصل ہوں گے۔

ہوٹل میں قیام کرنے والوں میں عورتوں کی تعداد زیادہ تھی۔ حمید نے یہ بھی چیز چند ہی گھنٹوں میں محسوس کر لی۔

اُسے یہاں ملک کی مشہور ایکٹریس روحی نظر آئی اور اس کے تین کمرے اسی منزل اور اسی راہداری میں تھے جہاں حمید اور قاسم کا قیام تھا۔ اس نے روحی کو قریب سے دیکھا اور اس کی باچھیں کھل گئیں۔ دوسری طرف قاسم بھی اسے دیکھ دیکھ کر پلکیں جھپکاتا رہا۔ روحی بڑی حسین تھی۔ یعنی وہ گوشت و پوست میں اپنے عکس سے بھی زیادہ دلکش نظر آتی تھی۔

راہداری سے گذرتے وقت اس نے حمید کی طرف عجیب نظروں سے دیکھا تھا۔ کیونکہ حمید کے جسم پر زرد رنگ کا ایک لمبا سا لبادہ تھا اور سر پر سفید سمور کی گول ٹوپی جو سر ہی کا ایک حصہ معلوم ہوتی تھی۔ اس کی بناوٹ کچھ اس قسم کی تھی کہ پہلی نظر میں اس کے سفید اور لمبے بال سر ہی کے بال معلوم ہوتے تھے۔ پیروں میں لومڑی کی کھال کے جوتے تھے۔ حمید نے اس وقت اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔

وہ شاید نیچے جا رہی تھی۔ قاسم نے دور سے حمید کو آنکھ مارنے کی ناکام کوشش کی تھی..... ناکام یوں کہ وہ دونوں آنکھیں بیک وقت مار بیٹھتا تھا۔

اسی رات ڈائننگ ہال میں حمید کو سینکڑوں آنکھیں گھور رہی تھیں..... وہ اس وقت بھی زرد سلک کے لبادے میں تھا اور سر پر وہی سمور کی ٹوپی تھی لیکن اس وقت اس کی آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں اور یہ فریدی کے ایجاد کردہ ایک لوشن کے دو قطروں کا کرشمہ تھا۔ اگر ڈائننگ ہال ایئر کنڈیشنڈ نہ ہوتا تو حمید کی ساری شیخی دھری رہ جاتی۔ سلک کا لبادہ اس کے لئے وبال جان بن جاتا کیونکہ رام گڈھ کی راتیں ہمیشہ بہت سرد ہوتی ہیں اور پھر یہ مارچ ہی کا مہینہ تھا۔ پچھلے مہینے یہاں کثرت سے برف باری ہوتی رہی تھی۔

دوسری طرف قاسم اپنی میز پر تین آدمیوں سے کہہ رہا تھا۔ ''یہ عجیب آدمی ہے۔ ہم دونوں نے..... ایک ہی کمپارٹمنٹ میں فسٹ..... ارر..... سفر کیا تھا..... راستے میں ایک پولیس کپتان سے..... اس کا جھگڑا ہو گیا اس نے کہا کہ تم خواہ مخواہ مجھ سے الجھ پڑے ہو..... پاگل.....

پاگل ہو جاؤ گے..... بس..... جناب اگلے اسٹیشن تک پہنچتے پہنچتے وہ سچ مچ پاگل ہو گیا۔ کمپارٹمنٹ کے کئی آدمیوں کو زخمی کر دیا..... لوگوں کو للکار للکار کر گالیاں دیتا رہا..... گاڑی کو دیر تک رکنا پڑا..... بدقت تمام ریلوے پولیس اسے تار کر لے گئی۔''

قاسم نے یہ باتیں اتنی بلند آواز میں کہی تھیں کہ قرب و جوار کی کئی میزوں کے لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ عورتیں خصوصیت سے بڑی دلچسپی کا اظہار کر رہی تھیں۔

''جی ہاں۔'' قاسم پھر بولا۔ ''میں نے خود اپنی آنکھوں سے اُسے پاگل ہوتے دیکھا ہے۔ بس ایک دم بندروں کی طرح دانت نکال نکال کر..... آنکھیں چمکانے لگا۔'' یہاں قاسم نے نہ صرف بندروں کی طرح دانت نکال دیئے بلکہ آنکھیں چمکانے کی کوشش بھی کی۔

کچھ لڑکیاں منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسیں اور قاسم بُری طرح بوکھلا گیا۔ پہلے اس نے دونوں گال پھلائے پھر زبان باہر نکل پڑی اور دوبارہ منہ کے اندر جاتے وقت دانتوں کے درمیان آ کر کچل بھی گئی۔

قاسم نے دونوں آنکھیں بند کر لیں اور سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

''کہیں وہ پاگل ہو جانے والے آپ ہی تو نہیں تھے۔'' ایک آدمی نے آہستہ سے کہا۔

''جی.....!'' قاسم سر اٹھا کر غرایا۔

''کچھ نہیں جناب.....!'' وہ آدمی سہم کر بولا۔ ''میں نے یہ عرض کیا تھا کہ وہ یقیناً پاگل ہو گیا ہو گا۔''

''جی ہاں.....!'' قاسم اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ ''آپ جھوٹ سمجھتے ہیں۔ کیا وہ سالا میرا باپ ہے کہ میں اس کے لئے جھوٹ بولوں گا۔''

''نہیں صاحب..... مجھے یقین ہے۔'' اس آدمی نے پیچھا چھڑانے کے لئے کہا۔

''آپ نے مجھے پاگل کہا تھا..... ہاں۔''

''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں نے ہرگز نہیں کہا۔''

''تو پھر میں جھوٹا ہوں..... کیوں.....!''

''آپ تو خواہ مخواہ..... لیجئے..... میں اٹھا جا رہا ہوں۔'' اس نے میز چھوڑ دی اور بقیہ

دونوں ہنسنے لگے۔

''ہاں دیکھئے تو سہی۔'' قاسم ان کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''ابھی بھرتا بنا دیتا۔ سب بھول جاتے پاگل واگل.....!''

اتنے میں اسٹیج پر موسیقی شروع ہوگئی اور دو تین لڑکیاں تھرکتی ہوئی ڈائننگ ہال میں آ گئیں۔ مشرقی اور مغربی ملا جلا رقص تھا۔ قاسم دانت نکال کر انہیں دیکھنے لگا۔

دوسری طرف حمید بُرا سا منہ بنا کر اپنی میز سے اٹھ گیا۔ پھر سینکڑوں نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئیں۔

وہ دوسری منزل کے زینوں کی طرف جا رہا تھا۔ اس کا کمرہ دوسری ہی منزل پر تھا..... اس کے بعد ہی دو تین عورتیں بھی اٹھ گئیں۔ قاسم نے انہیں بھی دوسری ہی منزل پر جاتے دیکھا تھا۔ اس نے بے چینی سے پہلو بدل کر سوچا ''مار دیا سالے نے ہاتھ..... اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔''

لیکن شاید دوسرے ہی لمحے میں وہ ان سب کو جہنم میں جھونک کر پھر رقص دیکھنے میں محو ہوگیا۔ کبھی کبھی بے خیالی میں وہ خود بھی لچکنے لگتا۔

کچھ تعجب نہیں کہ آس پاس والوں کو اس کے پاگل پن کا یقین بھی ہوگیا ہو۔ کچھ بھی ہو۔ اس رات پورے ہوٹل میں حمید کے متعلق عجیب و غریب روایات مشہور ہوگئیں۔ قاسم نے اسکیم کے مطابق اپنا رول بخوبی انجام دیا تھا۔

لوگ حمید کے کمرے کے قریب منڈلانے لگے۔ وہ یونہی خواہ مخواہ..... راہداری کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جاتے اور پھر واپس آ جاتے۔ اکثر عورتیں بھی اسی خبط میں مبتلا دیکھی گئیں۔ ایک بار تو فلم ایکٹریس روحی بھی اپنے لمبے بالوں والی سیامی بلی کے متعلق دریافت کرنے کے لئے حمید کے کمرے کے سامنے رکی تھی۔ لیکن حمید نے کچھ ایسے خشک لہجے میں جواب دیا تھا کہ وہ یکلخت جانے کے لئے مڑی تھی۔

''ٹھہرو.....!'' حمید لاپروائی سے بولا۔

وہ رک گئی مگر اس کی طرف مڑی نہیں۔

''میں یہ کہہ رہا ہوں کہ آج کسی چیز کی پرواہ نہ کرو۔ جو چیز کھو جائے اسے بھی بھول جاؤ۔

اگر کسی کھوئی ہوئی چیز کو تلاش کرو گی تو اب سے بارہ بجے رات تک کسی وقت بھی تمہارے لئے وبال جان بن جائے گی۔''

''کیا میں اس پہیلی کا مطلب پوچھ سکتی ہوں۔'' روحی اس کی طرف مڑ کر مسکرائی۔

''آج تمہارے ستارے ایسے ہی ہیں۔''

''میں خود ستارہ ہوں..... کیا آپ نہیں جانتے؟''

''میں جانتا ہوں..... غروب ہو جانے کی بددعا بھی دے سکتا ہوں۔'' حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا اور پھر اسی چارٹ پر جھک گیا جو میز پر پھیلا ہوا تھا۔ اس میں عجیب طرح کی تصویریں، ستاروں کی شکلیں اور آڑی ترچھی لکیریں بنی ہوئی تھیں۔ روحی چند لمحے کھڑی اسے دیکھتی رہی پھر لاپروائی کے اظہار میں اپنے سر کو خفیف سی جنبش دے کر چلی گئی۔

شام ڈائننگ ہال میں وہ دونوں پھر ملے۔ روحی کچھ ایسے انداز میں مسکرائی جیسے وہ حمید کو احمق سمجھتی ہو۔ جواباً حمید بھی ایسے ہی انداز میں مسکرایا جیسے وہ سچ مچ نرا گاؤدی ہو۔

دونوں کے درمیان کئی میزوں کا فاصلہ تھا۔ روحی کی میز پر دو آدمی اور بھی تھے اور ان کا رکھ رکھاؤ بھی ''فلمیانہ'' ہی سا تھا۔

اس وقت تک یہ بات بھی ہوٹل میں پھیل چکی تھی کہ اس پراسرار نوجوان نے روحی کو بلی کی تلاش سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔ ویسے بلی ہوٹل کے کچن میں مل گئی تھی اور روحی اسے اس وقت اپنے کمرے میں چھوڑ کر آئی تھی۔

قاسم نے بھی سنا تھا کہ حمید نے روحی سے گفتگو کی تھی۔ ظاہر ہے کہ اسے اس پر کیوں نہ تاؤ آتا۔ اس کی دانست میں وہ خود تو مزے کر رہا تھا اور اسے الو بنا کر الگ چھوڑ دیا تھا۔ یعنی اس سے اپنا پروپیگنڈہ کرا کے الو سیدھا کر رہا تھا۔ ویسے قاسم اس وقت حقیقتاً الو سیدھا کرنے کے محاورے پر غور کر رہا تھا اور کافی پی رہا تھا۔ چار چار پیالیوں کی دو کوزیاں اس کی میز پر موجود تھیں اور وہ تنہا تھا۔

''الو سیدھا.....!'' اس نے آہستہ سے بڑبڑا کر پہلو بدلا اور دور بیٹھی ہوئی روحی کو گھورنے لگا۔

اتنے میں ویٹر اس کے دوسرے آرڈر کی چیزیں لے کر آ گیا اور اس کی میز بھر گئی۔ قاسم کی بلاخوری دو ہی دنوں میں مشہور ہو گئی تھی۔

''الو سیدھا.....'' قاسم بے خیالی میں ویٹر کو گھورتا ہو بڑبڑایا۔

''جی صاحب.....!'' ویٹر بوکھلا گیا۔

''اوہ.....ہی ہی.....کچھ نہیں.....وہ اس ایکٹرس کا نام حوری ہے نا۔''

''روحی جناب.....!''

''ہاں.....ہاں.....روحی.....وہ تمہیں بھی اچھی لگتی ہوگی۔''

''جی.....اوے.....ہی ہی۔''

پھر دونوں میں غیر ارادی طور پر ''ہی ہی'' کا تبادلہ شروع ہو گیا۔

سب سے پہلے ویٹر ہی کو اس حماقت کا احساس ہوا اور وہ جھینپ کر سر کھجاتا ہوا وہاں سے چلا گیا اور قاسم میز کی صفائی پر تل گیا۔

آج رقص شروع ہوتے ہی روحی اٹھ گئی لیکن حمید بیٹھا رہا۔ پچھلی رات کی طرح آج اس نے ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا تھا۔

پھر ٹھیک ساڑھے نو بجے گویا ڈائننگ ہال میں زلزلہ سا آ گیا۔ دوسری منزل سے کئی لوگ بدحواسی کے عالم میں نیچے آتے ہوئے دکھائی دیئے تھے۔ انہوں نے کچھ کہا اور لوگ اٹھ کر اوپری منزل کے زینوں کی طرف دوڑنے لگے۔

رقص بند ہو گیا۔ حالانکہ شروع ہوئے دس منٹ بھی نہیں گذرے تھے۔ پورا ہال خالی ہو گیا حتیٰ کہ قاسم بھی اٹھ گیا تھا۔ مگر حمید چپ چاپ بیٹھا رہا۔ ہال میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ اچانک اسے منیجر نظر آیا، جو چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہوا اس کی طرف آ رہا تھا۔

''یہ کیا ہوا جناب.....!'' اس نے حمید سے پوچھا۔

''جہاں آپ ہیں وہیں میں بھی ہوں۔'' حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

منیجر بھی مزید کچھ کہے بغیر زینوں کی طرف جھپٹا۔ لیکن اسے رک جانا پڑا کیونکہ اوپر سے ایک جلوس نیچے آ رہا تھا۔

سب سے آگے دو آدمی تھے جنہوں نے روحی کو اپنے ہاتھوں پر اٹھا رکھا تھا۔ شاید وہ بیہوش تھی۔ وہ دونوں آدمی وہی تھے جنہیں کچھ دیر قبل روحی کے ساتھ دیکھا گیا تھا۔ وہ دونوں حمید کو بُری طرح گھور رہے تھے۔

روحی کو ایک لمبی سی میز پر لٹا دیا گیا۔ اس کے ہاتھوں اور پیروں پر لمبی لمبی خراشیں تھیں جن سے خون بہہ رہا تھا.....وہ بیہوش تھی.....فوراً ہی ڈاکٹر کو فون کیا گیا اور میز کے قریب سے بھیڑ ہٹائی جانے لگی۔

حمید جہاں تھا وہیں رہا۔ لوگ لمبی میز کے قریب سے ہٹ کر حمید کے گرد اکٹھا ہونے لگے۔

''آپ کی پیش گوئی صحیح نکلی۔'' کسی نے کہا۔ ''اس پر بلی نے حملہ کر دیا۔''

''اس کے باوجود بھی میری باتیں لغو سمجھی جاتی ہیں۔''

''نہیں جناب.....میں ان میں سے نہیں ہوں۔'' اس نے عقیدت مندانہ لہجے میں کہا۔

''اس نے کس طرح حملہ کیا۔'' حمید نے پوچھا۔

''جیسے ہی اس نے کمرے کا دروازہ کھولا.....بلی جھپٹ پڑی۔ وہ اسی کمرے میں تھی۔ اب بھی وہ اسی کمرے میں ہے اور وہاں اس نے خاصی توڑ پھوڑ مچائی ہے۔''

''ہوگا.....!'' حمید نے لاپروائی سے ہاتھ ہلا کر کہا۔ ''براہ کرم آپ لوگ یہاں اس طرح میرے گرد بھیڑ نہ لگائیے۔ مجھے وحشت ہوتی ہے۔''

''جی ہاں اور کیا.....!'' یک بیک قاسم سامنے آ کر بولا۔ ''آپ لوگ یہاں سے ہٹ جائیے۔'' اس نے لوگوں کو پیچھے ہٹانا شروع کر دیا۔

روحی کو ڈاکٹر کے آنے سے قبل ہی ہوش آ گیا اور وہ اس میز سے اٹھ کر تیر کی طرح حمید کی طرف آئی۔ قاسم حمید کی کرسی کے پیچھے اس طرح کھڑا تھا جیسے کسی بگھی کے پیچھے کوچوان، ایسی صورت میں جب کہ بگھی کا مالک خود ہی اسے ہانک رہا ہو۔

''میں آپ سے معافی چاہتی ہوں۔'' روحی کپکپاتی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔

''بیٹھ جائیے۔'' حمید نے کرسی کی طرف اشارہ کیا اور قاسم منہ چلانے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ بھی بیٹھ جائے یا اسی طرح کھڑا رہے۔

''کاش میں آپ کا کہنا مان لیتی۔''

''نہیں میں تو گدھا ہوں۔'' حمید تلخ لہجے میں بولا۔

''کیا آپ مجھے معاف نہیں کریں گے۔'' روحی غم ناک آواز میں بولی۔

قبل اس کے کہ حمید کچھ کہتا روحی کے دونوں ساتھیوں میں سے ایک بول پڑا۔ ''ارے ختم بھی کرو..... یہ ایک اتفاق تھا۔''

''میں اتفاق کیسے سمجھوں جبکہ بلی تقریباً تین سال سے میرے ساتھ ہے۔ اس سے پہلے کبھی وہ مجھ پر غرائی بھی نہیں۔''

''تب یہ کسی قسم کا فراڈ ہے۔'' اس نے کہا۔

''ہائیں.....!'' قاسم غرایا۔ ''قیا قہا..... کہا..... فراڈ..... تم ہوش میں ہو یا نہیں۔''

''میں آپ سے گفتگو نہیں کر رہا ہوں۔'' روحی کے ساتھی نے غصیلے انداز میں کہا۔

''گفتگو کے بچے! تم ڈاکٹر صاحب کی توہین کر رہے ہو۔ گردن توڑ دوں گا۔''

''اجمل فضول باتیں نہ کرو۔'' روحی اپنے ساتھی کی طرف مڑی۔

''اور کیا..... جی ہاں..... سمجھا لیجئے..... اجمل فضول کو..... ورنہ.....!'' قاسم خاموش ہو گیا۔ کیونکہ حمید بول پڑا تھا۔ وہ اجمل سے کہہ رہا تھا۔ ''میں پکا فراڈ ہوں..... لیکن ایک ہفتے کے اندر اندر تمہارا ستارہ بھی گردش میں آ جائے گا۔''

بات بڑھ جاتی لیکن حمید کے بے شمار حمایتی پیدا ہو گئے۔ ویسے قاسم ہی کیا کم تھا۔ اس وقت وہ ظالم بھی بڑے موڈ میں تھا۔ کسی قسم کا خیال کئے بغیر فرش پر بیٹھ کر حمید کے پیر دبانے لگا۔

''ارے ڈاکٹر صاحب! میں آپ کے قدموں پر جان دے دوں گا۔'' وہ بڑبڑاتا جا رہا تھا۔

''نہیں..... نہیں مجھے اپنی خدمت سے محروم نہ کیجئے۔''

حمید خاموش بیٹھا رہا اور روحی کئی بار معافی مانگنے کے بعد وہاں سے اٹھ گئی۔ روحی کا ایک ساتھی نیچے ڈائننگ ہال میں رہا۔ شاید وہ وہاں ڈاکٹر کا انتظار کر رہا تھا۔

قاسم اب فرش سے اٹھ کر حمید کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ لیکن اس کا سر بڑے مودبانہ انداز میں جھکا ہوا تھا۔

ایک بار منیجر پھر حمید کی میز کے قریب نظر آیا۔ وہ اس سے کہہ رہا تھا۔

''کیا آپ براہِ کرم تھوڑی دیر کیلئے میرے آفس تک چل سکیں گے۔'' اس کا لہجہ ملتجانہ تھا۔

''چلئے.....!'' حمید مسکراتا ہوا اٹھ گیا۔ منیجر متوسط قد مگر ایک فربہ اندام آدمی تھا۔ چلتے وقت ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ دباؤ پڑ کر اچھلنے والے ربڑ کا آدمی ہو۔ عمر چالیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ چہرہ بھرا ہوا تھا اور روزانہ شیو کا عادی معلوم ہوتا تھا۔

اپنے آفس میں پہنچ کر اس نے بڑی احتیاط سے دروازہ بند کیا اور ایک کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

''تشریف رکھئے۔''

حمید بیٹھ گیا۔ لیکن اس کے چہرے پر بے چینی یا تشویش کے آثار نہیں تھے۔ گویا اسے اس کی پرواہ ہی نہیں تھی کہ وہ یہاں کیوں لایا گیا ہے۔

''آپ واقعی باکمال ہیں۔'' منیجر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میں مان گیا۔''

''مگر یہ بات آپ وہاں بھی کہہ سکتے تھے۔''

''کہہ تو سکتا تھا مگر وہاں اپنی درخواست کیسے پیش کرتا۔ اب اگر آپ مجھ پر توجہ فرمانے کا وعدہ کریں تو عرض کروں۔''

''کیا بات ہے۔''

''بات..... آپ مجھے نہ جانے کتنا ذلیل سمجھیں گے۔ مگر میں کیا کروں..... دل سے مجبور ہوں۔ آپ جانتے ہیں دل کا معاملہ۔''

''اچھی طرح جانتا ہوں.....!'' حمید مسکرایا۔

''تو پھر آپ مجھے بُرا نہیں سمجھیں گے۔''

''قطعی نہیں..... آدمی تو ستاروں کا کھلونا ہے۔ کوئی بات اس کے اپنے بس میں نہیں۔'' منیجر نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''مجھے اپنے سالے کی بیوی سے عشق ہو گیا ہے۔''

حمید بڑی سنجیدگی سے اُسے دیکھتا رہا۔ منیجر نے خاموش ہو کر سر جھکا لیا کمرے پر ایک بوجھل سا سکوت طاری ہو گیا تھا۔

تیزاب کی بوتل

تھوڑی دیر بعد حمید نے پوچھا۔ ''تو پھر آپ کیا چاہتے ہیں۔''

''موت.....!'' منیجر گلوگیر آواز میں بولا۔

''یہ بھی آپ کے ستاروں پر منحصر ہے۔''

''پروفیسر صاحب۔''

''لوگ مجھے ڈاکٹر اوہان کہتے ہیں۔'' حمید نے اپنا اوپر ہونٹ بھینچ کر کہا۔

''ڈاکٹر صاحب! آپ خود ہی سوچئے کہ موت کے علاوہ اور کیا چارہ ہے۔ مگر آپ یہ بتایئے کہ مجھے کامیابی ہوگی یا نہیں۔''

''عشق میں۔'' حمید نے پوچھا۔

''جی ہاں.....آپ یہ بات اپنے ہی تک رکھئے گا۔''

''اوہو.....تو کیا تم مجھے کوئی گھٹیا آدمی سمجھتے ہو.....اور پھر تمہارے عشق کی اہمیت ہی کیا ہے کہ میں اسے شہرت دوں گا۔ تم ایڈورڈ ہشتم ہو۔''

''جی نہیں.....آپ خفا ہوگئے۔ میں معافی چاہتا ہوں۔''

''معاف کردیا.....بیٹھ جاؤ.....اپنا ہاتھ مجھے دو۔''

حمید تھوڑی دیر تک اس کی ہتھیلی کی لکیریں دیکھتا رہا پھر بولا۔ ''عورت کا نام اور عمر۔''

منیجر نے نام اور عمر بتائے۔ پھر حمید نے بچوں کے متعلق پوچھا۔

''پانچ بچے ہیں۔''

''ہائیں.....عمر صرف بیس سال اور بچے پانچ۔''

''جی ہاں.....!'' منیجر نے شرما کر کہا۔ ''ہر سال ایک ہوتا ہے۔''

''ستارے.....ستارے۔'' حمید معنی خیز انداز میں سر ہلانے لگا۔

اس نے ایک کاغذ پر کچھ آڑی ترچھی لکیریں کھینچیں۔ کچھ ہندسے لکھے تھوڑی دیر تک

آنکھیں بند کئے خاموش بیٹھا رہا پھر مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ ''کسی ایسی عورت سے عشق کرنا فضول ہے جس کے پانچ بچے ہوں۔ عمر صرف بیس سال ہو اور اوسط ایک عدد سالانہ..... فضول ہے۔''

''دل سے مجبور ہوں ڈاکٹر صاحب۔''

''اس عورت کے ستارے عشق کے خلاف ہیں۔''

''پھر کیا ہوگا جناب۔''

''مایوسی۔''

''پھر میں کیا کروں۔ اچھا ایک دوسری عورت کے متعلق دیکھئے۔''

''کیا کوئی اور بھی ہے۔''

''جی ہاں.....میرا دعویٰ ہے کہ وہ بھی مجھے چاہتی ہے۔''

''بس.....!'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔ ''تقریباً ایک ہفتہ عشق سے پرہیز کرو۔ ورنہ نتائج خراب نکلیں گے۔''

''یعنی.....!''

''آنے والا ہفتہ عاشقوں کے لئے سازگار نہیں ہے۔ اس ہفتے میں بے شمار عاشق محبوباؤں کے والدین، بھائیوں اور شوہروں کے ہاتھوں پٹیں گے۔ اگر کسی ملک کے فرمانروا نے عشق کرنے کی کوشش کی تو تیسری عالم گیر جنگ اس ہفتے شروع ہوسکتی ہے۔''

''آپ نے میرے خوابوں کو تباہ کردیا۔'' منیجر آہستہ سے بڑبڑایا۔

''میں نے نہیں.....ستاروں نے۔'' حمید نے گونجیلی آواز میں کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

قاسم ہال میں اسی میز پر بیٹھا لڑکیوں کو گھور رہا تھا جس سے حمید اٹھ کر گیا تھا۔ اچانک دو عورتیں آکر اسی میز پر بیٹھ گئیں اور قاسم بوکھلا گیا۔ اس نے اٹھنا چاہا لیکن ایک آہستہ سے بولی۔

''سنئے تو سہی۔''

''ج.....جی ہاں۔'' قاسم نے سہمی ہوئی نظروں سے زینوں کی طرف دیکھا۔ حمید دوسری منزل پر جارہا تھا۔

''آپ انہیں جانتے ہیں۔'' عورت نے پوچھا۔

''جی ہاں.....جی ہاں۔''

''کیا نام ہے۔''

''ڈاکٹر.....ہان.....کوہان.....!''

''کوہان.....!'' عورت نے حیرت سے دہرایا۔

''اوہان.....میں بھول گیا تھا۔''

''آپ اتنے گھبرائے ہوئے سے کیوں ہیں۔'' عورت مسکرائی۔ ''ہمیں ان سے ملا دیجئے۔''

''مم.....ملا.....دوں.....مشکل ہے۔''

''کیا وہ صرف روحی جیسی مالدار عورتوں کے مقدر کا حال بتاتے ہیں۔''

قریب تھا کہ قاسم کے منہ سے نکل جائے۔ ''بنڈل ہے سالا'' اس نے خود کو بڑی سختی سے روکا اور مسکرانے کی کوشش میں سارے دانت نکالتا ہوا بولا۔

''نہیں اس وقت نہیں.....اس وقت یاد اللہ۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اب وہ یاد خدا کریں گے.....یعنی کہ عبادت۔''

''کل ملا دیجئے گا۔''

''جی ہاں.....جی ہاں۔''

عورتیں کچھ دیر بیٹھی اسے عجیب نظروں سے دیکھتی رہیں پھر اٹھ گئیں۔ قاسم نے ایک طویل سانس لیا اور بڑبڑایا۔ ''اکیلے.....اکیلے.....اچھا بیٹا۔ دیکھ لوں گا۔''

ڈائننگ ہال کی رونق پہلے ہی ختم ہو چکی تھی۔ اب یہاں بہت کم لوگ رہ گئے اور وہ بھی کچھ اکتائے اکتائے سے نظر آ رہے تھے۔

قاسم کراہ کر اٹھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے کسی عزیز کو دفن کر کے آ رہا ہو۔

''ذرا سنئے گا.....!'' وہ کسی کی آواز سن کر مڑا۔ یہ ہوٹل کا منیجر تھا۔

''خیا ہے۔'' قاسم غرایا۔

''کیا ڈاکٹر صاحب اوپر تشریف لے گئے۔''

''کیا میں ڈاکٹر صاحب کی دم میں بندھا رہتا ہوں۔'' قاسم نے کسی کھٹکنے کتے کی طرح دانت نکالے۔

''اوہ.....معاف کیجئے گا۔ میں خود دیکھ لوں گا۔''

''ضرور دیکھ لیجئے۔'' قاسم نے غصیلے لہجے میں کہا اور دل ہی دل میں منیجر کو لاکھوں گالیاں دے ڈالیں اور پھر بیٹھ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں جائے اور کیا کرے۔

دوسری طرف منیجر نے اوپر جا کر حمید کے دروازے پر دستک دی۔

''آ جاؤ.....!'' اندر سے آواز آئی۔

منیجر نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا۔

''اوہو.....کیوں.....کوئی خاص بات۔''

''میں بہت بے چین ہوں جناب۔''

''ہوں.....بیٹھو.....!'' حمید نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ آدمی قاسم کا بھی چچا معلوم ہوتا ہے۔

''آپ یہ بتائیے اگر اس کے دل میں میرا خیال نہیں ہے تو پھر وہ مجھے خواب میں کیوں دکھائی دیتی ہے۔ کبھی وہ بادلوں سے جھانک کر مسکراتی ہے کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے شفق کے رنگین لہریوں سے نکل کر میری طرف آ رہی ہو۔ خواب کی دھندلاہٹ سے عجیب سی خوشبوئیں پھوٹتی ہیں۔''

''آپ کی پلنگ میں کھٹمل تو نہیں ہیں۔'' حمید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''جی.....کھٹمل.....پتہ نہیں.....کیوں.....؟''

''ضرور ہوں گے۔''

''پھر اس سے کیا.....؟''

''بہت کچھ.....!'' حمید نے آہستہ سے کہا۔ ''اول تو ایسی حالت میں نیند نہیں آتی اور اگر آ بھی گئی تو اسی طرح کے خواب آتے ہیں۔''

''اُوہو.....آپ میرا مذاق اڑانے لگے۔''منیجر جھینپے ہوئے انداز میں بولا۔

''غلط سمجھے۔ میں یہی کہنا چاہتا تھا کہ عشق کے لئے یہ ہفتہ موزوں نہیں ہے۔''

''نہیں جناب.....آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔ میں بھی کیسا گدھا ہوں کہ آپ کے پاس پھر دوڑا آیا۔ روحی کے متعلق آپ نے جو کچھ بھی بتایا تھا وہ کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ یہ دن اس پر سخت ہیں۔''

''ساری دنیا کیسے جانتی ہے۔ ساری دنیا ستارہ تو نہیں ہے۔''

''ارے جناب کامن سنس بھی تو کوئی چیز ہے۔''

''نان سنس.....!''

''جی.....!''

''کچھ نہیں.....ہاں دنیا کیا جانتی ہے۔''

''ایک بار کسی نے اس کے چہرے پر تیزاب پھینکنے کی کوشش کی تھی۔ کوئی اس کا چہرہ بگاڑ دینا چاہتا ہے اور اب تو اس کے امکانات اور زیادہ ہو گئے ہیں جب کہ ایکٹرسوں میں مقابلہ حسن کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔''

''روحی سب سے حسین سمجھی جاتی ہے؟''حمید نے پوچھا۔

''کھلی ہوئی بات ہے.....کوئی چاہتا ہے کہ وہ اس مقابلے میں شریک نہ ہو۔''

''تو آپ یہ سب کچھ مجھے کیوں بتا رہے ہیں۔''

''پلی کے ساتھ یقیناً کوئی کاروائی کی گئی ہوگی تا کہ اس کا چہرہ اپنے نوکیلے پنجوں سے برباد کرے۔ سمجھ گئے جناب.....اس میں آپ کے کمال کو دخل نہیں ہے۔''

''لیکن اس کی پیشین گوئی میں نے ہی کی تھی۔''

''کون جانے۔''منیجر بُرا سا منہ بنا کر بولا۔''آپ بھی انہیں میں سے ہوں۔''

''تم میری توہین کر رہے ہو۔''حمید گرج کر کھڑا ہو گیا۔ چند لمحے اُسے قہر آلود نظروں سے گھورتا رہا پھر بولا۔''خدا نے چاہا تو.....!''

''نہیں.....نہیں.....!''منیجر اس کی آگ اگلتی ہوئی آنکھوں کی تاب نہ لا کر چیخا۔''کوئی

بددعا نہ دیجئے گا۔''

حمید خاموش ہو کر اُسے گھورتا رہا۔ منیجر بُری طرح کانپ رہا تھا۔ اسے وہ افواہ یاد آ گئی تھی جس کے مطابق ایک سپرنٹنڈنٹ پولیس ٹرین میں پاگل ہو گیا تھا۔

''جاؤ.....چلے جاؤ.....یہاں سے۔''حمید دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔

منیجر نے چپ چاپ دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔

اس کے بعد ہی قاسم دروازہ کھول کر اندر گھس آیا۔

''ہائیں تم.....یہ کیا حرکت۔''حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

''بس.....بس.....میں زیادہ اُلو نہیں بن سکتا۔''

''ارے آہستہ بولو بیٹا.....ورنہ میرے ساتھ تمہاری بھی شامت آ جائے گی۔ ہو سکتا ہے کہ میں اپنے محکمے کی وجہ سے بچ جاؤں.....لیکن تم.....دوسری دنیا میں پہنچا دیئے جاؤ گے۔''

قاسم اسے خاموشی سے گھورتا رہا اور حمید بولا۔''بس صرف دو تین دن اور ٹھہر جاؤ.....اس کے بعد پھر اگر ہم ایک ہی کمرے میں رہیں تب بھی کوئی حرج نہیں ہوگا۔''

''تم اپنا اُلو سیدھا کر رہے ہو۔''قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''اگر تمہارا الٹ گیا تو اسے بھی سیدھا کر دوں گا۔ فکر نہ کرو.....بس میں جو کہتا رہوں کرتے رہو۔''

''ہاں.....میں خوب سمجھتا ہوں۔ تم مجھ سے چائے منگواؤ گے۔ غسل کے تولئے صابن منگواؤ گے.....مجھ سے کہو گے کہ میرے جوتوں میں پالش کر دو۔''

''ارے ارے! لاحول ولا قوۃ.....تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔''

''ٹھیک باتیں کر رہا ہوں.....ابھی نیچے ایک عورت مجھ سے پوچھ رہی تھی کیا تم ڈاکٹر اوہان کے ملازم ہو۔''

''تم نے کیا کہا۔''

''میں نے کہا ڈاکٹر اوہان سالے کی ایسی کی تیسی۔ اس جیسے سینکڑوں میرے نوکر ہیں۔''

''بس اب گڑبڑ کرنے لگے۔''

''ہاں تو میں کہہ دیتا کہ میں ڈاکٹر کوہان سالے کا نوکر ہو۔'' قاسم جلے بھنے انداز میں ہاتھ نچا کر بولا۔ بعض اوقات اس کا انداز گفتگو بالکل عورتوں کا سا ہو جایا کرتا تھا۔

''نہیں.....!'' حمید نے کہا۔ ''تم کہہ سکتے تھے کہ میں ڈاکٹر اوہان کے معتقدین میں سے ہوں۔''

''ارے بڑے آئے کہیں کے وہ..... ان کے معتقدین میں سے ہو۔ تم پکے چار سو بیس ہو۔ میں بھانڈا توڑ دوں گا۔''

''بھانڈہ پھوڑنا محاورہ ہے۔'' حمید نے پرسکون لہجے میں کہا۔

''محاورے کی ایسی کی تیسی۔''

''اچھا جاؤ..... جو تمہارا جی چاہے کرو۔ لیکن تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔ اگر مجھے غصہ آ گیا تو تم رام گڈھ میں بُری طرح ذلیل ہو گے۔ تمہاری جسمانی قوت میری ذہنی قوت کے سامنے کام نہ آ سکے گی۔''

قاسم اچانک کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر مسکرا کر بولا۔

''میں تو مزاخ کر رہا تھا..... ہی..... ہی.....!''

''میں سمجھتا تھا.....!'' حمید بھی ہنسنے لگا۔

''مگر یار..... بلی کا کیا معاملہ تھا۔'' قاسم نے پوچھا۔

''دودھ میں تھوڑی سی برانڈی دے دی تھی۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔

قاسم منہ بنا کر ہنسنے لگا۔ پھر احمقانہ انداز میں بولا۔ ''اچھا روحی تمہاری رہے گی یا میری۔''

''سو فیصدی تمہاری۔'' حمید نے اسکا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔ ''مجھے وہ بالکل اچھی نہیں لگتی۔''

''ہی..... ہی.....!'' قاسم پلکیں جھپکاتا ہوا ہنسا۔

''کچھ دیر ہنستے رہنے کے بعد قاسم نے پوچھا۔ ''اب کیا کرنا ہوگا مجھے۔''

''تفریح..... میری جان۔'' حمید نے بائیں آنکھ دبا کر کہا۔ ''ہم تفریح کے لئے اپنے گھروں سے نکلے ہیں۔''

''مگر یار وہ جو روحی کے ساتھ رہتا ہے..... باریک مونچھوں والا..... وہ مجھے کوئی بدمعاش معلوم ہوتا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے۔''

''ہوگا..... ہو سکتا ہے.....!'' حمید نے کہا۔ ''اچھا جاؤ..... اب تم آرام کرو۔ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔''

قاسم چپ چاپ باہر نکل گیا۔

حمید نے یہ حرکت محض اس لئے کی تھی کہ ہر وقت عورتوں اور لڑکیوں میں گھرا رہے لیکن اس نے اس کے دور رس نتائج پر غور نہیں کیا تھا۔

ساڑھے نو بجے روحی پر اس کی بلی نے حملہ کیا تھا اور گیارہ بجے تک یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی تھی۔

ٹھیک بارہ بج کر پندرہ منٹ پر پریس رپورٹروں کی فوج نے حمید کے کمرے پر حملہ کر دیا۔ منیجر نے انہیں اس سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن ناکام رہا تھا۔ حمید کسی طرح ان سے پیچھا نہ چھڑا سکا۔ اس نے انہیں اپنے متعلق اوٹ پٹانگ باتیں بتائیں۔ لیکن تصویر کسی کو نہیں لینے دی۔

''اگر کسی اخبار نے.....!'' وہ کہہ رہا تھا۔ ''میری تصویر چھاپی تو اس پر دعویٰ کر دوں گا۔ میں پیشہ ور نجومی نہیں ہوں اس لئے پبلسٹی کی خواہش بھی نہیں رکھتا۔ یہ میری تفریح ہے۔''

تقریباً ڈھائی بجے اس مصیبت سے نجات ملی اور وہ روشنی گل کر کے لیٹا ہی تھا کہ پھر کسی نے دروازے پر دستک دی۔

''خولو..... غمید بھائی۔'' قاسم کی بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔ حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ جھلاہٹ کے عالم میں اس نے سوئچ آن کر دیا اور دروازہ کھول کر پیچھے ہٹ آیا۔

''کیا ہے.....!''

''مم..... میرے..... کک..... کمرے کی کھڑکی غائب ہو گئی۔''

''کیا بکواس ہے۔''

''الاقسم..... میں جھوٹ نہیں بولتا۔ تم دیکھ لو چل کر۔''

''یعنی..... کھڑکی چوکھٹ سمیت کوئی نکال لے گیا۔'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں..... وہ غائب ہو گئی۔ دیوار میں کھڑکی نہیں ہے۔''

''جاؤ..... جاؤ.....!'' حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ ''سو جاؤ..... شاید معمول سے زیادہ کھا گئے ہو۔''

''ارے یار.....خدا کے لئے تم دیکھو۔'' قاسم سہمی ہوئی سی آواز میں بولا۔

''میں نے خواب نہیں دیکھا۔''

راہداری میں اندھیرا تھا۔ حمید نے ہاتھ بڑھا کر میز سے ٹارچ اٹھائی اور قاسم کے ساتھ چلنے لگا۔

چلتے چلتے اچانک اسے ایسا محسوس ہوا جیسے داہنی طرف کے ایک کمرے کے اندر دو آدمی لڑ پڑے ہوں۔ حمید رک گیا۔

یہ کمرہ روحی کے تین کمروں میں سے ایک تھا۔

''بب..... با.....!'' اندر سے آواز آئی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کسی نے چیخنے کی کوشش کی ہو اور اس کا منہ دبا دیا گیا ہو۔

''کیا ہے..... یہاں کیا ہو رہا ہے۔'' حمید نے جھپٹ کر دروازے پر ہاتھ مارا۔

ایک لمحے کے لئے سکوت طاری ہو گیا.....لیکن پھر ایک نسوانی چیخ کمرے میں گونجی۔

''قاسم دروازہ توڑ دو.....!'' حمید پلٹ کر بولا۔

قاسم نے دروازے پر اپنے داہنے شانے سے ٹکر ماری۔ مگر کچھ نہ ہوا۔ ساتھ ہی اندر سے کچھ اس قسم کی آواز آئی جیسے کوئی کرسی یا میز فرش پر گری ہو۔

قاسم دوسری ٹکر کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ دروازہ کھلا اور روحی اس پر آ گری۔

''بچاؤ.....!'' وہ پھر چیخی اور بیہوش ہو کر فرش پر گر گئی۔ دوسرے کمروں کے دروازے بھی کھلنے شروع ہو گئے جس کمرے سے روحی نکلی تھی شاید وہ سونے کا کمرہ تھا..... وہاں مدہم نیلی روشنی تھی اور دو کرسیاں فرش پر الٹی پڑی تھیں۔ بستر آدھا فرش پر تھا اور آدھا مسہری پر۔

روحی بیہوش تھی.....اس کا ساتھی باریک مونچھوں والا بھی ایک کمرے سے نکل آیا۔

حمید اور قاسم کے گرد اچھی خاصی بھیڑ ہو گئی اور اب راہداری بھی تاریک نہیں تھی۔

''کیا معاملہ ہے۔'' باریک مونچھوں والا حمید کو قہر آلود نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔

''میں خود نہیں سمجھ سکتا کہ کیا معاملہ ہے۔ میں ان کی چیخ سن کر جاگا تھا۔ میں ادھر آیا اور یہ کمرے کا دروازہ کھول کر باہر آ گری۔''

''ہاں..... ہاں.....!'' وہ دہاڑا۔ ''تم مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتے۔ پھر دوسروں کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''اگر یہ شخص فرار ہو گیا تو پولیس آپ سب سے جواب طلب کرے گی۔''

''ابے.....کیا بک رہا ہے.....سالے۔'' قاسم آستین چڑھاتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔

''نہیں ٹھہرو.....!'' حمید نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ ''میں اسی راہداری میں ٹھہر کر پولیس کا انتظار کروں گا۔''

باریک مونچھوں والا روحی کو ہاتھوں پر اٹھا کر کمرے میں چلا گیا۔

باڈی گارڈ

حمید وہیں کھڑا رہا۔ وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ اپنے کمرے سے باہر کیوں آیا تھا۔

''کیا قصہ تھا جناب۔'' کسی نے پوچھا۔

''اتنا ہی مجھے بھی معلوم ہے جتنا بتا چکا ہوں اس سے زیادہ نہیں جانتا۔''

''ڈاکٹر صاحب'' قاسم ہکلایا۔ ''مم.....میری.....کھڑ.....!''

''ہوں.....ٹھیک ہے۔'' حمید جلدی سے بولا۔ ''آپ اپنے کمرے میں جائیے۔''

''مم.....مگر.....ن.....نن.....نہیں.....میں آپ کی حفاظت کروں گا۔ یہیں ٹھہروں گا.....وہ سالا باریک مونچھوں والا.....سور.....!''

''شکریہ.....!'' حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ ''آپ میری فکر نہ کیجئے۔ میری کسی سے دشمنی نہیں۔''

''آپ دروازے پر ٹکریں مار رہے تھے جناب۔'' ایک آدمی نے کہا۔ ''میں نے دیکھا تھا۔''

''اچھا کیا تھا.....پھر کیا اسے اندر مر جانے دیتا۔''

''آپ اپنے کمرے میں جائیے۔'' حمید نے ایک بار پھر قاسم سے کہا اور قاسم بڑبڑاتا ہوا

وہاں سے چلا گیا۔ لیکن اپنے کمرے کے قریب پہنچ کر پھر پلٹ آیا۔

''کھڑکی آ گئی..... آ گئی..... ہاں.....!'' وہ حمید کے پاس پہنچ کر بولا۔

''کیا آپ نشے میں ہیں جناب..... میں کہہ رہا ہوں اپنے کمرے میں جایئے۔''

''جی..... جا رہا ہوں۔'' قاسم نے کہا اور سرپٹ اپنے کمرے کی طرف روانہ ہو گیا۔

راہداری میں کافی لوگ اکٹھے ہو گئے تھے اور حمید سب کی نگاہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اُن میں سے کچھ روحی کے کمرے میں بھی جھانکنے کی کوشش کر رہے تھے۔ دفعتاً حمید نے بلند آواز میں کہا۔

''کیوں بھئی! تم کہاں گئے۔ تمہاری پولیس کب آئے گی اور مجھے کب تک یہاں راہداری میں ٹھہرنا پڑے گا۔''

''کیا آپ اندر آنے کی زحمت گوارا فرمائیں گے۔'' اندر سے روحی کی نحیف سی آواز آئی۔ حمید نے چاروں طرف ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور کمرے میں چلا گیا۔ اس کے پیچھے ہی پیچھے رات کے ڈیوٹی کلرک نے بھی اندر داخل ہونا چاہا لیکن دروازہ بند ہو چکا تھا۔

اس نے دروازے پر دستک دے کر کہا۔ ''یہاں جو کچھ بھی ہوا ہے اس کا میرے علم میں آنا ضروری ہے۔''

دروازہ پھر کھلا اور وہ بھی اندر چلا گیا۔

روحی ایک کرسی پر بیٹھی ہانپ رہی تھی۔ باریک مونچھوں والا ایک طرف کھڑا اسے تشویش آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ حمید بھی ابھی بیٹھا نہیں تھا۔ مسہری پر ایک بوتل پڑی تھی جس سے کوئی سیال چیز نکل کر بستر پر پھیل گئی تھی۔

''کیا بات تھی۔'' کلرک نے پوچھا۔

''میں سو رہی تھی..... کسی نے مجھ پر تیزاب ڈالنے کی کوشش کی۔ اس کا چہرہ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔ بوتل بستر پر گر گئی۔ میں اچھل کر دروازے کی طرف بھاگی..... لیکن اس نے ٹانگ پھنسا کر مجھے گرا دیا۔ وہ میرا گلا گھونٹ ہی رہا تھا کہ باہر سے کسی نے آواز دی۔ پھر دروازہ توڑا جانے لگا اور وہ مجھے چھوڑ کر غسل خانے میں گھس گیا۔ میں دروازہ کھول کر باہر بھاگی۔''

''کیا غسل خانے میں دوسری طرف بھی کوئی دروازہ ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''اوہ..... ڈاکٹر صاحب۔'' روحی اس طرح چونک کر کھڑی ہو گئی جیسے اسے ابھی تک اس کی موجودگی کا علم ہی نہ رہا ہو۔ اس نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔ ''تشریف رکھئے۔''

''ٹھیک ہے..... آپ بیٹھئے۔''

''وہ جو کوئی بھی رہا ہو.....!'' باریک مونچھ والے نے کہا۔ ''دوسرے کمرے کا دروازہ کھول کر نکل گیا۔''

''اور تم اسی کمرے میں سو رہے تھے۔'' روحی جھلا کر اس کی طرف مڑی۔

''مجھے خود حیرت ہے کہ میری آنکھ کیوں نہیں کھلی۔ باریک مونچھ والے نے کہا۔ پھر حمید کی طرف دیکھ کر طنزیہ انداز میں بولا۔ ''حالانکہ آپ نے اپنے کمرے سے چیخ سنی تھی، جو کئی کمروں کے بعد ہے۔''

''نہیں..... میں ٹھیک اسی کمرے کے سامنے تھا۔''

''پہلے آپ نے کیا کہا تھا۔'' باریک مونچھوں والے کی آواز بلند ہو گئی۔

''خاموش رہو۔'' روحی ہاتھ اٹھا کر بولی۔

''پہلے میں نے اس لئے جھوٹ کہا تھا کہ درجنوں آدمیوں کے سوالات کا بار سنبھالنا میرے بس سے باہر ہوتا۔''

''میں آپ کی مشکور ہوں۔'' روحی نے مضمحل آواز میں کہا۔ ''آپ کی وجہ سے میری جان بچ گئی۔''

''تیزاب پھینکنے والا اسی راستے سے آیا بھی ہوگا..... جس سے فرار ہوا تھا۔''

حمید نے باریک مونچھ والے کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور اس نے حمید کے چہرے سے نظر ہٹا لی۔

''میں نہیں جانتا۔'' اس نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی۔

''میں فرار کے راستے کو دیکھنا چاہتا ہوں۔'' حمید نے روحی سے کہا۔

''ضرور دیکھئے۔''

''کیا آپ پولیس کو طلب کرنا چاہتی ہیں۔'' کلرک نے روحی سے پوچھا۔

''یقیناً.....!'' روحی نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ پھر باریک مونچھ والے کی طرف دیکھ کر بولی۔ ''تم ان کے ساتھ جا کر پولیس کو فون کرو۔''

اس کے انداز میں ہچکچاہٹ تھی لیکن اسے کلرک کے ساتھ جانا ہی پڑا۔

''میرا خیال ہے کہ یہ حضرت پولیس کو اطلاع دینے میں ہچکچا رہے ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''اُسے ہچکچانا ہی چاہئے۔'' روحی بولی۔

''کیوں.....؟''

''ظاہر ہے کہ پولیس اپنے سوالات سے اسے پریشان کردے گی۔ حملہ آور اسی کے کمرے کی طرف سے آیا اور اسی طرف سے فرار بھی ہوا۔ لیکن وہ سوتا رہا۔''

''آپ نے اسے صرف فرار ہوتے دیکھا تھا۔'' حمید نے کہا۔

''آیا بھی ادھر ہی سے ہوگا۔ میں تو اپنا کمرہ اندر سے مقفل کر کے سوئی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ بھی کمرہ مقفل کر کے سویا ہو۔''

''لیکن تیسرے کمرے کی کھڑکی میں سلاخیں نہیں ہیں۔'' روحی نے کہا۔

''اس باڈی گارڈ کے علاوہ بھی تو اور کوئی صاحب تھے آپ کے ساتھ۔''

''جی ہاں.....لیکن وہ شہر میں رہتے ہیں۔ یہیں کے باشندے ہیں۔ میں ہر سال گرمیوں میں یہاں آتی ہوں۔ ہماری جان پہچان کئی سال پرانی ہے۔''

''آپ سے جان پہچان پیدا کرنے کے متمنی تو سینکڑوں رہتے ہوں گے۔ کیا اس جان پہچان کی کوئی خاص وجہ ہے۔''

''اوہو.....!'' روحی مسکرائی۔ ''آپ تو کسی وکیل کی طرح جرح کر رہے ہیں۔''

''مجھے کرنا ہی چاہئے۔'' حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''کیونکہ آپ کا باڈی گارڈ درجنوں آدمیوں کے سامنے مجھ پر شبہ ظاہر کر چکا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سلسلے میں پولیس بھی اس سے پیچھے نہ رہے گی۔''

''میں معافی چاہتی ہوں..... میں نے تو آپ کے متعلق ابھی تک کوئی بُری بات نہیں سوچی۔ میں آپ کی شکر گزار ہوں کہ آپ کی وجہ سے میری جان بچ گئی۔''

''خیر.....کیا آپ پولیس کے آنے سے قبل مجھے تینوں کمرے دکھا سکیں گی۔''

''آیئے.....مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

حمید نے سب سے پہلے غسل خانے کا جائزہ لیا۔ یہ دونوں کمروں کا مشترکہ غسل خانہ تھا اور اس وقت بھی دوسری طرف کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ایک حصے میں غسل خانے کے فرش پر معمولی سی نمی تھی۔ بس ایسی کہ اس پر پڑا ہوا پیر کا نشان صاف نظر آ رہا تھا۔ لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ حملہ آور ہی کے پیر کا نشان رہا ہو۔ حمید آگے بڑھا۔ دوسرے کمرے پر گہری نظر ڈالتا ہوا وہ تیسرے کمرے میں آیا.....روحی ساتھ تھی۔

''وہ دیکھئے.....!'' اس نے جلدی سے کہا۔ ''کھڑکی کھلی ہوئی ہے۔''

''ہوں.....!'' حمید نے اسے بھی اچھی طرح دیکھا بھالا اور پھر روحی کی طرف مڑ کر بولا۔ ''یہ تیسرا کمرہ آپ نے کیوں لیا ہے۔''

''اٹھنے بیٹھنے کیلئے.....آپ جانتے ہیں کہ بے شمار لوگ مجھ سے ملنے کیلئے آتے ہیں اور پھر ویسے بھی دو ایک کمروں میں الجھن ہوتی ہے۔ میں تو اور بھی لینا چاہتی تھی مگر مل نہیں سکے۔''

حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''یہ ساری مصیبت اس بلی کی وجہ سے آئی۔ آپ نے صبح میرا مذاق دیا تھا۔ اگر آپ اسے کھو جانے دیتیں یا مل جانے کے باوجود بھی اسے پھینکوا دیا ہوتا تو یہ رات سکون سے گذرتی۔''

''میں نہیں سمجھ سکتی کہ دوسرے واقعہ سے بلی کا کیا تعلق۔''

''حملہ آور اسی دوران میں آپ کی خواب گاہ میں داخل ہوا ہوگا جب آپ بیہوش ہو جانے کے بعد پیچھے لے جائی گئی تھیں۔''

''یہ کیسے کہا جا سکتا ہے۔''

''میرے خیال میں یہی ہوا ہے۔'' حمید کچھ سوچنے لگا۔ ''کیا آپ پریس رپورٹروں سے اسی کمرے میں ملی تھیں۔''

''جی ہاں۔''

''ان کے چلے جانے کے بعد آپ نے دروازہ مقفل کیا ہوگا۔''

''جی ہاں..... مجھے اچھی طرح یاد ہے۔''

''اور کھڑکی.....اس کا تو خاص طور پر خیال رکھا ہوگا۔ کیونکہ اس میں سلاخیں نہیں ہیں۔''

''جی ہاں..... میں نے اسے قابل اطمینان حد تک آزمالیا تھا۔ دونوں چٹخنیاں لگا دی تھیں۔''

''پھر بتایئے کہ وہ کدھر سے آیا۔ اب یا تو اسے تسلیم کیجئے کہ وہ پہلے ہی سے ان کمروں میں موجود تھا یا پھر اپنے باڈی گارڈ پر شبہ کیجئے۔''

''باڈی گارڈ پر شبہ نہیں کرسکتی کیونکہ وہ میرا چچازاد بھائی بھی ہے۔''

''تب پھر وہ انہیں کمروں میں تھا اور ان تینوں کمروں میں صرف ایک جگہ ایسی ہے جہاں کوئی بھی نہایت آسانی سے چھپ سکتا ہے۔''

''کون سی جگہ۔''

''آپ کی مسہری کے نیچے۔''

''نہیں.....!'' روحی خوفزدہ نظر آنے لگی۔

''اس کے علاوہ اور کوئی جگہ نہیں ہوسکتی۔ مسہری پر پڑی ہوئی چادر چاروں طرف سے فرش پر لٹکی ہوئی ہے۔ چھپنے کے لئے بہترین جگہ۔''

روحی کانپ گئی۔ وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی ہوئی بار بار پلکیں جھپکا رہی تھی۔

''آیئے ..... میں آپ کو دکھاؤں..... ہوسکتا ہے کہ وہ وہاں اپنی موجودگی کے کچھ ثبوت نادانستگی میں چھوڑ گیا ہو۔''

''اوہ.....آپ.....آپ تو بالکل.....سراغ رسانوں کی سی باتیں کررہے ہیں۔''

''ہاں.....آیئے..... مجھے دنیا کی بہتیری چیزوں سے دلچسپی ہے۔''

حمید اس وقت سو فیصدی فریدی کی نقل کررہا تھا۔ گفتگو کا انداز چلنے کا انداز، سوچنے کی ایکٹنگ، کسی میں بھی سرمو فرق نہیں تھا۔

وہ پھر خواب گاہ میں واپس آ گئے۔

حمید نے مسہری کے نیچے جھولتی ہوئی چادر پلٹ دی اور کافی دیر تک ٹارچ کی روشنی میں

فرش کا جائزہ لیتا رہا۔ لیکن اسے کسی قسم کے نشانات نہیں مل سکے۔

''حیرت انگیز.....!'' اس نے سیدھے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''جی.....!''

''اب مجھے یہ کہنا پڑے گا کہ حملہ آور کی پیدائش ہی اسی کمرے میں ہوئی تھی۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''یعنی یہ کہ یہاں بھی کسی قسم کے نشانات نہیں ہیں۔ لہٰذا یہ ضروری نہیں کہ تیزاب کی بوتل پر اس کی انگلیوں کے نشانات مل ہی جائیں۔ اب ایسی صورت میں کیا کہا جاسکتا ہے۔ آپ خود سوچئے۔''

''نہیں میں شاہد کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتی کہ اس حرکت میں اس کا ہاتھ ہوگا۔''

''شاہد.....یعنی باڈی گارڈ.....!''

''جی ہاں..... میں اس سے اچھی طرح واقف.....اوہ.....مگر وہ اب تک واپس کیوں نہیں آیا۔''

حمید عجیب انداز میں مسکرایا پھر بولا۔ ''آپ کی سیامی بلی کہاں گئی۔''

''اوہ.....اس کا تو مجھے خیال ہی نہیں رہا۔ وہ کہاں گئی۔'' روحی حیرت سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔

''وہ بھی گئی۔'' حمید نے مایوسی سے کہا۔

''آخر یہ سب کیا ہورہا ہے۔'' وہ ایک آرام کرسی میں گرتی ہوئی بولی۔

''میرا خیال ہے کہ آپ بلی کی بجائے اپنے باڈی گارڈ کے متعلق سوچئے۔''

''کیوں؟'' روحی بے ساختہ چونک پڑی۔

''وہ ابھی تک واپس نہیں آیا..... حالانکہ پولیس کو فون کرنے کے بعد اسے قدرتی طور پر یہاں واپس آنے میں جلدی کرنی چاہئے تھی۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' اس نے آہستہ سے تشویش کن لہجے میں کہا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر روحی بولی۔ ''میں تنہا نیچے نہیں جاسکتی۔ حقیقتاً اسے واپس

آ جانا چاہئے تھا۔"

"چلئے..... میں دیکھتا ہوں۔"

"اوہ..... بہت بہت شکریہ۔" وہ اٹھتی ہوئی بولی۔ "میں حقیقتاً آپ سے بہت نادم ہوں۔ صبح میں نے کافی گستاخی کی تھی۔"

"کوئی بات نہیں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور اس کے ساتھ راہداری میں نکل آیا۔

پھر اچانک اسے قاسم کی بکواس کا خیال آیا اور وہ چلتے چلتے رک گیا۔

"ٹھہریئے.....!" اس نے روحی سے کہا۔ "ذرا میں اس کھڑکی کو باہر سے بھی دیکھ لوں..... میرا خیال ہے کہ..... نہیں..... خیر جانے دیجئے۔ ہمیں پہلے نیچے ہی چلنا چاہئے۔"

"کیوں.....؟ کوئی خاص بات۔"

"نہیں..... آیئے۔"

وہ نیچے آئے۔ کلرک اپنی کرسی پر بیٹھا اونگھ رہا تھا اور ڈائننگ ہال میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

"شاہد کہاں گیا۔" روحی مضطربانہ انداز میں بولی۔

ان کی آہٹ پر کلرک چونک کر آنکھیں پھاڑنے لگا۔ پھر کھڑا ہو گیا۔

"وہ صاحب کہاں ہیں، جو فون کرنے آئے تھے۔"

"وہ تو اسی وقت واپس چلے گئے تھے۔"

"باہر.....!"

"جی نہیں..... اوپر.....!"

"کیا تم نے انہیں زینوں پر چڑھتے دیکھا تھا۔"

"جی ہاں..... کیوں؟"

حمید "کیوں" کا جواب دینے کے بجائے روحی کی طرف مڑا جس کے چہرے پر ایک بار پھر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

"اب کیا ہے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"میں کیا بتاؤں..... میرا سر تو بُری طرح چکرا رہا ہے۔"

"کیا وہ اوپر نہیں ہیں۔" کلرک نے پوچھا۔

"نہیں.....!" حمید نے کہا اور روحی کی طرف دیکھنے لگا۔

"بتایئے میں کیا کروں۔" روحی بولی۔

"کچھ نہیں۔" حمید نے کہا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر کلرک کے قریب جا کر بولا۔

"کیا اس نے پولیس کو فون کیا تھا۔"

"جی ہاں۔"

"تمہیں یقین ہے۔"

"یقین کیوں نہ ہو جناب جبکہ نمبر میں نے ہی ڈائیل کئے تھے۔"

"اس نے کیا کہا تھا۔"

"یہ تو مجھے یاد نہیں۔"

"سوچ کر بھی نہیں بتا سکتے۔"

"میں دراصل اس وقت یہاں نہیں تھا۔ نمبر ڈائیل کر کے کچن میں چلا گیا تھا۔"

"لیکن.....!" حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "تم تو کہہ رہے تھے کہ تم نے انہیں اوپر جاتے دیکھا تھا۔"

"جی ہاں..... میں اس وقت کچن سے واپس آ گیا تھا۔"

"کیا تمہارے علم میں آئے بغیر بھی لوگ اس وقت باہر جا سکتے ہیں۔"

"جی نہیں..... بل کیپٹن اس وقت کسی کو باہر جانے کی اجازت نہیں دے سکتا تاوقتیکہ یہ بات میرے علم میں نہ آ جائے۔"

حمید کچھ اور بولنے والا تھا کہ بھاری قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ ایک سب انسپکٹر تین کانسٹیبلوں کے ساتھ ڈائننگ ہال میں داخل ہوا۔ معاملہ چونکہ ایک مشہور فلم اسٹار کا تھا اس لئے ذرا ہی سی دیر میں سب انسپکٹر نے سارے ہوٹل کو میدان حشر میں تبدیل کر کے رکھ دیا۔ مزید کانسٹیبل طلب کر لئے گئے اور باڈی گارڈ کی تلاش میں ہوٹل کا گوشہ گوشہ چھان مارا گیا لیکن وہ کہیں نہ ملا۔

اسی دوران میں سب انسپکٹر کو حمید کے متعلق بھی معلوم ہوا اور وہ اسے ایسی نظروں سے دیکھنے لگا جیسے وہ کسی کی جیب کاٹ کر بھاگا ہو۔

''کیوں جناب.....!'' اس نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں پوچھا۔ ''اس وقت آپ کے ستاروں کا کیا حال ہے۔''

''بہت شاندار ہیں۔'' حمید نے ایسی سنجیدگی سے کہا جس میں دھمکانے کا انداز تھا۔

''کیا رام گڈھ میں کچھ ایسے آدمی بھی مل سکیں گے، جو آپ کی ضمانت دے سکیں۔''

''کیا مطلب.....!''

''مطلب یہ کہ میں آپ کو بعض شبہات کی بناء پر حراست میں بھی لے سکتا ہوں۔''

''آپ تو آسمان میں سوراخ کر سکتے ہیں۔'' قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ وہ بھی اب ڈائننگ ہال میں آ گیا تھا۔

''آپ کون ہیں۔'' سب انسپکٹر قاسم کی طرف مڑا وہ قریب ہی کھڑا تھا اور سب انسپکٹر کو اس کی شکل دیکھنے کے لئے اپنا سر کا نچلا حصہ قریب قریب پشت سے لگا دینا پڑا۔

''میں..... میں ہوں۔ آپ ڈاکٹر اوہان کی توہین کر رہے ہیں۔ میں ان کی ضمانت دے سکتا ہوں۔''

''میں نہیں جانتا کہ آپ کون ہیں۔'' سب انسپکٹر کچھ مرعوب سا ہو گیا تھا۔

''اگر میں خود کو پہچوانا چاہوں.....!''

''اوہ قاسم صاحب۔'' حمید جلدی سے بولا۔ ''آپ خواہ مخواہ اپنا وقت برباد کر رہے ہیں۔''

آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔''

''یہاں میری کوئی ضمانت نہیں دے سکے گا۔'' حمید آہستہ سے بولا۔ ''آپ مجھے یقیناً حراست میں لے لیجئے۔''

دفعتاً قاسم کو یاد آ گیا کہ حمید محکمہ سراغ رسانی کا ایک آفیسر ہے اور وہ بیساختہ ہنس پڑا پھر بولا۔ ''ضرور حراست میں لے لو یار..... مزہ آ جائے گا.....''

سب انسپکٹر اُسے متحیرانہ انداز میں دیکھنے لگا۔

کمرے میں دھواں

بعض اوقات اتفاقات بھی آدمی کا بہت ساتھ دیتے ہیں اور کچھ اس طرح اس کے جھوٹ کا بھرم قائم رہتا ہے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔

سب انسپکٹر نے حمید کو گویا باندھ ہی لیا تھا۔ نہ صرف روحی بلکہ ہوٹل کے بہتیرے آدمیوں نے اس کی حرکت کے خلاف احتجاج کیا لیکن سب انسپکٹر اسے کوتوالی ہی لے جانے پر تل گیا تھا۔

تقریباً ساڑھے چار بج گئے تھے۔ رام گڈھ کی پہاڑیاں سکوت میں نہائی ہوئی کھڑی تھیں لیکن سڑکیں اب ویران نہیں تھیں۔ ان پر بار بردار خچر گاڑیوں کی قطاریں نظر آنے لگی تھیں۔ ندا سے گاڑی بان طرح طرح کی آوازیں نکال کر خچروں کو ہانک رہے تھے۔

اچانک پولیس کار ایک خچر سے جا ٹکرائی۔ خود سب انسپکٹر ہی کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ شاید وہ ڈرائیونگ کے معاملے میں اناڑی بھی تھا اور محض شوقیہ ڈرائیو کر رہا تھا۔ ڈرائیور اس کے قریب اگلی سیٹ ہی پر موجود تھا۔ اگر فوراً ہی احتیاطی تدابیر نہ اختیار کرتا تو شائد کار خچر گاڑی سے ٹکرانے کے بعد سڑک کی بائیں جانب والی کھڈ میں جا گری ہوتی۔ گاڑی بان کے معمولی چوٹیں آئی تھیں مگر ایک خچر بُری طرح زخمی تھا۔ بہر حال وہ دوبارہ نہیں اٹھ سکا۔

کار میں جتنے بھی آدمی تھے نیچے اتر آئے۔ سب انسپکٹر بُری طرح بدحواس نظر آتا تھا۔

''اسے ہسپتال پہنچانا بھی آپ ہی کے فرائض میں سے ہے۔'' حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

سب انسپکٹر خاموش ہی رہا۔ پولیس کی دوسری گاڑی بھی رک گئی تھی۔ زخمی گاڑی بان کو ایک دوسری گاڑی میں ڈال کر ہسپتال بھیج دیا گیا۔ اب ساڑھے پانچ بج گئے تھے اور حمید کو بُری طرح غصہ آنے لگا تھا۔

''آپ لوگوں کو نہ جانے کس مسخرے نے ان عہدوں پر رکھا ہے۔'' حمید نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''آپ بیکار باتیں نہ کیجئے۔'' سب انسپکٹر بھی جھلا گیا۔

''ابھی ہوش نہیں آیا۔'' حمید سرد لہجے میں بولا۔ ''اچھا اب کسی دوسرے حادثے کیلئے تیار ہو جایئے۔ کوتوالی ابھی بہت دور ہے۔''

''آپ خواہ مخواہ اپنی روحانی قوتوں کا رعب ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن پولیس اُسی وقت پیچھا چھوڑتی ہے جب روح سے خالی ہو جائے۔''

''خیر..... چلئے..... میں دیکھوں گا کہ میری روح میرا جسم چھوڑتی ہے یا آپ کا جسم وردی سے محروم ہوتا ہے۔''

''مجھے زیادہ غصہ نہ دلایئے۔''

''میں آپ کو زیادہ سے زیادہ غصہ دلانے کی کوشش کروں گا۔''

اس جملے سے سب انسپکٹر کی کھوپڑی ہوا سے باتیں کرنے لگی اور وہ کچھ دیر پہلے کا حادثہ بھی بھول گیا۔ بات ہی ایسی تھی شاید ہی کبھی ایسے بے باک آدمی سے واسطہ پڑا ہو۔ اُسے پولیس کا وقار خطرے میں نظر آنے لگا اور وہ گرج کر بولا۔

''معلوم ہو گیا کہ آپ کے ساتھ شرافت کا برتاؤ فضول ہے۔''

''کیا آپ سے کوئی قانونی فعل سرزد ہوا ہے جس کی مضبوطی کی بناء پر آپ مجھے دھمکا رہے ہیں۔'' حمید نے سرد لہجے میں پوچھا۔

''کیا مطلب.....!''

''جس کا معاملہ ہے اس نے مجھ پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا تھا۔'' حمید بولا۔

''ایک ضعیف الاعتقاد عورت ہونے کی بناء پر ڈرتی ہے۔''

''اور ایک راسخ الاعتقاد مرد ہونے کی وجہ سے اس بار آپ اس کار کو کسی کھڈ میں گرائیں گے لہٰذا براہِ کرم مجھے کسی دوسری کار میں بٹھا دیجئے۔''

سب انسپکٹر اندھیرے میں اُسے گھورنے لگا لیکن کچھ بولا نہیں۔

کار بدستور چلتی رہی۔ اس بار اُسے سب انسپکٹر خود نہیں ڈرائیو کر رہا تھا۔ کوتوالی پہنچتے پہنچتے چھ بج گئے۔ ادھر سے شائد روحی بار بار یہاں ڈاکٹر اوہان کے لئے فون کرتی رہی تھی۔ کیونکہ وہاں کئی لوگ اس پراسرار آدمی ڈاکٹر اوہان کے منتظر تھے۔ ان میں رام گڈھ کا ایس۔ پی کیپٹن

ماتھر بھی تھا۔ جیسے ہی حمید پر اس کی نظر پڑی اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

اور حمید جلدی سے بولا۔ ''آہا..... کپتان صاحب۔ اپنے قدیم خیر خواہ ڈاکٹر اوہان سے ایک بار پھر ملئے۔ لیکن اس بار اس کی حیثیت ایک مجرم کی سی ہے۔''

ماتھر گڑبڑا کر رہ گیا پھر فوراً ہی سنبھل کر بولا۔ ''اوہان..... پچھلی بار ہم ملے تھے وہاں.....

اوہ..... ڈاکٹر..... بیٹھئے بیٹھئے..... روحی تقریباً چار بجے سے مجھے برابر فون کرتی رہی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ ان لوگوں نے آپ کو خواہ مخواہ تکلیف دی۔'' پھر اس نے گھڑی کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''اب گھر ہی چلئے۔ آپ بڑے موقعے سے مل گئے۔ میں آج کل شدت سے آپ کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ بہت سی باتیں کرنی ہیں۔''

سب انسپکٹر جو حمید کو اپنے ساتھ لایا تھا بہت زیادہ بدحواس نظر آنے لگا تھا۔ لیکن اب حمید نے اسکی طرف دھیان تک نہ دیا۔ بالکل اسی انداز میں جیسے وہ کوئی بہت ہی کم رتبہ آدمی ہو۔

کیپٹن ماتھر کا بنگلہ کوتوالی کی حدود میں تھا۔ وہ دونوں باہر نکل کر بنگلے کی طرف چل پڑے۔

''کیا چکر ہے میاں حمید۔'' ماتھر نے مسکرا کر پوچھا۔

''کوئی خاص چکر نہیں تھا..... مگر اب چکر ہو گیا ہے۔''

''فریدی کہاں ہے۔''

''میں تنہا آیا ہوں۔''

ماتھر اور فریدی طالب علمی کے زمانے میں بھی گہرے دوست اور ہم جماعت تھے۔

''اور میں چھٹی پر ہوں۔'' حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

وہ دونوں بنگلے میں پہنچ گئے تھے۔ ماتھر بولا۔ ''نام تبدیل کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی۔''

''یونہی تفریحاً..... میں اپنی زندگی کی یکسانیت سے اکتا گیا ہوں حتیٰ کہ مجھے اپنا نام بھی گراں گذرنے لگا ہے۔ میرا بس چلے تو اپنا نام عبدالغفور ہد ہد بھائی رکھ لوں۔''

''تم روحی کے پیچھے آئے ہو..... بیکار باتیں نہ کرو۔'' ماتھر مسکرایا۔

''روحی سے یہیں دلکشا میں ملاقات ہوئی ہے۔ لیکن اب میں روحی سے زیادہ دلکشا کی عمارت میں دلچسپی لے رہا ہوں۔''

''کیوں.....؟ بیٹھو بیٹھو۔'' ماتھر نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

''روحی کا باڈی گارڈ پراسرار طور پر غائب ہوگیا۔ حالانکہ اس کے باہر نکل جانے کے امکانات نہیں تھے۔''

''ہوسکتا ہے کہ وہ خود ہی ان واقعات کا ذمہ دار ہو۔''

''ہوسکتا ہے مگر ہوٹل سے اس کا غائب ہوجانا کیا معنی رکھتا ہے۔''

''اسے غائب ہوجانے دو۔'' ماتھر حمید کی طرف سگریٹ کا ڈبہ بڑھاتا ہوا بولا۔ ''میں پہلے چائے پیوں گا ماتھر صاحب! سگریٹ نہیں۔''

''اوہ..... یار معاف کرنا..... ٹھہرو..... میرا خیال ہے کہ دس پندرہ منٹ بعد ہمیں ناشتہ مل جائے گا۔''

''اور آپ کیا کہنے جارہے تھے۔ میرا خیال ہے کوئی اہم بات تھی۔''

''ہاں..... بہت ہی اہم..... مگر فی الحال تم روحی کے چکر میں نہ پڑو تو بتاؤں۔''

''روحی نہیں..... دلکشا کا چکر کہئے۔''

''وہ کچھ بھی ہو..... روحی پر اس سے پہلے بھی کئی بار حملے ہوچکے ہیں اور میں اُسے ذرہ برابر بھی اہمیت نہیں دیتا۔ وہ ایک مشہور فلم اسٹار ہے اس کے حریف بھی ہوسکتے ہیں مگر وہ ان وارداتوں کے سلسلے میں کسی خاص آدمی پر شبہہ نہیں ظاہر کرتی۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں کیا ہوسکتا ہے۔''

''خیر..... خیر! آپ اپنی بات کہئے۔''

''یہاں ایک ادارہ ہے جس نے مجھے الجھن میں ڈال رکھا ہے۔ ادارہ کیا..... اس کی ایک شاخ ہے جس کا دعویٰ ہے کہ اس ادارہ کی شاخیں سارے ملک میں پھیلی ہوئی ہیں۔ بہرحال یہ ادارہ عجیب ہے اور اس کے اشتہارات عجیب ترین۔ مگر میری چھٹی حس کہتی ہے کہ اس ادارے کے تحت جرائم ہورہے ہیں۔''

''ادارے کی نوعیت۔'' حمید نے پوچھا۔

''اوہ..... میں بھی کتنا احمق ہوں گویا ادھار کھائے بیٹھا ہوں۔'' ماتھر نے خجالت آمیز

مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''کہ جب بھی تم ملو اس کا تذکرہ لے بیٹھوں۔''

''پرواہ مت کیجئے..... بتایئے تو سہی۔''

''نہیں ناشتے کے بعد اور پھر ہوسکتا ہے کہ میرا شبہہ بے بنیاد ہو۔''

''پھر کیا ناشتے کے انتظار میں ہم خاموش بیٹھے رہیں گے۔''

''نہیں بھئی۔'' ماتھر نے ہنس کر کہا۔ ''کچھ اور باتیں کرو۔''

''دوسری باتوں میں آج کل صرف روحی میرا موضوع ہے۔''

''مجھے تو نفرت ہے فلم اسٹاروں سے۔''

''نفرت کی وجہ نہیں پوچھوں گا۔ کیونکہ آپ کرنل فریدی کے دوستوں میں سے ہیں۔''

اچانک فون کی گھنٹی بجی اور ماتھر نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھالیا۔

''ہیلو..... اوہ..... ہاں..... ڈاکٹر اوہان..... فی الحال میرے مہمان ہیں۔ میں انہیں بہت دنوں سے جانتا ہوں۔ سب انسپکٹر کو اس کا علم نہیں تھا..... سب ٹھیک..... ہاں..... اچھا۔''

ماتھر نے ریسیور حمید کی طرف بڑھا دیا۔ دوسری طرف سے بولنے والی روحی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' حمید نے کہا۔ ''فی الحال ماتھر کے ساتھ ہوں۔ شاید دس بجے تک میری واپسی ہو..... اچھا..... اچھا..... نہیں کوئی خاص بات نہیں۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو بہت پہلے سے جانتے تھے۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ ماتھر صاحب رام گڈھ ہی میں ہیں..... اچھا۔'' حمید نے ریسیور رکھ دیا۔

''وہ تم سے بہت زیادہ متاثر معلوم ہوتی ہے۔'' ماتھر مسکرا کر بولا۔

''کیوں نہ معلوم ہو..... میرا نام حمید ہے۔''

''مگر ابھی تو تم نے اس نام سے بیزاری ظاہر کی تھی۔'' ماتھر نے ہنس کر کہا۔

''میرا نام ڈونگرے کا بال امرت ہے۔''

کچھ دیر بعد چائے آگئی۔ ماتھر کچھ فکرمند سا نظر آنے لگا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

''تم روحی کے معاملات میں ضرور ٹانگ اڑاؤ گے۔''

''کیا آپ نہیں چاہتے کہ ایسا ہو۔''

''اس چکر میں پڑنا وقت کی بربادی ہی ہوگی۔ ذرا یہ تو سوچو کہ اس پر آج تک کوئی حملہ کامیاب کیوں نہیں ہوا اور ہر بار تیزاب ہی کا قصہ سننے میں آیا ہے۔ روحی کا بیان ہے کہ وہ سو رہی تھی کسی نے اس پر تیزاب پھینکنے کی کوشش کی۔ اس سے پہلے بھی دو بار سرراہے اس کے چہرے پر تیزاب پھینکنے کی کوشش کی گئی تھی۔''

''ہاں..... مجھے معلوم ہے۔''

''میں کہتا ہوں آخر پچھلی رات والی کوشش کیسے ناکام رہی۔ وہ سو رہی تھی۔ اگر جاگ بھی پڑی تھی تب بھی اس کے چہرے پر تیزاب تو ڈالا جاسکتا تھا۔''

''آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''عنقریب ایکٹرسوں میں مقابلہ حسن ہونے والا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس طرح روحی ججوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس کے مقابلہ میں صرف دو ایکٹرسیں آئیں گی اور وہ بھی اس سے کسی طرح کم نہیں۔''

''میں سمجھتا ہوں اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اس کا گمشدہ باڈی گارڈ دراصل اس کا کزن تھا۔''

''پھر کیوں اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔ مطلب صاف ہے شائد روحی کو بھی اس آخری حرکت کے بعد ہی اس کے غیر فطری ہونے کا احساس ہوگیا تھا۔ اس لئے اُس نے باڈی گارڈ ہی کو بھگا دیا تا کہ اس کی اس مضحکہ خیز حرکت کو حقیقت کا رنگ دے دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ ایک معمولی ذہانت کا آدمی بھی ایسی صورت میں یہی سوچے گا کہ باڈی گارڈ کا ہاتھ سازش میں ضرور تھا ورنہ وہ اس طرح بھاگ کیوں جاتا۔''

''یہ سب کچھ ممکن ہے ماتھر صاحب۔''

''پھر.....؟''

''پھر کچھ نہیں..... میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ میں روحی سے زیادہ دلکشا عمارت میں دلچسپی لے رہا ہوں۔''

''اونہہ..... ہوگا یار ختم کرو۔ میں اکتا گیا ہوں ان تذکروں سے..... اب تفریحی باتیں کرو۔ صبح سے شام تک بس وہی جرائم کی باتیں۔ میں بھی اپنی زندگی کی یکسانیت سے تنگ آ گیا

ہوں۔''

''آہا..... تو پھر آپ مجھے اُس ادارے کے متعلق بتایئے۔ ہوسکتا ہے اسی میں کوئی تفریحی پہلو نکل آئے۔''

''تم نہیں باز آؤ گے۔''

''آپ کو مجھ سے تذکرہ ہی نہ کرنا چاہئے تھا۔''

''تم اپنی شادی کب کر رہے ہو۔'' ماتھر نے پوچھا۔

''مرنے سے صرف ایک گھنٹہ قبل تا کہ قبر میں اولاد کا سکھ نصیب ہو۔ بات اڑانے کی کوشش نہ کیجئے۔ مجھے اس ادارہ کے متعلق بتایئے۔''

''بھئی ہوسکتا ہے میں اس سلسلے میں غلطی پر ہوں۔''

''خیر میں سمجھا۔'' حمید نے ایک طویل سانس لی اور پھر کہا۔ ''آپ مطمئن رہئے۔ میں اب نہیں پوچھوں گا۔ ویسے میں اتنا احمق بھی نہیں کہ آپ کے معاملات میں خواہ مخواہ دخل دوں۔''

''تم غلط سمجھے۔ خیر سنو۔ یہاں ایک ادارہ ہے جو خود کو روابط عامہ کا ادارہ کہتا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ اس کی شاخیں سارے ملک میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ٹھہرو..... میں تمہیں اس کا ایک کاروباری اشتہار دکھاتا ہوں۔ اس سے سب کچھ سمجھ جاؤ گے۔''

ماتھر نے اٹھ کر ایک میز کی دراز کھولی اور اس میں سے ایک اشتہار نکال کر حمید کے سامنے پھیلا دیا۔

جلی حروف میں سرخی تھی۔

''دشمن کو زیر کرنے کے لئے ہماری خدمات حاصل کیجئے۔''

''خوب.....!'' حمید سر ہلا کر بولا اور نیچے کا مضمون پڑھنے لگا۔

''اگر آپ اپنے کسی دشمن سے تنگ آ گئے ہوں اور اس کا کچھ بگاڑ بھی نہ سکتے ہوں تو ہم سے رجوع کیجئے۔ ہم مناسب معاوضے پر آپ کی طرف سے نپٹ لیں گے اور آپ قانون یا اخلاقی نقطہ نظر سے مورد الزام بھی نہیں ہوں گے۔ تفصیل کے لئے ہمارا مطبوعہ طریق کار مفت طلب فرمایئے۔''

''کیا مسخرہ پن ہے۔'' حمید بڑبڑایا۔

''مگر اس کا دفتر بڑا شاندار ہے۔ تقریباً تیس یا چالیس کلرک کام کرتے ہیں۔''

''محض بکواس ہے۔''

''پھر بھی۔''

''اس میں وہ لکھتے ہیں کہ ہم وہ نفسیاتی طریقے اختیار کرتے ہیں کہ دشمن اپنی دشمنی بھول جاتا ہے۔ مصالحت کے لئے خود ہی ہاتھ بڑھاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔''

''اب تک کوئی ایسا ملا بھی جس کا کوئی دشمن زیر ہوا ہو۔'' حمید نے پوچھا۔

''ہاں شروع میں میں نے تفتیش کرائی تھی۔ نتیجے کے طور پر تین ایسے آدمی ملے جنہوں نے اس ادارے کی خدمات حاصل کی تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ اس ادارہ کا دعویٰ غلط نہیں ہے۔ ان کے دشمن اب غلام بے دام ہیں۔ انہوں نے ان تینوں دشمنوں کے پتے بھی بتائے۔ ان دشمنوں میں ایک سب انسپکٹر پولیس بھی نکلا۔ میں نے اس سلسلے میں اُس سے سوالات کئے اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اس نے ایک ایسے شخص کو معاف کر دیا جس نے اس کی بھانجی کو اغواء کیا تھا۔ سب انسپکٹر کو اس کا بھی علم ہے کہ اس نے اس کے خیالات بدلنے کیلئے ادارہ کی خدمات حاصل کی تھیں۔ بہرحال اب وہ بھی اس ادارہ کی کارکردگی کا مداح ہے۔ وہاں کوئی شخص ہے ڈاکٹر سلمان..... اسی نے سب انسپکٹر کے خیالات بدلے تھے۔ اس کے متعلق سنا جاتا ہے کہ وہ ماہر نفسیات ہے۔''

ماتھر خاموش ہو گیا۔ پھر حمید بولا۔ ''کیا اس ادارہ کا وجود غیر قانونی ہے۔''

''قطعی نہیں۔''

''پھر آپ کو کیوں پریشانی ہے۔''

''مجھے پریشانی نہیں ہے۔ لیکن مجھے یہ ادارہ بُری طرح کھٹکتا ہے اور ذہن اس کے فراڈ ہونے میں کوئی شبہ نہیں رکھتا۔''

''بعض اوقات ہماری چھٹی حس ہمیں دھوکا بھی دے جاتی ہے۔'' حمید نے کہا۔

''بھئی ختم کرو یہ تذکرہ، مجھے وحشت ہوتی ہے۔ میں صرف آفس ہی میں سپرنٹنڈنٹ ہوتا ہوں۔''

''تو پھر آیئے..... روحی کی باتیں کریں۔''

''نہیں..... مجھے فریدی کے متعلق کچھ بتاؤ۔ میں نے اُسے کافی عرصہ سے نہیں دیکھا۔''

''فریدی صاحب کا یہ حال ہے کہ پاس پڑوس میں ایک بھی عورت نہیں دکھائی دیتی۔ لوگوں نے اپنی بیویوں کو وہاں سے ہٹا دیا ہے۔''

''کیا مطلب.....!''

''محض اس خیال سے کہ فریدی صاحب کی دل آزاری نہ ہو۔ ہمارے پڑوسی نہایت شریف ہیں۔''

''اوہ.....!'' ماتھر ہنسنے لگا۔ ''اب غالباً حمید بول رہا ہے۔ کیوں بھئی..... یہ دل آزاری کس قسم کی ہے۔ میں بالکل نہیں سمجھا۔''

''عورتوں کو دیکھ کر ان کی دل آزاری ہوتی ہے۔ ان کا بس چلے تو شہر کی ساری عورتوں کے لئے ایک بہت بڑا کانجی ہاؤس بنوا دیں۔''

ماتھر پھر ہنسنے لگا اور کچھ دیر بعد بولا۔ ''تمہاری کیسی نبھ رہی ہے۔''

''ہا..... ماتھر صاحب۔ آپ تو ایسے انداز میں پوچھ رہے ہیں جیسے فریدی صاحب میرے شوہر ہوں۔''

''ہمیشہ الٹی کھوپڑی والی باتیں کرتے ہو۔''

قبل اسکے کہ حمید کچھ کہتا فون کی گھنٹی بجی۔ ماتھر نے ریسیور اٹھا کر حمید کی طرف بڑھا دیا۔ دوسری طرف سے قاسم چیخ رہا تھا۔ ''ڈاکٹر اوہان..... ڈاکٹر اوہان۔''

''ہاں جناب ڈاکٹر اوہان بول رہا ہے۔'' حمید نے کہا۔

''ابے ڈاکٹر اوہان..... تمہارے کمرے میں دھواں بھرا ہوا ہے۔ اب دروازہ توڑنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔''

''کیوں؟ وہاں باہر ہک پر کنجی موجود ہوگی۔''

''نہیں..... وہ بھی غائب ہو گئی ہے۔ تم جلدی آؤ..... روحی صاحبہ بھی یہی کہہ رہی ہیں۔''

''اچھا میں آ رہا ہوں۔'' حمید نے کہا اور ریسیور کریڈل میں ڈال دیا۔

پھر اس نے بہت جلدی میں یہ اطلاع ماتھر کو دی اور وہاں سے ہوٹل دلکشا کیلئے روانہ ہو گیا۔

کمرہ خالی کرو

حمید اس وقت وہاں پہنچا جب اس کا کمرہ ایک اچھے خاصے کباڑ خانے میں تبدیل ہو چکا تھا۔ دروازے توڑ دیئے گئے تھے لیکن وہاں اسے اپنی ایک بھی چیز ایسی نہ ملی جو کسی طرح بھی ضائع ہوئی ہو۔ البتہ کمرے میں بدنظمی اور بے ترتیبی ضرور نظر آ رہی تھی۔

دروازے پر قاسم کسی خون خوار چوکیدار کی طرح جما کھڑا تھا۔

''ڈاکٹر اوہان..... گھپلا.....'' قاسم نے اپنے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

''دھوئیں کا علم کیونکر ہوا تھا'' حمید نے پوچھا۔

''ارے پورے کمرے میں گہرا دھواں بھرا ہوا تھا..... اوپر روشندان سے نکل رہا تھا۔''

''مگر یہاں کوئی چیز ضائع نہیں ہوئی حتیٰ کہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہاں آگ بھی رہی ہے۔''

''تب پھر میں ہی دھواں چھوڑ رہا ہوں گا'' قاسم نے بُرا مان کر کہا۔

اتنے میں روحی آ گئی۔

''یہاں بڑی عجیب باتیں ہو رہی ہیں ڈاکٹر۔'' اس نے کہا۔ ''میں نے بھی روشندان سے دھوئیں کے بادل نکلتے دیکھے تھے لیکن جب دروازہ توڑا گیا تو اندر صرف دھواں ہی دھواں تھا۔ آگ کا نشان بھی نہیں تھا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔

''کیا آپ مجھ سے خفا ہیں۔'' روحی نے اس کے قریب آ کر پوچھا۔

''میں آپ کو نہیں پہچانتا'' حمید نے بے رخی سے کہا اور زینوں کی طرف مڑ گیا۔

ڈائننگ ہال میں پہنچ کر اس نے ایک ویٹر سے منیجر کے متعلق پوچھا۔

منیجر اپنے کمرے میں موجود تھا۔ حمید سیدھا وہیں چلا گیا۔

''اوہ..... ڈاکٹر صاحب۔'' منیجر اٹھتا ہوا بولا۔ ''جناب..... میں تو پاگل ہو جاؤں گا۔ خدارا مجھے معاف کر دیجئے۔ پچھلی رات میں نے آپ کی شان میں گستاخیاں کی تھیں۔''

''کمرے کا دروازہ کس کی اجازت سے توڑا گیا ہے۔''

''اوہ دیکھئے..... ایسی صورت میں جب کہ دروازہ کھولنے کے سارے ذرائع ختم ہو چکے تھے میں کیا کرتا۔ مگر..... میں پاگل ہو جاؤں گا۔ وہاں آگ تو تھی ہی نہیں..... صرف دھواں تھا۔''

''اگر میری کوئی چیز ضائع ہوئی ہوگی تو اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟''

''ارے صاحب کوئی کمرے کے اندر قدم ہی نہیں رکھ سکا۔ وہ دیوزاد دروازے پر اڑ گیا تھا۔ مجھے بڑی تشویش تھی جناب! وہ لوگ آپ کو کوتوالی لے گئے تھے۔ پولیس والے دوسروں کی پوزیشن کا ذرہ برابر بھی خیال نہیں رکھتے۔''

''آپ مطمئن رہئے جناب..... میری پوزیشن مضبوط اور محفوظ ہے۔'' حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

''لیکن جناب..... اگر آپ اجازت دیں.....!'' منیجر خاموش ہو گیا۔

حمید خاموشی سے مستفسرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔

''اگر آپ اجازت دیں تو ایک درخواست کروں۔''

''کیا بات ہے۔''

''اگر آپ یہاں سے کہیں اور تشریف لے جائیں تو میں زندگی بھر احسان مانوں گا۔''

''کیا بکواس ہے۔'' حمید بگڑ گیا۔

''میرا بزنس تباہ ہو جائے گا جناب۔'' منیجر گڑگڑایا۔

''کیوں.....!''

''دوسروں کا خیال ہے کہ آپ کے ساتھ کوئی شیطانی طاقت ہے۔''

حمید ہنسنے لگا۔ پھر اپنی بائیں آنکھ دبا کر بولا۔ ''آپ کا کیا خیال ہے۔''

''مم.....میرا.....پھر بتایئے آپ کے کمرے میں وہ دھواں کیسا تھا۔''

''آپ مجھے یہ بتایئے کہ روحی کا باڈی گارڈ کہاں گیا۔''

''جہنم میں۔'' منیجر دفعتاً جھلا کر کھڑا ہوگیا۔ ''آپ کو کمرہ چھوڑنا پڑے گا.....آج اور ابھی.....میں بہت خراب آدمی ہوں۔''

''صورت ہی سے ظاہر ہے۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔ ''لیکن کمرہ تمہارے فرشتے بھی نہیں خالی کرا سکتے اور پچھلی رات تم نے مجھے عشق کی جو داستان سنائی تھی بالکل بنڈل تھی۔ تم روزانہ زندگی میں خود کو بیوقوف ظاہر کرنا چاہتے ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ تم انتہائی خطرناک آدمی ہو۔''

''ہاں میں خطرناک بھی ہوسکتا ہوں۔'' منیجر اُسے قہر آلود نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔ چند لمحے اپنی چکنی کھوپڑی پر ہاتھ پھیرتا رہا پھر کہنے لگا۔ ''میں اس کے لئے پولیس کی مدد نہیں طلب کروں گا۔ لیکن تمہیں یہاں سے جانا پڑے گا۔''

''تم اسی طرح رو رو کر کہتے رہو۔ ہوسکتا ہے مجھے تم پر رحم آ ہی جائے۔'' حمید نے مسکرا کر کہا اور کمرے سے نکل آیا۔

ڈائننگ ہال سے گذر کر وہ زینوں کی طرف جا ہی رہا تھا کہ کاؤنٹر کلرک نے اسے رکنے کا اشارہ کر کے کہا۔ ''آپ کی کال تھی جناب میں نے ان صاحب کے نمبر لکھ لئے ہیں۔ کوئی ضروری معاملہ تھا۔'' حمید نے اس کے بتائے ہوئے نمبروں پر رنگ کیا۔ دوسری طرف سے ایس۔ پی ماتھر کی آواز آئی۔ وہ اس سے اس کے کمرے کی آگ کے متعلق پوچھ رہا تھا۔

''حیرت انگیز.....!'' حمید نے جواب دیا۔ ''لوگوں کا بیان ہے کہ کمرہ دھوئیں سے بھرا ہوا تھا لیکن وہاں آگ کا نشان تک نہیں ملا۔ ساری چیزیں بے ترتیبی سے بکھری پڑی ہیں۔ کسی نے میرے سامان کی تلاشی لی ہے۔ میرا خیال ہے کہ کوئی چیز ضائع نہیں ہوئی۔''

''اچھا میں آرہا ہوں۔''

''ضروری نہیں ہے۔'' حمید نے کہا۔

''میں نہیں سمجھا۔''

''مطلب یہ کہ جو کچھ آپ نے کہا ہے اُسے میں ضروری نہیں سمجھتا۔''

''اوہ.....سمجھا.....خیر.....اگر کوئی ضرورت پیش آئے تو مجھے مطلع کرنا۔''

''بہتر ہے.....شکریہ۔''

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہوجانے پر حمید نے ریسیور رکھ دیا۔

اور پھر جب وہ اوپر جانے کے لئے زینے طے کر رہا تھا اس نے اپنے عقب میں قدموں کی آوازیں سنیں اور پھر دو آدمی اس کے ساتھ ہی ساتھ زینے طے کرنے لگے۔ حمید ان کے درمیان میں تھا۔

''آپ ابھی کمرہ خالی کریں گے۔'' ایک نے کہا۔

''نہیں تو بے عزتی ہوگی۔'' دوسرا بولا۔ لیکن حمید چپ چاپ زینے طے کرتا رہا۔

وہ اوپر پہنچ گئے۔ قاسم اب بھی کمرے کے سامنے موجود تھا اور خلاف توقع بہت اچھے موڈ میں نظر آرہا تھا۔ شاید روحی نے دیر تک اس سے گفتگو کی تھی۔

ان دونوں آدمیوں میں سے ایک نے پھر کہا۔ ''کمرہ ابھی خالی ہونا چاہئے ورنہ ہم سامان نکال کر باہر پھینک دیں گے۔''

''کیا.....؟'' قاسم آنکھیں نکال کر دہاڑا۔

''یہ مجھے اس کمرے سے نکالنے آئے ہیں۔ منیجر کے غنڈے ہیں۔'' حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

''آپ زبان سنبھال کر بات کیجئے۔'' دوسرے نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''ہائیں! تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

''کمرہ خالی کرنا پڑے گا۔''

''ابے جاؤ.....تمہارے باپ بھی خالی نہیں کرا سکتے۔'' قاسم نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔

دونوں نے ایک ساتھ قاسم پر حملہ کر دیا۔ قاسم کے ہاتھی جیسے ڈیل پر دو چار گھونسے پڑے اور پھر وہ کسی ہاتھی ہی کی طرح بے زنجیر ہوگیا۔ اُس نے ان دونوں کی گردنیں دبوچیں اور اس طرح ان کے سر ٹکرانے لگا جیسے وہ آدمی نہیں مٹی کے کھلونے ہوں۔ وہ اس کی گرفت سے نکلنے کی سرتوڑ کوشش کر رہے تھے لیکن یہ آسان کام نہیں تھا۔ ان کی گردنیں ایک ایسے آدمی کے ہاتھوں

میں تھیں جو لوہے کی موٹی موٹی سلاخیں موڑ دیتا تھا۔ موٹر سائیکل کو سوار سمیت اٹھا کر سڑک کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے پر رکھ دیتا تھا۔

شور سن کر لوگ اپنے کمروں سے نکل آئے۔ ان میں روحی بھی تھی اور حمید چپ چاپ کھڑا نہایت سنجیدگی سے ان دونوں کی بے بسی کا منظر دیکھ رہا تھا۔

قاسم انہیں گھسیٹتا ہوا زینے کی طرف لے گیا اور دھکا دیتا ہوا بولا۔ ''جاؤ اس سالے سے کہہ دینا کہ کمرہ خالی کرانے کے لئے کم از کم پچاس آدمی بھیجے۔''

ادھر حمید بلند آواز میں بڑبڑا رہا تھا۔ ''یہ ہوٹل بدمعاشوں کا مرکز ہے۔ یہاں شریفوں کی عزت کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ وہ مجھ سے اس طرح کمرہ خالی کرانا چاہتا ہے۔''

''کیا بات ہے ڈاکٹر صاحب۔'' روحی نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

''منیجر..... کہتا ہے کہ میں کمرہ خالی کردوں۔ کیونکہ میرے قبضے میں شیطانی قوتیں ہیں۔ میں بھوت ہوں اس کے دوسرے گاہکوں سے چمٹ جاؤں گا۔''

''یہ تو بیہودگی ہے۔'' روحی نے کہا۔

''اس نے یہ دو غنڈے بھیجے تھے جنہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میرا سامان کمرے سے نکال کر باہر پھینک دیا جائے گا۔''

''یہ بڑا کمینہ پن ہے۔'' روحی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ ایک لحظہ خاموش رہی پھر بولی۔ ''پھر آپ کا کیا ارادہ ہے..... ذرا ادھر آیئے..... میرے ساتھ۔''

حمید قاسم کو وہی ٹھہرنے کا اشارہ کرتا ہوا روحی کے ساتھ اس کے کمرے میں چلا گیا۔

''ان حالات میں۔'' روحی نے آہستہ سے کہا۔ ''یہاں آپ کا قیام کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔''

''پھر..... کیا آپ بھی یہی چاہتی ہیں کہ میں یہاں سے چلا جاؤں۔'' حمید نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''صرف آپ ہی نہیں بلکہ میں بھی، اس سلسلے میں ایک تجویز پیش کرنا چاہتی ہوں۔ اگر آپ مجھ سے اتفاق کریں۔''

''کیا تجویز ہے۔''

''ہم لوگ جہاں بھی رہیں اکٹھے رہیں۔''

''کیوں.....؟''

''اس سوال کا جواب دے سکتی ہوں لیکن ممکن ہے آپ اسے اپنی توہین خیال کریں۔''

''میں بہت جلدی میں ہوں۔ اگر آپ کم سے کم الفاظ میں مفہوم سمجھا دیں تو بہتر ہے۔''

''نہ جانے کیوں! میں محسوس کرتی ہوں کہ آپ کی موجودگی میں مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ یہاں رام گڈھ میں میری کوٹھی بھی موجود ہے اور میں ہر سال گرمیاں یہیں گذارتی ہوں۔''

''کوٹھی کرائے پر اٹھا دی ہوگی۔''

''اس کے صرف دو کمرے کرائے پر دیئے گئے ہیں۔ چھ کمرے میں اپنے لئے خالی رکھتی ہوں۔''

''پھر یہاں دلکشا ہوٹل میں قیام کرنے کی کیا وجہ تھی۔'' حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔

''اس کی وجہ محض خوف سمجھ لیجئے۔ خیال تھا کہ ممکن ہے ہوٹل میں محفوظ رہ سکوں۔ لیکن یہ تو آپ نے دیکھ ہی لیا کہ میرے دشمن کتنے دلیر ہیں۔''

''ہاں..... آں..... اچھا فی الحال مجھے اجازت دیجئے۔ میں سوچوں گا..... اس موضوع پر۔ ویسے یہ بھی میرے لئے بڑی توہین کی بات ہوگی کہ منیجر کے غنڈوں سے مرعوب ہو کر یہاں سے چلا جاؤں۔ جب کہ میری اتنی زندگی ہی کشت وخون میں گذری ہے۔''

''کشت وخون۔'' روحی نے حیرت سے دہرایا۔

''اوہ..... ہاں۔'' حمید فوراً سنبھل گیا۔ ''میری زندگی کا بیشتر حصہ افریقہ کی نیم وحشی اقوام میں گذرا ہے۔ میں ایسی جگہوں پر بھی رہا ہوں جہاں دوسرے منٹ کے لئے یقین سے نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ خیریت سے گذرے گا۔''

حمید نے شاید ابھی اپنی بات ختم نہیں کی تھی کہ راہداری سے شور کی آواز آئی۔ وہ جھپٹ کر باہر نکلا۔

اس بار ان غنڈوں کی تعداد پانچ تھی اور وہ بیک وقت قاسم پر ٹوٹ پڑے تھے۔ وہ لوگ جو

کچھ دیر قبل تماشائیوں کی حیثیت میں وہاں اکٹھے ہوگئے تھے ان میں سے ایک بھی راہداری میں نہیں دکھائی دیا۔ وہ سب خائف ہوکر اپنے کمروں میں جا گھسے تھے۔

قاسم پر دھڑا دھڑ گھونسے پڑ رہے تھے۔ لیکن اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کچھ معصوم بچے اس سے خوش فعلیاں کر رہے تھے۔

حمید کے وہاں پہنچتے ہی اچانک ایک نے بڑا سا چاقو نکال لیا لیکن جیسے ہی اس نے قاسم پر حملہ کیا حمید نے اس کا اٹھا ہوا ہاتھ پکڑ کر اُسے پیچھے کھینچ لیا اور ناک پر پڑنے والے بھرپور گھونسے نے تو اسے تحت الثریٰ کی سیر کرادی۔

ذرا ہی سی دیر میں دو وہیں بیہوش پڑے تھے اور تین بھاگ نکلے تھے۔

''میں اب یہاں.....نہیں رہوں گا۔'' قاسم ہانپتا ہوا بولا۔

''کیوں.....؟'' حمید نے مسکرا کر پوچھا۔

''وہ ادھر والی سالیاں۔'' قاسم نے ایک طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''مجھے دیکھ کر اس طرح ہنستی ہیں جیسے میں اُلو کا پٹھا ہوں۔''

حمید اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔ وہ تو سمجھا تھا کہ شاید قاسم ان ہنگاموں سے ڈر گیا ہے۔ لیکن اب اسے کیا کہا جائے کہ ہنگامے کے دوران میں بھی اسے وہ لڑکیاں یاد تھیں، جو اُسے دیکھ کر بیوقوف بنانے والے انداز میں ہنسا کرتی تھیں۔

''ہم یہاں نہیں رہیں گے۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔

روحی پھر اس کے پاس پہنچ گئی۔ اس کا چہرہ زرد تھا اور آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا۔

اچانک زینوں سے بھاری قدموں کی آوازیں آنے لگیں اور دوسرے ہی لمحے میں منیجر، ڈیوٹی کانسٹیبلوں کے ساتھ دکھائی دیا۔

''آؤ.....آؤ.....بیٹا منیجر صاحب۔'' قاسم اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر بولا۔

''دیکھا آپ نے۔'' منیجر کانسٹیبلوں کی طرف مڑ کر بولا۔ ''ایسے خطرناک ہیں یہ لوگ اور یہ دونوں بیچارے جو بیہوش پڑے ہیں پتہ نہیں کون ہیں۔''

''ایک تمہارا خالو ہے اور دوسرا میرا بھتیجا ہے۔'' قاسم نے کانسٹیبلوں کو آنکھ مارنے کی

کوشش کرتے ہوئے کہا لیکن کانسٹیبل روحی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے بیہوش آدمیوں کی طرف دھیان بھی نہ دیا۔ آج انہیں اس ایکٹریس کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا جسے انہوں نے بار بار پردہ سیمیں پر دیکھا تھا۔

''یہ دونوں کمبخت.....!'' روحی نے بیہوش غنڈوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''اپنے کئی آدمیوں سمیت یہاں گھس آئے تھے اور مجھے پریشان کر رہے تھے۔ اگر یہ شریف آدمی نہ ہوتے۔''

''پپ.....پریشان کر رہے تھے۔'' ایک کانسٹیبل نے احمقوں کی طرح دہرایا۔

''ہاں.....ان شریف آدمیوں نے انہیں منع کیا اور بات بڑھ گئی۔

''ارے.....جان سے مار دینا تھا سالوں کو۔'' دوسرے کانسٹیبل نے کہا۔

منیجر بوکھلا گیا۔ وہ شائد انہیں حمید اور قاسم کی زیادتیاں دکھانے کے لئے لایا تھا۔ بہرحال اس نے اس بات کا اعتراف نہیں کیا کہ وہ غنڈے اسی کے بھیجے ہوئے تھے۔ اس نے انہیں پہچاننے سے بھی انکار کر دیا۔

''بہرحال یہ ہوٹل شریفوں کے رہنے کی جگہ نہیں۔'' روحی منیجر کو گھورتی ہوئی بولی۔ ''ہم لوگ ابھی یہاں سے چلے جائیں گے۔''

''مگر جانے سے پہلے۔'' قاسم منیجر کو گھونسہ دکھاتا ہوا بولا۔ ''تم سے اپنے وہ دس ہزار روپے وصول کرلیں گے۔ کیوں ڈاکٹر صاحب.....؟ جو اس کمرے کا دروازہ توڑ کر نکالے گئے ہیں۔''

''یہ جھوٹ ہے۔'' منیجر گڑبڑا کر بولا۔

''میری عدم موجودگی میں دروازہ کیوں توڑا گیا۔'' حمید دہاڑ کر بولا۔

''دھواں.....!''

''اگر کوئی چیز ہو تو مجھے دکھاؤ.....کہاں کا دھواں.....کیسا دھواں۔ میری بعض قیمتی چیزیں غائب ہوگئیں۔''

''اور دس ہزار کے نوٹ.....!'' قاسم نے گرہ لگائی۔

''میں تمہاری اس حرکت کے خلاف رپورٹ درج کرانے جا رہا ہوں۔'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''کیا قصہ ہے جناب۔'' ایک کانسٹیبل نے پوچھا۔

''انہوں نے میری عدم موجودگی میں میرے کمرے کے دروازے توڑ دیئے۔''

''سینکڑوں آدمیوں نے اندر دھواں دیکھا تھا۔'' منیجر نے ہانپتے ہوئے کہا۔

''ذرا آپ لوگ بھی دیکھ لیجئے۔'' حمید نے کانسٹیبلوں سے کہا۔ ''کیا اس کمرے میں آگ لگی تھی۔''

کانسٹیبل اس کے دوبارہ کہنے پر کمرے کے اندر چلے گئے اور جلد ہی باہر نکل آئے۔

''کیا خیال ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''آگ کا تو نشان بھی نہیں ہے۔'' کانسٹیبل نے جواب دیا۔

''اب میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی تھی۔'' حمید نے منیجر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یہاں سینکڑوں آدمی موجود تھے۔''

''ختم کیجئے ڈاکٹر صاحب۔'' روحی آگے بڑھ کر بولی۔ ''ہمیں یہاں سے چلا جانا چاہئے۔''

''پولیس کو باقاعدہ اطلاع دیئے بغیر نہیں جائیں گے۔''

کانسٹیبلوں نے اس رائے سے اتفاق کیا اور منیجر ہکلا ہکلا کر حمید کو اس سے باز رکھنے کی کوشش کرنے لگا۔

دونوں بیہوش غنڈے ہوش میں آ گئے تھے۔

''کہاں چلے بے تم دونوں۔'' قاسم انہیں کھسکنے کا ارادہ کرتے ہوئے دیکھ کر دہاڑا۔

''جانے دو۔'' حمید نے کہا۔ ''وہ اس کا اعتراف ہی نہ کریں گے کہ انہیں منیجر نے بھیجا تھا۔''

''آپ خواہ مخواہ اتہام لگا رہے ہیں۔'' منیجر بولا۔

''یہ ہمارے ساتھ جائیں گے۔'' ایک کانسٹیبل نے کہا۔ ''آپ تھانے میں رپورٹ کر دیجئے۔''

پھر اس نے اس انداز میں روحی کی طرف دیکھا جیسے کوئی کتا کسی چوہے کا شکار کرنے کے بعد اپنے مالک سے داد طلب کرے۔

قاسم کا اغوا

روحی کی کوٹھی بڑی شاندار تھی۔ حمید اور قاسم دونوں اپنے سامان سمیت اس کے ساتھ یہیں آ گئے تھے۔ قاسم بہت خوش تھا اور اس کا خیال تھا کہ اب اس کی محنت وصول ہوئی ہے۔ خوشی اس بات کی نہیں تھی کہ روحی جیسی مشہور اداکارہ کے ساتھ اس کا قیام تھا بلکہ اس اتفاق پر سرور تھا کہ روحی کی کرایہ دار ایک لحیم شحیم عورت تھی۔ کوٹھی کے دو کمرے اس کے تصرف میں تھے۔ لیکن وہ اس طرح ان میں آ کر گھل مل بیٹھی جیسے وہ روحی کے خاندان کی ایک فرد ہو۔

اس کا نام نوشابہ تھا۔ رام گڈھ کے ایک گرلز ہائی سکول میں ہیڈ مسٹریس تھی لیکن اس کی طالبات اسے عموماً ہیڈ مونسٹریس کہتی تھیں۔ عمر پچیس اور تیس کے درمیان رہی ہوگی۔ جسم کی بناوٹ ایسی تھی جسے قاسم کے علاوہ شاید ہی کوئی پسند کر سکتا۔ اس کا چہرہ اس کے جسم میں صرف ایک اضافہ معلوم ہوتا تھا اور کچھ نہیں۔ ناک واضح ترین تھی اور نچلا ہونٹ اپنے پھیلاؤ کی بناء پر نہ جانے کیوں کسی اداس خنجر کا تصور پیش کرتا تھا۔ حالانکہ نوشابہ کے متعلق یہ سوچا ہی نہیں جا سکتا تھا کہ وہ کبھی اداس بھی ہوتی ہوگی۔ اس میں سب سے زیادہ نمایاں چیز اس کی آواز تھی۔ آواز یقیناً ایسی تھی کہ حمید اس کی شکل دیکھے بغیر ہی اس پر بھی فریفتہ ہو جانے کا ارادہ کر چکا تھا۔ مگر جب وہ سامنے آئی تو حمید کے بجائے قاسم کی باچھیں کھل گئیں اور اس نے حمید کو الگ لے جا کر کہا۔

''دیکھو حمید بھائی! میں تمہاری عزت کروں گا اور تم میری عزت کرنا۔''

''لیکن ..... ڈفر..... تم حماقتوں پر نہیں اتر آؤ گے۔'' حمید بولا۔

''کیسی حماقتیں۔''

''تم اپنا مداری پن نہیں دکھاؤ گے۔''

''ارے..... وہ ..... تو..... میں روحی کو پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں منہ سے لوہے کے گولے نکال سکتا تھا۔ سلاخیں موڑ سکتا ہوں۔ پیٹ پر پتھر تڑوا سکتا ہوں۔''

''تم گدھے ہو۔''

''اگر تم یہی جملہ کسی دوسرے کے سامنے دہراؤ گے تو میں تمہاری گردن مروڑ دوں گا۔ حمید بھائی..... ہاں۔''

حمید نے بات آگے نہیں بڑھائی۔ اس پر سراغ رسانی کا بھوت سوار ہوگیا تھا۔ فریدی کی موجودگی میں شاید وہ اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہ کرتا لیکن اس کے کمرے میں دھوئیں والی روایت روحی پر ہونے والے حملے سے زیادہ سنسنی خیز تھی۔ کیا دلکشا کا منیجر ہی اس کا ذمہ دار تھا۔ اسے قاسم کی بوکھلاہٹ بھی یاد تھی جب اس نے اپنے کمرے کی کھڑکی غائب ہوجانے کا تذکرہ کیا تھا۔ ٹھیک اسی وقت روحی پر حملہ بھی ہوا تھا لیکن اب وہ روحی کے معاملے کو اس کی گفتگو کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کررہا تھا، جو اس کے اور ماتھر کے درمیان میں ہوئی تھی۔ ماتھر کا خیال ہے کہ ان حملوں کی ذمہ دار خود روحی ہے۔

پہلے تو حمید اسے واقعات کا صرف ایک امکانی پہلو سمجھا تھا مگر اب اسے روحی کا رویہ یاد آرہا تھا۔ ان حالات میں اس کا رویہ یقینی طور پر قطعی خلاف فطرت تھا۔ یعنی اسے اپنے چچازاد بھائی اور باڈی گارڈ کی اچانک گمشدگی پر ذرہ برابر بھی تشویش نہیں تھی۔ اس کے دو ہی معنی ہوسکتے تھے یا تو باڈی گارڈ ہی اس حملے کا ذمہ دار تھا یا پھر روحی نے سچ مچ کسی قسم کا ڈھونگ رچا رکھا تھا۔

حمید سوچتا رہا لیکن کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔

ویسے شام کی چائے پر اس نے ایک بار پھر وہی تذکرے چھیڑ دیئے۔

''جی ہاں۔'' روحی بولی۔ ''میرے لئے یہ بہت مشکل ہے کہ میں کسی خاص آدمی کے خلاف اپنا شبہہ ظاہر کروں۔ ویسے میرا چہرہ بگاڑ دینے کی کوشش کئی بار کی جاچکی ہے۔''

''مجھے حیرت ہے کہ آپ اس سلسلے میں کسی خاص آدمی کا نام نہیں بتاسکتیں۔''

''ناممکن ہے..... جب تک شبہات حقیقت کی سرحدوں کو نہ چھونے لگیں میں کسی کا بھی نام نہیں لے سکتی۔ آپ سمجھتے ہیں نا میرا مطلب۔''

''جی ہاں..... میں سمجھتا ہوں۔'' حمید نے کہا اور پھر ایک لحظہ خاموش رہ کر بولا۔

''آپ کو اپنے باڈی گارڈ کی گمشدگی پر تشویش نہیں ہے۔''

''یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ مجھے تشویش نہیں ہے۔ لیکن میں تشویش کرکے کروں گی کیا۔''

''آہا..... تب تو یہ حرکت اسی کی ہوگی۔''

''میں وثوق کے ساتھ یہ بھی نہیں کہہ سکتی۔''

''آپ مجھے اپنے ساتھ کیوں لائی ہیں۔''

''اس سوال کا جواب مشکل ہے۔'' روحی مسکرا کر بولی۔ ''ویسے میرا خیال ہے کہ میری ہی طرح آپ بھی کچھ نامعلوم دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں۔''

''نہیں میرے دشمن ایسے نہیں جنہیں نامعلوم کہا جاسکے۔'' حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔

''وہ غنڈے منیجر ہی کے بھیجے ہوئے تھے لیکن یہ تو بتایئے کہ سارا الزام آپ نے اپنے سر کیوں لے لیا تھا۔''

''یہ بھی کوئی ایسی بات نہیں جس کے لئے آپ الجھن میں مبتلا ہوں۔''

''ارے..... ہپ.....!'' قاسم کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

اس کے بعد چائے خاموشی ہی سے ختم ہوگئی۔ پھر جب وہ باہر پائیں باغ میں آئے تو وہاں نوشابہ سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ پہلے وہ انہیں دیکھ کر ہنسی اور پھر الفاظ کا بجز خار موجیں مارنے لگا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے بیک وقت کئی عورتیں بول رہی ہوں۔ گفتگو کے ساتھ ہی ساتھ وہ ہنسنے کی بھی عادی تھی اس طرح باتیں کرتے وقت کئی قسم کی آوازوں کا احساس ہوتا تھا۔ حمید نے محسوس کیا کہ قاسم اور نوشابہ دونوں ہی ایک دوسرے کے لئے خود کو پوز کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ نوشابہ میں اس کی صلاحیت تھی لیکن قاسم..... وہ حد درجہ مضحکہ خیز نظر آنے لگا تھا۔ پہلے اس نے فوجیوں کے سے انداز میں کھڑے ہونے کی کوشش کی پھر ایسا معلوم ہونے لگا جیسے وہ خود بھی کوئی خامی محسوس کررہا ہو۔

ان کا تعارف تو پہلے ہی ہوچکا تھا۔ لیکن ان دونوں نے براہِ راست ایک بار بھی گفتگو نہیں کی تھی۔

نوشابہ بے تحاشہ باتیں کررہی تھی۔ رام گڈھ کے موسم کی باتیں۔ بہار میں پھولنے والے درختوں کی باتیں، درختوں سے جست لگا کر دنیا کے جغرافیہ کی باتیں پھر وہ جغرافیہ سے بیک وقت محکمہ تعلیم کی نالائقیوں پر اتر آئی..... بہرحال یہ گفتگو اس کے اپنے موٹاپے کی پیدا کردہ

مصیبتوں پر ختم ہوگئی۔

''ہی ہی.....!'' دفعتاً قاسم ہنسا۔ ''موٹا ہونا تو بڑی.....اچھی بات ہے۔''

''کیا اچھی بات ہے.....آدمی کسی کام کا نہیں رہتا۔'' نوشابہ نے کہا۔

''واہ رہتا کیوں نہیں.....کیا میں کسی سے کم موٹا ہوں۔ لیکن میں کیا نہیں کرسکتا۔ لو ہے موٹی موٹی.....اُوپ.....!''

دفعتاً اس نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا اسے یاد آ گیا تھا کہ حمید نے اُسے اپنے مداری کے اظہار سے باز رہنے کی تاکید کی تھی۔

''ہوگا جناب.....آپ کرسکتے ہوں گے۔ لیکن مجھ سے کچھ نہیں ہوسکتا۔''

''ہی.....ہی.....ہی.....!'' قاسم احمقوں کی طرح ہنس کر خاموش ہوگیا۔

حمید اور روحی خاموش تھے۔

سورج دور کی پہاڑیوں میں غروب ہورہا تھا اور رات سکوت کے پرچم اڑاتی ہوئی مغربی افق میں پرواز کررہی تھی۔

''مس روحی آپ نے بہت اچھا کیا کہ یہاں چلی آئیں۔'' نوشابہ نے کہا۔

''اوہ.....وہ.....!'' روحی بڑبڑائی۔ وہ سڑک کی طرف دیکھ رہی تھی۔

اچانک اس نے حمید سے کہا۔ ''ڈاکٹر.....وہ شائد کوئی کار ادھر ہی آرہی ہے۔''

سڑک بلندی پر تھی اور یہاں سے کار صاف نظر آرہی تھی۔ مگر روحی کی یہ توقع غلط ثابت ہوئی کہ کار اس کی کوٹھی ہی کی طرف آرہی ہے۔ تھوڑی دیر چہل قدمی کرنے کے بعد وہ برآمدے میں آ بیٹھے۔

اب قاسم بھی اچھی طرح چہکنے لگا تھا۔ لیکن اُسے حیرت تھی کہ آخر اتنی خوبصورت عورت کی موجودگی میں بھی حمید پر سنجیدگی کیوں طاری ہے۔

نوشابہ تھوڑی دیر بیٹھ کر چلی گئی۔ اس دوران میں روحی حمید کو بہت غور سے دیکھتی رہی تھی اور حمید کا مرکز نگاہ قاسم تھا۔

نوشابہ کے جاتے ہی وہ روحی کی طرف متوجہ ہوگیا۔

''میں نے آپ کو یہاں لاکر آپ کے ساتھ زیادتی تو نہیں کی۔'' روحی نے کہا۔

''فی الحال اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے۔'' حمید معنی خیز انداز میں مسکرایا اور روحی جلدی سے بولی۔ ''نہ جانے کیوں میں محسوس کرتی ہوں کہ آپ کے ساتھ میں محفوظ رہوں گی۔ اب آپ اسے خودغرضی ہی کہہ لیجئے کہ میں اس کے لئے آپ کو ہوٹل کی تفریحات سے نکال لائی۔''

''اگر آپ یہ محسوس کرتی ہیں تو میں آپ کا دل نہیں توڑوں گا۔ مگر ایک شرط کے ساتھ.....نہ آپ مجھے میرے کسی شغل پر ٹوکیں گی اور نہ میرے دوست مسٹر قاسم کو.....ہوسکتا ہے کہ انہیں آپ کی کرایہ دار سے عشق ہوجائے۔''

''ار.....ام.....'' قاسم غصیلے لہجے میں ہکلایا۔ ''مم.....مذاق نہیں پاسند کرتا۔''

''میں مجبور ہوں قاسم صاحب.....آپ کے ستارے.....!''

''ستارے کہہ رہے ہیں۔'' قاسم نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

روحی بے تحاشہ ہنسنے لگی۔ کیونکہ قاسم نے شرما کر سر جھکا لیا تھا۔ بالکل ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے کوئی ہاتھی دوہرا ہوگیا ہو۔

''آپ کے کیا مشاغل ہوں گے ڈاکٹر اوہان۔'' روحی نے مسکرا کر پوچھا۔

''ارے.....ان کے مشاغل.....ہی ہی ہی.....!'' قاسم بے تحاشہ ہنسنے لگا اور حمید کی روح فنا ہوگئی۔ کہیں موڈ میں آ کر سب کچھ اگل نہ دے.....مگر ایسا نہیں ہوا۔ قاسم کی ہنسی گہری سنجیدگی پر ختم ہوگئی۔ بالکل اسی طرح جیسے کسی موٹر کا انجن اسٹارٹ ہوکر یک بیک رک جائے۔

حمید نے اطمینان کی سانس کے ساتھ ہی ساتھ دو چار فالتو قسم کی سانس بھی لیں اور اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

''آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔'' روحی نے کہا۔

''میرے مشاغل کا انحصار مواقع پر ہے۔''

''میں مبہم جواب نہیں چاہتی۔''

''آپ مبہم جواب نہیں چاہتیں۔'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا کسی سانپ کی طرح پھنکارا۔ ''میرے مشاغل ستاروں کی چال پر منحصر ہیں۔ آپ خود ہی دیکھ لیں گی۔''

''آپ تو ڈرا رہے ہیں..... مجھے.....اس طرح نہ دیکھئے میری طرف۔''

''کسی دوسری طرف دیکھئے۔'' قاسم نے مخلصانہ انداز میں مشورہ دیا۔

پھر قاسم کچھ بے چین سا نظر آنے لگا اور اس کی وجہ بھی حمید کی سمجھ میں آ گئی۔

نوشابہ قریب ہی کے کمرے میں گنگنا رہی تھی۔ دفعتاً روحی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ذرا علیحدگی میں.....کیا آپ میری ایک بات سن لیں گے۔''

''ضرور.....یقیناً.....!'' حمید بھی اٹھ گیا۔

قاسم وہیں بیٹھا رہا لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے اُن کے اٹھ جانے کی ذرا برابر بھی پرواہ نہ ہو۔

روحی حمید کو ایک کمرے میں لائی۔ یہاں مختلف قسم کے ساز اِدھر اُدھر بکھرے نظر آ رہے تھے۔ نیچے قالین کا فرش تھا۔ یہاں فرنیچر نہیں تھا۔ روحی چند لمحے حمید کو عجیب انداز میں دیکھتی رہی پھر مسکرا کر بولی۔

''اگر آپ پہچان لئے گئے ہوں تو۔''

''میں نہیں سمجھا.....!'' حمید نے حیرت ظاہر کی۔

''میں جانتی ہوں کہ آپ.....!''

''کیا جانتی ہیں کہ میں.....!'' حمید بھی اسی لہجے میں کہہ کر خاموش ہو گیا۔

''کیا آپ کا تعلق ادارہ روابط عامہ سے نہیں ہے؟'' روحی کی مسکراہٹ کا انداز فاتحانہ تھا۔

حمید اس نام پر چونک پڑا کیونکہ آج ہی ماتھر نے اس سے اس ادارے کا تذکرہ کیا تھا۔ یہ سوال بجلی کی طرح اس کے ذہن میں کوند گیا۔ کیا روحی نے بھی اپنے دشمنوں پر قابو پانے کے لئے اس ادارے سے مدد طلب کی ہے؟

''کیوں؟ کیا آپ میری بات کا جواب نہیں دیں گے۔ میں پوچھنا چاہتی ہوں کہ میں نے دلکشا سے یہاں آنے میں غلطی تو نہیں کی۔''

حمید نے قالین سے ایک وائلن اٹھا لیا اور روحی کی بات کا جواب دینے کی بجائے اس کے تار ہلانے لگا۔ ویسے وہ سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ بہرحال اس نے جلد ہی اس کا

فیصلہ کر لیا۔

''آپ ان جھگڑوں میں نہ پڑیئے۔'' اس نے تاروں پر قوس پھیرتے ہوئے کہا۔

''میں آپ کو یہاں لا کر آپ کی اسکیم میں خلل انداز تو نہیں ہوئی۔''

''نہیں.....!'' حمید کا مختصر سا جواب تھا۔

اس نے وائلن پر ایک گت چھیڑ دی تھی۔

''اوہ.....آپ تو بہت اچھا بجاتے ہیں۔'' روحی نے کہا اور حمید نے وائلن کو قالین پر ڈال دیا۔

''بجایئے نا.....!'' روحی جلدی سے بولی۔

''آپ کو کچھ اور بھی پوچھنا ہے۔''

''بس اتنا ہی کہ آپ کو سچ مچ نجوم میں دخل ہے یا وہ بھی محض حکمت عملی تھی۔''

''اگر دخل نہ ہوتا تو میں آپ کو بلی کے متعلق کیسے بتا سکتا۔''

''مجھے اس کے غائب ہو جانے کا بے حد افسوس ہے۔''

''آپ نے ادارہ کو اپنے دشمنوں کے نام کیوں نہیں بتائے۔'' حمید نے پوچھا۔

''نام میں جانتی ہی نہیں۔ میں صحیح اندازہ نہیں کر پائی کہ میرا دشمن کون ہو سکتا ہے۔ رام گڈھ والے دفتر کے انچارج ڈاکٹر سلمان نے کہا تھا وہ خود ہی دشمنوں کو تلاش بھی کر لیں گے۔''

پھر حمید یہ پوچھتے پوچھتے رک گیا کہ اس کے لئے معاوضہ طے ہوا تھا۔ اس نے ایک بار پھر گمشدہ باڈی گارڈ کا تذکرہ چھیڑنا چاہا لیکن دور اندیشی نے اس کی بھی اجازت نہ دی۔ روحی کی نظروں میں اب اس کی حیثیت یکسر بدل چکی تھی۔ لہٰذا اب بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت تھی۔

روحی آہستہ سے بولی۔ ''ایک حملہ آپ کی موجودگی میں بھی ہوا ہے لیکن کیا آپ مجھے میرے دشمن کا نشان پتہ بتا سکیں گے۔''

''نہیں.....!''

''بتانا نہیں چاہتے یا آپ کو علم ہی نہیں ہو سکا۔''

''میں نہیں جانتا کہ حملہ آور کون تھا۔ ویسے شبہہ ہے کہ وہ آپ کا باڈی گارڈ بھی ہو سکتا ہے۔''

''خدا جانے۔''

''ڈاکٹر سلمان سے آپ کی کیا گفتگو ہوئی تھی۔''

''اوہ.....!'' روحی چونک کر اُسے گھورنے لگی اور حمید کو فوراً ہی احساس ہوگیا کہ اس کا یہ سوال قطعی بے محل تھا۔

وہ جلدی سے بولا۔ ''میرا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے آپ کو جو احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کو کہا تھا آپ نے اس پر کہاں تک عمل کیا ہے۔''

''میں ابھی تک ان کے مشوروں کی پابند رہی ہوں۔''

''یہی پوچھنا تھا۔'' حمید نے کہا اور بیٹھ کر طبلہ بجانے لگا۔

''آپ کو موسیقی سے بہت زیادہ دلچسپی ہے شائد۔''

''بہت.....!'' حمید ہاتھ روک کر بولا۔ ''طالب علمی کے زمانے میں کالج کے ڈراموں میں ڈانس ڈائریکٹ کیا کرتا تھا۔ آج میرے پاس ناچوں کی ایسی گتیں ہیں جن کا جواب شائد ہی کہیں مل سکے۔''

''اوہو.....!'' روحی مسکرائی۔ ''دعویٰ کر رہے ہیں آپ۔''

''ہاں..... یہ میرا دعویٰ ہے..... خصوصاً رقص نجوم..... ستاروں کا ناچ۔''

''شائد آپ ستارے پکا کر کھاتے بھی ہوں۔'' روحی ہنس پڑی۔

''پرواہ نہیں..... اگر آپ اسے بکواس سمجھتی ہیں تو میں آپ کو چیلنج کرتا ہوں..... خیر..... نہیں..... جانے دیجئے۔''

حمید کے چہرے پر شدید ترین غصے کے آثار نظر آنے لگے اور اس نے گرج کر کہا۔ ''آپ کی تباہی نزدیک ہے۔ میرا تعلق کسی ادارے سے نہیں یہ اتنی گفتگو میں نے محض اس لئے کی تھی کہ معلوم کر سکوں کہ آپ کس قسم کے جال میں پھنسی ہوئی ہیں۔''

روحی کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

''کیسے جال میں پھنسی ہوئی ہوں۔'' اس نے خالی خالی آواز میں پوچھا۔

''میں بہت کچھ بتا سکتا ہوں..... بشرطیکہ آپ مجھ سے کچھ نہ چھپائیں۔''

روحی تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔ ''آپ کا تعلق ادارہ روابط عامہ سے نہیں ہے۔''

''نہیں..... مجھے اس ادارے سے دلچسپی ضرور ہے کیونکہ یہ ادارہ ساری دنیا میں اپنی مثال آپ ہے۔''

''پھر آپ نے کیوں کہا تھا کہ آپ کا تعلق اسی ادارہ سے ہے۔''

''یہ میں نے نہیں آپ نے کہا تھا۔'' حمید بولا۔ ''بس میں نے تھوڑی دیر کے لئے فرض کرلیا تھا کہ آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔''

روحی خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے لئے اس کے پاس الفاظ ہی نہ ہوں۔ پھر وہ کچھ کہنے والی تھی کہ اچانک انہوں نے کسی کی چیخیں سنی۔ حمید اٹھ کر دروازے کی طرف جھپٹا کیونکہ وہ چیخیں قاسم کے علاوہ کسی کی نہیں ہو سکتی تھیں۔

راہداری میں نوشابہ ملی۔ جو بدحواسی میں اسی طرف دوڑی آ رہی تھی۔

''باہر..... پپ..... پائیں باغ میں۔'' وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

حمید بے تحاشہ دوڑ رہا تھا۔ اس نے اس کا جملہ پورا ہونے کا انتظار بھی نہیں کیا۔ اس وقت وہ خاکی پتلون اور کتھئی رنگ کے جیکٹ میں تھا اور اس کی جیب میں ریوالور بھی موجود تھا۔ جیکٹ کے نیچے کارتوسوں کی پیٹی تھی۔ ہوٹل سے چلتے وقت ہی اسے احساس ہوگیا تھا کہ وہ عنقریب انجانے خطرات میں گھر جائے گا ورنہ اسکے کمرے میں دھوئیں کا کیا مطلب تھا۔ پائیں باغ میں اسے کوئی نظر نہیں آیا لیکن سامنے سڑک پر ایک ٹرک کھڑا ہوا دکھائی دیا اور پھر وہ فوراً ہی چل پڑا۔

ایک بار پھر حمید نے قاسم کی دہاڑ سنی۔ یہ آواز اسی ٹرک سے آئی تھی۔ حمید سڑک تک دوڑتا چلا گیا۔ مگر ٹرک اس سے پہلے ہی اگلے موڑ پر نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

فادر آ گیا

وہ پھر اسی طرح دوڑتا ہوا پائیں باغ میں واپس آیا۔ روحی اور نوشابہ وہاں موجود تھیں۔

نوشابہ اپنے مخصوص لہجے میں چنگھاڑ رہی تھی۔ شاید وہ روحی کو قاسم کے متعلق کچھ بتا رہی تھی۔

''کوئی گاڑی ہے یہاں۔'' حمید نے تیزی سے پوچھا۔ وہ بُری طرح بے چین نظر آ رہا تھا۔

''ہے گیراج میں..... ایک اسٹیشن ویگن۔''

''گیراج کدھر ہے۔''

روحی تقریباً دوڑتی ہوئی اس کے ساتھ گیراج کی طرف جا رہی تھی۔

اسٹیشن ویگن حالانکہ بہت دنوں سے استعمال میں نہیں تھی لیکن آرڈر میں تھی۔

''بیٹھو.....!'' حمید نے روحی کو اسٹیشن ویگن میں دھکیلتے ہوئے کہا۔

''میں..... میں.....!'' روحی ہکلائی۔

''ہاں..... میں تمہیں ساتھ لے جاؤں گا۔''

''کیوں.....!'' روحی نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

''راستے میں بتاؤں گا۔''

حمید نے انجن اسٹارٹ کیا۔ گاڑی گیراج سے باہر نکلی اور پائیں باغ سے گذر کر سڑک پر آ گئی۔

''میرا خیال ہے کہ وہ اس سڑک پر کوئی بڑا ٹرک تیزی سے نہ چلا سکیں گے۔'' حمید نے کہا اور روحی بولی۔ ''لیکن آپ مجھے اس خطرناک مہم پر کیوں لے جا رہے ہیں۔''

''ہوسکتا ہے کہ اس میں بھی ان لوگوں کی کوئی چال ہو۔ مجھے اس بہانے سے باہر نکال کر تم پر ہاتھ ڈالنا چاہتے ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد تم اور نوشابہ وہاں تنہا رہ جاتیں۔ ابھی تمہارے نوکر بھی وہاں نہیں پہنچے۔ شام کی چائے تم نے ہی بنائی تھی۔''

''مگر اب اندھیرا پھیلتا جا رہا ہے اور آپ تنہا ہیں۔''

''اس کی پرواہ نہ کرو۔'' حمید نے کہا۔ ''ہاں نوشابہ نے کیا بتایا تھا۔''

''قاسم صاحب پائیں باغ میں تھے۔ نوشابہ بھی وہیں تھی اچانک رسی کا ایک پھندا قاسم صاحب کی گردن میں آ پھنسا اور وہ زمین میں گر پڑے۔ پھر پانچ چھ آدمی ان پر آ گرے۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں جانتی۔ یہ دیکھنے کے لئے وہ وہاں رکی ہی نہیں کہ وہ انہیں کہاں لے گئے۔

ویسے اس نے اس واقعے سے کچھ دیر قبل سڑک پر ایک ٹرک رکتے ضرور دیکھی تھی۔ کہیں یہ لوگ انہیں غنڈوں کے ساتھی نہ ہوں جن کی مرمت آپ لوگوں نے دلکشا میں کی تھی۔''

''ہوسکتا ہے۔''

اسٹیشن ویگن پہاڑی سڑک پر چکراتی رہی۔

''اگر وہ سب ہم پر آ پڑے تو آپ کیا کریں گے۔'' روحی نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

''پیٹی کا آخری کارتوس بھی پھونک دوں گا اس کے بعد جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔''

''کارتوس..... کیا آپ کے پاس ریوالور بھی ہے۔''

''ڈرو نہیں..... اس کا لائسنس بھی ہے۔'' حمید نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

''اب کافی اندھیرا پھیل گیا تھا..... حمید کو ہیڈ لائیٹس روشن کر دینی پڑیں۔''

''کیا نوشابہ بھی تنہا رہتی ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''ارے انتہائی درجہ کنجوس ہے۔ ایک نوکر بھی نہیں رکھ سکتی۔ کھانا خود پکاتی ہے۔ ویسے کپڑے اتنے شاندار پہنتی ہے کہ بس دیکھتے ہی رہ جایئے۔ دن میں کئی بار لباس تبدیل کرتی ہے۔''

''اوہو..... ہم تو شہر کے قریب آ پہنچے۔'' حمید نے کہا..... ''لیکن مگر ٹھہرو مجھ سے غلطی ہوئی۔ میں اس دوسری سڑک کو شہر والی سڑک سمجھا تھا۔ نہیں وہ قاسم کو ایسی حالت میں شہر کی طرف لانے کی ہمت نہیں کریں گے۔''

''کیوں.....؟''

''اوہو..... اس آدمی کو دیر تک قابو میں رکھنا آسان کام نہیں ہے۔ خیر اب ادھر آئے ہیں تو اس واقعہ کی رپورٹ پولیس کو بھی دیتے چلیں۔''

روحی کچھ نہ بولی۔ بہرحال اب اس کے چہرے پر خوف یا الجھن کے آثار نہیں تھے۔ ہوسکتا ہے وہ ان نامعلوم آدمیوں اور حمید کے ٹکراؤ سے ڈرتی رہی ہو اور اب اس کے امکانات نہ دیکھ کر مطمئن ہوگئی ہو۔

کوتوالی میں رپورٹ درج کرانے کے بعد حمید روحی سمیت کیپٹن ماتھر کے بنگلے کی طرف روانہ ہوگیا۔

ماتھر سے ملاقات نہ ہوسکی۔ وہ موجود نہیں تھا.....لیکن کوتوالی میں روحی کی آمد ایسی نہیں تھی کہ وہاں کی فضا پرسکون رہ جاتی۔ لوگ اپنے کام چھوڑ چھوڑ کر اسے دیکھنے کے لئے اکٹھا ہوگئے۔

یہ حالت دیکھ کر حمید کو ماتھر کے بنگلے ہی میں پناہ لینی پڑی۔

لیکن یہ ایک زبردست غلطی تھی۔ اسے کم از کم ماتھر کی عدم موجودگی میں اس کے بنگلے میں قدم بھی نہ رکھنا چاہئے تھا۔

ماتھر کے گھر والے اسے اچھی طرح پہچانتے تھے۔ انہوں نے جب اس کے ساتھ روحی کو دیکھا تو سارے کے سارے ڈرائینگ روم میں اکٹھا ہوگئے۔ ادھر ادھر کی باتیں چھڑ گئیں اور روحی حیرت سے ان کی گفتگو سنتی رہی۔ ماتھر کی بیوی بار بار اسے کیپٹن حمید کے نام سے مخاطب کررہی تھی اور حمید کا یہ عالم تھا جیسے اسے بھرے بازار میں ننگا کردیا گیا ہو۔

اس دوران میں کرنل فریدی کے تذکرے بھی ہوتے رہے۔ روحی کبھی حیرت سے حمید کی طرف دیکھتی اور کبھی ان لوگوں کی طرف۔

دفعتاً حمید نے اس سے کہا۔ ''آپ نوشابہ کو فون کردیجئے کہ آپ صبح سے پہلے واپس نہیں آئیں گی۔''

''کیوں.....؟''

''ماتھر صاحب کے آجانے پر میں فورس لے کر قاسم کی تلاش میں جاؤں گا اور آپ یہیں رہیں گی۔''

''اوہ.....ہمیں بڑی خوشی ہوگی۔'' ماتھر کی سالی نے کہا۔

''نہیں میں اتنی تکلیف نہیں دے سکتی۔ حرج کیا ہے۔ میں واپس چلی جاؤں گی۔''

''میں اس کا مشورہ ہرگز نہیں دوں گا۔''

روحی خاموش ہوگئی اور پھر تجویز کے مطابق اس نے نوشابہ کو فون کردیا۔ نوشابہ بہت فکرمند تھی مگر اتنی خائف بھی نہیں تھی کہ تنہا رات نہ گذار سکتی۔

آدھے گھنٹے بعد ماتھر واپس آگیا۔ روحی اس کی سالیوں کے ساتھ اندر چلی گئی۔

''تم کیا کرتے پھر رہے ہو کپتان صاحب۔'' ماتھر نے حمید کو گھورتے ہوئے کہا

اس پر اُس نے سارے واقعات دہراتے ہوئے کہا۔ ''میں قاسم کو تلاش کرنا چاہتا ہوں۔ میرے ساتھ کم از کم پانچ مسلح کانسٹیبل ہونے چاہئیں۔''

''لے جاؤ.....کہو تو میں بھی ساتھ چلوں۔ ویسے مجھے امید نہیں ہے کہ قاسم کو پاسکو.....وہ ایک موٹی مرغی ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''رام گڈھ آج کل لاقانونیت کا مرکز بن گیا ہے۔ میرا خیال ہے یہ اُسی گروہ کا کام ہے جس کا سراغ پانے میں ہم ابھی تک ناکام رہے ہیں۔ اس گروہ کا طریق کار ہے کہ شہر کے متمول ترین آدمیوں کو اغواء کیا جاتا ہے پھر ان کے ورثاء سے بھاری رقموں کے مطالبے کئے جاتے ہیں۔ جب تک رقم وصول نہیں ہوجاتی وہ اغواء کئے ہوئے آدمی کو چھوڑتے نہیں۔ بعض اوقات تو رقمیں وصول ہوجانے کے بعد بھی نہیں چھوڑتے اور مزید رقم کا مطالبہ کر بیٹھتے ہیں۔''

حمید کچھ سوچنے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ''تب تو وہ یقیناً ایک موٹی مرغی ہے۔ آپ نے خان بہادر عاصم کا نام تو سنا ہی ہوگا۔''

''ہاں.....کیوں نہیں۔''

''قاسم انہیں کا لڑکا ہے۔''

''آہا.....تب تو اس کی طرف سے مایوس ہوجاؤ۔''

''مگر یہ ناممکن ہے کہ میں صبر کرکے بیٹھ جاؤں۔''

''اچھا ہے بیٹھو.....یہ تو بہت اچھا ہوا کہ تمہارا ایک دوست ان لوگوں کے ہتھے چڑھ گیا جن سے رام گڈھ کی پولیس تنگ آگئی ہے۔''

حمید کچھ نہیں بولا۔ اُس نے دس مسلح کانسٹیبلوں کے ساتھ سارا علاقہ چھان مارا جہاں سے قاسم کی بازیابی کے امکانات ہوسکتے تھے لیکن دو بجے رات تک بھٹکتے رہنے کے باوجود بھی اس کا سراغ نہ ملا اور حمید تھک ہار کر واپس آگیا۔

رات ماتھر کے ہاں بسر کی اور صبح کو وہ دونوں کوٹھی کیلئے روانہ ہوگئے۔ روحی خاموش تھی۔

''کیوں کیا تم اب مجھے اپنے ساتھ نہیں رکھنا چاہتیں؟''

''میری ایک بہت بڑی الجھن رفع ہوگئی۔'' روحی دلآویز انداز میں مسکرائی۔ چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔ ''یہ حقیقت ہے کہ میں ابھی تک آپ کی طرف سے مطمئن نہیں تھی۔''

''کیا سمجھتی تھیں۔''

''کوئی بہت بڑا فراڈ.....!''

''وہ تو میں اب بھی ہوں۔ چونکہ میں قانون کی حفاظت کے لئے فراڈ کرتا ہوں۔ اس لئے اس فراڈ کو حکمت عملی کہیں گے۔ اگر کوئی عام آدمی مقصد براری کے لئے یہی طریقہ اختیار کرے تو وہ قانون کی نظر میں فراڈ ہوگا۔''

''اب آپ قاسم صاحب کے لئے کیا کریں گے۔''

''دیکھا جائے گا۔'' ان کا مقصد یہی ہوسکتا ہے کہ وہ اسکے باپ سے ایک لمبی رقم وصول کریں۔''

''قاسم صاحب کون ہیں۔''

''میرا خیال ہے کہ تمہارا حسن اس کا شرمندہ احسان بھی ہے۔''

''کیا مطلب.....میں نہیں سمجھی۔''

''تمہارے جسم پر اس وقت اسی کے ملوں کے کپڑے ہیں۔ سارے ملک میں اس کے ملوں سے بہتر کپڑے کوئی دوسرا مل نہیں نکال رہا ہے۔''

''کون سے مل۔''

''عاصم ٹیکسٹائل۔''

''اوہو.....!'' روحی حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر رہ گئی۔

کچھ دیر خاموش رہی پھر روحی نے کہا۔ ''آپ نے ڈاکٹر اوہان کا بہروپ کیوں بنایا تھا۔''

''ہمارے محکمے کے لوگ پبلک زندگی میں اپنی اصلیت کے ساتھ کبھی نہیں آتے۔''

''مگر آپ کا یہ روپ بے مقصد نہیں معلوم ہوتا۔ بلکہ صاف ظاہر ہے کہ آپ اس طرح دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔ مگر بلی والا معاملہ بھی سمجھ میں نہیں آتا۔''

''اوہ میری ستارہ شناسی بہرحال اپنی جگہ پر اٹل ہے۔''

روحی کچھ نہیں بولی۔ نہ جانے کیوں وہ پھر کچھ فکرمند سی نظر آنے لگی تھی۔

وہ کوٹھی پہنچ گئے۔ نوشابہ موجود تھی لیکن اس کا چہرہ بالکل زرد تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ برسوں سے خوف کی حالت میں زندگی گذار رہی ہو۔ اس نے ایک بے جان سی مسکراہٹ کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔

''اوہو.....آپ لوگ آ گئے۔ پچھلی رات میں بوڑھی ہوگئی۔''

''کیا بات ہے۔'' حمید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''اندر چلئے.....اطمینان سے بتاؤں گی۔''

روحی بہت غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔ نوشابہ نے ان کے بیٹھنے کا انتظار نہیں کیا۔

''آپ کا فون آنے سے پہلے مجھے صرف تشویش تھی۔'' اس نے روحی سے کہا۔ ''لیکن آپ کے متعلق معلوم ہوجانے کے بعد ہی سے پریشانی شروع ہوگئی۔ آپ جانتی ہیں کہ میں ہمیشہ یہاں تنہا رہی ہوں اور کبھی میرا وزن ایک اونس بھی کم نہیں ہوا۔ لیکن میرا دعویٰ ہے.....!''

وہ خاموش ہوکر مسکرائی اور پھر بولی۔ ''میرا دعویٰ ہے کہ رات سے اب تک کم از کم دس پونڈ ضرور کم ہوگئی ہوں گی۔''

''ایک افسوس ناک خسارہ۔'' حمید روحی کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے بولا۔ لیکن نوشابہ اس ریمارک سے بے پرواہ بولتی رہی۔ ''میں نے خود اپنی آنکھوں سے ان لوگوں کو دیکھا ہے۔ وہ کچھ تلاش کر رہے تھے۔ ان کا ایک آدمی میرے سر پر مسلط تھا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ پھر جب وہ چلے گئے تو میں نے پوری کوٹھی کا چکر لگایا۔ انہوں نے صرف ڈاکٹر اوہان اور ان کے دوست کا سامان الٹ پلٹ ڈالا تھا۔ اس کے علاوہ میرا خیال ہے کہ انہوں نے کسی چیز کو بھی ہاتھ نہیں لگایا۔ اب آپ خود سوچئے کہ باقی رات کس طرح گذاری ہوگی میں نے.....وہ تعداد میں پانچ تھے اور انہوں نے اپنے چہرے نقابوں سے چھپا رکھے تھے۔''

''ڈاکٹر اوہان کا ستارہ گردش میں ہے۔'' حمید بڑبڑایا اور اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ حقیقتاً ایک بار پھر ہوٹل ہی کی طرح اس کا سامان بکھرا ہوا نظر آیا۔ یعنی شاید دوسری بار کسی نے اس کے سامان کی تلاشی لی تھی۔ لیکن سامان کی تلاشی سے حمید کی شخصیت کے متعلق اندازہ کر لینا ناممکنات میں سے تھا۔ اس نے اپنے پاس کوئی ایسی چیز رکھی ہی نہیں تھی جس سے اس کی

اصلیت پر روشنی پڑسکتی۔ لیکن قاسم کے سامان کے متعلق حمید کو علم نہیں ہوسکتا تھا کہ تلاشی لینے والوں نے قاسم کے متعلق معلومات حاصل ہی کرلی ہوں۔ ویسے خود اس کی زبان سے کچھ اگلوالینا آسان کام نہیں تھا۔

وہ اپنی چیزیں ترتیب سے لگانے لگا۔ اتنے میں روحی بھی وہاں پہنچ کر اس کا ہاتھ بٹانے لگی۔

''مگر.....!'' حمید بڑبڑایا۔ ''اب مجھے یہاں سے رخصت ہوجانا چاہئے۔''

''کیا..... یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔'' روحی نے کہا۔ ''آپ مجھے اس مصیبت میں چھوڑ کر کہیں اور نہیں جاسکتے۔''

''میرا فادر بڑا خطرناک آدمی ہے۔'' حمید بولا۔ ''اگر اُسے معلوم ہوگیا کہ میں ایک خوبصورت سی فلم اسٹار کے ساتھ مقیم ہوں تو وہ میری آئندہ نسلوں کو یتیم کردے گا۔''

''جی نہیں..... میں انہیں سمجھالوں گی۔''

''تم سمجھالوگی..... کرنل ہارڈ اسٹون کو..... ہاہا..... کیا بات کہی ہے۔''

''کرنل ہارڈ سٹون..... آپ کے باپ..... میں نہیں سمجھی۔ یہ نام تو کسی انگریز یا عیسائی کا ہوسکتا ہے۔''

''یہ نام نہیں صفت ہے۔''

''میں کچھ نہیں جانتی۔ آپ کو یہیں قیام کرنا ہوگا۔''

''اور اگر کسی نے تمہارے دھوکے میں مجھ پر تیزاب ڈال دیا تو میں کیا کروں گا۔ پھر ہوسکے گی میری شادی۔''

''خیر آپ کی شادی تو ویسے بھی نہ ہوگی۔''

''کیوں.....؟''

''آپ صورت سے شوہر کبھی نہ معلوم ہوں گے..... مجھے یقین ہے۔''

''لیکن چند بچوں کا فادر ضرور معلوم ہوں گا۔''

''میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتی..... لیکن آپ مجھے اس طرح چھوڑ کر نہیں جاسکتے۔''

''پھر جس طرح کہو چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔''

دفعتاً باہر سے کسی نے دستک دی۔

''ہام..... کون ہے۔'' حمید نے کہا۔

''میں آجاؤں۔'' نوشابہ کی آواز آئی۔

''آیئے.....!'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا اور کچھ اس طرح منہ بنایا کہ روحی بیساختہ ہنس پڑی۔

''وہ کوئی صاحب فون پر مسخرہ پن فرمارہے ہیں۔'' نوشابہ نے کہا۔

''کیا بات ہے۔''

''پتہ نہیں کون ہے..... کہتا ہے کہ یہاں کوئی کیپٹن حمید ہے۔ اُسے فون پر بلا دیا جائے۔''

''وہ کہاں سے بول رہا ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''یہ نہیں بتایا۔''

''میں دیکھتا ہوں۔'' حمید دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ فون پر اُسے جس کی بھی آواز سنائی دی ہو لیکن روحی یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکی کہ حمید کچھ بوکھلا سا گیا ہے۔

''جی ہاں.....!'' وہ ماتھ پیس میں کہہ رہا تھا۔ ''میں یہیں ہوں۔ آپ نے ٹھیک سنا ہے۔ ارے باپ رے..... مگر سنئے تو سہی..... وہ محض مذاق تھا..... محض تفریح..... لیکن آپ کیوں اور کیسے آگئے..... میں بڑی مشکل میں ہوں..... یہ ناممکن ہے..... وہ اس پر تیار نہیں ہے..... ارے باپ رے..... پھر بتایئے میں کیا کروں..... آپ قسم لے لیجئے..... مرگیا..... اچھا میں ابھی آؤں گا..... مگر تنہا نہیں..... آپ سنئے تو سہی..... جی ہاں..... جی ہاں۔''

حمید ریسیور رکھ کر دھڑام سے دوسری طرف الٹ گیا۔ روحی اور نوشابہ گھبرا کر اس کی طرف جھپٹیں لیکن وہ پھر اٹھ کر کسی کے نمبر ڈائیل کرنے لگا۔ لیکن شاید دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ لیکن حمید ماؤتھ پیس میں ''فادر فادر'' چیختا رہا پھر ریسیور رکھ کر پیشانی رگڑنے لگا۔

''کیا بات ہے۔'' روحی نے حیرت سے پوچھا۔

''فادر آگیا ہے۔'' حمید نے پھٹی پھٹی سی آواز میں کہا۔ ''اب میں یہاں نہ رک سکوں گا۔''

روحی اور نوشابہ نے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور حمید بکتا رہا۔ ''اس فادر

کے بچے کو بھی چین نہیں ہے۔ کبھی یہاں کبھی وہاں..... میرے ستارے۔"

کوئلے کا مجسمہ

روحی پر یہ بات بہت دیر بعد واضح ہوئی کہ حمید کا "فادر" کرنل فریدی ہے۔ اور پھر وہ کرنل فریدی سے ملنے کے لئے بُری طرح بے چین نظر آنے لگی۔

"تم کیوں ملنا چاہتی ہو۔" حمید نے پوچھا۔

"لوگ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔" روحی نے سوال کیا۔

"کیونکہ تم ایک خوبصورت عورت ہو۔"

"یعنی میں لوگوں کے لئے کشش رکھتی ہوں۔"

"قطعی.....!"

"بس اسی طرح کرنل فریدی بلکہ صرف یہ نام میرے لئے اپنے اندر بڑی کشش رکھتا ہے۔ میں اس آدمی کو قریب سے دیکھنا چاہتی ہوں جس سے بعض اوقات مجرمے سرزد ہوتے ہیں۔"

حمید اپنی کھوپڑی سہلانے کے بعد ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "ستارے! خیر..... ہاں..... مگر وہ تم سے نہیں مل سکیں گے۔"

"کیوں.....؟"

"تمہارا نام ہی سن کر وہ اس قابل نہ رہ جائیں گے کہ تمہیں دیکھ سکیں۔"

"آپ مذاق بہت اچھا کر لیتے ہیں۔" روحی نے خشک لہجے میں کہا۔ "لیکن میں اس وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

فون کی گھنٹی بجی اور حمید نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو.....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "کون ہے!"

"وہی نالائق.....!" حمید نے جواب دیا۔ "آپ بتاتے کیوں نہیں کہ یک بیک یہاں

کیسے پہنچ گئے۔"

"کل دوپہر کو ماتھر نے میرے لئے ٹرنک کال کی تھی..... ڈاکٹر اوہان کے بچے میں تمہاری اچھی طرح خبر لوں گا..... روحی سے پوچھو کہ اس نے ادارہ روابط عامہ سے کب مدد لی تھی۔ پہلے حملے سے قبل یا بعد میں۔"

حمید نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر روحی سے فریدی کا سوال دہرایا۔

"کون ہے۔" روحی نے پوچھا۔

"فادر ولیم.....!"

"اوہ..... کرنل فریدی ان سے کہہ دیجئے کہ پہلے حملے کے بعد ہی میں نے اس ادارے سے مدد طلب کی تھی مگر انہیں کیسے معلوم ہوا۔"

"رات میں نے ماتھر سے اس کا تذکرہ کیا تھا۔" حمید نے کہا اور فریدی تک روحی کا جواب پہنچا دیا۔

"کیا وہ خود ہی وہاں گئی تھی یا کسی نے اُسے مشورہ دیا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

حمید نے پھر روحی سے پوچھ کر اُسے جواب دیا۔ "ایک دوست نے مشورہ دیا تھا۔"

"مجھے اس دوست کا نام اور پتہ چاہئے۔" فریدی نے کہا۔

"آخر آپ آتے ہی روحی میں کیوں اتنی دلچسپی لینے لگے۔"

"یہ قاسم کا کیس ہے، جو محض تمہاری حماقتوں کی بناء پر مصیبت میں پھنس گیا ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہیں۔" روحی نے لہک کر پوچھا۔

"تمہارے سلسلے سے وہ قاسم تک پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تمہارے کیس سے انہیں ذرہ برابر بھی دلچسپی نہیں۔ ویسے ہوسکتا ہے کہ لگے ہاتھوں تمہاری مقصد براری بھی ہو جائے اسلئے اپنے اس دوست کا نام اور پتہ بتاؤ جس نے تمہیں ادارہ سے گفت وشنید کرنے کا مشورہ دیا تھا۔"

"اتنی دیر.....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "جلدی کرو۔"

"بس فوراً" حمید نے ماؤتھ پیس میں کہا اور روحی کی طرف دیکھنے لگا جواب کچھ پریشان نظر آرہی تھی۔

''وہی آدمی جسے آپ نے دلکشا کے ڈائیننگ ہال میں باڈی گارڈ کے ساتھ دیکھا تھا۔ یہاں کا ایک سربرآوردہ آدمی ہے۔''

''فادر ولیم..... سربرآوردہ آدمیوں کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں کرتے۔ فادر ولیم کئی بڑے سرمایہ داروں کے گالوں پر تھپڑ تک رسید کر چکے ہیں۔''

روحی نے اسے اس آدمی کے متعلق تفصیل سے بتایا اور حمید نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

''سردار شکوہ نام ہے۔ پتہ ایک سو گیارہ کٹل بالا..... یہاں کے سربرآوردہ آدمیوں میں سے ہے..... مگر فادر..... میں بہت اداس ہوں۔''

''تمہاری اداسی دور ہونے کی صرف ایک ہی صورت ہے۔''

''فرمایئے۔''

''اس وقت تک تم پر مار پڑتی رہے جب تک کہ کھال نہ گر جائے۔''

''میں اپنی کھال کھنچوا کر آپ کو روانہ کر دوں گا۔ مگر آپ مجھے یہیں رہنے دیجئے ورنہ روحی کا ہارٹ فیل ہو جائے گا..... اور..... ملک ایک بہت بڑی فنکارہ سے محروم ہو جائے گا۔''

حمید اور نہ جانے کیا کیا بکتا رہا لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

''یہ سب کیوں کہہ رہے تھے آپ۔'' روحی نے بُرا سا منہ بنا کر پوچھا۔

''فادر سے کوئی بات چھپانا شامت کو دعوت دینے سے کم نہیں۔''

''مجھے ملایئے کرنل سے..... مگر ٹھہریئے۔ آخر آپ لوگ ادارہ روابط عامہ کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔''

''ادارہ روابط عامہ فراڈ ہے۔ اگر اب بھی اس کی حرکت آپ کی سمجھ میں نہ آئے تو آپ کسی گزیٹیڈ آفیسر سے شادی کر لینی چاہئے۔''

''کیسی حرکت.....!''

''کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ پر اب تک جتنے بھی حملے ہوئے ہیں ان میں اسی ادارہ کا ہاتھ رہا ہو۔''

''یہ کیسے ممکن ہے۔ آپ خواہ مخواہ تہمت تراشی کر رہے ہیں۔''

''پہلے آپ مجھے یہ بتایئے کہ آپ اب تک اس ادارہ کو کتنی رقم دے چکی ہیں۔''

''پچیس ہزار.....!''

''گڈ گاڈ..... اور اس کے باوجود بھی آپ کی اپر چیمبر اب تک مقفل ہے۔''

فون کی گھنٹی نے اس گفتگو کو آگے نہیں بڑھنے دیا۔

اس بار روحی نے ریسیور اٹھا لیا۔

''ہیلو.....!''

''کون روحی صاحبہ۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''میں روحی ہوں۔''

''میں سلمان بول رہا ہوں..... ادارہ روابط عامہ سے۔''

''اوہ..... ڈاکٹر سلمان..... کہئے۔''

''کیا یہ ضروری ہے کہ آپ اجنبیوں پر اعتماد کر لیں۔''

''اوہ..... وہ دیکھئے..... میرا خیال ہے کہ آپ ڈاکٹر اوہان کے متعلق کچھ کہہ رہے ہیں۔''

''ٹھیک سمجھیں آپ..... کیا آپ اس آدمی کو پہلے سے جانتی ہیں۔''

روحی ہچکچائی لیکن حمید جلدی سے بولا۔ ''تم اُسے بتا دو کہ میں کون ہوں۔''

لیکن روحی نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ''میں ڈاکٹر اوہان کو پہلے سے جانتی ہوں۔''

''آپ غلط بیانی سے کام لے رہی ہیں مس روحی۔ آپ اس دن اس سے واقف ہوئی تھیں جس رات آپ کی بلی نے آپ پر حملہ کیا تھا۔''

''ہو سکتا ہے یہی بات ہو ڈاکٹر سلمان۔'' روحی جھنجھلا گئی۔

''اس لئے ادارہ روابط عامہ آپ کی خدمت سے قاصر ہے۔''

''ادارہ روابط عامہ نے اب تک کون سا کارنامہ انجام دیا ہے میرے لئے۔''

''محترمہ روحی! ڈاکٹر سلمان کی روحانی قوت ہی تھی جس نے آج تک کوئی حملہ کامیاب نہ ہونے دیا۔ اگر مجھے آپکے دشمن کی صحیح شخصیت کا علم ہوتا تو وہ کب کا آپ کے قدموں پر آ گرا ہوتا۔''

''خیر اسے جانے دیجئے۔'' روحی نے کہا۔ ''کیا آپ کو علم ہے کہ میرا باڈی گارڈ حملے والی

رات سے غائب ہوگیا تھا۔"

"مجھے علم ہے اور یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ قطعی بے قصور ہے۔ اسے اغواء کیا گیا تھا محض اس لئے کہ اس حملے کا الزام اس کے سر آئے۔"

"تب تو آپ اغواء کرنے والوں کو بھی جانتے ہوں گے۔"

"نہیں..... میں صرف آدمی ہوں۔ کوئی مافوق الفطرت ہستی نہیں۔ آپ کے باڈی گارڈ شاہد کو اس بات کا علم تھا کہ آپ نے ہم سے مدد طلب کی ہے اور ہم آپ کے لئے کام کر رہے ہیں۔ لہٰذا شاہد نے ہمارے پاس آ کر ساری روداد بیان کی ہے۔ لیکن چونکہ آپ اس کی طرف سے غیر مطمئن ہوں گی اس لئے وہ آپ سے نہیں ملا۔ اغواء کرنے والے اسے ایک کار میں ڈال کر رام گڑھ سے دس میل کے فاصلے پر چھوڑ آئے ہیں۔ اس غریب کو وہاں سے پیدل آنا پڑا اور اس مضحکہ خیز اغواء کا مطلب بھی اس کی سمجھ میں آ گیا۔ لہٰذا وہ آپ کے پاس آنے کی ہمت نہیں کر سکا اور خود پولیس کی نظروں سے بھی چھپا رہا ہے۔ میں نے اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ اس واقعہ کی رپورٹ باقاعدہ طور پر درج کرائے لیکن اس کی ہمت ہی نہیں پڑی۔"

"وہ کہاں ہے۔" روحی نے پوچھا۔

"ضروری نہیں کہ وہ اب بھی وہیں ہو جہاں پہلے تھا۔ ہوسکتا ہے کہ ہم سے رجوع کرنے کے بعد اس نے اپنی وہ قیام گاہ چھوڑ دی ہو۔ یقیناً چھوڑ دی ہوگی۔ جبکہ وہ اتنا ڈرپوک ہے۔"

"پھر بھی وہ پہلے کہاں تھا۔"

"کلل بالا کے ایک چھوٹے سے ہوٹل اٹالیانو میں۔"

"شکریہ.....! میں دیکھوں گی کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتی ہوں۔"

"محترمہ روحی! آپ تباہی کی طرف جا رہی ہیں۔ بغیر سمجھے بوجھے اجنبیوں پر اعتماد نہ کیجئے۔"

"آپ یہاں کے سپرنٹنڈنٹ پولیس کیپٹن ماتھر کو جانتے ہیں۔" روحی نے پوچھا۔

"انہیں کون نہ جانے گا۔"

"کیپٹن ماتھر کا خیال ہے کہ ڈاکٹر اوہان سرکاری طور پر کیپٹن حمید کہلاتے ہیں اور مرکزی سی آئی ڈی کے ایک ذمہ دار آفیسر ہیں۔"

"اوہو..... کیپٹن حمید..... شاید میں یہ نام پہلے بھی سن چکا ہوں..... ہاں..... اچھا..... یہ کرنل فریدی کے اسسٹنٹ تو نہیں ہیں۔"

"آپ ٹھیک سمجھے۔"

"تب تو محترمہ روحی آپ کی عقلمندی کی داد دوں گا۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "اس بار آپ نے صحیح آدمی کا انتخاب کیا ہے۔"

"شکریہ..... اور اب اسی لئے میں آپ کو مزید تکلیف نہیں دینا چاہتی۔"

"کوئی بات نہیں مس روحی..... اس صورت میں آپ کی آدھی رقم واپس ہوسکتی ہے..... یعنی ساڑھے بارہ ہزار۔"

"رقم کی مجھے پرواہ نہیں ہے۔ خواہ آپ واپس کریں خواہ نہ واپس کریں۔"

"آپ بڑی دریا دل ہیں محترمہ روحی..... مگر یہ ساڑھے بارہ ہزار تو آپ کو واپس کئے ہی جائیں گے..... یہی ہمارا اصول ہے۔"

"آپ کی مرضی.....!" روحی نے لاپروائی سے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

"ڈاکٹر سلمان.....!" حمید نے ایک طویل سانس لی اور روحی کو غور سے دیکھنے لگا۔

روحی نے اسے سب کچھ بتا دیا۔

"بڑے شریف لوگ ہیں۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔ "ساڑھے بارہ ہزار واپس کر دیں گے۔"

اس کے بعد اس سلسلے میں کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ روحی کے ملازمین آ گئے تھے اور وہ کوٹھی کو رہائش کے قابل بنانے کے لئے روحی کی ہدایات کے مطابق ادھر اُدھر مصروف تھے۔

وہ دونوں باہر برآمدے میں بیٹھ گئے۔

آسمان میں سفید بادل صبح ہی سے منڈلا رہے تھے۔ اب اس وقت ہلکا سا ترشح بھی شروع ہوگیا تھا۔

"روحی.....!" حمید نے اُسے بڑے پیار سے مخاطب کیا۔

"فرمایئے۔" روحی نے طنز آمیز لہجے میں کہا۔

"میری آخری خواہش پوری کرو..... اس کے بعد پھر پتہ نہیں میں کہاں ہوں۔"

''یعنی.....!'' روحی نے اسے غصیلی نظروں سے دیکھا۔

''تم کیا سمجھتی ہو'' حمید اسے تیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ ''میں یہ کہہ رہا تھا کہ میں والکن پر ایک گیت چھیڑوں اور تمہارے پیروں میں گھونگھرو ہوں۔ یہ ہے میری آخری خواہش اور یقین رکھو کہ رقص ختم ہونے سے پہلے ہی میں مر جاؤں گا۔''

''اور پھر پولیس تحقیقات شروع کر دے گی..... کیوں؟'' روحی مسکرائی۔

اچانک حمید نے اپنی کرسی سے چھلانگ لگائی اور بے تحاشہ اندر کی طرف بھاگا۔

ظاہر ہے کہ روحی بھی اس کی حرکت پر بوکھلا گئی ہوگی۔ اس نے بھی اس کا ساتھ دیا لیکن ساتھ ہی ہسٹریائی انداز میں چیخ چیخ کر پوچھتی بھی جا رہی تھی۔ ''کیا ہوا..... کیا ہوا۔''

''فادر آ گیا.....؟'' دفعتاً حمید نے اس کی طرف مڑ کر کہا اور اپنے کمرے میں گھس گیا۔

روحی جہاں تھی بُرا سا منہ بنائے ہوئے وہیں رک گئی۔ وہ حمید کے کمرے میں جانے کی بجائے پھر باہر جانے کے لئے دوسری طرف مڑ گئی۔

برآمدے میں پہنچتے ہی اس کی نظر پولیس کار پر پڑی جس سے ایک ایسا آدمی اُتر رہا تھا جو کم از کم اس عمر کا تو ہرگز نہیں تھا کہ حمید اسے فادر کہہ سکتا۔

روحی صرف ایک ہی بار اس سے نظر ملا سکی..... دوسری بار اس کے چہرے کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں پڑی۔ وہ ایسا ہی باوقار اور پُر رعب چہرہ تھا..... خصوصاً آنکھیں تو بجلیوں کا خزانہ معلوم ہو رہی تھیں۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا برآمدے کی طرف آیا۔

''مس روحی آپ ہیں۔'' اس نے نرم لہجے میں پوچھا۔

''جج..... جی ہاں.....!'' روحی ہکلائی۔

''کیپٹن حمید کہاں ہے۔''

''وہ..... اندر ہیں۔''

''براہِ کرم بلوا دیجئے۔''

''ان..... اندر تشریف لے چلئے..... آپ بھی۔''

''ہو سکتا ہے آپ کسی غلط آدمی کو مدعو کر رہی ہوں۔'' اس نے کہا۔

''مم..... میں جانتی ہوں..... آپ..... فف..... فریدی صاحب ہیں۔''

فریدی نے ایک طویل سانس لی اور بولا۔ ''میں یہیں ہوں آپ اسے بلوا دیجئے۔''

روحی اندر چلی گئی..... حمید اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔

''آپ کے فادر آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔'' روحی نے مسکرا کر کہا۔

''میں جانتا ہوں لہٰذا جانے سے پہلے تمہیں ایک وصیت کروں گا۔ میری لاش کے ساتھ ایک والکن اور اپنے گھونگھروؤں کی ایک جوڑی دفن کر دینا۔ کیونکہ تم نے میری آخری خواہش پوری نہیں کی اس وقت میرے ستارے شائد حقہ پی رہے ہیں۔''

''جلدی کیجئے..... وہ شائد زیادہ غصے میں ہیں۔''

''غصے میں ہیں تو شائد کفن مہیا کرنے کی بھی مہلت نہ ملے۔ لہٰذا مجھے اپنی کسی پھٹی پرانی ساری میں لپیٹ کر دفن کر دینا۔''

''کیا بیکار باتیں کر رہے ہیں..... آپ چلئے۔'' روحی اس کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف کھینچتی ہوئی بولی۔

برآمدے میں پہنچنے سے پہلے ہی حمید نے اس سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ یہاں فریدی نوشابہ سے قاسم کے متعلق گفتگو کر رہا تھا۔

نوشابہ بھی کچھ بوکھلائی ہوئی سی نظر آ رہی تھی اور اس کی قینچی کی طرح چلنے والی زبان ایک ایک لفظ پر لڑکھڑا رہی تھی۔ ویسے گفتگو میں ہنسنے کا سا انداز اب بھی شامل تھا۔

فریدی نے اس سے بہتیرے سوالات کئے۔ لیکن کسی بات پر تبصرہ نہیں کیا۔

پھر وہ پولیس کار کی طرف اشارہ کر کے حمید سے بولا۔ ''چلو.....!''

''اور سامان.....!'' حمید نے پوچھا۔

''اُسے یہیں رہنے دو۔''

''آپ چائے پئیں گے یا کافی۔'' روحی نے پوچھا۔

''میری چائے یا کافی آپ پر اُدھار رہی۔'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ''پھر سہی۔''

حمید چپ چاپ جا کر کار میں بیٹھ گیا۔ اگلی سیٹ پر ڈرائیور موجود تھا پھر فریدی بھی بیٹھ گیا اور کار پائیں باغ سے سڑک پر نکل آئی۔ حمید خاموش ہی رہا۔ فریدی بھی کچھ نہیں بولا..... کار چلتی رہی۔

کچھ دیر بعد وہ شہر میں پہنچ گئے۔ لیکن کار ان راستوں کو چھوڑتی جا رہی تھی جو کوتوالی کی طرف جاتے تھے۔

پھر وہ ایک عظیم الشان عمارت کے سامنے رک گئے۔ پھاٹک پر کھڑے ہوئے دو مسلح پہرے داروں نے ان کا استقبال کیا۔

اور پھر عمارت کے ڈرائینگ روم میں ایک سوگوار سی عورت انہیں ملی اس کی عمر چالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہوگی۔ چہرہ صحت مند لیکن غم کے بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ آنکھیں کچھ ایسی ویران سی تھیں جیسے روتے روتے خشک ہوگئی ہوں۔

''کرنل.....!'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میں آپ کی مشکور ہوں کہ آپ نے کیپٹن ماتھر کی درخواست پر تکلیف کی۔ اگر مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہو تو اسے اپنی توہین نہ سمجھئے گا۔ تین دن سے..... پورے تین دن گذرے..... میں نہیں سمجھ سکتی کہ میرا جسم برف ہے یا پتھر۔ میرے ساتھ آیئے میں آپ کو زیادہ تکلیف نہیں دوں گی۔''

وہ دوسرے کمرے میں جانے کے لئے مڑی۔ فریدی خاموشی سے اس کے پیچھے ہولیا اور حمید شاید الجھن کے باوجود بھی اس کے ساتھ چلتا رہا۔ ایک طویل راہداری سے گذرنے کے بعد وہ ایک کمرے کے بند دروازے پر رک گئے۔

عورت فریدی کی طرف مڑ کر بولی۔ ''اب مجھ میں اتنی سکت نہیں رہ گئی کہ اسے بار بار دیکھ سکوں۔ آپ اندر تشریف لے جایئے۔''

فریدی نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا۔ اس کے ساتھ ہی حمید بھی کمرے میں داخل ہوا۔ فریدی دروازے کے قریب ہی رک کر سیاہ رنگ کے ایک مجسمے کو دیکھنے لگا جو دروازے سے ڈیڑھ گز کے فاصلے پر دیوار سے ٹکا کھڑا تھا۔ وہ کسی برہنہ عورت کا مجسمہ تھا لیکن اُسے تراشنے والے نے سر پر بال نہ بنا کر اس کا سارا حسن ختم کر دیا تھا۔ فریدی اس کے بازو پر اپنی انگلی رگڑ کر

دیکھنے لگا۔ اس کی انگلی میں سیاہی چھوٹ آئی تھی۔

شعلہ لپکا تھا

حمید حیرت سے اس مجسمے کو دیکھ رہا تھا اس نے آج تک اتنا مکمل مجسمہ نہیں دیکھا تھا۔ ایسا مجسمہ جسے تراش کر منظر عام پر رکھنے کی ہمت کوئی بھی نہ کر سکتا۔ اچانک فریدی نے جیب سے قلم تراش چاقو نکالا اور اُسے کھول کر بعض جگہوں پر اس کی سطح کھرچنے لگا۔

''ہائیں.....!'' حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ ''یہ تو کوئلے کا معلوم ہوتا ہے۔''

''ذرا صبر کرو۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ''شور نہ مچاؤ۔''

حمید نے پھر اُسے غور سے دیکھا۔ مجسمے کے پیروں میں سفید سویٹ کے سینڈل تھے۔ بیداغ سینڈل جیسے وہ الگ سے پہنائے گئے ہوں۔ پھر اس نے فریدی کو مجسمے کے پیروں کے پاس بیٹھے دیکھا۔ وہ بھی اس کے سفید سینڈلوں کو ٹٹول رہا تھا۔

پھر وہ سیدھا کھڑا ہو کر مخالف سمت کی دیوار کے روشندان کی طرف دیکھنے لگا جس کا ایک شیشہ ٹوٹا ہوا تھا۔

''کیا یہ مجسمہ اپنی عریانیت کی بناء پر قانون کی گرفت میں نہیں آتا۔'' حمید نے کہا۔

''نہیں.....!'' فریدی نے کہا اور سامنے والی میز کی طرف چلا گیا۔ یہ لکھنے پڑھنے کی میز تھی۔ اس کی داہنی جانب ایک شلف میں کتابیں لگی ہوئی تھیں۔ فریدی حمید کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا باہر نکل آیا۔

راہداری کے دوسرے سرے پر وہی سوگوار عورت موجود تھی، جو انہیں یہاں تک لائی تھی۔ اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانک رکھا تھا۔

''آپ نے دیکھ لیا۔'' ان کے قریب پہنچنے پر اس نے آہستہ سے کہا۔

''جی ہاں.....!'' فریدی نے ایک طویل سانس لی۔

عورت خاموشی سے چلنے لگی۔ وہ دونوں اس کے ساتھ ہی چل پڑے۔ حمید کا دم گھٹ رہا تھا۔ اُسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ہزار ہا سال پرانے کسی مقبرے میں چل رہا ہو۔

وہ پھر ڈرائینگ روم میں آ گئے۔ عورت انہیں بیٹھنے کو کہے بغیر خود ایک صوفے پر گر گئی۔ اس کی حالت عجیب تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے خواب میں حرکت کر رہی ہو۔ اپنے گرد و پیش سے بے خبر جو بول تو سکتی ہو لیکن سوچنے کی صلاحیت کھو بیٹھی ہو۔

فریدی خود ہی بیٹھ گیا اور اس نے حمید کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''بارات باہر موجود ہے۔'' عورت ان کی طرف دیکھے بغیر بڑبڑائی۔ ''اب کون ہے اب کس پر بجلی گرے گی۔''

''کیا آپ میرے چند سوالات کا جواب دیں گی۔'' فریدی بولا اور وہ اس طرح چونک پڑی جیسے اب تک ان کی موجودگی سے بے خبر رہی ہو۔

''ضرور جواب دوں گی۔'' اس نے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔

''کیا..... آپ کے اعزہ میں سے کوئی اور بھی امیدوار تھا۔''

''میں نہیں جانتی۔ اگر رہا بھی ہو تو میرے علم میں نہیں تھا۔''

''صاحبزادی کو یہ رشتہ منظور تھا۔''

''جہاں تک میرے علم میں ہے اسے کوئی اعتراض نہیں تھا۔''

''اسکی سہیلی کے متعلق آپ کیسے خیالات رکھتی ہیں۔ جو اس وقت کمرے میں موجود تھی۔''

''بہت اچھے خیالات۔ میں اسے اس وقت سے جانتی ہوں جب وہ آٹھ برس کی تھی۔''

''میں صاحب زادی کے مرد دوستوں کے متعلق معلوم کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔''

''یہی کہ کوئی ایسا بھی تھا جس کا شمار گہرے دوستوں میں کیا جا سکے۔''

''اس کا کوئی مرد دوست تھا ہی نہیں۔''

''یہ آپ کس بناء پر کہہ سکتی ہیں۔''

''میں نے اُسے آج تک کسی مرد کے ساتھ نہیں دیکھا۔''

''اعزہ میں بھی کوئی ایسا نہیں تھا۔''

''نہیں..... کوئی اس کا ہمسن ایسا نہیں تھا۔''

''پھر.....!'' فریدی نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

''پھر میں کیا بتاؤں..... ماتھر صاحب نے آپ کا نام لیا تھا کہ اس سلسلے میں کچھ کر سکیں گے۔ بتایئے آپ کیا کر سکتے ہیں۔''

''ابھی میں کچھ بھی نہیں کر سکتا محترمہ.....!''

''پھر آپ کو ماتھر صاحب نے خواہ مخواہ تکلیف دی۔ میں تنہائی چاہتی ہوں۔''

عورت کے لہجے میں بیزاری تھی۔ فریدی نے حمید کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔ عورت ان کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔

فریدی کسی قسم کی رسمی گفتگو کے بغیر ڈرائینگ روم سے نکل آیا۔ کار کمپاؤنڈ کے باہر تھی۔ فریدی نے خاموشی سے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر حمید کو اندر جانے کا اشارہ کیا۔ پھر خود بھی بیٹھ کر دروازہ بند کر دیا۔

''دلکشا.....!'' اس نے ڈرائیور سے کہا۔

''دلکشا.....!'' حمید نے حیرت سے دہرایا۔

''میرا قیام وہیں ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''کس نام سے۔''

''احمد کمال فریدی۔''

''آپ نے غلطی کی ہے۔ قاسم والے معاملے میں دلکشا بھی مشتبہ ہے۔''

''ہوگا..... مجھے فی الحال قاسم کی فکر نہیں ہے۔ اس کے لئے تم جھگتو..... اس کی سو فیصدی ذمہ داری تم پر ہے۔''

''مجھ پر کیوں ہے..... وہ کوئی دودھ پیتا بچہ ہے۔''

''اس سے بھی بدتر..... تم اُسے بندر کی طرح نچاتے ہو۔''

''اغواء کرنے والے اس کے باپ سے کسی بڑی رقم کا مطالبہ کریں گے۔''

فریدی کچھ نہیں بولا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد اس نے ڈرائیور سے کہا۔ ''گاڑی روکو۔''

لیکن کار بدستور اسی رفتار سے چلتی رہی۔

''کیا تم نے سنا نہیں۔'' فریدی غرایا۔

''میں بہرا ہوں جناب.....'' ڈرائیور نے چیخ کر کہا اور کار کی رفتار پہلے سے بھی زیادہ تیز کر دی۔

''گاڑی روک دو۔''

''روکنے کی ترکیب مجھے بالکل یاد نہیں.....بھول جانے کے مرض کا پرانا شکار ہوں۔''

''میں تمہاری ہڈیاں چور کر دوں گا۔''

''کوشش کر کے دیکھو.....'' ڈرائیور نے جواب دیا۔ ''شائد کار بھی چور چور ہو جائے۔ میرے سینے پر لال نشان ہے جس کا مطلب ہوتا ہے کہ ضرورت پڑے تو اپنی زندگی کی حفاظت کرنا بھی چھوڑ دو.....اگر تم بات زیادہ بڑھاؤ گے تو کار کو کسی بلڈنگ سے ٹکرا کر خود بھی فنا ہو جاؤں گا۔''

''نہیں دوست اس کے بجائے تم ایل۔ ایم کے طیارے سے میڈرڈ تک کا خوشگوار سفر کر سکتے ہو۔'' حمید نے کہا۔

ڈرائیور نے کوئی جواب نہ دیا۔ کار چلتی رہی۔ وہ ایسی سڑک پر چل رہی تھی جس پر ٹریفک بھی کم تھا اور ابھی تک کوئی چوراہا بھی نہیں ملا تھا۔

''وہ موٹا آدمی یقیناً کوئی دودھ پیتا بچہ ہے۔'' ڈرائیور نے کہا۔ ''لیکن تم لوگ کافی عقلمند معلوم ہوتے ہو۔''

فریدی کچھ نہیں بولا۔ لیکن حمید نے کہا۔ ''جہاں لے جا رہے ہو وہاں لڑکیوں کی پیداوار کیسی ہے۔''

''بہت اچھی.....گھاس پھوس کی طرح اگتی ہیں۔''

''اب نہایت صبر و سکون کے ساتھ چلوں گا۔ تم مطمئن رہو۔''

''شکریہ۔'' ڈرائیور نے جواب دیا۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ایسی صورت میں کیا ہو سکے گا لیکن فریدی اتنے اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

''اب کیا ہوگا.....!'' حمید نے بے بسی سے کہا۔

''تمہاری شادیاں.....وہاں لڑکیاں گھاس پھوس کی طرح اگتی ہیں۔'' فریدی نے جواب دیا۔

''ضروری نہیں کہ یہ حضرت سچ ہی بول رہے ہوں۔''

''اگر یہ جھوٹ ثابت ہوا تو پھر میں ان سے سمجھ لوں گا۔'' فریدی نے جواب دیا۔

کار شہر سے نکل آئی تھی اور اب ایک ایسی سڑک پر چل رہی تھی جس کی بائیں جانب سینکڑوں فٹ گہری کھائیاں تھیں۔

حمید بالکل ہی مایوس ہو چکا تھا وہ جانتا تھا کہ اب یہ کار وہیں رکے گی جہاں ڈرائیور لے جانا چاہتا ہے۔

''کیوں دوست.....!'' اس نے ڈرائیور کو مخاطب کیا۔ ''ہمارے پہنچنے کی رسید بھی کسی کو ملے گی یا نہیں۔''

''اب میں بالکل بہرا ہو گیا ہوں.....لہٰذا کسی بات کا جواب نہیں ملے گا۔''

''مگر یہ تو بتانا ہی پڑے گا کہ قیام و طعام کے مصارف کس کے ذمہ ہوں گے۔''

''بہتر یہی ہے کہ خاموش بیٹھو۔'' ڈرائیور نے مشورہ دیا لیکن فریدی نے اسے اشارہ کیا کہ وہ اُسے باتوں میں الجھائے رہے۔

''مانا کہ تم ہمارے دشمن ہو۔'' حمید نے کہا۔ ''لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم لوگ خاموش بیٹھیں۔ اگر تم بھٹاریوں کی طرح تو تو میں میں کرنا چاہتے ہو تو کوئی اچھا سا فلمی گیت سناؤ۔''

''اچھا تو سنو.....میں تمہیں نثر میں کچھ سناتا ہوں۔ تم دونوں موت کے منہ میں جا رہے ہو کسی کو تمہاری ہڈیاں بھی نہ مل سکیں گی۔''

''یہ خبر ہے یا پیشین گوئی۔ اگر پیشین گوئی ہے تو مجھ جیسا ستارہ شناس اسے غلط قرار دیتا ہے۔ ویسے تم کسی بہت بڑی مصیبت میں پھنسنے والے ہو.....سمجھے!''

''بشرطیکہ وہ مصیبت موت سے زیادہ تکلیف دہ ہو۔''

''تو کیا سچ مچ تم یہ کار کسی کھڈ میں گرا سکتے ہو۔''

''تم مجھے روکنے کی کوشش کر کے دیکھ لو۔''

حمید کچھ نہیں بولا۔ اس نے فریدی کی طرف دیکھا جو پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر ایک پیر پائیدان پر رکھ چکا تھا اور اب کار ایک ایسی جگہ سے گذر رہی تھی جہاں دونوں طرف اونچی اونچی چٹانیں تھیں۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سڑک کے جوڑ ہی سے دونوں طرف دیواریں سی اٹھا دی گئی ہوں۔ حمید نہیں سمجھ سکا کہ فریدی کیا کرنا چاہتا ہے۔

ساتھ ہی ڈرائیور نے کہا۔ ''کیوں دوست کیا ارادے ہیں۔''

''چھلانگ لگاؤں گا خواہ سر کے ہزار ٹکڑے ہو جائیں۔'' فریدی نے کہا اور ساتھ ہی ایک زور دار دھماکہ ہوا اور کار گویا اچھل سی گئی۔ ڈرائیور نے پورے بریک لگا دیئے مگر فریدی بریک لگنے سے پہلے ہی اندر پہنچ چکا تھا۔ ورنہ سچ مچ اس کا سر کسی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتا۔

یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ ڈرائیور کی سمجھ میں کچھ نہ آ سکا۔ ویسے کار روک دینے کا فعل اس سے بالکل اسی طرح سرزد ہوا تھا جیسے کوئی تنہا آدمی کسی تیز قسم کی آواز پر بیساختہ چونک پڑے۔ بہرحال اب اس کی گردن فریدی کی گرفت میں تھی اور وہ اسے بڑی بے دردی سے گھونٹ رہا تھا۔ ڈرائیور کی آنکھیں اُبلی پڑ رہی تھیں۔

حمید اس کا سر سہلانے لگا۔

''گھبراؤ نہیں..... ڈرو نہیں۔ فوراً مشکل آسان ہو جائے گی۔'' وہ دلاسہ دینے والے انداز میں اس سے کہہ رہا تھا۔

جلد ہی ڈرائیور نے ہاتھ ڈال دیئے۔ وہ دونوں یہی سمجھے کہ وہ بیہوش ہو گیا ہے۔ لیکن وہ یہ نہ دیکھ سکے کہ اس کا ہاتھ کوٹ کی جیب میں رینگ گیا ہے۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ ہاتھ جیب سے نکل کر اس کے ہونٹوں کی طرف گیا اور ایک کان پھاڑ دینے والی آواز فضا میں منتشر ہو کر رہ گئی۔ اتنی تیز سیٹی کسی ریلوے انجن کی بھی نہ ہوتی ہوگی۔

فریدی نے الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کیا۔ لیکن وہ چیز اسے نظر نہ آ سکی جو وہ اپنے ہونٹوں تک لے گیا تھا۔

''منہ میں ہے..... اس کے۔'' حمید نے کہا۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہ کوئی بڑی سی چیز نگلنے کی کوشش کر رہا ہو۔

اس کے حلق سے عجیب طرح کی آوازیں نکلنے لگیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کے جسم میں تشنج شروع ہو گیا۔

ایک منٹ کے اندر ہی اندر ان کے سامنے ایک اکڑی ہوئی لاش پڑی تھی۔

فریدی نے حمید کو کھینچتے ہوئے کہا۔ ''نیچے اترو..... یہ سیٹی کوئی نئی مصیبت لا رہی ہوگی۔''

فریدی اسے نیچے کھینچ کر اترائی کی طرف دوڑنے لگا۔

''کار ہی پر کیوں نہ نکل چلیے۔'' حمید نے کہا۔

''اوہ..... احمق..... وہ تو پہلے ہی بیکار ہو چکی ہے۔ میں نے بائیں ہاتھ سے گولی چلا کر اس کا اگلا ٹائر پھاڑ دیا تھا۔''

''تب تو معاملہ خلاص۔'' حمید نے بے بسی سے کہا۔ وہ یقیناً خطرے کی سیٹی تھی۔ وہ دوڑتے رہے اور ایک طرف کی چٹانوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ مگر نیچے اترنا آسان کام نہیں تھا۔

اچانک کسی طرف سے ایک فائر ہوا اور گولی قریب ہی کی ایک چٹان سے ٹکرائی۔ وہ دونوں بڑی پھرتی سے سڑک پر لیٹ گئے اور کھسکتے ہوئے دوسری طرف کی چٹانوں سے جا لگے۔ اوپر سے پھر دو تین فائر ہوئے لیکن وہ ان کی زد پر نہیں تھے۔

''حمید صاحب.....!'' فریدی اپنا ریوالور نکالتا ہوا بولا۔ ''اس میں بس چھ گولیاں ہیں۔''

''میرے پاس دو ریوالور اور ڈیڑھ سو گولیاں ہیں۔'' حمید چہک کر بولا۔

''شاباش..... اب تم کام کے آدمی ہوئے ہو۔ ایسے خطرات میں بھی اب تمہارا مسخرہ پن جاگتا رہتا ہے۔''

''مسخرہ پن..... ارے جناب میں سچ عرض کر رہا ہوں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اس وقت آخری مسخرہ پن میری بیہوشی ہوتی۔ کیا آپ نے میرے جیکٹ پر غور نہیں کیا۔ یہ وہی جیکٹ ہے جس کے استر میں کارتوس رکھنے کے لئے ڈیڑھ سو خانے ہیں۔''

''میں نے تمہاری ساری خطائیں معاف کر دیں فرزند.....!'' فریدی اس کی پیٹھ ٹھونکتا ہوا

بولا۔ ''اب دوسری طرف منہ کر کے میری پشت سے پشت ملالو۔ بڑی شاندار تفریح رہے گی۔ ہوسکتا ہے کہ دوسری طرف سے بھی حملہ ہو۔ اپنی نظر اوپر ہی رکھنا۔''

حمید نے جلدی جلدی کچھ کارتوس نکال کر فریدی کو دیئے اور اس کی پشت سے پشت ملا کر بیٹھ گیا۔ دیر سے فائر نہیں ہوا تھا۔ یہ چیز باعث تشویش تھی۔ اچانک فریدی کی نظر سامنے اٹھ گئی۔ کھائیوں کے پار ایک پہاڑی پر دو تین آدمی نظر آئے۔

کھسکو.....کھسکو.....!'' فریدی اسے دوسری طرف دھکیلتا ہوا بولا۔ پھر وہ دونوں اٹھ کر بھاگے اور بیک وقت دو تین فائر ہوئے۔ وہ لوگ ریوالور کی مار سے باہر تھے اور ان کے پاس رائفلیں تھیں۔ لیکن یہ ان دونوں کی خوش قسمتی ہی تھی کہ انہیں ایک بڑے پتھر کی آڑ مل گئی۔ مگر اب دوسری طرف کی چٹانیں پہلے سے بھی زیادہ مخدوش ہوگئی تھیں۔ رائفل والوں سے بچنے کے لئے انہیں ان کے نیچے سے ہٹنا پڑا تھا۔ اچانک فریدی کے ریوالور سے شعلہ نکلا اور اوپر سے ایک آدمی نیچے ٹپک پڑا۔ مگر وہاں کئی اور بھی تھے۔ فریدی نے پھر فائر کیا۔ اوپر سے بھی کئی فائر ہوئے اور ان کے جسم چھلنی ہی ہوجاتے اگر فریدی حمید کو کھینچتا ہوا دوسری طرف نہ کود جاتا.....اونچائی زیادہ تھی۔ دونوں کے چوٹیں آئیں۔ ادھر پہاڑی سے رائفلوں نے باڑھ ماری لیکن ان کے فائر خالی گئے۔ یہاں سڑک کے نیچے اوٹ کے لئے بے شمار چٹانیں بکھری پڑی تھیں۔ وہ پہاڑی والے دشمنوں سے بھی محفوظ ہوگئے۔

''حمید تمہارے پاس دو ریوالور ہیں نا۔'' فریدی نے پوچھا۔

''جی ہاں.....!''

''اچھا تو تم اسی چٹان کی اوٹ سے پہاڑی کی طرف تھوڑی تھوڑی دیر بعد فائر کرتے رہو۔ کبھی کبھی ایک آدھ فائر سڑک کی سمت بھی کر دینا۔ میں ان تینوں آدمیوں سے تو نپٹ ہی لوں جو پہاڑی پر ہیں۔ وہ بالکل کھلے میں ہیں۔ مطمئن ہیں کہ اتنی دور سے ہم ان کا بال بھی بیکا نہیں کرسکیں گے۔'' اتنا کہہ کر فریدی داہنی طرف کے نشیب میں اتر گیا۔

حمید پہاڑی کی طرف فائر کرتا رہا اور ادھر سے بھی فائر ہوتے رہے۔ سڑک کی طرف سے بھی اکثر ایک آدھ فائر کی آواز آجاتی تھی۔ حمید بھی کبھی کبھی دوسرے ریوالور سے ادھر فائر کر دیتا

لیکن اسے سب سے زیادہ خدشہ سڑک ہی کی طرف سے تھا۔ اگر وہ لوگ چٹانوں سے سڑک پر اتر آئے تو جان بچانا مشکل ہوگا۔ یہ سوچ کر حمید کوئی ایسی جگہ تلاش کرنے لگا جہاں وہ دونوں کے حملوں سے بچ سکتا۔

وہ جلد ہی کامیاب ہوگیا۔ اُسے ایک ایسی چٹان مل گئی جس کے درمیان میں ایک کافی چوڑی دراڑ تھی۔

دفعتاً پہاڑی کی طرف سے پھر باڑھ ماری گئی۔ لیکن شائد اس کا جواب فریدی کے پے در پے فائروں نے دیا اور ساتھ ہی کئی چیخیں بھی فضا میں لہرائیں۔ حمید پہاڑی کی طرف سے ویسے بھی مطمئن تھا۔ لیکن سڑک کی سمت محفوظ نہیں تھا۔

یک بیک اسے سڑک پر کسی کا سر نظر آیا تھا۔ شاید کوئی سڑک پر اوندھا لیٹ کر نیچے کا جائزہ لے رہا تھا۔

حمید نے فائر جھونک دیا۔ گولی نشانے پر بیٹھی اور وہ آدمی اچھل کر نیچے آرہا اور پھر شائد اسے تڑپنے کی مہلت بھی نہیں ملی کیونکہ گولی ٹھیک تالو پر بیٹھی تھی۔

اتنے میں اسے فریدی دکھائی دیا جو اوپر آرہا تھا۔ حمید نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا اور پھر سڑک کی طرف اشارہ کیا۔ ساتھ ہی اس نے جھانک کر سڑک کی طرف بھی دیکھا لیکن وہاں سناٹا تھا۔ دیر سے فائر بھی نہیں ہوا تھا۔ اچھی طرح اطمینان کر لینے کے بعد وہ سینے کے بل کھسکتا ہوا باہر نکلا اور نشیب میں اترتا چلا گیا۔

''اب نکل چلو چپ چاپ۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔

وہ دونوں چٹانوں کی اوٹ میں ایک طرف چلتے رہے۔ پہاڑی کے نیچے حمید کو تین لاشیں دکھائی دیں۔ فریدی نے وہاں رک کر دو رائفلیں اور کارتوسوں کی دو پیٹیاں اٹھائیں۔

''ہوسکتا ہے ابھی گلوخلاصی نہ ہوئی ہو.....اس لئے رائفلیں بھی ضروری ہیں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ اس نے ایک رائفل لے لی اور چلتا رہا۔

کچھ دیر بعد پھر بہت سے فائر ہوئے۔ آواز دور کی تھی۔

''اب شائد وہ ہوا سے لڑ رہے ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''شائد.....!'' فریدی بڑبڑایا۔''میرا خیال ہے کہ اب پھر کوئی بہت بڑا فتنہ اٹھنے والا ہے۔''

''اگر یہ لوگ وہی تھے جنہوں نے قاسم کو اغواء کیا تھا تو انہیں حیرت انگیز طور پر منظم ہونا چاہئے۔ کیا اپنی زندگی میں پہلے بھی کبھی تم نے اتنی تیز آواز والی سیٹی سنی تھی۔ وہ سیٹی جس کی آواز کا دارومدار آدمی کی سانس پر ہو۔''

''نہیں.....وہ یقیناً حیرت انگیز تھی۔''

''اور پھر وہ اُسے نگل گیا تھا.....اس کا مقصد یہی ہوسکتا ہے کہ وہ سیٹی ہمارے ہاتھ نہ لگ پائے اور اسے نگلتے ہی وہ مرگیا تھا۔ معمولی چوروں اور ڈاکوؤں میں گروہ کے لئے قربانی کا جذبہ نہیں پایا جاتا۔''

''ہاں.....یہ بات بھی قابل غور ہے۔''

''معمولی ڈاکوؤں میں اتنی ہمت نہیں ہوسکتی کہ وہ اتنی دیدہ دلیری سے پولیس کار استعمال کرسکیں۔''

''کار آپ نے کوتوالی ہی سے لی تھی۔''

''نہیں.....ماتھر کو اس کے لئے دلکشا سے فون کیا تھا۔''

''اوہ.....تو کار وہیں آ گئی تھی۔''

''ہاں.....!''

''پھر اب کیا خیال ہے دلکشا کے متعلق.....!''

''قیام تو وہیں رہے گا حمید صاحب.....ویسے اب مجھے بھی یقین ہو چلا ہے کہ ان لوگوں کا کچھ نہ کچھ تعلق دلکشا سے ضرور ہے۔''

''اس کے منیجر کو نگرانی میں ضرور رکھئے گا۔ وہ ہزاروں سُوروں کا ایک سُور ہے۔''

پھر وہ خاموشی سے چلتے رہے۔ اب بھی احتیاطاً وہ چھپتے چھپاتے چل رہے تھے۔ جیسے انہیں یقین ہو کہ ان کا تعاقب کیا جارہا ہوگا۔

''حمید.....!'' فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔''اس واقعے سے بھی زیادہ حیرت انگیز لاش تھی۔''

''کون سی لاش.....!''

''وہی مجسمہ جسے تم اخلاقی اعتبار سے غیر قانونی کہہ رہے تھے۔''

''وہ لاش تھی۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔ پھر ہنس کر بولا۔''نہیں.....آپ شائد مذاق کے موڈ میں ہیں۔''

''نہیں برخوردار سنجیدہ ہوں.....وہ لاش ہی تھی ایک حیرت انگیز لاش۔ دنیا میں پہلی مثال.....ایک جلی ہوئی لاش جس کے خدوخال میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔ تم نے اب تک درجنوں جھلسی ہوئی لاشیں دیکھی ہوں گی لیکن کیا وہ اس قابل تھیں کہ انہیں شناخت کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوتی۔''

''نہیں.....اگر وہ لاش ہی تھی تو اس سے بڑا عجوبہ شائد روئے زمین پر نہ ملے۔''

''اس لڑکی کی بارات آئی تھی۔ نکاح ہونے ہی جارہا تھا کہ وہ کوئلے کے مجسمے میں تبدیل ہوگئی۔ یہ واقعہ اسی کمرے میں پیش آیا تھا۔ لڑکی کے ساتھ اس کی ایک سہیلی بھی تھی جس کا بیان ہے کہ اسے روشندان میں ایک شعلہ سا دکھائی دیا تھا۔ پھر اُسی شعلے سے آگ کی ایک باریک سی لکیر نکل کر لڑکی کے سر پر پڑی تھی۔ سہیلی کے بیان کے مطابق پہلے وہ نیچے سے اوپر تک کسی تپے ہوئے لوہے کی طرح سرخ ہوگئی پھر اُسی طرح آہستہ آہستہ وہ سرخی غائب ہوتی رہی جیسے لوہا ٹھنڈا ہوتا ہے۔ سرخی ختم ہوجانے کے بعد وہاں لڑکی کے بجائے سیاہ رنگ کا ایک مجسمہ نظر آیا۔

''کہیں وہ عورت ہمیں بیوقوف تو نہیں بنارہی ہے۔'' حمید نے کہا۔

''وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔''

''ماتھر نے اسی لئے آپ کو بلایا تھا۔''

''ہاں.....بلایا تو اسی لئے تھا لیکن پھر یہاں پہنچنے پر تمہاری حرکتوں کا علم ہوا۔''

''اور اس کے باوجود بھی آپ دلکشا میں جا پہنچے۔''

''حالات کا علم ہوجانے کے بعد تو وہاں قیام کرنا بہت ضروری ہوگیا تھا.....میں دیکھوں گا کہ وہاں کیا ہورہا ہے۔''

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 57

دوسرا شعلہ

(دوسرا حصہ)

تاریک راستے

وہ کچھ دیر تک خاموشی سے چلتے رہے پھر دفعتاً فریدی ایک جگہ ٹھٹک کر رہ گیا۔

"کیا بات ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ ہم نرغے میں لئے جا رہے ہیں۔"

"کیوں.....؟ کیسے معلوم ہوا آپ کو.....؟"

"چھٹی حس..... ٹھہرو یہاں اس جگہ ہم اپنا بچاؤ کر سکیں گے۔" فریدی چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "ہو سکتا ہے آگے ہم کسی کھلی جگہ پر پہنچ جائیں..... وہ دیکھو.....!"

فریدی نے بائیں جانب والی چٹانوں کے سلسلے کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا..... میں نہیں سمجھا.....!"

"وہ دیکھو.....!"

"اوہ..... وہ دھواں۔"

"ہاں..... ایسا ہی دھواں جیسے کوئی سگریٹ پی رہا ہو۔"

"پھر کیا کیا جائے۔"

"کچھ نہیں..... ادھر نشیب میں اتر چلو..... یہاں ہم اپنا بچاؤ کر سکیں گے۔ اب ہمارے پاس

دور رائفلیں بھی ہیں۔"

پھر وہ ڈھلوان میں اترتے چلے گئے۔ اس طرح ان کا ایک پہلو محفوظ ہوگیا۔ اب صرف ا
طرف کی چٹانوں سے انہیں خطرہ ہوسکتا تھا جدھر انہوں نے سگریٹ کا دھواں دیکھا تھا۔ حمید اس ک
علاوہ اور کچھ نہ سوچ سکا۔

وہ کافی دیر تک ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں چھپے رہے لیکن دھوئیں کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ ا
کے سروں پر ایک پہاڑی عقاب چکر لگاتا ہوا تیز آوازیں نکال رہا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ یہیں کہیں قریب
ہی اس کا گھونسلا رہا ہو۔

حمید نے دھوئیں کی طرف دیکھ کر بُرا سا منہ بنایا۔ "اسکی سگریٹ ختم ہی ہونے کو نہیں آتی۔"

"یہ سگریٹ کا دھواں نہیں ہوسکتا۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"پھر..... ابھی تو آپ ہی نے کہا تھا۔"

"کہا تھا..... جب تک غور نہ کیا جائے یہی کہا جاسکتا ہے۔ مگر میں اسے دیر سے دیکھ رہا ہوں۔ دھواں اوپر اٹھنے کے وقفے نپے تلے معلوم ہوتے ہیں کسی آدمی سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ ہر تیس سیکنڈ کے بعد سگریٹ کے کش لے گا۔ حمید صاحب، اکتیسواں سیکنڈ بھی نہیں ہونے پاتا۔ میں کافی دیر سے دیکھ رہا ہوں۔"

"پھر یہ دھواں کیسا ہے۔"

"مشینی..... سو فیصدی مشینی۔"

"مگر اس کا حجم تو زیادہ نہیں تھا۔"

"حجم کی کمی یا زیادتی سے کیا سروکار۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی بہت ہی چھوٹے سوراخ سے نکل رہا ہو۔"

"تو پھر ہمیں اپنی راہ کھوٹی نہ کرنی چاہئے۔" حمید نے سر ہلا کر کہا۔ "ہم خواہ مخواہ یہاں بیٹھے مکھیاں مار رہے ہیں۔"

"حمید صاحب! اگر ہم اس ڈھلان کی بجائے دوسری طرف کی ڈھلان میں اترتے تو مکھیاں ہمیں مار لیتیں۔"

"کیوں.....؟ میں نہیں سمجھا۔"

"یہ دھواں دھوکے کی ٹٹی ہے۔ اسے دیکھ لینے کے بعد ہم پر قدرتی ردعمل یہ ہونا چاہئے تھا کہ ہم دوسری جانب والی ڈھلان میں اتر جاتے لیکن ہم اسی طرف چلے آئے۔ میرا دعویٰ ہے کہ دوسری جانب والی ڈھلان میں کئی آدمی ہماری تاک میں ہوں گے۔"

"میں اس دعویٰ کا ثبوت نہیں مانگوں گا۔" حمید نے جلدی سے کہا۔ "بس اب چپ چاپ نکل ہی چلئے..... اسی میں عافیت ہے۔"

"اُلو.....!" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "ایسے دلچسپ مواقع اتفاق ہی سے ہاتھ آتے ہیں۔"

"ارے تو کفن بھی روز روز نہیں نصیب ہوتا۔" حمید جھلا گیا۔

"ڈرو نہیں۔ اگر تم مر بھی گئے تو میں تمہاری قبر پر ایک بڑی شاندار عمارت بنواؤں گا۔"

"اور اس پر لکھوا دیجئے گا سرکاری بوچڑ خانہ..... اب چلئے بھی یہاں سے۔"

"چلو.....!" فریدی پتھر کی اوٹ سے نکل کر ایک طرف چلنے لگا لیکن وہ اب بھی ڈھلوان ہی میں چل رہے تھے۔ کافی دور نکل جانے کے بعد بھی حمید مڑ مڑ کر اس دھوئیں کو دیکھتا رہا، جواب بھی پہلے ہی کی طرح فضاء میں ابھرتا اور منتشر ہو جاتا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ ان لوگوں کو علم ہے کہ ہم دونوں ادھر ہی سے گذریں گے۔ کیا یہ ممکن ہے؟ اگر نہیں تو پھر اسی جگہ یہ دھواں کیوں دکھائی دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں حمید اسے فریدی کا وہم سمجھنے پر مجبور ہوگیا۔ اگر انہیں معلوم تھا کہ ہم ادھر ہی سے گذر رہے ہیں تو اس شعبدے بازی سے کیا فائدہ گھیر کر مار کیوں نہیں لیتے۔

اچانک فریدی چلتے چلتے رک گیا۔

"آج آپ کوئی زبردست غلطی کریں گے۔" حمید بولا۔

"اگر وہ غلطی ہی ہوئی تو افسوس کرنے کا موقع نصیب نہ ہوگا..... وہ دیکھو..... ادھر..... تین جگہوں پر ویسا ہی دھواں..... اُف فوہ..... اب ہم پوری طرح گھر گئے۔ مگر ٹھہرو۔"

وہ خاموش ہو کر اس طرح چاروں طرف دیکھنے لگا جیسے بچاؤ کے راستے تلاش کر رہا ہو مگر پھر اپنے سر کو خفیف سی جنبش دے کر بولا۔ "اچھی طرح گھر گئے..... ذرا ہوش و حواس درست رکھنا۔"

وہ پھر پیچھے مڑے لیکن اس بار حمید کو یقین ہوگیا کہ یہ آخری سفر ہے۔ کیونکہ چاروں طرف کی چٹانیں دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازوں سے گونجنے لگی تھیں۔ دفعتاً فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر

کھینچا اور پتلی سی دراڑ میں اترتا چلا گیا۔ یہ سوچے بغیر کہ اس اقدام کا انجام کیا ہوگا۔ دراڑ اتنی پتلی تھی کہ حمید کے شانے دونوں طرف سے رگڑ کھا رہے تھے اور دم تو اسی وقت گھٹنے لگا تھا جب اس نے اس میں قدم رکھا تھا۔ سامنے گہرا اندھیرا تھا اور یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ ان کا اگلا قدم انہیں تحت الثریٰ میں لے جائے گا یا وہ اسی طرح آسانی سے چلتے رہیں گے۔

''ڈرو نہیں چلے آؤ۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا اور حمید نے اس کے ہاتھ میں ننھی سی ٹارچ دیکھ لی جو ہمیشہ اس کی جیب میں پڑی رہا کرتی تھی۔ یہ وہی ٹارچ تھی جو فریدی خانہ تلاشیوں میں استعمال کیا کرتا تھا۔

اب حمید کی جان میں جان آئی۔ لیکن پشت کی طرف سے بدستور خطرہ باقی تھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اس دراڑ میں ان کی نظر بھی پڑ سکتی ہے۔ مگر پھر خیال آیا کہ اتنی تنگ دراڑ میں گھسنے کا خطرہ شائد ہی کوئی مول لے سکے۔

وہ چلتے رہے ان کے پیروں کے نیچے ناہموار زمین ضرور تھی لیکن ایسی بھی نہیں کہ انہیں چلنے میں دشواری ہوتی۔ ایک جگہ فریدی رک گیا۔ یہاں اتنی کشادگی تھی کہ وہ دونوں برابر سے بہ آسانی کھڑے ہو سکتے تھے۔

یہاں پہنچ کر حمید نے اپنے چہرے پر سرد ہوا کے جھونکے محسوس کئے لیکن فریدی کی ٹارچ ایک گہرے غار کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ آگے راستہ نہیں تھا۔ نیچے تاریکی کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا اور ان کے سامنے کی خلاء بھی شائد کافی وسیع تھی۔ کیونکہ ٹارچ کی روشنی کی رسائی سامنے کی چٹانوں تک نہیں ہو سکی تھی۔ اب فریدی نے دائیں بائیں بھی روشنی ڈالنی شروع کی۔ بائیں طرف پاؤں رکھنے کی بھی جگہ نہیں تھی لیکن دائیں جانب انہیں ایک کشادہ چٹان مل گئی۔

''ادھر.....!'' فریدی آہستہ سے بولا اور ٹارچ کی روشنی اس چٹان پر پڑی وہ دونوں تنگ دراڑ سے اس چٹان پر رینگ گئے۔

''میں تو بیٹھتا ہوں اب.....!'' حمید بڑبڑایا۔

''تم لیٹ بھی سکتے ہو۔'' فریدی نے جواب دیا۔ اُس کی آواز میں اب بھی پہلے ہی کی سی شگفتگی موجود تھی۔

حمید سچ مچ اس چٹان پر لیٹ گیا۔ اس کی سانسیں چڑھی ہوئی تھیں۔ بہر حال اب گھٹن کا

احساس باقی نہیں رہا تھا کیونکہ دائیں جانب سے سرد ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکے برابر آ رہے تھے۔

حمید نے ہاتھ پیر پھیلا کر ایک طویل انگڑائی لی اور دردناک آواز میں کراہا۔ ''یہ مصیبت خود میں نے ہی گلے لگائی ہے۔''

کچھ دیر خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔ ''تمہاری درد بھری داستان پھر کبھی سن لوں گا۔''

''مگر یہ تو بتا ہی دیجئے کہ میں زندہ ہوں یا.....!''

''تم پیدا ہوتے ہی مر گئے تھے۔ پرواہ نہ کرو۔ بس یہیں چپ چاپ پڑے رہنا میں آگے بڑھ کر دیکھتا ہوں۔''

فریدی اُسی کشادہ چٹان پر چلنے لگا۔ پھر رک کر بولا۔ ''دراڑ کے دہانے پر خیال رکھنا۔ بیک وقت دو آدمیوں سے زیادہ تمہارے سامنے نہ آ سکیں گے اور دو آدمیوں کو روکنے کی ہمت تم میں ضرور ہوگی۔''

''میں اس وقت پونے دو آدمیوں سے بھی نپٹنے کی سکت نہیں رکھتا۔ پہاڑی آب و ہوا کا جانور نہیں ہوں۔ میری پرورش کولتار کی شفاف اور سپاٹ سڑکوں پر ہوئی ہے۔''

فریدی جواب دینے کی زحمت گوارا کئے بغیر آگے بڑھ گیا۔

حمید چند لمحے یونہی بے حس و حرکت پڑا رہا پھر جیب سے ریوالور نکال کر اس کا رخ دراڑ کے دہانے کی طرف کر دیا۔ ویسے یہ حقیقت تھی کہ اس کا سر بُری طرح چکرا رہا تھا۔ اس نے اپنی ذہنی اور جسمانی کیفیت کے متعلق فریدی سے جو کچھ کہا تھا غلط نہیں تھا۔ اور اب یہاں ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے نہ جانے کیوں اسے اسی طرح تھپکنا شروع کر دیا تھا جیسے وہ شراب پئے رہا ہو۔ کچھ عجیب سی نیم غنودہ قسم کی کیفیت اس کے ذہن پر طاری تھی ورنہ اسے کم از کم اس ہلکی سی آواز کا احساس تو ہو ہی جاتا جو دراڑ کے دہانے کی طرف سے آئی تھی۔ ویسے وہ اس وقت چونکا جب کسی بہت ہی طاقتور ٹارچ کی روشنی اس پر پڑی۔ پھر اسے سنبھلنے کا موقع بھی نہ مل سکا اور نہ یہی اس کی سمجھ میں آ سکا کہ حملہ آور تعداد میں کتنے ہیں۔ اس کے ذہن کی نیم غنودہ سی کیفیت گہری نیند میں تبدیل ہو گئی البتہ اس نے کسی کو یہ کہتے ضرور سنا تھا۔

''آہا..... یہ تو وہی ہے۔''

اس نے کچھ اور بھی کہا تھا لیکن اس کے الفاظ سوتے ہوئے ذہن کے دھندلکوں میں مدغم ہوگئے تھے۔

فریدی چلتا رہا..... اسے ایک جگہ بھی رکنے کی ضرورت نہیں محسوس ہوئی۔ کیونکہ زمین کی سطح ہموار تھی جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہا تھا ہوا کے جھونکوں میں شدت محسوس ہو رہی تھی البتہ تاریکی کا وہی عالم تھا۔ ٹارچ چھوٹی تھی اس لئے اس کی روشنی دور تک نہیں پھیل رہی تھی۔

فریدی کی رفتار تیز تھی۔ لیکن پیروں میں کریپ سول جوتے ہونے کی وجہ سے قدموں کی آواز تقریباً معدوم ہی سی ہو کر رہ گئی تھی۔

کئی بار چلتے چلتے رکا بھی..... شائد وہ آہٹ لے رہا تھا۔ اکثر اسے محسوس ہوتا جیسے تاریکی میں چھپی ہوئی کچھ آنکھیں اس کی نگرانی کر رہی ہوں۔

آج کے واقعات اُسے خواب کی باتیں معلوم ہو رہی تھیں اس پر اتنا منظم حملہ آج تک نہیں ہوا تھا۔ وہ مجرموں کے متعلق سوچنے لگا اگر یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے قاسم کو اغوا کیا ہے تو یہ معمولی قسم کے بدمعاش نہیں ہو سکتے۔ پھر کیا قاسم کا اغواء کسی خاص مقصد کے تحت عمل میں آیا تھا۔

اچانک وہ رک گیا اس وقت بھی وہ کوئی غیبی ہی طاقت تھی جس نے اس کے قدم روک لئے تھے۔ ورنہ وہ دوسرے ہی لمحے میں تحت الثریٰ کی سیر کر رہا ہوتا۔ وہ اس خیال سے ٹارچ کو کم استعمال کر رہا تھا کہ کہیں وہ کسی انتہائی اہم موقع پر دھوکا ہی نہ دے جائے۔ اس نے ٹارچ کی روشنی کی اور جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔

نادانستگی میں اس کا دوسرا قدم اسے موت ہی کی طرف لے جاتا۔

آگے پھر راستہ مفقود تھا۔ لیکن فریدی نے مایوس ہونا سیکھا ہی نہیں تھا۔ اس نے چٹان کے کنارے پر بیٹھ کر نیچے روشنی ڈالی۔ تقریباً ایک گز نیچے ایسی جگہ نظر آئی جہاں وہ قدم رکھ سکتا تھا۔ روشنی کا دائرہ چاروں طرف تیزی سے گھوما اور فریدی نے اندازہ کر لیا کہ وہ نیچے اتر سکتا ہے۔

پھر وہ کچھ دور تک اترا بھی..... مگر..... اس کا اندازہ کرنا دشوار ہو گیا کہ وہ گہرائی کہاں پر ختم

ہوگی اور وہ راہ فرار ثابت بھی ہو سکے گی یا نہیں۔ ویسے یہ جگہ چھپنے کے لئے بہترین تھی۔ یہاں کسی ایک آدمی کو تلاش کرنے کے لئے پوری بٹالین بھی ناکافی ہوتی کیونکہ یہاں صدہا چھوٹے چھوٹے غار بھی موجود تھے اور گھٹن کا احساس بھی نہیں ہوتا تھا۔ یہاں بھی ہوا کے جھونکے آ رہے تھے۔ فریدی نے ان کی سمت کا تعین تو کر لیا تھا لیکن گہری تاریکی کی وجہ سے نگاہ کام نہیں کرتی تھی۔ وہ یہ سوچ کر پلٹ پڑا کہ حمید کو بھی ساتھ لے کر واپس آئے گا۔

مسطح چٹان پر پہنچ کر وہ ایک لحظے کیلئے رکا اور پھر اسی طرف چلنے لگا جہاں حمید کو چھوڑ آیا تھا۔

اچانک کسی چیز کی ٹھوکر کھا کر وہ گرتے گرتے بچا۔ مگر کہاں..... دو تین آدمی اس پر ٹوٹ پڑے۔

دو تین آدمی..... فریدی دو تین آدمیوں کے بس کا نہیں تھا۔ ایک کی گردن اس کے بائیں بازو اور پسلی کے درمیان تھی اور دوسرا اس کے داہنے ہاتھ میں اپنا گلا چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔

دفعتاً تیسرے نے ٹارچ روشن کر لی اور ساتھ ہی گرج کر بولا۔ ''خود کو چپ چاپ ہمارے حوالے کر دو..... ورنہ انجام.....!''

''میں تھک گیا ہوں۔'' فریدی نے مضمحل آواز میں کہا۔ اس نے ٹارچ کی روشنی میں دیکھ لیا تھا کہ دھمکی دینے والے کے ہاتھ میں ریوالور بھی موجود ہے۔ ساتھ ہی بچاؤ کا راستہ بھی اُسے نظر آ گیا۔ وہ مسطح چٹان کے سرے سے دور نہیں تھا۔ اس کی ذرا سی غفلت اسے ایک لامحدود گہرائی میں پہنچا سکتی تھی۔ فریدی یہ بھی سمجھتا تھا کہ اگر دو آدمی اس کی گرفت میں نہ ہوتے تو اب تک فائر کر دیا گیا ہوتا۔

اس نے ان دونوں پر اپنی گرفت اور سخت کر دی۔ ان کی گردنیں اس کے دونوں بازوؤں میں تھیں اور وہ دونوں اسے گرا دینے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔

''انہیں چھوڑ کر اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لو۔'' ٹارچ والا غرایا۔

''مگر اس کی کیا ضمانت ہے کہ تم مجھے گولی نہ مارو گے۔'' فریدی نے کہا۔

''نہیں ہم تمہیں معاف کر دیں گے۔''

''لو..... چھوڑتا ہوں۔'' فریدی نے کہا اور ساتھ ہی اچھل کر اس کے پیٹ پر ایک لات رسید کر دی۔ پھر اپنے دونوں شکاروں سمیت چٹان پر گرتے وقت اس نے ایک طویل اور بھیانک چیخ کی جو بڑی تیزی سے دور ہوتی جا رہی تھی۔ ٹارچ والے کے پیر چٹان سے اکھڑ گئے تھے۔ ظاہر ہے

کہ اس کے بعد وہ سیدھا سینکڑوں فٹ گہری کھڈ میں جا پڑا ہوگا۔ اب یہ دونوں بڑے وحشیانہ انداز میں فریدی کو نوچ رہے تھے۔

فریدی نے ایک ایک کر کے انہیں بھی ان کے ساتھی کے پاس پہنچا دیا۔ پھر وہ اٹھ ہی رہا تھا کہ اس کا ہاتھ کسی ٹھوس چیز سے ٹکرایا اور اس کا دل مسرت سے جھوم اٹھا۔ یہ حملہ آوروں کی ٹارچ تھی جس کے متعلق فریدی نے پہلے ہی اندازہ کرلیا تھا کہ وہ بہت زیادہ طاقت کی ہے۔

اس نے ٹارچ اٹھالی اور پھر اسی طرف چلنے لگا جہاں حمید کو چھوڑا تھا۔ مگر اس نے ٹارچ استعمال کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ وہ جانتا تھا کہ وہ خطرے سے باہر نہیں ہے۔ لیکن حمید اور لوگوں کی یہاں موجودگی کا مطلب تو یہی ہوسکتا تھا کہ یا تو حمید پکڑ لیا گیا ہوگا یا گولی ہی ماردی گئی ہوگی۔ دوسرا خیال فریدی کے لئے بڑا اذیت ناک تھا۔

وہ تیزی سے آگے بڑھتا رہا۔ اچانک کچھ فاصلے سے آواز آئی۔ ''کون ہے۔''

مگر یہ آواز حمید کی نہیں تھی۔ دوبارہ پھر اُسی آواز نے یہی سوال دہرایا اور اس بار فریدی نے آواز کی سمت فائر کردیا۔

ایک چیخ گونجی اور پھر بیک وقت کئی فائر ہوئے۔ فریدی اس سے پہلے ہی چٹان پر نہ صرف لیٹ گیا تھا بلکہ سینے کے بل کھسکتا ہوا بڑی تیزی سے دوسری طرف جا رہا تھا۔ فائر برابر ہوتے رہے لیکن حملہ آوروں نے ٹارچ روشن کرنے کی ہمت نہیں کی۔ ویسے فریدی کے بائیں ہاتھ میں اب بھی بڑی ٹارچ موجود تھی اور وہ بڑی تیزی سے اس کھڈ کی طرف کھسک رہا تھا جہاں کچھ دیر قبل اس نے صدہا چھوٹے چھوٹے غار دیکھے تھے۔

موت جھپٹتی ہے

آنکھ کھل جانے کے باوجود بڑی دیر تک حمید کو ایسا محسوس ہوتا رہا جیسی وہ گہرے دھوئیں میں

گھر گیا ہو۔ اتنے گہرے دھوئیں میں کہ ایک فٹ کی چیز بھی بمشکل تمام دکھائی دے سکے۔

آہستہ آہستہ دھند چھٹتی گئی اور حمید کو گردوپیش کی چیزیں صاف نظر آنے لگیں۔ وہ کسی چھت کے نیچے تھا لیکن شائد اس کے نیچے کھردرا فرش ہی تھا اس نے کراہ کر کروٹ بدلی اور پھر یک بیک اٹھ بیٹھا۔ اس کے چاروں طرف پتھر کی ننگی دیواریں تھیں۔ ایک طرف ایک دروازہ بھی نظر آیا..... مگر وہ بند تھا اوپر ایک روشندان تھا اور اس کی اونچائی فرش سے تیرہ چودہ فٹ ضرور رہی ہوگی۔ اس کمرے میں حمید کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ یہ بات اس کی اونگھتے ہوئے ذہن ہی نے سوچی تھی کہ کمرے میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اگر فرنیچر ہوتا تو وہ اپنے ساتھ اسے بھی شامل کرلیتا کیونکہ وہ جس حالت میں تھا وہ اسے جانداروں سے الگ کئے دے رہی تھی اور حمید سوچ رہا تھا کہ وہ اس وقت ایک ٹوٹی ہوئی کرسی سی بھی بدتر ہے۔

وہ تقریباً ایک گھنٹے تک فرش پر چت پڑا رہا۔ اٹھنے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ پھر جب کسی نے دروازہ کھولا تو اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لئے کہ کہیں زبان نہ ہلانی پڑ جائے۔

اچانک اسے بہت زور سے چھینک آئی اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کی ناک میں کوئی چیز گھس رہی تھی۔ مگر دوسرے ہی لمحے میں اسے ہنسی آ گئی۔ کیونکہ تھوڑے ہی فاصلے پر اسے ایک بندر نظر آیا جس کے ہاتھ میں کاغذ کی ایک لمبی سی بتی تھی۔ شائد اسی نے اس کی ناک میں بتی چلائی تھی۔

بندر کے پیروں میں گھونگھرو پڑے ہوئے تھے۔ جیسے ہی حمید اٹھ کر بیٹھا بندر ناچنے لگا۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اسے چڑھا رہا ہو۔

حمید اٹھ کر اس کی طرف جھپٹا اور وہ چھلانگیں مارتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ حمید اس کے پیچھے دوڑتا ہی رہا وہ اس کمرے سے نکل کر دوسرے میں پہنچا۔ یہاں بندر اچھل کر روشندان میں جا بیٹھا۔ حمید کی طرف دیکھ کر اس نے اس طرح دانت نکال دیئے جیسے کہہ رہا ہو۔ ''آؤ بیٹا اگر ہمت ہو تو اچھل کر آؤ یہاں۔''

پھر وہ دوسری طرف اتر گیا۔ اس کمرے کا دروازہ بند تھا البتہ اس کے اوپری حصے پر سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ اس لئے دوسری طرف بہ آسانی دیکھا جا سکتا تھا۔

حمید نے دروازے کے قریب جا کر دوسری طرف جھانکا اور اس کی باچھیں کھل گئیں۔

دوسرے کمرے کے فرش پر ایک آدمی چت پڑا سو رہا تھا اور یہ آدمی قاسم کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

اس نے دیکھا کہ بندر اس پر جھکا ہوا اس کی ناک میں بتی کر رہا ہے۔ اچانک قاسم کو اس زور سے چھینک آئی کہ پورا کمرہ جھنجھنا اٹھا۔ ساتھ ہی وہ دہاڑ کر اٹھ بیٹھا۔ بندر اچھل کر دوسرے روشندان پر جا چڑھا اب وہ وہاں کھڑا ناچ رہا تھا۔

''ابے او حرام زادے۔'' قاسم گھونسہ تان کر دوڑتا ہوا چنگھاڑا۔ ''جان سے مار دوں گا۔''

بندر دانت نکال کر چیچایا اور پھر ناچنے لگا۔ حمید کو بھی اس کے گھونگھروؤں کی ''چھنک چھنک'' زہر ہی لگ رہی تھی۔

قاسم نے غصے میں اپنا سر پیٹنا شروع کر دیا اور پھر حمید کو بے تحاشہ ہنسی آ گئی کیونکہ قاسم کی آواز میں روہانسا پن پیدا ہو گیا تھا اور وہ اس بندر کو کسی الم رسیدہ بیوہ کی طرح صلواتیں سنا رہا تھا۔ شائد اس نے اسے تنگ کر ڈالا تھا۔

''قاسم.....!'' دفعتاً حمید نے آواز دی۔

''آ.....آئیں.....!'' قاسم چونک کر مڑا لیکن اسے صرف اس کی پیشانی اور آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں اور شاید وہ اس کی آواز بھی نہیں پہچان سکا تھا۔

''قون ہے۔'' اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ پھر دروازے کے قریب آ کر اس نے زور سے قہقہہ لگایا کہ دیواریں تک جھنجھنا اٹھیں۔

''ارے غمید بھاغی..... ہاہا..... ہاہا.....!''

''دروازہ کھولو.....!'' حمید نے کہا۔

''دروازہ نہیں کھلتا۔'' قاسم نے مایوسی سے کہا۔

''توڑ ڈالو.....!''

''نہیں ٹوٹتا.....سالا.....کئی بار کوشش کر چکا ہوں۔''

''تم یہاں کیوں لائے گئے ہو۔''

''ارے.....کباڑا کر دیا سالوں نے.....اب تک مجھ سے ڈیڑھ لاکھ کے چیکوں پر دستخط لے چکے ہیں۔ میری چیک بک ان کے پاس ہے۔''

''اوہ.....!'' حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''میں دستخط نہیں کرتا تو کھانا نہیں ملتا.....ادھر یہ سالا بندر.....قاسم پھر گھونسا تان کر مڑا۔

بندر اب بھی روشندان میں بیٹھا انہیں منہ چڑھا رہا تھا۔

''او قاسم.....!'' حمید بڑبڑایا۔ ''دماغ ٹھنڈا رکھو۔''

''ارے کیا.....اب تو میں ان کی بوٹیاں اڑا دوں گا۔ تمہارے ساتھ کتنے آدمی ہیں۔''

''آہا.....تم شائد یہ سمجھ رہے ہو کہ ہم نے چھاپہ مارا ہے۔''

''ہاں.....اور کیا.....!''

''نہیں بیٹے.....میں بھی تمہاری ہی طرح پکڑ کر لایا گیا ہوں۔ پتہ نہیں فریدی صاحب کا کیا حشر ہوا۔ ہم دونوں ساتھ تھے۔''

''تب تو پھر بن گئی تمہاری بھی حجامت.....!'' قاسم نے قہقہہ لگایا۔ ''چیک بک تمہارے پاس ہے۔''

''میں تمہاری طرح سرمایہ دار نہیں ہوں۔ مجھے تو وہ اپنی حجامت بنوانے کے لئے لائے ہیں۔ تم نے طلسم ہوشربا پڑھی ہے۔''

''نہیں تو.....!''

''اس میں ایک کردار ہے عمرو عیار..... جہاں اس کے قدم جاتے تھے وہ سرزمین تباہ و برباد ہو جاتی تھی اور میں اپنے بارے میں بھی ابھی تک یہی دیکھتا آیا ہوں جس نے مجھے پکڑا اس کا بیڑا غرق ہوا۔''

''یہاں تمہارا ہی بیڑا غرق ہو جائے گا۔ ہائے ہائے۔'' قاسم نے مسکرا کر ہونٹوں پر زبان پھیری۔ یہی نہیں بلکہ مزے میں آ کر آنکھ مارنے کی بھی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اُسے آنکھ مارنے کا بھی سلیقہ نہیں تھا۔

''کیوں کیا بات ہے۔'' حمید نے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

''یلا یلیاں.....فل فلوٹیاں.....ہی ہی ہی۔'' قاسم آنکھیں بند کر کے ہنسا۔

بندر جا چکا تھا اور اب اس کے گھونگھروؤں کی ''چھنک چھنک'' نہیں سنائی دے رہی تھی۔

''کہاں ہیں۔''

''یہیں ہیں.....حمید بھائی۔'' قاسم اس طرح چہک کر بولا جیسے ڈیڑھ لاکھ گنوا بیٹھنے کا ذرہ بھی افسوس نہیں۔

''تم نے دیکھا ہے انہیں۔''

''ارے یہاں آتی ہیں میرے پاس۔ مرغ مسلم کھلاتی ہیں۔ بکرے کی ران۔'' قاسم کر ندیدے کی طرح منہ چلانے لگا پھر پیٹ پر ہاتھ پھیر کر بولا۔ ''مگر یہ سالا بندر میری زندگی تلخ ہوئے ہے۔ سامنے سے روٹیاں لے بھاگتا ہے۔ سالن کی رقابیں الٹ دیتا ہے۔''

''ہوں.....!'' حمید کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ ''کیا انہوں نے ابھی تک تم سے صرف چیکوں دستخط لئے ہیں۔''

''ہاں.....اس سالے بندر کے علاوہ اور مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے۔''

''کوئی تکلیف نہیں ہے۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔ ''ارے تم یہاں کھردرے فرش پر بستر کے بغیر پڑے رہتے ہو۔''

''اس سے کیا ہوتا ہے۔ یہاں کھانے پینے کا آرام ہے۔ وہ مجھ سے گھر کے لئے خطوط بھی لکھواتی ہیں۔''

''کیسے خطوط۔''

''یہی کہ میں رام گڈھ میں ہوں۔ خیریت سے ہوں اور یہاں تقریباً دو ماہ قیام رہے گا۔''

''مر دنہیں آتے۔''

''آتے ہیں جب میں چیکوں پر دستخط کرنے سے انکار کر دیتا ہوں۔ پھر بندر بھی آنے لگتا ہے اور میری نیند حرام ہو جاتی ہے جہاں سویا کم بخت نے آ کر ناک میں بتی کر دی۔ اس کی ایسی کی تیسی.....جس دن بھی ہاتھ آ گیا گردن مروڑ دوں گا۔''

''کیا تم نے ابھی حال میں ہی کسی چیک پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا ہے۔''

''ہاں.....یار کہاں تک کروں.....ڈیڑھ لاکھ تو گئے۔''

''تم گدھے ہو۔'' حمید جھنجھلا گیا۔ ''تم نے دستخط کئے ہی کیوں۔''

''مجھ سے بھوک نہیں برداشت ہوتی۔''

''چیک کس کے نام کے ہوتے ہیں۔''

''نام نہیں لکھا جاتا.....صرف رقم لکھ کر مجھ سے دستخط لے لئے جاتے ہیں۔''

''کس بنک کی چیک بک ہے۔''

''بینک آف کیناڈا کی۔''

''تو بیٹا.....یاد رکھو.....تمہارا سارا بیلنس صاف ہو جائے گا۔ صرف بینک آف کیناڈا ہی کی چیک بک ساتھ لائے تھے۔''

''ہاں اور وہ روحی کے یہاں تھی۔ میرے سوٹ کیس میں۔''

''آہا.....تب تو وہ لوگ وہاں تمہاری چیک بک ہی تلاش کرتے رہے ہوں گے۔ جس شام وہ تمہیں لے گئے تھے اسی رات کو نوشابہ نے وہاں کچھ آدمی دیکھے تھے۔''

''نوشابہ.....!'' قاسم نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ ''کیا وہ مجھے یاد کرتی تھی۔''

''بے حد.....بے تحاشہ آہیں بھرتی ہے۔ اتنی کہ روحی کی کار کی دو پہیوں میں ہوا بھروانے کے لئے شہر نہیں جانا پڑتا۔''

''نہیں.....!'' قاسم جھینپے ہوئے انداز میں مسکرایا۔

''وہ تو کہہ رہی تھی کہ اگر قاسم صاحب نہ ملے تو میں خودکشی کر لوں گی۔''

''ارے نہیں.....ہی ہی ہی۔''

''ہاں.....ہاں.....گھنٹوں تمہارے سوٹ کیس سے لپٹ کر روتی رہی۔''

''الاقسم.....اُس کے بغیر میں بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔''

''پھر یہاں سے نکل چلنے کی کوشش کرو۔ ورنہ کیا فائدہ کہ وہ بیچاری مایوس ہو کر خودکشی کر لے۔''

''تم ہی بتاؤ کیسے نکل چلوں۔ مجھے تدبیر بتاؤ جو کچھ کہو گے وہی کروں گا۔ مگر یہاں کی یلاہلیاں، حمید بھائی کیا بتاؤں.....تم خود دیکھ لو گے۔''

''مگر وہ تمہیں بیوقوف بنا کر لمبی لمبی رقمیں اینٹھ رہی تھیں۔ نوشابہ محبت کرتی ہے۔''

''ہائے.....وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔'' قاسم رو دینے والی آواز میں بولا۔

''وہ لڑکیاں کس وقت آتی ہیں۔''

''کھانے کے وقت۔''

''دیکھوں مجھے بھی کھانا ملتا ہے یا نہیں۔''

''اگر تمہاری چیک بک بھی ان کے پاس ہوئی تو ضرور ملے گا۔''

اچانک حمید نے عجیب قسم کی گھڑگھڑاہٹ سنی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کمرے کے فرش نیچے سے آ رہی ہو۔ پھر یک بیک فرش اسی طرح ہلنے لگا جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔



فریدی غار میں اتر گیا۔ اب وہ اپنے پیچھے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سن رہا تھا لیکن حملہ آوروں نے اب بھی ٹارچ روشن کرنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ فریدی چونکہ ایک بار راستہ دیکھ چکا تھا اس لئے اندھیرے ہی میں بہ آسانی نیچے اترتا چلا گیا۔ لیکن چھپنے کے لئے کسی مناسب جگہ کی تلاش ٹارچ روشن کئے بغیر ناممکن تھی۔

بڑی ٹارچ اس نے جیب میں ڈال لی اور وقت ضرورت کے لئے چھوٹی ٹارچ ہاتھ میں رکھی۔ اسے اطمینان تھا کہ وہ غیر مسلح نہیں ہے۔ رائفل اس کے شانے سے لٹک رہی تھی اور داہنے ہاتھ میں ریوالور۔ دونوں ہی کے کافی راؤنڈ اس کے پاس موجود تھے۔ وہ خاموشی سے نیچے اترتا رہا..... اوپر سے قدموں کی آوازیں آنی بند ہوگئی تھیں۔ شائد وہ لوگ چٹان کے سرے پر رک کر حالات کا اندازہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

فریدی جلد از جلد ایک ایسی جگہ تلاش کر لینا چاہتا تھا جہاں وہ کچھ دیر کے لئے چھپ سکے لیکن ..... اچانک اس پر ایک تیز قسم کی روشنی پڑی۔ اگر وہ بندر کی سی پھرتی سے کود کر ایک طرف نہ ہو جاتا تو اس کے جسم میں بیک وقت ایک درجن گولیاں در آئی ہوتیں۔

وہ پھر ٹٹولتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ دفعتاً اس کے ہاتھ ایک چھوٹے سے غار کے دہانے سے جا لگے۔ ساتھ ہی سامنے پھر روشنی دکھائی دی۔ لیکن اب وہ روشنی کی زد سے باہر تھا۔ اس نے اپنی چھوٹی سی ٹارچ کی روشنی غار میں ڈالی لیکن وہ تجربہ مایوس کن اور ڈراؤنا ثابت ہوا۔ غار میں ایک بڑے سانپ کی مادہ انڈوں پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ پھن کاڑھ کر پھنکارتی ہوئی ٹارچ کی روشنی کی طرف جھپٹی۔

انڈوں پر بیٹھی ہوئی مادہ اگر چھیڑ دی جائے تو انتہائی خطرناک ہو جاتی ہے اس وقت تک چھیڑنے والے کا پیچھا نہیں چھوڑتی جب تک کہ ڈس نہ لے۔ اوپر سے پھر شائد رائفلوں کی باڑھ ماری گئی۔ فریدی کے تیزی سے سوچتے ہوئے ذہن نے ایک فوری فیصلہ کیا وہ یہ کہ اس بگڑی ہوئی مادہ کو ٹھکانے لگا دیا جائے ورنہ اندھیرے میں اس سے بچنا ناممکن ہوگا۔ گولیوں کی باڑھ سے بچنا اتنا مشکل نہیں ہو سکتا تھا جتنا کہ اس سانپ سے خود کو بچانا۔ فریدی نے اپنی ٹارچ روشن رکھی اور پھر جیسے ہی سانپ کا پھن دوسری بار دکھائی دیا اس نے فائر کر دیا۔ اس فائر کے جواب میں اوپر سے باڑھ ماری گئی اور کئی ٹارچوں کی روشنیاں غار میں چکرانے لگیں۔

سانپ اندر پتھروں پر سر پٹخ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ٹھنڈا ہو گیا اور ساتھ ہی فریدی نے اس غار میں اترنے کا ارادہ بھی ترک کر دیا۔ ہو سکتا تھا کہ اس میں اور بھی سانپ رہے ہوں۔ آدمیوں سے بچنے کے لئے سانپوں کا شکار ہو جانا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔

وہ پتھروں سے لگتا ہوا مخالف سمت میں چلنے لگا۔ اب اُسے اطمینان تھا کہ وہ لوگ نیچے اترے بغیر اسے نہ پا سکیں گے لہٰذا انہیں اوپر ہی روکے رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ وہ وقتاً فوقتاً ہوائی فائر کرتا رہے۔

فائروں کے جواب میں فائر ہوتے رہے لیکن اب اندھیرے میں چلتے رہنا قریب قریب ناممکن ہو چکا تھا۔ فریدی نے سوچا ممکن ہے کہ وہ کسی غار میں جا گرے۔ اس نے چھوٹی ٹارچ روشن کر لی جس کی روشنی ایک محدود دائرے میں پھیلتی تھی۔

یہاں پھر اترائی شروع ہو گئی تھی اس لئے ضروری تھا کہ ٹارچ برابر روشن رہے۔ دوسری طرف یہ خیال بھی تھا کہ اگر ان لوگوں نے آ لیا تو یہاں بچاؤ بھی نہیں ہو سکے گا۔ کیونکہ اترائی ناہموار تھی۔

یہاں گھٹن کا احساس بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ ہوا کے جھونکے مفقود ہو چکے تھے۔ جنہوں نے اُسے ابھی تک سنبھالے رکھا تھا۔

اب وہ فائر نہیں کر رہا تھا۔ حملہ آور بھی خاموش تھے۔ مصلحت اسی میں تھی کہ اب وہ فائر نہ کرے۔ ورنہ حملہ آور فرار کی سمت معلوم کر لیتے اور یہ ایک ایسا واقعہ ہوتا جس پر فریدی کو مرنے کے بعد بھی افسوس کرنا پڑتا۔

وہ چھوٹی ٹارچ کی مدھم روشنی میں آگے بڑھتا رہا۔

وہ بڑی دیر سے ایک عجیب قسم کا شور سن رہا تھا۔ جواب آہستہ آہستہ تیز ہوتا جارہا تھا اور پھر اس کی حقیقت اس پر واضح ہوگئی۔ وہ پانی بہنے کا شور تھا۔ یہاں شائد کوئی تیز رو نالا تھا۔ پھر وہ اس شور سے قریب ہوتا گیا حتیٰ کہ اسے اپنے چہرے پر پانی کی ہلکی سی پھواریں محسوس ہونے لگیں۔

اب اس نے بڑی ٹارچ روشن کی اور ایسا معلوم ہوا جیسے اس لامتناہی اندھیری میں روشنی کا طوفان آ گیا ہو۔ اس نے فوراً ہی ٹارچ بجھادی۔ نالا اس سے تقریباً پانچ یا چھ فٹ کے فاصلے پر رہا ہوگا جس کے درمیان ایک بڑی سی ابھری ہوئی چٹان تھی اور تیز رفتار پانی اسی سے ٹکرا کر پھواروں کی شکل میں ادھر اُدھر منتشر ہورہا تھا۔

اچانک پھر فائر ہوئے۔ فریدی بڑی پھرتی سے نیچے گر گیا۔ کیونکہ فائروں کا رخ اسی طرف تھا مگر وہ غلط جگہ گرا تھا۔ جس چٹان پر اس نے چھلانگ لگائی تھی وہ شائد اپنی جگہ چھوڑ چکی تھی۔ اس کا بوجھ نہ سنبھال سکی اور فریدی چٹان سمیت نالے میں جا پڑا

نالا انتہائی تیز رفتار تھا۔ فریدی کو پیر جمانے کی بھی مہلت نہ ملی۔ ویسے وہ زیادہ گہرا نہیں تھا۔ مگر بہاؤ خدا کی پناہ۔ وہ ایک حقیر سے تنکے کی طرح بہتا چلا جارہا تھا۔ لیکن ابھی اس کے اوسان خطا نہیں ہوئے تھے۔ دفعتاً اس پر ٹارچوں کی روشنیاں پڑیں اور پھر باڑھ ماری گئی۔ اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے بائیں بازو میں کوئی دہکتا ہوا انگارہ گھس گیا ہو اور پھر یک بیک اس کا ذہن اتھاہ تاریکیوں میں ڈوب گیا۔

ہزاروں سال پہلے

کمرے کا فرش پہلے تو ہلتا رہا پھر حمید نے محسوس کیا جیسے وہ نیچے دھنس رہا ہو۔ اس نے بھاگ کر اس کمرے میں جانا چاہا جس کے دروازے سے نکل کر یہاں آیا تھا لیکن جب تک وہ دروازے تک پہنچا دروازہ اس سے گزوں اونچا ہوگیا۔ فرش بڑی تیزی سے نیچے جارہا تھا۔ حمید بے بس ہوکر

بیٹھ گیا۔ اُسے ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے اس کی روح کھوپڑی توڑ کر کسی انجن کے دھوئیں کی طرح جسم سے آہستہ آہستہ خارج ہوئی جارہی ہو اور پھر جب وہ فرش پر رکا تو اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے روح کے ساتھ ہی ساتھ جسم ہزاروں فٹ اونچا اچھل گیا ہو۔

کئی منٹ تک تو گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھا رہا۔ یہ سفر ہی ایسا تھا۔ عام طور پر ''لمبے'' یا ''مختصر'' سفر ہوا کرتے ہیں مگر حمید نے سینکڑوں فٹ گہرا سفر کیا تھا اس لئے اب وہ سوچ رہا تھا کہ آئن اسٹائن کا نظریہ اضافیت بنڈل ہے۔ کیونکہ اسی نے پانچویں بُعد کا پتہ لگا لیا تھا..... اور یہ بُعد تھا دراصل معدے اور کھوپڑی کا درمیانی فاصلہ..... تقریباً پانچ فٹ بعد اس نے سر اٹھایا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ سامنے قدیم مصری طرز تعمیر کی ایک بلند و بالا محراب تھی اور اس کے آگے ایک طویل و عریض ہال تھا۔ بالکل ویسا ہی جیسے وہ ہالی وڈ کی ان فلموں میں بار بار دیکھ چکا تھا جو قدیم مصر کی کہانیاں پیش کرتی تھیں۔ فراعنہ مصر کا شاہی دربار..... سامنے ڈیڑھ درجن سیڑھیوں کے اوپر تخت شاہی تھا اور نچلی سیڑھی اپنے پھیلاؤ کی بناء پر ایک طویل و عریض پلیٹ فارم معلوم ہوتی تھی۔ تخت شاہی خالی تھا لیکن دربار آدمیوں سے بھرا تھا۔ یہ سب قدیم مصریوں کے سے لباس میں تھے۔ ٹخنوں تک پہنچنے والی رنگین قبائیں جن پر دیوتاؤں کی تصویریں نظر آرہی تھیں۔ تین طرف فوجیوں کی قطاریں دیواروں سے لگی کھڑی تھیں۔ ان کے لباس بھی قدیم مصری فوجیوں کے سے تھے۔ حتیٰ کہ اسلحے بھی اسی دور کی یاد دلاتے تھے چوڑے اور چھوٹے تیغے ترکش اور کمانیں۔ سروں سے اونچے نیزے اور زمین سے کمر کے اوپر تک پہنچنے والی مستطیل ڈھالیں۔ بڑے بڑے بخور دانوں میں خوشبوئیں سلگ رہی تھیں۔ دفعتاً ایک عجیب قسم کے شور سے سارا ہال گونجنے لگا اور حاضرین بالکل رکوع کے سے انداز میں جھک گئے۔ ان کے سر تخت شاہی کی طرف تھے لیکن حمید کو اس تخت پر کوئی بھی نظر نہیں آیا۔ شور کی آواز ختم ہوئی اور پھر نوبت اور نقاروں کی آوازیں آنے لگیں جن میں صدہا بوق و قرنا کی آوازیں بھی شامل تھیں۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے کوئی بہت بڑا جلوس گزر رہا ہو۔ لیکن جلوس کا کہیں پتہ نہیں تھا..... اور حاضرین..... وہ تو اب بھی پہلے ہی کی طرح جھکے کھڑے تھے۔

حمید نے جھرجھری سی لی وہ بہت شدت سے مرعوب ہوگیا تھا اور یہ شور..... یہ تو اسے اپنے ہر مُن مُو سے نکلتا ہوا محسوس ہورہا تھا۔ پھر اچانک موت کی سی خاموشی طاری ہوگئی اور حاضرین سیدھے کھڑے ہوگئے۔ پھر ایک ہونق سا آدمی اسٹیج نما سیڑھی پر نمودار ہوا اس کے جسم پر سرخ رنگ کا

لبادہ تھا گلے میں بے شمار ہار پڑے ہوئے تھے۔ پھولوں کے نہیں رنگ رنگ کے جواہرات کے
سے کرنیں سی پھوٹتی معلوم ہو رہی تھیں۔

تخت شاہی اب بھی خالی پڑا تھا۔ لیکن وہ آدمی تخت شاہی کی طرف رخ کر کے خفیف سا
اور پھر حاضرین کی طرف سر گھماتا ہوا گرجدار آواز میں بولا۔

''میں اپنے اور تمام درباریوں کی جانب سے اپنی حکمرانی کی ہزارویں سالگرہ پر مبارک
پیش کرتا ہوں۔'' پھر تخت شاہی کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''ملکہ علیاء ہماری حقیر نذریں قبول فرمائیں۔''

''ہماری طرف سے اجازت ہے۔'' خالی تخت سے ایک انتہائی سریلی اور نسوانی قسم کی آ
آئی اور حمید کی عقل کھوپڑی سے نکل کر ہوا میں ناچنے لگی۔ نذریں گذرنے لگیں اور وہ ہونق سا آد
جو شائد وزیر اعظم کا رول ادا کر رہا تھا ہر پیش کئے جانے والے خوان پر ہاتھ رکھ کر کہتا۔ ''ملکہ کائنا
کی خدمت میں۔''

تقریباً بیس منٹ تک نذریں گذرتی رہیں۔ پھر یہ سلسلہ ختم ہو گیا اور تخت شاہی سے آوا
آئی۔

''ارے میرے پرستارو..... میں تمہیں ارتقاء کی اس کڑی پر مبارک باد پیش کرتی ہوں۔
اس لئے قابل مبارک باد ہو کہ ارتقا کا صحیح مفہوم سمجھتے ہو۔ تمہارے جسموں پر ہزاروں سال پرانا لبا
ہے لیکن زندگی کو آگے بڑھانے کے لئے تمہارے پاس جدید ترین وسائل ہیں۔ تم سمجھتے ہو کہ زندگی
آگے بڑھانے کے لئے تخریب ضروری ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ آج کا آدمی ہزاروں سال پرانے آدم
سے ذرہ برابر بھی مختلف نہیں ہے۔ وہ آج بھی اتنا ہی خونخوار ہے جتنا ہزاروں سال پہلے تھا۔ لیکن
آگے بڑھنے کے لئے اس کا طریق کار بدل گیا ہے۔ میں تمہیں اس لئے مبارک باد دیتی ہوں کہ
سچے ہو۔ انسانیت کا ڈھول نہیں پیٹتے۔ عظیم الشان دفتروں میں بیٹھ کر قلم سے لوگوں کی گردنیں نہیں
کاٹتے بلکہ خس و خاشاک کو فنا کر کے صرف اُن درختوں کو پنپنے کا موقع دیتے ہو جن میں تناور بننے
صلاحیت ہو۔ تم اپنے سیاسی جوڑ توڑ سے قوموں کا بیڑہ غرق کر کے انسانیت کی اقدار پر تقریریں نہیں
کرتے۔ تم جسے فنا کرنا چاہتے ہو علانیہ فنا کر دیتے ہو اور اُسے درست سمجھتے ہو۔ میں تمہیں اس لئے
مبارک باد دیتی ہوں کہ تم طاقت کے پرستار ہو۔ اب لاؤ نئے سال کی تحقیقی نذر..... میں بذات خود
اُسے قبول کروں۔''

وزیر اعظم تخت کے سامنے جھک کر سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ ''ملکہ کائنات ہمارا نیا ہر بہ زیرو
تھری۔''

''یعنی تین صفر.....!'' تخت شاہی سے آواز آئی۔

''ملکہ کائنات.....!'' وزیر اعظم جھک کر بولا۔

''اچھا مظاہرہ کیا جائے۔''

وزیر اعظم نے تالی بجائی۔ ایک طرف کا رنگین پردہ سرکا اور تین آدمی ایک ٹرالی دھکیلتے ہوئے
دربار میں لائے۔ ٹرالی پر ایک عجیب وضع کی مشین رکھی ہوئی تھی جس میں تاروں کے تانے بانے سے
تھے۔ ٹرالی دربار کے وسط میں رک گئی۔ اس کے ساتھ ایک معمر آدمی بھی تھا لیکن اس کا لباس
درباریوں کا سا نہیں تھا۔ یہ ایک میلی سی پتلون اور خاکی قمیض میں ملبوس تھا۔ سر اور ڈاڑھی کے بال
بے ترتیب اور الجھے ہوئے تھے۔

''ملکہ کائنات کی اجازت سے۔'' وزیر اعظم نے ہاتھ اٹھا کر گونجیلی آواز میں کہا۔

ساتھ ہی وہ بوڑھا اس مشین پر جھک پڑا۔

ادھر حمید اس ماحول میں کچھ اس طرح کھو گیا تھا جیسے کوئی بہت ہی دلچسپ فلم دیکھ رہا ہو۔ فلم
سے زیادہ سب کچھ اسے خواب معلوم ہو رہا تھا۔ اچانک اس نے محسوس کیا جیسے کوئی غیر مرئی قوت
اُسے اس کی جگہ سے اٹھانے کی کوشش کر رہی ہو۔ پھر دفعتاً وہ فرش سے تقریباً پانچ فٹ بلند ہو گیا اور
اسی حالت میں جیسے بیٹھا ہوا تھا۔ اب اس نے لاکھ کوشش کی کہ وہ اپنے پیر پھیلا کر فرش پر جما دے مگر
ممکن نہ ہوا۔ اس کے پیر پھیل ہی نہ سکے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے جسم میں جان ہی نہ رہ گئی
ہو۔ اس کے کانوں میں سیٹیاں سی گونج رہی تھیں اور وہ فضا میں معلق تھا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ خلاء میں
تیرتا ہوا تخت شاہی کی جانب چلا۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک حقیر سا تنکا ہوا کے تیز و تند بہاؤ سے
چکراتا پھر رہا ہو۔

پھر اچانک وہ وزیر کے پیروں کے پاس دھم سے جا گرا۔ اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے پیٹھ کی
ہڈیاں چور ہو گئی ہوں۔

''بہت خوب ہے۔'' تخت شاہی سے آواز آئی۔ ''میرا خیال ہے کہ یہ تجربہ ابھی اپنے ابتدائی
دور میں ہے۔''

"درست ہے ملکہ کائنات۔" وزیر اعظم نے ادب سے جواب دیا۔ "بڑے پیمانے پر اس کی شکل دوسری ہوگی۔"

"اچھا اور کوئی خاص بات۔" تخت شاہی سے آواز آئی۔

"اور کوئی ایسی اہم بات نہیں جس کے لئے علیاء حضرت کا وقت برباد کیا جائے۔" وزیر اعظم نے قریب قریب زمین بوس ہو کر جواب دیا۔

"دربار برخواست.....!" تخت شاہی سے آواز آئی۔ پھر ملبوسات کی سرسراہٹ سنائی دی۔ جیسے کوئی تخت سے اٹھا ہو اور اس کے بعد وہی باجوں گاجوں کا شور۔ حاضرین دربار پھر احتراماً جھک گئے اور اس وقت تک جھکے رہے جب تک کہ جلوس کا شور ختم نہیں ہو گیا۔

حمید ایک بار پھر فضا میں معلق ہوا اور پہلے ہی کی طرح خلاء میں تیرتا ہوا محراب سے گذر کر سنگی فرش پر جا گرا۔ اس بار اس کا سر دیوار سے جا ٹکرایا تھا۔ نتیجے کے طور پر پہلے تو بصارت غبار آلود ہو گئی پھر یہ غبار گہرا ہوتے ہوتے اندھیرے میں تبدیل ہو گیا۔

بعض لوگ بڑے سخت جان ہوتے ہیں۔ مگر یہ انہیں آدمیوں کے لئے کہا جا سکتا ہے جو ناپسندیدگی سے دیکھے جاتے ہوں۔ اچھے آدمی ایسے معاملات میں قسمت کے دھنی کہلاتے ہیں۔ کم از کم فریدی کے متعلق تو یہی کہا جا سکتا ہے۔ وہ ایک نہیں سینکڑوں بار ایسے ایسے خطرات سے بچ نکلا تھا کہ اسے زندہ دیکھ کر اس سے تعلق رکھنے والے ہفتوں کیا مہینوں اسے فریدی کا بھوت سمجھتے رہے تھے۔

مگر اس بار جو واقعہ پیش آیا تھا اس نے خود فریدی ہی کو مجبور کر دیا کہ ہوش میں آنے کے بعد خود کو کافی دیر تک بھوت سمجھتا رہے۔ ایک طرف تو نالے کی طوفانی بہاؤ نے اس کے پیر اکھاڑ دیئے تھے اور دوسری طرف گولیوں کی بوچھاڑ۔ جب اس نے اپنے بائیں بازو میں گھستے ہوئے انگارے کی جلن محسوس کی تو اسے یقین ہو گیا کہ یہ تکلیف کا آخری احساس ہے۔

ہوش آنے پر اُسے بہت دیر تک یہی نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ اسی نالے میں بہہ رہا ہے یا ہوا

میں تیر رہا ہے۔ کچھ دیر بعد اسے ابر آلود آسمان نظر آیا اور خنکی کا احساس بھی ہوا۔ چاروں طرف اونچے پہاڑ تھے جن کی چوٹیاں بادلوں سے ٹکراتی معلوم ہو رہی تھیں۔ کچھ دیر تک وہ چت پڑا فضا میں تیرتا رہا پھر یہ سوچ کر شائد اس کی روح عالم ارواح میں بھٹکتی پھر رہی ہے اس نے اپنے بائیں بازو میں چٹکی لی لیکن پھر اُسے محسوس ہوا کہ بازو تو پہلے ہی سے دکھ رہا تھا۔

وہ ابر آلود نیلگوں آسمان کی وسعتوں میں نظر دوڑاتا ہوا تیرتا رہا۔ اُسے اپنا جسم بہت ہلکا معلوم ہو رہا تھا۔ ہوا سائیں سائیں کرتی اس کے جسم سے ٹکراتی ہوئی گذرتی رہی۔ اسے فرشتوں کے پروں کے سائے نظر آ رہے تھے۔ عجیب سی خوشبوئیں اسے اپنے گرد و پیش محسوس ہو رہی تھیں۔ اس کا ذہن عظمت رب السموات کے گیت گانے لگا۔ مگر کیا اس کی روح حقیقتاً عالم ارواح میں پرواز کر رہی تھی۔ وہ جسم و روح کے تعلق کے بارے میں سوچنے لگا اگر وہ عالم ارواح میں پرواز کر رہی تھی تو بائیں بازو کی تکلیف کیسی۔ احساس تو دراصل جسم و روح کے ربط ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ روح نے جسم کو چھوڑا اور تکلیف کا احساس بھی فنا ہو گیا۔

اس کا ذہن آہستہ آہستہ صاف ہوتا جا رہا تھا۔ اب وہ ہوا کی سائیں سائیں کے ساتھ ہی ساتھ دوسری آوازیں بھی سننے لگا تھا۔ یہ بھاری قدموں کی آوازیں تھیں۔ لاتعداد قدموں کی آوازیں۔

اب یہ بات اس کی سمجھ میں آئی کہ وہ ایک اسٹریچر پر پڑا ہے اور کچھ لوگ اسے اٹھائے ہوئے چل رہے ہیں۔

آسمان پر بادلوں کے پرے کے پرے تیر رہے تھے۔ مگر یہ پانی سے خالی تھے۔ سفید بادل کچھ بھی ہو وہ دھوپ کی شدت سے تو بچا ہی سکتے تھے۔ ان کی چھاؤں بڑی خوشگوار تھی۔ فریدی بے حس و حرکت پڑا رہا۔ اب وہ دراصل اپنی رہی سہی قوت کا جائزہ لے رہا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ وہ حملہ آوروں ہی کے ہاتھوں میں پڑ گیا ہو۔ لہٰذا ایسی صورت میں اسے دوبارہ کٹ مرنا پڑتا۔ وہ کسی چوہے کے بچے کی طرح بے بس ہو جانا کبھی پسند نہ کرتا۔ اس نے ریوالور کے لئے اپنی جیبیں ٹٹولیں۔ لیکن اب وہاں جیبیں کہاں تھیں۔ بہر حال کافی غور کرنے پر اُسے معلوم ہوا کہ وہ اوپر سے نیچے تک ایک اونی لبادے میں ملبوس ہے۔ بس یہیں سے اس کا منطقی شعور جاگ اٹھا۔ اگر وہ حملہ آور ہی ہوتے تو بھیگے ہوئے کپڑے اتار کر خشک لبادہ کیوں پہناتے۔ اسے وہیں ختم کر دیتے۔ اسٹریچر پر لاد کر کہیں

لے جانے کی کیا ضرورت تھی۔ لیکن پھر خیال آیا ممکن ہے حمید بچ نکلا ہو اور وہ آسانی سے دوبارہ اس پر ہاتھ ڈالنے کے لئے اسے زندہ ہی رکھنا چاہتے ہوں..... فریدی مطمئن ہو گیا۔ دونوں ہی صورتیں اس کے لئے اطمینان بخش تھیں۔

وہ چپ چاپ آنکھیں بند کئے پڑا رہا۔ پھر شائد سفر ختم ہونے میں ایک گھنٹے کا عرصہ لگا۔ اسٹریچر ایک جگہ اتار کر زمین پر رکھ دیا گیا۔ فریدی نے آنکھیں بند رکھیں۔ البتہ ایک بار پلکوں کی خفیف سا درہ کر کے گرد و پیش کا جائزہ لینے کی کوشش ضرور کی۔

وہ ایک خیمے میں تھا اس کے قریب ہی دو تین آدمی سرگوشیاں کر رہے تھے لیکن فریدی کچھ سن نہ سکا۔

پھر اسے ایک عورت کی آواز بھی سنائی دی۔ وہ کچھ اونچی آواز میں بول رہی تھی۔ اس کی آواز میں ایسی کھنک تھی جس کے متعلق کہا جا سکتا تھا کہ وہ کافی سیکس اپیل رکھتی تھی۔ فریدی کی بجائے اگر حمید ہوتا تو یہی رائے قائم کرتا۔

فریدی نے اس کی آواز سنی اور گفتگو بھی سمجھنے کی کوشش کی زبان میں اجنبیت محسوس ہوتی تھی لیکن پھر کچھ دیر بعد الفاظ کی اجنبیت رخصت ہو گئی۔ ویسے فریدی سوچ رہا تھا بُرے پھنسے..... اس وقت شائد آزاد علاقہ وادی کراغال میں تھا جس کی سرحدیں رام گڈھ سے ملتی تھیں۔ اس وادی کے باشندے اپنے علاقے میں اجنبیوں کا وجود نہیں برداشت کر سکتے تھے۔ فریدی سوچنے لگا یہاں تو وہی مثل صادق آئی ہے کہ دیو سے بچے تو سمندر میں ڈوبے۔

اس نے سوچا کہ اب اٹھ ہی جانا چاہئے۔ وہ تھوڑی بہت کراغالی جانتا تھا۔ دوسروں کی بات سمجھ کر اپنا مافی الضمیر واضح کر سکتا تھا۔ اس نے کراہ کراہ کر کروٹ بدلی اور آنکھیں کھول دیں۔

وہ لوگ خاموش ہو گئے۔ فریدی نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں دیکھا اور اٹھ بیٹھا۔

''لیٹے رہو لیٹے رہو۔'' عورت نے جلدی سے کہا۔

''ایک معزز خاتون کی موجودگی میں لیٹے رہنا بدتمیزی ہے۔'' فریدی نے کراغالی میں جواب دیا۔

ایک بوڑھے اور قوی الجثہ آدمی نے معنی خیز نظروں سے عورت کی طرف دیکھا۔

عورت خوش شکل جوان اور غیر معمولی طور پر قوی ہیکل تھی اور اس کی آنکھوں سے نسوانی صنف

کی بجائے مردانہ پن جھانک رہا تھا۔

''تم زخمی ہو اجنبی.....!'' عورت نے نرم لہجے میں کہا۔ ''تمہارے بازو سے رائفل کی گولی نکالی گئی ہے۔ ہڈی محفوظ ہے۔ اطمینان رکھو..... لیٹ جاؤ۔''

''میں آپ کی ہمدردی کا شکر گذار ہوں مگر مجھے حیرت ہے کہ میں زندہ کیسے بچا۔''

''کیا تم نے خانم کا حکم نہیں سنا۔'' بوڑھا غرایا۔ ''لیٹ جاؤ۔''

''میں ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔'' فریدی نے کہا اور لیٹ گیا۔

''تم کیسے زخمی ہوئے تھے۔'' عورت نے پوچھا۔

''مجھے درجنوں آدمیوں نے گھیر لیا تھا۔ میں تنہا تھا۔ زخمی ہو کر ایک پہاڑی نالے میں جا گرا۔ مجھے حیرت ہے کہ میں کراغال تک زندہ کیسے پہنچ گیا۔''

''اللہ کی حکمت.....!'' عورت آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر بولی۔ ''تم ندی کے کنارے ایک چٹان پر پڑے ہوئے تھے۔ مگر تم لڑے کہاں تھے۔''

''رام گڈھ میں۔''

''اوہو..... تم ادھر کے ہو۔''

''ہاں محترمہ.....!''

''مگر ادھر کا قانون تو اس قسم کی لڑائی بھڑائی کی اجازت نہیں دیتا۔''

''قانون توڑنے والے ہر جگہ ہوتے ہیں محترمہ۔ کیا آپ کراغال کی خانم ہیں۔''

''ہاں..... میں خانم ہوں۔ مگر شاید تم کراغال کے متعلق بہت کچھ جانتے ہو۔ کراغالی بھی بول سکتے ہو۔''

''ہاں محترمہ..... میں دنیا کی بہتیری زبانیں بول اور سمجھ سکتا ہوں۔''

بوڑھے نے پھر اسے معنی خیز نظروں سے دیکھا اور عورت بولی۔ ''غالباً تم اجنبیوں کے سلسلے میں کراغال کے دستور سے واقف بھی ہو گے۔''

''ہاں محترمہ..... میں جانتا ہوں کہ یہاں اجنبی نہیں آنے پاتے۔ اگر آ گئے تو ختم کر دیئے جاتے ہیں یا پھر ان کی واپسی ناممکن ہوتی ہے۔ مگر محترمہ آپ جانتی ہیں کہ میں کن حالات میں یہاں تک پہنچا۔''

''خیر یہ قصہ فی الحال یہیں رہنے دو۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔''

''میں ایک بار پھر فراخ دل خانم کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ یہاں پر ساتھ دوستانہ برتاؤ ہوگا۔''

''کیوں.....!'' خانم بے ساختہ چونک پڑی۔

''کچھ نہیں ..... میں جانتا ہوں کہ کراغالی..... مہمان نواز..... شریف..... اور عالی ہوتے ہیں۔''

ایک پاگل دوسرا قیدی

پتہ نہیں کتنی دیر بعد حمید کو ہوش آیا۔ وہ اب اسی کمرے میں تھا جس سے اس کا گہرائی والا شروع ہوا تھا۔ اگر اس کی پیٹھ کی ہڈیوں کی چوٹ دکھ نہ رہی ہوتی تو وہ یہی سمجھتا کہ اس نے خواب دیکھا ہوگا۔ مگر ایسی صورت میں.....؟

وہ کافی دیر تک گم سم فرش پر پڑا رہا۔ سر کی چوٹ بھی دکھ رہی تھی اس نے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اسے کسی قسم کی ٹوٹ پھوٹ کا احساس نہیں ہوا۔ کھوپڑی کی ہڈیاں محفوظ تھیں۔ اگر محفوظ نہ ہوتیں تب بھی کوئی فرق نہ پڑتا۔ وہ اسی طرح گم سم پڑا رہتا۔ بات یہ تھی کہ اس دربار اور اس عجیب وغریب مشین زیروتھری نے اس کے ہوش اڑا دیئے تھے۔ ایسے مجرم جن کے یہ ٹھاٹ ہوں اُسے آج تک خواب میں بھی دکھائی نہیں دیئے تھے اور پھر وہ پراسرار ملکہ جس کی صرف آواز سنی جاسکتی ہے اس کا شاہانہ جلوس جو نظروں سے یکسر غائب رہا تھا۔ تخت شاہی خالی پڑا تھا مگر اسی تخت سے ملکہ کی آواز ادا کر ہال میں منتشر ہو رہی تھی۔ کیا وہ بھوتوں کا دربار تھا؟ لیکن یہی لوگ قاسم سے بڑی بڑی رقمیں اینٹھ رہے تھے اور شائد روحی پر حملوں کے ذمہ دار بھی یہی تھے۔ پھر اُسے دلکشا ہوٹل والا واقعہ یاد آ گیا۔ قاسم نے اُسے اپنے کمرے کی کھڑکی کے غائب ہوجانے کے متعلق بتایا تھا۔ ممکن ہے اس کا بیان

درست ہی رہا ہو۔ جب کسی کمرے کا فرش سینکڑوں فٹ نیچے جاسکتا ہے تو اس کی کھڑکی کا غائب ہوجانا ناممکنات میں سے نہیں ہوسکتا۔

اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ یہ ایک اہم سوال تھا اور شائد اسی پر اس کی زندگی کا انحصار بھی تھا۔ وہ بڑے عجیب لوگوں میں آپھنسا تھا۔ اُسے کوئلے کا مجسمہ بھی یاد آیا جو اس نے فریدی کے ساتھ ایک عمارت میں دیکھا تھا۔ جو لوگ زیروتھری جیسی مشینیں بنا سکتے ہیں ان کے لئے کچھ ناممکن نہیں۔ مگر کیا اس کی حکومت انہیں شکست دے سکے گی۔ فریدی کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اس عجیب وغریب تنظیم کے سامنے اس کی حقیقت ہی کیا ہے۔ فریدی بھی گوشت پوست ہی سے بنا ہے۔

اسے بھی زیروتھری جیسی مشینیں کسی حقیر سے تنکے کی طرح فضا میں نچا سکتی ہیں۔

حمید کی کنپٹیاں تڑخنے لگیں اور اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ کیا اسے اس دربار کی سیر اسی لئے کرائی گئی تھی کہ وہ احساس کمتری میں مبتلا ہوجائے۔ یقیناً..... یہی بات ہوسکتی ہے ورنہ دوسری صورت میں قاسم کو بھی ان عجائبات کے درشن کرائے جاتے۔ حمید کو یقین تھا کہ قاسم کو اس قسم کے کسی بھی واقعے سے دوچار نہ ہونا پڑا ہوگا ورنہ وہ تذکرہ ضرور کرتا۔ اُسے تو صرف چند لڑکیوں کے چکر میں الجھا کر بڑی بڑی رقمیں وصول کی جارہی تھیں۔

اس نے ان سب خیالات کو پرے جھٹک کر پھر اپنے آئندہ طرز عمل کے متعلق سوچنا شروع کردیا۔ اس کی جگہ اور کوئی ہوتا تو یہ سب کچھ دیکھ کر پاگل ہوگیا ہوتا۔ پاگل کردینے والی بات ہی تھی۔

''پاگل.....!'' حمید کے ذہن نے تین چار بار دہرایا۔ بس پاگل ہوجانا ہی زیادہ مفید ثابت ہوگا۔ بہترین تدبیر۔ کیونکہ اس پاگل پن کا جواز بھی موجود تھا۔ پراسرار دربار کی سیر؟ ایک نظر نہ آنے والی عورت کی آوازیں اور پھر اس کا ہوا میں اڑ کر تخت کے نیچے جاگرنا۔ کیا یہ سب کچھ پاگل کردینے کیلئے کافی نہیں تھا۔ یقیناً کافی سے بھی زیادہ تھا۔ اس صورت میں وہ ان کے سوالات کا صحیح جواب دینے پر بھی مجبور نہ ہوگا۔

پھر وہ پاگل پنے کی باتیں سوچنے لگا۔ اس سے پہلے بھی ایک بار وہ پاگل بن چکا تھا اور اس نے ہفتوں اتنی شاندار ایکٹنگ کی تھی کہ پاگل خانے کے ڈاکٹر بھی چکر میں پڑ گئے تھے۔[1]

ایک بات اب تک اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اس وقت دن تھا یا رات۔ ان کمروں میں چھت کے قریب دیواروں سے روشنی پھوٹتی تھی اور یہ روشنی یقیناً مصنوعی تھی۔ سورج سے اس کا کوئی

---

[1] اس داستان کے لئے جاسوسی دنیا کا خاص نمبر ''لاشوں کا آبشار'' جلد نمبر 9 ملاحظہ فرمایئے۔

تعلق نہیں تھا۔ ورنہ اس میں ہلکی سی نیلاہٹ کیوں ہوتی۔

پہلی بار ہوش آنے سے اب تک وہ ایسی ہی روشنی دیکھتا رہا تھا اس کی گھڑی تو پہلے ہی بند ہو چکی تھی۔

بھوک کے مارے اس کا دم نکل رہا تھا۔ لیکن وہ کہاں جاتا۔ کسے پکارتا۔ پھر اسے قاسم کا خیال آیا وہ اٹھا اور دروازے کے قریب گیا جہاں سے وہ قاسم کے کمرے کا جائزہ لے سکتا تھا۔ یہاں اس نے قاسم کو دیکھا جو ایک لمبے چوڑے دسترخوان پر تنہا پریڈ کر رہا تھا۔ بکرے کی مسلم ران، مرغ مسلم بڑی بڑی رقابوں میں شوربہ اور روٹیوں کا ایک بہت بڑا ڈھیر۔

"قاسم.....!" حمید نے اُسے آواز دی۔

"اوہا.....اغے.....غمید.....بھاغی.....!" وہ بھاڑ سا منہ پھاڑتا ہوا بولا جس میں ایک بہت بڑا لقمہ تھا۔ "آؤ.....آؤ.....!"

"اچھا.....اچھا.....!" قاسم نے کچھ روٹیاں اٹھائیں ان پر کچھ بوٹیاں رکھیں اور اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا لیکن اچانک نہ جانے کس روشندان سے بندر نے اس پر چھلانگ لگائی اور وہ سب کچھ فرش پر آ رہا۔ قاسم گالیاں بکتا ہوا اس کی طرف دوڑا۔ لیکن وہ پھر ایک روشندان پر جا چڑھا تھا اور کھڑے ہو کر پھر وہی "چھنک چھنک" شروع کر دی اس واقعے پر حمید سچ مچ پاگل ہو گیا۔ وہ بھی اس بندر کو اس انداز میں گالیاں دینے لگا جیسے اس سے ان کے جواب کی توقع رکھتا ہو اور پھر جواب ملتے ہی باقاعدہ طور پر لڑ پڑے گا۔

پھر قاسم اور حمید دونوں ایک دوسرے سے پھوہڑ عورتوں کی طرح گلے شکوے کرنے لگے۔ شائد دونوں ہی پاگل ہو گئے تھے۔ بندر ایک بار پھر چپ چاپ نیچے اترا، اتنی آہستگی سے کہ گھونگھروؤں میں ہلکی سی چھنک بھی نہیں پیدا ہو سکی اور پھر اس نے دسترخوان پر رکھی ہوئی رقابیں الٹ دیں۔

"وہ دیکھو.....!" حمید دہاڑا۔

جب تک قاسم وہاں پہنچتا وہ پھر جست لگا کر روشندان پر جا چڑھا اور پھر وہی ناچ شروع ہو گیا۔ "چھنک، چھنک....." حمید کو زہر لگ رہی تھی یہ آواز۔ دفعتاً قاسم نے ایک بڑی سی ہڈی اس کی کھینچ ماری جو روشندان سے گذر کر دوسری طرف چلی گئی۔ بندر بدستور ناچتا رہا۔ "چھنک چھنک"

اس پر قاسم نے ایک قاب پر طبع آزمائی کی اور پھر اس کا دماغ باقاعدہ طور پر الٹ گیا۔ چپاتیاں..... ہڈیاں..... پلیٹیں..... رقابیں..... روشندان سے گذر گذر کر دوسری طرف جاتی رہیں۔ مگر بندر کا کہیں پتہ نہ تھا۔ ہو سکتا ہے کہ قاسم کی چشم تصور اب بھی اسے دیکھ رہی ہو۔

اچانک ایک گھڑگھڑاہٹ سی سنائی دی اور سامنے والی دیوار میں ایک چھوٹی سی خلاء نظر آئی۔ اتنی چھوٹی کہ اس سے ایک دبلا پتلا آدمی بھی بمشکل گذر سکتا تھا۔

اس خلاء میں ایک آدمی کا چہرہ دکھائی دیا اور اس نے گرج کر قاسم سے پوچھا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے۔"

"اسی سالے چھنک چھنک سے پوچھو کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔"

"بندر.....!" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"نہیں تمہارا باپ.....!" قاسم دہاڑا۔

"تم سمجھتے ہو کہ جب تک تم چیک پر دستخط نہیں کرو گے یہی ہوتا رہے گا۔" اس آدمی نے نرم لہجے میں کہا۔

قاسم خاموش ہو گیا۔ وہ اس مسئلے پر سنجیدگی سے سوچنا چاہتا تھا۔ ابھی تک ڈیڑھ لاکھ کی رقم گنوا چکا تھا

دفعتاً حمید نے ہانک لگائی۔ "ارے مری جان ادھر تو دیکھو۔"

"کیوں شور مچا رہے ہو۔" وہ آدمی جھلا گیا۔

"چار بنڈل..... چار بنڈل.....!" حمید نے قہقہہ لگایا اور اس کے حلق سے بیک وقت سینکڑوں قسم کی آوازیں نکلتی معلوم ہوئیں۔ پھر اس نے مرغوں کی طرح بانگ دینی شروع کر دی۔ قاسم حیرت سے آنکھیں پھاڑے کھڑا تھا۔

"میری جان ملکہ کائنات گگڑوں کوں..... گگڑوں کوں..... وزیر اعظم گگڑوں کوں..... زیرو تھری..... گگڑوں کوں..... قاسم بیٹا گگڑوں کوں....."

"تم خود گگڑوں کوں۔" قاسم ہنسنے لگا۔

مگر حمید ملکہ کائنات اور وزیر اعظم کا نام لے لے کر اس طرح "گگڑوں کوں" کرتا رہا جیسے زندہ باد کے نعرے لگا رہا ہو۔



وادی کراغال کی خانم اپنی شکارگاہ میں تھی جس کا فاصلہ اس کے محل سے تقریباً بیس میل تھا۔ یہیں اسے فریدی ندی کے کنارے ایک چٹان پر بیہوش ملا تھا۔

اس کے خیمے سے واپس آنے کے بعد خانم نے اپنے بوڑھے مشیر کو طلب کیا اس کے سر کے بال برف کی طرح سفید تھے اور چہرے پر گھنی سفید مونچھیں تھیں۔ مگر جسم کی ساخت جوانوں کی سی تھی اور وہ اس عمر میں بھی سینہ تان کر چلتا تھا۔

''تم کیا کہتے ہو۔'' خانم نے اس سے سوال کیا۔

''آپ مالک ہیں۔ مگر میں اسے مناسب نہیں سمجھتا کہ کوئی اجنبی محل میں قدم رکھے۔''

''مجھے وہ ایماندار آدمی معلوم ہوتا ہے۔''

''مگر آپ بھول رہی ہیں کہ وہ ان پہاڑوں کے ادھر رہتا ہے۔'' بوڑھے نے نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

خانم سوچ میں پڑ گئی اور بوڑھا بولا۔ ''ادھر کوئی ایماندار آدمی پیدا ہی نہیں ہوسکتا۔ کیا ہم ان لوگوں کے ہاتھوں تنگ نہیں آ گئے۔ ہمارے دشمنوں کے پاس رائفلیں کہاں سے آتی ہیں۔ دھماکے والے گولے کہاں سے آتے ہیں۔ سب وہیں سے آتے ہیں مالک۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہیں یہ آدمی ادھر کا جاسوس نہ ہو۔''

''کچھ بھی ہو۔'' خانم تھوڑی دیر بعد بولی۔ ''وہ زخمی ہے۔ اُسے اس حال میں یہاں نہیں چھوڑا جاسکتا۔ پھر اگر وہ جاسوس ہی ثابت ہوا تو اسے ایک اچھا سبق دیا جائے گا تاکہ پھر کوئی ادھر آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی جرأت نہ کرسکے۔''

''آپ مالک ہیں..... جو اللہ کی مرضی..... وہی خانم کی مرضی۔''

''ٹھیک ہے.....'' خانم نے کہا۔ ''اب ہم واپس چلیں گے۔ موسم خراب ہوگیا ہے۔ شکار کے لئے موزوں نہیں۔''

بوڑھا ادب سے جھکا اور باہر نکل گیا۔

پھر ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر کوچ کی تیاری ہوگئی۔ فریدی کے لئے پھر اسٹریچر لایا گیا۔ مگر

اب اس نے اسٹریچر پر سفر کرنے سے انکار کردیا۔

''میں اپنے ہی جیسے آدمیوں پر بار نہیں بننا چاہتا۔''

''تم زخمی ہو۔'' خانم نے کہا۔

''مگر اتنا کمزور بھی نہیں ہوں۔''

''ہماری پاس کوئی فالتو گھوڑا نہیں ہے۔'' خانم مسکرائی۔

''پرواہ نہیں..... میں پیدل چلوں گا۔''

بوڑھا اسے کینہ توز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ خانم نے اسے کچھ اشارہ کیا۔ جواب میں بوڑھے نے ایک سوار کی طرف دیکھا اور وہ اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اور اس کی لگام پکڑے ہوئے فریدی کے قریب لایا۔

فریدی ایک ہی جست میں گھوڑے کی پشت پر تھا مگر گھوڑا بدک گیا۔ منہ زوری کرنے لگا اور پچھلی ٹانگوں پر کھڑے ہوکر سوار کو گرانے کی کوشش کی مگر اس کی پشت پر اس صدی کا سب سے زیادہ چالاک آدمی سوار تھا۔ اس نے دو ہی تین رگڑوں میں اُسے چوہا بنا دیا۔ خانم اُسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ آخر اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں بوڑھے سے کہا۔ ''کیا تمہیں علم نہیں تھا کہ گھوڑا شریر ہے۔''

''نہیں مالک..... میں نہیں جانتا تھا۔ ویسے یہ گھوڑا شریر نہیں ہے کیوں۔'' اُس نے گھوڑے کے مالک کی طرف دیکھ کر آنکھ ماری۔

''نہیں مالک..... یہ تو بڑا سیدھا جانور ہے۔'' گھوڑے کا مالک بولا۔

''بات یہ ہے مالک۔'' بوڑھے نے کہا۔ ''کراغال کے گھوڑے بھی اجنبیوں سے دور ہی رہنا پسند کرتے ہیں۔''

''نہیں..... یہ غلطی پر تھا۔'' فریدی نے اپنی ایک آنکھ دبا کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اب اسے یاد آ گیا ہے کہ ہم دونوں ایک ہی کارخانے میں ڈھالے گئے تھے۔''

شائد گھوڑے کے مالک کو بھی اس کے رام ہوجانے پر حیرت تھی۔ وہ بار بار اس کی طرف دیکھ کر پلکیں جھپکاتا رہا۔

پھر تیس افراد کا یہ قافلہ چل پڑا۔ پیچھے چند بار بردار خچروں پر خیمے اور راؤنیاں بار تھیں۔ کچھ

لوگ پیدل بھی تھے۔

راہ میں ایک جگہ پھر فریدی کا گھوڑا شرارت پر اتر آیا۔ مگر فریدی نے اپنی رانوں سے اس کی پسلیاں اس زور سے دبائیں کہ اس کی زبان نکل پڑی۔ اس موقعہ پر اگر حمید ہوتا تو ضرور پوچھ بیٹھتا۔

''آخر آپ خود کتنے ہارس پاور کے ہیں۔'' فریدی اس وقت بھی حمید کے متعلق سوچ رہا تھا۔ کہیں حملہ آوروں نے اسے ہلاک نہ کر دیا ہو۔ مگر وہ کر ہی کیا سکتا تھا۔ خود اس کی زندگی کسی معجزے کے تحت بچ تو گئی تھی مگر اب وہ ایسے لوگوں میں آ پھنسا تھا جن سے گلو خلاصی قریب قریب ناممکن تھی۔ اگر ناممکن نہیں تو آسان بھی نہیں تھی۔ خود فریدی جیسا آدمی اس سلسلے میں کوئی یقینی بات نہیں سوچ سکتا تھا۔

خانم کا گھوڑا اس وقت اس کے گھوڑے کے برابر چل رہا تھا اور وہ بار بار اس کی طرف دیکھنے لگی تھی مگر فریدی اپنی گتھیوں میں الجھا ہوا تھا۔

''تمہارے زخم میں تکلیف ضرور ہو رہی ہوگی۔'' خانم نے کہا۔

''کوئی ایسی خاص نہیں ہے۔''

''تمہارے دیس کے لوگ آخر ہمیں غلام کیوں بنانا چاہتے ہیں۔'' خانم نے پوچھا۔

''میرے دیس کے لوگ۔'' فریدی نے حیرت سے کہا۔ ''نہیں تو..... میں نے کبھی نہیں سنا کہ ہماری حکومت نے کبھی آزاد علاقوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کی ہو۔''

''پھر ہمارے دشمنوں کو اسلحہ کہاں سے ملتا ہے۔''

''ہماری حکومت سے انہیں کوئی مدد نہ ملتی ہوگی۔ آپ یقین کیجئے۔''

''تم کیا جانو..... حکومتوں کے راز عام آدمیوں کو نہیں معلوم ہوتے۔''

''ہاں یہ درست ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''مگر عام آدمی اپنی عقل تو استعمال کر ہی سکتے ہیں۔ اتنا تو میں بھی سوچ سکتا ہوں کہ ہماری بقا کے لئے کراغال کا وجود ضروری ہے۔''

''اسی لئے تم چاہتے ہو کہ کراغال پر تمہارا تسلط ہو جائے۔''

''ہرگز نہیں..... البتہ ہم مضبوط ترین کراغال ضرور چاہتے ہیں۔ ہماری سب سے بڑی غلطی ہوگی اگر ہم کراغال کے دشمنوں کا ساتھ دیں۔ ویسے انہیں اسلحہ دوسرے ممالک سے بھی مل سکتا ہے، جو ہم دونوں کے یکساں مخالف ہیں۔''

''مگر میں نے ایسی رائفلیں کبھی نہیں دیکھیں۔ ایک محل میں پڑی ہوگی۔ میں تمہیں دکھاؤں گی۔''

پھر وہ خاموش ہو کر سوچنے لگی۔ ادھر فریدی بھی سوچ رہا تھا کہ یہ کسی نہ کسی بہانے سے اُسے قید کر لینے کی فکر میں ہے۔ اس نے گھوڑے کے سلسلے میں بوڑھے مشیر کا طنز بھی محسوس کیا تھا۔ کراغالیوں کے ہتھے چڑھ جانے کا مطلب یا تو موت تھا یا عمر قید۔ بہرحال کسی نہ کسی طرح وہ ان پہاڑوں کی داستانوں کو باہر پھیلنے سے روکتے تھے۔ فریدی نے کچھ دیر بعد خانم سے پوچھا۔ ''مگر آپ کے دشمن ہیں کون؟''

''میرا خیال ہے کہ وہ کراغالی ہی ہیں۔'' خانم نے جواب دیا۔ ''مگر ان کے پاس عجیب و غریب چیزیں ہیں۔ حیرت انگیز اسلحہ جات..... ان کے پاس ایک ایسی سیٹی ہے جس کی آواز میلوں پھیلتی ہے۔''

''کیا.....؟'' فریدی یک بیک چونک پڑا۔

''ہاں ان کے ہر آدمی کے پاس ایک ایسی ہی سیٹی ہوتی ہے۔ جب وہ خطرے میں ہوتا ہے تو اسے بجاتا ہے۔ پھر نگل لیتا ہے۔''

''کیا نگل لیتا ہے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''سیٹی..... اُسے نگلتے ہی وہ مر جاتا ہے۔ پھر تھوڑی دیر بعد اس کے جسم کے چیتھڑے اڑ جاتے ہیں۔ شائد وہ سیٹی اس کے پیٹ میں کسی بم کی طرح پھٹ جاتی ہے۔''

''آپ کو یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا۔''

''ایک بار ایک مشتبہ آدمی اس علاقے میں دیکھا گیا تھا۔ میرے آدمیوں نے اُسے گھیر کر پکڑ لیا۔ اس نے سیٹی بجائی اور پھر اسے نگل گیا۔ سیٹی کی آواز پھیلتے ہی کچھ دیر بعد اُن پر چاروں طرف سے گولیاں برسنے لگیں۔ پندرہ میں سے صرف دو آدمی بچے تھے اور ایک نے اس لاش کے چیتھڑے اڑتے دیکھے تھے۔''

''حملہ آور سامنے نہیں آئے تھے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''نہیں..... یہ پہاڑ ایسے ہیں کہ ان میں پوری پوری فوجیں چھپ سکتی ہیں۔''

پھر خانم نے چاروں طرف دیکھ کر آہستہ سے کہا۔ ''میرے آدمیوں کا خیال ہے کہ تم انہیں لوگوں کے جاسوس ہو۔ اس لئے وہ تمہیں زندہ نہیں دیکھنا چاہتے۔ اب بہتری اسی میں ہے کہ تم اپنی حقیقت سے آگاہ کر دو۔''

پاگل کا امتحان

حمید نے وہ غل غپاڑا مچایا کہ قاسم بدحواس ہوگیا اور اس آدمی پر پتہ نہیں کیا گذری جو دیوار کے خلاء سے جھانک رہا تھا۔ لیکن اب خلاء برابر ہوچکی تھی۔ حمید اس کے باوجود بھی اسی انداز میں چیخ رہا۔

"کیوں میرا دماغ خراب کررہے ہو۔" قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "اس سے کیا فائدہ۔"

"شٹ اپ..... سالے..... اُلو کے پٹھے۔" حمید نے اسی انداز میں اسے ڈانٹ پلادی۔

"ابے زبان سنبھال کے..... تم خود سالے اُلو کے پٹھے..... شٹ اپ وغیرہ۔"

اس پر حمید نے اسے دو چار گندی گندی گالیاں دیں اور قاسم آپے سے باہر ہوگیا۔ اس نے جھلاہٹ میں دو چار ٹکریں دروازے پر بھی ماریں لیکن وہ اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں۔ اتنے میں قاسم کے کانوں میں چھنک چھنک کی آواز بھی آئی، وہ اور بھی پاگل ہوگیا۔ حمید کو چھوڑ کر وہ اس طرف متوجہ ہوگیا۔ بندر روشندان میں کھڑا ناچ رہا تھا۔

اس بار قاسم اس طرح آؤٹ آف کھوپڑی ہوگیا تھا کہ خود اس نے بھی جھلاہٹ میں بندر ہی کی طرح ناچنا شروع کردیا۔

دوسری طرف حمید کے کمرے کا فرش نیچے کی طرف دھنسنے لگا اور اس نے سمجھ لیا کہ آنے والے لمحات فیصلہ کن ہوں گے۔ اس نے اپنی قمیض تار تار کرڈالی اور ٹائی کھول کر اسے اس طرح اپنی گردن میں لپیٹ لیا جیسے دونوں سرے کھینچ کر خودکشی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

جیسے ہی فرش کی حرکت تھمی حمید نے اپنا گلا گھونٹنا شروع کردیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اچانک اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے گئے۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور اس کے منہ سے گالیوں کا طوفان ابل پڑا۔ تین آدمی اُسے کھینچتے ہوئے محراب سے نکال کر اُسی وسیع ہال میں لے جارہے تھے جہاں اس سے قبل اس نے ایک پراسرار دربار کے مناظر دیکھے تھے۔

"چھوڑو بدتمیزو..... مجھے سجدہ کرو..... میں ملکہ کائنات کا پٹھا ہوں۔" حمید حلق پھاڑ کر چیخا اور اسی جگہ مچلنے لگا۔ لیکن وہ لوگ اُسے وسط ہال تک کھینچتے رہے۔ پھر چھوڑ دیا۔ حمید نے چھوٹتے ہی کسی

زخمی گوریلے کی طرح اچھلنا کودنا شروع کردیا۔ لیکن ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے اُسے ان تین آدمیوں کی موجودگی کا احساس تک نہ ہو۔

وہ تینوں اسے حیرت سے دیکھتے رہے۔ پھر اچانک ایک محراب سے پردہ ہٹا اور ایک پروقار آدمی آہستہ آہستہ چلتا ہوا حمید کی طرف آیا۔ اس کے جسم پر جدید طرز کا لباس تھا لیکن چہرے پر گھنی سیاہ ڈاڑھی تھی اور وہ تین آدمی بھی آج کل کے معمولی ہی لباس میں تھے۔ ان کی کسی بات سے بھی قدامت نہیں ظاہر ہوتی تھی۔

"کیا بات ہے۔" ڈاڑھی والے نے گرجدار آواز میں کہا۔

حمید اچھل کود ترک کرکے بے حس و حرکت کھڑا ہوگیا۔ اس کے چہرے پر بلا کی وحشت طاری تھی اور آنکھوں کی چمک تو خدا کی پناہ۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ پاگل نہیں ہے۔ حمید ایک شاندار ایکٹر تھا۔

"کیا تم نہیں جانتے کہ کسی وقت بھی تمہاری موت آسکتی ہے۔" ڈاڑھی والے نے اُسے گھور کر کہا۔

"میرے داہنے ہاتھ میں موت ہے اور بائیں میں حیات۔ تم مجھے سولی دو۔ میں آسمان پر اٹھالیا جاؤں گا۔"

"کرنل فریدی کہاں مل سکے گا۔ ہم لوگ بڑے مہمان نواز ہیں۔ تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔"

"کرنل فریدی آکسفورڈ ڈکشنری کے پندرہویں صفحہ پر ملے گا۔ فریدی ناؤن ہے۔ اس کا ایڈجیکٹو فریدل ہے..... دل دل..... فریدل..... فرفر..... دلی دل..... ہائے تیری گھوڑی چنے کے کھیت میں۔"

حمید نے ٹھمک ٹھمک کر ناچنا شروع کردیا۔ "تندی تیری گھوڑی چنے کے کھیت میں۔"

ڈاڑھی والا اُسے سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔

"اور بکو.....!" حمید کچھ دیر خاموش رہ کر اُسے گھورتا ہوا بولا۔ "اگر تم میری قابلیت کا امتحان لینا چاہتے ہو تو یہ بھی سہی۔ میں دنیا کے سارے علوم کے متعلق تمہیں چیلنج کرسکتا ہوں۔"

ڈاڑھی والے کی سنجیدگی میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔ اس نے ان تینوں آدمیوں سے کہا۔

"اسے ریڈوارڈ میں لے چلو۔"

حمید اب پھر گھسیٹا جانے لگا۔ لیکن اب وہ گالیاں بکنے کے بجائے کسی دیش سیوک کی طرح حب الوطنی پر تقریر کر رہا تھا۔ آخر اس نے بڑے شاندار لہجے میں کہا۔ ”تم نے ایک کو سولی دی، ایک کو زہر پلایا تھا، ایک کے سینے میں خنجر اُتارا تھا..... لیکن میں نہ زہر سے مر سکتا ہوں اور نہ خنجر سے میں تمہاری موت کا پیام ہوں۔“

ہال سے گذر کر وہ ایک طویل سرنگ میں چلتے رہے پھر ایک محراب میں داخل ہو کر ایک بڑے کمرے میں آئے جو اپنے لوازمات کی بناء پر کسی قسم کی لیبارٹری معلوم ہو رہا تھا۔

یہاں پانچ یا چھ سنجیدہ صورت آدمی پہلے ہی سے موجود تھے۔ اُن میں سے ایک کو حمید نے فوراً ہی پہچان لیا۔ وہی بوڑھا تھا جس نے دربار میں زیرو تھری نامی مشین کا مظاہرہ کیا تھا۔

ڈاڑھی والے کو دیکھ کر وہ سب مؤدبانہ انداز میں کھڑے ہو گئے۔

”اس آدمی کی ذہنی حالت کی رپورٹ چاہئے۔“ اس نے حمید کی طرف اشارہ کیا اور لیبارٹری سے نکل گیا۔ وہ تین آدمی جو حمید کو یہاں تک لائے تھے موجود رہے۔

حمید نے سوچا یہ بہت بُرا ہوا۔ اب پول کھل جائے گی۔ جن لوگوں کے پاس زیرو تھری جیسی حیرت انگیز مشینیں ہوں ان کے پاس ذہنی حالت پرکھنے کے اعلیٰ ترین آلات کی کیا کمی ہو سکتی ہے۔

حمید کو فوراً ہی ایک دوسرے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ اس کمرے میں عجیب طرح کی روشنی تھی جو نہ روشنی معلوم ہوتی تھی اور نہ تاریکی۔

حمید کو ایکسرے سے ملتی جلتی ایک مشین میں کھڑا کر دیا گیا۔ مشین میں ہلکی سی گھر گھراہٹ پیدا ہوئی اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا ذہن خود اسی پر آئینہ ہو گیا ہو۔ گرمی کے مارے اس کا دم گھٹنے لگا۔ حلق خشک ہو گیا اور ایسا معلوم ہونے لگا جیسے اس پر غشی طاری ہوتی جا رہی ہو۔ شائد تین منٹ بعد اسے مشین سے نکال لیا گیا اور حمید نے پھر اپنی بکواس شروع کر دی۔ لیکن سب فضول..... وہ سوچ رہا تھا کہ ابھی ساری حقیقت ظاہر ہو جائے گی اور انجام..... انجام خدا جانے کیا ہو۔

کمرے سے وہ پھر لیبارٹری میں لایا گیا۔ اب اس نے دیکھا کہ اس کی ذہنی حالت کی جانچ کرنے والا بھی وہی بوڑھا تھا جس نے اُسے زیرو تھری نامی مشین کے کرتب دکھائے تھے۔

اس نے جلدی جلدی ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر ایک آدمی کے حوالے کیا جو فوراً ہی لیبارٹری سے باہر چلا گیا۔ حمید کے ساتھ آئے ہوئے آدمیوں میں سے اب دو ہی باقی رہ گئے تھے۔

شاید پانچ یا چھ منٹ بعد وہ آدمی واپس آ گیا اور اس نے کاغذ بوڑھے کو واپس کر دیا۔ بوڑھے نے پشت پر لکھی ہوئی عبارت پڑھی اور اُن آدمیوں سے بولا۔

”اسے میرے ساتھ لاؤ۔“

حمید کو پھر ایک طویل سرنگ سے گذرنا پڑا لیکن نہ تو یہاں گرمی تھی اور نہ گھٹن کا احساس..... وہ چلتا رہا۔ سرنگ کے دائیں اور بائیں جانب دروازوں اور کھڑکیوں کی قطاریں نظر آ رہی تھیں۔ ایسا سب بھی کمرے ہی میں تھے۔ اس کی عقل کام نہیں کر رہی تھی۔ وہ ان لوگوں سے بہت زیادہ مرعوب ہو گیا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کیا کبھی کوئی ان لوگوں کو شکست دے سکے گا۔ ایک کمرے کا دروازہ کسی نے کھول کر حمید کو اندر دھکا دے دیا اور پھر دروازہ باہر سے بند کر لیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ پھر کھلا اور بوڑھا اندر داخل ہوا۔

”کیوں..... کیا خیال ہے۔“ اس نے مسکرا کر حمید سے پوچھا۔ ”یہ کھیل جاری ہی رکھو گے یا فی الحال وقتی طور پر مہلت چاہتے ہو۔“

حمید نے جواب میں ”نگڑوں کوں“ کی ہانک لگائی اور یہ سلسلہ جاری ہی رکھنا چاہتا تھا کہ اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”مجھے بیوقوف بنانا مشکل ہے۔ ویسے میں نے رپورٹ میں یہی لکھا ہے کہ آپ کی اچانک ذہنی دھچکے نے مخبوط الحواس کر دیا مگر میرا دعویٰ ہے کہ تم قطعی صحیح الدماغ ہو۔ ویسے تمہیں ایک شاندار ایکٹر ضرور کہا جا سکتا ہے۔“

حمید خاموشی سے اسے دیکھتا رہا کچھ بولا نہیں۔

خانم کا محل بڑا شاندار تھا۔ یہاں پہنچ کر فریدی کو معلوم ہوا کہ وہ کراغالیوں پر پوری طرح مہربان ہے۔ فریدی کو ایک کشادہ اور آرام دہ کمرے میں ٹھہرایا گیا۔ لیکن وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کی حیثیت قیدیوں کی سی ہے۔ وہ کمرے سے تنہا باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ کمرے کے سامنے تین مسلح سپاہیوں کا پہرہ تھا جب بھی وہ باہر نکلتا وہ اس کے ساتھ ہو جاتے۔

دوپہر کو پھر اس کی طلبی خانم کے سامنے ہوئی۔ وہ ایک جابر حکمران تھی۔ فریدی نے بھی یہی

اندازہ لگایا تھا۔ اس وقت وہ ایک بڑے اور اعلیٰ فرنیچر سے آراستہ کمرے میں تنہا تھی۔ اس
دھانی رنگ کے سلک کا ایک لبادہ تھا اور بال کھلے ہوئے تھے اور بلاشبہ وہ حسین نظر آ رہی
حسین، نزاکت اس میں نام کو بھی نہیں تھی۔

اس نے سر کی جنبش سے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ فریدی اس کا شکریہ ادا کر کے بیٹھ
خاموشی سے کمرے میں ٹہلتی رہی پھر یک بیک رک کر بولی۔

"مجھے نہیں یاد پڑتا کہ میں نے اس سے پہلے تمہیں کہاں دیکھا تھا۔ ویسے میرا خیال
میں نے تمہیں بہت دیکھا ہے۔"

"میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔ میں نے تو پہلی بار کراغال میں آنکھیں کھولی ہیں۔ آنکھ
ہی زیادہ موزوں لفظ ہے۔ کیونکہ میرے یہاں پہنچنے میں ارادے کو دخل نہیں تھا۔"

"ادھر دیکھو.....!" دفعتاً خانم نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "کراغال ناقابلِ تسخیر ہیں۔
قوت نے ادھر آنکھ اٹھا کر دیکھا بھی تو اسے پچھتانا پڑے گا۔ ہمارے پہاڑ اچھی طرح ہماری
کر سکتے ہیں۔ ایک بار ہمارے سات آدمیوں نے ڈھائی سو سفید فام فوجیوں کا خاتمہ کر دیا
فوجی جدید ترین اسلحہ سے لیس تھے۔ ان کے پاس بھاری گولے پھینکنے والی توپیں بھی تھیں۔
ہوائی جہاز تھے لیکن ہمارے صرف سات آدمیوں نے انہیں بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا اور اب
نے ہماری طرف دیکھنا شروع کیا ہے جو دراصل اب بھی سفید فاموں کے محتاج ہو۔"

"اگر آپ کو اب بھی میری نیت پر شبہ ہے تو میں کسی قسم کی صفائی پیش کرنا فضول
ہوں۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"اس صورت میں انجام بخیر نہیں ہو سکتا۔"

"یہ بھی کوئی ایسی اہم بات نہیں ہے جس کے لئے مجھے پریشانی ہو۔ میری نظروں میں
صرف اس حادثے کا نام ہوگا جو پوری زمین کے چیتھڑے اڑا دے۔ نہ صرف زمین بلکہ
کائنات کے خاتمے کا نام انجام ہو سکتا ہے۔"

"بہت اونچی باتیں کر لیتے ہو۔" خانم نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"اونچی نہیں یہ تو بہت معمولی باتیں ہیں۔ ایک میرے مرنے سے زندگی کا خاتمہ نہیں ہو
گا۔"

"میں نے تمہیں اس لئے طلب نہیں کیا کہ تم مجھے فلسفہ پڑھاؤ۔"

"یہ ایک سیدھی سادی بات تھی۔ مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ میری نظروں میں موت کی
نہیں ہے۔"

"تم پہاڑوں کے پیچھے والے دیس کے جاسوس ہو۔"

"میں کچھ بھی ہوں لیکن مجھے کراغالیوں سے کوئی سروکار نہیں ہے۔"

"تو تم اسے تسلیم کرتے ہو کہ تم جاسوس ہو۔"

"میں کوئی ایسی بات تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں جس کا آپ سے کوئی سروکار نہ ہو۔"

"تم کراغال کی خانم سے گفتگو کر رہے ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ مجھ سے ابھی تک کوئی گستاخی سرزد نہیں ہوئی۔ ویسے میں ایک پیشین گوئی
کروں گا۔"

"کیا.....؟"

"آپ کے وہ نامعلوم دشمن جن کی حیرت انگیز سیٹی کا تذکرہ آپ نے کیا تھا عنقریب آپ
لئے مصیبت بننے والے ہیں۔"

"کیا مطلب.....؟"

"وہ ایک ایسے علاقے کی تلاش میں ہیں جہاں سے ہماری حکومت کے خلاف فتنے
"پھر.....؟"

"پھر یہ کہ اگر کراغالی کی خانم نے دانش مندی سے کام نہ لیا تو کراغال کا بھی وہی حشر ہوگا جو
مقلان کا ہوا تھا۔ بوڑھا خان اعظم آج بھی اپنے جوان بیٹے کا داغ سینے پر لئے زندہ ہے۔"

"تم نصرت خان کا تذکرہ کر رہے ہو شائد۔"

"ہاں..... میں اسی کا تذکرہ کر رہا ہوں۔ وہ ایک سیدھا سادہ مگر دلیر آدمی تھا۔ چند شیطانوں
اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے اسے غلط راستوں پر ڈال دیا۔ مقصد یہی تھا کہ قلعہ مقلان پر ان کا
ہو جائے۔"

"ہاں..... ہاں..... یہ داستانیں میرے کانوں تک پہنچی ہیں۔"

"اس تنظیم کا سرغنہ مارڈالا گیا تھا لیکن تنظیم بدستور قائم تھی اور میرا خیال ہے کہ وہ پکڑتی جارہی ہے۔"

"تو یہ حیرت انگیز سیٹی والے.....!"

"میرا خیال ہے کہ یہ اسی تنظیم سے تعلق رکھتے ہیں اور ہاں..... آپ نے مجھے دکھانے کا وعدہ کیا تھا۔"

"مگر تم یقین کے ساتھ کیسے کہہ سکتے ہو۔"

"میں اس لئے کہہ سکتا ہوں کہ میں بھی انہیں کے ہاتھوں زخمی ہوا تھا۔"

"میں نہیں سمجھتی کہ تمہارے بیان پر کیوں یقین کرلیا جائے۔"

"نہ کیا جائے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور خانم پھر جھنجھلا گئی۔ شاید اسے فریدی خود کو خطرے میں دیکھ کر روئے گا۔ گڑگڑائے گا۔ رحم کی بھیک مانگے گا اپنی معصومیت کرنے کے لئے زمین و آسمان کے قلابے ملا کر رکھ دے گا۔

"کراغالی فوراً ہی ہلاک نہیں کردیتے۔" اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"اذیتیں دے کر مارتے ہوں گے۔" فریدی نے پھر لاپروائی کا اظہار کیا اور خانم کی میں دیکھنے لگا۔ لیکن خانم زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکی وہ بغلیں جھانکنے لگی۔ پھر اس نے تالی بجائی خادم پردہ ہٹا کر کمرے میں داخل ہوا۔

"یوسف خان سے کہو کہ وہ رائفل پیش کرے۔" خانم نے کہا۔ خادم تعظیماً جھکا اور باہر نکل گیا۔

"ایک رائفل ہی پر کیا منحصر ہے۔ معزز خانم..... ان لوگوں کے پاس حیرت انگیز ہیں۔ وہ آدمیوں کو کوئلوں کے بتوں میں تبدیل کردیتے ہیں۔"

"کیا.....؟" دفعتاً خانم چیخ کر کھڑی ہوگئی۔ اسکی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھٹی ہوئی

"ہاں..... میں غلط نہیں کہتا..... ان کے پاس دنیا کے بہترین دماغ ہیں جو شر کے لئے محنت کرتے ہیں۔ شاید وہ لوگ قوت میں آنے کے بعد ساری دنیا پر چھا جائیں۔"

"لیکن تم نے ابھی کوئلے کے مجسمے کے بارے میں کیا کہا تھا۔"

"یہی کہا تھا کہ ان کے اسلحے آدمی کو کوئلے کے مجسمے میں تبدیل کرسکتے ہیں۔"

"تمہیں کیا معلوم..... کیا تم کسی ایسے حربے سے واقف ہو۔"

"نہیں..... لیکن ایک ایسا مجسمہ دیکھ چکا ہوں۔"

خانم سر پکڑ کر کرسی میں گر گئی۔ اس کے چہرے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں تھیں۔

"میرا خیال ہے کہ اس تذکرے سے آپ کو کسی قسم کی تکلیف پہنچی ہے۔"

فریدی نرم لہجے میں بولا۔

خانم نے ہاتھ ہلا کر اُسے جانے کا اشارہ کیا۔ فریدی اس کے اس رویہ پر متحیر رہ گیا۔ کوئلے کے مجسموں کا نام سنتے ہی وہ چیخی تھی اور پھر بے حس و حرکت ہو کر کرسی میں گر گئی تھی۔

فریدی چپ چاپ کمرے سے نکل گیا۔ دونوں سنتری کمرے کے باہر موجود تھے۔ وہ ان کے ساتھ بھی خاموشی ہی سے چلتا رہا۔ خانم کا رویہ عجیب و غریب تھا۔ اس نے شائد وہی رائفل طلب کی تھی لیکن کوئلے کے مجسمے کا تذکرہ آتے ہی اس طرح بدحواس کیوں ہوگئی۔

فریدی الجھن میں پڑ گیا۔

محل میں شور

حمید اتنا احمق بھی نہیں تھا کہ بوڑھے کی بات فوراً ہی تسلیم کرلیتا۔ اس نے مسکرا کر سینہ پیٹتے ہوئے اُسے آنکھ ماری اور دو تین عاشقانہ اشعار پڑھ دیئے۔

"میں تمہارا ہمدرد ہوں۔" بوڑھے نے نرم لہجے میں کہا۔

"میں تمہارے ہمدرد کا باپ ہوں..... آگے چلو۔"

"تم پاگل نہیں ہو۔" بوڑھا مسکرایا۔

"تم بھی پاگل نہیں ہو۔" حمید بھی اُسی انداز میں کہہ کر مسکرایا۔

"اگر تم نے سیدھی طرح مجھ سے گفتگو نہ کی تو بھگتو گے۔"

''اگر تم نے مجھ سے گفتگو کی طرح سیدھی نہ کی تو..... بھگتو..... بھگتو..... بھگتو..... اور بھگتو..... بھئی بھگتو..... بھگتو..... بھگتو گے۔''

وہ ''بھگتو، بھگتو'' کی گردان کرتا ہوا ناچنے بھی لگا تھا۔ ویسے اس گھٹیا پن پر اس کا دل رو رہا تھا۔

''تو تم یوں نہیں مانو گے۔''

''پھر کیسے مانوں گا۔'' حمید نے غرا کر سوال کیا۔

''ابھی بتاتا ہوں۔''

''جلدی بتاؤ..... بتاؤ جلدی..... اتنی دیر۔''

''مجھے خوشی ہے کہ تم خطرناک پاگلوں میں سے نہیں ہو۔''

''مجھے خوشی ہے کہ تم خطرناک پاگلوں میں سے نہیں ہو۔'' حمید نے اسی انداز میں جواب دیا۔

''اچھا ٹھہرو.....!'' بوڑھے نے کہا اور کمرے کا دروازہ بند کرتا ہوا باہر نکل گیا۔

حمید سخت الجھن میں تھا کہ وہ اسے جان سے نہیں مارنا چاہتے ورنہ اتنی دیر تک زندہ رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ مگر صرف فریدی کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے زندہ رکھنا بھی سمجھ میں آنے والی بات نہیں تھی۔

بہرحال اس نے تہیہ کرلیا کہ جب تک اوسان بجا رہیں گے ہر طرح ان کا مقابلہ کرتا رہے گا۔

تھوڑی دیر بعد کمرے کا دروازہ کھلا۔ لیکن اس بار حمید کی آنکھوں میں تارے ناچ گئے۔ آنے والی ایک لڑکی تھی اور یہ کہنا حماقت ہی ہوگی کہ وہ بہت خوبصورت تھی۔ دنیا کی ساری لڑکیاں خوبصورت ہی ہوتی ہیں کم از کم حمید کی نظروں سے تو آج تک کوئی بدصورت لڑکی نہیں گذری تھی۔

یہ واقعی امتحان کا وقت تھا۔ حمید بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ پتھر کے بت کی طرح..... حتیٰ کہ اس کی آنکھیں بھی متحرک نہیں تھیں۔

لڑکی آہستہ آہستہ اس کے قریب آئی اور اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔ ''اب یہ قصہ ختم کر دیجئے۔ ہم آپ کو کسی طرح بھی ضائع نہ ہونے دیں گے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ لیکن اب اس کی پلکیں جھپکنے لگی تھیں۔

''میں آپ سے استدعا کرتی ہوں۔ ویسے آپ شوق سے پاگل بنے رہئے گا۔ اسی میں آپ کی بہتری ہے لیکن میں اور ڈاکٹر زبیری آپ کے دوست ہیں۔ ہم سنجیدگی سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں

ہم جانتے ہیں کہ آپ کیپٹن حمید ہیں اور کرنل فریدی ان لوگوں کے ہاتھ نہیں لگے۔''

حمید نے ایک طویل سانس لی۔ اس کے ذہن پر سے گویا ایک بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا۔

''ان کا دعویٰ ہے۔'' لڑکی نے کہا۔ ''کہ انہوں نے کرنل کو گولی ماردی لیکن انہیں لاش نہیں مل سکی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بچ نکلے ہوں گے۔''

حمید اب بھی خاموش رہا۔

''آپ بولتے کیوں نہیں۔''

''میں آدمی نہیں ہوں۔'' حمید نے بھرائی ہوئی دردناک آواز میں کہا۔ ''میں پرندہ ہوں۔ ننھا سا پرندہ میری ماں مجھے گونسلے میں چھوڑ کر چلی جاتی تھی۔ دن بھر اڑتی رہتی تھی۔ پھر شام کو واپس آتی۔ ہم کئی ننھے ننھے بچے گھونسلے سے سر نکال کر اپنی چونچیں پھیلا دیتے اور کپکپاتے رہتے..... چیختے رہے۔ حتیٰ کہ وہ ہمارا پیٹ بھر دیتی۔ میری ماں ملکہ کائنات ہے۔ پھر مجھے ڈاڑھی والوں نے پکڑ لیا ماں..... ملکہ کائنات..... مجھے بچالو..... بچالو۔'' حمید دردناک آواز میں چیختا کراہتا رہا۔

لڑکی کے چہرے پر کچھ ایسے آثار نظر آنے لگے جیسے اسے بھی حمید کے پاگل پن پر یقین آ گیا ہو۔ حمید نے اس کی آنکھوں میں مایوسی کے گہرے بادل دیکھے اور وہ سوچنے لگا ممکن ہے یہ لڑکی تنظیم کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہوگئی ہو۔ ہوسکتا ہے بوڑھا انجینئر بھی ان زیر زمین فضاؤں میں تنگ آ گیا ہو اور پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ اس بھیڑ میں سبھی خوشی سے کام کر رہے ہوں۔ بہتیرے ایسے بھی ہوں گے جنہیں زبردستی مجبور کیا گیا ہوگا۔

حمید نے پھر لڑکی کی طرف دیکھا جو اب خوفزدہ بھی نظر آنے لگی تھی اور آہستہ آہستہ دروازے کی طرف کھسک رہی تھی۔

''ٹھہرو..... تم کیا کہنا چاہتی ہو۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔

لڑکی رک گئی۔

''صرف یہ کہ آپ پاگل نہیں ہیں۔''

''اچھی بات ہے۔ اب اخلاقاً مجھے بھی کہنا پڑے گا کہ تم بھی پاگل نہیں ہو۔''

لڑکی ہنس پڑی۔

''اب اخلاقاً مجھے بھی ہنسنا پڑے گا۔'' حمید نے کہا اور ہنسنے لگا۔ لڑکی اور زور سے ہنسی۔ حمید کی

ہنسی بھی اُسے مناسبت سے تیز ہوگئی۔ ٹھیک اسی وقت بوڑھا انجینئر بھی کمرے میں داخل ہوا لیکن ان دونوں کو پاگلوں کی طرح ہنستے دیکھ کر دروازے ہی پر ٹھٹک گیا۔

''کیا یہ حضرت اب بھی راہ پر نہیں آئے۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا اور حمید نے اپنی ہنسی میں بریک لگا دیا اور دوسرے ہی لمحے میں ایسا معلوم ہونے لگا جیسے ہنسی تو الگ رہی وہ سال سال سے مسکرایا بھی نہ ہو۔

''کیپٹن.....!'' بوڑھے نے کہا۔ ''یقین کرو ہم دونوں تمہارے دوست ہیں۔''

''یقین کرلوں۔''

''ہاں کیپٹن۔''

''اچھا.....تو کرلیا یقین.....پھر.....!''

لڑکی جو اُسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی بولی۔ ''یہاں اس زیرِ زمین دنیا میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنی مرضی سے یہاں نہیں آئے۔''

''ہوسکتا ہے۔''

''ان کی خواہش ہے کہ وہ اس جنجال سے نکل جائیں۔''

''تو انہیں نکل جانا چاہئے۔'' حمید نے بڑی سادگی سے کہا۔

''یہ آسان کام نہیں ہے کیپٹن۔'' لڑکی نے آہستہ سے کہا۔ ''اگر یہ ہمارے امکان میں ہوتا تو کبھی کے نکل گئے ہوتے۔''

''تو پھر مجھ سے ہمدردی کرنے کا کیا مقصد ہے۔ کیا یہ میرے امکان میں ہے۔''

''ہے قطعی ہے۔'' بوڑھا بولا۔ ''تم یہ نہ سمجھو کہ تم یہاں مار ڈالے جانے کے لئے لائے گئے ہو۔ اگر یہ بات ہوتی تو یہاں تک لانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔''

''پھر یہاں لانے کا کیا مقصد ہے۔''

''تم یہ بھی جانتے ہو کپتان کہ تم کن لوگوں میں ہو۔''

''میں نہیں جانتا۔''

''حالانکہ پہلے بھی تم لوگ ان لوگوں سے ٹکرا چکے ہو۔''

''اچھا.....!'' حمید نے حیرت کا اظہار کیا۔

''کیا یہ حقیقت ہے کہ تم نہیں سمجھ سکے۔'' بوڑھے نے پوچھا۔

حمید جواب نہیں دے پایا تھا کہ اچانک کمرے کے کسی گوشے سے ہلکی سی سرسراہٹ کی آواز آئی اور بوڑھا یک بیک حمید پر ٹوٹ پڑا۔ پہلے اس نے دو چار مکے مارے اور پھر نیچے گرا دینے کی کوشش کرنے لگا۔ حمید اس اچانک حملے پر بوکھلا گیا ساتھ ہی اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ بوڑھا کمزور بھی نہیں ہے۔

اب وہ دونوں اچھی طرح ایک دوسرے سے لپٹ پڑے تھے اور بڑے جوش و خروش کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ لڑکی چیخ رہی تھی۔

اچانک باہر سے کسی نے دروازہ پیٹنا شروع کردیا۔ لڑکی نے بڑے گھبرائے ہوئے انداز میں دروازہ کھولا اور دو مسلح آدمی اندر گھس آئے۔

انہوں نے بمشکل تمام دونوں کو الگ کیا۔

بوڑھا ہانپتا ہوا کہہ رہا تھا۔ ''لے جاؤ.....اسے تین نمبر میں رکھو..... یہ خطرناک ہوتا جارہا ہے۔ انتہائی خطرناک۔''

حمید بُری طرح بوکھلایا ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہورہا ہے۔

فریدی کے سگار کیس میں آخری سگار رہ گیا تھا۔ اس نے اسے بڑی حسرت سے دیکھا اور سگار کیس ایک طرف ڈال دیا۔ اس نے خانم کے محل میں ابھی تک کسی کو تمباکو پیتے نہیں دیکھا تھا۔ ایسی صورت میں اُسے حقیقتاً تھوڑی بہت تکلیف اٹھانی پڑتی۔ وہ تھوڑی دیر تک کمرے میں ٹہلتا رہا پھر ایک آرام کرسی میں گر گیا۔ اب وہ جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ مگر گلوخلاصی کی کیا صورت ہوگی۔ یہ ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آسکا تھا۔

خانم بڑی سفاک عورت معلوم ہوتی تھی اور اس کے آدمی چالاک تھے۔ پھر تیلے تھے۔ وہ عقاب کی سی آنکھیں رکھتے تھے۔ پچھلی رات ان کی مستعدی کا اندازہ کرنے ہی کے لئے فریدی نہیں سویا تھا۔ وہ بار بار اٹھ کر کھڑکی کے قریب آتا اور سنتریوں کو ٹہلتا ہوا پاتا۔ رات کو ان کی تعداد تین

سے بڑھا کر دس کردی گئی تھی، نہ وہ آپس میں گفتگو کرتے اور نہ برآمدے سے ہٹ کر کہیں جاتے۔ اس سے فریدی نے اندازہ کرلیا تھا کہ خانم ایک بہت اچھی منتظم ہے اور اس کے آدمی اس سے خائف رہتے ہیں۔

ابھی تک فریدی کو یہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی تھی۔ اس کی ہر ضرورت ایک اشارے پوری ہو جاتی۔

فریدی نے سوچا اب یہ معلوم کرنا چاہئے کہ کراغال بیرونی دنیا سے بھی کچھ تعلق رکھتے ہیں خود ہی اپنے کفیل ہیں۔ سنی ہوئی باتیں اکثر غلط بھی ہوتی ہیں۔ بہرحال سگار ہی کا مسئلہ اس پر روشنی ڈال سکتا تھا۔ اگر اسے یہاں سگار دستیاب ہو جائیں تو یقینی طور پر یہ کہا جاسکے گا کہ کراغال بیرونی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔

وہ ابھی ابھی خانم سے مل کر واپس آیا تھا اور خانم کے رویئے پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہتا تھا اس پر تو اسے یقین ہو چکا تھا کہ اس کے شکار وادی کراغال سے زیادہ دور نہیں ہیں بلکہ ہوسکتا ہے کراغال کے پہاڑوں میں بھی انہوں نے اپنے مسکن بنا رکھے ہوں۔ اسے اس پر بھی یقین تھا کہ گڈھ کی پہاڑیوں سے یہاں تک وہ زیادہ دور نہ بہا ہوگا اگر کسی طرح یہاں سے رہائی کی صورت ممکن ہوتی تو وہ ندی پر چھان بین کرتا۔ فریدی سوچتا رہا اور بے خیالی میں اکلوتا سگار سلگا لیا۔ جس کے بعد اچھا تمباکو نصیب ہونے کی توقع نہیں تھی۔

اچانک کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"آجاؤ.....!" فریدی نے کہا۔

دوسرے لمحے میں خانم کا بوڑھا مشیر یوسف خاں کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے تیور اچھے نہیں تھے۔

"میں تم سے کھلی ہوئی گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔" یوسف خاں غرایا۔

"میں کھلی سے بھی زیادہ کے لئے تیار ہوں..... خان۔" فریدی نے لاپروائی سے سگار کا دھواں منتشر کرتے ہوئے کہا۔ "مگر دیکھو خاں..... یہ میرا آخری سگار ہے۔ اس کے بعد مجھے کافی پریشانی اٹھانی پڑے گی۔"

"منگوا دیا جائے گا۔" یوسف خاں نے بیزاری سے کہا۔

"خیر..... ہاں تو تم کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"تم نے خانم سے کیا کہا ہے۔"

"کچھ بھی نہیں..... ہم دونوں گفتگو کر رہے تھے۔ دفعتاً خانم نے چلے جانے کو کہا اور میں وجہ پوچھے بغیر چلا آیا۔ اب تم ہی بتاؤ کہ انہوں نے مجھے اس طرح کیوں اٹھا دیا تھا۔ کیا تم مجھے بتاؤ گے۔"

"کس قسم کی گفتگو ہو رہی تھی۔"

"بس یہی میری موجودہ حالت کے متعلق۔ خانم مجھے اب بھی اپنے کسی دشمن کا ایجنٹ سمجھتی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اب میں اس سلسلے میں کوئی گفتگو کرنا ہی نہیں چاہتا۔ تم لوگ یقین کرو گے نہیں۔ پھر میں اپنا وقت کیوں برباد کروں۔"

"ہم اگر یقین نہ کریں تو اس صورت میں کیا ہوگا..... جانتے ہو.....؟" یوسف خاں نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"ہاں آں.....!" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "اس صورت میں تم لوگ مجھے مار ڈالنے کی کوشش کرو گے۔"

"کوشش نہیں کریں گے بلکہ مار ڈالیں گے۔"

"اُسی طرح جیسے ایک حقیر سی چیونٹی کو مار ڈالتے ہو۔" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"یقیناً اسی طرح۔"

"لیکن میں چیونٹی نہیں ہوں یوسف خاں..... تمہارے دیس میں تنہا ہوں پھر بھی میں خود کو چیونٹی نہیں سمجھ سکتا۔"

"اچھا..... ہم یہ بھی دیکھ لیں گے۔" یوسف خاں نے اپنے شانوں کو جنبش دے کر کہا۔

"آہا..... ٹھہرو..... یوسف خاں..... اب یاد آ گیا۔ خانم گفتگو کرتے کرتے اچانک کچھ پریشان سی ہوگئی تھیں اور میں اس وقت کوئلے کے مجسموں کا تذکرہ کر رہا تھا۔"

"کوئلے کے مجسمے..... میں نہیں سمجھا۔"

"مطلب یہ کہ ایک ایسا مجسمہ جو ہو بہو تمہاری تصویر ہو لیکن وہ کوئلے کو تراش کر بنایا گیا ہو۔"

خان یوسف جھنجھلاہٹ کے باوجود بھی مسکرا پڑا اور پھر بولا۔ "اب تم شائد یہ ظاہر کرنا چاہتے

ہو کہ تمہارے دماغ میں فتور ہے۔ مگر اس طرح تم اپنی جان بچانے میں کامیاب نہ ہو سکو گے۔"

"میں سمجھتا ہوں کہ میں نے کوئی ایسی بات نہیں کہی جس سے تمہیں اس چیز کا شبہ ہو کہ نے تو وہ بات کہی تھی جس پر خانم پریشان ہو گئی تھیں۔"

"بہر حال.....!" خان یوسف تھوڑی دیر بعد بولا۔ "تمہیں صرف چوبیس گھنٹے اور دیئے ہیں۔ اگر تم نے ہمیں اپنی اصلیت سے آگاہ نہ کیا تو چوبیسویں گھنٹے کے بعد کبھی نہ آگاہ کر سکو گے۔"

"یعنی پچیسواں گھنٹہ شروع ہوتے ہی قبر میں ہوں گا۔"

"نہیں.....!" یوسف خان نے لاپروائی سے کہا۔ "خانم کے خونخوار کتے ہمیں قبر کھودنے کی محنت سے بچا لیتے ہیں۔"

"اچھا.....!" فریدی نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "لیکن کتوں کی غذا بننے سے پہلے مجھے ابالنا مت بھولنا ورنہ ان کا ہاضمہ خراب ہو جائے گا۔ میں کچھ اس قسم کا آدمی ہوں۔"

"مجھ سے کام کی بات کرو۔" یوسف خاں جھلا گیا۔

"کیا میں نے ابھی تک تمہاری کسی بات کا جواب نہیں دیا۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں..... ہمیں اس کے علاوہ اور کسی بات سے سروکار نہیں ہے کہ تم یہاں کیوں کر آئے ہو۔"

"اللہ کی مرضی..... اپنے پیروں سے چل کر تو آیا نہیں۔"

"یہ ایک بڑا اچھا بہانہ ہے۔" خان یوسف نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ "مگر اب بہت پرانا ہو چکا ہے۔ جب تمہارے دیس پر سفید کتوں کی حکومت تھی اس وقت بھی ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا۔ سفید کتوں کا ایک غلام ہماری جاسوسی کی غرض سے یہاں آ گھسا تھا اس کے جسم پر سینکڑوں زخم تھے اور وہ جاں بلب ہو رہا تھا۔ ہم ترس کھا کر اسے اٹھا لائے اور اس نے ہوش میں آنے کے بعد بتایا کہ اسے دور کے پہاڑوں میں بھیڑیوں کے ایک جھنڈ نے گھیر لیا تھا۔ ہم نے اس کی باتوں پر یقین کر لیا۔ اس کی تیمارداری کرتے رہے۔ اس کے آرام و آرائش کا خیال رکھا۔ مگر اس کتے کی حقیقت بعد میں ظاہر ہوئی۔ وہ سفید فاموں کا جاسوس تھا۔ کراغال میں بغاوت کرانا چاہتا تھا۔ ہمیں تباہی کی طرف لے جانا چاہتا تھا۔ جس دسترخوان پر اس کا پیٹ بھرا جاتا تھا اس پر اس نے غلاظت پھیلانے کی کوشش کی..... اب تم آئے ہو۔"

"پھر تم نے اسے کیا سزا دی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"خانم کے خون خوار کتے اگر زبان رکھتے ہوتے تو تمہیں بتاتے۔"

"اچھی بات ہے اگر تم مجھے کراغال کے لئے خطرہ سمجھتے ہو تو ان خونخوار کتوں کے لئے ایک مثال اور قائم کر دو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"زبانی طراریاں بھول جاؤ گے۔" خان یوسف غرایا۔ "میں تمہیں صرف چوبیس گھنٹے کی مہلت دیتا ہوں۔"

وہ اٹھا اور پیر پٹختا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ فریدی نے بجھا ہوا سگار دوبارہ سلگایا۔ دو تین گہرے گہرے کش لئے اور آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔ اس کے بائیں بازو کا زخم دکھ رہا تھا۔

اچانک اس نے شور کی آواز سنی۔ محل ہی کے کسی گوشے میں شور ہو رہا تھا۔ کمرے میں ٹہلنے والے سنتری سنبھل کر کھڑے ہو گئے۔ لیکن اپنی جگہ سے ہلے بھی نہیں۔ شور کچھ اسی قسم کا تھا کہ سنتریوں کو دریافت حال کے لئے دوڑنا چاہئے تھا لیکن شائد وہ اپنا فرض بجا لانے کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتے تھے۔ شور دم بدم بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ آہستہ آہستہ پورے محل میں پھیلتا جا رہا ہو۔

برج میں ہنگامہ

حمید اب سچ مچ پاگل ہو جانے کے "موڈ" میں تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ جو بھی سامنے پڑ جائے اس کے ٹکڑے اڑا دے۔

وہ تو یہ سمجھتا تھا کہ اس زیر زمین دنیا کے دو افراد اس کے ہمدرد ہو گئے ہیں لیکن شائد یہ بھی ان کی کوئی چال تھی۔ مقصد جو کچھ بھی رہا ہو۔

اسے اب ایک کٹہرے میں بند کر دیا گیا تھا۔ کٹہرا بالکل ویسا ہی تھا جیسے چڑیا گھروں میں خونخوار جانوروں کے رکھنے کے لئے بنائے جاتے ہیں۔ اس پر اسے اور زیادہ غصہ آیا۔ یہ جگہ کچھ نیم

تاریک سی تھی اس لئے حمید نے سمجھا کہ شائد وہ یہاں تنہا ہی ہوگا لیکن تھوڑی دیر بعد جب اس کی آنکھیں اندھیرے کی عادی ہوگئیں تو اس نے محسوس کیا کہ وہاں تنہا نہیں ہے۔ یہاں ویسے ہی درجنوں کٹہرے تھے اور شائد ان میں آدمی ہی بند تھے۔ کچھ دیر بعد رہا سہا شبہ بھی زائل ہوگیا۔ کٹہروں میں آدمی ہی تھے۔

یک بیک اندھیرے میں چیخ لہرائی اور کسی کٹہرے ہی سے کوئی آدمی حلق پھاڑنے لگا۔ "کائنات کی ایسی کی تیسی..... سب فراڈ ہے..... تم سب فراڈ ہو..... میرے بیٹے..... میرے بیٹے۔"

پھر وہ ہچکیاں لے لے کر رونے لگا اور تھوڑی دیر بعد پھر وہی پہلے کا سا سکوت طاری ہوگیا۔

حمید سخت الجھن میں تھا۔ اتنے بڑے مجرم آج تک اس کی نظروں سے نہیں گذرے تھے۔ کبھی کبھی وہ یہ بھی سوچنے لگتا کہ کہیں یہ سب ایک طویل اور مسلسل خواب تو نہیں ہے مگر خواب میں بھی ایسے مجرموں کے وجود پر یقین نہ آتا۔

وہ رات بھر مختلف قسم کی چیخیں سنتا رہا۔ لیکن نیند بہرحال نیند ٹھہری۔ پھانسی کے تختے پر بھی آجاتی ہے۔ دوسری صبح جب وہ جاگا تو نہ جانے کیوں اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے ابھی ابھی پیدا ہوا ہو۔ اسے اپنے گردو پیش کی ہر چیز بالکل نئی اور عجیب معلوم ہورہی تھی۔ حالانکہ اب بھی وہ اسی کٹہرے میں تھا جس میں پچھلی رات بند کیا گیا تھا۔ اب اس وقت اسے سارے کٹہرے نظر آرہے تھے۔ ان میں آدمی ہی تھے مرد اور عورتیں۔ ان کی حالت تباہ تھی اور آنکھوں سے ایسی وحشت جھلکتی تھی جیسے وہ سچ مچ جانور ہی ہوں۔ ایک کٹہرے میں حمید کو ایک جانور بھی نظر آیا۔ یہ گدھا تھا۔ اس کی موجودگی حمید کی سمجھ میں نہ آسکی۔ ویسے تو کچھ بھی اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا سب ذہنی فتور ہی میں مبتلا ہیں۔ مگر گدھا کیوں..... اس کا کیا مقصد ہے؟

اچانک بچوں کی ایک فوج وہاں گھس آئی۔ وہ سب دس گیارہ سال سے زیادہ کے نہ رہے ہوں گے۔ انکے جسموں پر سیاہ قمیصیں اور سفید ہاف پینٹ تھے۔ ایک آدمی بھی ان کے ساتھ تھا۔

ان بچوں نے اپنے ہاتھوں میں ننھی ننھی جھابیاں لٹکا رکھی تھیں جن میں پھل تھے۔

"یہ کون ہے..... یہ کون ہے۔" بچوں نے حمید کے کٹہرے کے سامنے رک کر شور مچایا۔

"یہ.....!" ان کے ساتھ کے آدمی نے ہاتھ اٹھا کر انہیں خاموش کرتے ہوئے کہا۔ "نیا آدمی آیا ہے۔"

"اس کا نام کیا ہے۔" بچوں نے پوچھا۔

"کیپٹن حمید.....!" آدمی نے گدھے کے کٹہرے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "یہ بھی اسی کی ترقی یافتہ نسل سے ہے۔ اب تم بتاؤ کہ ترقی کسے کہتے ہیں..... اے..... تم بتاؤ۔"

جس لڑکے کی طرف اشارہ کیا گیا تھا اس نے کہا۔ "یہ ایک لفظ ہے جس کے معنی ہیں دھوکا۔ ترقی یافتہ گدھا اسے کہتے ہیں جو اصل مقصد کو تاریکی میں رکھ کر دیدہ دانستہ اس کی غلط دلیلیں پیش کرے۔"

"ٹھیک..... اس نسل کی گدھوں کے متعلق تم کیا جانتے ہو؟"

"ان کا طرز حکومت جمہوری کہلاتا ہے۔ جس کے مقصد یہ ہوتا ہے کہ مغز چند آدمیوں کے حصے میں آئے اور ہڈیاں عوام کے آگے ڈال دی جائیں۔ یہ اپنے مسائل طاقت ہی سے حل کرتے ہیں مگر اُسے اشتراک باہمی کا نام دیتے ہیں۔ اس کے حاکم خود کو عوام کا نمائندہ کہتے ہیں۔ عوام ہی انہیں حکومت کے لئے منتخب کرتے ہیں۔ لیکن یہاں کی مالی قوت ہی ہوتی ہے جو انہیں اقتدار کی کرسی پر پہنچاتی ہے۔ لیکن وہ اسے عوام کی قوت اور رائے عامہ کہتے ہیں۔ حالانکہ رائے عامہ مالی قوت ہی سے خریدی جاتی ہے۔ انہیں منتخب ہونے کے لئے اپنے مخالفوں کے خلاف بڑے بڑے محاذ قائم کرنے پڑتے ہیں۔ ایک خطرناک قسم کی جدوجہد شروع ہوتی ہے اور اس جنگ کو "رائے عامہ ہموار کرنا" کہا جاتا ہے۔ اس میں بھی طاقت ہی کارفرما ہوتی ہے۔ آخر ایک آدمی مخالفوں کو کچلتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے۔

"صاحب زادے۔" دفعتاً حمید نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "کیا تم اپنی پیدائش کے حادثے پر بھی روشنی ڈال سکو گے۔ تم بڑے حقیقت پسند ہو۔ مجھے اس کے متعلق بھی بتاؤ۔"

لڑکا خاموش ہوکر اس آدمی کی طرف دیکھنے لگا جس نے سوالات کئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے حمید کا سوال اس کی سمجھ میں ہی نہ آیا ہو۔ اس آدمی نے حمید کی طرف مسکرا کر دیکھا اور حمید کو یاد آگیا کہ وہ تو پاگل تھا۔ یہ چال بھی اس کے امتحان ہی کے لئے چلی گئی ہو۔ یک بیک اس نے کٹہرے کی دو سلاخوں کو مضبوطی سے پکڑ کر آگے کی طرف جھکتے ہوئے کتوں کی طرح بھونکنا شروع کردیا۔

لڑکے تالیاں بجا بجا کر ہنسنے لگے۔ انہوں نے پھلوں سے اس پر نشانے لگائے اور کٹہرے میں

کافی پھل اکٹھا ہو گئے۔ حمید رات سے بھوکا تھا۔ لیکن اس نے ان میں ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ دھر کٹہروں سے شور ہونے لگا۔ ''ادھر آؤ.....ادھر آؤ۔''

شاید وہ لوگ بھی بھوکے تھے اور انہیں اسی طرح کھانے کو کچھ مل جاتا تھا۔

بچوں نے دوسرے کٹہروں میں بھی پھل پھینکنے شروع کر دیئے اور وہ لوگ سچ مچ جانوروں کی طرح ان پھلوں پر ٹوٹ پڑے۔ بندروں ہی کی طرح جلدی جلدی انہیں کچلتے ہوئے حلق سے اتارنے لگے۔

اسی شور میں گدھے نے بھی رینکنا شروع کر دیا۔ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ حمید کا دل ان آدمیوں کے لئے درد سے بھر گیا جو کٹہروں میں مقید جانوروں کی سی زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے۔ وہ گم سم کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔ شور آہستہ آہستہ کم ہوتا جا رہا تھا۔

بچوں کی فوج تھوڑی دیر بعد وہاں سے چلی گئی اب وہاں پھر سناٹے کی حکمرانی تھی۔ وہ لوگ سچ مچ جانور ہی معلوم ہوتے تھے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے اور یا تو منہ پھیر لیتے یا سر کھجانے لگتے۔ انکی آنکھوں میں اداسی تھی اور وہ آپس میں ایک دوسرے سے سخت بیزار معلوم ہوتے تھے۔

حمید کے سامنے والے کٹہرے میں ایک معمولی شکل صورت والی لڑکی تھی۔ اس نے اوروں کی طرح پھل نہیں کھائے تھے۔ گھٹنوں میں سر دیئے ایک طرف بیٹھی تھی۔ وہ کٹہرا حمید کے کٹہرے سے بہت قریب تھا اس لئے حمید نے سوچا کہ اس لڑکی سے گفتگو کا آغاز کیا جائے۔ وہ یہ جاننے کے لئے بے چین تھا کہ انہیں کٹہروں میں کیوں رکھا گیا ہے۔

بڑی دیر بعد وہ اس لڑکی کو اپنے طرف متوجہ کرنے میں کامیاب ہوا۔ اس کی آنکھوں میں ایک کرب انگیز سی بے چینی تھی۔

''یہ لوگ اور تم ان کٹہروں میں کیوں ہو۔'' حمید نے پوچھا۔

''یہی سوال آپ سے بھی کیا جا سکتا ہے۔''

''اوہ.....میں۔'' حمید نے جلدی سے کہا ''مجھے ابھی نہیں معلوم ہو سکا کہ انہوں نے مجھے پکڑا کیوں ہے۔ تم شائد زیادہ دنوں سے یہاں ہوں۔''

''جی ہاں.....میں بہت دنوں سے ہوں۔''

''پھر تم مجھے یہ تو بتا ہی سکو گی۔''

''میں نہیں جانتی کہ میرا کیا قصور ہے۔ ویسے انہوں نے مجھ پر پاگل ہو جانے کی تہمت رکھ کر یہاں بند کر رکھا ہے۔''

''پکڑا کیوں تھا۔''

''میں نہیں جانتی۔ میں ایک ریڈیو سنگر ہوں۔ گانے نشر کرنا میرا ذریعہ معاش تھا۔ یہ لوگ مجھے پکڑ لائے۔ میں نے وجہ پوچھی تو کہا گیا کہ ہمیں ایک گانے والی کی ضرورت ہے۔ میں نے اس پر احتجاج کیا تو مجھے پاگل قرار دے دیا گیا۔ اب تاوقتیکہ میں اس کا اعتراف نہ کر لوں کہ میرے ساتھ انصاف کیا گیا ہے مجھے اس کٹہرے میں بند رہنا پڑے گا۔ مگر یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ کیا انصاف ہے۔ مجھے بیکراں نیلے آسمان کی خوشگوار چھاؤں سے محروم کر دیا گیا۔ میں نہیں سمجھ سکتی کہ یہ کس قسم کے لوگ ہیں۔ مجھ سے کہتے ہیں کہ میں خود ہی منطقی استدلال سے یہ ثابت کر دوں کہ انہوں نے وہی کیا ہے جو حقیقتاً ہونا چاہئے اور یہ بے انصافی نہیں ہے؟ کیا یہ لوگ صحیح الدماغ ہیں۔''

''تم تسلیم کر لو جو کچھ کہتے ہیں۔''

''ہرگز نہیں کروں گی.....خواہ یہیں سسک سسک کر مر جاؤں۔''

حمید مغموم انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔ آہستہ آہستہ اس خطرناک گروہ کی اصلیت کو پہنچ رہا تھا۔

فریدی نے پہرے داروں سے پوچھا لیکن انہوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ اس نے ان سے کہا کہ وہ معلوم کریں۔ مگر وہ اپنی جگہ سے ہلے تک نہیں۔ پھر فریدی ان کی فرض شناسی پر حیران رہ گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ وہ قبائل ان کے دیس میں نیم وحشی سمجھے جاتے ہیں مگر ان کے اندر نظم و ضبط کی جتنی صلاحیت ہے شائد ہی کسی مذہب قوم میں ہو۔

اچانک اس کی نظر یوسف خان پر پڑی جو سراسیمگی کے عالم میں ایک طرف دوڑا جا رہا تھا۔ فریدی نے اسے روکنا چاہا لیکن اس نے رک کر صرف اتنا ہی کہا کہ تمہارے ساتھ بہت جلد انصاف کیا جائے گا۔

پھر وہ چلا گیا۔ مسلح کراغالی محل کی چھتوں پر چڑھ رہے تھے۔ دفعتاً گولیاں چلنے لگیں۔ فریدی

بے چین ہوگیا۔ ایسے حالات میں نچلا بیٹھنا اس کے لئے مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن تھا۔

پھر اس نے دو کنیزوں کی گفتگو سے اندازہ کیا کہ کسی دشمن قبیلے نے حملہ کیا ہے۔

''کیا تم لوگ مجھے خانم تک نہیں پہنچا سکتے۔'' اس نے پہرہ داروں سے کہا۔

''بہتر یہی ہے کہ تم اپنے کمرے میں واپس چلو۔'' پہرہ داروں کا انچارج بولا۔

''ورنہ خان یوسف بُری طرح پیش آئیں گے۔''

پھر یک بیک خان یوسف ہی نظر آ گیا۔ اس کے ساتھ دو مسلح سپاہی تھے۔ اس نے آتے ہی فریدی کا ہاتھ پکڑ لیا اور سپاہیوں کو گرج کر کہا۔ ''لے چلو۔''

''کیوں کیا گود میں اٹھا کر لے چلنے کا ارادہ ہے۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

''نہیں.....!'' خان یوسف کے منہ سے بے اختیارانہ طور پر نکل گیا۔

''تو چلو..... میں چل رہا ہوں۔ تم خواہ مخواہ بدحواس ہو جاتے ہو۔ میری نیت صاف ہے اس لئے میں تم لوگوں سے ذرہ برابر بھی خائف نہیں ہوں۔''

وہ ان کے ساتھ چلنے لگا۔ تھوڑی دیر بعدہ وہ اوپری منزل پر جانے کے لئے زینے طے کر رہے تھے اوپر پہنچ کر انہیں پھر زینے طے کرنے پڑے وہ ایک کشادہ بُرج تھا اوپر پہنچ کر فریدی نے خانم کو دیکھا جو ایک سوراخ سے باہر فائر کر رہی تھی اس کے ساتھ پانچ آدمی اور بھی تھے۔

فریدی کو دیکھ کر اس نے رائفل رکھ دی اور اسے قہر آلود نظروں سے گھور کر بولی۔

''اب مجھے دیکھنا ہے کہ تم کس طرح ان لوگوں کی مدد کرتے ہو۔''

''میں..... شاید مرتے دم تک آپ کی غلط فہمی نہ رفع کر سکوں۔''

''یوسف خان.....!'' خانم نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔ ''چار آدمیوں سے کہو کہ اُسے جھکولے دے کر حملہ آوروں کی طرف اچھال دیں۔''

''چار کیا شاید دس آدمیوں سے بھی یہ نہ ہو سکے۔'' فریدی غرایا۔ ''آپ خواہ مخواہ اپنا وقت برباد کر رہی ہیں۔''

فریدی کی بے باکی خانم اور اس کے مشیر یوسف کو بہت گراں گذری تھی۔ خان یوسف نے پاس کھڑے ہوئے دونوں آدمیوں کی طرف دیکھا اور وہ فریدی کی طرف بڑھے۔

''اچھا اب جو کچھ بھی ہوگا اس کی ذمہ داری خود تم لوگوں پر ہوگی۔'' فریدی اپنی جگہ سے ہٹ

بغیر بولا اور جیسے ہی وہ دونوں آدمی اس کے قریب پہنچے اس نے بڑی پھرتی سے ان کے ہولسٹروں پر ہاتھ ڈال دیئے۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ خود ہی دونوں کچھ نہ سمجھ سکے۔ ویسے اب وہ زینوں کے قریب پڑے ہوئے تھے اور ان کے ریوالور فریدی کے دونوں ہاتھوں میں تھے جن میں ایک کا رخ خانم کی طرف تھا اور دوسرے کا خود ان دونوں کی طرف۔

''میں تمہیں حکم دیتا ہوں۔'' فریدی نے گرج کر کہا۔ ''اپنی رائفلیں چھوڑ کر ہٹ جاؤ۔ ورنہ میں خانم کو گولی مار دوں گا۔ نہیں خان یوسف تم اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے رکھو۔ اگر میں تم لوگوں کا دشمن ہوں تو سمجھ لو کہ تمہاری شکست ہوگئی۔''

بُرج میں موت کی سی خاموشی چھا گئی۔ پانچوں آدمی رائفلیں چھوڑ کر کھڑے ہو گئے۔

''خانم کیا آپ اب بھی زندگی کی توقع رکھتی ہیں۔'' فریدی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

خانم کچھ نہ بولی۔ وہ بھی رائفل چھوڑ کر ہٹ آئی تھی۔

دفعتاً فریدی نے دونوں ریوالور زمین پر ڈال دیئے اور مسکراتا ہوا بولا۔

''اب اپنا کام جاری رکھئے اور اگر آپ ایک بے گناہ کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنا ہی چاہتی ہیں تو انہیں حکم دیجئے میرا جسم چھلنی کر دیں۔''

اُن میں سے ہر ایک بت بنا کھڑا رہا۔ نیچے خانم کے آدمیوں نے مورچہ سنبھال رکھا تھا۔ برابر گولیاں چل رہی تھیں۔

''وقت نہ برباد کیجئے۔'' فریدی نے رائفلوں کی طرف اشارہ کیا۔

وہ پانچوں پھر اپنی جگہ واپس آ کر فائر کرنے لگے۔ دشمن سامنے والی چٹانوں کی اوٹ سے فائر کر رہے تھے۔ لیکن شائد ان میں بھی پیش قدمی کی ہمت نہیں تھی۔

''مجھے افسوس ہے مہمان۔'' خانم آہستہ سے بڑبڑائی۔ اس کی آنکھوں میں خجالت تھی اور چہرے پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئی تھیں۔ خان یوسف اس طرح منہ پھاڑے کھڑا تھا جیسے جسم سے جان نکلتے وقت منہ بند کرنے کی بھی مہلت نہ ملی ہو۔

''تمہارے ذخیرے میں دستی بم نہیں ہیں۔'' فریدی نے اس سے پوچھا۔

''نہیں.....!'' خان یوسف بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''بارود ہے..... صرف چار تھیلے..... میں انہیں ابھی پسپا کئے دیتا ہوں۔''

"بارود سے کیا ہوگا۔" خان یوسف نے پوچھا۔

"بس دیکھتے جاؤ کہ کیا ہوتا ہے۔" فریدی بولا۔

خان یوسف نے ان دونوں سے بارود کے چار تھیلوں کیلئے کہا اور وہ زینے طے کرتے ہوئے نیچے چلے گئے۔

"ذرا آپ ایک کارتوس دیجئے۔" فریدی نے خانم سے کہا۔

خانم نے اپنی پیٹی سے ایک کارتوس نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

نہ جانے کیوں اب وہ فریدی سے آنکھیں نہیں ملا رہی تھی۔

فریدی نے کارتوس لے کر دیکھا اور پھر اُسے واپس کرتا ہوا بولا۔ "نہیں یہ کارآمد نہیں ثابت ہوگا۔ وہ دیکھئے جب میں آپ کو بیہوش ملا ہوں گا اس وقت میرے جسم پر کارتوسوں کی دو پیٹیاں رہی ہوں گے۔"

"تھیں شائد.....!" خان یوسف بولا۔

"ان میں سے مجھے صرف چار کارتوس منگوا دو۔"

"ان کے لئے شاید مجھے ہی جانا پڑے گا۔"

"تو پھر دیر نہ کرو خان۔ میرا خیال ہے کہ اب وہ لوگ پیش قدمی پر آمادہ ہیں۔"

"تم کیا جانو.....!" خانم مڑ کر بولی۔ "تم تو وہاں کھڑے ہو۔"

"میرا تجربہ.....آپ کے آدمی ست پڑ رہے ہیں۔ ادھر وہی زور شور ہے۔"

پھر اُس نے یوسف خان سے دوبارہ کہا۔ "جلدی کرو۔"

یوسف خان نیچے چلا گیا۔ خانم پھر مڑ کر فائر کرنے لگی۔ اس کے پانچوں آدمی برابر فائر کئے جا رہے تھے۔

"بارود کیا کرو گے تم.....!" خانم نے پھر مڑ کر کہا۔

"آجانے دیجئے.....آپ خود دیکھ لیں گی۔ ویسے کیا یہ وہی لوگ ہیں جن کے متعلق آپ نے مجھے بتایا تھا۔"

"نہیں..... یہ ہمارے خراج گذار تھے۔ باغی ہوگئے ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ خان کی عدم موجودگی میں خانم کو زیر کرلیں گے۔ حالانکہ ہر کراغالی خان ہی کی طرح دلیر ہے۔"

"انہوں نے پیش قدمی کی ہے۔ چڑھ کر آئے ہیں اس لئے انہیں ضرور سزا ملنی چاہئے۔"

اتنے میں وہ دونوں آدمی واپس آ گئے اور ان کے ساتھ بارود کے چار بڑے بڑے تھیلے تھے۔

فریدی نے بارود ٹسٹ کی اور سر ہلا کر بولا۔

"ان تھیلوں کو نیچے والی چھت پر لے چلو.....اب تک خان یوسف واپس نہیں آئے۔ ایک سیٹی بھی چاہئے خانم۔"

خانم حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "بگل مل سکے گا۔ میرے سپاہیوں کے سیٹی نہیں ہوتی۔"

"خیر بگل ہی سہی۔"

خانم کی آنکھوں میں پھر بے یقینی جھانکنے لگی تھی۔

دوسرے شعلے کا شکار

اس لڑکی کی گفتگو پر حمید کو بیساختہ کنور شمشاد یاد آ گیا۔ جس نے کہا تھا کہ اس کے مرجانے سے تنظیم نہیں مر سکتی۔ اس کے مرنے پر کوئی دوسرا ہی اس کی جگہ لے لے گا۔ یقیناً یہ وہی لوگ ہیں اور اب ان پر کوئی عورت حکومت کر رہی تھی اور یہ اس سے واقف نہیں ہیں۔

دربار میں اس کی آواز یقینی طور پر کوئی مشینی کارنامہ تھا۔ کنور شمشاد نے بھی اپنے مکان میں بیٹھے ہی بیٹھے فریدی کو نہ جانے کہاں کہاں سیر کرائی تھی۔ تو وہ "طاقت" تھی۔ "طاقت" کو "ملکہ کائنات" کہنا بڑا فلسفیانہ خیال ہے۔ شاید یہ عورت کنور شمشاد سے بھی زیادہ چالاک ہے۔ نہ صرف چالاک بلکہ مغرور بھی کیونکہ اس نے دربار میں نہ تو اُسے مخاطب کیا تھا اور نہ اس کے متعلق کسی سے کچھ پوچھا۔ گویا اس کی نظر میں اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔ جب اہمیت نہیں تھی تو پھر انہیں پکڑنے کی کوشش کیوں کی گئی تھی۔

حمید سوچتا رہا۔ سامنے والے کٹہرے کی لڑکی اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔ ''آپ کون ہیں اور یہاں کیوں لائے گئے ہیں۔''

''میں ایک مصور ہوں۔ ان کے ایک آدمی نے مجھ سے اپنی تصویر بنوائی تھی۔ جب تصویر مکمل ہوگئی تو مجھ سے کہا گیا کہ اس میں ایک دم لگادو۔ مجھے ہنسی آ گئی۔ پھر مجھے یاد نہیں کہ کیا ہوا۔ اب آنکھ کھلی تو یہاں کھلی۔ مجھ سے پوچھا جاتا ہے کہ دم کی فرمائش پر میں ہنسا کیوں تھا۔ میں کہتا ہوں وہ ایک مضحکہ خیز فرمائش نہیں تھی۔ اس پر یہ لوگ خفا ہوتے ہیں مجھ سے کہتے ہیں کہ میں ہی تابت کروں کہ وہ ایک مضحکہ خیز فرمائش نہیں تھی۔''

لڑکی حیرت سے منہ کھولے سنتی رہی پھر بولی۔ ''کیا یہ پاگلوں کا گروہ ہے۔''

''تم نے اُس بچے کی گفتگو سنی تھی۔''

''سنی تھی..... میرا خیال ہے کہ کوئی پڑھا لکھا آدمی بھی روانی سے ایسے موضوع پر نہیں بول سکتا۔''

''پھر بھی تم انہیں پاگل سمجھتی ہو۔''

''خدا جانے کیا جنجال ہے۔''

''کچھ بھی ہو لیکن اس جنجال سے نکلنا چاہئے۔''

''کیسے نکل سکیں گے۔'' لڑکی مایوسانہ انداز میں بولی۔

''تم کچھ کرسکتی ہو..... بہت کچھ.....!''

''میں کیا کرسکتی ہوں..... بتایئے۔''

''صبح جو آدمی آیا تھا..... غالباً اس کی پیٹی سے لٹکا ہوا لچھا انہیں کنجیوں کا تھا۔''

''ہاں تو پھر.....!''

''تم اسے کسی طرح.....!''

''نہیں جناب.....!'' وہ جلدی سے بول پڑی۔ ''یہ مجھ سے نہیں ہوسکے گا۔ میں اس کٹہرے میں مرجانا پسند کروں گی۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ اس سلسلے میں اب اور کچھ کہنا بیکار ہی تھا۔ ویسے بھی وہ تجویز فضول ہی تھی اگر وہ کٹہرے سے نکل بھی جاتا تب بھی کیا ہوتا۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ بیرونی دنیا تک اس کی رسائی

ہو ہی جاتی۔

لڑکی اس طرف سے منہ پھیر کر بیٹھ گئی تھی۔ یہاں پھر سناٹا ہوگیا تھا۔ کبھی کبھی کسی کے چھینکنے یا کھانسنے کی آواز آتی اور پھر وہی پہلے کا سا سکوت طاری ہوجاتا۔ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے گفتگو نہیں کرتے تھے۔ کم از کم حمید نے کسی کو بھی کسی دوسرے کو مخاطب کرتے نہیں دیکھا تھا۔

حمید بھی تھوڑی دیر بعد اونگھنے لگا۔ اس کے قریب بہت سے پھل پڑے ہوئے تھے لیکن اس نے انہیں چھوا بھی نہیں۔ بھوک بہت شدت سے لگی ہوئی تھی لیکن کچھ کھانے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ وہ اونگھتا رہا اور اسی دوران میں وہاں تین آدمی آئے۔ ایک حمید کے کٹہرے کا قفل کھولنے لگا..... وہ چونک پڑا اور ان آدمیوں کو دیکھتے ہی اسے یاد آ گیا کہ وہ پاگل ہے۔

''ڈرائیور سے کہو گیراج سے کار نکالے۔'' اس نے اس آدمی سے کہا، جو کٹہرے کا قفل کھول رہا تھا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ دوسرے آدمی نے حمید سے کہا۔

''باہر نکلو.....!''

''میں اڑ جاؤں گا۔'' حمید نے جواب دیا۔ وہ پیچھے کی طرف کھسک گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کٹہرے سے نکلنے پر آمادہ نہ ہو۔

''باہر نکلو ورنہ ہم تمہیں بجلی کے ہنٹر سے ماریں گے۔''

''نہیں بھائی صاحب..... ایسا نہ کرنا..... میں ایڈورڈ ہشتم ہوں۔''

''تم ملکہ وکٹوریہ ہو..... مگر باہر نکل آؤ۔''

''میں ملکہ کائنات کا سالا ہوں..... باہر نہیں نکلوں گا۔ ورنہ تم لوگ مجھے ذبح کرکے کھا جاؤ گے۔ ہرگز نہیں نکلوں گا۔''

انہوں نے اسے کھینچ کر باہر نکال لیا اور وہاں سے نکل کر ایک طرف چل پڑے۔ حمید کو ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ آسمان کے نیچے چل رہا ہو کیونکہ راستے میں پھیلی ہوئی روشنی دھوپ سے بہت مشابہ تھی۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ وہاں کے آسمان کی اونچائی فرش سے زیادہ سے زیادہ بیس فٹ رہی ہو۔

یہ تھی تو ٹیوب ہی کی روشنی لیکن اس میں دھوپ کی سی قابل برداشت تمازت بھی تھی۔ وہ چلتے

رہے۔ حتیٰ کہ ایک بڑے کمرے میں پہنچے۔ شائد یہ ڈسپنسری تھی کیونکہ یہاں چاروں طرف الماریوں اور دواؤں کی بوتلیں رکھی ہوئی تھیں۔

یہاں حمید کو ایک انجکشن دیا گیا اور وہ لوگ اسے ساتھ لے کر پھر چل پڑے۔ حمید کو اس عظیم الشان تہہ خانے پر حیرت ہو رہی تھی۔ پتہ نہیں اس میں کتنا پھیلاؤ تھا۔ حمید اندازہ نہ کر سکا۔ کئی جگہ اب بھی پتھر تراشنے کا کام ہو رہا تھا۔ اس نے کئی نامکمل کمرے بھی دیکھے تھے لیکن طریقہ کار بھی انوکھا اور کم وقت لینے والا تھا۔ ایک عجیب وغریب مشین جو پتھر کو اس طرح تراشتی چلی جاتی جیسے موم کے ڈھیر سے تار گذرتا چلا جائے۔ اس کی شکل زمین کھودنے اور برابر کرنے والی آہنی گاڑی کی سی تھی۔ لیکن اس میں لگا ہوا طویل اور دھار دار پھل انگارے کی طرح دہک رہا تھا۔ جب وہ پتھر پر لگتا تو آگ کی سرخی میں تبدیلی ہو جاتی اور پھر وہ پتھر میں دھنستا چلا جاتا۔

حمید کو پھر اسی تجربہ گاہ میں لایا گیا جہاں اس کی ذہنی حالت کی جانچ پڑتال ہوئی تھی۔ وہاں اُسے وہ بوڑھا انجینئر بھی نظر آیا جس نے اس کے ساتھ عجیب وغریب برتاؤ کیا تھا۔

"کیوں کیا حال ہے۔" اس نے مسکرا کر پوچھا۔ جواب میں حمید نے اُسے منہ چڑھا دیا۔ اب تو اس کی سمجھ میں بھی نہیں آتا تھا کہ اپنا پاگل پن کس طرح برقرار رکھے۔ بھوک نے اس کا دماغ ٹھکانے کر دیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" بوڑھے نے دوسرے آدمیوں سے کہا جو اپنے کام چھوڑ کر حمید کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ "کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کب تک ٹھیک ہو سکے گا یا پھر اب اگر یہ کسی ایسے واقعے سے دوچار ہو جو پچھلے واقعات سے زیادہ تکلیف دہ اور حیرت انگیز ہو تب ممکن ہے کہ اس کی پچھلی ذہنی حالت واپس آ جائے۔"

اس کے بعد ایک بار پھر حمید کو مشینی امتحانات سے گذرنا پڑا۔ وہ اور بوڑھا مشینوں والے کمرے میں تنہا تھے۔

بوڑھے نے آہستہ سے کہا۔ "تم نے بہت اچھا کیا کہ پاگل پن برقرار رکھا۔ پچھلی رات ایک مجبوری تھی جو پھر کبھی بتاؤں گا۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ تمہیں کم سے کم تکلیف ہو۔ لیکن پاگل پن میں اعتدال ضروری ہے۔ مار پیٹ وغیرہ سے بچنا ورنہ ہو سکتا ہے کہ پھر اسی کٹہرے میں بھیج دیئے جاؤ گے۔"

"اور اگر اس دوران میں میں سچ مچ پاگل ہو گیا تو۔"

"نہیں تم اتنے کمزور دماغ کے نہیں ہو۔" بوڑھے نے مسکرا کر کہا۔

"آخر تم مجھ پر مہربان کیوں ہو گئے ہو۔"

"میں اس تنظیم کو آگے بڑھتے نہیں دیکھ سکتا۔"

"پھر اس کے لئے کام کیوں کر رہے ہو۔"

"مجبوری..... تم نہیں سمجھ سکتے۔ پھر بتاؤں گا۔ اطمینان سے..... اچھا بس۔"

وہ اسے ساتھ لے کر تجربہ گاہ میں واپس آ گیا اور ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر ان آدمیوں میں سے ایک کو دیا، جو حمید کو یہاں لائے تھے۔

وہ پھر باہر نکل کر ایک طرف چلنے لگے۔

بہر حال حمید کو دوبارہ کٹہرے میں نہیں لے جایا گیا۔ اس بار اسے ایک ایسا کمرہ ملا جس کی ایک دیوار میں جیل کے کمرے کی سی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ وہاں ایک مسہری ایک میز اور ایک کرسی تھی۔ کمرے سے ملا ہوا ایک غسل خانہ تھا۔ حمید مسہری پر گر گیا اور اس طرح گھوڑے بیچ کر سویا جیسے کئی راتوں سے سونا نصیب نہ ہوا تھا۔

پھر اُس کی آنکھ شاید کسی کے جگانے ہی پر کھلی۔ وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔ اُسے سامنے وہی لڑکی نظر آئی جس سے بوڑھے کے کمرے میں ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے چائے کی بو بھی محسوس کی۔ بھوک نے اس کی قوت شامہ کو چمکا دیا تھا۔ میز پر ناشتے کی کشتی رکھی ہوئی دکھائی دی۔ حمید زبردستی مسکرایا اور پھر بڑے سعادت مندانہ انداز میں مسکراتا ہوا بولا۔ "میں نے کئی ہزار گھنٹوں سے تمباکو نہیں پیا..... میرا دم اکھڑ رہا ہے۔"

"سگریٹ.....!" لڑکی نے پوچھا۔

"نہیں پائپ کا تمباکو..... پائپ میری جیب میں موجود ہے۔ مگر تمباکو کی پاؤچ کہیں گر گئی۔"

"لیکن تم پاگل ہو..... اگر کہیں تم نے اپنے کپڑوں میں آگ لگا لی تو۔"

"اچھا تو کوئی ایسا تمباکو لا دو جسے پانی میں گھول کر پیا جا سکے۔ ورنہ میری موت واقع ہو جائے گی۔"

"فی الحال چائے پیو ورنہ ٹھنڈی ہو جائے گی۔"

"چائے کے بعد تو تمباکو کے بغیر میں سچ مچ پاگل ہو جاؤں گا۔ تمہارا نام کیا ہے۔"

"رجنی.....!"

"بہت واہیات نام ہے۔ تمہارا نام تو ورجینا ہونا چاہئے تھا تاکہ اسی سے کچھ تسکین ہوتی۔"

"باتیں نہ بناؤ ورنہ چائے ٹھنڈی ہو جائے گی۔"

"اچھا تو رجنی صرف ایک بات بتا دو..... پچھلی رات وہ بوڑھا مجھ سے یک بیک لپٹ کیوں پڑا تھا۔"

"اوہ..... وہ تم نہیں جانتے۔ یہاں کے حالات سے واقف نہیں ہو۔ یہاں ایسی حیرت انگیز مشینیں موجود ہیں جنہیں دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔"

اچانک رجنی کے وینٹی بیگ سے عجیب طرح کی آواز آئی اور وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

"چائے پیو۔" اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "بکواس مت کرو..... ورنہ اس بار اس سے بھی زیادہ اذیت دی جائے گی۔ سمجھے..... ان کٹہروں سے بھی زیادہ تکلیف دہ جگہیں یہاں موجود ہیں۔"

حمید حیرت سے منہ پھاڑے اسے دیکھتا رہا اور اس نے باہر نکل کر دروازہ مقفل کر دیا۔

خان یوسف واپس آ گیا۔ اُس نے پوری پیٹی فریدی کی طرف بڑھا دی۔ لیکن فریدی نے صرف چار کارتوس نکال کر پیٹی اسے واپس کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے چار تھیلے مچھی چھت پر بھجوا دیئے ہیں تم وہاں جا کر انہیں ان چٹانوں کی طرف پھینکو جہاں سے فائر ہو رہے ہیں۔ لیکن جیسے وہ پھینکا جائے مجھے اس کی اطلاع ملنی چاہئے۔ اس کے لئے تم بگل یا سیٹی سے کام لینا۔"

"کیا بات ہوئی۔" خانم بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

"ابھی آپ دیکھ لیں گی۔"

"کیا دیکھ لیں گی۔"

"اچھا میری بات سنئے۔ اپنے دو آدمیوں سے کہہ دیجئے کہ جیسے ہی آپ کی بارود ضائع ہو

مجھے گولی مار دیں۔ میں نہتا ہوں۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

خانم چند لمحے کچھ سوچتی رہی پھر خان یوسف سے بولی۔ "جاؤ..... عمل کرو۔"

"ٹھہرو....." فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ٹھیک دشمنوں کے سروں پر پھینکنا ورنہ اس کے ضائع ہو جانے کی ذمہ داری مجھ پر نہ ہو گی۔"

"خانم یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔" خان یوسف نے جھنجھلا کر کہا۔

خانم کچھ نہیں بولی۔ خان یوسف کہتا رہا۔ "مگر بارود ان کے ہاتھ لگ گئی تو وہ اسے ہمارے ہی خلاف استعمال کریں گے۔"

"اگر بارود ان کے ہاتھ لگ گئی تو میں خودکشی کر لوں گا۔" فریدی نے کہا۔

"جاؤ جو کچھ کہا جا رہا ہے کرو۔" خانم بولی۔

خان یوسف نیچے چلا گیا۔ خانم پھر سوراخ سے دشمنوں کی طرف گولیاں چلانے لگی۔ فریدی نے اس سے کہا۔ "مجھے ایک رائفل بھی چاہئے۔"

خانم نے اپنی ہی رائفل اس کی طرف بڑھا دی۔ فریدی نے اس کا میگزین الگ کر کے اپنے کارتوسوں میں سے ایک چڑھا دیا۔

اتنے میں بگل کی آواز آئی۔ فریدی رائفل لے کر سوراخوں کے قریب پہنچ چکا تھا۔ جیسے ہی پھینکا ہوا تھیلا چٹانوں کے اوپر پہنچا فریدی نے فائر کر دیا۔ گولی تھیلے پر پڑی ایک زوردار آواز آئی اور تیز قسم کی روشنی کا جھماکا۔ دشمنوں پر گویا آگ برس گئی۔ دوسری طرف کی رائفلیں یک بیک خاموش ہو گئیں۔

"جاؤ.....!" فریدی نے ایک آدمی سے کہا۔ "جلدی کرو..... ان سے کہو کہ تھیلے برابر پھینکتے رہیں۔"

وہ اپنی رائفل چھوڑ کر دوڑتا ہوا نیچے چلا گیا۔

"کمال کر دیا تم نے۔" خانم فریدی کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرا کر بولی۔

فریدی پھر سوراخوں سے باہر دیکھنے لگا۔ دشمن کی رائفلیں اب بھی خاموش تھیں۔ شاید خوفزدہ ہو گئے تھے۔ فریدی نے پھر بگل کی آواز سنی اور پھر فائر کیا۔ آگ چٹانوں پر پھیل گئی۔ اس بار دشمن بھاگ کھڑے ہوئے۔ جیسے ہی وہ چٹانوں کی اوٹ سے نکل کر دوسری طرف بھاگے نیچے سے خانم کے

سپاہیوں نے باڑھ ماری۔ دو چار وہیں ڈھیر ہو گئے۔ بھاگنے والوں کا ساتھ نہ دے سکے۔

جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئے خانم کے سپاہی برابر فائر کرتے رہے۔ ہر بار وہ چار کو گرا دیتے۔ پندرہ منٹ کے اندر ہی اندر میدان صاف ہو گیا۔ خانم کی فوج بھاگنے والوں کا تعاقب کر رہی تھی۔

ایک گھنٹے کے بعد خانم کو اطلاع ملی بھاگنے والوں میں سے بہت کم دشمن اپنی جانیں بچانے میں کامیاب ہو سکے ہیں۔

فریدی اپنے کمرے میں واپس آ گیا تھا لیکن اب بھی اس کے کمرے کے سامنے پہرہ دار موجود تھے۔

رات کو فریدی کی طلبی ہوئی۔ خانم ہال میں تنہا تھی۔ فریدی احتراماً خفیف سا جھکا اور خانم کے اشارے پر اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"ہمیں افسوس ہے مہمان..... اپنے رویئے پر..... مگر ہم مجبور تھے۔"

"مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔ آپ کی جگہ میں ہوتا تو مجھے بھی یہی کرنا پڑتا۔"

"میں تمہارے متعلق سب کچھ جاننا چاہتی ہوں مگر اب مطمح نظر وہ نہیں جو پہلے تھا اور نہ جانے کیوں اب بھی مجھے یہی محسوس ہوتا ہے کہ میں تمہیں پہلے بھی کہیں دیکھ چکی ہوں۔"

"آپ نے مجھے کہاں دیکھا ہوگا..... یہ ناممکن ہے۔ کیا آپ کبھی کراغال سے باہر گئی ہیں۔"

"کبھی نہیں۔"

"پھر یہ بھی ممکن نہیں ہے۔ میں نے اس سے پہلے کبھی وادی کراغال میں قدم نہیں رکھا۔ ہاں اب میں آپ کو اپنے متعلق بتا سکتا ہوں۔ میں بلاشبہ اپنی حکومت کا جاسوس ہوں لیکن وادی کراغال سے مجھے یا میری حکومت کو کوئی سروکار نہیں۔ یہ بھی محض اتفاق ہی تھا کہ میں یہاں آ پہنچا۔ حقیقتاً میرے شکار وہ لوگ ہیں جن کا تذکرہ آپ نے کیا تھا۔ وہی عجیب و غریب سیٹیوں والے۔"

"تو پھر ہمارا خیال غلط نہیں تھا کہ تم جاسوس ہو۔" خانم مسکرائی۔

فریدی چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "اب آپ مجھے اپنے متعلق کچھ بتایئے۔"

"تمہارا نام کیا ہے؟" خانم نے پوچھا۔

"احمد کمال۔"

"ہمارے ہم مذہب بھی ہو۔" خانم نے کہا۔

"خانم..... آپ مجھے صرف ایک بات بتا دیجئے۔"

"ہاں پوچھو.....!"

"اس دن آپ کوئلے کے مجسموں کے تذکرے پر پریشان ہو گئی تھیں۔"

خانم کا چہرہ پھر اتر گیا۔ اس نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔ "میں ایک بہت بڑی الجھن میں پڑ گئی ہوں۔ اگر تم کوئلے کے مجسموں کا تذکرہ نہ کرتے تو.....!"

خانم خاموش ہو گئی۔ فریدی غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"آؤ..... اٹھو..... میرے ساتھ آؤ۔ اس تذکرے پر میری زبان میں اتنی قوت نہیں رہ جاتی کہ زیادہ دیر گفتگو کر سکوں۔"

فریدی اٹھ گیا۔ خانم باہر نکلی۔ سنتریوں نے اُس کے ساتھ ہونا چاہا لیکن اس نے انہیں وہیں ٹھہرنے کو کہا۔ وہ دونوں چلتے رہے۔ خانم فریدی سے کہہ رہی تھی۔

"لیکن یہ ایک راز ہے اور تم اسے اپنے ہی تک محدود رکھو گے۔ اس کا ظاہر ہو جانا کراغال کی لئے تباہ کن ثابت ہوگا۔"

"لیکن ٹھہریئے..... کیا یہ اُسی مجسمے کے متعلق ہے۔"

"ہاں اور میں اپنے دل پر سے یہ بار بھی ہٹانا چاہتی ہوں۔ تم دانش مند ہو مجھے کوئی مشورہ دو گے۔"

"میں ہر خدمت کے لئے تیار ہوں۔"

خانم چلتی رہی۔ محل بہت وسیع تھا۔ تقریباً میل کے رقبے میں پھیلا ہوا تھا۔ محل سے زیادہ اُسے ایک مستحکم قلعہ کہنا چاہیئے۔ حکومت کراغال کی پوری فوج یہیں رہتی تھی۔ معززین اور عمائدین کی رہائش گاہیں بھی یہیں تھیں۔

لیکن اس وقت فریدی کو زیادہ نہیں چلنا پڑا۔ خانم نے ایک جگہ رک کر ایک دروازے کے قفل میں کنجی لگائی دروازہ کھلا..... اندر اندھیرا تھا..... مگر فضا ایک تیز قسم کی خوشبو سے بوجھل معلوم ہو رہی تھی۔

خانم نے دو تین کافوری شمعیں روشن کر کے دروازہ بند کر دیا۔

یہ کسی کی خواب گاہ تھی۔ بہت شاندار..... شاہانہ انداز میں سجی ہوئی۔

"یہ کراغال کے خان میرے شوہر کی خواب گاہ ہے۔" خانم نے کہا۔ چند لمحے خاموش کھڑی ہانپتی رہی پھر بولی۔ "یہیں مجھے کونٹلے کا وہ مجسمہ ملا جو خان سے مشابہت رکھتا تھا بلکہ ہو بہو خان کی تصویر تھا۔"

"اوہ.....!" فریدی حیرت سے منہ کھول کر رہ گیا۔

خانم اس طرح ہانپ رہی تھی جیسے ایک بڑی چڑھائی چڑھ کر یہاں تک پہنچی ہو۔ اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "پہلے میں یہ سمجھی تھی کہ شائد خان نے مجھ سے مذاق کیا ہے۔ وہ اکثر اسی طرح پراسرار طریقے پر غائب ہو جاتے تھے۔ عرصے تک غائب رہتے اور پھر واپس آ جاتے۔ سارے کراغال اس بات کو جانتے ہیں لہٰذا آج کل بھی وہ یہی سمجھتے ہیں کہ خان ان کے لئے چائے، استرے، کپڑے اور تمباکو مہیا کرنے گئے ہیں۔ میں نے اس مجسمے کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا۔ وہ یہیں کے تہہ خانے میں اس وقت بھی موجود ہے۔"

"کیا خان کا تعلق بیرونی دنیا سے بھی تھا۔"

"ہاں..... وہ بہت دانش مند آدمی تھے۔ ان کے ایجنٹ بہتیرے ممالک میں موجود ہیں، جو کراغال کے لئے اشیاء مہیا کر کے بھیجتے ہیں۔ مگر یہ نہیں بتا سکتی کہ وہ چیزیں کس راستے سے آتی ہیں۔ راستوں کا علم خان یا ان کے خصوصی آدمیوں کے علاوہ اور کسی کو بھی نہیں اور نہ میں یہی جانتی ہوں کہ وہ مخصوص آدمی کون ہیں۔"

"مجسمہ یہیں ملا تھا۔"

"ہاں.....!"

"کس جگہ.....!"

خانم نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہاں دیوار سے لگا کھڑا تھا۔"

فریدی نے سامنے نظر اٹھائی۔ ٹھیک اسی جگہ کے سامنے دیوار میں ایک کشادہ روشندان تھا۔

"خانم.....!" فریدی نے مغموم آواز میں کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ آپ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔"

"خدارا یہ نہ کہو..... مجھے یہ باور کرانے کی کوشش نہ کرو۔ کراغال تباہ ہو جائے گا۔"

"خانم میں اپنے پچھلے تجربات کی بناء پر یہ کہہ رہا ہوں۔ مگر کراغال کا مستقبل آپ کے رویہ پر منحصر ہے۔"

"تم بتاؤ..... میں کیا کروں۔"

"میں آپ کو بتاؤں گا، جو کچھ میرے امکان میں ہے اس سے کوتاہی نہ کروں گا۔ لیکن کیا میں اس مجسمے کو ایک نظر دیکھ سکتا ہوں۔"

"ہاں..... میں تمہیں دکھاؤں گی..... لیکن یہ چیز صرف تم تک محدود رہے گی۔"

"آپ مجھ پر اعتماد کیجئے۔"

خانم نے کمرے کے ایک حصے کا قالین الٹ دیا۔ پھر ایک طرف سے تختہ ہٹا کر موی شمع کی روشنی خلاء میں ڈالی۔ نیچے سیڑھیاں نظر آ رہی تھیں۔

"ایک شمع اٹھا لو۔" خانم نے فریدی کی طرف مڑ کر کہا۔

فریدی شمع اٹھا کر اس کے پیچھے چلنے لگا۔ زینے طے کر کے وہ ایک تہہ خانے میں پہنچے۔ فریدی کی نظر مجسمے پر پڑی جو بالکل برہنہ نہیں تھا۔ اس کے گرد ایک کپڑا لپیٹ دیا گیا تھا۔

وہاں ایک بوجھل سا سناٹا طاری رہا۔ دونوں کی سانسیں اس سکوت میں گونج رہی تھیں۔

"خانم.....!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "یہ چہرہ مجھے کچھ جانا پہچانا سا معلوم ہو رہا ہے۔"

خانم نے اپنی مغموم آنکھیں فریدی کی طرف اٹھائیں۔ شمع کی روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی اور وہ اس سرخ سی روشنی میں بڑی حسین نظر آ رہی تھی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ "اب مجھے یاد آ گیا کہ میں نے تمہیں کہاں دیکھا تھا۔ خان کے البم میں تمہاری ایک تصویر موجود ہے..... خان کے ساتھ۔"

داستانیں

رجنی چلی گئی اور حمید گم سم بیٹھا رہا۔ پھر اٹھ کر میز پر آیا جہاں چائے کی ٹرے رکھی ہوئی تھی۔ چائے پیتے وقت بھی رجنی کے رویہ پر غور کرتا رہا۔ یک بیک اس نے آنکھیں کیوں بدل لی تھیں۔ پھر اس کا ذہن اس آواز کی طرف منتقل ہو گیا جو اس کے وینٹی بیگ سے آئی تھی۔ بالکل ویسی ہی

آواز اُس رات بوڑھے کے کمرے میں بھی اس نے سنی تھی اور اسی کے ساتھ ہی ساتھ اچانک اس کا رویہ بھی تبدیل ہوگیا تھا۔

حمید کو یہ چیز بڑی اہم معلوم ہوئی۔ وہ بہرحال فریدی کا شاگرد تھا جب سنجیدگی کے موڈ پر ہوتا تو ہمیشہ بہت دور کی کوڑی لاتا۔

ان دونوں کے اچانک بدلتے ہوئے رویئے کا یہی مطلب تھا کہ کوئی ان کے حال سے واقف ہونے کی کوشش کرتا ہے اور وہ دونوں آوازیں بھی ایسی ہی تھیں جیسے ٹرانسمیٹر کہیں کی آواز کیچ کرتے کرتے رہ جائے۔ حمید کو یاد آیا کہ کنور شمشاد نے فریدی کو گھر بیٹھے ٹیلی ویژن پر اپنے کارخانوں کی سیر کرائی تھی۔ ہوسکتا ہے یہاں بھی کوئی اسی قسم کی مشین موجود ہو جس پر کوئی اس زمین دوز دنیا کے حالات معلوم کرتا ہو۔ ہوسکتا ہے بوڑھے نے بھی کوئی چیز ایجاد کرلی ہو جو اسے اس سے باخبر کرتی ہو۔ ہوسکتا ہے کہ اس کمرے میں پھیلی ہوئی عجیب وغریب روشنی یہاں کی فضا کو ٹیلی ویژن کے پردے پر منتقل کردیتی ہو۔ ہوسکتا ہے کہ ان چھتوں میں ٹیلی ویژن کے کیمرے بھی پوشیدہ ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ ان کی دیواروں میں آواز جذب کرنے کی مشینی صلاحیت بھی موجود ہو۔ حمید سوچتا رہا اور سوچتے سوچتے اس نے چائے دانی خالی کردی۔ چائے کے ساتھ کھانے کے لئے پیسٹریاں بھی موجود تھیں۔ پلیٹ بھی صاف ہوگئی لیکن اب اُسے تمباکو کی یاد بُری طرح ستا رہی تھی۔ اگر وہ ایک پائپ کی تمباکو کہیں سے حاصل کرسکتا تو شاید ..... شاید وہ نہ جانے کیا کرگذرتا۔

دفعتاً کمرے کا دروازہ پھر کھلا اور رجنی اندر داخل ہوئی۔ اس کے ہونٹوں پر دوستانہ مسکراہٹ تھی۔

"تم مجھے پاگل سمجھتے ہوگے کیپٹن۔"

"نہیں لڑکیاں پاگل نہیں ہوتیں۔ پاگل بنادیتی ہیں۔ چائے کا بہت بہت شکریہ۔ مگر تمباکو۔"

اس نے وینٹی بیگ سے چمڑے کی ایک پاؤچ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"احتیاط سے خرچ کرنا۔ آج کل پرنس ہنری کا تمباکو مشکل سے دستیاب ہوتا ہے۔"

"ہائیں تم یہ بھی جانتی ہو کہ میں پرنس ہنری کا تمباکو پیتا ہوں۔"

"ہم کیا نہیں جانتے۔"

"کیا اس بار تمہارے وینٹی بیگ میں وہ چیز نہیں ہے جو تمہیں بروقت ہوشیار کردیتی ہے۔"

"اوہ..... تم کیا جانو۔"

"میں کیا نہیں جانتا۔"

"اچھا بدلہ لیا تم نے....." رجنی ہنسنے لگی۔

"میں بدلہ ضرور لیتا ہوں۔"

"کیا تم یہ بھی جانتے ہو کہ تم کن لوگوں میں ہو۔"

"ہاں..... شاید میں طاقت والی تنظیم کے چکر میں آپڑا ہوں۔"

"یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا۔" رجنی کی آواز میں حیرت تھی۔

"میں اپنی آنکھیں کھلی رکھتا ہوں..... کہو تو یہ بھی بتادوں کہ آج کل ان پر ایک عورت حکمران ہے۔"

"تم تو سب کچھ جانتے ہو۔"

"اور میں یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ وہ کوئی روح نہیں ہے اس کا دربار ایک فراڈ ہے۔ تخت شاہی وغیرہ میں مائیکروفون فٹ ہیں جن سے اس کی آواز نشر ہوتی ہے۔"

"لیکن تم یہ نہ جانتے ہوگے کہ یہاں کیوں لائے گئے ہو۔"

"میں نہیں جاننا اور نہ جاننا چاہتا ہوں۔ کیونکہ یہاں مجھے بہت آرام ہے۔ تم جیسی خوبصورت لڑکیوں کے ہاتھوں سے چائے نصیب ہوتی ہے۔ غالباً کھانا بھی تمہیں کھلاؤ گی۔ عرصہ سے مجھے ایک ایسی لڑکی کی تلاش تھی جو میری دیکھ بھال کرسکے۔ اب میں اپنی بقیہ زندگی اگر زندہ رہ گیا تو یہیں اسی زمین دوز دنیا میں بسر کروں گا۔ پاگل بننے میں زیادہ محنت نہیں کرنی پڑتی۔"

"مگر تمہیں یہاں سے نکال دیا جائے گا۔"

"تب تو یہ لوگ بڑے کمینے ہیں۔ پھر آخر مجھے اس طرح پکڑنے کے سلسلے میں اتنے آدمیوں کی جانیں ضائع کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"یہاں جانوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ سنو ان کی اسکیم یہ ہے کہ وہ کھل کر حکومت کے سامنے آجائیں۔ دراصل وہ اپنی قوت آزمانا چاہتے ہیں۔ وہ تمہیں چھوڑ دیں گے۔ مگر اس طرح کہ تم اپنی حکومت کے لئے وبال جان بن جاؤ گے۔ موجودہ حکمران ملکہ کائنات پچھلے حکمران سے زیادہ دانش مند ہے۔ وہ تمہاری حکومت کی مشینری ہی ٹھپ کردینے کے درپے ہے۔ سائنٹیفک طور پر

حکومت کے ذمہ دار آدمیوں کی ذہنیتیں تبدیل کردی جائیں گی اور وہ خود ہی حکومت کو
اکھاڑ کر پھینک دیں گے۔ پہلا تجربہ تم دونوں پر کیا جانے والا تھا مگر کرنل فریدی نکل گئے۔ اب
تم پر تجربہ کیا جائے گا اور تم یہاں سے نکال دیئے جاؤ گے۔"

"میں صحیح الدماغ ہی رہوں گا۔" حمید نے پوچھا۔

"قطعی صحیح الدماغ لیکن تمہارے نظریات یکسر بدل جائیں گے۔ تم اب تک جن کے
رہے ہو اُن سے بے وفائی کرو گے۔ ہوسکتا ہے کہ کرنل فریدی کو تمہارے ہی ہاتھوں موت نصیب ہو۔"

"پھر تمہاری ہمدردی کس کام آئے گی۔"

"یہ ایک غور طلب مسئلہ ہے لیکن ہم اس کوشش میں ہیں کہ ملکہ کائنات کی تجویز بار آور
ہونے پائے۔"

"آخر کیوں..... تمہارے دماغ کیوں الٹ گئے ہیں کیا ان پر کوئی ایسا سائنٹیفک تجربہ نہیں
گیا۔"

"نہیں ان کی دانست میں ہم لوگ یونہی بے بس ہیں کبھی ان کے پنجوں سے رہائی
پاسکتے۔ کچھ لوگ یہاں اپنی خوشی سے کام کررہے ہیں اور کچھ لوگوں سے زبردستی کام لیا
ہے۔ یہاں ملک کے بہترین دماغ اکٹھا کئے گئے ہیں کچھ غیر ملکی بھی ہیں لیکن غیر ملکی زیادہ
پروپیگنڈے کا شکار ہوکر اس طرف آئے ہیں۔ غیر ملکیوں میں جرمن نازیوں کی تعداد زیادہ ہے۔"

"ڈاکٹر زبیری کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"وہ ایک بڑے سائنسدان ہیں۔ آئے تو تھے اپنی خوشی سے لیکن اب انہیں محسوس ہوا ہے کہ
غلطی پر ہیں۔ اب وہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح اس تنظیم کا خاتمہ ہوجائے۔"

"پھر تم مجھے اس سکیم سے کس طرح بچاؤ گی۔"

"وہ تجربہ تم پر ڈاکٹر زبیری ہی کریں گے۔ مگر پہلے تمہیں کچھ دن یہاں آرام کرنا پڑے گا
آہستہ آہستہ تم صحیح الدماغ ہوتے جاؤ گے اور اپنے چہرے پر کچھ اس طرح کے تاثرات پیدا کرو گے
جیسے بہت زیادہ خوفزدہ ہو۔ بہرحال یہ ایک لمبی چوڑی اسکیم ہے جس کے متعلق پھر کبھی بتایا جائے گا
اب مجھے جانے دو۔"

"اچھا صرف ایک بات اور بتادو..... میرے موٹے ساتھی کو یہاں کیوں لایا گیا ہے۔"

"کیا وہ بہت مالدار نہیں ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو۔ اس وقت تک اس کا سارا بینک بیلنس صاف
ہوچکا ہے۔ اب اسے چھوڑ دیا جائے گا تاکہ وہ پھر تنظیم کی خدمت کرنے کے لئے کچھ سرمایہ اکٹھا
کرسکے۔ اس کا باپ بھی بڑا مالدار ہے کیا وہ اس کی مدد نہ کرے گا۔ تم خود سوچو کہ یہ اتنا بڑا کارخانہ
کیسے چل رہا ہے، روپے مہیا کرنے کے یہی ذرائع ہیں۔"

"اچھا رام گڈھ میں کوئی ادارہ روابط عامہ بھی ہے جس کا تعلق اسی تنظیم سے ہو۔"

"مجھے اس کا علم نہیں..... مگر روپیہ حاصل کرنے کے لئے یہ لوگ مجرمانہ طریقے اختیار کرتے
ہیں..... یہ مجھے معلوم ہے۔"

"موٹا کب چھوڑ دیا جائے گا۔"

"بہت جلد..... لیکن اسے تمہارے ساتھ نہیں چھوڑا جائے گا۔ سنو یہ ایک طرح سے تمہاری
حکومت کو تنظیم کی طرف سے کھلا ہوا چیلنج ہوگا۔ ظاہر ہے کہ موٹا پولیس کو ضرور اطلاع دے گا اور پولیس
یہاں ان پہاڑوں میں سر پٹختی پھرے گی۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ پولیس کو کامیابی ہوگی۔"

"میرا خیال ہے کہ پولیس مشکل میں پڑ جائے گی۔"

"بالکل ٹھیک....." رجنی سر ہلا کر بولی۔ "ایک بار ملکہ کائنات نے حکم دیا تھا کہ ہم سب مل کر
باہر نکلنے کا راستہ تلاش کریں لیکن تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ اڑتالیس گھنٹے سر مارنے کے باوجود بھی
کامیابی نہ ہوئی۔ یہاں کے ذہین ترین آدمیوں کی کوششیں بھی بار آور نہ ہوئیں۔"

"کیا کوئی نہیں جانتا راستہ۔"

"صرف ایک آدمی جانتا ہے..... ہم اُسے بارن کے نام سے جانتے ہیں۔ وہی سیاہ ڈاڑھی
والا جس نے تمہیں ڈاکٹر زبیری کے سپرد کیا تھا۔"

وہ خاموش ہوگئی۔ حمید بھی کچھ نہیں بولا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئی تھیں۔

فریدی حیرت سے خانم کو دیکھتا رہا۔ خانم بھی خاموش ہوگئی تھی۔ اس کے چہرے پر اضمحلال
طاری تھا۔

"میری تصویر خان کے ساتھ کیسے ہوسکتی ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "مگر ٹھہریئے شائد یہاں زیادہ دیر رکنا نہیں چاہتیں۔ اس کے متعلق پھر گفتگو کریں گے۔"

وہ آگے بڑھ کر مجسمے کو دیکھنے لگا۔ خانم منہ پھیر کر کھڑی ہوگئی۔ فریدی نے مجسمے پر سے کپڑا ہٹایا وہ بالکل برہنہ تھا۔ اس کی کمر میں چمڑے کی پیٹی تھی اور پیروں میں جوتے۔ کچھ دیر تک دیکھنے کے بعد اس نے اسے پھر کپڑے سے ڈھانک دیا۔

"چلئے..... واپس چلیں۔" اس نے کہا۔ "میں نے دیکھ لیا۔"

خانم خاموشی سے زینوں کی طرف مڑ گئی۔ وہ پھر خان کی خواب گاہ میں آ گئے۔

"اس مجسمے میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی تو نہیں کی گئی۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں..... سوائے اس کے کہ اسے کپڑے سے ڈھانک دیا گیا ہے۔"

"خان نے آپ کو کبھی یہ بھی بتایا تھا کہ وہ کہاں غائب ہو جاتے ہیں۔"

"کبھی نہیں..... وہ شروع ہی سے میرے لئے ایک پراسرار آدمی رہے ہیں۔ اپنی مصروفیات کے متعلق کبھی کچھ نہیں بتاتے تھے۔"

"ہوں.....!" فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔

خانم نے اس کی طرف دیکھا اور بولی۔ "لندن میں تم اور خان ہم جماعت تھے۔"

"کیا.....!" فریدی چونک پڑا۔ "اوہ اب مجھے یاد آ گیا۔ اوہو..... کیا خان عیسٰی ہی کراخال کے خان تھے۔ مگر مجھے اس کا علم پہلے بھی نہیں تھا۔ انہوں نے شاید اپنا تعلق سرحدی صوبے سے کیا تھا۔"

"خان بچپن ہی سے ایسے تھے۔ انہوں نے لندن میں تعلیم حاصل کی تھی۔ اگر وہ خود کو کراخال ظاہر کرتے تو شاید لندن تک ان کی رسائی بھی نہ ہوسکتی۔"

"تب تو مجھے خان عیسٰی کے لئے ..... اوہ خانم مجھے بڑا افسوس ہے کہ ہماری ملاقات حالات میں ہوئی۔ بہرحال میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اپنی آخری سانسوں تک کراخال کی حفاظت کروں گا۔ میں اور عیسٰی خان گہرے دوست تھے۔"

"تم کرنل فریدی ہو..... تم نے مجھے اپنا نام غلط بتایا تھا۔"

"نہیں میرا پورا نام احمد کمال فریدی ہے۔ میں نے غلط نہیں بتایا تھا۔"

"خان اکثر تمہارا تذکرہ کرتے تھے۔ انہوں نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ تمہاری حیثیت بین الاقوامی ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کی پیشانی پر گہرے تفکر کی لکیریں تھیں۔

تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "آخر ان لوگوں سے خان عیسٰی کا کیا تعلق۔ انہوں نے ان پر ہی اپنا حربہ کیوں آزمایا۔"

"میں خود یہی سوچ رہی تھی۔"

"اس کا یہی مطلب ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ جب چاہیں نہایت آسانی سے محل میں داخل ہوسکتے ہیں۔ یعنی کسی کو کانوں کان خبر ہوئے بغیر۔"

"ہاں..... اس صورت میں تو یہی کہا جاسکتا ہے۔"

فریدی نے غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا لیکن اس پر خوف کے آثار نہیں تھے۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ "خان چالاک آدمی تھے۔ اس لئے ختم کر دیئے گئے۔ اس کا مقصد یہی ہوسکتا ہے کہ وہ جب چاہیں کراخال کو اپنے مقصد کے لئے استعمال کرسکیں۔"

فریدی نے پھر اس کے چہرے پر نظر ڈالی لیکن خانم کی آنکھوں سے صرف غم جھانک رہا تھا۔ اس میں تشویش یا خوف کے آثار نہیں تھے۔

"تو پھر اب مجھے خود کو بیوہ سمجھنا چاہئے۔" اُس نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"میں کیا کہوں۔" فریدی تشویش ناک لہجے میں بولا۔ "لیکن خدارا..... اسے ظاہر نہ کیجئے گا۔"

"میں سمجھتی ہوں..... یہ چیز کراخال کے لئے تباہ کن ہوگی۔ قرب و جوار کے قبائل چاروں طرف سے یورش کر دیں گے۔ ویسے ان پر خان کی ہیبت طاری رہتی ہے۔"

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ خان اُن لوگوں کے کسی راز سے واقف ہوگئے تھے۔ اسی لئے انہیں راستے سے ہٹا دیا گیا یا پھر دوسری ہی بات تھی۔ یعنی وہ کراخال کی باگ دوڑ کسی دانش مند آدمی کے ہاتھ میں نہیں دیکھنا چاہتے۔"

"وہ کچھ بھی ہو لیکن اس نقصان کی تلافی کیسے ہوگی۔ میں کیا کروں۔"

"صبر کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے خانم! ویسے مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ کسی عورت کی حکومت وادی کراخال کے خلاف ہے۔ اگر کسی کو خان کے متعلق شبہ بھی ہوا تو حکومت خان کے کسی بھائی

یا بھتیجے کی طرف منتقل ہو جائے گی۔"

"میں ہر وقت حکومت سے دستبردار ہونے کے لئے تیار ہوں لیکن کراغال تباہ ہو جائے ظاہر کرنا ہی تباہی کو دعوت دینا ہوگا کہ کراغال سے خان کا سایہ اٹھ گیا۔ خان کا بھتیجا خان قابل نہیں ہے کہ اسے کراغال کی باگ ڈور سونپی جا سکے۔ اس کا اعلان ہوتے ہی بربادی ادھر کر لے گی۔"

"بس تو پھر مصلحت اسی میں ہے کہ خان کا نام کم از کم اس وقت تک زندہ رکھا جائے تک کہ ان کے قاتل اپنی سزا کو نہ پہنچ لیں۔"

خانم کچھ نہ بولی۔ فریدی بھی سوچ میں پڑ گیا تھا۔

بیک وقت دو خیال اس کے ذہن میں تھے یا تو خان اُن لوگوں کے کسی راز سے واقف تھا یا پھر ضیغم نے حکومت حاصل کرنے کے لئے ان کی مدد سے خان کو ختم کر دیا۔ اُسے وہ مجسمہ بھی آ گیا جو اس نے رام گڈھ کی عمارت میں دیکھا تھا۔ ایک ایسی لڑکی کا مجسمہ جس کی بارات دروازے پر کھڑی تھی۔ ایسے موقع پر اسے کیوں ختم کیا گیا۔ بظاہر وجہ یہی ہو سکتی تھی کہ اس کی شادی کسی کو ناگوار گذری تھی۔

"اب ہمیں یہاں سے چلنا چاہئے۔" خانم اٹھتی ہوئی بولی۔

فریدی بھی اٹھ گیا۔ لیکن اس دوران میں فریدی کی عقابی آنکھیں خان کی خواب گاہ کا جائزہ لیتی رہی تھیں۔

قید خانہ

تین دن حمید آرام کرتا رہا لیکن ڈاکٹر زبیری کی ہدایت کے مطابق وہ آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جا رہا تھا۔ ایک بار اُس ڈاڑھی والے سے بھی مڈبھیڑ ہوئی لیکن حمید نے اپنی کسی بھی حرکت سے پاگل

پن نہیں ظاہر کیا۔

"تم اب ٹھیک ہو۔" ڈاڑھی والے نے پوچھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں..... لیکن اگر مجھے اپنی گرفتاری کی وجہ نہ معلوم ہوئی تو شاید میں پھر ہوش و حواس کھو بیٹھوں۔"

ڈاڑھی والا جواباً مسکرایا تھا۔

"میں یہاں کیوں لایا گیا ہوں۔"

"کیا یہ زمین دوز دنیا تمہیں دلکش معلوم نہیں ہوتی۔"

"بہت دلکش..... لیکن میں ایسی بے آسمان دنیا کے خواب سے بھی خوف کھاؤں گا۔"

"بہر حال تمہیں یہاں صرف اس لئے لایا گیا تھا کہ تمہاری معلومات میں ایک نیا اضافہ ہو سکے۔ اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں تھا۔"

"میں کن لوگوں میں ہوں..... یہ بھی جاننا چاہوں گا۔"

"تم آدمیوں ہی میں ہو..... غالباً اتنا بتا دینا کافی ہوگا۔"

"میں نے ملکہ کائنات کا دربار دیکھا تھا..... وہ خواب تھا یا حقیقت۔"

"سو فیصدی حقیقت.....!"

"کیا ملکہ کائنات کوئی روح ہے۔"

"واحد روح جو کائنات کے ایک ایک ذرے میں جاری و ساری ہے۔ وہ روح جب ایٹم سے علیحدہ ہوتی ہے تو پورے پورے شہر آن واحد میں تباہ ہو جاتے ہیں۔"

"تم بڑی فلسفیانہ باتیں کر رہے ہو۔" حمید نے کہا۔

"نہیں یہ تو کوئی خاص بات نہیں۔ میں نے ایک عام بات کہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ طاقت ہی ہے جو کائنات کے ذرے میں جاری و ساری ہے۔ ہم پر طاقت کی حکومت ہے۔ طاقت ہی ملکہ کائنات ہے۔"

"میرے خدا.....!" حمید نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا تھا۔ "طاقت..... وہ..... وہ طاقت والی تنظیم۔"

"ہاں..... وہی۔" جواب ملا تھا۔ "ہمارا پچھلا حکمران ایک بیوقوف آدمی تھا جو ایک حقیر کیڑے

کے ہاتھوں فنا ہوگیا۔ اسے ضرورت ہی کیا تھی کہ خود تم لوگوں سے الجھنے کی کوشش کرتا۔ تمہارا خاتمہ تنظیم کا ایک کیچوا بھی کرسکتا تھا۔"

حمید اس کی گفتگو پر سراسیمہ ہوگیا تھا لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کی حالت سنبھل بھی گئی تھی۔ کیونکہ ڈاڑھی والے نے بڑے پیار سے اس کا شانہ تھپتھپا کر کہا تھا۔ "پرواہ نہ کرو..... ہمارے لئے اس احمق حکمران سے زیادہ اہم ہو۔ ہوسکتا ہے کبھی ہمارا فلسفہ تمہاری سمجھ میں آجائے اور تم ہماری تنظیم کے اعلیٰ رکن بن سکو۔"

اس کے بعد وہ مزید کچھ کہے بغیر چلا گیا تھا۔

پھر آج اچانک قاسم اس کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔

"ہائیں..... حمید بھائی..... تم ابھی یہیں ہو۔ معلوم ہوتا ہے تمہاری چیک بک بھی آگئی ہے۔"

"نہیں..... میں یہاں خیر سگالی کے مشن پر آیا تھا۔"

"یار اللہ قسم..... میں تو برباد ہوگیا۔ چھ لاکھ روپیہ۔"

"کیا مطلب.....!"

"سب لے لیا سالوں نے۔" قاسم ہنسنے لگا۔

"اگر تمہارے والد کو علم ہوگیا تو۔"

"یہاں سے واپس کون جاتا ہے حمید بھائی! مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے۔ ایک خوب تگڑی عورت مجھ سے محبت کرنے لگی ہے۔ وہ کہتی ہے قاسم پیارے..... میں مرجاؤں گی اگر تم چالے گائے۔"

قاسم اُس عورت کی نقل اتارنے کے سلسلے میں لچکنے لگا۔

"اور اگر زبردستی یہاں سے نکال دیئے گئے تو۔"

"کون نکالے گا زبردستی۔"

"تم گھاس کھا گئے ہو کیا..... اب تمہارے پاس کیا ہے کہ وہ تمہیں یہاں رکھیں گے۔"

"ارے جاؤ یار..... کیا باتیں کرتے ہو۔ روپیہ تو وہ تجارت میں لگائیں گے اور مجھے منافع دیتے رہیں گے۔ میں کوئی اُلو ہوں۔"

"نہیں اُلو تو اتنا بھاری بھرکم نہیں ہوتا۔"

"دیکھو اگر تم میرا مذاق اڑاؤ گے تو اچھا نہیں ہوگا۔"

"کیا کرو گے تم.....!"

"تمہاری گردن مروڑ دوں گا ہاں..... تم اپنے کو سمجھتے کیا ہو۔"

"میں کیپٹن حمید ہوں۔"

"ابے جاؤ کیپٹن حمید دیکھ لی سالی بہادری، چوہوں کی طرح پکڑ والیا ملکہ صاحبہ نے۔"

"کون ملکہ صاحبہ۔"

"وہ جو سارے عالم کی ملکہ ہیں..... طاقت بیگم۔"

"کیا تم نے اسے دیکھا ہے۔"

"ابے..... ادب سے نام لو..... ورنہ منہ توڑ دوں گا۔"

"وہ تمہاری چچی لگتی ہے۔"

"ارے تم نہیں مانو گے۔" قاسم گھونسہ تان کر حمید کی طرف جھپٹا۔ حمید ایک طرف ہٹ گیا۔ قاسم کا گھونسہ دیوار پر پڑا۔ وہ بلبلا کر پلٹا لیکن موٹاپے کی وجہ سے اس میں پھرتی نہیں تھی۔ حمید نے اسے نچا مارا اور پھر وہ زمین پر بیٹھ کر گدھوں کی طرح ہانپنے لگا۔ منہ سے زبان نکل پڑی۔

"کیوں..... اب کہو تو چھرا مار کر تمہاری توند برابر کردوں۔" حمید نے کہا۔

دفعتاً ایک موٹی سی عورت کمرے میں گھس آئی۔ اُسے دیکھتے ہی قاسم بوکھلا کر کھڑا ہوگیا اور اس طرح ہنسنے لگا جیسے وہ اُس سے یہاں کی موجودگی پر سختی سے جواب طلب کرے گی۔

"یہاں کیا کر رہے ہو ڈارلنگ۔" اُس نے کسی پھوہڑ طوائف کی طرح لچک کر پوچھا۔

"ہاہا..... کچھ نہیں..... یہ میرے دوست ہیں۔" حمید نے قاسم کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں میں اس کا سرپرست ہوں۔" قاسم جھلا گیا۔

"ان کی سرپرست تو میں ہوں جناب۔" عورت نے کہا۔ پھر قاسم کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"کیوں ڈارلنگ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں۔"

"تم بالکل غلط کہہ رہی ہو۔" حمید بولا۔ "اس کی سرپرست تم نہیں ہوسکتیں کیونکہ یہ شادی شدہ ہے۔"

"اے.....!" قاسم شور مچانے والے انداز میں بولا۔ "تم جھوٹ کیوں بولتے ہو۔"

"کیا یہ جھوٹ ہے کہ تم شادی شدہ ہو۔" حمید نے پوچھا۔

"بالکل جھوٹ ہے..... قطعی جھوٹ ہے۔"

"کیوں خواہ مخواہ اس بھولی بھالی عورت کو دھوکا دے رہے ہو۔"

"ارے تم خود بھولے بھالے..... شٹ اپ۔" قاسم ہونٹ بھینچ کر حمید کو گھونسہ دکھانے لگا۔

"البتہ میری شادی ابھی نہیں ہوئی۔" حمید بولا۔ "اسلئے اگر چاہو تو مجھے ڈارلنگ کہہ سکتی ہو۔"

عورت نے شرما کر سر جھکا لیا اور قاسم گھبرا کر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔ نہ جانے کیوں اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

"مجھ سے محبت کرو گی تو فائدے میں رہو گی۔" حمید نے کہا۔

"حمید بھائی۔" قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ عورت حمید کے اس جملے پر اور زیادہ شرما کر دوہری ہو جانے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن چونکہ موٹی زیادہ تھی اس لئے آ کہری ہی رہی۔

"حمید بھائی.....!" دفعتاً قاسم پاگلوں کی طرح حلق پھاڑ کر چیخا۔

"بولو..... کیا کہتی ہو۔" حمید نے پھر اُسے مخاطب کیا۔

عورت نے سر اٹھا کر شرمیلی نظروں سے حمید کی طرف دیکھا..... اور پھر شرما کر سر جھکا لیا۔

"میں سب دیکھ رہا ہوں ہاں۔" قاسم دہاڑا۔

"دیکھنے پر کوئی پابندی نہیں..... دیکھتے رہو۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "مگر کسی سے کہنا نہیں۔"

"ارے غارت ہو جاؤ تم۔" قاسم نے دانت پیس کر حمید پر چھلانگ لگائی اور حمید عورت کے قریب سے کترا کر نکل گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قاسم کی نومن کی لاش عورت پر آ پڑی اور دونوں چیختے ہوئے فرش پر ڈھیر ہو گئے۔ عورت کے منہ سے گالیاں نکلیں اور اس کے دو ہتھڑ قاسم کے سر پر پڑنے لگے۔ دونوں کے شور سے چھت اڑی جا رہی تھی۔ دونوں ہی زمین سے اٹھنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ حمید کمرے سے نکل گیا اب وہ آزادانہ طور پر جہاں چاہتا تھا جا سکتا تھا۔ رجی نے اسے بتایا تھا کہ پالیسی یہ ہے کہ حمید پر اس تنظیم کا رعب پڑے اور وہ بیرونی دنیا پر جا کر بے بسوں کی طرح ہاتھ پیر مارے لیکن دوبارہ یہاں تک رسائی نہ ہو سکے۔ حکومت انہیں تلاش کرنے میں اپنا سارا زور صرف کر دے لیکن کامیابی نہ ہو۔ موجودہ حکمران کے خیال کے مطابق خطرات میں پڑے بغیر تنظیم آگے نہیں بڑھ سکتی۔

اور پھر حمید کو ابھی تو اس تجربے کا بھی انتظار تھا، جو اس پر کیا جانے والا تھا۔ ڈاکٹر زبیری سے ابھی تک اس کی تفصیلات نہیں معلوم ہو سکی تھیں۔ ویسے رجی نے اسے اتنا ہی بتایا تھا کہ اُس تجربے کے بعد اس کے خیالات بدل جائیں گے اور وہ اپنے ہی آدمیوں کا دشمن ہو جائے گا۔ غالباً فریدی کو اس طرح شکست دینے کا خیال تھا۔

دوسری صبح خانم کے محل میں فریدی کی حیثیت بدل گئی تھی۔ سپاہی اسے احترام کی نظروں سے دیکھتے، عمائدین عزت کرتے اور خانم کا مشیر بوڑھا خان یوسف تو بچھا جا رہا تھا۔ البتہ صرف ایک آدمی کی آنکھوں میں اب بھی فریدی کے لئے نفرت تھی اور یہ تھا کراغال کے خان کا بھیجا خان ضیغم۔ وہ ہر ایک سے یہی کہتا کہ اسے فریدی پر اعتماد نہیں ہے۔ وہ یقیناً کسی دشمن ملک کا جاسوس ہے اگر اس نے حملہ آوروں کو پسپا کرنے میں مدد دی تو اس میں نہ اس کا کوئی فائدہ تھا اور نہ نقصان۔ یہ تو اس لئے کیا گیا تھا کہ وہ کراغالیوں کا اعتماد حاصل کر سکے۔

دوپہر کو خانم نے فریدی کو پھر طلب کیا۔ اس وقت بھی وہ کمرے میں تنہا تھی۔

"تم نے سنا..... ضیغم کیا پروپیگنڈا کر رہا ہے۔" خانم نے پوچھا۔

"جی ہاں..... میں نے سنا ہے۔ لیکن آپ نے میرے نام کا اعلان تو نہیں کر دیا۔"

"نہیں..... مجھ سے ایسی حماقت سرزد نہیں ہو سکتی۔ یہ چیز میرے لئے بھی باعث حیرت ہے کہ اُن لوگوں کی رسائی میرے محل میں کیسے ہوئی۔"

"یہ سوال حقیقتاً قابل غور ہے۔" فریدی بولا۔ "کیا آپ نے خان یوسف کو بھی میرے متعلق کچھ نہیں بتایا۔"

"ہرگز نہیں..... میرے علاوہ اور کوئی تمہارے نام سے واقف نہیں ہے۔"

"شکریہ..... اب میں دیکھوں گا کہ اس سازش کی پشت پر کون ہے۔ آپ آج شام کو یہ خبر مشہور کرا دیجئے گا کہ میں حیرت انگیز طور پر غائب ہو گیا ہوں۔"

"اس سے کیا ہو گا۔"

"میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ خان ضیغم کے مشاغل کس قسم کے ہیں۔"

"اوہو.....اچھا.....تم چھپ کر دیکھنا چاہتے ہو۔"

"جی ہاں یہی بات ہے۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر خانم نے کہا۔ "میں پچھلی رات سو نہیں سکی۔ میرے خدا... کیسی مجبوری ہے کہ میں سوگ بھی نہیں منا سکتی۔"

"آپ ایک دلیر خاتون ہیں اور دلیر ہستیاں سوگ منا کر انتقام کی آگ ٹھنڈی نہیں کرتیں۔"

"ہاں.....وہ آگ تو میرا وجود پھونکے دے رہی ہے۔"

"بس تو اب آپ کی آنکھوں میں اداسی بھی نہ ہونی چاہئے۔"

"میں ایک دلیر عورت بننے کی کوشش کروں گی۔ مگر کرنل.....جسم کے اندر دل بھی ہوتا ہے۔"

"دل ہی میں دلیری بھی پرورش پاتی ہے۔ اس کا تعلق آسمانوں سے نہیں۔"

"تم مجھے بڑا سہارا دے رہے ہو۔ میں تمہاری شکر گذار ہوں۔"

"آپ خان عیسیٰ کی بیوی ہیں جو لندن میں میرا بہترین دوست تھا۔ کاش میں آپ کے کچھ کر سکوں۔"

"میری وجہ سے تمہیں تکلیف بھی پہنچی ہے۔"

"اس کے علاوہ نہیں کہ مجھے اڑتالیس گھنٹوں سے سگار نہیں ملا۔"

"تمباکو نوشی اچھی عادت نہیں ہے۔" خانم کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

"زیادہ سوچنے والوں کے لئے بُری بھی نہیں ہے۔"

"سگار تمہیں جلدی ملیں گے۔ خان اپنی تمباکو کا ذخیرہ مجھ سے چھپائے رکھتے تھے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ میں تمہارے لئے سگار مہیا کر سکوں گی۔"

"ویسے اب مجھے باہر نکلنے کی اجازت بھی دیجئے تاکہ میں ان لوگوں کا پتہ لگاؤں جن کے ہاتھوں زخمی ہو کر یہاں پہنچا تھا۔"

"مگر تم مجھے ان حالات میں چھوڑ کر کہیں جا نہیں سکتے۔" خانم نے مسکرا کر کہا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ وہ لوگ کراغال سے زیادہ دور نہیں ہیں۔"

"مگر تم انہیں کہاں تلاش کرتے پھرو گے۔"

"تلاش تو محل ہی سے شروع ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ خان کسی سازش کا شکار ہوئے ہیں کیا خان ضیغم فرشتہ ہیں۔"

"اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ جب تک کہ مجھے اس کے خلاف کوئی ثبوت نہ مل جائے۔ میرے خیالات اس کی طرف سے اچھے ہی رہیں گے۔"

فریدی کچھ نہیں بولا۔ وہ ضیغم ہی کے متعلق سوچنے لگا تھا۔ اس نے اس کے بارے میں کوئی اچھی رائے نہیں قائم کی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ضیغم جیسے لوگ سب کچھ کر گذرنے پر تیار رہتے ہیں اور ان کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کب کیا بیک بدل جائیں گے۔

فریدی نے کچھ دیر بعد کہا۔ "اچھا خانم.....کیا اب مجھے محل سے باہر نکلنے کی اجازت مل سکے گی۔ مجھے اپنے ساتھی کیپٹن حمید کی خبر لینی ہے۔ پتہ نہیں وہ زندہ ہے یا حملہ آوروں کی نذر ہو گیا ہے۔"

"میں کیا بتاؤں۔ ضیغم کے رویہ نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ ڈر ہے کہ کہیں وہ اس سے کوئی نئی بات نہ پیدا کر دے۔ کراغالی اجنبیوں اور بدیسیوں کو قطعی پسند نہیں کرتے۔ اُن کے خیالات تمہاری طرف سے کچھ بہتر ہوئے تھے کہ ضیغم نے انہیں دوسری بات سمجھانی شروع کر دی۔ تم نے ان پر لاکھ احسان کیا لیکن اجنبیوں سے ان کی وحشت اپنی جگہ پر ہے۔ وہ صبح شام تمہاری پوجا کر سکتے ہیں لیکن تمہیں کراغال سے باہر نہیں جانے دیں گے۔"

"تو اس کا مطلب ہے کہ میں اب بھی قیدی ہوں۔" فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔" خانم کی آواز دردناک تھی۔ "میں تمہیں نہیں روکنا چاہتی لیکن ضیغم تمہارے چلے جانے پر اسی بہانے کراغالیوں کو میرے خلاف اکسا سکتا ہے اور اگر خان کی موت میں ضیغم ہی کا ہاتھ ہے تو وہ ضرور ایسا کرے گا۔"

"میں سمجھتا ہوں.....مگر یہ بھی ضروری ہے، جو میں کرنا چاہتا ہوں۔ میرے اور خان کے تعلقات نجی تھے۔ لیکن مجھ پر ایک حکومت کا ملازم ہونے کی حیثیت سے کچھ ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں اور وہ ذمہ داریاں نجی تعلقات سے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔"

"پھر تم ہی بتاؤ کہ میں کیا کروں۔ میں تمہارا ہر مشورہ قبول کرنے کو تیار ہوں۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''آپ کے یہاں کوئی باقاعدہ قسم کا جیل بھی ہے۔''

''ہے..... کیوں۔'' خانم نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

''تو پھر..... مجھ پر کوئی سنگین الزام لگا کر قید کر دیجئے۔''

''ارے..... یہ کیوں۔''

''جیل خانے سے نکل جانا میرا کام ہوگا..... اور آپ پر کوئی الزام بھی نہ آ سکے گا۔''

''آہا..... ٹھہرو..... مجھے سوچنے دو۔''

خانم خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔ پھر آہستہ سے بولی۔ ''میں نے سوچ لیا۔ یہ تدبیر کافی کارگر رہے گی۔ خان کا ایک مخصوص جیل خانہ ہے جس کا علم یوں تو سارے کراغال کو ہے لیکن کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے۔ علاوہ تین ہستیوں کے..... خان جانتے تھے۔ میں جانتی ہوں اور بوڑھا خان یوسف۔ وہ جیل خانہ خطرناک قسم کے باغیوں کے لئے استعمال ہوتا آیا ہے۔ اس کا نام ہی سن کر لوگ کانپنے لگتے ہیں کیونکہ اس کے قیدی نے دوبارہ پھر کبھی آسمان نہیں دیکھا۔ وہ زیادہ دنوں تک زندہ ہی نہیں رہتا کیونکہ خوردونوش کے لئے صرف تین دن کی رسد ساتھ کی جاتی ہے۔ میں تم پر کوئی الزام لگا کر تمہیں وہاں بھجوا دوں گی۔ پھر رات کو..... باہر۔''

''مناسب ہے مگر میں اس صورت میں.....'' فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

''کہو کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''کچھ نہیں..... ٹھیک ہے۔''

پھر دونوں میں آہستہ آہستہ گفتگو ہونے لگی۔ آواز سرگوشیوں سے زیادہ نہیں ابھری۔

اُسی رات کو فریدی جب محل کی ایک دیوار پر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا خانم کے پہرے داروں نے اُسے پکڑ لیا۔ اس نے جدوجہد بھی نہیں کی کیونکہ یہ سب کچھ اسی کی اسکیم کے ماتحت ہو رہا تھا۔

پھر دوسری صبح وہ خانم کے مختصر سے دربار میں پیش کیا گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور اس کے چہرے پر مردنی سی چھائی ہوئی تھی۔

''تم پچھلی رات کو کیا کرنا چاہتے تھے۔'' خانم نے گرج کر پوچھا۔

''مم..... میں کچھ نہیں۔ آپ کے پہرہ داروں کو غلط فہمی ہوئی تھی۔''

''ٹھیک ہے..... تم پہرہ داروں کو جھٹلا سکتے ہو مجھے نہیں..... میں نے خود تمہیں دیوار پر چڑھتے دیکھا تھا۔ اب تم پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ یہ حقیقت ہے کہ تم نے ایک بار ہماری مدد کی تھی مگر ظاہر ہے کہ اس مدد سے تمہارے کسی مقصد میں خلل آنے کا اندیشہ نہیں تھا۔ تم جس حکومت کے جاسوس ہو اس کا نام ظاہر کرو۔''

''میں کسی حکومت کا جاسوس نہیں ہوں کس طرح یقین دلاؤں۔''

''خان یوسف.....!'' دفعتاً خانم بوڑھے کی طرف مڑ کر بولی۔ ''یہ خان کے سیہ خانے کا قیدی ہے۔ اسے لے جاؤ۔''

سارے دربار میں سناٹا چھا گیا تھا۔ خان یوسف آہستہ سے اپنی جگہ سے اٹھا اور رسی کا سرا پکڑتا ہوا فریدی سے بولا۔ ''چلو۔''

اس نے ہولسٹر سے ریوالور بھی نکال کر اس کی کمر سے لگا دیا تھا۔ فریدی مضمحل قدموں سے چلنے لگا۔

''یہ تمہیں کیا سوجھی تھی؟ کیا یہ اعزاز و اکرام تمہیں گراں گذرتا تھا۔'' خان یوسف نے کہا۔

''یہ سراسر الزام ہے۔'' فریدی غرایا۔ ''تم لوگ احسان فراموش ہو۔ تم مجھے مار ڈالنا چاہتے ہو، مار ڈالو گے۔''

خان یوسف پھر کچھ نہیں بولا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک تنگ و تاریک سرنگ میں داخل ہو رہے تھے۔ یہاں قریب و دور کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ حقیقتاً یہ کوئی خطرناک جگہ تھی۔

''پھر بھی۔'' خان یوسف نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''نہ جانے کیوں مجھے تمہارے لئے افسوس ہے۔''

''افسوس ظاہر کرنے کا طریقہ بھی خوب ہے۔ میں جانتا ہوں کہ خان کا سیہ خانہ کوئی خطرناک جگہ ہوگی۔''

''ہاں..... آج تمہیں صرف تین دن کی رسد ملے گی۔ ظاہر ہے کہ تمہاری بقیہ زندگی اس پر بسر ہونے سے رہی۔''

''خیر دیکھا جائے گا.....'' فریدی نے غصیلے لہجے میں کہا اور خاموش ہو گیا۔

خان یوسف نے ایک طرف اندھیرے میں اسے دھکا دیا۔ پھر فریدی نے دھاتوں کے بجنے

ئی آواز سنی۔ شائد دروازہ کسی دھات کا تھا۔

پھر خان یوسف نے کہا۔ ''ٹھہرو میں مشعل جلاتا ہوں اور تم اُس رسی سے خود پیچھا چھڑا سکو گے۔

فرار

کچھ دیر بعد وہاں مشعل کی سرخ روشنی پھیل گئی۔ خان یوسف کا چہرہ اس روشنی میں عجیب لگ رہا تھا۔

''نہ جانے کیوں۔'' وہ گلوگیر آواز میں بولا۔ ''میرا دل نہیں چاہتا کہ تم اس طرح سسک کر مرجاؤ۔ مجھ پر تمہارا ایک احسان ہے..... مگر میں کیا کروں۔''

''مجھے نہیں یاد پڑتا کہ میں نے کبھی تم پر کوئی احسان کیا ہو۔''

''اس برج میں جب تم نے ہم پر ریوالور تانے تھے بڑی آسانی سے ہمارا خاتمہ کرسکتے تھے۔''

''جاؤ.....!'' فریدی جھلائے ہوئے انداز میں ہاتھ جھٹک کر بولا۔ ''میں تم سے رحم کی بھیک نہیں مانگ سکتا۔''

''مانگو بھی تو میں بے بس ہوں۔'' خان یوسف نے مایوسی سے کہا۔ ''میں خانم سے غداری نہیں کرسکتا۔''

فریدی نے دوسری طرف منہ پھیر لیا اور خان یوسف بولا۔

''وہ ادھر بائیں طرف ایک دھار دار تیشہ نصب ہے۔ اس سے اپنی رسیاں کاٹ ڈالو..... دیکھو میں حتی الامکان تمہیں مرنے نہیں دوں گا۔ روزانہ تمہیں کم از کم اتنا کھانا ضرور پہنچے گا جس سے تم اپنی زندگی برقرار رکھ سکو۔''

''مجھے بھیک نہیں چاہئے۔ تم جاسکتے ہو۔ میں بھی پٹھان ہوں خان یوسف۔''

''میں تمہیں یہاں کے خطرات سے آگاہ کئے بغیر نہیں جاؤں گا۔ دیکھو ادھر بائیں طرف ایک

گہری کھڈ ہے۔ اس کی گہرائی کا آج تک کوئی اندازہ نہیں کیا جاسکا۔ نیچے بہتا ہوا پانی ہے۔ تم اس کی مدہم آواز سن رہے ہوگے۔ دریائے کراغال کی ایک شاخ یہاں زمین کے نیچے بہتی ہوئی نہ جانے کہاں جاتی ہے۔''

''تب تو پھر میں خود کو قیدی نہیں سمجھ سکتا۔ یہی میری راہ فرار ہوگی۔ خان یوسف.....'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''میں اسے خودکشی کہوں گا۔'' خان یوسف نے کہا۔

فریدی دیوار سے نصب شدہ تیشے سے اپنی رسیاں کاٹ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ آزاد ہوگیا اور خان یوسف کی طرف مڑ کر مسکراتا ہوا بولا۔ ''اچھا دوست..... الوداع..... میرے لئے یہی کافی ہے کہ تم اس ظلم پر مغموم ہو۔''

''دیکھو..... جلد بازی اچھی چیز نہیں ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں خورد و نوش کا سامان ملتا رہے گا اور ہوسکتا ہے کہ میں خانم کا غصہ ٹھنڈا کرنے میں کامیاب ہوجاؤں۔''

''میں خانم جیسی احسان فراموش عورتوں کا احسان لینا پسند نہیں کروں گا۔ اب تم جاؤ میں تنہائی چاہتا ہوں۔''

''خدا کی قسم تم عجیب ہو۔ میں نے ایسا آدمی آج تک نہیں دیکھا۔ تم کراغال کے خان سے بھی زیادہ پراسرار ہو۔''

اس دوران میں فریدی مشعل اٹھا کر اس کھڈ کا جائزہ لینے لگا۔ خان یوسف سلاخوں دار دروازے کی دوسری طرف کھڑا اسے حیرت سے دیکھتا رہا۔ کھڈ بہت گہری تھی۔ اس کی تہہ تک مشعل کی روشنی نہیں پہنچ سکتی تھی۔ البتہ فریدی پانی بہنے کی آواز صاف سن رہا تھا۔ لیکن یہ آواز کافی گہرائی سے آرہی تھی۔ بہت ہی ہلکی آواز۔

''تم ایسا نہیں کرو گے لڑکے..... میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔''

''اچھا نہیں کروں گا..... اب تم خدا کے لئے جاؤ۔ میں تنہائی چاہتا ہوں۔''

خان یوسف چلا گیا۔ فریدی کی اس کے علاوہ اور کوئی کام نہیں تھا کہ وہ ایک دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا رہتا۔ ایک بار خان یوسف پھر آیا۔ وہ خورد و نوش کے لئے چیزیں لایا تھا۔

فریدی نے اس سے بات بھی نہ کی۔ آنکھیں بند کئے بیٹھا رہا۔ ویسے خان یوسف تسکین آمیز

باتیں کئے جارہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ پھر واپس چلا گیا۔ فریدی رات کا منتظر تھا اور بار بار اپنی گھڑی کی طرف دیکھنے لگتا تھا۔

دن گذر گیا۔ پھر رات آئی لیکن وہاں تو دن بھر مشعل جلتی رہی تھی۔ لہٰذا اگر گھڑی نہ ہوتی تو دن کی تقسیم بھی مشکل ہو جاتی۔ بوڑھے خان یوسف نے حتی الامکان اس کے لئے آسانیاں بہم پہنچائی تھیں۔ وہ مشعلوں میں جلنے والے تیل کی کافی مقدار وہاں چھوڑ گیا تھا۔ ویسے فریدی کو وہاں گھٹن کا احساس تو ہوتا ہی رہا تھا مگر اب مشعل کے دھوئیں نے اسے قریب قریب ناقابل برداشت ہی بنا دیا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ مشعل نہیں بجھانا چاہتا تھا۔ معلوم نہیں کیوں؟

ٹھیک ڈیڑھ بجے رات کو خانم آئی۔ وہ سیاہ لباس میں تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا شکاری تھیلا تھا۔ اُس نے قید خانہ کا دروازہ کھولا اور اندر آ گئی۔ اس کے چہرے پر اداسی کے گہرے بادل تھے۔

"کیا تم تیار ہو۔" اس نے مضمحل آواز میں پوچھا اور پھر بولی۔ "اس تھیلے میں کراغال لباس ہے۔ دو ریوالور..... کارتوس کچھ کھانے کا سامان..... لیکن میں دوبارہ بھی تم سے ملنے کی متمنی رہوں گی۔"

اُس کی آواز میں بڑا درد تھا۔ فریدی کھڑا ہو گیا۔ مشعل کی سرخ روشنی غار نما تہہ خانے میں پھیلی ہوئی تھی اور اس ماحول میں خانم ہزاروں سال پہلے کی کوئی عورت معلوم ہو رہی تھی۔ دلکش اور پراسرار..... فریدی کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ صدیوں پہلے کی فضا میں سانس لے رہا ہو۔

"تم پھر آؤ گے کبھی۔" خانم کی غم ناک مگر مترنم آواز پھر اس کے کانوں سے ٹکرائی اور وہ چونک پڑا۔ پھر آہستہ سے بولا۔

"میں ضرور آؤں گا..... اب مجھ پر کراغال کی حفاظت بھی فرض ہو گئی ہے۔ میں اسے ان لوگوں کا پاکٹ نہیں بننے دوں گا۔"

"چلو..... میں تمہارے لئے بہت مضطرب رہوں گی۔ کیا تم اپنے چہرے میں تبدیلی نہیں کر سکتے۔"

"کر سکتا ہوں مگر یہاں سامان کہاں ملے گا۔" فریدی نے جواب دیا۔

"سامان موجود ہے..... خان کو بھیس بدلنے میں کمال حاصل تھا۔ اسی لئے وہ قرب و جوار

میں ہونے والی سازشوں سے باخبر رہتے تھے۔"

فریدی کو یاد آ گیا کہ زمانہ حصول علم میں اس نے جس اطالوی ایکٹر سے میک اپ کی ٹریننگ لی تھی اس سے خان عیسٰی کے تعلقات بھی تھے۔ ہوسکتا ہے اس نے بھی یہ فن اُسی سے سیکھا ہو۔ وہ دونوں قید خانے سے باہر آ گئے۔ خانم نے دروازہ بند کر کے قفل میں کنجی گھمائی اور چلنے کے لئے مڑی۔ فریدی ہاتھ میں مشعل اٹھائے ہوئے تھا۔

"تم آج محل کے اس راز میں شریک ہونے جا رہے ہو۔" خانم نے کہا۔ "جس سے کوئی چوتھا آدمی واقف نہیں تھا۔ میں تمہیں پوشیدہ سرنگوں سے باہر لے جاؤں گی۔ تم وہ تہہ خانہ دیکھو گے جسے خان اپنی خاص قسم کی مہمات کے لئے استعمال کرتے تھے۔ ان جگہوں سے میرے خان اور یوسف کے علاوہ کوئی واقف نہیں۔"

"میں شکر گذار ہوں خانم.....!"

"تمہاری شکر گذاری کا اظہار دراصل تمہاری واپسی ہوگی۔ نہ جانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے تم میرے خاندان ہی کے ایک فرد ہو۔ خان مرحوم تمہارا تذکرہ بڑے پیار سے کرتے تھے۔"

"میں آؤں گا خانم..... ضرورت پڑی تو خان عیسٰی ہی کی شکل میں آؤں گا اور اس کی ضرورت پڑے گی ایک دن۔ میں جانتا ہوں میں نے خان کی خواب گاہ میں ایک ٹرانسمیٹر دیکھا تھا جرمن ساخت کا۔ اگر آپ اس کے استعمال سے واقف ہوں تو میں آپ سے برابر رابطہ قائم کر سکتا ہوں۔"

"میں واقف ہوں استعمال سے۔" خانم کی آواز میں مسرت انگیز کپکپاہٹ تھی۔ "اوہ..... مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ انتہائی مسرت۔ میں خود کو دشمنوں میں تنہا نہیں محسوس کروں گی۔"

"اسے اپنی خواب گاہ میں رکھوا لیجئے۔"

"میں ضرور رکھوں گی۔"

وہ ایک طویل سرنگ تھی جس میں وہ اس وقت چل رہے تھے۔ اچانک خانم ایک جگہ رک گئی۔ وہ ایک مقفل دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے جیب سے کنجی نکال کر قفل کھولا اور دروازے کو دھکا دے کر کھولتی ہوئی اندر گھسی۔ فریدی نے مشعل کی روشنی میں دیکھا کہ وہ ایک بہت بڑا اسلحہ خانہ ہے۔ چاروں دیواروں پر مختلف قسم کی رائفلیں لٹکی نظر آ رہی تھیں۔ خانم نے ایک رائفل کی طرف

اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”یہی وہ رائفل ہے جس کا تذکرہ میں نے تم سے کیا تھا۔“

یہ لمبائی میں دو فٹ سے زیادہ لمبی نہیں تھی۔ فریدی نے اُسے اتار لیا۔ چند لمحے الٹ اُسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”اس ساخت کی رائفل میرے لئے نئی ہے۔“

وہاں ایک طرف میک اپ کا سامان موجود تھا۔ فریدی نے سب سے پہلے جلدی جلد کیونکہ اُسے شیو کرنے کا بھی موقع نہیں ملا تھا۔ ڈاڑھی کافی بڑھی ہوئی تھی۔ خانم مشعل اٹھائے تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد وہ ایک خالص کراغالی نظر آ رہا تھا۔ خانم کا لایا ہوا لبا پہن چکا تھا۔

”بالکل کراغالی..... سوفیصدی۔“ خانم نے تحسین آمیز انداز میں کہا۔

”کیا میں یہاں سے رائفل بھی لے سکتا ہوں۔“ فریدی نے پوچھا۔

”بڑی خوشی سے۔“ خانم نے جواب دیا۔ ”تم خان کے دوست ہو۔ اس لئے ان کی چ تمہارا حق ہے۔ اگر تم ان کی زندگی میں آئے ہوتے تو.....“ خانم کی آواز گلوگیر ہوگئی۔

وہ پھر اس کمرے سے نکلے اور خانم دروازہ مقفل کرنے کے بعد ایک طرف چل پڑی۔

”ہمیں تقریباً ڈیڑھ میل چلنا پڑے گا۔“ وہ آہستہ سے بولی۔

”آپ تھک جائیں گی۔“

”کراغال کی کسی عورت سے کبھی یہ نہ کہنا۔“ خانم مسکرائی۔

”میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔“ فریدی بھی جواباً مسکرایا۔

کچھ دیر خاموشی سے چلتے رہے پھر خانم نے کہا۔ ”تمہارے بچے پریشان ہونگے اور بیوی بھی

”بیوی تو پہلے بھی کبھی نہیں تھی البتہ بچے لاتعداد ہیں۔ ایک بوڑھا بچہ میں یہیں چھوڑے ہوں۔ خان یوسف..... کل وہ بیچارہ مجھے سیہ خانے میں نہ پا کر بہت مغموم ہوگا۔ میں نے اس تھا کہ میں اس کھڈ میں چھلانگ لگاؤں گا۔“

پھر خانم کے استفسار پر اُس نے پورا واقعہ دہرایا۔

”یہ بہت اچھا ہے۔“ خانم بولی۔ ”اگر اُسے اس پر یقین آ جائے۔ اس راز میں میں نے بھی نہیں شریک کیا۔“

”ٹھیک ہے..... اچھا خانم..... آپ مجھے کس وقت مخاطب کیا کریں گی۔“

”جس وقت تم کہو۔ مگر میں تمہیں تمہارے نام سے نہیں مخاطب کرنا چاہتی۔ کوئی تیسرا بھی ہماری گفتگو سن سکتا ہے۔“

”ہوں..... خیال درست ہے..... اچھا آپ مجھے کرنل ہارڈ سٹون کے نام سے مخاطب کر سکتی ہیں۔“

دفعتاً فریدی کا دل بیٹھنے لگا۔ یہ نام حمید نے اسے دیا تھا۔ پتہ نہیں وہ کس حال میں ہو۔ خدا جانے..... زندہ ہو یا..... فریدی اس سے آگے نہ سوچ سکا۔ حمید کی موت خود اس کی موت ہوتی۔ اسے اُس سے ایسی ہی محبت تھی۔

”تم خاموش کیوں ہو گئے۔ کیا میری کسی بات سے تکلیف پہنچی ہے۔“ خانم نے کہا۔

”نہیں کچھ نہیں۔ مجھے اپنا ساتھی یاد آ گیا تھا۔ پتہ نہیں اس کا کیا حشر ہوا ہو۔ ہاں مگر آپ مجھے کراغالی ہی زبان میں مخاطب کریں گی' یہ بھی خطرناک ہے۔ اگر شبہ کا تعلق ان لوگوں سے ہوا تو یہ چیز آپ کے لئے مصیبت بھی بن سکتی ہے۔“

”میں کراغالی نہیں استعمال کروں گی۔ انگریزی بھی بول سکتی ہوں۔ خان نے مجھے بہت کچھ سکھایا ہے۔“

”یہ بہت اچھا ہے..... میں آپ کو کس نام سے مخاطب کروں گا۔“

”ہارڈ اسٹون کی مناسبت سے کچھ ہونا چاہئے۔“ خانم مسکرائی۔

”روبی کیسا رہے گا۔“

”مناسب ہے۔“

مشعل کی روشنی کم ہوتی جا رہی تھی۔ خدشہ تھا کہ وہ تھوڑی ہی دیر بعد بجھ جائے گی۔ خانم نے اسے محسوس کر لیا اور بولی۔ ”تھیلے میں ایک ٹارچ بھی موجود ہے۔ ویسے مجھے افسوس ہے کہ میں تمہارے لئے سگار نہ مہیا کر سکی۔ مگر شاید تم عادی نہیں ہو، ورنہ تمہارے چہرے پر اس کا اثر ضرور پڑا ہوتا۔ تمباکو نہ ملنے پر میں نے بہتیرے بے نور چہرے دیکھے ہیں۔“

”میں سوفیصدی عادی ہوں..... لیکن پابند نہیں۔ میں مہینوں تمباکو کے بغیر بھی رہ سکتا ہوں۔“

”پھر اس عادت کو ترک ہی کیوں نہیں کر دیتے۔“

”چاہوں تو ترک بھی کر سکتا ہوں۔“

"اچھا کرنل..... سرنگ کے دہانے پر تمہیں ایک گھوڑا ملے گا۔ وہ تمہیں شکارگاہ لے جا
گا۔ تم خود کو اُسی کی مرضی پر چھوڑ دینا۔ ان گھوڑوں میں سے ہے جنہیں خود خان ہی نے سدھایا
یہ گھوڑا شکارگاہ کے لئے مخصوص ہے۔ لہٰذا تم اس پر اعتماد کر سکتے ہو۔ وہ شکارگار سے خود ہی وا
آجائے گا۔ ویسے اگر تم اسے آگے بھی لے جانا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

فریدی کی خواہش تھی کہ اب خانم خاموش ہی رہے تو بہتر ہے کیونکہ وہ اب اپنا لائحہ عمل مرتب
کر رہا تھا۔ سرنگ طے کرنے میں آدھا گھنٹہ صرف ہوا لیکن فریدی یہ نہیں دیکھ سکا کہ دہانے پر کھ
ہوئی چٹان کس طرح ہٹی تھی۔ چٹان کے ہٹتے ہی ٹھنڈی ہوا کا جھونکا در آیا۔

"کیا یہ چٹان میکنزم پر تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں..... یہ میکنزم ہی ہے۔"

وہ دونوں سرنگ سے نکل آئے۔ یہ ایک ایسی جگہ تھی جس کے گرد اونچی چٹانیں تھیں۔ ا
زمین مسطح تھی۔ وہیں قریب ہی ایک گھوڑا سفر کے لئے تیار موجود تھا۔

مشعل ابھی بجھی نہیں تھی وہ دونوں خاموش کھڑے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے
خانم نے کہا۔ "تمہیں یہاں جتنی بھی تکلیف پہنچی ہو ان کے لئے معافی چاہتی ہوں۔"

"مجھے شرمندگی ہے خانم....." فریدی بولا۔ "میری وجہ سے آپ نہ جانے کتنی الجھنو
شکار رہی ہیں۔"

"الوداع.....!" خانم ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "صبح ہونے سے پہلے ہی تمہیں شکارگاہ تک پہنچ
چاہئے۔ جہاں سے بھی گھوڑے کو چھوڑنا ہو اس کا ساز اتار کر پھینک دینا۔ اگر یہ زین سمیت وا
آیا تو ہو سکتا ہے کہ لوگ شبہات میں مبتلا ہو جائیں۔"

"بہتر ہے..... میں زین اتار کر دریا میں ڈال دوں گا۔"

خانم کچھ کہے بغیر مشعل سنبھالے ہوئے سرنگ کے دہانے میں چلی گئی۔ فریدی نے چٹان کھ
کی آواز سنی اس کے بعد پھر وہی پہلے کا سا سناٹا طاری ہو گیا۔

فریدی چند لمحے وہیں کھڑا رہا۔ پھر گھوڑے پر سوار ہو کر راس ڈھیلی چھوڑ دی۔

تھوڑی دیر بعد گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ آسمان میں ابر ہونے کی وجہ سے چاندنی
دھندلی تھی لیکن گھوڑا اپنے دیکھے بھالے راستے پر بے تکان دوڑ رہا تھا۔

ٹھیک ساڑھے چار بجے وہ شکارگاہ میں پہنچ گیا۔ یہ گھوڑا فریدی کے لئے کم حیرت انگیز نہیں تھا۔ وہ یکساں رفتار سے یہاں تک آیا تھا۔ فریدی اسے دریا کی طرف لیتا چلا آیا۔ پھر اس نے اس کی زین اتاری اور دریا میں ڈال دی۔ یہ فعل غیر دانشمندانہ ضرور تھا لیکن اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔ راستہ نہ ملنے کی صورت میں دوبارہ محل کی طرف واپسی ناممکن تھی۔ اس لئے اس نے یہی مناسب سمجھا کہ گھوڑے کو واپس ہی کر دیا جائے۔ حالانکہ وہ ایک کراغالی کے بھیس میں تھا لیکن زبان پر قدرت نہ ہونے کی بناء پر وہ یہاں خود کو محفوظ نہیں سمجھتا تھا۔ وہ دریا کے کنارے چلنے لگا۔ بادل چھٹ گئے تھے اور چاندنی بکھر گئی تھی۔

فریدی چلتا رہا..... اُسے کراغالیوں سے زیادہ اُن لوگوں کی فکر تھی جن کی بدولت یہاں تک پہنچا تھا۔ خانم کے بیان کے مطابق وہ کراغال کے پہاڑوں میں آزادانہ رہتے تھے۔ ایک آدھ بار خانم کے سپاہیوں سے ان کی جھڑپیں بھی ہو چکی تھیں۔ لہٰذا ایک کراغالی کی حیثیت سے بھی وہ خطرے میں تھا۔

وہ خیالات میں ڈوبا ہوا چل رہا تھا۔ اس لئے اندازہ نہیں کر سکا کہ منزل مقصود پر پہنچنے میں کتنی دیر لگی تھی۔

بہرحال اب وہ اس مقام پر تھا جہاں سے دریا ایک تنگ سے درے سے نکل کر وادی کراغال میں داخل ہوا تھا۔ فریدی نے درے میں ٹارچ کی روشنی ڈالی لیکن کہیں بھی قدم جمانے کی جگہ نظر نہ آئی۔ اب اُس نے گہرائی کا اندازہ کرنے کے لئے رائفل کو پانی میں ڈالا اور دوسرے لمحے میں اپنی توقعات پر مسرور ہونے کا موقع مل گیا۔ اُس جگہ بمشکل تمام گھٹنوں تک پانی رہا ہوگا۔ لیکن بہاؤ بہت تیز تھا۔ پھر بھی فریدی نے قدم رکھ ہی دیا۔ درہ اتنا تنگ تھا کہ دو آدمی بمشکل تمام برابر سے گذر سکتے تھے۔ فریدی نے داہنے ہاتھ سے رائفل اور بائیں ہاتھ سے ٹارچ پکڑ رکھی تھی اور بایاں شانہ چٹان سے لگائے وہ آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا۔

فریدی ہی جیسے جفاکش اور مشاق آدمی کا کام تھا اس کی جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو اب تک اس کے قدم اکھڑ گئے ہوتے۔ غنیمت یہی تھا کہ گہرائی ابھی تک یکساں ہی ملی تھی ورنہ دشواری بڑھ جاتی۔ مگر اب درہ تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ اس کی چوڑائی اتنی ہی رہ گئی تھی کہ ایک ہی آدمی گذر سکتا تھا۔ گہرائی بدستور وہی تھی۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ گہرائی شائد یہاں سے اُس غار تک یکساں ہی ہے ورنہ بیہوش

ہوکر گرنے کے بعد وادی کراغال تک پہنچتے پہنچتے اس کے پرخچے اڑ گئے ہوتے۔

مگر اچانک آگے راہ مسدود ہوگئی۔ وہ درہ ایک ٹھوس چٹان سے مل کر ختم ہوگیا تھا۔ لیکن تیز رفتار پانی اب بھی فریدی کے پیروں میں بہہ رہا تھا۔ اس نے ٹارچ کی روشنی نیچے ڈالی۔ پانی ایک بڑے سوراخ سے نکل رہا تھا لیکن اس سوراخ میں گھسنا کم از کم کسی ذی ہوش کے بس کی بات نہیں تھی۔ اگر بہاؤ دوسری طرف ہوتا تو شاید ایسا کیا بھی جاسکتا تھا۔ یوں سوراخ کافی کشادہ تھا لیکن چونکہ پانی کی سطح اس سے نیچی نہیں تھی اس لئے اس میں داخل ہونے کی کوشش کرنا پاگل پن ہی ہوتا۔

فریدی چٹان سے ٹک کر کھڑا ہوگیا وہ سوچ رہا تھا کہ کیا اتنی محنت رائیگاں ہی جائے گی۔ کچھ دیر بعد اس نے ٹارچ کی روشنی اوپر ڈالی۔ تقریباً آٹھ یا دس فٹ کی بلندی پر اُسے ایک سوراخ اور نظر آیا۔ اس کا قطر کم از کم چار فٹ ضرور رہا ہوگا مگر وہاں تک پہنچنا بھی آسان کام نہیں تھا۔ ٹارچ کی روشنی دور تک رینگتی چلی گئی۔ پھر اُسے یاد آیا کہ جہاں سے وہ درے میں داخل ہوا تھا اگر وہیں سے اوپر چڑھے تو ممکن ہے کہ اس غار تک رسائی ہوجائے کیونکہ وہاں کی چٹانیں اس قابل تھیں۔

وہ پھر واپس ہوا اور جب درے سے باہر نکلا تو چاندنی مدہم ہوچکی تھی۔ ستارے بھی ایک ایک کر کے ڈوبتے جارہے تھے اور فضا میں پانی بہنے کے شور کے علاوہ اور کوئی آواز نہیں تھی۔ فریدی چٹانوں پر پیر جماتا ہوا اوپر چڑھنے لگا۔

اب وہ سوچ رہا تھا کہ کیا خانم سچ مچ ہمدردی سے پیش آئی تھی۔ کیا اسے رام گڈھ تک پہنچنے کے دوسرے راستوں کا علم نہ ہوگا لیکن اس سلسلے میں اس نے راز داری ہی برتی تھی اور اس نے اسے یہ بھی نہیں بتایا تھا کہ محل والی سرنگ کا دہانہ باہر سے کس طرح کھل سکے گا۔ اس کا رویہ فریدی کی سمجھ میں نہ آسکا۔

ویسے وہ اس وقت اس پر غور کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ چٹانوں پر قدم رکھتا ہوا اوپر چڑھتا رہا۔ زرد اور بے نور چاند مشرق کی طرف جھک گیا تھا اور آسمان میں اکا دکا ستارے جماہیاں لے رہے تھے۔

وہ غار کے دہانے تک پہنچ گیا۔ ٹھیک اُسی وقت اُسے آوازیں سنائی دیں۔ جیسے بہت سے آدمی کسی اونچی چھت والے کمرے میں چل رہے ہوں۔ قدموں کی گونجیلی آواز اس کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ پھر وہ دور ہوتی چلی گئیں۔ حتیٰ کہ پھر پہلے ہی جیسا سکوت طاری ہوگیا۔ آوازیں اُدھر

غار سے آئی تھیں۔ فریدی کو تقریباً آدھے گھنٹے تک وہیں کھڑے رہنا پڑا۔ اب ستارے بھی غائب ہوگئے تھے اور اچھی طرح اجالا پھیل گیا تھا۔ اس نے ٹارچ کی روشنی غار میں ڈالی وہ کسی ڈھلوان سڑک کی طرح ناہموار گہرائیوں میں اترتا چلا گیا تھا۔

دوسرے ہی لمحے میں فریدی اس میں اُتر گیا۔ وہ جیسے جیسے نیچے اتر رہا تھا پانی بہنے کی آواز واضح ہوتی جارہی تھی اور پھر تقریباً پندرہ منٹ بعد اس نے خود کو اُس جگہ پر پایا جہاں اس کے بائیں ہاتھ سے پانی اوپر کو گولی لگی تھی۔

نالا ویسے ہی زور و شور کے ساتھ بہہ رہا تھا۔ درمیان میں ایک ابھری ہوئی چٹان تھی جس پر وہ ایک ہی جست میں پہنچ سکتا تھا اور دوسری جست اسے دوسرے کنارے پر لے جاتی جہاں سے آگے بڑھ کر رام گڈھ کی پہاڑیوں تک پہنچنے کا راستہ بخوبی یاد تھا۔

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 58

تیسرا شعلہ

(تیسرا حصہ)

مل گئے

ٹارچ کی روشنی ادھر اُدھر اندھیرے میں رینگتی رہی۔ پھر فریدی ایک ہی چھلانگ میں نالے کے درمیان ابھری ہوئی چٹان پر پہنچ گیا۔

اور واپسی کا سفر جاری رہا۔ اس چڑھائی تک پہنچنے کے بعد جو بیرونی دراڑ تک جاتی تھی وہ رک گیا۔ لیکن یہ کہنا دشوار تھا کہ وہ اس طرح اپنی تھکن مٹا رہا ہے۔ یا رکنے کا مقصد کچھ اور تھا۔

اس نے اپنی پشت پر لگا ہوا تھیلا اتار کر نیچے رکھ دیا۔ پھر اس میں سے اپنے کپڑے نکالے۔ اس کے جسم پر ابھی تک کراغالیوں ہی کا لباس تھا۔ اس نے اسے اتار کر اپنے کپڑے پہن لئے لیکن میک اپ بدستور قائم رکھا۔

اب وہ ٹارچ روشن کئے بغیر مسطح چٹان پر چل رہا تھا کیونکہ اس سے پہلے بھی دوبار وہ اس چٹان پر چل چکا تھا۔ اس لئے کم از کم اس کے لئے اندازے کی غلطی کا امکان نہیں تھا۔

پھر وہ اس پتلی سی دراڑ میں داخل ہوا، جو حقیقتاً اس حیرت انگیز سفر کا باعث بنی تھی۔ یہیں اس نے حمید کو کھویا تھا۔ یہاں پہنچتے ہی ایک بار پھر حمید بڑی شدت سے یاد آیا۔ لیکن یہ حقیقت تھی کہ اسے دوبارہ زندہ دیکھنے کی توقع نہیں تھی۔ ان لوگوں نے اسے زندہ نہ چھوڑا ہوگا۔

دراڑ سے نکلتے ہی صبح کی خوشگوار ہوا کے لطیف جھونکوں نے اس کا استقبال کیا۔ حالانکہ سردی شدید تھی لیکن پھر بھی وہ اسے موسم بہار ہی کی ہوا کے جھونکے محسوس ہو رہے تھے۔ مشرقی افق میں سرخی پھیل گئی تھی اور دور تک بکھری ہوئی چٹانیں ملگجے اجالے میں انگڑائیاں سی لیتی معلوم ہو رہی

تھیں۔

فریدی جنوب کی طرف بڑھتا رہا۔ نیند کے بادل اس کی آنکھوں سے گزر رہے تھے۔ چلتے رک گیا۔ اس کی پشت سے لگے ہوئے تھیلے میں ایک تھرموس بھی تھا اس میں شاید کافی تھی نے تو صرف اتنا ہی کہا تھا کہ تھیلے میں کچھ کھانے پینے کی چیزیں ہیں لیکن ابھی تک اسے اس ہی نہیں آیا تھا۔ تھرموس میں یقیناً کافی ہوگی۔ وہ سوچنے لگا اگر وہ کافی ہی ہوئی تو وہ بیدل ہی بے تکان رام گڈھ تک پہنچ سکے گا۔ وہ اتنا احمق بھی نہیں تھا کہ ابھی اور اسی وقت ان پراسرار کی کمین گاہ تلاش کرنے لگتا۔ وہ ایک ایسی جگہ رکا تھا جس کے گرد چھوٹی چھوٹی چٹانیں ہوئے تھیں۔ اس نے پشت سے تھیلا اتارا۔ تھرموس دیکھ کر ہی اس کے چہرے پر تازگی لہریں تھی۔

کافی اور باسی پارچوں کے سینڈوچ کھا کر اس نے سگار سلگایا اور ایک چٹان سے ٹک کر ہلکے کش لینے لگا۔

افق میں پھیلی ہوئی سرخیوں سے سورج ابھر رہا تھا۔ پہلی کرن فریدی کو اپنی روح کی گہرا میں اترتی محسوس ہوئی ایک عجیب قسم کی لذت آمیز سی لہر اس کے جسم میں دوڑتی پھر رہی تھ سے بھیگی ہوئی ٹھنڈی چٹان پر اس نے اپنا داہنا گال رکھ دیا۔ اب خنکی تکلیف دہ نہیں رہ گئی تھ اونگھنے لگا لیکن یہ کیفیت اضمحلال کا نتیجہ نہیں تھی۔ بلکہ کئی دن بعد اسے سگار نصیب ہوا تھا صورت میں پتھر کا آدمی بھی اونگھنے لگتا۔ لیکن اس کا ذہن اب بھی اس کے قابو میں تھا۔ صرف کہ تھکن دور کرنے کے لئے اس نے اسے آزاد چھوڑ دیا تھا۔

دفعتاً اس نے کسی کے دوڑنے کی آواز سنی اور کسی اونگھتے ہوئے درندے کی طرح چوک چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے قریب ہی کہیں بڑے بڑے پتھر لڑھک رہے ہوں۔

اس نے چٹانوں کی اوٹ سے سر نکال کر آواز کی طرف دیکھا۔ نشیب میں ایک آدمی جا رہا تھا اور اس کے پیچھے بڑے بڑے پتھر لڑھک رہے تھے۔

پھر ایک اور آدمی چیختا چنگھاڑتا ہوا ایک طرف سے نمودار ہوا۔ حیرت سے فریدی کے کھل گئے۔ یہ قاسم تھا اور نشیب میں بڑے بڑے پتھر لڑھکا رہا تھا۔

نشیب میں دوڑنے والے نے بھی اب ایک چٹان کی اوٹ لے کر اوپر کی طرف پتھرا

شروع کر دیا تھا۔

"میں تمہیں مار ڈالوں گا سالے۔" قاسم حلق پھاڑ کر دھاڑا اور لفظ "سالے" کو اس وقت تک کھینچتا رہا جب تک کہ آواز حلق میں گھٹ کر نہیں رہ گئی۔

"میں تمہیں پتھر مار مار کر پھٹا ہوا تربوز بنا دوں گا۔" نیچے سے آواز آئی اور چھوٹے چھوٹے پتھر بھی برابر آتے رہے۔

یک بیک فریدی کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی اور اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس نے حمید کی آواز صاف پہچان لی تھی۔

"اس نے جلدی جلدی سارا سامان سمیٹ کر تھیلے میں ٹھونسا اور نیچے اترنے لگا۔

دفعتاً قاسم کی نظر اس پر پڑی اور وہ جہاں تھا وہیں تھم گیا۔ وہ فریدی کو پہچان نہیں سکا تھا۔ پتھر ڈھلیتے ڈھلیتے رک کر سیدھے کھڑے ہوتے ہوئے اس نے عجیب انداز میں پلکیں جھپکائیں اور فریدی نے کہا۔ "میں تمہیں گولی مار دوں گا۔"

"کیوں.....!" قاسم نے بھاڑ سا منہ پھاڑ دیا۔

"تم سرکاری پتھر برباد کر رہے ہو۔ میں ان کا محافظ ہوں۔"

"سرکار کی تو اب چٹنی بنے گی..... بہت جلد۔" قاسم اسے گھونسہ دکھا کر بولا۔

"تم باغی معلوم ہوتے ہو۔"

"ہاں میں باغی ہوں..... جاؤ اپنا راستہ ناپو ورنہ..... دیکھ لوں گا تمہیں بھی۔"

فریدی نے کاندھے سے رائفل اتاری۔ میگزین درست کی اور قاسم کے سر کا نشانہ لے کر کھڑا ہوگیا۔ وہ بھی شاید مذاق ہی کے موڈ میں تھا۔

"ارے..... ارے.....!" قاسم بوکھلا کر پیچھے ہٹا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں فائر ہوا اور قاسم کی فلٹ ہیٹ اڑ گئی۔

"ارے باپ رے۔" قاسم کی بے ساختہ قسم کی چیخ چٹانوں سے ٹکرا کر دور تک پھیلتی چلی گئی۔ وہ چاروں شانے چت گرا تھا اور اس طرح اپنا سر ٹٹول رہا تھا جیسے وہ سچ مچ اس کے جسم سے الگ ہوگیا ہو۔

"خبردار.....!" فریدی ہنسی ضبط کرتا ہوا بولا۔ "چپ چاپ پڑے رہنا ورنہ سچ مچ دوسری دنیا

کے سفر پر روانہ کر دیئے جاؤ گے۔"

قاسم بے حس و حرکت پڑا رہا۔ دفعتاً ایک پتھر کا ٹکڑا رائفل کے کندے سے ٹکرایا غالباً نشانہ کے ہاتھ کا لیا گیا تھا۔ مگر اندازے کی غلطی نے اسے کامیاب نہیں ہونے دیا تھا۔

فریدی نے نشیب میں چھلانگ لگائی اور حمید ایک پتھر کی اوٹ سے اچھل کر بھاگا۔

"ٹھہرو.....!" فریدی نے اسے للکارا۔ "ورنہ گولی مار دوں گا۔"

حمید رک گیا اور اس کی طرف مڑ کر اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

"تم لوگ سرکاری پتھر برباد کر رہے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"تم کون ہو.....؟" حمید نے پوچھا۔

"سرحد کا نگہبان۔"

"تو پیارے سرحد کے نگہبان تم نے ایک سرکاری آدمی کو خواہ مخواہ مار ڈالا۔ تمہیں اس کے جواب دہ ہونا پڑے گا۔"

"اوپر چلو.....تم دونوں کی لاشیں ایک ہی جگہ سے اٹھوانے میں زیادہ آسانی ہوگی۔"

"میں ایک پولیس آفیسر ہوں۔"

"یہ ثابت کرنے کے لئے تمہیں میدان حشر میں کافی وقت ملے گا.....اوپر چلو۔"

حمید ہاتھ اٹھائے ہوئے چپ چاپ چلنے لگا۔ قاسم تک پہنچنے میں دیر نہیں لگی۔ وہ اب بھی ا مسطح چٹان پر چت پڑا کسی خوف زدہ پرندے کی طرح پلکیں جھپکا رہا تھا۔

"قاسم.....تم زندہ ہو۔" حمید نے اُسے آواز دی۔

"غاں.....!" قاسم اس سے زیادہ اور کچھ نہ کہہ سکا۔

"تم بھی کھڑے ہو جاؤ۔" فریدی نے قاسم سے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

قاسم اٹھنے کے لئے ہاتھ پیر مارنے لگا۔ لیکن اٹھ نہ سکا۔

"تم اس کی مدد کرو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

حمید اسے اٹھانے کے لئے جھکا اور بڑی دقت سے کامیاب ہو سکا۔ اب وہ دونوں اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے کھڑے تھے۔

"تم دونوں کیوں لڑ رہے تھے۔" فریدی نے سوال کیا۔

"مم.....مذاخ.....کار رہے تھے۔" قاسم ہکلایا۔

"تم بتاؤ۔"

"بکواس مت کرو۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اگر تم نے ہمیں کوئی گزند پہنچایا تو تمہیں اس کے لئے بھگتنا پڑے گا۔"

"کچھ نہیں.....میرے صرف دو کارتوس خرچ ہوں گے اور اگر تم دونوں ایک دوسرے سے لپٹ کر کھڑے ہو جاؤ تو ایک ہی سے کام چل جائے گا۔ چلو شاباش۔"

"شش.....شاباش.....!" قاسم بوکھلائے ہوئے انداز میں بڑبڑا کر رہ گیا۔

حمید نے یک بیک قاسم کے پیچھے جا کر اس کی کمر پکڑ لی اور اسے فریدی کی طرف دھکیلنے لگا۔ اس طرح کہ خود اس کے پیچھے مکمل طور پر چھپ گیا تھا۔

"اس سے کیا فائدہ.....!" فریدی مسکرایا "میں ایک شرط پر تم دونوں کو معاف کر سکتا ہوں۔"

"جالدی بتاؤ شرط۔" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"تم دونوں آپس میں ایک دوسرے سے جھگڑا نہ کرنے کا وعدہ کرو۔"

"قیوں.....!"

"قیوں.....؟" فریدی مسکرایا۔ "وعدہ کرو.....ورنہ.....!"

اس نے پھر رائفل سیدھی کر لی اور قاسم بوکھلا کر چیخا۔ "وعدہ.....وعدہ۔"

فریدی نے رائفل نیچے جھکا دی۔ حمید جو اسے کینہ توز نظروں سے دیکھ رہا تھا اب بھی نہ پہچان

"تم لوگ کہاں جا رہے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"رام گڈھ.....!" قاسم نے جواب دیا۔

"چلو میں بھی وہیں جا رہا تھا۔"

"پیدل.....!" قاسم نے برجستہ سوال کیا۔

"ہاں پیدل.....کیوں۔ یہاں سے ہمیں صرف بیس نیل تک پیدل چلنا پڑے گا۔"

"ارے باپ رے۔" قاسم سر پکڑ کر بیٹھ گیا لیکن زیادہ دیر تک نہیں بیٹھ سکا کیونکہ توندیں تک اکڑوں بیٹھنے سے وبال جان ہو جاتی ہیں۔ قاسم کے ڈیل ڈول کی مناسبت سے ا

تو نہیں کہا جا سکتا تھا لیکن اگر کسی ہاتھی کے لئے اکڑوں بیٹھنا ممکن ہوتا تو قاسم کو ذرہ برابر بھی پرواہ نہ ہوتی۔ بہرحال وہ پھر کھڑا ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ نشیب میں اتر رہے تھے۔

"تم لوگ یہاں کیا کر رہے تھے؟" فریدی نے پوچھا۔

"سلاجیت ڈھونڈھنے نکلے تھے۔" حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "ہم لوگ سلاجیت آڑھت کرتے ہیں۔ تم نے اس دیو سے میرا پیچھا چھڑا کر مجھے ہمیشہ کے لئے ایک شیشی میں ہے۔ لہٰذا میں تمہیں ازراہِ تشکر اصلی سلاجیت استعمال کرنے کا مشورہ دوں گا اگر دوسری جگہ نہ میری دوکان کا پتہ یاد رکھنا۔ شمس پشم میڈیکل ہال ..... فائدہ نہ ہونے کی صورت میں ایمان سے لکھ دینے پر آدھی قیمت واپس۔ میں کویراج وسیدراج فلاں فلاں کا شاگرد رشید ہوں۔"

"اماں کیا بے پر کی اڑا رہے ہو۔" قاسم منہ بنا کر ہنسا۔

فریدی خاموشی سے چلتا رہا۔ وہ ان پہاڑیوں سے نکل جانے سے پہلے اپنا میک اپ بگاڑنا چاہتا تھا۔

فریدی کے رویئے کی بناء پر حمید کو یقین آ گیا تھا کہ یہ انہیں لوگوں میں سے ہے جنہوں پچھلی رات اسے اور قاسم کو بے ہوش کر کے زمین دوز دنیا سے باہر نکال دیا تھا۔ قاسم سے پہلے اسے ہوش آ گیا تھا اور حمید اب سوچ رہا تھا کہ اگر قاسم کو اس سے پہلے ہوش آیا ہوتا تو شاید خود ہوش میں آنے کا موقع کبھی نہ نصیب ہو سکتا کیونکہ قاسم آنکھیں کھولتے ہی اس پر جھپٹ پڑا تھا۔ کا خیال تھا کہ شائد حمید ہی اسے اس زمین دوز جنت سے نکال لایا ہے۔ حالانکہ وہ پہلے ہی واضح کر چکا تھا کہ وہ وہاں سے نہیں نکلنا چاہتا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اس کا چھ لاکھ کا بینک صاف ہو گیا تھا جس کی صفائی اس کے باپ کو یقینی طور پر گراں گذرتی اور وہ اس کے عوض اس گوشت پر سے کھال صاف کرنے کی کوشش کرتا۔ وہ اب بھی بلا تکلف ہنٹر لے کر قاسم پر پل پڑتا اور ایسے مواقع کے متعلق قاسم کا خیال تھا کہ اسے سوتک کی گنتی بھی نہیں یاد آتی۔

وہاں سے نکلنے پر آمادگی ظاہر نہ کرنے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ وہاں کئی تگڑی تگڑی لڑکیاں سے خاصی بے تکلف ہو گئی تھیں۔

حمید نے چلتے چلتے ایک بار پھر اپنے اجنبی ساتھی پر قہر آلود نظر ڈالی اور خون کے گھونٹ پی کر

گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب یہ آدمی ہمیشہ اس کے سر پر مسلط رہے گا۔ یہ بات قرین قیاس بھی تھی کیونکہ وہ لوگ جو اس پر ایک نئے قسم کا تجربہ کر چکے تھے نتائج سے آگاہ ہوتے رہنے کے لئے کسی نہ کسی کو اس کے پیچھے ضرور لگائیں گے۔

وہ تجربہ بڑا عجیب وغریب تھا لیکن ڈاکٹر زبیری نے اسے یقین دلا دیا تھا کہ حقیقتاً وہ سب کچھ ایک ڈھونگ ہی ہوگا کیونکہ وہ تجربہ ڈاکٹر زبیری ہی کو کرنا تھا۔ وہ تجربہ عجیب وغریب اس لئے تھا کہ ذہن پر زور دینے کے باوجود بھی حمید کو اس کی تفصیل یاد نہ آئی۔ اس کے ذہن میں اس سے متعلق اس قسم کی کوئی خلش بھی نہیں پائی جاتی تھی، جو اکثر کسی بھولے ہوئے خواب کو یاد کرتے وقت پیدا ہو جاتی ہے۔

بہرحال اس کے فرشتوں کو بھی اس تجربے کی نوعیت کا علم نہیں ہو سکا تھا۔ ویسے ڈاکٹر زبیری کے بتائے ہوئے پروگرام کے مطابق خود کو نیلے آسمان کے نیچے پا کر اس نے سوچا تھا کہ وہ اس تجربے کے بعد ہی وہاں سے نکالا گیا ہوگا۔ ڈاکٹر زبیری نے اسے تاکید کر دی تھی کہ وہ خواہ کچھ بھی کرے اسے بعض اوقات اس قسم کی حرکتیں بھی کرنی پڑیں گی جو اس کے بدلے ہوئے نظریات کی ترجمانی کر سکیں۔ اس کی اسی بات سے حمید نے اندازہ کر لیا تھا کہ وہ لوگ بہت قریب سے اس کی نگرانی کریں گے۔

حمید چپ چاپ چلتا رہا۔ وہ آئندہ کے لئے اپنا پروگرام مرتب کر رہا تھا۔ اکثر اسے اپنی بے بسی پر ہنسی بھی آنے لگتی۔ لیکن بے بسی پر ہنسی آنے سے حالات نہیں بدلا کرتے۔ اسے ہر حال میں جم کر مقابلہ کرنا تھا۔ دفعتاً اُسے فریدی یاد آ گیا۔ پتہ نہیں وہ کہاں اور کس حال میں ہوگا اگر حمید کا بس چلتا تو وہ اس کے لئے زمین وآسمان ایک کر دیتا۔ بعض اوقات اس کے ذہن میں بُرے خیالات بھی چکرانے لگتے اور وہ یہ سوچ کر لرز جاتا کہ کہیں فریدی ان کی گولیوں ہی کا شکار نہ ہو گیا ہو۔

مگر اب..... بظاہر اسے فریدی کا دشمن بننا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ملاقات ہونے پر وہ اسے اس سے آگاہ کرے یا نہ کرے۔

"ہا..... ہہ ہہ۔" دفعتاً قاسم نے چلتے چلتے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ وہ چل نہیں بلکہ لڑھک رہا تھا۔ کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا جیسے اب گر ہی پڑے گا۔ ایسے موقع پر اس کے حلق سے بیک وقت کئی طرح کی آوازیں نکلتیں۔

تھوڑی دیر بعد خاموشی حمید کو کھلنے لگی۔ بہت دنوں بعد اسے کھلی فضا ملی تھی اور پھر قاسم سا تھا۔ ایسی صورت میں واپسی کے سفر کا سوگوار انداز گراں گزرنے لگا۔

''وہ..... ٹلنی بالا..... مجھے بے حد یاد کرتی ہوگی۔'' اس نے قاسم سے کہا۔

''تمہاری ایسی کی تیسی۔'' قاسم جھلائے ہوئے انداز میں رک گیا اور پھر دہاڑا۔ ''میں تمہیں بھوسہ بنادوں گا۔''

''ہائیں..... ہائیں..... پھر شروع کر دیا تم لوگوں نے۔'' فریدی دونوں کو گھورنے لگا۔

''یہ کیوں اپنی ٹلنی خالہ کا نام لے رہا ہے۔'' قاسم پھر دہاڑا۔

''خالہ تو وہ تمہاری ہے بھانجے۔ پچھلی رات وہ میرے کمرے میں رہی تھی۔'' حمید نے آہ سے کہا۔

''تمہارے باپ کے بھی کمرے میں نہیں رہ سکتی۔'' قاسم نے حمید پر دو ہتھڑ چلایا اور حمید اچھا کر پیچھے ہٹ گیا۔ نتیجہ قاسم کو اوندھے منہ زمین پر چلا آنا پڑا

اور پھر وہ فریدی کی طرف دیکھ کر بلبلایا۔ ''مارو..... گولی..... سالے کو..... اسی نے چھیڑا تھا۔''

''میں سچ مچ گولی ماردوں گا۔'' فریدی نے حمید سے کہا۔

''میں تم سے کمزور نہیں ہوں دوست۔'' حمید نے اکڑ کر جواب دیا۔ ''مجھے کسی چٹان کی اوٹ لینے دو۔ پھر تمہاری گولیاں اور میرے پتھر۔''

''نہیں..... تم اسے پکڑ کر میرے حوالے کردو۔'' قاسم نے فریدی سے ملتجیانہ انداز میں کہا۔ ''میں اس کی طرح اچھل کود نہیں کرسکتا ورنہ خود ہی پکڑ لیتا۔''

فریدی کو ہنسی آ گئی اور قاسم جھلاہٹ میں اسے منہ چڑھانے لگا۔

''یہ ٹلنی بالا کون ہے۔'' اس نے پوچھا۔

''میری محبوبہ.....!'' حمید جلدی سے بول پڑا۔

''تیرے باپ کی محبوبہ ہے۔'' قاسم حلق پھاڑ کر چیخا اور اسے کھانسی آنے لگی۔ ٹلنی بالا ایک موٹی عورت تھی جس کیلئے ایک بار زمین دوز دنیا میں بھی ان دونوں نے خاصی ہڑبونگ مچائی تھی۔

''میرے باپ کی نہیں..... میری محبوبہ ہے۔'' حمید نے پھر کہا۔

اور قاسم دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پیٹنے لگا۔ بال نوچنے لگا۔ فریدی ایک بڑے پتھر پر بیٹھ

گیا۔ قاسم اور حمید ایک دوسرے سے الجھتے رہے۔ قاسم شاید بہت تھک گیا تھا۔

اس لئے اس کی صرف زبان ہی چل رہی تھی۔ یک بیک وہ خاموش ہو کر اپنا منہ چلانے لگا۔

کیونکہ اس نے فریدی کو سینڈوچ کھاتے دیکھ لیا تھا۔

حمید کو اس کی اس حرکت پر ہنسی آ گئی اور وہ جھینپے ہوئے انداز میں اسے پھر بُرا بھلا کہنے لگا..... اور فریدی مسکرا کر بولا۔

''تمہارے لئے کم از کم دس سیر سینڈوچوں کی ضرورت پیش آئے گی۔ اتنے میرے پاس نہیں ہیں۔''

''نہیں تم خاؤ۔'' قاسم ایک طرف منہ پھر کر تھوک کر پچکاری مارتا ہوا بولا۔

''اور تم.....!'' فریدی نے حمید کی طرف دیکھا۔

''میں ہفتے میں ایک بار کھا لیتا ہوں۔''

''نہیں..... تم دو سینڈوچ لو گے ورنہ میں تمہیں گولی ماردوں گا۔''

''تم اسے صرف ایک سینڈوچ دے کر چار بار گولی مار سکتے ہو۔'' حمید نے قاسم کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''اسے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔''

قاسم نے اس بار جھلا کر ایک بہت بڑا پتھر حمید پر کھینچ مارا اور وہ بال بال بچا۔

فریدی بڑی مشکل سے اس ہڑبونگ پر قابو پا سکا۔ اس کے لئے اسے سارے سینڈوچ بچی کھچی کافی قاسم کے حوالے کرنی پڑی۔ بہر حال اس سے اتنا ہوا کہ قاسم کا چڑچڑا پن کسی حد تک دور ہو گیا اور وہ پھر چل پڑے۔ رام گڈھ والی سڑک پر پہنچ کر وہ پھر ستانے کے لئے رکے۔ دراصل قاسم پیدل چلنے کے معاملے میں صفر تھا۔ صفر نہیں بلکہ پہاڑ کہنا چاہئے۔

کچھ دیر ستانے کے بعد وہ پھر چلے اور شائد اب تقدیر اُن پر مہربان ہو گئی تھی کیونکہ تھوڑی ہی دور چلنے پر انہیں ایک ایسا ٹرک دکھائی دیا جس میں کوئی نقص پیدا ہو گیا تھا اور ڈرائیور انجن پر جھکا ہوا اُسے ٹھیک کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

فریدی اس سے پوچھ گچھ کرنے کے لئے رکا..... اور ڈرائیور کی ایماء پر وہ بھی اس کا ہاتھ بٹانے پر تیار ہو گیا۔ انجن کے درست ہونے میں دس منٹ سے زیادہ نہیں صرف ہوئے۔ ٹرک ڈرائیور رام گڈھ ہی جا رہا تھا۔ ڈرائیور نے بڑی خندہ پیشانی سے انہیں رام گڈھ تک کے سفر کی

اجازت دے دی۔

فریدی حمید کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے بے چین تھا لیکن نہ جانے کیوں اس نے خود کو ظاہر نہیں کیا اور اب وہ اس طرح خاموش تھا جیسے اُن دونوں سے واقف ہی نہ ہو۔ البتہ یہ اسے رہ رہ کر گھورنے لگتا تھا۔ مگر اسی خیال کے تحت کہ وہ انہیں مجرموں میں سے ہوسکتا ہے جنہوں نے اُسے زمین دوز دنیا کی سیر کرائی تھی۔

دفعتاً فریدی نے حمید سے کہا۔ ''میں تم لوگوں کی طرف سے مطمئن ہوں، لیکن ضابطے کی خانہ پری تو کرنی ہی پڑے گی۔''

''یعنی.....!''

''میں تمہیں اپنے ساتھ کوتوالی لے جاؤں گا اور تمہیں وہاں اپنا بیان درج کرانا پڑے گا کہ تم وہاں کیا کر رہے تھے۔ مگر اس موٹے کو وہاں نہ لے جانا ورنہ وہ کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے گا جو پولیس کی نظر میں یقیناً مشتبہ ہوگی۔ کیا یہ پاگل ہے؟''

حمید کچھ نہ بولا۔ اس کی جرأت پر صرف عش عش کرتا رہا۔ ویسے اس نے اس کے مشورے سے اختلاف نہیں کیا۔ شہر پہنچ کر اس نے قاسم کو اس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہ روحی کے گھر چلا جائے جہاں نوشابہ اس کے عشق میں ہتھنی ہوگئی ہوگی۔ قاسم کے لئے اس سے بہتر اور کیا مشورہ ہوتا وہ بے چوں و چرا راضی ہوگیا۔

فریدی حمید کو ایک ریستوران میں لایا۔

''کیا یہ کوتوالی ہے۔'' حمید نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''نہیں فرزند.....!'' فریدی نے اپنے اصل لہجے میں کہا اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا سر گردن سے علیحدہ ہوکر فضا میں ناچنے لگا ہو۔

''آپ.....!'' اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا اور اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''ہاں.....میں۔''

''یقین نہیں آتا۔''

''یہی حال میرا بھی ہے۔''

پھر ذرا ہی سی دیر میں حمید نے کسی حیرت زدہ بچے کی طرح زمین دوز دنیا کی ''الف لیلیٰ'' چھیڑ

دی لیکن اسے یہ دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی کہ فریدی کے چہرے پر استعجاب کے آثار نہیں ہیں۔ پوری کہانی سن لینے کے بعد اس نے اتنا ہی کہا کہ اسے ان واقعات میں اُسی تنظیم کی جھلک پہلے بھی نظر آئی تھی۔ اپنے متعلق حمید کو اس سے زیادہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کسی نہ کسی صورت سے بچ نکلا تھا۔ وادی کرانال کے تجربات کا تذکرہ نہیں کیا۔

''مگر جناب.....!'' حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ''مجھے توقع نہیں ہے کہ اس بار ہمیں کامیابی ہو۔''

''مایوسی میرے مذہب میں حرام ہے۔''

''خیر چھوڑیئے.....اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔''

''تمہیں.....!'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''انہیں مایوس نہ کرنا چاہئے۔ وقتاً فوقتاً ان کی توقعات پوری کرتے رہنا۔''

''یعنی.....!''

''فریدی پر ناکام حملے۔''

''گویا آپ ان کے مقابلے میں شکست کا اعلان کر رہے ہیں۔ میں تو یہ سمجھتا تھا کہ آپ اس تجویز پر مجھے گولی مار دیں گے۔''

''نہیں.....تم اسی طرح میرے کام آؤ گے جس طرح وہ لوگ چاہتے ہیں.....اچھا دیکھو اب یہاں فی الحال تین آدمی ہماری لسٹ پر ہیں۔ سردار شکوہ.....ڈاکٹر سلمان اور دلکشا کا منیجر۔ سردار شکوہ اور منیجر تو مجھے معمولی قسم کے ایجنٹ معلوم ہوتے ہیں لیکن ڈاکٹر سلمان۔''

''اب تو مجھے روحی پر بھی شبہ ہو رہا ہے۔'' حمید بڑبڑایا۔

فریدی نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ ریستوران کے باہر دیکھ رہا تھا جہاں فٹ پاتھ پر ایک ادھیڑ عمر کا آدمی کھڑا اپنی انگلیوں کی پوروں پر کسی چیز کا شمار کر رہا تھا۔

مرمت

فریدی اُسے دیکھتا رہا۔ دفعتاً حمید کی نظر بھی اُس طرف اٹھ گئی اور وہ ادھیڑ عمر آدمی نہ
کیوں اسے جانا پہچانا سا معلوم ہونے لگا۔ اس کے ذہن میں کچھ اسی قسم کی خلش پیدا ہوگئی جیسے
بھولا ہوا خواب یاد آتے آتے رہ جائے.....اس کی آنکھیں.....وہ جانی پہچانی سی تھیں۔

''میں اب ریالٹو میں قیام کروں گا۔'' فریدی حمید کی طرف مڑا اور اُسے بھی اسی فٹ
والے آدمی کی طرف دیکھتا پا کر مسکرایا۔

''کیوں.....تم اسے گھور رہے ہو جب کہ اس کی توجہ ہماری طرف نہیں ہے۔''

''اوہ.....!'' حمید چونک پڑا پھر آہستہ سے بولا۔ ''اسکی آنکھیں کچھ جانی پہچانی سی ہیں۔''

''ہیں نا.....مگر مجھے حیرت ہے کہ تم صرف آنکھوں ہی تک محدود رہے اس کے ہاتھوں
کرو.....داہنے ہاتھ کا انگوٹھا۔''

''اوہو.....کیا انور.....یہ یہاں کیا کر رہا ہے۔'' حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔ ''کیا آ
نے اسے بھی بلا لیا ہے۔''

''نہیں.....مجھے اس کی موجودگی کا علم نہیں تھا۔ خیر اچھا تو اب میں تمہیں یہی مشورہ دوا
کہ تم روحی کے پاس جاؤ اور وہیں قیام کرو۔''

''تو کیا آپ بھی اُس پر شبہ کر رہے ہیں۔''

''نہیں ابھی اس کی ضرورت پیش نہیں آئی۔''

''لیکن اسے ذہن میں ضرور رکھئے گا کہ موجودہ طاقت کوئی عورت ہے۔''

''عورت بجائے خود ایک بہت بڑی طاقت ہے۔ اتنی بڑی کہ مرد پیدا کرتی ہے۔'' فرید
مسکرایا۔

''اچھی بات ہے.....میں جا رہا ہوں۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

''جاؤ.....میں تمہیں فون کروں گا اور اپنا فون نمبر بھی بتاؤں گا۔''

حمید جیسے ہی باہر نکلا ادھیڑ عمر آدمی اس کے پیچھے لگ گیا۔ فریدی نے بیرے کو طلب کر کے

چکائے اور وہ بھی ریستوران سے اٹھ کر اسی سمت چل پڑا جدھر وہ دونوں گئے تھے۔ حمید ٹیکسیوں کے
اڈے پر پہنچ کر شاید روحی کی کوٹھی تک پہنچنے کا انتظام کرنے لگا تھا۔ فریدی نے تعاقب کرنے والے کو
بھی ایک ٹیکسی میں بیٹھتے دیکھا اور اس نے رفتار تیز کر دی۔ ٹیکسی اسٹارٹ ہو چکی تھی۔ لیکن اس کے
حرکت میں آنے سے پہلے ہی فریدی ادھیڑ آدمی کے برابر پچھلی نشست پر تھا۔

ڈرائیور نے مڑ کر دیکھا۔

''کھل بالا.....!'' فریدی نے برجستہ کہا اور ادھیڑ آدمی اسے گھورنے لگا۔ حمید کی ٹیکسی سڑک
پر نکل کر آگے بڑھ گئی تھی۔

''کیا مطلب.....!'' ادھیڑ آدمی جھلا گیا۔

''نہیں برخوردار.....!'' فریدی مسکرایا۔ ''حمید کا تعاقب کرنے سے کیا فائدہ۔ خدا کی زمین
بہت وسیع ہے.....اور ستاروں کے آگے جہاں اور بھی ہیں۔''

''اوہ.....تو یہ آپ ہیں۔'' انور کے لہجے میں حیرت تھی۔

''میں نہ ہوتا تو تمہیں پہچانتا کون۔'' فریدی نے کہا اور ڈرائیور کو پھر کھل بالا چلنے کی ہدایت کی۔

اس بار انور نے بھی اس کا ساتھ دیا اور کار سڑک پر فراٹے بھرنے لگی۔

''مگر.....تم.....!'' فریدی نے انور سے کہا۔ ''یہاں کیوں نظر آ رہے ہو۔''

''اپنے ایک موکل کے لئے۔'' انور نے جواب دیا۔

''لیکن حمید کا اُس سے کیا تعلق.....!''

''میرے موکل کا یہی خیال ہے کہ اُسکے معاملات کا تعلق حمید ہی کی ذات سے ہو سکتا ہے۔''

''قاسم کا معاملہ تو نہیں۔''

''آپ ٹھیک سمجھے۔ میں اس کی بیوی کے لئے کام کر رہا ہوں۔ وہ معلوم کرنا چاہتی ہے کہ یک
بیک قاسم کا بنک بیلنس کیسے صاف ہو گیا۔ چھ لاکھ کی رقم معمولی نہیں ہوتی۔''

''اس سلسلے میں تم نے کیا معلوم کیا۔''

''یہی کہ وہ دونوں فلم اسٹار روحی کے یہاں مقیم تھے۔'' انور نے جواب دیا۔

''اور قاسم نے ساری رقم روحی پر خرچ کر دی۔'' فریدی مسکرایا۔

''میں اتنی جلدی نتائج اخذ کرنے کا عادی نہیں ہوں اور پھر مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ کچھ

نامعلوم آدمی قاسم کو زبردستی پکڑ لے گئے تھے۔"

"میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ اس چکر میں نہ پڑو۔" فریدی نے کچھ دیر بعد کہا۔ "اگر تم نے معلوم بھی کر لیا کہ اس نے چھ لاکھ کہاں گنوائے ہیں تو اس پر کسی کو یقین نہیں آئے گا۔"

"کیوں.....؟"

"طاقت کی تنظیم پھر جاگ پڑی ہے۔"

"نہیں.....!" انور متحیر نظر آنے لگا۔

"ہاں.....اور اس بار کی رپورٹیں پہلے سے کہیں زیادہ تشویش ناک ہیں۔"

"ٹھہریئے.....مگر قاسم کے چھ لاکھ سے اس کا کیا تعلق۔"

"ہر تنظیم کی ریڑھ کی ہڈی روپیہ ہوتا ہے.....لہٰذا یہ تنظیم بھی اس کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتی۔ مگر چونکہ یہ ایک خفیہ تنظیم ہے اس لئے کھل کر سامنے نہیں آ سکتی۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں اس کے مالی وسائل غیر قانونی ہی ہوں گے۔ وہ لوگ قاسم کو پکڑ لے گئے.....اسے کچھ دنوں تک اپنے ساتھ رکھا۔ اس کے معیار کی عورتیں پیش کیں اور سادہ چیکوں پر دستخط لیتے رہے اور پھر.....اُسے دھکا دے دیا۔"

"میں نہیں سمجھا.....!"

"اب وہ تمہیں پھر روحی کی کوٹھی میں ملے گا۔"

"اوہ.....!"

"اسی لئے میرا مشورہ ہے کہ تم اس چکر میں نہ پڑو۔ اس کی بیوی اس داستان پر ہرگز یقین نہیں کرے گی۔ تم اسے کسی طرح یہ بات نہ سمجھا سکو گے کہ بنک بیلنس کی اس صفائی میں روحی کا ہاتھ نہیں ہے۔"

انور کسی سوچ میں پڑ گیا.....کار کھل بالا والی سڑک پر رینگ رہی تھی۔ کھل بالا کافی بلندی پر واقع تھا۔

"کیا قاسم ان لوگوں کی نشان دہی نہیں کر سکتا۔"

"حشر تک نہیں.....شاید حمید بھی نہ کر سکے، جو اُن لوگوں میں کچھ دن گذار آیا ہے۔"

"وہ کس طرح۔"

فریدی نے اسے اتنا ہی بتایا تھا جتنا ضروری سمجھا۔ اپنے کراغال جا پہنچنے کا تذکرہ اس سے بھی نہیں کیا۔ پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔ "اب تم میرے لئے بھی تھوڑا سا کام کرو۔"

"فرمایئے۔"

"کل صبح یہاں سے جہاز جائے گا.....تم واپس جاؤ.....اور میرا کچھ سامان لے کر جہاز ہی سے واپس آ جاؤ۔"

"لیکن قاسم کی بیوی سے کیا کہوں گا۔"

"میں نہیں چاہتا کہ یہ بات اپنی اصلیت سمیت پھیلے۔ تم اسے یہی سمجھنے دو کہ روحی نے قاسم کو ٹھگ لیا۔ مگر ٹھہرو.....کیا اُسے علم ہو گیا ہے کہ وہ روحی کے یہاں مقیم تھا۔"

"نہیں میں نے ابھی تک اسے رپورٹ نہیں دی۔ ویسے اُسے اس کا علم ہے کہ وہ حمید کے ساتھ یہاں آیا تھا۔"

"تم اس سے کہہ سکتے ہو کہ وہ دونوں رام گڈھ میں نہیں ملے۔"

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بڑبڑایا۔ "مگر کہیں ماتھر نے اس کے باپ کو اس کی گمشدگی کی اطلاع نہ دے دی ہو۔"

"آپ ماتھر سے کب سے نہیں ملے۔"

"کئی دن گزرے.....خیر ہٹاؤ۔ تم اس سے کہہ سکتے ہو کہ تمہیں کامیابی نہیں ہوئی۔"

کھل بالا پہنچ کر ڈرائیور نے پوچھا۔ "کہاں لے چلوں۔"

"شکوہ محل.....!" فریدی نے جواب دیا۔ "ہم واپس بھی جائیں گے۔"

انور نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "اس ڈاڑھی میں آپ مہذب لباس میں ہونے کے باوجود بھی کسی غیر مہذب قبیلے کے فرد معلوم ہوتے ہیں۔"

"میں تمہاری ذہانت کا پہلے ہی قائل ہوں۔" فریدی مسکرایا۔ "ہاں یہ میک اپ ایک قبائلی ہی کا ہے۔"

شکوہ محل ایک چھوٹی سی خوبصورت عمارت تھی۔ ایسی چھوٹی بھی نہیں تھی لیکن لفظ 'محل' کے ساتھ ایک اچھا خاصہ 'منحرا پن' ضرور تھی.....کار پھاٹک پر رک گئی۔

"تم میرا انتظار کرو گے۔" فریدی نے انور سے کہا۔ "بلکہ بہتر تو یہ ہوگا کہ گاڑی یہاں سے

کچھ دور کھڑی کراؤ۔"

وہ نیچے اتر کر پھاٹک میں داخل ہوگیا۔ فی الحال وہ صرف اس بات کا اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ سردار شکوہ کس قسم کا آدمی ہے۔ اس کے لئے اس نے سوچا تھا کہ وہ خود کو روحی کا نیا باڈی گارڈ ظاہر کر کے اُس تک اس کا کوئی اوٹ پٹانگ پیغام پہنچائے گا..... اس طرح وہ اس کا ردعمل بھی دیکھ لے گا۔

سردار شکوہ گھر ہی پر موجود تھا۔ فریدی نے ایک نوکر سے کہلوایا کہ روحی کا آدمی اس سے ملنا چاہتا ہے پھر وہ جلد ہی اندر بلوالیا گیا۔ لیکن سردار شکوہ اُسے دیکھتے ہی بے ساختہ چونک پڑا۔

"تم..... تم....." وہ اس کی طرف انگلی اٹھا کر ہکلایا۔ اور تھوک نگل کر رہ گیا۔ اُس کے رویہ پر فریدی کو حیرت ضرور ہوئی لیکن اپنے چہرے سے اس کا اظہار نہیں ہونے دیا۔ ویسے وہ سمجھ رہا تھا کہ سردار شکوہ کی اس بوکھلاہٹ کی وجہ کیا ہوسکتی ہے۔

"روحی خانم..... بولے..... شام..... اس کو..... مل جاؤ۔" فریدی نے کسی غیر ملکی کی طرح اردو بولنے کی کوشش کی۔ لہجہ قبائلیوں کا سا تھا۔

"تم کون ہو۔" سردار شکوہ کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

"اس کا نوکر۔"

"بیٹھ جاؤ۔" سردار شکوہ نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ "تم کب سے ہو..... اُس کے یہاں۔"

"آج سے۔"

"روحی کے گھر کون کون ہے۔" سردار شکوہ نے اس انداز میں پوچھا، جیسے اس کا امتحان لے رہا ہو۔

"ایک موٹا عوریت..... ایک موٹا مرد..... ایک بالکل مرد..... جیسا ہم بالکل مرد..... جیسا ہم بالکل مرد۔"

"تم کس قبیلے سے ہو۔"

"کس واسطے بتائے۔ نہیں بتائے گا۔" فریدی نے جھلائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

اچانک سردار شکوہ نے ریوالور نکال کر اس کا رخ فریدی کی طرف کرتے ہوئے کراغالی زبان میں کہا۔ "اگر تم پہلے بچ بھی گئے تھے تو اب نہیں بچ سکتے۔"

بڑی خلاف توقع بات تھی۔ فریدی اس کیلئے تیار نہیں تھا اُسے وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ رام گڈھ میں کوئی اُسے کراغالی زبان میں مخاطب کرے گا اُس نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے۔

"کراغالیوں کا داخلہ یہاں سرکاری طور پر ممنوع ہے۔" سردار شکوہ مسکرا کر بولا۔

"اگر میں تمہیں گولی مار کر شارع عام پر بھی ڈال دوں تو کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوگا..... سمجھے۔"

"مگر تم ایسا نہیں کرسکو گے۔" فریدی نے کراغالی ہی میں جواب دیا اور لہجے کی خامی چھپانے کے لئے بڑی شدومد سے کھانسنے لگا۔ پھر کھانستے کھانستے اُسے دوہرا ہوجانا پڑا۔ سردار شکوہ کا ذہن اس کی کھانسیوں کی طرف بھٹک گیا تھا۔ دفعتاً فریدی نے اس پر چھلانگ لگادی اور پہلے ہی حملے میں ریوالور سردار شکوہ کے ہاتھ سے نکل کر دور جا پڑا۔

سردار شکوہ بھی ایک قوی ہیکل جوان تھا۔ اس لئے اس کی مدافعت کسی طرح بھی کمزور نہیں تھی۔ مگر فریدی دور ہی سے لڑنا چاہتا تھا۔ لپٹ پڑنے کی صورت میں اس کی مصنوعی ڈاڑھی خطرے میں پڑجاتی۔ سردار شکوہ کی کوشش تھی کہ وہ کسی طرح ریوالور تک پہنچ جائے لیکن ہر بار فریدی کا گھونسہ اُسے پیچھے دھکیل دیتا تھا۔

اچانک فریدی کو اُسی لڑائی کے دوران میں یاد آگیا کہ اس نے اپنی شکل خانم کے مشیر خان یوسف سے ملتی جلتی بنائی تھی۔ خان یوسف ہی نے اسے ایک بار بتایا تھا کہ اس کا ایک چھوٹا بھائی جو قریب قریب اس کا ہم شکل تھا ایک مہم میں کام آگیا تھا۔

فریدی نے میک اپ کرتے ہوئے خان یوسف کے چہرے کی ساخت کا خیال رکھا تھا۔ پھر آئینے پر نظر ڈال کر خود بھی اعتراف کیا تھا کہ وہ جوان خان یوسف معلوم ہوتا ہے۔ خانم شاید جلدی میں تھی اس نے اس پر غور کر کے رائے زنی ضروری نہیں سمجھی تھی۔

فریدی نے جلد ہی اسے قابو میں کرلیا لیکن یہ سردار شکوہ کا گھر تھا اور کسی لمحے میں بھی حالات بدل سکتے تھے۔ فریدی نے اسے گریبان سے پکڑ کر سیدھا کھڑا کرتے ہوئے کراغالی میں کہا۔

"تمہیں میرے ساتھ چلنا پڑے گا۔"

ساتھ ہی ریوالور کی نال اس کے پہلو سے لگاتا ہوا بولا۔ "میری جیب میں ریوالور ہے اور انگلی ٹریگر پر..... تم اسی طرح چپ چاپ میرے ساتھ چلو گے۔"

سردار شکوہ آگے بڑھا۔ فریدی اس سے لگا ہوا چل رہا تھا۔ اس کا ہاتھ جیب میں تھا اور جیب

میں پڑے ہوئے ریوالور کی نال سردار شکوہ کی بائیں پسلی میں چبھ رہی تھی۔

''تم مجھے کہاں لے جاؤ گے۔'' سردار شکوہ نے آہستہ سے پوچھا۔ لیکن وہ خوفزدہ نہیں ہو رہا تھا۔

''چپ چاپ چلتے رہو۔'' فریدی کے لہجے میں سختی تھی۔ سردار شکوہ کے ملازم انہیں مشتبہ نظر سے دیکھ رہے تھے، لیکن فریدی نے اسے کسی قسم کا اشارہ کرنے کا بھی موقع نہیں دیا۔

کمپاؤنڈ سے باہر نکل کر فریدی نے اسے ٹیکسی کی طرف چلنے کو کہا، جو تھوڑے ہی فاصلہ پر موجود تھی۔

''تم اپنی موت کو دعوت دے رہے ہو۔'' سردار شکوہ بڑبڑایا۔

لیکن فریدی اس طرح چلتا رہا جیسے اس نے سنا ہی نہ ہو۔ ٹیکسی کے قریب پہنچ کر اس نے بائیں ہاتھ سے ہینڈل گھمایا اور دروازہ کھول کر سردار شکوہ کو اپنے شانے سے دھکا دیا۔ انور دوسری طرف کھسک گیا۔

سردار شکوہ انور اور فریدی کے درمیان تھا اور اس کی بائیں پسلی میں اب بھی ریوالور کی نال چبھ رہی تھی۔

''تم واپس چلے گا..... ڈرائیور۔'' فریدی نے ڈرائیور سے کہا اور انور گفتگو کے اس بدلے ہوئے انداز پر چونک پڑا۔ لیکن خاموش ہی رہا۔ اب سردار شکوہ کے چہرے پر بھی اضطراب نما ہونے لگا تھا۔

ٹیکسی چل پڑی۔ وہ تینوں خاموش تھے۔ کچھ دیر بعد فریدی نے انور سے کہا۔ ''تم روحی خانم کے گھار..... امارہ انتی زار کرے گا..... ام..... ایدھر..... راہ میں اُوترے گا۔''

''اچھا..... اچھا.....!'' انور سر ہلا کر بولا اور ٹیکسی اترائیوں میں فراٹے بھرتی رہی۔

''تم مجھے کہاں لے جاؤ گے۔'' سردار شکوہ نے کراغالی زبان میں پوچھا۔

''تو م چوپ بیٹھنے کا.....!''

''تم اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔ اگر یہ مذاق ہے تو میں بھی دل کھول کر قہقہے لگانے میں کسی سے پیچھے نہ رہوں گا..... لیکن کیا تم یہ پوچھ گچھ روحی کی ایماء پر کر رہے ہو۔''

''چوپ راؤ.....!'' فریدی نے گرج کر کہا۔

تقریباً دو میل چلنے کے بعد فریدی نے ڈرائیور سے گاڑی روکنے کو کہا۔ ٹیکسی رک گئی اور فریدی نے اپنا سامان سمیٹتے ہوئے سردار شکوہ کو دھکیل کر کار سے نیچے اتارا۔

یہ ایک ویرانہ تھا۔ یہاں بھورے رنگ کی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔

''اب تم جاؤ.....'' پتہ نہیں فریدی نے ڈرائیور کو مخاطب کیا تھا یا انور کو..... بہرحال دوسرے ہی لمحے میں ٹیکسی انہیں وہیں چھوڑ گئی۔

''سردار شکوہ.....!'' فریدی آہستہ سے بولا۔ ''اس ویرانے میں اگر میں تمہیں قتل بھی کر دوں تو کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی۔''

''مجھے مار ڈالنا آسان نہیں ہوگا..... خان یامین۔'' سردار شکوہ کے لہجے میں تلخی تھی۔ ''میں خان عیسیٰ کے ساتھیوں میں سے ہوں۔''

خان عیسیٰ کا نام جس کا سیاہ مجسمہ فریدی وادی کراغال میں دیکھ چکا تھا کافی سنسنی خیز تھا۔ فریدی کو بہت زیادہ محتاط ہو جانا پڑا۔ اس نے مسکرا کر کہا۔

''مگر تم نے خان عیسیٰ کے ساتھ غداری کی۔''

''خان عیسیٰ مجھ سے بڑا غدار تھا۔''

''آہا تو خان عیسیٰ بھی اسی سیاہ تنظیم سے تعلق رکھتا تھا۔'' فریدی نے حیرت ظاہر کی۔

''تم نابدان کے کیڑے اسے سیاہ تنظیم کہہ رہے ہو۔'' سردار شکوہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ''تم جو ہمیشہ بہت نیک کام کرتے رہے ہو۔ کیا تم دونوں بھائی خان ضیغم کو برسر اقتدار نہیں لانا چاہتے تھے۔''

''ہاں..... ہم اب بھی یہی چاہتے ہیں۔'' فریدی نے فخریہ انداز میں کہا۔ ''وہ کراغال سے غداری کر کے کسی سیاہ تنظیم کو پروان نہیں چڑھانا چاہتا۔''

''خانم اس سے بھی زیادہ نیک اور شریف عورت ہے۔ تم اس کا ساتھ کیوں نہیں دیتے۔'' سردار شکوہ کا لہجہ طنزیہ تھا۔

''وہ عورت ہے، کوئی عورت کراغالیوں پر حکومت نہیں کر سکتی۔''

''تو تم لوگ خان عیسیٰ کی موت کے راز سے واقف ہو گئے ہو حالانکہ خانم اسے چھپانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔''

''میں نے وہ مجسمہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''ایک دن تم سب سیاہ مجسموں میں تبدیل ہو جاؤ گے۔'' سردار شکوہ نے مسکرا کر کہا۔ پھر وہ چونک پڑا اور اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فریدی کو دیکھنے لگا جیسے ابھی تک خواب دیکھتا رہا ہو۔

''تم.....!'' وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''تم کراغالی ہرگز نہیں ہو سکتے..... تمہارا لہجہ۔''

فریدی نے اس کے منہ پر الٹا ہاتھ رسید کر دیا۔ سردار شکوہ اس غیر متوقع حملے کے لئے تیار نہیں تھا۔ فریدی کا ہاتھ پڑتے ہی دوسری طرف الٹ گیا۔ فریدی نے اسے دوبارہ اٹھنے کا موقع نہیں دیا۔ پے در پے ٹھوکریں رسید کرتا رہا۔ حتیٰ کہ سردار شکوہ کی ناک اور منہ سے خون بہنے لگا اور اس نے اٹھ کھڑے ہونے کی کوشش ترک کر دی۔

''ہاں..... میں کراغالی نہیں۔'' اس نے قہقہہ لگایا۔ ''لیکن اب تمہیں مجھے بہت سی کہانیاں سنانی پڑیں گی..... ورنہ موت بھی تم سے پناہ مانگے گی۔''

''تت..... تم کون ہو۔'' سردار شکوہ نے خوفزدہ آواز میں کہا۔

''وہی جس نے نصرت خان، کنور شمشاد اور زوبی کو موت کی آغوش میں سلا دیا تھا۔''

''کک..... کرنل فریدی۔''

''ہاں..... اب تم مجھے ادارہ روابط عامہ کے متعلق بتاؤ۔''

''میں کچھ نہیں جانتا۔''

فریدی نے شکار کے تھیلے سے چاقو نکالتے ہوئے کہا۔ ''تمہاری ہڈیوں سے گوشت الگ کر دوں گا۔''

''تم ایسا نہیں کر سکتے..... یہ کس قانون.....!''

''قانون کا نام مت لو اپنی زبان سے..... میری بات کا جواب دو۔''

''تم مجھ سے کچھ نہیں معلوم کر سکو گے۔''

''تم نے روحی کو مشورہ دیا تھا کہ وہ ادارہ روابط عامہ سے مدد طلب کرے۔''

''میں کچھ نہیں جانتا۔''

''ارے تم یہ بھی نہیں جانتے جس کا اعتراف خود روحی کر چکی ہے۔''

''میں کسی روحی کو نہیں جانتا۔''

''حالانکہ تم نے گھر پر روحی کے متعلق بہت سے سوالات کئے تھے۔''

سردار شکوہ کچھ نہ بولا۔

''میں یہ بھی جاننا چاہتا ہوں کہ رام گڈھ کی اس معصوم لڑکی نے تمہارا کیا بگاڑا تھا جس کو اُس کی شادی کے دن سیاہ مجسمے میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔''

''میں کچھ نہیں جانتا۔''

فریدی نے اسکے بازو میں چاقو اتار دیا اور سردار شکوہ کسی چوپائے کی طرح حلق پھاڑ کر چیخا۔

''بتاتا ہوں۔''

''بتاؤ..... مجھے اس کالی تنظیم کے چوہے پر بھی رحم نہیں آ سکتا۔''

''اس کے چچا زاد بھائی نے..... تنظیم کے فنڈ میں تین لاکھ کا اضافہ کیا تھا۔'' سردار شکوہ کراہ کر بولا۔

''گویا تنظیم کا فنڈ اسی طرح کے جرائم سے بڑھایا جاتا ہے..... اس کے چچا زاد بھائی کا نام اور پتہ۔''

''اس کا ایک ہی چچا زاد بھائی ہے میں نام سے واقف نہیں ہوں۔''

''کیا وہ اپنے چچا کی جائیداد حاصل کرنا چاہتا تھا۔''

''ہاں..... اُف..... میرا خیال ہے ہک..... اُف.....''

''خیر چھوڑو..... اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہو سکتی..... اب ادارہ روابط عامہ.....!''

لیکن سردار شکوہ جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی بیہوش ہو گیا

''تم بیہوش نہیں ہوئے سردار شکوہ..... میں زندگی بھر تمہارے ہوش میں آنے کا انتظار کر سکتا ہوں۔ تم شوق سے بیہوش ہو جاؤ۔ مجھے تم پر بالکل رحم نہ آئے گا۔ میں کچھ دن پہلے بھی سرحدی پہاڑیوں میں تمہارے تقریباً ایک درجن آدمیوں کو موت کی نیند سلا چکا ہوں۔ اب آنکھیں کھولو ورنہ اس بار یہ چاقو تمہاری ناک پر چلے گا۔''

سردار شکوہ نے آنکھیں کھول دیں اور ہولے ہولے کراہنے لگا۔

''روحی کا باڈی گارڈ شاہد اجمل کہاں ہے؟''

''نشاط ہوٹل کے ایک تہہ خانے میں۔''

''بہت خوب..... اب ادارہ روابط عامہ کی اصلیت مجھ پر ظاہر ہو گئی۔ تمہیں اس کے متعلق

تکلیف نہیں دوں گا کیونکہ ڈاکٹر سلمان نے روحی سے کہا تھا کہ وہ کل بالا کے ایک ہوٹل میں
اب میں تم سے نشاط ہوٹل اور اس کے منیجر کے متعلق بھی کچھ نہیں پوچھوں گا۔ لیکن اب تمہارے
کیا کروں۔ تمہیں پولیس کے حوالے کرنا بھی فضول ہی ہوگا..... کیونکہ ہوسکتا ہے تمہاری سیاہ تنظیم
آدمی اس محکمے میں بھی موجود ہوں اور تم مفت میں طبی امداد حاصل کر کے صحت یاب ہونے کے
جیل سے فرار ہو جاؤ۔ اچھا تم ہی بتاؤ میں تمہارے لئے کیا کروں۔"

سردار شکوہ کراہتا رہا۔

"اچھا سنو..... تم اٹھ کر مجھ پر حملہ کرو تاکہ میں تمہیں موجودہ تکلیف سے نجات دلا دوں۔"

"نہیں.....!" سردار شکوہ دونوں ہاتھ آگے پھیلا کر ہذیانی انداز میں چیخا۔

"میں غلطی پر تھا..... سردار شکوہ مجھے تم پر رحم نہ کھانا چاہئے۔ کیا تم کسی زخمی سانپ پر رحم کھا
اسے چھوڑ دو گے۔"

"نہیں..... نہیں۔" وہ حلق پھاڑ کر چیخا۔ "مجھے مت مارو۔"

"کیا تم تنظیم سے قطع تعلق کر سکتے ہو۔" فریدی نے نرم لہجے میں پوچھا۔

سردار شکوہ کچھ نہیں بولا۔

"نہیں کر سکتے۔" فریدی مسکرایا۔ "اگر انہیں اس کا شبہ بھی ہوگیا تو وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑ
گے۔ پھر کیوں نہ تم میرے ہی ہاتھوں مرنا پسند کرو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں زیادہ تکلیف
ہوگی۔ ٹھیک دل پر فائر کروں گا۔"

"نہیں..... نہیں..... خدا کے لئے۔"

"آہا..... تم لوگوں کو خدا بھی یاد آسکتا ہے۔"

"میں مرنا نہیں چاہتا..... رحم کرو۔" سردار شکوہ گڑگڑایا۔

"تمہیں اس معصوم لڑکی پر بھی رحم آیا تھا جس کا سیاہ مجسمہ اب بھی ماں کی چھاتی سے چمٹا ہ
ہے۔"

"میں نے کچھ نہیں کیا..... کچھ نہیں کیا۔"

"کراغال کی خانم نے تمہارا کیا بگاڑا تھا۔ اوہ..... ٹھہرو..... میں نے عیسٰی خان کے متعلق
کچھ پوچھا ہی نہیں۔ کیا وہ تنظیم سے متعلق تھا۔"

"ہاں.....!"

"پھر اسے کیوں سیاہ مجسمے میں تبدیل کر دیا گیا۔"

"اس نے تنظیم سے غداری کی تھی۔"

"وہ کس طرح۔"

"تنظیم کے خلاف یہاں کی حکومت سے ساز باز کر رہا تھا۔"

"خان یوسف کا بھائی..... خان یامن کس طرح مارا گیا تھا۔"

"اسے خان عیسٰی ہی نے مار ڈالا تھا۔ لیکن شاید کراغال میں کسی کو بھی اس کا علم نہ ہو۔ خان
یامن غالباً اسی لئے مارا گیا تھا کہ اسے تنظیم کے متعلق کوئی خاص بات معلوم ہوگئی تھی۔"

"خیر..... اسے بھی چھوڑو۔ کیا تنظیم خان ضیغم یعنی کراغال کے والی کے بھتیجے کو مسند اقتدار پر
دیکھنا چاہتی ہے۔"

"تنظیم کو کراغال حکومت سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"ڈاکٹر سلمان حقیقتاً کون ہے۔"

"میں نہیں جانتا..... میں اسے صرف ڈاکٹر سلمان ہی کے نام سے جانتا ہوں۔"

فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"کیا تم میرے اس احسان کو یاد رکھو گے کہ میں نے تمہیں جان سے نہیں مارا۔" اس نے کچھ
دیر بعد کہا۔

"یاد رکھوں گا.....!" سردار شکوہ کراہا اور اپنے زخمی ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"تم بھی کراغالی ہو.....؟"

"نہیں.....!"

"کیا پہلے تم خان عیسٰی کے ایجنٹ تھے؟"

"تم سب کچھ جانتے ہو۔ پھر مجھے بولنے پر کیوں مجبور کر رہے ہو۔ میری زبان کئی جگہ سے
کٹ گئی ہے۔"

"تم دوسروں سے رحم اور انسانیت کی توقع کیوں رکھتے ہو جب کہ بہیمیت پر تمہارا ایمان ہے۔
تجھے اس معصوم لڑکی کا سیاہ مجسمہ ہر وقت یاد رہتا ہے۔"

''اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں عائد ہوسکتی۔''

''تم پر عائد ہوتی ہے۔ تنظیم کے ہر فرد پر عائد ہوتی ہے۔ تم سب قاتل سازشی اور غدار ہو جانتے ہو میں تمہیں کیوں نہیں مارنا چاہتا۔''

سردار شکوہ خاموش ہی رہا۔ فریدی پھر بولا۔ ''تم لوگ مجھے بے بس کر کے مار ڈالنے کا پروگرام بنا چکے ہو۔ اس لئے میں تمہیں دکھانا چاہتا ہوں کہ میں کیا ہوں۔''

''میں بالکل بے قصور ہوں۔''

''تمہارے ذمے کیا کام ہے۔''

''میں..... میں..... ادارہ روابط عامہ کے لئے کام کرتا ہوں۔ اور بس.....!''

''لوگوں کو اس کے کارنامے بتا کر اُس سے مدد لینے پر اکساتے ہو۔''

''ہاں..... میرے ہاتھ تشدد سے پاک ہیں۔''

''میں تمہیں اس لئے چھوڑ رہا ہوں کہ تم اپنی تنظیم کو فریدی کے خطرے سے آگاہ کرو۔ اپنے سرگروہ کو بتا دو کہ فریدی بہت کچھ جانتا ہے۔''

''میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔'' سردار شکوہ گڑگڑایا۔

''کیوں.....؟''

''میں احسان فراموش نہیں ہوں۔''

''تمہارا موجودہ حکمران کون ہے؟''

''کوئی عورت..... اسے کوئی نہیں جانتا۔''

''مجھے بھی کوئی نہیں جانتا سردار شکوہ..... جو جانتے ہیں وہ بھی نہیں جانتے۔ اس بار میں اس تنظیم کو بنیادوں سے اکھاڑ کر پھینک دوں گا۔''

''مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہوگا۔'' سردار شکوہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''اٹھو.....!'' فریدی اس کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اٹھاتا ہوا بولا۔ ''ادھر یہاں اس پتھر پر بیٹھ جاؤ..... تھوڑی دیر بعد کٹل بالا کی بس آئے گی۔''

وہ اسے اس پتھر پر حیرت زدہ چھوڑ کر سڑک کی بائیں جانب والی ڈھلان میں اترتا چلا گیا۔ سردار شکوہ میں اتنی بھی ہمت نہیں رہ گئی تھی کہ وہ کھڑا ہو کر اسے جاتے دیکھتا۔

قاسم اور پراٹھے

قاسم سب سے پہلے روحی کے یہاں پہنچا۔ روحی گھر پر موجود نہیں تھی۔ لیکن نوشابہ تھی۔ قاسم کو دیکھ کر اس نے دہاڑتے ہوئے خوش آمدید کہی۔

''آپ..... اُفوہ..... کہاں تھے آپ؟''

''خوچھ نہیں..... کچھ نہیں..... کوئی بات نہیں..... ہی ہی ہی..... لیکن مجھے بھوخ..... لگ رہی ہے۔''

''اوہو..... ضرور..... ادھر چلئے..... میرے کمروں میں..... روحی صاحبہ تو ہیں نہیں۔''

''آپ تو ہیں..... ہی ہی ہی۔''

وہ اسے ایک کمرے میں لائی اور اسے وہیں بیٹھنے کا اشارہ کرتی ہوئی بولی۔ ''ٹھہریئے..... میں آپ کے لئے چائے تیار کر دوں اور کھانا تو آپ کا دیکھ ہی چکی ہوں۔''

''میں بھی وہیں چل رہا ہوں..... باورچی خانے میں آپ کا ہاتھ بٹاؤں گا۔''

''اوہو..... آپ.....!'' نوشابہ نے اپنی گونجیلی آواز میں حیرت ظاہر کی۔

''ارے میں..... میں تو بڑی اچھی چپاتیاں پکاتا ہوں..... ہی ہی ہی.....''

قاسم سر جھکا کر کسی شرمیلی لڑکی کی طرح اپنی انگلیاں مروڑ رہا تھا۔

''نہیں آپ یہیں بیٹھئے۔'' نوشابہ ہنستی ہوئی چلی گئی۔ قاسم اداس ہوگیا۔ وہ بار بار ٹھنڈی آہیں بھرتا اور پیٹ پر ہاتھ پھیرنے لگتا۔ وہ اس لئے اداس نہیں تھا کہ نوشابہ اسے تنہا چھوڑ گئی تھی بلکہ اس لئے مغموم ہوگیا تھا کہ فرائی پین میں تلے جانے والے پراٹھوں کی بو سے محروم ہو جائے گا۔ اسے کچھ اسی شدت سے بھوک لگ رہی تھی۔

وہ اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس وقت نہ اسے زمین دوز دنیا یاد تھی اور نہ وہاں کی تگڑی تگڑی لڑکیاں۔ اس وقت تو اس کے ذہن پر بکرے کی ران مسلط تھی۔ اسے اس کی فکر بھی نہیں تھی کہ وہ چھ لاکھ روپے گنوا چکا ہے۔

آدھے گھنٹے تک اسے نوشابہ کی واپسی کا منتظر رہنا پڑا۔ لیکن یہ انتظار نتیجے کے اعتبار سے کچھ

ایسا مہنگا بھی نہیں پڑا کیونکہ چائے کی کشتی بہت وزنی تھی۔ اس میں تقریباً بیس عدد پراٹھے اور ڈیڑھ درجن نیم برشت انڈے موجود تھے۔

''آپ کو بہت انتظار کرنا پڑا۔''

''قوی..... کوئی بات نہیں۔'' قاسم کسی ندیدے بچے کی طرح منہ چلاتا ہوا بولا۔

اور پھر وہ اتنے انہماک سے اس کشتی پر ہاتھ صاف کرنے لگا کہ نوشابہ کی موجودگی بھی یاد نہ رہی۔

''آپ کو وہاں کھانے پینے کی تکلیف ضرور رہی ہوگی۔'' نوشابہ نے کہا۔

''جی.....!'' قاسم اس طرح چونکا کہ نوالہ ہاتھ سے چھوٹ پڑا لیکن پھر فوراً ہی اسے اٹھا کر منہ میں ڈالتا ہوا بولا۔ ''نہیں..... بالکل نہیں..... داؤں..... داؤں..... مگر وہ سالا..... چھنک چھنک..... داؤں..... داؤں..... ہی ہی ہی۔''

''میں نہیں سمجھی آپ کیا کہہ رہے ہیں۔''

''ارے..... وہ کچھ نہیں..... بندر تھا بندر.....!''

نوشابہ نے کچھ اس انداز میں بوکھلا کر قاسم کی طرف دیکھا جیسے اس کے صحیح الدماغ ہونے میں شبہ ہو۔ ساتھ ہی قاسم کو یاد آ گیا۔ حمید نے چلتے وقت تاکید کی تھی کہ زمین دوز دنیا کے متعلق کسی کو کچھ نہ بتائے ورنہ لوگ اسے پاگل سمجھیں گے۔ کسی کو یقین نہ آئے گا۔ پھر قاسم نے یہ بھی سوچا کہ وہاں لڑکیاں بھی تھیں۔ ممکن ہے کہ ان کا تذکرہ آ جائے اور پھر نوشابہ سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں۔ اس نے دفعتاً چپ سادھ لی۔ لیکن یہ خاموشی بھی اسے نامناسب معلوم ہونے لگی۔ ممکن ہے نوشابہ سوچے کہ وہ اسے کچھ بتانا نہیں چاہتا۔ وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ روحی کمرے میں داخل ہوئی۔

''اَغ..... اَغ.....!'' قاسم بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

''بیٹھئے..... بیٹھئے..... مجھے ابھی ملازموں سے معلوم ہوا کہ آپ آ گئے ہیں۔ کیسے آئے..... کہاں تھے..... حمید صاحب بھی لاپتہ ہو گئے ہیں۔''

قاسم بیٹھ کر پھر پراٹھوں کے ساتھ انصاف کرنے لگا۔ وہ اسے کیا بتاتا۔ حمید نے منع کر دیا تھا۔ مگر یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ اس کے بجائے کیا کہے گا۔

''وہ سالے بدمعاش تھے۔'' اس نے کچھ دیر بعد کہا اور مزید کہنے کے لئے سوچنے لگا۔

خود پر غصہ آیا کہ اسے بات بنانا بھی نہیں آتا۔

''لے کیوں گئے تھے آپ کو.....؟'' روحی نے پوچھا۔

یہ سوال قاسم جیسے کوڑھ مغز کے لئے بھی غیر متوقع نہیں تھا اور وہ پہلے ہی سے اس کا کوئی معقول سا جواب سوچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''ارے..... وہ..... کوئی خاص بات نہیں۔ ان بدمعاشوں نے مجھ سے چھ لاکھ روپے وصول کر لئے۔''

''کتنے.....!'' نوشابہ کا منہ حیرت سے پھیل گیا۔

''چھ لاکھ..... یہ پراٹھے بڑے..... لجیج..... لذیذ ہیں۔''

''کیا آپ کے پاس اتنی رقم موجود تھی۔'' روحی نے پوچھا۔

''چیک بک..... انہیں میری چیک بک مل گئی تھی۔''

''میرے خدا.....!'' نوشابہ نے ایک طویل سانس لی۔ کچھ دیر خاموش رہی پھر بولی۔ ''تو اس رات وہ لوگ شاید آپ کی چیک بک تلاش کر رہے تھے۔''

''ہاں..... ہاں..... ضرور..... یہی بات ہے۔'' قاسم سر ہلا کر بولا۔ ''چیک بک میرے سوٹ کیس میں تھی۔''

''کیا انہوں نے آپ پر تشدد کیا تھا.....؟'' روحی نے پوچھا۔

''نہیں وہ سالا چھنک چھنک مجھے کھانا نہیں کھانے دیتا تھا۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

قاسم پھر سنبھل گیا۔ مگر اسے کیا کرتا کہ ''سالا چھنک چھنک'' مستقل طور پر اس کے ذہن سے چپک گیا تھا۔ اُس کی گول مول باتوں سے روحی اندازہ نہ کر سکی۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہ بھی اسے اسی انداز میں دیکھنے لگی جیسے وہ صحیح الدماغ نہیں ہو۔ دونوں کبھی ایک دوسرے کو دیکھتیں اور کبھی قاسم کو دیکھنے لگتیں۔ جو سر جھکائے انڈوں اور پراٹھوں سے نپٹ رہا تھا۔

پھر چائے انڈیلتے وقت اس کی ذہنی رو بہک گئی اور اس نے پھر ''چھنک چھنک'' کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

''وہ ایک بندر تھا..... بندر یعنی کہ بندر..... آپ سمجھتی ہیں نا..... جب میں چیک پر دستخط

کرنے سے انکار کر دیتا تھا تو وہ سالا مجھے کھانا نہیں کھانے دیتا تھا۔ میں بھوک کے علاوہ اور کچھ برداشت کر سکتا ہوں۔ اگر میرے بنک بیلنس میں چھ ہزار لاکھ ہوتے تب بھی میں خالی ہاتھ آتا۔"

"تو اس بندر کی وجہ سے آپ نے.....!"

"ہاں.....وہ بڑا موذی تھا۔ ہاتھ نہیں آیا ورنہ ٹانگیں چیر کر پھینک دیتا۔"

"فریدی اور حمید صاحبان کو بھی آپ کی تلاش تھی۔"

"صاحبان کون.....؟"

"میرا مطلب ہے وہ دونوں صاحب۔"

"ارے حمید بھی تو تھا میرے ساتھ۔" قاسم نے آہستہ سے رازدارانہ انداز میں کہا۔

"کیا.....نہیں۔" روحی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ارے ہاں.....اسے بھی تو پکڑ لے گئے تھے وہ لوگ۔"

ان دونوں نے پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ بالکل اسی انداز میں جیسے انہیں یقین نہ آیا ہو۔

"اسے تو کٹہرے میں بھی بند کر دیا گیا تھا.....ہاں.....!"

اچانک اسی وقت حمید اسی کمرے میں دراتا چلا آیا۔ شاید اس نے قاسم کا آخری جملہ سن لیا تھا۔ قاسم اسے دیکھ کر بوکھلا گیا۔

"اررر.....حم.....حمید بھائی۔"

چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر تحکمانہ لہجے میں بولا۔ "اٹھو.....اپنا سامان اٹھاؤ اور چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔ محض تمہاری وجہ سے ہم لوگوں کو اتنی پریشانیاں اٹھانی پڑیں۔"

"ارے واہ.....!" قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ "تم خود اٹھاؤ سامان.....یہاں سے اور چلے جاؤ بڑے آئے دھونس جمانے والے.....ابے ہاں.....تم کٹہرے میں بند کر دیئے گئے تھے.....تم میں اڑے تھے.....اُس نے مجھے بتایا تھا.....کیا نام.....؟"

دفعتاً حمید بہت زیادہ مغموم نظر آنے لگا اور پھر مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ روحی کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کمرے میں آئے۔

"تم نے دیکھا۔" حمید نے مغموم لہجے میں کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"اس کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"شاید اُن لوگوں نے اسے بہت زیادہ اذیتیں دی ہیں۔"

"آپ کہاں تھے؟"

"اوہ.....میں.....میں اسی کی تلاش میں تھا۔ لیکن ان لوگوں نے شاید اسے خود ہی چھوڑ دیا۔ مگر اس کے عوض انہوں نے اس کے باپ سے بھاری رقم وصول کی ہوگی۔"

"مگر وہ تو کہتے ہیں کہ ان سے بیشمار چیکوں پر دستخط لئے گئے تھے۔ ان کا اندازہ ہے کہ تقریباً چھ لاکھ کا بینک بیلنس صاف ہو گیا۔"

"بکواس ہے.....اس کا کوئی ذاتی بیلنس نہیں تھا۔"

"آپ کو یقین ہے کہ ان کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے۔"

"مجھے یقین ہے۔ کیا آپ اس کی بے سروپا باتوں سے اندازہ نہیں کر سکتیں۔ مجھے وہ اس وقت ملا تھا جب کسی خیالی بندر پر پتھراؤ کر رہا تھا۔"

"بندر.....ہاں.....وہ کسی بندر کا بھی تذکرہ کر رہے تھے۔"

اتنے میں ایک ملازم نے آ کر اطلاع دی کہ فون پر حمید کی کال ہے۔

روحی اور حمید ساتھ ہی اس کمرے میں آئے جہاں فون تھا۔ حمید اس کے علاوہ اور کیا سوچ سکتا تھا کہ دوسری طرف فریدی ہی ہوگا۔ مگر وہ انور نکلا اور حمید کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ انور فریدی کے متعلق پوچھ رہا تھا۔

"میں نہیں جانتا وہ کہاں ہیں۔"

"اچھا جب آئیں تو لالہ زار کے لئے رنگ کرنا میں وہیں مقیم ہوں۔ روم نمبر ۲۷ میں۔"

"دیکھا جائے گا" حمید نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ انور کی اچانک آمد اُسے اچھی نہیں لگی تھی۔

پھر وہ روحی کی طرف مڑ کر بولا۔ "تم اپنی سناؤ.....تم پر پھر کوئی حملہ تو نہیں ہوا۔"

"نہیں ابھی تک تو محفوظ ہوں.....مگر آپ اچانک اس طرح غائب کہاں ہو گئے تھے۔"

"رام گڈھ سے باہر نہیں گیا تھا۔ یہی ہے ہماری زندگی جو عام آدمیوں کو بڑی پرکشش نظر آتی ہے مگر حقیقت کوئی مجھ سے پوچھے۔"

"فریدی صاحب کہاں ہیں؟"

"ہاں.....!" حمید نے ایک طویل سانس لی۔ چند لمحے ہونٹ بھینچے..... روحی کو گھورتا رہا پھر شانوں کو جنبش دے کر بولا۔ "میں نہیں جانتا ہوں کہاں ہیں۔ تم ان کے متعلق مجھ سے کچھ نہ پوچھ کرو۔"

"کیوں.....؟"

"میری طبیعت متنفر ہوتی ہے ان کے تذکرے سے۔" حمید نے خلاء میں گھورتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "میں خود نہیں سمجھ سکتا کہ مجھ میں یہ تبدیلی کیوں ہوئی ہے۔"

میں کرنل فریدی کے پسینے کی جگہ خون بہانے کو تیار رہتا تھا۔ مگر اب..... میں نہیں سمجھ سکتا۔

وہ اس طرح اپنی پیشانی رگڑنے لگا جیسے کسی الجھن میں ہو۔ بولنے کا انداز بھی ایسا ہی تھا جیسے اسے وہاں روحی کی موجودگی کا احساس ہی نہ رہا ہو۔

"کیا بات ہے۔ میں نہیں سمجھی کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

حمید چونک کر اسے گھورنے لگا۔ پھر تیز قسم کی سرگوشی میں بولا۔ "میں..... میں کرنل فریدی کو قتل کر دوں گا۔ میں اسے نہیں پسند کرتا کہ تم بار بار اُس کا تذکرہ چھیڑو۔"

فریدی کا دشمن

فریدی ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ سے انور کو فون کر رہا تھا۔ اس نے پہلے حمید کو فون کیا تھا اور اس سے انور کا پتہ معلوم کرنے کے بعد اب اسے یہاں سے واپس جانے کے متعلق ہدایات دے رہا تھا۔ اس نے اپنی ضروریات کی بہتیری چیزیں منگوائی تھیں جن میں جرمن ساخت کا ایک ٹرانسمیٹر بھی تھا کیونکہ سردار شکوہ سے اتنی معلومات حاصل ہو جانے کے بعد وہ ہر حال میں کراغال کی خانم سے رابطہ قائم رکھنا چاہتا تھا۔

ریسیور ہک سے لگا کر وہ باہر نکل آیا۔ اس نے اب اپنے چہرے سے ڈاڑھی الگ کر دی تھی ن خدوخال اب بھی کراغال ہی کے سے برقرار رکھے تھے۔

رات تاریک اور سرد تھی۔ اس نے السٹر کے کالر کھڑے کر لئے اور فلٹ ہیٹ کا گوشہ پیشانی جھکاتا ہوا ایک طرف چل پڑا۔

اگر کسی دوسرے کو اس کی اس حرکت کا علم ہو جاتا کہ اس نے سردار شکوہ کو ان اہم ترین تراقات کے بعد بھی چھوڑ دیا تو وہ اسے یقینی طور پر پاگل سمجھتا۔ کیا سردار شکوہ کو سلطانی گواہ بنا کر ارہ روابط عامہ کے خلاف قانونی کاروائی نہیں کی جا سکتی تھی؟ ضرور کی جا سکتی تھی..... مگر فریدی اتنا لد باز نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سردار شکوہ عدالت میں حاضر ہو کر ان الزامات کے اعترافات ہرگز نہ رے گا۔ اسے ہر لحظہ خدشہ لاحق رہے گا کہ بر سر عدالت میں بھی اسے گولی ماری جا سکتی ہے۔ وہ ہولی ڈاکوؤں اور اچکوں کی تنظیم تو تھی نہیں۔ یقیناً ان لوگوں کے وسائل لامحدود ہوں گے جو ایک ہی حکومت سے ٹکرانے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہی نہیں ان کے حوصلے بین الاقوامی بھی تھے۔

ایسے موقعہ پر اگر فریدی کی جگہ اور کوئی ہوتا تو اس کے ہاتھ پیر پھول جاتے۔ لیکن اس کے کون میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔ وہ سب کچھ اپنی سوچی سمجھی اسکیموں کے ماتحت کرنا چاہتا تا۔ وہ جانتا تھا کہ اس سلسلے میں زیادہ شور و شر مچانا فضول ہی ہوگا کیونکہ مجرموں کے حوصلے بلند ہیں۔ ا یقیناً خود کو اتنا محفوظ اور مضبوط سمجھتے ہیں۔ حمید کا اس طرح چھوڑ دیا جانا ہی ان کی دیدہ دلیری کی ایک کھلی ہوئی دلیل تھی کہ اس قسم کی حرکت کر سکیں۔ کیا یہ حکومت کو ایک کھلا ہوا چیلنج نہیں تھا جس کا تعدد یہی ہو سکتا تھا کہ اس خبر سے ملک میں سراسیمگی اور انتشار پھیلے۔

وہ پیدل ہی چلتا رہا۔ سردار شکوہ سے نپٹنے کے بعد اس نے ادارہ روابط عامہ کے متعلق معلومات حاصل کرنی شروع کر دی تھیں۔ ڈاکٹر سلمان جو ادارہ کا انچارج تھا رام گڈھ ہی میں رہتا تھا اور وہاں کے معتول اور باعزت لوگوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ فی الحال فریدی نے ڈاکٹر سلمان ہی کو تختہ مشق بنانے کی اسکیم تیار کی تھی۔ مگر اس کا یہ طریق کار اس کے منگھے کو ایک آنکھ نہ بھاتا۔ کیونکہ اس میں ضابطے کی کاروائیاں شامل نہ تھیں۔

ویسے فریدی کو یقین تھا کہ اگر ضابطے کی کاروائی شروع کی گئی تو قیامت تک کامیابی نہیں ہو سکے گی۔

وہ فیریز ڈریم (Fairy's Dream) کی عمارت کے قریب رک گیا۔ یہ یہاں کا سب

سے زیادہ شاندار نائٹ کلب تھا اور اسے توقع تھی کہ وہ یہاں کچھ نہ کچھ کام ضرور کر سکے گا۔ اسی لئے تھی کہ ڈاکٹر سلمان یہاں کا مستقل ممبر تھا۔

یہ عمارت ایک بڑی پرفضا جگہ پر واقع تھی۔ اس کی روشنیاں پکھی تال کے پرسکون لہریئے بناتی رہتی تھیں۔

فریدی نے کلوک روم میں جا کر السٹر اتارا، فلٹ ہیٹ ریک پر رکھی اور وسیع ہال میں ہو گیا۔ گو اس کے چہرے پر رام گڈھ کے باشندوں کے لئے اجنبیت تھی لیکن لباس سے حیثیت آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔

ہال میں آرکسٹرا کی مدہم موسیقی گونج رہی تھی اور مرکزی ٹیوب کی دودھیا روشنی میں خواہ چہروں پر پھٹکارسی برس رہی تھی۔ کم از کم فریدی کا یہی خیال تھا کہ اس قسم کی روشنی کسی میوزیم خانے ہی کے لئے موزوں ہو سکتی ہے۔

وہاں ابھی بہتیری میزیں خالی تھیں۔ فریدی نے سرسری طور پر ہال کا جائزہ لیا اور اچانک جگہ اس کی نگاہ رک گئی۔ وہ منظر یقیناً غیر متوقع تھا اس نے ایک میز پر حمید کو دیکھا۔ وہاں موجودگی غیر متوقع یا حیرت انگیز نہیں تھی۔ مگر وہ تنہا نہیں تھا اور وہ دوسرا آدمی جس سے وہ گفتگو تھا ڈاکٹر سلمان کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ دراز قد اور مضبوط جسم کا آدمی تھا۔ چہرے پر کٹ ڈاڑھی اور باریک تراشی ہوئی مونچھیں تھیں۔ آنکھوں پر رم لس فریم کی عینک اس کے خد سے کافی ہم آہنگ معلوم ہوتی تھی۔

فریدی کو حمید پر بڑا غصہ آیا۔ اسے ایسی حرکت نہ کرنی چاہئے تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا میز پر آیا جو ان سے زیادہ دور نہیں تھی اور وہ یہاں سے ان کی گفتگو بہ آسانی سن سکتا تھا۔

وہ ان کی طرف پشت کر کے بیٹھ گیا۔

حمید ڈاکٹر سلمان سے کہہ رہا تھا۔ ''آپ حیران نہ ہوں ڈاکٹر صاحب۔ میں بہت دیر آپ کی تلاش میں تھا۔ آپ کے لئے اجنبی ضرور ہوں مگر ذرا سی دیر میں ہم ایک دوسرے کے اجنبی نہ رہ جائیں گے۔ آپ نے کبھی نہ کبھی میرا نام ضرور سنا ہوگا۔''

''اگر نہ سنا ہو تب بھی مجھے آپ سے مل کر خوشی ہوگی۔'' ڈاکٹر سلمان کے لہجے میں سکون ٹھہراؤ تھا۔ ''زیادہ مجھ سے اجنبی ہی ملتے ہیں۔''

''میرا کارڈ.....!'' حمید نے جیب سے اپنا کارڈ نکال کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا اور فریدی کی الجھن بڑھ گئی۔ مگر وہ خاموش سنتا رہا۔

''آہا..... اوہ..... کیپٹن حمید۔'' ڈاکٹر سلمان بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ ''ہاں مجھے علم تھا کہ آپ یہیں مقیم ہیں..... غالباً..... ہاں روحی صاحبہ نے تذکرہ کیا تھا۔ آپ شاید انہیں کے ساتھ ہیں۔''

''جی ہاں..... میں وہیں ہوں..... روحی کے ساتھ.....!''

''کیا آپ اسی مسئلہ پر گفتگو کریں گے۔''

''نہیں..... میں صرف اسلئے آپ سے ملنے کا خواہش مند تھا کہ آپ ماہر نفسیات ہیں۔''

''میں نہیں جانتا کہ میں ہوں بھی یا نہیں۔'' ڈاکٹر سلمان نے خاکسارانہ انداز میں مسکرا کر کہا۔

''نہیں..... میں نے آپ کی تعریف متعدد آدمیوں سے سنی ہے۔ آپ کا ادارہ ملک و قوم کی گرانقدر خدمات انجام دے رہا ہے۔ اس نوعیت کے ادارے تو شائد ان ممالک میں بھی نہ ملیں جو خود کو ہر معاملے میں دنیا کا امام سمجھتے ہیں۔''

''حوصلہ افزائی ہے آپ کی۔''

''اب ان باتوں کو چھوڑ کر میرے معاملے کی طرف آیئے..... میں بہت پریشان ہوں۔''

حمید کچھ سوچنے لگا۔ اس کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔ پھر وہ بائیں ہتھیلی سے اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔ ''آج صبح سے میں خود میں ایک عجیب و غریب تبدیلی محسوس کر رہا ہوں۔''

''اچھا..... کس قسم کی تبدیلی.....؟''

''کس طرح بیان کروں۔'' حمید اس انداز میں بڑبڑایا جیسے خود سے مخاطب ہو۔

''کہہ ڈالئے..... فضول سے فضول بات بھی حقیقتاً بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اس کی کوئی نہ کوئی نفسیاتی وجہ ضرور ہوتی ہے۔''

''آج دن میں کئی بار میں نے سوچا ہے کہ کرنل فریدی کو قتل کر دوں۔''

ڈاکٹر سلمان ہکا بکا رہ گیا۔ پھر اس کے چہرے پر کچھ اس قسم کے آثار نظر آنے لگے جیسے اسے اچانک بات سے بڑا صدمہ پہنچا ہو۔

فریدی نے اب اپنا رخ بدل دیا تھا۔ اب وہ اس پوزیشن میں تھا کہ انہیں بہ آسانی دیکھ

سکتا تھا۔

''کیا آپ میری قابلیت کا امتحان لے رہے ہیں۔'' ڈاکٹر سلمان کچھ دیر بعد مسکرا کر لیکن یہ مسکراہٹ جاندار نہیں تھی۔

''اسی لئے مجھے پس و پیش تھا۔'' حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

''میں خود بھی یقین نہیں کر سکتا کہ کبھی فریدی صاحب کی طرف سے میرے دل میں ا کے خیالات بھی پیدا ہو سکیں گے۔۔۔ مگر میں اسے خیال نہیں کہہ سکتا۔۔۔ یہ تو جنون تھا۔۔۔ کھلا ہوا جنون۔

''اگر آپ اسے جنون تسلیم کرتے ہیں تب تو وہ ہرگز جنون نہیں تھا۔'' ڈاکٹر سلمان آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''میں نہیں سمجھا۔''

''ٹھہریئے۔۔۔۔ کیا آپ کی دانست میں اس کی کوئی وجہ بھی ہے۔''

''نہیں کوئی نہیں۔۔۔۔ ہمارے تعلقات ہمیشہ بہت اچھے رہے ہیں۔''

''تعلقات کو چھوڑیئے۔۔۔۔ جب ہم ایسے معاملات پر کسی بات کی وجہ دریافت کرتے ہیں تو تعلقات کی حیثیت یونہی سطحی سی ہوتی ہے کیونکہ تعلقات منطقی شعور کے رہین منت ہوتے ہ ان کا تعلق لاشعور سے نہیں ہوتا۔ یہ تو آپ کی کوئی لاشعوری گرہ ہے جس نے یک بیک ایک نئی اختیار کر لی ہے۔''

حمید اس طرح منہ کھولے بیٹھا رہا جیسے اس گفتگو کا ایک لفظ بھی اس کی سمجھ میں نہ آیا ہو۔

''آپ نہیں سمجھے۔'' ڈاکٹر نے مسکرا کر پوچھا۔

''جی نہیں۔۔۔۔ بالکل نہیں۔''

''اچھا ٹھہریئے۔ کیا واقعی آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کبھی آپ کا ہاتھ کرنل فریدی پر اٹھ جائے گا۔''

''میرے خدا۔۔۔۔!'' حمید پھر اپنی پیشانی رگڑنے لگا۔ ''میں کس طرح کہوں کہ اگر آج میرے سامنے ہوتے تو شائد۔۔۔۔ اُف۔۔۔۔!''

حمید آنکھیں بند کر کے خاموش ہو گیا۔ ڈاکٹر سلمان اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ حمید کچھ دیر بعد آنکھیں کھولیں اور فریدی دل ہی دل میں اس کی اس شاندار ایکٹنگ کی تعریف کر لگا۔ حمید کی آنکھیں کچھ ایسی لگ رہی تھیں جیسے وہ کافی لمبی نیند کے بعد جاگا ہو۔ اس نے بھرائی ہو

آواز میں کہا۔ ''میں اسے قتل کر دوں گا۔۔۔۔ سب بکواس ہے۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں۔ میں اسے قتل کر دوں گا۔۔۔۔ دنیا کی کوئی طاقت مجھے باز نہیں رکھ سکتی۔''

وہ بڑبڑاتا ہوا اٹھ گیا اور اس طرح دروازے کی طرف بڑھنے لگا جیسے اندھا ہو۔ پھر وہ ایک میز سے ٹکرا کر گرتے گرتے بچا۔ میز الٹ گئی۔ لوگ چونک پڑے لیکن حمید اس سے لاپرواہ دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

کلب کے محافظوں نے آگے بڑھ کر اسے روکنا چاہا لیکن ڈاکٹر سلمان نے انہیں ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔ جس میز سے حمید ٹکرایا تھا وہ خالی تھی۔ مگر ایک اعلیٰ قسم کے گلدان کا نقصان ضرور ہوا تھا۔

''میں گلدان کی قیمت ادا کر دوں گا۔'' ڈاکٹر سلمان نے محافظوں سے کہا۔

''وہ میرے دوست تھے۔۔۔۔ نشہ زیادہ تھا۔۔۔۔ جاؤ۔۔۔۔ کلرک سے کہہ دو۔۔۔۔ میرے حساب میں ڈال دے۔''

محافظ چپ چاپ واپس چلے گئے۔ ڈاکٹر سلمان نے جیب سے سگریٹ کیس نکالا۔ ایک سگریٹ منتخب کی اور اسے سلگا کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ اس کی آنکھیں سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

فریدی بڑی دلچسپی سے اس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ حمید پر اس کی محنت ضائع نہیں ہوئی۔

ڈاکٹر سلمان نے ایک ویٹر سے کچھ کہا اور وہ کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ جو تھوڑی دیر بعد ٹرے میں ایک گلاس اور ایک بوتل لے کر واپس آیا۔

فریدی نے تھوڑی ہی دیر بعد محسوس کر لیا کہ ڈاکٹر بلا نوشوں میں سے ہے۔

فریدی کافی کی چسکیاں لیتا رہا۔ ڈاکٹر سلمان کی شخصیت اس کے لئے کافی دلچسپ تھی۔ وہ اسے اور زیادہ قریب سے دیکھنا چاہتا تھا۔

ہال میں موسیقی کی لہریں نقرئی قہقہوں سے ہم آہنگ ہوتی رہیں۔ کچھ دیر بعد فریدی کو ڈاکٹر سلمان کی میز کے قریب ایک جانا پہچانا سا چہرہ نظر آیا۔ یہ دلکشا کا منیجر تھا۔ ڈاکٹر سلمان نے سر ہلا کر اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ فریدی دلکشا کے منیجر کے انداز میں احساس کمتری کی جھلکیاں محسوس کر رہا تھا۔

''کیا خبر ہے؟'' ڈاکٹر سلمان نے اس کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

''آج کسی نے سردار شکوہ کو بہت بُری طرح زدوکوب کیا ہے۔''

''کیا مطلب.....؟'' ڈاکٹر سلمان نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ کون تھا۔ خود سردار شکوہ نے بتایا۔''

''کیا وہ حملہ آور کو پہچانتا نہیں تھا۔''

''نہیں.....اس کے بیان سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی جانا پہچانا آدمی تھا۔''

''کیا تمہارے دونوں جملوں میں کسی قسم کا ربط موجود ہے۔'' ڈاکٹر سلمان نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''دیکھئے میں عرض کرتا ہوں۔''

''جلدی کرو۔''

''اسے جس نے بھی پیٹا ہے بُری طرح پیٹا ہے۔''

''اور آئندہ کے لئے اسے تاکید کردو کہ ہمیشہ اچھی طرح پیٹا کرے۔'' ڈاکٹر سلمان مسکرا کر بولا۔ پھر انتہائی خشک لہجے میں کہنے لگا۔ ''وہ لوگ جو کم سے کم الفاظ میں اپنا مافی الضمیر نہیں بیان کر سکتے انہیں مر ہی جانا چاہئے۔ کیونکہ جب وہ زبان ہلانے کے آرٹ سے ناواقف ہیں تو ان سے کوئی اچھی توقع کس طرح کی جا سکتی ہے۔''

''سردار شکوہ کہتا ہے کہ یہ میرا نجی معاملہ ہے۔ اس لئے میں اس کی تفصیلات میں جانا پسند نہیں کرتا۔ اس واقعے کا تنظیم سے کوئی تعلق نہیں۔''

''پھر شاید اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔'' ڈاکٹر سلمان نے ایک طویل سانس لے کر کہا اور چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد دلکشا کے منیجر کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''اس نے جو کچھ بھی کہا ہے اس سے بغاوت کی بو آتی ہے۔ تم جانتے ہو کہ تنظیم میں شامل ہو جانے کے بعد آدمی کا کوئی بھی معاملہ انفرادی نوعیت کا حامل نہیں رہ جاتا۔ اس کے جسم کی ایک ایک حرکت تنظیم کی امانت ہوتی ہے۔''

''کیا آپ کٹل بالا جائیں گے؟''

''جانا ہی پڑے گا.....اور میں اسی وقت جاؤں گا۔''

ڈاکٹر سلمان اٹھ گیا۔ اس کے ساتھ ہی دلکشا کا منیجر بھی اٹھا اور دونوں ہال سے چلے گئے۔

فریدی کے ہونٹوں پر ایک شرارت آمیز مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

نئے ساتھی

سردار شکوہ کی حالت ابتر تھی۔ جب بس وہاں پہنچی تو اس نے پتھر پر بیٹھے ہی بیٹھے ہاتھ اٹھا کر ڈرائیور کو روکنے کا اشارہ کیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں یہ بات بھی اس پر روشن ہو گئی کہ اب اپنے پیروں پر کھڑا نہ ہو سکے گا کیونکہ شاید اس کا ایک ٹخنہ بھی اتر گیا تھا۔

وہ کٹل بالا کی جانی پہچانی ہوئی شخصیتوں میں سے تھا۔ شاید بس کے کچھ مسافر اسے پہچانتے تھے۔ انہوں نے اسے بس پر بیٹھنے میں مدد دی۔ ظاہر ہے کہ لوگوں کو اس واقعے پر حیرت ہوئی ہوگی۔ لیکن وہ سردار شکوہ سے صحیح بات نہیں معلوم کر سکے۔

بہرحال اس کی حالت ایسی تھی کہ اسے ایک ہسپتال میں داخل ہونا پڑا۔ پھر ذرا ہی سی دیر میں یہ خبر چاروں طرف مشہور ہو گئی.....کہ سردار شکوہ ایک ویرانے میں زخمی پایا گیا ہے۔

یہ خبر تنظیم سے تعلق رکھنے والے کسی آدمی کے ذریعہ دلکشا ہوٹل کے منیجر تک بھی پہنچی اور وہ استفسار حال کے لئے کٹل بالا آیا۔ لیکن سردار شکوہ نے اسے بھی اصلیت سے آگاہ نہیں کیا۔ پھر اس نے ڈاکٹر سلمان کو اس واقعے کی اطلاع دی۔ فیریز ڈریم میں فریدی بھی موجود تھا۔ اس طرح دلکشا کے منیجر کے متعلق رہے سہے شکوک بھی رفع ہو گئے اور اس کا شمار بھی انہیں لوگوں میں کرنے لگا جن سے اسے نپٹنا تھا۔

فریدی نے یہ بھی محسوس کیا کہ وہ دونوں اب سیدھے کٹل بالا ہی جائیں گے۔ اس لئے وہ بھی فیریز ڈریم سے نکل آیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ انہیں بھی راہ میں روک کر حیرت زدہ کیا جائے۔ مگر پھر یہ خیال ترک کر دیا۔ وہ سب سے پہلے یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ سردار شکوہ ڈاکٹر سلمان سے کیا بتاتا ہے۔

اس نے باہر نکلتے ہی ایک ٹیکسی لی اور کھل بالا کی طرف روانہ ہوگیا۔ کچھ دیر بعد اس نے دیکھا دور کسی کار کی ہیڈ لائیٹس نظر آ رہی تھیں اور وہ شائد ڈاکٹر سلمان ہی کی کار تھی..... اس وقت راستے پر صرف دو ہی کاریں دوڑ رہی تھیں۔

کھل بالا تک کار اس کی ٹیکسی کے پیچھے ہی پیچھے رہی تھی۔ کھل بالا پہنچ کر فریدی کی ٹیکسی کو عقب میں ہونا پڑا اور فریدی نے ڈرائیور سے کہا۔

''اسی کار کے پیچھے لگے رہو۔''

جب ڈاکٹر سلمان کی کار ہسپتال کے کمپاؤنڈ میں داخل ہونے لگی تو فریدی نے ٹیکسی سڑک پر رکوادی اور ڈرائیور کے ہاتھ میں دس دس کے تین نوٹ دیتا ہوا بولا۔ ''میرا انتظار کرنا۔''

''اچھا صاب.....!'' ڈرائیور نے پرمسرت لہجے میں کہا۔ رام گڈھ سے کھل بالا تک بڑ تمام سات روپے بنتے لیکن اس مسافر کی فیاضی پر اسے حیرت بھی ہوئی اور شبہ بھی۔ لیکن اسے سے کیا سروکار ہوسکتا تھا۔

فریدی کار سے اتر کر چپ چاپ ہسپتال کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوگیا۔ دلکشا کا منیجر ڈا سلمان کو پرائیویٹ وارڈ کی طرف لے جا رہا تھا۔ فریدی ان کے ساتھ ہی چلتا رہا اور انہیں شاید پر شبہ کرنے کی بھی فرصت نہیں تھی۔

جیسے ہی وہ ایک کمرے میں داخل ہوئے فریدی چکر کاٹ کر وارڈ کی پشت پر پہنچ گیا۔ کمرا کی ساخت سے اس نے پہلے ہی اندازہ کرلیا تھا کہ ہر کمرے میں عقبی کھڑکی ضرور ہوگی..... وارڈ کی پشت پر چیڑ کا گھنا جنگل تھا..... فریدی کھڑکی کے نیچے دبک گیا..... کھڑکی سے آنے والی روشنی ایک درخت کی شاخوں پر پڑ رہی تھی اور نیچے گہرا اندھیرا تھا۔

اس نے سردار شکوہ کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا۔ ''میں تنگ آ گیا ہوں اپنے ہمدردوں سے..... اور میرا دل چاہتا ہے کہ خودکشی کرلوں..... میری سمجھ میں نہیں آتا کہ انہیں کیا بتاؤں۔''

''لیکن تم مجھے بتاؤ گے۔'' یہ ڈاکٹر سلمان کی آواز تھی۔

''آپ کو تو بتانا پڑے گا لیکن یہ میرا نجی معاملہ ہے..... قطعی نجی۔''

''تمہارا کچھ بھی تمہارا نہیں ہے..... تم سب کچھ تنظیم کے لئے وقف کر چکے ہو۔''

''میری خدمات..... میری دولت..... ان کے علاوہ آپ اور کس چیز کی توقع رکھتے ہیں۔ کیا

میں اپنی محبت..... اپنی نفرت..... اور دشمنی کے جذبات بھی تنظیم کیلئے وقف کر چکا ہوں۔''

''تم باہر ٹھہرو.....!'' ڈاکٹر سلمان نے غالباً دلکشا کے منیجر سے کہا تھا۔

فریدی نے قدموں کی آواز سنی جو بتدریج دور ہوتی ہوئی سناٹے میں مدغم ہوگئی۔

''یہ سب کچھ ایک عورت کے لئے ہوا ہے ڈاکٹر.....!'' سردار شکوہ کی آواز آئی۔

فریدی ایک طویل سانس لے کر مسکرانے لگا۔ پھر اس نے ڈاکٹر سلمان کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا۔ ''اوہ..... تم اپنی عادتوں سے باز نہیں آؤ گے۔''

''میں مجبور ہوں ڈاکٹر..... نفسیاتی طور پر..... میری تفریح عورت کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ مجھے سب کچھ ایک عورت میں مل جاتا ہے اور جب عورت نہیں ملتی تو میری روح کسی شیر خوار بچے کی طرح بلکتی رہتی ہے۔''

''تمہیں شاید ماں باپ کا پیار نہیں ملا۔'' ڈاکٹر سلمان بولا۔

''ہاں جب میں ایک سال کا تھا..... میری ماں مرگئی تھی۔''

''تو وہ تمہارا کوئی رقیب تھا۔''

''ہاں..... ڈاکٹر..... یہ میرا نجی معاملہ ہے۔ میں اُس سے سمجھ لوں گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' ڈاکٹر سلمان نے کہا۔ ''تنظیم سے اس کا کوئی تعلق نہیں لیکن میں ذاتی طور پر تمہاری مدد کرنے کے لئے تیار ہوں۔''

''شکریہ..... مجھے آپ سے یہی توقع تھی لیکن میں خود ہی نپٹ لوں گا۔ میرے لئے باعث شرم ہے کہ میں اس چھوٹے سے معاملے کے لئے آپ سے مدد طلب کروں۔ بس میں دھوکے میں مارا گیا..... وہ کئی تھے۔''

ایک بار پھر فریدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''مجھے دراصل اس لئے تشویش تھی کہ اس وقت وہ خونخوار بھیڑیا ہماری نظر میں نہیں ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کب کیا کر بیٹھے۔'' ڈاکٹر سلمان نے کہا۔

''خونخوار بھیڑیا..... میں نہیں سمجھا۔''

''فریدی۔'' ڈاکٹر سلمان نے کہا اور تھوڑی دیر کے لئے سناٹا چھا گیا۔

ٹھیک اسی وقت فریدی نے فیصلہ کیا کہ اب حمید سے دور ہی رہے گا۔ کیونکہ ایسے حالات میں

اس سے کسی قسم کا تعلق رکھنا عقلمندی سے بعید ہوگا۔

ایک طویل خاموشی کے بعد ڈاکٹر سلمان کی آواز پھر سنائی دی۔ وہ اب زخموں کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہا تھا۔

فریدی چپ چاپ وہیں جما رہا۔ لیکن اب وہ سوچ رہا تھا کہ یہاں وقت برباد کرنا فضول ہے کیونکہ ان کی گفتگو زیادہ تر رسمی تھی۔ فریدی سمجھا تھا شاید اب وہ تنظیم کے متعلق بھی کچھ گفتگو کریں گے مگر شائد وہ اس مسئلے پر بہت زیادہ محتاط تھے۔ بہرحال فریدی اس وقت تک وہیں رہا جب تک کہ ڈاکٹر سلمان رخصت نہیں ہوگیا۔

وہاں سے نکل کر فریدی پھر ٹیکسی کی طرف واپس آیا اور ڈرائیور سے ریالٹو کی طرف چلنے کو کہہ کر پچھلی نشست کی پشت گاہ سے ٹک گیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ لیکن ذہن جاگ رہا تھا۔ سردار شکوہ کے متعلق سوچنے لگا۔ اس کے بارے میں بھی اس سے اندازے کی غلطی نہیں سرزد ہوئی تھی۔ سردار شکوہ نے اس کا نام نہیں لیا تھا۔ وہ ایسا کر ہی نہیں سکتا تھا۔ ڈاکٹر سلمان اسے زندہ چھوڑتا وہ یہ سوچتا کہ فریدی نے اسے صرف زدوکوب ہی کر کے چھوڑ دیا۔ اگر اسے اس پر شبہ تھا باضابطہ کاروائی کیوں نہیں کی۔ سوچتے سوچتے وہ اسی نتیجہ پر پہنچتا کہ فریدی نے سردار شکوہ پر تشدد کر کے اس سے کچھ اگلوالیا ہے اور پھر مزید کاروائی کی ضرورت نہ سمجھ کر اُسے زخمی حالت میں چھوڑ گیا۔ غالباً سردار شکوہ نے بھی یہی سوچا ہوگا۔ اسی لئے اس نے کسی خیالی رقابت کا قصہ چھیڑ دیا تھا۔

بہرحال اب تک جو کچھ بھی ہوا تھا فریدی کے حق میں بہتر ہی ہوا تھا۔

ریالٹو پہنچ کر اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو دس کا ایک نوٹ اور دیا ٹیکسی چلی گئی۔ فریدی ریالٹو کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوا..... یہ ہوٹل بالا کا سب سے اچھا ہوٹل تھا۔

فریدی نے یہاں رات کا کھانا کھایا اور واپسی کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اس کی نظر ڈاکٹر سلمان پر پڑی۔ شاید وہ پینے کیلئے یہاں رک گیا تھا۔ لیکن اب دلکشا کا منیجر اس کے ساتھ نہیں تھا۔

فریدی نے محسوس کیا کہ ڈاکٹر سلمان بے تحاشہ پیتا ہے۔ اس نے اٹھنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ ویسے اس کا خیال تھا کہ ریالٹو کے ویٹروں کے لئے ڈاکٹر سلمان کی شخصیت نئی نہیں ہے کیونکہ وہ اس کے قریب سے گذرتے وقت نہایت ادب سے سلام کرتے تھے۔

فریدی سگار سلگا کر قرب و جوار کی چیزوں کا جائزہ لینے لگا۔ انداز ایسا تھا جیسے لڑکیوں کو گھور رہا ہو۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ ان لوگوں میں سراسیمگی ہی پھیلائی جائے۔

ڈاکٹر سلمان جلد اٹھتا نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ اس نے کافی مقدار میں شراب طلب کی تھی اور اب اس کی میز پر پیشہ ور قسم کی دو لڑکیاں بھی پہنچ گئی تھیں۔ انداز سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہوٹل میں ٹیبل پارٹنر بننے والی لڑکیاں ہیں ویسے ہوسکتا تھا کہ وہ بھی تنظیم کے متعلق رہی ہوں۔

فریدی بل ادا کر کے باہر آیا..... چند لمحے کمپاؤنڈ میں کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر ڈاکٹر سلمان کی کار کے قریب آ کر اس کے ڈیش بورڈ کو ٹٹولنے لگا۔ ڈاکٹر نے شاید کھڑکیوں کو مقفل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ فریدی نے نہایت اطمینان سے اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کر دیا۔ دوسرے ہی لمحے میں کار کمپاؤنڈ سے باہر نکل رہی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ رام گڈھ والی سڑک پر موڑ دی گئی۔

رات آدھی گذر چکی تھی۔ کار فلک بوس پہاڑوں کے دامن میں دوڑتی رہی۔ رام گڈھ پہنچ کر فریدی نے دفتر روابط عامہ کا رخ کیا۔ یہ ایک بڑی عمارت میں واقع تھا۔ عمارت کے تین کمرے ادارہ کے اسٹاف کے لئے وقف تھے اور بقیہ حصے میں ڈاکٹر سلمان خود رہتا تھا۔

فریدی نے کار پھاٹک کے سامنے روک دی۔ پھاٹک بند تھا..... اور کمپاؤنڈ میں بھی روشنی نہیں نظر آ رہی تھی۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ ڈاکٹر سلمان عموماً راتیں گھر سے باہر گذارتا ہے۔ کار روک کر وہ پھاٹک پر آیا اور چند لمحے ٹھہر کر اندازہ کرتا رہا۔ کہ اندر کوئی چوکیدار تو موجود نہیں ہے لیکن اندر سے کسی قسم کی آواز نہیں آئی۔ فریدی کار پشت پر لے آیا۔ ڈکے کو اٹھانے کی کوشش کی مگر وہ مقفل تھا۔ اس نے جیب سے ایک باریک سا اوزار نکالا..... پھر ڈکے کا قفل کھولنے میں ایک منٹ سے زیادہ وقت بھی نہیں صرف ہوا۔ اس نے ٹارچ کی روشنی اندر ڈالی۔

یہاں بھی اس کا اندازہ صحیح ثابت ہوا۔ وہاں پٹرول کے کئی ٹن موجود تھے۔ فریدی نے انہیں نکال کر کار پر انڈیلنا شروع کر دیا۔ دو یا تین منٹ بعد وہ کار سے آٹھ یا دس گز کے فاصلے پر کھڑا تھا اور کار سے یہاں تک بہتے ہوئے پٹرول کی ایک لکیر اس کے پیروں کے قریب پہنچی ہی تھی کہ اس نے دیا سلائی کھینچ کر اس پر پھینک دی اور خود پوری قوت سے دوسری طرف دوڑنے لگا۔

جب تک وہ ڈھال سے نیچے نہیں اتر آیا اسے برابر روشنی دکھائی دیتی رہی۔ تقریباً چار فرلانگ تک دوڑنے کے بعد وہ رک گیا۔ دستانے اتار کر جیب میں رکھے اور پھر آہستہ آہستہ چلنے لگا۔

اب وہ اپنی قیام گاہ کی طرف واپس جا رہا تھا۔

اس نے آج ہی اپنے قیام کا انتظام بھی کرلیا تھا۔ چند ہی گھنٹوں میں کچھ دوست بھی بنا لئے تھے لیکن یہ قیام گاہ بھی خطرناک تھی اور دوست بھی اچھے آدمی نہیں تھے۔ رام گڈھ کے چھٹے ہوئے بدمعاش اور یہ قیام گاہ بھی افضل خان کی سرائے۔ سرائے ایسی جگہ واقع تھی جہاں سے بھوری پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا تھا اور بھوری پہاڑیوں کو پولیس کی اصطلاح میں مجرموں کی آغوش مادر کہا جاتا تھا۔ رام گڈھ کے مفرور ملزم ہمیشہ انہیں پہاڑیوں کا رخ کرتے اور پولیس کے لئے انہیں دوبارہ ڈھونڈھ نکالنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہوتا تھا۔

فریدی نے پہلے ریالٹو میں قیام کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن سردار شکوہ سے نپٹنے کے بعد اس نے سوچا کہ کوئی غیر معروف اور گھٹیا سی جگہ زیادہ مناسب رہے گی۔ افضل خان کی سرائے "غیر معروف" تو نہیں تھی لیکن اس کے متعلق یہ نہیں سوچا جاسکتا تھا کہ وہاں فریدی جیسا آدمی بھی قیام کرسکے گا۔

سرائے پہنچ کر وہ اپنی کوٹھری میں چلا گیا۔ نہ اسے یہاں کی گندگی کی پرواہ تھی اور نہ گھٹن کی۔ وہ اپنے گھر پر ایک انتہائی نفاست پسند آدمی نظر آتا تھا لیکن یہاں اسے دیکھنے والے یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ وہ نچلے ہی طبقے کا ایک فرد نہیں ہے۔ ویسے اس کے عمدہ سلے ہوئے سوٹ کے متعلق ان کا یہی خیال تھا کہ وہ اندھیری رات کی کسی مہم میں ہاتھ آیا ہوگا..... وہ اس کے متعلق چہ میگوئیاں کرتے لیکن کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ اس سے کچھ پوچھتا۔ ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو اسے سراغ رساں سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ ان کی ٹوہ میں آیا ہے لیکن پھر سوچتے کہ اگر یہ بات ہوتی تو اتنا اچھا سوٹ پہن کر اس سڑی سی سرائے میں قیام نہ کرتا..... بلکہ ایسے پھٹے حالوں یہاں آتا کہ انہیں اس پر شبہ بھی نہ ہوسکتا۔

فریدی نے ایک گوشے میں پڑا ہوا کمبل اٹھایا اور اسے زمین پر بچھا کر تھوڑی دیر تک بیٹھا رہا..... پھر ایک سگار سلگا کر لیٹ گیا۔ اس کے چہرے پر گہرے سکون کے آثار تھے۔ بالکل ویسے ہی جیسے اس کی اپنی خواب گاہ میں نفیس ترین بستر پر آرام کرتے وقت ہوا کرتے تھے۔

یہ فریدی تھا۔ اپنے وقت کا پراسرار ترین آدمی، جس کی زندگی کے ہزار ہا پہلو اب بھی پردہ راز میں تھے۔ شائد کیپٹن حمید بھی ان سے ناواقف تھا۔ صرف ایک ہی حیرت انگیز دریافت اس کے حیران رہ جانے کیلئے کافی تھی اور وہی اب تک اس کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔ یہ تھی فریدی کی بلیک

فورس..... وہ نہیں جانتا تھا کہ اس میں کتنے آدمی ہیں اور یہ کس قسم کی تنظیم ہے۔ وہ لوگ فریدی کے لئے مفت کام کرتے ہیں یا انہیں اس کا معاوضہ ملتا ہے۔ معاوضہ ملتا ہے تو کہاں سے؟ کیا اس کا بار فریدی کی اپنی جیب پر ہے مگر یہ بات قرین قیاس نہیں تھی۔ کیونکہ فریدی کے بیانات سے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ بلیک فورس میں لاتعداد آدمی ہیں۔

فریدی لیمپ کی روشنی کم کرنے کے لئے اٹھا ہی تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

"کون ہے؟"

"کھولو یار..... تم بھی بس۔" باہر سے آواز آئی۔

فریدی نے دروازہ کھول دیا۔ باہر ایک بے ہنگم سا آدمی کھڑا دانت نکالے اسے گھور رہا تھا۔

"میں نے کہا کیا کچھ چال پھیر کا بھی شوق ہے؟" اس نے ہتھیلی پر ہتھیلی رگڑتے ہوئے کہا۔

"ہاں..... آں ہے کیوں نہیں۔" فریدی بھی اسی انداز میں ہنس کر بولا۔ "مگر میں ہمیشہ لمبا کھیل کھیلتا ہوں۔"

"او..... ہو..... کتنا لمبا.....؟"

"جتنا بھی لمبا ہوسکے۔"

"تو آؤ.....!" وہ آدمی ہاتھ جھٹک کر بولا۔

فریدی نے باہر نکل کر دروازہ مقفل کیا اور اس کے ساتھ چلنے لگا۔ اس نے ابھی تک کپڑے نہیں اتارے تھے۔

وہ ایک بوسیدہ سے دلان میں آئے جہاں ایک بڑا سا لیمپ روشن تھا اور زمین پر پڑی ہوئی دری پر چار آدمی بیٹھے تھے۔ درمیان میں تاش کے پتے بکھرے ہوئے تھے۔ ان میں سے تین کو فریدی پہچانتا تھا۔ وہ یہیں سرائے ہی میں رہتے تھے۔ چوتھا اجنبی تھا۔ شائد وہ اسے کہیں باہر سے پھانس کر لائے تھے۔ آدمی مالدار معلوم ہوتا تھا۔ لیکن صورت سے شریف یا سیدھا سادہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اس کی آنکھوں سے مکاری ٹپکتی تھی۔

ان لوگوں نے فریدی کا استقبال بڑی گرم جوشی سے کیا۔

کھیل شروع ہوگیا اور ان میلے کچیلے خستہ حال بدمعاشوں کی جیبوں سے سو سو کے نوٹ نکلنے لگے

اچانک تھوڑی دیر بعد فریدی نے اپنے پتے رکھ دیئے اور داؤں پر پڑے ہوئے نوٹوں
ایک اٹھا کر لیمپ کی روشنی میں دیکھنے لگا۔ یہ نوٹ اسی اجنبی کے جیب سے نکلا تھا۔ دوسرے اس
اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے اور اجنبی کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ہر قسم کے حالا
سامنا کرنے کے لئے خود کو تیار کر رہا ہو۔

"کیوں بے۔" دفعتاً فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔ "استادوں سے استادی۔"

"کیا مطلب.....؟" وہ پیچھے کھسکنے لگا۔

"ہمیں لوٹنے آئے ہو..... جعلی نوٹ۔"

"بکواس ہے۔"

فریدی نے الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کر دیا۔ بقیہ چار حیرت سے منہ کھولے انہیں دیکھ
تھے۔ مار کھا کر اس آدمی نے چھرا نکال لیا اور پیچھے ہٹتے ہٹتے دیوار سے جا لگا۔

"اگر کوئی میرے قریب آیا..... تو....." وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

"مار ڈالو سالے کو۔" چاروں بیک وقت چیخے۔

"ٹھہرو.....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اس کے پاس لمبی رقم معلوم ہوتی ہے..... مگر
جعلی..... تم لوگ چپ چاپ بیٹھے رہو۔ میں دیکھتا ہوں۔"

فریدی آہستہ آہستہ خونخوار اجنبی کی طرف بڑھنے لگا۔

"آؤ..... آؤ..... تمہاری موت ادھر لا رہی ہے۔" اس نے کہا۔

فریدی اس سے ایک گز کے فاصلے پر رک گیا۔ اچانک اجنبی نے اس پر جست لگائی لیکن
کا چاقو والا ہاتھ دوسرے ہی لمحے میں فریدی کی آہنی گرفت میں تھا..... اور پھر وہ فریدی کی کر
لگتا ہوا کسی شہتیر کی طرح چاروں خانے چت فرش پر گرا۔ چاقو اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا
تھا۔

اور اب پھر اس میں اتنی سکت کہاں رہ گئی تھی کہ فریدی کا گھٹنا اپنے سینے پر سے ہٹا سکتا۔

"بڑے جیالے ہو۔" فریدی اس کے گال پر تھپڑ مارتا ہوا بولا۔

چاروں بے تحاشہ ہنس رہے تھے..... فریدی نے دوسرا تھپڑ مارتے ہوئے اسے سیدھا کر
کر دیا۔

"اگر تم نے ذرا بھی ہاتھ پیر ہلائے تو اپنے پیروں سے چل کر یہاں سے نہیں جا سکو گے۔ ہم
غریبوں کو لوٹنے آئے تھے۔ ہماری ہار اور جیت دونوں ہی افسوس ناک ہوتیں۔" پھر اس نے ان
چاروں سے کہا۔ "ارے یارو کیا دیکھتے ہو..... اس کی تلاشی لو۔"

یہ کام بڑے سکون کے ساتھ ہو گیا۔ اس کی جیبوں سے تیس ہزار کے جعلی نوٹ برآمد ہوئے۔
کچھ اچھی کرنسی بھی تھی۔ لیکن اس کی تعداد اڑھائی سو سے آگے نہیں بڑھی اور جسے فریدی نے اسی
وقت ان چاروں آدمیوں میں تقسیم کر دیا۔

"اب بتاؤ۔" فریدی پھر اس کے چہرے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ "یہ نوٹ تمہیں کہاں
سے ملے تھے؟"

اس نے جواب نہیں دیا۔ اس طرح چپ سادھ لی تھی جیسے گونگا ہو۔

فریدی نے جلد ہی محسوس کر لیا کہ بقیہ چاروں اب اسے شبہے کی نظر سے دیکھنے لگے ہیں۔ دفعتاً
وہ ان کی طرف مڑ کر بولا۔ "کمائی کیلئے یہ بہترین موقع ہے اسے کہیں بند کر دینا چاہئے۔"

"کیا کرو گے؟"

"پہلے اسے کہیں بند تو کر دیں پھر بتائیں گے۔"

"تم ایسا نہیں کر سکتے۔" اجنبی نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "کمائی کیا کرو گے؟"

"ہم کر لیں گے بیٹا..... تم اپنی چونچ بند رکھو۔" فریدی نے ایک بھدا سا قہقہہ لگایا۔

اتنے میں سرائے والی غل غپاڑہ مچاتی ہوئی وہاں آ گئی۔

"کیا شور مچا رکھا ہے تم لوگوں نے۔"

"ارے..... جاؤ..... کچھ نہیں ہم لوگ بگڑی بنا رہے ہیں یہ لو۔" فریدی اسے دس دس کے
تین نوٹ دیتا ہوا بولا۔ "چپ چاپ جا کر سو جاؤ۔"

"ابھی کیسے سو جاؤں..... کئی حرامیوں لاخیروں نے ابھی کھانا نہیں کھایا۔"

"اچھا..... بس اب جاؤ۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر ہاتھ جھٹکتا ہوا بولا۔

"یہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے۔" دفعتاً اجنبی نے چیخ کر کہا۔

"تو تم یہاں آئے کیوں ہو..... حرام کے جنو۔" اس نے لاپروائی سے کہا اور مٹکتی ہوئی چلی
گئی..... پھر ان لوگوں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ اجنبی کو دھکیل کر ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔

اسکے ہاتھ پیر باندھ دیئے گئے تھے اور منہ میں کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا تا کہ وہ شور نہ مچا سکے۔

پھر وہ چاروں فریدی کے بولنے کا انتظار کرنے لگے۔

''سنو دوستو!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''ایسے مواقع روز روز ہاتھ نہیں آتے..... اگر ہم نے ان لوگوں کو جکڑ لیا تو مالا مال ہو جائیں گے۔ ہمیشہ لمبے ہاتھ مارنے کی فکر میں رہا کرو۔''

''بات بھی تو بتا یار مرے۔'' ایک نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ہمیں ان لوگوں کا پتہ لگانا پڑے گا جو نقلی نوٹ بناتے ہیں۔''

''تب پھر تم ہمیں پولیس میں بھرتی کرا دو۔'' دوسرے نے قہقہہ لگایا۔

''تم سمجھتے نہیں..... ہم پولیس کو اسکی ہوا بھی نہ لگنے دیں گے۔ خود کمائی کریں گے کیا سمجھے۔''

''کچھ نہیں سمجھے یار..... پھر کوشش کرو۔'' ایک نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''ہم تمہیں اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ تم جاسوس ہو..... اور اب یہاں سے بچ کر نہیں جا سکتے۔''

وہ فخریہ انداز میں سینہ تانے فریدی کے سامنے کھڑا تھا اور اس کے بقیہ تین ساتھیوں نے اپنی دانست میں فرار کی ساری راہیں مسدود کر دی تھیں۔

''تم لوگ پاگل ہو گئے ہو۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''اگر میں جانا چاہوں تو تمہارے فرشتے بھی نہ روک سکیں گے۔ ہماری دوستی بالکل نئی ہے۔ اگر تم لوگ میرے ہاتھوں زخمی ہوئے تو مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا۔''

سامنے کھڑے آدمی نے فریدی پر ہاتھ چھوڑ دیا لیکن وہ اسی کے ایک ساتھی کے سر پر پڑا۔ فریدی ان کے نرغے سے دور کھڑا مسکرا رہا تھا۔

ایک بار پھر اس نے کہا۔ ''وہم میں نہ پڑو..... اب بھی میرا دل تمہاری طرف سے بُرا نہیں ہوا۔ ویسے تم مجھے کبھی نہ پا سکو گے۔ میں تم جیسے چالیس آدمیوں کو اسی طرح جھکاتا ہوا بھوری پہاڑیوں تک پہنچ جاؤں گا۔''

وہ چاروں بے حس و حرکت کھڑے رہے۔ فریدی پھر بولا۔ ''میں کوشش کرتا ہوں کہ قتل سے بچ سکوں مگر میری تقدیر..... میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ تم لوگ مجھے اس پر مجبور کر دو گے اور مجھے زندگی بھر کوفت رہے گی کہ میں نے کسی کو دوست کہہ کر قتل کر دیا۔''

اس نے جیب سے چاقو نکال کر کھولا..... کرکراہٹ کی آواز سناٹے میں گونج کر رہ گئی۔ پھر

نے کہا۔ ''تم لوگ بھی اپنے چاقو نکال لو..... میں تمہیں ایک شاندار کھیل دکھاؤں گا۔''

''نہیں دوست.....!'' لمبے آدمی نے آہستہ سے کہا۔ ''چاقو رکھ لو۔ ہم غلطی پر تھے۔''

فریدی چاقو کا پھل چوم کر اسے بند کرتا ہوا بولا۔ ''خدا کا شکر ہے۔''

''خدا کا شکر ہے۔'' چاروں نے بیک وقت دہرایا۔ پھر ایک ایک کر کے وہ چاروں اس سے ہاتھ گیر ہوئے۔

''اب پھر ہمیں معاملے کی بات کرنی چاہئے۔'' فریدی نے دری پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''میں نے لمبے ہاتھ مارے ہیں۔ بہت اونچے قسم کے معاملات میں شریک رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ بھی ان لوگوں کے لئے صرف کام کرتا ہوگا جو جعلی نوٹ بناتے ہیں۔ بنانے والے خود کبھی انہیں بازار میں نہیں پھیلاتے۔ یہ کام ان کے ایجنٹ کرتے ہیں۔ بنانے والوں کا کام تو نقلی کے عوض اصلی کرنسی سمیٹنا ہوتا ہے۔ اگر کسی طرح ہم ان لوگوں تک پہنچ جائیں تو انہیں بلیک میل کر سکتے ہیں۔''

''بلیک میل کیا ہوتا ہے۔'' لمبے آدمی نے پوچھا۔

''کسی کو ڈرا دھمکا کر روپیہ وصول کرنے کو کہتے ہیں۔ ہم انہیں پولیس کا خوف دلا کر ان سے بڑی بڑی رقمیں اینٹھیں گے..... کیا سمجھے۔''

''اگر انہوں نے نقلی ہی نوٹ تھما دیئے تو۔''

''میں کہیں مر گیا ہوں..... تم نے دیکھا کہ میں نے ایک ہی جھلک دیکھ کر تاڑ لیا تھا کہ نوٹ نقلی ہیں۔''

''اچھا..... اور..... تیس ہزار۔''

''انہیں جلا دیں گے..... کچا کام کبھی نہ کرنا چاہئے۔ پولیس سے بچنا ہی چاہئے۔''

''ٹھیک ہے..... اچھا تو چلو اس سے پوچھیں۔''

''ٹھہرو..... پہلے ایک بات کا فیصلہ کر لو۔''

''کہہ ڈالو.....!'' لمبے آدمی نے کہا۔

''تمہیں ہر حال میں میری بات ماننی پڑے گی تم اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکو گے۔''

''منظور ہے پارٹنر.....!'' وہ فریدی کے ہاتھ پر ہاتھ مارتا ہوا بولا۔ ''ایسے دوست کہاں ملتے ہیں۔''

نئی راہ پر

حمید نے اخبار اٹھایا اور اس کی نظر سب سے بڑی سرخی پر جم گئی۔

''دشمنوں کو دوست بنانے والا خود ہی کسی کی دشمنی کا شکار ہوگیا۔'' اور پھر نیچے دی ہوئی خبر بڑی سنسنی خیز ثابت ہوئی۔ یہ ڈاکٹر سلمان کی کار کی پراسرار کہانی تھی جسے کوئی کھل بالا سے لے تھا..... ڈاکٹر سلمان کو وہاں سے گھر تک ٹیکسی میں آنا پڑا اور جب وہ گھر پہنچا تو اسے پھاٹک کے سامنے اپنی کار جلی ہوئی ملی..... حمید کا خیال فریدی کی طرف گیا۔ وہ یقین کرنے پر مجبور تھا کہ حرکت فریدی ہی کی تھی۔ وہ اکثر ایسے ہی بے تکے کام کر گذرتا تھا..... بظاہر وہ بے تکے ہوتے حمید کی نظر سے آج تک کوئی ایسا واقعہ نہیں گذرا تھا جس کے نتائج دور رس نہ ثابت ہوئے ہوں حمید نے اس خبر کو کئی بار پڑھا..... پھر باہر جانے کے لئے تیاری کرنے لگا۔ لیکن اسی دوران میں اس طرح خیالات میں گم ہوا کہ آدھے کپڑے جسم پر اور آدھے کرسی کی پشت گاہ پر پڑے رہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب ایک دلچسپ ڈرامہ ہوا ہے۔ ایسا دلچسپ کہ شائد زندگی میں ایک ہی بار سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملے۔ وہ خود کو کرنل فریدی کا دشمن ظاہر کر رہا تھا مگر وہ تجربہ کیسا تھا اس پر اس زمین دوز دنیا میں کیا گیا تھا۔ وہ لوگ سارے کام سائینٹیفک اصولوں پر کرتے تھے۔ یہ کس اصول کے تحت ہوسکتا ہے کہ حمید صرف ایک آدمی سے سالہا سال کے تعلقات ختم کر کے اس دشمن ہوجاتا۔ یہ کسی جادوگر کا کمال تو ہوسکتا ہے لیکن شائد سائنس سے اس کا دور کا بھی علاقہ ہوتا..... کافی سوچ بچار کے بعد یہ بات حمید کی سمجھ میں آئی کہ اس تجربے کا مقصد پچھلی ذہنی زندگی متاثر کرنا بھی ہوسکتا ہے۔ یعنی پچھلے تمام تر تعلقات کے سلسلے میں دشمنی کے جذبات کا ابھارنا..... اس طرح صرف فریدی کے خلاف بغض وعناد کا اظہار یقیناً بے تکا ہوتا۔ اس نے سوچا کہ اب اسے سارے پرانے تعلقات پر دشمنوں کی طرح نظر ڈالنی چاہئے کیوں نہ اس سلسلے میں روحی ہی سے شروعات کی جائے۔ یقیناً اس چیز کی بے تحاشہ پبلسٹی ہوگی اور اس کا مطمح نظر بھی یہی تھا کہ کسی طرح تنظیم کے آدمیوں تک اس کے بدلتے ہوئے رجحانات کی اطلاع پہنچ جائے۔

وہ تھوڑی دیر خاموش بیٹھا رہا..... پھر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ دکھائی دی۔

بلیرڈ روم سے بلیرڈ کھیلنے کی ایک لکڑی حاصل کی اور باہر برآمدے میں آ گیا۔ جہاں روحی، شابہ اور قاسم ناش کھیل رہے تھے۔ وہ حمید کو بھی اپنی تفریحات میں شریک کرنا چاہتے مگر حمید انکار دیتا۔ ان سے الگ تھلگ گم سم بیٹھا رہتا۔ قاسم کو بھی اس کے اس رویہ پر حیرت تھی..... بہرحال وہ روحی اور نوشابہ کا بلاشرکت غیرے مالک بن بیٹھا تھا..... روحی بہت کم گھر سے نکلتی..... زیادہ انہیں لوگوں میں گذارتی۔ شاید اسی کی خاطر نوشابہ نے بھی اپنے اسکول سے ایک ماہ کی چھٹی لی تھی۔

اس وقت بھی انہوں نے حمید کو برآمدے میں آتے دیکھ کر چہکارتی ہوئی آوازوں سے اس کا ستقبال کیا لیکن حمید کی پیشانی پر پڑی ہوئی سلوٹیں کسی طرح بھی رفع نہ ہوئیں۔

وہ چپ چاپ قاسم کی کرسی کی پشت پر کھڑا ہوگیا۔ وہ لوگ کھیلتے رہے۔ دفعتاً حمید نے روحی سے کہا۔ ''یہ اُلو کا پٹھا..... تمہارے کارڈ دیکھ رہا ہے۔''

''تون.....!'' قاسم چونک پڑا پھر ہنس کر بولا۔ ''نہیں تم کیوں جھوٹ بولتے ہو۔''

مگر اس کی ہنسی دیر تک قائم نہ رہ سکی کیونکہ حمید کے چہرے سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ قاسم کو گالیاں دیتے دیتے خاموش ہوگیا ہو۔ قاسم کو فوراً ہی یاد آ گیا کہ حمید نے اسے اُلو کا پٹھا کہا تھا۔ اس نے جھینپی ہوئی نظروں سے نوشابہ اور روحی کی طرف دیکھا۔ وہ بھی متحیر انداز میں حمید کو دیکھ رہی تھیں۔ حمید قاسم کو اس طرح گھور رہا تھا جیسے چوری سے کسی کے کارڈ دیکھ لینا قتل کر دینے کے برابر ہو۔

''اے تم ہوش میں ہو یا نہیں۔'' قاسم غرا کر کھڑا ہوگیا۔

''چپ رہو بدتمیز.....!'' حمید نے چھوٹتے ہی لکڑی اس کے سر پر رسید کر دی۔

''ہائیں.....!'' قاسم نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا اور اس کی آنکھیں اپنے حلقوں سے نکلتی ہوئی معلوم ہونے لگیں۔ اس پر حیرت اور غصے نے بیک وقت حملہ کیا تھا۔

نوشابہ اور روحی بھی بوکھلا کر کھڑی ہوگئیں تھیں۔

''کمینے..... کتے۔'' حمید نے دوبارہ لکڑی گھمائی اور وہ اس بار قاسم کے شانے پر پڑی اور قاسم کوٹھڑی سے باہر ہوگیا۔

''مار ڈالوں گا.....!'' وہ دہاڑتا ہوا حمید کی طرف لپکا۔ لیکن حمید نے جھکائی دے کر پھر ایک

لکڑی رسید کردی۔

''ابے پاگل ہوگیا ہے..... مار ڈالوں گا۔'' اس بار قاسم نے پوری قوت سے حملہ کیا لیکن لکڑی بھی اس کے مقدر میں تھی۔

''یہ کیا ہوگیا ہے آپ کو۔'' روحی نے چیخ کر کہا۔

''شٹ اپ.....!'' حمید نے اس کی طرف بھی لکڑی گھمائی اور وہ برآمدے کے پر پڑی۔ قاسم کا دوسرا حملہ اسے برآمدے سے نیچے لے گیا۔ جیسے ہی قاسم زمین پر گرا..... حمید تین لکڑیاں اور رسید کردیں۔

غصے کی وجہ سے قاسم کی حالت دگرگوں تھی۔ وہ پھر اٹھا اور زمین سے بڑے بڑے پتھر حمید پر پھینکنے لگا۔ وہ حمید کی طرح اچھل کود نہیں سکتا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے حمید نے ریوالور نکال برآمدے میں کھڑی ہوئی عورتیں چیخنے لگیں۔ حمید نے فائر کردیا۔ قاسم چیختا ہوا زمین پر ڈھیر حالانکہ یہ حقیقت تھی کہ گولی اس کے سر سے ایک فٹ اونچی گئی تھی۔

پھر اس نے ایک فائر برآمدے کی طرف بھی کیا۔ کسی دروازے کا شیشہ جھنجھنا کر چور ہو دونوں عورتیں چیختی ہوئی ایک دوسرے پر گرنے لگیں۔

اس کے بعد حمید دو ہی تین جستوں کے بعد پائیں باغ کے باہر تھا۔ وہ پوری قوت سے پر دوڑتا رہا لیکن اس کے پیچھے دوڑنے والا کوئی نہیں تھا۔ روحی کے نوکر ان لوگوں کو سنبھالنے گئے تھے۔

تقریباً دو تین فرلانگ تک وہ ایک ہی رفتار سے دوڑتا رہا..... پھر اس کی سانس پھول چونکہ وہ اترائی تھی اس لئے اتنی دور تک چلا بھی آیا تھا۔ ورنہ چڑھائی پر اس طرح دوڑنا ناممکن ہوتا..... وہ سڑک کے کنارے ایک چٹان سے ٹک کر دم لینے لگا۔

یہاں سے شہر تک پہنچنا بھی ایک مشکل مسئلہ تھا۔ وہ جلد از جلد ان اطراف سے نکل جانا تھا۔ اسے یقین تھا کہ روحی اس واقعے کی اطلاع ماتھر کو ضرور دے گی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اب تک مطلع کر بھی چکی ہو کیونکہ کوٹھی میں فون موجود تھا۔

وہ پھر اٹھا اور چلنے لگا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں قاسم ہی اس کی تلاش میں نہ چل پڑے اب وہ نہیں چاہتا تھا کہ ان لوگوں سے دوبارہ ٹھیٹر ہو۔ لہٰذا وہ سڑک کے بائیں جانب والے

میں اترنے لگا۔ دفعتاً اسے کسی گاڑی کی آواز سنائی دی۔ مگر وہ کسی ٹرک ہی کی کرخت آواز ہوسکتی تھی۔ روحی کی اسٹیشن ویگن بے آواز تھی۔ حمید چلتے چلتے رک گیا۔ موڑ پر اسے ٹرک کا اگلا حصہ دکھائی دیا اور حمید پھر بڑی پھرتی سے سڑک پر آ گیا۔ ہاتھ اٹھا کر ٹرک رکوائی اور جھنجھلائے ہوئے ڈرائیور کو کسی نہ کسی طرح اس بات پر آمادہ کر ہی لیا کہ وہ اسے شہر پہنچا دے اور اس کے عیوض اس نے دس دس کے دو نوٹ ڈرائیور کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ اس نے اسے اپنے پاس ہی بٹھا لیا اور حمید بڑبڑانے لگا۔ ''یہ سالے دوست بھی بڑے کمینے ہوتے ہیں۔ ایسا مذاق کرتے ہیں کہ گولی مار دینے کو جی چاہتا ہے۔''

ڈرائیور جو اسے شبہے کی نظر سے دیکھ رہا تھا بولا۔ ''کیوں صاحب.....''

''ارے ہم جا رہے تھے پکنک پر جھلموار ..... راستے میں پیشاب کے لئے مجھے اترنا پڑا۔ کم بخت گاڑی نکال لے گئے۔ میں وہیں کا وہیں رہ گیا۔ خدا غارت کرے۔''

ڈرائیور ہنسنے لگا اور غالباً اس کے شکوک و شبہات ختم ہوگئے۔

شہر پہنچ کر حمید نے ڈاکٹر سلمان کی کوٹھی کی راہ لی۔ چار بج چکے تھے اسے وہاں پہنچنے میں دیر نہیں لگی کیونکہ شہر پہنچتے ہی اس نے ایک ٹیکسی لے لی تھی۔ آتش زدہ کار اب بھی پھاٹک کے سامنے موجود تھی۔ اسے اس جگہ سے ہٹا کر کہیں اور نہیں لے جایا گیا تھا۔ حمید ٹیکسی سے اتر کر پھاٹک کی طرف بڑھا اور نہایت اطمینان سے باغ کی روش پر ٹہلتا ہوا پورچ کی طرف جانے لگا۔ پوری عمارت پرسکون طاری تھا۔ شاید ادارہ روابط عامہ کا دفتر بھی بند ہو چکا تھا۔

حمید نے جیسے ہی پورچ میں قدم رکھا اس کی عاقبت روشن ہوگئی۔ پام کے بڑے گملے پر ایک پیر رکھے اور ستون سے ٹیک لگائے ایک بڑی خوبصورت لڑکی خلاء میں گھور رہی تھی۔ وہ یقیناً خوبصورت تھی اور اس کی آنکھیں خواب ناک سی تھیں۔ خفیف سے کھلے ہوئے ہونٹوں کے درمیان سفید دانتوں کی چمکدار لکیر جھانک رہی تھی اور ایک آوارہ سی لٹ اس کے بائیں گال پر جھول گئی تھی۔

حمید کو دیکھ کر وہ سیدھی کھڑی ہوگئی۔

''میں ڈاکٹر سے ملنا چاہتا ہوں۔'' حمید نے بڑی شائستگی سے کہا۔

لڑکی چند لمحے خاموش کھڑی رہی پھر بولی۔ ''کیوں ملنا چاہتے ہیں؟''

اس کا لہجہ حمید کو اچھا نہیں لگا لیکن پھر بھی اس نے اپنی پہلی سی شائستگی کے ساتھ جواب دیا۔

"یہ انہیں معلوم ہے۔"

"وہ گھر میں موجود ہیں مگر نہیں ملیں گے۔" لڑکی نے کہا اور برابر بولتی رہی۔ دم لئے بغیر پھر ایک لطفے کے لئے رکی اور اس طرح سر جھکا کر گردن اکڑائی جیسے تھوک نگلنے کے لئے رکی ہو۔ اس کے بعد پھر زبان چل پڑی۔ "آدمی کتے سے برتر نہیں ہوتا۔ مجھے آدمیوں سے نفرت ہے۔ بھائی جان ماہر نفسیات ہیں۔ اخبار والے بھی اتنے کتے ہیں کہ ان پر طنز کر رہے ہیں۔ دشمنوں کو دوست بنانے والا خود ہی کسی کی دشمنی کا شکار ہو گیا۔ لعنت ہے اس کالی صحافت پر، ہمدردی ظاہر کرنے کے بجائے طنز کرتے ہیں کتے..... آپ تشریف لے جایئے۔ بھائی جان..... آپ سے نہیں ملیں گے۔"

"آپ آدمی کو کتا سمجھتی ہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ہاں..... میں سمجھتی ہوں..... پھر.....!"

"تب ہم دونوں کے خیالات میں بہت تھوڑا فرق ہے۔ میں آدمی کو گدھا سمجھتا ہوں۔"

"آپ غلط سمجھے..... ہمارے خیالات میں زمین آسمان کا فرق ہے۔"

"کیوں..... میں غلط کیوں سمجھا ہوں۔"

"گدھے ایک دوسرے پر حملہ نہیں کرتے۔"

"معاف کیجئے گا..... آپ گدھوں کے متعلق کچھ نہیں جانتیں۔"

"آپ کیا بکواس کر رہے ہیں۔" لڑکی کی آواز غصیلی ہو گئی۔ "آپ میری معلومات کو چیلنج نہیں کر سکتے۔"

"میں کر سکتا ہوں..... میں گدھوں پر اتھارٹی ہوں۔ خیر اگر آپ کی معلومات گدھوں کے متعلق بہت وسیع ہیں تو یہی بتا دیجئے گا کہ گدھے کس عمر میں بالغ ہوتے ہیں؟"

"میں نہیں جانتی..... آپ چلے جایئے۔" وہ جھنجھلا گئی۔

"میں ڈاکٹر سلمان سے ملے بغیر نہیں جاؤں گا۔"

لڑکی پیر پٹختی ہوئی اندر چلی گئی۔ حمید سمجھا شاید وہ ڈاکٹر سلمان کو اطلاع دینے گئی ہے لیکن جب پانچ منٹ تک اسے یونہی کھڑا رہنا پڑا تو اس نے یہ خیال ترک کر دیا کہ لڑکی نے ڈاکٹر سلمان سے اس کا تذکرہ بھی کیا ہوگا۔

وہ پھر برآمدے میں پہنچ کر گھنٹی کا بٹن دبانے لگا۔ جلد ہی دروازے میں ایک ملازم کی شکل

ائی دی۔ حمید نے اسے اپنا کارڈ دیا۔ پھر اسے زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ نوکر نے واپس کر اسے ڈرائنگ روم میں پہنچا دیا۔

ڈاکٹر سلمان بھی ڈرائنگ روم میں جلد ہی آ گیا۔ حسب معمول اس وقت بھی اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔

"کہئے کیپٹن کیسے تکلیف فرمائی۔" اس نے حمید سے مصافحہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"سب سے پہلے تو میں آپ کے اس نقصان پر افسوس ظاہر کروں گا۔"

"اوہ.....!" ڈاکٹر سلمان نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "جانے بھی دیجئے..... اگر ایک آدمی یا یوں کو اسی سے کچھ قلبی سکون حاصل ہوا ہو تو یہ سودا میرے لئے مہنگا نہیں۔"

"آپ سچ مچ دیوتا ہیں۔" حمید اسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"نہیں کیپٹن میں صرف انسان ہوں۔"

"اگر انسان بھی ہیں تو میں آپ کو سپر مین کہوں گا۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں ایک معمولی آدمی ہوں۔ ہاں فرمایئے..... میرے لائق ئی خدمت۔"

حمید کے چہرے پر الجھن کے آثار نظر آنے لگے۔ وہ آہستہ سے بولا "میں تو سمجھا تھا کہ آپ ایچ مجھ سے نہ ملیں گے۔"

"کیوں.....؟" ڈاکٹر سلمان چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

"وہ ایک صاحبہ باہر ملی تھیں۔ بڑی دیر تک مجھے دھتکارتی رہیں۔ پھر اندر چلی گئیں۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ آپ اب کسی سے نہ ملیں گے اور آدمی دراصل کتا ہے۔"

"اوہ.....!" ڈاکٹر سلمان بیک بیک مغموم نظر آنے لگا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔

"مجھے افسوس ہے کیپٹن..... وہ میری بہن ساحرہ رہی ہوں گی۔ جتنا میں انسان ہوں، اتنی ہی ہے وہ۔"

"کوئی بات نہیں..... کوئی بات نہیں۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"نہیں کیپٹن..... میں اس کے لئے بہت مغموم رہتا ہوں۔"

پھر کمرے کی فضا پر گہری خاموشی مسلط ہو گئی۔

"میں دراصل.....!" حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "اپنی زندگی سے تنگ آ گیا ہوں۔"

"نہیں.....ایسا نہ کہئے۔ قوم کی بہت سی امیدیں آپ کی ذات سے وابستہ ہیں۔"

"اس لئے میں خودکشی کر لینا چاہتا ہوں۔ مجھے اپنے تمام دوستوں سے نفرت ہو گئی ہے۔ ہر ایک کے متعلق سوچتا ہوں کہ اسے کوئی نہ کوئی نقصان پہنچا دوں۔"

"آپ صرف اپنے ماحول سے اکتاہٹ کے شکار معلوم ہوتے ہیں اور یہ کوئی مستقل مرض نہیں ہے جس کے لئے آپ پریشان ہوں۔"

"یہاں میں آپ سے متفق نہیں ہو سکوں گا۔ آپ مجھے کسی طرح بھی مطمئن نہ کر سکیں گے کیونکہ ماحول سے اکتائے ہوئے لوگ کوئی خطرناک قدم نہیں اٹھا سکتے۔"

"میں نہیں سمجھا کیپٹن۔" ڈاکٹر سلمان اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا آہستہ سے بولا۔

"آج میں نے اپنے تین دوستوں پر گولیاں چلائی ہیں اور میں نہیں جانتا کہ وہ زندہ ہیں یا مر گئے۔"

"نہیں.....؟" ڈاکٹر سلمان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں ڈاکٹر.....یقین کیجئے، کچھ تعجب نہیں کہ اس وقت تک رام گڈھ کی پولیس میرے خلاف حرکت میں آ گئی ہو.....میں نے روحی، اس کی کرایہ دار نوشابہ اور اپنے دوست قاسم پر گولیاں چلائی تھیں۔"

"کہاں.....؟"

"روحی کی کوٹھی میں.....میرا قیام چند گھنٹے پہلے وہیں تھا۔"

"اوہ تب تو یہ واقعی بہت بُرا ہوا.....ٹھہریئے.....میں فون.....!"

"نہیں ڈاکٹر.....آپ پوچھ گچھ کرنے کی کوشش نہ کیجئے گا۔ اگر آپ کو میرے بیان پر شبہ ہو تو وہ کل صبح تک رفع ہو جائے گا۔ اخبارات میں خبر ضرور آئے گی۔"

"خیر جانے دیجئے.....ہو سکتا ہے پولیس کو کسی قسم کا شبہ ہو جائے۔"

"یہی مطلب ہے اور پھر کرنل فریدی بھی یہیں کہیں مقیم ہے۔ اگر اسے معلوم ہو گیا کہ میں کہاں ہوں تو میرا رخ ٹھیک پھانسی گھر کی طرف ہو گا۔"

"کرنل فریدی ہیں کہاں.....؟"

"کاش میں جانتا ہوتا.....وہ اب تک مجھ سے فراڈ کرتا رہا ہے۔ مجھے ہر خطرناک موقع پر قربانی کا بکرا بناتا رہا ہے۔ میں جب اس کی پچھلی حرکتوں پر غور کرتا ہوں تو میرا خون کھولنے لگتا ہے۔"

"تو کیا آپ کرنل فریدی پر بھی اسی طرح حملہ کر سکتے ہیں۔"

"ہاں ڈاکٹر.....میں یہی محسوس کرتا ہوں۔ وہ جب بھی سامنے آیا اس کی کھوپڑی اڑا دوں گا.....خواہ شارع عام ہی پر مجھے ریوالور نکالنا پڑے۔"

ڈاکٹر سلمان کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "اگر یہ صحیح ہے کہ آپ نے ان تینوں پر گولیاں چلائی ہیں تو اب آپ کا کیا پروگرام ہے۔"

"مجھے پولیس سے چھپنا پڑے گا اس وقت تک جب تک کہ فریدی کا کام تمام نہیں کر لیتا۔ اس کے بعد خواہ مجھے کتوں سے نچوا ڈالا جائے مجھے پرواہ نہ ہو گی۔"

"کیپٹن میں تمہارا علاج کروں گا۔ یہ کیس میرے لئے بالکل انوکھا ہے۔ اس کیلئے میں پولیس کا خطرہ بھی مول لے سکتا ہوں۔ یعنی آپ یہیں قیام کریں گے۔"

"نہیں ڈاکٹر میں آپ کو کسی مصیبت میں نہیں پھنسانا چاہتا۔"

"دیکھئے۔ اگر میں آپ کو مجرم سمجھتا ہوتا تو آپ اس وقت یہاں نہ دکھائی دیتے۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ جس وقت آپ نے ان لوگوں پر گولی چلائی تھی ہوش میں نہیں تھے۔"

"قطعی نہیں.....مجھے بس اتنا ہی یاد ہے کہ میں نے ان پر فائر جھونک مارے تھے اور اس کے بعد وہاں سے بھاگ نکلا تھا۔ میرا سارا سامان بھی وہیں رہ گیا ہے۔"

"تو آپ یہاں رام گڈھ کس طرح پہنچے۔ کیا پیدل آئے ہیں؟"

"نہیں.....اتفاقاً ایک ٹرک مل گیا تھا۔"

"اچھا تو بس اب آپ کہیں نہیں جائیں گے۔" ڈاکٹر سلمان نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"جیسی آپ کی مرضی۔" حمید آہستہ سے بولا۔

"مگر کیپٹن.....!" ڈاکٹر سلمان کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔ "آپ سیدھے یہیں کیوں چلے آئے۔ آپ کو یقین تھا کہ آپ کے ساتھ یہی برتاؤ کروں گا۔"

"ہاں مجھے یقین تھا۔"

"آخر کس بناء پر.....؟"

"میں نہیں جانتا..... میرا دل کہتا تھا کہ آپ اس حال میں بھی مجھ سے انسانیت ہی کا برتاؤ کریں گے۔"

"گویا..... یہاں بھی آپ بیہوشی ہی کے عالم میں آئے ہیں۔" ڈاکٹر سلمان نے کہا۔

"کیوں..... نہیں تو..... بھلا میں بیہوشی کے عالم میں ٹرک ڈرائیور سے باتیں کیسے بناتا۔"

پھر حمید نے اسے بتایا کہ اس نے کس طرح ٹرک ڈرائیور کو یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ اس کے چند دوست اسے وہاں شرارتاً چھوڑ گئے تھے۔

"یہ ایک بہت زیادہ الجھا ہوا نفسیاتی کیس ہوگا۔" ڈاکٹر سلمان نے تشویش کن لہجے میں کہا۔ چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ "کیا کبھی آپ کے دل میں میرے خلاف نفرت کے جذبات بھی پیدا ہوئے تھے۔"

"بلاشبہ پیدا ہوئے تھے۔" حمید نے اعتراف کیا۔

"کیوں.....؟"

"میرا خیال تھا کہ ادارہ روابط عامہ فراڈ ہے۔ آپ نے روحی سے روپے وصول کرنے کے لئے خود ہی اس پر حملے کرائے تھے۔ یقیناً اس وقت دل میں آپ کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا ہوئے تھے۔ مگر اب نہ جانے کیوں میں سوچتا ہوں کہ آپ تو دیوتا ہیں۔ بیسویں صدی کے گوتم بدھ۔"

"میرے خدا.....!" ڈاکٹر سلمان ہنسنے لگا۔ "آپ میری طرف سے اتنے بدگمان تھے۔"

"مجھے انتہائی ندامت ہے ڈاکٹر۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے یہ بات آپ پر کیوں ظاہر کی۔ شائد میں اب بھی ہوش میں نہیں ہوں۔"

حمید خاموش ہو کر مضطربانہ انداز میں اپنی پیشانی رگڑنے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "اب میں سوچ رہا ہوں کہ دوسری بات بھی آپ کو بتاؤں یا نہ بتاؤں۔"

"دوسری بات کون سی ہے۔" ڈاکٹر سلمان آگے جھک آیا۔

"کرنل فریدی سے متعلق ہے۔"

"ضرور بتایئے۔"

"اس نے آپ کے متعلق ایک بہت بڑا شبہ ظاہر کیا تھا۔"

"وہ کیا.....؟"

"یہی کہ آپ طاقت کی تنظیم سے تعلق رکھتے ہیں۔"

"میں نہیں سمجھا..... طاقت کی تنظیم..... کیا مطلب.....؟"

"میں نہ جانے کیا بک رہا ہوں ڈاکٹر..... کچھ نہیں..... یہ سب کچھ آپ کی شان میں بہت بڑی گستاخی ہے۔" حمید دفعتاً اپنے بال نوچنے لگا۔

"اوہو..... اوہو.....!" ڈاکٹر سلمان جلدی سے اٹھ کر اس کے ہاتھ پکڑتا ہوا بولا۔ "مت سوچئے وہ باتیں..... جن سے آپ کو الجھن ہوتی ہے۔ چلئے میں آپ کو وہ کمرہ دکھادوں جہاں آپ کا قیام ہوگا۔"

دوسری آگ

فریدی نے اس جعلساز کو اس لئے نہیں پکڑا تھا کہ ان بدمعاشوں پر اس کا رعب پڑے۔ بلکہ آج کئی ماہ اسے اس قسم کے جعلی نوٹ بازار میں پھیل رہے تھے لیکن ابھی تک کوئی ایسا آدمی نہیں پکڑا جا سکا تھا جس کے پاس سے زیادہ تعداد میں نوٹ برآمد ہوتے۔ ویسے لاکھوں روپیوں کی جعلی کرنسی بازار میں موجود تھی۔

طاقت کی تنظیم کا دوبارہ سراغ ملتے ہی فریدی نے سوچا تھا ممکن ہے اس حرکت کا تعلق بھی اُسی سے ہو۔ کیونکہ اتنے پراسرار طریقے پر جعلی کرنسی کا پھیلا دینا معمولی آدمیوں کے بس کا روگ نہیں اور پھر وہ جعلی کرنسی بھی ایسی ہی تھی کہ ماہرین کے علاوہ شائد ہی کوئی اس کی شناخت کر سکتا۔

بہرحال یہ پہلا ہی آدمی تھا جس کے پاس اتنی زیادہ تعداد میں اُسی قسم کے جعلی نوٹ ملے تھے۔ پچھلی رات اس نے اس آدمی کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ سب کچھ اگل دے اور اس کی تدابیر اس سلسلے میں کارگر ہی ہوئی تھیں۔

اس نے صبح تک اُسے بند رکھا اور پھر چھوڑ دیا مگر نوٹ اسے واپس نہیں کیے۔ صرف اتنا اشارہ اسے دیا گیا تھا کہ وہ رام گڈھ سے باہر چلا جائے اور فریدی نے سرائے ہی کے بدمعاشوں میں سے ایک کو اس کے پیچھے لگا دیا تھا کہ وہ اس کی نقل و حرکت پر نظر رکھے۔ یعنی وہ اس کے مشورے پر رام گڈھ سے باہر جاتا بھی ہے یا نہیں۔

اُس نے ایک عمارت کا پتہ بتایا تھا جہاں سے جعلی نوٹ آدھی قیمت پر دستیاب ہوئے تھے۔ اب فریدی نے ان چاروں آدمیوں کو اس نئے کام سے متعلق ٹریننگ دینی شروع کی اور جلد ہی اندازہ کرلیا کہ وہ کام کے ثابت ہوسکیں گے۔

وہ عمارت جس کا پتہ اس نے بتایا تھا سرائے سے زیادہ دور نہیں تھی اور وہاں رام گڈھ کی ایک بدنام ترین متمول عورت رہتی تھی۔ وہ چاروں تو اس کا نام ہی سن کر کانپ گئے تھے انہوں نے اسے بتایا کہ وہ ایک خطرناک عورت ہے۔ رام گڈھ کے حکام اس کے قبضے میں ہیں اور وہ روزانہ درجنوں غیر قانونی کام کرڈالتی ہے۔ رام گڈھ کے اونچے اونچے بدمعاش اس کی مٹھی میں ہیں۔ اس کا نام سن کر انہوں نے فریدی کا ساتھ دینے سے صاف انکار کردیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ انہیں پہچانتی ہے۔ بمشکل تمام فریدی نے انہیں اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ وہ لوگ پس منظر ہی میں رہ کر اس کے لئے کام کریں گے۔

فریدی اس عورت تتاریہ کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا۔ انہیں چاروں کی زبانی اسے بہتیرے حالات معلوم ہوئے۔ وہ ایک مقامی رئیس کی بیوہ تھی لیکن بوبریا کی رہنے والی تھی۔ نہ صرف اردو بلکہ مشرق کی کئی زبانیں بے تکان بول سکتی تھی۔ کافی دولت مند تھی اور کئی مقامی حکام اس کے قرض دار تھے۔

فریدی کو اس کی شخصیت بڑی دلچسپ معلوم ہوئی۔

یہ اسی شام کی بات ہے جب حمید نے ڈاکٹر سلمان کے یہاں پناہ لی تھی۔ فریدی اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا۔ ''تم ڈرو نہیں..... میں رام گڈھ کے اونچے سے اونچے بدمعاش سے ٹکرانے کی ہمت رکھتا ہوں۔''

''اگر پولیس سے مڈبھیڑ ہوگئی تو۔'' ایک نے کہا۔ ''تتاریہ کے خلاف نہیں جائے گی پولیس۔''

''پولیس کس چڑیا کا نام ہے۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ ''کبھی رن پڑے تو پھر دیکھ

رے کمال۔''

''یار تم بڑے تیس مار خاں بنتے ہو۔'' لمبے آدمی رانو نے کہا۔

''رانو..... تم مجھے نہیں جانتے۔ میں خاندانی آدمی ہوں کبھی سلطانہ ڈاکو کا نام سنا ہے۔''

''ارے واہ..... کس نے نہ سنا ہوگا۔''

''وہ میرا چچا لگتا تھا۔''

''نہیں.....!'' رانو کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''ہاں دوست! یہ سب کچھ خاندانی فیض ہے۔ چچا نے کئی گر مجھے سکھائے تھے جو آج میرے لاوہ اور کسی کو نہیں معلوم۔ پولیس سے کس طرح بچنا چاہئے اگر ساتھی غداری کریں تو انہیں مار ڈالنے کا سب سے آسان تدبیر کیا ہوسکتی ہے۔ پانی میں کم از کم آٹھ گھنٹے تک ڈوبے رہنے کے باوجود بھی زندہ رہنا..... بہتیری باتیں رانو..... اور یہ سارے گر مجھ سے وہی حاصل کرسکے گا جو میرا چہیتا و..... آخر وقت تک میرے لئے جان لڑاتا رہے۔''

وہ چاروں خاموش رہے ابھی تک ان کی حیرت رفع نہیں ہوئی تھی۔

اسکیم کے مطابق فریدی کو سات بجے سرائے چھوڑ دینی تھی۔ ساڑھے چھ بجے وہ آدمی واپس آیا جسے اس جواری کے پیچھے لگایا گیا تھا۔ اس نے اطلاع دی کہ جواری نے رام گڈھ چھوڑ دیا ہے۔ وہ خود اسے ٹرین پر بیٹھتے دیکھ چکا تھا۔

فریدی ٹھیک سات بجے سرائے سے نکل گیا۔ وہ ابھی تک اُسی پرانے میک اپ میں تھا۔ یہاں پر اس کے پاس میک اپ کا دوسرا کوئی سامان نہیں تھا ورنہ وہ اسی جواری کے میک اپ کو ترجیح دیتا۔ حقیقتاً اسے اس وقت جو کچھ بھی کرنا تھا اسی جواری کی حیثیت سے کرنا تھا۔ اس نے اسے جعلی نوٹ حاصل کرنے کا طریقہ بتاتے ہوئے سارے مراحل سے آگاہ کردیا تھا۔

وہ ریجنٹ سینما کے قریب پہنچا۔ اس جگہ بہت سی کاریں کھڑی تھیں پھر وہ ساڑھے سات بجے کا انتظار کرتا رہا۔ ابھی دس منٹ باقی تھے۔ اس نے ایک سگریٹ سلگایا اور بجلی کے کھمبے سے ٹک کر کھڑا ہوگیا۔

ٹھیک ساڑھے سات بجے اس نے ہونٹ سکوڑ کر تین بار سیٹی بجائی۔ پاس ہی کی ایک کار سے اسے قریب آنے کا اشارہ کیا گیا۔ کار میں ڈرائیور کی سیٹ پر ایک ہی آدمی تھا۔ فریدی اس کا دروازہ

کھول کر پچھلی نشست پر بیٹھ گیا اور کار چل پڑی۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد کار پھر رکی اور وہ کسی کی بستی میں تھا۔ ڈرائیور نے ایک بالا خانے کے زینوں کی طرف اشارہ کیا۔ فریدی دروازہ کھول کر نیچے اترا اور کار آگے بڑھ گئی۔

دوسرے لمحے میں وہ زینے طے کرتا ہوا اوپر جا رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ کوٹ کی جیبوں میں تھے اوپر ایک ادھیڑ عمر عورت نے اس کا استقبال کیا۔

"تشریف رکھئے جناب۔" وہ اسے اوپر سے نیچے تک دیکھتی ہوئی بولی۔ "آپ نے غلط انتخاب نہیں کیا۔ ہم اعلیٰ پیمانے پر آرام و آسائش کا انتظام رکھتے ہیں۔ جس قوم یا نسل کی لڑکی کو پسند ہو مجھے آگاہ کریں۔"

"میں ایسی لڑکی چاہتا ہوں جس کا نام "ت" سے شروع ہوتا ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"اوہ..... اچھا..... ٹھہریئے۔" اس نے ایک میز کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

پھر وہ میز پر جھک کر کچھ لکھنے لگی۔ واپسی پر اس کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک ٹکڑا تھا جسے اس نے کچھ کہے بغیر فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

"شکریہ۔" فریدی پرزے پر نظر ڈالتا ہوا بولا اور الٹے پاؤں زینوں سے نیچے اترتا چلا گیا۔ سڑک پر پہنچ کر اس نے ایک ٹیکسی لی اور ڈرائیور سے "پیتل وار" چلنے کو کہتا ہوا پچھلی نشست پر گیا۔ "پیتل وار" میں زیادہ تر نچلے طبقے کے لوگ آباد تھے خال خال کوئی بڑی عمارت نظر آجاتی اور انہیں بڑی عمارتوں میں سے ایک کا پتہ لکھ کر اس عورت نے فریدی کو دیا تھا۔ "پیتل وار" پہنچنے میں ایک گھنٹہ صرف ہوا۔ ٹھیک اسی عمارت کے سامنے ٹیکسی رک گئی جہاں فریدی کو پہنچنا تھا۔

عمارت بڑی ضرور تھی لیکن اس کے سامنے پائیں باغ نہیں تھا۔ حالانکہ یہ چیز کم از کم گڈھ کے ماحول کے خلاف تھی جہاں معمولی سے معمولی عمارت بھی پائیں باغ سے محروم نظر نہیں تھی۔ رام گڈھ والوں کو پھولوں اور ہریالی سے عشق تھا۔ وہ لوگ جو گلی سڑی لکڑی کی جھونپڑیوں میں رہتے تھے وہ بھی کم از کم ان پر عشق پیچاں کی ایک آدھ بیل ضرور چڑھا دیتے تھے۔

فریدی نے ٹیکسی واپسی پر کی تھی۔ اس نے ڈرائیور کو پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ وہ اُسے عمارت کے سامنے چھوڑ کر کچھ آگے بڑھ جائے گا..... اور وہیں اس کی واپسی کا منتظر رہے گا۔

صدر دروازے پر پہنچ کر اس نے دستک دی۔ دروازہ کھلا لیکن اندھیرا ہونے کی بناء

دروازہ کھولنے والے کی شکل نہیں دیکھ سکا۔

"کیا بات ہے.....؟" اندھیرے سے آواز آئی۔

"پانچ سو پچپن.....!" فریدی نے جواب دیا۔

"ایک نکال دو۔" اندھیرے میں کہا گیا۔

"چار سو چوالیس.....!" فریدی نے شائد جواباً کہا کیونکہ لہجہ جواب ہی دینے کا سا تھا۔

"آجاؤ.....!" اندھیرے سے کہا گیا اور طویل راہداری میں فریدی کو ٹارچ کی روشنی دکھائی دی..... وہ اندر داخل ہو گیا..... مگر اس کے دونوں ہاتھ اب بھی کوٹ کی جیبوں میں تھے۔

راہداری طے کر کے وہ ایک بڑے کمرے میں آئے جہاں بہت ہی گھٹیا قسم کا فرنیچر موجود تھا اور فرش پر پڑے ہوئے قالین سالخوردہ تھے مگر وہاں بہت زیادہ قوت کے بلب روشن تھے اور اس تیز روشنی میں وہاں کا گھٹیا سامان اور زیادہ بدنما معلوم ہوتا تھا..... کمرے میں فریدی اور اس کے راہبر کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

اب فریدی نے اس آدمی کو روشنی میں دیکھا جس نے دروازہ کھولا تھا۔ ایک لمبا تڑنگا اور مضبوط ہاتھ پیر کا آدمی تھا۔ گردن اور چہرے کی بناوٹ خصوصیت سے کسی گینڈے کی یاد دلاتی تھی..... وہ فریدی کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

"ہوں.....!" اس نے اس طرح کہا جیسے آمد کا مقصد معلوم کرنا چاہتا ہو۔ مگر فریدی نے اس کی آنکھوں سے جھلکتی ہوئی بے یقینی صاف پڑھ لی تھی۔

فریدی مسکرا کر بولا۔ "بزنس.....!"

"اچھا..... اچھا..... تم یہیں ٹھہرو..... میں اطلاع کرتا ہوں۔"

وہ دوسرے دروازے سے نکل گیا۔ فریدی انتظار کرتا رہا۔ اس کے دونوں ہاتھ اب بھی کوٹ کی جیبوں میں تھے۔ کچھ دیر کے بعد وہ ایک آدمی کے ساتھ واپس آیا اور دوسرا آدمی بھی آتے ہی فریدی کو گھورنے لگا۔ یہ متوسط اور مضبوط جسم کا آدمی تھا۔ عمر بھی تیس سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔

"کیوں..... بزنس.....!" اس نے آہستہ سے کہا۔ لیکن اس کی تیز آنکھیں فریدی ہی کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"تم لوگ وقت کیوں برباد کر رہے ہو میرا۔" فریدی نے جھنجھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "آج

دلیپ نہیں آسکا..... میں آیا ہوں..... میں اس کا پارٹنر ہوں۔"

"تم پارٹنر ہو۔" گرانڈیل آدمی مسکرایا۔

"اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھالو۔" نئے آنے والے نے دفعتاً ریوالور نکال لیا۔

"مجھے یہ نہیں بتایا تھا دلیپ نے۔" فریدی جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"اب ہم بتادیں گے، ہاتھ اٹھاؤ..... ورنہ گولی ماردوں گا۔"

فریدی کا بایاں ہاتھ جیب سے نکلا اور ساتھ ہی داہنی جیب سے ایک فائر ہوا۔ یہ سب اتنے غیر متوقع طور پر ہوا کہ چوٹ کھائے ہوئے آدمی کو چیخنے کا بھی موقع نہ مل سکا۔ ریوالور اچھل کر دور جا پڑا تھا اور وہ خود اپنا زخمی ہاتھ دبائے ہوئے فرش پر آرہا۔

فریدی ریوالور کا رخ گرانڈیل گینڈے کی طرف کئے ہوئے وہاں آیا، جہاں دوسرا ریوالور گرا تھا اور اسے اٹھا کر جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ "میرا بزنس اسی طرح صاف ہوتا ہے اور ہاں مجھے یہ یقین دلانے کی کوشش نہ کرنا کہ اس عمارت میں تم دونوں کے علاوہ بھی کوئی اور موجود ہے۔"

گرانڈیل آدمی کچھ نہ بولا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے تھے اور زخمی آدمی اپنا داہنا ہاتھ دبائے کھڑا تھا۔ گولی کھال پھاڑتی ہوئی دوسری طرف کی دیوار سے جا ٹکرائی تھی اور اب فرش پر پڑے ہوئے قالین داغدار ہوتے جارہے تھے۔

"آدمی پہچان کر ریوالور نکالا کرو دوستو۔" فریدی نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

"تم کون ہو.....؟" گرانڈیل آدمی غرایا۔

"میں دلیپ کا پارٹنر نہیں ہوں بلکہ اس کی ہڈیاں توڑ کر یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوا ہوں اور میں بزنس کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے پچپن ہزار کی اصلی کرنسی چاہئے۔ وہ نہیں جو بازار میں پھیلاتے ہو..... غالباً اب تم میرے بزنس کی نوعیت سمجھ گئے ہوگے۔"

وہ دونوں خاموش کھڑے رہے۔ زخمی آدمی کا چہرہ زرد پڑتا جارہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اپنے ذہن سے لڑ رہا ہو۔ بہرحال اسکے متعلق فریدی کا اندازہ تھا کہ کافی جاندار آدمی ہے۔

"بزنس..... مجھے جلدی ہے۔"

"تم کون ہو؟" گرانڈیل آدمی نے پھر پوچھا۔

"میں کوئی مشہور آدمی نہیں ہوں کہ نام بتانے سے تم مجھے پہچان لو۔ اس لئے اس کے چکر میں

نہ پڑو۔ میں پچپن ہزار کی اصلی کرنسی طلب کررہا ہوں۔ وہ مجھے ملنے چاہئے ورنہ تمہارا سارا بزنس خاک میں مل جائے گا۔"

"ریوالور جیب میں رکھ لو۔" گرانڈیل آدمی نے نرم لہجے میں کہا۔ "ہم معاملے کی بات کریں گے۔"

"میں ریوالور کی نال ہی پر معاملے کی بات کرتا ہوں۔"

"تب پھر کوئی بات نہیں ہوسکتی۔"

"بات تو ہوکر رہے گی دوستو! میں جان پر کھیل کر یہاں تک پہنچا ہوں۔ خالی ہاتھ واپس نہیں جاؤں گا..... ہاں اگر تم کل تک بھی پچپن ہزار دینے کا وعدہ کرو تو یہ ممکن ہے۔"

"ہم غیر دوستانہ ماحول میں کوئی بات نہیں کریں گے۔" گرانڈیل آدمی نے کہا۔

"قطعی دوستانہ ماحول ہے۔ ریوالور کی پرواہ مت کرو۔" فریدی بولا۔

"اچھا تو سنو! تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ تمہارے یا دلیپ کے کہنے پر پولیس یہاں تک آنے کی زحمت نہیں گوارا کرے گی کیونکہ یہ عمارت ایک معزز عورت کی ملکیت ہے۔"

"میں ایک غیر معزز آدمی ہوں۔ اس لئے پولیس کے پاس کبھی نہ جاؤں گا۔"

"پھر کیا کرو گے؟"

"تمہارا بزنس چوپٹ کروں گا۔ میں ایک غیر معروف آدمی ضرور ہوں لیکن تتاریہ جیسی درجنوں عورتیں میری داشتاؤں کی حیثیت سے رہ چکی ہیں۔ اب سمجھے تم۔"

"تم بکواس کررہے ہو۔ پتہ نہیں کس بزنس کی بات کررہے ہو۔ میں مادام تتاریہ کی غیر منقولہ جائیداد کا منیجر ہوں۔"

"اور تم لوگ اتنے گدھے ہو کہ تمہارے گاہکوں کو بھی اس کا علم ہے۔ یعنی وہ جانتے ہیں کہ اس بزنس کی پشت پر کون ہے۔"

"جانتے ہوں گے۔" اس نے لاپروائی سے جواب دیا۔ "جاؤ تم پولیس کو بھی آزما دیکھو۔"

"تم آخری میری بات سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔" فریدی نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تمہاری بات..... تم اپنی بات سمیت یہاں سے دفع ہوجاؤ۔ ورنہ تھوڑی دیر بعد تمہیں یہیں

دفن ہونا پڑے گا۔"

"یعنی کچھ لوگ باہر سے آجائیں گے۔"

"یقیناً.....!"

"ارے یار ..... بڑے احمق معلوم ہوتے ہو۔ تب تو مجھے ادھر اُدھر کی باتوں میں الجھا رہنا تھا۔ میں نہایت آسانی سے تمہارے رازوں سمیت دفن ہو جاتا۔" فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"دفن ہو جاؤ گے۔" گرانڈیل آدمی نے اپنے لہجے میں خود اعتمادی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"پچپن ہزار کی بات کرو۔" دفعتاً فریدی کے لہجے میں سفاکی جھلکنے لگی۔

گرانڈیل آدمی اسے گھورتا رہا۔

اب فریدی دوسرے آدمی سے مخاطب ہوا جس کے پیر کانپ رہے تھے اور زخم سے برابر خون بہے جا رہا تھا۔

"تم یہاں اس قالین پر لیٹ جاؤ۔"

لیکن وہ سوالیہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"چلو جو کچھ کہہ رہا ہوں کرو۔ ورنہ انجام ہر حال میں خطرناک ہوگا۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے..... چلو جلدی کرو۔"

وہ چپ چاپ قالین پر لیٹ گیا۔ گرانڈیل آدمی کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔

فریدی نے قالین پر لیٹے ہوئے آدمی سے کہا۔ "اب قالین کا گوشہ اپنے اوپر ڈال کر اٹھ چلے جاؤ..... جلدی کرو۔"

"کیا کر رہے ہو تم.....!" گرانڈیل آدمی غرایا۔

"بنڈل بنا رہا ہوں..... تم خاموش رہو۔" فریدی نے لاپروائی سے جواب دیا۔ پھر دوسرے آدمی سے کہا۔ "جلدی کرو، ورنہ ٹھوکر رسید کر دوں گا۔"

وہ اپنے اوپر قالین ڈال کر الٹتا چلا گیا۔ نتیجے کے طور پر بنڈل تیار تھا۔ فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔ "بس آرام سے پڑے رہو اگر کسی موقع پر اٹھنے کی کوشش کرو گے تو تمہاری زندگی کی ضمانت نہ دی جا سکے گی۔"

پھر وہ گرانڈیل آدمی کی طرف بڑھا اور ریوالور کی نال اس کے سینے پر رکھ کر اس کی جامہ تلاشی

لینے لگا۔ لیکن اس کے پاس سے ریوالور یا چاقو برآمد نہیں ہوا۔

پھر وہ اس سے چھ قدم کے فاصلے پر ہٹ کر اپنا ریوالور جیب میں ڈالتا ہوا بولا۔ "آؤ اب دستانہ فضا میں دو دو ہاتھ ہو جائیں۔ میں یہاں سے خالی ہاتھ ہرگز نہ جاؤں گا۔ تم لوگوں نے بے خانہ دولت پیدا کی ہے۔ اس لئے کم از کم چوتھائی تو مجھے ملنا ہی چاہئے اور میں برابر وصول کرتا رہوں گا۔ مطمئن رہو۔"

"تم لوٹنے آئے ہو ہمیں۔" گرانڈیل آدمی جو اپنے ہاتھ گرا چکا تھا۔ تھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"ہاں..... یہی سمجھ لو..... کچھ تو سمجھو۔ اتنی دیر ہو گئی سمجھاتے سمجھاتے۔"

"تم ایسا نہیں کر سکو گے۔"

"اچھا تو روک لو مجھے۔"

اچانک گرانڈیل آدمی نے فریدی پر چھلانگ لگائی۔ فریدی ایک طرف ہٹ گیا اور وہ منہ کے بل فرش پر چلا آیا۔ فریدی نے اس کے سر پر پے در پے تین ٹھوکریں رسید کیں اور اسے اٹھنے کی بھی مہلت نہ مل سکی۔ وہ کسی بھینسے کی طرح فرش پر پڑا ڈکراتا رہا..... اور پھر آہستہ آہستہ اس کی آواز دبتی گئی۔

قالین میں لپٹا ہوا آدمی پہلے ہی بیہوش ہو چکا تھا۔ دوسرے نے بھی جلد ہی ہاتھ پیر ڈال دیئے۔ پھر پانچ منٹ کے اندر ہی اندر فریدی نے انہیں ایک ایسی کوٹھری میں بند کر دیا جس میں صرف ایک ہی دروازہ تھا۔

ان سے نپٹنے کے بعد اس نے ایک بار سارے بیرونی دروازوں کا جائزہ لے کر اطمینان کر لیا کہ اس کے کام میں کوئی مخل نہ ہو سکے گا۔

پھر عمارت کی تلاشی شروع ہو گئی۔ فریدی ایک ایک چیز اور ایک ایک گوشے کو بغور دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اس نے ایک زمین دوز تجوری کا پتہ لگا لیا اس کا قفل کھولنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ فریدی ایک مشاق قفل توڑنے والا تھا۔ اس کی انہیں صلاحیتوں کی بناء پر اکثر کیپٹن حمید نے سوچا تھا کہ اگر فریدی غلط راستوں پر نکل گیا ہوتا تو حکومت کے لئے مستقل دردسر بن جاتا۔

تجوری خالی نہیں تھی۔ اس میں بڑے نوٹوں کی بے شمار گڈیاں تھیں۔ فریدی انہیں نکال نکال کر فرش پر ڈھیر کرتا رہا۔ ان میں سے تقریباً چالیس ہزار کے نوٹ اصلی ثابت ہوئے اور بقیہ سب جعلی۔

فریدی نے جعلی نوٹوں کو ایک جگہ اکٹھا کر کے ان میں آگ لگادی اور اصلی نوٹ اپنی جیبوں میں ٹھونس لئے۔ لیکن اب بھی اس کی تشفی نہیں ہوئی۔ اسے کسی ایسے ثبوت کی تلاش تھی جس کی بنا پر وہ اپنی ان حرکات کو حق بجانب قرار دے سکتا۔ یعنی ابھی تک وہ یہ نہیں ثابت کر سکا تھا کہ ان لوگوں کا تعلق بھی ''طاقت'' ہی کی تنظیم سے ہے۔

نوٹ آگ میں جل رہے تھے اور فریدی ان پر نظر جمائے سوچ رہا تھا کہ اگر آج کی جدوجہد کا اتنا ہی نتیجہ نکلنا تھا تو کچھ بھی نہ ہوا۔

اچانک برابر والے کمرے میں گھنٹی بجنے کی آواز آئی۔ فریدی جھپٹ کر وہاں پہنچا۔ میز پر رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔

فریدی ریسیور اٹھا کر بُری طرح کھانسنے لگا۔

''ہیلو کون ہے؟'' دوسری طرف سے کسی عورت کی آواز آئی۔ سوال انگریزی میں کیا گیا تھا۔

فریدی نے کھانسیوں ہی کے دوران میں کچھ کہا۔ اس طرح کہ اس کے قریب کھڑا ہوا آدمی بھی کچھ نہ سمجھ سکتا۔

''کون..... شارٹی کیا بات ہے۔''

''یس مآم..... حلق میں خراش.....!'' اور وہ پھر کھانسنے لگا۔

''ڈاکٹر سلمان کو تمہاری ضرورت ہے۔'' دوسری طرف سے آواز آئی اور فریدی کا چہرہ چمک اٹھا۔

''مگر..... میری طبیعت..... مآم.....!'' فریدی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''خیر..... رہنے دو..... کسی اور کو بھیجا جائے گا۔'' دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اب فریدی یک بیک آدمی سے کسی تیز رفتار مشین میں تبدیل ہو گیا تھا۔

عجیب لڑکی

کیپٹن حمید نے صبح کا ناشتہ اپنے کمرے ہی میں رکھا۔ اسے توقع تھی کہ ڈاکٹر سلمان اسے گھر کی میز پر طلب کرے گا لیکن اس کا ناشتہ کمرے ہی میں بھجوا دیا گیا تھا۔ پچھلی رات وہ سو فیصدی

اکثر کی بہن کے خیال میں کھویا رہا تھا۔ ایک بار بھی آئندہ کے پروگرام کے متعلق سوچنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ سب سے زیادہ الجھن اس بات کی تھی کہ آخر لڑکی ہے کس قسم کی۔ واقعی جھکی ہے یا پچھلی شام اسے اُلو بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔

اس نے ایک طویل انگڑائی لی اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ اتنے میں راہداری سے قدموں کی آواز آئی جو بتدریج نزدیک آتی گئی۔ پھر دروازے میں ڈاکٹر سلمان دکھائی دیا جو غالباً کہیں جانے کے لئے تیار تھا۔

''بیٹھئے..... بیٹھئے۔'' اس نے حمید سے کہا۔ جو کرسی سے اٹھ رہا تھا۔ ''میں آپ کو پھر ایک عجیب خبر سنانے آیا ہوں۔''

''فرمائیے..... کیا بات ہے۔ کیا ان میں سے کوئی چل بسا.....؟''

''نہیں..... وہ سب زندہ ہیں۔'' ڈاکٹر سلمان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''البتہ آپ کا دوست قاسم زخمی ہو گیا ہے۔ آپ نے اس پر لکڑیاں جو برسائی تھیں۔ سر میں زخم آیا ہے۔ گولی کسی کے بھی نہیں لگی..... ویسے اخبارات میں اس کے متعلق کچھ نہیں آیا۔''

''ماتھر نے احتیاطاً نہ آنے دیا ہوگا۔'' حمید نے جواب دیا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ''اس کے علاوہ آپ اور کون سی خبر سنانے جا رہے تھے۔''

ڈاکٹر سلمان بیٹھتا ہوا بولا۔ ''ادارہ روابط عامہ یا اس کے لئے کام کرنے والے پتہ نہیں کس کی آنکھوں میں کھٹک رہے ہیں۔''

''کیوں..... کیا ہوا؟''

''رات کسی نے تاریہ کی پیتل والی عمارت میں آگ لگادی۔''

''تاریہ..... کیا چیز ہے..... کیا بلدیہ قسم کی کوئی چیز؟''

''آپ تاریہ کو نہیں جانتے۔''

حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اپنے سر کو جنبش دی۔

''تاریہ..... رام گڈھ کی ایک معزز عورت ہے اور ہمارے ادارے کی ایک مددگار بھی۔ رات کسی نے اس کی ایک عمارت میں آگ لگادی۔ اس کے دو ملازم عمارت میں رہتے تھے۔ وہ سڑک پر بیہوش پائے گئے۔ ان کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ ایک کا سر زخمی تھا اور دوسرے کا ہاتھ۔ جس

کے متعلق خیال ہے کہ پستول کی گولی کا زخم ہے..... وہ دونوں ہوش میں آ گئے ہیں لیکن ہوش کی باتیں نہیں کر رہے ہیں۔ یہ خبر آپ کو اس لئے دے رہا ہوں کہ آپ ادارے کے لئے کیا کر سکیں گے۔ ادارے کی افادیت کا اعتراف آپ کو بھی ہے۔"

"یعنی کوئی ادارے کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"اس کے علاوہ اور کیا سوچا جا سکتا ہے۔ پہلے میری کار جلائی گئی۔ پھر ادارے کی ایک مددگار کو نقصان پہنچایا گیا۔ دونوں واقعات ایک ہی قسم کے ہیں۔"

"ہاں..... ہیں تو۔" حمید کچھ سوچنے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "کیا میں پتہ لگاؤں کہ وہ کون ہے۔"

"میں آپ کا مشکور ہوں گا اگر آپ ایسا کر سکیں۔" ڈاکٹر سلمان نے کہا۔

"مگر پتہ نہیں..... رام گڈھ کی پولیس میرے متعلق کیا سوچ رہی ہو۔" حمید نے تشویش کن لہجے میں کہا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"روحی وغیرہ کے معاملے کی طرف اشارہ۔"

"ارے وہ کچھ نہیں۔" ڈاکٹر سلمان سر ہلا کر بولا۔ "اسے تو بڑی آسانی سے برابر کیا جا سکتا ہے۔"

"کس طرح؟"

"ارے آپ جیسا فہیم اور زیرک آدمی مجھ سے یہ سوال کر رہا ہے۔"

"ڈاکٹر..... میری ساری صلاحیتیں ختم ہوتی جا رہی ہیں۔"

"خیال ہے آپ کا..... مگر یہ سوچنا چھوڑ دیجئے۔ ورنہ سچ مچ ختم ہو جائیں گی۔"

"خیر.....!" حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "میں ہر امکانی کوشش کروں گا ویسے میرا ارادہ ہے کہ میں ماتھر سے مل ہی لوں۔"

"ماتھر سے ملئے گا۔" ڈاکٹر سلمان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں..... آں..... جب ان میں سے کوئی مرا نہیں تو میرے لئے بھی کوئی خاص خطرہ نہیں باقی رہ جاتا۔ میں ماتھر کو شیشے میں اتار لوں گا۔ میں اس سے یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ میں نے کسی اور پر

وہاں چلائی تھیں درمیان میں یہ لوگ آ گئے چونکہ انہوں نے اسے چھپے ہوئے آدمی کو نہیں دیکھا اس لئے یہی سمجھے کہ میں نے ان پر گولی چلائی تھی۔"

"قطعی..... دیکھئے..... آپ نے خود ہی جواب سوچ لیا نا۔ آپ تو کہہ رہے تھے کہ میری صلاحیتیں ختم ہوتی جا رہی ہیں۔"

"بعض اوقات میں بالکل خالی الذہن ہو جاتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"آپ قطعی خالی الذہن نہیں ہوتے۔ خالی الذہن کی ترکیب ہی غلط ہے۔ کبھی کوئی آدمی خالی الذہن نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ سوتے وقت بھی خالی الذہن نہیں ہوتا۔"

حمید نے بات بڑھتے دیکھ کر جلدی سے کہا۔ "آہم..... دیکھئے آپ مجھے میک اپ کا سامان منگوا دیجئے۔ یہاں میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے ورنہ آپ کو تکلیف نہ دیتا۔"

"میک اپ کا سامان کیا کیجئے گا۔"

"یہ حقیقت ہے ڈاکٹر صاحب کہ میں رام گڈھ کی پولیس کی نظروں میں نہیں آنا چاہتا حالات کا تقاضہ یہی ہے۔"

"کیسے حالات.....؟"

"میرا نجی معاملہ ہے ورنہ میں حالات پر ضرور روشنی ڈالتا۔"

"کوئی بات نہیں۔" ڈاکٹر سلمان سر ہلا کر بولا۔

اور حمید کسی سوچ میں پڑ گیا۔ اسکے چہرے پر پھر الجھن کے آثار پائے جانے لگے تھے۔

پھر کچھ دیر بعد اس نے ندامت آمیز لہجے میں کہا۔ "نہیں ڈاکٹر میں غلطی پر تھا میں آپ سے کچھ نہیں چھپاؤں گا۔ آپ کی حیثیت ایک ڈاکٹر کی سی ہے اور آپ کسی مریض کی کمزوریوں کی تشہیر بھی نہ کریں گے۔ بات دراصل یہ ہے کہ اب میں اپنے عہدے پر واپس نہیں جانا چاہتا کبھی نہیں۔ مجھے اس کام سے نفرت ہو گئی ہے اور میں سوچتا ہوں کہ اگر دوبارہ مجھے واپس جانا ہی پڑا تو محکمے کو میری ذات سے نقصان پہنچے گا..... فائدہ نہیں۔"

"نہیں آپ اس کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔" ڈاکٹر سلمان مسکرایا۔ "آپ میرے نزدیک علاج ہیں۔ میرا خیال ہے کہ کچھ دنوں کے بعد آپ ٹھیک ہو جائیں گے۔ کسی غیر متوقع ذہنی جھٹکے نے آپ کے اعصابی سسٹم پر برا اثر ڈالا ہے۔ اور یہ بدلتی ہوئی ذہنیت دراصل اسی جھٹکے کی بازگشت ہے ایک مختصر سا

ذہنی درد..... آپ ٹھیک ہو جائیں گے۔"

"بہر حال کچھ بھی ہو..... میں واپس نہیں جانا چاہتا۔ ادارہ کے دشمنوں کا قلع قمع کرنا
میں وعدہ کرتا ہوں لیکن آپ میرے لئے میک اپ کا سامان مہیا کریں گے۔"

"مگر کیپٹن۔"

"کیپٹن نہیں..... صرف حمید..... مجھے اب اس لفظ کیپٹن سے بھی نفرت ہوگئی ہے۔ مجھے
سے ایک ماہ پہلے کے حمید سے بھی نفرت ہوگئی ہے۔ شائد میں اپنا نام ہی بدل دوں۔"

"اچھا..... اچھا..... میں آپ کے لئے میک اپ کا سامان مہیا کروں گا فی الحال اجازت
دیجئے۔ ایک ضروری کام سے باہر جا رہا ہوں۔"

حمید بھی اٹھ کر اس کے ساتھ دروازے تک آیا۔

اب وہ پھر ڈاکٹر کی بہن ساحرہ کے متعلق سوچنے لگا۔ وہ سچ مچ ساحرہ تھی۔ اس کی آنکھیں
دلکش تھیں جیسے گہری نیند سے جاگی ہو۔ ان آنکھوں میں کتنا سکون اور کتنی گہرائی تھی۔ ابھی حال
میں وہ ملک کی ایک مشہور فلم اسٹار کے ساتھ بھی رہ چکا تھا لیکن اس کے لئے اس نے اپنی نے
نہیں محسوس کی تھی۔ روحی کے ہر انداز میں بناوٹ ہوتی تھی گو کہ وہ گھریلو زندگی سادگی ہی سے
کرتی تھی لیکن بات بات پر پوز کرنے کی فلمی عادت اس میں بھی پائی جاتی تھی..... اس کے برخلاف
یہ ساحرہ جو مشینوں کی طرح بولتی تھی۔ بولتی ہی چلی جاتی تھی اور پھر جب ایک لحظہ کے لئے رکتی
گردن اکڑا کر تھوک نگلتی تو حمید کو نہ جانے کیا محسوس ہوتا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ غالب کی محبو
ہوتی تو وہ اس تھوک نگلنے کے انداز کو کن الفاظ میں نظم کرتے۔ یقیناً اس انداز میں بڑی سیکس اپ
تھی، جو کم از کم غالب جیسے معاملہ فہم کی نظر سے پوشیدہ نہ رہ سکتی۔ حمید اپنے خشک ہونٹوں پر زبا
پھیر کر پائپ سلگانے لگا۔ شائد ساحرہ کو سچ مچ مردوں کی پرواہ نہیں تھی۔ حمید نے تھوڑی دیر بعد
کر لباس تبدیل کیا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا لائبریری میں آیا۔ نوکر سے اسے پہلے ہی معلوم ہو چکا
کہ ساحرہ اپنا زیادہ تر وقت لائبریری ہی میں گذارتی ہے۔

ساحرہ لائبریری میں ٹہل رہی تھی۔ کچھ اس انداز میں جیسے ابھی تک فیصلہ نہ کر پائی ہو کہ
الماری سے کون سی کتاب نکالے۔ حمید کو دیکھتے ہی وہ رک گئی۔

"کیوں.....؟" اس نے غصیلے انداز میں کہا۔ "آپ کون ہیں اور یہاں کیوں گھسے چلے آئے۔"

"اوہ..... تو کیا مہمانوں کو لائبریری میں نہ آنا چاہئے۔" حمید نے حیرت ظاہر کی۔

"مہمان..... میں نہیں سمجھی۔ میرا خیال ہے کہ میں پہلے بھی آپ کو کہیں دیکھ چکی ہوں۔"

"جی ہاں..... کل شام آپ نے مجھے دیکھا تھا۔ میں ڈاکٹر سلمان کا مہمان ہوں۔"

"اوہ..... سلمان اور مہمان کے قوافی خوب ہیں۔ کیا آپ شاعر بھی ہیں؟"

"جی ہاں..... میں شاعر بھی ہوں۔" حمید نے ایک طویل سانس لی۔

"مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔" ساحرہ نے مغموم لہجے میں کہا۔ انداز بالکل ایسا تھا جیسے اسے
کوئی دردناک اطلاع ملی ہو۔

حمید نے اسے گھور کر دیکھا لیکن وہ دوسری طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ چپ چاپ ایک کرسی پر
صبح کا اخبار دیکھنے لگا۔ لیکن اسے وہ خبر کہیں بھی نہ دکھائی دی جس کے متعلق اسے ڈاکٹر سلمان
معلوم ہوا تھا۔ اس کی دانست میں وہ بھی فریدی ہی کا کام ہو سکتا تھا۔ اس نے سوچا شائد وہ اس
م کو ہراس پھیلا کر متزلزل کرنا چاہتا ہے۔ وہ اس کی فطرت سے کسی حد تک آگاہ تھا۔ لہٰذا یہ باور
لینے میں اسے کیا تامل ہو سکتا تھا کہ فریدی صرف ایک ہستی کی تلاش میں ہوگا اور وہ ہستی تنظیم کی
براہ "ملکہ کائنات" ہی ہو سکتی ہے۔

تاریہ کا تذکرہ ڈاکٹر سلمان کی زبانی سن کر اس کے کان کھڑے ہوئے تھے اور اس نے اس
ن بھی اس پراسرار عورت "ملکہ کائنات" کے متعلق سوچا تھا۔

"کیا تم یہاں..... صرف اخبار پڑھنے آئے تھے۔" دفعتاً ساحرہ نے پوچھا۔

اور حمید نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا، جو اس انداز سے کمر پر ہاتھ رکھے اور سر آگے کی
رف نکالے کھڑی تھی جیسے لڑنے کا ارادہ رکھتی ہو۔

"جی ہاں..... میں اخبار دیکھ رہا ہوں۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"یہ میرے سوال کا جواب تو نہیں ہے۔"

"آپ نے کیا پوچھا تھا.....؟"

"میں نے پوچھا تھا..... کیا تم یہاں صرف اخبار پڑھنے آئے تھے؟"

"تم..... نہیں آپ..... میں بے تکلفی نہیں پسند کرتا۔" دفعتاً حمید کا موڈ بگڑ گیا۔

"اوہ..... آپ..... ایک ہی بات ہے۔"

"نہیں.....ایک ہی بات ہے۔"

"مجھے تکلفات پسند نہیں ہیں۔" ساحرہ نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"بس یہی فرق ہے آدمی اور کتے میں.....آدمی تکلفات کا عادی ہوتا ہے۔" حمید نے کہا۔

ساحرہ لاجواب سی ہو کر بغلیں جھانکنے لگی۔

حمید پھر اخبار پڑھنے میں بظاہر مشغول ہو گیا۔ حالانکہ اس کے ذہن میں صرف ایک ہی سوال تھا اور اخبار کے حروف تک اسے نہیں نظر آ رہے تھے۔ یہ کس قسم کی لڑکی ہے؟ یہ کس قسم کی لڑکی۔ اس کا ذہن بار بار دہرا رہا تھا۔

"میرے سوال کا جواب مجھے نہیں ملا۔" ساحرہ میز پر ہاتھ مار کر بولی۔

"ہاں.....میں اخبار دیکھنے کیلئے یہاں آیا ہوں۔" حمید ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔

"تب آپ اخبار اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں۔ آپکی موجودگی یہاں ضروری نہیں ہے۔"

"میں یہیں بیٹھ کر پڑھوں گا۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "آپ فکر نہ کیجئے۔ مجھے یہاں کوئی تکلیف نہیں ہے.....جی ہاں۔"

"آپ عجیب آدمی ہیں.....میں تنہائی چاہتی ہوں۔"

"تو آپ خود چلی جایئے یہاں سے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"آپ کیا بک رہے ہیں۔" ساحرہ کی آواز میں حیرت اور جھلاہٹ دونوں تھیں۔

"بک نہیں رہا.....فرما رہا ہوں.....ایک بار آپ سے کہہ چکا کہ مجھے بے تکلفی پسند نہیں ہے۔"

"یہ میرا مکان ہے.....آپ جانتے ہیں۔" ساحرہ جھلا گئی۔

"تو میں اسے کہاں اٹھائے جا رہا ہوں۔"

"آپ عجیب آدمی ہیں۔"

"میرا نام ساجد حمید ہے۔"

"ہوگا.....!" ساحرہ غصیلی آواز میں بولی۔

"ہوگا نہیں بلکہ ہے.....آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا۔"

"آپ جھکی ہیں۔"

"جھکی.....!" حمید نے حیرت سے دوہرایا۔ "میں جانتا ہوں۔ جھکی کسے کہتے ہیں۔ میرا تخلص بھی شاب ہے۔"

"تو آپ شاعر ہیں۔" ساحرہ اپنا ہونٹ بھینچ کر بولی۔ "اسی لئے اتنی بکواس کر رہے ہیں۔ کوئی اور شریف آدمی ہوتا تو اب تک اٹھ کر چلا بھی ہو گیا ہوتا.....جایئے یہاں سے۔"

"میں ہرگز نہیں جاؤں گا.....ڈاکٹر سلمان نے مجھ سے یہ نہیں کہا تھا کہ لائبریری مہمانوں کے لئے نہیں ہے۔"

"مکان میری نگرانی میں ہے۔ ان معاملات میں بھائی جان دخیل نہیں ہو سکتے۔"

"پھر بھی میں نہیں جاؤں گا۔ میں ڈاکٹر سلمان کا مہمان ہوں.....آپ کا نہیں.....میں نہیں جانتا کہ آپ کون ہیں اور اس مکان میں کس کی اجازت سے داخل ہوئی ہیں۔ براہِ کرم آپ یہاں سے چلی جایئے کیوں خواہ مخواہ مجھے ڈسٹرب کر رہی ہیں۔"

ساحرہ کرسی کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ حمید پھر اخبار دیکھنے لگا اور ساحرہ نے تھوڑی دیر بعد نرم لہجے میں کہا۔ "ادھر دیکھئے۔"

"کہئے.....کیا بات ہے۔" حمید سر اٹھا کر بولا۔

"میری آنکھیں کیسی لگتی ہیں آپ کو.....؟"

"بالکل واہیات.....میں نے ایک ایک بالشت کی آنکھیں دیکھی ہیں۔ آپ کی آنکھوں میں مجھے کوئی خاص بات نظر نہیں آتی۔"

"اچھا میرے ہونٹ.....!"

"بیکار.....بالکل لغو.....دوسری بار دیکھنے کو جی نہیں چاہتا۔"

"اچھا میرے بال.....؟"

"کوئی خاص بات نہیں ہے ان میں.....معمولی ہیں۔"

ساحرہ قہقہہ مار کر ہنسی پھر بولی۔ "تب آپ شاعر نہیں ہیں۔ آپ جھوٹ بول رہے تھے۔"

"کیوں.....؟"

"نہیں آپ شاعر نہیں ہیں۔ یہاں بھائی جان کے آفس میں ایک شاعر تھا وہ مجھ سے کہتا تھا تمہاری آنکھیں صنوبر کے سائے میں سوئی ہوئی جھیل ہیں.....اور ہونٹ شفق کے تراشے.....بالوں

کو وہ سلونی شام کہا کرتا تھا۔ بھائی جان نے اسے آفس سے نکال دیا۔ وہ لوگ جو مجھ سے
کچھ دنوں کے بعد ایسی ہی باتیں کرنے لگتے ہیں اور پھر بھائی جان مجھے ان سے نہیں ملنے
اسی لئے میں نہیں چاہتی کہ جہاں میں ہوں وہاں آپ بھی آئیں۔ مگر اب کوئی خطرہ نہیں ہے
کو مجھ میں کوئی خاص بات نہیں نظر آتی۔"

"بالکل نہیں..... اگر ہوتی تو ضرور اطلاع دیتا۔"

"آپ کیا کرتے ہیں؟"

"عموماً اداس رہا کرتا ہوں۔"

"اداس کیوں رہتے ہیں۔"

"کیونکہ والد صاحب مجھے ڈاڑھی نہیں رکھنے دیتے۔"

"کیوں نہیں رکھنے دیتے۔ آپ پر بھائی جان کی سی ڈاڑھی بہت اچھی لگے گی۔"

"ایک بار میں نے رکھ لی تھی۔" حمید مغموم لہجے میں بولا۔ "والد صاحب بگڑ گئے۔ کہنے
برابر کرتا ہے میری۔"

"واہ تو آپ ان کی زندگی میں ڈاڑھی رکھ ہی نہ سکیں گے۔"

"جی نہیں۔"

"آپ..... مجھے عجیب آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

"خبردار..... لفظ عجیب سے مجھے چڑ ہوگئی ہے۔ براہِ کرم اب اسے نہ دہرایئے گا۔"

"آپ یہاں کب تک رہیں گے؟"

"جب تک میرا دل چاہے گا۔"

"یہ تو بڑا اچھا ہے۔ میں یہاں بالکل تنہا رہتی ہوں۔ دل اکتا جاتا ہے تنہائی سے.....
بھائی جان سے کہوں گی کہ آپ نے مجھے بالکل واہیات قرار دے دیا ہے۔ اس لئے آپ یقیناً
آدمی ہیں۔ وہ کہتے ہیں جو لوگ آنکھوں، ہونٹوں اور گھونگھریالے بالوں کی باتیں کرتے ہیں
آدمی نہیں ہوتے۔"

"ان سے اس کا تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"کیوں.....؟"

"بس یونہی..... میں کہہ رہا ہوں نا۔" حمید نے آنکھیں نکال کر غصیلے لہجے میں کہا۔

"نہیں کروں گی۔" ساحرہ نے مردہ سی آواز میں کہا۔

نہ جانے کیوں حمید کو اس لڑکی پر رحم آنے لگا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ڈاکٹر سلمان جیسے ماہر
نفسیات کے گھر میں ایک ایسا کیس قرین قیاس نہیں ہوسکتا۔ یہ لڑکی یا تو پکی مکار تھی یا پھر اس کی ذہنی
پختگی پانچ سال سے زیادہ نہیں تھی۔ اور اگر اس بالغ لڑکی کی ذہنی عمر صرف پانچ سال تھی تو اسے عجوبہ
کہا جاسکتا ہے۔ پھر وہ سوچنے لگا..... ہوسکتا ہے کہ یہ لڑکی بھی کسی ماہر نفسیات کے تجربے ہی کا نتیجہ
ہو۔ یعنی اس کی ذہنی عمر پانچ سال سے آگے بڑھنے ہی نہ دی گئی ہو۔"

"آپ کیا سوچنے لگے۔" اس نے پوچھا۔

"کچھ نہیں..... میں یہ سوچ رہا تھا کہ کل آپ نے مجھ سے فلسفیوں کی سی باتیں کی تھیں مگر
آج بچوں کی طرح گفتگو کر رہی ہیں۔"

ساحرہ ہنسنے لگی پھر بولی۔ "ہاں..... میں بھی اکثر یہی سوچتی ہوں۔ پتہ نہیں کیوں۔
بعض اوقات مجھے ایسا محسوس ہونے لگتا ہے جیسے میں کوئی خواب دیکھ رہی ہوں۔ میری اپنی
آواز مجھے اجنبی سی معلوم ہوتی ہے اور میں سوچنے لگتی ہوں کہ میں کیا کہہ رہی ہوں۔ ایسے اوقات میں
جو کچھ کہتی ہوں وہ خود میری سمجھ میں بھی نہیں آتا۔"

"اوہ..... بڑی حیرت انگیز بات ہے۔ کیا آپ نے ڈاکٹر سے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے؟"

"وہ جانتے ہیں..... بلکہ جب وہ مجھ سے کہنے لگتے ہیں کہ تم سو رہی ہو گہری نیند سو رہی ہو۔
تمہاری نیند گہری ہوتی جا رہی ہے۔ اسی وقت میں یہ محسوس کرتی ہوں اور پھر شاید مجھے سچ مچ نیند
آجاتی ہے۔"

حمید اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی بولا۔ "کیا وہ روزانہ ایسا
کہتے ہیں؟"

"نہیں..... کبھی کبھی؟"

حمید خاموش ہوگیا۔ وہ پھر اس لڑکی کے بارے میں الجھن سی محسوس کرنے لگا تھا۔

"آپ نے کہاں تک تعلیم حاصل کی ہے؟" اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"کہیں تک بھی نہیں..... نہ میں لکھ سکتی ہوں نہ پڑھ سکتی ہوں۔"

"تب یقیناً..... ڈاکٹر سلمان نے آپ کے ساتھ زیادتی کی ہے۔" حمید کچھ سوچتا ہو

"تب پھر آپ لائبریری میں کیا کرتی ہیں؟"

"مجھے یہاں بڑا سکون ملتا ہے۔"

دفعتاً ایک نوکر نے لائبریری میں آ کر ساحرہ سے کہا۔ "آپ کا بے بی رو رہا ہے۔"

"ارے بے بی رو رہا ہے۔" وہ اچھل کر کھڑی ہوگئی۔ پھر حمید سے بولی۔ "میں ابھی آئی

وہ جا چکی تھی اور حمید اپنی کھوپڑی سہلا رہا تھا۔ یہ اتنی بھولی بھی بنتی ہے، اور بے بی بھی ہے، اسے خود پر غصہ آنے لگا۔

مشورے

رانو اور اس کے ساتھی بہت خوش تھے کیونکہ اب ان کے جسموں پر چیتھڑوں کی بجائے م کے سوٹ نظر آنے لگے تھے اور ان کی جیبیں پانچ پانچ ہزار کے نوٹوں سے کافی وزنی ہوگئی تھیں اب وہ اپنے سردار کے ایک اشارے پر دم ہلانے لگتے تھے۔ وہ اب اس گندی سی سرائے میں نہیں تھے کیونکہ فریدی نے ایک گھنی آبادی والی بستی میں عمارت کرائے پر حاصل کر لی تھی۔

انور اس کا سامان لے کر واپس آ گیا تھا جس میں ایک جرمن ساخت کا ٹرانسمیٹر بھی تھا اس نے کراچی کی خانم سے رابطہ قائم رکھنے کے لئے منگوایا تھا۔

ٹھیک پانچ بجے اس نے اسے مخاطب کیا۔ "روبی..... روبی..... تم سن رہی ہو؟"

"اوہ..... آج.....!" دوسری طرف سے کپکپاتی ہوئی آواز آئی۔ "میں کتنی شدت سے ا کر رہی تھی ہارڈ اسٹون.....اوور.....!"

"کیسے حالات ہیں؟.....اوور.....!"

"ابھی تک تو ٹھیک ہیں.....اوور.....!"

"ایک بات بتاؤ۔ اس رات میں جس میک اپ میں تھا کیا وہ تمہارے مشیر کے چھوٹے ؟ کے حلیے سے ملتا جلتا تھا.....اوور.....!"

"ہاں..... مجھے بھی حیرت تھی۔ لیکن میں نے کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا تھا..... کیوں! تم

ل نمبر 18

ے خیال آیا.....اوور.....!"

"کچھ نہیں..... یونہی..... وہ کن حالات میں مرا تھا.....اوور.....!"

"تمہارے دوست کے ہاتھوں.....اوور.....!"

"وجہ بھی بتائی تھی اس نے.....؟ اوور.....!"

"نہیں..... اس کی عادت تھی کہ جو بات چھپانا چاہتا تھا کسی پر بھی ظاہر نہیں کرتا تھا.....

اوور.....!"

"اور کوئی خاص بات.....اوور.....!"

"نہیں کوئی نہیں..... مگر تم کب آؤ گے.....اوور.....!"

"یہ حالات پر منحصر ہے.....اوور.....!"

"میں بہت بے چینی سے تمہاری منتظر ہوں.....اوور.....!"

"ایک نہ ایک دن ضرور آؤں گا.....اوور.....!"

"میں ہر وقت تمہارے متعلق سوچتی رہتی ہوں۔ تمہیں یہاں بہت تکالیف پہنچی تھیں.....

اوور۔"

"میں تکالیف کا عادی ہوں۔ جب تکالیف نہیں ہوتیں تو میں خود کو بیمار محسوس کرنے لگتا ہوں.....اوور۔"

"تم اپنے دوست سے بھی زیادہ عجیب ہو۔ میں نے تمہاری تصویر اس کے البم سے الگ کر لی ہے..... کہیں کسی کی نظر نہ پڑ جائے۔ اوور.....!"

"یہ تم نے بہت اچھا کیا..... اسے جلا دو.....اوور.....!"

"ہرگز نہیں..... یہ میرے لئے ناممکن ہے.....اوور.....!"

"اچھا روبی..... مجھے باخبر رکھنا.....اوور.....!"

"میں..... تمہیں باخبر رکھوں گی۔ کاش تم سے پھر جلد ہی ملاقات ہو سکے نہ جانے کیوں میں ہر وقت تمہارے متعلق ہی سوچتی رہتی ہوں.....اوور.....!"

"میں آؤں گا..... اوور اینڈ آل....." فریدی نے سوئچ آف کر دیا۔

انور دوسرے کمرے میں اس کا منتظر تھا۔ شائد اس کے پاس کوئی نئی اطلاع تھی۔

فریدی کو دیکھتے ہی وہ کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھو..... بیٹھو..... کوئی نئی بات۔"

"جی ہاں.....!" انور بیٹھتا ہوا بولا۔ "آج تتاریہ کے یہاں ادارہ روابط عامہ کے کارکنوں کی میٹنگ ہے۔"

"کس وقت.....؟"

"نو بجے رات کو.....!"

"ٹھیک یہ ایک اچھی اطلاع ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"ایک بات..... کیا آپ مجھے اجازت دیں گے؟" انور کے لہجے میں ہچکچاہٹ تھی۔

"آپ کا یہ طریق کار میری سمجھ میں نہیں آتا۔ میں نے آپ کو کبھی ایسا کرتے نہیں دیکھا۔ آپ کے پاس قانون کی قوت ہے..... پھر آپ..... میرا مطلب ہے..... مجرمانہ انداز کیوں اختیار کیے ہوئے ہیں۔"

فریدی نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کر جواب دیا۔ "ضابطے کی کاروائیاں ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی۔ تتاریہ ڈاکٹر سلمان یا سردار شکوہ کے خلاف تم کیا کر سکو گے؟"

"تتاریہ کے خلاف آپ کے پاس وافر مواد موجود تھا۔"

"ہرگز نہیں۔ وہ ان جعلی نوٹوں کے متعلق لاعلمی ظاہر کر کے صاف الگ ہو جاتی۔ الزام ان ملازموں کے سر جاتا اور ہو سکتا تھا کہ وہ دونوں بھی اس معاملے کو اپنی ذات سے آگے بڑھنے ہی نہ دیتے۔ بُرے آدمیوں میں بھی وفاداری کا جذبہ پایا جاتا ہے۔"

انور خاموش ہو گیا۔ لیکن فریدی کہتا رہا۔ "یہ طریقہ کار بظاہر قابل اعتراض ضرور ہے لیکن اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ جو لوگ اس وقت ہماری نظروں میں ہیں، تنظیم کے متعلق زیادہ نہیں جانتے، یہ تنظیم کے لئے مختلف ذرائع سے صرف روپیہ حاصل کرتے ہیں۔ میں اس کانٹے دار پودے کے کانٹے جھاڑنے نہیں بیٹھوں گا بلکہ اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش میں ہوں۔ شمشاد تنظیم کا سربراہ تھا لیکن اس کی موت سے کیا ہوا۔ میرا خیال ہے کہ اب تنظیم پہلے سے زیادہ طاقتور ہو گئی ہے۔ میں ان لوگوں میں ہراس پھیلتا دیکھ کر ایک طرح کا سکون محسوس کرتا ہوں۔"

انور خاموش ہی رہا۔ وہ حیرت سے اس آہنی عزم والے انسان کو دیکھ رہا تھا اور اس کے ذہن

کے کسی تاریک گوشے میں یہ خیال موجود تھا کہ جیت ہر حال میں اسی کی ہو گی۔

فریدی نے پھر کہا۔ "حمید کے متعلق کیا اطلاع ہے؟"

"وہ بدستور ڈاکٹر سلمان کی کوٹھی میں مقیم ہے۔"

"اور یقیناً کوئی بڑا کام انجام دے گا۔"

"مجھے یقین نہیں ہے۔" انور بولا۔

"کیوں.....؟"

"ڈاکٹر سلمان کی بہن ساحرہ بڑی حسین ہے اور اب تو مجھے اس میں بھی شبہ ہے کہ وہ کسی کام کے سلسلے میں وہاں تک پہنچا ہو۔"

"تم حمید کو مجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔ میرے سامنے وہ یقیناً بچوں کی سی باتیں کرتا رہتا ہے لیکن مجھ سے دور رہ کر اس نے کبھی کوئی غلطی نہیں کی۔"

انور پھر خاموش ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ حمید کے متعلق گفتگو ہی نہیں کرنا چاہتا۔ فریدی بھی چند لمحے خاموشی سے سگار کے کش لیتا رہا پھر کھڑکی سے باہر دیکھتا ہوا بولا۔ "آج رات ہمیں تتاریہ کی قیام گاہ میں کچھ کرنا ہے وہاں میں یہ بھی دیکھ سکوں گا کہ ادارہ روابط عامہ کے کارکنوں میں اور کون کون ہے۔"

"ان چار آدمیوں سے آپ کیا کام لیں گے۔ میرا خیال ہے کہ انہیں آپ الگ ہی کر دیں۔ پولیس نے ان پر نظر رکھنی شروع کر دی ہے۔ ان کے حالات بڑی تیزی سے تبدیل ہوئے ہیں اس لئے پولیس کو تشویش ہونی ہی چاہئے۔"

"پرواہ نہ کرو..... میرا مقصد بھی یہی ہے کہ پولیس کو تشویش ہو۔"

انور شائد اب کوئی سوال نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور ایک سگریٹ سلگانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اس کی پارٹنر رشیدہ کمرے میں داخل ہوئی۔ لیکن اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے۔

"کیوں..... کیا بات ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"خان بہادر عاصم رام گڈھ پہنچ گیا ہے اور اس نے آپ اور حمید کے خلاف رپورٹ درج کرائی ہے کہ آپ نے اس کے بے وقوف لڑکے کو پھسلا کر چھ لاکھ روپے خرد برد کرا دیئے۔"

"میں جانتا تھا۔" فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ "ایک دن یہ ضرور ہوگا۔ قاسم کا کیا خبر ہے؟"

"وہ کوتوالی میں دھاڑ رہا تھا کہ یہ غلط ہے۔ ان دونوں سے کوئی غرض نہیں۔ چیکوں دوسرے لوگوں نے دستخط لئے تھے۔ پھر اس نے کسی زمین دوز دنیا کے عجائبات کا تذکرہ شروع کر اور اسی پوائنٹ پر ڈی۔ ایس۔ پی نے اسے خبطی تسلیم کرلیا۔"

"ماتھر موجود تھا کوتوالی میں۔"

"نہیں..... وہ آج کل ایک ماہ کی رخصت پر چلے گئے تھے۔"

"ہوں..... خیر..... اسے بھی دیکھیں گے۔"

"گویا یہ ساری مصیبتیں حمید صاحب ہی کی وجہ سے نازل ہوئی ہیں۔" رشیدہ نے کہا۔

"نہیں.....!" فریدی اتنا ہی کہہ کر خاموش ہوگیا۔

رشیدہ انور کی طرف دیکھنے لگی لیکن انور شائد حمید کے متعلق کچھ سوچ ہی نہیں رہا تھا۔ فریدی نے رشیدہ سے کہا۔ "تم میرے لئے کیا کرسکتی ہو؟"

"جو کچھ آپ فرمائیں۔"

"لیکن وہ آسان کام نہیں ہوگا۔"

"کیا میں نے پہلے بھی آپ کے لئے مشکل ترین کام انجام نہیں دیئے۔"

"ٹھیک ہے..... مگر اس بار ہمارا سابقہ ایک تنظیم سے ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس تنظیم کے خلاف آپ کی کچھ نہ کچھ خدمت پہلے بھی کر چکی ہوں۔"

"اس وقت تم نے بیک گراؤنڈ ہی میں رہ کر سب کچھ کیا تھا..... لیکن اب تمہیں اس ٹیم نمایاں حصہ لینا پڑے گا۔"

"میری خوش قسمتی ہے کہ آپ نے مجھے اس قابل تو سمجھا۔" رشیدہ مسکرائی اور انور کے ہونٹ سکڑ گئے۔ اسے رشیدہ کی اس پر اخلاق مسکراہٹ سے بڑی نفرت تھی۔

"میں تمہیں کام بتاؤں گا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ پھر انور کی طرف مڑ کر کہنے لگا۔

"اب یہاں سے میری تفریح شروع ہوگی۔ اس تنظیم کے مقابلے میں ایک دوسری تنظیم کھڑی کرنے جارہا ہوں۔"

"شاندار.....!" رشیدہ دبے ہوئے جوش کے ساتھ بولی۔ "خدا کی قسم مزہ آجائے گا۔"

انور خاموش ہی رہا اور رشیدہ کو اس کی خاموشی کھلنے لگی۔

پھر انور نے آہستہ سے کہا۔ "آپ جانتے ہیں مجھے..... میں آپکی مخالفت بھی کرسکتا ہوں۔"

"قطعی..... بالکل۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "اسی سے میں نے یہ تذکرہ چھیڑا ہے۔"

"میں اسے تضیع اوقات سمجھتا ہوں۔" انور بولا۔

"اچھا تو پھر میں تمہارے بتائے ہوئے راستے پر چلوں گا۔" فریدی مسکرایا۔ "میری رہنمائی کرو۔"

"دیکھئے میں ابھی تک اس کے متعلق کوئی ڈھنگ کی بات نہیں سوچ سکا۔ لیکن آپ کا یہ طریقہ کار مجھے عجیب سا لگتا ہے۔"

"عجیب سا نہیں بلکہ بچکانہ کہو۔" فریدی مسکرایا۔ "کسی سنجیدہ آدمی سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی۔"

"آپ غلط سمجھے..... میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ خواہ مخواہ انرجی کیوں برباد کی جائے۔" انور جلدی سے بولا۔

"تم اپنی انرجی اپنے پاس رکھو۔" رشیدہ نے اسے للکارا۔

"نہیں.....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "تم لوگ جھگڑا نہیں شروع کرو گے۔ انور نے یہ نہیں کہا کہ وہ میری اسکیم میں حصہ نہیں لے گا۔"

"آپ مجھے بتایئے۔" رشیدہ نے کہا۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر فریدی نے انور سے کہا۔ "تم ان چاروں پر نظر رکھو۔"

انور سمجھ گیا کہ وہ فی الحال وہاں اس کی موجودگی ضروری نہیں سمجھتا۔ لہٰذا وہ اٹھ کر باہر چلا گیا..... غالباً فریدی نے اسے اسی لئے اٹھا دیا تھا کہ کہیں ان دونوں میں پھر جھڑپیں نہ ہونے لگیں..... وہ تقریباً پندرہ منٹ تک رشیدہ سے آہستہ آہستہ کچھ کہتا رہا۔

ساحرہ کا بے بی

حمید ساحرہ کے بے بی کے چکر میں پڑ گیا تھا۔ وہ کافی دیر تک لائبریری میں اداس بیٹھا رہا پھر اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ساحرہ آ گئی۔ اس نے کہا۔ ''میں نے واپس آنے کا وعدہ کیا تھا اس لئے آ گئی۔ مگر اب پھر جا رہی ہوں۔ بے بی بہت رو رہا ہے۔''

''آپ کی شادی کب ہوئی تھی؟''

''ہٹئے.....!'' ساحرہ نے شرما کر سر جھکا لیا۔ پھر آہستہ سے بولی۔ ''ابھی کہاں ہوئی ہے میری شادی۔''

''پھر یہ بے بی.....!''

''آپ احمق ہیں۔'' ساحرہ نے جھنجھلائے ہوئے لہجے میں کہا..... اور لائبریری سے چلی گئی۔

حمید نے ایک طویل سانس لی اور برا سا منہ بنائے ہوئے لائبریری میں ٹہلنے لگا۔ اس کا منہ بگڑتا ہی جا رہا تھا۔ بالکل اسی انداز میں جیسے کسی نے زبردستی کوئی کڑوی یا کسیلی چیز کھلا دی ہو۔

وہ ٹہلتا رہا۔ پھر اکتا کر کتابوں کی الماریوں کا جائزہ لینے لگا۔ دیکھتے دیکھتے یونہی بے خیالی میں ایک کتاب کھینچ لی لیکن اس کا نام پڑھ کر اسے دوبارہ الماری میں رکھنے ہی جا رہا تھا کہ وہ ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اس وقت حمید کچھ ایسے موڈ میں تھا کہ جھک کر اسے فرش سے اٹھانا بھی گراں گذرا۔ اٹھاتے وقت کتاب کھل گئی..... حمید کی نظر صفحات پر پڑی جن کے حواشی پر جا بجا پنسل کی تحریریں تھیں اور تحریر کے نیچے ساحرہ کے دستخط تھے۔

یہ کتاب دراصل فلسفے کی تاریخ تھی اور حمید نے بڑی حیرت سے یہ بات نوٹ کی کہ ساحرہ نے بعض فلسفیانہ مسائل پر بڑی شاندار پھبتیاں لکھی تھیں۔ حمید صفحات الٹتا رہا۔ آخری صفحے پر پنسل سے اسی طرز تحریر میں 'بہمگ' لکھا ہوا نظر آیا۔

یہاں بھی ساحرہ نے اپنے دستخط کئے تھے۔ حمید نے کتاب بند کر کے الماری میں رکھ دی۔

وہ سوچ رہا تھا کہ آخر اس لڑکی کو کیا سمجھے۔ اگر وہ سارے ریمارک اسی کے لکھے ہوئے تھے تو وہ یقیناً غیر معمولی طور پر تعلیم یافتہ تھی۔ اگر تعلیم یافتہ ہے تو پھر خود کو جاہل ظاہر کرنے میں کیا مصلحت

تھی ہے۔ حمید اسی گتھی میں الجھا ہوا لائبریری سے نکل آیا۔ پھر وہ اپنے کمرے کی طرف جا ہی رہا تھا راہداری میں ساحرہ مل گئی۔ جو اپنے بے بی کو کپڑوں میں لپیٹے بازوؤں میں جھلاتی پھر رہی تھی۔

ہوں.....ہوں.....ہوں.....لل.....لل.....لا.....چپ ہو جاؤ۔''

مگر بے بی کی چیخیں سن کر ایک بار پھر حمید کھوپڑی سے باہر ہو گیا۔ کیونکہ وہ چیخیں؟ دفعتاً ساحرہ نے کپڑا ہٹاتے ہوئے کہا۔ ''دیکھئے..... میرا بے بی کتنا پیارا ہے۔''

اسپینیل کتے کا ایک ننھا سا پلا اس کی گود میں ''ٹیاؤں ٹیاؤں'' کر رہا تھا۔

''میں بے بی کے فادر سے ملنا چاہتا ہوں۔'' حمید نے اپنے نتھنے پھلا کر کہا۔

''فادر کیا؟ میں نہیں سمجھی.....ہوں.....ہوں.....لل.....لل.....لا۔''

''آخر آپ مجھے اُلو کیوں سمجھتی ہیں۔'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔ اسے سچ مچ غصہ آ گیا تھا۔ پھر وہ وہاں رکے بغیر اپنے کمرے میں چلا آیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس نامعقول لڑکی سے کیسا برتاؤ کرے، جو اسے اس بُری طرح بے وقوف بنا رہی تھی..... اسے یعنی..... کیپٹن حمید کو؟ اس کے لئے کم از کم ڈوب مرنے کا مقام تھا کہ کوئی لڑکی اسے الو بنائے۔ دو ہی تین منٹ بعد ساحرہ بھی وہاں موجود تھی لیکن اب کتے کا پلا اس کی گود میں نہیں تھا۔ وہ خاموش کھڑی رہی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے گفتگو کا آغاز کرنے کے لئے اسے مناسب الفاظ نہ مل رہے ہوں۔

''وہ..... دیکھئے آپ نہ جانے کیوں خفا ہو گئے۔'' ساحرہ رک رک کر بولی۔

''آپ اتنے اچھے آدمی ہیں..... اگر آپ بھی خفا ہو جائیں گے۔''

''خدا کے لئے جاؤ..... میرا پیچھا چھوڑو۔'' حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔

''آخر کیوں.....؟''

''کچھ نہیں..... میں بے وقوف بننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔''

''میں نے کیا بیوقوف بنایا ہے؟''

حمید چند لمحے خاموشی سے اسے گھورتا رہا پھر بولا۔ ''تمہیں لکھنا پڑھنا نہیں آتا؟''

''بالکل نہیں آتا..... آپ بھائی جان سے پوچھ لیجئے۔''

''کیا یہاں ساحرہ کسی اور کا بھی نام ہے؟''

''نہیں..... واہ ایک گھر میں ایک ہی نام کے دو آدمی کیسے ہو سکتے ہیں۔''

"پھر لائبریری کی بعض کتابوں پر پنسل سے نوٹ کس نے لکھے ہیں؟"

"میں نہیں جانتی۔" لڑکی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "آپ کتابوں کے متعلق صرف بھائی جان سے گفتگو کرلیا کیجئے۔ میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔"

"ڈیکارٹس کی فلاسفی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"ڈیکارٹس..... کی فلاسفی..... میں نہیں سمجھی کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"تمہیں فلسفے سے دلچسپی نہیں ہے؟"

"فلسفہ..... یہ سب کیا ہے۔ میں ان کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔"

"بے بی والا مسخرہ پن آپ کو مجھ سے نہیں کرنا چاہئے تھا۔"

"میرے خدا..... مجھے کیا کرنا چاہئے تھا..... آپکی تو کوئی بات ہی میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"بس اب جائیے۔" حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔

"دیکھئے..... آپ بہت اچھے ہیں لیکن اس وقت آپ کو نہ جانے کیا ہوگیا ہے۔"

"میں بالکل ٹھیک ہوں..... شکریہ اور آپ جاسکتی ہیں۔"

"میں اس وقت تک نہیں جاؤں گی..... جب تک آپ کی خفگی دور نہ ہوجائے۔"

"دور ہوگئی بھائی۔" حمید اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔

"کیا میں آپ کو کھل رہی ہوں۔" ساحرہ نے سوال کیا۔

"بالکل نہیں..... بس تم فی الحال چلی ہی جاؤ۔"

ساحرہ اسے گھور گھور کر بسورتی رہی پھر یک بیک اس طرح زار و قطار رونا شروع کردیا کہ حمید کے ہاتھ پیر پھول گئے۔

"ارے..... یہ کیا کررہی ہیں.....؟" حمید ہکلایا۔

"اب آپ کو دکھائی بھی نہیں دیتا..... ارے میں رو رہی ہوں۔"

"جی ہاں..... جی ہاں....." حمید کی بوکھلاہٹ بدستور قائم رہی۔

"کیا میں جھوٹ بول رہی تھی۔" اب ساحرہ کی ہچکیاں لگ گئی تھیں۔

"نن..... نہیں بالکل نہیں۔" حمید نے پھر ہکلانا شروع کردیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا اس لڑکی کو کس طرح چپ کرائے۔ کیونکہ اس کی گریہ زاری اب آہستہ آہستہ بڑھتی ہی جارہی تھی۔

"اچھا..... اچھا..... اب چپ بھی رہو۔"

"میں روتے روتے مرجاؤں گی۔ آپ نے یہ کیسے سوچا کہ میں آپ کو بے وقوف بنارہی ہوں۔ بے وقوف پیدا ہوتے ہیں..... بنائے نہیں جاتے۔"

حمید ایک بار پھر سناٹے میں آگیا۔ یہ جملہ تو کسی بہت بڑے آدمی کا قول معلوم ہوتا ہے کہ بے وقوف پیدا ہوتے ہیں بنائے نہیں جاتے۔ وہ چکرا کر رہ گیا تھا۔ ایک طرف یہ لڑکی خود کو جاہل تسلیم کرالینے پر مصر ہے اور دوسری طرف ایسے شاندار جملے بھی اس کی زبان سے ادا ہوتے ہیں۔

"اچھا..... میں مان گیا آپ کی بات۔" حمید نے زچ ہوکر کہا۔

"اب تو آپ اس قسم کی گفتگو نہیں کریں گے۔"

"نہیں..... نہیں..... قطعی نہیں۔"

لڑکی خاموش ہوگئی۔ روتے روتے اس کی آنکھیں سرخ ہوگئی تھیں۔ اس نے دوپٹے کے آنچل سے آنسو خشک کئے اور اس طرح خاموش بیٹھی رہی جیسے گریہ و زاری کی دوسری قسط شروع کرنے کے لئے کسی دوسرے جملے کی منتظر ہو۔ لیکن اب حمید نے اپنے ہونٹ مضبوطی سے بند کرلئے تھے۔

"اب بھی آپ کے دل میں وہی ہے۔" ساحرہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"نہیں ہے..... قطعی نہیں ہے۔" حمید جلدی سے بولا۔

"نہیں آپ کے چہرے سے صاف ظاہر ہورہا ہے۔"

"میں اپنے چہرے کے چیتھڑے اڑادوں گا۔" حمید پھر جھلا گیا۔

"دیکھا..... دیکھا میں نہ کہتی تھی۔ ارے میری قسمت ہی ایسی ہے۔" ساحرہ پھر باقاعدہ طور پر اسٹارٹ لے کر رونے لگی۔

حمید بوکھلا کر جانے کے لئے اٹھا اور وہ تڑپ کر بولی۔

"جاؤ تو..... خدا کرے میں یہیں مرجاؤں..... اچھا جاؤ..... میں دیوار سے اپنا سر ٹکرادوں گی۔"

حمید فرش پر دوزانو بیٹھ کر اپنا سر پیٹنے لگا۔

ٹھیک اسی وقت ڈاکٹر سلمان کمرے میں داخل ہوا اور حیرت سے آنکھیں پھاڑے دروازے

ہی پر ٹھٹک گیا۔ حمید نے سوچا یہ تو بہت بُرا ہوا۔ ڈاکٹر کیا سمجھے گا۔ بہرحال اس کے ہاتھ اور تیزی سے چلنے لگے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" دفعتاً ڈاکٹر سلمان کی گرجدار آواز کمرے میں گونجی۔

ساحرہ جو پہلے ہی سہم کر خاموش ہوگئی تھی یک بیک اچھلی اور دوڑتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ حمید بھی اپنے ہاتھ روک کر پاگلوں کے سے انداز میں ڈاکٹر سلمان کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

"یہ سب کیا ہے؟" ڈاکٹر سلمان نے دو تین قدم آگے بڑھ کر کہا۔

"یہ لل..... لڑکی..... مجھے پاگل بنادے گی۔ خدا کیلئے مجھے کوئی دوسری جگہ بتایئے ڈاکٹر۔"

"کیا بات ہوئی تھی۔"

"ایک دو نہیں ہزاروں باتیں ہوگئیں جناب..... خدا کے لئے۔"

"کیپٹن حمید..... آپ ہوش میں بھی ہیں یا نہیں۔" ڈاکٹر سلمان نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

حمید نے سوچا کہ اب فوراً ہی پینترہ بدلنا چاہئے ورنہ خجامت ہو جائے گی۔

اس نے آہستہ سے کہا۔ "ڈاکٹر..... یہ لڑکی صحیح الدماغ بھی ہے یا نہیں؟"

"آپ بات بھی بتائیں گے یا یونہی بے سروپا ہوتی رہے گی؟"

"بات..... پہلے انہوں نے مجھے اپنا بے بی دکھایا۔ لیکن وہ اتنا ہنس مکھ بھی نہیں ثابت ہوا جتنا کہ اسپیمل بچے کو ہونا چاہئے۔ پھر جناب..... انہوں نے مجھے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ غیر تعلیم یافتہ ہیں۔"

"ہاں..... یہ درست ہے کہ وہ لکھنا پڑھنا بالکل نہیں جانتی۔" ڈاکٹر سلمان بولا۔ "لیکن آخر یہ کیا ہو رہا تھا۔"

"میں سر پیٹ رہا تھا..... اور وہ رو رہی تھی۔" حمید بولا۔ "کیا اب یہ بھی بتانا پڑے گا کہ میں سر کیوں پیٹ رہا تھا؟"

ڈاکٹر سلمان بدستور اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھتا رہا۔

"جب انہوں نے بہت عاجز کر دیا تو میں نے سر پیٹنا شروع کر دیا..... مجھے یقین ہے کہ دوسری ملاقات پر میں بالکل پاگل ہو جاؤں گا۔"

"دیکھئے جناب....." ڈاکٹر سلمان نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "آپ اپنے کام سے کام رکھیں

اگر آپ کو یہ نامنظور ہو تو مجھے آگاہ کر دیجئے۔"

"بہت بہتر..... میں اپنے کام سے کام رکھوں گا۔"

"بیک اپ کا سامان آ گیا ہے لیکن آپ کے لئے ایک بُری خبر بھی لایا ہوں۔ وہ آپ کا ت ہے نا جو روحی کے ساتھ مقیم ہے۔ آج اس کے باپ نے کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کے ف رپورٹ درج کرائی ہے کہ ان دونوں نے اسکے لڑکے کو پھسلا کر چھ لاکھ روپے اینٹھ لئے۔"

"میرے خدا.....!" حمید آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔

تیسرا شعلہ

مادام تاریہ ایک بلند قامت اور وجیہہ عورت تھی۔ عمر چالیس سال سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ جسم ساخت بھی ایسی ہی تھی کہ اگر قاسم دیکھ پاتا تو اسے نوشابہ بھی یاد نہ رہ جاتی۔ وہ ایک شاندار ارت میں رہتی تھی اور رام گڈھ میں اس کی دوسری بھی کئی عمارتیں بھاری کرایوں پر اٹھی ہوئی تھیں۔ ک کے مختلف صنعتی اداروں میں اس کا وافر سرمایہ بھی لگا ہوا تھا۔ بہرحال وہ رام گڈھ کی متمول ستیوں میں شمار کی جاتی تھی۔

اور اب فریدی نے اس کی ایک ڈھکی چھپی حیثیت سے بھی پردہ اٹھا دیا تھا۔ لیکن اس کا علم اس یت صرف چھ ہستیوں کو تھا اور رشیدہ اور اس کے چاروں نئے ساتھی جانتے تھے کہ تاریہ کے ہاتھ جعلی نوٹوں کے بزنس میں بھی ملوث ہیں لیکن ان چاروں کو ان باتوں کا علم نہیں تھا، جو انور اور رشیدہ کی زبانی سے معلوم ہوئی تھیں۔

تاریہ اس کے علاوہ بھی کئی طرح کے جرائم کر گذرتی تھی اور اس کا اس کے طبقے کے لوگوں میں ہونے پاتا تھا۔

آج اس کے یہاں ادارہ روابط عامہ کے کارکنوں کی میٹنگ تھی۔ میٹنگ نو بجے شروع ہونے

والی تھی ۔ اب آٹھ بج رہے تھے۔ تاریہ رات کے کھانے سے فارغ ہو کر اسٹڈی میں آ گئی۔ یہیں کافی پی رہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجی۔

"ہیلو.....!" اس نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

"یا.....ہیلو.....ٹھارہ۔" دوسری طرف سے بھی کسی عورت ہی کی آواز آئی۔

"کون ہے؟"

"تھریسیا بمبل آف بوہیمیا۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"میں نہیں جانتی کون ہو۔"

"اسی طرح چند سال پہلے تمہیں بھی کوئی نہیں جانتا تھا کہ تم کون ہو۔"

"کیا بکواس ہے۔" تاریہ جھلا گئی۔

"بدتمیز عورت..... میں تیری ہڈیاں چبا جاؤں گی۔ اپنی اصلیت کو نہ بھول۔ میں جانتی ہوں تیری حقیقت.....کتیا۔"

"او.....سؤر کی بچی تو ہے کون؟"

"سور تو تیرا باپ تھا.....جس نے تیری ماں سے شادی نہیں کی تھی۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"شٹ اپ.....!"

"شٹ اپ کی بچی.....اب بھی وقت ہے.....فیصلہ کر لے۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"تو بکواس بند کرے گی یا نہیں؟" تاریہ دہاڑی۔

"نہیں.....میرا مطالبہ سات لاکھ ہے اور تو اب تک تقریباً تیس کروڑ کے جعلی نوٹ ملک میں پھیلا چکی ہے، میرے پاس ایسے ثبوت ہیں جو تجھے دن کو تارے دکھا دیں گے۔"

"خاموش رہ گندی بلی۔" تاریہ غرائی۔ "تو میرا کچھ نہیں کر سکتی۔"

لیکن پھر وہ فوراً ہی سنبھل کر بولی۔ "تو نہ جانے کہاں کی بکواس لے بیٹھی ہے، کیسے نوٹ.....کیا خواب دیکھ رہی تھی۔"

"حوالات میں آنکھیں کھلنے پر تجھے اپنے سب بہت یاد آئیں گے تاریہ۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"یقیناً تو نشے میں ہے۔" یک بیک تاریہ ہنس پڑی اور اس کے قہقہے سے کمرے کی دیواریں گونج اٹھیں۔

"میں کہتی ہوں اگر تو نے تین دن کے اندر اندر سات لاکھ کی اصلی کرنسی بہم نہ پہنچائی تو تیرے گھر پر شاید رام گڈھ کی پہاڑیاں بھی چیخیں اور کراہیں۔ میرے ایک آدمی نے تیرے دو لفنگوں کو قابو کر کے تیری عمارت میں آگ لگا دی تھی۔ کیا تجھے یاد نہیں۔"

"اوہ.....تو تم وہ لوگ ہو۔"

"ہاں.....میں تھریسیا بمبل بی آف بوہیمیا۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "میں صرف تین دن کی مہلت دیتی ہوں سات لاکھ کے لئے۔ اس کے بعد میری کمپنی تم میں دلچسپی لینا چھوڑ دے گی.....کیا سمجھی....."

"تھریسیا شائد تو نہیں جانتی کہ تو کس سے گفتگو کر رہی ہے۔ رام گڈھ کی ایک معزز ترین عورت۔"

"یعنی پولیس تیرے خلاف کوئی کاروائی نہ کرے گی؟" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"پولیس میرا کھلونا ہے عورت۔" تاریہ نے فخریہ انداز میں کہا۔ "وہ میرے خلاف ایک قدم بھی نہ اٹھا سکے گی۔"

"تب پھر تم سے بزور قوت سات لاکھ روپے وصول کئے جائیں گے۔ تم آج ہی سے تیار رہنا۔"

"میں ہر وقت ہر معاملے کے لئے تیار رہتی ہوں۔" تاریہ نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ریسیور کو کریڈل میں ڈالتے وقت تاریہ کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔

وہ کسی گہری سوچ میں تھی۔ ساڑھے آٹھ بجے سے ممبروں کی آمد شروع ہو گئی۔ تاریہ سمیت یہ گیارہ تھے۔ گیارہواں ایک اجنبی تھا جو پہلی بار ڈاکٹر سلمان کے ساتھ آیا تھا۔ اس کی شکل کسی حد تک ڈاکٹر سلمان سے ملتی جلتی تھی۔ ڈاڑھی تو ہو بہو اسی کی تھی۔ یہ حمید کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔ خود ڈاکٹر سلمان نے اس کے میک اپ کی بے تحاشہ تعریف کی تھی اور یہاں اسے اپنے خالہ زاد بھائی کی حیثیت سے متعارف کرایا تھا۔

میٹنگ کی کاروائی شروع ہوئی اور حمید شدت سے بوریت محسوس کرنے لگا کیونکہ یہ سو فیصدی کی ادارہ کے کارکنان کی میٹنگ تھی اور ابھی تک کسی کی بھی زبان سے ایسی کوئی بات نہیں نکلی تھی جو

حمید کے نکتہ نظر سے قابل گرفت ہوتی۔ ادارہ کے مالیاتی بحران پر بحثیں ہوتی رہیں۔ پھر تجویز باری آئی۔ اس کے بعد آمدنی کے مزید ذرائع پیدا کرنے کے امکانات پر غور کیا جانے لگا..... مسئلہ آخیر میں چھڑا جس سے حمید کو دلچسپی ہوسکتی تھی۔ یہ مسئلہ تھا ڈاکٹر سلمان کی کار اور تاریہ بلڈنگ کی آتش زدگی کا۔"

"میرے خیال سے یہ کوئی دیوانہ یا فاتر العقل آدمی ہے جو اس قسم کی حرکتیں کر رہا ہے۔" ڈاکٹر سلمان نے کہا۔

"پہلے میں بھی یہی سوچتی تھی۔" تاریہ بولی۔ "مگر اب خیال بدل دینا پڑا ہے۔ کوئی عورت ہے تھریسیا بمبل بی آف بی۔ اسے ادارہ کی مالیات کی ساتویں ذریعے پر اعتراض ہے۔ اس آدمی یہ حرکتیں کر رہے ہیں۔"

"آپ نشے میں تو نہیں ہیں مادام تاریہ۔" ڈاکٹر سلمان نے کہا۔ "کیا رام گڈھ میں کسی عورت کا وجود بھی ہوسکتا ہے۔"

"ابھی ایک گھنٹہ قبل اس نے مجھ سے ٹیلی فون پر گفتگو کر کے سات لاکھ کا مطالبہ کیا تھا۔"

"اوہ.....!" ڈاکٹر سلمان کے ہونٹ ایک چھوٹا سا دائرہ بنا کر رہ گئے۔

پھر کمرے کی فضا پر سکوت طاری ہوگیا.....اور

ٹھیک اسی وقت دروازہ کھلا اور ایک ہاتھ دکھائی دیا جس میں ریوالور تھا۔ وہ سب چونک کر کھڑے ہوگئے۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" دروازے سے آواز آئی اور ساتھ ہی بولنے والا بھی ان کے سامنے آ گیا۔ اس کے جسم پر سیاہ سوٹ تھا اور چہرے پر سیاہ نقاب۔

"آپ حضرات کو اس میٹنگ پر مبارک باد دیتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"تم کون ہو؟" کسی نے پوچھا۔

"یہ سوال بڑا احمقانہ ہے۔ اگر یہی بتانا ہوتا تو چہرے پر نقاب کیوں ہوتی۔ کیا آپ لوگ کامن سنس استعمال نہیں کر سکتے۔"

وہ سب ہاتھ اٹھائے کھڑے رہے لیکن حمید کے پیر کانپ رہے تھے۔ اس نے بولنے کی آواز میں فریدی کے انداز گفتگو کی جھلکیاں پائی تھیں۔ وہ بھی چپ چاپ ہاتھ اٹھائے کھڑا رہا۔

"تم کیا جانتے ہو۔" ڈاکٹر سلمان نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"سات لاکھ..... میں مادام تھریسیا کا ایک ادنیٰ خادم ہوں۔"

"یہ مادام تھریسیا کیا بلا ہے؟" ڈاکٹر سلمان نے طنزیہ انداز میں مسکرا کر پوچھا۔

"مادام تاریہ سے بھی افضل ترین خاتون۔ وہ جس سے یورپ کے بڑے بڑے آدمی کانپتے ہیں مادام تھریسیا جو کہتی ہیں کر گذرتی ہیں۔ اگر تین دن کے اندر اندر سات لاکھ فراہم نہ کئے گئے تو مادام تھریسیا کے حکم کے مطابق تاریہ کی ناک کاٹ دی جائے گی۔"

"کیا بک رہے ہو.....؟" ڈاکٹر سلمان گرجا۔

"ہاں ڈاکٹر..... میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔ تم بہت رحم دل ہو۔ تمہیں ناک کاٹنے کی دھمکی سے یقیناً گہرا صدمہ پہنچایا ہوگا۔ مگر ہم کیا کریں..... ہمارا اصول یہی ہے۔"

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہاں سے بچ کر چلے جاؤ گے؟" تاریہ غرائی۔

"یقیناً..... ورنہ آتا ہی کیوں۔" نقاب پوش نے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ کہا۔

دفعتاً عقب سے کسی نے اس پر حملہ کیا۔ لیکن وہ اس کی پشت سے شانے پر ہوتا ہوا اچھل کر ان لوگوں کے درمیان آ گرا۔ اس کے حلق سے ایک چیخ نکلی اور نقاب پوش نے مسکرا کر کہا۔ "جلد بازی بُری چیز ہے۔"

پھر تو ایسا معلوم ہونے لگا جیسے در و دیوار سے آدمی نکلنے لگے ہوں۔ نقاب پوش نے چھلانگ لگائی اور کھڑکی سے گذرتا ہوا راہداری میں پہنچ گیا۔

"نکل کر جانے نہ پائے۔" ڈاکٹر سلمان نے چیخ کر کہا۔

"گھبراؤ نہیں ڈاکٹر..... اب اس عمارت سے ایک پرندہ بھی باہر نہیں جا سکتا۔"

یہ تاریہ کی آواز تھی۔

حمید بوکھلا گیا۔ اسے یقین تھا کہ وہ فریدی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ اب وہاں تقریباً چالیس آدمی نظر آ رہے تھے اور فریدی تنہا تھا۔ تاریہ نے کسی اطمینان پر ہی کہا ہوگا کہ وہ باہر نہیں نکل سکتا۔ اس افراتفری میں حمید ڈاکٹر سلمان وغیرہ سے الگ ہوگیا تھا اور عمارت کے ایک ایک گوشے میں فریدی کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

دفعتاً عمارت کے کسی گوشے سے بیک وقت کئی فائر ہوئے اور حمید بے تحاشہ اس طرف دوڑا۔

ایک کھڑکی پر پے در پے فائر ہو رہے تھے اور گاہ بگاہ کھڑکی سے بھی فائر ہو جاتے۔ حمید اندازہ کرنے لگا کہ کسی طرح اس کمرے میں پہنچ جائے جس کی کھڑکی سے فائر ہو رہے تھے لیکن اسے کامیاب نہ ہوئی۔ اس وقت سراسیمگی کے عالم میں یہ چیز بھی اس کے ذہن سے نکل گئی تھی کہ یہاں کس حیثیت سے آیا تھا اور ایسے حالات میں اس کا کیا رویہ ہونا چاہئے۔ وہ تو فریدی کو خطرے میں دیکھ کر سراسیمگی کی آخری سرحدیں چھونے لگا تھا۔

اچانک کھڑکی سے فائر ہونے بند ہو گئے اور پھر اسی راہداری سے ایک فائر ہوا۔ دوسرے فائر کرنے والوں میں سے کسی کی چیخ فضا میں لہرائی اور بھاگنے والا صاف نکلا چلا گیا۔ حمید دیوار سے ہوا آگے بڑھنے لگا۔

پوری عمارت کچھ نیم تاریک سی تھی۔ اس لئے حمید کو توقع تھی کہ فریدی باہر نکل جانے میں کامیاب ہو جائے گا لیکن تھوڑی ہی دیر میں تاریکی کا سہارا بھی اجالے کے سیلاب میں ڈوب گیا دفعتاً پوری عمارت روشن ہو گئی تھی۔ جا بجا دودھیا روشنی کے ٹیوب نظر آنے لگے تھے۔

پھر کسی گوشے سے فائروں کی آوازیں آئیں..... اچانک کسی نے حمید کا شانہ پکڑ لیا۔ وہ چونک کر مڑا..... سامنے تاریہ کھڑی تھی۔

"آپ کہاں بھاگتے پھر رہے ہیں مسٹر سہیل۔" اس نے کہا۔ حمید کا تعارف اسی نام سے کرایا گیا تھا۔

"میں سلمان بھائی کو ڈھونڈھ رہا تھا۔" حمید نے جواب دیا۔

"نہیں..... وہ جہاں بھی ہوں گے محفوظ ہی ہوں گے۔ لیکن آپ کی زندگی ضرور خطرے میں پڑ جائے گی۔ کیونکہ آپ اس عمارت سے واقف نہیں..... ہو سکتا ہے میرے ہی آدمیوں سے آپ کو نقصان پہنچ جائے۔"

"میں سلمان بھائی کے لئے پریشان ہوں۔"

"کیا آپ ڈاکٹر سلمان سے واقف نہیں ہیں؟"

"وہ میری کزن ہیں..... مادام.....!" حمید نے کہا۔

"اس کے باوجود بھی آپ ڈاکٹر سلمان کو نہیں جانتے۔ آپ اس وقت ڈاکٹر سلمان کو یاد بھی نہ ہوں گے۔ اس وقت تک ڈاکٹر اپنے وجود کو بھی بھولا رہے گا جب تک کہ اس نقاب پوش کی لاش

اسے نہیں نظر آ جائے گی۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ ایک بار اس نے یہ بھی سوچا کہ کیوں نہ اس عورت ہی کا گلا گھونٹ دے۔ ایک تو کم ہو لیکن اسے اس کا موقع ہی نہ مل سکا۔ کیونکہ تاریہ کے آدمی چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے۔

"آپ کی عمر کیا ہو گی مسٹر سہیل۔" تاریہ نے پوچھا اور حمید کو فائروں کی گونج میں اس کا یہ سوال بڑا عجیب معلوم ہوا۔

"مجھے اپنی صحیح عمر کا علم نہیں ہے۔" حمید نے جواب دیا۔

"آپ بھی تیس سے زیادہ کے نہیں معلوم ہوتے۔" اس نے حمید کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

"خدا جانے۔" حمید کا ذہن فریدی میں الجھا ہوا تھا۔

"اوہ..... تم اتنا بنتے کیوں ہو؟" تاریہ نے اسے اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ "ادھر اندھیرا ہے۔"

حمید کی کھوپڑی نے ایک ہی سیکنڈ میں ساڑھے سات سو چکر پورے کر لئے۔ فائر برابر ہو رہے تھے۔ مگر یہ عورت..... سردی کے باوجود حمید کا جسم پسینے سے چپچپانے لگا۔

"سلمان بھائی۔" حمید بوکھلائے ہوئے انداز میں اس سے اپنا ہاتھ چھڑا کر بڑبڑایا اور ایک طرف دوڑنے لگا۔

پھر اسے یک بیک ایسا محسوس ہوا جیسے پوری عمارت میں سناٹا چھا گیا ہو اس کے کانوں میں صرف اپنے دوڑتے ہوئے قدموں کی چاپ گونج رہی تھی۔

جلد ہی اسے اس سناٹے کی وجہ معلوم ہو گئی۔ نقاب پوش نے ایک جگہ پھر ان لوگوں کو پستول کی نال پر لے لیا تھا۔ سات آدمی اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے کھڑے تھے اور نقاب پوش کی پشت پر ایک کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ انہیں ڈاج دے کر اس کھڑکی سے نکل جائے گا۔

اس نے ایک ہاتھ کھڑکی میں ڈالا ہی تھا کہ اوپر سے آگ کی ایک باریک سی دھار اس پر آ گری۔ ہاتھ اٹھائے ہوئے آدمیوں نے خوشی کا نعرہ لگایا۔ اور اسی آواز میں حمید کی دلخراش چیخ بھی شامل تھی۔ نقاب پوش کے سر سے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کا لباس جل کر خاک ہو گیا اور اب وہاں سیاہ رنگ کا ایک مجسمہ کھڑا تھا۔

حمید صرف دیکھ سکتا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا نچلا دھڑ بالکل بیکار ہو گیا ہو اور اب وہ کبھی وہاں سے ہل بھی نہ سکے گا اور سر ہوا میں تیرتا محسوس ہو رہا تھا۔

دفعتاً اس سیاہ مجسمے کا داہنا ہاتھ اٹھا جس میں اب بھی ریوالور موجود تھا۔ پھر اس کھڑکی کی طرف ایک فائر ہوا جس سے آگ کی دھار آئی تھی۔ ایک چیخ فضا میں لہرائی اور ایک آدمی کھڑکی سے نیچے گر کر تڑپنے لگا۔

''ہاہا.....!'' سیاہ مجسمے سے آواز آئی۔ ''مادام تھریسیا بمبل بی.....زندہ باد۔''

''ڈرو.....دوستو.....تھریسیا سے ڈرو.....وہ بڑی خطرناک ہے۔ اس نے تمہارا پروگرام بیکار کر دیا۔ جس پر تمہیں بڑا ناز تھا۔''

پھر اس سیاہ اور برہنہ مجسمے نے قہقہہ لگاتے ہوئے کھڑکی سے باہر چھلانگ لگا دی۔ یہاں کمرے میں اتنی سکت بھی نہیں معلوم ہوئی تھی کہ وہ اپنے ہونٹوں ہی کو جنبش دے سکتا۔

حمید پسینے میں نہایا ہوا کھڑا تھا۔ وہ تقریباً پانچ منٹ تک اسی طرح گم سم کھڑے رہے پھر جیمز نے تاریہ کو بھرائی ہوئی آواز میں کہتے سنا۔ ''یقین نہیں آتا۔''

پھر وہ ہذیانی انداز میں چیخنے لگی۔ ''نہیں.....وہ آدمی نہیں بھوت تھا۔ تھریسیا بمبل بی کوئی بُری روح تھی.....بمبل بی.....بمبل بی.....وہ کوئی بُری روح تھی۔''

حمید نے ڈاکٹر سلمان کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر اداسی تھی اور وہ بار بار اپنے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

''تمہارا کیا خیال ہے ڈاکٹر۔'' تاریہ نے سلمان کو مخاطب کیا۔ لیکن وہ کچھ نہیں بولا۔

''شائیں.....کھٹاک۔'' ایک خنجر کھڑکی سے گذرتا ہوا سامنے والے دروازے میں دھنستا چلا گیا۔ ایک منٹ تک وہ لوگ بے حس و حرکت کھڑے رہے کسی میں بھی اتنی ہمت نہیں تھی کہ آگے بڑھ کر اس خنجر کو دروازے سے نکالتا۔

پھر اس بار حمید ہی نے پہل کی۔ آگے بڑھ کر دروازے سے خنجر کھینچا۔ جس کے دستے سے کاغذ کا ایک پرزہ لپٹا ہوا تھا۔ حمید نے اس کی تہہ کھولی۔

اور! کاغذ کے پرزے پر تحریر تھا

''مطالبہ.....سات لاکھ سکہ رائج الوقت! مہلت

.....تین دن..... جو میڈیکل سرٹیفکیٹ داخل

کرنے پر بھی نہ بڑھ سکے گی۔

الداعی

تھریسیا بمبل بی اینڈ کو.....!''

حمید نے اسے ڈاکٹر سلمان کی طرف بڑھا دیا اور ڈاکٹر سلمان نے اسے پڑھ کر سب کو سناتے ہوئے کہا۔ ''جلد بازی.....بہت بُری چیز ہے۔''

''کیا مطلب.....؟'' تاریہ جلدی سے بول پڑی۔

''تم تو بس خاموش ہی رہو۔'' ڈاکٹر سلمان بگڑ گیا۔ ''تم سے کس گدھے نے کہا تھا کہ پش فائر استعمال کی جائے۔''

تاریہ نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی اور حمید کو بڑی میٹھی نظروں سے دیکھنے لگی۔

حمید بھی جواباً خفیف سا مسکرا دیا.....اور اب وہ اُن سب کی موجودگی میں اسے بے تکے قسم کے اشارے کرنے لگی تھی۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 59

جہنم کا شعلہ

(چوتھا حصہ)

جہنم میں جاؤ

ان پر کچھ اس قسم کا سکوت طاری تھا جیسے وہ کسی ایسی لاش کے گرد کھڑے ہوں جسے قبرستان لے جانے سے پہلے "آخری دیدار" کے لئے رکھا گیا ہو۔

ڈاکٹر سلمان بار بار اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیتا تھا۔ نہ اس کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار تھے اور نہ صدمے کے۔ البتہ پیشانی کی لکیریں گہری تشویش کا اظہار کر رہی تھیں۔ وہ دفعتاً ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "یہ معاملہ یہیں ختم کیا جاتا ہے۔"

سب خاموش کھڑے رہے۔ تاریہ نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ ہلائے لیکن پھر خاموش ہی رہ گئی۔ ڈاکٹر سلمان کے دوسرے اشارے پر مجمع برخواست ہو گیا۔ پانچ منٹ کے اندر ہی اندر کمرے میں تین نفوس کے علاوہ اور کوئی نہیں رہ گیا۔

یہ ڈاکٹر سلمان، حمید اور تاریہ تھے۔ ڈاکٹر سلمان غور سے حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اچانک اس نے کہا۔ "یہ کون ہو سکتا ہے۔"

"میں.....!" حمید کے انداز میں ہچکچاہٹ تھی۔ "شبہے میں مبتلا ہو گیا ہوں۔"

"اظہار کر دیجئے اپنے شبہے کا۔"

حمید تاریہ کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

"خیر..... پھر دیکھیں گے۔" ڈاکٹر سلمان نے جیب سے سگریٹ کیس نکال کر اسے کھولتے ہوئے کہا۔ لیکن کافی دیر تک سگریٹ اس کی انگلیوں میں دبی رہی۔ شائد اسے یاد ہی نہیں تھا کہ سگریٹ اس کی انگلیوں میں دبی ہوئی ہے۔

"تاریہ میں پیاسا ہوں۔" اس نے تاریہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اور میں یونہی خواہ مخواہ کھڑی ہوئی ہوں۔ آخر ہم بیٹھتے کیوں نہیں۔"

"اوہ..... ہاں....." ڈاکٹر سلمان نے اس لاش کی طرف دیکھا جو اوپر کی کھڑکی سے گری تھی۔ پھر دفعتاً چونک کر بولا۔ "اوہ..... مگر اس کے پاس پش فائر موجود نہیں ہے۔"

"شارٹی نے اسے سنبھال لیا ہوگا۔" تاریہ نے لاپرواہی سے کہا۔

"تم کریک ہو..... سو فیصدی کریک۔" ڈاکٹر سلمان تاریہ کو گھورتا ہوا بولا۔ "کس نے کہا تم سے کہ پش فائر استعمال کیا جائے۔"

"ارے ختم بھی کرو۔" تاریہ ہاتھ ہلا کر بولی۔ "تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ کوئلے کا مجسمہ دوبارہ چھلانگ لگا کر کھڑکی کے باہر کیسے جا سکا تھا۔ گفتگو کیسے کی تھی اس نے۔ چلو یہاں کب تک کھڑے رہیں گے۔"

حمید کو ان دونوں کی گفتگو عجیب لگ رہی تھی کیونکہ ان کے سامنے ایک لاش بھی موجود تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے انہیں اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہ ہو۔

تاریہ انہیں ایک ایسے کمرے میں لائی جہاں میز پر سوڈے کا ایک بڑا سا سائفن رکھا ہوا تھا۔ چند گلاس تھے اور تین چار شمپین کی بوتلیں۔

اس نے کمرے میں پہنچتے ہی دو گلاسوں میں شراب انڈیلی اور تیسرے میں انڈیلنے جا رہی تھی کہ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں نہیں پیتا۔"

"تمہیں جاننا ہی چاہئے۔" ڈاکٹر سلمان مسکرایا۔

"کیوں جاننا چاہئے۔" تاریہ چونک کر حمید کو گھورنے لگی۔

"تم سہیل کو نہیں جانتی۔" ڈاکٹر سلمان مسکراتا رہا۔ "ان کے آجانے سے ہمارے ہاتھ بہت مضبوط ہو گئے ہیں۔"

"پہلے یہ کہاں تھے۔"

"رام گڈھ میں تھے اور بس اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا۔ ملکہ کائنات کو علم ہوگا کہ یہ اس سے پہلے کہاں تھے۔"

"تم نے تو کہا تھا کہ تمہارے کزن ہیں۔"

"ہاں میں نے غلط نہیں کہا تھا اور آج سے دو دن پہلے بھی مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ بھی ہم میں سے ایک ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ لیکن اس کے چہرے پر ایک بار حیرت کے آثار ضرور نظر آئے تھے۔ لیکن پھر اس نے اپنی حالت پر قابو پانے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ حالانکہ یہ سب کچھ سو فیصدی دکھاوا تھا۔ اسے ان کی گفتگو سے قطعی حیرت نہیں تھی۔ مگر وہ ڈاکٹر سلمان کی پوزیشن کے متعلق ضرور الجھن میں پڑ گیا تھا۔

"خیر.....!" تاریہ کچھ دیر بعد بولی۔ "میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتی۔ یہ تھریسیا بمبل بی ہے کیا بلا۔"

"تھریسیا بمبل بی..... ایک خطرناک بوہمین عورت جس نے پورے فرانس کو ہلا کر پھینک دیا تھا۔ شروع میں اس کی حیثیت ایک بدمعاش کی سی تھی۔ یہ اور اس کا ساتھی الفانسے ڈاکے ڈالتے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ ان دونوں نے ایک طاقتور گروہ بنا لیا۔ پھر دوسری جنگ عظیم شروع ہونے سے پہلے ہی تھریسیا اور الفانسے کو ایک موقع پر جرمنی کی طرف بھاگنا پڑا اور وہاں انہیں نازی سیکرٹ سروس میں جگہ مل گئی۔ پھر انہیں دوبارہ فرانس آنا پڑا۔ لیکن اب حیثیت دوسری تھی۔ اب وہ ڈاکے نہیں ڈالتے تھے۔ بلکہ فرانس کے فوجی راز جرمنی پہنچانے کے لئے کام کر رہے تھے اور یہ حقیقت ہے کہ فرانس میں یہ جرمن سیکرٹ سروس کے سرغنہ تھے۔ فرانس پر جرمن کی فتح کے بعد انہیں کہیں اور بھیجا جا رہا تھا۔ مگر اس جہاز کو جس پر یہ تھے اتحادیوں نے ڈبو دیا۔"

"تب تو پھر..... یہ تھریسیا فراڈ ہے۔" تاریہ نے کہا۔

"ہو سکتا ہے..... مگر یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں اس جہاز پر نہ رہے ہوں۔"

"تمہیں شاید نشہ ہو گیا ہے۔" تاریہ نے آنکھیں بند کر کے قہقہہ لگایا۔ "خود ہی کہتے ہو کہ وہ جہاز میں تھے اور جہاز ڈوب گیا تھا..... اور خود ہی کہتے ہو کہ.....!"

"میں دونوں باتیں اپنی معلومات کی بناء پر کہہ رہا ہوں جن لوگوں کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے

تھریسیا اور الفانسے کا جہاز ڈبو دیا تھا وہی آج بھی ان کی تلاش میں ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ دونوں اسی جہاز پر تھے اور انہیں لوگوں کو ان کی تلاش بھی ہے۔"

"یعنی وہ خود بھی کوئی واضح بات نہیں کہہ سکتے۔" تناریہ نے کہا۔

"یقیناً.....!" ڈاکٹر سلمان سر ہلا کر بولا اور اپنا پائپ سلگانے لگا۔

کچھ دیر کے لئے پھر کمرے پر خاموشی مسلط ہوگئی۔ حمید اس دوران میں خاموش ہی رہا تھا۔ وہ خواہ مخواہ دخل انداز بھی نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اسے تو اب سوچ سمجھ کر کام کرنا تھا۔ معاملات کافی آگے بڑھ چکے تھے۔ یہاں اس کی موجودگی میں اس کھلی ہوئی گفتگو کا یہی مطلب ہوسکتا تھا کہ ڈاکٹر سلمان اس پر اعتماد کرنے لگا ہے۔

تناریہ نے اپنے لئے ایک گلاس تیار کیا۔ ڈاکٹر سلمان کے ہاتھ میں چوتھا گلاس تھا..... حمید کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ نہ تو اس کی گفتگو سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ پی رہا ہے اور نہ آنکھیں یہ ظاہر کرتی تھیں۔ چوتھا گلاس ختم کر کے اس نے رومال سے ہونٹ خشک کئے اور تناریہ کی طرف دیکھنے لگا۔

پھر اچانک ایسا لگا جیسے تناریہ کو کچھ یاد آ گیا ہو۔ وہ آہستہ سے بولی۔

"اوہ..... وہ لاش..... ٹھہرو..... میں ابھی آتی ہوں۔"

وہ چلی گئی لیکن ڈاکٹر سلمان کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے اسے اس لاش سے کوئی سروکار ہی نہ ہو۔

"کیپٹن.....!" اس نے حمید کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "تکلف برطرف میں جاننا ہوں کہ تمہارے دل میں تنظیم کے لئے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔"

"شکریہ۔ میں اس الجھن میں تھا کہ اس تذکرے کو کس عنوان سے چھیڑوں۔ سوچتا تھا کہ کہیں آپ اسے مکر نہ سمجھیں۔ ورنہ یہ حقیقت ہے کہ تنظیم کے فلسفے نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔"

"یقیناً..... ہر باشعور آدمی ہمارے فلسفے سے آگاہ ہونے کے بعد ہماری طرف آنا پسند کرے گا۔ مگر فی الحال اس کے لئے حالات سازگار نہیں ہیں کہ باقاعدہ طور پر اس کی اشاعت کی جا سکے۔"

"مگر اب میں سوچتا ہوں کہ کرنل فریدی کے اندازے کبھی غلط ثابت نہیں ہوئے۔ اس نے روحی کے حالات سے آگاہ ہوتے ہی کہہ دیا تھا کہ ادارہ روابط عامہ فراڈ ہے۔"

"ہوں.....!" ڈاکٹر سلمان کچھ سوچنے لگا۔ پھر سر اٹھا کر بولا۔ "تم نے وہاں کوئی شبہ ظاہر کیا تھا۔ میں نے تناریہ کی موجودگی میں گفتگو کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ کس بات کا شبہ تھا تمہیں..... اس لاش پر۔"

"میں سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ کرنل فریدی نہ ہو۔"

"ہوسکتا ہے..... دراصل میں اسی پر اتنی دیر سے غور کر رہا تھا۔" ڈاکٹر سلمان نے کہا۔

"مگر یہ صرف شبہ ہے میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ آہا ٹھہریئے۔" ایسا معلوم ہوا جیسے حمید کو ایک بیک کچھ یاد آ گیا ہو۔ اس کی آنکھیں بھی چمکنے لگی تھیں۔ پھر کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

"ذرا اپنے حربے پش فائر کی تو خبر لیجئے۔ اگر وہ آدمی فریدی ہی تھا تو.....!"

"کیا مطلب.....!"

"آپ کا وہ حربہ کم از کم اس عمارت میں تو موجود نہ ہوگا۔"

"صاف صاف کہو۔"

"میں فریدی کے طریق کار سے اچھی طرح واقف ہوں۔ یہاں سے نکل جانے کے بعد باہر سے خبر بھیج کر دوبارہ سات لاکھ روپوں کے بارے میں یاد دہانی ضروری نہیں تھی۔ اگر وہ فریدی ہی تھا تو یقین کیجئے کہ اس کا مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ ہم لوگ کچھ دیر تک اس کمرے میں ٹھہرے رہیں..... اور وہ کسی طرح سے پش فائر پر ہاتھ صاف کر دے۔ کیا اس کا اندازہ غلط تھا۔ کیا ہمیں سانپ نہیں سونگھ گیا تھا۔ ڈاکٹر وہ ذہنی اور جسمانی دونوں طرح کی لڑائیوں کا ماہر ہے۔ وہ اپنے مدمقابل پر ہر زاویئے سے نظر رکھنے کا عادی ہے۔ اگر وہ فریدی ہی تھا تو پش فائر سے ہاتھ دھو رکھئے۔"

"ٹھہرو..... میں دیکھتا ہوں۔" ڈاکٹر سلمان بوکھلائے ہوئے انداز میں اٹھا اور باہر نکل گیا۔ حمید کے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ تھی۔ لیکن یہ مسکراہٹ زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی کیونکہ کمرے کے دروازے سے تناریہ اندر داخل ہوئی۔

"ڈاکٹر کہاں ہیں۔" اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کہیں گئے ہیں۔"

"تم نے میری دعوت رد کر دی تھی..... کیوں؟" وہ مسکراتی ہوئی حمید کی طرف بڑھی اور حمید کے دیوتا کوچ کر گئے۔

"تم کھسک کیوں رہے ہو۔" وہ اس کے پاس صوفے پر بیٹھتی ہوئی بولی۔ "تم آخر اتنا ہچکچا کیوں ہو۔ کیا اب تک عورتوں سے دور ہی رہے ہو۔"

"نن.....نہیں تو.....وہ دیکھو بات دراصل یہ ہے کہ کوئی بات نہیں.....اور.....!"

"کیا بات ہوئی۔"

"پتہ نہیں۔" حمید دوسری طرف کھسکتا ہوا بولا۔ "مجھے دراصل.....یعنی کہ.....!"

"تم بالکل گدھے ہو۔" وہ حمید کا بازو پکڑ کر جھٹکا دیتی ہوئی بڑبڑائی۔ "بالکل گدھے.....کہ میں تمہیں کھا جاؤں گی۔ نہیں تمہیں میرے ساتھ شراب پینی پڑے گی۔"

حمید کو اس وقت سچ مچ ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے آج سے پہلے کبھی کسی عورت کی شکل تک نہ دیکھی ہو۔

"وہ دراصل بات یہ ہے.....!"

"دراصل بات صرف اتنی ہے کہ تم بالکل اُلو ہو۔" تاریہ نے قہقہہ لگایا۔

"اچھا پہلے اس کا فیصلہ کر لو کہ میں اُلو ہوں یا گدھا۔" حمید نے سنبھالا لیا۔

"اس کے بعد میں سوچوں گا کہ ہماری دوستی کیسی رہے گی۔"

"تمہیں پینی پڑے گی.....تم میری دعوت رد نہیں کر سکتے۔ آج تک کسی میں اتنی جرأت نہیں ہوئی۔"

"اُف فوہ.....! اس معاملے میں تم میرے باپ سے بھی زیادہ تیز مزاج معلوم ہوتی ہو۔ ایک بار انہوں نے شراب پینے پر مجھے گھر سے نکال دیا تھا۔"

تاریہ نے شاید سنا بھی نہ ہو کہ حمید نے کیا کہا تھا۔ کیونکہ وہ میز کی طرف جا کر دو گلاسوں میں شراب انڈیلنے لگی تھی۔

حمید آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے گھورتا رہا۔ زندگی میں پہلی بار کسی ایسی بے جھجک عورت سے سابقہ پڑا تھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کیا اب پینی ہی پڑے گی۔ مگر مصیبت تو یہ تھی کہ نشے میں اسے اپنے ذہن پر قابو پانا دشوار ہو جاتا تھا اور دماغ گرم ہو جانے کے بعد یہ بھی ممکن نہیں ہوتا تھا کہ دوسرے گلاس کی طرف ہاتھ بڑھ جائے۔ وہ شراب کا عادی نہیں تھا کبھی کبھار کسی چکر میں پڑ کر پی لیتا اور بات تھی ویسے الٹر فریدی کو چڑانے کے لئے بھی اُس نے پی تھی ورنہ یہ حقیقت تھی کہ وہ تمباکو کے

ہر قسم کے نشے کو بُری نظروں سے دیکھتا تھا تاریہ دونوں گلاس لئے ہوئے صوفے کی طرف واپس آ گئی۔

"پیو.....تم نہیں جانتے کہ تم کتنے بڑے اعزاز کو ٹھکراتے رہے ہو۔ تاریہ کے ہاتھ سے جسے شراب ملے اسے رام گڈھ میں خوش قسمت کہتے ہیں۔"

"مجھے رام گڈھ میں چند کہتے ہیں۔ لاؤ.....!" حمید نے ہاتھ بڑھا کر گلاس لے لیا۔

"میں نے پہلی نظر میں پہچان لیا تھا کہ تم وہی ہو۔" تاریہ مسکرا کر آہستہ سے بولی۔

"کون ہوں.....!" حمید بوکھلا گیا۔

"وہی جس کا مجھے سالہا سال سے انتظار تھا۔" تاریہ نے آنکھیں بھینچ کر قربان ہو جانے والے انداز میں کہا اور اس کی طرف جھکنے لگی۔

"ٹھٹھ.....ٹھیک ہے.....ٹھیک ہے۔" حمید نے بے بسی میں ہاتھ ہلائے کیونکہ اب پیچھے کھسکنے کی بھی جگہ نہیں تھی۔ وہ صوفے کے ہتھے سے ٹکا ہوا تھا۔

اچانک اسی وقت ڈاکٹر سلمان کمرے میں داخل ہوا۔ تاریہ پیچھے ہٹ آئی اور حمید کے ہاتھوں سے شراب کا گلاس پہلے ہی گر گیا تھا۔ ڈاکٹر سلمان نے انہیں گھورتی ہوئی نظروں سے دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔ تاریہ کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار تھے۔

"سہیل اب ہمیں واپس چلنا چاہئے۔" ڈاکٹر سلمان بولا اور حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"سہیل آج میرے مہمان رہیں گے۔" تاریہ غرائی۔ ڈاکٹر سلمان نے حمید کی طرف دیکھا۔ لیکن حمید کی آنکھیں پہلے ہی سے رحم کی بھیک مانگ رہی تھیں۔ ڈاکٹر سلمان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ہلکی سی پرچھائیں نظر آئی اور اس نے کہا۔ "نہیں تاریہ.....آج رات ہمیں بہت سے کام کرنے ہیں۔ میں مجبور ہوں۔ سہیل کو یہاں نہیں چھوڑ سکتا۔"

"جہنم میں جاؤ۔" تاریہ نے جھلاہٹ میں اپنا گلاس دیوار پر کھینچ مارا۔ شیشے کے ٹکڑے فرش پر گر کر جھنجھنائے۔

باہر نکل کر گاڑی میں بیٹھتے ہوئے ڈاکٹر سلمان نے کہا۔ "پش فائر محفوظ ہے اور اب میں نے اسے ایک محفوظ مقام پر بھجوا دیا ہے۔"

"اوہ تب تو.....وہ ہرگز فریدی نہیں تھا اور اس طرح خنجر پھینکنا قطعی لایعنی تھا۔ میں فریدی

جیسے آدمی سے کسی لاحاصل حرکت کی توقع نہیں رکھتا..... مگر ڈاکٹر یہ تاریہ..... خدارا اب مجھے یہاں آنے پر مجبور نہ کیجئے گا۔"

تاریہ کے نام پر ڈاکٹر سلمان ہنسنے لگا۔ لیکن جواب میں کچھ بولا نہیں۔

سلمان کا دشمن

ڈاکٹر سلمان کار ڈرائیو کر رہا تھا اور حمید اس کے قریب اگلی ہی سیٹ پر تھا۔ کچھ دیر تک خاموش رہے پھر ڈاکٹر سلمان بولا۔ "کیوں کیپٹن..... کیا تمہیں یقین ہے کہ فریدی زندہ ہے۔"

"میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔"

"کیوں.....! کیا اسے کوئی حادثہ پیش آیا۔"

"ڈاکٹر اب ان تکلفات کو چھوڑیئے..... مجھے الجھن ہوتی ہے۔ کیا آپ اس حادثے سے واقف نہیں ہیں۔"

"میں.....!" ڈاکٹر سلمان نے حیرت سے کہا۔ "میں کیا جانوں۔"

"کیا آپ نہیں جانتے کہ میں تنظیم کے ہیڈ کوارٹر کی سیر کر چکا ہوں۔"

"کیا..... نہیں۔" اس کا لہجہ اب بھی تحیر زدہ تھا۔

"تب پھر آپ نے مجھ پر کیسے اعتماد کر لیا۔"

"طاقت کا حکم۔" ڈاکٹر سلمان نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "اس حکم کے آگے سر جھکا دینا ہی پڑتا ہے ورنہ مجھے تم پر اب بھی اعتماد نہیں ہے۔"

"کیا یہ طاقت حقیقتاً کوئی روح ہے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "آخر اسے میرے ذہنی انقلاب کا کیسے علم ہوا۔"

"اسی لئے ہم سر جھکانے پر مجبور ہیں کیپٹن۔" ڈاکٹر بولا۔ "میں پندرہ سال سے تنظیم کا

ممبر ہوں۔ لیکن میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہے کہ ہیڈ کوارٹر ہے کہاں۔"

"ویسے میرا خیال ہے کہ اس میٹنگ میں آپ کی حیثیت سب سے برتر تھی۔"

"قطعی..... کم از کم رام گڈھ کی پارٹی کو میں ہی کنٹرول کرتا ہوں۔"

"میں نے طاقت کا دربار بھی دیکھا ہے۔" حمید نے فخریہ انداز میں کہا۔

"اب تم مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہو۔" ڈاکٹر سلمان نے قہقہہ لگایا۔

"نہیں حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو پاگل ہو جاتا۔ انہوں نے مجھے پکڑا..... کچھ دنوں تک زمین دوز دنیا میں رکھا پھر باہر نکال دیا۔"

"زمین دوز دنیا.....!" ڈاکٹر سلمان کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

حمید چند لمحے خاموش رہا۔ پھر وہ واقعہ دہرانے لگا جو انہیں کچھ دنوں پہلے پیش آیا تھا۔ کس طرح تنظیم کا ایک آدمی انہیں پولیس کار میں لئے پھر رہا تھا۔ پھر کس طرح وہ انہیں ویران علاقے کی طرف لے گیا اور وہ حیرت انگیز سیٹی! نامعلوم آدمیوں سے مڈبھیڑ۔ فریدی کے کارنامے۔ پھر کس طرح فریدی اسے ایک دراڑ میں لے گیا اور اسے ایک جگہ چھوڑ کر خود باہر نکلنے کا راستہ تلاش کرنے چلا گیا پھر کس طرح اچانک اس پر کئی آدمی ٹوٹ پڑے تھے..... اور ہوش آنے پر اس نے خود کو اس پراسرار زمین دوز دنیا میں پایا تھا۔

"اب.....!" وہ کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔ "ایسے حالات میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ فریدی بھی اب تک اسی زمین دوز دنیا کی سیر کر رہا ہو..... اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے کسی دنیا کا سفر اختیار کرنا پڑا ہو۔ میں نے اپنے دورانِ قیام میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کی تھی کہ اس کا کیا حشر ہوا لیکن نہیں معلوم ہو سکا۔"

"ہاں.....!" ڈاکٹر سلمان نے کھوئی کھوئی سی آواز میں کہا۔ "بعض اوقات طاقت کے کرشمے خواب کی باتیں معلوم ہوتے ہیں۔"

"مگر میں انہیں خواب نہیں سمجھتا۔" حمید بڑبڑایا۔ "میں نے سب کچھ بحالت بیداری دیکھا ہے۔ اس کا زندہ ثبوت میرا گرائنڈیل دوست قاسم ہے جس کے باپ نے ہم پر چھ لاکھ روپے خرد برد کرنے کا الزام لگایا ہے۔"

"کیا مطلب..... میں نہیں سمجھا۔"

"قاسم بھی وہاں تھا اور اس سے وہاں سادہ چیکوں پر دستخط لئے گئے تھے۔ سادہ چیک ہونے چاہئے۔ کیونکہ ان پر رقومات درج ہوتی ہیں..... اور قاسم نے وہیں حساب لگا کر کہہ دیا تھا کہ اس بینک بیلنس صاف ہو چکا ہے۔"

ڈاکٹر سلمان کچھ نہ بولا۔ حمید بڑبڑاتا رہا۔ "اگر فریدی زندہ ہے تو تنظیم یقیناً خطرے میں ہے۔ فریدی کو مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے ہمیشہ تنہا کرتا ہے۔ اس کے ذرائع لامحدود ہیں۔"

ڈاکٹر سلمان ہنسنے لگا۔ لیکن حمید نے اس سے اس طرح ہنسنے کی وجہ نہیں پوچھی۔

آخر ڈاکٹر خود ہی بولا۔ "خیال ہے تمہارا..... پچھلی باتوں کو بھول جاؤ۔ اس وقت ہم اتنے باشعور نہیں تھے۔ کنور شمشاد کا طریق کار گھٹیا تھا۔ موجودہ حکمران اس سے کہیں زیادہ دانش مند ہے اور پھر اب تنظیم بہت مستحکم ہو گئی ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" حمید نے کہا اور خاموش ہو گیا۔

بارہ بج چکے تھے۔ رام گڈھ کی سڑکیں ویران ہو گئی تھیں۔ آج سردی بھی زیادہ تھی۔ دفعتاً ان کی کار کا عقبی حصہ کسی گاڑی کی ہیڈ لائیٹس سے چمک اٹھا۔

حمید نے مڑ کر دیکھا ایک گاڑی کافی تیز رفتار سے ان کے پیچھے آ رہی تھی۔ انداز سے یہ معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ان کی کار سے آگے نکلنا چاہتی ہو۔ ڈاکٹر سلمان نے کار ایک طرف کر لی لیکن رفتار میں کوئی فرق نہیں آنے دیا۔

اچانک پچھلی کار سے دو فائر ہوئے۔ دو دھماکے اور وہ کار آگے نکل گئی۔ لیکن ڈاکٹر سلمان کی کار بیل گاڑی بن گئی تھی۔ پچھلے دونوں ٹائر برسٹ ہو چکے تھے۔

حمید نے پہلی بار ڈاکٹر سلمان جیسے مہذب آدمی کی زبان سے گندی گندی گالیاں سنیں۔ اس وقت غصے میں کوئی گھٹیا قسم کا لفنگا معلوم ہو رہا تھا یا کوئی ایسی بیوہ عورت جو پڑوسیوں کی چھیڑ چھاڑ سے تنگ آ گئی ہو۔

دوسری صبح کے اخبارات نے اس خبر کو بُری طرح اچھالا۔ سرخی تھی۔

ڈاکٹر سلمان کا ستم ظریف دشمن

خبر تھی کہ کسی نے پچھلی رات ڈاکٹر سلمان کی دوسری کار کے پچھلے دونوں ٹائر پر فائر کر کے بیکار کر دیئے جب کہ وہ مادام تاریہ کی طرف سے دیئے گئے ڈنر سے واپس جا رہے تھے۔ خبر رساں ایجنسی نیو اسٹار کے رپورٹر نے انہیں بے بسی کے عالم میں ایک ویران سڑک پر دیکھا۔ رپورٹر جھنجھلاہٹ سے واپس آ رہا تھا۔ اس نے اپنی کار میں ڈاکٹر سلمان اور ان کے ساتھی کو ان کی کوٹھی تک پہنچایا۔

لیکن آج اخبارات کا رویہ اس سلسلے میں ہمدردانہ تھا۔ آج تقریباً سبھی نے ادارہ روابط عامہ کی خدمات کو سراہتے ہوئے ڈاکٹر کے نامعلوم دشمن پر بے پناہ بوچھاڑیں کی تھیں۔ لیکن اس کی دشمنی کی وجہ پر بھی کوئی روشنی نہیں ڈال سکا تھا۔ ویسے اس پر حیرت ضرور ظاہر کی گئی تھی کہ آخر زلہ ڈاکٹر کی کاروں ہی پر کیوں گر رہا ہے۔

لیکن حقیقت سے صرف ڈاکٹر سلمان آگاہ تھا اور پچھلی رات کے حملے کا مقصد بھی آج ہی صبح ظاہر ہو گیا تھا۔ ادارہ روابط عامہ کا دفتر جب آج کھولا گیا تو لوگ متحیر رہ گئے کیونکہ انہیں کمرے کے وسط میں جلے ہوئے کاغذات کا ایک ڈھیر نظر آ رہا تھا۔ ساری الماریاں الٹ پلٹ ڈالی گئی تھیں۔ کوئی چیز اپنی جگہ پر نہیں تھی۔ ڈاکٹر سلمان نے یہ سب کچھ دیکھا اور دم بخود رہ گیا۔

"کیا یہ تھریسیا.....!" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔

"میرے ساتھ آؤ کیپٹن۔" ڈاکٹر سلمان نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ وہ دونوں دفتر سے نکل کر عمارت کے رہائشی حصہ میں آئے۔ ڈاکٹر سلمان اسے لائبریری کی طرف لیتا چلا گیا۔ وہاں اس وقت بھی ساحرہ موجود تھی حمید نے اسے بے چینی کے عالم میں ٹہلتے دیکھا۔ اس کے چہرے پر کچھ اس قسم کے آثار تھے جیسے کوئی گمشدہ چیز تلاش کرتے وقت پیدا ہو جاتے ہیں۔ وہ انہیں دیکھ کر ٹھٹک گئی اور ڈاکٹر سلمان نے اسے وہاں سے چلے جانے کا اشارہ کیا۔ ساحرہ ان دونوں پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالتی ہوئی باہر چلی گئی۔ حمید اس وقت میک اپ میں نہیں تھا۔

"اب تنظیم کو تمہاری صلاحیتوں کی ضرورت ہے۔" ڈاکٹر سلمان نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں ہر طرح تیار ہوں۔"

"یہ تھریسیا بمبل بی۔"

"میں سمجھتا ہوں۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "ان لوگوں کا وجود تنظیم کے لئے خطرناک ہے۔ انہوں نے اپنی معلومات پولیس تک پہنچا دیں۔"

"پولیس کو الگ ہی رکھو۔" ڈاکٹر سلمان بولا۔ "پولیس کو تو ہم نے بہت دنوں پہلے سے ہینڈل کر رکھا ہے۔ یہ تھریسیا بمبل بی ممکن ہے ہمارے کام میں حارج ہو۔"

"تو پھر تو یہی کہتے ہیں ڈاکٹر..... مگر وہ آخر چاہتی کیا ہے۔"

"سیدھے سادھے الفاظ میں روپیہ۔" ڈاکٹر سلمان نے جواب دیا۔ "یا یوں بھی کہہ سکتے ہو کہ وہ ہمیں بلیک میل کرنا چاہتی ہے۔"

حمید نے قہقہہ لگایا اور دیر تک ہنستا رہا پھر بولا۔ "تنظیم کو بلیک میل کرنا چاہتی ہے۔ اس عظیم جماعت کو جو ساری دنیا پر چھا جانے کا پروگرام بنا چکی ہے۔"

"نہیں..... دشمن کو حقیر سمجھنا نادانی ہے۔" ڈاکٹر سلمان تشویش کن لہجے میں بولا۔ "ہم نہیں جانتے کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔ یقیناً اس کے ذرائع قابل اطمینان ہوں گے۔ ورنہ وہ خود ہی سے ٹکرانے کی کوشش نہ کرتی۔"

"ان کے متعلق اس طرح گفتگو کر رہے ہیں جیسے آپ کو یقین ہو کہ وہ حقیقتاً تھریسیا ہی کا گروہ ہے۔ میں تو فی الحال یقین کرنے کو تیار نہیں ہوں۔"

"وہ جو کوئی بھی ہو..... اس سے بحث نہیں۔ لیکن جس انداز میں وہ سامنے آئے ہیں تشویش ناک ہے۔ وہ کوئی بھی ہوں..... ان کا خاتمہ ہر صورت میں ضروری ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید نے آہستہ سے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

اتنے میں ایک ملازم نے آ کر کسی کا کارڈ دیا اور ڈاکٹر سلمان یہ کہتا ہوا اٹھ گیا۔ "اس پر غور کرو۔"

حمید غور کرتا رہا۔ اسے سو فیصدی یقین تھا کہ تھریسیا والا اسکینڈل فریدی ہی نے کھڑا کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ مکھیاں تو مار نہ رہا ہوگا۔ مگر یہ طریق کار اس کی سمجھ میں نہ آ سکا۔ پھر وہ اس عورت کے متعلق سوچنے لگا جو تھریسیا کا رول ادا کر رہی تھی۔ وہ کون ہو سکتی ہے..... ممکن ہے..... فریدی بلیک فورس کی کوئی عورت ہو۔ بلیک فورس میں عورتیں بھی تھیں اور حمید کو اس کا علم تھا۔

نمبر 18

"کیا سوچ رہے ہیں آپ.....!" وہ ساحرہ کی آواز سن کر چونک پڑا جو چپ چاپ آ کر اس کی پشت پر کھڑی ہو گئی تھی۔

"اوہو..... کیوں کیا بات ہے۔" حمید نے گھور کر پوچھا۔

"آپ تو خفا ہو گئے..... لیجئے..... چلی جاتی ہوں۔"

"نہیں ٹھہرو..... کیا بات ہے۔"

"بات تو ہے....." وہ سر جھکا کر سینڈل کی ٹو سے فرش پر ہلکی ہلکی ٹھوکریں لگاتی ہوئی بولی۔ "مگر کہیں آپ خفا نہ ہو جائیں..... بُرا نہ مان جائیں۔"

"تم بات بھی تو بتاؤ۔"

"نہیں پہلے آپ وعدہ کیجئے کہ بُرا نہ مانیں گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں۔"

ساحرہ نے اپنے بلاؤز کے گریبان میں ہاتھ ڈالتے وقت ایک طویل سانس لی اور جب وہ ہاتھ باہر آیا تو اس میں ایک خوبصورت سی انگشتری تھی۔

"یہ میں آپ کو دینا چاہتی ہوں۔" اس نے کہا اور پھر کچھ اس انداز میں اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی جیسے اندازہ کرنا چاہتی ہو کہ اس نے بُرا تو نہیں مانا۔

"ہائیں.....!" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "اس میں بُرا ماننے کی کیا بات تھی۔"

"اوہ..... میں نے کہا شائد..... آپ پتہ نہیں کیا سمجھیں۔"

"کیا سمجھتا میں۔"

"اوہ..... وہ..... کچھ نہیں..... میں نے سوچا تھا..... کہیں آپ یہ نہیں سمجھیں۔"

"کیا نہ سمجھوں۔"

"اونہہ! چھوڑیئے..... بہرحال آپ بُرا نہیں مانیں گے۔"

"نہیں اب مجھے اس مسئلے پر غور کرنا پڑے گا۔"

"کس مسئلے پر۔"

"اسی پر کہ مجھے بُرا ماننا چاہئے یا نہ ماننا چاہئے۔"

"اوہ.....!" ساحرہ یک بیک اداس ہو گئی اور اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی ہوئی بولی۔

"اچھا آپ غور کر لیجئے۔"

پھر وہ جانے کیلئے مڑی ہی تھی کہ حمید نے کہا۔ "ٹھہرو..... ابھی میری بات پوری نہیں ہوئی۔"

وہ رک گئی۔ لیکن اس کی پلکیں نیچے ہی جھکی رہیں۔

"ظاہر ہے۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "تم یہ انگشتری مجھے اس لئے دے رہی ہو کہ میں اسے استعمال کروں۔"

"جی ہاں.....!" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

"لیکن اگر تمہارے بھائی نے اس پر اعتراض کیا تو۔"

"ارے..... وہ کیا جانیں۔" وہ ہاتھ ہلا کر بولی۔ "یہ تو میں نے کل ہی آپ کے لئے خریدا تھی۔ میں دراصل..... میں کیا بتاؤں..... کل میرا دل چاہا تھا کہ آپ کیلئے اور بھی چیزیں خریدوں آپ کا یہ سویٹر اچھا نہیں ہے۔ میں نے ایک بڑا اچھا سویٹر دیکھا ہے۔ پھر میں نے سوچا ممکن ہے کہ آپ بُرا منائیں۔ میں آپ کیلئے اپنی پسند کے جوتے بھی خریدنے جا رہی تھی۔"

"اوہ..... میں تمہارا شکر گزار ہوں۔" حمید نے نرم لہجے میں کہا۔

"تو آپ بُرا نہیں مانیں گے اگر میں یہ ساری چیزیں آپ کیلئے خریدوں۔"

"نہیں میں بُرا نہیں مانوں گا۔ لیکن فی الحال میرے لئے اور کچھ نہ خریدنا۔ یہ انگشتری بہت خوبصورت ہے۔"

"پسند ہے نا آپ کو۔" وہ کسی ننھی سی بچی کی طرح خوش ہو کر بولی۔ "میں جانتی تھی کہ آپ کو ضرور پسند آئے گی۔"

حمید نے انگشتری کے لئے ہاتھ بڑھا دیا اور جب اسے انگلی میں پہن رہا تھا ساحرہ دوسری طرف منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔

حمید نے اسے نیچے سے اوپر تک دیکھا اس کے جسم پر ہلکی سی لرزش نظر آ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ہنس رہی ہو۔ حمید کو یک بیک غصہ آ گیا کہ وہ اسے اتنی دیر سے اُلو بنا رہی تھی۔ وہ جھپٹ کر اٹھا لیکن جیسے ہی اس کے سامنے پہنچا ششدر رہ گیا۔ وہ رو رہی تھی۔ موٹے موٹے آنسو اسکے رخساروں پر ڈھلک رہے تھے۔ اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔

"یہ..... یہ کیا..... تت..... تم۔" حمید بوکھلائے ہوئے انداز میں ہکلایا۔

"مجھے جانے دیجئے۔" وہ اسے ایک طرف دھکیلتے ہوئے لائبریری سے بھاگ گئی۔ حمید اپنا سر سہلاتا رہ گیا۔ یہ لڑکی نہ جانے کیا بلا تھی۔

کچھ دیر بعد اس نے انگشتری پر نظر ڈالی جس پر ہیرے کا ایک بڑا سا نگینہ جگمگا رہا تھا۔ وہ یقیناً ایک بیش قیمت انگشتری تھی۔

حمید اسے کافی دیر تک..... الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ اسے محسوس ہونے لگا جیسے وہ جگمگاتا ہوا پتھر بھی شفاف آنسو کا قطرہ ہو۔ اس نے اپنا ہاتھ نیچے گرا دیا اور ساحرہ کے متعلق سوچنے لگا۔ کیا اس کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ڈاکٹر سلمان جیسے ماہر نفسیات نے اس کی ذہنی حالت سدھارنے کی کوشش نہ کی ہوگی۔ پھر وہ ایسی کیوں ہے۔

حمید لائبریری ہی میں بیٹھا رہا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد ڈاکٹر سلمان پھر وہاں آیا۔

"ارے..... تم ابھی تک یہیں ہو کیپٹن۔" اس نے حیرت سے کہا۔ "میں تمہیں تمہارے کمروں میں دیکھ رہا تھا۔"

"ہاں..... اُلجھنیں..... آج کل مجھے سر پیر کا ہوش نہیں ہے۔"

"کوئی نئی اُلجھن۔" ڈاکٹر سلمان معنی خیز انداز میں مسکرایا۔

"تھریسیا بمبل بی آف بوہیمیا۔"

"اوہ..... لیکن تم اس کے سلسلے میں کام کا آغاز کہاں سے کرو گے۔ ہمیں ان کے ٹھکانوں کا علم تو ہے نہیں۔"

"میں اسی کے متعلق سوچ رہا تھا کہ اندھیرے میں تیر مارنے سے کیا فائدہ۔"

"اندھیرے میں کیوں..... کیا تمہیں اب تک اجالا نظر نہیں آیا۔"

"فی الحال نہیں۔"

"مجھے یقین ہے کہ اس کا کوئی نہ کوئی آدمی تاریہ کے لوگوں میں آ ملا ہے اور محض اسی کی وجہ سے وہ پچھلی رات وہاں سے نکل جانے میں کامیاب ہوا تھا۔ ورنہ تاریہ کی کوٹھی تو ایسی نہیں جس سے کوئی اتنی آسانی سے گلو خلاصی حاصل کر لے۔"

"ہو سکتا ہے..... ممکن ہے میں نے وہاں خاصی بھیڑ دیکھی تھی۔ کیا وہ سب تاریہ کے جانے پہچانے آدمی ہیں۔"

"اسے معلوم کرنا پڑے گا۔ میرا خیال ہے کہ تمہیں وہیں سے تفتیش کا آغاز کرنا چاہئے۔"

"وہیں سے۔" حمید بوکھلا گیا۔ "یعنی پھر تتاریہ کی کوٹھی میں جانا پڑے گا۔"

"ڈرو نہیں۔" ڈاکٹر سلمان مسکرایا۔ "اسے ہینڈل کرنے کے دوسرے طریقے بھی ہیں۔"

حمید کچھ بولا نہیں۔ جواب طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ ڈاکٹر سلمان تھوڑے توقف کے ساتھ پھر بولا۔ "تتاریہ صنفی عجوبہ ہے۔ جنسی بے راہ روی کے بہتیرے رجحانات بیک وقت اس میں موجود ہیں۔ وہ نمفومینیک بھی ہے اور مساکٹ بھی ہے۔ اگر تم اسے نت نئی اذیتیں دے سکو تو وہ وحشیانہ پن کا مظاہرہ کرنا ترک کر دے گی۔"

"اوہ.....!" حمید ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا..... اور سلمان بولا۔

"تمہیں بہرحال یہ کام کرنا ہے اور تتاریہ سے محفوظ رہنا یہ خود تمہاری ذہانت پر منحصر ہے۔"

"آہا..... تب میں اسے دیکھ لوں گا۔"

"خیر..... ابھی ابھی مجھے اطلاع ملی ہے کہ پولیس تھریسیا کے پیچھے لگ گئی ہے۔ مطلب یہ کہ اس کی شخصیت کا علم ہو گیا ہے۔ لیکن اب انہیں اسے ڈھونڈ نکالنے میں بہتیری دشواریاں نظر آ رہی ہیں۔"

"اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ یہاں کی پولیس بالکل نکمی ہے۔ اگر اسے اس کا پتہ نہیں معلوم تو اسکی معلومات کا ذریعہ یقیناً عجیب ہوگا اور اگر یہ پتہ معلوم ہے تو دشواری کا نام بھی نہ لینا چاہئے۔"

"اسے کچھ ایسے کاغذات ملے ہیں جن سے ان لوگوں پر روشنی پڑتی ہے۔"

"کاغذات کہاں سے ملے ہیں؟"

"ٹھہرو میں بتاتا ہوں..... پوری بات بتائے بغیر میں تمہیں مطمئن نہیں کر سکوں گا۔ پولیس ایسے چار آدمیوں کی نگرانی کر رہی ہے جن کے پاس کل تو پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی لیکن آج ان کے جسموں پر بہترین قسم کے سوٹ موجود ہیں۔ جہاں ان کا قیام تھا اس عمارت پر پولیس نے اچانک چھاپا مارا اور کئی ایسی چیزیں برآمد کر لیں جن کا رکھنا غیر قانونی ہے۔ ان چاروں کے بیان کے مطابق وہاں ایک ٹرانسمیٹر بھی تھا جو پولیس کے ہاتھ نہیں لگ سکا۔ انہوں نے بتایا کہ وہاں ایک عورت تھی اور دو مرد جو دو دن سے وہاں نہیں آئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ مردوں میں ایک نے انہیں ملازم رکھا تھا اور عمدہ قسم کے کپڑے اسی نے بنوا دیئے تھے۔

"یہ چاروں ہیں کون۔" حمید نے پوچھا۔

"رام گڈھ کے چھٹے ہوئے بدمعاش۔"

"وہیں سے کاغذات بھی برآمد ہوئے تھے۔"

"ہاں.....!"

"ظاہر ہے کہ اب وہ تینوں وہاں آنے سے رہے۔"

"کون جانے۔" ڈاکٹر سلمان خلاء میں گھورتا ہوا بولا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر کہنے لگا۔ "یہ تھریسیا بمبل بی میری سمجھ سے باہر ہے۔"

"ہاں..... آں..... لیکن میں دیکھوں گا آپ کا یہ خیال کسی حد تک صحیح بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا کوئی آدمی تتاریہ کے لوگوں میں آ ملا ہے۔ ورنہ پچھلی رات وہ آدمی اتنی آسانی سے فرار نہ ہو سکتا۔ یقیناً اندر سے اس کی مدد کی گئی ہوگی۔"

ڈاکٹر سلمان خاموش رہا۔

اجنبی کی آمد

یہ دوسرا دن تھا اور تھریسیا بمبل بی کی طرف سے صرف تین دن کی مہلت دی گئی تھی۔ اس دوران میں پھر کوئی نیا واقعہ نہیں ہوا تھا۔ تتاریہ اور اس کے آدمیوں میں کافی بے چینی پائی جاتی تھی یہ اور بات ہے کہ وہ اس کا اظہار نہ ہونے دیتے رہے ہوں۔

حمید اب بھی الجھن میں تھا اور قطعی طور پر یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ تھریسیا کی پشت پر فریدی ہی ہوگا۔ حالات ہی ایسے تھے۔

بہرحال وہ ڈاکٹر سلمان کی تجویز کے مطابق سہیل کی حیثیت میں تتاریہ کے یہاں تنہا جا پہنچا۔ وہ اس وقت بہت اسمارٹ لگ رہا تھا۔ اس کے جسم پر براؤن چمڑے کی جیکٹ اور خاکی گابرڈین کی

پتلون تھی اور ہاتھوں میں چمڑے کے دستانے۔ تاریہ اسے دیکھ کر کھل اٹھی۔

"میں جانتی تھی کہ تم ضرور آؤ گے۔" اس نے ایک شوخ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ کمرے میں دو آدمی پہلے سے موجود تھے۔ شاید وہ اس کے ملازموں ہی میں سے تھے کیونکہ اس کے اشارے پر وہ بڑے سعادت مندانہ انداز میں وہاں سے اٹھ گئے تھے۔

"تم بیٹھتے کیوں نہیں۔" تاریہ پھر بولی۔

"ضروری نہیں ہے۔" حمید نے چڑچڑے آدمی کی طرح کہا۔

"کیا مطلب.....!"

"تم بکواس بہت کرتی ہو اور مجھے یہ پسند نہیں ہے۔"

"ہائیں.....!" تاریہ حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر رہ گئی۔ شاید اسے حمید سے اس لب و لہجے کی توقع نہیں تھی اور یہ حقیقت بھی تھی کہ بڑے بڑے اس کے سامنے آ کر کانپنے لگتے تھے۔ حمید نے ابھی تک صرف ڈاکٹر سلمان ہی کو اس سے بے تکلفانہ انداز میں گفتگو کرتے دیکھا تھا اور وہ اس سے کچھ دبتی بھی تھی۔

"مجھے اس عمارت میں رہنے والوں کی لسٹ چاہئے۔" حمید نے کہا۔

"تم ہوش میں ہو یا نہیں۔ کس سے گفتگو کر رہے ہو۔" تاریہ غضب ناک ہو کر بولی۔

"میں طاقت کا نمائندہ ہوں اور تم سے اس مکان میں رہنے والوں کی لسٹ طلب کر رہا ہوں۔ اس رات کی باتیں بھول جاؤ۔ میں صرف یہاں کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے نرمی برت رہا تھا..... ورنہ میں بہت سخت آدمی ہوں۔"

"بکواس بند کرو۔" تاریہ حلق پھاڑ کر بولی۔

دفعتاً حمید کا داہنا ہاتھ پتلون کی جیب میں گیا اور جب باہر آیا تو اس میں چمڑے کا ایک چابک تھا۔

"شائیں.....!" اس نے تاریہ کے بازو پر ایک چابک رسید کر دیا۔ تاریہ جہاں تھی وہیں رہ گئی۔ اس کا منہ پھیل گیا تھا اور داہنا ہاتھ چوٹ کھائے ہوئے بازو کو مسل رہا تھا۔

"میں تم سے لسٹ طلب کر رہا ہوں۔" حمید نے پھر دہرایا۔

لیکن تاریہ کچھ نہیں بولی۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی اور اس کے چہرے پر کچھ اس

قسم کے آثار تھے جیسے اس چوٹ کو مسلنے میں بڑی لذت مل رہی ہو۔

"کیا تمہیں سنائی نہیں دیتا۔" حمید دھاڑا۔

"نہیں.....!" تاریہ نے آہستہ سے سسکاری لی اور بڑے دلآویز انداز میں مسکرانے لگی۔ اس کی آنکھیں کچھ ایسی لگ رہی تھیں جیسے ابھی ابھی سو کر اٹھی ہو۔

حمید نے دوبارہ چابک گھمایا اور اس بار اس کی رانوں پر پڑا۔

"اوہ..... اُف.....!" وہ ہولے ہولے کراہتی ہوئی صوفے پر گر پڑی۔ تیسرا چابک پھر پڑا..... اور وہ کراہی "بڑے ظالم ہو..... میں لسٹ نہیں دوں گی۔"

حمید کا ہاتھ پھر چل گیا۔

آخر تیرہ چابک کھا چکنے کے بعد وہ کراہتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔ اب اس کے خدوخال پھیکے نظر آنے لگے تھے اور آنکھیں دھندلا گئی تھیں۔ انداز سے کسل مندی ظاہر ہو رہی تھی۔ جیسے بہت زیادہ محنت نے اسے تھکا دیا ہو۔

اس کے ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور آہستہ سے بولی۔

"سچ مچ تم بڑے بے درد ہو..... مگر..... مگر..... میں تمہیں پسند کرتی ہوں۔"

"پھر تم نے بکواس شروع کر دی ہے۔"

"لسٹ کیوں چاہئے۔"

"کیا میں پھر چابک اٹھاؤں۔"

"نہیں..... اب بس..... حد ہوتی ہے۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔

"میں تمہارے ایک ایک آدمی کو چیک کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے شبہ ہے کہ یہاں تھریسیا کا بھی کوئی آدمی موجود ہے۔"

"نہیں..... یہ ناممکن ہے۔ سارے آدمی میرے جانے پہچانے ہوئے ہیں۔"

"تمہاری کھوپڑی میں مغز کی بجائے بھس بھرا ہوا ہے۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تھریسیا میک اپ کی ماہر ہے۔ مگر تم کیا جانو..... پتہ نہیں تنظیم تک تمہاری رسائی کیسے ہو گئی۔"

"تم خواہ مخواہ مجھے غصہ نہ دلاؤ۔" تاریہ پھر جھنجھلا گئی۔ "عمارت تمہارے سامنے ہے۔ سارے آدمی بھی موجود ہیں جا کر جھک مارو۔ کس کی مجال ہے کہ تاریہ کو دھوکا دے کر یہاں رہ سکے۔ میں

نے نہ جانے کیوں تمہیں اس وقت معاف کر دیا ورنہ تمہاری ایک بوٹی کا بھی پتہ نہ چلتا۔"

"اچھی بات ہے۔ میں انہیں چیک کرنے جا رہا ہوں۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "لیکن اگر کسی نے دخل اندازی کی تو اس کی موت کی ذمہ داری تم پر ہوگی۔"

"یہاں موت اور زندگی کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اب تم میرے سامنے سے دفع ہو جاؤ۔"

حمید کمرے سے نکل گیا۔

کام جلدی ختم ہونے والا نہیں تھا۔ حمید کو کافی دیر لگی..... لیکن اس کے اندازے کے مطابق یہاں ایک آدمی بھی باہر کا ثابت نہ ہو سکا۔ وہ سب ایک دوسرے کو اچھی طرح پہچانتے تھے اور حمید کو خیر اس کا سلیقہ تو تھا ہی کہ اصل اور مصنوعی چہروں میں تمیز کر سکتا۔ وہاں اسے کوئی بھی میک اپ میں نہ ملا۔

اسے اگر ایک طرف ناکامی ہوئی تھی تو دوسری طرف معلومات میں اضافہ بھی ہوا تھا۔ کیونکہ اسی دوران میں اسے اس عمارت کو دیکھنے کا بھی تو موقع مل گیا تھا۔ اس لئے وہ آج کی مہم کو ناکام نہیں قرار دے سکتا تھا۔

وہ پھر اسی کمرے میں واپس آ گیا جہاں تاریہ پر چابک برسائے تھے۔ تاریہ یہاں اب بھی موجود تھی لیکن اس تاریہ سے بالکل مختلف نظر آ رہی تھی جو کچھ دیر پہلے حمید کے ہاتھوں پٹ چکی تھی۔

اب اس کے خدوخال میں پھر وہی پہلا سا تیکھا پن آ گیا تھا۔ حمید کو دیکھ کر وہ کچھ اور زیادہ برافروختہ نظر آنے لگی۔

"تم نے کیا سمجھ کر یہ حرکت کی تھی۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ یہاں سے زندہ واپس جاؤ گے۔" تاریہ غرائی۔

"ہاں..... میں یہاں سے زندہ واپس جاؤں گا اور کل پھر تم مجھے یہاں دیکھو گی۔ جب ایک سڑا سا مجرم پش فائر کو بیکار کر کے یہاں سے واپس جا سکتا ہے تو پھر میں تو طاقت کا نمائندہ ہوں۔"

"طاقت.....!" تاریہ منہ بگاڑ کر بولی۔ "جاؤ یہاں سے اب کبھی تمہاری شکل نہ دکھائی دے۔"

"یہ تو مجھ سے بہت ظلم ہوگا تاریہ ڈارلنگ....." حمید مسکرایا۔ "تم پہلی عورت ہو جس نے اتنے سکون کے ساتھ میرے ہاتھوں مار کھائی ہے۔ میں تمہیں کسی قیمت پر بھی نہیں چھوڑ سکتا۔"

تاریہ کی آنکھوں میں حیرت کے آثار نظر آنے لگے پھر اس نے سنبھل کر کہا۔ "کیا بکواس ہے۔"

"اوہ تم..... میری افتادِ طبع سے واقف نہیں ہو۔ گداز جسم والی عورتوں پر چابک برسا کر مجھے سکون ملتا ہے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اس لذت کو کن الفاظ میں بیان کرنا چاہئے۔ اب اسی وقت دل چاہ رہا تھا کہ تمہارا سارا جسم داغدار کر دوں۔ اس وقت تک چابک برساتا رہوں جب تک کہ نہ جاؤ۔ تاریہ ڈارلنگ۔"

"نہیں.....!" تاریہ کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"یہ حقیقت ہے۔"

"خطرناک آدمی ہو۔" تاریہ مسکرائی۔ لیکن وہ اسے ایسی نظروں سے دیکھ رہی تھی جیسے اس کی کیفیت کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی ہو۔

اتنے میں ایک نوکر نے آ کر کسی کا وزیٹنگ کارڈ پیش کیا۔

"اوہ..... یہ..... اس وقت..... کیوں آیا ہے۔" تاریہ بڑبڑائی۔ پھر نوکر سے بولی۔ "بٹھاؤ۔"

"وہ کہہ رہے ہیں کہ آدھے منٹ کی دیر بھی خطرناک ثابت ہوگی۔"

"کیوں.....؟" تاریہ کے لہجے میں حیرت تھی۔ "اچھا اسے یہیں لاؤ۔"

نوکر چلا گیا..... تاریہ نے حمید سے کہا۔

"چلو..... ادھر قاعدے سے بیٹھ جاؤ۔ میں اپنے ملازموں کے سامنے بے تکلفی کی اجازت نہیں دوں گی۔"

"اوہ..... تم مطمئن رہو۔" حمید مسکرا کر ایک طرف بیٹھتا ہوا بولا۔ "میں کسی تیسرے کی موجودگی میں تم پر کبھی ہاتھ نہ اٹھاؤں گا۔"

"تم گدھے ہو..... منہ بند رکھو۔"

دوسرے ہی لمحے میں کاریڈر سے قدموں کی آواز آنے لگی اور پھر ایک ادھیڑ عمر آدمی کمرے میں داخل ہوا۔

"کیا بات ہے۔" تاریہ نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"مادام..... کیا عرض کروں..... سب کچھ قطعی اچانک ہوا اور اب حالات میرے قابو سے باہر ہیں۔"

"اصلی واقعہ بیان کرو۔" تاریہ نے جھنجھلا کر کہا۔

"جھلموار والے کارخانے کے مزدوروں نے ہڑتال کردی ہے۔"

"کرنے دو..... وہ جھک مار رہے ہیں۔ جب ایک بار کہہ دیا گیا کہ ان کے مطالبات پر ہمدردی سے غور کیا جائے گا پھر وہ اتنی بے صبری کیوں ظاہر کررہے ہیں۔"

"وہ کہتے ہیں کہ ہم مادام سے براہِ راست گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔"

"انہیں بکنے دو..... تم کیسے گدھے ہو کہ اتنی سی بات پر دوڑے چلے آئے۔ کیا تم انہیں کنٹرول نہیں کرسکتے۔"

"مادام مجھے افسوس ہے کہ نہ کرسکا۔" اس نے کہا اور چند لمحے خاموش رہ کر شکایت آمیز لہجے میں بولا۔ "کیا آپ نے کبھی مزدوروں کو یہ محسوس ہونے دیا ہے کہ میں ان پر حاکم ہوں۔ ہر موقع پر آپ دخل اندازی کرتی رہی ہیں لہٰذا پہلے کی ہی طرح وہ آج بھی صرف آپ ہی سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی جرأت اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ وہ آپ کو جھلموار میں طلب کررہے ہیں۔ دھمکی ہے کہ اگر آپ دو بجے تک جھلموار نہ پہنچیں تو وہ کم از کم ایک ہفتہ کی ہڑتال کریں گے اور آپ جانتی ہیں کہ آنے والا ہفتہ کاروبار کے لئے کتنا اہم ہوگا۔"

"یقیناً ہڑتال ہمارے لئے بُری ثابت ہوگی۔" تاریہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "اچھا میں چلوں گی۔"

آنے والا کچھ نہیں بولا۔ وہ ابھی تک بیٹھا بھی نہیں تھا۔ تاریہ نے سر کی جنبش سے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور حمید سے بولی۔ "کیا تم میرے ساتھ جھلموار چل سکو گے۔"

"ضرور چلوں گا۔"

"تو پھر اب دیر نہ کیجئے مادام.....!"

"اب اپنا منہ بند رکھو۔" تاریہ جھلا گئی۔

پھر حمید اور نووارد کو تقریباً پندرہ منٹ تک تاریہ کا انتظار کرنا پڑا۔ کیونکہ وہ لباس تبدیل کرنے کے لئے چلی گئی تھی۔

نووارد اپنی کار پر آیا تھا اور خود ہی ڈرائیو بھی کررہا تھا۔ تاریہ کی کار پر صرف حمید اور تاریہ تھے۔ تاریہ نے اور کسی کو ساتھ نہیں لیا تھا..... حمید ہی اس کی کار ڈرائیو کررہا تھا۔ تاریہ اس کے پاس اگلی سیٹ پر بیٹھی تھی۔

شہر سے نکل کر وہ جھلموار والی سڑک پر ہولئے۔ اسی سڑک پر روحی کی کوٹھی بھی تھی۔ حمید قاسم کے متعلق سوچنے لگا تھا۔ کئی دنوں سے اسے اس کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہوا تھا۔ پھر قاسم سے اس کا خیال ساحرہ کی طرف بھٹک گیا۔ آج کل وہ اس کے متعلق بہت سوچتا تھا۔ وہ عجیب ترین تھی۔ نہ یہی کہا جاسکتا تھا کہ وہ پاگل ہے اور نہ اسے صحیح الدماغ ہی سمجھا جاسکتا تھا۔

"او..... کیا تم گونگے ہوگئے ہو۔" تاریہ نے حمید کی بائیں ران میں چٹکی لی۔

"اوہ..... یہ کیا حرکت۔" حمید تلملا گیا۔ پھر سنبھل کر بولا..... "میں بھیڑیئے کے دانت رکھتا ہوں..... ایسی حرکتیں نہ کرو کہ بعد میں سسک سسک کر مرنا پڑے۔ ابھی تم نے مجھے اذیت رسانی کے جنون میں مبتلا نہیں دیکھا۔ تمہارے جسم کا ایک ایک ریشہ الگ کردوں گا۔"

تاریہ ہنس پڑی اور پھر آنکھیں بند کرکے اس طرح ہولے ہولے کراہنے لگی جیسے سچ مچ حمید نے اس کے جسم کی دھجیاں اڑا دینے پر تل گیا ہو۔

حمید کے دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ پر تھے اور نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا ہوا تھا۔ نووارد کی کار آگے تھی وہ تاریہ کے ایک کارخانے کا منیجر تھا..... تاریہ سے حمید کو یہی معلوم ہوا تھا۔

تاریہ کچھ دیر تک اسی انداز میں کراہتی رہی۔ پھر بولی۔

"تم..... وہیں سلمان کے ساتھ رہتے ہو۔"

"ہاں..... میں سلمان کے ساتھ رہتا ہوں۔"

"وہ تمہارے چچا کا لڑکا ہے۔"

"نہیں..... میں اس کے چچا کا لڑکا ہوں۔"

"کیا تم اپنی کزن ساحرہ کو پسند کرتے ہو۔ وہ بہت خوبصورت لڑکی ہے۔"

"میں اسے بالکل پسند نہیں کرتا، حالانکہ وہ تمہارے خیال کے مطابق بہت حسین ہے۔"

"کیوں نہیں پسند کرتے..... اس سے تو تمہاری شادی بھی ہوسکتی ہے۔"

"صرف یہی تو نہیں ہوسکتی اور سب کچھ ہوسکتا ہے۔"

"کیوں شادی کیوں نہیں ہوسکتی؟"

"دماغ مت چاٹو۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "ہمارے خاندان میں شادی بیاہ کا رواج نہیں ہے۔ کیوں کہ ہمارے یہاں لڑکیاں عموماً ساحرہ کی طرح کریک ہوتی ہیں۔ کہیں باہر سے لڑکی لاؤ تو وہ

بھی کریک ہو جاتی ہے۔ بلکہ میں تو یہاں تک کہنے کے لئے تیار ہوں کہ دنیا کی ہر عورت بیوی کریک ہوتی ہے۔"

تاریہ ہنسنے لگی۔

"تم ہنس رہی ہو۔" حمید غصیلے لہجے میں بولا۔ "میرے خاندان کی ایک بہت بڑی ٹریجڈی ہنس رہی ہو۔ میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔"

"ٹریجڈی.....!" تاریہ نے حیرت سے کہا۔ "میں نہیں سمجھی۔"

"کیا کرو گی سمجھ کر۔" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔ "میری ماں کی وجہ سے میرے باپ نے خودکشی کر لی تھی۔"

"اوہ..... کیوں.....؟" تاریہ یک بیک چونک پڑی۔

"میری ماں کریک تھی۔ جاہل تھی۔ اپنے دستخط تک نہیں کر سکتی تھی لیکن میرے باپ کو انسان سمجھتی تھی۔ سمجھتی نہیں تھی بلکہ علانیہ بے وقوف کہتی تھی اور میرا باپ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ تھا۔ اس کے پاس درجنوں سرٹیفکیٹ اور درجنوں ڈگریاں تھیں۔ لیکن میری جاہل ماں اسے علانیہ بے وقوف کہتی تھی۔ اسے میرے باپ کی ہر بات میں عیب نظر آتے تھے۔ آخر ایک دن اس مظلوم نے ساری سرٹیفکیٹ اور ساری ڈگریاں اپنے سینے پر باندھیں اور کنویں میں چھلانگ لگا دی۔"

"نہیں.....!" تاریہ حیرت سے بولی۔

"ہاں..... تمہیں کیوں یقین آنے لگا۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارے شوہر نے بھی خودکشی ہی کی ہو۔"

"بکواس مت کرو..... تم بالکل گدھے ہو..... شٹ اپ۔"

دفعتاً تاریہ کے منیجر نے کی کار رک گئی اور وہ انہیں بھی رکنے کا اشارہ کرتا ہوا اپنی گاڑی کے پچھلے حصے کی طرف آیا اور جیب سے کنجی نکال کر ڈکے کا قفل کھولنے لگا۔

"کیا بات ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"پٹرول ختم ہو گیا جناب..... لیکن میرے پاس کئی گیلن پٹرول موجود ہے۔" اس نے جواب دیا۔ پھر جھنجھلائے ہوئے انداز میں بڑبڑایا۔ "کیا ہو گیا ہے کم بخت قفل کو۔"

دو منٹ گزر گئے لیکن قفل نہ کھلا۔

"کیا کر رہے ہو تم۔" تاریہ نے غصیلی آواز میں اُسے مخاطب کیا۔

وہ سیدھا کھڑا ہو کر خجالت آمیز انداز میں اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔ "نہ جانے کنجی کیوں نہیں رہی ہے مادام۔"

"تم بھی یار بیوی کے شکار معلوم ہوتے ہو۔" حمید نے کار سے اترتے ہوئے کہا۔ "لاؤ..... دیکھوں۔"

وہ اس کی کار کے قریب آیا اس سے کنجی لی اور قفل کھولنے کے لئے جھک پڑا۔ لیکن دوسرے لمحے میں اچھل کر الگ ہٹ جانا پڑا کیونکہ تاریہ کے منیجر نے اس کی پتلون کے جیب میں ہاتھ ڈال کر اس کا ریوالور نکال لیا تھا۔

"یہ کیا حرکت۔" حمید آنکھیں نکال کر غرایا۔

"آپ اس کی فکر نہ کیجئے جناب ..... براہِ کرم قفل کھولئے۔ میں آپ کو اسی ڈکے میں بند کے آرام سے چلوں گا۔"

"اچھا.....!" حمید جھلا کر تاریہ کی طرف مڑا۔ وہ بھی کار سے اتر آئی تھی۔

اس نے اس سے کہا۔ "کیوں..... تاریہ کیا تم ملکہ کائنات سے ٹکرانے کی جرأت کر سکو گی۔"

"ہرگز نہیں.....!" تاریہ جلدی سے بولی۔ "میں نہیں جانتی کیا معاملہ ہے۔"

"ہاں تم نہ جانتی ہو گی۔" پھر اس کے منیجر نے کہا۔ "لیکن یہ ممکن ہے کہ میں تم دونوں کی لاشیں یہیں چھوڑ جاؤں..... اے دوست..... اگر تم نے ذرہ برابر بھی چالاک بننے کی کوشش کی تو اپنی کھوپڑی کے سوراخ کے ذمہ دار خود ہو گے۔"

حمید اسے قہر آلود نظروں سے گھورتا رہا۔ منیجر بولا۔ "بہتر تو یہی ہے کہ تم اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لو ورنہ ہو سکتا ہے کہ ٹریگر دب ہی جائے۔"

حمید نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

"میں تم سے نہیں کہوں گا۔" منیجر تاریہ کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"آخر اس نمک حرامی کی وجہ۔" تاریہ پلکیں جھپکاتی ہوئی بولی۔

"صرف اس لئے کہ تم کل سات لاکھ ادا کرنا نہ بھولو۔"

"کیا مطلب..... اوہ تم بھی..... ان دغابازوں سے مل گئے ہو۔"

"کون میں۔" منیجر نے حیرت سے کہا۔ پھر ہنس کر بولا۔ "نہیں ..... تاریہ تم اس غلط فہمی میں

نہ پڑو کہ میں تمہارا کوئی نمک خوار ہوں۔ تھریسیا بمبل بی آف بوہیمیا کا وہی ادنیٰ خادم جسے تمہارے ایک آدمی نے کوئلے کے مجسمے میں تبدیل کر دیا تھا۔''

''اوہو.....!'' تاریہ کا منہ پھیل گیا اور پھر وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔

''میں اس وقت تم پر صرف یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ تم کسی صورت سے بھی بچ نہیں سکتیں۔ تمہیں ہر حال میں کل چھ بجے شام تک سات لاکھ ادا کرنے پڑیں گے۔ کیش اور اصلی کرنسی میں۔''

''تم سات اکنیاں بھی نہ پا سکو گے۔'' حمید نے اسے للکارا۔

''تھریسیا کے خادم کیلئے یہ بالکل نئی بات ہوگی۔ اگر وہ اپنی دھمکی کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔'' اس نے خشک لہجے میں کہا۔ پھر تاریہ سے بولا۔ ''عدم ادائیگی کی صورت میں تم چھ بج کر پانچ منٹ زندہ نہیں رہو گی۔ اور یہ تم نے دیکھ ہی لیا ہے کہ تم ہر وقت اور ہر جگہ میرے رحم و کرم پر ہو۔''

تاریہ کچھ نہ بولی۔ وہ اپنا نچلا ہونٹ چبا رہی تھی۔

''تم لوگ آخر چاہتے کیا ہو۔'' حمید نے تشویش کن لہجے میں پوچھا۔

''ہم بھی اطمینان اور آسائش کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''تم فراڈ کر کے کروڑوں روپے سالانہ کماتے ہو۔''

''پھر.....؟'' حمید نے جھلائے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

''ظاہر ہے کہ اس میں ہمارا حصہ بھی ہونا چاہئے۔'' اس نے لاپرواہی سے کہا۔

''ایک کوڑی بھی نہیں ملے گی۔''

''اچھی بات ہے تو میں دونوں کو یہیں ختم کئے دیتا ہوں۔'' تھریسیا کا ساتھی غرایا۔

''ٹھہرو.....!'' تاریہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''میں اس پر غور کر رہی ہوں۔''

''کب تک غور کرتی رہو گی۔''

''تم کل چھ بجے تک کی مہلت دے چکے ہو۔''

''ہاں ..... میں اپنے قول سے پھروں گا نہیں۔ چھ بج کر پانچ منٹ نہ ہو جائیں۔ ٹھیک چھ بجے پوری رقم لے کر بھوری پہاڑیوں کے قریب پہنچو۔ مگر تمہیں تنہا ہونا چاہئے۔ تم تنہا آؤ گی۔ اصلی ہو۔ اگر ایک نوٹ بھی جعلی نکلا تو بربادی کر دی جائے گی..... سمجھیں۔''

''تم پاگل ہو گئی ہو..... تاریہ۔'' حمید بولا۔ ''اگر ان لوگوں نے ایک بار بھی تم سے کوا

ل کر لی تو تمہیں ساری زندگی سر پر ہاتھ رکھ کر رونا پڑے گا۔''

وہ شائد ابھی کچھ اور کہتا لیکن اچانک تھریسیا کے ساتھی نے اس پر فائر کر دیا اور تاریہ کی چیخ

ٹے میں دور تک پھیلتی چلی گئی۔

دوہری چوٹ

حمید زمین پر چت پڑا تھا اور تاریہ کی چیخ کسی ریلوے انجن کی سیٹی کی طرح اس کے کانوں

ں گونج رہی تھی۔ اس کی فلٹ ہیٹ کئی گز کے فاصلے پر پڑی شاید اس کا مذاق اڑا رہی تھی۔ حمید نے

ی پیشانی ٹٹولی لیکن اسے سوراخ نہیں محسوس ہوا۔ البتہ پتھریلی زمین پر گرنے کی وجہ سے اس کا مغز

ا ہوا سا معلوم ہو رہا تھا۔ گولی غالباً فلٹ ہیٹ کے اوپری حصے پر پڑی تھی۔

تاریہ اس کی طرف جھپٹی۔ لیکن تھریسیا کے ساتھی نے اسے ڈانٹ دیا۔

''ٹھہرو.....!''

تاریہ رک گئی۔ حمید چپ چاپ پڑا رہا۔ اسے یقین تھا کہ فلٹ ہیٹ والا خطرناک مذاق

ساری دنیا میں فریدی کے علاوہ اور کوئی نہیں کر سکتا۔ اس نے چپ چاپ آنکھیں بند کر لیں۔

آنکھیں کھلی رکھنے کی صورت میں کچھ نہ کچھ اظہار شجاعت کرنا ہی پڑتا اور پھر ویسے بھی اسے تاریہ یا

اس نامعقول تنظیم سے دلچسپی ہی کیا ہو سکتی تھی۔

''تم..... ابھی فیصلہ کرو۔'' تھریسیا کے ساتھی نے گرج کر کہا۔ ''ہاں یا نہیں۔ سات لاکھ پہنچ جائیں گے بھوری پہاڑیوں کے قریب۔''

''ہاں.....!'' تاریہ کے حلق سے پھٹی پھٹی سی آواز نکلی۔

''تم تنہا آؤ گی۔''

''ہاں.....!''

"اگر اس میں فرق پڑا تو.....!"

"نہیں پڑے گا۔"

"اچھی بات ہے۔ تم خوب سمجھتی ہو کہ میں ہر جگہ تمہیں نہایت آسانی سے مار ڈالوں گا۔ آج تک دنیا کی کوئی چیز الفانسے کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنی۔"

وہ ریوالور کا رخ تاریہ کی طرف کئے ہوئے اپنی کار میں جا بیٹھا اور دوسرے ہی لمحے میں کار فراٹے بھرنے لگی۔ ویسے وہ جاتے وقت حمید کا ریوالور تاریہ کی طرف اچھال گیا تھا اور وہ ایک طرف نہ ہٹ جاتی تو وہ اس کے چہرے ہی پر پڑا ہوتا۔

تاریہ حمید کی طرف متوجہ ہوگئی۔ جو اب بھی اسی طرح آنکھیں بند کئے پڑا تھا۔ اچھی طرح اطمینان کر لینے کے بعد کہ وہ زخمی نہیں ہوا ہے تاریہ نے ایک طویل سانس لی..... اطمینان کی سانس۔ اور پھر اسے ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگی۔ دفعتاً حمید نے محسوس کیا کہ اگر یہ تدبیریں کچھ دیر اور جاری رہیں تو اسے ساری زندگی سر پر ہاتھ رکھ کر رونا پڑے گا..... اور وہ اپنی پہلی فرصت میں ہوش میں آیا۔

"تم بڑے کمزور دل کے نکلے.....!" تاریہ ہانپتی ہوئی مسکرائی۔

"اوہ.....!" حمید اٹھ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر سر کا پچھلا حصہ سہلاتا ہوا بولا۔

"میری پھرتی کی داد نہ دوگی کہ میں کس صفائی سے بچ گیا۔ اس نے سر کا نشانہ لیا تھا۔"

"تاریہ نے اٹھ کر اسکی فلٹ ہیٹ اٹھائی جس کے اوپری حصے میں ایک سوراخ نظر آ رہا تھا۔

"یہ تمہاری فلٹ ہیٹ بہت وزنی ہے۔" تاریہ نے اسے ہاتھ میں تولتے ہوئے کہا۔ "اگر وزنی نہ ہوتی۔" حمید نے جواب دیا۔ "تو یہ سوراخ یہاں ہوتا۔"

اس نے اپنے سر پر انگلی سے اشارہ کیا۔

"بلٹ پروف.....!"

"ہاں ایک بلٹ پروف کور اس کے استر کے نیچے موجود ہے۔"

"تم بہت چالاک ہو..... چلو..... وہ اپنا ریوالور اٹھاؤ..... اس سے عجیب آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا..... اوہ..... وہ کتنا دلیر اور بے باک ہے۔"

"تم تنظیم کے ایک دشمن کی شان میں قصیدہ خوانی کر رہی ہو۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

نمبر 18

"یہ میرا نجی معاملہ ہے۔"

"کیا تم ہوش میں ہو یا نہیں۔" حمید نے جھنجھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں قطعی ہوش میں ہوں۔" تاریہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "تنظیم کے لئے میری خدمات وقف ہیں..... لیکن.....!"

"لیکن کیا.....!"

"کچھ نہیں۔" تاریہ غصیلے انداز میں بولی۔ "تمہیں اس سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے۔"

"اچھی بات ہے..... میں تمہیں دیکھ لوں گا" حمید نے زمین سے اپنا ریوالور اٹھاتے ہوئے کہا۔

"میں تاریہ ہوں سمجھے۔"

"میں سہیل ہوں..... جس سے ڈاکٹر سلمان تک کانپتا ہے۔"

"تم دونوں گدھے ہو۔"

حمید نے جواب میں اس کے گال پر تھپڑ رسید کر دیا اور وہ بھی بھوکی شیرنی کی طرح اس پر جھپٹ پڑی۔ حمید نے دوسرا ہاتھ رسید کیا اور تاریہ نے اس کا داہنا شانہ منہ میں بھر لیا۔ حمید کو اس کے دانت گوشت میں اترتے محسوس ہوئے اور اس نے اس کی ہنسلی کی ہڈی میں اپنی چار انگلیاں ڈال کر اتنی قوت صرف کر دی کہ تاریہ کو چیختے ہوئے اس کا شانہ چھوڑ دینا پڑا۔

دوسرے ہی لمحے میں حمید اچھل کر پیچھے ہٹ چکا تھا۔

"شائیں.....!" چمڑے کا چابک خلاء میں چکرایا۔ تاریہ جہاں تھی وہیں رک گئی۔ "میں یہیں تمہاری کھال گرا دوں گا۔"

تاریہ کار کی طرف بھاگی۔ حمید پیچھے سے شڑاپ..... شڑاپ..... چابک برساتا رہا۔ کار کے قریب پہنچ کر وہ گرتے گرتے بچی۔ اب وہ پھر کسی مظلوم کی طرح چیخنے کراہنے لگی تھی۔ لیکن شاید وہ اس فکر میں تھی کہ حمید کو یہیں چھوڑ کر نکل جائے۔

"تم ایسا نہیں کر سکتیں۔ میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔" حمید نے اس کے بال پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔

وہ چیخ کر اس پر آ رہی۔ "نہیں..... نہیں۔" وہ کراہی۔ حمید نے اس کے منہ میں انگلیاں

ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''کانوں تک پھاڑ دوں گا۔ تمہاری باچھیں۔''

''میں..... ہار گئی..... اُف..... چھوڑو..... خدا کے لئے۔''

حمید نے بڑی بے دردی سے اسے کار پر دھکیل دیا۔

''تم بڑے ظالم ہو۔'' وہ اپنا منہ دبا کر زمین پر بیٹھ گئی۔ شاید زبان دانتوں کے درمیان آ کر کٹ گئی تھی۔

پھر وہ تقریباً دو منٹ تک خون تھوکتی رہی۔ اس کی زبان سچ مچ زخمی ہو گئی تھی۔

لیکن نہ جانے کیوں حمید کے دل میں اس کے لئے رحم کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ طاقت کی تنظیم سے تعلق رکھنے والی چیونٹی کو بھی وہ مسلے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ یہاں تو اسے اچھا خاصا بہانہ ہاتھ آیا تھا۔ تاریہ کے لئے ایذا رسانی کی تجویز خود ڈاکٹر سلمان ہی نے پیش کی تھی۔ اگر تاریہ فی الحقیقت مساکٹ تھی تو ساری دنیا میں اس سے بہتر کلاسیکل مثال ملنی دشوار تھی۔

حمید نے اسے کھینچ کھانچ کر کار میں بٹھایا اور خود ڈرائیو کرنے لگا۔ اب وہ پھر رام گڈھ کی طرف واپس جا رہے تھے۔

''اب میں کبھی تمہاری زبان سے الفانسے کی تعریف نہ سنوں۔'' اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

تاریہ کچھ نہ بولی۔ اب وہ اس انداز میں مزے لے لے کر ہولے ہولے کراہ رہی تھی جیسے کوئی اس کا بدن دبا رہا ہو۔ پھر دفعتاً وہ خاموش ہو کر اس طرح کانپنے لگی جیسے سردی لگ رہی ہو۔ حمید کچھ بولے بغیر اسٹیئر کرتا رہا۔

پھر وہ اس طرح ساکت ہو گئی جیسے مر رہی ہو۔ حمید نے کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھا اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔

وہ اسے مزید چھیڑے بغیر ڈرائیو کرتا رہا۔ کچھ دیر بعد تاریہ خراٹے لینے لگی۔ اسے گہری نیند آ رہی تھی۔ وہ بیٹھے بیٹھے سو رہی تھی۔

حمید سوچ رہا تھا کہ فریدی نے اس سے کسی قسم کا رابطہ کیوں نہیں قائم کیا۔ حمید کے پاس اس کے لئے بہتیری اطلاعات تھیں مگر یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ وہ اس کے لئے اہم ہی ہوتیں۔

فریدی کی دنیا ہی الگ تھی۔ اس کے لئے اہم ترین باتیں بھی کوئی وقعت نہیں رکھتی تھیں اور اکثر غیر اہم قسم کی باتیں اس کے لئے نشان منزل بن جاتی تھیں۔ بہر حال یہ فریدی کا معاملہ تھا۔ اور

فریدی کے معاملات میں کسی کی بھی دخل اندازی اس کے لئے باعث شرمندگی ہی ہوتی تھی..... وہ اپنی مرضی کا مالک تھا۔ جو کچھ بھی چاہتا کر گزرتا۔ کار سنسان سڑک پر دوڑتی رہی اور حمید فریدی کے متعلق سوچتا رہا۔ تاریہ اب بھی خراٹے لے رہی تھی۔

اس کے ذہن نے فریدی سے تاریہ اور تاریہ سے ساحرہ پر جست لگائی۔ آخر ڈاکٹر سلمان ساحرہ کی خبر کیوں نہیں لیتا۔ وہ ایک ماہر نفسیات ہے۔ ظاہر ہے کہ اسے قدرتی طور پر نفسیاتی کیسوں سے دلچسپی ہونی چاہئے۔ تجربات میں بھی اضافہ کرنے کے لئے ساحرہ کا کیس اپنی مثال آپ ہے۔ مگر نہ جانے کیوں ڈاکٹر سلمان کو اس کی قطعی پرواہ نہیں تھی۔

رام گڈھ پہنچ کر حمید نے کار کا رخ تاریہ کی کوٹھی کی سمت کر دیا۔ وہ اب بھی سو رہی تھی۔ گہری نیند..... بالکل اسی بچے کی طرح جو روتے روتے نڈھال ہو کر سو گیا ہو..... اس وقت اس کے چہرے پر بڑی معصومیت تھی۔ خدوخال کا تیکھا پن نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ سخت گیر طبیعت کی غماز پیشانی کی سلوٹیں بھی معدوم ہو گئی تھیں اور حمید بار بار اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوتے ہی حمید نے اسے جھنجھوڑا..... اور وہ بوکھلا کر جاگ پڑی۔

''کیا ہے..... کیا ہوا؟''

حمید نے کار روک کر پورچ کی طرف اشارہ کیا۔

''اوہو.....!'' وہ جماہی لے کر مسکرائی۔ ''میں سو گئی تھی۔''

پھر چاروں طرف دیکھتی ہوئی کار سے اتر گئی اور حمید سے بولی۔ ''اب تم کہاں جاؤ گے۔''

''فی الحال تم سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہوں۔'' حمید نے جواب دیا۔

''اوہ.....!'' وہ پیشانی پر بل ڈال کر رہ گئی۔ چند لمحے حمید کو گھورتی رہی پھر بولی۔ ''تم خود کو کیا سمجھتے ہو۔''

''تمہارا مالک.....!''

''تم گدھے ہو۔''

''اسی لفظ پر کچھ پہلے.....!''

پھر حمید چپ چاپ کار سے اُترا۔ چند لمحے تک تاریہ کو گھورتا رہا پھر عجیب انداز میں شانوں کو جنبش دے کر پھاٹک کی طرف مڑ گیا۔

پھاٹک سے نکل کر کچھ دور چلنے کے بعد ایک ٹیکسی مل گئی اور ڈاکٹر سلمان کی کوٹھی کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ساحرہ شام کی چائے کے لئے اس کی منتظر ہوگی۔ ساحرہ کی موجودگی میں وہ بھول جاتا تھا کہ ڈاکٹر سلمان کی کوٹھی میں اس کے قیام کا مقصد کیا ہے..... وہ اسے اپنی معصوم مگر پراسرار گفتگو میں الجھا لیتی..... لیکن کبھی کبھی اسے ایسا بھی محسوس ہونے لگتا جیسے ساحرہ اسے بے وقوف بنا رہی ہو۔ وہ ڈاکٹر سلمان سے کبھی ساحرہ کے متعلق کوئی گفتگو نہیں کرتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ممکن ہے ڈاکٹر سلمان ان دونوں کا مل بیٹھنا پسند نہ کرے۔

کوٹھی پہنچ کر جیسے ہی اس نے اپنے کمرے میں قدم رکھا اسے دوبارہ باہر نکل آنا پڑا۔ شاید وہ کسی دوسرے کمرے میں چلا گیا تھا۔ لیکن کاریڈر میں کھڑے ہوکر چند لمحے غور کرنے کے بعد اسے یہ خیال ترک کر دینا پڑا کہ اس سے غلطی ہوئی تھی۔ کمرہ سو فیصدی وہی تھا جس میں اس کا قیام تھا۔ مگر اس کی ہیئت کیسے بدل گئی تھی۔ آج صبح تک نہ تو اس کی دیواروں پر فریم میں لگی ہوئی تصویریں تھیں اور نہ کتابوں کی وہ شلف جو نیچے سے اوپر تک بہترین قسم کی گٹ اپ والی کتابوں سے بھری ہوئی تھیں۔ پہلے وہاں کوئی الماری بھی نہیں تھی۔ بہرحال وہاں اسے بہتیری ایسی تبدیلیاں نظر آئیں جو اس کے لئے حیرت انگیز تھیں۔ وہ پھر کمرے میں گھسا اور ساتھ ہی اسے ساحرہ کا قہقہہ سنائی دیا۔ وہ چونک کر مڑا۔ ساحرہ سامنے والے کمرے کے دروازے سے سر نکالے ہنس رہی تھی۔

"کیوں.....!" اس نے پوچھا۔ "کیا یہ سب کچھ آپ کو ناپسند ہے۔"

"ہوں..... تو یہ تم ہو۔"

"نہیں بتایئے..... کیا اب آپ کو یہ کمرہ بُرا لگ رہا ہے۔"

"تم نے ڈاکٹر سے پوچھ کر یہ ساری تبدیلیاں کی ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں تو.....!"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم مجھے بھی ان آدمیوں کی طرح نکلواؤ گی جو تمہاری آنکھوں ہونٹوں اور زلفوں کی باتیں کیا کرتے تھے۔"

ساحرہ پہلے تو ہنسی لیکن..... پھر یک بیک سنجیدہ ہوگئی اس کے چہرے سے ایک غم آلود سی کسلمندی کا اظہار ہونے لگا اور آنکھیں کسی خوفزدہ خرگوش کی آنکھوں سے مشابہ نظر آنے لگی تھیں۔ پھر اس کے ہونٹوں میں ایک ہلکی سی کپکپاہٹ دکھائی دی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ کہنا

چاہتی ہو۔

"کیوں.....!" حمید آہستہ سے بولا۔ "کیا تم ڈر گئی ہو۔"

"جی.....!" وہ چونک پڑی۔

"کیا تم ڈر گئی ہو۔"

"کس سے ڈروں گی۔" اس نے اس انداز میں پوچھا جیسے اس موضوع پر پہلے کوئی گفتگو ہی نہ ہوئی ہو۔

"ڈاکٹر سے۔"

"میں نہیں سمجھی آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"میں یہ کہہ رہا ہوں کہ تم نے اس کمرے کی ہیئت کیوں بدل ڈالی۔"

"کیا آپ کو پسند نہیں ہے۔" اس نے مایوسانہ انداز میں پوچھا۔

"بہت پسند ہے۔" حمید نے جواب دیا۔

"اوہ..... کیا آپ نے..... آپ نے ابھی چائے نہ پی ہوگی۔"

"ہاں..... ابھی نہیں پی..... ڈاکٹر کہاں ہیں۔"

"پتہ نہیں..... وہ صبح سے نہیں ہیں۔"

"اوہ..... اچھا.....!"

دفعتاً حمید نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ کیونکہ آج وہ اپنے چہرے کی مرمت کئے بغیر ہی کوٹھی میں داخل ہوگیا تھا۔ یعنی اب بھی میک اپ میں تھا۔ اس کی دانست میں ساحرہ اس کی دوسری شخصیت سے ناواقف تھی۔ لیکن یہ محسوس کر کے اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ساحرہ نے اس پر حیرت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اس کے دو ہی مطلب ہو سکتے تھے۔ یا تو ڈاکٹر سلمان اسے سب کچھ بتاتا رہتا تھا یا پھر وہ خود ہی اتنی چالاک تھی کہ حمید کو میک اپ میں بھی پہچان سکتی تھی۔ دونوں ہی صورتیں غیر معمولی تھیں۔ حمید اسے غور سے دیکھتا رہا۔

"اوہ..... میں چائے کے لئے کہہ دوں۔" ساحرہ نے کہا اور دوسری طرف مڑ گئی۔

"ٹھہرو.....!" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔

وہ رک گئی اور حمید چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر بولا۔ "تم نے مجھے کیسے پہچان لیا۔"

ساحرہ ہنسنے لگی۔ لیکن جلد ہی سنجیدگی اختیار کر کے بولی۔ ”یہ میرے لئے کوئی نئی بات نہیں ہے۔“

”یعنی.....!“

”ارے بھائی جان کا کام ہی یہی ہے۔ لوگوں کے دشمنوں کا پتہ لگانے کے سلسلے میں انہیں بھیس بھی بدلنا پڑتا ہے۔ میں نے آپ کو پرسوں رات بھی اسی بھیس میں دیکھا تھا۔ جب آپ بھائی جان کے ساتھ کہیں جا رہے تھے۔ مگر آپ اس بھیس میں بھائی جان کے چھوٹے بھائی معلوم ہوتے ہیں۔“

بڑی موٹی سی بات تھی۔ حمید کو اس سلسلے میں متحیر نہ ہونا چاہئے تھا۔ ظاہر ہے کہ ادارہ روابط عامہ کا کام ہی سراغ رسانی تھا۔ حمید پھر خیالات میں کھو گیا اور ساحرہ چلی گئی۔ پھر وہ اپنے کمرے میں جانے ہی والا تھا کہ کاریڈر کے سرے پر ڈاکٹر سلمان دکھائی دیا۔ جو بڑی تیزی سے اس کی طرف آ رہا تھا۔ حمید کو دیکھ کر اس نے ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔

”تم کہاں سے آ رہے ہو کیپٹن.....!“ اس نے پوچھا۔

”تاریہ کے ساتھ میں نے آج ایک دلچسپ دن گزارا ہے۔ جس میں فلٹ کا یہ سوراخ بھی شامل ہے۔“ حمید نے فلٹ ہیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

”مجھے علم ہے۔“ ڈاکٹر نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ ”میں تو یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تاریہ کو تم نے کہاں چھوڑا تھا۔“

”اس کی کوٹھی کے پاس باغ میں۔“ حمید نے متحیرانہ انداز میں کہا۔ ”کیا وہاں اس کی لاش پائی گئی تھی۔“

”اوہ.....نہیں۔“ ڈاکٹر سلمان نے آہستہ سے سر کو جنبش دی۔

”پھر کیا بات ہے۔“

”وہ لٹ گئی۔“

”کیا مطلب.....!“

”ابھی اس کا فون آیا تھا۔ کوئی اس کی تجوری صاف کر لے گیا۔ اسی دوران میں جب وہ تمہارے ساتھ جھلموار کا سفر کر رہی تھی۔ تجوری سے اس کے انتہائی بیش قیمت جواہرات غائب ہیں اور ان کی جگہ ایک پرچہ ملا ہے جس پر تحریر تھا (جواہرات بطور ضمانت لے جائے جا رہے ہیں۔ سات

لاکھ کی وصولیابی پر واپس کر دیئے جائیں گے۔ جواہرات کی قیمت کا اندازہ پندرہ لاکھ سے بھی زائد ہے) تاریہ کو یہ تجوری کھلی ہوئی ملی تھی اور سب سے زیادہ حیرت انگیز بیان اس کی ملازمہ کا بیان ہے۔ وہ کہتی ہے کہ خود تاریہ نے بیس منٹ قبل اسی کے سامنے تجوری کھولی تھی۔“

”اوہ.....!“ حمید متحیرانہ انداز میں بڑبڑایا۔ ”تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی دوسری عورت تاریہ کی شکل میں ملازموں کو دھوکہ دے گئی۔“

”اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔“ ڈاکٹر سلمان آہستہ سے بولا۔

تاریہ اور دھماکہ

دوسرے دن شام کو حمید اور ڈاکٹر سلمان بھوری پہاڑیوں میں بھٹکتے پھر رہے تھے۔ حمید نے ڈاکٹر سلمان کو یقین دلایا تھا کہ تاریہ سات لاکھ روپے لے کر یہاں ضرور بالضرور آئے گی۔ ویسے ڈاکٹر سلمان نے تاریہ کو ہدایت کی تھی کہ وہ جواہرات کو صبر کر لے اور مزید نقصان اٹھانے کے چکر میں نہ پڑے کیوں کہ اسے سات لاکھ گنوانے کے بعد بھی جواہرات کی واپسی کی توقع نہیں تھی۔ تاریہ نے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ اس کے مشورے پر عمل کرے گی۔ لیکن حمید کو یقین نہیں آیا تھا۔ کیونکہ وہ اس آدمی الفانسے کی دلیری کی مداح تھی اور پھر حمید اس کے جنون سے بھی واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ایسی عورتیں مردوں کے معاملے میں کیسی ہوتی ہیں۔ دولت تو بڑی حقیر چیز ہے وہ جان کی بھی پرواہ نہیں کرتیں۔

بہر حال حمید نے ڈاکٹر سلمان کو اس کے خلاف ابھار دیا تھا اور پھر وہ ان لوگوں کی مرمت بھی کروانا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ڈاکٹر سلمان کو یہ مہم زندگی بھر یاد رہے گی۔

”یہ بھوری پہاڑیاں.....!“ ڈاکٹر سلمان چلتے چلتے رک کر بولا۔ پھر کچھ سوچنے لگا اور تھوڑی دیر بعد کہنے لگا۔ ”یہاں اس طرح بھٹکنے سے کوئی فائدہ نہیں۔“

"میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں۔" حمید بڑبڑایا۔ "مگر میری دانست میں الفانسے نے کسی جگہ کا تعین نہیں کیا تھا۔"

"پھر..... ہم یہاں سو فیصدی جھک مار رہے ہیں۔" ڈاکٹر سلمان ناخوشگوار لہجے میں بولا۔ "مجھے یقین ہے تاریہ کبھی نہ آئے گی۔"

"ہوسکتا ہے الفانسے نے جگہ کا تعین بعد میں کیا ہو۔"

"تاریہ مجھے اطلاع ضرور دیتی۔"

"آپ ماہر نفسیات ہیں ڈاکٹر۔" حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "عورتوں کے متعلق آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہوں گے۔"

"یہ تنظیم کا معاملہ ہے کیپٹن۔ یہاں عورتوں اور مردوں کی حیثیت مشینوں سے زیادہ نہیں رہ جاتی۔ ان کے ذہنی جالے تنظیم کے کاموں میں رکاوٹ نہیں بنتے اور اگر بنتے ہیں..... تو.....؟"

ڈاکٹر سلمان خاموش ہوگیا۔ لیکن حمید کو اس کی پرواہ نہیں تھی کہ ڈاکٹر کے پورے جملے کا مفہوم کیا ہوسکتا ہے۔ یہ اس کی کوئی اندھی چال تھی۔ بلکہ تنظیم ہی سے تعلق رکھنے والے ایک فرد نے اسے شطرنج کے مہرے کی طرح آگے بڑھایا تھا۔

"ڈاکٹر ہمارے آدمی کہاں ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"آدمیوں کی پرواہ نہ کرو..... ضرورت پڑنے پر وہ ہمارے ساتھ ہوں گے۔ پہاڑیاں ان کی دیکھی بھالی ہوئی ہیں اور وہ اس وقت بھی ہم سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہوں گے۔"

"آہا.....!" دفعتاً حمید چلتے چلتے رک گیا۔ اس کے ہاتھ میں دوربین تھی۔ وہ اسے آنکھوں تک اٹھا کر ایک طرف دیکھنے لگا۔

"ڈاکٹر.....!" اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ "میرے اندازے مشکل ہی سے غلط ثابت ہوتے ہیں۔"

ڈاکٹر سلمان کی دوربین بھی اسی طرف اٹھ گئی بہت دور سبز رنگ کا ایک دھبہ سا متحرک نظر آرہا تھا۔ پھر جیسے ہی وہ ایک دھندلے پس منظر میں آیا اس کی تفاصیل واضح ہوگئیں۔ وہ کوئی عورت تھی۔ سبز رنگ کی ساڑھی میں۔

"مگر نہیں۔" حمید مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ "سبز رنگ کی عبا میں کوئی درویش بھی

ہوسکتا ہے..... کیوں ڈاکٹر۔"

سلمان کچھ نہ بولا۔ اس کی دوربین بدستور اسی طرف اٹھی رہی۔

کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ تاریہ ہی ہوگی۔"

"ڈاکٹر.....!" حمید ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "کبھی آپ نے کسی سے محبت بھی کی ہے۔"

"کیوں نہیں..... دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا دل ہو جسے محبت سے خالی کہا جاسکے۔"

"وہ یقیناً ہزار ہا خوبیاں رکھتی ہوگی۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"یقیناً.....!"

"وہ کون ہے۔"

"طاقت.....!" ڈاکٹر سلمان نے آنکھوں پر سے دوربین ہٹاتے ہوئے کہا۔

"یعنی موجودہ حکمران.....!"

"نہیں وہ حکمران جس کی حکمرانی ازل سے ابد تک رہے گی۔ موجودہ حکمران ایک فنا ہوجانے والی عورت ہے جس کی وہ نمائندگی کرتی ہے۔ وہ غیر فانی ہے۔"

"آپ نے تو فلسفہ چھیڑ دیا..... میں عورت کی بات کر رہا تھا۔"

"نہیں عورت میری منزل نہیں ہے۔"

"دوسرا فریدی بول رہا ہے۔" حمید خوفزدہ انداز میں بڑبڑایا۔ "ایسے آدمیوں سے کہیں چھٹکارا نہیں۔"

"کیا مطلب.....!"

"اسے بھی عورتوں سے دلچسپی نہیں تھی۔"

"اسی لئے وہ اتنا خطرناک ہے۔" ڈاکٹر سلمان نے کہا۔

"ہے یا تھا..... کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ زندہ ہے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"یہ بات اس کے متعلق..... میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس کی موت پر اس وقت تک مجھے یقین نہیں آسکتا جب تک کہ اس کی لاش اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ لوں۔"

"مگر..... وہاں..... اس زمین دوز دنیا میں..... اس لڑکی نے..... نام نہیں یاد آرہا ہے..... اوہ..... رجنی..... رجنی..... اس نے بتایا تھا کہ فریدی کو گولی ماردی گئی تھی۔"

''مگر اس کی لاش نہیں مل سکی۔''

''وہ کسی پہاڑی نالے میں گرا تھا۔'' حمید نے کہا۔

''گرا ہوگا۔'' ڈاکٹر سلمان نے اپنے شانوں کو جنبش دی۔ اگر وہ زندہ بھی ہے تو مجھے پرواہ نہیں۔ مگر تم نے اس الفانسے کے متعلق شبہ ظاہر کیا تھا۔''

''پھر.....!''

''مگر..... پھر سوچتا ہوں کہ اسے کیا پڑی ہے جو اتنا گھٹیا طریقہ اختیار کرے گا۔ کیا اس کی پشت پر قانون نہیں ہے۔''

''قانون تو میری پشت پر بھی ہے۔'' ڈاکٹر سلمان مسکرایا۔ ''کیا میں اس ملک کا ایک باعزت شہری نہیں ہوں۔''

''اوہو.....اب دیکھئے۔'' دفعتاً حمید نے کہا۔ ''وہ دوربین لگائے اسی سمت دیکھ رہا تھا۔ ڈاکٹر سلمان نے بھی اپنی دوربین اٹھائی اور آہستہ سے بولا۔ ''وہ بلاشبہ تاریہ ہے.....اوہ.....یہ کیا۔''

''اس نے کوئی چیز نیچے پھینکی ہے۔'' حمید بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ وہ ایک چھوٹا سا چرمی ہینڈ بیگ تھا۔''

ڈاکٹر سلمان نہ بولا۔ پھر وہ ایک چٹان کی اوٹ میں ہوگئے۔ کیونکہ تاریہ اب اس طرف آرہی تھی۔ اچانک ایک زوردار دھماکہ ہوا اور قرب و جوار کی پہاڑیاں جھنجھنا اٹھیں۔ تاریہ بے تحاشہ دوڑتی ہوئی اسی طرف آرہی تھی۔ ایک جگہ لڑکھڑا کر وہ گری بھی لیکن پھر اٹھ کر دوڑنے لگی۔

''یہ کیا ہوا۔'' ڈاکٹر سلمان آہستہ سے بڑبڑایا۔

''اوہ ہمیں.....اس کی مدد کرنی چاہئے۔'' حمید نے چٹان کی اوٹ سے نکلنا چاہا۔

''ٹھہرو.....!'' سلمان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ ''وہ ادھر ہی آرہی ہے۔''

تاریہ اس چٹان کے قریب پہنچ کر یوں ہی دوسری طرف جانے کے لئے مڑی۔ ڈاکٹر سلمان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا اور پھر اگر دوسرا ہاتھ اس کے منہ پر نہ جم گیا ہوتا تو تاریہ کی بے خیالی میں نکلی ہوئی چیخ دور دور تک پھیل جاتی۔

''اوہم.....!'' وہ اپنے منہ پر سے اس کا ہاتھ اٹھا کر ہانپتی ہوئی بولی۔ ''ٹائم بم''

''ٹھہرو.....دم لے لو۔'' سلمان اس کا شانہ تھپتھپا کر بولا۔

''میں نے سوٹ کیس میں نوٹوں کی بجائے ٹائم بم رکھا تھا۔'' وہ بدستور ہانپتی رہی۔

''بہت عمدہ.....!'' ڈاکٹر سلمان حمید کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ ''مجھے تمہاری ذہانت سے بھی امید تھی.....کیا وہ نیچے موجود تھا۔''

''موجود تھا.....!''

''چلو ٹھیک ہے۔''

''مگر تم یہاں کیسے!''

''مجھے یقین تھا کہ تم میرے مشورے پر عمل نہ کروگی۔'' ڈاکٹر سلمان مسکرایا۔

تاریہ حمید کی طرف دیکھنے لگی جو اسے گھور رہا تھا۔

''تم گری تھیں.....چوٹ تو نہیں آئی۔'' حمید نے پوچھا۔

لیکن تاریہ اس کی بات کا جواب دیئے بغیر پھر ڈاکٹر سلمان کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔ ٹھیک اسی وقت انہوں نے شور سنا پھر فائروں کی آوازیں بھی آئیں۔

ڈاکٹر سلمان نے حمید کی طرف دیکھا۔

''شاید ٹکراؤ ہوگیا ہے۔'' حمید بڑبڑایا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں ''ریٹ.....ٹیٹ.....ریٹ.....ٹیٹ'' کی آوازوں پر ڈاکٹر سلمان بُری طرح بوکھلا گیا۔

''یہ تو ٹامی گن کی آواز ہے۔'' اس نے کہا اور آواز کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

''میرے کسی بھی آدمی کے پاس ٹامی گن نہیں تھی۔''

''ٹھہریئے.....جلدی نہ کیجئے۔'' حمید نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ ''ہوسکتا ہے ان میں سے کوئی تاریہ ہی کی طرح عقل مند رہا ہو۔ یعنی ہماری نادانستگی میں اس کے پاس ٹامی گن بھی رہی ہو۔''

''نہیں میں جانتا ہوں۔'' ڈاکٹر سلمان نے بازو چھڑاتے ہوئے کہا۔ وہ آواز کی سمت دوڑ رہا تھا۔ مجبوراً حمید کو بھی دوڑنا پڑا.....لیکن ڈاکٹر سلمان نے مڑ کر کہا۔ ''تم وہیں ٹھہرو.....تاریہ کے پاس۔''

''ہام.....!'' حمید تاریہ کے پاس پہنچ کر بولا۔ ''تم اس وقت بہت اچھی لگ رہی ہو۔ مجھے

اپنی مادری زبان میں ایک گیت سناؤ۔"

"سناؤں گی۔" تاریہ دانت پیس کر بولی۔ "ذرا اس ہنگامے کو اس طرف آ جانے دو۔"

"ہاں..... آں..... خیر کوئی بات نہیں..... مگر اس سوٹ کیس میں ٹائم بم نہیں تھا۔"

"نہ رہا ہوگا۔" تاریہ نے لاپروائی سے کہا۔

"تمہیں معلوم تھا کہ ہم لوگ یہاں ضرور آئیں گے۔"

"پھر.....!"

"اس کے باوجود بھی تم سات لاکھ لے کر چلی آئیں۔"

"اور پھر وہ سات لاکھ ایک دھماکے کے ساتھ پھٹ گئے۔" تاریہ ہنس پڑی۔ فائروں کی آوازیں ابھی تک آ رہی تھیں۔ ان آوازوں میں تاریہ کا قہقہہ بڑا عجیب معلوم ہوا۔

"کیا الفانسے نے پچھلی رات فون پر تم سے گفتگو نہیں کی تھی۔" حمید نے اندھیرے میں تیر پھینکا۔

"ہوئی تھی..... پھر..... تم سے مطلب۔"

اس نے تمہیں اس مقام کا پتہ دیا تھا۔ لیکن تم احتیاط اپنے ساتھ ایک دستی بم لیتی آ تھیں..... کیوں..... میں کیا غلط کہہ رہا ہوں۔"

تاریہ کے چہرے کی رنگت پھیکی پڑ گئی۔ مگر حمید نے جلدی سے کہا۔ "تم اس کی پرواہ نہ کر یہ بات صرف مجھ تک محدود رہے گی۔ دل سے مجبور ہوں۔ تاریہ تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو۔ میں سو ہوں اگر ڈاکٹر سلمان نے مار ڈالا تو پھر میں چابک کس پر برساؤں گا۔ کون ہے جو میرے ہاتھوں پسند کرے گی۔ تاریہ میں نے تمہیں دستی بم پھینکتے دیکھا تھا..... ڈاکٹر نہیں دیکھ پایا۔ تم نے ہمیں د لینے کے بعد ہی دستی بم پھینکا تھا اور دوڑنے لگی تھیں۔ مگر ڈارلنگ..... میری زبان ہمیشہ بند رہے گ کیا میں تمہارے گال پر ایک تھپڑ رسید کر سکتا ہوں۔"

"میں اس وقت مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

دفعتاً حمید کو ڈاکٹر سلمان نظر آیا جو دوڑتا ہوا اسی طرف آ رہا تھا اور اس کا بایاں بازو سرخ آ رہا تھا۔ شاید اس کے گولی لگی تھی۔

"اپنا ریوالور پھینکو.....!" اس نے چیخ کر کہا۔ "میرا ریوالور گر گیا۔"

حمید نے جیب سے ریوالور نکال کر اس کی طرف اچھال دیا اور وہ اسے ہاتھوں میں روک

ہ میں اتر گیا۔

پناہ گاہ

تاریہ ڈاکٹر سلمان کو دوڑتے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے حمید کی طرف مڑ کر کہا۔

"یہ بہت بڑی حماقت ہے۔ اب ہمیں یہاں سے نکل چلنا چاہئے۔ ورنہ سرحدی پولیس چوکی ہاں سے صرف ایک میل کے فاصلے پر ہے اور فائروں کی آوازیں دور دور تک پھیل رہی ہوں گی۔"

"میں ڈاکٹر سلمان کو یہاں نہیں چھوڑ سکتا۔ تم جا سکتی ہو۔ مگر نہیں تم بھی نہیں جا سکتیں۔ ڈاکٹر سلمان نے مجھ سے صرف یہ کہا تھا کہ تمہارے پاس ٹھہروں۔"

"میں تمہارے پاس تو ٹھہرنا ہی نہیں چاہتی۔" تاریہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "خواہ میرا جسم گولیوں سے چھلنی ہو جائے۔"

"کیوں؟ کیا میں تمہیں کھا جاؤں گا۔"

"نہیں..... تم مجھ پر بے سروپا اور بے بنیاد الزام رکھتے ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ میرا کوئی الزام بے بنیاد نہیں تھا۔" حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔ "تم اتنی احمق نہیں ہو کہ اس سے اپنے بیش قیمت جواہرات وصول کئے بغیر اسے ٹائم بم کا نشانہ بنا دو۔"

"مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں ہوتی۔ مجھے اندازہ نہیں کہ میرے پاس کتنی دولت ہے۔ میں نے کبھی معلوم کرنے کی کوشش ہی نہیں کی اور وہ جواہرات تو میری نظروں میں کوئی وقعت ہی نہیں رکھتے۔ میں تو الفانسے یا اس کتیا تھریسیا سے اپنی توہین کا بدلہ لینا چاہتی ہوں۔"

"چلو ختم کرو..... مجھے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔" حمید نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اگر تم جیسی ہزار عورتیں بھی تنظیم سے غداری کریں تو تنظیم کا کچھ نہیں بگڑے گا۔"

"پھر تم نے بکواس شروع کر دی۔ کیا میں تنظیم سے غداری کر سکتی ہوں۔ میں جو گردن تک

جرائم میں پھنسی ہوئی ہوں۔"

"جرائم.....!" حمید نے حیرت سے دہرایا۔ "یہ لفظ بھی غدارانہ ہے۔ گویا تنظیم جرائم مرتکب ہورہی ہے۔ تنظیم سے باہر رہ کر تم یہ الفاظ استعمال کرسکتی ہو۔"

"تم باتوں کو بڑھایا نہ کرو۔" تناریہ جھنجھلا گئی۔ "اس ملک کی پولیس کا نکتہ نظر کیا ہوگا۔ کیا اسے تنظیم سے ہمدردی ہوسکتی ہے۔"

"ایک دن ہوکر رہے گی۔" حمید نے سینہ تان کر کہا۔

"بس بس.....!" تناریہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "میں کسی قسم کی بحث میں نہیں پڑنا چاہتی۔"

دفعتاً ڈاکٹر سلمان پھر دکھائی دیا۔ وہ انہیں اپنی طرف آنے کا اشارہ کررہا تھا۔ حمید نے یہ محسوس کیا کہ اب فائروں کی آوازوں سے فضا میں پہلا سا انتشار باقی نہیں رہا۔ وہ دونوں ڈاکٹر سلمان کی طرف بڑھے۔

"سرحدی پولیس.....!" ڈاکٹر سلمان نے آہستہ سے کہا اور انہیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا نشیب میں اتر گیا۔

اس کے بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ وہ چلتے رہے تناریہ جیسی بھاری بھرکم عورت کے لئے ایسے پہاڑی مقام پر پیدل چلنا جوئے شیر لانے سے کم نہ ہونا چاہئے تھا۔ مگر حمید محسوس کررہا تھا کہ اس کے پیروں میں ڈگمگاہٹ کے بجائے کسی ہلکے جسم والے کے پیروں کی سی چستی تھی اور کچھ دیر پہلے اس نے اسے انہیں ناہموار چٹانوں پر دوڑتے بھی دیکھا تھا۔ یقیناً یہ ایک حیرت انگیز بات تھی اس وقت بھی وہ تھکن کا شکوہ کئے بغیر اسی رفتار سے چل رہی تھی جس رفتار سے دونوں چل رہے تھے۔

"ہمارے آدمی کہاں ہیں۔" حمید نے ڈاکٹر سلمان سے پوچھا۔

"اوہ.....ان کی پرواہ نہ کرو۔ انہیں کوئی نہ پاسکے گا۔"

وہ ایک تنگ سے درے میں داخل ہورہے تھے اور اب آہستہ آہستہ دن کی روشنی غائب ہوتی جارہی تھی۔ ڈاکٹر سلمان خاموش تھا۔ لیکن اسکے پیر برابر اٹھ رہے تھے۔ زخمی بازو اس میں حارج نہیں ہوا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اپنے داہنے ہاتھ سے اسے دبائے رہا ہو۔ اس کے چہرے پر اب وہ پہلی سی تازگی بھی نہیں تھی۔ ہونٹ خشک اور آنکھیں ویران ویران سی نظر آنے لگی تھیں۔

"کیا میں آپ کو سہارا دوں ڈاکٹر.....!" حمید نے کہا۔

"نہیں.....!" ڈاکٹر سلمان کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی۔ "اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اتنا کمزور بھی نہیں ہوں۔"

"وہ تو میں دیکھ ہی رہا ہوں۔"

"ہمیں خاموشی سے راستہ طے کرنا چاہئے۔" ڈاکٹر نے آہستہ سے کہا۔ "ہم جلد ہی کسی جگہ بیٹھ کر گفتگو کریں گے۔"

اب وہ پھر ایک ڈھلان پر اتر رہے تھے اور یہاں دراڑ کچھ کشادہ ہوگئی تھی۔ ورنہ دھندلکا تاریکی میں تبدیل ہوگیا ہوتا اور نتیجے کے طور پر انہیں ٹھوکریں کھانی پڑتیں۔ تناریہ حمید سے لگی ہوئی چل رہی تھی۔ ڈاکٹر سلمان آگے تھا۔ چلتے چلتے دفعتاً وہ گہری تاریکی میں پہنچ گئے اور ڈاکٹر سلمان نے جیب سے دیا سلائی نکال کر جلائی اور اسے سر سے اونچا اٹھاتے ہوئے بولا۔

"وہیں رک جاؤ۔"

حمید اور تناریہ رک گئے۔ دیا سلائی بجھ چکی تھی۔ انہوں نے دوبارہ اندھیرے میں ڈاکٹر کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا۔ "وہیں ٹھہرو..... جب تک کہ میں واپس نہ آجاؤں۔"

پھر ایسی آوازیں آئیں جیسے ڈاکٹر بہت احتیاط سے چل رہا ہو۔ لیکن اس نے ایک بار لمبی چھلانگ ضرور لگائی تھی۔ حمید کو یقین تھا۔

پھر سناٹا طاری ہوگیا اور حمید تناریہ کی چڑھتی ہوئی سانسوں کی آوازیں سنتا رہا۔ تقریباً پانچ منٹ تک وہ اسی طرح کھڑے رہے۔ پھر اچانک کچھ فاصلے پر مدھم سی روشنی دکھائی دی دوسرے ہی لمحے میں ڈاکٹر ان سے کچھ فاصلے پر ہاتھ میں ایک موی شمع لئے کھڑا تھا۔ اس نے اسے آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آجاؤ..... نیچے..... دیکھتے ہوئے..... یہاں ایک تین فٹ چوڑی دراڑ ہے۔" اس نے موی شمع کو نیچے جھکایا اور کہا۔ "یہ رہی لیکن شاید تناریہ اسے نہ پھلانگ سکے۔"

"اوہ..... یہ کچھ بھی نہیں ہے..... تم مجھے کیا سمجھتے ہو۔"

"اچھا تو آؤ۔"

حمید سوچ رہا تھا کہ آخر یہ موی شمع کہاں سے نکل پڑی۔ وہ دونوں آگے بڑھے اور تناریہ نے دراڑ نہایت آسانی سے پار کرلی۔ ڈاکٹر سلمان انہیں راستہ دکھا رہا تھا۔ وہ دائیں طرف مڑے اور حمید

کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ ایک مستطیل تراشے ہوئے دروازے سے گزر رہا ہے۔

جیسے وہ آگے بڑھا اسے اپنی پشت پر ایک عجیب قسم کی آواز سنائی دی۔ وہ چلتے چلتے رک کر مڑا..... ڈاکٹر پیچھے ہی رہ گیا تھا۔

دروازہ غائب تھا اور ڈاکٹر سلمان اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ ایک چوکور کمرے میں تھا جس میں نہ کھڑکیاں نہ دروازے۔ ڈاکٹر نے چار شمعیں اور روشن کر دیں۔ اب یہاں اتنی کافی روشنی تھی کہ حمید پورے کمرے کا جائزہ لے سکتا تھا۔ اسے یہاں مختلف قسم کا سامان نظر آیا۔ تین میزیں دو الماریاں، سات کرسیاں اور ایک پلنگ جس پر زرد رنگ کی چادر پڑی ہوئی تھی۔ حمید نے تاریہ کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر بھی حیرت کے آثار تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ بھی پہلی بار یہاں آئی ہو۔"

"بیٹھو.....!" ڈاکٹر نے کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔ پھر ان کے بیٹھ جانے کے بعد بولا۔ "اب مجھے اپنے زخم کو دیکھنا چاہئے۔"

"لائیے ..... میں ڈریسنگ کروں۔" حمید جلدی سے بولا۔ مگر پھر مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر کہنے لگا۔ "کیا یہاں فرسٹ ایڈ کا سامان مل سکے گا۔"

"تھرڈ ایڈ تک سامان مل سکتا ہے۔" ڈاکٹر سلمان نے اپنے مخصوص انداز میں مسکرانے کی کوشش کی۔

گولی بازو کو چھیدتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی تھی۔ لیکن ہڈی پر کسی قسم کی ضرب نہیں آئی تھی۔ حمید نے ڈریسنگ کرنے میں دیر نہیں لگائی۔

"شکریہ.....!" ڈاکٹر سلمان نے حمید کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "آج کا معرکہ عجیب تھا۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ تاریہ نے بم کس پر پھینکا تھا..... خیر..... کل کے اخبارات سے اس کا نتیجہ ظاہر ہی ہو جائے گا۔ کیونکہ سرحدی پولیس موقع واردات پر پہنچ گئی تھی۔"

"وہ لوگ کتنے تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"زیادہ سے زیادہ تین..... جنہوں نے کم از کم پانچ آدمیوں کو یقینی طور پر زخمی کیا ہے۔"

"ہمارے آدمی کہاں ہیں۔"

"محفوظ ہیں..... ان کی فکر مت کرو۔" ڈاکٹر سلمان اٹھتا ہوا بولا۔ اس نے ایک الماری کھولا

کر اس میں سے شمپین کی بوتل اور دو گلاس نکالے اور انہیں میز پر رکھتا ہوا تاریہ کی طرف مڑا جو اُسے غور سے دیکھ رہی تھی۔

"صرف ہم تین آدمی اس پناہ گاہ سے واقف ہیں۔" اس نے تاریہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں اس جملے کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"اوہ..... کوئی خاص بات نہیں۔ کیا تم دو گلاس تیار نہیں کر سکتیں۔"

"نہیں..... میں بہت تھک گئی ہوں لیکن شراب نہیں پیوں گی۔"

"مت پیو.....!" ڈاکٹر سلمان نے لاپروائی سے کہا اور خود اٹھ کر گلاس میں شراب انڈیلنے لگا۔ حمید کو اس وقت اس کی آنکھیں اچھی نہیں لگ رہی تھیں۔ اسکے ہونٹوں پر مسکراہٹ ضرور تھی لیکن آنکھیں اس مسکراہٹ کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔

وہ گلاس ہاتھ میں لئے ہوئے تاریہ کے سامنے آ بیٹھا پھر حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔

"کیا تم اتنی دوڑ دھوپ کے بعد بھی ایک گلاس لینا پسند نہ کرو گے۔ میں تو ہمیشہ خالص شراب پیتا ہوں۔"

"شکریہ.....!" حمید مسکرایا۔ "میں ضروری نہیں سمجھتا کہ خواہ مخواہ ایک بُری عادت کا اضافہ کروں۔"

"تم بہت بااصول آدمی ہو..... میں تمہیں بے حد پسند کرنے لگا ہوں۔"

"دوسری بار شکریہ ڈاکٹر.....!"

ڈاکٹر سلمان تاریہ کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا شراب کی ہلکی ہلکی چسکیاں لیتا رہا پھر یک بیک گلاس کو ایک طرف فرش پر رکھ کر سیدھا بیٹھ گیا۔

وہ اور تاریہ ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔ پلکیں جھپکائے بغیر..... قندیلوں کی روشنی ان کے چہروں پر پڑ رہی تھی اس صندوق نما کمرے میں یہ روشنی ایسی لگ رہی تھی جیسے کسی تابوت کے گرد موی قندیلیں روشن کی گئی ہوں اور پھر اس ماحول میں وہ دونوں..... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ان کی آنکھیں پتھر کی ہوں۔ دفعتاً ڈاکٹر سلمان کسی سانپ کی طرح پھنکارا۔ "تاریہ تم سو رہی ہو۔"

"ہاں..... مجھے نیند آ رہی ہے۔" تاریہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ انداز بالکل ایسا ہی تھا

جیسے کہا ہو۔ ''ہاں ڈوب رہی ہوں۔''

''تم..... سو رہی ہو..... گہری نیند۔''

''ہاں.....!'' تاریہ کی پلکیں آہستہ آہستہ جھکنے لگیں۔

''تم سو گئیں تاریہ۔'' ڈاکٹر سلمان نے پھر اسی انداز میں کہا۔

''مم.....!'' تاریہ اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکی۔ اس کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں۔ گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔ وہ گہری گہری سانس لے رہی تھی۔

دفعتاً ڈاکٹر سلمان اس طرح چونکا جیسے ابھی تک خود بھی سوتا رہا ہو۔ اس نے دو تین بار پلکیں جھپکائیں آنکھوں کو مسلتا رہا پھر فرش سے گلاس اٹھا کر دو تین لمبے لمبے گھونٹ لئے اور حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''تمہیں حیرت ہوگی۔''

''قطعی نہیں۔'' حمید بھی جواباً مسکرایا۔ ''کبھی مجھے بھی ہپناٹزم کا خبط رہ چکا ہے۔ مگر آپ اس کے ماہر معلوم ہوتے ہیں۔ اتنی جلدی آسانی سے اسے ٹرانس میں لے آئے۔''

''ہاں..... اس کی ضرورت تھی۔''

''اوہ..... سمجھا شائد آپ کا بھی یہ خیال ہے کہ اس سوٹ کیس میں سات لاکھ کے نوٹ ہی تھے۔''

''تم بہت ذہین آدمی ہو کیپٹن..... ہاں میرا یہی خیال ہے۔''

''قبل اس سے کہ آپ اس سے معلومات حاصل کریں میں ہی آپ کو کچھ بتا دوں۔''

''بتاؤ.....!'' ڈاکٹر سلمان نے کہا اور گلاس خالی کر دیا۔

وہ دھماکہ ہینڈ بم کا تھا جو تاریہ نے ہمیں دیکھ لینے کے بعد نیچے پھینکا تھا۔

''بہت اچھے۔ تو میرا خیال غلط نہیں تھا۔ تمہاری نگاہ بہت تیز ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ تمہارے اضافے سے تنظیم کے ہاتھ بہت مضبوط ہو گئے ہیں۔'' اس نے تاریہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''اگر یہ ضائع ہو جائے تو تنظیم خسارے میں نہیں رہے گی۔''

وہ خاموش ہو کر تاریہ کو گھورتا رہا۔ پھر بولا۔ ''یہ اپنی خواہشات کی غلام ہے۔ لہٰذا الفانسے جیسے لوگ اس کی جنسیت کو اپنی طرف متوجہ کر سکتے ہیں۔ آہا..... کیپٹن اگر ہمارا خیال صحیح نکلا تو تاریہ ایک اہم مقصد کے حصول کے لئے استعمال کیا جا سکے گی۔ غالباً تم سمجھ گئے ہو گے۔''

''میں سمجھ گیا..... آپ اس کے ذریعے الفانسے پر ہاتھ ڈالیں گے۔''

''بالکل ٹھیک..... اب کچھ دیر کے لئے خاموش ہو جاؤ۔ میں تاریہ کو دیکھوں گا۔''

وہ چند لمحے خاموش رہا پھر سوئی ہوئی تاریہ کو مخاطب کر کے بولا۔ ''تاریہ تم میرے سوالات کا جواب دو۔''

''اچھا.....!'' تاریہ کے ہونٹ خفیف سے ہلے اور ایسا معلوم ہوا جیسے ان سے نکلی ہوئی آواز بہت دور سے آئی ہو۔

''تم نے جو سوٹ کیس نیچے پھینکا تھا اس میں کیا تھا۔''

''سات لاکھ روپیوں کے نوٹ.....!''

''پھر تم نے ہمیں دیکھ کر ہینڈ بم پھینکا تھا۔''

''میں نے پھینکا تھا۔''

''الفانسے کے لئے۔''

''ہاں الفانسے کے لئے۔''

''تمہیں منع کیا گیا تھا۔''

''منع کیا گیا تھا مگر الفانسے میرا محبوب ہے۔''

''جگہ کا تعین کیسے ہوا تھا.....؟''

''الفانسے نے فون پر مجھ سے گفتگو کی تھی۔''

''کیا تم اس سے اپنے جواہرات واپس لو گی۔''

''نہیں.....!''

''اب میں تم سے کوئی جواب نہیں چاہتا۔ تم میری کسی بات کا جواب نہ دو گی۔'' ڈاکٹر سلمان نے چند لمحے خاموش رہ کر تاریہ کو مخاطب کیا۔ ''تاریہ۔''

لیکن اس بار تاریہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ڈاکٹر سلمان کہتا رہا۔ ''تم اس سے محبت کرو گی۔ اس سے ملو گی، چاہو گی کہ وہ ہمیشہ کے لئے تمہارا ہو جائے۔ لیکن تاریہ تم اسے اپنے ہاتھوں سے زہر دو گی۔ تم اسے زہر دو گی۔''

دفعتاً ڈاکٹر سلمان کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آنکھیں حلقوں سے اُبلتی ہوئی معلوم ہونے لگیں۔ وہ

برابر کہے جارہا تھا۔ ''تم الفانسے کو زہر دو گی..... تم الفانسے کو زہر دو گی..... تم الفانسے کو زہر دو گی۔''

حمید کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد سی لہر دوڑتی محسوس ہوئی۔

ڈاکٹر سلمان خاموش ہو کر اندھوں کی طرح خلاء میں گھور رہا تھا۔ پھر وہ اٹھا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس میز کی طرف آیا جس پر شراب رکھی ہوئی تھی۔ اس نے دوسرے گلاس میں شراب انڈیلی اور اسے لے کر پھر وہیں آ بیٹھا جہاں پہلے بیٹھا ہوا تھا۔ تاریہ بدستور سوتی رہی۔

دو تین گھونٹ لینے کے بعد وہ اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ اسی کے ساتھ حمید کو بھی اپنا پائپ یاد آیا۔ متواتر تین گھنٹوں سے اس نے تمباکو نہیں پی تھی۔

ڈاکٹر سلمان کا چہرہ اب پھر پہلے ہی کی طرح پرسکون نظر آنے لگا تھا۔ وہ آنکھیں بند کئے پائپ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا۔ اس کا بایاں بازو زخمی تھا۔ لیکن حمید نے اب تک اس کی ہلکی سی کراہ بھی نہیں سنی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ گولی کا زخم کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے۔ کچھ دیر پہلے اسے اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار نظر آ رہے تھے مگر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ اپنے بازو پر گولی کا زخم لئے بیٹھا ہے۔

''کیپٹن.....!'' اس نے تھوڑی دیر بعد حمید کو مخاطب کیا۔ ''اب مجھے بہت سخت ہو جانا پڑے گا۔''

''یقیناً..... آخر ہم ابھی تک سخت کیوں نہیں ہوئے تھے۔''

''یہ لوگ..... تنظیم کے درپے ہیں۔''

''اور میرا خیال ہے کہ ان کے ساتھ کوئی جماعت بھی نہیں ہے۔'' اس نے کہا۔

''یہ کیسے کہا جا سکتا ہے۔'' ڈاکٹر سلمان اُسے گھورتا ہوا بولا۔

''آپ ہی نے تو کہا تھا کہ..... میرا مطلب ہے ان چاروں آدمیوں کا بیان جنہیں پولیس نے پکڑا تھا۔ انہوں نے یہی تو بتایا ہے کہ ان میں دو مرد تھے اور ایک عورت تھی۔''

''ضروری نہیں کہ ان چاروں کو ان کے سارے حالات کا علم رہا ہو۔''

''پولیس..... میرا مطلب ہے کہ رام گڈھ کی پولیس جاگ اٹھی ہے اور تھریسیا کی تلاش جاری ہے۔ مگر ڈاکٹر..... اس کے باوجود بھی تھریسیا اپنی سرگرمیوں سے باز نہیں آئی۔''

''ٹھیک ہے۔'' ڈاکٹر سلمان سر ہلا کر بولا۔ ''میں بھی دشمن کو حقیر نہیں سمجھتا۔ خواہ وہ ایک ننھی سی چیونٹی ہی کیوں نہ ہو۔''

''مگر ڈاکٹر.....!'' حمید تاریہ کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''یہ طریقہ کچھ جچا نہیں۔ کیا یہ ضروری ہے الفانسے تک اس کی رسائی ہو ہی جائے۔''

''میرا خیال ہے ایسا ہو کر رہے گا۔'' ڈاکٹر سلمان نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ پھر چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ ''تاریہ جو چاہتی ہے کر گزرتی ہے۔ تم نے اسی وقت اسے دیکھا ہے کہ اسے منع کرنے کے باوجود بھی..... ہائیں یہ کیا۔''

دفعتاً وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ حمید کی نظر بھی اسی طرف اٹھ گئی جدھر ڈاکٹر سلمان دیکھ رہا تھا۔ اس جگہ جہاں دروازہ تھا ایک چھوٹی سی چمکدار ڈبیہ فرش پر پڑی قندیلوں کی روشنی میں جگمگا رہی تھی۔ حمید نے پہلے بھی اسے دیکھا تھا۔ لیکن کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ ڈاکٹر سلمان ایک قندیل اٹھا کر اس کی طرف بڑھا۔

پھر دھماکہ

اس کے قریب پہنچ کر حمید کو معلوم ہوا کہ وہ ایک چھوٹا سا مائیک تھا جس کا تار دروازے کی خلاء میں حائل ہو جانے والی چٹان کے نیچے ایک پتلی سی دراڑ میں غائب ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر سلمان نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر حمید کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

حمید سمجھ گیا کہ ان کی گفتگو سنی جا چکی ہے۔ لیکن اسے حیرت تھی کہ آخر یہ ڈکٹافون یہاں آیا کس طرح۔ کیا یہ اسی وقت باہر سے کسی نے پھینکا تھا جب ڈاکٹر سلمان اندر داخل ہونے کے بعد دروازہ بند کر رہا تھا۔ لیکن آنے والا ان کے ساتھ ہی یہاں تک آیا ہوگا۔ کیونکہ دروازہ بند ہونے سے پہلے ڈکٹافون کے مائیک کو اندر ڈال دینے کا تو یہی مطلب ہو سکتا تھا۔ مگر وہ آدمی نہ رہا ہوگا۔ کیونکہ اس تنگ سے درے میں کسی چوتھے آدمی کی موجودگی کا احساس ہو جانا ناممکنات میں سے نہیں تھا اور پھر ایسی صورت جب کہ ڈاکٹر سلمان کا ہر قدم بڑی احتیاط سے اٹھ رہا تھا۔ لہٰذا اگر وہ آدمی ہی تھا تو

اس کے پاس عمر و عیار کی گلیم ضرور رہی ہوگی۔ جسے اوڑھ کر وہ ان کی نظروں سے غائب ہو گیا ہوگا۔

ڈاکٹر سلمان نے جیب سے ایک بڑا سا چاقو نکالا اور مائیک کو ہاتھ میں اٹھا کر تار کاٹنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ حمید نے اسے اچھل کر پیچھے آتے دیکھا چاروں خانے چت..... بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کسی نے اسے اٹھا کر پھینک دیا ہو..... حمید بوکھلا کر اس کی طرف دوڑا۔

ڈاکٹر سلمان گندی گندی گالیاں بکتا ہوا فرش سے اٹھ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کا بایاں ہاتھ اب بالکل ہی بیکار ہو گیا ہو۔

''اِس میں کرنٹ موجود ہے۔'' وہ دانت پیس کر بولا۔

اچانک مائیک سے عجیب طرح کی آوازیں آئیں۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی ہنس رہا ہو۔ بہت دھیمی آواز تھی۔ وہ دونوں بے اختیارانہ طور پر پھر اس کی طرف بڑھے۔

آواز دھیمی مگر صاف تھی۔ کوئی عورت کہہ رہی تھی۔ ''ڈاکٹر سلمان تمہیں ہر قدم پر شکست دی جائے گی۔ تم خود کو دنیا کا چالاک ترین آدمی سمجھتے ہو۔ حالانکہ تم سے آدمی تھریسیا بمبل بی آف بوہیمیا کے ادنیٰ غلاموں میں بھی نہیں ملیں گے۔ ابھی صرف ایک الفانسے سے مقابلہ ہے لیکن تمہاری پوری تنظیم سے نپٹنے کے لئے میرے صرف چار آدمی کافی ہوں گے اور جب میں بذاتِ خود اس میں ہاتھ ڈالوں گی تو تمہاری ملکہ کائنات رام گڈھ کی سڑکوں پر بلبلاتی پھرے گی۔ ہاں تمہاری بقا کی ایک ہی صورت ہے وہ یہ کہ تم لوگ میرے مطالبات پورے کرتے رہو۔ فی الحال اسی سات لاکھ پر قناعت کروں گی۔ تناریہ کے جواہرات دوسرے نیک کاموں میں صرف کئے جائیں گے۔ اگر تم کچھ کہنا چاہو تو کہہ سکتے ہو تمہاری آواز مجھ تک پہنچ جائے گی۔''

''تم اسے باتوں میں الجھاؤ۔'' ڈاکٹر سلمان نے آہستہ سے حمید کے کان میں کہا۔ ''میں باہر نکل کر دیکھتا ہوں۔''

''تمہاری موت تمہیں اس سرزمین میں لے آئی ہے۔'' حمید گرج کر بولا۔ ''یہ محض اتفاق ہے کہ تم ابھی تک بچی ہوئی ہو۔ لیکن اب میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔ میں نہیں جانتا کہ تم کیسی ہو۔ کبھی سامنے آؤ..... ممکن ہے اس طرح میں تم سے شادی کی درخواست کر بیٹھوں۔''

دوسری طرف سے قہقہے کی آواز آئی اور کہا گیا۔ ''تم لوگ اس وقت ہمارے رحم و کرم پر ہو۔ وہ تہہ خانہ تمہارا مقبرہ بھی بن سکتا ہے۔''

''اوہ.....!'' ڈاکٹر سلمان دانت پیس کر بولا۔ ''ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔''

مائیک سے پھر قہقہے کی آواز آئی۔

''ڈاکٹر سلمان.....!'' عورت کہہ رہی تھی۔ ''تھریسیا بمبل بی آف بوہیمیا سے مقابلہ ہے۔''

''تھریسیا کا انجام نزدیک ہے۔'' ڈاکٹر سلمان دانت پیس کر غرایا۔

''تم جیسا بیوقوف آدمی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔'' مائیک سے آواز آئی۔ ''تم نے ابھی تک ی تناریہ قسم کی عورتیں دیکھی ہیں۔''

''عنقریب تم جیسی عورتوں کو بھی دیکھوں گا۔'' ڈاکٹر سلمان نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ اس کے انداز میں جھنجھلاہٹ باقی نہیں تھی۔

''تم واقعی احمق ہو ڈاکٹر سلمان۔'' مائیک سے آواز آئی۔ ''کیا تم اسے جانتے ہو کہ تناریہ کے وہ تمہارے ساتھ اور کون ہے۔''

ڈاکٹر سلمان حمید کو آنکھ مار کر مسکرایا۔

''کیوں.....!'' اس نے مائیک پر جھک کر کہا۔ ''کیا میں اپنے کزن سہیل کو نہ پہچانوں گا۔''

''کزن سہیل.....!'' تھریسیا پھر ہنسی۔ ''کزن سہیل ہو سکتا ہے کہ کسی جیل میں ہو ڈاکٹر.....!''

''شاید اب تم پاگل ہونے والی ہو۔'' ڈاکٹر سلمان نے قہقہہ لگایا۔

''تم صرف احمق ہی نہیں احمقوں کے شہنشاہ بھی ہو۔''

''بکواس بند کرو۔ حقیر عورت۔'' حمید دھاڑا۔

''آہا..... تو اب کزن سہیل بول رہا ہے۔'' تھریسیا پھر ہنس پڑی۔ ہنستی رہی پھر بولی۔ ''ڈاکٹر سلمان..... میں تم پر ایک احسان کرنے جا رہی ہوں۔ اسے ہمیشہ یاد رکھنا۔ تم سہیل کے بھیس میں محکمہ سراغ رسانی کے ایک مشہور آفیسر کو ساتھ لئے پھر رہے ہو۔''

''باس..... اتنی سی بات۔'' ڈاکٹر سلمان طنزیہ لہجے میں بولا۔ ''بڑا تیر مارا تم نے..... ننھی ناگن۔ یقیناً میں بڑا بیوقوف آدمی ہوں۔ لیکن تم اسے ثابت نہیں کر سکتیں جو کچھ کہہ رہی ہو۔''

''میں ثابت کر سکتی ہوں..... وہ شاید تمہارے کزن سہیل کے میک اپ میں ہے۔''

''اچھا..... ثابت کرو..... میں منتظر ہوں۔''

''کیا تم میں اتنا سلیقہ نہیں ہے کہ اس کی اصلی شکل دیکھ سکو.....!''

"مجھے بالکل سلیقہ نہیں تھریسیا! کیا تم مجھے سلیقہ شعار بنانے کی کوشش کرو گی۔ میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"جلد ہی تمہاری یہ خواہش پوری کی جائے گی۔" دوسری طرف سے ایک قہقہے کے ساتھ کہا گیا۔ "مگر اسی صورت میں جب تم اس مقبرہ سے باہر نکل سکو۔"

"اوہو.....اس کی پرواہ نہ کرو۔"

"شش.....!" دفعتاً حمید نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

ڈاکٹر سلمان اسے جواب طلب نظروں سے گھور رہا تھا۔

حمید نے آگے بڑھ کر آہستہ سے اس کے کان میں کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ آپ کو دوسری باتوں میں الجھا کر تنظیم کا تذکرہ چھیڑنا چاہتی ہے۔ اس لئے محتاط رہئے۔ ہوسکتا ہے پولیس نے ہی یہ جال بچھایا ہو۔ آپ کے خیال کے مطابق جب فریدی زندہ ہے تو آپ کو ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھانا چاہئے۔"

ڈاکٹر سلمان نے اعتراف میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "تمہارا خیال درست ہوسکتا ہے۔ اس دوران میں تاریہ بھی بیدار ہو کر انہیں گھور رہی تھی۔ ڈاکٹر سلمان نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"میکنزم کی خرابی میں انہیں لوگوں کا ہاتھ معلوم ہوتا ہے۔" حمید آہستہ سے بولا۔

"سو فیصدی۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔ "لیکن اس کی پرواہ نہ کرو۔"

پھر اس نے تاریہ کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔ ایک الماری کھولی جس میں کارتوسوں کا ذخیرہ تھا۔ اس نے اپنی جیبیں بھر لیں۔ پھر حمید کو بھی کافی تعداد میں کارتوس دیتا ہوا بولا..... "اب ہمیں یہاں سے چلنا چاہئے۔ تھریسیا سمجھتی ہے شاید اس نے ہمیں بے بس کر دیا ہے۔"

یہ سب کچھ اس نے سرگوشیوں میں کہا تھا۔

پھر وہ ایک گوشے کی طرف بڑھا۔ حمید تاریہ کی طرف متوجہ ہو گیا تھا جس کے ہونٹ آہستہ آہستہ ہل رہے تھے اور آنکھوں سے ہلکا سا خوف مترشح تھا۔

دفعتاً ڈاکٹر سلمان نے انہیں اپنی طرف متوجہ کیا۔ وہ دوسرے سرے پر ایک کھلے ہوئے دروازے کے قریب کھڑا انہیں اپنی طرف آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

اسکے ہاتھ میں ایک موی قندیل تھی۔ حمید تاریہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچتا ہوا اس طرف بڑھا۔

دوسرے لمحے میں وہ ایک غار میں تھے۔ حمید نے اپنی پشت پر چٹان سرکنے کی آواز سنی۔ غالباً دروازہ بند ہوا تھا لیکن وہ دیکھنے کے لئے نہیں مڑا۔

غار سے باہر نکل کر ڈاکٹر نے قندیل بجھا دی.....اور آہستہ سے بولا۔ "تم لوگ اسی راستے پر چلتے رہو۔ کچھ دیر بعد میں تمہارے ساتھ ہوں گا۔"

حمید اور تاریہ تاروں کی چھاؤں میں آگے بڑھ گئے۔ باہر کھلے میں انہیں شدید ترین سردی کا احساس ہوا۔ تاریہ تو بُری طرح کانپ رہی تھی۔

"کیا میں تم پر اپنا کوٹ ڈال دوں.....تاریہ ڈارلنگ.....!" حمید نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔

"نہیں شکریہ۔" وہ اس سے اپنا بازو چھڑاتی ہوئی زہریلے لہجے میں بولی۔

"دیکھو.....یہ بیکراں فضائیں کہہ رہی ہیں۔ آؤ ہم تاروں کی چھاؤں میں مستقبل کے لئے کچھ عہد و پیماں کریں۔ ایسا اتھاہ سناٹا ہمیں پھر کبھی نصیب نہ ہوگا۔ ویسے تاریہ ڈارلنگ تم بہت تھک گئی ہو۔ بتاؤ میں کیا کروں۔ تم اتنی ہلکی بھی نہیں ہو کہ تمہیں اٹھا سکوں۔ لوگ اپنی محبوباؤں کو پھول سے تشبیہ دیتے ہیں تم بھی پھول ہو ڈارلنگ.....مگر گوبھی کا۔"

"تم اپنی بکواس بند رکھو.....سمجھے۔" تاریہ چلتے چلتے رک کر بولی۔

"تم مجھے ہمیشہ اداس کر دیتی ہو۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور پھر چلنے لگا۔ تاریہ اس سے آگے نکل جانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"دیکھو ستارے بھی اداس ہو گئے ہیں تاریہ۔" حمید بولا۔ "شاعروں نے ان کی عادات خراب کر دی ہیں۔ یہ دو دلوں کو عہد و پیمان کرتے دیکھنا چاہتے ہیں۔ مگر تم بڑی ظالم ہو.....ستاروں کا دل نہ توڑو۔"

تاریہ جھلا کر پلٹ پڑی۔ لیکن اس کا دو ہتھڑ ایک چٹان پر پڑا۔

"یہ نہ صرف غیر شاعرانہ ..... بلکہ ..... یہ حرکت غیر محبوبانہ بھی ہے۔ تاریہ ڈارلنگ..... عاشقوں سے لفنگا پن نہیں کرتے۔ بُری عادت ہے۔ اس وقت تم نے صدہا سال پرانی روایات پر لات ماری ہے۔"

تاریہ کھڑی اپنے چوٹ کھائے ہوئے پنجے مسل رہی تھی۔ اس کا بس چلتا تو وہ حمید کو کچا ہی چبا

جاتی اور پھر اس کی اپنی دانست میں وہ اس کے راز سے بھی واقف ہو گیا تھا۔

''چلو چلتی رہو.....!'' حمید آہستہ سے بولا۔ ''میں جانتا ہوں کہ ایک دن تم مجھے دھوکہ دے گولی مار دو گی۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ میں دوسری دنیا میں بھی تمہارا منتظر رہوں گا۔ کیا تم نے کبھی رائیڈر ہیگرڈ کا کوئی رومانس پڑھا ہے۔

تاریہ جواب دیئے بغیر پھر چل پڑی۔ اچانک اسی وقت قریب ہی کہیں ایک زوردار دھماکہ ہوا اور وہ دونوں منہ کے بل گرتے گرتے بچے۔ تاریہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی تھی اور اس کے ہاتھ زمین پر ٹکے ہوئے تھے۔

''اٹھو..... بھاگو.....!'' حمید اسے کھینچ کر سیدھا کھڑا کرنے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ وہ اٹھی لیکن اس کے پیر پھر لڑکھڑا گئے۔ وہ دبی ہوئی آواز میں گالیاں بک رہی تھی۔

دفعتاً انہیں ڈاکٹر سلمان کی آواز سنائی دی۔ ''چلتے رہو..... کوئی خاص بات نہیں ہے۔ میں نے اس پناہ گاہ کو برباد کر دیا ہے۔''

پھر وہ ان کے قریب پہنچ کر بولا۔ ''میں نہیں چاہتا کہ میری پناہ گاہوں پر دوسروں کی نظر پڑے۔ ہاں بس سیدھے ہی چلو..... ہمیں زیادہ نہیں چلنا پڑے گا۔''

ریکریئیشن ہال میں

وہ ایک اداس شام تھی۔ شام صرف شام ہوتی ہے۔ وقت کو اداسی یا خوشی سے کیا سروکار۔ اداس تو حمید تھا اسی بھیڑیئے کی طرح جو اپنے جھنڈ سے الگ ہو گیا ہو۔ یا جس کی مادہ کسی شکاری کی رائفل کی نظر ہو گئی ہو۔

اب اسے اس ماحول میں بڑی گھٹن محسوس ہوتی تھی۔ بعض اوقات تو اسے یقین ہی آ جاتا تھا کہ وہ سچ مچ اپنے راستے سے بھٹک گیا ہے۔ بھوری پہاڑیوں کے ہنگامے کے بعد دو دن تک اس

سان نہیں دیکھا۔ موڈ ہی کچھ ایسا تھا دن بھر اپنے کمرے میں پڑا رہتا۔ کمرے سے نکلتا بھی تو سے زیادہ لائبریری تک کی دوڑ ہو جاتی، وہاں اس توقع پر جاتا کہ کچھ دیر ساحرہ ہی سے گفتگو لیکن آج کل ساحرہ عجیب سے عجیب تر ہو گئی تھی۔ وہ لائبریری کے فرش پر کتابوں کے ڈھیر ے دوزانو بیٹھی انہیں گھورتی رہتی۔ اگر کوئی اس کی اس مصروفیت میں مخل ہوتا تو اس کے چہرے پر ونی کرب کے آثار صاف نظر آنے لگتے۔

وہ حمید کی طرف مڑی اس کی آنکھوں میں ایک غم ناک سا احتجاج ہوتا لیکن ہونٹوں پر بے ہی مسکراہٹ نظر آتی اور وہ کہتی۔ ''سہیل ..... مجھے بتاؤ ان کتابوں میں کیا ہے..... میں ں ہو جاؤں گی۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ ساری کتابیں میں پڑھ چکی ہوں لیکن میں ان یک لفظ بھی نہیں سمجھ سکتی ہوں۔''

پھر وہ آنکھیں بند کر کے اپنی پیشانی رگڑنے لگتی۔

آج کل اس کا بے بی ساری کوٹھی میں ٹیاؤں ٹیاؤں کرتا پھرتا لیکن وہ اس کی طرف آنکھ اٹھا بھی نہ دیکھتی۔

آج حمید کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو ہی گیا اور دوپہر کے کھانے کے بعد ساحرہ میز سے اٹھ گئی۔ ر نے اس کا تذکرہ ڈاکٹر سلمان سے چھیڑ دیا۔

''میں کیا بتاؤں کیپٹن۔'' ڈاکٹر سلمان نے غمگین آواز میں جواب دیا۔ ''وہ بچپن ہی سے ایسی ہے۔ میں نے لاکھ کوشش کی کہ اس کے مرض کو سمجھ سکوں لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ بہتیرے ماہرین یات نے اسے دیکھا ہے ان کا بھی یہی خیال ہے کہ یہ نقص پیدائشی ہے۔''

''کیا آپ اس نقص کو ہپناٹزم کے ذریعے نہیں دور کر سکتے۔''

''شاید ہپناٹزم کے متعلق تمہاری معلومات وسیع نہیں ہیں۔'' ڈاکٹر سلمان کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ہپناٹزم کے ذریعہ صرف لاشعوری گرہیں کھولی جا سکتی ہیں۔ برین یا مغز کی کوئی خامی نہیں دور کی جا سکتی۔ مثال کے طور پر مبڈ بولا..... مگر چھوڑو..... ایک لمبی گفتگو چھڑ جائے گی۔ بہرحال اسے یوں سمجھ لو کہ پیدائشی اندھوں کو کسی قسم کا بھی علاج بینا نہیں کر سکتا۔''

ڈاکٹر مجھے اس پر بہت رحم آتا ہے۔

ڈاکٹر سلمان کچھ نہ بولا۔ ویسے اس کے انداز سے یہی مترشح ہو رہا تھا جیسے وہ اس تذکرے کو

یہیں ختم کر دینا چاہتا ہو۔

"لیکن آپ نے اس پر اتنی پابندیاں کیوں عائد کر رکھی ہیں۔"

"پابندیاں..... نہیں تو..... کیا وہ خود کہہ رہی تھی۔"

"نہیں اس نے کچھ بھی نہیں کہا۔ وہ مجھ سے زیادہ تر کتابوں یا اپنے "بے بی" کی گفتگو کرتی ہے۔"

"کسی قسم کی بھی پابندیاں نہیں ہیں۔ میں اس سے اکثر کہتا ہوں کہ کچھ دیر کے لئے باہر بھی جایا کرے۔ مگر جائے کہاں۔ اس کی کسی سے جان پہچان ہی نہیں ہے۔ وہ خود ہی کسی سے ملنا پسند نہیں کرتی۔"

"میں آج شام اسے اپنے ساتھ باہر لے جاؤں گا۔"

ڈاکٹر کے چہرے پر پہلے تو ہچکچاہٹ کے آثار نظر آئے پھر بولا۔ "لے جاؤ مگر مجھے حیرت ہے کہ وہ تم سے کافی حد تک مانوس ہوگئی ہے۔ ورنہ بعض اوقات تو میں اپنے لئے بھی اس کی آنکھوں میں نفرت دیکھتا ہوں۔"

"میں.....!" حمید ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "اس کی بچکانہ باتوں کو بھی بہت اہمیت دیتا ہوں۔ میں اسے احساس نہیں ہونے دیتا کہ وہ ذہنی اعتبار سے مجھ سے کمتر ہے۔"

"اس ہمدردی کے لئے میں تمہارا شکر گزار ہوں..... کیپٹن۔"

پھر یہ بات آگے نہیں بڑھی۔

بہرحال وہ ایک اداس شام تھی۔ اداس یوں کہ حمید کے ساتھ ایک بڑی دل کش لڑکی تھی مگر یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ حمید کے ساتھ ایک دلکش لڑکی ہو اور جس شام یہ واقعہ پیش آئے اسے بھلا دو۔ اداس کیوں کر کہا جا سکتا ہے۔ بات سو فیصدی حیرت انگیز ہو سکتی ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ حمید بہت اداس تھا۔ اداسی کی وجہ یہ تھی کہ وہ دل کش تھی مگر بے جان۔ اس میں وہ ذہنی طراریاں نہیں تھیں جن کا حمید خوگر تھا۔ وہ چالاک اور عیار قسم کی لڑکیوں میں خوش رہتا تھا۔ اس کے لئے وہ لڑکیاں بڑی دلچسپ ہوتی تھیں جنہیں قابو میں رکھنے کے لئے اُسے ہر لحہ ہوشیار رہنا پڑتا تھا۔ وہ انہیں بہت پسند کرتا تھا جو اسے ہر لحہ نئی چوٹ دینے کی تاک میں رہتی تھیں۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ عیار ترین لڑکیوں کو بیوقوف بنانے میں اسے جو مسرت حاصل ہوتی تھی وہی اس کی تفریح تھی اور

اس تفریح سے وہ آج کل محروم تھا۔

جب اس نے ساحرہ سے کہا کہ وہ آج اسے باہر لے جائے گا تو اس کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔ اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ "نہیں..... میں یہ نہیں چاہتی کہ آپ یہاں سے چلے جائیں۔"

"میں یہاں سے کیوں چلا جاؤں گا۔"

"بھائی جان آپ کو یہاں نہیں رہنے دیں گے۔"

"کیوں.....؟"

"اوہ..... آپ نہیں سمجھتے۔"

"کیا نہیں سمجھتا۔"

"مجھ سے بحث نہ کرو..... میں نہیں جاؤں گی۔"

"تمہیں چلنا پڑے گا۔" حمید نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"میں بھائی جان سے بالکل نہیں ڈرتی۔ مگر وہ آپ کو یہاں نہیں رہنے دیں گے۔"

"تو کیا بگڑے گا میرا..... میں کہیں اور جا رہوں گا۔"

"آپ نہیں جا سکتے..... کبھی نہیں ہرگز نہیں۔"

"تم لباس تبدیل کرو اپنا..... ہم فیریز ڈریم چل رہے ہیں۔"

"فیریز ڈریم.....!" ساحرہ نے حیرت سے کہا۔ "وہ جہاں مرد اور عورتیں ناچتے ہیں۔"

"ہاں وہیں۔"

"نہیں..... وہاں تو بھائی جان بیٹھتے ہیں۔ میں جانتی ہوں۔"

"تم کیا جانو۔"

"وہاں سے اکثر ان کے فون آتے ہیں۔"

"اچھا تو کہیں اور چلیں گے۔"

"آپ نہیں سمجھتے..... بھائی جان کو کسی نہ کسی طرح معلوم ہو جائے گا۔"

"میں نے ڈاکٹر سے اجازت لے لی ہے۔"

"نہیں.....!" اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ہاں ہاں.....تم اتنی ڈرپوک کیوں ہو۔"

"میں ڈرپوک نہیں ہوں.....لیکن اگر انہوں نے آپ کو.....!"

"وہ مجھے قیامت تک نہیں نکال سکتے۔ کیونکہ میں نے ان سے صاف صاف کہہ دیا تھا۔"

"کیا کہہ دیا تھا۔"

"یہی کہ ساحرہ بڑی بدصورت لڑکی ہے۔ اس کے سر پر بال ہی نہیں ہیں اور آنکھیں ہیں بٹن۔ ہونٹ نہ ہوتے تو اچھا تھا۔ کان ایک ایک بالشت کے ہونے چاہئے تھے اور ساحرہ کی ناک بالکل چپٹی ہے.....اور ساحرہ.....!"

"بس بس.....!" ساحرہ ہنسنے لگی۔ "آپ جھوٹے ہیں۔ آپ نے یہ سب کچھ کبھی نہ کہا ہوگا۔"

"تم چلتی ہو یا نہیں۔"

"آپ تو سمجھتے ہی نہیں۔"

"میں کہتا ہوں تم اپنا لباس تبدیل کرو.....ورنہ میں.....!"

"اچھا آپ نہیں سمجھتے۔ میں چل رہی ہوں۔ لیکن اگر بھائی جان نے آپ کو یہاں سے نکالا تو میں خودکشی کرلوں گا۔"

وہ چلی گئی۔ حمید اس کی واپسی کا منتظر رہا۔ اسے اپنے ساتھ لے جانے کا مقصد صرف یہ تھا کہ حمید اسے سمجھ سکے۔ یہ لڑکی اس کے لئے ایک سوال تھی ایک مسئلہ تھی۔ وہ جو تاریخ فلسفہ جیسے کتابوں کے حواشی پر ریمارک لکھ سکتی تھی.....لیکن خود کو غیر تعلیم یافتہ ظاہر کرتی تھی۔ وہ جو کبھی کبھی بچوں کی سی باتیں کرتی ہوئی بہک کر فلسفیانہ انداز میں بولنے لگتی تھی۔ حمید اسے ہر زاویئے سے دیکھنا چاہتا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ لباس تبدیل کرکے واپس آ گئی۔ حمید نے اسے حیرت سے دیکھا۔ وہ دنیا کی حسین ترین لڑکی معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن حمید اداس تھا اور اسے شام بڑی اداس معلوم ہو رہی تھی۔

حمید نے پہلے یہی سوچا تھا کہ فیریز ڈریم جائے گا مگر ساحرہ کے یاد دلانے پر خیال آیا کہ ڈاکٹر وہاں کے مستقل ممبروں میں سے ہے۔

فیریز ڈریم کے علاوہ رام گڈھ میں دوسری تفریح گاہیں بھی تھیں مگر فیریز ڈریم کی بات ہی اور تھی۔ بہرحال حمید نے وہاں جانے کا خیال ترک کردیا۔

وہ دونوں تھری کیٹس میں آئے اور حمید نے دفعتاً محسوس کیا کہ ساحرہ مسرور نظر آنے لگی ہے۔

نہ جانے کتنی نگاہیں اس کی طرف اٹھی ہوئی تھیں لیکن وہ حمید کے علاوہ اور کسی کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔

وہ دونوں ایک خالی میز پر جا بیٹھے۔

"تم شراب پیتے ہو۔" ساحرہ نے آگے جھک کر آہستہ سے پوچھا۔

"کیوں.....؟" حمید اسے گھورنے لگا۔

"یونہی پوچھ رہی ہوں۔"

"نہیں میں شراب نہیں پیتا۔"

"تم سچ مچ بہت اچھے ہو.....بہت اچھے.....مجھے شرابیوں سے بڑی نفرت ہے۔ میں جانتی ہوں بھائی جان بھی پیتے ہیں.....مگر میں کیا کرسکتی ہوں۔"

"تم اپنے بھائی جان کی کتنی بُری عادتوں سے واقف ہو۔"

"بس یہی جانتی ہوں کہ وہ بہت پیتے ہیں۔ ان کے کمرے میں چاروں طرف بوتلیں ہی بوتلیں نظر آتی ہیں۔ مگر میں نے انہیں نشے میں کبھی نہیں دیکھا۔ اور کیا یہاں ناچ نہیں ہوتا۔"

"ہوتا ہے دوسری طرف.....ابھی شروع نہیں ہوا۔ کیا تم ناچنا جانتی ہو۔"

"نہیں.....مجھے نہیں آتا۔"

"سیکھو گی۔"

"نہیں.....کیا کروں گی سیکھ کر۔ آج چلی آئی ہوں تمہارے ساتھ، روز تھوڑا ہی آؤں گی۔"

"میں روز لاؤں گا تمہیں۔"

"واہ.....اچھی زبردستی ہے۔"

"بے کار باتیں نہ کرو.....وہی ہوگا جو میں چاہوں گا۔ ڈاکٹر سلمان میری بات نہیں ٹال سکتے۔"

"آخر کیوں؟ میں اکثر سوچتی ہوں کہ بھائی جان آپ کا اتنا خیال کیوں کرتے ہیں۔"

"وہ اس پر مجبور ہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "کیونکہ ادارہ روابط عامہ میرے بغیر نہیں چل سکتا۔"

حمید خاموش ہوگیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ساحرہ سے کچھ حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہ کرے۔ اسے سب سے زیادہ فکر تنظیم کی سربراہ "ملکہ کائنات" کی تھی۔ پہلے اس کا خیال تاریہ کی طرف گیا تھا لیکن پھر الفانسے والے واقعے نے اس کی تردید کردی تھی۔ تنظیم کی سربراہ اس قسم کی کوئی عورت ہرگز

نہیں ہوسکتی۔ وہ عورت بھی یقیناً بہتیرے مردوں سے برتر ہوگی۔ تاریہ تو ایک جنس زدہ عورت تھی۔ خواہشات کی غلام..... مساکسٹ عورتیں تو چاہتی ہیں کہ ان پر سختی سے حکومت کی جائے۔ ان میں دوسروں پر حکومت کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔

حمید چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔

"ڈاکٹر نے شادی نہیں کی۔"

"نہیں.....!"

"ان کی دوست بہتیری عورتیں ہوں گی۔"

"ہوں گی..... مجھے علم نہیں۔"

"کوٹھی میں کبھی کوئی نہیں آتی۔"

"کوئی نہیں..... میرا خیال ہے ان کے دوستوں میں کوئی عورت نہیں ہے۔ لیکن تم نے یہ تذکرہ کیوں چھیڑ دیا۔"

"کچھ نہیں..... یونہی۔"

"تم کبھی مجھ سے صاف صاف گفتگو نہیں کرتے۔"

"میں نہیں سمجھا کہ صاف صاف گفتگو کرنے سے تمہاری کیا مراد ہے۔"

"تم نے بھائی جان کا تذکرہ کیوں چھیڑا تھا۔"

"آہا..... تم ہرگز یہ نہ سمجھنا کہ میں نے ان کی شادی کہیں طے کر دی ہے۔"

"ارے ذرا ادھر دیکھو.....!" ساحرہ نے بوکھلائے ہوئے انداز میں ایک طرف اشارہ کیا۔

"وہ آدمی مجھے اس طرح گھور رہا ہے جیسے میں نے اسے گالی دی ہو۔"

"تمہاری شادی کب ہوگی۔"

"یہ آج تمہیں کیا ہوگیا ہے۔" ساحرہ اسے گھورنے لگی۔ چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔

"نہیں اب کبھی تمہارے ساتھ نہ آؤں گی۔"

"کیوں.....؟"

"تم بے کار باتیں لے بیٹھتے ہو۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک آدمی ان کی میز کے قریب آ کر کھڑا ہوگیا۔ پہلے تو ایسا معلوم

نمبر 18

جیسے وہ کسی غلط جگہ پر چلا آیا ہو۔ اس وقت تمام میزیں بھر چکی تھیں۔ وہ شاید کسی مناسب جگہ کی تلاش میں تھا۔ پھر اس نے حمید کی طرف مڑ کر کہا۔

"جناب عالی اگر بُرا نہ مانیں تو کچھ دیر یہاں بیٹھنے کی اجازت طلب کروں۔"

"ضرور تشریف رکھئے جناب۔" حمید نے مسکرا کر جواب دیا۔ "مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ہم سے جان پہچان پیدا کرنے کی کوشش کریں۔"

"اوہو..... شکریہ۔" وہ بیٹھتا ہوا بولا۔ "مگر جناب یہ کیسے ممکن ہے کہ میں آپ کی میز پر خاموش بیٹھوں گا۔ آپ جانتے ہیں کہ آدمی حیوان ناطق کہلاتا ہے۔ تنہائی میں بھی اس سے خاموش نہیں رہا جاتا۔ وہ گانے لگتا ہے خواہ آواز ایسی ہی کیوں نہ ہو کہ پڑوسیوں کو کسی کانجی ہاؤز کا دروازہ کھٹکھٹا جانے کا شبہہ ہونے لگے۔"

"بلاشبہ آپ اچھا خاصا بول لیتے ہیں۔"

"آپ لوگ کیا پئیں گے۔"

"شکریہ..... ہم لوگ کچھ نہیں پئیں گے۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔"

"ہوسکتا ہے۔" حمید جھنجھلا گیا۔

ساحرہ آنے والے کو توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ حمید کو یہ بات بھی کھلنے لگی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب یہاں سے اٹھ ہی جانا چاہئے۔

اتنے میں ریکریئیشن ہال میں موسیقی شروع ہوگئی۔ حمید نے ساحرہ سے کہا۔

"چلو ادھر چلیں۔"

"چلو.....!" ساحرہ کھڑی ہوگئی۔

"اوہو ٹھہریئے۔" اجنبی نے افسوس ظاہر کرنے والے انداز میں کہا۔ "میری وجہ سے آپ لوگ اٹھ رہے ہیں، میں جا رہا ہوں۔ آپ تشریف رکھئے۔"

حمید ایک جھٹکے کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اسے بیٹھنا ہی پڑا۔ اگر سامنے سے گولیوں کی بوچھاڑ ہوتی تب بھی وہ وہیں بیٹھ جاتا کیونکہ اجنبی اپنی ٹھیک آواز میں بولا تھا اور وہ آواز فریدی ہی کی ہوسکتی تھی

"بیٹھ جاؤ.....!" اس نے ساحرہ سے کہا۔ "واقعی مجھ سے بداخلاقی سرزد ہوئے جارہی تھی۔"

اجنبی سگار سلگانے لگا تھا۔ ساحرہ بیٹھ گئی۔ لیکن وہ اجنبی کے بجائے حمید کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"آپ کچھ پلانے جارہے تھے۔" حمید نے اجنبی سے کہا۔

"ٹھنڈا پانی۔" اجنبی نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ پھر فرانسیسی زبان میں بولا۔ "تم مرزہ کھیاں مار رہے ہو۔ تم نے اب تک کیا کیا۔"

"ابھی تک تو کچھ بھی نہیں کیا۔ مجھے اس لڑکی سے صرف ہمدردی ہے۔"

"لڑکی کے بچے..... کیا تمہیں.....!"

"اوہو..... ٹھہریئے..... آپ خفا کیوں ہورہے ہیں۔ آج کل میں صرف عورتوں میں کام کررہا ہوں تاکہ تنظیم کی سربراہ تک پہنچ سکوں۔ مگر یہ تھریسیا بمبل بی کون ہے۔"

"میں نے بھی سنا ہے لیکن مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ ویسے وہ لوگ نہ جانے کیوں ڈاکٹر سلمان سے الجھ گئے ہیں۔" اجنبی نے کہا۔

"تو پھر اس کا مطلب ہے کہ میں تھریسیا اور اس کے ساتھیوں سے بھی نپٹ سکتا ہوں۔" حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔

"مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ اسلئے اس تذکرے کو آگے نہ بڑھاؤ۔ یہ لڑکی کون ہے۔"

"ڈاکٹر سلمان کی بہن۔"

"خیر تم جو چاہو کرو..... مجھے اس سے سروکار نہیں۔ لیکن اپنی آنکھیں کھلی رکھو۔"

ساحرہ حیرت سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ فرانسیسی زبان اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔

حمید چند لمحے اجنبی کو گھورتا رہا پھر بولا۔ "تاریہ الفانسے کو زہر دے گی۔ ڈاکٹر نے اسے ٹرانس میں لاکر یہ سجیشن دیا تھا۔"

"یہ الفانسے کیا بلا ہے۔"

"شاید وہ بلا میرے سامنے ہی بیٹھی ہوئی ہے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"فضول باتوں میں مت پڑو..... کام کرو..... وقت بہت کم ہے۔ فی الحال تھریسیا نے الجھا لیا ہے۔ ورنہ وہ کوئی بہت بڑی حرکت کر بیٹھتے۔ وہ فاشی انقلاب کی تیاریاں کررہے ہیں۔"

حمید کو یہ سن کر حیرت ہوئی۔ کیونکہ ڈاکٹر سلمان نے اس قسم کا کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا۔

"اوہ..... اچھا..... تو پھر اب مجھے سنجیدگی اختیار کرنی چاہئے..... مگر ہاں یہ تو بتایئے کہ قاسم والے معاملے کا کیا بنا۔"

"اس کا باپ واپس چلا گیا۔ اس نے اپنی رپورٹ واپس لے لی ہے۔ قاسم یہیں ہے روحی کے ساتھ۔"

"کیا بوڑھا اسے واپس نہیں لے گیا۔"

"نہیں چھپ گیا تھا..... لیکن اب تم قاسم واسم کے چکر میں نہ پڑو..... سمجھے۔"

"سمجھ گیا۔" حمید نے کہا۔ "لیکن میں تھریسیا سے ملنا چاہتا ہوں۔"

اجنبی اس کا جواب دیئے بغیر اٹھ گیا۔

ساحرہ چند لمحے حمید کو گھورتی رہی پھر بولی۔ "تم کس زبان میں گفتگو کررہے تھے۔ یہ کون تھا۔"

"ایک آوارہ فرانسیسی..... وہ ہمیں بھی فرانسیسی ہی سمجھا تھا۔ یہ میری فرنچ کٹ ڈاڑھی دیکھ رہی ہو نا..... وہ کہہ رہا تھا کہ تم بہت واہیات ہو۔ مجھ سے بولا کہ ایسی بدصورت لڑکی کے ساتھ باہر نکلتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہئے۔"

"اس نے کہا تھا۔" ساحرہ نے غمگین انداز میں ایک سسکی لی۔

"کہا تھا..... لیکن میں نے اس کا دماغ درست کردیا۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ دنیا کی سب سے حسین لڑکی ہے۔"

"نہیں.....!" ساحرہ جھینپے ہوئے انداز میں ہنسی پھر بولی۔ "ہم ادھر جارہے تھے جہاں رقص ہونے والا ہے۔"

"ہاں..... آں چلو.....!" حمید اٹھ گیا۔ وہ ریکریشن ہال میں آئے۔

یہاں آرکسٹرا نے موسیقی شروع کردی تھی۔ لیکن رقص میں ابھی دیر تھی۔

دفعتاً حمید چلتے چلتے رک گیا۔ اس کا منہ حیرت کے اظہار میں پھیل گیا تھا۔

کلب میں ہنگامہ

"اب یہاں کیوں رک گئے ہو۔" ساحرہ تھوڑی دیر بعد بولی۔ "ادھر کی ساری میزیں بھری جارہی ہیں۔"

"آ..... ہاں.....!" حمید چونک کر اس کی طرف مڑا۔ "اچھا دیکھو..... تم وہاں کسی خالی میز پر بیٹھ جاؤ..... میں ابھی آرہا ہوں۔"

"میں اکیلے کبھی نہ بیٹھوں گی..... مجھے ڈر لگتا ہے۔"

"یہاں بھیڑیئے نہیں ہیں جو تمہیں کھا جائیں گے۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"تم کہاں جارہے ہو۔"

حمید خاموش ہوگیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ "اچھا میرے ساتھ آؤ۔"

وہ دونوں پھر ڈائننگ ہال میں واپس آگئے۔

حمید اسے اسی میز پر بٹھا کر جہاں وہ کچھ دیر پہلے بیٹھے ہوئے تھے کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔

یہاں اس نے فون پر ڈاکٹر سلمان کے نمبر ڈائیل کئے لیکن وہ کوٹھی میں موجود نہیں تھا۔ اس کے چہرے پر مایوسی کے آثار نظر آنے لگے۔ مگر پھر اسے یاد آیا کہ وہ اس وقت فیریز ڈریم میں ہوگا۔

اس کا خیال غلط نہیں نکلا۔ ڈاکٹر وہیں موجود تھا۔

"ہیلو..... ڈاکٹر..... میں سہیل ہوں۔ تھری کیٹس سے بول رہا ہوں۔"

"اوہو..... مجھے توقع تھی کہ تم یہاں آؤ گے..... کیوں کیا بات ہے۔"

"آپ فوراً یہاں آیئے۔"

"کیوں.....؟"

"فون..... پر نہیں بتاؤں گا..... بہرحال آپ کا پہنچنا ضروری ہے۔ یہ میں صرف ساحرہ کے لئے کہہ رہا ہوں۔ اگر تنہا ہوتا تو آپ کو تکلیف نہ دیتا۔"

"میں آرہا ہوں.....!" ڈاکٹر نے کہا اور سلسلہ منقطع کردیا۔

حمید پھر واپس میز پر آگیا۔

"کیا بات ہے۔ تم نے کس کو فون کیا تھا۔"

"ڈاکٹر کو میں نے یہاں بلایا ہے۔"

"کیوں.....؟"

"ان کی موجودگی میں تمہیں رقص سکھاؤں گا۔"

"کیا مطلب.....؟"

"کہو تو اس جملے کا انگریزی میں ترجمہ کردوں۔"

"تم نے بھائی جان کو کیوں بلایا ہے۔"

"ایک بار کہہ دیا اب خاموش رہو۔"

ساحرہ کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ "جب تم مجھے پریشان کرتے ہو تو دل چاہتا ہے کہ تمہارے تھپڑ لگاؤں۔"

"کوشش کرکے دیکھو۔" حمید مسکرایا۔

"میں نے اکثر محسوس کیا ہے کہ تم بہت بے درد آدمی ہو۔"

"تم مجھے الزام دے رہی ہو..... ساحرہ..... کیا تم اسے ثابت کرسکو گی۔"

ساحرہ کچھ نہ بولی۔

حمید نے ایک ویٹر کو اشارے سے بلا کر کافی کے لئے کہا اور ساحرہ کی طرف جھک کر آہستہ سے کہا۔ "اگر تم شراب پینا چاہو تو.....!"

"مت بولو مجھ سے۔" ساحرہ نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

"کل سے نہیں بولوں گا۔ اس وقت تو بولنے ہی دو۔ کیا تمہیں یہ نہیں معلوم کہ آج ہم اس وقت آخری بار گفتگو کررہے ہیں۔"

ساحرہ اُسے گھورنے لگی۔

"کل میں رام گڈھ سے چلا جاؤں گا۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"نہیں.....!"

"ہاں..... کل ہی۔"

"تم نہیں جاسکتے..... ہرگز نہیں۔"

اتنے میں کافی آ گئی..... ساحرہ کا جملہ پورا نہ ہو سکا۔

"تم نہیں جا سکتے..... میں تمہیں آگاہ کر رہی ہوں۔" اس نے ویٹر کے چلے جانے پر کہا۔

"اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ میں اپنی زندگی سے عاجز آ گئی ہوں۔"

"چلو..... کافی بناؤ۔" حمید نے ٹرے اس کی طرف کھسکا دی۔

"میں..... پاگل ہو جاؤں گی..... اس ویران عمارت میں۔"

"ویران کیوں..... نصف درجن سے زائد تو نوکر ہیں تمہارے۔"

"دیکھو..... اب میں پاگلوں ہی کی طرح چیخنا شروع کر دوں گی۔ تم مجھے غصہ دلا رہے ہو۔"

"تم اس وقت بھی پاگلوں ہی کی سی باتیں کر رہی ہو۔ کیا نوکروں کا تذکرہ تمہیں پاگل کر دیتا ہے۔"

"تم آخر..... میری بات سمجھتے کیوں نہیں۔" ساحرہ نے ایک طویل سانس لے کر بے بسی سے کہا۔ "کیا میں نوکروں کے کمروں میں صفائی کر سکتی ہوں؟ ان کی چیزوں کی دیکھ بھال کر سکتی ہوں؟ چائے یا کھانے پر ان کا انتظار کر سکتی ہوں۔ ان کے لئے چیزیں خرید سکتی ہوں؟ بتاؤ خاموش کیوں ہو۔"

حمید کرسی کی پشت سے ٹک کر اُسے گھورنے لگا۔

ساحرہ نے کافی کی پیالی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "کیا میں نوکروں کے انتظار میں رات گئے تک جاگ سکتی ہوں۔ میں کبھی تمہارے آنے سے پہلے نہیں سوئی۔"

"ارے..... مجھے نہیں معلوم تھا۔"

"تم کیا جانو.....!" وہ شکایت آمیز لہجے میں بولی۔ "میں باہر برآمدے میں پام کے بڑے گملوں کی اوٹ میں کھڑی رہتی ہوں جب دیکھتی ہوں کہ تم آ رہے ہو تو چپ چاپ اپنے کمرے میں چلی جاتی ہوں۔"

"تم ایسا کیوں کرتی ہو۔"

"نہ جانے کیوں..... میں خود اکثر سوچتی ہوں۔ میں نہیں بتا سکتی کہ میں کیوں ایسا کرتی ہوں اور تم بھی نہیں سمجھ سکتے۔ پہلے جب تم نہیں آئے تھے تو میں "بے بی" کے لئے پریشان رہا کرتی تھی۔ مگر اب مجھے اس کی بالکل پرواہ نہیں ہے۔ اکثر سوچتی ہوں مگر تمہیں نہیں بتاؤں گی۔ تم ہنسو گے مجھ

مجھے خود بھی ہنسی آتی ہے۔"

وہ جھینپے ہوئے انداز میں ہنسنے لگی۔

"نہیں..... تم بتاؤ..... میں نہیں ہنسوں گا۔"

"تم میرا مضحکہ اڑاؤ گے۔ میں نہیں بتاؤں گی۔"

"نہیں میں وعدہ کرتا ہوں۔"

"اوہ..... وہ.....!" ساحرہ سر جھکا کر اپنی انگلیاں مروڑتی ہوئی بولی۔ "میں سوچتی ہوں کاش تم ایک..... نہیں نہیں..... میں نہیں بتاؤں گی۔"

وہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر ہنسنے لگی حمید اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

ساحرہ اسی طرح منہ پر ہاتھ رکھے ہنستی رہی پھر اس ہنسی میں شرمیلا پن بھی شامل تھا اور وہ اس وقت پہلے سے بھی زیادہ اچھی لگ رہی تھی۔

"تم نہیں بتاؤ گی۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"ب..... بتاتی ہوں..... مگر تم خفا نہیں ہو گے۔"

"میں اب چپ چاپ اٹھ کر چلا جاؤں گا..... تم خواہ مخواہ میرا وقت ضائع کر رہی ہو۔"

"پھر خفا ہو گئے تم..... میں دراصل سوچتی ہوں۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔ "کاش تم ایک ننھے سے بچے ہوتے۔ میں تمہیں تھپک تھپک کر سلاتی۔ تمہارے لئے ننھے ننھے سویٹر بنتی، ننھے ننھے کپڑے چھوٹی سی قمیض..... ننھی سی نیکر.....!"

اس کی آنکھیں پھر ویسی ہی ہو گئیں تھیں جیسے بیداری میں خواب دیکھ رہی ہو۔

وہ کہتی رہی۔ "کاش..... تم ایک ننھے سے بچے ہوتے..... تم روٹھتے..... ضد کرتے..... میں تمہیں مناتی..... اور میں تمہارے لئے ساری کی ساری رات جاگ کر گزار دیتی۔ کاش تم.....؟"

اس نے خاموش ہو کر سر جھکا لیا۔ کچھ دیر بعد حمید نے محسوس کیا کہ وہ رو رہی ہے۔ اس کے رخساروں پر بڑے بڑے آنسو ڈھلک آئے تھے۔

"ساحرہ یہ کیا کر رہی ہو تم۔ یہاں تم ایک بڑے مجمعے میں ہو۔ لوگ دیکھیں گے تمہیں۔"

وہ یک بیک اس طرح چونک پڑی جیسے ابھی تک خود کو تنہا محسوس کرتی رہی ہو۔

"میں سچ مچ پاگل ہو جاؤں گی۔" وہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپاتی ہوئی بولی۔ پھر اس نے

جلدی جلدی رومال سے آنسو خشک کئے اور کافی کی پیالی پر جھک گئی حمید خاموش تھا۔ اب وہ اسے
حد تک سمجھ رہا تھا۔ مگر یہ بے بسی وہ اس بے چارگی میں کیوں مبتلا ہے۔ حمید سوچتا رہا اور اس کی کا
ٹھنڈی ہوگئی۔ وہ اس لڑکی کے لئے صحیح معنوں میں موم ہوگیا تھا۔ لیکن یہ سوال بھی اس کے ذہن
برابر ہتھوڑے چلا رہا تھا کہ وہ آخر اس بے چارگی میں کیوں مبتلا ہے؟

کچھ دیر بعد ڈاکٹر سلمان وہاں پہنچ گیا۔ جسے دیکھ کر ساحرہ سچ مچ متحیر رہ گئی۔ اس نے حمید
طرف شکایت آمیز انداز میں دیکھا۔ ڈاکٹر سلمان ان کی میز کے قریب پہنچ چکا تھا۔

"کیا بات ہے۔" اس نے ان دونوں کو باری باری سے دیکھتے ہوئے کہا۔

ساحرہ کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ "انہوں نے کہا تھا کہ
آپ نے اجازت دے دی ہے۔"

"کیا ہم فرانسیسی میں گفتگو کر سکتے ہیں۔" حمید نے ڈاکٹر سلمان سے انگریزی میں کہا۔

"ہاں کیا بات ہے؟" ڈاکٹر نے فرانسیسی میں کہا۔ حمید کو اس پر حیرت ہوئی۔ کیونکہ اس کا
بھی فرانسیسیوں ہی کا تھا۔

"وہاں ریکریئیشن ہال میں تاریہ کے کئی آدمی موجود ہیں۔" حمید نے کہا تھا۔

"تو پھر.....!"

"میرا مطلب ہے وہ ان گھٹیا قسم کے لوگوں میں سے ہیں جن کی موجودگی یہاں حیرت انگیز
ہے۔ انہیں لباس تک پہننے کا سلیقہ نہیں ہے۔"

"پھر میں کیا کروں۔" ڈاکٹر سلمان جھنجھلا گیا۔ "بس اتنی ہی سی بات کے لئے تم نے مجھے
یہاں تک دوڑایا ہے۔"

"آپ پوری بات بھی تو سنئے..... مجھے شبہ ہے کہ وہ گھر سے یہاں تک میرا تعاقب کرتے
ہوئے آئے ہیں۔ شبہ نہیں بلکہ مجھے یقین ہے۔"

"وہم ہے تمہارا..... آخر تم کس بناء پر اس وہم کا شکار ہوئے ہو۔"

"اس کی وجہ معقول ہے جب آپ بھوری پہاڑیوں میں تھریسیا کے آدمیوں کا مقابلہ کر رہے
تھے میں نے تاریہ سے کہہ دیا تھا کہ میں نے اسے دستی بم پھینکتے دیکھا تھا؟"

"یہ تم نے کیا حماقت کی تھی۔" ڈاکٹر سلمان نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"اوہو مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ آپ اس سلسلے میں کسی قسم کی حکمت عملی کو دخل دیں گے۔ میں تو
سمجھا تھا کہ تاریہ کو فی الفور سزا دی جائے گی۔"

"تو پھر تمہیں اس وقت تذکرہ کرنا چاہئے تھا جب میں اسے ٹرانس میں لا کر اس سے سوالات
کر رہا تھا۔"

"بس میں کیا کروں..... مجھ سے اکثر اس قسم کی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ ویسے میں نے تاریہ کو
اطمینان دلا دیا تھا کہ میں ڈاکٹر سلمان سے اس کا تذکرہ نہیں کروں گا۔"

"یہ اور زیادہ احمقانہ بات تھی۔"

"وہ دیکھئے..... دراصل اسے قابو میں رکھنے کے لئے میں نے اسے یقین دلایا تھا کہ میں اس
سے محبت کرنے لگا ہوں۔ اگر وہ الفانسے کا خیال دل سے نکال دے تو میں ڈاکٹر سلمان سے اس کا
تذکرہ نہیں کروں گا۔"

"اور تم نہ کرتے کیوں؟" ڈاکٹر سلمان اسے گھورنے لگا۔

"یقیناً کرتا..... مگر مجھے تو خیال تھا کہ آپ نے بھی اسے دستی بم پھینکتے ہوئے دیکھا ہوگا۔"

"تمہاری گفتگو مجھے الجھن میں ڈال رہی ہے۔ کیا میں سمجھ لوں کہ تمہارے خیالات پھر بدل
رہے ہیں۔"

"قطعی نہیں..... میرے خیالات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ دوسری بات بھی میرے ذہن
میں تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر تاریہ اسی طرح راہ پر آ جائے تو آپ تک یہ بات کیوں پہنچائی
جائے۔ تاریہ کی علیحدگی کسی حد تک تنظیم کو کمزور کر سکتی ہے۔"

"ہرگز نہیں.....!" ڈاکٹر سلمان بولا۔ "تاریہ کی کیا حیثیت ہے..... تم نہیں جانتے کہ تنظیم کی
پشت پر کتنی بڑی ہستیاں ہیں۔"

"مجھے علم نہیں ہے لیکن تاریہ دردسر تو بن سکتی ہے۔"

"ہاں دردسر تو بن سکتی ہے۔ اس صورت میں ہمارا مقابلہ تین مختلف پارٹیوں سے ہو جائے گا۔"

"تین.....!" حمید نے حیرت سے دہرایا۔ "تین کون کون سی۔"

"تھریسیا، فریدی، تاریہ۔"

"تھریسیا اور فریدی کو آپ الگ کیوں کر رہے ہیں۔"

"حالات..... اگر تھریسیا کا تعلق فریدی سے ہوتا تو وہ کبھی مجھ پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش نہ کرتی کہ تم دھوکہ دے کر ہم میں آ ملے ہو۔"

"آ..... ہاں..... یہ بات تو ہے۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"ظاہر ہے کہ فریدی سے ابھی تک تمہاری ملاقات نہیں ہوئی۔"

"قطعی نہیں..... مگر پھر اس صورت میں آپ کو فریدی کا مسئلہ الگ ہی رکھنا پڑے گا۔"

"کیوں.....؟"

"اگر تھریسیا فریدی ہی کی اسسٹنٹ نہیں ہے تو پھر کہنے دیجئے کہ فریدی عرصہ ہوا دوسری دنیا کے سفر پر روانہ ہو چکا ہے۔"

"میں اسے بھی تسلیم نہیں کر سکتا۔"

"خیر اس بحث کو چھوڑیئے۔ میں نے آپ کو اس لئے بلایا ہے کہ آپ ساحرہ کو اپنے ساتھ لے جایئے۔ میں تتاریہ کے آدمیوں سے نپٹ لوں گا۔"

"تنہا.....؟"

"ہاں..... آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں۔"

"اچھا.....!" ڈاکٹر سلمان مسکرایا۔ "میں تمہاری یہ صلاحیت بھی آزمانا چاہتا ہوں۔"

"شوق سے۔ میں اس قسم کے شکار کھیلنے کا عادی ہوں۔ اگر ان میں کوئی مارا بھی گیا تو مجھے افسوس نہ ہوگا۔"

"اٹھو.....!" ڈاکٹر سلمان نے ساحرہ سے کہا۔

"میں اپنی خوشی سے نہیں آئی۔" ساحرہ گڑگڑائی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"اوہو..... آج سردی زیادہ ہے۔ اس لئے واپس چلو..... مجھے تمہارے آنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔" ڈاکٹر سلمان مسکرا کر بولا۔

ڈاکٹر سلمان اسے ساتھ لے کر ہال سے نکل گیا۔ حمید کی دانست میں تتاریہ کا ایک آدمی یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ حمید نے وہیں بیٹھے بیٹھے مزید کافی طلب کی۔ تتاریہ کا ایک آدمی وہیں موجود رہا۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ اسے ڈاکٹر سلمان سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ حمید نے اس بار کافی ختم کرنے میں تقریباً بیس منٹ لئے۔

اس کا ذہن بہت تیزی سے سوچ رہا تھا۔ اسے بہرحال نہ صرف ان لوگوں کے نرغے سے نکل جانا تھا بلکہ تتاریہ کو بھی ایک اچھا سبق دینا تھا۔

کافی ختم کر کے حمید نے بل ادا کیا اور اٹھ کر ریکریئیشن ہال میں چلا آیا۔ یہاں رمبا کا دور چل رہا تھا۔ گیلریوں کی میزوں پر صرف مرد نظر آ رہے تھے ان کی تعداد بھی برائے نام ہی تھی۔ زیادہ تر عورتیں رقص کر رہے تھے۔

حمید کو تتاریہ کے چار آدمی بھی ایک گیلری میں نظر آئے۔ وہ گھٹیا قسم کے لوگ تھے۔ غیر تعلیم یافتہ، معمولی قسم کے لفنگے، لیکن ان کے جسموں پر قیمتی لباس تھے تاکہ اس ماحول میں کھپ سکیں۔ ورنہ یہاں نہ رقص کا سلیقہ تھا اور نہ اونچے طبقے سے رکھ رکھاؤ کا۔ اس لئے حمید کو اپنے اسی خیال پر قائم رہنا پڑا تھا جو کچھ دیر قبل اس کے دل میں پیدا ہوا تھا۔ یعنی یہ لوگ وہاں اس کے چکر میں آئے تھے۔

پانچواں آدمی اب بھی اس سے تھوڑے فاصلے پر چل رہا تھا۔

حمید سیدھا اسی میز کی طرف چلا گیا جس کے گرد وہ چاروں بیٹھے ہوئے تھے۔

شائد انہیں اس کی توقع نہیں تھی۔ اس لئے ان کا بوکھلا جانا یقینی تھا۔ وہ یک بیک کھڑے ہو گئے۔

"اوہو..... بیٹھو بیٹھو.....!" حمید آہستہ سے سر ہلا کر بولا اور ایک کرسی کھینچ کر اسی میز کے قریب بیٹھ گیا۔ وہ چاروں بھی بیٹھ گئے۔

"اچھا ہوا تم لوگ یہاں مل گئے۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "مجھے تم سے ایک کام لینا ہے۔ یہاں کچھ ایسے آدمی موجود ہیں جن سے نپٹنا ضروری ہے۔ لڑکی کو میں نے ڈاکٹر کے ساتھ گھر روانہ کر دیا ہے۔"

وہ چاروں خاموشی سے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھتے رہے۔

"کیوں کیا خیال ہے..... اگر تمہیں کوئی پس و پیش ہو تو تتاریہ کو فون کر دوں۔"

"ہم.....!" ایک نے کھکھار کر کہا۔ "دراصل چھٹی پر ہیں جناب۔"

اتنے میں حمید نے ایک ویٹر کو بلا کر ایک بوتل وہائٹ ہارس اور پانچ گلاسوں کا آرڈر کر دیا۔

ان میں سے کئی نے اپنے ہونٹ چبائے اور زبانیں اندر کر لیں۔

"خیر.....!" حمید بولا۔ "میں کوئی دوسرا انتظام کر لوں گا۔ آج نہ سہی پھر سہی۔ یا میں تنہا ہی

نپٹ لوں گا۔ تاریہ اس وقت کہاں ہوگی۔"

"پتہ نہیں جناب۔"

"گھر ہی پر ہوگی۔" دوسرے نے جواب دیا۔ جو ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بار بار گیلری کے سرے پر نظر دوڑانے لگتا تھا۔ شاید اسے ویٹر کا انتظار تھا۔

"آپ نے پانچ گلاس طلب کئے ہیں مگر ہم نہیں پئیں گے۔" پہلا بولا۔

"کیوں..... کیا تم نہیں پیتے۔"

"پیتے ہیں..... مگر اس وقت نہیں پئیں گے۔"

"تم چھٹی پر ہو۔"

"پئیں گے صاحب..... آپ کا بہت بہت شکریہ۔"

"کیا بکواس ہے۔" پہلے نے دوسرے کو ڈانٹا۔

"کیا.....!" دفعتاً حمید اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "تمہاری اتنی جرأت کہ میرے سامنے اونچی آواز میں بول سکو۔"

اتنے میں ویٹر ایک بڑی ٹرے اٹھائے ہوئے میز کی طرف آتا دکھائی دیا۔ جیسے ہی اس نے ٹرے میز پر رکھی وہ پانچواں آدمی بھی لمبے لمبے قدم رکھتا ہوا میز کی طرف بڑھا جو ہال سے حمید کا تعاقب کرتا ہوا آ کر گیلری کے سرے پر رک گیا تھا۔

"آؤ..... آؤ.....!" حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ "یہاں پانچ گلاس ہیں۔"

پہلا آدمی کرسی سے اٹھتا ہوا بولا۔ "اگر کسی نے بھی شراب پی تو.....!"

"تو کیا ہوگا.....!" حمید بھی کھڑا ہو گیا۔

"آپ خواہ مخواہ بات بڑھا رہے ہیں۔" پہلا بولا۔

"ابے تیرا دماغ چل گیا ہے..... کیا..... بیٹھتا کیوں نہیں۔" دوسرے نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھانے کی کوشش کی۔

لیکن اس نے جھلاہٹ میں اس کے منہ پر ہاتھ رسید کر دیا۔ وہ بلبلا کر اٹھا تو میز تیسرے آدمی پر جا رہی۔ حمید اچھل کر پیچھے ہٹ گیا ان میں سے دو لڑ پڑے تھے اور بقیہ تین انہیں الگ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن پھر انہوں نے بھی ان میں سے ایک پر ہاتھ چھوڑ دیئے۔

اس ہلڑ میں یک بیک موسیقی بند ہوگئی اور لوگ اس گیلری کی طرف دوڑنے لگے۔ رقص تھم چکا تھا۔ ایک ریلا آیا اور حمید کھسکتا ہوا گیلری کے نیچے پہنچ گیا۔

اب اسے کیا ضرورت تھی کہ خواہ مخواہ وہاں رک کر وقت خراب کرتا۔ وہ بڑی تیزی سے ڈانسنگ ہال میں آیا..... اور نہایت اطمینان سے باہر نکلا چلا گیا۔

اس کا ارادہ تو دراصل یہ تھا کہ وہ ان پانچوں کو حلق تک لبریز کر کے چپ چاپ یہاں سے نکل جائے گا لیکن حالات نے دوسرا رخ اختیار کر لیا تھا۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ حمید کو یہ رخ سب سے زیادہ پسند آیا ہو۔ ظاہر تھا کہ کچھ دیر بعد ان پانچوں کو قریبی تھانہ تک لے جانے کی زحمت تو یقیناً دی جاتی..... اور پھر جو کچھ بھی ہوتا تاریہ کے لئے خوش گوار نہ ہوتا۔

حمید نے کچھ دور چلنے کے بعد ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ سے تاریہ کے نمبر ڈائیل کئے۔ دوسری طرف سے فوراً جواب ملا۔ بولنے والی "تاریہ" تھی۔ حمید نے دو چار بار کھانس کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "تاریہ..... میں الفانسے ہوں..... بھوری پہاڑیوں تک فوراً پہنچو۔ کسی کو ساتھ لانے کی ضرورت نہیں۔ سرائے کے پاس تمہیں ضرور موجود ہونا چاہئے۔"

پھر جواب کا انتظار کئے بغیر اس نے ریسیور رکھ دیا۔

ایک رات ایک صبح

حمید نے ٹیکسی سرائے سے ایک فرلانگ کے فاصلے پر چھوڑی اور آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا سرائے کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس سے بہتر موقع پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ تاریہ کو اگر ڈاکٹر سے باقاعدہ طور پر لڑا دیا جائے تو اس کے لئے ایک نئی الجھن پیدا ہو جائے گی۔ جس کا خدشہ خود اسے بھی لاحق تھا اور غالباً اسی لئے الفانسے والا واقعہ معلوم ہو جانے کے بعد بھی اس نے کھلم کھلا اس کے خلاف کارروائی نہیں کی تھی۔

حمید نے اوور کوٹ کے کالر کھڑے کر لئے اور فلٹ ہیٹ کا گوشہ پیشانی پر جھکا لیا۔

اسے یقین تھا کہ الفانسے فریدی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ یہ اور بات ہے کہ اس نے اپنی عادت کے مطابق حمید کو تاریکی ہی میں رکھنے کی کوشش کی ہو۔ بہرحال اگر فریدی ہی تھا تو وہ بھی یہ چاہتا تھا کہ تاریہ اور سلمان آپس میں ٹکرا جائیں۔ پھر حمید ہی اس نیک کام میں پہل کیوں نہ کرتا۔ سوچ رہا تھا کہ اگر حالات نے کوئی دوسرا رخ اختیار کرلیا تو وہ ان دونوں کو مجبور کردے گا کہ وہ کھلا ایک دوسرے کے مقابلے میں آجائیں۔ فریدی سے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ یہ لوگ انقلاب کی تیاریاں کررہے ہیں اس لئے انہیں آپس کی الجھنوں میں مبتلا کردینا بہت ضروری تھا۔

سرائے کے قریب پہنچ کر وہ رک گیا۔ یہاں اندھیرا تھا۔ دور، دور تک روشنی نہیں نظر آرہی تھی۔ سرائے کی پشت پر کوئی کھڑکی بھی نہیں کھلتی تھی۔ اس لئے اندر کی روشنی اس طرف نہیں آسکتی تھی۔

اسے زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ سڑک پر کسی کار کی اگلی روشنیاں دکھائی دیں اور حمید اس کے دائرہ انعکاس سے پیچھے ہٹ گیا۔

لیکن اس نے اوور کوٹ کی جیب سے ایک چھوٹی سی ٹارچ نکال کر اسے تیزی سے تین بار روشن کرکے پھر جیب میں ڈال لیا۔

کار میں پورے بریک لگائے گئے اور وہ جہاں تھی وہیں رک گئی۔ انجن بند ہوا۔ ہیڈ لائٹس گل ہوئیں اور دھندلا سا سایہ حمید کی طرف بڑھنے لگا۔

"الفانسے۔" ایک تیز قسم کی سرگوشی سنائی دی۔

"تاریہ.....!" حمید نے بھی آہستہ سے کہا اور سایہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔

"کیا بات ہے الفانسے۔"

"تمہارے آدمیوں نے سہیل کو قتل کردیا۔"

"مجھے ان سے یہی توقع تھی۔"

دوسرے ہی لمحے میں تاریہ کے گال پر ایک بھرپور ہاتھ پڑا اور وہ لڑکھڑا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"الفانسے۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"چچا سہیل کہو۔" حمید ہنس پڑا۔

تاریہ پتھر کے بت کی طرح ساکت ہوگئی۔

"تم خود کو بہت چالاک سمجھتی ہو.....کیوں.....؟"

تاریہ کچھ نہ بولی۔ حمید کہتا رہا۔ "تمہارے وہ پانچوں آدمی اس وقت اپنے ہاتھ پیر گنوا بیٹھے ہوں گے۔ تم میں عقل بالکل نہیں ہے۔ ایسے آدمی کیوں لگائے تھے میرے پیچھے جنہیں میں پہچانتا تھا۔"

"تو کیا تم اس وقت مجھے مار ڈالو گے۔" دفعتاً تاریہ نے سوال کیا۔ حمید لہجے سے اندازہ نہ لگا سکا کہ اس سوال کا مقصد کیا ہوسکتا ہے۔

"کیا نہیں مار سکتا۔" اس نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

"نہیں.....!"

"کیوں.....؟"

"کوشش کرکے دیکھ لو.....!"

اچانک حمید کو تاروں کی روشنی میں ایک دھندلی سی چمک نظر آئی۔ تاریہ کے ہاتھ میں غالباً خنجر تھا۔

"میں تمہیں جان سے نہیں ماروں گا۔" اس نے کہا۔ "بس یہ ایک تھپڑ ہی کافی ہے۔ بلکہ اس وقت کا تھپڑ ہمارے لئے تنظیم کی طرف سے ایک چیلنج ہے۔ یعنی کہ تنظیم سے برگشتہ ہوکر تم اپنے لئے ایک مستقل عذاب مول لے رہی ہو۔"

"میں تم سب کو دیکھ لوں گی۔"

"ضرور دیکھ لینا.....لیکن اس سے پہلے ہی میں تمہیں آگاہ کردوں کہ ڈاکٹر سلمان کو تمہاری حرکات کا علم ہوچکا ہے۔"

"اوہ.....ڈاکٹر سلمان.....وہ میرا کیا بگاڑ لے گا۔"

"اچھا بس اب دور ہوجاؤ۔"

حمید سوچ رہا تھا کہ اگر اس وقت اس کے پاس ریوالور ہوتا تو کبھی کی اس پر فائر کرچکی ہوتی۔

لہٰذا وہ نہایت اطمینان سے سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا رہا۔

تتار یہ جانے کے لئے کار کی طرف مڑی اور حمید وہیں کھڑا رہا۔

اس کی کار فراٹے بھرتی ہوئی آگے نکل گئی۔ لیکن اب حمید کو گھر تک پیدل ہی جانا تھا کیونکہ اس سنسان سڑک پر کسی سواری کے ملنے کی توقع دیوانے کے خواب سے کم نہیں تھی۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک چلتے رہنے کے بعد وہ گھر تک پہنچ گیا۔

دوسری صبح کے اخبارات میں تھری کیٹس کے ہنگامے کی خبر آئی تھی۔ پانچوں آدمی زخمی حالت میں ہسپتال پہنچا دیئے گئے تھے اور پولیس تفتیش کر رہی تھی۔ ہنگامے کی وجہ معلوم نہیں ہو سکی تھی۔ بہرحال ان پانچوں نے تو یہی بیان دیا تھا کہ وہ نشے کی حالت میں لڑ پڑے تھے۔ کلب کے ایک ویٹر کا بیان تھا کہ اس نے اس میز پر پانچ ہی آدمی دیکھے تھے لیکن جس نے وہائٹ ہارس کا آرڈر دیا تھا وہ ڈاڑھی والا تھا۔ لیکن زخمیوں میں سے ایک کے بھی ڈاڑھی نہیں تھی۔ ویسے ان پانچوں نے کسی ڈاڑھی والے کے وجود سے لاعلمی ہی ظاہر کی تھی۔

حمید بستر سے اٹھ کر ناشتے کے لئے نیچے جانے ہی والا تھا کہ ساحرہ ناشتے کی ٹرے لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔ شاید وہی صبح ہی صبح اس کے کمرے میں اخبار بھی پھینک گئی تھی۔

"کیوں..... آج کیوں لائیں ناشتہ.....!" حمید نے پوچھا۔

"کیا کرتی..... بھائی جان تو ہیں ہی نہیں۔" اس نے ٹرے میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"کہاں گئے۔"

"پتہ نہیں..... وہ مجھ سے کبھی نہیں بتاتے۔ میں نے تو جاتے بھی نہیں دیکھا۔"

"ہاں..... بیٹھ جاؤ۔" حمید ایک طویل انگڑائی لے کر بولا۔ "پچھلی رات انہوں نے کچھ کہا تو نہیں تھا۔"

"نہیں کچھ نہیں..... لیکن تم نے انہیں وہاں کیوں بلایا تھا۔ ان سے کیا گفتگو کر رہے تھے اور پھر خود وہیں کیوں رہ گئے تھے۔ اگر بھائی جان نہ ہوتے تو میں تمہیں وہاں تنہا نہ چھوڑتی۔"

"کیوں.....؟"

"بس یونہی..... وہاں بہت سی عورتیں تھیں۔ تم ان کے ساتھ ناچتے رہو گے میں تو کبھی نہ دیکھ سکتی تھی۔"

"کیوں.....؟"

"پتہ نہیں کیوں..... بس نہ دیکھ سکتی۔ مجھے رات بھر نیند نہیں آئی۔ بس یہ سوچ سوچ کر غصہ آتا رہا کہ تم دوسری عورتوں کے ساتھ ناچ رہے ہو گے۔"

"اس میں غصہ آنے کی کیا بات ہے۔"

"مجھ سے بحث نہ کرو۔" ساحرہ جھلا گئی۔

حمید خاموش ہو گیا اور ساحرہ چائے بنانے لگی۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

"مجھے بھی ناچنا سکھا دو۔"

"نہیں سکھاؤں گا۔"

"کیوں.....؟"

"بس یونہی..... میں تمہارے ساتھ نہیں ناچوں گا۔"

"آخر کیوں.....؟"

"مجھ سے بحث نہ کرو۔" حمید نے ساحرہ کے لہجے کی نقل اتاری اور ساحرہ ہنس پڑی۔ کچھ دیر چپ رہی پھر بولی۔ "مجھے بھائی جان کا عجیب و غریب پیشہ بالکل پسند نہیں ہے۔"

"پھر میں وجہ پوچھوں گا تو کہو گی مجھ سے بحث نہ کرو۔ لہٰذا ایسی باتیں ہی نہ چھیڑو۔"

"نہیں میں اس پر بحث کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

"کرو بحث.....!"

"تم اعتراض کرو گے میرے خیال پر۔"

"کل کروں گا فی الحال چائے پیو۔ تم میرا دماغ چاٹ ڈالتی ہو۔"

"میرا دل چاہتا ہے کہ تمہیں گولی ماردوں اور اپنے بھی مار لوں..... وجہ نہ پوچھنا۔ بہتیری باتوں کی وجہ میرے دماغ میں نہیں آتی۔"

"مار دو گولی اور خود بھی مر جاؤ..... میں وجہ نہیں پوچھوں گا لیکن تمہیں اپنے بھائی جان کے اس طرح غائب ہو جانے پر تشویش نہیں ہوتی۔"

"نہ جانے کیوں مجھے خوشی ہوتی ہے اگر وہ مر جائیں تو اور زیادہ خوشی ہو۔"

حمید کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا کیونکہ اس نے یہ بات سنجیدگی سے کہی تھی۔

"تم مجھے اس خیال سے بُرا بھلا کہو گے۔ میں جانتی ہوں اور بعض اوقات مجھے بھی ایسے

حالات سے نفرت معلوم ہوتی ہے مگر میں نے تمہیں حقیقت بتائی ہے۔ مجھے بھائی جان سے بڑی نفرت ہے۔"

"تم آخر مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش کیوں کرتی ہو۔"

"نہیں تو.....!"

"تمہیں ڈاکٹر سلمان سے نفرت ہے۔"

"ہاں مجھے ان سے گہری نفرت ہے۔ مجھے بعض اوقات ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے انہوں نے مجھ پر کوئی بہت بڑا ظلم کیا ہو۔"

"تمہیں صرف محسوس ہوتا ہے اس لئے یہ محض وہم ہے۔"

"ہوسکتا ہے وہم ہی ہو.....لیکن نفرت ہے مجھے۔"

"میں تمہیں آج تک نہیں سمجھ سکا۔" حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم مجھے بیوقوف بنا رہی ہو اور کبھی تم مجھے دنیا کی سب سے زیادہ معصوم ہستی نظر آئی۔ مجھے بتاؤ کہ میں تمہیں کیا سمجھوں۔"

"جو تمہارا دل چاہے۔" ساحرہ نے لاپروائی سے کہا اور یک بیک مغموم نظر آنے لگی۔

"میں نے دو باتیں کہی تھیں۔" حمید جلدی سے بولا۔ "لہٰذا کسی ایک سے اثر لینا درست نہ ہوگا۔"

"تمہارا اور جو کچھ دل چاہے کہہ دو۔ میرے غم کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ میں کچھ بھول گئی ہوں جو مجھے یاد نہیں آتا۔ اسی کی الجھن کیا کم ہے اور یہ الجھن کسی دن میرا خاتمہ کردے گی۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"جب میں خود ہی نہیں سمجھ سکتی تو تمہیں کیا سمجھاؤں۔"

"تم کیا بھول گئی ہو۔" حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔

"کوئی بہت بڑی بات ہے جو میری لئے بہت اہم تھی..... مجھے یہی محسوس ہوتا ہے۔"

حمید سوچنے لگا کہ اگر یہ لڑکی سچ کہہ رہی ہے تو.....

"دوہری شخصیت.....!" کا کیس ہے۔ کیا یہ چیز ڈاکٹر سلمان کی سمجھ میں نہ آئی ہوگی۔ اگر وہ کوشش کرتا تو نفسیاتی تجزیئے کے ذریعے اس کی وجہ بھی معلوم کرسکتا تھا۔ پھر آخر وہ اسے اس طرح نظر انداز کیوں کرتا رہا۔

ساحرہ بڑبڑا رہی تھی۔ "مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے پہلے کبھی میرے سارے جسم پر آنکھیں ہی آنکھیں تھیں۔ آنکھیں ہی آنکھیں۔ میں نے نہ جانے کیا کیا دیکھا تھا۔ مجھے ہر چیز کی ہلکی ہلکی جھلکیاں سی نظر آتی ہیں۔ پھر قبل اس کے کہ میں انہیں سمجھ سکوں وہ میری نظروں سے غائب ہوجاتی ہیں۔"

حمید الجھن محسوس کرنے لگا۔ ایک بار اس نے سوچا کہیں یہ لڑکی اسے اُلو تو نہیں بنا رہی ہے۔ بہرحال وہ ڈاکٹر کی بہن تھی۔

ناشتہ ختم کرچکنے کے بعد بھی ساحرہ وہیں جمی رہی اور حمید نے بہت شدت سے بور ہوکر چپ سادھ لی۔

"تم کچھ بولتے کیوں نہیں۔"

"کیا بولوں؟"

"جو دل چاہے۔"

"نہیں بولوں گا۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"تو صرف میں ہی کتیوں کی طرح بھونکتی رہوں۔"

"ارے بابا.....تم سے کون کہتا ہے۔"

"یعنی تم نہیں چاہتے کہ میں بولوں۔"

"تم شوق سے بولو.....لیکن مجھے بولنے پر مجبور نہ کرو۔"

"یعنی میں اس قابل ہی نہیں ہوں کہ تم میری بات کا جواب دینا پسند کرو۔"

"اوہ.....میرے خدا۔" حمید اپنے بال نوچتا ہوا چیخا۔ "کس وبال میں پھنس گیا ہوں۔"

"میں وبال ہوں..... ہائیں..... بولو.....میں وبال ہوں۔"

ساحرہ اس طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی جیسے بہت دیر سے بھری بیٹھی ہو۔

"ارے.....ارے..... ہائیں۔" حمید بوکھلا کر کھڑا ہوگیا۔

"میں.....وبال.....سچ مچ.....اپنے گولی مارلوں گی۔"

حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ عورتوں کو روتے دیکھ کر وہ ہمیشہ نروس ہوجاتا تھا۔ پہلے تو وہ احمقانہ انداز میں اُسے چپ کرانے کی کوشش کرتا رہا پھر بے ساختہ اچھل کر وہاں سے

بھاگ نکلا۔

زینے پر ایک نوکر سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ جو اس کی فون کال کی اطلاع لے کر اس کے پاس جارہا تھا۔ حمید سوچنے لگا کہ یہاں اسے فون کرنے والا کون ہوسکتا ہے۔ فریدی خارج از بحث تھا کیونکہ وہ کبھی ایسی حماقت نہ کرتا۔ رہ گئی تاریہ تو شائد ایسا سوچنے کی بھی ہمت نہ کرسکتی۔"

وہ بڑی تیزی سے اس کمرے میں آیا جہاں فون رکھا ہوا تھا۔ حمید اس وقت میک اپ میں نہیں تھا۔ لیکن ڈاکٹر سلمان کے نوکر اسے سہیل کے نام سے جانتے تھے۔ انہوں نے اسے بدلی ہوئی شکل میں دیکھا تھا۔ لیکن یہ ان کے لئے کوئی حیرت انگیز بات نہیں تھی۔ وہ جانتے تھے کہ ادارہ روابط عامہ میں کام کرنے والے اکثر بھیس بدل کر اپنے فرائض انجام دیا کرتے تھے۔

"ہیلو.....!" حمید نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو.....کون مسٹر سہیل۔" دوسری طرف سے کسی عورت کی آواز آئی۔

"ہاں.....میں ہی ہوں.....آپ کون۔"

"تھریسیا بمبل بی آف بوہیمیا۔"

"آچ.....چھا.....پھر.....!"

"کیا میں پولیس کو مطلع کردوں کہ تم یہاں چھپے بیٹھے ہو۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"یہ ارتھمیٹک کا کوئی سوال نہیں ہے۔"

"میں جانتا ہوں.....بمبل بی.....لیکن.....!"

"تم نے موٹے آدمی کا سر پھاڑ دیا ہے.....اس ایکٹریس اور ہیڈ مسٹریس پر ریوالور سے فائر کئے تھے۔ پولیس آج بھی اس رپورٹ میں دلچسپی لے رہی ہے۔"

"پولیس کی اس سعادت مندی سے میں بہت خوش ہوں بمبل بی۔ مگر تم چاہتی کیا ہو۔"

"ڈاکٹر سلمان کا پتہ.....وہ یکا یک کہاں غائب ہوگیا ہے۔"

"مجھے علم نہیں.....مگر بمبل بی.....میں تمہیں قریب سے دیکھنا چاہتا ہوں۔ ویسے تمہاری آواز تو بڑی حسین ہے۔"

"میں خود بھی حسین ہوں.....تم دیکھ کر خوش ہوجاؤ گے۔"

"تو پھر کب اور کہاں۔"

"فی الحال تم مجھے ڈاکٹر کا پتہ بتاؤ۔"

"کوئی دوسری شرط پیش کرو.....بمبل بی ڈارلنگ۔ مجھے علم نہیں ہے کہ ڈاکٹر کہاں ہے۔"

"یہ معلوم کرنا ضروری ہے کیپٹن۔"

"کیوں کیا تم اس سے کوئی اچھا برتاؤ کروگی۔"

"میں کسی سے بھی بُری طرح پیش نہیں آتی۔ ویسے پیسوں کی ضرورت ہر ایک کو درپیش رہتی ہے۔"

"تو اب ڈاکٹر پر ہاتھ صاف کرنے کا ارادہ ہے۔"

"قطعی کیپٹن.....ہمارے اخراجات بہت وسیع ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ تم لوگوں کی کفالت کے لئے تاریہ ہی کافی ہے۔"

"نہیں کیپٹن تمہارا خیال غلط ہے۔"

اچانک حمید نے محسوس کیا کہ وہ تاریہ ہی کی آواز ہے وہ آواز بدل کر بولنے کی کوشش کررہی تھی۔ شروع میں اسے کامیابی ہوئی تھی۔ لیکن پھر اصل آواز اور لہجے کو بگاڑنا ناممکن ہوگیا تھا۔ اس نے ایک بار پھر اسے بولتے سنا اور رہا سہا شبہ بھی یقین میں تبدیل ہوگیا۔ کیونکہ اس بار دوسری طرف سے بولنے والی ہنسی بھی تھی اور اب تو آواز پر بالکل ہی قابو نہیں رہ گیا تھا۔ حمید نے سلسلہ منقطع کردیا۔

تاریہ نے اسے کیپٹن کہہ کر مخاطب کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ اسے بھی اس کی شخصیت کا علم ہوگیا تھا۔ اچانک ایک نیا خیال حمید کے ذہن میں ابھرا.....اور اسی کی بناء پر اس نے سوچا کہ اب یہاں سے بھاگ جانا چاہئے۔ ورنہ ہوسکتا ہے کہ غفلت میں ٹھکانے ہی لگا دیا جائے۔

خونخوار چرواہا

وہ بڑی جلدی میں اپنے کمرے میں پہنچا۔ ساحرہ جاچکی تھی۔ اس نے اپنے کپڑے اور میک اپ کا سامان سوٹ کیس میں ٹھونسا اور ایک خط لکھنے کے لئے میز پر بیٹھ گئی۔

وہ جلدی جلدی گھسیٹ رہا تھا۔

"ڈاکٹر!

میں جلدی میں یہاں سے رخصت ہو رہا ہوں۔ ابھی تتاریہ نے فون پر تھریسیا بن کر مجھ سے آپ کے متعلق پوچھا تھا۔ یقیناً وہ گہری سازش کر رہی ہے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ کیا ہے۔ آپ کچھ فکر نہ کیجئے گا۔ میں آپ سے وقتاً فوقتاً ملتا رہوں گا۔"

پھر اس نے نیچے سہیل لکھا اور کاغذ کو ایک لفافے میں رکھتا ہوا سوٹ کیس اٹھا کر باہر نکل گیا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں ساحرہ سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ نہایت اطمینان سے کمپاؤنڈ میں آ گیا۔ یہاں اس نے ادارہ کے دفتر میں وہ لفافہ ڈاکٹر کے معتمد کے حوالے کیا اور خود باہر نکل گیا۔

مگر یہاں ٹیکسیاں بھی نہیں ملتی تھیں اور وہ اس وقت اپنی اصلی شکل میں تھا۔ بہرحال وہ تیزی سے چلتا رہا۔ اسے تھکن کا بھی احساس نہیں تھا۔ مسئلہ ہی ایسا درپیش تھا۔ اسے سو فیصدی یقین تھا کہ الفانسے فریدی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ تھریسیا نے اگر اس پہاڑی پناہ گاہ میں ڈاکٹر کو اس کی اصلیت سے آگاہ کیا تھا تو یہ اسی کے حق میں بہتر تھا۔ اس طرح ڈاکٹر کو یقین آ جاتا کہ تھریسیا فریدی ہی کا کوئی اسسٹنٹ نہیں ہے۔ مگر تتاریہ کو حمید کی اصلیت سے آگاہ کرنے والا فریدی یا الفانسے نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کی یہ حرکت قطعی بے مقصد ہوتی اور فریدی سے بے مقصد حرکات کی توقع کرنا ہی فضول تھا کیونکہ اس کی کوئی حرکت بے مقصد نہیں ہوا کرتی۔ پھر تتاریہ کو اس کی اصلیت کا علم کیسے ہوا۔ جب کہ خود ڈاکٹر ہی نے اس پر اس کا راز نہیں ظاہر کیا تھا۔ دوسری صورت یہی ہو سکتی تھی کہ اب خود ڈاکٹر ہی تتاریہ کی پشت میں موجود تھا۔ یہ ناممکن بھی نہیں تھا۔ کیوں حمید نے پچھلی رات ہی ڈاکٹر کی آنکھوں میں شبہے کی جھلک دیکھی تھی۔ اس نے دراصل اس سے تتاریہ سے بم پھینکنے والے واقعے کا تذکرہ کر کے سخت غلطی کی تھی۔ اسے اس مسئلے پر خاموش ہی رہنا چاہئے تھا۔ مگر وہ کرتا بھی کیا۔ حالات ہی ایسے پیش آ گئے تھے۔ اس نے تتاریہ کے آدمیوں سے نپٹنے سے پہلے ساحرہ کو وہاں سے کھسکا دینا ہی مناسب سمجھا تھا ورنہ ہو سکتا تھا کہ اس کی حفاظت کرنے میں خود مار کھا جاتا۔ پھر ڈاکٹر کو طلب کرنے کے بعد اسے یہ بھی بتانا پڑا کہ تتاریہ کے آدمی اس کے پیچھے کیوں لگ گئے ہیں۔

لہٰذا ہو سکتا تھا کہ ڈاکٹر کو شبہہ ہو گیا ہو۔ یہ بھی ممکن تھا کہ پش فائر کے بیکار ہو جانے پر اسے

تھیم کے مشینی کارناموں پر اعتماد ہی نہ رہ گیا ہو۔ اس نے سوچا کہ ممکن ہے حمید پر کیا جانے والا کامیاب نہ ہوا ہو۔ ہو سکتا ہے وہ اسے دھوکا دے رہا ہو۔

اب پھر اس نے تتاریہ سے گٹھ جوڑ کر کے اپنے شبہات رفع کرنے کی کوشش کی ہو۔

اور تتاریہ نے تھریسیا بن کر اسے فون کیا تھا۔ اس کا یہی مقصد ہو سکتا تھا کہ ڈاکٹر کے متعلق حمید کے صحیح خیالات معلوم کئے جائیں۔

وہ سڑک کے نیچے اتر کر چٹانوں کی اوٹ لیتا ہوا چلتا رہا۔ سڑک ہی ایسی تھی کہ اس پر ٹیکسیوں کی آمد و رفت عام طور طور پر نہیں رہتی تھی۔ مگر وہ سوچ رہا تھا کہ جائے گا کہاں۔ فی الحال وہ کسی ایسی جگہ قیام نہیں کرنا چاہتا تھا جہاں ڈاکٹر یا اس کے آدمیوں سے ٹکراؤ کا خدشہ ہو۔ دفعتاً اسے اس سرائے کا خیال آیا جس کے قریب پچھلی رات کو اس کی ملاقات تتاریہ سے ہوئی تھی۔ اس کی دانست میں وہ ایک محفوظ جگہ تھی۔ جہاں رہ کر وہ اپنے کام جاری رکھ سکتا۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ اب صرف تتاریہ سے بچنا چاہتا تھا اور اسے یہ بھی دیکھنا تھا کہ ڈاکٹر سلمان کے متعلق اس کا خیال کس حد تک درست ہے۔

اس نے یہی طے کر لیا کہ وہ سرائے ہی میں قیام کرے گا۔ مگر دشواری یہ تھی کہ اس کے پاس معمولی قسم کا لباس نہیں تھا۔ ایسا لباس جس سے وہ سرائے کے ماحول میں کھپ سکتا۔ میک اپ کا سامان تو سوٹ کیس ہی میں موجود تھا۔ مگر لباس..... لباس کہاں سے لائے۔ ویسے لباس بھی مہیا ہو سکتا تھا لیکن اس کے لئے اسے شہر تک جانا پڑتا۔

اچانک اسے ایک چرواہا نظر آیا جو دو چار بھیڑیں ساتھ لئے تقریباً بیس بائیس فٹ کی گہرائی میں چل رہا تھا۔

حمید نے اسے آواز دی اور رکنے کا اشارہ کرتا ہوا نیچے اترنے کے لئے کوئی معقول راستہ تلاش کرنے لگا۔

چرواہا رک کر اوپر دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی حمید نیچے پہنچا اس نے چرواہے کی آنکھوں میں تمسخر کی جھلک دیکھی اور جھنجھلا گیا۔ لیکن اسے بہرحال اپنا کام نکالنا تھا۔

"مجھے پہاڑیوں سے محبت ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "اکثر سوچتا ہوں کہ کاش میں بھی چرواہا ہوتا۔ تمہارے یہ اونچے اونچے پہاڑ میرے لئے بڑی کشش رکھتے ہیں۔"

"پھر.....؟"

"میں تمہیں ایک گرم پتلون اور گرم قمیض دینا چاہتا ہوں۔"

"کس خوشی میں۔" چرواہے نے پوچھا اور حمید بوکھلا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اسے اس سے اتنی اچھی اردو بولنے کی توقع نہیں تھی۔

"بس تم اپنے کپڑے مجھے دے دو اور اس کے عوض میں تمہیں ایک گرم قمیض اور ایک گرم پتلون دوں گا۔"

"اوہ..... اچھا۔" چرواہے نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہ اپنی پیوندگی ہوئی قمیض اتارنے جا رہا ہو..... لیکن..... حمید اگر اچھل کر پیچھے نہ ہٹ گیا ہوتا تو.....!

چرواہے کے داہنے ہاتھ میں ایک بڑا سا چاقو چمک رہا تھا۔

"ہائیں یہ کیا.....؟" حمید سنبھل کر بولا۔

"تم کوئی ٹھگ ہو۔"

"اچھا تو آؤ.....!" حمید سوٹ کیس زمین پر ڈالتا ہوا بولا۔

دوسرے ہی لمحے میں چرواہے نے اس پر چھلانگ لگائی اور حمید نے ڈاج دے کر دوسری طرف نکل جانا چاہا لیکن ممکن نہ ہوا کیونکہ چرواہا کسی اڑتے ہوئے عقاب کی طرح اس پر چھا گیا تھا۔

حمید کو بھی سمجھنے کی مہلت نہ ملی کہ اسے کس طرح اتنی آسانی سے دبوچ لیا گیا تھا۔ اس نے اپنی پشت پر چاقو کی چبھن محسوس کی، وہ دم بخود ہو گیا۔

"بس.....!" چرواہے نے قہقہہ لگایا۔ "اسی بساط پر دنیا فتح کرنے نکلے تھے سکندر اعظم۔"

دفعتاً حمید کو تتاریہ اور ڈاکٹر سلمان کا خیال آیا۔

"میں تو مذاق کر رہا تھا دوست.....!" حمید بڑبڑایا۔ "تم ذرا یہ چاقو ہٹاؤ تو بتاؤں تمہیں کہ۔"

"کیا بتاؤ گے..... یہی نا کہ ابھی خوبصورت لڑکی کے پہلو سے اٹھ کر آ رہے ہو۔"

"تم کون ہو میرے دوست۔"

"تمہاری عقل کا پتھر..... عورتوں کی صحبت اسی طرح دماغ ماؤف کر دیتی ہے۔" وہ اسے چھوڑ کر ہٹتا ہوا بولا اور اس بار حمید اس کی آواز پہچان سکا۔ وہ فریدی کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا جو حمید کو چشم زدن میں اس طرح بے بس کر دیتا۔

"اور آپ بھیڑیں چرا رہے ہیں..... ہاہا۔" حمید نے ایک طویل اور ہذیانی سا قہقہہ لگایا۔

"ابھی تمہاری موت بہت دور ہے۔ اسی لئے میں بھیڑیں چرا رہا تھا۔ میری بجائے اور کوئی ہا تو تم کہیں اور ہوتے۔ کیا اتنے دنوں تک تم محض مکھیاں مارتے رہے ہو۔ خدا کی قسم اس وقت ہ ایک تھرڈ ریٹ لفنگے سے زیادہ نہیں معلوم ہوتے۔ ایڈیٹ.....!"

"آپ نہیں جانتے کہ میں کس مشکل میں پھنس گیا ہوں۔"

"سوائے اس کے کہ تمہاری کسی نادانی کی بناء پر بساط الٹ گئی ہو گی اور کیا ہو سکتا ہے۔ مجھے م ہے کہ سرائے کے پاس والے واقعے کے بعد تتاریہ نے ڈاکٹر سلمان سے ایک طویل گفتگو کی فی۔"

"کی تھی نا.....؟" حمید چہک کر بولا۔ پھر کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا لیکن فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"جو کچھ بھی ہوا ٹھیک ہی ہوا۔ مجھے موجودہ مہم میں تمہاری ضرورت محسوس ہو گی..... چلتے رہو۔"

حمید نے محسوس کیا کہ فریدی کسی پیشہ ور چرواہے کی طرح بھیڑوں کو ہانکتا ہوا چل رہا ہے۔ شاید ایک چرواہا بھی اسے سوانگ کہنے پر تیار نہ ہوتا جس کی عمر ہی اس پیشے میں گزری ہو۔

وہ چلتے رہے۔ پھر ایک جگہ فریدی رک گیا۔ یہاں چاروں طرف کافی اونچی اونچی چٹانیں تھیں اور جگہ زیادہ کشادہ نہیں تھی۔

فریدی نے اپنے پشت سے ایک وزنی تھیلا اتارا اور ایک پتھر کے ٹکڑے پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "تم اپنے کپڑے اتار دو..... میں تمہیں دوسرا لباس دوں گا..... ویسا ہی جیسا تم چاہتے تھے..... اس کے بعد ہم اطمینان سے گفتگو کر سکیں گے۔"

"مگر یہ بھیڑیں.....!"

"ہماری گفتگو میں دخل نہیں دیں گی۔ تم مطمئن رہو۔ یہ صرف سنسکرت ہی بول سکتی ہیں۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ فریدی نے تھیلے میں سے کپڑوں کا جوڑا نکالا۔ وہ بھی اسی قسم کا تھا جیسا فریدی کے جسم پر موجود تھا۔

ساری تیاریاں مکمل ہو جانے کے بعد حمید کا سوٹ کیس ایک چھوٹے سے غار میں چھپا دیا گیا۔ حمید نے جو جوتے پہن رکھے تھے فریدی نے چاقو سے انہیں چھیل چھیل کر بدوضع کر دیا اور اب وہاں ایک کے بجائے دو چرواہے نظر آ رہے تھے۔

حمید کے چہرے پر ایک بے ڈھنگی سی ڈاڑھی کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

ان کا سفر بھی شروع ہوگیا۔ چٹانیں دھوپ میں سڑ رہی تھیں۔ اس سنسان ویرانے کا سناٹا بڑا پرہول معلوم ہو رہا تھا۔

فریدی کے ایماء پر حمید نے تاریہ کی داستان چھیڑ دی اور جب وہ ساری تفصیلات ختم کر چکا تو فریدی نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔ ''تم نے اچھا کیا کہ وہاں سے چلے آئے ورنہ ہو سکتا تھا کہ تمہیں کسی دوسرے مشینی تجربے کا شکار ہو جانا پڑتا۔ کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ ڈاکٹر کسی خاص طریقے سے تمہاری ذہنی حالت کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتا۔''

''مگر جناب..... ہم جا کہاں رہے ہیں۔''

''پرواہ مت کرو۔''

''سچ کہتا ہوں میرے لئے یہ پیشہ بھی بڑا شاندار رہتا۔'' حمید بھیڑوں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

''تمہیں اس کا سلیقہ بھی نہیں ہے فرزند..... تم ان سات بھیڑوں کو بھی کنٹرول میں نہیں رکھ سکتے۔''

''میں ایک اریسٹوکریٹ فیملی کا فرد ہوں۔'' حمید اکڑ کر بولا۔

فریدی کچھ نہیں بولا۔ وہ آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ چال میں ہلکی سی لنگڑاہٹ بھی تھی۔ اس کی پشت پر ایک وزنی سا تھیلا تھا جس میں اب حمید کے سامان کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

کچھ دیر بعد حمید بہت شدت سے بوریت محسوس کرنے لگا۔ پہاڑی راستوں پر مسلسل چلتے رہنا آسان کام نہیں۔ حمید کا سارا جسم پسینے میں ڈوب گیا تھا۔

آخر ایک جگہ وہ بیٹھتا ہوا بولا۔ ''دو بھیڑیں مجھ پر سوار کر دیجئے تنہا نہیں چلا جاتا۔''

''بس.....!'' فریدی مسکرایا۔ ''عورتوں کی ہم نشینی سے خدا ہر شریف آدمی کو محفوظ رکھے۔''

''بلکہ خدا کسی مرد کو عورت کے بطن سے پیدا نہ کرے۔'' حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

فریدی پھر ہنسنے لگا۔ وہ بہت اچھے موڈ میں معلوم ہوتا تھا۔

''الفانسے.....!'' حمید دانت پیس کر بڑبڑایا اور فریدی ہنستا ہوا اس کے برابر ہی بیٹھ گیا۔

''تم پر الفانسے..... اس بُرے طرح کیوں سوار ہے۔''

''تنظیم سے تعلق رکھنے والے ہر فرد پر الفانسے اسی طرح سوار ہے۔''

''خیر..... تنظیم سے نپٹنے کے بعد ان لوگوں سے بھی سمجھوں گا۔'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

حمید کا منہ اور زیادہ بگڑ گیا تھا۔

''آپ کے تھیلے میں میرا پائپ اور تمباکو کی پاؤچ ہے۔''

''اسے احتیاط سے رکھوں گا..... مطمئن رہو۔ اپنے چرواہے پائپ نہیں چلم پیا کرتے ہیں اور اب ہم جہاں جانے والے ہیں وہاں تمباکو عنقا ہے۔ اس لئے ویسے بھی اسے احتیاط سے خرچ کرنا پڑے گا۔ میرے پاس تو تقریباً ڈھائی سو سگار ہیں۔''

''مگر آپ یہ نہ بتائیں گے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔''

''تم اسے اپنی روحانی زبان میں خوابوں کی سرزمین بھی کہہ سکتے ہو۔''

''میں اب کچھ نہیں پوچھوں گا.....'' حمید نے بیزاری سے کہا اور اپنی مصنوعی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ بھیڑیں ادھر اُدھر بھاگتی پھر رہی تھیں اور فریدی اپنے حلق سے طرح طرح کی آوازیں نکال کر انہیں اپنی طرف متوجہ کر رہا تھا۔

یک بیک بے تحاشہ ہنسنے لگا پھر بولا۔ ''خدا بداعمالیوں کی سزا اسی طرح دیتا ہے۔ لاکھوں کا دی بھیڑیں چرا رہا ہے۔''

فریدی ایک خشک سگار توڑ کر اس کی تمباکو کو ننھے ننھے ٹکڑوں میں تبدیل کر رہا تھا۔

پھر اس نے جیب سے مٹی کی ایک چھوٹی سی چلم نکال کر اس میں وہی تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ ''میں لاکھوں کا آدمی ہوں لیکن بعض اوقات مجھے یہ تبدیلیاں بہت ہی حسین اور پرکشش معلوم ہوتی ہیں۔ کاش تم اس وقت میرے ذہن میں جھانک سکتے۔''

''میں صرف لڑکیوں میں جھانکنا پسند کرتا ہوں۔''

''اور ایسے غبار سے چھٹتے ہیں جن سے تمہارے حلق تک سیاہی بھر جاتی ہے۔''

''ایسے مواقع پر آپ ذہن میں جھانکنے کی کوشش کریں۔'' حمید نے کہا۔ پھر یک بیک سنجیدہ ہو کر آنے لگا۔ دراصل پش فائر اور الفانسے والا واقعہ یاد آ گیا تھا۔

''کیا آپ کو معلوم ہے کہ کوئلے کے مجسمے کس طرح عالم وجود میں آتے ہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''مجھے اچھی طرح علم ہے۔'' فریدی نے کہا اور چلم میں رکھے ہوئے تمباکو کو چلانے لگا۔

''لیکن میں نے اس حربے کو بے کار ہوتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔''

"تم پش فائر کی بات کر رہے ہو۔"

"اوہ۔۔۔ آپ نام سے بھی واقف ہیں۔"

"کیوں۔۔۔ اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ میں اتنے دن جھک نہیں مارتا رہا۔"

"کیا آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ میں صرف جھک مارتا ہوں۔" حمید پھر جھنجلا گیا۔ وہ دراصل اس سے اعتراف کرانا چاہتا تھا کہ تھریسیا بمبل بی اسی کی اسسٹنٹ ہے۔

"مجھے علم ہے تم صرف جھک مارتے رہے ہو۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم شاید یہ بھی نہ بتا سکو کہ ڈاکٹر سلمان نے تنازیہ کی غداری سے واقف ہو جانے کے باوجود بھی اسے ختم کیوں نہیں کر دیا۔"

"مجھے یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ میں تو ملکہ کائنات کے چکر میں تھا اور اس فکر میں تھا کہ کسی طرح زمین دوز دنیا کا راستہ معلوم ہو جائے۔"

"لیکن ان دونوں میں سے ایک بھی نہ ہو سکا۔ ہاتھ آئی ڈاکٹر کی بہن اور تم اسے نائٹ کلبوں میں لئے پھرتے رہے۔"

"اوہ۔۔۔ وہ۔۔۔ کاش میں اس کے متعلق کچھ معلوم کر سکتا۔"

"کیوں۔۔۔؟"

حمید نے اسے ساحرہ کے متعلق بتایا۔ لیکن فریدی نے اس پر رائے زنی نہیں کی۔ اس کے تذکرے کے ختم ہوتے ہی وہ پھر تنازیہ اور ڈاکٹر سلمان کے تعلقات کے متعلق گفتگو کرنے لگا۔

"تنازیہ آج بھی کیوں محفوظ ہے بتا سکتے ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ سلمان کو اس پر ملکہ کائنات ہونے کا شبہ ہے۔" حمید نے جواب دیا۔

"لیکن اس۔۔۔؟" فریدی بولا۔ "پش فائر تنازیہ کے قبضے میں ہے۔ ڈاکٹر سلمان اسے حاصل کئے بغیر اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرے گا۔ لیکن تم نے اپنی حماقتوں کی بناء پر انہیں پھر یکجا کر دیا ہے۔ ڈاکٹر سلمان کو تم پر ذرہ برابر بھی اعتماد نہیں رہ گیا۔ اب اس سے دور ہی دور رہنا۔"

"دیکھا جائے گا۔۔۔ میں تو اب تھریسیا سے چلڈ میں ہوں۔"

"فضول۔۔۔ اس سے تمہیں کچھ بھی نہیں حاصل ہو سکے گا۔"

حمید چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "آپ کو اس کا بھی علم ہوگا کہ القانے نے کس طرح پش

بے کار کر دیا تھا۔"

"ہاں مجھے اس کا بھی علم ہے۔"

"اس پر اس حیرت انگیز حربے کا اثر کیوں نہیں ہوا تھا۔"

"یہ مجھے نہیں معلوم۔"

"بہر حال آپ اعتراف نہیں کریں گے۔"

"کس بات کا۔"

"یہی کہ القانے کا رول آپ ہی ادا کرتے رہے ہیں۔"

"ہم حقائق سے دوچار ہیں۔" فریدی مسکرایا۔ "کوئی جاسوسی ناول نہیں اسٹیج کر رہے ہیں۔ اب اٹھو۔۔۔ ہمیں ابھی بہت چلنا ہے۔"

فریدی نے چلم کی راکھ ایک طرف جھاڑ کر اسے جیب میں ڈال لیا۔

اور یہ سفر پھر جاری ہو گیا۔ شام ہوتے ہوتے وہ اسی جگہ پر پہنچ گئے جہاں ایک بار حمید کو ایک تجربے سے دوچار ہونا پڑا تھا اور جس کے نتیجے کے طور پر اسے زمین دوز دنیا کی سیر کرنی پڑی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ فریدی نے اس کا راستہ معلوم کر لیا ہے۔ لیکن فریدی کسی سوال کا جواب دینے پر تیار نہیں تھا۔ دوسری بار سفر شروع کرنے سے اب تک وہ خاموش رہا تھا یا قطعی غیر متعلق گفتگو کی تھی۔

سورج غروب ہو رہا تھا اور خنکی بھی بڑھ گئی تھی۔ فریدی نے بھیڑیں ایک غار میں ہانک دیں۔ حمید کو اس کی پتلی سی دراڑ کی طرف بڑھنے کا اشارہ کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

کچھ دیر بعد وہ اسی دراڑ میں داخل ہو رہے تھے جہاں کچھ دنوں پہلے ان دونوں نے الگ الگ راستوں پر زندگی کی بقاء کے لئے جدوجہد کی تھی۔ ایک بار پھر وہ اسی گہری تاریکی میں تھے جس نے انہیں دو مختلف جہانوں کی سیر کرائی تھی۔ فریدی تو حمید کے تجربات سے واقف تھا لیکن حمید اس کے تجربے سے لاعلم تھا۔

شکارگاہ

فریدی حمید کا ہاتھ پکڑے چلتا رہا۔ وزنی تھیلا اب بھی اس کی پشت پر موجود تھا۔ اس
ٹارچ روشن نہیں کی تھی۔ اپنے سابقہ تجربات اور یادداشت کی مدد سے وہ اندھیرے میں آگے بڑ
رہا۔

پھر وہ اس جگہ پہنچے جہاں سے اترائی شروع ہوئی تھی۔ یہاں فریدی نے اپنی ننھی سی ٹار
روشن کی۔ حمید نیچے اترنے لگا۔ مگر اب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔

''کیا آپ نے ان کے تہہ خانوں کے راستے کا پتہ لگالیا ہے۔'' اس نے سرگوشی کی۔

''بس چپ چاپ چلتے رہو۔ یہاں گفتگو کا موقع نہیں ہے۔'' فریدی نے جواب دیا۔

وہ چلتے رہے پھر حمید نے پانی بہنے کی آواز سنی۔

یہاں پھر فریدی نے ٹارچ روشن کی۔ پہاڑی نالا زور شور کے ساتھ بہہ رہا تھا۔ فریدی
درمیان میں ابھری ہوئی چٹان پر روشنی ڈالی اور آہستہ سے بولا۔ ''کیا تم اتنی لمبی چھلانگ لگا سکتے ہو۔''

''ہاں مگر ٹانگوں میں ہاف ڈنکی پاور کا انجن لینے کے بعد۔ اتنی تھکن کے بعد آپ مجھ سے ا
کی توقع رکھتے ہیں۔ دنیا کا ہر آدمی فریدی نہیں ہو سکتا۔ مگر نہیں ٹھہریئے میں کوشش کروں گا۔ کیونکہ
کھیل میری ہی ذات سے شروع ہوا تھا۔ نہ میں روحی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتا اور نہ
مصیبت نازل ہوتی۔''

''کھیل ہر حال میں شروع ہوتا حمید صاحب۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ سیاہ مجسمے والا واقعہ مجھے اپ
طرف متوجہ نہ کر لیتا۔ اصل واقعہ تو اسی مجسمے سے شروع ہوتا ہے۔ یہ بات اور ہے کہ تم بھی نادانستگی
میں انہیں لوگوں سے جا کر ٹکرائے ہو۔''

''کیا آپ نے محکمے کو ان واقعات سے آگاہ کر دیا ہے۔''

''ہرگز نہیں..... میں کھیل نہیں بگاڑنا چاہتا اور محکمے کو آگاہ کر دینے کی صورت میں کسی ایک
لغزش سارا کھیل بگاڑ سکتی ہے۔ پھر کیوں نہ میں ایسے آدمیوں سے کام لوں جن کے متعلق کوئی کچھ
نہیں جانتا۔''

''میں نہیں سمجھا..... آپ کن آدمیوں کا تذکرہ کر رہے ہیں۔''

''میری بلیک فورس کے آدمی۔''

''آپ ان سے کام لے رہے ہیں۔''

''قطعی۔ میں نے اسی تنظیم کے مقابلے پر ایک نئی تنظیم پیدا کی ہے۔''

''جس کی سربراہ تھریسیا بمبل بی ہے..... کیوں؟''

''تھریسیا بُری طرح تمہارے ذہن پر سوار ہے۔'' فریدی مسکرایا۔

''اور اس وقت تک سوار رہے گی جب تک آپ اس کی عمر کم از کم پینسٹھ سال نہ ثابت کر دیں۔''

''ختم کرو.....!'' فریدی بیزاری سے کہا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ''چلو لگاؤ چھلانگ تم اتنے کمزور بھی تو نہیں ہو۔''

حمید نے ایک بار پھر فاصلے کا اندازہ لگایا۔ اتنی لمبی چھلانگ تو وہ مرنے سے ایک گھنٹہ قبل بھی لگا سکتا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ اس چٹان پر تھا۔ لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ فریدی اس وزنی تھیلے سمیت چھلانگ لگا سکے گا۔ فریدی نے ایک بار پھر ٹارچ روشن کی۔ حمید نے اسے بجھتے دیکھا اور پھر اسے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ فریدی کب اس کے پاس پہنچ گیا۔

اب اس کی ٹارچ کی روشنی دوسرے کنارے پر پڑ رہی تھی۔

''چلو..... شاباش..... اب پھر چھلانگ لگاؤ۔ اس کے بعد پھر کوئی ایسی دشواری نہیں پیش آئے گی۔'' اس نے کہا۔

حمید نے ٹارچ کی روشنی میں پھر چھلانگ لگائی اور دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔ جب فریدی بھی دوسرے کنارے پر پہنچ گیا تو حمید ہانپتا ہوا بولا۔ ''اب ایک قدم بھی نہیں۔ کم از کم ایک گھنٹہ آرام کے بعد..... میں نے صبح معمولی سا ناشتہ کیا تھا اور اس کے بعد اب تک.....!''

''بس تھوڑی ہی دور۔'' فریدی اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ ''اس کے بعد ہم آرام بھی کریں گے اور شاید پھر پیدل بھی نہ چلنا پڑے گا۔''

حمید نے ایک طویل سانس لی اور پھر چل پڑا۔ اب اس میں بڑبڑانے کی بھی سکت نہیں رہ گئی تھی۔

کچھ دیر بعد چڑھائی شروع ہوگئی۔ حمید فریدی کی ہدایت پر اس کے کرتے کا پچھلا حصہ پکڑے آگے بڑھتا رہا۔ یہاں اس نے ایک بار بھی ٹارچ نہیں روشن کی تھی۔

آخر ایک جگہ فریدی رک گیا اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے حمید نے اپنے کپڑوں میں پھڑپھڑاہٹ محسوس کی وہ ایک بڑے سوراخ کے سامنے کھڑے تھے جس سے تاروں بھرا آسمان نظر آرہا تھا۔

"چلو.....!" فریدی نے اشارہ کیا اور وہ دونوں دوسرے ہی لمحے کھلے آسمان کے نیچے آگئے اور حمید کا جسم سردی کی شدت سے کانپنے لگا۔

اب پھر اترائی شروع ہوگئی تھی۔ حمید آخری نچلی چٹان پر بیٹھ کر ہانپنے لگا۔

"خیر.....!" فریدی بھی بیٹھتا ہوا بولا۔ "مگر یہاں .....نہ تم لباس تبدیل کر سکتے ہو اور نہ تمہارا پیٹ ہی بھر سکتا ہے۔"

"اور نہ ہی دفن ہو سکتا ہوں۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "کیونکہ زمین پتھریلی ہے۔"

فریدی ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔ "تم اس وقت ایک کلاسیکل قسم کی بیوی معلوم ہو رہے ہو جو اپنے شوہر کی لاپرواہیوں اور ناعاقبت اندیشیوں کا شکار ہوگئی ہو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ زیادہ بولنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے بولنے سے تھکن اور زیادہ بڑھ جائے گی۔

"چلو اٹھو.....!" فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔ "وہ سامنے جو چٹانیں نظر آرہی ہیں وہاں ہم کافی دیر تک آرام کریں گے۔ فاصلہ آدھے فرلانگ سے بھی کم ہے۔"

"چلئے.....!" حمید بے بسی سے بولا اور اٹھ کر لنگڑاتا ہوا چلنے لگا۔

"ویسے کیا تم بتا سکتے ہو کہ اس وقت کس سرزمین پر ہو۔"

"شامت آباد.....میں.....!" حمید کا مختصر سا جواب تھا۔

وہ کسی نہ کسی طرح فریدی کا ساتھ دیتا رہا۔ اگر اس کا معدہ بالکل ہی خالی نہ ہوتا تو شاید وہ اتنی ابتر حالت کو کبھی نہ پہنچتا۔

پھر وہ چٹانوں میں داخل ہوئے جن کی طرف فریدی نے بڑی ٹارچ روشن کی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے یہاں کسی خاص جگہ کی تلاش ہو۔ حمید خاموشی سے سب کچھ دیکھتا رہا۔ اچانک کہیں

قریب ہی سے کچھ اس قسم کی آواز آئی جیسے گھوڑے اکثر اپنی ناکھوں سے نکالتے ہیں۔ فریدی چونک کر اسی طرف مڑا۔ اس کے قدم تیزی سے اٹھ رہے تھے۔ حمید بھی ساتھ دیتا رہا۔ لیکن اب اس کی بے حسی کسی حد تک ختم ہوگئی تھی۔ کیونکہ اسے کسی نئے اور خوش گوار وقوعے کا خدشہ لاحق ہوگیا تھا۔

گھوڑے کی فرفراہٹ پھر سنائی دی اس بار آواز بہت قریب کی تھی اور سمت کا تعین بھی وثوق کے ساتھ کیا جا سکتا تھا۔ ٹارچ کی روشنی کا دائرہ ایک غار کے دہانے میں رینگ گیا اور پھر ان دونوں نے بھی اس کی تقلید کی۔

غار کافی کشادہ تھا۔ وہاں حمید کو گھوڑا نظر آیا جس پر زین موجود تھی۔ اس نے شبہ بھری نظروں سے چاروں طرف دیکھا۔ لیکن فریدی کو اطمینان سے تھیلا اتار کر ایک طرف ڈالتے دیکھ کر اسے حیرت ہوئی۔ گھوڑے کی گردن میں رسی نہیں تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی چند منٹ کے لئے اسے وہاں چھوڑ کر کہیں چلا گیا ہو اور اب اس کی واپسی یقینی ہو۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ اسے کہیں باندھ کر گیا ہوتا۔

"بیٹھ جاؤ.....!" فریدی آہستہ سے بولا۔ "فی الحال یہی ہماری منزل ہے۔"

"اور یہ گھوڑا۔"

"یہ گھوڑا ہمیں منزل مقصود تک لے جائے گا۔"

حمید ایک طویل سانس لے کر بیٹھ گیا۔ فریدی گھوڑے کے قریب جا کر اس کی پیٹھ تھپتھپانے لگا۔ گھوڑے نے زمین پر ٹاپیں ماریں۔ لیکن اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔

پھر فریدی حمید کے پاس آ بیٹھا۔ وہ اپنے تھیلے میں ہاتھ ڈال کر کچھ تلاش کر رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں اس نے وہاں دو موی شمعیں روشن کر دیں۔ پھر تھیلے سے کھانے کا سامان نکالا۔ تھیلے میں پانی کی بوتل اور کافی کا تھرماس بھی تھا۔

"میں اب آپ سے یہ بھی نہ پوچھوں گا کہ جہنم کا راستہ ہے یا جنت کا۔" حمید کھانے پر ٹوٹتا ہوا بولا۔

"ذرا سنبھل کر فرزند۔" فریدی مسکرایا۔ "ابھی ہمیں پھر سفر کرنا ہے۔"

"فکر نہ کیجئے۔" حمید منہ چلاتا ہوا بولا۔ "اب میں گھوڑے کی دم میں لٹک کر بھی سفر جاری رکھ سکتا ہوں۔"

فریدی نے صرف تین ٹھنڈی پائیاں کھائیں اور پانی کے دو گھونٹ لینے کے بعد تھرماس سے کافی انڈیلنے لگا۔

حمید دل نہیں بلکہ معدہ کھول کر کھاتا رہا۔

کچھ دیر بعد وہ کافی ختم کر کے پائپ سلگانے لگا۔ پھر دو تین ہی کش اسے عالم بالا میں لے گئے۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے تمباکو کے کش لینے کی بجائے چرس کے دم لگائے ہوں۔ اس کی پلکیں وزنی ہو کر نیچے جھکتی جا رہی تھیں اور سر ہوا میں اڑ رہا تھا۔ فریدی اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

''اگر تم خود کو سمجھنے کی کوشش کرو تب بھی کام کے آدمی ہو سکتے ہو۔'' اس نے کہا۔

''میں..... میں.....!'' حمید نے زبردستی آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔ ''خود کو اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔''

''جسمانی تھکن کی حالت میں اگر زیادہ ٹھہرو تو بس سو ہی جانے کو دل چاہتا ہے۔''

''ارے تو کیا سو جانا حرام کاری ہے۔'' حمید ہاتھ نچا کر بولا۔ ''نیند آئے گی تو سو ہی جاؤں گا۔''

''میں تم پر گھوڑا چڑھا دوں گا..... سمجھے۔''

''یہی مناسب بھی ہے۔ ورنہ میرے چڑھنے کے لئے دوسرا گھوڑا کہاں سے آئے گا۔''

''تم اس وقت وادی کراغال میں ہو فرزند.....!''

''میں اس وقت عدنان کی جنت میں بھی ہوں تو مجھے سونے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔''

''خیر.....!'' فریدی نے لاپرواہی سے کہا۔ ''تب تمہارا جسم گولیوں سے چھلنی ہو جائے تو آواز دینا۔ اگر میں زندہ ہوا تو دولاتیں میں بھی رسید کر دوں گا۔''

''کر دیجئے گا۔'' حمید نے پائپ کی راکھ ایک طرف جھاڑتے ہوئے کہا۔ پھر ایک چٹان سے ٹک کر آنکھیں بند کرتا ہوا بولا۔ ''شب بخیر۔''

''کیا تم نے نہیں سنا کہ ہم وادی کراغال میں ہیں۔'' فریدی نے اس کے بال پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

''کہاں.....!'' حمید یک بیک سیدھا ہو کر بیٹھتا ہوا بولا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے پہلے اس نے سنا

ہی نہیں۔

''وادی کراغال میں۔''

''ارے باپ رے۔'' حمید کی آنکھیں پھیل گئیں اور ان میں نیند کا سایہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

''ہاں..... یہاں تمہیں ہر ہر قدم پر محتاط رہنا پڑے گا۔''

''مگر آپ یہاں کیوں آئے ہیں۔''

''ایک لمبی داستان ہے۔''

''اور اب میں کسی داستان میں دلچسپی نہ لے سکوں گا۔''

''کیوں.....!''

''میں نے کراغال اور کراغالیوں کے متعلق بہت کچھ سن رکھا ہے۔''

''میرا پہلا سفر نہیں ہے حمید صاحب۔''

''یعنی آپ پہلے بھی یہاں آ چکے ہیں۔''

''نہ صرف یہاں آیا ہوں بلکہ یہاں کے حکمران کا مہمان بھی رہا تھا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ اس پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ کراغال کے متعلق عام طور پر مشہور تھا کہ وہاں کے باشندے اپنی زمین پر کسی غیر کا وجود نہیں برداشت کر سکتے۔

''تمہیں اس لئے حیرت ہے کہ وہ اجنبیوں کو کراغال میں داخل نہیں ہونے دیتے۔''

''ہاں..... میں نے یہی سنا ہے اور وہ سو فیصدی درندے ہیں۔''

''غلط سنا ہے تم نے..... وہ کافی مہذب ہیں۔ ویسے اتنے چالاک بھی نہیں ہیں کہ اپنی درندگیوں کو فلسفے یا سائنٹیفک نظریات کی چادر میں لپیٹ کر پیش کریں۔''

''تو کیا یہ غلط ہے کہ وہ اجنبیوں کو مار ڈالتے ہیں۔''

''قطعی درست ہے..... وہ یقیناً مار ڈالتے ہیں۔''

''اوہو..... تو پھر آپ کسی کراغالی کے بھیس میں رہے ہوں گے۔''

''ہرگز نہیں..... میں اپنی اصلی حیثیت میں ان لوگوں تک پہنچا تھا۔'' فریدی نے کہا اور پھر اپنے کراغال پہنچنے کا واقعہ دہرانے لگا۔ حمید کی آنکھیں بار بار حیرت سے پھیل جاتی تھیں۔ پھر فریدی موجودہ حالات کی طرف گریز کرتا ہوا بولا۔ ''آج ہی مجھے خانم نے ٹرانسمیٹر پر اطلاع دی ہے کہ وہ

بہت بڑے خطرے میں گھری ہوئی ہے اور نہیں کہہ سکتی کہ آنے والے لمحات اس کے لئے کیسے ہوں گے۔"

"بغاوت.....!" حمید بولا۔

"ہوسکتا ہے خان ضیغم جو خانم کے شوہر کا بھتیجا ہے خود حکومت کی باگ ڈور سنبھالنا چاہتا ہو۔ خان کا سیاہ مجسمہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں۔ خانم کا بیان ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور اس راز سے واقف نہیں۔ دوسری طرف یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خان مرحوم خان عیسیٰ خان کے خلاف کوئی کراغال میں سر بھی نہیں اٹھا سکتا۔ لہٰذا اب سر اٹھانے والا لازمی طور پر جانتا ہے کہ خان عیسیٰ اس سے باز پرسی کے لئے اس دنیا میں واپس نہیں آئے گا۔ اگر وہ یہ جانتا ہے تو پھر اس میں شبہ نہ کرنا چاہئے کہ وہ خان عیسیٰ کے قاتلوں سے ملا ہوا تھا اور خان عیسیٰ کے قاتل کون ہو سکتے ہیں یہ وہ سیاہ مجسمہ ہی بتا سکتا ہے۔ اس لئے یہ سو فیصدی فریدی کا کیس ہے حمید صاحب۔"

"ٹھیک ہے.....مگر صرف ہم دو آدمی کیا کر سکیں گے۔"

"یہ میں نے کبھی نہیں سوچا کہ میں تنہا کیا کر سکوں گا یا کیا نہ کر سکوں گا۔"

"کم از کم مجھے تو سوچنے دیا کیجئے۔"

"ہم دونوں وحدت بناتے ہیں۔ تم میرے ہی جسم کا ایک حصہ ہو۔ کیا سمجھے۔"

"آپ کے یہ مسائل تصوف مجھے کسی دن جہنم میں تو پہنچا ہی دیں گے۔"

"اور وہاں تمہیں دنیا کی حسین ترین عورتیں ملیں گی پھر کس بات کا غم ہے۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔ لیکن اب وہ زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس نے آج تک موت کے جبڑوں میں بھی فریدی کا ساتھ دیا تھا۔ ویسے نہ وہ اس کی طرح ذہین تھا اور نہ اس کی سی قوت رکھتا تھا۔ لیکن یہ بات ضرور تھی کہ فریدی کی موجودگی میں اس کی خود اعتمادی میں فرق نہیں آنے پاتا تھا۔ اس کے ساتھ اسے یہی محسوس ہوتا کہ وہ دونوں مل کر ایک بار موت کا منہ بھی پھیر دیں گے۔

حمید نے فریدی سے اس گھوڑے کے متعلق پوچھا۔

"یہ گھوڑا شاہی اصطبل کا ہے اور خانم نے اسے پوشیدہ طور پر میرے لئے بھجوایا ہے۔ مجھے چونکہ تنہا یہاں آنا تھا اس لئے ایک ہی گھوڑا آیا ہے۔ تم تو اتفاقاً مل گئے تھے۔ لیکن یہ نہ سمجھنا کہ میں

تمہاری طرف سے غافل تھا۔ آج بارہ بجے تک تمہیں کسی نہ کسی طرح اس کا علم ہو جاتا کہ اب تم کو ڈاکٹر سے ہوشیار رہنا چاہئے۔"

"کس طرح علم ہو جاتا۔"

"بس ہو جاتا.....کیا یہ سمجھتے ہو کہ رام گڈھ میں اس وقت بھی کام نہ ہو رہا ہوگا۔"

"کیا انور سے بھی کام لے رہے ہیں۔"

"ہاں.....اور رشیدہ بھی کام کر رہی ہے۔"

"رشیدہ.....!" حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔ "آہا.....تب تو۔"

"کیا.....؟"

"رشیدہ.....افوہ.....میں کتنا احمق ہوں۔ تھریسیا رشیدہ کے علاوہ اور کون ہو سکتی ہے۔"

"پھر تھریسیا۔"

"خیر.....چھوڑیئے.....ہاں تو....." حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "اب ہمیں کیا کرنا ہے۔"

"سب سے پہلے ہم حالت درست کریں گے۔" فریدی نے جواب دیا اور اپنی بے ڈھنگی سی ڈاڑھی کے بال چہرے سے الگ کرنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ دونوں اپنی اصلی حالت پر آ گئے لیکن فریدی شاید اصلی حیثیت میں یہ سفر نہیں جاری رکھنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس نے پھر میک اپ کا سامان نکال لیا تھا۔ اس نے تھیلے سے تین شمعیں نکالیں اور انہیں بھی روشن کر دیا۔ غار میں کافی روشنی پھیل گئی تھی۔ اسی روشنی میں آئینہ سامنے رکھ کر وہ پھر میک اپ کرنے لگا۔ حمید کے چہرے پر بھی اس نے خفیف سی تبدیلیاں کیں۔ بہرحال وہ دونوں خدوخال کے اعتبار سے کراغالی ہی معلوم ہو رہے تھے اور انکے جسموں پر پھٹے پرانے لباس کی بجائے انکے اپنے گرم سوٹ تھے۔

"کیا کراغالی سوٹ پہنتے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"اکثر لوگوں کو میں نے سوٹ میں بھی دیکھا ہے۔" فریدی نے جواب دیا۔ "معززین اور شاہی خاندان کے افراد عموماً سوٹ پہنتے ہیں اور غالباً یہ عیسیٰ خان کی جدت بھی تھی۔ تمہیں یہ سن کر اور زیادہ حیرت ہوگی کہ عیسیٰ خان نے انگلینڈ میں تعلیم حاصل کی تھی اور میرا کلاس فیلو تھا۔"

"اوہ.....تو کہئے اس لئے آپ شاہی مہمان تھے۔"

"نہیں اس وقت تک مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ عیسیٰ خان ہی کراغال کا خان تھا۔ انگلینڈ میں

بھی یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کراغالی ہے۔ یہ بات تو یہاں آ کر معلوم ہوئی تھی۔

کال کوٹھڑی

کچھ دیر بعد وہ دونوں اسی گھوڑے پر شاہی محل کی طرف روانہ ہو گئے۔ گھوڑا بڑا جاندار تھا دو آدمیوں کے بار کے باوجود بھی اس کی تیز رفتاری حیرت انگیز تھی۔ وہ گویا ہوا سے باتیں کر رہا تھا اور اس کے سموں پر اس قسم کے چرمی غلاف چڑھے ہوئے تھے کہ ٹاپوں کی آواز دور تک نہیں پھیل سکتی تھی۔

حمید کو یہ سفر پچھلے سفر سے بھی زیادہ طویل معلوم ہو رہا تھا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ وہ جلد از جلد اس رومینٹک اور پراسرار ماحول میں پہنچ جانا چاہتا تھا جس کا تذکرہ فریدی نے کیا تھا۔

"کچھ دیر بعد مطلع ابر آلود ہو گیا اور تاریکی بڑھ گئی۔ لیکن گھوڑے کی رفتار میں کوئی فرق نہ آیا۔

"کیا آپ کو زمین بھائی دے رہی ہے۔" حمید نے متحیرانہ انداز میں سوال کیا۔

"نہیں.....!" فریدی نے جواب دیا۔

"ارے باپ رے..... تب تو پھر اسے آہستہ چلایئے۔"

"میں نے لگام چھوڑ رکھی ہے..... میرے چلانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

حمید نے یہ سن کر بڑی مضبوطی سے فریدی کی کمر پکڑ لی۔

"تم ڈرو مت..... یہ گھوڑا صرف اسی راہ کے لئے مخصوص ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اگر تم اس وقت اس کی آنکھوں پر دھوپ کی عینک لگا دو تب بھی یہ اسی رفتار سے دوڑتا رہے گا۔"

"اگر اس نے صحیح سلامت پہنچا دیا تو میں اسے ایک درجن عینکیں خرید دوں گا۔" حمید دانت پر

جما کر بولا اور فریدی ہنسنے لگا۔

حمید تھوڑی دیر بعد پھر بولا۔ "کیا آپ کراغالی بول سکتے ہیں۔"

"ہاں اب تو میں خاصی روانی کے ساتھ بول سکتا ہوں۔" فریدی نے جواب دیا۔

"مگر تم اس کی فکر نہ کرو..... خانم انگریزی بھی بول اور سمجھ سکتی ہے۔"

"لیکن آپ نے کراغالی کب سیکھی۔"

"تھوڑی بہت پہلے سے جانتا تھا لیکن مشاقی اسی دوران بہم پہنچائی ہے۔ سردار شکوہ بہت اچھی کراغالی بول سکتا ہے۔"

"سردار شکوہ۔" حمید نے حیرت سے دہرایا۔ "میں نہیں سمجھا۔"

"میرا سب سے پہلا شکار۔" فریدی نے جواب دیا اور پھر اس نے واقعہ بتایا کہ کیسے اس نے سردار شکوہ کی مرمت کی تھی۔

"اس کے بعد سے سردار شکوہ نے اپنے ہونٹ مضبوطی سے بند کر لئے۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں کہ اگر وہ یہ بات تنظیم کے کسی رکن پر ظاہر کر دے کہ وہ فریدی کے ہاتھوں پٹا تھا تو اس کی زندگی محال ہو جائے گی۔ وہ لوگ کبھی اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"اوہ..... میں سمجھ گیا۔ مگر میں سردار شکوہ کو ایسا آدمی نہیں سمجھتا جس پر اعتماد کیا جا سکے۔"

"خیر..... ہمیں ضرورت ہی کیا ہے کہ اس پر اعتماد کریں۔ میرا مقصد تو یہ تھا کہ اس سے اس کی اصلیت معلوم کروں۔ وہ میں نے معلوم کر لی۔ تنظیم کے لئے روپیہ فراہم کرنا ہی اس کا کام ہے۔ روحی کو اس نے ادارہ روابط عامہ سے مدد حاصل کرنے کی ترغیب دی تھی اور خود ہی اس پر حملے کراتا رہا تھا۔"

"پہلے میرا بھی یہی خیال تھا۔" حمید نے کہا۔ "جب میں ادارہ کی اصلیت سے واقف بھی نہیں تھا۔"

"بہر حال سردار شکوہ میرے لئے اسی حد تک کارآمد ثابت ہوا ہے۔ اس سے نہ یہ معلوم ہو سکا کہ ملکہ کائنات کون ہے اور نہ یہی پتہ چل سکا کہ تنظیم کا مرکز کہاں ہے۔ ویسے اتنا مجھے معلوم ہے کہ رام گڈھ والوں کو ملکہ کائنات کے پیغامات ڈاکٹر سلمان کے توسط سے ملتے ہیں۔"

"اور ڈاکٹر سلمان ایک ماہر ہپناٹسٹ بھی ہے۔"

''ہوسکتا ہے۔'' فریدی نے کہا اور پھر وہ خاموش ہوگئے۔ گھوڑا اب بھی اسی رفتار سے دوڑ رہا تھا۔ کبھی بادلوں سے ستاروں کی مدھم سی روشنی چھنتی اور کبھی پھر پہلے ہی کی سی گہری تاریکی چھا جاتی۔ ٹھنڈی ہوا کے تھپیڑے حمید کو بدحال کئے دے رہے تھے اور اب پھر اسے بولتے ہوئے کاہلی محسوس ہو رہی تھی۔

یہ سفر کافی دیر تک جاری رہا۔ پھر گھوڑے کی رفتار سست ہونے لگی۔

''شاید اب ہم منزل مقصود پر پہنچ رہے ہیں۔'' فریدی بڑبڑایا۔ وہ اندھیرے میں چاروں طرف آنکھیں پھاڑ رہا تھا۔

''بڑا عجیب گھوڑا ہے۔'' حمید نے کہا۔

''یقیناً گھوڑوں کو اس طرح سدھانا بڑا مشکل کام ہے۔''

گھوڑا اب دوڑ نہیں رہا تھا۔ آخر کار ایک چڑھائی پر وہ رک گیا۔ فریدی اترتا ہوا بولا۔ ''بس آ گئے۔''

وہ بہت آہستہ سے بولا تھا۔ حمید بھی آہستگی سے نیچے اتر گیا۔ فریدی نے گھوڑے کی زین اتاری اور پھر زمین پر بیٹھ کر اس کے سموں پر چڑھے ہوئے غلاف اتارنے لگا۔ حمید نے ایک بار پھر خود کو اونچی نیچی چٹانوں کے درمیان پایا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اندھیرے میں گھور رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اس نے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنی اور چونک کر اس کی طرف مڑا۔ گھوڑا آہستہ آہستہ نیچے اترتا چلا جا رہا تھا۔

فریدی نے حمید سے زین سمیٹنے کو کہا۔ وہ خود اپنا تھیلا سنبھالے ہوئے تھا۔

کچھ دور چلنے کے بعد وہ پھر رکے۔ فریدی نے تھیلا اتار کر نیچے رکھ دیا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔ پھر اس نے اسے اپنی ننھی سی ٹارچ روشن کرتے دیکھا۔ وہ زمین پر جھکا ہوا شاید کچھ تلاش کر رہا تھا۔ لیکن جو کچھ بھی تلاش کر رہا تھا وہ اسے دس منٹ گزر جانے کے بعد بھی نہیں ملا تھا۔ آخر حمید بھی اکتا کر اس کے پاس پہنچ گیا۔

''کیا بات ہے۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔

''کچھ نہیں..... ٹھہرو..... وہیں ٹھہرو..... ورنہ اس چٹان سے ٹکرا کر چپٹے ہو جاؤ گے۔ کیونکہ یہ اپنی جگہ سے کھسکنے والی ہے۔''

حمید بوکھلا کر پیچھے ہٹا ہی تھا کہ چٹان سچ مچ اپنی جگہ سے کھسک گئی۔ بہت ہی ہلکی سی آواز کے ساتھ۔ حمید سوچ رہا تھا کہ فریدی نے اسے الو بنایا ہے۔ خواہ مخواہ اس نے ایک خواب کی سی داستان دہرائی تھی۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اسے تنظیم کی زمین دوز دنیا کا راستہ معلوم ہوگیا ہے اور وہ اس کے اندر جانے کا ارادہ کر رہا ہے۔ مگر پھر اسے وہ گھوڑا یاد آ گیا۔ وہ گھوڑا پھر کہاں سے آیا تھا۔ لیکن وہ اس سے زیادہ نہیں سوچ سکا کیونکہ فریدی اسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ مگر پھر شاید کسی دوسرے خیال کے تحت وہ خود ہی اس کے قریب چلا آیا۔

''زین اٹھاؤ.....!'' فریدی اپنا تھیلا اٹھاتا ہوا بولا۔

حمید نے زین اٹھائی۔ فریدی کی ٹارچ کی روشنی ایک چوکور سی قدآور خلاء میں پڑ رہی تھی۔

''چلو..... اندر چلو.....!'' فریدی بولا۔

حمید کچھ کہے بغیر خلاء میں داخل ہوگیا۔ اس کے بعد فریدی اندر پہنچا۔ حمید نے پھر چٹان کھسکنے کی آواز سنی لیکن مڑ کر نہیں دیکھا۔ اسے فریدی پر غصہ آ رہا تھا۔ کیونکہ اس کی دانست میں اس نے ابھی تک اسے الف لیلیٰ کی ایک داستان میں الجھائے رکھا تھا اس کے خیال کے مطابق یہی درست تھا کہ وہ اس وقت زمین دوز دنیا میں داخل ہو رہا ہے جس کا تجربہ اسے ایک بار پہلے بھی ہو چکا تھا۔ وہ خاموشی سے چلتا رہا۔ اب فریدی اس کے آگے تھا۔

کچھ دور چل کر وہ پھر رکا اور حمید نے محسوس کیا کہ اس نے تھیلا بھی زمین پر رکھ دیا۔ یہاں گہری تاریکی تھی۔ فریدی نے ٹارچ نہیں روشن کی تھی اور حمید کے دونوں ہاتھ گھوڑے کی زین میں پھنسے ہوئے تھے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ زین اپنے سر پر رکھ کر اور رکابوں میں پیر ڈال کر گھوڑے کی طرح ہنہناتا ہوا جدھر سینگ سمائے بھاگتا چلا جائے۔

دفعتاً اسے اندھیرے میں روشنی کی ایک پتلی سی لکیر نظر آئی۔ یہ فریدی کی چھوٹی ٹارچ کی روشنی تھی جو غالباً کسی دروازے کے قفل پر جم گئی تھی۔ پھر روشنی کی لکیر غائب ہوگئی اور ایک ہلکا سا کھٹکا سنائی دیا۔ کچھ دیر بعد روشنی کی لکیر حمید کی طرف رینگ آئی۔ فریدی اسے آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

حمید آگے بڑھا اور پھر وہ ایک کمرے میں داخل ہوئے۔ فریدی نے دروازہ بند کر کے بڑی ٹارچ روشن کر لی تھی اور اس کا دائرہ چاروں طرف رینگتا پھر رہا تھا۔ حمید نے دیواروں پر بے شمار رائفلیں لٹکی ہوئی دیکھیں۔ یہ یقیناً کوئی اسلحہ خانہ تھا۔ بارود کے ڈرم اور تھیلے ایک طرف چنے ہوئے

تھے۔ کمروں میں دو چار کرسیاں بھی تھیں اور ایک بڑی میز جس کے سرے پر بڑا سا آئینہ نصب تھا اس پر حمید کو میک اپ کرنے کا سامان بھی نظر آیا۔

''اب پھر یہاں کچھ دیر ستا لو۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔ ''لیکن یہاں تم تمباکو نہیں پی سکو گے۔ کیونکہ ان تھیلوں اور ڈرموں میں بارود ہے اب اس کے بعد سے ہمارے قدم خطرات کی طرف اٹھیں گے۔ ہمیں خانم تک پہنچنا ہے پھر ہم دیکھیں گے کہ اس کے لئے کیا کر سکتے ہیں۔ ابھی مجھے پورے حالات کا بھی علم نہیں ہے ورنہ اس سے ملے بغیر بھی کام شروع کیا جا سکتا تھا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ لیکن ابھی اس کا شبہ رفع نہیں ہوا تھا۔ وہ کرسی پر بیٹھ کر اونگھنے لگا۔ فریدی بھی بیٹھ گیا تھا۔ تقریباً بیس منٹ تک کمرے کی فضا ساکت رہی۔ ساکت یوں رہی کہ حمید سو گیا تھا۔ پہلے فریدی نے اسے آوازیں دیں لیکن وہ اتنا ہی تھک گیا تھا کہ یہ آوازیں اس کی نیند میں خلل انداز نہ ہو سکیں۔

آخر فریدی نے اسے جھنجھوڑ کر اٹھایا۔

''اُف..... ابھی تک میں بہت اچھا تھا۔'' حمید بڑبڑایا۔ ''وہ لڑکی ساحرہ میرے لئے بُری طرح رو رہی ہوگی۔''

''اٹھو.....!'' فریدی نے اسے کالر سے پکڑ کر کھڑا کر دیا۔

''اٹھوں گا نہیں تو جاؤں گا کہاں۔'' حمید نے بے بسی سے کہا۔

''ریوالور ہے تمہارے پاس.....!''

''نہیں.....!''

''یہ رکھو..... اور کچھ زائد راؤنڈز.....!''

''لائیے.....!'' حمید کی آواز میں زندگی نہیں تھی۔ یہ حقیقت تھی کہ تھکن نے اسے نڈھال کر رکھا تھا۔ ورنہ وہ تو بزدل تھا اور نہ کام چور۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ فریدی کے سامنے وہ بچہ ہی بن جاتا رہا ہو۔

اپنا سامان انہوں نے اس کمرے ہی میں چھوڑ دیا اور پھر اسی طویل سرنگ میں پہنچ گئے جس سے کمرے میں داخل ہوئے تھے۔

فریدی نے ٹارچ روشن کر لی اور وہ دونوں چلتے رہے۔ حمید کو یقین ہوتا جا رہا تھا کہ وہ ایک بار

زمین دوز دنیا کی سیر کرنے جا رہا ہے لیکن اس بار حالات پہلے سے مختلف ہوں گے۔

تقریباً بیس منٹ تک چلتے رہے۔ پھر یک بیک حمید کو سرنگ کا اختتام نظر آیا۔ آگے راہ نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سرنگ یہیں ختم ہو گئی ہو۔

''اب سے پہلے میں تمہیں وہ خوفناک جیل دکھاؤں گا جہاں مجھے خانم کے حکم سے ڈال دیا گیا تھا۔'' فریدی نے کہا۔

''اچھا تو کیا ابھی ہم کسی خوشگوار عشرت کدے میں ہیں۔'' حمید نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

فریدی ایک طرف کی دیوار ٹٹول رہا تھا۔ دفعتاً حمید نے ویسی ہی آواز سنی جیسی بیرونی چٹان کے وقت سنی تھی۔ اب سامنے پھر خلاء نظر آنے لگی۔ لیکن فریدی نے ٹارچ بجھا دی تھی۔ وہ اندھیرے میں آگے بڑھے۔ حمید فریدی کے قدموں کی آواز پر چل رہا تھا۔ یک بیک فریدی رک گیا اندھیرے میں ٹٹولتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ آخر اس کے ہاتھ فریدی سے ٹکرائے اور فریدی نے حمید کے کان کے قریب منہ لا کر آہستہ سے بولا۔ ''بس یہیں رکے رہو..... میری چھٹی حس کہہ رہی ہے ہمارے علاوہ بھی یہاں کوئی ہے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ ویسے جیب میں پڑے ہوئے ریوالور پر اس کی گرفت مضبوط ہو گئی تھی اور وہ یہ بھی نہیں سوچ رہا تھا کہ اسے کہاں جانا ہے۔

وہ کچھ دیر تک اسی طرح خاموش کھڑے رہے۔ پھر حمید نے فریدی کو کچھ بڑبڑاتے سنا۔ لیکن سمجھ سکا کہ وہ کس زبان میں بڑبڑایا تھا۔ اس کے بعد پھر وہی سناٹا۔

''کچھ نہیں۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔ ''وہم بھی ہو سکتا ہے۔''

اس نے ٹارچ روشن کی اور روشنی کا دائرہ ایک سلاخوں دار دروازے پر پڑا۔

''کوٹھری ہے..... اوہ دیکھو..... یہ کتنا بھیانک ہے۔ یہاں کے قیدی کو کبھی آسمان دیکھنا نصیب نہیں ہوتا۔''

فریدی ٹارچ روشن کئے ہوئے آگے بڑھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں حمید نے تحیر آمیز آواز سنی۔ سلاخوں سے لٹکا ہوا کھڑا اس کال کوٹھری میں روشنی ڈال رہا تھا۔ حمید بھی تیزی سے آگے بڑھا اور اس کی آنکھیں بھی حیرت سے بھر گئیں۔ اندر فرش پر ایک عورت چت پڑی تھی۔ اس کے

جسم پر سیاہ لبادہ تھا۔ بال کھلے ہوئے تھے اور اس کا چہرہ..... ایسے چہرے حمید نے عموماً قدیم فن مصوری کے نوادرات میں دیکھے تھے۔ حمید نے محسوس کیا جیسے وہ سچ مچ خواب دیکھ رہا ہو۔ یا گزر یونان کے کسی ہزاروں سال پرانے مقبرے میں ہوا ہو۔ سانسوں کے ساتھ اسکے سینے کا ہی اسکی زندگی کا ثبوت تھا۔ ورنہ پہلی نظر میں تو وہ اسے مردہ ہی سمجھا تھا۔

''خانم.....!'' فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ ''شاید وہ لوگ کامیاب ہو گئے۔''

''خانم..... کیا مطلب.....!''

''کراغال کی خانم.....!'' فریدی نے مضمحل آواز میں کہا۔ ''اگر باغیوں کو کامیابی نہ ہوتی تو وہ یہاں کیوں نظر آتی۔ شکر ہے کہ انہوں نے اسے مار نہیں ڈالا۔''

فریدی نے جھک کر دروازے کے قفل پر روشنی ڈالی اور جیب سے ایک باریک اوزار نکال اس کے سوراخ میں ڈال دیا۔ قفل کھلنے میں آدھ منٹ سے زیادہ وقت نہیں صرف ہوا۔ فریدی ٹارچ حمید کو دے دی اور خود دروازے کو دھکیل کر کھولنے لگا۔ دروازہ ایک زوردار آواز کے ساتھ اور خانم بے ساختہ اچھل پڑی۔ وہ بہت زیادہ خوفزدہ نظر آ رہی تھی۔ اس کی بڑی بڑی دہشت آنکھیں حمید کو ہزاروں سال پرانی کہانیاں سنا رہی تھیں۔

''ڈریئے نہیں۔'' فریدی نے انگریزی میں کہا۔ ''ہارڈ اسٹون.....!''

''اوہ..... تم.....!'' وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ پھر اس طرح فریدی پر آ رہی جیسے کسی نے دھکیل دیا ہو۔

فریدی اگر اسے بازوؤں میں نہ سنبھال لیتا تو وہ یقینی طور پر گر جاتی۔

''انہوں نے کراغال پر قبضہ کر لیا۔ بُرے آدمیوں نے..... یہاں اس پاک سرزمین پر شرا ن سینکڑوں بوتلیں آئی ہیں۔ کرنل کراغال کو بچاؤ..... خدا کے لئے۔''

''آپ فکر نہ کیجئے..... چلئے نکلئے یہاں سے۔''

''نہیں جب تک کہ کراغال ان ناپاکیوں میں مبتلا رہے گا میں یہاں سے نہیں جا سکتی۔ یہیں مر جاؤں گی۔''

''نہیں یہ وقت جذبات کی رو میں بہنے کا نہیں۔ چلئے ہم وہاں اسلحہ خانے میں بیٹھ کر مشو کریں گے۔''

تمہارے ساتھ دوسرا کون ہے۔''

میرا وہی ساتھی ہے جس کے لئے میں پریشان تھا۔ بس اب چلئے یہاں سے۔''

م چند لمحے سوچتی رہی پھر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کوٹھڑی سے باہر نکل آئی۔

یدی نے دروازے کو کھینچ کر بند کرتے ہوئے پھر قفل چڑھا دیا۔

چھ دیر بعد وہ اسلحہ خانے میں بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔ فریدی نے وہاں دو موی شمعیں روشن ں جو پہلے ہی سے وہاں موجود تھیں۔

انم کہہ رہی تھی۔ ''یہ سب کچھ ایک آدمی کی وجہ سے ہوا۔ میں نہیں جانتی کہ وہ کہاں سے آیا غالی اسے باکمال بزرگ سمجھ کر اس کی پرستش کر رہے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ شراب کی بوتلیں بھی آئی ہیں۔ حالانکہ شراب یہاں ہمیشہ ممنوع رہی ہے۔''

''یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ بوتلیں اسی کے ساتھ آئی ہیں۔'' فریدی بولا۔

''میں یہی محسوس کر رہی ہوں۔ وہ مجھے کوئی مکار معلوم ہوتا ہے۔ کراغالی باہر کی چیزوں کے گئے ہیں۔ خان ان کے لئے دوسرے ممالک سے آسائش کا سامان مہیا کرتے رہتے تھے۔ کچھ دنوں سے ان چیزوں کی قلت ہو گئی تھی اور ضیغم عام آدمیوں کے کان بھر رہا تھا۔ اس یقین دلایا کہ خان عیسیٰ اس دنیا میں نہیں ہیں۔ بس انہوں نے بغاوت کر دی..... پھر..... فقیر بھی آ گیا۔ وہ بھی ضیغم ہی کا حامی بن بیٹھا۔ پھر ضیغم کو نہ جانے کہاں سے باہر کی چیزیں ہو گئیں اور اس نے انہیں کراغال میں مفت تقسیم کر دیا۔

''کیسی چیزیں.....!''

''مشینوں سے بُنے ہوئے کمبل، چھریاں، تمباکو اور کپڑے وغیرہ۔ آخر اسے یہ سارا سامان سے ملا ہے۔ میں نے یہی سب تیاریاں دیکھ کر تمہیں اس سے مطلع کیا تھا اور صبح کو شکارگاہ کا ڑا بھی کھلوا دیا تھا..... خدا کا شکر ہے کہ تم آ گئے۔''

''لیکن آپ کو یہاں اس کال کوٹھری میں دیکھ کر مجھے بہت حیرت ہوئی ہے۔ آپ نے تو کہا کہ اس سے میرے اور خان کے علاوہ کوئی تیسرا واقف نہیں۔''

''یہاں تم کچھ بھول رہے ہو۔ تمہیں اس تہہ خانے میں کس نے پہنچایا تھا۔''

''تو کیا خان یوسف نے غداری کی۔'' فریدی خانم کو گھورتا ہوا بولا۔

''نہیں..... وہ غریب تو کام آ گیا۔ ضیغم نے اس پر تشدد کی حد کر دی۔ اس سے تہہ خا
راستہ معلوم کیا اور پھر اسے گولی مار دی۔''

''تو پھر مجھے یہی سمجھنا چاہئے کہ یہ کمرہ بھی محفوظ نہیں ہے۔''

''نہیں..... انہیں اس سرنگ کا علم نہیں ہو سکا اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں تمہیں یہاں
تمہاری زندگی خطرے میں نہ ڈالتی۔ مجھے یقین ہے کہ خان یوسف نے انہیں اس کے متعلق
ہوگا..... ورنہ اب تک یہ اسلحہ خانہ بالکل صاف ہو گیا ہوتا۔''

''کیا فقیر کسی آزاد ہی علاقے سے تعلق رکھتا ہے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''نہیں مجھے تو نہیں معلوم ہوتا۔'' خانم بولی۔

''کیوں..... یہ آپ کس بناء پر کہہ رہی ہیں۔''

''میں انگریزی زبان میں گفتگو کر رہی ہوں لیکن کیا میرا لہجہ بھی انگریزی کا سا ہے۔ اسی طر
وہ مقلاقی زبان میں گفتگو کرتا ہے جو کراغالی سے بہت کچھ مشابہت رکھتی ہے لیکن اس کا لہجہ مقلاقیو
کا سا نہیں ہے۔ اگر تم کراغالی میں گفتگو کرو.....؟''

''ہاں..... میں کراغالی ہی میں گفتگو کروں گا۔'' فریدی مسکرایا۔ ''لیکن آپ میرے لہجے
ٹوک نہیں سکیں گی۔''

''یہ ناممکن ہے۔'' خانم بھی مسکرائی۔ ''تم ہماری طرح کراغالی نہیں بول سکتے۔''

فریدی نے کراغالی میں اس سے پوچھا۔ ''کیا آپ کو یقین ہے کہ خان یوسف کو قتل کر دیا گیا۔''

''مجھے یقین ہے۔ کیونکہ میں نے اسے یہیں تہہ خانے کے سامنے تڑپتے دیکھا ہے وہ یہاں
انہیں راستہ دکھانے آیا تھا لیکن مجھے بند کرنے کے بعد انہوں نے اس کو گولی مار دی۔ کیا تم نے فرش
پر خون نہیں دیکھا تھا۔''

''نہیں..... میری نظر نہیں پڑی۔''

''میرا دعویٰ ہے کہ کوئی کراغالی تمہیں غیر کراغالی نہیں سمجھ سکتا۔ تمہارے لہجے میں ابھی تک کوئی
خامی نہیں پا سکی۔''

''آپ کو یقین ہے کہ میرے لہجے میں کوئی خامی نہیں ہے۔''

''ہاں میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتی ہوں۔''

''تب تو پھر میری کامیابی یقینی ہے..... آپ قطعی پریشان نہ ہوں۔''

حمید کے چہرے پر اکتاہٹ کے آثار دیکھ کر فریدی نے پھر انگریزی میں گفتگو شروع کر دی۔

''پھر تم کیا کرو گے۔'' خانم نے کہا۔

''جو کچھ بھی کرنا ہے..... کافی سمجھ کر ورنہ ہماری معمولی سی غلطی بھی سارا کھیل بگاڑ دے گی۔
ب سے پہلے اس فقیر کی زیارت کرنا چاہوں گا جس کا تذکرہ آپ نے کیا ہے۔''

''میں نہیں کہہ سکتی کہ وہ اب بھی قلعے میں موجود ہے یا نہیں۔''

''دوسری بات یہ ہے کہ..... کیا ضیغم حقیقتاً کراغالیوں میں اتنا ہی مقبول ہے کہ آپ کی
حکومت کا تختہ الٹ سکے۔''

''نہیں اسے کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ لیکن اپنا آرام سب کو عزیز ہے۔ کراغالی سوچتے ہیں کہ
اگر خان سچ مچ اس دنیا میں موجود نہیں ہیں تو پھر کل ان کی آسائش کی چیزیں کون مہیا کرے گا۔
ویسے میرا دل گواہی دیتا ہے کہ اس سازش میں پراسرار فقیر ایک اہم رول ادا کر رہا ہے۔''

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''اب آپ کیا کہتی ہیں۔ یہ قضیہ ایک رات میں تو
طے ہونے سے رہا۔ ہمیں فی الحال یہاں سے کہیں اور چلنا چاہئے۔''

''میں بھی یہی مناسب سمجھتی ہوں۔ پتہ نہیں کب ان کا رخ ادھر بھی ہو جائے۔ ضیغم خان
سارے راز معلوم کر لینے کی فکر میں ہے۔''

''کیا آپ مجھے رازوں سے آگاہ کرنا مناسب سمجھیں گی۔''

''جتنے رازوں سے واقف ہوں تمہیں آگاہ کر چکی ہوں۔ یہاں سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر
خان کی ایک پناہ گاہ ہے جس کا علم میرے اور خان کے علاوہ اور کسی کو نہیں تھا۔ اگر تم وہاں چلو تو بہتر
ہے۔ یوں تو کئی پناہ گاہیں اور بھی ہیں۔ لیکن یہ سب سے نزدیک ہے۔''

کچھ دیر بعد وہ تینوں سرنگ سے نکل کر چٹانوں کے درمیان پہنچ گئے۔ فریدی نے اپنا اوور
کوٹ خانم پر ڈال دیا تھا۔

ان کی رفتار سست تھی۔ کیونکہ خانم زیادہ تیزی سے نہیں چل سکتی تھی اور وہی ان کی رہنمائی
کر رہی تھی۔

حمید دل ہی دل میں اپنے مقدر کو گالیاں دیتا ہوا سوچ رہا تھا کہ دیکھئے کب اس سفر سے نجات

ملتی ہے۔ ویسے وہ خانم سے بہت زیادہ متاثر ہوا تھا۔ یہ خیال بھی اس کے ذہن میں بُری طرح کچوکے لگا رہا تھا کہ فریدی سے ہمیشہ اونچی ہی قسم کی عورتیں ٹکراتی ہیں۔

ڈیڑھ میل کی مسافت طے کرنے کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ یہ پناہ گاہ دراصل ایک غار تھا۔ جس کے چھوٹے سے دہانے کو کانٹے دار جھاڑیاں گھیرے ہوئے تھیں۔

غار اندر سے کافی کشادہ تھا اور وہاں پتھر کی کئی بڑی بڑی سلیں پڑی ہوئی تھیں جن پر پیال کے ڈھیر تھے اور یہ غالباً سونے کے لئے استعمال کی جاتی رہی ہوں گی۔

خانم نے ایک سل پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''یہاں سب کچھ موجود ہے۔'' پھر ایک طرف اشارہ کر کے بولی۔ ''اس پتھر کے پیچھے کمبل ہوں گے۔''

حمید نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ کمبل کے نام ہی سے اسے نیند کے جھونکے آنے لگے۔ وہ اسی طرف لپکا جدھر خانم نے اشارہ کیا تھا۔ پتھر کے پیچھے سات آٹھ کمبل تہہ کئے ہوئے پڑے تھے۔ حمید نے وہ کھینچ لئے۔ ایک سل پر پڑا ہوا پیال برابر کر کے اس پر کمبل بچھا دیا اور دوسرا کمبل اپنے اوپر تانتا ہوا جوتوں سمیت دراز ہو گیا۔ فریدی موی شمعیں روشن کر کے اسے رکھنے کے لئے مناسب جگہ تلاش کر رہا تھا۔ حمید کی بوکھلاہٹ پر وہ ہنستا ہوا بولا۔

''او ڈفر یہ کیا ہو رہا ہے۔''

''بالکل مناسب ہو رہا ہے۔ فکر نہ کیجئے..... انشاء اللہ صبح ملاقات پھر ہو گی۔''

حالانکہ خانم اردو نہیں سمجھ سکتی تھی لیکن پھر بھی وہ اس کے بولنے کے انداز پر ہنس پڑی۔

حمید نے کمبل سے سر نکال کر انگریزی میں کہا۔ ''میں سونے کا سپیشلسٹ ہوں، اس لئے شب بخیر۔''

پھر اس نے دوسری کروٹ لے کر آنکھیں بند کر لیں۔

واپسی

دوسری صبح وہ فریدی کے جھنجھوڑنے ہی پر بیدار ہوا۔ خانم بھی بیدار ہو چکی تھی اور اس وقت وہ رات سے زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ حمید اٹھتے ہی گنگنانے لگا۔

شب وصال کے بعد آئینہ تو دیکھ اے دوست
تیرے جمال کی دوشیزگی نکھر آئی

فریدی اس پر چراغ پا ہو گیا۔ لیکن حمید بدستور گنگناتا رہا۔ پھر بولا۔ ''آپ خفا کیوں ہوتے ہیں۔ جن صاحب کا یہ شعر ہے اب وہ بھی عورتوں سے عشق کرنے لگے ہیں۔ خدا آپ کو بھی توفیق عطا فرمائے۔''

''بکواس مت کرو۔''

''بہتر ہے میرا کیا بگڑتا ہے۔ لیکن مجھے یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی۔ میں ٹھہرا لنڈورا..... اس لئے شعر سنانے کے علاوہ آپ کی اور کیا خدمت کر سکوں گا۔ ویسے خدا کا شکر ہے یہ عورت بہت مناسب ہے جی ہاں۔''

''تمہاری کھال ادھیڑ دوں گا۔''

''اور میں اس کھال کے جوتے بنوا کر محترمہ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔''

دفعتاً خانم بولی۔ ''ساری گفتگو اس زبان میں ہونی چاہئے جسے میں بھی سمجھ سکوں۔''

حمید نے انگریزی میں کہا۔ ''میں کرنل صاحب سے کہہ رہا تھا کہ ہم ناشتے میں بھنے ہوئے پنچھی چبائیں گے۔''

''یہ مسئلہ واقعی غور طلب ہے۔'' خانم تشویش کن لہجے میں بولی۔

''ہے نا.....!'' حمید نے کہا اور کمبل سے باہر نکل آیا۔

دن بھر وہ اسی غار میں رہے۔ خانم مختلف قسم کے تجاویز پیش کرتی۔ لیکن فریدی انہیں رد کر دیتا۔ وہ ایک ایسا طریق کار اختیار کرنا چاہتا تھا جس سے حالات حیرت انگیز طور پر بدل جائیں ورنہ تنہا پورے کراغال کو چیلنج کرنا حماقت ہی ہوتی۔

بہر حال شام تک کوئی خاص فیصلہ نہ ہو سکا۔ آج کا دن انہوں نے خشک پھلوں پر گزارا تھا اور پھل فریدی کے تھیلے سے برآمد ہوئے تھے۔ تھیلے میں گوشت اور مچھلیوں کے ڈبے بھی تھے لیکن خانم نے انہیں کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ حمید نے بھی یہ سوچ کر پتہ نہیں کب تک اسی حال میں رہنا پڑے انہیں ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

رات ہوتے ہی فریدی تنہا باہر جانے کے لئے تیار ہو گیا۔

"میں بھی چلوں گی۔" خانم نے کہا۔

"نہیں ..... آپ یہیں ٹھہریں گی۔ آج میں محل میں گھسنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ تاکہ حالات کا جائزہ لے سکوں پھر میں دیکھوں گا کہ کیا کر سکتا ہوں۔"

"کیا مجھے بھی یہیں رہنا ہوگا۔" حمید نے پوچھا۔

"ہاں.....!" فریدی نے اردو میں جواب دیا۔ "لیکن اس بات کا لحاظ رکھنا کہ یہ ایک ملک کی حکمران ہے۔"

"اور کرنل ہارڈ اسٹون کو لپ آف ویکس بنانے والی۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" فریدی نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا۔

خانم کے روکنے کے باوجود بھی فریدی تنہا ہی چلا گیا اور خانم نے حمید سے کہا۔

"ایسا ضدی آدمی میں نے آج تک نہیں دیکھا۔"

"میں آدمی ہی نہیں سمجھتا۔" حمید نے لاپرواہی کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنبش دی۔

"تمہارا ان سے کیا رشتہ ہے۔" خانم نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں..... بس اس خیال سے ساتھ رہتا ہوں کہ کہیں اسے کوئی مار نہ ڈالے۔"

"تمہارا کیا نام ہے۔"

"حمید یوو ف..... نسلاً روسی ہوں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا اور شاید خانم کو یقین بھی آ گیا۔ کیونکہ اس کے بعد وہ کچھ بھی نہیں بولی۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"مجھے کرنل کے متعلق کچھ بتاؤ۔"

"کیا بتاؤں۔" حمید غم ناک انداز میں ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

خانم جواب کا انتظار کرتی رہی۔ لیکن حمید نے اپنے ہونٹ مضبوطی سے بند کر لئے۔

"تم خاموش ہو گئے..... کیوں؟"

"آپ کرنل کے بارے میں کیا معلوم کرنا چاہتی ہیں۔"

"وہ کس قسم کے آدمی ہیں۔"

"ہر قسم کا سمجھئے..... میں خود بھی آج تک نہیں سمجھ پایا کہ وہ کس قسم کے آدمی ہیں۔"

"یہ فرصت کے اوقات میں کیا کیا کرتے ہیں۔"

"میں آج تک اس کا اندازہ ہی نہیں کر سکا کہ فرصت کے اوقات کب شروع ہوئے اور کب ختم ہو گئے۔ میں نے انہیں کبھی بے کار بیٹھے نہیں دیکھا۔"

"میں ہر آدمی کو اس کی آنکھوں میں پڑھ سکتی ہوں لیکن کرنل کو سمجھنا واقعی بہت دشوار ہے۔"

"میرے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔"

"تمہارے متعلق.....!" خانم ہنس پڑی۔ اس نے پتھر پر سے موی قندیل اٹھائی اور حمید کے چہرے پر روشنی ڈالتی ہوئی بڑبڑائی۔ "تم اگر میں نہیں غلطی کر رہی ہوں۔ ایک کھلنڈرے آدمی ہو..... اپنا داہنا ہاتھ ادھر لاؤ..... میں تمہیں تمہارے متعلق سب کچھ بتا دوں گی۔"

حمید نے ہاتھ بڑھا دیا۔ لیکن جیسے ہی خانم نے اسے اپنے ہاتھ میں لے لیا حمید کو ایسا معلوم ہوا جیسے وہ موم کے کسی بڑے ڈھیر کی طرح پگھلتا چلا جا رہا ہو۔

خانم نے اس کی ہتھیلی پر نظر جمائے ہوئے کہا۔ "تم ..... لاابالی طبیعت رکھتے ہو۔ تلون طبعی کافی ہے تم میں..... عورتوں کی صحبت کے شائق لیکن جلد اکتا جانے والے..... ایماندار بھی ہو۔ دوستوں کے لئے جان بھی دے سکتے ہو..... انتقامی جذبہ ابھر آئے تو جان پر کھیل جاؤ گے۔ کرنل کی طرح ضدی اور اٹل نہیں ہو..... اور کیا بتاؤں۔"

"بس اتنا ہی کافی ہے۔" حمید نے آہستہ سے اپنا ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کرنل فریدی سے بھی زیادہ عجیب ہیں۔"

"کیوں تم نے مجھ میں کون سی عجیب بات دیکھی ہے۔"

"کل تک آپ ایک قوم پر حکومت کرتی تھیں..... آج ایک غار میں فردکش ہیں..... کل معلوم نہیں کیا ہو۔ لیکن آپ کو اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں معلوم ہوتی۔"

خانم ہنس پڑی پھر بولی۔ "کیا تم نے مجھے تہہ خانے میں دیکھا تھا۔"

"دیکھا تھا.....!"

"کیا میں خوفزدہ نہیں تھی۔ کسی ننھی سی بچی کی طرح۔"

"میں نے غور نہیں کیا تھا۔"

"میں خوفزدہ تھی لیکن یہ آدمی..... ہارڈ اسٹون..... میں اکثر سوچتی ہوں کہ یہ اس دنیا کا آدمی نہیں ہے۔ اس کی موجودگی میں مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میری پشت پر ایک بہت بڑی فوج

موجود ہو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اس کے ذہن میں ایک نیا شبہہ سر ابھار رہا تھا۔ کہیں یہی عورت تو "ملکہ کائنات" نہیں ہے۔ حمید نے ایک بار پھر اسے غور سے دیکھا۔ شمع کی سرخ روشنی میں اس کا چہرہ انگارے کی طرح دہکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ یک بیک اس نے اپنی گھنیری پلکیں اوپر اٹھائیں اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ قدیم مصر کے کسی معبد کی کنواری پجارن سے گفتگو کر رہا ہو۔

"تم خاموش کیوں ہو گئے۔" اس نے کہا۔

"کچھ نہیں..... کوئی خاص بات نہیں۔" حمید مسکرایا۔

"میں کرنل کے لئے فکر مند ہوں۔ کراغالی غیر کی بو سونگھ کر فائر کر دیتے ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

"تم کیا دیکھ رہے ہو۔"

"میں کیا بتاؤں کہ کیا دیکھ رہا ہوں۔ آپ کے چہرے پر تھکن کے آثار ہیں جنہیں دور کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ لیکن اس کا واحد علاج یہی ہے کہ آپ سو جائیے۔"

"کیا تم بھی چلے جانا چاہتے ہو۔" خانم مسکرائی۔

"نہیں..... میں کرنل کے حکم کے بغیر ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔"

خانم پیال کے بستر پر بیٹھی ہوئی بولی۔ "محل کرنل کا دیکھا ہوا ہے۔ وہ کہیں پہنچنے میں غلطی نہیں کر سکتے۔ کاش وہ تنہا جانے سے باز رہتے۔" پھر کچھ دیر خاموش رہ کر لیٹتے ہوئے کہا۔ "میں سچ مچ بڑی تھکن محسوس کر رہی ہوں۔ آج مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ آدمی سچ مچ بے بس ہے کل تک میں ہزاروں پر حکمران تھی لیکن آج وہ میرے خون کے پیاسے ہیں..... خیر.....!"

اس نے کمبل کھینچ کر خود کو گردن تک ڈھانپ لیا اور حمید کی طرف کروٹ لیتی ہوئی بولی۔

"معمولی آدمی ہونا کتنا اچھا ہے۔"

"میں نے کبھی موت کے منہ میں بھی یہ نہیں سوچا کہ معمولی آدمی ہونا کتنا اچھا ہے۔"

"تم ہارڈ اسٹون کے ساتھی ہو نا۔ وہ جو صرف تین فائر کرتا ہے اور سینکڑوں کی جمعیت خوفزدہ ہو کر بھاگ جاتی ہے۔"

"اچھا..... وہ بارود کے تھیلوں والا قصہ۔"

"ہاں..... وہی قصہ..... میرے خدا..... وہ کتنے پھرتیلے ہیں۔ جتنی تیزی سے ہاتھ چلتے ہیں اتنی ہی تیزی سے ان کا ذہن سوچ بھی سکتا ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ اس سے زیادہ گفتگو کرنا نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ نہ جانے کیوں اس عورت کے سامنے وہ اپنی شخصیت میں ہلکا پن محسوس کرنے لگتا تھا۔ کچھ دیر تک خاموشی رہی۔ حمید بھی نہایت اطمینان سے کمبل اوڑھ کر پیال کے بستر پر دراز ہو گیا تھا۔

"کیا سو گئے۔" خانم نے اسے مخاطب کیا۔

"میں سو کیسے سکتا ہوں..... جب کہ آپ جاگ رہی ہوں۔ ہاں..... کیا کراغال میں اب ایک آدمی بھی ایسا نہیں ہے جو آپ کی حمایت کر سکے۔"

"قانون..... قانون ہے۔" خانم نے کہا۔ "کراغالیوں کو یقین دلایا گیا ہے کہ خان کا انتقال ہو گیا ہے۔ لہٰذا ہمارے قانون کے مطابق کوئی عورت حکومت نہیں کر سکتی۔"

"لیکن آپ اس قانون کے حق میں نہیں ہیں۔"

"میں سو فیصدی اس کے حق میں ہوں لیکن کراغال پر میں کسی بُرے آدمی کی حکومت نہیں برداشت کر سکتی۔ ضیغم لاپرواہ اور عیش پسند ہے۔ وہ قوم کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ شاہی خاندان میں اس سے بہتر افراد موجود ہیں۔"

"خان سے اس کے تعلقات کیسے تھے۔"

"بہت اچھے تھے..... ان کی موجودگی میں اس نے کبھی سر اٹھانے کی جرأت نہیں کی۔"

"آپ کو اس سیاہ مجسمے کو دفن کرا دینا چاہئے۔"

"اس سے کیا ہوتا..... میرا خیال ہے کہ ضیغم نے انہیں لوگوں سے ساز باز کی ہے جنہوں نے خان کو.....!"

خانم کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ کیونکہ حمید بیک بیک اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس نے غار کے باہر کی جھاڑیوں میں سرسراہٹ سنی تھی۔ اس نے بڑی پھرتی سے موی قندیل بجھا دی اور ریوالور کے دستے کو مضبوطی سے گرفت میں لئے ہوئے غار کے دہانے سے آ لگا۔

پانچ منٹ تک یہی کیفیت رہی پھر اس نے اپنی گردن پر گرم گرم سانسیں محسوس کیں اور خانم کی سرگوشی سنی۔ "کیا بات ہے۔"

''مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی ادھر آیا ہے۔ آپ لیٹئے جاکر..... مجھے اتنے اطمینان سے نہ لیٹنا چاہئے ورنہ ہوسکتا ہے نیند ہی آجائے۔''

اس نے خانم کے جانے کی آواز سنی اور پھر اسی پتھر سے ٹیک لگائے کھڑا رہا۔ اس کے ذہن میں بے شمار سوالات تھے۔ بار بار اس کے کانوں میں سیٹیاں سی بجتیں اور انہیں کے درمیان کوئی کہتا۔

''یہی ہے..... تنظیم کی سربراہ..... موجودہ طاقت اور ملکہ کائنات یہی عورت ہے..... فریب دے رہی ہے..... اپنا اطمینان کرنا چاہتی ہے کہ دشمنوں میں رہ کر بھی وہ محفوظ رہ سکتی ہے۔ اس عورت کا اس سے بڑا کمال اور کیا ہوسکتا ہے کہ اس نے تم کو دوسرے معاملات میں الجھالیا ہے۔ اس وقت جو کچھ بھی ہورہا ہے ایک شاندار ڈرامہ ہے۔ اس کا حقیقت سے ذرہ برابر بھی لگاؤ نہیں ہے۔''

حمید سوچتا رہا اور اونگھتا رہا اور شاید اس پتھر سے ٹکا ہوا سو بھی گیا۔ کیونکہ دوسری بار ہوش میں آنے کے بعد اسے چند لمحوں تک یہی نہیں معلوم ہوسکا کہ سو رہا ہے یا جاگ رہا ہے..... ویسے کسی نے اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔

''میں آہٹیں سن رہی ہوں۔'' یہ خانم کی سرگوشی تھی۔

''فکر نہ کیجئے۔'' حمید نے کچھ سوچے بغیر کہا اور ریوالور کے دستے پر پھر اس کی گرفت مضبوط ہوگئی۔ اب وہ بھی آہٹیں سن سکتا تھا اور یہ ایک سے زیادہ قدموں کی آہٹیں تھیں۔ اس نے ریوالور نکال کر اس کا رخ غار کے دہانے کی طرف کردیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس نے فریدی کے کھانسنے کا انداز پہچان لیا۔ ہوسکتا ہے اس نے بھی سوچا ہوگا کہ کہیں حمید اندر سے فائر ہی نہ کر بیٹھے۔ پھر بھی جیسے ہی اس نے اندر قدم رکھا حمید نے اسکے سینے پر ریوالور کی نال رکھ دی۔

''ہٹ جاؤ.....!'' فریدی آہستہ سے بولا اور ساتھ ہی اس نے ٹارچ روشن کرلی۔ خانم بھی حمید کے پیچھے ہی تھی۔ فریدی نے بھرائی ہوئی آواز میں کراغالی میں اس سے کچھ کہا۔ اور وہ وہاں سے ہٹ گئی۔ پھر حمید نے اسے موی شمعیں روشن کرتے دیکھا۔

غار میں روشنی ہوگئی۔ فریدی کا چہرہ اوور کوٹ کے کالر میں چھپا ہوا تھا۔ اس کے پیچھے دو آدمی ایک بھاری وزن اٹھائے کھڑے تھے۔ فریدی نے مڑ کر انہیں اسے زمین پر ڈال دینے کا اشارہ کیا۔ اسکے بعد وہ دونوں خانم کے سامنے خفیف سا جھکے پھر سیدھے کھڑے ہوگئے۔ خانم نے کچھ کہا جس کے جواب میں حمید نے ان دونوں کی ہکلاہٹ محسوس کرلی۔ فریدی نے اوور کوٹ کے کالر گرادیئے

خانم کے حلق سے ایک ہلکی سی چیخ نکلی۔ اگر فریدی نے آگے بڑھ کر اسے سنبھال نہ لیا ہوتا تو گر ہی پڑتی۔ پھر وہ دونوں تھوڑی دیر تک کراغالی میں گفتگو کرتے رہے۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے خانم کسی بات سے انکار کررہی ہو۔ ذرا سی ہی دیر میں حمید الجھن محسوس کرنے لگا کیونکہ وہ ان کی گفتگو نہیں سمجھ سکتا تھا۔ مگر خاموش ہی رہا۔ کیونکہ وہ دونوں اجنبی اسے گھور گھور کر دیکھ رہے تھے۔ دفعتاً خانم نے ان کی طرف مڑ کر کچھ کہا تھا اور پھر وہ چاروں بھی غوغائی پرندوں کی طرح ''ٹائیں ٹائیں'' کرنے لگے۔ حمید کی نظروں میں وہ محض ''ٹائیں ٹائیں'' ہی تھی کیونکہ وہ اس کا مفہوم نہیں سمجھ سکتا تھا۔ مگر حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ جب اس نے خانم کو اوور کوٹ پہن کر ان دونوں کے ساتھ باہر جاتے دیکھا۔ فریدی وہیں کھڑا رہا۔ وہ اس میک اپ میں نہیں تھا جس سے پہلی بار اس سے رخصت ہوا تھا۔ خانم کے جانے کے بعد وہ ایک پتھر پر بیٹھ کر سگار سلگانے لگا۔

''یہ کیا ہوا۔'' حمید نے کہا۔

''فکر مت کرو۔ ذرا اس گٹھڑی کو کھولو۔'' اس نے گٹھڑی کی طرف اشارہ کیا جو دونوں آدمی اٹھا کر لائے تھے۔ لیکن اس کے چہرے سے کپڑا ہٹتے ہی حمید کے حلق سے ایک تحیر زدہ سی چیخ نکلی اور وہ اچھل کر پیچھے ہٹ آیا۔ بے ہوش آدمی گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

جنگ

فریدی حمید کو ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے پوچھا۔ ''کیا بات ہے۔''

''آپ جانتے ہیں یہ کون ہے۔''

''ہاں..... وہی فقیر جس کا تذکرہ خانم نے کیا تھا۔ میں اسے اسکی خواب گاہ سے اٹھالایا ہوں۔''

''اس کے علاوہ آپ اور کیا جانتے ہیں..... اس کے بارے میں۔''

''تم جو کچھ جانتے ہو بتاؤ۔'' فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

"یہ بارن ہے۔"

"میں نہیں جانتا یہ بارن کیا بلا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"وہ آدمی جس کی حکومت طاقت کی زمین دوز دنیا پر ہے۔ جس کے متعلق وہاں کہا جاتا تھا کہ باہر نکلنے کے راستوں سے صرف وہی واقف ہے۔"

"تمہاری نظر دھوکہ تو نہیں کھا رہی ہے۔"

"ہرگز نہیں....." حمید نے جواب دیا۔ "میں اسے لاکھوں ڈاڑھی والوں میں پہچان سکتا ہوں۔"

"ہوں.....!" فریدی کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "تو میری محنت برباد نہیں ہوئی۔ حالانکہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنا اہم آدمی ہے۔"

"مگر شائد آپ اس سے راستہ نہ معلوم کر سکیں..... یہ کم بخت کہیں گھر جانے پر خودکشی کر لیتے ہیں۔ لیکن اپنا کوئی راز ہرگز نہیں بتاتے۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔"

"مگر خانم کہاں گئی۔"

یہ بھی ایک طویل قصہ ہے۔ میں کم سے کم الفاظ میں اسے دہرانے کی کوشش کروں گا۔ کراغالی محض اس بناء پر باغی ہو گئے تھے کہ انہیں خان کی موت کا علم ہو گیا تھا۔ مرحوم خان عیسیٰ سے وہ اب بھی کانپتے ہیں۔ میں اس وقت دراصل خان عیسیٰ کے میک اپ میں ہوں۔ تمہیں وہ سرنگ والا کمرہ یاد ہو گا جہاں سے ہم اسلحہ لائے تھے۔ وہاں میک اپ کا سامان بھی رہتا ہے۔ غالباً میں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ آکسفورڈ میں ہم دونوں ساتھ رہے تھے اور میک اپ کرنا ہم نے ایک ہی آدمی سے سیکھا تھا۔ خان عیسیٰ نے بھی اس فن میں خاصی مہارت بہم پہنچائی تھی۔ بہرحال میں اسی کا میک اپ کر کے شاہی محل میں داخل ہوا..... تم نے اسے اندر سے نہیں دیکھا۔ اسے محل نہیں بلکہ قلعہ کہنا چاہئے۔ بہرحال وہاں اندر فوج بھی رہتی ہے۔ یہ دو آدمی جو ابھی میرے ساتھ آئے تھے کراغالی فوج کے دو اعلیٰ آفیسر تھے۔ میں جانتا تھا کہ خان عیسیٰ کی موت کی خبر ہی نے ضیغم کو ابھرنے کا موقع دیا ہے۔ ورنہ کراغالی اسے پسند نہیں کرتے کیونکہ وہ ظالم اور عیاش طبع آدمی ہے۔ بہرحال میں چھاؤنی کی طرف یہی سوچ کر گیا تھا کہ ایسے حالات میں یقینی طور پر وہاں خان عیسیٰ کے بہتیرے حامی پیدا ہو جائیں گے۔ میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ بہتیرے آفیسروں نے اس وقت میرے سامنے قسمیں کھائی

ہیں کہ وہ خان ضیغم کی حکومت کا تختہ الٹ دیں گے۔ میں نے ان سے یہ بھی کہہ دیا کہ میں فی الحال منظر عام پر نہیں آ سکتا۔ اس پر انہوں نے مجھے یقین دلایا کہ وہ خانم کو میرا قائم مقام سمجھتے رہیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ خان عیسیٰ کے قائم مقام کی حیثیت سے کراغال پر حکومت کرے گی۔"

"اسے آپ یہاں کیسے اٹھا لائے۔" حمید نے بے ہوش آدمی کی طرف اشارہ کیا۔ "کیا آپ پہلے سے اس کے متعلق جانتے ہیں۔"

"ہرگز نہیں..... لیکن اس کا علم مجھے ان دونوں آفیسروں سے ہوا کہ یہ فقیر اکثر خان عیسیٰ کو شکارگاہ میں ملا کرتا تھا۔ انہوں نے مجھ سے بڑی حیرت کے ساتھ کہا تھا کہ آپ کے دوست نے اس انقلاب میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ میں نے سوچا ممکن ہے یہ دوست طاقت کی تنظیم ہی سے تعلق رکھتا ہو۔ اب تم یہ اطلاع دیتے ہو کہ یہ بہت ہی اہم آدمی ہے۔"

"کیا یہ کراغال کی خانم..... ملکہ کائنات نہیں ہو سکتی۔"

"ہوگی۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "کیا تم یہ سمجھتے ہو۔ کیا اب یہاں میری شکست ہو سکتی ہے۔"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں..... اگر خانم ہی ملکہ کائنات ہے تو ہم ہر وقت اس کی مٹھی میں ہیں۔"

"اول تو وہ ہے نہیں۔ اگر ہے بھی تو میں اس سے ٹکرانے کی قوت رکھتا ہوں۔ تم کیا سمجھتے ہو۔ یہاں سے ایک فرلانگ کے اندر ہی اندر میرے آدمی موجود ہیں۔"

"فریدی کے اس دعویٰ پر حمید کو بڑی حیرت ہوئی۔ لیکن وہ کچھ نہ بولا۔ شاید فریدی بھی اس دعویٰ کے ثبوت میں کچھ پیش کرنا چاہتا تھا۔ اس نے تھیلے سے ایک چھوٹا سا کیمرہ نکالا۔ حمید پہلی نظر میں اسے کیمرہ ہی سمجھا تھا۔ لیکن وہ حقیقتاً ٹرانسمیٹر تھا۔ چھوٹے براؤنی کیمرے سے کچھ بڑا..... فریدی نے اس کے میکنزم میں کچھ تبدیلی کی اور اسے منہ کے قریب لے جا کر بولا۔ "ہیلو..... کرنل اسپیکنگ..... تم لوگ نشان سے کتنی دور ہو..... اوور.....!"

"ایک فرلانگ کے فاصلے پر..... اوور.....!" مدھم سی آواز آئی اور حمید کھوپڑی سہلانے لگا۔

"فی الحال وہیں ٹھہرو..... اوور اینڈ آل۔" فریدی نے کہا۔

اس نے ٹرانسمیٹر پھر تھیلے میں ڈال دیا۔

"تھریسیا کے آدمی ہیں یا سرکاری۔" حمید نے پوچھا۔ لیکن فریدی کوئی جواب دینے کی بجائے

بے ہوش آدمی کی طرف متوجہ ہوگیا۔ جس نے کراہ کر کروٹ لی تھی۔ فریدی نے اپنے کوٹ کے کالر پھر کھڑے کر لئے اور حمید غار کے دہانے پر جم گیا۔ اس نے ریوالور بھی نکال لیا تھا۔

دفعتاً بے ہوش آدمی اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ پہلے اس نے فریدی کی طرف دیکھا اور پھر حمید کی طرف جو اپنی اصلی شکل و شباہت میں نہیں تھا۔

''بارن.....!'' فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

''تم کون ہو۔'' بارن نے انگریزی میں پوچھا۔ پھر اس نے کراغالی زبان میں بھی دہرایا۔

دفعتاً فریدی نے اپنے اوورکوٹ کے کالر گرا دیئے اور فلٹ ہیٹ کا گوشہ اوپر اٹھا دیا۔

دوسرے ہی لمحے میں بارن اپنی جگہ سے اچھل کر ایک پتھر سے جا ٹکا۔ اس کی آنکھیں پھیل گئیں تھیں اور وہ پلکیں جھپکائے بغیر فریدی کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

''اب کیا خیال ہے۔'' فریدی نے بھرائی ہوئی آواز میں انگریزی میں کہا۔

بارن کے ہونٹ ہلے اور وہ پاگلوں کی طرح بڑبڑانے لگا۔ ''میں یقین نہیں کر سکتا۔''

''ابھی میں تمہیں ننھے سے پرندے کی طرح ذبح کر دوں گا۔'' فریدی مسکرایا۔

''تم خان عیسیٰ نہیں ہو..... ہرگز نہیں ہو۔''

''اگر نہیں ہوں.....تب بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ یعنی تمہاری تقدیر نہیں بدل سکتی۔''

''تم کون ہو.....!'' بارن نے پھر دہرایا۔

''اگر تمہیں یقین آ جائے تو میں یہ بھی بتا دوں گا۔ مگر اسے سننے کے لئے تم اپنا دل مضبوط کر لو۔ ورنہ ہوسکتا ہے کہ پھر میرے کسی سوال کا جواب دینے کے قابل ہی نہ رہ جاؤ۔''

بارن کچھ نہ بولا۔ صرف اس کی پلکیں جھپکتی رہیں۔

''کیوں! تم کیا سوچ رہے ہو۔''

''کچھ نہیں.....!'' بارن نے اپنے لہجے میں لاپرواہی ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ ''تم کوئی بھی ہو مجھے تمہاری موت پر افسوس نہیں ہوگا۔''

''تم شاید اب بھی خواب دیکھ رہے ہو۔ تم اپنی اسی سیٹی کے متعلق سوچ رہے ہوگے جس کی آواز میلوں تک پھیلتی ہے۔ مگر نہیں تم اس کے متعلق نہیں سوچ سکتے۔ کیونکہ وہ نہ صرف سیٹی بلکہ ایک قسم کا ٹائم بم بھی ہے۔ جو سیٹی کی حیثیت سے پھونکے جانے کے کچھ دیر بعد پھٹ جاتا ہے۔ تم چونکہ

ہیں ایک مخصوص اہمیت رکھتے ہو اس لئے تمہارا جسم چیتھڑے اڑنے کے لئے نہیں ہے۔''

''تم کون ہو.....!''

''وہی جسے تم ہر بار بڑی آسانی سے مار ڈالتے ہو۔''

''میں نہیں سمجھا صاف صاف کہو.....ہوسکتا ہے کہ تم نے مجھے اس طرح پکڑ کر غلطی کی ہو۔''

''میں ڈاکٹر سلمان ہوں اور میرا دماغ خراب ہوگیا ہے۔''

''میں کسی ڈاکٹر سلمان کو نہیں جانتا۔ مجھے جانے دو۔'' وہ غار کے دہانے کی طرف مڑا۔ حمید پتھر کے بت کی طرح ساکت و سامت کھڑا تھا اب اس کے ہاتھ میں ریوالور بھی نہیں تھا۔ اس کا گھونسہ بارن کے جبڑے پر پڑا اور بارن لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ فریدی آگے بڑھ کر سنبھال نہ لیتا تو اس کی کھوپڑی پتھریلی زمین کے رومان سے ضرور واقف ہو جاتی۔

''وہ آدمی گونگا اور بہرہ ہے۔'' فریدی نے بارن کا جبڑا سہلاتے ہوئے کہا۔ تم کچھ خیال مت کرو۔ ویسے یہ بھی تمہاری ہی ایک حماقت کا نتیجہ ہے۔ تم نے اسے کسی مشینی تجربے کا شکار بنا کر اپنے لئے ایک فرینکسٹین تیار کر لیا ہے اور وہ اب تمہاری قبروں تک تمہارا تعاقب کرے گا۔''

''تم لوگ سچ مچ پاگل ہو۔'' بارن غرایا۔

''میں نہیں.....!'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''صرف وہ..... جسے کیپٹن حمید کہتے ہیں۔'' بارن بے ساختہ اچھل پڑا اور پھر ہکلایا۔ ''یعنی.....تم.....تم.....!''

''مجھے لازمی طور پر کرنل فریدی کہتے ہوں گے۔'' فریدی نے اسی انداز میں مسکرا کر کہا۔

بارن ایک بے جان بت کی طرح کھڑا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس میں ہلنے جلنے کی طاقت ہی نہ رہ گئی ہو۔

دفعتاً فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔ ''میں تمہاری پوچا نہیں کروں گا۔ بارن تم جانتے ہی ہوگے کہ اب کیا ہوگا۔ لیکن جو کچھ بھی ہوگا اس کی تمام تر ذمہ داری صرف تم پر ہوگی، لہٰذا اگر تم چاہو تو اپنی جان بھی بچا سکتے ہو۔''

''پتہ نہیں تم کیا کہہ رہے ہو۔'' بارن بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اگر تم نے تنظیم کا راستہ نہ بتایا تو تمہیں زندہ درگور ہو جانا پڑے گا۔ اس پر جب میرا ہاتھ اٹھ جاتا ہے تو پھر بڑی مشکل سے رکتا ہے۔''

اچانک بارن کا چہرہ غصہ سے سرخ ہوگیا اور اس نے گرج کر کہا۔ ''یہ کراغال ہے..... یہاں تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔''

''یقیناً.....!'' فریدی مسکرایا۔ ''یہاں کا قانون میری نہیں سنے گا۔ لیکن میرے ہاتھ ایسے مقامات پر جیسے قوانین چاہتے ہیں بہ آسانی وضع کر لیتے ہیں اس لئے اس کی پرواہ قطعی نہ کرو۔''

''بھول ہے تمہاری۔'' بارن زہر خند کے ساتھ بولا۔ ''تم دونوں مل کر بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔''

''میں تم جیسے دو ٹکے کے آدمیوں پر ہاتھ اٹھانا بھی پسند نہ کروں گا۔ لیکن کیپٹن حمید بھی اپنی مرضی کا مختار ہے۔''

حمید سمجھ گیا کہ وہ بارن کو اس کے ہاتھوں سے پٹوانا چاہتا ہے۔ وہ آگے بڑھا۔ لیکن اس سے پہلے ہی بارن نے اس پر حملہ کر دیا۔ حمید بہت اچھے موڈ میں تھا اور پھر فریدی کی موجودگی، اس نے بارن کو گھونسوں پر رکھ لیا۔ لیکن خود بھی دو چار بہت ہی گہرے قسم کے ہاتھ کھائے جو اسے اور زیادہ مشتعل کر دینے کے لئے کافی تھے۔ بارن کو شاید اس بات کا خطرہ بھی لاحق تھا کہ کہیں فریدی اسے دھوکے میں رکھ کر کوئی اس سے بھی زیادہ سخت اقدام نہ کر بیٹھے۔ اس لئے وہ اکثر اس کی طرف بھی متوجہ ہو جاتا تھا۔ ایسے ہی ایک موقع پر حمید کا گھونسہ اس کی ناک پر پڑا اور وہ کراہ کر ڈھیر ہوگیا۔ پھر پتھریلی زمین نے کھوپڑی کی بھی خاصی آؤ بھگت کی اور وہ ایک بار پھر بے ہوش ہوگیا۔

''تم بالکل گدھے ہو۔'' فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''اب وہ اس قابل بھی نہیں رہ گیا کہ میرے سوالات کا جواب دے سکے۔ میں نے کب یہ کہا تھا کہ اتنا مارو۔''

''میرا دعویٰ ہے کہ وہ ایک لفظ بھی نہیں بتائے گا۔ یہ کم بخت مر جاتے ہیں لیکن تنظیم سے غداری نہیں کرتے۔''

''فضول قسم کا خیال ہے۔ سردار شکوہ بھی اسی تنظیم سے تعلق رکھتا ہے لیکن کیا میں نے اس سے بہت کچھ معلوم نہیں کر لیا تھا۔''

''لیکن وہ کسی اونچے مقام پر نہیں تھا۔ ہوسکتا ہے اسے تنظیم کے متعلق اتنی معلومات بھی نہ ہوں جتنی مجھ کو ہیں۔ نہیں آپ اس آدمی کا مقابلہ سردار شکوہ سے نہیں کر سکتے۔ دونوں کی حیثیتوں میں بڑا فرق ہے۔''

''خیر دیکھا جائے گا.....'' فریدی نے کہا اور ایک بار پھر ٹرانسمیٹر نکال کر پیغامات نشر کئے۔

حمید کافی تھک گیا تھا اور نیند کا خمار الگ جان پر آیا ہوا تھا۔ وہ پیال کے بستر پر نیم دراز ہو کر اونگھنے لگا۔ پھر دوسری صبح ہی کو اس کی آنکھ کھلی۔ فریدی بھی غار ہی میں موجود تھا۔ لیکن بارن کہیں نہ دکھائی دیا۔ پھر اس کے استفسار پر فریدی نے بتایا کہ وہ اسکے آدمیوں کی نگرانی میں ہے۔

اسی دن ٹھیک دس بجے انہیں ایک غیر متوقع حادثے سے دوچار ہونا پڑا۔ وہ دونوں غار کے دہانے کے قریب ہی بیٹھے آئندہ کے پروگرام پر غور کر رہے تھے کہ انہیں بے شمار گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سنائی دیں۔ آوازیں دور کی تھیں۔ فریدی بڑی تیزی سے اٹھا اور تھیلے سے دوربین نکال کر حمید کو وہیں رکنے کا اشارہ کرتا ہوا باہر نکل گیا لیکن واپسی میں دو منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔

''چلو..... جلدی کرو..... میرا خیال ہے کہ راز فاش ہوگیا ہے۔ یہ خان ضیغم کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں..... اس کی موت ہی انہیں ادھر لا رہی ہے۔''

''کتنی تعداد میں ہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے ڈیڑھ سو سے زیادہ نہیں ہیں۔'' فریدی کے لہجے میں لاپرواہی تھی۔ حمید جھلا گیا۔

''اور ہم دو ہزار ہیں۔'' وہ دانت پیس کر بولا اور فریدی بے تحاشہ ہنسنے لگا۔ اس نے اپنی رائفل اٹھائی اور حمید کی رائفل اسے دی اور اپنا وزنی تھیلا اٹھا کر باہر نکل گیا۔

''جھکے ہوئے چلے آؤ۔'' اس نے پلٹ کر کہا۔ ''انہیں اوپر آنے میں پندرہ منٹ صرف ہوں گے ویسے وہ ابھی کافی دور ہیں۔''

حمید کو نہیں معلوم کہ اس نے کس طرح اس دوڑ میں فریدی کا ساتھ دیا۔ آخر فریدی ایک جگہ رک گیا۔ نیچے ایک تنگ سا میدان تھا اور اس کے چاروں طرف اونچی اونچی مگر قابل عبور چٹانیں تھیں اور اس میدان کی دوسری سمت بے شمار سوار دکھائی دے رہے تھے۔

''ہم تک پہنچنے کے لئے انہیں لازمی طور پر اس میدان سے گزرنا پڑے گا۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔

اور پھر تھیلے سے ٹرانسمیٹر نکال کر اسے منہ کے قریب لاتا ہوا بولا۔ ''تم نے ان سواروں کو دیکھا..... ٹھیک..... آہستہ آہستہ پھیلتے ہوئے..... انہیں چاروں طرف سے گھیر لو..... جب وہ غار کے نیچے والے میدان میں آجائیں..... لیکن میرے فائر کا انتظار کرنا..... اوور اینڈ آل۔''

اب حمید کو قدرے سکون ہوا۔ اس نے جلدی جلدی اپنی رائفل کی میگزین درست کی اور کراغالیوں کا انتظار کرنے لگا۔ میدان میں داخل ہونے کا راستہ تنگ تھا۔ دو، دو کی ٹولیوں میں میدان میں داخل ہونے لگے۔

''شروع ہو جاؤ.....!'' فریدی نے کہا اور دونوں نے ایک ساتھ فائر کئے۔ دوسرے ہی لمحے میں نیچے سے بھی درجنوں فائر ہوئے اور پھر یہ لوگ بھی برابر فائر کرتے رہے۔ لیکن ان کی پیش قدمی جاری ہی رہی۔ لیکن پھر اچانک ان میں سراسیمگی پھیل گئی۔ کیونکہ اب چاروں طرف سے فائر ہونے لگے تھے۔ گھوڑوں کی زینیں تیزی سے خالی ہونے لگیں۔

''اوہو.....خان ضیغم خود آیا ہے..... کیوں نہ ہو۔ اسے خان عیسیٰ کو ختم کرنا ہے ورنہ خود اسے ختم ہونا پڑے گا۔'' حمید کے استفسار پر اس نے ایک کراغالی کی طرف اشارہ کیا جس کا لباس دوسروں سے مختلف تھا۔

''اچھا تو خان ضیغم.....اب تم بھی جاؤ۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا اور حمید نے خان ضیغم کو گھوڑے کی پشت سے گرتے دیکھا۔ گولی ٹھیک پیشانی پر پڑی تھی۔ اس کے گرتے ہی پوری طرح کراغالیوں میں ابتری پھیل گئی اور انہوں نے رائفلیں پھینک پھینک کر اپنے ہاتھ اٹھا دیئے۔

جہنم کا شعلہ

وہ تعداد میں پچیس تھے اور ان کے چہروں پر سیاہ نقابیں تھیں۔ حمید انہیں حیرت سے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کاش وہ ان کے چہرے بھی دیکھ سکتا۔ یہ لازمی طور پر فریدی کی بلیک فورس ہی کے آدمی تھے۔ وہ کراغالیوں کو اپنے نرغے میں لئے ہوئے شاہی محل کی طرف جا رہے تھے۔ آگے حمید اور فریدی تھے۔ فریدی اس وقت بھی خان عیسیٰ کے میک اپ میں تھا۔ ایک گھوڑے پر خان ضیغم کی لاش پڑی ہوئی تھی۔

پھاٹک کھل گیا۔ یہ خبر پہلے ہی پھیل چکی تھی کہ خان عیسیٰ واپس آ گیا ہے۔

اس حادثے کی وجوہات بعد میں معلوم ہوئیں۔ دراصل ان سرداروں میں سے ایک نے پھر غداری کی تھی جنہیں فریدی نے اپنے یا دوسرے الفاظ میں خان عیسیٰ کی حمایت میں ہموار کر لیا تھا۔ اس نے ضیغم کو غار کا پتہ بتایا۔ لیکن ضیغم کراغال کی خانم کو پانے میں کامیاب نہیں ہوا تھا کیونکہ وہ سردار جو خانم کو اپنے ساتھ لے گئے تھے روپوش ہو گئے تھے۔ پھر جب خان ضیغم کی شکست کی خبر سارے کراغال میں پھیل گئی تو وہ دونوں خانم سمیت حاضر ہوئے۔

حالات معمول پر آ گئے تھے۔ کراغال پر دوبارہ خانم کا اقتدار قائم ہو گیا تھا۔

''یہ تو قصہ خانم طائی ہو گیا جناب۔'' حمید نے فریدی سے کہا۔ ''چلے تھے شہزادی کا پانچواں سوال پورا کرنے کہ راستے میں زار و قطار رونے والا شہزادہ مل گیا جس نے بتایا کہ اس کے پاس بھی ساڑھے سات سوال پہلے سے موجود ہیں۔ اگر خانم مدد کرے تو بیڑا پار ہو جائے گا۔ ورنہ اس کی محبوبہ کسی گزٹیڈ یا کمیشنڈ آفیسر سے شادی کر لے گی۔ لہٰذا وہی حال ہمارا ہوا ہے۔ چلے تھے طاقت کی تنظیم کا خاتمہ کرنے راہ میں ایک ملک کی ملکہ مل گئی۔''

''بس کرو.....!'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ اگر ہم یہاں نہ آتے تو بارن کبھی ہاتھ نہ لگتا۔ تم اسے نہیں سمجھ سکتے۔ میں نے فی الحقیقت تنظیم کی کمر توڑ دی ہے۔ ان کی آخری پناہ گاہ کراغال بھی ہاتھ سے جاتا رہا۔

''مگر.....آپ بارن سے کچھ نہ معلوم کر سکیں گے۔ میرا دعویٰ ہے۔''

''بس دیکھتے جاؤ.....تم بھی کیا یاد کرو گے۔''

اسی شام کو وہ محل سے رخصت ہو گئے۔ خانم فریدی کو رخصت کرتے وقت بُری طرح رو رہی تھی اور حمید دل ہی دل میں کباب ہو رہا تھا۔ آج تک کوئی عورت اس کیلئے اس طرح نہیں روئی تھی۔

راستے میں اس نے فریدی سے پوچھا۔ ''وہ خان عیسیٰ کی موت کب تک چھپائے گی۔''

اب وہ چھپانا بھی نہیں چاہتی۔ لیکن فی الحال چھپانا ہی مناسب ہے۔ میں نے تمام سرداروں کو سمجھا دیا ہے کہ میں فی الحال ایک مہم میں الجھا ہوا ہوں۔ اس لئے میں زیادہ دیر تک کراغال میں نہیں ٹھہر سکوں گا۔ لیکن جب بھی کوئی فتنہ اٹھا میں اسی طرح ان کے سروں پر مسلط نظر آؤں گا اور خانم کو سمجھا دیا ہے کہ کچھ دنوں کے بعد وہ خان عیسیٰ کی موت کا اعلان کر کے کسی کے حق میں حکومت

سے دستبردار ہو جائے۔ اس طرح اس کی بزرگی اور عظمت بھی قائم رہے گی جس کے حق میں دستبردار ہوگی وہ بھی بہر حال اس کا احترام کرے گا۔

"آپ کو شیکسپیئر کے کسی ڈرامے کا ہیرو ہونا چاہئے تھا۔"

فریدی نے اس بے تکی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

پھر وہ کمین گاہ میں پہنچے، جہاں بلیک فورس کے آدمیوں کا قیام تھا۔ اب حمید کو ان کی صحیح تعداد کا علم ہوا۔ یہ تیس تھے۔ پچیس نے اس مہم میں حصہ لیا تھا اور پانچ بارن کی نگرانی کرتے رہے تھے۔ بارن کی حالت ابتر تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بحالت بیداری کوئی بہت ہی بھیانک خواب دیکھ رہا ہو۔ فریدی نے اس کے گال پر تھپڑ رسید کر کے کہا۔

"دیکھا تم نے..... تمہاری یہ اسکیم خاک میں مل گئی۔ ان پچیس دلیروں نے تنظیم کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ تم کراغال کو تنظیم کا پاکٹ بنانا چاہتے تھے سنو! جس طاقت کو تم غلط سمجھتے ہو وہ صرف خدا کی طاقت ہے جو ہمیں اور تمہیں طاقت عطا کر کے رحم کرنا سکھاتی ہے۔ طاقت کا صحیح مظاہرہ یہ نہیں ہے کہ تم کمزوروں کو مسل دو..... بلکہ طاقت کا صحیح مظاہرہ اس وقت ہوتا ہے جب ہم اپنے نفس سے جنگ کرتے ہیں۔ اپنے اندر بپھرے ہوئے وحشی کو ابھرنے نہیں دیتے۔ جب تک افراد کی داخلی تنظیم اس نظریئے کے تحت نہ ہوگی بہتر سے بہتر نظام حیات بھی دیرپا نہ ثابت ہو سکے گا۔ تم آج ایک نظام سے اکتا کر دوسرے نظام کی بنیادیں رکھتے ہو مگر کل وہ بھی ڈھیر ہو جائے گا۔ کیونکہ بنیاد اسی پرانی زمین پر رکھ رہے ہو جس کے نیچے آتش فشاں پہاڑ ہوتے ہیں۔ پہلے اس آتش فشاں کو ٹھنڈا کرو۔"

"تم مجھ سے کچھ نہیں معلوم کر سکو گے..... کبھی نہیں۔" بارن ہذیانی انداز میں چیخا۔ "تم مجھے اخلاقیات کا سبق دے رہے ہو۔ مجھ پر رحم کیوں نہیں کرتے۔"

"انسانیت کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ کسی سردی کھائے ہوئے سانپ کو چھاتی سے لگا کر گرمی پہنچائی جائے۔ تم پر رحم کھانا لاتعداد آدمیوں پر ظلم ڈھانے کے مترادف ہوگا۔ سنو بارن کیا تمہیں اس معصوم لڑکی پر رحم آیا تھا جسے تم نے اس کی شادی کی رات کوئلے کے مجسمے میں تبدیل کر دیا تھا۔"

"میں اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔"

"تمہیں ان تہہ خانوں کا راستہ بتانا ہی پڑے گا۔ خواہ مجھے تمہارے جسم کی ایک ایک بوٹی ہی

کیوں نہ الگ کرنا پڑے۔"

بارن کچھ نہ بولا

"میں تمہیں صرف پندرہ منٹ کی مہلت دیتا ہوں اس کے بعد تم اتنے شدید عذاب میں مبتلا کئے جاؤ گے کہ تمہارا شیطان بھی پناہ مانگے گا۔"

بارن ویران آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ فریدی پھر بولا۔ "موت تو بڑی آسان چیز ہے لیکن وہ زندگی جو موت سے بدتر ہو جائے تم خود سوچ سکتے ہو۔ فرض کرو میں تمہارے دونوں ہاتھ کاٹ دوں اور ان پر ہر پانچ منٹ کے بعد نمک چھڑکا جائے، یا میں ہتھوڑے سے تمہارے دانت توڑ دوں۔"

"نہیں.....!" بارن دونوں ہاتھ اٹھا کر چیخا۔

فریدی خاموش رہا۔ لیکن بارن نے آہستہ سے کہا۔ "پھر میرا کیا حشر ہوگا۔"

"ہو سکتا ہے کہ سلطانی گواہ بننے کے بعد تم پھانسی سے بھی بچ جاؤ..... یہ تو یقینی بات ہے کہ اب اس کا لی تنظیم کے دن پورے ہو گئے۔ اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں بچا سکتی۔ اگر تم راہ پر نہیں آؤ گے تو تمہارے لئے پھانسی کا پھندا ہے۔ ورنہ میں تو تہہ خانوں کے راستے کا سراغ بھی پا ہی لوں گا خواہ کچھ دیر ہی کیوں نہ لگے۔"

بارن تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"میں بتا دوں گا۔"

فریدی خاموش ہی رہا۔

بارن نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "راستہ..... ڈاکٹر..... سلمان کی کوٹھی سے ہے۔"

حمید نے فریدی کی طرف دیکھا اور فریدی کچھ سوچتا ہوا سر ہلا کر بولا۔

"تم بکواس کر رہے ہو..... کیا تم رام گڈھ سے کراغال آئے تھے۔"

"میں نے یہ نہیں کہا کہ صرف ایک ہی راستہ ہے۔"

"تو تم نے اسی راستے کا تذکرہ کیوں کیا۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"کیونکہ ساری مصیبتوں کی جڑ ڈاکٹر سلمان ہی ہے۔ کم از کم اپنے متعلق تو میں کہہ سکتا ہوں کہ اس تنظیم کے متعلق مجھے اسی سے معلوم ہوا تھا اور اسی کی وساطت سے میں اس تنظیم میں شامل بھی

ہوا تھا۔"

"ڈاکٹر سلمان کی حیثیت کیا ہے۔"

"یہ مجھے نہیں معلوم۔ ہمارے لئے یہ معلوم کرنا بہت مشکل ہوتا ہے کہ کس کے ذمے کون سا کام ہے۔"

"ڈاکٹر سلمان کے کام کے متعلق تو تم جانتے ہی ہوگے۔"

"جانتا ہوں..... وہ ادارہ روابط عامہ کا مینیجنگ ڈائریکٹر ہے۔ ادارہ روابط عامہ کا کام کیا ہے۔ یہ مجھے نہیں معلوم۔ اس پر میں روشنی نہیں ڈال سکوں گا۔"

"جس پر روشنی نہ ڈال سکو اسے یکسر بھول جاؤ۔ اچھا ملکہ کائنات کون ہو سکتی ہے۔"

"اس کا علم شاید ڈاکٹر سلمان کو بھی نہ ہو۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔"

"خیر..... اب مجھے دوسرے راستوں کے متعلق بتاؤ۔"

"دوسرے راستے۔" بارن نے کراہ کر ایک طویل سانس لی اور بولا۔ "دوسرا راستہ کراغال کے شاہی محل سے ہے۔"

"اور تیسرا راستہ.....!"

"فی الحال تیسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔"

"لیکن اگر میں نے کوئی تیسرا تلاش کر ہی لیا تو.....!"

"میں خوشی سے پھانسی پر چڑھ جاؤں گا۔"

"نہیں..... میں ہی کیوں نہ تمہارا گلا گھونٹ دوں۔" حمید بول پڑا اور بارن صرف اس کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔

حمید پھر بولا۔ "کیا مجھے ڈاکٹر سلمان ہی کی کوٹھی والے راستے سے لے جایا گیا تھا۔"

"میں نہیں جانتا کہ تمہیں کس راستے سے لے جایا گیا تھا۔ مجھے بس ملکہ کائنات کی طرف سے ایک پیغام ملا تھا ایک آدمی بھیجا جا رہا ہے اور بس اس سے زیادہ اور میں کچھ نہیں جانتا۔"

"اس کا دماغ بالکل ماؤف ہے۔" حمید نے فریدی سے کہا۔ "اور یہ اچھی طرح جھوٹ بھی نہیں بول سکتا۔"

"تم مجھے مار ڈالو تب بھی سچ نہیں بولوں گا۔" بارن آہستہ سے بولا۔

"اچھی بات ہے۔" فریدی نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ پھر ایک نقاب پوش سے بولا۔ "آگ جلاؤ..... اور دو تین چاقو کے پھل گرم کرو۔"

"یہ دیکھو.....!" بارن مسکرایا۔ "یہ ہونٹ اب بالکل بند ہو رہے ہیں۔"

نقاب پوش نے آگ جلائی اور دو تین چاقوؤں کے پھل تپائے جانے لگے۔

لیکن دفعتاً ان کی محنتوں پر پانی پڑ گیا۔ جو کچھ بھی ہوا ان کے دیکھتے ہی دیکھتے ہوا اور وہ کچھ بھی نہ کر سکے۔ جہاں بارن بیٹھا ہوا تھا اس سے چار پانچ فٹ کے فاصلے پر ایک کافی گہری کھڈ تھی۔ اس نے اسی میں چھلانگ لگا دی اور پھر قبل اسکے کہ وہ اس تک پہنچتے بارن ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

اس طرح وہ قافلہ کراغال سے بے نیل و مرام واپس ہوا۔ مگر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے فریدی کو اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہ ہو۔

"اب کیا پروگرام ہے۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"تھوڑی دیر ضرور لگے گی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ کامیابی حاصل ہوگی۔"

"دیکھئے..... میرا خیال ہے کہ راستہ وہیں کہیں ہوگا جہاں ان لوگوں نے ہمیں گھیرا تھا۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں حمید..... مگر کیا تمہیں یقین ہے کہ بارن کے علاوہ اس راستے سے اور کوئی واقف نہیں ہے۔"

"ڈاکٹر زبیری..... اور ظفی نے یہی بتایا تھا۔ ظاہر ہے جب انہوں نے میری مدد کی تھی تو پھر اس سلسلے میں وہ کیوں جھوٹ بولنے لگے۔ ڈاکٹر نے تو یہاں تک بتایا تھا کہ ایک بار تین دن سارے کے سارے آدمی نکاسی کا راستہ تلاش کرتے رہے تھے لیکن انہیں کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ ویسے یہ بات انہیں دونوں نے بتائی تھی کہ بارن ہی نکاسی کے راستے سے واقف تھا۔

وہ چلتے رہے۔ اب فریدی جلدی سے جلدی اس غار تک پہنچ جانا چاہتا تھا جہاں سے ایک بار حمید نے زمین دوز دنیا کی سیر کی تھی اور فریدی نے کراغال کی۔ چونکہ اب یہ سفر پیدل ہی جاری رکھا گیا تھا اس لئے شکارگاہ تک پہنچنے کے لئے تقریباً چار گھنٹے صرف ہوئے۔ حمید اب بھی انہیں نقاب پوشوں کو گھورے جا رہا تھا۔ سب سے زیادہ حیرت کی بات تو اس پر تھی کہ اس نے اس دوران میں انہیں بولتے نہیں سنا تھا۔ وہ آپس میں بھی نہیں بولتے تھے۔ ان میں سے کسی نے بھی تو کسی معاملے میں اپنی رائے ظاہر کی تھی اور نہ فریدی ہی نے کسی بحث پر حصہ لینے پر مجبور کیا تھا۔ بس ایسا معلوم ہوتا

تھا جیسے وہ مشینیں ہوں اور ان کے پینڈل فریدی کے ہاتھ میں ہوں۔ کیوں کہ وہ اس کے ایک ہی اشارے پر حرکت میں آ جاتے تھے۔ اب وہ معاملہ ہی ختم ہو چکا تھا جس کے لئے وہ وہاں تھے۔ حمید سوچ رہا تھا کہ شروع سے اب تک ساری محنت برباد ہو گئی..... فریدی بھی کچھ خاموش ہو گیا تھا اور اس کے چہرے پر گہرے تفکر کے آثار تھے۔

وہ نہایت خاموشی کے ساتھ اس غار کے دہانے میں داخل ہوئے جس کے ذریعے وہ رام گڈھ کی حدود میں داخل ہو سکتے تھے۔

پہاڑی نالے کے قریب پہنچ کر فریدی رک گیا۔ بیک وقت تین عدد ٹارچوں کی روشنیاں چاروں طرف چکرانے لگیں۔

"آپ نے کراغال کے محل ہی میں راستہ تلاش کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟" حمید نے اس سے پوچھا۔

"میں وہاں زیادہ دیر تک رکنا نہیں چاہتا تھا۔" فریدی نے جواب دیا۔

اس کے کئی راستے ہوں گے مجھے یقین ہے۔ بارن نے جن دو راستوں کا تو ذکر کیا تھا ہو سکتا ہے کہ ان کا وجود ہو۔ لیکن وہ یقیناً خطرناک ہوں گے۔ ورنہ وہ ان کے متعلق ہمیں نہ بتاتا کیونکہ یہ تو تم نے دیکھ ہی لیا ہے کہ اس کی نیت میں فتور تھا اور وہ ہمیں کسی نئے معاملے میں الجھا دینا چاہتا تھا..... ورنہ اس نے خودکشی کیوں کر لی۔

حمید کچھ نہ بولا۔ ویسے وہ سوچ رہا تھا کہ اس غار میں راستہ تلاش کرنے کی کوشش فضول ثابت ہو گی مگر اسے یقین تھا کہ اس غار ہی میں کوئی نہ کوئی راستہ ضرور موجود ہے۔ ورنہ وہ بیک بیک یہاں پہنچ کیسے گئے تھے۔

تمہیں دو باتوں میں سے ایک تسلیم کرنی پڑے گی۔ فریدی بولا۔ "یا تو ڈاکٹر زبیری نے جھوٹ کہا تھا کہ بارن کے علاوہ اور کوئی راستہ سے واقف نہیں ہے یا پھر یہاں راستہ موجود ہے۔"

"دونوں باتوں میں مجھے تعلق نظر نہیں آتا۔"

اگر وہ لوگ تہہ خانوں سے آئے تھے تو پھر وہ بھی راستے سے واقف ہوں گے اور اگر ان کا تعلق تہہ خانے سے نہیں تھا تو تمہیں ایک ہی آدمی اٹھا کر اندر لے گیا ہو گا کیونکہ قاسم کے لئے ایسا ممکن نہیں ہے۔ اسے دنیا کا کوئی آدمی تنہا نہیں اٹھا سکتا میرا دعویٰ ہے۔"

"پھر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"یہی کہ صرف بارن ہی راستے سے واقف نہیں تھا۔"

"اور یہاں اس غار میں کسی راستے کے وجود کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا۔"

"پھر ہم یہاں جھک مار رہے ہیں۔" حمید جھنجھلا گیا پھر بولا۔ "اس زمین دوز دنیا میں پہنچ کر کریں گے بھی کیا اور وہاں رہنے والے چوہوں کی سی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان میں سے بہتیرے ہے ہیں جنہوں نے میں سال سے آسمان نہیں دیکھا۔ آپ کو تو ان کی فکر میں رہنا چاہئے جو ان اری حرکتوں کے ذمہ دار ہیں۔"

"ہاں..... میں اسی کی فکر میں ہوں جو اس ملکہ کائنات پر بھی حاکم ہے اور اگر کسی ایسے فرد یا ادہ کا وجود نہیں ہے تو سربراہ کا انتخاب کون کرتا ہے۔"

"یک نہ شد دو شد..... سربراہ کے چکر میں یہ حال ہوا۔ اب یہ اس سے بھی بڑا کوئی اور فضل ہا ہے۔"

"شروع ہی سے میں اس کی تلاش میں ہوں۔ اس عورت سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں جس کی اور تم نے تہہ خانوں میں سنی تھی۔"

"ہائیں تو کیا آپ کو دنیا کی کسی عورت سے دلچسپی نہیں۔"

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ چلتے رہے۔ اوپری چٹان پر پہنچ کر حمید پیچھے مڑا۔

"وہ لوگ کہاں رہ گئے۔" اس نے حیرت سے کہا۔

"ان کی فکر مت کرو..... وہ میری دم سے نہیں بندھے پھرتے۔"

"انہوں نے اپنے چہرے کیوں چھپا رکھے تھے۔"

"اگر تم ان سے واقف ہو جاؤ تو وہ بیک فورس کیوں کہلائے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اب اس میں چلنے کی سکت نہیں رہ گئی تھی۔ دراڑ سے باہر نکلنے کے بعد وہ ایک چٹان پر بیٹھ گیا۔ رات ہو چکی تھی۔

"یقیناً تھک گئے ہو گے۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

"دیکھئے..... مجھے اس پر بڑا ناز تھا کہ دنیا میں صرف میں ہی ایک آدمی ہوں جسے کرنل فریدی

کی خارجی اور داخلی زندگی کا پورا علم ہے لیکن کیا میں غلطی پر نہیں تھا۔"

"تھے اور بھی اور نہیں بھی تھے۔"

"نہیں میں غلطی پر تھا۔"

"تم غلطی پر نہیں تھے..... تم سے مجھے زیادہ کوئی نہیں جانتا تھا لیکن اس کی بھی حدود ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی بھی ایک چٹان سے ٹک کر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے تھیلے سے مچھلی کے دو تین ڈبے نکالے لیکن انہیں کھولنے کی نوبت نہیں آئی۔ کیونکہ یک بیک انہیں ایک آنچ سی محسوس ہوئی جو بتدریج بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ دونوں بے تحاشہ اٹھے۔

"چلو.....!" فریدی اسے ایک طرف دھکیلتا ہوا بولا۔ ساتھ ہی انہوں نے بہت سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنیں۔ فریدی حمید کا ہاتھ پکڑے ہوئے دوڑ رہا تھا۔ آنچ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ جیتے جی جہنم میں پھینک دیا گیا ہو۔

وہ اپنی پوری قوت سے دوڑتے رہے۔ لیکن حمید ایک لمحے کے لئے بھی یہ نہیں بھولا کہ کچھ آدمی اس کے پیچھے بھی دوڑ رہے ہیں۔ غنیمت یہی تھا کہ وہ نشیب میں دوڑ رہے تھے اور راستہ ہموار نہیں تھا۔ ورنہ ہاتھ پیر سلامت نہ رہتے۔ فریدی ٹارچ روشن کرنا نہیں بھولا تھا..... رفتہ رفتہ انہیں پھر خنکی کا احساس ہونے لگا اور وہ ایک جگہ رک گئے۔ دفعتاً حمید کو بلیک فورس والے یاد آ گئے۔ ہو سکتا تھا کہ دوسرے دوڑنے والے وہی رہے ہوں۔ مگر اب ان کے قدموں کی آوازیں دور ہوتی جا رہی تھیں۔

"اوہ....." اچانک فریدی کی تحیر آمیز آواز نے اسے متوجہ کر لیا اور پھر اسے سامنے ایک عجیب منظر دکھائی دیا جہاں سے وہ بھاگ کر آئے تھے وہاں بڑی بڑی چٹانیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ پگھلی ہوئی آگ میں تبدیل ہو کر نشیب میں بہنے لگیں ایک بار پھر وہ سر پر پیر رکھ کر بھاگے۔

آخری معرکہ

وہ دوڑتے رہے۔ فریدی حمید کو چڑھائی کی طرف کھینچ رہا تھا۔ لیکن اب حمید میں بالکل دم نہیں رہ گیا تھا۔ فریدی اسے محسوس کر کے جھکا اور حمید کو اپنے ہاتھوں پر اٹھا لیا اب وہ کافی بلندی پر تھا اور وہاں سے وہ جگہ نیچی معلوم ہوتی تھی جہاں سے آگ کا بہاؤ شروع ہوا تھا۔ نشیب میں پگھلی ہوئی چٹانیں کسی آتش فشاں کے لاوے کی طرح بہتی رہیں۔ فریدی نے حمید کو ہاتھوں سے اتار دیا۔ حمید بُری طرح کانپ رہا تھا۔

"وہاں اس غار میں یقیناً تہہ خانوں کا کوئی راستہ تھا جسے اس طرح بند کر دیا گیا۔" فریدی نے کہا۔ "اور اب شائد اس غار ہی کا سراغ نہ مل سکے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ شاید اس نے سنا ہی نہیں تھا کہ فریدی نے کیا کہا ہے۔

دفعتاً پشت سے بیک وقت کئی آدمیوں نے حملہ کر دیا۔ شاید وہ ان دونوں کی گھات ہی میں تھے۔ حملہ چونکہ بے خبری میں ہوا تھا اس لئے انہیں سنبھلنے کا بھی موقع نہ مل سکا۔ فریدی نے گرتے گرتے دو کو موت کے منہ میں دھکیل دیا۔ وہ بلندی سے لڑھکتے ہوئے اسی لاوے میں جا گرے جو نشیب میں اب بھی بہہ رہا تھا۔ ان کی چیخیں بھی بڑی بھیانک تھیں۔

حمید نے ہاتھ پیر ہلانے کی کوشش کی لیکن ممکن نہ ہوا۔ کیونکہ وہ تھکن سے نڈھال ہو رہا تھا اور پھر شاید کئی آدمی اس پر سوار تھے۔ وہ یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ اس کے پیر باندھے جا رہے ہیں۔ کسی کا ہاتھ اتنی مضبوطی سے اس کے منہ پر جما ہوا تھا کہ اسے سانس لینے میں بھی دشواری محسوس ہو رہی تھی..... آہستہ آہستہ اس کے حواس جواب دیتے رہے اور پھر اس کا ذہن تاریکیوں میں ڈوب گیا۔

دوبارہ ہوش میں آنے پر کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ ایک گھنٹے بعد ہوش میں آیا ہے۔ یا ایک دن بعد۔ اگر وہ بے ہوش نہ ہوتا تو تب بھی اس کے حواس بجا نہ رہتے۔ وہ احساس نہ کر پاتا کہ دن ہے یا رات۔ زمین اپنے محور پر قائم ہے یا قیامت آ گئی۔ کیونکہ اس کے سامنے ایک ہیبت ناک منظر تھا۔ چار جانے پہچانے چہرے..... لیکن ان کے ساتھ ان کے جسم نہیں تھے۔ جسم تھے تو لیکن چہروں سے کافی فاصلے پر تھے۔ وہ چار سر تھے جو جسموں سے الگ کر کے ایک طرف رکھ دیئے گئے

تھے۔

ایک سر تتار یہ کا تھا دوسرا سردار شکوہ کا تیسرا ڈاکٹر زبیری کا اور چوتھا غلطی کا۔ یہ ایک بہت بڑا کمرہ تھا اور یہاں تیز قسم کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

بہت دیر بعد حمید محسوس کر سکا کہ اس کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے ہیں اور پھر اسے فریدی کا خیال آیا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ لیکن جیسے ہی اس نے دوسری طرف گردن گھمائی اسے فریدی کی آواز سنائی دی۔ جو کہہ رہا تھا۔ "ادھر دیکھو۔"

حمید کی گردن ایک جھٹکے کے ساتھ بائیں طرف مڑ گئی۔ فریدی اس کے قریب ہی بندھا پڑا ہوا تھا۔

"ان دو کو میں نہیں پہچانتا.....!" اس نے کہا۔ "مگر میرا خیال ہے کہ یہ ڈاکٹر زبیری اور غلطی کے سر ہیں۔"

"ہاں.....!" حمید کے حلق سے پھٹی پھٹی سی آواز نکلی۔

"تمہارا دم کیوں نکل رہا ہے۔" فریدی مسکرایا۔

"میں نے سنا ہے کہ دوسری دنیا میں شادی بیاہ کا رواج نہیں ہے۔" حمید نے رو دینے والی آواز میں کہا پھر بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

"دماغ ٹھنڈا رکھو۔"

"خود ہی ٹھنڈا ہو جائے گا تھوڑی دیر بعد۔ ان چار دماغوں کے متعلق کیا ہے۔" حمید نے لٹکے ہوئے سروں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یہاں ابھی چھ سر نظر آئیں گے۔" کسی نے قریب ہی سے کہا اور پھر بولنے والا انہیں نظر آ گیا۔ یہ ڈاکٹر سلیمان تھا۔

"کراغال کا خان عیسیٰ.....!" ڈاکٹر نے قہقہہ لگایا۔ "تھریسیا کا خادم الفانسے اور طاقت کی تنظیم کا ہیرو کیپٹن حمید۔"

وہ دونوں کچھ نہ بولے۔

"تم بہت دلیر ہو فریدی۔ مجھے اس کا اعتراف ہے۔ لیکن ڈاکٹر سلیمان کو سمجھنے میں تم نے غلطی کی تھی۔"

"میں نے ڈاکٹر سلیمان کو سمجھنے کی کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ یہاں دو سر قطعی بے جوڑ ہو جائیں گے۔ تتار یہ اور الفانسے کے سر۔ اور زبیری کے سر لیکن بھلا کیپٹن حمید اور سردار شکوہ کے سروں کا کیا جوڑ ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔

ڈاکٹر سلیمان نے کہا۔ "مجھے علم ہے کہ پہلے بھی کئی مواقع پر تم لوگ بال بال بچے ہو۔ لیکن ری نہیں ہے کہ ہمیشہ بچتے ہی رہو۔ مگر میں سوچتا ہوں کہ کیوں نہ تم اس بار بھی بچ جاؤ۔"

فریدی پھر بھی خاموش رہا۔

"تم بہت خاموش ہو کرنل کیا بات ہے۔" ڈاکٹر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"میں بہت کم بولتا ہوں.....!" فریدی نے جواب دیا۔

"یہ بہت بری عادت ہے۔" ڈاکٹر سلیمان مسکرایا۔ "خیر یہ تو بتا ہی دو گے کہ تتار یہ کے سات اور جواہرات کیا ہوئے۔"

"کیوں.....؟"

"تنظیم کو ہمیشہ مالی امداد کی ضرورت درپیش رہتی ہے۔"

"مجھے افسوس ہے ڈاکٹر سلیمان۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس رقم کا مصرف اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا کہ قاسم کا خیارہ پورا کیا جائے..... رہ گئے جواہرات تو..... وہ تھریسیا کے خادموں پر خرچ ہو گئے۔ جن کی تعداد رام گڈھ میں تین سو سے کسی طرح کم نہیں ہے۔"

"تب پھر تمہارا جنازہ بہت دھوم سے اٹھے گا۔" ڈاکٹر سلیمان ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"مجھے یقین ہے کہ تمہاری خواہش ضرور پوری ہو گی۔" فریدی نے کہا۔

ڈاکٹر سلیمان چند لمحے سوچتا رہا پھر بولا۔ "میرا دل نہیں چاہتا کہ تم دونوں کو ایک سیکنڈ کے لئے زندہ رہنے دوں۔ لیکن میں تمہیں دکھانا چاہتا ہوں کہ میں کیا ہوں۔"

"مجھے بڑی خوشی ہو گی ڈاکٹر سلیمان..... اس کے بعد میں بڑے سکون سے مر سکوں گا۔"

"تمہاری لاپروائی مجھے غصہ دلاتی ہے۔"

"تو پھر کیا تم فریدی سے اس کے متوقع ہو کہ وہ تم سے رحم کی بھیک مانگے گا۔"

ڈاکٹر سلمان اسے چند لمحے قہر آلود نظروں سے گھورتا رہا پھر آگے بڑھا اور حمید نے محسوس کیا کہ وہ اس جگہ سمیت کھسک رہا ہے جہاں پڑا ہوا تھا۔ وہ دراصل ایک ٹرالی تھی جس پر انہیں باندھ کر ڈال دیا گیا تھا۔ ڈاکٹر سلمان ٹرالی کو دھکیلتا ہوا ایک دوسرے کمرے میں لایا جس کے سرے پر مختلف قسم کی مشینیں نصب تھیں۔ پھر وہ اس ٹرالی کو وہیں چھوڑ کر دوسرے دروازے سے نکل گیا۔

"میں اس کا دل نہیں توڑنا چاہتا۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "ورنہ اس سے پہلے کہہ دیتا کہ وہ ملکہ کائنات پر بھی حکمران ہے۔ طاقت کی تنظیم کی پشت پر اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔"

"آپ اس کا دل نہیں توڑنا چاہتے لیکن وہ ابھی ہماری گردنیں توڑ کر رکھ دے گا۔" حمید نے برا سا منہ بنایا۔

"جو شخص پہلے سے یہ جانتا ہو کہ طاقت کی تنظیم پر کون ہے اس کی گردن توڑ دینا آسان کام نہیں ہے۔"

"آپ کیا کرلیں گے۔"

"خدا ہی بہتر جانتا ہے۔" فریدی کا جواب تھا۔

دفعتاً اس کمرے میں ایک ٹرالی داخل ہوئی جس پر ساحرہ پڑی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ اس حال میں بڑی معصوم نظر آرہی تھی۔ حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

ڈاکٹر سلمان اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "تم اسے اچھی طرح پہچانتے ہو۔"

"ہاں اچھی طرح.....لیکن.....!"

"لیکن کا جواب ابھی مل جائے گا۔ تم مجھ سے بار بار سوال کر چکے ہو کہ کیا ساحرہ تعلیم یافتہ ہے۔ اب میں اس کا جواب دوں گا۔ ساحرہ بلاشبہ تعلیم یافتہ ہے۔ اس نے فلسفے میں ایم۔اے کیا تھا۔ لیکن جب میں چاہتا ہوں وہ تعلیم یافتہ ہو جاتی ہے.....اور جب نہیں چاہتا تو کسی زبان کا ایک حرف بھی نہیں پہچان سکتی۔"

حمید تشریح کا انتظار کرتا رہا۔ ڈاکٹر سلمان چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ "عمل تقویم کے ذریعے میں تمہارا دماغ بھی پلٹ سکتا ہوں۔"

"کوشش کر کے دیکھو.....!" فریدی بولا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم مضبوط قوت ارادی کے مالک ہو۔ میں نے یہ جملہ صرف کیپٹن حمید کے لئے کہا تھا۔"

"ڈاکٹر تم میرا دماغ ضرور پلٹ دو۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں تمہارے کسی کام نہ آسکا۔ مجھے اب بھی تنظیم سے بڑی ہمدردی ہے۔"

"مکار ہو تم.....خاموش رہو.....ہاں تو یہ لڑکی ساحرہ عالم بیداری میں اپنی اصلی شخصیت بھلا دیتی ہے۔ وہ ایک لفظ بھی نہیں پڑھ سکتی۔ تم اگر اس سے یہ پوچھو کہ فلسفہ کسے کہتے ہیں تو وہ احمقوں کی طرح منہ کھول دے گی۔ لیکن خواب کی حالت میں اسے اپنی اصلی حیثیت کا پورا پورا احساس ہوتا ہے.....ٹھہرو.....میں تمہیں دکھاتا ہوں۔" ڈاکٹر سلمان بے ہوش لڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ساحرہ.....!" اس نے آواز دی۔

"جی.....!" بے ہوش لڑکی نے جواب دیا۔

"تم نے کس سبجیکٹ میں ایم۔اے کیا تھا۔"

"فلسفہ میں۔" بے ہوش لڑکی کے ہونٹ ہلے اور اس کی آواز کمرے میں گونج اٹھی۔

"فرقہ کلبیہ کا پیش رو کون تھا۔"

"ڈیاجینز.....!" بے ہوش لڑکی نے جواب دیا۔

"فلسفے کی تاریخ میں سب سے اہم اسپکٹک کون ہے۔"

"ڈیوڈ ہیوم.....!" بے ہوش لڑکی کا جواب تھا۔

"فرقہ لذیۃ کے پیش رو کا نام بتاؤ۔"

"ایپکیورس.....!"

"ڈیکارٹس اپنا وجود کیسے ثابت کرتا ہے۔"

"میں سوچتا ہوں.....اس لئے میرا وجود ہے۔" بے ہوش لڑکی نے جواب دیا۔

"ڈاکٹر ایک منٹ.....!" حمید جلدی سے بول پڑا۔

"کیوں.....کیا بات ہے۔" ڈاکٹر اس کی طرف مڑا۔

"یہ بھی پوچھئے کہ یہ فلسفے کو ہمبگ کیوں سمجھتی ہے۔"

"اوہ.....اچھا.....!" ڈاکٹر سلمان نے مسکرا کر حمید کا سوال دہرایا۔

"میں فلسفے کو اس لئے ہمہ گیر سمجھتی ہوں کہ وہ محض الفاظ کا کھیل ہے۔ دنیا میں مختلف قسم کے فلسفوں نے بڑی تباہی پھیلائی ہے۔ فلسفہ ذہین آدمی کے احساس کمتری کی تخلیق ہے۔ جب وہ کسی خاص ماحول میں خود کو دوسروں سے کمتر محسوس کرتا ہے تو اس کا ذہن اس ماحول اور نظام کے خلاف ایک نیا فلسفہ گھڑنا شروع کر دیتا ہے۔"

"میں اس لڑکی سے سو فیصدی متفق ہوں ڈاکٹر.....!" فریدی نے کہا۔ "مگر یہ فلسفے کی کلاس نہیں ہے کام کی باتیں کرو..... میرے پاس وقت بہت کم ہے۔"

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم بچ جاؤ گے۔" ڈاکٹر جھلا کر اس کی طرف مڑا۔

"ہرگز نہیں..... تم غلط سمجھے۔" فریدی مسکرایا۔ "میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ مجھے مارڈالنے میں جتنی جلدی کر سکو اتنا ہی اچھا ہے۔ مگر للہ اپنی وہ پیش فائر ہرگز نہ استعمال کرنا۔ مجھے بڑی مایوسی ہوتی ہے۔"

"اوہ..... تم اسے اپنا بہت بڑا کارنامہ سمجھتے ہو۔" ڈاکٹر برا سا منہ بنا کر بولا۔ "حالانکہ ایک احمق بھی سیاہ مجسموں کو دیکھنے سے اسی نتیجے پر پہنچ سکتا ہے۔ پیش فائر کی شعاع سیاہ رنگ کے چمڑے پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ تم اس رات سر سے پیر تک سیاہ چمڑے کے لباس میں تھے۔"

"لیکن پھر بھی ذاتی طور پر تجربہ کئے بغیر شاید ہی کوئی اس قسم کا خطرہ مول لے سکے۔" فریدی بولا۔

"ہاں..... مجھے اس کا اعتراف ہے کہ تم بہت دلیر ہو۔"

ڈاکٹر اس گوشے کی طرف چلا گیا جہاں مشینیں نصب تھیں۔ اس کے ہاتھ لگاتے ہی ان میں سے کئی حرکت میں آ گئیں اور ایک میں دھندلا سا اسکرین نظر آنے لگا۔ شاید اس دھندلے شیشے کے پیچھے کوئی بلب روشن ہو گیا تھا۔ دفعتاً اس شیشے پر کچھ رنگین سی متحرک تصویریں نظر آئیں۔ حمید نے غور سے دیکھا تو وہی دربار تھا جو اس نے زمین دوز دنیا میں دیکھا تھا۔

"کیوں ڈاکٹر۔" فریدی بیزاری سے بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم اس لڑکی کو پتوتائیز کر کے ملکہ کائنات بنا دیتے ہو اور اس سے جو کچھ کہلوانا چاہتے ہو یہ کہہ دیتی ہے اور اس کی آواز ان مشینوں کے ذریعے وہاں تک پہنچتی ہے۔ شاہی جلوس کی دھوم دھام کے لئے تم گراموفون اور ریکارڈ استعمال کرتے ہو گے۔ مجھے دراصل تنظیم کے ان کارکنوں سے دلچسپی ہے جو ان تہہ خانوں میں موجود ہیں۔ یعنی وہ مشین جو چٹانوں کو اڑا دیتی ہیں جو چٹانوں کو موم کی طرح تراشتی ہیں ان سے اعلیٰ

پیمانے پر تعمیری کام لئے جا سکتے ہیں۔"

"کیا تنظیم ان سے تخریبی کام لے رہی ہے۔" ڈاکٹر سلمان مسکرایا۔

"چھوڑو کیا رکھا ہے ان باتوں میں۔ آؤ..... اب ہمیں مار ڈالو۔"

حمید پاگل ہوا جا رہا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ شاید بدحواسی نے فریدی کا دماغ خراب کر دیا ہے۔ ورنہ وہ بھی اس کی طرح رسیوں میں جکڑا پڑا تھا۔

"یقیناً.....!" ڈاکٹر سلمان دانت پیس کر بولا۔ "میں تمہیں اسی طرح ذبح کروں گا جیسے ان چار غداروں کو کر چکا ہوں۔"

دوسرے ہی لمحے میں حمید نے اسے ایک بڑا چاقو کھولتے دیکھا۔ حمید کا حلق خشک ہو گیا اور زبان تالو سے جا لگی۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور پیر بھی جکڑے ہوئے تھے۔ یہی حال فریدی کا تھا۔

ڈاکٹر سلمان چاقو لئے ان کی طرف بڑھا۔

پھر وہ فریدی پر جھکا ہی تھا کہ فریدی کا گھونسہ اس کی ناک پر پڑا اور وہ چاقو سمیت دوسری طرف الٹ گیا۔ پھر فریدی نے اس پر چھلانگ لگائی۔ حمید نے دیکھا کہ اس کے پیر اب بھی بندھے ہوئے ہیں۔ لیکن دونوں ہاتھ حیرت انگیز طور پر آزاد ہو گئے تھے۔

ڈاکٹر سلمان اٹھ نہ سکا کیونکہ فریدی نے اس پر گرتے ہی اسے دونوں ہاتھوں سے جکڑ لیا تھا۔

چاقو دور پڑا چمک رہا تھا۔

حمید نے ایک طویل قہقہہ لگایا اور پھر بڑی سنجیدگی سے بولا۔

"ڈاکٹر معاف کرنا..... میرے ہاتھ پیر بندھے ہوئے ہیں ورنہ تمہاری مدد ضرور کرتا۔"

ڈاکٹر سلمان کچھ نہ بولا۔ وہ فریدی کی گرفت سے آزاد ہونے کے لئے انتہائی زور صرف کر رہا تھا۔

"اور میرے پیر بندھے ہوئے ہیں۔" فریدی بولا۔ "ورنہ اس سے زیادہ خدمت کرتا۔ مگر ڈاکٹر یقین نہیں آتا کہ تم طاقت کی تنظیم کے سربراہ ہو۔ کیونکہ تم میں اتنی طاقت بھی نہیں ہے کہ خود کو میری گرفت سے آزاد کرا سکو۔ تمہاری بہن نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ فلسفہ ہمہ گیر ہے کیونکہ وہ ذہین آدمیوں کے احساس کمتری کی پیداوار ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔"

دفعتاً ڈاکٹر سلمان کے حلق سے بے ساختہ قسم کی کرایں نکلنے لگیں اور اس نے ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑ دیئے۔ آنکھیں آہستہ آہستہ بند ہوتی گئیں اور پھر شاید وہ بیہوش ہی ہوگیا۔ فریدی اس پر سے اٹھ آیا اور بیٹھ کر اپنے پیروں کی رسی کھولنے لگا۔ لیکن دوسرے ہی لمحہ میں اس نے حمید کی چیخ سنی اور پھر اسے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر سلمان نے اس پر چھلانگ لگائی تھی۔ فریدی نے اسے ہاتھوں پر روکا۔ اس کے پیروں کی رسی کی گرہ تو کھل گئی تھی لیکن رسی ابھی لپٹی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر سلمان کا یہ حملہ بڑا شدید تھا۔ فریدی نے اٹھنا چاہا لیکن پیروں کی رسی میں الجھ کر ڈھیر ہوگیا۔ اب ڈاکٹر سلمان اس پر سوار تھا..... وہ حقیقتاً بے ہوش نہیں ہوا تھا بلکہ فریدی کو دھوکہ دینے کی کوشش کی تھی اور اس میں وہ کامیاب بھی ہوگیا تھا۔

اچانک ساحرہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھی۔ اس کی تنویمی نیند اچٹ گئی تھی وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے ان دونوں کو گھورتی رہی۔

''ساحرہ تم ادھر آؤ..... میں سہیل ہوں۔'' حمید نے اسے آواز دی۔

ساحرہ آواز پہچان کر اس کی طرف جھپٹی۔

''ساحرہ..... خبردار.....!'' ڈاکٹر سلمان چیخا۔

''انہیں بکنے دو.....!'' حمید آہستہ سے بولا۔ ''وہ نشے میں ہے۔ اس بدمعاش نے مجھے باندھ کر ڈال دیا ہے اور انہیں قتل کرنا چاہتا ہے۔ وہ دیکھو، چاقو..... وہاں پڑا ہے..... تم جلدی سے میری رسیاں کاٹ دو..... پھر میں اس بدمعاش سے سمجھ لوں گا۔''

ساحرہ نے دوڑ کر چاقو اٹھالیا۔

''ساحرہ.....!'' ڈاکٹر سلمان پھر دہاڑا۔

''اوہ..... جلدی کرو..... وہ اتنی پی گئے ہیں کہ انہیں دوست دشمن کی تمیز نہیں رہ گئی۔ وہ بدمعاش انہیں مار ڈالے گا۔'' حمید نے آہستہ سے کہا اور ساحرہ اس کی رسیاں کاٹنے لگی۔ ادھر ڈاکٹر سلمان نے فریدی کو چھوڑ کر ہٹنا چاہا لیکن فریدی نے اسے اس کا موقع ہی نہ دیا۔

حمید آزاد ہو چکا تھا۔ اس نے ساحرہ کے ہاتھ سے چاقو لے کر اس کی نوک ڈاکٹر سلمان کی گردن سے لگادی۔

''چپ چاپ اٹھ آؤ پیارے ڈاکٹر..... ورنہ تمہاری گردن میں سوراخ ہو جائے گا۔''

''یہ کیا کر رہے ہو تم.....'' ساحرہ چیخی۔ لیکن حمید نے کوئی جواب نہ دیا، ڈاکٹر سلمان دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے ہوئے فریدی پر سے اٹھ آیا۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ دونوں اسے رسیوں سے جکڑ رہے تھے اور ساحرہ حلق پھاڑ کر چیخ رہی تھی۔

''تم دھوکے باز ہو سہیل، کمینے، کتے ہو..... تم نے بھائی جان سے دغا کیا..... خدا تمہیں [illegible] کردے۔''

دوسری صبح رام گڈھ والوں کے لئے بڑی تہلکہ خیز خبر تھی۔ فریدی نے زمین دوز تہہ خانوں کا [illegible] بھی لگالیا تھا۔ اس کا راستہ ڈاکٹر سلمان کی کوٹھی کے اسی تہہ خانے سے شروع ہوتا تھا جہاں انہوں [illegible] چار لاشیں دیکھی تھیں۔ زمین دوز تہہ خانوں سے تقریباً ساڑھے سات سو افراد برآمد ہوئے جن [illegible] بچے بوڑھے اور جوان سبھی طرح کے لوگ تھے۔ عورتیں بھی تھیں پولیس نے مختلف اقسام کی [illegible] بنیں برآمد کیں۔

پھر گرفتاریاں شروع ہوئیں۔ جتنے لوگوں کو حمید تتاریہ کے یہاں ایک مخصوص میٹنگ میں دیکھ [illegible] تھا حراست میں لے لئے گئے۔ پھر تقریباً ساڑھے تین سو افراد ایسے بھی گرفتار کئے گئے جنہیں کسی [illegible] زمین دوز دنیا کا علم نہیں تھا اور وہ تنظیم کے لئے مختلف قسم کا کام انجام دیتے تھے۔

اس طرح فریدی اس تنظیم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے میں کامیاب ہوا جس کی داغ بیل حقیقتاً ڈاکٹر [illegible] سلمان ہی نے ڈالی تھی۔

شام تک فریدی کے محکمے کے اعلیٰ آفیسر فضائی راستے سے رام گڈھ پہنچ گئے اور فریدی انہیں [illegible] سارے حالات بتاتا ہوا بولا۔ ''میں نے دو مجسمے دیکھے تھے اور دونوں میں یہ بات محسوس کی تھی کہ جسم [illegible] کے وہ حصے جو سیاہ رنگ کے چمڑے کے نیچے تھے کوئلے میں نہیں تبدیل ہوئے تھے لیکن چونکہ وہ [illegible] کاربن میں دبے ہوئے تھے اس لئے سڑے بھی نہیں تھے۔ یعنی جسم کے ان حصوں کے درمیان تھے [illegible] جو کوئلے میں تبدیل ہو چکے تھے۔ بہرحال میں نے اسی بناء پر ایک خطرہ مول لیا۔ مگر میرا خیال غلط [illegible] نہیں ثابت ہوا۔ میرے چمڑے کے لباس پر پش فائر کی خطرناک شعاع کا اثر نہیں ہوا۔''

پھر اس نے انہیں بتایا کہ اس نے کس طرح تنظیم کے مقابلے پر تھریسیا بمبل بی کی ایک تنظیم کھڑی کردی تھی اور خود الفانسے کے روپ میں تتاریہ کے یہاں جا گھسا تھا۔

پھر اس سے یہ سوال کیا گیا کہ اس نے براہِ راست محکمے کو اطلاع کیوں نہیں دی تھی اس پر

فریدی نے کہا کہ وہ اپنا اطمینان کر لینے سے پہلے معاملے کو آگے نہیں بڑھانا چاہتا تھا مگر اسے یہ جلد سے جلد وہ اسی اسٹیج میں پہنچ گیا۔ پھر اس نے تھریسیا بمبل بی کا تعارف کرایا جو رشیدہ کے علاوہ اور کون ہو سکتی تھی۔ انور بھی ان آفیسروں کے سامنے پیش کیا گیا لیکن فریدی کی بیک فورس کا پتہ نہیں آ سکا تھا۔ ویسے اس نے یہ ضرور کہا کہ اس نے تھریسیا کے لئے کچھ آدمی کرائے پر لئے ہیں اور ان سے بھی کام لیتا رہا تھا۔

"مگر تم نے یہ نہیں بتایا کہ یک بیک تمہارے ہاتھ کیسے آزاد ہو گئے تھے۔" ڈی آئی جی نے پوچھا۔

"میں حمید کی طرح بے ہوش نہیں ہوا تھا جناب۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "جب وہ مجھے بے بس کر کے میرے ہاتھ باندھ رہے تھے میں نے کلائیاں ایک دوسرے سے فاصلے پر رکھی تھیں لیکن بوکھلائے ہوئے دشمنوں کو اس کا احساس نہیں ہو سکا تھا۔ بہرحال کلائیوں میں فاصلہ ہونے کی بنا بندش ڈھیلی رہ گئی تھی۔ جس سے ہاتھ نکال لینا مشکل نہیں تھا۔"

پھر تھوڑی دیر خاموش رہ کر اس نے کہا۔ "کچھ بھی ہو مجھے اس لڑکی ساحرہ سے گہری ہمدردی ہے۔ ڈاکٹر سلمان نے ہپناٹزم کے ذریعہ اس کا دماغ الٹ دیا ہے اور وہ اپنی اصلی شخصیت کھو بیٹھی ہے۔ اب کوئی اعلیٰ قسم کا ماہر نفسیات ہی اس کی زندگی سدھار سکے گا۔"

پھر انہوں نے روحی کے معاملے پر بحث شروع کی۔ کیونکہ واقعات کی ابتداء اس سے ہوئی تھی۔ فریدی نے کہا۔ "اس کا باڈی گارڈ شاہد دل کشا ہوٹل کے مالک کے دوسرے ہوٹل نشاط سے برآمد کر لیا گیا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ اسے سردار شکوہ نے بے بس کر کے نشاط ہوٹل تک پہنچایا تھا۔ روحی کا تعلق اس واقعہ سے صرف اتنا ہی ہے کہ ادارہ روابط عامہ اس سے لمبی لمبی رقمیں وصول کرتا تھا۔ شاہد کو اس لئے اغواء کیا گیا تھا کہ روحی اس پر شک کرے اور اسے تلاش کرانے کے سلسلے ادارہ کو مزید رقومات دیتی رہے۔"

ختم شد

ابنِ صفی

جلد نمبر 19

جاسوسی دنیا

60- زہریلے تیر

61- پانی کا دھواں

62- لاش کا قہقہہ

63- ڈاکٹر ڈریڈ



پیشرس

ابن صفی کی جاسوسی دنیا کا بہترین سیٹ "زہریلے تیر، پانی کا دھواں، لاش کا قہقہہ اور ڈاکٹر ڈریڈ" ملاحظہ فرمایئے۔

ڈاکٹر ڈریڈ اور فنچ ان کہانیوں کے مرکزی مجرم ہیں۔ خصوصاً ڈاکٹر ڈریڈ پس پردہ کاروائیاں کرتا ہے اور فنچ کی اچھل کود، عیاری، پھرتی اور چالاکی سنگ ہی کی یاد دلاتی ہے۔ بہت سی دوسری خوبیوں کے علاوہ فنچ کا کردار سب سے انوکھا اور نرالا ہے۔ یہ ایسا مجرم ہے جس سے ہمدردی ہوتی ہے مگر نفرت کے ساتھ! اسی لئے اس کا انجام بھی روایتی ہونے کی بجائے الگ اور ہٹ کر ہے۔ وہ انتقام کا بھوکا تھا اور اپنی خواہش انتقام کی تکمیل کے بعد غائب ہو جاتا ہے۔ یہی اس کا انجام ہے۔ ہو سکتا ہے اس نے خودکشی کرلی ہو یا یہ بھی ممکن ہے کہ وہ پھر سے شریفانہ زندگی گزارنے لگا ہو۔ بہر حال یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ واقعات کے پس منظر کا مطالعہ کے بعد جو بھی نتیجہ چاہیں نکال سکتے ہیں۔

ڈاکٹر ڈریڈ کا کردار مکمل اور بھرپور ہے۔ ڈاکٹر جیسا مجرم اگرچہ اپنی بڑائی کا دعویٰ کرتا ہے مگر سب سے بڑی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اگر اس کی قدرت "ہر فرعون را موسیٰ" کے مقولے کے مطابق ہر زہر کا تریاق پیدا نہ کرتی تو یہ دنیا ایسے مجرموں کی ذہانت اور ہوشیاری کی وجہ سے جہنم بن چکی ہوتی۔ خدا تعالیٰ نے ایک سرکس کے "جوکر" جس کی پروردہ لڑکی کو ڈاکٹر ڈریڈ کے مظالم نے موت کی نیند سلا دیا تھا اور جس کو ڈاکٹر ایک معمولی حیثیت دینے کو بھی تیار نہیں تھا "فنچ" کے ہاتھوں زندگی سے عاجز کر دیا اور آخر اس کے ہاتھوں ڈاکٹر ڈریڈ جہنم واصل ہوا۔

"زہریلے تیر" کی کہانی اس وقت کتنی دلچسپ اور سنسنی خیز ہو جاتی ہے جب تارا نائیڈو اور کہکشاں کے چکر میں حمید الجھ کر رہ جاتا ہے۔ لاش کا قہقہہ میں پروپیگنڈہ کے فراڈ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ شخصی پروپیگنڈہ کس طرح جرائم کی راہ کھول سکتا ہے اس کی تشریح سعیدہ رحمان کے کردار سے ہوتی ہے۔ کس طرح لوگ اس کی بے اندازہ دولت کی کہانی سے متاثر ہو کر اس کے شیدائی بن جاتے ہیں۔ کہانی کا یہ اخلاقی پہلو آج کی پوری سوسائٹی کے لئے مشعل راہ بن سکتا ہے۔ اس لئے کہ موجودہ دور میں حقائق سے زیادہ پروپیگنڈا پر بھروسہ کیا جاتا ہے۔

قاسم کے ساتھ ساتھ انور اور رشیدہ کی جھڑپیں، حمید اور ریکھا کی نوک جھونک بھی ہے۔ یوں تو حمید کا وجود ہی قہقہہ انگیز اور تبسم آمیز ہوتا ہے۔ لیکن "ڈکی ٹیلس" نے تو قیامت ڈھادی ہے۔ نفسیات سے دلچسپی رکھنے والوں کیلئے فنچ، میری سنگلٹن اور زرد پوش فرشتہ معرکے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آخر میں یہ کہے بنا چارہ نہیں کہ ابن صفی کے ناولوں کا مرکزی خیال ہمیشہ یہی رہا ہے کہ مجرم خواہ کتنا ہی ذہین اور ہوشیار کیوں نہ ہو آخر ایک روز قانون سے شکست کھا کر کیفر کردار کو پہنچتا ہے۔

پبلشر

جاسوسی دنیا نمبر 60

زہریلے تیر

(پہلا حصہ)

دھوئیں میں لاش!

کیپٹن حمید آرلکچو کی رقص گاہ سے نکل ہی رہا تھا کہ کسی نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ وہ چونک کر مڑا اور پھر ایک ایسے آدمی کو جسے وہ پہچانتا نہیں تھا دیکھ کر اُسے غصہ آگیا۔ مخاطب کرنے کے اس انداز سے اُسے بڑی نفرت تھی۔ وہ ایسے آدمیوں کو بڑی حقارت سے دیکھتا جو اس کے جسم کو چھو کر اسے مخاطب کرتے تھے۔

"کیوں....؟" وہ اُسے نیچے سے اوپر تک گھور کر رہ گیا۔

"میں اس بے تکلفی کی معافی چاہتا ہوں جناب۔" اجنبی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "دراصل اس وقت میرے ہاتھ پیر قابو میں نہیں ہیں۔"

حمید نے ایک بار پھر اُسے غور سے دیکھا۔ یہ ایک وجیہہ نوجوان تھا عمر پچیس اور تیس کے درمیان رہی ہوگی۔ ظاہری حالت سے بھی وہ کسی گری پڑی حیثیت کا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ لیکن حمید کو اس کی آنکھیں خوفزدہ سی نظر آئیں۔ چہرہ زرد تھا اور وہ بار بار اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

"میں آپ کو پہچانتا ہوں جناب۔" وہ پھر آہستہ سے بولا۔ "اسی لئے مجھے یہ جسارت کرنی ہی

پڑی۔ ہو سکتا ہے اس وقت یہاں آپ کی موجودگی میرے لئے نیک فال ہو۔ ورنہ آنے والے چند گھنٹوں میں مجھے زندگی کی توقع نہیں ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔" دفعتاً حمید نرم پڑ گیا۔

"میں چند گھنٹے آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔"

"کیوں؟ کوئی وجہ؟"

"میری زندگی خطرے میں ہے۔"

"آپ نے ضرورت سے زیادہ تو نہیں پی۔"

"نہیں جناب! میں بالکل ہوش میں ہوں۔"

"تین چار دن پہلے کی بات ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "یہیں آر لکچو میں ایک صاحب فرما رہے تھے کہ مجھے خدا نے ایک خاص مشن پر بھیجا ہے لیکن میں کرسی سے اٹھ نہیں سکتا۔ ان کی میز پر جن کی دو خالی بوتلیں رکھی ہوئی تھیں۔"

"میں خطرے میں ہوں جناب۔ خدا کے لئے مجھے بچایئے۔" اس نے خوفزدہ آواز میں کہا اور پھر اس طرح چاروں طرف دیکھنے لگا جیسے اس کا کوئی دشمن وہیں موجود ہو۔

"آپ مجھے پہچانتے ہیں۔" حمید نے خشک لہجے میں پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"تو پھر آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ میرے وقت کی بربادی....!"

"جناب والا.... آپ یقین کیجئے۔ پھر آپ کا ہاتھ تو ہر وقت مجھ تک پہنچ سکتا ہے۔"

"آیئے....!" حمید نے ایک خالی میز کی طرف اشارہ کیا۔ "میں آپ سے معلوم کروں گا کہ آپ اس وہم میں کیوں مبتلا ہو گئے ہیں۔"

اجنبی ڈگمگاتے ہوئے قدموں سے میز کیطرف بڑھا اور حمید کو یقین ہو گیا کہ وہ پئے ہوئے ہے۔

وہ سوچنے لگا کہ اسے ایک اچھا سبق دینا چاہئے۔ اجنبی بیٹھ چکا تھا۔ حمید بھی اسکے سامنے بیٹھتا ہوا بولا۔ "میں آپ کو صرف پانچ منٹ دے سکتا ہوں اگر آپ مجھے اس طرح روکنے کی کوئی معقول وجہ نہ بتا سکے تو نتیجے کے آپ خود ذمہ دار ہونگے۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ میں کون ہوں۔"

"اچھی طرح جانتا ہوں جناب لیکن فی الحال میرے پاس اپنے بیان کی صداقت ثابت کرنے

کے لئے کچھ نہیں ہے لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میری زندگی خطرے میں ہے۔"

"چلئے... میں نے تسلیم کر لیا۔" حمید اسکی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "پھر آپ کیا چاہتے ہیں۔"

"یا تو مجھے اپنے ساتھ رکھئے یا گرفتار کر کے جیل میں ڈلوا دیجئے۔ وہاں شائد میں محفوظ رہ سکوں۔ آپ یقین کیجئے جناب آخر میں خواہ مخواہ آپ سے جھوٹ کیوں بولوں گا۔"

"یہ بھی ناممکن نہیں ہے۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ "مگر میں یہ ضرور پوچھوں گا آپ کس سے خوفزدہ ہیں۔"

"وہ ایک گروہ ہے جناب۔ ابھی اس کا ایک آدمی یہاں نظر آیا تھا لیکن وہ جلد ہی غائب بھی ہو گیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ میری ہی تاک میں ہے۔"

"کس بناء پر یقین ہے آپ کو۔"

"میں شائد کسی حد تک اُن کے مقاصد سے واقف ہوں۔"

"سیدھی بات۔ گھماؤ پھراؤ مجھے پسند نہیں ہے۔" حمید اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"آپ میری قیام گاہ تک چلئے میرے ساتھ۔ پھر میں وہاں آپ کو بہت کچھ بتا سکوں گا۔"

"اور اگر میں یہیں سب کچھ سننے پر اصرار کروں تو۔"

"میں وہاں اُن لوگوں کے خلاف دستاویزی ثبوت بہم پہنچاؤں گا۔ میرے پاس بہت کچھ ہے۔"

حمید پھر اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھنے لگا پھر آہستہ سے بولا۔ "آپ چند ایسے لوگوں سے خائف ہیں جن کے خلاف آپ کے پاس دستاویزی ثبوت موجود ہیں اور آپ ان سے اسی لئے خائف ہیں کہ انہیں اس کا علم ہے۔"

"جی ہاں! میں یہی کہنا چاہتا ہوں۔"

"لیکن وہ دستاویزی ثبوت آپ کے گھر پر محفوظ ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"لیکن وہ لوگ اُن دستاویزی ثبوت کو حاصل کرنے کی بجائے آپ کو مار ڈالنا چاہتے ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"بات سمجھ میں نہیں آتی.... فرض کیجئے۔ وہ اس دوران میں ان دستاویزی ثبوتوں کو آپ کے گھر سے اڑا لیں....!"

"یہی تو اُن کے بس کا روگ نہیں ہے۔ وہ بارہا اس کی کوشش کر چکے ہیں۔"

"اور اب ناکامی کی صورت میں آپ کو مار ڈالنا چاہتے ہیں۔"

"اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"اچھا تو.... میں آپ کی صرف اتنی ہی خدمت کر سکتا ہوں کہ ایک پگ وہسکی پیش کر دوں۔"

"آپ کو یقین نہیں آیا۔" اجنبی نے مایوسی سے کہا۔

"بالکل یقین آ گیا ہے۔ اب اجازت دیجئے۔"

دفعتاً اجنبی کے چہرے کی حالت بدل گئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے بہت شدت سے غصہ آ گیا ہو۔ وہ چند لمحے غصیلی نظروں سے حمید کو گھورتا رہا پھر بولا۔ "خیر.... میں چاہتا تھا کہ کسی قسم کا ہنگامہ برپا کئے بغیر کام ہو جائے۔ لیکن آپ شائد دنیا کے سب سے زیادہ محتاط آدمی ہیں۔ میں خواہ مخواہ آپ کے ساتھ اپنا وقت برباد کر رہا تھا۔"

حمید نے لاپروائی کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنبش دی اور خالی خالی نظروں سے اجنبی کو دیکھتا رہا۔

"اب جو کچھ بھی ہوگا۔" اجنبی اٹھتا ہوا بولا۔ "اس کی ذمہ داری سراسر آپ پر ہوگی۔"

حمید پائپ کے کش لیتا رہا اور اجنبی اٹھ گیا لیکن آنکھیں اس کا تعاقب کر رہی تھیں۔ دفعتاً حمید نے پائپ کی جلی ہوئی تمباکو ایش ٹرے میں جھاڑ کر پائپ کو جیب میں ڈال لیا.... اجنبی بار کی طرف جا رہا تھا۔ کاؤنٹر پر پہنچ کر وہ رکا۔ پھر حمید نے اُسے کاؤنٹر پر رکھی ہوئی ایک بوتل اٹھاتے دیکھا.... اور یہ بھی دیکھا کہ وہ بوتل بار مین کے سر پر توڑ دی گئی۔ بار مین کی چیخ ہال میں گونجی اور لوگ کاؤنٹر کی طرف جھپٹنے لگے۔ اجنبی گھونسے چلا رہا تھا۔ کئی آدمی اپنی ٹھوڑیاں دبائے ہوئے بھیڑ سے الگ ہو گئے۔

حمید بھی اٹھا اور اس وقت کاؤنٹر کے قریب پہنچا جب کچھ لوگ اجنبی کو فرش پر گرا کر اس کے ہاتھ باندھ رہے تھے۔

کسی نے فون پر پولیس کو اطلاع دی۔ اس علاقے کا تھانہ آر لکچو سے زیادہ دور نہیں تھا۔ دس منٹ کے اندر ہی اندر پولیس آ گئی، حمید دور کھڑا سب کچھ دیکھتا رہا تھا۔ پھر جب پولیس

اجنبی کو لے جا رہی تھی حمید صدر دروازے کے قریب کھڑا اُسے گھور رہا تھا۔ جیسے ہی اُس کی نظر حمید پر پڑی وہ بڑے فخریہ انداز میں مسکرایا اور حمید کو ایسی نظروں سے دیکھنے لگا جیسے کہہ رہا ہو "تم نے دیکھا....؟"

حمید اب اس میں گہری دلچسپی لے رہا تھا۔ پولیس والوں کے ساتھ ہی ساتھ وہ پھر باہر سڑک پر آ گیا۔ تھانہ چونکہ قریب ہی تھا اس لئے ملزم کو کسی سواری پر لے جانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی۔ حمید ان سے تھوڑے فاصلے پر چل رہا تھا۔ لیکن اب یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ وہ متواتر اس پراسرار آدمی پر نظر ہی جمائے رہتا۔ وہ تو بس اُن کے پیچھے چل رہا تھا۔ ملزم کی طرف اس کی توجہ نہیں تھی۔ وہ تو دراصل یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ تھانے میں پہنچ کر کیا کرتا ہے۔

دفعتاً اس نے ایک چیخ سنی اور چونک کر آواز کی طرف متوجہ ہو گیا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر اجنبی ہتھکڑیوں سمیت زمین پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔ حمید تقریباً دوڑتا ہوا اس طرف جھپٹا۔ کانسٹیبل اُسے زمین سے اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ حمید کی نظر اس کے داہنے بازو پر پڑی جس میں ایک تیر پیوست تھا۔

"ارے.... یہ تو.... ختم ہو گیا۔" ہیڈ کانسٹیبل ہکلایا۔ پھر حمید سے بولا۔ "ہٹو.... پیچھے ہٹو.... تم کون ہو۔"

حمید مرنے والے پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے سیدھے کھڑے ہو کر کہا۔ "کیپٹن حمید فرام انٹیلی جنس بیورو۔"

"اوہ.... معاف کیجئے گا۔ میں پہچانتا نہیں تھا جناب کپتان صاحب۔"

"کوئی بات نہیں۔" حمید دوسری طرف دیکھتا ہوا بولا۔ پھر وہ اسی طرف تیزی سے چلنے لگا۔ شائد وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تیر کہاں سے آیا تھا۔

لیکن بمشکل تمام سو قدم چلا ہوگا کہ ایک دھماکہ سنائی دیا۔ وہ بوکھلا کر مڑا۔ لوگ بے تحاشہ اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ اس جگہ گہرا دھواں طاری تھا جہاں اجنبی گرا تھا۔ حمید نے اپنی آنکھوں میں ہلکی سی جلن محسوس کی اور دھوئیں کی طرف جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ دھوئیں کا حجم آہستہ آہستہ بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ سڑک کی پوری چوڑائی پر مسلط ہو گیا۔ دوسری طرف کی روشنیاں تک نہیں دکھائی دیتی تھیں۔ حمید آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتا رہا کیونکہ اس کی آنکھوں کی جلن بڑھتی

جارہی تھی اور اب وہ دھواں بھی ہوا کے ساتھ منتشر ہونے لگا تھا۔

ٹریفک رک گیا۔ کافی دور تک ہیجان پھیل گیا تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد فضا صاف ہوئی۔ مرنے والا اب بھی وہیں پڑا ہوا تھا۔ جہاں حمید نے اسے پہلے دیکھا تھا لیکن اب اس کے جسم پہ کپڑے نہیں تھے۔ وہ بالکل برہنہ تھا اور اب اس کے بازو میں تیر بھی نہیں نظر آرہا تھا کسی نے اس پر چادر ڈال دی.... اور اب پھر اس کے گرد بھیڑ اکٹھی ہونے لگی تھی۔

حمید آہستہ آہستہ چلتا ہوا وہاں پہنچا جیسے ہی ہیڈ کانسٹیبل کی نظر اس پر پڑی وہ کسی بدحواس چوپائے کی طرح ہانپنے لگا۔

"اب مجھے کیا کرنا چاہئے جناب کپتان صاحب۔" اس نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"لاش سے تین تین گز چاروں طرف سڑک گھیر لو۔ تمہارے ساتھ پانچ آدمی ہیں۔ یہ کافی ہوں گے۔ میں تمہارے پولیس اسٹیشن اور کوتوالی کو فون کئے دیتا ہوں۔"

"بہت بہتر جناب۔" ہیڈ کانسٹیبل نے ایک طویل سانس لی۔ وہ کچھ اس انداز میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ رہا تھا جیسے اُسے خبیث روحیں نظر آرہی ہوں۔

حمید نے ایک دوکان سے دو تین جگہوں کے نمبر ڈائیل کئے۔ کوتوالی اطلاع دی۔ اپنے محکمہ کے ہس آفیسر سے رابطہ قائم کیا جو اس وقت ڈیوٹی پر تھا لیکن فریدی کہیں نہ مل سکا۔ گھر کے علاوہ بھی حمید نے کئی ایسی جگہوں آزمایا جہاں فریدی کی موجودگی کے امکانات ہو سکتے تھے مگر وہ نہ ملا۔

پانچ منٹ بعد وہ پھر جائے واردات پر پہنچ گیا لیکن وہاں تک پہنچنے کے لئے اسے خاصی جدوجہد کرنی پڑی کیونکہ چاروں طرف آدمیوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا اور پانچوں کانسٹیبلوں کو لاش کے گرد حلقہ قائم رکھنے میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ بھیڑ بڑھتی ہی جارہی تھی۔

حمید کی الجھن بڑھنے لگی۔ اب وہ یہاں سے ہٹ بھی نہیں سکتا تھا۔ یہ واقعہ پراسرار تھا لیکن یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ کیپٹن حمید خواہ مخواہ اپنی ٹانگ اڑاتا۔ وہ فریدی کی طرح مصروفیت کا بھوکا نہیں تھا۔ بیکاری اسے اکثر بہت دلکش معلوم ہوتی تھی اور یہ وہی زمانہ تھا جب کام میں اس کا دل نہیں لگتا تھا۔ سردیاں شباب پر تھیں اور شہر کی تفریح گاہوں میں رات بھر رونق رہتی تھی لیکن یہ موقعہ ایسا بھی نہیں تھا کہ حمید شہر کی تفریح گاہوں کے متعلق کچھ سوچتا۔

بہر حال اُسے تو اب یہاں ٹھہر کر اپنے محکمے کے آدمیوں کا انتظار کرنا تھا کیونکہ وہ اپنا بیان

دیئے بغیر یہاں سے ہٹ نہیں سکتا تھا۔

بھیڑ بڑھتی ہی جارہی تھی۔ ذرا سی ہی دیر میں پھر ٹریفک رک گیا۔ دو تین ڈیوٹی کانسٹیبل جو اس سڑک پر موجود تھے مجمع منتشر کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن یہ ان کے بس کا روگ نہیں تھا۔

سب سے پہلے قریبی تھانے کا انچارج وہاں پہنچا۔ اس کے ساتھ بھی دو تین کانسٹیبل آئے تھے۔ مگر وہ بھی مجمع کو قابو میں نہ رکھ سکے۔ ویسے اتنا ضرور ہوا کہ لاش کے گرد جو حصار قائم کیا گیا تھا اُسے مزید تقویت حاصل ہو گئی۔

کچھ دیر بعد محکمہ سراغ رسانی کے فوٹو گرافر بھی پہنچ گئے لیکن ابھی تک لاش پر سے کپڑا نہیں ہٹایا گیا تھا۔ حمید بور ہوتا رہا۔ اب ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کا انتظار تھا۔ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کی آمد پر لاش پر سے کپڑا ہٹایا گیا اور حمید بھونچکا رہ گیا۔ کیونکہ یہ تو اُس آدمی کی لاش نہیں معلوم ہوتی تھی جسے اس نے تیر کھا کر گرتے دیکھا تھا۔ دھواں صاف ہو جانے کے بعد تک لاش میں کوئی تبدیلی نہیں واقع ہوئی تھی۔ مگر اب اس کے چہرے پر اتنا زیادہ ورم آگیا تھا کہ اصلی خدوخال مسخ ہو کر رہ گئے تھے۔ پھر حمید نے اسکے جسم پر نظر ڈالی۔ چہرے ہی کی مناسبت سے وہ بھی متورم نظر آرہا تھا۔

حمید نے اس کانسٹیبل کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر بھی اسے ہوائیاں اڑتی نظر آئیں۔

مگر حمید اتنی زیادہ اکتاہٹ محسوس کر رہا تھا کہ یہ حیرت انگیز تبدیلی بھی اُسے وہاں نہ روک سکی اور وہ اپنا بیان دے کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔

دوسرا تیر

فریدی کی لنکن بڑی تیز رفتاری سے ریکسٹن اسٹریٹ میں دوڑ رہی تھی، اور لیڈی انسپکٹر مس ریکھا سوچ رہی تھی کہ کہیں کوئی حادثہ نہ ہو جائے کیونکہ ریکسٹن اسٹریٹ شہر کی سب سے زیادہ بھری پُری سڑکوں میں سے تھی مگر فریدی کی مہارت نے اُسے ایک بار بھی چیخنے کا موقع نہیں دیا تھا۔

ریکھا کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اس بھاگ دوڑ کا مقصد کیا ہے؟ بس وہ اتنا ہی جانتی تھی کہ فریدی اس سے کوئی کام لینا چاہتا ہے۔ اسے کام کی نوعیت کا بھی علم نہیں تھا۔

"کیا ہم محض تفریحاً باہر نکلے ہیں۔" ریکھا نے پوچھا۔

"تفریحاً....!" فریدی بڑبڑایا۔ "نہیں میں تنہا تفریح کرنے کا عادی ہوں۔"

ریکھا اس جواب پر کچھ جھینپ سی گئی۔ ویسے بھی اس کا سوال تشنہ تھا۔ فریدی پھر خاموش ہو گیا۔ ریکھا بھی خاموش ہی رہی۔

آخر کچھ دیر بعد کار چیتھم روڈ پر مڑ رہی تھی، فریدی بولا۔ "چائنیز کارنر میں تمہیں جانا پڑے گا....اور یہ لو....اسے اپنے کوٹ کے کالر میں بائیں جانب پن کر لو۔"

اس نے جیب سے کچھ نکال کر ریکھا کو دیا۔ اس کا داہنا ہاتھ اسٹیئرنگ پر تھا اور آنکھیں سامنے سڑک پر۔

وہ سرخ رنگ کا ایک مصنوعی گلاب تھا۔ ریکھا نے اسے حیرت سے دیکھا۔ وہ سمجھ ہی نہ سکی کہ اسکا مقصد کیا تھا۔ چند لمحے ذہن پر زور دیتی رہی پھر ہکلائی۔ "مم...میں نہیں سمجھی...یہ پھول۔"

"یہ گلاب کا پھول ہے، اسے اپنے بائیں کالر میں پن کر لو۔"

"اوہ....شکریہ۔" یک بیک ریکھا کھل گئی۔

"تم غلط سمجھیں۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "یہ تحفہ پیش نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ میں ایک تجربہ کرنے جا رہا ہوں۔ تم یہ پھول لگا کر چائنیز کارنر میں جاؤ گی۔ ہم دونوں وہاں ایک دوسرے کے لئے قطعی اجنبی ہوں گے۔ میں صرف یہ دیکھوں گا کہ اس پھول کی وجہ سے تمہیں کن حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔"

"اوہ....!" ریکھا ہونٹ سکوڑ کر رہ گئی۔ اس کے چہرے کی تازگی رخصت ہو گئی تھی۔ وہ اکثر غلط فہمی میں مبتلا رہ جاتی تھی کہ فریدی اس کی طرف جھک رہا ہے۔ حمید اسے محسوس کر کے بغلیں بجاتا اور پیشین گوئی کرتا کہ وہ آئندہ سال تک ٹی۔بی میں مبتلا ہو کر مر جائے گی۔

فریدی کے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اب تک نہ جانے کتنی عورتیں اس کے خبط میں مبتلا رہ کر مایوس ہو چکی تھیں۔ ریکھا بھی اُن میں سے ایک تھی، لیکن ابھی اس کا ذہن مایوسی کی سرحدیں نہیں چھو سکا تھا۔ اسے توقع تھی کہ وہ ایک نہ ایک دن فریدی کا دل جیتنے میں کامیاب ہو جائے گی.... مگر اس وقت کا ذہنی جھٹکا اس کے لئے بڑا تکلیف دہ ثابت ہوا تھا۔ کیونکہ اس جھٹکے میں خجالت کا زور بھی شامل تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کیا سچ مچ اس آدمی کے سینے میں پتھر کا ٹکڑا ہی ہے۔

دفعتاً فریدی پھر بولا۔ "کیا تم ہچکچا رہی ہو۔"

"کس بات سے۔"

"اسی تجربے سے۔"

"نہیں تو....!" ریکھا زبردستی ہنس کر بولی۔ "آپ مجھے اتنی ڈرپوک کیوں سمجھتے ہیں۔ اگر میں ایسے ہی کمزور دل کی ہوتی تو اس محکمے میں کیوں آتی۔"

"پتہ نہیں کیوں! بہتیرے یونہی آ جاتے ہیں۔"

فریدی کا یہ ریمارک بھی ریکھا کو کھل گیا لیکن وہ کچھ بولی نہیں۔ دل ہی دل میں جھلتی رہی۔ پھر کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔ "مگر آپ جو کچھ کرنے جا رہے ہیں کم از کم اس کے مقصد سے تو آگاہ کر دیجئے۔"

"بس تمہیں وہاں کسی خالی میز پر بیٹھ کر واقعات کا انتظار کرنا پڑے گا۔"

"کس قسم کے واقعات۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ پھول کسی نہ کسی کو تمہارے قریب ضرور لائے گا۔ پھر میں دیکھوں گا کہ وہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔"

"آپ آج کل چھٹی پر ہیں۔"

"میں کبھی چھٹی پر نہیں ہوتا۔"

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ پھر آپ چھٹی لیتے ہی کیوں ہیں۔"

"کیا میں تنخواہ نہیں لیتا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "سارے ہی کام ضابطے کے اندر کرتا ہوں۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ کسی کیس میں اسی وقت دلچسپی لوں جب وہ محکمے کی طرف سے میرے سپرد کیا جائے۔"

"کیا یہ کوئی اہم کیس ہے جس کے سلسلے میں آپ کوئی تجربہ کرنے جا رہے ہیں۔"

"اہم بھی ہو سکتا ہے۔"

"اس کی نوعیت کیا ہے۔"

"نوعیت ابھی تک روشنی میں نہیں آ سکی۔"

ریکھا خاموش ہو گئی۔ وہ حمید سے بھی سن چکی تھی کہ فریدی سے کچھ معلوم کر لینا آسان کام نہیں ہے۔

"خیر....!" ریکھا ایک طویل سانس لے کر بولی۔ "مجھے اور کیا کرنا ہو گا۔"

"تم خود ہی کافی ذہین ہو۔" فریدی نے جواب دیا۔ "اس لئے مجھے توقع ہے کہ کوئی غلط قدم نہیں اٹھاؤ گی۔ دراصل یہ پھول ایک طرح کا شناختی نشان ہے جس کے ذریعہ دو مختلف پارٹیوں میں پیغام رسانی ہوتی ہے۔ یہ میرا خیال ہے جسے یقین کی حد تک پہنچانے کے لئے تجربہ کرنے

جارہا ہوں۔"

"اچھا میں سمجھ گئی۔ آپ ان پارٹیوں میں سے کسی ایک کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔"

"دھوکا غیر مناسب لفظ ہے۔ جب قانون کے محافظ اس قسم کی کوئی چال چلتے ہیں تو اُسے حکمت عملی کہا جاتا ہے۔" فریدی کے لہجے میں بڑی تلخی تھی۔

پھر چائنیز کارنر سے کچھ فاصلے پر اس نے کار روکتے ہوئے کہا۔ "اب تم اتر جاؤ۔ ایک بار پھر سن لو کہ ہم دونوں وہاں ایک دوسرے کے لئے قطعی اجنبی ہوں گے۔"

"جی ہاں! مجھے یاد ہے۔" ریکھا کہتی ہوئی اُتر گئی۔

فریدی نے کار دوسری سڑک پر موڑ دی اور ایک بڑی عمارت کا چکر لگا کر چائنیز کارنر کے سامنے پہنچ گیا۔ یہ شہر کے بڑے ریستورانوں میں سے تھا اور اس کا مالک ایک چینی فوہی تھا۔

ریکھا اندر جا چکی تھی۔ فریدی بھی کار سے اتر کر ریستوران میں داخل ہوا۔ یہاں زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔ ریکھا ایک میز پر تنہا نظر آئی۔ اس کے قریب ہی دوسری میز بھی خالی تھی۔

فریدی نے اپنے لئے وہی میز منتخب کی۔ تقریباً بیس منٹ گذر گئے لیکن توقع کے مطابق ریکھا کی طرف کوئی بھی متوجہ نہ ہوا۔ ریکھا کافی پی چکی تھی اور اب اس انداز میں بیٹھی ہوئی تھی جیسے بہت تھک گئی ہو۔ اس کے چہرے سے یہ نہیں ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی کی منتظر ہے۔

پچیس منٹ گذر جانے کے بعد ریکھا کے ذہن پر اکتاہٹ نے حملہ کر دیا۔ لیکن وہ کرتی بھی کیا، ویسے اُسے علم تھا کہ فریدی اُس سے تھوڑے ہی فاصلے پر موجود ہے مگر اُس نے اس دوران میں ایک بار بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

دفعتاً ریکھا کا دل دھڑکنے لگا کیونکہ ایک آدمی اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ ایک گوشے کی میز سے اٹھا تھا اور اس نے اُسے اُسی وقت دیکھا تھا جب وہ یہاں داخل ہوئی تھی۔ وہ تھا بھی کچھ اسی قسم کا آدمی کہ اُس پر خاص طور سے نظر پڑ سکتی تھی۔ وہ ایک دبلا پتلا اور چھوٹے سے قد کا آدمی تھا۔ آنکھیں چھوٹی اور نیلی تھیں۔ جبڑے بندروں کے سے تھے اور پیشانی پر سایہ کیے ہوئے چھوٹے چھوٹے بھورے بال بھی پہلی نظر میں اُسے بندروں ہی کی کسی ترقی یافتہ نسل کا ایک فرد ثابت کرتے تھے۔ چہرے پر بے شمار جھریاں تھیں لیکن لباس سے وہ کمتر حیثیت کا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ گھڑی کی زنجیر میں مختلف رنگوں کے جواہرات نظر آ رہے تھے۔

"آپ کی اجازت سے۔" وہ بیٹھتا ہوا بولا۔

"اوہ.... ضرور.... ضرور....!" ریکھا سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اُس نے اس آدمی کو غور سے

دیکھا۔ حقیقتاً وہ سو فیصدی بندر معلوم ہوتا تھا اور اس کے ہونٹوں پر ویسی ہی مسکراہٹ تھی جیسے بندر دانت نکالتے ہیں۔

"میرا نام فنچ ہے.... فنچ.... صوتی اعتبار سے بھی میری شخصیت سے بہت زیادہ ہم آہنگ ہے۔ کیا خیال ہے مس.... اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو آپ ابھی مس ہی ہیں۔"

"ضروری نہیں ہے کہ میں بھی آپ کو اپنا نام بتاؤں۔" ریکھا نے خشک لہجے میں کہا۔

"ضروری تو نہیں ہے۔" فنچ آہستہ سے بولا۔ "لیکن ایک دوسرے سے جان پہچان پیدا کرنے کے لئے پھر اور کون سا طریقہ اختیار کیا جائے۔"

دفعتاً ریکھا سنبھل گئی۔ وہ بہر حال کسی مقصد کے تحت یہاں آئی تھی۔ ہو سکتا تھا کہ اس کے اس رویہ کی بناء پر حصول مقصد میں ناکامی ہوتی۔

وہ پیشہ ور عورتوں کے سے انداز میں مسکرائی اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "ریکھا.... میرا نام ریکھا ہے۔"

"تو.... مس ریکھا۔ کیا آپ یہاں اس کارنر میں اکثر آتی رہتی ہیں۔" فنچ نے پوچھا۔

"مجھے یاد نہیں کہ میں یہاں کتنی بار آئی ہوں۔"

"شے.... ار.... کیا آپ کو گلاب بہت پسند ہیں۔"

"ہاں... ہیں تو.... لیکن بہت جلد کملا جاتے ہیں اسلئے میں انکی نقل زیادہ پسند کرتی ہوں۔"

"میرے پاس ایک ایسا لوشن ہے...." فنچ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "جو گلابوں کو کم از کم ایک ہفتے تک تر و تازہ رکھتا ہے۔"

"اوہ....!" ریکھا حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولی۔ "میں ایسے لوشن کے لئے اپنی آدھی سلطنت دے سکتی ہوں۔"

"میں آپکو اس لوشن کی ایک بڑی مقدار دے سکتا ہوں۔ کیا آپ میرے ساتھ چل سکیں گی۔"

"اوہ.... میں ضرور چلوں گی۔" ریکھا نے بے پایاں مسرت کا اظہار کیا۔

فنچ اٹھ گیا۔ ریکھا بھی اٹھی۔ فریدی ان کی طرف پشت کئے بیٹھا اخبار پر جھکا ہوا تھا۔

ریکھا اس پر ایک اچٹتی ہوئی سی نظر ڈال کر آگے بڑھ گئی۔ وہ باہر آئے، فنچ اُسے جس کار کی طرف لے جا رہا تھا وہ بڑی شاندار تھی۔ ایک لمبی سی سیاہ رنگ کی سیڈان۔

سیڈان ہموار سڑک پر تیرنے لگی۔

ریکھا نے کئی بار سوچا کہ مڑ کر دیکھے مگر پھر ایسا نہ کر سکی۔ ویسے اُسے یقین تھا کہ فریدی کی

لنکن اس سیڈان سے زیادہ دور نہ ہو گی۔ فنچ خاموش تھا۔ ریکھا کا دل دھڑک رہا تھا مگر اس دھڑکن کا تعلق خوف سے نہیں تھا بلکہ وہ سوچ رہی تھی کہ اب کیا ہو گا۔ اُسے یقین تھا کہ یہ یقیناً کوئی گہرا معاملہ ہے۔ ورنہ فریدی اُسے اس طرح کسی تجربے کی بھینٹ نہ چڑھاتا۔

سیڈان مختلف سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ ریکھا نے راستے کی تفصیل ذہن میں رکھنے کی کوشش کی تھی۔ قدرتی بات تھی کیونکہ وہ کسی نامعلوم منزل کی طرف جا رہی تھی۔ آخر یہ سفر بیس منٹ بعد ختم ہو گیا۔ کار ایک عظیم الشان عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔

پھر وہ پورچ میں پہنچ کر رک گئی۔ فنچ نے نیچے اُتر کر دروازہ کھولا۔ نہ جانے کیوں نیچے اترتے وقت ریکھا کے پاؤں کانپ رہے تھے۔ حالانکہ وہ اب بھی خوفزدہ نہیں تھی۔

"اس طرف" فنچ نے بڑے ادب سے زینوں کی طرف اشارہ کیا۔

پھر وہ اور ریکھا ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

"میں یہیں رہتا ہوں۔" فنچ بولا۔

"ہوں۔" ریکھا نے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کیا۔ فنچ ابھی تک انگریزی ہی میں گفتگو کرتا رہا تھا اور ریکھا اندازہ نہیں کر پائی تھی کہ وہ کس قوم اور نسل سے تعلق رکھتا تھا۔ نہ وہ انگریز معلوم ہوتا تھا اور نہ مقامی باشندہ۔

چال ڈھال سے بہت زیادہ پھرتیلا معلوم ہوتا تھا۔

وہ ایک بہت کمرے میں آئے جسے ہال ہی کہنا مناسب ہو گا۔ ریکھا متحیر تھی، کیونکہ ابھی تک اسے اس بڑی عمارت میں ایک متنفس بھی نہیں نظر آیا تھا۔

فنچ چلتے چلتے رک گیا۔ وہ دونوں ہال کے وسط میں کھڑے تھے۔

دفعتاً ریکھا نے قدموں کی آہٹ سنی اور ایک دروازے سے ایک دراز قد آدمی ہال میں داخل ہوا۔ یہ سچ مچ اتنا ہی لمبا تھا کہ وہ اور فنچ ساتھ مل کر "ڈیڑھ" کا عدد بنا سکتے تھے۔

اس نے تیز نظروں سے ریکھا کا جائزہ لیا اور فنچ کی طرف دیکھنے لگا۔

فنچ نے اُس سے کچھ کہا لیکن ریکھا نہ سمجھ سکی کیونکہ اس نے جو کچھ بھی کہا تھا ایسی زبان میں کہا تھا جو ریکھا کی سمجھ سے باہر تھی۔

دراز قد آدمی نے جواب میں بھی کچھ کہا اور ریکھا کو ایک بار پھر نیچے سے اوپر تک دیکھ کر واپس جانے کے لئے مڑا لیکن ابھی بمشکل دو ہی تین قدم چلا تھا کہ یک بیک چیخ کر منہ کے بل ڈھیر ہو گیا۔ اس کی پشت میں ایک بڑا سا تیر پیوست تھا۔ فنچ اچھل کر بھاگا۔ ریکھا بھی غیر ارادی

طور پر اسی کے پیچھے جھپٹی۔ شائد اب بھی خوفزدہ نہیں تھی۔ اس کا یہ فعل سو فیصدی اضطراری تھا۔ وہ فنچ کے پیچھے دوڑتی رہی لیکن ایک بار ایسا بھی ہوا کہ فنچ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا اور وہ صرف اس کے قدموں کی آواز کی سمت دوڑتی رہی۔ یہ ایک تاریک راہداری تھی۔

پھر فنچ کے قدموں کی آواز بھی سناٹے میں گم ہو گئی لیکن ریکھا اسی طرح دوڑتی رہی۔ دفعتاً وہ ایک دیوار سے ٹکرائی۔ آگے راستہ نہیں تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ اندھیرے میں اِدھر اُدھر ٹٹولنے لگے۔ بائیں جانب اسے خلاء محسوس ہوئی اور وہ اُدھر ہی مڑ گئی۔ ٹھیک اسی وقت اس کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی پڑی اور اس کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔

دوسرے ہی لمحے میں اس نے فریدی کی آواز سنی "کیا بات ہے؟"

غیر ملکی سفر

کچھ دیر بعد ریکھا نے محسوس کیا کہ وہ فریدی کے بازو پر ٹکی ہوئی بُری طرح کانپ رہی ہے۔

"وہ.... وہاں....!" ریکھا کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔ "ایک لاش ہے۔"

فریدی اپنا بازو ہٹاتا ہوا بڑبڑایا۔ "یہ بات آج تک میری سمجھ میں نہ آسکی کہ اس محکمے میں عورتوں کو کیوں جگہ دی جاتی ہے۔"

ریکھا کچھ نہ بولی۔ نہ جانے اُسے کیا ہو گیا تھا۔ وہ اُسی وقت اپنا ذہن کریدنے لگی۔ وہ خوفزدہ تو نہیں تھی۔ پھر فریدی کی آواز سنتے ہی یک بیک وہ اس طرح ڈر کیوں گئی تھی۔ اس کا جسم کیوں کانپنے لگا تھا۔ اگر فریدی نے آگے بڑھ کر بازو کا سہارا نہ دیتا تو وہ گر ہی پڑی ہوتی۔

"وہ بندر کہاں ہے۔ تم بھاگ کیوں رہی تھیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"وہ بھاگ گیا۔" ریکھا نے اپنی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "اور اُس کے ایک ساتھی کو کسی نے قتل کر دیا۔"

"اوہو....!"

کچھ دیر بعد ریکھا اُسے محض یادداشت کے بھروسے پر اس کمرے کی طرف لے جا رہی تھی جہاں اُس نے لمبے آدمی کو تیر کھا کر گرتے دیکھا تھا۔ راہداری کے سرے پر پہنچتے ہی انہیں روشنی نظر آنے لگی۔ عمارت کا روشن حصہ اب بھی روشن تھا مگر وہاں زندگی کے آثار نہیں معلوم

ہوتے تھے۔ وہ دونوں صرف اپنے قدموں کی آوازیں سن رہے تھے۔

ریکھا اس بڑے کمرے کو تلاش کرنے میں جلد ہی کامیاب ہوگئی جہاں سے وہ فینچ کے ساتھ بدحواسی میں بھاگی تھی۔ لیکن دروازے میں داخل ہوتے ہی وہ بوکھلا کر پلٹ پڑی۔ فریدی اگر پیچھے ہٹ گیا ہوتا تو وہ اس سے بُری طرح ٹکرائی ہوتی۔ اس بدحواسی کی وجہ یہ تھی کہ اب فرش پر پڑے ہوئے آدمی کے جسم پر کپڑے نہیں تھے۔ فریدی اُس سے کچھ پوچھے بغیر آگے بڑھا اور ایک دروازے کا پردہ کھینچ کر لاش پر ڈال دیا۔ اس کا اندازہ تو اس نے پہلی ہی نظر میں کر لیا تھا کہ وہ لاش ہی تھی۔

پھر وہ ریکھا کی طرف مڑ کر بولا۔ "کیا تم نے پہلے بھی لاش ہی دیکھی تھی۔"

اس پر ریکھا نے لاش کی طرف مڑے بغیر جلدی جلدی پورا واقعہ دہرا دیا۔

"میں نے اس پر کپڑا ڈال دیا ہے۔" فریدی نے کہا.... لیکن پھر بھی ریکھا لاش کی طرف مڑتے ہوئے ہچکچا رہی تھی۔

"یہ.... یہ...." ریکھا لاش کے چہرے کی طرف دیکھ کر ہکلائی اور پھر دم بخود رہ گئی جیسے کے تیر لگا تھا وہ اتنا موٹا آدمی نہیں تھا۔ اس کا چہرہ توفٹ بال معلوم ہو رہا تھا اور یہ بتانا دشوار تھا کہ ناک کہاں پر ختم ہوئی تھی اور ہونٹوں کی شروعات کہاں سے ہوئی تھی۔ پیشانی کے گوشت نے آنکھیں ڈھانپ لی تھیں۔

"کیا کہنا چاہتی ہو۔" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"یہ اس آدمی کی لاش نہیں ہے، جسے میں نے گرتے دیکھا تھا۔"

لاش کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔ فریدی جھک کر دیکھنے لگا۔ پھر سیدھا کھڑا ہو کر بولا۔ "ورم ہے... اس کے پورے جسم پر ورم ہے۔"

پھر وہ لاش کے نیچے سے بہے ہوئے خون کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"وہ آدمی یقیناً اتنا ہی لمبا تھا.... مگر....!" ریکھا کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ لاش پر جھکا ہوا تھا۔ پھر اُس نے آہستہ سے کہا۔ "دیکھو....! یہاں کہیں فون بھی ہے۔ مگر نہیں ٹھہرو.... میں بھی چلتا ہوں۔ ذرا ایک نظر اس عمارت پر بھی ڈال لی جائے۔ کیا یہاں صرف دو ہی آدمی تھے۔"

"لیکن اگر یہ وہی آدمی ہے تو اس کے کپڑے کس نے اتارے اور تیر بھی شائد غائب ہے۔ اس کی پشت میں پیوست ہوتا ہوا نظر آیا تھا۔" ریکھا نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ واقعہ کوئی بہت بڑا الجھاؤ پیدا کرے گا۔"

"وہ اس کمرے سے نکل کر عمارت کے دوسرے گوشوں میں چکرانے لگا۔ لیکن انہیں اپنے علاوہ ایک بھی متنفس نظر نہ آیا۔ ریکھا اس بڑی عمارت اور اس کے ساز و سامان کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

وہ پوری عمارت میں گھوم پھر کر اُس کمرے میں آئے جہاں انہوں نے فون دیکھا تھا۔ فریدی نے اپنے آفس کے نمبر ڈائیل کئے۔

ریکھا اُسے گفتگو کرتے سنتی رہی لیکن فریدی کے چہرے پر اُسے حیرت کے آثار نظر آرہے تھے۔ جب وہ ریسیور رکھ کر ریکھا کی طرف مڑا تو اس کی آنکھوں میں عجیب قسم کی چمک دکھائی دی جس کا مفہوم سمجھنا کم از کم ریکھا کے بس کی بات نہیں تھی۔

"یقیناً یہ واقعات الجھاوے پیدا کریں گے۔" فریدی بڑبڑایا۔

"میں نہیں سمجھی۔ آپ نے کچھ دیر پہلے بھی یہی بات کہی تھی۔"

"یہ وہی آدمی ہو سکتا ہے جسے تم نے تیر کھا کر گرتے دیکھا تھا۔"

"مگر اس کی شکل مجھے اچھی طرح یاد ہے۔" ریکھا بولی۔

"ٹھیک ہے۔ ابھی کچھ دیر قبل ایسا ہی ایک واقعہ حمید کو بھی پیش آیا ہے۔"

آر لکچو کے قریب کسی نامعلوم آدمی نے ایک آدمی پر تیر سے حملہ کیا اور پھر اس کے کپڑے اتار لے جانے کے لئے دھوئیں کا بم پھینکا گیا۔"

"کپڑے اتارنے کے لئے۔"

"ہاں.... کیوں؟ کیا یہ آدمی جو اس کمرے میں ہے گرتے وقت برہنہ تھا۔"

"نہیں۔"

"تو پھر اس کے کپڑے اتار لئے گئے ہیں۔ یہ کام شارع عام پر مشکل تھا اس لئے بم پھینکا گیا اور اُسی دھوئیں کی آڑ میں وہ لوگ اپنا کام کر گئے۔"

"مگر کپڑے اتار لینے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔"

"خدا جانے....!" فریدی آہستہ سے بولا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا اور پھر لاش والے کمرے میں واپس آگئے۔

"ابھی فون پر میں نے محکمے کے فوٹو گرافروں کو طلب کیا تھا۔" فریدی لاش پر نظر جمائے ہوئے بولا۔ "مگر فوٹو گرافر اس وقت آر لکچو کے قریب مصروف ہے۔"

"تو دوسرے واقعہ کی اطلاع آپ کو فون پر ملی ہے۔"

"ہاں.... ابھی.... ابھی.... وہ لاش بھی کچھ دیر بعد متورم ہو گئی تھی۔ بالکل اسی انداز میں کہ حمید کو اُسے شناخت کرنے میں تامل ہوا تھا۔"

"تیر اور لباس وہاں بھی غائب ہے۔" ریکھا نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

"ہاں....!" فریدی نے آہستہ سے کہا اور مضطربانہ انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔

ریکھا کچھ دیر خاموش رہی۔ پھر اُس نے پوچھا۔ "کیا آپ کو اس حادثے کی توقع تھی۔"

"ہرگز نہیں.... میں سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"پھر آپ کا تجربہ....!"

"اوہ.... وہ اس سے مختلف تھا۔ ٹھہرو۔ کیا تم جانتی ہو کہ اس عمارت میں کون رہتا ہے۔"

"نہیں! میں نہیں جانتی۔"

"ایک غیر ملک کا سفیر یہاں رہتا ہے۔ ہمارے یہاں کی ایک سیاسی پارٹی اس ملک کی ہمدرد ہے۔ مجھے شبہہ تھا کہ اس پارٹی کے بعض افراد حکومت کے راز حاصل کر کے اس ملک کے سفارت خانے تک پہنچاتے ہیں اور طریق کار یہی ہوتا ہے۔ وہ سرخ گلاب لگا کر چائنیز کارنر میں جاتے ہیں اور وہاں سے کوئی آدمی انہیں سفیر تک پہنچا دیتا ہے۔ یہ سرخ گلاب دراصل شناخت کا نشان ہے۔"

"تو وہ.... چھوٹا آدمی فنچ اسی سفارت خانے سے تعلق رکھتا ہے۔" ریکھا نے پوچھا۔

"پتہ نہیں.... ویسے میں نے اُسے وہاں کبھی نہیں دیکھا۔"

"یہ فنچ کیسا نام ہے۔ وہ انگریز تو نہیں معلوم ہوتا۔"

"میرا خیال ہے کہ پرتگیز گوون ہے۔ مگر یہ چیز میرے لئے بڑی متحیر کن ہے کہ یہاں ایک ملازم بھی نظر نہیں آتا۔"

"اور سفیر کا بھی پتہ نہیں ہے۔" ریکھا بڑبڑائی۔

"یہ کوئی خطرناک کھیل ہے۔" فریدی لاش کو گھورتا ہوا بولا۔ "محکمہ خارجہ کیلئے دردسر۔"

ٹھیک اُسی وقت کئی قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور پھر چار سفید فام غیر ملکی ہال میں داخل ہوئے لیکن ان دونوں کو دیکھ کر انہیں دروازے کے قریب ہی ٹھٹک جانا پڑا۔ فریدی نے اپنی فلٹ ہیٹ اتاری اور ریکھا نے بھی ان میں سے سفیر کو پہچان لیا۔

"تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو۔" سفیر نے آگے بڑھ کر غصیلے لہجے میں پوچھا اور پھر لاش پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

سفیر کے تینوں ساتھی مسلح تھے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ ہولسٹروں پر رکھ لئے۔ پھر جیسے ہی فریدی نے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکالنے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا ایک آدمی اپنا ریوالور نکالتا ہوا بولا۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے رکھو۔"

لیکن اتنی دیر میں فریدی وزیٹنگ کارڈ جیب سے نکال چکا تھا۔ اس نے اس آدمی کی طرف دیکھنے کی بھی زحمت نہیں گوارا کی جس نے ریوالور نکالا تھا۔

"میرا کارڈ....!" فریدی نے کارڈ سفیر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

سفیر نے کارڈ لیا لیکن اس کی نظر بدستور لاش پر جمی رہی اور پھر وہ اس وقت چونکا جب اس کا ساتھی فریدی سے دوبارہ ہاتھ اٹھانے کو کہہ رہا تھا۔

سب سے پہلے اس نے کارڈ پر چھپا ہوا نام پڑھا پھر اپنے مسلح ساتھیوں کی طرف مڑ کر کچھ کہا۔ ریکھا نہ سمجھ سکی کہ اس نے کیا کہا تھا۔ بہرحال اس نے دیکھا کہ ریوالور پھر ہولسٹر میں ڈال لیا گیا۔

"آپ کا یہاں کیا کام کرنل فریدی۔" سفیر نے انگریزی میں پوچھا۔ اس کا لہجہ نرم تھا۔

فریدی لاش کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ "اس سلسلے میں.... لیکن آپ یہ نہ کہہ سکیں گے کہ میں یہاں غیر قانونی طور پر داخل ہوا ہوں۔"

"میں کہہ سکتا ہوں کرنل فریدی اور یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ یہ لاش....!"

"میں نے یہاں ڈالی ہے۔" فریدی نے مسکرا کر جملہ پورا کر دیا۔

سفیر کے ہونٹ کھلے اور پھر بند ہو گئے۔ غالباً وہ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن پھر کسی فوری خیال کے تحت خاموش ہو گیا تھا۔

"کیا آپ بتا سکیں گے کہ یہ لڑکی یہاں کیوں لائی گئی تھی۔" فریدی نے خشک لہجے میں پوچھا۔

"کیوں لائی گئی تھی۔" سفیر نے حیرت سے دہرایا۔ "میں آپ کی ایک بات بھی نہیں سمجھ سکا ہوں۔"

"میں سمجھانے کی کوشش کروں گا۔" فریدی لاش کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "کیا آپ بتا سکیں گے کہ یہ کون ہیں۔"

"یقیناً....!" سفیر مسکرا کر بولا۔ "اگر وہ بھی آپ ہی کی طرح اپنا وزیٹنگ کارڈ پیش کر سکے۔"

فریدی کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور اس نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "آپ نے مجھے کیوں طلب

فرمایا تھا۔"

"میں نے! کون کہتا ہے۔"

"کیا مطلب....؟"

"میں کیوں بلاؤں گا آپ کو۔"

"یہ میں نہیں جانتا۔ آپ نے مجھے فون کیا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے کی بات ہے جب میں یہاں آیا تو پھاٹک پر سنتری موجود نہیں تھا۔ مجھے ایک نوکر بھی نہ مل سکا جس سے میں اپنا وزیٹنگ کارڈ آپ تک بھجواتا۔ کیا یہ حیرت انگیز بات نہیں ہے یور ایکسیلنسی....!"

سفیر خاموش رہا۔ فریدی بولا۔ "پھر میں نے محسوس کیا کہ عمارت ویران ہے جہاں سے مجھے سنتری کی غیر حاضری کا احساس ہوا تھا، وہیں سے میرے فرائض کی حدود شروع ہو گئی تھی۔ میں آپ کی اجازت حاصل کئے بغیر بھی عمارت میں داخل ہو سکتا تھا۔ جب میں اندر آیا تو یہ لاش ملی۔ پوری عمارت ویران پڑی تھی۔"

"اور یہ لڑکی....؟" سفیر نے سوال کیا۔

"لیڈی انسپکٹر ریکھا فرام انٹیلی جنس بیورو۔"

"کیا مطلب....!" سفیر چونک کر بولا۔ "ابھی آپ نے کہا تھا کہ یہ لڑکی یہاں زبردستی لائی گئی تھی۔"

"نہیں تو.... آپ نے غلط سنا ہوگا۔"

سفیر کے ساتھیوں میں سے ایک نے کھسکنا چاہا لیکن فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "آپ یہیں ٹھہریئے جناب۔ آپ اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہل سکیں گے جب تک کہ پولیس نہ آجائے۔"

"کیا بکواس ہے۔" دفعتاً سفیر کو غصہ آگیا۔ "تمہاری حکومت کو اس کے لئے جواب دہ ہونا پڑے گا۔"

"اس سے پہلے آپ کو جواب دہ ہونا پڑے گا کہ وہ سنتری کہاں ہے جو آپ کی حفاظت کے لئے ہماری حکومت کی طرف سے متعین کیا جاتا ہے۔"

"صرف وہی سنتری جواب دہ ہو سکتا ہے جو ڈیوٹی پر حاضر نہیں ہے اور تم ان لوگوں کو روک نہیں سکتے۔ عقلمندی کو دخل دو۔ ہو سکتا ہے تم پر کوئی بڑی مصیبت ٹوٹ پڑے۔"

"فی الحال ایسا تو کوئی پروگرام نہیں ہے کہ میں کسی بڑی مصیبت میں پھنس سکوں، یہ بھی

ممکن نہیں ہے کہ آپ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے سکیں کیونکہ میں تھوڑی ہی دیر پہلے محکمے سے رابطہ قائم کرنے کے لئے آپ کا فون استعمال کر چکا ہوں اور میرے آفیسر جانتے ہیں کہ میں اس وقت یہاں موجود ہوں۔"

سفیر اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر کچھ سوچنے لگا۔ اس کے دونوں ساتھی بُری طرح مضطرب نظر آرہے تھے۔

"اچھا....!" سفیر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "ہم کہیں بیٹھ کر گفتگو کریں گے۔"

"میں معافی چاہتا ہوں یور ایکسیلنسی۔ میں فی الحال یہاں سے جنبش نہیں کر سکتا۔ یہ اسی وقت ممکن ہوگا جب پولیس یہاں پہنچ جائے۔"

"تم سچ مچ کسی کچھوے کی طرح مضبوط پشت رکھتے ہو۔" سفیر نے مسکرا کر کہا۔ پھر چند لمحے خاموش رہ کر سنجیدگی سے بولا۔ "میں نے تمہیں بلایا تھا میں اس وقت ایک سفارت خانے کی دعوت سے واپس آیا ہوں۔ مجھے بھی پھاٹک پر سنتری نہیں ملا تھا۔ ملازمین نہ جانے کہاں گئے اور پھر اب میں یہاں ایک لاش دیکھ رہا ہوں۔"

سفیر خاموش ہو کر فخریہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

فریدی نے لاپروائی کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنبش دی اور پھر لاش کی طرف دیکھنے لگا۔

سفیر اور اس کے تینوں ساتھی وہیں کھڑے رہے۔

دفعتاً عمارت کے کسی گوشے میں گھنٹی بجی اور سفیر کے ساتھیوں میں سے ایک نے پھر وہاں سے جانا چاہا لیکن فریدی اُسے روکتا ہوا ریکھا سے بولا۔ "تم دیکھو.... شائد پولیس آگئی ہے۔"

ریکھا کی سمجھ ہی میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ پولیس آئی سب کے بیانات ہوئے۔ اگر فریدی اپنا بیان پہلے نہ دیتا تو ریکھا بڑی الجھن میں پڑ جاتی۔ کیونکہ فریدی کچھ ہی دیر پہلے سفیر سے کئی قسم کی باتیں کر چکا تھا۔ بہر حال اس نے فریدی ہی کے بیان کو دہرا دیا۔ یعنی وہ فریدی کی کوٹھی میں موجود تھی، جب سفیر کا فون فریدی کے لئے آیا تھا اس نے اس سے استدعا کی تھی کہ وہ فوری طور پر اس کی کوٹھی میں پہنچ جائے کیونکہ وہ خود کو خطرات میں گھرا ہوا محسوس کر رہا ہے اور پھر جب وہ فریدی کے ساتھ یہاں پہنچی تو کوٹھی ویران پڑی تھی۔ باہر پھاٹک پر سنتری بھی موجود نہیں تھا۔ پھر یہاں اسے وہ لاش نظر آئی۔ فریدی نے کوتوالی فون کیا اور اپنے محکمے کو اطلاع دی۔ اس کے بعد ہی سفیر بھی آگیا جس کے ساتھ تین آدمی تھے۔"

سفیر کا بیان تھا کہ وہ چھ بجے ناروے کے سفارت خانے کی طرف سے دی گئی ایک دعوت

میں شرکت کرنے کے لئے گیا تھا اسے نہیں معلوم کہ اس کی عدم موجودگی میں وہاں کیا ہوا
واپسی پر اسے ایک لاش ملی اور یہ دونوں نظر آئے، جو قطعی غیر قانونی طور پر عمارت میں داخل
ہوئے تھے۔ اس نے لاش کو پہچاننے سے انکار کر دیا۔ ریکھا کو حیرت تھی کہ آخر فریدی نے فنچ
تذکرہ کیوں نہیں چھیڑا۔

کچھ دیر بعد لاش وہاں سے اٹھوا دی گئی۔ واپسی پر ریکھا نے فریدی سے کہا۔ "بڑا عجیب تجربہ تھا
"جو نامکمل رہا۔" فریدی نے آہستہ سے جواب دیا۔ "مگر سنتری کا کیا بنا جب تم اندر پہنچے
تھیں تو پھاٹک پر سنتری موجود تھا یا نہیں۔"

"کوئی بھی نہیں تھا۔ مجھے خود بھی حیرت تھی کہ اتنی بڑی عمارت اسطرح ویران پڑی ہوئی ہے
"مگر یہ سب ہوا کیا۔"

"کچھ بھی نہ ہوا۔ فنچ نکل گیا اور اس کا ساتھی مارا گیا۔ دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو وہ خ
اپنے ہی آدمیوں کے ہاتھوں مارا گیا یا کوئی دوسری پارٹی ان معاملات میں دلچسپی لے رہی ہے۔"

"مگر معاملات ہیں کیا؟"

"معاملات جو کچھ بھی ہوں ابھی میرے ذہن میں صاف نہیں ہیں۔ فی الحال میں اتنا کہہ سک
ہوں کہ یہ سفارت خانہ ایک مقامی سیاسی پارٹی کو ورغلا رہا ہے اور مصنوعی گلاب اس تحریک
نشان ہے۔"

"تو پھر یہی کہنا پڑے گا کہ فنچ اور اس کا ساتھی اسی سفارت خانے سے تعلق رکھتے ہیں۔"

"ٹھہرو.... مجھے سوچنے دو۔" دفعتاً فریدی بدلے ہوئے لہجے میں بولا۔

"سنتری غائب ہے.... ملازمین غائب۔ کیا آج یہاں کوئی اہم بات ہونے والی تھی۔
اوہو۔ ہمیں پھر چائینز کارنر کی طرف واپس چلنا چاہئے۔ تم آج کسی اور کے دھوکے میں سفیر
قیام گاہ تک لے جائی گئی تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری جگہ لینے والی عورت اب بھی وہاں فنچ یا کس
دوسرے آدمی کی منتظر ہو۔ تم اب یہ پھول اپنے کالر سے نکال لو.... گاڑی لے کر میرے گ
جاؤ۔ حمید سے کہنا کہ وہ گھر ہی پر رہے میں اُسے کسی وقت بھی فون کر سکتا ہوں۔"

بے آواز فائر

ریکھا جا چکی تھی۔ فریدی نے اپنی کار سے اترتے ہی ایک ٹیکسی لے لی تھی اور اب چائ

کارنر کی طرف جا رہا تھا۔ وہاں تک پہنچنے میں دس منٹ سے زیادہ نہیں صرف ہوئے۔

جیسے ہی وہ کارنر میں داخل ہوا اس کی نظر ایک خوبصورت سی لڑکی پر پڑی جس کی عمر سترہ یا
اٹھارہ سال سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ وہ کسی کالج کی طالبہ معلوم ہوتی تھی اور اس کے کوٹ کے کالر
پر مصنوعی سرخ گلاب نظر آ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی کا انتظار کرتے کرتے اکتا گئی
ہو۔ اس کے چہرے پر بیزاری اور اکتاہٹ کے آثار تھے۔

فریدی سیدھا اس کی میز کی طرف چلا گیا۔

"آپ کو بہت انتظار کرنا پڑا۔" وہ ایک کرسی کھینچ کر بیٹھتا ہوا آہستہ سے بولا۔

"جی نہیں۔" لڑکی زبردستی مسکرائی۔ "دراصل میں خود ہی پندرہ منٹ بعد پہنچی تھی۔"

"یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ مجھے بھی آج دیر ہو گئی۔ آیئے اب دیر نہ کرنی چاہئے۔" فریدی
کے ساتھ وہ بھی اٹھ گئی۔

لیکن دروازے سے گذرتے وقت اچانک لڑکی نے فریدی کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ "نہیں
میں نہیں جاؤں گی مجھے خوف محسوس ہو رہا ہے۔"

"اچھی بات ہے تو اب اس گلاب کو اپنے کالر سے نکال دو۔"

لڑکی نے گلاب پر اپنا داہنا ہاتھ رکھ لیا اور پھر جب فریدی اسے ایک ٹیکسی میں بٹھا رہا تھا اس
نے کانپتے ہوئے کہا۔ "میں نہیں جاؤں گی۔"

"حماقت کی بات نہ کرو۔" فریدی نے آہستہ سے اُسے پچھلی سیٹ پر دھکا دیا اور پھر خود بھی
بیٹھتا ہوا دروازہ بند کر کے بولا۔ "آخر تم ڈر کیوں رہی ہو۔"

"مجھے بتایا گیا تھا کہ.... ایک چھوٹے قد کا آدمی....!"

"اکثر تبدیلیاں بھی ہو جاتی ہیں۔ وہ چھوٹے قد کا بندر اچانک بیمار ہو گیا ہے۔"

ٹیکسی چل پڑی۔ فریدی نے ڈرائیور کو اپنی کوٹھی کا پتہ بتایا تھا۔ فریدی نے لڑکی سے پھر کچھ
نہیں پوچھا اور نہ خود ہی بولی۔ فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر سلوٹیں تھیں اور وہ بار بار
اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیتا تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد ٹیکسی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ فریدی نے لڑکی سے نیچے
اترنے کو کہا.... نہ جانے وہ کیوں کانپ رہی تھی۔ اس نے بے چون وچرا تعمیل کی۔ فریدی نے
ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ دیا اور پورچ کی طرف اشارہ کر کے لڑکی سے بولا۔ "چلو۔"

حمید اور ریکھا سے برآمدے میں مڈبھیڑ ہوئی۔ ریکھا شائد واپس جا رہی تھی۔ فریدی کے

ساتھ ایک خوبصورت لڑکی دیکھ کر حمید کی جو کیفیت ہوئی ہوگی اس کا اظہار ہی فضول ہے۔

ریکھا بھی رک گئی لیکن فریدی ان کی طرف توجہ دیئے بغیر لڑکی کو اندر لیتا چلا گیا۔

"بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے نشست کے کمرے میں پہنچ کر ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

لڑکی خوفزدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شائد اسے شبہہ ہو گیا تھا کہ وہ کسی غلط آدمی کے ہاتھوں میں پڑ گئی ہے۔ فریدی کے دوسری بار کہنے پر وہ بیٹھ گئی۔

اتنے میں ریکھا اور حمید بھی وہاں پہنچ گئے۔ لڑکی ان کی طرف دیکھنے لگی۔ لیکن فریدی اب بھی ان کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ دفعتاً اس نے لڑکی سے کہا۔

"اس وقت تم سے انٹیلی جنس بیورو کا کرنل فریدی ہم کلام ہے۔"

"نہیں....!" لڑکی کے حلق سے ایک ہلکی سی چیخ نکلی اور وہ بُری طرح کانپنے لگی۔

"تم کب سے ان لوگوں کے لئے کام کر رہی ہو۔" فریدی نے اس کی چیخ کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

لڑکی کا چہرہ خوف سے سفید پڑ گیا تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بیہوش ہو جائے گی۔

"میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔" فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔

"میں کچھ.... نہیں.... جانتی۔" لڑکی ہکلائی۔

"لیکن وہ سرخ گلاب....!"

لڑکی پھر کچھ نہ بولی۔

"تمہاری خاموشی اب تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔" فریدی بولا۔ "کیونکہ تم اس چھوٹے قد کے بندر کا تذکرہ پہلے ہی کر چکی ہو۔"

دفعتاً لڑکی نے رونا شروع کر دیا۔

"بہت ہو لیا! جناب!" حمید آگے بڑھتا ہوا بولا۔ "آپ خواہ مخواہ اس ننھی سی بچی کو پریشان کر رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس بیچاری کو دھوکا دیا گیا ہے۔"

"جج.... جی ہاں.... دھوکا.... دھوکا....!" لڑکی ہچکیوں کے درمیان بولنے کی کوشش کرنے لگی۔ "مم.... میں.... بے قصور.... ہوں۔"

"دیکھا....!" حمید سر ہلا کر بولا۔ "میں پہلے ہی جانتا تھا۔ دیکھوں.... وہ پھول مجھے تو دینا۔"

لڑکی نے جیب سے پھول نکالا اور حمید اسے اس کے ہاتھ سے لیتا ہوا بولا۔ "ہاں یہ وہی پھول ہے۔"

پھر اس نے فریدی کو آنکھ مارتے ہوئے کہا۔ "واقعی یہ بیچاری دھوکا کھا گئی ہے۔ یہ پھول۔!"

اس نے جملہ پورا نہیں کیا۔ لڑکی دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپائے سسکیاں لیتی رہی۔ یک بیک فریدی اٹھا اور ریکھا کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتا ہوا باہر چلا گیا۔

"مجھے افسوس ہے کہ تم اس مصیبت میں پھنس گئیں۔ میں کوشش کروں گا کہ کرنل صاحب تمہیں مصیبت سے بچالیں۔"

"میں ہمیشہ احسان مند رہوں گی جناب۔" لڑکی نے جواب دیا۔ آہستہ آہستہ اس کی ہچکیاں کم ہوتی جا رہی تھیں۔

"میں جانتا ہوں کہ تم بہت شریف لڑکی ہو۔ تم مجھے اس کا پتہ بتاؤ جس نے تمہیں اس دلدل میں پھنسایا ہے۔"

"میرے کالج کی ایک لیکچرار نے۔"

"تم کس کالج میں پڑھتی ہو۔"

"نیشنل گرلز کالج میں۔" لڑکی بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "میں ایک غریب لڑکی ہوں جناب۔ میرا باپ اندھا ہے۔ اس کی قلیل پنشن پر خاندان کا گذارہ ہے میری تین چھوٹی بہنیں اور بھی ہیں۔ بھائی ایک بھی نہیں ہے۔ میں زیرِ تعلیم ہوں۔ آپ خود سوچئے کہ ان دنوں کمائی کی وجہ سے کتنی مشکلات کا سامنا پڑتا ہے۔ بہر حال مجھے ایک اچھے سے ٹیوشن کی تلاش تھی۔ میرے کالج میں ایک لیکچرار ہیں مس ورما۔ انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میرے لئے مزید آمدنی کا کوئی نہ کوئی ذریعہ ضرور نکالیں گی۔ آج انہوں نے مجھے ایک خط دیا جو لفافے میں بند تھا اور کہا کہ میں ٹھیک نو بجے چائنیز کارنر میں پہنچ جاؤں۔ وہاں مجھے ایک چھوٹے قد کا غیر ملکی ملے گا اور وہ مجھے ایک دوسرے آدمی کے پاس لے جائے گا۔ میں وہ خط اُسے دوں گی اور مجھے کام مل جائے گا۔ مس ورما نے بتایا کہ ایک غیر ملکی سفیر اپنے بچوں کو اردو پڑھوانا چاہتا ہے۔ میں نے سوچا کہ یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ لازمی طور پر بڑی اچھی تنخواہ ملے گی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ پاپا کی پنشن سے بھی زیادہ ہو۔ مگر جناب مس ورما نے مجھے یہ پھول دیا اور کہا کہ اسے اپنے کوٹ کے کالر میں لگا لو ورنہ اس آدمی کو تمہیں پہچاننے میں دشواری ہوگی تو میں ٹھٹک گئی۔ آخر اس اتنے سے معاملے کے لئے اتنے الجھاوے کیوں؟ کیا وہ مجھے اس آدمی کا پتہ نہیں بتا سکتی تھیں۔ میں خود ہی جا کر اسے مل لیتی۔ آخر یہ ملاقات کسی ریستوران میں کیوں قرار پائی تھی۔ میں جتنا بھی اس مسئلے پر غور کرتی میری الجھن بڑھتی جاتی۔ میں نے مس ورما کے متعلق یہ بھی سن رکھا تھا کہ وہ کسی زمانے میں ایک دہشت پسند

پارٹی کی سرگرم کارکن رہ چکی ہیں اور پھر انہوں نے جو لفافہ مجھے دیا تھا اس پر لاخ کی مہریں لگی ہوئی تھیں یعنی اگر میں لفافے کو کھول کر خط پڑھنا چاہتی تو یہ بھی ممکن نہ ہوتا۔ آپ خود سوچئے ایک سفارشی خط کے لئے اتنا اہتمام کیوں۔ اتنی احتیاط کیوں کہ اسے لاخ سے سیل کر دیا جائے۔"

"ہاں.... یہ بات غور طلب ہے۔"

"مگر جناب.... یہ سب کچھ سوچنے کے باوجود بھی میں اس چکر میں پھنس ہی گئی۔ میں نے سوچا ہو سکتا ہے میرے اندیشے غلط ہوں۔ بُرا ہوا اس اقتصادی بدحالی کا کہ میں سارے اندیشوں کو ٹھکراتی ہوئی اس راہ پر چل نکلی۔ جب ان صاحب نے یہ کہا کہ میں کرنل کیا نام.... میں بھول گئی۔ لیکن یہ یاد ہے انٹیلی جنس بیورو۔ جب ان صاحب نے انٹیلی جنس بیورو کا حوالہ دیا تو مجھے خیال آیا کہ میرے اندیشے غلط نہیں تھے۔ میں یقیناً کسی بہت بڑی مصیبت میں پھنس گئی ہوں۔ مگر آپ یقین کیجئے مجھے اب بھی اس بات کا علم نہیں ہے کہ مجھ سے کیا کام لیا جانے والا تھا۔"

"وہ خط کہاں ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ٹھہریئے.... دیتی ہوں۔" لڑکی نے کہا اور اپنا پہلو ٹٹولنے لگی پھر کھڑی ہو گئی۔ ساتھ ہی اُس کے چہرے پر ہوائیاں بھی اڑنے لگیں اور وہ مضطربانہ انداز میں بڑبڑائی۔

"میرا پرس.... اوہ.... شائد.... وہ ٹیکسی ہی میں رہ گیا۔"

حمید اُسے گھورنے لگا لیکن اسے لڑکی کے چہرے پر مکاری کی جھلکیاں نہیں دکھائی دیں۔ وہ بڑی معصوم لڑکی معلوم ہو رہی تھی۔

"وہ خط میرے پاس پرس میں تھا جناب۔"

"تم کہاں رہتی ہو۔"

"شرما اسٹریٹ میں۔"

"اور مس ورما کہاں رہتی ہے۔"

"کالج ہوسٹل میں۔ وہ وہاں کی وارڈن بھی ہے۔ خدا کے لئے مجھے میرے گھر پہنچا دیجئے جناب۔ اب میں کس طرح اپنی بے گناہی ثابت کروں۔ وہ خط بھی میرے قبضے میں نہیں رہا۔"

"پرواہ مت کرو۔" حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔

"میرا کیا بنے گا۔"

"کچھ بھی نہیں چلو.... میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آؤں۔ لیکن تم دو تین دنوں تک گھر سے باہر نہیں نکلو گی اور نہ اس واقعے کا تذکرہ کسی سے کرو گی۔"

"ہرگز نہیں جناب۔ جیسا آپ کہیں گے اس پر عمل کروں گی۔"

"تمہارا نام کیا ہے۔"

"نارا نائیڈو....!"

"کس ایئر میں پڑھتی ہو۔"

"تھرڈ ایئر میں۔"

پھر حمید اُسے ساتھ لے کر برآمدے میں آیا۔ فریدی اور ریکھا یہاں موجود تھے۔ حمید نے فریدی کو لڑکی کے بیان سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں انہیں ان کے گھر پہنچانے جا رہا ہوں۔"

"نہیں آپ تکلیف نہ فرمایئے۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا پھر لڑکی سے پوچھا۔ "کیا تمہیں مس ورما نے اس آدمی کے پہنچنے کا وقت نہیں بتایا تھا۔"

"بتایا تھا جناب... انہوں نے کہا تھا کہ وہ ٹھیک نو بجے ملے گا۔ مگر میں پندرہ منٹ بعد پہنچی۔"

"تب پھر تم بارہ بجے تک اس کا انتظار کیوں کرتی رہیں۔ کیا تم یہ سوچ نہیں سکتی تھیں کہ وہ دس منٹ تک تمہارا انتظار کرنے کے بعد واپس چلا گیا ہوگا۔"

"شائد میں پاگل ہو گئی تھی جناب۔ میں اتنا نہیں سوچ سکتی تھی۔"

"تم جھوٹ بول رہی ہو لڑکی۔" فریدی نے سخت لہجے میں کہا اور حمید کو اس پر غصہ آنے لگا۔

دفعتاً لڑکی کے حلق سے ایک بھیانک.... چیخ نکلی اور وہ دوسری طرف الٹ گئی۔ اس کے سینے سے خون کا فوارہ نکل رہا تھا۔ فریدی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ وہ اندھا دھند پھاٹک کی طرف دوڑ رہا تھا۔

وہ یقیناً کوئی بے آواز رائفل تھی جو پھاٹک کے باہر سے چلائی گئی تھی کیونکہ ان لوگوں نے فائر کی آواز نہیں سنی تھی۔

حمید نے جھپٹ کر برآمدے کی روشنی گل کر دی اور پھر وہ پھاٹک کی طرف دوڑنے لگا۔ پھاٹک کھلا ہوا تھا اور باہر سڑک پر سناٹے کی حکمرانی تھی۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ تقریباً دو تین منٹ تک وہ وہیں کھڑا رہا پھر اُسے اپنے حماقت کا احساس ہوا۔ پتہ نہیں وہ لڑکی زندہ ہے یا مر گئی۔ اس نے مڑ کر برآمدے کی طرف دیکھا۔ وہاں اب بھی تاریکی تھی۔

وہ پھر دوڑتا ہوا برآمدے میں آیا۔

"کون ہے؟" اس نے ریکھا کی آواز سنی۔

"میں ہوں۔" حمید کہتا ہوا سوئچ بورڈ کی طرف بڑھا اور دوسرے ہی لمحے میں برآمدہ پھر

روشن ہو گیا۔ ریکھا لڑکی کی لاش سے تھوڑے ہی فاصلے پر کھڑی تھی۔ پہلی ہی نظر میں حمید نے اندازہ کر لیا کہ لڑکی مر چکی ہے۔ فرش پر دور تک خون پھیلا ہوا تھا۔

ریکھا کسی پتھر کے بت کی طرح ساکت و صامت کھڑی لاش کو گھور رہی تھی۔ حمید نے آہستہ سے کہا۔

"تم اندر جاؤ۔"

"کیوں؟" ریکھا ایک بیک چونک پڑی۔

"کچھ نہیں یونہی۔ تم اس وقت یہ دوسری لاش دیکھ رہی ہو۔"

"میں کوئی گھریلو عورت نہیں ہوں۔ اس محکمے سے میرا تعلق ہے جہاں ہر وقت ہی ایک آدھ لاش سے سابقہ پڑتا ہے۔"

"میرا مطلب ہے تیسری لاش کے لئے کوتوالی فون کر دو۔"

ریکھا خاموشی سے اندر چلی گئی۔ کچھ دیر بعد فریدی برآمدے میں داخل ہوا اور ریکھا کو فون کر کے واپس آ گئی۔ فریدی کی آنکھیں گہرے تفکر میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

"ریکھا نے کوتوالی فون کر دیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" فریدی نے مختصر سا جواب دیا۔ وہ ایک آرام کرسی میں گر گیا۔

کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "حالات بہت زیادہ پیچیدہ ہو گئے ہیں۔ ریکھا ذرا تم اس لاش کی تلاشی لو۔ شائد کچھ ہاتھ آ سکے۔"

لیکن تلاشی سے کچھ بھی نہ حاصل ہو سکا۔ اس کے پاس سے کوئی بھی ایسی چیز برآمد نہ ہو سکی جس سے کچھ اس کی یا اس کے قاتلوں کی شخصیت پر روشنی پڑ سکتی۔

"کیا یہ سمجھ لیا جائے کہ یہ حرکت اسی سفارت خانہ والوں کی ہے۔" فریدی نے ریکھا سے کہا۔

"ان کے علاوہ اور کس کی ہو سکتی ہے۔" ریکھا نے جواب دیا۔ "اپنی غلطی کا احساس ہو جانے کے بعد انہیں اصل عورت کی فکر ہوئی ہو گی۔ مگر کیا وہ لوگ بھی اس عورت کو نہیں پہچانتے جس سے انہیں کوئی پیغام ملنے والا تھا۔"

"یہی ہو سکتا ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔ پھر حمید سے بولا۔ "تم نیشنل گرلز کالج کے ہوسٹل میں کسی مس ورما کو اسی وقت تلاش کرو۔ ویسے مجھے توقع نہیں ہے۔"

"پھر کیوں خواہ مخواہ مجھے دوڑا رہے ہیں۔"

"احتیاطاً....!"

وہ کون تھی

نیشنل کالج تک پہنچنے میں تو حمید کو کوئی دشواری نہیں ہوئی لیکن رات کو دو بجے ہوسٹل کی وارڈن تک پہنچنا یقیناً بڑا مشکل کام تھا۔ کسی نہ کسی طرح وہ اس سے بالمشافہ گفتگو کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ وارڈن ادھیڑ عمر کی عورت تھی اُسے اتنی رات جگایا جانا بہت گراں گزرا تھا۔ اگر حمید کا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے نہ ہوتا تو شائد اس نے اسے کالج کے کمپاؤنڈ سے باہر پھینکوا دیا ہوتا۔ لیکن وہ مس ورما نہیں تھی۔ اس نے بتایا کہ کالج میں اس نام کی کوئی لیکچرار کبھی نہیں رہی۔

حمید بے نیل و مرام واپس ہوا۔ گھر پہنچتے پہنچتے ساڑھے تین بج گئے۔ یہاں اب سناٹا تھا۔ حمید نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اگر فریدی موجود ہوتا تو یقینی طور پر آنے والی صبح کا سورج حمید کی کھوپڑی ہی سے طلوع ہوتا۔ اس نادر موقع سے فائدہ اٹھانے کے سلسلے میں مزید وقت برباد کئے بغیر اُسے سوٹ اور جوتوں سمیت لحاف میں جا گھسنا پڑا۔

یہ اور بات ہے کہ اُسے آٹھ بجے سے پہلے ہی اٹھا دیا گیا ہو۔ فریدی اُسے بُری طرح جھنجھوڑ رہا تھا۔

"ہاں... ہاں... سب ٹھیک ہے۔" حمید نے آنکھیں کھولے بغیر بڑبڑاتے ہوئے کروٹ بدلی۔

فریدی نے اُس کی گردن دبوچی اور اٹھا کر فرش پر کھڑا کر دیا۔

"کیا مصیبت ہے۔" حمید حلق پھاڑ کر دہاڑا۔ "اگر آپ کو آرام سے نفرت ہے.... تو....!"

"شٹ اپ....!"

"نہیں خاموش رہوں گا۔ میں صرف سراغ رسانی کے لئے نہیں پیدا ہوا۔"

"تم پیدا ہی کب ہوئے تھے۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "پیدا ہونے والے زندہ رہتے ہیں اور زندگی سردیوں میں لحاف کا نہیں بلکہ ٹھنڈے پانی کا نام ہے۔ تمہیں اس وقت ٹھنڈے پانی سے غسل کرنا پڑے گا۔"

"مت بور کیجئے، ورنہ میں دیوار سے سر ٹکرا لوں گا۔"

"یہی کر کے دکھاؤ۔ کچھ تو کرو.... مگر ٹھنڈے پانی سے غسل....!"

"کیوں....!"

"تم جوتوں اور کپڑوں سمیت سوگئے تھے۔"

"تو کیا ان جوتوں اور کپڑوں نے مجھ پر پیشاب کردیا ہے۔ کیوں غسل کروں ٹھنڈے پانی سے۔"

"کاہلی کی سزا....!"

حمید نے سوچا دماغ ٹھنڈا رکھنا چاہئے۔ ورنہ وہ اُسے کپڑوں سمیت ٹھنڈے پانی کے ٹب میں پھینک آئے گا۔ ایک بار پہلے بھی ایسا ہو چکا تھا۔ سردیوں کا زمانہ تھا اور حمید اُسی طرح کپڑوں سمیت سوگیا تھا۔ دوسری صبح فریدی نے اُسے ٹھنڈے پانی کے ٹب میں غوطے دیئے تھے۔ فریدی کچھ اسی قسم کا آدمی تھا۔ اسے کسی معاملے میں بھی بے قاعدگی پسند نہیں تھی۔ حمید نے یہی مناسب سمجھا کہ فی الحال فریدی کا دھیان دوسری طرف بٹا دیا جائے۔

"اوہو.... میں تو بھول ہی گیا تھا۔" اس نے جلدی سے کہا۔ "نیشنل گرلز کالج میں مس ورما نام کی کوئی عورت نہیں ہے۔ پہلے بھی کبھی نہیں رہی۔"

"بہت خوب۔" فریدی مسکرایا۔ "اتر آئے سراغ رسانی پر۔ ابھی تو کہہ رہے تھے۔"

"میں غلط کہہ رہا تھا۔" حمید دونوں ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں نیند میں تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ میں صرف سراغ رسانی کے لئے پیدا ہوا تھا۔"

"تمہیں بہر حال ٹھنڈے پانی سے غسل کرنا پڑے گا۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔

"گولی مار دیجئے نا مجھے۔" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔

دفعتاً فریدی کی خواب گاہ میں فون کی گھنٹی بجی اور اس طرح حمید ٹھنڈے پانی سے پیچھا چھڑانے میں کامیاب ہو گیا۔ اُسے سردیوں میں ٹھنڈے پانی کے نام ہی سے چکر آنے لگتے تھے۔

اس نے بڑی تیزی سے دانت صاف کئے اور کچن میں جا گھسا۔ وہ صبح کی پہلی چائے بھی دانت صاف کئے بغیر نہیں پیتا تھا۔

جب وہ ضروریات سے فارغ ہو چکا تھا تو ایک بار پھر فریدی سے مڈبھیڑ ہو گئی۔

"اس لڑکی کا سراغ مل گیا۔" فریدی نے کہا۔

"کس لڑکی کا.... میری لسٹ پر ہر وقت کم از کم دو درجن لڑکیاں رہتی ہیں۔"

فریدی جھنجھلا کر کوئی سخت بات کہنے ہی والا تھا کہ پھر فون کی گھنٹی بجی اور حمید سر سہلاتا ہوا ناشتے کی میز کی طرف چلا گیا۔ تقریباً پانچ منٹ بعد فریدی خواب گاہ سے واپس آیا۔

"میرا خیال ہے آپ مقتولہ کا تذکرہ کر رہے تھے۔"

"ہاں.... آں...." فریدی بیٹھ کر کافی انڈیلنے لگا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ حمید نے بھی چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔ عافیت اسی میں نظر آئی کہ وہ خاموشی سے ناشتہ ختم کر لے۔

کچھ دیر بعد فریدی ناشتہ ختم کر کے سگار سلگانے لگا۔ حمید سر جھکائے کافی پیتا رہا۔

"وہ شرما اسٹریٹ میں نہیں رہتی تھی اور یہ بھی غلط ہے کسی نے اُسے دھوکا دیا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"یہ تو اسی وقت ثابت ہو گیا تھا جب گرلز کالج میں کوئی مس ورما نہیں ملی تھی۔"

"کیا خیال ہے۔ اگر اُسے گولی نہ ماری جاتی تو۔"

"ظاہر ہے کہ وہ بعد میں بھی ہماری گرفت میں آسکتی تھی۔ میں نے تو اسکے بیان پر یقین کر لیا تھا میں اس کو اسکے بتائے ہوئے پتہ پر چھوڑ بھی آتا لیکن مس ورما کی اصلیت ظاہر ہوتے ہی....!"

"ختم کرو۔" فریدی ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ "اسکے بعد تمہارے فرشتے بھی اس تک نہ پہنچ سکتے۔"

"ہو سکتا ہے۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن اس کے متعلق آپ نے اور کیا معلوم کیا۔"

"اس کی بڑی بہن راجرس اسٹریٹ میں رہتی ہے۔ اب ہم دیکھیں گے کہ اُس سے کیا معلوم کر سکتے ہیں۔ تم ناشتہ کتنی دیر میں ختم کرو گے۔"

کچھ دیر بعد وہ راجرس اسٹریٹ کی طرف جا رہے تھے۔

"میں اس آدمی کو کبھی نہیں بھول سکوں گا۔" حمید نے کہا۔ "جو مجھے پچھلی شام آر لکچو میں ملا تھا۔ کاش میں اُسے بچا سکتا۔"

"تم اُسے کسی طرح نہ بچا سکتے۔ وہ یقیناً ان لوگوں کے کسی راز سے واقف تھا۔"

"مگر وہ اسے ننگا کیوں کر گئے تھے۔ یقیناً یہ ایک ایسا کام تھا جس میں ذرا سی لغزش بھی ان کے لئے پھانسی کا پھندہ بن سکتی تھی۔ انہوں نے محض اس کے کپڑے اتارنے کے لئے دھوئیں کا بم پھینکا تھا۔ آخر کیوں! کپڑے اُتارنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔"

"کپڑے....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "نہیں میرا خیال ہے کہ کپڑوں سے زیادہ اس تیر کی اہمیت ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ ان کے تیر پولیس تک پہنچ سکیں۔ سفارت خانے کی عمارت میں بھی یہی ہوا تھا۔ تیر نہیں مل سکا۔ حالانکہ ریکھا نے خود اسے تیر کھا کر گرتے دیکھا تھا۔"

"کپڑے اس کے بھی اتار لئے گئے تھے۔" حمید نے اس طرح کہا جیسے تیروں پر کپڑوں کو اہمیت دینا چاہتا ہو۔

"میں یہ نہیں کہتا کہ کپڑوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔" فریدی بولا۔ "ہو سکتا ہے مگر نہیں

سو فیصدی یہی بات ہے۔ دونوں ہی لاشیں اس حال کو پہنچ گئی تھیں کہ ان کی شناخت ناممکن تھی لہٰذا کپڑے اتار لینے کا یہی مقصد ہو سکتا ہے کہ کپڑوں ہی کے ذریعہ لاشوں کی شناخت کا امکان باقی نہ رہے۔ اور حمید صاحب.... میں ایک ایسے زہر کے وجود سے بھی واقف ہوں جس سے شکار کی لاش پر ورم آجاتا ہے، یعنی جسم کے وہ حصے متورم ہو جاتے، جو کھلے رہ جائیں۔ اگر لاش ننگی ہو تو پورے جسم پر بھی اس حد تک ورم آسکتا ہے جتنے پھیلاؤ کی صلاحیت گوشت میں موجود ہو۔"

"یہ کیسا زہر ہے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "اس قسم کے کسی زہر کے متعلق میں نے آج تک نہیں سنا۔"

"تم نے سنا ہی کیا ہے۔ میکسیکو کی بعض خشک پہاڑیوں میں ایک کانٹوں دار پودا اگتا ہے۔ اس کا ایک کانٹا بھی اگر جسم کے کسی حصے میں چبھ جائے تو آدمی ایک منٹ کے اندر ہی اندر ختم ہو سکتا ہے اور جسم کے کھلے ہوئے حصے متورم ہو جائیں گے۔ میکسیکو کے قدیم باشندے اس پودے کو اپنے ایک قاہر دیوتا کی ڈاڑھی کہتے ہیں۔"

"کانٹے میں زہر۔" حمید کے لہجے میں بے اعتباری تھی۔

"زہر تو دراصل اس پورے پودے ہی میں ہوتا ہے۔ سفید رنگ کا سفوف سا جو پودے کے ہر حصے میں پایا جاتا ہے۔ حقیقتاً وہ پودے کے مسامات سے خارج ہونے والی ایک طرح کی رطوبت ہوتی ہے جو خشک ہونے کے بعد سفید رنگ کے سفوف کی شکل اختیار کر لیتی ہے اگر تمہارے جسم کے کچھ کسی زخم پر اس سفوف کے ذرات پڑ جائیں تو اس کا نتیجہ بھی وہی ہوگا جو کانٹا لگنے کا ہو سکتا ہے۔ موت اس سفوف ہی کی وجہ سے واقع ہوتی ہے۔ جو کانٹوں کے ساتھ جسم میں داخل ہو جاتا ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اب وہ فریدی کے معاملے میں اس ذہنی اسٹیج سے بھی گذر چکا تھا۔ جہاں اس کی معلومات پر عش عش کر سکتا۔

راجرس اسٹریٹ میں پہنچ کر فریدی نے کار ایک عمارت کے سامنے روک دی۔

"اس عمارت کے اٹھارویں فلیٹ میں وہ رہتی ہے۔ مقتولہ کی بہن" فریدی نے ایک عمارت کی طرف اشارہ کیا۔

"مگر آپ کو اتنی جلد اس کا علم کیسے ہو گیا۔" حمید نے پوچھا۔

"محض اتفاق۔" فریدی نے کہا۔ "پچھلی رات لاش کے فوٹو لئے گئے تھے۔ خیال تھا کہ ایک فوٹو شام کے اخبارات میں دیا جائے گا۔ مگر فنگر پرنٹ سیکشن کے ایک آدمی نے لاش شناخت کر لی۔ اسی سے اس کی قیام گاہ کا پتہ بھی معلوم ہوا۔ وہ اس کی بڑی بہن کو جانتا ہے۔"

وہ دونوں کار سے اتر کر اُس عمارت کے قریب پہنچے۔ اٹھارواں فلیٹ تیسری منزل پر تھا۔ فریدی نے بند دروازے پر دستک دی لیکن اندر سے جواب نہ ملا۔ تین چار بار دستک دینے کے بعد فریدی نے ہینڈل گھما کر دروازے کو دھکا دیا لیکن شائد وہ اندر سے مقفل تھا۔ پھر اس کے اشارے پر حمید نے برابر والے فلیٹ کے دروازے پر دستک دی۔ کسی نے جلدی ہی دروازہ کھولا۔ وہ ایک ادھیڑ عورت تھی۔

"فرمایئے....!" اس نے حیرت سے کہا۔

"کیا یہاں مسز گپتا رہتی ہیں۔"

"جی نہیں باجو والا فلیٹ ہے۔" عورت نے اُسی فلیٹ کی طرف اشارہ کیا جس کے دروازے پر وہ کئی بار دستک دے چکے تھے۔

"تب تو ہم نے غلطی نہیں کی تھی۔" فریدی بڑبڑایا۔ پھر اس عورت سے بولا۔ "مگر اندر سے جواب نہیں ملتا۔ کیا مسز گپتا دیر تک سونے کی عادی ہیں۔"

"پتہ نہیں۔" عورت بولی۔ "مسز گپتا تو ہسپتال میں ہیں۔ اندر ان کی نوکرانی ہو گی جو اونچا سنتی ہے۔"

"ہسپتال میں کیوں.... پتہ نہیں.... کیوں.... کیا....!" فریدی ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑا کر رہ گیا۔

"آپ مسز گپتا سے کب سے نہیں ملے۔" عورت نے پوچھا۔

"ارے ابھی پچھلے ہی ہفتے ملاقات ہوئی تھی۔"

"اچھا ایک بات بتایئے! کیا آپ نے پچھلی ملاقات پر یہ محسوس کیا تھا کہ یہ عورت عنقریب پاگل ہو جائے گی۔"

"نہیں تو۔" فریدی نے حیرت کا اظہار کیا۔ "کیوں کیا بات ہے؟"

"آج صبح چار بجے اسکے چند عزیز اُسے یہاں سے لے گئے وہ جانوروں کیطرح چیخ رہی تھیں۔"

"ممکن ہے اور کوئی تکلیف رہی ہو۔" فریدی نے کہا۔

"جی نہیں.... ان کے کزن نے مجھے یہی بتایا تھا کہ اکثر ان پر پاگل پن کے دورے پڑتے رہتے ہیں۔"

"وہ کب سے آپ کی پڑوسی ہیں۔"

"میرا خیال ہے پچھلے تین برسوں سے۔"

"کیا اس سے پہلے بھی کبھی ان پر اس قسم کا کوئی دورہ پڑا تھا۔"

"میرے علم میں تو نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے پڑا ہو۔"

"ملازمہ سے کس طرح گفتگو کی جائے۔ ویسے آپ کو تو معلوم نہ ہو گا کہ وہ کس ہسپتال لے جائی گئی ہیں۔"

"جی نہیں.... مجھے نہیں معلوم۔"

"آہا.... ان کی ایک بہن بھی تو ہیں مس شیلا۔ کیا وہ بھی موجود نہ ہوں گی۔"

"ارے.... وہ....!" عورت بُرا سا منہ بنا کر رہ گئی۔

"کیوں.... انہیں کیا ہوا....؟" فریدی نے حیرت ظاہر کی۔

"ایک آوارہ عورت کی بدولت ان دونوں بہنوں میں جھگڑا ہو گیا تھا۔ مسز گپتا کا کہنا تھا کہ اس عورت سے قطع تعلق کر لے لیکن شیلا اس پر کسی طرح تیار نہ ہوئی اور دونوں میں جھ ہو گیا۔ شیلا اب اسی عورت کے ساتھ رہتی ہے۔"

"اُف.... فوہ.... غالباً اسی حادثے نے مسز گپتا کا دماغ الٹ دیا ہے۔" فریدی تشویش لہجے میں بولا۔

"ہو سکتا ہے.... مسز گپتا بہت شریف عورت ہیں۔"

"پھر کیا.... کیا جائے۔" فریدی حمید کی طرف دیکھ کر بڑبڑایا۔ "میرے خیال سے یہی ہو گا کہ مس شیلا کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی جائے۔"

"قطعی.... یہ بہت ضروری ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

فریدی نے عورت سے کہا۔ "یہ کیسے معلوم ہو کہ وہ عورت کہاں رہتی ہے۔"

"میں آپ کو بتا سکوں گی۔ میں نے اپنے طور پر پتہ لگایا تھا کہ وہ واقعی بہت خراب ہے۔ صورت سے کوئی نہیں اندازہ لگا سکتا کہ وہ اتنی بد چلن عورت ہو گی۔"

"وہ کہاں رہتی ہے۔"

"شرما اسٹریٹ میں۔ اس کا نام تارا نائیڈو ہے۔"

حمید یک بیک چونک پڑا کیونکہ پچھلی رات مقتولہ نے نہ صرف اپنا نام یہی بتایا تھا بلکہ کہا تھا کہ وہ شرما اسٹریٹ میں رہتی ہے۔

"شرما اسٹریٹ....!" فریدی عورت کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "شرما اسٹریٹ درجنوں عمارتیں ہیں اُسے کہاں تلاش کرتے پھریں گے۔"

"وہ دیکھئے.... وہاں کیفے شبستان ہے۔ ٹھیک اسی کے سامنے والی عمارت کے کسی فلیٹ میں رہتی ہے۔"

"اوہ.... اچھا.... بہت بہت شکریہ۔ اتنا کافی ہے۔ اب ہم اس تک پہنچ جائیں گے۔ تکلیف دہی کی معافی چاہتے ہیں۔"

"کوئی بات نہیں جناب۔"

فریدی اور حمید نیچے آئے۔ حمید نے اس سے کہا۔ "اس کی ملازمہ سے گفتگو کئے بغیر ہم واپس آ گئے۔"

"کوئی ضرورت نہیں۔ وقت برباد کرنے سے کیا فائدہ۔ مگر تارا نائیڈو اور شرما اسٹریٹ کے نام سن کر تمہارے پیٹ میں چوہے ضرور کودنے لگے ہوں گے۔"

دھمکی

فریدی کی لنکن پھر شہر کی بھری پُری سڑکوں پر نکل آئی تھی۔ حمید نے محسوس کیا کہ اب فریدی فکر مند نہیں ہے.... وہ اس تبدیلی کی وجہ نہیں سمجھ سکا۔

"کیا.... وہ عورت سچ مچ پاگل ہو گئی ہو گی۔" حمید نے پوچھا۔

"قطعی نہیں.... میرا خیال ہے۔ انہوں نے اُسے بھی اپنے راستے سے ہٹا دیا۔ جو لوگ کسی کو میری چھت کے نیچے قتل کر سکتے ہیں۔ اُن کے لئے یہ مشکل کام نہیں ہو سکتا۔"

"اب دیکھنا ہے کہ اس عورت تارا نائیڈو پر کیا افتاد پڑتی ہے۔"

"جو کچھ بھی ہونا ہے اب تک ہو چکا ہو گا۔ یا پھر وہ بالکل محفوظ ہو گی۔"

"کیوں.... یہ دو متضاد باتیں کیوں۔"

"وہ اُن لوگوں کے لئے خطرناک ہو گی یا انہیں میں سے ہو گی یا پھر بالکل ہی بے تعلق ہو گی۔ ممکن ہے اس کا اس سلسلے میں کوئی تعلق ہی نہ ہو۔"

"کچھ ہو یا نہ ہو۔ خدا کرے جوان ہو حسین ہو۔" حمید بڑبڑا کر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

کار شرما اسٹریٹ میں داخل ہو کر دوسری سڑک پر نکل آئی۔

"کیوں آپ کہاں جا رہے ہیں۔"

"میں اس وقت صرف سڑک پیمائی کرنا چاہتا ہوں۔"

"اور وہ تارا نائیڈو۔"

"فکر نہ کرو۔ مجھے سب سے زیادہ اس عورت کی فکر ہے جو پاگل ہو گئی ہے۔"

"کیوں؟"

"اسلئے کہ وہ یقیناً بوڑھی ہو گی اور دنیا کا کوئی حمید اس کیلئے دردِ سر مول لینے کو تیار نہ ہو گا۔"

"اُسے لے جانے کا تو یہی مطلب ہو سکتا ہے وہ بھی ان لوگوں کے کسی راز سے واقف ہے۔ پھر ایسی صورت میں انہوں نے اُسے زندہ ہی کیوں رکھا ہو گا۔"

"کبھی کبھی دوسرے ہماری طرح نہیں سوچتے۔"

"مگر آپ اُسے تلاش کہاں کریں گے۔"

"تلاش....!" فریدی ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑا کر رہ گیا۔ اس کی پیشانی پر لکیریں سی آئیں تھیں اور آنکھوں میں ذہنی الجھن کے آثار تھے۔

آخر کار گاڑی ایک جگہ رک گئی۔ حمید نے کھڑکی کے باہر سر نکال کر چائنیز کارنر کا بورڈ پڑھا۔ مگر اس کی سمجھ میں نہ آسکا کہ فریدی یہاں سے کس طرح معلومات حاصل کر سکے گا۔ زیادہ سے زیادہ یہاں فنچ کے متعلق یہ معلوم کر سکتا تھا کہ وہ روزانہ کا گاہک ہے یا کبھی کبھی آتا ہے۔ یا یہ کہ فنچ جیسے لوگ دوسروں کو اپنے بارے میں لاعلم ہی رکھتے ہیں۔

بہر حال وہ بھی فریدی کے ساتھ کار سے اتر گیا۔ وہ کارنر سے داخل ہوئے اس وقت یکا یک اکا دکا آدمی نظر آرہے تھے۔ فریدی نے کاؤنٹر کے قریب رک کر چاروں طرف اچٹتی سی نظر ڈالی۔ پھر کاؤنٹر کے پیچھے کھڑے ہوئے آدمی کی طرف مڑا جو شائد ان کے آرڈر کا منتظر تھا۔

"مسٹر فنچ نہیں آئے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"کون مسٹر فنچ.... جناب.... میں نہیں جانتا۔"

"وہ.... ننھے سے آدمی۔" فریدی مسکرا کر آہستہ سے بولا۔

"اوہ.... نہیں جناب۔ وہ عموماً رات ہی کو آتے ہیں۔" وہ آدمی بھی معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "مسٹر فنچ کے علاوہ بھی یہاں کچھ اور آدمی ہیں اور ان کے پاس ایسے مال ہیں کہ مسٹر فنچ نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھے ہوں گے۔"

"اچھا....!" فریدی کاؤنٹر پر کہنیاں ٹکا کر اس کی طرف جھکتا ہوا رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "فنچ کی لڑکیاں تو گلاب لگاتی ہیں۔"

اس کے جواب میں اس نے ایک ایسی گندی بات کہی جو مضحکہ خیز نہ ہوتی تو حمید نے اس کے گال پر تھپڑ ہی رسید کر دیا ہوتا۔

پھر اُس نے کہا۔ "وہ ہمیشہ ایک رات میں ایک ہی لڑکی سپلائی کرتا ہے لیکن پچھلی رات یہاں دو تھیں ایک کو وہ اپنے ساتھ لے گیا تھا اور دوسری آپ کے ساتھ گئی تھی۔"

"اوہو....!" فریدی اپنی ایک آنکھ دبا کر بولا۔ "تو تمہیں یاد ہے۔ ویسے کیا روزانہ اس کی لڑکیاں یہاں آتی ہیں۔"

"جی نہیں.... کبھی کبھی۔ ویسے وہ خود روزانہ یہاں آتا ہے۔"

"مسٹر فوہی سے دوستی ہو گی۔"

"مسٹر فوہی.... جی ہاں.... یہی سمجھ لیجئے۔"

"مسٹر فوہی سے اس وقت کہاں ملاقات ہو سکے گی۔"

"یہ بتانا مشکل ہے۔ مسٹر فوہی کے پیروں میں چکر ہے۔ وہ کسی ایک جگہ رکنا جانتے ہی نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اوپری منزل پر اپنے کمرے میں ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شہر کے دوسرے سرے کے کسی شراب خانے میں۔"

"بڑا رنگین آدمی ہے یہ فوہی بھی۔" فریدی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "اس کے پاس بھی بڑی عمدہ لڑکیاں ہیں۔"

"آپ کس سے کم ہیں جناب۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"او.... ہاں.... اچھا چلو! ہم مسٹر فوہی کو دیکھتے ہیں۔" فریدی نے کہا پھر اس آدمی سے پوچھا۔ "کس نمبر کا کمرہ ہے۔"

"گیارہ نمبر جناب۔"

فریدی زینوں کی طرف بڑھا۔ حمید نے بھی قدم بڑھائے۔

گیارہویں کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ حمید کو اندر ایک فربہ اندام اور دراز قد چینی نظر آیا۔ چینیوں میں اتنا نکلتا قد شاذ و نادر ہی نظر آتا ہے جتنا کہ اس کا تھا۔ فریدی کو دروازے کے سامنے رکتے دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا۔

فریدی اجازت طلب کئے بغیر کمرے میں داخل ہو چکا تھا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔ لیکن چینی کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

"آپ کون ہیں؟" وہ انگریزی میں غرایا۔

"تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔" فریدی نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"میں نہیں پہچانتا۔"

فریدی نے اپنا وزیٹنگ کارڈ اس کی طرف بڑھادیا۔ اس نے کارڈ لے کر اس پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور اس کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔

"کیا میں نے کوئی جرم کیا ہے۔" وہ پھر اسی انداز میں غرایا۔ "آپ اس طرح بغیر اجازت درانہ میرے کمرے میں گھستے چلے آرہے ہیں۔ یہ کہاں کی انسانیت ہے۔"

"مجھے فنچ کا پتہ چاہئے۔"

"میں کسی فنچ کو نہیں جانتا۔ آپ خواہ مخواہ مجھے پریشان نہیں کر سکتے۔"

"تم جانتے ہو اس لئے لازمی طور پر پریشان کئے جاؤ گے۔"

"بڑی مصیبت ہے۔" وہ سر ہلا کر بولا۔ "اگر میں کوئی غیر قانونی کام کرتا ہوتا تو رشوت بھی دے سکتا تھا۔"

"اوہو.... تو میں تم سے رشوت وصول کرنے آیا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں وصول کروں اس سے رشوت۔" حمید نے غصیلے لہجے میں اردو میں پوچھا۔

"ٹھہرو....!" فریدی نے آہستہ سے کہا پھر فوہی سے بولا۔ "میں اس کمرے کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔"

"ہرگز نہیں.... تلاشی کا وارنٹ ہے آپ کے پاس۔"

"میں خود ہی وارنٹ ہوں۔"

"تب آپ نہیں لے سکتے تلاشی۔"

"ہم تمہیں پھانسی بھی دے سکتے ہیں۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

"کوشش کر کے دیکھئے۔" فوہی نے لاپروائی سے کہا۔

"حمید تمہیں یہاں سے کوکین برآمد کرنی ہے۔" فریدی سرد لہجے میں بولا۔

حمید الماریوں کی طرف بڑھا۔ ساتھ ہی فوہی نے بھی آگے بڑھنا چاہا۔ لیکن دوسرے لمحے میں فریدی کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر جہاں تھا وہیں رک گیا۔

حمید نے بڑی تیزی سے کمرے کی چیزیں الٹنی پلٹنی شروع کر دیں۔

"تم حد سے بڑھ رہے ہو کرنل فریدی۔ میں کوئی گیا گذرا آدمی نہیں ہوں۔" فوہی غرایا۔

"نہیں تم بہت معزز آدمی ہو۔ میں تمہیں جوتے سے نہیں ماروں گا۔ مطمئن رہو۔" فریدی

نے لاپروائی سے جواب دیا۔

پندرہ منٹ تک حمید نے سر مارا لیکن کوکین نہ برآمد کر سکا۔ آخر تھک ہار کر اس نے فریدی سے کہا۔ "کوئی دوسرا چارج لگائیے۔"

"تم اس کی پرواہ نہ کرو۔ میری جیب سے ہتھکڑیاں نکال کر فوہی کے لگادو۔"

"مذاق ہے۔ یونہی لگادو گے ہتھکڑیاں۔ تمہارا راج ہے۔" فوہی پاگلوں کی طرح چیخا۔

"ہاں اس شہر پر میرا راج ہے۔ حمید جلدی کرو۔"

حمید نے فریدی کی جیب سے ہتھکڑیاں نکالیں اور فوہی کی طرف بڑھا۔

"اچھی بات ہے تم لگاؤ ہتھکڑیاں لیکن اسے لکھ لو کہ یہ تم دونوں کے وقار کا آخری دن ہے۔"

"ہمارا وقار ہر وقت خطرے میں رہتا ہے۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔" فریدی بولا۔

حمید فوہی کے ہتھکڑیاں لگا چکا تھا۔

چند لمحے فریدی اور فوہی ایک دوسرے کو گھورتے رہے پھر فریدی مسکرا کر بولا۔ "اب بھی غنیمت ہے کہ فنچ کا پتہ بتادو ورنہ بڑی مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔ اگر میں نے کوکین برآمد کرلی تو پھر کسی حالت میں بھی نہیں چھوڑوں گا۔"

"میں کسی فنچ کو نہیں جانتا۔ جو دل چاہے کرو۔"

"اچھی بات ہے۔" فریدی بڑبڑاتا ہوا آگے بڑھا۔ پھر سامنے والی دیوار کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ وہ دیوار سے لگے ہوئے ایک فریم والی تصویر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

دفعتاً فوہی کے حلق سے عجیب قسم کی آواز نکلی جسے نہ کھانسی کہا جاسکتا تھا اور نہ یہی کہا جاسکتا تھا کہ اس نے کھنکار کر اپنا گلا صاف کیا ہے اور پھر حمید نے اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑتی دیکھیں۔

فریدی بڑی میز کو گھسیٹ کر دیوار سے لگا رہا تھا۔ اس نے میز پر ایک کرسی رکھی اور پھر میز پر چڑھ ہی رہا تھا کہ فوہی بڑبڑایا۔ "ٹھہرو۔ میں بتادوں گا۔"

"اب تیر کمان سے نکل چکا ہے۔" فریدی نے اس کی طرف مڑے بغیر کہا۔

کرسی پر کھڑے ہو کر اس نے فریم کی طرف ہاتھ بڑھائے۔ پھر حمید نے دوسرے ہی لمحے میں اس فریم کو کسی الماری کے ڈھکن کی طرح کھلتے دیکھا۔ ایک تاریک سی خلاء نمایاں ہو گئی۔

"بات کو آگے نہ بڑھاؤ۔ میں بتادوں گا۔" فوہی نے پھر کہا۔

"بات بڑھ چکی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اب تم کچھ بتاؤ۔"

"میں اس کے عوض منہ مانگی رقم دے سکتا ہوں۔" فوہی کی آواز کسی دائم المریض کی طرح

سرد اور بے جان ہو گئی تھی۔

"تم واقعی ایک معزز آدمی ہو۔" فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"میں آپ سے درخواست کرتا ہوں۔"

"اگر تم نے اس فریم پر میری نظر پڑنے سے پہلے درخواست کی ہوتی تو میں تمہیں معاف کر دیتا۔"

"میں فنچ کا پتہ بتا سکتا ہوں۔ اس کے متعلق سب کچھ جانتا ہوں۔"

"اور اس کے بعد فنچ کو بھی مطلع کر سکتے ہو کہ تم نے مجھے اس کا پتہ دیا ہے۔"

"ہرگز نہیں۔ لڑکیوں کے بیوپار سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ بس وہ میرا دوست ہے۔ میں جانتا تھا کہ ایک نہ ایک دن وہ ضرور مصیبت میں پڑے گا۔"

"ہتھکڑیاں نکال دو۔" فریدی نے فوہی کے چہرے پر نظر جماتے ہوئے حمید سے کہا۔

فوراً ہی تعمیل کی گئی۔ فریدی ریوالور جیب میں ڈال چکا تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

فوہی کرسی میں ڈھیر ہو کر ہانپنے لگا۔ اس کے چہرے پر کچھ اسی قسم کے آثار تھے۔ جیسے غیر متوقع طور پر موت کے منہ سے نکل آیا ہو۔

"فنچ لڑکیوں کا بیوپار کرتا ہے۔" فریدی نے سوال کیا۔

فوہی صرف سر ہلا کر رہ گیا۔ وہ اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے ہوئے تھا۔ شائد اس طرح وہ اپنی چڑھتی ہوئی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"منہ سے بولو۔" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"وہ لڑکیوں کا بیوپار کرتا ہے خود کو پینٹ دواؤں کا دلال ظاہر کرتا ہے لیکن حقیقتاً وہ لڑکیوں کا دلال ہے۔"

"تمہیں اس کا پتہ معلوم ہے۔"

"معلوم ہے جناب۔ وہ اپنا پتہ کسی کو بھی نہیں بتاتا لیکن میں نے ایک بار معلوم کر لیا تھا۔"

"اس نے خود تمہیں نہیں بتایا۔"

"جی نہیں لیکن وہ میرے گہرے دوستوں میں سے ہے۔"

"خیر اس کا پتہ بتاؤ۔"

"تھرٹین پیر اماؤنٹ لین۔"

فریدی نے حمید کو پتہ نوٹ کرنے کا اشارہ کر کے فوہی سے کہا۔ "کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ لڑکیوں کی تجارت کرتا ہے۔"

"جی ہاں.... مجھے یقین ہے لیکن اس کا طریقہ عجیب ہے۔ اسی بناء پر مجھے سوچنا پڑا ہے کہ میں اس تجارت کی پشت پر کوئی اور ہے۔ فنچ کی حیثیت ایک ایجنٹ سے زیادہ نہیں ہے۔"

"کیوں؟ یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو۔"

"کیونکہ وہ لڑکیاں اس کے لئے اجنبی ہوتی ہیں اگر وہ اپنے کالروں میں سرخ گلاب نہ لگائیں تو شائد فنچ انہیں پہچان بھی نہ سکے۔ ہر بار ایک نیا چہرہ نظر آتا ہے۔ میں نے کسی بھی لڑکی کو دوسری بار نہیں دیکھا۔ فنچ انہیں یہاں سے کہیں لے جاتا ہے۔ مگر پچھلی رات مجھے اطلاع ملی تھی کہ کل دو لڑکیاں یکے بعد دیگرے آئی تھیں۔ حالانکہ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔"

"تو گویا روزانہ نئی لڑکیاں یہاں آتی ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں جناب کبھی کبھی۔ نہ فنچ یہاں روزانہ آتا ہے اور نہ لڑکیاں۔"

"اچھی بات ہے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "لیکن تم اپنی زبان بند رکھو گے۔"

"میں اپنا اتنا بڑا کاروبار چھوڑ کر اس شہر سے بھاگ نہیں سکتا۔"

"سمجھدار آدمی ہو۔" فریدی مسکراتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

باہر آ کر حمید بولا۔ "اس فریم کے پیچھے کیا تھا۔"

"وہ فریم نہیں بلکہ الماری کا دروازہ تھا۔ ایسے تصویری فریم کون لگاتا ہے جو دیوار سے چپکے رہیں۔ چلو بیٹھو....!"

وہ کار میں بیٹھ گئے۔

وہ عورت

حمید بور ہو رہا تھا جیسے ہی کار حرکت میں آئی وہ آنکھیں بند کر کے پشت گاہ سے ٹک گیا۔ پچھلی رات کی دو لاشیں اس کے ذہن پر بُری طرح مسلط تھیں۔ وہ چھوٹے قد کی خوبصورت سی گڑیا کتنی دلکش تھی جس کے سینے میں ایک بدنما سا سوراخ ہو گیا تھا وہ خوفزدہ تھی۔ ہو سکتا تھا شائد اسے انہیں لوگوں کا خوف رہا ہو جنہوں نے اسے اتنی بے رحمی سے قتل کر دیا تھا۔ شائد وہ سرکاری

سراغ رسانوں سے پیچھا چھڑا کر اس شہر ہی سے نکل بھاگنا چاہتی تھی۔ اسی لئے اس نے اپنا نام تارا نائیڈو بتایا تھا اور یہ بھی بتایا تھا کہ وہ شرما اسٹریٹ میں رہتی ہے۔ مقصد یہی رہا ہوگا کہ وہ اس طرح اس عورت کو پولیس کے چکر میں پھنسادے گی جس کی وجہ سے اسے ان پریشانیوں میں مبتلا ہونا پڑا تھا۔ مگر وہ کامیاب نہ ہو سکی۔ وہ لوگ اس سے زیادہ ہوش مند تھے۔ حمید نے سوچا اب تارا نائیڈو کے خلاف ثبوت مہیا کرنا بھی آسان نہ ہوگا۔

پھر وہ اس آدمی کے متعلق سوچنے لگا جو ایک پُر اسرار تیر کا شکار ہو کر اپنے خدوخال تک کھو بیٹھا تھا۔ حمید اس کے لئے بھی مغموم تھا کیونکہ اس نے اس سے اپنی زندگی کی حفاظت کی درخواست کی تھی۔ مگر حمید.... سمجھا تھا کہ وہ اسے کسی چکر میں پھانسنے کی کوشش کر رہا ہے۔ پھر کیا ہوا؟ تھوڑی ہی دیر بعد حمید کو اپنے شبہات پر نادم ہونا پڑا۔ دوسری طرف فریدی سرخ گلابوں کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ بظاہر دونوں معاملے بالکل الگ الگ تھے لیکن پھر اسی زہریلے تیر کی کارفرمائی وہاں بھی نظر آئی۔ اور اب انہیں اس کا فیصلہ کرنا تھا کہ وہ دو معاملات حقیقتاً الگ الگ تھے یا وہ ایک ہی اصلیت کے دو مختلف پہلو کہے جاسکتے تھے۔

"کیا اب فنچ تک پہنچنے کا ارادہ ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

"اس کی توقع کم ہے کہ ہم اس تک پہنچ سکیں۔ اُسے سفارت خانے کی طرف سے ہوشیار کر دیا گیا ہوگا۔"

"پھر بھی اگر ہم تھرٹین پیراماؤنٹ اسٹریٹ کو دیکھ ہی لیں تو کیا حرج ہے۔"

"اوہو.... ضرور.... مجھے علم ہے کہ آج کل پیراماؤنٹ اسٹریٹ کی ایک لڑکی سے تمہارا معاشقہ چل رہا ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہاری ایکٹنگ نے اسے تم سے قریب کر دیا تھا۔"

"نہیں.... کیا؟" حمید حیرت سے منہ پھاڑ کر رہ گیا۔

"میں یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ اس نے تمہیں اپنا نام کہکشاں بتایا تھا۔ وہ کہتی ہے کہ اس کا کوئی مذہب نہیں ہے۔ وہ نسلی امتیاز وطنیت اور قومیت میں یقین نہیں رکھتی۔ وہ عورتوں اور مردوں کے درمیان کسی قسم کا تکلف جائز نہیں سمجھتی اور بتاؤں۔"

"تو آپ میری ٹوہ میں رہا کرتے ہیں۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"اب میں اُن معلومات کو کیا کروں جو اپنے پیروں چل کر مجھ تک پہنچ جاتی ہیں۔"

حمید کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔ "آپ کے طرز گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام کہکشاں نہیں ہے۔"

"میں یہ سب کچھ نہیں جانتا۔"

حمید پھر خاموش ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا آخر فریدی کو اس کی اطلاع کیسے ہو گئی۔ خیر اس کے متعلق علم ہو جانا اتنا حیرت انگیز نہیں تھا۔ مگر اسے وہ ساری باتیں کیسے معلوم ہوئیں جو اُن دونوں کے درمیان ہوئی تھیں۔

کہکشاں اُسے ایک غیر معروف سے ریستوران میں ملی تھی۔ حمید کا خیال تھا کہ اس کی احمقانہ انداز رکھنے والی حرکتوں نے اُسے اس کی طرف متوجہ کیا تھا۔

وہ اتوار کی شام تھی اور حمید اس طرح شہر میں چکراتا پھر رہا تھا جیسے کوئی خزاں رسیدہ پتہ خشک اور بے کیف ہواؤں کے جھکڑ میں جا پڑے۔ خزاں رسیدہ پتے کی تشبیہہ اس لئے مناسب معلوم ہوتی ہے کہ حمید ان دنوں اپنے ہی الفاظ میں خود کو "بنجر" محسوس کر رہا تھا اور وہ اسی صورت میں خود کو بنجر محسوس کر رہا تھا جب شام کے بیکار لمحات گذارنے کے لئے کوئی نئی لڑکی نہیں ملتی تھی۔ پرانی شناسا لڑکیاں اسے ہمیشہ بور معلوم ہوتی تھیں۔ اگر وہ کبھی کہیں نظر بھی آتیں تو وہ کترا کر نکل جانا ہی بہتر سمجھتا تھا۔

بہرحال اس شام حمید تنہا اور اداس تھا اور اداسی میں پیدل ٹہلنا اس کی پرانی عادتوں میں سے تھا۔ جب وہ تھک گیا تو قریب کے ایک کیفے میں جا گھسا۔ وہاں بمشکل دس منٹ گذارے ہوں گے کہ ایک لڑکی اندر آتی ہوئی نظر آئی۔ وہ بس ایسی ہی تھی کہ حمید نے اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ حمید کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہے اور وہ نہ ہو۔ یہ تو ممکن ہی نہیں تھا۔ اس نے جلد ہی اپنی غیر معمولی حرکات و سکنات سے لڑکی کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ وہ بھی اپنی میز پر تنہا ہی تھی اور متواتر حمید کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ حمید نے ایک ویٹر کو بلا کر اس سے ایک پیکٹ سگریٹ لانے کو کہا اور پرس سے کچھ اس انداز میں ایک نوٹ نکالا کہ دو نوٹ اس کی مصنوعی بے خبری میں فرش پر گر پڑے۔ اس نے یہ حرکت اس طرح کی تھی کہ ویٹر کی نظر نہیں پڑ سکی ورنہ وہ خود ہی اسے باخبر کر دیتا۔ ویٹر چلا گیا اور حمید نے پرس جیب میں ڈال لیا۔ سامنے بیٹھی ہوئی لڑکی نے نوٹوں کو گرتے ہوئے دیکھ لیا تھا وہ کچھ دیر تک خاموش رہی پھر حمید کو مخاطب کر کے بولی۔

"آپ کے نوٹ گر گئے ہیں جناب۔"

"جی....!" حمید چونک پڑا۔ لڑکی نے فرش کی طرف اشارہ کیا اور حمید کچھ ایسے بوکھلائے ہوئے انداز میں نیچے جھکا جیسے پیروں کے پاس سانپ بیٹھا ہو۔

لڑکی بے اختیار مسکرا پڑی اور حمید کھڑا ہو کر احمقانہ انداز میں بولا۔ "یہاں کسی صاحب کے نوٹ گر گئے ہیں۔"

لڑکی بے تحاشہ ہنسنے لگی۔ یہاں اُن کے علاوہ صرف دو آدمی اور تھے وہ غیر ارادی طور پر اپنی جیبیں ٹٹولنے لگے۔ مگر لڑکی نے کہا۔ "یہ نوٹ آپ ہی کے ہیں۔"

"میرے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "نہیں تو۔"

"میں نے آپ کے پرس سے گرتے دیکھے تھے۔"

"کیا آپ مجھے گدھا سمجھتی ہیں۔ کیا میں بچہ ہوں کہ نوٹ گرادوں گا۔"

لڑکی اپنی میز سے اٹھ کر اس کے پاس آ بیٹھی۔

حمید نے اب بھی نوٹ فرش سے نہیں اٹھائے تھے۔

"نوٹ اٹھا لیجئے۔" لڑکی آہستہ سے بولی۔

"آپ خود نہ اٹھا لیجئے۔ میں کیوں خواہ کسی مصیبت میں پڑوں۔"

لڑکی نے جھک کر نوٹ اٹھا لئے اور اپنے وینٹی بیگ سے ایک نوٹ بک نکالتی ہوئی بولی۔ "یہ دس دس کے دو نوٹ ہیں۔ ہمارے کالج میں ایک ڈرامہ ہونے والا ہے۔ ان نوٹوں کے عیوض میں آپ کو اس کے دو ٹکٹ دے رہی ہوں۔"

"میں نے ایک بار کہہ دیا آپ سے کہ وہ میرے نوٹ نہیں ہیں۔" حمید جھنجھلا گیا۔ "آپ کیوں خواہ مخواہ کسی دوسرے کا وبال میرے گلے لگا رہی ہیں۔"

"آپ اس کی فکر نہ کیجئے۔" لڑکی بڑے خلوص سے مسکرائی۔ "وبال میرے ہی سر رہے گا میں تو آپ کو ٹکٹ دے رہی ہوں۔ ڈرامہ کل نو بجے رات کو ہوگا۔ اپنی بیگم صاحبہ سمیت تشریف لائیے۔ ایک ٹکٹ پر دو بچے فری۔ گویا آپ چار بچے اپنے ساتھ لا سکتے ہیں۔ اگر چار سے زائد ہوں تب بھی پرواہ نہ کیجئے۔ میں دس روپے والے کلاس کے گیٹ ہی پر آپ کو ملوں گی۔"

"آپ خواہ مخواہ بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہی ہیں۔"

"کل ٹھیک نو بجے.... ماڈرن کالج میں.... میں آپ کا انتظار کروں گی۔"

لڑکی اپنا وینٹی بیگ سنبھالتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔

"دیکھئے آنا نہ بھولئے گا۔" اس نے چلتے چلتے ایک بار پھر کہا۔

پھر حمید دوسری رات ماڈرن گرلز کالج جا پہنچا۔ کہکشاں سے وہاں بھی ملاقات ہوئی اور دو ہی تین گھنٹوں میں وہ اس سے بہت زیادہ گھل مل گئی اور پھر وہ تقریباً روز ہی شہر کی کسی نہ کسی تفریح

گاہ میں ملتے رہے۔ حمید کی دانست میں کہکشاں اسے کریک اور بدھو سمجھتی تھی۔ حمید نے خود کو اسی انداز میں پیش کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ آج کل سراغ رسانی کے موڈ میں نہیں تھا۔ ویسے وہ کام سے تو ہمیشہ ہی دور بھاگتا تھا۔

فریدی نے کار ایک جگہ روک دی اور حمید کو بیٹھے رہنے کا اشارہ کر کے نیچے اُتر گیا۔ سامنے ہی ایک پبلک کال بوتھ تھا۔ اس نے اس میں داخل ہو کر کچھ نمبروں پر فون کئے اور پھر کار میں واپس آ گیا۔

"تم گھبراؤ نہیں۔" اس نے مشین اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ "اب ہم پیراماؤنٹ اسٹریٹ ہی کی طرف جائیں گے۔"

"نہیں مجھے گھبرانے دیجئے۔ گھبرانے سے خون صاف ہوتا ہے۔ صفائی سے مطلب سفیدی نہیں ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ کار چل پڑی اور حمید بڑبڑاتا رہا۔ "میرا دل چاہتا ہے کہ اب بچے جننا شروع کر دوں۔ اس طرح کچھ دن تو آرام کا موقع ملے گا۔ ویسے چھٹیاں بھی برباد ہی ہوتی ہیں۔ پچھلی بار چھٹی لی تھی تو "طاقت" کا کیس سر پر سوار ہو گیا تھا اور اب یہ۔"

"نہیں پچھلی بار روحی ملی تھی لیکن تصفیہ اوقات کا موقع نہ مل سکا تھا اور اس بار کہکشاں کے ساتھ ہی ساتھ گلابوں اور تیروں کا مسئلہ بھی درپیش ہے۔"

"میں کہتا ہوں آخر آپ خواہ مخواہ ہر معاملے میں کیوں کود پڑتے ہیں۔"

"سنو فرزند! یہ قصہ آج کا نہیں ہے۔ گلابوں کا معاملہ عرصہ سے درپیش ہے۔ جن معاملات کے متعلق مجھے یقین ہوتا ہے کہ ہاتھ لگائے بغیر کام نہیں چلے گا ان کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑتا ہے اور بعد میں تو سب کچھ ہی سر پر آ پڑتا ہے۔ بہر حال میں عرصہ سے ان گلابوں کی فکر میں تھا۔ مگر یہ تیر بالکل نئی چیز ہے اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ہم دونوں ایک رات میں مختلف حالات میں اس سے دوچار ہوئے۔"

"آپ دو چار ہوں گے۔ میں تو چار آٹھ ہو گیا تھا۔ ویسے دل تو یہی چاہا تھا کہ نو دو گیارہ ہو جاؤں مگر اس خیال سے رک جانا پڑا کہ....!"

کار ایک جھٹکے کے ساتھ رک گئی اور حمید کا سر ڈیش بورڈ سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔ داہنی جانب والے موڑ سے اچانک ایک کار سامنے آ گئی تھی۔ دونوں ہی ایک دوسرے سے صرف ایک فٹ کے فاصلے پر رکی تھیں۔

دوسری کار ایک عورت ڈرائیو کر رہی تھی۔

حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ "دو آدمی بیک وقت مرتے محترمہ۔ آپ اکیلی مرتیں اور ہمیں بالکل افسوس نہ ہوتا۔"

عورت نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے ہی تھے کہ فریدی اپنی کار آگے نکال لے گیا۔

"یہ عورتیں خوب کار ڈرائیو کرتی ہیں۔" حمید بڑبڑایا۔ "لیکن میں نے آج تک کسی عورت کو تانگہ ہانکتے نہیں دیکھا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس پر شائد سوچنے کا دورہ پڑا تھا۔ حمید اُسے "دورہ" ہی کہتا تھا۔

کچھ دیر بعد کار پیر اماؤنٹ اسٹریٹ میں داخل ہو رہی تھی۔ تیرھویں عمارت کے سامنے فریدی نے کار روک دی۔

عمارت کافی بڑی تھی۔ یہاں پہنچ کر انہیں احساس ہوا کہ عمارت میں فنچ کو تلاش کرلینا آسان کام نہ ہوگا کیونکہ اس کی ساخت بھی شہر کی دوسری کرایہ پر دی جانے والی عمارتوں کی سی تھی۔ اسی عمارت میں کم و بیش پچیس یا تیس فلیٹ ضرور رہے ہوں گے۔

وہ دونوں کار سے اُترے اور فریدی اس بڑے پھاٹک کی طرف بڑھا جس کے اندر والی راہداری سے دونوں طرف اوپری منزلوں کے زینے تھے۔ پھاٹک پر ایک موٹے اور بھدے جسم والا چوکیدار موجود تھا۔

"کیوں! وہ بوڑھا بندر کس منزل پر رہتا ہے۔" فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔

"بوڑھا بندر....!" چوکیدار نے حیرت سے دہرایا۔ پھر یک بیک ہنس پڑا۔

"فنچ صاحب کو پوچھ رہے ہیں شائد۔" اس نے کہا۔

"ہاں.... فنچ....!"

"پانچویں کے تیسرے میں۔"

فریدی آگے بڑھ گیا۔ پھر جب وہ زینے طے کر رہے تھے حمید بولا۔ "یعنی پانچویں منزل پر.... خدا کی پناہ.... دم اکھڑ جائے گا۔ ٹھہریئے۔" فریدی رک گیا۔

"آپ اوپر جایئے۔ میں نیچے ہی ٹھہر کر آپ کی واپسی کے لئے دعا کروں گا۔"

"چلو....!" فریدی نے اس کی گردن پکڑ کر بیک وقت دو تین زینے طے کرا دیئے۔

پہلی منزل کی گیلری میں ایک خوبصورت سی لڑکی نظر آئی۔

"مجھے یہیں رہ جانے دیجئے۔" حمید مغموم آواز میں بولا۔ "میں یہاں سے بھی آپ کے لئے

دعا کر سکتا ہوں۔"

"بکواس مت کرو۔ خاموشی سے چلتے رہو۔"

حمید نے اس خیال سے قدم بڑھا دیئے کہ کہیں اس خوبصورت لڑکی کے سامنے ہی فریدی اس کی گردن نہ پکڑ لے۔

پانچویں منزل پر پہنچ کر وہ تیسرے فلیٹ کے سامنے رکے۔ دروازہ باہر سے مقفل نہیں تھا۔ فریدی نے دستک دی۔

"بھاگ جاؤ.... ورنہ میں تم پر کتے چھوڑ دوں گی۔" اندر سے کسی عورت کی چنگھاڑتی ہوئی آواز آئی۔ یہ جملہ انگریزی میں ادا کیا گیا تھا اور وہ یقیناً کوئی لحیم شحیم عورت تھی۔ آواز یہی ظاہر کر رہی تھی۔

"ہمیں مسٹر فنچ سے ملنا ہے۔" فریدی نے بڑے شریفانہ لہجے میں کہا۔

"اررر.... ہش!" کچھ اس قسم کی آواز آئی جیسے وہ عورت اپنے رویہ پر متاسف ہو اور پھر دروازہ کھلنے میں دیر نہیں لگی۔ ایک لمبی تڑنگی سفید فام عورت انکے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے متحیرانہ انداز میں اپنی پلکیں جھپکائیں اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "اندر تشریف لایئے جناب۔"

کمرے میں معمولی قسم کا فرنیچر تھا۔

"تشریف رکھئے۔" وہ ہانپتی ہوئی بولی۔ "میں سمجھی تھی پڑوس کے شریر بچے ہیں۔ بہت پریشان کرتے ہیں جناب۔ میں تنگ آگئی ہوں۔ مجھے آج تک بچے بھی شریف نہیں ملے۔ آپ آرام سے بیٹھئے جناب۔ جوانی میں مجھے مشرق سے عشق تھا مگر اب میں سوچتی ہوں کہ آدمی کو قطبین میں بھی سکون نہیں نصیب ہو سکتا۔"

"آپ کا خیال درست ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "مسٹر فنچ کہاں ہیں۔"

"خدا بہتر جانتا ہے۔ مگر مجھے حیرت ہے کہ آپ جیسے شرفا فنچ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔ آپ لوگ تو تاجر بھی معلوم نہیں ہوتے۔"

"کیا یہ ضروری ہے کہ صرف تاجر ہی قسم کے آدمیوں سے مسٹر فنچ کی جان پہچان ہو۔"

"اگر میں فنچ کو سمجھی ہوں تو یہی ہونا چاہئے۔"

"آپ ٹھیک سمجھی ہیں۔ ہم لوگ نئے نئے کاروباری دنیا میں داخل ہوئے ہیں۔"

"اور فنچ سے زیادہ جان پہچان بھی نہیں ہے۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں۔"

"اگر آپ فنچ کو قریب سے جانتے ہوتے تو آپ کو اس کا بھی علم ہوتا کہ وہ گھر پر کبھی نہیں ملتا۔ وہ صرف پیسہ پیدا کرنے کے لئے دنیا میں آیا ہے۔ ایک ساڑھے چار فٹ کے آدمی سے اس سے زیادہ اور کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ جس کام میں لگے اسی کا ہو کر رہ جائے۔"

حمید اس موٹی عورت کی اس باریک بات پر دنگ رہ گیا۔

"آپ کا مسٹر فنچ سے کیا رشتہ ہے۔" اس نے پوچھا۔

"وہ رشتہ جس کی اہمیت اس کی نظروں میں کچھ بھی نہیں ہے۔ لوگ مجھے مسز فنچ کہتے ہیں۔"

"ہائیں....!" حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا پھر اس نے اردو میں یہ مصرعہ پڑھا۔

"کوئی پہاڑ یہ کہتا تھا اِک گلہری سے"

"جی....!" عورت اُسے گھورنے لگی۔

"مطلب یہ ہے کہ....!"

"میں سمجھتی ہوں مطلب۔ آپ ہمارا مذاق اڑانا چاہتے ہیں۔" عورت مسکرائی۔ "مگر میں اس کی عادی ہو چکی ہوں۔ مجھے ذرہ برابر بھی افسوس نہیں ہوگا۔ جب ہماری شادی ہوئی تھی تو میں ایک لطیفہ بن کر رہ گئے تھے۔"

"مسٹر فنچ سے ملنا بہت ضروری ہے۔" فریدی نے کہا۔

"گھر حاضر ہے۔ اکثر لوگ فنچ سے ملاقات کرنے کیلئے یہاں پندرہ پندرہ دن قیام کرتے ہیں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"فنچ کے ملاقاتی عموماً دوسرے شہروں سے یہاں آتے ہیں اپنے سامان سمیت.... فنچ سے ملاقات نہیں ہوتی اور وہ یہیں ٹھہر جاتے ہیں۔ فنچ کو تلاش کرتے ہیں جب وہ مل جاتا ہے تو سامان لے کر وہیں چلے جاتے ہیں جہاں وہ مقیم ہوتا ہے۔ ابھی کل ہی دوپہر کو ایک صاحب آئے تھے اپنا سامان رکھ کر جو غائب ہوئے ہیں تو ابھی تک شکل نہیں دکھائی آپ یقین کیجئے کہ ایسے مواقع میں بڑی اذیت میں مبتلا ہو جاتی ہوں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کئی کئی مہمان یکے بعد دیگرے آجاتے ہیں۔ اس فلیٹ میں صرف تین کمرے ہیں آپ خود سوچئے کہ کس طرح انتظام کیا جاسکتا ہے۔ ایک کمرہ میں نے ایسے لوگوں کے لئے خالی کر دیا ہے۔ وہ آتے ہیں اور فرش پر اپنا بستر جماتے ہیں۔"

"خیر ہم اپنا سامان اسٹیشن ہی پر چھوڑ آئے ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"تو آپ ٹھہریں گے۔" عورت نے بے دلی سے پوچھا۔

"جی ہاں۔ یہ رات تو یہیں گذارنی پڑے گی۔"

"آخر آپ لوگ کسی اچھے ہوٹل میں قیام کیوں نہیں کرتے۔ ذی حیثیت معلوم ہوتے ہیں آپ لوگ۔"

"اب ہم اسے کیا کریں کہ مسٹر فنچ کی ہدایات یہی ہے۔"

"خیر چلئے۔ آپ لوگ تو اپنے بستر بھی نہیں لائے۔ کمرے میں صرف چٹائیاں ہیں۔"

"اوہ.... آپ اس کی فکر نہ کیجئے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "ہم تاجر لوگ ہر قسم کی زندگی کے عادی ہوتے ہیں۔"

عورت انہیں ایک کمرے کے دروازے تک لائی۔ فریدی نے دروازے کو دھکا دیا اور عورت کی طرف مڑ کر بولا۔ "ہم آپ کو زیادہ تکلیف نہیں دیں گے۔"

عورت کچھ کہے بغیر واپس جانے کے لئے مڑ گئی۔

دوسری عورت

کمرہ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ عورت کے بیان کے مطابق وہاں سچ مچ جوٹ کی چٹائیاں پڑی ہوئی تھیں اور ایک طرف ایک سوٹ کیس اور ایک مختصر سا ہولڈال رکھا ہوا تھا۔ یہ شائد اُسی آدمی کا سامان تھا جو عورت کے بیان کے مطابق پچھلی دوپہر کو یہاں آیا تھا اور غالباً فنچ کو ابھی تک شہر میں تلاش کرتا پھر رہا تھا۔

فریدی چٹائی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "بیٹھو.... فرزند.... بیٹھو.... کسی کا مہمان ہونا بھی کتنی اچھی بات ہے۔ مگر اس شریف عورت نے یہ نہیں بتایا کہ کھانے پینے کی کیا رہے گی میرا خیال ہے کہ اس کی فکر ہمیں ہی کرنی پڑے گی۔"

"آپ سنجیدہ ہیں۔" حمید نے بوکھلا کر پوچھا۔

"کیا تم نے کبھی کسی موقع پر مجھے غیر سنجیدہ بھی دیکھا ہے۔"

"تو پھر آپ ہی قیام فرمایئے۔ میں اپنے قیام کے لئے کسی یتیم خانے کو ترجیح دوں گا۔"

"بکواس مت کرو۔ بیٹھ جاؤ۔"

"میری پتلون کی فٹنگ اس کی اجازت نہیں دے گی۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ چند لمحے خاموشی سے غور و فکر کرتے رہنے کے بعد اٹھا اور دروازہ بند کر کے اس کے شیشوں سے باہر دیکھنے لگا۔

"ادھر آؤ.....!" اس نے حمید کی طرف مڑ کر کہا۔

حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے اسکے پاس پہنچا اور فریدی اس کی گردن پکڑ کر شیشوں کے قریب کرتا ہوا بولا۔ "تم اس عورت پر نظر رکھو۔ میں ذرا اس سوٹ کیس اور ہولڈال کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

حمید نے اپنی ناک شیشے سے لگادی۔ فریدی جو کچھ بھی کرنے جارہا تھا حمید اُسے تضیع اوقات تو نہیں سمجھ سکتا تھا لیکن یہ بھی جانتا تھا کہ اس سے کوئی خاص فائدہ نہیں حاصل ہوئے گا۔ ویسے اب اُسے فنچ کی شخصیت اور زیادہ پُراسرار معلوم ہونے لگی تھی مگر وہ تو اس وقت بھی کہکشاں کے متعلق سوچ رہا تھا۔ جس سے آج ہوٹل نیاگرہ میں ملاقات ہونے کی توقع تھی لیکن اگر فریدی کا پروگرام طویل ہو گیا تو اُسے یہ شام کسی مدقوق کی طرح گذارنی پڑے گی جسے زندگی کی خواہش نہیں رہ جاتی لیکن جینا پڑتا ہے۔

وہ شیشوں سے باہر دیکھتا رہا۔ نزدیک و دور کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ اس نے ایک بار بھی مڑ کر فریدی کی طرف دیکھنے کی زحمت نہیں گوارا کی۔ اس کے ذہن پر صرف کہکشاں مسلط تھی۔ ایک شوخ اور چنچل لڑکی جو اُسے احمق سمجھتی تھی اور اس کی کسی بات کا بُرا نہیں مانتی تھی۔

تقریباً دس منٹ بعد اس نے فریدی کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا۔ "اب واپس آجاؤ۔"

حمید اس کی طرف دیکھے بغیر مڑا اور آنکھیں بند کئے کھڑا رہا۔

"کیا ہو گیا تمہیں۔" اس نے پوچھا۔

"مجھے جاسوسی جھٹکا ہو گیا ہے۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر دردناک آواز میں کہا۔

"ہم یہاں صرف پندرہ منٹ اور ٹھہریں گے۔ مطمئن رہو۔" فریدی بولا۔

"اگر آپ مجھے پانچ بجے تک چھٹی دے دینے کا وعدہ کریں تو میں آگ کے سمندر میں بھی چھلانگ لگانے کے لئے تیار ہوں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ ایک کاغذ کا ٹکڑا اس کے ہاتھ میں تھا اور نظریں اسی کاغذ پر تھیں۔ حمید نے اس کے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ کی مسکراہٹ دیکھی جو فوراً ہی غائب بھی ہو گئی اس کی انگلیوں کے درمیان ایک لفافہ بھی دبا ہوا تھا۔ یہ خط اسی سوٹ کیس سے برآمد ہوا تھا۔

"خدا ان لڑکیوں کو عقل دے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"سب کو نہیں.... ورنہ میرا کیا حشر ہو گا۔" حمید نے جلدی سے کہا۔

"ذرا یہ خط دیکھو۔" فریدی نے خط اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

یہ خط کسی شہلا نے کسی تنویر کے نام لکھا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ وہ اس کی تصویر واپس کر رہی ہے۔ اس کی بیوفائی اور لاپروائیوں کی بناء پر اس کا دل ٹوٹ گیا ہے۔ اسے چاہئے کہ وہ اس کی تصویر واپس کر دے اور بھی بہتیرے اقسام کے شکوے تھے۔

"کیا ان صاحبزادے کی تصویر بھی ہے لفافے میں۔" حمید نے پوچھا۔

"ہے۔" فریدی نے لفافہ بھی اس کی طرف بڑھادیا۔

حمید نے لفافے سے تصویر نکالی اور دفعتاً لفافہ اور تصویر دونوں ہی اس کے ہاتھوں سے چھوٹ پڑے۔

"کیوں.... کیا بات ہے۔"

"یہ.... یہ آدمی۔"

"کیا تم اسے پہچانتے ہو۔"

"اچھی طرح۔ مجھے یقین ہے اس معاملے میں میری یادداشت مجھے دھوکا نہیں دے سکتی۔"

"یہ کون ہے۔ خواہ مخواہ بات نہ بڑھاؤ۔"

"یہ وہی آدمی ہے جو پچھلی رات مجھے ہوٹل میں ملا تھا۔"

"اوہ...!" فریدی نے جھک کر لفافہ اور تصویر فرش سے اٹھالئے۔ اسکی پیشانی پر سلوٹیں تھیں۔

وہ لفافہ کی تحریر اور خط کی تحریر کا موازنہ کرنے لگا۔ پھر ان سب کو جیب میں ٹھونستا ہوا بولا۔ "چلو.... اب ہمیں دیر نہ کرنی چاہئے۔"

وہ دونوں کمرے سے نکلے۔ آگے راستہ نہیں تھا کیونکہ راہداری سے گذرے بغیر وہ باہر نہیں نکل سکتے تھے اور راہداری کا دروازہ دوسری طرف سے بند کر لیا گیا تھا۔

فریدی نے دروازہ تھپتھپایا۔ دوسری طرف سے جلد ہی قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ پھر دروازہ کھلا۔ موٹی عورت کے چہرے پر اس وقت خوش اخلاقی کے آثار نہیں تھے۔

"کیوں کیا بات ہے۔" اس نے خشک اور کھردرے لہجے میں پوچھا۔

"اوہ.... آپ کو تکلیف ہوئی۔" فریدی اظہار افسوس کرتا ہوا بولا۔ "ہم نے سوچا کہ ہمیں اس طرح بیکار بیٹھنے کی بجائے مسٹر فنچ کو تلاش کرنا چاہئے۔"

عورت زبان سے کچھ کہے بغیر ایک طرف ہٹ گئی۔ وہ دونوں فلیٹ سے باہر آئے۔ زینوں پر حمید بولا۔ "اب کہاں۔"

"اگر لفافے پر لکھا ہوا پتہ غلط نہیں ہے تو ہم اس تنویر کی اصل جائے قیام تک تو پہنچ ہی سکتے ہیں۔ اس نے تم سے یہی تو کہا تھا نا کہ اسکے پاس چند خطرناک آدمیوں کے خلاف بعض ثبوت ہیں۔"

"اوہ.... ہاں.... اس نے یہی کہا تھا اور وہ سارے ثبوت اس کے گھر ہی پر کہیں چھپا کر رکھے گئے ہیں۔"

"بس تو پھر ہم وہیں جا رہے ہیں۔"

"کیا آپ کو کامیابی کا یقین ہے۔"

"ضروری نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے وہ ثبوت ان لوگوں کے ہاتھ لگ ہی گئے ہوں۔"

حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "کیا اس سوٹ کیس میں اور کچھ نہیں ملا۔"

"ہاں.... ایک چیز اور ملی ہے۔" فریدی نے جیب سے ایک چھوٹی سی ڈبیہ نکال کر حمید کی طرف بڑھا دی۔ وہ لوگ نیچے پہنچ چکے تھے۔

کار پھر چل پڑی۔ حمید اس ڈبیہ کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے اسے کھول ڈالا اور اس کی مایوسی کی انتہا نہ رہی۔ وہ سمجھا تھا کہ اس ڈبیہ میں یقیناً کوئی عجیب و غریب چیز ہو گی مگر لوہے کی وہ چھوٹی نلکی اُسے نہ تو عجیب معلوم ہوئی اور نہ وہ یہی سمجھ سکا کہ فریدی نے اُسے اتنی اہمیت کیوں دی ہے۔ اس چیز سے زیادہ اس کے بارے میں فریدی کا رویہ عجیب تھا۔

"یہ کیا بلا ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

"یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم۔" فریدی نے جواب دیا۔

"لیکن اسکی اہمیت کا احساس کئے بغیر آپ نے اسے سوٹ کیس سے نکالنا کیوں ضروری سمجھا۔"

"کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہ کتنی احتیاط سے اس ڈبیہ میں رکھی گئی ہے۔"

"محض اسی بناء پر آپ نے اسے سوٹ کیس سے نکال لیا۔"

"محض اسی بناء پر....!"

"فرض کیجئے یہ محض حماقت نکلے تو۔"

"تو میرا کیا نقصان ہو گا۔ میں اسے اٹھا کر سڑک پر پھینک دوں گا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ پھر بولا۔ "کیا تم نے اس کی بناوٹ پر غور نہیں کیا۔"

"فی الحال میں اپنی کھوپڑی کی بناوٹ پر غور کر رہا ہوں۔"

"کسی نتیجے پر پہنچنے کا امکان ہے۔" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"یہی کہ اگر میں اس کو سو سے ضرب دے دوں تو حاصل ضرب کچھ آئے گا بھی یا نہیں۔"

"حاصل ضرب ہو گا گوبر کا ڈھیر۔"

"آپ میری توہین کر رہے ہیں۔"

"تمہاری کھوپڑی میں گوبر یا بھس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔"

"خیر.... ہو گا۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر خاموش ہو گیا۔

فریدی راہ میں ایک جگہ پھر فون کرنے کے لئے اُترا۔ پبلک فون بوتھ میں اس نے تقریباً دس منٹ صرف کئے اور پھر کار میں واپس آ گیا۔

"کئی خبریں ہیں حمید صاحب۔" اس نے مشین اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

"میں پوری طرح دلچسپی لے رہا ہوں کیونکہ پانچ بجے تک مجھے رہا کر دینے کا وعدہ کر چکے ہیں۔"

فریدی چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "وہ سنتری مل گیا ہے جس کی ڈیوٹی پچھلی رات اس سفیر کی قیام گاہ پر تھی۔ اس کا بیان ہے کہ وہ ڈیوٹی پر جانے کے لئے ارجن پورے کی ایک تاریک گلی سے گذر رہا تھا کہ کسی نے اس کے سر پر کسی وزنی چیز سے حملہ کیا اور آج صبح اس نے خود کو منٹو پارک میں بیہوش پڑا پایا۔ اس کے سر پر گہرا زخم ہے۔"

"کیا سفارت خانہ کی طرف سے رپورٹ بھی نہیں کی گئی کہ سنتری ڈیوٹی پر نہیں پہنچا۔" حمید نے سوال کیا۔

"یہ بھی ایک عجیب دلچسپ بات ہے۔ آٹھ بجے ڈیوٹی تبدیل ہونی تھی۔ آٹھ بج کر پانچ منٹ تک صبح کی ڈیوٹی والے سنتری نے اس کا انتظار کیا تھا پھر اس کے بعد وہ سفیر کے پرسنل سیکریٹری سے آٹھ بج کر پانچ منٹ کی روانگی پر دستخط لے کر چلا گیا تھا۔ سیکریٹری نے آٹھ بج کر دس منٹ پر کوتوالی فون کیا کہ رات کی ڈیوٹی والا سنتری ابھی تک نہیں پہنچا۔ مگر کوتوالی والوں نے لاپروائی برتی اس کے خلاف رپورٹ تو درج کر لی گئی لیکن پھر سفارت خانہ سے نہیں پوچھا گیا کہ سنتری پہنچا یا نہیں۔ وہ لوگ صرف اس خیال میں رہے کہ وہ کسی وجہ سے دیر میں پہنچا ہو گا لہٰذا اس سے جواب طلب کر لیا جائے گا۔"

"سفارت خانہ سے بھی پھر فون نہیں کیا گیا۔"

"نہیں....؟"

"کیا یہ بات قابل اعتراض نہیں ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"قطعی ہے لیکن اس کے لئے بھی جواز پیش کر دیا گیا ہے۔ پرسنل سیکریٹری آج صبح تک کسی نشہ آور دوا کے اثر سے بیہوش پڑا رہا ہے۔"

"یعنی.... جس نے اس سنتری پر حملہ کیا....!"

"ہاں.... بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں حرکتیں ایک ہی آدمی یا گروہ کی ہیں۔ اگر طرف انہوں نے سنتری کو ڈیوٹی پر جانے سے روکا اور دوسری طرف پرسنل سیکریٹری کو کوئی آور دوا دے دی کہ وہ صبح تک غفلت میں پڑا رہے اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ سنتری غیر حاضری کی اطلاع دوبارہ نہ دے سکے۔"

"پھر بھی سفیر کیلئے کئی ایسے سوالات تیار کئے جاسکتے ہیں جن کا جواب دینے پر وہ مجبور ہوگا۔"

"ضروری نہیں ہے وہ ہر بات پر اپنی لاعلمی اور حیرت ظاہر کر سکتا ہے اور اُسے ان سوالا کے جواب پر مجبور بھی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ سب کچھ سنتری کی عدم موجودگی میں ہوا تو ارے بھئی وہ تو ابھی تک اس حیرت انگیز لاش پر سر پیٹ رہا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ ان واقعا پر حیرت کے عالم میں پاگل بھی ہو سکتا ہے۔"

حمید کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "آپ نے ان واقعات کی روشنی میں کیا رائے قائم کی ہے۔"

"میری رائے.... ابھی میں اپنی رائے نہیں قائم کرتا۔ ویسے یہ سب کچھ دو مختلف گروہ کے تصادم کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔"

"اور سفارت خانہ اس میں سے ایک پارٹی ہے۔"

"یہی خیال ہے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑا کر رہ گیا۔ پھر بولا۔ "ہاں.... ارجن پورے ایک عورت کی لاش بھی ملی ہے جسے ابھی شناخت نہیں کیا جاسکا۔ میں نے فنگر پرنٹ سیکشن اس آدمی کو لاش دیکھنے کے لئے فون کیا ہے جس نے شیلا کی لاش شناخت کی تھی اور مسز گپتا پڑوسن کو بھی کوتوالی بلوایا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ مسز گپتا ہی کی لاش ہو۔"

حمید ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

"کیوں کیا بات ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"میں لاشیں دیکھتے دیکھتے اپنی زندگی سے بیزار ہو گیا ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔ کار سے کود جاؤ۔ میں جواب دہی کر لوں گا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اس نے پشت گاہ سے ٹک کر آنکھیں بند کر لی تھیں اور سنجیدگی سے مسئلے پر غور کر رہا تھا کہ کیوں نہ اس پیشے سے دستکش ہی ہو جائے۔ دن رات لاشیں دیکھتے دیکھتے اس کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ ہمہ وقت لاشوں کے تذکرے سنتے سنتے کان پک گئے تھے۔

فریدی کی کار تیزی سے فراٹے بھرتی رہی اور حمید اونگھتا رہا۔ جوزف لین کی عمارت

سامنے اس نے کار روک دی۔

یہ عمارت بھی کافی بڑی تھی اور اس میں بھی بے شمار فلیٹ تھے۔ فریدی نے ایک بار پھر جیب سے لفافہ نکالا اور اس پر لکھے ہوئے پتہ پر نظر ڈال کر کار سے اُتر گیا۔

وہ دونوں کچھ دیر بعد اسی فلیٹ کے سامنے کھڑے تھے جہاں انہیں پہنچنا تھا۔ دروازے پر ایس تنویر کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی مگر دروازہ مقفل تھا۔ فریدی نے چاروں طرف دیکھا۔ پوری گیلری سنسان پڑی تھی۔

"کیوں! کیا ارادہ ہے۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"قفل کھولنا ہے۔"

"دن ہے۔ جناب کرنل صاحب۔ رات نہیں۔ کیا آپ کے پاس خانہ تلاشی کا وارنٹ ہے۔"

"میں خود وارنٹ ہوں۔" فریدی اپنی جیب میں ہاتھ ڈالتا ہوا بولا۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ قفل پر جھکا ہوا تھا۔ قفل کھولنے کے اس باریک سے اوزار کی مدد سے جو اس کی جیب میں ہر وقت پڑا رہتا تھا اس نے ایک منٹ کے اندر ہی اندر قفل کھول لیا۔

وہ دونوں اندر داخل ہوئے اور فریدی نے دروازہ بند کر لینے میں دیر نہیں لگائی۔

وہ فلیٹ نہیں کباڑ خانہ معلوم ہوتا تھا۔ چاروں طرف چیزیں بکھری پڑی تھیں۔ صندوق کھلے ہوئے تھے اور ان میں رکھی ہوئی اشیاء فرش پر ڈھیر تھیں۔ الماریوں کے دروازے ٹوٹے ہوئے تھے۔ غرضیکہ مکمل ابتری اور بد نظمی کا نقشہ تھا۔

"اگر تم نے تنویر کی مدد کی ہوتی....!" فریدی بڑبڑا کر رہ گیا۔

وہ متجسسانہ نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ لیکن اس نے کسی چیز میں بھی ہاتھ نہیں لگایا۔ یہ فلیٹ فنچ کے فلیٹ سے زیادہ بڑا تھا۔ اس میں چار کمرے تھے۔ کبھی یہ اچھی طرح آراستہ بھی رہا ہوگا۔ مگر اب تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی شیشہ گر کی دوکان میں کوئی بیل گھس کر تباہی پھیلا گیا ہو۔

ان کمروں کی ترتیب کچھ اس طرح تھی کہ تین کمرے ایک لائن میں آگئے تھے اور دوسری طرف ان سے متوازی ایک بڑا کمرہ تھا۔ دونوں سلسلوں کے درمیان ایک طویل کاریڈر تھا۔ بڑے کمرے کے ساتھ کچن اور باتھ روم تھے۔ دس منٹ کے اندر ہی اندر انہوں نے پورا فلیٹ دیکھ ڈالا۔ لیکن انہیں اس کا کوئی حصہ ایسا نہیں ملا جس میں ابتری نہ نظر آئی ہو۔

پہلی بار فریدی نے فلیٹ پر ایک سرسری نظر ڈالی تھی اور اب پوری توجہ سے ایک کمرہ دیکھ

رہا تھا۔ کبھی وہ فرش پر جگہ جگہ پیر مارتا اور کبھی دیواریں تھپتھپانے لگتا۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک اس کا سلسلہ جاری رہا لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

"نہ جانے آپ کس دھن میں ہیں۔" حمید جھنجھلا گیا۔ "آپ کس بناء پر یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ وہ چیزیں جن کا حوالہ تنویر نے دیا تھا اب بھی یہاں موجود ہوں گی۔"

"مجھے یقین ہے کہ وہ اب بھی یہیں موجود ہیں۔"

"خیر....!" حمید نے اپنے شانوں کو جنبش دی۔ "تلاش کیجئے۔ میں یقین کی وجہ بھی نہیں پوچھوں گا۔"

"وجہ میں تم سے پوچھوں گا۔" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"مجھ سے.... کیوں؟ کیا میں آپ کو یہاں لایا تھا۔"

"نہیں میں تمہیں یہاں لایا تھا۔ مگر اس لئے نہیں لایا تھا کہ تم کسی کمیاب نسل کے مینڈک ہو اور میں تمہیں کسی مرتبان کی زینت بنانا چاہتا ہوں۔"

حمید بیزاری سے چاروں طرف دیکھتا رہا۔

فریدی پھر بولا۔ "میں تمہیں اس لئے لایا تھا کہ تم سے اپنے اس یقین کی وجہ پوچھوں اور تمہیں وجہ بتانی پڑے گی۔"

"میں آپ کی طرح اجناء کی نسل سے نہیں ہوں۔"

"میں پھر کہہ رہا ہوں کہ وجہ تمہیں ہی بتانی پڑے گی کیونکہ وجہ تمہیں صاف نظر آرہی ہے۔ اندھے نہیں ہو۔"

حمید نے اُسے غور سے دیکھا اس کی آنکھیں خشمگین نظر آرہی تھیں۔ بالکل اسی اسکول ماسٹر کی آنکھوں کی طرح جس کے کسی شاگرد نے پچھلا سبق بھلا دیا ہو۔

حمید نے بوکھلا کر چاروں طرف دیکھا۔ چند لمحے سنجیدگی سے کچھ سوچتا رہا پھر سر ہلا کر بولا۔ "بے شک آپ کا خیال درست ہے۔"

"کیوں؟"

"یہ ابتری یہی ظاہر کرتی ہے۔ اگر مجھے اس فلیٹ کی ایک چیز بھی اپنی جگہ پر نظر آتی تو میں کہہ سکتا تھا کہ وہ ان چیزوں کو پالینے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔"

"گڈ....!" فریدی نے چٹکی بجائی۔ "تمہیں جو گاؤدی سمجھے وہ خود گاؤدی ہے۔ بس برائی یہ ہے کہ تم تن آسانی کی تلاش میں اپنی ذہانت کا خون کر رہے ہو۔"

"شکریہ....!"

"اب آؤ.... میں تمہیں وہ جگہ دکھاؤں جہاں وہ چیزیں ہو سکتی ہیں۔"

"کیا مطلب.... یعنی.... کہ آپ کو جگہ بھی معلوم ہو گئی ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ میرا خیال درست ہو۔ یہ صرف خیال ہے۔ دعویٰ نہیں۔"

وہ اس حصے میں آئے جہاں کچن اور باتھ روم تھے۔ فریدی کچن کے دروازے پر رک کر چوکھٹ کے داہنے بازو پر جھک گیا۔ حمید نے دیکھا کہ وہ ایک چھوٹے سے سوراخ میں کچھ دیکھ رہا ہے۔ پھر اس نے جیب سے وہی باریک سا اوزار نکالا جس سے بیرونی قفل کھولا تھا اور اسے سوراخ میں ڈال کر گردش دینے لگا مگر کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔

"کیوں وقت برباد کر رہے ہیں۔" حمید بڑبڑایا۔

"بس دیکھتے رہو۔ اب میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ چیزیں یہیں ملیں گی۔"

اس نے اوزار جیب میں ڈال لیا اور پر کوئی دوسری چیز اس سوراخ میں ڈالی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک ہلکا سا کھٹکا ہوا اور دیوار میں چوکھٹ کے قریب ہی ایک دو فٹ لمبی اور تقریباً ایک بالشت چوڑی خلاء نظر آنے لگی۔

حمید نے حیرت سے فریدی کی طرف دیکھا مگر کچھ بولا نہیں۔ اس خلاء میں اُسے بہتیری چیزیں نظر آئیں۔ جڑاؤ زیورات، بڑے نوٹوں کی کئی گڈیاں کچھ خطوط اور ایک تیر۔

فریدی نے تیر اس میں سے نکال لیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ حمید دوسری چیزیں الٹنے پلٹنے لگا تھا۔ اس نے وہ خطوط نکال لئے جو بڑی احتیاط سے رکھے ہوئے تھے۔ اور پھر انہیں پڑھنے میں اتنا محو ہو گیا کہ فریدی کی موجودگی کا احساس بھی نہ رہا۔

"یہ سب کیا ہے؟" کچھ دیر بعد اس نے فریدی کی آواز سنی اور چونک پڑا۔

"اوہ.... یہ تنویر.... غالباً بلیک میلر بھی تھا۔ یہ مختلف لڑکیوں کے خطوط مختلف آدمیوں کے نام ہیں۔"

"انہیں الگ پھینکو۔ میرے لئے بیکار ہیں۔ یہیں رکھ دو۔"

حمید نے ان خطوط کو اسی خلا میں رکھ دیا اور فریدی نے جیسے ہی اپنی انگلی اس سیاہ سی چیز پر رکھ کر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ دیوار برق کی سی سرعت کے ساتھ برابر ہو گئی۔ اب حمید نے غور سے اس چیز کو دیکھا تو یہ وہی لوہے کی نلکی تھی جو فریدی کو تنویر کے سوٹ کیس میں ملی تھی۔ فریدی نے اسے سوراخ سے نکال کر جیب میں ڈال لیا۔

"یہ تیر....!" فریدی جلدی سے بولا۔ "دیکھو خبردار اس کی نوک سے ہوشیار رہنا۔ اس پر ڈاکٹر ڈریڈ تحریر ہے۔ مگر یہاں ڈاکٹر کا کیا کام۔"

"ڈاکٹر ڈریڈ۔" حمید پیشانی پر شکنیں ڈال کر بڑبڑایا۔ "یہ نام تو کچھ سنا ہوا سا معلوم ہوتا ہے۔"

"شمالی امریکہ کا خطرناک ترین آدمی۔ زہروں کا ماہر۔ پندرہ سال سے وہاں کی پولیس اس کے چکر میں ہے لیکن اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکی۔"

حمید خاموشی سے فریدی کے چہرے پر نظر جمائے رہا۔ پھر ایک طویل سانس لے کر بولا۔

"پھنس گئے۔ بُری طرح پھنس گئے دلدل میں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ تیر کا پھل دیکھ رہا تھا۔

دفعتاً کسی نے باہر سے دروازے پر دستک دی۔

"اندر کون ہے۔" ایک بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔ حمید دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ فریدی نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

"ٹھہرو۔" وہ آہستہ سے بولا۔ پھر پنجوں کے بل آہستہ آہستہ چلتا ہوا دروازے تک گیا۔ حمید نے دیکھا کہ وہ ایک رخنے سے باہر جھانک رہا ہے۔ دروازہ برابر پیٹا جا رہا تھا۔ پھر کسی نے چیخ کر کہا۔ "اندر چور ہے۔"

فریدی فوراً ہی حمید کی طرف مڑ گیا اور اسے بھی اشارہ کیا کہ وہ اپنی پشت دروازے کی طرف کر لے۔ باہر شور بڑھتا جا رہا تھا اور "چور چور" کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ فریدی نے حمید کو دوسرے کمرے کی طرف کھینچا۔ وہ اس وقت راہداری میں تھے۔ راہداری سے بڑے کمرے میں مڑ گئے۔

"یہ کیا مصیبت آ گئی۔" حمید بڑبڑایا۔

"فکر مت کرو۔ پولیس آئے گی۔"

"مگر اس سے پہلے ہی ہماری کافی آؤ بھگت ہو جائیگی۔ میرا خیال ہے کہ مجمع بڑھتا جا رہا ہے۔"

"مت سوچو۔ اس کے متعلق کچھ مت سوچو۔ ابھی ایک دلچسپ واقعہ پیش آئے گا۔"

"وہ یقیناً دلچسپ ہوگا۔ اخبارات کے لئے.... خصوصیت کے ساتھ کتنی شاندار سرخیاں ہوں گی۔ محکمہ سراغ رسانی کے دو آفیسر چوروں کے دھوکے میں پٹ گئے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"اچھی بات ہے۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "میں تو گولی مار دوں گا ایک آدھ کو۔"

"شائد اس کی ضرورت نہ پیش آئے کیونکہ وہ پولیس کو ضرور طلب کریں گے۔ پولیس

پرنسٹن کے تھانے ہی سے آئے گی۔"

"مگر ہم قانونی طور پر یہاں نہیں داخل ہوئے۔"

"جس نے بھی دروازے پر دستک دے کر چور چور کا شور بلند کیا ہے صحیح آدمی نہ ہوگا۔"

"ممکن ہے وہ تنویر کا کوئی عزیز ہو۔"

"اچھا.... مگر اُسے یہ کیا معلوم کہ تنویر کے علاوہ اور کوئی ہو سکتا ہے۔ اگر معلوم ہے کہ تنویر مر چکا ہے تو اُسے کم از کم پولیس کو تو اطلاع دینی ہی چاہئے تھی۔ کیونکہ پولیس کو کسی ایسے آدمی کی تلاش ہے جو تنویر کی لاش شناخت کر سکے۔"

"ارے جب ہاتھ اٹھ جاتے ہیں لوگوں کے تو منطق اور فلسفہ سب دھرا رہ جاتا ہے۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "وہ نادانستگی میں ہمیں پیٹ دیں گے اور ہم کچھ کر بھی نہ سکیں گے۔"

"بیٹھو خاموشی سے۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"اچھی بات ہے۔" حمید ایک لمبی سانس لے کر بولا۔ تقریباً بیس منٹ گذر گئے۔ اب باہر سے آوازیں بھی نہیں آ رہی تھیں۔

بڑے کمرے سے وہ پھر راہداری میں آئے۔ باہر سناٹا تھا۔ فریدی پنجوں کے بل دروازے تک گیا اور پھر مڑ کر آہستہ سے بولا۔

"عجیب بات ہے۔ اب یہاں کوئی بھی نہیں ہے۔"

"خدا کا شکر ہے۔ عجیب بات کیوں۔"

"شائد میں دھوکا کھا گیا۔"

"گھونسہ کھانے سے بہتر ہے خدا کرے آپ دھوکا کھا گئے ہوں۔"

فریدی نے اس تیر کو پرانے اخبار میں لپیٹ لیا تھا اور اب اس کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ دروازہ کھول کر باہر نکلے گا۔

اس نے یہی کیا بھی۔ دوسرے لمحے میں وہ باہر گیلری میں کھڑے ہوئے تھے اور یہ گیلری پہلے ہی کی طرح ویران نظر آ رہی تھی۔ فریدی نے جھک کر قفل لگایا۔ حمید بوکھلائے ہوئے انداز میں چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ اُسے خوف تھا کہ کہیں کسی طرف سے لوگ ٹوٹ نہ پڑیں۔ لیکن ابھی تک تو ایسا نہیں ہوا تھا۔

فریدی نے آگے بڑھ کر تنویر کے پڑوسی کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھلا اور ایک آدمی باہر آیا۔

"فرمایئے جناب۔"

"ابھی یہاں کہیں چور چور کا شور بلند ہوا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"اوہ.... جناب....!" وہ آدمی ہنس کر بولا۔ "کوئی بات نہیں تھی۔ محض غلط فہمی۔"

"غلط فہمی کا کیا مطلب۔"

"اندر سے کھڑ بڑاہٹ سن کر دو آدمی دستک دے رہے تھے اور پھر کوئی جواب نہ پاکر انہوں نے چور چور کا شور مچادیا۔ لوگ اکٹھا ہوگئے۔ پھر ایک تیسرا آدمی آیا۔ اس نے ہنس کر کہا کوئی بات نہیں اندر تنویر صاحب کے چچا ہوں گے۔ جن کے کان بالکل بیکار ہیں۔ وہ اس وقت تک نہیں سن سکتے جب تک کہ آلہ سماعت نہ استعمال کریں۔ وہ دونوں آدمی جو دستک دے رہے تھے یہ کہتے ہوئے چلے گئے۔"

اوہ.... لاحول ولا قوۃ۔ مگر یہ تنویر صاحب کہاں ہیں۔"

"پتہ نہیں جناب۔ یہ بتانا بڑا مشکل ہے۔"

"خیر معاف کیجئے گا۔" فریدی کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

"آپ نے کیا سوچ رکھا تھا جناب والا۔" حمید نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

"کچھ نہ پوچھو.... کچھ بھی نہ ہوا.... خیر.... میں سمجھا تھا کہ وہ پولیس کی مدد ضرور حاصل کریں گے۔"

"تو اس سے کیا ہوتا۔"

"اپنا داخلہ غیر قانونی تھا۔ اس صورت میں انہیں لوگوں کی گردن لیتا اور پھر اس داخلے کی حیثیت غیر قانونی نہ رہ جاتی۔"

"آپ کی دانست میں وہ لوگ کون تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"یا تو وہ لوگ جو اس تیر کی تلاش میں تھے یا پھر وہ لوگ تنویر کی پارٹی سے تعلق رکھتے ہوں گے۔"

"تنویر کی بھی کوئی پارٹی ہو سکتی ہے۔"

"کیوں نہیں وہ تو صاف ظاہر ہے۔ فنچ کے یہاں تنویر کا سامان پہنچنے کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ وہ صریحاً فنچ کی پارٹی سے تعلق رکھتا تھا اور فنچ لازمی طور پر سفارت خانے سے متعلق ہے۔ ان دونوں گروہوں کے درمیان کسی بناء پر ٹھن گئی ہے۔"

وہ عمارت سے باہر آئے اور حمید نے گھڑی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "پانچ بجنے میں صرف آ

گھنٹہ اور باقی ہے۔"

"اوہ.... دفع ہو جاؤ۔"

"دفع کہاں ہو جاؤں۔ ذرا مجھے آر لکچو کے سامنے اتار دیجئے گا۔" حمید کار میں بیٹھتا ہوا بولا۔

"ٹھہرو.... میں ذرا فون کروں گا۔" فریدی نے کہا اور ایک دوا فروش کی دوکان کی طرف بڑھا۔ حمید کار میں بیٹھا پائپ پیتا رہا۔ اب وہ صرف کہکشاں کے متعلق سوچ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد فریدی واپس آگیا۔ سیٹ پر بیٹھتے وقت اس نے ایک طویل سانس لی۔

"ان ظالموں نے ایک اچھے گواہ کا خاتمہ کر دیا۔"

"کیا مطلب۔"

"شیلا کی بہن مسز گپتا۔"

"اوہ تو وہ لاش اسی کی تھی۔"

"ہاں....!"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ تارا نائیڈو کو کیوں نظر انداز کر رہے ہیں۔"

"اسے مت چھیڑنا.... بلکہ اس کی طرف رخ بھی نہ کرنا۔ ہو سکتا ہے کھیل بگڑ جائے۔ سفارت خانہ سے تعلق رکھنے والے سارے مجرم میری نظر میں ہیں۔"

"تارا نائیڈو بھی۔"

"ہاں وہ بھی.... آج سے نہیں بہت دنوں سے۔"

"پھر انتظار کس بات کا ہے۔"

"ثبوت.... تم جانتے ہو کہ ثبوت فراہم کئے بغیر میں کوئی اقدام نہیں کرتا۔"

"کیا آپ نے لیڈی انسپکٹر ریکھا کو گلاب والی لڑکی بنا کر ثبوت نہیں فراہم کیا۔"

"وہ کچھ بھی نہیں ہے حمید صاحب۔ اس سلسلے میں ان پر کوئی بڑا چارج نہیں لگایا جا سکتا۔ وہ لوگ یہ کہہ کر واقعات کو دوسرا رنگ دے سکتے ہیں کہ ان کا پیشہ لڑکیاں سپلائی کرنا ہے۔ وہ سفارت خانہ والوں کے لئے لڑکیاں مہیا کرتے ہیں۔"

"مگر اس کے لئے اتنا پیچیدہ طریقہ اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ سوال بھی تو کیا جا سکتا ہے۔"

"تارا نائیڈو اس کا جواب بھی دے سکے گی۔"

"کیا جواب دے سکے گی۔"

"کچھ بھی کہہ سکتی ہے۔ بہر حال عدالت میں طریقہ کار زیر بحث نہیں آسکتا۔ ایسی صورت میں جب کہ وہ اعتراف ہی کرلیں کہ وہ لڑکیوں کا کاروبار کرتے ہیں۔"

"مگر جناب.... وہ لاش.... سفارت خانہ اس لاش کے متعلق کیا کہے گا۔"

"یہی کہہ سکتا ہے کہ جو لوگ لڑکیاں لاتے تھے کوئی ان کی تاک میں تھا اور اس نے منتقمانہ کاروائی کی تھی۔"

"اچھا.... اچھا.... آپ ثبوت تلاش کیجئے۔ میں سکون کی تلاش میں جارہا ہوں۔"

"قبر کی تلاش کہو۔"

"قبر ہی سہی۔ آپ نے کوئی نئی بات نہیں کی۔ عورت ہی جنم دیتی ہے اور عورت ہی قبر بنتی ہے۔"

"اور تم جیسے لوگ عقل کے اندھے کہلاتے ہیں۔"

"کہلاتے ہوں گے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور آنکھیں بند کرلیں۔

فریدی نے پھر کچھ نہیں کہا۔ حمید کی یہ حرکتیں اس کے لئے نئی نہیں تھیں اور اب وہ اس مسئلے پر شاذونادر ہی گفتگو کرتا تھا لیکن جب حمید کام کے وقت بھی اپنی مصروفیات کو خیرباد کہنے پر تیار نہیں ہوتا تھا تو اسے غصہ آہی جاتا تھا۔ مگر آج نہ جانے کیوں اس نے اُسے آر لکچو کے چھاپہ پر اتار ہی دیا۔

حمید نے جیب سے رومال نکال کر چہرہ صاف کیا۔ ٹائی کی گرہ درست کی اور گھڑی پر نظر ڈالتا ہوا آر لکچو کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوگیا۔ کہکشاں نے ٹھیک پانچ بجے یہیں ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ ہال میں موجود تھی۔ حمید کو دیکھ کر اپنے مخصوص طنزیہ انداز میں مسکرائی بالکل اسی طرح جیسے اسے بہت حقیر سمجھتی ہو یا کوئی معمر آدمی کسی بچے کو دیکھ کر مسکرائے۔

"ہلو....!" حمید اسی میز پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "بدھو کے معنی سمجھتی ہو۔"

"یہ لفظ بجائے خود اتنا پیارا ہے کہ معنی پر غور کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔"

"لاطینی میں شوہر کو کہتے ہیں۔" حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔

"آج عقلمندوں کی طرح بول رہے ہو۔ کیا بات ہے۔"

"آج مجھے احساس ہوا ہے کہ میں واقعی الو ہوں۔"

"لیکن اس احساس سے تمہیں کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔"

"میں ایسی ہی باتیں کرسکتا ہوں جیسی اس وقت کررہا ہوں۔ ابھی ابھی میں ایک کتاب ختم کرکر آرہا ہوں جس میں لکھا ہوا تھا کہ عورتوں سے اکڑ کر رہنا چاہئے۔"

"خوب....!" کہکشاں مسکرائی۔ "مگر تم اکڑے ہوئے نظر نہیں آتے۔"

"واہ.... تم کیا جانو.... یہ مطلب تھوڑا ہے کہ جسم اکڑائے رہنا چاہئے۔" حمید احمقانہ انداز میں ہنسا۔

"پھر....!"

"مطلب یہ کہ.... بس.... اکڑنا.... یعنی کہ.... کس طرح سمجھاؤں۔"

"نہ سمجھاؤ۔ لیکن اپنے متعلق ضرور بتاؤ کہ تم کیا کرتے ہو۔ کہاں رہتے ہو۔ ذریعہ معاش کیا ہے۔"

"کیوں.... یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہی ہو۔"

"واہ.... یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ ہم اتنے گہرے دوست ہیں اور ایک دوسرے کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔"

"نہ جاننا ہی اچھا ہوتا ہے ورنہ عموماً بڑی کوفت ہوتی ہے۔"

"کیوں! کوفت کیوں ہوتی ہے۔"

"بس ختم کرو۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں بحث نہیں کرنا چاہتا۔ اگر اس سلسلے میں کچھ اور بتاؤں گا تو تم مجھے زیادہ اُلو سمجھو گی۔"

"میں نہیں سمجھوں گی۔ آخر تم چھپاتے کیوں ہو کہ تم کون ہو۔"

"اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔"

"خیر نہ بتاؤ۔ کبھی کبھی سوچتی ہوں کہ تم مجھ سے بہت کچھ چھپاتے ہو۔"

"یقیناً چھپاتا ہوں۔ مجھے اس سے انکار کب ہے۔ میں تم سے یہ بھی چھپاتا ہوں کہ میرا نام عبدالقدوس ہے۔"

"ہائیں.... تو اس معاملے میں بھی تم جھوٹ ہی بولے تھے۔ تم نے اپنا نام جمیل بتایا تھا۔"

"جمیل تو تخلص ہے۔ میں نے غلط نہیں کہا تھا۔ لوگ مجھے جمیل چڑچڑالوی کہتے ہیں۔"

"چڑچڑالوی کیا بلا ہے۔"

"تم خود ہو گی بلا.... چڑچڑالوی کیوں ہو۔ بس اسی لئے تو میں عورتوں سے دور بھاگتا ہوں۔ یہ کیا ہے.... وہ کیا ہے۔ ایسا کیوں ہوا۔ ویسا کیوں ہوا۔"

"میں تمہارا گھر دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"گھر بھی میں نہیں دکھا سکتا۔"

"ہاں! میں جانتی ہوں کہ کوئی بہت بڑے آدمی ہو۔ مگر پُراسرار۔"

"کیوں یہ تم کس بناء پر کہہ رہی ہو۔"

"میں نے تمہیں کئی بار ایئر کنڈیشنڈ لنکن گاڑی میں دیکھا ہے۔" کہکشاں نے کہا۔ "

شہر میں شائد پانچ یا چھ لنکن گاڑیاں ہوں۔"

"ہو سکتا ہے میں کسی بڑے آدمی کا موٹر ڈرائیور ہوں۔"

"موٹر ڈرائیور اتنے قیمتی سوٹوں میں نہیں رہتے۔ میں تمہیں ہر بار نئے سوٹ میں دیکھتی ہوں۔"

"چھوڑو.... ختم کرو۔ اس قصے کو۔" حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ "نہ تمہیں

فائدہ پہنچ سکتا ہے اور نہ مجھے۔"

حمید نے پائپ میں تمباکو بھر کر اُسے میز پر رکھ دیا۔ چند لمحے خالی خالی نظروں سے سامنے

دیوار کی طرف دیکھتا رہا پھر پائپ اٹھا کر اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ "لو....!"

"میں کیا کروں۔" کہکشاں حیرت سے بولی۔

"پیو....!" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

کہکشاں ہنسنے لگی۔

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"ارے واہ....!"

"اس جملے کے کیا معنی ہوئے۔" حمید نے اسی لہجے میں سوال کیا۔

کہکشاں ہنسنے لگی۔

"کرسی اٹھا کر پٹخ دوں گا تمہارے سر پر۔ میں پوچھتا ہوں پائپ پینے میں کیا حرج ہے۔"

"عورتیں پائپ نہیں پیتیں۔"

"پینا پڑے گا عورتوں۔" حمید میز پر گھونسہ مار کر بولا۔ "عورتوں کی فوج بن سکتی

عورتیں ڈپٹی کلکٹر ہو سکتی ہیں۔ عورتیں طیارے اڑا سکتی ہیں۔ عورتیں راکٹ چلا سکتی ہیں۔

وجہ ہے کہ عورتیں پائپ نہ پئیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر تم مجھ سے شادی کرنے پر آمادہ ہو

میں تمہیں حقہ تک پلا چھوڑوں۔"

"آج تم کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔" کہکشاں نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

"آج مجھے احساس ہو گیا ہے کہ میں واقعی اُلو ہوں۔" حمید نے جھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

"اچھا میں جا رہی ہوں۔ اب تم سے نہیں ملوں گی۔"

"مجھے تمہارا گھر معلوم ہے۔"

"نہیں میں کسی اُلو سے ملنا پسند نہیں کرتی۔"

"اچھا.... میں عہد کرتا ہوں کہ قبر تک تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔"

ان دونوں میں نو بجے رات تک اوٹ پٹانگ قسم کی بحثیں ہوتی رہیں۔ پھر وہ ریکریشن ہال میں جانے کے لئے اٹھے تھے کہ حمید کو سارجنٹ رمیش نظر آیا۔ وہ اُسے اشارے سے بلا رہا تھا۔

"ٹھہرو.... میں ابھی آیا۔" حمید نے کہکشاں سے کہا اور رمیش کی طرف بڑھ گیا۔

"کرنل صاحب نے تمہیں فوراً طلب کیا ہے۔" رمیش نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"ان سے کہہ دینا کہ میں ڈیوٹی پر نہیں ہوں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"تم سو فیصدی ڈیوٹی پر ہو محکمے نے تم لوگوں کو طلب کر لیا ہے۔ بقیہ رخصت منسوخ کر دی گئی۔"

"محکمے کی ایسی کی تیسی۔ دو ایک راؤنڈ ناچے بغیر یہاں سے نہیں جا سکتا۔"

"تمہیں چلنا ہی پڑے گا۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ تمہاری لاش کی شناخت نہ ہو سکے۔ ابھی کچھ ہی دیر قبل کرنل صاحب اس زہریلے تیر سے بال بال بچے ہیں۔ بس قضا ہی نہیں آئی تھی۔"

"کیا ہوا تھا....؟"

"مجھے تفصیل کا علم نہیں ہے۔ بہر حال تمہیں ابھی میرے ساتھ واپس چلنا ہے۔"

"اوہ.... اچھا ٹھہرو۔" حمید نے کہا اور دوڑتا ہوا کہکشاں کے پاس آیا۔

"دیکھو ڈیئر....!" وہ ہانپتا ہوا بولا۔ "میرے فادر کے پیر میں بچھو نے ڈنک مار دیا ہے اور مجھے فوراً گھر پہنچنا ہے۔ کہیں وہ اوٹ پٹانگ قسم کا وصیت نامہ نہ مرتب کر ڈالیں۔ جلد ہی ملاقات ہو گی۔ تم فکر نہ کرنا۔ اچھا.... ٹاٹا....!"

حمید مجنونانہ انداز میں چلتا ہوا ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ اس کے پیچھے رمیش تھا۔

کلاک نے ایک بجایا اور حمید ٹہلتے ٹہلتے رک گیا۔ وہ بڑی دیر سے اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اس وقت وہ بہت زیادہ سنجیدہ تھا۔ اسے یہ بات گراں گذری تھی کہ فریدی رات گئے تنہا باہر گیا تھا۔ وہ بھی اس کے ساتھ باہر جانا چاہتا تھا لیکن فریدی کے آگے ایک نہ چلی۔ یہ حقیقت تھی حمید اس کے لئے کافی مضطرب تھا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ کام سے جان چھڑانے ہی کی فکر میں رہا کرتا تھا۔ مگر ایسے حالات میں جب اُسے فریدی کی زندگی خطرے میں نظر آتی تھی وہ بہت زیادہ چاق و چوبند نظر آنے لگتا تھا۔

آج جب وہ اس لڑکی کے ساتھ آرلیکچو میں تفریح کر رہا تھا۔ فریدی پر حملہ ہوا اسے آرلیکچو میں اس کی اطلاع ملی تھی اور وہ اپنی تفریحات کو خیر باد کہہ کر گھر چلا آیا تھا۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ حملہ اسی خوفناک تیر سے ہوا تھا جس کا ایک شکار حمید کی آنکھوں کے سامنے ہی اپنے بھیانک انجام کو پہنچا تھا۔ اس نے یہ سب کچھ سنا اور لرز گیا۔ فریدی پر کسی ویرانے میں حملہ نہیں ہوا تھا بلکہ شہر کی ایک بارونق سڑک تھی وہ اپنی کار سے اتر کر ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ میں داخل ہوا تھا کہ کوئی چیز سنسناتی ہوئی اس کے داہنے کان کے قریب سے گذر کر ایک کھٹاکے کے ساتھ لکڑی کے بوتھ میں پیوست ہو گئی۔ وہ ایک تیر تھا بالکل اسی ساخت کا جیسا فریدی نے تنویر کی فلیٹ سے برآمد کیا تھا۔ پھر ہوشیار ہو جانے کے بعد یہ کہاں ممکن تھا کہ کوئی فریدی پر ہاتھ ڈال سکتا۔ مگر فریدی نے یہ بھی دیکھا کہ ایک نامعلوم آدمی اپنی جان پر کھیل کر اس تیر کو بوتھ کی دیوار سے نکال لے گیا۔ یہ اور بات ہے کہ فریدی کے ریوالور سے نکلنے والے شعلے نے اُسے پھر قدم سے زیادہ نہ چلنے دیا ہو۔

گولی اس کے پیر میں لگی۔ وہ لڑکھڑا کر گرا اور چاروں طرف سے راہ گیر دوڑ پڑے۔ پھر اچانک پانچ چھ آدمی زخمی پر گر پڑے۔ لیکن جب تک فریدی وہاں پہنچا تیر غائب ہو چکا تھا۔ بھیڑ زیادہ ہونے کی بناء پر پتہ نہ چل سکا کہ تیر کس نے وہاں سے غائب کیا۔ البتہ جو اسے بوتھ کی دیوار سے نکال کر بھاگا تھا اب وہ زندہ آدمیوں میں شمار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مگر کیا اس کی موت ریوالور کی گولی سے واقع ہوئی تھی۔ بعد کی تحقیقات نے اس کی تردید کر دی کیونکہ مرنے والے کی کلائی میں ایک چھوٹا سا زخم تھا اور اس کے جسم کے کھلے حصوں پر اتنا زیادہ ورم آگیا تھا کہ ان کی شناخت ہی بدل گئی تھی۔ ایسی صورت میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا تھا کہ وہ زخم اس زہریلے تیر کا تھا۔ غالباً تیر کو غائب کر دینے والے نے یہی مناسب سمجھا تھا کہ اسے ختم ہی کر دے۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ فریدی ان لوگوں کی راہ پر لگ جاتا۔ جو ان تیروں کے ذریعہ اب تک تین زندگیاں ختم کر چکے تھے۔

فریدی نے حمید کو یہ سب کچھ بتایا اور محتاط رہنے کی ہدایت کی۔ پھر خود تنہا باہر چلا گیا۔ حمید نے انتہائی کوشش کی کہ اُسے بھی اپنے ساتھ لے جائے۔ لیکن فریدی نے یہ کہہ کر اپنے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیا کہ وہ وہیں ٹھہر کر فون پر اس کے پیغامات کا انتظار کرے۔

اب حالات کچھ اور تھے اس لئے حمید بھی پوری طرح ہوشیار ہو گیا تھا اُسے یقین تھا کہ معاملہ بہت آگے بڑھ جائے گا۔ فریدی ایسے مجرموں کے لئے دن رات ایک کر دیتا تھا جو راست قانون کے محافظوں سے ٹکرانے کی کوشش کرتے تھے۔ دوسری طرف حمید کو اس کی

فکر تھی کہ اگر وہ سچ مچ ڈاکٹر ڈریڈ ہی کا معاملہ تھا تو اس میں ناکامی کے امکانات بھی پیدا ہو سکتے تھے۔ کیونکہ ڈاکٹر ڈریڈ ایک بین الاقوامی مجرم تھا اور امریکہ کی پولیس آج تک اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکی تھی۔ وہ بلاشبہ ایک پُراسرار اور خطرناک آدمی تھا۔

حمید ٹہلتا اور سوچتا رہا۔ ڈاکٹر ڈریڈ وہ آدمی تھا جس نے ایک بار امریکی سینٹ کے تین ممبروں کو بیک وقت ہلاک کر دیا تھا۔ وہ مجمع عام نہیں تھا بلکہ وہاں صرف سرکاری آدمی تھے۔ بیک وقت تین لاشیں فرش پر گریں اور تقریباً پانچ منٹ کے اندر اندر تقریب گاہ کے سارے دروازے بند کرا دیئے گئے لیکن سوائے اس کے اور کچھ نہ معلوم ہو سکا کہ حملہ آور ڈاکٹر ڈریڈ کا یہی طریق کار تھا کہ وہ اپنے شکاروں کے قریب اپنا وزیٹنگ کارڈ ڈال دیا کرتا تھا۔ مرنے والے تین آدمیوں پر بغیر آواز کے ریوالور سے گولیاں چلائی گئی تھیں اور وہ ریوالور وہیں پڑا مل بھی گیا تھا۔

یہ تھا ڈاکٹر ڈریڈ۔ امریکہ کی پولیس کے پاس اس کے ایک نہیں ہزاروں فوٹو تھے لیکن وہ ابھی تک اُسے پکڑنے میں کامیاب نہیں ہوئی تھی۔

یہاں بھی یہ ہنگامے اگر ڈاکٹر ڈریڈ ہی کی ذات سے ہو رہے تھے تو اس نے اپنا طریق کار یقینی طور پر بدل دیا تھا جو اس کے مخصوص انداز کے برعکس تھا۔ امریکہ میں اس نے اب تک جتنی بھی وارداتیں کی تھیں ان کے متعلق اس نے کسی نہ کسی طرح جتا دیا تھا کہ اسی کی ذات سے تعلق رکھتی تھیں مگر یہاں وہ بڑی رازداری سے کام لے رہا تھا۔ حالانکہ ان میں سے ایک پر فریدی نے اس کا نام بھی لکھا ہوا دیکھا تھا۔ تیر پر نام تحریر ہونے کا یہی مقصد ہو سکتا تھا کہ ڈاکٹر ڈریڈ اپنے جرائم کا پروپیگنڈا چاہتا ہے۔ لیکن پھر بھی تیر غائب کرا دیئے تھے۔ جس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ وہ فی الحال ان معاملات میں اپنا نام نہیں ظاہر کرنا چاہتا۔

یہ ساری باتیں حمید کے ذہن میں چکراتی رہیں اور ٹہلتا رہا۔ ایک بج کر بیس منٹ پر فون جاگا۔ سناٹے میں اسکی گھنٹی کی آواز حمید کے ذہن پر گراں گذری لیکن اس نے جھپٹ کر ریسیور اٹھا لیا۔

"حمید....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "تم تیار ہو نا۔"

"بالکل تیار ہوں۔"

"مگر ابھی تمہیں وہیں ٹھہرنا چاہئے۔ فی الحال ایک بلڈ ہاؤنڈ کتا خانے سے نکلوا لو اور میری دوسری کال کا انتظار کرو۔"

"بہت بہتر.... کیا آپ تنہا ہیں۔"

"نہیں میرے ساتھ میرے عزائم بھی ہیں۔" فریدی نے کہا اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

حمید نے کتے خانے سے ایک بہترین قسم کا بلڈ ہاؤنڈ نکلوایا۔ وہ ایک تربیت یافتہ کتا تھا اور اپنے شکار کو سمندر کی تہہ میں بھی نہیں چھوڑتا تھا۔ حمید سوچنے لگا کیا فریدی اُن میں سے کسی کی کوئی چیز پا گیا ہے۔

کتا اس نے وہیں کمرے ہی میں منگوالیا تھا۔ جو اس کے پیروں کے قریب بیٹھا اپنی سرخ زبان لٹکائے ہانپ رہا تھا۔

پندرہ منٹ بعد فون کی گھنٹی پھر بجی اور دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔ "بس اب آجاؤ۔ میں پرنسٹن کے چوراہے پر تمہارا منتظر ہوں۔ گیراج سے وہ گاڑی نکالو جس کے نمبر تبدیل کئے جاسکتے ہیں۔ کتا اپنے ساتھ لانا۔"

حمید نے فوراً تعمیل کی۔ وہ تھوڑی دیر بعد گیراج سے چھوٹی آسٹن نکال رہا تھا۔ یہ کار شاذ و نادر ہی استعمال کی جاتی تھی۔ خاص قسم کی مہمات کے علاوہ اسے اور کسی مصرف میں نہیں لایا جاتا تھا۔ اس کی نمبر پلیٹ بہ آسانی تبدیل کی جاسکتی تھی۔

وہ بلڈ ہاؤنڈ سمیت پرنسٹن کے چوراہے کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس وقت دو بج رہے تھے۔ سرد شباب پر تھی اور شہر میں اُلو بول رہے تھے۔ "یہ تو "محاورے" کی بات رہی ورنہ حقیقت یہ تھی کہ اتنی شدید سردی میں اُلو بھی اپنی پناہ گاہوں سے باہر نکل کر بولنے کی ہمت نہیں کرسکتے تھے۔ چھوٹی آسٹن سنسان سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ پھر پرنسٹن کا چوراہا آگیا۔ فریدی یہاں موجود تھا۔ مگر تنہا۔ اس نے اپنی لنکن خدا جانے کہاں چھوڑی تھی اور رات گئے کسی آوارہ گرد کی طرح سڑک کے کنارے کھڑا تھا۔ وہ کار میں آبیٹھا۔

"چلو....!"

"کہاں چلوں۔" حمید نے پوچھا۔

"لاؤڈر روڈ۔ فکر نہ کرو۔ اگر ناکامی ہوئی تب بھی مجھے افسوس نہ ہوگا۔"

"کیوں؟"

"کیوں.... اب میں جو کچھ بھی کرنے جارہا ہوں وہ ایسا ہی ہوگا جیسے سانپ کی لکیر پیٹنا۔"

"کیا بات ہے۔ کچھ تو مجھے بھی بتا دیجئے۔"

"میرا خیال ہے کہ مرنے والے کے گرد جو مجمع اکٹھا ہوگیا تھا اس میں سے ایک آدمی کو میں نے پہچان لیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس وقت نادانستگی میں اسی سے ٹکرا گیا ہوں۔"

"وہ ہے کہاں۔"

"پتہ نہیں۔ اب یہ بلڈ ہاؤنڈ اُسے ڈھونڈھ نکالے گا۔"

"کیا اس کی کوئی چیز ہاتھ آگئی ہے۔"

"ہاں.... ایک رومال۔ جو کثرت استعمال سے بہت میلا ہوگیا ہے۔"

فریدی نے وہ رومال جیب سے نکال کر پچھلی سیٹ پر پڑے ہوئے کتے کے آگے ڈال دیا اور وہ اُسے سونگھتا رہا۔ حمید یہ سب کچھ بڑی توجہ سے دیکھ رہا تھا۔

"چلو بھئی.... کیا سوچنے لگے۔" فریدی نے اسکے پہلو میں کہنی سے ٹھوکا دیا اور کار چل پڑی۔

"وہ کہاں ملا تھا آپ کو۔" حمید نے پوچھا۔

"ہوٹل ڈی فرانس کے پھاٹک پر جہاں سے وہ فنچ کے ایک ساتھی کا تعاقب شروع کررہا تھا۔"

"فنچ اور اُس کے ساتھیوں کے متعلق آپ بہت کچھ جانتے ہیں۔"

"وہ سب میری نظر میں ہیں۔"

"اگر وہ ڈاکٹر ڈریڈ ہی ہے تو اتنی راز داری سے کیوں کام لے رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ امریکہ میں اپنے نام کے اعلان کے ساتھ جرائم کرتا رہا ہے۔"

"اوہو.... تو تیروں کے غائب کرادینے کا مقصد تمہاری سمجھ میں آگیا ہے۔"

"ہاں.... اس کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے، مقصد کہ وہ اپنا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔ مگر آخر تیر پر نام ہونے کا کیا مقصد ہے۔ اگر ان تیروں پر اس کا نام تحریر نہ ہو تو میرا خیال ہے کہ انہیں غائب کرانے کی بھی ضرورت نہ پیش آئے۔"

"تیروں پر نام ہی ہونا تو سب سے بڑا مقصد ہے حمید صاحب۔ تم ڈاکٹر ڈریڈ اور اس کے کارناموں سے اچھی طرح واقف نہیں ہو۔"

"میں لاکھ واقف ہوں لیکن یہ موٹی سی بات ہر ایک کی سمجھ میں آسکتی ہے کہ ڈاکٹر ڈریڈ بالکل گدھا ہے۔ تیروں پر اپنا نام لکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ جبکہ وہ راز داری کے لئے تیر غائب کرادینا چاہتا ہے۔ اگر نام تیروں پر موجود نہ ہو تو انہیں غائب کرانے کی بھی ضرورت نہیں۔"

"تم نہیں سمجھے۔ سمجھ ہی نہیں سکتے۔ جب تک ڈاکٹر ڈریڈ سے اچھی طرح واقف نہ ہو۔ وہ جہاں بھی جاتا ہے تنہا جاتا ہے اور وہیں کے مقامی آدمیوں کا ایک گروہ ترتیب دیتا ہے۔ اُن آدمیوں کو ترتیب دینے کی ضرورت پیش آتی ہے اور وہ انہیں طریقوں سے انہیں تربیت دیتا ہے۔ مثلاً تیروں پر اپنا نام لکھوادیا اور گروہ والوں کو تاکید ہے کہ کسی طرح اس کا نام نہ ظاہر ہونے پائے لہٰذا وہ پھینکے ہوئے تیروں کو حاصل کرنے کے لئے جان کی بازی لگادیتے ہیں۔ ایک بار اس

نے یہی طریقہ جنوبی افریقہ میں بھی استعمال کیا تھا۔ بس یہ اتفاق ہی ہے کہ ایک تیر میرے لگ گیا۔ لیکن اس سے ڈاکٹر ڈریڈ کا کیا بگڑتا ہے۔"

"پھر اس تیر کو حاصل کرنے کے لئے اتنی جدوجہد کیوں جاری تھی۔"

"ڈاکٹر ڈریڈ کا کھیل۔ محض اپنے آدمیوں کو ترتیب دینے کا ایک طریقہ۔ سنو فرزند۔ یہ ایسا نہیں ہے جس پر آسانی سے ہاتھ ڈالا جاسکے۔ امریکہ کے بچے بچے کے ذہن میں ڈاکٹر ڈریڈ کی تصویر ہے۔ لیکن پھر وہاں کی پولیس آج تک اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکی۔ امریکہ کے اخبارات میں آئے دن اس کی تصاویر کی اشاعت ہوتی رہتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ بھی دنیا کے ان گنے چنے آدمیوں میں سے ہے جنہیں اپنی تصاویر کی تعداد اشاعت پر ناز ہو سکتا ہے۔"

"تب تو پھر.....!"

"تب تو پھر کیا۔"

"کچھ نہیں..... اللہ مالک ہے۔"

"میں اس سے استدعا کرونگا کہ تم پر کوئی زہریلی عورت پھینک مارے۔" فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"اگر ایسا ہو تو..... میں اس وقت بھی مرنے کے لئے تیار ہوں۔"

کچھ دیر تک وہ خاموش رہے پھر فریدی نے کہا۔ "کار بائیں جانب والی گلی میں کھڑی کرو۔"

حمید کار بتائے ہوئے مقام پر کھڑی کر کے نیچے اُتر گیا۔ وہ بلڈ ہاؤنڈ کی زنجیر تھامے ہوئے تھا۔ ہوٹل ڈی فرانس یہاں سے دور نہیں تھا۔ اچانک ایک جگہ کتا رک کر مخالف سمت میں جانے کے لئے زور کرنے لگا۔ وہ بار بار زمین سونگھ کر غرا رہا تھا۔

"پٹے سے زنجیر نکال لو۔" فریدی نے کہا۔ "وہ بو پا گیا ہے۔"

"اگر اس نے دوڑنا شروع کر دیا تو۔"

"میں تمہیں اس کی دم سے باندھ دوں گا۔"

"نہیں واقعی۔ میں اس کتے کے پیچھے نہ دوڑ سکوں گا۔ کیوں نہ ہم کار ہی میں رہیں اور رہنمائی کرے۔"

"میں جو کہہ رہا ہوں وہ کرو۔"

حمید نے پٹے سے زنجیر نکال دی اور کتا زمین سونگھتا ہوا ایک طرف چل پڑا۔

اس کی رفتار تیز نہیں تھی۔ حمید اور فریدی اس کے پیچھے چلتے رہے۔ وہ کونس روڈ کو عبور کرتا ہوا ریکسٹن اسٹریٹ میں مڑ گیا اور چلتا رہا۔

"کیا یہ ضروری ہے کہ وہ آدمی اپنی منزل مقصود تک پیدل ہی گیا ہو۔"

"فکر مت کرو۔ یہ بھی یقینی نہیں ہے کہ نہ گیا ہو۔"

حمید خاموش ہو گیا۔

سارا شہر سائیں سائیں کر رہا تھا۔ سڑک کے کنارے روشنی کے ستون اونگھتے ہوئے سے معلوم ہو رہے تھے اور شائد پورے موسم کی سردی بحیثیت مجموعی آج ہی ختم ہو جانے کا ارادہ رکھتی تھی۔ ریکسٹن اسٹریٹ سے وہ تلک روڈ پر آئے۔ یہاں اس سڑک پر روشنی کی لائین فیل ہو گئی تھی۔ پوری سڑک تاریک تھی۔ فریدی کو اپنی ٹارچ روشن کرنی پڑی۔

کتا ایک چوراہے پر رک گیا۔ یہاں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کتا فیصلہ کرنے کی کوشش کر رہا ہو کہ اس کا شکار کس طرف گیا تھا۔

شائد آدھے منٹ کے بعد ہی وہ پھر ایک طرف چل پڑا۔ اس کا رخ دیکھ کر فریدی نے ہلکی سی سیٹی بجائی۔ بالکل اُسی انداز میں جیسے اُسے یقین رہا ہو کہ وہ اسی سمت جائے گا۔ کتا ارجن پورے کی طرف جا رہا تھا۔

"میرے خدا..... کیا یہ سگ نجس پورے شہر میں در در پھرائے گا۔" حمید کراہ کر بولا۔

دفعتاً کتے نے سڑک پر ایک چکر لگایا اور پھر اُسی طرف مڑا جدھر سے ابھی چلتا آیا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اب وہ سڑک کے دوسرے کنارے پر چل رہا تھا۔ پھر وہ ایک پبلک پیشاب خانہ کے دروازے پر رک گیا۔

"کیا یہ آپ سے مذاق کا کوئی رشتہ رکھتا ہے کرنل صاحب۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ لیکن کتا دوسرے ہی لمحے میں غراتا ہوا پیشاب خانے میں گھس چکا تھا۔ فریدی بھی اس کے پیچھے ہی جھپٹا۔ حمید نے بس اتنا ہی دیکھا کہ فریدی نے جھک کر اس کا پٹہ پکڑ لیا اور اسے اپنی طرف کھینچنے لگا۔ حمید کے ہاتھ میں ٹارچ روشن تھی اور وہ بخوبی دیکھ رہا تھا کہ کتا فریدی کی گرفت سے نکل کر اس لاش پر جھپٹ پڑنا چاہتا تھا جو پیشاب خانے کے فرش پر پڑی ہوئی تھی۔

لاش کا چہرہ بگاڑ دیا گیا تھا اور اُسے کسی دھار دار حربے سے قتل کیا گیا تھا۔ فرش پر چاروں طرف خون کی سرخی نظر آ رہی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس وقوعہ کے بعد سے کوئی اس پیشاب خانے میں نہیں آیا تھا یا ممکن ہے آیا بھی ہو۔

فریدی کتے کو کھینچتا ہوا پیشاب خانے سے نکل آیا۔

"زنجیر ڈال دو۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"کیا یہ وہی آدمی ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"چہرہ بگاڑ دیا گیا ہے لیکن ہے وہی آدمی اس کے جسم پر وہی لباس موجود ہے جو میں نے کچھ دیر پہلے دیکھا تھا۔ میرا خیال ہے کہ یہ کارنامہ فنچ کی پارٹی کا ہے۔ یہ آدمی فنچ میرے لئے ڈاکٹر ڈریڈ سے بھی زیادہ پُراسرار ہے۔"

"کیا وہ چھوٹا آدمی....!"

"ہاں وہی.... ٹھہرو.... میرا خیال ہے کہ یہاں سے قریب ہی ایک میونسپل شفاخانہ ہے۔ ہمیں وہاں سے کوتوالی فون کرنا چاہئے۔"

"کیا ہم دونوں تنہا ہی ہیں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"قطعی....!"

"میں سمجھا تھا ہمارے ساتھ پوشیدہ طور پر کچھ آدمی اور بھی ہوں گے میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ آپ ڈاکٹر ڈریڈ کے لئے تنہا نکلیں گے۔"

"میں خود کو اس کے مقابلے کے لئے اتنا کمتر نہیں سمجھتا کہ خواہ مخواہ اپنے ساتھ ایک فوج لئے پھروں۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ ایسی ہی باتوں پر اکثر اُسے فریدی خلل دماغ کا شکار معلوم ہونے لگتا تھا۔

میونسپل شفاخانے سے کوتوالی کیلئے فون کرنیکے بعد وہ پھر اُسی جگہ پہنچ گئے جہاں لاش پڑی ہوئی تھی۔ پھر صبح پانچ بجے تک انہیں وہیں ٹھہرنا پڑا۔ واپسی پر فریدی کچھ متفکر سا نظر آرہا تھا۔

گھر پہنچ کر ناشتے کے بعد فریدی نے کہا کہ وہ کچھ دیر سونا چاہتا ہے۔ حمید کے لئے یہ بات بالکل نئی تھی۔ اس نے آج تک اُسے دن میں سوتے نہیں دیکھا تھا۔

دن کو وہ کبھی نہیں سوتا تھا خواہ پچھلی راتیں جاگ کر ہی کیوں نہ گذاری ہوں۔

حمید کے ذہن پر اس بُری طرح نیند حاوی تھی کہ اس نے اس تبدیلی کی وجہ بھی نہ پوچھی۔

وہ تقریباً چار بجے تک سوتا رہا۔ احتیاطاً اس نے اپنا کمرہ اندر سے مقفل کر لیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ فریدی سوتے وقت اس تک پہنچ سکے، لیکن چار بجے وہ فریدی ہی کی وجہ سے بیدار ہوا جو بہت بُری طرح اس کے کمرے کا دروازہ پیٹ رہا تھا۔

اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

"ابھی تک نیند ہی نہیں پوری ہو سکی۔" فریدی نے کہا۔

"ہو گئی۔" حمید نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔

"میں نے تمہیں صرف یہ بتانے کے لئے جگایا ہے کہ کہکشاں مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔"

"ہائیں۔" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "تب پھر جگانے کی کیا ضرورت تھی۔ سوتے ہی میں زہر کا انجکشن دے دیا ہوتا۔"

"نہیں رقیب کے بغیر عشق کہاں۔ بقول مرزا رسوا

سامنے اس کے نہ کہتے مگر اب کہتے ہیں
لذت عشق گئی غیر کے مر جانے سے"

"ارے آپ تو پیشہ ور قسم کے عاشق معلوم ہوتے ہیں۔"

"ختم کرو۔" فریدی جلدی سے بولا۔ "اس وقت ہمیں اسی سفارت خانے کی ایک دعوت میں چلنا ہے جس کا کیس ہمارے ہاتھ میں ہے۔"

"یہ کس تقریب میں۔"

"ان کی حکومت کا جشن سالگرہ ہے۔"

"آپ کے پاس آیا ہے دعوت نامہ۔"

"ہاں بھئی اور کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم یونہی چلے جائیں گے۔"

"اوہو.... پہلے تو کبھی کسی سفارت خانے کی دعوت میں ہمیں نہیں مدعو کیا گیا۔"

"نہیں.... ہمیں کبھی کوئی فراموش نہیں کرتا۔ یہ اور بات ہے کہ ہم عدیم الفرصتی کی بناء پر شرکت نہ کر سکیں۔"

فریدی اُسے تیار رہنے کی تاکید کرتا ہوا چلا گیا.... حمید کو اس دعوت پر حیرت تھی اور یہ حیرت اس وقت تک برقرار رہی جب تک کہ وہ دونوں وہاں پہنچ گئے۔ دراصل بات یہ تھی کہ سفارت خانہ نے اس جشن کے سلسلے میں سرکاری طور پر کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کی خدمات حاصل کی تھیں۔ خیال یہ تھا کہ کہیں اس جشن کے دوران میں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔ پھر فریدی نے مزید وضاحت کر دی۔

"دیکھو.... فرزند....!" اس نے کہا۔ "یہ سفیر بڑا شاطر آدمی معلوم ہوتا ہے۔ ہماری ہی خدمات حاصل کر کے یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ وہ اپنے ان نامعلوم دشمنوں سے خائف ہے۔ جنہوں نے سفارت خانہ کو بدنام کرنے کے لئے وہاں ایک قتل کر دیا تھا۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ مغرب میں آج کل ٹھنڈی جنگ جاری ہے۔ لہٰذا ہماری حکومت اسے باور کرلے گی کہ کوئی تیسرا

ملک ہم دونوں کے تعلقات خراب کرانا چاہتا ہے۔"

"میں سمجھ گیا۔" حمید نے سر ہلا کر کہا۔

"یہ بہت اچھا ہوا۔" فریدی نے ایک طویل سانس لی۔ "ورنہ تمہارے ساتھ تو عموماً کافی تک سر مارنا پڑتا ہے۔"

فریدی نے اپنے عملہ کے تین سب انسپکٹر بھی وہاں لگا رکھے تھے مختلف مقامات پر انکی ڈیوٹی رکھی گئی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے فریدی کو یقین ہو کہ اس جشن میں ہڑبونگ ضرور ہوگی۔

"کیا آپ کو یہاں فنچ کی پارٹی کا بھی کوئی آدمی نظر آیا ہے۔" حمید نے اس سے پوچھا۔

"نہیں.... اُن میں سے تو کوئی بھی نہیں دکھائی دیا جنہیں میں جانتا ہوں۔"

"کاش میری ناک چپٹی ہوتی۔" حمید نے بڑے دردناک لہجے میں کہا۔

"کیوں۔"

"وہ چینی لڑکی مجھے بہت اچھی لگ رہی ہے۔" حمید نے سر کی جنبش سے ایک طرف اشارہ کیا۔

"اوہو....!" فریدی کی آواز تحیر آمیز تھی۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس چینی لڑکی کو دیکھ کر اُسے حیرت ہوئی تھی۔

"حمید.... اُس آدمی کو دیکھ رہے ہو جو اس لڑکے کے پیچھے کھڑا ہے۔" اس نے کہا۔

"آ.... ہاں.... کیوں....!"

"اس کے ہاتھ میں کتنی خوبصورت چھڑی ہے۔"

"کیا بات ہوئی جناب۔ مجھے تو اُس میں کوئی خاص بات نہیں نظر آئی۔ ایک معمولی سا جس پر رنگین تار لپٹے ہوئے ہیں۔"

"کیا پہلے کبھی اس قسم کا کوئی بید تمہاری نظروں سے گذر چکا ہے۔"

"مجھے یاد نہیں۔" حمید چڑھ کر بولا۔ "آخر آپ یہ کیسا تذکرہ لے بیٹھے ہیں۔"

"کچھ نہیں یونہی۔" فریدی نے کہا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس آدمی کے پاس پہنچ گیا۔

حمید نے دیکھا کہ اب بھی اس کی نظر اسی آدمی کی چھڑی پر جمی ہوئی ہے۔ فریدی کے ا انہماک پر حمید کی دلچسپی بھی بڑھ گئی۔ اس نے ایک بار قریب سے بھی بغور اس چھڑی کا جائزہ لیکن اپنے ظاہر کردہ خیال سے ایک انچ بھی نہ ہٹ سکا یعنی وہ ایک معمولی سا بید تھا جسے مختلف رنگوں کے تار لپیٹ کر آراستہ کیا گیا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ آج تک اسی قسم کی کوئی دوسر چھڑی اس کی نظروں سے نہیں گذری تھی۔ لیکن وہ اُسے اس بناء پر غیر معمولی بھی نہیں قرا

دے سکتا تھا کیونکہ وہ بہر حال لکیک چھڑی تھی۔ بناوٹ کے اعتبار سے وہ خواہ کیسی ہی رہی ہو۔

تھوڑی ہی دیر بعد اُسے اس چھڑی یا اس کے مالک کے متعلق کچھ بھی یاد نہ رہ گیا اور وہ یہ بھی بھول گیا کہ اس کے ساتھ فریدی بھی تھا۔ اس از خود رفتگی کی وجہ یہ تھی کہ اب بال شروع ہو گیا تھا۔ سارا ہال موسیقی کے طوفان میں بہا جا رہا تھا۔ نوخیز جوڑے چوبی فرش پر تھرکتے پھر رہے تھے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے انسانوں کا سمندر موجیں مار رہا ہو۔

حمید دل ہی دل میں اپنا سر پیٹنے لگا۔ کاش وہ ڈیوٹی پر نہ ہوتا۔ یہاں اس وقت کئی قوموں کی خوبصورت اور شوخ لڑکیاں موجود تھیں۔ ایسا "بین الاقوامی موقعہ" اس طرح ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ حمید کا کلیجہ خون ہو گیا۔ اور قبل اس کے کہ وہ کوئی درد بھرا شعر موزوں کرنے کی کوشش کرتا اس کی نظر فریدی پر پڑی جو دور کھڑا اُسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

حمید بڑی بے دلی سے اس کی طرف بڑھا۔ وہ اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے ایک طرف چلنے لگا تھا۔ حمید جلد ہی اس کے برابر پہنچ گیا۔

"اس آدمی پر نظر رکھو۔" فریدی بولا اور حمید کی نظر اسی آدمی پر پڑی جس کے ہاتھ میں دبی ہوئی چھڑی نے فریدی کو اس کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔

"کیوں پیچھے پڑ گئے ہیں آپ اس غریب کے۔ اگر صرف چھڑی پسند آئی ہو تو میں اس سے استدعا کروں گا کہ...."

"بکواس مت کرو۔" فریدی نے اُسے جملہ نہیں پورا کرنے دیا۔

وہ آدمی ٹہلنے کے سے انداز میں چلتا ہوا زینوں کی طرف جا رہا تھا۔ یہ زینے ہال کی اوپری گیلری کو فرش سے ملاتے تھے۔

وہ زینوں پر چڑھنے لگا۔ لیکن وہ تنہا نہیں تھا۔ اس کے آگے پیچھے اور لوگ بھی تھے۔ دراصل بہتیرے مہمان اوپر گیلری سے رقص دیکھ رہے تھے اور کچھ اب اسی مقصد کے تحت اوپر جا رہے تھے۔

فریدی اور حمید بھی اسی بھیڑ میں شامل ہو گئے۔ ویسے ان کی نظریں اب بھی اسی آدمی پر تھیں۔ وہ اسی کے پیچھے لگے رہے۔ اب حمید بھی اس میں دلچسپی لے رہا تھا۔ کیونکہ یہ آدمی اگر تماشائیوں میں سے ہوتا تو گیلری کا رخ کرتا۔ لیکن وہ تو گیلری کی دوسری جانب والے صحن کی طرف جا رہا تھا۔

یہ ہال جہاں رقص ہو رہا تھا نصف دائرے کی شکل کا تھا اور اوپر کی گیلری کی شکل بھی یہی

تھی اور دوسری طرف صحن میں جانے کے لئے اس میں متعدد دروازے لگے ہوئے تھے۔ صحن میں پہنچ کر انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے استوائی خطے سے یک بیک قطبین میں پہنچ گئے ہوں۔ ان کے جسم کے کھلے ہوئے حصے سردی سے ٹھٹھرنے لگے۔

صحن میں اندھیرا تھا لیکن تاروں کی چھاؤں میں وہ اس آدمی کا دھندلا مجسمہ بہ آسانی دیکھ سکتے تھے۔ وہ تھوڑی دیر کے لئے رکا اور پھر چلنے لگا۔ پھر انہوں نے اسے گیلری کے آخری دروازے میں داخل ہوتے دیکھا۔ یہ دونوں پنجوں کے بل تیزی سے چلتے ہوئے اس طرف بڑھے اور حمید نے جو منظر دیکھا اس نے فریدی کی عظمت اس کی نظروں میں اور زیادہ بڑھا دی۔ اب اس چھڑی کی اہمیت واضح ہو گئی تھی۔ اس میں لپٹا ہوا ایک تار کھل گیا تھا اور وہ درمیان سے لچک کر کمان کی شکل اختیار کر چکی تھی۔ حمید سناٹے میں آ گیا۔ پتہ نہیں کون اس تیر کا نشانہ بننے والا تھا جو بڑی احتیاط سے اس کمان پر چڑھایا جا رہا تھا۔ گیلری کا یہ حصہ نیم روشن اور ویران تھا۔ وجہ تھی کہ یہ گیلری اس جگہ پڑے ہوئے پردوں کی بناء پر کئی حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ اتفاقاً اس وقت اس حصے کا پردہ کھنچا ہوا تھا اور یہ آدمی اسی لئے دوسری طرف بیٹھے ہوئے آدمیوں کی نگاہوں سے محفوظ ہو گیا تھا۔

"بچوں کا یہ کھیل خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔" دفعتاً فریدی نے آگے بڑھ کر کھنچی ہوئی کمان پر ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔

وہ آدمی وحشیانہ انداز میں پلٹ پڑا۔ تیر اور کمان اس کے ہاتھ سے چھوٹ پڑے تھے۔

فریدی کا گھونسہ اس کی پیشانی پر پڑا۔ وہ پہلے تو گیلری کی ریلنگ سے ٹکرایا پھر دوسری طرف میں الٹ گیا اور پھر وہ چیخ تو بہر حال موسیقی کی لہروں پر بھاری تھی ہی۔ یک بیک ایسا معلوم ہوا جیسے کائنات کی نبض رک گئی ہو۔ ایک لمحے کیلئے موت کی سی خاموشی طاری ہو گئی.... پھر شور ہونے لگا۔

فریدی نے جھک کر فرش سے تیر اور کمان اٹھا لئے۔

پھر وہ نیچے آئے۔ یہاں ہر طرف ابتری کے آثار نظر آ رہے تھے۔ لوگ بھاگ رہے تھے۔ عورتیں چیخ رہی تھیں۔ اچانک کوئی چیز بڑی قوت کے ساتھ کیپٹن حمید کے جسم سے ٹکرائی اور اچھل پڑا۔ ایک تیر اس کے قدموں کے پاس پڑا ہوا تھا دوسرے ہی لمحے میں اس نے ریوالور نکال لیا۔ اگر اس نے اپنے لباس کے نیچے بلٹ پروف نہ پہن رکھے ہوتے تو دوسری دنیا کا سفر انتہائی آسان ہو جاتا۔

پھر یک بیک پورا ہال تاریک ہو گیا۔ چیخیں بلند ہونے لگیں۔ حمید ایک طرف سمٹ کر دیوار

سے جا لگا۔ اب وہ اس کے علاوہ اور کیا کر سکتا تھا۔ اس افراتفری میں حمید کو سمتوں کا احساس بھی نہیں رہ گیا تھا۔ ورنہ وہ باہر نکلنے کی کوشش کرتا۔

شور بڑھتا جا رہا تھا۔ شائد لوگ آپس میں ٹکرا کر ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہنے لگتے تھے۔ تقریباً تین منٹ تک اندھیرا رہا۔ پھر یک بیک روشنی ہو گئی۔ لوگ گرتے پڑتے دروازوں کی طرف بھاگنے لگے۔ حمید جہاں تھا وہیں رہا۔ دفعتاً اس نے مائیک پر فریدی کی آواز سنی۔

"ٹھہریئے۔ اس طرح آپ نقصان اٹھا سکتے ہیں۔"

لوگ ایک لحظہ کے لئے رکے اور پھر بھاگنے لگے۔

دو منٹ کے اندر ہی اندر ہال خالی ہو گیا۔ یہاں تین لاشیں نظر آ رہی تھیں۔ ایک تو اسی آدمی کی تھی جسے فریدی نے اوپر گیلری سے نیچے پھینکا تھا اور دو لاشیں ان سب انسپکٹروں کی تھیں جو فریدی کے ساتھ یہاں آئے تھے حالانکہ ان کے لباس کے نیچے بھی بلٹ پروف موجود تھے لیکن ان کی قضا ہی آ گئی تھی۔ زہریلا تیر ایک کی گردن میں لگا ہوا تھا اور دوسرے کی پیشانی پر پڑ کر اُچٹ گیا تھا۔ لیکن چونکہ تیر کا پھل گوشت کاٹ چکا تھا اس لئے وہ جانبر نہ ہو سکا۔ فریدی نے انہیں ان کے لباس سے پہچانا ورنہ ان کے چہرے تو غیر معمولی ورم کی وجہ سے بگڑ ہی چکے تھے۔

دس منٹ بعد ہی پولیس کا ایک مسلح دستہ ہال میں گھس آیا۔

"بڑی عجیب.... بب.... بات....!" حمید فریدی کی طرف دیکھ کر ہکلایا۔

فریدی خاموش ہی رہا۔ وہ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کی طرف دیکھ رہا تھا جس نے آتے ہی سارے دروازے بند کرا دیئے تھے۔

"اب یہ حضرت کیا کریں گے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

ڈی۔ ایس۔ پی سٹی شائد اس کا منتظر تھا کہ فریدی خود ہی آگے بڑھ کر اُسے کچھ بتائے گا لیکن فریدی جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔

اتنے میں ایک دروازہ کھلا اور سفیر چند آدمیوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ پہلے وہ ڈی۔ ایس۔ پی سے کچھ کہتا رہا تھا پھر فریدی کی طرف بڑھا۔

"میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ فیچ کو میرے حوالے کر دیا جائے۔" فریدی نے کہا۔ "ورنہ حالات اس سے بھی بدتر ہو سکتے ہیں۔"

"میں کسی فیچ کو نہیں جانتا کرنل فریدی۔ یقین کرو۔"

فریدی نے لاپروائی ظاہر کرنے کیلئے اپنے شانوں کو جنبش دی اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

دس بج گئے تھے۔ ضابطے کی کاروائیوں سے فراغت پاکر وہ باہر نکلے اور فریدی نے کا میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ "جانتے ہو اس زہریلے تیر کا نشانہ کون تھا۔"

"نہیں میں دیکھ ہی نہیں سکا تھا۔"

"فنچ....!"

"نہیں....!" حمید نے حیرت سے کہا۔ "اور آپ نے اُسے نکل جانے دیا۔"

"بس وہ نکل ہی گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے اُسے اسی وقت دیکھا جب وہ کمان میں تیر لگا چکا تھا۔ فنچ اوپری گیلری ہی میں تھا۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ وہ کس قسم کا رول ادا کر رہا ہے۔"

"خدا بہتر جانتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ نے ڈاکٹر ڈریڈ کو فضول ہی چھیڑا۔"

"آہا.... تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اس کے زہریلے تیر مجھے ہٹا دیں گے۔ یہ اور بات ہے کہ میں وقتی طور پر اس سے ہاتھ اٹھالوں لیکن یہ خیال کہ اس کے خیال سے باز آجاؤں گا فضول ہے۔ ویسے فنچ اور ڈاکٹر ڈریڈ کے درمیان جو کچھ بھی ہو رہا ہے مجھے اس کی قطعی پرواہ نہیں ہے۔ میں دراصل اب بھی سرخ گلابوں ہی کی فکر میں ہوں کیونکہ میری تفتیش کا آغاز وہیں سے ہوا تھا۔"

"آپ نے تارا نائیڈو کو بھی نہ چیک کیا۔"

"اُسے چیک کرنے سے فائدہ ہی کیا۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ وہ اپنی بچت کی صورت بہر حال نکال سکتی ہے۔"

"پھر اُسے گرفت میں لینے کی کیا صورت ہوگی۔"

"کوئی نہ کوئی صورت نکل ہی آئے گی تم اس کے لئے فکر مند نہ ہو۔"

کار سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔ "مجھے آرلکچو میں اتار دیجئے گا۔ میں بہت تھک گیا ہوں۔ میری ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ میں اپنے ان دونوں ساتھیوں کی لاشیں کبھی نہ بھلا سکوں گا۔"

"نہیں.... اب سیدھے گھر ہی چلو ورنہ ہو سکتا ہے اس بار وہ تیر تمہاری گردن ہی چھید کر رکھ دے۔"

"اوہ.... مجھے اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں ہے لیکن گھر اس وقت مجھے کھا جائے گا۔"

"اچھی بات ہے۔" فریدی بولا۔

"آپ یہ نہ سمجھئے گا کہ میں تفریح کے موڈ میں ہوں۔ بس میں اس وقت اپنے طور پر وقت گزارنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" فریدی بولا۔ "میں خود بھی اس کا قائل نہیں ہوں کہ خطرات سے دوچار ہونے کے بجائے آدمی چوہے کے بلوں میں دبکتا پھرے۔"

آرلکچو کے قریب فریدی نے اسے اتار دیا۔ حمید سچ مچ اس وقت تفریح کے موڈ میں نہیں تھا۔ بس وہ کچھ دیر تنہا رہنا چاہتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس وقت کے واقعات ہی کا ذہنی رد عمل رہا ہو۔

وہ جیسے ہی آرلکچو میں داخل ہوا اس کی نظر کہکشاں پر پڑی اور اس نے الٹے پاؤں واپس ہونا چاہا لیکن کہکشاں اٹھ کر اس کی طرف بڑھی اور حمید کو طوعاً و کرہاً رکنا پڑا۔

"ارے.... تم مجھے دیکھ کر بھاگے کیوں جا رہے تھے۔" اس نے اس کا بازو چھو کر کہا۔

"آج میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"کیا بات ہے۔"

"پتہ نہیں۔" حمید کہتا ہوا اسی میز کی طرف بڑھا جس سے کہکشاں اٹھی تھی۔

وہ دونوں بیٹھ گئے۔

"مجھے بتاؤ کیا بات ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔ خواہ مخواہ میرے کان نہ کھاؤ۔"

"میں کھانا کھا چکی ہوں ورنہ تمہیں ہی کھا جاتی۔ کان تو کان ہی ہیں۔"

"میں کافی پیوں گا۔ بہت تھک گیا ہوں۔"

"تم میرا خون بھی پی سکتے ہو۔ مجھے اعتراض نہ ہوگا۔ مگر مجھ سے ایسے خشک لہجے میں گفتگو نہ کیا کرو۔"

کہکشاں نے ایک ویٹر کو بلا کر کافی کے لئے کہا اور حمید سے بولی۔ "کافی پی لو پھر میں تمہیں اپنی ایک سہیلی سے ملاؤں گی، جو تم سے ملنے کی بے حد مشتاق ہے۔"

"کیا وہ مشتاق ہے؟" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ہاں....!"

"اور وہ تمہاری سہیلی ہے۔"

"ہاں.... لیکن تمہیں حیرت کیوں ہے۔"

"کیونکہ میں نے آج تک کسی عورت کا نام مشتاق نہیں سنا۔"

کہکشاں ہنس پڑی اور حمید اُسے گھورتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد کافی آگئی اور گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔

"تمہاری سہیلی مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"اُسے سنکی قسم کے آدمی بہت اچھے لگتے ہیں۔"

"میں سنکی ہوں۔" حمید نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

کہکشاں پھر ہنسنے لگی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ دل کچھ بہلنے تو لگا ہے۔ چلو اس کی سہیلی کو بھی دیکھ لیں۔ ہو سکتا ہے وہ اس سے زیادہ دلچسپ ثابت ہو۔

کافی ختم ہو گئی۔ حمید نے پائپ سلگایا۔ کہکشاں نے اپنے وینٹی بیگ سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور حمید اُسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

"اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو۔ کل تم نے کہا تھا کہ میں تمباکو پیا کروں۔" کہکشاں۔ بڑے بھولے پن سے کہا۔

"آج میں کہتا ہوں کہ کنوئیں میں کود پڑو لہٰذا مجھے کل صبح تمہاری لاش تیار ملنی چاہئے۔"

"بڑے بے درد ہو۔" کہکشاں بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "عورتوں سے اسطرح گفتگو کی جاتی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اسی طرح کرنا چاہئے کیونکہ میں عورتوں اور مردوں میں فرق کرنے عادی نہیں ہوں اور کیوں فرق کروں جب کہ عورتیں مردوں کے دوش بدوش کام کرنے دعویٰ رکھتی ہیں۔"

"بحث کرو گے۔"

"بس عورتوں سے بحث نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ مردوں کے دوش بدوش ہونے کے باد بھی بحث کے دوران اپنی عورت پن جتائے بغیر نہیں رہ سکتی۔"

"میں سمجھ گئی۔" کہکشاں ہنس کر بولی۔ "آج بھی تمہیں اپنے اُلو ہونے کا احساس ہوا ہے۔"

"آج کل میں ہر وقت اُلو رہتا ہوں۔ بس چلو۔ دیکھوں وہ تمہاری دوست کس رفتار دماغ چاٹ سکتی ہے۔"

"ٹھہرو.... میں فون کر کے معلوم کر لوں کہ وہ جاگ رہی ہے یا سو گئی۔" کہکشاں نے کہہ اٹھ کر چلی گئی۔

حمید کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے پائپ پیتا رہا۔

تین یا چار منٹ بعد کہکشاں واپس آگئی۔ وہ آر لکچھو سے باہر آئے۔

"اوہ.... کیا اپنی گاڑی نہیں لائے۔" کہکشاں نے مایوسی سے پوچھا۔

"نہیں میں ٹیکسی میں آیا تھا۔"

"خیر تو پھر ٹیکسی ہی میں چلیں گے۔ ویسے تمہاری گاڑی ہوتی تو اچھا رہتا۔ کیونکہ میں نے صوفیہ سے بتایا تھا کہ تمہاری گاڑی بہت شاندار ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اس نے ایک ٹیکسی کی اور کہکشاں نے ڈرائیور سے کہا۔ "ولماٹ ہاؤز۔"

"ولماٹ.... ہاؤز....!" حمید آہستہ سے بولا۔ "وہاں تو شائد کوئی غیر ملکی تاجر رہتا ہے۔"

"ہاں.... صوفیہ.... ایک فرنچ لڑکی ہے۔"

"اوہ....!" حمید خاموش ہو گیا۔

ٹیکسی نے جلد ہی ولماٹ پہنچا دیا۔ یہ ایک بہت شاندار عمارت تھی۔ کہکشاں نے ٹیکسی پھاٹک ہی پر رکوا دی تھی۔ حمید نے ڈرائیور کو پیسے دیئے۔

پھر وہ ایک طویل روش سے گذر کر عمارت میں آئے۔ برآمدہ ٹیوب لائٹ سے روشن تھا، ایک باوردی ملازم انہیں دیکھ کر نہایت ادب سے آگے بڑھا۔ کہکشاں نے اُسے اپنا وزیٹنگ کارڈ دیتے ہوئے کہا۔ "مدموزیل صوفیہ۔"

نوکر کارڈ لے کر اندر چلا گیا۔ پھر دو تین منٹ بعد واپس آکر اس نے ان سے اندر چلنے کی درخواست کی۔ حمید اس عمارت میں پہلی بار داخل ہوا تھا۔ نوکر نے انہیں اندر لا کر ایک اعلیٰ قسم کی سجاوٹ والے کمرے میں بٹھایا اور خود واپس چلا گیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"یہ کیا....!" وہ کہکشاں کو گھورتا ہوا بولا۔ "شائد اس نے دروازہ باہر سے بولٹ کر دیا ہے۔"

"کیوں.... نہیں بھئی.... اس کا کیا مطلب۔ نہیں تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"تم خود دیکھ لو۔" حمید لاپروائی سے بولا۔ کہکشاں اٹھی اور دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے لی۔ لیکن وہ حقیقتاً باہر سے بند کر دیا گیا تھا۔

"کیوں؟ کیا مطلب ہے اس کا۔" حمید غرایا۔

"میں کیا بتاؤں.... ٹھہرو.... دیکھو.... شائد صوفیہ نے مذاق کیا ہے۔"

"دیکھو.... ضرور دیکھو۔ لیکن میرے مذاق کا انجام ہمیشہ موت پر ہوتا ہے۔"

"ارے بس۔ ذرا سے میں دم نکلنے لگا۔ یہ مذاق ہی ہے۔ یہ مذاق ہی ہے۔ ابھی سنتا صوفیہ کا ٹھہرو۔"

ٹھیک اسی وقت باہر سے ایک نسوانی آواز آئی۔ "کوکشاں.... کوکشاں۔"

"صوفیہ....!" کہکشاں اندر سے چیخی۔

"کیا وہ.... ہے تمہارے ساتھ۔"

"ہاں.... اور تم پر خفا ہو رہا ہے کیونکہ اس قسم کے مذاق کا عادی نہیں ہے۔"

"اسے جلدی معلوم ہو جائے گا کہ عادی ہونے میں کتنا فائدہ ہوتا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہیں دھوکا دے کر اُسے بلوایا۔ یہ دراصل ہم لوگوں کا ایک بہت بڑا دشمن ہے۔ اس لئے اب اس کے زندہ رہنے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔"

"ارے کیوں۔ ایسا بے تکا مذاق کرتی ہو۔" کہکشاں خوفزدہ انداز میں ہنسی۔

"میں مذاق نہیں کرتی۔ تمہیں ابھی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ لیکن سنو! اس کام کے معاوضہ میں تمہیں یہی دے سکتی ہوں کہ تمہارا کام تمام نہ کیا جائے۔"

"اوہو! تو یہ کسی ڈرامے کا ریہرسل ہے۔" کہکشاں پھر ہنسنے لگی۔ لیکن اس بار جواب میں اُسے صرف قدموں کی دور ہوتی ہوئی آوازیں سنائی دیں۔

"میرے خدا تو کیا وہ سچ کہہ رہی ہے۔"

"آخر کیوں! تم نے اس کا کیا بگاڑا ہے۔"

"میں نہیں جانتا۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "مگر اتنا یاد رکھو کہ یہاں خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔"

"دیکھو....!" وہ گلوگیر آواز میں بولی۔ "ایسی باتیں نہ کرو۔ مجھے یقین ہے کہ یہ مذاق ہی ہے۔"

دفعتاً حمید کی نظر میز پر رکھے ہوئے ٹیلی فون پر پڑی اور اس کا چہرہ چمک اٹھا۔ مگر وہ ٹیلی فون کی طرف بڑھا ہی تھا کہ کہکشاں نے اسے للکارا۔ "خبردار اگر تم نے فون میں ہاتھ لگایا تو گولی مار دوں گی۔"

"ہائیں۔" حمید بوکھلا کر مڑا اور اُسے کہکشاں کے ہاتھ میں اپنا ہی ریوالور نظر آیا۔ شائد اس نے اس کی بے خبری میں کسی وقت اس کی جیب سے نکال لیا تھا۔

"تم فون نہیں کر سکتے۔" کہکشاں پہلے سے بہت مختلف نظر آنے لگی تھی۔ اب اس کے چہرے پر معصومیت کی بجائے کسی کٹکھنی کتیا کا سا انداز پایا جاتا تھا۔ اس نے پھر کہا۔ "تم کرنل فریدی کو فون نہیں کر سکتے۔ ان گدھوں کو میں کیا کہوں کہ اس کمرے میں چھوڑ گئے جہاں فون موجود ہے۔"

"اوہ.... دیکھو.... سنو....!" حمید اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔

لگا۔ "میں نے.... تمہارا.... کیا بگاڑا ہے.... تم میری گہری دوست تھیں نا....!"

کہکشاں پیچھے ہٹتی رہی اور پھر حمید نے یک بیک اس پر چھلانگ لگا دی۔ دوسرے ہی لمحے میں ریوالور اس کے ہاتھ میں تھا اور کہکشاں فرش پر پڑی اسے خوفزدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"اب تم بتاؤ.... اگر حلق سے ہلکی سی آواز بھی نکلی تو اپنا کام تمام سمجھنا۔"

"اس نے ریوالور کا رخ اس کی طرف کئے ہوئے فریدی کے نمبر ڈائیل کئے۔ یہ اُس کی خوش قسمتی ہی تھی کہ فریدی گھر پر موجود تھا۔ حمید نے جلدی جلدی اُسے بتایا کہ وہ ولمٹ ہاؤز میں پھنس گیا ہے اور پھر وہ اس داستان کو دہرا ہی رہا تھا کہ اس کے سر پر پشت سے کسی نے کوئی وزنی چیز رسید کر دی۔ گرتے گرتے حمید نے فائر کر دیا لیکن بے سود۔ گولی کسی کے بھی نہ لگ سکی۔ وہ بیہوش ہو گیا تھا۔

جب ہوش میں آیا تو اُسے محسوس ہوا جیسے وہ ہوا میں اُڑا جا رہا ہو۔ لیکن پھر جلد ہی یہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی کہ وہ کسی تیز رفتار بند گاڑی میں سفر کر رہا ہے۔

یہ سفر بھی جلد ہی ختم ہو گیا۔ گاڑی کسی جگہ رک گئی تھی۔ حمید کے ہاتھ پیر آزاد تھے۔ دفعتاً روشنی کا ایک بڑا دھبہ گاڑی کے اندر رینگ آیا۔ شائد دروازہ کھولا گیا تھا۔ پھر کسی نے اُسے اترنے کو کہا۔ حمید چپ چاپ اٹھا اور گاڑی سے باہر آ گیا۔ لیکن اسے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ گاڑی ایک بہت وسیع کمرے میں کھڑی ہے۔ یہ ایک بڑی سی سیاہ رنگ کی وین تھی۔ اُس کمرے میں وین کے ڈرائیور سمیت چھ نفوس تھے۔ ان میں سے دو کو حمید بہت اچھی طرح پہچانتا تھا۔ ایک تو کہکشاں تھی اور دوسرا وہ سفیر جسے شائد اس فساد کی جڑ ہی کہنا مناسب ہوگا۔ وہ حمید کی طرف دیکھ کر طنزیہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"ہلو مائی ڈیئر کیپٹن حمید....!" کہکشاں مسکرائی۔ "تم لوگ بہت چالاک ہو۔"

"ہاں! محترمہ ہم لوگ کافی چالاک ہیں۔" حمید بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

"ابھی وہ حضرت بھی اسی طرح لائے جا رہے ہوں گے۔ جو تم سے بھی زیادہ چالاک ہیں۔"

"کرنل فریدی۔" حمید نے سوال کیا۔

"ہاں کرنل فریدی۔ مگر نہ کہنا کیپٹن یہ چال کتنی شاندار تھی۔ دنیا میں کون ایسا گدھا ہے جو اپنے شکار کو ایسے کمرے میں بند کر دے جہاں فون موجود ہو۔ فریدی نے فون پر تمہاری چیخ اور فائر کی آواز بھی سنی ہو گی۔ کیا یہ سب کچھ اُسے ولمٹ ہاؤز پر چڑھ دوڑنے پر مجبور نہیں کر دے گا اور ولمٹ ہاؤز جو اب بالکل ویران ہے کیا اس کے لئے چوہے دان نہیں بن جائے گا۔"

"میرے خدا۔" حمید اپنی پیشانی رگڑ کر آہستہ سے بڑبڑایا۔

"اور پھر...!" کہکشاں مزے لے لے کر بولی۔ "تم دونوں موت کے گھاٹ اتار دیئے جاؤ گے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سفیر کی طرف دیکھنے لگا تھا جس کے ہونٹوں پر اب بھی وہی طنزیہ مسکراہٹ موجود تھی۔

"یور ایکسیلنسی آخر ہم تینوں کا قصور...!" حمید نے اُسے مخاطب کیا۔

"ہر معاملے میں ٹانگ اڑا بیٹھنا بہت بُرا ہوتا ہے۔" سفیر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ بھی ڈاکٹر ڈریڈ کے تیروں کا شکار بننا چاہتے ہیں۔"

"ڈاکٹر ڈریڈ...!" سفیر نے حیرت سے کہا۔ "تم جانتے ہو۔"

"عظیم فریدی کیا نہیں جانتا۔"

کچھ دیر کے لئے سکوت طاری ہو گیا۔

پھر حمید نے کہا۔ "یہ عورت مجھ سے شادی کرنے والی تھی، لہٰذا اس کی بیوگی کا خیال تو کو رکھنا ہی چاہئے۔ اگر یہ شادی سے پہلے ہی بیوہ ہو گئی تو مجھے بڑا افسوس ہو گا۔"

"بکواس مت کرو۔ تم اپنی دانست میں مجھے بیوقوف بنا رہے تھے۔"

"بیوقوف تو تم اب بھی بن رہی ہو۔ کہکشاں ڈارلنگ۔ خیر تم نہیں سمجھ سکو گی۔ لیکن اتنا یا کہ اگر تم لوگوں نے فریدی کو قتل کرنے سے پہلے مجھے قتل کر دیا تو بڑے خسارے میں رہو گے۔"

"کیوں....؟" سفیر نے سوال کیا۔

"فریدی نے ابھی تک تم لوگوں کے متعلق اپنی رپورٹ پیش نہیں کی لیکن وہ جانتا ہے اس نے سارے کاغذات مکمل کر لئے ہیں اور یہ صرف میں جانتا ہوں کہ وہ ایسے کاغ کہاں رکھتا ہے۔"

"پھر تم کیا چاہتے ہو۔" سفیر نے بے چینی کے ساتھ پوچھا۔

"یہی کہ فریدی کے قتل سے پہلے مجھے نہ قتل کرنا۔ ورنہ وہ کاغذات بہر حال محکمے کے ہا جائیں گے۔ تم اُسے مار بھی ڈالو گے، تب بھی وہ ان کاغذات کا پتہ تمہیں نہ بتائے گا۔ وہ اسی آدمی ہے۔ کاغذات تمہیں صرف مجھ سے مل سکیں گے۔ ورنہ پھر وہ محکمے کے ہاتھ لگیں گے۔"

ٹھیک اسی وقت ایک اور وین کمرے میں گھستی چلی گئی۔ یہ بھی سیاہ رنگ کی تھی اور بھی اسی وین کی سی تھی جس پر حمید لایا گیا تھا۔

"لے آئے....!" کہکشاں پُر مسرت لہجے میں چیخی۔

"لے آئے۔" ڈرائیور کی سیٹ سے آواز آئی۔

"شاباش.... اتارو اُسے۔"

وین کا دروازہ کھولا گیا اور دو آدمی ایک ایسے آدمی کو اٹھائے ہوئے باہر آئے جس کے ہاتھ رسیوں سے جکڑے ہوئے تھے اور اُس کے سر پر سیاہ رنگ کا اتنا بڑا غلاف منڈھا ہوا تھا کہ چہرہ چھپ گیا تھا۔

کہکشاں نے آگے بڑھ کر اس کے سر سے غلاف کھینچ لیا لیکن ساتھ ہی اس کے حلق سے عجیب قسم کی آواز بھی نکلی اور وہ کسی غضب ناک بلی کی طرح غرائی۔ "کیا تم لوگ گھاس کھا گئے ہو۔ یہ تو اپنا ہی آدمی ہے۔"

وہ دونوں بوکھلا کر اس کی طرف دوڑے لیکن اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس طرح ڈھیلے پڑ گئے جیسے یک بیک غباروں سے ہوا نکل گئی ہو۔

حمید نے قہقہہ لگایا اور پھر کہا۔ "دیکھا میں نہ کہتا تھا کہ تم اَب بھی بیوقوف بن رہی ہو۔"

"اچھا تو تم جاؤ۔" کہکشاں نے اپنے بلاؤز کے گریبان سے اعشاریہ دو پانچ کا پستول نکالتے ہوئے کہا۔

"ٹھائیں۔" ایک فائر ہوا لیکن حمید اُسی طرح کھڑا رہا جیسے پہلے کھڑا تھا البتہ کہکشاں کا پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا پڑا تھا اور بائیں ہاتھ سے اس طرح داہنا ہاتھ دبائے ہوئے تھی جیسے اس کے کلائی کے نکل بھاگنے کا خدشہ ہو۔

"ایسا بھی کیا مس تارا نائیڈو۔" کمرے کی خاموش فضا میں فریدی کی آواز گونجی جو بعد میں آنے والی وین سے نکل رہا تھا۔ "یہ اتنا بودا بھی نہیں ہے کہ کسی عورت کے ہاتھوں مر سکے۔ ویسے یہ خود بُری طرح مرتا ہے عورتوں پر۔"

تارا نائیڈو کا نام سن کر حمید کی آنکھیں پھیل گئیں۔

فریدی آٹھ آدمیوں میں تنہا کھڑا تھا، لیکن کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اس کی طرف قدم بھی بڑھا سکتا کیونکہ اس کے دونوں ہاتھوں میں ریوالور تھے اور بارہ راؤنڈ میں سے صرف ایک راؤنڈ چلایا گیا تھا۔ گیارہ راؤنڈ ابھی باقی تھے۔

"میں ذرا ڈاکٹر ڈریڈ کے چکر میں پڑ گیا تھا یور ایکسیلنسی۔" فریدی نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔ "ورنہ یہ کھیل بہت پہلے ختم ہو جاتا۔ سرخ گلاب بہت عرصے سے میری نظروں میں تھے اور عورت تارا نائیڈو بھی۔ یہ بیچاری اپنے متعلق بہتیری غلط فہمیوں میں مبتلا

ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ خود کو بہت چالاک اور دور اندیش سمجھتی ہے۔ اسی
اس نے کیپٹن حمید پر ڈورے ڈالے تھے۔ لیکن یہ نہیں جانتی تھی کہ اس حرکت سے خو
خسارے میں رہے گی۔ اس نے صرف یہ سن رکھا تھا کہ کیپٹن حمید عورتوں کا کیڑا ہے لیکن
نہیں جانتی تھی کہ اس سے کسی قسم کی معلومات حاصل کر لینا آسان کام نہیں ہے۔ کیا اب
سرخ گلابوں کی کہانی بھی شروع کر دوں۔ مگر نہیں اس سے پہلے میں معلوم کرنا چاہوں گا کہ ڈا
ڈریڈ کو تم لوگوں سے کیا سروکار۔"

کسی نے جواب نہ دیا۔ آخر فریدی نے کہا۔ "اگر ڈاکٹر ڈریڈ خود ہی تم سے ٹکرایا ہے تو اس
وجہ بھی بڑی شاندار ہو گی۔ کیوں کیا ارادہ ہے۔ اس کے متعلق کچھ بتاؤ گے۔"

"تم خواہ مخواہ چند صلح پسند شہریوں پر تشدد کر رہے ہو۔" کہکشاں یا تارا نائیڈو نے کہا۔

فریدی اس کی طرف دھیان دیئے بغیر سفیر سے بولا۔ "یور ایکسیلنسی آپ کی پوزیشن
خراب ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ آپ کی حیثیت سے واقف ہو جانے کے بعد میں آپکے ہتھکڑیاں
لگا سکتا لیکن فرض کیجئے اگر میں یہ کہہ دوں کہ میں آپ کو پہچانتا ہی نہیں ہوں تو آپ
چوروں اور ڈاکوؤں کی طرح کٹہرے کے پیچھے ہوں گے۔"

"تم کیا چاہتے ہو۔"

"یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ ڈاکٹر ڈریڈ کا ان واقعات یا سفارت خانے سے کیا تعلق ہے۔"

"اس کا تعلق نہ ان معاملات سے ہے اور نہ سفارت خانہ سے۔ فنچ کا اور اس کا کوئی ذاتی
ہے جس کے متعلق ہم کچھ نہیں جانتے۔"

"کیا یہ فنچ سفارت خانہ ہی سے تعلق رکھتا ہے۔"

"نہیں....!"

"وہ کہاں ملے گا۔"

"ہمیں اس کا پتہ معلوم نہیں۔ وہ ایک بُرا آدمی ہے۔ سفارت خانے کے عملہ کا اخلا
کرتا ہے۔ ان کے لئے کرائے کی لڑکیاں مہیا کرتا ہے۔"

"اور وہ لڑکیاں اس عورت کے توسط سے آتی ہیں۔" فریدی نے تارا نائیڈو کی طرف اشارہ

"ہرگز نہیں۔ یہ تو بہت اچھی لڑکی ہے۔ میرے سیکریٹری کی اسسٹنٹ ہے۔"

"پھر آخر ہم لوگ یہاں کیوں ہیں۔" فریدی نے کہا۔

لیکن اس کا جواب کسی سے بھی نہ بن پڑا۔

"حمید....!" فریدی بولا۔ "ہز ایکسیلنسی کے علاوہ اور سب کے ہاتھ ان کی ٹائیوں سے
باندھ دو اور تارا نائیڈو کے لئے اپنی ٹائی استعمال کرو۔"

دفعتاً فریدی کے ریوالور سے شعلہ نکلا اور ایک آدمی چیخ مار کر ڈھیر ہو گیا۔ اس کا ہاتھ جیب
کی طرف جا رہا تھا۔

"میں سب کو یہیں ختم کر دوں گا، ورنہ خاموشی سے اپنے ہاتھ بند ھوالو۔ تمہارے جرائم کے
لئے اتنے ثبوت میں نے مہیا کر لئے ہیں کہ دنیا کی کوئی عدالت تمہیں نہیں چھوڑ سکتی۔ تین خون
تمہاری گردنوں پر ہیں۔"

"کشت و خون سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔" سفیر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "وہ سب کچھ
محض فنچ کی ذات سے ہوتا رہا ہے اور فنچ سے سفارت خانے کا کوئی تعلق کبھی نہیں رہا۔ وہ ایک
سیلانی آدمی ہے اور اوباش بھی۔"

"مگر سرخ گلاب والی لڑکیاں وہ ہی سفارت خانے تک پہنچایا کرتا ہے۔"

"ہاں.... آں.... وہ لڑکیوں کا کاروباری ہے۔"

"یور ایکسیلنسی.... پلیز.... اب میں جھوٹ برداشت نہیں کروں گا لہٰذا محتاط رہئے ورنہ
ہو سکتا ہے کوئی ایسی بات ہو جائے جو آپ کی شان کے خلاف ہو۔ بہر حال میں آپ لوگوں پر
چارج لگائے بغیر یہاں سے نہیں لے جاؤں گا۔ میں آپ کے سفارت خانے پر الزام لگاتا ہوں کہ
وہ ہماری حکومت کے راز معلوم کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ اس کام کے لئے تارا نائیڈو ایسی
لڑکیوں کو تربیت دیتی تھی، جو خوبصورت اور تعلیم یافتہ ہوں۔ پھر وہ انہیں ایک ایک کر کے فنچ کے
توسط سے آپ تک پہنچاتی تھی اور سفارت خانہ سے انہیں اس کام کی نوعیت معلوم ہوتی تھی جس
کے لئے وہ تارا سے ٹریننگ لے کر آتی تھیں اور پھر یہ لڑکیاں حکومت کے سربرآوردہ لوگوں پر
ڈورے ڈال کر انہیں اپنے دام میں پھنسانے کی کوشش کرتی تھیں تاکہ اُن سے حکومت کے راز
معلوم کر سکیں۔ اس طرح آپ کے سفارت خانہ سے ہمارے ملک کو زبردست نقصانات پہنچے
ہیں۔ اس رات جب میں اتفاق سے سفارت خانہ کی طرف جا نکلا تھا ایک لڑکی شیلا وہاں آنے والی
تھی، جسے فنچ پہچانتا نہیں تھا تو یہ بیچاری یہاں بھی دھوکا کھا گئی۔ نہ یہ ایسا طریقہ رکھتی اور نہ میں اس
راز سے واقف ہو سکتا اور نہ لیڈی انسپکٹر ریکھا شیلا کی جگہ لے سکتی۔ ویسے تارا نائیڈو کے لئے کام
کرنے والے بڑے ہوشیار معلوم ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے یہ بات معلوم کر لی تھی کہ سفارت
خانے کے پھاٹک پر رات کو ڈیوٹی میں آنے والا سنتری شیلا کا پڑوسی ہے اسی لئے انہوں نے اُسے

ڈیوٹی پر پہنچنے ہی نہیں دیا تھا کیا آپ ان الزامات سے انکار کر سکتے ہیں۔"

کوئی کچھ نہ بولا۔ تارا نائیڈو کے چہرے پر مردنی چھا گئی۔

"میں تم لوگوں پر الزام لگاتا ہوں کہ تم شیلا اور اُس کی بڑی بہن کے قاتل ہو۔ میں تم پر اس آدمی کے قتل کا بھی الزام لگاتا ہوں جس کی لاش دو دن پہلے ارجن پورے کے ایک پبلک پیشاب خانے میں ملی تھی۔ میں تم پر الزام لگاتا ہوں کہ تم فنچ نامی ایک بہت بڑے مجرم کو قانون کی دسترس سے بچانا چاہتے ہو۔ یہ بجائے خود ایک بہت بڑا جرم ہے۔"

"ہم میں سے کوئی بھی نہیں جانتا کہ فنچ کہاں رہتا ہے۔" تارا بولی۔

"خیر دیکھا جائے گا۔ حمید.... کیا تم اپنا کام کر چکے۔"

"جی ہاں.... مگر تارا نائیڈو۔"

"اس کے لئے تمہیں اپنی ٹائی کھولنی پڑے گی۔"

دوسری صبح حمید گھر پر فریدی کا انتظار کر رہا تھا۔ پچھلی رات ان کی آخری ملاقات کو تو الی میر ہوئی تھی۔ اس کے بعد سے اب تک فریدی غائب تھا۔ حمید کو اس سے کوئی سروکار نہیں تھا کہ مجرموں کا کیا حشر ہوا۔ وہ تو یہ معلوم کرنے کے لئے بے تاب تھا کہ فریدی وہاں تک کیونکر پہنچ تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اگر فریدی کو ایک سیکنڈ کی بھی دیر ہو جاتی تو حمید دوسری دنیا میں ہو کیونکہ تارا نے کچھ اس طرح یک بیک پستول نکال لیا تھا کہ حمید کو سنبھلنے تک کا موقع نہ مل سکتا ساتھ ہی اگر فریدی کا نشانہ خطا کر جاتا تب بھی نتیجہ وہی برآمد ہوتا جس کے لئے کم از کم حمید جوان العمری میں تو تیار نہیں ہو سکتا تھا۔

دن ڈھلے فریدی گھر واپس آیا اور حمید کچھ اس طرح اپنے سوالات سمیت اس پر ٹوٹ پڑا فریدی بچ مچ بوکھلا گیا۔ لیکن اب اس اسٹیج پر حمید سے پیچھا چھڑانا مشکل تھا۔

"ارے بھئی۔" فریدی نے کہا۔ "وہاں اس طرح جا پہنچنا معجزات میں سے نہیں تھا۔ جب مجھے پہلے ہی سے اس کا علم تھا کہ تارا ہی کہکشاں ہے تو پھر میں کس طرح مطمئن ہو سکتا۔ ویسے میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ عقل کی پتلی کرنا کیا چاہتی ہے چونکہ وہ جانتی تھی کہ اس کی ا مصروفیات میں صرف میں ہی حارج ہو سکتا ہوں لہٰذا اس نے ہم سے قریب آنے کی کوشش تھی۔ مگر اسے اس سلسلے میں مایوسی ہوئی۔ اگر تم اس سے بحیثیت کیپٹن حمید ملے ہوتے تب تو یقینی طور پر کسی نہ کسی طرح تمہارے پیٹ میں اتر جاتی۔ مگر دشواری یہ آپڑی تھی کہ تم نے خود کو نیم دیوانہ پوز کرنا شروع کر دیا تھا۔ بہر حال مجھے اطلاع ملی کہ وہ تمہیں ولماٹ ہاؤز لے گئی۔

میں بھی اسی طرف آنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ تمہارا فون ملا جس میں تمہاری چیخ سنی۔ پھر فائر کی آواز سنی میں سمجھ گیا کہ یہ ہمارے لئے جال بچھایا جا رہا ہے پھر کچھ دیر بعد اطلاع ملی کہ تم اردن لاج پہنچا دیئے گئے۔ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ولماٹ ہاؤز اس وقت بالکل ویران پڑا ہوا ہے۔ جس وقت میں ولماٹ پہنچا تارا کے آدمی پائیں باغ میں اِدھر اُدھر چھپتے پھر رہے تھے۔ میری موجودگی میں انہوں نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک کو زخمی کر کے باندھ لیا۔ پائیں باغ میں اندھیرا تھا۔ ان گدھوں نے اس بیچارے کو بولنے کا بھی موقع نہ دیا اور میرے دھوکے میں باندھ لے گئے۔ ایک بڑی سی سیاہ وین وہاں موجود تھی جس میں اس بیچارے کو ٹھونس دیا گیا۔ ایک بار پھر وہ دونوں شائد کسی کام سے عمارت کے اندر چلے گئے اور مجھے موقع مل گیا کہ میں بھی اسی وین میں بیٹھ جاؤں۔ وین کے اندر ایک گوشے میں تین چار چھولداریاں تہہ کی ہوئی رکھی تھیں۔ میں انکے پیچھے چھپ گیا۔ بس اس طرح وہاں تک میری رسائی ہوئی۔"

حمید چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "اور ڈاکٹر ڈریڈ۔"

"فی الحال اُسے جہنم میں جھونکو... جب اس کیلئے کام شروع کر دوں گا تب اسکی گفتگو کرنا۔"

"فنچ بھی نکل ہی گیا۔"

"ہاں.... یہ فنچ البتہ میرے لئے بڑی کشش رکھتا ہے۔" فریدی آہستہ سے کہا۔ اور کچھ سوچنے لگا۔

جاسوسی دنیا نمبر 61

پانی کا دھواں

(دوسرا حصہ)

وہ لڑکی

حمید کا بکرا اگر آدمی ہوتا تو وہ یا تو اب تک خودکشی کر چکا ہوتا یا نقاد ہو جاتا اور اُردو غزل کے متعلق یہی خیال ظاہر کرتا کہ "اس" نیم وحشی صنفِ سخن کی گردن بے تکان مار دینی چاہئے کیونکہ حمید اس وقت بھی اُسے ایک غزل ہی سنا رہا تھا۔

مگر بکرے نہ تو خودکشی کرتے ہیں اور نہ تنقید۔ ویسے وہ اگر آدمی ہوتا تو یہ بھی ممکن تھا کہ غزل کی گردن مارنے کی بجائے حمید ہی کی گردن اڑا دیتا۔

حمید نے دوسری غزل شروع کی اور بکرے نے ہری ہری دوب پر منہ مارنا چاہا لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے منہ پر ایک تھپڑ مارا اور غزل مکمل نہ ہو سکی۔ کیونکہ حمید نے اب نثر شروع کر دی۔ "ابے فلٹ ہیٹ پہن کر گھاس کھاتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ چینیوں نے اتنی ترقی کی۔ جاپانی اتنے بڑھ گئے۔ مگر تو ہمیشہ بکرا ہی رہے گا۔"

تھوڑے ہی فاصلے پر فریدی بیٹھا اخبار دیکھ رہا تھا۔ سردیوں کی ایک صبح تھی اور ابھی نو بجے تھے۔ لان پر بکھری ہوئی دھوپ بڑی خوش گوار معلوم ہو رہی تھی۔

حمید کا خیال تھا کہ اگر اخبارات بھی اتنے انہماک کے ساتھ دیکھے جانے لگیں تو دنیا کی کم از کم آدھی آبادی پاگل ہو سکتی ہے۔ اس لئے پہلے تو وہ کچھ دیر تک بکرے کو غزلیں سناتا رہا پھر اخلاقیات پر لیکچر شروع کر دیا۔

فریدی نے ایک بار سر اٹھا کر دیکھا۔ ایک طویل سانس لی اور اخبار ٹی پائی پر رکھ کر سگار سلگانے لگا۔

حمید بکرے سے کہہ رہا تھا۔ "بکریوں کے پیچھے مارے مارے پھرنا اخلاق سے گری ہوئی حرکت ہے۔ آئندہ اگر میں نے تجھے کسی بکری کو آنکھ مارتے دیکھا تو تیری کھال کھینچ کر کسی یتیم خانے کو بھجوا دوں گا۔"

"گدھوں کی نصیحت سے بکرے اثر نہیں لیتے۔" فریدی بولا۔

"اسی لئے میں نے آج تک کوئی گدھا نہیں پالا۔" حمید نے جواب دیا۔

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک کار کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی اور اگلی سیٹ پر نظر پڑتے ہ

حمید نے دونوں ہاتھوں سے آنکھیں بند کر لیں اور زبان نکال کر فریدی کی طرف مڑ گیا۔

کار سے اترنے والی ایک نوخیز لڑکی تھی، جس کی عمر زیادہ سے زیادہ سولہ سال رہی ہو گی۔

"کیا بیہودگی ہے۔" فریدی آہستہ سے غرایا اور حمید نے زبان اندر کر لی۔ ویسے اس کے ہا

اب بھی آنکھوں ہی پر تھے۔

لڑکی کار کے قریب کھڑی انہیں دیکھ رہی تھی۔ ایک بار اس نے ان کی طرف بڑھنا چاہا۔ رک گئی اور وہیں سے کھڑے کھڑے کہا۔ "میں کرنل فریدی سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"کیپٹن حمید سے ملنے کوئی نہیں آتا۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "خدا کرے دنیا کی سا لڑکیاں پاگل ہو جائیں۔"

"ہاتھ نیچے گراؤ۔" فریدی نے دانت پیس کر کہا پھر لڑکی سے بولا۔ "ادھر تشریف لائیے

لڑکی کچھ بوکھلائی ہوئی آگے بڑھی۔

"تشریف رکھئے۔" فریدی نے لان چیئر کی طرف اشارہ کیا۔

"مم.... میں.... فریدی صاحب سے ملنا چاہتی ہوں۔" لڑکی ہکلائی۔

پھر اس نے کنکھیوں سے اس بکرے کی طرف دیکھا جس کے سر پر فلٹ ہیٹ اس ط جمائی گئی تھی کہ سینگیں باہر نکل آئی تھیں۔ گلے میں ٹائی لٹک رہی تھی اور پچھلی ٹانگوں پر کر سرخ بلیزر کا پاجامہ تھا۔

"فرمائیے۔ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"کرنل صاحب سے ملا دیجئے۔"

"آپ فریدی ہی سے ہم کلام ہیں۔"

حمید بکرے کا کان پکڑ کر اُسے پورچ کی طرف لے جا رہا تھا۔

"اوہو....!" لڑکی چونک سی پڑی۔ "معاف.... کک.... کیجئے گا۔"

"کوئی بات نہیں.... ہاں.... آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہیں۔"

"ہم.... ایک بڑی مصیبت.... میں پھنس گئے ہیں جناب۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کی نظر لڑکی کے سر پر تھی اور لڑکی سر جھکائے سینڈل کی نوک سے زمین پر پڑی ہوئی دیا سلائی کی ڈبیہ کو ادھر ادھر کر رہی تھی۔

"آپ سر فیاض سے واقف ہوں گے۔"

"سر فیاض۔ جی ہاں.... میں انہیں جانتا ہوں۔"

"وہ میرے دادا ہیں۔" لڑکی بولی۔

"اوہ.... اچھا....!" فریدی نے اس انداز میں کہا جیسے وہ ابھی کچھ اور بھی سننا چاہتا ہو۔

"دراصل میں انہیں کے لئے آئی ہوں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قصے کو کہاں سے شروع کروں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ میں غلطی پر نہیں ہوں اور آپ کی مدد کے بغیر حالات درست نہیں ہو سکتے۔"

"میں حالات ہی معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"دیکھئے میں بتاتی ہوں۔ پچھلی شام ہم لوگ اپنی ذاتی لانچ میں فن آئی لینڈ گئے تھے۔ ہمارے ساتھ دادا جان بھی تھے۔ جب ہم فن آئی لینڈ کے ساحل پر پہنچے تو ہماری لانچ ایک سفید رنگ کی بڑی کشتی کے قریب رکی۔"

"سفید کشتی۔" فریدی یک بیک چونک پڑا۔

"جی ہاں.... اور دفعتاً دادا جان بُری طرح کانپنے لگے۔ اُنکے منہ سے عجیب طرح کی آواز نکل رہی تھی۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی خوفزدہ بچہ کچھ کہنا چاہے لیکن زبان ساتھ نہ دے۔"

"ہوں.... اُوں.... میں سن رہا ہوں۔ آپ کہتی رہئے۔"

"پھر وہ بیہوش ہو گئے اور ہمیں واپس آنا پڑا۔ میرا خیال ہے کہ اس سفید کشتی پر کسی کو دیکھ کر

اُن کی یہ حالت ہوئی تھی۔ اب میں نہیں کہہ سکتی کہ یہ محض میرا شبہہ تھا یا حقیقت۔ اس کشتی پر ایک لمبے چوڑے آدمی نے اس طرح اپنی فلٹ ہیٹ کا گوشہ چہرے پر جھکانے کی کوشش کی تھی جیسے وہ کسی شناسا کی نظروں سے بچنا چاہتا ہو۔"

"آپ کا خیال درست بھی ہو سکتا ہے.... پھر کیا ہوا....؟"

"ہم انہیں گھر لے آئے تقریباً تین گھنٹے بعد انہیں ہوش آ سکا لیکن اب تک ان کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہوئی۔"

"کیوں؟ ذہنی حالت ٹھیک نہ ہونے سے آپ کی کیا مراد ہے۔"

"وہ رہ رہ کر چیخ اٹھتے ہیں۔ ارے بوند آئی۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیسی بوند، تو اپنے سر پر انگلی رگڑ کر کہتے ہیں.... یہ رہی۔"

"اوہ....!" فریدی نے سیٹی بجانے والے انداز میں ہونٹ سکوڑے۔

"اب سے تین ماہ پہلے کی بات ہے کہ ان کا دماغ اسی طرح الٹ گیا تھا اور یہی رٹا کرتے تھے ارے بوند آئی۔ پھر کافی دنوں تک علاج ہوتے رہنے پر حالت سدھر گئی تھی۔"

"اچھا پچھلا واقعہ کیا تھا۔"

"کچھ بھی نہیں۔ وہ پانچ یا چھ دنوں کیلئے تار جام گئے تھے۔ وہاں سے اس حالت میں واپس آئے۔"

"یعنی واپسی ہی اس دماغی خلل کی حالت میں ہوئی تھی۔"

"جی ہاں....!"

فریدی کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "کیا وہ تار جام سے تنہا واپس آئے تھے۔"

"جی نہیں۔ ہمارے ایک کارخانے کا منیجر انہیں لایا تھا۔"

"تار جام میں وہ کہاں رہے تھے۔"

"کہیں بھی نہیں۔ جس دن وہ وہاں پہنچے اسی دن منیجر انہیں واپس لایا تھا۔"

"ابھی تو آپ نے پانچ یا چھ دن کہے تھے۔"

"جی ہاں۔ یہاں سے جانے کے چھٹویں دن ہی وہ واپس آئے تھے لیکن منیجر کے بیان کے مطابق وہ اسی دن وہاں پہنچے تھے اور ان کی ذہنی حالت درست نہیں تھی۔"

"اوہ... تو آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ وہ پانچ دن انہوں نے کسی نامعلوم جگہ پر گذارے تھے۔"

"جی ہاں.... یہ بات آج تک نہ معلوم ہو سکی کہ وہ کہاں رہے تھے۔"

"کیا وہ تنہا گئے تھے۔"

"جی ہاں.... ان کے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ حتیٰ کہ ڈرائیور بھی نہیں۔ کار انہوں نے خود ہی ڈرائیو کی تھی۔"

"انہوں نے کچھ نہیں بتایا کہ وہ پانچ دن کہاں گذارے تھے۔"

"جی نہیں۔ ذہنی حالت درست ہو جانے پر انہیں یہ بھی یاد نہیں رہا تھا کہ وہ تار جام کے لئے گھر سے روانہ ہوئے تھے۔"

"اچھا وہ اس منیجر تک کس طرح پہنچے تھے۔"

"منیجر اس کے متعلق اتنا ہی بتا سکا تھا کہ وہ تار جام والے آفس میں یہی چیختے ہوئے گھسے تھے۔ "ارے بوند آئی۔" اور باہر ان کی کار موجود تھی۔"

"تو گویا یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ خود ہی کار ڈرائیو کرتے ہوئے وہاں تک پہنچے تھے یا کوئی دوسرا پہنچا گیا تھا۔"

"جی ہاں.... وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

فریدی کچھ سوچنے لگا۔ لڑکی بار بار پورچ کی طرف دیکھنے لگتی تھی۔ جہاں حمید بکرے کے پاس کھڑا غالباً اس سے کچھ کہہ رہا تھا۔

"اچھا....!" کچھ دیر بعد فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ "دماغی خلل کی حالت میں وہ اور کیا کہتے ہیں۔"

"ارے بوند کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ ان سے لاکھ پوچھا جاتا ہے کہ کیسی بوند۔ لیکن وہ کچھ نہیں بتاتے؟"

"خیر میں دیکھوں گا کہ کیا معاملہ ہے۔"

"کیا آپ ساتھ نہیں چل سکتے۔" لڑکی نے ملتجیانہ انداز میں کہا۔

"چل سکتا ہوں۔"

"اوہ.... بہت بہت شکریہ جناب۔"

تھوڑی ہی دیر بعد فریدی اور حمید اپنی کار میں سر فیاض کی قیام گاہ ارون لاج کی طرف جا رہے تھے۔ یہ شہر کی معدودے چند شاندار عمارتوں میں سے تھی اس کا مالک سر فیاض بڑے سرمایہ داروں میں سے تھا۔

حمید نے پوچھا۔ "یہ لڑکی ہمیں کہاں لے جا رہی ہے۔"

"اپنے گھر....!"

لڑکی کی کار آگے تھی۔ حمید نے پائپ کا ایک لمبا کش لے کر دھواں چھوڑتے ہوئے

"ہم وہاں کتنے دن قیام کریں گے۔"

"جتنے دن تم چاہو۔"

"اس کی بڑی بہنیں بھی ہوں گی۔"

"زبان بند رکھو۔ اگر تم نے اس بکرے کو جلد ہی گھر سے نہ ہٹایا تو میں بہت بُری طرح پیش آؤں

"آپ پہلے اپنے کتوں کا انتظام کیجئے۔ میں بکرے کے معاملے میں بہت زیادہ حساس واقع ہو ہوں، لہٰذا مجھے توقع ہے کہ آپ اس مسئلے پر آئندہ بہت احتیاط سے گفتگو کریں گے۔"

"میں بہت احتیاط سے تمہیں چانٹا مار دوں گا۔"

"آپ کچھ بھی کیجئے بکرا وہیں رہے گا جہاں اب ہے ویسے میرا خیال ہے کہ آپ اس لڑ کے تذکرے پر بکرے کے تذکرے کو ترجیح دیتے ہیں۔"

"حمید تمہیں کب عقل آئے گی۔ اس قسم کی گھٹیا حرکتیں سارا وقار خاک میں ملا دیتی ہیں۔"

"مجھے وقار سے قطعی دلچسپی نہیں ہے۔ میں معمولی آدمیوں کی طرح زندہ رہنا چاہتا ہوں وقار کے جراثیم ٹی۔بی کے جراثیم سے بھی زیادہ مہلک ہوتے ہیں۔"

"اچھا بکواس بند کرو۔" فریدی نے ناخوش گوار لہجے میں کہا اور حمید خاموش ہو گیا۔

وہ اگلی کار والی لڑکی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ لڑکی کافی دلکش تھی اور اس کی آواز میں بڑ جنسی کشش تھی۔

لیکن فریدی نے ابھی تک اس کے متعلق کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔ ویسے حمید کا اندازہ تھا کہ کسی اچھے گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔

اگلی کار ارون لاج کے پھاٹک میں مڑ گئی۔

"ہائیں.... یہ تو ارون لاج ہے۔" حمید یک بیک اچھل پڑا۔

"ہاں.... اور وہ سر فیاض کی پوتی ہے۔"

"سر فیاض کی پوتی۔" حمید ہکا بکا رہ گیا۔ پھر بے تحاشہ ہنسنے لگا۔ اتنے میں ان کی کار بھی ارون لاج کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو گئی۔

"کیوں.... تم ہنسے کیوں؟"

"کچھ نہیں...." حمید کی شرارت آمیز مسکراہٹ ابھی برقرار تھی۔

فریدی کچھ نہیں بولا۔ چپ چاپ کار سے اتر گیا۔

"آیئے... اِدھر آیئے۔" لڑکی نے کہا، جو اپنی گاڑی سے اتر کر پورچ کیطرف بڑھ رہی تھی۔

فریدی اور حمید آگے بڑھے۔

"بس چلے آیئے۔ یہ تکلفات کا موقع نہیں ہے۔ میں آپ کو سیدھے دادا جان کی خواب گاہ تک لے چلوں گی۔"

فریدی نے پھر حمید کے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ قسم کی مسکراہٹ دیکھی۔

وہ عمارت میں داخل ہو رہے تھے، لڑکی آگے بڑھی۔ حمید اب بھی مسکرا رہا تھا، اور فریدی اسے بار بار کچھ اس انداز میں دیکھنے لگتا تھا جیسے کچا ہی چبا جائے گا۔

لڑکی ایک جگہ رک گئی۔ وہ ایک کمرے کے سامنے تھے جس کے دروازے پر ایک کشادہ قامت اور صحت مند آدمی اس انداز میں کھڑا نظر آ رہا تھا جیسے وہ انہیں آگے نہیں جانے دے گا۔

"یہ کرنل فریدی ہیں۔" لڑکی نے اس آدمی سے کہا۔

"میں نہیں سمجھا آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔"

"یہ دادا جان سے ملیں گے۔"

اس کی پیشانی پر تین چار شکنیں ابھریں اور پھر غائب ہو گئیں۔ اس نے بڑے ادب سے فریدی سے پوچھا۔ "کیا سر فیاض آپ سے بخوبی واقف ہیں۔"

"نہیں ہم ایک دوسرے کے شناسا نہیں ہیں۔" فریدی نے جواب دیا۔

"تب تو میں معافی چاہتا ہوں جناب۔" اس نے بڑی لجاجت سے کہا۔ "ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ انہیں اجنبیوں سے دور رکھا جائے۔"

وفعتاً اندر سے ایک روتی ہوئی سی آواز آئی۔ "بوند.... ارے بوند آئی۔"

فریدی لڑکی کی طرف مڑا اور لڑکی اس آدمی کو کھانے دوڑی۔ "ہٹ جاؤ سامنے سے ہم لوگ اندر جائیں گے۔ کرنل صاحب میری درخواست پر یہاں آئے ہیں۔"

"میں مجبور ہوں محترمہ۔" وہ دروازے پر جم گیا۔

"ارے بوند آئی.... مجھے ہٹاؤ.... ہٹاؤ یہاں سے۔" اندر سے پھر آواز آئی۔

"ہم اندر جائیں گے۔" لڑکی مٹھی باندھ کر ہاتھ جھٹکتی ہوئی بولی۔

"صرف آپ جا سکتی ہیں محترمہ۔"

فریدی بڑی توجہ سے دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔

"اچھا....!" لڑکی نے غصیلی آواز میں کہا اور کمرے میں گھستی چلی گئی۔ فریدی اور حمید

وہیں کھڑے رہے۔

دفعتاً حمید نے اس آدمی کو مخاطب کر کے کہا۔ "ہمارے وقت کی بربادی اس عمارت پر تباہی بھی لا سکتی ہے۔"

فریدی نے اُسے حیرت سے دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔ اس آدمی کی پیشانی پر پھر سلوٹیں ابھریں اور اس نے آہستہ سے کہا۔ "میں نہیں سمجھا۔"

"کوئی بات نہیں۔" فریدی مسکرایا "غالباً صاحب زادی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ شاید میں ان کے دادا جان کی علالت کے سلسلے میں کچھ کر سکوں۔"

"اوہ.... کیا آپ ڈاکٹر ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"نہیں...." فریدی نے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا اور پھر اس کی طرف اپنا وزیٹنگ کارڈ بڑھاتا ہوا بولا۔ "آپ کا سر فیاض سے کیا تعلق ہے۔"

"میں ان کا پرائیویٹ سیکریٹری ہوں جناب۔" اس نے کارڈ پر نظر جماتے ہوئے کہا۔ "مگر جناب مجھے حیرت ہے کہ محترمہ شکیلہ نے آپ کو کیوں تکلیف دی۔"

فریدی نے پھر حمید کے ہونٹوں پر وہی غصہ دلانے والی مسکراہٹ دیکھی۔

اتنے میں لڑکی بھی واپس آ گئی، اس کے چہرے پر جھلاہٹ اور مایوسی کے ملے جلے آثار تھے۔

"انہیں نیند آ گئی ہے۔" اس نے فریدی سے کہا۔

"ہم ہمیشہ جاگتے رہتے ہیں۔ پھر کبھی آئیے گا۔" فریدی بولا۔

"میں کیا بتاؤں۔ مجھے یقین ہے۔" لڑکی نے کچھ اور بھی کہنا چاہا لیکن فریدی واپس جانے کے لئے مڑ چکا تھا۔

وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتی رہی۔ حمید دونوں کے پیچھے تھا۔

لڑکی کہہ رہی تھی۔ "مجھے یقین ہے کہ دادا جان کی علالت قدرتی نہیں ہے۔ وہ کسی چکر میں پھنس گئے ہیں۔"

"کس چکر میں۔" فریدی نے اس کی طرف دیکھے بغیر سوال کیا۔

"اگر مجھے یہی معلوم ہوتا تو آپ کو اس طرح کیوں تکلیف دیتی۔"

دفعتاً حمید بولا۔ "کیا آپ کو وہ بھکارن یاد ہے محترمہ شکیلہ جو ایک رات اپنے ساتھ ایک نوجوان خوانچہ فروش کو ہارون الرشید کے محل میں لے گئی تھی اور دوسری صبح وہ خوانچہ والا شہر میں اپنے لئے ایک دوکان تلاش کرتا پھر رہا تھا۔"

لڑکی چلتے چلتے رک گئی۔ اس نے حمید کو نیچے سے اوپر تک دیکھا اور پھر مسکرا کر بولی۔ "آپ کو اس کا علم کیسے ہوا۔"

فریدی بھی رک گیا۔ وہ حمید کو گھور تا رہا تھا۔

"مگر شکیلہ صاحبہ!" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ "نہ ہم خوانچہ فروش ہیں اور نہ ہمیں کسی ہارون الرشید کا دربار متحیر کر سکتا ہے۔ آپ نے ہمارا بہت قیمتی وقت برباد کرایا ہے۔ اُسے ہمیشہ یاد رکھئے گا۔"

بندر کا تعاقب

لڑکی کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں، اس نے مسکرانے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔

فریدی اُسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"دو.... دیکھئے.... آپ غلط سمجھے۔" لڑکی ہانپتی ہوئی بولی۔ "میں سنجیدہ ہوں۔"

"سنجیدگی ہی کسی مذاق میں جان ڈالتی ہے۔" حمید کے لہجے کی خشکی بدستور برقرار تھی۔

"یہ مذاق نہیں تھا۔ آپ یقین کیجئے۔"

حمید فریدی کی طرف فاتحانہ انداز میں دیکھ کر مسکرایا۔ "لیکن فریدی نے اس سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ وہ دونوں چلتے چلتے رک کیوں گئے ہیں۔"

"یہ مذاق نہیں تھا۔ میں بھی سمجھتا ہوں۔" حمید نے کہا۔ "پھر.... اب آپ کیا چاہتی ہیں۔"

"میں معذرت کرنا چاہتی ہوں۔" لڑکی نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ "ہو سکتا ہے میں غلطی ہی پر ہوں۔"

"ضروری نہیں کہ آپ غلطی ہی پر ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "میں ہر وقت اس کیس پر ہمدردی سے غور کر سکتا ہوں۔"

"تو آپ اسے کیس تسلیم کرتے ہیں۔" لڑکی جلدی سے بولی۔

"ممکن ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ہاں وہ سفید کشتی فن آئی لینڈ کے کس ساحل پر دیکھی تھی آپ نے۔"

حمید سفید کشتی کے تذکرے پر فریدی کو گھورنے لگا۔

"جی ہاں۔"

"آپ کا کیا خیال ہے.... کیا وہ کسی بحری فوج سے متعلق تھی۔"

"میں نے اس پر اس قسم کا کوئی نشان نہیں دیکھا جسکی بناء پر اسے بحری فوج کی کشتی سمجھ سکتی۔"

"کیا وہ آپ کی لانچ سے بڑی تھی۔"

"جی ہاں.... وہ ہماری لانچ سے چار گناہ زیادہ بڑی رہی ہو گی۔"

"بادبانی کشتی؟"

"جی نہیں.... اس میں موٹر ہی تھا.... اوہ.... ہم یہاں کھڑے کیوں ہیں۔ اسٹڈی میں چلئے۔"

"نہیں.... شکریہ۔" فریدی نے کہا۔ "آپ کی لانچ اس وقت کہاں ہو گی۔"

"وہ ساحل ہی پر رہتی ہے۔ اس وقت بھی ہو گی۔ کرائے پر چلنے والی لانچ نہیں ہے۔"

"کیا آپ فن آئی لینڈ تک چل سکیں گی۔ میں وہ جگہ دیکھنا چاہتا ہوں جہاں آپ کو سفید کشتی نظر آئی تھی۔"

"میں ضرور چلوں گی۔"

"تو آیئے۔"

حمید متحیر تھا۔ اُسے علم تھا کہ فریدی عرصہ سے کسی سفید کشتی کی فکر میں ہے، لیکن یہاں اس کا تذکرہ کیا معنی رکھتا تھا۔ اُسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ گھر پر اُن دونوں میں کس مسئلے پر گفتگو ہوئی تھی، کیونکہ وہ تو اپنے بکرے سمیت وہاں سے ٹل ہی گیا تھا۔

وہ عمارت سے باہر آئے۔ فریدی نے لڑکی سے کہا۔ "میری ہی گاڑی میں چلئے۔ میں آپ کا یہاں چھوڑ جاؤں گا۔"

حمید کی حیرت لحظہ بہ لحظہ بڑھتی جا رہی تھی۔ لڑکی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ حمید فریدی کے ساتھ ہی بیٹھا اور کاربندرگاہ کی طرف روانہ ہو گئی۔

"کیا سر فیاض کا سیکریٹری ان کے معاملات میں بہت زیادہ دخیل ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"بہت زیادہ....!" لڑکی نے جواب دیا۔

"یہ کتنے دنوں سے ان کی ملازمت میں ہے۔"

"تین سال سے۔ مگر آپکو یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ انکے معاملات میں بہت زیادہ دخیل ہے۔"

"یہ میرا اندازہ ہے۔"

"کمال ہے۔" لڑکی نے حیرت ظاہر کی۔

"ارون لاج میں سر فیاض کے کتنے اعزہ رہتے ہیں۔"

"میں ہوں۔ میری ممی اور ڈیڈی۔ میری دو چھوٹی بہنیں۔"

"مگر مجھے حیرت ہے کہ سر فیاض کی تیمارداری صرف سیکریٹری کو کرنی پڑتی ہے۔"

"دادا جان بیچارے بہت سیدھے آدمی ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ مردود انہیں بلیک میل کر رہا ہے۔"

"کیا مطلب۔"

"انداز کچھ ایسا ہی ہے۔" لڑکی طویل سانس لے کر بولی۔ "وہ ان پر چھایا ہوا ہے۔ آخر اس کی کوئی وجہ بھی تو ہونی چاہئے۔ وہ حقیقتاً اس سے خائف رہتے ہیں۔ خود انہوں نے گھر بھر کو تاکید کر رکھی ہے کہ مخدوم کے معاملات میں کوئی دخل نہ دے۔ مخدوم اس کا نام ہے۔"

"اوہو.... تب تو واقعی آپ کا خیال درست بھی ہو سکتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"آپ مجھے بہت ذہین معلوم ہوتی ہیں۔"

لڑکی کچھ نہ بولی اور حمید ہولے ہولے کراہنے لگا۔ فریدی نے اُسے گھور کر دیکھا لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

"انہیں سب وجوہات کی بناء پر میں نے آپ کو تکلیف دی تھی۔"

"کیا اس دن لانچ پر آپ لوگوں کے ساتھ سیکریٹری بھی تھا۔"

"جی ہاں.... وہ بھی تھا۔"

"یہ تو آپ جانتی ہی ہوں گی کہ وہ کہاں رہتا ہے۔"

"ہمیشہ ارون لاج ہی میں رہتا ہے۔ اس تین سال کے عرصے میں میں نے اُسے کبھی چھٹی لیتے بھی نہیں دیکھا۔ اس کے متعلق کوئی کچھ نہیں جانتا۔"

"آپ کے متعلق بھی تو کوئی کچھ نہیں جانتا۔" حمید بول پڑا۔

"دیکھئے آپ نہ جانے کیا سمجھ رہے ہیں۔ ان معاملات کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔"

"کن معاملات کا۔" فریدی نے پوچھا اور لڑکی ہنسنے لگی۔

"یہ معاملات آپ کی سمجھ میں نہیں آئیں گے۔" حمید نے منہ بنا کر خشک لہجے میں کہا۔

فریدی نے پھر کچھ نہیں پوچھا۔ شائد وہ اس لڑکی کی موجودگی میں حمید سے نہیں الجھنا چاہتا تھا۔

کاربندرگاہ کے علاقے میں داخل ہو رہی تھی۔

"مغربی گوشے کی طرف چلئے۔" لڑکی نے کہا۔ "ہماری لانچ اُدھر ہی رہتی ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ کشتی بان موجود ہی مل جائے۔"

"کوئی دوسرا لانچ لے لیں گے۔" فریدی نے کہا۔

"مگر کیا یہ ضروری ہے کہ وہ سفید کشتی اس وقت بھی ہمیں وہاں موجود مل جائے۔" نے کہا۔

"نہیں.... ضروری نہیں ہے۔ میں تو صرف وہ جگہ دیکھنا چاہتا ہوں جہاں وہ اس دن آئی تھی۔"

"ہاں.... یہ بھی اپنی یادداشت کی مدد سے بتا سکوں گی۔"

فن آئی لینڈ ساحل سے تقریباً چار میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ یہ چھوٹا سا جزیرہ دراصل ایک عمدہ تفریح گاہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ شہری لوگ یہاں آؤٹنگ کے لئے آتے تھے۔ اس رونق کیلئے کوئی دن مخصوص نہیں تھا۔ تقریباً روز ہی یہاں شہری مصروفیتوں سے اکتائے ہوئے لوگوں کے جم غفیر نظر آتے تھے۔

وہ تینوں ایک لانچ میں بیٹھ کر فن آئی لینڈ کے لئے روانہ ہوگئے۔

"آپ کس ایئر میں پڑھتی ہیں۔" فریدی لڑکی سے پوچھ رہا تھا۔

"سیکنڈ ایئر میں۔ دراصل مجھے پڑھنے سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔"

"پھر کیوں وقت برباد کر رہی ہیں۔" حمید نے کہا۔

"وقت گزارنے کے لئے کوئی دوسرا ذریعہ ابھی تک ہاتھ نہیں آیا۔"

"آپ مجھ سے ملی ہوتیں۔" حمید نے تشویش کن لہجے میں کہا۔ "میں اب تک درجنوں کا پار کر چکا ہوں۔"

"کیا مطلب۔"

"اوہ.... کچھ نہیں.... بس سماجی خدمت.... ماحول سے اکتائی ہوئی لڑکیوں کو راہ راست پر لگا دیتا ہوں۔"

"میں ماحول سے اکتائی نہیں ہوں۔"

"تب تو پھر ٹھیک ہے۔"

"آپ اکثر یہاں آتی رہتی ہوں گی۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"اس سے پہلے کبھی آپ کو وہاں وہ کشتی نظر آئی تھی۔"

"اس کے متعلق وثوق سے نہیں کہہ سکتی۔ وہ تو اُس دن واقعہ ہی ایسا پیش آیا تھا کہ وہ کشتی

میرے ذہن میں محفوظ ہوگئی۔ ورنہ کتنی ہی کشتیاں نظروں سے گذرتی رہتی ہیں۔"

حمید کشتی کے تذکرے سے اکتا گیا تھا۔

"یہ مذاق کتنی دیر میں ختم ہوگا شکیلہ صاحبہ۔" اس نے کھردرے لہجے میں پوچھا۔

"میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں کہ یہ مذاق نہیں ہے۔"

"تم بہت دیر سے کسی مذاق کا تذکرہ کر رہے ہو۔" فریدی بولا۔

"الف لیلیٰ کی داستان ہے۔" حمید نے کہا اور لڑکی ہنسنے لگی۔ چند لمحے خاموش رہی پھر حمید بولا۔ "سردیوں کی ایک رات تھی۔ کوئنس روڈ پر ایک خوانچے والا موگ پھلی بیچ رہا تھا کہ نوجوان بھکارن اس کے قریب آئی۔ بھکارن بڑی خوبصورت تھی۔ اس کے ہونٹ گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح نازک تھے اور آنکھوں سے ستارے جھانکتے تھے۔"

"فضول باتیں۔" لڑکی نے ہاتھ اٹھا کر شرمیلے انداز میں کہا۔

حمید فریدی کو آنکھ مار کر مسکراتا ہوا بولا۔ "بھکارن خوف زدہ تھی۔ اس نے خوانچے والے سے کہا کہ وہ اسے اس کے ٹھکانے تک پہنچا دے کیونکہ اسے ایک آدمی کی طرف سے خطرہ ہے۔ خوانچے والے کی رال ٹپک پڑی۔"

"آپ پھر بے کار باتیں کرنے لگے۔" لڑکی نے غصیلے انداز میں کہا۔

"بہرحال وہ خوانچے والا اسے اس کے گھر تک پہنچانے پر آمادہ ہوگیا۔ مگر جب وہ عظیم الشان عمارت کے سامنے پہنچا تو اس کے قدم رکنے لگے۔ لڑکی نے اس سے کہا کہ اس کی اندھی ماں اسی کمپاؤنڈ میں ایک جھونپڑی میں رہتی ہے۔ مالک مکان ایک شریف آدمی ہے، جس نے رحم کھا کر رہنے کو جگہ دے دی ہے۔ خوانچے والے کو اطمینان نہ ہوا۔ اس کی جیب میں دن بھر کے کمائے ہوئے تین چار روپے تھے وہ سوچنے لگا کہ کہیں یہ کسی بدمعاش کی کارندہ نہ ہو۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتا۔ دو تین آدمی اس پر ٹوٹ پڑے۔"

فریدی بہت زیادہ توجہ اور دلچسپی سے سن رہا تھا۔ اس نے ایک بار لڑکی پر اچٹتی سی نظر ڈالی اور پھر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

حمید پائپ کے دو تین کش لے کر بولا۔ "تھوڑی ہی دیر بعد اس نے خود کو ایک بہت بڑے کمرے میں پایا جہاں قرون وسطیٰ کے کسی شہنشاہ کی سی محفل گرم تھی۔ ناچ ہو رہا تھا اور دو رویہ چند لوگ بیٹھے سر دھن رہے تھے، جیسے ہی وہ وہاں پہنچا تخت پر بیٹھے ہوئے شہنشاہ نے ناچ رکوا دیا اور بولا۔ ارے یہ باختر کا شہزادہ کہاں سے آگیا۔ غرضیکہ اس بیچارے نے ایک الف لیلوی رات

گذار دی۔ بہترین قسم کے کھانے کھائے۔ عہد قدیم کا قیمتی لباس پہنا اور جب صبح ہونے کو آئی
اس کی اچھی طرح مرمت کرنے کے بعد اسے پانچ ہزار روپے دیئے گئے اور مونگ پھلیوں کا خو
ضبط کر لیا گیا۔ دو دن تک تو وہ تقریباً نیم دیوانہ سا رہا پھر جب اُسے یقین آ گیا کہ وہ پانچ ہزار ا
ہیں تو اس نے اپنے نئے بزنس کی بنیاد ڈالی اور اب وہ شہر کے بڑے جنرل مرچنٹس میں سے ہے۔
لڑکی ہنستی رہی پھر بولی۔ "کسی زمانے میں ہماری تفریحات کچھ اسی قسم کی ہوا کرتی تھیں
یہاں ایک نہیں کئی تاجر ہماری تفریحات ہی کی بناء پر اپنی موجودہ حیثیت بنا سکے ہیں۔ اوہو
کتنی دلچسپ چیز ہوتی تھی ان لوگوں کی بوکھلاہٹ ان میں سے کئی لوگوں کو تو میں نے اپنے جسم
میں بار بار چٹکیاں لیتے بھی دیکھا تھا۔ جیسے انہیں اپنی بیداری پر یقین ہی نہ ہو۔"

وہ ہنستی رہی اور حمید بُرا سا منہ بنائے بیٹھا رہا پھر بولا۔ "مجھے تو اس وقت علم ہوا جب آ
لوگ اپنے یہ طریقہ تفریح ترک کر چکے ہیں۔ ورنہ ایک ہی رات زندگی بھر کے لئے کافی ہوتی

"کیا ہماری یہ حرکتیں غیر قانونی تھیں۔" لڑکی نے فریدی سے پوچھا۔

فریدی نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "مگر آپ لوگوں کے خلاف کیس ضرور بن
تھا۔ بشرطیکہ تفریح کا شکار ہونے والا کوئی آدمی اس پر تیار ہو جاتا۔"

لڑکی نے اس جملے کی وضاحت نہیں چاہی۔ غالباً وہ اس مسئلے پر فریدی سے متفق تھی۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔ "آج تک ایسی کوئی مثال میری نظروں سے
گزری جب کسی دادا نے اپنی تفریح کے لئے پوتی کو استعمال کیا ہو۔"

"آج تک میں نے کوئی ایسا پڑھا لکھا آدمی نہیں دیکھا، جو بکروں سے دل بہلاتا ہو۔"
نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "گو مجھے کیپٹن حمید صاحب سے ملنے کا شرف پہلے کبھی نہیں حاصل
لیکن ان کے متعلق میری معلومات وسیع ہیں۔"

"ہیں نا....!" حمید چہک کر بولا۔ "پھر آپ خود ہی سمجھتی ہوں گی کہ کیپٹن حمید کو بیوق
بنانے کا انجام کیا ہو سکتا ہے۔"

"کیا آپ لوگوں کو اب تک یہی شبہ ہے کہ میں آپ کا وقت برباد کر رہی ہوں۔"

"ایسے حالات میں شبہ ہو بھی سکتا ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "ہو سکتا ہے یہ بھی
رومانٹک ڈرامہ ہو۔"

"میں کس طرح یقین دلاؤں۔" لڑکی نے بے بسی سے کہا۔ پھر کچھ دیر بعد بولی۔

"آپ ان ڈاکٹروں سے معلوم کر سکتے ہیں جو دادا جان کا علاج کر رہے ہیں۔ کیا کرنل رح

غیر سنجیدہ آدمی ہیں۔ کیا ڈاکٹر مکرجی ہمارے کسی مذاق میں شریک ہو سکتے ہیں.... کیا ڈاکٹر۔"

"اوہ....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں نے صرف خیال ظاہر کیا تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ میرا خیال درست ہی ہو۔"

"آپ مجھے بتائیے کہ فی الحال کون سی مہم درپیش ہے۔" حمید نے فریدی سے کہا۔ "پھر میں فیصلہ کر سکوں گا کہ اصلیت کیا ہے۔"

فریدی نے کم از کم الفاظ میں لڑکی کی داستان دہرائی اور پھر بولا۔ "فی الحال تم کوئی فیصلہ نہ کر سکو گے۔"

"کیوں نہ کر سکوں گا۔ یہ داستان بھی کسی جاسوسی ناول کا پلاٹ معلوم ہوتی ہے۔"

"جاسوسی ناولوں کے پلاٹ بھی انسانی ذہن کی پیداوار ہوتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"میں تو یقین نہیں کر سکتا۔ آپ کیجئے۔" حمید بولا۔

"میرا خیال ہے کہ آپکے یقین یا بے یقینی کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔" لڑکی چڑھ کر بولی۔

"کیا؟ یہ آپ مجھ سے کہہ رہی ہیں۔ یعنی کیپٹن حمید سے۔"

"جی ہاں آپ سے کہہ رہی ہوں۔"

"اوہو.... ہم پہنچ گئے۔" فریدی بولا۔

وہ فن آئی لینڈ سے بہت قریب تھے۔ فریدی نے لڑکی سے کہا۔ "اب آپ بتائیے لانچ کدھر لڑی کی جائے۔ میں صرف وہ جگہ دیکھنا چاہتا ہوں جہاں آپ کو سفید کشتی نظر آئی تھی۔"

لانچ کی رفتار بہت سست ہو گئی۔ لڑکی کے اشارے پر لانچ کا رخ موڑا گیا اور پھر لڑکی کے بیان کے مطابق لانچ ٹھیک اسی جگہ پر رک گئی جہاں اس نے سفید کشتی دیکھی تھی۔

وہ لانچ سے اتر گئے۔ جزیرہ بناوٹ کے اعتبار سے کسی پہاڑی علاقے کا ایک ٹکڑا معلوم ہوتا تھا۔ کہیں غار تھے اور کہیں اونچے اونچے ٹیلے۔ جہاں کہیں بھی مسطح زمین ملی تھی، عمارتیں بنا دی گئی تھیں۔ پارک اور باغات ترتیب دیئے گئے تھے، اکثر بار بردار جہازی کمپنیوں کے دفاتر بھی یہیں تھے۔

اچانک حمید نے فریدی کو ایک جانب نشیب میں تیزی سے اترتے دیکھا اور قبل اس کے حمید آگے بڑھتا وہ نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے وہ نشیب کے کسی غار میں جا گرا ہو۔ حمید کے پیچھے لڑکی بھی دوڑی اور بدستور دوڑتی رہی پھر وہ مسطح زمین پر پہنچ گئے لیکن فریدی کا کہیں پتہ نہ تھا۔

حمید نے ان غاروں کی طرف دیکھا جنہیں وہ اوپر چھوڑ آیا تھا لیکن آخر فریدی ان غاروں

میں کیوں اترنے لگا۔ حمید آج پہلی بار یہاں نہیں آیا تھا۔ پورا جزیرہ اس کا دیکھا ہوا تھا۔ اُسے
کہ یہ غار سانپوں اور دوسرے زہریلے کیڑوں مکوڑوں سے پُر ہیں۔

"کیا فریدی صاحب کو بندروں سے اتنی ہی دلچسپی ہے۔" لڑکی نے پوچھا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔

"وہ ایک بندر کے پیچھے دوڑے تھے۔"

"دیکھئے.... میں ایسے مواقع پر مذاق نہیں پسند کرتا۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"ارے.... آپ کو ہو کیا گیا ہے آخر۔ یہاں جو بات بھی زبان سے نکلی۔ مذاق مذا
سمجھتے ہیں آپ۔ میں دن رات مذاق ہی کیا کرتی ہوں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ حالانکہ اس جزیرے میں بندروں کی کثرت تھی۔ لیکن ابھی اس وقت
قریب و جوار میں ایک بھی بندر نہیں نظر آیا تھا۔ بندر عموماً کناروں سے دور ہی دور رہتے
سوچ میں پڑ گیا لڑکی متجسسانہ نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔

"آپ کس کے مشورہ پر ہم لوگوں کے پاس آئی تھیں۔" حمید نے پوچھا۔

"میں نے کسی سے مشورہ نہیں لیا تھا۔" لڑکی نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔ "آخر
میری بات پر یقین کیوں نہیں آتا۔ کیا آپ کی تفریحات عام آدمیوں کی تفریحات سے
نہیں ہوتیں۔ پھر آپ ایک ذمہ دار آفیسر کیوں ہیں۔ آپ کا محکمہ آپ پر کیسے اعتماد کر
آدمی اپنی زندگی کے ہر لمحہ میں تو غیر سنجیدہ نہیں رہتا۔"

"میری بات الگ ہے۔" حمید نے سر ہلا کر کہا۔ "مجھے بچپن ہی میں پاگل کتے نے کاٹا تھ

"اب کیا یہ بات آپ سنجیدگی سے کہہ رہے ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس لڑکی کے ساتھ وقت اچھا گزر سکتا ہے۔ اُسے
کے دادا کی پراسرار علالت سے دلچسپی تھی اور نہ اس سفید کشتی سے جس کے لئے فرید
تک آیا تھا البتہ اگر لڑکی کا بیان درست تھا تو وہ اس بندر میں ضرور دلچسپی لے سکتا تھا جس
فریدی نے دوڑ لگائی تھی۔

"آپ نے کچھ دیر پہلے میرے بکرے کا تذکرہ بہت بدتمیزی سے کیا تھا۔" حمید نے
آواز میں کہا۔

"آپ شائد مجھ سے جھگڑا کرنا چاہتے ہیں۔" لڑکی مسکرائی۔ "لڑنا جھگڑنا میرا محبوب مشغل
"آپ اس وقت دنیا کی ساری عورتوں کی نمائندگی کر رہی ہیں۔"

"اوہ.... وہ....!" دفعتاً لڑکی نے چونک کر ایک طرف اشارہ کیا۔ حمید ادھر دیکھنے لگا۔ اوپر
ے ایک غار سے فریدی باہر آرہا تھا۔ وہ جلد ہی ان تک پہنچ گیا۔

"مجھے افسوس ہے۔" اس نے لڑکی سے کہا۔ "میں اپنا وعدہ پورا نہ کر سکوں گا۔ اگر آپ واپس
لی جائیں تو بہتر ہے۔ ویسے اگر آپ چاہیں تو میری کار استعمال کر سکتی ہیں۔ میں واپسی پر اُسے
ون لاج سے لے لوں گا۔"

ننھا آدمی

لڑکی خاموش رہی۔ اس نے کچھ کہنے کیلئے ہونٹ ضرور ہلائے تھے لیکن پھر چپ ہی رہی تھی۔

"پھر آپ نے وعدہ کیوں کیا تھا۔" حمید نے کچھ اس انداز میں کہا جیسے اس وعدہ خلافی کی بناء
لاکھوں کا نقصان ہو گیا ہو۔

"کوئی بات نہیں ہے جناب۔" لڑکی جلدی سے بولی۔ "میں تنہا چلی جاؤں گی۔ آپ کی گاڑی
لے جانے کی بھی ضرورت نہیں۔ میں ساحل سے ٹیکسی کر لوں گی۔ مگر آپ شائد کسی بندر کے
پیچھے دوڑے تھے۔"

"ہاں....!" فریدی ہنسنے لگا۔ "مجھے بندر بہت اچھے لگتے ہیں۔"

"کیا؟" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"بندر.... بس....!" فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"میرے خیال میں یہ وہی بڑا بندر تھا جسے لوگوں نے اکثر سگریٹ پیتے بھی دیکھا ہے۔" لڑکی بولی۔

"میں نے تو سنا ہے کہ وہ یونیورسٹی سے فلسفے کی کلاس بھی لیتا ہے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

فریدی چند لمحے حمید کو گھورتا رہا پھر بولا۔ "تم انہیں ارون لاج چھوڑ کر گھر چلے جانا۔"

"اور اگر میں ان کے ساتھ ارون لاج ہی میں رہ جاؤں تو آپ کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"اعتراض مجھے ہونا چاہئے۔" لڑکی ہنسنے لگی۔ "کرنل صاحب کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"بس جاؤ۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

وہ دونوں چل پڑے۔ فریدی وہیں رہا اوپر پہنچ کر حمید نے کہا۔ "یہاں کے ریستوران میں
سینگے بہت اچھے فرائی کئے جاتے ہیں۔"

"جھینگے مجھے بالکل اچھے نہیں لگتے۔"

"تو پھر ایک ایسا ہوٹل بھی ہے یہاں جہاں بھینس مسلم بھی مل جائے گی۔"

"میں صرف کافی پینا چاہتی ہوں۔"

"تو پھر آیئے۔ مجھے یہ جزیرہ بہت پسند ہے۔ اگر یہاں زمین مل سکتی تو ایک چھوٹا بنگلہ کراتا۔"

"کاش مجھے یہاں ایک قبر ہی زمین مل سکتی۔ مجھے بھی یہ جزیرہ بہت پسند ہے۔"

"آپ کس عمر میں مرنا پسند کریں گی۔"

"جس عمر میں بھی کوئی ایسا ساتھی مل گیا جو میرے ساتھ ہی مرنا پسند کرے ورنہ دنیا کی تنہائی مجھے کھا جائے گی۔ اب آج کل میں بہت شدت سے بور ہوں۔"

"کیوں بور ہیں؟"

"دادا جان کی علالت۔ ہم دونوں بہترین ساتھی تھے۔"

"ایسے سعادت مند داداؤں سے مل کر بڑی خوشی ہوتی ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے

"میرا دادا تو بڑا خونخوار آدمی تھا۔ پتہ نہیں جنت میں فرشتوں سے اس کی کیسے بنتی ہوگی۔"

"اوہو....! آپ بڑے بے درد آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ مرے ہوئے لوگوں کا تذکرہ طرح نہیں کرتے۔"

"میں مجبور ہوں۔ اس دادا کی وجہ سے میری زندگی برباد ہوگئی۔"

"کیوں....؟"

"کچھ نہیں۔ وہ خود فوج میں جمعدار تھا۔ جب میں بی۔اے کر چکا تو مجھے کمیشن دلو دوسری جنگ عظیم کا زمانہ تھا لیکن جنگ چھ ماہ سے زیادہ نہ چل سکی۔ پھر میں نہیں جانتا کہ مجھ سے محکمہ سراغ رسانی میں کیوں دھکیل دیا گیا۔"

"اوہ.... تو آپ کو یہ زندگی پسند نہیں۔"

"قطعی نہیں....!"

"حالانکہ کسی دوسرے شعبے میں آپ اتنی شہرت نہیں حاصل کر سکتے تھے۔"

"خیال ہے.... آپ کا.... اگر مجھے لڑکیوں کا سپہ سالار بنا دیا جائے تو میں ساری دنیا غرق کر سکتا ہوں۔ پھر اس شہرت کا کیا پوچھنا۔"

وہ ایک ریستوران میں داخل ہوئے۔ حمید نے جھینگوں اور کافی کا آرڈر دیا۔

بیٹھتے ہی پچھلا تذکرہ پھر چھڑ گیا۔

"یہ کرنل فریدی کس طرح آئے تھے اس محکمے میں۔ کیا وہ بھی فوج میں تھے۔"

"یہ دماغی فتور کا نتیجہ ہے۔ آکسفورڈ سے ایم اے کیا۔ کرمنالوجی پر عرصہ تک تحقیق کرتے ہے۔ کچھ دن لیبورٹری ورک بھی کیا اور اس کے بعد تھانیدار ہو گئے.... خدا کی پناہ۔"

"تھانے دار ہو گئے کیا مطلب....!"

"پولیس ٹریننگ میں چلے گئے جس کے لئے ہمارے میٹرک پاس نوجوان بے تاب رہا کرتے ، بہر حال کچھ دن تھانے دار رہے پھر محکمہ سراغ رسانی میں چلے آئے۔ اس وقت سے اب تک ں ہیں اور مرنے کے بعد شاید دفتر ہی کے کسی حصے میں دفن کر دیئے جائیں۔"

"بیوی بچے کیوں نہیں ہیں۔"

"ہاں....!" حمید ایک طویل انگڑائی لے کر بولا۔ "اس سوال کا جواب ذرا مشکل ہے۔" وہ سکوڑ کر مسکرایا۔ پھر آگے جھک کر آہستہ سے بولا۔ "بچے اس لئے نہیں ہیں کہ بیوی نہیں ۔ بیوی کیوں نہیں ہے اس کا جواب وہ خود ہی دے سکیں گے۔"

"آپ اپنی کہئے۔" لڑکی مسکرائی۔

"میں....!" حمید نے ایک طویل سانس لی اور دردناک آواز میں بڑبڑایا۔ "ایک ایسے آدمی کے لنٹ سے کون شادی کرے گا جو بندر پکڑنے دوڑتا ہو۔"

اس کے لہجے پر لڑکی بے ساختہ ہنس پڑی پھر بولی۔ "مجھے خود بھی حیرت ہے کہ فریدی ب اس بندر کے پیچھے کیوں دوڑے تھے انداز بالکل ایسا ہی تھا جیسے وہ اسے پکڑنا چاہتے ہوں۔"

"بس یہی باتیں ہیں جن کی بناء پر کوئی لڑکی مجھ سے شادی کرنے پر آمادہ نہیں ہوئی۔ مگر .... آپ نے اس بندر کے متعلق کچھ کہا تھا شاید یہی کہ وہ سگریٹ بھی پیتا ہے۔"

"جی ہاں.... میں اُسے یہاں کئی بار دیکھ چکی ہوں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ بہت پرانا بندر ۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا قد چار فٹ سے بھی زیادہ ہو۔ معمولی بندروں سے بہت بڑا۔ لوگ اُسے نے کو دیتے ہیں اور وہ سگریٹ بھی پیتا ہے۔ اکثر اشارے سے سگریٹ مانگتا ہے۔"

"میں بھی اکثر یہاں آیا ہوں۔ لیکن ایسا کوئی بندر مجھے نہیں دکھائی دیا۔"

"ابھی کچھ ہی دنوں سے دکھائی دینے لگا ہے۔ مشہور ہے کہ وہ کسی جہاز سے اس جزیرے میں آیا تھا۔"

حمید کچھ سوچنے لگا۔ لڑکی اسے غور سے دیکھ رہی تھی، اتنے میں ویٹر طلب کی ہوئی چیزیں

میز پر لگانے لگا۔ اس کے چلے جانے پر لڑکی بولی۔

"میں نے آج تک جھینگے نہیں کھائے۔"

"آج کھا کر دیکھو۔ بعض لوگ جھینگوں سے نفرت کرتے ہیں مگر وہی لوگ بکروں اور جھڑیاں تک کھا جاتے ہیں۔"

"میں نہیں کھاؤں گی۔ میں گوشت بہت کم کھاتی ہوں۔"

"یہ بڑی اچھی عادت ہے.... خیر ہاں.... کچھ نہیں.... دراصل میں ابھی تک یہی سوچ سکا کہ ہمیں کس قسم کی گفتگو کرنی چاہئے۔"

"اسی قسم کی گفتگو کہ اگر آپ کو لڑکیوں کا سپہ سالار بنادیا جائے تو آپ ساری دنیا کا بیڑہ غ کردیں۔ آپ بیٹھے کیوں ہیں.... کافی بنائیے۔"

"میں نے آج تک کسی لڑکی کے لئے یہ نہیں کیا۔"

"میں لڑکا ہوں۔"

"وہ تو میں شروع ہی سے محسوس کر رہا ہوں۔ لیکن کافی آپ ہی کو بنانی پڑے گی۔"

"میرا نام شکیلہ ہے حمید صاحب۔"

"صورت بھی ایسی ہی ہے۔ اتنی حسین آنکھیں میں نے آج تک نہیں دیکھیں۔"

"مجھے اس قسم کی شاعرانہ باتوں سے دلچسپی نہیں ہے۔"

حمید خاموشی سے جھینگے کھاتا رہا اور کافی ٹھنڈی ہوگئی۔ شکیلہ کو شاید اس کی اس حرکت غصہ آرہا تھا لیکن وہ کچھ بولی نہیں۔ ویسے اس کے چہرے پر اچھے آثار نہیں تھے۔

"شام بھی یہیں گذارنے کو دل چاہتا ہے۔" حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔

میں تو اب جاؤں گی۔"

"آپ جاسکتی ہیں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

اور شکیلہ سچ مچ اٹھ گئی۔ حمید اسے باہر جاتے دیکھتا رہا۔ اس نے کافی نہیں پی تھی۔ نظروں سے اوجھل ہوگئی تو حمید نے ویٹر کو بلا کر دوسری کافی لانے کو کہا۔

پہلے اس کا ارادہ تھا کہ شکیلہ کے ساتھ ہی شہر واپس جائے گا مگر اب اس بندر کے نے اسے رکنے پر مجبور کردیا تھا۔ ظاہر ہے کہ فریدی اسی بندر کے لئے یہاں رک گیا تھا اور کشتی کا تو کہیں پتہ بھی نہیں تھا ان اطراف میں اسے سفید رنگ کی کوئی کشتی نہیں نظر آ سفید کشتی کا واقعہ بھی کافی پُراسرار تھا۔ ادھر تقریباً ایک ماہ سے وہ کشتی ساحل کے قرب و

دیکھی جارہی تھی اور وہ جب بھی کالا گھاٹ کے قریب سے گزرتی اس کے آدھ ہی گھنٹے بعد ایک برہنہ لاش ساحل سے آلگتی۔ اب تک کی رپورٹ یہی تھی تقریباً آٹھ لاشیں اب تک مل چکی تھیں اور آٹھوں بار وہ کشتی کالا گھاٹ کے قریب دیکھی گئی تھی۔

فریدی کو ان دنوں سفید کشتی کا میبا ہوگیا تھا۔ وہ جب بھی کسی سفید کشتی کا تذکرہ سنتا پوری طرح متوجہ ہوجاتا اور کبھی کبھی اس سلسلے میں کافی بھاگ دوڑ بھی رہتی۔ چنانچہ آج بھی ایک سفید کشتی کا تذکرہ ہی ان دونوں کو یہاں تک لایا تھا۔ مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ کسی بندر کا وجود بھی اس کشتی سے متعلق ہو۔ حمید سوچتا رہا۔ اس کے خیال کے مطابق یہ بھی ممکن تھا کہ فریدی کی توجہ بندر کی غیر معمولی جسامت نے اپنی طرف منعطف کرائی ہو۔

اس نے کافی ختم کی اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ ریستوران کے باہر کافی چہل پہل نظر آرہی تھی۔ آج اتوار ہونے کی بناء پر صبح ہی سے یہاں خاصی بھیڑ ہوگئی تھی۔

تمباکو نوشی کے بعد وہ اٹھ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا ممکن ہے فریدی واپس ہی چلا گیا ہو۔ مگر پھر خیال آیا کہ اگر جلد ہی واپسی کا امکان ہوتا تو فریدی اسے لڑکی کے ساتھ نہ جانے دیتا۔

بہرحال وہ ریستوران سے باہر نکلا اور اب وہ پھر اسی طرف جارہا تھا جہاں فریدی کو چھوڑ کر آیا تھا۔ مگر اس نے جلد ہی محسوس کرلیا کہ اس کا تعاقب کیا جارہا ہے۔ وہ ایک دبلا پتلا اور دراز قد آدمی تھا۔ حمید نے اُسے ریستوران میں بھی دیکھا تھا اس نے سوچا ممکن ہے یہ اتفاق ہو۔ مگر نہ جانے کیوں وہ اسے سرسری طور پر نہ ٹال سکا۔ وہ اس سلسلے میں اپنا اطمینان کرنا چاہتا تھا۔ اس کا اندازہ کرلینا مشکل نہیں تھا۔ حمید یونہی بے مقصد ایک طرف مڑا اور پیچھے دیکھے بغیر چلتا رہا۔

کچھ دیر بعد وہ رکا اور پتھر پر بیٹھ کر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ تعاقب کرنے والا تھوڑے ہی فاصلے پر ایک اخبار فروش سے گفتگو کرتا ہوا نظر آیا۔ حمید نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبالیا۔

اب وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی تک پہنچنے کا خیال ترک کردینا چاہئے۔ پتہ نہیں یہ کیا معاملہ ہے۔ اگر فریدی نے اسے حالات سے باخبر رکھا ہوتا تو ممکن تھا کہ وہ اس وقت کسی نہ کسی طرح اس کا ہاتھ بٹاتا۔

حمید بیٹھا پائپ پیتا رہا۔ وہ آدمی بھی ایک اخبار خرید کر اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر بیٹھ گیا تھا اور اخبار کو اس طرح اٹھائے ہوئے پڑھ رہا تھا کہ حمید اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔

یہاں اس جگہ صرف وہی دونوں نہیں تھے بلکہ بہتیرے لوگ چلتے چلتے تھک کر اِدھر اُدھر بیٹھے تکان دور کررہے تھے۔ حمید نے سوچا کہ کچھ دیر یہاں ضرور بیٹھے گا۔

پھر وہ آدھے گھنٹے سے پہلے نہیں اٹھا۔ تعاقب کرنے والا بھی بدستور اسی انداز میں اخبا
پڑھتا رہا تھا۔ اٹھتے وقت حمید نے یہ نہیں دیکھا کہ وہ بھی اٹھا تھا یا نہیں، لیکن جب گھاٹ پر پہنچ کر
وہ ایک لانچ میں بیٹھنے لگا تو کنارے پر اسے وہی آدمی دکھائی دیا لیکن اس کے انداز سے یہ
نہیں ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بھی کسی لانچ میں بیٹھے گا۔

دس منٹ بعد لانچ نے کنارا چھوڑ دیا لیکن تعاقب کرنے والا بدستور کنارے ہی پر کھڑا رہا
گویا وہ اطمینان کر لینا چاہتا تھا کہ حمید جزیرے سے جا چکا ہے۔

حمید سمجھا تھا کہ شاید یہ تعاقب جاری ہی رہے گا لیکن اسے اس پر حیرت بھی نہیں تھی
ممکن ہے صرف جزیرے ہی کی حد تک اس کی موجودگی کسی کے لئے باعث تشویش رہی ہو۔

حمید آج بڑے اچھے موڈ میں تھا۔ بات دراصل یہ تھی کہ آج بہت دونوں بعد شکیلہ جیسی کسی اسمارٹ لڑکی سے ملاقات ہوئی تھی۔ ایسی لڑکیوں کی ہم نشینی گو اس کے ذہن کے باریک ترین ریشوں پر اثر انداز ہوتی تھی مگر تفریح ضرور ہو جاتی تھی اور ایسی تفریح کو وہ ہمیشہ صحت مند تفریح کا نام دیا کرتا تھا۔

لانچ سمندر کا سینہ چیرتی ہوئی آگے بڑھتی رہی۔ اس پر کئی مسافر بھی تھے۔ دو تین لڑکیاں تھیں۔ حمید نے انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کی بہت کوشش کی لیکن شاید وہ یا تو انتہائی کوڑھ مغز تھیں یا انتہائی شریف۔ آخر تھک ہار کر حمید نے ان کے ساتھ کی ایک چھوٹی بچی کو گاہے گاہے چڑھانا شروع کر دیا۔ بچی بھی جواباً اُسے منہ چڑھاتی اور کھل کھلا کر ہنس پڑتی۔

دفعتاً ایک لڑکی نے دوسری کو مخاطب کر کے بلند آواز میں کہا۔ "شکیلہ جیسی لفنگیوں کے ساتھ دیکھا جانے والا کوئی شریف آدمی نہیں ہو سکتا۔"

حمید نے اسے گھور کر دیکھا اور پھر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"اوہ.... شکیلہ....!" دوسری نے کہا۔ "تم اسے لکھ لو۔ وہ کبھی نہ کبھی جیل ضرور جائے گی۔"

"کیوں.... جیل کیوں جائے گی۔" تیسری نے پوچھا۔

"وہ ارجن پورے کے ایک گھٹیا سے مکان میں رہتی ہے لیکن کالج کار میں آتی ہے اور دیکھئے نئی کار۔"

"آوارہ ہے؟" تیسری نے سوال کیا۔

"پتہ نہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ وہ ڈاکوؤں کے کسی گروہ سے تعلق رکھتی ہے۔"

پہلی لڑکی بے ساختہ ہنس پڑی اور پھر بولی۔ "تم دونوں جھک مار رہی ہو۔"

"کیوں؟" دونوں لڑکیاں بیک وقت بولیں۔

"وہ یہاں کے بہت بڑے سرمایہ دار فیاض کی پوتی ہے۔"

"بکواس....!" دوسری لڑکی بولی۔

"تم مجھ سے زیادہ نہیں جانتیں۔" پہلی نے کہا۔

"مزید بکواس...." دوسری لڑکی مضحکہ اڑانے والے انداز میں ہنسی اور پھر بولی۔ "تم شائد افیون کھا گئی ہو۔ ارے میں نے اُسے درجنوں بار ارجن پورے کے ایک مکان سے نکلتے دیکھا ہے۔"

"ہو سکتا ہے وہاں اُس کا کوئی دوست رہتا ہو۔"

"سر فیاض کی پوتی کا دوست ارجن پورے میں رہے گا؟ شاید بھنگ پی رکھی ہے تم نے۔"

"بھنگ پینے والی کو کیا کہا جا سکتا ہے۔" تیسری لڑکی نے پوچھا۔

"بھنگن....!" دوسری لڑکی بے ساختہ ہنس پڑی۔

پہلی لڑکی نے بُرا سا منہ بنایا اور وہ دوسری طرف دیکھنے لگی۔ اس وقفے میں ایک بار اس کی نظر حمید پر بھی پڑی۔ وہ اب بھی ننھی بچی کو منہ چڑھا رہا تھا۔

"آج شام کو چلو میرے ساتھ۔" دوسری لڑکی نے کہا۔ "میں تمہیں اُسے ارجن پورے میں دکھا دوں گی۔"

"جہنم میں جھونکو۔" پہلی لڑکی جھلائے ہوئے انداز میں بولی۔ "مجھے کیا پڑی ہے کہ اس کے لئے جھک مارتی پھروں۔"

پھر لانچ ساحل سے جا لگا۔ سارے مسافر اتر گئے اور لڑکیاں مختلف راستوں پر ہو لیں۔

حمید اس لڑکی کا تعاقب کر رہا تھا جس نے شکیلہ کے متعلق خیال ظاہر کیا تھا کہ وہ ڈاکوؤں کے کسی گروہ سے تعلق رکھتی ہے۔ مقصد یہ نہیں تھا کہ حمید اس کے بیان کو صداقت کی کسوٹی پر پرکھنا چاہتا تھا۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ وہ شکیلہ کے ساتھ زیادہ وقت نہیں گزار سکا تھا۔ اس لئے چاہتا تھا کہ اتوار کا دن بے کاری میں نہ گذرے۔

ایک جگہ اس نے لڑکی کے قریب پہنچ کر کہا۔ "کیا آپ میری ایک بات سنیں گی۔"

لڑکی چونک کر مڑی اور وہیں رک گئی۔ وہ شاید اب تک اس تعاقب سے بے خبر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر خوف اور حیرت کے ملے جلے آثار نظر آ رہے تھے۔

"کیا بات ہے۔" اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"شکیلہ کے متعلق کچھ گفتگو کریں گے۔ غالباً آپ نے اُسے میرے ساتھ فن آئی لینڈ میں

دیکھا ہوگا۔"

"جی ہاں.... دیکھا تھا۔"

"یہ بہت ضروری اور اہم بات ہے یعنی کہ میرے مستقبل کا انحصار اس پر ہے۔"

"مگر میں کسی شکیلہ کو نہیں جانتی۔"

"اوہ....!" حمید کی آواز دردناک ہوگئی۔ "ابھی آپ اعتراف کر چکی ہیں کہ آپ مجھے وہاں شکیلہ کے ساتھ دیکھ چکی ہیں۔"

"اوہ.... میں کہنا چاہتی تھی کہ میں شکیلہ کے متعلق کچھ نہیں جانتی۔"

"لیکن لانچ میں آپ نے اس کے متعلق بعض بہت ہی عجیب قسم کے انکشافات کئے تھے، جو کم از کم میرے لئے دل ہلا دینے والے تھے۔"

لڑکی چند لمحے سوچتی رہی پھر بولی۔

"آپ کا شکیلہ سے کیا تعلق ہے۔"

"ارے وہ میری منگیتر ہے اور آپ کی زبانی یہ معلوم کر کے وہ ارجن پورے کے کسی مکان میں رہتی ہے میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔"

"اوہ.... واقعی آپ کو صدمہ پہنچا ہوگا۔" لڑکی نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"بہت زیادہ.... میں آپ کا مشکور ہوں گا اگر آپ مجھے تفصیل سے آگاہ کر دیں۔"

"ضرور.... ضرور.... میں جو کچھ بھی جانتی ہوں آپ کو بتاؤں گی۔"

"آیئے تو پھر کہیں چل کر بیٹھیں۔"

"کہاں۔"

"کسی ریستوران میں۔"

"نہیں.... یہ مناسب نہیں۔ اگر میرے کسی عزیز نے دیکھ لیا تو.... آپ تو جانتے ہی ہیں کہ متوسط طبقے کے لوگ کتنے تنگ نظر ہوتے ہیں۔"

"بے شک.... بے شک۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "بے حد تنگ نظر ہوتے ہیں۔ مگر میں صرف سنا ہے تجربہ نہیں ہے کیونکہ میرا تعلق متوسط طبقے سے نہیں ہے۔ اچھا خیر! اسے جانے دیجئے۔ کیوں نہ ہم کسی ٹیکسی میں بیٹھ کر شہر کے چکر لگاتے رہیں۔"

"اوہ.... مگر وہ اور زیادہ خطرناک ہوگا۔"

"کچھ بھی ہو۔ کوئی ہمیں دیکھ ہی نہ سکے گا۔ میں کھڑکی کے پردے کھینچ دوں گا۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" لڑکی کچھ سوچتی ہوئی بولی۔

تقریباً دس منٹ انتظار کرنے کے بعد انہیں ایک ٹیکسی مل گئی۔ حمید نے کھڑکیوں کے پردے کھینچ دیئے۔ ڈرائیور اسٹیئرنگ پر جھکا ہوا معنی خیز انداز میں مسکرا رہا تھا۔

ٹیکسی چل پڑی اور حمید نے پھر وہی تذکرہ چھیڑ دیا۔

"شکیلہ نے مجھے بتایا تھا کہ وہ سر فیاض کی پوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ میں بھی سر افضال کا لڑکا ہوں۔ شاید آپ نے نصیر آباد کے سر افضال کا نام سنا ہو۔ نہیں سنا خیر بہر حال ہم لوگوں کی پوزیشن بھی سر فیاض سے کسی طرح کم نہیں ہے۔"

"آپ خود بتایئے کہ آخر سر فیاض کی پوتی ارجن پورے میں کیوں رہے گی۔ میں آپ کو اس کا مکان بھی دکھا سکتی ہوں۔"

"ضرور.... ضرور.... میں آپ کا شکر گذار ہوں گا۔"

"بس اب معاملہ میری سمجھ میں آگیا۔" لڑکی سر ہلا کر بولی۔ "وہ آپ ہی جیسے بڑے آدمیوں کو پھانس کر کالج میں یہ جتاتی پھرتی ہے کہ اس کا تعلق بھی ایک بڑے گھرانے سے ہے۔ وہ آپ لوگوں کی کاریں بھی استعمال کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ آئے دن نئی نئی کاروں میں کالج آتی رہتی ہے۔"

"اوہ.... میرے خدا.... میرا سر چکرا رہا ہے۔" حمید نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر کہا۔

"اگر آپ اس کے باپ کو دیکھ لیں تو ہنستے ہنستے آپ کا برا حال ہو جائے۔"

"باپ....!" حمید نے حیرت سے کہا۔ "کیا وہ بھی وہیں ارجن پورے میں رہتا ہے۔"

"جی ہاں.... اور وہ اس کا باپ نہیں بلکہ بچہ معلوم ہوتا ہے۔"

"کیوں....؟" حمید نے حیرت سے کہا۔

"اس کا قد بہت چھوٹا ہے اور اتنا دبلا پتلا۔ ٹڈے جیسا آدمی میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ اس کے چہرے پر اتنی جھریاں ہیں کہ خدا کی پناہ لیکن اس کی آنکھیں بہت چمکدار ہیں۔"

یک بیک حمید سنبھل کر بیٹھ گیا۔ یہ تو ایک ایسے آدمی کا حلیہ بیان کر رہی تھی جس کی تلاش فریدی کو عرصہ سے ہے۔ مگر شکیلہ سے اس کا کیا تعلق؟ حمید نے ذہن میں بیک وقت ہزاروں بجلی کے پنکھے چلنے لگے۔

"دیکھئے....!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "ہمیں حقیقتاً ارجن پورے ہی کی طرف چلنا چاہئے۔ آپ مجھے وہ مکان دکھا دیجئے۔"

"چلئے۔"

حمید نے ڈرائیور سے ارجن پورے کی طرف چلنے کو کہا۔

حمید کو یاد آیا کہ اس سے ایک غلطی بھی ہو چکی ہے۔ اس نے ساحل پر اتر کر ان لڑکیوں سے تعاقب شروع کر دیا تھا اور یہ بات اس کے ذہن سے اُتر گئی تھی کہ فریدی کی کار ساحل ہی پر موجود ہے۔ فریدی نے اس سے کہا تھا کہ واپسی پر وہ کار لیتا جائے گا۔ ہو سکتا ہے فریدی نے پھر اس حصے کی طرف رخ ہی نہ کیا ہو جہاں کار چھوڑی تھی۔ حمید کی الجھن بڑھ گئی۔ آج کل شہر میں کاروں کی چوری کی وارداتیں بہت زیادہ ہو رہی تھیں۔

ارجن پورے میں پہنچ کر اس نے وہ مکان دیکھا۔ مگر اس وقت وہ باہر سے مقفل تھا۔

"میں آپ کا بہت شکر گذار ہوں۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔ "اب آپ جہاں فرمائیں آپ کو پہنچا دیا جائے۔"

"میں سولہ جیمس اسٹریٹ میں رہتی ہوں۔ مگر آپ مجھے ریکسٹن اسٹریٹ میں اتار دیجئے گا۔"

"بہت بہتر۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔ "اور نام پوچھنا تو یقیناً بدتمیزی میں شمار ہوگا۔"

"اوہ نہیں۔" لڑکی بھی مسکرائی۔ "میرا نام سعیدہ ہے۔"

"شکریہ۔"

حمید نے اُسے ریکسٹن اسٹریٹ میں اتار دیا اور اب وہ پھر جلد سے جلد بندرگاہ کے علاقے میں پہنچنا چاہتا تھا۔

کچھ دیر بعد ٹیکسی بندرگاہ کی طرف جا رہی تھی۔

فریدی کی کار اُسے دور ہی سے نظر آ گئی۔ مگر اس کے اندر کوئی موجود تھا۔ حمید ٹیکسی رکوا کر اتر پڑا۔ ڈرائیور کو کرایہ ادا کرنے کے بعد وہ پیدل ہی فریدی کی کار کی جانب چل پڑا۔ قریب پہنچ کر وہ متحیر رہ گیا کیونکہ کار کی پچھلی نشست پر شکیلہ نیم دراز تھی۔ وہ سو نہیں رہی تھی لیکن اس نے حمید کی طرف دیکھنے کی بھی زحمت نہیں گوارا کی۔

"اے محترمہ.....!" حمید نے اس کا شانہ پکڑ کر ہلایا۔

"کیا بات ہے۔" اس نے تلخ لہجے میں کہا۔

"آپ یہاں اس طرح کب سے بیٹھی ہیں۔"

"شروع ہی سے۔ میں فریدی صاحب کی منتظر ہوں۔"

"کیوں.....؟"

"میں انہیں بتانا چاہتی ہوں کہ کیپٹن حمید صاحب سو فیصدی ناکارہ قسم کے آدمی ہیں۔ ان کے ساتھ آپ کی بھی مٹی پلید ہو رہی ہے۔"

"کیا تمہیں میری ناکارگی کا تجربہ ہوا ہے۔"

"ہاں کیپٹن حمید صاحب۔ میں فریدی صاحب کو یہ بتاؤں گی کہ جزیرے میں ایک آدمی حمید صاحب کا تعاقب کرتا رہا تھا اور حمید صاحب اس سے بالکل لاعلم تھے۔"

"یہ تعاقب کب تک جاری رہا تھا۔"

"جب تک حمید صاحب کا لانچ جزیرے سے رخصت نہیں ہو گیا تھا۔"

حمید اسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے گھورتا رہا۔

جال

شکیلہ فاتحانہ انداز میں مسکرا رہی تھی۔ انداز فاتحانہ ہوتا۔ تب بھی اُس وقت کی مسکراہٹ حمید کو دلکش نہ معلوم ہوتی۔ نہ جانے کیوں اس لڑکی کو وہاں موجود پا کر اُسے تاؤ آ گیا تھا۔

"ہاں..... کیپٹن اور کچھ..... میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں۔" اس نے چڑھانے والے انداز میں کہا۔

حمید کو بے تحاشہ غصہ آ رہا تھا مگر وہ مسکرا کر بولا۔ "تم ان فضولیات میں نہ پڑو۔ بڑی خشک اور اکتا دینے والی باتیں ہیں۔ مجھے اس تعاقب کا علم ہے۔ میں نے اسے جزیرے میں ہی چھوڑا تھا۔ کیا اس کی چال میں ہلکی سی لنگراہٹ نہیں تھی۔"

"اوہ.....!" لڑکی نے حیرت سے کہا۔ "پھر آپ نے اسکے خلاف کوئی قدم کیوں نہیں اٹھایا۔"

"اگر لڑکی ہوتا تو چپل مار دیتا..... اور اس سے کہتا کیوں او خدائی خوار پرائی بہو بیٹیوں کا تعاقب کرتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ خدا تجھے اتنی بہو بیٹیاں عطا کرے کہ تجھے گھبرا کر خودکشی کرنی پڑے وغیرہ وغیرہ۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ اپنے محکمے سے صرف باتیں بنانے کی تنخواہ وصول کرتے ہیں۔"

"ارے ہٹاؤ بھی یہ قصہ۔ شہر واپس چل رہی ہو۔"

"نہیں..... میں کرنل صاحب کا انتظار کروں گی۔"

"تو پھر گاڑی سے اتر جاؤ۔ میں واپس جا رہا ہوں۔"

"ابھی تک کہاں تھے؟"

"کہیں بھی نہیں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور اگلی نشست کا دروازہ کھول کر اسٹیر کے سامنے بیٹھ گیا اور مشین اسٹارٹ کی۔

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ....!"

"بس دیکھتی رہئے۔" حمید نے کہا اور کار حرکت میں آ گئی۔

"آپ زیادتی کر رہے ہیں میں کرنل صاحب سے ملے بغیر واپس نہیں جاؤں گی۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ کار کی رفتار تیز ہو گئی تھی اور اب اترنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تو

"کیا مقصد ہے۔" شکیلہ نے حیرت سے پوچھا۔

"آپ کو رومینٹک قسم کی تفریحات پسند ہیں نا۔"

"ہاں.... ہیں تو پھر....!"

"بس یہ سمجھ لیجئے کہ اس وقت کی تفریح آپ کو زندگی بھر یاد رہے گی۔"

"آ.... چھا.... چلئے یہی سہی۔" لڑکی نے کچھ ایسے انداز میں کہا جیسے کسی بچے کو کر رہی ہو۔

حمید اور زیادہ چڑھ گیا لیکن خاموش ہی رہا۔ کار ارجن پورے کی طرف جا رہی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ اس مکان کے سامنے رک گئی جس کے متعلق حمید کو بتایا گیا تھا کہ شکیلہ دیکھی گئی ہے۔ مکان اب بھی مقفل ہی تھا۔

"ہم کچھ دیر کے لئے اس مکان کے اندر چلیں گے۔"

"کیا مطلب....!" شکیلہ نے ناخوش گوار لہجے میں پوچھا۔

"مکان کے اندر چلنا ہے ہمیں۔ کیا آپ اس کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں چاہتی ہیں"

"آپ بدتمیز ہیں۔"

"میں تمہیں ابھی اور اسی وقت پولیس کی حراست میں دے سکتا ہوں۔" حمید نے غ میں کہا۔

"یہ کس خوشی میں جناب کپتان صاحب۔" شکیلہ نے زہر خند کے ساتھ پوچھا۔

"یہ تو میں اس مکان میں چلنے کے بعد ہی بتا سکتا ہوں۔" حمید نے سخت لہجے میں کہ یقین ہے کہ اس میں پڑے قفل کی کنجی تمہارے وینٹی بیگ ہی میں موجود ہو گی۔"

"اوہ....!" لڑکی سیٹ کی پشت گاہ سے ٹک گئی۔ اس کے ہونٹوں پر غصہ دلانے والی مسکراہٹ تھی۔

"کنجی نکالو.... ورنہ میں قفل توڑ دوں گا۔"

"تکلیف نہ اٹھایئے کپتان صاحب۔" شکیلہ اپنا وینٹی بیگ کھولتی ہوئی بولی۔ "کنجی حاضر ہے۔ پچھلے زمانے میں ایک بزرگ لال بجھکڑ بھی گزرے ہیں۔ مگر اُن دنوں کپتانی کا عہدہ نہیں ہوا کرتا تھا۔"

حمید نے کنجی لیتے ہوئے کہا۔ "نیچے اتر آؤ۔ میں تنہا نہیں جاؤں گا۔"

"چلئے کپتان صاحب۔" شکیلہ کار سے اتر آئی۔ "آپ سچ مچ اس وقت شرلاک ہومز ہو رہے ہیں۔"

"میں بعض اوقات جھلاہٹ میں تھپڑ بھی مار دیا کرتا ہوں۔" حمید آپے سے باہر ہو گیا۔

"میں یونہی تفریحاً منہ بھی نوچ لیا کرتی ہوں۔"

حمید اپنا نچلا ہونٹ چباتا ہوا دروازے کی جانب بڑھا۔ اُسے اتنی شدت سے غصہ آیا تھا کہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی رخصت ہو گئی۔ اُس نے قفل میں کنجی گھمائی اور دروازہ کھول کر اندر گھس پڑا۔

اُسی کے ساتھ ہی شکیلہ بھی داخل ہوئی اور وہ آگے بڑھتے چلے گئے۔ سامنے دالان تھا اور اس کے دونوں جانب دو کوٹھریاں تھیں۔

حمید کو دراصل اس چھوٹے قد کے آدمی کی تلاش تھی جس کا تذکرہ وہ اس لڑکی سعیدہ سے سن چکا تھا۔ اُس نے دائیں جانب والی کوٹھری کے کیواڑوں کو دھکا دیا وہ کھل گئے، حمید بالکل اسی انداز میں اندر داخل ہوا جیسے اپنے شکار کی موجودگی کا یقین ہو مگر کوٹھڑی خالی پڑی تھی۔ حمید الٹے پاؤں باہر آیا۔ اب دوسری کوٹھری پر اس کی نظر تھی۔ شکیلہ مسکرا رہی تھی۔ حمید کچھ اسی طرح بوکھلایا ہوا سا نظر آ رہا تھا کہ دیکھنے والوں کو اُسی پر ہنسی ہی آ سکتی تھی۔ اس بار شکیلہ بھی اس کے ساتھ کوٹھری میں گھس پڑی۔ اس کوٹھڑی میں ایک طرف ایک الماری پر حمید کو کچھ کاغذات نظر آئے اور وہ جھپٹ کر انہیں الٹنے پلٹنے لگا۔

"آخر کس چیز کی تلاش ہے کپتان صاحب کو۔" شکیلہ نے اپنے مخصوص غصہ دلانے والے لہجے میں کہا۔ مگر حمید شائد کسی واضح ثبوت کے ہاتھ آ جانے سے پہلے غصہ کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا ورنہ اب تک اُسے کچا ہی چبا گیا ہوتا۔

دفعتاً اس نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی اور اچھل کر مڑا۔ دروازہ حقیقتاً کسی نے باہر سے

بند کیا مگر کس نے؟ شکیلہ تو وہیں اس کے پاس کھڑی تھی۔ اور اس کے چہرے پر بھی حیرت کے آثار تھے۔ دفعتاً اس نے کہا۔ "اوہ! میں سمجھی لیکن....!"

دوسرے ہی لمحے میں اُس نے اپنے دینٹی بیگ سے پستول نکالتے ہوئے جملہ پورا کر دیا۔ "تم نے مجھے ہاتھ لگانے کی کوشش کی تو بے دریغ فائر کر دوں گی۔"

سیاہ رنگ کے ننھے سے پستول کا رخ حمید کی طرف تھا۔ حمید نے دو تین بار پلکیں جھپکائیں بند دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔

باہر کی آہٹوں سے صاف ظاہر تھا کہ وہ کئی آدمی ہیں۔

"تم کیا سمجھتی ہو۔ اب جو کچھ بھی ہوگا اسکی تمام تر ذمہ داری تم پر ہوگی۔" حمید نے جھلا کر کہا

"میری طرف ایک قدم بڑھا کر دیکھو۔"

"میں یہیں کھڑے کھڑے تمہیں جہنم میں دھکیل سکتا ہوں۔" حمید دانت پیس کر بولا پھر اس نے بھی اپنا ریوالور نکال لیا۔

"ایک چوہیا پستول دکھا کر مجھے بے بس نہیں کر سکتی۔"

شکیلہ نے حیرت سے اُسے دیکھا چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔ "کیا تم سنجیدہ ہو۔"

"تمہارا دماغ خراب ہوا ہے لڑکی۔ تم کیپٹن حمید سے گفتگو کر رہی ہو۔"

"تب پھر شاید ہم دونوں کے دماغ خراب ہو گئے ہیں۔" لڑکی نے بے بسی سے کہا۔

"باہر کتنے آدمی ہیں۔" حمید نے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔

"میں نہیں جانتی۔ میں کیا بتا سکتی ہوں۔"

"ان سے کہو دروازہ کھول دیں، ورنہ یہ مذاق انہیں بہت مہنگا پڑے گا۔"

"خدا کی قسم میں کچھ نہیں جانتی اور یہ کیا ہو رہا ہے میں تو سمجھی تھی کہ تم مجھے پریشان کرنا چاہتے ہو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ اب بھی دروازے ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اس نے ریوالور جیب میں ڈال کر اپنی ناک مضبوطی سے بند کر لی۔ اس نے سنتھلک گیس کی بو محسوس کی تھی لیکن تا بکے.... وہ زیادہ دیر تک ناک بند نہ رکھ سکا۔ کیونکہ ویسے ہی دم گھٹنے لگا تھا۔ اُس نے شکیلہ کو چکرا کر گرتے دیکھا پھر تھوڑی دیر میں اس پر بھی بے بسی اور بے ہوشی طاری ہو گئی۔

غشی کے بعد ہوش میں آنا آسان ہی ہوتا ہے لیکن ہوش آنے کے بعد کی ذہنی حالت یقینی طور پر ہوش نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ ہوش تو حواس خمسہ کی بیداری کا نام ہے مگر جس خلا

بدیلی کو ہوش کہا جاتا اسے حواس خمسہ کی بیداری نہیں کہہ سکتے۔ مثلاً حمید کی آنکھیں کھل گئی تھیں وہ چاروں طرف دیکھ سکتا تھا۔ نزدیک و دور کی آوازیں سن سکتا تھا لیکن اسے اس چوٹ کا احساس نہیں تھا جو اُس کے سر کے پچھلے حصے میں آئی تھی وہ بول بھی نہیں سکتا تھا۔ کافی دیر تک یہی کیفیت رہی پھر آہستہ آہستہ اُسے سر کی چوٹ کا احساس ہوتا گیا اور زبان جو کچھ دیر پہلے منہ کے اندر پتھر کا ٹکڑا معلوم ہو رہی تھی خشک ہونٹوں تک آنے لگی۔

اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر شکیلہ پڑی ہوئی تھی اور اُسے اب تک ہوش نہیں آیا تھا۔ حمید اٹھ کر بیٹھ گیا سر کے دکھتے ہوئے حصے پر انگلیاں رکھیں تھوڑی سی جگہ خون سے چپچپا رہی تھی۔ کمرہ زیادہ بڑا نہیں تھا مگر یہاں ارجن پورے والے مکان کی کوٹھری کی سی گھٹن محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اوپر چاروں طرف روشن دان تھے اور ان سے ہوا آ رہی تھی۔

حمید کے لئے اب یہ سمجھنا دشوار تھا کہ وہ کن حالات کا شکار ہوا ہے۔ اس لڑکی کی حیثیت اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ کیا اس نے اسے پھنسایا تھا۔ یا وہ خود بھی کسی بہت بڑے فریب میں مبتلا تھی۔ اگر وہ خود ہی ان حالات کی ذمہ دار تھی تو اُس کا مقصد کیا تھا، وہ خود ہی تو نہیں انہیں اپنے ساتھ لائی تھی۔

حمید فریدی کے متعلق سوچنے لگا۔ وہ پتہ نہیں کہاں اور کس حال میں ہوگا۔ ہو سکتا ہے اس کا بھی یہی انجام ہوا ہو۔ پھر اُسے وہ بندر یاد آیا جس کے پیچھے فریدی دوڑا تھا۔

اس نے شکیلہ کی طرف دیکھا جس نے کراہ کر کروٹ لی تھی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں حیرانہ انداز میں پھیلی ہوئی تھیں اور وہ حمید ہی کی طرف دیکھ رہی تھی، پھر وہ اٹھ بیٹھی کچھ دیر تک آنکھیں ملتی رہی پھر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ تقریباً دس منٹ تک دونوں خاموش رہے۔

"یہ تم نے کس مصیبت میں پھنسا دیا۔ میں کہاں ہوں۔" شکیلہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میرے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ سینکڑوں بار ایسے حالات سے دوچار ہو چکا ہوں۔" حمید نے بیزاری سے کہا۔

شکیلہ چند لمحے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتی رہی پھر بولی۔ "شاید ہم دونوں ہی کسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔"

کچھ دیر پہلے حمید نے اس کے امکانات پر غور کیا تھا۔ اس لئے اس نے کہا۔ "کیسی غلط فہمی۔"

"میں سمجھ رہی ہوں کہ آپ نے مجھے کسی چکر میں پھنسایا ہے اور آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں اس کی ذمہ دار ہوں۔"

"میں یہی سمجھتا ہوں کہ ابھی تک تم لوگوں کا مذاق جاری ہے۔"

"اس خیال کو دل سے نکال دیجئے۔ میں نہیں جانتی کہ یہ کن لوگوں کی حرکت ہے۔" نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ٹھہریئے۔ آپ کو اس مکان کے متعلق کیسے معلوم ہوا تھا۔"

"کیا یہ اسی مکان کا کوئی حصہ ہے۔" حمید نے اس کے سوال کا جواب دیئے بغیر سوال کیا

"نہیں.....!"

کچھ دیر کیلئے سکوت طاری ہو گیا۔ پھر حمید نے اُسے بتایا کہ کس طرح اُس نے لانچ پر ہوئی لڑکیوں کی گفتگو سنی اور کس طرح ایک لڑکی نے ارجن پورے کے اس مکان کا پتہ بتایا

"تب تو یہ یقیناً کوئی سازش ہے۔ اس مکان میں کوئی ایسا آدمی نہیں رہتا تھا جس کا حلیہ بیان کر رہے ہیں اور نہ میں کسی ایسے آدمی سے واقف ہوں۔ آپ وہاں آس پاس کے آ سے بھی دریافت کر سکتے ہیں اس مکان میں دراصل ایک نابینا غریب عورت رہتی تھی پچھلے ہفتے انتقال ہو گیا۔ وہ شہر کے ایک فٹ پاتھ پر بھیک مانگا کرتی تھی میں نے اُسے ماں اس مکان میں لے گئی... چلئے... اگر آپ اُسے بھی میری تفریح ہی سمجھتے ہیں تو مجھے کوئی نہیں۔ لیکن وہاں ایسا کوئی آدمی نہیں تھا جس کا قد ساڑھے چار فٹ یا اس سے کچھ زیادہ رہا ہو

حمید خاموش رہا۔ وہ کسی الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا۔

"اگر یہ سازش ہے تو اس کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔" اس نے کچھ دیر بعد کہا۔

"مقصد۔ خدا جانے.... لیکن.... اگر یہ دادا جان کی علالت ہی کے سلسلے کی کوئی کڑ یہ محکمہ سراغ رسانی کے لئے ایک عجیب و غریب کیس ہو گا۔"

"سر فیاض کی علالت کے بارے میں آپ کا کیا نظریہ ہے۔" حمید اُسے ٹٹولنے والی سے دیکھتا ہوا بولا۔

"بس یہی کہ وہ قدرتی نہیں ہے۔ لیکن میں اس کے لئے کوئی ٹھوس ثبوت نہیں رکھ

"غیر قدرتی سمجھنے کی کوئی وجہ بھی تو ہو سکتی ہے۔"

"وجہ.... دیکھئے جب پہلی بار ان پر اس قسم کی کیفیت طاری ہوئی تھی تو وہ اس سے قبل غائب رہے تھے، یعنی جس دن انہیں تار وہاں پہنچ جانا چاہئے تھا اس کے تین دن بعد اور وہ ہوش میں نہیں تھے۔ ذہنی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ پھر دوسری بار۔"

"مجھے معلوم ہے تم بتا چکی ہو۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"مگر اب اس قید کا کیا مطلب۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اُسے لڑکی کے بیان پر اب بھی شبہ تھا۔ دوسری طرف شکیلہ کچھ خوفزدہ سی نظر آنے لگی تھی۔ وہ بار بار کچھ کہنے کا ارادہ کرتی مگر پھر خاموش رہ جاتی، حمید اُسے محسوس کر رہا تھا لیکن اس نے اس سے کچھ پوچھا نہیں۔ وہ کافی دیر تک خاموش رہ کر سوچتا رہا اور پھر یہ فیصلہ کیا کہ بیکار نہ بیٹھنا چاہئے کچھ نہ کچھ شروع کر دینے کے بعد ہی ان معاملات میں شکیلہ کی پوزیشن واضح ہو سکتی ہے۔ وہ اُس کے متعلق یقین اور شبہے کی کشمکش میں مبتلا نہیں رہنا چاہتا تھا۔

وہ اٹھا اور کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ یہاں بہت ہی معمولی قسم کا فرنیچر نظر آ رہا تھا۔ چھ کرسیاں تھیں اور ایک بڑی میز جس میں متعدد درازیں تھیں۔ غالباً وہ لکھنے کی میز تھی کیونکہ اُس پر قلم دان کچھ کاغذات اور شیشے کے دو تین پیپر ویٹ رکھے ہوئے تھے۔ میز کے بائیں جانب ایک الماری تھی جس میں بڑا سا قفل لٹکا ہوا تھا۔

حمید آگے بڑھ کر میز پر رکھے ہوئے کاغذات الٹنے لگا۔ ان پر تحریریں تھیں لیکن حمید نہیں سمجھ نہیں سکا کیونکہ وہ کسی ایسی زبان میں تھیں جس سے وہ قطعی نابلد تھا ویسے حروف رومن ہی کے تھے۔ انگریزی کے علاوہ حمید فرنچ اور جرمن بھی جانتا تھا۔ لیکن وہ تحریریں نہ تو فرنچ میں تھیں اور نہ جرمن میں۔

وہ میز پر جھکا دوسری چیزیں بھی دیکھتا رہا لیکن لڑکی کی طرف سے غافل نہیں ہوا۔ دفعتاً اس نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی اور چونک کر مڑا۔ لیکن اس کمرے کے سارے دروازے بند تھے مگر تائید اس سے ملا ہوا کوئی دوسرا کمرہ بھی تھا کیونکہ ایک دروازے کے اُدھر سے قدموں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"کیا وہ ہوش میں آ گئے۔" کسی نے انگریزی میں پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" دوسری آواز آئی۔ "اب دیکھیں گے۔"

حمید بڑی پھرتی سے فرش پر لیٹ گیا اور شکیلہ کو بھی اپنی تقلید کا اشارہ کرتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔

دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور کسی نے کہا۔ "مگر یہ فریدی تو نہیں ہے۔"

"اس کا اسسٹنٹ ہے۔" جواب دیا گیا۔ "یہ محض اتفاق ہے کہ وہ نہیں پھنس سکا اور لڑکی پھر جال میں آ گئی۔ ہمیں یقین تھا کہ یہ فریدی کو حالات سے مطلع کر دے گی اور پھر یہ دونوں اس مکان میں داخل ہوں گے۔ مگر یہ لڑکی۔"

"کیا تمہیں ایسا کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔"

"نہیں.... ضروری نہیں ہے کہ ہم ہر وقت حکم ہی کے منتظر رہا کریں۔"

"تم نے ایک زبردست غلطی کی ہے، اگر ان لوگوں کو چھیڑا تھا تو دونوں کو لائے ہوتے ورنہ....!" وہ آدمی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

تلاش

کرنل فریدی نے فون کا ریسیور رکھ کر سگار سلگایا۔ دو تین کش لئے اور پر اُسے ایش ٹرے میں مسلتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کئے۔

"ہیلو!" اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "شکیلہ واپس آئی.... اوہ.... ابھی نہیں.... حمید بھی ابھی تک نہیں آئے.... جی ہاں.... میں شکیلہ کی عادتوں سے بخوبی واقف ہوں اسی لئے تشویش ہے.... اور میرا اسسٹنٹ بھی کم شریر نہیں ہے، ویسے آپ مطمئن رہئے۔ آدمی بھی نہیں ہے.... جی نہیں.... اوہ کوئی بات نہیں.... اگر آپ لوگ مطمئن ہیں کہ غیر معمولی حالات کا شکار نہیں ہوئے تو میں بھی مطمئن ہو جاؤں گا۔ ویسے میں نے یہ اقدام آپ کے خاندان کے ایک فرد کی شکایت ہی پر کیا تھا۔ ہاں اگر یہ شکیلہ صاحبہ کی شرارت تو.... خیر چلئے.... درگذر کرتا ہوں.... ویسے انہیں سمجھائیے کہ پولیس سے اس شرارت کا نتیجہ تفریح کی شکل میں کبھی نہیں ظاہر ہوتا۔"

فریدی نے ریسیور رکھ دیا۔ ایک ملازم طشتری میں کسی کا وزیٹنگ کارڈ لئے کھڑا تھا۔

"اوہ.... یہیں بھیج دو۔" فریدی نے کارڈ دیکھ کر نوکر سے کہا۔ وہ خیالات میں ڈوبا ہوا تھا نے سگار کیس سے سگار نکالا اور اس کا کونہ توڑ ہی رہا تھا کہ لیڈی انسپکٹر ریکھا کمرے میں داخل ہوئی فریدی نے سر کی جنبش سے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"کیا میں اپنی رپورٹ پیش کروں۔" ریکھا نے مسکرا کر کہا۔

"ضرور.... مگر بعض اوقات تمہارے انداز گفتگو سے تمسخر جھلکنے لگتا ہے۔"

"ارے.... نہیں۔" ریکھا سنجیدہ نظر آنے لگی اور ساتھ ہی کچھ خفیف سی مسکراہٹ

"رپورٹ....!" فریدی نے دروازے کے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کی کار دو بجے تک وہیں دیکھی گئی ہے جہاں آپ نے کھڑی کی تھی لیکن اُس ما

لڑکی تھی۔ یونہی بیکار بیٹھی نظر آ رہی تھی۔ دو بجے ایک نوجوان وہاں آیا اور کار کو لے گیا۔ لڑکی اس وقت بھی پچھلی نشست پر موجود تھی۔ نوجوان کا حلیہ وہی تھا جو کیپٹن حمید کا ہو سکتا ہے۔ لڑکی کی عمر پندرہ اور بیس کے درمیان ہو گی وہ کشمشی رنگ کی پتلون اور سبز جیکٹ میں تھی۔"

"شکیلہ....!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"لیکن.... آخر اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔"

"پریشانی کی بات۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تمہیں واقعات کا علم نہیں ہے۔"

اس نے آج صبح کا واقعہ دہرایا کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "پریشانی کی بات یہ ہے کہ جزیرے میں مجھے ایک بندر کا تعاقب کرنا پڑا۔"

"بندر کا تعاقب.... پریشانی کی بات۔" ریکھا نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں.... وہ معمولی بندر سے بہت بڑا تھا۔ یعنی اس کا قد ساڑھے چار فٹ ضرور رہا ہو گا۔"

"اوہ.... تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ جزیرے کے اس بندر کے متعلق میں نے بھی سنا ہے۔ رنگت معمولی بندروں کی سی ہے لیکن قد سے وہ کوئی چھوٹا سا گوریلا معلوم ہوتا ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ "اور کیا سنا ہے۔ اُسکے متعلق۔"

غالباً وہ کسی غیر ملکی جہاز سے جزیرے میں کود گیا تھا۔ اکثر و بیشتر لوگوں نے اُسے پکڑنے کی بھی کوشش کی ہے لیکن وہ کسی کے ہاتھ نہیں آیا۔ بیضرر لوگوں کے قریب بھی آجاتا ہے اور ان سے سگریٹ بھی مانگتا ہے۔ میں نے تو نہیں دیکھا لیکن سنا ہے کہ وہ بالکل آدمیوں ہی کی طرح سگریٹ پیتا ہے۔ دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور فریدی اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کر کے اٹھ گیا۔

ٹیلی فون پر کسی سے ایک طویل گفتگو ہوئی مگر ریکھا اُسے سمجھ نہیں سکی۔ کیونکہ فریدی نے بہت کم سوالات کئے تھے زیادہ تر سنتا ہی رہا تھا۔ پھر اُس نے ریسیور رکھ دیا۔

"کار کا پتہ تو چل گیا۔"

"کہاں ہے۔"

"ارجن پورے کے ایک حصے میں۔ یہ لڑکی تو دردِ سر ہو گئی۔ کیا تم میرے ساتھ چلو گی۔"

"ضرور....!" ریکھا اٹھتی ہوئی بولی۔ "وہ تو چاہتی تھی کہ کسی طرح فریدی کے ساتھ کچھ وقت گذارنے کا بہانہ ہاتھ آجائے۔"

وہ باہر آئے۔ حالانکہ گیراج میں دو کاریں اور بھی موجود تھیں۔ لیکن فریدی پیدل ہی چل پڑا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد اس نے ایک ٹیکسی رکوائی اور وہ ارجن پورے کیطرف روانہ ہو گئے۔

"آپ نے شاید شکیلہ کے متعلق کچھ کہا تھا۔" ریکھا نے کہا۔

"ہاں.... وہ دونوں کار کھڑی کر کے ایک مکان میں گئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ایک دوسر کار وہاں آئی۔ اُس میں چار آدمی تھے وہ بھی اندر گئے اور تقریباً بیس منٹ بعد دو بڑے اور تھیلے اٹھائے ہوئے باہر آئے اور وہاں سے چلے بھی تھے۔ میری کار ابھی وہیں موجود ہے۔"

"تو اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ وہ دونوں اب بھی وہیں ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ اب وہاں ان کی گرد بھی نہ ہو گی۔"

"کیوں....!"

"وہ چار آدمی....؟"

ریکھا کچھ نہ بولی۔ فریدی کہتا رہا۔ "اُس مکان میں ایک اندھی عورت رہتی تھی۔ جسے یہ وہاں لے گئی تھی اُس کے لئے ایک ملازم رکھا بھی تھا۔ شکیلہ روزانہ وہاں جاتی تھی۔ کچھ ہوئے اُس عورت کا انتقال ہو گیا۔ وہاں کے لوگوں کا بیان ہے کہ شکیلہ اس دن کے بعد سے ہی وہاں نظر آئی تھی۔"

"یہ شکیلہ بڑی عجیب لڑکی معلوم ہوتی ہے۔" ریکھا نے کہا۔

فریدی خاموش ہو گیا۔ ٹیکسی ارجن پورے کے علاقے میں داخل ہوئی اور فریدی راستہ اور گلیوں کے متعلق ڈرائیور کو بتاتا رہا۔ پھر وہ اُسی جگہ پہنچ گئے جہاں فریدی کی لنکن کھڑی سارجنٹ رمیش وہاں موجود تھا۔ فریدی نے ٹیکسی سے اتر کر کرایہ ادا کیا اور سارجنٹ رمیش طرف متوجہ ہو گیا۔

"کیا وہ چاروں کبھی پہلے بھی یہاں نظر آئے تھے۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"جی نہیں۔ آس پاس کے لوگوں کا بیان ہے کہ وہ چاروں یہاں پہلی بار نظر آئے تھے آدمی جو لڑکی کے ساتھ تھا وہ بھی پہلی ہی بار دیکھا گیا تھا۔"

"تم اندر گئے تھے۔"

"میں آپ کا منتظر تھا۔"

"ٹھیک! اچھا تم دونوں یہیں ٹھہرو۔" فریدی کہتا ہوا اندر چلا گیا۔

"یہ حضرت بھی آئے دن کوئی نہ کوئی نئی حرکت کر بیٹھتے ہیں۔" ریکھا نے سارجنٹ رمیش سے کہا۔

"جی ہاں۔" رمیش نے سعادت مندانہ انداز میں جواب دیا۔ ریکھا کا عہدہ اُس سے بڑا

مگر ویسے بھی وہ عورتوں کے معاملے میں بہت ہی برخوردار قسم کا آدمی سمجھا جاتا تھا۔

فریدی نے کچھ دیر بعد دروازے پر آکر ریکھا کو آواز دی اور رمیش کو بھی اندر آنے کا اشارہ کیا جیسے ہی وہ قریب آیا اس نے آہستہ سے کہا۔

"ٹونی سے واقف ہو۔"

"ٹونی....!" رمیش کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "وہ عیسائی جس کے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کٹی ہوئی ہے۔"

"ہاں.... وہی.... معلوم کرو کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔"

رمیش کے انداز میں ہچکچاہٹ محسوس کر کے اس نے پھر کہا۔ "وہ اس وقت یا تو چائنیز کارنر میں ملے گا یا سنگ سنگ بار میں۔ ان دونوں جگہوں پر نہ ملے تو مجھے اطلاع دینا۔ میں پندرہ منٹ بعد ہائی سرکل نائٹ کلب میں ملوں گا۔"

رمیش چلا گیا۔ فریدی چند لمحے خاموش کھڑا چاروں طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ "یہاں کچھ بھی نہیں ہے سوائے ان نشانات کے۔"

اُس نے صحن کے کچے فرش کی طرف اشارہ کیا۔ مگر ریکھا کو کچھ بھی نہ دکھائی دیا۔ آخر فریدی بولا۔ "کیا تمہیں یہ نشانات نہیں دکھائی دیتے۔"

"اوہ.... یہ.... کسی چیز سے کہیں کہیں زمین کھودی گئی ہے۔"

"تم انہیں کوئی اہمیت نہیں دیتیں۔"

ریکھا کچھ نہ بولی۔ فریدی چند لمحے جواب طلب انداز میں مسکراتا رہا پھر بولا۔

"ان چاروں آدمیوں میں ایک ایسا ضرور تھا جسے جوتے کی ایڑی سے زمین کھودتے رہنے کی عادت ہے۔ اِدھر آؤ میں تمہیں دکھاؤں۔ دالان کا فرش بھی کچا ہے، وہاں بھی تمہیں متعدد جگہ ایسے ہی نشانات ملیں گے۔"

"تو کیا آپ نے اسی سے کوئی نتیجہ اخذ کیا ہے۔"

"ہاں.... شہر کے جرائم پیشہ لوگوں میں سے ایک کو میں جانتا ہوں، جو غیر شعوری طور پر اپنے داہنے پیر کی ایڑی زمین پر مارتا رہتا ہے۔ بس آؤ چلیں۔ میں نے رمیش کو اس کی تلاش میں روانہ کیا ہے۔"

فریدی نے باہر نکل کر مکان کو مقفل کر دیا۔ قفل اور کنجی اندر ہی ملے تھے۔

تھوڑی دیر بعد لنکن ہائی سرکل نائٹ کلب کی طرف جا رہی تھی اور فریدی کہہ رہا تھا۔ "جب

بھی کسی مجرم کو اسٹڈی کرنے کا موقع ملے اس کی ایسی عادت معلوم کرنے کی کوشش کرو جس
احساس اُسے خود بھی نہ ہو۔ یہ عادتیں دراصل اضطراری ہوتی ہیں مثلاً بیٹھے بیٹھے یوں ہی
مقصد پیر ہلانا۔ خلا میں انگلی اٹھا کر اپنے خیالی دستخط بنانا، جوتے کی نوک یا ایڑی سے زمین کھو
رہنا۔ کاغذ پنسل یا قلم سامنے ہونے پر کچھ نہ کچھ لکھتے رہنا یا مخصوص قسم کے نشانات بنانا وغ
وغیرہ تم کسی بھی آدمی کو غور سے دیکھو تو تمہیں اُس میں ایسی بہتیری عادات مل جائیں گی، جن
احساس خود اُسے بھی نہ ہوگا۔ جرائم پیشہ لوگوں کے اضطراری فعل سے ہمیں انکا کھوج نکالنے
بڑی مدد ملتی ہے۔ اب اسی وقت کے معاملے کو لے لو۔ میں جانتا ہوں کہ ٹونی اضطراری طور پر دا
پیر کی ایڑی سے زمین کھودنے کا عادی ہے۔ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں میں وہ بھی رہا ہو۔"

"اور اگر نہ رہا ہو تو۔"

"کوئی بات نہیں۔ سراغ رساں سے معجزے نہیں سرزد ہوا کرتے۔ وہ محض امکانا
کے سہارے آگے بڑھتا ہے کہیں دھوکا کھاتا ہے کہیں اُسے کامیابی ہوتی ہے۔"

"لیکن میں نے کبھی آپ کو دھوکا کھاتے نہیں دیکھا۔" ریکھا مسکرا کر بولی۔

"میں دھوکا کھانے کے بعد صبر کرنے کا عادی ہوں۔" فریدی بھی جواباً مسکرایا۔ "کس
اس کا تذکرہ نہیں کرتا۔"

"میں یقین ہی نہیں کر سکتی۔"

فریدی مسکراتا رہا پھر بولا۔ "اگر وہ ٹونی ہی ہے تو مجھے ایک اور آدمی کو چیک کرنا ہے
دونوں اُس کے ساتھ بہت زیادہ دیکھا جاتا رہا ہے۔ اسی لئے میں ہائی سرکل نائٹ کلب جا رہا ہو
شام کے پانچ بج چکے تھے اور اب کچھ کچھ خنکی ہو چلی تھی۔

"تم نے اس بندر کو کبھی دیکھا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں.... میں نے صرف سنا ہے۔ پچھلے چھ ماہ سے فن آئی لینڈ جانے کا اتفاق نہیں

"تم اسے دیکھ چکی ہو۔" فریدی نے بڑے اعتماد سے کہا اور ریکھا اُسے حیرت سے دیکھنے

"میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔" فریدی مسکرایا۔ "تم اسے دیکھ چکی ہو۔ کیا تمہیں وہ
چار فٹ اونچا بندر یاد نہیں جسے تم نے چائنیز کارنر میں دیکھا تھا۔"

"نہیں....!" ریکھا بے ساختہ اچھل پڑی۔ آپ فنچ کے بارے میں تو نہیں کہہ رہے

"ہاں، وہ بندر فنچ ہی تھا۔"

"مگر وہ بندر کسطرح ہو سکتا ہے۔ میں نے یہ نہیں سنا کہ جزیرے والا بندر سوٹ بھی پہنتا

فریدی ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔ میری آنکھیں بہت کم دھوکا کھاتی ہیں اور اب تو میرے پاس فنچ
کے متعلق بہتیری معلومات ہیں۔ وہ نیو میکسیکو کا باشندہ ہے اور نسلاً پرتگالی ہے۔ جانوروں کا
بہروپ بھرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ نیو میکسیکو میں اس کا ذریعہ معاش یہی تھا وہ سنتانے کے
ایک سرکس ملازم تھا۔"

ریکھا خاموشی سے سنتی رہی۔ فریدی کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا "اور ڈاکٹر ڈریڈ کا ہیڈ کوارٹر
بھی سنتانے ہی تھا۔"

"آہا.... پھر وہی ڈاکٹر ڈریڈ۔"

"ہاں.... اب وہ ساری دنیا میں اپنی قوت آزماتا پھر رہا ہے۔ یہاں فنچ کی موجودگی ثابت کرتی
ہے کہ ڈاکٹر ڈریڈ اب بھی یہیں مقیم ہے۔"

"اوہ.... ہاں.... سفارت خانے والے کیس میں یہ بات سامنے آئی تھی کہ فنچ اور ڈاکٹر ڈریڈ
بھی یہیں ہیں۔"

"یہ فنچ جیسا بے حقیقت آدمی ڈاکٹر ڈریڈ سے کیسے ٹکرا گیا۔"

"اوہ.... کیا تم اسے اس کے حقیر سے قد کی بناء پر بے حقیقت کہہ رہی ہو۔" فریدی بولا۔
"یقیناً اس کا قد اور جثہ ہی تمہارے ذہن میں ہے مگر اسے ہمیشہ یاد رکھو کہ آدمی کی حقیقت اس کا
جسم نہیں بلکہ دماغ ہے۔ گوشت اور ہڈیوں کا ڈھیر کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ آدمی کا دماغ ہی اُسے
سربلند کرتا ہے۔ دنیا اُس کے قدموں پر جھکتی ہے اور جب یہی دماغ ناکارہ ہو جاتا ہے تو قدموں پر
جھکنے والے اسی گوشت اور ہڈیوں کے ڈھیر کو پکڑ کر کسی پاگل خانے میں بند کر دیتے ہیں اور وہاں دو
پیسے کے آدمی اس پر ڈنڈے برسایا کرتے ہیں۔ اوہ.... میں بہک گیا.... ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا
کہ فنچ جسمانی اعتبار سے ایک حقیر کیڑا سہی لیکن ذہنی صلاحیتوں کا یہ عالم ہے کہ ڈاکٹر ڈریڈ جیسا
خطرناک آدمی بھی آج تک اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" ریکھا نے آہستہ سے کہا۔

فریدی کی لنکن ہائی سرکل نائٹ کلب میں داخل ہو رہی تھی۔ فریدی نے پورچ کے قریب
اُسے روک کر انجن بند کیا اور وہ دونوں نیچے اتر گئے۔

منیجر اپنے کمرے سے نکل رہا تھا۔ فریدی کو دیکھ کر جہاں تھا وہیں رک گیا پہلے تو اس کے
چہرے پر سراسیمگی کے آثار نظر آئے مگر پھر اُس نے مسکرا کر ایک شعر پڑھا۔

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت

"ہزاروں بار سن چکا ہوں۔" فریدی ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ "اندر چلو۔"

منیجر کے چہرے پر پھر ذہنی انتشار کی پرچھائیاں نظر آنے لگیں۔

"تشریف رکھئے جناب والا۔" اس نے الٹے پاؤں اپنے دفتر میں داخل ہو کر کہا۔

"قیام کرنیوالے گاہکوں کا رجسٹر لاؤ۔" فریدی بیٹھتا ہوا بولا۔ اس نے ریکھا کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"لیکن اپنے قیام کے وہ خود ذمہ دار ہوتے ہیں جناب۔" منیجر نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ "کسی کی پیشانی پر کچھ لکھا نہیں ہوتا۔"

"تم اس کی پرواہ مت کرو۔" فریدی نے رجسٹر لینے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

منیجر بڑبڑاتا رہا۔ "میرا تو دل چاہتا ہے کہ یہ کاروبار بند ہی کر دوں۔ خواہ مخواہ اپنی حیثیت بھی مشکوک معلوم ہوتی ہے، مگر پھر میرے اہل و عیال کا کیا ہوگا۔ بقول شاعر ؎

ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا

فریدی اس کی طرف دھیان دیئے بغیر رجسٹر کے اوراق الٹتا رہا۔ ریکھا بھی رجسٹر پر جھکی ہوئی تھی۔ ایک صفحے کو وہ دیر تک دیکھتا رہا پھر رجسٹر بند کر کے اُسے میز پر ڈالتا ہوا بولا۔ "نہ تم گے اور نہ رسوا ہوگے، ویسے غرق دریا ہونا چاہتے ہو تو پھر وہی اپنا پرانا کاروبار شروع کر دو۔ وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں سانس لینے کی بھی مہلت نہ ملے گی۔"

"میں نے عہد کیا ہے جناب کہ بقیہ زندگی یادِ الٰہی میں گذاروں گا۔" منیجر ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ منیجر نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا اور فریدی کی طرف بڑھا ہوا بولا۔ "آپ کا فون ہے جناب....!"

فریدی نے ریسیور لے کر ماؤتھ پیس میں کہا۔ "رمیش۔"

"جی ہاں وہ چائنیز کارنر میں نہیں ملا۔ میں اب سنگ سنگ بار کی طرف جا رہا ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔ اب مجھے ریالٹو میں فون کرنا۔" فریدی نے کہا اور ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

پھر ریکھا کی طرف دیکھ کر بولا۔ "آؤ۔" اور منیجر سے کہا۔ "تم ہر معاملے میں اپنی زبان بند رکھو گے۔ یعنی کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کرو گے کہ میں نے تمہارا رجسٹر چیک کیا تھا سمجھے!"

"بہت بہتر جناب۔ آپ مجھ پر اعتماد کیجئے۔"

وہ باہر آئے۔ فریدی نے کہا۔ "دوسری منزل پر کمرہ نمبر تیرہ میں چارلس براؤن نام کا ایک امریکی مقیم ہے۔ اس پر نظر رکھو۔ آدمی کی ضرورت ہو تو ہیڈ کوارٹر سے طلب کر لو۔ کیونکہ اس سے ملنے جلنے والوں کے متعلق بھی معلومات حاصل کرنی ہیں۔"

"چارلس براؤن۔" ریکھا نے آہستہ سے کہا۔ "آپ نے اسی آدمی کیساتھ ٹونی کو دیکھا تھا۔"

"ہاں.... بس اب ہال میں جاؤ۔"

فریدی ریکھا کو وہیں چھوڑ کر کیفے ریالٹو کی طرف روانہ ہو گیا۔

ریالٹو ایک بڑا اور شاندار کیفے تھا۔ فریدی وہاں پہنچ کر سیدھا بار کے کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ بارمین شائد اُسے پہچانتا تھا۔ اس نے بڑے ادب سے اُسے سلام کیا۔

"تم کیپٹن حمید کو بھی پہچانتے ہو۔"

"جی ہاں.... میں انہیں پہچانتا ہوں۔"

"پچھلی رات اُس نے یہیں شراب پی تھی۔"

"نہیں! حضور.... وہ تو بہت عرصہ سے یہاں تشریف نہیں لائے۔"

"گیسپر کہاں ملے گا۔"

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ بارٹنڈر نے ریسیور اٹھایا اور پھر اسے فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

"ہیلو....!" فریدی نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"میں رمیش ہوں۔ اس کا سنگ سنگ بار میں بھی پتہ نہیں چل سکا۔"

"خیر اب تم وہاں جاؤ جہاں تھوڑی دیر پہلے مجھے فون آیا تھا۔ وہاں تمہاری ضرورت ہے۔ اگر ضرورت ہوئی تو وہیں تمہیں فون کروں گا۔"

اُس نے ریسیور رکھ کر بارمین سے کہا۔ "تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ اس سے غرض نہیں ہے کہ وہ ریالٹو میں کب سے نہیں آیا۔"

"اوہ.... آپ اس کی قیام گاہ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ دیکھئے آج سے دو ماہ قبل وہ کیفے شبستان کے اوپر والے فلیٹ میں رہتا تھا۔ اس کے بعد کی اطلاع مجھے نہیں ہے۔ ایک بار وہ اتنی زیادہ پی گیا تھا کہ اپنے پیروں پر کھڑا بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ میری ڈیوٹی ختم ہو چکی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں اسے اس کی قیام گاہ تک پہنچا دوں۔ اس طرح مجھے وہاں تک پہنچنے کا اتفاق پیش آیا تھا۔"

فریدی مسکرایا اور آہستہ سے بولا۔ "وہ کسی جرم میں ماخوذ نہیں ہے۔ مجھے بس اس سے ایک دوسرے آدمی کے متعلق تھوڑی سی معلومات حاصل کرنی ہیں ویسے بھی تم جھوٹ بول کر ہمارے ہی میں رہو گے۔ میں اس یقین کے ساتھ یہاں آیا ہوں کہ تم مجھے صحیح پتہ بتا دو گے۔"

"میں ایسے آدمیوں سے بہت ڈرتا ہوں جناب۔ اگر اُسے معلوم ہو گیا کہ اس کا پتہ میں نے بتایا تھا تو....!"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ اُسے نہیں معلوم ہو سکے گا۔ ہاں! اگر تم خود ہی میرے جانے کے بع
اُسے فون کر بیٹھنے کی حماقت کر ڈالو تو۔۔۔۔"

"اوہ۔۔۔۔! میں پاگل نہیں ہوں جناب۔"

"میں تمہاری حفاظت کی ذمہ داری بھی لیتا ہوں۔"

"دیکھئے۔" بار ٹنڈر آہستہ سے بولا۔ "گیسپر آج کل ٹونی کے ساتھ رہ رہا ہے۔ ٹونی کو آپ
جانتے ہی ہوں گے اور ٹونی وہاں رہتا ہے۔۔۔۔ کیا نام ہے۔۔۔۔ اس کا۔۔۔۔ گرٹروڈا سکوائر میں۔۔
پندرہ گرٹروڈا سکوائر۔"

فریدی چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر بولا۔ "اپنی زبان بند ہی رکھنا۔"

"بہت بہتر جناب۔ مجھے اپنی زندگی اس عمر میں گراں نہیں گزرتی۔"

فریدی ریالٹو سے نکل کر اپنی کار میں بیٹھا اور اب وہ گرٹروڈا سکوائر کی طرف جا رہا تھا۔ وہا
پہنچ کر بھی اس نے بار مین کے بیان کی تصدیق کی اور پندرہ منٹ کے اندر ہی اندر وہ عمارت۔
اس حصے کے سامنے موجود تھا جہاں ٹونی رہتا تھا۔

اس نے دروازے پر دستک دی۔

"کون ہے!" اندر سے کوئی دھاڑا۔

فریدی نے انگریزی میں کچھ کہا۔ لہجہ آئرلینڈ والوں کا سا تھا۔ اکھڑا، اکھڑا اور اکھڑ سا۔

دروازہ کھلا اور دروازہ کھولنے والا اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے پیچھے ہی ایک آدمی اور
تھا اور دونوں کی نظریں فریدی کے ریوالور پر تھیں وہ اندر گھستا چلا گیا۔ انہوں نے اپنے ہاتھ ا
اٹھا لئے تھے۔

"شرافت کی زندگی میں بھی آپ چین نہیں لینے دیتے۔" ٹیڑھی ناک والے دراز قد آ
نے کہا۔ یہی ٹونی تھا۔

"شرافت کی زندگی۔" فریدی نے دونوں کو گھورتے ہوئے کہا۔ "تم یہ سمجھتے ہو کہ
غیر قانونی حرکت کر کے محفوظ رہو گے۔"

"کیسی غیر قانونی حرکت۔" گیسپر نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

فریدی نے اس جملے کیطرف دھیان دیئے بغیر ٹونی سے پوچھا۔ "کیا تم کیپٹن حمید کو پہچانتے ہو
اس نے دونوں کے چہروں پر سراسیمگی کے آثار دیکھے۔

وحشت

حمید چپ چاپ پڑا رہا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ شکیلہ بھی اسی کی طرح بے حس و حرکت پڑی ہوئی ہے۔ دفعتاً دوسرے آدمی نے کہا۔ "یہ سر فیاض کی پوتی ہے۔ آج صبح یہ ان دونوں کو اپنے گھر لے گئی تھی۔ پھر وہاں سے جزیرے تک لائی تھی۔"

"اوہ۔۔۔۔!" دوسرے آدمی نے تھوڑے توقف کے ساتھ کہا۔ "تو کیا وہ کچھ جانتی ہے۔"

"یقیناً ورنہ حالات ایسے کیوں ہوتے۔"

"ٹھیک ہے۔ اچھا فی الحال انہیں یہیں چھوڑو۔"

انہوں نے دور ہوتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنیں۔ دروازہ بند ہو چکا تھا۔ کچھ دیر تک حالات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ پھر شکیلہ اچھل کر بیٹھ گئی۔

حمید اسی حالت میں چت پڑا رہا لیکن اس نے آنکھیں کھول دی تھیں۔

"آپ نے سنا۔" شکیلہ آنکھیں پھاڑ کر آہستہ سے بولی۔

"سن لیا۔" حمید نے بیزاری سے کہا۔ "سر فیاض کے متعلق سنا گیا ہے کہ وہ کسی ڈرامے کو حقیقت کا رنگ دینے کے سلسلے میں ہزاروں خرچ کر دیا کرتے ہیں۔"

"اب میں اپنا سر پیٹ لوں گی۔" شکیلہ جھلا کر بولی۔ "آپ کو کسی طرح یقین ہی نہیں آتا۔"

"تمہیں سر پیٹتے دیکھ کر مجھے عبرت ہو گی۔ ضرور پیٹو۔"

"اچھی بات ہے۔ دیکھ لوں گی۔" شکیلہ دانت پیس کر رہ گئی۔

کمرے میں اندھیرا پھیل گیا تھا۔ حمید نے سوئچ بورڈ کی طرف بڑھ کر روشنی کر دی۔ پھر ٹرش پر اکڑوں بیٹھتا ہوا بولا۔ "کیا اب میں تمہیں کھاؤں۔"

"کیوں! کیا مطلب۔!"

"بھوک لگ رہی ہے۔"

شکیلہ کچھ نہ بولی۔ بولتی بھی کیا۔ اُسے تو دوپہر کا کھانا بھی نہیں نصیب ہوا تھا۔ حمید نے جزیرے والے ریستوران میں جھینگے کھائے تھے اور کافی پی تھی۔

"یہاں کب تک اس طرح پڑے رہیں گے۔" شکیلہ نے کچھ دیر بعد کہا۔

"خط استوا پر کافی گرمی پڑتی ہے اور روزانہ بارش ہوتی ہے۔ پتہ نہیں کیوں مجھے اس وقت

جغرافیہ یاد آرہا ہے۔"

شکیلہ اُسے اس طرح دیکھنے لگی جیسے وہ پاگل ہو گیا ہو۔

حمید بڑبڑاتا رہا۔"میں نے چھٹویں کلاس میں پڑھا تھا کہ کنگرو اور اود بلاؤ میں صرف سمجھ کا فر ہے اگر تم اود بلاؤ کو کنگرو کہو تو حکومت کو اس پر اعتراض نہ ہونا چاہئے کیونکہ بین الاقوامی سیاس میں زیادہ تر اود بلاؤ ہی دلچسپی لیتے ہیں، میرے والد صاحب آج کل بہت اداس ہیں کیونکہ ان پانچویں شادی سوئیز کینال پر حملے کی بناء پر رک گئی۔ اسلئے میرا خیال ہے کہ بین الاقوامی سیاس محض بنڈل ہے۔ بھیڑیئے بھیڑوں کے نگہبان بننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ تیندوے اود چیتے کہتے کہ نہیں یہ فرض منجانب اللہ ان پر عائد کیا گیا ہے۔ بھیڑیئے تو بھیڑوں کے کھلے ہوئے دُ ہیں۔ ہم ثقافتی اعتبار سے بھیڑوں سے بہت قریب ہیں اور اب ہم گھاس کھانے کی بھی پریکٹ کر رہے ہیں۔ تم میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو۔ آنکھیں بند کرو۔ ورنہ میں تمہیں چیر پھاڑ کر کھا جاؤنگا۔"

شکیلہ ہنس پڑی مگر انداز میں بے بسی تھی۔

"ہنستی ہے۔" حمید دہاڑا۔"مجھے اُلو کا پٹھا سمجھتی ہے۔"

شکیلہ یک بیک سہم گئی۔ اسے حمید کی آنکھیں ڈراؤنی معلوم ہونے لگیں کیونکہ اُن وحشت تھی۔

"کیا سمجھتی ہے۔" حمید پھر دہاڑا۔

"آپ تمیز سے گفتگو کیجئے نا۔" اس نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تمیز سے.... شٹ اپ۔" اس نے اس کے گال پر تھپڑ رسید کر دیا اور بال پکڑنے لئے ہاتھ بڑھایا تھا کہ وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی اور پیچھے ہٹی۔ حمید نے اس پر چھلانگ لگائی درمیان میں ایک کرسی تھی وہ اسی پر ڈھیر ہو گیا۔ شکیلہ چیختی ہوئی دروازے کی طرف بھاگی۔

"ارے بچاؤ.... بچاؤ۔" وہ دروازہ پیٹ پیٹ کر چیخنے لگی۔ ادھر حمید نے ایک کرسی اٹھائی اس پر پھینک ماری۔ جو اس کے قریب ہی دیوار سے ٹکرا کر فرش پر گئی، شکیلہ پھر اچھلی اور حلق پھاڑ کر چیخنے لگی۔ حمید نے دوسری کرسی اٹھائی۔

"ارے.... بچاؤ.... ارے مری.... ی ی۔"

کرسی اس کے قریب ہی گری اور وہ پھر اچھل کر دروازے کی طرف بھاگی۔ تیسری کرسی اس پر پڑی ہوتی اگر وہ ذرا سی بھی غفلت کرتی۔ وہ پھر دروازہ پیٹنے لگی، حمید وحشیانہ انداز میں رہا تھا۔"پتلون پہنتی ہو۔ مجھے غصہ دلاتی ہو یہیں مار مار کر دفن کر دوں گا۔"

کسی نے دروازہ کھولا اور شکیلہ اچھل کر اس پر جا پڑی۔

"وہ پاگل ہو گیا ہے۔ بچاؤ۔" اس نے چیخ کر کہا۔

"یہ خود پاگل ہو گئی ہے۔ اس کے قریب نہ جانا۔ یہ مخمل کھاتی ہے۔" حمید نے بندروں کی طرح اچھل کر کہا پھر اس نے اس آدمی پر بھی کرسی کھینچ ماری۔ لیکن وہ دروازے سے گزر جانے کی بجائے اس کے اوپری حصے سے ٹکرا کر نیچے گر پڑی۔

دروازہ بند کر دیا گیا۔ حمید تنہا رہ گیا تھا۔ لیکن اس نے اپنا شغل جاری رکھا۔ میز سے دوات اٹھائی اور اس میں انگلی ڈبو ڈبو کر دیواریں خراب کرنے لگا۔ وہ لکھ رہا تھا۔"اور جب وہ زمین پر آیا تو یہ زمین جنت بن گئی لیکن فرشتوں نے اسے سولی پر چڑھا دیا۔ فرشتوں نے اس کا سارا اثاثہ لوٹ لیا۔ وہ پھر واپس آئے گا۔"

دوسری جگہ لکھا۔"بہت جلد آرہا ہے۔ پیار کا ہنڈولا۔ اداکارا ثریا، گوپ، شیخ مختار، برٹرانڈرسل، اسٹیفن اسپنڈر، پبلو نرودا، ککو، ناصر خاں۔"

تیسری جگہ لکھنے لگا۔"جب دنیا کا خاتمہ ہونے لگے گا جب تم بے یار و مددگار ہو گے.... سینما کی کھڑکی کے نیچے بہت لمبی لائن ہو گی۔ تمہیں بلیک سے ٹکٹ خریدنے پڑیں گے۔ اس دن تمہیں کانن بالا یاد آئے گی۔ مادھوری یاد آئے گی۔ امیر کرنا ٹکی یاد آئے گی۔ ماسٹر نثار ہارمونیم بجائے گا۔ ماسٹر وٹھل کی ٹھائیں ٹھائیں ہو گی۔ انقلاب زندہ باد۔"

پھر اس نے اس قسم کی گالیاں لکھنی شروع کر دیں جیسے اکثر پبلک پیشاب خانے میں نظر آتی ہیں۔ اس نے میز الٹ دی۔ اس پر رکھی ہوئی چیزیں چاروں طرف بکھر گئیں اور وہ اُن پر کرسیاں پٹخ پٹخ کر انہیں چور کرنے لگا۔

یک بیک دروازہ کھلا اور پانچ آدمی کمرے میں داخل ہوئے۔ یہ دیسی ہی تھے۔ حمید نے اپنا شغل جاری رکھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے ان کی موجودگی کا علم ہی نہ ہو۔

"کیا کر رہے ہو تم....!" ایک نے گرج کر کہا۔

حمید کے ہاتھ رک گئے، وہ ان کی طرف مڑا۔ چند لمحے انہیں قہر آلود نظروں سے دیکھتا رہا پھر یک بیک کھل کھلا کر ہنس پڑا۔

"میں برلن کو تباہ کر رہا ہوں۔" اس نے کہا۔"یہ دیکھو۔ یہ ہٹلر کی لاش ہے۔ مگر وہ حرام زادی فرار ہو گئی۔ تم لوگ کہاں سے آئے ہو۔ کیا میرا پیغام مسٹر چرچل تک پہنچا دو گے۔"

وہ لوگ دیوار کی تحریریں دیکھ دیکھ کر ہنس رہے تھے۔

"یہ تو خواہ مخواہ پاگل ہو گیا۔" ایک نے کہا۔

"تم خود پاگل ہو گئے ہو سالے۔" حمید حلق پھاڑ کر دہاڑا۔ "میں برطانیہ کا وزیر اعظم ایڈن ہوں۔"

"وزیر اعظم صاحب ہم آپ کا جلوس نکالیں گے گھبرائیے نہیں۔"

حمید نے ہاتھ اٹھا کر تقریر کرنے کے سے انداز میں کہنا شروع کیا۔ "مجھے آپ سے پوری پوری ہمدردی ہے، میری حکومت کوشش کر رہی ہے کہ آپ کی ساری شکایات رفع کر دی جائیں، مگر اسے ہمیشہ یاد رکھئے کہ بھوکے رہنے سے معدہ کبھی خراب نہیں ہوتا اور ننگے رہنے سے جسم میں قوت آتی ہے۔ ہر وقت کھلی اور تازہ ہوا نصیب ہوتی ہے اس لئے خود بھی ننگے رہئے اور اپنے بال بچوں کو بھی ننگا رکھئے.... دانتوں میں درد ہو پانی لگتا ہو، مسوڑھوں سے پیپ آتی ہو کالے خان کا منجن استعمال کیجئے، جمے ہوئے دانت ہل جائیں گے، ہاتھ اٹھا کر مانگئے.... چار آنے.... چار آنے.... چار آنے.... اب میرے پاس ایک دوسرا سانپ ہے۔ یہ سانپ ہزار برس کے بعد اڑتا ہے۔ اُڑ کر صندل دیپ چلا جاتا ہے۔ صندل کے جھاڑ میں لپٹ کر ایک ہزار سال تک پروردگار کی عبادت کرتا ہے۔ پھر وہ پاک بے نیاز اُسے ایک حسین و جمیل عورت بنا دیتا ہے۔ جمیل احمد میرے ماموں زاد خالو کا نام ہے۔ کچہری میں واصل باقی نویس ہیں۔ نانا فرنویس سے ان کا کوئی رشتہ نہیں۔ دشمنوں نے اڑائی ہو گی۔ اب میں آپ لوگوں کو ایک ٹھمری سناتا ہوں۔"

حمید نے ٹھمری شروع کر دی اور دو یا تین منٹ تک گاتا رہا۔ ان آدمیوں میں کچھ دیر سرگوشیاں ہوتی رہیں۔ پھر ایک باہر چلا گیا۔

حمید اب خاموش ہو کر سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا اس کا سر جھکا ہوا تھا اور آنکھیں بند تھیں۔ باہر جانے والا آدمی کچھ دیر بعد واپس آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ریشم کی ڈور کا ایک لچھا تھا۔ وہ آگے بڑھے اور انہوں نے حمید کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ لیکن حمید کی حالت میں کوئی فرق نہ آیا وہ اب بھی اسی طرح آنکھیں بند کئے کھڑا تھا۔

انہوں نے اس کے ہاتھ سینے سے ہٹا کر پشت پر کر دیئے اور انہیں ریشم کی ڈور سے باندھنے لگے، لیکن حمید نے جنبش بھی نہ کی، اسی طرح آنکھیں بند کئے کھڑا رہا۔

"چلئے وزیر اعظم صاحب۔" ایک نے اُسے دھکا دیا اور حمید چلنے لگا۔ لیکن اس کا رخ دروازے کی بجائے دیوار کی طرف تھا۔

"ارے اس کی تو آنکھیں بند ہیں۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"آنکھیں کھول دیجئے وزیر اعظم صاحب۔" دوسرا بولا۔

"۱۹۵۷ء وزیر اعظم کے لئے آنکھیں بند رکھنے کا سال ہے۔" حمید نے جواب دیا۔

"چلو....!" اُسے شانے سے پکڑ کر دھکیلا جانے لگا۔ اس طرح وہ اسے ایک دوسرے کمرے میں لائے یہاں شکیلہ موجود تھی۔ اس کے علاوہ تین آدمی اور بھی تھے جنہوں نے اپنے چہرے سیاہ نقابوں میں چھپا رکھے تھے۔ اس کے برعکس جو لوگ حمید کو اس کمرے میں لائے تھے کہیں بھی پہچانے جا سکتے تھے کیونکہ ان کے چہروں پر نقابیں نہیں تھیں۔

"کیا قصہ ہے۔" نقاب پوشوں میں سے ایک نے انگریزی میں پوچھا۔

"یہ پاگل ہو گیا ہے۔" جواب دیا گیا۔

"کیوں....!"

"کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی جناب۔ کوئی سختی بھی نہیں کی گئی۔"

حمید آنکھیں بند کئے کھڑا رہا۔

"تم بتاؤ۔ کیا بات ہے۔" نقاب پوش نے شکیلہ سے پوچھا۔

"اس نے یک بیک مجھ پر کرسیاں پھینکنی شروع کر دی تھیں۔"

"تم ان لوگوں کو اپنے گھر کیوں لے گئی تھیں۔"

"اوہو! تو میں اب سمجھی۔" شکیلہ نے بڑی دلیری سے کہا۔ "تو وہ تمہیں لوگ ہو جو ہمیں دھمکیاں دیتے رہے ہو۔"

"کیسی دھمکیاں۔"

"یہی کہ اگر ایک لاکھ روپیہ ادا نہ کیا گیا تو تم ہم میں سے کسی کو اغوا کر کے جان سے مار دو گے۔"

"یہ بکواس ہے۔" نقاب پوش نے کہا۔

"پھر ہمیں اغوا کیوں کیا گیا ہے۔"

نقاب پوش کچھ نہ بولا۔ وہ دوسروں کی طرف دیکھنے لگا۔

"تو تم اسی لئے انہیں اپنے ساتھ گھر لے گئی تھیں۔" دوسرے نقاب پوش نے پوچھا۔

"ہاں میں نے انہیں وہ خط دکھائے تھے۔"

"لیکن تم انہیں یہاں کیوں لائی تھیں۔"

"کہاں!" شکیلہ نے پوچھا۔

"فن آئی لینڈ میں۔"

حمید نے جھرجھری سی لی گویا وہ فن آئی لینڈ ہی کی کسی عمارت میں تھے۔ "میرا خیال ہے کہ

ہمیں دھمکیاں دینے والے فن آئی لینڈ ہی میں رہتے ہیں کیونکہ ایک خط مجھے یہاں بھی ملا تھا
ایک دن سیر کے لئے آئی تھی کہ ایک چھوٹے سے بچے نے مجھے لفافہ دیا اور دوڑتا ہوا ایک طر
چلا گیا۔ یہ خط انہیں لوگوں کی طرف سے تھا۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر نقاب پوش نے حمید کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "اسے کسی خا
کمرے میں بند کر دو۔ غالباً یہ سنتھلک گیس کا اثر ہے۔ جو خود ہی زائل ہو جائے گا۔"

حمید کو پھر دھکیلا جانے لگا۔ لیکن اس نے آنکھیں نہیں کھولیں۔

دوستوں کی دشمنی

فریدی انہیں گھورتا رہا وہ دم بخود کھڑے تھے آخر ٹونی اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر مسکرا
"میں انہیں پہچانتا ہوں کرنل صاحب۔" اس نے کہا۔

"وہ اس وقت کہاں ہے۔ میں جھوٹ نہیں سنوں گا۔"

ٹونی نے اپنے چہرے پر حیرت کے آثار پیدا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن فریدی کی عق
نظروں کو دھوکا دینا آسان نہیں تھا۔

"تم اس پر حیرت ظاہر کرنے کی کوشش نہ کرو۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"آپ خواہ مخواہ..." گیسپر بول پڑا۔ "کوئی الزام رکھ کر ستانا چاہتے ہوں تو بات ہی دوسری ہے
فریدی کا الٹا ہاتھ اسکے منہ پر پڑا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا دیوار سے جا ٹکرایا۔ اُس کے منہ سے اَ
گندی سی گالی نکلی۔ لیکن اسی اندازہ میں جیسے وہ گالی اس دیوار کو دی گئی ہو جس سے وہ ٹکرایا تھا۔
فریدی ٹونی کی طرف متوجہ ہو گیا، جو بہت بُرا سا منہ بنائے کھڑا تھا، جو احساس تنفر اور خو
ہی کا نتیجہ ہو سکتا تھا۔

"بتاؤ کیپٹن حمید.... اور وہ لڑکی کہاں ہیں۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"میں کیا جانوں۔ آپ خواہ مخواہ ظلم پر آمادہ ہو گئے ہیں۔"

"کیا تم آج دوپہر کو ارجن پورہ نہیں گئے تھے۔"

"گیا تھا۔ مگر اس سے کیا۔"

"میں مندر کے سامنے والے مکان کی بات کر رہا ہوں۔"

"کون سا مندر۔ میں کسی مکان میں نہیں گیا تھا۔ اُدھر سے گذرا ضرور تھا۔ یقیناً آپ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ ریوالور جیب میں رکھ لیجئے مجھے بتایئے کیا معاملہ ہے کیا آپ مجھے کچھ سوچنے سمجھنے کا بھی موقع نہیں دیں گے۔"

"موقع ضرور دیا جائے گا۔" فریدی نے ریوالور جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس دوران میں حمید یا اُس لڑکی کو کوئی گزند پہنچا تو میں شارع عام پر تم دونوں کو ذبح کر دوں گا۔"

ٹھیک اسی وقت گیسپر نے فریدی پر چھلانگ لگائی۔ لیکن شاید فریدی نے اُسے چاقو نکالتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور اپنی مخصوص قسم کی تفریح کے موڈ میں بھی تھا۔

گیسپر کو نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ کس طرح فریدی پر سے اچھلتا ہوا ٹونی پر جا پڑا تھا۔ دونوں زمین پر ڈھیر ہو گئے اور ٹونی کی چیخ سے کمرہ جھنجھنا اٹھا۔ کیونکہ گیسپر کا چاقو اس کے بازو میں پیوست ہو گیا تھا۔

پھر ٹونی نے اُس کے سینے پر اس زور کی لات رسید کی کہ وہ کئی فٹ دور جا گرا۔ فریدی انہیں اس انداز میں دیکھ رہا تھا جیسے دو مرغے لڑ پڑے ہوں۔

ٹونی اپنا بازو پکڑے ہوئے لڑکھڑاتا ہوا اٹھا۔ انگلیوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ گیسپر شاید ہوش ہی میں تھا۔ لیکن اس حماقت کے بعد اُس نے یہی مناسب سمجھا کہ چپ چاپ آنکھیں بند کئے پڑا رہے۔

"پھر نہ کہنا کہ میں نے تمہیں سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں دیا تھا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"کرنل.... یہ گیسپر بالکل اُلو کا پٹھا ہے۔" ٹونی کراہا۔

"چاقو اب بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔" فریدی بولا۔ "اس بار کہیں یہ تمہارے سینے ہی میں نہ اتر جائے۔"

ٹونی نے آگے بڑھ کر غصے میں دو لاتیں گیسپر کے رسید کیں اور گیسپر سچ مچ اس پر چڑھ دوڑا۔ اگر ٹونی اپنا زخمی بازو چھوڑ کر اس کا ہاتھ نہ پکڑ لیتا تو فریدی کی پیشینگوئی پوری اترتی۔

اس نے کسی نہ کسی طرح چاقو گیسپر کے ہاتھ سے نکال دیا۔ لیکن وہ اب بھی جنگلی بھینسوں کی طرح لڑ رہے تھے۔ چاقو ان سے تھوڑے ہی فاصلے پر پڑا ہوا تھا۔ اور ان سے ہر ایک کی یہی کوشش تھی کہ کسی طرح چاقو اس کے ہاتھ لگ جائے۔

فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی اور وہ انہیں بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ یہ جنگ طویل ہوتی جا رہی تھی۔ آخر فریدی نے آگے بڑھ کر چاقو اٹھا لیا اور اُسے بند کر کے جیب میں ڈالتا ہوا بولا۔ "اب تم دونوں علیحدہ ہو جاؤ.... ورنہ مجھے اپنا فرض ادا کرنا پڑے گا۔"

لیکن اس کے باوجود بھی دونوں گتھے رہے۔ فریدی نے گھونسے مار مار کر انہیں الگ کیا۔

"یہ.... کرنل.... یہ سور کا بچہ۔" ٹونی گیسپر کی طرف انگلی اٹھا کر ہانپتا ہوا بولا۔ "جا.... کہ کیپٹن اور لڑکی کہاں ہیں۔"

گیسپر نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ فریدی کا تھپڑ پھر اس کے منہ پر پڑا۔

"ہاں ٹونی تم بیان جاری رکھو۔ نہیں.... ٹھہرو.... اندر چلو۔"

ٹونی جھومتا ہوا آگے بڑھا۔ فریدی نے گیسپر کی گردن دبوچ لی اور اسے دھکیلتا ہوا دو کمرے میں لے جانے لگا۔

"تم اگر چاہو تو سانس درست کرنے کے لئے کچھ پی سکتے ہو ٹونی۔"

"شکریہ جناب۔" اس نے میز پر رکھی ہوئی ہوتل سے گلاس میں بیئر انڈیلی اور دو سانسوں میں گلاس خالی کر دیا۔ پھر ایک کرسی میں گرتا ہوا بڑبڑایا۔ "یہ سور کا بچہ مجھے دھوکا دے لے گیا تھا۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ آپ لوگوں کا معاملہ ہے تو میں گھر سے قدم ہی نہ نکالتا۔"

فریدی نے گیسپر کی گردن چھوڑ دی تھی اور اُسے خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔

"اس نے کہا کہ ارجن پورے کے ایک مکان سے شاید دو آدمیوں کو اٹھانا پڑے کسی آدمی کا کام ہے، اس لئے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ یقین کیجئے مجھے ابھی آپ سے یہ معلوم ہوا ہے کیپٹن اور کوئی لڑکی تھے۔ میں صحن میں تھا اور انہوں نے کوٹھری سے دو بڑے بڑے تھیلے نکالے تھے۔ مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ انہیں کہاں لے جایا گیا ہے۔"

"کیوں....!" فریدی نے گیسپر کو مخاطب کیا۔

"یہ جھوٹا ہے۔"

"اٹھوں۔" ٹونی اسے خونخوار نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔

"اٹھونا.... اس بار تمہاری پسلیاں توڑ دوں گا۔"

فریدی کا تھپڑ پھر اس کے منہ پر پڑا اور وہ فریدی سے لپٹ پڑا۔

گیسپر بھی اچھی خاصی جسمانی قوت رکھتا تھا۔ مگر فریدی نے تین ہی منٹ میں اس کے بل نکال دیئے اور پھر جب ٹونی ہی نے اُسے زمین سے اٹھایا تو وہ اٹھ سکا۔

وہ ایک کرسی پر بیٹھا ہوا بُری طرح ہانپ رہا تھا اور منہ سے بہتے ہوئے خون کو بار بار آ سے خشک کرنے لگتا تھا.... فریدی کھڑا اُسے گھورتا رہا۔

"گیسپر!" اس نے آہستہ سے کہا۔ "اس چھت کے نیچے تمہاری موت بھی واقع ہو سکتی ہے

گیسپر نے میز پر کہنیاں ٹیک کر آگے جھکتے ہوئے زبان نکالی جس سے خون کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔ وہ کسی مرتے ہوئے کتے کی طرح ہانپ رہا تھا اور اس کی آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔

"ٹونی۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "مجھے احساس ہے کہ تم بھی زخمی ہو لیکن پھر بھی میں تمہیں تکلیف دے رہا ہوں اس کا منہ صاف کر کے اسے پینے کے لئے کچھ دو۔"

"برانڈی؟" ٹونی نے پوچھا۔

"ہاں.... شکریہ۔"

ٹونی نے جگ میں پانی لا کر اس کا منہ صاف کیا۔ گیسپر خاموشی سے بیٹھا رہا۔ پھر ٹونی نے ایک گلاس میں اسے برانڈی دی جسے وہ ایک ہی سانس میں حلق سے نیچے اتار گیا۔

"میں اپنی راہ میں آنے والوں سے نپٹنا اچھی طرح جانتا ہوں۔" فریدی نے گیسپر کو مخاطب کرتے ہوئے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالی اور کہا۔ "تمہیں صرف پانچ منٹ دیئے جاتے ہیں چھٹویں منٹ پر تم اس دنیا میں تو نہیں ہو گے اور میں جس طرح یہاں پہنچا ہوں اسی طرح وہاں بھی پہنچ سکتا ہوں جہاں وہ دونوں لے جائے گئے ہیں۔ کیا تم سن نہیں رہے ہو۔"

"سن رہا ہوں۔" گیسپر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "سب کچھ سن رہا ہوں۔ لیکن اب تم مجھے مار ہی ڈالو۔"

"یہ کام میں انجام دوں گا۔" ٹونی غرا کر کھڑا ہو گیا۔ "میں نے تجھ پر احسان کیا، رہنے کو جگہ دی، قرض خواہوں سے بچایا اور تو نے یہ بدلہ دیا۔ اگر تو مجھ سے بتا دیتا کہ کسے اٹھانا ہے تو میں اس کام میں ہاتھ ہی نہ ڈالتا۔ اَبے ہم بُرے آدمیوں میں بھی آپس داری کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔"

گیسپر کچھ نہ بولا۔ اس نے سر جھکا لیا تھا۔

"اب بہتری اسی میں ہے کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے اس پر عمل کرو۔" ٹونی پھر بولا۔

"اس مکان میں پہنچنے سے پہلے مجھے بھی علم نہیں تھا۔" گیسپر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں نے وہاں پہنچ کر انہیں دیکھا تھا۔"

"تمہیں کس نے اس حرکت پر آمادہ کیا۔"

"چارلی نے.... اور اسے اس بات کا بھی علم ہے کہ انہیں کہاں لے جایا گیا ہے۔"

"تم نہیں جانتے۔"

"نہیں.... میں نہیں جانتا۔"

"اوہ.... یہی تو میں کہوں گا۔" ٹونی بول پڑا۔ "گیسپر سے مجھے ایسی امید نہیں تھی۔"

پھر اس نے گیسپر کے لئے بیئر کا گلاس لبریز کیا اور اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "پی جا
دوست ہم لوگ خواہ مخواہ ایک دوسرے کے غصے کا شکار ہوئے۔"

"ہماری دوستی آج ختم ہوگئی۔" گیسپر نے گلاس کو دوسری طرف کھسکاتے ہوئے بُرا سا
بنا کر کہا۔

"تمہاری مرضی۔" ٹونی نے کھسیانے انداز میں اپنے شانوں کو جنبش دی اور میز کے پا
سے ہٹ گیا۔

فریدی گیسپر کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ "چارلی کہاں ملے گا۔ میں ایک نیا نام
رہا ہوں۔"

"وہ فن آئی لینڈ کے فریزبار کا بارٹنڈر ہے۔"

"اچھا۔" فریدی نے ایک طویل سانس لی اور جیب سے ہتھکڑیوں کا جوڑا نکال کر گیسپر
ہاتھوں میں ڈال دیا۔ پھر ٹونی سے بولا۔ "یہ تمہاری نگرانی میں رہے گا اور یہ تو تم جانتے ہو کہ یہ
سے دوستی ترک کر چکا ہے۔"

"جانتا ہوں۔" ٹونی سنجیدگی سے بولا۔ "ہم میں دوستی ختم ہونے کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ اَ
دوسرے کے چاقو خون کی پیاس سے تڑپتے رہیں۔ آپ مطمئن رہئے۔ یہ میری نگرانی میں رہے گا۔"

فریدی انہیں وہیں چھوڑ کر باہر نکل آیا۔

ایک پبلک فون بوتھ سے ہائی سرکل نائٹ کلب کے نمبر ڈائیل کئے۔ دوسری طرف ریمی
موجود تھا۔ فریدی نے اُسے ٹونی کے گھر کا پتہ بتا کر کہا کہ وہ وہاں سے گیسپر کو لے جائے۔

"اور ریکھا کہاں ہے۔" اس نے پوچھا۔

"ہال میں ہے۔"

"کچھ دیر کے لئے تم اس کی جگہ لے کر اُسے فون پر بھیج دو اور منیجر کو وہاں سے ہٹا لے جا
یعنی ریکھا سے گفتگو کے وقت وہ فون کے قریب نہ ہو۔"

فریدی کو دو منٹ سے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ دوسری طرف سے ریکھا کی آواز آئی۔

"تم دس سادہ لباس والوں کو فن آئی لینڈ بھیج دو۔ انہیں پوری طرح مسلح ہونا چاہئے اور ا
امریکن کے متعلق کیا رپورٹ ہے۔"

"وہ کمرے میں موجود ہے۔ ابھی اس سے ایک آدمی ملنے آیا تھا جس کے متعلق آپ دو
سے سنیں گے۔"

"کون آدمی۔"

"سر فیاض کا پرائیویٹ سیکریٹری مخدوم۔"

"اوہو۔ ریمش کو ابھی وہیں روکو اور سادہ لباس والوں کو بھی.... دوسری اطلاع تک
جزیرے میں بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

فریدی نے بڑی تیزی سے ریسیور ہک سے لٹکایا اور باہر نکل آیا۔ وہ قریب قریب دوڑتا ہوا
ٹونی کے گھر کی طرف جا رہا تھا کیونکہ ٹونی اور گیسپر بچ کر نکلے جا رہے تھے، ان دونوں ہی نے بڑے
شاندار طریقہ پر اُسے دھوکا دینے کی کوشش کی تھی، وہ سوچ رہا تھا کہ اگر یہ دونوں نکل گئے تو اسے
بہت ہی گھٹیا قسم کی شکست کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

سانپ

اُن دونوں کے ڈرامے میں پھنس کر وہ یہ تو بھول ہی گیا تھا کہ ان دنوں ٹونی کو ایک امریکن
کے ساتھ دیکھتا رہا تھا اور اب اس امریکن کی شخصیت بھی کسی حد تک روشنی میں آگئی تھی۔ یعنی
سر فیاض کے سیکریٹری سے اس کا ملنا جلنا تھا۔

فریدی بڑی تیز رفتاری سے چلتا رہا اور ٹھیک اس وقت وہاں پہنچا جب ٹونی اور گیسپر گھر سے
نکل رہے تھے۔ فریدی کو دیکھ کر وہ ٹھٹک گئے۔ گیسپر کے جسم پر ایک لمبا کوٹ پڑا ہوا تھا لیکن ہاتھ
آستینوں میں ڈالے بغیر نیچے سے اوپر تک بٹن لگا دیئے گئے اس طرح وہ ہتھکڑیاں پڑے ہوئے
ہاتھوں کو چھپانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

"بہت اچھے۔" فریدی اپنے مخصوص خونخوار انداز میں مسکرایا۔

دفعتاً ٹونی نے گیسپر کی گردن دبوچ لی اور بولا۔ "تو نے پھر مجھے ذلیل کرایا۔ گیسپر اب میں
کس طرح صفائی پیش کروں گا۔"

"کیوں کیا اسے اپنی کسی مالدار خالہ کی آخری وصیت سننی تھی۔"

"جی نہیں۔ جیل جانے سے پہلے روزیٹی سے ملنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ تین منٹ سے
زیادہ نہیں لگیں گے۔ جی ہاں تین گھروں کے بعد اس کا مکان ہے۔"

"اندر چلو۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "میں روزیٹی کو یہیں بلوائے لیتا ہوں۔"

گیسپر دروازے میں مڑ گیا۔ فریدی ان کے بعد داخل ہوا اور اس نے دروازہ بند کر بولٹ کر دیا۔

"ٹونی تم اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر دیوار کی طرف مڑ جاؤ۔" فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔ کے ریوالور کا رخ ٹونی کے سینے کی طرف تھا۔

"میں نہیں سمجھا جناب۔"

"اپنے ہاتھ اٹھاؤ۔ ورنہ میں فائر کر دوں گا۔"

"بہت بہتر.... مگر سنئے تو....!"

بظاہر اس کے انداز سے یہی معلوم ہوا کہ وہ ہاتھ اٹھانے جا رہا ہے لیکن حقیقتاً اس کا داہنا جیب کی طرف گیا تھا۔ فریدی کے ریوالور کی سرخ زبان نکل پڑی اور ٹونی دیوار سے جا ٹکا۔ اس کی انگلیوں کو چھوتی ہوئی دوسری طرف کی دیوار میں دھنس گئی تھی۔

ٹونی نے خوفزدہ انداز میں اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔ گیسپر خاموش گہری گہری سانسیں رہا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر ٹونی کی جیبوں سے دو چھوٹے چھوٹے ہینڈ بم برآمد کئے۔

"غالباً کسی امن کانفرنس میں شرکت کا ارادہ تھا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

ٹونی کچھ نہ بولا۔ اس کا سینہ دھونکنی کی طرح چل رہا تھا اور آنکھیں کسی ایسے چوپائے آنکھوں سے مشابہ نظر آ رہی تھیں جو کسی درندے کے حملے کا منتظر ہو۔

"تمہاری اڑان کی حدود ختم ہو گئیں۔" فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔ "کیپٹن حمید کہاں ہے۔"

"وہ فن آئی لینڈ لے جائے گئے تھے۔ میں اتنا ہی جانتا ہوں۔ سونا گھاٹ سے ایک سفید انہیں لے گئی تھی۔ ہم دراصل شہر ہی چھوڑ دینے کے خیال سے باہر نکلے تھے اور گیسپر نے اطلاع بھی غلط نہیں دی تھی کہ آپ کو چارلی سے بہت کچھ معلوم ہو سکے گا۔"

"اگر یہ جھوٹ ہوا تو میں تمہیں جیل سے نکال کر قتل کر دوں گا۔"

"دیکھئے جیل کی بات نہ کیجئے۔" ٹونی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "آپ کو علم ہے کہ ضمانت پر ہوں۔"

اگر یہ دستی بم تمہارے پاس سے برآمد نہ ہوئے ہوتے تو میں اس پر غور کرتا ویسے کیا سکتے ہو کہ ہائی سرکل نائٹ کلب والے امریکن سے تمہاری دوستی کتنی پرانی ہے۔"

ایک بار پھر ٹونی کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن ہونٹ ہل کر رہ گئے۔ فر بھی شائد اب وقت نہیں برباد کرنا چاہتا تھا۔ اسی لئے اس نے گفتگو کا سلسلہ آگے نہیں بڑھنے

ایک بار پھر اس نے رمیش اور ریکھا کو فون کیا۔ اب گیسپر کی ہتھکڑیوں میں ٹونی بھی شریک دیا تھا۔ انہیں دو ڈیوٹی کانسٹیبلوں کے چارج میں دے کر فریدی بندرگاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ ریکن کا مسئلہ اہم تھا مگر وہ اس کے متعلق گفتگو کو طول دے کر حمید کی زندگی خطرے میں نہیں ال سکتا تھا۔ ویسے اسے اطمینان تھا کہ وہ دونوں زندہ ہی ہوں گے کیونکہ اگر مار ڈالنا ہی مقصود ہوتا وہ انہیں اس مکان سے اٹھالے جانے کا خطرہ کیوں مول لیتے۔

بندرگاہ سے وہ جزیرے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اب شام ہو چکی تھی اور سورج پانی میں ڈوبتا ا ایک بہت بڑا آگ کا گولا معلوم ہو رہا تھا۔

اسکے جزیرے میں پہنچنے کے پانچ ہی منٹ بعد دس سادہ لباس والے بھی پہنچ گئے۔ فریدی نے انہیں کچھ ہدایات دے کر مختلف سمتوں میں پھیلا دیا۔ دو آدمی فریز بار کے سامنے بھی ٹھہرے۔

فریدی بار میں داخل ہوا سب سے پہلے اس کی نظر بار ٹنڈر ہی پر پڑی۔ جو کاؤنٹر کے پیچھے کھڑا اُسے دیکھ کر پلکیں جھپکا رہا تھا۔ یہ گٹھیلے جسم کا ایک پستہ قد ویٹر یشن تھا۔

فریدی کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ چارلی سیدھا کھڑا تھا اور اس کے اعضاء بے حس و حرکت تھے۔ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا اور دونوں کی پلکوں نے جھپکنا چھوڑ دیا تھا۔

"اب تمہیں لامحالہ میری ضرورت ہو گی۔" فریدی کسی سانپ کی طرح پھپھکارا۔

"میں فریدی ہوں۔"

چارلی سکتے کی سی حالت میں کھڑا رہا پھر سنبھل کر بولا۔ "فرمایئے میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ وہائٹ بریڈ پیل ایل کے بیرل آج ہی آئے ہیں۔ مگر بہت سے لوگ اُسے پسند نہیں کرتے۔ اوہ ٹھہریئے.... کیا میں آپ کے لئے گولڈن ایگل پیش کروں۔ اس بار میں آپ کو صرف بیئر ہی مل سکے گی۔"

"کیپٹن حمید اور سر فیاض کی پوتی کہاں ہے۔" فریدی نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"میں نہیں سمجھا آپ کیا فرما رہے ہیں۔"

"ٹونی اور گیسپر کے ذریعہ یہاں تک پہنچا ہوں۔"

دفعتاً چارلی نے پلٹ کر کاؤنٹر کے پیچھے کھلے ہوئے دروازے میں چھلانگ لگائی۔ فریدی نے کاؤنٹر پر ہاتھ ٹیکے اور دوسری طرف کود گیا۔

چارلی نکل جانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ البتہ وہ دیوار سے لگے ہوئے ایک بٹن کو بار بار دباتا ہوا پکڑا گیا تھا۔ اس وقت فریدی نے اس کی اس حرکت پر دھیان نہیں دیا۔

"کیا تم نہیں بتاؤ گے۔" فریدی اس کی گردن دبوچے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"بتاتا ہوں...." وہ پھنسی پھنسی سی آواز میں بولا۔ "وہ.... وہ....!"

اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکا۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ وہ اتنی جلدی بیہوش ہو سکتا ہے جسم کی بناوٹ تو ایسی نہیں تھی جس پر اس قسم کی کمزوری کا شبہ بھی ہو سکتا تو پھر شاید یہ مکاری تھی۔

مگر یہ مکاری کافی دیر جاری رہی۔ لوگ کاؤنٹر پر کھڑے اندر کی طرف جھانک رہے تھے لیکن سادہ لباس والوں نے انہیں اندر نہیں داخل ہونے دیا۔ بار کا مالک ایک پارسی تھا جب اس کو معلوم ہوا کہ بار میں پولیس موجود ہے تو اس کی دھندلی آنکھوں سے بہت زیادہ مقدار میں پانی بہنے لگا۔ وہ دبلے پتلے ڈیل کا آدمی تھا اور شاید اعصابی اختلاج کا مریض بھی.... اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ کاؤنٹر ہی تک جا سکتا۔

فریدی نے دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔ یہ ایک چھوٹی سی راہداری تھی جس کا اختتام اس دروازے پر ہوا تھا۔ یہ دروازہ بند تھا۔ دونوں دروازے بند ہونے کی بناء پر یہاں اندھیرا ہو گیا تھا۔ فریدی کاؤنٹر کی جانب کا دروازہ بند کر کے سوئچ بورڈ کی طرف بڑھا لیکن ابھی اس کا ہاتھ سوئچ تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ اس نے چارلی کی چیخ سنی۔

"ارے مار ڈالا۔"

"چٹ۔" راہداری میں روشنی ہو گئی اور پھر اگر فریدی ایک طرف نہ ہٹ گیا ہوتا تو بڑے سانپ نے اُسے ڈس ہی لیا تھا، جو چارلی کے جسم پر سے اس پر جھپٹا تھا۔

فریدی نے راہداری کے دوسرے سرے کی طرف چھلانگ لگائی اور مڑتے مڑتے سانپ کے پھن پر فائر کر دیا۔ سانپ دروازے سے ٹکرا کر دھپ سے فرش پر جا گرا۔ دو تین لہریں لیں اور ٹھنڈا ہو گیا۔

چارلی اپنی پنڈلی دبائے کسی خوفزدہ بچے کی طرح سسکیاں لے رہا تھا۔

"میں نے خطرے کی گھنٹی بجائی تھی۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "وہ سب اس عمارت میں ہیں اوپر کی منزل پر.... انہوں نے.... مم.... مجھے مار.... ڈالا.... لا.... ہچ....!"

اس کے منہ اور ناک سے خون کی بوچھاڑ سی نکل کر دیوار پر پڑی اور پھر فریدی نے اسے توڑتے دیکھا۔ دوسری طرف کا دروازہ بند تھا۔ فریدی نے اُسے دھکا دیا لیکن کھولنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس نے کاؤنٹر کی طرف کا دروازہ کھولا۔ پانچ چھ آدمی سراسیمگی کے عالم میں کھڑے تھے۔

انہیں سادہ لباس والوں نے باہر نہیں نکلنے دیا تھا۔

"اندر ایک لاش ہے۔" فریدی نے بلند آواز میں کہا۔ "کوئی ادھر نہیں جائے گا۔"

لیکن فریدی کو جلد ہی معلوم ہو گیا کہ اب وہ مجرموں کو نہ پا سکے گا۔ اوپری منزل پر جانے سے پہلے ہی اس کے علم میں لایا گیا کچھ دیر پہلے پانچ یا چھ آدمی نیچے کھڑی ہوئی ایک اسٹیشن ویگن میں فرار ہو چکے ہیں۔ لیکن ان کے ساتھ کوئی ایسا آدمی نہیں تھا جس کے متعلق یہ کہا جا سکتا کہ وہ زبردستی کہیں لے جایا جا رہا ہے ان لوگوں کے پاس کوئی سامان بھی نہیں تھا۔

فریدی تین سادہ لباس والوں کے ساتھ اوپری منزل پر پہنچا، لیکن یہاں چاروں طرف سناٹے کی حکمرانی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہاں کے مکین کہیں بے خبر سو رہے ہوں کسی جگہ بھی انتشار یا بد نظمی کے آثار نہیں دکھائی دیئے۔ فریدی یہاں اس توقع پر آیا تھا کہ ممکن ہے حمید اور شکیلہ یہیں ہوں۔

اُسے مایوسی نہیں ہوئی۔ سب سے پہلے اُسے شکیلہ ملی، جو ایک کمرے میں بند تھی۔ اُس سے اُسے معلوم ہوا کہ حمید کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے اور وہ بھی یہیں کہیں بند ہو گا۔ شکیلہ بُری طرح سہمی ہوئی تھی اور بار بار فریدی کو اس طرح گھورنے لگتی تھی جیسے اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آ رہا ہو۔

یہاں سات کمرے تھے۔ ایک میں حمید نظر آیا۔ وہ کمرے کے وسط میں کھڑا تھا۔ اس کے کپڑے جگہ جگہ سے پھٹے ہوئے تھے۔ فریدی کو دیکھتے ہی اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

"حمید....!" فریدی نے اُس کا شانہ ہلا کر آواز دی۔

"میرا نام نربدا پرشاد ہے۔" حمید نے آہستہ سے جواب دیا۔

"تب تو ٹھیک ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "اب دماغ ٹھیک ہو جانا چاہئے ورنہ اٹھا کر نیچے پھینک دوں گا۔"

"کیا وہ.... لڑکی موجود ہے۔" حمید نے آنکھیں بند کئے ہوئے پوچھا۔

"کیوں!"

"میں پھر پاگل ہو جاؤں گا۔"

فریدی نے اُسے دروازے کی طرف دھکا دیا اور حمید نے آنکھیں کھول دیں۔ شکیلہ اُسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

حمید نے اپنی بائیں آنکھ دبا کر کہا۔ "یہ میری تفریح تھی۔"

فریدی کمروں کی تلاشی لینے لگا لیکن حمید کچھ اسطرح لاپرواہ نظر آرہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

کچھ دیر بعد فریدی دوسری طرف کے زینوں سے نیچے اتر رہا تھا۔ جن کا اختتام ایک دروازے کے قریب ہوا تھا۔ بولٹ نیچے گرا کر اس نے دروازہ کھولا۔ اب وہ اسی راہداری میں تھا جہاں اس نے چارلی کی لاش چھوڑی تھی۔ وہ اب بھی وہیں پڑی تھی۔

بار کے پارسی مالک کو غش پر غش آرہے تھے۔ فریدی اس کی طرف بڑھا۔ وہ سادہ لباس والوں کو اس اسٹیشن ویگن کی تلاش میں روانہ کر چکا تھا جس میں مجرم فرار ہوئے تھے۔

بوڑھے پارسی کو گفتگو کرنے کے لئے کافی دیر لگی۔

"یہ عمارت میری ہی ملکیت ہے۔" پارسی کہہ رہا تھا۔ "ایک ماہ پہلے کی بات ہے کہ غیر ملکی سیاحوں نے اوپری منزل کرائے پر لی تھی۔ وہ آرٹسٹ تھے، جلد ہی ان کا حلقہ احباب بڑھ گیا اور بہت زیادہ لوگ یہاں آنے جانے لگے۔"

"چارلی تمہارے پاس کب سے تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"ایک سال سے۔"

"وہ سیاح کس ملک کے باشندے تھے۔"

"اٹلی کے، انہوں نے یہی بتایا تھا۔"

"کیا ان لوگوں کے پاس ان کی ذاتی کشتی بھی تھی۔"

"مجھے اس کے متعلق کوئی علم نہیں ہے جناب۔"

"مکان کرایہ پر لینے کے سلسلے میں کوئی تحریری معاہدہ ہوا تھا۔"

"نہیں جناب، چونکہ میرے ایک معتمد ملازم نے ان کی ضمانت دی تھی اس لئے میں نے قسم کی تحریری کاروائی کی ضرورت نہیں سمجھی۔"

"وہ معتمد ملازم کہاں ہے۔"

"چارلی۔"

"اوہ.... آپ کو اس پر اعتماد تھا۔"

"بہت زیادہ۔ اس نے آج تک مجھے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا۔"

تفتیش کا سلسلہ زیادہ دیر تک جاری نہیں رہ سکا کیونکہ پارسی کی معلومات محدود تھیں۔ وہ بھی نہ بتا سکا کہ چارلی کون تھا۔ کہاں سے آیا تھا اور اس کے خاندان کے دوسرے افراد کہاں ہیں۔ ویسے وہ اسی عمارت کے ایک کمرے میں تنہا رہتا تھا۔"

چارلی کی لاش ضروری کاروائیوں کے بعد اٹھوا دی گئی اور عمارت پر پولیس کا پہرہ قائم کر دیا گیا۔

ان کی واپسی تقریباً دس بجے ہوئی۔ شکیلہ کو پہلے ہی دو سادہ لباس والوں کے ساتھ شہر بھجوا دیا گیا تھا۔ روانگی سے قبل فریدی نے اس سے بھی سوالات کئے تھے اور اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ سر فیاض کی حیثیت ان معاملات میں کافی اہمیت رکھتی ہے۔

اُس نے حمید سے بھی سارے واقعات سنے اور بولا۔ "میرا خیال ہے انہیں توقع تھی کہ ہم دونوں ارجن پورے والے مکان میں ضرور جائیں گے۔ دراصل وہ یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین ہیں کہ شکیلہ ہمیں سر فیاض کی قیام گاہ پر کیوں لے گئی تھی۔"

"اس کی شامت نے پکارا تھا، اسی لئے لے گئی تھی۔" حمید نے جواب دیا۔

"لڑکی کافی ذہین معلوم ہوتی ہے۔ حمید صاحب اسے تسلیم کرنا پڑے گا۔"

"کیا تسلیم کر لینے پر میں دو چار بچوں کا باپ ہو جاؤں گا۔ چلئے تسلیم کر لیا۔"

"بس تمہیں ایک آرٹ آتا ہے صاحبزادے۔ جہاں دیکھا بس نہیں چلتا۔ پاگل بن گئے، کبھی دھوکا بھی کھا جاؤ گے۔"

"اگر وہ سنتھیلک گیس نہ استعمال کرتے تو میں اس کا قصد بھی نہ کرتا۔ سنتھیلک گیس کی زیادہ مقدار دماغ ماؤف بھی کر سکتی ہے۔"

"موت سے بھی ہم کنار کر سکتی ہے، حمید صاحب مگر لڑکی نے خاصی بات بنائی انہیں اس کی ہوا بھی نہ لگنے دی کہ وہ ہمیں اپنے گھر کیوں لے گئی تھی۔ اوہ.... مگر فضول، انہیں حقیقت کا علم ہو ہی جائے گا کیونکہ سر فیاض کا سیکریٹری مخدوم بھی اس نامعلوم سازش کا شریک خیال کیا جا سکتا ہے۔"

"کیوں....؟"

فریدی نے اُسے اس امریکن کے متعلق بتایا جو ہائی سرکل نائٹ کلب میں مقیم تھا۔ کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر حمید نے کہا۔ "آخر یہ چارلی کیسے مر گیا۔ ان لوگوں نے اسی وقت اس کے لئے راہداری میں سانپ ڈالا ہو گا۔"

"یہ قرین قیاس نہیں ہے اگر وہ اسی وقت سانپ ڈال سکتے تھے تو مجھ پر فائر کر دینے میں کیا دشواری ہو سکتی تھی۔ ظاہر ہے کہ جس وقت میں کاؤنٹر کی طرف کا دروازہ بند کر رہا تھا اسی وقت سانپ بھی ڈالا گیا ہو گا۔ اسی وقت مجھ پر بھی فائر کیا جا سکتا تھا کیونکہ میری پشت اسی دروازے کی طرف تھی جس سے سانپ راہداری میں ڈالا گیا ہو گا۔ نہیں حمید صاحب کہانی ہی اور ہے وہ اس وقت کوئی ڈرامہ تو اسٹیج ہو نہیں رہا تھا کہ اس میں دلچسپی قائم رکھنے کے لئے سراغ رساں کو آخیر

تک زندہ رکھنے کی ضرورت ہوتی۔ وہ میرا کام تمام کر کے قصہ ہی ختم کر سکتے تھے۔"

"پھر سانپ کہاں سے آیا۔"

"کہیں سے نہیں۔ وہ وہیں رہتا تھا اور حقیقتاً وہ اسی لئے وہاں رکھا گیا تھا کہ خطرے کی گھنٹی بجانے والے کو ڈس لے۔ گھنٹی کے اوپر ایک خفیہ خانہ تھا جو گھنٹی کا بٹن دبانے سے کھل جاتا تھا۔ بعد کی تفتیش کے دوران میں معلوم ہوا حمید صاحب یہ طریق کار خود ہی چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ معاملات میں ڈاکٹر ڈریڈ کے علاوہ اور کسی کی ذہانت کو دخل نہیں ہو سکتا۔ خطرے کی گھنٹی اسی لگائی تھی کہ وہ ہر وقت ہوشیار ہو سکیں، لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ خطرے کی اطلاع دینے بھی بچ نکلتا۔ اس لئے اس کا مر جانا ہی ان کے لئے مفید ہو سکتا تھا۔ بہر حال گھنٹی کا بٹن دبنے خفیہ خانہ کھلا اور اُس میں سے سانپ نکل کر چارلی پر آ رہا۔"

"آخر سر فیاض کا کیا قصہ ہو سکتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"فی الحال کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اُسے دیکھنا پڑے گا۔ ابھی تو ٹونی سے بہتیری معلومات ف کرنی ہیں۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ ڈاکٹر ڈریڈ اب بھی یہیں موجود ہے۔"

پھر اس نے حمید کو فنچ کے متعلق بتایا اور حمید حیرت زدہ ہو گیا۔

مہم

دوسری صبح حمید کو فریدی ناشتے کی میز پر نہیں ملا۔ وہ ناشتہ کر ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی حلق سے اترتا ہوا نوالہ پھر منہ میں واپس آ گیا۔ وہ سمجھا کہ فون لازمی طور پر فریدی ہی کا ہ ظاہر ہے ایسی صورت میں یہی غنیمت تھا کہ نوالہ منہ کے اندر ہی رہے۔ ورنہ اُسے تو باہر آ جانا تھا کیونکہ آج حمید سو فیصدی آرام کے موڈ میں تھا۔ اُس نے رو دینے والی آواز میں "ہیلو" کہا۔

"کون صاحب ہیں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "آواز نسوانی تھی۔"

"کیپٹن حمید۔" حمید نے پُر وقار آواز میں جواب دیا۔

"تو اس میں رونے کی کیا بات ہے۔" ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا گیا۔ اب حمید نے شکیلہ آواز پہچان لی تھی۔

"تو یہ تم ہو شکیلہ۔" حمید غصیلی آواز میں بولا۔

"جی ہاں۔ فریدی صاحب کے لئے ایک اطلاع ہے۔"

"مگر فریدی صاحب موجود نہیں ہیں، لہٰذا وہ اطلاع محفوظ رکھو۔"

"آپ انہیں مطلع کر دیجئے۔"

"بھئی تم اپنی اطلاعات اپنے پاس ہی رکھو تو بہتر ہے۔" حمید نے کچھ ایسے لہجے میں کہا کہ شکیلہ ہنس پڑی۔

"آپ بہت خائف ہیں کیوں۔ مگر مجھ پر توکل کے واقعات کا ذرہ برابر بھی اثر نہیں پڑا۔"

"کیا اطلاع ہے۔" حمید حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

"مخدوم پچھلی رات سے غائب ہے۔"

"اچھا میں آج رات تک اُسے قتل کر دوں گا۔" حمید نے بڑی لاپروائی سے کہا۔ "اور کچھ۔"

"تم سے فون پر گفتگو کرنا تو ممکن ہی نہیں ہے۔ اچھا میں خود ہی آ رہی ہوں۔"

"پھاٹک پر دو تین خونخوار قسم کے کتے تمہارے منتظر رہیں گے۔"

"میں انہیں بھی دیکھ لوں گی۔" دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

حمید دراصل فنچ کی فکر میں تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی ڈاکٹر ڈریڈ کے چکر میں ہے کیوں نہ فنچ کی تلاش جاری رکھے۔ وہ ہمیشہ اسی فکر میں رہتا تھا کہ فریدی کی مدد کے بغیر کوئی بڑا کام انجام دے ڈالے۔

وہ کمرے سے نکل کر فریدی کی تجربہ گاہ میں آیا۔

کچھ دیر بعد وہ ادھیڑ آدمی کے میک اپ میں تجربہ گاہ سے نکل رہا تھا۔ عادی قسم کے ڈرائیوں کی طرح اس کی پلکیں سرخ اور قدرے متورم نظر آ رہی تھیں۔

پھر وہ باہر جانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ملازم نے شکیلہ کا وزیٹنگ کارڈ دیا اور حمید ڈرائنگ روم کی طرف چلا آیا۔

شکیلہ نے اُسے دیکھا اور بوکھلائے ہوئے انداز میں کھڑی ہو گئی۔

"کل تم خوفزدہ نہیں تھیں۔" حمید نے آواز بدلے بغیر پوچھا۔

شکیلہ چونک پڑی پھر تحیر آمیز ہنسی کے ساتھ بولی۔ "تو یہ آپ ہیں۔"

"میری بات کا جواب دو۔"

"نہیں میں خوفزدہ نہیں تھی۔"

"پھر ایسے کسی تجربے سے دوچار ہونے کی ہمت ہے۔"

"ہے کیوں نہیں۔"

"چلو گی۔ مگر جگہ کے متعلق کچھ نہیں بتایا جائے گا۔"

"چلوں گی۔ کیا تم مجھے ڈرپوک سمجھتے ہو۔"

"میک اپ میں چلنا پڑے گا۔"

"اوہ....!" دفعتاً شکیلہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آنکھیں چمکنے لگیں اور وہ تقریباً ہانپتی ہوئی بولی "مجھے اس کا بڑا شوق ہے میں ضرور چلوں گی۔"

"شلوار.... اتار کر اسکرٹ پہننا پڑے گا۔"

"میرے پاس اسکرٹ بھی ہیں۔"

"اونہہ.... میرے پاس بھی ہیں۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"یہاں.... اسکرٹ....!" شکیلہ حیرت سے بولی۔ "میرا خیال ہے کہ یہاں کوئی عور نہیں ہے۔"

"تو گویا دنیا کی ساری نعمتیں صرف عورتوں ہی کے لئے ہیں۔" حمید نے جھلائے ہوئے انہ میں کہا۔

"ارے نہیں صاحب۔" شکیلہ سنجیدگی سے بولی۔ "دوپٹہ بھی آپ کے لئے ہے، فراک آپ کے لئے۔ غرارہ بھی آپ کے لئے ہے۔"

"اچھا.... بس اب زیادہ فیاضی سے کام نہ لو میرے ساتھ آؤ۔"

حمید اسے تجربہ گاہ میں لایا اور بڑی الماری کا دروازہ کھولنے لگا جو مقفل تھا۔ لیکن جیسے ہی درو کھلا شکیلہ متحیر رہ گئی کیونکہ وہ حقیقتاً الماری نہیں تھی بلکہ ایک چھوٹے سے کمرے کا دروازہ تھا۔

حمید اسے دروازے میں دھکیلتا ہوا بولا۔ "جاؤ.... وہاں تمہیں ہر قسم کا لباس ملے گا کوئی سا اسکرٹ منتخب کر لینا۔"

اس نے دروازہ بند کر دیا اور تجربہ گاہ میں ٹہلنے لگا۔ مشکل سے تین منٹ گزرے ہوں کہ باہر سے قدموں کی آواز سنائی دی۔ دروازہ کھلا اور فریدی اندر داخل ہوا، وہ چاروں طرف رہا تھا۔ پھر حمید کو گھورتا ہوا بولا۔ "شکیلہ کہاں ہے۔"

"آج میں کام کے موڈ میں ہوں۔" حمید نے لاپرواہی سے کہا۔ "اُسے اپنے ساتھ لے ہوں۔"

"لیکن اُسے یہاں تجربہ گاہ میں لانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"اوہو.... وہ تو اس وقت ڈریسنگ روم میں ایک اچھا سا اسکرٹ تلاش کر رہی ہے۔"

"حمید تمہیں قتل کر دوں گا۔" فریدی دانت پیس کر بولا۔

"میں منٹوں میں قاتل کا سراغ نکال کر قانون کے حوالے کر دوں گا۔"

"اُسے باہر نکالو۔"

"خود ہی آجائے گی۔ معلوم نہیں کس پوزیشن میں ہو۔"

فریدی نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی۔ اندر سے دروازہ کھلنے میں دیر نہیں لگی لیکن شکیلہ فریدی کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

"کیا کل کا تجربہ محتاط رہنے کیلئے کافی نہیں تھا۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "باہر آؤ۔"

شکیلہ چپ چاپ نکل آئی اور سہمے ہوئے لہجے میں بولی۔ "انہوں نے کہا تھا۔"

"کل کا تجربہ تمہیں ساری زندگی یاد رہنا چاہئے۔ بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

شکیلہ بیٹھ گئی۔

"کیا تم مخدوم کے متعلق اور کچھ نہیں بتا سکتیں۔"

"میں اسی کے متعلق ایک بات بتانے کے لئے آئی تھی۔"

"کیا....؟"

"وہ کل رات سے غائب ہے اور دادا جان نہ صرف ہوش میں آگئے ہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی بات ہی نہ رہی ہو۔ انہیں اپنی بیہوشی قطعی یاد نہیں ہے یعنی وہ سمجھتے ہیں کہ انہیں کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔"

"تم یہ اپنا میک اپ ختم کرو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔ اور پھر شکیلہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"آج رات کو وہ ایک جگہ مدعو ہیں۔ وہاں ضرور جائیں گے حالانکہ ہم لوگ نہیں چاہتے۔" شکیلہ نے کہا اور خاموش ہو کر حمید کی طرف دیکھنے لگی، جو واش بیسن پر جھکا ہوا کسی عرق سے اپنا چہرہ صاف کر رہا تھا۔

"کہاں مدعو ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"رائے شیکھر کے یہاں۔ وہاں وہ تین دن تک قیام کریں گے۔"

"تین دن تک۔"

"ہاں.... رائے شیکھر ہمارے یہاں آئے تھے، وہ انہیں مدعو کر گئے ہیں۔ آج رات کو ان

کی شہری قیام گاہ پر ایک تقریب ہے، اس کے بعد وہ چند دوستوں کے ساتھ اپنے دیہی مکان میں چلے جائیں گے وہاں تین دن تک قیام رہے گا۔ یونہی تفریحاً۔"

"دیہی قیام گاہ کہاں ہے۔"

"سوناگھاٹ کے قریب کہیں ہے۔"

"اوہ....!"

فریدی چند لمحے خاموش رہا۔ پھر اس نے شکیلہ سے کہا۔ "اب تم جاؤ۔ اگر تم نے اس سلسلے میں مزید حماقتیں کیں تو نتیجے کی خود ذمہ دار ہو گی۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"ان معاملات میں سکوت اختیار کرو۔ ہم سے ملنے کی کوشش نہ کرو۔ اگر کوئی خاص بات تو فون پر مطلع کرو۔ ہم میں سے کوئی گھر پر موجود ہو یا نہ ہو۔ اپنا پیغام پہنچا دو۔ وہ ہم تک پہنچ جا گا۔ اس سے ضرور مطلع کرنا کہ مخدوم کب اور کس وقت گھر آتا تھا اس پر گہری نظر رکھو۔"

"بہر حال دادا جان کے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے۔" شکیلہ نے ایک طویل سانس لیکر کہا

"اور اس وقت کے حالات تو یہی کہتے ہیں لیکن تم مجھ سے کچھ پوچھنے کی کوشش نہیں گی۔ بس اب جاؤ۔"

"بس اب جاؤ۔" حمید نے دردناک آواز میں دہرایا۔

شکیلہ شرارت آمیز انداز میں مسکراتی ہوئی تجربہ گاہ سے نکل گئی۔

فریدی خلاء میں گھور رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں تھیں اور داہنے ہاتھ کی انگلیاں جبڑے پر پڑے ہوئے [illegible] پر ہولے ہولے رینگ رہی تھیں۔ دفعتاً اس نے کہا۔

"حمید تم سوناگھاٹ میں رائے شیکھر کا مکان تلاش کرو گے۔ یہ کام اسی وقت سے شروع ہو گا۔ کسی طرح اس مکان میں اپنے لئے جگہ بنانے کی کوشش کرو۔"

"را[illegible] شیکھر وہی نا.... جس کیمیکل ٹینم کی کانیں ہیں۔"

"[illegible] ایک امریکی سرمایہ دار چارلس براؤن سے کسی قسم کے تجارتی تعلقات پیدا کر[illegible] رہا ہے۔ چارلس براؤن جو ہائی سرکل نائٹ کلب میں مقیم ہے۔ وہ کا ایک بڑا سرمایہ دار ہے۔"

"وہی امریکن جس کی آپ نگرانی کر رہے ہیں۔"

"ہاں وہی۔ رائے شیکھر اس سے چند معاملات کرنے والا ہے۔ سر فیاض کے لئے

مخدوم سے بھی ملتا جلتا ہے اور دوسری طرف ٹونی بھی اکثر اس کے ساتھ دیکھا گیا ہے لیکن ٹونی کا کہنا ہے کہ چارلس براؤن سے وہ خود ہی ملا تھا۔ مقصد صرف یہ تھا کہ اگر وہ اس پر کسی طرح ہاتھ صاف کر سکے تو.... ٹونی پہلے بھی اکثر غیر ملکیوں کو بعض معاملات میں ٹھگتا رہا ہے۔ لہٰذا اس کے بیان کو جھٹلایا بھی نہیں جا سکتا۔ تم لوگوں کے اغواء کا الزام اس نے سر بسر چارلی پر ڈال دیا ہے۔"

"مگر یہ کس قسم کی سازش ہو سکتی ہے۔"

"کس سلسلے میں.... کہو.... سازش کی اقسام کا علم شاید ارسطو کو بھی نہیں تھا تمہیں بولنا کب آئے گا۔"

"شادی کے بعد، اس سے پہلے کوئی راج فلانے دھمکانے کا ہدایت نامہ خسرو، خوشدامن پڑھنا ضروری ہے۔ ورنہ ہارٹ فیل ہو جانے کی گارنٹی نہ دی جا سکے گی۔"

"وقت برباد نہ کرو۔ تمہیں ابھی اور اسی وقت سوناگھاٹ کے لئے روانہ ہو جانا چاہئے۔ مجھے وہ عمارت معلوم ہے جسے رائے شیکھر اپنا دیہی مکان کہتا ہے مگر میں وہاں کس طرح قدم جما سکوں گا۔ شکیلہ کو بھی آپ نے ٹرخا دیا ورنہ اس سے بڑی مدد ملتی۔"

"کیا مدد ملتی۔"

"کہیں بھی قدم جمانے کے لئے عورت ضروری ہوتی ہے۔ ٹھہریئے۔ درمیان میں نہ بولئے۔ مجھے اپنا نقطہ نظر واضح کرنے دیجئے۔ فرض کیجئے میں نوکروں کے بھیس میں وہاں گھسنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ وہاں کے نوکر مجھے قدم جمانے دیں گے، میرا تو خیال ہے کہ شاید وہ کمپاؤنڈ میں قدم بھی نہ رکھنے دیں۔ لیکن ایک عورت.... ہاہا.... صرف ایک عورت پورا نقشہ بدل سکتی ہے۔ سر پر بیٹھا لیا جاؤں گا۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔" فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "اس کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔"

"کیا انتظام کیا جا سکتا ہے۔"

"ریکھا۔"

"ارے توبہ توبہ۔" حمید کانوں پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "میں اس کے ساتھ ایک منٹ بھی زندہ نہ رہ سکوں گا۔"

"سنجیدگی اختیار کرو۔ میں ریکھا کو فون کرنے جا رہا ہوں۔"

"کیجئے۔" حمید نے بے بسی سے کہا اور ایک کرسی میں گر گیا۔ فریدی باہر جا چکا تھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اب اُسے کس قسم کا میک اپ کرنا چاہئے، ویسے ابھی لیڈی انسپکٹر ریکھا کا مسئلہ بھی باقی تھا

کہ وہ کس قسم کے میک اپ میں ہو گی۔

تقریباً دس منٹ بعد فریدی واپس آ گیا اور حمید کے چہرے کو دوبارہ کئی قسم کے لوشنوں سے دوچار ہونا پڑا۔ خود فریدی ہی اس کا میک اپ کر رہا تھا۔

اسی دوران میں ریکھا بھی آ گئی اور پھر تھوڑی دیر بعد وہ دونوں کچھ ایسے حلیے میں نظر آئے کہ اُن کے والدین بھی انہیں نہ پہچان سکتے۔ ریکھا ایک الہڑ قسم کی دہقانی لڑکی کے روپ میں کھڑی تھی اور حمید ایک گاؤدی قسم کا دہقان معلوم ہو رہا تھا۔

فریدی نے ان پر الوداعی نظریں ڈالتے ہوئے بڑے آسودہ انداز میں سر ہلایا۔

خط

سونا گھاٹ کے شیکھر محل کے گرد وہ دونوں چکر لگا رہے تھے۔ حمید کی اسکیم یہ تھی کہ یہاں کے کسی ایک ملازم کی حمایت حاصل کر لے گا۔

شام ہو گئی تھی اور موسم کافی خوشگوار تھا۔ حمید نے ریکھا کی طرف اتنے پیار سے دیکھا کہ بوکھلا گئی۔

"آؤ ہم تم اسی طرف سے بندرابن نکل چلیں۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"اس سے پہلے تم کسی یتیم خانے میں داخلہ لے کر بھیک مانگنے کی مشق بہم پہنچا لو۔" ریکھا نے جواب دیا۔ "ویسے اگر تم زیادہ بدتمیزی کرو گے تو بھگتو گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ بہت کم بدتمیزی کروں گا۔"

"شٹ اپ....!"

"ہائیں.... کیا تم اس حلیے میں انگریزی بولو گی۔ ذرا سنبھل کر، ورنہ یہ حلیہ رکھا ہی رہ جائے گا اور تم حلوہ بنالی جاؤ گی۔"

"بکواس مت کرو، ورنہ چانٹا مار دوں گی۔"

"اور پھر میں ڈنڈوں سے تمہاری خبر لوں گا۔ تمہارا گھر والا ٹھہرا اور دہقانی بھی۔"

یہ جھک جھک ہو ہی رہی تھی کہ پھاٹک سے ایک آدمی نکلا جو وضع قطع سے ملازم ہی معلوم ہوتا تھا اس نے چاہا کہ ریکھا کو گھورتا ہوا قریب سے نکل جائے حمید نے لپک کر اس کا ہاتھ پکڑ

لیا۔ چونکہ وہ ریکھا کو گھور رہا تھا اس لئے حمید کی اس غیر متوقع حرکت پر بوکھلا گیا۔

"ہم پردیسیوں کی بھی سن لے بھائی۔" حمید نے کہا۔

یہ جملہ بھی غیر متوقع ہی تھا۔ وہ نوکر اور زیادہ چغد نظر آنے لگا۔

"ہم بھکاری نہیں ہیں۔" حمید نے کہا۔

"ارے نہیں جی بھکاری کیوں۔" نوکر جلدی سے بولا۔

"ہمیں نوکری چاہئے ورنہ ہم دونوں پردیس میں بھوکے مر جائیں گے یار۔"

"نوکری....!" ملازم نے تشویش کن نظروں سے دونوں کو باری باری دیکھا اور اپنے سر پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ "یہاں جرورت تو نہیں ہے پر میں.... دیکھو.... میں بتاؤں سرکار آج آئیں گے.... پر بہت رات گئے.... ٹھہرو.... ایک ترکیب ہے.... میری پھوپھی کے لڑکے بن جاؤ.... یہ گھر والی ہے نا تمہاری۔"

"ہاں بھیا۔"

"بس تو پھر تم میری پھوپھی کے لڑکی بن جاؤ۔ سپارش کروں گا صاحب سے۔"

"واہ.... بھیا بڑے دیالو ہو۔ بھگوان بھلا کرے تمہارا۔"

"تو چلو میرے ساتھ.... آؤ۔" اس نے کہا۔ وہ بار بار للچائی ہوئی نظروں سے ریکھا کی طرف دیکھنے لگتا تھا۔

وہ انہیں شیکھر محل کی کمپاؤنڈ میں لایا اور چلتے چلتے رک کر بولا۔ "پر دیکھو دوست جاہر نہ ہونے پائے کسو پر کہ تم میری پھوپھی کے لڑکے نہیں ہو۔"

"ارے نہیں یار ایسا بھی کیا۔" حمید جلدی سے بولا۔ "بھوکا تھوڑے ہی مرنا ہے۔"

پھر نوکر نے اس قسم کی گفتگو شروع کر دی جیسے اس سے زیادہ نیک آدمی پچھلی کئی صدیوں سے پیدا ہی نہ ہوا ہو۔ حمید سر ہلا ہلا کر ہاں میں ہاں ملاتا رہا۔ ریکھا دل ہی دل میں کباب ہو رہی تھی۔ اس کا بس چلتا تو اس نوکر کی گردن ہی اڑا دیتی جس کی زبان تو متبرک پانیوں سے دھلی ہوئی معلوم ہوتی تھی مگر آنکھیں.... ان میں کتنی شدید بھوک تھی وہ بار بار کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھنے لگتا تھا۔

وہ انہیں شاگرد پیشہ کے ایک کمرے میں لایا اور بولا۔ "تم دونوں یہیں رہنا اور میں کہیں اور پڑا رہوں گا۔ ہاں بھابی دیکھو کسی بات کی تکلیف مت اٹھانا۔ تمہارا ہی گھر ہے۔"

ریکھا کچھ نہ بولی۔ لیکن حمید بہت زور زور سے گردن ہلاتا ہوا بولا۔ "جرور۔ جرور۔"

...ب وہ چلا گیا تو ...ھا بُرا سا منہ بنائے ہوئے بڑبڑانے لگی۔

"یہ سب مجھ سے نہیں ہوگا۔ ہاں.... کیا مصیبت۔"

"ارے واہ.... کیا تم سچ مچ خود کو میرے گھر والی سمجھنے لگی ہو۔ یہ سب نہیں ہو سکتا تو پ... کیوں آئی تھیں اس محکمے میں۔"

ریکھا کچھ نہ بولی اور حمید نے کہا۔ "تم ڈرتی کیوں ہو۔"

وہ رات انہوں نے اسی کوٹھری میں بسر کی۔ رات کا کھانا ان کا "پھوپھی زاد" بھائی وہیں پ... گیا تھا اور اسی سے یہ اطلاع بھی ملی تھی کہ "صاحب" اپنے مہمانوں سمیت آ گیا ہے۔

دوسری صبح ان دونوں کو نوکری مل گئی۔ حمید نے مہمانوں میں سے ایک ایک کو پہچا... سر فیاض بیمار نہیں معلوم ہوتا تھا۔ وہ ایک طویل القامت اور قوی الجثہ بوڑھا تھا۔ مہمانوں میں... کے تین بڑے سرمایہ دار بھی تھے۔ سیٹھ نورانی، سیٹھ نوشیر واں اور میجر سعید۔ دو بڑے وکلا... طارق اور مسٹر جعفری سپریم کرٹ کے ایک جج جسٹس شرما کی شخصیت بھی خاصی نمایاں تھی۔

وہ سب غالباً تبدیلی آب و ہوا کے لئے یہاں آئے تھے۔ رائے شیکھر یہاں کے متمول آ... آدمیوں میں سے تھا۔ وہ اکثر اپنے اس دیہی محل میں پُر تکلف دعوتیں دیتا رہتا تھا۔ مہمان آ... اور کئی کئی دن ٹھہرتے۔ مختلف قسم کی تفریحات ہوتیں۔ شطرنج سے لے کر "عورت" تک... قسم کے کھیل موجود تھے۔

شام کو وہ سب لان پر نکل آئے۔ میجر سعید بڑا اچھا نشانہ باز تھا وہ اپنے جوہر دکھانے لگا... کے ہاتھ میں ایک عمدہ قسم کی رائفل تھی جس سے وہ پائیں باغ کے پھلدار درختوں پر نشانہ... تھا جس پھل کی طرف دیکھنے والوں کا اشارہ ہوتا اسی پر نشانہ لگایا جاتا اور وہ دوسرے ہی لمحے... زمین پر دکھائی دیتا۔ واقعی بڑا مشکل کام تھا۔ پھل داغدار ہوئے بغیر زمین پر آ رہتا۔ عورتیں... لگا رہی تھیں۔ میجر سعید ان کی تعریفوں سے خوش ہو کر اور زیادہ مشاقی کے ثبوت پیش کر رہا...

ٹھیک اسی وقت ایک کار کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی وہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ کا... ایک سفید فام غیر ملکی اترا۔ وہ لوگ اسے خوش آمدید کہنے کے لئے آگے بڑھے۔

حمید میجر سعید کے کارتوسوں کی پیٹی اٹھائے ہوئے اس کے پیچھے چل رہا تھا۔

آنے والا اجنبی مہمان شاید موجودہ مہمانوں سے زیادہ بلند مرتبہ تھا کیونکہ شیکھر... لئے گویا بچھا جا رہا تھا۔

شام کی چائے لان پر سرد کی گئی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ سچ مچ وقت کی بربادی ہی...

...زیدی آدمی ہی ہے اور اندازے کی غلطی اس سے بھی ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے یہ سب کچھ محض ...ریب نظر ہو، وہم ہو۔ ٹونی اگر امریکن کے ساتھ دیکھا گیا تھا تو اس کے پاس اس کا جواب بھی ...وجود تھا یعنی اس کا مقصد صرف یہی تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح اس سے کچھ روپیہ ہتھیا لے۔ اس ...لئے پہلے بھی کئی بار وہ غیر ملکیوں کو ٹھگنے اور دھوکا دینے کے جرم میں ماخوذ ہو چکا تھا۔

اگر مخدوم چارلس براؤن سے ملتا رہا تھا تو یہ بھی کوئی انہونی بات نہیں تھی کیونکہ چارلس ...اؤن ایک غیر ملکی سرمایہ دار تھا اور اسی غرض سے یہاں آیا تھا کہ یہاں کی صنعتوں میں اپنا سرمایہ ...ے، سر فیاض بھی شہر کے بڑے سرمایہ داروں میں سے تھا۔ ممکن تھا کہ مخدوم کا چارلس ...اؤن سے ملنا جلنا کاروباری ہی حیثیت رکھتا رہا ہو۔

بہر حال جتنا کچھ حمید کے علم میں تھا اس کی بناء پر کوئی یقینی صورت سامنے نہیں آ سکتی تھی، ...کتا تھا کہ فریدی نے اب تک اُسے اصلیت سے آگاہ ہی نہ کیا ہو۔

اس وقت یہاں آنے والا چارلس براؤن ہی تھا۔ حمید کو اس کا نام اس وقت معلوم ہوا جب ...ے شیکھر اپنے بعض دوستوں سے اس کا تعارف کرا رہا تھا۔ مرد شاید اسے پہلے ہی سے جانتے ...اس لئے یہ تعارف عورتوں ہی تک محدود رہا۔ ان کی گفتگو سے حمید نے اندازہ لگایا کہ چارلس ...محل ہی میں ...

...یہاں رہ پر لرنا کیا تھا۔ کیونکہ فریدی نے اس کے متعلق کچھ نہیں ...تھا۔ وہ تو صرف اس لئے ...رہا تھا کہ اسے اخلہ شیکھر محل میں ضروری ہے۔

رات ہوئی اور وہ پھر اُسی کمرے میں آ گیا جہاں پچھلی رات گذاری تھی ریکھا موجود تھی اور ...زیادہ بیزار نظر آ رہی تھی۔

حمید نے کراہ کر چارپائی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "کلو کی ماں جرا حقہ بھر دے۔"

"میں تمہارے منہ میں جلتی ہوئی لکڑی ٹھونس دوں گی۔"

"ارے واہ! اگر میں ایسے میں سب کے سامنے تمہیں پیٹنا شروع کر دوں تو تم میرا کیا ...گی۔ محل کے بڑے آدمی مجھے گنوار سمجھ کر ٹال جائیں گے اور یہ نوکر صرف دور ہی سے ہاں ...کریں گے، پاس کوئی بھی نہیں آئے گا۔ مگر کیا تم یہ کہہ سکو گی کہ تم لیڈی انسپکٹر ریکھا ہو یا میں ...حمید ہوں۔"

"میں تمہاری گردن اپنے دانتوں سے ادھیڑ دوں گی۔"

"بڑی اذیت پسند معلوم ہوتی ہو۔ باہر بڑی حسین چاندنی بکھری ہوئی ہے۔ کلو کی ماں کتنے

دن ہوئے ہم نے چاندنی میں گھاس نہیں کھائی۔"

"ہم یہاں کیوں آئے ہیں۔" ریکھا نے جھنجھلا کر کہا۔

"ہم لوگ چاند کو شہد میں ڈبو کر کھائیں گے، یعنی ہنی مون منائیں گے، کلو کی ماں اس پر

پرواہ نہیں کہ کلو موجود ہے یا نہیں۔"

ریکھا کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر دیوار سے لگ گئی۔ حمید ہنستا رہا۔

کمرے میں ایک چارپائی تھی اور پچھلی رات بھی ریکھا کو زمین ہی پر سونا پڑا تھا اور حمید

چارپائی پر خراٹے لئے تھے وہ کم از کم ریکھا کے لئے اتنی تکلیف نہیں اٹھا سکتا تھا کہ خود زمین

سوتا۔ وہ بہت مغرور تھی اور حمید کو اسے نیچا دکھانے میں ہمیشہ بڑی لذت محسوس ہوتی تھی۔

"تم ابھی تک کرنل فریدی کو نہیں سمجھ سکیں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا مطلب....!" ریکھا نے کہا جو کانوں سے انگلی نکال چکی تھی۔

"یہ میری نہیں بلکہ ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ کرنل فریدی کا دماغ کسی وقت بھی خر

ہو سکتا ہے۔"

ریکھا کچھ نہیں بولی۔ حمید نے پھر کہا۔ "یہ تو خود ہی معلوم کرنا پڑے گا کہ ہم یہاں کیوں

گئے ہیں۔ فریدی صاحب نے آج تک قبل از وقت کچھ نہیں بتایا اور یہ قبل از وقت بعض او

مجھے قبل از مرگ معلوم ہونے لگتا ہے، مگر کیا کیا جائے اس مرض کا کوئی علاج نہیں ہے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"کیا کرو گی سمجھ کر، تن بہ تقدیر بیٹھو۔ زندگی ہے تو شادی بیاہ بھی ہو جائے گا تمہارا

بھی خوشی ہو گی کلو کی ماں۔"

"خدا غارت کرے تمہیں۔" ریکھا زمین پر لگے ہوئے بستر پر جا پڑی اور کمبل کھینچ لیا۔

"میرے ساتھ تم بھی غارت ہو جاؤ گی میں کسی بڑے خطرے کی بو سونگھ رہا ہوں۔"

"یعنی....!" ریکھا اٹھ بیٹھی۔

"یہاں کے سارے ملازموں کی نظر تم پر ہے۔"

ریکھا دانت پیستی ہوئی لیٹ گئی۔ پھر اس نے کمبل سے منہ نکال کر کہا۔ "ذرا ایسا

فرصت ملے پھر تمہیں دیکھوں گی۔"

"چلو میری طرف سے فرصت ہی فرصت ہے۔ دیکھ لو۔"

ریکھا نے پھر کمبل منہ پر ڈال لیا۔

حمید نے پائپ سلگایا اور پھر خیالات کی وادیوں میں بھٹکنے لگا۔ یہ کہانی کہاں سے شروع ہوئی تھی۔ وہ اپنے بکرے کو غزلیں سنا رہا تھا۔ ایک لڑکی آئی اس کا دادا پاگل ہو گیا تھا۔ لڑکی کا خیال تھا کہ ذہنی فتور قدرتی نہیں ہے۔ یہ خیال اس لئے پیدا ہوا تھا کہ ایک سفید کشتی میں کسی آدمی کو دیکھ کر اس کی حالت غیر ہو گئی تھی اور پھر اس کے بعد ہی اس پر پاگل پن کا دورہ پڑ گیا تھا۔ لڑکی کے ساتھ وہ فن آئی لینڈ گئے وہاں فریدی ایک بندر کے پیچھے دوڑا۔ اسی جگہ سے فنچ کی کہانی اُبھری اور فریدی کو ڈاکٹر ڈریڈ کا خیال آیا۔ اب یہاں سے دو مختلف راستے شروع ہو گئے پتہ نہیں وہ دونوں اس بناء پر ارجن پورے والے مکان سے اٹھا لئے گئے تھے کہ فریدی کو فنچ کے متعلق کچھ معلوم ہو گیا تھا یا وہ واقعہ اس لئے پیش آیا تھا کہ وہ لڑکی انہیں اپنے گھر لے گئی تھی، ہو سکتا ہے کہ سر فیاض کی حیثیت اس کہانی میں محض بھلاوا ہو۔ وہ خواہ مخواہ اس طرح سامنے آ گیا ہو کہ اس پر بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہونے کا شبہہ کیا جا سکے۔ اکثر ایسے اتفاقات پیش آتے ہیں لیکن ان کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہوتی۔ اصل معاملات سے ان کا دور کا تعلق بھی نہیں ہوتا۔ اب رہا ڈاکٹر ڈریڈ کا مسئلہ تو یہ بھی حمید کی دانست میں محض خیال ہی خیال تھا۔ فریدی کے پاس اس بات کا کوئی واضح ثبوت نہیں ہو سکتا تھا کہ ڈاکٹر ڈریڈ بھی یہیں موجود ہے وہ تو صرف فنچ کی موجودگی کی بناء پر قیاس کر بیٹھا تھا۔ حمید اُسے قیاس ہی سمجھ رہا تھا۔

اس نے ریکھا کی طرف دیکھا جو کمبل سے منہ نکالے اُسے گھور رہی تھی۔

"سو جاؤ.... کلو کی ماں۔" حمید بڑے پیار سے بولا۔

ریکھا چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔ "حمید مجھے سنجیدگی سے بتاؤ کہ یہاں ہماری موجودگی کا کیا مقصد ہے۔"

"کیا تمہیں میری باتوں پر یقین نہیں ہے۔"

"تم کبھی سنجیدگی سے گفتگو نہیں کرتے۔"

"میں اس وقت قطعی سنجیدہ ہوں اور یہ حقیقت ہے کہ میں بھی یہاں اس طرح آنے کے مقصد سے ناواقف ہوں۔"

"آخر فریدی صاحب تمہیں بھی اس طرح تاریکی میں کیوں رکھتے ہیں۔"

"ممکن ہے یہ بھی کسی قسم کا تجربہ ہو۔ ہو سکتا ہے وہ یہ معلوم کرنا چاہتے ہوں کہ بے بسی کی حالت میں وقت آدمی قاتل سے کالی نوس کا منجن مانگتا ہے یا ہدایت نامہ خاوند۔"

"پھر بکواس شروع کر دی تم نے۔" ریکھا ہنسنے لگی۔ پھر اس نے کہا۔ "سر فیاض تو چہرے سے

بیمار معلوم ہی نہیں ہوتا۔"

"ارے یہ لوگ تو مرنے کے بعد بھی بیمار نہیں معلوم ہوتے۔"

کچھ دیر خاموشی رہی پھر ریکھا نے ہلکی سی کراہ کے ساتھ جماہی لی۔

"کاٹو گی کیا کلو کی ماں؟" حمید سہم کر پیچھے ہٹا اور ریکھا ہنس پڑی۔

"اب اگر تم نے کلو....!"

ریکھا کا جملہ ادھورا ہی رہ گیا اور وہ بے ساختہ اچھل پڑی۔ حمید کا بھی یہی حال ہوا دروازے کی جھری سے کوئی چیز کھر کھراتی ہوئی فرش پر آگری تھی۔ حمید اس کی طرف جھپٹا۔ یہ ایک لفافہ تھا اُسے چاک کرنے پر کاغذ کا ایک ٹکڑا برآمد ہوا جس پر تحریر تھا۔

"حمید توقع ہے کہ تم بہت زیادہ بور نہ ہوئے ہو گے، عمارت کے بائیں بازو سے ملا ہوا جو نیب کا درخت ہے اس پر چڑھ کر کھڑکی تک پہنچنے کی کوشش کرو۔ تمہیں مسلح ہونا چاہئے۔ ریکھا سے کہو کہ کمرے سے باہر نہ نکلے.... کمرے کے اندر بیٹھ کر اسے کسی قسم کی تشویش نہ ہونی چاہئے۔ وہ ہر طرح محفوظ رہے گی۔"

تحریر فریدی کی تھی۔ حمید نے ایک طویل سانس لی اور خط ریکھا کے سامنے ڈالتا ہوا بولا

"اور اُس نیب کے درخت سے میں آسمان پر اٹھالیا جاؤں گا۔"

پانچ کروڑ

ریکھا نے کئی بار وہ تحریر دہرائی اور پھر جواب طلب نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگی۔

حمید نے اپنے شانوں کو جنبش دے کر کہا۔ "میں کیا بتا سکتا ہوں۔ مجھے یہ بھی نہیں معلوم اگلے ماہ کی تنخواہ نیب کے درخت ہی پر وصول کروں گا یا وہ قبر میں پہنچائی جائے گی۔ البتہ تم تک کمرے میں رہو گی محفوظ رہو گی۔ بروز قیامت مجھے بتانا کہ پھر آسمان دیکھنا نصیب ہوا یا نہیں کلو کی ماں۔"

"خدا سمجھے تم سے۔" ریکھا نے دانت پیس کر کہا۔ "تم ایسے مواقع پر بھی سنجیدگی اختیار کر سکتے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ اپنے ریوالور کے چیمبر بھر رہا تھا۔ اس نے بہت سے فالتو راؤنڈ میلی واسکٹ کی جیبوں میں ٹھونسے۔ ریوالور کو اندرونی صدری کی جیب میں ڈالتا ہوا اٹھ گیا۔

"میں یہ مان ہی نہیں سکتی کہ تم حالات سے بے خبر ہو۔"

"کیوں نہیں مان سکتیں۔"

"یہ خط یہی بتاتا ہے کہ تمہیں پوری سچویشن کا علم ہے۔"

"سنو یہ کرنل فریدی کا معاملہ ہے اور تم کرنل کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتیں۔ میرا دن رات کا ساتھ ہے، لیکن میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ میں انہیں پہچان سکا ہوں، بس صرف ایک بات کی نصیحت کروں گا تمہیں اگر فریدی صاحب کے ساتھ کام کرنے کا شوق ہے تو اس سے زیادہ نہ کرو جتنا کہا گیا ہو، ورنہ موت تم سے زیادہ دور نہ ہو گی، ذرا سا چوکیں اور ماری گئیں۔"

"مجھے کب تک اس کمرے میں مقید رہنا پڑے گا۔"

"جب تک وہ پُر اسرار آدمی چاہے۔ تمہیں یہاں لانے کا مقصد اتنا ہی تھا کہ میری رسائی ہو جائے۔ اگر تم نہ ہوتیں تو اتنی آسانی سے یہاں جگہ بنالینا ممکن نہ ہوتا۔ اب صبر کرو۔ کلو کی ماں اور دیکھو کہ پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔"

ریکھا اُسے چند لمحے گھورتی رہی پھر بولی۔ "جاؤ.... دفع ہو جاؤ۔ میں اتنی کمزور دل کی نہیں ہوں جتنی تم سمجھتے ہو۔ میں صرف معلومات حاصل کرنا چاہتی تھی۔"

حمید کچھ کہے بغیر باہر نکل آیا۔

بائیں باغ میں اندھیرا تھا۔ کچھ دیر پہلے چاندنی کی گفتگو دراصل عشقیہ طرز تکلم کی پیروڈی تھی۔ ورنہ یہ تو قمری مہینے کی آخری راتیں تھیں۔ کہاں کا چاند اور کہاں کی چاندنی۔ حمید کے پیروں میں جوتے نہیں تھے اور وہ دبے پاؤں عمارت کے بائیں بازو کی طرف بڑھتا رہا۔ ابھی رات زیادہ نہیں گئی تھی، مگر چونکہ سردیوں کا زمانہ تھا اس لئے چاروں طرف صرف سناٹے کی حکمرانی تھی۔ بس غنیمت یہی تھا کہ یہاں کتے نہیں تھے۔ ورنہ حمید اس طرح باہر نکلنے کی ہمت نہ کر سکتا، اور شاید اسی صورت میں فریدی بھی اس قسم کی کوئی اسکیم تیار نہ کرتا۔

سردی مزاج پوچھ رہی تھی۔ تقریباً دس منٹ بعد حمید نیب کے درخت تک پہنچ سکا۔ درخت کی ایک گھنی اور موٹی شاخ کھڑکی تک چلی گئی تھی چونکہ کھڑکی کھلی ہوئی تھی اس لئے اندر کی روشنی کی وجہ سے اس شاخ کا کچھ حصہ صاف نظر آرہا تھا۔

حمید بڑی آسانی سے درخت پر چڑھتا چلا گیا اس کے لئے اس نے خاصی مشق بہم پہنچائی تھی

مگر کھڑکی تک پہنچنا مشکل کام تھا کیونکہ شاخ کا کچھ حصہ روشنی میں تھا۔ حمید چند لمحے غور کرتا رہا پھر ایک دوسری شاخ پر اتر گیا جو اسی شاخ کے نیچے تھی۔ اس شاخ پر قدم جمائے ہوئے اوپری شاخ کے سہارے وہ کھڑکی کی طرف بڑھنے لگا۔ کبھی کبھی متحرک پرچھائیاں شاخ کے روشن حصے پر دکھائی دیتیں اس سے حمید نے اندازہ کر لیا تھا کہ کمرہ خالی نہیں ہے۔

آخر کار وہ کھڑکی تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

کمرے میں تین آدمی تھے، جسٹس شرما اور سیٹھ نورانی شطرنج کھیل رہے تھے، تیسرا آدمی کھڑا ان کا کھیل دیکھ رہا تھا۔ یہ بیرسٹر طارق تھا۔

حمید سوچنے لگا کہیں فریدی نے مذاق تو نہیں کیا۔ یہ شریف آدمی شطرنج کھیل رہے ہیں پھر یہاں ایک سراغ رساں کا کیا کام۔

حمید واپسی کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ دروازے میں شیکھر دکھائی دیا۔

"کیوں شرما بازی ختم نہیں ہوئی۔" اس نے پوچھا۔

"ارے تمہیں تو ہر بات کی جلدی ہی پڑ جاتی ہے۔ کون سی آفت آ گئی ہے۔"

جسٹس شرما نے بساط پر نظر ہٹائے بغیر کہا۔ "بازی لمبی ہوتی جا رہی ہے یہ نورانی بڑا کھلاڑی ہے۔ بازی نہیں چھوڑ سکتا۔ تم یہیں آ جاؤ نا۔"

"کچھ دیر پہلے ہم یہیں تو تھے۔ تم نے کہا بازی ختم کرنے کے بعد۔"

"کیوں....!" جسٹس شرما نے سیٹھ نورانی کو مخاطب کر کے کہا۔ "کیا خیال ہے، مہرے رہنے دیں اور یہ کام بھی ہو جائے۔ نہ جانے اسے اتنی جلدی کیوں ہے نہ کہیں وہ بھاگا جاتا ہے نہ کہیں وہ بھاگی جاتی ہے۔"

"کر لیجئے.... کر لیجئے۔" سیٹھ نورانی سر ہلا کر بولا۔ "بازی جمی رہے گی۔"

"مسودہ تمہیں بنانا ہے، ورنہ میں خود ہی کر لیتا۔" رائے شیکھر نے کہا۔

"لاؤ بھی یار۔ جاؤ۔" جسٹس شرما نے کہا۔

رائے شیکھر چلا گیا۔

"مگر یار.... سیٹھ نورانی۔" جسٹس شرما بولا۔ "میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سر فیاض رائے شیکھر کا مقروض ہو گا اور حیرت ہے شیکھر پر جس نے یونہی کسی لکھا پڑھی کے بغیر پانچ کروڑ دے دیئے تھے۔"

"اپنا اپنا بیوپار ہے جج صاحب۔" سیٹھ نورانی بولا۔

"کمال ہے بھئی۔ میں تو پانچ ہزار بھی اتنے اعتماد کے ساتھ کسی کو نہیں دے سکتا۔"

"آپ بزنس مین نہیں ہیں۔" سیٹھ نورانی ہنس کر بولا۔

"اچھا ہی ہے کہ نہیں ہوں، ورنہ میں اس طرح پانچ کروڑ قرض دے کر وصول کرنے میں کامیاب نہ ہوتا۔ یہ سر فیاض کی شرافت ہے کہ وہ اپنے قرض دار ہونے کا اعتراف کرتا ہے۔ تم مجھے اس طرح پانچ کروڑ قرض دے کر دیکھو۔"

سیٹھ نورانی ہنسنے لگا۔

"نہیں۔ میں نہایت سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں کہ میری نیت بگڑ جائے گی مجھے یقین ہے۔"

"ہمارا کروڑوں کا بزنس محض اعتبار پر چلتا ہے۔" سیٹھ نورانی نے فخریہ انداز میں کہا۔

"اتنے میں بہت سے قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور رائے شیکھر کئی آدمیوں کے ساتھ داخل ہوا۔ یہ سر فیاض، بیرسٹر جعفری، سیٹھ نوشیرواں اور میجر سعید تھے۔ حمید جسٹس شرما اور سیٹھ نورانی کی گفتگو سے اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ سر فیاض اس وقت لازمی طور پر نشے میں ہو گا اور اسی لئے کروڑ کی آڑ لے کر اس سے کسی قسم کی تحریر لی جائے گی، مگر سر فیاض کو دیکھ کر اُسے یہ خیال ترک کر دینا پڑا کیونکہ وہ نشے میں نہیں معلوم ہوتا تھا۔ رفتار و گفتار سے قطع نظر کر کے آنکھوں میں بھی نشے کی کیفیت ظاہر ہو جاتی ہے، لیکن اس کی آنکھوں سے بھی کسی ایسی کیفیت کا اظہار نہیں ہو رہا تھا جس کی بناء پر اس کا نشے میں ہونا ثابت ہو سکتا۔"

"یار فیاض.... یہ کیا قصہ ہے۔" جسٹس شرما نے پوچھا۔

"قصہ کیا ہوتا.... میں پانچ کروڑ کے عیوض اپنی ٹرینی گام والی کان شیکھر کے نام منتقل کر رہا ہوں۔"

"تم نے دس کروڑ روپے مجھ سے بھی تو لئے تھے۔" جسٹس شرما نے کہا۔ "اپنی دو چار کانیں اسے نام بھی منتقل کر دو۔"

"ضرور.... ضرور....!" سر فیاض نے ہنس کر کہا۔ "مگر اب اس کے بعد ایک ہی تو رہ جائے گی میرے پاس۔"

پھر وہ شیکھر کی طرف مڑ کر بولا۔ "ہاں شیکھر.... میں ایک بار پھر سب کے سامنے دھراتا ہوں کہ ابھی اس کی کھدائی شروع ہوئی ہے۔ کچھ برآمد نہیں ہوا۔ میں یہ ابھی سے جتائے دیتا ہوں کہ اگر تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچے تو اس کی ذمہ داری مجھ پر نہ ہو گی۔"

"اس کی پرواہ نہ کرو۔ یہ اپنا اپنا مقدر ہے۔"

"نہیں..... میں نے کہا معاملہ صاف ہو جائے تو بہتر ہے، ورنہ بعد کو تم کہو کہ مجھے رپ
دیا گیا۔"

"یار بڑے چالاک ہو۔" جسٹس شرما نے کہا۔ "یہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ ابھی کان سے
بر آمد نہیں ہوا۔"

"اب اس میں چالاکی کہاں رہ گئی۔ جب میں نے کاروائی شروع ہونے سے قبل ہی حقیقت
سے آگاہ کر دیا۔"

"آج کل میں جواریوں کی اسپرٹ میں کام کر رہا ہوں۔ شرما صاحب۔" شیکھر بولا۔

"کرو بھئی۔ ہاں تو مسودہ۔ مگر مسودہ مجھ سے بہتر طارق اور جعفری بنا سکتے ہیں۔"

"نہیں جناب۔" طارق بولا۔ "جائے استاد خالی است۔ آپ ہم سے زیادہ تجربہ کار اور
دان ہیں۔"

آخر شرما نے مسودہ ڈکٹیٹ کرانا شروع کیا۔ جعفری لکھ رہا تھا۔ مسودہ تیار ہو جانے
اسے اسٹامپ پر منتقل کیا گیا اور سر فیاض نے اس پر اپنے دستخط ثبت کر دیئے۔

پھر حاضرین نے بحیثیت گواہان دستخط کئے اور کاروائی ختم ہو گئی۔

"مگر یہ بازی ختم نہ ہو گی۔" جسٹس شرما نے بساط کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کہئے تو ختم ہی ہو جائے۔"

"نہیں بھئی۔"

"اب زندگی بھر کھیلو شطرنج مجھے تو نیند آ رہی ہے۔" شیکھر نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا

تھوڑی دیر بعد اُن دونوں کے علاوہ اور سب وہاں سے چلے گئے۔

حمید کا دل چاہا کہ درخت پر سے چھلانگ لگا دے اسے فریدی پر غصہ آ رہا تھا خواہ مخواہ
تک سردی میں ذبح کرتا رہا۔ یہاں ہوا ہی کیا تھا۔ یہ تو بالکل ہی کھلی ہوئی بات تھی کہ خود
ہی اُلو بن گیا تھا۔ ایک ایسی کان جس سے ابھی کچھ بھی بر آمد نہ ہوا کان ہی نہیں کہلائی
دفعتاً حمید کو وہ مجرم یاد آ گیا جسے وہ شروع سے آخری تک مظلوم ہی سمجھتا رہا تھا، لیکن حقیقت
کے برعکس تھی، وہ تو اس سے زیادہ خطرناک نکلا تھا جسے حمید مجرم سمجھنے پر مجبور ہو گیا تھا۔
یہاں بھی بالکل ویسا ہی معاملہ درپیش تھا۔ ابھی تک وہ سر فیاض کو مظلوم سمجھتا رہا تھا
وقت اُسے شیکھر پر بے تحاشہ رحم آیا تھا پہلے اس کا خیال تھا کہ سر فیاض کو دل کھول کر

لہ اس حیرت انگیز کہانی کے لئے جاسوسی دنیا کا ناول جلد نمبر 14 (پُر ہول سناٹا) ملاحظہ فرمائیے۔

ہے اور اب اس سے کسی مسودہ پر دستخط لئے جائیں گے، لیکن اسکے برعکس اسے شیکھر ہی نشے میں
معلوم ہو رہا تھا اور وہ سب کے سب بھی شیکھر کے اس مال کے قتل میں برابر کے شریک تھے۔

دفعتاً وہ چونک پڑا۔ باغ کے کسی گوشے سے اُلو کی صدا ابھری تھی۔ وہ آواز پھر سنائی دی لیکن
حمید ان کی گفتگو سننے کے لئے رک گیا ویسے اسے معلوم تھا کہ وہ فریدی ہی کی طرف سے ایک
طرح کا سگنل ہو سکتا ہے جس کا مطلب یہ تھا کہ خطرہ ٹل گیا یعنی اب وہ درخت سے اتر کر اپنے
کمرے میں جا سکتا ہے۔

"یہ اُلو بولا تھا کیا۔" جسٹس شرما نے چونک کر کہا۔

"شیکھر سے حماقت ہی ایسی ہوئی ہے۔" سیٹھ نورانی مسکرایا۔ "اُلو نہ بولے گا تو پھر کیا ہو گا۔
میرا خیال ہے کہ وہ اس وقت بہت زیادہ پی گیا ہے۔"

وہ پھر کھیل میں مشغول ہو گئے اور حمید درخت سے اُتر آیا۔ اُسے خدشہ تھا کہ کہیں دیکھ نہ لیا
جائے۔ اس لئے تقریباً پندرہ منٹ بعد کمرے تک پہنچ سکا، اس نے دروازے پر دستک دی اور
آہستہ سے بولا۔ "ریکھا دروازہ کھولو۔"

ریکھا شاید جاگ ہی رہی تھی کیونکہ حمید کو دوسری بار دستک دینے کی ضرورت نہیں پڑی۔
دروازہ کھل گیا اور حمید اندر داخل ہوا۔

"کیا ہوا۔" ریکھا نے پوچھا۔

"ڈبل نمونیہ۔" حمید نے جھلا کر کہا۔ اس پر ریکھا نے اُسے ایک لفافہ نکال کر دیا۔ یہ فریدی
کی دوسری تحریر تھی۔ بس اتنا ہی لکھا تھا "تم لوگ دوسری ہدایت تک یہیں قیام کرو گے۔"

"اب انتقال ہو گیا۔" حمید نے اُسے پرچہ واپس کرتے ہوئے کہا۔ "کلو کی ماں اگر میں سچ مچ
مر جاؤں تو کلو کو میرے ساتھ ہی دفن کر دینا اور تم فلمستار ہو جانا۔"

"کیا بک رہے ہو۔ بتاؤ کیا ہوا۔"

"میں نہیں سمجھ سکا کہ کیا ہوا۔ بس یہ سمجھ لو برق سی اک چمک گئی میرے سر نیاز میں۔"

"بکواس ہی کئے جاؤ گے۔"

حمید چارپائی پر گر کر لحاف میں دبک گیا۔ ریکھا کھڑی رہی۔ کچھ دیر بعد جب سردی کا احساس
کچھ کم ہوا تو حمید نے لحاف سے منہ نکال کر کہا۔ "میں پھر پاگل ہو گیا ہوں۔"

"کیوں.....!"

حمید نے مختصراً پوری روئداد دہراتے ہوئے کہا۔ "اب تم خود ہی بتاؤ۔ میں بکواس نہ کروں تو

کیا دل ہی دل میں جھلس کر ٹی بی مول لوں۔"

"واقعی یہ معاملہ حیرت انگیز ہے۔"

"کچھ بھی نہیں۔ وہ سب بھی پاگل ہو گئے ہیں۔ یہ شیکھر محل نہیں بلکہ خچر محل ہے۔ اتنا غصہ آیا ہے مجھ کو اس وقت کہ اگر پھانسی کا ڈر نہ ہوتا تو اپنے کو گولی مار لیتا۔ یہ سالا.... سر فیاض ابھی دو دن پہلے بڑا چیخا کرتا تھا.... ارے بوند.... آئی.... ارے بوند.... آئی۔"

"کیا مطلب۔"

"اب سو بھی جاؤ۔ کلو کی ماں۔"

حمید نے لحاف اوپر کھینچ لیا۔

دوسری صبح حالات معمول پر تھے۔ حمید کو کوئی خاص فرق نہیں محسوس ہوا۔ لیکن پھر کچھ دیر بعد معلوم ہوا کہ اب سر فیاض شیکھر محل میں موجود نہیں ہے۔ وہ کسی ضروری کام کے یاد آجانے کی بناء پر وقت سے پہلے ہی چلا گیا تھا، ورنہ وہاں کم از کم پانچ دن قیام کرنے کا پروگرام تھا۔

حمید کو اب اندر ہی رہنا پڑتا تھا کیونکہ اسے جسٹس شرما کی خدمت پر مامور کر دیا گیا تھا۔ اس وقت جب کہ وہ ان کے کپڑوں میں تہہ لگا رہا تھا شیکھر بوکھلایا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

"چوری۔" اس نے آتے ہی کہا۔

"کیا؟" جسٹس شرما چونک پڑے۔

"کسی نے سیف کا تالا توڑ دیا۔"

"اوہ.... اور سیف خالی ہے۔"

"نہیں صرف کاغذات غائب ہیں جو پچھلی رات مرتب کئے گئے تھے۔"

"اور خلاف توقع سر فیاض بھی چلا گیا۔"

"ہاں.... وہ بھی گیا۔ مگر اس پر شبہہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔"

"کیوں؟ ہو سکتا ہے.... بعد میں اس کی نیت میں فتور آ گیا ہو۔ تم نے وہ پانچ کروڑ پر ونوٹ پر تو دیئے نہیں تھے۔ ممکن ہے اس نے سوچا ہو کہ اس طرح یہ روپے ہضم ہی کر لئے جائیں۔"

"یہ ناممکن ہے۔ فیاض ایسا آدمی نہیں ہے اور پھر میں نے ابھی اس سے فون پر گفتگو کی ہے، وہ کہتا ہے پرواہ نہ کرو۔ دوسرے کاغذات تیار ہو جائیں گے، کہو تو ابھی آ جاؤں۔"

"تب پھر پریشانی کی کیا بات ہے۔" شرما نے جھلا کر کہا۔ "کاغذات بھی دوبارہ تیار ہو جائیں گے اور سیف کی دوسری چیزیں بھی محفوظ ہیں۔"

"کچھ نہیں فکر صرف اس بات کی ہے کہ آخر ان کاغذات کی چوری کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔"

"کیا ان کی چوری سے تمہیں نقصان کا خدشہ ہے۔"

"قطعی نہیں۔"

"تب پھر وہ کسی ایسے آدمی کی حرکت ہے جو تم سے زیادہ پاگل ہے۔"

"مجھ سے زیادہ۔ میں نہیں سمجھا۔" شیکھر نے حیرت سے کہا۔

"کیا تم پاگل نہیں ہو۔ ایک ایسی کان پانچ کروڑ کے عیوض خرید رہے ہو جس سے ابھی کچھ بھی نہیں برآمد ہو سکا۔"

"میں کہہ چکا ہوں کہ آج کل میں اندھی چال چل رہا ہوں۔ میرے ستارے آج کل کچھ ایسے ہی جا رہے ہیں۔ ابھی تک کسی اندھی چال میں دھوکا نہیں کھایا۔"

جسٹس شرما خاموش ہو گئے۔ رائے شیکھر تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر کمرے سے چلا گیا۔

حمید کپڑے تہہ کر کے سوٹ کیس میں رکھ چکا تھا اس لئے اسے بھی باہر آ جانا پڑا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اس چوری کا شبہہ اس پر نہ کیا جائے کیونکہ وہ وہاں بالکل نیا تھا لیکن شاید شیکھر کو اس کا علم ہی نہیں تھا کہ وہ نیا ہے یا پرانا۔ اس نے اس چوری کے متعلق نوکروں سے بھی کچھ نہیں سنا۔ بہرحال وہ پھر دن بھر ادھر اُدھر جھک مارتا پھرا۔

ریکھا الگ بور نظر آ رہی تھی۔ حقیقت تو یہ تھی کہ اگر حمید بات بات پر اُسے چھیڑ کر ہنساتا نہ رہتا تو شائد وہ پاگل ہی ہو جاتی۔

رات کو حمید نے پھر فریدی کی ایک تحریر پائی۔

"آج آخری سین کے لئے تیار ہو جاؤ۔ بہت ہوشیار رہنا۔ ہو سکتا ہے آج تم موقعہ واردات پر موجود ہو۔"

دھواں

نو بجے حمید کو اندر جانا پڑا کیونکہ کھانے کے بعد جسٹس شرما کے کمرے میں کافی پہنچانی تھی۔ ڈرائنگ روم میں سر فیاض ملا جس کے ساتھ اس کا پرائیویٹ سیکریٹری مخدوم بھی تھا۔ وہ ابھی ابھی

اپنی کار سے اترا تھا اور کچھ اتنا مضمحل اور کمزور نظر آرہا تھا کہ چلنے کے لئے اسے مخدوم کے سہارے کی ضرورت تھی۔ حمید اس پر متحیر رہ گیا۔ پچھلی رات تو وہ خاصا تروتازہ نظر آرہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے جوانی دوبارہ لوٹ آئی ہو۔ حمید انہیں پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ کچن سے کافی لے جسٹس شرما کے کمرے کی طرف چلا گیا۔

نہ جانے کیوں جسٹس شرما نے کافی پی چکنے کے بعد اسے وہیں روکے رکھا۔ حمید سوچ رہا کہ کہیں وہ پہچان تو نہیں لیا گیا۔ ریوالور اس کی صدری کی جیب میں موجود تھا اسے اطمینان تھا اگر پہچان بھی لیا گیا ہو تو کم از کم مقابلہ تو کر ہی سکے گا۔

تھوڑی دیر بعد شیکھر کمرے میں آیا اور اس نے بتایا کہ کاغذات پھر تیار کر لئے گئے صرف گواہوں کے دستخط ہونے باقی ہیں۔ جسٹس شرما نے اٹھتے اٹھتے حمید کو اپنے ساتھ آنے اشارہ کیا اور آج اس محفل میں صرف ایک کا اضافہ تھا لیکن چونکہ یہ ایک گھریلو قسم کا معاملہ اس لئے اس میں اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ آج شاید وہ انہیں لوگوں کے ساتھ بیٹھا تھا اس لئے اب بھی وہیں موجود تھا جہاں سب لوگ تھے۔

سر فیاض کو دیکھ کر ایک بار پھر حمید حیرت زدہ ہو گیا۔ یہ وہ سر فیاض ہرگز نہیں ہو سکتا جسے حمید نے کچھ دیر پہلے پورچ میں دیکھا تھا۔ وہ جو کچھ دیر پہلے سالہا سال کا مریض معلوم ہو اس وقت کسی تندرست اور توانا آدمی کی طرح چاق و چوبند نظر آرہا تھا۔

سب سے پہلے اس نے اسٹامپ دستخط کئے پھر گواہوں نے یکے بعد دیگرے کل ہی کی اپنی شہادتیں ثبت کیں۔ پھر رائے شیکھر اسے اٹھانے ہی والا تھا کہ میجر سعید نے اس کو روکتے ہوئے کہا۔ "ابھی نہیں۔"

"کیا مطلب....!" دفعتاً رائے شیکھر چونک پڑا۔

"کچھ نہیں۔ صرف آدھے گھنٹے تک یہ کاغذ میرے ہاتھ کے نیچے دبا رہے گا۔"

"کیا تم زیادہ پی گئے ہو میجر سعید۔" رائے شیکھر نے ایسی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اعصابی کھنچاؤ ہی کا نتیجہ کہا جا سکتا تھا۔

"یہی سمجھ لو۔" میجر سعید نے کہا اور اسٹامپ اٹھا کر اپنی جیب میں ٹھونس لیا۔

رائے شیکھر اُسے اس انداز میں دیکھ رہا تھا جیسے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہ آرہا ہو۔

"اوہ.... آپ چلئے۔" مخدوم نے سر فیاض کی طرف جھک کر کہا۔ "زیادہ دیر تک بیٹھنا آپ کے لئے مضر ہے۔"

"سر فیاض کو آدھے گھنٹے تک یہیں اسی جگہ بیٹھنا پڑے گا۔" میجر سعید بولا۔

"کیوں....!" سر فیاض نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"کیونکہ آدھے گھنٹے بعد سر فیاض اس دستاویز کو پھاڑ کر پھینک دیں گے۔"

"سعید تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔" رائے شیکھر غرایا۔ "لاؤ دستاویز مجھے دو۔ ورنہ تم میری ہی چھت کے نیچے ہو۔"

"اور یہ واقعی ایک بہت بڑی ٹریجڈی ہو گی۔ اگر تمہاری ہی چھت کے نیچے تمہارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑ گئیں۔"

"ہوش کی دوا کرو۔" رائے شیکھر بپھر گیا۔

اب حمید نے فریدی کی آواز پہچان لی تھی۔ یہ میجر سعید نہیں بلکہ فریدی تھا۔

دفعتاً اس نے اپنی صدری کی جیب سے ریوالور نکالتے ہوئے کہا۔ "کوئی اپنی جگہ سے جنبش نہ کرے۔"

"یہ کیسا پاگل پن پھیل گیا ہے۔" رائے شیکھر میز پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"یور لارڈ شپ....!" فریدی نے جسٹس شرما کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کاروائی جاری رہے۔" جسٹس شرما کے لہجے میں بڑی تلخی تھی۔

رائے شیکھر بُری طرح بوکھلا گیا تھا لیکن فریدی کی نظریں چارلس پر تھیں جو ایسے بے تعلقانہ انداز میں بیٹھا ہوا تھا جیسے وہاں کسی ڈرامے کا ریہرسل ہو رہا ہو۔

"تم چارلس براؤن۔ کیا اپنی جامہ تلاشی دے سکو گے۔" فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔

"اوہ.... ضرور.... ضرور....!" چارلس براؤن اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر کھڑا ہو گیا اور پھر مسکرا کر بولا۔ "اس وقت میرے جیب میں زیادہ رقم نہیں ہے۔"

فریدی اس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اس نے کہا ٹھہرو۔ "مجھے ایک گلاس پانی پی لینے دو۔" ساتھ ہی اس نے میز پر رکھا ہوا گلاس اٹھا لیا جس میں پانی تھا وہ اسے منہ تک لیجاتا ہوا فریدی آدھ کھلی آنکھوں سے دیکھتا رہا تھا۔ اس نے گلاس ہونٹوں تک لے جا کر پھر میز پر رکھ دیا اور ہنس سے بولا "میں جا رہا ہوں۔"

فریدی نے اس پر چھلانگ لگائی لیکن ٹھیک اسی وقت میز پر رکھے ہوئے گلاس سے دھوئیں کا بگولہ سا اٹھا اور میز کی سطح سے چار فٹ کی بلندی پر پہنچ کر اس نے اتنے حیرت انگیز طور پر سرعت اختیار کی کہ وہ کچھ سمجھ ہی نہ سکے۔ چشم زدن میں سارا کمرہ دھوئیں سے بھر گیا۔

پھر کسی کو ہوش نہیں کہ کون کدھر گیا۔

حمید بھیجد ھر منہ اٹھا نکل گیا لیکن وہ اس فکر میں تھا کہ کوئی نکل کر نہ جانے پائے وہ تو یہ بھی نہ جانتا تھا کہ ان میں سے کوئی ایک مجرم تھا وہ سب ہی ایک مقصد کے تحت وہاں اکٹھے ہوئے تھے وہ مختلف کمروں میں چکراتا ہوا باہر نکل آیا۔

یہاں پہنچ کر اسے احساس ہوا کہ فریدی پوری تیاری کے ساتھ آیا تھا۔ مگر آیا کہاں سے تھا وہ تو شروع ہی سے یہاں رہا تھا۔

جیسے ہی اس نے دروازے سے باہر قدم نکالنا چاہا ایک ریوالور کی نال اس کے سینے سے آلگی۔ وہ ایک سادہ لباس والا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "کیا ہر دروازے پر یہی انتظام ہے۔"

حمید کی آواز پہچانتے ہی اس نے ریوالور ہٹا کر کہا۔ "جی ہاں۔"

"کیا کوئی نکل کر بھی گیا ہے۔"

"میں نے تو نہیں دیکھا۔ مگر ٹھہریئے۔ میں نے بھاگے ہوئے قدموں کی آوازیں سنی تھیں، لیکن اندازہ نہیں کر سکا کہ کون کدھر جا رہا ہے۔"

"تو پھر کیا تم جھک مارنے کے لئے یہاں کھڑے ہو۔"

"جناب والا..... یہ اس وقت کی بات ہے جب ہم کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہے تھے۔"

حمید پھر واپس آگیا۔ وہ ننگے پیر ہی چل رہا تھا۔ اس لئے اس کے پیروں کی آواز قریب بھی نہیں سنی جا سکتی تھی۔

اس نے ایک کمرے میں مخدوم کی آواز سنی اور پھر وہ دوسری طرف منہ کئے ہوئے الٹا ہوا دروازے سے نکلا اور پھر دروازہ بند ہی کرنے جا رہا تھا کہ حمید نے اُسے پکڑ لیا۔ مخدوم ہاتھ میں ریوالور تھا اور وہ دوسروں کو اس کی زد میں لے کر فرار ہو جانے کی کوشش کر رہا تھا۔

حمید نے ریوالور پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔ مگر مخدوم کی گرفت مضبوط تھی۔ اس جدوجہد میں ریوالور چل گیا اور ایک بڑے تصویری فریم کا شیشہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر فرش پر بکھر گیا۔ حمید نے اُسے گرا لیا تھا لیکن اس سے ریوالور چھیننے میں ابھی تک کامیاب نہیں ہوا تھا۔

کمرے سے دوسرے لوگ بھی نکلنے لگے اور انہوں نے حمید کے احتجاج کے باوجود مخدوم پر دھاوا بول دیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اس کے ہوش ہی اڑ گئے ہوں گے۔ ریوالور کا دھیان کہاں سے رہ جاتا۔ ذرا ہی سی دیر میں اُسے باندھ کر ایک طرف ڈال دیا گیا۔

سر فیاض ایک آرام کرسی پر پڑا ہوا یہ سب کچھ بڑی حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگتا۔

حمید نے رائے شیکھر کی طرف دیکھا، جو سر جھکائے دم بخود کھڑا تھا۔

"کرنل فریدی کہاں ہیں۔" جسٹس شرما نے حمید کو مخاطب کیا۔

"مجھے علم نہیں ہے جناب والا! ممکن ہے وہ اس کے تعاقب میں ہوں۔"

"وہ حقیقتاً کون تھا۔"

"یہ بھی کرنل صاحب ہی بتا سکیں گے۔"

دفعتاً سر فیاض نے ایک جھرجھری سی لی اور آنکھیں بند کر کے گردن ایک طرف ڈال دی اس کے چہرے کا رنگ اڑتا جا رہا تھا پھر انہوں نے ایک ہلکی سی کراہ سنی۔

وہ پھر مریض معلوم ہونے لگا تھا۔ تقریباً دس منٹ تک یہی کیفیت رہی پھر اس نے ایک کراہ کے ساتھ آنکھیں کھولیں اور حیران حیران نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"ہائیں..... یہ مخدوم کو کیا ہوا؟" اس نے سیدھے بیٹھتے ہوئے کہا۔ کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر اُس نے رائے شیکھر کو مخاطب کیا۔ "یہ کیا ہے رائے شیکھر! تم نے مجھے کیوں بلوایا تھا۔ کب کی دشمنی نکالی ہے کیا کبھی میرا اور تمہارا کوئی جھگڑا ہوا ہے۔"

رائے شیکھر اسی انداز میں سر جھکائے کھڑا رہا۔ غالباً اس کی آنکھیں بھی بند تھیں۔

دفعتاً کرنل فریدی کمرے میں داخل ہوا۔ اب اس کے چہرے پر میجر سعید کی فرنچ کٹ ڈاڑھی اور گھنی مونچھیں نہیں تھیں۔ وہ اپنی اصلی شکل میں تھا۔

"کیوں.....؟" شرما نے پوچھا۔

"وہ نکل جانے میں کامیاب ہو گیا۔ میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ ایک گلاس پانی سے اتنا فائدہ اٹھائے گا۔"

"وہ دھواں کیسا تھا۔"

"خدا جانے۔" اس نے لاپروائی سے کہا اور سر فیاض کی طرف دیکھنے لگا۔

"سر فیاض۔ کیا آپ کبھی رائے شیکھر کے پانچ کروڑ کے مقروض بھی رہے ہیں۔"

"کون کہتا ہے۔" سر فیاض نے حیرت سے کہا۔ "کیا اس قسم کی کوئی لغویات رائے شیکھر نے لکھا ہے۔"

"نہیں..... اس کا تحریری اعتراف تو خود آپ ہی نے کیا ہے۔"

"میں نے۔" اس نے حیرت سے کہا۔ "کیا تم لوگ میرا مذاق اڑانے پر تل گئے ہو۔ یہ کیا بکواس ہے۔"

فریدی نے جیب سے وہی دستاویز نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔ سر فیاض اسے دیکھتا رہا۔ پھر یک بیک چیخنے لگا۔

"یہ جعلی ہے۔ فریب ہے۔ تم لوگ ٹھگ ہو۔ مجھے برباد کر دیا۔ ٹرینی گام والی کان۔ میرے خدا۔ مخدوم.... او مخدوم.... یہ کیا قصہ ہے۔"

مخدوم بھی خاموش ہی رہا۔

"جسٹس شرما۔ کیا آپ بھی ان ٹھگوں کے ساتھ ہیں۔" سر فیاض نے بڑے زہریلے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں سر فیاض۔ لیکن آپ نے میرے سامنے اس پر دستخط کئے تھے۔"

"مخدوم.... ارے بولتا کیوں نہیں مجھے یہاں کیوں لایا تھا۔"

"کیا آپ کو اس سے انکار ہے کہ یہ آپ کے دستخط ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں یہ میرے ہی دستخط ہیں اور کسی انتہائی مشاق آدمی نے بنائے ہیں۔ میں اس دستاویز کو عدالت میں چیلنج کروں گا۔"

"مجھے افسوس ہے کہ ایکسپرٹ آپ کی مخالفت میں فیصلہ کریں گے۔ کیونکہ یہ دستخط آپ نے اپنے ہاتھ سے کئے ہیں۔"

"تم کون ہو؟"

"محکمہ سراغ رسانی کا ایک آفیسر۔ کرنل فریدی۔"

"کرنل فریدی۔" سر فیاض نے حیرت سے کہا۔ "تمہارے متعلق تو میں نے سنا تھا کہ تم شریف اور ایمان دار آدمی ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ نے ٹھیک ہی سنا ہے۔" جسٹس شرما نے کہا۔ "آپ ایک بہت بڑی سازش کا شکار ہوتے ہوتے بچ گئے۔ یہ کرنل فریدی ہی کی ذہانت تھی جس نے آپ کو بچالیا۔"

"میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکتا۔ پتہ نہیں کس قسم کی گفتگو ہو رہی ہے۔" سر فیاض نے پیشانی پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ وہ اب پہلے کی نسبت زیادہ بوڑھا معلوم ہو رہا تھا۔

"یہ کہانی آپ مخدوم ہی سے سنئے گا۔" فریدی نے کہا اور حمید سے بولا۔ "مخدوم کو کھڑا کرو۔"

مخدوم بہت دیر بعد بولنے پر آمادہ ہوا۔ یہ بھی کرنل فریدی ہی تھا جس نے اپنے مخصوص

نفسیاتی طریقوں سے اعتراف جرم کرالیا ورنہ کسی دوسرے کے بس کی بات نہیں تھی۔ مخدوم نے بتایا کہ ٹرینی گام والی کان کی کھدائی اسی کی نگرانی میں شروع ہوئی تھی۔ ایک غیر ملکی انجینئر ٹیکنیکل معاملات کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ اچانک ایک دن اُس نے مخدوم کو اطلاع دی کہ اس کان سے پلاٹینم برآمد ہونے کی توقع ہے۔ اُس کے ساتھ یہ آدمی چارلس براؤن بھی آیا تھا۔ اس نے مخدوم کو سمجھانا شروع کیا کہ آدمی کو موقع سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ پھر اس نے یہ اسکیم بنائی جس کے تحت وہ کان مفت میں ہاتھ آتی۔ اس اسکیم میں چارلس براؤن مخدوم ٹیکنیکل مشیر سیل پیٹرک اور رائے شیکھر شریک تھے۔ رائے شیکھر کو اس لئے منتخب کیا گیا تھا کہ بعد میں عدالت کو باور کرانے میں دشواری پیش نہ آئے کیونکہ وہ ایک مقامی سرمایہ دار تھا۔

سر فیاض سے دستاویز لکھوانے کے لئے بہت پاپڑ بیلنے پڑے۔ جس کیفیت کے تحت اس نے دستاویز پر دستخط کئے تھے وہ ایک انجکشن کا اثر تھا اس کیفیت کے زائل ہو جانے کے بعد وہ قطعی بھول جاتا تھا کہ وہ اس ذہنی دور میں کیا کر چکا ہے۔ جو کچھ اس کے ذہن نشین کرایا جاتا وہ اس سے زیادہ اور کچھ نہ کر سکتا۔ اس انجکشن کو اس کے سسٹم پر اثر انداز کرانے کے لئے کئی تجربات سے گزرنا پڑا تھا۔ کئی ماہ قبل جب اسے پہلا انجکشن دیا گیا تو اس کے ہاتھ پیر ایک کرسی سے باندھ دیئے گئے تھے۔ سر پر ایک ہانڈی اس طرح لٹکائی گئی تھی کہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے پانی کی ایک بوند اس کے سر پر ٹپکتی رہے وہ وہی موقع تھا جب وہ تار جام جانے کے لئے کہیں غائب ہو گیا تھا۔ بہرحال جب انجکشن کئی بار کے تجربات سے اس کے سسٹم پر اچھی طرح اثر انداز ہو گیا تو دستاویز پر دستخط لینے کی مہم شروع کی گئی۔ رائے شیکھر نے اپنے چند معزز دوستوں کے ساتھ سر فیاض کو مدعو کیا۔ مقصد یہ تھا کہ ان کی موجودگی میں کاغذات مرتب کئے جائیں۔ ججوں اور مجسٹریٹوں کی ان پر شہادت ہو تاکہ انہیں کسی طرح بھی باطل قرار نہ دیا جا سکے۔ ظاہر ہے کہ وہ لوگ رائے شیکھر کے یہ معزز دوست اس سازش سے آگاہ نہیں تھے۔ انہوں نے اُسے ہوش و حواس میں کاغذات پر دستخط کرتے دیکھا تھا۔ ایسی صورت میں سر فیاض دنیا کی کسی عدالت سے بھی اپنے حق میں فیصلہ نہ کرا سکتا اور پلاٹینم کی کان ان لوگوں کے ہاتھ لگتی۔

سر فیاض چکرا گیا۔ کبھی وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مخدوم کی طرف دیکھتا اور کبھی رائے شیکھر کی طرف۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "میرے گناہوں کا ثمرہ.... یہ مخدوم.... میرا ہی لڑکا ہے.... مگر غیر قانونی....!"

"اوہ.... چپ رہو سور....!" مخدوم گرجا۔ "میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔ اگر تم نے دوبارہ

یہ الفاظ زبان سے نکالے۔"

دفعتاً فریدی کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور اس نے سر فیاض کو گھور کر دیکھا۔

پھر اس نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "تمہاری جائز اولاد، ٹرینی گام کی پلاٹینم کی کان کی حقدار ہے لہٰذا ناجائز اولاد نے اُسے حاصل کرنے کے لئے ناجائز طریقہ اختیار کیا۔ ناجائز اولاد سے تم اور کس بات کی توقع رکھتے ہو سر فیاض۔ یہ تو پورا پورا انصاف ہو رہا تھا تمہارے سا کیپٹن حمید مخدوم کو کھول دو۔"

"ہائیں.... ہائیں.... یہ کیا....!" جسٹس شرما بے ساختہ بولے۔

"انصاف می لارڈ....!"

"کس قانون کی رو سے۔"

"یہ اسی قانون کی رو سے می لارڈ۔ جس قانون کی رو سے اس ناجائز اولاد نے جنم لیا تھ یہ زبردستی عالم وجود میں آگیا تھا۔"

"تم شاعری کرنے لگے۔"

"اسے آپ جو کچھ بھی سمجھیں دونوں دستاویزیں میرے ہی پاس ہیں اور یہ ہر حال میں کے حق میں استعمال کی جائیں گی۔ سر فیاض کو کھلی ہوئی اجازت ہے کہ وہ عدالتوں میں صفا پیش کرتے پھریں۔ جب تک میرے دم میں دم ہے ٹرینی گام کی کان انکے ہاتھ نہ آسکے گی۔"

"کیا تم پاگل ہو گئے ہو۔"

"می لارڈ.... جو کچھ آپ سمجھیں۔"

"کچھ نہیں....!" سر فیاض مجنونانہ انداز میں اٹھتا ہوا بولا۔ "مجھے نہ چاہئے.... چاہئے۔" پھر اس نے مخدوم کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "میرے بیٹے.... مجھے معاف کرنا خود رفتگی میں یہ بات میری زبان سے نکل گئی تھی.... مجھے کچھ نہ چاہئے۔ مجھے کسی سے کوئی نہیں ہے۔ کسی سے بھی نہیں۔ میں کسی عدالت میں صفائی نہیں پیش کروں گا۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔

مخدوم نے اس کی طرف بڑھنا چاہا۔ مگر فریدی اُسے روک کر بولا۔ "ٹھہرو! ٹرینی گا علاوہ بھی ایک معاملہ اور ہے۔ اس دن سفید کشتی میں کسے دیکھ کر سر فیاض کی حالت بگڑ گئی تھی "چارلس براؤن کو۔ وہ اس وقت انجکشن کے اثر میں نہیں تھے۔ لیکن اب انہیں یہ بھی یا ہے کہ انہوں نے کسی کشتی میں کسی کو دیکھا تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس ذہنی تبدیلی کی وجہ کیا تھی

"میں تمہیں صرف اس جرم میں حراست میں لیتا ہوں کہ تم ایک بین الاقوامی مجرم ڈاکٹر ڈریڈ کے مددگار رہے ہو۔"

"ڈاکٹر ڈریڈ....!" ہر ایک کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"کیا وہ ڈاکٹر ڈریڈ تھا۔" جسٹس شرما نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں اور اس کا احساس مجھے اس وقت ہو سکا جب گلاس سے دھواں اٹھا تھا۔ اس قسم کے شعبدوں کے لئے وہ خاص طور پر مشہور ہے اور یہی شعبدے اسے اب تک قانون کے شکنجوں سے بچاتے رہے ہیں۔ خیر۔ رائے شیکھر مجھے افسوس ہے کہ آپ بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔ میں مجبور ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ آپ لوگ عدالت میں بری ہو جائیں۔ اس وقت تک یہ دستاویزیں لارڈ شپ کے پاس رہیں گی۔"

"میں اس قسم کی کوئی ذمہ داری نہیں لے سکتا۔" جسٹس شرما نے کہا۔

"پھر یہ فی الحال کسی بینک میں رہیں گی۔"

"کیوں نہ اس قصے ہی کو ختم کر دو۔ سر فیاض ہی کو جب کسی سے کوئی شکایت نہیں رہ گئی تو قصہ آگے کیوں بڑھے اور ڈاکٹر ڈریڈ بھی نکل ہی گیا۔ ظاہر ہے یہ لوگ یہ نہ جانتے رہے ہوں کہ وہ ڈاکٹر ڈریڈ تھا۔"

"قطعی نہیں حضور والا۔" مخدوم بولا۔

"پھر کیا رائے ہے۔" جسٹس شرما نے فریدی سے پوچھا۔

"جو آپ مناسب سمجھیں۔ ٹرینی گام کی کان سے تو مخدوم ہی کو فائدہ پہنچتا ہے۔"

"نہیں! اس قصے کو بھی ختم کر دو۔ کیوں مخدوم۔ دستاویزیں ضائع کر دی جائیں نا۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے جناب عالی۔"

"چلو.... ختم کرو۔"

جسٹس شرما نے دستاویزیں فریدی سے لے کر آتش دان میں ڈال دیں۔

دوسرے دن حمید کو معلوم ہو سکا کہ میجر سعید فریدی کے گہرے دوستوں میں سے تھا اور اُس نے اُسے بڑی خوشی سے اجازت دے دی تھی کہ وہ اسکارول ادا کرے اور خود روپوش ہو گیا تھا۔

حمید ریکھا کو اب بھی کلو کی ماں کہتا ہے اور وہ سر تا بقدم آتش فشاں بن جاتی ہے۔

جاسوسی دنیا نمبر 62

لاش کا قہقہہ

(تیسرا حصہ)

اغواء

یہ بھی ممکن تھا کہ یہ واقعہ ہی نہ ہوتا.... یا ہو ہی جاتا....وثوق سے نہیں کہا جاسکتا۔ آرلیکچو میں وہ نگامہ قطعی اتفاقیہ تھا۔ یعنی اگر یہ کہا جائے کہ ہنگامہ اسی لئے ہوا تھا کہ اسی کی آڑ میں کوئی اپنا کام کرجائے تو یہ بالکل بیکار سی بات ہوگی۔ کیونکہ جس کی وجہ سے ہنگامہ ہوتا وہ خواہ مخواہ اپنی گردن کیوں پھنساتا۔ ویسے اُسکی گردن ہر اعتبار سے بہت موٹی تھی۔ وہ خود بھی موٹا تھا۔ غیر معمولی طور پر موٹا اور اتنا ہی غیر معمولی طور پر لمبا بھی....یعنی اس حلئے کا آدمی گرانڈیل احمق قاسم کے علاوہ اور کون ہوسکتا تھا۔

ہنگامے کی وجہ بہت معمولی سی تھی۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ وہ قاسم کے لئے بھی معمولی ہی رہی ہو۔ ہوا یہ کہ نوجوان جوڑا اُس کی میز کے قریب ہی کی ایک میز پر آیا۔ قاسم بڑے انہماک سے کھانے پر ہاتھ صاف کررہا تھا۔ اس کے سامنے متعدد پلیٹیں تھیں اور ایک خالی پلیٹ میں ہڈیوں کا اہرام تعمیر ہورہا تھا۔ اُس کے دونوں ہاتھ شوربے سے بھرے ہوئے تھے۔ آنے والوں میں ایک انتہائی خوبصورت لڑکی تھی اور دوسرا ایک نوجوان مرد۔ مرد کو قاسم اچھی طرح پہچانتا تھا۔ یہ شہر کے ایک سرمایہ دار کا لڑکا تھا۔ غالباً وہ بھی قاسم سے واقف تھا۔ کیونکہ دونوں کا تعلق ایک ہی طبقے سے تھا۔

قاسم لڑکی کو نہیں پہچانتا تھا لیکن پہلی ہی نظر میں وہ اُسے بے حد پسند آئی کیونکہ حسین ہونے کے ساتھ ساتھ وہ اچھی صحت بھی رکھتی تھی۔ وہ اس معیار پر پوری نہیں اترتی تھی جس کے لئے قاسم کی

''رومانی'' لغات میں صرف ایک ہی لفظ ہوسکتا تھا۔ ''تگڑی'' مگر..... پھر بھی اُس کے چہرے مہر
ڈیل ڈول میں اتنی ہم آہنگی تھی کہ قاسم اس کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔

لڑکی بھی اُسے دیکھ کر مسکرائی اور نوجوان آہستہ آہستہ اُس سے کچھ کہنے لگا۔ ساتھ ہی وہ قا
کنکھیوں سے دیکھتا بھی جارہا تھا..... پھر اُن دونوں نے ایک ساتھ قہقہہ لگایا۔

قاسم کو تاؤ آ گیا۔ کھلی ہوئی بات تھی۔ وہ قاسم کا مضحکہ اڑانا چاہتے تھے۔ اگر لڑکی تنہا ہوتی تو
کوئی بات نہیں تھی وہ قاسم کے گلے میں جوتیوں کے ہار بھی ڈال سکتی تھی۔ مگر وہ مرد..... وہ ''ا
پٹھا'' کیوں ہنسا تھا اُسے دیکھ کر۔ قاسم کا اسکریو ڈھیلا ہوگیا اور دوسرے ہی لمحے میں شوربے کی تو
اس نوجوان کے منہ پر پڑی..... اُس کے ساتھ بھی ایک لڑکی تھی اور کسی لڑکی کی موجودگی میں اُس کا
معمولی سی توہین بھی نہیں برداشت کرسکتا۔

اُس نے قاسم پر چھلانگ لگائی۔ کرسی ٹوٹنے کی چرچراہٹ ڈائیننگ ہال میں گونج کر رہ گئی۔
چاروں طرف سے دوڑ پڑے۔ اس دوران میں قاسم اُسے میز پر اچھال چکا تھا۔ میز سمیت وہ دو
طرف الٹ گیا۔

دفعتاً اُسی وقت پورا ہال تاریک ہوگیا۔

کسی لڑکی کی چیخ اندھیرے میں لہرائی۔

''چھوڑ دو..... چھوڑ دو..... چھوپ۔'' ایسا معلوم ہوا جیسے اُس کا منہ دبالیا گیا ہو۔ میزیں الٹ
تھیں۔ لوگ چیخ رہے تھے اور قاسم بُری طرح بدحواس ہوگیا تھا..... نہ جانے کتنے بھاگتے ہوئے لو
اُس سے ٹکرائے۔ نہ جانے وہ کتنی بار گرا۔ گر کر اٹھنے نہیں پایا کہ دو چار اور آ گرے اُس پر۔ ظاہر
جب وہ دوبارہ اٹھ کر بھاگتے ہوں گے تو قاسم کا کیا حشر ہوا ہوگا۔ بہرحال وہ بُری طرح کچلا اور رو
گیا۔ لیکن اُسی بدحواسی کے عالم میں نہ جانے کیسے اُس کے ذہن کی دلدل میں روشنی کی ایک کرا
لودے اٹھی۔ اُس نے سوچا کہ اس ہنگامے کی ساری ذمہ داری اُسی پر عائد ہوگی۔ لہٰذا روشنی ہونے
قبل ہی کھسک جانا چاہئے۔

وہ بمشکل تمام اٹھا اور اندازے سے ایک دروازے کی سمت بڑھنے لگا۔

اندھیرے میں اب بھی لوگ ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے۔ میزوں اور کرسیوں سے الجھ کر
رہے تھے۔ برتنوں کے ٹوٹنے کی آوازیں نسوانی چیخوں سے ہم آہنگ ہوکر کچھ عجیب سی لگتیں۔

قاسم کسی نہ کسی طرح دروازے تک پہنچ گیا لیکن باہر نکلنا آسان کام نہیں تھا کیونکہ اب باہر سے
بھی ایک جم غفیر اندر گھسنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''بہزار خرابی وہ کمپاؤنڈ تک پہنچ گیا۔ پھر اُسے یاد نہیں کہ وہ کس طرح اپنی کار میں بیٹھا تھا اور کس
طرح اُسے ڈرائیو کرتا ہوا گھر تک پہنچا تھا۔

اُس کے کپڑے شوربے کے بڑے بڑے دھبوں سے زعفران زار بنے ہوئے تھے۔ ننھی منی بیوی
نے اس کی ہیئت دیکھی اور کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''کیا کسی نے باورچی خانے میں بند کر کے مارا تھا۔'' اُس نے ہنسی ضبط کرنے کی کوشش کرتے
ہوئے کہا اور قاسم ناچ گیا۔

''دیکھو۔'' وہ انگلی اٹھا کر آنکھیں نکالتا ہوا بولا۔ ''تم مجھ سے بے تکی باتیں نہ کیا کرو۔''

''تم تھے کہاں۔'' دفعتاً اُس کی بیوی کا موڈ بگڑ گیا۔ ''میرا خیال ہے کہ آج کسی شریف آدمی نے
تمہیں اپنے گھر میں داخل ہوتے دیکھ لیا ہوگا۔''

''دیکھ لیا تھا۔'' قاسم سر ہلا کر بولا۔ ''تم سے مطلب..... تم جہنم میں جاؤ۔''

''تم خود جاؤ..... مجھ سے اس طرح اکڑ کر گفتگو نہ کیا کرو۔ تمہاری لونڈی ہوں کیا۔''

''ہزار بار کہوں گا..... تم میری لونڈی ہو..... ہاں۔''

''زبان سنبھال کے..... بڑے آئے..... کہیں کے۔''

''تم بکواس نہ کیا کرو..... کیا میں تم سے بولا تھا۔'' قاسم دہاڑا۔

''تمہیں بتانا پڑے گا کہ تم کہاں تھے۔''

''میں چانڈوخانے میں چرس پی رہا تھا۔ تم سے مطلب۔''

''میں ابھی چچا جان کو فون کرتی ہوں۔ پھر انہیں سے مطلب پوچھنا۔''

''کردو۔'' قاسم رو میں بولا۔ پھر یک بیک سنبھل کر ہکلانے لگا۔ ''تم..... ب..... بیکار..... میرے
پیچھے..... پیچھے..... پیچھے پڑ رہی ہو..... میں تو میلاد میں گیا تھا..... ہاں۔''

''پھر یہ شوربے کے دھبے کیسے ہیں۔''

''میں نے میلاد سننے والوں کے لئے سالن پکایا تھا..... ارر..... ہام..... نن..... نہیں..... سنو تو سہی۔''

''تمہیں شرم نہیں آتی۔ خاندان کا نام اچھالتے پھرتے ہو۔''

''اب آئے گی.....اب آئے گی۔'' قاسم بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔

''تم ابا جان کو فون مت کرنا..... ہاں..... مجھے ذرا غصہ آ گیا تھا۔''

''اور غصے میں تم نے قورمے کی پلیٹ میں چھلانگ لگا دی۔''

''ارے تم سنو تو سہی..... مجھے اُس پر غصہ آ گیا تھا..... پرویز کے بچے پر۔''

''کون پرویز.....!''

''سر سلیمان کا لڑکا.....اُلو کا پٹھا..... مجھے دیکھ کر ہنستا ہے..... میں نے اُس کے منہ پر پلیٹ مار

وہ لڑنے پر تیار ہوا تو اٹھا کر پھینک دیا سالے کو۔''

''کہاں لڑے تھے۔''

''آرلیکچو میں۔''

قاسم کی بیوی نے ایک طویل سانس لی اور بولی۔''اب ہوگی مقدمہ بازی چچا جان اور سر سلیمان میں ویسے ہی ٹھنی رہتی ہے۔''

''مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ ٹھنی رہتی ہے ورنہ مار ہی ڈالتا سالے کو۔''

''اپنی خیر مناؤ۔ چچا جان کو لازمی طور پر اس کا علم ہو جائے گا۔''

''اے چچا جان کی بھتیجی کبھی تم دونوں سے پیچھا بھی چھوٹے گا میرا۔'' قاسم جھلا گیا۔

''مجھے تم زہر دے دو۔ لیکن بوڑھے باپ کو کیوں کوستے ہو۔''

''دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے۔'' قاسم گلوگیر آواز میں بولا۔''ایک بھی باپ نہیں ہے..... اور کوئی بھی نہیں ہے۔ یعنی کہ تمہیں کسی دن سچ مچ زہر دے دوں گا۔''

''کوشش کر کے دیکھو۔'' قاسم کی بیوی نے بُرا سا منہ بنایا۔

قاسم پیر پٹختا ہوا اپنی خواب گاہ کی طرف چلا گیا۔

❁

شام ہی سے آسمان بادلوں سے ڈھکا رہا تھا۔ دس بجے موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ آنا پانی ساتھ آئے تھے۔ شہر کے بہتیرے حصے بجلی کے تار ٹوٹ جانے کی بناء پر تاریک ہو گئے۔ ویران پڑ گئی تھیں۔

دفعتاً ایک کار کرنل فریدی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی اور سیدھی پورچ کی طرف چلی گئی۔

اترنے والا محکمہ سراغ رسانی کا سپرنٹنڈنٹ تھا۔

نوکروں نے اُسے ڈرائینگ روم میں بٹھا کر فریدی کو اطلاع دی اور فریدی شب خوابی کے لباس ہی میں ملنے چلا آیا۔

''کیسے تکلیف فرمائی جناب۔'' فریدی نے حیرت سے کہا۔ وہ ایک با اصول آدمی تھا۔ اس لئے اونچی پوزیشن کا مالک ہونے کے باوجود بھی اپنے آفیسروں کا احترام کرتا تھا۔ پھر ویسے بھی سپرنٹنڈنٹ ایک معمر آدمی تھا اور ابھی حال ہی میں کسی دوسری جگہ سے تبدیل ہو کر یہاں آیا تھا۔

''ایک نئی مصیبت کرنل.....!'' سپرنٹنڈنٹ نے رک رک کر کہا۔

''فرمایئے.....! تشریف رکھئے۔'' فریدی نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجاتے ہوئے کہا۔

''میں نے فون کرنا چاہا لیکن لائن خراب تھی۔ میرے خدا.....اب تک اُسی رفتار سے بارش ہو رہی ہے جس رفتار سے شروع ہوئی تھی۔''

اتنے میں ایک نوکر اندر آیا۔

''کافی.....!'' فریدی نے اُس کی طرف مڑ کر کہا۔

''ارے نہیں بھئی.....اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

''آپ ٹھنڈی ہواؤں سے گذر کر یہاں تک آئے ہیں۔'' فریدی مسکرایا۔''کافی ضرور پیجئے۔''

''خیر..... ہاں.....تو میں اسلئے آیا تھا کہ اس طوفان میں شائد تمہیں گھر سے باہر نکلنا پڑے۔ مگر میں کیا کروں۔ معاملہ اتنا ہی اہم ہے۔ کسی دوسرے کو اس معاملے میں ڈال کر وقت برباد کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا۔ سب سے پہلے میں آئی جی صاحب کے بنگلے پر گیا تھا۔ اُنکا بھی یہی خیال ہے کہ تم ہی کچھ کر سکو گے۔''

''فرمایئے.....موسم کی فکر نہ کیجئے.....موسم بھی اُسی جہانِ آب وگل کی پیداوار ہیں جس نے آدمی کو جنم دیا ہے۔''

سپرنٹنڈنٹ چند لمحے اُس کے چہرے پر نظر جمائے رہا پھر بولا۔

''تم نے بھی سعیدہ رحمان کے متعلق سنا ہوگا۔''

''کون سعیدہ رحمان۔''

''جو ایک ہفتہ پہلے جیمس اینڈ بارٹلے کی فرم میں ٹائپسٹ تھی۔ لیکن اب ایک ارب پتی لڑکی ہے۔''

''مجھے افسوس ہے کہ میں نے اس معجزے کے متعلق ابھی تک کچھ نہیں سنا۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''ہاں معجزہ ہی کہا جاسکتا ہے۔ مجھے خود بھی حیرت ہے۔ اس قسم کے واقعات اور کردار صرف کہانیوں ہی میں ملا کرتے تھے۔ اُس کا ایک مالدار چچا حال ہی میں فوت ہوا ہے اور اس کی ساری دولت اُس کے حصے میں آئی ہے.... لہٰذا یہاں کے سارے سرمایہ دار یک بیک اُس کی طرف متوجہ ہوگئے ہیں۔''

سپرنٹنڈنٹ سانس لینے کے لئے رکا اور پھر بولا۔ ''آج شام کو وہ سر سلیمان کے لڑکے پرویز کے ساتھ آرلیکچو میں تھی۔ وہاں خان بہادر عاصم کے لڑکے سے پرویز کا جھگڑا ہوگیا۔''

''جھگڑا کیوں ہوگیا۔''

''پرویز کا بیان ہے کہ اُس نے بس یونہی بیٹھے بیٹھے شوربے کی پلیٹ اُس کے منہ پر کھینچ ماری تھی۔ ان میں کوئی گفتگو بھی نہیں ہوئی تھی۔ پھر وہ دونوں ایک دوسرے سے الجھ پڑے۔ اسی دوران میں ہال فیوز اڑ گیا اور پرویز نے سعیدہ رحمان کی چیخیں سنیں۔ روشنی ہونے پر نہ وہاں سعیدہ تھی اور نہ قاسم۔ پرویز نے ہر وہ جگہ دیکھ ڈالی جہاں سعیدہ کے ملنے کے امکانات ہوسکتے تھے۔ لیکن وہ نہ ملی۔ سر سلیمان نے براہ راست آئی جی سے گفت وشنید کی ہے۔ اُس کا خیال ہے کہ لڑکی کو اغوا کیا گیا ہے۔''

''شبہہ قاسم کی طرف ہوگا۔'' فریدی نے کہا۔

''ہاں یہی تو بات ہے۔ خان بہادر عاصم بھی آئی جی کے دوستوں میں سے ہیں۔ اسی لئے ہاں۔ عاصم اور سلیمان کے تعلقات پہلے ہی سے ناخوشگوار ہیں۔''

''میں سمجھ گیا۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔ ''لیکن اگر آپ یہ کام مجھے سونپنا چاہتے ہیں تو میں عرض کردوں۔'' فریدی جملہ پورا نہیں کر پایا تھا کہ کافی آ گئی۔

''ہاں.... کہو.... کیا کہہ رہے تھے۔'' سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

''مطلب یہ کہ اگر یہ واقعی اغواء کا کیس ہے اور اس میں قاسم ہی کا ہاتھ ثابت ہوا تو آئی جی صاحب کی دوستی عاصم کے کام نہ آسکے گی۔''

''میں سمجھتا ہوں۔ آئی جی صاحب بھی سمجھتے ہیں۔ اسی لئے وہ چاہتے ہیں کہ تفتیش تم ہی کرو۔ اُن کا خیال ہے کہ عاصم کا لڑکا اس قسم کی حرکتوں کی صلاحیت نہیں رکھتا۔''

فریدی نے کافی بنا کر پیالی اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''میں قاسم سے اچھی طرح واقف ہوں.... دوسروں کا آلہ کار بننے کی صلاحیت اُس میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ خیر میں دیکھوں گا.... ہاں

اب آپ مجھے اُس لڑکی کے متعلق بتایئے۔ اُس کا چچا کہاں تھا۔''

''جیکا میں.... وہ وہیں پر آباد ہوگیا تھا۔ وہاں اُس کا کروڑوں روپیوں کا کاروبار تھا۔ اور لاکھوں کی جائیداد۔ اُس کی وارث یہی لڑکی سعیدہ رحمان قرار پائی ہے کیونکہ قریبی عزیزوں میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ اُسے یہ اطلاع یہاں کے ایک وکیل کی وساطت سے ملی تھی اور حیرت تو اس بات پر ہے کہ لڑکی کو اس کا علم نہیں تھا کہ اُس کا کوئی چچا اتنا مالدار بھی ہوسکتا ہے۔ ویسے اس کا بیان ہے کہ اُس کا ایک چچا تھا جو بچپن میں گھر سے نکل گیا تھا۔''

''اوہ.... یہ واقعی کوئی دلچسپ کہانی معلوم ہوتی ہے۔'' فریدی مسکرایا۔

''ہاں بھئی! بعض اوقات تو اس لڑکی کے مقدر پر رشک آنے لگتا ہے۔''

''اُس کے چچا کا کیا نام تھا۔''

''کرم رحمان۔'' سپرنٹنڈنٹ بولا۔ ''نچلے طبقے کے لوگ ہیں لیکن.... دولت.... لڑکی کے والدین بھی مر چکے ہیں۔ وہ تعلیم یافتہ ہے۔ گریجویٹ۔''

''کیا اُسے کچھ روپیہ مل بھی گیا ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ ضرور ملا ہے۔ کیونکہ اب وہ پرنسٹن کے ایک شاندار بنگلے میں رہتی ہے۔''

''کس وکیل کی وساطت سے اُسے اپنے مالدار ہوجانے کی اطلاع ملی تھی۔''

''کیلاش ورما کی وساطت سے اور وہ اس کا قانونی مشیر بھی ہے۔''

''کیا یہ بھی معلوم ہوسکے گا کہ اُس لڑکی میں کتنے لوگ دلچسپی لے رہے تھے۔''

''ہاں.... میرا خیال ہے کہ پرویز ہی اُس کے متعلق بتا سکے گا۔''

''بہت بہتر۔ میں اسی وقت سے کام شروع کرتا ہوں۔ کیا خان بہادر عاصم کو اس واقعے کی اطلاع ہوچکی ہے۔''

''مل چکی ہے۔ آئی جی صاحب نے انہیں میرے ہی سامنے فون کیا تھا۔''

''اصولاً غلط ہے۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ ''اگر حقیقتاً اس میں قاسم ہی کا ہاتھ ہے تو.... اسے روپوش کردیا جائے گا۔''

سپرنٹنڈنٹ نے اُس کے اس خیال پر رائے زنی نہیں کی۔ خاموشی سے کافی پیتا رہا۔ پھر فریدی کا بگڑا ہوا سگار سلگانے لگا۔

اتنے میں پورچ سے ہارن کی آواز آئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد حمید کی آواز بھی سنائی دی۔ شاید وہ باہر سے آیا تھا اور نوکروں کو متوجہ کرنے کے لئے اُس نے ہارن بجایا تھا۔

پھر وہ راہداری سے گذر ہی رہا تھا کہ فریدی نے اُسے آواز دی۔ وہ مڑا لیکن سپرنٹنڈنٹ کو دیکھ کر ٹھٹک گیا.... پھر وہ اُسے سلام کرتا ہوا ڈرائینگ روم میں چلا آیا۔

''بیٹھو....!'' فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا اور تیسرے کپ میں کافی انڈیلنے لگا۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔ سپرنٹنڈنٹ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''اچھا تو اب میں چلوں گا۔''

''آپ مطمئن رہئے۔ کام اسی وقت سے شروع کر دیا جائے گا۔''

کام کا نام سنتے ہی حمید کا کام تمام ہو گیا۔ لیکن سپرنٹنڈنٹ کو رخصت کرنے کے لئے پورچ تک آنا ہی پڑا۔

سپرنٹنڈنٹ کی کار چلی گئی۔

''سنا ہے بارش میں بھیگنے سے اکثر نمونیہ بھی ہو جاتا ہے۔''

''ٹھیک سنا ہے۔''

''تو پھر میں چلا بھیگنے۔''

''بکواس مت کرو۔ یہ کام بہت معمولی سا ہے۔ ویسے اگر لیٹنے ہی کو دل چاہتا ہے تو مجھ رجوع کرو۔ مجھے عرصہ سے کسی کے ہاتھ پیر توڑنے کا موقعہ نہیں ملا۔''

''کیا قصہ ہے۔''

''دلچسپ ہے۔ تمہیں پسند آئے گا۔ آؤ اندر چلیں۔''

پھر وہ ڈرائینگ روم میں واپس آئے اور فریدی کو سپرنٹنڈنٹ سے جو کچھ بھی معلوم ہوا تھا اُس دہراتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا قاسم اُس لڑکی کے چکر میں تھا۔''

''پتہ نہیں۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ قاسم میں اس قسم کے کاموں کی صلاحیت نہیں ہے۔''

''مگر وہ کسی کا آلۂ کار تو بن ہی سکتا ہے۔''

''ہاں یہ ممکن ہے۔ مگر وہ بھی اسی صورت میں جب کہ اُسے سازش کا علم نہ ہو۔ یعنی یہ ہو سکتا ہے کہ کسی نے مقصد بتائے بغیر اُسے پرویز کے خلاف اکسایا ہو۔ مگر یہ لڑکی۔ میں نے بھی دو تین دفعہ ہوئے اُس کا تذکرہ سنا تھا۔''

''کوشش کرو۔ اس سے شادی کر کے تم شہر کے بہت بڑے آدمی ہو سکتے ہو۔ وہ اَرب پتی ہے۔''

تفتیش

حمید فریدی کی ہدائت کے مطابق قاسم کے گھر پہنچا۔ حالانکہ بارش اُسی زور و شور کیساتھ جاری تھی۔ پھاٹک ہی پر قاسم کے باپ سے ملاقات ہو گئی۔ حمید کی کار اندر جا رہی تھی اور اُس کی کار باہر نکل رہی تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے تھوڑے فاصلے پر رک گئیں۔

''کون صاحب ہیں۔'' کار سے آواز آئی۔ حمید نے آواز پہچان لی۔ وہ قاسم کا باپ ہی تھا۔

''کیپٹن حمید! بسلسلہ تفتیش....!'' حمید نے جواب دیا۔

''اوہ.... یہ بہت اچھا ہوا.... وہ مجھے کچھ نہیں بتاتا۔ کیا یہ کیس آپ ہی لوگوں کے پاس ہے۔''

''جی ہاں۔''

''بہت اچھا ہے۔ اَب میں مطمئن ہوں۔ آپ ذرا اپنی گاڑی پیچھے ہٹائیے۔ میں واپس جا رہا ہوں۔''

حمید نے کار بیک کی اور خان بہادر عاصم کی کار نکل گئی۔ پھر حمید اپنی کار پورچ کی طرف لیتا چلا گیا.... قاسم کی بیوی شائد عاصم صاحب کو رخصت کرنے کیلئے برآمدے تک آئی تھی اور کسی دوسری کار کی ہیڈ لائیٹس دیکھ کر وہیں رک گئی تھی اور پھر جب اُس نے حمید کو دیکھا تو بے ساختہ ہنس پڑی۔

''کیوں! آپ ہنسیں کیوں....!'' حمید نے سوال کیا۔

''آپ بھی تشریف لے آئیے.... آئیے آئیے۔ میں آپ کو ایک عبرت ناک منظر دکھاؤں۔''

''میں تفتیش کے سلسلے میں آیا ہوں۔ مگر قاسم کو کیا ملے گا سعیدہ رحمان کے اغواء سے۔''

''یہ انہیں سے پوچھئے گا۔''

''وہ ہے کہاں!''

''وہیں لے جا رہی ہوں۔ کیا آپ اس وقت اُن کے ساتھ نہیں تھے۔''

''کیا میں اُس کی دُم سے بندھا پھرتا ہوں۔''

قاسم کی بیوی ہنس پڑی لیکن حمید نے محسوس کیا کہ وہ اُس کی بات پر نہیں ہنسی.... انداز کچھ ایسا ہی تھا جیسے کسی مضحکہ خیز بات کے یاد آنے پر ہنس پڑی ہو۔

وہ اُسے قاسم کی خواب گاہ میں لائی۔ واقعی وہ ایک عبرت ناک منظر تھا۔ اتنا عبرت ناک کہ وہ تو

خیر پہلے ہی ہنس رہی تھی۔ حمید بھی ہنس پڑا۔

قاسم اپنی مسہری پر آرام سے لیٹا ہوا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ اپنی مرضی سے کروٹ لینے کے قابل بھی نہ رہا ہو۔ کیوں کہ اس کے ہاتھ اور پیر بندھے ہوئے تھے۔

ان دونوں کو ہنستے دیکھ کر وہ پاگلوں کی طرح چیخا۔

''میں گولی مار دوں گا۔''

''تم ہل بھی نہیں سکتے اپنی جگہ سے۔ جھوٹ نہ بولو۔'' حمید نے کہا۔

''تم قیوں.... کیوں آئے ہو! یہاں!''

''تمہارے ہتھکڑیاں لگانے کے لئے۔ سعیدہ رحمان بالکل لاوارث لڑکی ہے۔ اُس کا آخری بھی مر گیا۔''

قاسم کی بیوی نے قہقہہ لگایا اور قاسم آتی ہوئی چھینک روک کر دھاڑا۔ ''ارے چپ.... خدا کر تمہارا منہ سڑ جائے۔''

قاسم کی بیوی شائد اُسے جلانے کے لئے اس وقت بے تحاشہ قہقہے لگا رہی تھی۔ ویسے حمید اُسے بہت کم ہنستے دیکھا تھا۔

''تم خواہ مخواہ غصہ کر کے اپنی صحت نہ برباد کرو۔ پیارے قاسم....!'' حمید اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

''ہاٹ جاؤ۔'' قاسم نے کسی کھسیانے کتے کی طرح دانت نکال کر گردن کو جھٹکا دیا۔

''حمید بھائی.... میں آپ کے لئے کافی بنواؤں۔'' قاسم کی بیوی نے مسکرا کر پوچھا۔

''نہیں کوئی ضرورت نہیں۔'' قاسم غرایا۔

''حمید بھائی.... کافی کے ساتھ آپ انڈوں کا حلوہ پسند کریں گے یا لوز بادام....!''

قاسم غیر شعوری طور پر منہ چلانے لگا اور حمید مسکرا کر بولا۔ ''دونوں۔''

قاسم کی بیوی کمرے سے چلی گئی۔

حمید چند لمحے قاسم کو دیکھتا رہا پھر مغموم لہجے میں بولا۔ ''قاسم میں مغموم ہوں۔''

''خدا ایسا باپ گدھے کو بھی نصیب نہ کرے۔'' قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''کیا وہ تمہیں باندھ گئے ہیں۔''

''ارے یہ عورت۔'' قاسم دانت پیس کر بولا۔ ''اس کی تو میں ہڈیاں چبا جاؤں گا۔ اسی نے مشورہ دیا ہوگا۔ حمید بھائی تم مجھے غائب کر دو۔ ایک دم غائب کر دو۔ دو چار سال کے لئے۔''

''مگر یہ سعیدہ رحمان کا کیا قصہ ہے۔''

''ارے یار کچھ نہیں بس غصہ آ گیا تھا۔''

''کیا ہوا تھا۔''

''میں اُس سالی کو پہچانتا بھی نہیں تھا.... وہ پرویز کے ساتھ آئی تھی اور وہ پرویز الو کا پٹھا مجھے دیکھ کر ہنسنے لگا۔ پتہ نہیں چپکے چپکے اُس سے کیا کہہ رہا تھا۔ وہ بھی ہنس رہی تھی۔ خود بھی ہنس رہا تھا۔ مجھے غصہ آ گیا۔ میں نے اُس کے منہ پر پلیٹ کھینچ ماری۔ بس اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا۔ خود بخود ہال میں اندھیرا ہو گیا اور میں اندھیرے ہی میں گھر واپس آ گیا.... اب یہ قصہ.... میں کیا جانوں وہ سالی کون ہے۔''

''تمہیں کس نے اکسایا تھا۔''

''کسی نے نہیں۔ اکساتا کون۔ کیا میں بیوقوف ہوں۔''

''نہیں پیارے تم تو بقراط ہو۔''

''تم خود ہو گے بقراط۔'' قاسم نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ''میں اس وقت مذاخ کے موڈ میں نہیں ہوں۔''

''کیا میں تمہیں آزاد کر دوں۔''

قاسم تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''نہیں۔''

''کیوں....!''

''ارے وہ بڈھا میرے جسم پر سے کھال اُتار دے گا۔ وہ اس اُلو کی پٹھی سے کہہ گیا ہے کہ جب میں فون کروں تب ہی ہاتھ پیر کھولے جائیں۔''

''تم مجھے باپ بنا لو قاسم.... اُس پر لعنت بھیجو۔''

''اچھا....!'' قاسم رو میں کہہ گیا۔ پھر سنبھل کر بولا۔ ''کیا کہا۔''

''کچھ نہیں.... ہاں تو تم نے سعیدہ رحمان کے متعلق پہلے کچھ نہ کچھ ضرور سنا ہوگا۔''

''ہاں.... سنا تھا۔ مگر سن کر کرتا بھی کیا.... میری شادی تو ہو چکی ہے۔''

''آہا....تو یہ خیال تھا دل میں....کیوں قاسم؟ کیا تم اب فراڈ کرنا سیکھ رہے ہو۔''

''کیوں....!''

''اس اغواء میں تمہارا ہاتھ معلوم ہوتا ہے۔''

''میں کچھ نہیں جانتا۔''

''دیکھو! یہ کیس فریدی صاحب کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ذرہ برابر بھی مروت نہ کریں گے۔ ویر اگر تم لڑکی کا پتہ بتادو تو شائد معاملہ دبا دیا جائے۔''

قاسم خاموشی سے حمید کو گھورتا رہا پھر بولا۔''میں کس طرح یقین دلاؤں کہ مجھے اغواء کے متعلق کچھ نہیں معلوم۔''

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ قاسم کی بیوی کافی کی ٹرے اٹھائے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔

''مرتی بھی نہیں کسی صورت سے۔'' قاسم بڑبڑانے لگا۔

''مرنے ہی جارہی ہوں۔ اس وقت اتنا ہی کھاؤں گی جتنا تم کھاتے ہو۔''

قاسم نے آنکھیں بند کرلیں۔ حمید نے اُس کے سرہانے رکھی ہوئی گول میز کھسکائی اور قاسم کی بیوی نے ٹرے اُس پر رکھ دی۔ پلیٹوں میں کئی طرح کی چیزیں تھیں۔ حمید کو بھوک نہیں تھی مگر معاملہ چونکہ قاسم کو غصہ دلانے والا تھا اس لئے وہ صحیح معنوں میں ٹرے پر ٹوٹ پڑا۔

''آپ بھی آیئے نا مگر پیالیاں تو دو ہی لائی ہیں آپ....!''

''تیسری کس کے لئے لاتی۔'' قاسم کی بیوی نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

''اپنے باوا کے کفن کے لئے۔'' قاسم حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

اور قاسم کی بیوی کچھ اس انداز میں ہنسنے لگی جیسے قاسم کا دماغ خراب ہوگیا ہو۔

ان دونوں میں کسی طرح کی بھی مطابقت نہیں تھی۔ نہ ذہنی نہ جسمانی۔ قاسم پہاڑ تھا اور وہ گلہری۔ قاسم کی اَپر چیمبر بالکل ہی خالی تھی لیکن وہ خاصی ذہین عورت تھی۔ بلکہ اگر بہ نظر انصاف دیکھا جائے اُسے عورت کی بجائے لڑکی ہی کہنا چاہئے۔ عمر اٹھارہ سال سے کسی طرح زیادہ نہیں تھی....اور یہ خود قاسم ہی کا بیان تھا کہ وہ آج تک اُس کی بیوی نہیں بن سکی۔

وہ اُس کے چچا کی لڑکی تھی۔ یہ بے جوڑ شادی اس لئے ہوئی تھی کہ گھر کی دولت گھر ہی رہ جائے ورنہ شائد کوئی بھک منگا بھی ایسی بے جوڑ شادی کو پسند نہ کرتا....بہرحال شائد یہ مایوسانہ جنسی زندگی

ردِعمل تھا کہ وہ اُسے اس طرح زچ کیا کرتی تھی اور اُسے تکلیف میں دیکھ کر اُسے ذرہ برابر بھی رحم ہیں آتا تھا۔

وہ دونوں ہنس ہنس کر کافی پیتے رہے اور پلیٹوں پر ہاتھ صاف کرتے رہے۔

''اَبے حمید کے پٹھے۔'' قاسم حلق پھاڑ کر چیخا۔''میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔''

''کیوں بھئی! کیا بگاڑا ہے میں نے تمہارا۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔

''تم یہاں سے چلے جاؤ۔''

''میں یہاں ایک تفتیش کے سلسلے میں آیا ہوں۔'' حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''خدا غارت کرے تمہیں۔'' قاسم نے کہا پھر اپنی بیوی پر غرایا۔''میں قروٹ....کروٹ بدلنا چاہتا ہوں۔''

''بدل لو....میں نے کب منع کیا ہے۔'' اُس نے لاپروائی سے کہا۔

''میں کیا کروں....یا اللہ....!'' قاسم نے جھلاہٹ میں سر اٹھا کر مسہری پر دے مارا۔

''اے....رسیاں ڈھیلی نہ ہونے پائیں ورنہ چچا جان کو فون کردوں گی۔''

قاسم دانت پیس کر رہ گیا۔ اُس کا بس چلتا تو وہ اُس کی گردن مروڑ کر کھڑکی کے باہر پھینک دیتا۔

حمید نے کافی ختم کر کے پائپ سلگایا اور قاسم کی طرف دیکھ کر اُس کی بیوی سے بولا۔''مجھ سے ما کی یہ حالت نہیں دیکھی جاتی۔''

''مجھ سے بھی نہیں دیکھی جاتی۔ اس لئے میں آدھے گھنٹے کے اندر ہی اندر نوکروں سمیت یہاں سے چلی جاؤں گی۔''

''ٹانگیں توڑ دوں گا اگر گھر کے باہر قدم نکالا۔'' قاسم نے گرج کر کہا۔

''ذرا زبان سنبھال کر۔ ورنہ میں چچا جان کی دوسری تجویز پر بھی عمل شروع کرادوں گی۔''

''کیسی تجویز۔''

''یہی کہ ہر پندرہ منٹ بعد تم پر ایک بالٹی ٹھنڈا پانی ڈالا جائے۔''

''ارے خدا غارت کرے جھوٹوں کو۔ یہ کب کہا تھا۔''

''کہا تھا۔'' قاسم کی بیوی سر ہلا کر بولی۔''الگ لے جا کر کہا تھا۔''

''جھوٹ....جھوٹ....اللہ قسم۔ بالکل جھوٹ۔'' قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''فون اٹھادوں....پوچھ لو۔''

''میں نہیں پوچھتا....حمید بھائی بس اب مجھے کھول دو۔ حد ہو چکی ....ایسا باپ....ارے باپ رے باپ۔ اللہ قسم تہلکہ مچادوں گا۔ میں قسی سے نہیں ڈرتا۔ ابھی سیدھا کسی رنڈی کے کوٹھے پر جاؤں گا۔ اتنی پیوں گا کہ پھٹ جائے۔ کھول دو حمید بھائی۔ میں استبدا کرتا ہوں۔''

''استبدا کیا۔'' حمید نے حیرت ظاہر کی۔

''اے خوشامد۔'' قاسم جھنجھلا کر چیخا۔

''خوشامد اسی طرح کی جاتی ہے۔''

قاسم خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا اور ہونٹ ہلاتا رہا پھر بولا۔ ''کھول دو حمید بھائی میرے بڑے بھائی ہو۔ اب میں تمہیں کبھی بُرا بھلا نہیں کہوں گا....اور....اور....وہ سعیدہ رحمان کا بھی بتادوں گا۔ میں جانتا ہوں کہ وہ ایک کوٹھری نہیں کوٹھی....اررر یعنی کہ ایک جگہ بند کر دی گئی ہے۔''

''میں سچ کہتی ہوں حمید بھائی۔ یہ محض بکواس ہے۔ آپ ہرگز نہ کھولئے گا۔ ورنہ چچا جان....!''

''خاموش....!'' قاسم اتنے زور سے دہاڑا کہ آواز پھٹ گئی اور اس پر کھانسیوں کا دورہ پڑ گیا۔ انہیں کھانسیوں کے درمیان وہ اپنی بیوی کے والدین کی خبر بھی لیتا جا رہا تھا۔

حمید آگے بڑھ کر اُسے کھولنے لگا اور قاسم کی بیوی میز سے ٹرے اٹھا کر کھسکنے لگی۔

''بھاگی کہاں جاتی ہو۔ ٹھہرو نا....رک جاؤ۔'' قاسم جلے کٹے لہجے میں بولا۔

لیکن اب وہ کہاں رکنے والی تھی۔

❁

فریدی کی کار اُس عمارت کے سامنے رکی۔ جہاں سر سلیمان کے لڑکے پرویز کے ملنے کی توقع کی جا سکتی تھی۔ اس عمارت میں پرویز تنہا رہتا تھا بقیہ خاندان والوں سے الگ تھلگ۔ وہ ایک عیاش آدمی تھا اور اس سلسلے میں کافی بدنام بھی۔

کمپاؤنڈ کا پھاٹک کھلا ہوا تھا۔ لیکن فریدی نے کار باہر ہی چھوڑ دی۔ دو تین جگہ اندھیرے میں اُس کے پیر کیچڑ میں پڑے۔ بارش اب تھم گئی تھی۔ بادل پھٹ گئے تھے اور ان کی دراڑوں سے جگہ جگہ تاروں کے جھنڈ جھانک رہے تھے۔

کمپاؤنڈ تاریک پڑی تھی لیکن عمارت کی بعض کھڑکیاں روشن تھیں۔ وہ برآمدے میں پہنچ کر رک گیا۔ یہاں بھی تاریکی تھی۔ اُس نے ٹارچ روشن کی اور اُس کا دائرہ مختلف اطراف میں رینگتا رہا۔

اس نے کال بل کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔

دو منٹ بعد دروازہ کھلا۔ راہداری میں خود پرویز کھڑا تھا۔ فریدی نے اُسے پہچان لیا اور شائد وہ بھی فریدی کو پہچانتا تھا۔

''اُوہو! کرنل صاحب۔ تشریف لائیے....تشریف لائیے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ یہ کیس آپ ہی کے سپرد کیا جائے گا۔ میری خوش قسمتی۔''

فریدی خاموشی سے چلتا رہا۔ وہ اُسے نشست کے کمرے میں لایا۔

''تشریف رکھئے جناب۔ اب اس وقت میں آپ کی کیا خاطر کروں۔ شرابوں میں بھی صرف شمپین کا اسٹاک ہے۔ اگر آپ پسند فرمائیں۔''

''شکریہ....میں شراب نہیں پیتا۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

''تب میں معافی چاہتا ہوں۔''

''کوئی بات نہیں۔'' فریدی اُسکی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''آپ دونوں کی دوستی کتنی پرانی تھی۔''

''اوہ....!'' پرویز بے ڈھنگے پن سے ہنسا۔ ''آج چوتھا دن تھا۔''

''کیا اُس سے پہلی ملاقات اتفاقیہ تھی۔''

''نہیں....میں خود ہی ملا تھا۔''

''آج کیا آپ اُسے اُس کے گھر سے لائے تھے۔''

''نہیں....شہر میں ملاقات ہو گئی تھی۔''

''آپ اُسے آرکلچو لے گئے تھے یا خود اُسی نے وہاں چلنے کی فرمائش کی تھی۔''

''جی نہیں....میں اُسے لے گیا تھا۔ مگر ان سوالات سے کیا حاصل۔''

''پھر آپ ہی فرمائیے کہ کس قسم کے سوالات کروں۔'' فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

پرویز گڑبڑا گیا۔ پھر سنبھل کر بولا۔ ''معاف کیجئے گا۔ میں نے یہ بات یونہی کہہ دی تھی۔ میں آپ کے ہر سوال کا جواب دینا چاہتا ہوں۔''

''قاسم سے پہلے بھی کبھی آپ کا جھگڑا ہوا تھا۔''

''جھگڑے کی بنیاد بھی تعلقات ہی پر ہوتی ہے۔ میں نے کبھی اُسے منہ ہی نہیں لگایا جھگڑا کیا ہوتا۔''

''اور آج اُس نے خواہ مخواہ آپ پر پلیٹ کھینچ ماری۔''

''جی ہاں.... خواہ مخواہ.... ہم میں کبھی بول چال بھی نہیں رہی۔ کبھی رسمی طور پر بھی ہم نے ایک دوسرے کی مزاج پرسی نہیں کی۔''

''سعیدہ کے یہاں کبھی قاسم بھی نظر آیا تھا آپ کو۔''

''کبھی نہیں۔''

''کیا آج سعیدہ نے اُس سے کوئی گفتگو کی تھی۔''

''جی نہیں۔ میرا خیال ہے کہ سعیدہ اُسے جانتی بھی نہیں۔''

''سعیدہ کے ملنے والوں میں کن لوگوں کو آپ جانتے ہیں۔''

''میں کسی کو نہیں جانتا۔''

''کیا اُس نے کبھی اپنے دوستوں کا تذکرہ آپ سے نہیں کیا۔''

''جی نہیں۔''

''تو آپ کا خیال ہے کہ اس اغواء میں قاسم کا ہاتھ ہے۔''

''میرا کچھ بھی خیال نہیں ہے۔ جس طرح یہ واقعہ پیش آیا تھا آپ کے علم میں آچکا ہے۔ نتائج آپ ہی اخذ کر سکتے ہیں۔ نہ میں کسی پر شبہ ظاہر کر سکتا ہوں۔''

''آپ کی شادی ہو چکی ہے۔''

''نہیں....!'' پرویز نے کچھ اس انداز میں جواب دیا جیسے یہ سوال ناگوار گذرا ہو۔

''آپ ہی کی طرح شہر کے بہتیرے کنوارے اُس سے شادی کے خواہش مند ہوں گے۔''

پرویز کچھ نہ بولا۔ فریدی بہت غور سے اُس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اُس نے کہا۔ ''قاسم کنوارہ نہیں ہے۔''

''مگر وہ کسی دوسرے کا آلہ کار تو بن سکتا ہے۔'' پرویز بولا۔

''ابھی تو آپ کہہ رہے تھے کہ کسی کے خلاف شبہ نہ ظاہر کریں گے۔'' فریدی مسکرایا۔

''دیکھئے اَب میں صاف صاف عرض کر دوں۔ والد صاحب اور خان بہادر عاصم کے تعلقات اچھے نہیں۔ عاصم انہیں ہر میدان میں شکست دینے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔''

''تب پھر یہ بھی ممکن ہے کہ اس میدان میں آپ کے والد صاحب نے اُسے شکست دینے کی کوشش کی ہو۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''میں کچھ سمجھانے کے لئے نہیں آیا۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ ''بلکہ سمجھنے.... کیا آپ مجھے سمجھنے کا موقع دیں گے۔''

''میں پھر نہیں سمجھا۔''

فریدی گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔ ''میں تین بجے تک پھر آؤں گا یا پھر فون کروں گا۔ کیا آپ جاگتے رہیں گے۔''

''ایسے واقعہ سے دوچار ہونے کے بعد کون سو سکتا ہے کرنل صاحب۔ مگر آپ مجھے ایک نئی الجھن میں مبتلا کئے جا رہے ہیں۔''

فریدی یہ پوچھے بغیر اٹھ گیا کہ وہ نئی الجھن کس قسم کی ہو سکتی ہے۔

وزیٹنگ کارڈس

حمید نے لحاف سے سر نکال کر فون کو گالی دی جس کی گھنٹی کسی طرح رکنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔ گالیاں سننے کے باوجود بھی بجتی ہی رہی۔ حمید دہاڑتا ہوا بستر سے اٹھا اور فون پر ٹوٹ پڑا۔

دوسری طرف سے بولنے والا فریدی ہی تھا.... اور ستم یہ کہ وہ اپنی خواب گاہ سے بول رہا تھا۔ یعنی اتنے فاصلے سے جتنا کسی دیوار کے درمیان میں حائل ہو جانے سے پیدا ہو سکتا ہے۔ دونوں کی خواب گاہوں میں صرف ایک دیوار حائل تھی۔

''کیا مطلب ہے آپ کا۔'' حمید ماؤتھ پیس میں دہاڑا۔ ''میں یہ فون اپنی چھاتی پر باندھ کر سویا کروں۔''

''شکریہ! تم نے یہ نئی بات سجھائی۔ یقیناً تمہیں یہی کرنا چاہئے۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ''مگر تم مجھے رپورٹ دیئے بغیر سو کیوں گئے تھے۔''

''مرا تو نہیں گیا تھا۔''

''اُس صورت میں قبر سے اُکھاڑ کر رپورٹ نہ طلب کی جاتی۔''

''رپورٹ بھی اس وقت سو رہی ہوگی۔''

''بکواس بند.... رپورٹ۔''

حمید کچھ نہ بولا۔

''ہلو....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''قاسم، سعیدہ کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔''

''اُسے کس نے اکسایا تھا۔''

''کسی نے بھی نہیں۔ میری ہی طرح اُسے بھی غصہ آ گیا تھا۔ اُس نے پلیٹ پرویز کے منہ پر مار دی تھی....اور میں....اور میں یہ ریسیور اپنے سر پر مارنے جا رہا ہوں۔''

''کس بات پر غصہ آ گیا تھا۔''

حمید نے گردن ہلا کر ایک طویل سانس لی اور بولا۔ ''وہ دونوں اُسے دیکھ کر ہنسے تھے۔''

''ہوں....قاسم اس وقت کیا کر رہا تھا جب تم پہنچے تھے۔''

''مزے کر رہا تھا....بڑا خوش قسمت آدمی ہے۔''

''پھر بکواس شروع کر دی۔''

''ارے جناب....وہ جس حال میں بھی تھا کم از کم سو تو سکتا تھا۔ اُس کے باپ نے اُسے سُلا سے باندھ دیا تھا۔''

''کیوں!''

''کیا اب اسی وقت یہ بھی معلوم کرنا پڑے گا۔''

''جواب دو۔'' فریدی جھلا گیا۔

''نہ میں نے وجہ پوچھی اور نہ اُس نے بتایا۔ البتہ میں اُسے کھول ضرور آیا تھا۔ ہرگز نہ کھولتا مگر گدھے نے مجھے اس وقت اُلو ہی بنا دیا۔ کہنے لگا میں جانتا ہوں جہاں سعیدہ لے جائی گئی ہے مگر نے شرط یہ رکھی تھی کہ کھول دینے ہی پر بتائے گا۔ بہر حال میں نے کھول دیا....ظاہر ہے کہ وہ محض تھی۔ وہ اُس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ میں کہتا ہوں آخر یہ مصیبتیں ہم پر ہی کیوں نازل ہیں۔ اگر صرف ہم ہی رہ گئے ہیں تو بقیہ عملہ برخواست کیوں نہیں کر دیا جاتا۔''

''اگر بقیہ عملہ ابھی سے برخواست کر دیا گیا تو پھر تمہاری بارات میں کون شرکت کرے گا اُس مال دار لڑکی سے تمہاری شادی کرنا چاہتا ہوں اور سنو میں اس وقت بستر میں نہیں ہوں۔''

''میں جانتا ہوں کہ آپ کارنس پر بیٹھے ہوں گے۔ مگر کیا کروں آپ کا غصہ فضول ہے۔''

''کپڑے تبدیل کرو۔''

''نہیں آپ مجھے انہیں کپڑوں میں دفن کر دیجئے۔ مجھے کوئی شکایت نہ ہوگی۔''

''جلدی کرو۔ میں نے ابھی پرویز کو فون کیا تھا لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔''

حمید نے گھڑی کی طرف دیکھا سوا تین بجے تھے۔ اُس نے کہا۔ ''کیا پرویز بھی آپکا اسسٹنٹ ہے۔''

''حمید وقت نہ برباد کرو۔''

حمید نے ریسیور کریڈل پر پٹخ کر ڈریسنگ الماری کھولی اور کپڑے نکالنے لگا۔ وہ اس وقت اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سوچ رہا تھا کہ وہ خود ہی اُلو کا پٹھا ہے۔

بیس منٹ کے اندر ہی اندر وہ گھر سے روانہ ہو گئے۔ بارش ڈیڑھ بجے ختم ہو چکی تھی اور اب آسمان کھل گیا تھا۔ لیکن سڑکوں پر اب بھی پانی نظر آ رہا تھا۔

فریدی نے اس وقت جیپ کار نکالی تھی۔

''پرویز سے تو آپ مل آئے تھے۔ پھر اَب....!'' حمید نے کچھ کہنا چاہا لیکن فریدی درمیان ہی میں بول پڑا۔ ''میں نے اُس سے کہا تھا کہ وہ تین بجے تک میرا یا میری کال کا انتظار کرے۔''

''کیوں....!''

''بس یونہی....میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کس طرح میرا یا میری کال کا انتظار کرتا ہے یعنی کس حال میں۔''

''اوہو....تو کیا آپ کو توقع تھی کہ وہ سر کے بل کھڑا ہو کر آپ کا انتظار کرے گا۔''

''نہیں....میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔ میں جو کچھ بھی دیکھنا چاہتا تھا شائد اب نہ دیکھ سکوں کیونکہ مجھے فون کئے بغیر ہی وہاں پہنچنا چاہئے تھا۔''

''میں سمجھا۔ آپ شائد سوچ رہے ہیں کہ یہ خود اُسی کی حرکت بھی ہو سکتی ہے۔''

''امکانات ہیں۔ وہ لڑکی تو سونے کی چڑیا ہے۔ ہر ایک اُسے حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔''

''مگر یہ صورت پرویز کے لئے فائدہ مند کیسے ثابت ہو سکتی ہے۔ وہ زبردستی اس سے شادی تو نہ کر سکے گا۔''

''کیوں کیا ہوا۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے فی الحال اُس نے اُسے غائب کر دیا ہو اور کچھ دنوں بعد وہ میاں بیوی کی حیثیت سے منظر عام پر آ جائیں۔''

''زبردستی اغواء کرنا اور بات ہے اور زبردستی شادی کرنا اور.... کیا یہ ضروری ہے کہ سعیدہ اس
آمادہ ہی ہو جائے۔''

''میں اس مسئلے پر بحث نہیں کرنا چاہتا۔ یہ ابھی محض خیال ہی ہے۔ وہ بھی اس بناء پر کہ اس کے
طلب گار تھے۔ ممکن ہے پرویز کو اُن میں سے کسی کے کامیاب ہو جانے کا خدشہ رہا ہو۔ پرویز یہ
سوچ سکتا ہے کہ وہ اس طرح اُسے اپنا سکے گا اور پھر یہ تو بتاؤ اگر ایک عورت کی زندگی زبردستی برباد کر
جائے اور پھر وہی آدمی اُس سے شادی کی درخواست کرے۔ ایسی صورت میں کیا وہ عورت ا
کر دے گی۔ میرا خیال ہے کہ وہ مان جائے گی۔''

''دیکھئے.... اس معاملے میں آپکے خیال کو کوئی اہمیت نہیں دی جاسکتی کیونکہ آپ عورتوں
متعلق کچھ نہیں جانتے۔'' حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ ''فرض کیجئے سعیدہ رحمان شریف عورت
ہے۔ یعنی جنس بے راہ روی اُسکے نزدیک کوئی بُری بات نہیں ہے۔ پھر آپکی فطرت شناسی کیا کہے گی
''دم بخود رہ جائے گی۔'' فریدی نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔ ''لیکن اُس صورت میں بھی
وہ اُس سے شادی ضرور کر لے گی۔ کیا بعض شادی شدہ عورتیں بھی جنسی بے راہ روی کا شکار
ہوتیں۔ اغواء ایک دھبہ ہے حمید صاحب جو زندگی بھر اپنا اعلان کرتا رہتا ہے۔ اس لئے کوئی بُری عو
بھی ایسے مواقع پر شادی ہی کو ترجیح دے گی۔ وہ عورتیں جن کی برائیاں چھپی ہوئی ہوں خاص طو
یہی چاہیں گی کہ کسی ایک سے ان کے تعلقات کا اعلان ہو جائے.... رہی سعیدہ تو میرا خیال ہے
میں اگر برائیاں تھیں تو منظر عام پر نہیں آئی تھیں۔ ورنہ اُس کے طلب گاروں میں تھوڑی بہت ہچکچ
ضرور پائی جاتی۔''

''ہوگا.... مجھے کیا۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر اُس نے پوچھا۔ ''کیا اس بے سروپا کیس میں آپ کا دل لگ رہا

''میں نے اسے اپنی خوشی سے نہیں لیا۔ یہ تو زبردستی آیا ہے۔''

''لیکن اس کے باوجود بھی آپ میری اور اپنی نیندیں برباد کر رہے ہیں۔''

''وقتی ضرورت۔ یہ کسی بینک کی ڈکیتی کا قصہ تو ہے نہیں۔ ایک ذی روح لڑکی کے اغواء کا قصہ

''ٹھہریئے۔'' حمید بول پڑا۔ ''دیکھئے کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ یہ حرکت لڑکی کے کسی غریب عاشق کی ہ

''یہ بھی ممکن ہے۔ اس زاویئے سے بھی اس پر غور کر چکا ہوں۔ وہ پہلے ایک معمولی سی لڑکی تھی

ہے کسی معمولی سے آدمی سے اُس کے تعلقات رہے ہوں۔''

''محبت کا نام نہیں آئے گا زبان پر....'' حمید نے جلے بھنے لہجے میں کہا اور فریدی ہنس پڑا۔

''چلو محبت ہی سہی۔'' اُس نے کہا۔ ''ہوسکتا ہے اچانک دولت مند ہو جانے کے بعد وہ کسی اونچے قسم کے شوہر کے خواب دیکھنے لگی ہو اور اُس معمولی آدمی کو یہ بات گراں گزری ہو۔''

''بس پھر واپس چلئے۔ چل کر سو جائیں۔ صبح اُس معمولی سے آدمی کو تلاش کریں گے۔''

وہ پرویز کی قیام گاہ کے قریب پہنچ چکے تھے۔ فریدی نے کار تھوڑے فاصلے ہی پر روک دی۔

وہ دونوں کار سے اتر گئے۔ پھاٹک کھلا ہوا تھا اور بائیں باغ سنسان پڑا تھا۔ ایک آدھ کھڑکی میں روشنی بھی نظر آرہی تھی۔

برآمدے میں تاریکی نظر آئی۔ فریدی نے ٹارچ روشن کر کے کال بل کا بٹن دبایا۔ دباتا ہی رہا لیکن اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔

''اُوہ.... اُس نے کہا تھا کہ میں آپ کے انتظار میں رات بھر جاگتا رہوں گا۔'' فریدی بڑبڑایا۔

''میں پھر عرض کروں گا کہ وہ آپ کا اسسٹنٹ نہیں ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''کیا یہاں ملازمین بھی نہیں رہتے۔''

''پتہ نہیں۔ پہلی بار جب میں آیا تھا تب بھی کوئی نہیں نظر آیا تھا۔''

''پھر اب کیا ارادہ ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ اگر ہم یونہی چلے چلیں تو اُسے کوئی اعتراض نہیں ہوگا اور یہی مناسب بھی ہے۔''

''چلئے صاحب!'' حمید نے ایک طویل سانس لی۔

''اوہ.... یہ دروازہ بھی کھلا ہوا ہے۔'' فریدی آگے بڑھتا ہوا بولا۔ ''پھاٹک بھی بند نہیں تھا۔''

وہ عمارت میں داخل ہوئے۔ چاروں طرف سکوت طاری تھا۔ وہ آگے بڑھتے رہے۔ سارے کمرے خالی پڑے ہوئے تھے۔ عمارت میں انہیں ایک بھی متنفس نظر نہ آیا۔

پھر وہ باہر نکل آئے۔ ساری کمپاؤنڈ چھان ماری اور اُسی دوران میں انہیں معلوم ہوا کہ نوکروں کے کوارٹر عمارت کی پشت پر موجود تھے۔

نوکروں کو جگایا گیا لیکن انہوں نے بھی پرویز کی موجودگی یا عدم موجودگی سے لاعلمی ظاہر کی۔

انہوں نے بتایا کہ وہ لوگ اُس کی خدمت کے سلسلے میں کسی خاص وقت کے پابند نہیں ہیں۔ اکثر کئی کئی دن پرویز وہاں نہیں آتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اُس کی آمد اور روانگی کا انہیں علم تک نہیں ہوتا۔

''اب کیا خیال ہے۔'' فریدی نے واپسی پر حمید سے سوال کیا۔

''کچھ بھی نہیں۔ بہتر یہی ہے کہ ہم کسی معقول آدمی کو تلاش کریں، لیکن کیا آپ سعیدہ کی قیام گاہ پر بھی گئے تھے۔''

''اب وہیں جانے کا ارادہ ہے۔''

''مر گئے۔'' حمید کراہا۔

سعیدہ پرنسٹن کے علاقے کے ایک شاندار مکان میں رہتی تھی۔ یہ مکان بھی اُس وکیل ہی کی وساطت سے اُسے ملا تھا جس نے اُس کے چچا کے کاغذات اُس کے سپرد کئے تھے۔ ورنہ وہ پہلے متوسط طبقہ کے لوگوں میں رہتی تھی۔ فریدی کی جیپ ایک عمارت کے سامنے رک گئی اور اُس نے اُتر کر کال بل کا بٹن دبایا۔ دروازہ کھلنے میں دیر نہیں لگی۔ غالباً وہ ملازم ہی تھا۔

''اوہو.... تم ابھی تک جاگ رہے ہو۔'' فریدی نے اُس سے کہا۔

''جج.... جی ہاں.... مگر میں نے.... پہچانا نہیں حضور کو۔'' نوکر نے رک رک کر متحیرانہ انداز میں کہا۔

''اوہ.... ہم یہاں پہلی بار آئے ہیں۔ سعیدہ صاحبہ کو ہمارا کارڈ دو۔''

''وہ تو موجود نہیں ہیں جناب۔''

''کیا اس وقت.... ارے کیا وہ رات بھر یہاں تھیں ہی نہیں۔''

''نہیں جناب۔''

''ہم پولیس سے تعلق رکھتے ہیں۔ ذرا ہم مکان کو اندر سے دیکھنا چاہتے ہیں۔''

''یہ کیا معاملہ ہے حضور! ابھی ایک گھنٹہ پہلے ایک صاحب آئے تھے۔ تھانیدار تھے شائد وہ ہی دیکھ کر گئے ہیں۔ وہ کہہ رہے تھے کہ بی بی جی کہیں غائب ہوگئی ہیں۔''

''اوہ.... کیا وہ تھانے دار صاحب وردی میں تھے۔''

''جی ہاں.... جناب۔''

''یہیں کے تھانے سے آئے تھے۔''

''نہیں جناب! کوتوالی سے آئے تھے۔ انہوں نے یہی کہا تھا۔''

''یہاں فون ہے۔''

''ہے.... جناب۔''

''میں کوتوالی فون کروں گا۔''

''آیئے.... اِدھر تشریف لے چلئے۔'' وہ ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔

فریدی نے کوتوالی فون کیا لیکن وہاں سے معلوم ہوا کہ کوئی سب انسپکٹر سعیدہ رحمان کے گھر پر نہیں بھیجا گیا تھا۔ فریدی ریسیور رکھ کر ملازم کی طرف مڑا۔

''انسپکٹر نے کیا دیکھا تھا۔''

''بی بی جی کے سونے کا کمرہ۔''

''تم ساتھ تھے۔''

''جی ہاں جناب۔''

''اُس نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ وہ تنہائی چاہتا ہے۔''

''نہیں جناب۔''

''اُس نے کچھ سوالات بھی کئے ہوں گے تم سے۔''

''جی ہاں ملنے جلنے والوں کے بارے میں پوچھا تھا.... اور جی ہاں.... وہ ملاقاتیوں کے کارڈ بھی لے گئے۔''

''کیا مطلب....!''

''وہ کارڈ جو ملنے والے اندر بھجواتے تھے۔ ہر نئے ملاقاتی کا کارڈ بی بی جی بہت احتیاط سے رکھتی تھیں۔''

''اوہ....!'' فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

''کیا اُس نے کارڈ مانگے تھے۔''

''جی نہیں انہوں نے ملنے جلنے والوں کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ لیکن چونکہ میں کسی کے بھی نام نہیں جانتا اسلئے نہ بتا سکا۔ پھر مجھے یاد آ گیا کہ بی بی جی تو اُنکے کارڈ بہت احتیاط سے رکھتی تھیں۔''

''تو تم نے خود ہی کارڈوں کا تذکرہ کیا تھا۔''

''جی ہاں۔''

''کارڈوں کی تعداد کیا تھی۔''

''میں نے گنے نہیں تھے مگر میرا خیال ہے کہ بیس پچیس ضرور رہے ہوں گے۔''

''کیا تم اُن میں سے کسی کا نام بتا سکتے ہو۔''

''نہیں حضور! ایک کا بھی نہیں۔''

''اچھا.... کیا آج شام کو وہ کسی کے ساتھ باہر گئی تھیں۔''

''جی نہیں.... تنہا۔''

''کیا یہاں کبھی کوئی ایسا آدمی بھی آیا ہے جو بہت زیادہ لمبا اور بہت زیادہ موٹا رہا ہو۔'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں جناب....! ایسا تو کوئی آدمی کبھی نہیں آیا۔''

فریدی نے حمید کو اس طرح گھور کر دیکھا جیسے اُس کی دخل اندازی پسند نہ آئی ہو۔ حمید نے پھر کوئی سوال نہیں کیا۔

''سعیدہ کے سارے ملنے والے بڑے آدمی ہوں گے۔'' فریدی نے کہا۔

''نہیں صاحب! اکثر بی بی جی کے دفتر کے لوگ بھی آتے ہیں۔ پہلے بی بی جی دفتر میں کام کرتی تھیں نا۔''

''تم اُن میں سے کسی کا نام بتا سکو گے۔''

''نہیں حضور! نام تو کسی کا بھی نہیں جانتا۔''

''اُن میں کوئی ایسا بھی ہے جو بہت زیادہ آتا ہو۔''

''جی ہاں! ایک صاحب ہیں لیکن نام اُن کا بھی نہیں جانتا۔ وہ بہت اچھا گاتے ہیں۔ بی بی اکثر اُن کا گانا سنا کرتی تھیں۔''

''اُسی دفتر کا کوئی آدمی ہے۔''

''جی ہاں! بی بی جی نے یہی بتایا تھا۔ وہ اپنے دفتر کے لوگوں کا بہت خیال رکھتی ہیں۔''

''تم سعیدہ کے ساتھ کب سے ہو۔''

''جب سے وہ اس مکان میں آئی ہیں۔''

''تمہارے علاوہ اور کتنے ملازم ہیں۔''

''تین مرد اور ایک عورت.... ہم کل پانچ ہیں۔''

''سعیدہ کا کوئی عزیز بھی یہاں رہتا ہے۔''

''نہیں جناب! اُن کے بیان کے مطابق اُن کا کوئی عزیز نہیں ہے۔''

''اچھا.... کیا اُس انسپکٹر نے عمارت کا کوئی حصہ خاص طور سے دیکھا تھا۔''

''جی نہیں! بس وہ صرف ٹہلتے رہے تھے۔ پھر اُن کے سونے کے کمرے میں آ بیٹھے تھے۔ قریب قریب اسی قسم کے سوالات انہوں نے بھی کئے تھے جیسے آپ کر رہے ہیں۔''

فریدی چند لمحے خاموش رہا۔ پھر اُس نے دوسرے نوکروں کو بھی طلب کیا اور اُن سے بھی علیحدہ علیحدہ مختلف قسم کے سوالات کرتا رہا۔

حمید اندازہ نہیں کر پایا کہ فریدی کیس کے متعلق کس نکتہ نظر کو ذہن میں رکھ کر یہ ساری پوچھ گچھ کر رہا ہے۔ وہ خاموشی سے ساری کاروائی دیکھتا رہا۔

پھر کچھ دیر بعد اُس نے پوری عمارت کی معمولی سی تلاشی لی اور اس تلاشی کے دوران میں حمید نے سوں کیا کہ وہ سعیدہ کے نام آئے ہوئے خطوط پر زیادہ دھیان دے رہا ہے۔ لیکن اب اُسے اس معاملے سے ذرہ برابر بھی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی کیونکہ اُس کی پلکیں نیند کے دباؤ سے بوجھل ہوئی جا رہی تھیں۔

واپسی پر جیپ میں بیٹھتے وقت اس نے بڑے دردناک لہجے میں کہا۔ ''ہائے صبح ہوگئی۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ لیکن ٹھنڈی ہوا کے تھپیڑوں نے حمید کی نیند غائب کر دی۔

''آخر آپ اتنی دیر تک کیا کرتے رہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''کھیل لمبا ہو جائے گا شائد۔'' فریدی بڑبڑایا۔ ''آخر وزیٹنگ کارڈ لے جانے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے اور پھر آنے والا پولیس کی وردی میں تھا۔''

❁

دوسری صبح پرویز کی کار فریدی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ وہ عجیب حالت میں تھا۔ لباس تار تار سا الجھے ہوئے اور چہرے پر بڑی بڑی خراشیں۔

نوکروں نے اُسے اگر ایک شاندار گاڑی سے نہ اترتے دیکھا ہوتا تو شائد دھکے مار مار کر کمپاؤنڈ سے باہر کر دیتے۔

''میرے پاس اس وقت میرا کارڈ نہیں ہے۔'' اُس نے ایک نوکر سے کہا۔ ''کرنل صاحب سے

کہو پرویز صاحب ہیں.... جلدی کرو۔"

نوکر اندر چلا گیا اور جلد ہی واپس آ کر اس نے اندر چلنے کو کہا۔

فریدی نے بھی ڈرائنگ روم میں پہنچنے میں دیر نہیں لگائی۔ اس کی آنکھیں خمار آلود ضرور تھیں لیکن وہ شب خوابی کے لباس میں نہیں تھا۔

پرویز کی حالت دیکھ کر اُس نے حیرت نہیں ظاہر کی۔

"بیٹھ جایئے۔" اس نے خود بھی بیٹھتے ہوئے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا آپ کو مجھے اس حال میں دیکھ کر حیرت نہیں ہوئی۔" پرویز نے کہا۔

"اس سے زیادہ بُرے حالات میری نظروں سے گذرتے رہتے ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میرے خدا۔" پرویز مضطربانہ انداز میں اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ "میں سمجھ گیا۔ آپ مجھ پر شبہ کر رہے ہیں۔"

"کیسا شبہ مسٹر پرویز....!"

"کچھ نہیں آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ میں تین بجے آؤں گا یا فون کروں گا۔"

"ہاں مسٹر پرویز.... میں نے فون بھی کیا تھا.... اور گیا بھی تھا۔" فریدی کا لہجہ حد درجہ سرد تھا۔

"اور اب میں اس حال میں آپ کے سامنے ہوں۔"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔"

"مجھے کچھ لوگ زبردستی میری قیام گاہ سے لے گئے تھے۔ یہ ڈھائی بجے کا واقعہ ہے۔"

فریدی خاموش رہا.... صرف جواب طلب نظروں سے اُس کی طرف دیکھتا رہا۔ پرویز بولا

"انہوں نے زبردستی کی۔ میں لڑ گیا۔ وہ پانچ تھے اور میں تنہا۔ انہوں نے میرے منہ میں کپڑا ٹھونس کر آنکھوں پر پٹیاں باندھیں اور نہ جانے کہاں لے گئے۔ کچھ دیر بعد میں نے خود کو ایک عمارت میں لیکن یہ نہیں بتا سکتا کہ شہر کے کس حصے میں تھا۔ انہوں نے میرے کپڑے پھاڑے میرا منہ نوچا.... پھر.... مجھے شراب پلائی.... اور میرے پاس دو لڑکیاں چھوڑ گئے جو مجھے تھوڑے تھوڑے وقفے شراب پلاتی رہیں۔ میرا دل بہلانے کے لئے مدہم سروں میں گیت گاتی رہیں۔ میں ایک ستون بندھا ہوا تھا۔ کچھ دیر تک وہ مجھ سے لگاوٹ کی باتیں کرتی رہیں پھر میرے گالوں پر تھپڑ مارنے شروع کر دیئے۔ کبھی وہ روتیں اور کبھی ہنستیں، کبھی مجھے پیار کرتیں اور کبھی تھپڑ مارنے لگتیں۔"

"پھر اتنے میں سندباد جہازی داخل ہو کر رنش بجالایا اور مجرا کرنیکا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ریڈیو اسٹیشن سے قوالیاں نشر ہونے لگیں اور اُس نے مجرا کرنے کا ارادہ ترک کر کے تالیاں بجانی شروع کر دیں۔"

پرویز خاموش ہو کر کیپٹن حمید کو گھورنے لگا تھا جو دروازے میں کھڑا مضحکانہ انداز میں ہاتھ ہلا ہلا کر کہہ رہا تھا۔

"پھر سندباد نے صندوق پیش کیا جس میں صندلیپ کی شہزادی بیٹھی لوڈو کھیل رہی تھی۔"

"میں جانتا تھا کہ کوئی میری کہانی پر یقین نہیں کرے گا۔" پرویز نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"دس بجے تک سعیدہ رحمان کو گھر پہنچ جانا چاہئے مسٹر پرویز۔" حمید گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔

"مجھے علم ہے کہ قاسم آپ کے دوستوں میں سے ہے۔" پرویز غرایا۔ "کیس غلط آدمیوں کو دیا گیا ہے۔"

"اور اب آپ اُسے صحیح آدمیوں کے سپرد کرائیں گے۔ کیوں مسٹر پرویز۔" حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"یقیناً....!"

"بہتر ہے تشریف لیجایئے۔" حمید بولا۔

"نہیں....!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "آپ کی کہانی پر یقین کیا جا سکتا ہے مسٹر پرویز۔"

"کیا جائے.... یا نہ کیا جائے۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔"

"لیکن واقعے کی رپورٹ تو آپ ہی کی طرف سے دی گئی تھی۔" فریدی نرم لہجے میں بولا۔ "اس لئے آپ کو پرواہ ہونی چاہئے۔"

"کیپٹن حمید میرا مضحکہ اڑا رہے ہیں۔"

"آپ اب غسل کیجئے۔ یہ کپڑے اتاریئے۔ حمید انہیں اندر لے جاؤ۔ جب یہ غسل کر لیں تو انہیں اُس کمرے میں لے جاؤ جہاں شرابوں کا اسٹاک رہتا ہے۔ الماریوں کی کنجیاں ان کے حوالے کر دو۔ جتنی دل چاہے پئیں۔"

"میں نہیں سمجھا۔ آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔" پرویز نے بوکھلا کر پوچھا۔

"کیا آپ نے یہ سوال ان لوگوں سے بھی کیا تھا۔"

"کیا تھا۔"

''کیا جواب ملا تھا۔''

''کچھ بھی نہیں۔''

''لہٰذا آپ بے چوں و چرا وہی کیجئے جو آپ سے کہا جا رہا ہے۔''

''میں پاگل ہو جاؤں گا۔'' پرویز بڑبڑایا۔

''پاگل ہو جانے کے بعد بھی اگر آپ اس الزام سے گردن بچا سکیں تو مجھے حیرت ہوگی۔'' فریدی نے کہا۔ ''عام طور پر لوگوں کا خیال ہے کہ سعیدہ رحمان کے اغواء کا تعلق آپ ہی کی ذات سے ہے اور اگر یہ بے تکی کہانی اخبارات میں آ جائے تو پھر کیا ہوگا۔ آپ جانتے ہیں۔''

''میں جانتا ہوں۔ اسے کوئی بھی باور نہ کرے گا۔''

''اس لئے یہ کہانی اخبارات میں ضرور آئے گی۔''

پرویز خاموشی سے فریدی کو گھورتا رہا۔ اب تو سچ مچ اُس کی آنکھوں سے دیوانگی سی جھلکنے لگی تھی۔ حمید بھی متحیرانہ انداز میں فریدی ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کا رویہ اُس کیلئے کسی معمے سے کم نہیں تھا۔

''اور آپ.....!'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''علانیہ لوگوں سے یہ کہتے پھریں گے کہ اس اغواء کا تعلق خان بہادر عاصم کے علاوہ اور کسی سے نہیں ہو سکتا۔ جائیے! غسل کیجئے۔''

چیلنج

دن بھر کی تھکن کے باوجود بھی حمید نیاگرہ میں بڑی شاندار اسکیٹنگ کر رہا تھا۔

اس تھکن کے عالم میں وہ کسی تفریح گاہ کا رخ ہرگز نہ کرتا لیکن اُسے تو ایسا محسوس ہوا تھا جیسے وہ پاگل ہو جائے گا لہٰذا اُس ذہنی انتشار سے پیچھا چھڑانے کے لئے اُسے نیاگرا ہوٹل کا رخ کرنا پڑا۔ ذہنی انتشار کا باعث فریدی ہی تھا۔

اُس نے پرویز کو شراب پلائی اور اس دوران میں اُسے خان بہادر عاصم کے خلاف بھڑکاتا رہا۔ پرویز نے نشے کے عالم میں کہا کہ وہ عاصم کو قتل کر دے گا۔ اس پر فریدی نے اُسے مشورہ دیا کہ اس کے بجائے اُسے عاصم کی بے عزتی کرنی چاہئے۔ طریقہ کار یہ تجویز کیا کہ وہ سڑک پر کھڑا ہو کر اس کمپاؤنڈ میں پتھراؤ کرے اور ساتھ ہی سعیدہ رحمان کو باہر نکالنے کا مطالبہ بھی کرتا رہے۔

پرویز نے ہامی بھر لی اور حمید اُسے کار میں بٹھا کر خان بہادر عاصم کی کوٹھی کے قریب چھوڑ آیا۔

انجام دیکھنے کے لئے وہ وہاں رک نہیں سکتا تھا۔

پھر اُسے ایک ہی گھنٹہ بعد اطلاع ملی کہ عاصم رائفل لے کر باہر نکل آیا تھا۔ لیکن لوگوں نے یہ کہہ کر بیچ بچاؤ کرا دیا کہ پرویز نشے میں ہے۔ ویسے عاصم نے پولیس ضرور طلب کر لی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد پرویز کو یقینی طور پر حوالات ہی نصیب ہوئی ہوگی۔ لیکن نہ جانے کیوں پرویز نے یہ نہیں ظاہر کیا کہ اُس نے فریدی کے مشورے پر عمل کیا تھا۔

حمید لاکھ سر مارتا رہا کہ فریدی کم از کم اس حرکت کا مقصد تو بتا ہی دے لیکن اُس کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔

آخر حمید نیاگرا کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ وہ تنہا تھا۔ کوئی ایسا ساتھی بھی نہیں مل سکا تھا جس سے ذہنی کوفت ہی دور کرنے میں مدد ملتی۔ لہٰذا اس نے اسکیٹنگ شروع کر دی۔ وہاں شائد صرف وہی تنہا اسکیٹنگ کر رہا تھا ورنہ عموماً جوڑے ہی ریکریئیشن ہال کے فرش پر تیرتے نظر آتے تھے۔

وہ اس طرح تنہا اسکیٹنگ کرنے میں بھی بڑی بوریت محسوس کر رہا تھا لیکن کرتا بھی کیا۔ اُس کے گرد و پیش سریلے قہقہے فضا میں لہرا رہے تھے۔ کبھی کبھی نسوانی چیخیں آرکسٹرا سے ہم آہنگ ہوتیں اور پھر نغموں میں تبدیل ہو جاتیں۔

پہلا راؤنڈ ختم ہو گیا۔ حمید گیلری میں آ بیٹھا۔ وہ بہت شدت سے بور ہو رہا تھا اسے کہیں بھی کوئی ''لاوارث'' لڑکی نظر نہ آئی جس سے وہ اپنا پارٹنر بننے کی درخواست کر سکتا۔

وہ آج بہت زیادہ تھک گیا تھا۔ پچھلی رات کی نیند اب بھی اُس پر اُدھار تھی کیونکہ دن میں بھی دو گھنٹے سے زیادہ نہیں سو سکا تھا۔

اگلی میز کے قریب بھی تین لڑکیاں تھیں مگر بیکار کیونکہ ان کے ساتھ تین مرد بھی تھے۔ حمید آنکھیں بند کر کے کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گیا۔ لیکن جلد ہی اُس کے کان اُن تین جوڑوں کی گفتگو کی طرف لگ گئے۔ تذکرہ سعیدہ رحمان کا تھا۔ لڑکیاں اُس کی خوش قسمتی اور بدنصیبی پر رائے زنی کر رہی تھیں۔

''یہ کام پرویز ہی کا ہے۔'' مرد نے کہا۔

''کسی کی بھی حرکت ہو۔ میں اسے فضول سمجھتا ہوں۔'' دوسرا بولا۔ ''اس حرکت سے اُسے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔''

''میں سعیدہ کو بہت قریب سے جانتی ہوں۔'' ایک لڑکی نے کہا۔ ''وہ بہت ضدی اور خودسر ہے۔

ایک بار اُس نے جیمس اینڈ بارٹلے کے اکاؤنٹنٹ پر پیپر ویٹ کھینچ مارا تھا لیکن اس کے باوجود بھی اُس کی ملازمت بحال رہی تھی۔

''کیوں....؟'' ایک نے پوچھا۔

''دراصل منیجر اس کا بہت خیال رکھتا تھا۔''

''کیوں.... کیا یہ حرکت اُس کے کسی پرانے دوست کی نہیں ہوسکتی۔'' ایک مرد نے کہا۔

''ہوسکتی ہے۔ میں بھی اُس آفس میں کچھ دن کام کرچکی ہوں۔ لیکن وہاں کی غنڈہ گردیوں سے تنگ آکر میں نے ملازمت ترک کردی تھی۔ وہاں کئی بڑے آدمی ہیں۔ خصوصیت سے ایک آدمی آرتھر.... یہ ایک دیسی عیسائی ہے۔ فلم ایکٹروں کے سے انداز میں رہتا ہے۔ کچھ گا بھی لیتا ہے سعیدہ سے اس کی بہت گہری دوستی تھی۔''

''اوہ.... ہٹاؤ۔'' ایک مرد ہاتھ ہلا کر بولا۔ ''ہمیں اس بکواس سے کیا سروکار۔ سعیدہ تم سے زیادہ حسین نہیں ہے۔''

دوسرے راؤنڈ کے لئے موسیقی شروع ہوگئی۔ حمید نے پھر اسکیٹ پہنے اور نیچے فرش پر اتر گیا۔ کے تین چکر لگانے کے بعد اُسے ایک لڑکی نظر آئی یہ بھی تنہا اسکیٹنگ کررہی تھی۔ ایک دبلی پتلی اور لڑکی۔ اُس کے چہرے پر گہرے سرخ ہونٹ ایسے لگ رہے تھے جیسے کسی تربوز میں شگاف دے کر اس کی اندرونی سرخی تھوڑی سی جگہ پر ابھار دی گئی ہو۔

حمید نے سوچا چلو یہی سہی۔

وہ ایک بار اُس کے قریب سے بہت تیزی سے گذرا اور اس انداز میں جیسے اس سے ٹکرا جانے کا ارادہ رکھتا ہو۔ لڑکی اُسے دور تک گھورتی چلی گئی۔ حمید اس چکر میں تھا کہ کسی بار وہ خود ہی اُسے اپنا پتا پیش کرے۔

تین بار وہ اُس کے قریب سے گذرا اور چوتھی بار اس طرح چڑھ دوڑا جیسے سچ مچ ٹکرا جائے گا۔ لڑکی نے بچ کر نکلنا چاہا لیکن گڑبڑا گئی۔ اُس نے اپنے دونوں ہاتھ بے بسی سے ہلائے۔

''اوہ.... اوہ.... سنبھلئے۔'' حمید اُس کے دونوں ہاتھ پکڑتا ہوا بولا۔ وہ دور تک اُس کے ساتھ گھسٹتی چلی گئی۔

حمید نے اُس کے ہاتھ پھر نہیں چھوڑے۔ لڑکی قہقہے لگاتی رہی۔ اُس کی آواز بڑی سریلی تھی۔

کہ اگر حمید اُس کی شکل دیکھے بغیر آواز سنتا تو مہینوں صرف دیکھ ہی لینے کے چکر میں گذر جاتے۔ وہ دونوں خاموشی سے اسکیٹنگ کرتے رہے۔ حمید کا چہرہ نہ جانے کیوں بالکل سپاٹ نظر آنے لگا تھا اور آنکھیں پتھرائی ہوئی سی تھیں۔ ویسی ہی جیسی اندھوں کی ہوتی ہیں۔

چونکہ حمید نے ابھی تک اُس سے گفتگو نہیں کی تھی اس لئے لڑکی شائد اُس سے بات کرنے میں ہچکچا رہی تھی۔

''آپ بہت اچھی اسکیٹنگ کرتے ہیں۔'' لڑکی نے کچھ دیر بعد کہا۔

''جی.... او.... ہاں.... پتہ نہیں کیسی کرتا ہوں۔ سب یہی کہتے ہیں۔''

''میں تو ڈر گئی تھی کہ کہیں آپ مجھے گرا نہ دیں۔''

''اوہ بعض اوقات غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ آپ سچ مچ گر پڑی ہوتیں۔ میں نے یک بیک یہی محسوس کیا تھا۔''

''لیکن آپ نے سنبھال لیا۔ شکریہ۔''

''شکریہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر ایک اندھا کسی کے کام آسکے تو اُسے خوشی ہوگی۔''

''اندھا۔'' لڑکی نے حیرت سے کہا۔ ''میں نہیں سمجھی۔''

''میں اندھا ہوں۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''میں خود کو محسوس کرسکتا ہوں دیکھ نہیں سکتا۔''

لڑکی ہنسنے لگی۔

''اوہ.... شائد آپ کو یقین نہیں آیا۔ جو لوگ مجھے نہیں جانتے وہ اسی طرح ہنسنے لگتے ہیں۔ وہ سوچتے ہوں گے کہ کوئی اندھا اسکیٹنگ کیسے کرسکتا ہے۔ آپ بھی یہی سوچ رہی ہوں گی لیکن میں آپ کی حیرت رفع کرسکتا ہوں۔ مجھے آپ دکھائی دیتی ہیں مگر ایک پرچھائیں کی طرح زرد رنگ کے پس منظر میں ایک تاریک پرچھائیں۔ اس وقت میرے گرد و پیش بے شمار پرچھائیاں بھاگ دوڑ کر رہی ہیں۔ لیکن میں یہ نہیں بتا سکتا کہ اُن کے خدوخال کیسے ہیں۔''

''آپ سچ کہہ رہے ہیں۔''

''میں ہمیشہ سچ بولتا ہوں۔'' حمید نے بھرائی ہوئی غمناک آواز میں کہا۔

''کیا ہمیشہ سے آپ کی آنکھیں ایسی ہی ہیں۔''

''نہیں پندرہ سال کی عمر تک میں نے دنیا دیکھی ہے۔ اس کے بعد اچانک بیمار پڑا اور یہ حالت

ہوگئی۔ اب ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ چالیس سال کی عمر میں اپریشن ہو سکے گا۔ اُس وقت تک مجھے تاریکی میں رہنا ہے۔ اسکیٹنگ سے مجھے عشق ہے۔ دس سال کی عمر سے اسکیٹنگ کرتا آیا ہوں۔''

''آپ یہاں تک تنہا آتے ہیں۔'' لڑکی نے پوچھا۔

''کبھی تنہا آتا ہوں اور کبھی ایک نوکر ساتھ ہوتا ہے۔ میں چل سکتا ہوں لیکن روشنی ہی میں۔ اندھیرے میں ایک قدم بھی نہ چل سکوں گا۔''

''میرا دل کڑھتا ہے آپ کے لئے۔''

''آپ بہت اچھی ہیں کاش میں آپ کو دیکھ سکتا۔''

لڑکی کچھ نہ بولی اور پھر یہ راؤنڈ بھی ختم ہوگیا۔ حمید ایک کنارے کھڑا ہو کر چاروں طرف سر گھماتا رہا۔ پھر آہستہ سے بڑبڑایا۔ ''بائیں طرف کی گیلری میں.... چھٹویں میز۔''

''کیا میں آپ کا ہاتھ پکڑ لوں۔'' لڑکی نے پوچھا۔

''نہیں بس میرے ساتھ چلئے۔ میرے ساتھ بیٹھئے۔ اندھے کو کوئی بھی منہ لگانا پسند نہیں کرتا۔''

''چلئے! میں بیٹھوں گی آپ کے ساتھ۔''

وہ اُس کا ہاتھ پکڑ کر گیلری میں لے آئی اور چھٹویں میز پر وہ دونوں بیٹھ گئے۔

وہ لڑکی ایسی ہی بدصورت تھی کہ حمید مستقل طور پر اندھا بنا رہنا چاہتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اُسے آدمی کی فطرت پر غصہ آ رہا تھا۔ آدمی جو تنہا نہیں رہنا چاہتا۔ تنہائی رفع کرنے کے لئے کوئی بھی مل جائے خواہ بعد کو وہ آدمی کے بجائے ٹین کا کنستر ہی کیوں نہ ثابت ہو۔

''آپ کے گھر میں اور کون کون ہے۔'' لڑکی نے پوچھا۔

''کتے.... بلیاں.... پرندے اور ملازمین۔''

''والدین۔''

''نیراسکا میں ہیں۔'' حمید جھنجھلا کر بولا۔ ''پاپا آئس کریم پر ریسرچ کر رہے ہیں اور ممی پروفیسر اطفال کے ٹریننگ لے رہی ہیں۔''

''بھائی بہن۔''

''پتہ نہیں۔ اب اس تذکرے کو ختم کیجئے۔''

''آپ مجھے بہت دیر سے بیوقوف بنا رہے ہیں۔'' لڑکی ہنسنے لگی۔

''آپ نے کم بیوقوف بنایا ہے مجھے۔'' حمید اسکیٹس اتارتا ہوا بولا۔ اُسے الجھن ہونے لگی تھی اور اب وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔

''میں نے کیا بیوقوف بنایا ہے۔''

''آپ کیا بیوقوف بنائیں گی۔ بیوقوف یا عقل مند پیدائشی ہوا کرتے ہیں۔''

''تو آپ اندھے نہیں ہیں۔''

''آپ خود ہوں گی اندھی۔'' حمید نے کچھ ایسے لہجے میں کہا کہ لڑکی ہکا بکا رہ گئی۔ پھر اُس نے جھینپے ہوئے انداز میں ہنسنا شروع کر دیا۔ پھر حمید بھی ہنسنے لگا اور اُس نے کہا۔ ''جو لڑکیاں مجھے منہ چڑھاتی ہیں اُن سے میں اسی طرح بدلہ لیتا ہوں۔''

''میں نے کب منہ چڑھایا تھا۔'' لڑکی بھی جھنجھلا گئی۔

''چڑھایا تھا.... میں اندھا نہیں ہوں۔''

''آپ کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔'' لڑکی نے کہا اور میز سے اٹھ گئی۔ حمید اُسے جاتے دیکھتا رہا۔ ویسے اب اُسے افسوس بھی ہو رہا تھا کہ اُس نے ایک بدصورت لڑکی کا دل توڑ دیا۔ لیکن پھر یہ سوچ کر ضمیر کا بوجھ ہلکا ہوگیا کہ اگر وہ خود بدصورت ہوتا تو کوئی کانی، لنگڑی، لولی لڑکی بھی اُسے لفٹ دینا پسند نہ کرتی۔

پھر اب وہ کیا کرے.... کہاں جائے.... نیند سے تھکا ہوا ذہن تفریح سے بھی بہت جلد بیزار ہو جاتا ہے۔ لیکن نیند کہاں، نیند کی تلاش میں گھر ہی کی راہ لی جا سکتی تھی اور گھر پر موت تو آ سکتی تھی مگر نیند.... کبھی نہیں.... جب تک اُس کے کمرے میں فون موجود تھا وہ سو نہیں سکتا تھا۔

اُس نے دو چار اوٹ پٹانگ قسم کی گالیاں اپنے مقدر کو دیں اور وہاں سے اٹھ گیا۔ وہ ٹیکسی پر یہاں تک آیا تھا۔ لہٰذا اب اُسے کسی ایسی ٹیکسی کا انتظار کرنا تھا جو یہاں خالی ہو کر شہر کی طرف واپس جائے۔ نیاگرہ شہر سے تقریباً چھ یا سات میل کے فاصلے پر تھا۔

یہاں ٹیکسیاں کمپاؤنڈ میں نہیں داخل ہو سکتی تھیں۔ لہٰذا حمید کو پھاٹک پر آ جانا پڑا۔ دور تک سڑک ویران پڑی تھی۔

حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے ایک ٹھنڈی سانس لی اور خلاء میں گھورنے لگا۔

کار کی ہیڈ لائیٹس کی روشنی دور تک سڑک پر پھیل رہی تھی اور کار کے اندر اندھیرا تھا۔ باہر سے دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس میں کتنے آدمی ہوں گے۔ ویسے بھی رات کافی تاریک تھی۔ اگر آسمان میں بادل نہ ہوتے تو تاروں کی چھاؤں بڑی خوشگوار ہوتی۔

''اوہو.... یہ کون تھا.... ذرا آہستہ چلو۔'' کسی نے کہا۔ ''اور گاڑی کو پھر بائیں جانب تھوڑا سا ترچھا کرو۔''

ہیڈ لائیٹس کی روشنی درختوں کے تنوں سے رینگ کر نیاگرا کے پھاٹک پر پڑی اور پھر اُسی آدمی کی آواز آئی۔ ''بلاشبہ وہی ہے۔''

''کون؟'' کسی دوسرے نے سوال کیا۔

''کیپٹن حمید.... آج اس کا یہاں کیا کام۔''

''اوہ.... تو کیا.... تو انہیں علم ہے کہ....!''

''اگر ہے تو کیا.... نہیں ہے تو کیا۔ یہ لوگ ذہین ضرور ہیں مگر.... اے.... کار آگے نکال لے چلو۔''

کار نیاگرا کے پھاٹک کے سامنے سے گذر گئی۔

کچھ دور چلنے کے بعد کار رکوا دی گئی اور کسی نے کہا۔ ''ڈکسن! تم دیکھو! کیا قصہ ہے۔''

ایک آدمی کار سے اترا چند لمحے کھڑا نیاگرہ کے پھاٹک کی طرف دیکھتا رہا پھر چل پڑا۔ وہ حمید کے قریب ہی سے گذر کر پھاٹک میں داخل ہوا تھا۔ وہ کسی مغربی ملک کا باشندہ تھا۔

حمید نے اُس کی طرف توجہ نہ دی۔ اس دوران میں نہ جانے کتنے اُس کے قریب سے گذر کر پھاٹک میں داخل ہوئے تھے۔

وہ غیر ملکی آگے بڑھتا چلا گیا اور پھر شائد اندر داخل ہونے ہی والا تھا کہ اُس کے قریب سے ایک گذرنے والے نے اُسے دھکا دیا.... وہ اس توقع پر اس کی طرف مڑا کہ شائد اب وہ معذرت کرے لیکن معذرت کرنے کی بجائے وہ سانپ کی طرح پھپھکارا۔

''چپ چاپ میرے ساتھ چلو ورنہ میرے جیب میں پڑے ہوئے ریوالور کا رخ تمہاری طرف ہے اور ایسی صورت میں اگر انگلی بھی ٹریگر پر نہ ہو تو میں خود کو چڑی مار سمجھوں گا۔''

اُس کو دھمکانے والا بھی سفید فام ہی تھا.... اس نے پھر کہا۔ ''سیدھے چلو۔''

کار سے اُترنے والا چپ چاپ دوسری طرف مڑ گیا۔ اُسکے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔

اوپر منزل کے زینوں کے قریب پہنچ کر دھمکانے والا بولا۔ ''اوپر.... ہاں ٹھیک ہے سمجھ دار آدمی معلوم ہوتے ہو۔''

دونوں زینے طے کرنے لگے۔ دھمکانے والا اُس کے برابر ہی تھا اور اب اُس کے جیب میں پڑے ہوئے ریوالور کی نال دوسرے آدمی کے پہلو سے لگی ہوئی تھی۔

''آج موسم کل سے بہتر ہے۔'' اس نے کچھ اس انداز میں کہا جیسے دوسرے آدمی کو صرف یہی اطلاع دینے کیلئے اوپر لے جا رہا ہو۔

کار سے اترنے والا کچھ بولے بغیر زینے طے کرتا رہا۔ اوپر پہنچ کر اُسے بائیں جانب مڑنے کو کہا گیا۔ اُس نے بے چوں و چرا تعمیل کی۔ پھر وہ ایک دروازے کے سامنے رک گئے۔

دھمکانے والے نے آہستہ آہستہ دروازے پر دستک دی اور دروازہ اندر سے کھول دیا گیا۔

کار سے اترنے والے کو اندر دھکا دیتے ہوئے کہا گیا۔ ''شکار۔''

کمرے میں تین آدمی تھے۔ ''شکار'' کو دیکھ کر وہ کھڑے ہو گئے۔ یہ بھی غیر ملکی ہی تھے۔

''آہا.... یہ تو ڈکسن ہے۔'' ایک نے شکار کو نیچے سے اوپر تک دیکھتے ہوئے کہا۔ ''فنچ کا ساتھی۔''

''پتہ نہیں تم لوگ کس غلط فہمی میں مبتلا ہو۔'' ڈکسن بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''ہم غلط فہمی ہی میں مبتلا ہوں گے۔'' دوسرا آدمی بولا۔ ''لیکن تم یہ ضرور بتاؤ کہ فنچ کہاں ہے۔''

''میں کسی فنچ کو نہیں جانتا۔''

''تمہاری لاش بھی کسی کو نہ مل سکے گی۔'' ایک آدمی بولا۔

''تم لوگ خواہ مخواہ ایک امن پسند آدمی سے الجھ رہے ہو۔'' ڈکسن نے کہا۔

''اس کے کپڑے اتار کر ٹھنڈا پانی ڈالو۔'' ایک آدمی نے مشورہ دیا۔

ٹھیک اُسی وقت دروازے پر کسی نے دستک دی۔ وہ لوگ چونک کر مڑے ہی تھے کہ دروازہ کھلا اور ایک بہت لمبا آدمی جھک کر اندر داخل ہوا۔ شائد وہ باہر سے قفل کھول کر اندر آیا تھا کیونکہ ڈکسن کے اندر آجانے پر دروازہ مقفل کر دیا گیا تھا۔ لمبے آدمی نے اپنے اوور کوٹ کا کالر اٹھا رکھا تھا۔ اسلئے اُسکا چہرہ صاف نہیں نظر آ رہا تھا۔ ہاتھ میں ریوالور تھا جس کی نال اُن لوگوں کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔

''فنچ حاضر ہے دوستو۔'' اُس نے چبھتی ہوئی سی آواز میں کہا۔

''فنچ....!'' چاروں نے اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھ کر قہقہے لگائے۔

''تم شائد اس معجزے پر ہنس رہے ہو۔'' لمبے آدمی نے سرد لہجے میں کہا۔ ''فنچ تو ننھا سا آدمی تھا....کیوں؟ اچھا ادھر دیکھو۔''

اُس نے اپنے کوٹ کا کالر گرا دیا اور جو چہرہ روشنی میں آیا وہ فنچ کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہو سکتا تھا۔ چھوٹا سا چہرہ جس پر لاتعداد جھریاں تھیں۔

''تم اپنا ہاتھ جیب کی طرف لے جا رہے ہو۔ یہ بُری بات ہے۔'' لمبے آدمی نے کہا۔ ''ہاتھ اوپر اٹھائے رکھو اور تم ڈکسن کمرے کی تلاشی لو۔ آج کل ہم لوگ مفلسی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر ڈریڈ بہت دولت مند آدمی ہے کیوں دوستو!''

کوئی کچھ نہ بولا۔ ڈکسن نے کمرے میں رکھے ہوئے سوٹ کیس کھولنے شروع کر دیئے۔ پانچ منٹ کے اندر ہی اندر کمرے کے وسط میں پڑی ہوئی میز پر نوٹوں کی کئی گڈیاں نظر آنے لگیں۔ یہ سب بڑے نوٹ تھے۔ رقم تیس چالیس ہزار سے کم نہ رہی ہوگی۔

''انہیں میری جیبوں میں رکھ کر.... تم کمرے سے باہر نکل جاؤ ڈکسن۔'' لمبے آدمی نے کہا۔ ڈکسن نے یہی کیا۔ وہ چاروں حیرت سے منہ کھولے کھڑے رہے۔ کبھی وہ لمبے آدمی کا منہ دیکھتے اور کبھی اُس کے قد کا جائزہ لینے لگتے۔

''سنو دوستو!'' لمبے آدمی نے انہیں مخاطب کیا۔ ''ڈاکٹر ڈریڈ جہاں کہیں بھی ہو اُسے میرا پیغام دو۔ اس سے کہنا۔ فنچ نے کہا تھا کہ تمہارے زوال کے دن قریب آ گئے ہیں۔ ایک حقیر سا کیڑا سرکس میں کام کر کے اپنا پیٹ پالتا تھا دنیا کے خوفناک ترین آدمی ڈاکٹر ڈریڈ کے پرخچے اڑا دے گا۔''

دفعتاً اُس کے ریوالور کی نال سے دھواں نکلا اور وہ چاروں اُس کے خطرناک نتائج سے ہلاک ہونے کے لئے تنہا رہ گئے۔

بلیک میلر

دوسری صبح نیاگرہ کے منیجر کے لئے بڑی پریشان کن تھی جب کمرہ نمبر ۵۳ سے تین قریب آدمیوں کے ساتھ ایک لاش بھی برآمد ہوئی۔

وہ تینوں اس قابل نہیں تھے کہ بیان دے سکتے۔ معاملہ چونکہ غیر ملکیوں کا تھا اس لئے

پولیس حرکت میں آ گئی۔ محکمہ سراغرسانی سے لیڈی انسپکٹر ریکھا اور لیفٹیننٹ سنگھ جائے واردات پر پہنچے۔

تین آدمیوں کو طبی امداد کے لئے وہاں سے ہٹایا جا چکا تھا۔ البتہ لاش اب تک وہیں پڑی تھی اور پولیس ہاسپٹل کا انچارج اُس کے قریب موجود تھا۔

اُس نے اُسے بتایا کہ موت کسی زہریلی گیس کی بناء پر واقع ہوئی تھی۔

ریکھا اور سنگھ نے کمرے کا جائزہ لیا۔ سارے صندوق کھلے پڑے تھے۔ اکثر کا سامان بھی فرش پر بکھرا ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد انہوں نے منیجر کو طلب کیا۔

''اس واقعہ کی اطلاع آپ کو کس طرح ہوئی تھی۔'' ریکھا نے اُس سے پوچھا۔

''کوئی صاحب ملنا چاہتے تھے۔ اُن کی کال آئی تھی کمرہ نمبر ۵۳ کے لئے۔ کمرہ نمبر ۵۳ سے سلسلہ ملا دیا۔ کچھ دیر بعد ان صاحب نے آپریٹر کو مخاطب کر کے کہا کہ کمرہ نمبر ۵۳ سے جواب نہیں مل رہا۔ ایک ویٹر اُس کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے اوپر گیا اور اُس نے دروازہ کھلا ہوا دیکھا۔ ایک آدمی آدھا کمرے کے اندر اور آدھا باہر پڑا ہوا تھا۔

''قریب و جوار کے کسی آدمی نے کسی غیر معمولی واقعہ کی اطلاع نہیں دی تھی؟'' سنگھ نے پوچھا۔

''نہیں جناب! میرا خیال ہے کہ اُس آدمی نے ویٹر کے پہنچنے سے کچھ ہی دیر قبل دروازہ کھول کر باہر نکلنے کی کوشش کی تھی۔''

''یہ کب سے یہاں تھے۔''

''تقریباً دو ماہ سے۔ دراصل کمرہ تو ایک ہی آدمی نے لیا تھا۔ لیکن پھر تین آدمی اور آ گئے تھے۔''

''کیا یہاں کا یہی قاعدہ ہے کہ ایک کمرے میں.... مگر ٹھہریئے۔ یہاں مسہری تو ایک ہی ہے۔'' سنگھ نے حیرت ظاہر کی۔

''بقیہ آدمی شائد فرش پر سوتے تھے۔'' منیجر بولا۔

''کیا نیاگرا جیسے بڑے ہوٹلوں میں یہ بھی ہوتا ہے۔''

''نہیں جناب ہوتا تو نہیں ہے۔ مگر مجبوری.... یہ لوگ اسی پر مصر تھے کہ ایک ہی کمرے میں رہیں گے۔''

''کیا یہ حفظانِ صحت کے قوانین کی خلاف ورزی نہیں ہے۔''

منیجر کچھ نہ بولا۔

ریکھا نے اُسے مخاطب کیا۔ ''کیا رجسٹروں میں ان لوگوں کے اندراجات باقاعدہ سورپ ہوئے تھے۔''

''جی ہاں۔''

''پاسپورٹوں کے متعلق تفصیلات آپ کے رجسٹروں میں موجود ہیں۔''

''جی ہاں! موجود ہیں۔''

''رجسٹر منگوایئے۔''

منیجر فون کی طرف بڑھا اور ریکھا ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''نہیں یہاں آپ کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگائیں گے۔''

''اوہ.... معاف کیجئے گا مجھے خیال نہیں تھا۔ میں خود ہی لا رہا ہوں رجسٹر۔''

انہوں نے اسے جانے سے نہیں روکا۔

''کیا خیال ہے؟'' سنگھ نے ریکھا سے پوچھا۔

''فی الحال کوئی رائے قائم کرنا مشکل ہی ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ یہ اپنی ہی کسی حماقت کا شکار ہوئے ہیں۔'' سنگھ نے کہا۔

''میں نہیں سمجھی۔''

''ہوسکتا ہے کہ انہوں نے کسی خطرناک قسم کی گیس سے خود ہی شغل کیا ہو۔''

''ہاں.... آں.... یہ بھی ممکن ہے۔ لیکن مجھے ابھی تک یہاں کوئی ایسی چیز نہیں نظر آئی جسے گیسوں کو مقید رکھنے کا آلہ سمجھا جا سکے۔ اگر اُن کے پاس کسی قسم کی گیس تھی تو انہوں نے کس طرح اُسے محفوظ رکھا تھا۔''

''اوہو! اس کا تو خیال ہی نہیں تھا۔'' سنگھ جلدی سے بولا۔ ''تم ٹھیک کہتی ہو۔''

''تاوقتیکہ ان میں سے کوئی بیان دینے کے قابل نہ ہو جائے ہم اندھیرے ہی میں رہیں گے۔'' ریکھا بولی۔

''افسوس کہ حمید یہاں موجود نہیں ہے ورنہ اس اندھیرے سے بہت فائدہ اٹھاتا۔'' سنگھ مسکرایا۔

ریکھا کچھ نہ بولی۔ وہ اُس لاش کو گھور رہی تھی جو اب بھی وہاں موجود تھی۔ البتہ ڈاکٹر جا چکا تھا۔

وہ دونوں کمرے سے راہداری میں چلے آئے۔

تھوڑی دیر بعد منیجر بھی رجسٹر سمیت آ گیا۔ لیکن اس بار وہ بہت زیادہ بوکھلایا ہوا نظر آ رہا تھا اور اس کی سانس پھول رہی تھی۔

''کیا بات ہے!'' سنگھ نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

''وہ تینوں بھی مر گئے جناب۔'' منیجر ہانپتا ہوا بولا۔

''ارے....!''

''جی ہاں.... ابھی ابھی اطلاع ملی ہے۔''

چند لمحے وہ خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر سنگھ نے اُس کے ہاتھ سے رجسٹر لے لیا۔ ان چاروں کے متعلق تفصیلات دیکھیں اور رجسٹر کو ریکھا کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ''ان کے متعلق ویزا سیکشن سے معلوم کرو۔''

ریکھا رجسٹر لئے ہوئے نیچے چلی گئی۔ سنگھ پھر کمرے میں آیا اور نئے سرے سے دیکھ بھال شروع کر دی۔ اُسے دراصل اُن چاروں کے پاسپورٹوں کی تلاش تھی لیکن پندرہ یا بیس منٹ تک جھک مارنے کے باوجود بھی پاسپورٹ نہ مل سکے.... اتنے میں ریکھا بھی واپس آ گئی۔

''یہ لوگ تو فراڈ تھے۔'' اس نے کہا۔

''کیا....؟''

''میں نے ویزا سیکشن کو فون کیا تھا۔ وہاں ان لوگوں کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے مگر ہوٹل کے رجسٹر کے اندراجات کہتے ہیں کہ وہ دو ماہ پہلے کیناڈا سے آئے تھے۔''

''چلو.... جان چھوٹی....!'' سنگھ نے ایک طویل سانس لی۔

''کیوں جان کیوں چھوٹی۔''

''یہ سو فیصدی کرنل فریدی کا کیس بن گیا ہے۔ ایسے کیس ہمیں ملتے ہی کب ہیں۔''

''نہیں شائد یہ ہمارا ہی کیس ہے کیونکہ ان کے پاس سعیدہ رحمان کا کیس ہے۔''

''وہ کسی اور کو مل جائیگا۔ اُسمیں کوئی خاص پیچیدگی بھی نہیں ہے۔ سیدھا سادہ اغوا کا کیس ہے۔''

❁

کرنل فریدی بیرسٹر کیلاش ورما کے آفس میں داخل ہوا۔ بیرسٹر نے بڑی گرم جوشی سے اُسے خوش آمدید کہا اور کرسی کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ ''تشریف رکھئے جناب! کیسے تکلیف فرمائی۔''

''سعیدہ رحمان کے سلسلے میں۔''

''یہ واقعہ میرے لئے بہت تکلیف دہ ثابت ہوا ہے۔''

''ہونا بھی چاہئے کیونکہ وہ آپ کی موکلہ تھی۔''

''صرف یہی نہیں کرنل.....وہ میری بچی تھی.....اُسکی تعلیم وتربیت میرے ہی ہاتھوں سے ہوئی تھی۔''

''اس سلسلے میں یہ نئی بات سن رہا ہوں۔ وہ کس طرح جناب؟''

''اُس کا باپ میرے یہاں منشی تھا۔ یہ بچی چھوٹی ہی تھی کہ اس کی ماں مرگئی۔ منشی نے دو شادی نہیں کی۔ وہ بڑا نیک آدمی تھا۔ میری بیوی نے بچی اُس سے لے لی اور ہمارے ہی بچوں ساتھ اُس کی پرورش بھی ہونے لگی۔ جب وہ دس سال کی ہوئی تو بیچارہ منشی بھی چل بسا لیکن ر ہمارے ہی ساتھ رہی۔ پھر سن بلوغ کو پہنچنے پر وہ خود ہی ہم سے علیحدہ ہوگئی۔ ہمیں اس کا ملال بھی ہوا۔ ہم نے سوچا ممکن ہے ہمارے ساتھ رہنے سے اُس کے مستقبل پر کوئی بُرا اثر پڑے مگر وہ دن میں لئے بڑا سنسنی خیز تھا۔''

کیلاش ورما کی آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ چند لمحے اسی انداز میں میں فریدی کی طرف دیکھتا کرسی کی پشت سے ٹکتا ہوا بولا۔ ''وہ دن جب جیکا کے ایک وکیل کا بیان موصول ہوا کہ سعیدہ ایک بہت ہی مالدار چچا کی وارث قرار پائی ہے۔ کرنل آپ سوچئے تو سہی کتنی حیرت انگیز بات سعیدہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اُس کا وہ آوارہ گرد چچا جو بچپن ہی میں گھر سے فرار ہوگیا تھا اُ اتنی بڑی خوش نصیبی کا باعث بنے گا۔''

''کبھی سعیدہ کے باپ نے بھی اپنے کسی بھائی کا تذکرہ کیا تھا۔'' فریدی نے کہا۔

''اگر کیا بھی ہو تو مجھے یاد نہیں کرنل.....لیکن سعیدہ کا بیان ہے کہ وہ اکثر اُس بھائی کا تذ کرتا تھا۔''

''کیا آپ اُس وکیل سے ذاتی طور پر واقف ہیں جس کا پیغام آپ کو موصول ہوا تھا۔''

''ہرگز نہیں۔ اس بات پر تو اور زیادہ حیرت بھی ہے اور پھر میں کسی بین الاقوامی حیثیت کا بھی نہیں کہ ساری دنیا کے لوگ مجھ سے واقف ہوں۔''

''پھر آپ اس سے کس نتیجے پر پہنچے ہیں۔''

''ان حالات کے پیش نظر یہی کہا جاسکتا ہے کہ کرم رحمان اپنی بھائی اور بھتیجی کے متعلق ہمیں

زین معلومات فراہم کرتا رہتا تھا۔ یعنی اُسے معلوم تھا کہ بھائی مر چکا ہے اور بھتیجی فلاں جگہ پر ہے پناہی جیمس آلڈن نے مجھے یہی لکھا ہے کہ کرم رحمان کے مرتب کئے ہوئے وصیت نامے کے مطابق اگر سعیدہ ہی ساری املاک سعیدہ رحمان کے نام منتقل کردی گئی ہے۔''

''کچھ رقم ملی بھی ہے اُسے۔''

''جی ہاں.....فی الحال تیس ہزار روپے ملے ہیں الائیڈ بنک کے توسط سے۔ ویسے حقیقتاً یہ لڑکی ارب پتی ہوگئی ہے۔ فی الحال ایسی دشواریاں آپڑی ہیں جن کی بناء پر تھوڑا ہی تھوڑا سرمایہ اس طرف منتقل کیا جاسکتا ہے۔ ویسے اگر سعیدہ جیکا چلی جائے تو اسے حقوق شہریت بھی مل جائیں گے۔ میرا خیال ہے کہ سعیدہ کو یہی کرنا پڑے گا۔ خود جیمس آلڈن کا بھی یہی خیال ہے کیونکہ وہاں کی حکومت اتنا بڑا سرمایہ ہرگز وہاں سے منتقل نہ ہونے دے گی۔''

''ہوں.....!'' فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''کیا آپ وہ کاغذات مجھے دکھا سکیں گے۔''

''ضرور ضرور.....!'' کیلاش ورما نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ چپراسی اندر داخل ہوا۔

''قریشی صاحب سے سعیدہ رحمان کا فائیل لاؤ۔''

فریدی خاموشی سے اُس کے حرکات وسکنات کا جائزہ لیتا رہا۔ چپراسی جاچکا تھا۔ کبھی کبھی کیلاش ورما بھی فریدی پر ایک اچٹتی ہوئی سی نظر ڈالتا اور پھر دوسری طرف دیکھنے لگتا۔

تھوڑی دیر بعد فائیل آ گیا اور کیلاش نے اس میں سے کچھ کاغذات نکال کر فریدی کی طرف بڑھا دیئے۔ فریدی انہیں دیکھتا رہا پھر یک بیک اٹھتا ہوا بولا۔

''اچھا بہت بہت شکریہ۔''

وہ کیلاش ورما کو حیرت زدہ چھوڑ کر باہر جاچکا تھا۔

❁

گھر پہنچ کر اُسے معلوم ہوا کہ لیڈی انسپکٹر ریکھا دیر سے اُس کی منتظر ہے۔ وہ سیدھا ڈرائینگ روم میں پہنچا گیا۔

فریدی کو پہلے ہی سے علم تھا کہ وہ اور سنگھ نیا گرا کے کسی کیس کی تفتیش کررہے ہیں۔

''میں اس وقت آپ کو تکلیف نہ دیتی۔'' ریکھا نے کہا۔ ''مگر اتفاق سے یہ آپ ہی کا کیس بن گیا ہے۔''

''کیوں میرا.... کیسے....!''

ریکھا نے مختصراً اُسے ان چار لاشوں کے متعلق بتاتے ہوئے کہا۔ ''تین ڈاکٹروں کا بیان ہے آدمی مرنے سے قبل بڑبڑایا تھا۔''

فریدی خاموشی سے اُس کی طرف دیکھتا رہا۔

''اُس نے کہا تھا۔'' ریکھا چند لمحے خاموش رہ کر بولی۔ ''بہت لمبا ہوگیا ہے.... اوہو.... فنچ لمبا ہوگیا ہے۔''

''فنچ....!'' فریدی آہستہ سے بولا۔ ''اگر ڈاکٹروں نے غلط نہیں سنا تو یہ سو فیصدی میرا کیس۔ فنچ کا کیس اب بھی میرے ہی پاس ہے۔''

''لیکن چاروں آدمیوں کا کوئی ریکارڈ ہمارے یہاں نہیں ہے۔ ویسے ہوٹل کے رجسٹر میں اندراجات ہیں اُن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کینیڈا سے آئے تھے۔''

''اُن کے سامان سے کوئی ایسی چیز بھی برآمد ہوئی جس سے ان کی اصلیت پر روشنی پڑ سکے۔''

''ایسی کوئی چیز نہ مل سکی۔''

''کیا وہ کمرہ سیل کرا دیا گیا ہے۔''

''جی ہاں۔''

''یہ بہت اچھا کیا۔ اب میرے لئے بھی ضروری ہوگیا ہے کہ اُسے ایک نظر دیکھ لوں۔''

''مگر اس جملے کا کیا مطلب ہوسکتا ہے۔ اوہو فنچ بہت لمبا ہوگیا ہے۔''

''ممکن ہے۔ یہ ہذیان ہو کیونکہ فنچ کے لمبے ہوجانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ وہ معمولی طور پر پستہ قد ہے۔ میرے لئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ مرنے والوں میں سے ایک کی پر فنچ کا نام آیا تھا۔''

ریکھا چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔ ''میں شروع سے دیکھ رہی ہوں کہ آپ ڈاکٹر ڈر مقابلے میں فنچ کو زیادہ اہمیت دیتے رہے ہیں۔''

''وہ میرے لئے بڑی کشش رکھتا ہے۔ غیر معمولی صلاحیتیں رکھنے والا ایک ننھا منا سا آدمی ڈاکٹر ڈریڈ تو وہ ایک ویسا ہی شعبدہ گر ہے جیسے بارہا میرے ہاتھوں سے انجام کو پہنچے ہیں۔ وہ اتنا بھیانک نہیں ہے جتنا کہ امریکہ کی پولیس نے اُسے بنا دیا ہے اور پھر ڈاکٹر ڈریڈ کے آج تک

رہنے کی سب سے بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اُسے امریکہ کے بڑے بڑے سرمایہ داروں کی پشت پناہی حاصل رہی ہے۔ وہ اُن کے لئے کام کرتا رہتا ہے۔ مگر یہ فنچ مجھے سنگ ہی کی یاد دلاتا ہے اور سنگ ہی جیسا مجرم آج تک میری نظروں سے نہیں گذرا۔''

ریکھا کچھ کہنے ہی والی تھی کہ حمید کمرے میں داخل ہوا۔

''اوہو....!'' اُس نے اتنا ہی کہا اور چپ چاپ بیٹھ گیا۔

فریدی جواب طلب نظروں سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

حمید نے بڑے بے تعلقانہ انداز میں ایک طویل انگڑائی لی اور بڑبڑانے لگا۔

''کلو کی ماں جب کلو جوان ہوجائے تو تم مجھے گولی مار دینا۔''

''میں ابھی تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کردوں گی۔'' ریکھا چیخ پڑی۔

''یہ کیا بیہودگی ہے۔'' فریدی نے غصیلے انداز میں کہا۔

''کیا آپ لوگ مجھ سے کچھ کہہ رہے ہیں۔'' حمید چونک کر بولا۔

''چلے جاؤ یہاں سے۔'' فریدی بگڑ گیا۔

''اگر یہ حکم کم از کم ایک ہفتے کے لئے بھی ہو تو میں سر کے بل چلے جانے کی کوشش کروں گا۔ لیکن جیمس اینڈ بارٹلے کی فرم کا ایک گویّا مجھے حشر تک یاد رہے گا۔''

فریدی ریکھا کی طرف متوجہ ہوگیا جو اُسے اُن چاروں کے متعلق کچھ اور بتانے لگی تھی لیکن یہ کوئی اہم بات نہیں تھی۔ اس کا مقصد صرف اتنا ہی تھا کہ حمید وہاں سے اٹھ کر چلا جائے۔ مگر حمید عورتوں کے معاملے میں اتنا حیادار نہیں تھا کہ کسی کی بے رخی اُسے دکھ پہنچاتی۔ وہ نہایت اطمینان سے صوفے میں دراز اپنے پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔

ریکھا اپنی گفتگو ختم کر کے خاموش ہوگئی اور فریدی حمید کو گھورنے لگا۔

پھر کچھ دیر بعد بولا۔ ''ہاں تم جیمس اینڈ بارٹلے کے کسی گویئے کا تذکرہ کر رہے تھے۔''

''کرنا چاہتا تھا مگر اب وہ بات ہی ختم ہوگئی۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا اور پائپ سلگانے لگا۔

''میں آدمیوں کا ایک کانجی ہاؤس قائم کرنا چاہتا ہوں۔'' فریدی نے ریکھا سے کہا۔

''یہ عمارت بہت موزوں رہے گی۔'' حمید نے کہا ''اور اُس کی منتظمہ اگر کوئی عورت بنائی جائے تو بہتر ہے۔''

''کیا خواہ مخواہ بکواس کرنے والے آدمی لاوارث جانوروں سے بہتر ہوتے ہیں۔'' فریدی نے ریکھا سے پوچھا۔

''بدتر.....!'' ریکھا نے بُرا سا منہ بنا کر جواب دیا۔

حمید بڑی بے تعلقی سے پائپ پیتا رہا۔

پھر تھوڑی دیر بعد اُس نے جیب سے ایک تصویر نکالی اور اُسے فریدی کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔

''دیکھئے کتنا بانکا سنجیدہ نوجوان ہے۔''

فریدی نے تصویر لے لی۔ اُسے چند لمحے دیکھتا رہا پھر حمید کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا۔

''کیا آپ اسے پہچان سکتے ہیں۔''

''نہیں.....کیونکہ اس کی آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک ہے۔''

''اور گھنی مونچھیں بھی نہیں ہیں۔''

''کیا مطلب.....!''

''مطلب یہ کہ اس آدمی کی آنکھوں پر عموماً تاریک شیشوں کی عینک ہوتی ہے اور اُس نے اپنی مونچھیں صاف کرادی ہیں۔''

''ٹھہرو.....ناک اور دہانے کی بناوٹ کچھ جانی پہچانی سی معلوم ہوتی ہے۔ اوہو.....یہ تو سنگرام ہے۔''

''خیر پہچان لیا آپ نے۔''

''کیا تم نے اسے کہیں دیکھا ہے۔''

''یقیناً دیکھا ہے ورنہ اُس کی تصویر کیوں لئے پھرتا۔ یہ تصویر مجھے سعیدہ رحمان کے یہاں سے ہے۔''

''اوہ.....تم نے اسے کہاں دیکھا ہے۔''

''جیمسن اینڈ بارٹلے کے یہاں کلرک ہے۔ یہ وہی آدمی ہے جس کے متعلق سعیدہ کے ملازم نے بتایا تھا کہ اکثر سعیدہ اُس سے گیت سنا کرتی تھی۔ اس کا موجودہ نام آرتھر ہے۔''

''اوہ.....یہ خبر بھی میرے لئے دلچسپ ہے۔''

''سنگرام کون ہے۔!'' ریکھا نے پوچھا۔

''ایک بلیک میلر جس کی تلاش پولیس کو عرصہ سے ہے۔ تلاش تو ہے لیکن آج تک اُس کے خ

جرم نہیں ثابت ہو سکا۔ تلاش یوں ہے کہ پولیس اس پر نظر رکھنا چاہتی ہے۔''

فریدی انہیں وہیں بیٹھا چھوڑ کر کمرے سے نکل گیا۔

''ہا.....ریکھا مانتی ہو.....نا.....!'' حمید نے قہقہہ لگایا۔ ''اب آؤ ہم تم دیوداس کے ڈائیلاگ بولیں۔''

''کیا بیہودگی ہے۔'' ریکھا اٹھتی ہوئی بولی۔

''تم جا نہیں سکتیں۔''

''دیکھتی ہوں کیسے روکتے ہو۔''

''اگر جاؤ تو خدا کرے تمہارے ماں باپ مر جائیں۔''

''تم خود فنا ہو جاؤ۔ تمہارا سارا خاندان۔'' ریکھا بہت زور سے بگڑی۔

''میرا خاندان تو فنا ہو چکا ہے۔ خدا کرے تمہارا منگیتر کوڑھی ہو جائے۔'' حمید نے کچھ اس انداز سے کہا کہ ریکھا پاگل نظر آنے لگی۔ کیونکہ وہ غصے میں بھی تھی اور اُسے ہنسی بھی آ گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ کیا کہانی ہوگی۔

حمید نے اٹھ کر دروازہ بند کر دیا۔

''میں دونوں سینڈل تم پر توڑ دوں گی۔''

''پرواہ نہیں۔ میں دوسری خرید دوں گا۔ اب اتنا مفلس بھی نہیں ہوں۔''

ریکھا بے بسی سے صوفے میں گر گئی اور دانت پیس کر بولی۔ ''دروازہ کھول دو۔ میں نہیں جاؤں گی۔''

حمید نے دروازہ کھول دیا اور اُس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ''بس میں یہ چاہتا ہوں کہ تم بیٹھی رہو اور میں تمہیں دیکھا کروں۔''

ریکھا کوئی جواب دینے کی بجائے اُسے گھورتی رہی۔

''اچھا مذاق ختم۔'' حمید نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ''میں نے تمہیں دراصل اس لئے روکا تھا کہ ہم لوگ کسی دوسرے کے پابند کیوں ہوں۔ مطلب یہ کہ اگر ہم فریدی صاحب سے الگ ہی رہ کر کوئی کیس نپٹا سکیں تو کیسی رہے۔ مثلاً ڈاکٹر ڈریڈ ہی کا معاملہ لے لو۔''

''تم ڈاکٹر ڈریڈ کو نپٹاؤ گے۔'' ریکھا ہنس پڑی۔

''کیوں.....کیا ہوا۔''

ریکھا کچھ کہنے والی تھی کہ ایک ملازم نے اندر آ کر ایک وزیٹنگ کارڈ پیش کیا۔

''ارے یہ کہاں.... آمرا'' حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''کون ہے....!'' ریکھا نے پوچھا۔

''قاسم....!'' حمید نے کہا پھر نوکر سے بولا۔ ''بھیج دو۔''

کچھ دیر بعد قاسم کمرے میں داخل ہوتے ہوئے ٹھٹک گیا۔ غیر متوقع طور پر ریکھا کو وہاں دیکھ کر وہ گڑبڑا گیا۔

''ارے آؤ نا....!'' حمید نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

''آداب عرض۔ آداب عرض۔'' قاسم بوکھلاہٹ میں ریکھا کو جھک جھک کر سلام کرتا ہوا صوفے میں ڈھیر ہو گیا۔

''کیا بات ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''قق.... کچھ بھی نہیں۔''

''کچھ تو ہے۔ تمہارے معاملات بہت سنگین ہوتے جا رہے ہیں۔''

''میرے ٹھینگے سے۔'' قاسم کو یک بیک غصہ آ گیا۔ ''میں اب اُسے سالے کو قتل ہی کر دوں گا۔''

''کسے....!''

''پرویز.... کو.... دن بھر.... ٹرن ٹرن ٹرن.... اور گالیاں.... دن بھر گالیاں سننی پڑتی ہیں۔''

''کیا بات ہوئی۔ میں کچھ نہیں سمجھا۔''

''سمجھو....!'' قاسم غصے میں مکا ہلا کر بولا۔ ''وہ دن بھر مجھے فون پر گالیاں دیتا رہتا ہے۔''

''اوہو.... تو کیا اُسے ضمانت پر رہا کرا لیا گیا ہے۔''

''ہاں.... اور اب وہ کبھی رہا نہ ہو سکے۔ وہاں سے تو نکل ہی نہ سکے گا۔''

''کہاں سے۔''

''قبر سے۔''

''تم ایک ذمہ دار آفیسر کے سامنے گفتگو کر رہے ہو۔'' حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

''فریدی صاحب کہاں ہیں۔''

''وہ چی ہوا ہوا تشریف لے گئے ہیں۔ تم اپنا مطلب بیان کرو۔''

''میں یہی کہنے آیا ہوں کہ پرویز کو قتل کر دوں گا۔''

''مگر پھانسی کوئی تگڑی سی لڑکی نہیں دے گی۔''

''اَے تم میرا.... مذاخ نہ اڑاؤ ورنہ بھگتا دوں گا۔'' قاسم نے کہا اور اچانک چونک کر ریکھا کی طرف دیکھنے لگا۔ اس دوران میں شائد وہ بھول گیا تھا کہ وہاں کوئی عورت بھی موجود ہے۔

''معاف کیجئے گا۔'' وہ گھگھیایا۔ ''میں غصہ میں تھا۔''

''ہونا ہی چاہئے۔'' ریکھا نے مسکرا کر کہا۔ ''آپ کے ساتھ بڑی زیادتی ہوئی ہے۔''

''مگر ان لوگوں کی سمجھ میں تو نہیں آتا۔''

''کیا سمجھ میں نہیں آتا۔'' حمید نے پوچھا۔

''سمجھ میں آتا ہوتا تو وہ چھوڑا جاتا۔''

''ارے بھئی ضمانت پر چھوٹا ہے۔''

''کیوں چھوٹا ہے۔''

''قانون....!''

''قانون کی ایسی کی تیسی۔ جو تم لوگ چاہتے ہو وہی قانون ہے۔''

''اچھا چلو یہی سہی۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ فون پر تمہیں گالیاں دیتا رہے۔''

''سن رہی ہیں آپ۔'' قاسم نے ریکھا کو مخاطب کیا۔

''ارے کیا سن رہی ہوں۔'' ریکھا نے ہنسی ضبط کر کے سنجیدگی اختیار کرنی چاہی۔ پھر بولی۔ ''یہ تو آپ کے پیچھے ہی پڑے رہتے ہیں۔''

''جی ہاں۔''

''آپ کے منہ پر تو تعریف بھی کر دیتے ہیں۔ مگر پیٹھ پیچھے.... کچھ نہ پوچھئے.... کیا کہتے ہیں۔''

''نہیں.... بتائیے.... بتائیے۔'' قاسم حمید کو گھورتا ہوا بولا۔

حمید سمجھ گیا کہ ریکھا اس وقت چوکے گی نہیں ہو سکتا ہے سر پٹھول کی نوبت آ جائے لیکن وہ اس طرح اٹھنا بھی اپنی توہین سمجھتا تھا۔ ظاہر ہے کہ ریکھا بعد کو بُری طرح اُس کا مذاق اڑاتی۔

''ہاں.... کیا کہتا ہوں پیٹھ پیچھے۔'' حمید نے بڑی دلیری سے پوچھا لیکن ساتھ ہی وہ کنکھیوں سے قاسم کی طرف بھی دیکھتا رہا تھا کہ کہیں اُس کی بے خبری میں جھپٹ ہی نہ پڑے۔

''آپ انہیں گنوار نہیں کہتے۔''

''تم گنوار کے معنی بھی جانتی ہو۔''

''قاسم صاحب! مجھ سے بہتر معنی جانتے ہیں۔''

قاسم صرف گھورتا رہا۔ اُس کی آنکھیں سرخ ہوگئی تھیں اور ہونٹ کانپ رہے تھے۔ حمید نے سوچا جادو چل گیا ہے۔ ریکھا نے بھی قاسم کی حالت دیکھی اور اُس کے ہونٹوں کے کونے پھڑکنے لگے اور وہ اپنی مسکراہٹ نہ روک سکی۔

''اچھی بات ہے۔ میں دیکھ لوں گا۔'' قاسم غرایا۔ ''میں تو ابھی تک تم کو دوست سمجھتا تھا۔''

''اور ایک بار جانگلو بھی کہا تھا۔''

''یہ خود ہوگا.... جانگلو.... سالا.... والا۔'' قاسم آؤٹ آف کھوپڑی ہوگیا۔

حمید سٹپٹا گیا۔ اب معاملہ بہت آگے بڑھ چکا تھا۔ اس اسٹیج پر قاسم کو کنٹرول میں رکھنے کی صرف یہی ایک صورت تھی کہ وہ خاموش رہے۔ اگر صفائی پیش کرنے کی کوشش کرتا تب بھی حالات بدتر ہی ہو سکتے تھے۔ بہتر نہیں۔ ریکھا تو اپنا وار کر چکی تھی۔

وہ خاموش بیٹھا رہا.... اور قاسم گرجتا رہا.... ''بڑے.... مجیب بنتے ہو سالے.... تم اپنے کو کیا سمجھتے ہو۔ جب دل چاہے سامنے آ جاؤ.... اٹھو نا۔''

اتنے میں ایک نوکر نے آ کر حمید سے کہا۔ ''صاحب کا فون ہے۔''

''اچھا'' حمید اٹھتا ہوا بولا اور چپ چاپ کمرے سے نکلا چلا گیا۔

کچھ دیر بعد قاسم نے ریکھا سے کہا۔ ''معاف کیجئے گا۔ مجھے پھر غصہ آ گیا تھا۔''

''کوئی بات نہیں۔'' ریکھا مسکرا کر بولی۔ ''مگر دیکھا آپ نے کیسا دم دبا کر چلا گیا میں غلط تھوڑ ہی کہہ رہی تھی۔''

''غصہ آ گیا تھا.... میں مار بیٹھتا.... مگر....!''

''کیا فائدہ.... یہاں مارنے سے کیا فائدہ۔ کون دیکھتا۔ کسی دن بیچ سڑک پر روک کر ماریئے۔ بھرے بازار میں تاکہ کچھ بے عزتی بھی ہو۔ ورنہ اور نہ جانے کن کن آدمیوں کے سامنے آپ کے متعلق اسی قسم کے خیالات ظاہر کرتا رہے گا۔''

ہاں.... یہ بات ٹھیک ہے۔'' قاسم سر ہلا کر بولا۔ پھر آہستہ سے پوچھا۔ ''آپ کا کیا خیال ہے۔

کہاں بے عزتی کروں اس کی۔''

''کسی ایسی جگہ جہاں اس کی جان پہچان والے موجود ہوں ورنہ کون جانے گا کہ کون پٹا۔''

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔'' قاسم نے رازدارانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔ ''اچھی بات ہے۔ میں کہیں نہ کہیں اسے دیکھ لوں گا۔''

''میں بھی موجود ہوں تو بہتر ہے۔'' ریکھا نے کہا۔

''ضرور ضرور....!'' قاسم مسکرا کر بولا۔ ''میں آپ کو فون کر دوں گا یا خط لکھ دوں گا نہیں تار دے دوں گا۔''

''میں خود ہی جگہ وغیرہ آپ کو بتا دوں گی۔''

''یہ تو بہت عمدہ رہے گا۔'' قاسم نے قہقہہ لگایا۔

بے نیل و مرام

فن آئی لینڈ معمول کے مطابق کافی پُر رونق نظر آ رہا تھا۔ شام کے چار بجے تھے اور یہاں تفریح کرنے والوں کی بھیڑ بڑھتی جا رہی تھی۔

مگر کرنل فریدی جزیرے کے ایک ایسے حصے میں نظر آ رہا تھا جدھر کا رخ شائد ہی کبھی کوئی کرتا رہا ہو۔ یہاں کی زمین ناہموار تھی اور بعض جگہ بہت چوڑی چوڑی دراڑیں تھیں۔ یہاں سے تھوڑے ہی فاصلے پر نشیب میں لہریں ساحل سے ٹکراتی تھیں۔

وہ سینے کے بل زمین پر لیٹا ہوا ایک دراڑ میں جھانکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دراڑ تقریباً سات یا آٹھ فٹ ضرور چوڑی رہی ہوگی اور گہرائی کا اندازہ کرنا تو مشکل ہی تھا کیونکہ نیچے تاریکی کے علاوہ اور کچھ نہیں نظر آتا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ اٹھا اور نشیب میں اترنے لگا اور پھر وہ اُس دراڑ کے دہانے پر جا پہنچا۔ لہریں اُس میں گھستی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں۔ یہاں دراڑ کی کشادگی چالیس فٹ سے کسی طرح کم نہ رہی ہوگی اور دراڑ کے اندر جہاں تک سورج کی روشنی پہنچ سکتی تھی پانی ہی پانی نظر آ رہا تھا۔ وہ چند لمحے وہاں کھڑا رہا اور پھر اوپر چلا آیا۔

اب وہ جزیرے کے سب سے اونچے ٹیلے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تقریباً دس منٹ بعد وہ

کامیاب ہوگیا۔ یہاں سے قریب قریب پورا جزیرہ دکھائی دیتا تھا۔ لیکن وہ دراڑ یہاں سے نہیں نظر آتی تھی جس کے کنارے فریدی کچھ دیر لیٹا رہا تھا۔

اس نے سگار کا کونا توڑتے ہوئے ایک طویل سانس لی اور سگار ہونٹوں میں دبالیا۔ لیکن وہ شاید دو یا تین منٹ تک یونہی ہونٹوں میں دبا رہا۔ فریدی کی آنکھوں سے گہرا تفکر مترشح تھا۔ پھر غالباً اُس نے سگار جلانے کا ارادہ ہی ترک کردیا کیونکہ اب وہ پھر اُس کی جیب میں واپس چلا گیا تھا۔

ٹیلے پر خودرو پھولوں کی اونچی اونچی جھاڑیاں تھیں اور یہ اتنی گھنی تھیں کہ درجنوں آدمی دیکھ لئے جانے کے خوف سے بے نیاز ان میں نہایت آسانی سے چھپ سکتے تھے۔

فریدی پتھر کے ایک بڑے ٹکڑے پر بیٹھ گیا۔ سورج آہستہ آہستہ مغرب کی طرف جھک رہا تھا۔ اور پرندوں کے شور سے سارا جزیرہ گونج اٹھا تھا۔

اُس نے کلائی کی گھڑی کی طرف دیکھا اور پھر ٹیلے سے اُترنے لگا۔ اُسے توقع تھی کہ اب حمید جزیرے میں پہنچ گیا ہوگا کیونکہ اُس نے اُسے ڈیڑھ گھنٹے قبل فون کیا تھا۔ ٹیلے سے اُتر کر وہ آباد حصے کی طرف چلنے لگا۔

پھر کارواں بار کے سامنے ہی حمید سے ملاقات ہوگئی۔ اُس نے اُسے یہیں آنیکی ہدایت کی تھی۔

''تمہارے.... اس آرتھر نے بہت چکر دیئے۔'' اُس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''کیوں....!''

''وہ بلاشبہ سنگرام ہی ہے۔ جیمسن اینڈ بارٹلے کے آفس سے وہ ڈھائی بجے ہی اٹھ گیا تھا۔ وہ دراصل یہیں اس جزیرے میں رہتا ہے۔''

''لیکن چکر کیسے دیا اُس نے۔''

''ابھی بتاتا ہوں۔ آؤ میرے ساتھ۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بار میں لیتا چلا گیا۔

فریدی نے ایک کم آباد گوشہ منتخب کیا اور وہ بیٹھ گئے۔ یہاں اب ایک ہی آدھ میز خالی نظر آرہی تھی۔

''بار میں بیٹھنے سے کیا فائدہ۔'' حمید بڑبڑایا۔ ''خواہ مخواہ آپ نے ایک میز گھیر لی ہے۔''

''بار والے کو اس پر اعتراض نہیں ہوسکتا۔''

''اس کا نقصان تو ہوسکتا ہے۔''

''تم اس کی پرواہ نہ کرو۔'' فریدی نے کہا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''قصہ دراصل یہ ہے کہ سنگرام یا آرتھر کا تعلق ڈاکٹر ڈریڈ کے گروہ سے معلوم ہوتا ہے۔''

''خدا خیر کرے۔ یہ میں نے کیا کیا۔'' حمید اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتے مارتے رہ گیا۔

''تم نے کچھ نہیں کیا۔ یہ تو ہونا ہی تھا۔''

''آپ ہمیشہ دوسروں کی محنت کے پھل خود ہی کھانے کی کوشش کرتے ہیں۔''

''اگر میری نیت صاف نہ ہوتو پھلوں کی گٹھلیاں حلق میں اٹک جائیں لیکن ایسا آج تک نہیں ہوا۔ مجھے سعیدہ کے دوستوں کی تلاش ہے۔ میں ایک ایک کو چیک کروں گا۔ لہٰذا سنگرام کا بھی سامنے آنا ضروری تھا۔ یہ اور بات ہے کہ تم نے اُسے چیک کرلیا۔ لیکن یہ معلوم کرلینا کم از کم تمہارے فرشتوں کے بس کی بات نہیں تھی کہ سنگرام کا تعلق ڈریڈ کے گروہ سے ہے۔''

''آپ نے کیسے معلوم کرلیا۔''

''تم کیا یہ سمجھتے ہو کہ میں اب تک سوتا رہا ہوں۔ ڈریڈ کے کم از کم پانچ آدمی میری نظروں میں ہیں۔''

''اور آپ اب تک اس فکر میں رہے ہیں کہ ان کے توسط سے آپ کی پہنچ ڈاکٹر ڈریڈ تک ہوجائے۔''

''تمہارا یہ جملہ قطعی غیر ضروری ہے۔''

''زبان کاٹ کر پھینک دیجئے میری۔ میں آپ کی طرح فلسفی نہیں ہوں۔ بعض اوقات میری زبان میں کھجلی ہوتی ہے اور میں بولنا چاہتا ہوں۔ خیالات خواہ ہلکے ہوں خواہ بھاری۔''

''مگر ہم تو سنگرام کی بات کررہے تھے۔''

''سنگرام انہیں پانچ آدمیوں کے ساتھ اسی جزیرے میں رہتا ہے۔''

''ارے تو پھر ہم یہاں کیا کررہے ہیں۔ شراب کی بو مجھے پاگل کردیتی ہے۔''

''بیٹھے رہو۔ چپ چاپ۔''

''اسی صورت میں جب گلاس ہاتھ میں ہو۔ ٹھنڈے پانی ہی کا سہی۔''

فریدی خاموش رہا لیکن حمید کو الجھن ہونے لگی۔ یہاں کسی میز پر بھی اُس کی دلچسپی کا کوئی سامان نہیں آرہا تھا۔ چاروں طرف مرد ہی مرد تھے۔

وہ بیٹھا بور ہوتا رہا لیکن تھوڑی ہی دیر بعد ذہنی کسل دور ہوگیا کیونکہ اُس نے بار میں آرتھر کو داخل

ہوتے دیکھا تھا۔ اُس کے ساتھ دو آدمی اور بھی تھے۔

فریدی نے جھک کر سگار سلگاتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ ''ان کی طرف مت دیکھو۔''

''شکریہ.... آپ نے مجھے دیکھنے کی زحمت سے بھی بچالیا۔ مرد مجھ سے نہیں دیکھے جاتے خواہ کسی خوبصورت لڑکی کے باپ ہی کیوں نہ ہوں۔''

''تم کس قسم کی لڑکی سے شادی کرنا پسند کرو گے۔'' فریدی نے غیر متوقع طور پر سوال کیا۔

''ایسی جو چھ ماہ بعد ہی طلاق کا مطالبہ کرنے لگے۔'' حمید نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔ بولا۔ ''آخر آج آپ میری شادی کے مسئلے میں کیوں دلچسپی لے رہے ہیں۔''

''تاکہ تم کچھ نہ کچھ بکتے رہو۔''

''یہ آرتھر اس وقت بھی سیاہ عینک لگائے ہوئے ہے لیکن یہ ہمیں پہچانتا ہی ہوگا۔''

''اچھی طرح۔''

''پھر یہاں کھلے عام ہمارے بیٹھنے کا کیا مقصد ہے۔''

''بس بیٹھے رہو۔''

''نہیں میں تو لیٹوں گا۔'' حمید جھلا گیا۔

لیکن اتنے میں اُس نے فریدی ہی کو اٹھتے دیکھا۔ وہ تیزی سے دروازے کی طرف جا رہا تھا لیکن چونکہ حمید سے کچھ نہیں کہا تھا اس لئے وہ بیٹھا ہی رہا۔ فریدی باہر جا چکا تھا۔

حمید نے اُس میز کی طرف نظر اٹھائی جہاں آرتھر اور اُس کے دونوں ساتھی بیٹھے تھے لیکن وہاں تین کے بجائے چار آدمی نظر آرہے تھے اور میز پر وہسکی کی دو بوتلیں بھی تھیں۔ سرو کرنے والے ویٹروں کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ چاروں مستقل گاہکوں میں سے ہیں۔

تمباکو کے دھوئیں اور شراب کی ملی جلی بو حمید کو پینے پر اکسا رہی تھی لیکن مشکل یہ تھی کہ اب وہ عہد کر چکا تھا کہ کبھی شراب نہ پیئے گا۔

بیس منٹ گذر گئے لیکن فریدی واپس نہیں آیا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ آخر اس حرکت کا کیا مقصد ہوسکتا ہے۔ کیا وہ یہ چاہتا تھا کہ وہ اکتاہٹ دور کرنے کو کوئی ایسا اقدام کر بیٹھے جس کا ردعمل یقینی طور پر فریدی کیلئے سودمند ثابت ہو۔ اُسے ایسے ہی کئی مواقع یاد تھے جب فریدی نے اُسے تذبذب میں ڈال دیا تھا اور اسی تذبذب کے عالم میں جب

حماقتیں سرزد ہوگئی تھیں لیکن اُن حماقتوں سے فریدی نے اس طرح فائدہ اٹھایا تھا جیسے اُسے حمید سے اس کی توقع رہی ہو۔

وہ سوچنے لگا اگر وہ کچھ کئے بغیر ہی یہاں سے اٹھ کر گھر کی راہ لے تو کیا ہو۔ لیکن اس نے تہیہ کرلیا کہ وہ نہ تو کوئی حرکت کرے گا اور نہ یہاں سے اٹھے گا۔ خواہ آرتھر اور اُس کے ساتھی اٹھ ہی کیوں نہ جائیں۔

یہاں کا ماحول تھکا دینے والا تھا۔ اُسے حیرت تھی کہ آخر یہاں عورتیں کیوں نہیں دکھائی دیتیں جب کہ جزیرے کے دوسرے کیفے اور بار اُن سے ہر وقت بھرے رہتے ہیں۔

آرتھر اور اُس کے ساتھی بے تحاشہ پی رہے تھے اور اُن میں سے کوئی بھی حمید کی طرف متوجہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔

حمید نے پائپ سلگایا اور کرسی کی پشت سے ٹک کر ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔ اُسے اس پر بھی حیرت تھی کہ ابھی تک کسی ویٹر نے اس کی طرف رخ بھی نہیں کیا تھا۔

دفعتاً وہ چونک پڑا۔ ایک آدمی نشے میں بہک رہا تھا۔ ''روڈل.... ڈوڈل.... ڈوڈلی.... ہی....!''

ایک تیز قسم کی کھرکھراہٹ سے ہال گونجنے لگا اور کاؤنٹر کے اوپر دیوار کے ایک بورڈ کے حروف روشن ہوگئے۔ ''براہِ کرم انسانیت کی حدود سے نہ گذریئے۔''

مگر شائد ''روڈل ڈوڈل'' کرنے والا اپنی کسی محبوبہ سے جھگڑا کر کے آیا تھا اُس پر اس روشن تحریر کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اور وہ ہوا میں مکا لہرا کر چیخا۔ ''انسانیت کی حدود ہیں ختم ہوگئی تھی جہاں اُسے سولی پر چڑھایا گیا تھا۔''

اس پیغمبرانہ جملے پر حمید کا دل چاہا کہ بیئر کے کسی بیرل میں چھلانگ لگا دے۔ مگر اب وہ بہکا ہوا شرابی کہہ رہا تھا۔ ''ڈوروتھی.... عورت نہیں کتیا ہے.... ہاہا.... کتیا کا بھی آفاقی اَدب میں ایک مقام ہے۔ اَدب میں آفاقیت نہ ہو تو کتیا.... زندہ باد....!''

اس ''زندہ باد'' پر دو چار ''زندہ بادیں'' اور بلند ہوئیں.... پھر ذرا ہی سی دیر میں مچھلی بازار بن گیا۔

اسی دوران میں حمید نے آرتھر اور اُس کے ساتھیوں کو اٹھتے دیکھا اور غیر ارادی طور پر وہ بھی اٹھ گیا۔ پھر خیال آیا کہ کچھ دیر پہلے اُس نے اس کے برعکس کچھ سوچا تھا۔ مگر اب کیا ہوسکتا تھا۔ اب تو اٹھ ہی چکا تھا۔

چاروں شائد بہت زیادہ پی گئے تھے۔ ان کی رفتار میں لغزش تھی۔ حمید اُن کے پیچھے چلتا رہا۔ اندھیرا پھیل چکا تھا اور سمندر کی بوجھل ہوا کے جھونکے اُسکے چہرے سے ٹکرا رہے تھے۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتا اور اُسے ہوا میں ملے ہوئے نمک کی شوریت محسوس ہوتی۔

وہ چلتے رہے.... گھاٹ کے قریب پہنچ کر حمید نے محسوس کیا کہ وہ دوستانہ انداز میں گفتگو نہیں کر رہے ہیں۔ اُن کی آوازیں آہستہ آہستہ بلند ہوتی جا رہی تھیں۔ اچانک اُن میں سے ایک نے دوسرے پر ہاتھ چھوڑ دیا اور پھر تین آدمی بیک وقت ایک آدمی پر ٹوٹ پڑے۔

حمید جہاں تھا وہیں رک گیا۔ گھاٹ ویران نہیں تھا۔ چاروں طرف سے لوگ دوڑ پڑے اور انہیں الگ کر دیا گیا۔

حمید اُن میں دلچسپی لینے کی بجائے مجمع کو گھور رہا تھا اور اُسے فریدی کی تلاش تھی۔ وہ الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا۔ آخر فریدی کہاں گیا۔ اتنی دیر تک بار میں بیٹھنے کا کیا مقصد تھا۔ پھر اُسے کوئی ہدایت دیئے بغیر اس طرح اٹھ جانا۔

اچانک اُس نے آرتھر یا سنگرام کو مجمع سے الگ ہوتے دیکھا۔ یہاں کافی روشنی تھی اور حمید ہر ایک کو بہ آسانی دیکھ سکتا تھا۔ آرتھر شائد وہاں سے کھسک جانے کی فکر میں تھا۔

حمید نے بھی اُدھر ہی قدم اٹھائے جدھر آرتھر کا رخ تھا لیکن وہ جزیرے کے ایک ویران حصے کی طرف جا رہا تھا۔ حمید چلتا رہا۔ آخر وہ بڑے ٹیلے کے قریب پہنچ کر ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ یہاں بے شمار اونچے اونچے تودے بکھرے ہوئے تھے اور حمید اس سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ تاروں کی چھاؤں میں وہ اُسے صاف دیکھ رہا تھا۔

لیکن اب سوال یہ تھا کہ وہ کسی خاص مقصد کے تحت اِدھر آیا ہے۔ اُس بھیڑ سے پیچھا چھڑانے کے لئے اُس نے اِدھر کا رخ کیا تھا۔ آرتھر یا سنگرام پولیس سے دور ہی رہنے کی کوشش کرتا کیونکہ اُس کا پچھلا ریکارڈ اچھا نہیں تھا۔ لہٰذا ممکن ہے اس جھگڑے میں پولیس کی مداخلت کے خوف سے وہ اِدھر چلا آیا ہو۔

کچھ بھی ہو اُسے فریدی پر تاؤ آ رہا تھا اور یہ بھی کوئی نئی بات نہیں تھی اُسے دن میں متعدد بار فریدی پر تاؤ آتا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے آرتھر پتھر پر لیٹ گیا اور حمید کا دل چاہا کہ اپنا سر پیٹ ڈالے۔ آرتھر تو نشے میں

ٹھنڈی ہوا نے شائد نشہ اور زیادہ گہرا کر دیا تھا۔

مگر پھر حمید نے سوچا کہ اُس سے کہا کس نے تھا کہ وہ آرتھر کا تعاقب شروع کر دے۔

فوراً اُس کی نظر بڑے ٹیلے کی طرف اٹھ گئی اور اُسے جھپٹ کر دوسرے تودے کی اوٹ لینی پڑی ٹیلے پر ایک متحرک سایہ نظر آ رہا تھا۔ وہ اُسے دیکھتا رہا۔ کوئی اوپر سے نیچے آ رہا تھا۔

نیچے پہنچ کر وہ رکا۔ چند لمحے کھڑا رہا۔ پھر ایک طرف چلنے لگا۔ حمید نے اپنے مخصوص انداز میں سیٹی اور سایہ رک گیا۔ اب حمید کو اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ اندھیرے میں کسی آدمی کے چلنے کا انداز فریدی کا سا معلوم ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حقیقتاً فریدی ہی ہوگا۔ اُس نے سائے کو ایک تودے کی اوٹ میں ہوتے دیکھا۔

حمید نے بھی اپنی پوزیشن تبدیل کی.... اور اب وہ کھسکتا ہوا اُس پتھر کی طرف بڑھنے لگا جس پر آرتھر لیٹا ہوا تھا لیکن قبل اس کے کہ وہ اس تک پہنچ سکتا، سوئے ہوئے آرتھر کے چہرے پر روشنی کی ایک لکیر پڑی۔ سامنے والے تودے کے پیچھے کوئی موجود تھا۔ حمید جہاں تھا وہیں رہا۔ نہ تو اُس نے تودے کی طرف بڑھنے کی کوشش کی جدھر سے روشنی آ رہی تھی اور نہ آرتھر کی طرف۔

روشنی آنی بند ہو گئی۔ آرتھر شائد بے خبر سو رہا تھا۔ آخر حمید اس آنکھ مچولی سے تنگ آ گیا۔ وہ سوچ رہا کہ اب کچھ نہ کچھ ہو ہی جانا چاہئے ورنہ رات یونہی ختم ہو جائے گی۔

اُس نے جیب سے ریوالور نکال کر کہا۔ ''اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ.... پولیس۔''

''ہائیں.... پپ.... پپ.... پولیس....!'' آرتھر اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر ہکلایا اور پتھر سے نیچے لڑھک گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں ایک لمبی کراہ کے ساتھ اُس کے حلق سے گندی سی گالی نکلی۔

تودے کے پیچھے جو کوئی بھی تھا اب سامنے آ گیا۔

''اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔'' حمید کڑک کر بولا۔

''اور اگر میں انکار کر دوں تو۔'' بہت ہی سرد لہجے میں جواب ملا اور حمید کی جان میں جان آئی۔ یہ فریدی ہی تھا۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو۔'' اُس نے ناخوشگوار لہجے میں پوچھا۔

''یہی سوال میں آپ سے بھی کر سکتا ہوں۔''

''بکو مت۔ میں نے تم سے کب کہا تھا کہ تم اُن میں سے کسی کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک

چلے آؤ۔ مگر اسے کیا ہوا۔"

"وہی جو زیادہ شراب پینے کے بعد ہوتا ہے۔" حمید نے بے دلی سے جواب دیا۔ اُس کا مو
سوچ کر بہت زیادہ خراب ہو گیا کہ وہ فریدی کی دانست میں اتنی دیر سے جھک ہی مارتا رہا تھا۔

پھر پیو

آرتھر کو ہوش آنے پر محسوس ہوا کہ وہ کسی کمرے میں ہے۔ حالانکہ وہ فن آئی لینڈ کی ایک چٹان
لیٹ کر سو گیا تھا۔ اُس نے پلنگ سے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھنا چاہا لیکن دوسرے ہی لمحے
دروازہ کھلا اور دروازے میں جو آدمی بھی اُسے نظر آیا وہ کم از کم اُس کے لئے کسی اچھے مستقبل کا پتا
نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ اُسے اچھی طرح پہچانتا تھا..... نہ صرف پہچانتا تھا بلکہ ہمیشہ اُس سے دور ہی دور
کی کوشش کیا کرتا تھا..... یہ کرنل فریدی تھا۔

"کیوں سنگرام..... کیا اب تم پوری طرح ہوش میں ہو۔" اُس نے پوچھا۔

"آپ میرے خلاف کچھ ثابت نہیں کر سکیں گے۔" سنگرام نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا

"اُوہو..... بڑی مصیبت ہے۔" فریدی مسکرایا۔ "کیا میں ہر ایک کے پیچھے اس لئے پھرا کرتا
کہ اُس کے خلاف کچھ نہ کچھ ثابت ہی کر ڈالوں۔"

سنگرام کچھ نہ بولا۔ اُس کی نظر فریدی کے چہرے پر تھی لیکن فریدی کے چہرے پر اُسے مُر
نہیں دکھائی دیئے۔ وہ بہت ہی دوستانہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"تم وہاں بہت بُری حالت میں پڑے ہوئے تھے۔" فریدی نے کہا۔ "تمہیں سانپ ہی ڈ
تو..... میں تمہیں یہاں اٹھا لایا۔ اب تم کہہ رہے ہو کہ میں تمہارے خلاف کچھ ثابت کر دوں۔ ہا
اس سے تمہارا کوئی مرض دور ہو سکے تو میں یہ بھی کر گذروں گا۔"

"میں سمجھتا ہوں۔ بلکہ مجھے یقین ہے کہ آپ سعیدہ رحمان والے سلسلے میں مجھے پر شبہہ کر رہے ہ

"تم بڑے اچھے طالب علم ہو سنگرام۔ بیٹھ جاؤ۔ سوال کرنے سے پہلے ہی جواب تیار رکھتے ہ

فریدی ایک آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔

آرتھر بیٹھتا ہوا بولا۔ "آپ میرے خلاف کچھ نہیں ثابت کر سکتے۔ میرا پورا نام آرتھر سنگرام ہ

"اور مونچھیں تمہاری اپنی ملکیت ہیں۔" فریدی مسکرایا۔

"قطعی..... مجھے پورا پورا حق حاصل ہے جب چاہوں رکھوں جب چاہوں صاف کرا دوں۔"

"سنگرام تم بوکھلاہٹ میں بچوں کی سی اور مضحکہ خیز گفتگو کر رہے ہو۔ اپنے حواس کو یکجا کرو۔
ہارے خلاف میں کچھ نہیں ثابت کر سکتا۔"

"تو پھر اس کا مطلب۔" سنگرام چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

اتنے میں ایک ملازم ہاتھوں پر ایک کشتی اٹھائے اندر داخل ہوا۔ کشتی میز پر رکھ دی گئی۔ اس میں
سا بفن..... ایک گلاس اور اسکاچ کی بوتل تھی۔

ملازم باہر جا چکا تھا۔

"اپنی مدد آپ کرو۔" فریدی نے کشتی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "حواس کو یکجا کرنے کے لئے
ر ثابت ہوگی۔"

"آخر مقصد کیا ہے۔"

"اوہ..... سنگرام..... اچھی بات ہے۔ تم پھر اتنی ہی پیو۔ اتنے ہی مدہوش ہو جاؤ اور پھر میں تمہیں
رے کی اُسی چٹان پر پھکوا دوں۔"

سنگرام کچھ نہ بولا۔ لیکن وہ پلنگ ہی پر بیٹھا رہا۔

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ شراب زہریلی ہے۔"

"نہیں.....!"

"پھر..... تم پیتے کیوں نہیں۔"

"کرنل فریدی کا کوئی اقدام مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔"

"ٹھیک ہے۔ تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔"

"آپ مجھے اس کا مقصد بتا دیجئے۔"

"کیا واقعی تم اُس چٹان پر خودکشی ہی کی نیت سے لیٹے تھے۔"

"نہیں میں نشے میں تھا۔"

"چلو..... اسی لئے تو کہہ رہا ہوں کہ کچھ اور پیو مگر اتنی نہیں کہ پھر ویسے ہی ہو جاؤ۔"

"اچھا پھر اس کے بعد آپ کیا کریں گے۔"

"تمہیں رخصت کر دوں گا۔"

''میں کیسے یقین کرلوں۔'' سنگرام نے کہا۔ مگر اب وہ میز کے قریب آ کر سائیفن سے سوڈا
رہا تھا۔ خالی سوڈے کا ایک گلاس چڑھا لینے کے بعد اس نے کہا۔ ''میرے حواس یکجا نہیں ہو سکتے۔''

''تھوڑی اسکاچ بھی لو۔ مجھے یقین ہے کہ تم اپنی حالت بہتر محسوس کرو گے۔''

''شکریہ۔'' سنگرام نے تین انگل اسکاچ ناپ کر لی اور اس میں سوڈا ملانے لگا۔ تقریباً پانچ
تک کمرے پر بوجھل سکوت طاری رہا۔ سنگرام گلاس خالی کر کے ٹرے میں رکھ چکا تھا۔

فریدی نے ایک بار اس کی طرف دیکھا اور مسکرا کر بولا۔ ''کیوں.... کیا.... اَب بھی تم بہتر
محسوس کر رہے ہو۔''

''میں اب ٹھیک ہوں۔''

''لیکن زیادہ دنوں تک ٹھیک نہ رہ سکو گے۔ ابھی تک پولیس تمہارے خلاف کچھ نہیں ثابت
لیکن اب یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ حالات کیا ہوں۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''کچھ نہیں۔ کچھ بھی نہیں۔ اگر اب تم جانا چاہتے ہو تو جاؤ۔''

سنگرام کے چہرے پر ذہنی الجھن کے آثار نظر آنے لگے۔

''کیا آپ....!'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

''کہو....!''

''کچھ نہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہوں۔''

''مت کہو۔ یہ رعائت صرف رات بھر کے لئے ہے۔ آج کی رات میرے پاس تمہارے
کوئی ثبوت نہیں ہے لیکن کل صبح کے لئے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

''میں پھر نہیں سمجھا۔ صاف صاف کہئے۔''

''کچھ نہیں بھئی۔ اب مجھے نیند آ رہی ہے۔'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ''اگر اس وقت نہ جانا
یہیں آرام کرنا۔''

''میں رات بھر میں پاگل ہو جاؤں گا۔''

''مگر پاگل ہونے سے پہلے مجھے یہ ضرور بتا دینا کہ تمہیں کہاں کے پاگل خانے میں رکھا جا
سنگرام نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر ہونٹ بند کر لئے۔ سچ مچ اُسکی آنکھوں سے دیوانگی جھانکنے لگی

فریدی نے اُسے غور سے دیکھا اور پھر بیٹھ گیا۔ لیکن وہ بڑے بے تعلقانہ انداز میں سگار سلگا رہا تھا۔

''آپ کل صبح میرے خلاف کیا ثابت کریں گے۔'' سنگرام نے پوچھا۔

''اوہو.... تم ابھی تک اسی الجھن میں ہو۔ بیٹھو بیٹھو یہ تو میں نے یونہی کہہ دیا تھا۔ بات دراصل یہ ہے کہ اگر تم جیسا کوئی آدمی ہر وقت محتاط نہ رہے تو بڑی آسانی سے اس کی گردن پھنس سکتی ہے۔''

''خدارا مبہم قسم کی گفتگو نہ کیجئے۔''

''سنگرام! کیا یہ گفتگو تمہارے لئے مبہم ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ تم ایسا کہہ رہے ہو۔ کیا تم آج کل غیر محتاط نہیں ہو۔''

سنگرام دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے مختلف قسم کے خیالات نے اُس کے ذہن میں پراگندگی پیدا کر دی ہو۔

''کیا تم آج کل جس راستے پر چل رہے ہو ہمیشہ اُسی پر چلتے رہے ہو۔ آدمی کو اپنی لائن سے نہ ہٹنا چاہئے۔ یہ راستہ بلیک میلنگ سے زیادہ خطرناک ہے۔ تم تنہا رہ کر قانون کی گرفت سے بچ رہ سکتے ہو کیونکہ تم نے شروع سے اس کی مشق بہم پہنچائی ہے لیکن اس نئے راستے کے اناڑی مسافر۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تم اب اندھیرے میں نہیں رہے۔ کم از کم میرے لئے روشنی میں آ چکے ہو۔''

سنگرام کی ٹھوڑی دونوں ہاتھوں پر ٹکی ہوئی تھی اور وہ کسی خوفزدہ بچے کی طرح فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

فریدی کہتا رہا۔ ''ان میں سے کون ہے جو میری نظر میں نہ ہو۔ صفدر، سعید، ماتھر، موریلی، رام سنگھ اور کتنے نام گنواؤں۔ میں ان سبھوں کو جس وقت چاہوں گرفت میں لے سکتا ہوں۔''

''مم.... مجھے بھی.... کہنے دیجئے۔'' سنگرام بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''کہو! میں نے تمہیں روکا تو نہیں۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

''میں نادانستہ طور پر ان لوگوں کے چکر میں پھنس گیا ہوں۔ اور اب میری گردن اچھی طرح پھنس چکی ہے۔ ڈاکٹر ڈریڈ مجھ سے بھی بڑا بلیک میلر ہے۔ اسکے پاس میرے خلاف واضح ترین ثبوت ہیں۔''

''تو اس نے تمہیں بلیک میل کیا ہے۔''

''جی ہاں.... میں اُس کے احکامات کی تعمیل پر مجبور ہوں۔''

''تم کب سے اُس کے لئے کام کر رہے ہو۔''

''چار ماہ سے۔''

''جیمس اینڈ بارٹلے کے یہاں کب سے ملازم ہو۔''

''ایک سال سے۔''

''سعیدہ سے دوستی کتنی پرانی ہے۔''

''ظاہر ہے کہ ہم دونوں ایک ہی فرم میں کام کرتے تھے اس لئے وہاں جتنا پرانا میں ہوں اتنی ہی پرانی دوستی بھی ہوسکتی ہے۔''

''اس کے اغواء کا تمہیں علم ہے۔''

''نہیں.....!''

''پھر تم ڈاکٹر ڈریڈ کے لئے کیا کام کرتے رہے ہو۔''

''مختلف قسم کے کام۔ لیکن میں نے ابھی تک کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے.....!''

''ارے چھوڑو.....گردن پھنسانے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ تم ڈاکٹر ڈریڈ کیلئے کام کرتے رہے ہو۔''

''میں یہ کب کہتا ہوں کہ آپ مجھے جہنم میں نہیں پہنچا سکتے۔ لیکن اگر سعیدہ کا اغواء ڈریڈ ہی کی ذات سے تعلق رکھتا ہے تو مجھے اس کا کوئی علم نہیں ہے۔''

''ڈریڈ کے لئے تم سے کون کام لیتا ہے۔''

''ماتھر.....!''

''اُس نے تم سے سعیدہ کے متعلق کبھی کوئی گفتگو نہیں کی۔''

''گفتگو.....ٹھہریئے۔'' سنگرام نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ پھر بولا۔ ''یوں تو ہم ہر وقت ہی اُس کے متعلق کچھ نہ کچھ گفتگو کرتے رہتے تھے۔ میں دراصل آج کل ماتھر ہی کے ساتھ رہتا ہوں۔''

''مجھے علم ہے.....ہاں تو وہ گفتگو کس قسم کی ہوتی تھی۔''

''ماتھر کا خیال تھا کہ میں سعیدہ کو پھانس کر اُس سے شادی کرسکتا ہوں اور بھی ایسی ہی بہتیری باتیں جو سعیدہ سے تعلق رکھنے والا ہر آدمی سوچتا ہوگا کیونکہ وہ اچانک اتنی مالدار ہوگئی تھی.....اور غیر شادی شدہ تھی۔''

سنگرام خاموش ہوگیا۔ فریدی اُسے اس انداز سے گھور رہا تھا جیسے اُس کی آنکھوں سے اُس کے بیان کی تصدیق کرنا چاہتا ہو.....اُس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔ ''کیا تم بتا سکو گے کہ یہاں کے بڑے

لوں میں سے کون کون اس میں دلچسپی لے رہا تھا۔''

''میں صرف دو یا تین کو جانتا ہوں لیکن ویسے میرا خیال ہے کہ شہر کے سارے بڑے آدمی اُس میں دلچسپی لے رہے تھے۔ سرمایہ دار طبقہ کے ہر جوان آدمی کی خواہش تھی کہ کسی طرح وہ سعیدہ کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائے۔''

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''کیا تم نے اُسے مشورہ دیا تھا کہ وہ ملاقاتیوں کے بہت احتیاط سے رکھا کرے۔''

''میرے خدا۔'' سنگرام یک بیک اچھل پڑا۔ ''آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ ہاں میں نے ہی اُسے یہ دیا تھا۔''

''اور تمہیں اس کا مشورہ ماتھر نے دیا تھا.....کیوں؟''

''یہ بھی صحیح ہے۔'' سنگرام نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ اُسکی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

''اُس نے تمہیں یہ مشورہ کیوں دیا تھا؟''

''میری ہی لائن کی ایک اسکیم تھی۔'' سنگرام طویل سانس لے کر بولا۔ ''اُس کا خیال تھا کہ میں کے امیر طلب گاروں کی فہرست مرتب کروں اور ان کے متعلق چھان بین کرتا رہوں۔ پھر جب سے کسی کی بات سعیدہ کے ساتھ پکی ہوجائے تو میں اُسے بلیک میل کروں۔ سرمایہ داروں میں شائد ئی ایسا ہو جس میں کمزوریاں نہ ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ اُس کا ہونے والا شوہر بھی کسی ایسے جرم کا ب ثابت ہو جو اُسے سعیدہ کی نظروں سے گرا سکے۔ لہٰذا ایسی صورت میں بلیک میلنگ کے بہترین نتائج ہاتھ آسکتے ہیں.....ماتھر کی یہ تجویز بڑی شاندار تھی لیکن آپ کو اس کا علم کیسے ہوا۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ سنگرام اپنے سوال کے جواب کا منتظر تھا لیکن فریدی نے اُسے نظر انداز کر کے ا۔ ''تو تم نے فہرست مرتب کرلی ہے۔''

''جی ہاں.....!''

''کتنے آدمی ہوں گے۔''

''تیس.....!''

''مگر ابھی تم نے کہا تھا کہ تم دو یا تین آدمیوں کے علاوہ اور کسی کو نہیں جانتے۔''

''جی ہاں.....یہ وہ تین آدمی ہیں جن کے متعلق میں چھان بین کرتا رہا ہوں۔''

''انہیں تین تک چھان بین کیوں محدود رکھی۔''

''کیونکہ انہیں سعیدہ پسند کرتی تھی۔''

''مجھے پوری فہرست چاہئے۔'' فریدی نے کہا۔

''دیکھئے! میرا بھی یہی خیال ہے کہ انہیں لوگوں میں سے کسی کا ہاتھ اس اغواء میں ہے۔''

''ہاتھ تو تمہارا بھی ہوسکتا ہے سنگرام۔ تم اُسے اغواء کر کے کسی بڑے گاہک کے ہاتھ فروخت کر سکتے ہو کسی بہت بڑی قیمت پر۔''

''اگر آپ مجھ پر شبہ ہی کر رہے ہیں تو میں آپ کو ایک مشورہ دوں گا۔''

''کیا....؟''

''مجھے گرفتار کر کے اُس وقت تک بند رکھئے جب تک کہ سعیدہ کا سراغ نہ مل جائے۔''

''تم مجھ سے بھاگ کر جاؤ گے کہاں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''البتہ دوسری دنیا تک میری پہنچ ہو سکے گی۔''

''پھر آپ کا شبہ رفع کرنے کی دوسری صورت کیا ہوسکتی ہے۔''

''اس کی فکر نہ کرو۔ مجھے اُن لوگوں کی فہرست چاہئے لیکن تم اس کا تذکرہ ماتھر سے نہیں کرو گے''

''میں وہی کروں گا جو آپ فرمائیں گے۔ فہرست کل شام تک آپ کو مل جائے گی....!''

فی الحال ڈریڈ سے روگردانی بھی میرے لئے مشکل ہوگی۔''

''میں کب کہتا ہوں کہ تم اُسے چھوڑ دو۔''

''مگر مجھے حیرت ہے جناب کہ آپ نے ڈریڈ کے متعلق کچھ نہیں پوچھا۔''

''تم اس کے متعلق جانتے ہی کیا ہوگے۔ تمہارے فرشتوں کو بھی علم نہ ہوگا کہ وہ کہاں رہتا ہے۔ اچھا اب تم جاسکتے ہو۔''

کمرے پر بوجھل سا سکوت طاری ہوگیا۔

❁

حمید بہت دیر سے اُچھل کود رہا تھا۔ آخر فریدی کو کہنا ہی پڑا۔ ''پوچھو۔ کیا پوچھنا چاہتے ہو۔''

''پرویز اور قاسم کو لڑانے کی کوشش کیوں کی تھی۔''

''حقیقت معلوم کرنے کے لئے۔''

''کیسی حقیقت۔!''

''یہی کہ ان دونوں کا تعلق اس اغواء سے ہوسکتا ہے یا نہیں۔ اگر یہ حرکت خود پرویز ہی کی ہوتی تو وہ بھی اس طرح چڑھ کر عاصم پر نہ جاتا اور اگر حقیقتاً عاصم کا ہاتھ اس میں ہوتا تو وہ رائفل لے کر پرویز پر نہ دوڑتا۔ چور کا دل ہی کتنا۔''

''مگر پرویز نشے میں تھا۔''

''اتنا زیادہ بھی نہیں کہ بُرے بھلے کی تمیز نہ رہ جاتی۔''

''مگر اُس نے اپنے بیان میں یہ نہیں لکھوایا کہ اس کا مشورہ کرنل فریدی نے دیا تھا۔''

''وہ احمق نہیں ہے۔ اتنا سمجھتا ہے کہ اس بیان پر کوئی یقین نہیں کرے گا۔ بالکل اُسی طرح جیسے خود اس کی کہانی پر تمہیں یقین نہیں آیا۔''

''آپ کو آ گیا ہے۔''

''ہاں مجھے یقین ہے کسی نے اُسے آلہ کار بنانے کی کوشش کی ہے۔''

''مگر کس طرح۔ ارے اس کا کیا مقصد ہوسکتا ہے کہ اُسے اس کے گھر سے پکڑ لے گئے۔ اُس کی خاطر مدارت کی۔ دو لڑکیاں اس کی مرمت بھی کرتی رہیں اور سر بھی سہلاتی رہیں۔ یہ پرویز کا پٹھا مجھے افیونی معلوم ہوتا ہے۔''

''سب کچھ جلد ہی روشنی میں آجائے گا گھبراتے کیوں ہو۔''

''اچھا....! پچھلی رات آپ مجھے بار میں چھوڑ کر اُس ٹیلے پر کیوں جا چڑھے تھے۔ کیا مریخ میں پہنچنے کا ارادہ تھا۔''

''پچھلی رات بھی ڈریڈ ہی کا چکر تھا۔ مجھے باہر سے اشارہ ملا تھا کہ ایک تیز رفتار سفید کشتی جزیرے کے گرد چکر لگا رہی ہے۔ بہر حال مجھے اتنی جلدی میں اٹھنا پڑا تھا کہ تم سے کچھ نہ کہہ سکا۔''

''پھر اُس کشتی کا کیا ہوا۔''

''وہ شائد اطلاع دینے والے کا واہمہ تھا۔ کشتی دراصل بحری فوج کی تھی۔ کچھ بھی ہو پچھلی رات کچھ نہ کچھ کام تو ہوا ہی تھا۔ سنگرام کے متعلق پہلے سے کوئی پروگرام نہیں بنایا گیا تھا لیکن اُس سے گفتگو کرنے کے بعد ہی میں اس نتیجے پر پہنچ سکا کہ اس معاملے میں وہ کتنا اہم رول ادا کر رہا ہے۔ وہ لینڈنگ کارڈ میرے ذہن میں بُری طرح کھٹک رہے ہیں جو ایک نامعلوم آدمی سعیدہ کے گھر سے

اڑا لے گیا تھا۔ وہ اتنے ہی اہم تھے حمید صاحب کہ اُس آدمی کو ایک پولیس انسپکٹر بن کر آنا پڑا تھا۔"

"ارے تو ان کی فہرست آپ کو مل ہی جائے گی۔"

"لیکن اس کے باوجود بھی شائد حقیقت تک پہنچنے میں دشواری ہو۔"

دوسری پلیٹ

سنگرام چار بجے اپنے آفس سے نکلا اور تیز قدموں سے چلتا ہوا ریکسٹین اسٹریٹ پر مڑ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے جلدی میں اُسے کہیں پہنچنا ہے۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ پھر ایک پتلی سی گلی میں مڑا۔ اس کے دونوں ہاتھ کوٹ کی جیبوں میں تھے۔ لیکن اب اس کی رفتار سست ہو گئی تھی۔

یہاں دونوں طرف اونچی اونچی دیواریں تھیں اور ان میں چھوٹے بڑے نئے پرانے منقش اور بدوضع دروازے نصب تھے۔ سنگرام ایک دروازے پر رک گیا۔ وہ مقفل تھا اُس نے قفل کھولا اور دروازے کو دھکا دے کر اندر داخل ہوا۔ سامنے ہی تنگ قسم کے زینے تھے جن کا سلسلہ اوپر کی طرف چلا گیا تھا۔ وہ دروازہ بند کر کے زینے طے کرنے لگا۔

زینے اُسے ایک کمرے میں لے گئے جہاں کے سامان سے کمرے کے مالک کی شکستہ حالی ظاہر تھی۔ ایک طرف ایک جھولدار پلنگ موجود تھا اور دیوار سے لگا ہوا ایک شلف رکھا تھا جس میں دو تین کتابوں کے علاوہ شیونگ کا سامان چائے کی چھوٹی پیالیاں سگرٹوں کے خالی پیکٹ اور دوسری چیزیں بھری ہوئی تھیں۔

ایک طرف ٹین کا ایک پرانا صندوق پڑا ہوا تھا اور گرد کی تہیں کہہ رہی تھیں کہ کمرے کو بہت دنوں سے استعمال نہیں کیا گیا۔

وہ ابھی بیٹھنے بھی نہیں پایا تھا کہ کسی نے نیچے سے دروازے پر دستک دی۔ سنگرام سناٹے میں آ گیا کیونکہ شائد اس مکان میں اُس کے لئے پہلا موقع تھا جب اُس نے کوئی دستک سنی تھی۔ شائد اُس کا مستقل قیام یہاں نہیں رہتا تھا۔

دستک برابر جاری رہی۔ کوئی دروازہ پیٹ رہا تھا۔ اُسے اس طرح ہلا رہا تھا جیسے توڑ ہی ڈالے گا۔

سنگرام کو غصہ آ گیا۔ وہ دانت پیستا ہوا نیچے پہنچا اور ایک جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھول دیا۔ سامنے ایک شکستہ حال آدمی کھڑا تھا جس کی ڈاڑھی بڑھی ہوئی تھی اور گرم کوٹ چیتھڑوں کی شکل میں اُس کے جسم

پر جھول رہا تھا۔ دفعتاً اُس نے اپنے بائیں ہاتھ سے دائیں جیب کی طرف اشارہ کیا۔ اس کا داہنا ہاتھ جیب میں تھا اور جیب سے ریوالور کی نال جھانک رہی تھی۔

سنگرام آنکھیں پھاڑے اُسے گھور رہا تھا۔ یہ ایک متوسط قد کا آدمی تھا اور اُس کے چہرے پر ڈاڑھی اس طرح بکھری ہوئی تھی جیسے کسی ویران زمین پر جھاڑیاں اُگ آئی ہوں۔ بے ترتیب اور الجھی ہوئی اُس نے سنگرام کو اوپر چلنے کا اشارہ کیا۔

سنگرام کی نظر پھر جیب سے جھانکتی ہوئی نال پر پڑی اور وہ زینوں کی طرف مڑ گیا۔ پھر اُس نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی لیکن دیکھنے کے لئے مڑا نہیں۔

اوپر پہنچ کر اُس نے اجنبی کی طرف مڑے بغیر کہا۔

"مقصد کیا ہے.... دوست....!"

لیکن اُسے جواب میں غیر متوقع طور پر غیر ملکی لہجے میں انگریزی سننی پڑی۔ اجنبی کہہ رہا تھا۔ "ہم انگریزی ہی میں گفتگو کریں گے۔ تم انگریزی بول اور سمجھ سکتے ہو۔"

"ہاں.... چلو انگریزی ہی سہی۔ مگر اس کا مقصد۔"

"میں فنچ ہوں۔" اجنبی نے کہا۔

"تب تم بھوت ہو۔" سنگرام نے ہنس کر کہا۔ "ڈریڈ کے مرنے والے آدمیوں میں سے ایک۔ نہ تمہاری بہت زیادہ لمبائی کا تذکرہ کیا تھا۔ لیکن تم اس وقت متوسط قد کے ہو۔ لیکن عام حالات میں تمہارا قد ساڑھے چار فٹ سے زیادہ نہیں ہوتا۔"

"تم اس کی پرواہ مت کرو۔" اجنبی نے کہا۔ "اس صندوق کو کھول کر سفری ٹرانسمیٹر نکالو۔"

"کیا مطلب....!" سنگرام اُسے گھورنے لگا۔

"تمہیں مطلب سے غرض نہ ہونی چاہئے۔ جو میں کہہ رہا ہوں کرو۔ ورنہ نتیجہ اچھا نہیں ہوگا۔"

"سنو! اگر تم واقعی فنچ ہو تو مجھے اپنا چہرہ دکھاؤ۔ پھر میں ٹرانسمیٹر بھی نکال لوں گا۔"

"چہرہ.... اچھا دیکھو....!" اجنبی نے اپنے بکھرے ہوئے بالوں میں انگلیاں دوڑائیں اور دوسرے ہی لمحے میں ڈاڑھی سر کے بالوں سمیت کسی پھل کے چھلکے کی طرح چہرے سے الگ ہو گئی۔

سنگرام ایک بار پھر سناٹے میں آ گیا۔ فنچ کے حلئے کے متعلق اُس نے جو کچھ بھی سنا تھا اُس میں کوئی فرق نہیں تھا۔ وہی جھریایا ہوا چھوٹا سا چہرہ۔ ننھی ننھی چمکدار آنکھیں اور بندروں کی سی پیشانی۔"

''لیکن فنچ کا یہاں کیا کام۔''

''ہاہا...!'' فنچ نے قہقہہ لگایا۔ ''اگر یہاں کوئی کام نہیں ہے تو تم فنچ میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہو۔''

سنگرام کچھ نہ بولا۔ وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ رہا تھا۔

''فضول ہے۔'' فنچ نے کہا۔ ''صندوق کھولو۔''

سنگرام جھک کر صندوق کھولنے لگا۔ فنچ کی چمکیلی آنکھیں اُس پر سے ایک لحظہ کے لئے بھی نہ ہٹیں۔ سنگرام نے ٹرانسمیٹر نکال کر صندوق پر رکھ دیا۔

''ڈاکٹر ڈریڈ سے کہو کہ سعیدہ رحمان والا معاملہ فنچ کو معلوم ہے اور وہ اس سلسلے میں اپنا بھلا بھی چاہتا ہے۔ ورنہ اس دور دراز ملک میں وہ بیچارا اپنے جسم اور روح میں رابطہ کس طرح قائم رکھے گا۔''

''اوہ... تو کیا یہ حقیقت ہے کہ ڈریڈ اس کا ذمہ دار ہے۔''

''چلو...!'' فنچ نے آگے بڑھ کر ریوالور کی نال اُس کی کنپٹی پر رکھ دی اور پھر بولا۔ ''اُس سے کہہ دینا کہ تم ماتھر کے یہاں سے بول رہے ہو۔''

سنگرام نے ٹرانسمیٹر میں کہنا شروع کیا... ''ہلو... ہلو... ڈی ڈی پلیز... سکس تھری... اسپیکنگ...!''

''ہلاؤ...!'' ایک بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔

''میری کنپٹی پر فنچ کا ریوالور رکھا ہوا ہے۔ میں ماتھر کے یہاں سے بول رہا ہوں۔''

''ماتھر کہاں ہے۔''

''وہ اس وقت موجود نہیں ہے۔ فنچ کہتا ہے کہ سعیدہ رحمان والے معاملے میں اس کا بھی بھلا ہونا چاہئے۔''

''وہ خود کیوں نہیں بولتا۔''

''ہٹ جاؤ۔'' فنچ نے سنگرام کو ایک طرف دھکا دیا لیکن ریوالور کی نال بدستور اُسکی کنپٹی سے لگی رہی۔ ''فنچ اسپیکنگ۔''

دوسری طرف کسی درندے کی سی غراہٹ سنائی دی۔ ''کیا بک رہے تھے تم۔''

''دنیا کا یہ حقیر ترین چیونٹا تمہیں تیسری بار آگاہ کرتا ہے کہ تمہاری موت اُسی کے ہاتھوں واقع ہوگی۔''

دوسری طرف سے ایک تضحیک آمیز سی ہنسی کی آواز آئی۔

''اور... سعیدہ رحمان والے قصے میں مجھے معقول حصہ ملنا چاہئے ورنہ میں سارا طلسم توڑ دوں گا۔''

''فنچ...!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''ابھی تک میں تجھے صرف ایک سرکس کا مسخرہ سمجھ کر معاف کرتا رہا مگر اب...!''

''میں زیادہ باتیں کرنے کا عادی نہیں ہوں۔'' فنچ نے بندروں کی طرح دانت نکالے۔ ''اگر تم نے اس معاملے میں میرے حصے کا خیال نہ رکھا تو بھگتو گے۔ تمہارا ایک ایک آدمی میری نظروں میں ہے... اُوور...!''

فنچ ٹرانسمیٹر کے پاس سے ہٹ آیا۔ دوسری طرف سے بھی کوئی آواز نہیں آئی۔

''اب کیا ارادہ ہے۔'' سنگرام نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر پوچھا۔

''کچھ نہیں... اب تم آرام کرو۔'' فنچ کے غیر متوقع طور پر اُسکے سر پر ریوالور کا کندہ رسید کر دیا۔

سنگرام نے لڑکھڑا کر سنبھلنا چاہا لیکن دوسرا ہاتھ پڑا اور وہ چکرا کر وہیں ڈھیر ہوگیا۔ پہلے تو اُس کمرے میں کالے کالے گنجان دائرے سے چکراتے معلوم ہوئے اور پھر گہرا اندھیرا چھا گیا۔

❁

کیپٹن حمید ہائی سرکل نائٹ کلب میں بیٹھا سارجنٹ رمیش سے دنیا کی بدترین عورتوں کے متعلق گفتگو کر رہا تھا۔ مقصد شام کی تفریح نہیں تھا بلکہ وہ ڈریڈ کے ایک ساتھی صفدر کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک آیا تھا۔ ہوسکتا ہے فریدی کے علاوہ فنچ بھی اُس کی اصلیت سے واقف رہا ہو ورنہ عام آدمی تو اُسے کسی بڑی فرم کا کوئی کمیشن ایجنٹ سمجھتے تھے۔ وہ ایک خوش پوش اور بظاہر شائستہ آدمی تھا لیکن نہ خوش پوشی شرافت کا معیار ہے اور نہ شائستگی۔ بہرحال وہ ڈاکٹر ڈریڈ کے ساتھیوں میں سے تھا اور آج فریدی نے حمید کو اس کے پیچھے لگا دیا تھا۔ لیکن حمید کو مقصد کا علم نہیں تھا۔ وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ ڈریڈ کے ساتھیوں میں سے ہے۔

صفدر شہر کے ایک بڑے آدمی کے ساتھ تھا اور اُن کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ دوستوں کی حیثیت سے گفتگو کر رہے ہوں۔ حمید ان کی گفتگو کا ایک ایک لفظ سن سکتا تھا کیونکہ وہ اُس کے پیچھے والی میز پر تھے۔

کچھ دیر بعد اُسے لیڈی انسپکٹر ریکھا اور قاسم نظر آئے۔ وہ ہال میں داخل ہو رہے تھے۔ ریکھا کو قاسم کے ساتھ دیکھ کر حمید کو بڑی حیرت ہوئی اور رمیش نے بھی تعجب ظاہر کیا۔ لیکن وہ دونوں خاموش

بیٹھے رہے۔ قاسم اور ریکھا نے انہیں دیکھ تو لیا تھا لیکن ان کی طرف متوجہ نہیں ہوئے تھے۔

حمید کھٹک گیا۔ وہ اس کی میز کے قریب ہی کی ایک میز پر آ بیٹھے۔ لیکن پھر بھی انہوں نے اُ طرف دیکھنے کی زحمت نہیں گوارا کی۔ حمید سنبھل کر بیٹھ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ ریکھا عموماً اُسے زک دینے تاک میں رہا کرتی ہے۔

قاسم نے شائد کھانے کا آرڈر دیا تھا کیونکہ اُس کی میز سے ایک میز اور ملائی جا رہی تھی۔ اُس کھانے کا آرڈر عموماً اتنا ہی لمبا ہوا کرتا تھا کہ کم از کم دو میزیں یقینی طور پر بھر جاتی تھیں۔

ریکھا اور وہ دونوں آہستہ آہستہ گفتگو کرتے رہے۔ اُس کے برخلاف حمید اور رمیش ا آوازوں میں بول رہے تھے۔ لیکن اب بھی اُن میں سے کوئی بھی ریکھا یا قاسم سے مخاطب نہیں ہوا یہی حالت اُن دونوں کی بھی تھی۔

مگر حمید غافل نہیں تھا وہ سمجھتا تھا کہ ریکھا کی موجودگی یقینی طور پر کسی نہ کسی فتنے کا پیش خیمہ ہے قاسم کی میزوں پر پلیٹیں لگائی جانے لگی تھیں اور ریکھا اُس سے ہنس ہنس کر گفتگو کر رہی تھی۔ ت بچھا جا رہا تھا۔ اُس کے ہر انداز سے مترشح تھا کہ یہیں اسی جگہ ''قربان'' ہو جائے گا۔

دونوں نے کھانا شروع کیا۔ لیکن حمید کی نظریں برابر قاسم کی طرف لگی رہیں۔

اچانک وہ بے تحاشہ اپنی میز پر اوندھا ہو گیا اور چاول کی ایک بڑی پلیٹ اُس کے اوپر سے گذ ہوئی صفدر کے منہ پر پڑی۔

ہال میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ وہ میز تو الٹ ہی گئی جس پر صفدر تھا۔ لوگ چاروں طرف سے اٹھ اب حمید نے دیکھا تو ریکھا رفو چکر ہو چکی تھی اور قاسم حیرت سے منہ پھاڑے بیٹھا تھا اور منہ میں ٹھ ہوئے چاول اُس کی گود میں گر رہے تھے۔

''اب کیا سچ مچ تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔'' صفدر کا ساتھی گرج رہا تھا۔ ''اُس دن پرویز پلیٹ پھینکی تھی.... اور آج....!''

''قاسم بدستور بیٹھا رہا اور اُس کے کھلے ہوئے منہ سے چاول گرتے رہے۔ حمید اور رمیش درمیا کی میز سے اٹھ گئے تھے۔

''یہ کیا ہوا۔'' رمیش نے آہستہ سے پوچھا۔

''گول رہو۔'' حمید نے جواب دیا اور رمیش کا ہاتھ پکڑ کر اُسے بھیڑ سے نکالتا ہوا سیھوں کے

پیچھے آ گیا۔

''پولیس....!'' صفدر کا ساتھی دہاڑا۔ ''پولیس کو فون کرو۔''

پولیس کا نام سن کر قاسم جلدی جلدی منہ چلانے لگا اور پھر بچے کھچے چاولوں کو حلق سے اُتار کر ہکلایا۔ ''پپ.... پولیس ہی نے پلیٹ.... پھکوائی تھی۔''

''پاگل خانے بھجواؤ۔'' بیک وقت کئی آوازیں آئیں۔

''تون سالا.... بھجوائے غا۔'' قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا اور اسطرح اچھلتے وقت دونوں میزیں الٹ گئیں۔ قریب کے دو چار لوگ اگر بڑی پھرتی سے پیچھے نہ ہٹ گئے ہوتے تو انکا زخمی ہو جانا لازمی تھا۔

اتنے میں دو تین کانسٹیبل ہال میں گھس آئے۔ شائد منیجر نے سڑک پر سے ڈیوٹی کانسٹیبلوں کو بلوالیا تھا۔

''کھسک چلو اب یہاں سے ورنہ بدنامی ہوگی۔'' حمید آہستہ سے بولا۔

اور وہ دونوں چپ چاپ باہر نکلے آئے۔

''یہ ریکھا کی بچی بڑی چالاک بنتی ہے۔'' حمید نے کہا۔

''کیا اُسی نے اُس کو اکسایا تھا۔'' رمیش نے پوچھا۔

''قطعی.... وہ پلیٹ دراصل مجھ پر پھینکی گئی تھی۔''

''آہا....!'' رمیش ہنس پڑا۔ ''اسی لئے وہ کھسک بھی گئی۔''

❁

دوسری صبح کے اخبارات نے قاسم کو سچ مچ پاگل قرار دے دیا۔ کیونکہ اُس کی سنائی ہوئی کہانی پر کسی کو یقین نہیں آیا تھا۔ کون باور کر لیتا کہ لیڈی انسپکٹر ریکھا نے کیپٹن حمید پر چاول کی پلیٹ پھکوائی ہوگی۔ بعض اخبارات نے قیاس آرائی بھی کی تھی کہ سعیدہ رحمان کے اغواء میں حقیقتاً قاسم ہی کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔ اسی لئے اب وہ دوسروں پر بھی پلیٹیں پھینک پھینک کر خود کو پاگل ثابت کرنا چاہتا ہے۔

لیکن اُسی شام کے ایک اخبار نے پرویز کا بیان شائع کر دیا۔ جو اپنی نوعیت کا ایک ہی تھا۔ پرویز نے کہا تھا۔

''نہ قاسم پاگل ہے اور نہ میں ہی دیوانہ ہوں۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ محکمہ سراغ رسانی کے سب سے مشہور آفیسر کرنل فریدی کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے۔ کیا میری اس کہانی پر کسی کو یقین آئے گا کہ اُسی آفیسر نے مجھے شراب

پلاکر خان بہادر عاصم کی کوٹھی پر بھیجا تھا اور ہدایت کی تھی کہ میں عاصم صاحب کی جتنی بے عزتی کرسکتا ہوں کروں۔ کوئی نہیں یقین کرے گا.... اخبارات اس بیان پر بھی شبہ ظاہر کریں گے اور ہوسکتا ہے کہ کوئی جیالا یہ بھی لکھ ڈالے کہ اس طرح میں اور قاسم سعیدہ رحمان کو بانٹ کھانا چاہتے ہیں۔ مگر میں محکمہ سراغ رسانی سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے اس دیوانگی کا مطلب سمجھایا جائے ورنہ ہوسکتا ہے کہ مجھے آگے کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑے۔"

کرنل فریدی نے اس بیان کو پڑھ کر ایک طویل سانس لی اور مسکرا کر بولا۔ "ریکھا نے سچ مچ پچھلی رات ایک بڑا شاندار کارنامہ انجام دیا۔"

"اس پر حمید کے تلوؤں سے لگی اور سر پر بجھی۔" اُس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اگر یہی حرکت مجھ سے سرزد ہوتی تو میں پرلے سرے کا گاؤدی اور گھامڑ قرار دیا جاتا۔ ریکھا.... ریکھا ہی ٹھہری۔ میں اس کی طرح لچک کر نہیں چل سکتا۔ نگاہوں سے بجلیاں نہیں گرا سکتا۔ اس طرح نہیں مسکرا سکتا کہ بہاریں لہلہا اٹھیں۔"

"بہاریں نہیں کھیتیاں لہلہایا کرتی ہیں فرزند.....!"

"سند ہے۔ اردو کے عظیم شاعر فراق نے کہا ہے بہار جیسے لہلہائے.... ویسے لہلہانا بجائے خود ایک مضحکہ خیز لفظ ہے۔"

"میں الفاظ پر بحث کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"تو میں ریکھا کی شان میں قصیدے ہی پڑھتا رہوں۔ اچھا تو سنئے۔"

"بس.....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "بکواس نہیں۔"

"کیا مصیبت ہے۔ شاعری پیش کردوں تو لکھواس ہے۔ نثر میں کچھ کہنا چاہوں تو بکواس ہے آخر آپ کیا چاہتے ہیں۔ کتوں کی طرح بھونکا کروں یا گدھوں کی طرح رینکا کروں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کے سامنے سنگرام سے ملی ہوئی فہرست پڑی تھی۔

"تو یہ آدمی تھا پچھلی رات صفدر کے ساتھ۔" اُس نے ایک نام پر پنسل سے نشان لگاتے ہوئے کہا۔ "اس بُری طرح ماروں گا کہ ڈاکٹر ڈریڈ زندگی بھر یاد رکھے گا۔"

"ہائیں تو کیا سچ۔ اس اغواء میں اُسی کا ہاتھ ہے۔ مگر وہ اس سے کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے؟"

"جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں۔ بہت بڑا فائدہ۔"

لڑکی اور لاش

لیڈی انسپکٹر ریکھا نے قاسم کا بیان جھٹلا دیا اور فریدی نے پرویز کا۔ کئی دن تک اخباری بحثیں چلتی رہیں اور پھر سناٹا ہوگیا۔ فریدی نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ سعیدہ رحمان کے اغواء کے ذمہ دار قاسم اور پرویز دونوں ہی ہوسکتے ہیں۔ ممکن ہے ان دونوں نے مل کر کوئی اسکیم بنائی ہو۔

لیکن صفدر نے قاسم کے خلاف کوئی قانونی کاروائی نہیں کی تھی۔ حمید کیلئے یہ چیز باعث حیرت تھی۔ ویسے وہ جانتا تھا کہ جب تک فریدی کی زبان نہیں کھلے گی اُس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹتے ہی رہیں گے۔

اور اب تو اُسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ فریدی اپنا زیادہ تر وقت کہاں گذارتا ہے وہ صبح آفس جاتا آفس سے جو غائب ہوتا تو پھر کافی رات گئے گھر پر ملاقات ہوتی۔ آج کل نہ وہ حمید کو کسی بات پر ٹوکتا تھا اور نہ اس سے کوئی کام ہی لیتا تھا۔ غالباً اُسے اُس کو ٹوکنے کی فرصت ہی نہیں تھی۔

حمید چین کر رہا تھا۔ رادی عیش لکھتا تھا ان دنوں۔

اور انہیں دنوں کی بات ہے کہ شہر میں فیشن ایبل بکروں کی بہتات ہوگئی تھی۔ کالجوں کے طلباء نے بکرے پالنے شروع کردیئے تھے اور انہیں ان کے جدید ترین لوازمات سمیت ساتھ لئے پھرا کرتے تھے۔ یہ بکرے کبھی کبھی سڑکوں پر لڑ پڑتے اور ٹریفک بند ہوجاتا۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ یہ بکرے آؤٹ آف کنٹرول ہوجاتے اور اُن کے مالکوں کو خوانچہ فروشوں اور حلوائیوں کو تاوان بھی ادا کرنا پڑتا۔ مگر فیشن ایبل بکروں کی تعداد میں کمی نہیں ہوتی تھی۔

بہتیرے شرفا نے فلٹ ہیٹ پہننا اور ٹائی لگانا چھوڑ دیا تھا کیونکہ وہ ایسی حالت میں بکروں سے آنکھیں نہیں چار کرسکتے تھے۔ ان بیچاروں کے پاس اتنے عمدہ فلٹ اور ٹائیاں نہیں تھیں کہ وہ بکروں کی ٹائی کا مقابلہ کرسکتے۔

وہ صرف اتنا ہی کرسکتے تھے کہ کیپٹن حمید کو بددعائیں دیتے رہیں جس سے یہ چلن نکلا تھا۔ سینما ہال اور دوسری تفریح گاہوں کے منتظمین تو اُسے اٹھتے بیٹھتے گالیاں دیا کرتے تھے کیونکہ فیشن ایبل بکروں کی وجہ سے بعض اوقات انہیں بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ طلباء مصر ہوتے کہ اُن کے بکرے بھی راجکپور کی بے ہنگم اچھل کود سے محظوظ ہونے کا پورا پورا حق رکھتے ہیں وہ بھی

فلموں میں پیش کئے جانے والے سماجی مسائل پر سنجیدگی سے جگالی کرنا چاہتے ہیں۔ وہ بھی اُس غزال
آنسو بہانا چاہتے ہیں جو ہر فلم کی ہیروئن محبوب سے بچھڑ جانے پر سیاہ کپڑے پہن کر سناتی ہے۔

انہیں دنوں کی ایک شام کا ذکر ہے کہ حمید اپنے بکرے سمیت فریدی کی ایئر کنڈیشنڈ لگژری میں
کر رہا تھا۔ بکرا پچھلی نشست کی کھڑکی سے سر نکالے ان بکروں پر حقارت بھری نظریں ڈالتا جا رہا تھا
اُس کی طرح ایئر کنڈیشنڈ گاڑیوں میں سفر نہیں کر سکتے تھے۔ اچانک ایک خونخوار قسم کا السیشن کار
پیچھے دوڑنے لگا۔ چونکہ یہ شہر کی ایک پھری پُری سڑک کا واقعہ تھا اس لئے حمید کار کی رفتار تیز نہ کر سکا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بار کتے نے بکرے پر جھپٹا مارا۔ بکرے نے بوکھلا کر سر اندر کرنا چاہا لیکن اگر
سینگیں کھڑکی کے اوپری حصے سے لگ کر رکاوٹ بن گئیں۔ وہ بڑی کربناک آواز میں چیخا اور حمید
کار سڑک کے کنارے لگا کر روک دی۔ کتا آدھے دھڑ سے کار میں گھس آیا اور بکرے نے کسی سہمی ہو
محبوبہ کی طرح حمید کے بائیں شانے پر تھوتھنی رکھ دی۔

حمید نے کتے کے سر پر ایک زوردار گھونسہ رسید کر دیا اور کھڑکیوں کے شیشے چڑھا کر کار سے
اتر آیا۔ کتا اب بھی اچھل اچھل کر کار پر حملے کر رہا تھا۔ حمید چپ چاپ کھڑا دیکھتا رہا۔ کئی راہ گیر
رک گئے تھے۔ ان میں ایک آدھ بکروں کے ہمدرد بھی تھے۔ انہوں نے حمید سے کہا بھی کہ اُسے
فاشی کتے کے خلاف کوئی سخت کاروائی کرنی چاہئے لیکن حمید شائد کتے کے مالک کا منتظر تھا۔

یہ ایک اونچا السیشن کتا تھا اور اُس کے گلے میں پڑے ہوئے پٹے اور پیتل کے میونسپل بلا
ظاہر تھا کہ وہ کسی بڑے گھرانے کا فرد ہے۔

دفعتاً ایک چھوٹی سی کار وہاں آ کر رکی اور ایک ادھیڑ عمر کی سفید فام عورت کتے کو آواز دیتی
کار سے اُتر آئی۔

''معاف کیجئے گا۔'' عورت نے حمید سے کہا۔ ''یہ کتا کار سے کود کر بھاگا تھا۔''

لیکن جیسے ہی اُس کی نظر حمید کی گاڑی میں بیٹھے ہوئے بکرے پر پڑی وہ بے تحاشہ ہنسنے لگی۔
حمید کو اب بکرے کتے اور اُس بوڑھی عورت سے کوئی دلچسپی نہ رہ گئی تھی کیونکہ عورت کی کار کی پچھلی
پر اُسے سنگرام نظر آ گیا تھا اور اُس کے برابر بیٹھی ہوئی لڑکی بلاشبہ بے حد حسین تھی لیکن وہ بھی غیر
تھی۔ سنگرام حمید کو ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے اس کا اس طرح دیکھ لیا جانا اُسے پسند نہ آیا ہو۔

بوڑھی عورت کتے کا پٹہ پکڑے ہوئے اُسے اپنی کار کیطرف لے جا رہی تھی۔ اُسکی کار روانہ ہو

نا اُسکے پاس ہی اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ حمید نے بھی اپنی کار اسٹارٹ کی اور اسی کے پیچھے چل پڑا۔

کچھ دیر کے بعد وہ کار آرلنگٹن کی کمپاؤنڈ میں رکی۔ سنگرام کے ساتھ وہ لڑکی بھی اُتری۔ وہ تینوں
میں داخل ہوئے۔ کتے کو کار میں بند کر دیا گیا تھا۔ حمید نے اپنی کار اُسی کے قریب کھڑی کر دی اور
از کر کار کو مقفل کر دیا۔ کتا دوسری کار میں بے بسی سے اچھل کود رہا تھا اور بکرے نے کچھ اس انداز
سنجیدگی سے جگالی شروع کر دی تھی جیسے ''بچوں کی باتوں کا بُرا نہیں مانا کرتے۔''

حمید نے ہال میں قدم رکھتے ہی چاروں طرف دیکھا لیکن اُن کا کہیں پتہ نہ تھا۔ ریکریئیشن ہال سے
ی کی مدھم سی آواز آ رہی تھی۔ حمید کے قدم اُدھر ہی اٹھ گئے۔ ممکن ہے وہ ریکریئیشن ہال ہی میں ہوں۔
اس کا خیال صحیح نکلا۔ وہ وہیں تھے۔ حمید نے انہیں بائیں جانب والی گیلری میں بیٹھے دیکھا اور خود
اُسی طرف چل پڑا۔ ان کے قریب ہی کی ایک میز خالی تھی۔ حمید نے سنگرام پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی
کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ سنگرام کی پشت اس کی طرف ہو گئی تھی مگر وہ لڑکی سامنے ہی تھی۔ حمید پائپ میں
بھرنے لگا۔ مگر لڑکی بہت زیادہ مضطرب نظر آ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ وہاں بیٹھنا نہیں
چاہتی۔ اُس کے برخلاف بوڑھی عورت کا چہرہ بہت پرسکون نظر آ رہا تھا۔ اس کی نظر ایک بار حمید کی
طرف اٹھی۔ اس کے ہونٹ خفیف سے کھلے اور پھر وہ بے اختیار مسکرا پڑی۔ حمید نے اُسے آگے جھک
کر آہستہ سے کچھ کہتے دیکھا اور لڑکی اُسے غور سے دیکھنے لگی لیکن سنگرام اُس کی طرف نہیں مڑا۔

بوڑھی عورت حمید میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اُس سے گفتگو
کرنے کے لئے بے چین ہو۔ ان کی میزوں میں زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔

دفعتاً بوڑھی عورت نے کہا۔ ''اگر آپ تنہا ہوں تو اس میز پر آ جایئے۔''

''اوہ شکریہ.....!'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔ اس کی دانست میں اس کی ٹیلی پیتھی کام آ گئی تھی۔

وہ بوڑھی عورت کے قریب بیٹھ گیا۔ سنگرام کچھ نروس سا نظر آنے لگا تھا جس کی وجہ کم از کم حمید کی
سمجھ میں نہ آ سکی کیونکہ سنگرام اس سے پہلے ہی فریدی کی لسٹ پر آ چکا تھا اور اسے اس کا علم بھی تھا۔

''آپ کی کار میں بکرا دیکھ کر مجھے بڑی ہنسی آئی تھی۔'' بوڑھی عورت نے کہا۔

''لیکن آپ کی کار میں کتا دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی تھی۔'' حمید بولا۔ ''میں نہیں سمجھ سکتا کہ لوگ کتا
پالتے ہیں۔''

''کچھ مجھے فی الحال اجازت دیجئے۔'' سنگرام بول پڑا۔ ''میں طبیعت میں کچھ گرانی محسوس کر رہا ہوں۔''

''اوہ بیٹھئے نا۔'' بوڑھی عورت بولی۔

''کچھ دیر کے لئے کھلی ہوا چاہتا ہوں۔ پھر میں واپس آ جاؤں گا۔'' سنگرام نے کہا اور جواب انتظار کئے بغیر اٹھ گیا۔ حمید اُسے جاتے دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے لڑکی کی طرف دیکھا۔ اب اُس کے چہرے پر اضطراب کے آثار نہیں تھے۔

''یہ واقعی ایک دلچسپ جدت ہے۔'' بوڑھی عورت نے حمید کو مخاطب کیا۔

''آپ کیا کرتے ہیں۔''

''میں ایک طالب علم ہوں۔''

''یہ میری بھتیجی سارہ ٹرگس ہے۔'' بوڑھی نے لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا۔

''اور میں حمید ہوں۔'' حمید نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ دونوں نے رسمی جملے کے بعد سیدھے بیٹھ گئے۔

حمید نے بوڑھی سے کہا۔ ''اب پڑھے لکھے لوگ عام طور پر بکرے پالنے لگے ہیں اور بکرا قیمتیں اونچی ہوگئی ہیں۔''

''میں نے اکثر نوجوان کے ساتھ بکرے دیکھے ہیں۔ مگر میں کسی نہ کسی سے اس کا مقصد کرنے کے لئے بیتاب تھی۔''

''بکرا پالنے سے دراصل بچت ہوتی ہے۔'' حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''کیونکہ گوشت مقابلے میں گھاس بہت سستی ملتی ہے۔ کتا پالئے تو گوشت کا مسئلہ۔ پھر اُسے روزانہ نہلایئے دھلا بکرے کو کبھی نہ نہلایئے۔ اُسے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ کہیں سفر میں ہوں اور کھانے کو کچھ بکرے کو ذبح کیجئے اور نہایت اطمینان سے کباب لگایئے۔ آپ روزانہ کتے کا پیٹ بھرتی ہیں وہ آپ کے لئے ایک وقت کا بھی کھانا مہیا کرسکتا ہے۔ ہرگز نہیں.... اور پھر بکرے کی صحبت آ اور بردبار بناتی ہے۔''

لڑکی بھی ہنس پڑی اور حمید دل ہی دل میں اپنے بکرے کو دعائیں دیتا رہا۔

''آپ بہت دلچسپ نوجوان معلوم ہوتے ہیں۔''

''بس نوجوان معلوم ہی ہوتا ہوں ورنہ بکرے کی صحبت نے مجھے سقراط بنا دیا ہے۔''

''آپ واقعی بے حد دلچسپ ہیں۔'' لڑکی نے ہنستے ہوئے پہلو بدلا۔

''مجھے آج تک اس کا احساس نہیں ہوسکا۔'' حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''مگر مجھے افسوس ہے کہ میرے آتے ہی آپ کے ایک ساتھی یہاں سے اٹھ گئے۔''

''اوہ... اس کی فکر نہ کیجئے۔'' لڑکی مسکرائی۔ ''مجھے دراصل نئے دوست بنانے کا بے حد شوق ہے۔''

''اگر آپ ایک بکرا پال لیں تو روزانہ نئے دوستوں کی تلاش میں زحمت نہ اٹھانی پڑے۔''

''وہ کیسے.... آپ تو مدلل گفتگو کے عادی معلوم ہوتے ہیں۔''

''جی.... لیکن اس کے لئے میرے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ ویسے میں محسوس یہی کرتا ہوں۔ جب سے بکرا ہاتھ آیا ہے میں نے دوست بنانا ترک کر دیا ہے۔ گھر سے بہت کم نکلتا ہوں۔ جب میں اداس ہوتا ہوں تو مجھے اس کی آنکھوں میں اپنا مستقبل نظر آتا ہے۔ ان میں بہاریں رقص کرتی ہیں.... اور ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی سرگوشیوں میں کہہ رہا ہو یہی تمہاری منزل ہے واپس آ جاؤ.... واپس آ جاؤ۔ پھر میرے کانوں میں گھنٹیاں سی بجتی ہیں۔ ہلکی ہلکی مترنم گھنٹیاں.... جو کبھی لوریاں بھی معلوم ہوتی ہیں اور میں اس کی سینگوں پر سر رکھ کر سو جاتا ہوں۔''

حمید بڑے رومانی انداز میں بک رہا تھا اور وہ دونوں ہنس رہی تھیں۔

رمبا کے لئے موسیقی شروع ہوگئی۔ حمید نے لڑکی سے رقص کی درخواست کی۔

''پہلے جا کر بکرے سے پوچھ آیئے۔'' لڑکی کہتے کہتے ہنس پڑی۔

''چونکہ میں اس کے ساتھ رقص نہیں کر پاتا اس لئے اُس نے اجازت دے رکھی ہے۔ کئی بار میں نے کوشش کی ہے کہ اُسے اس ڈھب پر بھی لے آؤں لیکن وہ سیدھا کھڑا ہونے سے انکار کر دیتا ہے۔''

لڑکی ہنستی ہوئی کھڑی ہوگئی اور وہ رقص کرنے والوں کی بھیڑ میں آ گئے۔ حمید کا دماغ چوتھے آسمان پر تھا۔

کچھ دیر تک وہ خاموشی سے ناچتے رہے پھر لڑکی نے کہا۔ ''ہمارے ساتھ جو یہ آدمی تھا کیا آپ اسے جانتے ہیں۔''

''نہیں تو.... میں کیا جانوں۔ اگر ہم دونوں ایک دوسرے کو جانتے تو وہ کبھی اس طرح اٹھ کر نہ جاتا۔'' حمید نے جواب دیا۔

''معاف کیجئے گا۔ آپ بھی بار بار اُسے گھور رہے تھے۔ ویسے وہ بھی آپ کو دیکھ کر پریشان ہوگیا تھا۔''

''بھئی مجھے اس کا احساس نہیں ہوسکا۔ ممکن ہے آپ درست کہہ رہی ہوں۔''

''آپ مجھے نہیں بتانا چاہتے۔'' لڑکی نے مغموم آواز میں کہا۔

''آپ بھی تو اُس کی موجودگی میں کچھ گھبرائی ہوئی سی نظر آ رہی تھیں لیکن اُس کے جاتے ہی آپ کے چہرے پر اطمینان بکھر گیا تھا۔ بولئے اب آپ خاموش کیوں ہیں۔'' حمید نے سوال کیا۔

لڑکی نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر بعد بولی۔ ''میں اُس سے ڈرتی ہوں اور وہ آپ سے ڈرتا ہے مجھے یقین ہے کہ وہ آپ سے خائف ہو کر اُٹھ گیا تھا۔ تو پھر آپ کون ہیں۔''

''بکرے کا مالک اور ایک اُداس طالب علم.... آہا.... کہیں وہ میرے بکرے کو اڑا دینے کی تاک میں نہ ہو۔''

''اب آپ بات اڑا رہے ہیں۔ آپ بتائیے کہ آپ کون ہیں۔ وہ آپ سے کیوں ڈر گیا تھا۔''

''لیکن آپ اُس سے کیوں ڈرتی ہیں۔''

''وجہ ہے۔''

''تو اس کی بھی کوئی نہ کوئی ضرور ہوگی۔''

''میں اُسے معلوم کرنا چاہتی ہوں۔''

''یہی جملہ میری طرف سے بھی اپنے لئے کہہ لیجئے۔''

''کیا آپ کوئی پولیس آفیسر ہیں۔'' لڑکی نے اچانک سوال کیا۔

''کیوں؟ کیا وہ کوئی بُرا آدمی تھا جو پولیس آفیسروں سے خائف ہو سکے۔''

''یقیناً وہ ایک بُرا آدمی ہے۔''

''اور آپ کو بلیک میل کرنے کے چکر میں ہے.... کیوں؟''

''تو آپ اُسے جانتے ہیں۔'' لڑکی نے ایک طویل سانس لی۔ ''اور وہ آپ سے خائف تھا؟ لئے میں آپ کو کوئی بڑا پولیس آفیسر ہی سمجھ سکتی ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ آپ پر اعتماد کر لوں۔ آپ مجھے اُس کی دستبرد سے بچا سکتے ہیں۔''

''یہ بکرے کی موجودگی ہی میں ممکن ہے ورنہ وہ مجھ سے شکوہ کرے گا۔''

''اچھی بات ہے۔'' لڑکی اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولی۔ ''اگر میں ناچتے ناچتے آپ کو پہ دھکیل کر چیخنے لگوں تو کیسی رہے۔''

''اوہو....!'' حمید مسکرایا۔ ''آپ تو اس بلیک میلر کی بھی چچی معلوم ہوتی ہیں۔ خیر آپ بتائیے کہ

''آپ کو کیوں بلیک میل کر رہا ہے۔''

''پہلے آپ بتائیے کہ آپ کون ہیں۔''

''اگر میں یہی کہہ دوں کہ میں ایک پولیس آفیسر ہوں تو اس کیلئے میرے پاس دلیل کیا ہوگی۔ میری پاس تو اس قسم کی کوئی تحریر ہے نہیں جو میرے بیان کی تصدیق کر سکے۔ آپ کیسے یقین کر لیں گی۔''

''میں یقین کر لوں گی کیونکہ میرا دل بہت دیر سے یہی کہہ رہا ہے۔''

''اچھا تو میں ایک پولیس آفیسر ہوں۔ اور وہ بلیک میلر مجھے اچھی طرح پہچانتا ہے۔''

''شکریہ! اَب میں آپ کو اپنی کہانی سنا سکتی ہوں۔ لیکن ساتھ ہی آپ کی شرافت سے یہ توقع بھی ہوں گی کہ آپ اس کا تذکرہ کسی سے بھی نہیں کریں گے۔ میری پھوپھی کو اگر اس کا علم ہو گیا تو میرا مستقبل برباد ہو جائے گا۔''

''آپ مطمئن رہئے ایسا نہیں ہو سکے گا۔''

''میری پھوپھی... مسز بلفرائی ایک دولت مند خاتون ہیں۔ ممکن ہے آپ نے انکا نام پہلے بھی سنا ہو۔''

''میں نے سنا ہے۔ یہاں ان کے کئی کاروبار ہیں۔ اُوہو تو یہ مسز بلفرائی ہیں۔''

''جی ہاں.... میں اُن کی تنہا وارث ہوں.... وہ میری شادی لندن کے ایک متمول گھرانے میں کرنا چاہتی ہیں اور مجھے بھی یہ رشتہ برا نہیں لگتا کیونکہ نکی مجھے بہت پسند ہے۔ ہم ایک دوسرے کے گہرے دوست بھی ہیں اور نکی بھی مجھ سے شادی کرنے کی خواہش رکھتا ہے۔''

''ہاں تو خاموش کیوں ہو گئیں۔''

''اس آدمی کے ہاتھ میرے کچھ خطوط لگ گئے ہیں۔ جن سے غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی ہیں حالانکہ کسی بُرے ارادے سے نہیں لکھے گئے تھے۔ نکی سے پہلے بھی میرا ایک دوست تھا لیکن ہم دونوں میں رسمی رشتہ تھا۔ میں نے وہ خطوط اُسی کو لکھے تھے۔ بہرحال وہ کسی طرح اس آدمی کے ہاتھ لگ گئے ہیں اور وہ مجھے بلیک میل کر رہا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ اگر وہ خطوط منظر عام پر آ گئے تو نکی سے میری شادی نہ ہو سکے گی اور کچھ تعجب نہیں کہ میں پھوپھی کے ترکے سے بھی محروم ہو جاؤں کیونکہ وہ بھی نکی کو پسند نہ کریں گی۔ وہ ایک ضدی طبیعت کی عورت ہیں جو کچھ اُن کے ذہن میں بیٹھ جائے اس کا نکلنا قریب قریب ناممکن ہو جاتا ہے۔''

''وہ آپ کو کب سے بلیک میل کر رہا ہے۔''

''تقریباً چھ ماہ سے۔''

''کافی رقم اب تک وصول کر چکا ہوگا۔''

''کافی سے بھی زیادہ۔''

''خیر! اَب نہ کر سکے گا۔ اُسے جلد ہی آپ کی راہ سے ہٹا دیا جائے گا۔ لیکن آپ کی پھوپھی اُسے کس حیثیت سے جانتی ہیں۔''

''میرے ایک ملنے والے کی حیثیت سے۔ اور وہ اسی طرح میرے سر پر سوار رہتا ہے۔''

''بہت جلد.... آپ فکر نہ کیجئے۔''

''میں ہمیشہ آپ کی احسان مند رہوں گی۔''

''احسان مند رہنے سے مجھے کیا فائدہ ہوگا۔'' حمید نے مایوسی سے کہا۔

''پھر.... پھر.... آپ کیا چاہتے ہیں۔'' لڑکی ہکلائی۔

''ایک قربانی....!''

''کیا میں نہیں سمجھی۔'' لڑکی کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔

''کتا فروخت کر کے ایک بکرا خرید لیجئے۔ اس طرح آپ مجھے لندن میں بھی یاد رکھ سکیں گی اور میری اس ''بکرا پسند'' تحریک کی اشاعت بھی ہوتی رہے گی۔''

لڑکی ہنسنے لگی.... اس نے کہا۔ ''میں آپ کو ہمیشہ یاد رکھوں گی۔''

''مگر بکرا نہیں رکھیں گی.... کیوں؟'' حمید نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

اچانک آرکسٹرا خاموش ہو گیا اور ہال کے ایک حصے میں بدنظمی سی نظر آنے لگی۔ پھر یہ بدنظمی ایک خاصے ہنگامے میں تبدیل ہو گئی۔

''قتل ہو گیا۔'' ایک آدمی نے کہا اور دوڑتا ہوا حمید سے ٹکرایا تھا۔

''کیا؟'' لڑکی نے حیرت سے کہا۔

''قتل ہو گیا۔'' حمید نے جواب دیا۔

اچانک لاؤڈ سپیکر سے کسی کی آواز آئی۔ ''خواتین و حضرات! آپ جہاں بھی ہیں وہیں تشریف رکھیں سارے دروازے پولیس نے بند کرا دیئے ہیں۔ آپ باہر نہ جا سکیں گے۔''

''کیوں نہ جا سکیں گے۔'' بہت سی آوازیں بیک وقت ہال میں گونجیں۔

''اوپری منزل کے ایک غسل خانے سے ایک لاش برآمد ہوئی ہے۔'' لاؤڈ سپیکر سے آواز آئی۔

''میرے خدا قتل....!'' لڑکی کانپنے لگی۔

''اب باہر جانا مشکل ہوگا۔ آپ وہیں اپنی میز پر بیٹھئے۔''

''آپ کہاں جا رہے ہیں۔''

''ابھی آیا.... چلئے.... بیٹھئے۔''

حمید اُس کو بوڑھی کے پاس چھوڑ کر ڈائننگ ہال میں پہنچ گیا۔ یہاں سچ مچ پولیس موجود تھی۔

''انچارج کون ہے۔'' حمید نے ایک کانسٹیبل سے پوچھا جو اُسے پہچانتا تھا۔

''جگدیش صاحب۔'' اُس نے اُسے سلیوٹ کر کے جواب دیا۔ ''وہ اوپر ہی ہیں جناب۔''

حمید زینے طے کر کے اوپر پہنچا۔ پہلی ہی منزل کی راہداری میں بھیڑ نظر آئی۔ وہیں ایک غسل خانے میں لاش اوندھی پڑی ہوئی تھی اور ایک خنجر دل کے مقام پر دستے تک پیوست تھا۔ حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں کیونکہ یہ سنگرام کی لاش تھی۔

وہ جگدیش کے کسی سوال کا جواب دیئے بغیر نیچے واپس آیا اور منیجر کے کمرے میں جا کر اُن مقامات کو نمبر ڈائیل کرنے کا ارادہ کیا جہاں فریدی سے ملاقات ہو سکتی تھی لیکن وہ خلاف توقع گھر ہی پر مل گیا۔

''سنگرام یہاں آرلکچو میں ابھی ابھی قتل کر دیا گیا۔'' حمید نے کہا۔

''اوہ....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ ابھی ابھی قتل کیا گیا ہے۔''

''کچھ دیر پہلے وہ اُسی میز سے اٹھا تھا جس پر میں تھا۔''

''کیا مطلب! تم اُس کے ساتھ تھے۔'' فریدی کی آواز میں حیرت تھی۔

''نہیں وہ جس لڑکی کے ساتھ تھا میں اُس لڑکی....!''

''لڑکی کے بچے۔'' فریدی غرایا۔ ''تم میرا کام چوپٹ کرتے رہتے ہو۔ اُس کی موت کی تمام تر ذمہ داری تم پر ہے۔ وہیں ٹھہرو.... میں آ رہا ہوں۔''

حمید بوکھلا کر منیجر کے کمرے سے نکل ہی رہا تھا کہ وہ لڑکی آ ٹکرائی شائد وہ اُسے تلاش کرتی پھر رہی تھی۔

''آپ کہاں ہیں۔ مجھے ڈر معلوم ہو رہا ہے۔''

''اب تم زندگی بھر کے لئے مطمئن ہو جاؤ۔ وہ مارڈالا گیا۔ وہی جو تمہیں بلیک میل کر رہا تھا۔''

''نہیں....!'' لڑکی سناٹے میں آ گئی۔

''ہاں....وہی....لیکن اب تم خدا کے لئے اپنی میز پر جاؤ۔ میرا ظالم فادر آ رہا ہے۔ اگر وہ نہ آئے تب بھی اگر کسی نے اشارہ بھی کر دیا کہ وہ تمہاری میز سے اٹھا ہے تو تم لوگ بڑی مصیبت میں پھنس جاؤ گی....جاؤ....جب دروازے کھلیں تو چپ چاپ نکل جانا۔''

لڑکی بوکھلائے ہوئے انداز میں چلی گئی۔

حمید فریدی کا انتظار کرتا رہا۔ وہ پندرہ منٹ بعد وہاں پہنچ گیا۔ لاش دیکھی اور پھر نیچے آ گیا۔

حمید نے خود ہی پوری داستان دہرائی۔ فریدی کا موڈ بہت زیادہ خراب نظر آ رہا تھا۔

''وہ دونوں کہاں ہیں۔''

''چلئے دکھاؤں۔'' حمید اُسے ریکریئیشن ہال کے دروازے تک لے گیا اور اشارے سے ان دونوں کو دکھا کر کہا۔ ''وہ رہیں....میں نہیں کہہ سکتا کہ لڑکی کے بیان میں کہاں تک صداقت ہے۔''

''ہاں....یہ مسز بلفرائی ہی ہے۔'' فریدی بڑبڑایا۔ ''خیر میں انہیں پھر دیکھوں گا۔ تم بالکل گدھے ہو۔ تمہیں علم تھا کہ میں سنگرام سے کام لے رہا ہوں۔''

''میں سنگرام کے چکر میں نہیں تھا۔''

''میں تم سے سمجھوں گا حمید۔ ایسی سزا دوں گا کہ زندگی بھر یاد رکھو گے۔''

فریدی نے کہا اور اُسے وہیں چھوڑ کر پھر اوپری منزل کی طرف چلا گیا۔

حمید ایک میز سے ٹکا کھڑا اپنی پیشانی رگڑتا رہا۔

اور پھر کیا ہوا

حمید نے وہ رات نہ جانے کس طرح گذاری۔ فریدی رات بھر گھر سے غائب رہا۔ صبح واپس آیا اس کا موڈ پچھلی رات سے بھی زیادہ خراب تھا۔ نہ اُس نے حمید سے بات کی اور نہ اُسکی طرف متوجہ ہوا حمید نے بھی چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔ حقیقت یہ تھی کہ اُسے بھی اپنی حماقت کا احساس ہو گیا تھا۔ جب اُسے معلوم تھا کہ فریدی اور سنگرام کے درمیان کسی قسم کا سمجھوتہ ہوا ہے تو اُسے اُس سے دور ہی رہنا چاہئے تھا۔ مگر بُرا ہوا اس حسن پرستی کا۔ اُس نے اُسے دو کوڑی کا آدمی بنا دیا تھا۔ ایسے ہی مواقع پر وہ تھوڑی دیر کے لئے عورتوں کے سلسلے میں فریدی کو ایک دانش مند ترین آدمی تسلیم کر لیتا تھا۔

فریدی اپنی خواب گاہ میں چلا گیا اور حمید کٹے ہوئے پتنگ کی طرح اِدھر اُدھر ڈولتا رہا۔

کچھ دیر بعد اُسے ایک نوکر نے اطلاع دی کہ کوئی لڑکی جس کا نام سارہ ٹرگیس ہے اُسے فون پر بلا رہی ہے۔

''سارہ ٹرگیس۔'' حمید نے ایک جھرجھری سی لی اور بولا۔ ''اُس سے کہہ دو....کیپٹن حمید کو گولی مار دی گئی۔''

''جی صاحب۔''

''ابے بھاگ....جی صاحب کا بچہ۔ جب بھی کسی عورت کا فون آئے کہہ دو کپتان صاحب مر گئے....ہاں....گٹ آؤٹ۔''

نوکر چپ چاپ چلا گیا۔ غالباً آج یہ اس کے لئے ایک بالکل ہی نئی بات تھی۔

حمید اب اُسی لڑکی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ کون جانے سنگرام کے قتل میں اُسی کا ہاتھ ہو۔ وہ اُسے بلیک میل کر رہا تھا۔ ممکن ہے اُس سے ہمیشہ کے لئے چھٹکارا پانے کے لئے وہ یہ بھی کر گذری ہو۔ جو لڑکی مالی اعتبار سے اتنی مضبوط ہو کہ چھ ماہ تک کسی بلیک میلر کے مطالبات پورے کر سکے وہ اُسے قتل کرا دینے کے لئے بھی معقول رقم خرچ کر سکتی ہے۔ لہٰذا فریدی کا یہ خیال غلط بھی ہو سکتا ہے کہ ڈاکٹر زریڈی ہی اس قتل کا ذمہ دار ہے۔ اس نے فریدی کو سارہ کے متعلق سب کچھ بتا دیا تھا لیکن اُس نے اس سلسلے میں کیا کیا؟ حمید کو اس کا علم نہیں تھا۔

کچھ دیر بعد وہ بھی اپنی خواب گاہ میں آ گھسا۔ لیکن ابھی اُسے آفس جانا تھا۔ ہمت نہیں پڑی کہ زریڈی سے اُس کے پروگرام کے متعلق پوچھتا۔

دس بجے وہ آفس چلا گیا لیکن ایک گھنٹے بعد فریدی کا فون آیا۔ اُس نے اُسے گھر واپس بلایا تھا۔

گھر پہنچتے ہی فریدی سے مڈبھیڑ ہو گئی لیکن وہ اچھے موڈ میں تھا۔ حمید کو پہلے تو اس پر حیرت ہوئی مگر پھر اس کا وہ جملہ یاد آ گیا جو اُس نے پچھلی رات آرلکچو میں کہا تھا یعنی وہ اسے کوئی سخت ترین سزا دے گا۔ ایسی جو زندگی بھر یاد رہے گی۔

''تمہیں فن آئی لینڈ جانا ہے۔'' فریدی نے اُس سے کہا۔

''چلا جاؤں گا۔'' حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ''آپ نے سارہ ٹرگیس کو چیک کیا یا نہیں۔ وہ سنگرام کو قتل کرا دینے کی بڑی اہم وجہ رکھتی ہے۔''

''اسے چیک کیا جارہا ہے۔لیکن اُس کے قتل کا باعث ڈریڈ ہی ہوسکتا ہے کیونکہ میری ہی طرح اُس نے بھی اُسے ایک کام کے لئے ڈریڈ کے خلاف استعمال کیا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ سنگرام ڈریڈ کے دوسرے ساتھیوں کی طرح کٹھ پتلی نہیں تھا بلکہ ڈریڈ سے اپنا پیچھا بھی چھڑانا چاہتا تھا۔اُس کے لئے اُس نے ڈریڈ کے متعلق معلومات فراہم کرنے کی کوشش بھی کی تھی اور کیا تمہیں علم ہے کہ اس کی لاش کے نیچے سے ایک پنسل اور کاغذ کا ایک ٹکڑا بھی برآمد ہوا تھا۔

''نہیں.....میں نہیں جانتا۔''

''وہ تمہارے لئے ایک چٹ لکھ رہا تھا۔''

''میرے لئے.....!'' حمید نے حیرت سے دہرایا۔

فریدی نے جیب سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکالا اور اُسے حمید کی طرف بڑھا دیا۔

پنسل سے تین لائنیں گھسیٹی گئی تھیں اور تیسری نامکمل تھی۔

''کپتان صاحب۔ آخر آپ کیوں میری
زندگی کے گاہک ہوئے ہیں۔کیا کرنل صاحب کی
طرف سے آپ کو ہدایت ملی.....

وہ غالباً ''ہدایت'' کے بعد ''ملی.....'' لکھ رہا تھا اُسی وقت اس پر حملہ ہوا اور ''ملی'' کی ''ی'' دائرہ بنا سکی۔دفعتاً حمید کے ذہن پر ہتھوڑے سے چلنے لگے اور وہ سچ مچ خود کو مجرم تصور کرنے لگا۔سنگرام! بُرا آدمی سہی لیکن اُس نے ڈریڈ کے خلاف قانون کی مدد کرنے کا تہیہ کرلیا تھا حمید نے اس کے لئے ہمدردی کے جذبات محسوس کئے اور اُس کے چہرے پر اضمحلال نظر آنے لگا۔

''ڈریڈ اُسے قتل نہ کراتا۔'' فریدی کہہ رہا تھا۔''مگر وہ سعیدہ رحمان کے اغواء کے راز سے واقف ہوگیا تھا اس کی اطلاع اُسے فنچ سے ملی تھی۔''

''تو یہ فنچ حقیقتاً اب بھی یہاں موجود ہے۔''

''ہاں اُن دونوں کے درمیان کسی قسم کا جھگڑا چل رہا ہے۔''

کچھ دیر حمید خاموش رہا پھر بولا۔''جزیرے میں مجھے کیا کرنا ہوگا۔''

''انتظار.....ایک اشارے کا منتظر رہنا پڑے گا تمہیں.....جو بڑے ٹیلے پر سے رات کو کسی وقت تمہیں ملے گا اور تم ٹیلے کے قریب پہنچنے کی کوشش کرو گے۔مجھے یقین ہے کہ ڈریڈ کا ہیڈ کوارٹر جزیرے

میں کہیں ہے اور شہر سے رابطہ قائم رکھنے کے لئے وہی سفید کشتی استعمال کی جاتی ہے۔''

''میں آج آپ سے بحث نہیں کروں گا۔'' حمید نے کہا۔''لیکن وہ اشارہ کس قسم کا ہوگا۔''

''سرخ روشنی۔'' فریدی مسکرایا۔''نہیں تم شوق سے بحث کرو۔مجھے پچھلی رات تم پر بہت شدت کا غصہ آگیا تھا لیکن اب مجھے یقین ہے کہ وہ اس لئے نہیں مارا گیا کہ تم اُس کے ساتھ تھے۔اگر یہ بات ہوتی تو قاتل یہ دیکھنے کی کوشش ضرور کرتا کہ وہ کاغذ پر کیا لکھ رہا تھا اور شائد کاغذ کا یہ ٹکڑا میرے ہاتھ نہ لگ سکتا۔وہ دراصل سعیدہ رحمان کے اغواء کے راز سے واقف ہوجانے کی بناء پر مارا گیا۔''

''شکر ہے۔'' حمید ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔''میری گردن تو چھوٹی۔''

''تمہیں میک اپ میں فن آئی لینڈ جانا ہوگا۔'' فریدی خلاء میں گھورتا ہوا بولا۔

رات تاریک تھی۔حمید کی کلائی کی گھڑی نے دس بجائے اور وہ پہلے سے بھی زیادہ مضطربانہ انداز میں بڑے ٹیلے کی طرف دیکھنے لگا۔وہ فرائی فش ریستوران کی ایک ایسی کھڑکی کے قریب بیٹھا تھا جہاں سے بڑا ٹیلہ صاف نظر آتا تھا۔چلتے وقت فریدی نے بھی اُس سے یہی کہا تھا کہ وہ فرائی فش ریستوران سے بڑے ٹیلے پر نظر رکھ سکے گا۔

ریستوران میں صرف تین میزیں بھری ہوئی تھیں بقیہ خالی ہوچکی تھیں نو بجے تک جزیرے میں دا چہل پہل رہا کرتی تھی اس کے بعد ہی سے وہ ویران ہونے لگتا تھا۔لیکن یہاں بھی اکثر ایسے ریستوران تھے جو رات بھر کھلے رہتے تھے۔حمید شام سے یہیں بیٹھا رہا تھا اور اب اکتا گیا تھا۔اُسے ابھی بھی علم نہیں تھا کہ اشارہ کس سے ملے گا اور پھر ٹیلے کے قریب پہنچ کر اُسے کیا کرنا پڑے گا۔وہ بیزار ہا.....پھر ٹھیک گیارہ بج کر پانچ منٹ پر اُسے ٹیلے پر سرخ روشنی نظر آئی اور وہ اٹھ کر ریستوران سے ٹیلے کی طرف روانہ ہوگیا۔اُسے وہ رات یاد آرہی تھی جب اُس نے سنگرام کا تعاقب کیا تھا اور یہ نوبت ہی تھی کہ آپس میں جھگڑا ہوجانے پر وہ بقیہ ساتھیوں سے اسی لئے کٹ گیا تھا کہ کہیں پولیس سے مڈبھیڑ نہ ہوجائے۔فریدی کو اس نے یہی بتایا تھا۔

حمید ٹیلے کے قریب پہنچ کر اوپر دیکھنے لگا۔لیکن پھر یک بیک اچھل پڑا۔کسی نے اس کے شانے پر انگارہ رکھ دیا تھا۔

''اِدھر آیئے۔!'' اُس کے پیچھے کھڑے ہوئے آدمی نے ایک طرف چلتے ہوئے کہا۔

حمید آواز سے پہچان نہ سکا کہ وہ کون ہے۔ دفعتاً اُسے فریدی کی بلیک فورس کا خیال آیا۔ کیا وہ اس سلسلے میں بھی اپنی پُراسرار بلیک فورس ہی استعمال کر رہا ہے۔ وہ اُس کے ساتھ چلتا رہا۔ ٹیلے کے نیچے ہی نیچے چل کر وہ اُس مقام پر پہنچے جہاں سے پانی کی طرف ڈھلان شروع ہوئی تھی۔

حمید کو نیچے اترنے میں دشواری پیش آ رہی تھی کیونکہ اندھیرا تھا اور کہیں کہیں اُگی ہوئی جھاڑیاں تاریکی میں غاروں کے دہانے معلوم ہو رہی تھیں۔ پھر پانی کی سطح اُن سے تھوڑے ہی فاصلے پر رہ گئی۔ سمندر پرسکون تھا۔ لیکن پانی کی بساندھ سے حمید کا دماغ پھٹنے لگا۔ وہ بائیں جانب مڑے اور کنارے کنارے چلنے لگے۔ یہاں زمین ریتلی تھی اور حمید کو اپنے پیر دھنستے معلوم ہو رہے تھے۔

رہبر آگے چل رہا تھا۔ ایک جگہ وہ رکا۔ حمید بھی رک گیا۔ اُسے تھوڑے فاصلے پر پانی میں ایک لانچ نظر آئی اور رہبر آہستہ سے بولا۔ ''بیٹھ جایئے۔''

لانچ میں شائد کچھ آدمی اور بھی تھے۔ حمید لانچ پر بیٹھتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔

''میں عرض کر رہا ہوں لانچ میں بیٹھ جایئے۔'' اس نے پھر کہا۔

حمید نے آگے قدم بڑھائے اور لانچ سے آواز آئی۔ ''کیوں دیر کر رہے ہو۔''

آواز فریدی کی تھی۔ حمید چپ چاپ لانچ میں اُتر گیا لیکن رہبر کنارے ہی کھڑا رہا اور لانچ چل پڑی۔ حمید کنارے کھڑے ہوئے تاریک سائے کو دیکھتا رہا۔ پھر وہ یک بیک نظروں سے اوجھل ہو گیا جیسے اُسے زمین نگل گئی ہو۔ حمید نے سوچا ممکن ہے وہ لیٹ گیا ہو۔

اب اُس نے لانچ کے اندر کا جائزہ لیا۔ ایک آدمی مشین کے سامنے تھا اور اس کے پیچھے جدید نشست پر ایک آدمی اور تھا۔ لانچ میں کل چار آدمی تھے لیکن اندھیرا ہونے کی وجہ سے حمید اپنے بیٹھے ہوئے آدمی کے متعلق بھی وثوق سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کون ہوگا۔ ویسے ان میں فریدی نہیں تھا کیونکہ حمید نے اُس کی آواز صاف پہچانی تھی۔

لانچ چلتی رہی اور دفعتاً حمید نے محسوس کیا جیسے یک بیک گہرا اندھیرا ہو گیا ہو۔ وہ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا لیکن کچھ سجھائی نہ دیا۔ پھر اُس نے اوپر دیکھا اور اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے وہ لانچ اونچی اونچی دیواروں کے درمیان چل رہی ہو۔

حمید اوپر ہی کی طرف دیکھتا جا رہا تھا۔ کبھی کبھی دونوں دیواروں کا درمیانی فاصلہ تنگ ہوتا ہوا معلوم ہونے لگتا۔ یہ لانچ بے آواز تھی۔

''آگے راستہ بند ہے جناب۔'' اگلی سیٹ سے آواز آئی۔

''روک دو۔'' حمید کے برابر بیٹھے ہوئے آدمی نے کہا۔ یہ فریدی ہی تھا۔

لانچ کی اگلی روشنی جاگ اٹھی اور اس کا دائرہ سامنے کی جھاڑیوں پر پڑا۔ بڑی بڑی کانٹے دار جھاڑیاں اوپر سے اس طرح پانی پر جھک آئی تھیں کہ راستہ بند ہو گیا تھا۔

''ناممکن....!'' فریدی چاروں طرف دیکھتا ہوا بڑبڑایا۔ ''واپس لے چلو۔ ممکن ہے ہم اُسے پیچھے ہی چھوڑ آئے ہوں۔''

لانچ پھر واپس ہوئی۔ فریدی نے اپنی ٹارچ نکال لی تھی اور حمید سے اس کے لئے کہا۔ اس طرح دو ٹارچوں کی روشنیاں دراڑ کے دونوں اطراف میں پڑنے لگیں اس بار لانچ کی رفتار نسبتاً سست تھی۔ کچھ دور چلنے کے بعد دفعتاً فریدی نے پھر لانچ رکوا دی۔ یہاں اس دراڑ میں سڑے ہوئے پانی کی بدبو ناقابل برداشت تھی۔ حمید ناک پر رومال رکھے رک رک کر سانسیں لے رہا تھا۔ اس کے برخلاف فریدی کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ان گندگیوں کا عادی ہو۔

''آپ کیا تلاش کر رہے ہیں۔'' حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

''ایک ایسی جگہ جہاں کوئی بڑی کشتی چھپائی جا سکے۔'' اس نے جواب دیا لیکن اُس کی ٹارچ کی روشنی کا دائرہ اِدھر اُدھر گردش کرتا رہا۔ پھر اچانک اُس نے ٹارچ بجھا دی۔

ٹھیک اسی وقت ایک ہلکی سی آواز آئی۔ حمید نے گھبرا کر اپنے پیر سکوڑ لئے کیونکہ آواز پیروں کے پاس ہی سے آئی تھی۔ مگر دوسری بار اُس نے محسوس کیا کہ وہاں ایک ٹرانسمیٹر موجود ہے جس نے کہیں سے نشر ہونے والا کوئی اشارہ ریسیور کیا تھا۔

''ہیلو....!'' فریدی بولا۔ ''الیف پلیز....!''

حمید دوسری طرف سے آنے والی آواز نہ سن سکا۔

''اوہ....!'' فریدی کہہ رہا تھا۔ ''تمہیں دھوکا تو نہیں ہوا.... اچھا.... اچھا.... اُدھر بھی دیکھتے ہیں۔ اُدھر تو آگے جانے کا راستہ نہیں ہے۔''

حمید سمجھ گیا کہ فریدی کافی انتظام کے ساتھ اس مہم پر آیا ہے۔ فریدی کے کہنے پر لانچ پھر چل پڑی۔ اگلی روشنی گل کر دی گئی تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ اس دراڑ سے کھلے پانی میں آ گئے اور لانچ داہنی جانب مڑ گئی۔ اب اس کی رفتار بہت تیز تھی۔ فریدی ٹرانسمیٹر سے نامعلوم آدمیوں کے لئے ہدایات نشر

کرر ہا تھا۔ کچھ دیر بعد لانچ پھر ایک دراڑ میں داخل ہوئی لیکن حمید کو اپنے سر کے بال کسی چیز سے الجھے ہوئے محسوس ہونے لگے۔ جیسے اُس نے سر پر ہاتھ لے جانا چاہا "سی" کر کے رہ گیا۔ ایسا معلوم ہو جیسے بیک وقت سیکڑوں کانٹے ہاتھ میں چبھ گئے ہوں۔

"جھک جاؤ.... جھک جاؤ.... جھاڑیاں ہیں۔" فریدی بولا۔ "رفتار بہت کم کر دو۔"

"اُس نے بھی ٹارچ روشن کر لی تھی۔ لیکن پھر وہ جلد ہی سیدھے بیٹھنے کے قابل ہو گئے۔

فریدی نے کہا۔ "روک دو۔" وہ ٹارچ کی روشنی میں پیچھے رہ جانے والی جھاڑیوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ یہ پانی کی سطح سے بمشکل تمام پانچ فٹ اونچی رہی ہوں گی۔ ان کے سلسلے دراڑ کے دونوں کناروں سے شروع ہو کر درمیان میں مل گئے تھے اور کسی سائبان کی طرح پانی پر چھا گئی تھیں۔ یہ سخت ڈنٹھلوں والی کانٹوں دار جھاڑیاں تھیں۔

"وہ کشتی اس کے نیچے سے گذر تو سکتی ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔ "خیر چلو۔ آگے بڑھاؤ۔"

لانچ پھر چل پڑی۔ لیکن اب فریدی ہی کی ہدایت پر اس کی ہیڈ لائٹ روشن کر دی گئی تھی۔ اچانک حمید نے پشت پر ایک گونجیلا قہقہہ سنا اور وہ سب ایک تیز قسم کی روشنی میں نہا گئے۔

اُن سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک بڑی کشتی نظر آئی۔ یہ اسی کی ہیڈ لائٹ تھی۔

"تم سب اسٹین گنوں کی زد پر ہو۔ اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔" انگریزی میں کہا گیا لہجہ غیر ملکیوں کا سا تھا۔ حمید نے فریدی کو ہاتھ اٹھاتے دیکھا۔ روشنی اتنی تیز تھی کہ حمید کی آنکھیں چندھیا گئی تھیں اور اُسے اس روشنی کے علاوہ اور کچھ نہیں دکھائی دیتا تھا۔

"روکنا مت" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "جس رفتار سے چل رہی ہے چلنے دو۔ حمید تم ٹرانسمیٹر کو پیر سے بائیں جانب کھسکا دو۔" حمید نے بڑی پھرتی دکھائی۔

پھر فریدی نے گرج کر کہا۔ "تم لوگ کون ہو۔"

"ہم لوگ ہتھکڑیوں کے لئے اپنے ہاتھ پیش کرنے آئے ہیں پیارے کرنل۔" کشتی سے آواز آئی۔ "لہٰذا لانچ روک دو۔"

حمید نیچے جھکا لیکن اس کی اس حرکت کے متعلق کشتی سے کچھ بھی نہ کیا گیا۔

شائد فریدی نے بھی اُسے جھکتے نہیں دیکھا۔ اب وہ پچھلی نشست کی اوٹ میں تھا۔ اس نے جیب سے ریوالور نکالا۔ نال پچھلی نشست کی پشت گاہ پر رکھی اور ہیڈ لائٹ کا نشانہ لے کر فائر کر دیا۔ شیشہ

ٹوٹنے کی آواز آئی اور اب پھر وہی پہلے کا سا اندھیرا تھا۔

"کیا کام کیا ہے فرزند.... جیو۔" فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا پھر جلدی سے بولا۔ "لیٹو.... سب لیٹ جاؤ.... رفتار بڑھاؤ.... چلتے رہو۔"

پھر شائد وہ اسٹین گن ہی کی آواز تھی جس سے فضا میں ہیجان سا برپا ہو گیا۔

بڑی کشتی سے ایک ٹارچ روشن ہوئی اور ساتھ ہی فریدی کے ریوالور سے ایک شعلہ بھی نکلا اور ٹارچ شائد ہمیشہ کے لئے بجھ گئی۔ کیونکہ اُس کے بجھنے اور کسی کے چیخنے میں زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔

اسٹین گن بھی خاموش ہو گئی۔ لیکن یہ سناٹا دیر تک قائم نہیں رہ سکا اور حمید کی باچھیں بھی کھل گئیں کیونکہ بحری پولیس کی لانچوں کے ہوٹروں کی کرخت آوازیں تھیں جنہوں نے سناٹے کا سینہ چھلنی کر دیا تھا۔

پھر قریب ہی سے کچھ ایسی آوازیں آئیں جیسے پانی میں وزنی چیزیں پھینکی گئی ہوں۔

"یہ بُرا ہوا۔" فریدی نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ "وہ کود گئے۔ کچھ بھی نہ ہوا۔"

اس نے ٹارچ روشن کی۔ تھوڑے ہی فاصلے پر سفید کشتی ٹھہری ہوئی تھی۔

"لانچ موڑو.... جلدی کرو۔" فریدی نے کہا۔ "یہ ہوٹر اب بھی چیخ رہے تھے۔ لیکن شائد بحری پولیس کی کشتیاں دراڑ سے باہر ہی تھیں۔

لانچ کشتی کے قریب آ گئی اور فریدی نے لانچ پر سے کشتی پر چھلانگ لگا دی حمید نے بھی اُس کی تقلید کی۔ لیکن کشتی خالی پڑی تھی۔ وہ پھر لانچ پر جانے کے لئے واپس ہو رہے تھے کہ کچھ اس قسم کی آوازیں آئیں جیسے پانی میں دو چار کتے لڑ پڑے ہوں۔ ٹارچ کی روشنی کا دائرہ آوازوں کی طرف گھوم گیا۔ تین آدمی اس طرح بار بار پانی سے سر اُبھار رہے تھے جیسے غرقابی سے بچنے کے لئے جدوجہد کر رہے ہوں۔

وہ کشتی کے قریب آ گئے اور اُن کے ہاتھ سہارا لینے کے لئے اٹھے۔ فریدی خاموشی سے کھڑا دیکھتا رہا۔ پھر وہ کشتی پر چڑھ آئے۔ فریدی نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔ اُن کی حالت ابتر تھی۔ وہ کھڑے نہ رہ سکے۔ اُن میں سے ایک تو شائد گرتے ہی ختم ہو گیا تھا اور دو چت پڑے ہوئے گہری گہری سانسیں لے رہے تھے۔

"ڈاکٹر ڈریڈ....!" فریدی نے مردہ آدمی پر روشنی ڈالی۔

بحری پولیس کی لانچیں دراڑ میں داخل ہو رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد سفید کشتی کھلے پانی میں آئی۔ لیکن اب اُسے بحری پولیس کا ایک پائیلٹ اسٹیئر کر رہا تھا۔ دونوں مجرم اب ہوش میں آ چکے تھے اور ڈاکٹر ڈریڈ کی لاش فریدی کے پیروں کے قریب پڑی ہوئی تھی۔

فریدی، حمید سے کہہ رہا تھا۔ ''یہ شائد ہماری اسکیم سے واقف ہو گیا تھا۔ لیکن اسے اس کا علم نہیں تھا کہ میرے آدمی جزیرے کے چپہ چپہ پر موجود ہیں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ حیرت سے ڈاکٹر ڈریڈ کی لاش دیکھ رہا تھا.... وہ میک اپ میں نہیں تھا کیونکہ شکل انہیں تصاویر سے مشابہ تھی جنہیں وہ بارہا دیکھ چکا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اتنا بڑا مجرم جس سے پورا براعظم امریکہ کانپتا تھا ایک حقیر سے چوہے کی طرح ڈوب کر مر گیا۔

''مجھے افسوس ہے کہ یہ میرے ہاتھوں سے نہیں مرا۔'' فریدی بولا۔ ''میری چھ ماہ کی محنت برباد ہو گئی۔''

کشتی بحری پولیس کے گھاٹ سے آ لگی اور لاش اٹھانے کے لئے اسٹریچر لایا گیا۔ ڈریڈ کے دونوں ساتھیوں کے ہتھکڑیاں لگی ہوئی تھیں۔ یہ دونوں بھی غیر ملکی ہی تھے اور شائد ڈریڈ کے ہمراز بھی تھے ورنہ وہ اس کے ساتھ نہ ہوتے۔

لاش اسٹریچر پر رکھی گئی اور چار قلی اُسے اٹھائے ہوئے کشتی سے اترے۔ فریدی سب سے آخر میں اترا۔ قلی آگے بڑھ گئے تھے اور اب یہ لوگ گرفتار شدگان کے ساتھ چل رہے تھے.... دفعتاً سناٹے میں ایک وحشت ناک قسم کا قہقہہ گونجا اور ساتھ ہی کئی چیخیں سنائی دیں۔

''ارے.... مار ڈالا.... دوڑو بچاؤ۔''

اور پھر دو قلی بے تحاشہ بھاگتے ہوئے ان لوگوں سے آ ٹکرائے۔ اُن پر کچھ اس قسم کی بدحواسی طاری تھی کہ وہ سنبھالنے کے باوجود بھی اپنے پیروں پر نہ کھڑے رہ سکے اور گرتے ہی بیہوش ہو گئے۔

فریدی اس طرف دوڑا جدھر سے وہ آئے تھے اور اس کے پیچھے سبھی دوڑنے لگے.... کچھ دور جا کر وہ رکا۔ یہاں بھی ایک قلی پر دوسرا ڈھیر تھا اور اسٹریچر اُن سے دور پڑا گویا انہیں منہ چڑھا رہا تھا۔

پھر ذرا سی ہی دیر میں پورے علاقے میں بھگدڑ مچ گئی کیونکہ قلیوں کا بیان جنگل کی آگ کی طرح چاروں طرف پھیل گیا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ لاش یک بیک اچھل کر قہقہے لگانے لگی تھی اور پھر انہیں ہوش نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا۔

فریدی اس طرح مضمحل نظر آنے لگا تھا جیسے برسوں کا بیمار ہو۔

''آپ خواہ مخواہ فکر کرتے ہیں۔'' حمید بولا۔ ''وہ جتنے حیرت انگیز طور پر ہمارے ہاتھ آیا تھا اتنے ہی پُراسرار طور پر نکل بھی گیا۔''

''لیکن میں نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ ڈاکٹر ڈریڈ ہے اُسے اسکے حال پر کیوں چھوڑ دیا تھا۔''

''تو کیا آپ بھی اسی اسٹریچر پر لیٹ کر سفر کرتے۔ قبر میں بھی اس کے ساتھ جاتے.... جہنم میں جھونکئے۔''

''وہ کمبخت جس دم کا بھی ماہر معلوم ہوتا ہے۔''

تقریباً تین چار گھنٹے تک ڈاکٹر ڈریڈ کی تلاش جاری رہی مگر اُس کا سایہ تک نہ مل سکا۔

اور پھر وہ دونوں بولنے پر مجبور ہو گئے۔ وہ حقیقتاً ڈاکٹر ڈریڈ کے رازدار ہی ثابت ہوئے۔ انہوں نے اعتراف کر لیا کہ سعیدہ رحمان ڈاکٹر ڈریڈ ہی کے قبضے میں تھی۔ اُن کے بتائے ہوئے پتہ پر پہنچنے کے لئے ایک بار پھر انہیں فن آئی لینڈ کا سفر کرنا پڑا۔ لیکن اس بار اُن کے ساتھ اُن کے محکمے کا آئی جی بھی تھا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ بھی تھا اور بھی چند بڑے پولیس آفیسرز کی معیت میں وہ وہاں پہنچے.... سعیدہ رحمان برآمد کر لی گئی۔

وہ بہت اچھی حالت میں تھی اُس نے انہیں بتایا کہ اُسے کسی قسم کی تکلیف نہیں دی گئی تھی۔

''کرنل! تمہارا یہ کارنامہ بھی ہمیشہ یاد رہے گا۔'' آئی جی نے فریدی کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔

''مجھے شرمندہ نہ کیجئے۔ ڈریڈ تو نکل ہی گیا۔'' فریدی نے جواب دیا۔

''یہی کیا کم ہے کہ تم نے شہر کی ایک معزز خاتون کو اُس کے پنجے سے رہائی دلوائی۔''

''معزز....!'' فریدی مسکرا کر رہ گیا۔ لیکن اس کے لہجے نے آئی جی کو اُسے گھورنے پر مجبور کر دیا۔

''کیا مطلب....!''

''جناب والا۔ ذرا یہ تو خیال فرمائیے کہ ڈاکٹر ڈریڈ کو اس اغواء سے کیا فائدہ پہنچتا۔''

''جو کچھ ایک مالدار خاتون کے اغواء سے کسی کو پہنچ سکتا ہے۔''

''مالدار....!'' فریدی پھر اُسی انداز میں مسکرایا۔ ''اس بیچاری کی آمدنی تین ہزار روپیہ سالانہ سے زیادہ نہیں ہے۔ یعنی ڈھائی سو روپے ماہوار جو یہ اپنی ملازمت سے حاصل کرتی ہے۔''

''نہیں....!'' آئی جی کے لہجے میں حیرت تھی۔ ''پھر وہ جیکا والا قصہ۔''

''اسکینڈل.... فراڈ....'' فریدی آہستہ سے بولا۔ ''ڈاکٹر ڈریڈ نے تیس ہزار کا خون کر کے لاکھوں بنانے کی اسکیم تیار کی تھی.... لیکن چوٹ کھا گیا۔''

''میں نہیں سمجھا۔'' آئی جی کی حیرت لحظہ بہ لحظہ بڑھتی جا رہی تھی۔

''اس نے پہلے سعیدہ کے متعلق ساری معلومات بہم پہنچائی اور پھر جمیکا کے فراڈ سے رابطہ قائم کر کے اُس سے اُس کے نام یہاں کے ایک بینک میں تیس ہزار منتقل کرائے اور اُسی فراڈ نے جمیکا سے سعیدہ کے وکیل کی معرفت اُسے ایک بڑے آدمی کے وارث ہونے کی خوشخبری پہنچائی۔ بیرسٹر کیلاش ورما ایک اچھے آدمی ہیں انہوں نے سعیدہ کو اپنے بچوں کی طرح پالا تھا لہٰذا وہ بھی دھوکہ کھا گئے.... اور شہر کیا سارے ملک میں سعیدہ کے اچانک مالدار ہو جانے کی پبلسٹی ہوگئی۔ شہر کے بڑے آدمی اس کے گرد منڈلانے لگے۔ ڈاکٹر ڈریڈ یہی چاہتا تھا۔ جب اُس خواستگاروں کی فہرست خاصی طویل ہوگئی تو ڈاکٹر ڈریڈ نے اُسے آرلیکچو سے اٹھوالیا۔ اگر اُس دن قاسم کی ذات سے کوئی ہنگامہ نہ کھڑا ہوتا تب بھی وہ کسی نہ کسی طرح وہاں سے اٹھوالی جاتی۔''

''لیکن مقصد....!'' آئی جی مضطربانہ انداز میں بڑبڑایا.... اور فریدی اس سلسلے کے بعض واقعات کو دہراتا ہوا بولا۔ ''میں اُسی وقت کھٹک گیا تھا جب مجھے اطلاع ملی تھی کہ ایک آدمی پولیس آفیسر کے بھیس میں سعیدہ کے مکان سے وہ وزیٹنگ کارڈ جھٹک لے گیا جو اُس نے اکٹھا کئے تھے۔ اگر اس سے یہ حماقت سرزد نہ ہوتی تو شائد میں ابھی تک اندھیرے ہی میں بھٹکتا ہوتا۔ بہرحال وہ کارڈ اسی لئے واپس لئے گئے تھے کہ پولیس اس کے ملنے جلنے والوں کی شخصیتوں سے لاعلم رہے۔''

''مگر کیوں....!'' آئی جی نے بے چینی سے کہا۔ ''اصل بات بتاؤ۔''

''اصل بات یہ ہے کہ وہ اس کے خواستگاروں سے لمبی لمبی رقمیں وصول کرنا چاہتا تھا۔ یقین کیجئے کہ اُس نے اس معصوم لڑکی پر جو تیس ہزار روپے خرچ کئے تھے ان سے کم از کم کروڑ پتی ضرور ہو جاتا۔ اس کی لسٹ پر تیس آدمی تھے۔ آج میں نے اُس کے جو دو عدد خطوط شہر کے دو بڑے آدمیوں سے حاصل کئے ان میں اس نے ہر ایک سے چار چار لاکھ کا مطالبہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ سعیدہ کو صرف آپ ہی کی ذات سے اس کی توقع ہے کہ اُس کی رہائی کے لئے چار لاکھ خرچ کر دیں گے۔ لیکن اگر اس کی اطلاع پولیس کو دی گئی تو آپ چالیس لاکھ میں بھی سعیدہ کو نہ حاصل کر سکیں گے اور وہ مار ڈالی جائے گی۔ مجھے یقین ہے کہ اُن تیسوں آدمیوں کو اسی قسم کے خطوط لکھے گئے ہوں گے۔ اب آپ خیال

رہا ہے۔ ان میں سے ہر ایک یہی سوچ رہا ہوگا کہ وہ سعیدہ کا دل جیتنے میں کامیاب ہوگیا ہے۔ تبھی تو ں نے خصوصیت سے اُسی کی ذات سے یہ توقع ظاہر کی ہے کہ وہ اُس کے لئے چار لاکھ خرچ کر دے ا... پھر چار کیا.... وہ ایک ارب پتی لڑکی کے لئے چالیس لاکھ بھی خرچ کر سکتے ہیں۔''

''میرے خدا....!'' آئی جی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔ ''تم ٹھیک کہتے ہو۔''

سعیدہ وہاں موجود تھی اور بہت بُرا سا منہ بنائے ہوئے فریدی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جیسے ہی ریدی خاموش ہوا اُس نے کہا۔ ''مگر میرے چچا کا کرم رحمان ہی نام تھا.... اور وہ بچپن ہی سے....!''

''ننھی بچی....!'' فریدی مغموم لہجے میں بولا۔ ''مجھے افسوس ہے کہ تمہارے ہوائی قلعے مسمار دگئے۔ پچھلے سو سال سے جمیکا میں کرم رحمان نام کا کوئی بڑا آدمی نہیں گزرا۔ ڈاکٹر ڈریڈ نے یہ تیس زار روپے اسی لئے صرف کئے تھے کہ پولیس بھی دھوکا کھا جائے اور جمیکا سے تحقیقات کرنے کی زحمت گوارا کرے۔ میں بھی قطعی نہ کرتا.... مگر.... وہ وزیٹنگ کارڈز.... اسی جگہ ڈاکٹر ڈریڈ جیسا چالاک آدمی وک گیا تھا.... اگر اُسے وزیٹنگ کارڈ حاصل ہی کرنے تھے تو کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرتا.... لیکن وہ پولیس آفیسر والا فراڈ.... فراڈ نہیں بلکہ ایک بچکانہ حرکت تھی۔''

''مگر پھر.... یہ قاسم اور پرویز کا کیا جھگڑا تھا۔'' آئی جی نے پوچھا۔

''وہ میری ہی ذات سے بڑھا تھا اور اس لئے بڑھا تھا کہ ڈاکٹر ڈریڈ کو دھوکے میں رکھنا مقصود تھا۔ وہ یہی سمجھتا رہا کہ پولیس انہیں دونوں میں سے کسی پر شک کر رہی ہے۔ اس طرح وہ بے احتیاط بھی ہوگی اور میں اس کے گرد اپنا جال بنتا رہا۔ ڈریڈ نے اُن دونوں بڑے آدمیوں کو بھی لکھا تھا کہ وہ قاسم اور پرویز کے معاملے سے تذبذب میں نہ پڑیں۔ وہ معاملہ تو محض پولیس کا دھیان اُدھر بٹا دینے کے لئے کھڑا کیا گیا ہے۔''

آئی جی سعیدہ کو بہت حقارت سے دیکھ رہا تھا۔ اب شائد وہ شہر کی ایک معزز خاتون نہیں رہی تھی۔ لب شائد وہ اس قابل بھی نہیں تھی کہ کوئی اس سے اتنا ہی پوچھ لیتا کہ تمہیں گھر تک پیدل تو نہ جانا پڑے گا۔ لیکن اب سے ایک گھنٹہ قبل اس کے لئے تجوریوں کے منہ کھلے ہوئے تھے۔

اس وقت وہ بھی ایک لاش ہی معلوم ہو رہی تھی لیکن اُس لاش میں قہقہہ لگانے کی سکت نہیں تھی۔

جاسوسی دنیا نمبر 63

ڈاکٹر ڈریڈ

(چوتھا حصہ)

پُراسرار آواز

گاڑی رکنے کی آواز آئی۔ پہیوں کے نیچے روڑیاں کڑکڑائی تھیں اور شاید گھوڑا زمین پر ٹاپیں مارنے لگا تھا۔ شاہینہ نے کھڑکی کھول دی لیکن باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں اُسے کچھ نہیں دکھائی دیا۔ اُس نے نوکروں کو تاکید کر دی تھی کہ پورچ کی روشنی رات بھر گل نہ کی جائے۔ شاہینہ کھڑکی کے پاس سے ہٹ آئی۔ اُس نے تہیہ کر لیا تھا کہ آج وہ اپنی ماں سے لڑ جائے گی۔

کئی راتوں سے وہ محسوس کر رہی تھی کہ بیگم ارشاد کافی رات گئے تک گھر سے باہر رہتی ہے اور کار کی بجائے گھوڑا گاڑی استعمال کی جاتی ہے۔ رات گئے تک گھر سے باہر رہنا بھی بیگم ارشاد کے لئے خلاف معمول تھا لیکن کار کی بجائے گھوڑا استعمال کرنا خاص طور پر حیرت انگیز تھا کیونکہ اس سے پہلے انہیں کبھی گھوڑا گاڑی استعمال کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا تھا۔ گھوڑا گاڑی دراصل شاہینہ ہی کو پسند تھی اور اکثر اس کی شام کی تفریح کے لئے استعمال میں رہا کرتی تھی۔

شاہینہ اپنے کمرے سے نکلی اور طویل راہداری سے گذرتی ہوئی بیرونی برآمدے میں آ گئی۔ کوئی پورچ سے برآمدے میں داخل ہو رہا تھا۔ آسمان کے پس منظر میں اُس کی پرچھائیں ہی نظر آ رہی تھی۔

"کون ہے؟" شاہینہ نے کپکپاتی ہوئی آواز میں پوچھا اور سایہ رک گیا۔

"کون ہے۔ جواب دو۔ ورنہ میں فائر کر دوں گی۔"

"شاہینہ۔" اُس نے اپنی ماں کی بھرائی ہوئی سی آواز سنی۔

"کون.... ممی.... آپ....!"

پرچھائیں اُس کے قریب سے گذرتی ہوئی راہداری کے اندھیرے میں گم ہو گئی۔ شاہینہ اُس کے پیچھے بڑھی اور پھر اُن کی ملاقات ایک روشن کمرے میں ہوئی۔

بیگم ارشاد سر سے پیر تک سیاہ لبادے میں لپٹی ہوئی تھی لیکن اُس نے شاہینہ سے آنکھیں نہیں ملائیں۔ اُس کے ہونٹ خشک تھے اور چہرہ زرد نظر آ رہا تھا۔

"ممی مجھے حیرت ہے۔" شاہینہ بڑبڑائی۔

"اوہ.... میں دراصل۔" بیگم ارشاد نے مسکرانے کی کوشش کی۔ "میں ایک ضروری کام سے باہر گئی تھی۔"

"مگر آپ نے کبھی گھوڑا گاڑی نہیں استعمال کی۔"

"بس یونہی....!"

"میں کئی راتوں سے محسوس کر رہی ہوں کہ آپ کافی رات گئے گھر واپس آتی ہیں۔"

"جاؤ... سو جاؤ۔" بیگم ارشاد نے جھلا کر کہا۔ "تمہیں ان باتوں سے سروکار نہ ہونا چاہئے۔"

"اور آپ کو سروکار ہونا چاہئے۔ اگر میں نو بجے رات کو بھی گھر واپس آؤں۔"

"جاؤ.... لڑکی خدا کیلئے مجھے تنہا چھوڑ دو۔"

"میں آپ کو کئی دنوں سے پریشان دیکھ رہی ہوں۔"

"شاہینہ جاؤ.... میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے بیٹی۔"

"ممی آپ مجھ سے کیا چھپا رہی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ نے آج تک مجھ سے کچھ نہیں چھپایا۔"

"میں.... کچھ نہیں چھپا رہی ہوں بیٹی! میں دراصل آج کل دل کی بیماری میں مبتلا ہو گئی ہوں۔" دفعتاً اُس کا چہرہ اس طرح معمول پر آ گیا جیسے اُسے کوئی اچھا سا بہانہ ہاتھ آ گیا ہو۔ پھر اُس نے طویل سانس لے کر کہا۔ "مجھے اکثر گھر سے وحشت سی ہونے لگتی ہے۔ میں گاڑی لے کر نکل جاتی ہوں۔" وہ چند لمحے خاموش رہ کر ہنسی اور بولی۔ "تمہیں یہ سن کر حیرت ہو گی کہ گاڑی بھی میں خود ہی ہانکتی ہوں۔"

"لیکن آپ کسی ڈاکٹر سے کیوں نہیں رجوع کرتیں؟"

"یہ ایک وقتی ذہنی تبدیلی ہے۔ ویسے میں اچھی خاصی ہوں۔ مجھے ہوا کیا ہے۔"

ہینہ اس جواب سے مطمئن نہیں ہوئی اور اب اُسکی تشویش پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی تھی۔

ؤ سو جاؤ۔" بیگم ارشاد نے پھر کہا اور شاہینہ اُس کی پیشانی چوم کر کمرے سے نکل آئی۔ وہ ی روشنیاں گل کرتی ہوئی اپنی خواب گاہ کی طرف جا رہی تھی کہ اُس نے پھر کچھ آہٹیں چلتے چلتے رک گئی۔

ے پھر ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی صدر دروازے والی راہداری میں چل رہا ہو۔ شاہینہ ہیں خاموشی سے کھڑی رہی۔

وں کی آوازیں آنا بند ہو گئیں۔ شاہینہ بھی صدر دروازے کی طرف بڑھی لیکن اس بار اہداریاں نہیں روشن کیں۔ پورچ میں پھر اُسے ایک تاریک سایہ نظر آیا اور بیگم ارشاد اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا شاید وہ اب بھی اُسی سیاہ لبادے میں لپٹی ہوئی تھی۔

یہ دیوار سے لگی کھڑی رہی۔ سایہ پورچ سے نکل کر لان پر آ گیا۔

پھر شاہینہ نے اُسے کمپاؤنڈ کے اُس حصے کی طرف مڑتے دیکھا جہاں پالتو جانوروں کے ے تھے۔ وہ بھی پورچ سے نکل آئی اور دیوار سے لگ کر چلنے لگی۔ بار بار اُس کا لباس مالتی کی ے الجھتا اور وہ رک جاتی۔

نے اُس راستے کو اس لئے ترجیح دی تھی کہ بیگم ارشاد کی نظر اُس پر نہ پڑ سکے۔ قدِ آدم کے دوسری طرف وہ بیگم ارشاد کو صاف دیکھ رہی تھی لیکن اگر بیگم ارشاد خاص طور پر ی کوشش کرتی تو اسے اُس کے سر کے علاوہ اور کچھ نہ نظر آتا کیونکہ وہ مالتی کی بوڑھ ا تھی۔

یوں کا سلسلہ جانوروں کے کٹہرے کے قریب ختم ہو گیا۔ دوسری طرف بیگم ارشاد ئی تھی۔

ت دیر کر دی" شاہینہ نے کسی مرد کی آواز سنی۔ جملہ انگریزی میں کہا گیا تھا۔ تھوڑی دیر واز نہیں آئی۔ شاہینہ کا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔

مجھ سے نہیں ہو سکتا۔" بیگم ارشاد کی آواز آئی۔

اس پر مجبور ہو۔" مرد نے کہا۔

ہ میں بیگم ارشاد کی آواز نہیں سنائی دی۔

...خاموش کیوں ہو گئیں۔ کیا آج بھی کچھ نہیں ہو سکا؟"

ں....!" بیگم ارشاد کی آواز آئی۔

"تب تو تمہارے بُرے دن قریب آگئے ہیں۔"

"دیکھو۔ خدا کے لئے مجھے برباد نہ کرو۔"

"میں کیا کر سکتا ہوں۔ اپنی بربادی کا باعث تم خود بنو گی۔"

"میرے خدا میں کیا کروں!"

"وہی جو کہا جا رہا ہے۔" مرد نے کہا۔ "ورنہ تم دیکھ رہی ہو میری قوت.... تم جیسی عورت شہر کی متعفن گلیوں میں ٹھوکریں کھاتی پھر رہی ہے۔"

"رحم کرو۔" بیگم ارشاد گڑگڑائی۔

"میں رحم بھی کر سکتا ہوں مگر اُسی صورت میں جب میرے کہنے پر عمل کیا جائے۔ اُسے کبھی نہ پا سکو گی۔ اس خیال میں نہ رہو کہ وہ مر چکا ہے۔"

پھر سکوت طاری ہو گیا۔ شاہینہ کو اپنے دل کی دھڑکنیں سر میں دھمکتی محسوس ہو رہی وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑتی رہی لیکن اُسے اپنی ماں کے علاوہ اور کوئی نہ دکھائی دیا۔

پھر اُس نے اُسے بھی عمارت کی طرف واپس جاتے دیکھا۔ وہ چلی گئی اور شاہینہ نے بعد صدر دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔

وہ وہیں کھڑی رہی۔ اُسے سخت حیرت تھی کہ وہ آدمی کون ہے۔ گفتگو انگریزی میں تھی اور اُس کا لہجہ غیر ملکیوں کا سا تھا۔

آخر وہ اُس کی ماں کو اس طرح خوفزدہ کیوں کر رہا تھا اور وہ کس لئے اُسے شہر کی متعفن میں ٹھوکریں کھانے پر مجبور کر رہا تھا۔ بیگم ارشاد ایک مالدار بیوہ تھی۔ شہر کی ذی عزت میں اُس کا شمار ہوتا تھا۔ وہ پارلیمنٹ کی ممبر بھی تھی۔ بیگم ارشاد ایم۔ پی سے شہر کا بچہ بچہ کیونکہ سماجی بہبود کے سارے کاموں کے سلسلے میں اُس کا نام سر فہرست ہوا کرتا تھا۔

شاہینہ خیالات میں کھوئی کھڑی رہی۔ اُسے اس کا احساس بھی نہیں تھا کہ صدر دروازے سے بند ہو جانے کے بعد اپنی خواب گاہ تک پہنچنے کے لئے دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اُس میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ اُس جگہ جاتی جہاں اُس کی ماں نے کھڑی ہو کر اُس آدمی سے گفتگو کی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ عمارت کی طرف واپس ہوئی۔

خواب گاہ تک پہنچنے کے لئے اُسے کافی جدوجہد کرنی پڑی کیونکہ کھڑکی زمین سے تقریباً فٹ اونچی تھی اور یہی غنیمت تھا کہ وہ اُسے کھلا چھوڑ آئی تھی۔ ورنہ یا تو اُسے رات برآمدے میں بسر کرنی پڑتی، یا پھر بیگم ارشاد کو معلوم ہو جاتا کہ اُس نے اس کا تعاقب کیا تھا۔

رات بھر ٹھیک سے نہ سو سکی۔ بار بار اُسے وہی واقعات یاد آتے اور ایک انجانا سا خوف اُس پر مسلط ہوتا جاتا۔ وہ جانتی تھی کہ بیگم ارشاد اُسے کچھ نہیں بتائے گی۔ اس لئے اُس کی زیادہ بڑھ گئی تھی۔

صبح اُس نے کرائم رپورٹر انور کو فون کیا جس کی اُس سے اچھی خاصی جان پہچان بھی جانتی تھی کہ انور اکثر لوگوں کے لئے کام کرتا رہتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ کسی طرح محض ایک نظر دیکھ لینے کی فیس بھی وصول کر لیتا رہا ہو۔

نے اُس سے درخواست کی کہ وہ صرف پندرہ منٹ کے لئے ارشاد منزل آجائے لیکن انکار کر دیا۔ اُس نے کہا کہ وہ چار بجے شام کو اپنے فلیٹ میں مل سکتا ہے۔

کو اُس پر بڑا غصہ آیا لیکن خاموش ہی رہ گئی کیونکہ اُسے اُس سے ایک کام لینا تھا۔ الٹرا موڈرن قسم کی لڑکی تھی۔ سوسائٹی کی روح رواں۔ شاید ہی کبھی کوئی اُس کی استدعا رد۔

بجے وہ انور کے فلیٹ میں جا پہنچی۔ وہ موجود تھا۔ اُس نے واقعات سنے اور بُرا سا منہ بنا کر میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ جوانی کے رومان عموماً بڑھاپے ہی میں آدمی کو شاعری ہور کرتے ہیں۔"

مطلب....؟"

طلب صاف ہے۔ بیگم ارشاد جیسی ارب پتی عورتوں کے لئے کس قسم کے مسائل پیدا کر سکتے ہیں۔ کسی قسم کے لوگ انہیں شہر کی گندی گلیوں میں ٹھوکریں کھانے پر تے ہیں۔ کیا وہ آدمی کوئی بلیک میلر نہیں ہو سکتا....؟"

ما تو تمہیں معلوم کرنا ہے۔"

راس کے بعد؟"

ما کے خلاف قانونی کاروائی۔"

بیگم ارشاد خود ہی کوئی ایسا اقدام نہیں کر سکتیں؟"

نہیں۔"

ان حسین گھونگھریالے بالوں کے نیچے مغز نہیں ہے؟" انور نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ ل جس قدر اپنے جسم کو سنوارتی ہو اُسی طرح ذہن کو بھی نکھارو تو کیا بُرائی ہے۔"

ل کی اسکول ماسٹر سے میٹرک پاس کرنے کا نسخہ معلوم کرنے کے لئے نہیں آئی۔"

شاہینہ بھی جھلا گئی۔

"تو جاؤ.... تمہیں روکا ہے کسی نے۔"

"تم بہت مغرور ہو گئے ہو۔"

"ہاں.... پہلے ہی سے تھا۔ میں اُس وقت بھی مغرور تھا جب اسی شہر میں اکثر میرا فٹ پاتھوں پر گذری ہیں۔ ویسے مجھے خوش رکھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ پہلے کچھ نکال کر سامنے والی میز پر رکھ دو پھر مجھ سے گفتگو کرو۔"

شاہینہ چند لمحے اُسے تنفر آمیز نظروں سے گھورتی رہی پھر بیگ سے نوٹوں کی ایک نکال کر میز پر پھینکتی ہوئی بولی۔ "یہ ایک ہزار ہیں۔"

انور نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ ایک لڑکا کمرے میں داخل ہوا اور انور نے اُ کہا۔ "چائے۔" پھر شاہینہ سے پوچھا۔ "محترمہ آپ چائے مناسب سمجھیں گی یا کافی؟"

"کچھ بھی نہیں۔ مجھے زیادہ نہ چڑھاؤ۔ کام کی بات کرو۔"

انور نے لڑکے کو جانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں یہ عرض کر رہا تھا محترمہ کہ ارشاد اُس کے خلاف کوئی قانونی کاروائی کر سکتیں تو انہیں شہر کی گندی گلیوں میں ٹھوکریں کی کیا ضرورت تھی۔"

"پھر کیا ہو سکے گا۔"

"یہ ممکن ہے کہ اُس بلیک میلر کو اُن کے راستے سے ہٹا دیا جائے۔ لیکن.... یہ ایک کام ہے۔ اخراجات.... بے تحاشہ ہوں گے۔"

"پھر وہی اخراجات....!" شاہینہ اُسے گھورنے لگی۔

"اوہو.... مجھے اطمینان ہے۔ شاہینہ ارشاد مجھ سے گفتگو کر رہی ہیں۔ ہاں تو آپ ہے کہ وہ کوئی غیر ملکی تھا؟"

"لہجے سے یہی معلوم ہوتا تھا۔"

"انگریز؟"

"مجھے اس کا سلیقہ نہیں ہے۔ بس ملکی اور غیر ملکی لہجے میں فرق کر سکتی ہوں۔"

"خیر! بیگم ارشاد کے ملنے جلنے والوں میں کسی غیر ملکی سے واقف ہیں آپ؟"

"بہتیرے ہیں.... لیکن....!" شاہینہ کچھ سوچنے لگی پھر بولی۔ "لیکن وہ دونوں۔"

"کون دونوں؟"

"میرا خیال ہے کہ اُن دونوں پر شبہہ کیا جا سکتا ہے۔ ممی انہیں پسند نہیں کرتیں لیکن پھر بھی وہ کبھی کبھی ہمارے گھر آتے رہتے ہیں۔"

"میں اب نہیں پوچھوں گا وہ کون ہیں۔" انور جھنجھلا گیا۔

"دو انگریز باپ بیٹے۔ راجر ڈنکی ٹیل اور ہنٹر ڈنکی ٹیل۔ یہ دونوں ابھی حال ہی میں انگلینڈ سے آئے ہیں اور ممی سے یہاں کی صنعتوں میں اشتراک کرنا چاہتے ہیں۔"

"بیگم ارشاد انہیں ناپسند کیوں کرتی ہیں؟"

"وہ سچ مچ ڈنکی ٹیل ہیں پرلے سرے کے گدھے۔"

"آپ اُن کی آوازیں تو پہچانتی ہی ہوں گی؟"

"میں وثوق سے نہیں کہہ سکتی۔"

"کیا پچھلی رات بولنے والا اُن میں سے کوئی تھا؟"

"میں اندازہ نہیں کر سکی۔ مجھے دراصل ہوش ہی نہیں تھا۔"

"اگر بیگم ارشاد کو معلوم ہو گیا کہ میں اُن کی ٹوہ میں ہوں تو وہ کیا کریں گی۔"

"کچھ بھی کریں لیکن اس سلسلے میں میرا نام نہ لیا جائے۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ وہ مجھے ان حالات سے لاعلم رکھنا چاہتی ہیں۔"

"اچھی بات ہے میں دیکھوں گا۔"

"پرسوں میری سالگرہ ہے۔" شاہینہ نے کہا۔ "میں تمہیں مدعو کروں گی۔ اُس بھیڑ میں تمہیں کام کرنے کا بہترین موقع مل سکے گا۔"

انور چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "ٹھیک ہے۔"

"تم یہ بتاؤ کہ معاوضہ کیا لو گے؟"

"یہ ایک ہزار خرچ ہو جانے کے بعد ہی اندازہ کر سکوں گا۔" انور نے میز پر پڑی ہوئی گڈی کی طرف اشارہ کیا۔

"تم آخر پیسوں پر اس بُری طرح کیوں جان دیتے ہو؟"

"پیسے....!" انور ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "کیونکہ یہ مجھ تک غیر متوقع طور پر پہنچتے ہیں۔ صبح ہی میں سوچ رہا تھا کہ اب مجھے مالک مکان کی بیوی سے عشق کرنا ہی پڑے گا کیونکہ چار ماہ سے فلیٹ کا کرایہ نہیں ادا ہو سکا تھا۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"میں آپ سے اس پر بحث نہیں کروں گا کیونکہ ابھی آپ سے مزید آمدنی کی توقع ہے۔"

"تو تم آج سے کام شروع کر رہے ہو؟"

"اسی وقت سے.... اور یہ کام چند سوالات سے شروع ہو جائے گا۔ پہلا سوال۔ کیا بیگم ارشاد کے کسی ایسے دوست کو آپ جانتی ہیں جو اُن کے طبقے سے تعلق نہ رکھتا ہو؟"

"کیا مطلب....؟"

"مطلب یہ کہ ایسا دوست جس کی تلاش میں وہ شہر کی گندی گلیوں میں ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہوں۔"

"میں سمجھتی ہوں تمہارا مطلب!" شاہینہ نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "تم ہمارا مذاق اڑانا چاہتے ہو۔"

"میں صرف معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں یہ سب کچھ نہیں جانتی۔"

"لیکن میرا یہ سوال تمہارے شبہات سے بہت قریب ہے کیوں؟"

"تم نے فرض کر لی ہے یہ بات؟"

"نہیں یہ حقیقت ہے۔ تم بھی وہی سوچتی ہو جو میرے ذہن میں ہے۔ ورنہ تم یہاں آنے کی بجائے محکمۂ سراغ رسانی کے آفیسر سے ملتیں۔"

شاہینہ کچھ نہ بولی۔ انور نے چند لمحے خاموش رہ کر کہا۔ "جوانی کی لغزشیں اکثر بڑھاپے میں پھانسی کا پھندہ بن جاتی ہیں۔"

"تم بدتمیز ہو۔"

"یقیناً! چونکہ تم سے مزید رقم ملنے کی توقع ہے اسلئے میں اس خیال کی تردید نہیں کروں گا۔"

"نہیں۔ میں کوئی اور ذریعہ تلاش کروں گی ورنہ تم اسی طرح ہماری توہین کرتے رہو گے۔"

"شوق سے۔ روپے اٹھاؤ اور راستے سے تو واقف ہی ہو۔ اسی لئے میں نے انہیں ابھی تک ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ ورنہ شاید میں وعدہ کر لیتا کہ توہین نہیں کروں گا۔"

"تم سچ مچ کریک ہو۔"

"بات ختم ہو گئی۔ اس لئے اس خیال سے متفق نہیں ہو سکوں گا۔ تم جا سکتی ہو۔"

"میں کہتی ہوں تمہیں یہ کام کرنا ہی ہوگا۔ ورنہ میں تمہیں گولی مار دوں گی۔"

"چلتے چلاتے اتنی نصیحت ضرور کروں گا کہ آئندہ کسی مرد سے اس انداز میں گفتگو نہ کرنا

تمہارے طبقے میں مرد ہوتے ہی کہاں ہیں۔"

"انور....!"

"میں سن رہا ہوں۔"

"خدا کے لئے میری مدد کرو۔ ممی خطرے میں ہیں۔ میں استدعا کرتی ہوں۔"

انور نے نوٹوں کی گڈی اٹھا کر جیب میں ڈال لی۔ چند لمحے اُس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر اکر بولا۔ "جاؤ.... کام شروع ہو چکا ہے۔ جلد ہی نتیجے سے آگاہ کر دیا جائے گا۔ ہاں مجھے اپنی لڑکے موقع پر مدعو کرنا مت بھولنا۔"

شاہینہ خاموش رہی وہ کچھ سوچنے لگی تھی۔

وحشت

کیپٹن حمید نے اپنی رفتار تیز کر دی مگر شاید وہ لڑکی چھلاوہ تھی۔ اگلے ہی موڑ پر وہ اس طرح ب ہوئی جیسے اُس کا وجود ہی نہ رہا ہو۔

حمید نے ایک طویل سانس لی اور اس طرح سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگا جیسے اُس پر ہ ظلم ہوا ہو۔ وہ چند لمحے چوراہے پر کھڑا رہا پھر مخالف سمت میں چل پڑا۔

لڑکی کا تعاقب اُس کی اُفتادِ طبع کا نتیجہ تھا۔ بلکہ یہ اُس کی ڈیوٹی تھی۔ وہ آج تقریباً ایک ہفتے اُس لڑکی کے متعلق معلومات فراہم کر رہا تھا۔ لیکن اسطرح نہیں کہ اُس سے مل بیٹھتا۔ اُس آج تک اُس سے گفتگو بھی نہیں کی تھی۔ اس سلسلے میں فریدی کے سخت ترین آرڈر تھے۔ شاید حمید اب تک سینکڑوں بار اُسکے ساتھ شہر کی بہترین تفریح گاہوں میں رقص کر چکا ہوتا۔

لڑکی بڑی دلکش تھی لیکن حمید اب تک اندازہ نہیں کر پایا تھا کہ وہ کس ملک یا نسل سے تعلق ہے۔ ویسے اُس کی رنگت گوری تھی۔ آنکھیں سبز اور وہ یوروپینوں کی طرح اسکرٹ پہنتی حمید کا خیال تھا کہ اُس کی چال بھی بڑی دلکش ہے۔

ایک بات اور بھی پسند تھی وہ یہ کہ وہ لڑکی عام عورتوں کی طرح نہ تو لپ اسٹک استعمال تی تھی اور نہ اُس کے ناخن بڑھے ہوئے تھے۔ کبھی کبھی رخساروں پر ہلکا سا روژ نظر آتا تھا۔

حمید اُس کے متعلق سوچتا ہوا چلتا رہا۔ فریدی نے اس "نگرانی" کی غرض و غایت نہیں بتائی

تھی اور حمید کی معلومات ابھی تک اتنی ہی تھیں کہ وہ دلشاد بلڈنگ کے ایک فلیٹ میں رہتی ہے ایک مقامی فرم میں کام کرتی ہے اور اُس کا نام میری سنگلٹن تھا۔ حلقہ احباب کے متعلق حمید کا یہی اندازہ تھا کہ وہ زیادہ وسیع نہیں ہے۔

ان چند باتوں کے علاوہ ابھی تک کچھ بھی نہیں معلوم کر سکا تھا۔ لیکن وہ لڑکی اُسے حقیقتاً پُراسرار معلوم ہوتی تھی۔

اور آج تو اُس نے کمال ہی کر دیا تھا۔ پتہ نہیں اُسے زمین نگل گئی تھی یا وہ ہوا میں تحلیل ہو گئی تھی۔ حمید نے اُسے کسی عمارت میں بھی داخل ہوتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اُسے علم ہو گیا ہے کہ اُس کی نگرانی ہو رہی ہے۔

آج کل فریدی پر "نگرانیوں" کا بھوت سوار تھا۔ وہ شہر کے تقریباً ڈیڑھ درجن افراد کی نگرانی کرا رہا تھا۔ مگر حمید اُس کا شکر گذار تھا کہ وہ لڑکی اُس کے حصے میں آئی تھی ورنہ نگرانی سے زیادہ اکتا دینے والا کام شاید ہی کوئی دوسرا ہو۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ وہ چلتے چلتے رک گیا اور پھر ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ کی طرف بڑھا۔

کچھ دیر بعد وہ لیڈی انسپکٹر ریکھا کے نمبر ڈائیل کر رہا تھا۔ اُسے توقع تھی کہ وہ گھر ہی ہو گی۔ اُس کا خیال غلط نہیں تھا۔ ریکھا مل گئی۔ اُس نے فریدی کے لہجے کی نقل کرتے ہوئے ریکھا سے کہا کہ وہ پندرہ منٹ کے اندر اندر آر لکچو میں پہنچ جائے۔ ریکھا نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ وہ اُسے کیوں طلب کر رہا ہے۔

ٹیلی فون بوتھ سے نکل کر حمید نے ایک ٹیکسی کی اور آر لکچو آ پہنچا مگر حقیقت تو یہ تھی کہ اب ان ہوٹلوں والی تفریحات سے اکتا گیا تھا۔ مگر کرتا بھی کیا۔ کہاں جاتا۔

تفریح اور لیڈی انسپکٹر ریکھا کے ساتھ؟ یہ بھی ایک سوال تھا کیونکہ وہ آج کل حمید سے بُری طرح خار کھائے ہوئے تھی۔ یہی وجہ تھی کہ فون کرتے وقت حمید کو فریدی کا رول ادا کرنا پڑا تھا.... وہ ایک ایسے گوشے میں بیٹھ کر اُس کا انتظار کرنے لگا جہاں داخل ہوتے ہی ریکھا کی نظر اُس پر نہ پڑ سکے۔

کچھ دیر بعد ریکھا صدر دروازے میں دکھائی دی۔ ہال کے وسط میں پہنچ کر وہ پھر رکی اور چاروں طرف دیکھنے لگی۔ اُس کی نظر حمید پر پڑی اور حمید نے کچھ اس طرح منہ پھیر لیا جیسے وہاں اُس کی موجودگی اُسے کھل گئی ہو۔

ریکھا ریسٹوران ہال کی طرف بڑھ گئی۔ حمید جہاں تھا وہیں بیٹھا رہا۔ کچھ دیر بعد وہ پھر ڈانسنگ

ہال میں واپس آئی۔ چند لمحے کھڑی کچھ سوچتی رہی پھر حمید کی میز کے قریب آ کر بولی۔ "کرنل صاحب کہاں ہیں؟"

"پتہ نہیں۔" حمید نے خلاف توقع بڑی سنجیدگی اور شرافت سے جواب دیا۔ "میں آدھے گھنٹے سے اُن کا منتظر ہوں۔ انہوں نے فون پر کہا تھا کہ آر لکچو میں ملو۔"

"مجھ سے بھی یہی کہا تھا۔" وہ چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ غالباً سوچ رہی تھی کہ اُسی میز پر بیٹھ جائے یا کوئی دوسری جگہ منتخب کرے۔

"بیٹھو....!" حمید نے کہا اور وہ غیر ارادی طور پر بیٹھ گئی۔

حمید خاموش ہی رہا اور اُس کے اس رویے کو ریکھا حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں کب فون کیا تھا؟"

"شاید آدھ گھنٹہ پہلے کی بات ہے۔"

"کیا حماقت ہے.... میں تو تنگ آ گیا ہوں اس ملازمت سے۔"

"ممکن ہے کسی وجہ سے ہماری موجودگی یہاں ضروری ہو۔"

"ان ممکنات اور ناممکنات نے میری زندگی تلخ کر رکھی ہے۔"

"تو پھر تم استعفےٰ کیوں نہیں دے دیتے؟"

"کیا اُس کے بعد جان بچ سکے گی۔ فادر ہارڈاسٹون مجھے زندہ رہنے دے گا؟"

"آج کل کیا چکر ہے؟"

"وہی پرانا چکر۔ کوئی ایسی لڑکی نہیں ملتی جو شادی کے لئے تیار نہ ہو۔"

"اب مجھے اٹھ جانا چاہئے۔" ریکھا بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

"پھر تم نے چکر کے متعلق کیا پوچھا تھا؟"

"میرا مقصد تھا کہ آج کل کون سا کیس ہے تم لوگوں کے پاس؟"

"سوٹ کیس....!" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "اور اُس میں بچھو بھرے ہوئے ہیں۔ ریکھا! تم کبھی بور نہیں ہوتیں؟"

"ہوتی ہوں۔ جب تم اوٹ پٹانگ باتیں کرنے لگتے ہو۔"

حمید ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

ریکھا نے کچھ دیر بعد کہا۔ "لیکن آج کل تم بہت بجھے بجھے سے نظر آ رہے ہو؟"

"تمہیں کیا.... میں جہنم میں جاؤں۔"

"کچھ بھی نہیں.... ضرور جاؤ۔"

"وہاں بھی تمہارے لئے ٹھنڈی آہیں بھرتا رہوں گا۔"

"ضرور ضرور....!" ریکھا مسکرائی۔ "کیا تم بھی ٹھنڈی آہیں بھرنا چاہتے ہو؟"

"اتنی زیادہ کہ اگر کبھی تمہاری سائیکل کی ہوا نکل جائے تو میرے پاس لانا۔"

"تم کب تک یہاں بیٹھو گے؟"

"جب تک کہ فادر ہارڈاسٹون نہ آجائے۔"

"مگر میرے لئے یہ پہلا اتفاق ہے۔"

"میں کب کہتا ہوں کہ تم دونوں روزانہ یہاں ملا کرتے ہو۔"

"پھر بکنے لگے۔ میں یہ کہہ رہی تھی کہ فریدی صاحب نے کبھی ایسا نہیں کیا کہ مجھے بلا کر خود غائب ہو جائیں۔"

"تمہیں فون کرنے کے بعد کوئی دوسری مل گئی ہو گی۔"

"تم حد درجہ بد تمیز ہو۔" ریکھا بگڑ گئی۔

"ذرا آہستہ بولو ورنہ آس پاس والے تمہیں کوئی بد مزاج بیوی سمجھ لیں گے اور میرا مستقبل تاریک ہو جائے گا۔ ابھی تو شہر کی لڑکیاں یہ سمجھتی ہیں کہ کنوارا ہے جائے گا کہاں۔"

"میں اب یہاں نہیں بیٹھوں گی۔"

"اس ضد پر جہاں بھی بیٹھو گی میرا جلوہ ہر حال میں قریب سے نظر آئے گا۔ لہٰذا مناسب ہے کہ یہیں بیٹھی رہو۔"

"تم گدھے ہو۔"

"بالکل....!" حمید سر ہلا کر بولا۔ "میں نے آج تک اس کی تردید نہیں کی لیکن پھر بھی کوئی لڑکی مجھے اپنا شوہر بنانا پسند نہیں کرتی۔"

"اس تذکرے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے تمہارے پاس؟"

"ہے کیوں نہیں۔ بینک بیلنس بھی ہے لیکن پھر بھی کوئی متوجہ نہیں ہوتی۔"

"اپنی شکل دیکھی ہے کبھی آئینے میں؟"

"صبح شام دیکھتا ہوں لیکن اپنی پیشانی پر تمہارا نام لکھا ہوا آج تک نہیں دیکھا۔"

"میرا نام میری چپلوں کے تلووں سے سروں پر چھپتا ہے۔"

"سبحان اللہ! تو آج کل تم چھاپہ خانہ ہو رہی ہو۔"

"اور آج کل تم ذہنی دیوالیہ پن کا شکار ہو رہے ہو۔"

"یہ بھی درست ہے۔ اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ آج تم دو ایک راؤنڈ میرے ساتھ ناچ ڈالو۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ میری ذہنی موت آج ہی واقع ہو جائے۔"

"مجھے ان لغویات سے دلچسپی نہیں ہے بلکہ ہنسی آتی ہے اُن گدھوں پر جو ناچتے ہیں۔"

"اس کے باوجود بھی کرنل ہارڈاسٹون کو تمہاری پرواہ نہیں ہو گی.... ارر.... ہمپ....!"

حمید چونک کر ایک طرف دیکھنے لگا۔ ریکھا بھی مڑی لیکن یہ نہ سمجھ سکی کہ حمید چونکا کیوں تھا۔

"کیا بات ہے؟" اُس نے آہستہ سے پوچھا۔

"یہ لڑکی انور کے ساتھ کیوں نظر آرہی ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

"کون لڑکی.... ہاں ہے تو.... مگر وہ کون ہے؟"

"ایک جوان اور خوبصورت لڑکی۔ ویسے بعض لڑکیاں بوڑھی بھی ہوتی ہیں اور بدصورت بھی۔"

"تم کوئی غصہ دلانے والی بات کہہ رہے تھے پھر پلٹ گئے۔"

"ہائے غصہ دلانے والی۔ تو وہی تذکرہ چھیروں۔ کرنل ہارڈاسٹون والا۔"

"تم بیہودے ہو۔"

"آخر مجھ میں کیا خرابی ہے؟"

"شٹ اَپ....!"

"ارے اگر وہ اس صدی کا سب سے عجیب آدمی ہے تو میں آنے والی صدیوں کا عجیب ترین آدمی بھی ہو سکتا ہوں۔ مگر فی الحال اس تذکرے کو یہیں رہنے دو۔ آخر یہ شاہینہ انور کے ساتھ کیوں ہے۔"

"تمہارے ساتھ ہونا چاہئے اسے؟"

"لاحول ولا قوۃ تمہاری موجودگی میں مجھے کوئی بوڑھی بکری بھی پسند نہیں آسکتی۔"

"اگر میں نے تمہیں یہیں مردانہ لہجے میں گالیاں دینی شروع کیں تو کیا ہو گا۔"

"بڑے مردانہ انداز میں میرے ہاتھ چلیں گے۔ شروع ہو جاؤ۔"

ریکھا انور اور شاہینہ کی طرف دیکھتی رہی۔ انور سیاہ سوٹ اور بے داغ سفید قمیض میں بڑا شاندار لگ رہا تھا اور شاہینہ اگر مرد ہوتی تو یقینی طور پر اُسے نمونیہ ہو گیا ہوتا۔ پتہ نہیں کیوں؟ حمید یہی سوچ رہا تھا۔ اُس نے ریکھا سے کہا۔ "کیا یہ عورتیں انگارے کھاتی ہیں؟"

"کیوں؟"

"کتنی شدید سردی ہے اور یہ شاہینہ ایک بالشت کے بلاؤز میں ہے۔ آدھا پیٹ کھلا ہوا ہے۔"

"تو کیا یہ یونہی آئی ہوگی۔" ریکھا نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اسکا کوٹ کلوک روم میں ہوگا۔"

"ارے تو کیا یہاں سردی نہیں ہے؟"

ریکھا کچھ نہ بولی۔ حمید نے کچھ دیر بعد اُس سے کہا۔ "اگر آج تم میری ہم رقص نہ بنیں تو انتقام بڑا بھیانک ہوگا۔"

ریکھا نے اس طرح گردن جھٹک دی جیسے کوئی مچھر اُس کے کانوں کے قریب شیام کلیان الاپ رہا ہو۔

"تم نہیں سمجھتیں وہ انور کا پٹھا مجھے بہت حقیر سمجھے گا۔ اگر ایک راؤنڈ بھی اُس کبوتری کے ساتھ ناچ لیا۔"

"مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"اچھی بات ہے میں تمہیں دیکھ لوں گا۔"

"اچھی زبردستی ہے۔" ریکھا جھنجھلا گئی۔ "تم ہوش میں ہو یا نہیں۔"

حمید وہاں سے اٹھا اور تیزی سے چلتا ہوا ریکریئیشن ہال میں آگیا۔ لیکن ابھی یہاں سناٹا تھا۔

سچ مچ اُسے ریکھا پر تاؤ آگیا تھا لہٰذا وہ اُسے جتا دینا چاہتا تھا کہ آرلکچو میں اُس کا وقت برباد کرانے والا وہ خود ہی تھا ظاہر ہے کہ یہ معلوم ہونے پر ریکھا بُری طرح چراغ پا ہوتی۔

وہ پھر ڈائننگ ہال میں واپس آیا۔ ریکھا بھی شاید اٹھنے ہی کا ارادہ کر رہی تھی۔

"تو تم میری ہم رقص نہیں بنو گی۔؟"

ریکھا کوئی جواب دیئے بغیر جانے کے لئے اٹھی۔

"پھر میں نے تمہیں کس لئے بلایا تھا؟"

"کیا مطلب....؟" ریکھا اُسے گھورنے لگی۔

"کیا میں کرنل کے لہجے کی نقل نہیں اُتار سکتا۔"

"خدا تمہیں غارت کرے۔" ریکھا ایک طویل سانس لے کر بیٹھ گئی۔

"اگر تم اسی لہجے میں بھی ہمیشہ مجھ سے گفتگو کرتی رہو تب بھی غنیمت ہے۔ تمہیں کیا پتہ کہ جب تم غصے کی حالت میں اپنا اوپری ہونٹ سکوڑتی ہو تو میرے دل کی دنیا کس طرح سکڑنے اور پھیلنے لگتی ہے۔"

"اُلو ہو تم....!" ریکھا غصے کی زیادتی میں رو دینے کے سے انداز میں بولی۔

"اُلو ہی سمجھ کر مجھے زندہ رہنے دو۔" حمید نے غم ناک لہجے میں کہا۔

ریکھا اپنا نچلا ہونٹ چباتی رہی۔ حمید پھر بولا۔ "آخر اس میں تمہارا نقصان کیا ہے۔ اگر کبھی مسکرا کر میری طرف بھی دیکھ لیا کرو۔"

"تم نے میرا وقت برباد کرایا ہے۔" ریکھا دانت پیس کر بولی۔

"اور تم میری زندگی برباد کر دینے پر تلی ہوئی ہو۔" حمید نے پھر ٹھنڈی سانس لی۔

"بکے جاؤ۔"

"مگر تم اٹھو گی نہیں۔"

"نہیں۔ آج یہاں کچھ ہو کر رہے گا۔"

"یعنی....!"

"بس دیکھ لینا۔ میں تمہارے ساتھ رقص کروں گی۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ ریکھا کہیں ویسی ہی کوئی حرکت نہ کر بیٹھے جیسی ایک بار رکل نائٹ کلب میں کر ڈالی تھی۔

"کیوں.... دم نکل گیا نا۔" دفعتاً ریکھا ہنس پڑی۔

"اگر تم اسی طرح ہمیشہ ہنستے رہنے کا وعدہ کرو تو میں اپنی گردن کاٹ کر نیشنل میوزیم میں رکھ دوں۔"

"یہ لڑکی کون ہے؟" ریکھا نے شاہینہ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"شاہینہ.... ارشاد بیگم کی لڑکی....!"

"اوہ.... اچھا یہ وہی شاہینہ ہے جس نے پچھلے سال بیڈ منٹن کی ٹرافی جیتی تھی۔"

"ہاں یہ وہی شاہینہ ہے۔"

"اسے انور کے ساتھ دیکھ کر تم متحیر کیوں ہوئے تھے؟"

"کچھ نہیں۔ انور اُس طبقے کا آدمی نہیں ہے جس سے وہ تعلق رکھتی ہے۔"

"تم بھی تو اُس طبقے کے آدمی نہیں ہو جس سے کرنل فریدی تعلق رکھتے ہیں۔"

"کرنل فریدی کسی طبقے کے آدمی نہیں ہیں۔ ویسے اگر تم انہیں کسی طبقے ہی میں رکھنا چاہتی ہو تو ابھی تک اُس طبقے نے جنم ہی نہیں لیا۔"

حمید گفتگو تو ریکھا سے کر رہا تھا لیکن اُس کی نظر شاہینہ کی طرف تھی۔ انور کئی بار کنکھیوں سے اُس کی طرف دیکھ چکا تھا لیکن پوری طرح متوجہ ہونے کی کوشش نہیں کی اور نہ حمید ہی نے

اُس کی پرواہ کی۔

"تم اُسے بُری طرح گھور رہے ہو۔" ریکھا نے کہا۔

"ہاں مجھے اُس پر غصہ آرہا ہے۔ آخر یہ اپنا پیٹ کیوں دکھاتی پھر رہی ہے۔ کیا بدمذاقی ہے۔ مجھے بڑی نفرت معلوم ہوتی ہے ایسی عورتوں سے جو اس قسم کے بلاؤز استعمال کرتی ہیں۔ اگر یہاں لنگوٹی لگا کر گھس آؤں تو سارے شہر میں شور ہو جائے گا۔ خیر مذاق چھوڑو سنجیدگی دیکھو۔ میرا خیال ہے کہ جسم کا سب سے بھدا حصہ پیٹ ہی ہے۔"

"اب تم بے تکی بکواس پر اُتر آئے۔ تمہاری کھوپڑی ہے یا سڑک کوٹنے کا انجن؟"

حمید اب بھی شاہینہ ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُن کی میز پر کھانے پینے کی کچھ چیزیں تھیں اس وقت وہ دونوں کافی پی رہے تھے۔ شاہینہ کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی بات جھنجھلا گئی ہو لیکن چونکہ اُن کی میزوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا اس لئے حمید اُن کی آواز نہیں سن سکتا تھا۔ ویسے شاہینہ کے ہونٹ بہت تیزی سے ہل رہے تھے۔ ساتھ ہی آنکھیں سکڑتی تھیں اور کبھی پھیل جاتی تھیں۔ انور اس طرح اُس کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے اُس کی بات اُس کے لئے حیرت انگیز اور غیر متوقع رہی ہوں۔

پھر اچانک "چٹاخ" کی آواز آئی اور حمید کی پلکیں ایک لحظہ کے لئے جھپک گئیں کیونکہ آواز اُس تھپڑ کی تھی جو انور کے گال پر پڑا تھا۔

انور اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن وہ اتنا متحیر تھا کہ پھر وہاں سے ہٹ بھی نہ سکا۔

شاہینہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہی تھی۔ "ہاں سور کے بچے۔ میرے پانچ سو پچپن شوہر ہیں تجھ سے مطلب۔ میں پانچ سو پچپن شوہروں کی بیوی ہوں.... کتے.... پھر تجھے کیا۔" پھر وہ کپڑے نوچنے لگی۔ خاصا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ کرسیاں خالی ہونے لگیں۔ اُن دونوں کے گرد بھیڑ جا رہی تھی۔ شاہینہ اب بھی چیخ چیخ کر اپنے پانچ سو پچپن شوہروں کا پروپیگنڈہ کر رہی تھی۔

دفعتاً حمید نے انور کا ہاتھ پکڑ کر اُسے بھیڑ سے باہر کھینچ لیا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"پتہ نہیں مجھے خود بھی حیرت ہے۔" انور نے پُر سکون لہجے میں جواب دیا۔ اُس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس واقعہ ہی سے بے تعلق ہو اور ایک تماشائی سے زیادہ حیثیت نہ رکھتا ہو۔

شاہینہ نے میز الٹ دی۔ مجمع پیچھے ہٹا۔ نہ صرف پیچھے ہٹا بلکہ کائی کی طرح پھٹنے لگا۔

ہاتھ میں آئی ہوئی ہر چیز مجمع پر پھینک رہی تھی۔

"دیکھو....!" حمید نے انور سے کہا۔ "یہ ہوش میں نہیں معلوم ہوتی۔ کیا تم نے اسے کہیں پی تھی؟"

"نہیں....!" انور تشویش کن لہجے میں بولا۔ "کیا یہ کپڑے بھی اُتار پھینکے گی؟"

شاہینہ وحشیوں کی طرح اچھل کود رہی تھی۔ اُس کے بال بکھر گئے تھے اور جسم پر صرف پیٹی ٹ اور محرم رہ گئے تھے۔

حمید اور ریکھا

آرلکچو کا منیجر بوکھلایا ہوا چاروں طرف دوڑتا پھر رہا تھا۔ حمید نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر روکتے ئے کہا۔

"اس پر کسی قسم کا دورہ پڑا ہے۔"

"جی ہاں۔ جی ہاں۔ پھر بتایئے میں کیا کروں؟"

"ایک کمرہ خالی کرا دیجئے۔" انور بولا۔ "ورنہ دیکھئے آپ کا بزنس....!"

"جی ہاں.... جی ہاں۔" وہ پاگلوں کی طرح بولا اور ایک طرف دوڑتا چلا گیا۔

شاہینہ چنگھاڑتی ہوئی فرش پر بیٹھ گئی اور اب دونوں ہاتھوں سے اپنے بال نوچ رہی تھی۔

"ہٹ جایئے۔ براہِ کرم۔ ہٹ جایئے۔" حمید مجمع کو ہٹانے لگا۔

لیکن بھلا اُس کی کون سنتا۔ لوگ الٹے اُس پر پھبتیاں کسنے لگے اور پھر اُس کی پیشانی پر تو ر نہیں تھا کہ وہ محکمہ سراغ رسانی کا کوئی آفیسر ہے۔ ہو سکتا ہے اُس مجمع میں دو ایک اُس کی نا پہچان کے بھی رہے ہوں۔ مجبوراً حمید کو ہوٹل کا لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنا پڑا۔

"خواتین و حضرات! براہِ کرم آپ مریضہ کے پاس سے ہٹ جایئے۔" اس کی آواز ہال میں گونجی۔ "ان خاتون پر اعصابی دورے پڑتے ہیں.... بہت بہت شکریہ.... مگر بائیں جانب ابھی ر بھرے ہے براہِ کرم آپ لوگ بھی ہٹ جایئے۔"

بروقت تمام وہ مجمع ہٹانے میں کامیاب ہوا۔ اتنی دیر میں تین ڈیوٹی کانسٹیبل بھی سڑک پر سے ر آگئے تھے اور شاہینہ اب فرش پر بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی۔ ریکھا نے اُس کا جسم اُس کی

ساڈھی سے ڈھانک دیا۔

پھر کچھ دیر بعد وہ اُسے ایک اسٹریچر پر اٹھا کہ منیجر کے خالی کرائے ہوئے کمرے میں گئے۔ شاہینہ اب بھی بے ہوش تھی۔ حمید نے ڈاکٹر کے لئے رنگ کیا اور پھر کمرے میں ریکھا اور حمید کے علاوہ کوئی نہ رہ گیا۔ حمید انور کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

"پانچ سو پچپن شوہروں کا کیا قصہ تھا؟" اُس نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔"

"تھپڑ مارنے سے قبل وہ کیا کہہ رہی تھی؟"

"یاد نہیں لیکن وہ گفتگو قطعی ہذیانی قسم کی تھی۔"

"کیا تم دونوں میں عرصہ سے دوستی ہے؟"

"مجھے یاد نہیں۔"

"تم زمین ہی پر ہو نا؟" حمید غرایا۔

"ہاں....!" انور نے لاپروائی سے جواب دیا اور شاہینہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"ریکھا....!" حمید بولا۔ "ڈائریکٹری میں بیگم ارشاد کے نمبر دیکھ کر انہیں فون کردو۔"

"تم ایسا ہرگز نہیں کر سکتے۔" انور نے حمید کی طرف مڑے بغیر کہا۔

"میں ایک ذمہ دار آفیسر ہوں.... ریکھا.... جلدی کرو۔"

"خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔" انور بڑبڑایا۔

"گٹ آؤٹ!" حمید نے دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"یہ حوصلے ہیں۔" انور اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھتا ہوا بولا۔

"میں تمہیں حراست میں لیتا ہوں۔" حمید غرایا۔ "تم منشیات کی ناجائز تجارت کرتے ہو نے اُس لڑکی کو چرس پلائی تھی۔"

"بھنگ....!" انور نے مسکرا کر تصحیح کی۔

"ڈیوٹی کانسٹیبلوں کو اندر بلالو۔" حمید نے ریکھا سے کہا۔ ریکھا باہر چلی گئی۔

"کیوں شامت آئی ہے۔" انور حمید کو گھورنے لگا۔

"شٹ اَپ....!"

"اچھا....!" انور ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "میں شاید حوالات تک بھی نہ پہنچ سکوں لیکن اس کے بعد....؟"

جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی دروازہ کھلا اور ڈیوٹی کانسٹیبل اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے حمید کو سلیوٹ کیا۔

"اس آدمی کو اپنی نگرانی میں رکھو۔" حمید نے انور کی طرف اشارہ کیا۔

"چلئے صاحب۔" ایک کانسٹیبل نے انور کو مخاطب کر کے کہا۔ لیکن ٹھیک اُسی وقت کمرے کا دروازہ اس انداز میں کھلا جیسے کوئی سرکش بیل اندر گھسنے کی کوشش کر رہا ہو۔ مگر آنے والی بیگم ارشاد تھی۔ اُس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"میری بچی۔" اُس نے چیخ مار کر بے ہوش شاہینہ پر گرنا چاہا۔

"ٹھہریئے محترمہ....!" حمید نے اُس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ وہ جھلائے ہوئے انداز میں بدی کی طرف مڑی۔

"تم کرائم رپورٹر انور ہو؟" اس نے تقریباً چیخ کر پوچھا۔

"نہیں.... کیپٹن حمید فرام انٹیلی جنس بیورو۔"

"اوہ....!" بیگم ارشاد خوفزدہ نظر آنے لگی۔ حمید نے انور کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"یہ کرائم رپورٹر انور ہے۔"

"تم میری بچی کو برباد کر رہے ہو۔" بیگم ارشاد نے دانت پیس کر کہا۔

"یہ میرے لئے بالکل نئی اطلاع ہے بیگم ارشاد۔ لیکن آپ مجھے پہچانتی بھی نہیں ہیں۔" انور مسکرا کر بولا۔

"تم اسے منشیات کا عادی بنا رہے ہو۔"

"مگر آپ کو اس واقعہ کی اطلاع کیسے ہوئی بیگم ارشاد۔" انور نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ہو گئی کسی طرح۔ اگر تم نے شاہینہ کا پیچھا نہ چھوڑا تو میں تمہارے خلاف کوئی سخت ترین روائی کروں گی۔"

انور نے لاپروائی کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنبش دی اور حمید بول پڑا۔

"یقیناً.... یقیناً بیگم ارشاد۔ میں اس شخص کو منشیات کی ناجائز تجارت کے سلسلے میں گرفتار رہا ہوں۔ ابھی ابھی اس کی جیب سے کوکین کا ایک پیکٹ برآمد کیا گیا ہے۔" پھر اُس نے کانسٹیبلوں سے کہا۔ "لے جاؤ۔"

انور چپ چاپ اُن کے ساتھ چلا گیا۔

"میں آپ کی مشکور ہوں جناب۔" بیگم ارشاد حمید سے کہہ رہی تھی۔

"اب میں اسے گھر لے جانا چاہتی ہوں۔ کیا آپ اس سلسلے میں بھی میری مدد کریں گے؟"

"ضرور.... ضرور....!"

"میں ہمیشہ احسان مند رہوں گی۔"

"انور کے خلاف اور کیا کاروائی کی جائے؟"

"اوہ.... بس میں یہ چاہتی ہوں کہ وہ میری بچی سے نہ ملا کرے۔"

"میں اُسے اچھی طرح سمجھادوں گا۔ آپ مطمئن رہئے۔ لیکن میں نے ڈاکٹر کو بلوایا ہے۔"

"بیکار ہے کیپٹن حمید" بیگم ارشاد بڑبڑائی۔ "یہ کسی قسم کا مرض نہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ اُس سور نے اسے کسی نشے کا عادی بنالیا ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔ اچھی بات ہے۔ بیگم ارشاد کیا آپ اپنی گاڑی لائی ہیں؟"

"جی ہاں.... میری گاڑی کمپاؤنڈ میں موجود ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید نے کہا اور پھر ریکھا سے بولا۔ "بیگم ارشاد کا ہاتھ بٹایئے مس ریکھا۔"

ریکھا اور بیگم ارشاد نے بیہوش لڑکی کو اٹھا کر اسٹریچر پر ڈالا اور دو کانسٹیبلوں کی مدد سے وہ بیگم ارشاد کی کار تک پہنچادی گئی۔

حمید اور ریکھا پھر اندر واپس آئے۔ بیگم ارشاد انہیں ڈاکٹر کے لئے فیس دے گئی تھی۔

"اب تم لوگ جاسکتے ہو۔" حمید نے کانسٹیبلوں سے کہا۔ "سب ٹھیک ہے۔"

انہوں نے انور کی طرف دیکھا اور حمید پھر بولا۔ "میں دیکھ لوں گا۔ تم لوگ جاؤ۔" کانسٹیبل چلے گئے۔

"کیوں دم نکل گیا نا۔" انور کے ہونٹوں پر ایک زہریلی سی مسکراہٹ تھی۔

"ہاں نکل گیا۔ اب تم بھی دفع ہو جاؤ۔"

"میرا نام انور ہے.... آنریری کیپٹن حمید۔"

"میں کب کہتا ہوں کہ تمہارا نام چنچلا دیوی ہے.... دوغلے لینڈی ڈاگ۔"

"بوٹیاں نوچ لوں گا اپنی۔" انور اٹھتا ہوا بولا۔ ریکھا اس دوران میں انہیں حیرت سے دیکھتی رہی تھی۔ انور کے چلے جانے کے بعد اُس نے کہا۔ "تمہارا رویہ اس سلسلے میں شروع ہی سے غیر متوقع رہا تھا۔"

"اوہ.... چھوڑو.... ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ....!"

لیکن جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی آر لکچو کا منیجر آدھمکا۔

"یہ سب کیا ہو گیا.... کپتان صاحب۔"

"بیٹھئے.... یہ بتانا تو مشکل ہے.... لیکن....!"

"میرا خیال ہے کہ وہ بھنگ پیئے ہوئے تھی۔"

"ممکن ہے۔"

"آر لکچو کا ریپوٹیشن بُری طرح خراب ہو رہا ہے۔" منیجر متفکرانہ لہجے میں بولا۔ "یہاں دن اونچے طبقے کے لوگ بالکل لوفروں کے سے انداز میں ہڑبونگ مچاتے ہیں۔ ابھی کچھ ہی پہلے یہاں ایک بڑے آدمی نے دوسرے بڑے آدمی پر شوربے کی پلیٹ کھینچ ماری تھی۔ اور لڑکی کا اغواء ہو گیا تھا۔"

"ہاں واقعی یہ بہت بُری بات ہے۔"

"پھر بتایئے میں کیا کروں۔ اگر یہی حالت رہی تو کچھ دنوں بعد یہاں اُلو بولنے لگیں گے۔"

"آپ باہر ایک بورڈ لگوا دیجئے جس پر تحریر ہو۔ براہِ کرم خواتین بھنگ پی کر تشریف نہ لائیں۔"

منیجر ہنسنے لگا پھر سنجیدگی سے بولا۔ "اوپری طبقہ اخلاقی حیثیت سے بالکل دیوالیہ ہوتا جارہا ہے۔"

"تب تو پھر آپ اسی عمارت میں اخلاقیات کا ایک اسکول قائم کر دیجئے۔"

"کپتان صاحب! میں سنجیدگی سے آپ کا مشورہ چاہتا ہوں۔"

"سنجیدگی سے مشورہ یہ ہے کہ آپ یہاں شراب کے ساتھ ہی ساتھ بھنگ بھی فروخت کرایئے۔ ظاہر ہے کہ اُس صورت میں اس قسم کے ہنگامے کوئی وقعت نہ رکھیں گے ورنہ آپ عورتوں کو تو روک ہی نہ سکیں گے جو باہر سے بھنگ پی کر یہاں آتی ہیں۔"

منیجر کچھ نہ بولا۔ کچھ دیر تک وہ خاموش بیٹھا رہا پھر اٹھ کر چلا گیا۔

"تم آج سچ مچ عجیب لگ رہے ہو۔" ریکھا مسکرا کر بولی۔

"اور عجیب آدمیوں پر لڑکیاں بُری طرح مرتی ہیں.... ہاہا.... یہ بھی عجیب لطیفہ ہے۔ اُن سے پوچھو کہ تم اُس پر کیوں مرتی ہو جواب ملے گا وہ کچھ کھویا کھویا سا رہتا ہے۔ انتہائی رومینٹک۔ اگر اتفاق سے انہیں کوئی کھویا کھویا سا رہنے والا شوہر مل گیا تو وہ سو فیصدی اُلو کا پٹھا اور گاؤدی۔ نگے نہ وہ انہیں عجیب لگے گا اور نہ رومینٹک۔ اُسے وہ سنکی اور جھکی کہیں گی۔"

"تم سے اتنی بکواس کرنے کو کس نے کہا تھا؟"

"ہا.... ریکھا! بس ختم کرو۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ تمہارے گلاب سی پنکھڑیوں جیسے ہونٹ ہر وقت میرے ذہن میں چکر اتے رہتے ہیں جب تم اپنی گھنیری پلکیں....!"

"شٹ اپ"

"ریکھا.... اٹھو.... رقص کے لئے موسیقی شروع ہوگئی ہے ایسے لمحات بار بار نہیں آتے۔ باہر یقینی طور پر چاندنی کھیت کر رہی ہوگی۔ ہوائیں خوشگوار ہوں گی اور چاند بادلوں کے ٹکڑوں میں اپنے ابا جان کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہا ہوگا۔ اٹھو ورنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی۔"

"مجھے نیند آرہی ہے۔ میں اب گھر جاؤں گی۔ مگر ٹھہرو۔ یہ شاہینہ کا کیا قصہ تھا۔ تم انور کو بُری طرح تاؤ کھا گئے تھے پھر اُسے اتنی آسانی سے کیوں چلے جانے دیا۔"

"کچھ نہیں یونہی۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "ان سب باتوں کا انحصار میرے موڈ پر ہے۔"

"مگر بیگم ارشاد سے یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ انور کی جیب سے کوکین کا پیکٹ برآمد ہوا ہے۔"

"زبان ہی تو ہلانی پڑی تھی۔ میرا کیا نقصان ہوا۔"

"لیکن اُس نے تو اُسے حقیقت ہی سمجھا تھا۔"

"مگر اس کے باوجود بھی وہ صرف اتنا ہی چاہتی ہے کہ انور اُس کی لڑکی سے نہ ملا کرے۔ اس نے اُس کے خلاف کسی قانونی کاروائی کا ارادہ نہیں ظاہر کیا تھا۔"

"ہاں یہ بات بھی عجیب ہے۔"

"پتہ نہیں عجیب ہے بھی یا نہیں۔ بہرحال میں اس سلسلے میں مغز کھپانے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ تم بھی خواہ مخواہ خود کو بور نہ کرو۔"

ریکھا کچھ کہنے ہی والی تھی کہ ایک ویٹر میز کے قریب آکر حمید سے بولا۔ "آپکا فون ہے جناب۔"

"اوہ.... اچھا!" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

وہ منیجر کے کمرے میں چلا گیا۔ منیجر موجود نہیں تھا۔ شاید حمید کو اطلاع دلوانے کے بعد وہاں سے اٹھ گیا تھا۔

"ہیلو....!"

"حمید....!" دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔

"جی ہاں.... فرمایئے۔"

"تمہارا رول اس سلسلے میں تسلی بخش رہا۔"

"آپ کیا جانیں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"تم اس قسم کے فضول سوال مجھ سے نہ کیا کرو۔"

"تو کیا آج کل پھر آپ نے اپنا جال سارے شہر میں پھیلا رکھا ہے۔"

"سنو....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ریکھا کا پیچھا چھوڑو۔ اس وقت وہ لڑکی مے پول میں ایک آسٹرین کے ساتھ ناچ رہی ہے۔ اس وقت جو آدمی اُس کی نگرانی کر رہا ہے اُس کے لئے خطرہ نہیں ہے۔"

"لہٰذا میں سر کے بل دوڑتا ہوا وہاں پہنچ جاؤں؟" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

"نہیں ایسی حرکت نہ کرنا۔ وہاں پہنچنے کے لئے تم ٹیکسی استعمال کر سکتے ہو۔"

"ویسے بھی میں ہیلی کوپٹر نہ استعمال کرتا لیکن ریکھا کا کیا کروں؟"

"کیا وہ تمہاری دم سے بندھی ہوئی ہے؟" فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"اچھا تو مے پول میں مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

"نگرانی....!"

"میرے خدا....!" حمید بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "میں کسی بھینسے کی نگرانی کر سکتا ہوں لیکن کسی لڑکی کی نگرانی دور سے نہیں ہو سکتی۔ آپ خود سوچئے کہ کیسی دشواری ہوتی ہوگی۔ دل کو کسی طرح سمجھاتا رہوں گا۔ مگر میرا دل آج کل اردو میں تو کچھ سمجھتا ہی نہیں۔"

"بکواس بند۔ مے پول جاؤ۔ اب دور سے نگرانی ضروری نہیں۔ تم اس سے قطعی مل سکتے ہو۔ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ تم اُسے اپنا نام اور پتہ غلط بتاؤ۔"

"خدا آپ کو اس سے زیادہ ترقی عطا فرمائے۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر اُسے لمبی لمبی دعائیں دینی شروع کر دیں لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔

حمید پھر ہال میں واپس آگیا۔ ریکھا اب بھی اُسی میز پر موجود تھی۔

حمید نے اُس سے کہا۔ "میرے بھتیجے کی بیوی کے سالے کا انتقال ہوگیا ہے اس لئے مجھے ہال دس منٹ کے اندر اندر ہی پہنچ جانا چاہئے۔"

"ارے.... وہ.... وہی تو نہیں جو.... وہاں رہتے تھے۔"

"ہاں وہی....!"

"تب تو میں بھی چلوں گی تمہارے ساتھ کیونکہ مرحوم سے میری بھی جان پہچان تھی۔"

"وہ دوسرے تھے تم انہیں نہیں پہچانتیں۔"

"میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ پچھلے ہی سال ہم دونوں ساتھ کام کرتے تھے۔"

"انہوں نے آج تک کوئی کام ہی نہیں کیا۔"

"تمہیں نہ بتایا ہوگا۔ میں بھی چلوں گی۔"

حمید سوچنے لگا۔ یہ کیا مصیبت آئی۔ ریکھا نے کہا۔ "میں آج تمہیں تنہا کہیں نہ جانے دوں گی۔ تمہارے ستارے اچھے نہیں ہیں۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔ تم مجھ سے زیادہ جیوتش نہیں جانتیں۔"

"جیوتش کی ایسی کی تیسی میں تو چلوں گی۔ ورنہ تم بڑے خسارے میں رہو گے۔ میں سچ کہتی ہوں یہیں کوئی دوسرا طوفان کھڑا ہو جائے گا اور تم اپنی گردن نہ چھڑا سکو گے۔"

"ارے باپ رے۔" حمید کراہ کر کرسی میں ڈھیر ہو گیا۔ پھر چند لمحے بعد بولا۔ "فری... فریدی صاحب کا فون تھا۔ وہ مجھے ایک جگہ کام سے بھیجنا چاہتے ہیں۔"

"کچھ بھی ہو۔ میں چلوں گی۔"

"چلو گی؟"

"ہاں ضرور چلوں گی۔"

"اچھا تو دو منٹ ٹھہرو۔" حمید نے اٹھنا چاہا لیکن ریکھا نے اُس کے کوٹ کا دامن پکڑ کر آہستہ سے کہا۔ "کیا فائدہ میں سب کے سامنے گریبان میں ہاتھ ڈال دوں۔"

"مر گئے۔" حمید بھرائی ہوئی آواز میں بڑبڑایا۔ پھر تیزی سے بولا۔ "اگر مجھے دیر ہوئی تو اس کے لئے تمہیں جواب دہی کرنی پڑے گی۔"

"میں کروں گی۔ تم فکر نہ کرو۔"

"اچھی بات ہے چلو۔" حمید ایک طویل سانس لے کر بولا۔

اُس کے ساتھ ریکھا بھی اٹھ گئی۔ وہ دونوں باہر آئے۔

"میری گاڑی موجود ہے۔" ریکھا نے کہا۔

"ہائیں! تمہارے پاس بھی گاڑی ہے؟"

"میری نہیں۔ میرے بھائی کی ہے۔"

"میں تو سمجھتا تھا کہ تم اس دنیا میں تنہا ہو اسی لئے مجھے تم سے اتنی ہمدردی تھی۔ اب تمہارا راستہ الگ ہے اور میرا الگ۔"

"کل سے۔ اس وقت تو دونوں ایک ہی راستے پر چلیں گے۔"

"فادر ہارڈاسٹون میرے سر کے ہزار ٹکڑے کر دے گا۔ اُس نے کہا تھا کہ ریکھا کو ساتھ نہ لے جانا۔"

"بکتے رہو۔ مجھے کچھ نہیں سنائی دیتا۔"

ریکھا اگلی سیٹ پر بیٹھتی ہوئی بولی۔ "آؤ۔"

"نہیں میں پیچھے ہی ٹھیک رہوں گا۔" حمید پچھلی نشست پر ڈھیر ہو گیا۔

"کہاں چلوں؟"

"ارجن پورہ۔" حمید نے ہانپتے ہوئے کہا۔

چھبن

جیسے ہی کار پارک لین میں گھسی حمید نکل بھاگنے کے لئے تیار ہو گیا۔ یہاں بھیڑ بہت زیادہ تھی۔ رفتار کم ہو گئی اور ریکھا کی توجہ بھی سڑک پر تھی۔ حمید نے باآہستگی دروازہ کھولا اور اُتر کر سامنے والی گلی میں ہو لیا۔ کچھ دور تک اُسے اتنی تیزی سے چلنا پڑا کہ کلیجہ حلق میں آ گیا۔

وہ ویسے بھی اب ریکھا سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا کیونکہ فریدی سے اُس لڑکی سے ربط و ضبط پیدا کرنے کی اجازت مل چکی تھی۔ پھر کسی نئی لڑکی کے مقابلے میں ریکھا کا کیا کام۔

اُس نے سی سے نکل کر ایک ٹیکسی کی اور مے پول ہوٹل کی طرف روانہ ہو گیا۔

انور اور شاہینہ والا واقعہ اُس کے ذہن سے اُتر چکا تھا اور اب وہ صرف اُسی لڑکی کے متعلق سوچ رہا تھا۔

مے پول ہوٹل پہنچ کر اُس نے ٹیکسی کا کرایہ ادا کیا اور اندر چلا آیا۔

ڈائننگ ہال قریب قریب سنسان پڑا ہوا تھا کیونکہ دوسری طرف ریکریئیشن ہال سے آرکسٹرا کی آواز منتشر ہو رہی تھی۔

اُس نے ریکریئیشن ہال کا ٹکٹ خریدا اور پھر زندگی کے اُس طوفان میں جا ڈوبا جہاں رنگ و نور و نکہت سبھی کچھ تھے لیکن اس بھیڑ میں اُس لڑکی کو تلاش کر لینا آسان کام نہیں تھا۔

لڑکی ملتی یا نہ ملتی مگر وہاں قاسم کو دیکھ کر اُس کی باچھیں کھل گئیں۔ وہ بائیں جانب والی گیلری کی ایک میز پر تنہا تھا اور اس طرح منہ کھولے ہوئے رقص دیکھ رہا تھا جیسے زندگی میں پہلی بار اتفاق ہوا ہو۔ حمید آہستہ آہستہ چلتا ہوا اُس کی پشت پر پہنچا۔ قاسم اتنا منہمک تھا کہ اُسے خبر

"ہاں....!" قاسم نے سر ہلا کر جواب دیا۔ پھر چونک کر مڑتا ہوا بولا۔ "قاؤن.... آخاہ آپ ہیں۔ جایئے.... جایئے.... ترشیف.... تشریف لے جایئے۔"

"کیوں پیارے بھائی۔ کیوں خفا ہو۔" حمید بیٹھتا ہوا بولا۔

"بس جاؤ۔ چلے جاؤ.... ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔ تم سالا ہماری بیوی کو خراب کرتا ہے۔"

"کیا مطلب....؟"

"تم نے اُس سے کہا تھا کہ قاسم تمہیں دوستوں میں گالیاں دیتا پھرتا ہے۔"

"نہیں یہ تو تمہارے والد صاحب کے متعلق کہا تھا۔"

"قیا....!"

"یہی کہ تم دوستوں میں اپنے والد صاحب کو گالیاں دیتے ہو۔"

"اے تم دغاباز اور جھوٹے ہو۔"

"میں کیا جانوں یہ بات تمہاری بیوی نے مجھے بتائی تھی۔"

"جھک مارتی ہے سالی۔ تم نے یقین کیسے کر لیا۔"

"اب نہیں کروں گا۔" حمید نے کہا اور قاسم اس طرح مطمئن ہو گیا جیسے کوئی بہت بڑا مسئلہ طے ہو گیا ہو۔ وہ دانت نکالے رقص کرتی ہوئی چکیلی لڑکی کو دیکھتا رہا۔

"قاسم! تم نے کبھی رقص کیا ہے؟"

"بنتا ہی نہیں سالا....!"

"کوشش کرو۔"

"کس کے ساتھ کوشش کروں۔ کون ناچے غی میرے ساتھ۔ میں اپنے ڈیل ڈول پر بہت لعنت بھیجتا ہوں۔"

"مگر میں تمہیں سکھا سکتا ہوں۔"

"تو سکھا دو نا پیارے! الا قسم زندگی بھر احسان مانوں گا۔"

"لڑکی تم تلاش کرو۔"

"میں کہاں تلاش کروں۔" قاسم نے کسی یتیم بچے کی طرح بے بسی سے کہا۔

"اس بھیڑ سے کسی لڑکی کو منتخب کرو میں معاملہ طے کرا دوں گا۔"

"اماں.... نہیں۔!" قاسم بھاڑ سا منہ پھیلا کر ہنسنے لگا۔

"پرواہ نہ کرو۔ اگر میں نے دیکھا کہ اُسے غصہ آگیا ہے تو تمہیں ڈانٹ کر بھگا دوں گا۔"

"قیا....!" قاسم غرایا۔

"ابے بات کو سمجھنے کی کوشش کیا کر۔" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔ "جب میں تمہیں ڈانٹوں تو تم چپ چاپ وہاں سے کھسک جانا۔ کیا سمجھے۔"

"نہیں.... نہیں.... تم کچھ گھپلا کرنا چاہتے ہو۔"

"کوئی گھپلا نہیں پیارے۔ اگر وہ نہ ناچے گی تمہارے ساتھ تو اُس کی بڑی بہن ناچے گی۔ وہ اُدھر دیکھو۔ وہ لمبی تڑنگی عورت جو سبز رنگ کے پھول دار اسکرٹ میں ہے۔"

"کدھر....؟" قاسم کی باچھیں پھر کھل گئیں۔

"وہ دیکھو" حمید نے ایک طرف اشارہ کیا۔ "وہ جو ایک مرغ نما آدمی کے ساتھ ناچ رہی ہے۔"

"اوہی.... ہی ہی ہی۔" قاسم اپنا جسم سکوڑ کر ہنسا پھر ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"ہے نا.... تگڑی۔" حمید نے پوچھا۔

"الا قسم.... بالکل فٹ۔"

قاسم کی نظریں اُس لمبی تڑنگی عورت کا تعاقب کرتی رہیں جو ایک دبلے پتلے آدمی کے ساتھ ناچ رہی تھی اور حمید دوسری ہی فکر میں تھا۔ اُس نے کہا۔ "تم اس سے برابر یہی کہتے رہنا کہ تم اُس کے ساتھ رقص کرنا چاہتے ہو۔"

"اچھا تو پھر....؟" قاسم بہت زیادہ دلچسپی لینے لگا تھا۔

"میں تمہیں وہاں سے ڈانٹ کر بھگا دوں گا۔"

"نہیں۔ یہ گھپلے والی بات ہے۔"

"جب تک میں تمہیں ڈانٹوں گا نہیں وہ تگڑی عورت تمہاری طرف متوجہ بھی نہ ہوگی۔"

"ابے حمید بھائی! کیوں اُلو بناتا ہے مجھے۔"

"اچھا جانے دو۔ میں خود ہی باری باری سے دونوں کے ساتھ ناچ لوں گا۔"

"تمہاری بات ہی میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"دیکھو.... قاسم بھائی صاحب یعنی کہ مطلب یہ ہے کہ دونوں بہنوں میں چلی ہوئی ہے۔ اگر میں تمہیں اُس کے پاس سے ڈانٹ کر بھگا دوں گا تو اُس کی بڑی بہن یعنی کہ وہ تگڑی والی فوراً تمہیں ہاتھوں ہاتھ لے گی۔ کیا سمجھے۔"

"اب سمجھ گیا۔" قاسم سنجیدگی سے سر ہلا کر بولا۔ "یعنی وہ اُس کی جلن میں میرے ساتھ ناچنے پر تیار ہو جائے گی۔"

"بالکل بالکل۔ خیر سمجھے تو تم.... مگر یار.... آج کل تم کچھ اُداس اُداس سے نظر آتے ہو۔ کیا بات ہے؟"

"کیا پوچھتے ہو حمید بھائی۔" قاسم نے ٹھنڈی آہ بھرنے کی بجائے ایک گرم سا جھونکا پھینکتے ہوئے کہا۔ "وہ سالی مجھے زندہ نہ رہنے دے گی۔"

"مگر میرا خیال ہے کہ تمہاری کوئی سالی اتنی تگڑی نہیں ہے۔"

"تم سمجھے نہیں۔ میں اُس خچرنی کی بات کر رہا ہوں جسے لوگ میری بیوی سمجھتے ہیں۔"

"کیوں کیا کوئی نئی بات؟"

"ہاں....!" قاسم گلوگیر آواز میں بولا۔ "وہ ایک نوکر کا بچہ لے کر پال رہی ہے اور مجھے اُس کا ڈیڈی کہتی ہے۔ تم خود سوچو حمید بھائی.... کتنی تکلیف.... تکلیف.... تکلیف دہ بات ہے۔"

"تمہارا کیا بگڑتا ہے.... کہنے دو۔"

"ارے وہ میرا مذاق اڑاتی ہے.... اُلو کی پٹھی۔"

"چچا کی پٹھی۔" حمید نے تصحیح کی۔

"چچا خود اُلو کا پٹھا ہے۔ سالا۔ آخر اُس نے ایک چوہیا ہاتھی کے پلے کیوں باندھ دی تھی۔"

"قاسم تم شاعر ہوتے جا رہے ہو۔"

"چھوڑو یار حمید بھائی۔ لعنت ہے اپنی زندگی پر۔ اب اُس سالی نے اپنی ایک خالہ کو بھی بلا کر گھر میں رکھ لیا ہے۔ دن میں کئی بار دل چاہتا ہے کہ اُس خالا کو غولی.... گولی مار دوں۔"

"کیوں؟ کیا عمر ہو گی خالہ کی؟"

"چھوڑو یار گولی مارو.... ہو گی کچھ....!"

"بوڑھی ہے؟"

"تم یہ قیوں پوچھ رہے ہو۔" قاسم اُسے گھورنے لگا۔

"کچھ نہیں.... یونہی.... اوہ دیکھو۔ راؤنڈ ختم ہو گیا ہے اب اٹھو۔ آؤ میرے ساتھ۔"

وہ دونوں جھپٹتے ہوئے بار کے کاؤنٹر کی طرف چلے کیونکہ وہ لڑکی اُسی طرف جا رہی تھی۔ حمید کا خیال تھا کہ وہ وہاں سے شراب خرید کر پھر اپنی میز پر آجائے گی لیکن اُس کی اس توقع پر اوس پڑ گئی کیونکہ وہ شاید چند سیکنڈ کے لئے کاؤنٹر پر ہاتھ ٹیک کر بار مین کی طرف جھکی تھی اور پھر اُس کا رخ دروازے کی طرف ہو گیا تھا۔ حمید بے بسی سے اُسے جاتے دیکھتا رہا۔ اُس کی رفتار اتنی تیز تھی کہ حمید نے تعاقب کا ارادہ بھی ترک کر دیا۔ ویسے وہ یونہی بے خیالی میں ڈائننگ ہال تک

ضرور چلا آیا۔ دوسری طرف قاسم تھا کہ اُس کی سرگوشیاں کسی طرح رکنے کا نام نہیں لیتی تھیں۔

"گئی.... وہ مڑی.... وہ رکی.... یا اللہ.... چلی گئی۔" پھر اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "اب کیا ہو گا حمید بھائی؟"

"میرا بھرتا بنے گا۔" حمید جھلا کر اُسکی طرف مڑا۔ نہ جانے کیوں اُسے قاسم پر غصہ آگیا تھا۔

"اُس کی بڑی بہق.... بہن....!" قاسم کی آواز حلق میں پھنسنے لگی۔

"جہنم میں جائے۔"

"ارے واہ۔" قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ "وہ سالی چلی گئی تو مارو گولی.... اُس کی بہن بے چاری نے کیا قصور کیا ہے۔"

حمید جواب دیئے بغیر ریکریئیشن ہال کی طرف مڑ گیا۔ قاسم گویا دم کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ وہ حمید کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا اس میز پر لایا جہاں سے وہ کچھ دیر پہلے اٹھے تھے۔

"بیٹھو.... پیارے حمید بھائی.... الا قسم.... بعض اوکات تم سے بڑی محبت معلوم ہوتی ہے۔"

"ہاں.... ہو سکتا ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اُس نے لڑکی کا تعاقب کیوں نہ کیا۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت اُسے نظر میں رکھنا ضروری رہا ہو۔ ورنہ فریدی اُسے خصوصیت سے یہاں کیوں بھیجتا۔

"ارے.... غمید.... بھاغی....!" دفعتاً قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "وہ دیکھو۔"

"کیا ہے یار....!" حمید جھنجھلا کر بولا اور اُسی طرف دیکھنے لگا جدھر قاسم دیکھ رہا تھا اور پھر اُس کی جھنجھلاہٹ بالکل ہی کافور ہو گئی کیونکہ وہی لڑکی پھر ریکریئیشن ہال میں داخل ہو رہی تھی لیکن اس بار وہ تنہا نہیں تھی۔ اُس کے ساتھ ایک مرد بھی تھا۔

"چلو اٹھو....!" قاسم اُسے جھنجھوڑتا ہوا بولا۔

"بیکار ہے بیٹا.... اب وہ تنہا نہیں ہے۔"

"تو اس سے کیا.... وہ سالا بولے گا تو گردن توڑ دوں گا۔"

"بس بیٹھے رہو۔"

"اچھا اُس کی بہن۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اُس کی کھوپڑی پر اب بُری طرح برف پڑ گئی تھی۔ اُس نے جو کچھ سوچا تھا نہ ہو سکا۔

تیسرے راؤنڈ کے لئے موسیقی شروع ہونے والی تھی اور لڑکی کے ساتھ آنے والا آدمی

اُسی کی میز پر تھا۔ حمید نے پہلے ہی اندازہ کرلیا تھا کہ لڑکی یہاں تنہا ہے کیونکہ فریدی نے جس آدمی کے متعلق فون پر کہا تھا اُس قسم کے کسی آدمی کے ساتھ حمید نے اُسے نہیں دیکھا تھا۔ اس لئے وہ اتنی دیر تک قاسم کے ساتھ سر مارتا رہا تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ اگر قاسم اُس لڑکی کے ہو گیا تو اُسے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جائے گا۔ پھر ایسے موقع پر اگر حمید اُسے قاسم سے "نجات" دلا سکتا تو اُس کی طرف لڑکی کا متوجہ ہو جانا لازمی تھا۔

مگر اب وہ کیا کرتا۔ اب تو وہ تنہا نہیں تھی۔ اُسے اُس آدمی پر بڑا غصہ آرہا تھا۔ وہ لڑکی کی طرح کوئی غیر ملکی نہیں تھا۔ تیس پینتیس سال کا ایک خوشرو اور صحت مند جوان تھا۔ خدوخال سے سخت گیری مترشح تھی۔ حمید اُسے گھورتا رہا۔

موسیقی شروع ہو گئی لیکن وہ دونوں بیٹھے ہی رہے۔ قاسم بڑبڑا رہا تھا۔ "ہائے اُس کی بڑی بہن.... وہ گئی.... وہ گئی.... نکل گئی۔"

حمید نے دوسری طرف دیکھا وہ لمبی تڑنگی عورت ایک آدمی کے ساتھ رقص کرنے کے لئے اٹھی تھی.... قاسم بُری طرح ہاتھ مل رہا تھا۔

"یار حمید بھائی۔ تم دل توڑ دیتے ہو۔" قاسم گلوگیر آواز میں بولا۔

"تمہاری قسمت ہی خراب ہے، میں کیا کروں۔"

"تم کچھ نہ کرو، اب میں خود ہی کچھ کروں گا۔"

"کیا کرو گے؟"

"آگ لگاؤں گا اپنے گھر میں۔"

"چلو! خاموش بیٹھو۔ خان بہادر صاحب کا ہنٹر اس وقت شاید بھول گئے ہو۔"

حمید نے قاسم کو خاموشی سے دانت پیستے دیکھا۔ رقص شروع ہو چکا تھا اور کبھی کبھی رقاصوں کی بھیڑ سے دوسری طرف کی گیلری میں بیٹھی ہوئی وہ لڑکی بھی نظر آجاتی تھی۔ دفعتاً ایک بار حمید کو ایسا لگا جیسے اب وہ اپنی میز پر تنہا ہو۔ وہ کرسی سے اٹھ گیا۔ اب وہ دوسری طرف کی پوری گیلری صاف دیکھ سکتا تھا۔ اور یہ حقیقت تھی کہ اب وہ لڑکی اپنی میز پر تنہا تھی۔

حمید نے ایک طویل سانس لی اور دوسری گیلری کی طرف چل پڑا۔ قاسم اُسے پکارتا ہی رہ گیا۔ دوسری گیلری میں پہنچ کر وہ لڑکی کے قریب ہی کھڑا ہو گیا لیکن دفعتاً اُس نے محسوس کیا کہ وہ کچھ خوفزدہ سی ہے۔ حمید نے چاروں طرف نظر دوڑائی لیکن وہ آدمی کہیں نظر نہ آیا جو کچھ دیر پہلے اُس کے ساتھ تھا۔

لڑکی خوفزدہ انداز میں اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ ایک بار دونوں کی نظریں ملیں اور پھر وہ مختلف سمتوں میں دیکھنے لگے۔ اچانک حمید آگے بڑھ کر آہستہ سے بولا۔ "کیا آپ میری ہم رقص بننا پسند کریں گی۔"

"جی۔!" وہ چونک پڑی اور پھر ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "مجھے افسوس ہے، میں بہت تھک گئی ہوں۔"

"تھکن تو زندگی کے ساتھ ہے۔" حمید فلسفیانہ انداز میں بولا۔ "خیر میں خودکشی کرلوں گا۔"

پھر اُس نے محسوس کیا کہ لڑکی نہ صرف اُسے شبہے کی نظر سے دیکھ رہی تھی بلکہ اُس کے چہرے پر پھیلی ہوئی زردی کچھ اور گہری ہو گئی ہے۔

"آپ کچھ خوفزدہ سی ہیں۔" حمید اُس کے سامنے بیٹھتا ہوا بولا۔

"اوہ.... نہیں تو.... کیوں؟" لڑکی اب متحیر نظر آنے لگی۔

"آپ خوفزدہ ہیں۔"

"پھر.... آپ نے اس بے تکلفی کی جرأت کیسے کی۔ میں کوئی سوسائٹی گرل نہیں ہوں۔"

"اور میں بھی کوئی لفنگا نہیں ہوں۔ ایک شریف آدمی۔" حمید مسکرایا۔

لڑکی کرسی کی پشت سے ٹک کر اُسے گھورنے لگی۔ حمید اُسکی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکراتا رہا۔

دفعتاً لڑکی آگے جھک کر میز پر کہنیاں ٹیکتی ہوئی آہستہ سے بولی۔ "کیا تم مجھے خوفزدہ کر سکتے ہو۔ ہرگز نہیں۔ یہاں میرے حمایتی بھی موجود ہیں۔ تم کوئی حرکت کر کے دیکھو۔"

"تم کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو۔"

"کیا میں نے تم سے کہا تھا کہ یہاں بیٹھ جاؤ۔" لڑکی نے غصیلی آواز میں کہا۔

"نہیں....!"

"پھر....؟"

"پھر میں کیا بتاؤں! آج میرے اور تمہارے ستارے کچھ اسی قسم کے ہیں۔"

لڑکی کچھ کہنے کا ارادہ رکھتی تھی لیکن حمید نے اُسے یک بیک چونکتے دیکھا۔ وہ ہال کے صدر دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

حمید بھی مڑا لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُس کے ہونٹ کھلے اور ایک ہلکی سی "سسکی" دانتوں سے باہر آگئی۔ اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اُس کے بازو میں سوئی چبھ گئی ہو۔ اُس کا بایاں ہاتھ بے اختیارانہ انداز میں بازو پر پڑا اور وہ پلٹ کر لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔ لڑکی نے کچھ اس

انداز میں اپنی کرسی پیچھے کھسکائی جیسے یہ حرکت اُسی نے کی ہو۔ حمید کو اپنے سارے جسم میں گرم گرم لہریں سی محسوس ہو رہی تھیں اور جس جگہ سوئی کی چبھن سی محسوس ہوئی تھی وہاں اب اتنی تکلیف تھی جیسے وہ کوئی مواد بھرا پھوڑا ہو۔ لڑکی اٹھ گئی مگر حمید زبان بھی نہ ہلا سکا۔ وہ اُسے جاتے دیکھتا رہا لیکن اُس کا جسم بے حس و حرکت تھا۔ آرکسٹرا کی موسیقی اُسے ایسی لگ رہی تھی جیسے وہ کسی مچھلی مارکیٹ کا بے معنی شور ہو۔ اُس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن شاید پیروں میں دم ہی نہیں تھا۔

اُس کے سارے جسم سے ٹھنڈا پسینہ چھوٹ پڑا لیکن سوچنے سمجھنے کی صلاحیت اُس میں موجود تھی۔ اُس نے دوسری گیلری کی طرف دیکھا۔ قاسم اب بھی وہاں موجود تھا اور حمید ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ حمید اُسے بلانے کے لئے زور زور سے سر ہلانے لگا۔

پھر کچھ دیر بعد وہ اُس سے کہہ رہا تھا۔ "قاسم مجھے گھر پہنچادو۔ خدا کی قسم میں اپنی قوت سے چل بھی نہیں سکتا۔ شائد تمہیں مجھ کو گود میں اٹھانا پڑے۔"

"آں ہاں نہیں۔ کیوں مذاق کرتے ہو۔" قاسم ہنسنے لگا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔" حمید اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔ "جلدی کردیا پھر فریدی صاحب کو فون کردو۔"

خطرناک تحفہ

رشیدہ نے چائے کی ٹرے کے ساتھ ہی اخبار بھی میز پر رکھ دیا لیکن اس کے باوجود بھی جب انور نے چائے انڈیلتے وقت اخبار کا مطالبہ کیا تو اُسے غصہ آگیا۔

"تم اندھے ہو شاید۔"

"ہاں میں اندھا ہوں اس لئے آج سے خبریں بھی تم ہی پڑھ کر سناؤ گی۔"

"میں نوکر ہوں تمہاری؟"

"یہ ایک بہت پرانا سوال ہے جس کا جواب میں نے کبھی نہیں دیا۔"

"پچھلی رات کیا ہوا تھا؟" رشیدہ اُسے گھورتی ہوئی بولی۔

"کچھ بھی نہیں۔ جس بات کا تعلق تمہاری ذات سے نہ ہو اُسے نہ چھیڑا کرو۔"

"آبزرور کا اداریہ پڑھا ہے تم نے؟"

"میرے پاس برباد کرنے کے لئے وقت نہیں ہے۔"

"یہ بہت اچھا ہے۔ ورنہ تم اس وقت چائے میں شکر کی بجائے نمکیا استعمال کرتے۔"

"کیوں....؟"

"کل تم نے آرلکچو میں کس لڑکی کو شراب پلائی تھی۔"

"اوہ.... تو کیا اُس کے متعلق کچھ ہے؟"

"ہاں.... آں.... تو یہ حقیقت ہے؟"

"کیا لکھا ہے اُس نے؟"

رشیدہ اخبار اٹھا کر پڑھنے لگی۔

"کرائم رپورٹر کے جرائم۔ ایک مقامی اخبار کا کرائم رپورٹر پچھلی رات ایک بڑے ہوٹل میں ب پی کر ننگا ناچتا رہا۔ یہ رپورٹر شہر میں خاصی شہرت رکھتا ہے اور اعلیٰ پولیس افسروں سے اس مراسم ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اخلاقی اور سماجی پابندیوں کا قائل نہیں ہے۔ اگر یہ حرکت اور سے سرزد ہوتی تو وہ اس وقت جیل میں ہوتا لیکن ظاہر ہے کہ وہ اُن لوگوں سے مراسم اہے جو قانون کے محافظ کہلاتے ہیں پچھلی رات آرلکچو میں جو ہنگامہ ہوا اگر دنیا کے کسی رے مہذب ملک میں ہوا ہوتا تو۔"

"بس بند کرو۔" انور ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"تو یہ حقیقت ہے۔" رشیدہ نے کہا اور جواب کا انتظار کئے بغیر بولی۔ "اور وہ سرمایہ دار لڑکی تھی؟"

"شاہینہ.... اُس کے متعلق کیا ہے؟"

"وہ بھی برہنہ ہو کر اُس کرائم رپورٹر کے ساتھ ناچتی رہی۔"

"اور آبزرور کا ایڈیٹر اپنے دفتر میں سارنگی بجاتا رہا تھا۔ خیر اُس کی بھی شامت آگئی ہے۔"

"قصہ کیا تھا؟"

"شاہینہ پر کسی قسم کا دورہ پڑا تھا اور اُس نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے تھے۔"

"اور تم....؟"

"اور اب مجھ پر اس وقت دورہ پڑنے والا ہے۔"

"پرواہ مت کرو۔" رشیدہ گردن جھٹک کر بولی۔ "اس وقت بھی میرے پیروں میں باٹا کے ہیں۔ تم آخر شاہینہ کو وہاں لے کیوں گئے تھے؟"

"کیونکہ اُسی کی بدولت میرے قرض خواہوں نے پھر مجھ سے محبت شروع کردی ہے۔"

"اوہ.... تو کیا.... وہ تم سے کوئی کام لے رہی ہے۔"

انور کچھ نہ بولا۔ رشیدہ چند لمحے اُسے گھورتی رہی پھر بولی۔ "تم یہ بات مجھ سے کیوں چھپا رہے ہو؟"

"تم پر ظاہر ہی کون سی بات ہے۔"

"میں پوچھنا بھی نہیں چاہتی۔" رشیدہ چڑھ کر بولی۔

"شکریہ۔"

انور چائے پیتا رہا۔ اخبار اُس کے سامنے تھا۔ دفعتاً اُس کی نظر ایک دلچسپ خبر پر پڑی۔ خود اُس کا اخبار اُس خبر سے محروم ہی رہ گیا تھا۔ اگر پچھلی رات وہ خود بھی ایک معاملے میں نہ الجھ گیا ہوتا تو یہ خبر نامکمل صورت میں نہ شائع ہوئی ہوتی۔

خبر تھی۔ "محکمہ سراغ رسانی کے ایک آفیسر کیپٹن حمید کا حیرت انگیز تجربہ۔ گذشتہ شب آفیسر مذکور کو ایک حیرت انگیز واقعہ سے دوچار ہونا پڑا۔ وہ مے پول رقص گاہ میں ایک غیر ملکی خاتون سے گفتگو کر رہے تھے۔ دفعتاً انہوں نے اپنے داہنے بازو میں چبھن سی محسوس کی اور اُن کا جسم بے حس و حرکت ہو گیا۔ اُن کا بیان ہے کہ چبھن محسوس ہونے سے قبل وہ اُس خاتون کی طرف متوجہ نہیں تھے۔ وہ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ اس واقعہ میں اُن خاتون کا ہاتھ تھا یا وہ بھی اس سے لاعلم تھیں۔ ذرا ہی دیر میں آفیسر مذکور کی حالت غیر ہو گئی۔ وہ اُن خاتون سے اپنی کیفیت بھی نہ بیان کر سکے اور وہ اٹھ کر چلی گئیں۔ اُن کی ملاقات اس واقعہ سے چند منٹ پہلے ہوئی تھی۔ آفیسر مذکور اُن کے نام سے بھی واقف نہیں ہیں۔ اُن کا بیان ہے کہ جس جگہ چبھن محسوس ہوئی تھی وہ ذرا ہی سی دیر میں کسی پھوڑے کی طرح دکھنے لگی۔ وہ اس طرح بے حس و حرکت ہو گئے تھے کہ اُن کے ایک دوست انہیں گود میں اٹھا کر رقص گاہ سے باہر لے گئے اور پھر جب وہ اُن کی کار پر گھر جا رہے تھے تیز اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے انہیں حیرت انگیز طور پر پہلے کی ہی سی حالت میں لے آئے۔ اُن کا جسم پہلے ہی کی طرح چاق و چوبند ہو گیا اور بازو کی تکلیف بھی اتنی ہی رہ گئی جتنی کسی سوئی کے چبھ جانے کی بناء پر ہو سکتی ہے۔ بعد کی اطلاع ہے کہ اُن کے طبی معائنے سے بس اتنا ہی معلوم ہو سکا کہ بازو میں کوئی نوکیلی چیز چبھ گئی تھی۔ لیکن اُس کے خراب اثرات اُن کے خون میں نہیں مل سکے۔ ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ وہ چبھنے والی چیز ایک معمولی سوئی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتی۔"

"واہ بھئی! کیا بات ہوئی۔" انور بڑبڑایا۔

"کیا....؟" رشیدہ چونک پڑی۔

انور نے اخبار اُس کی طرف بڑھا دیا۔ جب رشیدہ پڑھ چکی تو اُس نے کہا۔ "آخر اس خبر کی اشاعت کی کیا ضرورت تھی۔"

"ہے دلچسپ....!"

"مگر وہ تو آرلیکچو میں تھا اور یہ خبر مے پول سے تعلق رکھتی ہے۔"

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی اور انور نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔

"انور....!" دوسری طرف سے نسوانی آواز آئی۔

"کون....؟"

"اوہ.... کپڑے پہن رکھے ہیں تم نے؟"

"انور خدا کے لئے میرا مضحکہ نہ اڑاؤ۔ اب شاید ہی تم کبھی مجھے گھر سے باہر دیکھ سکو۔"

"انور میں التجا کرتی ہوں کہ میری بات سن لو۔ اس قسم کا دورہ مجھ پر کبھی نہیں پڑا۔ میں کسی ذہنی مرض میں مبتلا نہیں ہوں۔"

"آرلیکچو کے منیجر کا خیال ہے کہ تم بھنگ پی کر آئی تھیں۔"

"بکواس ہے۔ سگریٹ کے علاوہ اور میں ہر قسم کے نشے سے دور رہتی ہوں۔"

"خیر.... تو اب کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"ممی یقیناً کسی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ وہ کچھ کھل رہی ہیں لیکن اسی حد تک کہ مجھے تم سے نہ ملنے دیں۔ اُن کا خیال ہے کہ یہ اُسی خطرناک آدمی کی حرکت تھی جو آج کل اُن کی پریشانی کا باعث بنا ہوا ہے۔ اُس نے شاید انہیں اس سے آگاہ بھی کر دیا ہے۔ اُس نے کہا ہے کہ اگر اب اس لڑکے کسی فرد نے پولیس یا کسی پرائیویٹ سراغ رساں سے ساز باز کرنے کی کوشش کی تو اُسے اس طرح ذلیل کیا جائے گا۔"

"اوہ.... لیکن تمہاری ممی کچھ بتانے پر تیار نہیں؟"

"نہیں قطعی نہیں.... وہ کہتی ہیں کہ اگر تم میری زندگی چاہتی ہو تو اپنی زبان ہر معاملے میں بند رکھو۔"

"یہ بہت بُری بات ہے۔ پھر اب تم کیا چاہتی ہو؟"

"میں اب بھی وہی چاہتی ہوں جس کے لئے تم سے ملی تھی۔"

"اپنی ممی کی تنبیہہ کے باوجود بھی؟"

"تم وہ طریقہ کیوں نہیں اختیار کرتے کہ کسی کو اس کا علم نہ ہو سکے۔"

"ہو سکتا ہے۔ مگر اُس طریقے کے اخراجات ذرا لمبے ہو جائیں گے۔" انور نے رشیدہ کو آنکھ مار کر کہا اور رشیدہ ہونٹ سکوڑ کر رہ گئی۔

"اخراجات کی پرواہ نہ کرو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "اور آج تم میری سالگرہ کی تقریب میں شرکت کر رہے ہو؟"

"آہا.... اوہ.... اچھا.... مگر تم مجھے پہچانو گی کیسے؟"

"بس جسے نہ پہچانتی ہوں گی وہی تم ہو گے۔"

"سب تمہارے جانے پہچانے آدمی ہوں گے؟"

"ہاں....!"

"اور تمہارے سبھی دوستوں سے تمہاری ممی واقف ہوں گی؟"

"نہیں بہتیروں کو نہیں جانتیں۔"

"بس ٹھیک ہے۔ میں آؤں گا۔"

"میں دراصل تمہیں اس لئے بلا رہی ہوں کہ تم اُن دونوں گدھوں کو دیکھ لو۔"

"ڈنکی ٹیلس کے متعلق کہہ رہی ہو؟"

"ہاں.... وہی دونوں۔ ہو سکتا ہے ممی کی پریشانیوں کی وجہ وہی ہوں۔"

"میں آؤں گا۔ اچھا.... بس....!"

"نہیں اور کچھ نہیں۔"

انور نے ریسیور رکھ دیا اور رشیدہ کو آنکھ مار کر مسکرانے لگا۔

"سنا تم نے؟" اُس نے اس انداز میں کہا جیسے رشیدہ بہری ہو۔ "میں اس کیس کے اختتام پر ایک اچھی سی کار خرید رہا ہوں۔"

"وہ تو تم کئی کیسوں کے اختتام پر خرید چکے ہو۔"

"نہیں اس بار ضرور خرید لوں گا۔"

"دیکھوں گی۔"

انور ناشتہ ختم کر کے اٹھ گیا۔ رشیدہ وہیں بیٹھی رہی۔ لیکن وہ انور سے کچھ برگشتہ سی معلوم ہو رہی تھی۔ اُسی شام کو انور میک اپ میں ارشاد منزل جا پہنچا۔ اس میک اپ میں وہ یورپین

ملوم ہوتا تھا۔

ارشاد منزل کا بڑا ہال کافی نفاست کے ساتھ سجایا گیا تھا اور شاید اس وقت تک آدھے سے زیادہ مہمان وہاں پہنچ چکے تھے۔

انور نے شاہینہ کی جستجو میں چاروں طرف نظر دوڑائی لیکن وہ کہیں نظر نہ آئی۔ انور نے سوچا کہیں وہ پہچان نہ لیا جائے کیونکہ اُس کی موجودہ حیثیت میں وہاں اُس کا ایک بھی شناسا نہیں تھا۔

وہ شاہینہ کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھٹکتا رہا۔ ویسے اُس بھیڑ میں کسے پڑی تھی کہ اُس کی طرف توجہ دیتا۔ یہ مجمع کسی پبلک جلسے کی سی نوعیت کا حامل تھا۔

لیکن آخر کار انور نے اندازے سے اُن باپ بیٹے کو پہچان لیا۔ جنہیں دکھانے کے لئے شاہینہ نے اُسے مدعو کیا تھا۔ وہ دونوں ایک میز کے قریب کھڑے کسی مسئلہ پر بحث کر رہے تھے۔

انور اُن کی پشت پر کھڑا ہو کر دیوار سے لگی ہوئی ایک پینٹنگ دیکھنے لگا۔ معمر آدمی خاصا بلند تھا اور اُس کی ڈاڑھی سرخی مائل تھی۔ اگر نوجوان کے چہرے پر بھی ویسی ہی ڈاڑھی ہوتی تو دونوں کو پہچاننا مشکل ہو جاتا۔ بیٹا اپنے باپ کی ہو بہو نقل تھا۔ فرق بس اتنا ہی تھا کہ اُس کے چہرے پر ڈاڑھی نہیں تھی۔

"جب عقل نہیں رکھتے تو بکواس کیوں کرتے ہو۔" بوڑھا نوجوان سے کہہ رہا تھا۔

"ڈیڈی میں تم سے زیادہ عقل رکھتا ہوں۔ جب دل چاہے کر لو عقل کا مقابلہ۔" نوجوان بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"تم گدھے ہو۔"

"میری رگوں میں تمہارا ہی خون دوڑ رہا ہے ڈیڈی۔"

"تو اس سے کیا ہوتا ہے تم اس کے باوجود بھی گدھے ہو سکتے ہو۔"

بات آگے نہ بڑھ سکی کیونکہ ٹھیک اُسی وقت شاہینہ اُدھر آ نکلی۔ وہ آج خلافِ معمول لمبے اور فراک میں تھی۔

نوجوان ڈنکی ٹیل نے اپنے حلق سے عجیب سی آواز نکالی اور اُسے روک کر بولا۔ "مجھے معاف کرنا مس ارشاد تم اس لباس میں بہت اچھی لگتی ہو.... کیوں ڈیڈی۔"

"اوہ.... یقیناً....!" بوڑھا ڈنکی ٹیل سر ہلا کر شفقت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"شکریہ۔" شاہینہ بڑے دل آویز انداز میں مسکرائی اور انور پر ایک اچٹتی ہوئی سی نظر ڈالتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

"ڈیڈی۔" نوجوان ڈنکی ٹیل بولا۔ "یہ لڑکی مجھے خواب دکھاتی ہے۔"

"ہاں.... آں.... ہو سکتا ہے۔" بوڑھے نے ٹھنڈی سانس لی۔

"تم نے ٹھنڈی سانس کیوں لی ڈیڈی؟" نوجوان بولا۔

"ہنٹر.... میں تمہیں بہت پیٹوں گا گدھے۔"

"نہیں بتاؤ۔ کیا وہ تمہیں بھی اچھی لگتی ہے؟"

"ہنٹر... پلیز... ہولڈ یور ٹنگ۔ ورنہ مجھے یہاں اس تقریب کے موقع پر بھی غصہ آسکتا ہے۔"

"تمہیں بہت دنوں سے غصہ نہیں آیا ڈیڈی۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"بکواس بند کرو۔" بوڑھے نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔ ہنٹر ڈنکی ٹیل اس انداز میں اُس کے پیچھے چل رہا تھا جیسے سر پر چپت رسید کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

انور بھی وہاں سے ہٹ گیا۔ وہ شاہینہ سے ملنا چاہتا تھا آخر وہ اُسے ایک جگہ مل ہی گئی۔

"مبارک ہو مس ارشاد۔" اُس نے کہا۔

"شکریہ.... شکریہ۔" شاہینہ گرم جوشی سے مصافحہ کرتی ہوئی بولی۔ وہ ٹہلتے ہوئے ایک طرف چلے گئے۔ شاہینہ نے کہا۔

"یہ بالکل ٹھیک ہے۔ اگر تم اجنبی نہ ہوتے تو میں تمہیں نہ پہچان سکتی۔ واقعی کمال کرتے ہو تم بھی.... اُن دونوں کے قریب کھڑے تھے۔"

"ہاں.... میں نے انہیں دیکھا تھا اور وہ دونوں کافی دیر تک تمہارے حسن کی تعریف کر رہے تھے۔"

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ وہ کس قسم کے باپ بیٹے ہیں۔"

"میں بھی نہیں سمجھ سکا۔"

"اچھا بس اب میں چلی۔"

"میں ذرا اُدھر بھی جاؤں گا جہاں اُس رات تم نے اپنی ممی کو کسی سے گفتگو کرتے سنا تھا۔"

"جہاں دل چاہے جاؤ مگر تمہارا نام کیا ہے؟"

"جوزف پیٹر....!"

"ڈنر ٹیبل پر تمہارا کارڈ لگوائے دیتی ہوں۔"

"ہاں.... آں.... مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ میں ڈنر تک یہاں ٹھہروں۔"

"اوہو ایسی غلطی مت کرنا۔ یقیناً وہ نامعلوم آدمی بہت چالاک ہے۔ ورنہ اُسے ہمارے متعلق

معلوم ہوتا۔"

"خیر جیسا مناسب سمجھوں گا ویسا کروں گا۔" انور نے کہا۔

وہ چلی گئی اور انور اِدھر اُدھر ٹہلتا رہا۔ ہال میں شراب کی ٹرالیاں چل رہی تھیں۔ ایک اُس کے پاس بھی رکی لیکن انور نے صرف لیمن پر قناعت کی۔ اگر وہ شراب پیتا بھی ہوتا تو کم از کم اس موقعہ پر ہرگز نہ پیتا۔

اس دوران میں ایک بار بیگم ارشاد سے بھی مڈبھیڑ ہوئی اور اُس نے بڑے بے تکلفانہ انداز میں مبارک باد پیش کی لیکن بیگم ارشاد نے شکریہ ادا کرتے وقت یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ اُسے پہچانتی نہیں ہے۔

انور نے سوچا کہ اب اس طرح دوسروں سے کٹے کٹے پھرنا مناسب نہیں ہے لہٰذا وہ نوجوانوں کے ایک جھنڈ میں جا ملا۔ ان لوگوں نے نوجوان ڈنکی ٹیل کو گھیر رکھا تھا اور اُسے عرف عام میں بُری طرح "گھس" رہے تھے۔ انہوں نے شاید اُسکے نام پر بحث چھیڑ رکھی تھی اور ہنٹر ڈنکی ٹیل کہہ رہا تھا۔ آپ لوگ غلط سمجھتے ہیں۔ ہمارے نام کے ہجے وہ نہیں ہیں جو گدھے کی دم کے ہوتے ہیں، ڈی یو این کے آئی.... ڈنکی.... ٹی اے، ایل ای.... ٹیل.... (DANKITALE)!"

"لیکن اگر ہم اسے اپنی زبان میں لکھیں گے تو گدھے کی دم ہی پڑھیں گے۔" کسی نے کہا۔

"مجبوری ہے۔" ہنٹر ڈنکی ٹیل مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔

"آپ کے دوسرے بھائیوں کے کیا نام ہیں؟"

"ڈیڈی نے ایک ہی شادی کی تھی۔" ہنٹر نے آہستہ سے کہا۔ "اس لئے اور کوئی دوسرا بھائی نہیں ہے۔"

اس پر قہقہہ پڑا اور ہنٹر احمقانہ انداز میں ایک ایک کی صورت دیکھنے لگا۔

"تم اپنی پیدائش کے وقت کتنے بڑے تھے؟" کسی نے سوال کیا۔

"ٹھہریئے.... ڈیڈی سے پوچھ آؤں۔" ہنٹر نے کہا اور بھیڑ ہٹاتا ہوا نکلا چلا گیا۔

لوگ ہنستے رہے لیکن انور کی نظریں اُس کا تعاقب کر رہی تھیں۔ وہ اپنے ڈیڈی کے پاس جانے کے بجائے ایک دروازے میں مڑ گیا۔ اُس کا ڈیڈی راجر ڈنکی ٹیل شہر کے بڑے سرمایہ دار سے گفتگو کر رہا تھا۔ انور بھی ٹہلتا ہوا اُسی دروازے کی طرف چلا۔

لیکن ابھی دروازے تک پہنچا بھی نہیں تھا کہ کھانے کے لئے گانگ بجا۔ یہ حقیقت تھی کہ انور کھانے کے لئے وہاں نہیں رکنا چاہتا تھا۔ اُس نے تیزی سے قدم بڑھائے اور اُسی دروازے

سے گذر گیا جس سے ہنٹر ڈنکی ٹیل گذرا تھا۔ اُس نے خود کو راہداری میں پایا اور اس توقع پر آگے بڑھتا چلا گیا کہ ممکن ہے آگے جا کر اُسے عمارت سے باہر نکلنے کے لئے راستہ مل جائے۔

اس راہداری میں دونوں طرف دروازوں اور کھڑکیوں کے سلسلے پھیلے ہوئے تھے۔ اچانک ایک دروازے سے ایک آدمی کچھ اتنی تیزی سے نکلا کہ انور سے ٹکرا گیا اور اُس کے ہاتھوں میں دبا ہوا ڈبہ فرش پر گر پڑا۔ جسے اٹھانے کے لئے وہ بڑی پھرتی سے جھکا۔ یہ ہنٹر ڈنکی ٹیل تھا اور ڈبہ اٹھا لینے کے بعد کچھ اس انداز میں ہنسنے لگا تھا جیسے چوری کرتا ہوا پکڑا گیا ہو۔

"یہ.... یہ....!" وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔ "مس ارشاد کے لئے تحفہ ہے۔"

"تو پھر میں کیا کروں۔" انور اُسے گھورنے لگا۔

"اوہو.... دیکھئے میں اس ملک میں نووارد ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ یہاں کی لڑکیاں کیا پسند کرتی ہیں۔ اس لئے آپ ذرا اسے دیکھ لیجئے.... جی ہاں.... میں آپ کا یہ احسان ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ وعدہ کرتا ہوں۔"

پھر جیسے ہی اُس نے ڈبے کا ڈھکن کھولا انور اچھل کر پیچھے ہٹ گیا کیونکہ ڈبے میں ایک سیاہ رنگ کا سانپ پھن کاڑھے کھڑا بار بار اپنی سرخ زبان باہر نکال رہا تھا۔ انور کے ہونٹ بھنچ گئے اور بھنوئیں تن گئیں۔ ایسا معلوم ہوا جیسے وہ دوسرے ہی لمحے میں ڈنکی ٹیل پر حملہ کر بیٹھے گا۔

جرم یا مجرم

ڈنکی ٹیل کھڑا ہنس رہا تھا۔

"میں بتاؤں تمہیں۔" انور دانت پیس کر بولا۔

"میں شکریہ ادا کروں گا۔ پتہ نہیں وہ اس تحفے کو قبول کرے یا نہ کرے۔"

انور نے ہاتھ بڑھا کر اُس کا گریبان پکڑ لیا۔

"ارے.... ارے.... یہ کیا....؟" ڈنکی ٹیل بوکھلا کر پیچھے ہٹا۔

"میں بھی مزاح کی حس رکھتا ہوں۔" انور نے گریبان پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے کہا۔ "اور میرا مزاح اسی قسم کا ہوتا ہے۔"

"یہ نقلی سانپ ہے دوست....!" ڈنکی ٹیل نے قہقہہ لگایا۔

"کیا....؟" انور کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔

"ہاں....!" ڈنکی ٹیل سانپ کا سر چھوتا ہوا مسکرایا۔ "ربر کا سانپ اور پارے کا بیلنس۔ یہ زبان کی حرکت پارے کے بیلنس کا نتیجہ ہے۔"

"واہ....!" انور نے مسکرا کر گریبان چھوڑ دیا اور ڈبہ اپنے ہاتھوں میں لے کر سانپ کا جائزہ لینے لگا۔ وہ کاریگری کا ایک بہترین نمونہ تھا۔

"آؤ.... آؤ۔" ہنٹر ڈنکی ٹیل انور کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا بولا۔ "خاصی تفریح رہے گی۔"

انور نہایت اطمینان سے اُس کے ساتھ چلتا رہا.... لوگ ڈائننگ ہال کی طرف جا رہے تھے۔

"ہائیں.... یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں۔" ڈنکی ٹیل نے حیرت ظاہر کی۔

"کھانے کے لئے گانگ بجا ہے۔"

"اوہو.... مگر ابھی کیک تو نہیں کاٹا گیا۔"

"اوہ.... یہ رسم اس گھر میں نہیں ہوتی۔" انور بولا۔

"تب پھر میں یہ تحفہ کس وقت دوں گا؟"

"کھانے کے بعد....!"

"عجیب بے تکی بات ہے۔"

"یہ باسٹرڈ سالگرہ ہے۔ دوغلی.... یوریشین....!" انور ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"ہاہا....!" ڈنکی ٹیل نے قہقہہ لگایا۔ "تم بھی تو یوریشین ہو۔ کیا تم باسٹرڈ کہو گے خود کو؟"

"یقیناً اگر میں یوریشین ہوں تو ضرور باسٹرڈ کہوں گا خود کو۔"

وہ دونوں بھی ڈائننگ ہال میں آئے اور انور کو اپنی نشست تلاش کرنے میں تھوڑی دشواری ہوئی کیونکہ ہال میں تقریباً ڈیڑھ سو مہمان تھے۔

دو تین آدمی نشستوں کے چارٹ لئے پھر رہے تھے۔ ایک نے انور کی بھی مدد کی۔ ڈنکی ٹیل ایک ہی میز پر تھے۔ کھانے کی ٹرالیاں گردش میں آ گئیں۔

انور دونوں ڈنکی ٹیلوں کو گھور رہا تھا۔ لیکن شاید ہنٹر ڈنکی ٹیل اُسے بھول ہی گیا تھا کیونکہ اُس نے ایک بار بھی اُسے نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔

دھیمے سروں میں آرکسٹرا بجتا رہا اور ہاتھ اٹھ اٹھ کر منہ کی طرف جا رہے تھے۔

اچانک پورا ہال تاریک ہو گیا اور بیک وقت بہتیری تحیر آمیز آوازیں سنی گئیں پھر کسی لڑکی کی چیخیں سنائی دینے لگیں اور انور اچھل کر کھڑا ہو گیا پھر ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی میز الٹ

گئی ہو۔ برتنوں کے ٹوٹنے کی آوازیں اندھیرے میں چکرائیں۔ آرکسٹرا تو اُسی وقت بند ہو گیا تھا جب روشنی غائب ہوئی تھی۔

شور بڑھ گیا۔ پھر روشنی بھی غائب ہو گئی تھی۔ لوگ حیران و سراسیمہ کھڑے تھے اور شاہینہ ایک جگہ اچھل اچھل کر اپنے بال نوچ رہی تھی۔ کپڑے پھاڑ رہی تھی۔

چند لمحے سب کے سب بے حس و حرکت کھڑے رہے۔ پھر یک بیک سارا ہال گونجنے لگا جس کے منہ میں جو بھی آیا کہہ رہا تھا۔

انور نے بیگم ارشاد کو دیکھا جو بلبلاتی ہوئی شاہینہ کی طرف دوڑی جا رہی تھی۔ "میری بچی.... میری بچی۔"

لیکن شاہینہ کے ہاتھ اُسی رفتار سے کپڑوں پر چلتے رہے اور ذرا ہی سی دیر میں اُس کے جسم پر دھجیاں جھول رہی تھیں۔ تین چار عورتیں اُسے پکڑ کر بدقت تمام دوسرے کمرے میں لے گئیں۔

مہمان ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو گئے تھے۔ انہیں کیا کرنا چاہئے؟ چونکہ یہ سب کچھ غیر متوقع طور پر ہوا تھا اس لئے شاید اُن کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی جواب دے گئی تھی۔

اور انور سوچ رہا تھا کہ وہ پہچان لیا گیا ہے ورنہ شاہینہ اس حال کو کیوں پہنچتی۔ لیکن اب یہ بھی دشوار تھا کہ انور باہر نکل جاتا۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ اس واقعہ سے اُس کی ضدی طبیعت جاگ اٹھی ہو۔

دفعتاً اُسے دونوں ڈنکی ٹیلوں کا خیال آیا اور اُس کی نظریں بے چینی سے ہال میں چکرانے لگیں۔ آخر ایک جگہ اُسے ہنٹر ڈنکی ٹیل دکھائی دیا۔ لیکن بوڑھا ڈنکی ٹیل کہیں نہ نظر آیا۔

"خواتین و حضرات۔" بیگم ارشاد ہچکیوں اور سسکیوں کے درمیان کہہ رہی تھی۔ "مجھے افسوس ہے کہ شاہینہ پر آج پھر دورہ پڑ گیا۔ اس سے پہلے بھی ایک بار پڑ چکا ہے۔ ایسے حالات میں ہمدردی کی مستحق ہوں۔ مجھے انتہائی شرمندگی ہے۔"

اور پھر وہ اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکی کیونکہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

"کوئی بات نہیں۔ کوئی بات نہیں۔" چاروں طرف سے آوازیں آئیں۔ "ہمیں افسوس ہے۔"

دو چار لوگ آگے بڑھے اور بیگم ارشاد بھی ڈائننگ ہال سے لے جائی جانے لگی۔ کچھ لوگ باہر جا رہے تھے۔ انور نے سوچا کہ اب اُس کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں ہے لہٰذا وہ بھی دروازے کی طرف بڑھا پھر شاید ہنٹر ڈنکی ٹیل نے اُسے پہچان لیا اور آگے بڑھ کر بولا۔ "یہ کیا ہو گیا مسٹر اب میرے تحفے کا کیا ہو گا؟"

"آئندہ سالگرہ کے منتظر رہو۔" انور لاپروائی سے کہتا ہوا ڈائننگ ہال سے نکل آیا لیکن وہ ڈنکی ٹیلس کے متعلق بہت کچھ سوچ رہا تھا۔

راہداری اتنی کشادہ نہیں تھی کہ ڈیڑھ سو آدمی بیک وقت اُس میں سے گذر سکتے۔ اس لئے وہاں بھیڑ معلوم ہونے لگی اور جب انور اپنے لئے راستہ بنا رہا تھا۔ اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اُس کی بائیں ران میں سوئی چبھ گئی ہو۔

انور بوکھلا کر پیچھے ہٹا اور ایک آدمی سے ٹکرا گیا۔

"ذرا دیکھ کر جناب۔" اُس نے کہا اور انور نے معذرت کر کے آگے بڑھنا چاہا مگر اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اُس کا جسم حیرت انگیز طور پر ہلکا ہو گیا ہو اور اگر اُس نے ایک پیر بھی زمین سے اٹھایا تو فضا میں معلق ہو جائے گا۔ سارے جسم میں گرم گرم سی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ دوسرے ہی لمحے میں اُسے وہ خبر یاد آ گئی جو اُس نے کیپٹن حمید کے متعلق آج ہی ایک مقامی روزنامے میں پڑھی تھی.... وہ کسی نہ کسی طرح دیوار سے جا لگا اور دوسرے لوگ اُسے گھورتے ہوئے گذرتے رہے۔ اُس نے دونوں ڈنکی ٹیلوں کو بھی دیکھا جو خراماں خراماں چلے جا رہے تھے لیکن اُس میں اتنی سکت نہیں رہ گئی تھی کہ اپنی جگہ سے جنبش بھی کر سکتا۔

کچھ دیر بعد راہداری سنسان ہو گئی۔ اب انور کی ران میں تکلیف بھی بڑھنے لگی تھی جہاں کچھ دیر پہلے صرف ایک معمولی سی سوئی کی چبھن محسوس ہوئی تھی وہاں اب ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی لگی ہو۔ کھڑے رہنا مشکل ہو گیا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ داہنی جانب گر رہا ہے۔ لیکن خود کو گرنے سے روک نہ سکا۔

اور پھر وہ ایک بے بس چوپائے کی طرح زمین پر پڑا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ ران کی تکلیف اتنی بڑھ گئی تھی کہ وہ بمشکل تمام اپنی کراہیں روک سکا۔ یہ سب کچھ تھا لیکن سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں زائل ہوئی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اس وقت کوئی ادھر آ نکلا تو اُسے ایک بار پھر بیگم ارشاد کی بکواس سننی پڑے گی۔ پھر اُس نے سوچا ممکن ہے اب بیگم ارشاد اِدھر آ ہی رہی ہو۔ شاہینہ کی حالت اسی لئے بگڑی تھی کہ وہ اُس وقت وہاں موجود تھا۔ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ اُسے ہلاک دست و پا کر دینے کا مقصد بھی یہی ہو کہ بیگم ارشاد اس بار اچھی طرح اُس کی خبر لے اور وہ پھر کبھی اِدھر رخ کرنے کی بھی جرأت نہ کر سکے۔

انور نے غلط نہیں سوچا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد بیگم ارشاد اُس کے سر پر موجود تھی۔ اُس کے ساتھ چار ملازم بھی تھے۔

"مسٹر.... جوزف.... پیٹر....!" وہ رک رک کر دانت پیستی ہوئی بولی۔ پھر نوکروں سے کہا۔ "اسے اٹھاؤ۔"

انور کچھ نہ بولا۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ بول ہی نہ سکتا تھا۔ کیونکہ اُس کی زبان بھی بقیہ جسم کی طرح حرکت نہیں کر سکتی تھی۔ مگر یہ بڑی عجیب بات تھی کہ وہ سوچ سکتا تھا۔

نوکر اُسے اٹھائے ہوئے ایک کمرے میں لائے اور بیگم ارشاد کے اشارے پر اُسے آرام کرسی میں ڈال دیا گیا۔ "اس کے کپڑے اُتار کر پنکھے کھول دو۔"

اتنا کہہ کر وہ وہاں سے چلی گئی۔ جس آرام کرسی پر انور کو بٹھایا گیا تھا اُس کے تین طرف تین میزوں پر پنکھے رکھے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد انور کے جسم پر صرف زیر جامے رہ گئے اور تین پنکھوں کی تیز ہوا اُسے جسم کے اندر اترتی ہوئی سی محسوس ہو رہی تھی۔

اور پھر وہ حیرت انگیز طور پر ٹھیک ہوتا گیا۔ پندرہ منٹ بعد وہ اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔ ران کی تکلیف بھی گھٹ کر سوئی کی چبھن ہی کے برابر رہ گئی تھی۔

"اب پنکھے بند کر دو۔" انور نے نوکروں سے کہا۔ "میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میرے کپڑے اٹھاؤ۔"

کپڑے اُسے دیئے گئے اور ایک نوکر باہر چلا گیا۔ انور سمجھتا تھا کہ وہ بیگم ارشاد کو اس کی اطلاع دینے گیا ہے۔ اُس نے بڑی تیزی سے کپڑے پہنے اور جیب سے سگریٹ کیس نکال کر ایک سگریٹ منتخب کی اور پھر اُسے ہونٹوں میں دبا کر سلگانے ہی والا تھا کہ بیگم ارشاد کمرے میں داخل ہوئی۔

"تم یہاں کیوں آئے تھے؟" وہ گرجی۔

انور نے سگریٹ سلگا کر لاپروائی سے دیا سلائی ایک طرف ڈالتے ہوئے کہا۔ "مدعو کیا گیا تھا۔"

"میں تم پر کیس دائر کر دوں گی۔ تم میری بچی کو بہلا پھسلا کر اُس سے بڑی بڑی رقمیں اینٹھ رہے ہو۔"

"آہا.... مس شاہینہ میری قرض دار ہیں۔ وہ مجھ سے دس ہزار روپے قرض لے کر جوئے میں ہار چکی ہیں۔"

"میں.... دیکھو! میں تمہیں پھر سمجھاتی ہوں کہ اُس سے ملنا جلنا ترک کر دو۔ ورنہ تمہارے انجام پر کوئی رونے والا بھی نہ ملے گا۔"

"شہر کی دو بڑی ماں بیٹی میری قبر پر دو آنسو ضرور گرائیں گی۔ مجھے یہی توقع ہے لیکن بیگم ارشاد مجھے حیرت ہے کہ آپ اس نئی بیماری کے علاج سے بخوبی واقف ہیں۔ پچھلی رات یہی بیماری محکمہ سراغ رسانی کے ایک آفیسر کیپٹن حمید کو بھی ہو گئی تھی۔"

"ہو گئی ہو گی۔" بیگم ارشاد نے لاپرواہی سے کہا۔ "تم مجھے کسی طرح بھی دھمکا نہیں سکتے۔ میں جانتی ہوں کہ قانون کا سامنا کس طرح کرنا چاہئے۔"

"شاہینہ کا اب کیا حال ہے؟"

"بس اب تم چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔"

"کیا شاہینہ نے آپ کو جوزف پیٹر کی اصلیت سے آگاہ کیا تھا؟"

"میں کچھ نہیں جانتی۔ اگر اب تم تین منٹ کے اندر ہی اندر یہاں سے نہ چلے گئے تو میں تمہیں سڑک پر پھینکوا دوں گی۔"

انور نے میز سے اپنی فلٹ ہیٹ اٹھائی اور ختم ہوتے ہوتے سگریٹ سے دوسرا سگریٹ سلگایا۔ پھر مسکرا کر بولا۔ "جب کوئی مصیبت پڑے مجھے ضرور یاد کیجئے گا بیگم ارشاد....!"

وہ دروازے کی طرف بڑھا لیکن پھر رک گیا اور بیگم ارشاد کی طرف مڑے بغیر بولا۔ "میری روح اس عمارت کے گرد ہمیشہ منڈلاتی رہے گی۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا عمارت کے باہر نکل آیا۔ کمپاؤنڈ میں کئی جگہ بلب روشن تھے اور شاید کسی گوشے میں بھی اندھیرا نہیں تھا وہ اب وہاں رکنا نہیں چاہتا تھا۔ ویسے اگر اندھیرا ہوتا تو اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش ضرور کرتا۔ وہ سڑک پر آ گیا۔

مگر اس طرح چپ چاپ چلے جانا اُس کی طبیعت کے خلاف تھا۔ اُس نے ایک ضدی طبیعت پائی تھی اور انتقام کا جذبہ دبا لینے میں اُسے کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ پچھلی رات آر لکچو میں بھی بیگم ارشاد نے سخت سست کہا تھا اور اب اس وقت بھی۔ حالانکہ اُس کے رویہ کا محرک کوئی اور تھا۔ کون تھا؟ انور فٹ پاتھ پر رک کر سوچنے لگا۔ ویسے اُسے یوں بھی کسی ٹیکسی کے انتظار میں رکنا ہی تھا۔

وہ سوچ رہا تھا۔ آخر بیگم ارشاد شہر کی گندی گلیوں میں کیوں بھٹکتی پھر رہی ہے۔ اُسے کون سی قسم کی سزائیں دے رہا ہے اور کیوں؟ وہ سب کچھ برداشت کر رہی ہے۔ لیکن پولیس کو اس کی اطلاع نہیں دے سکتی۔ ویسے وہ پولیس سے بھی خائف نہیں معلوم ہوتی۔ اگر وہ پولیس سے خائف ہوتی تو انور کو اس حال میں اٹھوا کر سڑک پر پھینکوا دیتی۔ اُس نے اُس کے لئے اتنی تکلیف کیوں اٹھائی اور پھر جب کہ محکمہ سراغ رسانی کا ایک آفیسر نہ صرف ایسے ہی ایک تجربے سے دوچار ہو چکا تھا بلکہ اخبارات کے ذریعہ اُس کی پبلسٹی بھی کرائی تھی۔ بیگم ارشاد نے اس قسم کا خطرہ کیوں مول لیا۔ ویسے یہ تو ظاہر ہے کہ اُس کے متعلق اُسی آدمی سے ہدایات ملی ہوں گی جو اس کمپنی کا ذمہ دار تھا۔

کیا وہ یہاں رک کر اُس پُر اسرار آدمی کو تلاش کرے؟ مگر یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ اب بھی یہیں موجود ہوتا۔ پھر ایسی صورت میں یہاں رکنا ہی فضول تھا۔ انور نے فیصلہ کیا کہ اُس وقت تو اُسے ٹل ہی جانا چاہئے۔

اور اب وہ سوچ رہا تھا کہ اس واقعہ کی اطلاع کرنل فریدی کو ضرور دینی چاہئے۔ چونکہ حمید کو بھی اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آچکا تھا اس لئے ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے کوئی فائدہ اٹھا سکے مگر بیگم ارشاد کے رویے نے اُسے پھر الجھن میں ڈال دیا۔ آخر اُس نے یہ جتانے کی کوشش کیوں کی تھی کہ وہ اس مرض کا علاج جانتی ہے۔ مگر ہو سکتا ہے اُسے اُسی پر مجبور کیا گیا ہو۔ انور اس خیال پر قائم نہ رہ سکا کیونکہ اگر وہ آدمی یہی چاہتا تھا تو اُس کا مطلب یہ تھا کہ وہ خود ہی اپنے پیچھے پولیس کو بھی لگانا چاہتا ہے۔ پھر آخر انور ہی سے بیر کیوں؟

وہ سوچتا رہا لیکن کسی خاص نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔

اچانک ایک موٹر سائیکل آکر فٹ پاتھ سے لگ گئی۔

"کیوں.... کیا نکلوا دیئے گئے؟" اُس نے رشیدہ کی طنز آمیز آواز سنی۔

"اگر کچھ دیر اور ٹھہرتا تو یہی حادثہ پیش آتا۔" انور آگے بڑھتا ہوا بولا۔ "چلو.... پیچھے کیریئر پر چلو۔"

رشیدہ کیریئر پر چلی گئی۔ انور نے سیٹ پر بیٹھ کر مشین اسٹارٹ کی اور پھر موٹر سائیکل سڑک پر فراٹے بھرنے لگی۔

"کیوں کیا تم اسی انتظار میں تھے؟" رشیدہ نے اُس کی پشت پر چٹکیاں لیتے ہوئے کہا۔

"چین سے بیٹھو ورنہ گاڑی فٹ پاتھ پر چڑھا دوں گا۔"

"یہ ایک شاندار ایڈونچر ہوگا۔ ضرور ایسا کرو۔" رشیدہ نے سنجیدگی سے کہا۔ لیکن موٹر سائیکل سڑک ہی پر دوڑتی رہی۔

"ہاں تو آج پھر اُس پر وہی کل کا سا دورہ پڑا تھا؟" رشیدہ نے کچھ دیر بعد کہا۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"میرے اپنے ذرائع بھی ہیں۔" رشیدہ اکڑ کر بولی۔ "اور یہ تقریب اس طرح ختم ہو گئی۔"

انور کچھ نہ بولا۔ موٹر سائیکل فریدی کی کوٹھی کی طرف جا رہی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئے۔ پھاٹک ابھی بند نہیں کیا گیا تھا۔ انور موٹر سائیکل کو پورچ میں لیتا چلا گیا۔

لیکن پھر اُسے یہ معلوم کر کے بڑی مایوسی ہوئی کہ فریدی اور حمید گھر پر موجود نہیں ہیں۔

"پھر اب کھڑے کیوں ہو؟ واپس چلو۔" رشیدہ نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

"نہیں میں انتظار کروں گا۔" انور نے کہا اور ڈرائینگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

انور میک اپ میں تھا۔ اس لئے اگر اُس کے ساتھ رشیدہ نہ ہوتی تو شاید وہ اتنی بے تکلفی سے ڈرائینگ روم میں داخل نہ ہو سکتا۔ فریدی کے ملازم رشیدہ کو پہچانتے تھے۔ اس لئے انہوں نے کوئی تعرض نہ کیا۔

"کیا تم اس واقعے کی اطلاع فریدی صاحب کو دے چکے ہو؟"

"کس واقعے کی اطلاع؟" انور نے پوچھا اور اُس ملازم کو گھورنے لگا جو دروازے میں کھڑا اسے گھور رہا تھا۔ آخر اُس نے رشیدہ سے پوچھا۔ "انور صاحب کہاں ہیں۔"

"کیوں....؟"

"صاحب انہیں فون پر بلا رہے ہیں۔" نوکر نے کہا۔

رشیدہ اور انور حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے پھر انور اٹھا اور ملازم سے بولا۔

"چلو....!"

لیکن ملازم جو اُس کی آواز نہیں پہچان سکا تھا اس انداز میں اُسے دیکھنے لگا جیسے اُس کے اس اق پر بہت سخت وست کہے گا۔

"ارے چل نا....!"

"اوہ.... ہو.... آپ ہیں۔" نوکر ہنسنے لگا۔ پھر وہ دونوں اُس کمرے میں آئے جہاں فون ما ہوا تھا۔

انور نے مضطربانہ انداز میں ریسیور اٹھایا اور دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔

"تم اگر مجھے یہ بتا بھی دو گے کہ تم بھی آج اُسی تجربے سے دوچار ہوئے ہو جو پچھلی رات رکو ہوا تھا تو اس سے کیا فائدہ ہوگا؟"

"آپ جانتے ہیں!" انور نے حیرت سے دہرایا۔

"بالکل اسی طرح جیسے پانچوں انگلیاں ایک دوسری کو جانتی ہیں۔" فریدی کی آواز آئی۔ "اور تم یہ بھی سوچ رہے ہو کہ بیگم ارشاد نے تم سے پرخاش رکھنے کے باوجود بھی ہمدردانہ رویہ اختیار کیا تھا۔"

"ارے.... تو آپ یہ بھی جانتے ہیں؟"

"ہاں.... مجھے اس کا بھی علم ہے لیکن تم خواہ مخواہ اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔"

"نہیں جناب، میں اب تک شاہینہ سے دو ہزار روپے وصول کر چکا ہوں۔"

"لیکن اب شاید شاہینہ بھی تمہاری طرف رخ کرنے کی جرأت نہ کرے گی۔ ویسے مجھے تمہارے اس ناکارہ پن پر افسوس ہے کہ میک اپ کے باوجود بھی پہچان لئے جاتے ہو۔"

"مجھے اس کا اعتراف ہے۔"

"خیر تم اب اس چکر میں نہ پڑو۔"

"لیکن اگر شاہینہ نے مجبور کیا تو؟"

"پھر میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ جو کچھ بھی کرنا ہے کھل کر کرو۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"بیگم ارشاد سے خوف کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تمہارے خلاف کوئی قانونی کاروائی نہیں کر سکے گی۔"

"دیکھئے.... پھر آپ کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ بیگم ارشاد رات گئے بھی گھوڑا گاڑی میں شہر کی گلیوں کے چکر کیوں لگاتی پھرتی ہے۔"

"نہیں میں ابھی اُس کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ اور نہ جاننا چاہتا ہوں۔"

"کیوں؟"

"جرم سے زیادہ مجھے مجرم کی فکر ہے۔ اچھا بس اب تم گھر جا سکتے ہو۔" دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

زرد پوش فرشتہ

ٹھنڈک سے بچنے کے لئے حمید نے کانوں کو رومال سے جکڑ رکھا تھا۔ اس کے باوجود بھی اُس کے دانت بج رہے تھے اور برف سے بھی زیادہ ٹھنڈا لوہا اُسے اپنے ہاتھوں میں چپکتا ہوا سا محسوس ہو رہا تھا۔ اُس نے کارنس پر دونوں پیر جما کر نیچے دیکھا اور اُس کی روح فنا ہو گئی۔ وہ زمین سے تقریباً ساٹھ فٹ کی بلندی پر تھا اور اطمینان کی سانس لینے کے لئے ضروری تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح دس فٹ کی مزید بلندی طے کر کے چھت پر پہنچ جائے۔

ویسے اگر اُسے اپنی ہڈیوں کا سفوف دیکھنے کی خواہش ہوتی تو دونوں ہاتھوں سے سر ضرور لیکن اس وقت وہ اُس پائپ کو مضبوطی سے پکڑے رہنا چاہتا تھا جس کے سہارے اُس نے ٹ کی بلندی طے کی تھی اور جو مزید دس فٹ کی بلندی طے کرانے کے بعد اُسے دوبارہ ہ پہنچنے کا ضامن تھا۔ اُس نے یہ خطرناک سفر تنہا نہیں اختیار کیا تھا بلکہ شریک سفر "فادر ہارڈ ن" بھی تھا۔ لیکن اب وہ کہاں تھا؟

حمید نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور پھر اوپر چڑھنے لگا کیونکہ "فادر ہارڈ اسٹون" کی عرصہ سے ہیں آئی تھی۔ حقیقتاً یہ عرصہ تین منٹ سے زیادہ کا نہیں تھا۔ مگر حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا وہ تین ہزار سال سے اس دیوار اور پائپ پر طبع آزمائی کرتا آیا ہو۔ صرف تین منٹ پہلے فریدی اوپر پہنچ گیا تھا اور شاید اتنی جلدی میں تھا کہ اُسے پلٹ کر حمید کی خبر لینے کی بھی نہ مل سکی تھی۔

حمید کسی نہ کسی طرح اوپر پہنچا۔ یہ تیسری منزل کی سپاٹ چھت تھی۔ اوپر پہنچتے ہی وہ چت گیا۔ اُس کا سینہ لوہار کی دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔

اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ حلق پھاڑ پھاڑ کر گانے لگے۔

ٹوئنکل ٹوئنکل لٹل اسٹار

ہاؤ آئی ونڈر وہاٹ یو آر

تقریباً دس منٹ تک وہ اسی حالت میں پڑا رہا۔ پھر سوچنے لگا۔ اب نیچے پہنچنے کی کیا صورت لیکن پھر خیال آیا کہ اگر یہ کوئی دشوار مسئلہ ہوتا تو فریدی اُس کی راہنمائی کے لئے وہاں رکتا۔ وہ لیٹے ہی لیٹے چھت کے اُن کنارے کی طرف کھسکنے لگا۔ جہاں سے وہ نیچے پہنچنے کے ت کا جائزہ لے سکتا تھا۔ وہ یہاں کیوں آیا تھا۔ اُس کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی۔ بلکہ ت تو یہ تھی کہ اب اُس کے "فرشتوں" نے "خبر" کے چکر میں پڑنا ہی چھوڑ دیا تھا۔

دیوار کے کنارے پہنچ کر اُس نے نیچے جھانکا اور اُس کی باچھیں کھل گئیں کیونکہ صحن میں ی تھی اور نیچے پہنچنا بھی نہایت آسان تھا۔

روشنی دیکھ کر وہ اس لئے خوش ہوا تھا کہ معاملات یونہی سے معلوم ہوتے ہیں ورنہ فادر ہارڈ روشنی گل کرنا نہ بھولتا۔ وہ کارنس پر پیر رکھ کر دھم سے صحن میں کود گیا۔

کمرے کے اندر سے آواز آئی "واہ.... وا.... دوسرا فرشتہ میں بہت خوش قسمت ہوں۔"

حمید بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔ کمرے کی کھڑکیاں اور دروازے کھلے ہوئے تھے۔

اُس نے فریدی کو دیکھا جو کمر پر دونوں ہاتھ رکھے سیدھا کھڑا تھا اور اُس کے ہونٹوں میں دبے ہوئے سگار کا دھواں فضا میں لہریئے بنا رہا تھا اور ایک دبلا پتلا آدمی جس کے جسم پر زرد رنگ کا لبادہ تھا ایک آرام کرسی میں نیم دراز تھا۔

حمید پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور جیسے ہی وہ وہاں پہنچا دبلا پتلا آدمی کرسی سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کی آنکھیں دھندلی تھیں اور گال پچکے ہوئے سے۔ لیکن عمر تیس سے زیادہ نہیں معلوم ہوتی تھی۔

"خوش آمدید.... اے متبرک فرشتے۔" وہ حمید کی طرف دونوں ہاتھ بڑھا کر بولا۔ "میں بڑا خوش قسمت ہوں۔"

حمید نے بھی بالکل اُسی کے سے انداز میں ہاتھ آگے بڑھائے لیکن دوسرے ہی لمحے میں آدمی پھر آرام کرسی میں ڈھیر ہو گیا۔ اُس کی رنگت زرد تھی اور وہ خود ہی اپنی وضع قطع کے اعتبار سے فرشتہ معلوم ہو رہا تھا۔

"کیا آپ مجھے اپنا نام نہیں بتائیں گے؟" فریدی نے اُس سے کہا۔

"میرا نام وفادار کتا ہے۔" اُس آدمی نے جواب دیا۔

"میں آپ جیسے سنجیدہ آدمی سے سنجیدگی ہی کی توقع رکھتا ہوں۔"

"مجھے علم ہے کہ کسی کے متعلق کچھ معلوم کر لینا فرشتوں کیلئے ناممکن نہیں ہے۔" وہ مسکرایا۔

"آپ یہاں کب سے مقیم ہیں؟"

"ابتدائے آفرینش سے۔"

"میں اُس وقت کہاں تھا؟" حمید چاروں طرف دیکھتا ہوا بڑبڑایا۔

"بھائی ماروت.... تم تو میری ساتھ ہی لٹکائے گئے تھے۔" اُس نے حمید کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے کہا۔

"کیا فرمایا....؟" حمید اُس کی طرف مڑ کر گھورتا ہوا بولا۔

"آہ.... بھائی.... کیا تمہیں یونان کی زہرہ یاد نہیں؟"

"میں جاپان تک کی زہراؤں سے واقف ہوں۔ تم اپنا مطلب بیان کرو۔"

"یہ بتاؤ کہ تم اب تک کہاں رہے؟" اُس آدمی نے کہا۔ "مجھے تو اب صرف اتنا ہی یاد ہے کہ زلزلہ آیا تھا اور چاہ بابل کے پرخچے اڑ گئے تھے اور پھر ہوش میں آنے کے بعد تمہیں اپنے پہلو میں

پایا۔ اُف.... فوہ.... بھائی ماروت.... کیا تمہیں وہ پیاس یاد ہے۔ ہماری زبانیں نکلی پڑ رہی تھیں اور پانی صرف ایک بالشت کے فاصلے پر تھا۔"

"آہا....!" حمید نے سر ہلا کر کہا۔ "اور ہم الٹے لٹکے ہوئے تھے۔"

"خدا کا شکر ہے.... پیارے بھائی کہ تمہیں یاد تو آیا۔ اب تم کہاں رہتے ہو؟"

"زہرہ کے گھر۔" حمید فریدی کو آنکھ مار کر مسکرایا۔ لیکن فریدی شاید ان دونوں کی بکواس ذرہ برابر بھی دلچسپی نہیں لے رہا تھا۔

"کیا....؟" وہ آدمی یک بیک اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "تم زہرہ کے ساتھ رہتے ہو....؟"

"ہاں.... اور مریخ میرا سسرال لگتا ہے۔"

"اگر ایسا ہے تو تم نے بد عہدی کی ہے ماروت.... بہت بُرا کیا تم نے۔ میں تمہیں کبھی نہیں معاف کروں گا۔"

دفعتاً فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "غالباً تمہارا نام ہاروت ہے۔"

"اسی سے پوچھو۔" اُس نے حمید کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں....!"

"ہاں.... یہ مسٹر ہاروت ہیں۔" حمید سنجیدگی سے سر ہلا کر بولا۔ "ہم دونوں فرشتے تھے۔ ان کی زہرہ کے عشق میں گرفتار ہوئے اور چاہ بابل کے قیدی بنا دیئے گئے۔ آج کل میں جوتے بناتا ہوں اور یہ شاید بک بائینڈر رہیں۔"

"میں ازل سے ہاروت ہوں اور ابد تک ہاروت رہوں گا۔" اُس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اس سے وضعداری کے خلاف سمجھتا ہوں کہ آج لفنگا ہوں کل فرشتہ ہو جاؤں۔"

"تو پھر تم زہرہ کے معاملے میں مجھ سے جھگڑا نہیں کرو گے۔ کیوں....؟" حمید نے کہا۔

"ختم کرو۔" فریدی جھلائے ہوئے لہجے میں بڑبڑایا۔ پھر اُس آدمی سے بولا۔ "زہرہ تمہیں مل جائے گی میں وعدہ کرتا ہوں۔ لیکن تم ہم فرشتوں کی آمد کا تذکرہ کسی سے نہیں کرو گے۔"

"ہاں....!" حمید فریدی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "یہ بھائی عزرائیل ہیں۔"

"ڈلائیٹڈ سر....!" وہ جھک کر فریدی سے مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ "مجھے کیا پڑی ہے کہ میں کسی سے تذکرہ کروں۔"

فریدی نے حمید کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی بیٹھ گیا۔

"آپ حضرات کون سی شراب پسند کرتے ہیں؟" زرد پوش فرشتے نے اُن سے پوچھا۔

"جو بھی وقت پر مل جائے۔" فریدی بالکل اسی انداز میں جماہی لے کر بولا جیسے سچ مچ شراب کا عادی ہو اور دیر سے اُسے شراب نہ میسر آئی ہو۔

"کیا میں ایک بہت پرانی اور پرتگالی شراب پیش کرنے کا فخر حاصل کر سکتا ہوں؟"

"میں مشکور ہوں گا۔ لیکن میری عادت ہے کہ اپنے ساتھ پینے والوں کے لئے میں ہی مکس کرتا ہوں۔"

"مجھے خوشی ہوگی اگر میں اپنے مہمانوں کی خواہشات کا احترام کر سکوں۔" زرد پوش فرشتے نے کہا اور اٹھ کر ایک الماری کھولی۔ پھر ذرا ہی دیر بعد میز پر تین گلاس ایک بوتل اور سوڈے کا سائفن نظر آنے لگے۔

حمید فریدی کو حیرت سے دیکھ رہا تھا لیکن کچھ بولا نہیں۔ ویسے اُس وقت اُس کی آنکھیں حلقوں سے نکلی پڑ رہی تھیں۔ جب فریدی تینوں گلاسوں میں شراب ڈال چکنے کے بعد سائفن سے سوڈے کی بوچھاڑیں کر رہا تھا۔

تینوں نے گلاس ٹکرائے اور ایک دوسرے کو ترقی و خوشحالی کی دعائیں دے کر گلاسوں کو ہونٹوں سے لگالیا۔ پہلے ہی گھونٹ نے حمید کی آنکھوں پر ٹھوکر ماری اور اُس کی کنپٹیاں گرم ہو گئیں۔ شراب واقعی بہت پرانی اور تیز تھی۔ اُس نے دیکھا کہ زرد پوش فرشتے نے دو ہی تین سانسوں میں اپنا گلاس ختم کر کے میز پر پٹخ دیا۔ حمید نے بھی اُسی کی تقلید کی لیکن اُس کے سینے کا جو حال تھا شاید پہلے کبھی نہیں ہوا۔ وہ اپنا گلاس میز پر پٹخ کر فاتحانہ انداز میں فریدی کی طرف مڑا جو خونخوار نظروں سے اُسے گھور رہا تھا۔

اب حمید نے دیکھا کہ فریدی کا گلاس جوں کا توں رکھا ہوا ہے۔ شاید اُس نے ایک ہلکی سی چسکی بھی نہیں لی تھی۔

حمید کے حواس غائب ہو گئے۔ وہ نہ جانے کس دھن میں سمجھ بیٹھا تھا کہ فریدی نے اپنے لئے بھی شراب پینے ہی کی غرض سے انڈیلی ہے۔

"یہ تم نے کیا کیا؟" وہ کسی درندے کی طرح غرایا۔

حمید نے کچھ کہنا چاہا لیکن ہکلا کر رہ گیا۔ نہ ذہن ساتھ دے رہا تھا اور نہ زبان۔

"وہ ضرور آئے گی۔ مجھے یقین ہے۔" زرد پوش فرشتہ کرسی کی پشت سے ٹکا ہوا بڑبڑا رہا تھا اور اُس کی آنکھیں چھت سے لگی ہوئی تھیں۔

"صدیاں گذریں.... ہاں.... میں نے اُسے جھیل میں نہاتے دیکھا تھا۔" زرد پوش فرشتہ

انداز میں بڑبڑاتا رہا۔ "شفق اُس کے گالوں کو چھو رہی تھی۔ ایک سنہرا بجرا اُس کے قریب گذرا جسے ہنس اپنے پروں پر اٹھائے ہوئے تھا.... اور.... ہاتھوں کے پھول ہوا میں تیر رہے تھے.... گوغمغر غی.... غے.... غریسکی.... غروسعال.... غی....!"

پھر وہ نہ صرف بیہوش ہو گیا بلکہ اُس کی گردن بھی ایک طرف ڈھلک گئی۔ فریدی نے اٹھ اُسے ہلایا جلایا لیکن اُسے ہوش ہی نہیں تھا۔

پرانی شراب آہستہ آہستہ حمید کے ذہن پر سکہ جما رہی تھی لیکن ابھی اس میں سوچنے سمجھنے صلاحیت باقی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ ہاتھ پیر قابو میں نہ رہے ہوں۔

اُس نے دیکھا کہ فریدی گلاس اور بوتل اٹھا اٹھا کر اُسی الماری میں رکھ رہا ہے جس سے وہ لے گئے تھے۔ پھر اُس نے بے ہوش فرشتے کو بھی اٹھا کر مسہری پر ڈال دیا اور حمید کا گریبان پکڑ جھنجھوڑتا ہوا بولا۔ "یہ شراب تیز اور پرانی معلوم ہوتی ہے اگر تم اوندھے ہو گئے تو کیا ہوگا؟"

"میں بھی فرشتہ ہوں اور اسی فرشتے کے ساتھ دفن ہو جاؤں گا۔" حمید نے مسہری کی طرف اشارہ کیا۔

"او بدبخت.... اب تم یہاں سے نکلو گے کیسے؟ کیا تم پائپ کے سہارے نیچے اُتر سکو گے۔"

"ہرگز نہیں۔" حمید مٹھیاں بھینچنے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ "ناممکن.... میں پائپ ہی نہ پکڑوں گا۔"

"جہنم میں جاؤ۔" فریدی نے کہا اور کمرے کی تلاشی لینے لگا یہاں تین کمرے تھے۔ ایک چھوٹا سا صحن تھا اور ایک برآمدہ.... ساز و سامان سے زرد پوش فرشتہ کوئی کم حیثیت آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔

حمید فریدی کے ساتھ لڑکھڑاتا پھرتا رہا۔ اور اب اس کے ذہن میں بے ربط اور اوٹ پٹانگ خیالات چکرانے لگے تھے۔

"مجھے یونان کی زہرہ کے والد سے ملا دیجئے۔" اُس نے فریدی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"پیچھے ہٹو....!" فریدی اُسے دھکا دیتا ہوا بولا۔

"ارے.... واں.... میں کمزور ہوں کیا۔" حمید آستین چڑھانے لگا.... یہ حقیقت ہے کہ ہاتھا شراب نے اُس کا بھیجا کھوپڑی کے اوپر لا رکھا تھا۔

"میں بہت بُری طرح خبر لوں گا۔"

"میں اس سے بھی بُری طرح پیش آؤں گا۔" حمید نے سینہ ٹھوک کر جواب دیا۔

فریدی پھر اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ ایک ایک چیز کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔

"بس دم نکل گیا نا.... ہاہاہا....!" حمید نے جھومتے ہوئے قہقہہ لگایا۔

لیکن فریدی نے اُس کی طرف مڑ کر دیکھا تک نہیں۔ حمید کی کھوپڑی آؤٹ ہی ہوتی رہی اور اُس نے بھی فریدی کی تقلید میں چیزیں اٹھا اٹھا کر ادھر کی اُدھر کرنی شروع کر دیں۔ مینٹل پیس سے گھڑی اٹھائی۔ اُسے الٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر کان سے لگا کر اُس کی "ٹک ٹک" سنتا رہا کچھ دیر بعد خود بھی ٹک ٹک شروع کر دی۔ بالکل اُسی انداز میں جیسے گھڑی کو چڑھا رہا ہو۔

"سالی کو ٹھیک سے چلنا بھی نہیں آتا۔" اُس نے جھلا کر کہا اور گھڑی کو فرش پر پٹخ دیا۔

"یہ کیا بیہودگی ہے۔" فریدی مڑ کر غرایا۔

"اے بڑے بھائی تم اپنا کام کرو۔" حمید دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر بولا۔ "ورنہ مجھے خواہ مخواہ غصہ آجائے گا۔ کیا تم مجھے اُلو سمجھتے ہو؟"

"اگر تم نشے میں نہ ہوتے تو میں تمہاری کھال کھینچ لیتا۔"

"میں نشے میں نہیں ہوں۔ ذرا کھینچو تو کھال۔ میں بھی دیکھوں کہ کتنے طاقت ور ہو۔"

فریدی بُرا سا منہ بنائے ہوئے ایک سوٹ کیس پر جھک پڑا۔ اتنے میں حمید کی نظر ملبوسات کی الماری کے بڑے آئینے پر پڑی اور وہ ٹھٹک گیا۔ پھر مٹھی باندھ کر دانت پیستا ہوا آئینے کی طرف بڑھا۔ ساتھ ہی وہ بڑبڑاتا بھی جا رہا تھا۔ "یو ایڈیٹ... اُلو کا پٹھا... سالا ہمارا بھیس بدل کر آیا ہے تم۔"

"تھڈ....!" اُس کا مکا آئینے پر پڑا اور پھر اُس کے چہرے پر یتیمی بکھر گئی کیونکہ آئینہ ا معمولی بھی نہیں تھا کہ ایک آدھ گھونسہ بھی نہ برداشت کر سکتا۔ ویسے کوئی حمید کے دل سے پوچھتا کہ اُس کے پنجے کی ہڈیوں کا کیا حشر ہوا تھا۔

"ارے کیوں پاگل ہوا ہے حمید کے بچے! کیوں شامت آئی ہے۔" فریدی اُس کی طرف م کر بولا۔

"میں اپنی توہین نہیں برداشت کر سکتا۔ تم خود حمید کے بچے۔" حمید نے کہا اور الماری سے کپڑے نکال نکال کر اُن کی دھجیاں بکھیرنے لگا۔

"ارے یہ کیا کر رہا ہے۔"

"مزے کر رہا ہوں۔" حمید کا جواب تھا۔

"اچھا تو کرو مزے۔" فریدی اُسکی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ حمید نے جھپٹ پڑنا چاہا لیکن فریدی نے اتنی پھرتی سے چپڑ اس ماری کہ دوسرے ہی لمحے میں وہ داہنے شانے کے بل زمین پر تھا۔

"ارے باپ رے۔" وہ کسی زخمی بیل کی طرح کراہا۔ لیکن اُسے پھر اٹھنا نصیب نہ ہوا۔ ی نے دو منٹ کے اندر ہی اندر اُسے بے بس کر دیا۔ اُس کی ٹائی کھول کر اُس نے اُس کے یر باندھ دیئے تھے اور حمید زمین پر بیٹھا گرہیں کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ب گرہیں کسی طرح نہ کھلیں تو اُس نے کان پر ہاتھ رکھ کر گانا شروع کر دیا۔

بلبلو مت رو یہاں آنسو بہانا ہے منع
ان قفس کے قیدیوں کو غل مچانا ہے منع

"او بلبلوں کے بچے میں تمہارے حلق میں کپڑا ٹھونس دوں گا۔" فریدی پیر پٹخ کر بولا۔

"تم مجھے رونے بھی نہیں دیتے.... ہائے ہائے رے ظالم زمانہ۔" اُس نے کان پر ہاتھ رکھ ں لگائی اور فریدی نے آگے بڑھ کر اُس کے گالوں پر تھپڑ رسید کرنے شروع کر دیئے۔

"ارے.... ارے.... واہ بھئی۔" حمید ہاتھ پکڑنے کی کوشش کرنے لگا لیکن کامیابی نہ اور اُس کے دونوں گال سرخ ہو گئے۔

"مارلو.... مارلو.... اچھی طرح مارلو.... اللہ تمہیں غارت کرے گا.... جیسے تم نے ایک ل دکھایا ہے" حمید سچ مچ بیوہ ہی کے سے انداز میں بلبلا کر بولا اور فرش پر لیٹ کر چہرہ ں میں چھپا لیا۔ فریدی کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

حمید اُس کے لئے اس وقت ایک مسئلہ بن گیا تھا۔ اول تو وہ اُس کے کام میں حارج ہو رہا تھا دوسرے کچھ دیر بعد دوسری صورت میں وبال جان بننے والا تھا۔ وہ دونوں اسی لئے عمارت کی ے اندر داخل ہوئے تھے کہ صدر دروازے سے داخلہ ناممکن تھا۔ اور اب بھی باہر نکلنے کے صرف وہی راستہ استعمال کیا جا سکتا جس راستے سے وہ یہاں تک پہنچے تھے۔ صدر دروازہ باہر مقفل تھا اور اُسے کھلوانا ناممکنات ہی میں سے تھا۔ اگر فریدی کو علم ہوتا کہ حمید سے شراب کی حماقت سرزد ہی ہو جائے گی تو وہ اُسے پہلے سے اشارہ کر دیتا۔ اُس کا مقصد تو دراصل اُس پوش فرشتے کو بے ہوش کر کے یہاں کی تلاشی لینا تھا۔ اُس کے گلاس میں اُس نے ایک بہت ر الاثر قسم کی خواب آور دوا ملائی تھی۔ حمید کو اُسی حالت میں چھوڑ کر وہ پھر اپنے کام کی ف متوجہ ہو گیا۔ وہ کچھ اسی قسم کا آدمی تھا۔ اُسے اس کی پرواہ نہیں تھی کہ پانچ منٹ بعد کیا گا۔ اُس نے ایک صندوق کھول ڈالا اور اُس میں رکھی ہوئی چیزیں الٹنے پلٹنے لگا۔ اس میں زیادہ تر توں کے استعمال کی چیزیں تھیں۔ یہاں کئی سوٹ کیسوں میں بھی اُسے زنانہ استعمال کے

ملبوسات ملے تھے اور وہ سوچ رہا تھا کہ اگر یہاں کوئی عورت بھی رہتی ہے تو اُسے اس کا علم پہلا سے کیوں نہیں ہوا۔ اُسے جو کچھ بھی اطلاعات ملی تھیں وہ صرف اتنی ہی تھیں کہ یہاں ایک فاترالعقل آدمی رہتا ہے۔ خبر گیری کے لئے دو آدمی ہیں جو مختلف اوقات میں اُس کی دیکھ بھال کر کے اُسے مکان میں مقفل کر جاتے ہیں۔ اس وقت بھی اُسے معلوم ہوا تھا کہ وہ مکان میں تنہا ہے۔ اگر وہ چاہتا تو صدر دروازے کا قفل آسانی سے کھول سکتا تھا مگر شاید وہ اپنی آمد کے نشانات نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ اسی لئے اُس نے دوسرے ہی طریقے کو ترجیح دی تھی۔ ویسے اب وہ سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ متعلقہ لوگوں کو اس خانہ تلاشی کا علم نہ ہو سکے گا کیونکہ حمید نے نشے کی حالت میں وہاں کچھ ایسی ابتری پھیلا دی تھی جس کا ازالہ تقریباً ناممکن ہی تھا۔

دفعتاً حمید نے سر اٹھا کر کہا۔ "اللہ کرے تمہاری قبر سے دھواں اٹھے۔ تن تن کیڑے پڑیں....!" نہ جانے اُس کے ذہن میں کسی بیوہ کا تصور کہاں سے آگھسا تھا۔

"خدا کرے مرتے وقت کلمہ نہ نصیب ہو.... میں جنم جلی.... ہنہہ.... ہنہہ.... ہنہہ....!" وہ عورتوں کے سے انداز میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

شعبدوں کا جواب

فریدی کو بیساختہ ہنسی آگئی اور وہ مڑ کر بولا۔ "ذرا تم ہوش میں آجاؤ تو پھر مزاج پوچھوں گا۔"

"چھیڑو گے تو شور مچادوں گی۔" حمید روتا ہوا ناک کے بل بولا۔

فریدی جلد سے جلد پورے مکان کو دیکھ ڈالنا چاہتا تھا۔ ابھی ایک کمرہ اور باقی تھا وہ حمید کو وہیں چھوڑ کر تیسرے کمرے میں چلا آیا لیکن بمشکل تمام ایک منٹ گذرا ہوگا کہ اُسے ایک عجیب قسم کی آواز سنائی دی اور ساتھ ہی داہنی جانب والی کھڑکی کے پاٹ لرزنے لگے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی اُسے کھولنے کی کوشش کر رہا ہو۔

فریدی آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتا ہوا دروازے کے قریب آگیا اور اُسے بہ آہستگی بند کر کے وہیں کھڑا رہا لیکن اُس کی ایک آنکھ خودکار قفل کے سوراخ سے لگی ہوئی تھی اور داہنا ہاتھ جیب میں پڑے ہوئے ریوالور پر تھا۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی بلی شکار کے گھات میں ہو۔

اُس نے روشنی نہیں گل کی تھی اور قفل کے سوراخ سے ہلتی ہوئی کھڑکی صاف دکھائی دے

رہی تھی۔ دفعتاً اُس کے دونوں پاٹ کھل گئے اور ایک آدمی اندر کود آیا۔ اُس کے جسم پر سیاہ کپڑے تھے اور اُس نے اپنا چہرہ بھی سیاہ نقاب میں چھپا رکھا تھا۔

اُس نے چاروں طرف دیکھا اور پھر بڑی احتیاط سے اُسی دروازے کی طرف دیکھنے لگا جس کے قریب فریدی کھڑا ہوا تھا۔

فریدی نے اُسے بہت غور سے دیکھا۔ آنے والا یا تو کوئی اناڑی تھا یا انتہائی بیباک آدمی جس نے روشنی گل کرنے کی بھی ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔ ویسے اُس کا داخلہ بھی اُسی راستے سے ہوا جس سے فریدی اور حمید یہاں تک پہنچے تھے۔ یہ دونوں تو سیدھے چھت پر نکل آئے تھے لیکن اس آنے والے نے چھت کی طرف جانے کی بجائے کارنس پر چل کر کھڑکی تک پہنچنے کی کوشش کی تھی اور اس میں کامیاب بھی ہو گیا تھا۔

فریدی ایک طرف ہٹ کر دیوار سے چپک گیا۔ اُس نے صحن کی روشنی اُسی وقت گل کر دی تھی جب تلاشی کا آغاز کیا تھا۔

آنے والے نے بہ آہستگی دروازہ کھولا اور صحن میں آگیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی کے ریوالور کی نال اُس کی گردن سے جا لگی۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو۔" اُس نے آہستہ سے کہا اور نقاب پوش کے ہاتھ بے اختیارانہ طور پر اوپر اٹھ گئے۔

"چلو.... آگے بڑھو....!" فریدی ریوالور کی نال پر تھوڑا زور صرف کرتا ہوا بولا۔

نقاب پوش نے بے چون وچرا تعمیل کی۔

"اندر چلو....!" فریدی بولا۔ وہ اُس کمرے کے دروازے پر تھے جہاں زرد پوش فرشتہ بے ہوش پڑا تھا۔ نقاب پوش نے پیر سے دروازے کو دھکا دیا اور دروازہ کھل گیا۔

لیکن فریدی کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کیونکہ مسہری پر زرد پوش فرشتے کی بجائے کیپٹن ٹمپر پڑا ہوا تھا اور زرد پوش فرشتہ سرے سے غائب۔

ابھی اُس کی حیرت دور نہیں ہوئی تھی کہ اُسے دوسرے حادثے سے دوچار ہونا پڑا۔ یعنی سبکی خبری میں کسی نے اُس کے ہاتھ سے ریوالور چھین لیا۔ وہ بڑی تیزی سے مڑا لیکن بیک وقت تمام ریوالوروں کی نالیں اُس کے سینے سے آلگیں۔

"ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" بولنے والا لہجے سے غیر ملکی معلوم ہوتا تھا اور جملہ انگریزی میں ادا کیا گیا تھا۔ فریدی نے ہاتھ اٹھا دیئے۔ ساتھ ہی اُسے اپنی پشت پر قہقہہ سنائی دیا۔

وہ نقاب پوش ہنس رہا تھا جس کی گردن پر کچھ دیر پہلے فریدی نے ریوالور رکھ دیا تھا۔

"ہلو.... مائی ڈیئر.... ہاؤڈویوڈو۔" اُس نے فریدی کی کمر تھپ تھپا کر کہا۔ "آؤ.... آؤ اندر آؤ۔ باہر کیوں کھڑے ہو۔ تمہارا اسسٹنٹ گہری نیند سو رہا ہے۔ اس لئے اُس کی نیند میں خلل پڑنے کا اندیشہ نہیں ہے۔"

فریدی چپ چاپ کمرے میں داخل ہو گیا۔

"بیٹھ جاؤ۔" نقاب پوش نے آرام کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"اور اگر میں انکار کر دوں تو....؟" فریدی مسکرایا۔

"تب پھر تم سے زیادہ بدبخت آدمی روئے زمین پر نہ ملے گا۔ کیونکہ ڈاکٹر ڈریڈ نے آج تک اتنی مہلت کسی کو نہیں دی۔"

"اوہ.... تو تم ڈاکٹر ڈریڈ ہو؟"

"اور تمہیں اس پر حیرت ہے؟"

"نہیں حیرت کیوں ہوتی۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "اس آدمی کے ہاتھوں زک اٹھانے میں مجھے قطعی شرمندگی نہ ہو گی جو دو بار میرے ہاتھوں ذلیل ہو چکا ہے۔"

"آہا.... وہ میری تفریح تھی کرنل۔"

"اور یہ میری تفریح ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

"خیر مجھے معلوم ہے کہ تم بہت دلیر اور چالاک ہو۔" نقاب پوش نے سرد لہجے میں کہا۔ "لیکن تم میرے اصول سے واقف نہیں ہو۔ میں جب بھی کسی نئی سرزمین پر قدم رکھتا ہوں اپنے لئے لاتعداد خطرات خود ہی پیدا کرتا ہوں تاکہ خود کو وہاں کے ماحول سے ہم آہنگ کر سکوں۔ کیا سمجھے.... ورنہ جانتے ہو میرا ایک ہلکا سا اشارہ تمہاری موت کیلئے کافی ہوتا۔ کیا میری سنگلٹن حمید کے بازو میں کوئی ایسی زہریلی سوئی نہیں چبھو سکتی تھی جس سے اُس کی موت وہیں واقع ہو جاتی۔"

"چبھو سکتی تھی۔" فریدی نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔

"پھر کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ تم دونوں ابھی تک زندہ ہو؟"

"یہی کہ ہم دونوں نے فی الحال مر جانے کا پروگرام ملتوی کر دیا ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن تمہیں یقین ہونا چاہئے کہ یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔" نقاب پوش نے مسکرا کر بولا۔

"ہم تمہیں الوداع کہنے ہوائی اڈے پر ضرور آئیں گے۔"

"تم غلط سمجھے یہ سرزمین مجھے بہت پسند آئی ہے۔ کیونکہ یہاں دولت حاصل کرنے کے

ذرائع دوسری جگہوں سے بہتر اور زیادہ ہیں۔ لہٰذا میں اب تم جیسے کانٹوں کو اپنی راہ سے ہٹا دینا چاہتا ہوں۔"

"مگر اُس ننھی سی پھانس کے لئے کیا کرو گے جو تمہارے ذہن میں ہر وقت کھٹکتی ہے۔"

"غالباً تمہارا اشارہ فیچ کی طرف ہے۔" نقاب پوش بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

"ارے وہ میرے دربار کا مسخرا ہے۔"

"بہت خوب۔" فریدی اس جملے سے محظوظ ہوا۔

"اِدھر سنو....!" دفعتاً نقاب پوش کا لہجہ بدل گیا۔ "تمہاری حقیقت ہی کیا ہے۔ میری ایک معمولی سی چال بھی تمہاری سمجھ میں نہ آ سکی۔ تم میری سنگلٹن کے پیچھے دوڑتے رہے۔ تم نے یہ سوچا کہ وہ کیپٹن حمید کے بازو میں زہریلی سوئی چبھونے کے بعد بھی اعلانیہ کیوں گھومتی پھر رہی ہے۔ تم نے یہ بھی نہ سوچا کہ ویسا ہی ایک تجربہ اُس کرائم رپورٹر کو کیوں ہوا؟"

"اگر کرائم رپورٹر انور کو بھی ایسے ہی واقعے سے دوچار نہ ہونا پڑا ہوتا تو میں اس کے متعلق اور سوچتا۔" فریدی نے مسکرا کر جواب دیا۔

"تم لوگ میری سنگلٹن کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک آئے اور تمہیں پڑوسیوں نے بتایا کہ یہاں ایک پاگل آدمی رہتا ہے اور اُس کے متعلقین اُسے مقفل رکھتے ہیں۔" نقاب پوش مزہ لے لے کر کہتا رہا۔ "پھر ہم نے ایک دلچسپ منظر دیکھا۔ تمہارا اسسٹنٹ واقعی بڑا احمق ہے۔ اُس نے تمہارے لئے دوہری پریشانیاں پیدا کر دیں۔ اب تم سوچ رہے ہو گے کہ اگر میں کسی طرح نکل بھی جاؤں تو اس گدھے کا کیا ہو گا۔"

"مائی ڈیئر ڈاکٹر ڈریڈ۔ تم حیرت انگیز آدمی ہو۔" فریدی نے متحیرانہ انداز میں کہا۔ "تم نے میرے دل کی بات کہہ دی لیکن سنو دوست تمہیں شاید اس کا علم نہیں ہے کہ میں عرصہ سے تمہاری موت کا خواہاں ہوں۔"

"میرے لئے بالکل نئی اطلاع ہے۔"

"ہاں.... مگر تمہارا رویہ بڑا بزدلانہ ہے۔ میں بالکل نہتا ہو چکا ہوں۔ اس کے باوجود بھی تمہاری طرف چار ریوالور اٹھے ہوئے ہیں۔"

"اصولاً تو غلط نہیں ہے۔"

"نہ ہو گا۔ مگر مجھے الجھن ہوتی ہے۔ اپنے ایک آدمی سے کہو کہ میری جامہ تلاشی لے ڈالے۔"

"کیوں....؟"

"تاکہ تم لوگ میری طرف سے مطمئن ہو کر ریوالور اپنی جیبوں میں رکھ لو۔"

"کیا یہ ضروری ہے کہ ہم وہی کریں جو تم چاہتے ہو۔"

"یقیناً اخلاق کا تو یہی تقاضہ ہونا چاہئے کہ تم اس وقت میری ہر خواہش پوری کرو۔ کیونکہ تمہارے ہی قول کے مطابق ہم تھوڑی ہی دیر کے مہمان ہیں۔ جب کسی مجرم کو سزائے موت دی جانے لگتی ہے تو اُس کی آخری خواہش بھی پوری کرنی پڑتی ہے۔"

نقاب پوش کچھ دیر خاموش رہا پھر اپنے آدمیوں کی طرف دیکھ کر بولا۔

"اس کی جامہ تلاشی لو۔"

جامہ تلاشی شروع ہو گئی لیکن فریدی کے پاس سے کوئی ایسی چیز بر آمد نہ ہوئی جس سے اُن کو خطرہ ہوتا۔

فریدی آرام کرسی پر بیٹھ گیا.... اور کچھ دیر بعد بولا۔ "ہاں.... کہو.... اب کیا کہتے ہو؟"

"کچھ نہیں۔ ابھی تم نے فنچ کے سلسلے میں مجھ پر طنز کیا تھا۔ میں سوچ رہا ہوں کہ تمہیں اُس وقت تک زندہ رکھا جائے جب تک کہ تم فنچ کا انجام اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لو۔"

"مگر ڈاکٹر ڈریڈ میں اب زندہ نہیں رہنا چاہتا۔"

"کیوں....؟"

"بس یونہی۔ دل نہیں چاہتا۔ ایسی شکست کے بعد کون زندہ رہنا پسند کرے گا جیسی اس وقت مجھے نصیب ہوئی ہے۔"

نقاب پوش ہنسنے لگا لیکن فریدی کے چہرے پر بدستور مایوسی نظر آتی رہی۔

"نہیں....!" نقاب پوش بولا۔ "تمہیں اُس وقت تک ہماری قید میں رہنا پڑے گا جب تک کہ میں فنچ کو ایک حقیر کیڑے کی طرح مسل نہیں ڈالتا۔"

فریدی نے جیب میں ہاتھ ڈال کر اپنی جیبی گھڑی نکالی اور اُسے کان سے لگاتا ہوا بولا۔ "یہ کم بخت بھی آج خلاف معمول بند ہو گئی۔ کیا سچ مچ یہ میری زندگی کی آخری رات ہے۔"

فریدی اُس میں چابی دینے لگا پھر ڈاکٹر ڈریڈ سے بولا۔ "کیا وقت ہوا ہے؟"

نقاب پوش نے اپنی کلائی کی گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ڈھائی۔"

"شکریہ۔" فریدی اپنی گھڑی کی سوئیوں کو حرکت دیتا ہوا بولا۔ "مگر دوست ڈریڈ یہ پاگل آدمی کون تھا۔ میں اس میں بہت شدت سے دلچسپی لے رہا ہوں۔"

"سونے کی چڑیا۔" نقاب پوش نے قہقہہ لگایا۔ "بس اس سے زیادہ اور کچھ نہیں بتایا جا سکتا۔

ں آدمی کے خون کی ہر بوند سے ایک تولہ سونا بناتا ہوں۔"

"تم واقعی بہت باکمال آدمی ہو۔ بہت زیادہ مگر یہ حقیقت ہے کہ ایک حقیر سے کیڑے فنچ نے ہماری زندگی تلخ کر رکھی ہے۔ تم دوسروں کو بلیک میل کر کے روپیہ اینٹھتے ہو اور وہ تمہیں بلیک میل کر کے اُس میں حصہ لگا لیتا ہے۔"

"شیر کا جھوٹا گیدڑ ہی کھاتے ہیں۔" نقاب پوش نے اپنے شانوں کو لاپروائی سے جنبش دی۔

"ہاں بھئی اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔" فریدی اُسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ "تم آدمیوں کے ساتھ ہی ساتھ الفاظ کے بھی شکاری ہو۔"

"ہاں....!" نقاب پوش نے سر ہلا کر کہا۔ پھر اپنے آدمیوں سے بولا۔ "ان دونوں کو قید کر دو۔"

"کیا یہیں قید کرو گے۔" فریدی نے حیرت سے کہا۔

"قطعی.... لیکن۔" وہ مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ "قید تو ذہنی ہو گی جسمانی طور پر تم بالکل آزاد ہو گے۔ باہر قفل نہیں ڈالا جائے گا۔ تم باہر جا سکو گے لیکن واپسی یہیں ہو گی۔"

"اوہ....!" فریدی نے حیرت سے کہا۔ "میں بالکل نہیں سمجھا ڈاکٹر ڈریڈ۔"

"تم دونوں کو ایک خاص قسم کے انجکشن دیئے جائیں گے اور تم اپنی پچھلی زندگی کے متعلق سب کچھ بھول جاؤ گے۔"

"بہت دلچسپ۔" فریدی اپنی جیبی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا پھر یک بیک کھڑے ہو کر اُس نے گھڑی چھت کی طرف اچھال دی اور قبل اس کے کہ وہ لوگ سنبھلتے ایک زوردار دھماکہ ہوا اور تیز قسم کی روشنی سے اُن کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

حمید چیخ مار کر اٹھ بیٹھا۔ شاید اُس کا نشہ ہرن ہو گیا تھا۔

چاروں نقاب پوش بے حس و حرکت ہو گئے تھے اور کمرہ جہنم کا نمونہ بنتا جا رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی نظر نہ آنے والی آگ کی لپٹوں میں گھر گیا ہو۔

"ہاں ڈاکٹر ڈریڈ....!" فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "اب آؤ۔ دو دو ہاتھ ہو جائیں۔ تمہارے شعبدے ساری دنیا میں مشہور ہیں۔ لیکن کیا اس کا جواب پیش کر سکو گے؟"

گرمی کی شدت سے پریشان ہو کر وہ چاروں اپنے کپڑے نوچنے لگے اور ذرا ہی سی دیر میں اُن کے جسموں پر زیر جاموں کے علاوہ اور کچھ نہ رہ گیا۔ اُن کی نقابیں بھی دور پڑی ہوئی اُن کو منہ چڑا رہی تھیں لیکن اُس کے برخلاف فریدی اور حمید پر اس گرمی کا کوئی اثر نہیں معلوم ہوتا تھا۔

حمید مسہری سے اٹھ کر فریدی کے پاس آ کھڑا ہوا اور اُن چاروں کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر

دیکھ رہا تھا۔

"یہ رائے شیکھر کی کوٹھی والے دھوئیں کا جواب ہے ڈاکٹر ڈریڈ۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہائیں یہ ڈاکٹر ڈریڈ ہے۔" حمید آنکھیں مل مل کر اُن نیم برہنہ آدمیوں کو گھورتا ہوا بولا۔

"ہاں.... یہ ڈاکٹر ڈریڈ ہے۔" فریدی نے ایک آدمی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"ارے تو پھر.... باندھ لو نا.... کھڑے کھڑے کیا کر رہے ہیں ہم۔"

"نہیں....!" فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔ "ڈریڈ کو اپنی صلاحیتوں پر بڑا غرور ہے۔ اُس نے اپنی دانست میں ہمیں ڈھیل دے رکھی تھی۔ اُس کا کہنا ہے کہ وہ اپنے لئے دیدہ دانستہ خطرات پیدا کر کے اُن میں سے صحیح و سلامت نکل جانے کو تفریح سمجھتا ہے۔ میری سنگلٹن والا جال ہمیں پھانسنے ہی کے لئے اُس نے بچھایا تھا.... لہٰذا.... حمید صاحب فی الحال اُسے باندھ لینے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"کمال کرتے ہیں آپ بھی۔"

لیکن فریدی حمید کی طرف توجہ دیئے بغیر ڈاکٹر ڈریڈ سے بولا۔ "کیا اب تمہارے جسم میں اتنی سکت رہ گئی ہے کہ ہم پر حملہ کر سکو۔"

ڈاکٹر ڈریڈ کچھ نہ بولا۔

"اتنی سکت نہ ہوگی۔ اس لئے میں تمہیں اس حال میں گرفتار نہیں کر سکتا۔"

"اے جناب.... اے جناب۔" حمید دونوں ہاتھ اٹھا کر چیخا۔ "آپ کسی جاسوسی ناول کے ہیرو نہیں ہیں، ہوش میں آیئے۔"

"میں ہوش میں ہوں۔" فریدی نے اپنے شانے کو جنبش دے کر کہا۔ "اگر تم بے ہوش نہ ہوتے تو میں یہ شعبدہ ضائع کئے بغیر ہی ڈاکٹر ڈریڈ پر ہاتھ ڈال سکتا تھا۔ مگر اس کا ایک شعبدہ مجھ پر اُدھار بھی تو تھا۔"

"میں شاید اب بھی نشے میں ہوں۔" حمید نے بڑبڑا کر اپنے بازو میں چٹکی لی اور "سی" کر کے رہ گیا۔ اُسے شاید اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ یقین بھی کیسے آتا۔ دنیا میں شاید ہی کوئی ڈاکٹر ڈریڈ جیسے مجرم پر قابو پانے کے بعد اُسے چھوڑ دیتا۔

"آپ پھر غور کیجئے۔" حمید نے فریدی کا بازو چھو کر کہا۔

"آؤ چلیں۔" فریدی اُس کا بازو پکڑ کر دروازے کی طرف کھینچتا ہوا بولا۔

"میں.... میں۔" حمید پھر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فریدی کو دیکھنے لگا اور آہستہ سے بولا۔ "کیا

میرے بعد آپ نے بھی پی لی تھی؟"

"آبے چل....!" فریدی نے دروازے کی طرف اُسے دھکا دیا۔

وہ دونوں باہر آئے اور فریدی نے دروازہ بند کر کے کہا۔ "اپنے کان تیزی سے ملو۔"

اور وہ بھی دونوں ہاتھوں سے اپنے کان ملنے لگا۔

حمید بے بسی سے اپنے کان ملتا ہوا منمنایا۔ "خود نشے میں ہوں تو کوئی بات نہیں۔ ہم سے غلطی ہو جائے تو جہنم میں جھونکنے پر تیار ہوئے۔"

"کچھ گرمی آئی کانوں میں؟" فریدی نے پوچھا۔

"لاحول ولا قوۃ....!" حمید نے جھلا کر کہا اور اپنے دونوں ہاتھ نیچے گرا دیئے لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی حمید کے کان مسل رہا تھا۔

"ارے خدا کے لئے چھوڑیئے۔"

"کانوں میں گرمی آئی یا نہیں؟"

"کباب ہو گئے سالے۔ بس اب چھوڑیئے۔ یا خدا۔"

"ٹھیک ہے آؤ۔" وہ اُس کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف کھینچتا ہوا بولا۔ دروازے اب باہر سے مقفل نہیں تھے۔ وہ زینے طے کرتے ہوئے نیچے آئے اور اُس سمت پیدل چلنے لگے جہاں فریدی نے اپنی کار چھوڑی تھی۔ حمید اب نشے میں نہیں تھا۔ لیکن فریدی کے اس رویہ نے اُسے پاگل کر دیا تھا۔

"یہ کیا کیا آپ نے؟"

"وہی جو ہونا چاہئے تھا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"آپ نے اتنے بڑے مجرم کو چھوڑ دیا۔"

"گھاس تو نہیں کھا گئے ہو؟"

"کیا مطلب....؟"

"وہ ڈاکٹر ڈریڈ نہیں تھا۔ جس طرح وہ لوگ مجھے مرعوب کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اُسی طرح اگر میں بھی.... حمید صاحب میں بھی آدمی ہوں۔ اور دنیا کا ہر آدمی دوسرے پر اپنی برتری ضرور جتانا چاہتا ہے۔"

"لیکن آپ کسی ایسے آدمی کو کیا کہیں گے جو موقعہ سے فائدہ نہ اٹھائے۔"

"احمق....!"

"اس معاملے میں اپنے متعلق کیا خیال ہے؟"

"میں بھی ایک بہت بڑا احمق ہوں۔ یہ حماقت نہیں تو اور کیا ہے کہ میں نے بھی انہیں ایک شعبدہ دکھا کر چلتا کر دیا۔ اگر تم اس کا تذکرہ دوسروں سے کرو تو اس تذکرے کو لطیفہ کہیں گے۔"

"خدا کے لئے مجھے بتایئے۔ کیا آپ نے پی تھی؟"

"نہیں فرزند.... میں کبھی نہیں پیتا۔"

"پھر مجھے آپ کے صحیح الدماغ ہونے پر شبہہ ہے۔"

"میں نہیں کہتا کہ تم اپنا شبہہ دور کر دو۔"

وہ کار میں بیٹھ گئے اور کار چل پڑی۔

"لیکن وہ بے حس و حرکت کیوں ہو گئے تھے اور وہ دھماکہ کیسا تھا؟" حمید نے پوچھا۔

"ایک شعبدہ جو عرصہ سے جیب میں پڑا ہوا تھا۔ اسی توقع پر کہ کبھی نہ کبھی ڈاکٹر ڈریڈ یا اُس کے خاص آدمیوں سے ضرور ملاقات ہو گی۔"

"کیسا شعبدہ....؟"

"تیل مالش والا شعبدہ۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس وقت کرنل فریدی سے گفتگو کر رہا ہوں یا گرانڈیل احمق قاسم سے۔"

فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بولا۔ "اسی تیل مالش کی وجہ سے تم اپنے پیروں پر کھڑے رہے تھے۔ ورنہ انہیں لوگوں جیسا حشر تمہارا بھی ہوتا۔"

"کیا مطلب....؟" حمید چونک کر بولا۔

"مطلب پوچھنے کا جنون ہو گیا ہے تمہیں۔"

"اُس کے علاوہ بھی کئی قسم کے جنونوں کا شکار ہوں۔ لیکن اب آخری جنون باقی رہ گیا ہے۔ وہ یہ کہ کسی دن آپ کو شوٹ کرنے کے بعد اپنے بھی گولی مار لوں۔"

"نہیں تم پہلے خود کو گولی مار لو۔ اگر میں نے ضرورت سمجھی تو اُس کے بعد تم سے استدعا کروں گا کہ اب مجھے بھی گولی مار دو۔ ڈیوٹ.... یہ تو بتاؤ کہ میں روزانہ تمہارے جسم میں ایک خاص قسم کے تیل کی مالش کیوں کراتا تھا؟"

"اوہ.... اوہ.... اُس کے متعلق تو میں نے فرض کر لیا تھا کہ ابھی حال ہی میں زچگی سے فارغ ہوا ہوں۔"

"وہ اُسی مالش کا اثر تھا کہ تمہارے اعضاء اُس شعبدے کی حدت نے بیکار نہیں کئے۔"

"میرے خدا....؟" حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "آپ نے اتنے دن پہلے سے شعبدے کی تیاری کی تھی۔"

"فکر نہ کرو۔ آج کل دو چار شعبدے ہر وقت جیب میں پڑے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر ڈریڈ سے بلہ ہے نا۔"

"مگر یہ شعبدہ کیسا تھا۔"

"جیبی گھڑی کی ساخت کا ایک ٹائم بم جس میں ایک مخصوص قسم کا مادہ تھا۔"

"یہ آپ کی لیبارٹری کسی نہ کسی دن زوال ضرور لائے گی۔"

"جس دن وہ زوال لائی ہم دونوں بھی افسوس کرنے کے لئے زندہ نہیں ہوں گے۔"

"معاف کیجئے گا۔ اس وقت آپ نے بالکل شاکو عرف بہرام کا بیٹا والی حرکت کی ہے۔"

"بعض حقائق افسانے سے زیادہ دلچسپ ہوتے ہیں۔"

کچھ دیر خاموشی رہی پھر فریدی ہی بولا۔ "میری سنگلٹن والے معاملے پر ہمیں غور کرنا ہے تھا۔ مگر خیر چھوڑو ڈاکٹر ڈریڈ کے شعبدوں کا جواب بھی تو ہونا ہی چاہئے تھا۔"

"لیکن آپ نے اُن لوگوں کو چھوڑ کر اچھا نہیں کیا۔"

"اوہ.... پھر ڈاکٹر ڈریڈ تک اس واقعہ کی خبر کون پہنچاتا۔"

"مگر ٹھہریئے.... ذرا یہ تو بتایئے کہ بیگم ارشاد کے یہاں انور کے کس نے سوئی چبھوئی تھی۔"

"خود بیگم ارشاد نے۔" فریدی نے جواب دیا۔ "اور وہی ایک ایسا واقعہ تھا جس کی بناء پر میری سنگلٹن کے متعلق غور کر سکتے تھے۔"

"کیا آپ بیگم ارشاد سے جواب نہیں طلب کر سکتے؟"

"ضرور کروں گا۔ یہ بھی بہت ضروری ہے اور اسی وقت.... ابھی۔"

"آپ کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"یہ میری خوش قسمتی ہے۔ جس دن میری باتیں تمہاری سمجھ میں آ گئیں تم برابری کا دعویٰ لڑ بیٹھو گے۔"

"ہم بیگم ارشاد کے بارے میں کیا نہیں جانتے۔"

"کیا تم جانتے ہو کہ ڈاکٹر ڈریڈ اُسے کیوں بلیک میل کر رہا ہے؟"

"نہیں....!"

"اچھا میں سمجھا۔" فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "تم یہ جانتے ہو کہ شاہینہ اُس کی لڑکی ہے جوان ہے حسین ہے اور ابھی تک اُس کی شادی نہیں ہوئی۔ پانچ سو سگریٹ پیتی ہے اور فخریہ کہتی ہے کہ پانچ سو پچپن شوہر ہر وقت اُس کے بیگ میں پڑے رہتے ہیں۔"

"لڑکی عجیب ہے۔ اس میں شک نہیں۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"تم گدھے ہو.... اب مجھے سوچنے دو۔"

"سوچئے....!" حمید نے لاپروائی سے کہا اور کار کی پشت سے ٹک گیا۔

"مگر نہیں۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے شراب کیوں پی تھی؟"

"اگر آپ پیش کریں تو میں مٹی کا تیل بھی پی سکتا ہوں۔ شراب کیا حقیقت رکھتی ہے۔"

"تم میں ابھی تک اتنا بھی سلقیہ نہیں پیدا ہو سکا کہ کسی سچویشن کو سمجھ سکو۔"

"میں نے جب بھی کسی سچویشن کو سمجھنے کی کوشش کی ہے میرا ہاضمہ ٹھیک نہیں رہا۔"

"بس اب خاموش رہو۔"

حمید پھر پشت گاہ سے ٹک کر اونگھنے لگا۔ کچھ دیر بعد اُن کی کار ارشاد منزل کے پھاٹک پر رک گئی لیکن ٹھیک اُسی وقت ایک گھوڑا گاڑی بھی وہیں آکر رکی۔ فریدی نے اپنی کار بیک کی تاکہ گھوڑا اندر جا سکے مگر دفعتاً کوچوان نے گھوڑوں کو دوسری طرف سڑک پر موڑ دیا۔ ایسی موقعہ پر فریدی سے سستی کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ وہ کار سے اترا اور جھپٹ کر گھوڑے کی راس پکڑ لی۔

"کون ہے؟" کوچوان کی سیٹ سے ایک خوفزدہ سی آواز آئی اور یہ کسی عورت ہی کی آواز تھی۔

"اوہو.... بیگم ارشاد....!" فریدی نے خوش ہو کر کہا۔ "یہ بڑا اچھا ہوا کہ باہر ہی آپ سے ملاقات ہو گئی۔ ورنہ خواہ مخواہ اندر اطلاع بھجوانے کی زحمت کرنی پڑتی۔"

"آپ کون ہیں؟"

"محکمہ سراغ رسانی کا کرنل فریدی۔"

"اوہ.... اتنی رات گئے.... فرمایئے؟"

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ سے اس حال میں ملاقات ہو گی۔"

"آپ مدعا بیان کیجئے۔ آپ کو میرے حالات سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے۔"

"ایک صاحب مسٹر جوزف پیٹر نے آپ کی شکایت کی ہے۔"

"لیکن میں کسی جوزف پیٹر کو نہیں جانتی۔"

"وہ آپ کی صاحبزادی کی سالگرہ کے موقع پر مدعو تھے۔ آپ نے کسی بات پر خفا ہو کر ان

ے کپڑے اتروالئے اور انہیں اُسی حالت میں تین پنکھوں کے درمیان بیٹھنے پر مجبور کیا حالانکہ آپ جانتی ہیں کہ اُس موسم میں وہ نمونیا کے شکار بھی ہو سکتے تھے۔"

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بیگم ارشاد کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ وہ کچھ نہ بولی۔

تعاقب

"جواب دیجئے! محترمہ! میں آپ ہی سے مخاطب ہوں۔" فریدی نے کچھ دیر بعد کہا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا جواب دوں۔" بیگم ارشاد نے مضمحل آواز میں کہا۔ "یہ حقیقت ہے کہ میں نے سزا کے طور پر ایک آدمی کے کپڑے اتروالئے تھے لیکن کیا قانون اُسے جرم قرار دے گا؟"

"سزا دینے کا حق صرف عدالت ہائے عالیہ کو پہنچتا ہے۔ کسی بھی ملک کے شہریوں سے توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لیں گے۔"

"وہ جوزف پیٹر نہیں بلکہ نیو اسٹار کا کرائم رپورٹر انور تھا۔"

"نہیں....!" فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یقین کیجئے۔ وہ خواہ مخواہ میری بچی کے پیچھے پڑ گیا ہے۔ ذرا ٹھہریئے۔ مجھے یاد کرنے دیجئے۔ ا.... مجھے نام نہیں یاد آرہا ہے بہرحال پچھلے دنوں ایک رات آلکچو میں آپ ہی کے محکمے کے ب آفیسر کے سامنے اُسے تنبیہہ کی تھی۔ آفیسر کا نام مجھے یاد نہیں آرہا وہ.... انور میری لڑکی ینہ کو نشوں کی عادت ڈال رہا ہے۔ اس رات بھی خفیہ پولیس کے آفیسر نے اُس کی جیب سے کین برآمد کی تھی۔ پھر ہو سکتا ہے بات رشوت پر ختم ہو گئی ہو۔ بہرحال مجھے اُس سے کوئی ل نہیں۔ میں نے انور کو تنبیہہ کی تھی کہ وہ شاہینہ سے نہ ملا کرے۔ لیکن اُس کے باوجود بھی بھیس بدل کر کوٹھی میں آگھسا۔ اپ بتایئے۔ آپ کیا کرتے ایسی کسی موقع پر۔"

"میں اُسے پولیس کے حوالہ کر دیتا۔"

"ہاں مجھ سے غلطی ضرور ہوئی۔"

"مگر بیگم صاحبہ۔" فریدی نے متحیرانہ انداز میں کہا۔ "میرے پاس ایسے شاہد موجود ہیں کہ انہوں نے ڈنر ٹیبل پر جوزف پیٹر کے نام کا کارڈ بھی دیکھا تھا۔"

"وہ گواہ آپ کو انور ہی کے توسط سے ملے ہوں گے۔" بیگم ارشاد نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"قدرتی بات ہے۔ گواہ ہمیشہ مدعی ہی کی طرف سے پیش ہوتے ہیں۔"

"کچھ بھی ہو۔ وہ گواہ جھوٹے ہیں۔"

"اسے تو عدالت ہی میں چیلنج کیجئے گا۔"

"عدالت....!" بیگم ارشاد کی آواز پھر کانپ گئی اور کچھ دیر کیلئے پھر سکوت طاری ہو گیا۔

"جی ہاں عدالت۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "وہ آپ پر ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ کرنے جا رہا ہے۔ اُس کا کہنا ہے کہ آپ کی بیٹی نے اُسے اپنی سالگرہ کی تقریب میں شرکت پر مجبور کیا تھا۔ اُس نے کہا تھا.... آؤ ضرور خواہ بھیس ہی بدل کر آنا پڑے۔"

"یہ سراسر بہتان ہے۔"

"یہ بھی آپ عدالت ہی میں ثابت کیجئے گا۔"

"پھر آپ کس لئے تشریف لائے ہیں؟" بیگم ارشاد کا لہجہ بہت تلخ تھا۔

"میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ ایک دوسرا معاملہ بھی ہے۔ آپ نے اخبارات میں پڑھا ہوگا کہ میرے اسسٹنٹ کیپٹن حمید کو مئے پول میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا تھا۔ اُس نے اپنے بازو میں سوئی کی چبھن محسوس کی اور کچھ دیر کے لئے اُس کا جسم بالکل بیکار ہو گیا۔"

"میرا خیال ہے کہ میں نے یہ خبر دیکھی تھی۔"

"ویسا ہی واقعہ آپ کی کوٹھی میں انور کو بھی پیش آیا تھا۔ اُس نے اپنے بازو میں سوئی کی چبھن محسوس کی اور کچھ دیر کے لئے اُس کا جسم بالکل بیکار ہو گیا۔"

"میرے خدا۔ وہ ہر زاویئے سے ایک نئی چال چل رہا ہے۔" بیگم ارشاد بڑبڑائی۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"وہ چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی صورت سے مجھے زک پہنچائے۔ ہاں اُس نے اور کیا کہا تھا؟"

"اُس نے کہا تھا کہ جب اُس کا جسم بے حس و حرکت ہو گیا تو آپ اُسے ایک کمرے میں اٹھوا لے گئیں۔ وہاں آپ کے ملازموں نے اُس کے کپڑے اُتار کر تین پنکھے کھول دیئے اور پھر ہوا کے اُس طوفان میں اُس کی کھوئی ہوئی قوتیں آہستہ آہستہ واپس آنے لگیں۔ اس کے بعد وہ بالکل ٹھیک ہو گیا۔"

"اُف فوہ۔" بیگم ارشاد نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "کس کس طرح بات بنائی ہے۔ اُس سور نے۔ وہ کسی نہ کسی طرح مجھے قانونی گرفت میں لینے کی کوشش کر رہا ہے۔ یقین کیجئے

ل صاحب! بات صرف اتنی ہی ہے کہ میں نے غصے میں اُس کے کپڑے اُتروا لئے تھے اور بس! اس کا اعتراف ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہوں گی کہ میری جگہ جو بھی ہوتا یہی کرتا۔"

"تو دوسرا واقعہ غلط ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"قطعی غلط ہے جناب۔ آپ خود خیال کیجئے۔ مگر اُس کی ذہانت کی داد دینی پڑے گی کہ اُس نے کتنی احتیاط سے میرے خلاف یہ پلاٹ گڑھا ہے۔ اُف میرے خدا۔ میری تو عقل بھی وہاں نہ پہنچتی۔ اُس خبر میں تھا کہ اُن صاحب کی حالت ٹھنڈی ہوا لگنے سے بہتر ہو گئی تھی لہٰذا اُس بخت نے تین پنکھوں کا اضافہ کر دیا۔ میں پھر کہتی ہوں کہ کپڑے میں نے بلاشبہ اتروائے تھے یہ پلاٹ خدا کی پناہ....!"

"تو یہ غلط ہے؟"

"قطعی غلط ہے؟"

"شکریہ! محترمہ میں نے آپ کو بہت تکلیف دی۔" فریدی نے کہا اور گھوڑے کی راس چھوڑ گاڑی کے پاس سے ہٹ آیا۔ پھر کار میں بیٹھتے ہوئے اُس کی ٹارچ کی روشنی گاڑی پر پڑی۔

بیگم ارشاد سر سے پیر تک سیاہ لبادے میں لپٹی ہوئی کوچوان کی سیٹ پر موجود تھی۔ ٹارچ بجھا لی گئی۔ پھر فریدی نے انجن اسٹارٹ کر کے کار بیک کی اور کچھ دیر بعد حمید نے کہا۔ "وقت کی اس بربادی کا کیا مقصد تھا؟"

"بڑی گھاگ عورت ہے۔"

"ہے تو۔"

"لیکن آج ہم نے بھی اُسے اس حال میں دیکھ لیا۔ آخر وہ اس طرح کیا کرتی پھرتی ہے۔"

"اس پر قانون کوئی پابندی نہیں عائد کر سکتا۔"

"شاہینہ اُس کے لئے بہت پریشان معلوم ہوتی ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ کار سڑک پر دوڑتی رہی۔ دفعتاً حمید نے کہا۔ "اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"وہیں جہاں سے یہ سفر شروع ہوا تھا۔ اب وہ اس قابل ہوئے ہوں گے کہ اپنی جگہ سے جنبش کر سکیں۔"

"تو آپ انہیں چھوڑ ہی کیوں آئے تھے؟"

"اتنی دیر میں ایک دوسرا کام بھی ہو گیا۔"

حمید نے بے بسی سے ایک ٹھنڈی سانس لی اور سیٹ کی پشت سے ٹک گیا۔

چاروں کی حالت ابتر تھی۔ کچھ دیر وہ کھڑے رہے پھر بے جان ہو کر فرش پر گر گئے۔ اُن کی زبانیں نکلی پڑ رہی تھیں اور وہ چوپایوں کی طرح ہانپ رہے تھے۔

کچھ دیر بعد اُن میں سے ایک بدقت تمام گھسٹتا ہوا دروازے تک پہنچ سکا۔ اُس کا ایک ہاتھ ہینڈل کی طرف اٹھا اور تھوڑی دیر تک اٹھا ہی رہ گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ہاتھ میں توازن کی حس ہی نہ رہ گئی ہو۔ وہ خلا میں جھولتا رہا۔ کئی بار وہ ہینڈل سے بھی ٹکرایا لیکن اُسے گرفت میں نہ لے سکا۔

آدھا گھنٹہ گذر گیا۔ کمرے کی فضا میں اچانک پیدا ہو جانے والی حدت ختم ہو گئی تھی اور اُن کے نیم برہنہ جسموں پر سردی کی لہریں اثر انداز ہونے لگی تھیں لیکن وہ اب بھی اس قابل نہیں تھے کہ اٹھ کر کپڑے پہن سکتے۔

"اب اٹھنے کی کوشش کرو۔" اُن میں سے ایک بولا۔

"مشکل... نٹریں... نہیں... اوڈ... ڈ...!" دوسرے نے کچھ کہنا چاہا لیکن زبان اینٹھ گئی۔

اور پھر وہی پہلے کا سا سکوت طاری ہو گیا۔ دروازے کے قریب پڑا ہوا آدمی شاید بقیہ تین آدمیوں سے زیادہ طاقت ور تھا کیونکہ وہ دروازے کا ہینڈل پکڑ کر اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ اٹھ گیا اور تھوڑی دیر تک دیوار سے ہاتھ ٹیکے کھڑا رہا۔ پھر اس طرح دوسروں کی طرف مڑا جیسے وہ انہیں بھی اسی حالت میں دیکھنا چاہتا ہو۔

پھر وہ دیوار پر ہاتھ رکھے ہی رکھے اُدھر بڑھنے لگا جہاں اُن کے کپڑے پڑے ہوئے تھے۔

وہ کپڑے پہن لینے میں کامیاب ہو گیا اور دوسرے اسے اس انداز میں دیکھتے رہے جیسے رحم کی بھیک مانگ رہے ہوں۔

"ہمیں بھی سردی لگ رہی ہے۔" ایک نے کمزور سی آواز میں کہا۔

"ٹھہرو...!" وہ آدمی بولا۔ "میں تم سب کو کپڑے پہناؤں گا۔"

اور اس کام میں تقریباً بیس منٹ صرف ہوئے۔ وہ پھرتی سے اس کام کو انجام دینے کے قابل اب بھی نہیں ہو سکا تھا۔

"میں محسوس کر رہا ہوں کہ کپڑے پہن لینے کے بعد سے توانائی واپس آ رہی ہے۔" اس نے

دوں کی طرف دیکھ کر کہا اور پھر ایک کرسی پر بیٹھ کر انہیں تشویش کن نظروں سے دیکھنے لگا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ دونوں کیسے اپنے پیروں پر چل کر گئے ہوں گے۔" اس سر اٹھا کر

یا۔

اُس آدمی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس مسئلے پر گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔ اُس کی پیشانی پر شکنیں تھیں اور آنکھوں سے کینہ توزی جھلک رہی ہونٹوں کے گوشے تنفر آمیز انداز میں کھنچ کر نیچے جھک گئے تھے اور اوپری ہونٹ نے قوس شکل اختیار کر لی تھی۔

کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ "یہ کھیل مجھے بالکل پسند نہیں ہے۔ میں اس کا قائل ہوں کہ جب دشمن سامنے آئے اس سے آگ کی زبان سے گفتگو کرنی چاہئے۔"

"مگر ہم کیا کریں۔" دوسرا بولا۔ "جو کچھ کہا گیا تھا اُسی کے مطابق عمل کر رہے تھے۔ مگر وہ ٹ دے گئے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اُسکی جیبی گھڑی کوئی ایسا وقت بھی ہم پر لائے گی۔"

"اتفاق....!" وہ آدمی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "خیر اب اس قصے کو دفن کرو۔ سوال یہ ہے کہ اب ں کیا کرنا چاہئے۔"

"کیوں....؟"

"بہت معمولی سی بات ہے۔ کیا تم یقین کر سکتے ہو کہ وہ حقیقتاً ہمیں اتنی لاپروائی سے چھوڑ کر گیا ہوگا۔"

"یقیناً اب اُس کے آدمی نیچے موجود ہوں گے۔" دوسرا بولا۔

"پھر ایسی صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہئے؟"

"ان ریوالوروں کو باہر پھینک دو۔ وہ ہمارے خلاف کوئی ثبوت فراہم نہ کر سکے گا۔ ہم پورٹ پر یہاں آئے ہیں اور ہمارے ملک کا سفارت خانہ ہمارا ذمہ دار ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ مگر یہاں تو کوئی قابل گرفت چیز موجود نہیں ہے۔"

"کچھ بھی نہیں۔"

"تب تو اٹھو ہم بے خطر چلیں گے۔"

"لیکن ٹھہرو۔ گو کہ یہ عمارت میرے نام سے حاصل کی گئی تھی لیکن شاید ہی یہاں کسی نے ٹائگ میری شکل دیکھی ہو۔ میری سنگلٹن یہاں آتی رہی ہے۔"

"اس کی فکر نہ کرو۔ میری بھی سفید فام ہی ہے۔"

"اگر ہم یہیں ٹھہریں تو کیا مضائقہ ہے۔"

"تم گھاس کھا گئے ہو شاید۔ ہمیں ہر حال میں اس واقعہ کی خبر اسی وقت پہنچانی ہے۔ ورنہ ڈاکٹر کچا ہی چبا جائے گا۔"

ان الفاظ کے سنتے ہی پھر کسی نے کوئی نئی تجویز نہیں پیش کی۔ لیکن یہ سوال اب اُن کے ذہنوں کو ٹھوکے دے رہا تھا کہ یہ اطلاع پہنچائی کس طرح جائے گی۔

"مجھے یقین ہے۔" توانا آدمی بولا۔ "کہ اس وقت تک عمارت کا محاصرہ ہو چکا ہوگا اور یہ بھی سمجھ رکھو کہ فریدی ہمارے فقرے میں نہیں آیا۔ وہ ہم میں سے کسی کو بھی ڈاکٹر سمجھنے پر تیار نہیں۔ لہٰذا اس طرح چپ چاپ چلے جانے کا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارا تعاقب کر کے ڈاکٹر تک پہنچنے کا ارادہ رکھتا ہے۔"

ایک بار پھر کمرے پر سکوت طاری ہو گیا۔

دفعتاً ایک آدمی نے اٹھ کر کہا۔ "میں اطلاع پہنچاؤں گا۔ تم تینوں یہیں ٹھہرو گے۔"

"کس طرح؟"

"بس آؤ میرے ساتھ۔"

وہ چاروں اُس کمرے میں آئے جس کا رخ سڑک کی جانب تھا۔ یہاں ایک بہت بڑی کھڑکی تھی جس میں دھندلے شیشے لگے ہوئے تھے۔ وہ آدمی جس نے کوئی راہ نکالنے کا خیال ظاہر کیا تھا اندھیرے ہی میں کرسیاں کھسکانے لگا۔

"خبردار.... سوئچ آن مت کرنا۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔

کوئی کچھ نہ بولا۔ کچھ دیر بعد اُس نے آہستہ سے کہا۔ "ایک آدمی یہاں آئے۔ اِدھر یہ میرا ہاتھ اُسے پکڑ لو۔"

تین ہاتھ بیک وقت اُس کے ہاتھ سے مس ہوئے۔ لیکن اُس نے صرف ایک کو اپنے قریب کھینچ لیا اور بولا۔ "یہاں بیٹھ جاؤ۔"

اسی طرح اُس نے تینوں آدمیوں کو یکے بعد دیگرے کرسیوں پر بٹھا دیا۔

اور پھر جب کمرے میں روشنی ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ وہ آدمی زمین پر چت پڑا ہوا۔ چوتھی کرسی پر ایک تکیہ رکھا ہوا تھا اور تکیے پر ایک بیضوی شکل کا گلدان الٹ کر رکھ دیا گیا تھا۔

"یہ کیا پاگل پن ہے۔" ایک نے حیرت سے پوچھا۔

زمین پر پڑے ہوئے آدمی نے بڑی کھڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "چار بیٹھے ہو۔

دیوں کے سائے۔"

حقیقتاً کھڑکی پر چار سائے نظر آ رہے تھے۔ تکیے پر رکھا ہوا گلدان بھی سر اور شانوں کا سا سایہ پیش کر رہا تھا۔

"اب میں.... دوسری طرف سے نیچے اُتر جاؤں گا۔" زمین پر لیٹے ہوئے آدمی نے آہستہ سے کہا اور رینگتا ہوا دروازے سے نکل گیا۔

❁

"ارے صبح ہونے والی ہے جناب! کیا آپ اونگھ رہے ہیں؟" حمید بھرائی ہوئی آواز میں بڑبڑایا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی کا ہاتھ حمید کے بازو پر پڑا اور وہ اُسے دباتا ہوا بولا۔ "واہ بھئی ذرا دیکھنا تو۔"

وہ اُس بڑی کھڑکی کی طرف اشارہ کر رہا تھا جسکے دھندلے شیشوں پر پرچھائیاں نظر آ رہی تھیں۔

"تو وہ نہایت اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہیں۔" حمید بڑبڑایا۔

"اوہ.... حمید.... ذرا دیکھنا۔ کیا بائیں گوشے والی پرچھائیں.... کسی ڈمی کی نہیں ہے۔ تین پرچھائیاں کبھی کبھی متحرک سی نظر آتی ہیں۔ مگر چوتھی.... آؤ۔"

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا بولا۔ "اس شعبدے نے ان کی عقلوں پر پتھر ڈال دیئے ہیں۔ یہ نروس ہیں حمید.... اور اسی لئے ان سے یہ حماقت سرزد ہوئی ہے۔ عمارت میں فون نہیں ہے لہٰذا وہ یہیں بیٹھے بیٹھے ڈریڈ کو اس واقعہ کی اطلاع نہ دے سکیں گے۔"

وہ عمارت کی پشت پر آ گئے۔

"آہا....!" فریدی نے پھر اُس کا بازو دبایا۔ "میرا خیال غلط نہیں تھا۔ وہ دیکھو۔"

تیسری منزل کی کھڑکی سے ایک سیاہ دھبہ سا باہر رینگ آیا تھا اور اب وہ فصیل پر چلتا ہوا پائپ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"آپ اگر سڑک کنارے بیٹھ کر لوگوں کو اُن کی قسمت کا حال بتانے لگیں تب بھی آپ اتنے ہی مالدار رہیں گے۔"

وہ اُسے پائپ کے سہارے نیچے اُترتے دیکھتے رہے۔ نیچے پہنچتے ہی وہ دم لئے بغیر بڑی تیزی سے سڑک کی طرف مڑ گیا۔ وہ دونوں بھی بالکل اسی انداز میں آگے بڑھے جیسے شب گذار آوارہ گرد ہوں۔ اُن کے فلٹ ہیٹ پیشانیوں پر جھکے ہوئے تھے اور السٹروں کے کالر کانوں تک اٹھے

ہوئے تھے۔

"آہا.... پیدل نہیں جائے گا حمید صاحب.... جلدی کرو۔ وہاں اُس گلی میں میں نے ایک کار پہلے بھی دیکھی تھی۔ غالباً یہ لوگ اسی پر آئے تھے۔"

حمید دوڑتا ہوا اپنی کار کی طرف چلا گیا۔ اتنی دیر میں وہ کار اسٹارٹ ہو کر چل بھی پڑی تھی اور فریدی کھڑا بے بسی سے اپنے ہاتھ مل رہا تھا۔ حمید سے اُسے اتنی پھرتی کی توقع نہیں تھی کہ وہ وقت ہی پر کار وہاں لے آئے گا۔ لیکن اس وقت اُسے بھی ماننا پڑا کہ حمید بالکل ہی ناکارہ نہیں ہے۔ اگلی کار گلی کے آخری سرے پر مڑ ہی رہی تھی کہ اُس کی لنکن اُس کے قریب پہنچ گئی۔

"سیدھے چلو....!" فریدی دروازہ کھول کر حمید کے برابر بیٹھتا ہوا بولا۔

اور پھر کچھ دیر بعد وہ اگلی کار کے راستے پر لگ گئے۔

"میں کیا کروں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔" حمید بڑبڑا رہا تھا۔

"کیا سمجھ میں نہیں آتا۔"

"یہ رات تو یونہی گئی۔ کیا میں دن کو سو سکوں گا؟"

"قطعی سو سکو گے۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

"مگر کیا آپ کو یقین ہے کہ یہ ڈاکٹر ڈریڈ ہی کے آدمی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ فنچ کے آدمیوں نے ڈاکٹر ڈریڈ کے لئے کوئی نئی الجھن پیدا کرنے کی کوشش کی ہو۔"

"فنچ نہیں.... ہرگز نہیں۔ فنچ ہمیشہ قانون سے کتراتا رہتا ہے۔ وہ بہت چالاک ہے۔ ڈاکٹر ڈریڈ کی طرح احمق نہیں ہے۔"

"آپ ڈاکٹر ڈریڈ کو احمق کہہ رہے ہیں۔"

"ہاں وہ بلاشبہ احمق ہے۔ وہ مجرم جو قانون پر اپنی برتری جتانے کی کوشش کرتے ہیں میں انہیں احمق سمجھتا ہوں۔ کیونکہ اُن کا اظہار برتری ہی اُن کے لئے پھانسی کا پھندہ بن جاتا ہے۔ فنچ جیسے لوگ عموماً محفوظ ہی رہتے ہیں۔"

"آخر یہ لوگ قانون پر اپنی برتری جتانے کی کوشش ہی کیوں کرتے ہیں؟"

"فطرت.... امتیازی خصوصیات کے حامل ہونے کا شوق۔ جس طرح عام آدمی کسی خاص معاملے میں شہرت حاصل کرنے کے متمنی ہوتے ہیں اُسی طرح بعض مجرم بھی عام روش سے ہٹ کر اپنی کوئی امتیازی خصوصیات پیش کرنا چاہتے ہیں۔ عام مجرموں میں تو اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ وہ قانون کے محافظوں کو چیلنج کر سکیں لیکن بعض مجرم ایسا بھی کر۔ تر ہیں۔ ڈاکٹر ڈریڈ دوسرے

قسم کے مجرموں میں سے ہے اور اسکی یہ عادت ہی ایک دن اُسکے انجام کا ذریعہ بن جائے گی۔"

"مگر یہ آج تک نہ معلوم ہو سکا کہ فنچ سے اُس کا جھگڑا کیوں چل رہا ہے۔"

"یہ تو اُسی وقت معلوم ہو سکے گا جب اُن دونوں میں سے کوئی ہاتھ آجائے۔" فریدی نے کہا پھر وہ دونوں ہی خاموش ہو گئے۔ دونوں کاریں آگے پیچھے دوڑتی رہیں۔

تھوڑی ہی دیر بعد اگلی کار شہر کی اُس بستی میں داخل ہوئی جہاں غیر ملکی سفیروں کی کوٹھیاں ہیں.... اور پھر وہ ایک عمارت کے سامنے رک گئی اور وہ آدمی اُتر کر کمپاؤنڈ کا پھاٹک کھولنے لگا۔

فریدی کی کار آگے نکل چلی گئی۔

"کیا مطلب....؟" حمید اُس وقت بڑبڑایا جب فریدی کی کار پھر اُسی راستے پر مڑنے لگی جس پر وہ یہاں تک آئے تھے۔

"کچھ نہیں اب گھر چل کر سوئیں گے۔"

"میں اسٹیئرنگ چھوڑ کر باہر چھلانگ لگا دوں گا۔" حمید جھلا کر بولا۔

"بگڑو نہیں فرزند! کیا تم یہ چاہتے تھے کہ ہم بھی اُس کے ساتھ ہی عمارت میں گھس پڑیں۔ یہ ایک غیر ملکی سفیر کی کوٹھی ہے۔ ڈاکٹر ڈریڈ بڑی مشکلوں سے گرفت میں آئے گا۔"

حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "کبھی وہ آپ کی جیب میں رکھا رہتا ہے اور کبھی مشکل سے ہاتھ آتا ہے۔ کبھی آپ فنچ کے لئے روتے چنگھاڑتے ہیں میری جوانی مفت میں برباد ہو رہی ہے۔"

فریدی ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کر خاموش ہو گیا۔ اس کا مطلب جو کچھ بھی رہا ہو۔

ننھا شیطان

اُس آدمی نے کمپاؤنڈ طے کیا اور برآمدے میں پہنچ گیا لیکن وہ اس سے بے خبر تھا کہ اُس کا تعاقب ہوتا رہا ہے۔ وہ کچھ اتنا ہی بدحواس تھا کہ جب فریدی کی کار اُس کے قریب سے آگے نکلی تھا تو اُس نے اُس کی طرف دھیان تک نہیں دیا تھا۔ پھر اُسے اُس بے آواز موٹر سائیکل کا علم ہوتا جو فریدی کی کار نکل جانے کے بعد ٹھیک اُسی کی کار کے قریب رکی تھی۔

وہ بے تحاشہ عمارت کے اندر داخل ہوا اور راہداری میں رک کر اُس بٹن کو بار بار دبانے لگا جس کے اوپر ایک ننھا سا سرخ رنگ کا بلب روشن تھا۔

سامنے والا دروازہ فوراً ہی کھلا اور ایک آدمی نے اُسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ یہ آدمی شاید جانتا تھا کہ اُسے کہاں جانا ہے کیونکہ وہ کسی راہبر کی مدد کے بغیر ہی مختلف سمتوں میں مڑتا رہا اور پھر کچھ دیر بعد وہ اوپری منزل کے زینے طے کرتا ہوا نظر آیا۔

یہ ایک بڑا کمرہ تھا جہاں رک کر وہ چاروں طرف متجسسانہ نظروں سے دیکھنے لگا تھا۔ اس کمرے میں نہ تو کسی قسم کا فرنیچر ہی نظر آرہا تھا اور نہ اس کی دیواریں ہی سجائی گئی تھیں۔ فرش پر البتہ ایک دبیز سا قالین پڑا ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد بائیں جانب کا ایک دروازہ کھلا اور ایک دراز قد آدمی اندر داخل ہوا۔ اُس کا چہرہ ستا ہوا تھا اور ہونٹ پتلے تھے۔ آنکھیں بہت چمکیلی تھیں۔

"تم نے ریڈ سگنل کیوں دیا تھا؟" اُس نے پُر سکون لہجے میں پوچھا۔

اُس آدمی نے ہانپتے ہوئے پوری داستان دہرا دی اور پھر بولا۔ "ڈاکٹر.... اگر میں یہ تدبیر نہ کرتا تو یہاں تک پہنچنا محال ہو جاتا۔"

"تدبیر....!" ڈاکٹر کے چہرے پر ایک تلخ سی مسکراہٹ نظر آئی۔ وہ چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ "کیا تم مجھے یہ اطلاع کسی پبلک ٹیلی فون بوتھ سے نہیں دے سکتے تھے یہاں دوڑے آنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"میں نے.... سوچا.... سوچا....!" اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن سوچتا ہی رہ گیا۔

"بکو.... کیا بک رہے تھے۔ کیا فریدی ابھی تک اتنا ہی احمق ثابت ہوا ہے کہ تم اس کے ساتھ اس قسم کی کوئی چال چل سکو۔"

وہ آدمی کچھ نہ بولا۔ ڈاکٹر کہتا رہا۔ "اگر تم صبح تک وہیں ٹھہرتے تو کیا حرج تھا؟"

"مم.... میں نے سوچا۔"

"کچھ نہیں سوچا۔ تم میں سوچنے کا سلیقہ ہی نہیں ہے۔ تم نے یہ بھی نہ سوچا کہ وہ اسی بناء تمہیں حراست میں لے سکتا تھا کہ تمہارے پاس ریوالور تھے۔"

"اگر مجھ سے غلطی ہوئی تو میں شرمندہ ہوں جناب۔"

"تم بکواس کر رہے ہو۔ اگر تم لوگوں کو اپنی غلطیوں پر شرمندگی ہو تو انہیں کبھی نہ دہراؤ۔"

وہ کچھ نہ بولا۔ سر جھکائے کھڑا رہا۔ ڈاکٹر نے کہا۔ "وہ تمہیں اسی لئے چھوڑ کر چلا گیا تھا تمہارے ذریعہ مجھ تک پہنچ سکے۔"

"اوہ....!" وہ مجنونانہ انداز میں اپنی پیشانی رگڑنے لگا۔

"مجھے یقین ہے کہ وہ تمہارا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک آیا ہوگا۔"

"پھر اب کیا ہوگا؟"

"مجھے بھی مشورہ دو کہ یہاں سے اب نکل بھاگوں۔"

وہ کچھ نہ بولا۔ ڈاکٹر نے پھر کہا۔ "تم لوگ اپنی عقلیں درست کرو ورنہ مجھے ہی درست کرنی پڑے گی۔"

"ایک بار اور معاف کیجئے جناب۔" وہ گڑگڑایا۔ "دراصل اس گرمی کا اثر اب بھی میرے ذہن پر باقی ہے۔"

"میں نہ جانے کیوں اتنا رحم دل ہو گیا ہوں۔" ڈاکٹر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

ٹھیک اُسی وقت ایک کھڑکی کے پاٹ دیواروں سے ٹکرائے اور ایک ننھا سا آدمی اندر کود پڑا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اُس کا چہرہ بالکل سیاہ تھا اور ہونٹ سرخ۔ جسم پر سیاہ لباس تھا اور سینے پر سفید حروف میں تحریر تھا۔ "شیطان ۱/۲۔"

"واقعی یہ بہت بُرا ہے۔" وہ گنگناتی ہوئی آواز میں بولا۔ "کہ تم اتنے رحم دل ہو گئے ہو لیکن میں دیکھ کر بے رحم ہونے کی کوشش نہ کرنا۔ آج بہت دنوں کے بعد میں تمہیں اتنے قریب سے دیکھ رہا ہوں۔ لہٰذا اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔"

ڈاکٹر کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے اور دوسرے آدمی نے بھی اُس کی تقلید کی۔

"تمہارے آدمی سچ مچ بالکل گدھے ہو گئے ہیں۔ فریدی نے تمہاری رہائش کی جگہ دیکھی ہوگی میں نے آج دیکھ لی۔"

"جاؤ.... میرا وقت نہ برباد کرو۔" ڈاکٹر ڈریڈ نے کچھ ایسے انداز میں کہا جیسے کسی معمر آدمی نے کسی بچے کو مشورہ دیا ہو۔ اور اُس نے اپنے ہاتھ بھی نیچے گرا دیئے۔

"یہ تمہاری زندگی کی آخری رات ہے ڈاکٹر ڈریڈ.... اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔" ننھے شیطان نے کہا۔

ڈاکٹر ڈریڈ نے پھر ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

"میں سرکس کا ایک مسخرہ۔ آج تمہیں اس طرح قتل کروں گا کہ ساری دنیا انگشت بدنداں رہ جائے گی۔"

"بکواس بند کرو۔" ڈاکٹر ڈریڈ فرش پر اپنا داہنا پیر پٹخ کر گرجا اور ایک روشن دان سے کچھ دھندلی سی روشنی پھوٹنے لگی لیکن وہ روشنی صرف چھت تک محدود رہی اور کسی نے بھی اُس کی طرف دھیان نہیں دیا۔

ننھا شیطان کہہ رہا تھا۔ "بیکار ہے ڈاکٹر! تم مجھ سے اتنی زیادہ بلندی پر واقع ہوئے ہو کہ مجھ تک تمہاری یہ گرج تقریباً ایک ہزار دو سو پچھتر سال میں پہنچے گی لیکن اُس یتیم لڑکی کی چیخیں ہر وقت میرے کانوں میں گونجتی رہتی ہیں جو صرف تیرہ سال کی تھی۔ تیرہ سال کی ننھی سی جان.... جسے تم نے بڑی ہی بے دردی سے اپنی ہوس کی بھینٹ چڑھادیا تھا اور جس کی لاش دوسری صبح سڑک پر پڑی اونچی اونچی عمارتوں پر طنز کر رہی تھی۔"

ڈاکٹر ڈریڈ نے اپنے ہاتھ نیچے گرادیئے اور بڑی لاپروائی سے اپنے آدمی سے بولا۔ "میں پچھلی رات بھی دیر تک جاگتا رہا ہوں اور اب اُس وقت تم نے میری نیند میں خلل ڈالا ہے۔ مجھے تم پر بہت غصہ آرہا ہے۔"

"فکر نہ کرو۔ اس کا ازالہ ہو جائے گا ڈاکٹر۔" ننھا شیطان چہک کر بولا۔ "میں تمہیں ایسی نیند سلاؤں گا کہ یہ گدھے پھر تمہیں نہ جگا سکیں گے۔ تمہارے کارنامے حیرت سے سنے جاتے ہیں۔ لہٰذا تمہاری موت بھی دوسروں کے لئے حیرت انگیز ہونی چاہئے۔ انتہائی حیرت انگیز۔ سرکس کے ایک ننھے سے مسخرے نے ڈاکٹر ڈریڈ کو مار ڈالا.... ہاہا.... سرکس کا بے ضرر مسخرہ...." پھر وہ دانت پیس کر بولا۔ "میں ایک اچھا آدمی تھا محنت سے روزی کماتا تھا لیکن.... اُس ننھی سی بچی کی چیخوں نے مجھ جیسے حقیر آدمی کو ڈاکٹر ڈریڈ سے ٹکرادیا۔ اب میں سوچتا ہوں کہ میں کیا نہیں کر سکتا۔ اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ میں غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک ہوں۔ میں سرکس میں بھکاریوں کی طرح کیوں پیٹ پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہوں۔ حرام خوروں کے لئے تفریح کیوں بنوں جب کہ میں اُن کی جمع کی ہوئی دولت پر بہ آسانی ہاتھ ڈال سکتا ہوں۔ ہاہا.... ڈاکٹر ڈریڈ.... اب مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

دفعتاً ننھے شیطان کے ریوالور سے ایک شعلہ نکلا لیکن خود اُس کا پورا جسم کانپ گیا۔ کیونکہ چھت میں نظر آنے والی روشنی آسمانی بجلی کی طرح پورے کمرے میں کوندتی ہوئی سی معلوم ہوئی تھی.... حقیقتاً ننھا شیطان چندھیا گیا تھا۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں نشانہ کیوں نہ خطا کرتا۔ ویسے ننھا شیطان اچھل اچھل کر فائر کرتا ہی رہا۔ ہر فائر پر روشنی کا جھماکا ضرور ہوتا اور اس دوران میں ڈاکٹر ڈریڈ کے قہقہے بھی برابر گونجتے رہے۔

جب ریوالور کے سارے راؤنڈ ختم ہو گئے تو ڈاکٹر ڈریڈ نے گرج کر کہا۔ "پکڑ لو اس خبیث کو۔"

دوسرا آدمی جو ابھی تک سہما ہوا کھڑا تھا ننھے شیطان پر جھپٹ پڑا۔ لیکن وہ اُسے اپنی گرفت میں نہ لے سکا۔ کیونکہ ننھے شیطان کے دونوں پیر اُس کے منہ پر پڑے تھے۔ وہ کراہ کر دوسری

طرف الٹ گیا۔ پھر خود ڈاکٹر ڈریڈ نے اُس پر چھلانگ لگائی لیکن منہ کے بل زمین پر گر پڑا اور ننھا شیطان دور کھڑا ایک بڑا سا چاقو کھول رہا تھا۔ ڈریڈ نے پھر اپنے آدمی کو للکارا۔ لیکن اس بار اُس نے اس پر جھپٹنے کی ہمت نہیں کی بلکہ اُس کے چاقو پر نظر جمائے ہوئے بہت احتیاط سے آگے بڑھنے لگا۔ ننھے آدمی کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں کسی ایسے سانپ کی آنکھوں سے مشابہہ نظر آرہی تھیں جو کسی پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہو۔

اور پھر قبل اس کے ڈریڈ کا آدمی اُس تک پہنچتا اُس نے خود ہی اُس پر چھلانگ لگائی۔ ایک دل خراش چیخ کمرے میں گونج کر رہ گئی۔ ٹھیک اُسی وقت کسی نے دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔ ننھے شیطان نے کھڑکی کی طرف جست لگائی مگر ڈاکٹر ڈریڈ بھی حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ اُس کے قریب پہنچ گیا۔ ننھا شیطان پھر پلٹا لیکن اس بار چاقو کی نوک دیوار سے ٹکرائی۔ ڈاکٹر ڈریڈ بال بال بچا تھا۔ اور بدستور پیٹا جاتا رہا۔

جتنی دیر میں ڈاکٹر ڈریڈ سنبھلتا، ننھا شیطان غائب ہو چکا تھا۔ ڈریڈ کھڑکی پر جھکا اور باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔

تقریباً دو منٹ تک وہ اُسی طرح کھڑا رہا۔ دروازہ پیٹنے کی آوازیں اب بھی اُس کے کانوں میں ٹکرا رہی تھیں لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُسے اُس کی پرواہ ہی نہ ہو۔ پھر اُس نے مڑ کر ایک گمراہی سی نظر اُس آدمی پر ڈالی جس کے سینے سے خون بہہ بہہ کر قالین میں جذب ہوتا جارہا تھا۔ یہ دیکھے بغیر کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا اُس دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ جسے دوسری طرف سے پیٹا جارہا تھا۔

اُس نے دروازہ کھولا۔ دوسری طرف سے ایک زرد پوش آدمی اُس پر آگرا۔

"اوہ....!" وہ اُسے جھنجھوڑ کر الگ ہٹاتا ہوا بولا۔ "تم دروازہ کیوں پیٹ رہے تھے؟"

زرد لبادے والا چند لمحے کھڑا پلکیں جھپکاتا رہا پھر بولا۔ "میں فرشتہ ہوں۔ مجھ سے اونچی آواز میں گفتگو نہ کیا کرو۔ میں اپنے ساتھی فرشتے کی تلاش میں ہوں۔ جو کچھ دیر پہلے میرے ساتھ تھا۔ کیا میری مدد کر سکو گے؟"

"جاؤ سو جاؤ۔" ڈاکٹر ڈریڈ ہاتھ ہلا کر بولا۔ "تم ہمیشہ سوتے سوتے جاگ کر بکواس کرنے لگتے ہو۔ تم نے کوئی خواب دیکھا ہوگا۔"

"تم خود بکواس کر رہے ہو۔ اُس کے ساتھ موت کا فرشتہ بھی تھا اور ہم تینوں نے ایک ہی شراب پی تھی۔"

"تم جاتے ہو یا میں اپنا ہنٹر منگواؤں؟"

"میں جارہا ہوں۔" زرد پوش فرشتہ دونوں ہاتھ ہلا کر بولا۔ "لیکن تمہیں بد دعا ضرور دوں گا۔ تمہاری کشتی ضرور ڈوبے گی۔ اسے لکھ لو۔ طوفان نوح پھر آئے گا تم سب غرق ہو جاؤ گے۔"

"جاؤ۔" ڈریڈ نے اُسے دھکا دے کر کہا اور دروازہ بند کر لیا۔

❁

کلاک نے دن کے دس بجائے اور کیپٹن حمید نے اس طرح منہ بنا کر کروٹ لی جیسے کوئی اُس کی مرضی کے خلاف اُسے جگانے کی کوشش کر رہا ہو۔

تقریباً پانچ بجے وہ اور فریدی گھر پہنچے تھے اور حمید کپڑوں جوتوں سمیت ہی بستر میں جا گھسا تھا۔

گھنٹے کی آواز سے اُس کی نیند اچٹ گئی اور پھر وہ کوشش کے باوجود بھی نہ سو سکا۔ آخر اُسے اُٹھ ہی جانا پڑا۔ اور وہ ٹک ٹک کرتے ہوئے کلاک کو گھونسہ دکھا کر بولا۔ "میں تیرے موجد پر بھی لعنت بھیجتا ہوں۔"

اور پھر اس طرح مطمئن نظر آنے لگا جیسے سچ مچ کلاک نے اُس کی بات سے بڑا اثر لیا ہو۔

باتھ روم کی طرف جاتے وقت فریدی سے ملاقات ہو گئی جو اندرونی برآمدے میں بیٹھا اخبار دیکھ رہا تھا۔ لیکن یہ اخبار دیکھنے کا وقت نہ تھا اور فریدی کا وہاں اس وقت موجود ہونا بھی خلافِ معمول تھا کیونکہ وہ ٹھیک نو بج کر پینتالیس منٹ پر دفتر چلا جایا کرتا تھا۔

"ہائیں! تم جاگ کیوں پڑے۔" فریدی نے اخبار ایک طرف ڈالتے ہوئے کہا۔

"ایک خواب اٹک گیا تھا۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور غسل خانے میں چلا گیا۔ کچھ دیر بعد جب واپس آیا تو فریدی وہاں نہیں تھا۔ نوکروں سے معلوم ہوا کہ وہ باہر جا چکا ہے۔ حمید کاہلوں اور سست آدمیوں کی طرح آہستہ آہستہ دن گذارنے کی تیاریاں کرتا رہا۔

ٹھیک گیارہ بجے فریدی کا فون آیا۔ وہ اُسے اُسی بستی میں طلب کر رہا تھا جہاں سفیروں کی کوٹھیاں تھیں، حمید بُری طرح جھلا گیا اور اُسی جھلاہٹ میں اُس نے چوڑے پائینچوں کا پائجامہ پہن لیا۔ پائجامہ پہننے کے بعد قد آدم آئینے پر نظر پڑی اور زیادہ غصہ آیا۔ اُسی غصے کے عالم میں اُس نے ایک صندوق الٹ پلٹ ڈالا اور وہ شیروانی نکالی جو آج سے پانچ سال قبل اُس کا ایک شاعر دوست اُس کے اُس سوٹ کے بدلے میں چھوڑ گیا تھا جسے حمید نے بڑے چاؤ سے سلوایا تھا لیکن ایک بار بھی پہننے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ ہوا یہ کہ اُس عوامی شاعر نے ایک سرمایہ دار لڑکی رجھ

اور اُس نے اُسے چائے پر بلایا۔ ظاہر ہے ایسے موقع پر "عوامیت" کی ہوا نکل جانا لازمی تھی۔

وہ حمید کے پاس پہنچا اور اپنے کپڑے وہیں اُتار کر حمید کا سوٹ پہن کر جو غائب ہوا تو آج پانچویں سال حمید کو اُس کی شیروانی یاد آئی۔

شیروانی پہن کر اُس نے پھر آئینے پر نظر ڈالی اور آپے سے باہر ہو گیا۔ صندوق پوری طرح الٹ پلٹ ہو گیا تھا اور ایک سرخ رنگ کی پھندنے دار ٹرکش کیپ اوپر ہی پڑی نظر آ رہی تھی۔ حمید نے اُسے اٹھا کر سر پر منڈھ لیا اب اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ آئینے ہی کو پھوڑ ڈالے۔ لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا۔

اب وہ کمرے میں رکنا ہی نہیں چاہتا تھا لہٰذا باہر نکل آیا لیکن جب نوکروں کو منہ پھیر پھیر کر ہنستے دیکھا تو آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑا۔ "کیوں ہنستے ہو اُلو کے پٹھو۔"

لیکن وہ کوئی جواب دیئے بغیر اِدھر اُدھر ہو گئے۔

کچھ دیر بعد وہ موٹر سائیکل پر اُسی مقام کے لئے روانہ ہو گیا۔ جہاں فریدی نے طلب کیا تھا۔

راستے کے پائینچے پھڑ پھڑا رہے تھے اور ٹرکش کیپ کا پھندا اپشت پر لہراتا چلا جا رہا تھا۔

فریدی اُسے اُسی عمارت کی کمپاؤنڈ میں نظر آیا جہاں پچھلی رات انہوں نے ڈاکٹر ڈریڈ کے ساتھی کو داخل ہوتے دیکھا تھا لیکن فریدی تنہا نہیں تھا۔ کمپاؤنڈ میں کئی باوردی آدمی بھی موجود تھے۔ حمید اپنی ہیئت پر بُری طرح جھینپا۔ وہ سمجھا تھا کہ شاید فریدی تنہا ہو گا لیکن وہاں پولیس کا آئی جی بھی موجود تھا۔ اُن سب نے حمید کو حیرت سے دیکھا جو اُسے قریب سے جاننے تھے منہ پھیر کر مسکرانے لگے۔

مگر فریدی نے اس پر نہ تحیر کا اظہار کیا اور نہ غصے کا بلکہ اس انداز میں حمید سے گفتگو کرنے لگا جیسے حمید ہمیشہ سے اسی قسم کا لباس استعمال کرتا آیا ہو اور اُس کی نظروں میں اس کی کوئی اہمیت نہ ہو۔ وہ اُس سے کسی لاش کے متعلق گفتگو کر رہا تھا اور حمید کا ذہن کہیں اور تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ حرکت پر فریدی بہت سختی سے جواب طلب کرے گا۔

لیکن کچھ دیر بعد جب وہ اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے عمارت میں لیجا رہا تھا اُس نے آہستہ سے کہا۔

"یہ انہیں چاروں آدمیوں میں سے ایک کی لاش ہے۔"

"اوہ.... تو اُسے ڈاکٹر ڈریڈ ہی نے ختم کیا ہو گا۔" حمید بولا۔

"ہو سکتا ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اُس جگہ نہیں قتل کیا گیا جہاں اس وقت اُس کی لاش پائی گئی ہے۔"

وہ ایک راہداری میں داخل ہوئے۔ لاش سامنے ہی پڑی ہوئی تھی۔

"یہ آپ کس بناء پر کہہ رہے ہیں کہ اُسے یہاں نہیں قتل کیا گیا۔"

"اس کا لباس خون سے چکٹا ہوا ہے لیکن فرش پر خون کا ایک ہلکا سا دھبہ نظر آرہا ہے۔ ایسا معلوم نہیں ہوتا کہ یہاں زیادہ مقدار میں خون بہا ہو۔"

"اور مقتول کے متعلق کیا بتایا گیا ہے؟"

"وہ سفارت خانے کے ایک اہلکار کا عزیز تھا اور ابھی حال میں باہر سے آیا تھا۔"

"اس کا پاسپورٹ تو آپ دیکھ ہی چکے ہیں۔"

"ہاں.... اور اُسے جعلی بھی نہیں کہا جاسکتا۔"

"جعلی کیسے ہو سکتا ہے جب کہ سفارت خانے ہی سے اُس کا تعلق ہے۔"

"یہ ضروری نہیں ہے۔"

"کیا آپ کا خیال ہے کہ ڈاکٹر ڈریڈ اب بھی یہیں موجود ہے۔"

"کیا میں نے پہلے کبھی یہ خیال ظاہر کیا تھا۔ مجھے تو نہیں یاد پڑتا ہے کہ میں نے یہ کہا ہو کہ ڈاکٹر ڈریڈ اسی عمارت میں موجود ہے۔"

"پھر کیا یہ آدمی یہاں پچھلی رات جھک مارنے آیا تھا۔"

"یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ یہ وہی آدمی ہے جس کا تعاقب ہم نے پچھلی رات کیا تھا۔ کیا ہم اُس کی شکل دیکھ سکے تھے۔ البتہ یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ یہ انہیں چاروں میں سے ایک ہے۔"

"پھر آپ کس نتیجے پر پہنچے ہیں؟"

"فی الحال کسی پر بھی نہیں.... تمہیں آخر نتیجے پر پہنچنے کی جلدی کیوں پڑ جاتی ہے۔"

"تاکہ جلد فیصلہ ہو اور اپنی گردن چھوٹے۔"

"جلد فیصلہ ہونے کا امکان نہیں ہے۔"

حمید صرف ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "لیکن آپ نے مجھے کیوں بلایا تھا۔"

"یہی دکھانے کیلئے۔ اگر میں پچھلی رات اس عمارت میں داخل ہونے کی کوشش کرتا تو اس لاش کا پتہ بھی نہ چلتا۔ یہ لوگ اسے اتنی دلیری سے یہاں ڈال کر پولیس کو اطلاع نہ دے سکتے۔"

"لیکن اس سے کیا فائدہ ہوا؟"

"یہ لوگ اچھی طرح روشنی میں آگئے ورنہ پہلے اس سفارت خانے میں یہ بھی سنا جاسکتا تھا کہ وہ اپنے کسی ملازم یا اُس کے اعزہ کی نجی زندگیوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتا اور ہو سکتا ہے کہ ہم اس پر یقین بھی آجاتا۔ لیکن....!"

فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا اور پھر بولا۔ "آؤ....!"

وہ عمارت سے پھر کمپاؤنڈ میں آگئے۔ حمید اُس سے آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔ "کیا یہ ممکن ہے کہ ہم اس عمارت کی تلاشی لے سکیں؟"

"میں پہلے بھی دیکھ چکا ہوں لیکن ڈاکٹر ڈریڈ یا اُس کا کوئی ساتھی یہاں نہیں دکھائی دیا البتہ پوری منزل کے ایک کمرے کی دیواریں داغ دار ضرور ملی ہیں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"وہ نشانات گولیوں ہی کے ہو سکتے ہیں۔"

"آہا تب تو....!"

"کچھ بھی نہیں حمید صاحب۔ یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی بناء پر اس عمارت کا رہنے والا حراست میں آسکے۔ کیونکہ وہ خود بھی ریوالور رکھنے کا مجاز ہے اور اگر وہ ریوالور رکھتا ہے تو اُسے دنیا کا کوئی قانون عمارت کو چھلنی کر ڈالنے سے نہیں روک سکتا۔"

"تب پھر ہم اپنا وقت یہاں کیوں برباد کر رہے ہیں۔"

فریدی نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کچھ سوچنے لگا تھا۔ حمید چپ چاپ کھڑا اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ وہ جلد سے جلد یہاں سے چلا جانا چاہتا تھا۔ کیونکہ تقریباً سارے ہی آفیسر اُسے بُری طرح گھور رہے تھے۔

"اگر کہئے تو میں واپس جاؤں؟" حمید نے آہستہ سے کہا۔ "وہ تو میں ایک مشاعرے میں شرکت کے لئے جا ہی رہا تھا کہ آپ کا فون ملا۔ اور میں مشاعرے کی صدارت سے محروم ہو گیا۔"

"چونچ بند کرو اپنی۔" فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا اور پھر بڑی تیزی سے باہر نکل کر اپنی کار کی طرف چلا۔ حمید بھی جھپٹا لیکن اتنی دیر میں فریدی کی لنکن اسٹارٹ ہو چکی تھی۔ حمید نے لنکن تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی۔ کرتا بھی کیسے کیونکہ وہ خود موٹر سائیکل پر آیا تھا۔

فریدی کی کار آگے اور موٹر سائیکل اُس کے پیچھے فراٹے بھر رہی تھی ویسے یہ اور بات ہے کہ حمید اس کے رویے پر چراغ پا ہو گیا ہو۔ کار اور موٹر سائیکل سڑکوں پر دوڑتی رہیں۔ حمید نہیں سمجھ سکا تھا کہ اس کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ آخر یک بیک وہ کہاں کے لئے چل پڑا تھا۔ وہ موٹر

سائیکل پر تھا۔ ورنہ کم از کم اتنا تو معلوم ہی کر لیتا کہ اب کہاں رکنا پڑے گا۔

پچھلی رات فریدی نے جو کچھ بھی کیا تھا حمید اُس سے مطمئن نہیں تھا لیکن اُس کے باوجود بھی اُس کی موٹر سائیکل فریدی کی کار کے پیچھے دوڑ رہی تھی۔

پھر وہی لڑکی

ایک بار حمید کی موٹر سائیکل کار کے برابر آگئی اور فریدی نے بلند آواز میں کہا۔ "تم دفع ہو جاؤ۔"

"بلایا کیوں تھا؟"

"اس لئے نہیں بلایا تھا کہ تم کسی محفل میں لکھنؤ کے بھانڈ کو شکست دینے کے سازو سامان سمیت آؤ۔ یقین رکھو کہ آج کی اس حماقت کے لئے تمہیں کافی بھگتنا پڑے گا۔ کیونکہ تم نے ڈیوٹی کے اوقات میں ڈسپلن کو نظر انداز کیا ہے۔"

حمید نے اگلے ہی موڑ پر اپنی موٹر سائیکل گھما دی۔ اُس کے ذہن میں قاسم کا پیٹنٹ جملہ "میرے ٹھینگے سے" گونج رہا تھا اور اُس نے تہیہ کر لیا کہ وہ اسی ہیئت میں آفس بھی جائے گا۔ آخر فریدی نے اُس کے لباس پر کیوں نکتہ چینی ں۔ اُسے ڈسپلن کے خلاف کیوں قرار دیا۔

وہ کسی بنا سپتی اور مینڈک کا سا دماغ رکھنے والے لیڈر کی طرح قومی لباس کے مسئلے پر جھک مارنے لگا۔ ایک لمبی چوڑی تقریر تیار کی اور موٹر سائیکل فراٹے بھرتی رہی۔

آخر کار وہ دفتر پہنچ گیا اور اُسے جس نے بھی دیکھا ہنسی کے مارے دوہرا ہو گیا۔ لیکن کیا مجال کہ حمید کی سنجیدگی میں فرق آجاتا۔

وہ نہایت اطمینان سے سارا دن دفتر میں فائیلیں الٹتا پلٹتا رہا اور آفس بند ہونے کا وقت ہوتے ہی اٹھ گیا۔ لیڈی انسپکٹر ریکھا سے دن میں کئی بار ملاقات ہوئی تھی لیکن اُس نے اُس کے لباس کے متعلق اظہار خیال نہیں کیا تھا اور حمید کے اندازے سے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ہمیشہ سے یہی لباس استعمال کرتا آیا ہو۔ ویسے حقیقت یہ تھی کہ آفس والوں نے آج تک اُسے پاجامے میں نہیں دیکھا تھا۔

شام کو جب وہ واپسی کے لئے موٹر سائیکل کی طرف جا رہا تھا ریکھا سے پھر مڈبھیڑ ہو گئی اور

ں نے مسکرا کر کہا۔ "آج یہ نیا خبط کیسا؟"

"کیوں....؟" حمید پھاڑ کھانے والے انداز میں پلٹا۔

"اس لئے کہ ایک مولوی نے اپنا صندوق چوری ہو جانے کی رپورٹ درج کرائی ہے۔"

"تم میرے قومی لباس کا مذاق نہیں اڑا سکتیں۔" حمید کو سچ مچ غصہ آگیا۔

"کس قوم سے تعلق رکھتے ہو؟" ریکھا نے بڑے تلخ لہجے میں پوچھا۔ "مجھے نہیں معلوم تھا قوم اور قومی چیزوں کا تذکرہ کرنے والے مسخروں میں سے تم بھی ہو۔"

"زبان کو لگام دو۔ ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔"

"تم اپنے قومی لباس میں بالکل ہدہد معلوم ہوتے ہو۔"

حمید نے جھلاہٹ میں موٹر سائیکل اسٹارٹ کی۔

"ارے.... ہاں.... قوم کے بیٹے.... تمہارے لئے ایک غیر قوم کی لڑکی کا پیغام ہے بری سنگلٹن....!"

"کیا....؟" حمید نے حیرت سے کہا اور مشین بند کر دی۔ میری سنگلٹن کے متعلق اُس کے فریدی کے علاوہ اور کسی کو علم نہیں تھا۔

"وہ آج نو بجے رات کو مئے پول میں ملے گی۔ تمہاری عدم موجودگی میں فون آیا تھا۔ میں بتانا بول گئی۔"

"شکریہ۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بڑبڑایا۔ "اچھا.... چیریو....!"

وہ آفس سے گھر آگیا۔ فریدی موجود تھا۔ حمید سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا اور قومی لباس ے پیچھا چھڑانے کے بعد غسل خانے کی راہ لی۔ قومی بخار کی ابتداء تفریح سے ہوئی تھی لیکن دفتر ں تفریح اور بخار دونوں نے بیک وقت سرسام کی شکل اختیار کر لی تھی۔ جیسے جیسے لوگ ہنستے تھے رسام میں اضافہ ہوتا رہا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ میری سنگلٹن کا تذکرہ آتے ہی وہ بالکل معمول پر آگیا ہو۔ پھر نہ صرف اُس کا قومی لباس اُتر گیا بلکہ قوم پرستی کے سلسلے میں اُس نے دل ہی دل میں و تقریریں تیار کی تھیں وہ بھی طاقِ نسیان کی نذر ہو گئیں اور وہ سوچنے لگا۔ دنیا کے سارے آدمی لائی ہیں کوئی کالی مٹی سے بنا ہے اور کوئی سفید مٹی سے۔ زمین ایک ہی ہے اور اُس پر چھایا ہوا آسمان بھی مختلف حصوں میں تقسیم نہیں ہے۔

اور پھر تھوڑی ہی دیر میں وہ یہ بھی بھول گیا کہ میری سنگلٹن کی اصلیت کیا تھی۔ وہ یہ بھی بھول گیا کہ خود ڈاکٹر ڈریڈ کے آدمیوں نے میری سنگلٹن کے متعلق بہت کچھ کہا تھا۔ یہ تو بہت

دور کی بات ہے۔ حمید خود ہی ایک بار اُس کی ذات سے ایک تلخ تجربے کا شکار ہو چکا تھا لہٰذا ایسی صورت میں یہی کہنا چاہئے کہ اُس کے ستارے ہی گردش میں تھے۔

حمید آٹھ ہی بجے مئے پول جا پہنچا۔ ضروری نہیں تھا کہ اُس وقت میری سنگلٹن بھی موجود ہی ملتی کیونکہ ریکھا کے بیان کے مطابق اُسے نو بجے کا وقت دیا تھا۔

یہ کہنا غلط ہوگا کہ حمید نے اس ملاقات کے بارے میں سرے سے کچھ سوچا ہی نہیں۔ اُس نے اس مسئلے پر کئی پہلوؤں سے غور کیا تھا لیکن چونکہ اُس نے پہلے ہی فرض کر لیا تھا کہ میری سنگلٹن معصوم ہے اس لئے وہ اس کے خلاف کچھ بھی نہ سوچ سکا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ڈاکٹر ڈریڈ کے لئے کام ضرور کر رہی ہے لیکن نادانستگی میں۔ اُسے علم نہیں ہے کہ وہ کس کے لئے کام کر رہی ہے۔ اس سے پہلے بھی حمید کی نظروں سے ایسی ہی صدہا مثالیں گذر چکی تھیں اس لئے وہ اپنے اسی خیال پر جما رہا۔

ٹھیک نو بجے اُسے میری سنگلٹن دکھائی دی۔ حمید نے اُسے اشارہ کیا اور وہ بڑے پُر اشتیاق انداز میں اُس کی طرف بڑھی۔ حمید اُس کی چال کو بڑے انہماک سے دیکھتا ہوا دل ہی دل میں قربان ہو رہا تھا۔ اُس لڑکی کے ہر انداز میں بڑی سیکس اپیل تھی۔

پہلے تو وہ اُسے دیکھ کر مسکرائی تھی لیکن قریب پہنچتے ہی کچھ گھبرائی ہوئی سی نظر آنے لگی۔

حمید نے بڑی پُر تپاک مسکراہٹ سے اُس کا استقبال کیا۔

"میں دراصل اقبال جرم کرنے آئی ہوں۔" اُس نے کپکپاتی ہوئی سی آواز میں کہا۔

"بھول جاؤ اُس واقعے کو۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"لیکن مجھے آپ کے اس رویہ پر حیرت ہے جناب۔"

"کیوں؟"

"ایک مجرم آپ کی نظروں کے سامنے ہے۔"

"میں سمجھتا ہوں کہ تم دھوکے سے کسی کے جال میں پھنس گئی ہو۔"

"آپ کیا جانیں۔" میری نے حیرت سے کہا۔

"میں جانتا ہوں۔"

"میں تو سمجھی تھی کہ اب گردن چھڑانا محال ہو جائے گا۔"

"تم نے ناحق کسی ایسے فضول خیال کو دل میں جگہ دی تھی۔ میں تو اُسی دن سمجھ گیا تھا۔"

"کس دن؟"

"جب تم نے میرے بازو میں سوئی چبھوئی تھی اور تم بُری طرح خوفزدہ تھیں۔"

"اور پھر جب میں نے اخبار میں آپ کا نام دیکھا تو میرا دم نکل گیا اور وہیں سے مجھے شبہہ ہوا کہ دھوکا دیا جا رہا ہے۔"

"کیوں تمہیں دھوکا کس طرح دیا گیا؟"

"میں دراصل ایک مذہبی خیال کی لڑکی ہوں۔ کٹر رومن کیتھولک پروٹسٹنٹ لوگوں کو دیکھ میرے جسم میں آگ لگ جاتی ہے۔ لیکن کچھ دن پہلے کی بات ہے میری ملاقات اپنے ہی فرقے کے ایک پادری سے ہوئی۔ ہم اکثر ملتے رہے اُس نے مجھے بتایا کہ پروٹسٹنٹ لوگوں کا ایک گروہ ہمارے فرقے کو نقصان پہنچانے کے درپے ہے۔ میں نے اس کیلئے کام کرنے پر رضامندی ظاہر کر دی۔ اُس رات ہمارے فرقے کا ایک آدمی میرے ساتھ تھا اور اُس نے خوفزدہ ہو کر بتایا کہ یہاں مخالف فرقے کے کچھ خطرناک آدمی موجود ہیں اور غالباً ہماری ہی تاک میں یہاں بیٹھے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ بات بڑھے اور جھگڑا ہو جائے۔ پھر اُس نے مجھے ایک سوئی دی اور کہا کہ اگر ایسا کوئی واقعہ آئے تو میں اُسے حملہ آور کے جسم میں کسی جگہ چبھو دوں۔ پھر آپ میری میز پر آگئے اور میں یہی سمجھی کہ آپ بھی ہمارے دشمنوں ہی میں سے ہیں۔ یہ ہے پوری داستان۔"

"لیکن تمہیں شبہہ کیوں ہوا اُن لوگوں پر۔ کیا انہوں نے خصوصیت سے میری ہی طرف اشارہ کیا تھا؟"

"نہیں.... آپ کی طرف اشارہ نہیں کیا تھا۔"

"پھر شبہہ کیوں اور کیسے ہوا؟"

"مجھے شرم آتی ہے بتاتے ہوئے۔ بس آپ یہ سمجھ لیجئے کہ یہ بدمعاشوں کا کوئی گروہ ہے جو بھولی بھالی لڑکیوں کو اپنے جال میں پھانستا رہتا ہے۔"

"نہیں مجھے اس کے متعلق ضرور بتاؤ۔ تم جانتی ہی ہو کہ میرا تعلق کس محکمے سے ہے۔"

"وہ دیکھئے طارق روڈ پر ایک عمارت ہے تنویر بلڈنگ۔ اُس کی تیسری منزل پر ایک فرشتہ صورت آدمی رہتا ہے۔ اُس کے متعلق مجھے بتایا گیا کہ وہ ہمارے ہی فرقے کا ایک بہت بڑا عالم ہے لیکن مخالف گروہ کے کسی بدبخت نے اُس کی زندگی برباد کر دی ہے۔ اُس پر کوئی ایسا زہر آزمایا گیا جس نے اُسے ذہنی اعتبار سے مجہول کر دیا اور وہ فاتر العقلوں کی سی زندگی بسر کر رہا ہے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ اگر میں اُس کی دیکھ بھال کر سکوں تو یہ ایک کارِ ثواب ہوگا۔ میں نے منظور کر لیا۔ مگر آپ سے کیا بتاؤں۔ شرم کی وجہ سے میری زبان نہیں کھلتی۔"

"نہیں مجھے ضرور بتاؤ۔"

"اُس نے ایک دن مجھ پر حملہ کیا۔ میں اپنی پوری قوت سے اُس کے مقابلے میں تیار ہوگئی اور اُس نے ہنس کر کہا کہ روزانہ کتنی ہی لڑکیاں اسی بہانے سے اُس کے لئے لائی جاتی رہی ہیں۔ میں یہ سن کر سناٹے میں آگئی۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ کسی نہ کسی طرح اس وحشی سے خود کو بچانے میں کامیابی نصیب ہوئی۔ دو دن تک اس مسئلے پر غور کرنے کے بعد آج آپ سے ملی ہوں۔"

"فکر نہ کرو۔ میں انہیں ٹھیک کر دونگا۔ کیا تم اُس مقام سے واقف ہو جہاں اُن کا قیام ہے؟"

"ہاں میں جانتی ہوں۔"

"مجھے بتاؤ۔ میں اسی وقت اُن کا قلع قمع کر دوں گا۔"

"وہ ایک بڑی گندی سے بستی میں رہتے ہیں ارجن پورے میں۔"

"ارجن پورے میں؟" حمید نے حیرت سے دہرایا۔

"جی ہاں.... اُن کا کہنا ہے کہ وہ وہاں رہ کر غریب آدمیوں میں تبلیغ کرتے ہیں۔"

"پتہ بتاؤ؟"

"زبانی بتانا بڑا مشکل ہے۔ پیچ در پیچ گلیاں ہیں۔ لیکن میں آپ کو وہ مکان دکھا ضرور سکتی ہوں جہاں وہ رہتے ہیں۔"

"میں اسی وقت دیکھوں گا۔"

"میں ضرور چلوں گی آپکے ساتھ۔ اُن کے خلاف میرے سینے میں آگ بھری ہوئی ہے۔"

دفعتاً حمید کی نظر قاسم پر پڑی جو اُسی کی طرف آرہا تھا۔ اُس کا دم نکل گیا قبل اس کے کہ وہ میری سے اٹھنے کے لئے کہتا قاسم سر پر سوار تھا۔

"سامالیکم حمید بھائی۔" اس نے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے کہا اور میری کچھ نروس سی نظر آنے لگی۔ حمید کا بھی یہی حال ہوا تھا۔

"ارے حمید بھائی... ہی ہی... کتنا ڈھونڈا کہاں کہاں ڈھونڈا اگر تم ہو کہ تمہارا کہیں پتہ ہی نہیں۔"

"میں اس وقت اچھے موڈ میں نہیں ہوں۔" حمید نے آہستہ سے اردو میں کہا۔

"اردو نہیں سمجھتی کیا؟"

"نہیں تم اس وقت چلے جاؤ۔"

"اس کی بڑی بہن نہیں آئی کیا....؟"

"قاسم بکواس نہ کرو۔ چپ چاپ اٹھ جاؤ۔"

"میں تو نہیں اٹھوں گا.... ہی ہی ہی.... دیکھتا ہوں تم کیا کرتے ہو.... ہی ہی ہی۔"

قاسم آج بڑا بے جھجک ہو رہا تھا۔ نہ جانے کیا بات تھی۔ ورنہ وہ تو عورتوں کی موجودگی میں بعض اوقات ہاتھ پیر بھی نہیں ہلا سکتا تھا۔

"میں تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں گا۔" حمید نے کہا۔

"تم مجھے پاگل کتوں کے حوالے کر دو لیکن میں آج اس کی بڑی بہن سے ضرور ملوں گا۔ ملوادو نا....!"

"ارے تم غلط سمجھے۔ یہ اُس دن والی لڑکی نہیں ہے۔" دفعتاً حمید کا موڈ بدل گیا۔

"اے جاؤ۔ کسی اور کو اُلو بنانا۔"

"یقین کرو پیارے۔"

"کیوں یقین کروں۔ کیا میں اندھا ہوں۔"

"آؤ چلیں۔" حمید جھلا کر میری کی طرف مڑا۔

"یہ کون صاحب ہیں اور کیا کہہ رہے ہیں؟"

"ارے یہ یونہی ہیں تم چلو۔"

"ابے تم خود ہی ہو گے یونہی۔ بلکہ جونہی.... تو نہی وغیرہ۔" قاسم بگڑ گیا۔

"کیوں جناب! کیا بات ہے۔ آپ کیوں خفا ہو رہے ہیں؟" میری نے قاسم کو مخاطب کیا۔

"خفا ہونے کی بات نہیں۔ یہ ایک چار سو بیس آدمی ہے۔" قاسم نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اس کے ساتھ کہیں نہ جایئے ورنہ یہ آپ کو کنوئیں میں دھکیل دے گا۔"

میری اُس کے لب و لہجے پر بے اختیار ہنسنے لگی۔ قاسم کا کلیجہ گز بھر کا ہو گیا اور حمید کی جان نکل گئی۔

"اٹھو جلدی کرو۔" اُس نے کہا۔

"نہیں یہ بہت دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" میری بولی۔

قاسم کی باچھیں جو کھلنے سے باقی رہ گئی تھیں وہ بھی کھل گئیں اور اُس نے حمید سے کہا۔ "نہیں یہ تمہارے ساتھ ہرگز نہیں جائیں گی۔ اگر تم زبردستی کرو گے تو خون خرابہ ہو جائے گا۔ ٹسے آئے کہیں کے اجی واہ۔"

"قاسم گن گن کر بدلے لوں گا۔" حمید نے اردو میں کہا۔ اُسے حیرت تھی کہ آج قاسم کی کایا پلٹ کیسی ہو گئی۔

"میرے ٹھینگے سے۔ میں تم سے کمزور نہیں ہوں۔ کیا صرف تم ہی مزہ کرنا جانتے ہو۔"

میری نے اپنے بیگ سے چاکلیٹ کا پیکٹ نکالا اور قاسم اُس پر نظر جمائے ہوئے منہ چلانے لگا۔ اب حمید کو میری پر بھی غصہ آچلا تھا۔ آخر وہ اٹھتی کیوں نہیں۔ پھر قاسم کی طرف اُس نے دیکھا جو للچائی ہوئی نظروں سے چاکلیٹ کے پیکٹ کو گھور رہا تھا۔

میری نے پیکٹ پھاڑ کر چاکلیٹ نکالے اور کچھ حمید کی طرف بڑھا دیئے کچھ قاسم کی طرف۔ قاسم نے کچھ اس انداز میں جھپٹا مارا جیسے شبہ رہا ہو کہ کہیں حمید انہیں بھی نہ اُچک لے جائے۔ اُس نے بھاڑ سا منہ کھول کر سارے ٹکڑے ایک ساتھ رکھ لئے اور حمید اُسے غصیلی نظروں سے گھورتا رہا۔

"پھر انہیں بھی لے چلئے کیا حرج ہے۔" میری نے مسکرا کر کہا۔ "یہ آپ کے کوئی بے تکلف دوست معلوم ہوتے ہیں۔"

حمید چاکلیٹ کے ٹکڑوں کو ہاتھ میں لئے بیٹھا تھا۔ اُس نے جھلا کر کہا۔ "نہیں۔"

"جیسی آپ کی مرضی۔"

"آپ کنوئیں میں گرنے جارہی ہیں سمجھیں۔" قاسم انگلی اٹھا کر بولا اور پھر چونک کر اس طرح آنکھیں پھاڑنے لگا جیسے نیند کے خلاف جدوجہد کر رہا ہو۔ دفعتاً لڑکی کھڑی ہو کر بولی۔

"چلئے۔"

مگر قاسم خاموشی سے بیٹھا رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُس پر سچ مچ شدید ترین نیند کا حملہ ہوا ہو۔

حمید نے محسوس کیا کہ لڑکی کچھ بوکھلا سی گئی ہے۔ اُس کا ماتھا ٹھنکا اور وہ کنکھیوں سے قاسم کو دیکھتا ہوا کلوک روم کی طرف بڑھا۔ کلوک روم کی تین بڑی کھڑکیاں ڈائننگ ہال کی طرف کھلتی تھیں۔ حمید نے ہینگر پر سے اپنا السٹر اُتارتے ہوئے دیکھا کہ قاسم کرسی کی پشت سے ٹکا ہوا بے خبر سو رہا ہے۔

حمید کے ہاتھ میں اب بھی چاکلیٹ کے ٹکڑے دبے ہوئے تھے۔ وہ اُس نے جیب میں ڈال لئے پھر وہ دروازے کی طرف مڑا اور مسکرا کر بولا۔ "میں تو سمجھا تھا کہ اُس احمق سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جائے گا۔"

"جج.... جی ہاں۔" میری چونک پڑی۔ "جی ہاں.... میں نے اتنا لمبا اور اتنا موٹا آدمی آج تک نہیں دیکھا۔"

"ہاں.... وہ ہر معاملے میں غیر معمولی ہے۔ آیئے۔"

ڈاکٹر ڈریڈ انتہائی غصے کے عالم میں ٹہل رہا تھا۔ لیکن اب وہ اُس عمارت میں نہیں تھا جہاں نے پچھلی رات گذاری تھی۔

یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں چاروں طرف لوہے کی الماریاں دیواروں سے لگی رکھی ں۔ یہاں اُن الماریوں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔

اُس نے ایک الماری کھولی۔ اُس کے اندر فون رکھا ہوا تھا۔ ڈاکٹر نے کسی کے نمبر ڈائیل کئے اور ٹھ پیس میں چنگھاڑنے لگا۔ "کون ہے... اوہ... کیا کر رہے ہو تم لوگ... کریگ کو بھیجو۔"

اُس نے ریسیور رکھ کر پھر الماری بند کر دی اور پہلے ہی کے سے انداز میں ٹہلنے لگا۔

کچھ دیر بعد دروازے کا پردہ ہٹا اور ایک آدمی اندر داخل ہوا

"کیا خبر ہے؟" ڈاکٹر اُسے خون خوار نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔

"سب ٹھیک ہے جناب میری سنگلٹن اُنہیں ضرور لائے گی۔ اس وقت تک کی رپورٹ ہے وہ دونوں مئے پول سے باہر نکل آئے ہیں۔"

"لیکن فریدی کہاں ہے؟"

"وہ میرا خیال ہے کہ اُن دونوں کی نگرانی کر رہا ہوگا۔"

"ضروری نہیں ہے کہ وہ دھوکا کھا کر یہاں تک چلا ہی آئے۔ کریگ عقل استعمال کرنا سیکھو۔"

"مجھے یقین ہے جناب کہ کیپٹن حمید نے اُس سے اس دعوت نامے کا تذکرہ ضرور کیا ہوگا۔ وہ بھی کیپٹن حمید کی طرح بے قوف نہیں ہے۔ وہ یقیناً یہی سمجھے گا کہ ان لوگوں کے لئے کوئی جال بچھایا گیا ہے لہٰذا ہو سکتا ہے کہ وہ یہاں تک چلا ہی آئے۔"

"کچا کام....!" ڈاکٹر ڈریڈ نے بُرا سا منہ بنایا۔ "مگر تم کیا جانو کہ کس قسم کے آدمی سے سابقہ ہے۔ کچھ بھی ہو مجھے دُودن کے اندر اندر فریدی اور فنچ کی لاشیں چاہئیں۔"

"ہم انتہائی کوشش کر رہے ہیں ڈاکٹر۔"

"اور یہ بھی غالباً کوشش ہی ہے۔" ڈاکٹر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "کہ تم نے اُس بے وقوف لی کو اس مہم پر روانہ کیا ہے۔"

"ہم تو آپ ہی کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔" کریگ کے لہجے میں بھی ڈاکٹر

ڈریڈ نے طنز کی تلخی محسوس کی اور اُسے حیرت سے گھورنے لگا۔

"میں نے غلط نہیں کہا ڈاکٹر۔" کریگ دلیری سے بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ آپ انصاف پسند ہیں۔ اس لئے آپ پر طنز کرنے کے بعد بھی زندہ رہوں گا۔"

"ہاں... میں انصاف پسند ہوں۔" ڈاکٹر ڈریڈ غصیلی آواز میں غرایا۔ "تم اپنا مطلب بیان کرو۔"

"کیا آپ سے غلطیاں نہیں ہوتیں؟"

"شاذونادر.... لیکن میں انہیں جلد ہی سنبھال لیتا ہوں۔"

"بہتیری ایسی بھی ہوں گی جنہیں آپ نہ سنبھال سکے ہوں گے۔"

"یہ بات جلد ہی ختم ہونی چاہئے۔ وضاحت کرو۔" ڈاکٹر غرایا۔

"جب میری سنگلٹن سے ایک غلطی ہو چکی تھی تو اُس غلطی کا اعادہ دوسری بار کیوں ہوا۔ میں زہریلی سوئی والے واقعے کا تذکرہ کر رہا ہوں۔ آخر وہی سوئی بیگم ارشاد کے یہاں کرائم رپورٹر پر کیوں استعمال کی گئی جب کہ کرنل فریدی اس واقعہ کی پبلسٹی بھی کرا چکا تھا۔"

ڈاکٹر ڈریڈ کی غراہٹ قہقہے میں تبدیل ہو گئی اور وہ قہقہہ بھی طویل ہوتا چلا گیا لیکن کریگ بُری طرح کانپ رہا تھا۔

دفعتاً ڈاکٹر اس طرح خاموش ہو گیا جیسے کوئی مشین چلتے چلتے رک گئی ہو۔

پھر وہ دہاڑا۔ "تم مجھے احمق سمجھتے ہو۔ یہ غلطی نہیں حکمت عملی تھی۔ تم اُس عورت کو کیا سمجھتے ہو۔ ایسی عورتیں بہت کم میری نظروں سے گذری ہیں۔ وہ صرف قانون سے ڈرتی ہے اس لئے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ پولیس بھی اُس میں دلچسپی لینے لگے۔ اس طرح وہ بوکھلا جائے گی اور پھر.... پھر میں اُسے دیکھوں گا کہ اُس کے اعصاب فولاد کے ہیں یا پتھر کے۔ انور کے معاملے میں اُس کی تنبیہ بھی محض فضول اور لغو تھی۔ وہ میرا کیا کر سکتا ہے۔ مقصد یہی تھا کہ اُسے چاروں طرف سے چھیڑا جائے اور وہ پریشان ہو کر میرے مطالبے پورے کرے۔ لیکن تم دیکھ رہے ہو وہ آج بھی گھوڑے گاڑی میں بیٹھ کر شہر کی گلیوں میں بھٹکتی پھر رہی ہے۔"

"جج.... جی.... جی ہاں.... میں دیکھ رہا ہوں۔"

"دفع ہو جاؤ۔" ڈاکٹر ڈریڈ دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر دہاڑا۔

کریگ الٹے پاؤں چلتا ہوا دروازے سے نکل گیا۔ شاید اُسے خدشہ تھا کہ ڈاکٹر ڈریڈ کی طرف پشت ہوتے ہی موت آدبوچے گی۔

ڈاکٹر ڈریڈ پھر ٹہلنے لگا۔ کچھ دیر بعد وہ چونک کر دروازے کی طرف مڑا۔ زرد پوش فرشتہ

پردے سے اندر جھانک رہا تھا۔ "ہی.... ہی.... ہی" وہ دانت نکالے ہنستا رہا پھر بولا۔ "کیا اندر آجاؤں؟"

"آجاؤ....!" ڈریڈ اُسے گھورتا ہوا غرایا۔

"آج تین بجے چاند زمین پر اُتر آئے گا۔" زرد پوش فرشتے نے اندر آکر پیشین گوئی کی۔ چند لمحے خاموش رہا اور پھر بولا۔ "میرا چاند کہاں ہے۔ خدا کے لئے اُسے بلوا دو۔"

ڈاکٹر ڈریڈ مسکرایا اور بولا۔ "ایک نہیں دو چاند....!"

"ہائے.... ہائے۔" زرد پوش فرشتہ اچھل اچھل کر اپنا سینہ پیٹنے لگا۔ وہ اس وقت زرد چغے اور ڈاڑھی میں بڑا عجیب لگ رہا تھا۔

ڈاکٹر ڈریڈ نے پھر فون والی الماری کھولی اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ "کریگ.... ڈالی اور مونا کو یہاں بھیج دو۔ میں تفریح کے موڈ میں ہوں۔"

"ہائے.... ہائے.... ڈالی.... اور مونا۔" زرد پوش فرشتہ دانت پر دانت جمائے سسکاریاں لینے لگا۔

ڈاکٹر مسکراتا رہا۔ کچھ دیر بعد دو جوان اور سفید فام لڑکیاں اندر داخل ہوئیں۔ ایک نارنجی شرٹ میں تھی اور دوسری ہلکے نیلے اسکرٹ میں۔ ڈاکٹر ڈریڈ نے زرد فرشتے کی طرف اشارہ کیا۔ جو خاموشی سے کھڑا پلکیں جھپکا رہا تھا۔

وہ دونوں اُس کے قریب پہنچ کر بولیں۔ "کیوں ڈارلنگ۔"

"ہی... ہی... ہی... تم دونوں... تم دونوں میری زندگی ہو۔ میری حیات ہو۔ آؤ... آؤ۔"

اُس نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے اور ایک لڑکی بھی دونوں ہاتھ پھیلا کر جھپٹی لیکن قریب پہنچ کر اُسی لمحے زرد پوش فرشتے نے اُسے اپنی طرف کھینچنا چاہا اُس نے اُسکے گال پر تھپڑ رسید کر دیا۔

"ارے....!" زرد پوش فرشتہ بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔

"یہ تم نے کیا کیا مونا....!" دوسری لڑکی نے زرد پوش فرشتے کو پکڑتے ہوئے کہا۔ "تم پاگل ہو۔"

پھر دوسری لڑکی اُس کا گال سہلانے لگی جس پر تھپڑ پڑا تھا۔

"تم خود کمینی ہو ڈالی۔ تمہیں کیا حق ہے کہ میرے محبوب کا گال سہلاؤ۔"

"جہنم میں جائے تمہارا محبوب۔" ڈالی نے بھی جھلا کر اُس کے گال پر تھپڑ جڑ دیا۔ زرد پوش فرشتہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ گونگا ہو گیا ہو۔ مونا نے پھر اُسے پکڑ لیا تھا

لیکن اُس نے خود کو چھڑانے کی کوشش نہیں کی بلکہ حیرت سے ڈاکٹر ڈریڈ کی طرف دیکھتا رہا۔

"یہ چاند پسند آئے تمہیں۔" ڈاکٹر ڈریڈ نے مسکرا کر پوچھا۔

"اچھے تو ہیں۔" فرشتے نے گلوگیر آواز میں کہا۔ "مگر مارتے کیوں ہیں؟"

اس بار موتا نے دو قدم پیچھے ہٹ کر اُس کی کمر پر لات رسید کر دی اور وہ منہ کے بل فرش پر جا گرا۔ پھر ڈالی نے اُسے اٹھنے نہیں دیا۔ اُس کی پشت پر سوار ہو کر دونوں ہاتھوں سے اُس کا سر سہلانے لگی تھی۔

دفعتاً الماری میں رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجی۔ ڈاکٹر ڈریڈ نے ریسیور اٹھا لیا۔ اِدھر دونوں چاند زرد پوش فرشتے کی کھوپڑی سے سورج طلوع کرتے رہے۔

"ہیلو.... کون.... کریگ.... کیا بات ہے؟"

"گڑبڑ ہو گئی ڈاکٹر۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "کیپٹن حمید ٹیکسی میں نہیں بیٹھا۔ وہ اُسے موٹر سائیکل پر لے گیا۔"

"اوہ....!" ڈریڈ غرایا اور شور مچاتی ہوئی لڑکیوں کی طرف مڑ کر دھاڑا۔ "اسے لے جاؤ یہاں سے۔" اور پھر ماؤتھ پیس میں بولا۔ "میں نے پہلے ہی تمہیں آگاہ کر دیا تھا تم سب گدھے ہو گئے ہو۔ کیا وہ اُسے گھر لے گیا ہے۔"

"ہاں... ڈاکٹر... پانچ اور گیارہ پوچھ رہے ہیں کیا ہم کرنل فریدی کی کوٹھی میں گھس جائیں۔"

"یقیناً.... اگر وہ خونخوار کتوں کی غذا بننا پسند کریں۔"

"پھر کیا کیا جائے۔" کریگ بہت بوکھلایا ہوا سا معلوم ہوتا تھا۔

"اب....!" ڈریڈ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "جو کچھ بھی ہو رہا ہے ہونے دو۔"

"وہ لڑکی....!"

"اُس سے میرا دل بھر گیا ہے۔ اس لئے اُس کے ضائع ہو جانے کا افسوس مجھے نہیں ہوگا مگر ٹھہرو۔ کیا وہ اس قیام گاہ سے واقف ہے؟"

"نہیں ڈاکٹر۔"

"بس ٹھیک ہے اُسے بھول جاؤ۔" ڈریڈ کا لہجہ بہت نرم تھا۔ "لیکن فنچ کے لئے جو تدبیر بتا رہا ہوں اُسے غور سے سنو۔ وہ اسپرنگ کاٹج میں مقیم ہے۔ خیر.... سنو.... اس وقت تمہارے پاس کتنے دیسی آدمی ہیں۔"

"فی الحال آٹھ ہیں۔"

"ٹھیک.... اُن میں سے دو کو گولڈن اسکور پین کے انجکشن دو۔ اُن کے پاس دو بھرے ہوئے ریوالور بھی ہونے چاہئیں اور وہی پرانی تدبیر۔ انہیں اسپرنگ کاٹج کے سامنے اُتار دینا اور خود باہر چھپے رہنا۔ اُس واقعے کے بعد فنچ وہاں ہرگز نہیں رکے گا۔ جیسے ہی باہر نکلے.... جس کو مناسب سمجھو اُس کا خاتمہ کر دو۔ اگر میری یہ تدبیر تمہاری تساہلی کی بناء پر ناکام ہوئی تو.... یہ ہو کہ نہیں.... میں ایک رات میں دو ناکامیاں نہیں برداشت کر سکوں گا۔"

"لیکن اگر وہ اسپرنگ کاٹج میں نہ ہوا تو؟"

"تب پھر کوئی بات نہیں۔"

"دو جانیں بیکار ضائع ہوں گی۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"بکواس بند۔" ڈریڈ غرایا۔ "اب تک ہزارہا جانیں میرے تجربات کی نذر ہو چکی ہیں۔"

نکل گیا

موٹر سائیکل فریدی کی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی اور پیچھے بیٹھی ہوئی میری سنگلٹن گھبرا کر کہا۔ "تم مجھے کہاں لے آئے؟"

"میں نے کہا تمہیں اپنا گھر دکھا دوں۔" حمید نے کہا۔ موٹر سائیکل پورچ میں پہنچ کر رک گئی تھی۔

"نہیں! میں یہاں نہیں ٹھہروں گی۔" وہ خوفزدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی گاڑی سے کود گئی۔

"تم قطعی نہ ٹھہرو۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "لیکن میں تمہیں پھاٹک تک چھوڑنے کیلئے جاؤں گا۔"

"کیا مطلب....؟"

"مطلب یہ کہ اُدھر دیکھو۔" حمید نے دائیں جانب اشارہ کیا جہاں دس عدد خطرناک قسم کے بلڈ ہاؤنڈ کھڑے ہانپ رہے تھے۔ حمید نے پھر کہا۔ "تم میرے پاس سے ہٹیں اور یہ تمہارے ٹانگوں کی داد دینا شروع کر دیں گے۔ خوبصورت لڑکیوں کا گوشت انہیں بے حد مرغوب ہے۔"

"ہائے میں کہیں کی بھی نہ رہی۔" لڑکی روہانسی ہو کر بولی۔ "تم نے بھی دھوکا دیا۔"

"نہیں ڈارلنگ میں تمہاری پوجا کروں گا۔ آؤ میرے ساتھ۔" حمید اُس کا ہاتھ پکڑ کر

برآمدے کی طرف کھینچنے لگا۔

"یہ کیا کرتے ہو۔ میں شور مچادوں گی۔"

"ضرور مچاؤ۔ کوئی یہاں قدم رکھنے کی بھی ہمت نہیں کرے گا۔ یہاں ہمارا راج ہے۔"

میری سنگلٹن بے بسی سے آگے بڑھ گئی۔ حمید اُسے اندر لیتا ہوا چلا گیا۔ فریدی اندرونی برآمدے میں موجود تھا۔ اُس نے اُن دونوں کو حیرت سے دیکھا۔

"ہم دونوں چرچ سے سیدھے یہیں آرہے ہیں۔" حمید بڑے ادب سے بولا۔ "اب ہم دونوں کو آشیر واد دیجئے۔"

"کیا مطلب؟"

"پہلے میں نے کسی نکاح خواں ہی کو تلاش کیا تھا مگر جب کوئی نہیں ملا تو مجبوراً سول میرج کرلی۔"

"یہ جو کچھ بھی کہہ رہے ہیں غلط کہہ رہے ہیں۔" میری گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔ "مجھے زبردستی پکڑ لائے ہیں۔"

"ہائیں.... تم یہ کیا کہہ رہی ہو ڈارلنگ میں سرٹیفکیٹ دکھا سکتا ہوں اور کوئی بھی عدالت اُسے صحیح تسلیم کرنے سے انکار نہیں کرے گی۔"

حمید نے جیب سے وہی چاکلیٹ کے ٹکڑے نکال کر اُسے دکھائے جو اُسی نے دیئے تھے اور پھر بولا۔ "یہ ہے سرٹیفکیٹ اور تمہارا پہلا شوہر مئے پول ہوٹل میں بے ہوش پڑا ہے کیا سمجھیں۔ اب سکون سے بیٹھ جاؤ۔"

حمید نے اُسے ایک خالی کرسی میں دھکیل دیا۔

"کیا قصہ ہے؟" فریدی نے آہستہ سے پوچھا اور حمید نے قصہ وہیں سے شروع کردیا جہاں سے شروع ہوا تھا۔

یہ داستان حمید نے اردو میں چھیڑی تھی اور میری کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔

"اور تم مجھے بتائے بغیر چلے گئے تھے۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"یقیناً مجھ سے غلطی ہوئی تھی۔"

"نہیں تم نے بہت اچھا کیا تھا۔ ویسے اگر تم مجھ سے تذکرہ کرتے تب بھی یہی ہوتا۔ ڈریڈ نے اس بار بڑی گھٹیا قسم کی چال چلی تھی۔"

"کیا مطلب....؟ میں نہیں سمجھا۔"

"ظاہر ہے اس دعوت نامے پر میں تمہیں تنہا بھیجتا اور خود چھپ کر تمہاری نگرانی کرتا اور

ڈریڈ کے آدمی میری نگرانی کرتے اور پھر کہیں نہ کہیں ہمارا پھنس جانا لازمی تھا۔ مگر ڈریڈ نے یہ سمجھ لیا کہ میں آنکھیں بند کرکے کنوئیں میں کود جاؤں گا۔"

پھر فریدی لڑکی کی طرف دیکھنے لگا جو خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ آخر اُس نے کہا۔ "میں تم اس کے علاوہ اور کچھ نہیں پوچھنا چاہتا کہ اُس رات تم کس سے خوفزدہ تھیں جب کیپٹن حمید نے زہریلی سوئی چبھوئی تھی۔"

"میں کیپٹن کو بتا چکی ہوں مخالف گروہ وہاں موجود تھا۔"

"مگر یہ خواب آور چاکلیٹ کیوں لئے پھر رہی ہو؟"

"اوہ.... تو یہ بات ہے۔" لڑکی ہنسنے لگی۔ "شاید میں نے غلطی سے خواب آور چاکلیٹ پیش کردیئے تھے۔ اسی لئے وہ موٹا آدمی ہمارے ساتھ نہیں آسکا۔ ورنہ وہ تو کیپٹن کو بھی دھمکیاں دے رہا تھا۔ بات یہ ہے جناب کہ مجھے بے خوابی کی شکایت ہے اور میں ایسے چاکلیٹ اپنے پاس رکھتی ہوں جنہیں کھا کر سوسکوں۔"

"بس اسے تو مجھے ہی بخش دیجئے۔" حمید نے فریدی سے کہا لیکن فریدی دھیان دیئے بغیر لڑکی سے بولا۔ "میری بات کا صحیح جواب دو۔ اُس رات تم کس سے خوف زدہ تھیں۔"

"آپ لوگ پتہ نہیں کیا سمجھ رہے ہیں۔ میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔"

"میں اچھی کردوں گا۔" حمید بولا۔ "لیکن جب وہ کچھ نہ بولی تو اُس نے کہا۔ "ڈریڈ کے آدمی ابھی تمہاری نگرانی کرتے رہے ہوں گے۔ لیکن تم اس خیال میں نہ رہو کہ وہ یہاں اس عمارت میں قدم بھی رکھ سکیں گے۔ ڈریڈ دوبار میرے ہاتھوں سے شکست کھا چکا ہے۔ اگر یہ اُس کے بس میں ہوتا تو کسی صبح میری لاش بھی مسہری پر ملتی۔ لیکن وہ جانتا ہے کہ یہ نیو میکسیکو، ٹیکساس، اوکلاہوما کنساس نہیں ہے۔"

لڑکی خاموشی سے اُس کی طرف دیکھتی رہی۔ اب اُس کے چہرے پر خوف کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

"اسے پھاٹک تک چھوڑ آؤ۔" دفعتاً فریدی حمید کی طرف مڑا۔

"کیوں....!" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں صرف ڈاکٹر ڈریڈ کو مردہ یا زندہ چاہتا ہوں اور اُس کے دو یا تین ساتھیوں کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتا کہ وہ کہاں مل سکے گا۔"

"یہ ضرور جانتی ہوگی۔"

"مجھے شبہ ہے۔"

"کیوں۔ تم ہمیں ڈاکٹر ڈریڈ کا پتہ بتاؤ۔ ممکن ہے تمہیں معاف کر دیا جائے۔"

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ آپ لوگ کس قسم کی گفتگو کر رہے ہیں۔"

"اسے باہر چھوڑ آؤ۔" فریدی گرج کر بولا۔ "میرا اور اپنا وقت برباد نہ کرو۔"

حمید اس تجویز پر پاگل ہو گیا تھا۔ مگر وہ چپ چاپ اٹھا اور میری سے بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "اٹھو....!"

نہ جانے کیوں میری پہلے سے بھی زیادہ خوفزدہ نظر آنے لگی تھی۔

"اٹھتی کیوں نہیں چلو۔" حمید جھلا گیا۔

"نہیں.... میں نہیں جاؤں گی۔" وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

"اب کیا میں اسے باہر لے جانے کے لئے اونٹ گاڑی کا انتظام کروں؟" حمید پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ اُس نے پھر کتاب اٹھالی تھی۔

"چلو.... خدا کے لئے اٹھو۔" حمید پھر اُس کی طرف متوجہ ہوا۔

"میں نہیں جاؤں گی۔ اس طرح جانے سے تو بہتر یہی ہے کہ میں یہیں خودکشی کر لوں۔"

"تو پھر وہ لوگ تو یہاں گھسنے کی ہمت نہیں کر سکیں گے۔ یہ بہت مشکل کام ہے کہ وہ اپنے کسی آدمی کو یہاں سے نکال لے جا سکیں۔" فریدی نے کتاب پر سے نظر ہٹائے بغیر کہا۔

"وہ شخص جس کی معلومات اتنی وسیع ہوں۔" لڑکی بڑبڑائی۔ "اسے دھوکا نہیں دیا جا سکتا۔"

حمید بوکھلا کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ کچھ بھی نہیں سمجھ سکا تھا۔

"لہٰذا بہتر یہی ہے کہ جو کچھ میں پوچھوں اُس کا صحیح جواب دو۔" فریدی نے کہا لیکن اُس کی نظر اب بھی کتاب ہی پر تھی۔

"میں تیار ہوں۔" لڑکی نے بڑے خلوص سے کہا اور حمید اپنی کھوپڑی سہلا کر مرغ کی بولی بولتا ہوا کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔

"اُس رات تم کس سے خوفزدہ تھیں؟"

"فنچ اور اُس کے ساتھیوں سے۔"

"کیا وہ مئے پول میں موجود تھے؟"

"ہمارے شبہات کے مطابق وہ وہیں تھے۔"

"فنچ بھی تھا؟"

"ہاں.... وہ بھی تھا۔"

"مگر وہ تو اپنے قد کی بناء پر ہزاروں میں پہچانا جا سکتا ہے۔"

"پتہ نہیں وہ کس طرح اپنا قد لمبا کر لیتا ہے۔"

"میں جانتا ہوں وہ کس طرح اپنے قد میں تبدیلی کر سکتا ہے۔"

"مجھے بھی بتایئے۔" حمید بول پڑا۔ "ورنہ میں اب گدھوں کی سی آوازیں نکالنا شروع کر دوں گا۔"

"اُس کی عمر ہی سرکس کی ملازمت میں گذری ہے۔ کیا تم نے سرکس کے مسخروں کو بانسوں پر چلتے نہیں دیکھا۔ وہ اونچے بانس اپنے پیروں پر باندھ کر چلتے ہیں۔ نہ صرف چلتے ہیں بلکہ اکثر نئی تیزی سے دوڑتے ہیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ فنچ اس فن کا ماہر ہے۔ اُس کے پاس لکڑی کے مصنوعی پیر ہیں انہیں کے ذریعہ وہ اپنا قد گھٹاتا بڑھاتا رہتا ہے۔"

"آپ بالکل ٹھیک فرما رہے ہیں ڈاکٹر کا بھی یہی خیال ہے۔ لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ اُس کی چال میں ذرہ برابر بھی بناوٹ نہیں محسوس ہوتی۔"

"وہ اس فن کا ماہر ہے۔" فریدی بولا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر اُس سے پوچھا۔ "کیا تمہیں علم ہے کہ اُن دونوں میں کیوں ٹھن گئی ہے۔"

"آپ کو اس کا بھی علم ہوگا۔"

"ہاں مجھے علم ہے اور آج ہی ہوا ہے۔ لیکن میں تصدیق چاہتا ہوں۔"

"فنچ نے ایک یتیم بچی کی پرورش کی تھی۔ اسے بھی اس نے سرکس کے لئے تربیت دی تھی اور اُسے اپنی ہی بیٹی سمجھتا تھا۔ ایک رات ڈریڈ کے آدمی نے اُسے سرکس سے اٹھا لیا اور دوسری صبح اُس کی لاش سڑک پر پائی گئی۔"

"اور وہ صرف تیرہ سال کی تھی؟"

"ہاں یہ بھی صحیح ہے۔" لڑکی کی آنکھوں سے آنسو بہہ چلے تھے۔ اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "ڈریڈ درندہ ہے میں اُس سے نفرت کرتی ہوں۔ لیکن اُس کے پھندے میں پھنسی ہوئی لڑکیاں کسی طرح بھی اُس سے پیچھا نہیں چھڑا سکتیں۔"

"تم فنچ کے آدمیوں کی ٹوہ میں بھی تو رہی ہو؟"

"ہاں.... میں تھی۔ مگر مجھے اُس سے گہری ہمدردی ہے۔ میں مجبوراً اُس کے خلاف کام

کرتی رہی ہوں۔ آج ہی میں نے ڈاکٹر ڈریڈ کو اطلاع دی ہے کہ فنچ اسپرنگ کا مچ میں ہے۔"

"کہاں؟" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"اسپرنگ کا مچ میں۔ اگر ڈریڈ کا ایک آدمی میرے ساتھ نہ ہوتا تو میں ہرگز اُسے اُس کی اطلاع نہ دیتی۔"

"اس وقت تمہارا کیا پروگرام تھا؟"

"یہی کہ کیپٹن حمید کو ارجن پورے کے ایک مکان میں لے جاؤں۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتی۔ میرے بیگ میں دو طرح کے چاکلیٹ تھے۔ میں نے غلطی سے وہ پیکٹ نکال لیا جو بعد کے استعمال کے لئے تھا۔ اسکیم یہ تھی کہ میں کیپٹن کو ساتھ لے کر باہر آؤں گی اور وہاں ایک ٹیکسی پہلے سے موجود ہوگی۔ جسے ہمارا ہی ایک آدمی ڈرائیور کرتا ہوگا۔ پھر ٹیکسی میں بیٹھ جانے کے بعد میں کیپٹن کو خواب آور چاکلیٹ پیش کرتی لیکن کھیل بگڑ گیا۔ کیپٹن کسی طرح بھی اپنی موٹر سائیکل وہاں چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ وہ موٹر سائیکل ہی سے ارجن پورہ چلیں گے۔"

"تم نے فنچ کے متعلق کس وقت اطلاع دی تھی اور اطلاع دینے کا طریقہ کیا تھا؟"

"اس کے لئے میں نے ٹرانسمیٹر استعمال کیا تھا کیونکہ ڈریڈ نے پچھلی رات اپنی قیام گاہ تبدیل کر دی تھی۔"

"پچھلی رات وہ کہاں تھا؟"

"لڑکی نے اُسی عمارت کا پتہ بتایا جہاں سے آج ایک لاش برآمد ہوئی تھی۔"

"موجودہ قیام گاہ کہاں ہے۔"

"اگر یہ معلوم ہوتا تو میں ٹرانسمیٹر کیوں استعمال کرتی۔"

"اب تم کیا چاہتی ہو؟"

"یہاں سے چلے جانے کے علاوہ اور جو کچھ بھی ہو سکے۔"

فریدی نے حمید سے کہا۔ "اسے تیسری منزل کے کسی کمرے میں پہنچا دو۔"

حمید اُسے ساتھ لے کر چلا گیا اور تقریباً بیس منٹ بعد پھر واپس آ گیا۔

"میں دس منٹ بعد مر جاؤں گا۔" وہ کلائی کی گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔

"کیوں....؟"

"ہارٹ فیل ہو جائے گا۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "آپ یہ تو بتانے سے رہے کہ ہار

دینے کی دھمکی اتنی کارگر کیوں ہوئی تھی۔"

"بہت معمولی سی بات ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "امریکہ کی مختلف ریاستوں کی پولیس ڈریڈ کو اُسی کے آدمیوں کے ذریعہ پکڑنے کی کوشش کی ہے۔ لہٰذا اُس کا جو ساتھی بھی پولیس ہاتھوں میں پڑنے کے باوجود بھی کبھی آزاد دیکھا گیا مردہ ہی دیکھا گیا۔ ڈریڈ کا یہ اصول ہے کہ کسی ایسے ساتھی کا وجود برداشت نہیں کر سکتا جسے پولیس سزا دیئے بغیر چھوڑ دے۔"

"پھر اب ہم اس لڑکی کا حلوہ بنائیں گے یا اچار ڈالیں گے؟"

"اُٹھو.... ذرا اسپرنگ کا مچ تک ہو آئیں۔"

"اور اگر وہ بھاگ گئی تو....؟"

"واپسی پر تم اس کا حشر دیکھ ہی لو گے۔"

اسپرنگ کا مچ کے چھوٹے سے پھاٹک میں دو آدمی داخل ہوئے۔ سارا پائیں باغ دن کی طرح روشن تھا۔ برآمدے میں کھڑے ہوئے آدمی نے اُن دونوں کو کمپاؤنڈ میں داخل ہوتے دیکھا اور تیزی سے اُن کی طرف بڑھا لیکن وہ برآمدے کی طرف جانے والی روش کی بجائے بائیں جانب مڑ کر چہار دیواری سے لگ گئے تھے۔ انہیں ایسا کرتے دیکھ کر اُس آدمی نے جیب سے ریوالور نکال لیا اور جھک کر چلنے لگا۔ چہار دیواری سے تقریباً تین چار فٹ ہٹ کر ڈونیا کی باڑھ کا سلسلہ تھا۔ یہ باڑھ کے پیچھے آ چھپا۔ اُس کی نظر اُن دونوں پر تھی جو دیوار کے قریب جھکے کھڑے تھے۔

اُن میں سے ایک آدمی ٹارچ کی روشنی میں دیوار پر کچھ تلاش کر رہا تھا۔ دفعتاً اُس نے دوسرے سے کہا۔ "راستہ مل گیا۔"

"کہاں؟" دوسرے نے پُر اشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"یہ رہا....!" اُس نے انگلی سے دیوار کے ایک سوراخ کی طرف اشارہ کیا۔

"آہا.... تو چلو....!"

"نہیں پہلے تم....!"

"واہ بھئی.... پہلے تم....!"

"بیکار بحث کر کے وقت برباد نہ کرو.... چلو....!"

"میں تو پہلے ہرگز نہیں جاؤں گا جس نے راستہ دریافت کیا ہے پہلے وہی قدم رکھے۔"

باڑھ کے پیچھے چھپا ہوا آدمی حیرت سے انہیں دیکھتا رہا۔

"تم چلتے ہو کہ میں دوسرا طریقہ اختیار کروں۔"

"کیا طریقہ اختیار کرو گے۔ میں بھی تو دیکھوں۔" دوسرے کو شاید غصہ آگیا تھا چھپے ہوئے آدمی نے حیرت سے دیکھا کہ اُن کے ہاتھوں میں ریوالور تھے اور دونوں کی نالیں ایک دوسرے کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

"تمہاری یہ جرأت۔" ایک بولا۔

"ہاں! کیا میں تم سے کمزور ہوں۔" دوسرے نے کہا اور بیک وقت دونوں کے ریوالوروں سے شعلے نکلے۔ باڑھ کے پیچھے چھپا ہوا آدمی اچھل کر عمارت کی طرف بھاگا۔ وہ درانہ اندر گھستا چلا گیا اور پھر اگر سنبھل نہ گیا ہوتا تو اُس چھوٹے سے آدمی سے ٹکرا جانا لازمی تھا جو خود بھی تقریباً دوڑتا ہوا صدر دروازے کی طرف آرہا تھا۔

"اوہ.... معاف کیجئے گا جناب۔" وہ آدمی گھبرا کر پیچھے ہٹا۔

"کیا بات ہے؟" چھوٹے آدمی نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

اُس نے ہانپتے ہوئے جلدی جلدی پورا واقعہ دہرا دیا۔

"خطرہ....!" چھوٹا آدمی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "دیکھو! باہر نکلنے کی کوشش نہ کرنا۔ دروازے بند کردو۔ ہو سکتا ہے یہ جال پولیس ہی نے بچھایا ہو۔"

"مگر جناب! انہوں نے ایک دوسرے پر گولیاں چلائی تھیں اور ڈھیر ہو گئے تھے۔"

"تم نے انہیں صرف گرتے دیکھا ہوگا۔ ضروری نہیں کہ ریوالور اصلی ہی رہے ہوں چلو... خاموشی سے بیٹھو۔ میں جارہا ہوں۔ پولیس تم لوگوں کے خلاف کوئی ثبوت بہم نہیں پہنچا سکتی۔"

ننھا آدمی کھڑکی سے دوسری طرف صحن میں کود گیا۔ کمپاؤنڈ سے پھر فائر کی آواز آئی اور وہ آدمی جہاں تھا چپ چاپ وہیں کھڑا رہا۔ پھر وہ صدر دروازے کی طرف دوڑا اور اُسے بند کرنے کے بعد کھڑکیاں بھی بند کرنے لگا۔ دو تین فائر اور کچھ چیخیں پھر سنائی دیں۔

عمارت میں اس کے علاوہ چار آدمی اور بھی تھے اور یہ بھی غیر ملکی ہی تھے۔

"کیا قصہ ہے؟" ایک نے اُس سے پوچھا۔

وہ اُسے بتانے لگا۔ دو فائر پھر ہوئے اور اُس نے اُس کے متعلق ننھے آدمی کی رائے ظاہر کی۔

"مگر پولیس کیوں؟" دوسرا آدمی بولا۔ "آخر اسے اس قسم کا ڈرامہ کھیلنے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔ وہ لازمی طور پر ڈریڈ ہی کے آدمی ہوں گے۔"

ایک گولی آکر کھڑکی کے شیشے سے لگی اور وہ چکنا چور ہو گیا۔

"سنو!" وہ آدمی دوسرے دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "وہ لوگ شہری علاقے میں ادیر تک گولیاں نہیں چلا سکتے۔ یہ پولیس ہی معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا یہاں ہمارے پاس جو اسلحہ ہاس سے تو پیچھا چھڑانا ہی چاہئے۔"

وہ سب ایک بڑے کمرے میں آئے۔ اپنے ریوالور نکال کر میز پر رکھے اور ایک آدمی انہیں ب کر رومال میں باندھنے لگا۔ فائروں کی آوازیں اب بھی آرہی تھیں اور پھر ساتھ ہی کسی صدر دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔

"جلدی کرو۔" ایک آدمی بولا اور ریوالوروں کا رومال اٹھاتا ہوا صحن کی طرف بڑھا۔ دروازہ ر پیٹا جارہا تھا۔

اُس آدمی نے صحن میں کھڑے ہو کر ریوالوروں کو دوسری طرف پھینک دیا۔ اس سے پہلے انے عقبی دروازے سے جھانک کر اطمینان کر لیا تھا۔ دوسری طرف سناٹا تھا۔ اس عمارت کی ن پر آبادی نہیں تھی بلکہ دور تک کھیتوں کے سلسلے پھیلے ہوئے تھے۔ شاید اسی بناء پر اس ارت کا نام اسپرنگ کاٹج تھا۔

وہ پھر اُسی کمرے میں واپس آگیا۔ صدر دروازہ اب بھی پیٹا جارہا تھا۔

"لیکن دوست....!" ایک آدمی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اگر وہ پولیس نہ ہوئی تو ہم کیا ہاگے؟ ریوالور بھی تم نے پھینکوا دیئے۔"

"دروازہ کھولو!" باہر سے ایک گرج دار آواز آئی۔ "ورنہ دروازہ توڑ دیا جائے گا۔"

وہ پانچوں بہت احتیاط سے صدر دروازے کی طرف بڑھے اور ایک نے بھاری آواز میں بلا۔ "کون ہے؟"

"پولیس!.... دروازہ کھولو۔" باہر سے آواز آئی۔

"ہم کیسے یقین کر لیں جبکہ باہر ڈاکو موجود ہیں۔ انہوں نے ہمیں لوٹنے کی کوشش کی تھی۔"

"تم دوسری طرف سے بھی نہیں نکل سکو گے۔" باہر سے آواز آئی۔ مکان کا محاصرہ کیا ہاہے۔"

"بڑی مصیبت ہے۔" وہ آدمی بلند آواز میں بڑبڑایا۔ "اس دیس میں آکر جان سلامت لے ٹشکل ہے۔"

"ہم دروازہ توڑ رہے ہیں۔" باہر سے آواز آئی اور ساتھ ہی دروازہ اس طرح ہلایا جانے لگا

جیسے سچ مچ توڑ ڈالا جائے گا۔

"ٹھہرو! ہم کھولتے ہیں۔" ایک آدمی کہہ کر آگے بڑھا۔

"نہیں ٹھہر جاؤ۔" دوسرا بولا۔ "انہیں دروازہ توڑنے دو۔ اگر یہ وہی ڈاکو ہوئے تو کیا ہوگا؟ جنہوں نے ہمیں خوفزدہ کرنے کے لئے فائر کئے تھے۔"

"یہاں دو لاشیں بھی ہیں جن کے لئے تمہیں جواب دہ ہونا پڑے گا۔" باہر سے آواز آئی۔

"ہمیں کسی لاش کا علم نہیں۔ وہ ہمارے آدمیوں میں سے بھی نہیں ہو سکتے کیونکہ ہم سب اندر موجود ہیں۔"

دروازے پر ضربیں لگائی جا رہی تھیں۔ یہ پانچوں خاموش کھڑے رہے۔ جس آدمی نے دروازہ کھولنا چاہا تھا بہت زیادہ نروس نظر آ رہا تھا۔ آخر کار دروازہ ٹوٹ ہی گیا اور وہ پانچوں اچھل کر بھاگے۔

"خبردار.... ٹھہرو.... ورنہ ایک بھی زندہ نہیں بچے گا۔" کرنل فریدی نے کہا۔ اُس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ وہ رک گئے۔

"اپنے ہاتھ اٹھالو۔" فریدی نے سخت لہجے میں کہا اور انہوں نے خاموشی سے تعمیل کی۔ اُن کے ساتھ کیپٹن حمید کے علاوہ تین آدمی اور بھی تھے۔

"تم یہیں ٹھہرو۔" اُس نے اُن سے کہا اور اندر گھستا چلا گیا۔

"آخر ہم لٹ ہی گئے۔" ایک آدمی کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

حمید نے جیب سے اپنا کارڈ نکال کر اُس کی طرف بڑھا دیا اور آہستہ سے پوچھا۔ "فنچ کہاں ہے دوستو؟"

"کیسا فنچ؟" اُس نے حیرت سے کہا۔ "ہم کسی فنچ کو نہیں جانتے۔"

"اچھی بات ہے۔ چپ چاپ کھڑے رہو۔" حمید بولا۔ پھر اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "ان کی جامہ تلاشی لو۔"

"ہم نہیں سمجھ سکتے جناب کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔" ایک آدمی بولا۔ "ہم پر ہی ڈاکوؤں نے حملہ کیا۔ ہمیں ہی پولیس پریشان کر رہی ہے۔"

"چپ چاپ کھڑے رہو۔" حمید نے اُسے ڈانٹا۔

کچھ دیر بعد فریدی واپس آ گیا۔

"فنچ نکل گیا۔" اُس نے پانچوں کو گھورتے ہوئے کہا۔ پھر مسکرا کر بولا۔ "تم شریف آدمیوں

کو ہاتھ لگانا بھی مشکل ہوگا۔ کیوں! کیا خیال ہے؟"

"ہم بالکل نہیں سمجھے جناب۔"

"باہر دو لاشیں ہیں۔"

"میں اُنکے متعلق آپکو کچھ بتا سکوں گا مگر شاید آپ کو یقین نہ آئے۔" ایک آدمی نے کہا۔

"یہ میں بعد کو سوچوں گا کہ یقین آنا چاہئے یا نہ آنا چاہئے۔"

اُس نے جو کچھ بھی دیکھا تھا بتایا اور کیپٹن حمید بے ساختہ ہنس پڑا۔ مگر فریدی کی سنجیدگی میں کوئی فرق نہ آیا۔

"کیا فنچ اُس وقت یہاں موجود تھا؟" فریدی نے سوال کیا اور وہ آدمی جو حمید کے قہقہے پر نروس ہو گیا تھا رو میں کہہ گیا۔ "جی ہاں۔"

لیکن پھر سنبھلنے میں بھی دیر نہیں لگائی اور جلدی سے بولا۔ "کیا پوچھا تھا آپ نے؟"

"کچھ نہیں۔ اب صرف تم یہ بتا دو کہ فنچ یہاں سے کہاں گیا ہوگا؟"

"جناب والا۔ میں آپ سے استدعا کروں گا کہ اس نام کے متعلق ہمیں کچھ اور بھی بتایئے۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ آپ کس کے متعلق پوچھ گچھ کر رہے ہیں۔"

"ان چاروں کو حراست میں لے لو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔ "ان کے پاس یقینی طور پر پاسپورٹ ہوں گے۔ لیکن چونکہ کمپاؤنڈ میں دو لاشیں پڑی ہوئی ہیں اس لئے ہم انہیں اُس وقت تک حراست میں رکھ سکتے ہیں جب تک کہ ان لاشوں کے متعلق تفتیش جاری رہے گی۔"

"یہ سراسر ظلم ہوگا جناب۔"

"کیوں؟ کیا تمہارے ملک میں مشتبہ آدمی بخش دیئے جاتے ہیں۔" فریدی نے انہیں گھورتے ہوئے کہا۔ "تم ابھی اور اسی وقت اپنے ہاتھوں سے اس مکان کو مقفل کر کے چپ چاپ پولیس کی گاڑی میں بیٹھ جاؤ گے۔ یہاں دو قتل ہوئے ہیں اور تم نے اختلاف بیانیوں سے کام لیا ہے۔"

"ہم نے اختلاف بیانی سے کام نہیں لیا۔"

"پہلے تم کہہ رہے تھے کہ یہاں ڈاکوؤں نے حملہ کیا تھا اور اس کے بعد ایک ناقابل یقین داستان دہرا دی۔"

"آپ یقین کیجئے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا جیسے ہی وہ گرے میں اندر بھاگ آیا۔ پھر متعدد فائروں کی آوازیں آئیں اور ہم نے دروازہ بند کر لیا۔"

فریدی چند لمحے انہیں گھورتا رہا پھر سر ہلا کر بولا۔ "کچھ بھی ہو میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔"

تھوڑی ہی دیر بعد وہ عمارت کو مقفل کرانے کے بعد انہیں اپنے ساتھ لے جارہا تھا۔ اُس کا ایک آدمی وہیں رک گیا تھا کیونکہ دونوں لاشیں ابھی وہیں پڑی ہوئی تھیں۔

وہ انہیں قریبی تھانے بھجوا کر اسپرنگ کانج میں واپس آگیا۔

"آخر اب ڈریڈ کے ساتھیوں پر کیوں اتنے مہربان ہیں؟" حمید نے پوچھا۔ "آپ اُس کے آدمیوں کو نظرانداز کردیتے ہیں لیکن فنچ کے آدمی آپ سے نہ چھوڑے گئے۔ حالانکہ اب مجھے بھی اس چمرخ سے ہمدردی ہوگئی ہے اور آپ بھی اس کیلئے ہمدردی ہی کا جذبہ رکھتے ہوں گے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر اُس نے کہا۔ "میں ڈریڈ کے صرف اُن آدمیوں کو نظرانداز کرتا ہوں جن کے متعلق مجھے یقین ہوتا ہے کہ وہ اُسکے بارے میں کچھ نہ جانتے ہونگے۔"

"اور اس وقت تو وہ صاف نکل گئے۔"

"ہاں.... آں....!"

"بس دھوکا کھا گیا۔ اندر سے دو فائروں کی آوازیں آئیں اور میں سمجھا شاید کھیل شروع ہوگیا ہے۔ اگر کچھ دیر اور خاموش رہتا تو اُن میں سے ایک بھی نکل کر نہیں جاسکتا تھا۔"

"کیا آپ کو یقین ہے کہ فنچ کے آدمی اُس کی قیام گاہ سے واقف ہیں؟"

"فنچ کچھ دیر پہلے یہیں تھا اور وہ پچھلی دیوار سے کود کر فرار ہوا تھا۔ دوسری طرف نرم زمین پر اُس کے پیروں کے نشانات دیکھنے کے بعد میں نتیجے پر پہنچا ہوں۔"

"یہ دونوں کم بخت بہت دنوں سے دردسر بنے ہوئے ہیں۔" حمید بڑبڑایا۔

لیکن اُس نے دوسرے ہی لمحے میں فریدی کو اچھلتے دیکھا۔ اُس نے ڈڈونیا کی باڑھ کی دوسری طرف چھلانگ لگائی تھی۔ حمید بھی بے اختیارانہ انداز میں اُسی طرف جھپٹا لیکن پھر اچانک اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے زمین نے اُس کے پیر پکڑ لئے ہوں۔ کیونکہ اُس نے ایک ننھے سے آدمی کو اچھل کر دیوار پر چڑھتے دیکھا تھا۔ اگر وہاں اندھیرا ہوتا تو وہ اُسے کوئی بندر ہی سمجھتا۔

نیلا بیگ

حمید کو اس کی توقع نہیں تھی کہ پھاٹک تک پہنچنے میں جو وقت صرف ہوگا اُس کے بعد انہیں فنچ کا سایہ بھی مل سکے لیکن شاید فنچ ہی اس معاملے میں چوک گیا تھا۔ کیونکہ پھاٹک سے نکلتے نکلتے

ی کی نظر اُس پر پڑ گئی تھی۔ مگر ٹھیک اُسی وقت فنچ نے آبادی کے پیچھے والی جھاڑیوں میں لانگ لگائی۔ یہ دونوں بھی اپنی پوری قوت سے دوڑ رہے تھے۔

جھاڑیوں میں گھسے تو فنچ کھائی کے اُس پار نظر آیا۔

"ٹھہر جاؤ۔" فریدی حمید کا ہاتھ پکڑتا ہوا بولا۔

حمید رک گیا۔ لیکن اُسے فریدی کی اس حرکت پر تعجب ضرور ہوا۔ اور پھر جب نظر اٹھائی تو ا پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے کیونکہ فنچ بھی رک گیا تھا۔ اوپر کھائی کے اُس پار تاروں کی اؤں میں وہ صاف نظر آرہا تھا۔

حمید نے جیب سے ریوالور نکالا لیکن فریدی اُسکے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہوا آہستہ سے بولا۔ "نہیں۔"

"میں اسے نگلنے جارہا تھا۔" حمید جھلا گیا۔ "آپ خواہ مخواہ پریشان ہوگئے۔"

"بہت دلیر ہے حمید صاحب۔ بہت دلیر۔ میں اسے چھپ کر مارنا پسند نہیں کروں گا۔"

"نہیں آپ اسے کاک ٹیل پارٹی دیجئے۔ میرے باوا کا کیا جاتا ہے۔"

"ارے آؤ نا۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "میں نے بہت دنوں سے دوڑ نہیں لگائی۔ موقع ملا ہے تو تم لوگ ڈھیلے پڑ رہے ہو۔"

"ذرا سنئے۔ وہ مچھر کی اولاد چیلنج کر رہا ہے۔"

فریدی ہنسنے لگا۔ حمید اور زیادہ جھلا کر بولا۔ "اگر آپ محکمہ سراغ رسانی میں نہ ہوتے تو آپ صرف کسی پاگل خانے ہی میں ملاقات ہوسکتی۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور پھر خاموش ہوگیا۔

فنچ جہاں پہلے تھا وہیں اب بھی کھڑا تھا۔

"ہائیں یہ کیا؟" دفعتاً حمید کے منہ سے بے اختیارانہ طور پر نکلا۔ نہ جانے کدھر سے نکل کر چار آدمیوں نے فنچ پر حملہ کردیا تھا۔

"کیا یہ آپ کے آدمی ہیں؟" حمید نے فریدی کا بازو پکڑ کر کہا۔

"نہیں.... اوہ....!" فریدی نے مضطربانہ انداز میں کہا اور ریوالور نکال کر فائر کردیا۔ ایک لمحے کے لئے ایسا معلوم ہوا جیسے اُن کے ہاتھ رک گئے ہوں لیکن پھر وہ کھیتوں میں کود گئے۔ کھیت سب میں تھے لہٰذا اب وہ انہیں نہیں دیکھ سکتے تھے۔

دفعتاً انہوں نے یکے بعد دیگرے تین چیخیں سنیں اور فریدی کھائی میں اُتر گیا۔ حمید نے بھی ساتھ دینا چاہا لیکن جھاڑیوں میں الجھ کر منہ کے بل نیچے چلا گیا۔ پھر جتنی دیر میں وہ اٹھتا

فریدی نظروں سے غائب ہو چکا تھا۔ وہ اٹھ کر پھر دوڑا۔ اُسے چوٹیں سہلانے کا بھی ہوش نہیں تھا۔ وہ اپنی دانست میں حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ کھائی کے دوسری طرف پہنچا۔

لیکن یہاں اُسے صرف فریدی نظر آیا۔

"پانچ ہوئے۔" اُس نے کہا۔

"کیا پانچ ہوئے؟" حمید نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔

"مرنے والے۔" فریدی کا مختصر سا جواب تھا۔

پھر حمید کی نظر اُن تین آدمیوں پر پڑی جو زمین پر پڑے ہوئے تھے۔

"کیا یہ مر گئے؟" حمید نے بوکھلا کر پوچھا۔

"ہاں....!"

"مگر.... آپ نے شاید ہوائی فائر کیا تھا؟"

"تم اس وقت کہاں ہو؟" فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔

حمید جھک کر لاشوں کو دیکھنے لگا۔ فریدی کہہ رہا تھا۔ "انہیں خنجر سے ہلاک کیا گیا ہے اور یہ اتنے مشاق ہاتھوں کا کرشمہ ہے کہ یہ شاید ایک منٹ بھی زندہ نہیں رہ سکے۔ تینوں زخم دل کے مقام پر ہیں۔"

"اور یہ ہیں کون؟"

"ڈریڈ کے آدمیوں کے علاوہ اور کون ہو سکتے ہیں۔"

"اُف.... فوہ.... تو یہ فنچ تھا۔ لیکن ہر حال میں اس کی ذمہ داری آپ پر عائد ہوتی ہے۔ آپ نے اُسے نکل جانے دیا۔"

"میں نے نکل جانے دیا؟" فریدی نے حیرت سے دہرایا۔

"یقیناً.... نہ آپ دیر لگاتے.... اور نہ....!"

"اور نہ ہم دونوں بھی زندہ رہتے۔" فریدی نے جملہ پورا کر دیا۔ "ڈریڈ کے آدمی یہاں چھپے ہوئے تھے۔ کیا تم اندھیرے سے آئے ہوئے تیر کا رخ موڑ سکتے ہو۔ میں تو کم از کم اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ دھوکے سے کیے گئے حملے سے بھی بچ جاؤں گا۔ مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ اس وقت محض دماغ ٹھنڈا رکھنے کا عادی ہونے کی بناء پر بال بال بچ گیا۔"

حمید کچھ نہیں بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ اس موقعے پر تنہا ہوتا تو کیا ہوتا۔ شاید اس کا وہی انجام ہوتا جس کی طرف ابھی فریدی نے اشارہ کیا تھا۔ فنچ کا چیلنج وہ کبھی نہ برداشت کر سکتا اور پھر

ہر ہے جو کچھ بھی ہوتا۔

"یہ فنچ حقیقتاً ڈاکٹر ڈریڈ سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ میرے اندازے آج تک غلط نہیں ہوئے۔"

حمید کو گویا سانپ سونگھ گیا تھا۔

"بیکار ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "اب ہم اُسکی گرد کو بھی نہ پا سکیں گے۔ پہلے بھی اگر وہ چاہتا فرار ہو سکتا تھا مگر نہ جانے کیوں وہ اسپرنگ کاٹج میں واپس آ گیا تھا۔ آہا ٹھہرو... کیا وہ وہاں سے کوئی خاص چیز لے جانا بھول گیا تھا۔ آؤ جلدی کرو۔ آخر وہ واپس کیوں آیا تھا اور شاید یہاں اس ی چیلنج کرنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ وہ ہمیں جھکائیاں دے کر پھر اسپرنگ کاٹج میں جا گھسے۔"

انہوں نے بڑی تیزی سے کھائی پار کی اور اسپرنگ کاٹج کی طرف چل پڑے۔ حمید کے ذہن نی ہی سی دیر میں اچھی خاصی برف باری ہو گئی تھی اور اُس نے اب کچھ سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ رنا بھی کیا۔ حالات بڑی تیز رفتاری سے رخ بدل رہے تھے۔

وہ پھر اسپرنگ کاٹج میں واپس آئے۔ اُن کے محکمے کا وہ آدمی وہیں موجود تھا جہاں وہ اُسے ڑ کر گئے تھے۔

"ادھر کوئی آیا تو نہیں؟" فریدی نے اُس سے پوچھا۔

"نہیں جناب!" اُس نے جواب دیا۔

"آؤ....!" فریدی حمید سے کہتا ہوا آگے بڑھ گیا لیکن پھر رکا اور مڑ کر اُس آدمی سے ا۔ "کسی کو بھی کمپاؤنڈ میں قدم مت رکھنے دینا۔ خواہ وہ کوئی سرکاری آدمی ہو خواہ غیر سرکاری۔"

"بہت بہتر.... جناب....!" اُس نے کہا اور پھاٹک کی طرف بڑھ گیا۔

"مگر دروازہ تو آپ مقفل کرا چکے ہیں۔" حمید بڑبڑایا۔

"فکر مت کرو۔ اسی لئے میں نے اُسے یہ ہدایت دی ہے۔ قفل کھولنا پڑے گا۔"

برآمدے میں پہنچ کر فریدی نے وہاں کی روشنی بجھا دی۔

حمید جانتا تھا کہ اُسے قفل کھولنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی کیونکہ اس قسم کے ہر وقت اُس کی جیب میں پڑے رہا کرتے تھے۔

دو منٹ کے اندر ہی اندر وہ عمارت میں تھے۔

❁

ڈاکٹر ڈریڈ کسی زخمی بھیڑیے کی طرح غرا رہا تھا اور کریگ اُس کے سامنے کھڑا اس طرح

کانپ رہا تھا جیسے اُسے دوسرے ہی لمحے سفر آخرت کا خدشہ ہو۔

"میں تم سب کو موت کے گھاٹ اُتار دوں گا۔"

"ڈاکٹر ڈریڈ.... انصاف پسند ہے۔" کریگ کانپتا ہوا بولا۔

"ہاں میں پورا پورا انصاف کروں گا۔"

"دیکھئے ڈاکٹر.... آج فنچ ختم ہی ہو جاتا.... مگر وہ فریدی آکودا۔"

"وہ بھی تمہاری ہی وجہ سے آکودا۔ میں پورا پورا انصاف کروں گا۔"

"میری وجہ سے کیوں ڈاکٹر؟"

"میری سنگلٹن جانتی تھی کہ فنچ اسپرنگ کاٹج میں ہے۔"

"لیکن مجھے کیا علم کہ وہ جانتی تھی۔"

"تم نے مجھ سے مشورہ کئے بغیر وہ اسکیم بنائی ہی کیوں تھی میں انصاف پسند ہوں اور پورا پورا انصاف کروں گا۔"

دفعتاً الماری میں رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجی اور ڈاکٹر ڈریڈ اُدھر متوجہ ہو گیا۔

"کون ہے؟" وہ ماؤتھ پیس میں غرایا۔

"سام اسپیکنگ ڈاکٹر....!"

"کیا بات ہے؟"

"جس نیلے بیگ کے متعلق آپ نے پوچھا تھا وہ صندوق میں موجود نہیں ہے۔"

"کیا بکتے ہو.... دوبارہ تلاش کرو۔"

"آپ سنئے تو سہی۔ اُس کی بجائے دفتی کا ایک ڈبہ ملا ہے جس پر تحریر ہے فنچ کی طرف سے ڈاکٹر ڈریڈ کے لئے تحفہ۔ اور اُس ڈبے میں ایک سڑا ہوا آلو ہے۔"

"مگر اُس کی رسائی صندوق تک کیسے ہوئی؟" ڈریڈ دہاڑا۔

"اُس کا جواب کریگ ہی دے سکے گا ڈاکٹر۔ وہ بڑی لاپروائیاں برت رہا ہے اور ہر وقت ڈاکو کے چکر میں رہتا ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے وہ دونوں اُودھم مچائے ہوئے تھے۔"

"اوہ.... تو اس کا مطلب یہ ہے کہ فنچ اس قیام گاہ سے بھی واقف ہے؟"

"اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے.... ڈاکٹر....!"

"اچھا....!" ڈریڈ ریسیور رکھ کر کریگ کی طرف مڑا لیکن جو کچھ بھی دیکھا کم از کم اُس کے لئے تو غیر متوقع ہی تھا۔ کریگ کے کانپتے ہوئے ہاتھ میں ریوالور تھا اور وہ اب بھی بُری طرح

کانپ رہا تھا۔

"اب انصاف نہیں ہو سکے گا.... ڈاکٹر....!" اُس نے بالکل اسی طرح کانپتی ہوئی آواز میں کہا جیسے جاڑا دے کر بخار آگیا ہو۔

"نہیں ہو گا۔" ڈاکٹر ڈریڈ مسکرایا۔ "تم اپنا ہاتھ تو دیکھو۔ کیا اس ہاتھ سے تم مجھ پر فائر کر سکو گے۔ ویسے میں تمہاری اس دلیری کی دل سے قدر کرتا ہوں۔ ڈریڈ پر ریوالور اٹھانا آسان کام نہیں ہے۔ اس دلیری کے عوض میں نے تمہیں معاف کر دیا.... اور.... اس کے عوض.... ڈالی بھی تمہیں دی جاتی ہے۔"

کریگ حیرت سے منہ کھولے سنتا رہا۔

"میں اپنے بچے کھچے آدمیوں کو ضائع نہیں کرنا چاہتا ورنہ میں تنہا رہ جاؤں گا۔" ڈریڈ نرم لہجے میں بولا۔ "آئندہ جو کچھ بھی کرو سوچ سمجھ کر کرو۔"

"مم.... میں.... بہت محتاط رہوں گا ڈاکٹر....!" کریگ ہکلایا۔

"یقیناً.... ورنہ اب کوئی ٹھوکر ہم سب کو غارت کر دے گی۔ خیر ہاں.... اب فنچ کے لئے ایک ہی تدبیر رہ گئی ہے۔ تم وہ الماری کھول کر اوپری خانے سے وہ ٹیب نکالو جس میں سرخ رنگ کا سیال بھرا ہوا ہے۔"

کریگ نے ریوالور جیب میں رکھ لیا اور بڑے سعادت مندانہ انداز میں الماری کی طرف بڑھا۔ اُس کا ہینڈل پکڑ کر دروازہ کھولا اور اوپری خانے میں ٹیوب تلاش کرنے لگا۔

"اوہ.... جی ہاں....! مل گیا۔" وہ شیشے کا ٹیوب لئے ہوئے مڑا جس میں سرخ رنگ کا سیال بھرا ہوا تھا۔

"ٹھیک.... اسے خوب ہلا کر روشنی کے رخ دیکھو کہ اس میں سفید ذرات ہیں یا نہیں۔"

وہ اُسے مٹھی میں پکڑ کر ہلانے لگا پھر بلب کی طرف اٹھا کر دیکھنے لگا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے کہ وہ ٹیوب ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ پھٹا اور سرخ سیال کی بوچھاڑ اُس کے چہرے پر پڑی۔

"آغ.... غاہ....!" وہ کسی جانور کی طرح چیخ کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

اُس کے دونوں ہاتھ آنکھوں پر تھے اور وہ بُری طرح تڑپ رہا تھا۔

"مار ڈالا.... سور.... کمینے.... کتے!" گالیاں اُس کے منہ سے ابلتی رہیں اور وہ تڑپتا رہا۔

ڈریڈ بے حس و حرکت کھڑا تھا اور اُس کے ہونٹوں پر ایک سفاک سی مسکراہٹ تھی۔ کریگ اسی طرح چیختا اور تڑپتا رہا۔

ڈاکٹر ڈریڈ کی آنکھوں میں کچھ اس قسم کی چمک لہریں لے رہی تھی جیسے وہ اُس کا مرغوب ترین کھیل ہو۔ کریگ کی آواز مضمحل ہوتی گئی اور آخر کار اُس کی گردن جھٹکے کے ساتھ ایک طرف جا پڑی۔ وہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ اُس کی دونوں آنکھیں بہہ گئی تھیں۔

"ڈریڈ کا انصاف۔" ڈاکٹر ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑاتا ہوا فون کی طرف مڑ گیا۔

"ہیلو.... سام....!" وہ ماؤتھ پیس میں کہہ رہا تھا۔ "ہمیں یہ عمارت اسی وقت خالی کر دینی چاہئے۔ نمبر تین میں چلو۔ نیلا بیگ اگر نہ ملا تو سمجھو ساری محنت برباد ہو گئی۔ اب فنچ کو ہر قیمت پر مر جانا چاہئے۔ وہ اس قیام گاہ سے بھی واقف ہو گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ پولیس کی رہبری کے فرائض انجام دے ڈالے اور میں اُس وقت تک پولیس کا سامنا نہیں کرنا چاہتا جب تک بیگم ارشاد والا مسئلہ نہ طے ہو جائے.... تمہیں ڈالی پسند ہے نا....؟"

"نن.... نہیں.... جج.... جناب....!" دوسری طرف سے ہکلاہٹ سنائی دی۔

"نہیں وہ تمہیں پسند ہے۔ وہ تمہیں بطور انعام دی جاتی ہے۔"

"اوہ... ڈاکٹر.... میں کسطرح آپ کا شکریہ ادا کروں۔ مگر کریگ میرا دشمن ہو جائے گا۔"

"کریگ....!" وہ مڑ کر لاش کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "مجھے افسوس ہے کہ کریگ اب اس دنیا میں نہیں۔ نائین تھری کا ٹیوب ٹسٹ کرتے وقت اُس کی موت واقع ہو گئی۔ ٹیوب پھٹ گیا.... خیر.... ہاں تو.... نمبر تین میں شفٹ کرنے کی تیاری کرو۔"

"بہت.... بہت.... اچھا.... جناب!" دوسری طرف سے پھنسی پھنسی سی آواز آئی اور ڈاکٹر ڈریڈ نے ریسیور رکھ دیا۔

❁

فریدی اور حمید نے اسپرنگ کاٹج کی تلاشی لینی شروع کر دی تھی۔ لیکن یہ کام بہت احتیاط سے ہو رہا تھا۔ انہوں نے کمروں میں روشنی نہیں کی تھی بلکہ ٹارچوں کی مدھم سی روشنی میں دیکھ بھال کر رہے تھے۔

حمید کا دل اس کام میں ذرہ برابر بھی نہیں لگ رہا تھا۔ اگر فریدی ساتھ نہ ہوتا تو شاید وہ بھاگ ہی نکلنے میں عافیت سمجھتا۔ یہ بات نہیں تھی کہ وہ ڈرپوک تھا۔ اُسے اُس کی پرواہ نہیں تھی کہ اندھیرے میں کسی کی گولی اُس کا مغز بھی پھاڑ سکتی ہے۔

وہ تو اکتایا ہوا تھا۔ یہ چیز اُس کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی۔ اگر کوئی کام اُس کی مرضی یا توقع

مطابق نہیں ہوتا تھا تو اُس کی اکتاہٹ ہمیشہ بڑھ جایا کرتی تھی۔

وہ سمجھتا تھا کہ فنچ اس وقت پکڑ لیا جائے گا مگر اُس کی توقعات کے مطابق وہ حقیر کیڑا نہ پکڑا اس کے علاوہ چلتے چلاتے اُس کے چیلنج نے تو اُسے ذہنی طور پر بالکل نڈھال کر دیا تھا۔ ایک ہ چار فٹ کا چرخ سا آدمی فریدی کو چیلنج کر کے نکل جائے۔ حمید کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ کم از بدی کو تو گولی مار دے جس نے اس وقت عالمگیر شہرت کو بٹہ لگایا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ حمید ہیرو پرستی کے معاملے میں عام ذہنی سطح سے بلند نہیں تھا۔ وہ یہ نہیں پسند کرتا تھا کہ اُس ی پسندیدہ ہیرو کی شخصیت میں کسی قسم کی جھول نظر آ سکے۔

وہ بے دلی کے ساتھ اِدھر اُدھر چلتا رہا۔ آخر فریدی ہی نے کہا۔ "تم بہت سست نظر آ رہے ہو؟"

"جی ہاں۔ اس وقت میں نے ایک انتہائی دلیر آدمی کی مٹی پلید ہوتے دیکھی ہے۔"

"اوڈفر.... کیا تم مجھے ٹارزن یا ہنٹر والی کا بیٹا سمجھتے ہو؟" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"آپ کیلئے یہ بڑی بات نہ ہو گی۔ لیکن میں.... میرا دل چاہ رہا ہے کہ خودکشی کر لوں۔"

"یہاں نہیں.... پہلے ہی سے پانچ لاشوں کے اٹھوانے کی فکر ہے۔" فریدی نے کہا اور اُس ٹارچ کی باریک سی شعاع اندھیرے میں اِدھر اُدھر رینگتی رہی۔

اچانک حمید نے ٹارچ اُس کے ہاتھ سے گرتے دیکھی اور دروازے کی طرف جھپٹا۔

"روشنی.... حمید....!" اُس نے دروازے کے باہر چھلانگ لگاتے ہوئے کہا۔

حمید ٹارچ اٹھانے کے لئے جھکا ہی تھا کہ منہ کے بل نیچے چلا گیا۔ کسی نے اُس کی ٹانگوں میں پھنسا کر دھکا دیا تھا۔

"میں نے دیکھ لیا ہے فنچ ہے۔" فریدی نے کمرے کے باہر سے کہا۔ "تم کمرے سے نکل سکتے۔"

حمید بڑی پھرتی سے اٹھا۔ فنچ اُسی کمرے میں موجود تھا لیکن وہ ایک دیوار سے جا لگا۔ کیونکہ کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ ٹارچ بھی اُس کے ہاتھ نہیں آ سکی تھی۔ اُس نے اپنی ٹارچ کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا لیکن وہاں نہ ٹارچ تھی اور نہ ریوالور۔ شاید اُسی وقت دونوں اُس کی جیب سے گر گئے تھے جب وہ گرا تھا۔

"فنچ خود کو میرے حوالے کر دو۔" فریدی نے باہر سے کہا۔

"تم دروازے کے پاس سے ہٹ جاؤ دوست۔" حمید نے فنچ کی آواز سنی۔ "ورنہ تمہیں اپنے کی لاش بھی یہاں سے اٹھوانی پڑے گی تم لوگوں سے میرا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔"

حمید آہستہ آہستہ آواز کی طرف رینگنے لگا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُس نے فریدی کی آواز سنی۔ ایسا معلوم ہوا جیسے وہ گرتے گرتے سنبھل گیا ہو۔

"فنچ میں گولی مار دوں گا.... ٹھہرو۔"

پھر دوڑنے کی آواز آئی اور حمید بڑی تیزی سے باہر نکلا۔ عمارت کا عقبی دروازہ جو صحن کی ایک دیوار میں تھا کھلا ہوا ملا۔ حمید نے فریدی کو آوازیں دیں لیکن جواب ندارد۔ آخر وہ دروازے کے پاس ہی رک گیا۔ وہ یہ فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے کہ فریدی اُسی دروازے سے اندر داخل ہوا۔ یہاں بھی اندھیرا تھا لیکن تاروں کی چھاؤں میں وہ کم از کم فریدی کو تو پہچان ہی سکتا تھا۔

"دیکھو.... برآمدے میں سوئچ بورڈ ہے.... روشنی کردو.... وہ کم بخت میری ٹانگوں کے نیچے سے نکل گیا۔"

حمید نے جلد ہی سوئچ بورڈ تلاش کر لیا اور صحن میں روشنی پھیل گئی۔ اُس نے فریدی کو جھک کر کچھ اٹھاتے دیکھا۔ وہ بھی اُسکے قریب پہنچ گیا۔ یہ نیلے رنگ کے چمڑے کا ایک چھوٹا سا بیگ تھا۔

"وہ یہی لے جا رہا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن دیوار پر چڑھتے وقت یہ اُس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ خدا کی قسم وہ بڑا پھرتیلا ہے۔ بندروں سے بھی تیز۔ پہلے اُس نے میرے ہاتھ پر پتھر مار کر ٹارچ گرا دی تھی اور پھر اُسی کمرے سے یہ بیگ لے بھاگا۔ کیوں؟ اس بار تو موقع ہی موقع تھا لیکن تم نے اُسے پکڑا کیوں نہیں؟

حمید کچھ نہ بولا۔ اور فریدی نے ہنس کر کہا۔ "کیا پہلے بھی کبھی کوئی ایسا مجرم نظروں سے گذرا ہے۔ بخدا مجھے تو بعض اوقات اس کی ان حرکتوں پر پیار آتا ہے.... کتنا بے جگر ہے۔"

ننھا فتنہ

بیگم ارشاد نے کھڑکیوں کے پردے کھینچ دیئے اور شب خوابی کا لباس پہن کر مسہری کیطرف بڑھی لیکن پھر اُسے رک جانا پڑا کیونکہ ایک گوشے میں رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔

"ہیلو....!" اُس نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔

"کون ہے؟" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"بیگم ارشاد....!"

"اچھا.... انور بول رہا ہوں بیگم ارشاد۔"

"کیا بات ہے؟" بیگم ارشاد نے غیر متوقع طور پر نرم لہجے میں پوچھا۔

"میں وہ دو ہزار روپے واپس کرنا چاہتا ہوں جو شاہینہ نے مجھے دیئے تھے۔"

"مجھے روپوں سے کوئی سروکار نہیں۔"

"ظاہر ہے کہ جب میں شاہینہ کے لئے کام نہیں کر رہا ہوں....!"

"کیوں نہیں کر رہے ہو؟" بیگم ارشاد نے بات کاٹ دی۔

"نہیں! میں نہیں چاہتا کہ اُن پر پاگل پن کے دورے پڑتے رہیں۔"

"تمہارا جو دل چاہے کرتے رہو۔ لیکن کوٹھی کیطرف رخ نہ کرنا اور شاہینہ سے بھی مت ملو۔"

"پھر میں کیا کر سکوں گا بیگم ارشاد۔ مجھے واقعات کا بھی تو علم نہیں ہے۔"

"میں تمہیں دس ہزار کا آفر دیتی ہوں۔ ایک آدمی کو تلاش کرنا ہے۔"

"میں تیار ہوں۔"

"مگر پولیس کو اس کا علم نہ ہونے پائے۔"

"کس بات کا علم؟"

"یہی کہ تم اُس آدمی کی تلاش میں ہو۔"

"ہو سکتا ہے بشرطیکہ اُس دس ہزار میں اُس کا قتل بھی شامل نہ ہو۔"

"نہیں یہ کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے جس کے لئے قتل ضروری ہو۔"

"اُس کی تلاش کیوں ضروری ہے؟"

"دس ہزار روپے کا آفر اس لئے نہیں ہے کہ تمہیں غرض و غایت بھی بتائی جائے۔"

"اچھی بات ہے۔ میں غرض و غایت سے کوئی سروکار نہیں رکھوں گا۔ آپ اُس آدمی کے نام و نشان سے تو مطلع کیجئے۔"

"نام.... مجھے یاد نہیں لیکن اُس کے داہنے ہاتھ پر روپے کے برابر ایک گہرا سرخ نشان ہے۔ تم اُسے ارجن پورہ یا شہر کی دوسری بستیوں میں تلاش کر سکتے ہو۔"

"بس اتنا ہی.... یا اور کچھ؟"

"اُس کے متعلق بس اتنا ہی مجھے معلوم ہے۔"

"تب تو دس ہزار بہت کم ہیں۔ بیگم ارشاد مجھے کم از کم تیرہ لاکھ آدمیوں کی آستینیں الٹنی

پڑیں گے۔ دو آنے فی کس تو دیجئے تاکہ میں بھی انکم ٹیکس ادا کرنے کے قابل ہو سکوں۔"

"کیا تم میرا مذاق اڑا رہے ہو؟" بیگم ارشاد بگڑ گئی۔

"نہیں بیگم صاحبہ۔ یہ بہت مشکل کام ہے۔ آپ بھی تو اتنی راتوں سے بھٹکتی پھر رہی ہیں پھر کیا اُس کا سراغ مل سکا؟"

"ٹھیک کہہ رہے ہو۔ یہ مشکل کام ہے لیکن میں دس ہزار سے زیادہ کے آفر کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔"

"میں آپ کا یہ کام مفت بھی کر سکتا ہوں مگر ٹھہریئے کیوں نہ میں اُس بلیک میلر ہی کی گردن لوں۔"

"بلیک میلر....!" بیگم ارشاد نے حیرت سے دہرایا۔ "کیا تم اُسے جانتے ہو؟"

"نہیں.... لیکن اگر کوشش کروں تو یہ میرے لئے کوئی مشکل بات نہ ہو گی۔"

"تم نے کرنل فریدی سے بھی ان باتوں کا تذکرہ کیا تھا؟"

"نہیں.... لیکن آپ کے خلاف ایک رپورٹ ضرور لکھوائی تھی۔"

"کرنل فریدی اُس کے لئے یہاں پوچھ گچھ کرنے آیا تھا۔ کیا تم نے یہ بھی لکھوایا تھا کہ کوئی مجھے بلیک میل کر رہا ہے؟"

"ہرگز نہیں۔ یہ تو میرا کیس تھا۔ اس کا تذکرہ میں کیسے کر سکتا تھا۔ شاہینہ نے اُسی بلیک میلر کا پتہ لگانے کے لئے مجھے دو ہزار دیئے تھے۔ رپورٹ تو میں نے اس لئے لکھوائی تھی کہ آپ میرے خلاف کوئی قانونی کاروائی نہ کر سکیں۔"

"خیر اس پر خاک ڈالو.... اب میں تم سے کہتی ہوں کہ اگر اُس بلیک میلر کا پتہ لگا سکو تو اس کے لئے تیس ہزار کا آفر ہے۔"

"آپ اُسے نہیں جانتیں؟"

"نہیں اب تک میں نے صرف اُس کی آواز سنی ہے۔"

"اور وہ لہجے سے کوئی غیر ملکی معلوم ہوتا ہے۔"

"اوہ.... اُس کے متعلق تم مجھ سے کم نہیں جانتے۔" بیگم ارشاد نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "لیکن انور.... تم اُس وقت تک کوٹھی میں قدم نہیں رکھو گے جب تک کہ وہ بلیک میلر تمہارے ہاتھ نہ آ جائے۔"

"وہ آپ سے کتنی رقم طلب کر رہا ہے؟"

"دو کروڑ....!"

"اسکی چوتھائی مجھے قارون بنا سکتی ہے۔ کاش میں بھی کسی معاملے میں آپکو بلیک میل کر سکتا۔"

"اُسی بلیک میلر سے مل جاؤ۔" بیگم ارشاد نے تلخ لہجے میں کہا۔

انور ہنسا اور پھر بولا۔ "لیکن دعوت والی رات آپ نے یقیناً اُسے دیکھا ہو گا؟"

"حالات سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ میں نے اُسے دیکھا ہو گا لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں اُسے نہیں دیکھ سکی۔ اُس کا ایک خط مجھے ملا تھا اور اُسی کے ساتھ وہ سوئی بھی تھی۔ مجھے مجبوراً وہی کرنا پڑا جو کچھ خط میں تحریر تھا۔ اگر ایسا نہ کرتی تو اور نہ جانے کس بے عزتی کا سامنا کرنا پڑتا۔ اُس وقت وہ تمہیں قتل کرنے کو بھی کہتا تو میں انکار نہ کر سکتی۔"

"شکریہ۔"

"تم خود کو میری جگہ رکھ کر سوچو۔"

"لیکن یہ آپ نہ بتائیں گی کہ وہ کس سلسلے میں آپ کو بلیک میل کر رہا ہے؟"

"نہیں" بیگم ارشاد نے سخت لہجے میں کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

یہ ایک بڑی عمارت تھی اور اس کے چاروں طرف مختلف پھلوں کے باغات تھے۔ عمارت قدیم طرز کا نمونہ تھی مگر پھر بھی شاندار۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس کا مکین مغربی ملک کا باشندہ ہو گا اور ڈاکٹر ڈریڈ کے متعلق بھی نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ پرانے طرز معاشرت کا دلدادہ ایک مشرقی آدمی نہیں ہے۔ اُس کے چہرے پر گھنی سیاہ ڈاڑھی تھی اور جسم پر لمبا لبادہ۔ کبھی کبھی وہ عقال اور ہندیل استعمال کرتا تھا اور اس بڑی عمارت کے زیر سایہ رہنے والے "چھوٹے" آدمی اُسے کوئی عرب سمجھتے تھے۔

اُس کے ساتھیوں کی وضع قطع بھی عربوں ہی کی سی تھی اور اس کی محبوبائیں پردے میں رہتی تھیں۔ یہ عمارت ایک جاگیردار سے کرائے پر حاصل کی گئی تھی۔

اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ ڈاکٹر کو یہ سب کچھ فنچ کی وجہ سے کرنا پڑا تھا۔ رہا پولیس کا معاملہ تو وہ دنیا بھر کی پولیس کو اپنا کھلونا سمجھتا تھا۔ حالانکہ فریدی کے ہاتھوں اُسے دو بار شکست ہو چکی تھی لیکن وہ اس سے اتنا زیادہ خائف نہیں تھا۔

وہ فنچ کو حقیر بھی سمجھتا تھا اور اُس سے خائف بھی تھا۔ اس وقت بھی اُسی کے متعلق خیالات

میں الجھا ہوا باغ میں ٹہل رہا تھا۔ اگر اُسے فنچ کی موجودہ جائے رہائش کا علم ہوتا تو اُسے فنا کرا دینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتا۔ اور وہ اس کی طرف سے بھی مطمئن نہیں تھا کہ فنچ کو اس کی موجودہ جائے قیام کا علم نہ ہوگا۔

"سام....!" اُس نے اُس شخص کو مخاطب کیا جو اُس کے پیچھے چل رہا تھا۔

"ہاں ڈاکٹر....!"

"آخر فنچ کا مسئلہ کس طرح طے کیا جائے؟"

"اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ ہم سب مل کر یا تو خود فنا ہو جائیں یا اُسے فنا کر دیں۔"

"اوہ.... اب اتنی اہمیت نہ دو اُس کیڑے کو۔ اُسکی مثال اُس کوے کی سی ہے جو کسی بھیڑیئے کے سامنے سے ہڈی اٹھا لے جائے۔ وہ بیگم ارشاد والا بزنس خراب کر دینے پر تل گیا ہے۔"

"لیکن ڈاکٹر یہ بھی تو سوچئے کہ ابھی تک وہ ہمارے بہت ہی خاص قسم کے پندرہ آدمیوں کو موت کے گھاٹ اُتار چکا ہے۔"

"ہاں.... آں.... مجھے اس کا بھی قلق ہے۔" ڈاکٹر ڈریڈ نے لاپروائی سے کہا اور ہونٹوں میں ایک سگریٹ دبا کر سلگانے لگا۔

"بیگم ارشاد کے لئے اب ایک ہی صورت رہ جاتی ہے۔" اُس نے ایک کش لے کر کہا۔ "اُس کی لڑکی کو پکڑ لیا جائے جسے وہ بے حد چاہتی ہے۔ ورنہ ایسی صورت میں جب کہ نیلا بیگ ہاتھ سے جاتا رہا ہم اُس کا کیا بگاڑ سکیں گے۔"

"یہ فنچ شاید سچ مچ کوئی خبیث روح ہے۔" سام نے کہا۔ "ورنہ نیلے بیگ کو اڑا لے جانا کسی آدمی کے بس کا روگ تو نہیں تھا۔"

"چھوڑو....!" ڈریڈ بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "وہ کریگ کی غفلت سے ہوا تھا۔"

"یہ بھی درست ہے۔"

وہ پھر خاموش ہو گئے۔ کچھ دیر بعد ڈریڈ نے کہا۔ "مگر نہیں یہ ٹھیک نہیں ہے۔"

"کیا....؟"

"یہی کہ اُس لڑکی کو اغواء کیا جائے۔ اس سے حالات پیچیدہ ہو جائیں گے۔ خیر دشواریوں اور پیچیدگیوں کی تو مجھے پرواہ نہیں ہے۔ مگر یہ فنچ....!"

ڈاکٹر ڈریڈ رک گیا۔ یہاں اس کنج میں وہ اکثر گھاس پر بیٹھا کرتا تھا۔ یہ جگہ چمبیلی کی جھاڑیوں

گھری ہوئی تھی اور یہاں ہر وقت اُنکے پھولوں کی بھینی بھینی مہک چکراتی رہتی تھی۔

ڈریڈ ایک درخت کے آدھے کٹے ہوئے تنے پر کہنیاں ٹیک کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کی پیشانی پر تفکر کی وجہ سے ہلکی ہلکی سلوٹیں ابھر آئی تھیں۔

سام دوسری طرف متوجہ تھا۔ دفعتاً ڈاکٹر اُس تنے سمیت زمین پر ڈھیر ہو گیا اور ٹھیک اُسی ایک فائر بھی ہوا۔ گولی ڈریڈ کے بائیں پہلو کے نیچے سے نکل گئی۔ وہ اچھل کر پیچھے ہٹ گیا تنا زمین پر لڑھکتا ہوا اُس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

ڈریڈ نے پیچھے ہٹتے ہوئے تنے پر دو تین فائر کئے لیکن ایک بھی گولی اُس پر نہ پڑ سکی۔ پتہ ڈریڈ کا نشانہ خطا کر رہا تھا یا اُس لڑھکتے ہوئے تنے کی حرکت کچھ اس انداز کی تھی کہ اُس پر ہاں نہ پڑ سکیں۔

"اوہ.... سام.... گدھے۔" ڈاکٹر ڈریڈ دانت پیس کر غرایا۔ "کھڑا کیا دیکھ رہا ہے۔ وہ اس کھلے تنے میں گھسا ہوا ہے۔"

دفعتاً فنچ اُس کے سامنے تھا۔ وہ اتنی ہی پھرتی سے اُس کھوکھلے تنے سے نکلا تھا جیسے کوئی چوہا اپنے سوراخ سے نکلے۔ اُس نے چھوٹتے ہی دو فائر ڈاکٹر ڈریڈ پر جھونک دیئے تھے۔ لیکن اُس کا نشانہ بھی غلط ہی رہا.... اور پھر دوسرا فائر ڈاکٹر ڈریڈ کو دوسری دنیا کی سیر کرا ہی دیتا لیکن اُسی وقت سام نے اُس پر چھلانگ لگائی اور اُس کا ہاتھ بہک گیا۔ کچھ بھی ہو وہ سام کی گرفت میں نہیں آیا۔ اُس کے نیچے سے نکلتے نکلتے اُس نے پھر ڈاکٹر ڈریڈ پر فائر کر دیا۔ ڈریڈ اپنا ریوالور خالی کر چکا تھا بڑی مشکل سے وہ اس بار بچ سکا۔ اگر وہ خود کو زمین پر گرا نہ دیتا تو جسم کے کسی نہ کسی حصے پر ضرور لگی ہوتی۔ فنچ سمجھا شاید اس بار وہ کامیاب ہو گیا ہے لہٰذا اُس نے سام کو ریوالور کی زد پر لیتے ہوئے کہا۔ "اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو۔"

سام نے بڑی مایوسی سے ڈاکٹر ڈریڈ کی طرف دیکھا جو زمین پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔

فنچ نے بائیں ہاتھ سے چاقو نکال کر اُس کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ "ڈریڈ کی ناک کاٹ کر دو۔ میں یہ ناک اُس ننھی سی قبر پر رکھوں گا جو آج بھی اس کے لئے بے چین ہو گی۔"

سام چاقو اٹھانے کے لئے جھکا۔ پھر کانپتا ہوا ڈریڈ کے پاس آیا اور ڈریڈ اب بھی اُسی طرح حرکت و حرکت پڑا ہوا تھا۔

شاید فنچ بھی ڈریڈ کی ناک کٹنے کا دل کشا منظر ہی دیکھنے کے لئے آگے بڑھ آیا تھا۔ لیکن اسے ہی لمحے میں اُسے اپنی اس از خود رفتگی پر پچھتانا پڑا۔ ڈریڈ لیٹے ہی لیٹے اُس پر جھپٹ پڑا تھا۔

ریوالور اُس کی گرفت سے نکل گیا اور وہ خود ڈریڈ کے نیچے دب کر رہ گیا۔

"سام چاقو....!" ڈریڈ دہاڑا۔ "میں اسے بکرے کی طرح ذبح کروں گا۔"

لیکن پھر خود ہی کسی بھینسے کی طرح ڈکرا کر دوسری طرف الٹ گیا اور فنچ.... وہ ہرنوں کی طرح چوکڑیاں بھرتا ہوا چہار دیواری کی طرف جا رہا تھا۔ سام اُس کے پیچھے دوڑا۔ لیکن وہ ابھی راستے ہی میں تھا کہ فنچ بندروں کی طرح دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف کود گیا۔

سام کو رک جانا پڑا۔ وہ جانتا تھا کہ اب فنچ کو پالینا مشکل ہی ہوگا کیونکہ چہار دیواری کے اُس طرف کروندوں کا جنگل تھا۔ یہ عمارت دراصل شہر سے دس میل دور ایک گاؤں میں واقع تھی۔

پھر وہ کنج میں واپس آیا۔ ڈاکٹر ڈریڈ گھاس پر بیٹھا ہوا تھا اور اُس کا چہرہ کچھ اس طرح اُترا ہوا سا نظر آ رہا تھا جیسے جسم کے کسی حصے میں ناقابل برداشت قسم کا درد ہو رہا ہو۔

"تم.... نمک حرام....!" وہ سام کی طرف انگلی اٹھا کر مضمحل آواز میں بولا۔ "میری ناک کاٹنے کا ارادہ رکھتے تھے۔"

"اوہ.... ڈاکٹر.... میں سمجھا تھا.... شاید.... آپ....!"

"مر گئے....!" ڈریڈ نے دہاڑنے کی کوشش کی لیکن پھر کراہ کر خاموش ہو گیا۔ اُس کی پلکیں جھکی جا رہی تھیں اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سانس لینے سے بھی جی چرا رہا ہو۔

"اب.... پھر....!" وہ ہاتھ اٹھاتا ہوا رک رک کر بولا۔ "یہاں سے بھی بھاگنے کی.... کوشش.... کرو.... جلدی.... مجھے.... اندر.... لے چلو۔"

وہ زمین پر چت لیٹ کر کراہنے لگا اور سام بوکھلا کر عمارت کی طرف بھاگا۔



بیگم ارشاد نے انور کو ہدایت تو کر دی تھی کہ وہ اُس کوٹھی سے دور ہی دور رہے لیکن انور کی دانست میں یہ ایک لغو بات تھی۔ کوٹھی سے دور رہ کر وہ اس بلیک میلر پر ہاتھ ڈال ہی نہیں سکتا تھا۔ لیکن وہ اس سلسلے میں احتیاط ضرور برت رہا تھا۔ اس بار اُس نے میک اپ بھی ایسا ہی کیا تھا جس کے بارے میں اُس کا خیال تھا کہ چالاک سے چالاک آدمی بھی اُسے نہیں پہچان سکے گا۔

اور وہ مستقل طور پر کوٹھی ہی میں رہ پڑا تھا۔ بات دراصل یہ تھی کہ بیگم ارشاد کو شکار کے گوشت کا شوق تھا اور انہیں دنوں اُس کے یہاں کا شکاری بیمار پڑ گیا تھا۔ اس طرح انور کو اس کی لاعلمی میں وہاں قدم جمانے کا موقع مل گیا۔

جیسے ہی دونوں ڈنکی ٹیل کمپاؤنڈ میں قدم رکھتے وہ ہوشیار ہو جاتا۔ اس دوران میں اُس نے محسوس کیا تھا کہ بوڑھا ڈنکی ٹیل بیگم ارشاد سے فلرٹ کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور نوجوان ڈنکی ٹیل شاہینہ سے۔

اس وقت بھی نوجوان ڈنکی ٹیل شاہینہ کے ساتھ لان پر ٹہل رہا تھا.... اور انور ایک ایسی جگہ چھپ گیا تھا جہاں سے دونوں کی گفتگو سن سکتا تھا۔

نوجوان ڈنکی ٹیل شاہینہ سے کہہ رہا تھا۔ "میرے ڈیڈی بالکل ڈفر ہیں۔ انہیں آج تک یہی نہیں معلوم ہو سکا کہ کسی عورت سے کس طرح گفتگو کرنی چاہئے۔"

"تم انہیں سکھاتے نہیں۔" شاہینہ مسکرائی۔

"ارے توبہ۔" وہ اپنا کان پکڑ کر بولا۔ "اُس وقت تک نہیں سکھا سکتا جب تک کہ وہ اپنی مونچھیں نہ صاف کر دیں۔ ایک مونچھ کے بال میری ناک میں گھس گئے تھے اور چھینکتے چھینکتے میرا بُرا حال ہو گیا.... ڈیڈی ازاے پرفکٹ ڈفر.... یو سی۔"

شاہینہ نے بُرا سا منہ بنایا مگر کچھ بولی نہیں۔

"ایک بار وہ اپنی ایک دوست کی بڑی بہن سے کہنے لگے۔" ڈنکی ٹیل نے کہا اور ہنسنے لگا۔ پھر بدقت تمام ہنسی پر قابو پانے کے بعد بولا۔ "انہیں اپنی اُس دوست سے کچھ کچھ محبت ہو چلی تھی لیکن آپ ایک دن.... اُس کی بڑی بہن....!"

"میں اُس کی بڑی بہن کے متعلق کچھ نہیں سننا چاہتی۔" شاہینہ جھلا گئی۔

"چلئے تو میں اسی کے متعلق بتاؤں گا۔ وہ بھی بڑا دلچسپ قصہ ہے۔"

شاہینہ کی جھلاہٹ اور بڑھی اور اُس نے چیختی ہوئی آواز میں کہا۔ "کیا میں نے آپ سے درخواست کی تھی کہ آپ میرے ساتھ ضرور ٹہلیں؟"

"اوہ.... آپ خفا ہوتی ہیں۔" وہ دردناک آواز میں بولا۔ "آپ کو کیا معلوم....!"

وہ اپنے سینے پر اس انداز میں ہاتھ رکھ کر خاموش ہو گیا جیسے خون کی قے ہونے والی ہو۔

"آپ ہوش میں ہیں یا نہیں....؟"

"کاش میں ہوش میں ہوتا۔ جب سے آپ کو دیکھا ہے دوپہر کا کھانا رات کو کھاتا ہوں اور رات کا کھانا دوسرے دن دوپہر کو۔ اکثر دن میں دو بار شیو کر ڈالتا ہوں لیکن جب ہوش آتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ میں ڈیڈی کا شیو کر رہا تھا اور ڈیڈی مسکرا کر میرا شکریہ ادا کرتے ہیں۔"

"ڈنکی ٹیل.... تم اپنی بکواس بند کرو۔ ورنہ مجھے کسی نوکر کو بلانا پڑے گا۔"

"یقیناً بلا ئیے.... بشرطیکہ وہ مجھ سے زیادہ اچھا ہو۔"

شاہینہ جو آپے سے باہر ہو رہی تھی ہاتھ چھوڑ بیٹھی.... چٹاخ کی آواز اتنی ہلکی بھی نہیں تھی کہ دور دور تک نہ پھیلتی۔ لیکن ڈنکی ٹیل نے نہ تو گال سہلایا اور نہ اس کے چہرے ہی سے یہ ظاہر ہوا کہ اُس نے ابھی ایک عدد زوردار تھپڑ ریسیور کیا ہے۔

"اُس نے کہا تھا۔" وہ آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر بولا۔ "اگر کوئی تمہارے ایک گال پر تھپڑ مارے تو تم دوسرا بھی پیش کر دو۔"

سچ مچ شاہینہ نے دوسرے گال پر بھی تھپڑ رسید کر دیا اور ڈنکی ٹیل نے جیب سے رومال نکالتے ہوئے کہا۔ "لائیے.... میں آپ کا ہاتھ صاف کر دوں۔ ہو سکتا ہے کہ میرے گال گندے رہے ہوں۔"

شاہینہ لاپروائی سے دوسری طرف مڑ گئی۔ وہ کافی تیز رفتاری سے عمارت کی طرف جا رہی تھی۔ انور نے ڈنکی ٹیل کے ہونٹوں پر ایک بڑی سفاک سی مسکراہٹ دیکھی۔

بھیانک رات

میری سنگلٹن کی ہیئت ہی بدل گئی تھی۔ نہ وہ اب سنگار کرتی اور نہ گھٹنوں تک کے اسکرٹ پہنتی بلکہ ایسے ہی لباس میں رہتی جس سے پورا جسم ڈھکا رہے۔ وہ ساڑھی زیادہ پسند کرتی تھی۔ اب اُس کے ہونٹوں پر نہ لپ اسٹک کی گہری تہہ نظر آتی اور نہ گالوں پر روژ کی سرخی لیکن وہ اس کے باوجود بھی دلکش نظر آتی تھی۔ پہلے کی میری اور اب کی میری میں زمین آسمان کا فرق ہو گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اب تک پاکیزگی ہی کی زندگی بسر کرتی رہی ہو۔

حمید کے لئے میری سنگلٹن کی یہ حیرت انگیز تبدیلی عجیب تھی۔ وہ اُس کی اس کایا پلٹ کو دیکھتا اور عش عش کرتا۔ اول تو وہ اپنا زیادہ تر وقت بائبل پڑھنے میں صرف کرتی تھی اور اگر کبھی حمید کو اُس سے گفتگو کرنے کا موقع بھی ملتا تو ولیوں اور پاکباز بزرگوں کے قصے چھڑ جاتے۔

آج حمید بڑی مشکل سے اُسے ڈھب پر لایا تھا اور وہ دل کھول کر ہنس رہی تھی۔ مگر کسی معصوم بچی کی طرح اس میں نہ بناوٹ تھی اور نہ ترغیب کی جھلکیاں۔ حمید کہہ رہا تھا۔ "میں آج بہت اُداس ہوں اور تم قہقہے لگا رہی ہو۔"

"کیوں تم اداس کیوں ہو؟"

"کیونکہ میں تمہاری طرح نیک نہیں بن سکتا۔"

"تم میں کون سی بُرائی ہے۔" میری سنگلٹن نے حیرت سے کہا۔ "نہ تم چور ہو، نہ ڈاکو، نہ شرابی.... نہ زانی۔"

"مگر میرا بکرا تو مجھے اچھا نہیں سمجھتا۔"

میری ہنسنے لگی اور پھر سنجیدگی سے بولی۔ "نہیں تم دونوں فرشتے ہو۔ اپنی زندگی میں مجھے پہلے دو آدمی ملے ہیں جنہوں نے میری مرضی کے خلاف مجھے استعمال نہیں کیا۔ ویسے بھی یہاں ہم نے عام طور پر محسوس کیا ہے کہ مشرق ابھی اخلاقی طور پر اتنا نہیں گرا جتنا مغرب گر چکا ہے۔"

"شکریہ....!" حمید بھی اس موضوع پر سنجیدہ ہو گیا کیونکہ یہ مشرق کے وقار کا سوال تھا۔

"میں سوچ رہا تھا کہ تم ہم جیسے فراڈ آدمیوں کے جال میں پھنسنے والی ہو۔" حمید نے پھر بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔

"کیوں....؟" میری چونک کر اُسے گھورنے لگی۔

"ارے یہ فراڈ نہیں تو اور کیا ہے کہ ہم نے تمہیں اس طرح پناہ دی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ تمہاری مدد سے ڈریڈ تک پہنچ سکیں۔"

"میری مدد سے؟" اُس نے حیرت سے کہا۔ چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔ "شاید آپ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ یہاں ڈریڈ کی تقریباً تین درجن پناہ گاہیں ہیں۔ مجھے صرف نو جگہوں کا علم ہے لیکن فریدی ایسی پچیس عمارتوں سے واقف ہیں جہاں ڈریڈ پناہ لے سکتا ہے۔ پھر میں ان کی کیا مدد کر سکوں گی۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ جگہوں سے واقف ہیں؟"

"انہوں نے خود ہی مجھے بتایا تھا۔"

حمید کے لئے یہ اطلاع بالکل نئی تھی۔ اُسے نہیں معلوم تھا کہ فریدی ڈریڈ کی مختلف پناہ گاہوں کا علم بھی رکھتا ہے۔ وہ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "تم اُس زرد پوش آدمی کے متعلق کیا جانتی ہو جس کی دیکھ بھال تمہارے سپرد تھی۔"

"بس اُس کی دیکھ بھال ہی کرتی تھی۔ اُس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ ویسے میرا خیال ہے کہ وہ کوئی صحیح الدماغ آدمی نہیں ہے۔"

"ڈریڈ کے ساتھیوں میں اُس کی کیا حیثیت ہے؟"

"میں یہ بھی نہ بتا سکوں گی۔ وہ پاگل ضرور ہے مگر عورتوں کے لئے ہر وقت اُس کی رال ٹپکتی رہتی ہے۔"

"ڈریڈ سے اُس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟"

"میں نہیں جانتی۔ ویسے اکثر میں نے دیکھا ہے کہ اُس نے ڈریڈ کے منہ پر بھی اُسے گالیاں دی ہیں اور وہ خلاف توقع سن سن کر ہنستا رہا ہے۔"

"تم نے کہا تھا کہ تمہیں فنچ سے ہمدردی ہے۔"

"بلاشبہ مجھے اُس سے ہمدردی ہے۔"

"کیا تم نہیں جانتیں کہ وہ کئی آدمیوں کا قاتل بھی ہے؟"

"ہوگا....!" میری نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی۔ "پہلے وہ قاتل نہیں تھا۔ پہلے وہ ایک ایمان دار آدمی کی طرح محنت سے اپنی روزی کماتا تھا۔ پھر ڈریڈ سے بدلہ لینے کی دھن میں غلط راستوں پر نکل گیا اور اب وہ ڈریڈ ہی کی طرح ایک بُرا آدمی ہے۔ وہ بے دریغ دوسروں کے مال پر ہاتھ ڈال دیتا ہے۔ بے دریغ لوگوں کو قتل کرتا ہے مگر اُسے نہ بھولو کہ پہلے وہ ایک بے ضرر اور ایمان دار آدمی تھا۔ اُسے اُس راہ پر ڈالنے والا ڈریڈ ہی ہے۔ لہٰذا ڈریڈ کے مقابلے میں مجھے اس سے ہمدردی ہی ہونی چاہئے کیا تم اس کے لئے ہمدردی نہیں محسوس کرتے؟"

"ہرگز نہیں۔ ہمارا کام تو مجرموں کو قانون کے حوالے کرنا ہے۔ خواہ اُن کے مجرم بن جانے کی وجہ کچھ ہو۔"

کچھ دیر خاموش رہی پھر حمید بولا۔ "کیا ڈاکٹر ڈریڈ یہاں کی کسی مال دار عورت کو بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہا ہے؟"

"ہاں.... لیکن میں نہیں جانتی کہ وہ عورت کون ہے۔ البتہ یہ جانتی ہوں کہ اُس عورت سے اُس کا مطالبہ دو کروڑ کا ہے۔"

"میں رمبانا چنا چاہتا ہوں۔!" حمید اس گفتگو سے اکتا کر بولا۔

"مجھے افسوس ہے کیپٹن! میں عہد کر چکی ہوں کہ بقیہ زندگی کنواریوں کیطرح بسر کروں گی۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ چار نوکر لکڑی کا ایک بہت بڑا صندوق اٹھائے اندر داخل ہوئے اور اُسے اسٹور روم کی طرف لے جانے لگے۔ دفعتاً وہ صندوق ایک ستون سے ٹکرایا اور تھوڑی سی جگہ کا پلاسٹر اکھڑ گیا۔

"اوہ اندھو....!" حمید دہاڑا۔ "دیکھتے نہیں۔ کہیں یہ اُدھڑا ہوا پلاسٹر تمہاری کھالیں اُدھڑنے

سبب نہ بن جائے مگر یہ صندوق کیسا ہے؟"

"صاحب نے بھجوایا ہے۔" ایک نوکر نے جواب دیا۔

حمید پھر میری کیطرف متوجہ ہو گیا۔ "تم دیکھ رہی ہو۔ ستون کا تھوڑا سا پلاسٹر اُتر گیا ہے۔ ل صاحب ابھی تشریف لا رہے ہوں گے۔ سب سے پہلے اسی ستون پر نظر پڑیگی۔ ایک ایک ے پر نظر رہتی ہے اُس شخص کی۔ بھلا ایسے شخص کے ساتھ کون شادی کرنا پسند کرے گی؟"

"اتنا ہوش مند ہونا تو بڑی اچھی بات ہے۔"

"ہاں تم کہہ سکتی ہو کیونکہ تم بقیہ زندگی کنواریوں کی طرح بسر کرو گی۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ کچھ دیر بعد وہ پھر بائبل کے ورق الٹ رہی تھی اور حمید بُرا سا منہ بنائے اپنے پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔

ٹھیک چھ بجے فریدی وہاں آیا۔ وہ سیدھا اُسی طرف چلا آیا تھا۔ لیکن اُس نے آتے ہی وہی کیا کی پیشین گوئی حمید کچھ دیر پہلے کر چکا تھا۔ وہ ستون کے ادھڑے ہوئے پلاسٹر کو دیکھتا رہا پھر بولا۔

"یہ پلاسٹر کیسے اُدھڑ گیا....؟"

"صندوق سے پوچھئے۔" حمید نے لاپروائی سے جواب دیا۔ "لیکن صندوق یہی جواب دے گا نوکر جائیں۔ نوکروں سے ہرگز کچھ نہ پوچھئے گا ورنہ وہ سوچیں گے اتنا بڑا آدمی ہو کر اتنی سی ت کے لئے جواب طلب کرتا ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ تم کسی صندوق کا تذکرہ کر رہے ہو؟"

"وہی جو آپ نے بھجوایا تھا۔ اب یہی جملہ لاطینی میں دہراؤں؟"

"میں نے کوئی صندوق نہیں بھجوایا تھا۔"

"کیا....؟" حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ پھر بولا۔ "وہ اسٹور روم میں موجود ہے۔"

فریدی اُسی حصے کی طرف جھپٹا جہاں اسٹور روم تھا۔ حمید بھی تقریباً دوڑتا ہوا اُس کے ساتھ چل رہا تھا۔

فریدی اسٹور روم میں گھس پڑا اور حمید نے ایک صندوق کی طرف اشارہ کیا۔

یہ لکڑی کا بنا ہوا تھا اور اُس کی اونچائی تقریباً ڈھائی فٹ تھی اور لمبائی چار فٹ، چوڑائی بھی ٹ کے لگ بھگ رہی ہو گی۔

فریدی نے اُس کا ڈھکن اٹھا دیا لیکن صندوق خالی تھا۔

"اوہو....!" حمید کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہ شاید اتنا وزنی تھا کہ اسے چار آدمی اٹھا کر

اندر لائے تھے۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "سارے دروازے بند کرادو۔ نصیر سے کہو کہ وہ تین آدمیوں کو رائفلوں سمیت عقبی پارک میں لے جائے اور ادھر توکتے چھوٹے ہی ہوئے ہیں۔"

"یعنی کوئی آدمی اس صندوق میں یہاں آیا ہے۔"

"جلدی کرو۔"

لیکن پھر فوراً ہی کسی خیال کے تحت اُس نے ہاتھ اٹھا کر اُسے رکنے کا اشارہ کیا۔ اُس کی نظر ایک گوشے کی طرف تھی جہاں لکڑی کے پرانے صندوقوں کے ڈھیر تھے۔ اُس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر حمید کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور خود آہستہ آہستہ اُس گوشے کی طرف بڑھا اور پھر اچانک حمید نے صندوق ایک دوسرے پر گرتے دیکھے۔ فریدی نے کسی کی ٹانگ پکڑ رکھی تھی۔ حمید بوکھلا کر آگے بڑھا۔

فریدی نے جھٹکا مارا لیکن اُس آدمی نے کسی سانپ کی طرح زمین پکڑ لی تھی اور پھر جب وہ پلٹا تو کسی ایسے سانپ ہی کی طرح پلٹا جس کی دم پکڑنے کی کوشش کی گئی ہو۔

حمید کے حلق سے ایک تحیر آمیز سی چیخ نکلی.... یہ فنچ تھا.... اور فریدی کے بازوؤں میں لٹکا ہوا کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح اُس کی گردن اُس کے ہاتھوں میں آجائے۔

"پٹخ دیجئے.... سالے کی ہڈیاں چور ہو جائیں۔" حمید دہاڑا لیکن فریدی اس مشورے پر عمل نہ کر سکا۔ پتہ نہیں فنچ نے اُسے اس کا موقع نہیں دیا تھا یا خود اُس نے ہی ایسا کرنا مناسب نہیں سمجھ تھا۔ فنچ تھوڑی دیر تک تو جدوجہد کرتا رہا مگر پھر اُس نے ہاتھ پیر ڈال دیئے۔

دوسرے ہی لمحے میں فریدی داہنے ہاتھ سے اُس کی گردن پکڑے کسی مردہ چھپکلی کی طرح لٹکائے ہوئے تھا.... اور اسی طرح وہ برآمدے تک چلا آیا۔ فنچ کی آنکھیں بند تھیں اور اُس کی سانسیں بھی رک گئی تھیں۔

جیسے ہی میری سنگلٹن کی نظر اُس پر پڑی وہ چیخ مار کر کھڑی ہو گئی۔ "یہ.... یہ.... فنچ....!"

"ہاں.... میں اسے اچھی طرح پہچانتا ہوں۔" فریدی مسکرایا۔

"یہ.... یہ شاید.... مر گیا۔" میری قریب آکر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے دیکھتی ہوئی بولی۔

"ہاں.... شاید....!" فریدی نے اُس کو اُسی طرح لٹکائے ہوئے نیچے سے اوپر تک دیکھ کر کہا۔ پھر حمید سے بولا۔ "یہ اُسی نیلے بیگ کے چکر میں آیا تھا۔"

"میں اس کے لئے رنجیدہ ہوں۔" میری نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اس کی وہ خواہش پوری نہ ہو سکی جس کے لئے اس نے اس زندگی میں قدم رکھا تھا۔"

"مجھے بھی افسوس ہے۔" فریدی اُسے فرش پر ڈالتا ہوا بولا۔

فنچ کی لاش حمید کو عجیب سی لگ رہی تھی اور اُس کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ اُسے وہی فنچ تسلیم کرلے جس نے ایک رات اُن دونوں کو چیلنج کیا تھا۔ وہ تو اُسے بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے کسی فٹ پاتھ پر کوئی مفلوج فقیر سردی سے اکڑ کر مر گیا ہو۔

"اس کے کارنامے مجھے ہمیشہ یاد رہیں گے۔" فریدی میری سے کہہ رہا تھا۔ "آج تک ایسا دلیر اور بے باک مجرم میری نظروں سے نہیں گذرا۔ مگر اس کی اس جہالت پر اسکے کارنامے ایسے ہی معلوم ہوتے ہیں جیسے کوئی ننھا سا بچہ مصنوعی مونچھیں لگا کر بوڑھا بننے کی کوشش کرے۔"

پھر نہ جانے کیوں حمید بھی اُس کے لئے رنجیدہ ہو گیا۔ نوکر صحن میں کھڑے پلکیں جھپکا رہے تھے اور پورے گھر پر کچھ ماتمی سی فضا طاری ہو گئی تھی۔

لیکن یک بیک سب کی آنکھوں میں بجلی کوند گئی۔ کیونکہ فنچ اچانک اچھل کر راہداری کے دروازے کے قریب جا گرا تھا۔ پھر اُس نے راہداری میں چھلانگ لگائی۔

"لینا....!" حمید دہاڑ کر خود بھی جھپٹا۔ فریدی بھی دوڑ پڑا تھا۔

پھر جیسے ہی فنچ پورچ سے نکل کر عقبی پارک کی طرف بھاگا آٹھ دس خونخوار قسم کے کتے اُس پر جھپٹ پڑے لیکن فنچ کی تیز رفتاری کی داد دینی پڑیگی کیونکہ وہ انہیں کافی پیچھے چھوڑ گیا تھا۔

مگر.... پھر وہ کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر گرا اور کتوں نے اُسے جالیا۔ فریدی وغیرہ دور کھڑے تماشہ دیکھتے رہے۔ لیکن حمید نے محسوس کیا کہ فریدی کچھ مضطرب سا نظر آنے لگا ہے۔ ویسے بھی جب فنچ اسطرح دھوکا دے کر نکل بھاگا تھا تو اُس نے بڑے بے اختیار انداز میں قہقہہ لگایا تھا۔

اور یک بیک پھر اُس نے فریدی کو ہنستے دیکھا کیونکہ دوسری طرف فنچ نے کتوں سے باقاعدہ جنگ شروع کر دی تھی۔ اُس کے ایک ہاتھ میں بڑا سا چاقو تھا اور دوسرے ہاتھ میں کوٹ جو اُس نے حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ اپنے جسم سے اتارا تھا۔

اب تک کئی کتے بُری طرح زخمی ہو چکے تھے۔

"اگر.... یہ بچ کر نکل جائے تو مجھے ان قیمتی کتوں کے مرنے کا ذرہ برابر بھی افسوس نہ ہوگا۔" فریدی نے مضطربانہ انداز میں کہا اور پھر حمید کی طرف مڑا جو ریوالور نکال چکا تھا۔

"خبردار....!" وہ اُس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ "تمہیں اسے اس طرح ہلاک کرتے ہوئے شرم نہیں آئے گی۔"

"آپ ان کتوں کو آواز دے کر ہٹاتے کیوں نہیں؟" میری نے روہانسی آواز سے کہا۔

"یہ اس وقت میری نہیں سنیں گے کیونکہ قریب قریب سبھی زخمی ہو چکے ہیں۔"

"میں اسے بچاؤں گی۔" میری مجنونانہ انداز میں آگے بڑھی لیکن فریدی نے اُس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ "پاگل نہ بنو تمہاری بوٹیاں بھی ہمیں نہ ملیں گی۔"

"مجھے چھوڑ دو.... مجھے چھوڑ دو۔" وہ پاگلوں کی طرح چیختی رہی۔ شاید سچ مچ اُس کا دماغ الٹ گیا تھا۔ وہ بالکل ہسٹیرائی قسم کا کوئی دورہ معلوم ہو رہا تھا۔ وہ چیختی رہی۔ "فنچ.... فنچ.... میرے بچے.... میرے بیٹے.... میں آ رہی ہوں۔ میرے بیٹے.... میرے بیٹے۔"

اور پھر وہ بے ہوش ہو کر بازو پر جھول گئی۔

دوسری طرف فنچ اُسی جوش و خروش کے ساتھ کتوں سے لڑ رہا تھا۔ تین کتے بالکل ہی بیکار ہو کر چیختے ہوئے زمین پر گھسٹ رہے تھے۔ فریدی نے بے ہوش لڑکی کو وہیں گھاس پر ڈال دیا۔ وہ اُس لڑائی میں اس طرح محو ہو گیا تھا جیسے کوئی بچہ کسی بازی گر کے کمالات دیکھ رہا ہو۔

صرف فریدی ہی کی یہ کیفیت نہیں تھی بلکہ جتنے بھی وہاں کھڑے تھے سب کا یہی حال تھا۔

اب کتے سست پڑنے لگے تھے۔ دفعتاً ایک بار فنچ نے ایک لمبی دوڑ لگائی اور کتوں کو جھکائی دے کر ایک درخت پر چڑھ گیا۔

"میرے خدا....!" فریدی نے ایک طویل سانس لی۔ "بلیوں اور بندروں سے بھی زیادہ پھرتیلا۔"

اور پھر انہوں نے دیکھا کہ فنچ بندروں کی طرح ایک درخت سے دوسرے درخت پر چھلانگ لگاتا ہوا چہار دیواری کی طرف نکلا جا رہا ہے۔ نیچے کتے اُس کے کوٹ کی دھجیاں اڑا رہے تھے اور تین کتے اُن درختوں کے نیچے اچھلتے پھر رہے تھے جن پر فنچ چھلانگ لگاتا تھا۔

ذرا ہی سی دیر میں فنچ دیوار پر نظر آیا اور اُس نے سیدھے کھڑے ہو کر اس طرح اپنا ہاتھ ہلایا جیسے "ٹاٹا" کہہ رہا ہو.... پھر وہ دوسری طرف کود گیا۔

فریدی کی محویت ختم ہو گئی اور اُس نے ہنس کر کہا۔ "تم نے دیکھا؟"

اور پھر وہ اُن کتوں کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "میری کو اندر لے جاؤ۔ ڈاکٹر کو فون کرو۔"

❁

رات تاریک تھی۔ انور ارشاد منزل کے نوکروں کے کوارٹروں کے قریب ٹہل رہا تھا۔ ڈنکی

ں کی نگرانی کرتے ہوئے اُسے چوتھا دن تھا۔ وہ روزانہ بلاناغہ یہاں آتے تھے لیکن اُن کی آمد کا ی مقرر نہیں تھا۔ وہ کسی وقت بھی آ سکتے تھے لیکن انور نے کبھی یہ نہیں دیکھا کہ بیگم ارشاد نے ے بغیر انہیں واپس کر دیا ہو۔ البتہ شاہینہ اُن سے کتراتی تھی۔ اُنہیں دیکھتے ہی اُس کے ہونٹ ن سے سکڑ جاتے۔

ایک بار انور نے فون پر بیگم ارشاد سے ڈنکی ٹیلس کے متعلق پوچھا۔

اُس نے جواب دیا۔ "میں نہیں سمجھ سکتی کہ وہ دونوں کس قسم کے آدمی ہیں۔ ویسے سوال یہ ہے کہ آخر یہ روزانہ کیوں آتے ہیں جب کہ بزنس کی بات بھی طے ہو چکی ہے۔ پہلے تو بہت ری میں تھے۔ انہیں عجلت میں انگلینڈ واپس جانا تھا۔ اسی لئے انہوں نے تجارتی معاہدوں کی یل میں جلدی کی تھی۔ مگر اب ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہیں رہ پڑنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔"

"ان کا قیام کہاں ہے؟"

"نیاگرا ہوٹل میں....!"

"ٹھیک....!" انور نے کہا تھا۔ "میں نے انہیں وہاں چیک کرنے کی کوشش کی ہے کئی .... لیکن وہ وہاں نہیں ملے۔ یہ معلوم ہوا کہ انہوں نے کمرے ضرور لے رکھے ہیں مگر شاذو ی وہاں جاتے ہیں۔ وہاں رات تو انہوں نے ایک بار بھی نہیں بسر کی۔"

"انور....!" بیگم ارشاد نے بڑے جوش سے کہا تھا۔ "تم سچ مچ کام کر رہے ہو مگر اُس بلیک ر کے ساتھ ہی ساتھ وہ آدمی بھی ضروری ہے جس کے بازو پر سرخ نشان ہے۔ چالیس ہزار ارے ہیں اور تم یہ سمجھو کہ وہ تمہارے ہی پاس ہیں۔ اخراجات کی رقم الگ۔ اُس سے کوئی ل نہیں۔"

"کہاں دو کروڑ.... کہاں صرف چالیس ہزار....!"

"وہ مجھ سے دو پیسے بھی نہیں لے سکتا۔ خواہ میں فنا ہو جاؤں۔"

اس کے بعد گفتگو ختم ہو گئی تھی اور انور ابھی تک اُن لوگوں کے متعلق اس سے زیادہ اور کچھ ں معلوم کر سکا تھا جو کچھ بیگم ارشاد کو بتایا تھا لیکن اُس کی تگ و دو جاری ہی رہی۔

آج شام ہی اُسے شبہہ تھا کہ آج یہاں کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔ کیونکہ اُس نے کئی خاص ٹمانٹ کی تھیں۔ نوکروں کے کوارٹروں کے پیچھے اُسے جھاڑیوں میں ربر کا ایک لمبا سا پائپ ہوا ملا۔ پہلے تو وہ سمجھا کہ وہ عرصہ سے وہیں پڑا رہا ہوگا۔ لیکن جب غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ ا نیا تھا اور کم از کم ابھی تک دھوپ یا پانی سے محفوظ رہا ہے۔ دوسری طرف اس عمارت کی

پشت پر ایک جگہ جھاڑیوں میں اُسے کچھ ایسے اوزار پڑے ملے جن کی مدد سے دروازے اور قفل بہ آسانی کھولے جاسکتے تھے۔ انور نے انہیں بھی جوں کا توں پڑا رہنے دیا۔ لیکن اب وہ سوچ رہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ کیا کرنل فریدی کو اس کی اطلاع دے۔ لیکن پھر اُس نے سوچا کہ ایسی صورت میں وہ اُن چالیس ہزار سے محروم ہو جائے گا جو کچھ ہی دنوں کے لئے سہی اُس کی زندگی شاندار ضرور بنا دیتے۔ مگر وہ تنہا کہیں کھیل ہی نہ بگاڑ دے۔

وہ کافی دیر تک اسی ادھیڑ پن میں رہا اور پھر اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس کی اطلاع کرنل فریدی کو نہیں دے گا۔ وہ پہلے بھی کئی معرکے تنہا ہی سر کر چکا تھا۔ اُسے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں تھی۔ اُس کا خیال تھا کہ حالات صرف دو ہی قسم کے ہو سکتے ہیں۔ یا کام بن جائے گا یا بگڑ جائے گا بن جانے کی صورت میں اُس کے چالیس ہزار کھرے ہو جائیں گے اور اگر کام بگڑ گیا تب بھی اُس کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ بیگم ارشاد اُسے مظلوم نہیں معلوم ہوتی تھی۔ آخر وہ اُس آدمی کے وجود کو پولیس سے کیوں چھپانا چاہتی ہے جس کی تلاش میں ہے۔ وہ آدمی اُس کے لئے یقیناً بڑی اہمیت رکھتا ہے ورنہ وہ اُس کے لئے چالیس ہزار کیوں خرچ کرتی اور وہ اُسے قانون کی نظروں میں بھی نہیں لانا چاہتی۔ انداز سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس بلیک میلر سے بھی زیادہ پولیس سے خائف ہے۔ پھر ایسی صورت میں اگر وہ گڑھے میں جا گرتی ہے تو اُسے اُس سے ہمدردی کیوں ہو۔ وہ اپنی کسی غیر قانونی حرکت کی سزا ضرور بھگتے گی۔

بہر حال یہ انور کا فیصلہ تھا کہ وہ کسی کو بھی ان حالات کی اطلاع نہیں دے گا۔ رات ہوتے ہی وہ بہت زیادہ محتاط ہو گیا۔ اُس کا قیام بھی نوکروں کے کوارٹروں ہی میں سے ایک میں تھا۔ تقریباً گیارہ بجے جب سب ملازمین اپنے کوارٹروں میں پہنچ گئے تو انور آہستہ سے رینگتا ہوا اپنے کوارٹر سے باہر نکل آیا۔ یہاں گہرا اندھیرا تھا۔ کمپاؤنڈ کا یہ حصہ عموماً تاریک ہی رہا کرتا تھا۔ وہ کوارٹروں کے عقب میں آیا۔ زمین پر پڑے ہی پڑے ربر کے اُس پائپ کو ٹٹولنے لگا جسے سر شام ہی وہاں دیکھ چکا تھا لیکن اب اُس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ وہ ایک لمحے کے لئے رکا اور پھر اُسی طرح آگے بڑھنے لگا لیکن کچھ دور چلنے کے باوجود اُس پائپ کا سراغ نہ ملا اور انور نے مزید آگے بڑھنے کا خیال ترک کر دیا۔ وہ اس اندھیرے میں زہریلے کیڑوں کا شکار بھی ہو سکتا تھا۔

لیکن وہ مڑ ہی رہا تھا کہ اُسے عجیب قسم کی بو محسوس ہوئی۔ کچھ میٹھی میٹھی سی دماغ پر اگند کر دینے والی بو۔ وہ اپنی ناک دبا کر بڑی تیزی سے مڑا اور اُس وقت تک نہیں رکا جب تک کہ اُس کا دم نہیں گھٹنے لگا۔ اب اُس پائپ کا مقصد اچھی طرح واضح ہو گیا تھا۔ اُس پائپ کے ذریعہ کوارٹروں

میں سینتھلک گیس پہنچائی جا رہی تھی تاکہ ملازمین بے ہوش ہو جائیں.... تو یقیناً یہ رات ہنگامہ خانہ ہونے والی تھی۔

انور کوارٹروں سے بہت دور نکل آیا تھا۔ اُس نے مالتی کی جھاڑیوں کے قریب سیدھے کھڑے ہو کر دو تین گہرے گہرے سانس لئے۔ یہاں کی فضا میں گیس کا اثر نہیں معلوم ہوتا تھا۔ پھر وہ بڑی تیزی سے اصل عمارت کی پشت پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن یہاں بھی وہ دیر سے پہنچا۔ وہ پُراسرار لوگ اپنا کام کر چکے تھے۔ اُسے عقبی دروازہ کھلا ہوا ملا۔ انور پھر رک گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اندر جائے یا نہ جائے۔ کیا اُسے اندر داخل ہونے کیلئے کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔ وہ چند لمحے سوچتا رہا پھر سر ہلا کر اُسی دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ یہ ایک طویل راہداری تھی اور بالکل تاریک۔ شاید انور اُس رات بھی اس راہداری میں نکل آیا تھا۔ جب نوجوان کرنیل ٹیل نے اُس سے سانپ والا مذاق کیا تھا۔ انور بے آواز چلتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ پھر ایک جگہ اسے رکنا پڑا۔ کیونکہ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر کی روشنی راہداری میں بھی پھیل گئی تھی۔ انور نے آہٹ لی اور جلد ہی اُسے معلوم ہو گیا کہ کمرے کے اندر کوئی نہیں ہے۔ پھر وہ دوسرے ہی لمحے میں کمرے کے اندر تھا۔ یہاں بلب روشن تھا اور کمرہ بالکل خالی تھا۔ البتہ ایک چیز نے فوراً ہی انور کی توجہ اپنی جانب مبذول کرالی۔ یہ ٹیلی فون تھا اور اس کا ریسیور کریڈل میں ہونے کی بجائے میز پر پڑا ہوا تھا اور میز کے نیچے ایک سلیپر نظر آیا۔ زنانہ سلیپر جس کا استر نہایت نفیس قسم کے ململ کا تھا۔ انور نے دوسرے سلیپر کیلئے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی لیکن وہ نہ مل سکا۔ تو گویا یہاں کوئی عورت کسی کو فون کر رہی تھی.... ٹھیک اُسی وقت اُسے یہاں سے اٹھا لیا گیا۔ جس کا ایک سلیپر یہیں رہ گیا اور ریسیور میز پر پڑا رہا۔ انور بڑی تیزی سے باہر نکلا۔ اُس نے اپنے جوتے اتار دیئے تھے اور ہوا کی طرح راہداری طے کر رہا تھا۔ اس راہداری کے اختتام پر پھر وہی بڑا ہال تھا جہاں ایک رات اس نے جشن سالگرہ میں شرکت کی تھی۔ ہال میں روشنی نظر آ رہی تھی۔ انور ابھی اُس کے دروازے سے دور ہی تھا کہ اس کا پیر کسی نرم چیز پر پڑا اور وہ اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ پھر اُسے اٹھانے کیلئے جھکا۔ یہ بھی ایک سلیپر ہی تھا اور انور نے محسوس کیا کہ اُس کا استر بھی مخمل ہی کا ہے۔

انور آگے بڑھ کر دروازے کے شیشوں سے اندر جھانکنے لگا اور جو کچھ بھی اُسے نظر آیا اُس کے لئے غیر متوقع نہیں تھا۔ اُس نے ہال میں شاہینہ اور بیگم ارشاد کے علاوہ تین آدمی اور بھی دیکھے۔ دو کے چہرے سیاہ نقابوں میں چھپے ہوئے تھے اور تیسرا کوئی مجہول سا آدمی تھا۔ دبلا پتلا اور بوڑھا سا۔ اُس کے چہرے پر ڈاڑھی بھی تھی مگر الجھی ہوئی سی۔ اُس کے چہرے پر نقاب نہیں تھی۔

جسم پر ایک لمبا سا زرد رنگ کا لبادہ تھا۔ بیگم ارشاد سونے کے لباس میں اور ننگے پیر تھی۔ شاید وہ دونوں سلیپر اُسی کے تھے جو انور کو کچھ دیر پہلے ملے تھے۔

"تم اپنا داہنا ہاتھ کھولو۔" ایک نقاب پوش اُس مجہول آدمی سے کہہ رہا تھا۔ اُس نے اپنے داہنے ہاتھ کی آستین اوپر چڑھالی اور انور بے ساختہ چونک پڑا۔ کیونکہ وہ سرخ نشان یہاں سے بھی صاف نظر آرہا تھا۔ وہ یقیناً روپے ہی کے برابر رہا ہوگا اور بہت واضح۔

"پتہ نہیں تم کیا کہہ رہے ہو۔" بیگم ارشاد نے کہا اور انور نے اُس کی آواز میں کسی قسم کی کمزوری نہیں محسوس کی البتہ شاہینہ بہت زیادہ خوفزدہ نظر آرہی تھی۔

"یہ محض دھمکی نہیں ہے بیگم ارشاد۔" نقاب پوش غرایا۔ "تمہارے وہ خطوط بھی میرے پاس موجود ہیں جو تم نے اُس بلیک میلر کو قناقو قناً لکھے تھے۔"

بیگم ارشاد کچھ نہیں بولی۔ صرف اُسے گھورتی رہی اور وہ مجہول سا زرد پوش آدمی اپنے ہونٹ چاٹ چاٹ کر شاہینہ کو گھورتا رہا۔ شاہینہ بھی کبھی کبھی اُس کی طرف دیکھ لیتی تھی۔

"دیکھوں تو وہ خطوط کیسے ہیں؟" بیگم ارشاد نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"بڑی چالاک ہو۔" نقاب پوش سر ہلا کر بولا۔ "خطوط میں تمہارے حوالے کردوں گا۔ دو کروڑ کا انتظام کردو۔ تمہارے لئے کوئی بڑی بات نہیں ہے اور پھر ابھی تمہیں پتہ نہیں کتنے دن زندہ رہنا پڑے اور تمہاری لڑکی کا مستقبل.....!"

"خبردار لڑکی کا نام نہ لینا۔" ایک دروازے سے آواز آئی اور نوجوان ڈنکی ٹیل کا چہرہ دکھائی دیا۔ اُس کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور پھر اُس کے پیچھے بوڑھا ڈنکی ٹیل بھی نظر آیا۔ وہ بھی خالی ہاتھ نہیں تھا۔

"آج یہ چور پکڑا گیا۔ بڑی بات ہوئی۔" بوڑھے نے نقاب پوشوں کی طرف دیکھتے ہوئے سر ہلا کر کہا۔ پھر اپنے بیٹے سے بولا۔ "تم دونوں کے نقاب اُتار دو۔"

نوجوان ڈنکی ٹیل آگے بڑھا۔ انور اس ماجرے کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے سوچا کہ وہ بھی کود پڑے لیکن پھر اُس نے یہ ارادہ ترک کردیا۔ بوڑھا ڈنکی ٹیل غیر معمولی قسم کے لباس میں تھا اور اُس کی چمڑے کی پیٹی سے ایک بہت بڑا تھیلا لٹک رہا تھا۔ دونوں نقاب پوش ہاتھ اٹھائے کھڑے تھے۔ نوجوان ڈنکی ٹیل نے بڑی تیزی سے انہیں بے نقاب کردیا۔

"آہا.... سام.....!" بوڑھے نے کہا۔ "میں سمجھا تھا شاید تم کریگ ہو۔ او سام گدھے۔ یہ ڈاکٹر نہیں ہے۔ ڈاکٹر ڈریڈ میں ہوں۔ پچھلے سال سے میں نے روپوشی اختیار کر رکھی تھی۔ یہ چور

لوگوں کو خواہ مخواہ دھوکا دیتا رہا۔ میں فنچ کے ہاتھوں ذلیل ہونا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے میں نے ہی بہتر سمجھا کہ کچھ دن خاموش بیٹھوں..... او سام گدھے۔ کیا دیکھتا ہے۔ مار اس چوہے کو۔"

سام چپ چاپ کھڑا پلکیں جھپکاتا رہا۔ اچانک دھم سے کوئی فرش پر آکودا اور انور کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

یہ ایک چھوٹا سا آدمی تھا اور اُس کی مٹھی میں چاقو دبا ہوا تھا۔ اُس نے بوڑھے ڈنکی ٹیل کو دیکھ کر بندروں کی طرح دانت نکالے اور اُس کی پرواہ کئے بغیر اُس پر چھلانگ لگادی کہ اُس کے ہاتھ میں ریوالور ہے۔

انور بوڑھے کی پھرتی پر دنگ رہ گیا بلکہ اُس کی سمجھ ہی میں نہ آسکا کہ وہ سب کچھ آن واحد میں کیسے ہوگیا۔ ریوالور کا رخ بھی اُن دونوں کی طرف رہا اور چھلانگ لگانے والا چھوٹا آدمی اُس تھیلے میں بھی پہنچ گیا جو ایک ہی لمحہ پہلے بوڑھے ڈنکی ٹیل کی کمر سے لٹکا ہوا تھا۔

بوڑھا تھیلے کے منہ کو بند کرتا ہوا کہہ رہا تھا۔ "تو تم اب آرام کرو تھوڑی دیر۔ پھر تم سے بھی سمجھوں گا..... ہاں..... ہاں شوق سے تم اپنا چاقو اس تھیلے پر آزماؤ۔ اگر تم اسے کاٹ سکو تو میں تمہیں قتل نہیں کروں گا۔ وعدہ کرتا ہوں۔"

اُس نے تھیلے کو ایک طرف ڈال دیا اور پھر اُن دونوں کی طرف مڑ کر دہاڑا۔ "سام کے بچے تو کھڑا منہ دیکھ رہا ہے اسے مارتا کیوں نہیں جو تجھے ایک سال سے ذلیل کرتا رہا ہے۔"

"یہ جھوٹا ہے۔" دوسرے آدمی نے بوڑھے کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں..... چور..... میں جھوٹا ہوں..... سام.....!" اُس نے پھر سام کو للکارا اور سام یک بیک دوسرے آدمی پر ٹوٹ پڑا۔

"کیا کرتا ہے گدھے.....!" دوسرے نے کہا۔

"تم چور ہو۔" سام دانت پیس کر بولا۔ "تم نے ڈاکٹر ڈریڈ کا میک اپ کر رکھا ہے۔ ڈاکٹر ڈریڈ ایسا چوہا نہیں ہو سکتا جو فنچ جیسے حقیر کیڑے سے ڈر کر بھاگتا پھرے۔"

"میں تجھے مار ڈالوں گا سام! ہوش میں آ۔" دوسرا آدمی غرایا۔

پھر انور نے اُن دونوں کو ایک دوسرے پر جھپٹتے دیکھا۔ بڑا عجیب کھیل تھا۔ وہ چپ چاپ کھڑا دیکھتا رہا۔ اُس کی جیب میں بھرا ہوا ریوالور موجود تھا اور اُسے اطمینان تھا کہ وہ یہیں کھڑے کھڑے بیگم ارشاد کی مدد کرسکے گا۔ اس دروازے کی اوٹ سے وہ اُن سبھوں کو ختم کرسکتا تھا۔ اُس نے اُس زرد پوش مجہول کی طرف بھی دیکھا جو کرسی کی پشت سے ٹکا ہوا پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں

طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر اُس کی نظر تھیلے پر پڑی جو ادھر اُدھر اچھلتا پھر رہا تھا اور وہ دونوں لڑ رہے تھے۔ شاہینہ اور بیگم ارشاد ایک دوسرے سے چمٹی ہوئی بُری طرح کانپ رہی تھیں۔

پھر نہ جانے کیسے اُس تھیلے کا منہ کھل گیا اور وہ چھوٹا آدمی بجلی کی سی سرعت سے دونوں لڑنے والوں کے درمیان آگیا۔

پھر ایک چیخ ہال میں گونج گئی۔ ایک آدمی دونوں ہاتھوں سے پیٹ پکڑے ہوئے فرش پر ڈھیر ہو گیا تھا۔ ننھے آدمی نے چاقو ہاتھ سے پھینک دیا اور اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھاتا ہوا بوڑھے ڈنکی ٹیل سے بولا۔ "اب تم مجھے شوق سے حراست میں لے لو.... کرنل فریدی۔"

ڈنکی ٹیل کا ریوالور والا ہاتھ نیچے جھک گیا۔

مرنے والے کا ساتھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بوڑھے ڈنکی ٹیل کو دیکھ رہا تھا۔ ہال میں تقریباً سبھی بھونچکے نظر آرہے تھے مگر زرد پوش مجہول کی پچھلی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں واقع ہوئی تھی۔

"تم نے اچھا نہیں کیا فنچ....!" ڈنکی ٹیل غرایا۔

"میں نے جو کچھ بھی کیا ہے اس کی سزا بھگتنے کو تیار ہوں۔" چھوٹے آدمی نے کہا اور اُسی طرح ہاتھ اٹھائے کھڑا رہا حالانکہ اب ڈنکی ٹیل کا ریوالور اُس کی طرف نہیں اٹھا ہوا تھا۔ انور نے بھی اُس کی زبان سے کرنل فریدی کا نام سنا تھا اور سناٹے میں آگیا تھا۔ اگر فریدی کا نام نہ سنتا تو اس قتل کے بعد بے تحاشہ فائرنگ کرتا ہوا اندر گھس پڑتا۔ لیکن اب اُس نے نہایت اطمینان سے دروازہ کھولا اور ہال میں داخل ہو گیا۔

نوجوان ڈنکی ٹیل سام کے ہتھکڑیاں لگا رہا تھا۔

دفعتاً بیگم ارشاد کھڑی ہو گئی اور اُس نے کانپتی ہوئی آواز میں بوڑھے ڈنکی ٹیل کو مخاطب کیا۔

"کیا آپ سچ مچ کرنل فریدی ہیں؟"

"ہاں بیگم ارشاد... کیا تمہیں وہ رات یاد ہے جب کمپاؤنڈ کے پھاٹک پر ہماری ملاقات ہوئی تھی۔"

"مجھے یاد ہے۔"

"اور تم اسی آدمی کی تلاش میں بھٹکتے رہنے کے بعد واپس آئی تھیں۔" فریدی نے زرد پوش آدمی کی طرف اشارہ کیا جو اب بھی پہلے ہی کی طرح کرسی سے ٹیک لگائے بیٹھا پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"اوہ.... تو آپ بھی یہی کہانی لے کر آئے ہیں۔" بیگم ارشاد نے مسکرانے کی کوشش کی۔

دفعتاً نوجوان ڈنکی ٹیل نے انور کی طرف مڑ کر پوچھا۔ "تم کون ہو؟"

"تمہارا چچا فرزند....!" انور نے اردو میں کہا۔

"شٹ آؤٹ....!" اُس نے ریوالور ہلا کر کہا۔

"انور....!" فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔ "تم بہت دنوں سے میرے پیچھے رہے ہو۔"

انور کچھ نہ بولا۔ وہ آگے بڑھ کر ڈاکٹر ڈریڈ کی لاش پر جھک گیا تھا۔

"زندہ ہے یا مر گیا؟" فریدی نے لاپروائی سے پوچھا۔

"ٹھنڈا ہو چکا ہے....!" انور نے جواب دیا۔

"فنچ کا ہاتھ تھا کرنل۔" فنچ نے بچوں کے سے انداز میں خوش ہو کر کہا۔

"خاموش رہو۔" فریدی نے اُسے جھڑک دیا اور بیگم ارشاد سے بولا۔ "اگر تم بھی اپنے ہاتھ ہتھکڑیوں کے لئے پیش کر دو تو بہتر ہے۔"

"تم ہوش میں ہو یا نہیں؟" بیگم ارشاد بپھر گئی۔

"تمہارے خطوط اور دوسرے کاغذات میرے پاس ہیں۔" فریدی مسکرایا۔

"فنچ نے وہ کاغذات ڈاکٹر ڈریڈ کے پاس سے اڑائے تھے اور پھر وہ میرے ہاتھ لگ گئے۔"

بیگم ارشاد پہلے تو کھڑی ہانپتی رہی پھر دوڑتی ہوئی ہال سے نکل گئی۔

"حمید اسے دیکھو۔" فریدی نے دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ نوجوان ڈنکی ٹیل بھی اڑتا ہوا باہر نکل گیا۔

شاہینہ نے بھی اٹھنا چاہا لیکن فریدی نے کہا۔ "تم جہاں ہو وہیں بیٹھی رہو گی۔"

شاہینہ اس طرح بیٹھ گئی جیسے اُس کے پیروں میں کھڑے ہونے کی قوت ہی نہ ہو۔

"اُن کاغذات میں تم کیوں دلچسپی لے رہے تھے؟" فریدی نے فنچ سے پوچھا۔

"محض اس لئے کہ ڈریڈ بھی اُن میں دلچسپی لے رہا تھا۔ میں کئی سال سے اُسے ہر کام پر شست دیتا آیا ہوں۔ ایک دن وہ بھی تھا جب میری بچی کی لاش سڑک پر پڑی ہوئی تھی۔ میں لوگوں سے کہتا تھا کہ وہ میرے ساتھ پولیس اسٹیشن تک چلیں۔ لیکن وہ اس طرح خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ جاتے تھے جیسے ڈریڈ انہیں بھی مار ڈالے گا۔ میں بڑی بے بسی سے رویا تھا۔ مگر آج دیکھو.... وہ پڑا ہے ڈریڈ۔ ان چھوٹے چھوٹے نحیف ہاتھوں نے اُسے موت کی گھاٹ اتارا ہے.... ہاہاہا.... وہ بے بس فنچ کہاں ہے وہ اُس مظلوم بچی کے بعد ہی مر گیا تھا۔"

"خدا کے لئے مجھے بتایئے کرنل، یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ ورنہ میرا دم نکل جائے گا۔"

"مجھے افسوس ہے شاہینہ وہ تمہارے لئے کوئی اچھی خبر نہ ہو گی۔" فریدی نے جواب دیا۔

شاہینہ اس طرح خاموش ہو گئی جیسے وہ کسی بُری خبر کے سننے سے ڈرتی ہو۔ انور اُس ننھے سے آدمی کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

دفعتاً حمید دوڑتا ہوا اندر آیا۔

"اُس نے.... اُس نے.... عمارت میں آگ لگادی ہے۔" وہ ہانپتا ہوا بولا۔ "آگ تیزی سے.... پھیل رہی ہے.... نہ جانے پٹرول کے کتنے ٹین الٹ دیئے ہیں۔"

"کدھر.... آگ کس حصے میں ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"چاروں طرف....!"

"کیا بکتے ہو۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ اتنی جلدی؟"

"اوہ.... عمارت کے چاروں طرف دیوار سے ملی ہوئی پتلی سی نالیاں ہیں۔ انہیں میں پٹرول بہا کر اُس نے آگ لگادی ہے۔ آگ بہہ رہی ہے چاروں طرف۔"

"اوہ.... نکلو.... انور تم اس زرد لباس والے اور شاہینہ کو سنبھالو۔ حمید.... تم سام کو دیکھو.... اور" اُس نے فنچ کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"نہیں کرنل شکریہ۔ میں اپنی حفاظت آپ کر سکتا ہوں۔" اُس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"تم قیدی ہو.... چلو....!" فریدی غرایا۔

"ہاں.... میں قیدی ہوں لیکن اگر میں اس موقع سے فائدہ نہ اٹھاؤں تو مجھ سے زیادہ احمق ساری دنیا میں نہ ملے گا۔"

پھر فریدی کو ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی لیس دار مچھلی ہاتھ سے نکل گئی ہو۔ فنچ اچھل کر بھاگا۔

"تم لوگ نکلنے کی فکر کرو.... جاؤ۔" فریدی بقیہ لوگوں سے کہتا ہوا اُس کے پیچھے دوڑا۔

حمید کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ فریدی کو ایسی صورت میں تنہا چھوڑ دے لیکن اُس پر خود اُس کی طرف سے ایک ذمہ داری عائد کر دی گئی تھی۔ یعنی وہ سب کو صحیح و سلامت وہاں سے نکال لیجائے۔

وہ کچھ ہی دور چلے ہوں گے کہ انہیں آنچ محسوس ہونے لگی اور اسی دوران میں انور نے یہ بھی محسوس کیا کہ شاہینہ پر غشی طاری ہوتی جا رہی ہے۔ پھر اگر وہ اُسے سنبھال نہ لیتا تو اُسی کیساتھ خود بھی گرا ہوتا۔ بدقت تمام اُس نے اُسے کاندھے پر ڈالا اور زرد پوش مجہول کا ہاتھ پکڑے ہوئے چلتا رہا۔ لیکن اب اُس نے بھی بولنا شروع کر دیا تھا۔ وہ دانت پر دانت جمائے کہہ رہا تھا۔

"اس لڑکی کو میرے کاندھے پر ڈال دو.... کتنی چھوٹی ہے.... ہائے.... ہائے۔"

"چل بے خاموشی سے۔" حمید پلٹ کر دہاڑا۔ "ورنہ گردن توڑ دوں گا۔"

پھر وہ جدھر بھی گئے انہیں کھڑکیوں اور دروازوں سے آگ کی لپٹیں دکھائی دیں۔ کمپاؤنڈ میں لوگ چیخ رہے تھے اور اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ پھر کچھ لوگ کسی نہ کسی طرح اندر گھسے اور انہوں نے شدید ترین جدوجہد کے بعد انہیں باہر نکالا۔

حمید نے باہر نکلتے ہی فریدی کو آوازیں دیں لیکن کہیں جواب نہ ملا۔ دفعتاً اُسے قریبی تھانے کے کچھ کانسٹیبل نظر آئے۔ اُن کے ساتھ ایک سب انسپکٹر بھی تھا۔ حمید نے جلدی جلدی اُسے کچھ نہ کچھ بتانے کی کوشش کی اور قیدیوں کو اُس کے سپرد کر کے اُس نے ایک بار پھر آگ میں چھلانگ دی۔

"فریدی صاحب.... فریدی صاحب۔" وہ چاروں طرف چیختا پھر رہا تھا۔ اور آگ اب آہستہ آہستہ اندر بھی اپنا تسلط جمانے لگی تھی۔

چیختے چیختے حمید کا حلق خشک ہو گیا لیکن جواب نہ ملا۔ وہ ایک ایسے کمرے میں پھنس گیا تھا جہاں ہر طرف آگ کی لپٹیں نظر آ رہی تھیں۔ اس کا سارا جسم پسینے سے تر ہو رہا تھا اور ذہن جواب دے رہا تھا۔ اچانک اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی بہت دور سے اُسے آواز دے رہا ہو۔ اُس نے "ہاں" کہنے کے لئے حلق پر زور دیا مگر آواز نہ نکل سکی۔ آگ میں گھرے ہونے کے باوجود بھی اُس کے سامنے اب تاریکی ہی تاریکی تھی۔ پھر اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی اُس کے منہ میں جلتی ہوئی سلاخ ٹھونس رہا ہو۔

"اُم.... اُم.... نہیں۔" وہ اچھل پڑا اور کوئی چیز فرش پر گر کر چھنچھنائی۔

پھر اُس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئی۔ وہ اپنی خواب گاہ میں تھا اور فریدی اس کی مسہری کے قریب بیٹھا ہوا شاید اُس کے حلق میں دوا اتارنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"فادر....!" حمید چنگھاڑ کر اُس کی گردن سے چمٹ گیا۔

"حمید گدھے! میں بہت خفا ہوں تم سے۔ تم باہر نکل آنے کے بعد پھر اندر کیوں چلے گئے تھے۔ میں تو نہایت آسانی سے پہلے ہی نکل گیا تھا۔ وہ نکل گیا نا سؤر۔"

"فنچ نکل گیا۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ہاں.... وہ نکل گیا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے بندر پکڑنے کی مشق آج تک نہیں کی۔ اب کروں گا۔"

"مگر وہ مردود آپ کو پہچان گیا تھا۔"

"ہاں بعد میں پہچان لیا تھا۔ ورنہ پہلے تو وہ مجھے ڈاکٹر ڈریڈ ہی سمجھا تھا۔ اسے چھوڑو۔ خدا کی پناہ! تمہیں وہاں اُس آگ سے نکالنے میں کتنی دشواریاں پیش آئی تھیں۔ اگر مجھے ذرا سی ہی دیر ہو جاتی تو تم حمید مسلم بن گئے ہوتے۔"

"مگر میں شاید بالکل ٹھیک ہوں۔" حمید بوکھلا کر اپنا جسم ٹٹولتا ہوا بولا۔

"بالکل.... لیکن میرے پیر دیکھو۔"

حمید نے جھک کر دیکھا اور لرز گیا.... اُس کے دونوں پیر آبلوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔

"میں سمجھا تھا شاید آپ کہیں گھر گئے ہیں۔" حمید نے کہا.... کچھ دیر خاموشی رہی پھر حمید نے کہا۔ "بیگم ارشاد ملی تھی؟"

"ہاں.... لیکن کوئلے کی شکل میں۔ شاید اُس نے اپنے جسم پر بھی پٹرول چھڑک کر آگ لگالی تھی۔"

"لیکن اُس کا جرم کیا تھا؟"

"بہت بڑا جرم۔ مگر تھی بڑے گردے کی عورت، زندگی بھر کوئی نہ کوئی اُسے بلیک میل ہی کرتا رہا تھا۔ وہ زرد پوش فرشتہ اس کیس کی اہم ترین کڑی تھا۔ تم بتاؤ وہ کون ہو سکتا ہے۔ بیگم ارشاد کو اس کی تلاش تھی اور ڈریڈ اس کے سلسلے میں اُسے بلیک میل کر رہا تھا۔"

"اُس کا کوئی عاشق ہوگا۔"

"ہشت! وہ سر ارشاد کا لڑکا ہے۔ اوہو! تمہاری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ہاں حمید صاحب کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے۔ وہ ایک ارب پتی کا لڑکا ہے۔ مگر گم نامی اور عسرت کی زندگی بسر کرتا رہا۔ اگر مجھے وہ نیلا بیگ نہ ملتا تو شاید یہ کہانی پردہ راز ہی میں رہتی۔ ارشاد کی دو بیویاں تھیں۔ ایک اُس لڑکے کی ماں اور ایک یہ جو جل کر مر گئی۔ یہ کسی معمولی آدمی کی مطلقہ تھی اور شاہینہ دراصل اُسی آدمی کی لڑکی ہے۔ کسی طرح یہ ارشاد سے آنکرائی اور اُس نے اس سے نکاح کر لیا۔ ارشاد کی پہلی بیوی سے ایک بچہ ہوا اور ایام زچگی میں وہ کسی وجہ سے پاگل ہو گئی۔ ایک صبح ارشاد کو معلوم ہوا کہ بیوی اور بچہ دونوں غائب ہیں حالانکہ دماغ ماؤف ہو جانے کے بعد سے بچہ اُس سے الگ ہی رکھا جاتا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ غائب ہو گیا۔ دو دن بعد وہ شہر کے ایک حصے میں مل گئی لیکن بچہ اُس کے ساتھ نہیں تھا لہٰذا خیال کیا گیا کہ ممکن ہے دیوانگی میں وہ اُسے کہیں پھینک آئی ہو۔ کافی عرصے تک بچے کی تلاش جاری رہی۔ اس سلسلے میں جو اشتہارات شائع ہوئے اُن میں اُس داغ کا حوالہ ضرور ہوتا تھا۔ اب ڈریڈ اُس کے بازو پر بیگم ارشاد کو دکھا رہا تھا۔ اب سنو! لڑکے پر یہ

گذری تھی کہ بیگم ارشاد نے اُسے اپنے کسی معتبر آدمی کے سپرد کر کے شاید مار ڈالنے کی اسکیم بنائی تھی۔ لیکن اس معتبر آدمی نے اُسے دھوکا دیا۔ بچے کو مار ڈالنے کی بجائے پرورش کر ڈالی اور زندگی بھر بیگم ارشاد کو بلیک میل کر کے لمبی لمبی رقمیں وصول کرتا رہا۔ اُس نیلے بیگ سے بیگم ارشاد کے خطوط بھی نکلے ہیں جن میں وہ بار بار اُس سے استدعا کرتی ہوئی نظر آتی ہے کہ وہ اُس لڑکے کو مار ڈالے اور اُس کے معاوضے میں وہ ایک کروڑ کی رقم تک جا پہنچتی ہے۔"

"گڈ گاڈ....!"

"اور پھر نہ جانے کس طرح یہ زرد پوش فرشتہ ڈاکٹر ڈریڈ کے ہاتھ لگتا ہے اور اب وہ اُسے بلیک میل کرنا شروع کر دیتا ہے۔ ظاہر ہے اگر وہ لڑکا منظر عام پر آجاتا تو بیگم ارشاد جیل میں ہوتی اور شاہینہ در در کی بھیک مانگتی پھرتی۔ اب کیا رہ گیا.... ڈریڈ اور بیگم ارشاد کی وجہ سے دو باتیں شاید کبھی نہ معلوم ہو سکیں۔ ایک تو یہ کہ وہ آدمی کون تھا جسے بیگم ارشاد نے بچے کو مار ڈالنے پر آمادہ کیا تھا اور دوسری بات یہ کہ ڈاکٹر ڈریڈ کو ان حالات کا علم کیسے ہوا تھا۔"

"ارے یہ تو زرد پوش فرشتے ہی سے معلوم ہو جائے گا۔"

"مشکل ہے۔" فریدی نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "ڈریڈ کے زہروں نے اُس کا دماغ وُف کر دیا ہے۔ شاید وہ کبھی ٹھیک نہ ہو سکے۔ شاید اُسے اپنے قابو میں رکھنے کیلئے اُس نے ایسا کیا تھا۔"

"کیا وہ سر ارشاد کا لڑکا ثابت کیا جا سکے گا؟ جبکہ اُس آدمی کا بھی پتہ نہیں جس نے اُس کی پرورش کی تھی۔ مگر ممکن ہے ان واقعات کا اعلان ہو جانے پر وہ خود ہی سامنے آجائے۔"

"کیا ڈریڈ نے اُسے زندہ چھوڑا ہوگا؟ ہرگز نہیں حمید صاحب۔ یہ ثابت کرنا میرا کام ہے کہ وہ سر ارشاد کا لڑکا ہے۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔

"اُف.... فوہ! کتنے دنوں تک ہم ڈنکی ٹیل بن کر جھک مارتے رہے ہیں۔ بعض اوقات تو سچ مچ خود کو گدھے کی دم تصور کرنے لگتا تھا اور اُس دن تو گدھے کا پٹھا ہو گیا تھا جب شاہینہ نے میرے گالوں پر تھپڑ مارے تھے۔ خدا کرے اُس کے ہاتھ میں کیڑے پڑیں۔"

"تم سے کس نے کہا تھا کہ اُس سے اظہار عشق کر بیٹھو۔"

"انور کا تو دم ہی نکل گیا تھا.... وہ بھی کیا یاد کرے گا۔"

"اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔ ورنہ اس بار ڈریڈ کا ہاتھ آنا مشکل ہی ہو جاتا۔"

"مگر اس کو فنچ نے ختم کیا۔"

"میں تو اُسے کبھی ہاتھ نہ لگاتا۔ اسکیم یہ تھی کہ اُسے سام کے ہاتھوں ختم کرادوں۔ وہ مجرم جو خود کو بادشاہ سمجھتے ہیں انہیں میں غلاموں سے پٹوانے کا عادی ہوں۔ اور فنچ جیسے لوگوں کے لئے تھیلے تیار کرتا ہوں۔ مجھے یقین تھا کہ وہ ڈریڈ کا تعاقب کرتا ہوا وہاں ضرور پہنچے گا۔"

"مگر آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا تھا کہ آج ڈریڈ وہاں آرہا ہے؟"

"مجھے اطلاع ملی تھی کہ اُس کے آدمی ارشاد منزل میں کچھ انتظامات کر رہے ہیں۔ انتظامات کی تفصیل سے صاف ظاہر تھا کہ آج وہاں ضرور کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔"

کچھ دیر بعد حمید بولا۔ "آہا.... اُس کا کیا حال ہے؟.... میری کا....!"

"وہ.... اُس کی ذہنی حالت ابھی تک اعتدال پر نہیں آئی۔ ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ اُسے پاگل خانے بھجوادیا جائے۔"

حمید ایک ہلکی سی کراہ کے ساتھ لیٹ گیا۔

﴿ختم شد﴾

ابنِ صفی

لد نمبر
20

جاسوسی دنیا

64- شیطان کی محبوبہ

65- انوکھے رقاص

66- پُراسرار موجد



پیشرس

ایک طویل عرصے کے بعد آپ ''شیطان کی محبوبہ'' کے روپ میں ایسی کہانی دیکھیں گے جس کا مزہ چٹخارہ، لطف و ذائقہ انوکھا ہے۔ اس کہانی کو پڑھ کر بے اختیار ابن صفی کی ایسی کہانیاں یاد آجاتی ہیں جن میں مونچھ مونڈنے والی، دوہرا قتل وغیرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ شیطان کی محبوبہ اس لحاظ سے ابن صفی کے ان چند کارناموں سے ایک ہے جن میں ابن صفی کا مخصوص انداز ظرافت اور شگفتگی مکمل طور پر موجود ہے یا ''ابن صفیت'' کی جلوہ گری ہے۔

اس کہانی کے انوکھے پن اور خوبصورتی کا اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حمید اس میں شگوفے چھوڑنے والا آلۂ تفریح نہیں ہے بلکہ قریب قریب تین چوتھائی کیس اُسکا رہن منت ہے اور فریدی ایک ہدایت کار کی حیثیت سے نظر آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب حمید میدانِ عمل میں آئیگا تو قہقہوں کی بارش بھی ہوگی اور مسکراہٹوں کی پھلجھڑیاں بھی چھوٹیں گی۔

ادھر گذشتہ آٹھ مہینے سے مسلسل کہانیوں اور بھیانک مجرموں نے ایک ایسی فضا بنادی تھی جو بہت سرد تھی ''شیطان کی محبوبہ'' برف کی طرح جمے ہوئے اس ماحول میں حرارت پیدا کرتی ہے۔ اس کی مسز شوخ کا کردار اپنی رنگینی اور دلکشی کے علاوہ ایسے نفسیاتی جھٹکے دیتا ہے کہ ہر قدم پر آدمی چونک اٹھتا ہے اور انتہا میں پہنچ کر یہ ماننا پڑتا ہے کہ مخصوص قسم کے کردار کی تخلیق میں جو ملکہ ابن صفی کو حاصل ہے اس کی گرد کو پانا بھی مشکل ہے۔

اس کہانی کو حمید کی کہانی یا حمید کا کارنامہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ آخری صفحات میں اس طرح ابن صفی نے حمید کو اس بار پیش کیا ہے کہ ہم بے اختیار اس سے محبت کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ حمید کے کردار کا یہ رخ اُسے ہم سے اتنا قریب کردیتا ہے، اُسے اتنا مضبوط، دلکش اور خوبصورت کردار کا مالک بنادیتا ہے کہ واقعتاً یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ کسی ناول کا کردار نہیں بلکہ گوشت و پوست کا جیتا جاگتا آدمی ہے۔ انہیں خصوصیات کی بناء پر شیطان کی محبوبہ ناقابل فراموش کارنامہ بن گئی ہے۔

خون کی لکیر

نیاگرا کے ریکریئیشن ہال میں میلے کی تیاریاں تھیں۔ ایک غیر ملکی پارٹی اپنے کمالات کا مظاہرہ کرنے والی تھی۔ اسٹیج سے ابھی پردہ نہیں ہٹا تھا۔ ہال میں قہقہے جگمگا رہے تھے، قہقہے اچھل رہے تھے اور زندگی تمام رعنائیوں سمیت جلوہ فگن تھی۔

زندگی جلوہ فگن تھی اور قاسم کی طبیعت اتنی مگن تھی کہ وہ اس وقت قارون کی قبر پر بھی لات مار دیتا۔ وہ اب تک بیروں کو تقریباً پچاس روپے بطور بخشش دے چکا تھا، اور ریکریئیشن ہال ہی میں بیٹھے بیٹھے اتنا کھا چکا تھا کہ معمولی دل گردے والے کا پیٹ ہی پھٹ جاتا۔

بات صرف اتنی تھی کہ قریب ہی بیٹھی ہوئی ایک لڑکی نے شائد اپنے ساتھی کو ازراہ مذاق پیٹو کہہ کر اس کی اس صفت کو اپنی پسندیدگی کا باعث قرار دیا تھا۔

حمید نے قاسم کو لاکھ سمجھایا کہ اس نے اپنے ساتھی کو بیوقوف بنایا ہوگا۔ دنیا کی کوئی عورت کسی پیٹو آدمی کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھ سکتی۔ لیکن وہ قاسم ہی کیا جس کا معدہ ذہن کی اطاعت قبول کرلے۔ وہ بڑی شدومد کے ساتھ اپنے پیٹو پن کا مظاہرہ کرتا رہا اور پھر آخر کار وہ لڑکی اس میں دلچسپی لینے پر مجبور ہوگئی۔

''ابے.... دیکھ رہی ہے حمید بھائی۔'' وہ جھک کر آہستہ سے حمید کے کان میں بولا۔

''خدا کرے اس کی آنکھیں پھوٹ جائیں۔''

''تمہاری خود پھوٹ جائیں۔'' قاسم اس انداز میں بگڑ گیا جیسے اس لڑکی سے پرانی

شناسائی ہو۔

''قاسم.....!''

''قیا ہے.....!'' قاسم غرایا۔

''خدا تمہیں اتنی عقل دے کہ تم..... کہ تم..... کہ تم..... مم مم.....!''

''تم خود مم مم.....!'' قاسم پھر جھلا گیا۔

مگر اس ''مم مم'' کی وجہ دراصل ایک دوسری عورت تھی جس پر اچانک حمید کی نظر پڑی اور وہ جملہ پورا نہ کر سکا۔ پھر قاسم کی نظر بھی اُدھر ہی اٹھ گئی۔

''ارے باپ رے..... حمید بھائی..... ارے..... یہ تو..... یہ تو.....!''

''قاسم.....!''

''کیا ہے..... پیارے بھائی..... اِی..... ای.....!''

''میرے کفن دفن کا انتظام کرو۔''

''ارے..... کیوں پریشان کرتے ہو۔'' قاسم اس طرح بوکھلا گیا جیسے سچ مچ حمید کا دم نکلنے والا ہو۔

ویسے وہ عورت اتنی ہی پرکشش تھی کہ حمید نے قدیم شاعری کے عاشقوں کی طرح اپنے لئے گوروکفن کا تذکرہ مناسب سمجھا۔ اس کی عمر پچیس اور تیس کے درمیان رہی ہوگی۔ متناسب الاعضا تھی اور سیکس اپیل رکھنے والے خدوخال کی مالک تھی۔ اس کی آنکھوں میں اتنی شوخی تھی کہ وہ سکوت کے عالم میں بھی بولتی ہوئی سی لگ رہی تھی۔

اُس کے ساتھ ایک پروفیسر ٹائپ بوڑھا مرد تھا جس کے سر پر بمشکل تمام مٹھی بھر سفید بال رہے ہوں گے۔ ڈاڑھی بھی رکھتا تھا مگر انگریزی وضع کی۔ لباس بھی مغربی ہی تھا۔ عورت ہلکے نارنجی رنگ کے نائیلون کی ساری میں تھی۔

''قاسم.....!'' حمید نے کہا۔ ''ان کے قریب ہی دو تین سیٹیں خالی ہیں۔''

''بے شک..... خالی ہیں۔'' قاسم بولا۔

''چلو تو ادھر ہی نکل چلیں۔'' حمید نے کہا۔

''مگر..... یہ ادھر والی مجھے دیکھ رہی ہے۔'' قاسم بڑبڑایا۔

''اچھا تو تم یہیں بیٹھو.....!''

''یہ نہیں ہو سکتا۔''

''اچھا تو تم بھی چلو۔''

''یہ بھی نہیں ہو سکتا۔''

''تب تم جہنم میں جاؤ..... میں جا رہا ہوں۔''

''میں ٹانگ پکڑ کر کھینچ لوں گا۔'' قاسم نے سنجیدگی سے کہا۔

''تم ہوش میں ہو یا نہیں۔''

''میں بالکل ہوش میں ہوں۔'' قاسم ہنسنے لگا۔ ''اچھا ٹانگ نہیں پکڑوں گا مگر اُس کے ابا میاں کو آواز دوں گا کہ بچاؤ لونڈیا کو۔''

حمید خاموش ہو گیا۔ آج شاید قاسم بھی موڈ میں تھا لیکن اس سے کچھ بعید بھی نہیں تھا۔ وہ سچ مچ بوڑھے کو آواز دے کر یہی جملہ کہہ بھی سکتا تھا۔ قاسم ہی ٹھہرا۔

حمید تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھا رہا پھر یک بیک بولا۔

''کیا سنا.....؟''

''وہ کیا کہہ رہی ہے۔''

''قون.....!''

''وہی جس کے لئے تم یہاں سے اٹھنا نہیں چاہتے۔''

''کیا کہہ رہی ہے۔'' قاسم نے اس کی طرف جھک کر پُر اشتیاق لہجے میں پوچھا۔

''کہہ رہی ہے کہ یہ کم بخت موٹا منحوس معلوم ہوتا ہے۔''

''نہیں.....!''

''میں نے خود سنا ہے اپنے کانوں سے۔ تم نے بھی سنا ہوگا۔ مگر تم اعتراف کیوں کرنے لگے۔''

"نہیں الاقسم میں نے نہیں سنا۔"

"اُس نے کہا تھا..... تم نے سنا تھا۔ تم جھوٹے ہو۔"

"میں نے نہیں سنا تھا۔ وہ خود ہوگی۔ سالی منحوس۔ صورت تو دیکھو جیسے ٹی بی ہو رہا ہو۔ مردگی تم مروگی۔"

حمید نہایت اطمینان سے اٹھا اور قاسم نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ اُس عورت کے پاس چار کرسیاں خالی تھیں۔ حمید تو اُس کے پاس ہی بیٹھ گیا اور قاسم اس کے بعد۔

عورت کے لباس سے ایووے کولون کی بھینی بھینی مہک اٹھ رہی تھی۔ قاسم نے نتھنے پھلائے اور اس طرح دم کھینچا جیسے ایک ہی کوشش میں ساری خوشبو سمیٹ لے جانے کا ارادہ رکھتا ہو۔

پھر اُس نے چہک کر پوچھا۔ "یہ بیلے کیا ہوتا ہے حمید بھائی۔"

"بلبل کا بچہ..... خاموش رہو۔"

"آپ بیلے نہیں جانتے۔" دفعتاً بوڑھے نے جھک کر پوچھا۔

"جی نہیں۔" قاسم نے دانت نکال دیئے۔

"کتھا کلی، سمجھتے ہیں۔" بوڑھے نے پوچھا۔

"اوہا..... اچھا..... بیلے کی کلی..... گیا..... گیا۔"

عورت بے اختیار مسکرا پڑی۔ لیکن اس نے ان دونوں کی طرف نہیں دیکھا۔

"خیر ابھی دیکھ لیجئے گا کہ بیلے کیا چیز ہے۔" بوڑھے نے مسکرا کر کہا اور دوسری طرف متوجہ ہوگیا۔ حمید کو قاسم پر بہت شدت سے غصہ آیا تھا۔ مگر وہ خاموش ہی رہ گیا۔

کچھ دیر بعد پردہ سرکا اور پروگرام شروع ہوگیا۔

"ارے..... یہ تو گونگی ہیں۔" قاسم بڑبڑایا۔ "لاحول ولا قوۃ..... میرا دم گھٹ رہا ہے۔ کیا یہ گائیں گی نہیں۔"

"قاسم خاموش رہو۔" حمید اُس کے پیر پر پیر رکھ کر بولا۔

"نہیں خاموش رہوں گا میں بور ہو رہا ہوں۔ اس بیلے ویلے کی ایسی کی تیسی۔ میں سمجھتا تھا ناچ کے ساتھ گانا بھی ہوگا۔"

"قاسم اس طرح خود بھی بور ہوتا رہا اور حمید کو بھی کرتا رہا۔ خدا خدا کر کے رقص ختم ہوا اور بوڑھا قاسم کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگا۔ قاسم نے بھی دانت نکال دیئے۔ حمید نے کنکھیوں سے عورت کی طرف دیکھا وہ اب بھی اسٹیج ہی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

تماشائی اٹھ اٹھ کر ڈائننگ ہال کی طرف جانے لگے۔ بوڑھا بھی اٹھا۔ وہ عورت بھی اٹھ گئی مگر حمید بیٹھا رہا۔ پتہ نہیں مقصد کیا تھا۔

"ارے تو کیا یہیں بیٹھے رہو گے۔" قاسم جھلا گیا۔

"بکواس مت کرو۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "تمہیں کس نے روکا ہے۔"

قاسم کچھ کہتے کہتے رک گیا کیونکہ وہ عورت اُن کی طرف واپس آ رہی تھی اور تنہا تھی۔

قاسم ہکلانے لگا کیونکہ وہ انہیں ہی گھور رہی تھی۔

"شاید میرا پرس یہاں رہ گیا ہے۔" اُس نے کہا اور جھک کر اُس کرسی کے نیچے دیکھنے لگی جس پر کچھ دیر قبل خود بیٹھی ہوئی تھی۔

"پھر پتہ نہیں کہاں رہ گیا۔" وہ سیدھی کھڑی ہو کر تشویش کن لہجے میں بولی۔

"کیا آپ کو اچھی طرح یاد ہے کہ یہاں بیٹھتے وقت پرس آپ کے پاس ہی موجود تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"جی ہاں یاد ہے۔" عورت نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ "اور آپ لوگ اب بھی یہاں کیوں بیٹھے ہوئے ہیں۔"

"واقعی ہم بڑے احمق ہیں!" حمید مسکرا کر بولا۔ "اگر ہم نے آپ کا پرس اڑایا تھا تو ہمیں آپ سے پہلے ہی کھسک جانا چاہئے تھا۔"

"جی ہاں!" عورت کا غصہ تیز ہی ہوتا رہا۔ "آپ پہلے اس طرف بیٹھے ہوئے تھے پھر ادھر آ گئے۔"

''آپ کا پرس اڑانے کے لئے۔'' حمید نے مسکرا کر سوالیہ انداز میں کہا۔

''جی ہاں! مجھے آپ پر شبہ ہے۔''

''اوہ.....نونو.....ڈارلنگ!'' دفعتاً بوڑھے نے کہا، جو عورت کے پیچھے ہی پیچھے آیا تھا۔ لیکن حمید نے اُس کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ لفظ ڈارلنگ پر وہ چونکا....تو وہ اسکی بیوی تھی۔

''مجھے اُن پر شبہ ہے۔'' عورت نے کہا۔

''یقین تو نہیں ہے۔'' بوڑھا بولا۔ ''ختم کرو۔ یہ بیچارے شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں۔''

لفظ بیچارے پر حمید کو بڑا تاؤ آیا لیکن خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

عورت بڑبڑاتی ہوئی مڑ گئی۔ بوڑھے نے ان کی طرف دیکھ کر شائد معذرت طلب کی تھی۔ الفاظ وہ نہیں سن سکے۔ پھر بوڑھا بھی چلا گیا۔

''دیکھا سالی کو۔'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ ''اور تمہارے منہ میں بھی وہی جم گیا تھا۔ تم نے کہا کیوں نہیں کہ میں کیپٹن حمید آف کھیہ ڈپارٹمنٹ ہوں۔''

''ابے تم مٹی کیوں پلید کر رہے ہو میرے محکمے کی۔''

''میں تم کو پلید کر دوں گا ورنہ چل کر اس سالے بڈھے ہی کو مارو جو ہمیں شریف آدمی کہہ رہا تھا۔''

''شریف ہونا بُری بات ہے۔'' حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

''ہاں! میرے لئے شریف ہونا بُری بات ہے۔ میرا باپ شریف آدمی ہے۔ جس کی بیوی میری ماں تھی لیکن مجھے باپ کہنے والا کبھی پیدا نہ ہو سکے گا۔ خان بہادر عاصم کی ایسی کی تیسی۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ آج کل قاسم تقریباً ہر وقت ہی اپنے باپ کی شان میں قصیدے پڑھتا رہتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ حال ہی میں اس کے ایک ماموں زاد بھائی کی شادی ہوئی تھی اور یہ جوڑا آپس میں ایک دوسرے سے گہری محبت رکھتا تھا۔ ظاہر ہے کہ قاسم کے سینے پر سانپ لوٹتے رہے ہوں گے کیونکہ اُس کی ازدواجی زندگی سرے سے ناکام رہی تھی۔

حمید چند لمحے خاموش کھڑا رہا پھر وہ بھی ڈائننگ ہال کی طرف بڑھا۔ قاسم بڑبڑاتا ہوا

چل رہا تھا۔

''یہ اُن ں بھی شاید مذاق کرتے ہیں۔ اُس بڈھے مریل کی جورو اتنی تگڑی اور میری بیوی چوہیا کی اولاد.....واہ.....وا.....کیا انصاف ہے۔''

''شٹ اپ یو کالا کافر۔'' حمید رک کر مڑا۔ ''یہ تمہارے باپ کا انصاف ورنہ کسی عورت کی پیشانی پر اُس کے ہونے والے شوہر کا نام نہیں لکھا رہتا۔''

''تم میری بات نہ کاٹا کرو سمجھے۔'' قاسم کے نتھنے پھولنے پچکنے لگے۔

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ وہی عورت پھر آ ٹکرائی۔ وہ ابھی ڈائننگ ہال تک پہنچے بھی نہیں تھے۔

''دیکھئے.....میں پھر کہتی ہوں کہ پرس واپس کر دیجئے ورنہ اچھا نہ ہوگا۔'' عورت نے کہا۔

''آپ خواہ مخواہ پیچھے پڑ گئی ہیں۔'' حمید مسکرایا۔

''اے تم مسکراتے کیوں ہو۔'' قاسم جھلا گیا۔

''پھر کیا کروں۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''مجھے ان پر لاکھ برس غصہ نہیں آ سکتا۔ تم بھی مسکراؤ۔ قاسم نے مسکرانے کی کوشش کی۔ ہونٹ پھیلے اور پھر سکڑ گئے۔''

''میں آپ کو پولیس کے حوالے کر دوں گی۔''

''شوق سے کر دیجئے۔'' حمید نے کہا۔

''ابے تم اپنا وزیٹنگ کارڈ کیوں نہیں نکالتے۔'' قاسم پھر جھلا گیا۔

اور عورت ایک زہریلی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ ''نہیں آپ اپنا وزیٹنگ کارڈ اپنے پاس ہی رکھئے۔ دنیا کے سارے جیب کترے خود کو لارڈ کچز کا بھتیجا ظاہر کرتے ہیں۔''

''اے زبان سنبھال کے! تم خود ہوگی جیب کتری۔'' قاسم جیب سے اپنا پرس نکالتا ہوا بولا۔ ''کتنے روپے تھے آپ کے پرس میں۔''

''دو ہزار.....!''

''قاسم نے بڑے نوٹوں کی ایک گڈی کھینچی اور بیس نوٹ اس کی طرف بڑھا دیئے۔''

''دو ہزار روپے میرے جوتے کی نوک پر رکھے رہتے ہیں۔'' عورت نتھنے پھلا کر بولی۔

''پھر آپ کیا چاہتی ہیں۔'' حمید نے کہا۔ ''آپ بتایئے پرس کس قسم کا تھا تاکہ وہ بھی خرید دیا جائے۔''

''آپ لوگ عجیب آدمی ہیں۔'' دفعتاً عورت روہانسی ہو کر بولی۔ ''میں اپنا پرس چاہتی ہوں۔''

''اگر ہمیں علم ہوتا تو اپنا وقت نہ برباد ہونے دیتے۔'' حمید نے کہا۔

''اُس پرس میں دو تین خطوط تھے۔''

''وہ لیٹر بکس ہی سہی..... لیکن ہمیں علم نہیں۔''

''میں برباد ہو جاؤں گی۔ تباہ ہو جاؤں گی۔ خدا کے لئے رحم کیجئے۔''

''ہاں..... پرس کی تلاش کے سلسلے میں ہم آپ کی مدد ضرور کر سکتے ہیں۔'' حمید نے جیب سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

عورت نے وزیٹنگ کارڈ دیکھا اور پھر اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''معاف کیجئے گا میری غلط فہمی کو۔'' وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

''کوئی بات نہیں ہے۔ ہاں اب فرمایئے۔ چلئے میں اس جیب تراشی کی رپورٹ درج کرا دوں۔''

''اوہ..... یہی تو میں نہیں کرنا چاہتی۔ ورنہ اب تک شاید آپ ہی کے خلاف کوئی قانونی کاروائی کر بیٹھتی۔ اوہو..... اچھا خاموش رہئے پروفیسر آ رہے ہیں۔''

بوڑھا تیزی سے اُن کی طرف لپکا آ رہا تھا۔

''اوہ..... ڈارلنگ تم نہیں باز آؤ گی۔'' وہ قریب پہنچ کر بولا۔ ''میں کہتا ہوں، ختم کرو اس قصے کو۔ اگر یہ حرکت ان کی ہوتی تو یہ یہاں ٹھہرتے کیوں۔ تھوڑی عقل بھی استعمال کرو۔''

''اوہ..... ہاں ڈیئر۔'' عورت جلدی سے بولی۔ ''میں دراصل ان سے معافی مانگنے آئی تھی۔ یہ معزز اور شریف آدمی ہیں۔''

''کیوں..... دیکھا..... میں نہ کہتا تھا۔'' بوڑھا بچکانے انداز میں ہنسنے لگا۔

''کاش آپ حضرات میری دعوت قبول کر لیتے۔'' عورت نے ان دونوں کی طرف دیکھ

کر کہا۔ پھر بوڑھے سے بولی۔ ''میں نے کہا تھا اگر کوئی حرج نہ ہو تو کھانا ہمارے ہی ساتھ کھایئے۔''

''بالکل مناسب کہا تھا تم نے ڈارلنگ۔'' بوڑھا چہک کر بولا۔

''پھر آپ کیا کہتے ہیں۔'' عورت اُن کی طرف مڑی۔

''ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔'' حمید نے کہا۔

''اوہ..... شکریہ..... آیئے آیئے۔'' بوڑھا ڈائننگ ہال کی طرف مڑتا ہوا بولا۔ اس کی رفتار تیز تھی۔ یہ تینوں آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ وہ کافی آگے نکل گیا۔

''آپ کو اس ڈرامائی دعوت پر حیرت تو ہوئی ہوگی۔'' عورت نے آہستہ سے کہا۔

''ہونی ہی چاہئے۔'' حمید بولا۔

پتہ نہیں قاسم پر کیا بیت رہی تھی۔ ایک تگڑی سی عورت کا قرب اور دوسرے یہ دعوت۔ اس کے دل و معدے میں ہیجان تو یقیناً برپا ہو گیا ہوگا۔

''میں کیا بتاؤں کہ کتنی پریشان ہوں۔'' عورت نے کہا۔

لیکن حمید خاموشی سے چلتا رہا۔

وہ ڈائننگ ہال میں آئے۔ ان کی میز غالباً پہلے ہی سے ''مخصوص'' تھی۔ بوڑھا ان سے پہلے ہی پہنچ گیا تھا۔ اُس نے اٹھ کر ان کا استقبال کیا۔

پھر کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ ''اگر آپ حضرات اپنے تعارف کی زحمت گوارا کریں تو مجھے خوشی ہوگی۔''

''میں اقبال سلیم ہوں۔'' حمید نے کہا۔ ''تفریحی کتابوں کی تجارت ذریعہ معاش ہے اور یہ مسٹر قاسم ہیں۔ خان بہادر عاصم کے صاحبزادے۔''

''بڑی خوشی ہوئی۔'' بوڑھا ہاتھ بڑھا کر بولا۔ ''لوگ مجھے پروفیسر شوخ کہتے ہیں اور یہ مسز شوخ ہیں۔''

''آپ دونوں سے مل کر بے حد خوشی ہوئی۔''

''ہوئی نا..... میں پہلے ہی کہتا تھا۔'' بوڑھا پھر بچکانے انداز میں ہنسا۔

''لیکن آپ پروفیسر کیوں ہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''اوہ..... کسی زمانے میں فلسفے کا پروفیسر تھا۔'' بوڑھے نے ہنس کر کہا۔ ''فلسفہ تاریخ اور پولیٹکل سائنس تینوں مضامین میں ڈاکٹریٹ کی تھی۔ آپ کے اس شہر میں کوئی اور بھی ایسا ہے جس نے تین مضامین میں ڈاکٹریٹ لی ہو۔''

''چار..... پروفیسر صاحب! ایک میں ہی ہوں۔ نبراسکا یونیورسٹی کو مجھے چار مضامین میں ڈاکٹریٹ دینی پڑی تھی تب کہیں جا کر اُس کا پیچھا چھوٹا۔''

''نہیں.....!'' حمید نے حیرت سے کہا۔ ''کن مضامین میں۔''

''ٹیلرنگ، بک مائینڈنگ، آئس کریم فریزنگ اور پلاسٹک مولڈنگ۔''

''لاحول ولاقوۃ .....'' بوڑھا بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''یہ بھی کوئی مضامین ہوئے۔''

''آپ کے مضامین پر میں دس بار لاحول ولاقوۃ بھیج سکتا ہوں۔''

''نہیں بھیج سکتے۔'' قاسم بوڑھے کی حمایت پر آمادہ ہو گیا۔

''نہیں بھیج سکتے نا..... میں پہلے ہی کہتا تھا۔'' بوڑھا ہنسنے لگا۔

''فلسفہ..... تاریخ..... لوٹو میکل پائینس!'' قاسم سر ہلا کر بولا۔ ''واہ واہ سبحان اللہ۔''

''پولیٹکل سائنس.....!'' بوڑھے نے تصحیح کی۔

''جی ہاں..... جی ہاں۔ میں جلدی میں کہہ گیا تھا۔''

''اوہ..... کھانا ڈارلنگ.....!'' دفعتاً بوڑھے نے عورت سے کہا۔

''ہاں! میں نے ویٹر سے کہہ دیا ہے۔''

''مگر یہ شوخ کیسا نام ہے پروفیسر صاحب۔'' حمید خواہ مخواہ چھیڑ چھاڑ جاری رکھنا چاہتا تھا۔

''نام نہیں تخلص ہے..... میں شاعر بھی ہوں۔''

حمید کی روح فنا ہو گئی کیونکہ شاعری تاریخ و فلسفہ اور سیاست سب پر حاوی ہو جاتی ہے اور شاعر سر پر سوار ہو جاتا ہے۔

''مجھے شاعری سے بالکل دلچسپی نہیں ہے۔'' حمید جلدی سے بولا۔

''ہونی بھی نہ چاہئے۔ بھلا پلاسٹک مولڈنگ اور شاعری میں کیا علاقہ۔''

حمید جواب میں کچھ کہنے کے لئے پنجے جھاڑ ہی رہا تھا کہ ایک ویٹر نے قریب آ کر بوڑھے سے کہا۔

''آپ کا فون ہے جناب۔''

''اوہ..... اچھا..... میں ابھی حاضر ہوا۔'' بوڑھا اٹھتا ہوا بولا۔

حمید اُسے جاتے دیکھ رہا تھا۔ اُس کی چال مضحکہ خیز تھی۔ حمید نے پائپ نکالا اور تمباکو بھرنے لگا۔

''اوہ..... اب کھانا آ ہی رہا ہوگا۔ آپ پائپ کیوں بھر رہے ہیں۔'' عورت نے کہا۔

''کھانے کے بعد کیلئے بھر رہا ہوں..... مگر شوخ صاحب زندہ دل آدمی معلوم ہوتے ہیں۔''

''آپ اُن کا مضحکہ اڑانے کی کوشش کر رہے تھے کیا یہ مناسب تھا اور آپ نے انہیں اپنا صحیح نام بھی نہیں بتایا۔''

''کیسے بتاتا جب کہ آپ خود ہی نہیں چاہتی تھیں۔''

''میں نہیں چاہتی تھی..... یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔''

''اگر آپ چاہتی ہوتیں تو خود ہی تعارف کرا دیتیں۔ آپ تو میرے نام سے واقف تھیں۔''

''جی نہیں..... میں نے آپ کا کارڈ دیکھا تھا۔ لیکن اب اس وقت مجھے آپ کا نام یاد نہیں آ رہا ہے۔''

''کیپٹن ساجد حمید فرام فیڈرل انٹیلی جنس بیورو۔''

''کیا یہ آپ کی پیشانی پر تحریر ہے۔'' عورت نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ ''ہو سکتا ہے آپ کا یہ کارڈ جعلی ہو۔''

''پھر آپ نے ہمیں کیوں مدعو کیا ہے۔''

''ختم کیجئے.....!'' عورت ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''پروفیسر آ رہے ہیں۔''

حمید خاموش ہو گیا۔ بوڑھا بڑی تیزی سے میز کی طرف آیا۔ وہ کچھ پریشان سا تھا اور اس

کی سانس پھول رہی تھی۔

''اوہ..... ڈیئر..... داؤد زینوں سے گر گیا ہے۔ میں جا رہا ہوں۔ پیر کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ نہیں نہیں آپ حضرات تشریف رکھئے۔ تم بھی بیٹھو ڈیئر۔ میں دیکھ لوں گا۔''

''نہیں میں بھی چل رہی ہوں۔'' عورت اٹھتی ہوئی بولی۔

''نہیں! تم بیٹھو..... یہ بدتمیزی ہے کہ مدعو کر کے.....!''

''نہیں جناب کوئی بات نہیں۔'' حمید نے کہا۔

''نہیں آپ حضرات تشریف رکھئے۔'' بوڑھے نے کہا اور تیزی سے چلتا ہوا باہر نکل گیا۔

''پروفیسر بہت سوشل آدمی ہیں۔'' عورت بیٹھتی ہوئی بولی۔ ''ہمارا بھتیجا زینوں سے گر کر زخمی ہو گیا ہے۔ پھر بھی انہوں نے اسے گوارا نہیں کیا کہ ان کے مہمان ان کے متعلق کوئی بُری رائے قائم کریں۔''

''اور آپ اتنے اچھے آدمی کو دھوکا دینا پسند کرتی ہیں۔''

''کیا مطلب.....؟''

''یہی کہ دو جیب کتروں کو ان پر بار بنا رہی ہیں۔''

''اے..... ذرا سوچ سمجھ کر۔'' یک بیک قاسم بولا۔ ''تم ہو گے جیب کترے میں تو نہیں ہوں۔''

''آپ غلط سمجھے..... آپ نہیں سمجھ سکتے۔ میں نے محض اسی لئے کہا تھا کہ پروفیسر کو کسی نئی الجھن کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ میں ایک بار پھر استدعا کروں گی مجھے صرف وہ خطوط دے دیجئے۔''

''وہ خطوط کیسے ہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''بس ایسے ہی کہ اُن سے پروفیسر کو دکھ پہنچ سکتا ہے۔''

''میں سمجھ گیا۔ یعنی اگر وہ خطوط غلط ہاتھوں میں پہنچ جائیں تو آپ بلیک میل بھی کر سکتی ہیں۔''

''یہی سمجھ لیجئے۔'' عورت نے کہا اور پھر تھوڑے توقف کے ساتھ بولی۔ ''اگر پرس آپ کے پاس ہے تو آپ جو قیمت لگائیں میں ادا کرنے کو تیار ہوں اور اگر آپ واقعی محکمہ سراغ

رسانی سے تعلق رکھتے ہیں تو خدارا میری مدد کیجئے ورنہ..... ورنہ..... دیکھئے میں نہیں چاہتی کہ پروفیسر کی زندگی برباد ہو۔ حالانکہ اگر میں آپ کو حقیقت بتا دوں تو آپ بھی میرا مضحکہ اڑانے پر تیار ہو جائیں گے۔''

''بتا دیجئے حقیقت بھی تاکہ میں سچ مچ آپ کو بلیک میل کر سکوں۔''

''خدارا سنجیدگی اختیار کیجئے۔'' عورت نے کہا اور اتنے میں دو ویٹروں نے میز پر برتن لگانے شروع کر دیئے۔ قاسم بار بار منہ چلاتا ہوا پہلو بدل رہا تھا۔

ویٹر کھانا رکھ کر چلے گئے اور سلسلہ گفتگو پھر شروع ہو گیا۔

''کوئی سالا آپ کو بلیک میل نہیں کر سکتا۔'' قاسم بڑا سا نوالا حلق میں ٹھونستا ہوا بولا۔

''مجھے بتایئے میں ایک ایک کی گردن توڑ دوں گا۔''

وہ قاسم کی طرف شبہے کی نظر سے دیکھنے لگی۔

''میں انتہائی کوشش کروں گا۔'' حمید بولا۔ ''آپ کا کیا نام ہے۔''

''شوخی.....!'' قاسم نے کہہ کر ایک بھدا سا قہقہہ لگایا۔

''آپ لوگ آخر اتنی بدتہذیبی سے کیوں پیش آ رہے ہیں۔''

''مم..... معاف..... کیجئے گا۔'' قاسم ہکلایا۔

''یہ میرے دوست تھوڑے سے کریک ہیں۔'' حمید بولا۔

''جی ہاں..... میں بالکل..... اُل..... اُل..... اُلو ہوں۔'' قاسم نے بڑی سعادتمندی سے اعتراف کیا۔

''اب میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی ہوں کہ مجھ سے ایک بڑی حماقت سرزد ہوئی ہے۔ پرس یقیناً آپ ہی لوگوں کے پاس ہے اور میں نے آپ سے ان خطوط کی اہمیت کا تذکرہ کر دیا ہے۔''

''اور ہم لوگ اب آپ کو بلیک میل کریں گے..... کیوں؟''

''اور کیا کہا جا سکتا ہے۔'' عورت نے کہا اور دفعتاً اس طرح اچھل پڑی کہ نہ صرف ہاتھ سے نوالا چھوٹ گیا بلکہ ایک پلیٹ بھی الٹ گئی۔ اُس کا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا ہوا تھا اور

آنکھوں سے شدید ترین تکلیف ظاہر ہو رہی تھی۔ پھر وہ نیچے جھکی اور داہنا پیر اٹھا کر ایک پنڈلی پر رکھ لیا۔

پنڈلی پر سے ساری سرکائی اور ایک ہلکی سی چیخ اُس کے حلق سے نکل گئی۔ حمید بھی جھکا۔ پنڈلی میں ایک بڑی سی سوئی چبھی ہوئی تھی جس کی نوک دوسری طرف نکل گئی تھی اور پچھلا حصہ اسی قدر گوشت سے باہر نکلا ہوا تھا کہ چٹکی سے پکڑا جا سکے۔

''میرے خدا..... میں مری۔'' وہ دونوں آنکھیں بھینچ کر کراہی لیکن حمید دوسرے ہی لمحے میں سوئی کو گوشت سے کھینچ چکا تھا۔ خون کی ایک پتلی سی لکیر سفید پنڈلی پر متحرک نظر آ رہی تھی۔

منہ کا سانپ

قاسم اور حمید دونوں ہی اس واقعے پر بوکھلا گئے تھے۔ بوکھلاہٹ میں اضافہ اس لئے بھی ہو گیا تھا کہ لوگ اپنی اپنی میزوں سے اٹھ اٹھ کر ان کی طرف آنے لگے تھے۔ حمید نے رومال سے خون خشک کیا اور دوسرا رومال پانی میں بھگو کر زخم پر باندھ دیا۔

''کوئی بات نہیں ہے۔'' حمید نے دوسروں سے کہا۔ ''آپ اپنی میزوں پر تشریف لے جائیں۔ معمولی سی چوٹ ہے۔''

لیکن چوٹ کے متعلق پوچھ گچھ شروع ہو گئی۔ وہ اتنی ہی دلکش عورت تھی کہ لوگ زیادہ سے زیادہ ہمدردی کا اظہار کرنا چاہتے تھے۔ بدقت تمام حمید انہیں میز کے پاس سے کھسکانے میں کامیاب ہو سکا۔

عورت کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کئے بیٹھی رہی۔ اُس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ تکلیف برداشت کرنے کے لئے سخت ترین جدوجہد کر رہی ہے۔

''یہ کیسے ہوا۔'' حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

اس نے آنکھیں کھول دیں مگر کچھ نہیں بولی۔

''جی ہاں..... یہ کیسے ہوا۔'' قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''کچھ نہیں..... کچھ بھی نہیں۔'' عورت خوفزدہ آواز میں بولی۔ ''آپ لوگ مجھے معاف فرمائیں۔ میں جانا چاہتی ہوں۔''

''آخر یہ سوئی۔'' حمید نے کہا۔

''آپ کو اس سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے۔'' عورت نے غصیلے لہجے میں کہا اور ویٹر کو اشارے سے بلا کر بل لانے کو کہا۔

''آپ جایئے۔'' حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ ''بل میں ادا کر دوں گا۔''

''میں فقیر نہیں ہوں۔'' عورت نے کہا۔

''ہم بھی بھک منگے نہیں ہیں۔'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ''آپ دونوں میاں بیوی کریک معلوم ہوتے ہیں۔''

''تمیز سے بات کیجئے۔''

''ہاں تمیز سے گفتگو کرو۔ تم خود ہو گے کریک۔'' قاسم عورت کا ساتھ دینے لگا۔

اتنے میں ویٹر بل لایا اور عورت نے کچھ نوٹ بلاؤز کے گریبان سے نکال کر طشتری میں رکھ دیئے۔

''یہ روپے بھی آپ نے پرس میں کیوں نہیں رکھے تھے۔'' حمید نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''تم سے مطلب.....!'' قاسم اکھڑ گیا۔

''تم خاموش رہو۔''

''نہیں خاموش رہوں گا۔ تم ایک لیڈی کی توہین کر رہے ہو۔''

عورت اٹھ گئی۔ حمید اُسے دروازے کی طرف جاتے دیکھتا رہا۔

''وہ تو گئی حمید بھائی۔'' قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''تم میرے پیچھے نہیں آؤ گے سمجھے! ورنہ تمہارا انجام بہت بھیانک ہوگا۔'' حمید بھی اٹھتا

ہوا بولا۔

''ارے واہ.....!'' قاسم نے کہا اور اٹھنے کا ارادہ کیا مگر پھر کچھ سوچ کر رہ گیا۔

حمید کمپاؤنڈ میں پہنچ چکا تھا۔ اُس نے عورت کو گیرج کیطرف جاتے دیکھا اور وہ خود بھی آگے بڑھا۔ وہ اپنی واٹر کول انجن والی بے آواز موٹر سائیکل پر آیا تھا اور وہ بھی گیراج ہی میں تھی۔

حمید بھی بہت محتاط ہو گیا تھا کوشش یہی تھی کہ نظر اس پر نہ پڑنے پائے۔

عورت نے گیرج سے کار نکالی اور حمید اُس وقت تک اپنی موٹر سائیکل کے قریب کھڑا رہا جب تک کہ کار باہر نہیں نکل گئی۔ پھر تھوڑی ہی دیر بعد وہ اس کا تعاقب کر رہا تھا۔

اگر سوئی والا واقعہ پیش نہ آیا ہوتا تو وہ اُن دونوں میاں بیوی کی جھکی سمجھ کر نظر انداز کر دیتا مگر وہ عورت اسی طرح اچھل پڑی تھی جیسے اچانک کوئی چیز آ لگی ہو۔

پھر سوئی بھی کیسی جو ایک طرف سے گھس کر دوسری طرف نکلی گئی تھی۔ یقیناً وہ بڑی قوت سے پھینکی گئی ہوگی۔ مگر کیسے..... کیا انسانی ہاتھ اس قسم کا کوئی کورنامہ انجام دے سکتے ہیں۔ حمید کو یہ ناممکن معلوم ہوئی اور وہ یہی سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اگر وہ سوئی پھینکی ہی گئی تھی تو اس کے لئے کسی قسم کی مشین استعمال کی گئی ہوگی۔ لیکن عورت نے اس کے متعلق کچھ بتانے کی بجائے چھپانے کی کیوں کوشش کی تھی۔ وہ خوفزدہ بھی تھی۔

عورت کی کار سنسان سڑک پر دوڑتی رہی اور حمید تعاقب کرتا رہا۔ نیاگرہ شہر کی آبادی سے بہت دور ایک پرفضا مقام پر واقع تھا۔ اس لئے اس سڑک پر زیادہ ٹریفک نہیں رہتا تھا۔ حمید نے اپنی موٹر سائیکل کی ہیڈ لائیٹ بجھا رکھی تھی اور اس کا انجن تو بے آواز ہی تھا۔

وہ دونوں آگے پیچھے شہر میں داخل ہوئے اور تعاقب اب بھی جاری رہا۔ آخر تھوڑی دیر بعد وہ کار ایک عمارت کی کمپاؤنڈ میں مڑ گئی اور حمید اپنی گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔ کچھ دیر بعد اُس نے پھر اپنی موٹر سائیکل موڑی اور اُسے ایک جگہ روک کر اتر پڑا۔

اب وہ اسی عمارت کی طرف پیدل واپس آ رہا تھا جس میں کار داخل ہوئی تھی۔ وہ پھاٹک کے قریب رکا۔ بائیں جانب کسی کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔ حمید جھک کر دیکھنے لگا۔ اُس پر

تحریر تھا۔ ''پروفیسر.....اے.....آر.....شوخ۔''

حمید پیچھے ہٹ آیا۔ وہ تو اپنے ہی مکان میں داخل ہوئی تھی۔ حمید نے ایک بار پھر عمارت کا جائزہ لیا۔ عمارت بڑی شاندار تھی۔

وہ موٹر سائیکل کی طرف واپس آیا اور اب گھر جانے کے علاوہ اور کیا چارہ رہ گیا تھا۔ آج کل فریدی بھی شہر میں موجود نہیں تھا۔ اس لئے اسے زیادہ تر گھر ہی پر رہنا پڑتا تھا۔ فریدی کی عدم موجودگی میں اس کے جانوروں کی دیکھ بھال حمید ہی کو کرنی پڑتی تھی اور یہ ایک ایسا کام تھا جس کے تصور ہی سے اُس کی روح فنا ہوتی تھی۔ صرف کتوں کا راشن تقسیم کرانے میں تقریباً دو گھنٹے صرف ہو جاتے اور وہ سوچتا تھا کہ آخر فریدی یہ سب کچھ کیسے کر لیتا ہے۔

گھر پہنچتے ہی اُس نے ٹیلی فون ڈائریکٹری اٹھائی اور پروفیسر شوخ کے نمبر تلاش کرنے لگا جو جلد ہی مل گئے۔ اُس نے اُسے فون کر کے اس کے بھتیجے کی خیریت دریافت کرنے کا ارادہ کیا مگر پھر ایسا نہیں کیا۔

کافی رات گئے تک وہ سوئی والی گتھی سلجھانے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن اُسے ناکامی ہی ہوئی اور پھر وہ سو گیا۔

دوسری صبح اُس نے پروفیسر شوخ کے نمبر ڈائیل کئے۔

''یس ہیلو! میں پروفیسر شوخ ہوں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''ہوا کرو۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔

''آپ کون صاحب ہیں!''

''محکمہ سراغ رسانی کا کیپٹن حمید۔''

''اوہ..... جناب..... فرمایئے..... جناب۔''

''میں بیگم شوخ سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''ضرور..... ضرور..... براہِ کرم ہولڈ اَپ کیجئے۔ میں انہیں بھیجتا ہوں۔''

حمید منتظر رہا۔ تھوڑی دیر بعد دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز آئی۔ ''ہیلو۔''

''آپ کا پیر کیسا ہے بیگم صاحبہ۔'' حمید نے پوچھا ''اور ساتھ ہی میں آپ کے بھتیجے کی بھی خیریت دریافت کرنا چاہوں گا۔''

''اوہ.....تو آپ ہیں۔''

''جی ہاں۔''

''آپ مجھے بلیک میل نہیں کر سکتے۔ اس خبط کو دل سے نکال دیجئے۔ میں خود ہی پروفیسر کو سب کچھ بتادوں گی۔''

''میں نے اس وقت آپ کو اس لئے فون کیا ہے کہ براہِ کرم قانون کی مدد فرمایئے۔ ورنہ ہوسکتا ہے کہ خود آپ کے خلاف مجھے کوئی قانونی کارروائی کرنی پڑے۔''

''کیا مطلب.....!''

''میں اس سوئی کے متعلق معلوم کرنا چاہتا ہوں جو پچھلی رات میں نے آپ کی پنڈلی سے نکالی تھی۔''

''وہ ایک سوئی تھی۔'' بیگم شوخ نے غصیلی آواز میں کہا۔

''وہ یقیناً ایک سوئی تھی۔ لیکن کس طرح پھینکی گئی تھی۔ میں جاننا چاہتا ہوں اور پھینکنے والا کون تھا.....؟''

''میں کیا جانوں۔''

''محترمہ ہوش کی دوا کیجئے۔ کیا آپ یہ چاہتی ہیں کہ میں آپ کے مکان پر باوردی آدمی بھیجوں۔ میرا خیال ہے کہ پروفیسر شوخ اس پر ہرگز تیار نہ ہوں گے۔''

''کیا واقعی آپ کا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے ہے۔''

''آپ کو اُسی وقت یقین ہوسکتا ہے جب کچھ باوردی لوگ پوچھ گچھ کیلئے وہاں پہنچ جائیں۔''

''دیکھئے۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''آپ خواہ مخواہ مجھے دھمکا رہے ہیں۔ جی ہاں وہ سوئی میری پنڈلی میں چبھی ہوئی تھی آپ کا یہ خیال قطعی لغو ہے کہ کسی نے اُسے پھینکا تھا میں نے خود ہی اپنے ہاتھوں سے چبھوئی تھی۔ اب فرمایئے کیا خیال ہے۔''

''آپ غلط بیانی سے کام لے رہی ہیں۔''

''اچھی بات ہے تو اُسے ثابت کیجئے کہ اس کا ذمہ دار میرے علاوہ اور کوئی ہے۔''

''میں ثابت کردوں گا۔''

''مجھے بھی آگاہ فرمایئے گا۔'' دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

حمید کو بڑا غصہ آیا۔ اس عورت کے لہجے سے اس کی جھلاہٹ پہلے ہی بڑھ گئی تھی۔ وہ ریسیور رکھ کر ہٹنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

''ہیلو.....!''

''آئیں.....غائیں.....غمید بھائی۔'' دوسری طرف سے آواز آئی اور حمید کا غصہ پہلے سے بھی زیادہ تیز ہوگیا۔

''کیا ہے۔''

''آ کھری.....دیدار کر جاؤ.....میرا.....!'' قاسم کراہا۔

''کیا ہوا.....؟''

''تھوڑی دیر بعد.....نہیں.....نہیں.....مجھے بچالو.....حمید بھائی بچالو۔''

''ابے بتاتا کیوں نہیں۔''

''ہائے.....تم بھی کھفا.....ہوگئے۔'' قاسم نے ہچکی لی۔ وہ سچ مچ رو رہا تھا اور اس زور شور کے ساتھ کہ حمید کو خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں لائین نہ خراب ہوجائے۔

''میں آرہا ہوں۔'' اس نے کہا اور جلدی سے ریسیور رکھ دیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ پتہ نہیں اس پر کیا افتاد پڑی ہے کیونکہ فون پر اُس سے اکثر حماقتیں سرزد تو ہوتی رہی تھیں لیکن آج تک وہ اس طرح رویا نہیں تھا۔

حمید نے لباس تبدیل کیا اور قاسم کی کوٹھی کی طرف روانہ ہوگیا۔

وہاں اُسے ایک ہنگامہ نظر آیا۔ نوکر بدحواسی میں ادھر اُدھر دوڑتے پھر رہے تھے اور قاسم کی دہاڑیں کمپاؤنڈ سے بھی سنی جاسکتی تھیں۔

کمپاؤنڈ میں اسے کئی کاریں بھی کھڑی نظر آئیں۔ اس نے ایک ملازم کو کارڈ دیا مگر بوکھلا کر بولا۔

''چلئے حضور! اس وقت کارڈ کسے دوں گا۔''

''کیوں! کیا بات ہے۔''

''صاحب کے پیٹ میں درد ہے۔''

''لاحول ولا قوۃ۔'' حمید غصیلے لہجے میں بولا۔

''پانچ ڈاکٹر موجود ہیں سرکار۔ مگر صاحب یہی کہتے ہیں کہ ارے میرے ڈاکٹر کو بلاؤ۔''

''بیگم صاحبہ کہاں ہیں۔''

''اندر ہیں..... چلئے حضور۔''

''کیا کروں گا چل کر۔''

''وہ آپ ہی کے لئے تو چیخ رہے ہیں۔''

اندر پہنچ کر حمید نے قاسم کو ایسے حال میں دیکھا کہ اگر ضبط نہ کرتا تو بے تحاشہ قہقہے لگا ہوا نظر آتا۔ وہ ایک مسہری پر چت پڑا تھا اور پیٹ پر ربر کی تین بوتلیں تولیوں میں لپٹی ہوئی رکھی تھیں۔ اس کی بیوی کے علاوہ وہاں شہر کے پانچ بڑے ڈاکٹر بھی موجود تھے۔

''حامید..... بھائی..... آ..... آئی.....!'' قاسم دونوں ہاتھ پھیلا کر چیخا۔

''اوہ آپ آ گئے۔'' قاسم کی بیوی اس کی طرف مڑ کر طنزیہ لہجے میں بولی اور ساتھ ہی قاسم دہاڑا۔ ''جاؤ..... تم سب دفع ہو جاؤ۔ میرا ڈاکٹر آ گیا۔''

''کیوں بکواس کرتے ہو۔'' حمید قاسم کو گھورتا ہوا بولا۔ ''کیا بات ہے۔''

''میں کہتا ہوں..... حمید بھائی کے علاوہ اور سب لوگ اس کمرے سے چلے جائیں۔''

قاسم حمید کے سوال پر دھیان دیئے بغیر غرایا۔

قاسم کی بیوی چند لمحے خاموش کھڑی رہی پھر اس نے ڈاکٹروں کو اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ اٹھ گئے اور پھر کمرے میں صرف حمید ہی رہ گیا۔

''ہائے..... حمید بھائی..... اب کیا ہوگا۔'' قاسم کراہا۔

''کچھ بکو گے بھی۔''

''پتہ نہیں۔ دل میں درد ہے کہ جگر میں..... اُلا جانے..... گردے میں ہو..... پھیپھڑوں میں ہو۔ حمید بھائی مجھے بچالو۔''

''میں کیسے بچا سکتا ہوں۔'' حمید نے بیزاری سے کہا۔

بیک بیک قاسم اچھل کر بیٹھ گیا۔ پیٹ پر رکھی ہوئی گرم پانی کی بوتلیں دھپ دھپ فرش پر گریں۔

''کاسے بچا سکتا ہوں۔'' وہ عورتوں کے سے جلے کٹے انداز میں ہاتھ نچا کر بولا۔

''اپنے ساتھ لئے پھرو گے..... جو کام چاہو گے..... لو گے..... مگر بچا نہیں سکتے..... اے لعنت ہے تم پر حمید بھائی۔''

''کیا میرے ساتھ لئے پھرنے کی وجہ سے تم کسی تکلیف میں مبتلا ہوئے ہو۔''

''میں کہتا ہوں تم نے مجھے کل رات کیوں مجبور کیا تھا۔ میں تو اس سالی کے پاس نہیں بیٹھنا چاہتا تھا۔''

''ہاں.....!'' حمید نے آنکھیں نکال کر ایک طویل سانس لی۔ ''تو اسی سلسلے میں یہ دردِ دل یا دردِ جگر کی کہانیاں ہیں۔ مگر تمہیں یہ مشورہ کس گدھے نے دیا تھا کہ دردِ دل یا دردِ جگر کے سلسلے میں گرم پانی کی بوتلیں۔''

''ارے سنو تو سہی۔ دروازہ بند کر دو۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' قاسم آہستہ سے بولا۔

''قاسم! کیا تمہاری شامت آئی ہے۔''

''آئی تھی۔'' قاسم بے ڈھنگے پن سے ہنسا۔ ''مگر تمہارے آتے ہی چلی گئی۔ دروازہ بند کر دو۔ پیارے بھائی۔''

حمید چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر دروازہ بند کر دیا۔

''آؤ..... آؤ..... میرے قریب آؤ۔'' قاسم مضطربانہ انداز میں بولا۔

''لیکن اگر وہ کوئی بے تکی بات ہوئی تو تمہاری بقیہ زندگی تلخ کردوں گا۔'' حمید ایک کرسی کھینچ کر بیٹھتا ہوا بولا۔

''ارے یہ میری زندگی اور موت کا سوال ہے۔ وہ حرامزادی مجھے رات سے مارے ڈال رہی ہے۔''

''کون حرام زادی۔''

''وہی حرامزادی جو ابھی یہاں سے اپنے پانچ باداؤں کے ساتھ گئی ہے۔''

''ہام.....اچھا.....!''

''پچھلی رات وہ بھی نیا گرا گئی تھی اور اس نے ہمیں دیکھا تھا۔ بیگم کھوس کے ساتھ۔''

''بیگم شوخ.....!'' حمید نے تصحیح کی۔

''اونہہ.....شوخ ہی سہی۔'' قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''وہ حرامزادی بیگم شوخ کو بھی جانتی ہے۔''

''اگر تم نے اُسے اب حرامزادی کہا تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔''

''قیوں.....!'' قاسم کی آنکھیں نکل پڑیں۔

''اپنے باپ کو گالیاں دو.....اس کا کیا قصور ہے کیا اس نے تم سے شادی کی درخواست کی تھی۔''

''ہائیں.....تو پھر کیا میں اپنے باپ کو حرامزادہ کہوں۔''

''یقیناً.....!''

''ذرا زبان سنبھال کر۔''

''سنبھل گئی.....ہاں تو تم ابھی کیا کہہ رہے تھے۔''

''حرامزادی کہہ رہا تھا۔'' قاسم گردن اکڑا کر بولا۔

''حرامزای کیا کہہ رہی تھی۔''

''آہاں.....ارے الاقسم۔'' قاسم متحیرانہ انداز میں آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ ''وہ ایسی باتیں

کرتی ہے حمید بھائی کہ دم نکلنے لگتا ہے۔ رات بھر بور کرتی رہی اور پھر مجبوراً مجھے پیٹ میں درد کرنا پڑا۔''

''کیوں؟ کیا وہ باتیں بیگم شوخ کے متعلق تھیں۔''

''ارے.....ہاں.....ہاں.....!'' قاسم سر ہلا کر بولا۔

''کیسی باتیں۔''

''یہی کہ بیگم شوخ ڈائن ہے۔ جادوگرنی ہے۔ اُس کے منہ سے سانپ نکلتے ہیں اور اسکے عاشق پاگل ہوجاتے ہیں۔ وہ ایک ایسے آدمی کو جانتی ہے جو پاگل ہوگیا ہے۔ اس کی ماموں کے سالے کا بھتیجا ہے۔ وہ مجھ سے کہہ رہی تھی کہ ہم دونوں پاگل ہوجائیں گے۔''

''تمہیں یقین ہے کہ تمہاری بیوی پچھلی رات نیا گرہ میں تھی۔''

''ہاں پیارے بھائی! اُس نے ایک ایک بات بتائی ہے۔''

''ٹھہرو! میں اس سے گفتگو کرتا ہوں۔''

''ہائیں! اے کیوں شامت آئی ہے حمید بھائی۔ وہ ایسی دل ہلا دینے والی باتیں کرتی ہے کہ روح پھنا ہونے لگتی ہے.....فنا.....فنا ہونے لگتی ہے۔''

''میں اُس سے پوچھوں گا کہ وہ ایسی باتیں کیوں کرتی ہے۔ اگر سچ مچ تمہارا ہارٹ فیل ہوجائے تو کیا ہوگا۔''

''ہاں.....دیکھو تو حمید بھائی۔'' قاسم کی آواز مظلومیت کے اظہار میں گلوگیر ہوگئی۔

''اچھا تم ٹھہرو۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

''اچھا.....اچھا.....!'' قاسم نے جسم سکوڑ کر جمائی لی اور آہستہ آہستہ منہ چلانے لگا۔

حمید دروازہ کھول کر کمرے سے باہر آیا اور راہداری ہی میں قاسم کی بیوی سے ملاقات ہوگئی جو بہت ہی غصے کے عالم میں تیزی سے ادھر ہی آرہی تھی۔

حمید نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا لیکن انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ابھی چیخنے لگے گی۔

''نہیں۔'' حمید نے کہا۔ ''اگر وہ پھر بے قابو ہوگیا تو تمہیں سارے شہر کے ڈاکٹر اکٹھا کرنے پڑیں گے۔ میں نے بہت مشکل سے اُسے سیدھا کیا ہے۔''

وہ کچھ نہ بولی۔ حمید کو کھا جانے والی نظروں سے گھورتی رہی۔

آؤ..... حمید نے اُسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور پنجوں کے بل قاسم کے کمرے کی سمت چلنے لگا۔ غیر ارادی طور پر وہ بھی اس کی تقلید کرنے لگی۔ وہ بھی اتنی ہی احتیاط سے چل رہی تھی کہ آواز پیدا نہ ہونے پائے۔

کمرے کے سامنے رک کر حمید نے دروازے کے شیشوں کے اندر جھانکنے کا اشارہ کیا۔ اس کے لئے قاسم کی بیوی کو پنجوں کے بل کھڑا ہونا پڑا لیکن اس کے باوجود بھی وہ شیشوں تک نہ پہنچ سکی۔ آخر اُسے قفل کے سوراخ سے جھانکنا پڑا۔

اور پھر دوسرے ہی لمحے میں وہ متحیرانہ انداز میں حمید کی طرف مڑی۔

حمید مسکرا رہا تھا۔ پھر دفعتاً اُس نے دھکا دے کر دروازہ کھولا اور اندر گھستی چلی گئی۔ قاسم اچھل پڑا۔ اُس نے تکیے کے نیچے سے کوئی چیز نکال کر منہ میں رکھی تھی اور اب وہ ایک مضحکہ خیز پوزیشن میں تھا۔ ٹانگیں پلنگ سے نیچے لٹک رہی تھیں، ہاتھ پٹی پر تھے منہ پھولا ہوا ہونٹ بھنچے ہوئے اور صرف آنکھیں گردش کر رہی تھیں۔ کبھی وہ حمید کیطرف دیکھتا تھا اور کبھی اپنی بیوی کی طرف۔

دفعتاً وہ آگے بڑھی اور سرہانے سے تکیہ اٹھالیا جس کے نیچے ٹوٹے ہوئے بسکٹوں کا ڈھیر نظر آرہا تھا۔

''یہ درد ہو رہا تھا تمہارے پیٹ میں۔'' وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

''خاں..... ہپ.....!'' بسکٹ کے ٹکڑے اُس کے منہ سے اچھل کر دور جا گرے۔

قاسم جھلا گیا تھا۔ ''اب میں زہر کھاؤں گا.....!'' وہ دہاڑا۔

''میری طرف سے اینٹ اور پتھر بھی کھاؤ۔'' اس کی بیوی چیخی۔

''ارے تم!'' قاسم حمید کو گھونسہ دکھا کر بولا۔ ''تم بڑے گداڑ..... غدار ہو۔''

''ابے میں نے کیا کیا ہے۔ تم پیٹ کے درد سے پڑپ رہے تھے۔ میں نے اسے درد

دل ثابت کر دیا۔ تمہاری تڑپن ختم ہوگئی۔'' حمید نے کہا اور پھر قاسم کی بیوی کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے بولا۔ ''درد دل کے لئے بسکٹ مضر نہیں ہیں۔''

''آپ خاموش رہئے براہِ کرم۔'' قاسم کی بیوی جلے کٹے لہجے میں بولی۔

''ابے ہاں..... تم کیوں ہمارے بیچ میں ٹائیں ٹائیں کرتے ہو۔''

''اچھا تو کہہ دوں..... ابھی جو کہہ رہے تھے۔''

''کہہ دو..... کہہ دو..... کیا تم میرے بڑے دوست ہو۔ پچھلی رات تم نے مجھے اُس جادوگرنی کے چکر میں پھنسا دیا۔ پاگل ہو کر مرو گے..... دیکھنا۔''

''بکواس مت کرو۔ وہ ایک مجرمہ ہے اور میں خاص طور پر اس کی نگرانی کر رہا ہوں۔''

''آپ نگرانی کر رہے ہیں۔'' قاسم کی بیوی نے پوچھا۔

''یقیناً کر رہا ہوں..... لیکن یہ بات اپنی ہی حد تک رکھنا۔''

''ارے واہ.....!'' قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ ''میں ابھی اسے فون کرتا ہوں کہ یہ کیپٹن حمید ہماری نگرانی کر رہا ہے۔''

''کر کے دیکھو..... ناقابل ضمانت وارنٹ نکلواؤں گا اور میں اپنی بہن کو ساتھ لے جا رہا ہوں۔ وہ تم جیسے نالائق آدمی کے ساتھ ہرگز نہیں رہ سکتی۔''

''قونسی بہن۔''

''کیپٹن حمید تمہارا سالا ہے نا لہٰذا یہ کیپٹن حمید کی بہن ہوئی۔ چلو تم میرے ساتھ۔''

''ارے جاؤ جاؤ۔'' قاسم اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ ''بڑے آئے بہن والے سالے۔''

''تم بدتمیزی کیوں کر رہے ہو۔'' قاسم کی بیوی نے اُسے للکارا۔

''ہاں..... تو تم جاؤ گی بھائی کے ساتھ..... ذرا جا کر تو دیکھو۔''

''چلئے حمید بھائی۔''

''لاشیں گریں گی یہاں اگر تم نے گھر سے باہر قدم نکالا۔''

''اچھی بات ہے۔ ہم یہاں بیٹھیں گے۔'' حمید نے کہا اور قاسم کی بیوی کو بھی بیٹھنے کا

اشارہ کیا۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی اور قاسم دونوں کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتا رہا۔ پھر حمید نے اس کی بیوی سے کہا۔ ''تو آپا جان.....!''

''ابے چوپ۔'' قاسم حلق کے بل دہاڑا۔ ''صرف آپا کہو..... جان نہیں۔''

قاسم کی بیوی بے تحاشہ ہنسنے لگی۔

''اچھا آپا..... مجھے اُس عورت کے متعلق بتاؤ۔ تم اُسے کب سے اور کیسے جانتی ہو۔''

''میرے ایک ماموں زاد بھائی سے پچھلے ہفتے وہ کہیں ملی تھی۔ وہ اُس پر ریجھ گئے۔ اُن سے ملتے رہے..... اور پھر ایک رات اُن کا بیان ہے کہ اس عورت کو کھانسی آئی اور اس کے منہ سے ایک ننھا سا سانپ گر کر فرش پر رینگنے لگا۔''

''ارے باپ رے۔'' قاسم سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر کراہا۔

''تمہیں یقین ہے کہ اُن حضرت کا بیان صحیح ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''مجھے یقین ہے..... ناصر بھائی جھوٹ نہیں بول سکتے۔''

''ان کا پتہ بتاؤ..... میں اُن سے ملوں گا۔''

''مجھے افسوس ہے کہ اب وہ آپ کے کسی سوال کا صحیح جواب نہ دے سکیں گے۔''

''کیوں؟''

''اس واقعہ کے دو دن بعد اُن کا دماغ الٹ گیا۔''

''ہوں.....!'' حمید کسی سوچ میں پڑ گیا۔

''ابے تم بھی پاگل ہو جاؤ گے۔'' قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''میں سمجھی تھی شاید آپ دونوں اُس کے چکر میں ہیں۔'' قاسم کی بیوی نے کہا۔

''صرف میں اس کے چکر میں تھا۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔ ''اور ایک بار پھر تم دونوں سے کہتا ہوں کہ ان باتوں کو اپنی ہی حد تک رکھنا۔''

پھر وہ وہاں سے چل دیا۔

بے سروپا تجربہ

بیگم شوخ کی شخصیت کافی دلچسپ ہوتی جا رہی تھی۔ حمید قاسم کے گھر سے روانہ ہو کر ایک طرف چل پڑا مگر پھر خیال آیا کہ اسے قاسم کی بیوی سے اس ناصر کا پتہ معلوم کر لینا چاہئے تھا۔

راہ میں ایک جگہ کار روک کر وہ اُتر پڑا اور پبلک ٹیلی فون بوتھ سے قاسم کے نمبر ڈائیل کئے۔ کال اس کی بیوی نے ریسیو کی لیکن حمید نے صرف پتہ ہی معلوم کر کے سلسلہ منقطع کر دیا۔

اب وہ احمد لاج کی طرف جا رہا تھا۔ قاسم کی بیوی کا ماموں زاد بھائی وہیں رہتا تھا۔ یہ لوگ بھی شہر کے متمول ہی طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔

عمارت کے قریب پہنچ کر حمید نے کار روکی اور اپنا کارڈ اندر بھجوایا۔

ڈرائینگ روم میں اسے تقریباً پانچ منٹ تک تنہا بیٹھنا پڑا پھر ایک معمر آدمی نے اُسے انتظار کی زحمت سے نجات دلائی۔

''فرمایئے جناب!'' بوڑھے نے اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''مجھے مسٹر ناصر سے ملنا ہے۔''

''آپ..... ناصر۔'' بوڑھا کچھ نروس سا نظر آنے لگا۔ ''جی ہاں..... وہ میرا لڑکا ہے..... مگر محکمہ سراغ رسانی.....!''

''جی ہاں ایک سلسلے میں ان سے گفت و شنید کرنی ہے۔''

''کس سلسلے میں۔''

''مجھے افسوس ہے کہ میں نہ بتا سکوں گا۔''

''تب مجھے بھی افسوس ہے جناب۔'' بوڑھا گلوگیر آواز میں بولا۔ ''آپ اُس سے گفتگو نہ کر سکیں گے۔''

''قانون کی مدد کرنا ہر شہری کا فرض ہے۔''

''بشرطیکہ شہری صحیح الدماغ ہو۔'' بوڑھے نے کہا۔

''کیوں؟ میں نہیں سمجھا۔'' حمید نے حیرت ظاہر کی۔

''ناصر ہوش میں نہیں ہے۔''

''مگر ایک ہفتہ پہلے تو ایسی کوئی بات نہیں تھی۔''

''جی ہاں..... آج سے پانچ دن پہلے یک بیک اس کا دماغ الٹ گیا اور اب وہ مینٹل ہاسپٹل میں ہے۔''

''آپ جو کچھ بھی کہہ رہے ہیں اُسے آپ کے خلاف عدالت میں بھی.....!''

''جی ہاں..... قطعی۔'' بوڑھا بات کاٹ کر بولا۔ ''لیکن آخر ناصر کے سلسلے میں عدالتی تذکرہ کیوں۔''

''وہ ایک ایسی عورت کیساتھ دیکھے جاتے رہے ہیں جسے قانون اچھی نظر سے نہیں دیکھتا۔'' بوڑھے نے ایک طویل سانس لی اور کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

''کیوں! کیا آپ بھی اس عورت کے متعلق کچھ جانتے ہیں۔'' حمید اسے گھورنے لگا۔

''ناصر کے پاگل پن کی وجہ ایک عورت ہی ہے۔''

''کون!''

''کوئی پروفیسر شوخ ہے..... اُس کی بیوی۔''

''لیکن ناصر صاحب کو یہ حادثہ کیسے پیش آیا۔''

''میں نہیں جانتا۔'' بوڑھا بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''اس کے چچازاد بھائی کو بھیجتا ہوں وہ بتائے گا۔''

بوڑھا ڈرائنگ روم سے چلا گیا اور حمید بُرا سا منہ بنائے بیٹھا رہا۔

تھوڑی دیر بعد ایک خوش پوش نوجوان اندر آیا۔ اس کی عمر بیس سال سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ صورت ہی سے کھلنڈرا اور غیر سنجیدہ معلوم ہوتا تھا۔

''کیا آپ ہی مجھے ناصر کے متعلق بتائیں گے۔''

''جی ہاں! لیکن اس سے پہلے میں آپ کے بکرے کی خیریت پوچھوں گا۔'' نوجوان ہنس

کر بولا۔ ''کیونکہ میرا بکرا بھی ایسوسی ایشن کا ممبر ہے۔''

''لیکن میں اس وقت بکروں کے لئے خیر سگالی کے مشن پر نہیں آیا ہوں۔'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا اور نوجوان یک بیک سنجیدہ ہوگیا۔

''آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔''

''ناصر نے آپ کو بیگم شوخ کے متعلق کیا بتایا تھا۔''

''یہی کہ وہ ایک قیامت عالم ہے۔ قدم قدم پر فتنے جگاتی ہے۔''

''صاحبزادے مجھے شاعری سے دلچسپی نہیں ہے۔''

''یہی بتایا تھا ناصر بھائی نے یقین کیجئے۔''

''ان کا دماغ کس طرح الٹ گیا۔''

''انہوں نے ایک واقعہ بتایا تو تھا مگر مجھے یقین نہیں آیا تھا۔ پھر جب دو دن بعد وہ پاگل ہوگئے تو یقین کرنا ہی پڑا۔''

''واقعہ بتاؤ دوست۔'' حمید اُسے چمکار کر بولا۔

''ایک رات وہ دونوں نیاگرا کے ایک فیملی کیبن میں تھے۔ بھائی ناصر نے تھوڑی سی پی رکھی تھی، لہٰذا موج میں تھے۔ انہوں نے اُس سے محبت کرنی چاہی لیکن اس پر کھانسیوں کا دورہ پڑ گیا اور اسی دوران میں اس کے منہ سے ایک سانپ کا بچہ نکل کر میز پر رینگنے لگا۔ بھائی ناصر کا بیان ہے کہ انہوں نے اسے فوراً ہی مار ڈالا لیکن وہ خود بُری طرح خائف ہوگئے تھے۔ عورت نڈھال ہوگئی تھی۔ جب بھائی ناصر نے اُس سے اس کے متعلق پوچھا تو وہ رونے لگی۔ اس نے کچھ بھی نہیں بتایا مگر برابر یہی کہتی رہی کہ مجھ سے دور بھاگو۔ میرا خیال دل سے نکال دو۔ میں ایک بدنصیب عورت ہوں..... جاؤ۔''

''پھر.....!''

''پھر یہ کہ بھائی ناصر کی محبت تو پہلے ہی ٹھنڈی پڑ گئی تھی۔ انہوں نے گھر کی راہ لی۔ دو ان تک بور ہوتے رہے پھر پاگل ہوگئے۔ منہ سے نکلنے والے سانپ نے اُن کے ذہن پر

بہت بُرا اثر ڈالا تھا۔''

''تم نے دیکھا ہے اس عورت کو۔''

''دیکھنے کی خواہش ضرور رکھتا ہوں۔''

''مینٹل ہاسپٹل میں پاگل ہو جانے کی وجہ درج کرائی گئی ہے۔''

''بات کا بتنگڑ بننے کے خیال سے اصلیت چھپائی گئی ہے۔'' نوجوان نے کہا۔

''لہٰذا اب یہ بات بھی چھپانی ہی پڑے گی کہ محکمہ سراغ رسانی اس عورت میں دلچسپی لے رہا ہے۔''

''محکمہ سراغ رسانی یا صرف آپ..... معاف کیجئے گا۔ میں ذرا بے تکلف ہو رہا ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ میں نے آپ کے تذکرے بہت سنے ہیں اور میرے ایک عزیز سے آپ کے گہرے تعلقات ہیں۔''

''گہرے نہیں بلکہ لمبے چوڑے۔'' حمید مسکرایا۔

''آپ سے ملنے کا بے حد اشتیاق تھا۔''

''بیگم شوخ اور ناصر صاحب کی دوستی کتنی پرانی تھی۔''

''اس کا مجھے علم نہیں۔ ویسے انہوں نے اس کا تذکرہ ایک ہفتہ پہلے ہی کیا تھا۔ اور دوسرے دن پاگل ہو گئے تھے۔''

''آپ بڑی بیدردی سے اس ٹریجڈی کا تذکرہ کر رہے ہیں۔''

''دیکھئے کپتان صاحب بات دراصل یہ ہے۔'' اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ ''حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس پر یقین نہیں ہے۔''

''کس پر.....!''

''اسی کہانی اور بھائی ناصر کے پاگل پن پر۔''

''کیوں!''

''بس یونہی..... وہ اس قسم کے آدمی ہیں۔ خاندان والوں میں سنسنی پھیلانے کے لئے

اس سے پہلے بھی مختلف قسم کی حرکتیں کرتے رہے ہیں..... مگر!''

''مگر کیا.....؟''

''مگر آپ اُسی عورت کے سلسلے میں ان سے ملنے آئے ہیں۔''

''ہاں! اور اس کے متعلق آپ جتنی زیادہ معلومات فراہم کر سکیں بہتر ہے۔''

اس سے زیادہ اور کچھ نہ بتا سکوں گا۔''

''اس عورت کا پتہ بتایا تھا ناصر صاحب نے۔''

''نہیں کپتان صاحب۔'' نوجوان نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ ''ورنہ اب تک میں بھی پاگل ہو چکا ہوتا۔''

''خیر..... شکریہ۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔ ''اسکا تذکرہ آپ لوگ کسی سے نہیں کریں گے۔''

اب اس کی کار پروفیسر شوخ کی قیام گاہ کی طرف جا رہی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ اُن دونوں سے کس طرح پیش آئے۔ بیگم شوخ معمہ بنتی جا رہی تھی۔ جیسے ہی اس کی کار عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی سامنے والی کھڑکی سے ایک سر باہر نکلا۔ یہ پروفیسر شوخ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے کھڑکی سے جست لگائی اور باہر چلا آیا۔

''دیکھئے..... دیکھئے۔'' وہ ہاتھ ہلا کر چیخا۔ ''بائیں جانب موڑ کر پارک کیجئے ورنہ لان تباہ ہو جائے گا۔''

حمید نے اس کی ہدایت کے مطابق کار بائیں جانب روش پر موڑ کر انجن بند کر دیا۔ پروفیسر شوخ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔

حمید کار سے اتر کر اسکی طرف بڑھا۔ پروفیسر اسطرح پلکیں جھپکانے لگا جیسے اُسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ لیکن پھر مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر استفہامیہ نظروں سے اُسے دیکھنے لگا۔

''کیا آپ نے مجھے نہیں پہچانا۔ میں آپکے بھتیجے کی خیریت دریافت کرنے آیا ہوں۔''

''میں نے آپ کو نہیں پہچانا۔'' بھتیجے کی ٹانگ ٹوٹ گئی ہے اس وقت سو رہا ہے۔ مورفیا کے انجکشن کے بغیر وہ سو نہیں سکتا۔ کیا آپ اس کے دوستوں میں سے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ

میں پہلے بھی آپ کو کہیں دیکھ چکا ہوں۔"

"پچھلی رات نیاگرہ میں۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "ہم دونوں پنگ پانگ کھیل رہے تھے۔"

"تب تو آپ کو یقیناً غلط فہمی ہوئی ہے..... وہ کوئی اور ہوگا۔"

"کیا آپ پروفیسر شوخ نہیں ہیں۔"

"میرے علاوہ اور کون ہوسکتا ہے۔"

"کیا پچھلی رات ہم ایک سیٹ نہیں کھیلے تھے۔"

"خدا جانے مجھے تو یاد نہیں۔" پروفیسر نے جھنجھلا کر کہا۔

اتنے میں اچانک حمید کی نظر سامنے اٹھ گئی۔ مسز شوخ برآمدے میں کھڑی اُسے اشارہ کر رہی تھی۔ پروفیسر کی پشت برآمدے کی طرف تھی۔

مسز شوخ کبھی حمید کو بلاتی کبھی ہاتھ جوڑتی۔ پھر برآمدے سے اتر کر اُن کی طرف تیزی سے بڑھی۔

"اوہ..... ہلو..... کیپٹن۔" اس نے پراشتیاق لہجے میں حمید کو مخاطب کیا۔

"ارے..... ہاں..... آپ کیپٹن حمید ہیں۔ پچھلی رات ہم نے نیاگرہ میں ساتھ کھانا کھایا تھا۔"

"اوہ..... لاحول ولا قوۃ۔" پروفیسر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "یہ حضرت فرما رہے تھے کہ میں ان کے ساتھ پچھلی رات وہاں پنگ پانگ کھیلتا رہا۔"

"بہت دلچسپ آدمی ہیں ڈیئر۔"

پروفیسر ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑاتا ہوا گلاب کی کیاری کی طرف چلا گیا۔ اس طرح ایک بیلچہ اٹھا کر مٹی کی تہیں الٹنے لگا جیسے حمید کی آمد سے قبل وہ یہی کام کرتا رہا تھا۔

"آیئے..... اندر چلئے۔" مسز شوخ حمید کا ہاتھ پکڑ کر عمارت کی طرف کھینچتی ہوئی بولی۔

حمید خاموشی سے چلتا رہا۔

"آپ کی گاڑی بڑی شاندار ہے۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "کاش میں بھی ایک ایئر کنڈیشنڈ

لیکن خرید سکتی۔"

"آپ چار خرید سکتی ہیں۔"

"تو ٹھیک ہے..... مگر پروفیسر.....!"

حمید نے اُس سے جملہ پورا کرنے کی استدعا نہیں کی۔ وہ اُسے ایک شاندار اسٹڈی میں لائی۔ کچھ دیر تک دونوں ہی خاموشی سے بیٹھے ایک دوسرے کو گھورتے رہے پھر حمید بولا۔

"میں ایک شخص کے متعلق معلومات فراہم کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی.....!" وہ چونک پڑی۔

"ناصر.....!" حمید اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"کون ناصر.....!"

"وہی..... ناصر..... جسے نیاگرہ میں منہ سے نکلنے والے سانپ کی پوجا کرنی پڑی تھی۔"

"اوہ.....!" دفعتاً اس کی آنکھوں میں خوف کی جھلکیاں نظر آئیں لیکن پھر شائد اس نے اپنے اعصاب پر قابو پالیا اور اُس کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کیا آپ کوئی دلچسپ داستان سنائیں گے۔"

"اگر آپ اُسے دلچسپ سمجھ سکیں۔"

"شروع ہوجایئے۔"

حمید آنکھیں بند کر کے مسکرایا۔ اُس نے یک بیک اپنا پورا پلان بدل دیا تھا۔

"صنوبر کے سائے تلے۔" وہ آنکھیں کھولے بغیر بولا۔ "مگر نہیں..... میں غلط کہہ رہا ہوں۔ وہ تو نیاگرہ کا ریکریئیشن ہال تھا..... جہاں پہلے پہل..... ہا.....!"

حمید آنکھیں کھول کر مرمٹنے والے انداز میں مسکرایا۔ پھر بولا۔ "مگر آپ اس وقت اشاروں ہی اشاروں میں میری خوشامدیں کیوں کر رہی تھیں۔"

وہ چند لمحے خاموش رہی پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "کہیں آپ اُس سوئی کا تذکرہ پروفیسر سے نہ کردیں۔"

''چلئے میں نے نہیں کیا۔'' حمید بولا۔ ''لیکن اُس سانپ کی داستان بڑی بُری طرح پھیل رہی ہے۔ اگر پروفیسر کے کانوں تک بھی یہ بات پہنچی تو کیا ہوگا۔''

''میں اُسے افواہ ثابت کرسکتی ہوں۔'' اُس نے کہا اور پھر اس طرح زرد پڑ گئی جیسے اچانک جملہ نادانستگی میں زبان سے نکل گیا ہو۔

''خیر اسے آپ افواہ ثابت کرسکتی ہیں۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔ ''لیکن وہ سانپ زندگی بھر میرے دل میں پیوست رہے گی۔''

''آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔''

''میں صرف کبوتر اڑاتا ہوں بشرطیکہ وہ گرہ باز ہوں۔''

''پھر آپ کس لئے تشریف لائے ہیں۔''

''آپ کے بھتیجے داؤد کی خیریت دریافت کرنے کے لئے۔''

''ہڈی ہڈی جوڑ دی گئی ہے اور وہ اس وقت مورفیا کے زیر اثر ہے۔ مگر آپ ناصر کے متعلق کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔''

''آپ جانتی ہیں اُسے۔''

''ہاں میں اُسے جانتی ہوں اور مجھے اعتراف ہے کہ اُسے ایک تحیر انگیز واقعہ سے دوچار ہونا پڑا تھا۔''

''تو یہ حقیقت ہے کہ سانپ آپ کے منہ سے نکلا تھا۔''

''حقیقت ہے۔''

''خدا کی پناہ..... محاورہ غلط ہوگیا۔''

''کیسا محاورہ!''

''آستین میں سانپ پالنا سنا تھا..... مگر پیٹ میں۔''

''بس خاموش رہئے۔ میرے ہی گھر میں بیٹھ کر آپ میرا مضحکہ نہیں اڑا سکتے۔''

''میں مضحکہ نہیں اڑا رہا ہوں بلکہ خود بھی آپ کا یہ کمال دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''دیکھئے نہ تو میں آپ کو اس کے متعلق کچھ بتا سکتی ہوں..... اور نہ.....!''

''ناصر پاگل ہوگیا ہے اور مغل ہاسٹل میں ہے۔ اُس کے اعزہ عنقریب آپ لوگوں پر چڑھ دوڑیں گے۔ وہ بھی اونچے ہی طبقے کے لوگ ہیں۔''

''یہ بات بُری ہوگی۔'' بیگم شوخ نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

''بات ختم بھی ہوسکتی ہے۔'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''مگر.....!''

''مگر کیا.....؟''

''اس کے متعلق سب کچھ میرے علم میں آنا چاہئے۔''

مسز شوخ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ ''لیکن زبان میرا ساتھ نہ دے تو!''

اُس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار نظر آرہے تھے اور چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔

''زبان ضرور ساتھ دے گی۔''

''میرے خدا میں کیا کروں۔'' بیگم شوخ نے کچھ ایسے انداز میں کہا جیسے ابھی اپنے کپڑے چیر پھاڑ کر دیوانہ وار باہر نکل جائے گی۔

ٹھیک اُسی وقت ایک آدمی اسٹڈی میں داخل ہوا جس کے دونوں ہاتھوں میں کسی جانور کی بڑی بڑی ہڈیاں تھیں۔ اسکے بعد ہی پروفیسر بھی اندر آیا۔ اسکے ہاتھوں میں اب بھی بیلچہ تھا۔

''بیگم.....!'' اُس نے پرمسرت لہجے میں کہا۔ ''یہ ذرا..... دیکھو..... یہ ہڈیاں..... ابھی ابھی گلابوں کی ایک کیاری سے برآمد ہوئی ہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ یہ کم از کم پانچ سو سال پرانی ضرور ہیں۔''

''ہوں گی.....!'' بڑی لاپروائی سے کہا گیا۔

''انہیں میں اپنی خواب گاہ میں لٹکاؤں گا۔''

''میرا موڈ اس وقت ٹھیک نہیں ہے۔'' اس کی بیوی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''کیا خیال ہے آپ کا۔'' پروفیسر حمید سے مخاطب ہوگیا۔

''کیا ان ہڈیوں کے ساتھ کوئی تحریر نہیں برآمد ہوئی۔'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں تو.....تحریر کیوں؟''

''ایسی چیزوں کے ساتھ کوئی نہ کوئی تحریر بھی نکلا کرتی ہے۔ مثلاً میرے دادا جان ایک امرود کے کھیت میں.....!''

''امرود کے کھیت.....!'' پروفیسر نے حیرت سے دہرایا۔

''جی ہاں.....ہماری طرف امرود کے کھیت ہی ہوتے ہیں۔''

''یہ آپ کی طرف کدھر ہوتی ہے۔'' پروفیسر نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''اُدھر ہی جدھر پروفیسروں کا سورج غروب ہوتا ہے۔ آج کل میں نباتات پر ریسر کر رہا ہوں اور عنقریب مجھے پانچویں ڈاکٹریٹ مل جائے گی اور آپ یہ ہڈیاں کیا لئے پھر ہیں۔ آپ یہ تک تو بتا نہیں سکتے کہ یہ شجرۃ الجن کی ہڈیاں ہیں یا شاہ بلوط کی۔''

''ہائیں..... ہائیں.....!'' پروفیسر آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا اور اس کی بیوی اسٹڈی سے چلی گئی۔

''جہالت کی باتیں نہ کرو۔'' پروفیسر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا

''آپ کب عقلمندی کی باتیں کر رہے ہیں۔ اگر آپ مجھے زیادہ بور کریں گے تو میرے منہ سے سانپ نکل پڑے گا۔''

''یار تمہارے دماغ میں فتور معلوم ہوتا ہے۔'' پروفیسر آنکھیں نکال کر بولا۔

''دنیا کے سارے بڑے آدمیوں کے متعلق عام آدمی یہی خیال رکھتے ہیں۔''

''میں عام آدمی ہوں۔'' پروفیسر نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''آم کیا میں آپ کو امرود بھی نہیں سمجھتا۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

''بیٹھو.....بیٹھو۔'' پروفیسر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''میں تمہارے دماغ کے کیڑے جھاڑوں گا''

''گلاب کے پودوں کے کیڑے آپ کو زیادہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔'' حمید نے کہا اسٹڈی سے نکل آیا۔

پروفیسر کی بیوی پہلے ہی جا چکی تھی لہٰذا یہاں بیٹھنا دماغ کے کیڑے ہی جھڑوانے

مترادف ہوتا مگر اتنی گفتگو کے بعد یہ عورت اور زیادہ معمہ بن گئی تھی۔

حمید لمبے لمبے قدم رکھتا ہوا کار کے قریب پہنچ گیا لیکن اُسے چونکنا پڑا کیونکہ پروفیسر کی حسین ترین بیوی پچھلی نشست پر نیم دراز تھی۔ اُس نے نیم باز آنکھوں سے حمید کی طرف دیکھا۔ ہلکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی اور اس نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔

حمید اندر بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کر چکا تھا۔

کار پھاٹک سے سڑک پر نکل آئی لیکن وہ اسی طرح پچھلی سیٹ پر پڑی رہی۔ حمید بھی کچھ نہیں بولا۔ البتہ اس کا دل دھڑکنے لگا تھا۔

دفعتاً بیگم شوخ نے کہا۔ ''مجھے کسی ایسی جگہ لے چلئے جہاں چھت نہ ہو۔ دیواریں نہ ہوں۔ درخت نہ ہوں۔ جھاڑیاں نہ ہوں۔ کسی چٹیل میدان میں لے چلئے۔ میں بھی آج امتحان کرنا چاہتی ہوں۔ تنگ آ گئی ہوں اپنی زندگی سے۔''

''میں کچھ سمجھا نہیں محترمہ۔''

''آسانی سے سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے جو کچھ میں کہہ رہی ہوں کیجئے۔''

''چٹیل میدان میں لے چلوں۔''

''ہاں.....جہاں ہم میلوں تک دیکھ سکیں۔ اپنے گرد و پیش آسانی سے نظر دوڑا سکیں۔''

''اچھی بات ہے۔'' حمید نے ایک طویل سانس لی۔

''آپ نے اس وقت پھر پروفیسر کی توہین کرنے کی کوشش کی تھی۔''

''وہ بالکل ڈفر ہے۔'' حمید نے کہا۔

''دیکھئے آپ میری بھی توہین کر رہے ہیں۔ وہ میرے شوہر ہیں۔''

''اگر وہ میرے شوہر ہوتے تو میں انہیں زہر دے کر بقیہ زندگی بحالت بیوگی گذار دیتا۔''

''نہیں آپ ایسا نہیں کہہ سکتے۔ خدا کے لئے خاموش رہئے۔''

''تو وہ آپ ہی کا انتخاب ہے۔''

''سو فیصدی۔''

''کیا میں اس انتخاب کی وجہ پوچھ سکتا ہوں۔''

''اگر کوئی عورت پوچھتی تو بتا دیتی۔''

''مجھے بھی مرد نہ سمجھئے۔''

''اگر آپ ہیں تو ضرور سمجھ جائیں گے۔''

''ہٹایئے یہ ایک فضول بحث ہے۔'' حمید نے کہا۔ وہ اپنی کار جھریالی کے میدان کی طرف لے جا رہا تھا۔

''پچھلی رات آپ کے ساتھ وہ دیوزاد کون تھا۔'' بیگم شوخ نے پوچھا۔

''آپ ہی کے گرفتاروں میں سے ایک۔''

''آپ نہ جانے کیسے آدمی ہیں۔'' وہ بگڑ گئی۔ ''شریف اور بازاری عورتوں میں فرق نہیں کر سکتے۔ کیا گفتگو کا یہی طریقہ ہے۔''

''معاف کیجئے گا۔ آپ سمجھیں نہیں۔ وہ بھی ناصر کے عزیزوں میں سے ہے۔ آج جب اُسے سانپ والا واقعہ معلوم ہوا تو اُسکے دیوتا کوچ کر گئے اب وہ پیٹ کے درد میں مبتلا ہے۔''

''لیکن آپ پر کچھ اثر نہیں ہوا۔''

''ہم لوگ اگر ایسی باتوں سے متاثر ہونے لگیں تو پورا شہر ایک دن میں فنا ہو جائے۔''

''اوہ..... یہ میدان..... یہ میدان..... بالکل ٹھیک ہے۔'' دفعتاً وہ پرمسرت لہجے میں بولی۔ کار جھریالی کے میدان میں داخل ہو رہی تھی۔

''بس اب روک دیجئے۔'' بیگم شوخ نے کہا۔

حمید نے کار روک دی اور بیگم شوخ اس سے پہلے ہی نیچے اتر گئی۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔

حمید اُسے متحیرانہ انداز میں گھورتا ہوا نیچے اُتر آیا۔

''میں شیطان کی محبوبہ ہوں۔'' وہ آنکھیں بند کئے ہوئے آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی۔

''میں جب بھی اُس کا راز ظاہر کرنے کی کوشش کرتی ہوں تو مجھ پر کوئی نہ کوئی مصیبت

ٹوٹ پڑتی ہے۔ پچھلی رات والی سوئی ایسی ایک مصیبت تھی۔ اگر کوئی مجھ سے عشق جتانے کی کوشش کرے تو وہ اس بُری طرح ڈرایا جاتا ہے کہ پاگل ہو جاتا ہے۔''

پھر وہ آنکھیں کھول کر ہنسنے لگی لیکن ساتھ ہی خوفزدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھتی بھی جا رہی تھی۔

''لیکن اس وقت مجھ پر کوئی مصیبت نازل نہیں ہوئی اور تم مجھ سے اظہار محبت کر کے دیکھ لو۔''

حمید سناٹے میں آ گیا۔ وہ تو صرف چھیڑ چھاڑ کا رسیا تھا۔

''مم..... میں..... نہیں سمجھا۔'' وہ ہانپنے لگا۔

''بس صرف اتنا کہہ دو کہ مجھے تم سے محبت ہے۔''

''اس سے فائدہ۔''

''تجربے کے طور پر..... ورنہ میں ایک شریف عورت ہوں اور ایسی باتوں کو مزاجاً بھی نہیں برداشت کر سکتی..... کہہ دو..... صرف کہنے کی خاطر۔''

''مجھے تم سے محبت ہے۔'' حمید خود کو چغد محسوس کرنے لگا۔

بیگم شوخ نے پھر چاروں طرف دیکھا اور بے تحاشہ ہنسنے لگی۔

''اور اگر میں اسی طرح رونا شروع کر دوں تو۔'' حمید نے جھینپ کر کہا۔

''میں لوریاں گا کر تمہیں سلا دوں گی۔ آؤ اب واپس چلیں کام ہو گیا۔''

حمید آنکھیں پھاڑے اُسے گھورتا رہا۔

پُراسرار ذرّات

''میں سب کچھ بتا دوں گی۔ اب مجھے اس سے خوف نہیں معلوم ہوتا۔ وہ کوئی آدمی ہی ہے۔ انتہائی چالاک اور پراسرار آدمی۔'' مسز شوخ نے کہا۔

''اچھی بات ہے۔'' حمید نے طویل سانس لے کر کہا۔ ''میرا نام حمید ہے محترمہ۔''

''اب پھر آپ اعلان جنگ کرنے والے ہیں۔'' عورت مسکرائی۔ ''میں آپ کو مطمئن کردوں گی۔''

اُس نے آگے بڑھ کر گاڑی کا اگلا دروازہ کھولا اور اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

''کیا مجھے اب اپنی گاڑی میں میٹر لگانا پڑے گا۔'' حمید نے اندر بیٹھ کر مشین اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

''کرایہ ادا کردوں۔'' وہ بڑے دلآویز انداز میں مسکرائی۔

حمید کچھ نہیں بولا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس عورت کو کیا سمجھے۔ لیکن اس کی باتوں کو مجذوب کی بڑ سمجھنے پر بھی تیار نہیں تھا۔

گاڑی کچے راستوں کے جال سے نکل کر پختہ سڑک پر آ گئی تھی۔ مسز شوخ نے کہا۔ ''اگر میرے منہ سے سانپ کا بچہ نکلا تھا تو کیا یہ کوئی جرم ہے۔''

''قطعی نہیں.... اگر آپ کے منہ سے ہاتھی کا بچہ نکلے تب بھی قانون کو کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔''

''اگر میں نے خود ہی اپنی پنڈلی میں ایک سوئی چبھو رکھی تھی تو آپ مجھ پر کون سی فردِ جرم عائد کریں گے۔''

''پاگل پن اور آپ جانتی ہیں کہ قانون نے پاگلوں کیلئے جیل میں کوئی جگہ نہیں رکھی۔''

''بس تو پھر میں یہ ضروری نہیں سمجھتی کہ آپ کو حالات سے آگاہ کیا جائے۔ یہ میرے نجی معاملات ہیں۔''

''میں آپ کو مجبور نہیں کرتا کہ مجھے آگاہ کیجئے۔ ناصر کے اعزہ آپ سے سمجھ لیں گے ان کا خیال ہے کہ آپ نے اُسے کچھ کھلا دیا ہے۔''

''کیا کھلا دیا ہے۔''

''کوئی ایسی زہریلی چیز جس سے دماغ ماؤف ہوجائے۔''

''اس کے لئے انہیں طبی ثبوت پیش کرنا پڑے گا۔''

''ہٹایئے..... مجھے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی۔''

''پھر کیوں دوڑے آئے۔''

''غلطی ہوئی تھی۔ آپ صرف ہسٹریا کی مریض ہوسکتی ہیں اور اس کی لئے جواز بھی موجود ہے۔ بوڑھوں کی جوان بیویاں اکثر اس مرض میں مبتلا پائی گئی ہیں۔''

''بکواس ہے.....!'' وہ غصیلے لہجے میں بولی۔

''میں آپ کی باتوں کا بُرا نہیں مان سکتا کیونکہ آپ اس وقت بھی دورے ہی کی حالت میں ہیں۔''

''آپ اپنی زبان بند رکھیں تو بہتر ہے۔''

''نہیں میں اس کی ضرورت نہیں محسوس کرتا کیونکہ دورہ شدید نہیں ہے یعنی اگر میں نے اپنی بکواس جاری رکھی تو آپ مجھے نوچنے کھسوٹنے کی کوشش نہیں کریں گی۔ اس لئے مجھے بکنے دیجئے۔ اب کہاں چلوں..... نیاگرا..... یا کہیں اور۔''

''میں گھر واپس جانا چاہتی ہوں۔'' اس نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''یہ ناممکن ہے۔ آپ نے میرا وقت برباد کیا ہے۔''

''پھر آپ کیا کریں گے۔''

''کچھ دیر میں بھی آپ کا وقت برباد کرونگا۔ اگر کہئے تو پروفیسر کا مستقبل بھی برباد کردوں۔''

''آپ سے میں عاجز آ گئی ہوں لیکن کیا آپ دوسرے جملے کی وضاحت کریں گے۔''

''یہی کہ آپ کے چہرے پر تیزاب ڈال دوں۔'' حمید نے ہونٹ سکوڑ کر کہا اور وہ سہم کر ایک طرف سمٹ گئی۔

حمید پھر بولا۔ ''آپ بے حد حسین ہیں اور میں دنیا کی ہر حسین عورت کا چہرہ بگاڑ دینا چاہتا ہوں۔''

''کیوں.....؟'' وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

''ایک بار ایک بدصورت عورت نے مجھے اس کی استدعا کی تھی۔''

''آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔''

''یہ نہ میرا قصور ہے اور نہ باتوں کا۔''

عورت تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔ ''مجھے میرے گھر پہنچا دیجئے۔''

''یہ ناممکن ہے۔ میں آپ کا وقت برباد کرنے کا عہد کر چکا ہوں۔''

''پھر اگر میرے منہ سے یا آپ کی جیب سے سانپ نکل آئے تو میں نہیں جانتی۔''

''تقریباً تین سو سانپوں کی نگہداشت میرے ذمے ہے۔ لہٰذا میری نظروں میں دو یا

سانپ تو کوئی وقعت نہیں رکھتے۔ دیکھئے آپ کے گال پر چیونٹی ہے۔''

حمید نے اس کے گال پر ہلکی سی تھپکی دی۔

اس نے بُرا سا منہ بنایا لیکن خاموش رہی۔ حمید نے کہا۔ ''شاید آپ کو میرے تین

سانپوں پر شبہ ہے۔''

وہ پھر بھی کچھ نہ بولی۔ اس کی آنکھوں سے خوف مترشح تھا۔

''پچھلی رات والے خطوط کا تذکرہ یاد ہے آپ کو۔'' حمید نے پوچھا۔

''ہاں..... مجھے یاد ہے۔ وہ جس کے ہاتھ لگے ہوں گے.....!''

''میں پھر وہی کہانی سننا نہیں چاہتا۔'' حمید نے بیچ ہی سے کاٹ دیا۔

''کاش میں سمجھ سکتی کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔'' عورت نے ایک طویل سانس لی۔

''صرف حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔''

''کوئی نامعلوم آدمی مجھے عشقیہ خطوط لکھتا رہتا ہے جن میں وہ اپنے نام کی جگہ شیطا

لکھتا ہے۔ اکثر اُس نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ صرف ایک روح ہے اور دنیا کے ہر آدمی کو

دے سکتا ہے۔''

''اوہ..... اب میں سمجھ گیا۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''لیکن اس وقت تک وہ آپ کو سزا نہیں

دے سکا۔''

''نہیں دے سکا..... اسی بناء پر میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کہ وہ کوئی مافوق الفطرت ہستی

نہیں ہے۔''

''آپ نے اس سوئی کے متعلق کیا خیال ظاہر کیا تھا۔''

''یہی کہ وہ کسی مشین کے ذریعہ پھینکی گئی ہوگی۔''

''اُس کے متعلق اب میرا بھی یہی نظریہ ہے۔ ممکن ہے ہم لوگوں کا مل بیٹھنا اُسے گراں

گذرا ہو۔''

''مگر منہ سے نکلنے والے سانپ۔'' حمید نے سوال کیا۔

''میں وثوق سے نہیں کہہ سکتی کہ وہ میرے حلق سے ہی نکلا تھا۔ ہوسکتا ہے کہیں دوسری

طرف سے آیا ہو۔ ناصر گستاخ و بیباک ہو چلا تھا۔ ٹھیک اسی وقت سانپ والا واقعہ پیش آیا۔

کون جانے شیطان کو اُس کی بیباکی گراں گزری ہو۔ مگر.....!'' عورت خاموش ہوگئی۔

''آپ جملہ پورا کرنا بھول گئی ہیں شاید۔'' حمید نے اُسے ٹوکا۔

''میں سوچتی ہوں اگر کوئی مافوق الفطرت ہستی نہیں ہے تو پھر کیا دن رات میرے پیچھے

ہی لگا رہتا ہے۔ اُسے دنیا کا اور کوئی کام نہیں ہے۔''

''عشق بجائے خود ایک بہت بڑا کام ہے۔ کیا آپ نے وہ شعر نہیں سنا۔''

دلوں کو فکر دو عالم سے کردیا آزاد
ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

''آپ پھر مضحکہ اڑانے لگے۔'' عورت جھلا گئی۔

''میں تو چارہ سازی کر رہا تھا۔ عاشقوں کے چارساز بھی تو ہوتے ہیں۔ اردو شاعری میں

اگر نہ ہوں تو عاشقوں کے سامنے گھاس کون ڈالے۔''

''میں گھر جاؤں گی۔''

''تنہائی سے ہمیشہ دور بھاگئے ورنہ آپ کو بھی اُس شیطان سے عشق ہو جائے گا۔''

''مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے میں نے اُس شیطان کو پکڑ لیا ہو۔'' عورت نے

ناخوشگوار لہجے میں کہا اور حمید نے محسوس کر لیا کہ اشارہ خود اُسی کی طرف ہے۔

''جب عاشقوں کی تعداد بڑھ جائے تو چالاک قسم کے عاشق اسکے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں۔''

''آپ بے شرم ہیں۔'' عورت کی آواز غصہ سے کانپ رہی تھی۔

''باشرم عاشق تو کوئی مولوی ہی ہوسکتا ہے۔''

''میں آپ کے خلاف کیس دائر کروں گی۔ آپ اتنے دنوں تک مجھے خواہ مخواہ پریشان کرتے رہے۔''

''عاشقوں کو پھانسی نہیں ہوا کرتی۔''

''آپ بدتمیز ہیں۔ میں آپ سے نفرت کرتی ہوں۔''

''آپ کچھ بھی کہئے۔ میرا سایہ آپ کی قبر تک جائے گا۔''

''میں چیخنا شروع کردوں گی۔''

''یہاں دور دور تک آدمیوں کا پتہ نہیں ہے۔ ویسے اگر آپ ان درختوں کو محظوظ چاہتی ہوں تو مجھے کوئی اعتراض بھی نہیں ہوسکتا۔''

''کار روک دو۔'' عورت نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

حمید نے کار روک دی۔

''تم میرا کچھ نہیں کرسکتے۔'' عورت اُسے گھورتی ہوئی بولی۔

''میں کب کہتا ہوں کہ کرسکتا ہوں۔''

''پھر یہ سب کیا ہے۔''

''اس کا جواب وہی آدمی دے سکے گا جو اس وقت پاگل خانے میں ہے۔''

''ناصر.....!''

''ہاں وہی.....!''

''تمہیں پاگل خانے میں ہونا چاہئے تھا۔'' عورت نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''مجھے کیوں ہونا چاہئے جبکہ میں ابھی تک نہ تو گستاخ ہوا ہوں اور نہ بیباک۔''

''تم اتنے دنوں تک مجھے خواہ مخواہ ڈراتے اور ستاتے رہے۔ تمہارے لکھے ہوئے خط میں پولیس کے حوالے کردوں گی۔''

''ہوش میں آیئے محترمہ۔ آپ ایک سرکاری آفیسر سے گفتگو کررہی ہیں۔''

عورت کی آنکھوں میں پھر الجھن کے آثار نظر آنے لگے۔

''تو وہ آدمی آپ نہیں ہیں جو مجھے پریشان کرتا رہا ہے۔''

''پتہ نہیں کس آدمی کی طرف اشارہ ہے آپ کا۔ ویسے پچھلی رات سے شائد میں بھی آپ کو پریشان کررہا ہوں۔''

جہاں کار رکی تھی اُس کے دونوں طرف نشیب تھا اور پھر دور تک جوار کے گھنے کھیتوں کے سلسلے شروع ہوگئے تھے۔

اچانک دونوں اطراف کی ڈھلانوں سے کچھ آدمیوں نے سر ابھارا۔ ساتھ ہی اُن کے ہاتھ بھی اٹھے جن میں ریوالور تھے اور ان کے چہرے نقابوں میں چھپے ہوئے تھے۔

حمید اپنا سر سہلانے لگا کیونکہ وہ بالکل نہتا تھا۔

وہ لوگ سڑک پر پہنچ کر کار کو نرغے میں لے چکے تھے۔ ان میں سے ایک آدمی عورت کا شانہ جھنجھوڑ کر غصیلے لہجے میں بولا۔ ''سلیمہ تم نہیں باز آؤ گی۔''

''مم.....میں.....نن.....!'' سلیمہ ہکلا کر رہ گئی۔

''ہاں تم نہیں جانتیں کہ میں کون ہوں۔ لیکن کیا تم اس تنبیہہ کو مذاق سمجھی تھیں۔''

سلیمہ خاموش رہی۔ اُس آدمی نے پھر کہا۔ ''میں تمہیں کسی دوسرے کیساتھ نہیں دیکھ سکتا۔''

''پروفیسر کے متعلق کیا خیال ہے۔'' حمید بول پڑا۔

''تم خاموش بیٹھے رہو۔'' وہ آدمی گرج کر بولا۔ ''میں بہت زیادہ خون بہانے کا عادی نہیں ہوں ورنہ یہاں تمہاری لاش تڑپتی نظر آتی..... سلیمہ میں تم سے گفتگو کررہا ہوں۔''

''میں نہیں جانتی کہ آپ کون ہیں۔'' سلیمہ ہانپتی ہوئی بولی۔

''میں کوئی بھی ہوں لیکن تمہیں اپنا پابند دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''مگ.....مگ.....مگر.....!''

''کسی سرکاری سراغ رساں سے تمہارا گٹھ جوڑ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور اگر تم اسے کسی

قابل سمجھتی ہو تو میں تمہیں اس کی موجودگی میں کھینچ لے جاؤں گا۔''

''اچھا اب تم اپنی زبان بند کرو۔'' حمید کو غصہ آ گیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس ریوالور کی نال اس کی کنپٹی سے آ لگی۔

''اتارلو اس عورت کو۔'' اُس آدمی نے گرج کر کہا اور سلیمہ بڑی بے بسی سے ''نہیں نہیں'' کرنے لگی لیکن اُن لوگوں نے اُسے کھینچ کر اتار ہی لیا۔ وہ بُری طرح کانپ رہی تھی اور اس کی آنکھیں حمید سے التجا کر رہی تھیں..... اور حمید جو فریدی کا شاگرد تھا سوچ رہا تھا کہ ایسے مواقع پر جب اپنے پاس بچاؤ کے لئے کچھ بھی نہ ہو دلیری دکھانا حماقت ہی ہے۔ ہاں اگر حکمت عملی کوئی نئی راہ دکھادے تو دوسری بات ہے۔ وہ نہتا تھا اور ان کی تعداد آٹھ تھی اور آٹھ ریوالوروں کی نالیں اُس کے لئے اپنے فن کا مظاہرہ کر سکتی تھیں لیکن خود حمید اپنا جسم چھلنی کرانے کا دلدادہ نہیں تھا اس لئے وہ نہایت خاموشی سے بیٹھا رہا۔

اگر وہ کار کے باہر ہوتا تو شاید خاموشی اُسے گراں گزرنے لگتی اور وہ کچھ نہ کچھ ضرور کر گزرتا مگر اس صورت میں تو کار سے اترتے اترتے وہ دوسری دنیا کا سفر کر سکتا تھا۔

سلیمہ کو زمین پر گرا کر اُس کے ہاتھ پیر باندھ دیئے گئے۔ منہ میں کپڑا ٹھونسا گیا اور وہ ایسے خوفزدہ پرندے کی طرح بے بس ہانپتی رہی جو باز کے چنگل میں جا پھنسا ہو۔

حمید کی کنپٹی سے ابھی تک ریوالور کی نال لگی ہوئی تھی۔ دو آدمیوں نے سلیمہ کو اٹھایا اور بائیں جانب والے نشیب میں اتر گئے۔

ان کے بعد ہی دوسروں نے بھی اُدھر ہی چھلانگیں لگائیں لیکن وہ آدمی بدستور وہیں کھڑا رہا جس نے حمید کی کنپٹی سے ریوالور کی نال لگا رکھی تھی۔

''اب کیا ارادہ ہے۔'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''کچھ نہیں بس اتنی دیر اور کہ وہ لوگ ایک خاص مقام تک پہنچ جائیں۔''

''یہ عورت واقعی بہت حسین ہے۔'' حمید نے کہا۔

وہ آدمی کچھ نہ بولا۔ حمید کہتا رہا۔ ''اگر تم لوگوں نے اُسے کوئی تکلیف پہنچائی تو خدا تمہیں

غارت کرے گا۔''

وہ آدمی ہنس پڑا اور پھر بولا۔ ''میں تو سمجھا تھا کہ شاید تم لوگ ہم لوگوں کو غارت کر دینے کا ارادہ ظاہر کرو گے۔''

''خدا غارت کرے گا۔''

''اب پولیس والے کوسنے لگے ہیں۔'' اُس آدمی نے قہقہہ لگایا۔ ٹھیک اُسی وقت حمید نے سر پیچھے ہٹا کر اُس کے ریوالور پر ہاتھ ڈال دیا۔ پھر دو تین جھٹکوں کے بعد حمید نے اُس کا ریوالور چھین لیا اور وہ آدمی اس سے ہاتھ چھیڑا کر بھاگا جتنی دیر میں وہ کار سے اترتا وہ آدمی نشیب میں چھلانگ لگا چکا تھا۔

حمید بھی اُدھر ہی لپکا لیکن پھر وہ جوار کے کھیتوں کو بُرا بھلا کہنے لگا جن میں کھڑی ہوئی قدِ آدم فصل اُس آدمی کو نگل گئی تھی۔

حمید کافی دیر تک کھیتوں میں بھٹکتا رہا پھر تھک ہار کر واپس آ گیا۔ وہ اب بھی غصیلی نظروں سے کھیتوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اس نے کار اسٹارٹ کی لیکن اب وہ شدید ترین الجھن میں گرفتار ہو گیا تھا اگر شوخ کی کوٹھی کے کسی آدمی نے سلیمہ کو اس کی کار میں بیٹھے دیکھ لیا ہوگا تو اُس کے لئے ایک نئی مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔

حالات اُس کی سمجھ سے باہر تھے۔ وہ شروع سے اب تک کے واقعات کا جائزہ لینے لگا۔ اگر سلیمہ کے بیان کے مطابق اس پراسرار آدمی کو کوئی مافوق الفطرت ہستی سمجھ لیا جائے تو اس وقت کا واقعہ بے معنی ہو کر رہ جائے گا اور اگر یہ سمجھا جائے کہ سلیمہ کے اس تجربے کے بعد اُس نے بھی اپنا رویہ بدل دیا تب بھی اس کے مافوق الفطرت ہونے میں شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ایسی صورت میں یہ سوال بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ اسے اس تجربہ کا علم کیسے ہوا؟ اور اس سوال کا جواب یہی ہونا چاہئے کہ وہ کوئی مافوق الفطرت ہستی ہے ورنہ اُسے اس تجربے کا علم نہ ہو سکتا کیونکہ حمید کے خیال کے مطابق کسی نے ان کا تعاقب بھی نہیں کیا تھا۔

وہ اسی ادھیڑ بن میں گھر تک پہنچ گیا جیسے ہی کمپاؤنڈ میں کار پہنچی اُسے چکر سے آنے لگ
کیونکہ برآمدے میں اُسے فریدی دکھائی دیا جو ایک نوکر سے کچھ کہہ رہا تھا۔

وہ تین دن بعد گھر واپس آیا تھا۔ حمید کارگیراج کی طرف لیتا چلا گیا۔ واپسی پر بھی
نے فریدی کو برآمدے ہی میں موجود پایا۔

''کیوں؟ کیا قصہ ہے؟'' فریدی اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھتا ہوا بولا۔ ''تمہار
چہرے پر ہوائیاں کیوں اڑ رہی ہیں۔''

''کچھ نہیں.....!'' حمید زبردستی ہنسا۔ ''آپ کہاں تھے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ اندر جانے کے لئے مڑ گیا تھا۔ حمید سوچنے لگا کہ فریدی کو
واقعہ کی اطلاع دے یا نہ دے۔ کافی سوچ بچار کے بعد اُس نے طے کیا کہ اُسے خاموش
رہنا چاہئے۔ ممکن ہے سلیمہ اب تک گھر بھی پہنچ چکی ہو۔ اگر مقصد اس کا اغواء ہوتا تو آج ہی
ضروری تھا۔ یہ کام اس سے پہلے ہی ہو چکا ہوتا۔ ممکن ہے مجرموں نے اُسے وقتی طور
چڑھانے اور اشتعال دلانے کے لئے ایسا کیا ہو۔

وہ اندر آیا۔ یہاں نوکروں سے معلوم ہوا کہ فریدی اوپر لیبارٹری میں ہے۔

حمید اوپر چلا گیا۔ تین دن بعد فریدی سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے اُسے
اسکوپ پر جھکے ہوئے دیکھا۔ حمید کی آہٹ پر وہ چونک پڑا۔ پھر اُس نے حمید کو اشارے
اپنے قریب بلایا۔

''دیکھو.....!'' اُس نے مائیکرواسکوپ کے لینس کی طرف اشارہ کیا۔ حمید نے شیشے
آنکھ لگادی۔ سلائیڈ پر بے شمار چمکدار ذرات نظر آرہے تھے۔

''کیا دیکھا.....!''

''پریاں ناچ رہی ہیں۔ ہر ایک کے ہاتھ میں ڈالڈا کے ڈبے ہیں۔ اَررر.....نہیں
میرے خدا.....ان ذرات سے تو شعاعیں سی پھوٹ رہی ہیں۔ نیلی اور بنفشی۔ یہ کیا بلا ہے؟
حمید نے شیشے سے آنکھ ہٹاتے ہوئے کہا۔

''یہ تمہارے لئے ایک مصیبت ثابت ہونے والی ہے۔'' فریدی مسکرایا۔

''یعنی.....!''

''ایک شاندار کیس.....!'' فریدی کا جواب تھا۔

کھیتوں میں

کیس کا نام سن کر حمید کی جان نکل گئی اور وہ کراہ کر فرش پر بیٹھ گیا۔

''یہ ذرات.....!'' فریدی کہتا رہا۔ ''تار جام کی لوہے کی ایک کان سے برآمد ہوئے
ہیں جو لوہے کے ذرات ہرگز نہیں ہو سکتے۔''

''ارے تو یہ کیس ہو گیا۔'' حمید نے رونی آواز میں کہا۔

''کیونکہ کان کن کمپنی اسے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کر رہی ہے حالانکہ اس کی اطلاع
حکومت کو ہونی چاہئے.....اور یہ کان کن کمپنی غیر ملکی ہے۔''

''یہ ذرات آپ کو کب اور کہاں ملے؟''

''یہ میرے پاس تقریباً پندرہ دن سے ہیں اور آج میں ان سے دو طرح کی شعاعیں
خارج کرنے میں کامیاب ہوا ہوں۔''

''آپ.....!'' حمید نے حیرت سے کہا۔

''ہاں! کیوں؟ یہ اتنی بڑی تجربہ گاہ آخر کس لئے ہے۔''

''ان ذرات میں پہلے کیا خصوصیت تھی جس نے آپ کو دلچسپی لینے پر مجبور کیا۔''

''ہر ذرے کے گرد فالسئی رنگ کے دائرے سے معلوم ہوتے تھے۔''

''کاش وہ دائرے میرے لئے پھانسی کا پھندا بن جاتے مگر یہ آپکے ہاتھ کیسے لگے۔''

''کمپنی کے ایک محب وطن دیسی ڈائریکٹر نے مجھے اطلاع دی تھی۔ پھر میں نے اپنے طور

پر یہ ذرات حاصل کر لئے چونکہ اس ڈائریکٹر کو علم الارض سے دلچسپی ہے۔ اس لئے اس کی ا
اس طرف مبذول ہوگئی۔ دوسرے دیسی ڈائریکٹروں کو اس کا علم نہیں ہے۔''

''خدا اس دیسی ڈائریکٹر کی دس شادیاں کرادے تاکہ اُسے علم البقر کے علاوہ کسی اور
سے دلچسپی نہ رہ جائے۔''

فریدی ہنسنے لگا اور حمید بولا۔ ''تو یہ ذرات مصیبت کیوں بنیں گے۔ کان کنی رکوائی بھ
جاسکتی ہے۔''

''آسانی سے نہیں۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔ ''پہلے تحقیقات ہوگی اگر یہ ثابت ہوگیا تو
کارروائی کی جاسکے گی ورنہ نہیں۔ لیکن اتنی دیر میں وہ لوگ حاصل کئے ہوئے ذخیرے کو ہا
بھیجنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔''

''تو ذخیرے ہی پر کیوں نہ قبضہ کرلیا جائے۔''

''یہ تو مصیبت ہے کہ وہ جگہ ابھی تاریکی میں ہے جہاں اُن لوگوں نے اسکا ذخیرہ کیا ہے۔''

''کیا پتہ ذخیرہ یہاں سے منتقل بھی کیا جاچکا ہو۔''

''نہیں..... ابھی کوئی تدبیر ان کی سمجھ میں نہیں آسکی۔''

''ذخیرے کا علم آپ کو کیسے ہوا۔''

''یہ بھی اُسی دیسی ڈائریکٹر کی اطلاع ہے۔ اُس نے غیر ملکی ڈائریکٹروں کو اس مسئلے
گفتگو کرتے سنا تھا۔''

''غالباً چھپ کر سنا ہوگا۔''

''یقیناً.....!''

''دوسروں کی باتیں چھپ کر سننا اور پھر اُسے ادھر اُدھر کہتے پھرنا بہت بڑا گناہ ہے
کبھی معاف نہیں ہوتا۔''

''اور ہم پرانے گناہ گار ہیں۔'' فریدی مسکرایا۔

''میں تائب ہوجانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔'' حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

فریدی پھر ذرات کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔ وہ کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد حمید نے کہا۔

''آپ نارجام ہی میں تھے۔''

''ہاں..... اور کل پھر جاؤں گا۔ مگر تنہا نہیں تم بھی میرے ساتھ ہوگے۔''

''نارجام بڑی خشک جگہ ہے۔''

''نہیں اب وہاں کے ہوٹلوں میں بھی لڑکیاں نظر آنے لگی ہیں۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

''شکر ہے کہ ان پر آپ کی نظر تو پڑی۔''

''بس اب دفع ہوجاؤ۔ ورنہ یہ لیبارٹری اندر سبھا بن کر رہ جائے گی۔''

''آپ کا مقدر ہی بنجر ہے۔ کوئی کیا کرے؟'' حمید نے کہا اور لیبارٹری سے چلا آیا۔

پھر بقیہ وقت سکون سے گذرا۔ نہ فریدی نے اُسے طلب کیا اور نہ حمید کو یہی معلوم ہوسکا کہ وہ گھر کے کس حصے میں کیا کر رہا ہے۔

رات بھی چین سے گزری۔ یعنی طلب کر کے کسی مسئلے پر بحث نہیں کی گئی۔ ہر ایسے موقع پر جب فریدی کے ہاتھ میں کوئی کیس ہوتا تھا حمید خود ہی اس سے کترانے لگتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ آج کل وہ ذہنی جمناسٹک سے ذرا دور بھاگنے لگا تھا۔ البتہ ان کاموں کے لئے ہر وقت تیار رہتا تھا جن میں صرف جسمانی انرجی صرف ہوتی ہو۔

دوسری صبح وہ دیر سے اٹھا تھا۔ فریدی ناشتہ کر چکا تھا۔ حمید ناشتہ کر ہی رہا تھا کہ ایک نوکر نے آکر اطلاع دی کہ فریدی نے اُسے ڈرائینگ روم میں طلب کیا ہے۔ اس نے جلدی جلدی ناشتہ ختم کیا۔

لیکن ڈرائینگ روم میں قدم رکھتے ہی اس کا دم نکل گیا کیونکہ سامنے ہی پروفیسر شوخ براجمان تھا اور بہت غصے میں معلوم ہوتا تھا۔

''جی ہاں..... یہی حضرت ہیں۔'' وہ حمید کو دیکھتے ہی اچھل کر دہاڑا۔ پھر حمید کو للکارا۔

''سلیمہ کہاں ہے؟''

''میں کیا جانوں۔ میں کیا بتا سکتا ہوں۔'' حمید نے خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے پرسکون لہجے میں کہا۔

''آپ اُسے اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ اس کے بعد سے وہ گھر واپس نہیں آئی۔''

''میں نہیں لے گیا تھا بلکہ وہ خود گئی تھیں۔''

''وہ کہاں ہے۔''

''میں نہیں جانتا۔ انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ مجھے جیمس اسٹریٹ میں اتار دینا۔''

''پھر.....؟''

''پھر کیا..... میں نے انہیں جیمس اسٹریٹ میں اتار دیا۔''

''آپ میرے یہاں آئے ہی کیوں تھے۔'' پروفیسر چنگھاڑا۔

''انہوں نے مجھ سے استدعا کی تھی کہ میں اُنکا کھویا ہوا پرس تلاش کرنے میں مدد دوں۔''

''یہ قطعی بکواس ہے۔ سلیمہ نے یہ کبھی نہ کہا ہوگا جب کہ میں اُسے خاموش رہنے کا حکم دے چکا تھا۔''

''لیکن وہ خاموش نہیں رہیں۔'' حمید نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

''میں یہ سب کچھ نہیں جانتا۔ اگر وہ شام تک واپس نہ آئی تو میں آپ کے خلاف قانونی کارروائی کردوں گا۔''

''آپ میرے خلاف کچھ بھی نہیں کرسکتے۔'' حمید کو بھی غصہ آ گیا۔

''آپ ایک آوارہ آدمی ہیں۔ میں آپ کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتا۔''

''اب آپ اپنی زبان بند رکھیں گے۔''

''دھاندلی نہیں چلے گی۔'' پروفیسر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''قانون سب کے لئے یکساں ہے خواہ وہ کوئی پولیس آفیسر ہو، خواہ کوئی عام شہری۔''

''ٹھیک ہے پروفیسر۔'' یک بیک فریدی نے کہا۔ ''لیکن کیا وہ اکثر راتوں کو آپ کے علم میں لائے بغیر گھر سے باہر رہتی ہیں۔''

''میں نہیں سمجھا آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔'' پروفیسر اس کی طرف مڑا۔

''ابھی تو میں کچھ بھی نہیں کہنا چاہتا۔ کہنے نہ کہنے کا دارومدار میرے اس سوال پر ہے۔''

''ہاں..... اکثر وہ رات کو باہر ہی رہ جاتی ہے۔''

''آپ کو اطلاع دیئے بغیر ہی۔''

''نہیں..... وہ مجھے فون پر اطلاع دیا کرتی ہے یا کہہ کر جاتی ہے۔''

''کل دونوں ہی باتیں نہیں ہوئیں۔'' فریدی نے سوال کیا۔

''ہاں کل نہ تو وہ مجھے بتا کر گئی اور نہ ہی فون پر اطلاع دی۔''

''پھر بھی آپ نے رات کسی تشویش کے بغیر گذاری۔''

''میں رات بھر سو نہیں سکا۔ جہاں جہاں اس کے ملنے کے امکانات ہوسکتے تھے۔ فون کئے لیکن کہیں سے کوئی اطلاع نہ مل سکی۔''

''لیکن آپ نے کیپٹن حمید کو فون نہیں کیا۔''

''یہ تو مجھے آج صبح معلوم ہوا کہ وہ ان حضرت کے ساتھ گئی تھی۔ ایک ایسے نوکر نے انہیں جاتے دیکھا تھا جو صرف دن کے لئے ہے۔ رات اپنے گھر پر بسر کرتا ہے۔''

''آپ اُس وقت کہاں تھے جب یہ دونوں گئے تھے۔''

''میں اندر تھا۔''

فریدی چند لمحے خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ ''اچھی بات ہے پروفیسر اگر مزید دو گھنٹے تک مزید ان کی طرف سے کوئی اطلاع نہ ملے تو مجھے فون کیجئے گا۔''

''ضرور کروں گا۔'' پروفیسر حمید کو گھورتا ہوا تلخ لہجے میں بولا۔ ''اب میں سب سے پہلے اُس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کراؤں گا۔''

''میں ابھی اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔'' فریدی بولا۔

''کیا میں آپ کے مشورے کا پابند ہوں۔'' پروفیسر نے جھلا کر کہا۔

''جاؤ درج کرادو رپورٹ۔'' حمید ہاتھ ہلا کر غرایا۔ ''بس اب چلے ہی جاؤ ورنہ اٹھا کر

کھڑکی سے باہر پھینک دوں گا۔''

''دھمکی.....اچھا اچھا دیکھ لوں گا۔'' پروفیسر اٹھتا ہوا بولا۔

فریدی نے حمید کو ڈانٹا اور پروفیسر سے کہا۔ ''پروفیسر! مجھے افسوس ہے کہ آپ اس سلسلے میں میرے اسسٹنٹ کا نام لے رہے ہیں۔ لہٰذا میں کوشش کروں گا۔''

''وہ تو کرنی ہی پڑے گی۔'' پروفیسر نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور باہر نکل گیا۔

حمید اُسے پھاٹک سے گذرتے دیکھتا رہا۔

پھر وہ فریدی کی طرف مڑا جو اُسے خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔

''یہ بھی ایک کیس ہی ہے کرنل صاحب۔'' حمید دل کڑا کر کے بولا۔ ''میں نے اسے جیمس اسٹریٹ میں نہیں اتارا تھا بلکہ جھریالی کے میدان میں لے گیا تھا اور پھر جوار کے کھیت اُسے نگل گئے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ حمید کو متواتر گھورے جا رہا تھا۔ لہٰذا حمید نے اسی میں عافیت سمجھی کہ جلد از جلد اُسے حالات سے آگاہ کر دے۔

فریدی بہت توجہ اور دلچسپی سے سن رہا تھا اور اب اُس کے چہرے پر غصے کے آثار نہیں نہیں تھے۔

''تم نے مجھے کل ہی کیوں نہیں بتایا تھا۔'' اس نے تشویش کن لہجے میں کہا۔

''میں سمجھا تھا کہ وہ گھر پہنچ گئی ہوگی۔ اُن لوگوں نے مجھے تاؤ دلانے کیلئے ایسا کیا ہے۔''

''بڑی دلچسپ کہانی ہے بشرطیکہ تم نے غلط بیانی سے کام نہ لیا ہو۔''

''اس میں ایک لفظ بھی جھوٹ نہیں ہے۔'' حمید بولا۔ ''کیا پہلے کبھی میں نے آپ سے جھوٹ بولنے کی کوشش کی ہے۔ تفریحی معاملات کی بات الگ ہے۔''

''اچھا تو اٹھو۔ میں وہ جگہ دیکھنا چاہتا ہوں جہاں وہ واقعہ پیش آیا تھا۔''

کچھ دیر بعد فریدی کی لنکن کمپاؤنڈ سے نکل رہی تھی۔ حمید نے کہا۔ ''یہ پروفیسر ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آ سکا۔''

''شوہروں سے زیادہ بیویوں کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔'' فریدی بولا۔

''تب تو پھر یہ معاملہ آپ سے نہیں سنبھلے گا۔''

''کیوں؟''

''ممکن ہے آپ شوہروں کے متعلق کچھ جانتے ہوں.....لیکن بیویوں!''

''میں دونوں کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔''

''حالانکہ یہ صرف شوہر اور بیوی کا کیس معلوم ہوتا ہے۔''

''ممکن ہے۔'' فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

کار شہری آبادی کو پیچھے چھوڑنے لگی۔ وہ جھریالی کی طرف جا رہے تھے اور حمید کا ذہن سلیمہ میں الجھا ہوا تھا۔ وہ پُراسرار عورت.....شیطان کی محبوبہ.....اس کے مقابلے میں وہ آدمی اُسے بے وقعت معلوم ہو رہے تھے جو اُسے اٹھا کر لے گئے تھے۔''

کچھ دیر بعد فریدی نے کہا۔ ''وہ رپورٹ درج کرا دینے کی دھمکی دے کر گیا ہے۔''

''دھمکیوں سے میں نہیں ڈرتا۔ میرا بیان پہلے ہی سے تیار ہے۔ میں نے اُسے جیمس اسٹریٹ میں اسی کے کہنے پر اتار دیا تھا۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن اگر وہ اچانک خود ہی ظاہر ہو کر کوئی نئی کہانی سنائے تو تم کہاں پائے جاؤ گے۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''وہ کہے کہ اس اغواء میں تمہارا ہی ہاتھ تھا۔''

''اگر وہ یہ کہہ دے تو مجھے دنیا کی ساری حسین عورتوں کو گولی مار دینی پڑے گی۔ نہیں وہ ایک مظلوم عورت ہے۔ ایک بوڑھے کی نوجوان بیوی اور بیرونی عشاق کی زبردستیوں کا شکار۔''

''تم اس پیشے سے علیحدگی اختیار کر کے کوئی اور دھندہ دیکھو تو بہتر ہے۔''

''کیوں.....بس یہیں.....یہیں روک دیجئے۔'' حمید چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''ہم کچھ آگے بڑھ آئے ہیں۔''

''یادداشت دھوکا تو نہیں دے رہی ہے۔''

''نہیں.....ہم تقریباً دوسو گز آگے آ گئے ہیں۔''

کار رک چکی تھی۔ وہ دونوں اُتر گئے۔

''ہاں یہ جگہ ایسے کاموں کے لئے بہت مناسب معلوم ہوتی ہے۔'' فریدی نے چار
طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

پھر وہ اس جگہ آئے جہاں حمید کو تلخ تجربے سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ حمید نے وہ سمت
جدھر وہ لوگ سلیمہ کو لے کر گئے تھے۔

فریدی نشیب میں اُتر گیا لیکن حمید اوپر سڑک ہی پر کھڑا رہا۔ فریدی چاروں طرف
ہوا آہستہ آہستہ کھیتوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔

ہوا تیز تھی اور جوار کے کھیتوں کی کھرکھراہٹ سے فضا گونجی، حمید نے فریدی کو
سے کوئی چیز اٹھاتے ہوئے دیکھا۔ وہ کھیتوں میں پہنچ گیا تھا۔ شاید وہ کپڑے کا ٹکڑا تھا
فریدی نے جوار کے پودوں کے درمیان سے کھینچ کر نکالا تھا۔

حمید جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ فریدی نے بھی اُسے اپنے پاس نہیں بلایا۔ اچانک حمید
بائیں جانب والے نشیب میں کچھ آہٹ سی محسوس ہوئی اور وہ اُدھر جھپٹا لیکن دوسرے ہی
میں اگر وہ خود کو سڑک پر گرا نہ دیتا تو کھوپڑی صاف ہوگئی تھی۔ دوسری طرف کے نشیب میں
آدمی تھے اور اُن میں سے ایک نے فائر کر دیا تھا۔ حمید نے بھی ریوالور نکال کر ایک ہوائی
کیا کیونکہ وہ لوگ ابھی نشیب ہی میں تھے۔ فریدی شائد پہلے ہی فائر پر دوڑ پڑا تھا۔ وہ بھی
ہی کی طرح سڑک پر گر کر دوسرے کنارے کی طرف رینگنے لگا۔

''ہوشیاری سے۔'' وہ بڑبڑایا۔ ''وہ لوگ یقینی طور پر کھیتوں میں جا گھسے ہوں گے
درخت کے تنے کی آڑ لینے کی کوشش کرو۔ یہی مناسب ہے۔''

''اگر ادھر سے بھی ہوا تو۔'' حمید نے دوسری طرف اشارہ کیا۔

''ٹھیک ہے۔'' فریدی بولا۔ ''تم اُدھر جاؤ.....میں اُدھر دیکھتا ہوں۔''

سڑک کے کناروں پر دو رویہ بڑے بڑے تناور درخت تھے۔ دونوں درختوں کے تنوں کی
اوٹ میں ہو گئے لیکن وہ اب بھی سینے کے بل زمین ہی پر پڑے ہوئے تھے اور یہاں سے وہ
کھیتوں کو بخوبی نظر میں رکھ سکتے تھے۔ ساتھ ہی وہ سڑک کی بھی نگرانی کر رہے تھے۔

فریدی نے کھیتوں کی طرف دو فائر کئے تھے بھی جواب میں فائر ہوئے جدھر حمید
تھا اُدھر سکون ہی رہا۔

تقریباً پندرہ منٹ تک دونوں طرف سے فائر ہوتے رہے۔ پھر سناٹا چھا گیا۔

''ارے یہ دعوت ختم ہوئی یا نہیں'' حمید نے کہا۔ ''سڑک چھاتی سے چمٹی جا رہی ہے۔''

''گاڑی کی طرف جاؤ۔'' فریدی نے کہا۔

''اسی طرح لیٹے لیٹے''

''ہاں.....!''

''ارے باپ رے۔''

حمید کسی نہ کسی طرح گاڑی تک پہنچا اور اُسے اسٹارٹ کر کے وہاں لے آیا جہاں فریدی
درخت کے تنے کی اوٹ میں پڑا ہوا تھا۔

وہ بھی کار میں آ بیٹھا اور کار چل پڑی۔

''اب.....!'' حمید نے سوالیہ انداز میں کہا اور خاموش ہو گیا۔

''تو یہ عورت خطرناک آدمیوں کے ہاتھ میں پڑی ہے۔'' فریدی بولا۔

''اور شاید وہ کھیتوں ہی میں زندگی بسر کرتے ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''عورت.....!'' فریدی نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

''ہائیں.....ہائیں.....یہ کیا.....آپ کو نمونیہ ہو جائے گا۔''

''میں تمہیں سینکڑوں بار سمجھا چکا ہوں کہ عورت کا چکر بُرا ہے۔''

''واقعی بُرا ہے اگر اُسی عورت نے مجھے جنم نہ دیا ہوتا تو جلتی ہوئی سڑکوں پر سینے کے بل
نہ پڑا رہتا مگر آپ نے اس فائرنگ کے متعلق اظہار خیال نہیں کیا۔''

''وہ پاگل پن کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے۔ میرا خیال ہے وہ اس عورت سے زیادہ تم

دلچسپی لے رہے ہیں۔''

''مجھ میں کیوں؟''

''پتہ نہیں.....ورنہ اس طرح فائرنگ کر کے بھاگ جانے کا کیا مقصد ہوسکتا ہے۔''

''مگران کے خلاف آپ کیا کریں گے۔''

''تم شاید یہ چاہتے تھے کہ میں کھیتوں میں جا گھستا۔''

''میرا دل تو یہی چاہتا تھا۔''

''ایسے افعال کا دوسرا نام خودکشی ہے۔''

پروفیسر کا شبہ

تین دن سے سلیمہ کی تلاش اعلیٰ پیمانے پر جاری تھی لیکن اس کا سراغ ابھی تک نہیں

تھا۔ پروفیسر نے باقاعدہ طور پر اس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرادی تھی جس میں کیپٹن حمید

نام واضح طور پر لیا گیا تھا۔ فریدی نے ان کھیتوں کو چھنوا ڈالا لیکن حملہ آوروں کا پتہ نہیں

سکا۔ یہ حمید کے علاوہ اور کسی کو نہیں معلوم تھا کہ کھیتوں میں کسے تلاش کیا گیا تھا کیونکہ حمید

تک اپنے پچھلے ہی بیان پر قائم تھا کہ اس نے سلیمہ کو جیمس اسٹریٹ میں اتار دیا تھا۔

فریدی کی دوڑ دونوں طرف جاری تھی اگر صبح تارجام میں ہوتی تو شام شہر میں۔ حمید

دن بھر سرگرداں رہتا کیونکہ اب پروفیسر شوخ نے اُس پر گرجنے برسنے کی بجائے رونا

گڑگڑانا شروع کر دیا تھا۔ حمید کی دانست میں وہ سلیمہ سے بے حد محبت کرتا تھا۔

''میں اُس کے بغیر مرجاؤں گا کیپٹن۔'' وہ حمید سے کہہ رہا تھا۔

''تو آخر اب کتنے دن زندہ رہو گے۔ یونہی عمر کافی ہوئی۔ ہوسکتا ہے سلیمہ کی گمشدگی

تمہاری موت کا بہانہ بن جائے۔''

''تم سنگدل ہو۔'' بوڑھے پروفیسر نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

اتنے میں اُس کا بھتیجا داؤد آ گیا جو پہیوں والی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کے ایک پیر پر

پلاسٹر چڑھا ہوا تھا۔ حمید نے اُسے آج پہلی ہی بار دیکھا تھا۔

داؤد اچھے ہاتھ پاؤں کا ایک لمبا تڑنگا جوان تھا۔ دل کا مضبوط بھی معلوم ہوتا تھا کیونکہ

اُسکے چہرے پر حمید کو اضمحلال نہیں نظر آیا تھا۔ حالانکہ اُسکی ایک ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ اُسے

تو بستر سے ہلنا بھی نہ چاہئے تھا مگر وہ پہیوں والی کرسی پر بیٹھا عمارت میں گھومتا پھر رہا تھا۔

''آپ کی تعریف انکل۔'' اُس نے حمید کی طرف دیکھ کر پروفیسر سے کہا۔

''محکمہ سراغ رسانی کے کیپٹن حمید۔''

''اوہ تو آپ ہی ہیں۔'' داؤد حمید کو نیچے سے اوپر تک گھور رہا تھا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ داؤد کو ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''کیوں جناب! آخر یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا۔'' اُس نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

''جب تک خدا چاہے گا۔''

''یا آپ چاہیں گے۔''

''آپ مجھ پر اس قسم کا کوئی الزام نہیں رکھ سکتے مسٹر داؤد۔ کوئی بات زبان سے نکالنے

سے پہلے اس پر غور کرلیا کیجئے۔''

''داؤد بیکار باتیں نہ کرو۔'' پروفیسر اس کی طرف مڑ کر بولا۔

''بس کیا بتاؤں کہ چلنے پھرنے سے معذور ہوں ورنہ ایک ایک سے سمجھ لیتا۔'' داؤد نے

غصیلے لہجے میں کہا۔

''کیا اشارہ میری طرف ہے۔'' حمید کو بھی غصہ آ گیا۔ ''اچھی بات ہے۔ میں آپ کے

صحت یاب ہوجانے کا انتظار کروں گا۔''

''داؤد.....خدا کے لئے۔'' پروفیسر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''جاؤ تم آرام کرو۔''

داؤد نے کرسی موڑی اور پہیوں کو پھراتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

''تم کچھ خیال نہ کرنا کیپٹن۔'' پروفیسر نے حمید سے کہا۔ ''یہ لڑکا بہت اکھڑ ہے۔''

''میں اکھڑ ترین ہوں۔''

''کیپٹن پلیز.....!''

حمید چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ''آخر تم کسی کے خلاف شبہ کیوں ظاہر نہیں کرتے۔ کئے بغیر سراغ ملنا مشکل ہے۔ مجھے دو چار ایسے نام لکھوا دو جن پر تمہیں شبہ ہو۔''

''میں شبہ کس پر ظاہر کروں جبکہ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ جیمس اسٹریٹ کیوں گئی تھی۔''

''کیا وہاں کوئی شناسا نہیں رہتا۔'' حمید نے کہا۔

''میرا کوئی شناسا نہیں رہتا۔'' پروفیسر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''ہوسکتا ہے اس کا کوئی ہو لیکن مجھے اس کا علم نہیں۔''

اس کے انداز سے صاف ظاہر تھا جیسے وہ کچھ چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''آؤ.....آؤ.....میرے ساتھ۔'' پروفیسر اس کا ہاتھ پکڑ کر مضطربانہ انداز میں بولا۔ اُسے ایک طرف لے جا رہا تھا۔ پھر انہوں نے بالائی منزل کے لئے زینے طے کئے اور اوپر پہنچ کر پروفیسر اسے ایک کمرے میں لے گیا۔ دروازہ بند کر دینے کے بعد وہ حمید کی طرف مڑا۔

''شبہ ظاہر کردوں۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''یقیناً.....اس کے بغیر کام نہیں بنے گا۔''

''مجھے داؤد پر شبہ ہے۔'' پروفیسر نے بہت آہستہ سے کہا۔

''کمال ہے۔ کل تک آپ کو مجھ پر بھی شبہ تھا۔''

''شبہے کی وجہ ہے کیپٹن.....داؤد بے ایمان اور غاصب ہے۔ میں نظریں پہچانتا ہوں۔ وہ سلیمہ کو اُن نظروں سے نہیں دیکھتا تھا جن سے چچی کو دیکھنا چاہئے۔''

''ہوسکتا ہے.....ممکن ہے.....!'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''لیکن وہ تو چل پھر نہیں سکتا۔''

''مجھے اس پر بھی شبہ ہے۔''

''کیوں.....؟''

''میں اُسے ڈریسنگ ہوجانے کے بعد ہی دیکھ سکا تھا اور پھر میری عدم موجودگی میں پلاسٹر بھی چڑھا دیا گیا۔''

''جب وہ گرا ہوگا تو کوئی نہ کوئی عمارت میں ضرور موجود رہا ہوگا۔''

''تین نوکر تھے لیکن کسی نے بھی اُسے گرتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ صرف اس کی چیخیں سن کر دوڑے تھے۔ وہ زینوں کے نیچے پڑا تڑپ رہا تھا حالانکہ اُسے بیہوش ہوجانا چاہئے تھا۔ پنڈلی کی ہڈی ٹوٹی تھی کیپٹن.....مذاق نہیں ہے۔ میں نے بڑے بڑے پہلوانوں کو بیہوش ہوتے دیکھا ہے۔ داؤد کی کیا حقیقت ہے۔ آپ نے ابھی اُسے دیکھا تو تھا۔ کیا اُس کے چہرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جسم کے کسی حصے کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔''

''یہ تو کوئی بات نہیں۔ ایسے بہتیرے آدمی میری نظر سے گذرے ہیں جو سینے پر گولی کھانے کے بعد بھی اُس وقت تک مسکراتے رہے ہیں جب تک کہ مر ہی نہیں گئے۔''

''آپ نے شبہ ظاہر کرنے کے لئے کہا تھا۔'' پروفیسر نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ ''میں نے ظاہر کردیا۔ اب دیکھنا ہے کہ آپ کیا کرتے ہیں۔''

حمید کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پروفیسر نے اُسے ٹوکا۔

''کیوں آپ کیا سوچنے لگے۔''

''کچھ نہیں داؤد ہی کے متعلق سوچ رہا ہوں۔ آپ صرف نظریں ہی پہچانتے ہیں یا آپ کی نظروں سے آج سے کوئی قابل اعتراض بات بھی گذری ہے۔''

''بس حد ہوگئی۔ اب میں اور زیادہ ذلیل نہیں ہونا چاہتا۔'' پروفیسر دروازے کیطرف بڑھا۔

''ٹھہرو پروفیسر.....!'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''کیا ہے۔'' پروفیسر اس کی طرف مڑے بغیر بولا۔

''مجھے اُس ڈاکٹر کا نام اور پتہ چاہئے جس نے داؤد کو دیکھا تھا۔''

''ڈاکٹر زیدی.....پارک اسٹریٹ.....وہ بھی کوئی اچھا آدمی نہیں ہے۔'' پروفیسر نے

حمید کی طرف مڑ کر کہا۔ ''صورت ہی سے اوباش معلوم ہوتا ہے۔''

''اچھا میں اسے چیک کروں گا۔'' حمید نے کہا۔

اور پھر وہ وہاں سے چلا آیا۔ وہ پروفیسر کے شبہے کو نظر انداز نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس نے بھی داؤد کو دیکھا تھا اور اس کے متعلق کوئی اچھی رائے نہیں قائم کی تھی۔

اُس کی موٹر سائیکل پارک اسٹریٹ میں داخل ہوئی اور پھر ڈاکٹر زیدی کے مطب کے سامنے رک گئی۔ اندر ڈاکٹر کی میز پر جو شخص نظر آیا اُسے حمید شہر کی اچھی تفریح گاہوں میں آؤ گے۔''

بار دیکھ چکا تھا اور وہ اُسے پسند نہیں کرتا تھا۔ اُس کا نام اُسے آج ہی معلوم ہوا۔ پہلے وہ کرتا تھا کہ وہ شہر کا کوئی اوباش رئیس ہے۔

وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اُسے کس طرح چیک کرے کہ اچانک اس کی نظر دوسری طرف کے ریستوران کی کھڑکی کی جانب اٹھ گئی اور اُس نے وہاں جو کچھ بھی دیکھا اس کیلئے کافی سنسنی خیز تھا۔ فریدی کی آنکھوں میں بھی حیرت ہی دیکھی۔ اُس نے موٹر سائیکل فٹ پاتھ سے لگا کر کھڑی کر دی اور ریستوران میں گھستا چلا گیا۔ فریدی میز پر تنہا ہی تھا۔

''کیوں.....؟'' فریدی نے سوال کیا۔ حمید بیٹھ چکا تھا۔

''آپ خفا کیوں ہو رہے ہیں۔ کیا میں کوئی لڑکی ہوں۔'' حمید نے مسکرا کر کہا۔

''اُس سے بھی بدتر۔'' فریدی نے بُرا سا منہ بنایا۔

''میں ڈاکٹر زیدی کو ایک معاملے میں چیک کرنا چاہتا ہوں۔'' حمید نے کہا۔

''کس معاملے میں۔'' فریدی آگے جھک آیا۔

''اُس نے داؤد کے ٹوٹے ہوئے پیر پر پلاسٹر چڑھایا تھا۔''

''پھر.....!''

''مجھے شبہ ہے کہ داؤد کا پیر سرے سے ٹوٹا ہی نہیں تھا۔''

''آخر کس بناء پر۔''

''خود پروفیسر نے یہ شبہ ظاہر کیا ہے۔''

''خوب.....اس کی کہانی کیا ہے۔''

پروفیسر نے جو کچھ بھی کہا تھا حمید نے دہرا دیا۔ فریدی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر

''یہ چیز بھی دلچسپ ہے۔''

''آپ یہاں کیوں نظر آ رہے ہیں۔''

''تمہارا منتظر تھا۔'' فریدی مسکرایا۔ ''مجھے فرشتوں سے اطلاع ملی تھی کہ تم اس وقت ادھر

''سراغ رسانی سے عشق حقیقی تک۔'' حمید بڑبڑایا۔ ''عشق مجازی اپنے حصے میں آیا ہے۔ بر میں آپ کو مجبور نہیں کروں گا کہ آپ یہاں اپنی موجودگی کی وجہ بتائیے۔''

''لو بھئی میں جا رہا ہوں لیکن زیدی سے کسی قسم کی گفت و شنید مت کرنا۔ اس پر صرف نظر رکھو۔ سائے کی طرح اس کا تعاقب کرو۔ اس کے خلاف نہ ہو۔'' فریدی نے کہا اور اٹھ کر ریستوران سے نکل گیا۔ حمید بیٹھا پلکیں جھپکاتا رہ گیا۔

وہ بھی ریستوران سے نکلا۔ اُسے وہاں تقریباً ڈھائی بجے تک بیٹھنا پڑا.....اور جب ڈاکٹر زیدی اپنی کار میں بیٹھ چکا

کچھ دیر بعد وہ اسکی کار کا تعاقب کر رہا تھا لیکن ساتھ ہی یہ بھی سوچ رہا تھا کہ بُرے پھنسے۔ سے صرف تعاقب کرتے رہنے سے اختلاج ہونے لگتا تھا اور اس وقت تو اختلاج کے علاوہ یدی کے رویہ سے پیدا ہو جانے والی الجھن بھی تھی۔ آخر وہ ڈاکٹر زیدی تک کیسے پہنچا جب لہ اس نے نہ تو داؤد کو دیکھا تھا اور نہ پروفیسر ہی سے ملا تھا۔ اسکی دانست میں وہ دونوں صرف لک ہی بار ملے تھے۔ اسی دن جب پروفیسر اس پر سلیمہ کے اغواء کا شبہ ظاہر کرنے کیلئے آیا تھا۔

کار شہر کی مختلف سڑکوں پر دوڑتی رہی اور حمید جھک مارتا رہا۔ اُسے توقع تھی کہ ڈاکٹر زیدی طب سے اٹھ کر اپنی قیام گاہ پر جائے گا اور اسے اس تعاقب سے جلد ہی نجات مل جائے گی۔ لر ایسا نہ ہوا۔ وہ اس کے بجائے ہائی سرکل نائٹ کلب میں جا گھسا۔

ڈائننگ ہال میں برائے نام آدمی تھے۔ ڈاکٹر زیدی نے لنچ طلب کیا۔

اب تو حمید کو بیٹھنا ہی تھا لہٰذا اسے بھی لنچ ہی طلب کرنا پڑا۔ بلکہ وہ تو سوچ رہا تھا کہ رات کا کھانا بھی یہیں نہ کھانا پڑے۔

ہال کا ماحول اس وقت انتہائی درجہ خشک تھا کیونکہ کہیں بھی کوئی ایسا چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا جسے دیکھ کر حمید دن بھر کی ذہنی تھکن دور کر سکتا۔

وہ خاموشی سے نوالے حلق سے اتارتا رہا۔ ڈاکٹر زیدی بھی کچھ تھکا تھکا سا نظر آ رہا تھا۔ ایک آدھ بار اس نے حمید کی طرف دیکھا بھی، مگر بالکل اسی انداز میں جیسے ہال میں دوسرے لوگ ایک دوسرے کو بے تعلقی سے دیکھ لیتے تھے۔

لنچ ختم کر چکنے کے بعد ڈاکٹر زیدی لاؤنج میں چلا گیا۔ لیکن حمید نے اٹھنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ چونکہ اسے دیکھ چکا تھا اس لئے احتیاط لازمی تھی۔ اگر اس اغواء میں حقیقتاً اسی کا ہاتھ تھا تو حمید کو سر پر مسلط دیکھ کر اسے شبہ بھی ہو سکتا تھا۔

وہ اٹھ کر منیجر کے کمرے میں آیا لیکن وہ بھی موجود نہیں تھا۔ اس کمرے کی دوسری طرف میں ایک دوسرا کمرہ تھا جہاں منیجر آرام کیا کرتا تھا۔ حمید نے اس کا پردہ سرکایا لیکن وہ بھی خالی تھا۔ خالی مسہری دیکھ کر حمید انگڑائیاں لینے لگا۔ وہ بہت زیادہ تھک گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جوتوں سمیت بھی اس مسہری پر سوتا ہوا پایا گیا تو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

وہ اطمینان سے جا لیٹا۔ سونے کا ارادہ نہیں تھا۔ وہ تو صرف تھکن دور کرنا چاہتا تھا۔ وہ بھی سوچ رہا تھا کہ اگر منیجر آ گیا تو کچھ دیر اسے بھی بور کرے گا۔

دفعتاً اُسے منیجر کے آفس میں قدموں کی چاپ سنائی دی لیکن وہ چپ چاپ لیٹا رہا۔ ایسی آواز آئی جیسے فون پر نمبر ڈائیل کئے جا رہے ہوں۔

پھر کوئی آہستہ آہستہ کہنے لگا۔ ''ہیلو..... کون..... اچھا..... ہاں دیکھو..... ابھی حمید یہاں دکھائی دیا تھا..... میں ہائی سرکل سے بول رہا ہوں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ تعاقب کرتا ہوا یہاں تک آیا تھا یا پہلے ہی سے موجود تھا۔ خیر دیکھو یہ بھی معلوم ہو جائے تو میں یہاں سے جا رہا ہوں۔''

پھر ریسیور رکھنے کی آواز آئی اور فون کرنے والے کی واپسی سے حمید لاعلم نہیں رہا۔ وہ جا چکا تھا۔

حمید نے ایک طویل سانس لی۔ اس نے ڈاکٹر زیدی کی آواز صاف پہچانی تھی۔ رہے سہے شبہات بھی یقین میں تبدیل ہو گئے۔ وہ چپ چاپ لیٹا رہا۔ ڈاکٹر زیدی ہوشیار ہو گیا تھا لہٰذا اب اس اسٹیج پر اس سے دور ہی رہنا بہتر تھا۔

کچھ دیر بعد منیجر نے دروازے کا پردہ ہٹایا اور حمید کو وہاں دیکھ کر متحیر رہ گیا گو کہ حمید اس سے انتہائی درجہ بے تکلف تھا لیکن اس طرح اس کے کمرے میں آنے کا پہلا اتفاق تھا۔

''اس وقت مجھے کامل رشید کا ایک شعر یاد آ رہا ہے۔'' حمید نے سر اٹھا کر کہا۔ ''آؤ..... آؤ..... مری جان..... وہ شعر ہے کہ طبیعت پھڑک اٹھے گی۔''

مجھ کو سکتہ سا اُن کو حیرت سی
آئینہ بن گئی ہے یکجائی

منیجر سر پیٹنے لگا۔ ''واہ..... کیا شعر ہے..... ہے ہے..... آئینہ بن گئی ہے یکجائی۔ حمید صاحب خدا آپ کا بھلا کرے..... ساری کوفت دور ہو گئی..... لیٹے رہئے..... لیٹے رہئے۔''

''کس کوفت میں مبتلا تھے۔''

''کیا عرض کروں جناب۔ شریف آدمیوں کو زندہ ہی نہ رہنا چاہئے۔''

''کیا ہوا مجھے بتاؤ۔ کسی لڑکی نے پریشان کیا ہے!''

''لڑکی.....!'' منیجر نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''نہیں جناب! میں کلب کے بعض مستقل ممبروں سے تنگ آ گیا ہوں۔''

''ان میں یہ خاکسار تو نہیں ہے۔''

''نہیں جناب۔ آپ پر تو پیار بھی آتا ہے۔'' منیجر مسکرایا۔ ''لیکن اُن لوگوں پر صرف غصہ آتا ہے۔''

''آخر بات کیا ہے۔ کیا انہوں نے تمہاری محبوباؤں کو چھیڑنا شروع کر دیا ہے۔''

''نہیں بلکہ وہ کلب کا ریپوٹیشن برباد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اب مثال کے طور پر

ڈاکٹر زیدی ہی کو لے لیجئے۔"

"اوہ.....!" حمید سنبھل کر بیٹھ گیا لیکن منیجر نے اس کی طرف توجہ نہ دی۔ وہ دیوار سے لگے ہوئے ایک تصویری فریم کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اُس نے سر ہلا کر کہا۔ "وہ حضرت آدمیوں کو اپنے ساتھ لاتے ہیں جن کی صحبت کوئی شریف آدمی پسند نہیں کر سکتا۔"

"وہ کیسے آدمی ہوتے ہیں۔"

"چھٹے ہوئے بدمعاش لفنگے..... جنہیں آپ منہ لگانا بھی پسند نہیں کر سکتے۔"

"کیا تم انہیں پہچانتے ہو۔"

"کیوں نہیں..... ان میں سے ایک سمگلر ہے کئی بار بحری پولیس کی گولیوں سے زخم چکا ہے۔ مگر چونکہ بڑے آدمیوں کی سرپرستی اُسے حاصل ہے۔ اسلئے ہمیشہ آزاد ہو جاتا ہے۔"

"کون ہے..... نام بتاؤ۔"

"پہلے لوگ اُسے راجو راجو پکارتے تھے مگر اب چند برسوں سے الفریڈ راج کہلانے لگا ہے۔"

"اوہ..... اچھا..... وہ جو برٹرام روڈ پر رہتا ہے۔"

"جی ہاں..... وہی..... وہی.....!"

"تمہیں حق حاصل ہے کہ تم ڈاکٹر زیدی کو کلب کی رکنیت سے خارج کر دو۔"

"مگر ٹھکانہ کہاں ہوگا میرا۔ میں غنڈوں سے بہت ڈرتا ہوں..... غنڈوں سے نہیں بے عزتی سے۔"

"کس کی مجال ہے کہ تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔" حمید بولا۔

"آپ کی ذات سے یہی توقع ہے آپ سے زیادہ میرا کون ہمدرد ہوگا۔"

"مگر ٹھہرو..... چند دن اور ٹھہر جاؤ۔ اپنی زبان بالکل بند رکھو۔ میں ایک ضروری سے فرصت پا کر اُن لوگوں سے نپٹ لوں گا جب تک میں مشغول ہوں طرح دیتے رہو۔"

"بہت بہتر جناب..... آپ کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کروں گا۔ مجھے یقین ہے اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ مجھے کن بڑے آدمیوں کی حمایت حاصل ہے تو وہ ادھر کا رخ ہی نہیں کریں گے۔"

"کیا ڈاکٹر زیدی اس وقت بھی موجود ہے۔"

"کچھ دیر پہلے تھا۔ اب نہیں ہے۔" منیجر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"اکثر اُس کے ساتھ لڑکیاں بھی ہوتی ہوں گی۔"

"ہوتی ہیں۔ وہ بھی اس معاملے میں آپ ہی کی طرح خوش قسمت ہے کپتان صاحب۔ ایک بار میں نے اس کے ساتھ ایک اتنی حسین عورت دیکھی تھی کہ اُف شاید میں اُسے مرتے دم تک نہ بھلا سکوں۔ اس کے اوپری ہونٹ کے گوشے پر وہ تل قیامت تھا..... بقول شاعر.....!"

حمید کو اچھی طرح یاد نہیں کہ منیجر نے کون سا شعر پڑھا تھا کیونکہ اس نے اس حسین عورت کا جو حلیہ بتایا تھا وہ بیگم شوخ کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہو سکتا تھا۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں وہ شعر کی طرف کیا دھیان دیتا۔

سرخ رومال

حمید نے فون پر فریدی کو ان حالات کی اطلاع دینی چاہی لیکن وہ گھر پر نہیں ملا۔ بڑی مشکلوں سے اس کا سراغ مل سکا۔ وہ اس وقت برٹرام روڈ کی پولیس چوکی پر موجود تھا۔

سارے حالات سننے کے بعد بولا۔ شکریہ حمید۔ تم نے بڑا کام کیا۔ یہ راجو نیا آدمی لسٹ پر آ رہا ہے۔ تم آج کل بہت شاندار جا رہے ہو۔ عورتوں کے لئے تم نے ہمیشہ شاندار کارنامے انجام دیئے ہیں۔ اچھا اب تم گھر واپس جاؤ۔ شام تک وہیں ملاقات ہوگی۔

مگر شام تک فریدی گھر نہیں آیا۔ حمید بُری طرح الجھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ باہر جائے یا فریدی کا انتظار ہی کرتا رہے۔ اس نے اسی انداز میں اُسے گھر جانے کی ہدایات کی تھی جیسے اپنی آمد پر اُسکی موجودگی ضرور سمجھتا ہو۔ حمید بیٹھا جھک مارتا رہا۔ اسی دوران میں قاسم کی کال آئی۔

"کیا بات ہے۔" حمید نے پوچھا۔

''بات نہیں بات کا باپ ہے۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''تم سالے اس کے بنے ہو۔ وہ مجھ پر غراتی ہے۔''

''چپلیں لگائے گی تمہارے..... ابھی کیا ہے۔''

''ٹانگیں چیر کر پھینک دوں گا۔''

''اور میں تمہیں جیل میں سڑا دوں گا۔''

''ابے جا جا..... ڈیل میں ٹھڑا ڈیں گے۔'' غالباً دوسری طرف سے قاسم اُسے منا رہا تھا۔

''تم چاہتے کیا ہو۔''

''تمہاری موت!''

''یہ ناممکن ہے۔ میں تم سے پہلے نہیں مروں گا ورنہ تمہاری لاش کون گھسیٹے گا۔''

''گھسیٹ کر دیکھو..... کیا تماشا دکھاتا ہوں۔''

''تم آج رات کو مر جاؤ گے۔''

''ابے ہٹ.....!'' قاسم نے خوفزدہ آواز میں کہا۔

''یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ مسز شوخ کی پیشین گوئی ہے۔''

''ارے باپ رے..... نہیں الاقسم.....!''

''جب دم نکلنے لگے تو مجھے فون کرا دینا۔ کیا تمہیں اپنے سر کا پچھلا حصہ کچھ بھاری سا لگ رہا ہے۔''

دوسری طرف خاموشی رہی پھر یک بیک قاسم کی آواز آئی۔ ''غاں..... بھاری لغ رہا ہے۔''

''خدا تم پر رحم کرے۔'' حمید نے دردناک آواز میں کہا۔

''قیوں..... قیوں.....!''

''اس نے یہی علامت بتائی تھی۔''

''اے حمید..... سالے.....!'' قاسم حلق پھاڑ کر دہاڑا۔ ''اگر میں مر گیا تو تمہیں

مار دوں گا۔''

''مجھے اس پر بھی خوشی ہوگی کیونکہ تمہارے مرنے سے میری بہن بیوہ ہو جائے گی اور پھر کسی اچھے آدمی سے اس کی شادی بھی ہو سکے گی۔''

''چپ رہو۔'' قاسم کی دہاڑ نے آخر کار فون کی لائن خراب کر دی۔

مگر غنیمت یہی تھا کہ فریدی کی کوٹھی میں تین فون تھے اور ہر ایک کی لائن الگ تھی۔ نمبر بھی مختلف تھے۔ تھوڑی دیر بعد لیبارٹری والے فون کی گھنٹی کی آواز آئی اور حمید دوڑتا ہوا اوپر آیا۔ کال فریدی کی تھی۔

''کیا ہے..... خواب گاہ والے فون کی لائن خراب ہے کیا۔'' اُس نے پوچھا۔

''شاید لائن ہی خراب ہے۔''

''ایک ملاح کے میک اپ میں تمہیں سونا گھاٹ پہنچنا ہے۔''

''لیکن پھر آپ میری ملاحیوں پر اعتراض نہ کیجئے گا۔''

''سنجیدگی اختیار کرو۔'' فریدی نے درشت لہجے میں کہا۔

''کر لی..... لیکن مقصد کیا ہے۔''

''مقصد وہیں بتاؤں گا۔''

''مگر سونا گھاٹ پر کس جگہ۔''

''جہاں ماہی گیروں کی کشتیاں رہتی ہیں۔''

''اچھی بات ہے..... میں سمجھ گیا۔''

''کیا سمجھ گئے!''

''الفریڈ راج یا راجو کا چکر ہے۔''

''ہو سکتا ہے..... ایسا ہی ہو۔ تمہیں ٹھیک آٹھ بجے وہاں پہنچ جانا چاہئے۔ تمہارے سر پر سرخ رنگ کا رومال ہوگا۔''

''پہنچ جاؤں گا۔''

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ مسز شوخ کا اغوا اسکی سمجھ سے باہر ہوتا جا رہا

اس وقت چھ بجے تھے۔ اس نے میک اپ کیا اور اندھیرا گہرا ہونے کا انتظار کرنے

اُس نے ایک ریوالور اور ساٹھ راؤنڈ اپنے ساتھ رکھنے کا بھی انتظام کر لیا تھا۔

سونا گھاٹ پر زیادہ تر ماہی گیر آباد تھے۔ یہاں کچھ بڑی عمارتیں بھی تھیں جن میں ماہی گیر کمپنیوں کے دفاتر اور کولڈ اسٹوریج تھے۔ دو ایک گھٹیا قسم کے ہوٹل اور بار بھی تھے کے اکثر سرمایہ داروں نے اپنے لئے سمر ہاؤز بھی بنوا رکھے تھے۔

حمید ٹھیک اسی حصے میں رک گیا جہاں کچھ دور پانی میں بیشمار بادبانی کشتیاں تیر رہی تھیں

کچھ دیر بعد ایک آدمی اس کے قریب سے کہتا ہوا گزر گیا۔ ''ڈریک بار پلیز.....!''

وہ فریدی ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر فریدی ہوتا تو چال اور آواز بدلنے کی کیا ضرورت

اس نے کشتیوں کے مستولوں سے لٹکنے والی لال ٹینوں کی دھندلی روشنی میں اُس کی ہلکی جھلک دیکھی تھی۔ وہ کچھ دور تک نظر آتا رہا پھر چاروں طرف پھیلی ہوئی تاریکی اُسے نگل گئی۔

حمید بھی بستی کی طرف چل پڑا۔ وہ جانتا تھا کہ ڈریک بار کوئی اچھی جگہ نہیں ہے۔ یہ گھٹیا قسم کے نشہ باز جہاز راں ہوا کرتے تھے اور صرف نام کی بار تھی، ورنہ حقیقتاً وہاں شراب بجائے کشیدنی قسم کے نشوں کا غیر قانونی بیوپار ہوتا تھا۔

چرس اور افیون کے شائق غیر ملکی جہاز رانوں کے لئے یہ بہترین جگہ تھی۔ بیئر کے سامنے رکھ کر وہ چرس اور کشیدنی افیون کے سگریٹ پیا کرتے تھے۔ اس طرح پولیس کی مداخلت کا خدشہ بھی باقی نہیں رہتا تھا۔

حمید بار میں داخل ہو کر ایک خالی میز پر جم گیا۔ پھر ایک منٹ بھی نہیں گذرا تھا کہ ایک آدمی اسکے سامنے والی کرسی پر بیٹھتا ہوا آہستہ سے بولا۔ ''اب رومال کھول کر جیب میں رکھ لو۔''

حمید بیساختہ چونک پڑا لیکن اس نے خود کو قابو میں رکھنے کی کوشش شروع کر دی۔ آدمی نے گھاٹ کے قریب اُسے ڈریک بار میں پہنچنے کا مشورہ دیا تھا اور یہ تھا کون؟ الفریڈ یا راجو.....وہی جس کا نام سنتے ہی فریدی نے بڑے پرجوش انداز میں اسے شاباش دی تھی۔

حمید کا ذہن بہت تیزی سے سوچ رہا تھا۔

''تمہارا نام کیا ہے دوست۔'' راجو نے آگے جھک کر آہستہ سے پوچھا۔

''تمہیں میرے نام سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے۔'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''گڈ.....!'' راجو نے اسے پسندیدگی سے دیکھتے ہوئے سر ہلایا پھر کچھ دیر ٹھہر کر بولا۔ ''تمہیں کس نے بھیجا ہے۔''

''میں یہاں فضول بکواس سننے کے لئے نہیں آیا۔'' حمید نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔ ''میں نے تو تم سے نہیں پوچھا کہ تم کون ہو یا تمہارا نام کیا ہے۔''

''ویری گڈ.....!'' راجو مسکرا کر بولا۔ ''کچھ پیو گے۔''

''نہیں.....!'' حمید غرایا۔ ''میں صرف اسی صورت میں پیتا ہوں جب گھر پر پڑے رہنا ہو۔''

''بہت عمدہ۔ میں ایسا ہی آدمی چاہتا ہوں۔'' راجو بولا۔ ''تھوڑی دیر اور ٹھہرو پھر ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ بہت کچھ سمجھ چکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اُن میں تیسرے آدمی کا اضافہ ہو گیا۔ یہ بھی راجو ہی کی طرح جہاز رانوں کے سے لباس میں تھا لیکن اس کے چہرے پر گھنی ڈاڑھی تھی۔ اُسکے آتے ہی راجو اٹھ گیا۔ حمید بھی اٹھا اور یہ لوگ گھاٹ کی طرف چل پڑے۔ نیا آنے والا ابھی تک ایک بار بھی نہیں بولا تھا۔

حمید کو کچھ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اُسے پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہو۔ وہ بھی خاموشی سے چلتا رہا۔ گھاٹ پر پہنچ کر وہ ایک کشتی میں بیٹھ گئے۔ ہوا اس وقت زیادہ تیز نہیں تھی۔ اس لئے بادبان کھول دیا گیا اور راجو نے چپو سنبھال لئے۔ سمندر کی سطح پرسکون تھی۔

''اب کیا دیر ہے۔'' نئے آنے والے نے پوچھا اور حمید یک بیک چونک پڑا۔ اگر اندھیرا نہ ہوتا تو وہ دونوں ہی اس کے چہرے پر استعجاب کے آثار دیکھ لیتے کیونکہ یہ آواز پروفیسر شوخ کے بھتیجے داؤد کے علاوہ کسی اور کی نہیں ہو سکتی تھی۔ داؤد جسے آج ہی حمید نے اپاہج آدمیوں کی پہیوں دار کرسی پر دیکھا تھا۔

یہ کیا قصہ تھا؟ حمید کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔ اس ایک عورت کے اغوا کے لئے اتنی سری۔ پورا ایک گروہ جس کے لئے سرگرم عمل تھا اور پھر اب وہ لوگ کیا چاہتے تھے۔

داؤد نے کتنا خطرہ مول لیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس وقت وہ پروفیسر کو دھوکے میں رکھ کر گھر سے باہر ہوگا۔

حمید سوچنے لگا کہ پروفیسر بھی نرا گاؤدی نہیں ہے۔ داؤد کے متعلق اس نے پہلے ہی شبہ ظاہر کر دیا تھا۔ لہٰذا یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اس وقت دھوکا ہی کھا گیا ہوگا۔ پھر؟ کیا داؤد سے ڈرتا ہے۔

کشتی کی رفتار خاصی تیز تھی۔ رات کے سرمئی غبار میں راجو کی متحرک پرچھائیں صاف نظر آ رہی تھیں جو کشتی کھے رہا تھا۔

''تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔'' داؤد نے پھر کہا۔

''دیکھئے..... یہ ایسا آسان کام تو ہے نہیں۔'' حمید نے راجو کی آواز سنی۔ ''بہرحال انتہائی جدوجہد کر رہے ہیں۔''

''اس اسکیم کا کیا رہا۔''

''اس اسکیم کے لئے یہ صاحب آئے ہیں۔'' غالباً حمید کی طرف اشارہ تھا۔

یہ کون ہیں۔''

''میں خود بھی نہیں جانتا لیکن کام کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔''

''کیا بات ہوئی۔'' داؤد غرایا۔

''زیدی صاحب کے بھیجے ہوئے ہیں۔ انہوں نے مجھے یقین دلایا تھا جو آدمی وہ بھیجیں گے ہر لحاظ سے کارآمد ہوگا۔''

اب معاملہ حمید کی سمجھ میں آ گیا۔ وہ سوچنے لگا شاید ان کی کسی اسکیم کا علم فریدی کو ہے۔ اسی لئے اس نے یہ طریقہ اختیار کیا۔ یہ کتنا خطرناک تھا۔ اگر حمید سے نادانستگی میں ذرا بھی لغزش ہو جاتی تو سارا کھیل بگڑ جاتا۔ اُسے چاہئے تھا کہ صورتحال سے پہلے ہی آگاہ کر دیتا

اب حمید اس فکر میں پڑ گیا کہ کھیل کسی طرح بگڑنے نہ پائے۔ اُسے بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔

''زیدی سے تم نے وضاحت نہیں طلب کی۔'' داؤد نے پوچھا۔

''نہیں..... انہوں نے مزید کچھ بتانے سے انکار کر دیا تھا۔''

''میں اسے درست نہیں سمجھتا۔'' داؤد نے کہا۔ پھر حمید کو مخاطب کر کے بولا۔

''کیوں جناب کیا آپ اپنے متعلق کچھ نہیں بتائیں گے۔''

''نہیں!'' حمید کا لہجہ درشت تھا۔

''پھر کیسے کام چلے گا۔''

''میں کام کرنے کے لئے آیا ہوں۔ یہ سوچنے کے لئے نہیں آیا کہ کام کیسے چلے گا۔''

''تم کیسے آدمی ہو۔'' داؤد نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''اگر زیدی صاحب کا معاملہ نہ ہوتا تو اس لہجے کا مزہ چکھا دیتا۔'' حمید غرایا۔

''آپ بات نہ بڑھائیے جناب۔'' راجو نے داؤد سے کہا۔ ''ہر آدمی کا طریقہ الگ ہوتا ہے۔ مجھے یہ طریقہ بے حد پسند ہے۔ آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں۔ ہمیں صرف کام سے غرض ہونی چاہئے۔''

داؤد خاموش ہو گیا اور حمید بھی کچھ نہیں بولا۔ کشتی سمندر کا پرسکون سینہ چیرتی رہی، چپوؤں کی ''شپاشپ'' سے فضا مرتعش ہو رہی تھی۔

راجو کے بازو ابھی تک شل نہیں ہوئے تھے۔ وہ ایک مشاق قسم کا کشتی بان معلوم ہوتا تھا۔ کچھ دیر بعد کشتی فن آئی لینڈ کے ایک ویران ساحل سے جا لگی۔ راجو نے پتوار رکھ دیئے اور خشکی پر کود گیا۔ پھر وہ دونوں بھی اترے۔

اب جزیرے کے جس حصے میں وہ چل رہے تھے بالکل ویران اور تاریک تھا۔ حمید کا ذہن مختلف قسم کے خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

دفعتاً وہ چلتے چلتے رک گیا۔ داؤد بھی رکا۔

''تو تم اپنے متعلق نہیں بتاؤ گے۔'' راجو نے غصیلی آواز میں کہا۔

''نہیں.....!'' حمید کا لہجہ پرسکون اور سرد تھا۔

''اگر ہم تمہیں یہاں مار ڈالیں تو.....!'' راجو کا لہجہ اب بھی درشت تھا۔

''کوشش کر کے دیکھو۔''

راجو حمید کی طرف بڑھا لیکن حمید نے بڑی پھرتی سے آگے بڑھ کر اس کے چہرے اور وہ داہنے بازو کے بل زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اُس کے حلق سے کراہ نکلی۔

''میرے ہاتھ میں بغیر آواز کا ریوالور ہے۔ تم لوگ اپنی جگہوں سے ہلنا بھی مت کر سکتے ہیں۔'' حمید نے گرجدار آواز میں کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' راجو نے زمین پر پڑے ہوئے کہا۔

''شاید میرا ساتھ غلط آدمیوں سے پڑ گیا ہے۔'' حمید نے اپنے لہجے میں سفاکی کرتے ہوئے کہا۔ ''مگر میں اس کی پروا کم کرتا ہوں۔ بتاؤ تم لوگ کون ہو۔ ورنہ صبح یہاں لاشیں ملیں گی۔''

''ہم تمہارا امتحان کر رہے تھے دوست۔'' راجو نے آہستہ سے کہا۔ ''ریوالور جیب میں رکھ لو۔''

''بکواس ہے۔'' حمید غرایا۔ ''تم اب مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔''

''پھر تمہاری دانست میں ہم کون ہیں۔'' راجو نے پوچھا۔

''پولیس.....!''

اس پر نہ صرف راجو نے بلکہ داؤد نے بھی قہقہہ لگایا۔

''بس بس..... بالکل ٹھیک ہے۔ تم ایسے ہی آدمی معلوم ہوتے ہو کہ ہر قسم کا کام انجام دے سکو گے۔'' راجو نے کہا اور اٹھ بیٹھا۔ پھر بولا۔ ''یہ ریوالور رکھ لو دوست..... میں تم سے بالکل مطمئن ہوں۔''

''لیکن مجھ سے معاوضے کے متعلق کچھ نہیں کہا گیا۔'' حمید بڑبڑایا۔

''پہلے تم کام سن لو..... اس کے بعد جو معاوضہ بھی مانگو گے دیا جائے گا۔''

''اٹھو.....!'' حمید ریوالور جیب میں رکھتا ہوا غرایا۔

راجو زمین سے اٹھ گیا۔

''کام کیا ہے۔'' حمید نے درشت لہجے میں پوچھا ''میرے پاس زیادہ وقت نہیں رہتا۔''

''چلو کچھ دور اور چلنا پڑے گا۔ پھر ہم بیٹھ کر اطمینان سے گفتگو کریں گے۔'' راجو نے کہا۔

''کیا پھر کوئی امتحان۔''

''نہیں دوست!'' راجو اس کا شانہ تھپتھپا کر بولا۔ ''اتنا کافی ہے۔ ہم تم پر ہر طرح اعتماد کر سکتے ہیں۔''

حمید پھر اُن کے ساتھ چلنے لگا۔ ان دونوں کو سبق دینے کے بعد اس کی ذہنی اور جسمانی توانائی بڑھ گئی تھی اور وہ اتنی لاپروائی سے ان کے ساتھ چل رہا تھا جیسے کچھ دیر قبل ان سے چند ہی باتیں ہوئی ہوں۔ آبادی میں پہنچ کر راجو نے ایک چھوٹے سے مکان کا قفل کھولا اور وہ اندر داخل ہوئے۔

جس کمرے میں راجو نے ٹھہرنے کے لئے کہا وہ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ درمیان میں ایک چھوٹی میز تھی جس کے گرد کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔

جب وہ بیٹھ گئے تو راجو نے کہا۔ ''یہ ایک آدمی کے اغواء کا مسئلہ ہے۔''

''اسے مسئلہ مت بناؤ۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔ ''اغواء بھی کوئی مسئلہ ہے۔''

''ہاں! ہمارا یہ کام اب ایک دقت طلب مسئلہ ہی بن گیا ہے۔'' راجو بولا۔

''تفصیل.....!'' حمید نے فرش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ آدمی آج کل پولیس کی حفاظت میں ہے۔''

''یعنی جیل یا حوالات میں۔'' حمید نے فرش سے نظر ہٹائے بغیر کہا۔

''نہیں اپنے گھر پر ہے لیکن اس کے گھر کے گرد پولیس کا پہرہ ہے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ راجو کہتا رہا۔ ''یہ سادہ لباس والے ہیں اس لئے ان کو پہچاننا دشوار ہوگا۔ کیوں کیا تم یہ کام کر سکو گے۔''

''واقعی مسئلہ ہے۔'' حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ پھر سر اٹھا کر بولا۔ ''نام

بتاؤ۔ ممکن ہے میں کامیاب ہو جاؤں۔''

''تم ہمت ہار رہے ہو شاید۔'' راجو مسکرایا۔

''میری توہین نہ کرو۔'' حمید غرایا۔ ''مجھے نام اور پتہ بتاؤ۔ تم لوگ مجھ سے واقف نہیں

ورنہ اس توہین کا.....!''

''سنو تو..... تم بہت جلد غصے میں آ جاتے ہو۔'' راجو نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''نام

تصویر اس لفافے میں ہے۔ کیا تم پڑھ سکتے ہو۔''

اس نے جیب سے ایک لفافہ نکالا اور حمید نے کہا۔ ''تحریر کس زبان میں ہے۔''

''اردو میں۔''

''پڑھ لوں گا..... کیا اسے کھول ڈالوں۔''

''ظاہر ہے کہ یہ اسی لئے دیا گیا ہے۔''

حمید نے لفافہ کھول ڈالا۔ یہ ایک معمر آدمی کی تصویر تھی۔ نام کے ایل بھٹی تھا

۵۳/۱ کنکس لین۔ حمید نے سوچا یقیناً کوئی بڑا آدمی ہوگا کیونکہ کنکس لین میں معمولی

کے لوگ نہیں رہتے تھے۔

حمید نے لفافہ جیب میں رکھ لیا۔ وہ دونوں اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہے تھے

نے میز پر کہنیاں ٹیک کر آگے جھکتے ہوئے کہا۔ ''معاوضہ کتنا ہوگا۔''

''اگر تم کل رات کو اسی وقت اُسے یہاں لے آؤ تو دس ہزار لیکن اگر تم اپنے

سرکاری سراغ رسانوں کو لگا لائے تو انجام کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔''

''اور اسکی کیا گارنٹی ہے کہ کام بخوبی انجام پا جانے کے بعد مجھے دس ہزار مل ہی جائیں۔''

''تم کوئی فرشتے تو ہو نہیں کہ صبر کر لو گے۔'' راجو مسکرایا۔

''صبر بھی کر لوں گا مگر اس صورت میں آس پاس کی زمین سرخ نظر آئے گی۔'' حمید

لاپروائی سے کہا۔

''کچھ کر کے دکھاؤ..... تم باتیں بہت لمبی چوڑی کر لیتے ہو۔'' دفعتاً داؤد نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''کیا دیکھنا چاہتے ہو۔'' حمید ایک زہریلی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ''کیا تمہاری داڑھی پر ہاتھ پھیر کر دکھاؤں۔ مگر شاید تم اسے پسند نہ کرو۔''

''میں بدتمیزوں کی زبان کھینچ لیا کرتا ہوں۔'' داؤد غرایا اور حمید اپنی زبان نکال کر بیٹھ گیا۔

داؤد اُسے غصیلی نظروں سے دیکھتا رہا۔

حمید زبان اندر کر کے بولا۔ ''میں ہر وقت ہر ایک کا چیلنج قبول کرنے کو تیار رہتا ہوں۔''

''یار تمہیں مذاق بھی گراں گزرتا ہے۔'' راجو نے ہنس کر کہا۔

''نہیں تو..... میں بھی مذاق ہی کے موڈ میں ہوں۔'' حمید نے خوش مزاجی کا مظاہرہ کیا۔

داؤد خاموش بیٹھا رہا لیکن اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئی تھیں اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے موقع ملتے ہی وہ حمید کو کچا چبا جائے گا۔

''کیا تم میں سے کوئی وہاں موجود ہوگا۔'' حمید نے پوچھا۔

''ہم میں سے کسی کی موجودگی وہاں ضروری نہیں ہے۔'' راجو بولا۔

''اچھی بات ہے تو اب میں چلوں۔''

''جیسی تمہاری مرضی۔'' راجو نے ہچکچاہٹ کے ساتھ کہا۔ ''لیکن کیا تمہیں یقین ہے کہ تم یہ کام بہ آسانی کر لو گے۔''

''تمہیں سادہ لباس والوں کی وجہ سے تشویش ہے۔'' حمید نے مسکرا کر پوچھا۔

''یقیناً..... اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے اگر وہ تمہارا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک پہنچ گئے تو کھیل ختم ہو جائے گا۔''

''اس کے لئے بہترین تدبیر یہ ہے کہ کسی ایسی عمارت کا انتخاب کرو جس کے متعلق کوئی نہ بتا سکے کہ وہ کس کے قبضے میں ہے، میں اُسے وہیں لاؤں۔ تم لوگ قطعی الگ رہو۔ جب تمہیں اچھی طرح اطمینان ہو جائے کہ کوئی خطرہ نہیں ہے تب اُس عمارت میں قدم رکھو۔''

''تجویز معقول ہے۔'' راجو نے داؤد کی طرف دیکھ کر کہا۔

داؤد نے صرف سر ہلا دیا۔

پھر کچھ دیر بعد راجو نے کہا۔ ''یہی عمارت مناسب رہے گی۔''

''تم جانو.....!'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔ ''مجھے جتنا بھی کرنا ہے کر ڈالوں گا۔''

حمید اٹھنے لگا اور راجو نے کہا۔ ''یہ بڑی عجیب بات ہے کہ تم کچھ پیتے نہیں ہو۔''

''جو کچھ میں پیتا ہوں تم پلا نہیں سکو گے۔''

''کیا پیتے ہو۔''

''خون.....!'' حمید اپنی آنکھوں میں سفاکانہ چمک سی پیدا کر کے بولا۔

''یار.....تم بڑے تیس مار خاں معلوم ہوتے ہو۔'' راجو مسکرایا۔ ''مجھے حیرت ہے کہ ہی شہر میں رہنے کے باوجود بھی ہم پہلی بار ملے ہیں۔''

''تمہیں حیرت نہ ہونی چاہئے۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو فخریہ اور اعلان پر اپنے لفنگے پن سے لوگوں کو مرعوب کرنے کے شائق ہوتے ہیں۔''

''گہرے معلوم ہوتے ہو۔''

''اچھا! اب میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔'' حمید نے کہا اور اُن کے جواب کا کئے بغیر مکان سے نکل آیا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ساحل کی طرف جا رہا تھا۔ ساتھ ہی اس کی فکر بھی تھی کہ کہیں کوئی اس کا تعاقب تو نہیں کر رہا ہے۔

ساحل پر بھیڑ زیادہ تھی۔ لوگ لانچوں کے انتظار میں کھڑے ہوئے تھے۔ آج نہ کیوں لانچیں بھی کم تھیں۔ دفعتاً حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اُس کے جیب میں ہاتھ دیا ہو۔ اس نے مڑ کر دیکھا مگر پیچھے ایک بھی ایسا آدمی نہیں نظر آیا جس پر وہ شبہ کر سکتا اس کا ہاتھ اسی جیب میں رینگ گیا اور انگلیاں ایک مڑے تڑے کاغذ سے ٹکرائیں وہ اُنہ رہا لیکن جیب سے باہر نہیں نکالا۔

اُس کا اضطراب بڑھتا رہا اور آخر کار اُس نے فیصلہ کیا کہ اسے قریبی ریستوران

جا کر اس کاغذ کو دیکھنا چاہئے۔

ساحل پر ہی کئی ریستوران تھے۔ حمید نے ایک کی راہ لی۔ اتفاق سے اُسے ایک خالی میز بھی ایک گوشے میں مل گئی۔ یہ تفریح کرنے والوں کی واپسی کا وقت تھا۔ لہٰذا ریستوران خالی ہوتے جا رہے تھے۔ حمید نے کافی کا آرڈر دے کر جیب سے کاغذ نکالا جس پر تحریر تھا۔

''حمید.....بہت اچھے جا رہے ہو لیکن اب تم گھر واپس نہیں جاؤ گے۔ ارجن پورے کی داس بلڈنگ کے پندرھویں فلیٹ میں تمہارا قیام ہوگا۔ یہ دوسری منزل پر ہے۔ داس بلڈنگ پانچویں گلی میں ہے۔ اُسے تلاش کرنے میں تمہیں کوئی دشواری نہیں پیش آئے گی۔ جس فلیٹ میں تمہیں قیام کرنا ہے وہاں ایک آدمی ہوگا تم اُسے صرف میرے نام سے آگاہ کر دینا اور وہ تمہارے لئے ساری سہولتیں بہم پہنچا دے گا۔''

لکھنے والے نے اپنا نام نہیں لکھا لیکن یہ تحریر فریدی کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی تھی۔

حمید کاغذ کو جیب میں ٹھونس کر کافی پینے لگا۔

اجنبی لوگ

حمید کی الجھن بڑھ گئی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس ایک عورت کے لئے کیا کیا ہو رہا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ بھٹی بھی اُس کے عاشقوں میں سے ہو۔ کوئی ایسا عاشق ہو جو اغواء کنندگان کے لئے پریشانی کا باعث بن سکتا ہو۔

وہ ارجن پور کی پانچویں گلی میں داخل ہوا۔ داس بلڈنگ کا پتہ لگانے میں دیر نہیں لگی۔ حمید نے دستک دی۔ دروازہ فوراً ہی کھلا۔

''فریدی۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔ وہ آدمی احتراماً خفیف سا جھکا اور ایک طرف ہٹ گیا۔ حمید اندر آیا۔ وہ اس آدمی کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔ اس کا لباس نچلے طبقے کے

آدمیوں کا سا تھا لیکن وہ خود نچلے طبقے کا آدمی ہرگز نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اس کا رنگ بہت صاف تھا۔ آنکھیں ہلکے سبز رنگ کی تھیں۔ بال گھنگھریالے جن کی رنگت گہری کتھئی تھی اور پیشانی فراخ۔ اس کے ہاتھ بھی محنت کشوں کے سے سخت اور کھردرے نہیں تھے۔

''آپ آرام سے رہئے۔'' اس نے یہ جملہ اردو ہی میں کہا لیکن لہجے کی اجنبیت پکار پکار کر کہہ رہی تھی کہ وہ کوئی غیر ملکی ہے۔

''شکریہ۔'' حمید ایک خالی پلنگ پر دراز ہوتا ہوا بولا۔ وہ بہت تھک گیا تھا۔

''کیا آپ کچھ کھائیں گے۔''

''نہیں شکریہ! حاجت نہیں ہے۔'' حمید نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

پھر بولا۔ ''اردو بولنے میں آپ کو زحمت محسوس ہوتی ہے۔ آپ اپنی ہی زبان میں گفتگو کریں تو بہتر ہے۔''

حمید نے سوچا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ کوئی انگریز ی، جرمن یا ڈانسیسی ہوگا۔

اس کے جواب میں اس آدمی نے کچھ کہا لیکن حمید احمقوں کی طرح منہ پھاڑ کر رہ گیا کیونکہ اس نے جو زبان استعمال کی تھی وہ اس کے لئے بالکل نئی تھی۔

وہ آدمی مسکرایا۔ لیکن انداز مضحکہ اڑانے کا سا نہیں تھا۔

''آپ اردو ہی بولیں۔'' حمید نے سر کھجا کر کہا۔

''اگر آپ سونا چاہیں تو بستر.....!''

''نہیں شکریہ۔'' حمید نے کہا۔ ''میں ابھی سونا نہیں چاہتا۔''

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اس سے پوچھے کہ تمہارا فریدی سے کیا تعلق ہے۔ لیکن پھر خیال کے تحت اس نے ایسا نہیں کیا۔

کچھ دیر بعد پھر دروازے پر کسی نے دستک دی۔ اس آدمی نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ اندر آنے والے نے اپنی کلائی کھول کر اُسے کچھ دکھایا اور وہ آدمی اتنا جھکا کہ اس پر رکوع کا گمان ہونے لگا۔ پھر وہ سیدھا کھڑا ہو کر ایک طرف ہٹ گیا۔ نووارد ایک معمر آدمی تھا اور اس

کا لباس بھی نچلے ہی طبقے والوں کا سا تھا۔

حمید اٹھ کر بیٹھ گیا۔

آنے والے نے کہا۔ ''کیا بہت تھک گئے ہو۔''

اب حمید نے آواز سے اسے پہچانا۔ وہ فریدی تھا۔

''نہیں کچھ ایسی تھکن تو نہیں ہے۔'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا اور فریدی ہنسنے لگا پھر بولا۔ ''اس عمارت میں جو کچھ بھی گفتگو ہوئی تھی اس سے میں واقف ہوں۔ لہٰذا اس سے پہلے کی باتیں بتاؤ۔''

''عمارت کی گفتگو کا علم آپ کو کیسے ہوا۔''

''وہاں کئی ڈکٹافون موجود ہیں۔ لہٰذا وہاں ہونے والی ہر گفتگو مجھ تک پہنچ جاتی ہے۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔''

حمید نے سونا گھاٹ سے فن آئی لینڈ تک کے واقعات دہرائے اور پھر بولا۔ ''اگر مجھ سے کوئی لغزش ہو جاتی تو..... آپ کو صورت حال سے پہلے ہی آگاہ کر دینا چاہئے تھا۔''

''میں تم میں خود اعتمادی پیدا کرنا چاہتا ہوں اگر انگلی پکڑ کر چلاتا رہا تو تمہاری صلاحیتیں زنگ آلود ہو جائیں گی۔ میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ اب تمہیں اسی طرح خطرات میں دھکیلتا رہوں گا۔''

''کیا اس میں بھی کوئی خطرہ تھا۔''

''کیوں نہیں! کیا تمہاری ذرا سی لغزش تمہیں موت کے منہ میں نہیں دھکیل سکتی تھی۔''

''مجھے لڑکیوں کے جھرمٹ میں دھکا دے دیجئے۔ تب البتہ پھر آپ کو وہاں سے میری لاش ہی اٹھانی پڑے گی۔ ویسے میں کافی سخت جان ہوں اور اسے لکھ لیجئے کہ میری موت میں کسی مرد کا ہاتھ ہرگز نہیں ہوگا۔''

''یہ بکواس کسی دوسرے وقت پر اٹھا رکھو۔ وہ لفافہ نکالو۔''

حمید نے لفافہ نکال کر اس کے سامنے ڈال دیا۔

فریدی اسے دیکھتا رہا پھر حمید کو واپس کرتا ہوا بولا۔ ''کل رات تم اسے وہاں سے لے جاؤ

گے۔"

"کیا یہ حقیقت ہے کہ وہاں سادہ لباس والوں کا پہرہ ہے۔"

"ہاں..... یہ حقیقت ہے۔" فریدی نے کہا۔ "مگر تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں چاہتا ہوں وہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں پڑ جائے۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔ "وہ آدمی جسے سونا گھاٹ پہنچنا تھا اس کا کیا بنا۔"

"وہ حراست میں ہے۔"

"لیکن..... اگر..... شاید ڈاکٹر زیدی نے اُسے وہاں بھیجا تھا۔ اگر اُس کی وجہ سے بھانڈا پھوٹ گیا تو۔"

"وہ.....!" فریدی مسکرایا۔ "وہ بیچارہ بھی میرے ڈر سے روپوش ہو گیا ہے۔ لیکن اکبر جو تمہاری دریافت ہیں۔ اب دیکھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ داؤد ہی اُن کا سرغنہ ہے۔ لیکن داؤد سے فون پر گفتگو کر لیتا ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"وہ بھی میری قید میں ہے لیکن داؤد سے فون پر گفتگو کرتا رہتا ہے اور اس وقت اس کی کھوپڑی پر پستول کی نال ہوتی ہے، جو کچھ اس سے کہا جاتا ہے وہی اسے کہنا پڑتا ہے۔"

"اوہ.....!" حمید اپنا سر کھجاتا ہوا بولا۔ "وہ سچ مچ شیطان ہی کی محبوبہ معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ معاملہ شیطان کی آنت کی طرح لمبا اور ناقابل فہم ہوتا جا رہا ہے۔"

"شیطان کی محبوبہ۔" فریدی حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔ "کیا وہ تمہیں بہت پسند ہے۔"

"بے حد..... کیوں میں شیطان کا رقیب بننے میں کافی فخر محسوس کروں گا۔"

فریدی نے اس خیال پر رائے زنی نہیں کی۔ ویسے وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

حمید نے صاحب خانہ کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اس گفتگو کے دوران وہیں موجود رہا لیکن اُس کے چہرے سے بے تعلقی ظاہر ہو رہی تھی۔

حمید نے اشارے سے پوچھا کہ وہ کون ہے لیکن فریدی نے اپنی بائیں آنکھ دبا دی۔ جس کا مطلب تھا کہ وہ اسکے سامنے اس کا تذکرہ نہیں چھیڑنا چاہتا مگر حمید کو اس پر حیرت ضرور ہوئی کہ وہ گفتگو کے دوران وہیں موجود رہا تھا بہرحال اس نے اسکے معاملے میں خاموشی اختیار کر لی۔

"لیکن.....!" اس نے کچھ دیر بعد سر اٹھا کر کہا۔ "آپ کو اس کا علم کیسے ہوا تھا کہ زیدی نے ان کے لئے کوئی مددگار تیار کیا ہے۔"

"فن آئی لینڈ والا وہ مکان حقیقتاً اُن کی مشورہ گاہ ہے۔ وہ وہیں اکٹھے ہو کر اپنے مسائل پر غور کرتے ہیں۔"

"میرے خدا۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "وہ شیطان کی محبوبہ مسائل بھی رکھتی ہے۔"

"لاتعداد۔" فریدی مسکرایا۔ پھر بولا۔ "ڈاکٹر زیدی پر عرصہ سے میری نظر تھی۔ داؤد اور اکبر جو تمہاری دریافت ہیں۔ اب دیکھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ داؤد ہی اُن کا سرغنہ ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر زیدی کے علاوہ اور کوئی اس کی اصلیت سے واقف نہیں ہے کیونکہ وہ ان لوگوں کے سامنے میک اپ میں آتا ہے۔"

"ایک عورت کے لئے۔" حمید پھر آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "میرا سر چکرا رہا ہے۔"

فریدی نے اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر کہا۔ "ان لوگوں نے اسی وقت سے تمہاری نگرانی شروع کر دی ہے۔"

"نہیں.....!"

"ہاں..... اور غالباً تمہاری لاف وگزاف نے انہیں اس بات پر مجبور کر دیا ہے۔"

"میں جس وقت یہاں پہنچا ہوں ایک آدمی عمارت کی نگرانی کر رہا تھا۔ وہ انہیں میں سے ایک ہے۔ میں اُسے اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ اس کے جانے کے بعد ہی میں عمارت میں داخل ہوا تھا۔ بہرحال میرا خیال ہے کہ یہ نگرانی مسٹر بھٹی کے اغواء کے بعد تک جاری رہے گی۔ اس لئے تمہیں بہت زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔"

"یہ بات آپ نے پہلے سے کیوں بتا دی۔" حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"کیونکہ اس اسٹیج پر بگڑا ہوا کام کسی طرح نہیں سنبھلے گا۔ اگر آج رات والا کھیل بگڑ بھی

جاتا تو اُسے سنبھالا جاسکتا تھا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ اس شخص مسٹر بھٹی کے متعلق سوچ رہا تھا۔

آخر وہ اس کے بارے میں فریدی سے پوچھ ہی بیٹھا۔ اس پر فریدی نے ایک قہقہہ لگایا پھر بولا۔ "کیا تم اس پر یقین کرلو گے کہ اصلی مسز شوخ وہی ہے۔"

"ہائیں.....!" حمید منہ پھاڑ کر رہ گیا۔

"ہاں اس ناول کا نام بہرام کی خالہ عرف اداس چبوترہ ہے۔"

"عرفیت تو بڑی ترقی پسند قسم کی ہے۔"

فریدی سگار سلگانے لگا۔

"آپ بتانا نہیں چاہتے۔" حمید نے کہا۔

"بتا تو دیا۔"

حمید نے ہونٹ سکوڑ لئے۔ وہ بھی جیب میں تمباکو کا پاؤچ تلاش کر رہا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد اُس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے کیونکہ اندر سے ایک لڑکی ٹرے پر کافی کی ٹرے اٹھائے ہوئے کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ یہ بھی غیر ملکی ہی تھی اور قبول صورت۔ حمید نے ایک طویل سانس لی اور فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"ارے اس کی ضرورت نہیں تھی بے بی۔" فریدی نے انگریزی میں کہا۔

"آپ لوگ بہت تھک گئے ہوں گے جناب۔" اس نے بڑے ادب سے جواب دیا۔ ٹرے میز پر رکھ کر پیالیاں سیدھی کرنے لگی۔ اب وہ تیسرا آدمی بھی ان کے قریب آ گیا اور وہ کافی پینے لگے۔ لڑکی بھی اُنمیں شامل تھی۔ کسی خوبصورت لڑکی کی موجودگی میں حمید کو کھلنے لگتی تھی اس نے لڑکی سے کہا۔ "آپ لوگوں کو اس گندی بستی میں بڑی تکلیف ہوتی ہوگی۔"

"نہیں کیپٹن! ایسا تو نہیں ہے۔" لڑکی مسکرائی اور حمید متحیر رہ گیا۔ تو وہ اسے جانتی تھی۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کافی کے دو تین گھونٹ لینے کے بعد کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر سگار کے کش لے رہا تھا اور اس کی آنکھیں چھت کی طرف تھیں۔

"کیا آپ لوگ ہمیشہ یہیں رہتے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"ایسا بھی نہیں ہے۔" لڑکی پھر مسکرائی۔ "کیا آپ ہم لوگوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔"

فریدی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور لڑکی سے بولا۔ "ضروری نہیں ہے کہ کیپٹن حمید میرے ہر راز میں شریک ہو۔ اس پر ہی کیا منحصر ہے۔ دنیا کا کوئی آدمی میرے متعلق سب کچھ نہیں جانتا۔"

لڑکی اور اس کے ساتھی کے چہروں پر حیرت کے آثار نظر آنے لگے لیکن حمید کو فریدی کے اس جملے میں اپنی توہین نظر آئی۔ وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اگر وہ دونوں موجود نہ ہوتے تو وہ بلاشبہ فریدی سے الجھ پڑا ہوتا۔

کچھ دیر بعد فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "اچھا تو اب میں جا رہا ہوں۔ کیپٹن حمید یہیں رہیں گے اور تم۔" اُس نے مرد کی طرف دیکھ کر کہا۔ "میرے ساتھ آؤ۔"

وہ دونوں فلیٹ سے باہر نکل گئے۔

لڑکی برتن سمیٹنے لگی اور حمید اٹھ کر اس کی مدد کرنے لگا۔

"اوہ.....آپ رہنے دیجئے کیپٹن۔" اس نے کہا۔

"مجھے گھریلو کاموں سے بہت دلچسپی ہے۔ میں اکثر اپنی پڑوس کی عورتوں کے ہاتھ بٹایا کرتا ہوں۔"

"نہیں.....!" لڑکی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں.....اُن کے بچوں کیلئے کپڑے دھوتا ہوں۔ انہیں کھانا پکانے میں مدد دیتا ہوں۔ پڑوس کی جس عورت کا بچہ بیمار ہوتا ہے وہ مجھے فون کر دیتی ہے پھر اُسے کچھ نہیں کرنا پڑتا۔"

"آپ دونوں کے شوق عجیب ہیں۔ آخر آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے۔"

"دراصل مجھے خدمت خلق کا شوق ہے۔ لیکن اپنی بیوی کی خدمت.....خدمت نہیں بلکہ زن مریدی کہلاتی ہے یہاں میرے ملک میں.....میں تمہارے ملک کے متعلق نہیں جانتا۔"

"بہرحال مجھے ماؤں کا ہاتھ بٹانے سے بڑا سکون ملتا ہے۔"

"لیکن میں ماں تو نہیں ہوں۔" لڑکی ہنسنے لگی۔

''پھر آپ اُن صاحب کی کون ہیں، جو کچھ دیر پہلے یہاں تھے۔''

''ہشت.....!'' لڑکی شرمیلے انداز میں مسکرائی۔ ''وہ میرا ساتھی ہے۔''

''شوہر.....!''

''نہیں ساتھی.....آپ نے بے تکی باتیں کیوں شروع کر دیں۔''

''مجھے افسوس ہے اگر یہ باتیں آپ کو بے تکی معلوم ہوتی ہیں۔'' حمید نے کہا اور پھر اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کراہا۔

''کیوں؟ کیا بات ہے.....کیا کوئی تکلیف ہے۔''

''ہاں سینے میں بہت درد ہے۔'' حمید کراہتا ہوا لیٹ گیا۔ ''ابھی ابھی اچانک اٹھا ہے۔ کافی برازیل کی تھی۔''

''تھی تو برازیل ہی کی۔''

''اوہ.....اسی لئے.....میں جب بھی برازیل کی کافی پیتا ہوں یہی کیفیت ہوتی ہے۔''

''اچھا.....دیکھئے میں ابھی آئی۔'' اُس نے کہا اور برتن سمیٹ کر اندر چلی گئی۔

حمید مسکراتا ہوا اپنے سینے پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ واپس آئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک شیشی تھی۔

''یہ دیکھئے.....اسے آہستہ آہستہ سینے پر مل لیجئے۔'' اُس نے حمید کی طرف شیشی بڑھاتے ہوئے کہا۔

''مگر میں کیسے ملوں گا.....مجھ سی نہیں بنے گا۔'' حمید نے مایوسی سے کہا۔

''بنے گا.....آپ کوشش تو کیجئے۔''

''نہیں بنے گا.....میں جانتا ہوں۔ ایسے کام خود اپنے ہاتھوں سے نہیں ہو پاتے۔''

''کوشش ناممکن کو بھی ممکن بنا دیتی ہے۔ نپولین کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کیجئے۔ اچھا اب بخیر۔'' لڑکی نے بڑی سنجیدگی سے کہا اور وہاں سے چلی گئی۔ حمید اُلو کا سا منہ لے کر رہ گیا۔ اُلو کا سا منہ رہ جانا محاورہ ہے لیکن محاورے حمید کو عموماً غلط معلوم ہوا کرتے تھے۔ لہٰذا اس محاورے

کے اُلو والی تصحیح خود اسی نے کی تھی۔ اسے توقع تھی کہ وہ اس لڑکی سے اپنے سینے پر مالش کرانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ لیکن ع درد منت کش دوا نہ ہوا.....اور دوسرے مصرعے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ بیمار ہی کب تھا۔

دوسرا اغوا

بھٹی کے اغواء کا مسئلہ ابھی تک حمید کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ لیکن بہرحال اسے وہ کام انجام دینا تھا۔ فریدی نے دوسرے دن اُسے طریق کار سمجھا دیا۔

سات بجے شام تک حمید اور وہ غیر ملکی جس کے فلیٹ میں اس کا قیام تھا کنکس لین پہنچ گئے۔ وہ دونوں ایک بڑی شاندار کار میں آئے تھے۔ حمید پچھلے ہی دن کے میک اپ میں تھا۔ لیکن آج اس کے جسم پر میلے کچیلے لباس کی بجائے بہترین قسم کا سوٹ تھا اور اس کا سفید فام ساتھی کوئی ڈاکٹر معلوم ہوتا تھا اُس کے ہاتھ میں ایک اسٹتھو سکوپ تھا۔

کار پھاٹک کے اندر چلی گئی۔ حمید کو باہر کئی جانے پہچانے چہرے نظر آئے تھے۔ یہ اسی محکمے کے لوگ تھے۔ حمید نے اس کا اندازہ بھی کر لیا تھا کہ ان لوگوں نے انہیں شبہے کی نظر سے دیکھا تھا۔

کار سیدھی پورچ میں چلی گئی اور پھر حمید نے اُسے اس طرح موڑ کر اس کا پچھلا حصہ برآمدے کی سیڑھیوں سے لگا دیا جیسے ڈکے سے کچھ سامان نکال کر برآمدے میں رکھنا ہو۔

وہ دونوں اُتر گئے۔ حمید کے ہاتھوں میں دواؤں کا بیگ تھا۔

پھر وہ نہایت اطمینان سے اندر گھستے چلے گئے۔

چاروں طرف گہرا سناٹا تھا۔ لیکن سارے کمرے روشن تھے۔ فریدی کے بتائے ہوئے نقشے کے مطابق حمید کو خواب گاہ تک پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں پیش آئی۔

لیکن اس کی توقعات کے خلاف وہاں بھی قبرستان کا سا ماحول نظر آیا۔ مسہری چاپ پڑے ہوئے آدمی کو اس نے فوراً ہی پہچان لیا کیونکہ بھٹی کی تصویر اس وقت بھی جیب میں پڑی ہوئی تھی اور اُس نے آج دن میں کئی بار اس کا تفصیلی جائزہ لیا تھا۔

مگر.....! وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھا۔

''یہاں کوئی نوکر بھی نہیں نظر آتا۔'' حمید نے اپنے ساتھی سے کہا۔

''مجھے خود بھی حیرت ہے ویسے کرنل نے تو یہی کہا تھا کہ تم لوگ اُسے بہت آسانی سے نکال لے جاؤ گے۔ ہوسکتا ہے ان کا اشارہ انہیں آسانیوں کی طرف رہا ہو۔''

حمید نے آگے بڑھ کر بھٹی کی پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا لیکن نہ تو وہ چونکا اور نہ اس کی آنکھیں ہی کھلیں۔

''یہ بیہوش ہے۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔

''مجھے اس پر حیرت نہیں ہے۔'' سفید فام ساتھی بولا۔ ''کرنل کے کام ایسے ہی ہوتے ہیں۔''

حمید نے دواؤں کا بکس کھول کر اُس میں سے ایک تھیلا نکالا۔

اور پھر پندرہ منٹ کے اندر ہی اندر مسہری خالی ہوگئی۔

''راہداری اور برآمدے کی روشنیاں گل کر آؤ۔'' حمید نے سفید فام ساتھی سے کہا۔

چلا گیا..... حمید کھڑا اس تھیلے کو دیکھتا رہا جو اب خالی نہیں تھا۔

سفید فام ساتھی کی واپسی پر تھیلا اٹھایا گیا اور پھر وہ اندھیرے ہی میں برآمدے میں آئے۔ سفید فام ساتھی نے ڈکے اٹھائی اور حمید نے تھیلا بڑی پھرتی سے اس میں ٹھونس دیا۔ کار کو دھکیل کر اسکا رخ دوسری طرف کرتے ہوئے انہوں نے دروازے کھولے اور اندر بیٹھ گئے۔ ٹھیک اُسی وقت برآمدہ پھر روشن ہوگیا اور ان کی کار پھاٹک سے نکلی چلی گئی۔ سڑک پر پہنچ کر حمید نے اُسے بائیں جانب موڑ دیا۔

''تعاقب کا خیال رکھنا۔'' اس نے مڑ کر سفید فام ساتھی سے کہا جو پچھلی نشست پر دراز تھا۔ لیکن حمید نے خود ہی سادہ لباس والوں کو حرکت میں آتے دیکھ لیا۔ تین آدمی موٹر

سائیکلیں سنبھال لی تھیں۔ حمید نے سوچا کافی منظم طور پر سارے کام ہو رہے ہیں۔

تین موٹر سائیکلیں کار کا تعاقب کرتی رہیں۔

''تعاقب شروع ہوگیا۔'' سفید فام ساتھی بڑبڑایا۔

''تین موٹر سائیکلیں۔ میں عقب نما آئینے میں دیکھ رہا ہوں۔'' حمید نے کہا۔ ''کیا ان کے پیچھے بھی کوئی ہے۔''

''ہاں..... ایک چھوٹی سی کار۔'' ساتھی نے جواب دیا۔

''اچھا جیسے ہی ہم ویرانے میں داخل ہوں..... تم.....!''

''مجھے یاد ہے..... تم مطمئن رہو۔'' ساتھی بولا۔

موٹر سائیکلیں کار کا تعاقب کرتی رہیں۔ انکے پیچھے وہ چھوٹی کار بھی برابر نظر آتی رہی۔

کچھ دیر بعد حمید کی کار شہری آبادی سے نکل کر ویرانے میں داخل ہوئی۔

دفعتاً سفید فام ساتھی نے باہر ہاتھ نکال کر کوئی چیز سڑک پر پھینکی اور ایک زوردار دھماکہ ہوا اور دھوئیں کے گہرے بادل چاروں طرف پھیل گئے۔ حمید نے رفتار پہلے سے بھی زیادہ تیز کردی۔ سفید فام ساتھی نے دھوئیں کا بم پھینکا تھا اور جس کا دھواں خواب آور تھا۔

موٹر سائیکلیں رک گئیں کیونکہ دھوئیں کی دوسری طرف کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ انہوں نے موٹر سائیکلیں ضرور روک دی تھیں لیکن انجن نہیں بند کئے تھے۔ اُن کے پیچھے والی کار نے راستہ کاٹ دیا اب وہ کچی سڑک پر اتر گئی تھی، جو کھیتوں کے درمیان سے گذرتی تھی۔ موٹر سائیکلیں بھی مڑ کر مخالف سمت میں دوڑنے لگیں۔ حمید کی کار فراٹے بھرتی رہی۔ اب اس کے پیچھے میدان صاف تھا۔

سونا گھاٹ پہنچ کر وہ کار کو اسی طرف لیتے چلے گئے جہاں ان کے لئے ایک لانچ پہلے ہی سے موجود تھی۔

تھیلا ڈکے سے نکال کر لانچ میں رکھا گیا اور سفید فام ساتھی کار لے کر پھر شہر کی طرف روانہ ہوگیا۔

دوسری طرف حمید خود ہی لانچ کو اسٹیئر کرتا ہوا فن آئی لینڈ کی جانب لے جا رہا تھا۔ رات تاریک تھی لیکن تاروں کے غبار نے رات کا سرمئی رنگ اکھاڑ دیا تھا۔

لانچ فن آئی لینڈ کی طرف بڑھتی رہی۔ اب حمید سوچ رہا تھا کہ وہاں پہنچ کر وہ راجو کو عمارت تک کیسے لے جائے گا۔

ابھی اس نے آدھا راستہ بھی نہیں طے کیا تھا کہ پیچھے سے ایک لانچ آ کر اس کے ساتھ ہی چلنے لگی۔

''واہ دوست.....تم نے سچ مچ کمال ہی کر دیا۔'' اس پر سے آواز آئی۔

''مگر کتنی محنت کرنی پڑتی ہے۔ یہ میں ہی جانتا ہوں۔'' حمید نے جواب دیا۔

''محنت کا پھل ہمیشہ میٹھا ہوتا ہے۔ تم خوش کر دیئے جاؤ گے۔ مگر کیا وہ بیہوش ہے۔''

''جس وقت میں نے اُس کار کے ڈکے میں ٹھونسا تھا اس وقت تو بیہوش ہی تھا۔ اب نہیں کہہ سکتا کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا۔''

''ایسا نہ کہو پیارے.....اس کی موت سے ہمیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔''

''لیکن اگر مر ہی گیا تو۔''

''تب پھر ہمیں گھنٹوں اس مسئلہ پر غور کرنا پڑے گا۔''

حمید خاموش ہو گیا۔ دونوں لانچیں جزیرے کی طرف بڑھتی رہیں۔

پھر جیسے ہی وہ ساحل سے لگیں دوسری لانچ سے تین آدمیوں نے اُتر کر حمید کو گھیر لیا۔ راجو نے کہا۔ ''تم لوگ تھیلے کو اٹھاؤ۔''

''ہرگز نہیں.....!'' حمید غرایا۔ ''پہلے دس ہزار میرے ہاتھ پر رکھ دو۔''

''اُف فوہ! اتنی بے صبری۔'' راجو ہنسنے لگا۔

''اپنا وعدہ یاد کرو۔''

''میں نے یہ کب کہا تھا کہ ساحل ہی پر معاوضہ ادا کر دیا جائے گا۔ تم شاید بھول رہے ہو میں نے کہا تھا کہ جس وقت تم اس عمارت میں اسے لاؤ گے دس ہزار ادا کر دیئے جائیں گے۔

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ کیا تم خود ہی اسے عمارت تک نہیں لے جا سکتے؟''

''دیکھو دوست.....!'' راجو اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ''ہم اپنا اطمینان کئے بغیر اتنی بڑی رقم کیسے دے سکتے ہیں۔''

''کیا مطلب.....؟''

''مطلب صاف ہے۔ تم سمجھنے کی کوشش کرو۔ وہاں چل کر ہم دیکھیں گے کہ تم نے ہمیں دھوکہ تو نہیں دیا۔''

''اوہ.....اچھا چلو۔ تم سمجھتے ہو شاید میں بھٹی کے علاوہ اور کسی کو اٹھا لایا ہوں۔''

''میری جگہ تم ہوتے تو کیا سوچتے۔''

''ٹھیک ہے۔'' حمید نے نرم لہجے میں کہا۔ ''میں بھی اطمینان کئے بغیر اتنی بڑی رقم کبھی نہ دیتا۔''

''گڈ.....اچھا تو اب چلو۔''

لانچوں کو وہیں چھوڑ کر وہ چاروں بستی کی طرف چل پڑے۔ تھیلے کو دو آدمیوں نے اٹھا رکھا تھا۔

عمارت میں داخل ہو کر راجو نے صدر دروازہ بند کر دیا اور پھر حمید سے بولا۔ ''یار تم بہت کام کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ میں مستقل طور پر تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔''

''اس سے کیا ہوگا۔'' حمید نے سوال کیا۔

''ہم دونوں ہی بہت زیادہ فائدے میں رہیں گے۔''

وہ ایک کمرے میں آئے اور راجو خاموش ہو گیا۔ یہاں پہلے ہی سے تین آدمی موجود تھے۔ ایک تو داؤد تھا اور اس وقت بھی وہ ڈاڑھی ہی والے میک اپ میں نظر آ رہا تھا۔ دو سفید فام غیر ملکی تھے۔ ان کے داخل ہوتے ہی تینوں کے چہرے چمک اٹھے۔

''کیا رہا۔'' داؤد نے بے صبری سے پوچھا۔

''فتح۔'' راجو نے فخریہ انداز میں کہا۔ تھیلا اتار کر میز پر رکھ دیا گیا اور حمید آگے بڑھ کر اُسے کھولنے لگا۔ تھیلے کا منہ کھلتے ہی راجو نے بیساختہ کہا۔ ''ٹھیک ہے۔''

تھوڑی ہی دیر بعد بھٹی میز پر چت پڑا ہوا تھا اور اس طرح گہرے گہرے سانس لے رہا تھا جیسے اُسے بہت بڑی گھٹن سے نجات ملی ہو لیکن اس کی آنکھیں بند تھیں۔

''یہ ہوش میں کیسے آئے گا۔'' راجو نے حمید سے پوچھا۔

''خود بخود۔'' حمید نے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ''ایک گھنٹہ گذر چکا ہے اب اسے ہوش میں آجانا چاہئے۔ تم ذرہ وہ کھڑکی کھول دو۔''

''کھڑکی نہیں کھولی جاسکے گی۔'' داؤد بولا۔

''ہوا کے بغیر اس کا بیہوشی طویل بھی ہوسکتی ہے۔'' حمید نے جواب دیا۔

''کس چیز سے بیہوش کیا تھا۔''

''اب کیا میں دس ہزار میں اپنے راز بھی بتادوں گا۔''

داؤد اُسے گھورتا ہوا خاموش ہوگیا۔ وہ اس وقت بھی اسے پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھ رہا تھا۔

حمید جھک کر بھٹی کے چہرے پر رومال جھلنے لگا۔ شائد وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑائے بھی جارہا تھا۔

کچھ دیر بعد بھٹی کے پپوٹوں میں حرکت ہوئی اور وہ منہ چلانے لگا پھر کراہ کر کروٹ بدلی وہ سب سنبھل کر بیٹھ گئے۔

پانچ منٹ کے اندر ہی اندر بھٹی کو ہوش آ گیا۔ وہ اٹھ بیٹھا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''تم لوگ اپنے مقصد میں ہرگز کامیاب نہیں ہوسکو گے۔''

''ہم کامیاب ہوگئے۔'' داؤد نے قہقہہ لگایا اور بھٹی کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔

''دیکھو.....!'' داؤد نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں کتنی آسانی سے بلوالیا گیا حالانکہ تمہاری کوٹھی کے گرد سادہ لباس والوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ اس طرح ہم چاہیں تمہیں قتل کرسکتے ہیں۔''

''نہیں.....!'' بھٹی کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''تم لوگ مجھ پر ظلم نہیں کرسکتے۔''

''تمہیں یہاں اس لئے نہیں لایا گیا ہے کہ تمہاری پوجا کی جائے گی۔'' داؤد ایک زہریلی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ اس کی آنکھوں سے نفرت جھانک رہی تھی۔

''اب میرا حساب صاف کردو۔'' دفعتاً حمید نے کہا۔

''نہیں ابھی ٹھہرو۔'' داؤد نے کہا۔ ''ہوسکتا ہے اس آدمی کو قتل ہی کرادینے کی نوبت آجائے۔''

''نہیں نہیں.....!'' بھٹی بے بسی سی کراہا۔

''قتل کے بیس ہزار۔'' حمید کے لہجے میں بڑی سفاکی تھی۔ ''قتل کے لئے ہمیشہ اغواء کی رقم کا دوگنا وصول کرتا ہوں۔''

''بیس کیا اس آدمی کے قتل کیلئے چالیس ہزار بھی صرف کئے جاسکتے ہیں۔'' داؤد بولا۔

''تب پھر میں ضرور رکوں گا۔'' حمید نے کہا اور کرسی کھینچ کر برابر ہی بیٹھ گیا۔

''میں.....میں نہیں.....یہ نہیں.....تم لوگ کیا چاہتے ہو۔'' بھٹی کانپتا ہوا ہکلایا۔

''ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ تم سے جو کچھ کہا جائے کرو اور اس کے بعد اپنی زبان بند رکھو ورنہ اس کے خلاف کرنے کا انجام قتل ہی کی صورت میں ظاہر ہوگا ہم اس پر بھی خاک ڈالنے کو تیار ہیں، جو تم ابھی تک کرتے رہے ہو۔''

''مم.....میں.....مجبور تھا.....اس نے زبردستی کی تھی.....مجھے بتانا پڑا۔''

''خیر تم اس کی فکر نہ کرو۔ ہم اس سے سمجھ لیں گے.....مگر تم.....'' داؤد جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ کاغذات نکالتا ہوا بولا۔ ''ان پر اپنے دستخط کردو۔ تم خوب سمجھتے ہو کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ لہٰذا فضول قسم کی گفتگو کرکے وقت برباد نہ کرنا۔''

''مم.....میں سمجھتا ہوں۔''

''پھر شاباش جلدی سے دستخط کردو۔''

''لیکن اگر.....اگر.....اس کے بعد.....تم نے مجھے قتل کردیا۔''

''ہم اتنے احمق نہیں ہیں۔ تمہاری زندگی ہمارے لئے زیادہ مفید ہوگی مگر اُسی صورت

میں جب تم اپنی زبان بند رکھو۔"

"دستخط کر دینے کے بعد..... کیا میں اپنی زبان سے کچھ نکال سکوں گا۔"

"ٹھیک..... تم بہت سمجھدار ہو۔" داؤد مسکرا کر بولا۔ "دستخط کر دو۔"

بھٹی نے کاغذات میز پر پھیلا دیئے۔ داؤد نے قلم اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہ دستخط تمہارے لئے ایک شاندار مستقبل کا پیام لائیں گے۔"

بھٹی کاغذات پر دستخط کرنے لگا۔ حمید بُری طرح بیتاب تھا یہ معلوم کرنے کے لئے کہ کاغذات کیسے ہیں۔

دو منٹ بعد بھٹی نے کاغذات اور قلم رکھ دیئے اور کرسی کی پشت سے ٹک کر ہانپنے لگا۔

داؤد نے کاغذات دونوں غیر ملکیوں کی طرف بڑھا دیئے۔ انہوں نے کاغذات کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر ان میں سے ایک دہاڑا۔ "یہ تمہارے دستخط ہیں۔"

"ہاں.....!" بھٹی نے ہانپتے ہوئے جواب دیا۔

"یہ کھلی ہوئی بکواس ہے۔" غیر ملکی نے داؤد کی طرف دیکھ کر کہا۔ "یہ ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ اس کے کاروباری دستخط نہیں ہیں۔"

داؤد کی خونخوار آنکھیں بھٹی کی طرف اٹھیں، جو اب بھی کرسی کی پشت سے ٹکا ہوا ہانپ رہا تھا۔

ہتھکڑیاں

بھٹی اسی طرح پڑا ہانپتا رہا۔

"کیا تم مرنا ہی چاہتے ہو۔" داؤد غرایا۔

بھٹی سیدھا ہو کر بولا۔ "میں کیا کروں۔"

"اتنا کچھ سمجھانے کے باوجود بھی تم ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"لاؤ.....!" وہ کاغذات کیلئے ہاتھ پھیلا کر کراہا۔ کاغذات اسے پھر واپس کر دیئے گئے۔

لیکن خلاف توقع بھٹی نے انہیں تہہ کر کے جیب میں رکھ لیا۔

"کیا مطلب.....!" داؤد دہاڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"کچھ نہیں بیٹھ جاؤ۔ کھیل ختم ہو گیا۔" بھٹی نے کہا اور اب اس کی آواز سن کر حمید ماتھا اچھل پڑا کیونکہ یہ فریدی کی آواز تھی..... سرد اور سفاکی کی جھلکیاں رکھنے والی آواز۔

جیب میں پڑے ہوئے ریوالور کے دستے پر حمید کی گرفت مضبوط ہو گئی۔

وہ دونوں غیر ملکی بھی کھڑے ہو گئے اور راجو اپنے ساتھیوں سمیت فریدی کی طرف بڑھا۔

"ٹھہرو۔" بھٹی کے روپ میں فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ راجو اور اس کے ساتھی رک گئے۔ دفعتاً حمید نے دیکھا کہ ایک غیر ملکی جیب سے ریوالور نکال رہا ہے۔

"خبردار۔" حمید نے ریوالور نکالتے ہوئے کہا۔ "تم سب اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔"

"کیا.....!" راجو اس کی طرف پلٹ کر بولا۔

لیکن حمید کی نظر اس غیر ملکی ہی کی طرف تھی جس نے ریوالور نکالنے کی کوشش کی تھی۔ ویسے اب اس کے دونوں ہاتھ میز پر رکھے ہوئے تھے اور وہ حمید کو گھور رہا تھا۔

"میں نے کہا ہے کہ تم سب اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو..... یہ ریوالور بے آواز ہے۔"

"تم کیا چاہتے ہو۔" راجو اپنے ہاتھ اٹھاتا ہوا بولا۔

"میں وہی چاہتا ہوں جو مسٹر بھٹی چاہتے ہیں۔"

"اوہ.....!" داؤد پیر پٹخ کر دہاڑا۔ "زیدی نے دھوکا دیا۔"

"نہیں ننھے بچے وہ خود دھوکا کھا گیا۔" فریدی نے کہا۔

"تم خود کو محفوظ نہ سمجھو۔" داؤد آنکھیں نکال کر بولا۔ "ہم چھ ہیں اور تم صرف دو۔"

"اس کی فکر نہ کرو۔" فریدی مسکرایا۔ "شاید تم نے ابھی تک مجھے پہچانا نہیں کسی ایسے آدمی کا ناممکن ہے جو کرنل فریدی کی حفاظت میں ہو۔"

"تم..... تم.....!" راجو ہکلایا۔

''تعجب ہے کہ تم مجھے نہیں پہچانتے حالانکہ عام حالات میں میرے سامنے بھاگنے کی کوشش کرتے ہو۔''

''کک.....کرنل!'' راجو ہکلایا۔

''کیا.....؟'' داؤد حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔

پھر راجو حمید کی طرف مڑا اور حمید مسکرا کر بولا۔ ''اگر تم انہیں کرنل فریدی سمجھتے ہو مجھے کیپٹن حمید سمجھنا پڑے گا۔''

''مر گئے۔'' راجو کراہ کر دیوار سے جا لگا۔

''تم فریدی ہو۔'' داؤد نے کہا۔

''اس میں تمہیں شبہ نہ ہونا چاہئے۔'' فریدی مسکرایا۔

داؤد نے ایک ہذیانی سا قہقہہ لگایا۔

فریدی کا نام سنتے ہی دونوں غیر ملکیوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

''کیا تم یہاں سے زندہ نکل سکو گے۔'' داؤد نے فریدی کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔ لڑھک گئے۔ میز ان پر ہی گری تھی۔ وہ اس کے نیچے دبے ہوئے چیختے رہے۔ داؤد پھر آنکھوں کی وحشیانہ چمک بڑی بھیانک لگ رہی تھی۔

''ہاں! اے دودھ پیتے بچے۔ نہ صرف میں زندہ نکلوں گا بلکہ اپنے ساتھ تمہیں اڑے رہے۔ جاؤں گا۔ میں جانتا ہوں کہ سامنے والے سوئچ بورڈ پر ڈائنامیٹ کا سوئچ بھی ہے۔ تمہا

''تم بیکار اپنا اور میرا وقت برباد کر رہے ہو۔'' فریدی نے داؤد کے جبڑے پر گھونسہ رسید کی ایک خفیف سی حرکت اس پوری عمارت کے چیتھڑے اڑا دے گی اور میں اس ڈائنا بتے ہوئے کہا۔ وہ پھر دوسری طرف کی دیوار سے جا لگا۔ مقصد سے بھی واقف ہوں۔''

''کیا مقصد ہے۔'' داؤد نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''یہی کہ ضرورت پڑنے پر ان ذرات کا ذخیرہ برباد کر دیا جائے۔''

''اوہ..... ہاہاہا۔'' داؤد نے پھر قہقہہ لگایا۔ ''تم..... تم..... بہت ذہین ہو۔ تم لوہے کا برادہ دیکھ پایا ہے جسے ہم یہاں اسٹاک کر رہے ہیں۔''

''چلو..... وہ لوہے کا برادہ ہی سہی۔'' فریدی مسکرایا۔ ''لیکن لوہے کے وہ گا

سپورٹ کرنے کے لئے گودی والے گودام میں پڑے ہوئے ہیں۔ کیا تم بتا سکو گے کہ ان کھلے گارڈروں میں لوہے کا برادہ کیوں بھرا ہوا ہے۔''

قبل اس کے کہ فریدی کچھ کہتا داؤد اچھل کر سوئچ بورڈ کے قریب پہنچ گیا۔

''فائر مت کرنا۔'' فریدی نے حمید سے کہا ورنہ اس کی انگلی ٹریگر پر دباؤ ڈالنے ہی والی تھی۔

داؤد نے سوئچ دبا دیا اور دونوں غیر ملکی حلق پھاڑ کر چیخے۔ ''نہیں نہیں۔''

''ڈرو نہیں۔'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''میرے علم میں آ جانے کے بعد وہ قابل استعمال ں رہ سکتا تھا۔ تم سب زندہ رہو گے اور ہتھکڑیاں پہنو گے۔''

دفعتاً داؤد نے غصہ سے پاگل ہو کر فریدی پر چھلانگ لگائی۔ حمید پھر ٹریگر دباتے دباتے لیا۔ اُس نے سوچا کہیں ہاتھ بہک نہ جائے۔

فریدی کرسی سے نہیں اٹھا تھا اس نے بڑی پھرتی سے داؤد کو ہاتھوں پر روک کر دوسری ری کی طرف جھپٹا لیکن راجو اور اس کے دونوں ساتھی دیوار سے لگے بے حس و حرکت

''تم بیکار اپنا اور میرا وقت برباد کر رہے ہو۔'' فریدی نے داؤد کے جبڑے پر گھونسہ رسید کی ایک خفیف سی حرکت اس پوری عمارت کے چیتھڑے اڑا دے گی اور میں اس ڈائنا بتے ہوئے کہا۔ وہ پھر دوسری طرف کی دیوار سے جا لگا۔

''ہتھکڑیاں.....!'' دفعتاً فریدی نے بلند آواز میں کہا۔ بائیں جانب والا دروازہ کھلا اور آدمی اندر گھس آئے۔ داؤد پر دیوانگی سی طاری ہو گئی تھی۔ اس نے ایک بار پھر فریدی پر کیا لیکن اب وہ کئی آدمیوں کی گرفت میں تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہاں چھ ایسے آدمی نظر آ رہے تھے جن کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ں..... حمید نے آگے بڑھ کر داؤد کے چہرے سے ڈاڑھی الگ کر دی اور بولا۔ ''میں نے ماضی وعدہ کیا تھا کہ تمہاری ڈاڑھی پر ہاتھ ضرور پھیروں گا۔ کاش اس وقت تمہاری چچی اماں

بھی موجود ہوتیں۔"

"شٹ اپ.....!" داؤد حلق پھاڑ کر چیخا۔

"ان کی چچی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کیوں داؤد! کیا تم مجھے اتنا ہی احمق سمجھ میں سلیمہ کے اغواء والے معاملے میں الجھ کر تم لوگوں کا پیچھا چھوڑ دوں گا۔"

"کیا مطلب.....!" حمید فریدی کی طرف مڑا۔

"یہ ایک شاندار ڈھونگ تھا۔ جن دنوں میں اُن ذرات کے متعلق چھان بین کر لوگوں کو اس کا علم ہوگیا اور انہوں نے ہماری توجہ دوسری طرف ہٹا دینے کی کوشش کی لئے شیطان کی محبوبہ تخلیق کی گئی اور سب سے پہلے تمہیں اس معاملے میں الجھایا گیا خیر..... پھر اس کا اغواء اسی لئے عمل میں لایا گیا کہ پروفیسر شوخ تمہارے خلاف رپو کرادے..... اور میں تمہیں بچانے کے لئے اس کیس میں الجھ جاؤں۔ یہ صرف ا چاہتے تھے کہ ان ذرات کو باہر بھیجنے میں کامیاب ہوجائیں۔"

فریدی خاموش ہوگیا۔ پھر داؤد کی طرف دیکھ کر بولا۔ "یہ کاغذ جو اس وقت میں موجود ہیں انہیں اپنے تابوت میں آخری کیل سمجھو۔"

"تم ہمارے خلاف کچھ بھی ثابت نہیں کرسکو گے۔" داؤد غرایا۔ "زیادہ سے فریب دہی کا کیس چل جائے گا کیونکہ ہم کھوکھلے گارڈروں میں لوہے کا برادہ بھر دیتے

کیا تم میرے ملک کی ایک بہت بڑی دولت غیر قانونی طور پر ایک دوسرے ملک کے حوالے نہیں کرنا چاہتے تھے۔ کیا وہ ذرات..... اگر انہیں لیسٹیک ایسڈ میں ڈال دیا جائے تو "اِری ڈیم" کے شفاف ذرے نکل آئیں گے یا نہیں؟"

"یہ..... یہ..... غغ..... غلط ہے۔" ایک غیر ملکی ہکلایا لیکن فریدی اس کی طرف دھیان دیئے بغیر کہتا رہا۔ "تم ان ذرات کو باہر بھیجنا چاہتے تھے۔ ایک غیر ملکی فرم سے اس کے لئے معاہدہ بھی ہوگیا تھا مگر معاہدہ تھا لوہے کے گارڈرز کے ایکسپورٹ کا۔ البتہ معاہدہ اُس وقت تک نامکمل سمجھا جاتا جب تک کہ تمہاری فرم کے ایک ڈائریکٹر مسٹر بھٹی کے دستخط اس پر نہ ہوجاتے۔ بھٹی کو تمہاری اسکیموں کا علم ہوگیا تھا لیکن وہ بیچارہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اُن ذرات کی نوعیت کیا ہے۔ اور نہ اُسے یہی معلوم تھا کہ ذخیرے کہاں ہیں۔ اگر بھٹی سچ مچ اس وقت تمہارے ہاتھ پڑ گیا ہوتا تو تم اس وقت تک اسے اپنی حراست میں رکھتے جب تک کہ سارا مال یہاں سے نکل نہ جاتا۔ بھٹی کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ ذرات یہاں سے بھیجے کس طرح جائیں گے لیکن اُس نے تہیہ کرلیا تھا کہ وہ اب کسی نئے معاہدے پر دستخط نہیں کرے گا اور اسے یہ مشورہ میں نے ہی دیا تھا۔ اس لئے تمہیں اس کے اغواء کی بھی ضرورت پیش آئی..... اور تم داؤد..... تمہاری جرائم تو بہت ہی سنگین ہیں۔ اس دوران میں تمہاری اصلیت بھی ظاہر ہوگئی ہے۔ تم کافی عرصے سے ایک غیر ملک کے ایجنٹ کی حیثیت سے یہاں کام کرتے رہے ہو اور دوسرا جرم تو اتنا گھناؤنا ہے کہ تمہیں گولی مار دینے کو دل چاہتا ہے۔ تم اپنے چچا کی بیوی پر متصرف رہے ہو۔ وہ بوڑھا بھی اسے اچھی طرح سمجھتا تھا..... لیکن بدنامی کے ڈر سے اس کی زبان بند تھی۔"

داؤد نے ہنس کر جواب دیا۔ "میں ایک بے حیا اور بے جگر آدمی ہوں۔ میری نظروں میں نہ تو رشتوں کا کوئی احترام ہے اور نہ پھانسی کے پھندے ہی سے ڈرتا ہوں۔ لہٰذا تم خواہ مخواہ اپنی زبان تھکا رہے ہو..... بس اتنا ہی کافی ہے کہ میں ہار گیا۔"

"مگر وہ شیطان کی محبوبہ ہے کہاں۔" حمید نے فریدی سے پوچھا۔

"باٹم روڈ کے ایک چھوٹے سے بنگلے میں..... بنگلہ نمبر تیرہ۔" فریدی نے جواب دیا۔

کچھ دیر بعد قیدیوں کا جلوس اس عمارت سے نکلا۔ فریدی اور حمید پیچھے تھے۔

"خدارا اب ایک بات اور بتا دیجئے۔" حمید نے کہا۔ "وہ ارجن پور کے فلیٹ والی لڑ
کون تھی اور وہ آدمی کون تھا۔"

"بلیک فورس کے دو رکن۔"

"اوہ..... تو کیا اُس بلیک فورس میں غیر ملکی بھی ہیں۔"

"یقیناً ہیں..... لیکن ان کا تعلق ان دوست ممالک سے ہے جس کے اور ہمارے
مفادات مختلف نہیں ہیں۔"

"یہ اریڈیم اپنے یہاں کیسے آ پہنچا۔"

"ہماری زمین کے سینے میں کیا نہیں ہے مگر ہم مفلس ہیں..... کاہل ہیں..... ہمیں بنانی آتی ہیں۔ ہم تقریریں کر سکتے ہیں ایک دوسرے پر اپنی ذہنی برتری کا رعب ڈال سکتے ہیں۔ ایک دوسرے کی جڑیں کاٹنے کے لئے اپنی بہترین ذہنی صلاحیتیں ضائع کر سکتے ہیں۔ لیکن ہم سے تعمیری کام نہیں ہو سکتے۔"

درنے اسے چیخنے نہیں دیا کیونکہ دوسرے ہی لمحے میں اس کا ہاتھ اس کے منہ پر تھا۔

"ہاں۔" اس نے کہا۔ "تم شور مچانے جا رہی ہو میری جان۔ اپنے شیطان کو نہیں
پہچانتیں۔"

بندر کی آواز کچھ بھرائی ہوئی سی تھی۔

"ہٹو.....!" وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر اٹھلائی۔ "تم نے مجھے ڈرا دیا داؤد۔"

"کون داؤد! کیا بکتی ہی عورت تو عزرائیل کے سامنے کسی پیغمبر کا نام نہیں لے سکتی۔ میں
تجھے کھا جاؤں گا۔ دیکھو میری دم پر ستارہ چمک رہا ہے۔"

شیطان نے اپنی دم اٹھا کر اُسے وہ بلب دکھایا جو اس کے سرے پر روشن تھا..... سلیمہ ہنستی ہوئی اٹھ بیٹھی۔

"تم بہت شریر ہو گئے ہو۔" وہ اس کی کمر پر دھپ رسید کرتی ہوئی بولی مگر پھر سنجیدگی سے کہا۔ "کیا تم کچھ بیمار ہو۔ تمہاری آواز اتنی بھرائی ہوئی ہے کہ پہچاننا مشکل ہے۔"

"میں آج کل شوپنہار پر ریسرچ کر رہا ہوں۔ اسی لئے روتے روتے گلا پڑ گیا ہے۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں اس وقت اس لئے آیا ہوں کہ تمہیں جہنم کی سیر کرا دوں۔ کیا تم نے برنارڈ شاہ کا ڈرامہ مین اینڈ سپر مین پڑھا ہے۔"

"یہ آج تم کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو ڈیئر..... یہ نفرت انگیز خول اپنے چہرے سے اتار دو..... آدمی بنو۔"

شیطان اور محبوبہ

سلیمہ بے خبر سو رہی تھی۔ کمرے میں مدھم روشنی والا نیلا بلب روشن تھا۔ دفعتاً ایک کھڑکی کھلی اور اس میں کسی بہت بڑے بندر کا چہرہ دکھائی دیا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ چھ فٹ کا کمرے میں تھا لیکن اس کے جسم پر ایک نہایت نفیس قسم کا سیاہ سوٹ تھا اور پیچھے لمبی سی دم ہل رہی تھی جس کے سرے پر ایک ننھا سا بلب روشن تھا۔ اس کا چہرہ بندروں کا سا تھا۔ مگر جسم اور ہاتھ پیر آدمیوں کے سے تھے۔ اس نے ہولے ہولے سلیمہ کا گال تھپتھپایا۔ وہ جاگ پڑی۔

"ہاں..... ہاں..... ہاں.....

"نہیں شائد تم نشے میں ہو۔" شیطان نے اپنے چہرے سے بندر کا خول الگ ہوئے کہا۔

سلیمہ کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی اور وہ مسہری پر گر کر ہانپنے لگی۔ کیپٹن جر کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا اس نے بلٹ سے دم الگ کی اور اسے ایک طرف ہوا بولا۔ "تم جیسی عورت آج تک میری نظروں سے نہیں گذری۔ مگر کھیل ختم ہو چکا ہے وغیرہ اس وقت حوالات میں ہیں اور اری ڈیم کا ذخیرہ ہمارے قبضے میں ہے۔"

وہ اپنی حالت پر قابو پا چکی تھی۔ مسہری پر لیٹے ہی لیٹے اس نے انگڑائی لی اور بولی۔ "کیپٹن! تم اتنے بدھو کیوں ہو۔ کیا تم اتنے ذہین نہیں ہو کہ موقع سے فائدہ اٹھا سکو"

"نہیں! میں بالکل بدھو نہیں ہوں۔" حمید نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔ "میں موقع فائدہ ہی اٹھانے کے لئے آیا ہوں۔"

"پھر..... وہ الماری کھول کر اسکاچ کی بوتل نکالو۔" اس نے پھر انگڑائی لی۔ "بار کوش کہ عالم دوبارہ نیست۔"

"پہلے میرا ایک حقیر تحفہ قبول کرلو ڈارلنگ۔" حمید نے پتلون کی جیب میں ہاتھ ہوئے کہا۔ "میں تمہارے لئے جڑاؤ کنگن لایا ہوں۔"

اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اس کی جیب سے ہتھکڑیوں کا جوڑا نکل پڑا۔

"تم مذاق کر رہے ہو..... ڈیئر۔" وہ اٹھلائی۔

"خاموشی سے اسے پہن لو۔" حمید نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "اپنے ہاتھ آگے بڑھا

"نہیں.....!" وہ پھر خوفزدہ نظر آنے لگی۔

"یقیناً میں تمہارے ہتھکڑیاں لگا کر یہاں سے پیدل کوتوالی تک لے جاؤں گا سرف گیارہ بجے ہیں۔ سڑکیں جگمگا رہی ہیں اور.....!"

"نہیں..... خدا کے لئے نہیں۔"

"شیطان کی محبوبہ کو خدا سے کیا سروکار۔ شاید تم نشے میں ہو۔"

"کیپٹن!" وہ اسکا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔ "اس طرح بے عزت نہ کرو۔"

"اوہ..... تم تو ایک دلیر عورت ہو۔ تم جو اپنی پنڈلی میں اپنے ہی ہاتھوں سے پوری سوئی پیوست کر لیتی ہو۔ ہوسکتا ہے عدالت تمہیں بری بھی کر دے مگر میں تو اس وقت تمہیں ایک آوارہ کتیا کی طرح کھینچتا ہوا لے جاؤں گا۔"

"کیپٹن.....!" اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ چلے۔

"شریف عورتوں کے آنسوؤں پر میں اپنا گلا بھی گھونٹ سکتا ہوں۔ تم شاید مجھے کوئی عیاش آدمی سمجھتی تھیں اسی لئے مجھے متوجہ کرنے کے لئے وہ ڈرامہ اسٹیج کیا تھا..... لیکن ..... چلو..... ہتھکڑیاں پہن لو..... مجھے تشدد پر آمادہ نہ کرو..... میں صرف عورتوں سے دوستی کا شائق ہوں..... عیاش نہیں۔"

حمید نے اس کے ہتھکڑیاں لگا دیں..... اور وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 65

انوکھے رقاص

(مکمل ناول)

حرفِ اوّل

ایک بڑا آرٹسٹ ایک عظیم فنکار یا مفکر اپنے دور کا نمائندہ بھی ہوتا ہے، ترجمان بھی ہوتا ہے اور خالق بھی۔ ابن صفی نے اپنے مخصوص انداز تحریر سے اردو میں ایک نئے دور کی تخلیق کی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اُن کی ہمیشہ سے یہ بھی خصوصیت رہی ہے کہ موجودہ مسائل کی بنیاد پر انہوں نے سیر حاصل روشنی ڈالی ہے۔ کسی خشک ریاضی داں کی طرح مسئلے گنوا کر یا کسی نقارچی کی طرح چیخ چیخ کر انہوں نے کسی مسئلہ کو نہیں چھوا بلکہ ایک سچے حسن کار کی طرح انہیں خوبصورت اور ڈھنگ سے اپنا نقطہ نظر پیش کرنے کا سلیقہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے جہاں نفسیاتی نکتے سامنے رکھے، تجزیئے کئے اور تحلیل نفسی کے گر بتائے وہاں انہوں نے امن پر مغربی ممالک کی ریشہ دوانیوں، سازشوں اور تباہ کن ایجادات پر بھی اپنے خیالات پیش کر کے رہنمائی کا حق ادا کیا!

موجودہ دور کا سب سے زیادہ بھیانک مسئلہ وہ تجربے ہیں

جنہوں نے انسانی زندگی میں زہر بھر دیا ہے۔ مشرق کے ہر گوشے سے نت نئی بیماریوں کی خبریں بیماروں کی تعداد مرنے والوں کی تفصیل ان ایٹمی اور ہائیڈروجنی تجربوں کا نتیجہ ہے۔ آج ساری انسانیت کراہ اٹھی ہے۔ شرافت، امن اور زندگی و اخلاق کے علمبردار ممالک ان تجربوں کے خلاف آواز اٹھا رہے ہیں۔ ابن صفی کو بھی ایک فن کار کی حیثیت سے یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ ان تجربوں کے خلاف آواز بلند کریں۔ یہ آواز ''انوکھے رقاص'' کے ابتدائی صفحات میں اُبھری ہے۔ اس میں اتنی گہرائی اتنی شدت اور اتنا نوکیلا پن ہے کہ آپ اسے بھول نہیں سکتے۔ اُن کا یہ پیمبرانہ جملہ:

''جب ایک آدمی پاگل ہوجاتا ہے تو اُسے
پاگل خانے میں کیوں بند کردیتے ہیں اور جب پوری
قوم پاگل ہوجاتی ہے تو طاقتور کیوں کہلانے لگتی ہے۔''

فاشستی تکنیک اور مغرب کے استبدادی نظام پر اس سے بہتر طنز ممکن نہیں ہے۔ اس طرح کے جملے ''انوکھے رقاص'' میں بہت جگہوں پر آپکو ملیں گے۔ ان میں ''روح عصر'' (Zeitgeist) کی جلوہ گری ہے اور اسے دیکھ کر یہ ماننا پڑتا ہے کہ ابن صفی صرف ناول نگار ہی نہیں بلکہ ایک عظیم مفکر بھی ہیں۔

کہانی کے اعتبار سے اس ناول کو حمید کا ہی کارنامہ کہنا مناسب ہوگا۔ اس کی دلچسپی، اس کے قہقہے اور آخر میں اس کا چونکا دینے والا اختتام اسی انوکھے انداز کا ہے جس کیلئے ابن صفی مشہور ہیں۔

پبلشر

لڑکی کا حمایتی

سورج دور کی پہاڑیوں میں جھک رہا تھا اور نارنجی رنگ کی دھوپ میں خنکی سی پیدا ہوگئی تھی۔ ادھر کچھ دنوں سے بڑی سخت گرمی پڑ رہی تھی۔ موسم صرف دن ڈھلے ہی اس قابل ہوتا تھا کہ لوگ باہر نکل سکیں۔ شامیں اچھی گذرتیں اور راتیں حسب معمول ویسی ہی ہوتیں جن کے لئے رام گڈھ خاص طور سے مشہور تھا، لیکن دن میں اتنی گرمی رام گڈھ کے لئے بالکل نئی چیز تھی۔ وہاں کے باشندوں کا کہنا تھا کہ ان کے ہوش میں اتنی سخت گرمی نہیں پڑی۔

بہرحال میدانوں سے آئے ہوئے لوگ سوچ رہے تھے کہ اگر پورا سیزن اسی طرح گذرا تو اچھے خاصے احمق کہلائیں گے۔ کیونکہ گرمی ہی سے بھاگ کر انہوں نے رام گڈھ کی ان پہاڑیوں میں پناہ لی تھی۔

وہ ایٹم اور ہائیڈروجن بموں کا تجربہ کرنے والوں کو گالیاں دیتے، جن کی وجہ سے ساری دنیا میں غیر متوقع موسمی تبدیلیاں رونما ہونے لگی تھیں، زہریلی ہوائیں چلنے لگی تھیں اور ایسی بارش ہونے لگی تھیں جن کے پانی سے جسم پر آبلے پڑجاتے تھے۔ طرح طرح کی وبائی

بیماریاں پھیلتی تھیں۔ وہ بڑی طاقتوں کے نام کو روتے جو محض ایٹمی تجربات سے ایک مرعوب کرنے کی کوشش کر رہی تھیں لیکن بھگتنا انہیں بھی پڑ رہا تھا جو "طاقت" یا "نا سے بھی سروکار نہیں رکھنا چاہتے تھے۔

رام گڈھ کا نچلا طبقہ تو گویا بے موت مر رہا تھا۔ اُس کی روزی کا ذریعہ دراصل ہوتے تھے جو سیزن میں باہر سے آتے تھے لیکن ایسے موسم میں تفریح کی کے سوجھتی تفریح بند اور رام گڈھ کے قلیوں کی آمدنی بند۔ سیزن ہی میں جو کچھ کماتے وہی ایام میں بھی ان کے کام آتا۔ لیکن اب وہ سوچ رہے تھے کہ اگر سارا سیزن ایسا ہی سردیاں نہ دیکھ سکیں گے۔ وہ اسے خدا کا غضب اور اپنے گناہوں کا ثمرہ تصور کرتے اور ہائیڈروجن بموں کے نزول کی بات ان کی سمجھ سے باہر تھے۔ وہ یہ نہیں سمجھ سکتے تھے کہ آدمی پاگل ہو جاتا ہے تو اسے پاگل خانے میں کیوں بند کر دیا جاتا ہے اور جب کوئی ہو جاتی ہے تو "طاقتور" کیوں کہلانے لگتی ہے۔

رام گڈھ کے قلی یہ نہیں سوچ سکتے تھے لیکن کیپٹن حمید یہی سوچ رہا تھا۔ کیونکہ بہانہ کر کے وہ فریدی کو یہاں تک دھکیل لایا تھا اور اب فریدی اس کا مضحکہ اڑا رہا تھا۔

"جو کچھ تمہارے مقدر میں ہے۔" وہ اس سے کہہ رہا تھا۔ "کہیں بھی جاؤ پورا گا۔ تم نے خواہ مخواہ میری چھٹیاں برباد کرائیں۔ میں نے چھٹی صرف اسی لئے لی تھی کروں گا۔ بہت دنوں سے مطالعہ کے لئے وقت نہیں نکال سکا تھا۔"

"اچھا آپ مطالعہ کیجئے، میں منہ کالا کرتا ہوں۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "یہ بھی ہے کہ ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہو۔"

"زندگی دراصل یہی ہے حمید صاحب۔" فریدی نے کہا اور ہاتھ میں دبی ہوئی کے اوراق الٹنے لگا۔ لیکن وہ کتاب کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظر کھڑکی سے دور ویرانے میں بھٹک رہی تھی۔

"میں کب کہتا ہوں کہ آپ زندہ نہ رہئے۔ مگر کم از کم مجھے تو مرنے دیجئے۔"

"میں نے یہی پروگرام بنایا ہے کہ ہم دونوں ساتھ ہی مریں گے۔"

"لیکن اس طرح میں مر بھی نہیں سکوں گا۔ اگر آپ نے ملک الموت کو زندگی پر لیکچر پلانا شروع کر دیا تو میں بور ہو کر دوبارہ زندہ ہو جاؤں گا۔"

"تم کھسکو یہاں سے۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں نے تمہیں روکا نہیں ہے۔ مگر تم اس لڑکی سے نہیں ملو گے، جو اپنے جوڑے میں گلاب لگاتی ہے۔"

"اگر وہ جوڑے میں گلاب لگانا چھوڑ دے تو۔"

"بکواس مت کرو۔ گلاب کی بات نہیں ہے۔ کل ایک آدمی تمہیں کینہ توز نظروں سے دیکھ رہا تھا جب وہ تمہاری میز پر آئی تھی۔"

"اوہ..... تو میں ایک آدمی کے ڈر سے اس لڑکی سے ملنا چھوڑ دوں گا۔"

"نہیں.....!" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "میں اسے پسند نہیں کرتا کہ تم عورتوں کے لئے لفنگوں کی طرح جھگڑا کرتے پھرو۔"

"ارے بس رہنے دیجئے۔" حمید نے بھی ناخوشگوار لہجے میں کہا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔

سورج اب غروب ہو چکا تھا اور افق میں کئی رنگوں کے لہریئے نظر آنے لگے تھے۔ ان دونوں کا قیام یہاں کے سب سے بڑے ہوٹل پیراڈائز میں تھا۔

حمید کمرے سے نکل کر سیدھا اس باغ کی طرف ہو لیا تھا جہاں شام کی تفریحات کے لئے میزیں لگائی جاتی تھیں۔

اس کا موڈ فریدی کے الجھنے کے باوجود بھی خراب نہیں ہوا تھا اور پھر یہ کوئی نئی بات بھی نہیں تھی۔ فریدی ہر وقت ہی لڑکیوں کے متعلق اُسے بور کرتا رہتا تھا اور اب تو یہ حال ہو گیا تھا کہ اگر کوئی دن خالی جانے والا نظر آتا تو حمید خود ہی ایسے تذکرے چھیڑ دیتا کہ لڑکیوں کی بات نکل آتی۔

باغ کے کنارے کھڑے ہو کر اس نے دو چار گہری سانسیں لیں اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

رقص کے میدان کے چاروں طرف لاتعداد میزیں نظر آ رہی تھیں۔ یہاں عموماً کھلے ہی
ہوا کرتے تھے۔ رقص گاہ کا فرش پختہ اور بہت چکنا تھا۔ اس کے چاروں طرف بڑی
سے باغات ترتیب دیئے گئے تھے جن کے سلسلے دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ انہیں باغا
دوسری تفریح گاہیں بھی تھیں۔ نہانے کے لئے پختہ تالاب، ٹینس کورٹس اور ان کے علاو
بیرون خانہ تفریحات کی جگہیں۔

رقص گاہ میں حمید کی میز مستقل طور پر "مخصوص" تھی۔ لیکن وہ سیدھا اپنی میز کی طر
گیا۔ اُسے حقیقتاً اس لڑکی کی تلاش تھی جس کے متعلق ابھی ابھی فریدی سے جھڑپ ہو چ

اس ہوٹل میں قیام کرتے ہی اُس لڑکی سے ملاقات ہوئی تھی اور وہ بھی بالکل
پر۔ ایک رات حمید اس سے رقص کے لئے درخواست کر بیٹھا تھا اور پھر ان میں جان پہ
تھی۔ یہ اور بات ہے کہ بعد میں وہ حمید کو غیر معمولی طور پر دلچسپ اور دلکش معلوم ہوئی
کا نام زوبیا تھا۔ دیسی ہی تھی۔ مگر حمید نے اس کی قومیت کے بارے میں استفسار نہیں
اس کا خیال تھا کہ عورت بجائے خود ایک قوم ہے، مردوں کی طرح اُسے رنگ و نسل
سے تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اس کا نظریہ تھا۔ لیکن وہ نظریئے پر بحث کرنے سے ہمیشہ
تھا۔ بہرحال اس نے زوبیا سے اس کے مذہب یا قومیت کے بارے میں کچھ نہیں پوچھ

وہ یہاں تنہا ہی مقیم تھی اور اس نے حمید کو اس کے علاوہ اور کچھ نہیں بتایا تھا کہ
زوبیا ہے اور وہ سیزن گزارنے کے لئے یہاں آئی ہے اور نہ اس نے بتایا کہ وہ کہاں
تھی اور نہ یہی بتایا کہ وہ خود مختار تھی یا والدین کی پابند۔ عمر بمشکل بیس سال ہوگی اور حمید
تھا کہ وہ غیر شادی شدہ ہے۔

اس سے حماقتیں بھی سرزد ہوتی تھیں..... دلچسپ حماقتیں اور اُن میں اتنی بر
تھی کہ حمید انہیں تصنع سمجھنے پر تیار نہیں تھا۔ ویسے عام طور پر اس کی حرکات و سکنات سے
ظاہر ہوتا۔ صورت و شکل غیر معمولی نہیں تھی۔ بس وہ جوان تھی..... اور لڑکی..... ایسی
کر گھنٹوں گفتگو کرنے پر بھی حمید اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا تھا۔ یہی سب سے بڑی خوبی تھی

وہ اُسے رقص گاہ میں تلاش کرتا رہا۔ لیکن وہ نظر نہیں آئی۔ آخر تھک ہار کر اپنی میز پر
آ بیٹھا۔ درختوں کی شاخوں سے الجھے ہوئے رنگا رنگ برقی قمقمے روشن ہو چکے تھے اور لاؤڈ سپیکر
پر مقامی دستکار اداروں کے اشتہارات نشر کئے جا رہے تھے۔

حمید نے پائپ میں تمباکو بھری اور اُسے سلگانے ہی جا رہا تھا کہ لاؤڈ سپیکر پر نشر کئے
جانے والے ایک اعلان نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی۔

"رقاصوں کی پارٹی"، معلن کہہ رہا تھا۔ "یہ ساری دنیا میں اپنے طرز کے انوکھے رقاص
ں۔ حیرت انگیز اور ہوش اڑا دینے والے۔ کل سے آپ ان کے پروگرام پیراڈائز میں
ہیں گے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ ایسے حیرت انگیز کمالات آپ نے آج تک نہ دیکھے ہوں گے۔
صیلات کا انتظار کیجئے۔"

حمید نے پائپ سلگایا اور فضا میں دھوئیں کے لہریئے بکھیرتا ہوا کرسی کی پشت سے ٹک
گیا۔ اس وقت موسم کافی خوشگوار ہو گیا تھا۔ دن کی تپش سے بچنے کے لئے کمروں میں بند ہو کر
لٹنے والوں کے نزدیک اس وقت تاروں بھرا آسمان بڑی کشش رکھتا تھا اور وہ خود کو جنت ہی
ں محسوس کر رہے تھے۔

حمید نے کچھ دیر بعد پائپ کی راکھ جھاڑ کر آئس کریم کا آرڈر دیا۔ اسی وقت مائیکروفون
ضا میں ارتعاش پیدا کرنے لگا۔ معلن کہہ رہا تھا "مردہ رقاصوں کی ٹیم آپ کو حیرت زدہ
کر دے گی۔ اتنا تیز ایکشن آپ نے کبھی نہ دیکھا ہوگا..... یاد رکھئے..... مردہ رقاص..... جو
ل سے پہلے اپنی جگہوں سے ہل بھی نہیں سکتے۔ رقص کی حالت میں آندھیوں اور طوفانوں
کے منہ پھیر دینے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ ایک بار پھر سنئے..... مردہ رقاص.....!"

حمید نے بہت بُرا سا منہ بنایا۔ مائیکروفون خاموش ہو چکا تھا اور اب پھر سریلے قہقہوں
کے ساتھ پہاڑی جھینگروں کی "ریں ریں، ٹیں ٹیں" شروع ہو گئی تھی۔

اُسے گھٹیا قسم کی اشتہار بازی سے بڑی نفرت تھی اور وہ اسے کم از کم پیراڈائز کے شایان
شان نہیں سمجھتا تھا۔

کچھ دیر بعد آئس کریم آ گئی اور ٹھیک اسی وقت اس کی نظر زویا پر پڑی۔ وہ [illegible] کے قریب ہی سے گذر کر گئی تھی۔ حمید نے سوچا ممکن ہے اس نے اسے دیکھا ہی نہ ہو۔

وہ بیٹھا آئس کریم کھاتا رہا۔

زویا نارنجی ساری میں بہت جچ رہی تھی۔ حمید نے اسے یوں ہی بے مقصد ادھر چکراتے دیکھا۔ شاید اسے کسی کی تلاش بھی نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ اس نے حمید کو یہی بتایا تھا کہ اس کے علاوہ یہاں اور کسی سے اس کی جان پہچان نہیں ہے۔

حمید نے سوچا کہ وہ آئس کریم ختم کر کے ہی اٹھے گا۔ ایک بار اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ زویا اسے دیکھ چکی ہے۔ پھر کیا وہ اسے نظر انداز کر رہی تھی؟ یہ بھی اس کی دانست میں ناممکن ہی تھا۔ وہ تو ہمیشہ خود ہی لپک کر اس کی طرف آتی تھی۔

حمید نے آئس کریم ختم کی اور اٹھ گیا۔ زویا اب بھی بیٹھی نہیں تھی بلکہ ایک گوشے میں ان لوگوں کو دیکھ رہی تھی، جو کاغذ کے بڑے غبارے کو اڑانے کیلئے اسمیں آگ لگا رہے تھے۔

حمید اس کے قریب پہنچ کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن زویا اس کی طرف متوجہ تک نہ ہوئی۔

حمید سمجھا شاید یہ بھی کسی قسم کا غمزہ ہوگا۔ لیکن جب وہ بالکل ہی بے تعلقی ظاہر کرنے لگی تو حمید نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

"جی.....!" وہ اس طرح چونکی جیسے اُسے وہاں اس کی موجودگی کا علم ہی نہ رہا ہو۔

"کیا بات ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"جی.....!" اب اس کے لہجے میں حیرت تھی۔ وہ چند لمحے حمید کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتی رہی اور پھر بولی۔ "معاف کیجئے گا۔ میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔"

حمید کو ہنسی آ گئی اور اس نے کہا۔ "بڑی اچھی ایکٹنگ کر لیتی ہیں آپ.....!"

"آپ ضرورت سے زیادہ بدتمیز معلوم ہوتے ہیں۔" زویا نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔ "ہماری کب کی جان پہچان ہے۔"

اس لہجے پر حمید سچ مچ شرمندہ ہو گیا۔

"معاف کیجئے گا۔ مجھے غلط فہمی ہوئی ہے۔" اس نے کہا اور ایڑیوں پر گھوم گیا۔

غصہ کے مارے اس کا حال بُرا ہو رہا تھا۔ وہ پھر اپنی میز پر آ بیٹھا اور کچھ ایسے انداز میں پائپ بھرنے لگا جیسے ریوالور میں کارتوس چڑھا رہا ہو۔ زویا اب بھی وہیں کھڑی تھی لیکن اب کبھی کبھی اس کی نظر حمید کی طرف بھی اٹھ جاتی تھی لیکن اسی طرح جیسے اُسے بھی اس پر غصہ آ گیا ہو۔

اچانک ایک لحیم شحیم آدمی آ کر حمید کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

حمید نے سر اٹھا کر اسے تیکھی نظروں سے دیکھا۔

"کیا وہ کوئی لاوارث لڑکی ہے۔" آنے والے نے کہا اور اس کی سرگوشی کسی سانپ کی پھنکار سے کم نہیں تھی۔

"کیا مطلب.....!" حمید بھی کسی غصیلے بھیڑیئے کی طرح غرایا۔

"اس کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔ میں کئی دن سے تمہیں دیکھ رہا ہوں۔"

حمید نے محسوس کیا کہ وہ نشے میں ہے۔ اس نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

"جاؤ اپنی راہ لو..... میرا دماغ نہ خراب کرو۔"

"اگر تم نے اسے چھیڑا تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔"

حمید نے پھر اُسے گھور کر دیکھا۔ وہ ایک کافی مضبوط آدمی معلوم ہوتا تھا۔ قد حمید کے قد سے بھی کچھ نکلتا ہوا تھا اور کلائیوں کی ہڈیاں بہت چوڑی تھیں۔ پیشانی پر کئی جگہ چوٹ کے نشان تھے۔

"تم کیوں بکواس کر رہے ہو۔" حمید پائپ پھینک کر کھڑا ہو گیا۔

"اوہ..... تم کیچوے میرا مقابلہ کرو گے۔" اُس نے تمسخر آمیز انداز میں کہا ہی تھا کہ حمید کا الٹا ہاتھ اُس کے منہ پر پڑا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا دو تین قدم پیچھے ہٹ گیا۔

لیکن اس کا جوابی حملہ بڑا شدید تھا یہ اور بات ہے کہ اُسے میز پر ڈھیر ہو جانا پڑا۔ کیونکہ اس کے آگے بڑھتے ہی حمید نے میز میں ٹھوکر مار دی تھی۔ دوسری بار حمید نے اُسے بالوں سے

پکڑ کر سیدھا کیا اور اس کے ہاتھ اٹھنے سے پہلے ہی ٹھوڑی پر ایک مکا جڑ دیا۔ وہ اُسے کہن سے خون رس رہا تھا۔

موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔

چاروں طرف سے لوگ دوڑ پڑے۔ حمید نے سوچا کہ اب بات بڑھ جائے گی اور کم فریدی کے عتاب سے بچنے کا انتظام تو کر ہی لینا چاہئے۔ لوگوں کے قریب پہنچنے ایک بار پھر وہ اس سے لپٹ پڑا۔ اور پھر انہیں دوسروں ہی نے الگ کیا۔

''یہ گرہ کٹ ہے۔'' حمید نے دوبارہ اس پر حملہ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''جھوٹے..... دغاباز..... خاموش رہو۔''

''اس نے میری جیب سے پرس نکالا ہے۔'' حمید نے للکار کر کہا۔ ''وہ اس کے موجود ہے۔''

لوگوں نے دراز قد آدمی کے گرد گھیرا ڈال دیا اور دونوں میں تکرار ہوتی رہی۔ پھر دوسروں کو مخاطب کر کے کہا۔ ''آپ لوگ اس کی تلاشی کیوں نہیں لیتے۔ میرے پرس تصویر اور تین سو پچھتر روپے تھے۔''

دراز قد آدمی نے جھلا کر جامہ تلاشی کے لئے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے آدمی اس کی جیبیں ٹٹولنے لگا۔ پھر بھلا یہ کہاں ممکن تھا کہ اس کی جیب سے حمید کا پرس ہو جاتا۔ فریدی کے عتاب سے بچنے کا صرف یہی ایک طریقہ اس کی سمجھ میں آیا تھا۔

پرس سے سچ مچ تین سو پچھتر ہی نکلے اور اس میں حمید کا ایک فوٹو بھی موجود تھا۔

''پولیس کے حوالے کرو..... پولیس کے حوالے کرو۔ چاروں طرف سے آوازیں آ

''نہیں بس اتنا ہی کافی ہے۔'' حمید بولا۔ ''میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے عدالتوں میں حاضری دیتا پھروں۔ آپ لوگ براہِ کرم اسے جانے دیجئے۔''

دراز قد آدمی خاموش کھڑا متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکاتا رہا تھا۔ بالکل ایسا معلو تھا جیسے وہ پاگل کر دینے والی الجھنوں میں گرفتار ہو گیا ہو۔

حمید اپنا پرس سنبھال کر پیچھے ہٹ آیا۔ دراز قد آدمی کے چہرے پر کئی خراشیں آ

''ہم تو پولیس کو ضرور اطلاع دیں گے۔'' ایک آدمی نے آگے بڑھ کر کہا۔

''لیکن میں اسے تسلیم نہیں کروں گا کہ پرس میری جیب سے نکالا گیا تھا۔''

''آپ عجیب آدمی ہیں۔''

''ہاں میں عجیب آدمی ہوں۔ براہِ کرم مجھے تنہا چھوڑ دیجئے۔''

اب ان لوگوں نے حمید کو گھیر لیا اور دراز قد آدمی کی طرف ان کی توجہ ہٹ گئی۔ حمید نے سوچا یہ نئی مصیبت آئی۔ لیکن اس کے اوسان خطا نہیں ہوئے وہ ترکی بہ ترکی انہیں جواب دیتا رہا۔ اور پھر جب ان لوگوں کو گرہ کٹ کا دھیان آیا تو اُس کی طرف مڑے۔

مگر..... اب وہ کہاں تھا؟ اس موقع کو مناسب سمجھ کر وہ پہلے ہی کھسک گیا تھا۔ لوگ اس پر اور زیادہ بگڑے اور سارا نزلہ حمید پر گرنے لگا۔

پھر وہ حمید کی تاویلات سے مطمئن ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں لیکن انہیں اسکے پاس سے ہٹ ہی جانا پڑا۔ وہ حمید کو اسکی قانون شکنی پر بُرا بھلا کہتے ہوئے اپنی اپنی میزوں پر چلے گئے۔

زوبیا قریب ہی کھڑی حمید کو گھور رہی تھی لیکن اس سے نظر ملتے ہی حمید نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ اس کے سکڑے ہوئے ہونٹ چیخ چیخ کر اعلان کر رہے تھے کہ وہ زوبیا کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔

کچھ دیر بعد وہ وہاں سے ہٹ گئی۔ مگر حمید فریدی کو نہیں دیکھ سکا تھا۔ وہ ذرا کچھ ہٹ کر اس کے پیچھے موجود تھا۔ جب حمید کے پاس سے بھیڑ ہٹ گئی تو اس نے آہستہ سے اُسے آواز دی۔ حمید چونک کر مڑا لیکن فریدی وہیں کھڑا رہا۔

حمید اٹھ کر اس کے پاس آیا۔

''کیا قصہ تھا.....؟'' فریدی نے آہستہ سے پوچھا۔

''کچھ نہیں..... نہ جانے کون لفنگا تھا اور اس نے چاہا تھا کہ میری جیب پر ہاتھ صاف کر دے۔''

''ہاں.....آں.....میں نے بھی تمہارا پرس اس کی جیب سے برآمد ہوتے دیکھا'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا اور حمید کو گھورتا رہا پھر کچھ دیر بعد بولا۔ ''تم مجھے کہیں اور کی میں بھی چین نہیں لینے دیتے۔''

''ارے واہ.....!'' حمید تنک کر بولا۔ ''کیا میں اپنی جیب صاف کرالیتا۔ ایسی شرافت پر لعنت بھیجتا ہوں۔''

''تمہاری شرافت میں نے بغور دیکھی تھی۔''

''اوہ.....!'' حمید بغلیں جھانکنے لگا۔

''تم اب حد سے زیادہ لفنگے پن پر اتر آئے ہو۔ میں اسے برداشت نہیں کرتا عورتوں کے لئے غنڈوں کی طرح لڑتے پھرو۔''

''پھر میں کیا کرتا.....وہ کم بخت تو جان کو آ گیا تھا۔''

''میں نے تمہیں پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا۔''

''اوہ.....تو یہ وہی آدمی تھا جس کا تذکرہ آپ نے کیا تھا.....؟''

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر جانے کے لئے مڑ گیا۔

حمید آہستہ آہستہ اپنا سر سہلاتا رہا اور زوبیا اب اُسے دوسری جگہ سے گھور رہی تھی۔

خونخوار بطخ

حمید رات گئے تک جاگتا رہا اور کروٹیں بدلتا رہا۔ اس کی زندگی میں زوبیا پہلی جس نے خود ہی اس سے کنارہ کیا تھا۔ وہ بھی ایسے انداز میں جو حمید کے لئے قطعی تھا.....کل تک یہی لڑکی ہوٹل کی تفریح گاہوں میں خود اُسے تلاش کیا کرتی تھی.....مگر نے اُسے پہچاننے سے انکار کر دیا۔

کبھی کبھی اُس کے ذہن میں اس آدمی کی نفرت انگیز تصویر بھی ابھرتی جس سے زوبیا سلے پر جھگڑا ہو گیا تھا۔ مگر ان دنوں وہ اس سے کیوں نہیں الجھا تھا جب وہ اور زوبیا گھنٹوں کی تفریح گاہوں میں نظر آیا کرتے تھے۔ وہ صرف انہیں کینہ توز نظروں سے دیکھنے ہی پر اکتفا کرتا تھا اور آج بج زوبیا نے اُسے پہچاننے ہی سے انکار کر دیا تو وہ اس طرح رایا۔ کیا وہ دونوں ایک دوسرے سے کسی قسم کا تعلق رکھتے تھے؟

کسی نہ کسی طرح اُسے نیند آ گئی اور رات بھر گرہ کٹ اس کی جیبیں صاف کرتے رہے۔ وہ رات بھر اسی واقعہ کے متعلق خواب دیکھتا رہا۔ پتہ نہیں لاشعور کی کون سی گرہ اس واقعے متاثر ہوئی تھی۔

دوسری صبح تالاب میں نہاتے وقت وہ آدمی پھر نظر آیا لیکن حمید کو اسے پہچاننے میں بڑی دشواری پیش آئی۔ اُس نے اپنی گھنی اور چڑھی ہوئی مونچھیں صاف کر دی تھیں۔ حمید نے سوچا ممکن ہے ان لوگوں کی نظروں سے بچنے کے لئے اس نے ایسا کیا ہو جنہوں نے پچھلی رات اسے ایک گرہ کٹ کے روپ میں دیکھا تھا۔

حمید بظاہر اُسے نظر انداز کر کے تالاب میں تیرتا رہا۔ لیکن حقیقتاً اس کی طرف سے غافل نہیں تھا۔ وہ آدمی بھی غسل کر رہا تھا کئی بار وہ تیرتا ہوا حمید کے قریب سے بھی گذرا لیکن وہ خود بھی حمید سے بے تعلق سا نظر آ رہا تھا۔

کچھ لڑکیاں تالاب میں ڈائیو کر رہی تھیں چونکہ حمید کو اب کسی نئی دوست کی تلاش تھی اس لئے اس نے سوچا کہ اُسے بھی ڈائیونگ میں حصہ لینا چاہئے۔ لڑکیوں کے علاوہ کچھ مرد بھی ڈائیو کر رہے تھے۔

حمید نے دیکھا کہ ڈائیو کرنے والوں میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو چھلانگ لگا کر فضا میں قلابازیاں کھاتا ہوا غوطے لگا سکے۔

وہ سیڑھیوں کے قریب آیا کچھ دیر تک گھاس پر بیٹھا رہا۔ پھر اوپر چڑھنے لگا۔ لوگوں کی نظریں اس طرف اٹھ گئیں کیونکہ ڈائیو کرنے والوں میں ایک نئے آدمی کا اضافہ ہو رہا تھا۔ حمید

نے چھلانگ لگا کر ایک قلابازی کھائی اور تماشائی تالیاں بجانے لگے۔ حمید کسی مچھلی کی طر
کی سطح پر ابھرا اور تالاب کا چکر لگاتا ہوا پھر سیڑھیوں کے پاس پہنچ گیا۔ لیکن اس بار ایک
نے بھی چھلانگ لگا کر فضا میں ایک قلابازی کھائی۔ پھر اُس لڑکی نے باقاعدہ طور پر ا
مقابلہ شروع کر دیا لیکن وہ تین قلابازیوں سے آگے نہ بڑھ سکی اور حمید نے پانچ قلابازیو
بعد اعلان کر دیا کہ "اتنی اونچائی سے پانچ قلابازیوں سے زیادہ ممکن نہیں ہے۔"

وہ تالاب سے نکل کر اپنی چھتری کے نیچے آلیٹا۔ کچھ دیر بعد وہ لڑکی اس کی طرف
دکھائی دی جس نے اُس سے ڈائیونگ میں مقابلہ کیا تھا۔ حمید اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"آپ بڑے شاندار رہے۔" اُس نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ یہ ایک یو
لڑکی تھی۔ متناسب الاعضاء اور بہت دلکش۔ اس کے بال سرخی مائل بھورے تھے اور آ
گہری نیلی تھیں۔

"مجھے زیادہ مشق نہیں ہے۔" حمید نے خاکساری ظاہر کی۔

"میرے خدا.....!" لڑکی تحیر آمیز تمسخر کے ساتھ بولی۔ "زیادہ مشق کی صورت
آپ اڑتے پھریں گے۔"

حمید نے شرمانے کی ایکٹنگ شروع کر دی۔

"آپ کہاں سے آئے ہیں۔" لڑکی نے پوچھا۔

"گھر سے.....اررر.....میرا مطلب ہے نصیر آباد سے۔"

"مجھے ڈالی پرکنس کہتے ہیں.....!" لڑکی مسکرا کر بولی۔

"مم.....میں.....پرویز ہوں۔" حمید ہکلایا۔

انہوں نے معمول کے مطابق ہوٹل کے رجسٹر میں فرضی نام درج کرائے تھے۔

"کیا کرتے ہیں؟"

"مم.....میں.....شکاری ہوں۔"

"شکاری.....!"

"ہاں.....بڑے بالوں والی لومڑیاں اور سمور کا شکار میرا ذریعہ معاش ہے۔"

"اوہ.....آپ ہر اعتبار سے دلچسپ آدمی ہیں۔"

حمید نے ایک ویٹر کو روک کر کافی کیلئے کہا جو پلیٹ فارم پر ناشتے کی ٹرالی لئے پھر رہا تھا۔

"آپ کہاں سے آئی ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"میں نارجام سے آئی ہوں۔"

"آپ کیا کرتی ہیں؟"

"میں کچھ بھی نہیں کرتی۔ میرے پاپا نیشنل آئرن فیکٹری میں انجینئر ہیں۔"

"میرے پاپا بھی زندہ ہوتے تو مجھے بھی کچھ نہ کرنا پڑتا۔"

"اوہ.....یہ بات نہیں ہے۔ میں ابھی زیرِ تعلیم ہوں۔"

ویٹر نے کافی کی ٹرے ان کے سامنے رکھ دی اور حمید پیالیاں بھرنے لگا۔ دفعتاً اس کی
بائیں جانب اٹھ گئی۔ تھوڑے ہی فاصلے پر زویا ایک چھتری کے نیچے بیٹھی انہیں گھور رہی
حمید پھر ٹرالی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"بس تھوڑی ہی دیر میں دھوپ تیز ہو جائے گی۔" ڈالی کہہ رہی تھی۔ "اور ہمیں کمروں
بند ہونا پڑے گا۔"

"اگر آپ موسم کے متعلق گفتگو نہ کریں تو میں بے حد مشکور ہوں گا۔" حمید نے کہا۔

"کیوں.....؟"

"بس یونہی.....مجھے الجھن ہوتی ہے۔"

"واقعی موسم کے متعلق کسی قسم کی بھی گفتگو بور معلوم ہوتی ہے۔" ڈالی ہنسنے لگی۔

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر زویا کس قسم کی لڑکی ہے۔

ڈالی کافی پیتی رہی اور حمید کی کافی ٹھنڈی بھی ہو گئی۔

"کیا آپ کولڈ کافی کے عادی ہیں۔" ڈالی نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"اوہ.....!" حمید چونک کر کافی کی پیالی کی طرف دیکھنے لگا پھر ہنس کر بولا۔ "برازیل کی

کافی مجھے ہمیشہ خوابوں کے جزیرے میں پہنچا دیتی ہے۔"

"شکاری بھی خواب دیکھتے ہیں۔" اُس نے حیرت سے پوچھا۔

"کیوں.....ارے شکاری۔" حمید ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "شکاریوں کو تو.....!"

غیر ارادی طور پر حمید کی نظر زویا کی چھتری کی طرف اٹھ گئی اور وہ جملہ پورا نہ کیونکہ اس کی چھتری کے قریب وہی آدمی موجود تھا جس سے پچھلی رات حمید کا جھگڑا لیکن وہ زویا کی طرف متوجہ نہیں تھا اور نہ ہی حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا وہ دونوں ہی اس کے لئے اجنبی ہوں۔ مگر زویا کچھ گھبرائی ہوئی سی نظر آ رہی تھی۔

"آپ.....!" ڈالی نے اُسے مخاطب کیا۔ "بات کرتے کرتے کچھ اور سوچنے لگتے

"ہاں.....آں..... مجھے شکار گاہیں یاد آتی ہیں جہاں حد نظر تک برف ہی برف ہے اور ہم اسکائیز پر تیرتے چلے جاتے ہیں۔ کبھی سفید بھیڑیوں سے مقابلہ ہوتا ہے قطبین کے سفید ریچھوں سے اوہ.....وہ کتنا حسین ماحول ہوتا ہے۔"

"قطبین.....!" ڈالی نے حیرت سے دہرایا۔ "آپ قطبین میں شکار کھیلتے ہیں۔"

"میں نے شاید جغرافیہ میں پڑھا تھا کہ قطبین کے ریچھ بڑے خطرناک ہوتے ہیں

"ارے کچھ بھی نہیں۔" حمید نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔ "میں نے ایک بار زندہ کھال کھینچ لی تھی۔"

ڈالی ہنسنے لگی اور حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "آپ شاید اسے بکواس سمجھتی ہیں۔"

"نہیں.....نہیں.....!" ڈالی سنجیدگی اختیار کرتی ہوئی بولی۔ "مجھے وہ واقعہ ضرور سنا

"کون سا واقعہ؟"

"وہی کہ آپ نے زندہ ریچھ کی کھال کیسے کھینچی تھی۔"

"ہاں.....آں.....وہ واقعہ یوں ہے کہ ایک بار میں نے ساتھی شکاریوں سے بڑے دعوے سے کہہ دیا کہ میں زندہ ریچھ کی کھال کھینچ سکتا ہوں۔ وہ لوگ اسے مذاق

بڑھ گئی۔ ایک لمبی شرط کے بعد میں نے انہیں یہ تماشہ دکھانے کا انتظام شروع کر دیا۔ ایک قسم کے کارتوس بنائے جن میں گولی کی بجائے لمبی لمبی میخیں فٹ تھیں۔ میرا وہ دعویٰ سچ مذاق ہی میں ٹل گیا تھا۔ اُن میں سے کوئی بھی باور کرنے پر تیار نہ تھا کہ میں کسی زندہ ریچھ کی کھال کھینچ لوں گا۔ اتفاق سے ایک دن ایک ریچھ مل ہی گیا جو برف کے ایک تودے پر بیٹھا ستار بجا رہا تھا۔"

"ستار بجا رہا تھا.....ریچھ۔" ڈالی ہنس پڑی۔

"اوہ.....ٹھہریئے.....شاید میں بھول رہا ہوں۔ ہاں دیکھئے ستار نہیں وہ تودے پر بیٹھا پی رہا تھا۔ میں نے اس کی دم کا نشانہ لے کر فائر کر دیا اور رائفل سے گولی کی بجائے میخ ل کر اُس کی دم چھیدتی ہوئی برف میں اتر گئی۔ ریچھ نے حقہ پھینک کر اچھلنا شروع کر دیا۔ راب وہ کہاں جا سکتا تھا۔ میں کوڑا نکال کر اس پر برسانے لگا۔ وہ خاموشی سے پٹتا رہا لیکن ب پٹتے پٹتے گھبرا گیا تو اسے کھال چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔"

ڈالی ہنسنے لگی اور کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "مگر ریچھوں کی دم کہاں ہوتی ہے۔"

"نہ ہوتی ہوگی۔" حمید لاپروائی سے بولا۔ "لیکن میں ہمیشہ دم دار ریچھوں کا شکار کرتا دل۔ بغیر دم کے ریچھ میرے ساتھی مارتے ہیں۔"

"کتنی بڑی ہوتی ہے ریچھ کی دم" ڈالی نے پوچھا۔

"کافی بڑی ہوتی ہے۔ لیکن زیادہ خاندانی قسم کے ریچھوں کی دُمیں کافی سے زیادہ بڑی ہوتی ہیں۔"

حمید خاموش ہو گیا اور ڈالی کافی دیر تک ہنستی رہی۔

"آپ بڑے دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ مگر مجھے اس پر بھی شبہ ہے کہ آپ کوئی پیشہ ور شکاری ہیں۔"

"کیا آپکے اس شبہے کی بناء پر مجھے شکار ملنا بند ہو جائے گا۔" حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"ارے آپ تو ناراض ہو گئے۔" ڈالی جلدی سے بولی۔ "میں نے تو یونہی مذاقاً کہہ دیا تھا۔"

"خیر ہوگا۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور کافی کی پیالی ایک طرف ہٹا کر پائپ تمباکو بھرنے لگا۔

زویا اب بھی وہیں تھی، لیکن وہ آدمی جا چکا تھا۔ اب حمید نے اس کے چہرے پر کے آثار دیکھے۔

"کیا آپ اس لڑکی کو جانتے ہیں۔" دفعتاً ڈالی نے پوچھا۔

"کیوں؟" حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"وہ آپ کو بار بار اس انداز میں گھورتی ہے جیسے آپ نے اس کے ساتھ کوئی ز ہو۔" ڈالی نے ہنس کر کہا۔

"ہوسکتا ہے۔" حمید نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

"یہ اپنے وینٹی بیگ میں ایک چھوٹا سا پستول رکھتی ہے۔"

"نہیں.....!" حمید کے لہجے میں تحیر تھا۔

"ہاں..... ہاں..... میں نے خود دیکھا تھا۔ تین چار دن پہلے کی بات ہے۔ کے قریب جہاں بھورے رنگ کی بلخ تیرتی رہتی ہے اس کے ہاتھ سے وینٹی بیگ گر شائد اسے کھول کر کوئی چیز نکال رہی تھی۔ وہ گرا اور اس کی چیزیں گھاس پر بکھر گئیں ایک چھوٹا سا پستول بھی تھا۔"

"ممکن ہے وہ سگریٹ لائٹر رہا ہو۔ آج کل پستول کی ساخت کے سگریٹ لائٹر عا

"ہوسکتا ہے مگر یہ لڑکی ویسے بھی بے حد پُراسرار معلوم ہوتی ہے۔"

"پُراسرار..... پُراسرار۔" حمید اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔ "میں آج تک یہ نہ یہ پُراسرار کیا بلا ہے۔"

"اگر کوئی ریچھ کسی برف کے تودے پر بیٹھا ستار بجاتا یا حقہ پیتا ہوا پایا جائے پُراسرار ریچھ کہیں گے۔" ڈالی نے کہا اور بیساختہ ہنس پڑی۔

"آپ میرا مضحکہ اڑا رہی ہیں۔"

"اوہ..... آپ پھر بگڑ گئے۔ میں دراصل آپکو بتانا چاہتی تھی کہ پُراسرار کسے کہتے ہیں۔"

"دیکھئے! میں ایک سیدھا سادھا شکاری ہوں۔ مجھے الفاظ کی الٹ پھیر نہیں آتی۔"

"اسی لئے تو وہ ریچھ ستار بجا رہا تھا۔"

"بڑی مصیبت ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "کہئے تو کسی آدمی کی کھال کھینچ کر دوں۔ ریچھ تو یہاں نہیں ملے گا۔"

"مگر آدمی کی دم کہاں ہوتی ہے۔"

"کیا آپ نے فلسفہ لے رکھا ہے۔" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

"فلسفے کو دم کی تلاش نہیں رہتی۔" ڈالی سنجیدگی سے بولی۔

"حالانکہ فلسفی عموماً دم دار ہی ہوتے ہیں۔"

"بس تو پھر کسی فلسفی کی کھال کھینچ کر دکھا دیجئے۔"

"نہیں، یہ ناممکن ہے کیونکہ مجھے آپ پر رحم آتا ہے۔" حمید نے کہا اور ڈالی جھینپی ہوئی ساتھ دوسری طرف دیکھنے لگی۔

زویا وہاں سے جا چکی تھی۔ حمید ایک بے نام سی الجھن میں مبتلا ہوگیا۔

ڈالی حمید کو چھیڑتی رہی۔ لیکن حمید کچھ خاموش سا ہوگیا تھا۔ یہ حقیقت تھی کہ پہلی ہی ت میں زویا خود اُسے بھی پُراسرار معلوم ہوئی تھی۔

اب وہ بھی اٹھنا چاہتا تھا لیکن ڈالی جم سی گئی تھی۔

"مجھے بھی شکار کا بے حد شوق ہے۔" اس نے کہا۔

"ہر شریف عورت کو ہونا چاہئے۔"

"کیوں.....؟"

"شریف عورتیں شوہر کو گولی نہیں مار سکتیں لیکن اکثر مار دینے کو دل چاہتا ہے۔ لہٰذا اگر ہاروں کے بجائے ریچھوں پر ہاتھ صاف کیا جائے تو قانون کو بھی کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

"تو کیا آپ بھی.....!" وہ بے ساختہ ہنس پڑی اور بمشکل تمام کہہ سکی "شوہر سے مایوس

ہوکر ریچھوں کا شکار کرتے ہیں۔"

"نہیں! اب میں ریچھوں سے مایوس ہوکر بیوی کے باپ کی تلاش میں ہوں۔"

"کیا..... آپ کی بیوی ساتھ نہیں ہیں۔" ڈالی نے پوچھا۔

"آپ بہت موٹی عقل رکھتی ہیں۔ بغیر باپ کے بیوی کہاں سے پیدا کی جاسکتی آپ کے والد صاحب نیشنل فیکٹری کے منیجر ہیں نا.....!"

"آپ گدھے ہیں۔" ڈالی نے چڑ کر کہا۔

"اگر گدھے ہیں تو میں اسے اپنی خوش قسمتی تصور کروں گا۔"

"شٹ اپ.....!" اُس نے جھینپے ہوئے انداز میں کہا اور تالاب میں چھلانگ لگا

حمید اُسے تیرتا دیکھتا رہا۔ پھر وہ بھی اٹھا..... کپڑے پہنے اور وہاں سے چل پڑا۔

وہ حوض پڑتا تھا جہاں بھورے رنگ کی بطخ ہر وقت تیرتی ہوئی پائی جاتی تھی۔ حمید اس کہانی کئی بار سن چکا تھا اور اس کی ہنسی بھی اڑا چکا تھا۔ ویسے لڑکیاں اس میں عام طور پر دلچسپی لیتی تھیں۔ کہانی ہی ایسی تھی کہ وہ بطخ بطخوں کی نسل کی لیلیٰ کہی جاسکتی تھی، ہیر کہی تھی اور شاید سوہنی بھی۔ کبھی اس حوض میں بطخوں کا جوڑا تیرا کرتا تھا مگر ایک دن بطخ کو نے ڈس لیا۔ پھر اس دن سے مادہ بطخ حوض سے باہر نکلتے نہیں دیکھی گئی۔ اگر کوئی اسے نکالنے کی کوشش کرتا تو وہ چونچ پھیلا کر کاٹنے کو دوڑتی اور اس کی آنکھوں سے پانی بہنے لگ

حوض کے قریب حمید کو زوبیا پھر نظر آئی۔ لیکن حمید کو دیکھتے ہی وہ آگے بڑھ گئی۔ ج بے تحاشہ غصہ آیا لیکن وہ غصہ رفتار پر اترا۔ یعنی وہ تیزی سے چلتا ہوا اس کے قریب سے آگے نکل گیا۔

اسی دن تین بجے شام کی بات ہے۔ اچانک پیراڈائز میں سنسنی پھیل گئی اور اس ذمہ دار بطخوں کی "سوہنی" تھی۔ حمید تک یہ واقعہ فریدی ہی کی زبانی پہنچا۔ کیونکہ صبح کے بعد سے اس کی طبیعت کچھ بھاری سی ہوگئی تھی اور وہ تالاب سے واپسی پر اب تک اپنے ہی میں رہا تھا۔ ممکن ہے اُسے خبر ہی نہ ہوتی لیکن چونکہ اس واقعہ کا تھوڑا بہت تعلق خو

نمبر 20

سے بھی تھا اس لئے فریدی آندھی اور طوفان کی طرح اس کے کمرے میں داخل ہوا۔

"وہ مرگیا۔" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

"کون.....؟"

"جس سے پہلی رات تمہارا جھگڑا ہوا تھا۔"

"میرا دل دکھانے والے اسی طرح مرجاتے ہیں۔" حمید بیوہ عورتوں کے سے انداز میں بولا۔

"بکواس مت کرو۔ تم نے خواہ مخواہ ایک الجھن میں ڈال دیا ہے۔"

"میں نے کیوں؟ اگر وہ مرگیا ہے تو یہ صرف میری بددعاؤں کا اثر ہوسکتا ہے۔ اور عاؤں سے قانون کو کوئی دلچسپی نہیں۔ مگر آپ پوری بات بھی تو بتایئے۔"

"اسے بھوری بطخ نے زخمی کردیا تھا۔"

"ارے تو کیا وہ بھوری بطخ میری خالہ ہے۔" حمید جھنجھلا گیا۔ پھر یک بیک چونک پڑا۔ ر پھر.....!"

"وہ اپنے کمرے تک پہنچتے پہنچتے گر کر مرگیا۔"

"کیا بطخ نے اُس کی گردن پکڑ لی تھی۔"

"نہیں پنڈلی میں کاٹا تھا۔"

"آپ شاید ابھی ابھی سو کر اٹھے ہیں۔"

"اُس نے شاید پچھلی رات والے جھگڑے کی بناء پر اپنی مونچھیں صاف کردی تھیں۔"

"جھگڑا مونچھوں پر نہیں ہوا تھا۔"

"تم نہیں سمجھ سکتے کہ تم سے کون سی حماقت سرزد ہوئی ہے۔" فریدی نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "وہ بطخ کے کاٹنے سے نہیں مرا۔ کوئی نہیں مرسکتا۔"

"پھر یہ سب کچھ افواہ ہوگی..... جایئے آرام کیجئے۔ آج میری طبیعت خلاف معمول ٹھیک نہیں ہے۔"

"اٹھو.....!" فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

حمید نے ایک طویل سانس کے ساتھ بستر چھوڑ دیا۔ فریدی کہہ رہا تھا۔

''کسی کو بھی یقین نہیں ہے کہ اس کی موت بلخ کے کاٹنے سے واقع ہوئی ہوگی۔ پچھلی رات والے جھگڑے کا بھی حوالہ دے رہے ہیں اور انہیں اس پر حیرت ہے کہ والے نے اتنی شاندار مونچھیں کیوں صاف کردی تھیں۔''

حمید لباس تبدیل کررہا تھا۔ فریدی کے خاموش ہوتے ہی اُس نے کہا۔ ''شاید قبروں میں بھی قتل ہوں گے۔ شاعر نے شائد ہمارے ہی لئے کہا تھا کہ مر کر بھی چین نہ کدھر جائیں گے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ بہت غور سے حمید کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے ''میرا خیال ہے کہ اب اس لڑکی سے تمہارے تعلقات قریب قریب ختم ہو چکے ہیں۔''

''ہاں یہ غلط نہیں ہے۔ پچھلی شام جب میں نے اُسے مخاطب کرنے کی کوشش کی نے مجھے پہچاننے سے انکار کردیا۔''

''اوہ.....!''

''لور..... یہ حقیقت ہے کہ ہم اجنبیوں کیطرح ایک دوسرے کے قریب سے نکل جاتے ہ

''اس آدمی سے جھگڑا کس بات پر ہوا تھا.....؟''

''اسی کے متعلق..... لیکن میں کبھی اسے زوبیا کے ساتھ نہیں دیکھا، اور نہ یہی معلو تھا کہ ان دونوں میں دور کی بھی جان پہچان ہوسکتی ہے۔ لیکن اس نے مجھ سے یہی کہا تھا زوبیا کے پیچھے نہ پڑوں۔''

''اس لڑکی کے متعلق تم کیا جانتے ہو۔''

''بس اتنا ہی کہ اس کا نام زوبیا ہے۔''

''کہاں سے آئی ہے؟''

''یہ اس نے نہیں بتایا۔ شاید میں نے یہ سب کچھ پوچھا ہی نہیں تھا۔''

''اچھا..... بیٹھ جاؤ.....!'' فریدی بھی بیٹھتا ہوا بولا۔

''میں سر کے بل کھڑا نہ ہوجاؤں۔'' حمید تقریباً ناچتا ہوا بولا۔ ''کھڑے ہوجاؤ..... ے تبدیل کرو۔ بیٹھ جاؤ..... کیا میں کپڑے تبدیل کئے بغیر نہیں بیٹھ سکتا۔''

''میں نے لباس تبدیل کرنے کو نہیں کہا تھا۔'' فریدی مسکرایا۔

''کھڑے ہوجاؤ..... کہنے کا انداز تو یہی تھا کہ کفن پہنو اور قبر میں چھلانگ لگادو۔''

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ حمید نے ریسیور اٹھالیا۔ آپریٹر نے اطلاع دی کہ اسکی کال ہے۔

''کنکٹ کرو۔'' حمید نے کہا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں ایک نسوانی آواز آئی۔ ''ہیلو ..... مجھے تمہارا شکر گذار ہونا چاہئے کہ تم نے اُس موذی سے مجھے نجات دلادی..... مگر میرے ..... میں اسے کیسے بھلاسکوں گی کہ ایک آدمی نے میرے لئے دوسرے کی جان لے لی تھی۔''

''کیا.....؟'' حمید ماؤتھ پیس میں دہاڑا۔ لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔

نیلی شیشی

وہ ریسیور رکھ کر فریدی کی طرف مڑا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ اس یک بیک پلٹ کر ریسیور اٹھایا۔

''ہیلو آپریٹر، یہ کال کہاں سے آئی تھی؟''

''اوہ..... یہ بتانا دشوار ہے جناب۔''

''کیا ہوٹل کے کسی کمرے سے۔''

''نہیں..... یہ کال یہاں کی نہیں ہوسکتی۔ شہر کی ہوسکتی ہے۔''

''تم سے غلطی تو نہیں ہوئی۔ یہ کال میری نہیں ہوسکتی۔''

''آپ روم نمبر ستاون ہی سے بول رہے ہیں نا۔''

''ہاں بھئی۔''

"تب تو یہ آپ ہی کی کال تھی۔ بولنے والے نے روم نمبر ستاون ہی مانگا تھا۔"

"تب پھر بولنے والی ہی کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" حمید نے جھنجھلا کر ریسیور رکھ دیا۔

"کیا بات ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

حمید نے اسے کال کے متعلق بتاتے ہوئے کہا۔ "یہ آواز زوبیا کی نہیں ہو سکتی، مجھے یقین

"چلو..... میں نے بھی یقین کر لیا۔" فریدی مسکرایا۔ "اور تم نے یہ بھی اچھا کیا

سے اس سلسلے میں اتنی بحث کر ڈالی۔ اب وہ اس کال کو کبھی نہ بھلا سکے گا۔ کیا بولنے تمہیں نام لے کر مخاطب کیا تھا؟"

"جی ہاں..... یقیناً۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اس نے نام لیا تھا۔"

"یہ بڑی اچھی بات ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔ "اگر تمہارے جھگڑے کی داستان پ پہنچی تو مزہ آ جائے گا۔"

"اگر پھانسی پا جاؤں تو قوالی کرا دیجئے گا تا کہ پڑوسیوں کو بھی مزہ آ جائے۔" حمید

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "تم میری اجازت کے بغیر ایک منٹ بھی باہر نہیں جاؤ گے۔"

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"میں اس لڑکی زوبیا کو چیک کروں گا۔ اگر وہ کال اسی کی تھی تو اُسے اس کے طور پر شہر جانا پڑا ہوگا اور شہر سے اتنی جلدی واپسی ناممکن ہے۔"

فریدی چلا گیا اور حمید بور ہوتا رہا۔ ویسے وہ اس حادثے کے متعلق بھی سوچ ر اس بطخ کی چونچ زہریلی ہے۔ لیکن اگر یہ بات ہوتی تو کوئی عورت حمید کو اس کیس میں کی کوشش کیوں کرتی۔ بطخ صرف انہی لوگوں پر حملہ کرتی تھی جو اسے پانی سے نکالنے کرتے تھے۔ کیا اس آدمی نے بھی اس قسم کی کوئی حرکت کی تھی۔ اسی سلسلے میں حمید کو آ گیا کہ تالاب سے آتے وقت اسے زوبیا ملی تھی اور اس نے اسے بطخ والے حوض ہی کھڑے دیکھا تھا۔ آخر وہ وہاں کیا کر رہی تھی۔

کچھ دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ حمید چونک پڑا۔

"کون ہے؟ آ جاؤ۔" حمید نے کہا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں ڈالی ازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ اسکے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔ حمید کرسی سے اٹھ گیا۔

"اوہ..... بیٹھو بیٹھو۔" ڈالی نے کہا۔ اس کی سانس پھول رہی تھی۔ وہ ایک کرسی پر ڈھیر ہوئی بولی۔ "یہ کیا مصیبت ہے۔ آج ہی تو ہماری دوستی ہوئی تھی۔"

"کیا مطلب.....؟"

"میں بڑی مشکل سے آپ کا روم نمبر معلوم کر کے یہاں تک پہنچی ہوں۔ کیا آپ نے بطخ کا واقعہ سنا۔"

"ہاں مجھے معلوم ہوا ہے اس نے کسی آدمی پر حملہ کیا تھا اور وہ آدمی اتنا چوہا تھا کہ اس حملے کی تاب نہ لا کر چل بسا۔"

ڈالی حمید کو گھورنے لگی اور حمید کو اس کی آنکھوں سے شبہ جھانکتا ہوا نظر آیا۔

"مگر آپ نے ابھی اس نئی دوستی کا حوالہ کیوں دیا تھا۔" حمید نے پھر کہا۔

"وہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ پچھلی شام اس کا شکاری پرویز سے جھگڑا ہو گیا تھا۔"

"اس لئے شکاری پرویز نے بطخ کا بھیس بدل کر اُسے ختم کر دیا۔" حمید نے بُرا سا منہ ۔ "کیا لوگوں نے یہ نہیں بتایا کہ جھگڑے کے وقت اس کے چہرے پر گھنی مونچھیں تھیں۔ تالاب لاش سے مونچھیں بھی ندارد ہو گئی ہیں۔"

"ہاں..... ہاں..... وہ اس کے متعلق بھی کہہ رہے ہیں پولیس آ گئی ہے۔"

"ڈاکٹر کا خیال ہے کہ اسکی موت کسی بہت ہی سریع الاثر قسم کے زہر سے واقع ہوئی ہے۔"

"زہر.....!" حمید نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں..... اس کا سارا جسم نیلا پڑ گیا ہے۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ "تو آپ یہ سمجھتی ہیں اس میں میرا ہی ہاتھ ہے۔"

"نہیں..... میں تو یہ نہیں سمجھتی۔ میں آپ کو اس کی اطلاع دینے آئی تھی۔"

"اچھا تو پھر مجھے اس حادثے سے اتنا بے تعلق سمجھتی ہیں کہ مجھے اسکی خبر ہی نہ ہونی چا

"میں خود بھی نہیں سمجھ سکتی کہ میں کیوں دوڑی آئی ہوں۔"

حمید اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا اور اس نے پلکیں جھکالیں۔ پھر آہستہ سے

"آج تقریباً دس بجے اس نے مجھ سے گفتگو کی تھی۔"

"کس نے.....؟"

"مرنے والے نے۔"

"اوہو..... کیا گفتگو ہوئی تھی؟" حمید پراشتیاق لہجے میں آگے جھک آیا۔

"اس نے یہی پوچھا تھا کہ کیا میں آپ کو بہت دنوں سے جانتی ہوں۔"

"پھر آپ نے کیا جواب دیا.....؟"

"یہی کہ ہم آج ہی ملے تھے۔"

"پھر.....؟"

"اس نے بہت بُرے لہجے میں کہا تھا کہ آپ ایک خطرناک آدمی ہیں۔"

حمید نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔ "اور آپ اس کے باوجود بھی دوڑی آئیں۔"

"مجھے اسکی بکواس پر اب بھی یقین نہیں ہے۔ مگر اس سے آپکا جھگڑا کس بات پر ہ

"کیا ان گدھوں نے پولیس کو یہ نہیں بتایا کہ اس نے میری جیب سے پرس نکال

"جی ہاں اس کا بھی تذکرہ تھا۔"

"تو اب مجھے پولیس کا منتظر رہنا چاہئے۔"

"یقیناً.....!"

"تو بس پھر آپ فوراً یہاں سے چلی جایئے۔"

"کیوں.....؟"

"ورنہ شاید آپ بھی اس معاملے میں الجھائی جائیں۔"

"آپ کو پولیس سے خوف نہیں معلوم ہوتا۔" ڈالی نے پوچھا۔

"مجھے صرف اُن لڑکیوں سے خوف معلوم ہوتا ہے جو خود کو بیوقوف ظاہر کرنے کی کوشش

ہیں۔"

"کیا مطلب.....؟"

"مطلب وہی لڑکیاں بتا سکیں گی۔"

ڈالی اُسے چند لمحے خاموشی سے دیکھتی رہی پھر بولی۔ "ڈاکٹر کا خیال ہے کہ زہر اُسی زخم

مارے جسم میں پھیلا ہے۔"

"میں ڈاکٹر نہیں ہوں کہ اس کے خیال کی تائید یا تردید کرسکوں گا۔"

"اگر آپ شبہے کے تحت گرفتار کر لئے گئے تو.....؟"

"کافی فائدہ ہوگا..... وہ رقم بچے گی جو اس مہنگے ہوٹل میں صرف ہونے والی ہے۔ اس

میں مفت سیزن گذار سکوں گا۔ ظاہر ہے کہ وہ مجھے رام گڈھ ہی کے جیل میں رکھیں گے۔"

"آہا.....!" ڈالی مسکرائی۔ "تب تو میں یہاں ضرور ٹھہروں گی۔ میں دیکھوں گی کہ آپ

سے کس طرح نپٹتے ہیں۔"

"میں آپ کو اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

اس نے لاکھ کوشش کی کہ وہ چلی جائے لیکن ڈالی ٹس سے مس نہ ہوئی۔ حمید کو دراصل فریدی

کا خیال تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر ایسے میں فریدی آ گیا تو وہ اور زیادہ مشتعل ہو جائے گا۔

"آپ پولیس کو کیا بیان دیں گے؟" ڈالی پھر بول پڑی۔

"بیان..... جو کچھ آپ بتائیں گی۔"

"اوہو..... شاید آپ سچ مچ نہیں چاہتے کہ میں یہاں ٹھہروں۔"

"اس میں آپ کی بھلائی مضمر ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ بھی پولیس کی لسٹ پر آ جائیں۔"

ڈالی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر اٹھتی ہوئی بولی۔ "اچھی بات ہے۔ لیکن اگر آپ حراست

میں لے لئے گئے تو مجھے بے حد افسوس ہوگا۔"

''میں اس ہمدردی کے لئے مشکور ہوں۔'' حمید نے طویل سانس لے کر کہا۔ وہ نہ
تھا کہ اس کی موجودگی میں فریدی کی واپسی ہو۔

ڈالی چلی گئی۔ حمید اب اس کے متعلق بھی الجھن میں پڑ گیا تھا۔ وہ تو ایک لڑکی
مواقع پر مرد بھی اُس سے کسی قسم کا تعلق ظاہر کرنے سے کتراتے۔ لیکن وہ اسے بتا
کہ پولیس اس پر شبہ کر سکتی ہے، حالانکہ ان کی جان پہچان کی عمر آدھے گھنٹے سے ز
تھی۔ پھر بھی اس نے گویا سالہا سال کے تعلقات کا ساحق ادا کر دیا تھا۔

ڈالی کے جانے کے پندرہ منٹ بعد ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ حمید نے اٹھ
کھولا۔ سامنے ایک باوردی کانسٹیبل موجود تھا۔

''پرویز صاحب۔'' اس نے پوچھا۔

حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سر ہلا دیا۔ لیکن اس نے اپنے چہ
کے آثار پہلے ہی پیدا کر لئے تھے۔

''کیا آپ منیجر کے کمرے تک تکلیف کر سکیں گے؟''

''کیوں.....؟'' حمید نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''ڈی ایس پی سٹی آپ سی گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔''

حمید کو علم تھا کہ آج کل ڈی ایس پی سٹی ماتھر نہیں ہے۔ اُس کا یہاں سے
تھا۔ حمید سوچنے لگا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ دفعتاً اُسے فریدی نظر آیا جو اسی طرف آ
اُس نے آتے ہی کہا۔ ''یہ خبر سچ ہی تھی کہ وہ آدمی مر گیا جس سے پچھلی رات نہا
ہوا تھا۔''

''کیا بطخ ہی کے کاٹنے سے مرا ہے؟''

''ہاں..... پولیس شاید اس سلسلے میں تمہارا بیان چاہتی ہے۔''

''میرا بیان کیوں؟''

''پتہ نہیں..... میں بھی بیان ہی دے کر آ رہا ہوں۔''

''آخر ہم سے کیا غرض۔''

''پتہ نہیں..... اب جاؤ۔''

حمید کانسٹیبل کے ساتھ چلنے لگا۔

''آخر آپ لوگ میرا بیان کیوں چاہتے ہیں۔'' حمید نے کانسٹیبل سے پوچھا۔

''پتہ نہیں جناب! ڈی ایس پی صاحب جانیں۔''

حمید منیجر کے کمرے میں داخل ہوا۔ یہاں تین پولیس آفیسر موجود تھے۔ ایک ڈی ایس پی
دو سب انسپکٹر۔

ڈی ایس پی نے حمید کو نیچے سے اوپر تک گھور کر کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
تشریف رکھئے۔''

حمید کافی شریفانہ انداز میں اس کا شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔

''آپ فیروز کو کب سے جانتے ہیں؟'' ڈی ایس پی نے پوچھا۔

''کون فیروز.....!'' حمید نے حیرت ظاہر کی۔

''وہی جس سے پچھلی رات آپ کا جھگڑا ہوا تھا۔''

''اوہ..... وہ..... گرہ کٹ۔''

''آپ اُسے کب سے جانتے ہیں۔''

''اگر میں پہلے سے جانتا ہوتا تو میرے قریب ہی کیوں آتا۔''

''آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ اُس نے آپ کی جیب سے پرس نکالا تھا۔''

''جن لوگوں نے آپ کو اس کی اطلاع دی ہے کیا انہوں نے آپ کو نہیں بتایا۔''

''آپ کسی ایسے آدمی کا نام لیجئے جو اس وقت وہاں موجود تھا۔''

''میں کسی کو بھی نہیں پہچانتا اور پھر اس وقت مجھے اتنا ہوش کہاں تھا کہ میں حاضرین کی
فہرست مرتب کرتا۔''

''تو آپ نشے میں تھے۔''

''نہیں..... میں غصے میں تھا۔''

''اور آپ کا غصہ آج تک برقرار رہا۔''

''میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ پوچھنا کیا چاہتے ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''کیا آپ کو علم ہے کہ وہ مر گیا؟''

''ہاں کچھ دیر پہلے میں نے سنا تھا۔''

''آپ کہاں تھے؟''

''اپنے کمرے میں۔''

''کس وقت سے کس وقت تک آپ اپنے کمرے میں رہے۔''

''نو بجے سے اس وقت تک۔''

''درمیان میں آپ باہر نہیں نکلے۔''

''نہیں۔''

''ہم آپ کے سامان کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' حمید نے جواب دیا۔ ''کیا آپکے پاس تلاشی کا وارنٹ ہے

''اوہ.....!'' ڈی ایس پی مسکرایا۔ ''آپ سمجھتے نہیں۔ یہ ایک ضمنی سی کارروائی ہے۔''

''کیسی بھی ہو۔ وارنٹ کے بغیر آپ میرے سامان میں ہاتھ بھی نہ لگا سکیں گے۔ قانون میں بھی جانتا ہوں۔''

''پھر آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ قانون دانوں کے ساتھ ہم ذرہ برابر بھی رعا نہیں کرتے۔'' ڈی ایس پی کی مسکراہٹ بدستور برقرار رہی۔

''نہیں..... مجھے اس کا علم نہیں تھا۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔

''اب ہو جائے گا۔'' ڈی ایس پی نے خشک لہجے میں کہا۔ ''ہم وارنٹ حاصل کئے محض شبہے کے تحت آپکو حراست میں لے سکتے ہیں۔ کیونکہ اسکی موت زہر کی وجہ سے واقع ہوئی ہے''

''آہا..... تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے بطخ کا بھیس بدل کر اس پر حملہ کیا ہوگا۔''

''مسٹر.....!'' ڈی ایس پی غرایا۔ ''ہوش میں آیئے۔ آپ اپنا بیان دے رہے ہیں اور آپ کے خلاف عدالت میں بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔''

''میں نے کوئی ایسی بات نہیں کہی جسے میں عدالت میں دہرا نہ سکوں۔''

ڈی ایس پی نے ایک سب انسپکٹر کی طرف مڑ کر کہا۔ ''انہیں کوتوالی لے جاؤ اور حراست

''لیکن اس کے باوجود بھی تلاشی کے وارنٹ کے بغیر میرے سامان میں ہاتھ نہیں لگا سکیں ر تلاشی کے وقت میری موجودگی ضروری ہوگی اور اس سے قبل میں تلاشی لینے والوں کی لاشی لوں گا۔''

ٹھیک اسی وقت فریدی کمرے میں داخل ہوا۔

''میں آپ کے ساتھی کو حراست میں لے رہا ہوں۔'' ڈی ایس پی نے فریدی سے کہا۔

''جو آپ مناسب سمجھیں۔'' فریدی نے جواب دیا۔

''یہ مجھے قانون پڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

''حالانکہ یہ قانون کی ابجد سے بھی نابلد ہے۔'' فریدی مسکرایا۔

''تشریف رکھئے۔'' ڈی ایس پی نے اس سے کہا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ''میں ان کے سامان کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔''

''تمہیں کیا اعتراض ہے؟'' فریدی نے حمید سے پوچھا۔

''تلاشی کا وارنٹ۔''

''بکواس ہے۔'' فریدی نے کہا۔ پھر ڈی ایس پی سے بولا۔ ''نہیں جناب آپ لیجئے۔ پ کوئی کام خلاف قانون کیوں کرنے لگے۔''

حمید کچھ دیر تک اس کے خلاف احتجاج کرتا رہا۔ پھر اس نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔

تھوڑی دیر بعد تلاشیاں شروع ہو گئیں۔ فریدی کا سامان بھی الٹ پلٹ کر ڈالا گیا لیکن ایس پی کے بیان کے مطابق کوئی قابل اعتراض چیز برآمد نہیں ہو سکی۔ ویسے اس نے ان

دونوں پر پابندی ضرور عائد کردی تھی کہ وہ اسکی اجازت کے بغیر رام گڈھ نہیں چھوڑ سکیں گے۔

اُس نے یہ بھی کہا تھا کہ آئندہ حالات پوسٹ مارٹم کی رپورٹ پر منحصر ہیں۔ اس کے بعد ہی وہ فیصلہ کر سکے گا کہ وہ دونوں کس پوزیشن میں ہیں۔

تقریباً آٹھ بجے رات کو پولیس والے پیراڈائیز سے رخصت ہوئے۔

فریدی حمید کے کمرے میں موجود تھا اور اسے اس طرح گھور رہا تھا جیسے وہ کوئی عجو

پھر اُس نے جیب سے ایک چھوٹی سی شیشی نکالی اور اُسے حمید کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ''شیشی تمہاری ہے؟''

حمید اُسے ہاتھ میں لیکر دیکھتا رہا۔ اس میں کسی قسم کا کوئی سیال تھا۔ شیشی نیلے رنگ کی

''نہیں.....!'' اس نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔

''لیکن یہ مجھے اسی کمرے میں ملی تھی۔ اسی کرسی کے نیچے۔'' فریدی نے ایک کر طرف اشارہ کیا۔

حمید کسی سوچ میں پڑ گیا اور فریدی پھر بولا۔ ''لیکن تلاشی کے قبل ہی یہ میرے قبض آ چکی تھی۔''

حمید نے پھر اس کرسی کی طرف دیکھا۔ ڈالی اسی کرسی پر کافی دیر تک بیٹھی رہی تھی۔

''آخر یہ ہے کیا بلا.....؟''

''یہ سوچو کہ جب یہ تمہاری نہیں ہے تو اس کمرے میں کیسے آئی۔''

''آپ کے جانے کے بعد یہاں ایک لڑکی آئی تھی۔'' حمید ہچکچاہٹ کے ساتھ بولا

''کون لڑکی.....؟'' فریدی غرایا۔

''ایک یوریشین.....ڈالی.....اس کا باپ تارجام کی نیشنل آئرن فیکٹری کا منیجر ہے

''نیشنل آئرن فیکٹری۔'' فریدی بڑبڑایا۔ پھر غصیلی آواز میں بولا۔ ''کہیں تم گ نہیں کھا گئے۔''

''گھاس نصیب ہو جاتی تو میں خدا کا شکر بجالاتا۔ شام کی چائے تو ان گدھوں کی نذر

''تارجام میں کوئی نیشنل آئرن فیکٹری نہیں ہے۔'' فریدی بولا۔

''کیا؟'' حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''حمید کہیں مجھے سچ مچ تم پر پابندیاں نہ لگانی پڑیں۔''

''آپ خفا کیوں ہوتے ہیں۔ دیکھئے نا میری بدولت آپ کے لئے تفریح مہیا ہوگئی۔ کیا ب شاندار کیس نہیں ہے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید پائپ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ ''اب دیکھنا یہ ہے کہ اس شیشی میں کیا ہے۔''

''ٹھہریئے۔'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''یہ ابھی تک نہ معلوم ہو سکا کہ بطخ نے حملہ کیسے کیا تھا۔''

''کچھ لوگوں کا بیان ہے کہ وہ اُسے حوض سے نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔''

''تب پھر کسی نے اس کا مشورہ دیا ہوگا۔''

''ضروری نہیں ہے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ بطخ کی چونچ پہلے ہی زہر آلود کر دی گئی ہوگی۔''

''پھر اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔''

''کیا بطخ اس صورت میں زندہ رہ سکتی ہے؟'' فریدی بولا۔

''پھر آخر.....یہ کیسے ہوا۔''

''کسی نے موقع سے فائدہ اٹھایا۔ اگر اُس پر بطخ حملہ نہ کرتی تب بھی وہ آج ختم ہی کر دیا نا اور چونکہ پچھلی رات تم سے جھگڑا ہو چکا تھا اس لئے تم ہی اس کیس میں الجھائے جاتے لیکن ما کی پشت پر جو کوئی بھی ہے کافی ہوشیار معلوم ہوتا ہے۔ پہلے تمہارے لئے فون پر کال آئی راس کے بعد یہ شیشی۔ کیا تمہیں علم نہیں ہے کہ اس کمرے کی تلاشی کے بعد ہی ٹیلی فون پریٹر نے پولیس کو اپنی رپورٹ دے دی تھی اور یہ رپورٹ اسی کال کے متعلق تھی۔''

''میرے خدا۔'' حمید اپنا سر سہلانے لگا۔ پھر کچھ دیر بعد بولا۔ ''تو میں پھنس جاؤں گا۔''

''اب تم یوریشین لڑکی سے کترانے کی کوشش نہ کرنا۔''

''اب تو میں اسے دل کی ملکہ بناؤں گا.....مگر وہ لڑکی.....!''

''کیا اب اور کوئی بھی ہے۔'' فریدی جھلا گیا۔

''وہ لڑکی جس کے لئے جھگڑا ہوا تھا۔''

''وہ تو اس پوزیشن سے بھی زیادہ پراسرار معلوم ہوتی ہے۔ تمہارے لئے کال آ
بعد میں اسی کو چیک کرنے گیا تھا لیکن وہ اپنے کمرے میں موجود تھی۔''

اچانک کسی نے دروازے کو دھکا دیا اور وہ دونوں چونک پڑے۔ دروازہ اندر
تھا۔ حمید نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

ڈالی سامنے کھڑی تھی۔ حمید پیچھے ہٹ آیا۔ وہ فریدی کو دیکھ کر ٹھٹکی مگر پھر اندر آ گئی

''اچھا بھئی! میں تو اب چلا۔'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

''اوہ..... کیا میں مخل ہوئی ہوں۔'' ڈالی نے حمید سے پوچھا۔

''قطعی نہیں.....!'' فریدی مسکرایا۔ ''آپ تشریف رکھئے۔''

''یہ میرے ساتھی مسٹر سلیم ہیں۔'' حمید نے دونوں کا تعارف کرایا۔ ''اور آپ م
پرکنس ہیں۔''

''بڑی خوشی ہوئی۔'' فریدی قدرے جھک کر بولا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔

وہ تفریح گاہ کی طرف جا رہا تھا۔ اس ٹریجڈی کے باوجود بھی پیراڈائیز کی رونق
فرق نہیں آیا تھا۔ تفریح گاہ حسب معمول قہقہوں سے گونج رہی تھی اور لاؤڈ اسپیکر پر اشتہ
نشر ہو رہے تھے۔

فریدی اس میز پر جا بیٹھا جو حمید کے لئے مخصوص تھی۔ وہ دراصل زوبیا کی تلاش میں
دفعتاً اسے آٹھ بیماروں کی کرسیاں نظر آئیں جنہیں آٹھ آدمی دھکیلتے ہوئے رقص گ
لائے تھے۔ ان پر تین عورتیں اور پانچ مرد نڈھال پڑے ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا
وہ سالہا سال سے بیمار ہوں۔

ٹھیک اسی وقت لاؤڈ اسپیکر کے ہارن سے آواز آئی۔ ''یہ دیکھئے یہ آٹھ نیم مردہ
ہیں۔ یہاں قیام کرنے والوں میں کچھ ڈاکٹر بھی ہوں گے۔ اگر وہ چاہیں تو اُن کا طبی

کر کے خود کو مطمئن کر سکتے ہیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اس حالت کو پہنچے ہوئے لوگ چار قدم بھی
میں چل سکتے لیکن یہ لوگ ایک ایک گلاس پٹرول پی کر آندھیوں کے منہ بھی موڑ دیں گے۔ کیا
اکٹر صاحبان براہِ کرم تھوڑی تکلیف گوارا فرمائیں گے۔

لوگ چاروں طرف سے اٹھنے لگے تھے۔ فریدی بھی اٹھا اور ان آٹھوں انلویلڈ چیئرز
ے گرد سینکڑوں آدمی نظر آ رہے تھے۔ لاؤڈ اسپیکر سے پھر آواز آئی۔ ''براہِ کرم اب اپنی میز پر
ریف لے جایئے۔ انہیں تازہ ہوا کی ضرورت ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان میں سے کوئی چل
ے۔ صرف وہ ڈاکٹر صاحبان ٹھہریں جو ان کا معائنہ کرنا چاہتے ہیں۔''

بھیڑ ہٹنے میں بھی تقریباً پندرہ منٹ صرف ہو گئے۔ فریدی نے انہیں دیکھا۔ وہ سچ مچ
ت زیادہ لاغر نظر آ رہے تھے۔ عورتیں کم عمر بھی تھیں اور حسین بھی لیکن ضعف نے ان کی ساری
شی چھین لی تھی اور وہ مردوں سے بھی بدتر نظر آ رہی تھیں۔

اب ان کی کرسیوں کے پاس چھ آدمی نظر آ رہے تھے اور یہ لازمی طور پر ڈاکٹر تھے۔ وہ
یں دیکھتے رہے اور پھر جیسے ہی وہ اپنی میزوں کی طرف مڑے تو لاؤڈ اسپیکر سے آواز آئی۔
کیا آپ حضرات مائیک پر تشریف لانے کی زحمت گوارا کریں گے تاکہ دوسرے لوگ بھی
ائنے کے نتائج سے آگاہ ہو سکیں۔''

وہ لوگ جہاں تھے وہیں رک کر کچھ مشورہ کرنے لگے۔ پھر ان میں سے ایک آدمی اس
رف چلا گیا جہاں مائیک تھا اور بقیہ لوگ اپنی میزوں کی طرف چلے آئے۔

تھوڑی دیر بعد لاؤڈ اسپیکر سے آواز آئی۔ ''ہم چھ ڈاکٹروں نے ان لوگوں کو بغور دیکھا
ہے۔ یہ مختلف قسم کی بیماریوں سے نجات پائے ہوئے لوگ ہیں لیکن ابھی اتنے کمزور ہیں کہ
ایدا اپنے پیروں سے چل بھی نہ سکیں۔ ہمیں حیرت ہے کہ آخر وہ رقص کس طرح کریں گے۔
ر حال ان کے اعصاب کی جو حالت ہے اس کی بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ رقص کرنے کی کوشش
ا انہیں موت کے منہ میں لے جا سکتی ہے۔ ان کا ہارٹ فیل ہو سکتا ہے۔ ہم انہیں اس حالت
ں رقص کرنے کی اجازت کبھی نہ دیں گے۔''

ڈاکٹر کے بعد پھر معلن کی آواز آئی جو کہہ رہا تھا ''ڈاکٹرز کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ رقص کرنے کے قابل نہیں ہیں اور یہ فیصلہ ان ڈاکٹروں کا ہے جو ملک کے بہترین دماغ کئے جا چکے ہیں۔ اب آپ دیکھئے گا کہ وہ کس طرح رقص کرتے ہیں۔''

معلن کے آخری الفاظ رقص گاہ کے سکوت میں گم ہو گئے۔

دفعتاً ایک طرف سے ایک ٹرالی نمودار ہوئی جس پر ارغوانی رنگ کے کسی مشروب کے گلاس رکھے ہوئے تھے اور ایک بار پھر لاؤڈ سپیکر گرجنے لگا۔

''یہ دیکھئے..... ان بے جان مشینوں کا پٹرول آ گیا۔''

ٹرالی انویلڈ چیئرز کے پاس پہنچ چکی تھی۔ نیم مردہ رقاصوں کے ہونٹوں سے گلاس دیئے گئے۔ شاید وہ اپنے ہاتھوں سے گلاس پکڑنے کی بھی سکت نہیں رکھتے تھے۔

انہوں نے چشم زدن میں گلاس خالی کر دیئے۔ فریدی بہت توجہ اور دلچسپی سے ادھر طرف دیکھ رہا تھا۔

پھر آرکسٹرا موسیقی بکھیرنے لگا اور رقص گاہ میں چاروں طرف سے فوکس لائٹ پڑنے لگی۔ پندرہ منٹ گذر گئے پھر جیسے موسیقی کلائمکس پر پہنچی ایک عورت انویلڈ چیئر سے چھلانگ کر فرش پر آ گئی اور گھنگھروؤں کی جھنکار دور تک پھیلتی چلی گئی۔

پھر گھنگھروؤں کی جھنکاروں کا طوفان آ گیا کیونکہ وہ سب پہیے دار کرسیوں سے کود چکے تھے اور حیرت انگیز رقص شروع ہو چکا تھا۔ جس کیلئے پچھلی رات سے اعلان ہوتے آ رہے تھے۔

فریدی نے ان ڈاکٹروں کو رقاصوں کی طرف جاتے دیکھا جو کچھ دیر پہلے ان کا معائنہ کر چکے تھے۔ وہ بھی اٹھا۔ وہ ان رقاصوں کو قریب سے دیکھنا چاہتا تھا۔

''کیا آپ بھی ڈاکٹر ہیں۔'' ایک آدمی نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

''ہاں..... پہلے میں اسے مذاق سمجھا تھا۔'' اس نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

رقاص سچ مچ طوفانی رقص کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ فریدی نے انہیں قریب سے دیکھا اب ان کے چہروں پر اضمحلال کی بجائے صحت مند سرخی تھی اور آنکھیں حیرت انگیز طور پر

نمبر 20

ی نہیں۔ وہ ناچتے رہے۔ رقص لحہ بہ لحہ تیز ہوتا رہا۔ دوسری طرف سازندوں کا بُرا حال تھا۔ ن کے چہرے پسینے سے بھیگ گئے تھے اور وہ بُری طرح ہانپ رہے تھے۔ خصوصاً ان کی حالت ت ابتر تھی جو منہ سے پھونکے جانے والے ساز بجا رہے تھے۔ پیانسٹ کو اپنی انگلیاں ٹوٹتی ئی معلوم ہو رہی تھیں۔ وائیلنسٹ کے بازو شل ہو گئے تھے۔ رقاص ان کا ساتھ نہیں دے ہے تھے بلکہ انہیں رقاصوں کا ساتھ دینا پڑ رہا تھا۔ بیس منٹ گذرنے کے بعد ایک سازندہ اپنی ری پھینک کر کرسی میں ڈھیر ہو گیا۔ پیانسٹ نے ہاتھ روک لئے لیکن رقاصوں کے پیر نہ ھکے۔ اب وہ ایک رفتار پر جم گئے تھے۔ مگر یہ رفتار بھی شاید عام رقاصوں کے بس کی نہیں تھی۔

آدھے گھنٹے تک رقص ہوتا رہا اور پھر اچانک رقاصوں کے پیر رک گئے۔ آرکسٹرا بھی ہوش ہو گیا۔ وہ ایک قطار میں کھڑے تھے اور ڈاکٹر ایک بار پھر ان کا معائنہ کر رہے تھے۔ ریدی بھی ان میں شامل تھا۔ پتہ نہیں اُس بار اُس نے کیا رائے قائم کی تھی لیکن ڈاکٹروں کی ائے سے اسے بھی متفق ہونا پڑا کیونکہ ایک ڈاکٹر ہی کی حیثیت سے وہ ان رقاصوں کے قریب پہنچ چکا تھا۔ ورنہ شاید صدیاں گذر جاتیں لیکن وہ ان کے قریب نہ جا سکتا۔ کیونکہ ہوٹل کا عملہ عام آدمیوں کو ان کے قریب جانے سے روک رہا تھا۔ کچھ دیر بعد لاؤڈ سپیکر پھر چیخنے لگا۔ ''اب سنئے! ڈاکٹر کاظمی کیا فرماتے ہیں۔ ان حضرات نے رقص سے قبل بھی رقاصوں کا طبی معائنہ کیا ھا۔ اس وقت انکی رائے تھی کہ یہ لوگ اپنی جگہوں سے ہلنے کے قابل بھی نہیں ہیں لیکن اب سنئے ڈاکٹر صاحبان کیا فرماتے ہیں۔ ڈاکٹر کاظمی جو کچھ بھی فرمائیں گے وہ بقیہ ڈاکٹروں کا متفقہ فیصلہ ہوگا۔''

لاؤڈ سپیکر خاموش ہو گیا۔ رقاص رقص گاہ سے جا چکے تھے لیکن اُن کی انویلڈ چیئرز وہیں خالی پڑی تھیں۔ کیونکہ وہ اپنے پیروں سے چل کر گئے تھے۔

لاؤڈ سپیکر سے پھر آواز آئی۔ ''حضرات میں ڈاکٹر کاظمی آپ سے مخاطب ہوں۔ میں عرض کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں کہ بیسویں صدی میں بھی معجزات کا ظہور ہو سکتا ہے۔ اب اگر کوئی دنیا کا بڑے سے بڑا ڈاکٹر بھی ان رقاصوں میں ایک فیصد بھی نقاہت بھی ثابت کر دے تو میں زندگی بھر کی لئے خط غلامی رکھ دوں گا۔ یقیناً یہ اُسی مشروب کا اثر معلوم ہوتا ہے جو رقص

سے پہلے ان لوگوں نے پیا تھا۔

کچھ دیر کے لئے سناٹا چھا گیا۔ پھر معلن کی آواز آئی۔ ''آپ نے غور فرمایا۔ آ مردہ جسموں میں زندگی کی لہر کیسے دوڑ سکی۔ کیا یہ واقعی کوئی معجزہ تھا۔ مگر نہیں یہ معجزات کا نہیں ہے بلکہ سائنسی دور ہے۔ جب بے جان مشینیں حرکت کرسکتی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ مُ کو بنانے والا نقاہت کا شکار ہوکر چارپائی سے لگ جائے۔ اگر مشینوں کو پٹرول حرکت لاسکتا ہے تو آدمی ایسی چیزیں بھی دریافت کرسکتا ہے جو مردہ جسموں کو حرکت میں لا یہ مشروب جسے یہ رقاص اپنا پٹرول کہتے ہیں دراصل اسی قسم کی ایک دریافت ہے اور اس در کا سہرا ڈاکٹر اسفند یار کے سر ہے کون ایسا ہے جو اس پراسرار ڈاکٹر کے نام سے واقف ہو عظیم انسان نے عوام کی نظروں سے پوشیدہ رہ کر بھی انسانیت کی کتنی خدمت کی ہے اندازہ ہر ایک کو ہے، نہ جانے کتنی لاعلاج بیماریوں کا علاج اس عظیم آدمی نے اب تک در کیا ہے۔ کیا ہم میں سے کوئی بھی اس سے انکار کرسکتا ہے۔ یہ مشروب اب تجرباتی دور چکا ہے۔ عنقریب اسے آپ انرجین کے نام سے ہر دوافروش سے خرید سکیں گے۔''

''لاحول ولاقوۃ۔'' فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ ''تو یہ اشتہار تھا۔''

اکثر جگہوں سے قہقہے بلند ہوئے اور ایک طرف سے آواز آئی۔ ''اعلان کرنے وا ٹانگ پکڑ کر یہاں کھینچ لاؤ۔''

اس طرح کے بہتیرے جملے سنے جاتے رہے اور پھر کچھ دیر بعد رمبا کے لئے شروع ہوگئی۔ اس سے پہلے حمید کا کہیں نام ونشان بھی نہیں تھا لیکن اب وہ اسی لڑکی کے اپنی میز کی طرف آتا دکھائی دیا جسے فریدی اس کے کمرے میں چھوڑ کر آیا تھا۔

فریدی بیٹھا رہا اور وہ دونوں بھی اُسی میز پر آ گئے۔

''کل میں اس رقص کے اعلان کو اپریل فول سمجھا تھا۔'' حمید نے کہا۔

''میں اب بھی اسے اپریل فول ہی سمجھتا ہوں۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔

''اف فوہ۔'' ڈالی ہنس پڑی۔ ''اشتہار بازی کا بالکل نیا اور نفسیاتی طریقہ اس ا

کون بھلا سکے گا۔ لوگ اس کے مارکٹ میں آتے آتے صبر کا دامن چھوڑ بیٹھیں گے۔''

''اس میں تو شک نہیں۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔ لیکن وہ ڈالی کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

رقص شروع ہونے والا تھا لوگ اٹھ اٹھ کر پختہ فرش کی طرف جا رہے تھے۔

حمید اور ڈالی بھی اٹھے۔ فریدی وہیں بیٹھا رہا۔ اُسے اب بھی زوبیا کی تلاش تھی مگر وہ ہیں نظر نہ آئی۔

دفعتاً اس کی نظر اس آدمی پر پڑی جو ڈاکٹر کاظمی کے نام سے مائیکروفون پر رقاصوں کے خلق اپنی رائے ظاہر کرتا رہا تھا۔ فریدی یہ دیکھ کر اٹھا کہ ڈاکٹر کاظمی اپنی میز پر تنہا ہے۔

''اوہ..... تشریف رکھئے۔'' ڈاکٹر کاظمی نے جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ کہا۔ ''آپ بھی تو ناید ہم لوگوں میں سے تھے۔''

''جی ہاں..... مجھے بھی یہ شرف حاصل ہوا تھا۔'' فریدی مسکرایا۔

''مجھے اپنی حماقت پر غصہ آ رہا ہے۔'' ڈاکٹر کاظمی نے کہا۔

''کیسی حماقت.....؟''

''ارے یہی! مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ کسی قسم کا اشتہار ہوگا۔''

''لیکن ہماری رپورٹ غلط تو نہیں تھی۔''

''قطعی نہیں..... وہ لوگ حیرت انگیز طور پر کمزور تھے۔ حیرت انگیز اس لئے کہہ رہا ہوں کہ نقاہت کی اس اسٹیج پر کوئی زندہ نہیں رہ سکتا۔''

''کیا وہ ڈاکٹر کبھی منظر عام پر نہیں آیا۔''

''نہیں..... اور نہ ہی معلوم کیا جا سکا ہے کہ وہ رہتا کہاں ہے۔ مگر یہ بھی ایک نئی چیز ہے۔ کم از کم اسفند یار سے اس کی توقع نہیں رکھتا تھا کہ وہ اپنی کسی ایجاد کو شہرت دینے کے لئے کوئی ایسا گھٹیا طریقہ اختیار کرے گا۔''

''اسے آپ گھٹیا تو نہیں کہہ سکتے۔'' فریدی بولا۔ ''بڑی ذہانت سے یہ سب کچھ کیا گیا تھا۔ میرا خیال ہے اگر صرف مائیکروفون پر کسی دوا کے خواص گنوائے جاتے تو شاید کوئی اس پر

دھیان دینے کی بھی زحمت گوارا نہ کرتا..... مگر اب..... کیا یہاں بیٹھا ہوا کوئی آدمی بھی ا
کو فرموش کر سکے گا۔

''ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔'' ڈاکٹر کاظمی سر ہلا کر بولا۔

''مگر ڈاکٹر..... یہ تو سوچئے کہ لوگ کتنے عرصہ سے اس کی پبلسٹی کرتے رہے
گے۔ لیکن ان کی نقاہت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ اب بھی اس مشروب کے رہین منت ہ

''ہاں یہ چیز غور طلب ہے۔'' ڈاکٹر کاظمی نے تشویش کن لہجے میں کہا۔

موسیقی کی لہریں فضا میں منتشر ہوتی رہیں۔ رمبا کا دور چلتا رہا۔ قطعی یہ نہیں معلوم
کہ آج یہاں کوئی آدمی کسی حادثے کا شکار ہو گیا تھا۔ وہ سب یا تو پاگل تھے یا چوپائے۔
ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے ہرنوں کے کسی جھنڈ پر کسی شکاری نے فائر کیا ہو۔ ایک گرا او
بھاگ نکلے۔ پھر جہاں ان کے پیر تھمے وہیں دوبارہ چرنا چگنا شروع کر دیا۔ اپنے نقصا
بے نیاز..... بے پرواہ۔

ساز چیخ رہے تھے۔ پیر متحرک تھے بھدے اور بے ڈول پیر۔ سُبک اور مڈول پنڈا
لیکن وہ شاید جسم ہی جسم تھے۔ مشینوں کی طرح متحرک جسم لیکن..... دفعتاً ایسا معلوم ہوا ج
ساز نے ''لیکن'' کہا ہو اور پھر دوسرے سازوں نے چیخنا شروع کر دیا۔ ''بیسوی صدی
ناچو..... ناچتے رہو..... ایک آدمی کی موت پر مغموم ہو کر کیا کرو گے۔ ہو سکتا ہے کل تم
بھی جانوروں کی طرح مر جاؤ۔ ہائیڈروجن بموں کے تجربات سے پھیلنے والی وبائیں تمہیر
کر جائیں۔ تم سب ایک ایسی کشتی میں سوار ہو جو ڈوبنے والی ہے۔ پھر کسی دوسرے کے
سوچ کر کیا کرو گے۔ اپنی اپنی فکر کرو۔ تم مستقبل سے مایوس ہو، اس لئے تمہاری نظروں
چیز کی بھی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی۔ تم سب اس بہت بڑے دھماکے کے منتظر ہو جس سے
کر کہیں نہ جا سکو گے..... ناچو..... ناچتے رہو..... کل زمین کے چیتھڑے اڑ جائیں گے
پانی کے چشموں سے زہر اُبلے گا..... ناچو..... مستقبل سے بے پرواہ ہو کر ناچو کیونکہ مستقبل
ایک دھماکہ ہے جس کی پشت پر دنیا کی بہترین عقلیں ہوں گی مگر وہ خود عقل سے بے نیاز

ب سائنسی دور کی جہالت کا شکار ہونے والے ہو۔ ناچو..... ناچتے رہو..... ناچو..... ناچو.....!''

ساز چیختے چیختے تھک گئے۔ ایک پل کے لئے چاروں طرف گہرا سناٹا چھا گیا اور اس کے
د پھر وہی قہقہے اور قلقاریاں..... ناچنے والے اپنی میزوں کی طرف واپس جا رہے تھے۔

''اچھا ڈاکٹر.....!'' وہ اٹھتا ہوا بولا۔

''اوہو۔'' ڈاکٹر کاظمی نے چونک کر کہا۔ ''شب بخیر..... جناب۔''

فریدی رقص گاہ سے نکل کر ڈائننگ ہال کیطرف روانہ ہو گیا۔ وہ زوبیا کے متعلق سوچ رہا تھا۔
ڈائننگ ہال میں بھی وہ نہیں دکھائی دی۔ اب وہ اسکے کمرے کی طرف چل پڑا۔ وہ اوپری
نزل پر تھا۔ لیکن دفعتاً وہ زینوں پر ہی نظر آ گئی لیکن وہ فریدی کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔ فریدی
الٹے پاؤں واپس مڑا اور نیچے پہنچ کر بائیں جانب والے نیم تاریک گوشے میں چلا گیا۔

زوبیا اس سے بے خبر نیچے آئی اور صدر دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ اس کے باہر نکل
جانے پر فریدی بھی آگے بڑھا۔

اب وہ دلان میں چل رہی تھی لیکن اس کا رخ نہ تو رقص گاہ کی طرف تھا اور نہ ڈائننگ
ہال کی جانب بلکہ وہ اس حصے کی طرف جا رہی تھی جہاں مقامی گاہک اپنی کاریں پارک کیا
کرتے تھے۔ فریدی کراٹا کی باڑھ کی اوٹ سے اس کا تعاقب کرتا رہا۔ آج کے حادثے کے
سلسلے میں اسے اس لڑکی کی پوزیشن بہت ہی اہم معلوم ہوئی تھی۔ وہی آدمی آج مار ڈالا گیا جو
پچھلی رات اسی لڑکی کے لئے حمید سے لڑ گیا تھا اور خود فریدی نے پہلے بھی کئی بار یہ بات محسوس
کی تھی کہ وہ آدمی اس سے کچھ نہ کچھ تعلق ضرور رکھتا ہے۔

اندھیرا

وہ کاروں کے قریب رک گئی۔ دفعتاً ایک طرف سے ایک تاریک سایہ اس کی طرف بڑھا

اور دیکھتے ہی دیکھتے دو تین اور سائے تاروں بھرے آسمان کے پیش منظر میں دکھائی دیئے

''یہ کیا حرکت..... پیچھے ہٹو۔'' فریدی نے لڑکی کی آواز سنی۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں اسے ایک کار میں دھکیل دیا گیا پھر جب تک فریدی پہنچتا کار حرکت میں آ گئی۔ اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہ رہ گیا تھا کہ وہ اس پہیے پر فائر کر کے اسے بیکار کر دیتا۔

مگر اس کی جیب میں ریوالور تھا کہاں۔ اس نے چاروں طرف دیکھا ایک جگہ اُسے موٹر سائیکل نظر آئی وہ اسی کو لے دوڑا۔ شاید کار والے بھی آگاہ ہو گئے تھے کہ ان کا تعا جا رہا ہے، اس لئے انہوں نے عقبی روشنی گل کر دی تھی۔

اس وقت فریدی کے پاس ریوالور بھی نہیں تھا لیکن وہ بہر حال فریدی تھا اس سب سے زیادہ چالاک اور دانش مند آدمی..... اگر اس کے پاس ریوالور ہوتا بھی تو وہ کھیل کو اسی اسٹیج پر ختم کر دینے کی کوشش کرتا۔

موٹر سائیکل کار کا تعاقب کرتی رہی۔ ایک جگہ فریدی نے راستہ کاٹا۔ اُسے یقین اس سڑک کے علاوہ اور کسی راستے پر کار نہ موڑ سکیں گے۔ رام گڈھ اور اس کے نواحی چپہ چپہ فریدی کا دیکھا ہوا تھا۔

موٹر سائیکل سڑک سے اُتار کر ایک تنگ راستے پر دوڑاتا رہا۔ اس خطرناک راستے سائیکل چلانا بھی اسی کا کام تھا اور پھر جب اس نے اُسے بائیں جانب والی چڑھائی پر بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے اس نے موٹر سائیکل سمیت جست لگائی ہو۔

ایک بہت بڑی چٹان لڑھکتی ہوئی نشیب میں جا رہی تھی۔ یہی چٹان اس کی موت بھی بن سکتی تھی۔ لیکن یہ ماننا ہی پڑے گا کہ اس کے ستارے بھی اسی کی طرح حیرت انگ چٹان اس وقت اپنی جگہ سے کھسکی تھی جب موٹر سائیکل کا پچھلا پہیہ اس پر سے گذر چکا ورنہ چشم زدن میں وہ خود بھی اسی چٹان کی طرح لڑھکتا ہوا سینکڑوں فٹ نیچے جا گرا ہوتا

مگر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو نہ تو اس کے سکون میں فرق

سائیکل کی رفتار ہی میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی۔

پھر ذرا ہی دیر بعد وہ پھر اس سڑک پر تھا اور کار شاید بہت پیچھے رہ گئی۔ اُس نے اُدھر ہی سائیکل موڑ دی جدھر سے کار آنے والی تھی۔

موٹر سائیکل کی رفتار آہستہ آہستہ کم ہوتی رہی اور پھر اسے تاریک خلاء میں کار کی ہیڈ کی آڑی ترچھی لکیریں نظر آئیں۔ کار ابھی نشیب میں تھی۔

پھر وہ سامنے آ گئی۔ فریدی کی موٹر سائیکل سڑک پر چلتی رہی۔ کار سے ہارن دیا گیا اور کی رفتار بھی کم ہو گئی۔

''گھاتو کا پل ٹوٹ گیا ہے۔'' فریدی بھرائی ہوئی آواز میں چیخا۔ ''آگے راستہ نہیں ہے۔''

کار رک گئی اور موٹر سائیکل بائیں جانب والے پائیدار سے جا لگی۔ فریدی نے حتی الامکان ش کی تھی کہ اس کا چہرہ تاریکی ہی میں رہے۔

''پل ٹوٹ گیا۔'' کسی نے متحیرانہ انداز میں دہرایا۔

اتنی میں فریدی کا ہاتھ کار کے اندر پہنچ چکا تھا۔ ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھے ہوئے آدمی کے سے عجیب سی آواز نکلی اور کسی نے کہا۔ ''کیا بات ہے۔''

لیکن شاید جواب کے لئے اُسے کم از کم دو گھنٹے تک منتظر رہنا پڑتا۔ فریدی بیہوش جانے والے آدمی کی جیب سے ریوالور نکال چکا تھا۔ پھر اس نے بائیں ہاتھ سے ٹارچ نکال روشنی کی اور ریوالور کا رخ پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے آدمیوں کی طرف کر دیا۔

وہ دو تھے۔ درمیان میں زوبیا بیٹھی ہوئی تھی لیکن اس کے منہ پر چمڑے کا تسمہ چڑھا ہوا اور وہ کسی بے بس پرندے کی طرح پلکیں جھپکا رہی تھی۔

''اس کے منہ سے تسمہ ہٹاؤ۔'' فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''تم کون ہو؟'' ایک آدمی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

''جو کہا جا رہا ہے کرو۔'' فریدی کا لہجہ بہت سرد تھا۔ اُن لوگوں نے ڈرائیور کی طرف دیکھا جو اسٹیرنگ پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔

''کیا تم نے اُسے مار ڈالا.....؟'' ایک نے خوفزدہ سی آواز میں کہا۔

''ہوسکتا ہے وہ مر ہی گیا ہو۔ تم سے جو کہا جا رہا ہے کرو، ورنہ تمہارا بھی یہی حشر ہوسکتا

دفعتاً ایک آدمی نے ریوالور پر ہاتھ ڈال دیا۔ فریدی نے اس کی ناک پر ٹارچ رہ

اور وہ بلبلاتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔

دوسرے نے بڑی پھرتی سے زوبیا کے منہ پر سے چمڑے کا تسمہ ہٹانا شروع کر دیا

''اب تم نیچے اتر آؤ لڑکی۔'' فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔

وہ دوسری طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اُتر گئی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریا

اس کی چیخ بھی سنی۔

''کیا بات ہے؟'' اس نے چیخ کر پوچھا لیکن جواب ندارد۔ فریدی موٹر سائیکل

گیا اور وہ سڑک پر جا گری۔ لیکن وہ اس کی پرواہ کئے بغیر دوسری طرف جھپٹا۔

پھر اچانک وہ دونوں آدمی اس پر ٹوٹ پڑے۔ ریوالور فریدی کے ہاتھ سے گر گیا۔

کشمکش کا فیصلہ ہونے میں دیر نہیں لگی۔ وہ دونوں بھی جلد ہی اپنے تیسرے ساتھی کی طرح

وحرکت نظر آنے لگے۔ فریدی انہیں سڑک پر ہی چھوڑ کر ٹارچ اور ریوالور تلاش کرنے لگا۔

لڑکی کا اس طرح چشم زدن میں غائب ہوجانا انتہائی حیرت انگیز تھا۔ کچھ دیر بعد

کی روشنی کا دائرہ اِدھر اُدھر رینگنے لگا۔

دفعتاً بائیں جانب والے نشیب میں اُسے ایک زنانہ سینڈل نظر آیا اور وہ نیچے اتر

گیا۔ اس خیال نے اُسے مضطرب کر دیا کہ کہیں وہ نیچے نہ گر گئی ہو۔ ایسی صورت میں ا

ہڈیاں بھی سلامت نہ رہتیں۔ یہ ڈھلان کچھ ایسی ہی تھی کہ ذرا سی لغزش آدمی کو موت کی

جبڑوں میں دھکیل سکتی تھی۔ وہ ڈھلان کے اختتام پر پہنچ کر رکا۔ لیکن زوبیا اُسے کہیں نظر نہ آ

وہ چاروں طرف ٹارچ کی روشنی ڈال رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ وہ خوفزدہ ہوکر کسی ط

نکل تو نہیں گئی مگر اس نشیب پر دوڑنا آسان کام نہیں تھا۔ وہ پھر اس جگہ لوٹ آیا جہاں

پڑا دیکھا تھا۔ وہ جھک کر اُسے دیکھنے لگا۔ اس کا تسمہ باقاعدہ طور پر بکل میں پھنسا ہوا

بینڈل کا تسمہ اتنا ڈھیلا کبھی نہیں رکھا جاتا کہ وہ پیر سے نکل جائے۔

تو پھر؟ اُسے کچھ لوگ دوبارہ اٹھا لے گئے ہیں؟ فریدی کے ذہن نے اس سوال کا

واب اثبات میں دیا۔ لیکن اگر یہ حقیقت ہی تھی تو اب ان چٹانوں میں بھٹکتے پھرنا ایک فضول

ا سا فعل ہوتا۔ اس نے سوچا کہ دوسری بار اغواء کرنیوالے بہت زیادہ محتاط ہوگئے ہوں گے۔

یہ سب کچھ سوچنے کے باوجود بھی وہ کچھ دور تک بڑھتا چلا گیا۔ ٹارچ کی روشنی ادھر اُدھر

پکراتی پھر رہی تھی۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد اُس نے سوچا کہ اس طرح بھٹکنے سے کوئی فائدہ نہ ہ گا۔ بہتر یہ

ہے کہ اُن تینوں آدمیوں کو ہوش میں لاکر ان سے پوچھ گچھ کی جائے۔

پھر وہ سڑک کی طرف مڑا لیکن ابھی آدھا راستہ بھی طے نہیں کیا تھا کہ موٹر سائیکل

اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی..... وہ دوڑنے لگا۔ لیکن سڑک پر پہنچنے کے بعد اُسے ایک جھٹکے کے

ساتھ رک جانا پڑا کیونکہ اب نہ تو وہاں موٹر سائیکل تھی اور نہ وہ کار۔ تینوں بیہوش آدمی بھی

غائب تھے۔

فریدی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ دو گھنٹے سے پہلے ہوش میں آئیں گے۔

پیراڈائیز یہاں سے تقریباً سات میل دور تھا۔ وہ چند لمحے وہیں کھڑا رہا پھر پیراڈائیز کی

طرف چل پڑا۔ پیدل چلنا اس کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ اکثر تیس اور چالیس میل تک

پیدل چل چکا تھا۔ بہرحال اس کا موڈ اس خیال سے خراب نہیں ہوا تھا کہ اسے پیدل واپس جانا

پڑے گا بلکہ موڈ کی خرابی کی وجہ دراصل موٹر سائیکل کی گمشدگی تھی۔ پتہ نہیں وہ کس بیچارے کی

رہی ہوگی۔ ہوسکتا ہے وہ بھی کسی دوسرے سے عاریتاً لایا ہو۔

وہ چلتے چلتے رک گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ان لوگوں نے گھاتو کا پل ٹوٹ جانے کی اطلاع

کافی تشویش سے سنی تھی۔ لہٰذا انہیں گھاتو کے پل سے آگے ہی جانا رہا ہوگا۔ گھاتو کا پل یہاں

سے ڈیڑھ میل دور تھا اور پھر اس سے ایک میل آگے چل کر شاہ پور کی چھاؤنی تھی۔ یہاں کئی

فوجی آفیسر اُس کے شناسا تھے۔ اس نے سوچا کیوں نہ وہاں چل کر تفتیش جاری رکھی جائے۔

وہ گھاتو کے پل کی طرف چل پڑا۔ اُس کے جوتے بے آواز تھے۔ وہ بڑی تیز رفتار سے کام لے رہا تھا۔ ساتھ ہی اس کے ذہن میں بہتیرے سوال تھے۔

اتنا تو وہ سمجھ ہی چکا تھا کہ زوبیا مرنے والے سے ناواقف نہیں تھی کیونکہ مرنے والا اُس کے لئے ایک بار حمید سے جھگڑا کر چکا تھا پھر حمید کو اس کیس میں الجھانے کی کوشش کی گئی۔ کر نامعلوم عورت کی کال اور وہ شیشی جو حمید کی نہیں تھی لیکن اس کمرے میں پائی گئی تھی۔ پھر ا لڑکی کا قصہ..... کیا وہی لوگ تھے جنہوں نے اس آدمی کو ختم کر دیا تھا۔ ممکن ہے..... وہی ہو اور انہوں نے یہ حرکت اس لئے کی ہو کہ پولیس ایک اچھے گواہ سے محروم ہو جائے۔

اب تک صدہا ایسے کیس اس کی نظروں سے گذرے تھے جن میں مجرموں نے گواہوں یا تو مار ڈالنے کی کوشش کی تھی یا ان کا اغوا کر لیا تھا۔

فریدی چلتا رہا۔ اب زمین تاروں کی چھاؤں سے محروم ہو گئی تھی۔ کیونکہ کچھ دیر مغربی افق سے بادلوں کے جھنڈ کے جھنڈ اُبھر کر چاروں طرف پھیلتے گئے تھے۔ ہوا میں زیادہ خنکی پیدا ہو گئی تھی جس سے صاف ظاہر تھا کہ بارش ضرور ہو گی۔

فریدی نے رفتار پہلے سے زیادہ تیز کر دی۔ وہ بارش ہونے سے قبل ہی شاہ پور کی چھ میں پہنچ جانا چاہتا تھا اور پھر بارش ہو جانے پر گھاتو کا پل سچ مچ خطرناک ہو جاتا فریدی جانتا تھ بعض اوقات پانی پل پر بھی بہنے لگتا تھا اور بہاؤ اتنا تیز ہوتا ہے کہ قدم جمانا دشوار ہو جاتا ہے

اندھیرا اتنا گہرا تھا کہ اسے بار بار خلاء میں آنکھیں پھاڑنی پڑتی تھیں لیکن اس نے بار بھی ٹارچ نہیں روشن کی۔

اچانک دو چار بڑی بڑی بوندیں آئیں اور اس کی رفتار سست پڑ گئی۔ اب وہ آگے بڑھنا چاہتا تھا۔ دوسرے جھونکے کے ساتھ ہی بارش شروع ہو گئی اور اب اُسے کسی پناہ گ تلاش کے سلسلے میں ٹارچ روشن کرنی ہی پڑی۔

ایک بار پھر وہ بائیں جانب والی ڈھلان میں اتر رہا تھا وہ جانتا تھا کہ رام گڈ پہاڑیاں ایسے غاروں سے بھری پڑی ہیں جہاں وہ بارش سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اسے جلد

ایسی جگہ مل گئی۔

یہ ایک کافی کشادہ دراڑ تھی اور اس پر ایک چٹان اس طرح جھکی ہوئی تھی جیسے وہ کوئی سائبان ہو۔

فریدی نے ٹارچ کی روشنی میں اس کا مختصر سا جائزہ لیا اور ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ بارش نوں میں چنگھاڑتی پھر رہی تھی۔ کبھی کبھی بادلوں کی گرج زلزلہ سا ڈال دیتی۔

دفعتاً فریدی کو ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی اس درے میں داخل ہوا ہو۔ پھر اس نے پتھریلی ن پر پڑنے والے بھاری قدموں کی آواز بھی سنی۔ وہ پیچھے ہٹا مگر بے سود کیونکہ آنے والے ے ٹارچ روشن کر لی تھی۔

''کیا کرتے ہو۔'' فریدی غرایا۔ ''آنکھوں پر روشنی نہ ڈالو۔''

''تم کون ہو؟'' آنے والے نے پوچھا۔

''انتہائی احمقانہ سوال ہے۔ میں کیوں بتانے لگا کہ میں کون ہوں۔''

''اتنی رات گئے یہاں کیوں؟'' آنے والے نے بیساختہ پوچھا۔

''تمہارا دماغ تو نہیں الٹ گیا۔ تم پوچھنے والے کون ہو۔ کیا میں تمہارے گھر میں گھس آیا ہوں۔''

''اے..... ڈھنگ سے جواب دو جو کچھ پوچھا جائے۔'' آنیوالے نے تیز آواز سے کہا۔

''کیوں تم کون ہو؟'' فریدی کا لہجہ چیلنج کرنے کا سا تھا۔

''میں کوئی بھی ہوں..... تمہیں میرے سوال کا جواب دینا پڑے گا۔''

''اچھا.....!'' فریدی مسکرایا۔ ''کرو سوالات لیکن وہ دس سے زیادہ نہ ہوں۔ میں اُن سے صرف پانچ منتخب سوالات کی جواب دوں گا۔''

''تم یوں نہیں مانو گے۔'' اس آدمی نے کہا اور ٹارچ روشن کر لی۔ فریدی کو اس کے داہنے ہاتھ میں ریوالور نظر آیا۔

اس نے پھر کہا۔ ''اب بتاؤ تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟''

''میں آدمی ہوں اس لئے بارش میں نہیں بھیگنا چاہتا۔'' فریدی نے جواب دیا۔

''یہ ریوالور خالی نہیں ہے۔'' وہ آدمی غرایا۔

''یہ ریوالور ہے۔'' فریدی نے آہستہ سے پوچھا۔

''آگ اگلنا بھی جانتا ہے۔''

''ذرا دیکھوں تو۔'' فریدی لہک کر بولا۔ ''میں نے آج تک ریوالور اپنے ہاتھ میں کر نہیں دیکھا۔''

''پیچھے ہٹو۔'' وہ آدمی دھاڑا۔

''یار..... کیوں خواہ مخواہ خفا ہوتے ہو۔ میں نے تم سے کب کہا تھا کہ خواہ مخواہ جیب ریوالور نکال کر مجھے دکھاؤ۔ اب اگر میں اپنے ہاتھ ہی میں لے کر دیکھ لوں گا تو اس میں کو خرابی پیدا ہو جائے گی۔''

''اچھا تو میں فائر کرنے جا رہا ہوں۔''

''مگر جلدی واپس آ جانا۔ یہاں اکیلے دل گھبراتا ہے۔'' فریدی نے بڑی سادگی سے

اس نے سچ مچ فائر کر دیا۔ گولی پتھر سے ٹکرا کر پلٹی اور وہ خود بال بال بچا۔ لیکن دو ہی لمحے ریوالور زمین پر تھا اور اس کا داہنا ہاتھ فریدی کی گرفت میں..... اور پھر وہ اس کے ہی جھٹکے میں منہ کے بل زمین پر چلا آیا۔

''اب تمہیں میرے بیس سوالات کے جواب دینے پڑیں گے۔'' فریدی اس کی گر پیر رکھتا ہوا بولا۔

اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر ممکن نہ ہوا۔

''اب اسی طرح پڑے پڑے بتاؤ کہ تم کون ہو؟''

''مم..... میں..... سرکاری سراغرساں ہوں۔'' اس آدمی نے ہانپتے ہوئے غصیلی آواز میں

''تب تو میں تمہاری گردن توڑ ہی دوں گا۔'' فریدی اس کی گردن پر مزید دباؤ ڈا بولا۔ ''تم میری ہی تلاش میں آئے ہو گے۔ لیکن میں پولیس والوں کو بخشنا نہیں جانتا۔''

''میں سرکاری سراغ رساں نہیں ہوں۔'' وہ بوکھلا کر بولا۔

''میں لاکھ برس یقین نہیں کروں گا۔'' فریدی کا جواب تھا۔

''کیا تم دوسروں کی دولت میں حصہ لگانے والوں میں سے ہو۔'' اس آدمی نے پوچھا۔

''دوسروں کی دولت خود ہی میری منتظر رہتی ہے۔ تجوریاں میری آہٹ پر اپنے منہ کھول تی ہیں۔''

''اوہو! تب تو مجھے چھوڑ دو۔ پیر ہٹاؤ نا..... میں بھی تمہارا ہی ہم پیشہ ہوں۔''

''میں کیسے یقین کر لوں..... اکثر سراغ رساں ہماری صفوں پر گھس آتے ہیں اور ان کا یق کار بھی یہی ہوتا ہے جو تم نے اس وقت اختیار کیا ہے۔''

''نہیں دوست..... میں ثابت کر دوں گا کہ میں سرکاری سراغ رساں نہیں ہوں۔''

فریدی نے اس کی گردن پر سے پیر ہٹا لیا اور وہ بیٹھ کر اپنی گردن ملنے لگا۔ فریدی ٹارچ ر روشنی میں اُسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اُس نے سر اٹھا کر کہا۔ ''تم واقعی بہت ہرے معلوم ہوتے ہو..... میں نے اتنا پھرتیلا آدمی آج تک نہیں دیکھا۔''

آگ

بارش کے پہلے ہی چھینٹوں نے رقص گاہ میں ابتری پھیلا دی تھی۔ پھر سنبھلتے سنبھلتے دھلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ بارش اچانک ہوئی تھی۔ پہلے سے آثار نہیں تھے اور اگر آثار تھے بھی تو ایسے نہیں کہ رام گڈھ کے موسمی معمولات کے خلاف ہوتے۔ وہاں اکثر اسی طرح بادل گھا کرتے تھے لیکن ہوا کے جھونکوں کے ساتھ ہلکی ہلکی پھواروں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔ سردیوں میں شاید یہی پھواریں برف کے ذرات کی شکل اختیار کر لیتی تھیں۔

مگر اس وقت شاید فطرت بھی مذاق کے موڈ میں تھی۔ اب فطرت کے علاوہ اور کون اس منظر سے لطف اندوز ہوتا..... لوگ بدحواسی میں ایک دوسرے پر گر رہے تھے اور سریلی چیخیں

شاید بادلوں کو بھی گدگدا رہی تھیں کیونکہ بارش کا زور بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

''ٹھہریئے! حواس قائم رکھئے۔'' لاؤڈ سپیکر چیخنے لگا۔ ''اسطرح آپ چوٹ بھی کھا سکتے ہیں۔''

''خدا غارت کرے۔'' ڈالی گرتے گرتے سنبھل کر بولی۔ حمید نے اُسے اپنے ہاتھ پر روک لیا تھا۔ ورنہ وہ منہ کے بل گرتی۔

''ہائیں..... بارش ہی تو ہے۔'' حمید نے کہا۔

''میں بھیگ رہی ہوں۔''

''اور میں بالکل خشک ہوں۔ واقعی یہ بہت بڑا ظلم ہے۔''

''تم عجیب آدمی ہو، چلو بھاگو۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہوئی بولی۔

''ہرگز نہیں۔ مجھ سے اتنی غیر منطقی حرکت نہیں سرزد ہو سکے گی۔ پانی سے بچنے کے ہاتھ منہ توڑ بیٹھنا کہاں کی عقلمندی ہے۔''

''تم احمق ہو۔'' ڈالی نے کہا اور دوڑنے لگی۔ لیکن اس دوڑ میں حمید نے اس کا ساتھ دیا۔ وہ بہت اطمینان سے بھیگتا ہوا کمرے میں آیا لیکن یہاں کی حالت دیکھ کر وہ یہ بھی گیا کہ اس کے جسم میں بھیگے ہوئے کپڑے ہیں۔

پولیس کی تلاشی کے بعد اس نے بڑی دشواری سے اپنی چیزیں قرینے سے رکھی تھیں اب وہ اس سے بھی زیادہ ردی حالت میں نظر آئیں۔ کسی نے اس کی عدم موجودگی میں کمرے کو تہہ بو بالا کر کے رکھ دیا تھا۔ بستر فرش پر پڑا تھا۔ تکیہ پھاڑ ڈالا گیا تھا۔ سوٹ کیس طرف پڑا تھا اور کپڑے کچھ یہاں تھے کچھ وہاں۔

سفر میں وہ چیک بک اور نقدی ہمیشہ جیبوں میں رکھا کرتا تھا۔ ورنہ ہوسکتا تھا وقت اسے اور زیادہ غصہ آتا۔

غصہ تو تھا مگر صرف فریدی پر۔ آخر اُس نے پولیس والوں سے اپنی اصلیت چھ کیوں تھی۔ ممکن ہے یہ حرکت کسی مقامی سراغ رساں کی رہی ہو۔ وہ دونوں خود بھی ہزار اس قسم کی بے ضابطہ تلاشیاں لے چکے تھے۔

اُس نے جھلاہٹ میں منیجر کو فون کیا لیکن وہ آفس میں موجود نہیں تھا۔ کسی کلرک نے ن ریسیور کر کے بتلایا کہ ایک کمرے میں چوری ہوگئی ہے۔ منیجر وہیں ہے۔

''میرے کمرے میں بھی چوری ہوگئی ہے۔'' حمید غرایا۔ ''منیجر کو فوراً بھیجو۔''

پھر اس نے اپنے کمرے کا نمبر بتایا۔

تقریباً پانچ منٹ بعد ہی تین آدمی اس کے کمرے میں داخل ہوئے۔ یہ ہوٹل کے اف ہی سے تعلق رکھتے تھے، لیکن ان میں منیجر نہیں تھا۔ وہ اس سے پوچھ گچھ کرنے لگے۔

''نہیں کوئی چیز چرائی نہیں گئی۔'' حمید نے جواب دیا۔ ''لیکن یہ ہوٹل کس قدر غیر محفوظ ہے۔''

''پتہ نہیں کیا بات ہے جناب۔'' ایک آدمی بولا۔ ''مس ڈالی بھی کہتی ہیں کہ اُن کے رے سے کوئی چیز چرائی نہیں گئی۔ لیکن سامان اسی طرح بکھرا پڑا ہے۔''

''کون مس ڈالی۔'' حمید اسے گھورنے لگا۔

''ایک یورپین ہیں۔'' اس نے جواب دیا اور کمرے کا جو نمبر بتایا وہ ڈالی ہی کے کمرے کا تھا۔

حمید سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔ ''میں اس کی رپورٹ پولیس کو دینا چاہتا ہوں۔''

''میں فون کرنے جا رہا ہوں۔'' ایک آدمی نے کہا اور باہر چلا گیا۔

پھر تھوڑی دیر بعد منیجر بھی آ گیا۔ وہ حیرت سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

''تکیہ اس کا بھی پھاڑ دیا گیا ہے۔'' وہ تشویش کن لہجے میں بڑبڑایا۔ حمید کی تیز نظریں ما کے چہرے پر پڑیں، بالکل اسی انداز میں جیسی وہی بیچارہ اس کا ذمہ دار ہو۔

''جی ہاں۔'' وہ حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''بالکل ایسا ہی ایک واقعہ اور بھی ہوا ہے۔ ایک احبہ کے کمرے کی بھی یہی حالت نظر آتی ہے اور ان کا تکیہ بھی اسی طرح پھاڑ ڈالا گیا ہے۔''

''مگر میں صاحبہ نہیں ہوں کہ صبر کر لوں گا۔''

''کیا کوئی چیز غائب بھی ہے؟''

''نہیں۔'' حمید گردن جھٹک کر بولا۔

''اُن کے کمرے سے بھی کوئی چیز غائب نہیں ہوئی۔''

''کیا یہ یہاں قیام کرنے کا انعام ہے۔''

''کیا عرض کروں جناب۔ ایسی وارداتیں تو کبھی نہیں ہوئیں۔''

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی۔ حمید نے بڑھ کر ریسیور اٹھایا مگر شاید فون منیجر کے لئے تھا۔

حمید نے ریسیور اس کی طرف بڑھا دیا۔

دوسری طرف کی گفتگو شاید ایسی ہی پریشان کن تھی کہ منیجر کے چہرے پر پسینہ آ گیا۔ نے ریسیور رکھ کر بوکھلائے ہوئے لہجہ میں کہا۔ ''کیا مصیبت آ گئی ہے۔''

''کیوں.....؟'' حمید جواب طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

''ایک کار اور ایک موٹر سائیکل غائب ہے۔ اس نے رومال سے چہرے کا پسینہ کرتے ہوئے کہا۔ ''ایسی باتیں تو یہاں کبھی نہیں ہوئیں۔ اچھا جناب! میں ابھی پولیس کرتا ہوں۔''

منیجر چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی دونوں کلرک بھی رخصت ہو گئے۔

حمید آرام کرسی کے ہتھے سے ٹک کر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ آتے وقت اس فریدی کا کمرہ مقفل دیکھا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا اس کا کمرہ بھی اسی حالت میں ہوگا۔

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی۔ حمید نے ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے ڈالی بول رہی تھی

''ہیلو..... پرویز۔ میں نے سنا ہے کہ تمہارے کمرے میں کسی نے ابتری پھیلائی۔

''ٹھیک سنا ہے۔'' حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''کیا تمہیں علم ہے کہ میرے کمرے کی بھی یہی حالت ہوئی ہے؟''

''ہاں منیجر نے بتایا تھا۔''

''کتنی عجیب بات ہے۔''

''ہاں اتنی ہی عجیب جتنی کہ تارجام کی نیشنل آئرن فیکٹری۔''

''کیا مطلب.....؟''

''کچھ بھی نہیں۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ تمہارے پاپا کو تحفے میں کیا بھیجوں۔''

''یہ کیسی اوٹ پٹانگ باتیں شروع کر دیں تم نے۔''

''کچھ نہیں..... تمہیں مجھ سے ہمدردی ہے نا۔ تم آج مجھے اس کی اطلاع دینے آئی تھیں پولیس مجھ پر شبہ کر رہی ہے، حالانکہ پولیس میری جیب میں پڑی رہتی ہے۔''

''کیا تم نے زیادہ مقدار میں پی لی ہے تمہارا لہجہ.....!''

''ہاں..... میرے لہجے پر بہتوں کو پیار آتا ہے۔''

''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔'' اس نے جھلا کر کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

حمید پائپ سلگانے لگا۔ اب وہ پولیس کے آئے بغیر پلنگ پر بستر بھی نہیں ڈال سکتا تھا۔

''کیا مصیبت ہے۔'' وہ بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑایا۔ ''جہاں جاؤ شامت ہی گھیرتی ہے۔''

وہ کبھی کمرے میں ٹہلتا اور کبھی راہداری میں نکل آتا۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ فریدی کا کمرہ بھی کھول کر دیکھا جائے۔ اس نے ہک سے کنجی اتاری اور کمرہ کھول کر اندر آیا۔ اس کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ یہاں بھی ویسی ہی ابتری نظر آئی۔ کوئی چیز اپنے ٹھکانے پر نہیں تھی اور اس کا تکیہ پھاڑ ڈالا گیا تھا۔

اس نے کمرہ دوبارہ مقفل کیا اور اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد پولیس بھی آ گئی۔ اس کے ساتھ مقامی سی آئی ڈی کا ایک انسپکٹر بھی تھا۔ اس نے فریدی اور حمید کے کمرے دیکھے۔ اس سے پہلے شاید وہ ڈالی کے کمرے کا بھی جائزہ لے چکا تھا۔

''کیا اس لڑکی سے آپ کی پرانی جان پہچان ہے۔'' اس نے حمید سے پوچھا۔

''نہیں..... ہم آج ہی ملے تھے۔''

''آج تین بجے کس عورت نے آپ کا شکریہ ادا کیا تھا؟''

''میں نہیں جانتا۔''

''کیا آپ کو اس سے انکار ہے کہ فون پر کسی عورت نے آپ کا شکریہ ادا کیا تھا۔''

''قطعی نہیں..... لیکن میں نہیں جانتا کہ وہ کون تھی لہٰذا میں نے آپریٹر سے اس کے متعلق گمان بین کی تھی۔''

"لاش کی پوسٹ مارٹم کی رپورٹ آ گئی ہے۔" اس نے حمید کے چہرے پر نظر جماتے ہو

حمید کچھ نہ بولا۔ انسپکٹر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ سانپ

سے ہلاک ہوا ہے۔"

"اوہو.....!" حمید نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ "تو وہ سانپ تھا بطخ کے بھیس

"جی نہیں۔" انسپکٹر نے تلخ لہجے میں کہا۔ "زہر اس زخم کے راستے جسم میں پہنچا تھا

کے کاٹنے سے ہوا تھا۔"

"اچھا.....اب میں سمجھا۔ یعنی اس زخم پر کسی سانپ نے بھی طبع آزمائی کی تھی

بدنصیب تھا بیچارہ مرنے والا۔"

"جی ہاں! بدنصیب ہی تھا کیونکہ پچھلی رات آپ نے بھی تو طبع آزمائی فرمائی تھی۔

"لیکن اس وقت میں بطخ کے بھیس میں نہیں تھا۔"

"ساری زبان طراریاں دھری رہ جائیں گی۔" انسپکٹر غصیلی آواز میں بولا۔ "اگر یہ

ہوگیا کہ آپ بھی اس کے قریب تھے جب بطخ نے حملہ کیا تھا.....!"

"یہ ثابت ہونے سے پہلے میں رام گڈھ نہیں چھوڑوں گا۔ آپ کو اطمینان رکھنا چا

انسپکٹر اُس کی ترکی بہ ترکی پر بُری طرح جھلس رہا تھا۔ دفعتاً اس نے پوچھا۔ "آ

ساتھی کہاں ہیں؟"

"وہ نابالغ نہیں ہے کہ ہر وقت ان کی آمد و رفت سے باخبر رہنا میرے لئے ضروری

"آپ آخر آدمیوں کی طرح گفتگو کیوں نہیں کرتے۔"

"کیا میں ابھی تک پرندوں کی طرح چہچہاتا رہا ہوں۔" حمید نے بڑی سادگی سے

"بہت جلدی معلوم ہو جائے گا۔" اس نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

لیکن تھوڑی ہی دیر بعد وہ پھر موجود تھا۔

"آپ کے ساتھی کب سے غائب ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"مجھے علم نہیں۔ میں اس کی دم کے پیچھے نہیں لگا رہتا۔"

"میں ایک بار پھر آپ کو متنبہ کرتا ہوں کہ سوچ سمجھ کر گفتگو کیجئے۔"

"شکریہ! میں پہلے سے کافی محتاط ہوں۔" حمید نے جواب دیا۔

"یہاں سے ایک کار اور ایک موٹر سائیکل بھی غائب ہوگئی ہے۔"

"اور میرا ساتھی بھی غائب ہے۔" حمید مسکرایا۔

"آپ.....!" وہ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر حمید کو کھا جانے والی نظروں سے گھورنے

لگا۔ پھر بولا۔ "کیا آپ سچ مچ اپنی بے عزتی کے خواہاں ہیں۔ آپ نے پچھلی رات پولیس کو

اطلاع کیوں نہیں دی تھی کہ اُس نے آپ کا پرس اڑا لیا تھا۔"

"میرے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ برباد کیا جا سکے۔"

"پھر ہم اسے باور کر لینے پر تیار نہیں ہیں کہ اس نے آپ کی جیب کاٹی تھی۔"

"آپ کی مرضی۔ نہ میں نے اس کی شکایت کی تھی اور نہ اب آپ کو اس کا یقین دلانا

ہتا ہوں۔ لیکن ذرا یہ تو فرمایئے کہ وہ بلاوجہ میرے ہاتھ سے پٹ گیا تھا تو خود اس نے ہی

رے خلاف پولیس کو رپٹ کیوں نہیں دی اور جناب کیا آپ اس پر بھی روشنی ڈال سکیں گے

ہ اس نے اپنی شاندار مونچھیں کیوں صاف کرا دی تھیں؟"

"اسکا جواب بھی آپ ہی دے سکیں گے۔" انسپکٹر ایک تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"اچھا تو سنئے میرا جواب۔ اس نے حتی الامکان اپنی ایک ایسی امتیازی خصوصیت ختم

کر لی تھی جس کی بناء پر لوگ اُسے پہچاننے میں تامل کرتے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ایک گرہ کٹ

کی حیثیت سے اس پر انگلیاں اٹھیں۔ کیا سمجھے۔"

"لیکن وہ اتنا ڈھیٹ تھا کہ یہاں سے ٹلنا بھی نہیں چاہتا تھا۔" انسپکٹر مسکرایا۔

"اس کے متعلق کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"مسٹر پرویز.....آپ دلدل میں پھنس چکے ہیں۔"

"اس اطلاع کی لئے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔"

"جھگڑا ایک لڑکی کے لئے ہوا تھا۔"

حمید تیکھی نظروں سے اُسے دیکھنے لگا لیکن اس کے ہونٹ بند ہی رہے۔ انسپکٹر کہہ رہا تھا۔

"جھگڑے کے وقت آپ دونوں وہاں تنہا ہی تھے۔"

"پھر.....؟"

"ایک آدمی نے آپ دونوں کی گفتگو بھی سنی تھی۔"

"تب تو آپ اس لڑکی سے مل ہی چکے ہوں گے جس کے لئے جھگڑا ہوا تھا۔"

"ہاں! میں اس سے مل چکا ہوں۔" انسپکٹر نے کہا۔ لیکن حمید کو اس پر یقین نہیں آیا۔ فریدی کا صحبت یافتہ تھا۔ اُسے کم از کم اتنا سلیقہ تو تھا ہی کہ وہ جھوٹ اور سچ میں امتیاز کر سکے۔

"اچھی بات ہے۔ تو آپ براہِ کرم اُس لڑکی سے مزید معلومات حاصل کیجئے۔ مجھے آ رہی ہے۔"

انسپکٹر چند لمحے خاموش کھڑا اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ "کیا وہ لڑکی ڈالی نہیں ہے؟"

"ہاں..... ڈالی لڑکی ہی ہے۔" حمید نے لاپرواہی سے کہا۔ "بطخ کا طبی معائنہ بھی ہوا ہوگا"

"ہو چکا ہے..... وہ غیر معمولی نہیں ہے۔"

"تو اب میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ کسی ایسے آدمی کو تلاش کریں جس نے اسے چھیڑنے پر اکسایا ہو۔"

"میں کہہ چکا ہوں کہ بطخ غیر معمولی نہیں تھی۔" انسپکٹر نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"میں کب کہتا ہوں کہ تھی۔ ظاہر ہے کہ جب بطخ نے اس کی پنڈلی کی کھال ادھیڑ دی تو دو چار آدمی ضرور دوڑ پڑے ہوں گے۔ ہوسکتا ہے ان میں کوئی ایسا بھی رہا ہو جس نے دیکھنے کے بہانے کو برا کا زہر.....!"

"اتنا میں بھی سوچ سکتا ہوں۔" انسپکٹر ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

"سوچ سکتے ہیں نا۔" حمید نے جل کر کہا۔ "لہٰذا اگر ان دو چار آدمیوں میں میرا ہو تو مجھے بے تکلف حراست میں لے لیجئے ورنہ پھر مجھے سونے دیجئے۔"

"اگر یہ ثابت ہو گیا تو آپ سلاخوں کے پیچھے ہوں گے۔"

"مجھے بھی کافی خوشی ہوگی اگر یہ ثابت ہو سکا۔" حمید نے انگڑائی لے کر لاپروائی سے کہا۔ "ی کے پھندے کا تجربہ بھی سہی۔"

سب انسپکٹر جھلا کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ منیجر آندھی اور طوفان کی طرح کمرے میں داخل وہ دونوں چونک کر اسی کی طرف مڑے۔

"آگ.....!" وہ ہانپتا ہوا بولا۔ "مرنے والے کے کمرے میں آگ لگ گئی ہے۔"

"کیا.....؟" انسپکٹر غرایا۔

"جی ہاں..... آپ نے تلاشی کے بعد شاید ایک کھڑکی کھلی چھوڑ دی تھی۔"

بازیابی

فریدی کا شکار اب بھی زمین پر بیٹھا اپنی گردن ٹٹول رہا تھا اور فریدی اس طرح کھڑا تھا اس نے کسی شریر بچے کے دو چار چپتیں جھاڑ دی ہوں۔

"پولیس کیوں ہے تمہارے پیچھے۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"میں نے چارٹرڈ بینک میں ڈاکہ ڈالا تھا۔ اس وقت بھی میری جیبیں نوٹوں سے بھری ہیں۔"

"اوہو.....!" اُس آدمی نے حیرت سے کہا۔ "لیکن تمہیں اب تک کوئی محفوظ جگہ نہیں مل سکی۔"

"میرے لئے کوئی جگہ محفوظ نہیں ہے۔"

"تم اگر پسند کرو میں تمہیں کسی محفوظ جگہ پر پہنچا دوں۔"

"سلاخوں کے پیچھے۔ کیوں؟" فریدی نے قہقہہ لگایا۔ پھر یک بیک سنجیدہ ہو کر بولا۔ "سُراغ رساں اس سال یہ میرا پندرھواں قتل ہوگا۔"

''کیا مطلب.....؟''

''تم یہاں سے زندہ نہیں جاسکتے۔'' فریدی کے لہجے میں سفاکی تھی۔

''میں سرکاری سراغ رساں نہیں ہوں۔''

''پچھلے سال بھی تم ہی جیسے ایک آدمی سے ملاقات ہوئی تھی لیکن بیچاری پولیس اس کی شناخت سے قاصر رہی تھی۔ میں عموماً چہرہ بگاڑ دیتا ہوں۔''

''میں تمہیں کس طرح یقین دلاؤں کہ میں سرکاری سراغ رساں نہیں ہوں۔''

''کیا تم بزدل ہو؟''

''نہیں..... میں اس کا مطلب نہیں سمجھا۔'' اس آدمی نے حیرت سے کہا۔

''تم اسی صورت میں بچ سکتے ہو کہ جب مجھے مار ڈالو۔ اٹھو! میں الجھن پالنے کا نہیں ہوں۔''

''ارے یار کیوں خواہ مخواہ مذاق کر رہے ہو۔'' وہ آدمی خوفزدہ سی ہنسی کے ساتھ بولا

''اچھا تو پھر کسی چوہے کی طرح مرنے کو تیار ہو جاؤ۔''

''ختم بھی کرو۔ یار میں تمہیں ایک محفوظ جگہ لے چلوں گا۔ مگر ٹھہرو..... مجھے ایسا ہوتا ہے جیسے میں تمہیں کہیں دیکھ چکا ہوں۔''

''پیراڈائیز میں۔'' فریدی نے بڑی سادگی سے کہا۔

''اوہاں..... مم..... مگر.....!'' وہ ہکلایا۔

''تو تم نے مجھے پہچان لیا۔''

''شکاری سلیم!''

''گڈ.....!'' فریدی چٹکی بجا کر بولا۔ ''اب چپ چاپ اس لڑکی کو میرے حوالے کر''

''یہ ناممکن ہے۔ ہم نے بڑی محنت کی ہے۔ ویسے اگر تم دس ہزار دے دو یہ تو بھی ہوسکتا

''ایسی رقمیں صرف شریف آدمیوں سے وصول کی جاسکتی ہیں۔'' فریدی نے خشک میں کہا۔

''تب پھر..... اس کی واپسی بھی ممکن نہیں۔ ہمیں اس کام کیلئے دس ہزار ملنے والے ہیں۔''

''تم نے یہ کام کس کے لئے کیا ہے؟''

''ہم کام اور دام کے علاوہ کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتے۔'' اس آدمی نے کہا۔

''لہٰذا یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم کام لینے والوں کے متعلق ہر قسم کی معلومات فراہم کرتے پھریں۔''

''اوہ..... تو تم اس سے واقف بھی نہیں ہو۔''

''نہیں! جب ہم سے سودا طے ہوا تھا تو وہ نقاب میں تھا۔''

''اور تم نے کچھ سمجھے بوجھے بغیر سودا طے کرلیا۔''

''ہمیں اس سے کیا غرض کہ وہ کون ہے۔''

''ممکن ہے تمہیں پکڑنے کے لئے پولیس نے جال بچھایا ہو۔''

''نہیں یہ غلط ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔'' اس کے لہجے میں بے اعتمادی تھی۔

''خیر تم جہنم میں جاؤ۔ لڑکی کو چپ چاپ میرے حوالے کردو۔ کچھ دیر پہلے میں تمہارے آدمیوں کی مرمت کر چکا ہوں۔''

''اوہ..... تو وہ تم ہی تھے۔''

''بھولے نہ بنو..... شکاری سلیم کو تم جانتے ہو۔ لیکن.....!'' فریدی کہتے کہتے رک گیا۔

''بہت دنوں سے میں اسکے چکر میں ہوں۔ مگر تمہیں اس سے کوئی غرض نہ ہونی چاہئے۔''

بدی نے کہا۔ ''مگر اُسے دوبارہ کس نے اٹھایا۔ کیا تم لوگ یہاں پہلے ہی سے موجود تھے۔''

''ہم تعداد میں پندرہ ہیں۔'' اُس آدمی نے جواب دیا۔ ''یہاں جگہ جگہ کچھ آدمی پہلے ہی ے لگا دیئے گئے تھے تاکہ ضرورت پڑنے پر اُن تینوں کی مدد کی جاسکے۔''

''اب تم اسے کہاں لے جاؤ گے۔''

''تمہیں یہ سب کچھ کس طرح بتا دیا جائے۔ جب تمہارے ارادے نیک نہیں ہیں۔''

فریدی نے اُسے گریبان سے پکڑ کر اٹھایا اور اُس کے ہاتھ اٹھنے سے پہلے اس کا گھونسہ اس کے جبڑے پر پڑا۔ پھر اُسے سنبھلنے کی مہلت ہی نہ مل سکی۔ پے در پے دس بار گھونسے کھانے

کے بعد وہ لیٹ گیا۔ اُس کے ہونٹوں سے خون بہہ رہا تھا۔

''تم کیا چاہتے ہو۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''لڑکی.....!'' فریدی کا جواب تھا۔

''وہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔''

''تم مجھے اس تک پہنچا دو۔ پھر میں دیکھ لوں گا۔'' فریدی نے کہا۔ ''یا پھر ایک دوسری صورت ہے۔ تم مجھے وہاں لے چلو جہاں اُسے اس نامعلوم آدمی کے حوالے کرو گے۔''

''دونوں ہی صورتوں میں میرے ساتھی مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے۔''

''وہ لڑکی ابھی یہیں ہے؟''

''ہاں.....!''

''کہاں؟''

وہ کچھ نہ بولا۔ اس بار فریدی نے اس انداز میں پیر اٹھایا جیسے اس کے سر پر ٹھوکر کا ارادہ رکھتا ہو۔

''ٹھہرو.....!'' اُس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''وہ یہیں ہے۔ قریب ہی۔ ہم یہاں تھے۔ میں لڑکی کو اٹھالایا تھا۔ جب سڑک پر کوئی نہ رہ گیا تو میرا ساتھی اُن تینوں کو گاڑی ڈال کر نکال لے گیا۔''

''موٹر سائیکل کیا ہوئی؟''

''وہ میرے پاس ہے۔''

''تو وہ لڑکی یہیں کہیں ہوگی۔''

''ہاں..... میں اُسے ایک غار میں چھوڑ کر اپنے دوسرے ساتھیوں کی تلاش میں

''تمہارے گروہ کا سرغنہ کون ہے؟''

''یہ میں نہیں بتا سکتا۔''

''تمہاری مرضی..... خیر اب تم مجھے اس لڑکی کے پاس لے چلو۔''

''تم میری زندگی کے خاتمے پر کیوں تل گئے ہو۔ وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔''

''دوسری صورت میں..... میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ ویسے ممکن ہے کہ تم بچ جاؤ۔ تم اپنے سرغنہ سے کہہ سکتے ہو کہ جب اس نے تین آدمیوں کو بیکار کر دیا تھا تو ایک کی کیا حقیقت ہے۔''

بارش کا زور اب کم ہو گیا تھا۔ فریدی نے اُسے گریبان سے پکڑ کر اٹھایا لیکن اس بار اس ریوالور اٹھا کر جیب میں ڈالنا نہیں بھولا۔ اس کی جامہ تلاشی لینے پر کچھ فالتو راؤنڈ بھی ہاتھ آئے۔ پھر اُس نے اُسے دھکے دے دے کر غار سے باہر نکالا۔

''مجھے لڑکی کے پاس لے چلو۔'' وہ کہہ رہا تھا۔ ''اسی پر تمہاری زندگی کا انحصار ہے۔''

کچھ دور چلنے کے بعد زخمی آدمی ایک غار میں مڑ گیا۔ فریدی کی ٹارچ روشن تھی۔ اس نے زوبیا کو دیکھا جو ایک طرف پڑی گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ وہیں موٹر سائیکل بھی موجود تھی۔ شاید وہ بارش ہی کی وجہ سے رک گیا تھا ورنہ اسے بھی موٹر سائیکل پر نکال ہی لے گیا ہوتا۔

زوبیا کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے اور منہ میں رومال ٹھونس دیا گیا تھا۔

''اسے کھولو۔'' فریدی نے کہا۔

''دیکھو..... تم اچھا نہیں کر رہے ہو۔''

''کیا تمہیں اس لڑکی کے سامنے پٹتے ہوئے شرم نہیں آئے گی۔ آدمی بنو۔'' فریدی نے کہا۔

مجبوراً اُسے زوبیا کو کھولنا ہی پڑا۔ وہ ہوش میں تھی۔

''سلیم صاحب۔'' وہ آہستہ سے بڑبڑائی۔

''ہاں..... اب تم محفوظ ہو۔ ذرا یہ ٹارچ لے کر یہاں کھڑی ہو جاؤ۔'' اس نے ٹارچ زوبیا کی طرف بڑھا دی۔

پھر وہ اُسی ڈور سے جس سے زوبیا کے ہاتھ پیر باندھے گئے تھے اس آدمی کو جکڑ رہا تھا۔

''تم اپنے حق میں اچھا نہیں کر رہے۔'' وہ غصیلی آواز میں بولا۔

''تم خاموشی اختیار نہ کرو گے تو مجبوراً مجھے تمہارا گلا گھونٹنا پڑے گا اور سنو تم لوگ خود کو محفوظ نہ سمجھو۔ میں تم میں سے ایک ایک کو مار ڈالوں گا۔ ورنہ میرے لئے کل تک اس آدمی کے

متعلق مکمل معلومات بہم پہنچاؤ۔ یہ قصہ اس سٹیج پر ہرگز ختم نہیں ہوسکتا۔ مگر مجھے اس لڑکی کو بحفاظت تمام واپس لے جانا ہے۔"

وہ آدمی کچھ نہ بولا۔

بارش تھم گئی تھی اور اب فریدی زوبیا کو کیریئر پر بٹھا کر رام گڈھ واپس جا رہا تھا۔ مگر موٹر سائیکل کی رفتار تیز نہیں تھی کیونکہ کیریئر پر زوبیا بیٹھی ہوئی تھی۔ فریدی نے سوچا ممکن ہے موجودہ حالت میں موٹر سائیکل کی تیز رفتاری برداشت نہ کر سکے۔ وہ برسوں کی بیمار نظر آنے لگی تھی۔

"تم وہاں اُن کاروں کے نزدیک کیوں گئی تھیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"مجھے کسی نامعلوم آدمی نے خط لکھا تھا۔ اُس میں تحریر تھا کہ میں آپ اور پرویز سے ہوشیار رہوں۔ ساتھ ہی اس نے لکھا تھا کہ اگر میں کاروں کے قریب پہنچ سکوں تو وہ مجھے ایک بہت بڑے راز سے آگاہ کرے گا۔"

"اوہ..... تو کیا تمہیں بھی کسی راز کی جستجو تھی۔"

"جی ہاں۔" وہ عجیب انداز میں بولی۔ "میں صرف اپنا راز معلوم کرنا چاہتی ہوں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"مجھ سے کوئی راز وابستہ ہے، جو میرے لئے بھی راز ہے۔"

"کیا تم اس آدمی سے واقف تھیں جو آج لنچ کا شکار ہو گیا تھا۔"

"جی ہاں۔" وہ دردناک آواز میں بولی۔ "یہ میرے سلسلے میں تیسری موت تھی۔"

"بھئی تم پہیلیاں بجھوا رہی ہو۔"

"آپ یقین کیجئے۔ میں غلط نہیں کہہ رہی ہوں۔ اُسے علم تھا کہ میرے لئے دو آدمی سے پہلے موت کا شکار ہو چکے ہیں لہٰذا وہ میرا راز دریافت کرنا چاہتا تھا۔ ہم دونوں گہرے دوست تھے۔ جب پرویز صاحب سے ملاقات ہوئی تو اس نے مجھے تاکید کر دی کہ میں اس سے ہوشیار رہوں۔ لیکن میں اُن سے ملتی ہی رہی۔ آپ خود ہی سوچئے کہ آدمی کسی سے ملے بغیر کیسے زندگی گزار سکتا ہے۔ کل اس نے مجھ سے کہا کہ اگر میں نے پرویز صاحب سے

ل نہ کیا تو وہ پرویز صاحب کو قتل کر دے گا۔ لہٰذا کل شام کو پرویز صاحب کو میرے رویئے ے بڑی تکلیف پہنچی۔ پھر اُن دونوں میں جھگڑا ہو گیا اور آج.....!"

"کیا تم مجھے اس راز میں شریک کر سکو گی۔ بات دراصل یہ ہے کہ تمہارے دوست کی ت کے سلسلے میں پولیس پرویز پر شبہ کر رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر پولیس کا شبہ رفع نہ ہو سکا تو یز بڑی مصیبت میں پھنس جائے گا۔"

"نہیں پرویز صاحب کا اس موت سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔"

"پھر اس کی پشت پر کون ہو سکتا ہے۔"

"یہی معمہ میں آج تک نہ حل کر سکی۔"

"مگر تمہارا راز کیا ہے؟"

"میں نہیں جانتی کہ میرے اخراجات کون پورے کرتا ہے۔"

"تمہارے والدین۔"

"اوہ..... میں نہیں جانتی وہ کون تھے۔ کہاں تھے۔ کب تھے۔"

"ظاہر ہے کسی نہ کسی نے تمہاری پرورش ضرور کی ہوگی۔"

"وہ ایک گونگی عورت تھی، لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ میری ماں نہیں تھی۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ وہ تمہاری ماں نہیں تھی۔"

"سارے پڑوس کہتے تھے۔"

"پھر آخر تم اس کے پاس کیسے پہنچی تھیں؟"

"نہ وہ خود بتا سکتی تھی اور نہ پڑوسی۔"

"اب وہ کہاں ہے۔"

"میں چھ سال کی تھی تب اس کا انتقال ہو گیا۔"

"پھر اس کی بعد تم کہاں رہی تھیں؟"

"وہیں..... اسی گھر میں..... اس کی علالت کے دوران ہی میں ایک بوڑھا آدمی وہاں

آ گیا تھا۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ اس گونگی کا بھائی ہے۔"

"لیکن یہ نہیں بتایا کہ تم اس گونگی کو کہاں سے ملی تھیں۔"

"نہیں..... اس نے نہیں بتایا۔ لیکن وہ مجھے اُس گونگی کا بھائی نہیں معلوم ہوتا تھا۔"

"یہ کیوں؟"

"گونگی نچلے طبقے کی معلوم ہوتی تھی لیکن وہ بوڑھا ہر لحاظ سے بلند آدمی تھا۔ وہ دولت بھی تھا، ذی علم بھی تھا اور بہتیری خوبیاں تھیں اُس میں۔ گونگی کی موت کے بعد اس نے تعلیم و تربیت کی لیکن وہ ہمیشہ میرے والدین کے متعلق گفتگو کرتا رہتا تھا۔ ہر وقت مجھے احساس میں مبتلا رکھتا تھا کہ میں ایک بے سہارا نامعلوم والدین کی بیٹی ہوں۔"

"وہ بوڑھا کہاں مل سکے گا؟"

"خدا جانے..... آج سے دو سال پہلے وہ ایک دن اچانک غائب ہو گیا اور پھر آج تک نہ معلوم ہو سکا کہ وہ زندہ بھی ہے یا مر گیا۔"

"بڑی عجیب کہانی ہے۔" فریدی نے حیرت سے کہا۔ چند لمحے خاموش رہا اور پھر بولا۔ "تمہارا مستقل قیام کہاں رہتا ہے۔"

"قائم آباد میں..... وہیں میں نے ہوش سنبھالا تھا اور وہیں اب بھی رہتی ہوں۔ مکان مختصر سا اور شکستہ حالت میں تھا۔ مگر اب اُسی زمین پر ایک شاندار عمارت موجود ہے۔ عمارت اسی بوڑھے نے بنوائی تھی۔"

"اب تمہارے اخراجات کیسے چلتے ہیں؟"

"ہر ماہ پانچ سو روپے کا چیک مل جاتا ہے اور میں اسے کیش کرا لیتی ہوں لیکن جانتی کہ چیک کون بھیجتا ہے اس کے دستخط بھی سمجھ میں نہیں آتے۔"

"یہ تو بینک سے معلوم ہو سکتا ہے۔"

"لیکن مجھے نہیں معلوم ہو سکا۔ میں نے بہت کوشش کی ہے۔"

"میں معلوم کر لوں گا۔"

"میں زندگی بھر آپ کی احسان مند رہوں گی۔ یہ اُلجھن میری لئے سوہان روح بن کر رہ گئی ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ موٹر سائیکل سناٹے کا سینہ مجروح کرتی رہی۔

رقاصوں کا نگران

دوسری صبح کا سورج کچھ پھیکا پھیکا سا تھا۔ حمید نے انگڑائی لے کر کھڑکی پر دونوں ہاتھ ٹ دیئے۔ سورج پہاڑوں کے پیچھے سے ابھر چکا تھا اور خلاء میں چاروں طرف شعاعوں کے ڑاتے چلے گئے تھے، مگر حمید کو آج کی صبح کچھ اداس سی لگ رہی تھی۔ نہ جانے کیوں اسے ایسا سوس ہو رہا تھا جیسے کچھ بھول گیا ہو۔ کچھ کھو بیٹھا ہو۔ اُس نے آنکھیں بند کر کے دو تین گہری ہری سانسیں لیں اور کھڑکی پر کہنیاں ٹیک کر جھک گیا۔

مقدر! وہ سوچ رہا تھا۔ سطح سمندر سے کئی فٹ کی بلندی پر بھی ساتھ نہیں چھوڑتا..... گو..... بھاگتے رہو..... لیکن جس چیز سے بھاگو گے وہ ضرور تمہارا تعاقب کرے گی۔

وہ اپنی زندگی کے معمولات سے اُکتا کر رام گڈھ بھاگا تھا۔ مگر ان تھکا دینے والے معمولات نے یہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ پھر غیر معمولی حالات میں کسی کی موت..... پھر وہی ہر..... اور پھر؟ کیا یہ ضروری تھا کہ زوبیا ہی سے اس کی ملاقات ہوتی اور ایک آدمی اس کیلئے لاس سے لڑ جاتا۔ پھر دوسرے دن اس کی موت کسی قسم کے زہر سے واقع ہو جاتی۔ یہ مقدر ہی تو ا۔ اگر اب اس جنجال سے روگردانی بھی چاہتا تو نہ کر سکتا۔ کیونکہ پولیس خود اس پر شبہ کر رہی تھی۔ بُرا اپنی اصلیت ظاہر کر کے رفع بھی کیا جا سکتا تھا مگر فریدی..... وہ قضائے متبرم کیطرح سر پر وار تھا وہ ہرگز اسکے حق میں نہیں تھا کہ اپنی اصلیت ظاہر کر کے پولیس کا شبہ رفع کیا جائے۔

وہ ان خیالات سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا لیکن وہ ایک نہیں دو لڑکیوں کا معاملہ تھا۔ اُسے یقین تھا کہ ڈالی کا تعلق مجرموں سے ضرور ہے ورنہ اُس کے کمرے میں ابتری پھیلانے کا کیا

مقصد تھا۔ یقینی طور پر یہ اسی لئے کیا گیا تھا کہ اس پر کسی قسم کا شبہ نہ کیا جا سکے۔ یا پھر اس خلاف بھی شبہ برقرار ہی رکھنا چاہتے تھے۔ مقصد جو کچھ بھی رہا ہو۔ دوپہر کے کھانے کے اس نے ڈائننگ ہال ہی کو ترجیح دی۔ یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ وہ اور فریدی ساتھ ہی ڈا ہال میں داخل ہوئے اور سامنے والے دروازے میں وہی سراغ رساں نظر آیا جو پچھلی را کو بور کرتا رہا تھا..... وہ تیر کی طرح اُن کی طرف آیا۔

''کیا آپ بتا سکیں گے کہ آپ پچھلی رات سے اب تک کہاں رہے تھے۔'' ا فریدی سے پوچھا۔

''اوہ..... اچھا اچھا۔'' فریدی سر ہلا کر مسکرایا۔ ''ابھی تک ہم لوگوں کی طرف سے نہیں ہوا۔''

''آپ براہِ کرم میرے سوال کا جواب دیجئے۔''

''میں نے پچھلی رات نواب طاہر مرزا کے یہاں گذاری تھی۔''

''آپ ثابت کر سکیں گے۔''

''اگر آپ کو اُن کے ٹیلی فون نمبر نہ معلوم ہوں تو میں بتاؤں۔'' فریدی نے کہا۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ وہ آج کل ہر وقت گھر پر مل سکتے ہیں کیونکہ انہوں نے حال چوتھی شادی کی ہے۔''

''اچھی بات ہے۔'' سراغ رساں نے کہا۔ ''میں ابھی معلوم کئے لیتا ہوں۔''

وہ اٹھ کر کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ کچھ دیر بعد حمید نے اُسے ٹیلی فون ڈائریکٹ پلٹتے دیکھا۔

''آپ کہاں تھے۔'' حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

''ابھی بتاتا ہوں ذرا ان حضرت کو دفع ہو جانے دو۔''

''ارے یہ جونک ہے۔''

''آدمی سمجھدار معلوم ہوتا ہے۔''

وہ پھر خاموش ہو گئے۔ سراغ رساں فون پر کسی سے گفتگو کر رہا تھا۔ حمید اسے دیکھتا رہا۔ جلد ہی ریسیور رکھ کر ڈائننگ ہال سے چلا گیا۔

فریدی نے پچھلی رات کی داستان چھیڑ دی اور حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑے سنتا رہا۔

''لیکن وہ اب کہاں ہے۔'' حمید نے اس کے خاموش ہوتے ہی مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

''فلم اسٹار روحی کے یہاں۔ وہ بھی آج کل یہیں مقیم ہے۔ میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ زویا دوبارہ یہاں واپس آئے۔ روحی کا مکان ہی مجھے اس کے لئے محفوظ معلوم ہوا۔ میں نے اُسے سمجھا دیا ہے کہ وہ اُسے میری اصلیت سے آگاہ نہ کرے۔''

''کیا میں روحی سے مل سکتا ہوں۔''

''نہیں..... ابھی نہیں۔''

کچھ دیر بعد حمید نے بھی پچھلی رات کے واقعات دہراتے ہوئے کہا۔ ''کسی نے مقتول کے کمرے میں پٹرول چھڑک کر آگ لگا دی تھی۔ بڑی مشکل سے آگ پر قابو پایا جا سکا۔ بے اس کے سامان کی ایک دھجی بھی صحیح و سلامت نہیں ملی۔''

''کاش میں اس کے سامان کی تلاشی لے سکا ہوتا۔''

''لیکن ہمارے کمروں پر کس نے ہاتھ صاف کیا۔''

''اگر ڈالی مجرموں کی ساتھی ہے تو یہ کسی سراغ رساں ہی کی حرکت ہوگی۔'' فریدی بولا۔ ''اور اگر مجرموں نے ہمارے متعلق صحیح معلومات فراہم کرنے کیلئے یہ اقدام کیا تھا تو ڈالی ان کی ساتھی نہیں ہو سکتی۔ لیکن ڈالی مشتبہ ہے۔ کیونکہ اس نے تمہیں اپنا پتہ غلط بتایا تھا اور تمہارے کمرے میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ کیا تم سوچ سکتے ہو کہ اُس شیشی میں کیا رہا ہوگا۔''

''زہر.....؟'' حمید نے سوالیہ انداز میں کہا۔

''ہاں..... کوبرا کا زہر۔''

''کوبرا کا زہر۔'' حمید بیساختہ اچھل پڑا۔ پھر پوچھا۔ ''کیا آپ کو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کا علم ہے؟''

"نہیں.....؟"

"وہ کوبرا کے زہر سے ہلاک ہوا تھا۔"

"اوہ.....تو یہ حقیقت ہے کہ ہمیں پھنسانے کی کوشش کی گئی تھی۔ میں نے آج ہی اس کیمیائی تجزیہ کرایا ہے۔ کوبرا کا زہر۔"

فریدی کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "ہوسکتا ہے کسی سراغرساں ہی نے اسی زہر کیلئے د تلاشی لی ہو۔ رہ گیا ڈالی کا مسئلہ تو ہوسکتا ہے کہ سراغرساں نے اسے تمہارے ساتھ دیکھ لیا ہو

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی کی نظر فون پر تھی۔

"نواب طاہر مرزا کا کیا قصہ تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"مجھے یقین تھا کہ پولیس میری عدم موجودگی کے متعلق ضرور استفسار کرے گی لہٰذا نے طاہر مرزا کو جھوٹ بولنے پر آمادہ کرلیا۔"

"لیکن آخر آپ اتنے پاپڑ کیوں بیل رہے ہیں۔ کیا آپ اپنی اصلیت ظاہر کر کے کام انجام نہیں دے سکتے۔"

"نہیں..... میں پولیس کو اپنے پیچھے لگائے رکھنا چاہتا ہوں۔ فی الحال مجرموں کو دینے کے لئے یہی ایک طریقہ کارآمد ہوسکتا ہے۔"

"زوبیا کا معاملہ عجیب ہے۔ اگر اس نے راست گفتاری سے کام لیا تو.....!"

"مجھے یقین ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہی ہے۔ خیر تھوڑی دیر ٹھہرو۔ ہم کسی حقیقت کے قریب پہنچ جائیں گے۔ میں نے قائم آباد کے محکمہ سراغ رسانی کو تار دیا۔ الائیڈز بینک کے اکاؤنٹ نمبر چار سو سترہ کے متعلق معلومات فراہم کرے۔"

حمید پھر کچھ کہنے لگا۔ کچھ دیر بعد اس نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ "سائیکل کا کیا ہوا؟"

"پچھلی رات میں نے اُسے کوتوالی کے قریب چھوڑ دیا تھا۔ آج غالباً وہ اپنے مالک پاس پہنچ بھی گئی ہوگی۔"

"کتنا عجیب کیس ہے۔ یہ زوبیا مجھے پہلے ہی عجیب معلوم ہوئی تھی۔"

"لیکن اس کے اس طرح اغواء کئے جانے کا مسئلہ عجیب ہے۔ وہ اپنے کسی ایسے دشمن کو ہیں جانتی جس سے اس قسم کا خدشہ ہو۔ ویسے اس کے لئے یہ بات حیرت انگیز ضرور ہے کہ جو س سے قریب ہونے کی کوشش کرتا ہے کسی نہ کسی طرح موت کے گھاٹ اُتر جاتا ہے۔"

"آہا.....!" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "یہ کیس ہے۔ ایسے کیسوں کے لئے میں اپنی تفریح زبان کرسکتا ہوں مگر آپ نے اس کو کیوں چھوڑ دیا تھا؟"

"مجبوراً چھوڑ دینا پڑا حمید صاحب۔" فریدی بولا۔ "زوبیا کو روحی کی کوٹھی میں چھوڑ کر دوبارہ پھر اُدھر ہی کی دوڑ لگائی تھی، لیکن اتنی دیر میں میدان صاف ہوچکا ہے۔ خیر فکر نہ کرو۔ اگر ہم اس ہوٹل ہی میں مقیم رہے تو جلد ہی ان لوگوں سے ملاقات ہوگی اور ہاں یہ حقیقت ہے کہ زوبیا اپنے وینٹی بیگ میں اعشاریہ دو پانچ کا پستول رکھتی ہے۔ ڈالی نے صحیح اطلاع دی تھی۔ یہ ڈالی میری سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔"

"آپ کی سمجھ میں مشکل ہی سے آئے گی کیونکہ وہ جوان بھی ہے اور حسین بھی۔"

"تم اس پر اپنے شبہ کا اظہار نہ ہونے دینا۔"

"وہ تو ہو بھی چکا پچھلی رات۔"

"کیا مطلب.....!"

حمید نے اُسے بتایا کہ کس طرح ڈالی سے فون پر جھڑپ ہوئی تھی اور اُس نے اس پر یہ بات واضح کردی تھی کہ تار جام میں کوئی آئرن فیکٹری اس نام کی نہیں ہے جو اس نے اپنے باپ سے منسوب کی تھی۔

"پرواہ نہ کرو۔ مگر اس کے بعد تم نے ڈالی کے رویہ میں تبدیلی پائی تھی۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں نہیں..... آج وہ ابھی تک مجھ سے ملنے نہیں آئی۔" حمید نے جواب دیا۔

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد حمید نے پوچھا۔ "کیا زوبیا اس پستول کا لائسنس رکھتی ہے۔"

"ہاں.....اور اس کے لئے لائسنس جعفری نے حاصل کیا تھا۔"

''کون جعفری؟''

''وہی بلڈ کینسر کا شکار۔ وہ قائم آباد کے متمول خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ لیکن زویا یہ بات میرے علاوہ اور کسی پر ظاہر نہیں کی۔''

دوپہر کے کھانے کے بعد حمید ڈالی کی تلاش میں نکلا۔ لیکن وہ کہیں نہ ملی۔ اس کا کمرہ مقفل تھا۔ وہ پھر ڈائننگ ہال میں واپس آ گیا۔ فریدی اب بھی یہیں موجود تھا۔

''قائم آباد سے اطلاع ملی ہے حمید صاحب۔ وہ اکاؤنٹ جس سے زویا کو ہر ماہ رقم ادا کئے جاتے ہیں کسی ڈاکٹر ناصر کا ہے اب میں زویا سے معلوم کروں گا کہ وہ کسی ڈاکٹر ناصر سے واقف ہے یا نہیں۔''

پھر وہ اٹھ کر جانے لگا۔

''کہاں.....؟''

''کسی پبلک کال بوتھ سے زویا کو فون کروں گا۔''

وہ چلا گیا اور حمید اُن نیم مردہ آرٹسٹوں کو دیکھنے لگا جو پہیے دار کرسیوں پر ڈائننگ ہال میں لائے گئے تھے۔ وہ سوچنے لگا کہ آخر انہیں یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ اپنے کمروں میں کھانا کھا سکتے تھے مگر پھر خیال آیا کہ وہ تو اسطرح ایک دوا ''انرجین'' کی پبلسٹی کر رہے ہیں۔ ہر آرٹسٹ کیساتھ ایک خبر گیری کرنیوالا بھی تھا۔ انکی کرسیاں وہی لوگ دھکیل کر یہاں لائے تھے۔

کچھ دیر بعد حمید نے انہیں نیم مردہ آرٹسٹوں کو کھانا کھلاتے دیکھا۔ وہ اپنے ہاتھوں سے کھانا بھی نہیں کھا سکتے تھے۔ ان آرٹسٹوں کے ساتھ ایک منتظم بھی تھا اور یہ خود بھی ایک شاندار آرٹسٹ ہی معلوم ہوتا تھا لیکن ان آرٹسٹوں کی طرح وہ نیم مردہ نہیں تھا۔ اس کا سینہ چوڑا تھا اور بازو مچھلیوں سے پُر تھے۔ عمر تیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ آرٹسٹوں کی خبر گیری کرنے والے اسے ''ناگری صاحب'' کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔

اس وقت وہ بھی آرٹسٹوں کے ساتھ یہاں آیا تھا۔ حمید نے اُسے اپنے ساتھ بیٹھنے کی دعوت دی، جو فوراً ہی شکریہ کے ساتھ قبول کر لی گئی۔ حمید کھانا کھا چکا تھا۔ ناگری نے بتایا کہ

کھانا کھا چکا ہے۔ آخر بات کافی پر ٹھہری۔ حمید نے کافی کے لئے آرڈر دیا۔ کچھ دیر تک حمید آرٹسٹوں اور اُس عجیب و غریب مشروب پر حیرت ظاہر کرتا رہا پھر بولا۔ ''مگر ایک بات سمجھ نہیں آتی کہ ان کی حالت اتنی ابتر کیوں رہتی ہے؟''

''اوہ دیکھئے نا جناب..... یہ لوگ دراصل انرجین کے اشتہار ہیں اور یہ مشروب بھی وقتی اثرات کا حامل ہے۔ اس میں انرجین کے وہ اجزاء شامل نہیں کئے گئے جو مستقل طور اعصاب کے لئے صحت بخش ہوتے ہیں۔''

''کیا ان کی یہ کیفیت قدرتی ہے۔''

''نہیں جناب! انہیں ایسی ادویات دی جاتی ہیں جن سے اعصاب بیحد کمزور ہو جاتے ہیں۔''

''مگر یہ تو ظلم ہے اور شاید جرم بھی؟''

''لیکن خود وہ لوگ نہ اُسے جرم سمجھتے ہیں اور نہ ظلم۔ انہیں اس کے لئے بہت بڑے معاوضے دیئے جاتے ہیں اور ان کی زندگیوں کی بھی ضمانت دی گئی ہے۔ ایک معینہ مدت بعد انہیں انرجین کا مکمل نسخہ استعمال کرایا جائے گا اور یہ معمول پر آ جائیں گے۔ ہم نے اس کے لئے باقاعدہ طور پر وزارت صحت سے اجازت نامہ حاصل کیا تھا۔''

''مجھے سخت حیرت ہے۔''

''ڈاکٹر اسفندیار کے لئے سب کچھ ممکن ہے جناب۔''

''میں نے یہ نام بہت سنا ہے لیکن کسی نے آج تک ڈاکٹر اسفندیار کو دیکھا بھی نہیں۔''

''یہ سعادت مجھے حاصل ہو چکی ہے جناب۔ ویسے حکومت کو اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے کہ ڈاکٹر اسفندیار منظر عام پر کیوں نہیں آتے ہیں۔ اگر وہ منظر عام پر آنے لگیں تو اُن کا وقت کتنا برباد ہو۔ ایک جم غفیر ہر وقت اُن کی گرد رہے اور پھر وہ ملک و قوم کی خدمت نہ کر سکیں۔ وہ اب تک کئی وباؤں کا کامیاب علاج دریافت کر چکے ہیں۔ اس لئے وزارتِ صحت انکی ہر وقت ہر قسم کی مراعات دینے پر تیار رہتی ہے۔''

پھر اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں اور ناگری کافی ختم کر کے اٹھ گیا۔ اس کے جاتے ہی

فریدی ہال میں داخل ہوا۔

''کیا رہا.....؟'' حمید نے پوچھا۔

''وہ کہتی ہے کہ ناصر تو اسی بوڑھے کا نام تھا جو گونگی عورت کی موت کے بعد اس کی گیری کرتا تھا لیکن وہ نہیں جانتی کہ وہ ڈاکٹر بھی تھا۔''

''یہ آخر ہے کیا چکر۔'' حمید اپنا سر سہلا کر بولا۔ لیکن فریدی خاموش ہی رہا۔

لاری کی چھت پر

مقامی سی آئی ڈی انسپکٹر ابھی تک اسی چکر میں تھا کہ کسی طرح حمید کو ماخوذ کرلے اسے یہ ثابت کردینے میں ناکامی ہی کا منہ دیکھنا پڑا کہ بطخ کے حملے کے وقت حمید حوض کے پاس ہی کہیں موجود تھا۔ حمید کو اُسے چھیڑنے میں بڑا لطف آتا۔

ڈالی اب بھی حمید کے گرد منڈلا رہی تھی۔ اس نے بڑے خلوص کے ساتھ اعتراف کہ وہ اپنی اصلیت کے بارے میں اس سے جھوٹ بولی تھی۔

''میری عادت ہے۔'' اس نے کہا۔ ''میں اپنے متعلق کسی کو صحیح بات نہیں بتاتی۔''

''تب پھر تمہارا نام بھی سالی ہوگا۔''

''کیوں.....؟''

''سالی کو ڈالی میں تبدیل کردینا مشکل کام نہیں ہے۔''

''نہیں میں نے اپنا نام غلط نہیں بتایا۔''

''لیکن تم ایک ایسے آدمی سے ملتی ہی کیوں ہو، جس کی نگرانی پولیس کررہی ہے؟''

''تم مجھے بہت پُراسرار معلوم ہوتے ہو۔''

''ہاں کسی حد تک۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔

پھر بات آگے نہیں بڑھی۔ حمید اب اس میں صرف اسی حد تک دلچسپی لے رہا تھا کہ وہ یدی کی نظروں میں مشتبہ تھی لیکن وہ زوبیا کے متعلق ہر وقت سوچتا رہتا۔ کبھی کبھی خیال آتا کہ خر فریدی نے اس کے بیان کو سچ کیسے تسلیم کرلیا۔ ممکن ہے وہ بھی مجرمہ ہی ہو اور کسی مخالف روہ سے اس کے گروہ کی ٹھن گئی ہو اور مرنے والے کا تعلق بھی زوبیا ہی کے گروہ سے ہو۔

اس سے پہلے بھی کئی بار وہ ایسے ہی حالات سے دوچار ہو چکا تھا۔ دو گروہوں میں جنگ وتی اور کمزور پڑنے والے گروہ کے کچھ آدمی پولیس کے ہاتھ لگ جاتے اور یہ لوگ پولیس پر ہی ظاہر کرنے کی کوشش کرتے کہ وہ بے ضرر اور امن پسند شہری ہیں۔ لیکن وہ اس سے لاعلمی ہی اہر کرتے کہ وہ کس کے ظلم وستم کا نشانہ بن رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اپنے دشمنوں کی نشان دہی کردینے پر خود ان کی اصلیت ظاہر ہوجانے کا بھی خطرہ رہتا تھا۔

حمید سوچتا ہی رہا کیونکہ فریدی سے اس مسئلے پر بحث کرنا فضول ہی ہوتا۔ اس کی بات تو رکی لکیر ہوتی تھی۔ وہ زوبیا کے متعلق جو نظریہ رکھتا تھا اسے تبدیل کرا دینا کم از کم حمید کے بس ارروگ نہیں تھا۔ وہ صبح سے شام تک فریدی کی بھاگ دوڑ دیکھتا رہتا لیکن نہ تو اس سے کچھ چھتا اور نہ ہی اس پر زور دیتا کہ وہ بھی اس کے ساتھ رام گڈھ کی خاک چھانے گا۔

جب سے بطخ والا کیس ہوا تھا اس نے ہوٹل سے باہر قدم نہیں نکالے تھے۔ حالانکہ فریدی نے اس قسم کی کوئی پابندی عائد نہیں کی تھی۔

ویسے حقیقت اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہ تھی کہ حمید کا موڈ ہی چوپٹ ہوگیا تھا۔ وہ یہاں ایا تو تفریح کی غرض سے لیکن اس کیس نے لفظ ''تفریح'' ہی کی مٹی پلید کرکے رکھ دی تھی۔

وہ شام کو بھی اپنے کمرے سے نہ نکلا۔ لیکن تقریباً سات بجے کسی نے اس کے دروازے پر دستک دی۔ آنے والا وہی تھا جن پر خار کھا کھا کر حمید ببول کا درخت بن چکا تھا۔

فریدی نے کوٹ اتار کر ٹائی کی گرہ ڈھیلی کی اور ایک آرام کرسی پر گر کر سگار سلگانے لگا۔ پے در پے تین کش لینے کے بعد اس نے حمید سے پوچھا۔ ''آج کا تفریحی پروگرام کیا ہے۔''

''کیپٹن حمید ہمالیہ سے بحرِ عرب میں چھلانگ لگائے گا۔''

''موڈ خراب ہے۔'' فریدی اس کی جھلاہٹ پر مسکرایا پھر آہستہ سے بولا۔ ''وہ
شاید آج کوئی دوسرا کارنامہ پیش کریں گے۔''

''خدا انہیں معاف کرے۔'' حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''کیونکہ وہ دوسروں کے
تفریح مہیا کرتے ہیں۔''

''چلو اٹھو! یہاں بہت گھٹن ہے۔''

''کہیں جھونکنا ہے۔''

''نہیں! میں آج تمہاری بارات نکالوں گا۔''

وہ شاید اُسے اپنے ساتھ باہر لے جانا چاہتا تھا۔ طوعاً و کرہاً حمید اٹھا اور لباس ت
کر کے کھڑے کھڑے اونگھنے لگا۔

''کیا تمہیں بھی انرجین کا ایک ڈوز دیا جائے؟'' فریدی اسے دروازے کیطرف دھکیلتا ہوا

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ کسی اڑیل گدھے کی طرح آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔

''آج ہاتھوں میں کھجلی ہو رہی ہے۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔

''کیا مطلب؟''

''آج وہ مجھے چاروں طرف سے گھیر رہے ہیں اور ان کی تعداد تیرہ سے کم نہیں ہے

''وہی جنہوں نے زویا کو اغواء کیا تھا۔''

''ہاں..... آں..... اُن کے علاوہ اور کون ہوگا۔''

''تو کیا وہ یہاں موجود ہیں۔''

''قطعی..... کیا تم اپنے پیچھے قدموں کی آواز سن رہے ہو..... نہیں..... مڑ کر د
ضرورت نہیں ہے۔ بس چلتے رہو۔ فی الحال یہ صرف ایک آدمی ہے لیکن جیسے ہی ہم
پہنچیں گے تعداد بڑھ جائے گی۔''

''اچھا تو آپ اپنے کمرے میں جائیے میں ان سے سمجھ لوں گا۔ صرف آپ کسی
پہچان کرا دیجئے۔''

''اونچے اڑ رہے ہو فرزند۔ حقیقت یہ ہے کہ میں ان لوگوں سے نہیں الجھنا چاہتا۔ مجھے تو
دی چاہئے جس نے انہیں اغواء کے لئے تیار کیا تھا۔''

''لیکن اگر وہ انتقامی کاروائی کر بیٹھے تو.....؟ ظاہر ہے کہ آپ نے ان کا کھیل بگاڑا تھا۔''

''تب ہو سکتا ہے میرا ہاتھ ان پر اٹھ جائے۔ لیکن اس سے پہلے ممکن نہیں۔''

وہ دونوں عمارت سے باہر آ گئے اور اب وہ رقص گاہ کی طرف جا رہے تھے۔

''بس تم اس طرح چلتے رہو جیسے تمہیں اس بات کا علم نہیں۔'' فریدی نے کہا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ ویسے وہ سوچ رہا تھا کہ یہ رات دھول دھپے کیلئے تو قطعی موزوں نہیں
۔ آج دن بھر موسم بہت اچھا رہا تھا..... لہٰذا رات بھی خوشگوار تھی۔ پھر پیراڈائیز کا ماحول۔

وہ رقص گاہ پہنچ گئے۔ مائیکروفون سے ہلکی ہلکی موسیقی منتشر ہو رہی تھی لیکن ابھی آج
رام نہیں شروع ہوا تھا۔

موسیقی کا ریکارڈ ختم ہو جانے کے بعد معلن کی آواز آئی۔ ''ہال سے پہلے آج پھر نیم
رہ رقاص آپ کی خدمت میں ایک پروگرام پیش کریں گے۔ انرجین کا ایک اور حیرت انگیز
رشمہ ملاحظہ فرمائیے۔ انرجین جو بہت جلد آپ کی خدمت میں حاضر ہوگی۔ انرجین جو آپ کو
ردہ فروش سے حاصل ہو سکے گی۔ اس انرجین کا کرشمہ.....!''

دفعتاً لاؤڈ سپیکر کی آواز خراب ہوگئی اور پھر معلن نے جو کچھ بھی کہا وہ کسی کی سمجھ میں نہ آ سکا۔

''پبلسٹی کا کتنا شاندار طریقہ ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''جہنم میں جھونکئے۔'' حمید چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''وہ لوگ کہاں ہیں؟''

''یہیں ہیں اور سبھوں پر میری نظر ہے۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔ انرجین کا نیا کرشمہ دیکھو۔''

حمید کچھ نہ بولا اور پائپ سلگا کر سوچنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد نیم مردہ رقاصوں کا پروگرام شروع ہوگیا۔ آج وہ ''محبت اور نفرت'' پر
ایک رقص پیش کرنے والے تھے۔ آرکسٹرا موسیقی بکھیر رہا تھا۔ رقاصوں پر چار جانب سے
مختلف رنگوں کی روشنیاں پڑنے لگیں۔

رقص شروع ہوگیا۔ دولڑکیاں تھیں اور ایک لڑکا۔ وہ دونوں ہی اس سے محبت کرتی تھیں مگر لڑکا صرف ایک طرف مائل تھا۔ دونوں اسے اپنی جانب کھینچنے کی کوشش کرتی ہیں لیکن کامیابی صرف ایک کو ہوتی ہے۔ کامیاب لڑکی رقص کرتی ہوئی لڑکے کو رقص گاہ سے نکال جاتی۔ پھر شکست خوردہ لڑکی تنہا رہ جاتی ہے۔ حقیقتاً اس کا رقص ماسٹر پیس تھا جس میں وہ شکست کے بعد غصے اور نفرت کا اظہار کرتی ہے اس پر آہستہ آہستہ وحشت سی طاری ہوتی جاتی ہے۔ پھر یک بیک ایسا معلوم ہونے لگتا ہے جیسے اسکا دماغ بالکل ہی الٹ گیا ہو۔ وہ فرش پر پڑے ہوئے پتھر چبانے لگتی ہے اس وقت اس پر چاروں طرف سے بہت ہی تیز قسم کی روشنیاں ڈالی جاتی ہیں۔

نزدیک و دور کے لوگ اسے پتھر چباتے دیکھ رہے تھے۔ دفعتاً مائیکروفون سے آواز آئی۔

''یہ ازجین کا دوسرا کرشمہ ملاحظہ فرمایئے جن صاحب کو بھی ان پتھروں کی اصلیت پر شبہ ہو قریب سے دیکھ سکتے ہیں انہیں پرکھ سکتے ہیں۔''

رقص ختم ہو چکا تھا لیکن رقص کرنے والی اب بھی وہیں موجود تھی۔ وہ جاتی بھی کیونکہ ایک جم غفیر نے اسے گھیر لیا تھا..... لوگ اسے تحائف پیش کر رہے تھے۔ کچھ ان کا معائنہ کر رہے تھے جو کچھ دیر پہلے مصری کی ڈلیوں کی طرح چبائے گئے تھے۔ حمید بھیڑ میں شامل تھا لیکن فریدی نے اپنی جگہ سے اٹھنے کی بھی زحمت نہیں گوارا کی تھی۔

ذرا ہی سی دیر میں رقاصہ کے آگے تحائف کے ڈھیر لگ گئے۔ کچھ لوگ اس کا گراف بھی چاہتے تھے۔

دو یا تین منٹ کے بعد مائیکروفون سے آواز آئی۔ ''اب براہِ کرم آرٹسٹ کے راستے سے ہٹ آیئے۔''

بھیڑ ہٹ گئی لیکن حمید چپ چاپ سر جھکائے کھڑا رہا۔

''فرمایئے..... جناب۔'' رقاصہ نے حمید کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

''ایک تحفہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔''

''جلدی کیجئے..... میں اب تھکن سی محسوس کر رہی ہوں۔''

''میری طرف سے شمال کا عظیم پہاڑی سلسلہ تحفتاً قبول فرمایئے۔'' حمید نے اتنی سنجیدگی سے کہا کہ رقاصہ ہکا بکا رہ گئی۔ شاید یہ مزاح اس کے لئے غیر متوقع تھا۔ اس نے بہت بُرا سا منہ بنایا اور سر کو پرغرور سا جھٹکا دے کر دوسری طرف مڑ گئی۔

حمید آہستہ آہستہ چلتا ہوا اپنی میز کی طرف واپس جا رہا تھا لیکن دفعتاً اس کے قدم رک گئے اس نے فریدی کو دیکھا جو دو اجنبیوں کے بازوؤں کا سہارا لئے ایک طرف جا رہا تھا۔ انداز بالکل ایسا ہی تھا جیسے اس نے بہت زیادہ پی لی ہو۔

حمید اسے دیکھتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا اس کا مقصد کیا ہوسکتا ہے۔ دونوں اجنبی اسے بیرونی پھاٹک کی طرف لے جا رہے تھے۔ یکایک حمید کو خیال آیا کہ فریدی نے یہاں آتے وقت چند نقاب کرنے والوں کا تذکرہ کیا تھا۔ تو پھر..... کیا وہ اس پر قابو پا گئے ہیں، لیکن یہ صرف دو آدمی ہیں..... صرف دو..... آدمی اور فریدی کو اس طرح لے جائیں؟ یقیناً انہوں نے کوئی خاص طریقہ اختیار کیا ہے۔ ممکن ہے اُسے کوئی چیز دھوکے سے دے دی گئی ہو۔ جس سے ذہن قابو میں نہ رہ جائے۔ پھر اسے یاد آیا کہ فریدی نے تعاقب کرنے والوں کی تعداد تیرہ بتائی تھی تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ دوسرے آدمی بھی یہیں موجود ہوں گے..... لیکن.....؟''

حمید نے مزید غور کرنا بیکار سمجھا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس کا رخ باغات کی طرف ہوگیا۔ وہ یہ بھی دیکھنا چاہتا تھا کہ اس کا تعاقب کیا جاتا ہے یا نہیں۔ ویسے وہ باغات سے گذرتا ہوا پھاٹک تک بھی پہنچ سکتا تھا اور شاید ان لوگوں کو پیچھے بھی چھوڑ سکتا تھا، جو فریدی کو پھاٹک کی طرف لے جا رہے تھے۔ حمید کی رفتار بہت تیز تھی۔ پھاٹک پر پہنچنے سے قبل ہی وہ مطمئن ہوگیا کہ اس کا تعاقب نہیں کیا جا رہا ہے۔

تھوڑی ہی دیر بعد اُسے وہ دونوں آدمی نظر آئے جو فریدی کو سہارا دیئے ہوئے کہیں لے جا رہے تھے۔

دفعتاً اس نے فریدی کو کہتے سنا۔ ''بھائی ذرا آہستہ..... مجھے دکھائی نہیں دیتا۔''

وہ دونوں اس پر کچھ بولے نہیں، البتہ حمید نے محسوس کیا کہ وہ آہستہ چلنے لگے ہیں۔ ان

کا رخ ادھر ہی تھا جہاں گاڑیاں پارک کی جاتی تھیں۔

حمید بھی خودرو جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا اسی طرف بڑھنے لگا تھا۔ وہ لوگ ایک لاری قریب رک گئے۔ حمید جھاڑیوں سے نکل کر پارک کی ہوئی کاروں کے درمیان آ گیا۔ پھ ہی فریدی کو لاری میں بٹھایا گیا پانچ آدمی اور لاری کے قریب پہنچ گئے۔ اب وہ تعد سات ہو گئے جب وہ بھی لاری میں بیٹھ چکے اور انجن اسٹارٹ کر دیا گیا تو حمید نے ایسی حرک انگیز پھرتی دکھائی جو شاید فریدی کے لئے بھی غیر متوقع ہوتی۔ یعنی لاری کے حرکت میں آ سے پہلے ہی وہ اس کی چھت پر پہنچ چکا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اوپر پہنچ جانے کے بعد غیر متوقع طور پر کسی نئی مصیبت سے دوچار ہو گیا ہو۔ وہ داہنی کروٹ لیٹا ہی تھا کہ کوئی سخت چیز اس کے سینے میں آ لگی اور ساتھ ہی کسی نے سرگوشی کی۔ ''خبردار..... اگر آواز نکلی تو گ دوسری طرف نکل جائے گی۔''

حمید دم بخود رہ گیا۔ اس نے جلدی میں اُس لمبی اور سیاہ سی چیز پر دھیان ہی نہیں دیا جو پہلے ہی سے لاری کی چھت پر موجود تھی۔

لاری کی رفتار تیز ہو گئی اور حمید اپنے سینے پر ریوالور کی نال کا دباؤ محسوس کرتا رہا۔ کو خوشبو کتنی دلکش تھی جس کی مہک اس کے ذہن کو جھنجھوڑ رہی تھی۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے خوشبو اس کے لئے نئی نہ ہو۔ وہ چپ چاپ پڑا رہا۔ لاری دوڑتی رہی لیکن شاید حمید کا ذہن سے بھی زیادہ تیز رفتاری پر مائل تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ یہ لوگ کتنے چالاک ہیں۔ انہیں یقین تھا کہ اس سے لاری کی چھت ملاقات ہو گی۔ لہٰذا انہوں نے اس کے تعاقب کی بھی ضرورت نہیں محسوس کی تھی اور اب صرف ایک ہی آدمی اس کے لئے کافی تھا۔ حمید نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور آہستہ سے

''کیا تمہارے پاس ایک کمبل بھی ہو گا دوست..... میں سردی محسوس کر رہا ہوں۔''

''چپ پڑے رہو۔'' حمید کے سینے پر ریوالور کا مزید دباؤ ڈالتے ہوئے کہا گیا۔ اس آواز سرگوشی سے کچھ بلند تھی لیکن حمید کو اپنے کانوں پر اعتبار نہ آیا کیونکہ وہ کسی عورت کی

تھی۔ پھر اس نے سوچا ممکن ہے اسے دھوکا ہوا ہو، لہٰذا اسے چاہئے کہ ایک بار پھر اسے اسی طرح بولنے پر مجبور کرے، اگر وہ کوئی عورت ہی ثابت ہوئی تو.....؟

''اگر میں سو جاؤں تو تمہیں اس پر اعتراض تو نہ ہو گا۔'' حمید نے کہا۔ ''مجھے نیند آ رہی ہے۔''

''چپ چاپ لیٹے رہو۔ کیا تم نے سنا نہیں۔'' اس بار پھر اس کی آواز سرگوشیوں کے پیچاک سے نکل آئی تھی۔

حمید نے معلوم کر کے کہ وہ کوئی عورت ہی ہے ایک طویل سانس لی اور پھر پے در پے ٹھنڈی سانس لیتا رہا۔ لیکن پستول یا ریوالور اس کے سینے سے نہیں ہٹایا گیا۔

''تم کون سا سینٹ استعمال کرتی ہو؟'' حمید نے پوچھا۔

عورت کچھ نہ بولی۔ لیکن حمید کے سینے پر دباؤ کچھ اور بڑھ گیا۔

''کیا تم مجھے اپنی عمر بتانے کی زحمت گوارا کرو گی؟''

''کیوں؟''

''اگر عمر زیادہ ہوئی تو میں تمہارے ہاتھوں مرنے پر یہاں سے چھلانگ لگا کر جان دینے کو ترجیح دوں گا۔''

عورت نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور حمید بے ساختہ چونک پڑا۔ یہ ہنسی بھی جانی پہچانی ہوئی سی تھی۔

''ڈالی۔'' اس نے متحیرانہ انداز میں دہرایا اور ریوالور کا دباؤ یک بیک بہت کم ہو گیا۔ حمید احمق ہی تھا۔ اگر اس موقع سے فائدہ نہ اٹھاتا۔ دوسرے ہی لمحے میں ایک جھٹکے کے ساتھ اس نے ریوالور اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔

''تم..... تم..... کون ہو۔'' عورت نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

''وہی پرانا غوطہ خور..... پرویز.....!''

عورت نے ایک طویل سانس لی۔

دوسری جھڑپ

کچھ دیر تک دونوں ہی خاموش رہے پھر ڈالی نے کہا۔ ''تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔''

''ظاہر ہے کہ تمہارے سات آدمی نیچے موجود ہیں۔'' حمید بولا۔

''تم کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ میں ان سے واقف نہیں ہوں۔''

''پھر کیا تم یہاں لیٹی مونگ پھلیاں کھا رہی تھیں۔''

''نہیں..... میں نے چند آدمیوں کو آج گفتگو کرتے سنا تھا وہ یہاں سے کسی کو زبر
لے جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔''

''کیا تم انہیں پہلے سے جانتی تھیں؟''

''تمہیں اس سے کیا سروکار..... لیکن میرا ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

کچھ دیر خاموشی رہی پھر حمید نے پوچھا۔ ''وہ کسے پکڑ کر لے جا رہے ہیں؟''

''میں یہ بھی نہیں جانتی..... مجھے تو ان کی قیام گاہ معلوم کرنی ہے۔''

''کیوں؟''

''تمہیں اس سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے۔''

''کیوں نہ ہونا چاہئے۔ کیا وہ ساتوں میرے ساتھی نہیں ہیں۔''

''نہیں.....!'' ڈالی کی آواز میں خوف تھا۔

''ہاں میری مکھن کی مورتی۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔

''میرے بھی مددگار ہیں۔'' ڈالی کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

''ہوں گے۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔ ''بہتر ہے کہ تم انہیں اسی وقت بلالو۔ ہ
ہوسکتا ہے کہ تم کو کچھ دیر بعد کسی دیگ میں ڈالی کو بھون ڈالا جائے۔''

ڈالی کچھ نہ بولی، البتہ وہ بُری طرح ہانپ رہی تھی۔ حمید نے کہا۔ ''تم اب تک مجھے د
دیتی رہی ہو۔''

''مگر کیا تم دھوکا کھا گئے۔ کیا تمہیں پہلے ہی سے مجھ پر شبہ نہیں تھا؟'' ڈالی نے کہا۔

''اسی وقت سے جب تم نے اس لڑکی کے وینٹی بیگ میں پستول کی موجودگی کا تذکرہ کیا
میں یہ بھی جانتا ہوں کہ مرنے والا تمہارے ہی ہاتھوں ختم ہوا تھا۔ پھر تم زہر کی شیشی میرے
ے میں ڈال گئی تھیں، تاکہ میں.....!''

''تم نشے میں تو نہیں ہو۔'' ڈالی بول پڑی۔ ''یہ سب بکواس ہے۔ تم نے ابھی جو کچھ کہا
اس میں ذرا برابر بھی سچائی نہیں ہے۔ میں آخر اُسے زہر کیوں دینے لگی۔''

''اپنے مددگاروں کی خاطر۔''

''میرا کوئی مددگار نہیں ہے۔''

''پھر تم یہاں کیوں نظر آ رہی ہو۔''

''بس یونہی مجھے ایڈونچر کا شوق ہے۔''

''اگر میں تمہیں نیچے دھکیل دوں تو کیسی رہے؟''

''کک..... کیوں.....!'' ڈالی ہکلائی۔

''بس یونہی..... ایڈونچر کی خاطر۔ میں بھی ایڈونچر کا عاشق زار ہوں۔''

''تمہیں میں ابھی تک نہیں سمجھ سکی۔ میرا خیال ہے کہ تم ان لوگوں سے تعلق نہیں رکھتے۔''

''پھر میرا تعلق تمہارے مددگاروں سے ہوگا۔''

ڈالی کچھ نہ بولی۔ لاری کی رفتار کم ہوگئی۔ حمید سوچنے لگا کہ کہیں نیچے والوں نے آواز نہ
ن لی ہو۔ ویسے لاری کا انجن تو اتنا شور مچا رہا تھا کہ ان کی آوازوں کے سن لئے جانے کا
مکان نہیں تھا۔

حمید نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اندھیرے میں کچھ سجھائی نہ دیا لیکن یہ ضرور معلوم ہوگیا کہ وہ
آبادی میں نہیں ہیں۔ پھر اس نے محسوس کیا کہ لاری کسی طرف مڑ رہی ہے۔ ویسے اگر وہ اٹھ کر
بیٹھ سکتا تو اس کی ہیڈ لائیٹس میں کم از کم یہ تو دیکھ ہی سکتا تھا کہ یہ سفر کس علاقے میں کیا جا رہا
ہے۔ رام گڈھ اس کا بھی کئی بار کا دیکھا ہوا تھا۔

لاری کی رفتار پھر تیز ہوگئی۔ وہ شاید مڑنے ہی کے لئے آہستہ چلنے لگی تھی۔

''ہاں.....اب بتاؤ تم کیا کہہ رہی تھیں۔'' حمید دوبارہ لیٹتا ہوا بولا۔

''تم حقیقتاً کون ہو؟''

''حقیقتاً میں ڈیم فول ہوں اور اس فکر میں ہوں کہ کسی طرح پولیس کو مطمئن کرسکوں

سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارا جغرافیہ کیا ہے۔''

''اگر تم ان لوگوں سے تعلق نہیں رکھتے تو یہاں نظر کیوں آرہے ہو۔'' ڈالی نے حمید

جملہ دہرایا۔

''ایڈونچر، مائی سویٹ پی ہنی ڈیو مائیلڈ اسموک۔''

''کبھی کبھی تم لفنگوں کے انداز میں گفتگو کرنے لگتے ہو۔''

''پتہ نہیں کب کیسے آدمیوں کا ساتھ ہوجائے۔ اسی لئے میں بھانت بھانت کی بولیو

ماہر ہوں۔''

لاری کی رفتار پھر سست ہونے لگی تھی۔ بالآخر وہ رک ہی گئی۔

پھر کھڑکی کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی۔ حمید خاموش ہی رہا۔ ڈالی کو بھی جیسے

سونگھ گیا تھا۔

کچھ دیر بعد حمید نے سر اٹھایا۔ یہاں چاروں طرف جھاڑیوں اور گھنے درختوں کے

بکھرے ہوئے تھے۔ ایک جگہ خشک لکڑیوں کے ڈھیر سے آگ کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں او

وجہ سے کم از کم اتنی جگہ تو اچھی طرح روشن ہوگئی جہاں وہ ساتوں فریدی سمیت خاموش کھڑ

تھے۔ فریدی اب ہوش میں نظر آرہا تھا لیکن اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھ

''ارے.....تو یہ تمہارا ساتھی تھا۔'' ڈالی نے ایک طویل سانس لی۔

لاری ایک گھنیرے درخت کے نیچے کھڑی کی گئی تھی جس کی شاخیں اس کی چھت پ

ہوئی تھیں۔ اس لئے وہ دونوں دیکھ لئے جانے کے احتمال سے بے پروا سر اٹھائے دیکھ

تھے۔ دفعتاً ایک طرف جھاڑیوں سے ایک نقاب پوش نمودار ہوا۔

اسے دیکھ کر وہ ساتوں الگ ہٹ گئے۔ نقاب پوش فریدی کے سامنے کھڑا اسے گھورتا

پھر بولا۔ ''زوبیا کہاں ہے؟''

''جہاں بھی ہوگی باخیریت ہوگی۔ تم مطمئن رہو۔'' فریدی نے مسکرا کر جواب دیا۔

''زوبیا.....زوبیا.....!'' ڈالی مضطربانہ انداز میں بڑبڑائی۔ ''یہ تو اسی لڑکی کا نام تھا۔''

''خاموش رہو۔'' حمید نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

دوسری طرف نقاب پوش فریدی سے کہہ رہا تھا۔ ''اگر تم نے زوبیا کا پتہ نہ بتایا تو میں

ں اسی الاؤ میں بھون کر رکھ دوں گا۔''

''برفیلے میدانوں میں جب ہم سفید بھیڑیوں کا شکار کرتے ہیں تو آگ ہمارے لئے

نعمت سے کم نہیں ہوتی۔'' فریدی کا جواب تھا۔

نقاب پوش نے ہاتھ اٹھایا۔ شاید وہ فریدی کے منہ پر تھپڑ مارنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن

رے ہی لمحے میں فریدی کے دونوں پیر اس کے سینے پر پڑے اور وہ دور جا پڑا۔

''میرے خدا۔'' ڈالی آہستہ سے بولی۔ ''کتنا پھرتیلا ہے۔''

پھر اُن ساتوں نے فریدی پر یلغار کردی۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے

لیکن حمید ششدر رہ گیا کیونکہ وہ ابھی تک اس سے بے خبر تھا کہ فریدی صرف پیروں سے

لڑسکتا ہے۔ وہ اچھل اچھل کر انہیں لاتیں رسید کررہا تھا اور ان میں سے کوئی بھی ابھی تک

ہاتھ بھی نہیں لگا پایا تھا۔ ڈالی نے حمید کو جھنجھوڑ کر کہا۔ ''تم یہاں پڑے کیا کررہے ہو۔''

''عیش کررہا ہوں۔ مزہ آرہا ہے۔ ایسی لڑائیاں روز روز نہیں نظر آتیں۔ ذرا دیکھو

ے شیر کو۔ ہاتھ بندھے ہونے کے باوجود انہیں کس طرح ٹھیک کررہا ہے۔''

''تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہوگیا۔ وہ بیچارہ تنہا ہے۔ لاؤ میرا پستول مجھے دو۔ میں اُن

سنبھال لوں گی۔''

''ٹھہرو! جلدی نہ کرو۔''

''کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی خطرناک سچویشن ہوسکتی ہے۔''

''ارے..... یہ بھی کوئی سچویشن ہے۔ بات تو تب تھی کہ یہ اسکے پیر بھی باندھ دیتے۔''

''اوہ..... دیکھو..... اُس نقاب پوش نے ریوالور نکال لیا ہے۔'' ڈالی حمید کو جھنجھو
بولی۔ دوسرے ہی لمحے میں حمید کے ریوالور سے شعلہ نکلا اور نقاب پوش چیخ مار کر زمین پر
گیا۔ گولی اس کے داہنے ہاتھ پر لگی تھی۔ پھر وہ سب بھی بوکھلا گئے جو فریدی پر قابو پا
کوشش کر رہے تھے۔

''خبردار! کوئی بھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کرے۔'' حمید دہاڑا۔ ''اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو
وہ سب جہاں تھے، وہیں رک گئے۔

''سلیم کے ہاتھ کھول دو۔'' حمید نے پھر انہیں للکارا۔ ''جلدی کرو..... تم سب
نظروں میں ہو۔ ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

نقاب پوش نے زمین سے اٹھنا چاہا لیکن حمید نے ایک ہوائی فائر بھی کر دیا۔ اُس۔
دانست میں ہوائی فائر کیا تھا لیکن اتفاق سے گولی نقاب پوش کی فلٹ ہیٹ پر پڑی اور و
کر الاؤ میں جا پڑی..... نقاب پوش کھڑا سر سہلا رہا تھا۔

''چلو..... جلدی کھولو.....!'' حمید پھر دہاڑا۔

''تم کون ہو۔'' نقاب پوش چیخ کر کراہا۔ اُس کے داہنے ہاتھ سے خون ٹپک رہا تھا

''پیراڈائیز میں دو شکاریوں کے علاوہ تیسرا کون تھا۔'' حمید نے جواب دیا۔

وہ اُن لوگوں کی طرف مڑ کر چنگھاڑنے لگا جو دوسرے شکاری کو اپنے ساتھ لگا لائے

دفعتاً حمید نے فریدی کو نقاب پوش پر چھلانگ لگاتے دیکھا۔ اُسے اُس کے دونو
بھی آزاد نظر آئے۔ شاید اسی جدوجہد کے دوران میں رسی کی بندش ڈھیلی ہو گئی تھی اور
ہاتھ کھول لینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

حمید نے بھی لاری کی چھت سے چھلانگ لگائی۔ دوسری طرف نقاب پوش
جھکائی دے کر ایک طرف بھاگ نکلا تھا۔ لیکن وہ ساتوں اب بھی وہیں کھڑے تھے ا
نظریں حمید کے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور پر تھیں۔ فریدی نقاب پوش کے پیچھے دوڑا

''ڈالی۔'' حمید نے آواز دی۔ ''آؤ..... مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔''

''اس سے کیا فائدہ ہوگا۔'' اُن میں سے ایک آدمی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''وہ تو
ہی گیا۔ ہم نہیں جانتے کہ وہ کون ہے۔''

''وہ میرا چھوٹا بھائی تھا۔ تم اس کی فکر مت کرو۔'' حمید نے جواب دیا۔

ڈالی لاری کی چھت سے پہلے ہی اُتر آئی تھی۔ حمید کے آواز دینے سے قریب آ گئی۔

''تم ذرا پستول لے کر ان پر نظر رکھو۔'' حمید نے اس کا پستول اُسے واپس کرتے ہوئے
''تاکہ میں انہیں پیک کر سکوں۔''

ڈالی نے پستول کا رخ اُن کی طرف کر دیا اور حمید ہر ایک کی ٹائی کھول کر اُسی سے اُس
ہاتھ باندھنے لگا۔ دس منٹ کے اندر ہی اندر اس نے ساتوں کے ہاتھ باندھ کر انہیں ذبح
جانے والے مویشیوں کی طرح زمین پر گرا دیا۔

''خیریت اسی میں ہے کہ چپ چاپ پڑے رہو۔'' اس نے کہا اور اپنی جیب میں تمباکو
پاؤچ ٹٹولنے لگا۔

''ہم..... بالکل.....!'' ایک آدمی نے کچھ کہنا چاہا۔ لیکن حمید نے ٹھوکر مار کر اُسے
وش کر دیا۔

''اب ان کا کیا کرو گے؟'' ڈالی نے پوچھا۔

''کسی اونچی چٹان سے نیچے پھینک دیں گے۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔

''تم قانون اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتے۔''

''اخاہ! تم اس طرح بول رہی ہو جیسے قانون کی نواسی یا بھتیجی ہو۔''

''انہیں میرے حوالے کر دو۔''

''یا تمہیں ان کے حوالے کر دوں۔''

''میرا پستول اس وقت میرے ہاتھ میں ہے یہ نہ بھولو۔''

''اوہ.....!'' حمید نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

''اب ایک ایک کر کے انہیں اٹھاؤ اور لاری میں لے چلو۔'' ڈالی نے تحکمانہ لہجے میں

''ب..... بہت اچھا۔'' حمید خوفزدہ سی آواز میں ہکلایا۔ لیکن پھر یک بیک ڈالی کے پر سے دوسری طرف دیکھتا ہوا پُرمسرت لہجے میں چیخا۔ ''پکڑ لیا نا.....!''

ڈالی بے ساختہ اُدھر مڑی لیکن دوسرے ہی لمحے میں حمید کا ہاتھ اس کے ریوالور وا ہاتھ پر پڑ چکا تھا۔

ڈالی کسی بپھری ہوئی شیرنی کی طرح پلٹ پڑی۔ مگر پستول تو اب حمید کی جیب میں پہنچ چکا تھا

''راوی اس کہانی کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ جب کالے دیو نے نیلم پری کے ہاتھ پستول چھین لیا تو.....!'' حمید نے کہا۔ وہ کھانسنے لگا اور ساتھ ہی ڈالی کے حملے بھی روکتا جا تھا۔ یہ کھیل چند منٹ تک جاری رہا پھر ڈالی تھک ہار کر پیچھے ہٹ گئی۔ وہ بُری طرح ہانپ رہی تھی

''تمہیں پچھتانا پڑے گا۔'' وہ اپنی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔

''میں پچھتاوے کا عادی ہو چکا ہوں۔ کیونکہ مجھے دن میں سرکاری..... ارر..... مطا یہ ہے کہ مجھے دن میں کئی بار پچھتانا پڑتا ہے..... آؤ..... قریب آؤ۔'' حمید اس کا ہاتھ پکڑ کر طرف کھینچتا ہوا بولا۔

''چھوڑ دو مجھے۔''

''اس رات کو یادگار بنانے کیلئے ہم رمبا ناچیں گے۔ ریٹم ٹیم..... ری ٹم..... ری ٹیٹم..... ویٹم..... ٹی..... ٹم۔'' وہ اسے اپنی طرح کھینچ کر سچ مچ ناچنے لگا تھا۔

''ہٹو..... گدھے..... کمینے..... مجھے چھوڑ دو..... ورنہ۔'' ڈالی اس کی گرفت سے کے لئے مچلتی رہی لیکن حمید ناچتا ہی رہا۔ یہی نہیں بلکہ وہ قیدیوں سے کہہ رہا تھا ''تم گاؤ..... گاؤ ورنہ تمہاری شکلیں ایسی کر دوں گا کہ برسوں پہچانے نہ جا سکو گے۔''

''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔'' ڈالی دانت پیس کر بولی۔

''اگر تم یہی سمجھتی ہو تو تمہارا غصہ فضول ہے، حقیقتاً میرا دماغ الٹ گیا ہے اور اب نا ناچتے تمہیں لے کر کسی کھڈ میں کود جاؤں گا۔ تمہاری جیلی بن جائے اور میرا جام۔''

''ارے..... بچاؤ..... بچاؤ۔'' یک بیک ڈالی بوکھلائے ہوئے انداز میں چیخنے لگی۔

''ارے..... بچاؤ..... بچاؤ۔'' حمید بھی بالکل اسی انداز میں چیخا اور پھر دفعتاً انہوں نے ریلی زمین پر دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنی۔ جھاڑیاں سرسرائیں اور دوسرے ہی لمحے فریدی اُن کے سامنے کھڑا انہیں حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

حمید اسی طرح ناچتا رہا۔

''بچایئے..... مسٹر سلیم..... مجھے بچایئے۔'' ڈالی تقریباً روتی ہوئی بولی۔

''یہ کیا ہو رہا ہے۔'' فریدی ان کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ حمید خاموشی سے ڈالی کو ادھر دھکیلتا پھر رہا تھا۔ فریدی نے زبردستی انہیں الگ کیا۔ حمید آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔ ''میں نام لے رہا ہوں۔ یہ لڑکی انہیں کی ساتھی ہے۔''

''یہ سراسر بکواس ہے۔'' ڈالی نے کہا۔

''چلو.....!'' فریدی حمید کی گردن پکڑتا ہوا بولا۔ ''انہیں لاری میں لے چلو۔''

حمید ایک ایک کو ٹھوکر مار کر اٹھانے لگا اور تھوڑی دیر بعد وہ سب لاری میں پہنچ گئے۔ حمید راستے کا اندازہ تھا لیکن خود اس نے گاڑی ڈرائیو کرنے کی پیش کش نہیں کی کیونکہ وہ ڈالی پر لحہ نظر رکھنا چاہتا تھا۔

فریدی ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ حمید اور ڈالی قیدیوں کے ساتھ رہے۔ فریدی نے بتایا کہ وہ نقاب پوش کو پکڑنے میں ناکام رہا تھا۔

حمید نے اُسے جرمن زبان میں ڈالی کے متعلق بتاتے ہوئے پوچھا۔ ''آپ اتنی آسانی سے ان کے ہاتھ کیسے آ گئے تھے۔''

''بس اتفاق۔ وہ کافی جو میں نے منگوائی تھی نشہ آور کر دی گئی تھی اور یہ بھی اچھا ہی ہوا تھا کہ تم اپنی پیالی بھرے بغیر اٹھ کر رقاصہ کی طرف چلے گئے تھے۔ مگر تعجب ہے کہ انہوں نے تمہیں بالکل ہی نظر انداز کر دیا تھا۔''

دفعتاً فریدی نے پورے بریک لگا دیئے اور لاری ایک جھٹکے کے ساتھ رک گئی۔ سامنے

سڑک پر تین آدمی اس طرح لیٹے ہوئے تھے کہ انہیں بچا کر لاری نکال لے جانا ناممکن تھا۔

وہ کون تھی

حمید کا ہاتھ بے اختیار جیب کی طرف گیا اور ریوالور سمیت باہر آیا۔ شاید فریدی کے پاس تو ریوالور تھا ہی نہیں۔ اُس نے بڑی تیزی سے گاڑی کی تمام روشنیاں گل کر دیں۔

''تڑاک..... تڑاک..... تڑاک۔'' تین گولیاں لاری کے مختلف حصوں سے ٹکرائیں۔

حمید نے ڈالی کا پستول فریدی کو دیتے ہوئے کہا۔ ''سنبھالئے۔''

''اوہ..... شکریہ..... مگر خواہ مخواہ گولیاں صرف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''خود کو ہمارے حوالے کر دو۔'' باہر سے کسی نے چیخ کر کہا۔ ''ورنہ کوئی بھی زندہ نہ بچے گا۔''

''تم شوق سے فائرنگ کرو۔'' فریدی نے جواب دیا۔ ''ہر کھڑکی پر تمہارا ہی ایک آدمی موجود ہے۔''

''نہیں..... نہیں۔'' ساتوں قیدی بیک وقت چیخے اور فریدی نے قہقہہ لگایا۔

حمید نے محسوس کیا کہ ڈالی کانپ رہی ہے۔ اُس نے حمید کا بازو پکڑ لیا تھا۔

''بس دم نکلنے لگا۔'' حمید نے ہنس کر کہا۔ ''ایڈونچر کے عاشقوں کے لئے رائفلیں نہیں اگلتیں۔''

''میں تو ہنس رہی تھی۔'' ڈالی بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''کیا تم سمجھے تھے کہ میں رو رہی ہوں۔''

''ذرا زور سے ہنسو ڈیئر تاکہ وہ گولیاں چلانے کی بجائے شاعری کرنے لگیں۔''

پھر کچھ گولیاں لاری سے ٹکرائیں اور قیدی پھر چیخنے لگے اور اسی اثناء میں لاری حرکت میں آ گئی۔ مگر فریدی نے اس کی ہیڈ لائیٹس نہیں روشن کی تھیں۔

فائر برابر ہوتے رہے تھے۔ حمید نے بھی انداز اً دو تین راؤنڈ چلائے۔ لیکن فریدی کے خیال کے مطابق وہ گولیاں ضائع کرنا ہی تھا۔ اچانک یکے بعد دیگرے دھماکے ہوئے اور لاری پچھلے پہیوں کے بل سڑک پر گھسٹنے لگی۔ حملہ آوروں نے اُس کے دونوں پچھلے پہیے بیکار کر دیئے تھے۔

مجبوراً لاری روک دینی پڑی لیکن حمید باہر قدم بھی نہیں رکھ سکا تھا کہ اس پر کھانسیوں کا دورہ پڑ گیا۔ صرف وہی نہیں بلکہ لاری میں بیٹھے ہوئے سبھی آدمی بُری طرح کھانس رہے تھے فضا میں ایک بوجھل سی بُو رقص کرتی پھر رہی تھی۔ ایسی بو جس سے دم گھٹتا ہوا سا محسوس ہو رہا تھا۔ ڈالی کی گرفت حمید کے بازو پر سخت ہوتی گئی۔ شاید وہ کھانستے کھانستے تشنجی کیفیت کا شکار ہو رہی تھی۔ حمید فریدی کو بھی کھانستے سن رہا تھا۔

حمید کا سر چکرا رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے وہ اپنے ذہن کو قابو میں نہ رکھ سکے گا۔ ساتھ ہی اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے ہونے لگے۔ پھر فضا میں چکرانے والی بو کا احساس بھی فنا ہو گیا۔ اس کا جسم بے حس و حرکت ہو چکا تھا۔

پھر دوبارہ جب اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت واپس آئی تو وہ اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کر سکا کیونکہ اس کا سارا جسم رسی سے جکڑا ہوا تھا۔ وہ زبان بھی نہ ہلا سکا کیونکہ منہ میں حلق تک کپڑا ٹھسا ہوا تھا اور سانس لینے میں بھی دشواری محسوس ہو رہی تھی۔

کچھ دیر بعد اس نے محسوس کیا کہ سفر ہنوز جاری ہے۔ لیکن گاڑی میں اندھیرا تھا۔ ویسے بھی کچھ معلوم ہی کیا جا سکتا تھا کہ گاڑی بہت زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ اپنی منزل کی طرف جا رہی ہے۔ حمید فریدی اور ڈالی کے متعلق سوچنے لگا۔ کیا وہ بھی ایسے ہی حالات سے دوچار ہوئے ہوں گے۔ اس نے کروٹ لینے کی کوشش نہیں کی۔ حالانکہ چت پڑے رہنے سے اس کی پیٹھ بہت شدت سے دکھنے لگی تھی۔ اس نے سوچا ممکن ہے وہ کسی لاری کی پتلی سی سیٹ پر پڑا ہو اور کروٹ لیتے ہی نیچے جا گرے۔ رسی بُری طرح اس کے جسم میں چبھ رہی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ کس طرح وہ بیہوش ہو گیا؟ اُسے وہ بدبو یاد آئی۔ غالباً وہ کسی قسم کی گیس تھی۔ جس کے ذریعہ انہیں بیہوش کیا گیا تھا۔

کچھ دیر بعد پھر تکلیف کا احساس ہونے لگا اور اس کا ذہن پھر تاریکیوں میں ڈوب گیا۔

دوسری بار ہوش آنے پر اس نے اطمینان کا سانس لیا کیونکہ اب وہ اپنی جگہ سے حرکت بھی کرسکتا تھا اور ضرورت پڑنے پر فلمی گیت بھی گا سکتا تھا۔ کیونکہ نہ تو اب اس کا جسم رسی سے جکڑا ہوا تھا اور نہ ہی منہ میں کپڑا موجود تھا۔ کمرے میں ہلکی روشنی کا ایک بلب روشن تھا۔ فریدی اور ڈالی بھی نظر آئے۔ فریدی ایک دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا سگار پی رہا تھا اور ڈالی ابھی بیہوش تھی۔ حمید بھی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کمرے میں فرنیچر قسم کی کوئی چیز نہیں تھی۔ دیواروں پر تصویروں کے متعدد فریم نظر آرہے تھے۔

فریدی حمید کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور حمید ڈالی کی طرف دیکھ کر سر ہلانے لگا۔

"یہ کہاں آ پھنسے!" حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اب ہم اس آدمی کی قید میں ہیں جس نے زوبیا کو اغواء کرایا تھا۔"

"اور مقصد صرف اتنا ہے کہ وہ زوبیا کو دوبارہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔"

حمید نے ایک طویل سانس لیکر ڈالی کے چہرے پر نگاہ گاڑ دی۔ پھر فریدی سے بو

"کیا میں اسے ہوش میں لانے کی تدبیر کروں۔"

"کیا ضرورت ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"یعنی یہ یوں ہی بیہوش پڑی رہے؟"

"یہی مناسب ہے ورنہ تم میری کھوپڑی کام کرنے کے قابل نہ رہنے دو گے۔"

حمید اٹھ کر ڈالی کے پاس پہنچ گیا اور فریدی اسے غصیلی نظروں سے دیکھتا رہا۔ ل

کچھ نہیں..... حمید نے اسے ہوش میں لانے کی تدبیریں شروع کردیں۔

فریدی سگار کے کش لیتا رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے گھر ہی کے کسی کمر بیٹھا ہو۔ چہرے پر تشویش کا شائبہ تک نہیں تھا۔ آنکھوں سے لاپروائی مترشح تھی۔

کچھ دیر بعد حمید ڈالی کو ہوش میں لانے میں کامیاب ہوگیا۔

وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں اٹھ بیٹھی پھر کچھ دیر بعد ایسا معلوم ہونے لگا جیسے

ں کو کچا ہی چبا جائے گی۔

"یہ جو کچھ بھی ہوا ہے۔" وہ گرج کر بولی۔ "اس کی سو فیصدی ذمہ داری پرویز پر ہے۔"

"وہ کس طرح مائی بٹر فلائی؟" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"شٹ اپ..... تمیز سے گفتگو کرو۔"

"ٹھہرو.....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ پھر ڈالی سے کہنے لگا۔ "میں نہیں سمجھا تم کیا کہنا ہتی ہو۔"

"میں نے پرویز سے کہا تھا کہ ان قیدیوں کو میرے حوالے کردو۔ مگر یہ حضرت شرارت ہوگئے۔"

"تم کیا کرتیں ان قیدیوں کو.....!"

"پولیس کے حوالے کردیتی۔"

"یہ کام ہم بھی کرسکتے تھے؟"

"میرے کام کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔" ڈالی نے کہا۔

"اُرر..... ٹھیک.....!" حمید سر ہلا کر بولا۔ "اب میں سمجھ گیا۔ یہ انہیں آنکھ مار کر مار ا۔ نہ کہیں جنازہ اٹھتا اور نہ کہیں مزار ہوتا۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔"

"پھر تم بدتمیزی کرنے لگے۔" ڈالی غرائی۔

"یہی تو مصیبت ہے۔" حمید فریدی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "بھائی کی گی میں..... میں بدتمیزی نہیں کرسکتا ورنہ تم دیکھتیں۔"

"خاموش رہو۔" فریدی نے ڈانٹا۔

"بھائی سلیم۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "مجھے بور نہ کرو۔ یہ ہماری زندگی کا آخری دن ہے۔ کل دن ہے یا رات۔"

دفعتاً انہوں نے کسی کے کراہنے کی آواز سنی۔ آواز شاید برابر ہی کے کمرے سے آئی ما۔ وہ دروازہ جو اُن دونوں کے درمیان حائل تھا مقفل تھا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر اسے

ہلانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوسکا۔ پھر جھک کر وہ کنجی کے سوراخ کو دیکھنے لگا۔ دوسری طرف کمرہ ہی تھا اور آواز اسی کمرے سے آرہی تھی لیکن کراہنے والا کنجی کے سوراخ سے نظر نہ آسکا۔ فریدی اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ شاید اسے کسی چیز کی تلاش تھی۔

''کیا تم مجھے تھوڑی دیر کے لئے ہیئر پن دے سکتی ہو۔'' اس نے ڈالی سے پوچھا۔

''کیوں.....؟'' ڈالی کے لہجے میں حیرت تھی۔

''پتہ نہیں کس گدھے نے تمہیں محکمہ سراغ رسانی کے لئے منتخب کیا تھا۔''

''کیا مطلب.....؟'' حمید یک بیک اچھل پڑا اور ڈالی کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

''آپ قائم آباد برانچ کی ایک سب انسپکٹر ہیں۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ ''مونا گراہمس.....!''

''اخاہ۔'' حمید بانچھیں پھاڑ کر بولا۔ ''تب تو ان کے کباب بے حد لذیذ ہوں گے۔''

''ہیئر پن۔'' فریدی ڈالی کی طرف ہاتھ بڑھا کر خشک لہجے میں بولا۔

ڈالی نے سر سے ہیئر پن نکال کر دیتے ہوئے کہا۔ ''تم مجھے کب سے جانتے ہو؟''

''اسی رات سے جب تم نے اپنے کاغذات پیراڈائیز کے پارک میں ایک جگہ چھپائے تھے۔ اس لئے چھپائے تھے کہ کہیں وہ رام گڑھ کے سراغ رسانوں کے ہاتھ نہ لگ جائیں۔ اس کارنامے میں کسی کو شریک نہیں کرنا چاہتی تھیں۔''

''کیسا کارنامہ.....؟''

''انرجین۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔

''تم کون ہو۔'' ڈالی خوفزدہ آواز میں بولی۔

''شکاری..... تمہارے کاغذات میرے پاس محفوظ ہیں۔''

''تمہارے پاس کیوں؟''

''میں نے انہیں وہاں نہیں رہنے دیا تھا جہاں تم نے چھپایا تھا۔''

''تمہیں اس کے لئے بھگتنا پڑے گا۔ یہ قانوناً جرم ہے کہ تم کسی سرکاری سراغ رسا

وہ میں رہو۔''

''سرکاری سراغ رساں۔'' حمید نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔ ''ہم اس کمرے میں جانا چاہتے ہیں، کسی کو ہماری مدد کی ضرورت ہے لہٰذا اس دروازے کو کھولنے کی کوشش کرو۔ سرکاری سراغ رساں تو سب کچھ کر سکتے ہیں۔''

''اوہ..... ہیئر پن۔'' ڈالی نے بیساختہ کہا اور کنجی کے سوراخ کی طرف دیکھنے لگی۔

''کوشش کرو۔'' فریدی نے ہیئر پن اُسے واپس کرتے ہوئے کہا۔

ڈالی ہیئر پن لے کر قفل پر جھک پڑی۔ لیکن تقریباً پانچ منٹ تک کوشش کرنے کے باوجود بھی قفل کھولنے میں کامیاب نہ ہوسکی۔

''چلو..... ادھر ہٹو..... ہیئر پن مجھے دو۔''

فریدی نے ہیئر پن لے کر حمید کی طرف بڑھا دیا اور حمید نے قفل کھولنے میں دو منٹ سے زیادہ نہیں لگائے۔

''اس طرح قفل کھول لینا چوروں اور اٹھائی گیروں کا کام ہوتا ہے۔'' ڈالی بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑائی اور وہ دونوں ہنسنے لگے۔ پھر فریدی نے دروازہ کھولا۔ اس کمرے میں نیلے رنگ کا بلب روشن تھا۔ فرنیچر معمولی قسم کی ایک میز، دو کرسیوں کا ایک شلف اور ایک پلنگ پر مشتمل تھا۔ پلنگ پر ایک بوڑھا آدمی سوتا نظر آیا۔ یہ کچھ بیمار سا معلوم ہو رہا تھا۔ فریدی نے ایک اچٹتی ہوئی نظر چاروں طرف ڈالی اور آہستہ آہستہ پلنگ کی طرف بڑھنے لگا۔

دفعتاً بوڑھا جاگ پڑا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُن تینوں کو دیکھ رہا تھا۔

پھر اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''تم کون ہو؟''

''چور.....؟'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''لیکن تم شور نہیں مچاؤ گے..... یہ پہلی اور آخری وارننگ ہے۔''

''چور.....؟'' بوڑھے نے آہستہ سے دہرایا اور نہ جانے کیوں اس کے چہرے پر مسرت کی لہر نظر آنے لگی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور آہستہ سے بولا۔ ''بھائی چور مجھے یہاں سے کسی طرح

نکال دو۔اس کام کی منہ مانگی قیمت ادا کروں گا۔"

"اوہ.....تو کیا تمہیں کسی نے قید کر رکھا ہے؟"

"ہاں.....ایک احسان فراموش کتے نے۔تم مجھے کسی طرح یہاں سے نکال دو۔ویسے میرا خیال ہے کہ تمہیں یہاں کوئی قیمتی چیز نہ مل سکے گی۔کیونکہ یہ صرف میرا قید خانہ ہے۔"

"یہ شاید پاگل ہے۔" فریدی نے حمید کی طرف مڑ کر کہا۔

"نہیں میں قطعی صحیح الدماغ ہوں۔" بوڑھے کے لہجے میں احتجاج تھا۔

"اچھا تو تم یہی بتا دو کہ تم اس وقت کہاں ہو۔کس شہر.....کس محلے میں اور اس عمارت کا کیا نام ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"عمارت یا محلے کا نام نہیں بتا سکتا۔البتہ یہ قائم آباد ہے۔" بوڑھے نے کہا۔

فریدی نے ایک طویل سانس کھینچی اور پھر پوچھا "تمہارا نام؟"

"ناصر.....لوگ مجھے ڈاکٹر ناصر کہتے ہیں۔"

"تمہیں کس نے قید کیا ہے؟" ڈالی پوچھ بیٹھی۔

"اسے یہاں سے لے جاؤ۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"کیا؟ قطعی نہیں۔" ڈالی نے غصیلے لہجے میں کہا۔"تم ہرگز ایسا نہیں کر سکتے۔ساری عمر جیل میں سڑوا دوں گی۔"

"ارے بس آؤ بھی۔" حمید نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور اسی کمرے میں لے آیا جہاں وہ کچھ دیر پہلے تھے۔

"تم لوگوں کے ساتھ ذرہ برابر بھی رعایت نہیں کی جائے گی۔" ڈالی دانت پیس کر بولی۔

"اس سے پہلے ہی میں تمہارے کباب لگاؤں گا۔ہم دونوں شکاری آدم خور ہیں۔"

"تم اپنے ہاتھوں اپنی قبریں کھود رہے ہو۔"

"تب تو ہم کمال کر رہے ہیں۔تم کوئی ایسی مثال نہیں پیش کر سکتیں جب کسی نے اپنی قبر کھودی ہو۔ویسے تم خواہ مخواہ بور ہو رہی ہو۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ کسی نے بائیں جانب والا دروازہ کھولا۔

آنے والے چار آدمی تھے اور ان کے ہاتھوں میں ریوالور نظر آ رہے تھے۔لیکن دو دروازے ہی پر ٹھٹک گئے۔شاید ان کی حیران آنکھیں فریدی کو تلاش کر رہی تھیں۔

"تیسرا کہاں ہے؟" ان میں سے ایک نے گرج کر پوچھا۔

اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے دوسرے کمرے میں گہرا سناٹا چھا گیا ہو۔وہ سوچ رہا تھا کہ ڈالی اس دروازے کی طرف نہ دیکھنے لگے جسے کھول کر وہ دوسرے کمرے میں پہنچے مگر ڈالی نے اس قسم کی کوئی حماقت سرزد نہیں کی۔حمید ان چاروں کو بھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ دیکھ رہا تھا کیونکہ یہ انہیں نیم مردہ رقاصوں میں سے تھے جنہیں وہ پیراڈائیز میں دیکھ چکا تھا۔ڈالی بھی کم متحیر نہیں معلوم ہوتی تھی۔دفعتاً ایک آدمی اور اندر آیا۔یہ وہی منتظم ناگری تھا جس کے ساتھ حمید نے ایک بار پیراڈائیز میں کافی پی تھی۔

"اوہ.....مسٹر ناگری۔" حمید نے پرمسرت لہجے میں کہا۔

"ہاں.....میں ہی ہوں۔" ناگری خشک لہجے میں بولا۔"صبح ہونے سے پہلے ہی تم لوگ.....اُر.....وہ کہاں ہے۔" ناگری چاروں طرف دیکھنے لگا۔پھر ہاتھ ہلا کر دہاڑا۔"وہ جہاں ہے۔ورنہ میں تمہاری دھجیاں اڑا دوں گا۔"

"مائی ڈیئر.....مسٹر ناگری یا جو کچھ بھی تمہارا نام ہو۔میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ انرجین کے تین گلاس پی گیا تھا۔نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دھواں بن کر روشندانوں سے باہر نکل گیا۔" حمید نے ہاتھ اور ڈالی کی طرف دیکھ کر بولا۔"کیوں ڈارلنگ.....؟"

ڈالی جھلا گئی اور انتہائی غصے کے عالم میں اس نے ناگری سے کہا۔"وہ اُس کمرے میں ہے۔"

پتہ نہیں الفاظ تھے یا ناگری کیلئے بجلی کا ہنٹر۔کیونکہ وہ بیساختہ اچھل کر دروازے سے جا لگا۔

زوبیا کا راز

وہ اس طرح دروازے کو ہلا رہا تھا جیسے اُسے خبر ہی نہ ہو کہ وہ دوسری طرف سے بلا کر دیا گیا ہے۔ دفعتاً وہ چیخنے لگا۔ ''اے..... باہر آؤ..... ورنہ میں ان دونوں کو جان مار دوں گا۔''

''میں اس بوڑھے کا گلا گھونٹ کر تمہارا کھیل ہی اس وقت ختم کر دوں گا۔'' دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی اور ناگری سناٹے میں آ گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کا جسم خون سے خالی ہو گیا ہو۔

''تم کون ہو.....؟'' اس نے کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''ایک شریف آدمی..... جس کی بسر اوقات کا ذریعہ تم جیسے کمینے لوگ بن جاتے ہو۔ بولو..... زوبیا کیلئے کتنی رقم دے سکو گے۔ اس اسٹیج پر اگر ہمارا سودا طے ہو جائے تو زیادہ بہتر رہے گا۔''

ناگری نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی پیشانی کی رگیں ابھر آئی تھیں اور وہ طرح ہانپ رہا تھا جیسے بہت دیر تک دوڑتا رہا ہو۔

''تم اپنا اندازہ بتاؤ کہ مجھے اس سلسلے میں کتنی رقم صرف کرنی چاہئے۔'' اُس نے کچھ دیر بعد

''پچیس ہزار سے کوڑی کم نہ لوں گا۔''

''یہ بہت زیادہ ہے..... اچھا چلو دس ہزار پر معاملہ کر لو۔''

''پچیس ہزار.....!'' فریدی نے جواب دیا۔ ''ورنہ دوسری صورت میں ہم شاید اس سے بھی زیادہ کما سکیں۔''

''چلو..... منظور ہے باہر آؤ۔''

''یوں نہیں..... تم سب اپنے ریوالور میرے ساتھی کے حوالے کر دو۔ میں اناڑی تو نہیں ہوں۔''

''ریوالور تو نہیں دیئے جا سکتے۔''

''تب پھر مجبوری ہے۔ تم بھی صبر کرو۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

ناگری کے چہرے پر الجھن کے آثار نظر آنے لگے۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ اچانک اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ''اپنے ریوالور اسے دے دو۔''

''پہلے تم اپنا نکالو۔'' حمید نے کہا۔

''میرے پاس نہیں ہے۔''

''میں تلاشی لئے بغیر مطمئن نہیں ہو سکتا۔ ویسے میں جانتا ہوں کہ تم اپنا داہنا ہاتھ استعمال نہ کرو گے کیونکہ وہ پہلے ہی زخمی ہو چکا ہے۔ لیکن بائیں ہاتھ کو کون روک سکے گا۔''

''تم میری جامہ تلاشی لے سکتے ہو۔'' ناگری نے کہا۔

حمید نے آگے بڑھ کر اُسے نیچے سے اوپر تک ٹٹولا اور پھر اس کے دوسرے ساتھیوں کی طرف مڑ گیا۔ انہوں نے اپنے ریوالور اس کے حوالے کر دیئے۔ ڈالی خاموش کھڑی اپنا نچلا ہونٹ چبا رہی تھی۔

''انہوں نے ریوالور میرے حوالے کر دیئے ہیں۔'' حمید نے بلند آواز میں کہا۔

دوسرے ہی لمحے میں دروازہ کھلا اور فریدی کمرے میں داخل ہوا۔ سب سے پہلے اس کی نظر ناگری کے داہنے ہاتھ پر پڑی جو بینڈیج سے ڈھکا ہوا تھا۔

''تو وہ نقاب پوش تم ہی تھے۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''کام کی بات کرو۔'' ناگری خشک لہجے میں بولا۔ ''چیک لو گے یا کیش؟''

''کیسا چیک اور کیسا کیش۔'' فریدی نے حیرت ظاہر کی۔ ''میں بالکل نہیں سمجھا۔''

''کیا مطلب.....؟'' ناگری بوکھلا گیا۔ اس نے مضطربانہ انداز میں حمید کی طرف دیکھا۔ اس نے دو ریوالور تو جیبوں میں ڈال لئے تھے اور دو ریوالور میں سے ایک کا رخ ناگری کی طرف کر دیا تھا اور دوسرے کا اس کے چاروں ساتھیوں کی طرف۔

''دھوکا۔'' ناگری آہستہ سے بڑبڑایا۔

''مجبوری ہے دوست۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''اتفاق سے یہاں ایک سرکاری سراغ رساں بھی موجود ہے۔ ورنہ میں اتنا اچھا بزنس کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتا۔ اس سے ملو یہ ہیں

مس مونا گرا ہمس قائم آباد کی ایک سرکاری جاسوس۔ یہ دراصل تمہاری انرجین کی فکر میں لیکن اس کے ساتھ ہی زوبیا کا قصہ نکل آیا۔"

"اوہ..... اسے جہنم میں جھونکو۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی کہ یہ کہاں گئی۔ میں تمہیں لگاتا ہوں۔ زوبیا کا پتہ بتادو۔"

"نہیں پہلے میں اسے انرجین کے متعلق بتاؤں گا۔" فریدی نے ڈالی کی طرف دیکھ کہا۔ "ہاں مس گرا ہمس! انرجین ایک نشہ آور مشروب ہے۔ جو دماغ ماؤف کر کے جسم بجلیاں سی بھر دیتا ہے۔ اس کی پبلسٹی کھلے عام کی جاتی ہے لیکن اس کا بزنس اسی طرح ہوتا جیسے کوکین وغیرہ کا بیوپار کیا جاتا ہے۔ لوگ نیم مردہ رقاصوں کے کمالات دیکھ کر ان کی طر متوجہ ہوجاتے ہیں۔ انہیں ان سے اتنی زیادہ دلچسپی نہیں ہوتی، جتنی کہ اس مشروب۔ بہر حال وہ ان کے جال میں پھنس جاتے ہیں اور اس مشروب کی سب سے بڑی پہچان یہ کہ آدمی اس کا عادی ہوجانے کے بعد اس کے بغیر منٹ بھی نہیں رہ سکتا۔ اور اگر وہ خود کر کے اسے ہاتھ نہ لگائے تو کسی کام کا نہیں رہ جاتا۔ اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ چاق و چوبند رکھنے کے لئے اس مشروب کا استعمال جاری رکھے۔"

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔" ناگری نے کہا۔ "انرجین بہت جلد بازار میں آجائے گی

"ہوسکتا ہے لیکن وہ تمہارے اس مشروب سے بالکل مختلف ہوگی۔"

"ختم کرو۔" ناگری ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں زوبیا کی قیمت پچاس ہزار لگا رہا ہوں۔"

"کیوں! تمہارا کیا خیال ہے۔" فریدی نے ڈالی سے پوچھا۔

"آپ ہر حال میں قانون کی مدد کیجئے سلیم صاحب۔" ڈالی نے کہا۔

"دیکھا.....!" فریدی نے ناگری کو مخاطب کیا۔ "اب بتاؤ میں کیا کروں۔"

"ارے واہ.....!" حمید گردن جھٹک کر بولا۔ "گویا میرے ہاتھ میں ریوالور نہیں پٹاخے ہیں

"میرے لئے وہ پٹاخوں سے بھی کمتر ہیں۔"

"شاید تم نے انرجین پی رکھی ہے۔"

"ان لوگوں نے ضرور پی رکھی ہے۔" ناگری چاروں رقاصوں کی طرف اشارہ کر کے لا۔ "ان کے دماغ قابو میں نہیں ہیں۔ یہ صرف میرے اشاروں پر چل رہے ہیں۔ اگر میں یں حکم دے دوں تو تمہاری بوٹیوں کا بھی پتہ نہ چلے۔"

"اچھا تو انہیں حکم دے دو۔ میں بھی دیکھ لوں کہ اس مشروب میں کتنا زور ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور حمید سے بولا۔ "ریوالور جیب میں رکھ لو لیکن اس دروازے پر اڑے ہو۔ کوئی باہر نہ جانے پائے اور اگر کوئی باہر سے اندر آنے کی کوشش کرے تو اُسے بے دریغ ولی مار دینا۔ نہیں مس گرا ہمس تم احتجاج کرنے کے لئے منہ نہ کھولو۔"

حمید دروازے کے پاس جم گیا۔ لیکن اس نے ریوالور جیب میں نہیں ڈالے تھے۔ پاک وہ چاروں فریدی پر آپڑے۔ ناگری نے انہیں حملہ کرنے کا اشارہ کیا تھا۔ فریدی نے ن کی کنپٹیاں سہلانی شروع کردیں۔ جس کنپٹی پر بھی گھونسہ پڑا وہیں ڈھیر ہوگیا۔ شاید دس ہی ت میں وہ چاروں فرش پر بے حس و حرکت پڑے ہوئے تھے۔

"آؤ.....!" فریدی ناگری کیطرف دیکھ کر بولا۔ "تمہاری لئے بھی میدان صاف ہے۔"

"کیوں خواہ مخواہ بات بڑھا رہے ہو چلو..... ایک لاکھ لے لو۔"

"ایک کروڑ پر بھی معاملہ طے نہیں ہوسکتا۔" فریدی بولا۔ "کیونکہ تم قاتل ہو۔ زوبیا کے ٹنا دوستوں کا خون تمہاری گردن پر ہے اور ہاں..... ہاں..... ٹھہرو کیا تم مجھے ڈاکٹر اسفندیار کا پتہ بتا سکو گے۔"

"وہ کسی سے نہیں ملتے۔"

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ بوڑھے ناصر نے اپنی زبان بند کر رکھی ہوگی۔"

"یہ قاتل ہے۔" دوسرے کمرے سے بوڑھا چیخا۔ "ڈاکٹر اسفندیار کا قاتل ہے اور مجھے اگانے سالہا سال اپنی قید میں رکھا ہے۔ زوبیا اسفندیار کی لڑکی ہے۔ ایک بہت بڑی دولت کا مالک۔ یہ اُس سے شادی کر کے قانونی طور پر اس دولت پر متصرف ہونا چاہتا تھا۔"

"اور..... اسی لئے تم نے اتنے دنوں تک انتظار کیا تھا۔" فریدی ناگری کی طرف دیکھ کر

بولا۔ ''تم چاہتے تھے کہ زوبیا بالغ ہو جائے تو تم کسی طرح اس سے شادی کرلو۔ لہٰذا اس جس دوست پر تمہیں شبہ ہوا اُسے تم نے قتل کر دیا۔ تمہاری خواہش تھی کہ تم اس سے دوستی آہستہ آہستہ اس کا دل جیتنے میں کامیاب ہو جاؤ، لیکن تمہیں مایوسی ہی ہوئی۔ تم اسے اپنی متوجہ نہ کر سکے۔ تمہارا آخری شکار وہ آدمی تھا جس پر بلنخ نے حملہ کیا تھا۔ یقیناً تم نے یا تم کسی آدمی نے پنڈلی کے زخم پر کوبرا کا زہر لگا دیا اور اسی زہر کی ایک شیشی پرویز کے کمر ڈلوا دی۔ تمہیں شبہ ہوا تھا کہ زوبیا پرویز کی طرف بھی جھک رہی ہے۔ لہٰذا اس طرح ایک ہی حملے میں دو شکار کرنے چاہے۔ پرویز پر شبہ کیا جانا ضروری تھا کیونکہ ایک دا دونوں میں لڑائی ہو چکی تھی۔''

''یہ سب بکواس ہے۔'' ناگری نے ایک ہذیانی سا قہقہہ لگایا۔ ''تم کسی حالت ثابت کر سکو گے۔''

''میں ثابت کر دوں گا۔'' بوڑھے ناصر نے کہا۔ جواب اسی کمرے میں آ چکا تھا۔

''جاؤ لیٹو..... تم پاگل ہو گئے ہو..... دفع ہو جاؤ۔'' ناگری ہاتھ ہلا کر دھاڑا۔

''نمک حرام کتے تو پاگل ہے! اُس کا قاتل جس نے تجھے خاک سے اٹھا کر آسمان دیا تھا۔ ڈاکٹر اسفندیار کی روح انتقام کیلئے تڑپ رہی ہے اور خدا کا انصاف دور نہیں ہے

''آپ آرام کیجئے ناصر صاحب۔'' فریدی نے کہا۔ ''آپ بیمار ہیں، تھوڑی دیر ہم آپ کو کھلی ہوا میں لے چلیں گے۔''

پھر اس نے حمید سے کہا۔ ''ناگری کے ہاتھ باندھ دو اور مس گراہمس اب تم جو چاہتی ہو کرو۔ تمہاری واپس تک ہم یہیں ٹھہریں گے۔''

دوسرے دن فریدی اور حمید قائم آباد کے سرکاری ہسپتال میں ڈاکٹر ناصر اسفندیار کی کہانی سن رہے تھے۔

''ڈاکٹر اسفندیار۔'' ناصر کہہ رہا تھا۔ ''ایک عظیم آدمی تھے۔ انہوں نے خود کو قوم وقف کر دیا تھا۔ نہ جانے کتنے لاعلاج امراض کے کامیاب علاج انہوں نے دریافت

ہر20 ے حد اعتماد کرتے تھے اور میں نے کبھی ان کے اعتماد کو ٹھیس نہیں لگنے دی۔ وہ بے حد ی آدمی تھے۔ ان کی لیبارٹری ہی اُن کے لئے سب کچھ تھی۔ اکثر وہ وہیں سو رہتے تھے۔ مرافیت نے انہیں کسی حد تک پُراسرار بھی بنا دیا تھا۔ اُن کا خیال تھا کہ اگر وہ منظر عام پر ہوا نہیں کام کرنے کا موقع نہیں ملے گا یہی وجہ ہے کہ لوگ صرف ان کا نام ہی سنتے رہے، ں آشنا نہ ہو سکے۔ یہ ناگری ایک یتیم اور لاوارث لڑکا تھا۔ ڈاکٹر نے اس کی پرورش کی علی تعلیم دلوائی تھی اور کوشش کی تھی کہ وہ ان کا داہنا بازو بن سکے۔''

''میں اس لڑکی زوبیا کے متعلق معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اُسکی پرورش اتنے پراسرار طریقہ ں ہوئی۔ اُسے یہ کیوں نہ معلوم ہو سکا کہ وہ ڈاکٹر اسفندیار کی لڑکی تھی۔'' فریدی نے کہا۔

''اس پر بھی وہ ایک تجربہ کر رہے تھے۔'' ناصر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''دراصل اس پیدا ہوتے ہی ڈاکٹر کی بیوی چل بسی تھی۔ اس سے پہلے ہی سے ڈاکٹر کسی ایسے بچے کی میں تھے جسے اپنے والدین کے متعلق کچھ بھی علم نہ ہو۔ ہاں ٹھہریئے..... ساتھ ہی یہ بھی ں کہ خود ڈاکٹر کی بیوی کو بھی یہ نہیں معلوم تھا کہ ان کا شوہر حقیقتاً کون ہے۔ وہ انہیں ڈاکٹر یار کی حیثیت سے نہیں جانتی تھیں۔ یہ فخر صرف دو آدمیوں کو حاصل تھا۔ مجھے اور ناگری بہرحال ان کی بیوی صرف اتنا جانتی تھیں کہ ان کا شوہر ایک خاندانی رئیس ہیں اور اس ت پر متصرف ہیں جو انہیں ترکے میں ملی تھی۔''

''لیکن وہ ایک ایسا بچہ کیوں چاہتے تھے جسے اپنے والدین کے متعلق کچھ بھی نہ معلوم ''حمید نے پوچھا۔

''وہ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ ایسے بچوں کی ذہنی اور جسمانی نشوونما کیسے ہوتی ہے۔ ان ے اعصاب پر اس احساس کا کیا اثر پڑتا ہے کہ وہ نامعلوم والدین کی اولاد ہیں۔ اس طرح وہ نیات میں کسی نئے باب کا اضافہ کرنا چاہتے تھے۔ ہاں تو سب سے پہلے زوبیا کی پرورش یک گونگی عورت کے ذمہ ڈالی گئی جس کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ گونگی کے پڑوسی جانتے تھے کہ وہ ں کی لڑکی نہیں ہے۔ زوبیا نے ہوش سنبھالا تو یہی آوازیں اس کے کانوں میں پڑیں کہ وہ گونگی

کی لڑکی نہیں ہے لیکن اُسے یہ بتانے سے قاصر تھی کہ وہ کس کی لڑکی ہے۔ گونگی کی موت کے
یہ ذمہ داری مجھ پر آپڑی۔ میں نے زویا کو بتایا کہ میں گونگی کا بھائی ہوں، لیکن مجھے بھی علم
ہے کہ اس نے اسے کہاں سے حاصل کیا تھا۔ اس دوران میں ڈاکٹر اسفندیار اس لڑکی کی
جسمانی حالت کا مشاہدہ کرتے رہے تھے اور زویا کو میں نے یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی
مجھے اس کی صحت کا بے حد خیال رہتا ہے۔ اس لئے میں ہر ہفتہ اس کا طبی معائنہ کرا
ہوں۔ یہ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ ڈاکٹر اسفندیار کو صرف تجربات کی دھن رہتی تھی اس
انہوں نے اپنا سارا سرمایہ بھی میرے نام منتقل کرادیا تھا۔ میرے ہی دستخط پر بینکوں سے
دین ہوتا تھا۔ ویسے ڈاکٹر نے زویا کے حق میں ایک وصیت نامہ بھی مرتب کیا تھا اور اُس
اعتراف پر میرے بھی دستخط تھے کہ یہ سارا سرمایہ ڈاکٹر اسفندیار کا ہے جو اس کی موت
انکی لڑکی زویا کے نام منتقل کردیا جائیگا۔ وصیت نامہ ڈاکٹر کے قانونی مشیر کے پاس محفوظ

"لیکن تجربہ مکمل ہوجانے کے بعد بھی زویا کو اندھیرے میں کیوں رکھا گیا۔" حمید نے

"اوہ.....واقعی یہ ایک بہت بڑی ٹریجڈی تھی۔ ڈاکٹر نے تجربہ مکمل ہوجانے کے
تھا کہ زویا پر سب کچھ ظاہر کردے مگر ناگری نے انہیں یہ سمجھایا کہ زویا ان سے نفرت
لگے گی۔ وہ سوچے گی کہ اس کا باپ کتنا ظالم ہے کہ محض ایک تجربے کی خاطر اسے پچپن
اب تک ایک قسم کی بے بسی میں رکھا۔ یہ بات ڈاکٹر کے دل میں اتر گئی اور انہوں نے
کرلیا کہ اب اُن کی موت کے بعد ہی زویا کو اپنی حقیقت کا علم ہو۔ اُسی وقت انہوں
ناگری ہی کے مشورے پر وہ وصیت نامہ مرتب کیا تھا۔ وصیت نامہ مرتب ہوجانے کے
ناگری نے انہیں زہر دے دیا اور مجھے اپنا قیدی بنالیا۔ مجھ پر جبر کرکے وہ چیکوں پر دستخط
اور اس کوشش میں تھا کہ کسی طرح زویا کو اپنی طرف مائل کرلے۔ اگر وہ اس میں کا
ہوجاتا تو پھر ڈاکٹر کی دولت اُسی کی ہوتی۔ ویسے بھی وہ ڈاکٹر کے ایجاد کردہ نشہ آور مشروب
ناجائز تجارت سے کافی بڑی بڑی رقمیں بنا رہا تھا۔ ڈاکٹر کی وہ ایجادات دوسرے مقاصد
تھیں لیکن اس نے انہیں غلط طریقہ پر رواج دینے کی کوشش کی۔"

ڈاکٹر ناصر نے بولتے بولتے تھک کر آنکھیں بند کرلیں اور وہ دونوں کچھ دیر بعد اٹھ
ہسپتال کے پھاٹک پر ڈالی سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ وہ بُری طرح ہانپ رہی تھی۔

"میں آپ دونوں سے بے حد شرمندہ ہوں۔" اُس نے اپنی سانسوں پر قابو پانے کی
ش کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے ابھی ابھی سپرنٹنڈنٹ سے معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگ کون
خدا کے لئے مجھے معاف کردیجئے۔ میں نے بہت بدتمیزیاں کی ہیں۔"

"اوہ.....اس کی فکر نہ کرو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "بہرحال یہ تمہارا کیس ہے۔ شام
ریڈ ہوٹل میں آکر مکمل رپورٹ لے جانا۔ ہاں ناگری کا کیا رہا۔"

"اس نے اعتراف جرم کرلیا ہے جناب۔ اب زویا کو تار دیا گیا ہے کہ وہ قائم آباد پہنچ جائے۔
لڈھ کی پولیس سے بھی استدعا کی گئی ہے کہ زویا کو یہاں تک پہنچنے میں مدد دی جائے۔"

حمید بے حد سنجیدہ ہوگیا تھا اور اب اسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔

"آپ کو تو میں نے بہت کچھ کہا ہے کیپٹن۔" ڈالی نے اُسے مخاطب کیا۔

"کیا آپ مجھے معاف کردیں گے؟"

"دو چار دن اس پر غور کرنے کے بعد۔" حمید نے انتہائی سنجیدگی سے جواب دیا۔

پھر ڈالی ہسپتال چلی گئی اور وہ سڑک پر آگئے۔

"اب میں بُری طرح تنگ آگیا ہوں، اپنے محکمے سے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔
یعنی کہ اب کسی نئی لڑکی سے ملاقات ہونے پر سب سے پہلے یہ پوچھنا پڑے گا کہ اس کا تعلق
سراغ رسانی سے تو نہیں ہے.....خدا کی مار.....؟"

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 66

پُراسرار موجد

(مکمل ناول)

پیشرس

"پُر اسرار موجد" اپنے نام ہی کی طرح پُراسرار ہے۔ اس کی سب سے اہم
یت یہی ہے کہ ابتداء سے انتہا تک یہ پتہ نہیں چل پاتا کہ مجرم کون ہے؟ اور
وں کے برعکس اس میں کوئی گروہ نہیں ہے، بلکہ مجرم ایک ہی ہے! وہ اتنا ہوشیار ہے
جب فریدی اس پر ہاتھ ڈالتا ہے تو ذہن کو یک بارگی جھٹکا لگتا ہے۔ ابن صفی کی دیگر
یوں میں بھی یہ خوبی پائی جاتی ہے مگر اس کہانی میں ایک نئے حسن کے ساتھ ہے۔
جاسوسی کہانیوں کے برعکس اس میں "جسمانی مشقت" کم ہے یعنی مار پیٹ گھونسے
اور دندان شکن سوال و جواب وغیرہ اس کے بجائے ذہنی ورزش سائینٹیفک طریقہ
نات، کرید، چھان بین پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اسی بناء پر پُراسرار موجد کی کہانی
روزانہ زندگی میں ہونے والے بہت سے جرائم سے ملتی جلتی ہے۔

حمید اس بار بھی بہت چاک و چوبند نظر آتا ہے۔ "بکرائیت" کی تبلیغ اور برخوردار
خاں کا ساتھ اس کے ذہن کی منجمد تہیں کھول دیتا ہے اور ہم بے اختیار قہقہہ لگانے
ار ہو جاتے ہیں۔ لیکن ان تمام خوبیوں کے ساتھ مجھے جو بات سب سے زیادہ پسند
ہے وہ صوفیہ نجمی کا کردار ہے۔

ابن صفی عظیم ناول نگار ہونے کے ساتھ بہت بڑے ماہر نفسیات ہیں۔ انہوں نے
ادنفسیاتی شہ پارے تخلیق کئے ہیں۔ ان کے نام کہاں تک گنواؤں۔ یہاں صرف
ہ لیجئے کہ صوفیہ کا کردار ان کرداروں میں ایک درخشندہ ستارے کی حیثیت رکھتا
۔ "اس کی معصومیت اور اس کی گھبراہٹ" باپ سے اس کی محبت ان انسانی
جذبات کو ظاہر کرتی ہے جن سے انسانیت عبارت ہے۔ اس کی ماں کا کردار، جو
متضاد ہے۔ بڑی چابکدستی سے پیش کیا گیا ہے۔

پبلشر

لاش

کیپٹن حمید نے ٹائی کی گرہ درست کرنے کے بعد آئینے پر الوداعی نظر ڈالی اور دروا کی طرف بڑھا۔ اتوار کی صبح تھی اور فریدی بھی گھر پر موجود نہیں تھا۔ لہٰذا اس کی واپسی ہی کھسک جانا مناسب تھا۔

ایک قدم کمرے میں تھا اور دوسرا دروازے سے باہر کہ فون کی گھنٹی بجی۔

حمید جھلاہٹ میں سلیپر اٹھا کر فون کی طرف دوڑا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ اگر کہیں وقت اُلو کی آواز سنائی دے، بلی راستہ کاٹ جائے یا فون کی گھنٹی بج اٹھے تو اس کا مطلہ نحوست۔ یعنی پھر کہیں جانے کا ارادہ ہرگز پورا نہیں ہوسکتا۔

''ہالو.....!'' وہ ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں دھاڑا۔

''میں رمیش ہوں.....حمید بھائی۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''تم لنکا کے راون ہو.....خدا تمہیں غارت کرے۔''

''خواہ مخواہ مجھے تاؤ نہ دکھاؤ۔ میں نے کرنل صاحب کے حکم کے مطابق آپکو فون کیا

''مگر کیوں کیا ہے۔''

''یہاں سینٹ جوزف کالونی میں ایک کیس ہوگیا ہے۔''

''یہ اتوار کو کیس کیوں ہوا کرتے ہیں۔ کیا کوئی مجھے بتائے گا۔'' حمید دانت پیس کر

''پتہ نوٹ کرو اور کرنل صاحب کے حکم کے مطابق یہاں پہنچ جاؤ.....نمبر ۳۲۱ سینٹ کالونی۔''

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کردیا گیا۔ حمید نے ایک جھٹکے کے ساتھ ریسیور کو کریڈل التے ہوئے اپنے مقدر کو دو چار سلواتیں سنائیں اور.....اور پھر اب اس کے علاوہ چارہ تھا کہ وہ سینٹ جوزف کالونی کی طرف روانہ ہوجاتا۔ ویسے اس کا دل تو چاہ رہا تھا کہ سے سیدھا ''خاموش کالونی'' کی طرف دوڑتا چلا جائے۔ لیکن اس نے چپ چاپ موٹر ں اٹھائی اور سینٹ جوزف کالونی کی طرف روانہ ہوگیا۔

''اتواری کیسوں سے اسے بڑی نفرت تھی۔ وہ دل ہی دل میں جھلستا ہوا راستہ طے کرتا بھی پچھلی ہی رات کو وہ فریدی کے ساتھ اس کے بعض فائلوں میں دو بجے تک سر کھپاتا رہا بعض کاغذات کو دوبارہ ترتیب دینے میں بہت وقت خراب ہوا تھا۔ خدا خدا کر کے ڈھائی ہونا نصیب ہوا تو صبح تفریح کے بجائے یہ مصیبت.....گویا یہ کیس اتوار کے انتظار میں لگائے بیٹھے ہی رہا کرتے ہیں۔

حمید نے لفظ کیس پر سات بار لعنت بھیجی، لیکن موٹر سائیکل دوڑتی ہی رہی۔ کیس پر لعنت بھیجنے نہ تو موٹر سائیکل ہی رک سکتی تھی اور نہ یہی ہوسکتا تھا کہ وہ جوزف کالونی کا راستہ بھول جاتا۔

آخر کار وہ وہاں پہنچ ہی گیا وہ مکان بھی تلاش کرنے میں دشواری نہیں ہوئی جس کا نمبر فون پر بتایا گیا تھا۔ باہر چار کانسٹیبل موجود تھے۔ دو پولیس کاریں کھڑی تھیں اور تیسری بڑی کی تلکن تھی۔

کانسٹیبل اُسے دیکھ کر ایک طرف ہٹ گئے اور وہ ایک کانسٹیبل کی رہنمائی میں موقعہ رات کی طرف روانہ ہوگیا۔ عمارت خاصی بڑی تھی اور ساز و سامان کے اعتبار سے اس کا مکین لی ذی حیثیت آدمی معلوم ہوتا تھا۔

وہ کئی راہداریوں سے گزرتا ہوا ایسی جگہ پر پہنچا جہاں دو تین سب انسپکٹر موجود تھے ایک ہیڈ کانسٹیبل کی پریشان عورت اور ایک نوجوان لڑکی بھی تھی۔ وہ سب خاموش تھے۔

ایک سب انسپکٹر نے ایک کمرے کے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

حمید اندر آیا لیکن کمرے کا منظر اتنا متاثر کن تھا کہ وہ سناٹے میں آ گیا۔ وہ سب کچھ دیکھ سکتا تھا لیکن خوبصورت لڑکیوں کی لاشیں اس سے نہیں دیکھی جاتی تھیں۔

اوہ وہ لاش تو یقیناً دل ہلا دینے والی تھی۔ اس کی عمر زیادہ سے زیادہ چوبیس سال ہوگی۔ ایک نازک سی یوریشین لڑکی جس کے خدوخال موت کے بعد بھی دلآویز تھے۔ اس کی کنپٹی سے خون بہہ بہہ کر فرش پر پھیل گیا تھا اور آنکھیں کھلی ہوئی ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بھیانک خواب دیکھ کر جاگ پڑی ہو اور اعصابی اختلال نے پلکیں جھپکانے سے باز رکھا ہو۔

داہنے ہاتھ کے قریب ایک ریوالور پڑا تھا۔ اس کے علاوہ کمرے میں اور کسی قسم کی چیز نہیں نظر آئی۔ ساری چیزیں قاعدے سے اپنی جگہوں پر جمی ہوئی تھیں۔ یہ کمرہ غالباً خواب گاہ کی حیثیت سے استعمال ہوتا رہا تھا۔ یہاں کے ساز و سامان سے یہی ظاہر ہوتا تھا۔

محکمہ سراغ رسانی کے فوٹو گرافر پوشیدہ نشانات کے چکر میں تھے اور کرنل فریدی شیشے سمیت ایک میز پر جھکا ہوا تھا۔ حمید کی آہٹ پر وہ چونک کر مڑا اور پھر میز پر جھک گیا۔

حمید لاش کے قریب آیا۔ جھک کر گولی کا زخم دیکھا اور پھر کھڑا ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"قتل.....!" اس نے فریدی کے قریب پہنچ کر آہستہ سے پوچھا۔

"فی الحال خودکشی ہی سمجھو۔"

"یعنی قتل بھی ہو سکتا ہے۔"

"شاید.....!" فریدی کی آنکھوں سے بے یقینی صاف ظاہر ہو رہی تھی۔ وہ سیدھا ہو کر فوٹو گرافروں کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ "اس میز پر بھی پاؤڈر ڈالو۔"

ایک آدمی نے آگے بڑھ کر کیمرے کی شکل کی ایک چھوٹی سی مشین کا بٹن دبایا جس سے ایک سوراخ سے بھورے رنگ کا غبار نکل کر میز کی سطح پر منتشر ہونے لگا۔ فریدی نے اُسے دیکھا اور مطمئن ہو کر سر کو خفیف سی جنبش دی۔ فوٹو گرافر میز کی طرف متوجہ ہو گیا۔

فریدی نے حمید کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور پھر وہ دونوں ایک خالی کمرے میں جا

"یہ.....!" فریدی چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "پروفیسر نجمی کا مکان ہے۔ کیا تم نے کبھی بھی یہ نام سنا ہے۔"

"نہیں.....!"

"نہ سنا ہوگا۔ بہرحال یہ اپنی ایجادات کے خبط کی بناء پر تھوڑی بہت شہرت بھی رکھتا ہے۔ مرنے والی اس کی سیکریٹری تھی۔ آج صبح اس کی لاش نجمی کی بیوی نے دریافت کی۔"

فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر بولا۔ "واضح رہے کہ اس کی بیوی سے اس کے تعلقات اچھے نہیں ہیں اور وہ اسکے ساتھ نہیں رہتی۔ آج صبح وہ اس سے جھگڑا کرنے آئی تھی۔"

"کس سے۔"

"پروفیسر سے.....اس نے باہر کا دروازہ کھلا پایا اور بے دریغ اندر گھستی چلی آئی۔ یہ حال اس کے شوہر کا مکان ہے۔ دونوں کے تعلقات خواہ کیسے ہی ہوں اس نے اندر کچھ اس کا سناٹا محسوس کیا جیسے یہاں کوئی موجود نہ ہو۔ وہ مختلف کمروں میں اپنے شوہر کی تلاش کرتی رہی تھی۔ اچانک اس کمرے میں اس نے لڑکی کی لاش دیکھی۔ اس کے بعد بھی اس نے پروفیسر نجمی کی تلاش کا سلسلہ جاری رکھا لیکن وہ کہیں نہ مل سکا۔"

"نوکر بھی موجود نہیں تھے۔"

"نہیں.....وہ تو اس وقت آئے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ وہ صرف دن کو یہاں رہتے ہیں۔ رات کیلئے ان کی چھٹی ہوتی ہے اور وہ اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ پروفیسر کی بیوی نے یہیں سے فون پر اس حادثے کی اطلاع پولیس کو دی اور پھر اس وقت سے وہ یہیں ہے۔"

"وہ عورت تو نہیں، جو باہر ملی تھی۔"

"ہاں.....وہی!"

"وہ تو یوریشین ہے اور اس کے ساتھ ایک یوریشین لڑکی بھی تھی۔"

"وہ نجمی کی بیوی ہے اور دوسری اس کی لڑکی۔ لڑکی نجمی ہی سے ہے۔"

"اوہ.....! تو یہ نجمی کوئی بوڑھا آدمی ہے۔"

''ہاں.....غالباً۔''

''کیا آپ ذاتی طور پر اسے نہیں جانتے۔''

''نہیں۔''

''وہ اس وقت کہاں ہے۔''

''ابھی تک یہ نہیں معلوم ہوسکا۔''

''اوہ.....!'' حمید ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر فریدی نے کہا۔ ''میں نے ابھی تک ٹھیک سے اس عورت کا بیان نہیں لیا۔ تم اسے یہاں بلاؤ۔''

حمید اٹھ کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بھاری بھرکم یورپین عورت کمرے میں داخل ہوئی۔

''تشریف رکھئے۔'' فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

عورت بیٹھ گئی۔ موٹاپے کی وجہ سے اس کی سانس پھول رہی تھی اور آنکھیں بھوکی بلی کی طرح چمک رہی تھیں۔

فریدی نے عورت سے پوچھا۔ ''کیا صاحبزادی بھی آپ کے ساتھ تھیں جب آپ نے لاش.....!'' وہ کہتے کہتے قصداً رک گیا۔

''نہیں جناب۔'' عورت اپنے چہرے پر رومال جھلتی ہوئی بولی۔ ''میں تنہا تھی۔ پولیس کو فون کردینے کے بعد مجھے خیال آیا کہ اب میں اس وقت تک یہاں سے ہل بھی نہیں سکتی تھی تک پولیس نہ آجائے۔ لہٰذا میں نے اُسے بھی فون کرکے یہیں بلالیا۔''

''آپ کا قیام اور کہیں ہے۔''

''ہم ہوٹل ڈی فرانس میں مقیم ہیں۔'' عورت نے جواب دیا۔

''مستقل طور پر۔''

''جی نہیں! ہم پچھلی رات نصیر آباد سے آئے تھے۔ مستقل قیام وہیں ہے۔''

''اوہ.....اچھا.....کیا آپ بتاسکیں گی کہ نجمی صاحب کہاں ہیں۔''

''میں کیا بتاسکوں گی۔ یہ بات تو آپ کو نوکروں سے معلوم ہوسکتی ہے۔''

''آپ نے پوچھا۔''

''نہیں۔''

''آپ کو پوچھنا چاہئے تھا۔ میرا خیال ہے کہ آپ کا یہ فعل غیر فطری نہ ہوتا۔''

''جی ہاں.....قطعی فطری ہوتا لیکن ایسے حالات میں احتیاط بھی ضروری ہے۔ میں زیادہ تلوکر کے پولیس کو اس بات کا موقعہ نہیں دینا چاہتی کہ وہ مجھ پر ہی شبہ کرنے لگے۔''

''آپ پر کیوں؟'' فریدی نے حیرت ظاہر کی۔

''دنیا جانتی ہے کہ ہماری ناچاقی کے اسباب کیا ہیں۔''

''پھر شاید میں دنیا میں نہیں ہوں۔'' فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی۔

''اوہ.....دیکھئے.....ہم دونوں کے صرف تعلقات خراب ہیں۔ ہم نے قانونی طور پر علیحدگی اختیار نہیں کی، لہٰذا میں پروفیسر کے خلاف کچھ نہیں کہنا چاہتی۔''

''ایسے کسی موقع پر بھی آپ اپنی زبان بند رکھیں گی۔ مجھے حیرت ہے۔''

عورت کچھ نہ بولی۔ فریدی نے کہا۔ ''فرض کیجئے! پولیس آپ پر شبہ کرنے لگے تو۔''

''میں کیا کرسکتی ہوں۔'' عورت نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

''آپ نصیر آباد سے کیوں آئی تھیں۔''

''یہ ایک بالکل نجی معاملہ ہے لہٰذا.....!''

فریدی اس کے جواب کی طرف دھیان دیئے بغیر بولا۔ ''یہ بھی ممکن ہے کہ نجمی صاحب کی سیکریٹری کو آپ شبہے کی نظر سے دیکھتی رہی ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ پچھلی رات کو یہاں آئی ہوں.....اور.....پھر صبح بھی آئی ہوں۔''

عورت کے چہرے پر زردی پھیل گئی اور اس نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ ''میں جانتی تھی ہماری ناچاقی کے اسباب سے پولیس بھی واقف ہوگی۔ لیکن آپ یقین کیجئے کہ میں نے اُسے قتل نہیں کیا۔ میرے خدا قتل؟ میں کبھی اس کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔''

وہ چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔ ''میرے تعلقات اسی بناء پر خراب ہوگئے ہیں کہ آوارہ عورتوں کے پیچھے دوڑتا پھرتا ہے۔ خوبصورت لڑکیاں رکھتا ہے۔ اب یہی لڑکی جو آرٹس گریجویٹ تھی۔ سائنسی تحقیقات کے سلسلے میں اس کی کیا مدد کرسکتی ہوگی۔''

''اوہ، تو آپ اسی لڑکی کے سلسلے میں پروفیسر سے جھگڑا کرنے آئی تھیں۔''

''یہ قطعی غلط ہے۔ میں اس سے یہ کہنے آئی تھی کہ اگر ہم ساتھ نہیں رہ سکتے تو پھر قانونی طور پر ہی علیحدگی کیوں نہ ہوجائے۔''

''لیکن جب آپ یہاں آئیں تو سیکریٹری سے آپ کا جھگڑا ہوگیا۔'' فریدی نے کہا

''اوہ میرے خدا۔'' عورت آنکھیں بند کرکے اپنی پیشانی رگڑتی ہوئی بولی۔ ''کیا آپ سچ مچ مجھے پھانسی دلوانا چاہتے ہیں۔''

''جھگڑا نہیں ہوا تھا آپ کا اس سے۔''

''ہرگز نہیں..... میں نے پچھلی رات اس کی شکل تک نہیں دیکھی۔ آپ ہوٹل ڈی فرانس سے معلوم کرسکتے ہیں کہ ہم نے پچھلی رات وہیں گزاری تھی۔ البتہ میں بہت سویرے یہاں کے لئے روانہ ہوگئی تھی۔ خیال یہ تھا کہ پروفیسر سے ملاقات ہوجائے۔''

''یہ لڑکی ان کے پاس کب سے تھی۔''

''شاید پچھلے سال سے۔''

''کیا آپ کسی ایسے آدمی سے بھی واقف ہیں جو اس لڑکی کو کسی بناء پر قتل کرسکتا ہو۔''

''یوں تو خود..... پروفیسر..... اوہ..... نہیں دیکھئے مسٹر۔ میری ذہنی حالت اس ٹھیک نہیں ہے۔''

''کوئی بات نہیں۔ آپ جو کچھ بھی کہنا چاہتی ہیں صاف صاف کہئے اس سے صحیح پکڑنے میں مدد ملتی ہے۔ ضروری نہیں کہ پروفیسر نے اسے قتل ہی کردیا ہو، لیکن ہر زاویئے سے اس کیس پر نظر ڈالنی پڑے گی۔''

''نجمی.....!'' عورت نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر خاموش ہوکر کچھ سوچنے لگی۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو۔ کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''وہ ایک عورت سے بہت جلد اکتا جاتا ہے۔ خود میری موجودگی میں نہ جانے کتنی عورتوں کے مراسم رہے اور ختم ہوگئے۔''

''تو وہ اتنا ہی اکتا سکتا ہے کہ اپنی کسی داشتہ کو قتل کردے۔''

''اسکا جواب تو وہی دے سکے گا۔'' عورت نے بیزاری سے کہا۔ ''میں کیا بتا سکتی ہوں۔''

''اچھا شکریہ۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کو پھر تکلیف دی جائے۔'' فریدی نے کہا اور حمید کی متوجہ ہوگیا۔ لیکن عورت دروازے کے قریب بھی نہیں پہنچی تھی کہ وہ اسے روک کر بولا۔ ''پولیس کو اطلاع دیئے بغیر اس شہر سے باہر نہیں جاسکیں گی۔''

''کب تک۔'' عورت جھلا کر مڑی۔

''جب تک پولیس اس کی ضرورت سمجھے۔''

''میں یہاں زیادہ دنوں تک نہیں ٹھہر سکتی۔''

''مجبوری ہے محترمہ۔'' فریدی نے کہا اور حمید سے بولا۔ ''کسی ایک نوکر کو بلاؤ۔''

عورت فرش پر پیر پٹختی ہوئی چلی گئی۔

''اس کی لڑکی کو کیوں نہ لاؤں۔'' حمید نے تجویز پیش کی۔

''جو میں کہہ رہا ہوں کرو۔''

حمید چپ چاپ باہر کو چلا آیا اور پھر ایک نوکر کے ساتھ واپسی ہوئی۔

فریدی نے اس سے اس کا نام پوچھا۔ ملازمت کی مدت معلوم کی اور پھر پروفیسر نجمی کے متعلق سوال کر بیٹھا۔

''وہ تو دو ماہ سے یہاں نہیں ہیں جناب۔''

''کہاں ہیں۔''

''ہمیں پتہ نہیں..... مس صاحب کو معلوم ہوگا۔''

''کون مس صاحب۔''

''وہی جن کی لاش.....!'' نوکر کی آواز بھرا گئی۔

''یہ سیکریٹری یہاں رات رہتی تھی۔''

''جی ہاں جناب! صاحب کی موجودگی میں سب کچھ مس صاحبہ کی نگرانی میں رہتا تھا۔

''پچھلی رات تم کس وقت یہاں سے گئے تھے۔''

''نو بجے۔''

''اس وقت سیکریٹری کیا کر رہی تھی۔''

''پیانو بجا رہی تھیں۔''

''اور کون تھا اس کے ساتھ۔''

''کوئی بھی نہیں.....وہ تنہا تھیں۔''

''اس کے مرد دوست بھی یہاں آتے رہے ہوں گے۔''

''میں نے آج تک کسی کو بھی نہیں دیکھا۔'' نوکر نے جواب دیا۔ ''وہ خود بھی بہت کم جاتی تھیں۔''

''تم میں سے کس کو زیادہ پسند کرتی تھی۔''

''جج.....جی.....!'' نوکر ہکلا کر رہ گیا۔ ''وہ فریدی کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔''

''مطلب یہ کہ وہ کس پر سب سے زیادہ اعتماد کرتی تھی۔''

نوکر کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ ''یہ بتانا بہت دشوار ہے۔''

''پروفیسر نجمی کس ملازم پر سب سے زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔''

''ارشاد پر جناب۔''

''کیا وہ یہاں موجود ہے۔''

''جی ہاں!''

''ارشاد کو بلاؤ۔'' فریدی نے حمید سے کہا اور نوکر سے بولا۔ ''تم جا سکتے ہو۔''

کچھ دیر بعد ارشاد وہاں موجود تھا۔

فریدی نے سب سے پہلے پروفیسر نجمی ہی کے متعلق سوال کیا لیکن اس نے بھی وہی جواب دیا جو اسے اس سے پہلے بھی مل چکا تھا۔ یعنی تقریباً دو ماہ سے پروفیسر غائب تھا۔

''مجھے حیرت ہے کہ تم بھی پروفیسر کے متعلق واضح طور پر کچھ نہیں بتا سکتے۔ جبکہ تمہارے بارے میں سنا جاتا ہے کہ تم پروفیسر کے نجی معاملات میں بھی دخیل ہو۔''

''یہ درست ہے جناب مگر انہوں نے مجھ سے بھی اس کا تذکرہ نہیں کیا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔''

''روانگی کے وقت تم موجود تھے۔''

''نہیں جناب! وہ رات کو کسی وقت گئے تھے دوسرے دن مجھے مس صاحب سے معلوم ہوا کہ صاحب کہیں باہر گئے ہیں، لیکن شاید مس صاحبہ کو بھی یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں کے لئے روانہ ہوئے ہیں۔''

''پچھلی رات تم کس وقت یہاں سے گئے تھے۔''

''میں سب کے بعد گیا تھا۔ وقت شاید.....شاید دس بج رہے ہوں گے۔''

''اچھا تو وہ تمہارے سامنے ہی گیا تھا۔''

''کون جناب۔'' نوکر نے حیرت سے پوچھا۔

''سیکریٹری کا دوست.....؟''

''نہیں جناب! میری موجودگی میں تو کوئی بھی نہیں آیا تھا۔ مس صاحب تنہا تھیں۔''

''اچھی طرح یاد کرو۔''

''اچھی طرح یاد ہے جناب۔ میرا خیال ہے کہ کوئی ان کا دوست نہیں تھا یا پھر میں ہی کسی ایسے آدمی سے واقف نہ ہوں گا جسے ان کا دوست کہہ سکوں۔''

''کیا وہ یہاں رات کو تنہا رہتی تھی۔''

''جی ہاں!''

''اب میں جو کچھ پوچھنے جا رہا ہوں اس کا جواب سوچ سمجھ کر دینا۔'' فریدی نے اس کی

آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا وہ صرف سیکریٹری تھی۔''

نوکر نے جواب میں کچھ کہنا چاہا مگر پھر ہونٹ بند کر لئے اور فریدی بولا۔ ''ہاں اچھی طرح سوچ لو۔''

مگر وہ صرف سوچتا ہی رہا۔ زبان نہیں کھولی۔

''کتنی دیر تک سوچو گے۔'' حمید نے اکتا کر کہا۔

''میں اس سوال کا کیا جواب دوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا..... حضور۔''

''کیا وہ صرف سیکریٹری تھی۔'' فریدی نے پھر سوال کیا۔

''اس کا جواب صاحب ہی دے سکیں گے۔''

''پولیس تمہیں جواب کے لئے مجبور بھی کر سکتی ہے۔''

''جی نہیں..... وہ صرف سیکریٹری نہیں تھیں۔''

''تمہیں اچھی طرح علم ہے۔''

''جی ہاں۔''

''کیا پروفیسر کی روانگی سے قبل دونوں میں جھگڑا ہوا تھا۔''

''مجھے علم نہیں ہے جناب..... ویسے صاحب جھگڑالو آدمی نہیں ہیں اور نہ میں نے صاحب ہی کو غصے میں دیکھا ہے۔''

''پروفیسر کہاں ہے..... تم یہ بھی جانتے ہو؟''

''نہیں حضور مجھے علم نہیں ہے۔ ممکن ہے صاحب کے وکیل کو علم ہو۔''

''وکیل..... وکیل کون ہے۔''

''تنویر صمدانی۔''

''پتہ.....!''

''اٹھارہ گرین اسکوائر.....!''

حمید نے نوٹ بک میں پتہ نوٹ کر لیا۔

نمبر 20

فریدی نے کرسی کی پشت سے ٹک کر سگار سلگایا اور نوکر کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ ''تم جا سکتے ہو۔''

پھر فریدی نے فرداً فرداً دوسرے نوکروں سے بھی سوالات کئے لیکن ان سے بھی کوئی نئی بات معلوم ہو سکی۔ وہ چند لمحے سگار کے کش لیتا رہا پھر حمید سے بولا۔ ''اگر یہاں ٹیلی فون ڈائریکٹری مل سکے تو تنویر صمدانی کے نمبر تلاش کرو۔''

حمید کمرے سے نکل آیا۔ ٹیلی فون ڈائریکٹری اُسے جلد ہی مل گئی لیکن تنویر صمدانی کے نمبر تلاش کرنے میں ضرور دشواری پیش آئی کیونکہ نمبر تنویر صمدانی کے نام سے نہیں تھے بلکہ فرم کے نام سے تھے بہرحال وہ آدھے گھنٹے کی مسلسل جدوجہد کے بعد اس میں کامیاب ہو سکا۔ اس نے فریدی کو اطلاع دی اور فریدی پھر لاش والے کمرے میں واپس آ گیا کیونکہ فون یہیں تھا۔ لاش اٹھوائی جا چکی تھی لیکن فرش پر خون کے دھبے اب بھی باقی تھے۔ اس نے تنویر صمدانی کے نمبر ڈائیل کئے۔ کال خود اسی نے ریسیو کی۔ فریدی نے پوچھا۔ ''آپ پروفیسر نجمی کے قانونی مشیر ہیں۔''

''جی ہاں..... آپ کون صاحب ہیں۔''

''میں محکمہ سراغ رسانی کا ایک آفیسر کرنل فریدی ہوں۔''

''اوہ..... کرنل صاحب..... فرمایئے..... فرمایئے۔''

''میں پروفیسر نجمی کی قیامگاہ سے بول رہا ہوں۔ یہاں اسکی سیکریٹری کی لاش پائی گئی ہے۔''

''نہیں.....!'' تنویر متحیرانہ انداز میں چیخا۔ ''سیکریٹری کی لاش۔''

''آپ فوراً یہاں تشریف لایئے۔'' فریدی نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

وہ پھر تجسس آمیز نظریں چاروں طرف ڈال رہا تھا۔ دفعتاً اس کی نظر کاغذ کے ایک ٹکڑے پر پڑی جس کا ایک گوشہ فون کے نیچے دبا ہوا تھا۔ شاید دوسرے اس کاغذ کے ٹکڑے کو نظر انداز کر گئے تھے کیونکہ اس پر کچھ نمبر درج تھے۔ ممکن ہے فون کے ہی نمبر رہے ہوں۔ لیکن فریدی انہیں تیز نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے وہ انہیں دیکھ کر کسی الجھن میں پڑ گیا ہو۔

بالآخر اس نے پھر ریسیور اٹھا لیا اور انکوائری کے نمبر ڈائیل کئے۔ دوسری طرف سے فوراً

ہی جواب ملا۔ فریدی نے بتایا کہ وہ کون ہے۔ پھر اس نے کاغذ پر لکھے ہوئے نمبر دہ ہوئے کہا۔ ''مجھے ان نمبروں کے نمبر اور پتے درکار ہیں۔''

''آپ کس نمبر کے فون سے گفتگو کر رہے ہیں۔'' دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

فریدی نے نیچے جھک کر پروفیسر کے نجمی کے نمبر دیکھے اور آپریٹر کو بتاتا ہوا بولا۔ ''ا پر مجھے آگاہ کیا جائے۔''

''پندرہ منٹ ضرور صرف ہوں گے جناب۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''کوئی بات نہیں۔'' فریدی نے کہا اور ریسیور کریڈل میں رکھ دیا۔

''خدا کے لئے اُسے خودکشی ہی رہنے دیجئے۔'' حمید بڑبڑایا۔

''کیوں.....؟''

''اتنی خوبصورت لڑکی کو کوئی قتل نہیں کر سکتا۔''

فریدی کوئی جواب دینے کی بجائے صرف بُرا سا منہ بنا کر رہ گیا۔

پندرہ منٹ بعد فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے ریسیور کان سے لگاتے ہوئے کا پنسل سنبھال لیا۔ اس نے بڑی تیزی سے پانچ نام اور پتے نوٹ کئے۔

موجد کی کہانی

ایک نوکر نے تنویر صدانی کی آمد کا اعلان کیا۔ وہ ایک دراز قد اور دُبلا پتلا آدمی تھا۔ داڑھی مونچھوں سے بے نیاز اور سر انڈے کے چھلکے کی طرح شفاف تھا۔ صرف نچلے حصے نشیب میں تھوڑے سے بال تھے۔ جنہیں بڑی احتیاط سے گدی پر جما لیا گیا تھا۔

''غالباً ہم پہلے بھی کہیں مل چکے ہیں۔'' فریدی نے اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے مسکرا کر کہا۔

''یقیناً..... یقیناً.....!'' وہ اس سے مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ ''لیکن یہ واقعہ..... ڈوروتھی کی میرے خدا..... یقین نہیں آتا..... لاش کہاں ہے۔''

''ہٹوا دی گئی ہے۔'' فریدی نے جواب دیا۔

''قتل.....!'' وہ فریدی کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بڑبڑایا۔

''یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا۔'' فریدی نے جواب دیا۔ ''لیکن یہ بھی نہیں کہا جا سکتا ت کے اسباب قدرتی ہوں گے کیونکہ اس کی کنپٹی میں ایک سوراخ ہے اور فرش پر پاس ہی ایک ریوالور پڑا ہوا ملا ہے۔''

''مگر اُسے کس نے قتل کیا۔'' تنویر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''وہ بڑی نیک لڑکی تھی کرنل ب، خاموش اور سنجیدہ۔ ایسی نہیں تھی کہ اسکے قتل کا محرک کسی کا انتقامی جذبہ قرار دیا جا سکے۔''

''ہو سکتا ہے۔ اس نے خودکشی کی ہو۔'' فریدی بولا۔ ''مگر ٹھہریئے! میں فی الحال اس میں نہیں پڑنا چاہتا۔ مجھے تو دراصل پروفیسر نجمی کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں۔''

''اوہ.....!'' دفعتاً تنویر کی آنکھوں میں الجھن کے آثار نظر آنے لگے پھر اس نے ل پر زبان پھیر کر پوچھا۔ ''کس قسم کی معلومات.....!''

''وہ کہاں ہے! مجھے اس کا موجودہ پتہ چاہئے۔''

''اوہ..... پتہ..... دیکھئے..... میرے خدا مجھے کیا کرنا چاہئے۔'' تنویر اسی طرح بڑبڑایا ، خود سے مخاطب ہو۔

''ہاں..... یہ بہت ضروری ہے۔ اگر آپ کو اس کا موجودہ پتہ معلوم ہو تو براہِ کرم قانون مدد فرمایئے۔''

''میں بڑی الجھن میں پڑ گیا ہوں۔'' تنویر نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ وہ بُری طرح نروس نظر آنے لگا تھا۔

''کیوں آپ کیوں الجھن میں پڑ گئے۔'' فریدی اسے گھورنے لگا۔

''دیکھئے..... آپ جانتے ہیں کہ بزنس کا معاملہ کتنا نازک ہوتا ہے۔''

''میں صرف قانون جانتا ہوں۔ بزنس کے نازک مسائل سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

''پانچ منٹ.....!'' تنویر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''مجھے صرف پانچ منٹ دیجئے سوچنے کے لئے۔''

''آپ دس منٹ تک سوچئے لیکن میں آپ کے صرف اسی فیصلے کی قدر کرسکوں گا۔ آپ ہرحال میں قانون کی مدد کریں گے۔''

''میں قانون اور اس کی اہمیت سے واقف ہوں۔'' س کے لہجے میں بھی تلخی کی جھلک پائی گئی۔

حمید نے بُرا سا منہ بنایا اور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی نے اشارے سے اسے روک

تنویر نے کچھ دیر بعد سر اٹھایا اور آہستہ سے بولا۔ ''واقعی مجھے بتا دینا چاہئے۔ حالات ایسے ہوں تو.....!'' وہ پھر کچھ سوچنے لگا۔

حمید کو پھر اس پر غصہ آ گیا۔ اسے اس کی یہ حرکت کھل رہی تھی کہ وہ خواہ مخواہ اس گفتگو طول دینے کی کوشش کررہا ہے۔

''آپ وقت برباد کررہے ہیں۔'' اس نے کہا۔

''ٹھہریئے جناب!'' تنویر آہستہ سے بولا۔ ''میں جس پوزیشن میں ہوں وہ.....!''

وہ پھر خاموش ہوگیا۔ فریدی اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر نہ تو جھلا کے آثار تھے اور نہ الجھن کے۔ اس نے حمید کو اشارہ کیا کہ وہ اپنی زبان بالکل بند رکھے۔

وہ تھوڑی دیر سر جھکائے کھڑا رہا پھر فریدی کی طرف دیکھ کر ایک طویل سانس لی بولا۔ ''نجمی صاحب کی ہدایت تھی کہ ان کے متعلق کسی کو کچھ نہ بتاؤں۔ وہ کچھ دن گھر سے رہنا چاہتے ہیں..... کیوں؟ یہ میں بتاؤں یا نہ بتاؤں۔''

''وہ ہے کہاں؟'' فریدی نے پوچھا۔

''دیکھئے ٹھہریئے میں بتاتا ہوں۔'' تنویر اس انداز میں دیکھنے لگا جیسے بیٹھنے کے لئے مناسب جگہ تلاش کررہا ہو..... یہ واردات ہی والا کمرہ تھا۔

''آیئے میرے ساتھ۔'' فریدی نے کہا۔ ''آپ بہت زیادہ تھکے ہوئے نظر آتے ہیں۔''

''جی ہاں..... میں کئی دنوں سے علیل ہوں۔''

وہ اسی کمرے میں آئے جہاں فریدی نے نجمی کی بیوی وغیرہ سے گفتگو کی تھی۔

تنویر بیٹھ گیا۔ حمید پاؤچ سے تمباکو نکال کر پائپ میں بھرنے لگا۔

تنویر نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''ان کے خطوط روپ نگر سے آتے ہیں جنکے جواب میں روپ کے پوسٹ ماسٹر کے توسط سے بھجواتا ہوں۔ لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ انکا قیام کہاں ہے۔''

''اتنی رازداری۔'' فریدی نے حیرت سے کہا۔ ''پھر خط و کتابت ہی کرنیکی کیا ضرورت ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ وہ مجبوراً خط و کتابت کرتے ہیں ورنہ شاید مجھے بھی اطلاع نہ ہوتی کہ انہوں نے کس لئے روپوشی اختیار کی ہے۔''

''مجبوری کیسی.....!''

''وہ اپنے ساتھ زیادہ رقم نہیں رکھ سکتے لہٰذا ان کے چیک میرے پاس آتے ہیں اور میں کیش کرا کے رقم روپ نگر کے پوسٹ ماسٹر کے توسط سے انہیں بھیج دیتا ہوں۔''

''اوہ..... مگر انہوں نے روپوشی کیوں اختیار کی ہے۔''

''یہی تو ایک مصیبت ہے۔'' تنویر ایک لمبی سانس لے کر بولا۔ ''ان کی ہدایت ہے کہ ان کے متعلق کسی کو کچھ نہ بتاؤں۔''

''خدارا اسے اپنی ہی حد تک رکھئے گا۔'' اس نے حمید کیطرف دیکھتے ہوئے فریدی سے کہا۔

''آپ بہت دیر کررہے ہیں۔'' فریدی بولا۔

''آپ جانتے ہی ہوں گے کہ نجمی صاحب موجد ہیں۔ اب تک انہوں نے بہتیری چھوٹی موٹی ایجادات کی ہیں۔ آج کل بھی وہ ایک نئی ایجاد..... کی فکر میں ہیں لیکن.....!''

''خدا کے لئے مجھے ''لیکوں'' کی تعداد پہلے سے نوٹ کرا دیجئے۔'' حمید بول پڑا۔

فریدی نے اُسے گھور کر دیکھا۔

''میں مجبور ہوں۔ اس سلسلے میں میری زبان نہیں کھلتی۔'' تنویر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

''براہِ کرم گفتگو کو مختصر کیجئے۔'' اس بار فریدی نے بھی سخت لہجہ اختیار کیا۔

''آپ نے کیپٹن برجیس قدر کا نام سنا ہوگا۔'' تنویر اس کے لہجے سے متاثر ہو بولا۔ ''میں مجبوراً آپ کو سب کچھ بتا رہا ہوں۔ ورنہ یہ میرے ایک مؤکل کا راز ہے۔ میر اگر آپ ہوتے تو آپ کا بھی یہی رویہ ہوتا۔ ہاں تو یہ برجیس بھی بہترین چھوٹی موٹی چ موجد ہے۔ آج سے پانچ سال پہلے پروفیسر نجمی اور کیپٹن برجیس قدر مشترکہ طور پر کام تھے۔ لیکن ایک بار برجیس قدر نے بے ایمانی کی اس نے پروفیسر کی ایجاد چوری سے ا پیٹنٹ کرالی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ طویل جھگڑے کے بعد دونوں میں علیحدگی ہوگئی۔ لیکن قدر نے پروفیسر کا پیچھا نہ چھوڑا۔ ایک بار وہ تنہا ایک مشین کے سلسلے میں کچھ نئے کر رہے تھے۔ مشین کا ڈھانچہ مکمل ہو چکا تھا۔ لیکن ایک رات پروفیسر کی وہ مشین چرا پھر کچھ ہی دن بعد تھوڑی سی تبدیلیوں کے ساتھ اسے برجیس قدر کے نام سے پیٹنٹ سنا گیا اور پھر جلد ہی وہ بازار میں فروخت کے لئے بھی آ گئی۔ اب آپ خود ہی فیصلہ ایسا مظلوم ایسے اوقات میں روپوشی کے علاوہ اور کس چیز کا سہارا لے گا۔''

''پروفیسر نے اس کے خلاف قانونی کارروائی کیوں نہیں کی۔'' حمید نے کہا۔

''قانونی کارروائی کیونکر ممکن تھی جب کہ..... ہاں سنئے۔ پروفیسر نے چوری کی درج کرادی تھی۔ انہوں نے اپنی مشین کے متعلق جو تفصیل دی تھی اس کے اعتبار سے دعویٰ ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ برجیس قدر کی مشین کچھ تبدیلیوں کے ساتھ آئی تھی۔ ڈھا شکل تو بالکل ہی بدل گئی تھی۔''

''فریدی چند لمحے وکیل کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر بولا۔ ''مسٹر صدانی..... کیا کی بیوی کا گذارہ آپ ہی کی وساطت سے ادا کیا جا رہا ہے۔''

''جی ہاں..... قطعی.....!''

''کیا وہ اس دوران میں آپ سے ملتی تھی۔''

''نہیں شاید پچھلے سال ان سے ملاقات ہوئی تھی۔''

''آپ کو یہ بھی نہ معلوم ہوگا کہ لاش کی اطلاع بھی مسز نجمی ہی نے پولیس کو دی تھی۔''

''کیا.....!'' صدانی یک بیک کھڑا ہو گیا۔ ان کا منہ کھل گیا تھا۔ ''کک..... کچھ.....!''

''تشریف رکھئے۔'' فریدی نے کہا۔ ''آپ کو ان کی موجودگی پر اتنی حیرت کیوں ہے۔''

صدانی ہکلاتا ہوا بیٹھ گیا۔ پھر دھیرے سے بولا۔

''حیرت!'' وکیل بُری طرح بزدوس نظر آنے لگا تھا۔ ''حیرت..... دراصل اس بات پر انہوں نے لاش کی اطلاع کیسے دی..... کک..... کیا..... وہ یہاں، اس گھر میں آئی

''ہاں اس کا بیان ہے کہ وہ پچھلی رات کو یہاں آئی۔ رات بھر ہوٹل ڈی فرانس میں قیام صبح وہ اس گھر میں آئی۔ وہ نجمی سے ملنے آئی تھی۔''

''اوہ..... اچھا.....!'' وکیل کے چہرے پر تشویش کے آثار صاف نظر آ رہے تھے۔ وہ بولا۔ ''وہ..... میرا مطلب یہ ہے کہ میری موجودگی میں دونوں نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ مجھ سے دور رہیں گے۔ اسکے علاوہ میں کچھ نہیں جانتا، جو کچھ معلوم تھا وہ بتا چکا ہوں۔''

''خیر..... میں آپ کو مجبور نہیں کرتا لیکن براہِ کرم پروفیسر نجمی کو بذریعہ تار مطلع کیجئے کہ ان کی موجودگی ضروری ہے۔ اشد ضروری۔''

''میں مطلع کر دوں گا۔''

صدانی اٹھ گیا۔ اس کے ساتھ ہی فریدی اور حمید بھی اٹھے۔ انہیں باہر جانے کے لئے اس کے سامنے سے گزرنا پڑا جس میں واردات ہوئی تھی۔

''ایک منٹ اور مسٹر صدانی۔'' فریدی نے اُسے کمرے کے دروازے کے سامنے روکتے ہوئے کہا۔ ''کیا اس لڑکی کی خودکشی کی بھی کوئی وجہ ہو سکتی ہے۔''

وکیل چونک کر رک گیا۔

''خودکشی۔'' وہ آہستہ سے بولا۔ ''اگر ہو بھی تو مجھے کیا علم ہو سکتا ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ آپ اس لڑکی کو قریب سے جانتے تھے۔''

''اسی حد تک کہ میں نجمی صاحب کا قانونی مشیر ہوں اور وہ نجمی صاحب کی سیکریٹری تھی

''آپ اس کے کسی دوست سے بھی واقف ہیں۔''

''نہیں! میرا خیال ہے کہ وہ کوئی دوست نہیں رکھتی تھی۔ نجمی صاحب.....!''

''آپ جملہ پورا نہیں کرتے، مجھے بڑی شکایت ہے۔'' حمید پھر بول پڑا۔

''جی کچھ نہیں..... کچھ بھی نہیں، دراصل اس حادثے نے مجھے حواس باختہ کر دیا ہے

''نہ صرف حادثے نے بلکہ کچھ انہونی باتوں نے بھی۔'' فریدی اسکی طرف دیکھتا ہوا

''میں نہیں سمجھا۔''

''یہی کہ مسز نجمی صبح یہاں آئی تھی اور اس نے لاش کے بارے میں پولیس کو مطلع کیا

''جج..... جی ہاں۔''

''پھر آپ.....!'' فریدی کہتے کہتے رک گیا۔ وہ صدانی کو گھور رہا تھا۔

صدانی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''یہاں مجھے مسز تنویر کی موجودگی الجھن

رہی ہے۔''

''کیوں.....؟ اوہ..... آپ نقاہت محسوس کر رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہم بیٹ

کریں۔'' فریدی نے کہا اور پھر اسی کمرے کی طرف مڑ گیا جہاں سے کچھ دیر قبل اٹھا تھا۔

وہ پھر وہیں آ بیٹھے۔ تنویر صدانی کچھ توقف کے ساتھ بولا۔ ''وہ ایک انتہائی غصہ

ہے۔ غصے کی حالت میں وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتی ہے۔ ایک بار اس نے غصے ہی

میں پروفیسر نجمی پر گوشت کاٹنے کی چھری پھینک ماری تھی اور پروفیسر بال بال بچے تھے۔

''شکریہ۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔ ''اب آپ کام کی باتیں کر رہے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔ مگر میرا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ سیکریٹری کی قاتل وہی ہیں۔''

''ضروری نہیں ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''پروفیسر خود بھی اس سے بہت زیادہ خائف رہتے تھے۔ وہ بہت چالاک عورت

طور پر علیحدگی کیلئے تیار نہیں ہوتی اور برابر چیختی رہتی ہے کہ گذارے کی رقم میں اضافہ کیا جائے

''ویسے پروفیسر تو اس بات کا خواہش مند ہوگا کہ وہ اس کے ساتھ رہے۔''

''ہرگز نہیں..... مسز نجمی ایک بیماری ہے۔ کون پسند کریگا کہ کوئی بیماری اس سے چمٹی رہے۔''

''ایک منٹ.....!'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''کیا مسز نجمی کو سیکریٹری پر بھی غصہ آ سکتا ہے۔''

''کیوں نہیں۔ یقیناً آ سکتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ پروفیسر محض خوبصورت سیکریٹریوں کی

ے اس میں دلچسپی نہیں لیتے اور وہ کئی بار کھلے ہوئے الفاظ میں پروفیسر پر آوارگی اور

ں کا الزام لگا چکی ہے۔''

''آپ کی دانست میں پروفیسر کیسے کیریکٹر کا آدمی ہے۔''

''جیسے دنیا کے سب آدمی ہوتے ہیں۔ دنیا کے ہر آدمی کی رال خوبصورت عورتوں کے

ٹپکتی رہتی ہے۔''

''تب پھر میں دنیا ہی میں نہ ہوں گا۔'' حمید اپنی نبض ٹٹولتا ہوا بولا۔

''یہ ایک عام بات ہے کیپٹن۔ ویسے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ دنیا میں ایسے آدمی نہ

ں جنہیں عورت سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔''

''چلئے ٹھیک ہے..... ہاں تو پھر۔'' فریدی نے کہا۔

''پروفیسر کو بھی خوبصورت عورتوں سے دلچسپی ہے۔ مجھے اس کا علم ہے لیکن سیکریٹری سے

ے تعلقات تھے اس کا علم مجھے نہیں ہے۔''

''بہرحال مسز نجمی سیکریٹریوں کو ہمیشہ بُری نظروں سے دیکھتی رہی ہے اور یہ بھی کہتی رہی

ہ کہ آخر وہ مرد سیکریٹری کیوں نہیں رکھتے۔''

''سیکریٹری اس گھر کی مختار کل تھی؟'' فریدی نے پوچھا۔

''جی ہاں..... وہ اسی پر سارا گھر چھوڑ گئے تھے۔''

''عدم موجودگی کی بات نہیں کر رہا ہوں۔ کیا پروفیسر کی موجودگی میں بھی اسے گھریلو

معاملات میں دخل رہتا تھا۔''

''اس کے متعلق تو ملازمین ہی بہتر بتا سکیں گے۔''

فریدی نے پھر کوئی سوال نہیں کیا۔ اسکی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئی تھیں اور حمید اکتایا ا سا نظر آ رہا تھا۔ دفعتاً تنویر صمدانی خود ہی بولا۔ ''میں نے مسز نجمی کے متعلق جو کچھ بتایا ہے اس ذرا برابر بھی مبالغہ نہیں ہے۔ غصے کی حالت میں اس سے دیوانوں کی سی حرکتیں سرزد ہوتی ہیں۔

''ہوں.....!'' فریدی بہت غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ اس نے اٹ ہوئے کہا۔ ''اچھا مسٹر صمدانی آپ کا بہت بہت شکریہ۔ آپ نے حتی الامکان میری مدد کی اور مجھے توقع ہے کہ آپ آئندہ بھی میرا ہاتھ بٹائیں گے۔ براہِ کرم پروفیسر کو جلد از جلد حالا سے مطلع کر کے یہاں بلوایئے۔''

''میں آج ہی انہیں تار دوں گا۔'' تنویر نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی اور حمید واپس ہو رہے تھے۔ تنویر جا چکا تھا۔ کار کی رفتار زیاد نہیں تھی۔ البتہ حمید ہزاروں میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جرائم اور مجرموں کو گالیاں دے رہا تھا۔

فریدی خاموشی سے کار ڈرائیو کرتا رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اسکی بکواس سن ہی نہ رہا۔

پھر حمید خود بخود ہی آزاد ہو گیا۔ فریدی نے سول ہسپتال کے قریب کار روکی اور یہ کہ اتر گیا۔ ''تم گھر جاؤ..... میں ابھی آ رہا ہوں۔''

لیکن حمید نے سوچا کہ وہ گھر کیوں جائے۔ ہوٹل ڈی فرانس کیوں نہ جائے۔ ج پروفیسر نجمی کی بیوی اپنی لڑکی کے ساتھ مقیم تھی۔ اگر وہ تنہا مقیم ہوتی تو حمید اُسے معاف کر دے مگر ایسی صورت میں جبکہ وہ ایک خوبصورت لڑکی کی ماں تھی۔ حمید اس پر قاتلہ ہونے کا کر کے اس کی لڑکی کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا سکتا تھا۔

اس نے کار اسٹارٹ کی اور گھر جانے کی بجائے ہوٹل ڈی فرانس پہنچ گیا۔ آدمی قدر کے ہاتھوں مجبور ہے۔ اگر تقدیر گھر پہنچانے کی بجائے کسی خوبصورت لڑکی کی طرف دے تو وہ کیا کر سکتا ہے۔

مسز نجمی شاید اسے دور ہی سے پہچان گئی تھی۔ کیونکہ اسے دیکھتے ہی اس کی پیشانی پر سلو پڑ گئیں۔ وہ دونوں ماں بیٹی حمید کو ڈائننگ ہال میں دوپہر کے کھانے کی میز پر نظر آئیں۔

ایک خالی میز پر بیٹھ کر کھانا ختم ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ وہ ان سے زیادہ دور نہیں تھا۔

دفعتاً مسز نجمی نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''یہیں آ جایئے نا۔''

حمید اٹھا اور شکریہ ادا کر کے اس کی میز پر جم گیا۔

''کیا آپ لنچ کر چکے ہیں۔'' مسز نجمی نے پوچھا۔

''جی ہاں شکریہ۔'' حمید نے کنکھیوں سے اس کی لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، جواب لنچ میں دلچسپی نہیں لے رہی تھی۔

''دیکھئے مسٹر.....!'' اچانک مسز نجمی نے آگے جھک کر غیر متوقع طور پر کہا۔ ''آپ ا خواہ مخواہ اپنا اور دوسروں کا وقت برباد کر رہے ہیں۔''

''کیوں.....؟''

''مجھ پر قتل کا شبہ کر کے ثبوت کے لئے جھک مارنا وقت کی بربادی ہی ہے جبکہ تین بجے خود پروفیسر ہی گھر میں موجود تھا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''میرے پاس اس کے لئے کافی ثبوت ہے کہ پروفیسر نجمی تین بجے گھر آیا تھا۔''

حمید متحیرانہ انداز میں اسکی طرف دیکھنے لگا۔ اب وہ اسکی لڑکی میں دلچسپی نہیں لے رہا تھا۔

قتل یا خودکشی

''ممی..... پلیز.....!'' اس کی لڑکی بڑبڑائی لیکن مسز نجمی اس کی طرف دھیان دیئے بغیر کہتی رہی۔ ''مکان کی پشت پر ایک دیسی عیسائی عورت رہتی ہے اس نے پروفیسر کو پچھلی رات ممی دروازے سے عمارت میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔''

''کیا وہ تین بجے پروفیسر کا انتظار کر رہی تھی۔'' حمید نے کہا۔

''میں نہیں سمجھی آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔''

''مطلب یہ کہ وہ تین بجے رات کو کیا کر رہی تھی کہ پروفیسر اسے اس طرح نظر آیا۔''

''یہ آپ اسی سے پوچھئے گا۔'' مسز نجمی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ ''اس کا نام مر لاڈیل ہے۔ ہمارے مکان کی پشت پر اس کا چھوٹا سا مکان ہے۔''

''خیر ہم اسے بھی چیک کریں گے۔'' حمید نے لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ مز سر جھکائے کھاتی رہی۔ دفعتاً لڑکی نے حمید کو کچھ اشارہ کیا لیکن حمید نہیں سمجھ سکا کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ اس نے دوبارہ استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور اس بار اس کی سمجھ آ گیا کہ وہ کچھ کہنے کے لئے اسے وہاں روکنا چاہتی ہے۔ حمید پھر مسز نجمی کی طرف دیکھنے جواب بھی اُسی طرح سر جھکائے کھا رہی تھی۔

''اس اطلاع پر میں آپ کا مشکور ہوں مسز نجمی..... میں دیکھ لوں گا کہ آپ کا بیان کہ تک صحیح ہے۔''

''مسز لاڈیل سے ضرور ملئے۔''

''اوہ..... ہاں ایک بات اور..... پروفیسر کا قانونی مشیر صمدانی کیسا آدمی ہے۔'' اٹھتے اٹھتے رک گیا۔

''میں سوال کا مطلب نہیں سمجھی۔''

''مطلب یہ کہ کیا وہ قابل اعتماد آدمی ہے۔''

''اوہ..... تو کیا وہ آپ لوگوں کو میرے خلاف بہکانے کی کوشش کرتا رہا ہے۔''

''نہیں! ابھی تک ہم اس سے ملے بھی نہیں۔'' حمید نے بڑی صفائی سے جھوٹ بولا۔

''ہوسکتا ہے کہ وہ میرے خلاف زہر اُگلنے کی کوشش کرے کیونکہ وہ صرف مشیر قانونی نہیں بلکہ پروفیسر کا دوست بھی ہے۔ وہ ہمیشہ یہی کوشش کرتا رہا ہے کہ ہم دونوں میں ت طور پر علیحدگی ہو جائے۔''

''اچھی بات ہے۔ میں اسے بھی دیکھ لوں گا۔'' حمید نے کہا اور اٹھ گیا..... بظاہر

ت میں ہوٹل سے چلا جانا چاہتا تھا۔ وہ باہر نکل کر دوسری طرف سے ہوٹل کی اوپر والی پر چلا گیا۔ اوپر کی گیلری میں بھی کچھ کیبن تھے جن میں سے کسی ایک میں بیٹھ کر وہ ان پر بخوبی نظر رکھ سکتا تھا۔

لنچ ختم کر کے لڑکی اٹھ گئی۔ لیکن مسز نجمی بدستور بیٹھی رہی۔ حمید سوچنے لگا کہ وہ وہیں بیٹھے کے پیچھے جائے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے یہی فیصلہ کیا کہ اسے وہیں بیٹھنا چاہئے۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد اس نے لڑکی کو واپس آتے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا ب تھا۔

وہ میز کے قریب آئی۔ مسز نجمی اس سے کچھ کہہ رہی تھی۔ پھر اس نے اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ شاید وہ تنہا کہیں جانے کے لئے تیار تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ اٹھی اور ڈائننگ ہال باہر نکل گئی۔ لڑکی وہیں کھڑی چاروں طرف دیکھتی رہی۔ پھر حمید نے کیبن کے پردے سے ں کر اسے وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔

نیچے آ کر اس نے کہا۔ ''فرمایئے..... میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔''

''میرے ساتھ آیئے۔'' وہ تیزی سے ایک طرف بڑھتی ہوئی بولی۔ حمید اس کے ساتھ لگا وہ اسے اس کمرے میں لائی جہاں ان کا قیام تھا۔

''میں نے آپ کو..... اس لئے..... روکا تھا۔'' وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولی اور ڑ ہوگئی۔ حمید خاموش رہا۔ لڑکی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ''ممی بہت غصہ ور ہیں۔ غصے کی ت میں ان کی عقل سلب ہو جاتی ہے۔ وہ نہیں سمجھتیں کہ وہ کیا کر رہی ہیں یا کیا کہہ رہی ہیں۔ پاپا سے ان کی لڑائی ہے اور وہ ہمیشہ ان پر خار کھاتی رہی ہیں اسلئے ابھی انہوں نے جو بھی کہا ہے آپ اس پر یقین نہ کیجئے گا۔''

''آپ کو پاپا سے ہمدردی ہے۔''

''کیوں نہ ہو! کیا دنیا کے کسی آدمی کو اپنے باپ سے ہمدردی نہیں ہوسکتی۔''

''پھر آپ ان سے علیحدہ کیوں ہوگئی ہیں۔''

''میں علیحدہ نہیں ہوئی اس کی تمام تر ذمہ داری ممی پر ہے۔ میں ان سے بہت ڈرتی ہوں اس لئے مجھے وہی کرنا پڑتا ہے جو وہ کہتی ہیں۔ انہوں نے علیحدگی اختیار کی اور مجھے بھی اپنے ساتھ گھسیٹ لے گئیں۔''

''تو انہوں نے مسز لاڈیل کی جو کہانی سنائی ہے اسے میں غلط سمجھوں۔''

''ممکن ہے مسز لاڈیل کو دھوکہ ہوا ہو۔ وہ کوئی اور ہو جسے وہ پاپا سمجھ بیٹھی ہو۔''

''کیا مسز لاڈیل آپ کی ممی کی گہری دوست ہے۔''

''مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ ویسے، میں اتنا جانتی ہوں کہ ممی دیسی عورتوں سے بہت نفرت کرتی ہے۔ مسز لاڈیل دیسی ہی عورت ہے۔ لہٰذا میری دانست میں اس سے دوستی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔''

''شکریہ۔'' حمید نے مسکرا کر کہا۔ ''آپ بہت ذہین معلوم ہوتی ہیں۔''

''کیوں.....؟''

''یہ آپ کا انداز گفتگو کہتا ہے ہم لوگوں کو اپنے سوالات کے اتنے واضح جواب نہیں ملتے۔ دیکھئے سوالات کو سمجھنا اور مناسب جواب دینا بھی بڑا مشکل فن ہے۔ اسی لئے میں آپ کو بہت زیادہ ذہین سمجھنے پر مجبور ہوں۔ اس کے برخلاف آپ کی ممی..... مگر ہاں وہ غصہ ور ہیں جواب دیتے وقت انہیں غصہ آجاتا ہے اس لئے ان کے جوابات واضح نہیں ہوتے۔''

''جی ہاں..... یہی بات ہے۔ انہیں بہت شدت سے غصہ آتا ہے۔''

''اب اس سے زیادہ شدت اور کیا ہوگی کہ ایک بار انہوں نے نجمی صاحب پر چھری سے وار کر دی تھی۔'' حمید نے کہا اور لڑکی دفعتاً زرد ہوگئی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور اس نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر بدقت کہا۔ ''کسی نے آپ کو غلط اطلاع دی ہے۔''

''مگر یہ اطلاع ایک بہت ہی معتبر آدمی سے ملی تھی۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔

''یہ..... یہ..... آخر کس نے یہ بات کس سلسلے میں آپ کو بتائی تھی۔'' لڑکی نے کہا۔ اس کے چہرے کی زردی بدستور قائم تھی۔

''یونہی برسبیل تذکرہ..... کس نے بتائی تھی یہ میں نہ بتا سکوں گا۔''

لڑکی سوچنے لگی۔ پھر اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''نہیں یہ غلط ہے کسی نے آپ کو الو بنانے کی کوشش کی ہے۔ غالباً وہ اس قتل کو ممی کے سر منڈھنا چاہتا ہے۔''

''یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں۔''

''کیوں نہیں..... جب وہ غصے میں پاپا پر چھری پھینک سکتی ہے تو غصے کی ہی حالت میں کسی کو بھی قتل کر سکتی ہیں۔''

''آپ واقعی بے حد ذہین ہیں لیکن ہم ان لائنوں پر نہیں سوچ رہے ہیں آپ کی ممی تو رات آپ کے ساتھ ہی رہی تھیں۔ صرف اس بناء پر انہیں قاتل تو نہیں قرار دیا جا سکتا کہ وہ غصہ ور ہیں۔ دنیا کے بہتیرے آدمی بہت زیادہ غصہ ور ہیں۔ لیکن وہ قتل تو نہیں کرتے پھرتے۔ میں اتفاقاً اُدھر آنکلا تھا مقصد یہ نہیں تھا کہ اس سلسلے میں آپ لوگوں سے گفتگو کی جائے۔''

لڑکی خاموش ہوگئی۔ اس وقت اسے لڑکی کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ لیکن وہ اندازہ نہیں لگا سکا وہ کس قسم کی لڑکی ہے۔

لڑکی نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''آخر پاپا اس طرح کسی کو اطلاع دیئے بغیر کہاں غائب ہوگئے ہیں۔''

''پتہ نہیں۔'' حمید بولا۔ پھر اس نے تھوڑے توقف سے کہا۔ ''آپ میرا فون نمبر نوٹ کر لیجئے ممکن ہے کبھی آپ مجھے کوئی نئی بات بتا سکیں۔''

لڑکی نے فون نمبر نوٹ کر لیا اور حمید اٹھتا ہوا بولا۔ ''اب اجازت دیجئے۔''

لڑکی کے چہرے سے تشویش ظاہر ہو رہی تھی۔ اس نے اٹھ کر حمید سے مصافحہ کیا لیکن نگاہ اس کے چہرے سے تک چھوڑنے نہیں آئی۔ حمید نے اس کی آنکھوں میں الجھنیں دیکھی تھیں۔

ہوٹل سے نکل کر اس نے ایک دوا فروش کی دوکان سے فریدی کو فون کیا۔

سب سے پہلے اس نے سول ہسپتال ہی کے نمبر ڈائیل کئے۔ فریدی اب بھی وہیں تھا اس لئے حمید کو کچھ دیر تک انتظار کرنا پڑا۔ پھر فریدی کی آواز سنائی دی۔

''آپ ابھی تک یہیں ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''ہاں میں کوشش کر رہا ہوں کہ پوسٹ مارٹم جلد ہو جائے۔ کیوں کیا بات ہے۔''

''پچھلی رات پروفیسر تقریباً تین بجے اپنے مکان کی پشت پر دیکھا گیا ہے۔''

''یہ خبر کہاں سے لائے۔''

''پروفیسر کے مکان کی پشت پر کوئی مسز لاڈیل رہتی ہے اس نے دیکھا تھا۔''

''بھئی یہ اطلاع کس سے ملی ہے۔''

''پروفیسر کی بیوی سے، مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ ہوٹل ڈی فرانس میں مقیم ہے بس اتفاقاً ملاقات ہوگئی۔''

''ہاں! اگر وہ تنہا ہوتی تو شاید اس قسم کا اتفاق کبھی نہ ہوتا۔'' فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''مسز لاڈیل کو میں چیک کروں۔''

''نہیں میں اسے چیک کرلوں گا۔ تم فنگر پرنٹ سیکشن کو دیکھو۔ مجھے بہت جلد رپورٹ چاہئے۔''

''اچھی بات ہے، لیکن اب آپ کو کہاں فون کیا جائے۔''

''تم ریکھا کو فون کر کے اس سے معلوم کرسکو گے، میں اسے اپنے متعلق اطلاع دیتا رہوں گا۔''

''یہ خدمت آپ نے کسی مرد کے سپرد کیوں نہیں کی۔''

لیکن فریدی نے اس کا جواب دیئے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔

حمید دوا فروش کی دوکان سے نکل کر آفس کی طرف روانہ ہوگیا۔ فریدی کا مقصد شاید یہ تھا کہ حمید فنگر پرنٹ سیکشن والوں کے سر پر سوار ہو کر جلد از جلد رپورٹ تیار کرائے۔

رپورٹ مل گئی لیکن ساتھ ہی حمید کی باچھیں بھی کھل گئیں کیونکہ یہ سو فیصدی خودکشی کا کیس تھا۔ ریوالور کے دستے پر مرنے والی ہی کی انگلیوں کے نشانات تھے۔

اس نے فون پر ریکھا کے نمبر ڈائیل کئے۔

''ہیلو.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''اُف وہی آواز ہے..... بالکل وہی آواز ہے۔'' حمید نے آواز بدل کر کہا۔

''کون ہے۔'' ریکھا غرائی۔

''ڈیمی ٹیل.....!'' حمید نے قہقہہ لگایا۔

''ایک شعر سن لو..... تم اچھی خاصی اردو جانتی ہو۔''

ہزار جانِ گرامی فدا بہ ایں نسبت
کہ اپنی ذات سے میرا پتہ دیا تو نے

''بکواس مت کرو۔ کرنل صاحب تمہری سیکس ایٹ ناٹ پر ملیں گے۔''

''آج شام کو کہیں ملو۔ میں نے قوم کی بدنصیبی پر ایک تقریر تیار کی ہے۔''

ریکھا نے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا۔ حمید نے اس کے بتائے ہوئے نمبر ملائے۔

''کرنل فریدی..... پلیز.....!'' حمید نے کال ریسیو کرنے والے سے کہا۔

''ہولڈ آن کیجئے۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ پھر تھوڑی دیر بعد کہا گیا۔ وہ نائین سکس ایٹ پر ملیں گے۔

اب حمید نے ان نمبروں پر رنگ کیا۔ لیکن یہاں سے بھی ایک تیسرا نمبر بتا دیا گیا۔ آخر تقریباً پانچ مختلف نمبروں پر رنگ کرنے کے بعد فریدی سے رابطہ قائم ہوسکا۔

حمید نے اُسے فنگر پرنٹ سیکشن کی رپورٹ سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

''بس اب واپس آجایئے۔ کھیل ختم ہوگیا۔''

''کھیل تو اب شروع ہوا ہے فرزند۔'' فریدی نے جواب دیا۔ ''میں اب گھر ہی آرہا ہوں..... وہیں چلو۔''

حمید نے سلسلہ منقطع کر کے گھر کی راہ لی۔ اس کے ذہن میں فریدی کا جملہ کھیل تو اب شروع ہوا ہے۔ بار بار گونج رہا تھا۔ کبھی اس کے ہونٹ سکڑتے اور کبھی وہ دانت پیسنے لگتا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب ایک بات زبان سے نکل گئی ہے خواہ ادھر کی دنیا اُدھر ہو جائے وہ بات پتھر کی لکیر کی طرح اٹل رہے گی۔ اگر وہ خودکشی ہی کا کیس ہوگا تب بھی اسے کھینچ تان کر قتل کے کیس پر چڑھایا جائے گا۔

گھر پہنچ کر اس نے لباس تبدیل کیا اور ریڈیو کھول کر فرانسیسی موسیقی سے دل بہلانے لگا۔

جب اس سے بھی دل نہ بہلا تو جرمنی پر طبع آزمائی کی لیکن آخر کار بی بی سی کی نشریہ آ ہی گئی کچھ دیر تک تو وہ سنتا رہا مگر جب مینڈھے سے لڑنے لگے تو اس نے ریڈیو بند کر کے اس سے سر ٹکرا دینے کا ارادہ کیا۔ پتہ نہیں ریڈیو کا کیا حشر ہوتا لیکن ٹھیک اسی وقت فریدی آ گیا۔ اس نے اسے کمرے سے آواز دی۔ حمید طوعاً و کرہاً اٹھا۔ حقیقت یہ تھی کہ اب اس کا اس کمرے میں دل نہیں لگ رہا تھا۔

"کیوں بھئی۔" فریدی اُسے دیکھ کر مسکرایا۔ "تمہارے چہرے پر جانکنی کیوں سوار ہے۔"

"ملک الموت سے دوستی کرنے کا نتیجہ بھگت رہا ہوں۔"

"تم نے اس وقت بڑا کام کیا۔"

"کیا.....؟"

"مسز لاڈیل کی دریافت..... یہ عورت کام کی معلوم ہوتی ہے۔"

"بڑھیا ہی تو کام کی ہوتی ہیں۔" حمید نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"اور ساتھ ہی وہ سیاہ فام بھی ہے۔"

"کر ڈالئے شادی۔ آج کل میرا بکرا بہت اداس رہتا ہے۔"

"مسز لاڈیل کا بیان ہے کہ اس نے تین بجے شب کو اسے دیکھا تھا۔" فریدی نے اس کی بکواس پر دھیان دیئے بغیر کہا۔ "وہ جیپ سے اتر کر عقبی دروازے کو کھول رہا تھا۔"

"ختم بھی کیجئے۔ ریوالور کے دستے پر مرنے والی نجمی کی انگلیوں کے نشانات تھے۔ آپ خواہ مخواہ اسے قتل کا کیس بنانے پر کیوں تل گئے ہیں۔؟"

"اگر وہ خودکشی ہی ہے تو تین بجے پروفیسر کی موجودگی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کیونکہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق موت تین اور چار بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی۔"

"ہوسکتا ہے کہ نجمی صرف پندرہ منٹ ٹھہر کر واپس چلا گیا ہو اور اس کے جانے کے دس منٹ بعد اس نے خودکشی کر لی ہو۔"

"پھر تم کیا کہنا چاہتے ہو!"

"یہی کہ اگر اس نے نجمی کی واپسی کے بعد خودکشی کی ہوگی تو اس سے نجمی پر کیا اثر پڑے گا۔"

"کچھ نہیں سوائے اس کے کہ ایسی صورت میں نجمی کو خودکشی کے اسباب پر روشنی ڈالنی اور اگر اس سے پہلے ہی خودکشی کر چکی تھی تو نجمی نے پولیس کو اطلاع کیوں نہیں دی۔"

"ٹھہریئے۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "آخر آپ نے لاڈیل کے بیان پر یقین کیسے کیا ہے کہ مسز نجمی نے اسے اس غلط بیانی کے لئے تیار کیا ہو۔"

"میں کب کہتا ہوں کہ ایسا نہ ہوا ہوگا۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نے پروفیسر کو پھانسی کا تہیہ کر لیا ہے۔"

"میں کہتا ہوں کہ اس قصے کو ختم کیجئے۔ ضروری نہیں کہ یہ قتل ہی ہو۔ آپ کبھی سیدھے چل ہی نہیں سکتے۔"

"میں یہ بھی نہیں کہتا کہ یہ قتل ہی کا کیس ہے۔ مگر کیا خودکشی کے اسباب کا پتہ لگانا فرائض سے خارج ہے۔"

"خودکشی کی وجہ معدے کی گرانی بھی ہوسکتی ہے۔" حمید بولا۔ "آپ بینگن کا بھرتا کھا دو گھنٹے بعد یہی دل چاہے گا کہ خودکشی کر بیٹھو۔"

"چلو وہ معدے کی گرانی ہی سہی لیکن پھر آخر تمہارے نکتہ نظر کے مطابق نجمی کی بیوی نے لاڈیل کو غلط بیانی پر کیوں آمادہ کیا؟"

"ممکن ہے وہ اسی طرح نجمی کا خاتمہ چاہتی ہو۔"

"پھر یہ سازش ہوئی نا..... اگر یہ سازش ہے تو محکمہ سراغ رسانی کا کوئی فرد اس کی طرف سے آنکھیں کیسے بند کر سکتا ہے۔"

"میری طرف سے آپ آنکھیں بھی کھلی رکھئے اور ضرورت پڑے تو عینک بھی استعمال کیجئے۔" حمید جھلا گیا۔ لیکن فریدی اس کی پرواہ کئے بغیر کہتا رہا۔ "سیکریٹری پچھلی رات بڑے موڈ میں تھی۔ نوکروں کا بیان ہے کہ وہ اسے پیانو بجاتا ہوا چھوڑ کر گئے تھے۔ اگر خودکشی کسی ناکام کا نتیجہ ہوتی تو وہ اتنے اچھے موڈ میں نہ پائی گئی ہوتی اور اگر وہ کسی الجھن ہی کا نتیجہ تھی تو بہت

پہلے اسکے ذہن میں خودکشی کے خیال نے سر ابھارا ہوگا۔ ایسی صورت میں خودکشی کا فیصلہ اچانک ہی ہوتا۔ ہفتوں تو خیال ذہن ہی میں پکتا رہتا ہے۔ اگر وہ بہت دنوں سے خودکشی کیلئے سوچ رہی تھی تو اس نے ریوالور کیوں استعمال کیا۔ جب کہ اُسے کئی قسم کے زہر آسانی سے مل سکتے تھے۔"

"زہر آسانی سے نہیں ملا کرتے۔" حمید نے کہا۔

"پروفیسر کی تجربہ گاہ میں پوٹاشیم سائینائیڈ تک موجود ہے اسے خریدنے کیلئے بازار نہ پڑتا۔ پھر دوسری بات یہ کہ بغیر لائسنس کا ریوالور رکھنا زہر حاصل کرنے سے زیادہ مشکل کام ہے۔"

"میں سمجھا تھا کہ ریوالور پروفیسر کا ہوگا۔"

"نہیں..... آج تک اس کے نام سے ریوالور کا کوئی لائسنس نہیں ایشو کیا گیا۔" فر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اگر میں اسے خودکشی کا کیس تسلیم کرلوں تب بھی پیچھا نہیں چھو گا۔ اس صورت میں ہمیں یہ معلوم کرنا پڑے گا کہ اسے ریوالور ملا کہاں سے تھا اور اگر وہ بغیر لائسنس کا ریوالور رکھتی تھی تو اسے یقیناً ایک خطرناک عورت تسلیم کرنا پڑے گا۔"

"آپ اسے ہٹلر کی چچی تسلیم کیجئے۔ مجھے ذرہ برابر بھی تشویش نہ ہوگی۔"

فریدی کو حمید کی جھلاہٹ پر ہنسی آ گئی اور اس نے کہا "ہر حال میں ہمیں یہ کیس پڑے گا۔ خواہ وہ خودکشی ہو۔ خواہ قتل، بغیر لائسنس کے ریوالور کا مسئلہ ہمیں اس وقت الجھائے رکھے گا جب تک کہ ہم یہ نہ معلوم کرلیں کہ وہ مرنے والی کو کیسے اور کہاں ملا تھا۔"

خستہ حال لڑکی

حمید اس سے الجھتا ہی رہا۔ مگر پھر فریدی نے مزید وضاحت نہیں کی، شائد وہ خود ہی اس مسئلے پر کوئی ڈھنگ کی بات نہیں سوچ سکا تھا۔

دوسرے دن صبح ہی صبح پروفیسر نجمی کا وکیل صدانی آ گیا۔ اس نے فریدی کے سامنے

دیا جو اسے اپنے تار کے جواب میں پروفیسر کی طرف سے موصول ہوا تھا۔

پیغام تھا "میں نہیں آ سکتا۔ ایک مفصل خط لکھ رہا ہوں۔ کرنل سے کہو کہ دو چار دن مجھے مجبور نہ کریں۔ ورنہ میری ساری محنت برباد ہو جائے گی۔"

فریدی نے پیغام پڑھ کر فارم اسے واپس کرتے ہوئے کہا۔ "پروفیسر کی واپسی بہت اہم ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں مجھے سختی نہ کرنی پڑے۔"

"میں کیا بتاؤں کرنل۔ پروفیسر بہت ضدی آدمی ہیں۔" صدانی نے کہا لیکن فریدی نے نہیں کہا۔ حمید البتہ صدانی کو کینہ توز نظروں سے گھور رہا تھا۔

اس نے کہا۔ "کیا آپ ہمیں سیکریٹری کی پچھلی زندگی سے متعلق کچھ بتا سکیں گے۔"

"نہیں جناب! میں بھلا اس کی پچھلی زندگی کے متعلق کیا بتا سکتا ہوں۔"

"اس کا نام ڈوروتھی تھا۔"

"جی ہاں..... میں اسی نام سے جانتا ہوں۔"

"صدانی صاحب! کیا ڈوروتھی خودکشی بھی کرسکتی تھی۔" فریدی نے کہا۔

"دنیا کا ہر آدمی خودکشی کرسکتا ہے، کرنل کیا خودکشی کے امکانات بھی ہوسکتے ہیں۔"

"نہیں..... ایک فیصد بھی نہیں۔ حالانکہ ریوالور کے دستے پر صرف اسی کی انگلیوں کے نشان ملے ہیں اور ریوالور کا ایک ہی چیمبر خالی ہے۔ پانچ میں گولیاں موجود ہیں۔"

"اور آپ اسکے باوجود بھی اسے خودکشی کا کیس نہیں سمجھتے۔" صدانی نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں..... میں اسے خودکشی کا کیس نہیں سمجھتا کیونکہ میں نے ایک گولی کمرے کی دیوار سے بھی نکالی ہے اور زخم کی حالت سے بھی یہ نہیں معلوم ہوتا کہ گولی قریب سے چلائی گئی ہے۔ خودکشی کرنیوالے عموماً ریوالور کی نالی کنپٹی پر رکھ لیتے ہیں۔ لہٰذا اس صورت میں زخم کے گرد بارود کے نشانات لازمی طور پر ملنے چاہئیں۔ لیکن مرنے والی کی کنپٹی کی کھال پر اس قسم کے نشانات نہیں پائے گئے۔ زخم کی حالت سے صاف ظاہر تھا کہ گولی کافی فاصلے سے چلائی گئی۔"

"تب تو..... یقیناً..... مگر آخر اسے قتل کس نے کیا۔" صدانی نے تشویش کن لہجے میں

کہا۔ ''جہاں تک مجھے علم ہے وہ ایک شریف اور سلیم الطبع لڑکی تھی۔ میں نے آج تک اس کسی ملنے والے کو پروفیسر کی کوٹھی میں نہیں دیکھا۔''

''اب آپ نے بھی دوسری راہوں پر بھٹکنا شروع کر دیا مسٹر صدانی۔'' فریدی ہ بولا۔ ''حالانکہ کل آپ نے مسز نجمی کے غصے کا تذکرہ کرتے وقت.....''

''دیکھئے ٹھہریئے۔'' صدانی بول پڑا۔ ''مجھے غلط نہ سمجھئے۔ میں نے یونہی برسبیل تذ بات کہہ دی تھی۔ میرا ہرگز یہ مقصد نہ تھا کہ مسز نجمی پر کسی قسم کا الزام رکھوں۔''

''آپ رکھئے یا نہ رکھئے وہ پرسوں رات تقریباً ڈیڑھ بجے ہوٹل سے باہر گئی تھی وہاں چیک کر چکا ہوں۔''

''میرے خدا.....!'' یک بیک صدانی کے ہونٹ خشک نظر آنے لگے۔

اور پھر اس کی واپسی تقریباً ساڑھے تین بجے ہوئی تھی۔ پچھلی رات خود اس نے اعتراف کرلیا ہے کہ وہ ڈیڑھ سے ساڑھے تین بجے تک ہوٹل ڈی فرانس سے باہر رہی تھی

''اس نے اعتراف کرلیا ہے۔'' صدانی نے نحیف آواز میں کہا۔

''اگر نہ کرتی تو اس سے بھی کوئی فرق نہ پڑتا کیونکہ میں نے مقامی ہوٹلوں کے نئے قوانین وضع کرائے ہیں جن کے تحت قیام کرنے والے مسافروں کے لئے لازم ہے کہ وہ رات گئے باہر جاتے وقت اپنی روانگی ایک رجسٹر میں درج کریں جہاں جا ہوں وہاں کا حوالہ دیں۔ کسی سے ملنا ہو تو اس کا نام اور پتہ تحریر کریں بہرحال وہ دوست سے ملنے گئی تھی۔ اس نے اس کا نام اور پتہ تحریر کیا تھا۔''

''پھر آپ نے اس ملنے والے کو بھی چیک کیا ہوگا۔''

''یقیناً.....وہ دو سے تین بجے تک اس کے ساتھ شراب پیتی رہی۔''

''اوہ.....تب تو ٹھیک ہے۔''

''کیا ٹھیک ہے۔''

''بات دراصل یہ ہے کرنل..... میں پروفیسر کے خاندان کا خیر خواہ ہوں۔

پروفیسر کے لئے یہ ایک بہت بڑا داغ ہوگا اگر اس کی بیوی کے خلاف اس قسم کا کوئی ثبوت ہوسکا۔''

''اب ہمیں کہاں جانا ہے۔'' فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ حمید سمجھ گیا کہ وہ صدانی کو بلانا چاہتا ہے۔

''آفس.....!'' حمید بولا۔

''اجازت ہے۔'' صدانی نے اٹھنے کا ارادہ کرتے ہوئے کہا۔

''اوہ.....ضرور.....لیکن ہوسکتا ہے کہ پھر کسی وقت آپ کو تکلیف دی جائے۔''

صدانی چلا گیا۔ حمید خاموش ہوگیا تھا۔ پھر کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ''تو اب یہ سچ مچ قتل کا کیس بن گیا ہے۔''

''ہاں.....اب اٹھو۔ آفس جانے سے پہلے مسز لاڈیل سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''اس سے آپ مل چکے ہیں۔''

''ہاں.....آج پھر۔'' فریدی بولا۔ ''کل میں نے اس سے یونہی مختصر سی گفتگو کی تھی۔ لیکن آج دیکھوں گا کہ وہ بنائی ہوئی گواہ تو نہیں ہے۔''

''خیر اسے چھوڑیئے۔ آپ کہتے ہیں کہ مرنے والی کے ریوالور کا چیمبر خالی تھا۔ لیکن کیا وہ گولی جو اس کی کھوپڑی سے نکالی گئی ہے اسی ریوالور کی نہیں تھی۔''

''اسی ساخت کے دوسرے ریوالور کی گولی کہی جاسکتی ہے۔ اس ریوالور کی نہیں ہوسکتی۔''

''تو گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اتفاق سے قاتل کے پاس بھی اسی ساخت کا ریوالور موجود تھا اور ڈوروتھی نے اس پر فائر کیا لیکن گولی دیوار پر لگی پھر قاتل نے فائر کر دیا اور گولی اس کی کنپٹی پر لگی۔''

''فی الحال میرا یہی خیال ہے۔''

''لیکن قاتل نے خود سے اسے خودکشی کا کیس بنانے کی کوشش نہیں کی۔''

''تمہارا یہ خیال بھی درست ہے ورنہ وہ کم از کم دیوار والی گولی تو نکال ہی لے جاتا اور

کچھ دور کا پلاسٹر اس طرح اکھاڑ دیتا کہ وہ گولی کا نشان معلوم نہ ہوتا۔"

حمید خاموش ہوگیا۔ اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔

"دیکھو..... کون ہے۔" فریدی نے کہا۔ حمید نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو.....!"

"ہیلو..... ہیلو.....!" دوسری طرف سے نسوانی آواز آئی۔ "میں صوفیہ نجمی ہو پروفیسر نجمی کی لڑکی۔ کل آپ نے مجھے اپنا فون نمبر دیا تھا۔ میں نہیں جانتی کہ فون پر آپ ہیں یا اور کوئی ہے۔ میں آپ کا نام نہیں جانتی۔"

"ہاں میں ہی ہوں۔ کل میں نے آپ کو اپنا فون نمبر دیا تھا مجھے کیپٹن حمید کہتے ہیں۔"

"اوہ..... کیپٹن آپ نے کہا تھا کہ جب ضرورت ہو مجھے فون کر دینا۔"

"جی ہاں..... میں نے کہا تھا۔"

"میں بہت شدت سے آپ کی ضرورت محسوس کر رہی ہوں..... فوراً آیئے۔"

حمید فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"آدھ گھنٹے کے اندر ہی اندر۔ اس وقت ساڑھے نو بجے ہیں۔ اگر آپ آدھے گھنٹے آئے تو پھر کچھ نہ ہو سکے گا۔"

"بات کیا ہے۔"

"بات فون پر نہیں بتا سکتی۔ ویسے مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔"

"میں آرہا ہوں۔"

"کون تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"نجمی کی لڑکی۔ اس نے مجھے آدھ گھنٹے کے اندر ہی اندر بلایا ہے۔" حمید نے فریدی کو پوری سچویشن سے آگاہ کر دیا۔

"ممکن ہے اس سے کوئی نئی بات معلوم ہو سکے۔ تم جاؤ۔ میں لاڈیل کو چیک کروں۔"

"گاڑی لے جاؤں۔"

"نہیں تم اسٹیشن ویگن نکال لو۔"

"خود لنکن پر چلیں گے اور میں چھکڑا نکال لوں۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"میں نکال لوں گا چھکڑا..... اب تو رفع ہو جاؤ۔"

حمید نے باہر آ کر گیراج سے لنکن نکالی اور ہوٹل ڈی فرانس کی طرف روانہ ہوگیا۔ اسے تھی کہ وہ ڈائننگ ہال ہی میں ملے گی۔ لیکن وہ وہاں کہیں نظر نہ آئی۔ اوپر کی گیلری میں بھی پھر ان کمروں کی طرف چل پڑا جہاں ان کا قیام تھا اور اسی کمرے کے سامنے رکا جس پر دن اس نے اس سے گفتگو کی تھی۔ دروازے پر ہلکی سی دستک کا جواب بہت ہی دھیمی آواز ملا۔ پھر حمید نے قدموں کی آواز سنی۔

"کون ہے۔" صوفیہ نے آہستہ سے کہا۔ حمید اس کی آواز پہچان گیا تھا۔

"کیپٹن حمید۔"

"اوہ..... کیپٹن!" صوفیہ نے جواب دیا۔ "یہ دروازہ باہر سے مقفل ہے۔ کنجی دیوار سے ہوگی۔ براہِ کرم قفل کھولئے۔"

حمید نے متحیرانہ انداز میں کنجی کے سوراخ کی طرف دیکھا پھر دیوار سے لٹکی ہوئی کنجی پر پڑی۔

وہ سوچ رہا تھا کہ آخر اس کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔

"کیپٹن.....!" اندر سے کپکپاتی ہوئی سی آواز آئی۔ "آپ کیا کر رہے ہیں۔"

"اُو..... ہاں.....!" حمید چونک کر بولا۔ "ٹھہریئے! میں قفل کھولنے جا رہا ہوں۔"

"شکریہ! جلدی کیجئے۔ صرف دس منٹ اور رہ گئے ہیں۔"

حمید نے قفل کھول کر دروازے کو دھکا دیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے منہ سے ایک تحیر زدہ سی آواز نکلی کیونکہ یہ پچھلے دن کی حسین صوفیہ نہیں معلوم ہوتی تھی۔ اس کے بال الجھے ہوئے تھے۔ چہرے پر خراشیں تھیں اور کہیں کہیں نیل بھی نظر آ رہے تھے اور شاید ٹھوڑی اور گردن پر کسی نے بڑی بے دردی سے اپنے تیز ناخن چبھائے تھے۔

"لے چلئے۔خدا کے لئے مجھے یہاں سے کہیں لے چلئے۔" اس نے مضطربانہ انداز میں کلائی کی گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"اب صرف آٹھ منٹ رہ گئے۔" لڑکی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔حمید راہداری میں آ گیا۔لڑکی نے بڑی تیزی سے جھک کر دروازے کو مقفل کیا اور کنجی پھر دیوار سے لٹکا دی۔

"چلئے! خدا کے لئے کسی ایسے راستے سے باہر نکلئے کہ کوئی ہمیں دیکھ نہ سکے۔" لڑکی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔"میں ایک ایسے راستے سے واقف ہوں۔وہ راستہ اس وقت کھلا ہوگا۔رات کو بند کر دیا جاتا ہے۔"

وہ تیسری منزل کی ایک راہداری میں چل رہے تھے۔حمید اس وقت اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سوچ رہا تھا کہ عنقریب وہ کسی بوکھلاہٹ کا شکار ہونیوالا ہے۔صوفیہ اسے اس طرح کھینچ رہی تھی جیسے کسی چٹیل میدان میں ژالہ باری شروع ہو جانے کے بعد کوئی پناہ گاہ تلاش کر رہی ہو۔ حمید اس راستے سے واقف تھا۔یہ ہوٹل کی عمارت کی پشت والی سڑک کیطرف لے جاتا تھا۔

دوسری منزل پر پہنچ کر وہ ایک لحظہ کے لئے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔دونوں طرف دوسری منزل کی دو طویل راہداریاں تھیں۔

"میرے خدا.....!" دفعتاً اس کے منہ سے نکلا اور وہ حمید کا ہاتھ چھوڑ کر داہنی جانب والی راہداری میں دوڑتی چلی گئی۔

حمید نے کچھ کہنا چاہا لیکن الفاظ ہونٹوں تک آنے سے پہلے ہی گھٹ کر رہ گئے۔کیونکہ اس نے صوفیہ کی ماں کو اوپر آتے دیکھ لیا تھا۔وہ سر جھکائے ہوئے زینے طے کرتی اسی طرف آ رہی تھی۔پھر اس کا سر بھی اٹھا اور حمید سے آنکھیں چار ہوئیں۔حمید تو رک ہی گیا تھا وہ جس زینے پر تھی دفعتاً اسی پر رک گئی۔اس کے ہونٹ کھلے اور پھر مضبوطی سے بند کر لئے گئے۔اتنی مضبوطی سے کہ جبڑوں پر لکیریں سی ابھر آئیں۔حمید اسے توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا۔ایک بار اس نے داہنی جانب والی راہداری کی طرف بھی نظر دوڑائی لیکن وہ دوسرے سرے تک سنسان پڑی تھی۔شاید صوفیہ وہاں سے بھی کسی دوسری راہداری میں مڑ گئی تھی۔

مسز نجمی نے دوسرا قدم اٹھایا اور پانچ یا چھ سیڑھیاں طے کر کے حمید کے قریب پہنچ گئی۔

"کیوں؟" اس نے کچھ بوکھلائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔"آپ مجھے دیکھ کر رکی تھیں اسی لئے میں رک گیا تھا۔کیا آپ کو مجھ سے کچھ کہنا ہے۔"

"نہیں تو.....جی نہیں.....میں سمجھی تھی شاید آپ میرے ہی لئے یہاں آئے تھے۔"

"جی نہیں یہ میرا پسندیدہ ہوٹل ہے اور میں اکثر یہاں آتا رہتا ہوں۔"

"خیر کوئی بات نہیں۔" مسز نجمی نے کہا اور ایسا معلوم ہوا جیسے وہ آگے بڑھ جائیگی لیکن وہ حمید کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔"یہ بھی ایک مضحکہ خیز اتفاق ہے کہ آپ لوگوں کے بیانات کو قوی کرنے کے لئے مجھ سے عجیب وغریب حرکتیں سرزد ہو رہی ہیں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"مثلاً واردات والی رات کو میں ڈیڑھ سے ساڑھے تین بجے رات تک اپنے ایک دوست کے ساتھ رہی تھی۔خیر میں بھی تن بہ تقدیر ہوں۔"

"مگر یہ ضروری تو نہیں ہے کہ محض اسی بناء پر آپ کے خلاف کوئی قانونی کارروائی کر دی جائے۔دنیا کی کوئی عدالت صرف اتنی سی بات پر آپ کو قاتلہ نہیں قرار دے سکتی کہ آپ قتل والی رات کو کچھ دیر ہوٹل سے باہر رہی تھیں۔"

"خیر ہوگا۔" مسز نجمی نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی اور آگے بڑھ گئی۔

پھر حمید نے ہوٹل کا ایک ایک گوشہ چھان مارا لیکن صوفیہ کا سراغ کہیں نہ ملا۔اس نے سوچا کہ اس کے کمروں کی طرف پھر واپس جائے۔لیکن پھر ارادہ ملتوی کر دیا۔

بیان میں اضافہ

کچھ دیر بعد حمید سینٹ جوزف کالونی کی طرف جا رہا تھا اور صوفیہ کی شخصیت ایک سوال بن کر اس کے ذہن میں چبھ رہی تھی۔ کیا وہ اسے کوئی اہم بات بتانے والی تھی؟ اس کے چہرے پر خراشیں کیوں تھیں؟ گالوں پر نیل کیوں تھے؟ اس کی پلکوں میں ورم کیسا تھا؟ کیا وہ بہت روئی تھی؟ آخر کیوں؟ اسے کمرے میں کس نے قید کیا تھا؟

آخری سوال کا جواب صاف تھا۔ وہ اپنی ماں کو دیکھتے ہی اس کا ہاتھ چھوڑ کر بھاگ نکلی تھی۔ لہٰذا یہی کہا جا سکتا ہے کہ اسے اس کی ہی واپسی کا خوف تھا اور شاید وہ اس کی واپسی سے قبل ہی ہوٹل چھوڑ دینا چاہتی تھی تو کیا اس کی اس خراب حالی کی ذمہ دار اس کی ماں ہی تھی؟ کیا اسی نے اسے نوچ کھسوٹ کر رکھ دیا تھا؟ آخر کیوں؟ اس ''آخر کیوں'' کا حمید کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

پھر یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ وہ اور فریدی ساتھ ہی مسز لاڈیل کے مکان کے سامنے پہنچے۔ فریدی اسٹیشن ویگن ہی میں آیا تھا۔

''کیوں؟ کیا خبر ہے؟'' فریدی نے پوچھا۔

''بس اتنی ہے کہ مجھے کوئی خبر نہیں۔''

''کیا مطلب.....!''

حمید نے لاڈیل کے مکان میں داخل ہونے سے قبل ہی مختصراً اسے سب کچھ بتا دیا۔

''کہانی دلچسپ ہے۔'' وہ ایک طنزیہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ اس کی آنکھوں سے بے اعتباری مترشح تھی۔ حمید سمجھ گیا اسے اس کہانی پر یقین نہیں آیا۔

''آپ یقین کیجئے۔'' اس نے کہا۔

''آؤ.....پھر سہی.....میں کوشش کروں گا کہ مجھے اس کہانی پر یقین آ جائے۔''

حمید خاموشی سے اس کے ساتھ چلتا رہا۔

یہ ایک متوسط طبقے کا گھرانہ تھا اس لئے یہاں نہ تو انہیں کال بل کا بٹن ملا اور نہ کوئی دربان۔ البتہ وہ ایک چھوٹے سے پائیں باغ سے گزر کر برآمدے تک پہنچے تھے۔ پائیں باغ کی دیوار کی بجائے بانسوں سے حد بندی کی گئی تھی۔ عمارت مختصر سی تھی۔ اس میں زیادہ سے زیادہ تین کمرے رہے ہوں گے۔

فریدی نے انگلی سے ایک دروازے پر دستک دی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور ایک سیاہ فام عورت نے انہیں خوش آمدید کہا۔ یہ چالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہوگی۔ قد ویسے تو درمیانہ ہی تھا لیکن بہت زیادہ موٹاپے کی وجہ سے پہلی نظر میں پستہ قد معلوم ہوتی تھی۔

انہیں ایک چھوٹے سے کمرے میں بٹھایا گیا۔ یہاں کی کرسیاں بید کی تھیں اور ان پر رنگ برنگے کپڑوں کے گدے پڑے ہوئے تھے۔

''مجھے افسوس ہے کہ میں نے آج پھر آپ کو تکلیف دی۔'' فریدی نے کہا۔

''نہیں جناب.....تکلیف کیسی۔ یہی فخر میرے لئے کیا کم ہے کہ آپ جیسے بڑے آدمی یہاں تک آنے کی تکلیف گوارا فرمائی۔ ورنہ آپ تو مجھے کوتوالی ہی میں طلب کر سکتے تھے۔''

''نہیں میں ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے شرفاء کی عزت کا بڑا خیال رہتا ہے۔''

''یہ آپ کی عالی ظرفی اور نیک نفسی ہے ورنہ پولیس والے تو نہ شاہ کو چھوڑتے ہیں اور نہ گدا۔''

''کل آپ نے یہ نہیں بتایا تھا کہ واردات والی رات کو آپ نے پروفیسر کو کیسے دیکھ پایا تھا۔''

''بات دراصل یہ ہے جناب کہ میں نے باہر باغیچے میں انناس لگا رکھے ہیں لہٰذا مجھے ان کی رکھوالی کے لئے بیرونی برآمدے ہی میں سونا پڑتا ہے گو کہ یہاں آس پاس سبھی بڑے لوگ رہتے ہیں لیکن بعض بوڑھوں کی نیت بھی بچوں کی سی ہوتی ہے۔ میں بھی آپ سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کی سزا پر میں اُسے اکثر بلیک میل کرتی رہی ہوں۔''

فریدی ہنسنے لگا پھر بولا۔ ''وہ یقیناً بڑا ڈرپوک ہوگا۔ تبھی تو آپ کی دھمکیوں میں آ جاتا ورنہ مجھے یقین ہے کہ آپ بہت شریف ہیں اور کسی کو بدنام نہیں کر سکتیں۔''

عورت نے بھی قہقہہ لگایا۔ حمید کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنے کپڑے چیر پھاڑ کر کسی بگڑے ہوئے سانڈ کی طرح ڈکراتا بھاگتا چلا جائے۔

عورت کہہ رہی تھی۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ یہ بلیک میلنگ بڑی شاندار ہے۔ میں اس سے کہتی ہوں کہ ناک سے زمین پر لکیر ڈالو، ورنہ میں سب سے کہہ دوں گی کہ تم میرے ان کا چرا رہے تھے۔"

"تربوز نہیں لگائے آپ نے۔" حمید نے پوچھا۔

"جی نہیں۔"

"ضرور لگائیے۔ میں آپ کے تربوز چرانے آیا کروں گا۔"

عورت نے پھر قہقہہ لگایا اور بے ڈھنگے پن سے ہنستی رہی۔ فریدی نے فوراً ہی گفتگو کا رخ موڑ دیا۔ اسے خدشہ تھا کہ کہیں حمید تفریح نہ شروع کر دے۔

"ہاں تو جب اس کی جیپ یہاں پہنچی تو آپ کی آنکھ کھل گئی۔"

"جی ہاں..... اور مجھے حیرت بھی ہوئی کیونکہ اتنی رات گئے یہاں اس لائن میں کوئی اپنی گاڑی نہیں لاتا۔ وجہ یہ ہے کہ اول اس لائن والوں کے پاس گاڑیاں ہیں ہی نہیں۔ کیونکہ ادھر کے سبھی لوگ ہی میری کم حیثیت کے ہیں۔ رہے سامنے والی لائن کے بڑے لوگ تو ان کے گیراج بھی دوسری ہی طرف ہیں لہٰذا ادھر گاڑی لانے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"مگر کیا آپ یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہیں کہ وہ پروفیسر ہی تھا۔"

"جی ہاں..... میں یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ وہ پروفیسر ہی تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ گلی تاریک ہی رہی ہوگی کیونکہ میں نے پوری گلی میں صرف الیکٹرک پول دیکھے ہیں۔ دونوں سروں پر نصب ہیں لہٰذا گلی کا یہ حصہ زیادہ روشن نہ رہا ہوگا۔"

"آپ کا خیال بالکل درست ہے جناب! لیکن پروفیسر کا چہرہ میں نے اسی لئے دیکھ لیا تھا کہ اس نے جیپ کا انجن بند کر کے اندر بیٹھے ہی بیٹھے سگریٹ سلگایا تھا۔"

"ممکن ہے آپ کو دھوکہ ہوا ہو۔ آپ سوتے سوتے جاگی تھیں۔"

"پروفیسر کے مضحکہ خیز چہرے کی ایک ہلکی سی جھلک ہی اس کی پہچان کروا سکتی ہے۔ اس کے چہرے پر بڑی بڑی اور بہت زیادہ گھنی مونچھیں ہزار میل کے فاصلے سے صاف نظر آتی ہیں۔"

"خیر.....!" فریدی بولا۔ "آپ نے فائر کی آواز بھی سنی ہوگی۔"

"نہیں..... میں نے فائر کی آواز نہیں سنی کیونکہ میں پھر جلد ہی سو گئی تھی۔"

"یہ بڑی عجیب بات ہے کہ فائر کی آواز کسی پڑوسن نے نہیں سنی۔" فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

مسز لاڈیل کچھ سوچنے لگی۔ پھر قبل اس کے فریدی کچھ کہتا اس نے کہا۔ "میں نے کل یہ بات پروفیسر کی بیوی کو بتائی تھی۔ اس وقت وہ صرف سنتی رہی تھی..... لیکن آج؟"

"ہاں..... آج کیا!" فریدی اسے غور سے دیکھنے لگا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے وہ یہیں تھی اور مجھ سے کہہ رہی تھی کہ میں اپنے بیان میں تھوڑا سا ترمیم کر دوں۔ اس کے عوض وہ مجھے دو ہزار روپے دے گی۔"

"خوب.....!" فریدی آگے جھک آیا۔ "یہ ایک دلچسپ اطلاع ہے کیا اضافہ کرانا چاہتی ہے وہ۔"

"یہی کہ میں نے پروفیسر کے اندر چلے جانے کے تقریباً بیس منٹ بعد فائر کی آواز سنی تھی۔"

"آپ واقعی بہت شریف ہیں۔ آپ کی جگہ کوئی دوسری عورت ہوتی تو مفت ہاتھ آنے والے دو ہزار اسے گراں نہ گزرتے۔"

"میری نظروں میں قانون کا بہت احترام ہے جناب۔"

"ہونا بھی چاہئے۔ ہر شریف شہری قانون کا احترام کرتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ پھر بولا۔ "کیا آپ نے مسز لاڈیل سے اس کا وعدہ کر لیا تھا۔"

"جی ہاں میں نے وعدہ کر لیا تھا اور وعدہ کرتے وقت ہی یہ بھی سوچ لیا تھا کہ اپنی پہلی ملاقات میں آپ کو اس کی اطلاع دوں گی۔"

"میں بیحد شکر گذار ہوں۔ اچھا اب اتنا اور کیجئے کہ مسز لاڈیل کو اس کا علم نہ ہونے پائے۔"

''نہیں..... میں اس سے یہی کہتی رہوں گی کہ میں نے اپنے بیان میں اضافہ کر دیا ہے۔''

''بہت بہت شکریہ اور اس طرح آپ اس سے دو ہزار بھی وصول کر سکیں گی۔''

''نہیں.....!'' مسز لاڈیل کے لہجے میں حیرت تھی۔

''اس وصولیابی کے بغیر آپ اسے یقین نہیں دلا سکیں گی کہ آپ نے اپنے بیان میں اس کا تجویز کردہ اضافہ کر دیا ہے۔''

''ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔''

''اگر آپ اس رقم کو اپنے لئے ناجائز تصور کرتی ہوں تو اسے سرکاری تحویل میں دے دیجئے گا۔ ورنہ میری طرف سے تو کھلی ہوئی اجازت ہے کہ آپ اس رقم سے اپنے اثاثوں میں کاشت بڑھا سکتی ہیں۔''

''نہیں میں اسے اپنے لئے قطعی ناجائز تصور کرتی ہوں، ورنہ میں آپ کو بتاتی ہی کیوں''

مسز لاڈیل انہیں رخصت کرنے کے لئے گلی تک آئی لیکن فریدی اور حمید گاڑیوں میں بیٹھنے کی بجائے پروفیسر کے مکان کے عقبی دروازے کی طرف چلے گئے۔ مسز لاڈیل واپس جا چکی تھی۔ فریدی نے دروازے کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''وہ دیکھو اس طرف بھی قفل موجود ہے۔ حالانکہ جب مکان خالی نہیں تھا تو یہ قفل قطعی غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ پروفیسر دوسروں کی لاعلمی میں یہاں اکثر آتا رہا ہے۔''

''قفل کی موجودگی کا یہی مطلب ہے۔ تم ٹھیک سمجھے ہو۔''

''مگر سیکریٹری نے اسکا تذکرہ کبھی کسی سے نہیں کیا ورنہ کم از کم ملازمین کو تو اس کا علم ہی۔ خصوصیت سے وہ ملازم تو لازمی طور پر جانتا ہوتا جس پر پروفیسر کو سب سے زیادہ اعتماد ہے''

''تمہارا یہ خیال بھی درست ہے۔ میں بھی اسی نتیجے پر پہنچا ہوں۔''

''اچھا تو پھر اب کیا خیال ہے۔''

''مسز لاڈیل سے دو ایک باتیں اور دریافت کروں گا۔''

وہ دونوں پھر کار کی طرف پلٹ آئے۔ مسز لاڈیل ابھی تک بیرونی برآمدے ہی میں موجود تھی

جیسے اس نے فریدی کو اپنی طرف متوجہ دیکھا خود ہی دوڑتی ہوئی پائیں باغ کی حدود سے آئی۔

''ایک ذرا سی تکلیف اور محترمہ۔'' فریدی بولا۔

''ضرور جناب۔ آپ بالکل تکلف نہ فرمایئے۔ میں گھنٹوں اس جگہ کھڑی رہ کر آپ کے کے جواب دے سکتی ہوں۔''

''کیا پروفیسر اکثر اسی دروازے کو استعمال کرتا رہا ہے۔''

''نہیں..... پرسوں میں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ دروازہ تو دراصل مہتر استعمال ہے اور قفل کی کنجی اس کے پاس رہتی ہے۔ یہ تو ایک چھوٹے سے صحن کا دروازہ ہے جس ڑا کر کٹ ڈالا جاتا ہے اور اس صحن کا اصل عمارت سے اتنا ہی تعلق ہے کہ اس سے ایک دوسری طرف بھی کھلتا ہے۔''

''اچھا شکریہ! اب بالکل تکلیف نہ دوں گا۔'' فریدی نے کہا اور اسٹیشن ویگن میں بیٹھ پھر دونوں گاڑیاں آگے پیچھے گلی سے نکلیں۔

شام تک حمید دفتر میں بور ہوتا رہا۔ وہ چاہتا تھا کہ معاملات تیزی سے آگے بڑھیں۔ ہر نئی سنسنی خیز خبر سنائی دے لیکن ایسا نہیں ہوا اور اس کی اکتاہٹ بڑھتی رہی۔ آج نہ کیوں اسے بھی سبھی مشغول نظر آ رہے تھے۔ اس نے ایک آدھ چکر ریکھا کے کمرے کے لگائے لیکن لفٹ نہیں ملی۔ ریکھا بڑی تندہی سے فائلوں میں سر کھپا رہی تھی۔

چار بجے فریدی میز سے اٹھا اور حمید کی بھی جان چھوٹی۔ وہ دراصل صوفیہ کو تلاش کرنا تھا۔ لیکن فریدی نے ایک بار بھی اس کا تذکرہ نہیں چھیڑا۔ حمید کو یقین تھا کہ وہ اسے مذاق بنا رہا ہے ورنہ اس کی طرف سے اتنی لاپروائی نہ برت سکتا۔

آفس سے وہ دونوں گھر واپس آئے۔ فریدی کسی سوچ میں تھا۔

''میں ایک ہفتے کی چھٹی چاہتا ہوں۔'' حمید نے کہا۔ ''اتنی لمبی خاموشی کے بعد اس کی زبان اینٹھنے لگی تھی۔''

''چھٹی کیوں چاہتے ہو۔'' فریدی نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''تاکہ ایک وصیت نامہ مرتب کرسکوں۔''

''بکواس مت کرو۔ کیا تمہیں کوئی کام نہیں ہے۔''

''کام..... ہے کیوں نہیں۔ لیکن اب کام کے ساتھ لفظ ''تمام'' کا اضافہ بھی ہونے ہے۔'' حمید جھلا گیا۔

''چلو خاموش بیٹھو۔'' فریدی نے کہا۔ غالباً اس وقت وہ صرف سوچنا چاہتا تھا لیکن اس یہ آرزو پوری نہ ہوسکی۔ اسی وقت ایک نوکر نے اطلاع دی کہ پروفیسر نجمی کا وکیل تنویر صدانی آ سے ملنا چاہتا ہے۔

''ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔'' فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

''یہ بے وقوف شاید ہماری قبروں میں چھلانگ لگادے گا۔'' حمید بڑبڑایا۔ ''کسی طر پیچھا ہی نہیں چھوڑتا۔''

فریدی اٹھ کر ڈرائینگ روم کی طرف چلا گیا اور حمید نے بھی اس توقع پر اس کی قا کرڈالی کہ ممکن ہے اس وقت بھی وہ کوئی سنسنی خیز خبر لایا ہو۔ وہ اس وقت ڈرائینگ روم داخل ہوا جب صدانی ایک لفافہ فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''یہ خط شام ڈاک سے ملا ہے۔ پروفیسر نے آپ کو میرے توسط سے بھیجا ہے۔''

فریدی لفافہ لے کر مہریں دیکھنے لگا۔ حمید بھی آگے بڑھ آیا۔ ٹکٹوں پر لگی ہوئی مہر روپ کے پوسٹ آفس کی تھی اور مقامی پوسٹ آفس کی مہر میں آج ہی کی تاریخ تھی۔ فریدی لفافے سے خط نکالا۔ مضمون انگریزی میں ٹائپ کیا ہوا تھا اور نیچے نجمی کے دستخط تھے۔

اس میں لکھا تھا۔ ''محترمی! میرے وکیل کی وساطت سے آپ کا پیغام ملا۔ میں ڈورو کے لئے حقیقتاً بہت مغموم ہوں کیونکہ اب وہ ایک اچھی لڑکی بن گئی تھی۔ مگر محترم! مجھے توقع کہ آپ مجھے سردست معاف رکھیں گے۔ میری نئی ایجاد بہت تیزی سے پایہ تکمیل کو پہنچ رہ ہے۔ آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ میں نے کینسر کا کامیاب ترین طریقہ علاج دریافت کرلیا۔

سلسلہ میں ایک ایسی مشین تیار کرنے میں کامیاب ہوتا جارہا ہوں جس کے ذریعے چاند کو ریڈیم کی شعاعوں کا بدل بنایا جاسکے گا۔ آپ خود سوچئے اس مشین سے کتنے بنی نوع کا مفاد وابستہ ہوگا۔ ڈوروتھی کے متعلق جو کچھ میں آپ کو بتا سکوں گا وہ صرف اتنا ہی ایک ماضی رکھتی تھی۔ ہوسکتا ہے آپ ہیری ہکسٹن گروہ سے واقف ہوں۔ کسی زمانے کا تعلق اسی گروہ سے تھا لیکن وہ اپنی مجرمانہ زندگی سے تنگ آ گئی تھی۔ اُس نے مجھ سے تھی، جو اُسے مل گئی۔ پھر اس نے تہیہ کیا کہ اب وہ شریف لڑکیوں کی سی زندگی بسر کرے آپ سمجھتے ہیں کہ وہ قتل کی گئی ہے تو اس میں اس گروہ کے علاوہ اور کسی کا ہاتھ نہ ہوگا۔ ہکسٹن دو یورپین بدمعاش ہیں انہیں دونوں کے نام سے یہ گروہ غالباً اب بھی چل رہا ں آپ کا انتہائی شکر گزار ہوں گا اگر آپ اس کے قاتل یا قاتلوں کو پکڑ کر قانون کے کرسکیں۔ میں سچ مچ ڈوروتھی کے لئے بے حد مغموم ہوں۔''

خط ختم کرکے فریدی نے اسے حمید کی طرف بڑھا دیا اور یہ خط اس کے لئے کسی حد تک ثابت ہوا لیکن اس نے اس پر رائے زنی کرنے کی بجائے ایک ٹھنڈی سانس لی اور ہوگیا۔

فریدی بھی خلاء میں گھور رہا تھا اور اس کی پیشانی کی رگیں ابھر آئی تھیں۔

نئی کہانی

تقریباً دو منٹ تک کمرے پر بوجھل سا سکوت طاری رہا پھر تنویر صدانی نے کھنکار کر پہلو فریدی کی نظر چینی کے گلدان سے ہٹ کر اس کے چہرے پر جم گئی۔

''کیا آپ نے یہ خط دیکھا ہے۔'' اس نے صدانی سے پوچھا۔

''نہیں جناب! لفافہ تو آپ نے چاک کیا تھا۔''

"اوہ معاف کیجئے گا..... حمید! خط صدانی صاحب کو دے دو۔"

صدانی خط لے کر پڑھتا رہا پھر اس نے اسے حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "خیال ہے کہ اب ہیری ہکسٹن گروہ اپنی پہلی سی شکل میں موجود نہیں ہے۔"

"یہی میں بھی کہنا چاہتا تھا کہ پروفیسر کی معلومات سیکنڈ ہینڈ ہیں۔" حمید بولا۔

"لیکن یہ چیز دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ ڈوروتھی کا تعلق پہلے کن لوگوں سے تھا۔ خیر دیکھوں گا۔ ہیری ہکسٹن گروہ میرے ہی ہاتھوں ٹوٹا تھا۔ ہکسٹن پھانسی پا چکا ہے لیکن ہیری اب بھی سنٹرل جیل میں گفتگو کی جا سکتی ہے۔"

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ڈوروتھی کا تعلق کبھی ایسے آدمیوں سے بھی رہا ہے۔" صدانی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس اطلاع سے اُسے گہرا صدمہ پہنچا ہو۔ اس نے پھر کہا۔ "میرے خدا وہ کتنی بھولی، نیک اور شریف تھی۔"

"شاید آپ بھول رہے ہیں کہ وہ پروفیسر کی داشتہ بھی تھی۔" حمید نے کہا۔

"رہی ہوگی۔" صدانی لاپروائی سے بولا۔ "پتہ نہیں لوگ کردار کے دوسرے پہلو کیوں نظر انداز کر دیتے ہیں۔ محض باعصمت ہونا ہی آدمی کو آدمی نہیں بناتا۔ میں تو یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ اگر وہ صرف کسی ایک کی پابند نہیں تھی تو اسے آبرو باختہ سمجھنے والے غلطی پر ہیں۔"

"لیکن کیا آپ کسی ایسی عورت کو مرد کے ترکے سے کچھ دلوا سکتے ہیں وکیل صاحب۔" حمید کا لہجہ تلخ تھا۔

"نہیں جناب! میں قانون کی بات نہیں کر رہا۔ یہ میرا اپنا نظریہ ہے۔"

"پروفیسر کو واپس آنا ہی پڑے گا صدانی صاحب۔" فریدی بولا۔

"کاش مجھے اس کا صحیح پتہ معلوم ہوتا۔" صدانی نے کہا۔

"فکر نہ کیجئے۔" حمید بولا۔ "ہمارے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ روپ نگر کے ماسٹر کے توسط سے اپنی ڈاک منگواتے ہیں۔"

"میرے لائق اور کوئی خدمت ہو تو بتایئے گا۔ اب اجازت دیجئے۔" صدانی اٹھتا ہوا

"ضرور..... ضرور۔" فریدی نے اٹھ کر اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس تعاون کا بے حد شکر گزار ہوں۔"

صدانی چلا گیا۔ حمید اس انداز سے سر جھکائے بیٹھا تھا جیسے اس پر کوئی بہت بڑا ظلم ہوا ہو۔

"کیوں! کیا بات ہے۔" فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔

"میں اس لڑکی کے متعلق سوچ رہا ہوں، جو میرے ہاتھوں سے نکل گئی۔"

"کیا تم نے حقیقت بیان کی تھی۔"

"آخر آپ کو یقین کیوں نہیں آتا جبکہ نجمی کی بیوی اتنی زیادہ مشتبہ ہو چکی ہے۔ جب وہ مرضی بیان کے لئے دو ہزار کی پیش کش کر سکتی ہے تو.....!"

"تو اپنی لڑکی کو بھی زخمی کر سکتی ہے۔" فریدی مسکرایا۔

"نہیں مجھے یہ کہنا چاہئے تھا جب وہ غصے کی حالت میں اپنے شوہر پر چھری پھینک سکتی ہے تو لڑکی کو بھی زخمی کر سکتی ہے۔"

"ضروری نہیں ہے۔"

"غصہ منطقی شعور کو کھا جاتا ہے۔" حمید بولا۔ "پھر آخر یہ بتایئے کہ وہ اپنی ماں کو دیکھتے ہوئے راہ چھوڑ کر بھاگ کیوں گئی تھی۔"

"فی الحال اس قصے کو چھوڑ دو۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ممکن ہے تمہارا اندازہ درست ہو مگر تاوقتیکہ لڑکی سے گفتگو کرنے کا موقع نہ ملے اس کے متعلق سر کھپانا ہی ہوگا۔ ادھر بہت دنوں بعد ذہنی جمناسٹک کا موقع ملا ہے۔ ابھی تک صرف دو نفوس ایسے تھے جن پر کیا جا سکتا تھا۔ مگر اب تیسرے کے بھی امکانات پیدا ہو گئے ہیں۔"

"تیسرا کون؟" حمید نے کہا۔ "میری دانست میں تو اب بھی دو ہی ہیں۔ پروفیسر اور اس کا کلرک۔ ویسے پروفیسر کی بیوی کے متعلق امکانات قوی ہیں۔ آخر وہ مسز لاڈیل کے بیان میں لڑکی کی آواز کا اضافہ کیوں کرانا چاہتی تھی۔ اس کا کھلا ہوا مقصد یہی ہے کہ وہ اپنا جرم پروفیسر پر ڈھونا چاہتی ہے۔"

"ہاں..... آں..... یہ بھی ممکن ہے۔ ابھی وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہاں تم تیسرے کے متعلق پوچھا ہے۔ اگر واقعی اس کا تعلق ہیری ہکسٹن گروہ سے رہا ہے تو اس لائ بھی ہمیں تھوڑی سی محنت کرنی پڑے گی۔"

"کیوں! ابھی تو آپ نے کہا تھا.....؟"

"ہاں وہ صرف ہیری اور ہکسٹن کی بات تھی۔" فریدی نے حمید کا جملہ پورا ہونے سے کہا۔ ان میں سے ایک پھانسی پا چکا ہے اور دوسرا عمر قید کاٹ رہا ہے۔ مگر گروہ کے کئی افراد تک لاپتہ ہیں۔ مثال کے طور پر زین ہی کو لے لو۔ کیا وہ کوئی معمولی مجرم تھا۔ آج بھی زندہ یا مردہ حاضر کرنے والے کو سرکاری اعلان کے مطابق دو ہزار مل سکتے ہیں۔ ممکن ہے یا گروہ کے کسی دوسرے فرد کو نجمی اور ڈوروتھی کے تعلقات گراں گزرے ہوں۔ اس کی دوسری طرح بھی سمجھنے کی کوشش کرو۔ ڈوروتھی کے پاس بغیر لائسنس کے ریوالور کی موجود وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ اسے اس واردات کا خدشہ پہلے ہی سے لاحق رہا ہو۔ اب ان حالات پروفیسر اور اس کی بیوی کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنے کی کوشش کرو۔"

"فیصلہ کیا کروں۔ اس نئی دلیل کی موجودگی میں تو دونوں ہی ہاتھ سے جا رہے ہیں۔"

"نہیں ایسا بھی نہیں ہے۔ تم آخر ذہن پر زور کیوں نہیں دے رہے ہو۔"

"ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ کسی سڑے ہوئے تربوز کی طرح ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جائے۔ ذہن میں رہا ہی کیا ہے۔"

"خیر مجھ سے سنو..... اسے واردات کا خدشہ ضرور لاحق تھا لیکن کم از کم اسے یقین تھا کہ وہ اسی رات کو قتل ہو جائے گی، ورنہ ملازم اسے پیانو بجاتے چھوڑ کر نہ جاتے۔"

"ٹھہریئے.....!" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اگر اسے پہلے ہی سے خدشہ لاحق تھا نے پولیس کو کیوں نہیں اطلاع دی۔"

"اب تم سڑے ہوئے تربوز پر زور دینے کی کوشش کر رہے ہو۔ میں یہی چاہتا تھا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

رمایئے نا۔" حمید چہکا۔

چھا..... سنو..... ریوالور کی موجودگی ثابت کرتی ہے کہ اسے پہلے ہی سے خدشہ لاحق ہ خدشہ پروفیسر کی بیوی کی طرف سے تھا تو اسے لازمی طور پر پولیس کو اطلاع کرنا اگر پروفیسر سے خائف تھی تب بھی یہی بات ثابت ہونی چاہئے تھی۔ لیکن اس نے یا؟ پھر اب اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ گروہ کا ہی کوئی آدمی ہوگا۔ پولیس دیتے وقت اسے یہ بھی ظاہر کرنا پڑتا کہ وہ اس آدمی کو کیسے جانتی ہے۔ دشمنی کی وجہ کیا ؟ اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہیری ہکسٹن گروہ والی لسٹ پر ڈوروتھی کا نام کبھی نہیں رہا۔ گروہ سے متعلق بھی تھی تو پولیس کو اس کا علم نہیں تھا ورنہ وہ اس طرح شریف بن کر زندگی بسر نہ کر سکتی۔ کیونکہ اس گروہ کے مفرور افراد کی بو پولیس آج بھی سونگھتی پھر لہٰذا وہ ایسی صورت میں پولیس کو اطلاع نہیں دے سکتی تھی جب مقابلہ گروہ کے ہی کسی رہا ہو۔ وہ کیوں خواہ مخواہ خود پر یہ مثل صادق لاتی کہ آسمان سے گرا اور کھجور سے اٹکا۔" ر تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "مگر یہ پروفیسر اپنی گردن کیوں پھنسا رہا ہے۔"

کیوں؟"

گر اسے علم تھا کہ ڈوروتھی ہیری ہکسٹن گروہ سے تعلق رکھتی ہے تو اس نے پولیس کو ں نہیں دی۔ اگر پہلے اطلاع نہیں دی تھی تو اب کیوں اپنے لئے کنواں کھود بیٹھا ہے۔ بات اب ظاہر ہی نہ کرنی چاہئے تھی کہ ڈوروتھی ہیری ہکسٹن گروہ سے تعلق رکھتی تھی۔"

حمید تم بہت اچھے جا رہے ہو۔" فریدی نے حیرت سے کہا۔ پھر بولا۔ "تم ذہن سوزی چراتے ہو۔ بات صرف اتنی ہی ہے۔ اچھا اٹھو! ہمیں جلدی کرنی چاہئے۔"

کیوں؟ کہاں۔"

سنٹرل جیل..... میں ہیری سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ کہیں پروفیسر نے اس سلسلے یانی نہ کی ہو۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ قاتل خود کو قانون کی دسترس سے دور رکھنے کے لئے

بڑی بڑی حماقتیں کر گزرتے ہیں اور وہی حماقتیں ان کے لئے پھانسی کا پھندا بن جاتی ہیں۔"

"تم پروفیسر کو قاتل سمجھتے ہو۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ابھی تک تو میرا یہی خیال ہے۔" حمید نے جواب دیا۔

"پھر اس کی بیوی کو کس خانے میں رکھو گے، جو لاڈیل کے بیان میں محض اس ا
ترامیم کرانا چاہتی ہے کہ اس کا شوہر پھانسی کے تختے تک پہنچ جائے۔"

حمید سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔ "چلئے! یہ کیس تو دماغ کی چولیں ہلائے دے رہا ہے۔"

وہ دونوں ڈرائنگ روم سے نکل کر گیراج کی طرف چل پڑے۔

راہ میں حمید نے پوچھا۔ "کیا آپ پروفیسر کے سلسلے میں اس کے سابق پارٹنر برجیس سے بھی ملے تھے۔"

"ہاں! میں اس سے صرف پروفیسر کی بعض عادتوں کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتا

"کیسی عادتیں.....!"

"جیسی بھی ہوں لیکن میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ دونوں میں کسی عورت ہی کے
میں جھگڑا ہوا تھا۔ برجیس قدر نے بڑی شدت سے اس بات پر زور دیا تھا کہ ڈوروتھی کا
پروفیسر ہی ہوسکتا ہے۔ ممکن ہے اسے شبہ ہوا ہو کہ ڈوروتھی کسی اور سے بھی تعلقات رکھتی
اس نے یہ بھی بتایا کہ پروفیسر بڑا وہمی آدمی ہے۔ وہ اکثر اپنی مختلف داشتہ عورتوں
دوسروں سے لڑتا رہا ہے۔"

فریدی نے کار روک دی اور نیچے اتر گیا۔ حمید نے دیکھا کہ وہ تار گھر میں داخل
ہے۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ پھر واپس آ گیا۔

"میں نے پروفیسر کو تار دیا ہے کہ وہ فوراً آئے ورنہ اس کی گرفتاری کے وارنٹ
کئے جاسکتے ہیں۔" فریدی نے اسٹیرنگ سنبھالتے ہوئے کہا۔

حمید خاموش رہا۔ کار پھر چل پڑی۔

کچھ دیر بعد حمید نے کہا۔ "مسز لاڈیل کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"کیسا خیال.....!"

"یہی کہ وہ آپ کو پسند آئی ہو تو گفت و شنید کی جائے۔"

فریدی نے بُرا سا منہ بنایا لیکن کچھ بولا نہیں۔ حمید نے پھر کہا "آپ خود بھی عجیب ہیں۔
میں چاہتا ہوں کہ آپ کے بچے بھی عجیب ہوں۔ اگر آپ منظور کریں تو دنیا آدمی کی ایک
اور نسل سے بھی روشناس ہوسکتی ہے۔"

"بکواس بند کرو۔ میں کچھ سوچ رہا ہوں۔"

"اگر آپ اسی کے متعلق سوچ رہے ہیں تو میں ہمیشہ کیلئے بھی خاموش ہونے کو تیار ہوں۔"

فریدی کو حد سے زیادہ سنجیدہ دیکھ کر حمید سچ مچ خاموش ہو گیا۔ کار تیزی سے راستہ طے
کر رہی تھی۔

سنٹرل جیل پہنچ کر انہیں زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ وہ وہاں پہنچا دیئے گئے جہاں
ان سے ملاقات ہوسکتی تھی۔

کٹہرے کی دوسری طرف ہیری کسی دیو کی طرح کھڑا تھا۔ چوڑا چکلا اور طویل قامت
تھا جس کی ڈاڑھی اور سر کے بال بے تحاشہ بڑھے ہوئے تھے۔ اس کا قد فریدی کے قد سے
نکلتا ہوا تھا اور اس ہیئت میں وہ سچ مچ کوئی دیو ہی معلوم ہو رہا تھا۔

اس نے فریدی کو بڑی نفرت سے دیکھا۔

"میں تمہارے لئے ڈوروتھی کا ایک پیغام لایا ہوں۔"

"کون ڈوروتھی؟" ہیری غرایا۔

"سرخ بالوں والی لڑکی جس کے ہونٹ بڑے حسین ہیں۔"

"اسکا پیغام.....!" ہیری نے حیرت سے کہا۔ "کیا وہ خود ہی اپنی گردن پھنسا رہی ہے۔"

"شاید تمہیں یہ سن کر خوشی ہو کہ وہ ایک شریف لڑکی کی زندگی بسر کر رہی ہے۔"

ہیری نے اس پر ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ کچھ دیر وہ ہنستا رہا پھر بولا۔ "ڈوروتھی اور شریف لڑکی۔"

"کیوں! کیا یہ ناممکن ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"بات کیا ہے..... کیا اس نے کسی کو کنگال کر دیا۔"

"نہیں..... اس نے بتایا ہے کہ تم نے 1949ء میں سنٹرل بینک کا جو سونا لوٹا تھا وہ آج بھی محفوظ ہے اور تم اس جگہ سے واقف ہو، جہاں اسے رکھا گیا ہے۔"

"اوہ..... وہ شیطان کی بچی۔" ہیری مٹھیاں بھینچ کر بولا۔ "وہ یہاں بھی مجھے چین نہیں لینے دیگی۔ وہ جھوٹی ہے۔ مکار ہے۔ ہم نے کبھی لوٹ کا مال سنبھال کر نہیں رکھا، کبھی نہیں۔"

فریدی نے قہقہہ لگایا اور پھر بولا۔ "تم مجھے دیکھو۔ میں کس طرح تمہارے گروہ کے آدمیوں کو چوہے بلیوں کی طرح کھود کھود کر نکال رہا ہوں۔ اب اسی لڑکی کو لے لو۔ یہ میری لسٹ پر بھی نہیں رہی۔"

"اس کا تعلق میرے گروہ سے کبھی نہیں رہا۔ وہ تو میری محبوبہ تھی۔ میں نے اس سے زیادہ کسی کو نہیں چاہا۔ میں اس کے لئے جان دینے کو بھی تیار رہتا تھا لیکن کاش مجھے صرف ایک دن کے لئے چھوڑ دیا جائے صرف ایک دن کے لئے۔ تاکہ میں اسے قتل کر سکوں۔"

"کیوں! اپنی محبوبہ کو قتل کرو گے۔"

"ہاں..... کیونکہ ہماری تباہی کا باعث وہی بنی تھی۔ اُف میرے خدا اس کے بھولے بھالے چہرے پر جس فتنہ پرور کھوپڑی کا سایہ ہے وہ کسی خبیث روح کو بھی میسر نہیں ہو سکتا۔ وہ تفریحاً دوسروں کو دھوکا دیتی ہے۔ اس سے زیادہ اذیت پسند عورت آج تک میری نظروں سے نہیں گذری۔"

"تمہاری تباہی کا باعث وہ کیسے بنی تھی؟"

"جس رات ہم گرفتار ہوئے ہیں اس نے ہمیں ایسی شراب پلا دی تھی جس میں کوئی خواب آور دوا ملائی گئی تھی۔"

فریدی کو یاد آ گیا کہ وہ سب نشے کی حالت میں گرفتار ہوئے تھے اور اس گروہ کے متعلق اسے ساری معلومات کسی نامعلوم آدمی کے خطوط سے بہم پہنچا کرتی تھیں۔ ممکن ہے وہ نامعلوم ہستی ڈوروتھی ہی رہی ہو۔

"بہرحال اب وہ شرافت کی زندگی بسر کر رہی ہے۔" فریدی نے ایک طویل سانس لے کر "لئے میں اسے نہیں چھیڑنا چاہتا۔"

"کیا وہ کسی مالدار آدمی کے ساتھ ہے۔"

"ہاں..... وہ ایک مالدار آدمی کی سیکریٹری کے فرائض انجام دے رہی ہے۔"

"سنئے کرنل۔" دفعتاً ہیری غرایا۔ "اس نے آپ کو محض اس لئے یہاں بھیجا ہے کہ آپ نئے مسئلہ میں الجھ جائیں اور اسے اس شریف آدمی پر ہاتھ صاف کرنیکا موقع مل جائے۔ لہری نظر رکھئے، ورنہ آپ کو پچھتانا پڑے گا۔ آپ مجھ سے زیادہ اسے نہیں جان سکتے۔"

"اچھی بات یہ ہے ہیری..... میں دیکھوں گا۔" فریدی نے کہا۔

"ٹھہریئے۔" ہیری اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "میرا خیال ہے کہ آپ نے ابھی مجھ سے کوئی سچی بات نہیں کی۔"

"تمہارا خیال بالکل صحیح ہے ہیری۔" فریدی نے جواب دیا۔ "ڈوروتھی کو کسی نے قتل کر دیا میں اس کے متعلق جو کچھ بھی معلوم کرنا چاہتا تھا کر چکا..... شکریہ۔"

"وہ قتل کر دی گئی۔" ہیری نے آہستہ سے دہرایا اور اس کی آنکھیں اس طرح چمکنے لگیں وہ اس کے لئے بڑی پرمسرت خبر رہی ہو۔ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ "کرنل تب تو اس کا اوہی آدمی ہو سکتا ہے جس کی وہ سیکریٹری تھی۔ میں نے خود بھی اسے مار ڈالنے کا پروگرام نا۔ مگر اس سے پہلے ہی میں گرفتار کر لیا گیا۔ اگر صرف تین دن اور آزاد رہتا تو وہ اس دنیا نہ ہوتی.....!"

فریدی نے پھر ایک طویل سانس لی۔

ڈاک بنگلہ

اگلی صبح فریدی بہت زیادہ فکرمند نظر آ رہا تھا۔ حمید نے اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی

کوشش کی لیکن ناکام رہا آخر اس نے کہا۔ ''اب تو پروفیسر ہی پر شبہ کیا جاسکتا ہے۔''

''اُوں.....!'' فریدی چونک پڑا اور اس طرح اس کی طرف دیکھنے لگا جیسے اُسے اس کی موجودگی کا احساس ہی نہ رہا ہو۔ اس نے کہا۔ ''کیا کہا تم نے۔''

حمید نے اپنا جملہ دہرایا۔

''بہتیری پیچیدگیاں اب بھی باقی ہیں۔''

''اب بھی پیچیدگیاں باقی ہیں۔'' حمید اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا

''خدا ہر شریف آدمی کو اس پیشے سے دور رکھے۔''

''اگر پروفیسر اس کی اصلیت سے واقف ہوگیا تھا تو پولیس کو اطلاع دے کر بخوبی ا سے اپنی جان چھڑا سکتا تھا۔ آخر اس نے قتل کرنے کا خطرہ کیوں مول لیا۔''

''ابھی تک میں نے اس کے متعلق جو اندازہ لگایا ہے اس کے مطابق وہ مجھے کوئی جو آدمی معلوم ہوتا ہے۔'' حمید نے کہا۔

''تم جھکی کہتے ہو۔ میں تو اسے دیوانہ سمجھتا ہوں۔ اگر اس کے بجائے کوئی اور ہوتا تو فرصت میں یہاں پہنچ کر اپنے خلاف پیدا ہوجانے والے شبہات رفع کرنے کی کوشش کرتا۔''

''پھر آپ کس نتیجے پر پہنچ رہے ہیں۔''

''فی الحال کسی پر بھی نہیں۔ حالات سامنے ہیں مگر بے ترتیب، میں انہیں ترتیب دینے کوشش کرتا ہوں مگر کہیں نہ کہیں سے ایک خلا سی نمودار ہوجاتی ہے اور کڑیاں مربوط نہیں ہو پاتیں۔''

''یہ ٹھیک ہے کہ پروفیسر پولیس کو بھی اطلاع دے سکتا تھا لیکن وہ اگر اس طرف سے قسم کا خدشہ رکھتی تھی تو پولیس کو اس کی اطلاع نہیں دے سکتی تھی۔ کیونکہ پروفیسر اس کا راز فا کرسکتا تھا۔ لہٰذا اس نے اس کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی اور اپنے پاس بغیر لائسنس کا ا ریوالور رکھنے لگی۔''

''ریوالور کی بات اب چھوڑ دو۔'' فریدی بولا۔ ''ہیری کے بیان سے اس کی اہمیت ہی ہوجاتی ہے۔ اگر وہ اتنی ہی خطرناک عورت تھی تو اس نے یونہی بلا مقصد بھی ریوالور رکھ چھوڑا ہو

''میں دراصل اس کی بیوی کے متعلق کچھ کہنا چاہتا تھا۔''

''کہو.....!'' فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

''بس اتنا ہی کہنا ہے کہ وہ بھی اس کی قاتل ہوسکتی ہے۔''

''کافی پرانی بات ہوچکی ہے۔ لیکن اس قسم کا سوال بھی پیدا ہوسکتا ہے۔ ہوسکتا ہے میں کسی بات پر تکرار ہوگئی ہو اور اس نے غصے کی حالت میں اس پر فائر کردیا ہو۔''

''یہی میرا بھی خیال ہے اور اب وہ مسٹر لاڈیل کے بیان میں ترامیم کرا کے پروفیسر کو چاہتی ہو۔''

''مگر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ پروفیسر واردات والی رات کو تین بجے ں موجود تھا۔''

''ٹھیک ہے۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''ممکن ہے یہ قتل اس کی موجودگی ہی میں ہوا ہو اور اس ت کی بربادی کے خیال سے پولیس کو اس کی اطلاع نہ دی ہو۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ اب پہلے سے بھی زیادہ فکرمند نظر آنے لگا تھا۔ حمید نے اپنے میں تمباکو بھری اور اُسے سلگا کر آرام کرسی پر نیم دراز ہوگیا۔

وہ کچھ دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا پھر یک بیک سیدھا ہوتا ہوا بولا۔ ''دیکھئے! میرا خیال یہ پروفیسر..... آسانی سے واپس نہیں آئے گا۔ کیوں نہ میں ہی اسے جا کر کھینچ لاؤں۔''

''اس کی تلاش آسان نہ ہوگی حمید صاحب۔'' فریدی نے کہا۔

''کیوں.....!''

''وہ روپ نگر کے پوسٹ ماسٹر کے توسط سے اپنی ڈاک منگواتا ہے۔ ضروری نہیں کہ اس ہائے رہائش کا پتہ آسانی سے معلوم ہوجائے۔''

''میرے خیال سے روپ نگر ایک چھوٹا سا قصبہ ہے لہٰذا وہاں کسی ایسے آدمی کا سراغ ل جائے گا جو جیپ کار رکھتا ہو۔ مسز لاڈیل نے یہی تو بتایا تھا کہ پروفیسر جیپ کار ہاتھ

"تمہارا خیال قطعی غلط ہے کہ روپ نگر کوئی قصبہ ہے۔ کبھی کوئی قصبہ ہی رہا ہوگا۔ لیکن پچھلی جنگ عظیم کے دوران میں اس کی آبادی بہت بڑھ گئی ہے اور اب تم اسے ایک چھوٹا سا شہر کہہ سکتے ہو۔ وہاں زیادہ تر ریٹائرڈ فوجی آفیسر آباد ہیں اور تم وہاں کم از کم پچاس جیپ کاریں ضرور پاؤ گے۔"

حمید خاموش ہوگیا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ وہ یہاں سے نکل بھاگنا چاہتا تھا۔ روپ نگر شہر سے صرف تیس میل کے فاصلے پر تھا لیکن اسے آج تک وہاں جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ ویسے اس نے ان اطراف کے متعلق یہ ضرور سن رکھا تھا کہ وہاں حسن بکثرت پایا جاتا ہے۔

کچھ دیر خاموشی رہی، پھر دفعتاً فریدی مسکرا کر بولا۔ "ویسے اگر تم اپنی صلاحیتوں کو آزمانا چاہتے ہو تو میں تمہیں روکوں گا نہیں۔"

حمید اٹھا۔ بڑے ادب سے فریدی کا داہنا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اُسے بوسہ دیا اور پھر جھکا کر بولا۔ "پیر و مرشد آپ کی اس فیاضی اور دریا دلی پر دل چاہتا ہے کہ قوالی شروع کردوں مگر خیر اس تھوڑے سے وقت میں صرف ایک ٹھمری پر اکتفا کروں گا۔"

اس نے الاپنے کے سے انداز میں کان پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ فریدی نے کان پکڑ کر اسے کمرے سے باہر کردیا۔

حمید نے اسی وقت وہاں سے روانگی کی تیاری شروع کردی۔ ایک گھنٹے بعد ایک جیپ میں وہ اپنے بکرے سمیت کمپاؤنڈ سے باہر آیا۔ اس کے ساتھ معمولی ضروریات کا سامان تھا۔ شہر سے باہر نکلتے ہی جیپ آندھی اور طوفان کی طرح راستہ طے کرنے لگی لیکن اس رفتار سے چلنے سے پہلے حمید نے بکرے کی چاروں ٹانگیں باندھ کر اسے پچھلی نشست پر ڈال دیا تھا۔

وہ حقیقتاً تفریح کے موڈ میں تھا اور یہ سوچ کر گھر سے چلا تھا کہ جس ہوٹل میں قیام کرے گا اس کے عملہ کے لئے بکرا دردسر ہوجائے گا۔

مگر روپ نگر سے دو میل ادھر ہی اسے ایک ڈاک بنگلہ نظر آیا اور اس نے بستی میں قیام کرنے کا ارادہ ترک کردیا۔

سورج غروب ہونے والا تھا۔ نارنجی رنگ کی ٹھنڈی شعاعیں سرسبز میدانوں پر بکھری ہوئی تھیں۔ حمید کا بکرا چاروں طرف ہریالی ہی ہریالی دیکھ کر بے قابو ہوگیا۔

حمید نے جیپ سڑک سے اتار کر ڈاک بنگلے کی طرف موڑ دی۔ اس نے سوچا کہ رات تو بسر کرنی چاہئے۔ پھر دوسری صبح بستی بھی دیکھ لی جائے گی۔

گاڑی کی آواز سن کر ایک آدمی باہر آیا۔ یہ غالباً یہاں کا ملازم تھا۔ اس نے بڑے ادب سے حمید کا استقبال کیا۔ لیکن گاڑی میں ایک ایسے بکرے کی موجودگی اس کے لئے حیرت انگیز تھی جس کے سر پر فلٹ ہیٹ منڈھا ہوا ہو اور گلے میں ٹائی لٹک رہی ہو۔ پھر اس کے پیر بھی بندھے ہوئے تھے۔

"اس کے لئے بھی انتظام کرنا پڑے گا۔" حمید نے بکرے کی طرف اشارہ کیا "یہ میرا شریک بھائی ہے۔ ہم دونوں نے ایک ہی بکری کا دودھ پیا تھا۔"

ملازم نے دانت نکال دیئے اور پھر آہستہ سے بولا۔ "صاحب یہاں ابھی ابھی ایک میم صاحب بھی آئی ہیں۔ پتہ نہیں وہ اسے پسند کریں یا نہ کریں۔"

"اے تم ہوش میں ہو یا نہیں۔ میں نے تم سے یہ کب کہا تھا کہ تم اسے لے جاکر میم صاحب کی دم میں باندھ آؤ۔ کیا چرس پیتے ہو۔"

"نہیں حضور.....!"

"چلو سامان اتارو۔"

حمید بکرے کے پیر کھول چکا تھا۔ وہ اسے کان سے پکڑے ہوئے اندر لایا لیکن نوکر کی زبان کردہ "میم صاحب" کو دیکھ کر اس کی باچھیں کھل گئیں۔ وہ بھی جھپٹ کر اس کی طرف لپکا۔ وہ پروفیسر نجمی کی لڑکی صوفیہ تھی اور اب بھی اس کے چہرے پر جہاں تہاں ہلکے نیل نظر آرہے تھے۔ بکرے کا کان حمید کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

"کیپٹن حمید تم۔" وہ پرمسرت لہجے میں چیخی۔ "مگر کیا تم میرا تعاقب کرتے ہوئے آئے ہو۔"

"تم کی طرح بھی آیا ہوں لیکن تم یہاں کیسے نظر آرہی ہو۔"

''میں پاپا کی تلاش میں آئی ہوں۔''

''تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ یہاں ملیں گے۔''

''مم..... میں نے بڑی محنت سے یہ بات معلوم کی ہے۔ پہلے نوکروں کو ٹٹولا لیکن ا
سے کچھ نہ معلوم ہوسکا۔ پھر میں نے سوچا کہ پاپا کے وکیل سے معلوم کروں ممکن ہے وہ کچھ جا
ہو۔ میرا خیال بھی صحیح نکلا۔ اسے پاپا کے متعلق علم تھا۔ اس نے کہا جب میں سرکاری سر
رساں کو بتا چکا ہوں تو تم سے کیوں پوشیدہ رکھوں۔ اب اس وقت بہت ضروری ہے کہ پروفی
واپس آ جائیں۔ ورنہ پولیس کو سمجھانا بہت مشکل ہوجائے گا۔ اگر وہ تمہیں مل جائیں تو انہ
واپس آنے پر مجبور کرو۔''

''کیا اس نے تمہیں پورا پتہ بتایا ہے۔''

''نہیں اس نے صرف بتایا ہے کہ وہ اپنی ڈاک یہاں کے پوسٹ ماسٹر کے پ
منگواتے ہیں۔''

''خیر ٹھہرو..... تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔'' حمید نے کہا اور نوکر کو ہدایت د
لگا۔ بکرا وہیں سر جھکائے کھڑا جگالی کر رہا تھا۔''

''یہ بکرا کیوں ساتھ لئے پھرتے ہو اور اس کا حلیہ۔'' صوفیہ کہتے کہتے رک گئی۔

''ارر..... نہیں کوئی الٹی سیدھی بات نہ کہہ بیٹھنا ورنہ میرے جذبات کو ٹھیس لگے گی
میرا دودھ شریک بھائی یعنی سٹپ برادر ہے۔''

صوفیہ ہنسنے لگی۔

کچھ دیر بعد حمید لباس تبدیل کر کے برآمدے میں آ بیٹھا۔ صوفیہ بھی اس کے قریب
موجود تھی۔ اندھیرا پھیل رہا تھا۔ ملازم نے ایک لیمپ روشن کر کے برآمدے میں رکھ دیا۔

''ہاں! اب بتاؤ..... کل کیا قصہ تھا۔'' حمید نے صوفیہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

''کیسا قصہ.....!''

''کل تم اس طرح بھاگی کیوں تھیں۔''

20

''اگر میں نہ بتانا چاہوں تو۔''

''تو اپنی ماں کے لئے پھانسی کا پھندا تیار سمجھو۔''

''نہیں.....!'' وہ خوفزدہ آواز میں چیخی۔

''کیا یہ غلط ہے تمہاری ماں نے غصے میں تمہیں نوچ کھسوٹ ڈالا تھا۔''

''مم..... میں اس مسئلے پر کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتی۔''

''تم غلطی پر ہو۔ ایسا کر کے تم اپنی ممی اور پاپا دونوں کے حق میں کانٹے بو رہی ہو۔''

صوفیہ خاموش ہوگئی۔ حمید بھی چپ چاپ اس کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا۔ وہ بہت زیادہ
نظر آنے لگی۔ بار بار اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی اور چڑھتی ہوئی سانسوں پر قابو
کوشش کرنے لگتی۔

''تمہارا فرض ہے کہ مجھے صحیح حالات سے آگاہ کردو۔'' حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔

''کیسے حالات۔''

''اچھا اب میں کچھ نہیں پوچھوں گا۔'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''ارے تم تو خفا ہوگئے۔ پوچھو میں بتاؤں گی۔''

''تمہاری ممی نے تمہیں کیوں مارا پیٹا تھا۔''

''میں نے ان سے پوچھا تھا کہ وہ قتل والی رات کو کہاں غائب رہی تھیں۔''

''نہیں.....!'' حمید نے حیرت سے کہا۔

''ہاں.....! میں نے پوچھا تھا۔''

''مگر تم نے اس دن مجھے تو اس کے متعلق نہیں بتایا تھا۔''

''مجھے خود بھی علم نہیں تھا کہ وہ رات کو غائب رہی تھیں۔ میں تو سو رہی تھی۔''

''پھر تمہیں کیسے معلوم ہوا۔''

''کاؤنٹر کلرک نے مجھے بتایا تھا کہ ایک پولیس آفیسر نے اس کے متعلق چھان بین کی
تھی پھر اس نے مجھے وہ رجسٹر دکھایا جس میں ممی نے اپنی روانگی لکھی تھی۔ ہوٹل والے اچھی

طرح جان گئے ہیں کہ ہم کون ہیں۔"

"تو تمہارے دریافت کرنے پر وہ بگڑ گئیں۔"

"ہاں..... وہ بہت غصہ ور ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ میں اب ان کیساتھ نہیں رہنا چاہتی۔"

"تمہارا کوئی دوست نہیں ہے۔"

"نہیں.....!" صوفیہ نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"اچھا اب مجھے سچ سچ بتاؤ..... کیا ایک بار انہوں نے غصے میں پروفیسر پر چھری نہیں چلا ماری تھی۔"

"یہ بالکل درست ہے۔ ہاں ایسا ہوا تھا۔"

"پروفیسر نے کیا کیا تھا۔"

"کچھ بھی نہیں۔ وہ اس کے بعد بھی ہنستے رہے تھے۔"

"کیا تمہیں علم ہے کہ تمہاری ممی.....!" حمید اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔ وہ دراصل ا مسز لاڈیل کے متعلق بتانے جا رہا تھا جس کے بیان میں مسز نجمی نے ترمیم کرانے کی کوشش تھی۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر اس نے بات ہی اڑا دی اور بولا۔ "میں خود بھی اسی لئے آیا ہوں تمہارے پاپا کو تلاش کروں لیکن وہ بہت ضدی معلوم ہوتے ہیں۔"

"ہاں یہ تو حقیقت ہے کہ ایک بار جو بات ان کی زبان سے نکل جائے اسے پتھر کی لکیر سمجھ

"ہم لوگوں کی خواہش تھی کہ وہ صرف ایک دن کے لئے شہر چلے آتے اور پولیس شبہات رفع کرنے کی کوشش کرتے۔"

"میں انہیں مجبور کروں گی کہ وہ واپس چلیں۔ وہ کم از کم میری بات نہیں ٹال سکیں۔"

"پتہ نہیں! تم وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتیں کہ جو کچھ سوچ رہی ہو وہی ہوگا۔"

پھر وہ رات کے کھانے کے لئے اٹھ گئے۔ صوفیہ مغموم اور فکرمند نظر آ رہی تھی۔

حمید نے کھانے کے دوران میں اس سے پوچھا۔ "کیا تم اپنے پاپا کو بے گناہ سمجھتی

"یقیناً..... وہ اتنے بُرے نہیں ہو سکتے کہ کسی کو قتل کر دیں۔"

"پھر کیا تمہاری ممی غصے میں اسے قتل کر سکتی ہیں۔"

"ممی کے غصے کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ وہ غصے میں پاپا پر چھری بھی پھینک سکتی مجھے بھی اس طرح زخمی کر سکتی ہیں۔ یہ درست ہے کہ وہ غصے میں اپنے ہوش و حواس کھو

"ں۔"

پھر حمید خود ہی اس تذکرے سے اکتا گیا اور کوشش کرنے لگا کہ کسی طرح صوفیہ بھی ہنس آنے لگے۔ اس نے ادھر اُدھر کی باتیں چھیڑ دیں لیکن صوفیہ پر بدستور اضمحلال طاری نے کے بعد وہاں سے میز ہٹا دی گئی۔ کیونکہ اسی کمرے میں انہیں سونا بھی تھا۔ یہ ایک اور کشادہ کمرہ تھا۔ اس عمارت میں اس کے علاوہ دو برآمدے بھی تھے۔ ایک غسلخانہ تھا بیت الخلاء۔ ملازم کو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ وہ دونوں پہلے سے ایک دوسرے کے شناسا رنہ اُسے ایک الجھن کا شکار ہونا پڑتا لیکن اب اس کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا کہ وہ کس ں سونے کے استدعا کرے گا۔ اس نے حمید کے حکم کے مطابق اسی کمرے میں دو پلنگ یئے اور ان کے بستر لگا کر باہر جاتے وقت بکرے کو بھی اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش لگا۔ مگر حمید نے اسے روک دیا۔

پھر جب سونے کی تیاری ہوئی تو حمید بکرے کو اپنے پلنگ پر لٹانے کی کوشش کرنے لگا اور بے ساختہ ہنس پڑی۔

"یہ کیا کر رہے ہو۔" اس نے پوچھا۔

"میں اسے اپنے پاس ہی سلاتا ہوں۔ ورنہ اُسے بُرے بُرے خواب نظر آتے ہیں اور یہ بکرا قوالی ہی الاپتا رہ جاتا ہے۔"

"تم بہت شریر ہو۔ آخر بکرا ساتھ لئے پھرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"بکرے کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسی لئے میں نے ابھی تک شادی نہیں کی۔"

"تمہاری اوٹ پٹانگ باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔"

"مگر یہ خوب سمجھتا ہے۔" حمید نے بکرے کی طرف اشارہ کیا۔ لیکن بکرا کسی طرح بھی

اس کے پلنگ پر نہ ٹکا۔ آخر کار حمید نے اُسے تین لاتیں رسید کیں اور خود پلنگ پر ڈھیر ہو گیا۔ بکرا ایک گوشے میں بیٹھ کر جگالی کرنے لگا۔

تلاش

دوسری صبح صوفیہ کسی حد تک تروتازہ نظر آ رہی تھی۔ حمید نے بھی اسے فکر مند ہونے کا موقع نہیں دیا۔ جاگنے سے ناشتے کے وقت تک تفریحی گفتگو کرتا رہا۔ پھر وہ دونوں قصبے سے باہر جانے کے لئے تیار ہو گئے۔

حمید نے بکرے کو بھی ساتھ لے جانا چاہا لیکن صوفیہ نے شدت سے اس کی مخالفت کی۔

"اگر بکرے کے بجائے کتا ہوتا تو۔" حمید نے کہا۔

"کتے کی دوسری بات ہے۔"

"تو بکرے کی تیسری کیوں ہے۔"

"تم عجیب آدمی ہو۔"

"تم مجھ سے بھی زیادہ عجیب ہو لیکن میں تمہیں آدمی نہیں کہہ سکتا کیونکہ دنیا کا ہر آ معقولیت پسند ضرور ہوتا ہے۔ جب کتے ساتھ رکھے جا سکتے ہیں تو بکرے کیوں نہیں رکھے جا سکتے"

"بکرا تمہارے کسی دشمن سے تمہاری جان نہیں بچا سکتا۔"

"دشمن سے مقابلہ کرنے کیلئے میرے بازو کافی ہیں۔ لیکن کتا میرا پیٹ نہیں بھر سکتا۔"

"بکرا کیسے بھر سکتا ہے۔"

"میں اسے ذبح کر کے کھا سکتا ہوں اور اسکی وجہ سے کوئی بکری مجھ پر مہربان ہو سکتی ہے۔"

"بکری کے مہربان ہونے سے کیا ہوگا۔" صوفیہ ہنس پڑی۔

"وہ مجھے اپنا دودھ پینے دے گی۔"

"چلو.....! میں اسے ساتھ نہیں لے جانے دوں گی۔"

"خیر.....!" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "تمہاری مرضی۔ میں تو یہ کہہ رہا تھا.....!"

"کچھ نہیں، تم کچھ نہیں کہہ رہے تھے۔ چلو بیٹھو گاڑی میں۔"

وہ دونوں جیپ میں آ بیٹھے۔ حمید نے انجن اسٹارٹ کیا اور پھر گاڑی چل پڑی۔

"اگر تمہاری ماں بھی یہاں پہنچ گئیں تو کیا ہوگا۔" حمید نے کہا۔

"نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔"

"کیوں نہیں ہو سکتا۔ وکیل سے تمہیں پتہ معلوم ہوا تھا۔ وکیل ہی انہیں بھی بتا سکتا ہے۔"

"نہیں.... مسٹر صمدانی مجھے بیٹی کی طرح عزیز رکھتے ہیں۔ میں نے ان سے استدعا کی وہ ممی کو اس کے متعلق کچھ نہ بتائیں۔ پاپا سے ان کے دوستانہ تعلقات بھی ہیں، اس لئے وہ بالکل پسند نہیں کرتے۔"

"اگر آ گئیں تو پھر تمہیں پٹنا پڑے گا۔" حمید ہنسنے لگا۔

"میرا مضحکہ نہ اڑاؤ۔" صوفیہ گلوگیر آواز میں بولی۔

"معاف کرنا۔ میں نے یونہی کہا تھا۔ تمہاری ممی کی درندگی مجھے بھی ناپسند ہے۔"

لیکن صوفیہ کے چہرے پر پھر اضمحلال طاری ہو گیا تھا۔ حمید سوچنے لگا کہ اس نے بُرا کیا۔ اس سے پہلے وہ بڑے اچھے موڈ میں تھے۔

"تمہاری دانست میں ہمیں کہاں سے شروعات کرنی چاہئے۔" حمید نے کہا۔

"پوسٹ آفس سے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "فی الحال ہم اتنا ہی جانتے ہیں کہ ان کی ساپوسٹ ماسٹر کے توسط سے آتی ہے۔ مگر ممکن ہے آپ اس سے زیادہ جانتے ہوں۔"

"نہیں..... میری معلومات بھی اتنی ہی ہیں جتنی صمدانی سے حاصل ہو سکتی تھیں۔"

صوفیہ کچھ نہ بولی۔ پھر وہ ذرا ہی سی دیر میں بستی میں داخل ہو گئے۔ یہ حقیقتاً ایک چھوٹا سا قصبہ تھا۔ اُسے غیر ترقی یافتہ قصبہ قرار دینا زیادتی ہی ہوتی۔ یہاں دو ایک اچھے اور صاف ستھرے مکان بھی تھے۔ ایک چھوٹا سا پاور ہاؤس تھا۔ دو سینما ہال تھے۔ دو ہائی اسکول تھے اور ایک

انٹرمیڈیٹ کالج تھا۔

اکثر جگہ عمارتیں بھی شاندار نظر آئیں۔ لیکن وہاں کا پوسٹ آفس دیکھ کر حمید کو مایوسی ہوئی۔ وہ پوسٹ آفس سے زیادہ کسی کباڑی کا گودام معلوم ہو رہا تھا۔ دو ایک پوسٹ مین بیٹھے ڈاک چھانٹ رہے تھے اور بقیہ میزوں پر یا تو طبلہ بجا رہے تھے یا بیٹریوں کے ڈھوئیں کے بادل منہ سے نکالتے ہوئے غپیں ہانک رہے تھے۔ کاؤنٹر کلرکوں کی حالت ان سے بھی بدتر تھی کیونکہ وہ کام بھی کر رہے تھے اور اپنے دوستوں سے غپیں بھی لڑا رہے تھے۔ پبلک ٹیلی فون کے قریب حمید کو کئی لڑکیاں نظر آئیں۔ ممکن ہے کاؤنٹر کلرک کے دوست وہاں نظارہ بازی ہی کیلئے اکٹھے ہوئے ہوں۔

پوسٹ ماسٹر کی میز اس بڑے کمرے کے وسط میں تھی اور اس کا انداز کچھ ایسا ہی تھا جیسے وہ کم از کم ایک درجن شریر اور نالائق بچوں کی ماں ہو۔ کبھی وہ کسی کو ٹوکتا کبھی کسی کو ہدایت دیتا اور کبھی سامنے پڑے ہوئے رجسٹر کی ورق گردانی کرنے لگتا۔ کاؤنٹر کلرک اور ان کے دوستوں کی طرف بھی نظر اٹھتی اور پھر وہ ٹیلی فون کے قریب کھڑی ہوئی لڑکیوں کو تشویش کی نظروں سے دیکھنے لگتا۔ وہ بوڑھا تھا اور اس کے سر کے بال کچی برف کی طرح سفید تھے۔ اس کی آنکھیں ایمانداروں کی سی تھیں، جن میں اپنے نالائق ماتحتوں کیلئے تشویش اور ہمدردی پائی جاتی تھی۔

حمید نے دروازے ہی پر رک کر اس سے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔

''تشریف لائیے..... تشریف لائیے۔'' وہ اٹھتا ہوا بولا اور دوسری لڑکیوں کو گھورتی ہوئی آنکھیں صوفیہ کی طرف مڑ گئیں۔ صوفیہ ایک یوریشین عورت کی لڑکی تھی۔ اس لئے خود کو یوریشین ہی معلوم ہوتی تھی۔

حمید نے پروفیسر نجمی کے متعلق پوچھ گچھ شروع کی۔

''جی ہاں!'' پوسٹ ماسٹر نے کہا۔ ''ایک صاحب ہیں جو اسی طرح اپنے خطوط اور آرڈر منگواتے ہیں۔ جی ہاں..... دبلے پتلے سے بہت بڑی بڑی مونچھوں والے۔''

''اور اکثر ان کے ساتھ ایک انگریز عورت بھی ہوتی ہے۔'' ایک کلرک نے کہا جو دور والی گفتگو میں ان کے قریب ہی کھڑا ہوا تھا۔

''انگریز عورت۔'' حمید نے حیرت سے دہرایا۔

''جی ہاں۔''

بدسوچ میں پڑ گیا۔ پھر دفعتاً اس نے پوچھا۔ ''کیا آپ اس عورت کا حلیہ بتا سکتے ہیں۔''

''عورت کا حلیہ.....!'' کلرک اپنا سر کھجاتا ہوا بولا۔ ''دیکھئے جناب۔'' وہ مسکرایا۔ ''میری ں عورت کا حلیہ صرف یہی ہو سکتا ہے کہ.....!''

''کہ وہ بہت حسین ہوتی ہے۔'' حمید اس کی بات کاٹ کر مسکرایا۔

''چلئے یہی سہی۔'' کلرک جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔

حمید کے ذہن میں ایک شبہے نے سر ابھارا اور وہ جیبیں ٹٹولنے لگا۔

سے یاد آ گیا کہ ڈوروتھی کی ایک تصویر اس کی جیب میں پڑی ہوگی۔ اس نے تصویر نکالی کو دکھاتا ہوا بولا۔

''کیا یہی عورت تھی۔''

''او..... جج..... جی ہاں..... بالکل بالکل۔''

پوسٹ ماسٹر نے بھی تصویر دیکھ کر اس کے بیان کی تصدیق کی۔

''وہ پچھلی بار یہاں کب آئے تھے۔'' حمید نے پوچھا۔

''ہاں..... دیکھئے ٹھہریئے۔'' پوسٹ ماسٹر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''شاید تین یا چار دن گزرے۔''

''کیا یہ عورت ساتھ تھی۔''

''نہیں تنہا تھے۔'' کلرک بول پڑا۔

''کیا آپ انہیں اطلاع دلواتے ہیں کہ ان کی ڈاک آئی ہے۔''

''نہیں جناب.....!'' پوسٹ ماسٹر نے کہا۔ ''وہ خود ہی آتے ہیں۔ مجھے علم نہیں ہے کہ قیام کہاں ہے۔''

''آپ ذرا ایک منٹ کے لئے ادھر آئیے۔'' حمید نے پوسٹ ماسٹر کو باہر چلنے کا اشارہ کر صوفیہ سے بولا۔ ''تم یہیں ٹھہرو۔''

پوسٹ ماسٹر اور وہ برآمدے میں آئے۔

"فرمایئے جناب۔" پوسٹ ماسٹر نے کہا۔ اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

حمید نے جیب سے اپنا کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

کارڈ پر نظر ڈالتے وقت پوسٹ ماسٹر کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

"اوہ..... جناب.....!" وہ کارڈ واپس کرتا ہوا بولا۔ "کوئی گڑبڑ ہے۔"

"آپ بھی سرکاری آدمی ہیں۔ یہ بات اپنی ہی ذات تک محدود رکھئے گا۔ ہمارے ہ
اس آدمی کی تلاش ہے۔ یہ جب بھی آئے اسے یہاں روک کر کوتوال شہر کو فون کر دیجئے
پیغام میں آپ صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں "بڑی مونچھیں کیپٹن حمید"۔ اس کے بعد آپ کا
اس وقت تک روکے رکھنا پڑے گا جب تک کہ پولیس نہ آ جائے۔"

"میں کیسے روکوں گا جناب۔" پوسٹ ماسٹر کچھ خوف زدہ سا نظر آنے لگا۔

"یہاں آپ کے پاس اتنے آدمی ہیں اور آپ ایک دبلے پتلے آدمی کو نہ روک سکیں گے

"اگر اس نے فائر کر دیا تو۔"

"اوہ گھبرایئے نہیں۔ وہ کوئی بدمعاش نہیں ہے۔ ایک شریف آدمی ہے۔ بس وہ
میرا محکمہ اُس سے کچھ معلوم کرنا چاہتا ہے۔ آپ اگر اسے اتنی دیر باتوں ہی میں لگائے
گے تو کام بن جائے گا۔"

"اچھی بات ہے جناب میں پوری پوری کوشش کروں گا۔"

"اچھا..... کیا کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ اس کی ڈاک کئی دن تک پڑی رہ گئی ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ وہ یا تو اسی دن پہنچ گئے ہیں جس دن ڈاک
ہے یا دوسرے دن۔ تیسرا دن تو میری یادداشت میں کبھی ہوا ہی نہیں۔ یہ سب کچھ مجھے ا
یاد ہے کہ میں اسے ایک حیرت انگیز بات سمجھتا ہوں۔ آخر انہیں کس طرح علم ہو جاتا ہے
ہی ان کی ڈاک پہنچی ہے۔"

"آپ نے اس سے اس کے متعلق پوچھا ضرور ہوگا۔"

"ج، پوچھا تھا۔ لیکن انہوں نے بڑی لاپروائی سے جواب دیا تھا کہ اتفاقات ہیں۔"

"خیر اب آپ خیال رکھئے گا۔"

"یقیناً خیال رکھوں گا جناب۔"

وہ پھر کمرے میں واپس آ گئے۔ صوفیہ حمید کو شبہے کی نظر سے دیکھ رہی تھی۔

"آؤ چلیں۔" حمید نے اُسے کہا۔

وہ پھر گاڑی میں آ بیٹھے اور صوفیہ نے پوچھا۔ "تم اسے باہر کیوں لے گئے تھے۔"

"نہیں بتاتا کم بخت۔"

"کیا مطلب.....؟"

"میں کوشش کر رہا تھا کہ وہ پروفیسر کا پتہ بتا دے لیکن کم بخت نے نہیں بتایا۔"

"ممکن ہے وہ جانتا ہی نہ ہو۔"

"یہ کیسے ممکن ہے۔ پھر آخر پروفیسر کو اطلاع کیسے ہوتی ہے کہ ان کی ڈاک آئی ہے۔
ٹ آفس کا کوئی نہ کوئی آدمی انہیں ضرور اطلاع دیتا ہے۔"

"پھر کیا یہ ضروری ہے کہ وہ پوسٹ ماسٹر ہی ہو۔"

"چھوڑو! کوئی اور بات کرو۔ مجھے یقین ہے کہ میں ان کا سراغ پالوں گا۔"

"اور کیا بات کروں..... میں جلد سے جلد پاپا کے پاس پہنچ جانا چاہتی ہوں۔ وہ کتنے
اچھے ہیں۔ میں بیان نہیں کر سکتی۔ ممی ہمیشہ ان پر زیادتیاں کرتی رہی ہے۔"

"اگر تمہاری ممی کو سزا ہو گئی تو۔"

"اوہ..... تو کیا یہ سچ بھی ہو سکتا ہے..... میرے خدا۔ کیا سچ مچ انہوں نے اُسے مار ڈالا ہوگا۔"

"تم خود ہی کہہ رہی تھیں کہ وہ غصے میں پاگل ہو جاتی ہیں۔"

"ہاں..... میں نے کہا تھا..... لیکن یقین کر لینے کو دل نہیں چاہتا کہ ایسا ہوا ہوگا۔"
صوفیہ نے کہا۔ پھر تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولی۔ "ہٹاؤ اس تذکرے کو میرا سر چکرانے لگتا
ہے..... کوئی اور بات کرو۔"

''میں خود ہی کہہ رہا تھا کہ اس تذکرے کو ختم کردو۔ غلطی تمہاری ہی ہے۔ اگر بکرے کو ساتھ لائی ہوتیں تو تمہارا دل بھی بہلتا۔''

''مجھے بکروں سے نفرت ہے۔''

''اس کے باوجود بھی وہ تمہارا دل بہلاتا۔'' حمید نے کہا۔ ''جب وہ کسی بکری کو آنکھ مار تو تم بے حد خوش ہوتیں۔''

''فضول باتیں نہ کرو۔'' صوفیہ جھینپ گئی۔

''ہاں! یقین کرو۔ اکثر بکری والے میرے پاس اس کی شکایت لائے ہیں۔''

''تم مجھے اچھے خاصے مداری معلوم ہوتے ہو۔''

''لیکن بکرے کا خیال ہے کہ میں قوم کا خادم ہوں۔'' حمید نے کہا۔ ''کل سے میں سدھار کی اسکیم شروع کرنے جارہا ہوں۔''

صوفیہ کچھ نہیں بولی۔ وہ شاید ہنسنے کے موڈ میں تھی ہی نہیں۔

حمید روپ نگر کے مختلف حصوں میں جیپ دوڑاتا رہا اور ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر وہ صوفیہ کو ایک ہوٹل میں چھوڑ کر روپ نگر کی کوتوالی کی طرف چل پڑا۔ صوفیہ سے اس نے کہا تھا کہ وہ اس کے لئے ایک سہیلی کی تلاش میں جارہا ہے۔ پتہ نہیں صوفیہ نے اس پر یقین کیا تھا نہیں لیکن وہ کچھ بولی بھی نہیں تھی۔ حمید نے مکرر کہا تھا کہ وہ اس کے دوست کی بہن ہے یہیں ایک گرلز اسکول میں پڑھاتی ہے۔ اگر وہ مل گئی تو تینوں کا وقت اچھا گزرے گا۔''

کوتوالی پہنچ کر اس نے انچارج کو حالات سے آگاہ کیا اور بتایا کہ پوسٹ ماسٹر کی طر سے پیغام ملتے ہی اُسے بڑی ہوشیاری سے پروفیسر نجمی کو قابو میں کرنا ہوگا۔

اس کے بعد اس نے کوتوالی ہی سے فریدی کو ٹرنک کال کی۔ پھر تقریباً چھ منٹ تک پر گفتگو ہوتی رہی۔ فریدی نے بتایا کہ حمید کی رپورٹ اس کے لئے اطمینان بخش اور مفی تھی۔ لیکن اس سے زیادہ اس نے اور کچھ نہیں کہا۔

اس نے حمید کو تین دن دیئے جنہیں وہ پروفیسر کی تلاش میں صرف کرسکتا ہے۔

ہوٹل واپس آکر حمید نے صوفیہ کو اطلاع دی کہ اس کی وہ ملنے والی جس کی تلاش میں وہ ایک ہفتے کی چھٹی پر شہر چلی گئی ہے۔ صوفیہ نے اس معاملے پر مزید رائے زنی نہیں کی۔

''کیا خیال ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''کیوں نہ ہم یہیں کسی ہوٹل میں چلے آئیں۔''

''نہیں مجھے ڈاک بنگلے کی پرسکون فضا بہت پسند ہے۔'' صوفیہ نے جواب دیا۔

''ہاں.....!'' حمید نے ایک طویل سانس لی۔ ''چاروں طرف حسین مناظر بکھرے پڑے ہیں۔''

''چلو وہیں چلیں۔ میں یہاں اکتاہٹ محسوس کررہی ہوں۔ مجھے کھلی ہوا اور سناٹے سے ۔''

''میں نے ایک بار کھلی ہوا کو پیار کرنے کی کوشش کی تھی لیکن مجھے منہ کے بل نیچے چلا آنا ں دن یہ بات میری سمجھ میں آئی تھی کہ کھلی ہوا کو پیار کرنے سے پہلے ایک عدد پیراشوٹ ام ضرور کرلینا چاہئے۔''

''پتہ نہیں تم کیا کہہ گئے۔ میں نے کچھ نہیں سنا۔''

''غالباً تم اس وقت خود کو کھلی ہوا میں محسوس کررہی ہو۔''

''نہیں بتاؤ کیا کہہ رہے تھے۔''

''ہام.....!'' حمید نے پھر ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔ ''میں یہ کہہ رہا تھا کہ کھلی ہوا ہت اچھی چیز ہے۔ کیا تم نے کبھی کھلی ہوا میں پتنگ اڑانے کی کوشش کی ہے۔''

''یا تو تم بہت بڑے فلسفی ہو یا بالکل احمق۔ تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔''

''حالانکہ بکرے بھی میری باتیں سمجھ لیتے ہیں۔''

''تب تم بھی بکرے ہی ہوگے۔'' صوفیہ نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور پھر ا ہوا جیسے یک بیک اسے سکتہ سا ہوگیا۔ اس کی نظر سامنے والی لمبی راہداری کی طرف تھی۔

''کیا بات ہے۔'' حمید بوکھلا گیا۔

''پاپا۔'' اس نے آہستہ سے کہا پھر اس طرح اٹھی جیسے کرسی نے اُسے اچھال دیا ہو۔ وہ تیر کی ارہاری میں چلی جارہی تھی۔ پھر حمید نے اُسے آخری سرے والے دروازے میں رکتے دیکھا۔

چھلاوہ

یہ دروازہ دوسری جانب سڑک پر کھلتا تھا اور اس وقت بھی کھلا ہی ہوا تھا۔ حمید نے اس تک پہنچنے میں دیر نہیں لگائی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔

''کیا بات ہے۔'' حمید نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''آں.....!'' وہ چونک پڑی۔ چند لمحے حمید کی طرف دیکھتی رہی پھر جلدی جلدی بولنے لگی۔ ''وہ پاپا ہی تھے۔ میں نے صاف پہچانا تھا۔ وہ اسی راہداری کے کسی کیبن سے نکلے اور پھر اس دروازے سے باہر چلے گئے۔''

''آخر ان میں کون سی خصوصیت ہے جس کی بناء پر کوئی انہیں نظر انداز نہیں کر سکتا۔''

''ان کی مونچھیں.....'' صوفیہ نے ایک طویل سانس کے ساتھ کہا۔ ''ان کے دُبلے چہرے پر وہ ضرورت سے زیادہ بڑی مونچھیں عجیب لگتی ہیں۔''

''ٹھہرو..... میں اس ویٹر سے پوچھتا ہوں جو ان کیبنوں میں سرو کر رہا تھا۔'' حمید تیزی سے قدم بڑھائے اور ویٹر کو جالیا۔ جو شاید کچن کی طرف جا رہا تھا۔

''کیا یہاں بڑی مونچھوں والے کوئی صاحب تھے۔ لمبے سے دُبلے پتلے۔''

''جی ہاں تھے۔''

''کیا وہ یہاں اکثر آتے رہتے ہیں۔''

''جی ہاں۔ اکثر تشریف لاتے ہیں۔'' ویٹر نے کہا اور استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھنے

''وہ میرے والد ہیں۔ گھر سے لڑ کر چلے آئے ہیں۔'' حمید نے مغموم آواز میں کہا۔

''آپ ان سے ملنا چاہتے ہیں۔'' ویٹر نے مسکرا کر پوچھا۔

''ہاں بھئی کیوں نہیں۔''

''تو پھر آج شام کو آجایئے۔ وہ جب بھی دوپہر کا کھانا یہاں کھاتے ہیں رات لازمی طور پر یہیں کھاتے ہیں۔''

''اوہ..... بھئی بہت بہت شکریہ۔'' حمید نے جیب سے پانچ کا ایک نوٹ نکال کر ویٹر کی میں ٹھونستے ہوئے کہا۔ مگر انہیں اس کا علم نہ ہونے پائے کہ میں ان کی تلاش میں ہا۔ ورنہ وہ یہاں ایک سیکنڈ بھی نہ ٹھہریں گے۔''

''نہیں جناب آپ مطمئن رہئے ایسا نہ ہو سکے گا۔''

''لیکن اگر وہ آج شام کو نہ آئے تو۔''

''ابھی تک تو یہی ہوتا آیا ہے جناب کہ وہ جب بھی دوپہر کو تشریف لاتے ہیں تو شام کو ور یہیں کھانا کھاتے ہیں۔''

''اچھی بات ہے..... تو میں یہاں کس وقت آجاؤں۔''

''یہی سات بجے تک۔'' ویٹر نے کہا۔

حمید اس کے چلے جانے کے بعد وہیں کھڑا رہا۔

''کیوں کیا بات ہے۔'' صوفیہ نے پوچھا۔ ان کی گفتگو اس نے نہیں سنی تھی۔ گفتگو کے وہ سرے والے دروازے ہی پر کھڑی ادھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔

''تمہارا خیال درست تھا۔ وہ تمہارے پاپا ہی تھے۔'' حمید نے جواب دیا۔

''تھے نا..... میں انہیں پہچاننے میں غلطی نہیں کر سکتی۔ مگر وہ اتنی جلدی کہاں غائب ہو گئے۔''

''کیا تم نے انہیں دروازے سے باہر نکلتے دیکھا تھا۔''

''میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتی۔ ایک لحظہ کے لئے پلکیں جھپک گئی تھیں لیکن وہ سے کے قریب ضرور نظر آئے تھے۔ مجھے یقین ہے۔''

حمید پھر دروازے کی طرف بڑھا اور قریب پہنچ کر رک گیا۔ دروازے کے قریب بائیں پیشاب خانہ تھا۔

''اوہ.....!'' حمید صوفیہ کی طرف مڑا۔ وہ بھی شاید معاملہ کی تہہ تک پہنچ رہی تھی۔

''ہو سکتا ہے۔'' حمید بولا۔ مگر کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ اس نے پیشاب خانے کے کیواڑوں کو دھکا دیا جو نہایت آسانی سے کھل گئے۔ دوسری طرف بھی دروازہ نظر آیا جس کے پاٹ

خفیف سے کھلے ہوئے تھے۔حمید نے اندر گھس کر انہیں بھی کھول دیا۔ دوسری طرف ایک پتلی سی گلی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ پھر اپنی میز پر آ بیٹھے۔حمید کہہ رہا تھا۔"وہ پیشاب خانے میں گھس کر اس گلی سے نکل گئے۔"

"مگر کیوں؟ انہوں نے ایسا کیوں کیا۔" صوفیہ بولی۔

"شاید انہوں نے تمہیں دیکھ لیا تھا۔"

"اوہ.....تو کیا وہ مجھ سے بھی دور رہنا چاہتے ہیں۔" صوفیہ نے دردناک آواز میں کہا

"اس کا جواب وہ خود ہی دے سکیں گے۔" حمید نے کہا اور ایک ویٹر کو قریب بلا کر کے لئے ہدایت دینے لگا۔

"میں کیا کروں۔" صوفیہ پیشانی رگڑتی ہوئی بولی۔

حمید نے اس کی طرف توجہ نہ دی اور شاید اس کے رویہ نے بھی صوفیہ کو تھوڑی سی تکلیف پہنچائی۔ کچھ دیر بعد حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔"یہ بات میں سمجھنے سے قا ہوں کہ وہ اس طرح دور دور رہنے کی کوشش کیوں کر رہے ہیں۔ میں نے مانا کہ ان کی مشینو کے پرزے چوری ہو جاتے ہیں۔لیکن کیا وہ اپنی مشینوں کے نمونے جیب میں لئے پھر ہیں۔مشینوں کے نمونے آدمیوں سے بھاگے بغیر بھی پوشیدہ رکھے جا سکتے ہیں اور پھر تم تو ان لڑکی ہی ہو۔کیا وہ تم پر بھی اعتماد نہیں کر سکتے۔"

"خدا جانے.....میں سب کچھ سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔"

"نہیں شائد تم ان چوروں سے دوستی رکھتی ہو جو ایک بار پہلے بھی ان کی ایک مشین نمونہ چرا کر اپنے نام سے پیٹنٹ کرا چکے ہیں۔"

"پتہ نہیں تم کیا بات کر رہے ہو۔" صوفیہ نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔"تم اس طرح مضحکہ نہ اڑاؤ۔"

"خیر اب میں اس کے متعلق کوئی گفتگو نہ کروں گا۔" حمید نے رومان کر کرا ہوتے دیکھ

تسلیم کر لی۔

لنچ کے بعد وہ پھر ڈاک بنگلے کی طرف روانہ ہو گئے۔حمید نے صوفیہ کی طرف دیکھا جس ے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔حمید دل ہی دل میں پروفیسر کو گالیاں دینے لگا جس نے ح اچانک ظاہر ہو کر اس کی تفریح برباد کر دی تھی۔اس کی دانست میں اب صوفیہ کو موڈ بہت مشکل کام ہو گیا تھا۔

وہ اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے جیپ ڈرائیو کرتا رہا۔

"دیکھو ایک بات سمجھ میں آ رہی ہے۔" صوفیہ نے کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی سی آواز میں کہا۔

"کیا.....؟"

"پاپا.....مجھے نہیں بلکہ تمہیں دیکھ کر اس طرح چلے گئے۔"

"کیوں.....انہوں نے کوئی جرم کیا ہے؟" حمید آنکھیں نکال کر بولا، مگر پھر سنبھل گیا۔ ال آ گیا کہ یہ طرز تخاطب اس کا موڈ خراب کر دے گا لہٰذا اس نے کہا"اوہ اچھا میں سمجھ ہ اس لئے کہ پولیس کے سامنے نہیں آنا چاہتے کہ کہیں ان کا کام کچھ دنوں کے لئے جائے۔غالباً وہ اپنی مشین مکمل کر لینے کے بعد ہی پولیس سے رابطہ قائم کرنے کا ارادہ یں۔ٹھیک بھی ہے۔پتہ نہیں یہ چکر کب تک چلتا رہے اور انہیں ادھوری مشین کو مکمل کا موقع نہ مل سکے۔"

"ہاں.....!" صوفیہ کا چہرہ کھل گیا۔"میں بھی یہی کہنا چاہتی تھی۔"

"تو اس میں فکر کی کیا بات ہے۔میں ان سے صرف دو یا تین باتیں پوچھوں گا۔اس کے ول جاؤں گا کہ کبھی ان سے ملاقات بھی ہوئی تھی۔"

"تم بہت اچھے ہو۔" صوفیہ نے حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"مگر یہ پاپا لوگ ہوتے ہیں پکے فراڈ۔"

"کیا مطلب.....؟"

"میں تمہارے پاپا کو نہیں کہہ رہا ہوں۔اس وقت مجھے اپنا پاپا یاد آ رہا ہے۔"

"کیوں.....؟" صوفیہ نے حیرت سے کہا۔ "تم بڑی بدتمیزی سے ان کا تذکرہ کر رہے ہو۔"

"کیا کروں.....ان کی ذات سے کچھ ایسی تلخ یادیں وابستہ ہیں۔"

"کیا وہ بہت ظالم تھے۔"

"یقیناً.....اتنے ظالم کہ آج تک شادی کرنے کی ہمت مجھ میں نہیں پیدا ہو سکی۔"

"تم مجھے پہیلیاں نہ بجھایا کرو۔"

"ان کی تین بیویاں تھیں اور ساڑھے چار درجن بچے، جن میں سے ایک میں ہوں۔ مجھے وہ سب بچے آج بھی یاد ہیں۔ جس وقت وہ سب بچے پیار پر آمادہ ہوتے پاپا کو جان چھڑانی مشکل ہو جاتی۔ آخر ایک دن تنگ آ کر انہوں نے کنوئیں میں چھلانگ لگا دی۔ تینوں بیویوں میں جنگ چھڑ گئی۔ ہر ایک دوسری پر الزام رکھتی کہ اسی کے بچوں سے تنگ آ کر پاپا نیک کام کر بیٹھے ہیں۔ پاپا اس وقت تک کنویں میں زندہ تھے۔ اچانک یہ تینوں کنوئیں پر پہنچ گئیں اور لگیں چیخ چیخ کر پوچھنے کہ قصور کس کے بچوں کا تھا..... پاپا نے چیخ کر کہا 'ارے پہلے مجھے نکالو پھر میں بتاؤں گا کہ قصور دراصل ایک اشتہار باز یونانی دواخانے کا ہے مگر ان تینوں نے نہ سنی۔ جب بات زیادہ بڑھی تو ان تینوں نے بھی ایک ساتھ کنوئیں میں چھلانگ لگا دی۔ نتیجہ ہوا کہ پھر دوسری بار پاپا نہ ابھر سکے۔ وہ چار لاشیں مجھے اب بھی یاد ہیں اور اب میں سوچتا ہوں کہ پہلے ایک کنواں تیار کرا لوں پھر شادی کروں۔ کیا خیال ہے۔"

"بہت شریر ہو۔" صوفیہ ہنستی ہوئی بولی۔ "کیا واقعی تم نے ابھی تک شادی نہیں کی۔"

"نہیں.....ابھی میرے پاس اتنا پیسہ نہیں ہے کہ ایک کنواں کھدوا سکوں۔"

"تم ایک کھلنڈرے آدمی معلوم ہوتے ہو، ایسے لوگ کبھی شادی نہیں کرتے۔"

"ارے جاؤ.....ہٹلر جیسا کھلنڈرا آدمی بھی بیوی نہ سہی محبوبہ تو رکھتا ہی ہوگا۔"

"اور تم.....کیا تمہاری ایک درجن سے کم محبوبائیں ہوں گی۔"

حمید نے ایک زوردار قہقہہ لگایا دیر تک ہنستا رہا پھر بولا۔ "تم ابھی تک اسی غلط فہمی میں مبتلا تھیں۔ ارے مجھے آج تک محبوبہ تو کیا اس کی کتیا بھی نصیب نہیں ہوئی۔ ویسے ملتی تو بہت

چار دن سے زیادہ کوئی نہیں ٹھہرتی۔ میں انہیں بور معلوم ہونے لگتا ہوں اور پھر وہ کوئی انہ تراش کر کھسک جاتی ہیں۔ ابھی کچھ ہی دن پہلے ایک لڑکی سے ملاقات ہوئی تھی وہ ب ملتی رہی کہیں ایک دن اتفاق سے باتوں ہی باتوں میں میں نے کہہ دیا کہ مجھے لنگڑا والی لڑکیاں پسند نہیں ہیں۔ بس دوسرے ہی دن سے اس نے لنگڑانا شروع کر دیا۔"

وفیہ ہنسنے لگی اور پھر بولی۔ "تم مجھے بیوقوف کیوں بنا رہے ہو۔"

سب لڑکیاں یہی کہتی ہیں اور میں غصے سے پاگل ہو جاتا ہوں۔"

وفیہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ جیپ ڈاک بنگلے کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ یہاں ملازم ایک ڈنڈا لئے حمید کے بکرے کو دوڑاتا پھر رہا تھا۔

او عقل کے دشمن کیا ہو رہا ہے۔" حمید دہاڑا۔

کر رک گیا اور اس نے کہا۔ "ارے صاحب کیاریاں برباد کر دیں اس نے۔"

تو ڈنڈا لے کر.....؟"

پھر کیا کروں صاحب۔" نوکر نے بیزاری سے کہا۔

کبھی کسی پڑھے لکھے اور سلیم الطبع بکرے سے سابقہ پڑا ہے۔"

سلیم صاحب بکرے نہیں پالتے۔" نوکر نے اور زیادہ بیزاری سے کہا۔

کون سلیم صاحب۔" حمید نے جیپ سے اترتے ہوئے کہا۔

وہی.....ڈبلو ڈی کے اُوسیار۔"

ڈبلو ڈی کے اُوسیار۔" حمید نے پلکیں جھپکائیں۔ "یہ کیا چیز ہے گا۔"

وہی جو سڑکیں بنواتے ہیں۔"

خدا غارت کرے.....ارے وہ پی ڈبلیو ڈی کا اُوورسیئر ہوگا۔"

ہاں..... ہاں.....او اوورسئر، مجھے ٹھیک سے نہیں یاد رہتا۔"

اوورسیئر.....!" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

ہوگا کچھ صاحب۔ مجھ سے نہیں بنتا۔" نوکر بالکل ہی بیزار نظر آنے لگا۔

''بہرحال یہ ایک خاندانی بکرا ہے سمجھے۔ آئندہ تم ایسی بدتمیزی سے پیش نہ آنا۔''

''صاحب لوگ کہتے ہیں باغ لگاؤ..... آپ بکرا ساتھ لائے ہیں۔''

حمید نے بکرے کا کان پکڑا اور اسے اندر لیتا چلا آیا۔

''کیوں بے۔'' وہ اس کے منہ پر تھپڑ مارتا ہوا بولا۔ ''تجھے کیا ہوگیا۔ شاعری کرتے کرتے پھول پتے چبانے لگے۔'' پھر صوفیہ کی طرف مڑ کر بولا۔ ''سنا تم نے یہ کہہ رہا ہے..... کہتا ہے کم بخت کہ حسن چبانے کے لئے ہے دیکھنے کے لئے نہیں۔''

''تم شاید زیادہ کھا گئے ہو۔'' صوفیہ جل کر بولی۔ ''اب کچھ دیر آرام کرلو۔ ورنہ دماغ بالکل ہی الٹ جائے گا۔''

شاید اب وہ بھی ہنستے ہنستے مضمحل ہوگئی تھی اور فی الحال حمید سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی۔

حمید لباس تبدیل کر کے برآمدے میں چلا آیا۔ صوفیہ کمرے میں ہی پڑی اونگھتی رہی۔

حمید دراصل اس کا دھیان بٹانے کے لئے اس قسم کی بکواس کرتا رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اس کی مغموم آنکھیں اسے اپنے لئے تکلیف دہ معلوم ہونے لگی تھیں، لہٰذا وہ چاہتا تھا کہ وہ کسی وقت بھی مغموم نہ نظر آئے۔

یہ سلسلہ ختم ہوتے ہی ایک بار پھر ڈوروتھی کے قتل کا کیس اس کے ذہن میں ہیجان برپا کرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر پروفیسر نے اس طرح ڈاج دے کر نکل جانے کی کوشش کیوں کی تھی۔ کیا اُسے خوف نہیں ہے کہ ان حالات میں پولیس اس پر بھی شبہ کرسکتی ہے۔

فریدی اور صدانی کی ہدایات اس تک پہنچ جانے کے بعد بھی اس کا یہ رویہ ذہنی توازن کی خرابی کی طرف اشارہ کرسکتا ہے۔ یا پھر وہ حقیقتاً مجرم ہی تھا۔ ہوسکتا ہے ڈوروتھی کی اصلیت معلوم ہوجانے کے بعد اسے اس پر اتنی ہی شدت سے غصہ آیا ہو کہ اس نے اسے قتل ہی کردیا ہو۔ لیکن یہاں تک سوچنے کے بعد پروفیسر کی بیوی ایک سوالیہ نشان بن کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اگر پروفیسر ہی ڈوروتھی کا قاتل ہے تو پھر یہ عورت کس قسم کا رول ادا کررہی ہے۔ اس نے لاڈیل کے بیان میں ترمیم کرانے کی کوشش کیوں کی اور پھر ایسی صورت میں جبکہ

بھی واردات والی رات کو اسی وقت ہوٹل ڈی فرانس سے غائب رہی تھی جس وقت ...کا قتل ہوا تھا۔ پھر اس لڑکی کا بیان ہے کہ وہ غصے کی حالت میں کسی کو قتل بھی کرسکتی ہے۔

حمید سوچتا رہا اور الجھنیں بڑھتی رہیں۔ لنچ کے بعد سچ مچ وہ معدے میں کچھ گرانی سی ...کرنے لگا تھا۔ وہ آرام کرسی میں پڑے پڑے سوگیا۔ پتہ نہیں وہ کب تک سوتا رہا۔ اگر ...اسے جھنجھوڑ کر نہ جگاتی تو شاید وہ رات تک سوتا ہی رہ جاتا۔

''اوہ تم سو رہے ہو۔ دیکھو چھ بج گئے ہیں، ہمیں سات بجے ہوٹل میں پہنچ جانا چاہئے۔''

حمید اٹھ بیٹھا۔ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ میں تمہارے پاپا کے ...نہ ہی آؤں۔''

''پھر کیسے کیا ہوگا۔''

''تم ہال میں ٹھہرنا اور میں باہر رہوں گا۔ ورنہ اگر وہ اس وقت بھی ڈاج دے کر نکل گئے ...وگا۔''

''تم اٹھو بھی تو..... لباس تبدیل کرو۔ وہ سب کچھ گاڑی میں بیٹھ جانیکے بعد سوچا جائیگا۔''

حمید نے جلدی جلدی غسل کیا اور لباس تبدیل کرنے لگا۔ شاید وہ بہت دنوں بعد دوپہر کو ...ا۔ اسی لئے اس کی طبیعت کچھ کسلمند سی ہوگئی تھی۔ پھر بھی حمید اس موقعے کو ہاتھ سے نہیں ...دینا چاہتا تھا۔

اس نے کپڑے تبدیل کر کے ریوالور جیب میں ڈالا اور قصبے کی طرف جانے کے لئے ...گیا۔ صوفیہ بہت زیادہ مضطرب نظر آرہی تھی۔

اس نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''ہاں یہ تجویز بہت معقول ہے کہ میں ہال میں ٹھہروں ...تم باہر انتظار کرو گے۔ لیکن خدارا..... پاپا کے سلسلہ میں وہی کرنا جو تم پہلے کرچکے ہو!''

مصیبت آئی

وہ دونوں ساڑھے چھ بجے بستی میں پہنچ گئے لیکن حمید نے وہاں پہنچتے ہی ہوٹل کا رخ نہیں

کیا۔اس نے کہا کہ انہیں سات بجے سے پہلے وہاں نہ جانا چاہئے۔سات بجے تک اندھیرا پھیل جاتا اور حمید کو باہر سے نگرانی کرنے میں دشواری نہ ہوتی۔

وہ سات بجنے کے انتظار میں شہر کی سڑکوں کے چکر لگانے لگے۔ایک جگہ حمید نے ایک جنرل اسٹور سے پرنس ہنری کا تمباکو خریدا اور پھر گاڑی کی طرف واپس آ رہا تھا اچانک روپ نگر کے بوڑھے پوسٹ ماسٹر سے ملاقات ہوگئی۔

وہ بھی حمید کو دیکھ کر رک گیا۔

''اگر میں غلطی نہیں کر رہا ہوں تو آج آپ ہی تشریف لائے تھے۔'' اس نے کہا۔

''جی ہاں فرمایئے۔''

''آپ کے ساتھ ایک محترمہ بھی تھیں۔''

''جی ہاں تھیں تو.....فرمایئے۔''

''ان کے چہرے پر بعض جگہ نیلے نشانات تھے۔''

''جی ہاں یہ بھی صحیح ہے۔''

''آپ کے جانے کے بعد ایک معمر خاتون پوسٹ آفس میں تشریف لائی تھیں۔''

''پھر.....!''

''انہوں نے بھی انہیں صاحب کے متعلق پوچھ گچھ کی تھی جس کی تلاش آپ کو۔ انہوں نے یہ بھی پوچھا تھا کہ یہاں کوئی پریشان لڑکی تو نہیں آئی تھی۔''

''پھر آپ نے کیا کہا۔''

''میں چونکہ آپ کی شخصیت سے واقف ہو چکا تھا اس لئے میں نے لاعلمی ظاہر کی۔''

''آپ نے بہت اچھا کیا جناب.....میں شکر گزار ہوں۔''

''لیکن میرا خیال ہے کہ ان کی تشفی نہیں ہوئی تھی۔''

''کیا وہ بھی کوئی پریشین ہی تھیں۔''

''جی ہاں۔''

''ان سب معاملات کے متعلق اپنی زبان بند ہی رکھئے گا۔''

''قطعی جناب.....میں سمجھتا ہوں۔''

''شکریہ.....ہاں آج تو اس کی ڈاک نہیں آئی۔''

''نہیں جناب۔میں نے آج خاص طور سے اس پر دھیان دیا تھا۔لیکن آج ان کی نہیں آئی۔''

''بہرحال اس سلسلے میں آپ سے جو کچھ کہا جا چکا ہے وہی کیجئے گا۔''

''آپ مطمئن رہئے.....سرمو فرق نہ ہونے پائے گا۔''

''شکریہ۔'' حمید نے کہا اور اس سے مصافحہ کر کے گاڑی کی طرف آ گیا۔

''کہاں رہ گئے تھے۔'' صوفیہ نے پوچھا۔

''یہ نہ پوچھو.....تمہارے لئے کوئی اچھی اطلاع نہیں ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''ابھی بتاتا ہوں۔'' حمید نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔جیپ پھر چل پڑی اور حمید ''تمہاری ماں یہاں پہنچ گئی ہیں۔''

''نہیں.....!'' اس نے تحیر زدہ سی آواز میں کہا۔

''یقین کرو.....ابھی مجھے بوڑھا پوسٹ ماسٹر ملا تھا۔وہ ہمارے بعد ہی پوسٹ آفس پہنچی تھیں اس نے نہ صرف پروفیسر کے متعلق پوچھ گچھ کی تھی بلکہ تمہارے بارے میں بھی پوچھا تھا۔''

''میرے بارے میں کیا پوچھا تھا۔''

''یہی کہ کیا کوئی ایسی لڑکی بھی پروفیسر کے بارے میں چھان بین کرنے آئی تھی جس چہرے پر ہلکے ہلکے نیل پڑے رہے ہوں۔''

صوفیہ خاموش ہوگئی۔حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

''تمہیں صدانی پر بڑا اعتماد تھا۔آخر اس نے بتا ہی دیا۔''

''میں یقین نہیں کر سکتی کہ انہوں نے بتایا ہوگا۔ہوسکتا ہے کہ انہیں کسی اور ذریعہ سے

معلوم ہوا ہو۔"

"ہوسکتا ہے..... پروفیسر کے متعلق کسی اور ذریعہ سے معلوم ہوا ہو۔لیکن تمہارے تو کس سے علم ہوسکتا ہے۔ظاہر ہے کہ اس کا علم صمدانی کے علاوہ اور کسی کو نہیں تھا کہ تم پروفیسر تلاش میں یہاں آئی ہو۔"

صوفیہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔"میں اس پر یقین نہیں کرسکتی کہ مسٹر نے ممی کو میرے متعلق کچھ بتایا ہوگا۔البتہ یہ ضرور ہوسکتا ہے کہ انہوں نے اس کا تذکرہ تمہارے آفیسر سے کیا ہو۔"

حمید کو یاد آ گیا کہ آج اس نے ہی فریدی کو فون پر اس کی اطلاع دی تھی کہ صوفیہ یہاں کن حالات میں ملی ہے تو کیا فریدی ہی نے اسے بتایا ہوگا۔لیکن اس کا مقصد کیا ہوسکتا کیا یہی کہ پروفیسر خود کو چاروں طرف سے گھرا ہوا محسوس کر کے بوکھلاہٹ میں سامنے آجا

"کیوں تم خاموش کیوں ہوگئے۔"صوفیہ نے پوچھا۔

"میں یہ سوچ رہا ہوں ممکن ہے میرے آفیسر ہی سے انہیں اس کا علم ہوا ہو کیونکہ نے بھی کرنل کو تمہارے متعلق فون پر اطلاع دی تھی۔مگر تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت ویسے تمہاری عمر کیا ہے۔"

"بائیس سال.....!"

"اوہ تب تو تمہاری ماں تمہیں زبردستی اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتیں۔تم بالغ ہوچکی ہو۔

صوفیہ کچھ نہ بولی۔کچھ دیر بعد اس نے اس کی سسکیوں کی آوازیں سنیں۔

"ہائیں.....تم رو رہی ہو۔"حمید بوکھلا گیا۔

صوفیہ روتی رہی۔

"کمال کرتی ہو۔"حمید بولا۔"ارے میں وعدہ کرتا ہوں کہ وہ تمہیں اپنے ساتھ مجبور نہیں کرسکیں گی۔"

اس کی سسکیاں اور تیز ہوگئیں اور حمید کی بوکھلاہٹ بدستور قائم رہی۔اس کی سمجھ

فا کہ وہ اسے کس طرح چپ کرائے۔اگر کسی نے اسے اس طرح روتے دیکھ لیا تو کیا

ا حمید نے گاڑی ایسے راستوں پر موڑنی شروع کردی جہاں زیادہ روشنی نہ ہو اور پھر اس

ں وہ راستہ بھٹک گیا۔روپ نگر اس کے لئے نئی جگہ تھی۔

اس طرح بھٹکتا ہوا وہ بستی سے باہر نکل آیا۔صوفیہ ابھی تک روئے جارہی تھی۔اب حمید ہٹ نے حملہ کیا۔اس نے جیپ روک کر ریڈیم ڈائیل والی گھڑی پر نظر ڈالی۔سوا سات تھے،حالانکہ ٹھیک سات بجے اسے ہوٹل میں ہونا چاہئے تھا۔

"کیوں.....ہم کہاں آ گئے۔"صوفیہ نے سسکیوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"جنت میں۔"حمید نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔"میں نے یہی مناسب سمجھا کہ جنت کا ا جائے۔ورنہ تمہیں اس حال میں دیکھ کر یہ بھی ممکن تھا کہ لوگ مجھے جہنم میں پہنچا دیتے۔"

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔سر بُری طرح چکرا رہا ہے۔میں اب کہیں نہ جاؤں گی۔ ک بنگلہ لے چلو۔"

"یہی مناسب بھی ہے۔"حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"کیا تم خفا ہوگئے ہو۔"صوفیہ نے بھی اپنا ہاتھ اس کے شانے پر رکھ دیا۔

"نہیں میں بہت خوش ہوں۔اتنا خوش جیسے میرے پاپا نے پانچویں شادی کرلی ہو۔"

"میں کیا کروں؟"صوفیہ نے دردناک آواز میں کہا۔"کیا تمہیں مجھ پر رحم نہیں آتا۔"

"دیکھو!تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہو۔"حمید نرم لہجے میں بولا۔"میں وعدہ کرتا ہوں اری مرضی کے خلاف کچھ نہ ہونے دوں گا۔"

"میں ڈرتی ہوں کہیں ممی کا سامنا نہ ہوجائے۔"

"اگر ہوا بھی تو کیا ہوگا۔"

"میں نہیں جانتی کیا ہوگا۔مگر میں نہیں چاہتی کہ اب ممی سے دوبدو ہونے کا کوئی موقع آئے۔"

"کیا ہمیشہ کے لئے۔"

"ہاں.....ہمیشہ کے لئے۔پاپا کی زندگی ممی ہی نے برباد کی ہے۔اگر انہیں دوسری

عورتوں سے دلچسپی ہے تو اس کی ذمہ دار بھی ممی ہی قرار دی جاسکتی ہیں۔ تم خود سوچو.....!"

حمید نے دوبارہ انجن اسٹارٹ کر دیا اور اس کے شور میں صوفیہ کی آواز دب کر رہ گئی۔

"ہاں تم کیا کہہ رہی تھیں۔" حمید نے اس وقت پوچھا جب گاڑی کو موڑ کر دوبارہ شہر کی رخ کر چکا تھا۔

"میں کچھ نہیں کہہ رہی تھی۔"

"پاپا کی بربادی کی ذمہ دار ممی کو قرار دے رہی تھی۔"

"ختم کرو..... میری طبیعت بہت زیادہ خراب ہوتی جا رہی ہے۔ ڈاک بنگلے واپس چلو۔"

"میں وہیں چل رہا ہوں لیکن اس کے لئے بھی ہمیں دوبارہ بستی میں واپس جانا پڑے گا۔ میں راہ بھٹک گیا ہوں۔"

"کیا تم پہلی بار یہاں آئے ہو۔"

"ہاں.....!"

صوفیہ پھر کچھ نہ بولی۔ حمید بدقت تمام اس سڑک تک پہنچ سکا جو ڈاک بنگلے کیطرف جاتی تھی

"پاپا وہاں ضرور آئے ہوں گے۔" دفعتاً صوفیہ نے کہا۔

"ہوسکتا ہے۔"

"تم سچ مچ خفا معلوم ہوتے ہو۔"

"نہیں بالکل نہیں۔"

تقریباً بیس منٹ بعد وہ ڈاک بنگلے میں پہنچ گئے۔

لیکن کمرے میں قدم رکھتے ہی دونوں پر گویا بجلی سی گر پڑی۔ سامنے ہی مسز نجمی آرام کرسی میں بیٹھی ہوئی دونوں کو خونخوار نظروں سے گھور رہی تھی۔ بیٹھنے کا انداز ایک ایسی کا سا تھا جو شکار کی تاک میں ہو۔

"کیوں..... کتیا۔" وہ صوفیہ کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "تجھے شرم نہیں آئی تھی۔"

حمید نے دیکھا کہ صوفیہ کی حالت یک بیک زیادہ ابتر ہوگئی۔ وہ کسی سردی کھائے

ح کانپ رہی تھی۔

"یہ پناہ میں ہے۔" حمید نے گرج کر کہا۔ "تم اسے بھی قتل کر دینا چاہتی ہو..... کیوں؟"

"تم خاموش رہو۔ یہ میری بیٹی کا معاملہ ہے۔ اگر دخل اندازی کرو گے تو میں قانونی طور سے نپٹ لوں گی۔ تم اسے پھسلا کر بھگا لائے ہو۔"

"ممی..... تم جھوٹی ہو۔" صوفیہ حلق کے بل چیخی۔

"یہ مجال تیری کہ میری بات رد کر دے۔" مسز نجمی صوفیہ کی طرف جھپٹی۔ لیکن حمید ان کے بیچ میان آ گیا۔

"ہٹ جاؤ تم سامنے سے..... ہٹ جاؤ..... ورنہ اچھا نہ ہوگا۔"

"میں ابھی تمہیں جیل بھجوا دونگا مسز نجمی۔ تم نے ایک بار پہلے بھی لڑکی پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔"

مسز نجمی رک گئی۔ لیکن حمید کو قہر آلود نظروں سے گھور رہی تھی۔

"یہ میری لڑکی ہے۔" اس نے حلق پھاڑ کر کہا۔

"تم اسے ثابت نہ کر سکو گی۔ لیکن میں اسے اپنی بیوی ثابت کر سکتا ہوں۔"

"میں تمہارا خون پی لوں گی۔"

"برف ڈال کر پینا کیونکہ وہ بہت گرم ہے۔" حمید مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ پھر صوفیہ کا بازو پکڑ کر اُسے دوسری آرام کرسی تک لے گیا۔

"تم اطمینان سے بیٹھو..... تمہاری ممی بہت غصے میں ہیں۔ میں ان کے لئے ٹھنڈے پانی کا انتظام کروں گا۔"

"نہیں..... خدا کے لئے انہیں اور زیادہ غصہ نہ دلاؤ۔" صوفیہ نے آہستہ سے کہا۔

حمید اُسے بٹھا کر مسز نجمی کی طرف مڑا۔ وہ اب بھی وہیں کھڑی تھی، لیکن کسی بت کی طرح بے حس و حرکت..... حتیٰ کہ اس کی آنکھیں بھی غیر متحرک نظر آ رہی تھیں۔

حمید خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔ کچھ دیر بعد وہ کسی قسم کی محویت سے چونکی اور اسی آرام کرسی کی طرف مڑ گئی جس پر سے اٹھی تھی۔

''اس وحشی پن کی مثال شاید جانوروں میں بھی نہ ملے مسز نجمی۔'' حمید نے کہا۔

''وہ میری لڑکی ہے۔ کیا تم عقل کے اندھے ہو۔'' مسز نجمی مٹھیاں بھینچ کر بولی۔

''تب پھر تم اسے قتل کر دو۔ قانون تمہیں ہر حال میں معاف کر دیگا کیونکہ تم اس کی ماں ہو۔''

''تجھے ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ چلنا ہوگا۔ صوفیہ تو سن رہی ہے یا نہیں؟'' اس کی ماں نے اُسے للکارا۔

''میں پاپا کے ساتھ رہوں گی۔'' صوفیہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''یہ تیرا پاپا ہے۔'' وہ حمید کی طرف ہاتھ اٹھا کر چیخی۔

''اگر یہی بات ہوتی تو تم اتنی غصہ ور اور چڑچڑی نہ ہوتیں۔'' حمید نے پھر مضحکہ اڑانے والا انداز اختیار کیا۔

''میں تمہارا منہ نوچ لوں گی ورنہ خاموش رہو۔''

''میں جانتا ہوں کہ تم ایسا ضرور کرو گی..... ایک مثال میرے سامنے موجود ہے۔''

''میں کہتی ہوں تم خاموش رہو مجھے اس کتیا سے گفتگو کرنے دو۔''

''اگر یہاں کوئی کتیا موجود ہوتی تو میں اُسے اور تمہیں کمرے سے باہر نکال دیتا۔ کیونکہ رات کو مجھے کتیوں اور کتوں کے مکالمے بالکل پسند نہیں آتے۔''

''خاموش رہو۔'' وہ اتنے زور سے چیخی کہ اس کی آواز پھٹ گئی اور اس پر کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔

''کیپٹن پلیز..... خدا کے لئے۔'' صوفیہ نے ہاتھ اٹھا کر نحیف آواز میں کہا۔

''میں قطعی خاموش ہوں تم دونوں گفتگو کرو۔'' حمید نے ملازم کی طرف دیکھ کر کہا جو برآمدے میں کھڑا حیرت سے پلکیں جھپکا رہا تھا۔ حمید نے ہاتھ ہلا کر اُسے وہاں سے جانے کا اشارہ کیا۔

''ہاں بول کیوں آئی تھی یہاں۔'' مسز نجمی نے حمید پر دانت پیستے ہوئے صوفیہ سے پوچھا۔

''میں پاپا کی تلاش میں آئی تھی۔ مجھے..... مم..... مجھے..... اجازت.....!''

''ہاں اب تجھے اجازت کی ضرورت نہیں رہی۔ تو اب بالغ ہوگئی ہے۔ یہی بات ہے۔

..... تو شاید بھول رہی ہے کہ میں کون ہوں۔''

''ممی خدا کے لئے مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔''

''اسی حال پر چھوڑ سکتی ہوں، جب تیرا جسم روح سے خالی ہو جائے۔''

''تو پھر تم مجھے مار ہی ڈالو۔'' صوفیہ نے سسکی لی۔

''میں تجھے سسکا سسکا کر ماروں گی۔''

''ارے..... تم ماں ہو اس کی۔'' حمید بول پڑا۔

''پھر تم نے دخل دیا۔''

''ہاں..... میں یہاں قانون کا نمائندہ ہوں، تم میری موجودگی میں اسے قتل کی دھمکی کر آزاد نہیں رہ سکتیں۔''

''کیپٹن پلیز.....!'' صوفیہ نے پھر کچھ کہنا چاہا لیکن حمید گردن جھٹک کر بولا۔ ''اب تم خاموش ہو بہت ہو چکا میں کسی فرد کو نظر انداز نہیں کر سکتا، جس پر ڈوروتھی کے قاتل کا شبہ کیا جا رہا ہو۔''

''اُسے ثابت کرنے میں دانتوں پسینہ آ جائے گا۔'' مسز نجمی نے زہر خند کے ساتھ کہا۔

''ہاں ٹھیک ہے..... اگر میں کسی ستون کر دھکے مار مار کر گرانے کی کوشش کروں گا تو یقیناً ..... کیا آنکھوں میں بھی پسینہ آ سکتا ہے لیکن اگر میں اس کی بجائے ستون کو بنیاد سے کھودنا شروع کر دوں تو..... تب کیا ہوگا..... مسز نجمی۔''

''میں نہیں سمجھی تم کیا کہنا چاہتے ہو۔'' وہ شانوں کو جنبش دے کر لاپرواہی سے بولی۔

''میں تمہارے خلاف چھوٹے چھوٹے جرائم کے لئے ثبوت مہیا کروں گا۔ مثلاً ڈوروتھی کے کیس میں تم نے ایک گواہ کے بیان میں ترمیم کرانے کی کوشش کی تھی اور اس کے لئے دو ہزار کا آفر تھا.....!''

وہ یک بیک اچھل کر کھڑی ہوگئی..... اس کا چہرہ کسی لاش کے چہرے کی طرح بے جان نظر آنے لگا تھا۔

خوفناک دھماکہ

یہ اطلاع صوفیہ کے لئے بھی شاید ڈراؤنی ہی تھی۔ وہی کیفیت اس کی بھی ہوئی لیکن اس کی آنکھوں میں خوف کے ساتھ حیرت بھی تھی۔

''ممی.....!'' وہ تھوک نگل کر بولی۔ لیکن اس کے آگے اور کچھ نہ کہہ سکی۔

''تم نے.....!'' حمید نے مسز نجمی کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔ ''مسز لاڈیل کے بیان میں ایک ایسا اضافہ کرانا چاہا جس کی بناء پر پروفیسر کے لئے پھانسی کے تختے کے علاوہ دنیا میں اور کوئی جگہ نہ ملتی۔''

''ممی.....!'' صوفیہ ہسٹریائی انداز میں چیخی۔

لیکن مسز نجمی کوئی جواب دیئے بغیر آرام کرسی میں ڈھیر ہوگئی۔ وہ بُری طرح کانپ رہی تھی اور اس کے چہرے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں پھوٹ آئی تھیں۔

''یہ تم کیا کر رہی تھیں..... ممی.....!'' صوفیہ پھر چیخی۔

''تم خاموش رہو۔'' حمید نے سخت لہجے میں کہا ''یہ ابھی اعتراف کریں گی کہ ڈوروتھی کا قاتلہ یہی ہیں۔''

''یہ غلط ہے..... بالکل غلط۔'' مسز نجمی نے ہاتھ اٹھا کر کمزور آواز میں کہا۔ پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔ ''لیکن اس کا اعتراف ہے کہ میں نے لاڈیل کے بیان میں فائر کی آواز کا اضافہ کرانے کی کوشش کی تھی۔''

''ممی..... تم کتنی ظالم ہو۔'' صوفیہ نے کہا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

مسز نجمی رومال سے اپنے چہرے کا پسینہ خشک کر رہی تھی۔ پھر وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اور ایسا معلوم ہونے لگا جیسے وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی ہو۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آنکھوں میں پھر وہی پہلی سی چمک عود کر آئی اور جبڑوں کی رگیں ابھرنے لگیں۔ شاید اس نے بہت سے دانتوں پر دانت جمائے تھے۔

''ہاں..... میں ظالم ہوں۔ پھر..... کیا میں تم سے پوچھ سکتی ہوں کہ تم ظالم کیوں نہیں ہو؟'' اس نے صوفیہ کو گھورتے ہوئے کہا۔

''مجھے ظلم سے نفرت ہے۔''

''لیکن میں ظلم کئے بغیر سکون نہیں پا سکتی۔'' مسز نجمی نے کہا۔ ''میں نے تم سے کبھی یہ نہیں کہا کہ تم ظلم سے نفرت کرو۔ تم دوسروں پر رحم کر کے سکون محسوس کرتی ہو۔ میں تم سے تمہارا سکون نہیں چھیننا چاہتی۔ پھر تمہیں کب یہ حق پہنچتا ہے کہ تم مجھے سکون نہ ملنے دو۔''

''اس فلسفے کی راہ پھانسی کے تختے پر ختم ہوتی ہے۔'' حمید بولا۔

''جہنم ہی میں کیوں نہ ختم ہوتی ہو۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔''

''تو تم اعتراف کرتی ہو کہ تم نے ڈوروتھی کو قتل کیا تھا۔''

''میرے کس جملے سے تم نے یہ نتیجہ اخذ کر لیا۔''

''خیر..... خیر..... تم اعتراف کر لو گی..... مجھے یقین ہے۔''

''ظلم کرنے والے ظلم برداشت کرنے کی قوت بھی رکھتے ہیں۔''

''آہا..... بہت خوب۔'' حمید ہنسنے لگا۔ ''کیا یہ کسی فلم کی شوٹنگ ہو رہی ہے۔''

''نہیں..... بلکہ تم اپنے لئے کنواں کھود رہے ہو۔''

''یہ کس سلسلے میں محترمہ۔''

''یہ لڑکی نابالغ ہے اور تم اسے پھسلا کر لائے ہو۔''

''تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا تھا۔'' حمید نے رو دینے والی آواز میں صوفیہ سے پوچھا۔ صوفیہ صرف ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی۔

''تم مجھے نہیں جانتے۔'' مسز نجمی غرائی۔

''یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں تمہیں نہیں جانتا۔'' حمید اپنے کانوں پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

''لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم نے شہر کس کی اجازت سے چھوڑا۔ دوسرا جرم تم پر عائد ہو رہا ہے۔''

''میرے پاس کرنل فریدی کا اجازت نامہ موجود ہے۔''

"کیا مطلب؟" حمید اسے گھورنے لگا۔

"کیا تم دیکھو گے۔" مسز نجمی نے تمسخر آمیز لہجے میں کہا۔

"میں ضرور دیکھوں گا..... اگر وہ جعلی ثابت ہوا تو تمہیں یہاں سے زیرِ حراست شہر واپس جانا پڑے گا۔"

مسز نجمی نے اپنے ہینڈ پرس سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکالا اور حمید کی طرف بڑھایا۔

حمید نے فریدی کے دستخط پہچان لئے اور اس کے طرزِ تحریر کو پہچاننا بھی اس کے لئے مشکل نہیں تھا۔ اجازت نامہ ٹائپ کیا ہوا نہیں تھا بلکہ خود ہی تحریر کیا تھا اور یہ اجازت نامہ روپ نگر کے لئے تھا۔

"تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا تھا کہ صوفیہ یہاں آئی ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"کرنل فریدی سے۔" اس نے بیزاری سے کہا۔ "اس پر تمہارے لئے ان کا ایک خط بھی لائی ہوں۔"

"لاؤ..... دیکھوں.....!" حمید نے ہاتھ بڑھا دیا۔

"تمہیں وہ نہیں مل سکتا اسے میں تمہارے خلاف عدالت میں استعمال کروں گی۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"کرنل نے جو کچھ بھی لکھا ہے، وہ تمہیں زبانی بتایا جا سکتا ہے۔"

"اچھا.....!" حمید نے ایک طویل سانس لی اور کچھ سوچنے لگا۔

"انہوں نے لکھا ہے کہ حمید میں تم سے تنگ آ گیا ہوں۔ لڑکی کو مسز نجمی کے حوالے کرو ورنہ تمہیں اغواء کے الزام سے نہ بچا سکوں گا۔ مسز نجمی کے بیان کے مطابق لڑکی نابالغ ہے۔ مجھے علم نہیں تھا کہ تم اسے مسز نجمی کی مرضی کے خلاف روپ نگر لے جا رہے ہو۔"

"میں اس بے سروپا بیان پر یقین نہیں کر سکتا۔"

"تم یقین کرو یا نہ کرو۔ یہ تحریر ایک دستاویز کی سی حیثیت رکھتی ہے اور کسی وقت بھی تمہارے خلاف استعمال کر سکتی ہوں۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ اسے میرے ساتھ جانے دو۔"

"یہ اپنے پاپا کے ساتھ رہنا چاہتی ہے، تم اسے اپنے ساتھ رکھنے پر مجبور نہیں کر سکتیں۔"

"کیا تم نجمی کے ساتھ رہنا چاہتی ہو۔" دفعتاً وہ صوفیہ کی طرف مڑی۔

"ہاں..... میں پاپا کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔"

"لیکن وہ تمہیں اپنی قبر میں نہیں رکھ سکے گا۔"

"یعنی.....!" حمید اُسے گھورنے لگا۔

"وہ ڈوروتھی کا قاتل ہے۔"

"نہیں..... یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ غلط ہے..... ممی..... خدا کے لئے۔" صوفیہ چیخی۔

"وہ ڈوروتھی کا قاتل ہے۔ اسے دنیا کی کوئی قوت نہیں بچا سکتی۔"

"کیا تم نے لاڈیل کے علاوہ بھی کوئی اور گواہ تیار کر لیا ہے۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"یقیناً.....!" وہ بھی بالکل اسی انداز میں مسکرائی۔ "میں نے اس بار ایک بڑے افسر کو ...دی ہے۔"

"اچھا.....!" حمید مضحکہ اڑانے والے انداز میں ہنسا۔

"اور وہ آفیسر کرنل فریدی ہے۔"

"شاید تمہیں نیند آ رہی ہے محترمہ۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" مسز نجمی نے لاپروائی سے کہا اور صوفیہ کی طرف دیکھ کر بولی۔ "تم چلنے کے تیار ہو جاؤ، ورنہ تمہیں اپنی اس غلطی پر زندگی بھر افسوس رہے گا۔"

"مجھے خواہ مخواہ خوفزدہ کرنے کی کوشش نہ کرو ممی۔" صوفیہ روہانسی آواز میں بولی۔

ٹھیک اس وقت کمپاؤنڈ میں روشنی نظر آئی۔ شاید کوئی کار اندر آئی تھی۔ حمید اٹھ گیا۔ کار ...ے کے سامنے ہی رکی تھی۔ انجن بند کر دیا گیا اور اگلی روشنیاں گل ہو گئیں۔ پھر کوئی کار ...کر برآمدے کی طرف بڑھا اور جیسے ہی وہ برآمدے میں داخل ہوا لیمپ کی روشنی اس پر ...ر حمید بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔

آنے والا کرنل فریدی تھا۔ اس نے کمرے میں آ کر چاروں طرف دیکھا اور صوفیہ کی

طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ ''یہی لڑکی ہے مسز نجمی۔''

''جی ہاں.....!'' مسز نجمی کھڑی ہو گئی تھیں۔

''بیٹھئے..... بیٹھئے۔'' وہ سر ہلا کر بولا۔

''کیا آپ نے میرے لئے انہیں کوئی خط دیا تھا۔'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں تو..... کیوں کیسا خط۔''

حمید جواب دینے کی بجائے مسز نجمی کو گھورنے لگا۔ لیکن مسز نجمی ایسے بے تعلقانہ انداز میں نظر آ رہی تھی جیسے اسے اس بات سے کوئی سروکار ہی نہ ہو۔

فریدی نے بھی اس کی طرف دیکھا اور پھر حمید سے پوچھا۔ ''کیا بات ہے۔''

''کچھ نہیں مجھے امید ہے رہی تھیں کہ میں نے انکی کسی نابالغ لڑکی کا اغواء کیا ہے۔ سلسلے میں آپکی کوئی تحریر بھی تھی انکے پاس۔ جسے یہ عدالت میں میرے خلاف استعمال کرتیں

''کیوں مسز نجمی۔''

''کچھ بھی نہیں! میں اپنی لڑکی کو یہاں سے لے جانا چاہتی تھی۔''

''آپ کو کس نے روکا ہے۔'' فریدی نے حیرت سے کہا۔

''یہ صاحب خواہ مخواہ اُسے بہکا رہے ہیں۔'' مسز نجمی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

''مجھے کسی نے نہیں بہکایا۔'' صوفیہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''تم خاموش رہو۔'' مسز نجمی دہاڑی۔

''نہیں خاموش رہوں گی۔'' صوفیہ ہسٹریائی انداز میں چیخنے لگی۔ ''میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتی۔ تم مجھے مجبور نہیں کر سکتیں۔ میں بالغ ہوں، نہیں رہوں گی..... نہیں رہوں گی ظالم ہو۔ میں پاپا کے ساتھ رہوں گی۔''

''صبر..... لڑکی..... صبر۔'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''شور نہ مچاؤ۔''

''یہ بہت بُری طرح بہکائی گئی ہے۔'' مسز نجمی دانت پیس کر بولی۔

''ہمیں اس معاملے سے کوئی سروکار نہیں۔ میں فی الحال آپ سے پروفیسر کے

20

کرنا چاہتا ہوں۔''

''تو کیا یہ..... یعنی میری لڑکی ہاتھ سے نکل جائے گی۔''

''یہ آپ کا نجی معاملہ ہے آپ جانئے۔''

''لیکن آپ کا اسسٹنٹ۔''

''خبردار..... اگر میرا نام اس تذکرے میں لائیں تو میں تم پر ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ دوں گا۔'' حمید غرایا۔

''خاموش رہو۔'' فریدی اسے گھورنے لگا۔

چند لمحوں کے لئے کمرے کی فضا پر بوجھل سی خاموشی مسلط ہو گئی۔ پھر فریدی نے مسز نجمی کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''پچھلی رات میں نے پروفیسر کو شہر میں دیکھا تھا۔''

''کہاں.....!'' حمید نے پوچھا۔

''اسی عمارت میں جہاں ڈوروتھی کی لاش ملی تھی۔''

''پھر..... پھر..... آپ نے روکا کیوں نہیں۔'' صوفیہ نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

''ایسے پھرتیلے آدمی بہت کم میری نظروں سے گزرے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ اس تیلے پن کی وجہ سے وہ میرے ہاتھ نہ آ سکے۔ میرا خیال ہے کہ وہ اپنا توازن کھو بیٹھے ہیں۔''

مسز نجمی بہت توجہ اور دلچسپی سے سن رہی تھی۔ فریدی کے خاموش ہوتے ہی اس نے پوچھا۔ ''کیا آپ پچھلی رات عمارت میں موجود تھے۔''

''ہاں..... مجھے کسی ایسی چیز کی تلاش تھی جس سے اس حادثے پر کوئی روشنی پڑ سکے اور شاید وہ بھی کسی چیز کی تلاش میں وہاں آئے تھے۔ بہرحال میں نے انہیں اسی وقت دیکھا جب وہ ایک کمرے کی دیوار میں لگی ہوئی ایک پوشیدہ تجوری کھولنے کی کوشش کر رہے تھے۔''

''اوہ..... پوشیدہ تجوری۔'' مسز نجمی آگے جھک آئی، اس کی آنکھوں میں عجیب قسم کی چمک نظر آنے لگی تھی۔

''میں نے انہیں رکنے کو کہا لیکن وہ نکل بھاگے۔ میں کیا بتاؤں کہ وہ کتنے پھرتیلے ہیں

جب تک میں گلی میں پہنچا وہ عقبی دروازے سے نکل کر اندھیرے میں غائب ہو چکے تھے۔"

مسز نجمی کے چہرے پر اس وقت زیادہ تازگی اور توانائی نظر آ رہی تھی۔ اس کے برخلا صوفیہ کی حالت غیر تھی۔ وہ آرام کرسی کی پشت سے ٹکی ہوئی ہانپ رہی تھی۔ اس کی زبان بار ہونٹوں پر تیرتی نظر آتی۔

"بہرحال میں انہیں پا نہ سکا لیکن اب یہ سوچنے پر مجبور ہوں کہ ڈوروتھی کے قاتل وہی ہیں

"نہیں.....!" صوفیہ دونوں ہاتھ اٹھا کر چیخی۔ "نہیں.....نہیں.....نہیں۔"

وہ اسی طرح ہاتھ اٹھائے ہوئے "نہیں نہیں" کی تکرار کرتی رہی۔ بالکل ایسا ہی مو ہو رہا تھا جیسے اس پر ہسٹریا کا دورہ پڑا ہو۔ پھر آہستہ آہستہ اس کی آواز نحیف ہوتی گئی۔ اس پر جھکا ہوا اسے آوازیں دے رہا تھا۔ آخر وہ بالکل خاموش ہو گئی۔

"بیہوش ہو گئی۔" حمید نے سیدھے کھڑے ہو کر تشویش کن لہجے میں کہا۔

"وہ بہت جذباتی لڑکی ہے۔" مسز نجمی نے اپنی جگہ سے اٹھے بغیر لاپروائی سے کہا۔

"تمہاری ہی لڑکی ہے۔"

"یقیناً.....لیکن اپنے باپ کی طرح چور اور بزدل ہے۔"

فریدی حمید کو گھور رہا تھا۔ وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا ورنہ اس کا تو دل چاہا تھا کہ ا اٹھا کر کھڑکی کے باہر پھینک دے۔

"آخر آپ کس بناء پر کہہ رہے ہیں کہ نجمی ہی اس کا قاتل ہے۔" مسز نجمی نے فر سے پوچھا۔

"میں نے وہ پوشیدہ تجوری کھول لی تھی۔ اس میں سے کچھ ایسی چیزیں برآمد ہوئیں مث کے طور پر کچھ خطوط جو ڈوروتھی کے کسی عاشق نے اسے لکھے تھے اور ایک تصویر جس میں ڈورو اپنے کسی عاشق کے بازو میں ہاتھ ڈالے کھڑی نظر آتی ہے۔ ان خطوط میں سے ایک میں تح تھا "مجھے بڑی خوشی ہے کہ تم اس موٹی آسامی پر اپنی معصومیت کا سکہ بٹھا کر اُسے دونوں ہاتھ سے لوٹ رہی ہو مگر دیکھو مستقبل کے لئے بھی کچھ بچا رکھ۔ پچھلی زندگی میں ہمیں بہت کچھ

مگر آج ہم قریباً کنگال ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ اب آپ خود ہی سوچئے کیا یہ خط پروفیسر کو قتل کر دینے کے لئے کافی نہیں ہے۔"

"یقیناً..... یقیناً" مسز نجمی نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ لیکن دفعتاً حمید نے فریدی کو غ دیکھا۔ وہ کھڑکی کی طرف جھپٹا تھا۔ ساتھ ہی باہر سے کچھ ایسی آواز آئی جیسے کوئی بلندی ر اڑا ہو۔

"ٹھہرو..... پروفیسر.....ورنہ گولی مار دوں گا.....ٹھہرو۔" فریدی نے کہا اور دروازے طرف جھپٹا۔ حمید بھی دوڑا اور دونوں دوڑتے ہوئے پھاٹک تک آئے وہ آگے بڑھنے ہی لے تھے۔ کچھ دور پر کوئی گاڑی اسٹارٹ ہوئی۔ ایک لحظہ کے لئے عقبی روشنی نظر آئی اور پھر رے میں مدغم ہو گئی۔ گاڑی کی آواز دور ہونے لگی۔ فریدی پھر بھاگ کر کمپاؤنڈ میں آیا۔ ی جیپ ہی سامنے پڑی اور وہ اچھل کر اسٹیئرنگ کے سامنے جا بیٹھا۔ حمید نے بھی دیر نہیں

تھوڑی دیر بعد وہ اس گاڑی کے پیچھے تھے۔ اگلی گاڑی کی رفتار بہت تیز تھی لیکن اس کا ہر کی طرف نہیں تھا۔

"آپ نے اندھیرے میں کیسے پہچان لیا۔" حمید نے پوچھا۔

"مونچھیں، کھڑکی میں لیمپ کی روشنی تھی۔ میں نے اس کی مونچھیں دیکھی تھیں۔"

حمید نے اسے آج کا واقعہ سنایا کہ کس طرح وہ انہیں ڈاج دے کر ہوٹل سے غائب ہو گیا ریڈی کچھ نہ بولا۔ دونوں گاڑیاں آگے پیچھے دوڑتی رہیں۔ پھر کچھ دور چل کر اگلی گاڑی ے بائیں جانب کچے راستے پر اتر گئی۔ وہ بھی جیپ ہی تھی اور اب اس کی ہیڈ لائیٹس ستعمال کی جا رہی تھیں، یہ راستہ اتنا ناہموار تھا کہ فریدی کو رفتار کم کر دینی پڑی۔ لیکن اگلی اچھلتی کودتی اور ہچکولے لیتی بھاگی جا رہی تھی۔ پھر اونچے نیچے ٹیلوں کے سلسلے شروع ہو گئے تا اگلی جیپ ٹیلوں کے درمیان مڑتی ہوئی نظر آئی۔ پھر ایک دلخراش چیخ سناٹے میں دور لتی چلی گئی اور وہ دھماکہ تو بہت ہی لرزہ خیز تھا، جو اس کے بعد سنائی دیا۔ فریدی نے بڑی

عجلت سے اپنی گاڑی کے بریک لگائے اور وہ حقیقتاً الٹتے الٹتے بچی۔ انجن بند کر کے وہ نیچے کود گیا۔ دونوں ہی پوری قوت سے اس طرف دوڑ رہے تھے جدھر اگلی جیپ مڑی تھی۔ فریدی نے دوڑتے ہوئے ٹارچ روشن کی۔

وہ منظر بڑا ڈراؤنا تھا۔ تقریباً ساٹھ فٹ نیچے جیپ کے پچھلے حصے سے شعلے نکل رہے تھے اور وہ آدھی سے زیادہ نشیب میں بہنے والی ندی میں ڈوبی ہوئی تھی۔

''یقیناً..... اس کا ذہنی توازن بگڑا ہوا تھا۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''بیچاری صوفیہ پر کیا گزرے گی۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بدقت تمام اس مقام پر پہنچنے میں کامیاب ہوئے جہاں جیپ سمیت گرنے سے پہلے ہی پروفیسر کی آخری چیخ گھٹ کر رہ گئی تھی۔

جیپ ندی میں الٹی پڑی ہوئی تھی اور اب شعلے آہستہ آہستہ اپنا جوش و خروش کھوتے جا رہے تھے۔

''لاش کیسے نکالی جائے۔'' حمید بڑبڑایا۔

''مجھے توقع نہیں ہے کہ لاش مل سکے۔ ندی کا بہاؤ نہیں دیکھتے۔''

''پھر بھی ہمیں کوشش تو کرنی ہی چاہئے۔''

''فضول ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''آؤ واپس چلیں۔''

حمید کا دل نہیں چاہتا تھا مگر طوعاً و کرہاً اُسے واپس ہونا پڑا۔ صوفیہ کی وجہ سے اب اسے پروفیسر سے ہمدردی محسوس ہونے لگی تھی۔ اس لئے اس کا یہ غیر متوقع انجام اس کے لئے تکلیف دہ ثابت ہوا تھا اور وہ یک بیک اتنی تھکن محسوس کرنے لگا تھا جیسے سینکڑوں میل پیدل چل کر آیا تھا۔

ڈاک بنگلے میں دونوں بے چینی سے ان کی منتظر تھیں۔

صوفیہ کو ہوش آ گیا تھا انہیں دیکھتے ہی وہ بیساختہ اچھل پڑی۔

''بولئے..... بتائیے..... وہ پاپا تھے۔ نہیں وہ پاپا نہیں رہے ہوں گے۔'' اس نے

ے انداز میں کہا۔ ''آپ بولتے کیوں نہیں۔''

''نہیں..... وہ کوئی چور تھا۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ''اس تاک میں تھا کہ ہم سو ائیں اور وہ ہمارا سامان لے کر چلتا بنے۔''

''دیکھا..... میں نہ کہتی تھی۔'' وہ اپنی ماں کی طرف دیکھ کر ہنس پڑی اور مسز نجمی کے ے پر پھر وہی پہلے کا سا بڑھاپا طاری ہو گیا۔

دوسری صبح فریدی نے تنویر صمدانی کو فون کیا کہ پروفیسر ایک حادثے میں کام آ گیا ہے۔ اور اروپ نگر پہنچ جائے..... دوسری صبح ندی میں اس کی لاش کی تلاش جاری تھی لیکن وہاں پ کے ڈھانچے کے علاوہ اور کچھ نہ مل سکا۔

حمید ڈاک بنگلے ہی میں تھا اور اس نے فریدی کی ہدایت کے مطابق ماں بیٹی کو حالات ے بے خبر رکھا تھا۔ تقریباً گیارہ بجے فریدی بستی سے ڈاک بنگلے واپس آیا۔ اس نے صوفیہ ے کہا۔ ''میں تمہاری ماں کو بستی تک لے جا رہا ہوں۔ تم ہماری واپسی تک یہیں ٹھہرو گی۔''

''آپ کے کہنے سے میں ٹھہر جاؤں گی۔'' صوفیہ نے جواب دیا۔

پھر وہ حمید اور مسز نجمی کے ساتھ اپنی کار میں بیٹھ گیا..... اور کار بستی میں پہنچ کر کوتوالی کی رف مڑ گئی۔ جب وہ کوتوالی میں داخل ہو رہی تھی مسز نجمی نے چونک کر کہا۔

''یہ آپ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں۔''

''کیوں.....؟''

''بس یونہی..... پروفیسر کا وکیل بھی یہاں موجود ملے گا شاید..... ٹھہرو۔''

وہ کار روک کر نیچے اتر پڑا۔ حمید اور مسز نجمی بھی اترے۔

ایک بڑے کمرے میں تنویر صمدانی اور چار مقامی پولیس آفیسران کے منتظر تھے۔

بڑی میز کے گرد تین کرسیاں شاید انہیں کے لئے خالی تھیں۔ ان کے بیٹھتے ہی تنویر صمدانی نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔ ''پروفیسر کو کیا حادثہ پیش آیا ہے۔''

''پچھلی رات میں اُس کا تعاقب کر رہا تھا اس کی جیپ بے قابو ہو کر ندی کے پاس والے

ٹیلوں میں جا مڑی اور شاید وہ ساٹھ فیٹ کی بلندی سے جیپ سمیت ندی میں جا پڑا۔"

"اوہ.....!" مسز نجمی کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی۔ چہرہ سرخ ہو گیا اور آنکھیں لگیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے سینے میں ہزاروں قہقہوں کا گلا گھونٹنے کی کوشش کر رہی

"تم واقعی بہت اذیت پسند ہو۔" فریدی اس کی طرف مڑ کر تنفر آمیز لہجے میں بولا۔

"اگر میں کسی کی موت پر قہقہے لگاؤں تو قانون میرا کیا بگاڑے گا۔"

"قانون تو کچھ نہیں بگاڑ سکے گا مگر انسانیت ضرور تم پر روئے گی۔"

"انسانیت تو ازل ہی سے روتی آئی ہے۔"

دوسرے پولیس آفیسر اُسے گھورنے لگے۔

"یہ اس کی بیوی ہے جناب۔" ایک نے پوچھا۔

"ہاں..... یہ اس کی بیوی ہے۔" فریدی نے کہا اور صدانی کی طرف متوجہ ہو گیا: آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"کیا پروفیسر نے کبھی کوئی وصیت بھی مرتب کی تھی۔"

صدانی نے نفی میں سر ہلا دیا اور رومال سے آنسو خشک کرنے لگا۔

"اندازاً کتنا بینک بیلنس ہوگا۔"

"مجھے.....اے.....اے.....ای.....اس کا بھی علم نہیں۔"

"براہِ کرم آپ دوسرے کمرے میں جا کر اچھی طرح رو آیئے پھر ہم گفتگو کریں۔"

"میرا بھائی.....میرا دوست دنیا سے اٹھ گیا۔" تنویر مجنونانہ انداز میں چیخا۔

"وہ تھپڑ رسید کروں گا کہ دونوں آنکھیں باہر آ جائیں گی۔"

"جی.....کیا مطلب۔" صدانی ہکا بکا رہ گیا۔

"میں پوچھتا ہوں کہ پروفیسر کا کتنا بینک بیلنس تھا۔"

"آپ تمیز سے گفتگو کیجئے مسٹر۔" صدانی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"اوہ.....معاف کیجئے وکیل صاحب۔ آپکا غم دور کرنے کیلئے میں نے ایک نفسیاتی

لیا تھا۔ اب دیکھئے نا آپکی آنکھیں اب آنسوؤں کی بجائے چنگاڑیاں برسا رہی ہیں۔"

فریدی کے اس رویہ پر حمید بھی متحیر رہ گیا۔ آخر اتنی سی بات کے لئے شہر کے ایک بڑے وکیل کی توہین کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

"میں کیا جانوں کہ بینک بیلنس کتنا تھا۔" اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"چیک تو آپ ہی کیش کرا کے رقم بذریعہ منی آرڈر بھجواتے تھے۔"

"بیئرر چیک ہوتے تھے، کیش کرا لئے جاتے، مجھے اسکا علم کیسے ہو سکتا تھا کہ بیلنس کتنا ہے۔"

"ایک بات اور سمجھ میں نہیں آتی کہ جب یہاں بھی بینک موجود تھا تو پروفیسر نے یہیں رقم کیوں نہیں منتقل کرا لی۔ آپ کو کیوں تکلیف دیتا رہا۔"

"اس کا جواب پروفیسر کے علاوہ اور کوئی نہیں دے سکتا۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں اسے دوبارہ نہ پیدا کر سکوں گا۔"

"آپ پتہ نہیں کیسی الٹی سیدھی باتیں کر رہے ہیں۔ میں پروفیسر کا قانونی مشیر تھا اور اس رہوں گا جب تک کہ اس کے ورثاء مجھے میرے فرائض سے سبکدوش نہ کر دیں۔ اب میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کروں گا کہ پروفیسر نے کتنا اثاثہ چھوڑا ہے۔"

فریدی چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ "اب پتے پھینک دو، کل ہی پروفیسر کی لاش دریافت کی ہے۔"

"آپ کیوں مذاق اڑا رہے ہیں۔" تنویر چیخا۔ حمید کے علاوہ دوسرے بھی فریدی کو سے دیکھ رہے تھے۔

"ہاں..... مائی ڈیئر.....تنویر صدانی.....ڈوروتھی پروفیسر کے روپوش ہونے سے پہلے ہی کے صحن میں ایک حوض بنوا رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ہنسوں کا ایک جوڑا حاصل کر میں ڈالے گی۔ یہ پروفیسر کے نوکروں کا بیان ہے۔"

فریدی تنویر کے چہرے کی رنگت بدلنے لگی اور اس نے اٹھنا چاہا۔

"بیٹھو.....!" فریدی غرایا.....اور آفیسروں نے اسے دبوچ کر بٹھا دیا۔

''تم خواہ مخواہ مجھے اور زیادہ پریشان کر رہے ہو۔'' تنویر نے سنبھالا لیا۔ ''دوست کی مو
ہی کا صدمہ کیا کم ہے۔''

''تم دوست کا صدمہ آج لے بیٹھے ہو۔ حالانکہ دوست کی موت آج سے ڈیڑھ ماہ
واقع ہوئی تھی۔''

''تم پاگل ہو گئے ہو۔'' تنویر نے ایک ہذیانی سا قہقہہ لگایا اور فریدی کے چہرے
قریب انگلی نچا نچا کر ہنستا ہی رہا۔

''کسی ماہر ڈاکٹر کے سرٹیفکیٹ کے بغیر تمہیں پاگل بھی نہیں قرار دیا جا سکتا تنویر۔'' فر
نے لاپروائی سے کہا۔ ''تم دونوں کے جسم کی بناوٹ یکساں تھی۔ قد بھی یکساں تھا۔ اگر تم اتنی
بڑی مصنوعی مونچھیں لگا لو تو دور سے دیکھنے والوں کو تم پر پروفیسر ہی کا دھوکا ہوگا۔ مگر تم تو ا
مکمل میک اپ کرتے رہے ہو۔ اس لئے عام آدمی قریب سے بھی تمہیں پروفیسر ہی سمجھتے۔
یہ تو بتاؤ کہ کون گدھا کسی کو قتل کرنے کے لئے شور مچانے والی جیپ میں بیٹھ کر کہیں جائے
سینٹ جوزف کالونی تو بہت گھنی آبادی رکھتی ہے اور پھر وہ دوسری حماقت کرے گا یعنی
ہی میں بیٹھے بیٹھے سگریٹ سلگاتا تاکہ جیپ کے شور سے جاگے ہوئے پڑوسی اس کے چہر
جھلک دیکھ سکیں۔ تم نے پروفیسر کی آڑ لے کر ڈوروتھی کو قتل کر دیا۔ پھر مستقل طور پر مجھے یہ
کرانے کی کوشش کرتے رہے کہ پروفیسر اسے قتل کر دینے کے لئے ایک بہانہ رکھتا تھا اور
ہی پروفیسر کی زندگی کا ثبوت بھی پیش کرتے رہے البتہ پوشیدہ تجوری والے معاملے میں تم
گئے۔ اس سے تمہارا مقصد یہی تھا کہ وہ خطوط میرے ہاتھ لگ جائیں اور میں یہ سمجھو
پروفیسر انہیں تلف کر دینے کے لئے وہاں آیا تھا۔ ظاہر ہے ان خطوط کو دیکھ کر میں یہی سو
تھا کہ پروفیسر ہی ڈوروتھی کا قاتل ہے اور اس لئے انہیں تلف کر دینا چاہتا تھا کہ کہیں
کے خلاف ثبوت کے طور پر نہ استعمال کئے جائیں۔ لیکن بوڑھے بیٹے تنویر..... تم اُس تجو
اپنی انگلیوں کے نشانات چھوڑ آئے تھے۔ ذرا احتیاط کی ہوتی۔ دستانے پہن لئے ہوتے۔

''یہ جھوٹ ہے مجھے چھوڑ دو۔'' تنویر آفیسروں کی گرفت سے نکلنے کے لئے تڑپا۔

''اور یہ بھی جھوٹ ہے کہ کل تم خود کو دیکھا کر حمید اور صوفیہ کو ڈاج دے گئے تھے اور کل
کو تم نے مجھے یہ باور کرانے کی کوشش نہیں کی تھی کہ اب قصہ ہی ختم ہو گیا یعنی ڈوروتھی کا
ختم ہی، دلیا، لہٰذا اس کیس کا فائیل بند کر دیا جائے اور تم اطمینان سے ڈھائی لاکھ کی وہ رقم
تصرف میں لاسکو گے جو پروفیسر نے ڈیڑھ ماہ قبل مختلف بینکوں سے نکالی تھی۔''

''یہ جھوٹ ہے۔'' صدانی چیخا۔

''خاموش رہو۔ کسی بھی سازش کے لئے بہت بڑے دماغ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو ہر
پر غور کر سکے۔ تم نے یہ نہ سوچا کہ اس سے پہلے پروفیسر اپنے نوکروں سے بھ
ش کراتا رہا ہوگا اور انہیں بھی ان بینکوں کا علم رہا ہوگا جہاں جہاں پروفیسر کی رق
گی۔ میں نے ان سب بینکوں کو چیک کیا اور اس نتیجے پر پہنچا آج سے ڈیڑھ ماہ قبل ان
ایک ہی دن اور ایک ہی تاریخ کو ساری رقومات نکالی گئی تھیں جن کی مجموعی تعداد ڈیڑھ لاکھ
۔ میں نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ پروفیسر کے نمونے کے دستخط بھی دیکھے اور پھر بینک میں
جہاں سے تم چیک کیش کرا کے پروفیسر کو روپ نگر کے پتہ پر منی آرڈر بھیجا کرتے تھے۔''

''یہ سب جھوٹ ہے۔'' تنویر صدانی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''سنتے جاؤ۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''یہاں اس بینک میں حیرت انگیز انکشافات ہوئے۔
ہاں دس ہزار سے زائد کا اکاؤنٹ کھولا گیا تھا اور اس کے دوسرے ہی دن جب دوسرے
نکوں سے ڈھائی لاکھ سمیٹے گئے تھے اور بتاؤں..... وہاں نمونہ کے دستخط پچھلے دستخطوں سے
کل مختلف تھے۔ تم نے اکاؤنٹ پروفیسر کے نام سے کھولا تھا لیکن نمونہ کے دستخط چونکہ خود کئے
تھے اس لئے ان کا پروفیسر کے اصل دستخط سے مختلف ہونا لازمی تھا۔ میں وثوق کے ساتھ نہیں
کہہ سکتا کہ پروفیسر کو تم نے قتل کیا تھا یا ڈوروتھی نے۔ لیکن تم دونوں ہی اس سازش میں شریک
تھے۔ مشین کی ایجاد کے سلسلے میں روپوشی کا قصہ بھی غلط نہیں معلوم ہوتا۔ تم دونوں نے اسے
رائے دی ہوگی کہ وہ مختلف بینکوں سے سارا روپیہ سمیٹ کر کسی ایک بینک میں جمع کرا دے۔
اس طرح منافع بھی معقول ملے گا اور اس کے بھیجے ہوئے چیکوں کو کیش کرا کے اسے رقومات

بھی بذریعہ منی آرڈر بھیجی جاتی رہیں گی۔ ممکن ہے مشین کی ایجاد اور روپوشی کی کہانی بھی تمہاری ذہنی اختراع ہو..... لیکن بہرحال پروفیسر کے لئے اتنا ہی کافی ہوسکتا تھا کہ اس کی بکھری ہوئی رقم یکجا ہوجانے سے زیادہ سود ملنے لگے گا۔ ہاں تو رقم اس رات گھر ہی میں رہی اور پروفیسر کو یہ سمجھایا گیا کہ وہ دوسرے دن جمع کرادی جائے گی اور پھر اسی رات کو پروفیسر ختم کردیا گیا۔ چونکہ اسکیم بہت پہلے بنائی گئی تھی اس لئے تمہیں حوض کا گڑھا بھی تیار ملا۔ تم نے نہایت اطمینان سے لاش اس میں دفن کردی اور دوسرے دن مزدوروں نے اس کی جوڑائی کرکے پلاسٹر کردیا۔ حوض تیار تھا اور اس میں ہنس کا جوڑا تیر رہا تھا۔ غالباً پہلے تمہاری اسکیم یہ رہی ہوگی کہ تم پروفیسر کی بیوی کو قتل کردو گے جس سے اس کے تعلقات خراب تھے اور پھر پولیس پروفیسر کے متعلق چھان بین کرے گی تو تم مشین کی ایجاد کے سلسلے میں پروفیسر کی روپوشی کی کہانی سناؤ گے پھر اسی طرح تم پروفیسر کا میک اپ کرکے کچھ دنوں تک پولیس کو چکر دیتے رہتے اور اسی طرح غرق ہوجاتے، چلئے کیس ختم اور فائل بند۔ ڈھائی لاکھ روپیہ تم دونوں بانٹ لیتے۔ مگر پروفیسر کی بیوی کو قتل کرنے سے پہلے ہی شاید تم دونوں میں جھگڑا ہوگیا اور تم دونوں نے سوچا کہ کیوں نہ ڈوروتھی ہی کو قتل کرکے پروفیسر کو قاتل ثابت کرنے کی کوشش کرو۔ شاید ڈوروتھی کو بھی خطرہ لاحق ہوگیا تھا کہ کہیں تم اس پر نہ ہاتھ صاف کردو۔ لہٰذا اس نے پروفیسر کے پانچ اعزہ کے فون نمبر نوٹ کرکے رکھے تھے لیکن وہ انہیں کچھ بتانے سے قبل ہی ختم کردی گئی۔ شاید اس نے تمہیں چوروں کی طرح داخل ہوتے دیکھ کر ہی فائر کردیا تھا لیکن تم بچ گئے اور تمہاری گولی اس کی کنپٹی پر بیٹھی۔ اس کے بعد تم نے جو جو قلابازیاں کھائی تھیں سب کے سامنے ہیں۔ مسز نجمی اتفاقیہ طور پر وہاں پہنچ گئی تھیں اس لئے تم کچھ تھوڑے بوکھلا بھی گئے تھے لیکن پھر اسے بھی اس کیس میں الجھانے کی کوشش کرنے لگے۔ یہ تدبیر تھی بھی بڑی شاندار۔ پولیس کچھ دنوں تک ذہنی جمناسٹک کرتی اور جب تم اس پر تھکن کے آثار دیکھ لیتے تو ایک دن اسی طرح جیپ میں بیٹھ کر ندی کی طرف بھاگ نکلتے اور پھر کسی موڑ پر رفتار کم کرکے خود اتر جاتے اور جیپ کافی اونچائی سے ندی میں جا گری..... مگر بُرا ہوا اس حوض کا جس میں ہنسوں کا جوڑا تیرتا تھا..... بُرا ہوا اس پوشیدہ تجوری کا جس پر تم بوکھلاہٹ میں اپنی انگلیوں کے نشانات چھوڑ گئے تھے۔ اور پھر پڑیں اس عقل پر جس نے بینکوں سے رقومات نکلوانے کے بعد ان کا ایک قلیل حصہ کسی دوسرے بینک میں جمع کرانے کا مشورہ دیا تھا۔ آخر اس کی ضرورت ہی کیا تھی۔ تنویر، کیا پروفیسر روپ نگر میں اپنے پاس کیش نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس کے لئے تم سے کوئی بھی جواب طلب نہ کرتا کہ تم نے اسے اپنی رقم کیوں لے جانے دی بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ کوئی بینک کسی طرف دھیان بھی نہ دیتا۔ اگر تم یہ بتاتے کہ وہ روپ نگر سے تمہیں چیک بذریعہ ڈاک بھیجتا ہے اور تم اُسے کیش کراکے رقم بذریعہ منی آرڈر بھیج دیتے ہو۔ یہ قصہ سن کر تو فوراً ہی یہ سوچنا پڑتا ہے کہ آخر پروفیسر نے وہیں کے بینک میں اپنی کچھ رقم کیوں نہیں منتقل کرالی۔

''انہوں نے لاڈیل کے بیان میں ترمیم کرنے کی کوشش کی تھی۔'' حمید نے مسز نجمی کی طرف دیکھ کر فریدی کو یاد دلایا۔

''اس کے لئے انہیں عدالت میں جوابدہ ہونا پڑے گا۔'' فریدی بولا۔ ''ویسے میرا خیال ہے کہ یہ حرکت صرف اس لئے کی گئی تھی کہ یہ اتفاقاً حادثے والی رات کو ہوٹل سے باہر چلی گئی تھیں۔ لہٰذا پولیس کے شبہے سے بچنے کے لئے انہوں نے بدحواسی میں یہ حرکت کرڈالی۔ ظاہر ہے کہ اگر لاڈیل اپنے بیان میں فائر کی آواز کا بھی اضافہ کردیتی تو ان کی طرف سے شبہات ختم ہوجانے کا بھی امکان تھا۔''

''ہم سب کتے ہیں۔'' مسز نجمی بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''کوئی کاٹ لینے کی دھمکی دیتا ہے اور کوئی نہایت خاموشی سے کاٹ لیتا ہے۔ لیکن کتے احسان فراموش نہیں ہوتے۔''

اس نے تنویر کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔ ''یہ کتے سے بھی بدتر ہے۔ اسے کس نے تنویر ممرانی بنایا تھا۔ کس نے اس کے لئے اتنا بڑا آفس مہیا کیا تھا۔ کس نے اسے سہارا دیا تھا۔ جب یہ ڈپلومہ لینے کی بعد در در کی خاک چھانتا پھر رہا تھا۔ تنویر کیا تم بھول گئے۔ احسان فراموش گندے کیڑے۔ میں تو اس کی کھلی ہوئی دشمن تھی۔ اس پر غصے میں چھری پھینک مارتی تھی..... تو مجھے ذلیل اور کمینہ کہتا تھا۔ اب میں تجھے کیا کہوں۔''

تنویر کی آنکھیں بند ہوگئیں اور وہ گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

پھر سارا کمرہ سکوت کے گہرے سمندر میں ڈوب گیا۔

دوسری صبح شہر میں ہوئی۔ حمید خود کو ذہنی طور پر مفلوج سا محسوس کرنے لگا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ اسے صوفیہ کے خیال نے پریشان کر رکھا تھا جسے ابھی تک پروفیسر کی موت کے متعلق نہیں بتایا گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اس خبر سے اس کا ہارٹ فیل نہ ہو جائے۔ اس نے فریدی سے مشورہ کیا کہ اسے کس طرح اس کی اطلاع دی جائے۔

''بھئی یہ ایک ٹیڑھا مسئلہ ہے۔ وہ بچہ تو ہے نہیں کہ اس سے یہ بات کافی عرصہ تک پوشیدہ رہے گی۔ دنیا کے ہر آدمی کو کسی نہ کسی کی موت کا صدمہ ضرور سہنا پڑتا ہے۔ بہتر ہے کہ اب تم اسے بتا ہی دو۔ ویسے اب وہ بہتر زندگی بسر کر سکے گی۔ تنویر نے اعتراف کر لیا ہے کہ اس نے دو لاکھ روپے مختلف بینکوں میں اپنے لڑکوں کے نام جمع کرائے ہیں اور اس کا کہنا ہے کہ اسے اس جرم پر ڈوروتھی ہی نے اکسایا تھا۔ پروفیسر کی موت کی بھی وہی ذمہ دار تھی۔ اس نے اسے پانی میں ایک بہت ہی سریع الاثر قسم کا زہر دیا تھا اور وہ کہتا ہے کہ اسے ڈوروتھی کی طرف سے خدشہ تھا کہ کہیں وہ اسے بھی نہ ختم کر دے۔ اسی لئے اس نے اسے قتل کر دیا۔ اگر وہ اس پر گولی نہ چلاتا تو اس کی دوسری گولی خود اسے ہی ختم کر دیتی۔

''لیکن آپ اس حوض تک کیسے پہنچے تھے۔''

''نوکروں سے دوسری بار گفتگو کرتے وقت اس کا تذکرہ آ گیا تھا۔ مجھے شبہ ہوا اور میں نے اسے کھدوا ڈالا۔ محنت برباد نہیں ہوئی۔ پروفیسر کی گلی سڑی لاش برآمد ہو گئی۔''

حمید خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ صوفیہ کو ان حالات سے مطلع کرنے کا ناگوار فرض انجام دینے جا رہا تھا۔

ختم شد

جلد نمبر
21

ابنِ صفی

جاسوسی دنیا

67- طوفان کا اغوا

68- رائفل کا نغمہ

69- ٹھنڈی آگ



پیشرس

جاسوسی دنیا کا خاص نمبر "طوفان کا اغوا" ملاحظہ فرمایئے۔

ایک صاحب نے اپنے خط میں "تصوف" کے بارے میں خاصی طویل گفتگو فرمائی ہے۔ وہ "تصوف" کو افیون سمجھتے ہیں اور اس سے خار کھاتے ہیں۔ انہوں نے پیری، مریدی اور خانقاہوں کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ اپنی جگہ درست..... آہستہ آہستہ لوگ مقاصد کو بھولتے چلے جاتے ہیں اور محض رسومات کو اولیت دے دیتے ہیں۔ یہ بھی نظام فطرت ہی کے تحت ہوتا ہے۔ کچھ دن گزرنے کے بعد ہر شے کی شکل بگڑ جاتی ہے۔ آدمی ہی کو دیکھئے! جوانی میں کچھ نظر آتا ہے اور بڑھاپے میں کچھ۔ کبھی کبھی تو جوانی کی شکل سے ہلکی سی مشابہت بھی باقی نہیں رہتی۔ تصوف نے خلافت راشدہ کے بعد مسلمانوں کے درمیان راہ پائی تھی اور شہنشاہیت کے خلاف ایک پرامن عوامی تحریک کی شکل اختیار کرلی تھی۔ اس کی بنیاد "ہمہ از اوست" کے نظریئے پر رکھی گئی تھی۔ رہی "ہمہ اُوست" کی بات تو یہ شہنشاہیت کے حامیوں کی چلائی ہوئی جوابی تحریک تھی۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ شہنشاہوں کے مظالم کے خلاف احتجاج تک نہ کیا جاسکے۔ جب "سب کچھ وہی" ہے تو ظالم بھی وہی اور مظلوم بھی وہی..... پھر غل غپاڑہ کیسا؟ خاموشی سے ظلم سہو اور ہمہ اوست کا دم بھرتے جاؤ۔ اُف فوہ..... آپ کے خط نے تو پٹڑی ہی بدلوادی۔ کہنے کا مطلب یہ کہ تصوف کے بارے میں مزید مطالعہ کے لئے سنی سنائی باتوں میں کیا رکھا ہے۔ کچھ نہیں تو کم از کم حضرت داتا گنج بخشؒ کی کتاب کشف المحجوب ہی پڑھ لیجئے۔ ویسے ہم بیچارے اس قابل کہاں کہ ایسے موضوعات پر گفتگو کرسکیں۔ آپ نے ایک بات پوچھی تھی، سو اپنی فہم ناقص کے مطابق یہ چند سطور لکھ دیں۔

والسلام

ابنِ صفی

لال غبارہ

کیپٹن حمید نے کار روکی اور نیچے اُتر کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ چاروں طرف اونچی نیچی چٹانوں کے سلسلے دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ وہ چند لمحے یوں ہی کھڑا رہا پھر..... کار سے ربڑ کا ایک غبارہ نکالا جس میں گیس بھری ہوئی تھی۔ غبارے کا رنگ سرخ تھا۔

کار اُس نے سڑک سے اتار کر دو چٹانوں کے درمیان کھڑی کی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ جگہ پہلے ہی سے بنا کر تیار رکھی ہو۔ کیونکہ یہاں زمین ہموار تھی اور اس کے آگے کی ڈھلان تین چار بڑے بڑے پتھروں سے بند کردی گئی تھی۔

وہ غبارہ لئے ہوئے سڑک پر آیا اور پھر بڑی پھرتی سے سڑک پار کی، دوسرے لمحے میں وہ دوسری جانب والی ڈھلان میں اتر رہا تھا۔

اس کے جسم پر خاکی قمیض اور خاکی برمجس تھے اور پیروں میں گھٹنوں تک پہنچنے والے رائیڈنگ بوٹ۔ سر پر براؤن چمڑے کا خود منڈھا ہوا تھا جس میں چمڑے کی تہوں کے درمیان فولاد کی ٹوپی تھی۔ وہ اس طرح چٹانوں کی اوٹ لیتا ہوا ڈھلان میں اُتر رہا تھا جیسے دیکھ لئے جانے کا خدشہ ہو۔

سورج مغرب میں جھکنے لگا تھا اور دھوپ کی رنگت نارنجی ہو چلی تھی۔ اگست کی ہوا میں بھی اتنی خنکی ضرور تھی کہ حمید محنت نہ کر رہا ہوتا تو اس کے دانت بجنے لگتے۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ بائیں جانب مڑ گیا۔

یہ ایک تنگ سا درہ تھا۔ دونوں چٹانوں کا درمیان فاصلہ دو فٹ سے زیادہ نہ رہا ہوگا لیکن آگے چل کر وہ بتدریج کشادہ ہوتا گیا تھا۔ اختتام پر تو دونوں چٹانوں کا فاصلہ بیس فٹ سے بھی

زیادہ نہ تھا اور یہ اختتام ایک ایسی چٹان پر ہوا تھا جس کی اونچائی راستے کی سطح سے تقریباً پانچ فٹ ضرور رہی ہوگی۔

حمید بہت احتیاط سے دوسری طرف جھانکنے لگا، یہاں بھی ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے دیکھ لئے جانے کا خدشہ لاحق ہو۔

دوسری طرف نشیب ہی نشیب تھا اور اس کے بعد کی چڑھائی پر وہی اُسی سڑک کا ایک حصہ نظر آ رہا تھا جس پر سے وہ گزر کر یہاں تک پہنچا تھا۔ اس جگہ سے اس کا فاصلہ تین فرلانگ سے زیادہ نہ رہا ہوگا لیکن اگر حمید دوبارہ کار پر بیٹھ کر سڑک کے اس حصے پر پہنچنے کی کوشش کرتا تو اسے کم از کم چار میل کا چکر ضرور لگانا پڑتا۔

اس نے غبارہ بائیں ہاتھ میں پکڑتے ہوئے داہنے ہاتھ سے دوربین نکالی جو اس کی برجس کی جیب میں موجود تھی۔

سڑک اس کی نظروں میں اور زیادہ واضح ہوگئی، وہ دوربین کا فوکس موزوں کرتا رہا۔ وہ دراصل اس سرنگ کی طرف دیکھ رہا تھا جس میں داخل ہو کر سڑک نظروں سے غائب ہوگئی تھی۔

اکثر وہ کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا۔ دفعتاً اس نے گیس سے بھرا ہوا غبارہ چھوڑ دیا اور وہ تیر کی طرح اوپر خلاء میں چڑھتا چلا گیا۔

دور سرنگ سے خچروں کی ایک قطار برآمد ہو رہی تھی۔

حمید غبارہ چھوڑ کر فوراً ہی وہاں سے ہٹ آیا۔ اب وہ پھر اُسی راستے پر چل رہا تھا جس سے پہنچا تھا۔

❁

خچروں پر سامان لدا ہوا تھا اور ان کی تعداد چالیس سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ ہر خچر پر ایک آدمی بھی موجود تھا۔ اگلے خچر والے کی نظر فضاء میں بلند ہوتے ہوئے غبارے پر پڑی اور اس کے ہاتھوں سے خچر کی باگ چھوٹ گئی۔

پھر وہ سنبھلا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر انہیں مجنونانہ انداز میں ہلانے لگا۔ پھر یک بیک پورے قافلے میں ابتری اور بدنظمی پھیل گئی۔ وہ لوگ جدھر سے آئے تھے ادھر ہی بھاگنے لگے۔ خچروں کی قطار درہم برہم ہوگئی۔

سرنگ میں گھس کر وہ دوسری طرف نکلے۔ خچر بھاگتے رہے۔ اچانک ایک جیپ کار سامنے آتی دکھائی دی۔ اس پر ایک چھوٹا سا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ خچر والوں میں سے کسی نے چیخ کر کہا ٹھہر جاؤ۔ بدقت تمام خچروں کو روکا جاسکا۔ جیپ کار اُن کے قریب آکر رک گئی۔ اُسے ایک بلڈاگ قسم کا آدمی ڈرائیو کر رہا تھا اور تنہا تھا۔ اپنی ہیئت کے اعتبار سے وہ کوئی اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اس کے چہرے پر سخت گیری کے آثار تھے، بھاری بھرکم جبڑا ان آثار کو کچھ اور زیادہ تقویت سی دیتا معلوم ہوتا تھا۔

"کیوں! یہ کیا ہے؟" وہ غصیلی آواز میں چیخا۔ "مادھو تم کہاں مر گئے۔"

دفعتاً ایک آدمی نے اپنا خچر آگے بڑھایا اور جیپ کار کے قریب پہنچ کر بولا۔

"لال غبارہ"

"لال غبارہ....!" جیپ والے کے لہجے میں حیرت تھی۔

"لال غبارہ جناب۔" مادھو نے پھر کہا۔ "آج تک ایسا نہیں ہوا۔"

"تمہیں وہم ہوا ہوگا۔" جیپ والا بولا۔

مادھو نے مڑ کر آسمان کی طرف دیکھا۔ جیپ والے کی نظر بھی اٹھ گئی۔ سرخ غبارہ آہستہ آہستہ تارہ ہوا جا رہا تھا۔

"یہ کیا مصیبت ہے۔" جیپ والا بڑبڑایا اور ٹھیک اُسی وقت چاروں طرف سے فائر ہوئے لیکن شاید یہ ہوائی فائر تھے اور قافلے والوں کو صرف اتنا بتانے کے لئے کئے گئے تھے کہ وہ چاروں طرف گھیر لئے گئے ہیں۔

جیپ والا سنبھل کر بیٹھ گیا۔ وہ چاروں طرف بکھری ہوئی چٹانوں کو کینہ توز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار نہیں تھے۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر اشارے سے قافلے والوں کو نظم وضبط قائم کرنے کو کہا اور پھر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

دفعتاً چاروں طرف اُسے متعدد سرخ ٹوپیاں نظر آئیں اور پھر مسلح پولیس کانسٹیبل باقاعدہ طور پر اُن کے سامنے آگئے۔ اُن کی رائفلوں کا رخ قافلے کی جانب تھا سبھوں نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔ پولیس پارٹی کی قیادت کیپٹن حمید کر رہا تھا۔ ذرا ہی سی دیر میں پورا قافلہ گھیر لیا گیا۔ پولیس کانسٹیبل خچروں کے قریب پہنچ گئے۔

"تم لوگ خچروں سے سامان اُتار کر سڑک پر ڈال دو۔" حمید نے بلند آواز میں کہا۔ "ورنہ کوئی لاشیں گننا بھی پسند نہ کرے گا۔"

"آخر کیوں۔" جیپ والا نیچے اُترتے ہوئے بولا۔

"بکواس مت کرو۔ تم کون ہو۔"

"اوہ.... سنئے تو سہی جناب.... آپ خفا کیوں ہوتے ہیں۔ ذرا الگ چلئے میں آپ کو سب کچھ سمجھا دوں گا۔" جیپ والے نے مسکرا کر کہا۔

"میں راشی نہیں ہوں۔ لہٰذا جو کچھ بھی کہنا ہے یہیں کہو۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

"اچھا تو آپ جو کچھ بھی کرنے جا رہے ہیں اُس کے لئے آپ کو پچھتانا پڑے گا۔"

"ہاں.... آں میں اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ اس کی پشت پر کوئی بارسوخ آدمی ہوگا۔" حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا۔" جیپ والا غصیلی آواز میں بولا۔

"ارے....!" حمید نے خچروں والوں کو مخاطب کیا۔ "کیا تم نے سنا نہیں .... سارا سامان سڑک پر اتار دو۔"

خچروں سے بڑے بڑے تھیلے گرائے جانے لگے اور جیپ والا کھڑا دانت پیستا رہا۔

❁

کرنل فریدی نے فائیل ایک طرف ڈال دیا اور جیب سے ڈائری نکال کر اس پر کچھ لکھنے لگا۔ آفس کا وقت ختم ہو چکا تھا اور دوسرے لوگ جا چکے تھے۔ لیکن فریدی کا کمرہ ابھی کھلا ہوا تھا اور باہر چپراسی اسٹول پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے قلم رکھ کر ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو....!"

"کرنل صاحب۔" دوسری طرف سے آواز آئی.... "ہاں میں ہی ہوں۔"

"میں امر سنگھ ہوں جناب۔"

"ہاں.... کہو.... کیا بات ہے۔"

"کپتان صاحب کا تار ہے۔"

"کیا خبر ہے۔"

"انہوں نے ان سمگلروں کو پکڑ لیا ہے لیکن وہ خطرے میں ہیں۔"

"کیا مطلب....؟"

"اور کچھ نہیں معلوم ہو سکا جناب۔ تحریر اتنی ہے کہ میں نے اُن سمگلروں کو پکڑ لیا ہے لیکن میں خطرے میں ہوں۔"

"تار کہاں سے آیا ہے۔"

"ٹیکم گڈھ ہے۔"

"اوہ.... اچھا.... دیکھو امر سنگھ تم میرے لئے رات والے جہاز میں ایک سیٹ بک کرا دو۔ کوشش یہی کرو کہ ایک سیٹ فوری طور پر بک ہو جائے۔"

"بہت بہتر جناب۔"

فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ اس کی پیشانی پر سلوٹیں اُبھر آئی تھیں اور آنکھوں سے گہرا تفکر مترشح تھا۔ اس نے ڈائری بند کر کے جیب میں ڈال لی اور اٹھ گیا۔

چپراسی نے بہت لہک کر دروازہ کھولا۔ شاید اسے توقع نہیں تھی کہ فریدی اتنی جلدی اٹھ جائے گا۔

گھر پہنچ کر بھی وہ سوچ میں ڈوبا رہا۔ تقریباً چھ بجے وہ ایئر پورٹ جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ فون کی گھنٹی بجی اور پھر ریسیور اٹھاتے ہی وہ دوسری طرف سے بولنے والے کی شخصیت سے واقف ہو گیا۔ وہ محکمہ سراغ رسانی کا ڈی آئی جی تھا۔ فریدی کو بھی اس ناوقت دخل اندازی پر حیرت تھی لیکن اس نے اپنی حیرت ظاہر نہیں ہونے دی۔

"کیپٹن حمید کو ٹیکم گڈھ سے واپس بلالو۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔ "یہ کیس دوسروں کے سپرد کر دیا گیا ہے۔"

"مگر یہ تبدیلی کیوں ہوئی جناب۔"

"تم جانتے ہو کہ اس قسم کی تبدیلیاں عموماً اسی وقت ہوتی ہیں جب ان کے لئے اوپر سے احکامات آئیں۔"

"میں جانتا ہوں۔"

"بس تم اسے واپس بلالو۔"

"بہتر ہے۔ میں اس جہاز سے ٹیکم گڈھ جارہا ہوں جو نو بجے رات کو یہاں سے جاتا ہے۔"

"کیوں.... تم کیوں جارہے ہو۔"

"حمید خطرے میں ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

اُس کا تار آیا ہے۔ اُس نے ان اسمگلروں کو پکڑ لیا ہے، لیکن خود خطرے میں ہے۔"

"اوہ.... دیکھو میرا خیال ہے کہ یہ تبدیلی محض اسی لئے ہوئی ہے کہ تم لوگ اس معاملے میں مداخلت نہ کرو۔"

"تو کیا میں حمید کو مر جانے دوں۔" فریدی نے غصیلی آواز میں کہا۔

"تم نہیں سمجھے میں یہ کہہ رہا تھا کہ تم حمید کو ساتھ لے کر خاموشی سے واپس آجاؤ گے۔"

"بشرطیکہ مجھے خاموش رہنے دیا گیا۔"

"دیکھو بھئی! میں تمہارے ہی بھلے کو کہہ رہا ہوں۔"

"مجھے حیرت ہے، پہلے کبھی آپ نے اس قسم کی گفتگو نہیں کی۔"

ڈی۔ آئی۔ جی نے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا۔ فریدی نے ایک جھٹکے کے ساتھ ریسیور کریڈل پر ڈال دیا اور میز کے قریب ہی رک کر سوچنے لگا۔

کچھ دیر بعد اس نے پھر ریسیور اٹھا کر کسی کے نمبر ڈائیل کئے۔

"ہیلو....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"کون ہے!"

"درجن.... تم کون ہو۔"

فریدی نے کوئی جواب دیئے بغیر ریسیور رکھ دیا۔ اب وہ پھر نمبر ڈائیل کر رہا تھا۔

رابطہ قائم ہوتے ہی اس نے کہا "نمبر تین.... نمبر تین۔"

"یس سر....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"سانگلی ہاؤز میں درجن نامی آدمی پر نظر رکھو۔ وہ عمارت میں موجود ہے۔"

"ویری ویل سر۔" دوسری طرف سے آواز آئی اور فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

اس نے ریسیور رکھا ہی تھا کہ یک بیک گھنٹی بج اٹھی۔

"ہیلو....!" فریدی نے ریسیور اٹھا کر کہا۔

"کرنل فریدی۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"فریدی اسپیکنگ....!" فریدی نے کہا۔

لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

فریدی نے ریسیور بڑی تیزی سے رکھا اور دوسرے کمرے میں چلا آیا۔ یہ کمرہ دراصل اس کا اسلحہ خانہ تھا۔ اس نے ایک ریوالور منتخب کیا اور کارتوسوں کا ایک پیکٹ جیب میں ٹھونستا ہوا باہر نکل آیا۔ پھر اس نے وہ سامان بھی وہیں چھوڑ دیا جو ساتھ لے جانے کے لئے اکٹھا کیا تھا۔ لیکن وہ اپنی چیک بک نکالنا نہیں بھولا۔ برآمدے میں آکر ڈرائیور کو آواز دی۔ تھوڑی ہی دیر بعد اس کی کار پھاٹک سے باہر نکلی۔

"ایئرپورٹ....!" فریدی نے ڈرائیور سے کہا۔ روانگی سے پہلے اس نے ملازموں کو ہدایت کر دی کہ اس کی واپسی تک سارے خطرناک قسم کے کتے ہر وقت کھلے رکھے جائیں۔

کار تیزی سے ایئرپورٹ کی طرف بڑھتی رہی۔ لیکن فریدی اس سے بھی لاعلم نہیں تھا کہ تعاقب برابر جاری ہے۔ پچھلی کار کی ہیڈ لائیٹس صاف نظر آرہی تھیں۔

فریدی نے جیب سے ریوالور نکال لیا۔ وہ اب بھی پچھلی کار پر نظر جمائے ہوئے تھا۔ دفعتاً خود اس کی کار زبردست دھچکے کے ساتھ رک گئی اور پھر اسے احساس ہوا کہ واقعہ کیا تھا۔ اس کی گاڑی سے ایک دوسری کار صرف ایک فٹ کے فاصلے پر کھڑی تھی اور اس کا ڈرائیور بُری طرح گالیاں بک رہا تھا۔ فریدی کا ڈرائیور کچھ گرم ہوا ہی تھا کہ اس کار سے دو تین آدمی نیچے کود پڑے۔

"کھینچ لو سالے کو۔" ایک نے کہا۔

"گاڑی بیک کرو۔" فریدی نے اپنے ڈرائیور سے کہا لیکن اب بیک کرنے کی بھی جگہ نہیں رہ گئی تھی کیونکہ تعاقب کرنے والی کار پیچھے آکر رک گئی تھی اور اس کا فاصلہ بھی فریدی کی کار سے شاید ایک ہی فٹ تھا۔

فریدی سوچنے لگا۔ کاش وہ خود ہی ڈرائیو کر رہا ہوتا۔

لیکن وہ ڈرائیور بھی فریدی ہی کا تھا۔ اس نے اتنی ہی جگہ میں گاڑی موڑ کر بڑی بے دردی

سے ان لوگوں پر چڑھادی جو اگلی کار سے اُترے تھے۔ فریدی کی کار کا اگلا حصہ اگلی کار سے ٹکرایا۔ گاڑی مڑی ضرور لیکن سڑک سے نیچے نہ اتر سکی۔ ویسے وہ بوکھلا کر کافی دور ہٹ گئے تھے جنہوں نے اگلی کار سے اُتر کر ڈرائیور پر حملہ کرنا چاہا تھا۔

فریدی کے لئے اتنا ہی موقع کافی تھا۔ اس نے کار سے چھلانگ لگادی۔ پچھلی کار سے بیک وقت کئی فائر ہوئے مگر بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے فریدی اندھیرے کے اتھاہ سمندر میں تیرتا سڑک کے بائیں جانب والے نشیب میں اُتر گیا ہو۔

سڑک سنسان پڑی تھی اور غالباً اس سناٹے کی وجہ سے اُسے یہاں گھیرا گیا تھا۔ دونوں کاروں سے اترنے والے نشیب میں دوڑتے چلے گئے۔

فریدی کے ڈرائیور کو جب اطمینان ہو گیا کہ اب دونوں کاروں میں ایک بھی آدمی باقی نہیں رہا تو وہ نیچے اُترا، اگلی کار کو دھکیل کر پیچھے کیا اور اتنی جگہ بنالی کہ وہ بہ آسانی اپنی گاڑی موڑ کر آگے نکال سکے۔

وہ فریدی کا ڈرائیور تھا اس لئے اسے کم از کم اتنا سلیقہ تو تھا ہی کہ دونوں کاروں کا ایک ایک ٹائر بیکار کر کے انہیں مزید تعاقب کرنے کے قابل نہ رہنے دیتا۔

اسے یقین تھا کہ اسی سڑک پر کہیں نہ کہیں فریدی سے لازمی طور پر ملاقات ہو گی لہٰذا وہ گاڑی آگے بڑھالے گیا۔ اس سے پہلے بھی وہ اکثر معرکوں میں فریدی کا ساتھی رہ چکا تھا۔

ہنگامہ

اسی رات کی بات ہے۔

کیپٹن حمید ٹیکم گڈھ کے ایک نائٹ کلب میں رنگ رلیاں منا رہا تھا۔ اس کی رنگ رلیاں وہاں بھی جاری رہتی تھیں جہاں قدم قدم پر موت کا سامنا ہوتا تھا۔ لیکن یہ بتانا دشوار تھا کہ وہ ایسے مواقع پر خود کو فریب دینے لگتا تھا یا حقیقتاً وہ اتنا ہی نڈر اور لاپرواتھا۔

ان اسمگلروں کو گرفتار کرنے کے بعد سے اب تک اُس پر دو حملے ہو چکے تھے۔ لیکن حاضر دماغی آڑے آئی تھی ورنہ اس وقت اس کی روح عالم ارواح میں بھیک مانگتی پھر رہی ہوتی۔

اسے ٹیکم گڈھ میں اس وقت تک ٹھہرنا تھا جب تک کہ فریدی اسے واپسی کی ہدایت نہ کرتا۔

ان سمگلروں کو پکڑنے کے لئے اسے خاصی ذہنی جمناسٹک کرنی پڑی تھی۔ اس نے کئی دنوں تک چھپ چھپ کر ان راستوں کی نگرانی کی تھی اور اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اسمگلر بآسانی پکڑے جاسکتے ہیں لیکن شاید سرحد کے محافظ دیدہ دانستہ اس کی طرف سے غفلت برتتے تھے۔ ان گرفتاریوں کے سلسلہ میں غباروں والا معاملہ کافی دلچسپ ثابت ہوا تھا۔ حمید کا خیال تھا کہ فریدی اس کارنامے پر داد دیئے بغیر نہیں رہ سکے گا۔

دراصل ان غباروں ہی کی وجہ سے حمید کو اس راستے کا علم ہو سکا تھا جس سے اسمگلر مال لے جاتے تھے۔ ورنہ ان پہاڑوں میں قافلے تو الگ رہے پوری پوری پلٹنوں کا ڈھونڈ نکالنا آسان کام نہیں تھا۔ تو کیا وہ اسمگلر احمق تھے؟ خود ہی اپنی گردن میں پھانسی کا پھندا ڈالنا چاہتے تھے؟ یہ بات حمید کی سمجھ میں نہ آسکی۔

قصہ یہ تھا کہ ایک دن وہ انہیں اسمگلروں کی تلاش میں ٹیکم گڈھ کے پہاڑوں میں بھٹکتا پھر رہا تھا کہ اچانک اسے فضا میں سبز رنگ کا ایک غبارہ اڑتا ہوا نظر آیا پہلے تو اس نے اُسے نظر انداز کر دیا لیکن پھر سوچا کہ اس ویرانے میں غبارہ کس نے اڑایا۔ اس حصے میں تو شاید ٹورسٹ بھی نہیں آتے تھے۔ کچھ دیر کے لئے وہ الجھن میں پڑ گیا۔ پھر اس نے فیصلہ کیا کہ اس غبارے کے متعلق چھان بین کرنی چاہئے۔

تھوڑی ہی دیر بعد اس نے خچروں کی ٹاپوں کی آوازیں سنیں جو آہستہ آہستہ قریب آتی جارہی تھیں۔ وہ ایک چٹان کے پیچھے چھپ گیا۔

خچروں کا قافلہ اس کے سامنے آچکا تھا اور وہ ایک ایسے آدمی کو دیکھ رہا تھا جس کے ہاتھ میں دوربین تھی اور وہ اس کے ذریعے غالباً اُسی سبز غبارے کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنے برابر چلنے والے سے غالباً اس غبارے کے متعلق کچھ کہا بھی تھا۔

بس اسی جگہ سے حمید کامیابی کی راہ پر لگا تھا۔ وہ کئی دن تک اس راہ کا جائزہ لیتا رہا جس سے قافلہ گذرا کرتا تھا۔ اس نے جو چیز خصوصیت سے مارکی وہ یہی تھی کہ سب سے پہلے فضا میں سبز غبارہ بلند ہوتا ہے اور پھر اس کے بعد ہی ایک قافلہ کسی طرف سے نمودار ہوتا ہے۔ جس دن سبز غبارہ نہ دکھائی دیتا اس دن وہ راہ صبح سے شام تک ویران ہی پڑی رہتی۔

حمید نے اس پر کافی غور کرنے کے بعد تہیہ کیا کہ وہ سرخ غبارہ اڑا کر انہیں آزمائے گا۔ لہٰذا اس نے یہی کیا۔ اسمگلر سرخ غبارے کو خطرے کا نشان سمجھ کر بھاگ نکلے اور انہیں وہ سرخ غبارہ دیکھ کر حیرت بھی ہوئی کیونکہ شاید ان کے لئے یہ پہلا اتفاق تھا۔ اس سے پہلے کبھی انہیں سرخ غبارہ نہیں دکھائی دیا تھا۔

بہر حال ان کی گرفتاری کے بعد حمید نے لاکھوں روپے کا ایسا سامان برآمد کیا جو غیر قانونی طور پر ملک کے باہر لے جایا جا رہا تھا۔ لیکن یہ اور بات ہے کہ اسی رات اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ اس کے بعد ہی اسمگلروں پر سختی کی جانے لگی کہ وہ اس شخص کا نام ظاہر کر دیں جو اس اسمگلنگ کی پشت پر تھا۔ لیکن انہوں نے کچھ بتانے سے انکار کر دیا خود حمید بھی ان کی زبانیں نہ کھلوا سکا۔ پھر اس طریقے کو فضول سمجھ کر اس نے دوسری راہ اختیار کی۔ رمیش اور چند دوسرے سادہ لباس والوں کو اپنی حفاظت پر مامور کر کے کھلے عام نکلنے بیٹھنے لگا لیکن جب سے اس نے یہ رویہ اختیار کیا تھا تیسرے حملے کی نوبت نہیں آئی تھی۔

اس وقت بھی وہ ٹیکم گڈھ کے ایک بار و نق نائٹ کلب میں بیٹھا رقص کرتے ہوئے جوڑوں کو گھور رہا تھا اور اس راؤنڈ کے خاتمے پر اس کا ارادہ تھا کہ کسی خوبصورت سی لڑکی سے ہم رقص بننے کی درخواست کرے گا۔ لیکن وہ کچھ تھوڑا سا بور بھی ہو رہا تھا۔ کیونکہ قاسم نے یہاں بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ اتفاق سے اس وقت قاسم بھی فریدی کی کوٹھی میں موجود تھا۔ جب حمید ٹیکم گڈھ کے لئے روانہ ہونے والا تھا۔ لہٰذا جس دن حمید ٹیکم گڈھ پہنچا اس کے تیسرے ہی دن قاسم بھی وہاں موجود تھا۔ یہ تو اسے پہلے ہی سے معلوم تھا کہ حمید کا قیام کس ہوٹل میں ہوگا۔

اس وقت وہ بھی اسی کلب میں موجود تھا لیکن ڈائننگ ہال میں اس کا خیال تھا کہ پہاڑوں پر بھوک اور زیادہ کھل جاتی ہے۔ لہٰذا اس کی کھوپڑی کھل گئی تھی اور بھوک کھلنے کا مطلب کم از کم اس کے لئے تو یہی ہو سکتا تھا کہ وہ ایک میز دبائے۔ گھنٹوں بیٹھا رہے۔ ریکریئیشن ہال میں کئی تگڑی تگڑی سی لڑکیاں موجود تھیں لیکن بھوک کھل جانے پر اسے کسی تگڑے سے بکرے کی ران کے علاوہ دنیا کی کسی دوسری چیز سے دلچسپی نہیں رہ جاتی تھی۔

مگر حمید تو بور ہی ہو رہا تھا۔ پتہ نہیں وہ کب محسوس کر بیٹھے کہ اس کا پیٹ بھر چکا ہے اور پھر لڑکھڑاتا ہوا رقص گاہ میں پہنچ جائے، بہت زیادہ کھا جانے کے بعد عموماً اس کی حالت شرابیوں کی

سی ہو جایا کرتی تھی اور شاید وہ کھوپڑی کی بجائے معدے سے سوچنے لگتا تھا۔

حمید نہیں چاہتا تھا کہ قاسم کے معدے کا بار اس کے ذہن پر پڑے۔ لہٰذا اس کی بوریت برحق تھی مگر وہ کرتا بھی کیا۔ یہ ٹیکم گڈھ کا سب سے زیادہ بارونق نائٹ کلب تھا اور یہاں عموماً اونچے ہی قسم کے لوگ ہوتے تھے۔ ظاہر ہے ان کے ساتھ اتنی ہی اونچی عورتیں بھی آتی ہوں گی۔

انگریزی کی کہاوت ہے کہ شیطان کا خیال آتے ہی شیطان سر پر مسلط ہو جاتا ہے۔ قاسم کے سلسلے میں بھی یہی ہوا۔ اس کے متعلق سوچا ہی تھا کہ وہ اپنے پہاڑ سے وجود سمیت وہاں موجود تھا۔

"ہائیں.... تم اکیلے بیٹھے ہو پیارے۔" اس نے حمید کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"یہ کیا بیہودگی ہے، تمیز سے بیٹھو۔" حمید اس کا ہاتھ جھٹکتا ہوا بولا۔

قاسم جھینپ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ نہ جانے کیوں اسے خیال پیدا ہوا کہ کہیں حمید کی جھڑکی کسی نے سن نہ لی ہو۔ ورنہ اُسے اس کی پرواہ نہیں ہوتی تھی کہ کون اس سے کس لہجے میں گفتگو کر رہا ہے۔

پھر حمید نے اس سے بیٹھنے کو بھی نہ کہا۔

"پیارے آخر ناراض کیوں ہو۔" قاسم خلاف توقع گھگھیایا۔

"او بابا.... کیوں موت آئی ہے۔" حمید چڑھ کر بولا۔ "کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کچھ لوگ مجھے قتل کر دینے کے چکر میں ہیں، اگر کوئی گولی تمہاری طرف بھول پڑی تو تمہاری کنواری خانم ہمیشہ کے لئے خوش حال ہو جائیں گی۔"

"میں اُسے کبھی خوش حال نہیں ہونے دوں گا۔" قاسم غرایا۔

"لہٰذا چلتے پھرتے نظر آؤ۔"

"یعنی میں تم کو یہاں خطرے میں چھوڑ کر چلا جاؤں۔ نہیں حمید بھائی ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ میں ان سالوں کا خون پی جاؤں گا کوئی نظر بھی تو آئے۔"

"نہیں تمہاری موت مجھے بہت گراں گذرے گی۔"

"گزرنے دو سالی کو میں موت ووت کی پرواہ نہیں کرتا۔"

"اچھا تو مرو۔" حمید نے جھلا کر میز پر دو ہتھڑ چلایا اور قاسم "ہی ہی ہی" کرتا ہوا بیٹھ گیا۔

دفعتاً مائیکروفون کی موسیقی ایسے معلوم ہونے لگی جیسے بہت سے کتے کے پلے چیخ رہے

ہوں۔ رقص تھم گیا اور لوگ اس طرح کھڑے ہو گئے جیسے بہت بڑی مصیبت آنے لگی ہو۔

یہ شور بدستور جاری رہا۔ حالانکہ سازندوں نے بھی اپنے ہاتھ روک لئے تھے۔ آہستہ آہستہ وہ شور کم ہوتا گیا اور کسی نے انگریزی میں کہا، میں ڈاکٹر ہرمین آج پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی تفریحات میں مخل ہوتا ہوں اور میری وجہ سے سارے ملک کی براڈ کاسٹنگ میں رخنہ پڑتا ہے۔ مگر پھر بتایئے میں آپ تک اپنے خیالات کیسے پہنچاؤں میں امن کا پجاری ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ سائنس کی ترقی انسانیت کی فلاح کے لئے کام آئے۔ میں چاہتا ہوں کہ دنیا کے بہترین دماغ تخریب کی راہوں سے ہٹ جائیں۔ ایک بار پھر سنئے کہ میں کون ہوں۔ آپ کا خادم ڈاکٹر ہرمین جرمنی کے اُن گنے چنے سائنسدانوں میں سے ہوں جن پر نازی فوج کی ہار جیت کا دارومدار تھا لیکن آپ یقین کیجئے کہ پچھلی جنگ عظیم کی تباہ کاریوں نے مجھے گہرا صدمہ پہنچایا تھا۔ آج بھی اسے یاد کرتا ہوں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے، پھر جرمنی کی شکست کے بعد جب فاتحین نے جرمنی کی دولت اور زمین کے ساتھ ہی ساتھ آدمی بھی بانٹنے شروع کئے تو میں کسی نہ کسی طرح بچ کر نکل آیا۔ اب میں مشرق کی پر سکون اور امن پرور فضا میں سانس لے رہا ہوں۔ اگر میں یہاں باقاعدہ طور پر کھلم کھلا کچھ کام کرنا چاہتا تو حکومت مجھے کبھی اس کی اجازت نہ دیتی۔ اجازت دینا تو الگ رہا آپ کی حکومت مجھے قیدی بنا کر ان دو بڑی قوتوں میں سے کسی ایک کے سپرد کر دیتی جنہوں نے جرمنی کو بانٹ لیا ہے۔ بہر حال میں نے تہیہ کیا ہے کہ اب بنی نوع انسانی کے لئے کام کروں گا، میری ایک پیش کش کل ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائے گی۔ یعنی ٹیکم گڈھ میں.... آپ اس سے خوف نہ کھائیں۔ وہ آپ کا خادم ہو گا لیکن خدارا اسے پکڑنے کی کوشش نہ کیجئے گا ورنہ نتیجے کے آپ خود ذمہ دار ہوں گے۔ بس آپ اس کی خدمات سے فائدہ اٹھایئے۔

پھر سناٹا چھا گیا۔ سازندوں نے ساز چھیڑ دیئے۔ مائیک کام کرنے لگا تھا۔

یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ ادھر تین ماہ سے اکثر ایسے واقعات رونما ہو رہے تھے۔ سارے ملک میں کسی ڈاکٹر ہرمین کی آواز سنائی دیتی، خیر ریڈیو کا معاملہ تو کسی حد تک معمولی ہی تھا۔ لیکن اس چیز نے خاص طور پر ٹیکنیشنز اور ملکی سائنسدانوں کو حیرت میں ڈال دیا تھا کہ اس کی آواز مائیکرو فون پر بھی سنائی دیتی تھی۔ مثلاً آپ مائیکروفون پر کسی لیڈر کی تقریر یا کوئی اچھا سا ریکارڈ سن رہے

ہیں کہ یکایک تقریر یا گیت کتوں اور بلیوں کی آواز میں تبدیل ہو جائیں گے اور پھر تھوڑی دیر بعد آپ ڈاکٹر ہرمین کی آواز سنیں گے۔

ڈاکٹر ہرمین۔ یہ نام تقریباً ہر ایک کے ذہن سے چپک کر رہ گیا تھا اور پولیس اس پُراسرار آدمی کی تلاش میں تھی۔ محکمہ سراغ رسانی کے بہترین دماغ، دن رات اسی فکر میں رہتے تھے کہ کسی طرح ڈاکٹر ہرمین کا ٹھکانہ معلوم ہو جائے خود کرنل فریدی بھی کافی عرصہ اس کے لئے سرگرداں رہ چکا تھا مگر اب اس نے اس کے سلسلے میں دوڑ دھوپ ترک کر دی تھی اور کسی ایسے موقع کا منتظر تھا جب ڈاکٹر ہرمین سے کوئی لغزش ہو جائے۔

اس وقت یہاں اس نائٹ کلب میں بیٹھے بیٹھے حمید نے سوچا کہ اس وقت حقیقتاً ہرمین سے ایک لغزش ہو گئی ہے۔ آخر اس نے اپنی کسی پیش کش کے سلسلہ میں خصوصیت سے ٹیکم گڈھ ہی کا نام کیوں لیا تھا۔

ٹیکم گڈھ کی پہاڑیاں.... حمید نے سوچا اس قسم کے کاموں کے لئے بہت موزوں ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ یہیں کہیں ہو؟ مگر اس کی وہ پیش کش کیا ہو گی؟

"یہ سالا ہرمین...." قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بڑبڑایا۔ "کوئی جادوگر معلوم ہوتا ہے قیوں حمید بھائی۔"

پتہ نہیں! حمید نے لاپروائی کے اظہار کے لئے شانوں کو جنبش دی۔

"اماں.... وہ تمہیں یاد ہے.... وہ جو بندروں کو بن مانس بنا دیتا تھا۔ وہ بھی تو سائیٹفک تھا۔"

"سائنٹسٹ....!" حمید نے غرا کر تصحیح کی۔

"اماں تم کیوں پکڑتے ہو میری زبان، جو میرا دل چاہے گا کہوں گا۔ ہاں نہیں تو۔"

رقص پھر شروع ہو گیا تھا۔ حمید کو اس بار بھی موقع نہ مل سکا کہ وہ کسی سے رقص کی درخواست کرتا۔

"آج تو کھیاں مار رہے ہو۔" قاسم نے کچھ دیر بعد ہنس کر کہا۔

"تمہاری نحوست ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "تمہاری شکل دیکھی اور لڑکیوں کے لئے چغد ہو کر رہ گیا۔"

"تم خود.... چکد.... چغد....!"

"ابے میں اپنے ہی کو تو کہہ رہا تھا۔"

"نہیں تم نے مجھے کہا تھا۔"

"اچھا تمہیں ہی کہا تھا جو کچھ کرنا ہو کرلو۔" حمید نے کہا اور وہاں سے اٹھ گیا۔ پھر وہ سیدھا رقاصوں کی بھیڑ میں آیا اور اکیلے ہی ناچنے لگا۔ مگر پوز وہی تھا جیسے کوئی لڑکی اس کے بازوؤں میں ہو۔ بہت سے قہقہے فضا میں لہرائے لیکن حمید کی سنجیدگی میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔

قاسم پیٹ پکڑے ہوئے قہقہے لگا رہا تھا۔ پھر جتنے جوڑے بھی رقص کرتے ہوئے حمید کے پاس سے گزرتے اس کی بیچارگی پر افسوس ضرور ظاہر کرتے لیکن جیسے اس سے دور ہوتے اس طرح ہنس پڑتے جیسے ڈھکے چھپے الفاظ میں اُسے کوئی گندی سی گالی دے گئے ہوں۔

دفعتاً ایک لڑکی نے حمید کا راستہ روک لیا۔ یہ تنہا تھی اور شاید گیلری سے اٹھ کر آئی تھی۔

"مجھے افسوس ہے.... میں آپ کے لئے مغموم ہوں۔" اس نے کہا۔

حمید رک گیا اور آہستہ سے بولا۔ "میرا مذاق مت اڑائیے۔ یہ میرا آخری رقص ہے اس کے بعد میں خودکشی کرلوں گا۔"

"نہیں....!" وہ زبردستی حمید کو دوبارہ رقص کرنے والوں کی بھیڑ میں کھینچ لے گئی۔

یہ ایک متوسط قد اور متناسب الاعضاء لڑکی تھی۔ رنگت چمپئی تھی اور اس کی آنکھیں بڑی اور پرکشش تھیں۔

"آپ تو بہت اچھا ناچتی ہیں۔" حمید بڑبڑایا۔

"پتہ نہیں۔" وہ مسکرائی۔ "آپ کے اس طرح اکیلے ناچنے میں کتنی جھلاہٹ تھی۔"

"تو کیا مجھے جھلانا نہیں چاہئے تھا۔"

"قطعی جھلانا چاہئے تھا۔" لڑکی نے سنجیدگی سے کہا۔ "شائد کئی لڑکیوں نے آپ کی درخواست رد کردی تھی۔"

"میں کبھی کسی سے درخواست نہیں کرتا۔"

"بہت مغرور ہیں.... کیوں؟" وہ حمید کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی اور حمید کے قدم لڑکھڑانے لگے۔ اس کی آنکھیں حقیقتاً بہت ہی سحر انگیز تھیں اور ان میں صحیح معنوں میں زندگی کی چمک پائی جاتی تھی۔ حمید نے ایسی آنکھیں بہت کم دیکھی تھیں۔

قاسم جو ابھی تک حیرت سے دیکھ رہا تھا یک بیک اپنی کھوپڑی سے باہر ہو گیا۔ اس نے سوچا

اگر وہ خود بھی اسی طرح تنہا ناچنا شروع کردے تو کوئی تگڑی سی لڑکی یقیناً اس پر رحم کھائے گی۔ وہ جھومتا ہوا اٹھا.... اور اسے ناچنا تو آتا نہیں تھا۔ بس وہ کسی شرابی کی طرح رقص گاہ کے فرش پر لڑکھڑانے لگا۔

دفعتاً ایک سریلی سی چیخ نے اس کے کانوں کے پردے پھاڑ دیئے۔ ایک لڑکی کے پاؤں پر اس کا پاؤں پڑ گیا تھا۔

لڑکی کا پارٹنر اس سے بھڑ گیا اور لوگ بھی دوڑے لیکن قاسم جو بہت اچھے موڈ میں تھا دونوں ہاتھ اٹھا کر چیخا۔ "براہِ کرم آپ لوگ دور ہی رہئے ان سے، مجھے اچھی طرح نپٹنے دیجئے میں نے ان کی معشوقہ کو تکلیف پہنچائی ہے۔"

لوگوں نے متحیرانہ انداز میں اس دیو زاد کے الفاظ سنے مگر وہ آدمی برابر اس پر گھونسے برسائے جا رہا تھا۔ آرکسٹرا خاموش ہو گیا اور وہاں خاصی بھیڑ ہو گئی۔ قاسم آدمیوں کے اس سمندر میں سب سے اونچا نظر آ رہا تھا۔

❁

ڈرائیور کا اندازہ غلط نہیں نکلا۔ شاید دو فرلانگ چلنے کے بعد ہی فریدی بیچ سڑک پر کھڑا نظر آیا۔ کار کی ہیڈ لائیٹس کی روشنی اس پر پڑی اور ڈرائیور کو ایسا معلوم ہوا جیسے وہ دوسری دنیا کا کوئی آدمی ہو۔ اس نے کار اس کے قریب روک دی۔

فریدی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھتا ہوا بولا۔ "ٹھیک ہے چلو۔"

وہ فریدی ہی کا ڈرائیور تھا اس لئے اسے اس کے رویہ پر ذرہ برابر بھی حیرت نہ ہوئی۔ وہ اس طرح خاموشی سے آ بیٹھا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ نہ چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے اور نہ لباس میں بے ترتیبی تھی۔ فلٹ ہیٹ بھی پہلے ہی کی طرح سر پر موجود تھی۔

ڈرائیور میں اتنی ہمت کہاں کہ وہ اُس سے کچھ پوچھ سکتا۔ کار فراٹے بھرتی رہی۔ فریدی سوچ رہا تھا شائد انہیں علم ہو گیا ہے کہ اب وہ خود بھی ٹیکم گڈھ جا رہا ہے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ ایئرپورٹ پر بھی ٹکراؤ ہو جائے۔ وہ ان کے لئے اپنے ہاتھوں کے ساتھ ہی ساتھ قانون بھی استعمال کر سکتا تھا۔ مگر وقت کہاں تھا۔ وہ تو اس وقت ٹیکم گڈھ جانا چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے معاملے کو طول نہیں دیا تھا۔

ایئرپورٹ کے پھاٹک پر کار رکی۔ یہ جگہ کافی روشن تھی اور یہاں کسی قسم کے حملے کا امکان نہیں تھا۔ فریدی کار سے اترا۔ ایک سادہ لباس والے نے آگے بڑھ کر اُسے سلام کیا۔

"کیوں....؟" فریدی رک گیا۔

"درجن.... یہاں ویٹنگ روم میں موجود ہے جناب۔"

"بہت خوب۔" فریدی کی آنکھیں چمکنے لگیں اور اس نے کہا۔ "میں باہر جارہا ہوں لیکن تم اس پر ہمیشہ نظر رکھنا۔"

"بہت بہتر جناب۔"

"میری عدم موجودگی میں اس کے متعلق ساری اطلاعات امر سنگھ کو دینا۔"

"بہتر جناب۔"

فریدی نے ڈرائیور کو اشارہ کیا کہ وہ کار واپس لے جائے اور خود اندر چلا گیا۔

یہاں امر سنگھ سیٹ کے ریزرویشن کی رسید لئے اس کا منتظر تھا۔ امر سنگھ ابھی حال ہی میں اس کی ماتحتی میں آیا تھا۔ یہ ایک نوجوان ذہین اور منچلا آدمی تھا۔

"امر یہاں ویٹنگ روم میں درجن موجود ہے۔ میں نے نمبر تین کو اس کے متعلق ہدایات دی ہیں۔ اس کی رپورٹ تم دیکھو گے۔"

"بہت بہتر جناب۔"

"اچھا اب تم جاؤ۔"

"لیکن یہاں درجن کی موجودگی.... جناب! میرا خیال ہے کہ اس سے پہلے بھی وہ ایک بار آپ سے بدتمیزی سے پیش آچکا ہے۔"

"اوہ....!" فریدی مسکرایا۔ "تم اس کی فکر نہ کرو۔"

"میرا دل تو چاہتا ہے کہ کسی دن اسے شارع عام پر بے عزت کروں۔"

"نہیں.... ہمیں صبر سے کام لینا چاہئے۔ ہمارا فن ٹھنڈا دماغ مانگتا ہے۔"

امر کچھ نہ بولا۔ فریدی ویٹنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔ یہاں اس وقت صرف تین آدمی تھے۔ فریدی نے اُن پر اچٹتی سی نظر ڈالی لیکن یہاں درجن نہیں تھا۔ پھر وہ دوسرے کمرے کی طرف بڑھ گیا، وہاں بھی درجن نظر نہ آیا، آخر پھر ریستوران میں اُس سے مڈبھیڑ ہو گئی۔

یہ ایک قوی ہیکل اور بدصورت آدمی تھا۔ چہرے سے سخت گیر طبیعت کا اندازہ کرنا دشوار نہیں تھا۔ اس کے ہاتھ بڑے اور بھدے تھے۔ ہاتھوں کی بناوٹ سے پتہ چلتا تھا۔ وزنی چیزیں اٹھانے کے عادی ہیں۔ اگر اس کے جسم پر نفیس قسم کا بیش قیمت سوٹ نہ ہوتا تو عام طور پر یہی سوچا جاسکتا تھا کہ وہ کوئی لوہار ہوگا۔

فریدی کو دیکھ کر وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ ویسے اس کی آنکھیں نفرت ہی کا اظہار کر رہی تھیں۔ فریدی کی مسکراہٹ بھی کسی مغرور آدمی کو غصہ دلانے کے لئے کم نہیں تھی۔

"اگر کہئے تو اس اتفاقیہ ملاقات کو کسی جشن کا رنگ دے دیا جائے۔" اس نے فریدی کو مخاطب کیا۔

"نہیں جشن تو اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک کہ میں نہ چاہوں۔ لیکن کسی دن ہوگا ضرور۔"

"کیا آپ کہیں جارہے ہیں۔"

"ہاں آں.... فی الحال ٹیکم گڈھ تک۔"

"کرنل صاحب! میں ایک بار پھر آپ کو سمجھاتا ہوں کہ اس معاملے میں آپ نہ پڑیئے۔"

"کس معاملے میں۔" فریدی نے حیرت سے کہا۔ "میں نہیں سمجھا۔ تمہارا اشارہ کس طرف ہے۔"

"مجھے بے حد افسوس ہوگا اگر آپ کو کوئی نقصان پہنچا۔"

"اوہو.... میں سمجھا.... تو اس وقت تم یہاں افسوس کرنے کیلئے آئے تھے۔ مگر درجن مجھے افسوس ہے کہ تمہیں افسوس کرنے کا موقعہ نہ مل سکا۔ وہ زیادہ سے زیادہ آٹھ یا دس آدمی رہے ہوں گے، کسی دن ایک پوری بٹالین لے کر آنا ممکن ہے تمہیں افسوس کرنے کا موقع مل ہی جائے۔"

"میں نہیں سمجھا آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"واپسی پر سمجھاؤں گا۔ آج ہی سمجھا دیتا مگر وقت کم ہے۔"

"آپ کی مرضی!" درجن نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

فریدی واپسی کیلئے مڑا ہی تھا کہ وہ پھر بولا۔ "سنئے تو سہی۔ کیا یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے۔"

"قطعی اور آخری۔" فریدی مڑ کر بولا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ اُس آدمی کی شخصیت سے بھی واقف ہیں۔"

"قطعی واقف ہوں اور اسی لئے یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔"

"تب تو آپ دیدہ دانستہ کنوئیں میں چھلانگ لگا رہے ہیں۔" درجن نے کچھ سوچتے ہوئے

کہا۔ ”آپ کا پورا محکمہ بے بس ہو جائے گا۔“

”میں بھی جانتا ہوں اور اسی لئے مجھے اس قسم کا فیصلہ کرنا پڑا ہے۔“

”جب آپ کا محکمہ ہی بے بس ہو جائے گا تو آپ کیا کریں گے۔“

”جب میں قانون کو بے بس دیکھتا ہوں تو پھر مجبوراً مجھے ہی قوانین وضع کرنے پڑتے ہیں اور میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ قوانین کی برتری کس طرح منوائی جاتی ہے۔“ فریدی نے کہا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔

بلی چیختی ہے

جب قاسم پر مکے برسانے والا تھک گیا اور اس کے ہاتھ سست پڑنے لگے تو قاسم نے ہنس کر کہا۔ ”اچھا پیارے اب ایک ہاتھ میرا بھی سنبھالو۔“

اس نے اس کے سر پر ایک دو ہتھڑ رسید کیا اور وہ کسی مردہ چھپکلی کی طرح پٹ سے فرش پر گر گیا۔ لوگوں نے ہنسنا شروع کر دیا۔ اس کی ہم رقص بُری طرح چیخ رہی تھی۔ قاسم کو پتہ نہیں کن کن زبانوں میں گالیاں سننی پڑ رہی تھیں۔ قاسم بھی اب بوکھلا گیا کیونکہ وہ اس کا کوٹ پکڑ کر جھٹکے دے رہی تھی۔

”امب.... امب.... سس سنئے تو سہی.... اچھا.... اچھا.... میں.... دیکھئے“ قاسم نے جھک کر بے ہوش آدمی کو گود میں اٹھالیا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے کسی ننھے سے بچے کو گود میں اٹھالیا ہو۔

حمید اور اس کی ہم رقص بھی اُسی بھیڑ میں موجود تھے لیکن حمید یہ سب کچھ خاموشی سے دیکھ رہا تھا وہ اب بھی کچھ نہ بولا۔

”قق.... قہاں.... لے چلوں۔“ قاسم نے بے ہوش آدمی کی ہم رقص سے پوچھا۔

”پولیس سٹیشن....!“ وہ دہاڑی۔ ”یہاں اتنے لوگ موجود ہیں لیکن کسی میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ اس بدمعاش سے سمجھ سکے۔ میں ابھی پولیس کو فون کرتی ہوں۔“

”اپنی ایسی کی تیسی میں جائے سالا۔“ قاسم نے جھنجھلا کر اُسے پھر فرش پر ڈال دیا اور بولا۔

”میں نے تو ایک ہی مارا تھا۔“

لوگ پھر ہنس پڑے۔ حالات ہی کچھ ایسے مضحکہ خیز تھے کہ کسی کو بھی بے ہوش آدمی سے ہمدردی نہیں تھی۔

اس کی ہم رقص پھر چیخنے لگی اور حمید آگے بڑھ کر بولا۔ ”آپ نے ان صاحب کو پینے سے کیوں نہیں روکا تھا۔“

”یہ نشے میں نہیں تھا۔“

”تھا کیوں نہیں اور اس وقت آپ کہاں تھیں جب یہ میرے قطب مینار پر گھونسے برسا رہا تھا۔“

”اے جبان سنبھال کے.... تم خود قطب مینار۔“ قاسم سنک گیا۔

”دیکھا آپ نے.... کتنا سادہ لوح اور سیدھا آدمی ہے۔“ حمید نے مجمع کی طرف دیکھ کر کہا۔

”سادہ لوح کسے کہتے ہیں۔“ قاسم نے غصیلی آواز میں پوچھا۔

”ختم کرو۔“ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”تم آخر شرابیوں کے منہ لگتے ہی کیوں ہو۔ آؤ... ادھر آؤ۔“

”پولیس.... پولیس....!“ بیہوش آدمی کی ہم رقص چیخی۔

”کیا تم اسے جانتے ہو۔“ حمید کی ہم رقص نے قاسم کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

”ہاں.... یہ میرے سوتیلے دوست کا لڑکا ہے۔“ حمید نے کہا اور قاسم کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف کھینچتا لیتا چلا۔ بیہوش آدمی کی ہم رقص چنگھاڑتی ہی رہ گئی۔

حمید اسے اپنی میز پر لایا اور وہ بیٹھ گئے۔ حمید کی ہم رقص قاسم کو آنکھیں پھاڑ کر دیکھ رہی تھی۔

”کیا قصہ تھا....!“ حمید نے پوچھا۔

”کچھ نہیں.... میں نے سوچا جیسے اللہ نے تم پر کرم کیا ہے شائد مجھ پر بھی کر دے۔“

”کیا مطلب....!“

”میں بھی اکیلے ہی ناچنے جا رہا تھا۔“

حمید کی ہم رقص ہنس پڑی۔ قاسم کہتا رہا۔ ”اس کی معشوقہ کے پیر پر میرا پیر پڑ گیا تھا۔ بس سالا بدک گیا۔ میں نے بھی کہا اچھا بیٹا مار۔ اب تو پھر کیا میں ایک ہاتھ میں نہ مارتا.... واہ بھئی۔“

دوسری طرف کچھ ویٹر بیہوش آدمی کو اٹھا رہے تھے اور اس کی ہم رقص شائد پولیس کو فون کرنے چلی گئی تھی۔

"نہیں! ایک کیا تم دس مارتے مگر اب.... اس نے پولیس کو سچ مچ فون کر دیا تو۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"تو قیا ہو گا۔" قاسم سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "میں پولیس کے باپ کا چھوٹا بھائی ہوں۔ قیوں حمید بھائی.... ہی ہی ہی۔"

وہ حمید کی ہم رقص کو کنکھیوں سے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

"اچھا اب بہتر یہی ہے کہ یہاں سے چپ چاپ کھسک جاؤ۔"

"یہ کا سے ہو سکتا ہے۔" قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ "میں تمہیں یہاں تنہا چھوڑ کر چلا جاؤں.... اس مصیبت میں۔"

"کیوں! مجھ سے اس مصیبت کا کیا سروکار۔"

"ارے واہ.... جب وہ مجھے مکے مار رہا تھا تو اس کے چھرا کس نے مارا تھا؟"

"بکواس مت کرو۔"

"اچھی بات ہے۔" قاسم گلوگیر آواز میں بولا۔ "تو اب تم مجھے پھنساؤ گے.... خیر.... چھرا تو تم نے ہی مارا تھا۔"

"چھرا....!" حمید کی ہم رقص نے حیرت سے دہرایا۔

"جی ہاں۔" قاسم شرارت پر آمادہ ہو گیا۔ "بڑے بھائی کا ہاتھ بڑا سچا ہے۔ بھیڑ بھاڑ میں بھی چھرا مار دیں تو کوئی پتہ نہیں پا سکتا کہ کس نے ہاتھ صاف کیا ہے۔"

"کیوں بکواس کر رہے ہو۔"

"معاف کیجئے!" حمید کی ہم رقص اٹھتی ہوئی بولی۔ "میں خواہ مخواہ آپ کی گفتگو میں مخل ہو رہی ہوں۔"

"ارے آپ بیٹھئے.... یہ یونہی.... بب.... بکو.... ا.... س.... چلی گئی.... کیوں ابے لم ڈھینگ تو نے یہ کیا کیا۔"

حمید قاسم پر الٹ پڑا۔ لڑکی جا چکی تھی۔

قاسم پیٹ دبائے بے تحاشہ ہنس رہا تھا۔

"میں تمہیں رولا دوں گا۔" حمید دانت پیس کر بولا۔

"ابھی.... ابھی.... ہی ہی.... تو خود ہی ہی ہی.... رو رہے ہو پیارے.... ہاہاہا۔"

"خاموش رہو، ورنہ بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔"

قاسم ہنستے ہنستے بیدم ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد کمزور آواز میں بولا۔ "میں تمہارا اسی طرح کباڑا کرتا رہوں گا۔ ورنہ میرے لئے بھی ایک ڈھونڈ لیا کرو۔ قیا سمجھے۔"

"تمہارا زندہ رہنا محال ہو جائے گا۔"

"ہو جائے.... واہ کتنا لطف آیا ہے اس وقت۔"

"لطف کے بچے.... میں دیکھ لوں گا تمہیں۔"

"دیکھ لینا۔" قاسم پھر ہنس پڑا۔ حمید کا بگڑا ہوا چہرہ دیکھ کر وہ اُسے اور زیادہ غصہ دلا رہا تھا۔

حمید خاموش ہی رہا اس کی نظریں اب بھی اسی لڑکی کو تلاش کر رہی تھیں وہ اُسے بہت پسند آئی تھی۔ دفعتاً سات یا آٹھ آدمی نظر آئے جو غصے میں بھرے ہوئے اُس میز کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"بیٹے قاسم سنبھلو۔" حمید نے قاسم کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"قیا....!" قاسم چونک پڑا اور اس کی نظر بھی ان لوگوں کی طرف اٹھ گئی۔ وہ جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

ان لوگوں میں سے کسی نے چیخ کر کہا۔ "یہی تھے۔"

اور پھر یک بیک وہ سب ان دونوں پر آ پڑے۔

ادھر حمید کے ماتحت جو سادہ لباس میں اس کی حفاظت کرتے تھے وہ بھی دوڑ پڑے۔ وہ بھی تعداد میں آٹھ ہی تھے۔ ان کی وجہ سے حمید کو حملہ آوروں کے نرغے سے نکل جانے میں بڑی مدد ملی اور اُس نے ایک سادہ لباس والے کو اپنی طرف کھینچ کر آہستہ سے کہا۔

"کسی طرح اس بے ہوش آدمی کو یہاں سے ہٹا لے جاؤ۔ یہ لوگ اسی کے بہانے ہم پر آئے ہیں۔"

اس کے بعد حمید دور کھڑا صرف تماشا دیکھتا رہا۔ قاسم نے تین کو لٹا دیا تھا اور اب وہ لوگ اُس سے دور ہی دور رہنے کی کوشش کر رہے تھے۔

اس جنگ و جدل کی وجہ سے ریکریئیشن ہال میں ابتری پھیل گئی۔ کچھ لوگ حمید کے گرد کھڑے ہوئے تھے اُن میں منیجر بھی تھا۔

"کیوں جناب! یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" اُس نے غصیلی آواز میں کہا اور کسی کو چیخ کر مخاطب

کیا۔ "پولیس کو فون کرو۔"

"میں کیا جانوں کیا ہو رہا ہے۔ میں تو ازراہ ہمدردی اُس موٹے کو اپنی میز پر لے گیا تھا۔ اگر میرا بھی اس سے کوئی تعلق ہوتا تو آپ مجھے بھی وہیں دیکھتے۔"

اس نے یہ جملہ بلند آواز میں کہا تھا تاکہ قرب و جوار کے لوگ سن لیں اور پھر اُسے بور نہ کریں۔ کسی پبلک مقام پر اس قسم کے ہنگامے وبال جان ہی ہو جاتے ہیں۔ ویسے حمید کا خیال تھا کہ یہ ہنگامہ اس آدمی کی وجہ سے نہیں ہوا جو قاسم کا ہاتھ پڑتے ہی بیہوش ہو گیا تھا بلکہ پچھلے دنوں کے حملہ آوروں نے اس وقت موقعہ سے فائدہ اٹھایا تھا اور اس فکر میں تھے کہ اس کا کام تمام کر کے نکل جائیں۔

قاسم بڑے جوش و خروش کے ساتھ ہاتھ گھما رہا تھا لیکن اب اتفاق ہی سے وہ کسی کو نشانہ بنانے میں کامیاب ہوتا تھا کیونکہ وہ لوگ اُس کے سلسلے میں کافی محتاط ہو گئے تھے۔

البتہ حمید کے آدمیوں کو اکثر ایک آدھ ردے کا لطف آجاتا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح قاسم بھی اس بھیڑ سے الگ ہو جائے تاکہ وہ لوگ حملہ آوروں کو قابو کر سکیں لیکن قاسم انہیں بھی دشمن ہی سمجھ کر اپنے کرتب دکھا رہا تھا۔ اُسے علم نہیں تھا کہ حمید کے آدمی یہاں بھی موجود ہیں۔

کچھ دیر تک اسی قسم کی چھوٹ چلتی رہی پھر کچھ مسلح کانسٹیبل اندر گھس آئے اور انہوں نے لڑنے والوں کے گرد گھیرا ڈال دیا۔

حمید کے ساتھیوں نے ہاتھ روک لئے اور حمید آگے بڑھ آیا۔

"ہتھکڑیاں۔" حمید نے سب انسپکٹر کو مخاطب کیا۔ "سات ہتھکڑیاں۔"

"آپ کون ہیں۔" سب انسپکٹر غرایا۔

حمید نے اپنا شناخت نامہ نکال کر اُسے دکھایا۔ لیکن دفعتاً اسی وقت پورا ہال تاریک ہو گیا۔ مختلف قسم کی آوازیں اندھیرے میں گونجنے لگیں۔ ان میں چیخیں بھی تھیں گالیاں بھی تھیں اور فائر کر دینے کی دھمکیاں بھی۔ پھر ٹارچ کی روشنیاں اندھیرے میں آڑھی ترچھی لکیریں بنانے لگیں۔ پولیس والوں کا گھیرا ٹوٹ چکا تھا۔ حمید نے سوچا کہ اب حملہ آوروں میں سے کسی کا ہاتھ آنا مشکل ہی ہے۔ تقریباً پانچ منٹ بعد ہال پھر روشن ہو گیا اور پولیس والوں نے اب قاسم اور حمید کے ساتھیوں کو گھیر لیا۔ جواب بھی وہیں موجود تھے۔ حمید نے سب انسپکٹر کو بتایا کہ وہ اس کے

آدمی ہیں۔ قاسم کے گرد بھی اچھی خاصی بھیڑ لگ گئی تھی۔ سب انسپکٹر نے اس سلسلہ میں کچھ کہنا چاہا۔

"بیکار ہے۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "آپ سے بنیادی غلطی سرزد ہوئی ہے آپ کو فون پر بلوے ہی کی اطلاع ملی ہو گی۔ لیکن آپ نے احتیاط نہیں برتی۔"

"آئندہ جب کبھی کسی ہوٹل یا نائٹ کلب میں بلوے کی اطلاع ملے تو موقعہ واردات پر پہنچنے سے پہلے کم از کم ایک آدمی مین سوئچ بورڈ کے پاس ضرور چھوڑ دیجئے گا۔"

سب انسپکٹر کچھ نہ بولا۔

تھوڑی دیر بعد میدان خالی ہو گیا۔ یعنی پولیس والے ضابطے کی کاروائی کر کے چلے گئے لیکن حمید کا ناطقہ بند ہو گیا۔ ہر ایک چاہتا تھا کہ اسے واقعہ کی تفصیل معلوم ہو جائے۔ لوگوں کو اس پر بھی حیرت تھی کہ پولیس کسی کو ہاتھ لگائے بغیر ہی واپس چلی گئی۔

منیجر سے ایک بار پھر سامنا ہوا۔

"آپ کون ہیں۔" اس نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"میں کوئی بھی ہوں اس سے آپ کو سروکار نہ ہونا چاہئے۔ لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ نائٹ کلب لفنگوں کا اکھاڑا ہے سمجھے جناب۔"

"شروعات تو آپ کے ساتھی ہی نے کی تھی۔"

"ہاں اور اسی لئے کی تھی کہ یہاں کے لفنگے پکڑے جا سکیں لیکن عین وقت پر مین سوئچ آف کرا دینے کی ذمہ داری سراسر آپ پر عائد ہونی چاہئے۔"

"آپ خواہ مخواہ مجھے الزام نہیں دے سکتے۔"

"بس اب تشریف لے جائیے۔" حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔

منیجر بڑبڑاتا ہوا رخصت ہو گیا۔

پھر حمید نے اپنے اس آدمی کو اشارے سے بلایا جسے اس نے ڈائننگ ہال میں بھیجا تھا۔ "کیا ہوا؟" حمید نے پوچھا۔

سب ٹھیک ہے جناب۔ وہ اس وقت بھی بیہوش تھا جب میں وہاں پہنچا تھا۔ لڑکی موجود تھی۔ میں نے اُس سے کہا کہ کچھ آدمی تمہاری حمائت میں ان لوگوں سے لڑ گئے ہیں اور ان کے بھی کچھ مزید آدمیوں کے آجانے کی وجہ سے اچھا خاص بلوہ شروع ہو گیا ہے لہٰذا بہتری اس میں

ہے کہ تم اسے لے کر یہاں سے کھسک جاؤ۔ ورنہ بڑی مصیبت میں پھنس جاؤ گی۔ وہ نروس ہو گئی اور خود میں نے ہی اُس کے لئے ٹیکسی کا انتظام کیا۔ بہر حال پولیس کے آنے سے پہلے ہی میں انہیں کھسکا دینے میں کامیاب ہو گیا۔

"اچھا....!" حمید نے ایک طویل سانس لی۔ "میں نے جو کچھ سوچا تھا وہ نہ ہو سکا۔ ان میں سے ایک بھی نہ پکڑا جا سکا۔"

"میرے خیال سے تو اب آپ اس طرح باہر ہی نہ نکلا کریں۔"

"کسی عورت کا میک اپ کر کے گھر بیٹھوں.... کیوں؟" حمید غرایا۔

"نن.... نہیں.... جناب.... مطلب....!"

"ختم کرو۔" حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ "میں ان کا کم از کم ایک آدمی چاہتا ہوں۔ صرف ایک ہی ہاتھ آ جائے۔"

سادہ لباس والا کچھ نہ بولا۔ حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔ "اپنی جگہ پر واپس جاؤ۔"

پھر وہ قاسم کی طرف متوجہ ہوا جو اس کی میز کے قریب بیٹھا بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

"تمہاری وجہ سے مجھے ہمیشہ دھکے کھانے پڑتے ہیں۔" حمید بھی بیٹھتا ہوا بولا۔

"قیوں کھاتے ہو دھکے میں نے کب کہا تھا۔ اکیلے ہی نپٹ لیتا سالوں سے۔" قاسم ہانپتا ہوا بولا۔ "کھانا کھا لینے کے بعد مجھ سے لڑائی بھڑائی نہیں ہو سکتی۔"

"تم آئے کیوں تھے یہاں۔"

"تمہاری دم سے بندھ کر آیا تھا.... اجی واہ.... آئے قیوں تھے.... ابے اللہ کی زمین ہے جہاں چاہیں گے جائیں گے، تم قون ہو ہمیں ٹوقنے.... ٹوکنے والے.... سالا۔"

"پھر....!" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔ "پھر بہکے.... کیوں شامت آئی ہے۔ میں تمہیں یہاں تنہا چھوڑ جاؤں گا اور تم کسی کی گولی کا نشانہ بن جاؤ گے۔ جانتے ہو یہ لوگ کون تھے۔"

"اسی سالے کے چچا بھتیجے اور کون، جو ایک تھپڑ بھی نہ سہہ سکا تھا۔"

"بکواس.... یہ وہ لوگ تھے جو اس سے پہلے بھی مجھ پر دو بار قاتلانہ حملہ کر چکے ہیں۔"

"نہیں....!" قاسم تھوک نگل کر رہ گیا۔

"ہاں.... بوڑھے بیٹے۔ ان کی انگلیاں ریوالور کے ٹریگر پر اسی طرح چلتی ہیں جیسے بچے

گولیاں کھیلتے ہیں۔" قاسم نے احمقانہ انداز میں دہرایا اور ٹھیک اسی وقت حمید کی ہم رقص پھر دکھائی دی۔ وہ انہیں کی طرف آ رہی تھی۔

"تمیز سے بیٹھنا....!" حمید نے آہستہ سے کہا اور سنبھل کر بیٹھ گیا۔

لڑکی آ کر بڑی بے تکلفی سے بیٹھ گئی۔ اس کا چہرہ دھواں دھواں سا تھا اور آنکھوں میں بے چینی جھلکتی تھی۔

"وہ لوگ اس آدمی سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"آپ کیا جانیں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"میں دونوں ہی سے واقف ہوں۔" اُس کی آواز کانپ رہی تھی۔ "وہ جو.... وہاں گرا تھا.... جس کے آپ نے چاقو مارا تھا۔"

"ٹھہریئے.... آپ اس کی باتوں میں آ گئیں۔" حمید نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔ "یہ تو یونہی بکواس کر رہا تھا۔ اگر میں نے چاقو مارا ہوتا تو پولیس مجھے یہاں کیوں چھوڑ جاتی۔"

"آپ کوئی پولیس آفیسر ہیں۔" لڑکی نے کہا۔ "میں نے یہی اندازہ لگایا ہے۔ آپ نے سب انسپکٹر کو کوئی کاغذ دکھایا تھا۔"

"ٹھہریئے.... آپ نے ابھی کہا تھا کہ آپ اُن لوگوں کو پہچانتی ہیں۔"

"جی ہاں وہ آدمی جو بیہوش ہوا تھا ایک شریف آدمی ہے۔ ایک مقامی کالج میں لیکچرار ہے۔ ایسے واہیات اور لفنگے اس کے ملنے والوں میں سے نہیں ہو سکتے۔"

"آپ ان لفنگوں سے اچھی طرح واقف ہیں۔"

"آپ پہلے یہ بتایئے کہ آپ پولیس آفیسر ہیں یا نہیں۔"

"نہیں.... ویسے میں ایک شریف آدمی ہوں۔ اس سب انسپکٹر سے جان پہچان ہے۔ میں نے اُسے کاغذ نہیں بلکہ سگریٹ کیس پیش کیا تھا۔"

"تب پھر....!" وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔ "میں گھر کیسے واپس جاؤں گی۔ یہاں مجھے کوئی بھی نہیں جانتا۔ وہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے۔ زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ میرے خدا۔"

"آخر اس پریشانی کی وجہ۔"

"وہ اس واقعہ سے پہلے یہاں موجود تھے۔ انہوں نے مجھے آپ کے ساتھ دیکھا ہوگا۔"

"تو اس سے کیا ہوگا۔ بہتیروں کو انہوں نے میرے ساتھ دیکھا ہوگا۔"

"میں آپ کو کس طرح سمجھاؤں۔"

"نہیں سمجھایئے.... میں آپ سے استدعا کرتا ہوں۔"

"وہ اپنے دشمن کے ساتھیوں کو بھی نہیں چھوڑتے۔"

"مگر محترمہ آپ نے اُن کے متعلق اتنی معلومات کیسے فراہم کرڈالیں۔"

"اف فوہ.... دیکھئے میں بہت پریشان ہوں۔ اچھا یہی سمجھ لیجئے کہ میں انہیں بہت قریب سے جانتی ہوں۔"

"آخر آپ اُن بُرے آدمیوں کو قریب سے کیسے جانتی ہیں۔ میں نے تو آپ کے متعلق بھی یہ اندازہ لگایا تھا کہ آپ ایک اچھی لڑکی ہیں۔"

لڑکی مسکرائی اور اس مسکراہٹ نے اس کے چہرے پر پائے جانے والے پریشانی کے آثار اس طرح ختم کردیئے جیسے گرد آلود آئینے پر مخمل کا ٹکڑا پھیر دیا جائے۔

"میں یقیناً ایک اچھی لڑکی ہوں.... ہاں کیپٹن کیونکہ ابھی میرا ضمیر مردہ نہیں ہوا۔"

لفظ کیپٹن پر حمید چونک پڑا اور لڑکی مسکرائی اور پھر بولی۔ "میں ان بُرے آدمیوں کے پنجے سے رہائی حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ انہوں نے مجھے آج یہاں اسی لئے بھیجا تھا کہ میں تمہیں پھانس کر وہاں لے جاؤں جہاں وہ لوگ چاہتے ہیں لیکن اتفاقاً وہ قصہ اٹھ کھڑا ہوا اور انہوں نے اپنی اسکیم بدل دی۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اس آدمی کے حمایتی بن کر تمہیں یہیں سب کے سامنے ختم کر کے نکل جائیں گے۔ اس کا موقعہ اس وقت ملتا جب ہال کے سارے لوگ لڑنے والوں کو الگ کرانے کے لئے ہلہ بول دیتے لیکن کسی نے بھی مداخلت نہیں کی تمہارے آدمیوں نے ان کا کھیل ختم کردیا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ تمہارے ساتھ اور لوگ بھی ہوتے ہیں۔"

"شکریہ....!" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"اب پھر ان کی وہی پہلی اسکیم بروئے کار لائی جائے گی۔ یعنی میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں۔"

"تم نے بڑا کرم کیا.... ورنہ میں مفت میں مارا جاتا۔"

"ہاں.... بھائی....!" قاسم ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "مکدر ہے.... اپنا اپنا۔"

"کیا آپ کرنل فریدی ہیں۔" لڑکی نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔

"لاحول ولا قوۃ....!" حمید نے بہت بُرا سا منہ بنایا۔ "یہ تو.... یہ تو بس یونہی ہے۔"

"تم خود بس یونہی ہو۔" قاسم میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

"خاموش رہو۔" حمید نے اُسے گھور کر دیکھا اور قاسم نہ جانے کیوں خاموش ہی ہوگیا۔ لیکن انداز.... کسی روٹھی ہوئی بیوی کا سا تھا۔

"اچھا تو پھر چلیں....!" حمید نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں ٹھہریئے۔ ابھی تو دس ہی بجے ہیں۔ ہم ساڑھے گیارہ بجے وہاں پہنچیں گے۔"

"کیوں....!"

"یہی وقت دیا گیا ہے اور ہاں.... ٹھہریئے۔" وہ کچھ کہتے کہتے خاموش ہوگئی۔ پھر آہستہ سے بولی۔ "انہوں نے دو آدمیوں کو یہیں چھوڑ دیا ہے۔ لیکن وہ یہاں سے کافی دور ہیں اچھا دیکھئے یہ جو آپ کے کالر میں گلاب کا پھول لگا ہوا ہے اسے میرے جوڑے میں لگا دیجئے۔ تاکہ انہیں اطمینان ہو جائے اور وہ سمجھ لیں کہ میں آپ کو قابو کرنے میں کامیاب ہوگئی ہوں۔"

"اللہ....!" قاسم نے ٹھنڈی سانس کے ساتھ کہہ کر بے چینی سے پہلو بدلا اور لڑکی بیساختہ ہنس پڑی۔

حمید بھی ہنسنے لگا۔ پھر قاسم کی "ہی ہی ہی" بھی چل پڑی۔

"دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" لڑکی نے کہا۔

"بہت زیادہ۔" حمید بولا۔ "لیکن تم نے اس کی بکواس پر یقین کیسے کرلیا تھا۔ جب مجھ سے واقف تھیں۔"

"بس یونہی تفریحاً۔ نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں آپ کو اپنی طرف اور زیادہ متوجہ کرنا چاہتی تھی۔ اس وقت تک میرا یہی خیال تھا کہ ان کی اس اسکیم کو عملی جامہ پہنا ڈالوں۔ مگر پھر.... مجھے وہ ایک سال کی بے بس بچی یاد آگئی جو بارش میں سڑک پر پڑی چنگھاڑ رہی تھی اور اس کی ماں کی پیشانی سے خون ابل ابل کر بارش کے پانی میں بہہ رہا تھا۔"

لڑکی خاموش ہوگئی۔ اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بیداری میں کوئی بھیانک خواب دیکھ رہی ہو۔

"میں نہیں سمجھا.... آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔"

"اوہ.... میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ وہ خون مٹی میں آج بھی محفوظ ہے اور اس وقت تک محفوظ رہے گا جب تک اس میں ان ناپاک آدمیوں کا خون نہ جا ملے جنہوں نے اسے زیر زمین پہنچایا تھا۔ آپ نہیں جانتے کہ اس طرح مرنے والی کون تھی۔ وہ میری ماں تھی اور بارش میں تنہا پڑی بلکنے والی بچی میں تھی۔"

"اوہ.... مگر یہ ٹریجڈی ہوئی کیسے تھی۔"

"ایک طویل داستان ہے پھر کبھی بتاؤں گی۔ آپ فی الحال اپنے آدمیوں کو تیار کیجئے کہ وہ آپ کا تعاقب کریں۔ آج کی رات آپ دونوں کے لئے بہت خطرناک ہے۔"

"ہائیں.... میں نے کیا کیا ہے۔" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

لڑکی اس طرح چونک پڑی جیسے اسے قاسم کی موجودگی کا احساس ہی نہ رہا ہو۔ اس نے حمید سے پوچھا۔ "کیا یہ قابل اعتماد آدمی ہیں۔"

"ہاں.... تم مطمئن رہو۔ یہ گفتگو اس میز سے آگے نہیں بڑھے گی۔"

"ارے.... الا قسم میں بھلا کیوں کسی سے کہنے لگا۔ اب تو مجھے ان سالوں پر زیادہ غصہ آرہا ہے۔"

"خیر...!" لڑکی نے طویل سانس لے کر کہا۔ "دونوں سے مراد یہ تھی کہ آپ اور کرنل فریدی۔"

"کیوں کرنل فریدی کیوں؟"

"اوہ.... کیا آپ کو علم نہیں ہے کہ وہ نو بجے والے طیارے سے ٹیکم گڈھ کے لئے روانہ ہو چکے ہیں۔"

"نہیں....!" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ابھی کچھ ہی دیر پہلے ان میں اس کا تذکرہ ہو رہا تھا، کچھ آدمی ہوائی اڈے پر بھی موجود ہوں گے، جو کرنل کا خاتمہ کر سکیں۔"

"میرے خدا.... مجھے قطعی علم نہیں تھا کہ وہ آرہے ہیں۔"

"آرہے ہیں.... آپ ان کی بھی فکر کیجئے۔"

"یقیناً.... یقیناً.... ٹھہریئے۔"

حمید نے اپنے ایک آدمی کو آنکھوں کے اشارے سے متوجہ کیا اور خود اٹھ کر پیشاب خانوں

کی طرف چلا گیا۔ وہ آدمی آہستہ آہستہ اس کے پیچھے جا رہا تھا۔

لڑکی قاسم سے اس کے متعلق پوچھنے لگی اور قاسم نے بتایا کہ وہ واقعی بہت دلچسپ آدمی ہے۔ منہ سے لوہے کے گولے نکال سکتا ہے۔ موٹی موٹی سلاخیں موڑ سکتا ہے۔ اپنے سینے پر وزنی پتھر تڑوا سکتا ہے۔ لڑکی نے اس سے کہا کہ وہ حمید کے ساتھ جانے سے اعتراز کرے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ قاسم سر ہلا کر بولا۔ "ایسے کھترناک حالات میں میں اس کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا۔ میں خود مر جاؤں گا مگر اسے نہیں مرنے دوں گا۔ اس سے زیادہ پیارا دوست ملنا مشکل ہے۔"

"اس میں انہیں کی بھلائی ہے۔ ممکن ہے آپ کی وجہ سے کام بگڑ جائے۔"

"میں لڑائی بھڑائی میں کس سے کم ہوں۔"

"لڑائی بھڑائی کے بغیر کام نکالنا ہے۔"

اتنے میں حمید بھی واپس آگیا۔ قاسم نے اُس سے کہا کہ وہ اس کا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔ اس پر لڑکی بولی۔ "انہیں سمجھایئے ورنہ ہو سکتا ہے کہ ہم کامیاب نہ ہو سکیں۔"

"قاسم! میں تمہاری محبت کے لئے شکر گذار ہوں لیکن اس معاملے میں ضد نہ کرو۔"

بدقت تمام وہ قاسم کو اس پر آمادہ کر سکے کہ وہ ان کے ساتھ نہ جائے۔ حمید سارے انتظامات مکمل کر چکا تھا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو سمجھا دیا تھا کہ جب اس کا تعاقب شروع کر دیا جائے تب وہ اپنی جگہوں سے جنبش کریں۔ لڑکی کے بیان کے مطابق دو آدمی اب بھی وہاں موجود تھے۔ وہ یقینی طور پر تعاقب کرتے۔ ساڑھے گیارہ بجے وہ اٹھ گئے۔

❁

دو بجے رات کو طیارہ ٹیکم گڈھ کے ہوائی اڈے پر اترا۔ فریدی نے سوچا کہ باہر جانے سے پہلے اُسے کم از کم ایک کپ کافی ضرور پینی چاہئے۔ جہاز پر اسے اچھی کافی نہ ملی تھی۔ اس نے ویٹنگ روم کا رخ کیا۔ لیکن تھوڑی ہی دور چلنے کے بعد اسے رک جانا پڑا۔ کیونکہ جو آدمی لمبے لمبے قدم رکھتا ہوا اس کی طرف آرہا تھا کوئی اجنبی نہیں تھا۔ یہ انہیں لوگوں میں سے تھا جو کیپٹن حمید کے ساتھ ٹیکم گڈھ آئے تھے۔ اس نے قریب آکر سلام کیا۔

"کیوں؟ کیا بات۔" فریدی نے حیرت سے کہا کیونکہ اس نے حمید کو اپنی آمد کی اطلاع نہیں دی تھی۔

"یہاں آپ کے لئے خطرہ ہے جناب.... کیپٹن نے کہلوایا ہے۔"

"اُسے میری آمد کی اطلاع کیسے ہوئی۔"

"پتہ نہیں جناب.... انہوں نے مجھ سے یہ نہیں بتایا۔"

"وہ اس وقت ہے کہاں۔"

"میں انہیں سنگیت نائٹ کلب میں چھوڑ آیا تھا۔ مگر اب شاید وہ وہاں نہ ملیں۔ مجھ سے انہوں نے یہی کہا تھا کہ وہ ساڑھے گیارہ بجے کہیں چلے جائیں گے۔"

"کہاں چلے جائیں گے۔"

"یہ بھی نہیں بتایا جناب۔"

"اس پر پھر کوئی حملہ تو نہیں ہوا۔"

"جی ہاں.... آج ہی ہوا تھا۔ وہیں سنگیت نائٹ کلب میں۔ لیکن حملہ آوروں کے کسی ساتھی نے ٹھیک اس وقت مین سوئچ آف کر دیا جب پولیس انہیں گرفتار کرنے جا رہی تھی۔"

وہ ویٹنگ روم میں پہنچ گئے تھے۔

"بیٹھو....!" فریدی نے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کر کے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "پھر اس کے بعد کیا ہوا۔"

"پھر وہی لڑکی کپتان صاحب کی میز پر آ گئی جس کے ساتھ وہ ناچتے رہے تھے۔ کچھ دیر بعد انہوں نے مجھے بتایا کہ آپ ٹیگم گڈھ تشریف لا رہے ہیں، اور خدانخوستہ آپ کی زندگی خطرے میں ہے۔"

"خطرے کی نوعیت....!"

"بہر حال اس سے زیادہ میں نہیں جانتا۔"

"قیام نشاط ہی میں ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں! سولہویں کمرے میں اور ہم لوگ مختلف مقامات پر ٹھہرے ہیں۔"

فریدی نے ایک ویٹر کو بلا کر کافی کے لئے کہا اور اس کی تیاری کے متعلق چند ہدایات دیں۔ پھر ویٹر کے چلے جانے پر سادہ لباس والے سے بولا۔ "کیا وہ اس لڑکی کے ساتھ کہیں گیا ہوگا۔"

"جی ہاں قرینے سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے کوٹ کے کالر سے گلاب نکال

اسکے جوڑے میں لگایا تھا اور وہاں ایک لمبا موٹا اور بے ڈول آدمی بھی ان کے ساتھ لگا رہتا ہے۔"

"اوہ.... وہ بھی ہے۔" فریدی کا لہجہ اچھا نہیں تھا۔

"جی ہاں.... میرا اندازہ ہے کہ کپتان صاحب اس کی موجودگی پسند نہیں کرتے لیکن وہ پیچھا نہیں چھوڑتا۔"

"ہوں....!" فریدی کچھ سوچنے لگا۔ پھر بولا۔ "آخر اُسے کیسے علم ہوا کہ میں آ رہا ہوں۔"

"پتہ نہیں جناب مجھے بھی حیرت ہے۔"

اب اس نے شروع سے وہ داستان دہرانی شروع کی کہ سنگیت نائٹ کلب کے ہنگامے کی روعات کیسے ہوئی تھی۔ فریدی کو حمید پر بے تحاشہ غصہ آ رہا تھا۔ آخر ایسے حالات میں نائٹ بوں کی تفریحات کیوں جاری ہیں اور وہاں سے قاسم کو ساتھ لانے کی کیا ضرورت تھی۔

"کیا وہ لڑکی پہلے بھی کبھی حمید کے ساتھ دیکھی گئی تھی؟" اُس نے پوچھا۔

"نہیں جناب ہم نے تو نہیں دیکھا۔"

اتنے میں کافی آ گئی اور ویٹر نے دونوں کے درمیان ایک چھوٹی سی میز کھسکا کر اس پر ٹرے کھ دی۔ لیکن اس کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار تھے، اور آہستہ آہستہ کچھ بڑبڑاتا جا رہا تھا۔ ریدی اُسے بہت غور سے دیکھنے لگا۔

"کیوں؟ کیا بات ہے۔" فریدی نرم لہجے میں بولا۔

"صاحب! آج کی دنیا میں رہنے سے بہتر ہے کہ آدمی کنوئیں میں چھلانگ لگا دے۔" ویٹر نے بُرا سا منہ بنا کر جواب دیا۔

"کیوں! کیا ہوا بھئی۔"

"صاحب! اس لفظ 'ساری' سے اتنی جان جلتی ہے کہ بس گردن کاٹ کر کہیں گے 'ساری' چلئے کوئی بات ہی نہیں آگے بڑھ گئے۔ اب اسی وقت لاٹ صاحب کے بچے میرے پیر پر چڑھ گئے تھے۔ یہی نہیں بلکہ ناک میں بھی انگلی گھسیڑ دی، جب تک میں سنبھلوں ساری کہہ کر چلتے بنے۔ بچ گیا ورنہ ان برتنوں کا خون اپنی گردن پر ہوتا۔"

"اوہ....!" فریدی نے تشویش کن انداز میں ہونٹ سکوڑے۔

"اور کچھ چاہئے جناب۔"

"نہیں...!" فریدی نے کہا اور کافی کی ٹرے کی طرف دیکھنے لگا۔ ویٹر دوسری طرف چلا گیا۔

سادہ لباس والے نے ٹرے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"ٹھہرو...!" فریدی نے آہستہ سے کہا پھر مسکرا کر بولا۔ "خدا مجھے ابھی زندہ رکھنا چاہتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ دودھ بھی زندہ نہیں چھوڑے گا اگر اس کا ایک قطرہ بھی حلق سے اُتر گیا۔"

"میں نہیں سمجھا جناب۔"

"ہو سکتا ہے کہ کوئی اس ویٹر سے جان بوجھ کر ٹکرایا ہو۔ دودھ کے برتن پر ڈھکن نہیں ہے۔ ٹکراتے وقت کوئی چیز اس میں بہ آسانی ڈالی جا سکتی ہے۔"

"اوہ...!" سادہ لباس والے کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"مناسب یہی ہے کہ ہم یہاں کچھ نہ کھائیں پئیں.... اوہو.... دیکھو.... وہ ایک بلی ادھر کھڑکی میں بیٹھی ہوئی ہے.... دودھ کا برتن اٹھا کر نیچے رکھ دو۔"

سادہ لباس والے نے ایسا ہی کیا۔ اُس کمرے میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا، بلی کھڑکی سے کود کر تیر کی طرح دودھ کے برتن کی طرف آئی۔ وہ اُسے دودھ پیتے دیکھتے رہے پھر یک بیک بلی نے چیخنا شروع کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے دم توڑ دیا۔ بلی کی چیخیں سن کر کچھ لوگ اندر آ گئے تھے ان میں وہ ویٹر بھی تھا جس نے کافی میز پر لگائی تھی۔ فریدی اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

وہ لڑکی

حمید کی آنکھوں میں تارے ناچ گئے۔ جب اس نے کار کے باہر چھ آدمیوں کو ریوالور لئے ہوئے دیکھا۔ ریوالوروں کی نالیں کار ہی کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

حمید نے لڑکی کا شانہ چھو کر آہستہ سے کہا۔ "یہ کیا ہوا۔"

"تمہارے آدمی کہاں رہ گئے۔" لڑکی بڑبڑائی۔

"پتہ نہیں۔"

"تب پھر مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ایک نہیں چھ ریوالور ہیں۔"

دفعتاً ایک آدمی نے کار کا دروازہ کھولا اور حمید کو گریبان سے پکڑ کر کھینچ لیا۔ قدرت کی طرف سے حمید کو ایک شاندار موقع ملا تھا لہٰذا وہ اس سے فائدہ کیوں نہ اٹھاتا۔ اس نے نیچے اترتے اترتے کالر پکڑنے والے کے پیروں میں اپنا داہنا پیر ڈال دیا۔ وہ لڑکھڑا کر حمید پر آ پڑا اور حمید نے اُسے دبوچ کر ریوالور والوں کے سامنے کر دیا اور مسکرا کر بولا۔ "بعض حسرتیں دل ہی میں رہ جاتی ہیں۔ اس طرح گولی مارو کہ اس کے سینے کے پار ہو کر میرے کلیجے کے پار ہو جائے۔ ورنہ میں تم سبھوں کا بیڑہ کھڑا کھڑا پار کر دوں گا۔ کیا سمجھے۔"

"چھوڑو.... اسے چھوڑ، ورنہ ہم سچ مچ تمہیں یہیں ختم کر دیں گے۔" ان میں سے کسی نے غرا کر کہا۔

"یہاں ختم کر دیا گھر لے جا کر.... یہ اب نہیں چھوٹ سکتا۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ تم سب اپنے اپنے ریوالور پھینک کر ہاتھ اوپر اٹھا لو۔"

یہاں چاروں طرف اونچی نیچی چٹانوں کے سلسلے بکھرے ہوئے تھے۔ کار ایک ویرانے میں روکی گئی تھی۔

حمید کوشش کر رہا تھا کہ وہ اسے ترنبے میں نہ لینے پائیں۔ اس سے پہلے ہی وہ اس آدمی کو پرے دھکیل کر کسی چٹان کی آڑ لے لینا چاہتا تھا۔

"دیکھتے کیا ہو۔" کسی نے گرج کر کہا۔ "ان دونوں کو زبردستی الگ کر دو۔"

حمید تو چاہتا ہی تھا کہ دو ایک اور قریب آ جائیں، جیسے ہی دو آدمی اس کی طرف بڑھے۔ اس نے اپنے شکار کو ان پر دھکیل دیا۔

اس طرح وہ سب کے سب ایک دوسرے سے ٹکرا کر رہ گئے اور حمید نے بے تحاشہ نشیب میں چھلانگ لگا دی۔ یہ سوچے اور دیکھے بغیر کہ وہاں سے زمین کی سطح کتنی نیچی ہے۔ شائد وہ ان میں سے کسی کی گولی سے مرنا پسند نہیں کرتا تھا۔

اس کے پیر زمین سے ٹکرائے اور وہ گرتے گرتے بچا، اس کے چھلانگ لگاتے ہی تین فائر ہوئے تھے۔ لیکن اب تو وہ ایک چٹان کی آڑ لینے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے اطمینان سے ریوالور نکالا اور نئے حملے کا انتظار کرنے لگا۔

شائد ان میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ سڑک سے نشیب میں اتر سکتے اور غالباً انہیں یقین نہیں تھا کہ حمید دور نکل گیا ہوگا۔

کچھ دیر بعد تاروں کی چھاؤں میں حمید کو سڑک پر ایک سایہ نظر آیا لیکن وہ سایہ بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ یکایک کار اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی اور چشم زدن میں نہ جانے کتنی دور چلی گئی۔ یہ کار دراصل ٹیکسی تھی اور اس کا ڈرائیور اس اچانک واقع پر بوکھلا گیا تھا لیکن حالات بدلتے دیکھ کر اس نے نکل بھاگنے میں سستی نہیں دکھائی۔

حمید سوچ رہا تھا کیا اس لڑکی نے دھوکا دیا، مگر خود اس کے آدمی کہاں مر گئے تھے اور وہ کار کیا ہوئی جس پر وہی دونوں آدمی موجود تھے جن کے متعلق لڑکی نے نائٹ کلب میں بتایا تھا، انہوں نے کلب سے روانہ ہوتے ہی تعاقب شروع کر دیا تھا۔ حمید انہیں راستے بھر دیکھتا آیا تھا۔ مگر اب ان کی کار کہاں تھی۔

اُسے یقین تھا کہ اس کار کے پیچھے اس کے آدمیوں کی گاڑی ہوگی۔

دس منٹ گذر گئے، نہ کوئی اوپر سے نیچے آیا اور نہ فائر ہوا۔ یہ صورت الجھن میں ڈالنے والی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اب بھی سڑک پر موجود ہوں اور یہ بھی ممکن تھا کہ وہ چوروں کی طرح کسی اور جگہ سے نشیب میں اترنے کی کوشش کر رہے ہوں تاکہ اسے گھیرے میں لے سکیں۔ دوسری صورت یقیناً صبر آزما ہوتی۔

حمید فوری طور پر فیصلہ نہ کر سکا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ اس کے پاس ٹارچ بھی نہیں تھی کہ وہ سڑک چھوڑ کر کھائیاں اور نالے پھلانگنا شروع کر دیتا۔ ایک بار تو مقدر نے ساتھ دیا تھا۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ دوسری حماقت بھی زمین ہی پر رکھتی۔

اس کے ہاتھ میں ریوالور بھی تھا، لیکن اس نے جھک کر ایک چھوٹا سا پتھر اٹھایا اور ان لوگوں کی موجودگی یا عدم موجودگی کا اندازہ کرنے کے لئے اسے سڑک پر اچھال دیا۔ پتھر گرنے کی آواز اس نے صاف سنی لیکن پھر نہ تو اس کو قدموں کی آوازیں ہی سنائی دیں اور نہ دوسری طرف سے اس پر کوئی جوابی کاروائی ہوئی۔

پھر بھی وہ مطمئن نہیں ہوا۔ آخر کچھ دیر بعد اس نے فیصلہ کیا کہ اسے ٹٹول ٹٹول کر نیچے ہی اترنا چاہئے، ممکن ہے رات بسر کرنے کے لئے کوئی معقول سی جگہ مل جائے۔ اب اس وقت شہر کی

جانب رخ کرنا ناممکنات ہی میں سے تھا، اول تو پتہ نہیں وہ شہر سے کتنی دور نکل آیا تھا۔ دوسرے نشیب میں اتر جانے کے بعد سمتوں کا تعین کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں تھا اور سمتوں کا تعین کئے بغیر شہر پہنچنا مشکل تھا۔

وہ بہت احتیاط سے نیچے اترنے لگا۔ تھوڑی ہی دور چلا ہوگا کہ کسی کی سرگوشی پر چونک پڑا۔

"کون ہے؟"

سرگوشی کے ساتھ ہی خوشبو کی لپٹوں نے اس کا دماغ معطر کر دیا، خوشبو اس کے لئے نئی نہیں تھی۔ کچھ ہی دیر پہلے اسی قسم کی خوشبو اس کے ذہن میں گونجتی رہی تھی۔

"میں ہوں۔" حمید نے بھی سرگوشی کی۔

"ٹھہرو....!" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "اب کیا ہوگا۔"

قبل اس کے حمید کچھ کہتا ایک سایہ اس کے قریب پہنچ گیا۔ خوشبو کی لپٹیں کچھ اور تیز ہو گئیں۔ یہ اس لڑکی کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا جو حمید کو یہاں تک لائی تھی۔

"کون کیپٹن۔"

"نہیں! اب اس وقت میرا عہدہ کافی بڑھ گیا ہے اور تم مجھے کیپٹن کے بجائے میجر کہہ سکتی ہو۔ حالانکہ لفظ میجر سے کسی بہت لمبی ڈاڑھی کا تصور ذہن میں ابھرتا ہے مگر خیر.... تم جیسی وفادار دوست کے لئے میں یہ بھی برداشت کر سکتا ہوں۔"

"اوہ.... تم شائد کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہو۔" لڑکی نے کہا "یقین کرو یہ ساری مصیبت محض اس لئے آئی کہ تمہارے آدمی وقت پر وہاں نہیں پہنچ سکے۔" وہ بُری طرح ہانپ رہی تھی۔

"تم پہلے اپنی سانسیں درست کر لو پھر گفتگو کرنا۔ اتنی دیر میں، میں یہ بھی دیکھ لوں گا کہ سڑک پر کتنے آدمی موجود ہیں کیونکہ میں غفلت میں مارا جانا بالکل پسند نہیں کرتا۔"

"وہاں اب کوئی بھی نہیں ہے۔ یقین کرو وہ دم دبا کر بھاگ گئے۔ تم سے بہت بُری طرح خار بھی کھاتے ہیں اور خائف بھی ہیں۔ کیونکہ یہ ان کا چوتھا ناکام حملہ تھا۔"

"مگر تم کیوں رک گئی ہو، کیا وہ تم سے جواب نہیں طلب کریں گے۔"

"نہیں وہ سمجھتے ہوں گے کہ ٹیکسی ڈرائیور مجھے بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ لیکن میں ٹیکسی سے اس طرح اتری تھی کہ ڈرائیور کو بھی خبر نہیں ہوئی تھی۔"

"میں نے پوچھا تھا تم رک کیوں گئیں۔"

"اس ہنگامے میں پھر اور کیا کرتی۔"

"تم ان کے ساتھ بھی جا سکتی تھیں۔"

"میں اس ویرانے میں ان پر اعتماد نہیں کر سکتی تھی۔"

"مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش نہ کرو۔ تم دن رات ان کے ساتھ رہتی ہو۔"

"یہ قطعی غلط ہے۔ ان میں صرف ایک آدمی ایسا ہے جس کے ساتھ میں رہتی ہوں۔ اس نے میری پرورش کی تھی اور بیٹی کی طرح عزیز رکھتا ہے۔"

"خوب اور تم سے اسی طرح کے کام بھی لیتا ہے۔"

"کوئی پناہ لینے کی جگہ تلاش کرو۔ پیارے کیپٹن طنز پھر کرنا۔" لڑکی نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔ "ورنہ ابھی یہاں آدمی ہی آدمی نظر آئیں گے۔ تم یہ نہ سمجھنا کہ انہوں نے تمہارا پیچھا چھوڑ دیا ہے۔ وہ اس وقت تمہیں اس ویرانے سے باہر نہیں جانے دیں گے۔"

"جب تک مجھ میں آخری سانس باقی رہے گی، وہ مجھ پر ہاتھ نہیں ڈال سکیں گے۔"

"وقت برباد نہ کرو... چلو۔" لڑکی اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف گھسیٹنے لگی۔ حمید چلتا رہا۔ اسے لڑکی کی رفتار پر بھی حیرت ہو رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ان اونچے نیچے راستوں پر چلنے کی عادی ہو۔ وہ تقریباً پندرہ منٹ تک چلتے رہے پھر ایک جگہ لڑکی رک گئی۔

"آؤ میں تمہیں ایک پناہ گاہ بتاؤں۔"

پھر وہ ایک غار میں اترتے چلے گئے جسے چاروں طرف سے اُبھری ہوئی چٹانوں نے گھیر رکھا تھا۔ لڑکی نے اپنے وینٹی بیگ سے ایک چھوٹی سی ٹارچ نکال لی تھی۔

غار کیا یہ ایک تنگ سا راستہ تھا جس میں وہ دونوں برابر سے نہیں چل سکتے تھے۔ آگے پیچھے چلتے ہوئے وہ ایک کشادہ سی جگہ پہنچ گئے۔ غار نے کافی پھیلاؤ اختیار کر لیا تھا۔

حمید نے حیرت سے چاروں طرف دیکھا، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ غار پہلے ہی سے آباد رہا ہو۔ روزمرہ کے استعمال کی بہتیری چیزیں یہاں نظر آئیں۔ ایک طرف پیال کا ایک بستر بھی پڑا ہوا تھا۔

"کیا اب اس غار میں بند کر کے مارنا ہے۔"

لڑکی کچھ نہ بولی۔ اس نے ٹارچ بجھا کر دیا سلائی کھینچی اور ایک موی شمع روشن کر دی پھر ہنس کر بولی۔ "ہاں اب تم اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لو۔ تھوڑی دیر بعد میں ریوالور بھی نکال لوں گی۔"

حمید پیال کے بستر پر بیٹھ گیا۔

"یہ میری لائبریری ہے۔" لڑکی چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

"خوب.... مگر مجھے یہاں کتابیں تو کہیں بھی نہیں نظر آئیں۔"

"کتابیں.... کیا میں خود ہی ایک کتاب نہیں ہوں۔ دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی علم نہیں ہے کہ آدمی کو سمجھنے کی کوشش کرے۔"

"آہا.... ایسی بات۔"

"قطعی.... میں یہاں تنہائی میں خود کو سمجھنے کی کوشش کرتی ہوں۔"

"اس کے برعکس مجھے ہنگاموں کے علاوہ اور کہیں عقل نہیں آتی۔"

"میں تم میں اور ان لوگوں میں کوئی فرق نہیں محسوس کرتی، تم قانون کے نام پر خون بہاتے ہو اور وہ خود قانون کا خون بہاتے ہیں۔"

"کیا تم مجھے یہاں فلسفہ پڑھانے لائی ہو۔"

"اگر پڑھ سکو تو میں اپنے لئے باعث فخر سمجھوں گی۔"

"انہیں تمہاری اس لائبریری کا علم ہے۔"

"نہیں کوئی بھی نہیں جانتا۔ میں نے یہاں اور بھی ایسے ہی کئی ٹھکانے بنا رکھے ہیں جن کا علم میرے علاوہ کسی کو نہیں ہے۔"

"ان لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو تمہارے لئے ٹھنڈی آہیں بھرتا ہو۔"

"کئی ہیں.... لیکن وہ بابا سے بہت ڈرتے ہیں۔"

"یہ بابا کون بزرگوار ہیں۔"

"وہی جنہوں نے میری پرورش کی تھی۔ وہ بھی ان لوگوں سے بہت متنفر ہیں لیکن تم یہ نہ سمجھنا کہ انہیں اس پیشے سے بھی نفرت ہے، وہ بہت پرانے اسمگلر ہیں۔ انگریزوں کے وقتوں کے، مگر اب انہیں نئے اسمگلروں سے بڑی نفرت ہو گئی ہے کیونکہ یہ اس فن سے ناواقف ہیں۔"

"ہائیں.... کیا اسمگلنگ بھی فن ہے۔"

"کیوں نہیں۔ فن کسے کہتے ہیں۔ کسی کام کا سلیقہ ہی فن کہلاتا ہے۔ اب یہ کام سلیقے سے نہیں کیا جاتا اس لئے فن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"تمہارے بابا کی دانست میں اسمگلنگ کا فن کسے کہتے ہیں۔"

"دوہری زندگی۔" لڑکی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "بندرگاہ کے لوگ بابا کو ایک غریب کشتی راں سمجھتے تھے لیکن شہر میں ان کی تین تین کوٹھیاں تھیں اور وہ ایک معزز آدمی سمجھے جاتے تھے اور جب وہ کشتی رانی کرتے تھے تو ان کے جسم پر چیتھڑوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔ اکثر وہ چھ چھ ماہ انہیں چیتھڑوں اور دال دلیا میں نکال لے جاتے تھے خود ان کا بیان ہے کہ بعض اوقات تو انہیں ایسا محسوس ہونے لگتا ہے جیسے وہ سچ مچ کوئی غریب ملاح ہیں۔ ان کی دانست میں یہ تھا اسمگلنگ کا فن کہ آدمی کی دونوں شخصیتوں میں سے کسی ایک کا بھی راز نہ کھل سکے۔"

"اچھا تو کیا اب بھی ان کی دارالحکومت میں تین کوٹھیاں ہیں۔"

"نہیں زمانے کے انقلاب نے ان کے کس بل بھی نکال دیئے اب وہ قطعی گمنام شخصیت باقی رہ گئی ہے اب وہ صرف ایک غریب ملاح ہیں۔"

"لیکن تم مجھے سب کچھ کیوں بتا رہی ہو۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "کیا تمہیں اپنے بابا کی گرفتاری پر افسوس نہ ہوگا۔"

"میں دراصل یہ چاہتی ہوں کہ وہ شریف آدمیوں کی طرح زندگی بسر کرنے لگیں۔ اُس کمینے آدمی کی ملازمت ترک کردیں جس کے متعلق وہ کچھ بھی نہیں جانتے۔"

"کیا مطلب....!"

"اب وہ ایک آدمی کے ملازم ہیں جس نے خود ہی انہیں تلاش کرا کے ملازم رکھا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ پہلے وہ قطعی آزاد تھا، یعنی یہ خود ہی کاروبار کرتے تھے اور نفع آپس میں برابر بانٹ لیتے تھے لیکن انگریزوں کے جاتے ہی ان کا کاروبار تباہ ہو گیا اور پھر مالی اعتبار سے اتنے کمزور ہو گئے کہ انہیں ایک بہت بڑے سمگلر کی ملازمت کرنی پڑی لیکن ان میں سے کوئی بھی نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔"

اوہو تو تمہارے بابا کے تئیں وہ فنی اعتبار سے کیسے ہیں۔

"انہوں نے اس کے متعلق کبھی کوئی خیال نہیں ظاہر کیا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ وہ بہت

زیادہ سائنٹیفک ہے۔ اُسے ذرہ برابر بھی محنت نہیں کرنی پڑتی لیکن کاروبار کا سارا نفع اسے پہنچتا ہے اور وہ اس کا کچھ حصہ ان لوگوں کے سامنے اس طرح پھینک دیتا ہے جیسے کتے کو ٹکڑا ڈالا جائے۔"

وہ خاموش ہو کر کلائی کی گھڑی دیکھنے لگی پھر بولی۔ "دو بجے کرنل فریدی کا جہاز ایئرپورٹ پر پہنچے گا۔ دیکھو ان کا کیا حشر ہوتا ہے۔"

"میں ان کا ایک حقیر ترین شاگرد ہوں بس اسی سے اندازہ کرلو۔"

"تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اُن کے لئے زہر کی تجویز تھی۔"

"نہیں....!" حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔

"اسکیم یہ تھی کہ ایئرپورٹ سے مسافروں کو لے جانے والی گاڑیوں میں پہلے ہی سے کچھ نہ کچھ نقص پیدا کردیئے جائیں۔ ظاہر ہے کہ مسافروں کو ان کی درستگی کا انتظار کرنا ہی پڑتا ہے۔ ایسے مواقع پر مسافروں کو کافی ضرور پیش کی جاتی ہے اور کافی کرنل کا پسندیدہ مشروب ہے.... ہاں تو کافی میں زہر.... کیا سمجھے۔"

"تم نے وہیں کیوں نہیں بتایا تھا۔" حمید مضطربانہ انداز میں اٹھتا ہوا بولا۔

"تو پھر کیا ارادہ ہے۔ مائی ڈیئر کپتان صاحب۔" لڑکی مسکرا کر بولی۔ "تم یہ مت سمجھنا کہ مجھے تم لوگوں سے ہمدردی ہے۔ میں تو دراصل اس گروہ کو تباہ کرنا چاہتی ہوں۔"

"لیکن ہماری مدد کئے بغیر تم کبھی کامیاب نہ ہو سکو گی۔" حمید نے کہا۔

"اسی لئے تو میں نے اتنا بڑا خطرہ مول لیا ہے اگر انہیں میری اس حرکت کا علم ہو جائے تو شائد میں دوسرے لمحے میں سانس بھی نہ لے سکوں۔"

"بہرحال تمہاری کامیابی کا انحصار صرف کرنل فریدی کی زندگی پر منحصر ہے۔"

"تمہاری زندگی پر کیوں نہیں ہے.... ڈیئر کیپٹن کی ماؤس۔" لڑکی نے ہنس کر پوچھا۔

"میں کھوپڑی کا استعمال بہت کم کرتا ہوں۔"

"تو کیا وہ کرنل کی کھوپڑی تھی جس نے سرخ غبارہ اڑایا تھا۔"

"نہیں وہ تو سو فیصدی میری ہی کھوپڑی تھی۔ ویسے کبھی کبھی چل بھی جاتی ہے۔ دیکھو مجھے باتوں میں مت الجھاؤ۔ مجھے فوراً واپس جانا چاہئے۔"

"اوہو! مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ تمہاری آخری رات نہ ہو۔"

"ہر رات میری آخری رات ہوتی ہے لیکن دوسرے ہی دن پھر کسی نئی لڑکی سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ میں تو اب تنگ آ گیا ہوں کسی ایسی جگہ جانا چاہتا ہوں جہاں لڑکیاں نہ ہوں۔"

"سب سے قریب کی جگہ قبر ہے کپتان صاحب، دنیا کی سڑی سے سڑی لڑکی بھی تمہاری قبر میں داخل ہونا پسند نہ کرے گی۔"

"حالانکہ قبر کا راستہ بھی مجھے کوئی لڑکی ہی دکھائے گی۔ اے لڑکی خدا کے لئے کوئی تدبیر کرو کہ میں جہاز کے لینڈ کرنے سے پہلے ہی ایئرپورٹ پہنچ جاؤں اچھا تم اتنا ہی بتا دو کہ شہر یہاں سے کتنی دور ہو گا۔"

"صرف دس میل....!"

"میرے خدا پیدل چل کر تو صبح تک بھی نہ پہنچ سکوں گا۔"

"ٹھہرو! مجھے سوچنے دو۔" لڑکی کچھ سوچنے لگی پھر بولی۔ "میں اس ویرانے میں تمہارے لئے بھی کار مہیا کر سکتی ہوں اور موٹر سائیکل بھی، لیکن میں تمہیں موت کے منہ میں نہیں جھونکنا چاہتی۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"میرا خیال ہے کہ اب انہوں نے منظم طور پر تمہاری تلاش شروع کر دی ہو گی۔"

"کرنل کی زندگی میری زندگی سے زیادہ قیمتی ہے تم اس کی پرواہ مت کرو۔"

لڑکی کچھ دیر کے لئے غار سے چلی گئی۔ حمید اس کا انتظار کرتا رہا۔ پھر اس نے واپس آ کر بتایا کہ ابھی تک چاروں طرف سناٹا ہی محسوس ہو رہا ہے دوسری بار وہ حمید کو بھی غار سے نکال لے گئی۔ پھر وہ تقریباً آدھے گھنٹے تک چلتے رہنے کے بعد ایک غار میں داخل ہوئے اور یہاں پہنچ کر حمید کی آنکھیں کھل گئیں، شاید یہ اسمگلروں کا اسلحہ خانہ تھا۔ یہاں اُسے گیارہ عدد موٹر سائیکلیں بھی نظر آئیں۔

"میں تمہارا شکر گذار ہوں اور تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ تمہارا نام کیا ہے۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"میں.... میرا نام.... نیلم ہے بس اب چپ چاپ کھسکو، چلو میں تمہیں وہ راستہ بھی دکھا دوں جس سے تم بہ آسانی سڑک پر پہنچ سکو گے۔ لیکن خدارا سڑک پر پہنچے بغیر موٹر سائیکل اسٹارٹ نہ کرنا ورنہ نتیجے کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔ میں یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ ان کا کوئی آدمی

آس پاس موجود نہ ہو۔ خیر تم نے وعدہ کیا ہے کہ تم نیلم کو یاد رکھو گے۔"

❁

بلی کی چیخ نے بہتیروں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ مگر اب تو وہ بلی کی لاش تھی۔ لوگ فریدی سے اس کے متعلق گفتگو کر رہے تھے اور فریدی جلد از جلد نشاط ہوٹل پہنچنا چاہتا تھا۔ وہ ویٹر بھی اب وہیں موجود تھا جس نے کافی میز پر لگائی تھی۔ اس کے چہرے پر پسینے کے قطرات نظر آنے لگے تھے لیکن فریدی نے اس کی طرف دوبارہ نہیں دیکھا۔

اس نے کسی کو نہیں بتایا تھا کہ بلی کیسے مری تھی۔

پھر وہ اٹھ ہی رہا تھا کہ حمید بوکھلایا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ سب سے پہلے اس کی نظر بلی ہی پر پڑی جس کے قریب دودھ کا برتن ابھی تک فرش ہی پر موجود تھا۔

"ویری فائن....!" وہ بیساختہ ہنس پڑا۔

فریدی نے آنکھ کے اشارے سے اسے خاموش رہنے کی تاکید کی اور اس طرح لہک کر اُس سے ملا جیسے اُسے اس کا ہی انتظار رہا ہو۔

حقیقت یہی تھی کہ ابھی سارے مسافر ایئرپورٹ ہی پر موجود تھے۔ کیونکہ اس وقت سروس میں صرف دو گاڑیاں تھیں اور دونوں ہی میں کوئی نہ کوئی خرابی پیدا ہو گئی تھی اور یہ وہی وقت تھا جب مینجمنٹ کی طرف سے مسافروں کا غصہ کم کرنے کے لئے کافی تقسیم کی جا رہی تھی۔

"چلئے....!" حمید نے آہستہ سے کہا۔ مجھے علم ہے کہ گاڑیاں خراب ہو گئی ہیں، میں آپ کو موٹر سائیکل پر نشاط لے چلوں گا اور بیگ انہیں دے دیجئے۔

حمید نے سادہ لباس والے کی طرف اشارہ کیا۔

فریدی اُسے اپنا سفری بیگ دے کر اٹھ گیا۔ لیکن وہ ویٹر کو کافی کی قیمت ادا کرنا نہیں بھولا تھا۔

حمید موٹر سائیکل چلا رہا تھا اور فریدی پچھلی سیٹ پر تھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ زہر والی اسکیم کا حال مجھے دیر سے معلوم ہوا۔" حمید بولا۔ "میرے خدا اگر وہ سور کے بچے کامیاب ہو گئے ہوتے تو....!"

"ایک نالائق آدمی سے تمہارا پیچھا چھوٹ جاتا۔" فریدی نے جواب دیا۔

"بیکار بور نہ کیجئے۔ میرا دل ہی جانتا ہے کہ اس سازش کا علم ہوتے ہی مجھ پر کیا گذری تھی۔

بس زہر کا نام سن کر دم نکل گیا تھا۔ مگر کرنل فریدی کسی آدمی کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک قوت ہے۔"

"قوت مؤنث ہے حمید صاحب اس کی آپ خود ہی نسبت دیجئے۔ مگر آخر آج کل آپ کن آسمانوں پر ہیں بے حد متحیر ہوں۔"

"ارے.... میں بیچارا....!"

"نہیں میں سنجیدگی سے پوچھ رہا ہوں تم روز بروز حیرت انگیز ہوتے جارہے ہو۔ تمہیں میری آمد کی بھی خبر تھی اور پھر یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مجھے زہر دیا جانے والا ہے کچھ تو بتاؤ۔"

"مؤنث....!" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ لیکن موٹر سائیکل کے شور نے فریدی تک وہ ٹھنڈی سانس نہ پہنچنے دی۔

"اوہ تو کیا تم اس گروہ کی کسی عورت پر ہاتھ صاف کرنے میں کامیاب ہو گئے ہو۔"

"نہیں.... بلکہ ایک عورت مجھ پر ہاتھ صاف کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے، اب چلئے اطمینان سے بتاؤں گا۔ میں نے واقعی بڑے لمبے لمبے تیر مارے ہیں۔ یہ موٹر بائیک بھی انہیں اسمگلروں کی ہے۔"

نشاط پہنچ کر حمید نے اپنے آدمیوں کو وہیں موجود پایا جنہیں اپنا تعاقب کرنے کو کہا تھا۔ وہ ان پر گرجنے برسنے لگا۔

"صاحب سنئے بھی تو سہی۔" ایک نے کہا۔

"سناؤ....!" وہ آنکھیں نکال کر دھاڑا۔

"ہم نے بڑی کامیابی سے آپ کا تعاقب کیا تھا لیکن ہمارے درمیان جو تیسری کار حائل تھی اس نے ہمیں بالکل بیکار کر دیا۔ ایک جگہ سڑک بہت پتلی تھی اور دوسری طرف ایک بہت گہری کھائی کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ بس وہیں ہم مات کھا گئے۔ وہ کم بخت وہاں اسی طرح کار روک کر غائب ہو گئے کہ راستہ ہی مسدود ہو گیا۔ واقعی جناب وہ عجیب سچویشن تھی۔ کافی دیر تک عقل لڑانے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ کار کو کھڈ میں گرائے بغیر ہم آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔"

"پہلے ہی کیوں نہیں پہنچے اس نتیجے پر۔" حمید غرایا۔

"ختم کرو۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

کچھ دیر بعد جب وہ لوگ چلے گئے اور حمید کو جماہیاں آنے لگیں تو فریدی نے کہا۔ "میں

صرف اس لئے آیا ہوں کہ مجھے تم پر حملوں کی اطلاع ملی تھی ورنہ یہ کیس تو اب ہمارے ہاتھ سے لیا جا چکا ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"کسی اور کے سپرد کیا جائے گا کیونکہ تم نے غلطی سے ان اسمگلروں کو پکڑ لیا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب.....!"

"کیا مطلب کا بھوت سوار ہو گیا ہے تم پر اچھا سو جاؤ۔ صبح بتاؤں گا۔"

"نہیں میں جاگ رہا ہوں، بات ہی سمجھ میں نہیں آئی۔"

"ان اسمگلروں کی پشت پر کوئی بہت بڑا آدمی ہے جس نے ہمارے محکمے کو بھی شیشے کے صندوق میں بند کر دیا ہے۔ صاف صاف یہ نہیں کہا گیا کہ اس کیس کا فائل بند کر دیا جائے گا بلکہ ہماری جگہ دوسرے کام کریں گے۔ لہٰذا اب اس میں مغز نہ مارو۔"

"تو کیا آپ ذاتی طور پر بھی باز آجائیں گے۔"

"یہ حالات پر منحصر ہے۔"

"تو گویا کل ہماری واپسی ہو گی۔"

"نہیں.... میں ابھی یہاں قیام کروں گا۔ ہیروئن کا کیس میرے ہی پاس ہے اور اس کے آج رات کے اعلان سے کچھ مترشح ہوتا ہے کہ وہ ٹیکم گڈھ ہی میں کہیں ہے۔ میں نے یہ اعلان طیارے میں سنا تھا کل وہ کوئی چیز پیش کرے گا۔ مگر خیر ہاں، وہ میں ضرور سنوں گا جو تم پر گذری ہے۔"

حمید نے اپنی داستان شروع کر دی اور جب سب کچھ کہہ چکا تو فریدی نے کہا۔ "بہت ممکن ہے کہ اگلی چوکی کے حفاظتی دستے کے کچھ لوگ بھی ان سے مل گئے ہوں اور سبز غبارے ان ہی کی طرف سے چھوڑے جاتے ہوں۔ ظاہر ہے کہ پورے دستے کو ملانا آسان کام نہیں ہے اور پورا دستہ ہر وقت ڈیوٹی پر رہتا ہے۔ کسی ڈیوٹی کے سپاہیوں کو ملایا ہو گا۔ لہٰذا میدان اسی وقت صاف ہوتا ہو گا جب ان کی ڈیوٹی ہو گی، مگر تم نے بھی سرخ غبارے کے امکانات پر غور کر کے کمال ہی کر دیا۔

فولادی

رات بڑی خوشگوار تھی، ٹیکم گڈھ کی شہری آبادی میں خوشگوار راتیں بڑی رونقیں لاتی تھیں، وہ بھی حسب معمول ویسی ہی ایک رات تھی، ابھی صرف آٹھ ہی بجے تھے، اس لئے سبھی سڑکیں بھری پُری نظر آرہی تھیں، ان میں مشن روڈ ایسی ہے جس پر گیارہ بجے تک تل رکھنے کی جگہ نہیں رہتی اس سڑک پر ٹھیک سوا آٹھ بجے بھگدڑ مچ گئی۔

ایک پر ایک گرنے لگا۔ نہ جانے کتنے بچے کچلے گئے، کتنی عورتوں کے چوٹیں آئیں۔ شور سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی، اچانک ایک آواز اس شور سے ابھری اور اس کے آگے اُس شور کی حیثیت مکھیوں کی بھنبھناہٹ سے زیادہ نہ رہ گئی۔ کوئی اس طرح بولا تھا جیسے مائیک میں بولا ہو۔

"ٹھہریئے۔ ٹھہریئے میں آپ کا دوست ہوں دشمن نہیں۔ میں آپ کی خدمت کروں گا۔ ٹھہر جایئے۔ خدا کے لئے اس طرح نہ دوڑیئے ورنہ حادثات ہوں گے۔"

"ٹھہر جایئے۔"

لیکن لوگ بھاگتے ہی رہے۔ تھوڑی دیر بعد مشن روڈ سنسان ہوگئی صرف مکانات کی کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں اور ان میں سر ہی سر نظر آرہے تھے۔

اب چوراہے کے ٹریفک کانسٹیبل کا کہیں نہ پتہ تھا اور نہ ڈیوٹی کانسٹیبلوں کا۔ جدھر جس کے سینگ سمائے تھے بھاگ نکلا تھا۔

پٹرول پمپ کے قریب لوہے کا ایک انسان نما ڈھانچہ کھڑا ہوا تھا، اسی ڈھانچے سے پھر آواز آئی۔ "بڑے افسوس کی بات ہے، آپ آخر مجھ سے ڈرتے کیوں ہیں، میں آپ کا خادم فولادی۔ میرا خالق ڈاکٹر ہرمین ہے، میں آپ کی خدمت کروں گا.... اوہ.... یہ چوراہا بھی ویران پڑا ہے کتنے افسوس کی بات ہے۔"

لوہے کا ڈھانچہ بالکل آدمیوں کے انداز میں چلتا ہوا چوراہے کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کے سر سے بہت ہی تیز قسم کی روشنی نکل کر چاروں طرف پھیل رہی تھی۔ اس روشنی کے سامنے سڑک کے ستونوں کی روشنیاں بالکل ایسی ہی لگ رہی تھیں جیسے کسی نے دھوپ میں چراغ رکھ دیا ہو۔

وہ چوراہے پر پہنچ کر رک گیا۔

چوراہے سے سگنل نہ ملنے کی وجہ سے چاروں طرف ٹریفک رک گئی تھی۔ ڈھانچے نے سگنل کے سوئچ بورڈ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ایک طرف کا سبز بلب روشن ہوگیا اور کاریں گذرنے لگیں، شاید ڈرائیو کرنے والوں کی سمجھ میں نہیں آسکا تھا کہ کیا معاملہ ہے۔ لیکن پھر یک بیک سرخ بلب کی سمت والی گاڑیوں سے لوگوں نے کود کود کر بھاگنا شروع کردیا۔

"ارے.... ارے....!" ڈھانچے سے آواز آئی۔ "بڑے افسوس کی بات ہے آدمی اور لوہے کے ڈھانچے سے اس قدر خائف.... ٹھہریئے.... خدا کے لئے ٹھہریئے۔ ذرا دیکھے بھی تو کہ فولادی کس طرح ٹریفک کو کنٹرول کرتا ہے۔ ہرمین آپ کا دشمن نہیں ہے وہ آپ کے فائدے کے لئے بہت کچھ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔"

لیکن لوگ بھاگتے ہی رہے۔

اس نے پھر کہا۔ "میں سمجھا تھا کہ آپ لوگ مجھ سے تعاون کریں گے، لیکن بڑے افسوس کی بات ہے، اچھا میں جارہا ہوں۔"

وہ پھر سڑک پر اتر آیا اور اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے۔ پھر خود بھی بڑی تیزی سے فضا میں بلند ہوتا چلا گیا اور چند ہی سیکنڈ میں اس کے سر سے نکلنے والی روشنی تارا نظر آنے لگی۔

کرنل فریدی اور کیپٹن حمید ریڈیو پر خبریں سن رہے تھے۔ دفعتاً خبریں سنانے والے کی آواز کتوں اور بلیوں کی آوازوں میں تبدیل ہوگئی۔

فریدی نے سگار جلانے کا ارادہ ترک کرکے سگار لائیٹر میز پر رکھ دیا، وہ دونوں نشاط کے ڈائننگ ہال میں تھے، رات کا کھانا دونوں نے ساتھ ہی کھایا تھا اور اس کے بعد سے اب تک یہیں بیٹھے رہے تھے۔

ریڈیو سے آواز آئی۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں پھر مخل ہورہا ہوں۔ میں ڈاکٹر ہرمین آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ فولادی سے تعاون کیجئے وہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا، وہ آپ کا خادم ہے آپ صرف اُسے ایک ماہ کا موقع دیجئے۔ وہ ٹیکم گڈھ کو ایک مثالی شہر بنادے گا۔ وہ آپ کو مجبور کردے گا کہ آپ قانون کا احترام کریں، اور اب میں آپ کے براڈ کاسٹنگ سسٹم پر اثرانداز نہیں ہونا چاہتا۔ آپ آئندہ اپنے ریڈیو یا مائیکروفون پر میری آواز نہیں سنیں گے، جو

حضرات مجھ میں دلچسپی لے رہے ہیں صرف وہی میری آواز سن سکیں گے، گندھک کا تیزاب اور لال کیسس کا محلول تیار کیجئے۔ ایک اسٹیتھو سکوپ یعنی وہ آلہ لے لیجئے جس سے معالج سینہ ٹسٹ کرتے ہیں، اب اس کا نچلا حصہ جو سینے پر رکھا جاتا ہے تیار شدہ محلول میں ڈال دیجئے اور اوپری حصہ کانوں میں لگایئے، اس طرح آپ روزانہ ساڑھے سات بجے شام سے آٹھ بجے تک میری آواز سن سکیں گے۔ میں جانتا ہوں کہ ملک کا نوجوان طبقہ مجھ سے محبت کرتا ہے میں آپ کے اس اعتماد اور محبت کو ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا۔ میں اس ملک کی ترقی کا خواہاں ہوں۔ آپ مجھے روز بروز اپنی خدمت میں اور زیادہ مصروف پائیں گے۔"

"میں آپ کا خادم ہرمین۔"

آواز بند ہو گئی اور ایک بار پھر وہی کتوں اور بلیوں والا شور سنائی دیا اس کے بعد پھر وہی ریڈیو اسٹیشن کی موسیقی تھی۔

فریدی نے کرسی کی پشت سے ٹک کر سگار سلگایا اسکی آنکھوں میں فکر کے بادل تیرتے نظر آئے۔

"کہیں.... یہ سابق نازی یہاں کسی انقلاب کی تیاری تو نہیں کر رہا ہے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"پتہ نہیں۔" فریدی نے ایک طویل سانس لی، چند لمحے خاموشی رہی پھر بولا۔ "بہر حال تو یہ خبر صحیح تھی کہ مشن روڈ کے چوراہے پر کسی لوہے کی پتلے نے ہنگامہ برپا کیا تھا، نام بھی کتنا معنی خیز ہے فولادی.... یعنی فولاد کے آدمی کا مخفف۔"

"مجھے تو یہ غپ ہی معلوم ہوتی ہے۔" حمید بڑبڑایا۔ "لوہے کے متحرک پتلے پہلے بھی دیکھے ہیں، لیکن کسی ایسے پتلے کے متعلق آج تک نہیں سنا جو بولتا بھی رہا ہو۔ کمال ہے، اس نے ٹریفک کنٹرول کرنے کی بھی کوشش کی تھی۔ کیا بکواس ہے۔"

فریدی اس پر کچھ نہیں بولا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید نے کہا۔ "تو آپ اسمگلنگ والے کیس سے دستبردار ہو چکے ہیں۔"

"فی الحال۔"

"میں تو فی الحال کے لئے بھی نہیں ہوں۔ مجھے ان لوگوں سے کچھ چڑھ سی ہو گئی ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ اس غار پر چھاپہ ماروں جہاں سے ایک موٹر سائیکل ہاتھ لگی تھی۔"

"میں قطعی مشورہ نہ دوں گا۔ جب کیس ہی ہم سے لیا جا چکا ہے تو ہم کیوں جھک ماریں۔"

"پہلی بار آپ کی زبان سے ایسا جملہ سن رہا ہوں مجھے حیرت ہے۔"

"ختم کرو۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں اب ہرمین کے علاوہ اور کسی کے متعلق سوچنا نہیں چاہتا۔ یہ کیس دلچسپ بھی ہوگا اور وقت طلب بھی۔ اسمگلروں کی پشت پر جو کوئی بھی ہے میں ہر وقت پکڑ سکتا ہوں۔"

"کون ہے۔"

"یہ نہیں بتاؤں گا وہ وقت دور نہیں ہے جب اس کے متعلق میرا فائیل مکمل ہو جائے گا۔ یا تو وہ رہے گا یا میں۔"

"آپ نے کہا تھا کہ وہ کوئی بڑا آدمی ہے۔"

"یقیناً.... وہ ایک ذی اثر آدمی ہے۔ ذی اثر نہ ہوتا تو کیس ہمارے ہاتھ سے کیوں لیا جاتا۔ پر یا تم پر اتنے دلیرانہ اور منظم حملے کیوں ہوتے۔ اگر سرکاری طور پر ہماری جڑیں زیادہ گہرائی میں نہ ہوتیں تو شاید ہم محکمے ہی سے الگ کر دیئے جاتے۔"

"اس حد تک....!"

"یقیناً....!"

"خدا کے لئے مجھے بتایئے وہ کون ہے۔"

"کوئی لڑکی نہیں ہے۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"مجھے اطمینان ہے کہ وہ کوئی لڑکی نہیں ہے ورنہ آپ اس کا تذکرہ اتنی شدومد سے نہ کرتے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔



نیلم اپنے اس غار سے باہر آئی جسے وہ لائبریری کے نام سے موسوم کرتی تھی۔ باہر چٹانوں پر آسمان سیاہیاں بکھیر رہا تھا۔ وہ سیاہ پتلون، سیاہ جیکٹ اور سفید دستانوں میں تھی۔ غار سے نکل کر اس غار کی طرف چلنے لگی جہاں سے اس نے پچھلی رات کیپٹن حمید کے لئے موٹر سائیکل نکالی تھی۔

کچھ دور چلنے کے بعد اچانک وہ ایک بہت ہی تیز قسم کی روشنی میں نہا گئی۔ اس کے چاروں طرف کچھ ایسی روشنی پھیلی ہوئی تھی جیسے سورج زمین پر اتر آیا ہو۔ بیساختہ اس نے اوپر کی طرف دیکھا اور اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

دوسرے ہی لمحے میں ایک سیاہ فام عفریت جس کے سر سے کرنیں سی پھوٹ رہی تھیں اس کے سامنے کھڑا تھا۔ نیلم کو سکتہ ہو گیا۔

"ڈرو نہیں لڑکی میں ڈاکٹر ہرمین کا فولادی ہوں، وہی پیش کش جس کا وعدہ اس نے پچھلی رات کو کیا تھا۔ مگر تم اتنی رات گئے اس ویرانے میں کیا کر رہی ہو۔"

نیلم کچھ نہ بولی۔ وہ بار بار اسے نیچے سے اوپر تک دیکھ رہی تھی۔ لوہے کا ایک انسان نما ڈھانچہ جس کے سر سے چاروں طرف تیز قسم کی روشنی پھوٹ رہی تھی۔ سینے پر چار چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں سی تھیں جن میں چار مختلف رنگوں کے چھوٹے چھوٹے بلب کبھی روشن ہو جاتے تھے اور کبھی بجھ جاتے تھے۔ اس نے محسوس کیا کہ ان کے جلنے اور بجھنے کا وقفہ غیر متعین نہیں ہوتا بلکہ وہ دو قسم کی آوازیں جو یکے بعد دیگرے مسلسل پیدا ہوتی ہیں انہیں کے ساتھ ہی وہ جلتے اور بجھتے ہیں۔

"ٹرن.... ٹچ.... ٹرن.... ٹچ.... ان آوازوں کے ساتھ ایک مسلسل آواز بھی تھی۔ ایسی آواز جو کسی پٹرومیکس لیمپ سے خارج ہوتی رہتی ہے۔"

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا لڑکی۔" فولادی نے کہا۔

دفعتاً نیلم قہقہہ مار کر ہنس پڑی اور ہنستی ہی رہی۔

"لڑکی میں بے حد خوش ہوں کہ تم مجھ سے خوفزدہ نہیں ہو۔" فولادی پھر بولا۔

"کرنل فریدی.... میں نے تمہیں پہچان لیا۔" نیلم نے انگلی اٹھا کر کہا۔ "تم بہت عظیم ہو۔ تم سب کچھ کر سکتے ہو۔ خدا کی پناہ۔ کل تم کس طرح بچ گئے تھے کیا تم پُر اسرار قوتوں کے مالک نہیں ہو۔ تم آسمان سے بھی اتر سکتے ہو۔ میں نے تمہاری حیرت انگیز داستانیں سنی ہیں۔ میں تمہیں دیکھنا چاہتی ہوں کرنل، براہِ کرم یہ لوہے کا نقاب اپنے چہرے سے الگ کر دو۔"

اس کی آواز بہت مدہم تھی، وہ کہتی رہی۔ "کیا کیپٹن نے تمہیں نہیں بتایا کہ میں ان لوگوں سے کتنی نفرت کرتی ہوں.... کیا میں نے ہی.... یہ نہیں بتایا تھا۔"

"لڑکی.... لڑکی....!" فولادی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "شاید تم کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو....

آؤ.... اور قریب آؤ.... مجھے اچھی طرح دیکھ لو تم شاید یہ سمجھتی ہو کہ میں کوئی آہن پوش آدمی ہوں۔ ڈرو نہیں.... آؤ.... قریب آؤ۔"

"میں ڈر کے ہجے نہیں جانتی۔" نیلم نے ہنس کر کہا۔

"اچھا تو آؤ.... مجھے دیکھو.... یہ شرف صرف تمہیں بخشا جا رہا ہے کہ تم مجھے قریب سے دیکھ سکو۔ شائد تمہارے علاوہ اور کوئی اتنا خوش قسمت نہ ثابت ہو سکے۔"

"مجھے کیوں یہ شرف بخشا جا رہا ہے؟"

"کیونکہ تم مجھ سے خائف نہیں ہو۔ ورنہ میں تو ابھی ایک ویران شہر دیکھ کر آ رہا ہوں، کتنی مضحکہ خیز بات ہے لوگ مجھے دیکھ کر اتنے بدحواس ہوئے کہ سر پیر کا ہوش نہ رہا۔ حالانکہ میں ایک آدمی کی ہی تخلیق ہوں۔"

نیلم نے پتلون کی جیبوں سے دونوں ہاتھ نکالے اور اس کی طرف بڑھ گئی۔ "بہت خوب" فولادی نے کہا۔ "تم سچ مچ ایک نڈر لڑکی ہو۔"

وہ بے حس و حرکت کھڑا رہا اور نیلم ہر ہر زاویئے سے اس کا جائزہ لیتی رہی، اندھیری رات سکوت کے اتھاہ سمندر میں تیرتی چلی جا رہی تھی۔

"اوہ....!" وہ کچھ دیر بعد ایک طویل سانس لے کر بولی۔ "سچ مچ آدمی نہیں ہو۔"

"میں فولادی ہوں۔"

"فولادی کسے کہتے ہیں۔"

"مجھے....!" فولادی نے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ کہا۔ پھر بولا۔ "آج سے ہم تم گہرے دوست ہیں کیوں؟"

"اوہو.... تم دوستی بھی کر سکتے ہو۔"

"میں.... ہاں.... میں دوستی بھی کر سکتا ہوں، تمہارے متعلق سوچ بھی سکتا ہوں۔ ارے تم اس طرح مسکرا کیوں رہی ہو۔"

"فولادی.... تم نے یقیناً شہر میں ہر اس پھیلایا ہو گا؟ آخر تمہارا مقصد کیا ہے۔ تم کس لئے بنائے گئے ہو۔ ہرمین تم سے کیا کام لینا چاہتا ہے۔"

"فی الحال وہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ وہ کتنا عظیم سائنسدان ہے۔"

"پھر....!"

"پھر کچھ بھی نہیں۔ پھر وہ صرف خدمت کرنا چاہتا ہے۔"

"تم کس طرح خدمت کر سکو گے۔"

"مثلاً.... اگر کوئی بھولی بھالی لڑکی راستہ بھٹک گئی ہے اور اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتی پھر رہی ہے تو میں اسے اس کے گھر پہنچادوں گا۔"

"تب تو تم بہت اچھے ہو۔ کیا تم کل صبح میرے ساتھ ناشتہ کر سکو گے۔ یہ رہا میرا وزیٹنگ کارڈ۔" اس نے جیب سے ایک کارڈ نکال کر فولادی کی طرف بڑھادیا۔

"شکریہ۔" اس نے نیلم کے ہاتھ سے کارڈ لیتے ہوئے کہا۔ "مگر مجھے افسوس ہے کہ میں آدمیوں کی طرح ناشتہ نہیں کر سکتا کیونکہ معدہ نہیں رکھتا۔"

"اس کے علاوہ اور سب کچھ آدمیوں کی طرح کر سکتے ہو۔"

"یقیناً....!"

"نہیں! تم میرا وزیٹنگ کارڈ بھی نہ پڑھ سکو گے۔"

"اوہ....!" اس نے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ کہا۔ "نیلم.... تیرہ مال روڈ، ٹیکم گڈھ۔"

"کمال ہے....!" نیلم سر ہلا کر بولی۔ "واقعی ڈاکٹر ہرمین عظیم ترین سائنسدان ہے۔ لیکن فولادی۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ حکومت بھی تمہارا وجود برداشت کرلے۔"

"مجھ سے غیر قانونی حرکت نہیں سرزد ہوگی۔"

"میرا خیال ہے کہ حکومت یہاں ڈاکٹر ہرمین کی موجودگی ہی نہیں پسند کرتی۔"

"ہاں تمہارا خیال درست ہے۔"

"تب پھر مجھے خدشہ ہے کہ تم توڑ پھوڑ ڈالے جاؤ گے۔"

فولادی اس انداز میں ہنسا جیسے اُسے کسی ننھے سے بچے کی بات پر بیساختہ ہنسی آگئی ہو۔

"میں اپنی حفاظت بخوبی کر سکتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"اگر تم پر گولے برسائے جائیں۔"

"مجھ سے تین فٹ کے فاصلے پر ہی وہ پلٹ جائیں گے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"سمجھنا چاہتی ہو۔"

"یقیناً.... میں ہر نئی چیز کو سمجھنا چاہتی ہوں۔"

"اچھا تو ایک پتھر اٹھا کر میری طرف پھینکو لیکن اُسے اتنی اونچائی پر پھینکنا کہ پھینکنے کے بعد زمین پر بیٹھ جاؤ، تو اس کی واپسی تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔"

"کیا میں سچ مچ ایسا ہی کروں۔"

"ہاں بھئی.... میں اجازت دیتا ہوں۔"

نیلم نے جھک کر ایک بڑا سا پتھر اٹھایا۔

"ٹھہرو.... یوں نہیں۔ مجھ سے کم از کم دس گز دور ہٹ جاؤ، ورنہ پتھر کی واپسی سے پہلے بیٹھ نہ سکو گی، بلکہ میرا خیال ہے کہ بیٹھ کر پھینکو، جتنی اونچائی پر وہ مجھ سے تین فٹ کے فاصلے پر آئے گا اتنی ہی اونچائی سے اس کی واپسی بھی ہوگی۔"

نیلم پیچھے ہٹی اور یک بیک فولادی آگ کا مجسمہ بن گیا بلکہ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی زمین دوز اسٹوو کی لپٹیں بلند ہوگئی ہوں جتنا فولادی کا قد تھا۔

نیلم نے پوری قوت سے وہ پتھر اس پر کھینچ مارا لیکن دوسرے ہی لمحے میں فولادی کے قول کی تصدیق ہوگئی، پتھر اس سے تین فٹ کے فاصلے پر ہی پلٹ کر دور جا گرا اور یہ حقیقت تھی کہ اگر وہ بیٹھی ہوئی نہ ہوتی تو وہ پلٹا ہوا پتھر خود اسی کا سرپاش پاش کر دیتا۔

فولادی پھر اپنی اصلی حالت پر آگیا۔

"تم نے دیکھا نیلم....!" اس نے ہنس کر کہا۔

"ہاں.... واقعی.... تم۔"

"سینکڑوں توپوں کے دہانے بھی اگر مجھ سے پر کھول دیئے جائیں تب بھی میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔ میرا کام محض خدمت خلق ہے۔ لیکن مجھ میں تخریبی قوتیں بھی موجود ہیں۔"

"فولادی اگر کبھی تم غلط راستوں پر نکل گئے تو کیا ہوگا۔"

"بڑی تباہی پھیلے گی۔ لیکن میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ کبھی میرے قدم غلط راستوں کی طرف بھی اٹھیں گے۔ اگر مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش بھی کی گئی تو میں صرف اپنا دفاع کروں گا۔ جوابی کاروائی مجھ سے نہیں ہو سکے گی۔ مگر تم یہاں اس ویرانے میں اتنی رات گئے نظر

آرہی ہو۔"

"میں.... مجھے ویرانے بہت پسند ہیں۔ آج ہی ادھر نکل آئی تھی۔ اب واپس جارہی ہوں۔"

"اچھا.... میں کسی دن تمہارے گھر آؤں گا۔ شب بخیر۔"

پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ فضا میں بلند ہو گیا۔

وہ بوڑھا

نیلم جیسے ہی اس عمارت میں داخل ہوئی نہ جانے کیوں اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اُسے خود بھی اس پر حیرت ہوئی کیونکہ وہ اسی عمارت میں رہتی تھی۔ یہ عمارت دراصل اسمگلروں کی ان کوٹھیوں میں سے ایک تھی جن میں اسمگل کیا ہوا یا کیا جانے والا مال رکھا جاتا تھا، لیکن پاس پڑوس والے بھی یہی سمجھتے تھے کہ نیلم کوئی رئیس زادی ہے اور وہ اتنی بڑی کوٹھی میں تنہا رہتی ہے عام آدمی کیا سمجھ پاتے کہ وہاں نظر آنی والی نوکروں کی فوج کا ہر آدمی اگر کوئی بڑا نہیں تو معمولی ہی قسم کا سانپ ضرور ہے۔

نیلم ان ملازمین کے درمیان شہزادیوں کی سی شان سے رہتی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ ان خانزادوں میں سے اکثر اُسے اپنا لینے کے خواب بھی دیکھتے رہے ہوں۔

وہ سب خطرناک آدمی تھے۔ جب مسکین صورت خانہ زاد اسمگلنگ کی کسی مہم پر روانہ ہوتے تو ان میں سے ہر ایک بھوکا بھیڑیا نظر آتا تھا، اکثر وہ ایسے مواقع پر آپس ہی میں لڑ جاتے اور دوسرے دن کہیں نہ کہیں ایک آدھ لاش ضرور ملتی۔ وہ ایسے ہی خطرناک اور وحشی تھے۔

لیکن نیلم ان سے ذرہ برابر بھی خائف نہیں تھی وہ ان پر اسی طرح حکم چلاتی تھی جیسے وہ سچ مچ اس کے غلام ہوں۔ یہ سب کچھ وہ اسی بوڑھے کی تقویت پر کرتی تھی جس کا تذکرہ اس نے کیپٹن حمید سے بھی کیا تھا۔ یہ بوڑھا بھی اکثر انہیں ملازمین کی بھیڑ میں نظر آتا اور پڑوسی اُسے بھی کوئی نوکر ہی تصور کرتے۔ نیلم نے اُسے کبھی اچھے لباس میں نہیں دیکھا تھا۔ لیکن وہ دوسروں پر اپنی برتری ضرور قائم رکھتا تھا۔ اس کے ساتھی اُس سے منفرد بھی رہتے۔ نیلم نے یہی محسوس کیا تھا لیکن اس نے ابھی تک کسی کو بھی کھلم کھلا نفرت کا اظہار کرتے نہیں دیکھا تھا۔

وہ راہداری سے گذر کر بڑے کمرے میں داخل ہوئی لیکن یہاں اندھیرا تھا اور اسی اندھیرے نے اس کے رونگٹے کھڑے کر دیئے تھے۔

وہ اس کمرے میں روشنی کئے بغیر آگے بڑھ گئی۔ دوسری راہداری بھی تاریک ہی ملی تھی۔ کیا عمارت اس وقت بالکل خالی ہی ہے اگر ایسا تھا تو یہ بات اس کے لئے قطعی غیر متوقع تھی کیونکہ اس سے پہلے کبھی عمارت خالی نہیں چھوڑی گئی تھی۔ اگر عمارت خالی ہی تھی تو صدر دروازہ کھلا کیوں رہنے دیا گیا تھا۔ وہ آگے بڑھتی رہی۔ آخر ایک کھڑکی میں اُسے روشنی نظر آئی۔

اب وہ پنجوں کے بل چلنے لگی تھی کیونکہ حالات معمول کے مطابق نہیں تھے۔ کھڑکی کے قریب پہنچ کر وہ رک گئی چونکہ اس کی پشت پر اندھیرا تھا۔ اس لئے وہ کھڑکی کے قریب رہ کر بھی اس کمرے کا جائزہ لے سکتی تھی، وہ سوچنے لگی کیا یہ کوئی ایسی پرائیویٹ میٹنگ ہے جس میں اس کی شمولیت غیر ضروری تھی۔ اس نے دیکھا کہ ان لوگوں میں وہ بوڑھا بھی موجود ہے جسے وہ بابا کہتی تھی! اُسے ان لوگوں کے علاوہ جو اس عمارت میں رہتے تھے کچھ نئے چہرے بھی نظر آئے۔ بوڑھا غصے میں بھرا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا ہوا تھا۔

دفعتاً وہ گونجیلی آواز میں بولا۔ "تم لوگ خود ہی نالائق ہو.... نیلم کو الزام نہ دو۔"

"تم حد سے بڑھ جاتے ہو، بڑے میاں۔" ایک تیکھے نوجوان نے غصیلی آواز میں کہا۔ "کیا تم ہم پر حاکم ہو۔ اپنے الفاظ واپس لو، ورنہ میں آج تم سے نپٹ ہی لوں گا۔"

بوڑھا اُسے قہر آلود نظروں سے گھورنے لگا لیکن کچھ نہ بولا۔ ادھر نیلم کا ہاتھ پتلون کی جیب میں رینگ گیا اور اس میں پڑے ہوئے اعشاریہ دو پانچ کے پستول پر اس کی گرفت مضبوط ہو گئی۔

اس نے آج سے پہلے کبھی بوڑھے کو اتنے غصے میں نہیں دیکھا تھا۔

"میں اپنے الفاظ واپس نہیں لوں گا۔" بوڑھا اٹھتا ہوا بولا اور پھر اس نوجوان کی طرف انگلی اٹھا کر بولا۔ "خصوصیت سے تم بڑے نالائق ہو گدھے ہو۔"

نوجوان نے اپنی جگہ سے جست لگائی اور کمرے کے وسط میں پہنچ گیا۔ بوڑھا جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔

"میں تمہیں اس بدتمیزی کی سزا ضرور دوں گا۔" وہ اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

نیلم کی عقل رخصت ہو گئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ان میں سے کوئی بوڑھے سے

اس طرح پیش آئے گا کیونکہ وہ ان پر بوڑھے کی برتری محسوس کرنے کی عادی ہو چکی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازے پر ٹھوکر ماری اور دونوں پھٹ کھل گئے۔ اب اس کا ریوالور اس کے داہنے ہاتھ میں تھا اور اس کی نالی اس گستاخ نوجوان کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔

"ٹھہرو گندے کیڑے....!" وہ غرائی۔ "تم میں اتنی جرأت کہ تم بابا کی شان میں گستاخی کر سکو۔ پیچھے ہٹو، ورنہ گولی مار دوں گی۔"

کمرے کی فضا پر بوجھل سی خاموشی مسلط ہو گئی۔ نوجوان کے قدم رک گئے تھے اور وہ مڑ کر نیلم کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

"کتے....!" وہ دانت پیس کر بولی۔ کچھ اور کہنا چاہتی تھی کہ بوڑھے نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"نیلم اسے جیب میں رکھ لو اور یہاں سے چلی جاؤ۔"

"کیا تم اس بدتمیز کو برداشت کر لو گے بابا۔"

"نہیں.... لیکن تم اپنے کمرے میں جاؤ۔" بوڑھے کا لہجہ بے حد سرد تھا۔

نیلم نے ایک جھرجھری سی لی اور پستول جیب میں ڈال لیا۔ بوڑھے نے کبھی اتنے سرد لہجے میں اُس سے گفتگو نہیں کی تھی، وہ چپ چاپ دروازے کی طرف مڑی اور باہر آ کر بہ آہستگی دروازہ بند کر دیا۔ مگر یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ کھڑکی سے بھی نہ جھانکتی۔

ایک بار وہ پھر پہلے ہی کی طرح کھڑکی کے شیشوں سے کمرے کے اندر کا جائزہ لے رہی تھی۔ بات بڑھ گئی تھی۔ اس نے سوچا ممکن ہے بوڑھے کو اس کی مدد کی ضرورت ہو کیونکہ وہ سبھی اُس سے نفرت کرتے تھے۔

"ہاں آؤ.... مجھے میری بدتمیزی کی سزا دو۔ اگر تم مجھے سزا دے سکے تو میں تمہاری سربراہی سے دستبردار ہو جاؤں گا۔" بوڑھے نے کہا۔

"تم ہمارے سربراہ کب ہو۔" نوجوان نے زہریلے لہجے میں پوچھا۔ "ہمارا سربراہ وہ ہے جس سے ہمیں احکامات ملتے ہیں۔"

"تمہارا سربراہ درجن ہے۔" بوڑھا نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "لیکن اُسے گھٹنوں کے بل چلنا میں نے ہی سکھایا تھا اور تم.... کیا تمہیں اس سے انکار ہو سکتا ہے کہ میری ہی عقل تمہاری بھی رہنمائی کرتی ہے۔"

"تم خاموش رہو میں کسی کی بھی چودھراہٹ نہیں برداشت نہیں کر سکتا۔"

دفعتاً بوڑھا آگے بڑھا اور قبل اس کے کہ نوجوان کا ہاتھ اُس پر اٹھتا کمرہ "چٹاخ" کی آواز سے گونج اٹھا۔ نوجوان لڑکھڑاتا ہوا اپنے ساتھیوں پر جا پڑا۔ بوڑھے کا تھپڑ اُس کے بائیں گال پر پڑا تھا۔

وہ خود سے نہ سنبھل سکا۔ دو آدمیوں نے سہارا دے کر اُسے کھڑا کرنا چاہا لیکن اس کا جسم گندھے ہوئے آٹے کے رول کی طرح دہرا ہو گیا۔ وہ اس طرح آنکھیں پھاڑ رہا تھا جیسے اس کے چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہو۔ اس کی بائیں آنکھ گوشت کا لوتھڑا معلوم ہونے لگی تھی۔ خون میں ڈوبا ہوا گوشت کا لوتھڑا۔

آخر اسے زمین پر ڈال دیا گیا۔

بوڑھا اپنی کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہمارا کیس کرنل فریدی سے لے لیا گیا ہے۔ غالباً وہ کسی اور کو سونپ دیا جائے گا لہٰذا اب فی الحال تم لوگ ان دونوں کا پیچھا چھوڑ دو۔ تم دیکھ چکے ہو کہ وہ کتنے چالاک ہیں۔ اگر ہم ان سے بھڑے بغیر اپنا کام کرتے ہیں تو بہتر ہے، ویسے میرا دعویٰ ہے کہ کرنل فریدی ٹیکم گڈھ سے اس وقت تک واپس نہیں جا سکتا جب تک کہ ہرمین کا سراغ نہ پا لے اور سبھی جانتے ہیں کہ ہرمین تک پہنچ جانا آسان کام نہ ہوگا۔ اس لئے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم بڑی آسانی سے اس پر ہاتھ صاف کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس کا وجود ہمارے لئے خطرناک ہے۔ وہ ضد پر آ جاتا ہے تو سب کچھ کر گزرتا ہے، دنیا کی کوئی طاقت اس کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی۔"

"اوہ.... اس کی ناک سے خون بہہ رہا ہے۔" کسی نے کہا۔

"میں نے ابھی اپنی بات ختم نہیں کی۔" بوڑھا غرایا۔

"جہنم میں گئی تمہاری بات۔" ایک آدمی اپنی جگہ سے اٹھ کر فرش پر پڑے ہوئے آدمی کی طرف جھپٹتا ہوا بولا۔ پھر یک بیک پاگلوں کی طرح چیخ اٹھا۔

"ارے.... یہ دم توڑ رہا ہے۔"

"شٹ اپ....!" بوڑھا آپے سے باہر ہو گیا۔ "اپنی جگہ پر واپس جاؤ۔"

"وہ سچ مچ مر رہا ہے۔"

"مرنے دو میں اسلئے تھپڑ نہیں مارتا کہ مار کھانے والا تھوڑی دیر بعد مجھ سے معافی مانگ لے۔"

نیلم لرز گئی۔ اس کی سانس تیزی سے چلنے لگی تھی، اس نے بوڑھے کو کبھی اس رنگ میں نہیں دیکھا تھا۔

"چلو.... بیٹھو اور اگر تم بھی اس کا ساتھ دینا چاہتے ہو تو میں تمہاری یہ خواہش پوری کرسکتا ہوں۔"

"یہ نہیں برداشت کیا جاسکتا۔" سب نے بیک وقت کہا۔

"پھر.... تم میرا کیا کرو گے۔"

"یہ مر گیا ہے۔" کئی آدمی بیک وقت چیخے۔

"میں کب کہتا ہوں کہ نہیں مرا۔ میرا تھپڑ ایسا ہی ہوتا ہے گردن کی ہڈی ٹوٹ جاتی ہے۔ چلو بیٹھو اپنی جگہوں پر اگر اس بغاوت اور دیدہ دلیری کی خبر درجن کو ہو گئی تو وہ ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑے گا۔ میں اس کے مقابلے میں زیادہ رحم دل ہوں۔"

نیلم نے دیکھا کہ وہ سب خاموشی سے اپنی اپنی جگہ پر واپس چلے گئے، اور نوجوان کی لاش وہیں پڑی رہی، مرنے سے پہلے اُسے خون کی بڑی سی قے ہوئی تھی۔

❁

"فولادی" فریدی نے کہا اور ٹہلتے ٹہلتے رک گیا۔ "ایک حیرت انگیز ایجاد ہے۔ لیکن اسے صحیح تسلیم نہیں کیا جاسکتا ہے کہ ہرمین کے ارادے نیک ہی ہوں گے۔"

"میں بڑا گدھا ہوں کہ میں نے ہی اُسے اب تک نہیں دیکھا۔" حمید بولا۔

"میں لڑ جاؤں سالے سے کشتی۔" قاسم نے سوال کیا۔

"ٹانگیں چیر کر پھینک دے گا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "ایسی حماقت بھی نہ کرنا۔"

"میں کیا اس سے کمزور ہوں۔"

"ابے وہ لوہے کا ہے.... ہاتھی کے ہم زلف....!" حمید نے خواہ مخواہ دانت پیس کر کہا۔

"تم خود ہاتھی کے ہم جفل.... حلف.... فلج.... ہو گا کچھ اس کی ایسی کی تیسی۔ دیکھئے کرنل صاحب منع کر لیجئے۔"

"قاسم....!" تم اس کے ساتھ آئے کیوں تھے۔

"ارے الا قسم.... میں بالکل الگ آیا تھا۔ بس یہاں ملاکات.... قات.... ہو گئی۔"

"لیکن کیا یہ ضروری تھا کہ تم بھی نشاط ہی میں ٹھہرتے۔"

"میں ہمیشہ یہیں ٹھہرتا ہوں.... قرنل.... کرنل صاحب۔"

"میں صرف اتنا ہی چاہتا ہوں کہ تم ہم لوگوں سے دور ہی دور رہو ورنہ ہو سکتا ہے کہ بعض لوگ تمہیں بھی ہم ہی سے متعلق سمجھ کر کوئی نقصان پہنچادیں۔"

"مجھے کیا نقصان پہنچائیں گے میں صاف صاف کہہ دوں گا کہ میرا ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"بے شرم کہیں کے۔" حمید غرایا۔ "تم یہ کیسے کہہ سکو گے۔"

"بے شرم کیوں.... ارے واہ۔" قاسم ہاتھ نچا کر عورتوں کے سے انداز میں بولا۔ "کیا میں تمہاری جورو ہوں۔"

"شاید تم اس وقت تنہائی چاہتے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں۔" قاسم نے کچھ سمجھے بوجھے بغیر جواب دیا۔

"تم اپنے کمرے میں جاؤ۔"

"تب.... بات.... یہ ہے۔"

"کوئی بات نہیں ہے۔ تم اپنے کمرے میں جاؤ۔"

"بہت اچھا۔" قاسم ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھا اور غصیلے انداز میں چلتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

کچھ دیر بعد تک خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔ "پچھلی رات میں نے فولادی کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ وہ کوئی آہن پوش آدمی ہے۔"

"پھر وہ کیسے دیکھتا.... بولتا اور سنتا ہے۔"

"پہلے تم اسے کم از کم ایک بار دیکھ لو پھر میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کروں گا۔"

دفعتاً حمید کی نظر دروازے کی طرف اٹھ گئی، ادھر فریدی کی پشت تھی۔ لہٰذا وہ قاسم کو نہ دیکھ سکا جو راہداری میں کھڑا حمید کو گھونسہ دکھا رہا تھا۔

حمید کو بیساختہ ہنسی آگئی کیونکہ قاسم گھونسہ دکھانے کے ساتھ ہی طرح طرح کے منہ بنا کر آہستہ آہستہ کچھ بڑبڑاتا بھی جا رہا تھا۔

حمید کو ہنستے دیکھ کر فریدی بھی مڑا۔ قاسم بوکھلا گیا اور اسی بوکھلاہٹ میں گھونسہ اٹھا رہ گیا، آنکھیں بند ہو گئیں اور زبان نکل پڑی۔

"یہ کیا ہو گیا ہے اسے۔" فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کچھ نہیں اس کی شامت آنے والی ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ آج رات کو اسے پلا کر کسی نائٹ کلب میں چھوڑ آؤں، پھر دوسرے دن صبح آپ وہاں جا کر اس کی لاش کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔"

دوسرے ہی لمحے میں قاسم دھڑ دھڑاتا ہوا اندر چلا گیا۔

"تم غارت ہو جاؤ گے۔" وہ حمید کی طرف انگلی اٹھا کر دھاڑا۔ "اللہ نے چاہا تو کیڑے پڑیں گے، دھواں اٹھے گا تمہاری قبر سے۔"

"کیا لغویت پھیلائی ہے۔" فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"آپ نہ بولئے وہ سالی مجھ کو کہتی ہے.... ہیلو ماموں جان.... ہیلو ماموں جان۔"

"کیا بک رہے ہو۔" فریدی بگڑ گیا۔

"اپنی کسی بھانجی کو سالی کہہ رہا ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم خود.... بھانجی.... اغ.... اُلو.... کی بھانجی.... سس.... مرو.... اچھا.... نکلنا باہر۔" قاسم آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ عقل کھوپڑی کے اوپر لہرا رہی تھی، جو کچھ وہ کہنا چاہتا تھا غصے کی زیادتی کی وجہ سے نہ کہہ سکا اور حمید کو گھونسہ دکھاتا ہوا باہر چلا گیا۔

"بھئی میں تم سے عاجز آ گیا ہوں۔" فریدی ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "تمہارے ملنے والے بھی میرے لئے وبال جان بن جاتے ہیں۔ آخر یہ کیا بک رہا ہے۔"

"ارے.... وہ کچھ نہیں تھا۔" حمید ہنس پڑا۔ پھر بولا "پچھلی رات ایک یورپین لڑکی سے اس کا تعارف کرایا تھا۔ نام ماموں جان بتایا۔ اس وقت یہ اُلو کا پٹھا ہی ہی کر رہا تھا۔"

"میں سب سن رہا ہوں۔" راہداری سے آواز آئی اور پھر قاسم سامنے آ کر بولا۔ "تم خود اُلو کے پٹھے۔ تمہاری سات پشتیں اُلو کی پٹھیاں۔ اب تم باہر نکلو تمہاری چٹنی نہ بنائی تو کچھ نہ کیا۔"

فریدی ہنسنے لگا۔ حمید تو پہلے ہی سے ہنس رہا تھا۔

قاسم بڑبڑاتا ہوا چلا گیا، اس بار حمید بھی اٹھا۔

"بیٹھو.... بہت زیادہ بچپنا بھی گراں گزرنے لگتا ہے۔"

"میں کہیں جا نہیں رہا ہوں۔ ذرا دیکھوں وہ ہے یا چلا گیا ہے۔"

حمید دروازے تک گیا اور راہداری میں جھانک کر پھر واپس آ گیا۔

"چلا گیا۔"

"ختم کرو۔" فریدی بیزاری سے بولا۔

کچھ دیر تک دونوں ہی خاموش بیٹھے رہے پھر فریدی بولا۔

"ہرمین کا مسئلہ اب کچھ وقت طلب ہو گیا ہے۔"

"کیوں....؟"

"پہلے جس ریسیونگ سیٹ پر ہم اس کی آواز سنتے تھے اس کا انٹینا شمال کی طرف اشارہ کرتا تھا اور تم یہ جانتے ہی ہو کہ ٹیکم گڈھ ہمارے یہاں سے شمال کی طرف پڑتا ہے۔ بہر حال جب میں نے اس کا وہ اعلان سنا کہ وہ ٹیکم گڈھ والوں کے لئے اپنی کوئی ایجاد پیش کرنے والا ہے تو میں نے ان ماہرین کو ٹیکم گڈھ طلب کیا تھا جو اس کیس میں میرے ساتھ کام کر رہے تھے، یہاں وہ اس کی نشرگاہ کی سمت معلوم کر لیتے مگر اب اس نے دوسرا طریقہ اختیار کر لیا ہے۔ اب اس طرح اس کے پیغامات نہیں سنیں جا سکیں گے جس طرح پہلے سنے جاتے تھے، لہٰذا اب میں نہیں کہہ سکتا کہ ماہرین نشرگاہ کی سمت معلوم کر سکیں گے یا نہیں۔"

"مجھے آج ہی معلوم ہوا ہے کہ آپ کے ساتھ کچھ ماہرین بھی کام کر رہے تھے۔"

"بھلا اس کے بغیر کیسے کام چلتا۔"

"بہر حال اب پھر کیا ہو گا۔ اب تو آپ اسٹیتھو سکوپ کے بغیر اس کی آواز نہ سن سکیں گے۔"

"یہی تو مشکل ہے۔"

"لیکن کیوں نہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے، اس کا وعدہ ہے کہ وہ کوئی غیر قانونی حرکت نہیں کرے گا۔ اب تو وہ ہماری نشریات میں بھی دخل انداز نہیں ہو گا۔"

"لیکن وہ جو کچھ بھی کہہ رہا ہے قطعی غیر قانونی ہے۔ حکومت کی اجازت حاصل کئے بغیر اس قسم کے کام نہیں کئے جا سکتے اور پھر وہ ہمارے لئے خطرہ بھی بن سکتا ہے۔"

"کچھ بھی ہو۔ فی الحال تو ہم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید نے پائپ کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑ کر دوبارہ تمباکو بھری۔ تھوڑی دیر کچھ سوچتا رہا پھر پائپ سلگا کر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ اسمگلروں والا کیس اس طرح نہ چھوڑیئے۔"

"آرڈر.... آرڈر ہے۔ میں اس کے خلاف کیسے کر سکتا ہوں۔"

"میں سچ کہتا ہوں کہ اب سارا کام بڑی آسانی سے ہو سکتا ہے۔ وہ لڑکی نیلم ایک اچھی مددگار ثابت ہو گی۔"

"حمید صاحب! اگر وہ سارے اسمگلر پکڑ لئے گئے تب بھی میں اسے ایک ناکام ہی کیس سمجھوں گا۔"

"کیوں....؟"

"اس آدمی کے خلاف ثبوت مہیا کرنا بڑا مشکل کام ہو گا جس کی سرپرستی میں اسمگلنگ ہوتی ہے۔ شاید ان اسمگلروں کو بھی نہ معلوم ہو کہ وہ کون ہے۔"

"تو وہ اسی طرح ہمیشہ آزاد رہے گا۔"

"یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ ہو سکتا ہے کبھی نہ کبھی میں اسے گرفت میں لے ہی لوں۔ لیکن فوری طور پر کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے بڑی محنت کرنی پڑے گی۔"

"تو وہ لڑکی.... کار آمد نہیں ثابت ہو سکے گی۔"

"اگر وہ لڑکی ہے تو تمہارے لئے ضرور کار آمد ثابت ہو گی۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"آپ خواہ مخواہ بات کو ٹوئیسٹ کر رہے ہیں۔ میں سنجیدگی سے گفتگو کر رہا ہوں۔"

"میں بھی سنجیدہ ہوں۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

"میں کل ٹیکم گڈھ سے جا رہا ہوں۔"

"یہ ناممکن ہے کیونکہ اب تم ہرمین والے کیس کو اسسٹ کر رہے ہو۔"

"مجھے اس کے لئے تحریری حکم نامہ نہیں ملا۔"

"اچھی بات ہے تم اسی وقت دفع ہو جاؤ۔ میں تمہارے بجائے امرسنگھ سے کام لوں گا۔"

"ضرور....!" حمید کا موڈ بگڑ گیا اور وہ اٹھنے لگا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم کل گھاٹم پار کے میلے میں جانا چاہتے ہو۔ میں تمہیں کبھی اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔"

"آپ کا خیال بالکل درست ہے میں کل یقینی طور پر گھاٹم پار جاؤں گا۔"

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ان اسمگلروں نے تمہیں مار ڈالنے کا خیال ترک کر دیا ہو گا۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ لڑکی....!"

"لڑکی کی بات نہ کیجئے۔ میں صرف کیس کی حد تک اس میں دلچسپی لے رہا تھا۔"

"تم بہت شریف ہو۔" فریدی مسکرایا۔

"کاش کسی لڑکی کے والد نے بھی کبھی یہ سوچا ہوتا۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لی، کچھ دیر تک منہ بنائے رہا پھر بولا۔ "کبھی کبھی مجھے اپنی زندگی کی ویرانی کا بہت شدت سے احساس ہوتا ہے اور میرا دل چاہتا ہے کہ ساری دنیا کو ویران کر دوں۔"

"یہ بڑی اچھی علامت ہے اگر جنسی بھوک اس راستے پر لگ جائے تو آدمی کو ہٹلر اور نپولین بنا دیتی ہے۔ شاید اسی لئے تم آج کل اتنے بے جگر ہو رہے ہو۔"

حمید اٹھ کر باہر چلا آیا۔ وہ دراصل کوفت میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اسمگلروں کے کیس میں اس نے سر دھڑ کی بازی لگا دی تھی لیکن عین اس وقت جب کہ اُسے کامیابی کا یقین ہو گیا تھا اس کی توقعات پر اوس پڑ گئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس اسٹیج پر ایسے غیر متوقع حالات پیدا ہو جائیں گے۔ حمید کی یادداشت میں شاذ و نادر ہی اس کے پاس ایسے کیس آئے تھے جن میں اس نے حقیقتاً دلچسپی لی ہو یہ کیس بھی انہیں کی فہرست میں آسکتا تھا۔ مگر اس کا انجام اس کے حوصلے پست کر دینے کے لئے کافی تھا۔ وہ ان لوگوں سے انتقام بھی تو نہ لے سکا جنہوں نے چار بار اس پر ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کی تھی۔

ویسے حمید کو فریدی سے توقع نہیں تھی کہ وہ ان لوگوں کا پیچھا چھوڑ دے گا کیونکہ اس سے پہلے بھی کئی کیسوں میں تفتیش کے دوران اعلیٰ حکام کی طرف سے رخنہ اندازی کی گئی تھی۔ لیکن وہ حقیقتاً ان کیسوں سے دست کش نہیں ہوا تھا اور پھر بعد کو حکام نے خود ہی اپنی غلطی تسلیم کر لی تھی، لیکن اس کیس میں خود فریدی ہی نے کاندھے ڈال دیئے تھے۔

اس دن پھر وہ فریدی سے نہیں ملا اور دوسری صبح وہ گھاٹم پار کے لئے روانہ ہو گیا، یہ مقام ٹیکم گڈھ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر تھا۔

لوگ جوق در جوق گھاٹم پار کی طرف جا رہے تھے۔ ان میں ٹورسٹ بھی تھے اور مقامی لوگ بھی۔

حمید نے اپنے چہرے میں کچھ زیادہ تبدیلی نہیں کی تھی صرف ایک عدد گھنی مونچھ کا اضافہ کیا تھا کہ قاسم سے محفوظ رہ سکے۔ قاسم آج کل ضرورت سے زیادہ خردماغ ثابت ہو رہا تھا۔ اسے علم تھا کہ قاسم بھی میلے کے لئے تیاریاں کر رہا تھا۔ چھوٹی چھوٹی ٹولیاں گھاٹم پار کی طرف چل پڑی

تھیں، مطلع صبح ہی سے ابر آلود تھا اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد ہلکی ہلکی پھواریں سی اڑنے لگتی تھیں مقامی لوگ عموماً پیدل ہی نظر آرہے تھے۔ ٹورسٹ خچروں اور ٹٹوؤں اور ڈانڈیوں پر سفر کر رہے تھے، یہاں سے گھاٹم پار تک کوئی باقاعدہ سڑک نہیں تھی اس لئے کاریں اور جیپیں وہاں تک نہ پہنچ سکتی تھیں۔

نشاط کے ٹورسٹ ایک ساتھ روانہ ہوئے تھے کیونکہ ان کے لئے ہوٹل ہی کی طرف سواریوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ لیکن قاسم بیچارہ پیدل ہی چل رہا تھا۔ کیونکہ خچر یا ٹٹو اپنی نسل ابھی تک کوئی قاسم نہیں پیدا کر سکے تھے۔ وہ چل تو پڑا تھا مگر اس کی حالت قابل رحم تھی۔ معلوم ہوتا تھا جیسے کسی پہاڑی چوٹی سے ایک بہت بڑا پہیہ لڑھکا دیا گیا ہو۔

حمید اُس سے زیادہ دور نہیں تھا۔ ہنسی کے مارے اس کے پیٹ میں بل پڑے جارہے تھے۔ دل چاہتا تھا کہ اپنی مصنوعی مونچھیں اکھاڑ پھینکے اور قاسم سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دے۔

لوگ اُسے دیکھ دیکھ کر ہنس رہے تھے اور قاسم نیچے سے اوپر تک چقندر ہو رہا تھا۔ اگر اس کا بس چلتا تو وہ ایک ایک کی ہڈیاں توڑ کر رکھ دیتا۔ ہنسنے والوں میں لڑکیاں پیش پیش تھیں اور ان میں وہ یورپین لڑکی بھی تھی جو قاسم کو ماموں جان مخاطب کرتی تھی۔

ایک بار اس کا ٹٹو قاسم کے ساتھ چلنے لگا۔

"ہیلو ماموں جان....!" اُس نے اُسے مخاطب کیا۔

لیکن قاسم منہ پھلا کر دوسری طرف دیکھنے لگا، انداز روٹھ جانے کا سا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قاسم متوقع ہو کہ وہ ٹٹو سے اتر کر اُسے منالے گی۔

"ماموں جان.... اگر تم تھک گئے ہو تو برانڈی پیش کروں۔" لڑکی نے پھر کہا۔ "مگر پانی ساتھی ہے کہاں، وہ تو تمہاری طرح غصیلا نہیں ہے۔"

"اس سالے کی ایسی کی تیسی۔" قاسم یک بیک اردو میں دہاڑا۔

"میں نہیں سمجھی کہ تم نے کیا کہا ہے۔" لڑکی نے کہا اور قاسم اس سالے کی ایسی کی تیسی انگریزی میں ترجمہ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ "سالے" کا ترجمہ "برادر ان لا" کیا لیکن "ایسی کی تیسی" میں ایسی گاڑی پھنسی کی قاسم کافی دیر تک ہکلاتا رہا۔

"پتہ نہیں تم کیا کہنا چاہتے ہو۔" لڑکی نے مایوسی سے کہا۔

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں۔" قاسم نے جھلا کر اردو میں کہا۔ "کہ خدا کرے تمہیں ٹی۔بی ہو جائے، جس نے تمہیں میرے پیچھے لگایا ہو اللہ کرے اس سالے کی زبان سڑ جائے، میرا باپ بھی سالا مجھے ماموں جان نہیں کہہ سکتا۔ خون پی جاؤں۔"

"پتہ نہیں تم کیا بک رہے ہو۔" لڑکی نے کہا اور اپنا ٹٹو آگے نکال لے گئی۔

پتھر کا شکار

ہزاروں قہقہے حمید کے حلق میں پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔ اس بے بسی کی وجہ یہ تھی کہ حمید خود کو قاسم سے بالکل ہی بے تعلق رکھنا چاہتا تھا۔

اچانک ایک جگہ نیلم دکھائی دی جو خاکی پتلون اور کتھئی جیکٹ میں ملبوس تھی۔ قاسم کو دیکھ کر وہ اپنے خچر سے اتر پڑی۔

"وہ تمہارا دوست کہاں ہے۔" اس نے چھوٹتے ہی قاسم سے سوال کیا اور قاسم کا موڈ پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو گیا۔

"مر گیا....!" وہ غرایا۔

"کیا مطلب....!"

"میں نہیں جانتا مطلب وطلب....!" قاسم نے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا۔

"میں کیپٹن حمید کے متعلق پوچھ رہی ہوں۔"

"کیا میں جیب میں لئے پھرتا ہوں اُسے... ہوگا کہیں۔ میں قیا.... کیا جانوں۔"

حمید اس وقت بھی انکے قریب ہی تھا اُسے تشویش ہو گئی کہ آخر وہ اُسے کیوں پوچھ رہی ہے۔

"تم ہوش میں ہو یا نہیں، موٹے آدمی.... میں تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں گی۔ تم دونوں نے اس رات میرے ساتھ فراڈ کرنے کی کوشش کی تھی۔"

پولیس کے نام پر قاسم بغلیں جھانکنے لگا۔

"میں نے اس سے کہا تھا کہ مجھے میرے گھر پہنچا دے لیکن راستے میں اس کے آدمیوں نے ٹیکسی گھیر لی اور وہ خود ٹیکسی سے اتر گیا۔ پھر اگر ڈرائیور اپنے اوسان بجا نہ رکھتا تو میں ڈوب ہی گئی ہوتی۔"

اب حمید نے غور کیا تو ان کے گرد اور بھی کئی آدمی نظر آئے جن میں ایک تو یقینی طور پہچانا جاسکتا تھا۔ کیونکہ نائٹ کلب والے ہنگامے میں بھی وہ شریک تھا۔ حمید نے سوچا ممکن ہے اب اس نے ان لوگوں کو اپنی طرف سے مطمئن کر دینے کے لئے یہ جال بچھایا ہو۔ اس کی بے صلاحیتوں کا اندازہ اسے پہلے ہی ہو چکا تھا۔

قاسم اور نیلم میں تکرار ہوتی رہی، معلوم نہیں کیوں قاسم اس وقت حمید کا پارٹ لے رہا تھا۔

"اچھی بات ہے۔" نیلم آخر کار بولی۔ "میں تم لوگوں سے سمجھ لوں گی۔"

"اے.... میں کچھ نہیں جانتا۔" قاسم پاگلوں کی طرح اپنے ہاتھ ہلانے لگا۔ "وہ تمہیں میں ملے گا۔"

نیلم پھر خچر پر بیٹھ کر آگے بڑھ گئی۔ حمید نے بھی اپنا خچر آگے بڑھایا اور ان لوگوں کی سے نکل گیا، جو نشاط سے روانہ ہوئے تھے۔

قاسم پیچھے رہ گیا۔

"تم اُلو بنانے میں بہت تیز ہو۔" اُس کے ساتھیوں میں سے ایک کہہ رہا تھا۔

"کیوں میں نے کسے اُلو بنایا ہے۔"

"کیا وہ فولادی والی کہانی صحیح تھی۔"

"حرف بحرف....!" نیلم نے جواب دیا۔

"تم اس سے ڈری نہیں تھیں۔"

"میں ایک فولاد کے ڈھانچے سے ڈروں گی۔ کہیں تم بھنگ تو نہیں پی گئے۔"

"نہیں.... نہیں۔" دوسرا بولا۔ "تم تو رستم کی نواسی ہو۔"

"تم تو بات ہی نہ کیا کرو۔ ذرا ان کی شکل دیکھنا یہ بھی مردوں میں بول لیتے ہیں۔"

دوسرے ہنس پڑے اور وہ بُرا سا منہ بنا کر خاموش ہو گیا۔ پھر خود بھی ہنسنے لگا۔

نیلم نے گردن اکڑا کر کہا۔ "میں اس کی شاگرد ہوں جس کا ایک تھپڑ لوگوں کی گردنیں دیتا ہے۔"

"کیا تمہیں اس پر افسوس نہیں ہوا تھا نیلم....!" ایک نے کہا۔

"افسوس ہوا تھا مگر وہ بھی تو حد سے بڑھ گیا تھا۔ تم میں سے کون ایسا ہے جس پر با

احسانات نہ ہوں۔"

"ہاں.... آں.... مگر اتنی سخت سزا۔ میں کہتا ہوں کہ اب تمہارے بابا کا ذہنی توازن بگڑنے لگا ہے اور عنقریب انہیں کوئی بہت بُرا دن دیکھنا پڑے گا۔"

"بُرے دن تو تم سبھوں کے لئے ہیں۔"

"ٹھیک ہے.... ہم ہر وقت قانون کی زد پر رہتے ہیں، لیکن اگر ہم میں سے کسی کا ہاتھ ان پر اٹھ گیا تو بعد میں ہمیں افسوس ہوگا۔ لہٰذا تم انہیں سمجھاؤ۔"

"یوں تو میں سبھوں کو سمجھاتی ہی رہتی ہوں۔"

"دیکھا۔" ایک آدمی چہک کر بولا۔ "اسے لکھ لو کہ یہ پولیس سے مل گئی ہے بوڑھے کو یقین نہیں آتا۔"

"فضول بکواس نہ کرو۔" اس آدمی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"کیا میں تمہیں اس بدتمیزی کا مزا چکھا دوں؟" نیلم نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"دیکھو! تم میرے سر نہ چڑھنا میں نے آج تک کسی عورت کا احترام نہیں کیا۔ میری ماں نے اتنے بُرے الفاظ میں یاد کرتی تھی کہ خود اس کا کیرکٹر مشکوک ہو جاتا تھا۔" اس آدمی نے کہا۔

"میں الفاظ نہیں جوتے استعمال کرتی ہوں تمہاری ماں کے بازوؤں میں سکت نہ رہی ہوگی۔"

"بھئی نیلم خدا کے لئے یہاں راستے میں کوئی ہنگامہ نہ کھڑا کر دینا۔" دوسرے آدمی نے کہا۔ "تم تو عقل استعمال کیا کرو۔"

"نہیں اسے ہنگامہ کرنے دو۔ میں بوڑھے سے ڈرتا ہوں نہ اسے کچھ سمجھتا ہوں۔"

"خاموش بھی رہو۔"

نیلم خاموش ہو گئی۔ وہ آدمی بھی چپ ہو گیا لیکن دونوں ہی ایک دوسرے کو خونخوار نظروں سے گھور رہے تھے۔ حمید کی سمجھ میں نہ آسکا کہ یہ لڑکی کس قسم کی ہے اور اپنے ساتھیوں میں اس پوزیشن کیا ہے۔

پہاڑیاں خچروں کے ٹاپوں سے گونجتی رہیں۔ کہیں کہیں بادل پھٹ گئے تھے، نیلے آسمان کی ٹکیاں بڑی دلکش معلوم ہو رہی تھیں۔

پہاڑی عورتوں کی ایک ٹولی گاتی ہوئی قریب سے گزر گئی۔ حمید نے اپنا خچر روک لیا تھا۔

وہ بھدی اور بے ہنگم عورتیں تھیں لیکن وہ اس وقت فطرت سے اتنی ہم آہنگ نظر آرہی تھیں کہ حمید انہیں دیکھتا ہی رہ گیا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ صدہا سال پرانی دنیا میں سانس لے رہا ہو، وہ بھول جانا چاہتا تھا کہ بیسویں صدی کا آدمی ہے، کتنا سکون تھا ان پہاڑی عورتوں کے چہرے پر، کتنی زندگی تھی ان کی آوازوں میں.... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اساطیری چشمہ حیواں کا پانی پی کر امر ہو گئی ہوں۔

حمید کافی دیر تک وہیں کھڑا لوگوں کو گزرتے دیکھتا رہا۔ پھر جب قاسم لڑھکتا ہوا قریب آیا تو وہ بھی خچر سے اتر پڑا اور دفعتاً اسے ایک نئی شرارت سوجھی، اس نے ہاتھ اٹھا کر بڑے ادب سے قاسم کو سلام کیا۔

"والے کم سلام۔" قاسم نے گڑبڑا کر جواب دیا اور خواہ مخواہ دانت نکال دیئے۔

حمید نے اپنی آواز بدل کر کہا۔ "آپ بڑے خوش نصیب ہیں جناب۔"

"قیوں....!" قاسم چلتے چلتے رک گیا۔

"وہ پتلون والی لڑکی جو ابھی آپ سے جھگڑا کر رہی تھی نا....!"

"ہاں ہاں....!" قاسم نے بھاڑ سا منہ کھول کر ہر ہلا دیا۔

"وہ آپ کے متعلق بڑی اچھی رائے رکھتی ہے، چلتے رہئے میں بھی اب پیدل چلوں گا۔"

"جرور.... ضرور.... جی ہاں.... مم.... مگر اچھی رائے۔ ہی ہی ہی، ہپ...." یک بیک قاسم نے "ہی ہی" میں بریک لگا دیا۔

"وہ ابھی اپنے ساتھیوں سے کہہ رہی تھی کہ آپ اُسے بہت اچھے لگتے ہیں۔"

"نائیں....!" قاسم کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور وہ چلتے چلتے رک گیا۔

"ہاں جناب.... مجھے آپ کی قسمت پر رشک آتا ہے اور میں سوچ رہا ہوں کاش میں بھی آپ ہی کی طرح لحیم شحیم ہوتا۔"

"ارے.... نہیں.... میں.... کیا.... ہی ہی ہی۔"

"نہیں جناب۔ وہ کہہ رہی تھی کہ میرا دل چاہتا ہے کہ ہر وقت اس دیوزاد کو دیکھتی رہوں۔"

"الا قسم....!" قاسم کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"یقین نہ ہو تو اُسی سے پوچھ لیجئے۔ ویسے میرا خیال ہے کہ آپ اس قابل نہیں ہیں۔"

"قیا مطلب....!" قاسم کے نتھنے پھولنے پچکنے لگے۔

"مطلب کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی عورت کسی ایسے آدمی سے خوش رہ سکتی ہے جو اس کا مزاج نہ پہچانتا ہو۔"

"واہ میں ہمیشہ سلام کے بعد مزاج شریف پوچھتا ہوں۔"

"لیکن وہ آپ سے جھگڑا کیوں کر رہی تھی۔"

"اوہ.... وہ میرا ایک دوست ہے نا حمید، اس نے اس لڑکی پر.... اوہ لڑکی سے مذاخ.... اخ.... مذاق کیا تھا۔ اسی پر وہ اتنی گرم ہو رہی تھی۔"

"کچھ بھی ہو۔ آپ اس موقع پر ضرور فائدہ اٹھایئے۔ کیونکہ وہ آپ سے جھگڑنے کے بعد بھی آپ کی تعریف کر رہی تھی۔"

"کاسے.... فائدہ.... اٹھاؤں۔"

"اس سے قریب رہنے کی کوشش کیجئے اور ہمیشہ کہتے رہئے کہ آپ کو اُس سے عشق ہو گیا ہے۔"

"ارے باپ۔" قاسم نے کچھ اس طرح منہ بنا کر پیٹ پکڑ لیا جیسے بدہضمی ہو گئی ہو۔

"کیوں.... کیوں؟"

"اگر.... خفا.... خفا.... ہو گئی تو کیا ہو گا۔"

"تو کیا ہو گا۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "آپ بھی بڑے وہی معلوم ہوتے ہیں۔ ارے اب کو خفا ہونا ہی تو اچھا لگتا ہے۔"

قاسم منہ پھیلانے لگا۔ وہ دونوں پھر چلنے لگے تھے۔

تقریباً ساڑھے گیارہ بجے وہ گھاٹم پار پہنچ گئے۔ حمید نے محسوس کیا کہ یہ ویسے بھی ایک اچھی تفریح گاہ ہے۔ پہاڑیاں سبزے سے ڈھکی ہوئی تھیں اور ان کے درمیان ایک چھوٹی سی جھیل تھی۔ ایسی ہی لگ رہی تھی جیسے زمرد کے ڈھیر میں ایک ہیرا پڑا جگمگا رہا ہو۔

جھیل کے چاروں طرف لکڑی کے کیبن نظر آرہے تھے، ان میں کچھ تو دوکانوں کی حیثیت رکھتے تھے اور کچھ رہائشی تھے۔ رہائشی کیبن دراصل ٹیکم گڈھ کے بڑے ہوٹلوں کی طرف سے اس لئے مہیا کئے گئے تھے کہ سیاحوں کو تکلیف نہ ہو۔ مگر ان سے وہی سیاح فائدہ اٹھا سکتے تھے، جو ان

ہوٹلوں میں مقیم رہے ہوں۔

میلہ اس وقت بھی شباب پر تھا اور اس مزار کے گرد تل رکھنے کی بھی جگہ نہیں تھی جس کے عرس کے سلسلے میں یہ میلہ ہوا کرتا تھا۔

عورتیں گا رہی تھیں، ڈھول پیٹے جا رہے تھے اور اکثر لوگ سیاہ رنگ کے جھنڈے اٹھائے ہوئے رقص کرتے ہوئے مزار کی طرف بڑھ رہے تھے۔

مشرق کی طرف ڈھلان میں لاتعداد دوکانیں پھیلی ہوئی تھیں، یہ یا تو لکڑی کے فریم کینواس منڈھ کر بنائی گئی تھیں یا ان میں صرف لکڑی استعمال ہوئی تھی۔

اس میلے کی تیاریاں تقریباً چھ ماہ پہلے سے شروع ہوتی تھیں اور میلہ تیرہ دن تک جاری رہتا تھا۔ کبھی کبھی بارہویں دن بھی ختم ہو جاتا تھا دراصل میلے کا اختتام پہلی چاند رات کو ہوتا تھا، لہٰذا شروع ہونے کی تاریخ سے اکثر ایک دن کا فرق بھی ہو جاتا تھا۔ لیکن اس فرق کو مقامی باشندے مزار والے پیر کے معتقدین بدشگونی تصور کرتے تھے جس سال بھی توقع ہوتی کہ چاند مہینے کے انتیسویں دن دکھائی دے گا اُس سال بھی تو میلہ لگتا ہی تھا۔ لیکن ان لوگوں میں بڑی بے دلی پائی جاتی تھی جو حقیقتاً میلے کے روح رواں ہوتے تھے۔ گیت فضا میں لہراتے لیکن ان میں زندگی نہ ہوتی، کالے جھنڈے اٹھا کر ناچنے والے ناچتے مگر ایسا معلوم ہوتا جیسے کوئی کوڑے مار مار کر انہیں ناچنے پر مجبور کر رہا ہو۔

چہل پہل میں بیساختگی نہ ہوتی اور مزار پر شہنائیاں بجانے والے صبح سے شام تک دل بھرے گیت فضاؤں میں بکھیرتے رہتے۔

اس سال تو میلے میں بڑی زندگی تھی، کیونکہ پچھلا چاند انتیس کا ہو چکا تھا لہٰذا توقع تھی کہ میلے کا اختتام تیسویں کے چاند پر ہوگا۔

حمید اپنا خچر اس طرف لیتا چلا گیا جہاں نشاط کا بورڈ نظر آ رہا تھا۔ منتظم کو وہ کارڈ دیا جو اُسے روانگی کے وقت نشاط سے ملا تھا۔ اُسے فوراً ہی ایک کیبن میں پہنچا دیا گیا۔

کیبن اتنا بڑا تھا کہ اس میں ایک پلنگ ایک چھوٹی سی میز اور دو کرسیاں آ سکیں لیکن اس کی سچویشن بڑی شاندار تھی، یہ جھیل پر جھکی ہوئی ایک مسطح چٹان پر واقع تھی اور کچھ دیر تک پانی کو دیکھتے رہنے پر ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے وہ کوئی ہاؤس بوٹ ہو۔

حمید کوٹ اتار ہی رہا تھا کہ نشاط کے ایک ملازم نے آ کر اطلاع دی کہ غلطی سے وہ کیبن اسے دیا گیا ہے۔ حقیقتاً وہ کسی اور کے لئے مخصوص تھا۔ حمید کو بڑا غصہ آیا اور اُس نے اُسے چھوڑنے سے صاف انکار کر دیا لیکن جب اس ہستی پر نظر پڑی جس کے لئے یہ کیبن پہلے ہی سے مخصوص تھا تو ایک بیساختہ مسکراہٹ اس کی گھنی مونچھوں کی اوٹ میں اٹکھیلیاں کرنے لگی۔ کیونکہ یہ ہستی نیلم تھی۔

نیلم کیبن کے باہر کھڑی اس کے نکلنے کی منتظر تھی۔

"بھئی یہ کیا مصیبت ہے۔" وہ ہاتھ ہلا کر ملازم سے بولا۔ "آخر تم مجھے یہاں کیوں نہیں رہنے دیتے۔ کیا میں اس چٹان سے جھیل میں چھلانگ لگا کر خودکشی کر لوں گا۔"

ویٹر ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔ "پتہ نہیں جناب! یہ سپروائزر صاحب جانیں۔"

"جاؤ سپروائزر کو بھیج دو۔"

"جناب آپ خواہ مخواہ بات بڑھا رہے ہیں۔" نیلم سامنے آ کر بولی۔

"اوہا....!" حمید چونک پڑا۔ پھر آہستہ سے بڑبڑایا۔ "آپ کی تعریف۔"

"کیبن آپ ہی کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔" ملازم نے جواب دیا۔

"اوہ.... بھئی تمہارا یہ سپروائزر آدمی ہے یا کسی جانور کی نقل جو عورت اور مرد میں تمیز نہیں کر سکتا۔"

"آپ اسے خالی کریں گے یا نہیں۔" نیلم نے جھنجھلا کر کہا۔

"نہیں....!" حمید نے بھی اُسی لہجے میں جواب دیا۔

"تم باہر آ جاؤ۔" نیلم نے ویٹر سے کہا۔

وہ چپ چاپ باہر آ گیا اور نیلم اندر گھستی چلی گئی۔

"میں نے آپ کو نشاط میں کبھی نہیں دیکھا۔ پھر یہ کیبن آپ کو کیسے مل گیا۔" حمید نے اس سے سوال کیا۔

"آپ براہِ کرم باہر نکل جائیے۔"

"تو کیا آپ یہاں تنہا رہیں گی۔"

"شٹ اپ....!" نیلم نے ہاتھ گھما دیا۔ لیکن ہاتھ کیبن کی دیوار پر پڑا اور حمید یہ کہتا ہوا

ایک طرف ہٹ گیا۔ "ذرا سنبھل کر کہیں میری مونچھوں کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے میں ان کا بیمہ کرا چکا ہوں۔"

ملازم بوکھلا کر اندر گھس آیا۔

لیکن نیلم دفعتاً ٹھٹک گئی اور دوسرے حملے کے لئے اٹھا ہوا ہاتھ اٹھا ہی رہ گیا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت تھی اور حمید سوچ رہا تھا کہ شائد اس نے اُسے پہچان لیا ہے۔

اچانک نیلم نے ملازم سے کہا۔ "تم جاؤ.... ہم لوگ طے کر لیں گے۔"

ویٹر شاید جانا نہیں چاہتا تھا۔ قدرتی بات تھی کہ اُسے یقیناً کھوج پڑی رہتی کہ ان دونوں نے اس مسئلے کو کس طرح طے کیا۔

"کیا تم نے نہیں سنا۔" نیلم غرائی۔

ویٹر بوکھلا کر باہر نکل گیا اور پھر وہ وہاں رکا ہی نہیں۔

نیلم بُرا سا منہ بنائے حمید کو گھور رہی تھی۔

"کیا میں تمہاری مونچھیں اکھاڑ لوں۔" اُس نے کچھ دیر بعد کہا۔

"اس سے پہلے اپنے دوستوں کو بلا لو تو بہتر ہے ورنہ ہو سکتا ہے کہ یہ مونچھیں اکھڑنے کے بعد ہتھکڑیاں بن جائیں۔"

"فضول باتیں نہ کرو.... اچھا ہوا تم مل گئے۔"

"تم نے پہچان لیا آخر....!"

"مونچھوں کے علاوہ اور کیا بات ہے کہ نہ پہچانتی، ویسے آواز بدلنے میں تم اپنا جواب نہیں رکھتے۔"

"شکریہ.... لیکن تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہو۔"

"اوہ تو کیا تمہیں مجھ سے دوبارہ ملنے کی خواہش نہیں تھی۔"

"نہیں.... اس معاملے میں بہت بدقسمت ہوں، میں جس لڑکی سے بھی دوبارہ ملنے کی خواہش کرتا ہوں اس کی شادی ہو جاتی ہے۔" حمید نے کچھ ایسے لہجے میں کہا کہ نیلم ہنس پڑی۔

"اچھا خیر... میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ کیا ہم لوگوں کا کیس تم سے لے لیا گیا ہے۔"

"کیوں....؟"

"بس یونہی.... میں اس کی تصدیق کرنا چاہتی ہوں۔"

"کس سے سنا ہے۔"

"تم آخر بحث کیوں کرنے لگتے ہو۔ میں ایک بات پوچھ رہی ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس کا تعلق ہماری ذات سے ہے اس لئے ہم سارے معاملات کی کھوج میں رہتے ہی ہوں گے۔"

حمید چند لمحے اُسے غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "تم نے ٹھیک سنا ہے۔ بیٹھ جاؤ۔"

نیلم ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ حمید کھڑکی سے جھیل میں دیکھ رہا تھا اور اس الجھن میں مبتلا تھا کہ آخر یہ لڑکی کیا چاہتی ہے۔ دفعتاً اُسے ایک بات یاد آ گئی اور اس نے نیلم کی طرف مڑ کر کہا۔

"اُس رات تمہاری کہانی ادھوری رہ گئی تھی میں اس کے متعلق اکثر سوچتا ہوں۔"

"کہانی کی بات چھوڑو.... تم دونوں اب بھی خطرے میں ہو۔ گروہ کا خیال ہے کہ ابھی تم ٹیکم گڈھ سے واپس نہیں جا سکتے۔"

"کمال ہے.... کیا اس گروہ میں فرشتے بھی شامل ہو گئے ہیں۔"

"نہیں.... بابا بہت باخبر آدمی ہے۔ اُس کا خیال ہے چونکہ فولادی بھی پہلی بار یہیں ظاہر ہوا ہے اس لئے کرنل فریدی ڈاکٹر ہرمین کو یہیں تلاش کرے گا۔"

"اوہ.... تو پھر....!"

"وہ کسی موقعہ پر تم دونوں کو دھوکے سے مار دیں گے۔"

"نیلم.... تم جانتی ہو کہ ہم ابھی تک نہیں مارے جا سکے۔ حالانکہ جتنے بھی حملے ہوئے دھوکے ہی میں رکھ کر کئے گئے تھے۔"

"اب اور بھی ہوشیار رہنا۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ لیکن تم آخر کیا بلا ہو۔"

میں ایک زخمی ناگن ہوں، جو نہ صرف زخمی کرنے والے کی تلاش میں ہے بلکہ اکثر انہیں بھی ڈس لیتی ہے جنہوں نے اس کا کچھ نہیں بگاڑا۔ میں مجبور ہوں کیپٹن۔ اپنی اصلاح کرنا چاہتی ہوں لیکن نہیں کر سکتی۔"

"اگر تمہارا گروہ گرفتار ہو گیا تو تمہارا حشر بھی اُن لوگوں سے مختلف نہیں ہو گا۔"

"وہ آگ تو ٹھنڈی ہو جائے گی، جو ہوش سنبھالتے ہی میرے ریشے ریشے میں دہک اٹھی تھی۔"

"میں اُسی آگ کے متعلق جاننا چاہتا ہوں... آخر انہوں نے تمہاری ماں کو کیوں مار ڈالا تھا۔"

نیلم کچھ نہ بولی۔ حمید اس کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ نیلم نے ایک طویل سانس لی اور پھر کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "میری ماں.... وہ بچی.... طوفان.... اوہ.... میرا باپ بھی اسمگلر تھا۔ ہر آدمی آزاد تھا۔ باہمی تعاون کے اصول پر وہ لوگ کام کرتے تھے اور نفع آپس میں تقسیم کر لیتے تھے۔ اتفاقاً ان میں سے ایک کا میرے باپ سے جھگڑا ہو گیا اور اس نے انہیں گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ اس پر میری ماں نے شاید ارادہ ظاہر کیا تھا کہ وہ اس کی اطلاع پولیس کو دے گی کہ اس کا قتل کیوں ہوا ہے اور وہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ وہ ایک اندھیری رات تھی۔ جب میرے باپ کے قاتل نے میری ماں کو بھی ختم کر دینا چاہا۔ وہ مجھے گود میں اٹھا کر مکان سے نکل گئی۔ اسی دوران میں بارش ہونے لگی اور میری ماں مکان سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ لیکن اس نے پیچھا نہیں چھوڑا۔ آخر ایک ویران جگہ پر اس نے اُسے بھی گولی مار دی۔ بابا جسے اُس کے بُرے ارادے کی اطلاع ہو گئی تھی برابر اس کا تعاقب کرتا رہا تھا۔ مگر وہ میری ماں کو موت کے منہ سے نہ بچا سکا۔ اُس نے پہلے ہی اُس آدمی کو اس حرکت سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن ناکام رہا تھا۔ بارش ہو رہی تھی اور میں اپنی ماں کی لاش سے چمٹی ہوئی چیخ رہی تھی۔ یہ مجھے بابا ہی نے بتایا تھا ورنہ میں اتنی چھوٹی تھی کہ مجھے تو کچھ بھی یاد نہیں۔ لیکن اب مجھے اُس ننھی سی بچی پر ترس آتا ہے، تم خود سوچو.... میرے خدا۔"

اُس کی آواز بھرا گئی لیکن اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے بجائے ایک وحشیانہ سی چمک تھی۔ اُس نے کچھ دیر بعد کہا۔ "بابا مجھے نہیں بتاتا کہ وہ کون تھا۔ زندہ ہے یا مر گیا۔ اب گروہ سے متعلق ہے یا کہیں اور ہے۔ میں اُس وقت تک اسی طرح سلگتی رہوں گی جب تک کہ اُس ننھی سی بے بس بچی اور اُس مظلوم عورت کا انتقام نہ لے لوں جس کی لاش رات بھر بارش میں بھیگتی رہی تھی۔"

"اس سلسلے میں اگر کسی اسٹیج پر خدمت کی ضرورت محسوس ہو تو مجھے نہ بھولنا۔"

"شکریہ۔" نیلم نے کہا۔ "میں شاید اکیلے ہی یہ مسئلہ حل کرنا زیادہ پسند کروں گی۔"

"موٹے سے میرے متعلق کیا پوچھ رہی تھیں۔"

"اُن لوگوں کو شبہ ہو گیا تھا کہ میں تم لوگوں سے مل گئی ہوں۔"

"تمہارا طریق کار ہی شبہ میں مبتلا کر دینے والا تھا۔"

"ہو گا۔" اُس نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔ "مجھے ایسی باتوں کی پرواہ نہیں ہوتی۔"

"اور وہ.... فولادی کا کیا قصہ تھا۔"

"کچھ بھی نہیں.... میں نے تقریباً آدھے گھنٹے تک اُس سے گفتگو کی تھی۔ وہ یقیناً حیرت انگیز ہے اور اس کا خالق اگر بُرائی پر آمادہ ہو جائے تو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت اُسے شکست نہیں دے سکتی۔"

پھر اُس نے وہ سب کچھ بھی بتایا جو اس سلسلے میں دیکھ چکی تھی۔ کس طرح وہ زمین پر اُترا تھا اور کس طرح وہ روشنی میں نہا گئی تھی اور فولادی کس طرح لوگوں کے حملے رد کر سکتا تھا۔

حمید حیرت سے سنتا رہا اور جب وہ خاموش ہوئی تو اس نے کہا۔ "میں ابھی تک اُسے نہیں دیکھ سکا۔"

"پھر تم لوگ ہرمین کو کیا تلاش کر سکو گے۔"

"میں ذاتی طور پر صرف تم لوگوں کی گھات میں ہوں۔"

"مشکل ہے.... اگر تم نے گروہ کو گرفتار بھی کر لیا تو کیا ہو گا۔ کیا تم اُس آدمی تک بھی پہنچ سکو گے جو سرغنہ ہے۔ پہلے بھی تو تم نے کچھ آدمیوں کو گرفتار کیا تھا۔ پھر کیا ہوا۔ کیا ضمانت پر رہا نہیں ہو گئے۔ جن لوگوں نے ضمانت دی تھی اب انہیں ٹٹولو.... لیکن وہاں کچھ بھی نہ ملے گا۔ بابا کا خیال ہے کہ سرغنہ تک کوئی بھی نہیں پہنچ سکتا۔"

حمید اس پر کچھ بھی نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد نیلم اٹھتی ہوئی بولی کہ وہ اس سے کیبن نہیں خالی کرائے گی۔ حالانکہ حمید اب کیبن چھوڑ دینے پر تیار تھا۔

❁

فولادی عشرت روڈ کے چوراہے پر کھڑا تھا اور سڑک کے دونوں طرف میلہ سا لگا ہوا تھا۔ لوگ اُسے دیکھنے کے لئے بچوں کے بل اچھل رہے تھے۔

چوراہا نو بجے کے بعد خالی ہو جاتا تھا کیونکہ اس وقت یہاں ٹریفک کا اژدہام نہیں ہوتا تھا۔ فولادی نے اس چوراہے پر پہنچتے ہی اعلان کیا تھا کہ وہ آزمائشی طور پر اس وقت ٹریفک کنٹرول کرنا چاہتا ہے۔

لوگ حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ وہ بالکل کسی آدمی ہی کی طرح ٹریفک کو رکنے اور گذرنے کیلئے اشارہ کر رہا تھا۔ اُس کے سر سے نکلنے والی روشنی چاروں طرف دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔

ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتا جارہا تھا۔ "بڑے شرم کی بات ہے کہ آپ لوگ رفتار کا خیال نہیں رکھتے۔ ذرا ذرا سی باتیں ہی معاشرے کی تباہی کا باعث بنتی ہیں۔ خدا کے لئے پندرہ میل سے زیادہ رفتار نہ رکھئے۔ قانون کی پابندی ہر شہری کا فرض ہے۔"

ٹیکم گڈھ کے محکمہ سراغ رسانی کے سپرنٹنڈنٹ واصف نے فریدی سے کہا۔ "آپ دیکھ رہے ہیں۔ میں تو کہتا ہوں ہرمین کو اُس کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے۔ وہ جو کچھ بھی کر رہا ہے اچھا ہی کر رہا ہے۔"

"آپ ایک قانون کے محافظ کی حیثیت سے ایسا نہیں کہہ سکتے۔" فریدی نے جواب دیا۔

"اوہ.... وہ دوسری صورت ہے۔ مگر یہ تو بتایئے کہ ہم کب تک بے بسی سے اُسے دیکھتے رہیں گے۔"

"جب تک کہ اس سے کوئی غیر قانونی حرکت نہیں سرزد ہوتی۔ حالانکہ یہ بجائے خود ایک غیر قانونی حرکت ہے لیکن کم از کم ہمیں اسے سمجھنے کا موقع تو ملنا ہی چاہئے۔ آج میں اس سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"پھر کیا میں اسے ادھر بلاؤں۔"

"نہیں.... خواہ مخواہ بھیڑ اکٹھی ہو جائے گی۔" فریدی نے کہا۔ "میں خود ہی جارہا ہوں۔"

وہ سڑک پار کر کے فولادی کے قریب پہنچ گیا۔ لوگ شور مچانے لگے کیونکہ آج تک کسی نے بھی اس کے قریب جانے کی ہمت نہیں کی تھی۔

"فرمایئے جناب۔" فولادی نے فریدی کے قریب پہنچنے پر کہا۔

"میں ایک پولیس آفیسر ہوں۔" فریدی نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

"میرے لائق کوئی خدمت۔"

"ہاں تم دوسروں کو قانون کا احترام کرنا سکھاتے ہو لہٰذا میں قانون ہی کے نام پر تم سے کہتا ہوں کہ چپ چاپ اس پولیس کار میں بیٹھ جاؤ۔"

"کیوں جناب۔"

"ہم تمہیں پولیس اسٹیشن لے جا کر تم سے گفتگو کریں گے اگر تم ہمیں مطمئن کر سکے تو تمہیں چھوڑ دیا جائے گا ورنہ وہی ہوگا جو مشتبہ آدمیوں کے ساتھ ہوتا ہے۔"

"میں آدمی تو نہیں ہوں جناب۔"

"ہم دراصل یہی دیکھنا چاہتے ہیں کہ تمہیں کس خانے میں رکھا جائے۔"

"یہ کیوں نہیں کہتے کہ پولیس اسٹیشن پر کچھ ماہرین مجھے سمجھنے کی کوشش کریں گے۔"

"تم میں رکھا ہی کیا ہے کہ سمجھنے کی کوشش کی جائے گی۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

فولادی ہنسنے لگا پھر بولا۔ "ابھی تک مجھے صرف دو ہی آدمی ملے ہیں، جو مجھ سے خائف نہیں ہوئے۔ ایک تو ایک لڑکی تھی اور دوسرے آپ ہیں جناب۔ میں آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔"

"تم میرے ساتھ چلنے سے انکار کر رہے ہو۔"

"نہیں جناب.... میں تیار ہوں لیکن خطرے سے آپ کو پہلے ہی آگاہ کر دوں۔ پہلی بات کسی کو بھی اجازت نہ ہوگی کہ وہ میرے قریب آکر میرے میکنزم کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ اگر کسی نے بھی مجھے توڑنے پھوڑنے یا کسی اور قسم کا نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو نتائج کی ذمہ داری سراسر آپ پر ہوگی۔ اگر آپ کو یہ منظور ہو تو ضرور لے چلئے مجھے۔"

"میں اس کی ذمہ داری لیتا ہوں کہ اس قسم کی کوئی بات نہ ہونے پائے گی۔"

"چلئے.... میں تیار ہوں۔ لیکن اگر آپ اس کار میں لے جانے کے بجائے کسی کھلے ہوئے ٹرک کا انتظام کرتے تو بہتر تھا۔ آپ میرا قد تو دیکھ ہی رہے ہیں۔"

"ٹرک کا انتظام بھی ہو جائے گا۔ تم ابھی یہیں ٹھہرو۔" فریدی نے کہا اور سڑک پار کر کے پھر واصف کے پاس آگیا۔

دو تین منٹ بعد انہیں ایک ٹرک مل گیا۔ فولادی کھلے ہوئے حصے پر جا چڑھا۔ واصف ڈرائیور کے ساتھ بیٹھا لیکن فریدی فولادی ہی کے قریب رہا۔

راہ میں اُس نے کوئی گفتگو نہیں کی۔ فولادی سے بھی آواز نہیں آئی۔ اُس کے سر سے نکلنے والی روشنی البتہ پہلے سے بھی زیادہ تیز ہو گئی تھی اور دور دور تک پھیل رہی تھی۔

لوگ سڑکوں کے کنارے کھڑے حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہے تھے۔ انہیں شاید فولادی سے زیادہ فریدی پر حیرت تھی، جو فولادی کے قریب ہی ٹرک کے کنارے سے ٹکا ہوا تھا۔ کیونکہ عوام کے لئے گوشت و پوست کا پہلا آدمی تھا، جو فولادی سے اتنا قریب دیکھا جارہا تھا۔

کوتوالی پہنچ کر فریدی ٹرک سے کود گیا اور اسی کے حکم سے کوتوالی کا پھاٹک بند کر دیا گیا۔

"نیچے اُتر آؤ۔" اُس نے فولادی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ایک بار پھر میری شرائط یاد رکھئے۔" فولادی نے کہا۔

"ارے.... آؤ بھی نیچے۔" فریدی جھنجھلا کر بولا۔ "تم میں رکھا ہی کیا ہے۔ کیا تمہارے ڈھانچے میں جابجا ٹیلیویژن کیمرے کے لینس نہیں ہیں اور یہ تمہاری کھوپڑی سے نکلنے والی روشنی اپنے حیطۂ عمل کی ساری چیزوں کا عکس اس پردے تک نہیں پہنچاتی۔ جہاں ایک چور بیٹھا ہوا تم سے کام لے رہا ہے۔"

فولادی سے قہقہے کی آواز آئی اور کہا گیا۔ "نہیں دوست تم اپنے خادم ہرمین کو چور نہیں کہہ سکتے وہ تمہاری بھلائی کے لئے کام کر رہا ہے۔ اتنا یاد رکھو اگر تیسری جنگ ہوئی تو ایشیا کھنڈر ہو جائے گا۔ کیونکہ بڑی طاقتیں اس بار ایشیا ہی کو اکھاڑہ بنانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ مجھے سکون سے کام کرنے دو۔ میں سب کے دانت کھٹے کر دوں گا۔ مجھے جنگ اور جنگ بازوں سے نفرت ہو گئی ہے۔"

"وہ بالکل ٹھیک ہے.... تم نیچے آجاؤ.... تفصیل سے گفتگو ہو گی۔"

"تم مجھے ایماندار آدمی معلوم ہوتے ہو۔" فولادی سے آواز آئی اور وہ نیچے اتر آیا۔

فریدی نے وہیں کوتوالی کے صحن میں ایک بڑی میز ڈلوادی۔ کچھ کرسیاں رکھ دیں گئیں اور فریدی چند بڑے آفیسروں کے ساتھ بیٹھ گیا۔ فولادی مجرموں کی طرح سامنے کھڑا رہا۔

"ڈاکٹر ہرمین میں تم سے مخاطب ہوں۔" فریدی نے پروقار لہجے میں کہا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم کوئی بُرا ارادہ نہیں رکھتے لیکن اگر تم باقاعدہ طور پر ہماری حکومت سے تعاون کرو تو کیا ہرج ہے۔"

"تعاون.... نہیں.... یہ ناممکن ہے۔ ایشیا کے سارے ممالک کسی نہ کسی بڑی طاقت کے دوست ہیں۔ اُس سے مالی امداد لیتے ہیں اس لئے میں اعتماد نہیں کر سکتا۔"

"تو یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ہاں.... قطعی.... لیکن تم ہر حال میں مجھے اپنا دوست پاؤ گے۔"

"تم ہمارے دوست کس طرح ہوئے جب ہم پر اعتماد نہیں کر سکتے۔"

"تم پر اعتماد ہے لیکن ان سکوں پر اعتماد نہیں ہے جو تمہیں بطور مالی امداد بڑی طاقتوں سے ملتے ہیں۔"

"بہر حال میں تمہیں وارننگ دیتا ہوں کہ اگر تم نے پندرہ دن کے اندر اندر خود کو ظاہر نہ کر دیا تو بہت بُری طرح لائے جاؤ گے۔"

فولادی سے قہقہے کی آواز آئی اور کہا گیا۔ "اچھی بات ہے۔ مجھے اس وارننگ پر غصہ نہیں آیا۔ میں تمہاری بھلائی کے لئے کام کرتا رہوں گا۔ یہاں ٹیکم گڈھ میں ایک نئی سڑک بنانے کا پلان مرتب کیا گیا ہے مگر جس علاقے سے سڑک نکالی جائے گی وہاں کے پہاڑ سخت ہیں ابھی تک یہ نہیں سوچا جا سکا کہ انہیں توڑنے کے لئے کون سا طریقہ اختیار کیا جائے۔ اس کے لئے میں اپنی خدمات پیش کرتا ہوں۔ کسی دن وہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔"

ٹھیک اُسی وقت فولادی سر سے پیر تک شعلہ ہو گیا اور ساتھ ہی کسی کی چیخ بلند ہوئی۔ دور کھڑے ہوئے کانسٹیبلوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ فولادی نے غرا کر کہا۔ "دیکھا تم نے.... کسی نے مجھ پر پتھر پھینکا تھا لیکن وہ پتھر اتنی ہی قوت سے واپس ہو گیا جتنی قوت سے پھینکا گیا تھا۔ لیکن میں نے غلط نہ کہا تھا کہ تم پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اب میں جا رہا ہوں۔"

یک بیک فولادی اُسی طرح شعلہ جوالہ بنا ہوا فضا میں بلند ہو گیا۔ کچھ دور پر ایک کانسٹیبل زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا۔ دیکھتے دیکھتے وہ ٹھنڈا ہو گیا۔ فولادی کی طرف سے لوٹا ہوا پتھر اس کے سر پر پڑا تھا۔ پتھر بہت وزنی تھا اور کافی قوت سے لگا تھا۔ اس لئے اس کی شکل بھی نہیں پہچانی جا رہی تھی۔ لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ پتھر کس نے پھینکا تھا۔

طوفان

میلے کی رونقیں شباب پر تھیں۔ چاند کی گیارہویں تھی اور مطلع بھی ابر آلود نہیں تھا۔ شفاف چاندنی کھیت کر رہی تھی اور قاسم اُس کھیت میں اونٹ کی طرح منہ اٹھائے کھڑا ٹھنڈی آہیں بھر رہا تھا۔ آہیں اس لئے بھر رہا تھا کہ اب نیلم اس بڑی مونچھوں والے میں دلچسپی لینے لگی تھی جس نے اُسے نیلم سے عشق کرنے کا مشورہ دیا تھا۔

وہ انہیں ساتھ دیکھتا اور اس کے سینے پر سانپ نہیں بلکہ اژدھے لوٹ جاتے۔ اس وقت وہ ایک جگہ خاموش کھڑا نہ کچھ سوچ رہا تھا اور نہ کچھ کر بیٹھنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس وقت تو حقیقتاً اُسے "غمید بھائی" کی یاد ستا رہی تھی۔ اُس کا خیال تھا اگر حمید یہاں موجود ہوتا تو اس کی مشکلیں یقینی طور پر آسان ہو جاتیں۔ کبھی اُسے اس بڑی مونچھوں والے پر غصہ آتا اور کبھی دل چاہتا کہ اُس سے بڑے شریفانہ انداز میں پوچھے کہ آخر اُس نے یہ کیا کیا؟ اگر خود اُسے ہی نیلم سے عشق کرنا تھا پھر خواہ مخواہ وہ ساری باتیں کیوں کہی تھیں؟

قاسم پر سچ مچ عشق سوار تھا۔ علامت اس کی یہ تھی کہ بعض اوقات اس کے ذہن میں اوٹ پٹانگ اشعار گونجنے لگتے تھے۔ وہ انہیں گنگنانے کی کوشش کرتا لیکن کامیابی نہ ہوتی۔ وہ سوچتا کہ طبیعت تو بہت بُرا ہوا۔ اب اُسے راتوں کو نیند نہ آئے گی اور اس کی خوراک بھی کم ہو جائے گی کیونکہ عشق کے متعلق اس نے یہی سن رکھا تھا اور دو چار عاشق بھی اُس کی نظروں سے گذرے تھے ویسے یہ اور بات ہے کہ نشاط کا عملہ اس کی مزید کھلی ہوئی بھوک سے تنگ آ گیا ہو۔

لوگ رنگ رلیاں منا رہے تھے لیکن قاسم کسی بے آب و گیاہ پہاڑ کی طرح اداس کھڑا تھا قریب ہی لگے ہوئے جھولے کی چرخ چوں اُسے بہت گراں گذر رہی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ جھولے پر بیٹھے ہوئے لوگوں کی ٹانگیں پکڑے اور کھینچ کر جھیل میں پھینک دے۔

پھر اُس نے سوچا کیوں نہ یہی برتاؤ بڑی مونچھوں والے کے ساتھ کرے۔ اُس کے قدم اٹھ گئے۔ وہ حمید کے کیبن کی طرف جا رہا تھا۔

حمید کیبن کے دروازے پر کھڑا نظر آیا لیکن تنہا تھا۔ اُس نے قاسم کو آتے دیکھ لیا۔ وہ پہلے ہی محسوس کر چکا تھا کہ قاسم اُسے غصیلی نظروں سے گھور تا رہتا ہے۔

"سلامالیکم بھائی صاحب۔" حمید نے بڑے جوش و خروش سے اُسے سلام کیا۔

"والے قم۔" قاسم نے غصیلی آواز میں جواب دیا اور اس کے قریب پہنچ کر رک گیا۔

"موسم بڑا حسین ہے۔" حمید نے کہا۔

"ہوغا سالا....!" قاسم غرایا۔

"کچھ خفا ہو بڑے بھائی۔"

"کچھ کھفا.... ہو.... باڑے.... بھائی۔" قاسم نے ہاتھ نچا کر جلے بھنے انداز میں اُس

لہ دہرایا۔

"ضرور خفا ہو.... آؤ چلو ٹہل آئیں۔"

"تت.... تم جھوٹے ہو.... دغا باز ہو۔"

"کیوں....؟"

"تم نے کہا تھا۔" قاسم کی آواز درد ناک ہو گئی اور کسی باحیا عورت کی طرح سر جھکا کر اپنی نگلیاں مروڑتا ہوا بولا۔ "تم نے کہا تھا کہ وہ.... مم.... مجھ سے.... یعنی.... کہ.... مجھے پسند تی ہے۔"

"کون.... آپ کس کی بات کر رہے ہیں جناب۔"

"وہی پتلون والی۔"

"اوہ.... وہ....!" حمید خوش ہو کر بولا۔ "جی ہاں.... جی ہاں.... وہ بھی یہی کہتی ہے۔"

"تم جھوٹے ہو۔"

"کیوں.... میں جھوٹا کیوں ہوں۔"

"تم اُسے ساتھ لئے پھرتے ہو۔"

"تو اس سے کیا ہوتا ہے۔"

"ارے واہ....!" قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ "کچھ ہوتا ہی نہیں۔"

"ہاں.... کیا ہوتا ہے۔ میں تو اُسے مشورے دیا کرتا ہوں۔"

"کیسے مشورے۔"

"بھئی بات دراصل یہ ہے کہ تم بالکل پہاڑ خاں ہو اور اس لئے وہ تم سے ڈرتی بھی ہے۔ وہ تی ہے میں کس طرح اُس سے اظہار محبت کروں۔ اگر وہ خفا ہو گیا تو....!"

"ارے.... واہ.... الا قسم.... وہ کر کے بھی تو دیکھیں اظہار محوبت.... میں بالکل کھفا ہیں ہوں غا۔"

"اچھی بات ہے.... اب میں تمہارا پیغام اس تک پہنچا دوں گا۔ مگر یار تم خود ہی کیوں نہیں رتے اظہار محبت۔ وہ خوشی سے مر جائے گی۔"

"تم خود مر جاؤ۔"

"اے بڑے بھائی یہ محاورہ ہے۔ خوشی سے مر جانا۔ مطلب یہ کہ شادیٔ مرگ۔"

"شادی بھی کر لے گی۔" قاسم خوش ہو کر بولا۔

"نہیں شادی تو شاید نہ کرے کیونکہ شادی وہ کسی ایسے آدمی سے کرنا چاہتی ہے جس بیوی ابھی زندہ ہو۔"

"اللہ قسم.... میری پہلی بیوی ابھی بالکل زندہ ہے۔" قاسم لہک کر بولا۔

"تب تو تمہاری چاندی ہی چاندی ہے۔ وہ تیار ہو جائے گی۔"

"پھر میں کیسے اظہار محبت کروں۔"

"آؤ.... اندر بیٹھو.... اطمینان سے گفتگو ہو گی۔ میں تمہارے لئے سب کچھ کر سکتا تم خواہ مخواہ میری طرف سے بدگمان ہو گئے ہو۔"

"چلو.... چلو....!" قاسم اس انداز میں بولا۔ جیسے کچھ دیر پہلے اُسے اس پر غصہ ہی نہ وہ دونوں کیبن میں آ بیٹھے۔

"تم خود ہی اس سے دور دور رہتے ہو۔ اسی لئے وہ تم سے بولتے ہوئے ڈرتی ہے۔" ح کہا۔ "ابھی آج ہی کہہ رہی تھی کہ کہیں میں مر ہی نہ جاؤں۔"

"ارے.... واہ.... مریں اس کے دشمن۔"

"بس پھر تم اظہار محبت کر ڈالو، ورنہ وہ حقیقتاً مر جائے گی۔ وہ کہتی ہے پتہ نہیں تمہیں پرواہ ہے بھی یا نہیں۔"

"میں اظہار محبت کیسے کروں۔ مجھے کرنا نہیں آتا۔" قاسم گڑگڑایا۔

"ہائیں! تمہارے والدین نے تمہیں اظہار محبت کرنا بھی نہیں سکھایا۔"

"یہی تو مصیبت ہے پیارے بھائی۔ میں بالکل چھوٹا تھا۔ تب ہی والدین مر گئے تھے۔ نے خلاف توقع بڑی صفائی سے جھوٹ بولا اور حمید متحیر رہ گیا کیونکہ قاسم نہیں جانتا تھا کہ کیسے بولا جاتا ہے۔

"خیر ٹھہرو.... میں بتاتا ہوں۔ اظہار محبت کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہے کہ ہو۔ چاندنی رات اور دریا کا کنارہ ہو تو کیا کہنا۔ یہاں یہ دونوں آسانیاں نصیب ہو سکیں گی چاندنی رات ہے اور سامنے یہ جھیل ہے۔ اسے جھیل کے کنارے لے جا کر ادھر اُدھر کی

کرتے رہنا۔ پھر دبی زبان سے کہہ دینا کہ مجھے آپ سے محبت ہو گئی ہے۔"

"ارے باپ رے۔" قاسم ہانپنے لگا پھر بولا۔ "پھر وہ کیا کہے گی۔"

"پھر اُسے جو کچھ بھی کہنا ہو گا کہے گی۔ ارے کہے گی کیا۔ یہی کہے گی کہ میں بھی آپ کے لئے دن رات ٹافیاں کھاتی رہتی ہوں۔"

"میں نہیں سمجھا.... ٹافیاں۔"

"مطلب یہ کہ میں بھی دن رات آپ کے لئے تڑپتی رہتی ہوں۔"

"الا قسم....!"

"ہاں بھئی۔"

"پھر کب.... یعنی کہ....!"

"ابھی اور اسی وقت۔" حمید نے کہا۔ "اس سے بہتر موقع پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ ہو سکتا ہے کل آسمان بادلوں سے ڈھکا رہے لہٰذا اس حسین چاندنی سے فائدہ اٹھاؤ۔"

"پتہ نہیں کہاں.... وہ کہاں ہو۔" قاسم نے کہا اور اپنے خشک ہوتے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"وہ اس وقت اپنے کیبن میں ہے۔"

"مگر وہ آنے ہی کیوں لگی۔"

"ہاں اس طرح تو نہیں آئے گی۔ تم اس سے یہ کہنا کہ بڑی مونچھوں والے نے بلایا ہے بس ہ سمجھ جائے گی۔"

"کیا سمجھ جائے گی۔"

"یہی کہ میں نے اس کی سفارش کر دی ہے اور تم اظہار محبت کے لئے اُسے جھیل کے نارے لے جانا چاہتے ہو۔ تم اُس سے یہ کہنا کہ بڑی مونچھوں والا چاندنی رات میں جھیل کے نارے انتظار کر رہا ہے۔"

"اے دل دھڑکتا ہے پیارے بھائی۔" قاسم پیٹ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

"مرد بنو.... جاؤ.... میں اس قسم کے مشورے ہر ایک کو نہیں دیتا۔ تم سے نہ جانے کیوں تنی محبت ہو گئی ہے۔"

"اچھا....!" قاسم نے دانت نکال دیئے۔

"بس اب جاؤ۔"

"قاسم باہر نکل کر نیلم کے کیبن کی طرف چل پڑا۔

❁

نیلم نے جھیل کے کنارے پہنچ کر چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ کہاں ہے۔"

"وہ.... وہ.... ابھی تو یہیں تھا۔" قاسم ہکلایا۔

پھر اُس نے محسوس کیا کہ نیلم اُسے گھور رہی ہے۔ اُسے فوراً یاد آگیا کہ ہدایت کے مطا
اُسے اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دینی چاہئیں۔

"وہ دیکھئے.... مطلب یہ کہ ادھر کی بات یہ ہے.... یہ جھیل ہے نا.... یہ چاند ہے نا..
اور اُدھر کی بات.... یا.... خدا.... خدا جانے.... اُدھر کی بات یعنی اِدھر اُدھر کی باتیں۔"

"کیا آپ نشے میں ہیں۔" نیلم نے پر سکون لہجے میں پوچھا۔

"قسم لے لیجئے جو آج تک شراب چکھی بھی ہو۔"

"پھر افیون یا چانڈو سے شوق کرتے ہوں گے۔"

"ارے توبہ توبہ۔" قاسم زور زور سے اپنے گالوں پر تھپڑ مارنے لگا۔

"آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں۔" نیلم نے غصیلی آواز میں کہا۔

"ارے بھائی صاحب۔" قاسم نے بوکھلا کر شائد حمید کو آواز دی اور پھر دونوں ہاتھوں۔
منہ بند کر کے ہکلانے لگا۔

"دیکھئے.... اِدھر.... اُدھر کی باتیں تو کر چکا.... اب دیکھئے.... چاندنی کے کنارے..
جھیل ہو گیا ہے۔"

"آپ آدمی ہیں.... یا ہونق....!"

"جی ہاں آدمی.... نہیں ہونق.... مم مگر.... ہونق کسے کہتے ہیں۔"

"آئینے میں شکل دیکھتے وقت سوچا کرو کہ ہونق کسے کہتے ہیں۔"

"بہت بہتر.... اب سوچا کروں گا۔" قاسم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ اسے دراصل جید

دوسری ہدایت یاد آگئی تھی۔ یعنی دبی زبان سے اظہار محبت کرنا۔

دبی زبان سے کیسے؟ اُس نے سوچا۔ لیکن پھر دوسرے ہی لمحے میں دانتوں تلے زبان دبا کر
بولا۔ "آپ سے جنگ ہے۔"

"کیا.... میں نہیں سمجھی۔"

"آپ سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ میں نے تو اپنا فرض ادا کر دیا۔" قاسم نے زبان کو دانتوں کے دباؤ
سے آزاد کر کے کہا۔

"کیا کہا تھا ابھی آپ نے۔"

"جو کچھ کہا تھا دبی زبان سے کہا تھا.... جی ہاں.... جی ہاں.... اور آپ بالکل فکر نہ کیجئے
میری بیوی ابھی زندہ ہے۔"

نیلم دو چار قدم پیچھے ہٹی اور ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر بولی۔ "بتاؤ مجھے یہاں کیوں لائے تھے،
ورنہ سر کے بیس ٹکڑے کر دوں گی۔"

"ارے باپ رے۔" قاسم بوکھلا کر پیچھے ہٹا اور پھر بڑی دردناک آواز میں کراہا۔ "اے....
پیارے بھائی۔"

"بتاؤ جلدی...." نیلم غرائی۔

"ب.... بتاتا ہوں.... اظہار محبت.... جی ہاں۔"

"اوہ....!" نیلم ہونٹ سکوڑ کر بولی۔ "اچھا.... زمین پر اوندھے لیٹ جاؤ۔ میں بھی اظہار
محبت کروں گی۔"

قاسم کے حلق سے عجیب سی آوازیں نکلنے لگیں۔ پتہ نہیں یہ خوشی کا اظہار تھا یا حیرت کا لیکن
اس نے حکم کی تعمیل میں دیر نہیں لگائی، جیسے ہی وہ لیٹا نیلم اچھل کر اُس پر کھڑی ہو گئی۔

"ارے.... ہائیں۔" قاسم کراہا۔

"پڑے رہو چپ چاپ۔ تم کیسے اُلو کے پٹھے عاشق ہو۔"

پھر وہ باقاعدہ طور پر اس پر اچھلنے کودنے لگی۔

"ارے.... ارے.... اترو.... ہائیں۔"

"میں اسی طرح محبت کرتی ہوں۔ چپ چاپ پڑے رہو۔"

دفعتاً ایک طرف سے آواز آئی۔ "یہ کون ہے.... کیا ہو رہا ہے۔"

اور پھر ایک آدمی دوڑتا ہوا ان کے قریب آیا۔ یہ حمید تھا۔

"یہ دیکھو.... یہ ہو رہا ہے۔" نیلم اُسی طرح اچھلتی کودتی ہوئی بولی۔ "میں اظہار مسرت کر رہی ہوں۔"

"ہٹو.... اترو۔" حمید نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔ نیلم اُس پر سے اتر آئی اور قاسم جلدی سے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے ایک بار پھر ڈھیر ہو گیا۔

"اس کا دماغ چل گیا ہے۔" نیلم غرائی۔ "تمہاری وجہ سے صرف اتنی ہی سزا دی ہے ورنہ چھرا مار کر آنتیں نکال دیتی۔"

"ارے جاؤ.... جاؤ.... بڑی.... آئیں.... آنتیں نکالنے والی۔" قاسم ہانپتا ہوا غصیلی آواز میں بولا۔ "تم نے ابھی مجھے اُلو کا پٹھا کہا تھا۔ تم خود اُلو کی پٹھی۔"

"ارے ہاں ہاں۔" حمید بول پڑا۔

"تم چپ رہو ورنہ تمہاری مونچھیں اکھاڑ لوں گا۔"

"تم کیا اکھاڑو گے۔" نیلم نے کہا۔ "ذرا اکھاڑو تو.... اتنے ہاتھ پڑیں گے کہ واپسی کے لئے راستہ نہ سجھائی دے گا۔"

حمید نے سوچا کہ اب اس کی شامت آجائے گی۔ یعنی قاسم جھینپ مٹانے کے لئے اُس پر ٹوٹ پڑے گا لہٰذا وہ اچھل کر دور ہٹ گیا۔

"اب بھاگتے کیوں ہو بیٹا۔" قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ "کھڑے رہو نا.... میں تمہاری چٹنی بنا ڈالوں گا۔ تم نے مجھے دھوکا دیا۔"

ٹھیک اُسی وقت سناٹے میں ایک گرجدار آواز گونجی۔ "ہٹ جاؤ.... جھیل سے ایک فرلانگ کے فاصلے پر ہٹ جاؤ۔ طوفان آرہا ہے۔ جھیل کے قریب والے کیبن خالی کر دو۔ طوفان ادھر ہی سے گذرے گا۔"

وہ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگے۔ آواز پھر آئی۔

"فولادی۔" نیلم بڑبڑائی۔ "یہ آواز فولادی ہی کی ہے بھاگو۔"

نیلم دوڑنے لگی۔ اس کے پیچھے حمید بھی دوڑا۔ قاسم کے لئے البتہ دشواری تھی۔ وہ تیز نہیں

دوڑ سکتا تھا۔ پھر بھی وہ گرتا پڑتا بھاگا۔ کچھ دور چلنے کے بعد اُس نے دیکھا کہ لوگ کیبنوں سے نکل نکل کر بھاگ رہے ہیں۔ شور کی وجہ سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ قاسم بھی بھاگنے والوں کی بھیڑ میں جا ملا۔

اچانک ایک تیز قسم کی روشنی جو چاندنی پر حاوی ہو گئی تھی۔ چاروں طرف پھیل گئی۔ ایک اونچی چٹان پر فولادی کھڑا کہہ رہا تھا۔ "ٹھیک ہے تم طوفان کی زد سے نکل آئے ہو۔ لیکن اگر جھیل کے قریب والے کیبنوں میں کچھ لوگ رہ گئے ہیں تو انہیں اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھو لینا چاہئے۔ پانچ منٹ بعد طوفان ان کے پرخچے اڑا دے گا۔ ادھر آجاؤ.... کیبن چھوڑ دو، یہ مذاق نہیں ہے میں بالکل صحیح اطلاع دے رہا ہوں۔"

قاسم کھڑا پلکیں جھپکا رہا تھا۔ اُس کے لئے بھی یہ پہلا ہی اتفاق تھا۔ ویسے اس نے فولادی کے متعلق ضرور سنا تھا۔ اچانک اس نے دو آدمیوں کو اس چٹان کی طرف بڑھتے دیکھا۔ یہ نیلم اور حمید تھے۔ لوگ شور مچانے لگے۔

"ادھر کون آرہا ہے۔" فولادی سے آواز آئی۔ "دیکھو تم لوگ مجھ پر پتھر وغیرہ مت پھینکنا۔ تم دونوں ادھر کیوں آرہے ہو۔ اوہ.... تم ہو لڑکی.... آؤ آؤ.... یہ دوسرا کون ہے۔"

اُن دونوں نے جواب میں جو کچھ بھی کہا وہ کوئی نہ سن سکا کیونکہ مجمع اُن سے کافی دور تھا۔ البتہ فولادی کی آواز میلوں تک پھیلی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔

قاسم کی کھوپڑی گھوم گئی۔ اُس نے سوچا کہ اگر وہ فولادی کو کشتی کے لئے للکار دے تو اس سے نیلم پر کافی رعب پڑے گا۔

وہ بھی اُسی طرف بڑھا اور لوگ اُسے گھورنے لگے۔

"اب کون آرہا ہے۔" فولادی سے آواز آئی۔ حمید اور نیلم اس کے قریب پہنچ چکے تھے۔

"میں آرہا ہوں۔" قاسم دھاڑا۔ "تم سے کشتی لڑوں گا۔"

فولادی کے قہقہے کی آواز دور تک پھیلتی چلی گئی۔ قاسم بھی آگے بڑھتا رہا۔

"ابے کیوں شامت آئی ہے۔" قاسم نے حمید کی آواز سنی۔

"اس کے بعد تم سے نپٹوں گا۔" قاسم نے جواب دیا۔

"آنے دو.... آنے دو۔" نیلم نے کہا۔

"آرہا ہوں۔"

"واپس جاؤ دوست۔" فولادی سے آواز آئی۔ "میں تمہارا ڈیل ڈول دیکھ رہا ہوں لیکن فولاد سے کیا لڑ سکو گے۔ اگر اپنے ہاتھ پیر توڑ بیٹھے تو مجھے بھی افسوس ہو گا۔"

پھر قاسم کی آواز کوئی نہ سن سکا کیونکہ فولادی دوبارہ گرجنے لگا تھا۔ "سنبھلو طوفان آرہا۔ لیٹ جاؤ... تم سب زمین پر لیٹ جاؤ۔ ورنہ تمہارے قدم ڈگمگا جائیں گے۔ تم کھڑے نہ رہ سکو گے۔"

اور پھر قیامت شروع ہو گئی۔ لکڑی کے کیبن اڑنے لگے۔ بڑی خوفناک آوازیں تھیں۔ ا معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے ظلمات کی اساطیری کہانیوں کی بلائیں اپنی کمین گاہوں سے نکل پڑی ہوں لوگ اسی طرح چیخ رہے تھے۔ جیسے وہ بیدردی سے ذبح کئے جا رہے ہیں۔ پتہ نہیں وہ بارش کی بوچھاڑیں تھیں یا جھیل کا پانی طوفان کے زور میں آرہا تھا۔ جھیل کے کنارے والے کیبن ج زدن میں اُڑ گئے۔

"گھبراؤ نہیں.... گھبراؤ نہیں۔" فولادی چیخ رہا تھا۔ "اگر ان کیبنوں سے سب نکل آ تھے تو جانی نقصان کا احتمال نہیں ہے۔"

تقریباً دس منٹ تک ہنگامہ برپا رہا پھر سکون ہو گیا۔ فولادی بڑی تیزی سے فضا میں بلند ہو جا رہا تھا۔

سنگریزوں کی بارش

بے خبری کے عالم میں اگر اچانک کسی قسم کی غیر متوقع آواز سنائی دے تو لوگ چونک پڑتے ہیں۔ پھر وہ تو ایک کان پھاڑ دینے والا دھماکہ۔ نہ جانے کتنے ہی کمزور دل کے لوگ بیہوش ہو کر سڑکوں پر گر گئے۔ جنہیں ذرا بھی ہوش تھا انہیں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کی ٹانگیں بقیہ جسم سے الگ ہو گئی ہوں۔ وہ پیر اٹھانا چاہتے ہیں لیکن کامیابی نہ ہوتی۔

پھر اس کے بعد ہی ایک دوسری مصیبت نازل ہوئی۔ نہ جانے کہاں سے ننھے ننھے سنگریزوں کے بادل ٹیکم گڈھ پر ٹوٹ پڑے۔ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ مکانوں کی چھتوں پر پڑتے ہوئے ٹین بج رہے تھے۔ لوگوں کے چہروں پر وہ سنگریزے اس طرح لگتے جیسے سوئیاں سی آ چبھی

ہوں۔ ذرا ہی سی دیر میں سڑکیں ویران ہو گئیں لیکن پھر پندرہ منٹ کے اندر ہی اندر پولیس حرکت میں آ گئی۔ سڑکوں پر سنگریزے کاروں کی پہیوں کے نیچے ایسے معلوم ہوتے جیسے وہ کاریں کسی ریگستان میں چل رہی ہوں۔ زمین کی سطح پر اُن کی تہہ کم از کم دو انچ ضرور موٹی رہی ہو گی اور یہ سنگریزے رائی سے بڑے نہیں تھے۔

طوفان کی اطلاع میلے سے پولیس کے وائرلیس پر پہلے ہی بھیجی جا چکی تھی۔ لیکن طوفان کا رخ بستی کی طرف نہیں تھا۔ پھر یہ اتنے سنگریزے کہاں سے اور کیسے آئے۔ اگر وہ طوفان ہی کے ساتھ آئے تھے تو ہوا کا زور کیوں نہیں محسوس کیا جا سکا؟ طوفان ہی آیا ہو تا تو سنگریزوں کی تہیں کیسے جم جاتیں۔ ہوا کا زور انہیں بھی اڑائے چلا جاتا اور پھر وہ دھماکہ کیسا تھا؟ اور کہاں ہوا تھا؟

ٹھیک دس بجے لوگوں کی حیرت رفع ہو گئی۔ کیونکہ ایک بار پھر ڈاکٹر ہرمین ملکی براڈ کاسٹنگ میں خلل انداز ہو رہا تھا۔ سارے ملک کے ریڈیو اس کی آواز ریسیو کرنے لگے وہ کہہ رہا تھا۔

"میں ڈاکٹر ہرمین آپ سے مخاطب ہوں۔ ٹیکم گڈھ کے شمال میں جو پہاڑ سڑک نکالنے کی اسکیم میں حارج ہو رہا تھا اب اس کا نام و نشان بھی باقی نہیں۔ ٹیکم گڈھ کے باشندوں نے کچھ دیر پہلے جو دھماکا سنا تھا اُس نے اُسے ریزہ ریزہ کر دیا۔ مجھے یقین ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی جانی و مالی نقصان نہ ہوا ہو گا۔ البتہ ٹیکم گڈھ کے حکام کو تھوڑی سی عرق ریزی ضرور کرنی پڑے گی۔ شاید شہر کی صفائی میں تین دن لگ جائیں۔ ہزاروں ٹن سنگریزوں کا سمیٹنا آسان کام نہیں۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ اس صفائی پر جتنے بھی مصارف ہوں گے ان سے کہیں زیادہ قیمت ان سنگریزوں کی ہو گی۔ یہ سنگریزے عمارتوں کے پلاسٹر کے لئے بہترین ثابت ہوں گے۔ دریائی ریت کے پلاسٹر سے کہیں زیادہ مضبوط پلاسٹر ان سنگریزوں سے تیار کیا جا سکتا ہے۔ اب بھی اگر آپ ہرمین کو اپنا خادم نہ سمجھیں تو سراسر زیادتی ہو گی۔ آپ نہیں جانتے کہ اس پہاڑ کو توڑنے کے لئے مجھے کیا کیا کرنا پڑا ہے۔ ایک زبردست طوفان جو شمال مغرب سے جنوب مشرق کی طرف جا رہا تھا اس کا رخ موڑ کر ادھر لانا پڑا اور پھر اسی طوفان نے اس پہاڑ کے پرخچے اڑا دیئے۔ ٹھہریئے۔ ابھی کچھ دیر بعد آپ کا محکمہ موسمیات اس حیرت انگیز واقعہ کا اعلان کرے گا۔ اُسی وقت آپ میری بات پر یقین کر سکیں گے ورنہ ہو سکتا ہے کہ آپ اسے پریوں کے دیس کی کوئی کہانی سمجھیں۔

"میں آپ کی بھلائی کے لئے بہت کچھ کر رہا ہوں۔ دیکھئے.... اس بار اگر ملک کے کسی دریا

میں سیلاب آیا تو آپ اس کا بھی انجام دیکھ لیجئے گا۔ بس اب اجازت دیجئے۔"

کرنل فریدی کو توالی میں تھا۔ جس وقت دوسرے لوگ ریڈیو کے گرد بھیڑ لگائے ہرمین کا ایک ایک لفظ ذہن نشین کرنے کی کوشش کررہے تھے۔ فریدی فون پر جھکا ہوا چنگھاڑ رہا تھا۔"واصف صاحب.... نہیں ہیں۔ آپریشن روم سے کنکٹ کرو۔ فوراً.... اوہ.... اتنی دیر.... ہیلو.... اپریٹر.... زیرونائین کا ریسیونگ سیٹ کھول دو.... جلدی.... اور.... آواز آرہی ہے.... نہیں ماؤتھ پیس اُس کے قریب کردو.... میں خود سننا چاہتا ہوں.... شکریہ.... ہاں ٹھیک ہے.... یہ ہرمین ہی کی آواز ہے.... اب دیکھو.... انٹینا کدھر اشارہ کررہا ہے.... زاویے پر بھی دھیان رکھو۔"

"انٹینا قطب نما کی سوئی کی طرح متحرک ہے جناب۔ اس لئے سمت کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ وہ کسی ایک جگہ رکتا ہی نہیں۔"

"افسوس ہے کہ تم زیرونائین کے استعمال سے ناواقف ہو.... نیچے.... دیکھو.... آٹھ سوئچ ہیں۔"

"جی ہاں جناب۔"

"بائیں طرف سے تیسرا سوئچ آن کردو... کردیا؟ ٹھیک اب دیکھو.... انٹینا کس پوزیشن میں ہے۔"

"جی ہاں.... جناب۔"

"بائیں طرف سے تیسرا سوئچ آن کردو۔ کردیا؟ ٹھیک اب دیکھو۔ انٹینا کس پوزیشن میں ہے۔"

"اوہ.... یہ رک گیا ہے جناب۔"

"سمت بتاؤ۔"

"شمال مغرب.... جناب اور پچھتر کا زاویہ ہے۔"

"گڈ.... دائیں جانب کا دوسرا سوئچ آن کردو۔"

"کردیا جناب۔"

"رزلٹ....!"

"تین رنگوں کی روشنی اسکرین پر کپکپا رہی ہے۔"

"تمہیں یقین ہے کہ وہ تین ہی رنگ ہیں۔"

"مجھے یقین ہے جناب۔"

"شاباش.... دونوں سوئچ آف کرکے مشین بند کردو شکریہ۔"

فریدی نے سلسلہ منقطع کردیا۔ ڈاکٹر ہرمین کہہ رہا تھا۔"بس اب اجازت دیجئے۔"

فریدی جیسے ہی مڑا اُس کی نظر مقامی محکمہ سراغ رسانی کے ایک ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پر پڑی جو اس کے پیچھے ہی کھڑا اُسے گھور رہا تھا۔

"کیا سمت معلوم ہوگئی۔" اُس نے پوچھا۔

"نہ صرف سمت بلکہ فاصلہ بھی۔" فریدی نے جواب دیا۔

"سمت آپ کو انٹینا سے معلوم ہوئی ہوگی.... لیکن فاصلہ۔"

"نہ صرف فاصلہ بلکہ کسی حد تک محل وقوع بھی۔"

"شاید آپ خواب کی باتیں کررہے ہیں۔" ڈی۔ایس۔پی نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

"زیرونائین کا ریسیونگ سیٹ عام نہیں ہے۔ اس لئے ہر ایک اس کے متعلق نہیں جان تا۔ تین رنگوں کی روشنی کا مطلب یہ ہے کہ جہاں ریسیونگ سیٹ رکھا ہوا ہے وہاں سے نشرگاہ رف ساٹھ میل کے فاصلے پر ہے اور پچھتر ڈگری کا زاویہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر رگاہ سے ریسیونگ سیٹ تک خط مستقیم کھینچا جائے تو وہ خط اپنے بیس سے پچھتر ڈگری کا زاویہ ئے گا۔ یعنی اس کیس میں نشرگاہ لازمی طور پر ریسیونگ سیٹ سے کافی نیچائی میں ہے۔"

"یہ کیسے کہا جاسکتا ہے۔ کیا اونچائی سے پچھتر ڈگری کا زاویہ نہیں بن سکتا۔"

"یقیناً بن سکتا ہے لیکن اُس صورت میں زیرونائین کا انٹینا قطب نما کی سوئی کی طرح تھرائے گا نہیں۔ اس تھرتھراہٹ کا یہی مطلب ہے کہ نشرگاہ ریسیونگ سیٹ کی سطح سے بہت ہے۔"

"لیکن اتنا معلوم ہوجانے پر بھی کیا ہوسکے گا۔"

"فی الحال میں نے اس پر غور نہیں کیا ہے۔" فریدی نے کہا اور فون کے پاس سے ہٹ آیا۔

کوتوالی سے باہر آکر اُس نے چاروں طرف نظر دوڑائی اور پھر آگے بڑھنے کا ارادہ کر ہی رہا کہ امر سنگھ نظر آیا جو لمبے لمبے قدم رکھتا ہوا اُسی طرف آرہا تھا۔

"کیوں؟ سردار....!" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں پتہ لگتا جناب کہ فولادی پر کس نے پتھر چلایا تھا۔"

"بہت اچھے امر میں اسی لئے ہی تمہاری قدر کرتا ہوں۔"

"جی....!" امر سنگھ بوکھلا گیا۔

"میں تم پر طنز نہیں کر رہا ہوں۔ یہ میں نے اس لئے کہا ہے کہ تم نے آتے ہی اس دھماکے کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ کام کی بات کی ہے۔ میں یہاں دوسروں کو دیکھتا ہوں جنہیں اس دھماکے نے اپنی ڈیوٹیاں چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور کر دیا ہے۔ تم بہت اچھے جا رہے ہو امر۔ محکمے کو حقیقتاً ایسے ہی آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے.... خیر تو اس کے قریب کے لوگوں نے کیا بتایا۔"

"اُن کا کہنا ہے کہ مرنے والے نے پتھر نہیں پھینکا تھا بلکہ اُن میں سے کسی نے بھی حرکت نہ کی تھی۔ پتھر شاید اُن کی پشت سے آیا تھا، لیکن ابھی تک ایک بھی ایسا آدمی نہیں مل سکا جو پتھر پھینکنے والے کے متعلق کچھ بتا سکتا۔"

"کوتوالی کا پھاٹک اس وقت بند تھا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اور ہم لوگ صحن میں تھے پھر یہی ہو سکتا ہے کہ پتھر پھینکنے والا ہمارے ساتھ ہی کوتوالی میں داخل ہوا ہو۔"

"کیا اس کا امکان نہیں ہے کہ کوتوالی ہی کے کسی آدمی نے پتھر پھینکا ہو۔"

"یہ بھی ممکن ہے لیکن کسی باہری آدمی کے امکان کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہئے۔ پتھر پھینکنے کا مقصد بھی تو ہونا چاہئے۔ یہ بچوں کا مجمع نہیں تھا۔ جدھر سے پتھر آیا تھا وہاں صرف یہیں آدمی تھے اُن میں ایک بھی آفیسر نہیں تھا۔ بڑے آفیسر سب میرے قریب تھے۔ لہٰذا ماتحتوں میں اتنی ہمت نہیں ہو سکتی کہ وہ آفیسروں کی موجودگی میں ایسی کوئی حرکت کر بیٹھیں۔"

"جی ہاں.... یہ تو ناممکن ہے۔"

"پھر ہمیں کسی باہری ہی آدمی کی تلاش ہونی چاہئے۔"

اتنے میں کوتوالی سے ایک کانسٹیبل نے آکر اطلاع دی۔ "فون پر فریدی صاحب کی کال آئی ہے۔"

"آؤ....!" فریدی نے امر سنگھ سے کہا اور پھاٹک کی طرف مڑ گیا۔

فون کا کمرہ خالی تھا۔ فریدی نے امر سنگھ سے باہر ہی ٹھہرنے کو کہا اور خود فون کے قریب آیا۔

"ہیلو....!"

"کون صاحب۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"فریدی۔"

"اوہ.... کرنل صاحب.... دیکھئے .... میں رانا صاحب ایم۔پی کا سیکریٹری ہوں۔ رانا صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"رانا صاحب ایم پی ملنا چاہتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "کیا وہ یہیں ہیں۔"

"جی ہیں۔ آج ہی تشریف لائے ہیں۔ کیا آپ تکلیف کریں گے۔"

"نہیں.... میں بہت مصروف ہوں۔" فریدی نے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "فی الحال ایک گھنٹے تک کوتوالی میں رہوں گا۔ اگر وہ تشریف لانا چاہیں تو میں کچھ نہ کچھ وقت ضرور نکال لوں گا۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ فریدی ریسیور رکھتے وقت مسکرایا تھا۔

❁

دھماکہ گھاٹم پار میں بھی سنائی دیا تھا اور وہاں بھی بدحواسی پھیل گئی تھی۔ اس سے قبل طوفان نے سراسیمگی پھیلائی تھی اور اب پیر صاحب کے معتقدین یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ شاید کسی نہ کسی سے مزار کی بے حرمتی ہوئی ہے۔ اسی لئے اس قسم کی بلائیں نازل ہو رہی ہیں۔

دھماکے کے بعد وہاں بھی ریت کی بارش ہوئی تھی لیکن حمید کو اس کی وجہ نہ معلوم ہو سکی۔ وہاں پولیس کیمپ بھی تھا لیکن وہ ابھی تک اُس سے بے تعلق رہا تھا۔

ریت کی بارش ہونے کے کچھ دیر بعد اُس نے پولیس کیمپ کی راہ لی۔ وہ دراصل ٹرانسمیٹر پر فریدی سے گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ آفیسر انچارج سے اس سلسلے میں گفتگو کرتا اس سے بعض لوگوں کی گفتگو سے معلوم ہو گیا کہ ٹرانسمیٹر میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہے۔

وہ پھر واپس ہوا۔ اب سوال یہ تھا کہ وہ رات کہاں بسر کرے گا۔ اس کا کیبن طوفان کی نظر ہو چکا تھا۔ قاسم کے کیبن کا بھی یہی حال ہوا تھا۔ ورنہ وہ اس کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کرتا اور نشاط کے منتظمین نے قطعی بیچارگی ظاہر کی تھی۔ ٹیکم گڈھ کے علاقے میں کبھی طوفان آتے ہی نہیں تھے۔ اس لئے حفظِ ماتقدم کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ بہر حال نشاط والے اس وقت کوئی

انتظام نہیں کر سکتے تھے۔

کیبن وہی تباہ ہوئے تھے جو جھیل کے کنارے بنائے گئے تھے۔ فولادی نے پہلے ہی پیشگوئی کی تھی کہ جھیل کے کنارے والے کیبن تباہ ہو جائیں گے اور اب حمید یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اس طوفان میں یقیناً کوئی غیر معمولی بات تھی۔ اسے وہ مشینی آندھیاں یاد آئیں جن۔ ایک بار سرزمین مصر میں سابقہ پڑا تھا۔ لوہے کے وہ پتلے یاد آئے، جو فولادی کی طرح چل سکتے تھے، لیکن گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔ وہ خوفناک رات آئی جب وہ اور فریدی اُس ناقابل تسخیر گونگے بہرے دشمن کے پنجے سے بچنے کے لئے بھاگتے پھر رہے تھے۔[1]

وہ جھیل کے کنارے ایک چٹان پر بیٹھ گیا۔ چاندنی پہلے ہی کی طرح بکھری ہوئی تھی جھیل کی مرتعش سطح پر چاند کا عکس گل بوٹے بنا رہا تھا۔ نیچر اس سے لاپرواہ تھی کہ کچھ دیر یہاں کیا ہو چکا تھا۔

حمید نے جیب سے پائپ نکالا اور اس میں تمباکو بھرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جب نیچر ایسے حوادث سے بے تعلق ہے تو آدمی کیوں خواہ مخواہ بور ہوتا پھرے۔

دفعتاً وہ چونک پڑا۔ کیونکہ پولیس کا مائیکرو فون چیخ رہا تھا۔ "ڈاکٹر زیٹو.... ڈاکٹر زیٹو. جہاں کہیں بھی ہوں پولیس کیمپ میں تشریف لائیں۔ کرنل ہارڈاسٹون ان کا انتظار کر رہے ہیں

حمید کو بڑی حیرت ہوئی۔ آخر یہ حضرت یہاں کیسے پہنچ گئے۔ وہ اٹھا اور پولیس کیمپ طرف چل پڑا کیونکہ ڈاکٹر زیٹو اور کرنل ہارڈاسٹون ایک دوسرے کو خوب سمجھتے تھے۔

حقیقتاً وہ فریدی ہی تھا اور کیمپ میں اُس کا انتظار کر رہا تھا۔

"آپ....!" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ہاں آؤ....!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ وہ دونوں خیمے سے باہر نکل آئے اور فریدی نے "تم پر کیا گذری۔"

"اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ کیبن اڑ گیا اور اپنے ساتھ ایک سوٹ کیس بھی لے گیا۔"

"اوہ.... تو تم یہ رات کہاں گذارو گے۔ میں نے سنا ہے ایسے لوگ فی الحال کسمپرسی کے میں ہیں۔"

---

[1] اس لرزہ خیز داستان کے لئے جاسوسی دنیا کا "موت کی آندھی" ملاحظہ فرمائیے۔

"بھگت لوں گا.... اور کیا۔"

"نہیں تم ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ واپس چلو گے۔"

"صبح ہو جائے گی چلتے چلتے۔ اس وقت یہاں خچر بھی نہیں ملیں گے۔"

"میں ہیلی کوپٹر پر آیا ہوں اور تمہاری واپسی بھی اُسی کے ذریعہ ہو گی، فکر نہ کرو۔"

"یہ دھماکہ کیسا تھا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ دونوں چلتے رہے اور پھر اُس جگہ جا پہنچے جہاں ہیلی کوپٹر اتارا گیا تھا۔

"یہ کم بخت فضائی موٹر سائیکل مجھے بالکل اچھی نہیں لگتی۔ کان پھٹ جاتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"چلو بیٹھو....!"

وہ دونوں ہیلی کوپٹر میں بیٹھ گئے اور ہیلی کوپٹر فضا میں بلند ہونے لگا۔

فریدی نے حمید کو دھماکے کے متعلق بتانا شروع کیا اور اس کے بعد حمید نے فولادی کی استان دہراتے ہوئے کہا۔ "تو اسے 'طوفان کا اغوا' سمجھنا چاہئے۔"

"یقیناً اس وقت سارے ملک میں ہیجان برپا ہے۔ محکمہ موسمیات کے اعلان کے مطابق وفان کا رخ اس طرح بدل جانا ممکنات میں سے ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ شاید وہ اونگھنے لگا تھا۔

دفعتاً ایک گرجدار آواز سنائی دی۔ "اے ہیلی کوپٹر.... پائیلٹ.... ہوشیار کمپاس پر نظر کھو۔ تمہارا رخ جنوب کی طرف ہونا چاہئے۔ ہیلی کاپٹر میں بیٹھے ہوئے آدمی چونک پڑے۔ آواز ر آئی۔ اگر تم ٹیکم گڈھ جانا چاہتے ہو تو جنوب کی طرف موڑ لو۔ میں رہنمائی کروں گا۔ ہرو.... میں تمہارے قریب پہنچ رہا ہوں۔"

"فولادی....!" حمید بڑبڑایا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ دوسرے ہی لمحے فولادی ہیلی کوپٹر کے برابر فضا میں تیر رہا تھا اور دونوں ار فتار یکساں تھی۔

"موڑو.... جنوب کی طرف۔ ادھر خطرہ ہے۔ تم سب اُسی پہاڑ کی طرف کھنچے چلے جاؤ گے کچھ دیر قبل ریزہ ریزہ ہو چکا ہے۔ ابھی تک ڈاکٹر ہرمین اُس کشش پر قابو نہیں پا سکا جس نے وفان کا رخ موڑا تھا۔"

فولادمی کے سر سے خارج ہونے والی روشنی ہیلی کوپٹر کے اندر بھی پھیلی ہوئی تھی۔ فریدی کی ہدایت پر ہیلی کاپٹر کا رخ جنوب کی طرف موڑ دیا گیا۔

"اوہ.... تم دونوں کو تو میں پہچانتا ہوں۔" فولادمی سے آواز آئی۔ "تم ابھی کچھ دیر پہلے نیلم کے ساتھ تھے اور تم مجھے پولیس اسٹیشن لے گئے تھے۔"

"اور وہاں کسی قانون کے دشمن نے تم پر پتھر چلایا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "مجھے اس پر بے حد افسوس ہے۔"

"میرا کیا بگڑا.... نقصان تمہارا ہی ہوا۔" فولادمی نے جواب دیا۔

"ڈاکٹر ہرمین.... تمہارے متعلق میری ایک پیشین گوئی ہے۔" فریدی نے کہا۔

پیشین گوئی میرے متعلق وہ کیا ہے؟"

"تمہارا طریق کار تمہیں لے ڈوبے گا۔ میں اب بھی کہتا ہوں کہ اگر تم انسانیت کی خدمت ہی کرنا چاہتے ہو تو منظر عام پر آجاؤ۔ ہم لوگ اتنے ناسپاس گذار نہیں ہیں کہ تمہارے شایان شان استقبال نہ کریں گے۔"

"یہ ناممکن ہے اپنے ہی ہاتھوں اپنی قبر نہیں کھود سکتا۔" فولادمی سے آواز آئی۔

"تمہاری مرضی۔ لیکن اس وقت تم نے جو کچھ بھی کیا ہے وہ قطعی غیر قانونی حیثیت رکھتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس سے کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔"

"لیکن اس کے امکانات تھے۔"

"کسی بھی تعمیر کے سلسلے میں تھوڑی بہت تخریب ہوتی ہی ہے۔"

"اور وہ تخریب اُسی وقت برداشت کی جاسکتی ہے جب ملک کا قانون اس کی اجازت دیتا ہو۔"

فولادمی نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ ہیلی کاپٹر کے ساتھ اس کی پرواز جاری رہی۔

"نیلم سے تمہاری بڑی گہری دوستی معلوم ہوتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"ہاں مجھے وہ بہت پسند ہے۔ ایک ننھی منی سی نڈر لڑکی۔ وہ مجھے بے حد پسند ہے۔ میں اُسے دنیا کی عظیم ترین عورت بناؤں گا۔"

"اپنی زبان قابو میں رکھو ورنہ ایک ہی ٹکر اس اڑنے والی مشین کے پرخچے اڑا دے گی۔" فولادمی کی آواز غصیلی تھی۔

"خاموش رہو۔" فریدی نے حمید کے ہاتھ کو دبا کر آہستہ سے کہا۔

قیامت

تقریباً ایک ہفتے تک ٹیکم گڈھ سے ریت ہٹائی جاتی رہی۔ اسی دوران میں حکومت کو جن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا بیان سے باہر تھیں۔ لوگ دور دراز سے سفر کر کے فولادمی کو دیکھنے کے لئے آتے۔ شہر میں بھیڑ بڑھتے دیکھ کر باہر سے آنے والوں پر پابندی لگادی گئی۔ صرف وہی لوگ ٹیکم گڈھ کی حدود میں داخل ہو سکتے تھے جن کا یہاں آنا اشد ضروری ثابت ہو جاتا۔

فولادمی اب بھی شہر میں گشت کرتا تھا لیکن اب اس کے آس پاس مسلح پولیس موجود ہوتی۔ وہ فوجی سپاہی ہوتے، جو ٹیکم گڈھ کی صفائی کے لئے طلب کئے گئے تھے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ کسی ایسی جگہ نمودار ہوتا جہاں نہ پولیس ہوتی اور نہ فوج۔ ایسے مقامات پر عام لوگ اُسے گھیر لیتے۔ وہ اب اُس سے خائف نہیں تھے۔

ایک رات فولادمی کا گذر ایسی جگہ ہوا جہاں دو پارٹیوں کے درمیان جھگڑا ہو گیا تھا۔ معمولی جھگڑے نے بلوے کی صورت اختیار کر لی تھی۔ چند غیر مسلح کانسٹیبل دور کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ غالباً انہیں مسلح کانسٹیبلوں کا انتظار تھا۔

"ہٹ.... جاؤ.... ہٹ جاؤ۔" فولادمی چیخا۔ "جھگڑا ختم کردو۔ ورنہ میں زبردستی دونوں پارٹیوں کو الگ کردوں گا۔ تمہارے چوٹیں آئیں گی۔"

لڑنے والوں نے دھیان نہ دیا۔ فولادمی آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ پھر وہ اُن سے پچاس قدم کے فاصلے پر رک گیا۔

"یہ دیکھو۔" اُس نے کہا اور ساتھ ہی اس کا ایک ہاتھ اٹھا۔

"اب بھی ہٹ جاؤ۔" اُس نے دوبارہ کہا لیکن لڑنے والوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔

دفعتاً اُس کے اٹھے ہوئے ہاتھ سے چنگاریوں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔

بلوائی بوکھلا کر پیچھے ہٹ گئے۔

"بس اب بھاگ جاؤ.... ورنہ تمہارے جسموں پر بڑے بڑے آبلے ہوں گے۔ بھاگو۔"

فولادی نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا اور وہ سچ مچ بھاگ نکلے۔

ایک بار اسی طرح اُس نے چند غنڈوں کی مرمت کی تھی جو راہ چلتی عورتوں کو چھیڑ رہے تھے۔ اکثر توانا و تندرست گداگروں کو راہ میں روک کر انہیں لعنت و ملامت کرتا۔ غرضیکہ ابھی تک وہ ہر طرح امن پسند ہی ثابت ہوتا رہا تھا۔

لیکن فریدی مطمئن نہیں تھا۔ اُس کے سامنے بیک وقت دو مسائل درپیش تھے۔ ایک ڈاکٹر ہرمین اور دوسرے وہ اسمگلر جن کے کیس کا فائیل اس سے لے لیا گیا تھا۔ حالانکہ اُس نے فی الحال انہیں نظر انداز ہی کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن خود انہیں کی طرف سے چھیڑ چھاڑ جاری رہی۔ اس دوران میں بھی اُس پر دو حملے ہو چکے تھے اور دوسرا حملہ یقیناً خطرناک تھا لیکن بعض درخت ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں بڑے سے بڑا طوفان بھی نہیں ہلا سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ ان کی چند شاخیں تیز و تند جھونکوں کی نظر ہو جاتی ہوں۔ یہی کیفیت فریدی کی بھی ہوئی تھی۔ اُس پر دستی بم پھینکا گیا تھا لیکن اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہو سکا تھا کہ اُس کی پنڈلیوں میں دو چار ہلکے سے زخم آگئے ہوں۔

اس حادثے کے بعد ہی حمید نے قسم کھائی تھی کہ جب بھی نیلم ہاتھ لگی اسے حراست میں لے کر کم از کم گروہ کا قلع قمع تو کر ہی ڈالے گا۔ اسے یقین تھا کہ وہ اب تک اُسے بیوقوف بناتی رہی ہے۔ مقصد یہی ہو سکتا تھا کہ کسی طرح فریدی پر قابو پایا جا سکے۔

نیلم ایک سوال تھی؟ غیر معمولی حالات میں اس سے ملاقات ہوئی تھی اور وہ خود بھی ابھی تک غیر معمولی ہی ثابت ہوتی رہی تھی۔

گھاٹم کے میلے سے واپسی پر بھی ایک بار وہ حمید سے ملی تھی۔ لیکن پھر جب سے فریدی پر حملے شروع ہوئے تھے کہیں اس کی پرچھائیں بھی نہیں نظر آئی تھی۔

دوسری طرف ڈاکٹر ہرمین کی تلاش بھی جاری تھی۔ ٹیکم گڈھ کے قریب و جوار کے دیہی علاقے ہر وقت فوجیوں کے وزنی جوتوں کی دھمک سے گونجتے رہتے تھے۔

فریدی اور حمید کی تگ و دو بھی جاری تھی۔ ان کے ساتھ لاسلکی کے دو ماہرین بھی ہوتے تھے اور ان کا سفر صرف شمال مغرب ہی کی طرف ہوتا تھا۔ لیکن انہیں ابھی تک کامیابی نہ ہو سکی تھی۔

ہرمین کی تقریریں روزانہ سنی جاتیں لیکن انہیں سننے کا طریقہ وہی تھا، جو ہرمین نے بتایا تھا۔ وہ اب ملکی نشریات میں خلل انداز نہیں ہوتا تھا بلکہ اُس کی تقریر سننے کے خواہشمند اسٹیتھو سکوپ اور اُس کے بتائے ہوئے محلول کے ذریعے اپنی یہ خواہش پوری کرتے تھے۔

فریدی کے ساتھ کام کرنے والوں نے اسی فارمولے کے تحت ایک چھوٹا سا سیٹ بنا لیا تھا اور اب اس فکر میں تھے کہ کسی طرح وہ سیٹ بھی نشرگاہ کی سمت ظاہر کرنے کے قابل ہو جائے۔

فریدی کے متعلق اُن کا خیال تھا کہ وہ اپنی بہترین صلاحیتیں ضائع کر رہا ہے۔ اگر اس نے محکمہ سراغرسانی کا رخ کرنے کی بجائے لاسلکی میں دلچسپی لی ہوتی تو شائد آج وہ بھی ایک موجد کی حیثیت سے پبلک میں روشناس ہوا ہوتا۔

اس وقت وہ چاروں ایک غار میں بیٹھے بارش تھمنے کا انتظار کر رہے تھے۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اگر یہیں رات ہو گئی تو صبح کوئی کفن دفن کرنے والا بھی نہ ملے گا۔ کیونکہ بارش کی وجہ سے اچھی خاصی سردی ہو گئی تھی اور اُسے اگست میں بھی دسمبر یا جنوری کا مزہ آ رہا تھا۔

وہ صبح سے اب تک چلتے ہی رہے تھے۔ اگر بارش نہ شروع ہو جاتی تو شاید اب بھی ان کا سفر جاری ہی رہتا۔

حمید تھک کر چور ہو گیا تھا اور وہ بارش اس کے لئے سچ مچ بارانِ رحمت ہی ثابت ہوئی تھی لیکن جب وہ کسی طرح رکنے کو نہ آئی تو وہ بور ہونے لگا۔ اس کے لئے واپسی کا سفر اتنا کٹھن نہ ہوتا جتنا کہ اُس غار میں رات بسر کرنا؟

"کیپٹن آپ خاموش نہ ہوا کریں تو بہتر ہے۔" جمیل نے کہا اور اس کے ساتھی نے بھی اس کی تائید کی۔

"ایک خاموشی ہزار بلائیں ٹالتی ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"خدا کیلئے خاموش ہی رہنا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "ورنہ ہو سکتا ہے کہ میں بھی ٹل جاؤں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اُس نے جیب سے تمباکو کی پاؤچ نکالی اور پائپ بھرنے لگا۔ فریدی نے ایک پتھر سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ سگار اس کی انگلیوں میں دبا ہوا سلگ رہا تھا اور دونوں ماہرین اس مسئلے میں الجھے ہوئے تھے کہ معدے کے لئے چائے مضر ہے یا پانی؟

"دونوں ہی مضر ہیں۔" حمید نے شاید بحث کا خاتمہ کرنے کے لئے کہا۔

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔" جمیل بولا۔

"کیونکہ فی الحال ان دونوں میں سے ایک بھی ہمیں نصیب نہیں۔" حمید نے جواب د

"ورنہ میں اپنا معدہ تباہ کر کے آپ کو دکھا دیتا۔"

"تم بہت تھک گئے ہو اس لئے خاموش ہی رہو تو بہتر ہے۔" فریدی نے کہا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ مگر تھوڑی دیر بعد بولنا ہی پڑا کیونکہ وہ بہت شدت سے کافی یا چائے ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ اُس نے کہا۔ "اگر اس وقت میں نے اپنا معدہ برباد نہ کیا تو زکام میں ہو جاؤں گا۔"

فریدی اس کی طرف دھیان دیئے بغیر دونوں ماہروں کی طرف دیکھ کر بولا۔ "ہم اب شمال مغرب میں تقریباً ساٹھ میل کا سفر کر چکے ہیں لیکن ابھی پہلا ہی دن ہے زیرو نائین صرف سمت اور فاصلہ ہی معلوم ہو سکتا ہے لیکن ہم ساٹھ میل کے اندر دائرہ عمل نہیں مت کر سکے۔ اب اگر اس وقت ہمارے پاس کوئی ایسا سیٹ ہوتا جو نشرگاہ کی طرف اشارہ کر سکتا....

فریدی جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گیا۔ حمید اُسے گھورنے لگا کیونکہ اُس کے لئے یہ بات کہے بغیر خاموش ہو جانا خلاف معمول تھا۔ دونوں ماہرین بھی اس کی طرف دیکھنے لگے تھے

"کیا بات ہے۔" آخر حمید پوچھ ہی بیٹھا۔

"کچھ نہیں... میں یہ سوچنے لگا تھا کہ وہ لڑکی نیلم... اس سلسلے میں کار آمد ثابت ہو سکتی ہے

"یہ بالکل انوکھی بات ہوئی ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"کیوں؟"

"کیا اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔"

"تجربے کے طور پر۔" فریدی نے جواب دیا۔

"میں اُسے آج تک سمجھ ہی نہیں سکا۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ ذہنی کشمکش کی ایک بہترین مثال ہے۔"

"لیکن آپ اُس سے کیا کام لیں گے۔"

"پہلے اُسے تلاش کرنے کی کوشش کرو۔"

"کیا یہ لڑکی سچ مچ دنیا کی بڑی عورت بننے والی ہے۔" حمید نے کہا اور پھر یک بیک بار

اڑادی۔ شاید کوئی شاندار پھبتی اُس کے ذہن میں کلبلائی تھی۔ لیکن پھر ان دونوں ماہرین کی موجودگی کا خیال آتے ہی اُسے اُگل دینے کا ارادہ ترک کر دیا۔

"اُسے تلاش کرو۔" فریدی نے پھر کہا۔

"ضروری نہیں کہ وہ مل ہی جائے کیونکہ جب سے حملوں کا دور شروع ہوا ہے اُس کی شکل نہیں دکھائی دی۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وقت گذرتا رہا اور بارش بدستور ہوتی رہی۔ دفعتاً حمید بڑبڑایا۔

"اب اتنی رات گئے کہاں تشریف لے جایئے گا۔ آرام کیجئے۔ اگر بھوک لگے تو پتھر حاضر ہیں۔ پیاس ہر حال میں بجھ جائے گی کیونکہ بادل اتنی دیر سے جھک نہیں مار رہے ہیں۔"

"ہاں.... رات تو اب یہیں بسر ہو گی۔ ہو سکتا ہے کہ پانی کے لئے بادلوں ہی کا ممنون ہونا پڑے گا لیکن تمہیں پتھر نہیں چبانے پڑیں گے۔ مطمئن رہو۔"

حمید جانتا تھا کہ فریدی کے چرمی تھیلے میں بہت کچھ ہے لیکن وہ اس سرد رات میں ٹھنڈے گوشت سے بچنا چاہتا تھا۔

"میں سڑی بسی اشیاء پر پتھروں کو ترجیح دیتا ہوں۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ وہ اور بھی نہ جانے کیا کیا بک جاتا مگر جمیل اور کرمانی کی موجودگی مانع رہی۔

کچھ دیر بعد سفری اسٹوو روشن ہو گیا اور اس پر کافی کے لئے پانی رکھ دیا گیا۔ ان کے پاس خورد و نوش کے سارے لوازمات موجود تھے چونکہ سفر طویل ہو جانے کے امکانات بھی ہو سکتے تھے اس لئے فریدی تقریباً سارے ہی انتظامات کا خیال رکھتا تھا۔

دفعتاً ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا۔ فریدی اس کی طرف متوجہ ہو گیا دوسرے ہی لمحے میں ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔

"کرنل.... فریدی.... کرنل فریدی.... واصف اسپیکنگ پلیز....!"

"فریدی اسپیکنگ.... ہیلو....!"

"آپ کہاں۔"

"یہ نہیں بتایا جا سکتا.... آپ مدعا بیان فرمایئے۔"

"فولادی نے یہاں تہلکہ مچا دیا ہے۔ ایک کار الٹ دی ہے۔ دو آدمیوں کو کچل دیا اور

اب.... شائد اُس کا ارادہ ہے کہ مشن روڈ کے سارے الیکٹرک پول اکھاڑ کر پھینک دے گا۔"

"یہ ہوا کیسے! کیا اُس پر حملہ کیا گیا تھا۔"

"نہیں اس قسم کی کوئی اطلاع نہیں ملی۔ یک بیک اُس نے ایک کار الٹ دی تھی۔ لوگ ڈ
کر بھاگے تو وہ ان پر چڑھ دوڑا۔ نتیجے کے طور پر دو آدمی ہلاک ہوگئے۔ شہر سنسان ہو گیا ہے۔"

"پھر.... اب کیا ہو رہا ہے۔ کیا فوجیوں نے اُسے پکڑنے کی کوشش کی تھی۔"

"نہیں.... لیکن اب اُس پر چاروں طرف سے گولیاں برسائی جا رہی ہیں۔"

"گولیوں کا حشر....!" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"اُن سے لاتعداد فوجی زخمی ہوئے ہیں۔"

"اور اس کے باوجود بھی یہ کھیل جاری ہے۔" فریدی غرایا۔

"کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ حکام نے شہر فوج کے حوالے کر دیا ہے۔ اب تجویز یہ ہے
اُس پر بھاری گولے پھینکنے والی گنیں آزمائی جائیں۔"

"ٹیکم گڈھ کھنڈر بن جائے گا۔ اس خبط سے انہیں باز رکھئے۔ اس کی بجائے یہ معلوم کیجئے
اُس کے رویئے میں یہ تبدیلی کیوں ہوئی۔"

"اب وہ کسی بات کا جواب نہیں دیتا۔ گونگا اور بہرہ ہو چکا ہے۔ آج جب وہ وہاں پہنچا
معمول کے مطابق نہ تو کسی سے گفتگو کی تھی اور نہ ٹریفک کانسٹیبل کو ہدایتیں ہی دی تھیں۔ بس
ہی ایک کار الٹ دی اور کار میں کوئی معمولی آدمی بھی نہیں تھا بلکہ ہوم سیکریٹری مسٹر چوہان۔

"مسٹر چوہان....!" فریدی نے متحیرانہ انداز میں دہرایا۔

"ہاں کرنل.... آپ جہاں کہیں بھی ہوں جلد از جلد ٹیکم گڈھ پہنچنے کی کوشش کریں

"بارش کا زور کم ہونے سے پہلے ناممکن ہے کیونکہ ایسی طوفانی بارش میں ہیلی کاپٹر ا
کرنا خطرے سے خالی نہ ہوگا۔"

"بہر حال جلدی کیجئے۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور آواز آنی بند ہوگئی۔

"دیکھا....!" فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ "وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔ میں جا
ایک نہ ایک دن اس کی نوبت ضرور آئے گی۔"

"ہرمین کی شرافت اور نیک نفسی کہاں گئی؟" حمید بڑبڑایا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ اپنا سامان سمیٹ رہا تھا۔ جمیل اور کرمانی خاموش رہے۔ حمید نے غار کے دہانے پر آکر دیکھا۔ بارش کے زور میں کمی نہیں ہوئی تھی۔ وہ پھر واپس آگیا۔

"کیا آپ واپسی کی تیاری کر رہے ہیں۔" اُس نے فریدی سے پوچھا۔

"ہاں کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔"

"بارش کا وہی عالم ہے۔ پیدل جانے کا خیال ہی....!"

"ٹھہرو....!" فریدی نے کہا۔ وہ پھر ٹرانسمیٹر کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔ "کرنل فریدی.... کرنل فریدی، واصف اسپیکنگ پلیز....!"

"فریدی اسپیکنگ....!"

"آپ کہاں ہیں۔"

"میں نے ایک بار کہہ دیا کہ یہ نہیں بتا سکتا۔"

"اوہ.... پھر آپ کتنی دیر بعد یہاں پہنچ رہے ہیں۔"

"اس سے بھی اندازہ ہو جائے گا کہ ٹیکم گڈھ سے کتنی دور ہوں۔ لہٰذا اب سوال کا بھی جواب نہیں دے سکتا کیونکہ میں ابھی تک آواز سے آپ کو نہیں پہچان سکا۔"

"اوہ اچھا.... اچھا.... مگر پہنچنے میں جلدی کیجئے۔ اعلیٰ حکام آپ کی موجودگی ضروری سمجھتے ہیں۔"

فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر حمید کی طرف دیکھا۔ ٹرانسمیٹر سے آواز آنی بند ہوگئی۔

"یہ دھوکا بھی ہو سکتا ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔

"میں نہیں سمجھا۔" حمید نے کہا۔

لیکن قبل اس کے کہ فریدی اُسے سمجھاتا ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔

"سونا گھاٹ پر بحری فوج کے لئے جو بندرگاہ تعمیر کی جا رہی ہے فوراً روک دی جائے ورنہ اس کا انجام بہت بُرا ہوگا۔ میں ڈاکٹر ہرمین.... یہاں کی حکومت سے مخاطب ہوں۔ وہاں بحریہ کا اڈہ نہیں بن سکتا۔ سارے جنگی جہاز وہاں سے کل آٹھ بجے رات تک ہٹائے جائیں ورنہ نقصان کا اندازہ کرنا بھی دشوار ہو جائے گا اور دوسری وارننگ.... اپنے جاسوسوں کو میری تلاش سے باز رکھو ورنہ تمہارے ہر شہر میں کم از کم ایک فولادی ضرور نظر آئے گا۔ اور یہ تو تم ابھی دیکھ ہی چکے ہو کہ صرف ایک فولادی پورے پورے بریگیڈ تباہ کر سکتا ہے۔ کل آٹھ بجے رات تک سونا گھاٹ

سے نیوی کے جہاز ہٹ جانے چاہئیں۔ کل آٹھ بجے رات تک.... ورنہ آٹھ بج کر پانچ منٹ پر یک بہت بڑے خسارے کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

آواز ختم ہوگئی اور فریدی کے ساتھی اپنا سامان ہی تلاش کرتے رہ گئے۔ وہ اس وقت بھی نشرگاہ کی سمت معلوم نہ کر سکے۔ زیرو نائین ساخت کا سیٹ اُن کے ساتھ تھا لیکن اس کا ایک حصہ انہیں وقت پر نہ مل سکا۔ وہ اُسے تلاش کرتے رہ گئے۔

"کیا مصیبت ہے۔" جمیل نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اسے بدنصیبی کہتے ہیں۔"

"پرواہ مت کیجئے۔" فریدی نے جواب دیا۔

کچھ دیر کے لئے سکوت طاری ہوگیا۔ لیکن کیپٹن حمید اس تقریر کے دوران میں بھی اسٹوو اور کافی کے برتن ہی کی طرف متوجہ رہا تھا۔

اُس نے برتن نیچے اتار کر اُس میں کافی ڈال دی اور نتھنے سکوڑ سکوڑ کر اس کی خوشگوار بو اپنے پھیپھڑوں میں بھرتا رہا۔

پھر اُس نے اُن تینوں کے لئے بھی پیالیاں تیار کیں۔

جمیل اور کرنانی ہچکچائے کیونکہ انہوں نے ابھی ایک بُری خبر سنی تھی اور وہ بھی نہ ہو پایا تھا جس کے لئے وہ ان ویران پہاڑیوں میں بھٹکتے پھر رہے تھے۔

"ہاں.... لیجئے نا۔" فریدی مسکرایا۔ "اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ اولادِ آدم پر جو کچھ بھی آتی ہے گذر ہی جاتی ہے۔"

انہوں نے پیالیاں اٹھائیں اور حمید تو پہلے ہی شروع کر چکا تھا۔ وہ دو تین گھونٹ لینے کے بعد پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب شائد ان کے زوال کا وقت قریب آگیا ہے۔ فولادی کے آگے کوئی ٹھہر سکتا تھا۔ ہرمین کا دعویٰ غلط نہیں تھا کہ ہر شہر کے لئے صرف ایک ایک فولادی کافی ہوگا۔

انہوں نے کافی ختم کی۔ اتنے میں ٹرانسمیٹر پر پھر اشارہ موصول ہوا۔ لیکن فریدی خاموش ہی رہا۔ بولنے والے نے پھر اپنا نام واصف بتایا۔ فریدی اس پر بھی کچھ نہیں بولا۔ اس کے بعد تھوڑی دیر تک کرنل فریدی کی پکار ہوتی رہی پھر ٹرانسمیٹر خاموش ہوگیا۔ فریدی نے اس بار اثر کا سوئچ آف کر دیا۔

"میں اس کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔" حمید نے فریدی کو مخاطب کیا۔

"کچھ بھی نہیں۔ میں اُسے کتنی بار بتاؤں کہ بارش تیزی سے ہو رہی ہے۔ اسلئے سفر فی الحال ناممکن ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اُس کی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس عذر میں وزن نہیں محسوس کر رہا ہے۔

"غالباً کرنل صاحب کا خیال ہے کہ انہیں ٹریپ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔" جمیل نے کہا۔

"آپ کا خیال کسی حد تک صحیح بھی ہو سکتا ہے۔" کرمانی سر ہلا کر بولا۔

فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

"بلکہ میرا خیال ہے کہ ہم کسی جال میں پھنس چکے ہیں۔ مجھے ہرمین سے توقع نہیں ہے کہ اتنی جلدی بدل جائے گا۔ مجھے وہ پتھر ابھی تک یاد ہے حمید صاحب جو کوتوالی میں فولادی پر پھینکا گیا تھا۔"

"مگر ہم جال میں کس طرح پھنس سکتے ہیں۔"

"میں اس وقت سمگلروں کی بات کر رہا ہوں۔"

"گڈلارڈ.... وہ اس ٹرانسمیٹر کے ذریعے ہمیں کیسے ٹریپ کریں گے۔"

"کرچکے فرزند! پہلے ہی مجھ سے غلطی ہو چکی ہے۔ میں نے پہلی کال کے جواب میں بھی احتیاط برتی تھی، لیکن پھر بھی ہیلی کوپٹر کا تذکرہ آ ہی گیا تھا۔"

"میں اس وقت بہت زیادہ غور کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔" حمید نے اکتا کر کہا۔

"ہمارے ساتھ ہیلی کاپٹر ہونے کا یہی مطلب ہے کہ ہم دشوار گذار پہاڑیوں میں سفر کر رہے ہیں اور دشوار گذار پہاڑیاں اس علاقے کے علاوہ ٹیکم گڈھ میں اور کہیں نہ ملیں گی۔"

حمید منہ کھول کر رہ گیا۔ دونوں ساتھی نہ صرف متحیر بلکہ خوفزدہ بھی نظر آ رہے تھے۔

"پھر اب کیا ہوگا۔" جمیل نے کہا۔ "ہم دونوں تو شاید صحیح طریقے سے ریوالور پکڑ بھی نہ سکیں۔"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" فریدی مسکرایا۔ "آپ سے اتنی توقع تو کی ہی جا سکتی ہے کہ جو کچھ آپ سے کہا جائے وہی کریں۔"

"آپ غلط سمجھے۔" کرمانی بول اٹھا۔ "ہم خائف نہیں ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ ہمیں جنگ و جدل کا تجربہ نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہم آپ کی پریشانیوں میں اضافے ہی کا باعث بن جائیں۔"

"اس کی پرواہ نہ کیجئے۔"

"ارے اگر گولی لگ گئی۔ مارے گئے تو کیا پرواہ کرنے والے کرایہ پر مہیا کئے جائیں گے۔" حمید نے کہا۔

"فضول بکواس نہ کرو۔" فریدی نے اُسے ڈانٹا۔

"یہی حضرات چاہتے ہیں کہ میں کبھی خاموش نہ ہوا کروں۔"

اُن دونوں کے ہونٹوں پر ہیجان سی مسکراہٹیں نظر آئیں لیکن وہ کچھ بولے نہیں۔ فریدی نے پھر سامان اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ دفعتاً اس نے حمید سے کہا۔ "تم یہ دیکھ ڈالو کہ اس غار کا کوئی دوسرا دہانہ بھی تو نہیں ہے۔"

حمید نے ٹارچ نکالی اور غار کا جائزہ لینے لگا۔ کرمانی اس کا ساتھ دے رہا تھا۔

پھر دس منٹ کے اندر ہی اندر حمید نے رپورٹ دے دی کہ اس غار میں کوئی دوسرا دہانہ نہیں تھا اور ساتھ ہی یہ بتایا کہ وہ اس کے اندر محفوظ بھی نہیں رہ سکتے تھے۔

کچھ دیر بعد بارش کا زور کم ہونے لگا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں شاید چار ٹارچیں بھی ناکافی ہوں۔

فریدی غار کے دہانے تک آیا۔ حمید وغیرہ سامان اٹھا رہے تھے۔ فریدی کچھ دیر تک دہانے پر ٹھہرا اور پھر واپس آ گیا۔

"ہو سکتا ہے میرے اندیشے بالکل ہی غلط ہوں۔" اس نے کہا۔

کوئی کچھ نہ بولا۔ انہوں نے اپنا اپنا سامان سنبھالا اور غار سے باہر نکل آئے۔ بارش اب صرف ہلکی سی پھواروں تک محدود رہ گئی تھی۔ وہ اس طرف چل پڑے جہاں ہیلی کوپٹر کھڑا کیا گیا تھا۔ خود فریدی ہی اُسے پائلٹ کر کے یہاں تک لایا تھا۔

ہیلی کوپٹر تک پہنچنے میں انہیں کوئی دشواری نہیں پیش آئی۔

حمید اُس وقت تک ریوالور سنبھالے رہا جب تک ہیلی کوپٹر فضا میں نہیں بلند ہو گیا۔ رات گڈھ پہنچ کر حقیقتاً انہوں نے سارے بازار ویران دیکھے۔ البتہ گلی کوچوں میں بھی مسلح فوجی گشت

کر رہے تھے۔ جیسے ہی ہیلی کوپٹر شہر میں داخل ہوا ٹرانسمیٹر پر فوجی وائرلیس سے پوچھ گچھ ہونے لگی۔ فریدی نے اپنی شخصیت ظاہر کئے بغیر پرواز کی اہمیت بتائی۔

"آپ ایئرپورٹ کے علاوہ اور کہیں نہیں لینڈ کر سکتے۔" جواب ملا۔

فریدی نے ہیلی کوپٹر کا رخ ایئرپورٹ کی طرف پھیر دیا۔

"تو پھر وہ پیغام واصف ہی کا تھا۔" حمید نے کہا۔

"یقیناً اسی کا تھا۔ لیکن ٹرانسمیٹر پر میں نے اس کی آواز پہلی بار سنی تھی۔ اس لئے یقین کر لینے میں تامل ہوا۔"

انہوں نے فوجی ہدایت کے مطابق ہیلی کوپٹر ایئرپورٹ ہی پر اتارا۔ لیکن نشاط تک پہنچنے کا مرحلہ ابھی باقی تھا کیونکہ یہاں ایئرپورٹ کے باہر بھی فوجیوں کا کڑا پہرہ تھا اور مسافروں کو باہر نہیں نکلنے دے رہے تھے۔ یہیں انہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ فولادی پر گولے پھینکنے والی گنیں بھی استعمال کی گئی تھیں لیکن گولوں کا بھی وہی حشر ہوا جو گولیوں کا ہوا تھا۔ یعنی وہ بھی پلٹ گئے تھے اور ان کی واپسی سے بہتیری عمارتوں کو نقصان پہنچا تھا۔ پھر ایک حادثہ اور ہوا جب فولادی نے فضا میں پرواز شروع کی تو ایک جیٹ طیارہ اُس کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ لیکن وہ پانچ ہی منٹ بعد زمین پر تھا۔ کسی کو نہ معلوم ہو سکا کہ یہ حادثہ کیسے ہوا تھا۔ پائلٹ بچا ہی نہیں تھا کہ تفصیل معلوم ہو سکتی۔

انہیں وہ رات ایئرپورٹ پر بسر کرنی پڑی۔ ویسے اگر فریدی چاہتا تو ایئرپورٹ سے واصف کو فون کر کے اپنی روانگی کا انتظام کرا سکتا تھا۔ لیکن اس نے خود ہی شہر جانے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔

اس کی وجہ حمید کی سمجھ میں نہ آ سکی۔ استفسار پر فریدی نے اتنا ہی کہا۔

"فضول ہے۔ جو کچھ بھی ہونا تھا ہو چکا۔ اب کل آٹھ بجے رات سے پہلے کچھ نہیں ہوگا۔ دیکھیں ہرمین کس طرح اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہناتا ہے۔"

قاسم کی کہانی

سراسیمگی صرف ٹیکم گڈھ ہی تک محدود نہیں تھی۔ بلکہ اس کا اثر ملک کے دور افتادہ حصوں پر بھی پڑا تھا چونکہ ہرمین کا اعلان ملک کے گوشے گوشے میں سنا گیا تھا۔ اسلئے ہیجان پھیلنا لازمی تھا۔

دوسرے ہی دن ٹیکم گڈھ فوجی علاقہ قرار دے دیا گیا۔ شہری آبادی ویران ہونے لگی۔ لوگ ٹیکم گڈھ سے نکل بھاگنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ لیکن اب چونکہ نظم و نسق فوج کے ہاتھ میں تھا اس لئے وہ روکے جانے پر احتجاج بھی نہیں کر سکتے تھے۔

فریدی اور حمید عضو معطل کی طرح محکمہ سراغ رسانی کے دفتر میں وقت گذار رہے تھے۔

سوپر واصف فریدی سے کہہ رہا تھا۔ "اسی ٹیکم گڈھ میں کیا کیا نہیں ہوا۔ نیلی روشنی والا کیس مجھے آج بھی یاد ہے۔ آپ ہی تو تھے جس نے اس لایعنی اور بے سروپا کیس کی کڑیاں ملائی تھیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہرمین بھی آپ ہی کے ہاتھوں شکست کھائے گا۔"

"ضروری نہیں۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "نیلی روشنی والا کیس اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھا۔ کیا اس سلسلے میں بھی اتنا ہی ہیجان پھیلا ہوا تھا۔"

واصف کچھ نہ بولا۔ فریدی نے کہا۔ "اگر سونا گھاٹ سے بحریہ کے جہاز نہ ہٹائے گئے تو حقیقتاً حکومت کو کسی بڑے خسارے سے دوچار ہونا پڑے گا۔"

"کس قسم کا خسارہ۔"

"یہ تو وقت آنے پر ہی معلوم ہو سکے گا۔"

"کیا آپ اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔"

"فی الحال اتنا ہی کہ سونا گھاٹ سے سارے جہاز ہٹا لینے کا مشورہ دوں۔ میں نے ہیڈ آفس کو اس سلسلے میں ایک تار دیا ہے۔"

"لیکن میرا خیال ہے کہ جہاز وہاں سے نہیں ہٹائے جائیں گے۔" حمید بول پڑا۔

"وہ ہٹائیں یا نہ ہٹائیں۔ میری ناقص رائے یہی ہے اور یہی رہے گی۔ فی الحال اپنا زیادہ سے زیادہ بچاؤ کرنا پڑے گا۔"

فریدی اپنی تاویلات پیش کر رہا تھا۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ ہرمین کی دھمکی کا انجام دیکھے بغیر نئے سرے سے کام نہیں شروع کرنا چاہتا تھا۔

دوپہر ہونے سے پہلے ہی وہ نشاط میں واپس آ گئے۔ ان کا قیام اب بھی یہیں تھا۔ نشاط پہنچ کر حمید کو قاسم کی تلاش ہوئی کیونکہ وہ پچھلی رات سے اب تک بے تحاشہ بور ہوتا رہا تھا۔

قاسم ملا تو لیکن اُس کا موڈ بھی ٹھیک نہیں تھا۔ حمید کو دیکھتے ہی اُس کا منہ پہلے سے زیادہ

ٹیڑھا ہو گیا۔

"کیوں پیارے کیا بات ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"میں.... گھار جاؤں غا۔" قاسم غرایا۔

"تمہیں روکا ہے کسی نے؟"

"ہاں سب تمہاری ہی حرکت ہے۔"

"میں نے کیا کیا ہے۔"

"یہ باہر جو فوجی موجود ہیں۔"

"آ.... ہاں.... وہ تو ہمیں بھی روک رہے ہیں۔"

قاسم کچھ نہ بولا۔ حمید نے کہا۔ "تم خواہ مخواہ بور ہو رہے ہو۔ اتنی بڑی آبادی ہے کیا سبھی مر جائیں گے۔"

"میں مرنا چاہتا ہوں۔" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"کیوں.... کیوں.... خیریت۔"

"کچھ نہیں جاؤ.... میں بات نہیں کرنا چاہتا۔ چلے جاؤ۔" قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ "تم سالے بھیس بدل کر مجھے اُلو بناتے ہو۔"

"شاید تم نشے میں ہو۔"

"تم خود نشے میں ہو۔ مٹی کا تیل پی گئے ہو۔ مجھے نیلم نے بتایا تھا۔ خدا کرے مرتے وقت تمہیں کلمہ بھی نصیب نہ ہو۔"

"نہیں.... بڑی بی ایسا نہ کہو۔"

"بس اب چلے ہی جاؤ، ورنہ.... اچھا نہیں ہو گا۔"

"شاید تمہیں کسی نے بہکایا ہے.... نیلم تمہیں کب اور کہاں ملی تھی۔"

"ملی ہو گی کہیں.... میں اب اس کا نام بھی نہیں سننا چاہتا۔"

"مجھے اُس کی تلاش ہے اگر مل گئی تو ایسی سزا دوں گا جو زندگی بھر یاد رہے۔"

"کیوں؟ کیوں؟"

"اُس نے مجھے دھوکا دیا۔ وہ پکی فراڈ ہے۔"

"کیسے دھوکا دیا۔"

"اس کا ایک ساتھی ہے بڑی مونچھوں والا۔"

"ارے بس....!" قاسم آنکھ نکال کر بولا۔ "اب زیادہ اُلو نہ بناؤ۔ وہ تم ہی تو تھے۔ اتنا یاد رکھنا.... میرا نام قاسم ہے۔"

"میں تمہارے باپ تک کے نام سے واقف ہوں۔ مگر تمہیں کسی نے بہکایا ہے۔ کیا اُسی نے بتایا تھا کہ وہ بڑی مونچھوں والا میں تھا۔"

"ہاں....!"

"اوہ.... کتنی مکار ہے۔ اسی طرح اُس نے مجھے بھی دھوکا دیا تھا۔ وہ بڑی مونچھوں والا مجھے جہاں بھی مل گیا گولی مار دوں گا۔"

"کیا دھوکا دیا تھا۔"

"یہ نہیں بتاؤں گا۔ بتاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ لیکن تم بتاؤ کہ اُس سے اتنے بیزار کیوں ہو؟"

"ارے.... سالی نے کباڑا کر دیا پیدل چلتے چلتے اس کی ایسی کی تیسی۔ جہاں بھی مل گئی گلا گھونٹ کر مار ڈالوں گا۔"

"آخر کیوں؟"

"قیوں.... قیوں.... قیا قرتے ہو۔" قاسم جھلاہٹ میں کئی قاف بول گیا۔

"میں عنقریب اُسے حراست میں لینے والا ہوں۔"

"وہ سالی.... مجھے نہ جانے کہاں لے گئی تھی اور میں قے کرتے کرتے بیہوش ہو گیا تھا۔"

"کہاں لے گئی تھی.... کیسے لے گئی تھی۔"

"میلے سے لے گئی تھی۔ وہ جس رات کو طوفان آیا تھا اس کی دوسری رات بھی میرے پاس آئی اور کہنے لگی۔"

قاسم نے اس کا بیان اُسی کے انداز میں دہرانے کے لئے پینترا بدلا اور اپنی آواز باریک کرنے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ "میں تم سے محبت کروں گی۔ چالو میرے ساتھ.... میری کار میں بیٹھ جاؤ۔"

"کار.... وہاں میلے میں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ہاں.... سنو تو.... میں بالکل اُلو کا پٹھا ہو گیا تھا۔ مجھے یقین آ گیا۔ میں نے کہا اگر تم اونٹ پر بھی بٹھاؤ تو بیٹھ جاؤں۔ چالو.... کہاں ہے کار۔ وہ مجھے وہاں لائی جہاں کار کھڑی تھی۔ میں اس کے ساتھ ہی اُس میں بیٹھ گیا۔ لیکن ڈرائیور کی سیٹ مجھے کہیں نہ دکھائی دی۔ میں نے اس سے پوچھا ہی تھا کہ کار ہوا میں اڑنے لگی اور میرا سر چکرانے لگا۔ میں نے جی بھر کر غل غپاڑہ مچایا۔ جس پر وہ بڑے پیار سے بولی۔"

قاسم خاموش ہو کر منہ چلانے لگا۔ پھر نیلم کی آواز کی نقل اتارنے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ "فولادی ہمیں اپنے گھر لے جا رہا ہے پیارے۔ وہ مجھے تنہا لے جا رہا تھا لیکن میں نے سوچا اپنے پیارے قاسم کو بھی ساتھ لیتی چالوں۔ کچھ دیر بعد ہم لوغ واپس آ جائیں گے۔"

"کار اڑنے لگی تھی۔" حمید نے بے اعتباری کے ساتھ پوچھا۔

"ہاں اڑنے لگی تھی۔"

"تم نے فولادی کو دیکھا تھا۔"

"نہیں.... وہ تو بعد میں نظر آیا تھا جب ہم وہاں اترے تھے۔"

"کہاں اُترے تھے۔"

"تمہاری باپ کی سسرال میں۔" قاسم جھلا کر بولا۔ "ابے میں کیا جانوں کہاں اترے تھے۔"

"اچھا....!" حمید نے غصیلی آواز میں کہا۔ "تم اتنی دیر سے مجھے اُلو بنا رہے تھے۔"

"نہیں میں سچ بول رہا ہوں۔ کیا وہاں کوئی آبادی تھی۔ سڑکیں تھیں۔ گلیاں تھیں کہ میں بتاؤں کہ فلاں محلے میں اترے تھے۔ فلاں سڑک پر اُترے تھے۔ فلاں گلی میں اترے تھے اور فلاں....!"

"ٹھیک ہے میں سمجھ گیا۔ وہ کوئی ویران جگہ رہی ہو گی۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"ویران کی بھی چچی۔" قاسم نے بُرا سا منہ بنا کر کہا "وہ ایسی واہیات جگہ تھی جہاں پتھروں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔"

"اور کیا تھا۔"

"ارے سنو تو سہی۔ میری طبیعت خراب تھی۔ جب وہ کار نیچے اتری تو فولادی بھی دکھائی دیا۔ وہ شاید کار کے اگلے حصے میں تھا۔ اُس نے نیلم سے کہا کہ اسے یہیں اتار دو۔ واپسی میں اسے

یہاں سے لے لیں گے۔ نیلم اس پر تیار نہیں ہوئی لیکن فولادی نے زبردستی کھینچ کر مجھے نیچے ا
دیا اور کار نیچے چلی گئی۔ میں نے نیلم کی چیخیں سنی تھیں لیکن قے کرتے کرتے میرے ہاتھ
کمزور ہو گئے تھے۔"

"کار نیچے چلی گئی.... ؟ کہاں.... نیچے اترتی چلی گئی تھی۔"

"ارے یار.... کیوں کان کھاتے ہو۔ جہاں میں اترا تھا اس کے نیچے بڑی گہرائی میں زمی
تھی شاید ایک میل۔ شاید دو میل یا اس سے بھی زیادہ۔"

"تو وہ اُس گہرائی میں اتر گئی تھی۔"

"ہاں.... اور گائب ہو گئی.... یعنی کہ غائب.... غائب۔"

"پھر کیا ہوا۔"

"کباڑا ہوا۔ بارش ہونے لگی۔ کہیں سر چھپانے کو جگہ نہیں تھی۔ ادھر اُدھر بھاگتا رہا۔ پ
ایک غار مل گیا۔ خدا غارت کرے۔"

"واپسی پر تم پھر اُسی کار میں آئے ہو گے۔"

"مت جان جلاؤ ورنہ گھونسہ مار کر کھوپڑی پلپلی کر دوں گا۔"

"کیوں پیارے.... کیوں تاؤ کھا رہے ہو۔"

"پیارے مت کہو۔ پیارے کہنے والے پکے فراڈ ہوتے ہیں۔ اُس سالی نے بھی تو کہا
پیار.... پیار.... ے" قاسم پھر لپک گیا۔ "لیکن پیارا سالا بارش میں بھیگتا رہا۔ چوبیس گھنٹے تک
بھوکا رہا۔"

قاسم کی آواز دردناک ہو گئی اور اُس نے اس طرح اپنا پیٹ تھپتھپایا جیسے اس وقت بھی بھو
ہی ہو۔

"کیا وہ تمہیں واپس نہیں لائی تھی۔"

"نہیں.... میں وہاں بھٹکتا رہا۔ مجھے راستہ بھی نہیں معلوم تھا.... ایک چرواہے نے مجھ
یہاں تک پہنچایا۔ میں نے اسے پورے چار سو روپے دیئے کیونکہ پورے تین دن بعد یہاں تک
پہنچا ہوں۔ وہ بیچارہ اپنی بھیڑیں ذبح کرتا تھا اور بھون بھون کر مجھے کھلاتا تھا۔ مگر اللہ قسم کتنا لذیذ
گوشت ہوتا تھا۔ سبحان اللہ۔" قاسم خاموش ہو کر منہ چلانے لگا۔

"لیکن تم جس راستے سے پیدل آئے تھے کم از کم وہ تو تمہیں یاد ہی ہو گا۔"

"نہیں مجھے اتنا ہوش نہیں تھا کہ راستہ یاد رکھ سکتا۔"

"تم بالکل کوڑھ مغز ہوتے جا رہے ہو۔" حمید کو خواہ مخواہ غصہ آ گیا۔

"اے.... جہان سنبھال کے راستہ میں بھولا ہوں یا تم۔ تم سے کیا مطلب۔ اب تو میں اسی
ضد پر گھر کا بھی راستہ بھول جاؤں گا۔ دیکھتا ہوں کیا کر لیتے ہو میرا۔"

"تم بالکل گدھے ہو۔"

"تم گدھے کے باپ نہیں بلکہ دادا ہو۔ خاموش رہو۔ میں کچھ سوچنا چاہتا ہوں۔ جاؤ میرا
پیچھا چھوڑو۔"

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ قاسم کے بیان پر یقین کرے یا نہ کرے۔ وہ چند لمحے اُسے
گھورتا رہا پھر بولا۔ "یہ کہانی کتنی دیر میں تیار ہوئی تھی۔"

"تم مجھے جھوٹا سمجھتے ہو۔" قاسم غرایا۔

"افسانہ نگار جھوٹا نہیں کہلاتا اُسے فنکار کہتے ہیں۔"

"کچھ بھی کہتے ہوں تم جاؤ یہاں سے.... مجھے سوچنے دو۔"

"میں تو سنوں کیا سوچ رہے ہو۔"

"کیوں بتاؤں.... جاؤ۔"

"دیکھو! تم جو کچھ بھی سوچ رہے ہو اُس کا جواب چٹکی بجاتے دے سکتا ہوں۔ ویسے تم سوچتے
سوچتے مر جاؤ تب بھی تمہیں جواب نہ ملے گا۔"

"کیوں نہ ملے گا۔"

"دس میل پیدل چلنے سے کم از کم ایک ہفتہ تک دماغ کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں ہوتا۔"

"نہیں....!" قاسم نے حیرت سے کہا۔

"قطعی.... چین کے نامور ڈاکٹر چی چی چوں کا یہی خیال ہے اور پھر تم تو دس میل سے زیادہ
ہی چلے ہو گے۔"

"بہت زیادہ.... تین دن بعد یہاں پہنچا ہوں۔"

"اور پھر کچھ سوچنے کی کوشش کر رہے ہو۔ لعنت تم.... ار مجھ پر۔"

"نہیں.... نہیں.... کہہ دو تم پر۔" قاسم سر ہلا کر بولا۔ "کہہ کر دیکھو کیسی گت بناتا ہوں۔"

"نہیں ڈیئر.... ہاں کیا سوچ رہے تھے۔"

"میں سوچ رہا ہوں کہ آخر یہ سالا فولادی کیسے محبوبت کرتا ہوگا" قاسم ناک پر انگلی رکھ کر بولا۔

حمید نے ایک طویل سانس لی۔ وہ سمجھا تھا شاید کوئی ایسی بات سوچ رہا ہے جس سے ممکن ہے معلومات میں مزید اضافہ ہو سکے۔

"کیوں.... فولادی کی محبت کا خیال کیسے آیا۔" حمید نے کہا۔

"پھر وہ اُسے کیوں لے گیا تھا۔"

"اُس کے باپ سے پوچھ کر جواب دوں گا۔" حمید نے کہا اور قاسم کے کمرے سے چلا آیا۔ وہ جلد از جلد فریدی کو یہ کہانی سنانا چاہتا تھا۔

فریدی نے اُسے بہت سکون کے ساتھ سنا۔ وہ اکثر درمیان میں دو ایک سوال بھی کر بیٹھتا تھا۔ حمید جب کہانی سنا چکا تو اُس نے کہا۔ "قاسم کہاں ہے۔"

"اپنے کمرے میں۔"

"تم یہیں ٹھہرو۔ میں اُس کی زبان سے سارے واقعات سننا چاہتا ہوں۔"

حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ کہانی سناتے وقت بھی اُسے قاسم کی نیت میں فتور ہی محسوس ہوتا رہا تھا۔ وہ اب یہاں سے اٹھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ قاسم کے ساتھ کچھ دیر دل بہلائے گا لیکن ممکن نہ ہوا۔ ہوٹل کے باہر فوجیوں کا پہرہ تھا اور ایسا لگتا تھا جیسے سارے شہری انہیں کی گولیوں کا نشانہ بن کر موت کی آغوش میں جا سوئے ہوں۔

ہوٹل میں بھی زندگی کے آثار مفقود تھے لوگ بہت آہستہ آہستہ گفتگو کرتے۔ لڑکیاں جن کے قہقہے ہر وقت ڈائننگ یا ریکریشن ہال میں گونجا کرتے تھے اب مسکرائیں بھی تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے خوفزدہ ہو کر ہونٹ پھیلا دیئے ہوں۔ جہاں ہر وقت آرکسٹرا نغمات بکھیرتا رہتا تھا وہاں اب مدھم سروں والی سیٹیاں بھی نہیں سنی جا سکتی تھیں۔

حمید بزدل نہیں تھا لیکن ماحول کا اثر اُس پر کیسے نہ پڑتا۔ وہ قاسم کے متعلق سوچنے لگا جس کے ذہن کی ساخت آج تک اُس کی سمجھ میں نہ آ سکی تھی۔ وہ ان حالات میں بھی سوچ رہا تھا کہ سالا فولادی کیسے محبوبت کرتا ہوگا۔

حمید پائپ سلگا کر آرام کرسی میں لیٹ گیا اور اب قاسم کی کہانی اُس کے ذہن میں چکرانے لگی تھی۔ تھوڑی دیر بعد فریدی واپس آ گیا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ کہانی نہیں حقیقت ہے۔" اُس نے کہا۔

"کیوں....!"

"وہ احمق ضرور ہے لیکن اتنا شاندار جھوٹ اُس کے بس کا روگ نہیں۔"

"مگر وہ راستہ ہی بھول گیا۔"

"چرواہا....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "قاسم کے بیان کے مطابق وہ انہیں اطراف میں کہیں رہتا ہے۔"

"پھر بھی اس کی تلاش آسان نہ ہوگی۔"

"نہیں.... قاسم نے جو حلیہ بتایا ہے اُس کے مطابق وشواری نہ ہونی چاہئے۔ دوسرے چرواہے اُس سے یقیناً واقف ہوں گے۔"

فریدی نے فون کا ریسیور اٹھایا۔ آپریٹر کو سوپر واصف کے نمبر بتائے۔ جلد ہی کنکشن مل گیا۔

"ہیلو.... واصف صاحب! میں فریدی بول رہا ہوں۔ ٹیکم گڈھ کے اطراف میں کسی ایسے چرواہے کو تلاش کرائیے جس کی بائیں آنکھ پر بدگوشت ہو۔ اتنا زیادہ کہ آنکھ بمشکل کھل سکتی ہو۔"

"کیوں؟ خیریت....؟"

"اشد ضروری ہے۔"

"مقصد نہیں بتائیں گے۔"

"ابھی نہ پوچھئے تو بہتر ہے۔ ویسے یہ سب کچھ موجودہ کیس ہی کے متعلق ہو رہا ہے۔"

"اچھی بات ہے۔ اس پہچان کو بنا پر پتہ لگانے میں آسانی ہوگی۔"

"شکریہ۔" فریدی نے ریسیور رکھ دیا۔

اس کے بعد وہ پھر ٹیکم گڈھ کے نقشے پر جھک پڑا۔

"کیا آپ اس فضا میں گھٹن محسوس نہیں کرتے۔" حمید نے کہا۔

"میں اسی فضا کا کیڑا ہوں۔" فریدی نے لاپرواہی سے کہا اور ہونٹوں میں دبا ہوا سگار سلگانے لگا۔

"اگر فولادی پر قابو نہ پایا جا سکا تو پھر آپ کو بھی دیکھ لوں گا۔" حمید نے جل کر کہا۔

"فولادی کی لگام ایک آدمی کے ہاتھ میں ہے اور تم جانتے ہو کہ میں ہر قسم کے آدمیوں سے نپٹنا جانتا ہوں۔ بس آج کی رات اور ٹھہر جاؤ۔ میں دیکھ لوں کہ وہ اپنی دھمکی کو کیسے عملی جامہ پہناتا ہے۔"

مڈ بھیڑ

ڈاکٹر ہرمین کی دھمکی پوری ہو کر رہی۔ فریدی ٹرانسمیٹر پر جھکا ہوا تھا اور محکمہ سراغ رسانی کے آپریشن روم پر قبرستان کا سا سناٹا مسلط تھا۔

دفعتاً ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔ "کرنل فریدی.... کرنل فریدی.... آپ کا خیال درست نکلا۔ نیوی کے ایک جہاز کے پرخچے اڑ گئے۔ اس کی وجہ سے دوسرے جہازوں کو بھی تھوڑا بہت نقصان پہنچا ہے۔ وہ جہاز سونا گھاٹ کی طرف آ رہا تھا۔ اُس سے تھوڑے ہی فاصلے پر اچانک پانی میں چند لکیریں سی نظر آئیں جسے جہاز کی روشنی کا عکس سمجھا گیا اور جہاز آگے بڑھتا رہا۔ لیکن جیسے ہی وہ ان چمکتی ہوئی لکیروں کے درمیان پہنچا بالکل ایسا معلوم ہوا جیسے وہ بجلیوں میں گھر گیا ہو۔ اُس کے نیچے اور چاروں طرف بجلیاں سی کوند رہی تھیں۔"

پھر ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ جہاز کے چیتھڑے اڑ گئے۔ قرب و جوار کی درجنوں کشتیاں اور لانچیں الٹ گئیں۔ ابھی تک جانی نقصان کا اندازہ نہیں لگایا جا سکا۔ کرنل فریدی.... کیا آپ سن رہے ہیں۔

"ہاں میں سن رہا ہوں۔" فریدی نے جواب دیا اور پھر دوسری طرف سے آواز آنی بند ہو گئی۔ ٹرانسمیٹر کا سوئچ آف کئے بغیر وہ سوپر واصف کی طرف مڑا۔

"دیکھا آپ نے۔"

"مجھے اطلاع مل چکی تھی کہ وہاں بہت سخت قسم کے انتظامات کئے گئے ہیں۔" واصف نے کہا۔ "غالباً اُن کا خیال تھا کہ وہاں بھی فولادی ہی نمودار ہوگا۔ لہٰذا سونا گھاٹ پر ایک پوری بٹالین موجود تھی، لیکن وہاں دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا۔ بعض اوقات تو ہرمین مجھے کوئی خبیث روح معلوم ہونے لگتا ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ دفعتاً ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔ "کیوں کرنل فریدی، تم نے سن لیا کہ اس ہواز کا کیا انجام ہوا۔ میں ڈاکٹر ہرمین تم سے مخاطب ہوں۔ تم یہ معلوم کرنے کے لئے بہت بے ین تھے کہ ڈاکٹر ہرمین کی دھمکی کا کیا انجام ہوا۔ سن لیا تم نے۔"

"ہاں.... میں نے سن لیا۔ لیکن تم بھی اپنے لئے چند دردناک خبروں کے منتظر رہو۔" یدی نے پرسکون لہجہ میں کہا اور دوسری طرف سے قہقہے کی آواز آئی پھر سناٹا چھا گیا۔

فریدی سوئچ آف کر کے آپریشن روم سے باہر آ گیا۔ کیپٹن حمید بھی اُس کے ساتھ تھا۔

دوسری صبح اُس چرواہے کا سراغ مل گیا جس نے قاسم کو ٹیکم گڈھ پہنچایا تھا۔ قاسم نے بھی ے شناخت کر لیا۔ چرواہا اس طرح پکڑے جانے پر پریشان تھا اُس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"صاحب! انہوں نے روپے اپنی خوشی سے دیئے تھے۔"

"روپے تم رکھو۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "تمہیں صرف اتنا کرنا ہے کہ ہمیں وہاں ک پہنچا دو جہاں سے انہیں لائے تھے۔"

چرواہے نے اطمینان کی سانس لی۔ وہ سمجھا تھا شاید قاسم سے ملے ہوئے روپے اُسے واپس کرنے یں گے۔ فریدی کا ارادہ تھا کہ اُسی دن روانہ ہو جائے گا۔ دشواری یہ آ پڑی کہ بمبار طیارے جو ج سے ٹیکم گڈھ کی فضا میں منڈلا رہے تھے اچانک ویران علاقوں پر بھاری بم برسانے لگے۔

"یہ کیا حماقت شروع ہو گئی۔" حمید نے کہا۔

"ہونے دو.... تمہارا کیا نقصان ہے۔" فریدی بولا۔

"نقصان.... ارے جناب شاید یہ چرواہا بھی ہمارے ساتھ جانے پر تیار نہ ہو۔" حمید نے ہا۔ "اگر گیا بھی تو یہ بات قطعی غیر فطری ہو گی کیونکہ بمباری کے بعد شاید مہینوں اُن اطراف یں چرواہے نہ دکھائی پڑیں۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے.... خیر.... دیکھا جائے گا۔"

اُسی شام کو وہ نشاط کے ڈائننگ ہال میں کافی پی رہے تھے۔ اس وقت لوگ اتنے سراسیمہ نظر نہیں آ رہے تھے جتنے دوپہر تک دکھائی دیتے تھے۔ مائیکروفون ریڈیو سے اٹیچ کر دیا گیا۔ ریڈیو سیلون سے فلمی ریکارڈ اور اشتہارات نشر ہو رہے تھے۔

دفعتاً لاؤڈ اسپیکر میں کوئی خرابی واقع ہو گئی اور ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے بہت سے کتے

لڑ پڑے ہوں۔ لیکن اب عام لوگ اس کے عادی ہو چکے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ ہرمین ہی کی آواز سنائی دے گی۔

دوسرے ہی لمحے میں لاؤڈ سپیکر سے آواز آئی۔ "میں ڈاکٹر ہرمین اس ملک کے عوام سے مخاطب ہوں۔ آپ فولادی سے قطعی نہ ڈریئے۔ اب وہ پھر پہلے ہی کی طرح آپ کا خادم ہے۔ ایک غلط فہمی کی بناء پر حالیہ ہنگامے ہوئے تھے۔ اب میں بالکل مطمئن ہوں۔ لیکن کیا آپ موجودہ حکومت کو پسند کرتے ہیں؟ سنجیدگی سے اس مسئلے پر غور کیجئے۔ اس وقت بھی آپ کی موجودہ پریشانی کا باعث آپ کی حکومت ہی ہے۔ کتنے احمق لوگ ہیں۔ خواہ مخواہ اتنے بم برباد کرادیئے۔ کیا یہ ضروری ہے کہ میں ٹیکم گڈھ ہی کے اطراف میں ملوں گا۔ میں غور سے دیکھ رہا ہوں۔ اگر میں نے محسوس کیا کہ یہ حکومت ناکارہ ثابت ہو رہی ہے تو مجبوراً مجھے عوام کی خاطر اسے ٹھکانے لگانا ہی پڑے گا۔ میں ہوں آپ کا خادم ہرمین۔"

"چور....!" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑایا۔ ہال میں چند لمحے سناٹا رہا اور پھر ریڈیو سیلون کا پروگرام سنا جانے لگا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ یک بیک بدل کیسے گیا۔" حمید نے کہا۔

"اور میں یہ سوچ رہا ہوں کہ وہ سونا گھاٹ کو نیوی کے قبضے میں کیوں نہیں دیکھنا چاہتا۔"

"ابھی تک آپ یہی سوچ رہے ہیں۔"

"میرا خیال ہے یہ بہت اہم ہے۔"

"میں آپ سے تفصیل نہیں پوچھوں گا۔" حمید بڑبڑایا۔ "میں جانتا ہوں کہ آپ نہیں بتائیں گے۔"

"سمجھدار ہو۔"

پھر وہ دونوں ہی خاموش ہو گئے۔ ریڈیو سیلون سے فلمی گیت اور اشتہارات نشر ہوتے رہے۔

آج دو دن سے قطعی سکون تھا۔ اس دوران میں فولادی بھی نہیں دکھائی دیا تھا۔ شہر کی حالت آہستہ آہستہ معمول پر آ رہی تھی۔ سیاحوں کو واپسی کی اجازت مل گئی تھی لیکن مقامی باشندوں پر اب بھی پابندیاں عائد تھیں۔

فریدی نے سفر کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس دوران میں اعلیٰ حکام کی طرف سے برابر اُس

کے نام پیغامات آتے رہے تھے اور وہ بھی انہیں مطلع کرتا رہا تھا کہ وہ غافل نہیں ہے۔

چھ چرواہوں کا ایک مختصر سا قافلہ ٹیکم گڈھ کے ویران علاقے کی طرف چل پڑا۔ اُن کی وضع قطع خانہ بدوشوں کی سی تھی۔ ان میں تین تو حقیقتاً چرواہے تھے اور بقیہ تین قاسم، حمید اور فریدی تھے۔ اس خیال سے قاسم کو ساتھ لینا پڑا تھا کہ کہیں وہ اُن کی عدم موجودگی میں اپنے تجربات نہ بیان کرتا پھرے گا۔ لیکن حقیقت بعد کو معلوم ہوئی تھی۔ اُس نے حمید کو بتایا کہ وہ تو دراصل تازہ ذبح کی ہوئی بھیڑوں کا بھنا ہوا گوشت کھانے کے لئے اُن کے ساتھ آیا تھا۔

وہ جس لئے بھی آیا ہو۔ فریدی خود ہی اُسے ٹیکم گڈھ میں نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

ایک جگہ رہنما رک گیا۔ یہاں چاروں طرف بمباری کی تباہ کاریاں نظر آ رہی تھیں۔

"راستہ بند ہو گیا ہے جناب۔" اُس نے ایک درے کی طرف اشارہ کر کے کہا جس میں بڑے بڑے پتھروں کے ڈھیر نظر آ رہے تھے۔

"یہ نقصان ہوا ہے بمباری سے۔" حمید بڑبڑایا۔

"بناؤں.... راستہ۔" قاسم نے فریدی سے پوچھا۔

"ٹھہرو....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ہم تو کسی نہ کسی طرح گذر ہی جائیں گے لیکن ان بھیڑوں کا مسئلہ ٹیڑھا ہے۔"

"انہیں میں گود میں اٹھا اٹھا کر اُدھر پہنچا دوں گا۔" قاسم نے کہا۔

"سنو....!" فریدی نے چرواہے کو مخاطب کیا۔ "میرا خیال ہے کہ تم اپنے دونوں ساتھیوں کو یہیں چھوڑ دو۔ آٹھ یا دس بھیڑیں ساتھ لے چلو ان کی قیمت تمہیں ادا کر دی جائے گی۔"

"نہیں صاحب میں اکیلے تو کبھی نہ جاؤں گا۔ میرے دونوں بھائی ہر حال میں میرے ساتھ جائیں گے۔"

"تمہاری حفاظت کا ذمہ پہلے ہی لیا جا چکا ہے۔"

"کچھ بھی ہو بھائی جائیں گے۔"

"اچھا تو چلو.... ان بھیڑوں کو آگے بڑھاؤ۔"

چرواہا کچھ سوچنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "تھوڑا چکر ضرور پڑے گا۔ لیکن ہمیں راستہ مل جائے گا۔"

"کچھ کرو بھی تو....!" حمید جھنجھلا کر بولا۔

وہ پھر پیچھے لوٹے اور تھوڑی دیر کی جدوجہد کے بعد چرواہے کے بیان کے مطابق راہ پر لگ گئے۔

"یہ آخر اپنے بھائیوں کو ساتھ لے جانے پر کیوں مصر ہے۔"

"بس دیکھتے رہو۔ تم یہ نہ سمجھنا کہ ہم محفوظ ہیں یا ہماری اسکیموں کی اطلاع دوسروں کو نہیں ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"مطلب یہ کہ ان دونوں چرواہوں سے ہوشیار رہنا۔ ان میں سے کم از کم ایک کو تو میں پہچان چکا ہوں۔ حالانکہ یہ دونوں بھی میک اپ ہی میں ہیں۔"

حمید دونوں چرواہوں کو گھورنے لگا پھر بولا۔ "تو کیوں نہ ان سے یہیں سمجھ لیا جائے۔"

"نہیں چلنے دو۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ہمارے لئے کار آمد ہی ثابت ہو سکیں۔"

"آپ کے لئے تو سانپ کے بچے بھی کار آمد ہو سکتے ہیں۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"یقیناً اکثر وہ بھی کام آئے ہیں۔" فریدی بولا۔

سفر جاری رہا۔ وہ ان ویرانوں میں ایک رات گذار چکے تھے۔ ادھر کے پہاڑوں کا عجیب حال تھا۔ کہیں تو بھورے رنگ کی ننگی چٹانیں ہی چٹانیں بکھری ہوئی نظر آتیں اور کہیں سبزے سے ڈھکے ہوئے پہاڑ تھے۔

حمید کو تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کسی "طلسم ہوشربائی علاقے" میں سفر کر رہا ہو۔

قاسم کی زبان تھکن کے باوجود بھی چلتی رہی لیکن تذکرہ یا تو تھکن کا ہوتا یا نہ مٹنے والی بھوک کا۔ زندہ اور چلتی بھیڑوں کو بھی وہ ایسی للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا جیسے کھال سمیت چبا جائے گا۔

دوسری رات گذارنے کے لئے وہ ایک ایسے مقام پر رکے جہاں مسطح زمین مشکل ہی سے نظر آتی تھی۔ چاروں طرف اونچی نیچی ناہموار سی چٹانیں پھیلی ہوئی تھیں۔ انہیں کوئی غار بھی نہ مل سکا اس لئے رات کھلے ہی میں گذارنی تھی۔ ایک بھیڑ ذبح کی گئی اور اُن لکڑیوں پر بھونی جانے لگی جو خچروں پر بار کر کے لائی گئی تھیں۔ کھانے کے مسئلہ ڈبوں میں محفوظ کی ہوئی غذاؤں سے بھی حل ہو سکتا تھا مگر وہ تھوڑی سی تفریح بھی چاہتے تھے۔ پھر حمید کو ڈبوں والی غذاؤں سے اللہ

لے کا بیر تھا۔

پیٹ بھر جانے پر وہ سونے کے لئے لیٹ گئے اور تھوڑی ہی دیر بعد خراٹوں کی آوازیں فضا منتشر ہونے لگیں، لیکن فریدی جاگ رہا تھا۔ وہ اور حمید باری باری سے سوتے تھے۔ مگر روں کو اس کا علم نہیں تھا۔

آسمان سیاہ بادلوں سے چھپا جا رہا تھا۔ کہیں اکا دکا ستارے دکھائی دیتے لیکن دن بھر کی تھکن میں بھی انہیں خوابوں کے جزیروں کی سیر کرا رہی تھی۔

فریدی نے کروٹ بدلی اور پھر یک بیک اچھل کر بیٹھ گیا۔ بائیں جانب والی ڈھلان سے نی نظر آئی تھی۔ حمید اُس کے قریب ہی تھا۔ اُس نے اسے جھنجھوڑا اور ساتھ ہی اُس کے منہ ھ بھی رکھ دیا۔

حمید بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔

"فولادی" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "آؤ.... چپ چاپ ادھر چلے آؤ۔" وہ اُسے ایک ا چٹان کے پیچھے کھینچ لے گیا۔

"اُس کی روشنی سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کرنا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "یہی تدبیر ہے جسے اختیار کرنے پر ہم اُس سے بچ سکیں گے۔"

ذرا ہی سی دیر میں چاروں طرف روشنی ہی روشنی پھیل گئی۔ کیونکہ یہ حقیقتاً فولادی ہی تھا اور نے نشیب سے سر ابھارا تھا۔

حمید کو اُس وقت ہوش آیا جب اُس نے اپنے کان کے پاس ہی گولی چلنے کی آواز سنی اور یک اندھیرا پھیل گیا۔

"وہ مارا۔" فریدی دبے ہوئے جوش کے ساتھ بڑبڑایا۔

"یعنی.... یعنی...."

"فولادی اندھا ہو گیا۔ اب وہ ہمیں نہیں دیکھ سکے گا۔"

دفعتاً فولادی چنگھاڑنے لگا۔ "نمک حراموں یہ کیا ہوا۔ تم پڑے سو رہے ہو۔ یہ گولی کس نے ا تھی.... کس نے چلائی تھی۔"

اچانک ٹارچ کی روشنی فولادی پر پڑی۔ یہ ٹارچ ایک چرواہے کے ہاتھ میں تھی۔ قاسم بھی

اٹھ بیٹھا تھا۔

"جواب کیوں نہیں دیتے۔" فولادی چنگھاڑا۔

"پتہ نہیں۔" چرواہے نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور پھر اُس نے چاروں طرف ٹارچ روشنی ڈالی، ساتھ ہی اس کا ریوالور بھی نکل آیا۔

"وہ دونوں کہاں ہیں۔" اُس نے قاسم سے گرج کر پوچھا۔

"میں قیا جانوں۔"

"یہ کون بولا تھا۔" فولادی نے پوچھا۔

"موٹا آدمی۔" چرواہے نے جواب دیا۔ "وہ دونوں غائب ہیں۔"

"اوہ.... میں تمہیں فنا کر دوں گا۔ تمہاری ہی غفلت کی بناء پر اندھا ہو گیا۔"

"ابے نیلم کہاں ہے اندھی کے۔" قاسم دھاڑا۔

"اسے گولی مار دو۔" فولادی نے کہا۔ "میں اب بالکل بیکار ہو چکا ہوں۔ نہ چنگاریاں برسا ہوں اور نہ اس قابل بن سکتا ہوں کہ حملوں سے خود کو بچا سکوں۔"

شاید اس نے ٹریگر دبانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ فریدی کے ریوالور سے پھر شعلہ نکلا اندھیرے میں ایک چیخ دور تک لہرائی چلی گئی۔

"آؤ....!" فریدی نے حمید سے کہا اور چٹان کی اوٹ سے نکل آیا۔ اُس کے داہنے ہاتھ ریوالور تھا اور بائیں میں ٹارچ۔

"تم دونوں اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔" فریدی نے پر سکون لہجے میں کہا۔ ایک چرواہا اپنا داہنا بائیں سے دبائے ہوئے جھکا کھڑا تھا۔ اُس کے داہنے ہاتھ سے خون کا فوارہ جاری تھا۔

"یہ کون ہے۔" فولادی سے آواز آئی۔

"تمہارا باپ ہے سالے۔" قاسم نے ایک بے ہنگم سا قہقہہ لگایا۔

فریدی اس کی طرف دھیان دیئے بغیر زخمی چرواہے سے بولا۔ "کیوں.... درجن ہمارے ملاقات کتنی دلچسپ ہے۔"

"درجن....!" حمید متحیرانہ انداز میں بڑبڑایا۔ "یعنی کہ....!"

"ہاں....!" فریدی بولا۔ "درجن! غالباً اب تم اچھی طرح سمجھ گئے ہو گے۔"

"یہ کیسے ممکن ہے۔"

"سب کچھ ممکن ہے۔ ابھی بہت کچھ دیکھو گے۔"

دفعتاً فولادی آگے بڑھا۔ لیکن کسی اندھے آدمی ہی کی طرح لڑکھڑاتا ہوا۔ اُن دونوں کے درمیان سے نکل گیا۔ پھر وہ پاگلوں کی طرح ادھر اُدھر دوڑنے لگا۔ اُس کے ہاتھ اس طرح خلاء میں پھیلتے اور سمٹتے رہے، جیسے کوئی اندھا کسی کو ڈھونڈھ رہا ہو۔

قاسم نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ "مجھے ٹارچ دکھاؤ۔"

"کیا کرو گے۔"

"بھرتا بناؤں گا۔"

حمید اُسے روشنی دکھانے لگا۔ قاسم کچھ ڈھونڈھ رہا تھا۔ دفعتاً وہ جھک کر ایک بہت وزنی پتھر اٹھانے لگا اور حمید کی "ہائیں ہائیں" کے باوجود وہ پتھر اُس کے سر سے بلند ہو گیا۔

"ٹھہرو! ٹھہرو....!" فریدی بھی بول پڑا۔

مگر کون سنتا ہے۔ قاسم نے وہ پتھر فولادی پر دے مارا اور فولادی پتھر سمیت زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اُس کے سینے سے جھانکنے والی کئی رنگوں کی روشنیاں بھی غائب ہو چکی تھیں اور وہ بالکل خاموش تھا۔

لیکن ٹھیک اُسی وقت نشیب سے بے شمار قدموں کی آوازیں آنے لگیں۔ آنے والے شاید دوڑ رہے تھے۔

حمید انہیں وہیں چھوڑ کر نشیب کی طرف جھپٹا۔ سرے پر پہنچتے ہی اُس نے نیچے کی جانب دو سٹن فائر جھونک دیئے۔ وہ پے در پے فائر کرتا رہا۔ نیچے سے بھی فائر ہونے لگے۔

ادھر فریدی قاسم کی مدد سے ان دونوں کو باندھ رہا تھا۔

رات کا سناٹا فائروں کی آوازوں سے مجروح ہوتا رہا۔ تھوڑی ہی دیر بعد فریدی نے محسوس کیا کہ وہ چاروں طرف سے گھر گئے ہیں۔

اُس نے بڑی پھرتی سے اپنا تھیلا تلاش کر کے اس میں سے سفری ٹرانسمیٹر نکالا اور جلدی جلدی کہنے لگا۔

"قریب آجاؤ۔ قریب آجاؤ۔ فریدی اسپیکنگ.... اب تم لوگ ان پر حملہ کر سکتے ہو۔"

خونخوار لڑکی

حمید کو اچھی طرح یاد نہیں کہ وہ ہنگامہ کتنی دیر تک جاری رہا تھا۔ ویسے یہ ضرور ہوا کہ افراتفری میں فریدی کا ساتھ چھوٹ گیا۔ ویسے جس کا بھی ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا وہ اُسے ہوا ایک طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ خیال یہ تھا کہ وہ قاسم کے علاوہ اور کوئی نہ ہوگا۔

فائروں کی آوازیں اب نہیں آ رہی تھیں۔ لیکن وہ دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں بھی سن رہا تھا۔ گھٹاٹوپ اندھیرے میں وہ کئی بار گرتے گرتے بچا۔ دو ایک بار چٹانوں سے ٹکرایا.... اور پھر آخر اُسے رکنا پڑا۔

وہ ڈر کر نہیں بھاگا تھا بلکہ اُس کے قدم غیر ارادی طور پر ایک طرف اٹھ گئے تھے اور پھر اندھیرے میں کسی ایک جگہ ٹھہرنا حماقت ہی ہوتی۔ جب کہ اُسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ نے ٹرانسمیٹر پر کن آدمیوں کو مخاطب کیا تھا اور ان کا حملہ کس جانب سے ہوگا۔ حملہ آور رخ کدھر ہے۔

"قاسم....!" اُس نے آہستہ سے کہا۔

لیکن جواب ندارد۔ حالانکہ اس کا ہاتھ اب بھی ہاتھ ہی میں تھا۔ حمید نے ہاتھ چھوڑ کر نکال لی۔ اور اب اس کی روشنی میں اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ یہ وہی چرواہا تھا جو رہنما کی سے ان کے ساتھ آیا تھا۔

دوسرے لمحے میں حمید نے ریوالور نکال کر اُس کے سینے پر رکھ دیا۔

"تم نے ہمیں دھوکا دیا۔" وہ اُسے لات مار کر ایک طرف گراتا ہوا بولا۔

"ارے.... حضور سنئے تو سہی۔ جیسے آپ نے راستہ دکھانے کے لئے روپے دیئے طرح انہوں نے بھی دیئے تھے۔ میں کیا جانوں سرکار کہ آپ لوگ کیا کرنا چاہتے ہیں۔"

"تو نے انہیں اپنا بھائی کیوں ظاہر کیا تھا۔"

"انہوں نے یہی کہا تھا۔ میں نے اُن سے بتایا تھا کہ پولیس والے مجھے اپنے ساتھ لے ہیں میں کسی اور کو ساتھ نہیں لے جاؤں گا۔ لیکن انہوں نے اس سے زیادہ روپیہ دیا جتنا آ ملا تھا اور کہا کہ میں انہیں اپنا بھائی ظاہر کر کے ساتھ لے جا سکتا ہوں۔"

"تیرے بھائیوں نے جو کچھ بھی کیا ہے اُس کا بدلہ تجھ سے لیا جا سکتا ہے۔"

چرواہا گڑگڑانے لگا.... اور اچانک حمید کسی شہتیر کی طرح زمین پر چلا آیا۔ کسی نے اُس پر چھلانگ لگائی تھی ساتھ ہی اُس نے چرواہے کی چیخیں بھی سنیں۔

چونکہ حملہ بے خبری میں ہوا تھا اس لئے حمید کو سنبھلنے کا بھی موقع نہ مل سکا۔

حملہ آور پانچ یا چھ تھے یا ممکن ہے اس سے بھی زیادہ رہے ہوں۔ حمید کو صحیح اندازہ نہ ہو سکا اس کا سر بہت زور سے پتھریلی زمین پر پڑا تھا اور چوٹ ایسی نہ تھی کہ وہ تھوڑی ہی دیر تک ہوش میں رہ سکتا۔

اور جب ہوش آیا تو آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ کنپٹیاں تڑخنے لگیں۔ ایسا معلوم ہوا جیسے آنکھیں اپنے حلقوں سے باہر آ جائیں گی۔ اُس نے بوکھلا کر دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ لئے۔ اُسے اپنے چاروں طرف صدہا بلب روشن نظر آئے۔ انتہائی تیز روشنی والے بلب اور پھر کچھ دیر بعد اُس نے محسوس کیا کہ اُس کا سارا جسم پسینے میں ڈوبا ہوا ہے۔ کمرہ بے حد گرم تھا اور شاید یہ آنچ انہیں بلبوں سے خارج ہو رہی تھی۔

لیکن اُس کی تھکن حیرت انگیز طور پر زائل ہو گئی تھی۔ اُسے قطعی یہ نہیں معلوم رہا تھا کہ وہ کچھ دیر پہلے بیہوش رہا ہے۔ اُس نے پھر آنکھیں کھولیں لیکن اُس روشنی کی تاب نہ لا سکا۔ اُسے یاد آیا کہ اس کی جیب میں تاریک شیشوں کی ایک عینک بھی تھی۔ اُس نے اپنی جیبیں ٹٹولنی شروع کیں۔ عینک تو مل گئی لیکن ریوالور غائب تھا۔ مگر پھر یاد آیا کہ ریوالور تو اُس وقت اُس کے ہاتھ میں تھا جب کسی نے اُس پر چھلانگ لگائی تھی۔

اس نے عینک نکال کر آنکھوں پر لگالی اور اب وہ بخوبی چاروں طرف دیکھ سکتا تھا لیکن روشنی اب بھی خاصی تیز لگ رہی تھی۔

یہ ایک کافی وسیع کمرہ تھا لیکن حمید کو کہیں کھڑکی یا دروازہ نہیں دکھائی دیا۔ پھر یہ سوچ کر اُس کا دم گھٹنے لگا کہ وہ ایک بہت بڑے صندوق میں بند کر دیا گیا ہے۔ لیکن یہ گھٹن محض ذہنی تھی۔ جسمانی طور پر وہ ذرہ برابر تکان نہیں محسوس کر رہا تھا۔ لہٰذا زندہ رہنے کے لئے ضروری تھا کہ وہ گھٹن کے احساس کو فنا کرنے کی کوشش کرتا۔ یہ خیال آتے ہی اُس نے اپنے ذہن کو ادھر اُدھر بھٹکانا شروع کر دیا۔

کچھ دیر بعد اس کی پشت کی جانب ایک دیوار میں اچانک دروازہ نمودار ہوا۔ لیکن حمید کو اس کی خبر نہ ہو سکی۔ دروازے سے اندر آنے والی ایک عورت تھی جس نے اپنا چہرہ چھپا رکھا تھا۔ اس کے اندر آتے ہی دیوار پھر برابر ہو گئی۔

اُس عورت کے قدموں کی آواز پر حمید چونک پڑا۔

عورت نے ہاتھ اٹھا کر اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اُس عورت نے بھی تاریک شیشو کی عینک لگا رکھی تھی اور جب اُس نے اپنے چہرے پر سے نقاب ہٹائی تو حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

یہ نیلم تھی۔ اُس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ دکھائی دی۔ لیکن اُس مسکراہٹ کا مفہو سمجھنا مشکل ہی تھا۔ پتہ نہیں وہ طنزیہ مسکراہٹ تھی یا اس ملاقات پر خوشی کا اظہار تھا یا یونہی عا ہونٹوں میں کھنچاؤ پیدا ہو گیا تھا۔ اگر اس کی آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک نہ ہوتی تو حمید کو ا مسکراہٹ پر الجھن میں نہ مبتلا ہونا پڑتا۔

"تم آخر آ ہی گئے۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں.... لیکن یہ اب معلوم ہوا کہ ہرمین اور اسمگلروں میں کتنا گہرا تعلق تھا۔"

"تم نہیں سمجھے۔" نیلم نے مغموم لہجے میں کہا۔ "میں ہرمین کے لئے بہت رنجیدہ ہوں۔ آدمی نہیں فرشتہ ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب نہ پوچھو۔" نیلم نے ٹھنڈی سانس لی۔ "بابا نے میرے ساتھ بھی فراڈ کیا۔"

"یعنی....!"

"یعنی.... مطلب" نیلم جھنجھلا گئی۔ "اپنی فکر کرو۔ تم زندہ نہیں بچو گے، بابا آج کل بہ زیادہ خونخوار ہو رہا ہے۔"

"مجھے کوئی نہیں مار سکتا۔" حمید مسکرایا۔ "میں نے پچھلے سال ایک بوتل آبِ وفات پیا تم مجھے ہرمین کے متعلق بتاؤ۔ آہا.... ٹھہرو۔ کیا کرنل بھی پکڑ لئے گئے ہیں۔"

"نہیں.... نہ وہ ہاتھ لگے اور نہ موٹا۔"

"تب تو تم اپنے بابا کے کفن دفن کا انتظام ابھی سے شروع کر دو۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ وقت پر تمہیں پریشانی ہو۔"

"بابا پر ہاتھ ڈالنا بہت مشکل ہے۔ ویسے اب مجھے اُس سے بھی نفرت ہو گئی ہے۔ وہ صرف کام نکالنا جانتا ہے اور اُس کا کوئی اقدام مقصد سے خالی نہیں ہوتا۔ شاید اُس نے اسی دن کے لئے میری پرورش کی تھی کہ میرے ذریعہ سے ہرمین جیسے کسی آدمی تک پہنچ سکے۔ اب اُسے ست دنیا بہت مشکل ہے۔ وہ ساری دنیا کو تباہ کر سکتا ہے۔"

"فولادی کو ہم نے تباہ کر دیا۔"

"فولادی" نیلم ہونٹ سکوڑ کر بولی۔ "اس کی کیا حقیقت تھی۔ یہاں اُس سے بھی زیادہ فناک بلائیں موجود ہیں۔ ایسے حربے جو ریڈیائی لہروں سے کنٹرول ہوتے ہیں۔ صرف ایک ے سے کا سموٹون نے جہاز کے پرخچے اڑا دیئے تھے۔ کیا تم بھول گئے کا سموٹونس سمجھتے ہو۔"

"نہیں.... پہلی بار سن رہا ہوں۔"

"ایک ننھا سا بم جس میں کاسمک شعاعیں مقید تھیں اور اُسے سونا گھاٹ پر پہنچانے کے لئے لادی کو استعمال کیا گیا تھا۔ پھر ریڈیو کنٹرول کے ذریعے یہیں بیٹھے بیٹھے وہ بم پھاڑ دیا گیا۔ جہاز ے چیتھڑے اڑ گئے۔"

"لیکن ہرمین کیسے قابو میں آیا تھا۔"

"بابا نے مجھ سے کہا تھا کہ شاید ہرمین تم سے دوستی کرنا چاہتا ہے لہٰذا تمہیں بھی چاہئے کہ ا تک پہنچنے کی کوشش کرو۔ میں نے فولادی سے ایک دن خواہش ظاہر کی کہ میں اس کا گھر دیکھنا تی ہوں۔ وہ تیار ہو گیا۔ لیکن میں تنہا نہیں جانا چاہتی تھی۔ بابا میلے سے جا چکا تھا اور گروہ والوں سے بھی کوئی نہیں تھا۔ میری نظر موٹے پر پڑ گئی۔ میں نے سوچا کہ اسی کو ساتھ لے چلوں۔ ادی نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ وہ اپنے ساتھ ایک عجیب وضع کی گاڑی لایا تھا، جو اڑ بھی تی تھی۔ ایک جگہ فولادی نے موٹے کو اتار دیا۔ پھر میرے احتجاج پر بولا کہ واپسی میں اسے ھ لے لیا جائے گا۔ بہر حال ہم ایک جگہ اترے جہاں دو آدمی پہلے سے موجود تھے۔ انہوں نے ری آنکھوں پر پٹی باندھ دی۔ تھوڑی دیر تک مجھے اندھوں کی طرح چلنا پڑا۔ اور پھر جب میری ھوں سے پٹی ہٹائی گئی تو میں نے خود کو یہاں پایا۔ میرے گرد چھبیس آدمی تھے اور انہیں میں ین بھی تھا۔ وہ سب مجھے دیکھنے کے لئے ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑ رہے تھے۔ ہرمین نے بتایا کہ ں کے ساتھی تقریباً دس سال بعد کسی عورت کو اتنے قریب سے دیکھ رہے ہیں۔ لہٰذا میں ان

کی کسی غیر مہذب حرکت سے اثر نہ لوں۔ اُس نے کہا کہ وہ مجھے ایک جری اور باہمت لڑکی
ہے۔ ابھی یہی سب ہو رہا تھا کہ بابا اور اس کے دس ساتھی ہاتھوں میں ٹامی گنیں لئے
ہوئے۔ اُن لوگوں نے ہیلی کاپٹروں کے ذریعہ ہمارا تعاقب کیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہرمین اور
کے ساتھی قیدی بنالئے گئے۔ کاش مجھے پہلے ہی یاد آجاتا کہ بابا کے پاس دو بے آواز ہیلی کوپٹر
ہیں تو کبھی میں ادھر کا رخ نہ کرتی۔"

"مگر ہرمین نے اُسے ان چیزوں کا استعمال کیسے بتادیا۔"

"ہرمین مرنا نہیں چاہتا۔ بابا نے اُسے ایسی اذیتیں دی ہیں کہ شیطان کا کلیجہ بھی پانی
ہے۔ اب وہ ایک بے بس کتے کی طرح اس کا ہر حکم بجالاتا ہے اور میں اب بابا کی شکل نہیں
چاہتی، لیکن میں نے اپنی نفرت اس پر نہیں ظاہر ہونے دی۔ اچھا.... اٹھو.... تیار ہو جاؤ
حکم ملا ہے کہ تمہیں اس کے سامنے پیش کروں۔"

نیلم نے ریوالور نکال لیا اور حمید نے مسکراتے ہوئے بائیں آنکھ دبا کر اپنے دونوں
اٹھادیئے۔

"سیدھے چلو۔" نیلم آہستہ سے بولی۔ "میں مجبور ہوں لیکن حتی الامکان کوشش کر
کہ تمہیں بچالیا جائے۔"

"شکریہ۔ میں بچ جانے کے لئے کسی کا محتاج نہیں بن سکتا۔ تم مجھے اچھی طرح جانتی

"بابا بہت خطرناک ہے۔ وہ کرنل فریدی کو بھی طفلِ مکتب سمجھتا ہے۔"

حمید جیسے ہی دیوار کے قریب پہنچا دروازہ نمودار ہو گیا۔

"چلو.... چلتے رہو۔" نیلم نے کہا۔ وہ ریوالور لئے ہوئے اس کے پیچھے چل رہی تھی۔

حمید خاموشی سے چلتا رہا اور پھر وہ ایک بہت بڑے کمرے میں آئے۔ حمید کے داخل
ہی اس کمرے کی دیوار بھی برابر ہو گئی اور یہ بھی ایک بہت بڑا صندوق معلوم ہونے لگا۔
آدمی نظر آئے ان میں وہ دونوں چرواہے بھی تھے جنہوں نے حمید اور فریدی کے ساتھ
تھا۔ زخمی چرواہے کا ہاتھ ابھی تک اُسی حالت میں تھا۔ اُس کی ڈریسنگ نہیں کی گئی تھی۔

اُس نے حمید کو دیکھ کر دانت پیستے ہوئے کہا۔ "اب میں دیکھوں گا کہ تم لوگ کتنے
اور طاقتور ہو۔"

"اگر تم نے یہ الفاظ کسی کھلی جگہ پر کہے ہوتے تو میں تمہاری کافی قدر کرتا۔"

حمید مسکرا کر بولا۔ "صندوقوں میں مرنے یا جینے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"گن گن کر سارے بدلے چکاؤں گا۔"

نیلم اُسے تیکھی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ حمید کچھ نہ بولا۔ وہ چاروں طرف کسی ایسے
ندے کی طرح دیکھ رہا تھا جس کا پنجرہ تبدیل کیا گیا ہو۔ ویسے حقیقت یہ تھی کہ اس کا ذہن
یدی میں الجھا ہوا تھا۔ ان دونوں چرواہوں کی موجودگی کا مقصد تو یہی ہو سکتا تھا کہ فریدی اور
کے نامعلوم ساتھیوں کو شکست فاش ہوئی کیونکہ خود حمید اور قاسم نے ان دونوں چرواہوں کو
رہا تھا۔

دفعتاً سامنے والی دیوار میں ایک دروازہ نمودار ہوا اور دو آدمی اندر داخل ہوئے۔ ان میں ایک
ر غیر ملکی اور دوسرا دیسی تھا۔ دونوں ہی کے چہروں پر گھنی داڑھیاں تھیں۔ غیر ملکی کے ہاتھوں
ہتھ کڑیاں تھیں اور اس کی آنکھوں سے گہرا غم جھانک رہا تھا۔

دیسی بوڑھے نے حمید کو نیچے سے اوپر دیکھا اور پھر قہر آلود نظروں سے زخمی چرواہے کی
ف دیکھنے لگا۔

"درجن! تم اپنے لئے خود ہی کوئی سزا تجویز کرو۔"

"کیا مطلب....!" درجن غصیلی آواز میں بولا۔ "تم ہوش میں ہو یا نہیں۔ تمہیں بھی یہ
ت ہوئی کہ مجھ سے اس لہجے میں گفتگو کر سکو۔"

"شٹ اپ یور ڈرٹی سوائین۔" بوڑھا غرایا۔ "محض تمہاری وجہ سے فریدی کو علم ہوا تھا کہ
ی تجارت کی پشت پر کون ہے اور اب تم سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اُسے پکڑ کر یہاں تک
سکتے۔ تمہاری وجہ سے فولادی جیسی کار آمد چیز تباہ ہوئی۔"

"میں تمہارے سامنے جواب دہ نہیں ہوں۔ تم اپنی زبان بند رکھو۔"

"درجن تجھے سزا ضرور ملے گی۔"

"کس میں ہمت ہے۔" درجن سینہ تان کر بولا۔ "کل تک تو میرا ماتحت تھا نمک حرام آج
پر آنکھیں نکال رہا ہے۔"

"تجھے گھٹنوں چلنا کس نے سکھایا تھا۔" بوڑھے نے زہریلی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"میں صرف رانا صاحب کو جوابدہ ہوں اور تم سب میرے ماتحت ہو۔"

"او کتے کے پلے۔" بوڑھا غرایا۔ "تو ایک سرکاری سراغ رساں کے سامنے رانا صاحب کا نا لے رہا ہے۔"

"شٹ اپ.... ذلیل نمک حرام۔" درجن بھی اُسی انداز میں دہاڑا۔ "کیا یہ سراغ رسا اب آسمان دیکھ سکتا ہے۔"

"لیکن رانا صاحب کا نام تیری زبان پر کیسے آیا۔ تجھے اس کی سزا ضرور ملے گی۔" بوڑھے آہستہ سے کہا اور پھر نیلم کی طرف دیکھ کر کہا۔ "نیلم تیرے باپ کا قاتل یہی ہے۔ تیری ماں اسی نے گولی چلائی تھی اور تو بارش میں پڑی چیختی رہ گئی تھی۔"

"بابا....!"

"ہاں نیلم.... بابا بُرا آدمی ضرور ہے لیکن وہ خواہ مخواہ جھوٹ نہیں بولتا۔"

"تو میرے باپ کا قاتل ہے۔" نیلم نے درجن کو مخاطب کیا۔

"مجھے یاد نہیں۔" درجن نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔ "میرے پاس مقتولوں فہرست کبھی نہیں رہی۔"

نیلم نے اپنے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور پر نظر ڈالی، لیکن پھر اُسے یہ کہہ کر بوڑھے طرف اچھال دیا۔ "اتنی پیاس ہے بابا کہ مزے لے لے کر پینا چاہتی ہوں۔"

بوڑھے نے ریوالور اپنے ہاتھوں پر روک لیا۔ نیلم دوسرے ہی لمحے میں اپنی پیٹی سے نکال چکی تھی۔

"کیا تمہیں اس ننھی منی سی لڑکی پر رحم نہیں آتا۔" درجن نے بوڑھے سے کہا۔

"نیلم.... تیری تربیت میرے ہاتھوں سے ہوئی ہے۔"

"ہاں.... بابا....!" نیلم نے کہا اور کسی شیرنی کی طرح درجن پر جھپٹ پڑی۔ درجن پہلا وار خالی دیا۔ وہ کسی دیوانے کی طرح ہنس رہا تھا۔ نیلم دور کھڑی دوسرے حملے کی تاک تھی۔ اس بار اُس نے چھلانگ لگائی۔ درجن نے پینترا بدلا لیکن حمید متحیر رہ گیا۔ پہلے ایسا معلو ہوا جیسے نیلم نے چھلانگ لگائی ہو لیکن حقیقت صرف اتنی تھی کہ اُس نے درجن کو دھوکا دیا چھلانگ تو حقیقتاً اس وقت لگائی تھی جب درجن پینترا بدل چکا تھا۔ نیلم خنجر کھینچ کر پیچھے ہٹ آئی

"بہت اچھے.... بہت اچھے۔" بوڑھا بیساختہ بولا۔

اس بار درجن ہی نیلم پر جھپٹ پڑا۔ لیکن نیلم اس کی بائیں پسلی پر وار کرتی ہوئی پیچھے ہٹ گئی۔

"واہ بھئی! کیا ہاتھ تھا.... جیو....!" حمید بیساختہ بول پڑا۔

"دیکھا درجن! دشمن بھی تعریف کرتے ہیں۔" بوڑھے نے ہنس کر کہا۔ "لیکن تم میری محنت کی داد نہیں دیتے۔"

درجن کھڑا آگے پیچھے جھول رہا تھا اس کی آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے دکھائی ہی نہ دیتا ہو۔ وہ یک بیک بوڑھے کی طرف جھپٹا لیکن نیلم نے اس کے بال پکڑ لئے اور جھٹکا دے کر داہنی پسلی پر بھی ایک وار کیا۔ اس بار درجن اپنے پیروں پر کھڑا نہ رہ سکا۔ فرش پر خون پھیل رہا تھا اور درجن کے ہاتھ اس طرح پھسل رہے تھے جیسے وہ دوبارہ اُسے اپنی رگوں میں بھر لینا چاہتا ہو۔

"اب تم اسی طرح سسکتے رہو۔" نیلم نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "لیکن آخری اور فیصلہ کن وار ہرگز نہ کروں گی۔"

"شاباش.... تو بابا ہی کی بیٹی ہے۔" بوڑھے نے کہا۔

نیلم کچھ نہ بولی۔ وہ کسی شریر بچے کی طرح زخمی درجن کی طرف دیکھ رہی تھی جس نے کسی تتلی کے پر نوچ کر اُسے فرش پر ڈال دیا ہو۔ اُس کے چہرے پر خوشی اور حیرت کے ملے جلے آثار تھے جیسے اُسے اپنے اس کارنامے پر یقین ہی نہ آ رہا ہو۔

حمید خود کو لاپرواہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کیوں کیپٹن؟ کیا تم بھی اسی لڑکی کے ہاتھوں مرنا پسند کرو گے۔" بوڑھے نے مسکرا کر حمید کو مخاطب کیا۔

"ہرگز نہیں۔" حمید بھی جواباً مسکرایا۔ "مجھے اردو شاعری کے قاتل سے ہمیشہ نفرت رہی ہے لیکن میں ایک خاص قسم کی موت زیادہ پسند کرتا ہوں۔"

"وہ خاص قسم کی موت کون سی ہے۔"

"تم گانا شروع کر دو۔ میرا نام عبدالرحمٰن۔ پستے والا میں ہوں پٹھان۔ بس میں یہیں پھڑک پھڑک کر جان دے دوں گا۔"

"کیا تم سمجھتے ہو کہ یہاں سے بچ کر نکل جاؤ گے۔" بوڑھا جھلا گیا۔

"بس مری جان یہ جملہ نہ دہراؤ۔ یہ جملہ ہمیشہ سے منحوس ثابت ہوتا چلا آرہا ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے درجن نے بھی یہی کہا تھا۔ اس کا انجام تمہارے سامنے ہے۔"

"نیلم.... اسے بھی ختم کردے۔" بوڑھے نے کہا۔

نیلم چند لمحے حمید کو گھورتی رہی پھر بولی۔ "میری عقل ابھی اپنی جگہ پر ہے۔ یہ ایک غیر دانشمندانہ فعل ہوگا بابا۔"

"کیوں....؟"

"اسے فریدی کو پھانسنے کیلئے چارا کیوں نہ بناؤ۔ ویسے وہ ہاتھ نہیں آئے گا۔ بڑا کائیاں ہے۔"

بوڑھا کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "تو ٹھیک کہہ رہی ہے نیلم۔"

حمید کی طرف دیکھ کر اُس نے کہا۔ "تم نے دیکھا اس لڑکی کو.... یہ ایسے حالات میں بھی عقل مندوں کی طرح سوچتی ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔

ہنگاموں کی موت

بھاری بھرکم درجن کسی مرتے ہوئے بھینسے کی طرح ڈکرا رہا تھا.... اور نیلم ہنس رہی تھی چیخ رہی تھی۔ "میں نے آج تک کسی پرندے کا بھی خون نہیں بہایا۔ لیکن میں اس وقت اتنی مسرور ہوں جیسے میں نے کوئی بڑا نیک کام کیا ہو.... بابا کیا میں خوش نظر نہیں آتی۔"

"بہت زیادہ۔" بوڑھے نے کہا۔ "تم ہی نہیں میں بھی خوش ہوں کہ آج تمہیں تمہارے والدین کے قاتل سے ملا سکا۔"

"شکریہ بابا۔" نیلم نے کہا۔ لیکن حمید نے اس کے لہجے میں ہلکی سی تلخی بھی محسوس کرلی ابھی تک اس کی نظروں سے صدہا عجیب لڑکیاں گذری تھیں لیکن یہ لڑکی عجیب ترین تھی۔

دفعتاً بائیں جانب والی دیوار سے ایک دروازہ نما خلاء نمودار ہوئی اور حمید کو قاسم نظر آیا۔ اس کے دو آدمی دھکیل دھکیل کر آگے بڑھا رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ بھی اسی کمرے میں آگیا۔ اس کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔

حمید کو دیکھ کر اس کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی۔ پتہ نہیں یہ خوشی کا اظہار تھا یا حیرت کا۔

بوڑھے نے ان آدمیوں کو مخاطب کیا جو قاسم کو لائے تھے۔

"وہ کہاں ہے۔"

"تلاش جاری ہے۔" ایک نے جواب دیا۔ "ہمیں یقین ہے کہ کچھ دیر بعد وہ بھی یہیں نظر آئے گا۔"

"جاؤ.... تلاش کرو۔" بوڑھے نے غصیلے لہجے میں کہا۔

حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ سمجھا تھا شاید فریدی بھی ان کے ہتھے چڑھ گیا۔

اُس نے قاسم کی طرف دیکھا، جو آہستہ آہستہ کھسکتا ہوا حمید کے قریب پہنچ گیا تھا۔ لیکن شاید اس نے نہ تو نیلم کی موجودگی محسوس کی تھی اور نہ اُس زخمی کو دیکھ سکا تھا، جو بیہوش تھا۔

"ارے باپ رے۔" نیلم پر نظر پڑتے ہی وہ اچھل پڑا اور بوڑھا اُسے گھورنے لگا۔

"قیوں.... نیلم....!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "تم گھبراؤ نہیں۔ میں ان سبھوں سے نبھ لوں گا۔"

نیلم نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بوڑھے کی طرف دیکھ کر بولی۔ "یہ بیچارے یہی سمجھتے رہے کہ میں تم لوگوں کے مظالم کی شکار ایک بے سہارا لڑکی ہوں۔"

"اور کیا....!" قاسم سر ہلا کر بولا۔ "تم اس بیچاری کو چھوڑ دو۔ چاہے مجھے پھانسی دے دینا۔"

"قاسم ہوش میں آؤ...." حمید بولا۔ "ہم ابھی تک دھوکا کھاتے رہے ہیں۔ یہ لڑکی اسی سے تعلق رکھتی ہے.... اور وہ.... اُدھر دیکھو.... وہ لاش، اسے نیلم ہی نے ابھی ابھی تمہاری آنکھوں کے سامنے قتل کیا ہے۔"

"ارے باپ رے۔" قاسم نے بوکھلا کر شاید پیٹ پر ہاتھ پھیرنا چاہا لیکن ہاتھ تو پشت پر بندھے ہوئے تھے۔

"میں پیٹ پر ہاتھ پھیرنا چاہتا ہوں۔" اُس نے بوکھلا کر کہا۔ لیکن شائد اُسے اپنی حماقت کا احساس ہوگیا۔ پھر اُس نے جو جھینپی ہوئی شکل بنا کر زور کیا ہے تو اُس کے ہاتھوں کے گرد رسی کے بل تڑاخ تڑاخ ٹوٹ گئے اور وہ سچ مچ پیٹ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"تم اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کرو گے۔" بوڑھا ریوالور کا رخ اس کی طرف کر کے دہاڑا۔

"نہیں قروں غا۔" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"لیکن تم ان لوگوں کے ساتھ کیوں دھکے کھاتے پھر رہے ہو۔ تم شائد خان بہادر عا
لڑکے ہو۔"

"تم قون ہو۔"

"میں ساری دنیا کا بادشاہ ہوں۔"

"انہیں مجرا کرو۔" حمید نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

"مجھے مجرا کرنا نہیں آتا بھائی صاحب۔" قاسم بوکھلا کر بولا۔ "ارے بھائی بادشاہ صا
پھر وہ حمید پر الٹ پڑا۔ انداز بالکل بھٹیاروں کا سا تھا۔

"ابے تم خود کرو مجرا۔ میں رنڈی ہوں کیا کہ مجرا کرتا پھروں۔ تم خود رنڈی۔" بو
پڑا۔ نیلم بھی ہنسنے لگی۔

دفعتاً وہ غیر ملکی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ جواب تک خاموش کھڑا رہا تھا۔

"تم لوگ درندے ہو۔ بالکل درندے۔ اُسے مار ہی کیوں نہیں ڈالتے۔ ایسا برتاؤ تو
کے ساتھ بھی نہیں کرتے۔"

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر زخمی ورجن کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تم بہت نرم دل ہو ہرمین۔" بوڑھے نے کہا۔ "اسی لئے تو میں تم پر نازل کیا گیا
لوگ اسی لئے پیدا ہوئے ہو کہ تمہارا علم ہم جیسوں کے کام آئے۔ تم میں ساری دنیا
کرنے کی طاقت ہے، لیکن تم اُس طاقت کے استعمال سے ناواقف ہو۔ مجھے دیکھنا کہ میں
طاقت کو کس طرح مصرف میں لاتا ہوں۔ رحم دل آدمی دنیا میں کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ
دراصل چالاک بزدلوں کا تراشا ہوا ہے جس کام کی ہمت نہیں پڑتی اُسے رحم دلی کے
ڈال دیا جاتا ہے اور جس کام کے کر گذرنے کی سکت ہوتی ہے اُسے دوسرے خوبصورت
جاتے ہیں خواہ اس میں بربریت کی ہی حد کیوں نہ ہو جائے۔ یہ بیسویں صدی ہے،
امن کے نام پر خون بہایا جاتا ہے۔ جو تم سے متفق نہ ہو نہایت اطمینان سے اس کی گر
اعلان کر دو کہ یہ امن عالم کے لئے بہت ضروری تھا۔ آدمیوں کی طرح سوچنا سیکھو ہر
بن کر آدمیوں میں رہنا مشکل ہے۔ افسوس کی علم کی روشنی تمہارے ذہن میں اجالا

اس لڑکی کے کارنامے کو درندگی قرار دیتے ہو۔ نہیں تم غلطی پر ہو۔ تلوار کے جوہر کسی کی گردن ہی پر آزمائے جا سکتے ہیں۔ مگر نہیں ٹھہرو۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ میں تمہیں یہ بات بیسویں صدی کے سود و زیاں والے معیار سے کیوں نہ سمجھاؤں جس طرح کسی کی گردن اڑا دینا امن عالم کے لئے ضروری ہوتا ہے، اُسی طرح اس لڑکی کا یہ فعل بھی بہت ضروری تھا ورنہ آئندہ وہ اس کے بدلے ہزاروں کو بھی قتل کر سکتی تھی۔ یہ جب شیر خوار ہی تھی تو اس کا باپ قتل کر دیا گیا۔ قاتل اس کی ماں کو بھی زندہ نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ وہ اسے گود میں اٹھا کر گھر سے نکل بھاگی لیکن قاتل کی گولی نے اُسے بھی نہ چھوڑا۔ وہ شارع عام پر مردہ پڑی تھی اور یہ اس کی چھاتی سے چمٹی ہوئی بلک رہی تھی اور ان دونوں پر سے بارش کا طوفان گذر رہا تھا۔ یہ بچی بچپن ہی سے یہ کہانی سنتی آئی ہے اور انتقام کی آگ اس کے ریشے ریشے میں سلگتی رہی ہے۔ اگر وہ قاتل اُسے نہ ملتا اور یہ اس سے انتقام نہ لے لیتی تو ہو سکتا تھا کہ یہ کبھی پورے معاشرے کے لئے خطرہ بن جاتی۔ لہٰذا اس وقت جو کچھ بھی ہوا ہے اُسے تم درندگی نہیں کہہ سکتے۔ یہ کل کی تباہی سے بچنے کے لئے بہت ضروری تھا۔ خیر ہٹاؤ... یہ شاید اب دم توڑ رہا ہے۔ اب تم اُسے خاک کر دو۔"

ہرمین کچھ نہ بولا۔ ورجن سچ مچ تڑپ رہا تھا اور شاید یہ اُس کے اعصاب کا آخری کھنچاؤ تھا۔ دفعتاً اس کی گردن ایک جھٹکے کے ساتھ ڈھلک گئی۔ اب وہ بالکل ساکت تھا۔

"مجھے سردی لگ رہی ہے بابا۔" نیلم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تن کر کھڑی ہو جاؤ اور یہ سوچو کہ تمہیں اُسے ایک بار اور قتل کرنا ہے۔" بوڑھے نے جواب دیا۔

"مجھے سردی لگ رہی ہے بابا۔" نیلم نے پہلے ہی کے سے انداز سے کہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُس نے بوڑھے کی آواز سنی ہی نہ ہو۔

پھر وہ اندھوں کی طرح ٹٹولتی ہوئی آگے بڑھی اور دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

وہ بالکل اسی طرح کانپ رہی تھی جیسے سردیوں کی بارش میں دیر تک بھیگتی رہی ہو۔ اُس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا تھا۔ بوڑھے نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی اور ہرمین سے بولا۔

"کیا تم نے سنا نہیں.... چلو.... اس لاش کو راکھ کا ڈھیر بنا دو۔"

"یہ کیا ہو رہا ہے.... غمید بھائی۔" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بڑبڑایا۔ حمید کچھ نہ بولا۔

ہرمین آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا دیوار کی طرف جا رہا تھا۔ اُس نے ہتھکڑی لگے ہوئے ہاتھ اٹھا کر دیوار پر ایک جگہ انگلی رکھی اور دوسرے ہی لمحے میں عجیب قسم کی گھڑگھڑاہٹ سنائی دی۔ دائیں جانب والی دیوار شق ہوئی اور ایک بڑا سا سیاہ رنگ کا صندوق فرش پر پھسلتا ہوا کمرے کے وسط میں آرکا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کوئی کمپارٹمنٹ ریلوے لائن پر دوڑتے دوڑتے رک گیا ہو۔

ہرمین نے اُسے کھولا اور درجن کی لاش اٹھا کر اُس میں رکھ دی گئی۔ ڈھکن کے بند ہوتے ہی صندوق پھر پہلے ہی کی طرح پھسلتا ہوا کمرے سے چلا گیا اور دیوار بھی برابر ہو گئی۔

حمید ہرمین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سب ہی خاموش تھے۔ دفعتاً حمید نے ہرمین کے چہرے پر حیرت کے آثار دیکھے۔ اُس کی نظر ایک دیوار کے اُس حصے پر تھی جہاں ایک سوئچ بورڈ پر سرخ رنگ کے تین بلب کبھی بجھتے تھے اور کبھی روشن ہو جاتے تھے۔

"کیا بات ہے۔" بوڑھے نے پوچھا۔ شاید اُس نے بھی اس کی آنکھوں میں کوئی تبدیلی پڑھ لی تھی۔

"کچھ نہیں۔" ہرمین نے کہا اور فرش پر پھیلے ہوئے خون پر نظر جما دی۔

"شاید دو منٹ بعد دیوار پھر شق ہوئی اور صندوق پھر کمرے کے وسط میں آکر رک گیا۔ ہرمین نے آگے بڑھ کر ڈھکن اٹھایا لیکن اچانک اُس کے منہ سے عجیب سی آواز نکلی اور وہ اچھل کر پیچھے ہٹ آیا۔ صندوق میں کرنل فریدی کھڑا انہیں گھور رہا تھا اور اس کے ہاتھوں میں ٹامی گن تھی۔ وہ صندوق سے باہر آکر بولا۔ "شاید آپ لوگوں کو میری آمد گراں گذرے اس لئے براہ کرم اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیجئے۔"

حمید اور قاسم کے علاوہ سب نے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔ حمید بوڑھے کو مخاطب کر کے بولا۔

"کیوں اب کیا ہے۔ میں نے کہا تھا نا کہ اس منحوس جملے کو نہ دہراؤ۔"

"ہرمین۔" بوڑھے نے کہا۔ "اگر تم نے ذرہ برابر بھی کمزوری دکھائی تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔"

فریدی چونک کر بوڑھے کو گھورنے لگا۔ اُس نے شاید ابھی تک اُسے کوئی اہمیت نہ دی تھی۔

نیلم بھی اب کھڑی ہو گئی تھی۔ لیکن اُس کے چہرے پر اضمحلال طاری تھا۔ خدوخال میں پہلے سی تازگی یا زندگی باقی نہیں رہی تھی۔

"اوہو.... تو یہ جناب ہیں۔" فریدی نے بوڑھے کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے کہا۔

"کیا آپ اسے جانتے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"اچھی طرح حمید صاحب۔"

"ارے تو پھر بنا دوں چٹنی سالے کی۔" قاسم بول پڑا۔

"نہیں.... میں انہیں بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ یہاں سے لے جاؤں گا۔"

"پولیس....!" ہرمین نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ "اوہ.... وہاں پولیس اسٹیشن.... تم ہی تو فولادی کو پولیس اسٹیشن لے گئے تھے۔"

"اور میں نے ہی فولادی کو اندھا کیا تھا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "فولادی ایک شاندار ایجاد تھی۔ مجھے اعتراف ہے اور اس کی بربادی پر افسوس بھی۔ لیکن اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ میں پہلے ہی سے جانتا تھا کہ فولادی کس طرح مار کھا سکتا ہے۔ اس کی روشنی میں آئی ہوئی ہر چیز یہاں ٹیلی ویژن کی اسکرین پر نمایاں ہو جاتی تھی اور تم اس کے بچاؤ کی تدبیر کر لیتے تھے۔ اس بناء پر بھاری توپیں بھی اُسے ختم کرنے میں ناکام رہی تھیں۔ میں نے اس کی روشنی سے بچ کر روشن حصے پر گولی چلائی اور اُسے بیکار کر دیا۔ چونکہ میں روشنی میں نہیں تھا اس لئے تمہیں یہاں اسکرین پر نہیں نظر آسکا۔ روشنی والا حصہ شیشے کا تھا اور بہت آسانی سے توڑا جا سکتا تھا۔"

"تم بہت چالاک ہو۔ میں پہلے ہی دن سمجھ گیا تھا۔" ہرمین بولا۔

"اور آپ....!" فریدی نے بوڑھے کی طرف دیکھ کر کہا۔ "آپ سونا گھاٹ پر نئی بندرگاہ کی تعمیر نہیں پسند کرتے تھے۔ اسی لئے ہرمین پر قابو پاتے ہی آپ نے سب سے پہلے اسی کا تصفیہ کرنا بہتر سمجھا۔ اگر سونا گھاٹ پر بحری فوج کا اڈہ بن جاتا تو پھر آپ کی ناجائز درآمد و برآمد کا کیا ہوتا۔ ظاہر ہے کہ سونا گھاٹ اس کام کے لئے ہمیشہ سے موزوں رہا ہے۔ کچھ تو بولئے جناب۔ آخر آپ خلاف معمول اتنے خاموش کیوں ہیں۔"

"تم اپنی بکواس بند کرو تو میں بھی بولوں۔"

"چلئے.... میں خاموش ہو گیا۔"

"تم کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو۔"

"یہ مرض مجھے بہت کم ہوتا ہے۔"

"کیا ہم ایک دوسرے کے لئے اجنبی نہیں ہیں۔" بوڑھے نے کہا۔

"ایسا بھی کیا کہ اتنی پرانی جان پہچان والے ایک دوسرے کے لئے اجنبی بن بیٹھیں۔ نہیں
ں اس پر تیار نہیں ہو سکوں گا۔"

"اچھا تو تم میرا کیا کرلو گے۔"

"ابھی بتاتا ہوں.... پہلے کیپٹن سے آپ کا تعارف تو کرادوں۔ حمید صاحب آپ وہ
بڑے آدمی جن کا تذکرہ میں اکثر کرتا رہا ہوں۔ رانا صاحب! ممبر آف پارلیمنٹ۔ آپ کا گروپ
بہت تگڑا ہے اور آپ ایک بہت بڑے دیش بھگت اور دیش سیوک بھی ہیں اور ملک کے حاکم اعلا
صاحب جو دیش سیوکوں کے بھی سیوک ہیں آپ کی ذات بابرکات پر نہ صرف اعتماد کرتے ہ
بلکہ اکثر غیروں کے سامنے فخر بھی کیا کرتے ہیں۔ شاید وہ آپ کے کرتوتوں سے واقف ہی نہ
ہیں اس لئے دوسرے بڑے حکام نہ صرف آپ سے خوف کھاتے ہیں بلکہ اس طرح آپ کے
آتے ہیں کہ اُن کی پولیس بھی منہ دیکھتی رہ جاتی ہے اور آپ بھی محفوظ ہی رہتے ہیں لیکن آ
یاد ہوگا کہ فریدی آپ کو کئی بار وارننگ دے چکا ہے اور آج وہ آپ کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں
کر یہاں سے لے جائے گا رانا صاحب! آپ ہرمین پر قابو پاکر حکومت کا تختہ الٹنے کا پروگر
رہے تھے۔ آپ کو شارع عام پر پھانسی دلواؤں گا.... اسے لکھ لیجئے۔"

"جھک مار رہے ہو۔" بوڑھے نے قہقہہ لگایا۔ "آج رات کی کہانی تم لوگوں کے ساتھ
دفن ہو جائے گی۔"

"ارے.... اسے ہٹاؤ.... وہاں سے۔" دفعتاً ہرمین چیخا۔

لیکن قبل اس کے کہ فریدی سنبھلتا بوڑھے کو زمین نگل گئی۔ مگر شاید وہ فائر فریدی
گیا تھا جس نے ہرمین کی کھوپڑی میں سوراخ کر دیا۔

"وہ گیا۔" نیلم چیخی۔ "سب یہیں دفن ہو جائیں گے۔" اُس نے جگہ جگہ ڈائنامائیٹ
ہیں اور ان کا سوئچ باہر ہے۔ بھاگو۔ میرے ساتھ آؤ۔"

اُس نے جھپٹ کر ایک سوئچ بورڈ کا بٹن دبایا اور دیوار ایک طرف سرکتی چلی گئی۔ وہ
کے پیچھے دوڑ رہے تھے اور بوڑھے کے دوسرے ساتھی اس وقت سیلاب کے سانپوں کی طر
ہو گئے تھے۔ کوئی دوسرا موقع ہوتا تو حتی الامکان فریدی اور حمید کو زندہ نہ جانے دیتے

وقت وہ خود بھی اپنے بھیانک انجام سے خائف ہو کر انہیں دونوں کا ساتھ دے رہے تھے۔

نیلم ان کی رہنمائی کر رہی تھی اور وہ سب گرتے پڑتے بھاگے جا رہے تھے۔ آخر وہ متعدد صندوق نما کمروں کے جال سے نکل کر سرنگ میں دوڑنے لگے۔ سرنگ تاریک تھی لیکن شاید نیلم کی حاضر دماغی نے کہیں سے ایک ٹارچ اٹھا لینے میں کوتاہی نہیں کی تھی۔ وہ سب سے آگے دوڑ رہی تھی۔ اگر ہاتھ میں ٹارچ نہ ہوتی تو شاید ان میں سے کئی کے ہاتھ منہ ٹوٹے ہوتے کیونکہ ان کے پیروں کے نیچے زمین ناہموار تھی۔

وہ بہت جلد کھلے آسمان کے نیچے آگئے لیکن نیلم کی رفتار اب زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ حمید نے پلٹ کر دیکھا اُس کے پیچھے صرف قاسم تھا اور بوڑھے کے ساتھیوں میں سے جس کے جدھر سینگ سمائے تھے بھاگ نکلا تھا۔

تقریباً دو فرلانگ دوڑنے کے بعد نیلم رک گئی۔

اس کی ٹارچ کی روشنی اندھیرے میں رینگ گئی تھی۔

"وہ رہا.... وہ دیکھئے۔" نیلم کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔ "شاید سوئچ تلاش کر رہا ہے۔ جلدی میں سوئچ کا مقام بھول گیا۔"

ٹارچ کی روشنی پڑتے ہی بوڑھا اچھل کر بھاگا۔ فریدی کی ٹامی گن گولیاں اگلنے لگی۔ بوڑھا بھی ایک چٹان کی اوٹ سے فائر کرنے لگا تھا۔ فریدی نے ٹامی گن ایک طرف ڈال کر ریوالور نکال لیا۔ دونوں طرف سے فائر ہوتے رہے۔ حمید کے پاس ریوالور نہیں تھا۔ اس لئے وہ خاموش کھڑا رہا۔ دفعتاً نیلم بولی۔

"میں ہی اُسے قابو میں لاؤں گی۔"

وہ گھٹنوں کے بل چلتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

"ٹھہرو.... یہ کیا کرتی ہو۔" فریدی نے کہا۔

"ارے.... ہائیں.... ہائیں۔" قاسم ہکلایا۔

اور دوسرے ہی لمحے میں وہ ایک ہلکی سی کراہ کے ساتھ حمید پر آگری۔ حمید نے بڑی پھرتی سے اُسے ہاتھوں پر سنبھال لیا۔

"نیلم کیا ہے.... کیا ہوا۔"

"گولی.... کیپٹن.... میرے شانے میں گولی لگی ہے.... اُف.... اوہ....!"

"حمید تم اسے دیکھو.... یہ ایسے قابو میں نہ آئے گا۔" فریدی نے کہا اور حمید کے منع کرنے کے باوجود بھی بائیں جانب تاریکی میں رینگ گیا۔

"کیپٹن یقین جانو۔" نیلم کراہی۔ "ہم میں سے کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ خود ہی آقا بھی ہے اور خود ہی غلام بھی۔ تم نے درجن کی گفتگو سنی تھی.... وہ بھی اُف.... نہیں جانتا تھا۔"

"تم خاموش رہو نیلم.... قاسم ٹارچ روشن کرو۔"

"ٹارچ.... نہیں.... وہ برابر گولی چلا رہا ہے۔"

"پرواہ مت کرو۔ میں زخم دیکھوں گا۔ اُسے چلانے دو گولی۔ نیلم گھبراؤ نہیں۔"

"نہیں.... تم ٹارچ مت روشن کرنا۔ ٹھہرو.... کیپٹن.... یہ تو بڑی اچھی بات ہے کہ میں مرنے جا رہی ہوں۔ میں نے ابھی ایک آدمی کے خون سے ہاتھ رنگے تھے۔ بابا بد طینت آدمی ہے۔ پتہ نہیں.... اُس نے جھوٹ کہا تھا یا سچ.... ہو سکتا ہے.... درجن نے غصے میں اسکی پرواہ نہ کی ہو کہ وہ اس پر جھوٹا الزام رکھ رہا ہے۔ میں نے بہت بُرا کیا کیپٹن.... اللہ مجھے معاف کرے۔"

"وہ بُرا آدمی تھا نیلم تم اس کی فکر نہ کرو۔ تم پر آنچ نہیں آئے گی۔ میں تمہیں حکومت سے انعام دلواؤں گا۔"

"انعام....!" شاید وہ ہنسی تھی۔ "میں گلے میں لعنت کا طوق ڈال کر دنیا سے رخصت ہو رہی ہوں۔ میں نے بہت بُرا کیا کیپٹن.... وہ بُرا تھا تو میں ہی کہاں کی اچھی تھی.... میری ساری زندگی کشمکش میں گذر گئی۔ کبھی اچھی بننے کی کوشش کرتی تھی.... اور کبھی.... کیپٹن.... اچھے کیپٹن.... میں نے سوچا تھا کہ ہم دونوں گہرے دوست بن جائیں گے۔ اوہ.... تم یہاں ہو موٹے.... بھیا خدا کے لئے مجھے معاف کر دو میں نے تمہیں بہت پریشان کیا ہے۔ میرے بھیا۔"

قاسم دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔

"نہیں.... نہیں.... ارے" اُس کے ہاتھ حمید کے گالوں پر رینگ گئے۔ "ارے تم بھی رو رہے ہو کیپٹن.... اللہ.... اللہ.... میں اکیلی نہیں ہوں۔ میرے لئے بھی رونے والے ہیں۔ اللہ.... اُوف.... مجھے بھینچ لو کیپٹن۔ تم میرے باپ ہو۔ تم میرے لئے رو رہے ہو۔ میرے بابا.... تم میری ماں ہو۔ مجھے بھینچ لو.... میرا جسم اکڑ رہا ہے.... بابا.... میرے.... بابا....

اوہ.... کتنی تیز بارش ہو رہی ہے.... ماں.... مجھے بھینچ لو.... ماں مجھے بھینچ لو.... ماں بارش ماں.... بارش....!"

یک بیک وہ خاموش ہو گئی۔

"نیلم.... نیلم....!" حمید نے اُسے آہستہ سے ہلایا۔

لیکن نیلم کی آواز نہ سنی جا سکی۔ حمید نے بہ آہستگی اُسے زمین پر ڈال دیا۔

"حمید.... بھائی...." قاسم ہچکیاں لیتا ہوا بولا۔

"ختم ہو گئی۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"قاسم کی ہچکیاں پھر دہاڑوں میں تبدیل ہو گئیں۔

اس دوران میں فائر برابر ہوتے رہے تھے لیکن اب ان کا رخ دوسری جانب تھا۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔"

"میں تمہیں پاتال میں بھی نہیں چھوڑوں گا۔" دفعتاً انہوں نے فریدی کی آواز سنی۔

"میں تجھے کسی کیچوے کی طرح مسل دوں گا۔" جواب ملا۔

انہوں نے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنیں ایک فائر ہوا۔ پھر فوراً ہی ایک چیخ فضا میں ابھری اور دور تک پھیلتی چلی گئی۔

"کرنل.... کرنل....!" حمید چیخا۔

"ہاں میں بخیریت ہوں۔" نیچے سے آواز آئی۔ "تم ٹارچ لے کر نیچے آؤ۔"

حمید نے قاسم کو وہیں ٹھہرنے کی ہدایت کی اور وہ خود ٹارچ لے کر نشیب میں اترتا چلا گیا۔ فریدی نے اُسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور پھر حمید نے ایک ایسا منظر دیکھا جس سے اس کی کافی تسکین ہوئی اور وہ چند لمحے کے لئے یہ بھول گیا کہ ابھی ابھی نیلم کی لاش کے پاس سے اٹھ کر آ رہا ہے۔

بوڑھا ایک چٹان پر چت پڑا ہوا تھا۔ اس کا جسم سرد ہو چکا تھا۔ گولی سر میں لگی تھی۔ فریدی اُسے چند لمحے دیکھتا رہا پھر سیدھا کھڑا ہو کر بولا۔

"یہ قاسم کیوں چنگھاڑ رہا تھا۔"

"نیلم....!"

"کیا ہوا.... اُسے۔" فریدی کے لہجے میں اضطراب تھا۔

"ختم ہو گئی۔"

"اوہ....!" فریدی کے منہ سے اتنا ہی نکلا اور وہ خاموش ہو گیا۔

اچانک انہوں نے قاسم کی چنگھاڑ سنی۔ "حمید بھائی.... ابے دوڑو.... جندہ ہے۔ الا غسم.... ابھی پانی مانگا تھا.... زندہ ہے.... الا غسم....!"

حمید بے تحاشہ دوڑا۔ فریدی بھی دوڑ رہا تھا لیکن حمید کی طرح بے سدھ ہو کر نہیں دوڑا تھا۔

نیلم آنکھیں بند کئے کراہ رہی تھی۔

"میں زخم تو دیکھوں۔" فریدی اس کے سرہانے بیٹھتا ہوا بولا۔ ہائیں شانے سے خون بہہ کر جم گیا تھا۔ اس نے ٹارچ کی روشنی میں زخم دیکھا اور کچھ دیر بعد بولا۔ "گولی شانے کی کھال پھاڑتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی ہے۔ یہ دراصل بے ہوش ہو گئی ہو گی۔"

❁

کچھ دیر بعد انہوں نے اپنی پشت پر آگ کی لپٹیں اٹھتی دیکھیں۔ آگ اتنی بلند تھی کہ دور تک کے علاقے نظر آ رہے تھے۔ لیکن انہوں نے کوئی دھماکہ نہیں سنا تھا۔ آگ یقینی طور پر انہیں غاروں سے نکل رہی تھی جن میں کچھ دیر پہلے انہوں نے ایک خطرناک مجرم کے چہرے سے نقاب ہٹائی تھی۔ مگر آخر یہ کیسے ہوا۔ اگر انہوں نے ڈائنامیٹ استعمال کئے ہوتے تو دھماکے بھی یقینی طور پر ہوتے۔ یہ تو ایسا لگ رہا تھا جیسے پتھروں کو آگ لگ گئی ہو۔

حمید نے نیلم کو پشت پر لادا اور وہ لوگ وہاں سے چل پڑے۔ فریدی کے خیال کے مطابق قریب ہی ایک چشمہ بھی تھا۔ اُس کا خیال غلط نہیں نکلا۔ وہ چشمے تک پہنچ گئے۔ فریدی نے نیلم کا زخم صاف کر کے ڈریسنگ کر دی۔

نیلم کو ہوش آ گیا تھا وہ چشمے تک پہنچ گئے۔ نیلم کو ہوش آ گیا تھا۔

جب اُسے ساری سچویشن معلوم ہوئی تو اس نے مسکرا کر کہا۔ "میں اب بھی آپ کی مدد کر سکتی ہوں۔ مجھے وہ جگہ معلوم ہے جہاں اُس کے دونوں ہیلی کوپٹر چھپائے گئے تھے۔"

"بھئی مانتا ہوں.... تم واقعی بہت ذہین لڑکی ہو۔" فریدی نے کہا۔

وہ ہیلی کوپٹر کے ذریعہ ٹیکم گڈھ پہنچے۔ اپنے ساتھ وہ رانا کی لاش بھی لائے تھے۔ فریدی نے لاکھ چاہا کہ ابھی اس حادثہ کی خبر نہ مشہور ہو لیکن خبر تو پہلے ہی جنگل کی آگ کی طرح ٹیکم گڈھ میں پھیل چکی تھی۔ فوجیوں نے اس علاقے پر چھاپہ مارا جہاں یہ حادثات ہوئے تھے، لیکن چٹختے ہوئے پتھروں کے ڈھیروں کے علاوہ انہیں اور کچھ نہ ملا۔ ہرمین تو رانا ہی کی گولی کا شکار ہو گیا تھا اور رانا کے ساتھی غالباً فریدی کے ساتھ ہی نکل بھاگے تھے، جنہیں گرفتار کر لینا اب بھی مشکل نہیں تھا.... لیکن ہرمین کے پچیس ساتھی؟ ان کا کیا بنا؟ کیا وہ نکل گئے ہوں گے یا انہیں غاروں میں دب کر ہلاک ہو گئے تھے جن کی تخلیق خود انہوں نے کی تھی۔

فریدی کا یہ کارنامہ ہر فرد و بشر کی زبان پر تھا لیکن حقائق کا علم کسی کو بھی نہ ہو سکا تھا۔ رانا کی داستان اسی کے قول کے مطابق گویا سچ مچ انہیں غاروں میں دفن ہو گئی تھی۔ لوگ یہی سمجھتے رہے کہ ان کی تباہ کاریوں کا ذمہ دار ہرمین تھا جسے پولیس نے شکست دے دی اور وہ اپنی ہزیمت سمیت اپنے ہی ہاتھوں بربادی کے غار میں جا سویا۔ رانا کی داستان حکومت نے نہ پھیلنے دی۔ مقصد غالباً یہی تھا کہ لوگوں میں رہنماؤں کی طرف سے بددلی نہ پیدا ہونے پائے۔

نیلم ہسپتال میں داخل کر دی گئی تھی۔ فریدی کو فرصت ملنے پر حمید نے سوالات شروع کر دیئے۔ کئی باتیں اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھیں۔

فریدی نے سب سے اہم سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "اُس ویرانے میں صرف ہم ہی تین آدمی تھے۔ تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ میری بلیک فورس بھی وہاں کام کر رہی تھی۔"

"تو پھر آپ نے ٹرانسمیٹر کے ذریعہ حملہ کا حکم کسے دیا تھا۔"

"اوہ....!" فریدی مسکرایا۔ "میں جانتا تھا کہ حملہ آوروں کے پاس ٹرانسمیٹر ضرور ہوں گے اور یہ حقیقت بھی تھی۔ اگر وہ میرے ڈاج میں نہ آ جاتے تو نقشہ دوسرا ہوتا۔ انہوں نے چاروں طرف سے گھیرا ڈالا تھا۔ میرے اس ڈاج نے انہیں غلط فہمی میں مبتلا کر دیا۔ وہ اندھیرے میں آپس میں ہی لڑ گئے۔ میرا مقصد یہ تھا کہ انہیں اس طرح بھڑا کر چپ چاپ نکل جاؤں اور کہیں چھپ کر دیکھوں کہ وہ اس ہنگامے کے بعد جاتے کہاں ہیں۔ اس طرح میں ان غاروں تک پہنچنے میں کامیاب ہوا تھا۔ لیکن اتفاقاً میں ادھر جا نکلا جدھر ہرمین کے ساتھی قید تھے۔ اُن سے اصل واقعات کا علم ہوا۔ اتنے میں وہیں سے ایک سیاہ رنگ کا صندوق گذرا جس پر ان لوگوں نے حیرت

ظاہر کی۔ پھر انہوں نے مجھے اس کے روکنے کی تدبیر بتائی۔ میں نے اُسے روکا۔ اس میں درجن کی لاش تھی۔ تب انہوں نے بتایا کہ اُسے راکھ میں تبدیل کرنے کے لئے روانہ کیا گیا تھا۔ وہ صندوق دراصل الیکٹرک کی بھٹی پر جاکر رک جاتا اور لاش پندرہ منٹ کے اندر اندر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہو جاتی۔ ویسے اس بھٹی اور صندوق نما گھٹالی کا مصرف دوسرا تھا۔ وہ دھاتوں کو پگھلانے کے کام میں لائی جاتی تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ اس آدمی کو انہوں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ یقینی طور پر کوئی خاص مسئلہ درپیش ہوگا اور وہ سب بُرے آدمی ایک ہی کمرے میں اکٹھا ہوں گے جہاں سے وہ صندوق روانہ کیا گیا تھا اور اب اُسے پھر وہیں واپس جانا ہوگا۔ بس میں نے درجن کی لاش نکال کر ایک طرف ڈال دی اور خود اس صندوق میں لیٹ گیا۔

"مگر میں سوچ رہا ہوں کہ اس کیس کا ہیرو میں ہوں یا آپ ہیں کیونکہ اگر نیلم نہ ہوتی تو اس وقت کہاں ہوتے۔"

"ہیرو....!" فریدی مسکرا کر بولا "ہیرو تو دراصل قاسم ہے۔ اگر اُس نے نیلم کی زندگی اطلاع نہ دی ہوتی تو اس وقت تمہارے چہرے پر پھٹکار برس رہی ہوتی۔"

"اوہ.... مگر اب اس بیچاری کا کیا ہوگا۔ اب وہ قطعی بے سہارا ہے۔"

"کیوں؟ کیا تم اس کی ماں نہیں ہو۔ اُس کا بابا نہیں ہو۔ قاسم اس واقعے کا تذکرہ کرتے وقت بُری طرح منہ دبا دبا کر ہنس رہا تھا۔"

"قاسم....!" حمید ہنس پڑا۔ "اُس نے تو کمال ہی کر دیا۔ بالکل اسی طرح رو رہا تھا جیسے کوئی بیوہ اپنی اکلوتی بچی کی لاش پر بین کر رہی ہو۔"

"میں سن رہا ہوں۔" راہداری سے قاسم کی آواز آئی۔ "ابے تم خود بیوہ کی بچی پر بین کر رہے تھے۔ سانپ نچا رہے تھے۔ سپیرے کی اولاد.... سالے نہیں تو...."

حمید کے قہقہوں سے کمرہ جھنجھنا اٹھا۔

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 68

رائفل کا نغمہ

(مکمل ناول)

پُراسرار موت

کیپٹن حمید نے ٹیکسی سے اترتے ہی بہت بُرا سا منہ بنایا کیونکہ نصیر آباد کے سی۔ آئی۔ ڈ آفس کے سامنے رکی تھی۔ اُسے نہیں معلوم تھا کہ نصیر آباد کا سفر کیوں کرنا پڑا ہے۔ اسٹیشن سامان ریجنٹ ہوٹل کے ایجنٹ کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ ایجنٹ نے انہیں کمروں کے نمبر نو کرائے تھے اور پھر فریدی ایک ٹیکسی کر کے حمید کو بھی یہاں تک گھسیٹ لایا تھا۔

فریدی تار جام میں تھا۔ وہیں سے اس نے حمید کو بذریعہ تار مطلع کیا تھا کہ وہ فلاں دن فلا ٹرین سے نصیر آباد کے لئے روانہ ہو جائے اور نصیر آباد کے اسٹیشن پر اس ٹرین کا انتظار کرے تار جام سے فلاں وقت روانہ ہوتی ہے۔

حمید جس ٹرین سے آیا تھا اُس کے نصیر آباد پہنچنے کے پندرہ منٹ بعد ہی تار جام والی ٹ آگئی تھی اور فریدی نے اُسے کچھ بتائے بغیر محکمہ سراغ رسانی کے دفتر کی راہ لی تھی۔

"چلئے" حمید نے نیچے اتر کر ٹیکسی کا دروازہ ایک طرف کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین ت آپ مجھے نصیر آباد کے یتیم خانے میں نہیں داخل کرائیں گے۔"

فریدی نے کوئی جواب دیئے بغیر ٹیکسی کا کرایہ ادا کیا اور برآمدے کی طرف مڑ گیا۔

"ٹھہریئے۔" حمید بولا۔ "آپ مجھے باہر ہی چھوڑ جایئے تو بہتر ہے۔ کیونکہ کسی ایسی جگ کی ہوئی دعائے خیر مشکل ہی سے قبول ہوتی ہے جہاں سے آسمان نہ دکھائی دیتا ہو۔"

"چلو بکواس نہ کرو۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

وہ اندر آئے اور جب شعبہ جرائم کی عمارت کیطرف جانے لگے تو ایک آدمی نے انہیں ٹوکا۔

"تم سپرنٹنڈنٹ فاروقی کے کمرے تک میرے ساتھ چلو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"اگر انہیں کوئی اعتراض ہو تو تم شوق سے ہمیں باہر کا راستہ دکھا دینا۔"

وہ آدمی حقیقتاً سپرنٹنڈنٹ فاروقی کے کمرے تک آیا اور اس وقت تک مطمئن نہیں ہوا جب سپرنٹنڈنٹ فاروقی نے خود ہی اپنے کمرے سے نکل کر اُن کا استقبال نہیں کیا۔

سپرنٹنڈنٹ فاروقی ایک معمر آدمی تھا اس کے سر کے سارے بال سفید تھے۔ لیکن صحت اچھی تھی اس کے بازو اس عمر میں بھی کافی مضبوط نظر آرہے تھے۔

وہ انہیں اپنے آفس میں لے آیا اور اسے یہ معلوم کر کے بڑی حیرت ہوئی کہ وہ لوگ اسٹیشن سے سیدھے یہیں آئے ہیں۔

"آپ کی کامیابی کا راز دراصل آپ کی اصول پسندی ہی میں مضمر ہے۔" اس نے کہا۔

پھر کچھ دیر تک رسمی گفتگو ہوتی رہی۔ حمید کافی سے زیادہ بوریت محسوس کر رہا تھا۔ دفعتاً فاروقی نے گفتگو کا رخ بدل دیا۔

"ہم اسے خودکشی اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ آخر اسٹیج پر مرنے کی کیا ضرورت تھی۔" اسی نے کہا۔

"جی ہاں۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "خودکشی کے امکانات پر غور کرنا ہی فضول ہے۔"

"اس لئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ کسی نے اس کی لاعلمی میں رائفل لوڈ کر دی تھی۔"

"کہا نہیں جا سکتا بلکہ یہی کہنا چاہئے۔"

"لیکن مرنے والا حقیقتاً اسٹیج کا مسخرہ نہیں تھا۔"

"پھر کون تھا۔" فریدی نے حیرت سے کہا۔

حمید نے سوچا کہ وہ اُلو کا پٹھا یقینی طور پر باختر کا شہزادہ رہا ہوگا کیونکہ اب ہم دونوں انتہائی سنسنی خیز انداز میں جاسوسی ناولوں کے سراغ رساں بنتے چلے جا رہے ہیں۔

سپرنٹنڈنٹ فاروقی نے آہستہ سے کہا۔ "وہ شعبہ جرائم کا ایک انسپکٹر تھا۔"

"اوہ....!"

"جی ہاں.... اس کا خیال تھا کہ نگار تھیٹر جرائم کا اکھاڑہ ہے۔"

"کس قسم کے جرائم۔" فریدی نے پوچھا۔

"ٹھہریئے.... میں بتاتا ہوں۔" فاروقی نے کہہ کر میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ چپراسی اندر داخل ہوا۔

"انسپکٹر شاہد کو سلام دو۔" فاروقی نے اس سے کہا۔ "اور کہنا کہ نگار کا فائیل چاہئے۔"

چپراسی چلا گیا۔ فاروقی نے فریدی کو مخاطب کر کے کہا۔ "میں آپ کو تفصیل سے بتاؤں گا۔"

کچھ دیر بعد ایک دراز قد آدمی کمرے میں داخل ہوا۔

"انسپکٹر شاہد۔" فاروقی نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "نگار سے تعلق رکھنے والے کیسوں کی تفصیل چاہئے۔"

"بہت بہتر جناب۔" انسپکٹر شاہد نے فائیل کے ورق الٹتے ہوئے کہا۔ "۳؍فروری کرنل شیر زاد کی موت پراسرار طور پر واقع ہوئی۔ وہ نگار تھیٹر سے باہر نکل کر اپنی کار کی طرف آرہا تھا کہ چکرا کر گرا اور اسی جگہ ختم ہو گیا، ۱۰؍مارچ.... لیڈی اقبال اپنے مکان کے زینوں پر چڑھتے وقت گریں اور ختم ہو گئیں۔ ان کی واپسی بھی نگار تھیٹر سے ہوئی تھی۔ ۲۳؍مارچ.... ڈاکٹر وی کے چٹرجی نگار سے واپسی پر ایک نائٹ کلب میں مردہ پایا گیا.... کیپٹن کریگ....!"

"کیپٹن کریگ....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بڑبڑایا۔ "وہی تو نہیں جس نے تین سال ہوئے گلہریوں کی پرورش اور پرداخت کے لئے ایک فارم کی بنیاد ڈالی تھی اور پھر اس پر فریب دہی کا مقدمہ قائم ہو گیا تھا لیکن ثبوت ناکافی ہونے کی بناء پر اُسے سزا نہیں دی جا سکی تھی۔"

"وہی.... وہی....!" انسپکٹر شاہد نے فریدی کو گھورتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد اس نے تیرہ مزید اموات کی لسٹ پیش کی جن کا تعلق کسی نہ کسی طرح نگار تھیٹر سے ضرور بیان کیا گیا تھا۔

فریدی نے ایک طویل سانس لی اور سوپر فاروق کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"لیکن ان اموات کی وجہ۔" اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"یہ سبھی حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے مرے تھے۔" شاہد نے جواب دیا۔

"یعنی ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں تھا جس کی حرکت قلب مرنے کے بعد بھی جاری رہی ہو۔" حمید نے پوچھا اور شاہد رو میں "نہیں" کہہ گیا۔ پھر جب اس نے حمید کے جملے پر غور کیا تو

فاروقی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھی تو اسے غصہ آگیا۔

"یہ کیپٹن حمید ہیں.... اور آپ کرنل فریدی۔" فاروقی نے موقع کی نزاکت بھانپ کر فوراً تعارف کرادیا۔

"اوہ....!" شاہد کی آنکھوں میں پہلے تحیر نظر آیا اور پھر اس نے جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ کہا۔ "جملہ ہی کہہ رہا ہے کہ وہ کس کی زبان سے ادا ہوا ہے۔"

"ہاں تو.... پوسٹ مارٹم کی رپورٹیں ایک دوسری سے مختلف نہیں ہیں۔" فریدی نے فاروقی سے پوچھا۔

"قطعی نہیں.... سب کے سب اچانک حرکت قلب بند ہو جانے کی بناء پر مرے تھے۔"

"یہ نکتہ اہم ہے۔"

"بہت اہم ہے جناب۔" شاہد بولا۔

"کیا ابھی تک آپ ہی تفتیش کرتے رہے ہیں۔"

"نہیں۔" فاروقی نے کہا۔ "تفتیش اُسی انسپکٹر نے شروع کی تھی، جو اپنی رائفل کا خود ہی شکار ہوا تھا۔"

"غالباً اس سے یہی خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ انسپکٹر پہچان لیا گیا ہو گا اسی لئے کسی نے اس کی غیر حاضری میں رائفل لوڈ کر دی تھی۔"

"فی الحال یہی خیال ہے۔" فاروقی بولا۔

"لیکن اتنی احتیاط سے کام لینے والے ایسے احمق نہیں ہو سکتے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"یعنی اگر ان وارداتوں میں نگار والوں کا ہاتھ ہوتا تو انسپکٹر کو پہچان لینے کے بعد ہرگز ایسی غلطی نہ کرتے۔ اس طرح تو ان کے خلاف شبہ یقین میں بدل جاتا ہے۔"

"آپ کا خیال بھی درست ہے۔"

"اگر انہوں نے اسے پہچان ہی لیا تھا تو وہ اُسے ٹھکانے لگانے کے لئے وہی نسخہ استعمال کر سکتے تھے جو دوسروں کے لئے کیا تھا۔ اس طرح ان کی گردن بھی سلامت رہتی، مگر!"

"ٹھہریئے! ظاہر ہے کہ ابھی تک آپ دوسری اموات کے سلسلے میں نگار والوں پر چارج

نہیں لگا سکے۔ طبی رپورٹیں صرف اتنا ہی بتاتی ہیں کہ وہ اچانک حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے مرتے تھے۔ نگار سے واپس آنے والے اگر بڑی تعداد میں بھی اسی طرح مرتے رہیں تو آپ صرف تفتیش کر سکتے ہیں کسی کو حراست میں نہیں لے سکتے۔ مگر رائفل کا واقعہ تو نگار میں قتل تک ڈلوا سکتا ہے۔"

"جی ہاں.... اور ایسا ہو بھی چکا ہے۔"

"لہٰذا نگار والے اتنے گدھے نہیں ہو سکتے کہ خواہ مخواہ کنویں میں کود پڑیں۔"

فاروقی کچھ نہ بولا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "بہر حال اب آپ کو یہ کیس دیکھنا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "میں آپ کو صرف ایک تکلیف دوں گا۔"

"ضرور فرمایئے۔"

"کیپٹن کریگ کے متعلق معلومات، گلہریوں کا فارم بند ہونے کے بعد سے وہ اب تک کر تا رہا ہے۔ مطلب یہ کہ اس کا ذریعہ معاش کیا تھا اور ذرا آپ.... اپنی یہ لسٹ مجھے عنایت فرمایئے گا۔"

شاہد نے لسٹ اس کی طرف بڑھا دی۔ فریدی اُسے دیکھتا رہا پھر سر ہلا کر بولا۔

"کیپٹن کریگ والا واقعہ آخری تھا.... کیوں؟"

اس نے شاہد کی طرف دیکھا۔

"جی ہاں.... موت کی نوعیت کے اعتبار سے آخری ہی کہا جائے گا۔"

"شکریہ" فریدی نے فائیل بند کر کے اس کی طرف بڑھا دیا اور پھر بولا۔ "اگر مرنے والوں کی لسٹ آپ مجھے دے سکیں تو مشکور ہوں گا۔"

"ضرور، ضرور..... مگر یہ فائیل ہی آپ کے پاس رہے گی۔"

"مجھے فی الحال لسٹ چاہئے اور کریگ کے متعلق مزید معلومات.... ہمارا قیام ریجنٹ اٹھارویں، انیسویں اور بیسویں کمرے میں ہے۔"

"میں حاضر ہوں گا۔" شاہد نے کہا۔

"مگر آپ نے ریجنٹ میں کیوں قیام کیا۔" فاروقی نے کہا۔ "اس سلسلے میں آپ سے

شکایت ہے۔"

"دیکھئے نا....!" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "اگر میں تفریحاً نصیر آباد آیا ہوتا تو ریجنٹ میں کبھی نہ ٹھہرتا۔ ظاہر ہے کہ آپ کے یہاں مجھے آرام ملتا۔ لیکن آپ جانتے ہی ہیں کہ میں کام کے اوقات میں ہمیشہ آرام سے دور رہنا چاہتا ہوں۔"

"خیر اس کیس کے اختتام پر آپ کو لازمی طور پر میرے ساتھ چند دن قیام کرنا پڑے گا۔"

"ہاں اس وقت مجھے تامل نہ ہوگا۔" فریدی نے کہا۔ پھر شاہد کی طرف دیکھ کر بولا۔

"ابھی تک اس کیس کے سلسلے میں آپ ہی تفتیش کرتے رہے ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"تو بس یہ سمجھئے کہ میں صرف آپ کا ہاتھ بٹاؤں گا۔ کیس کلی طور پر میں نے لینے سے انکار کر دیا ہے۔"

"کیوں....؟" فاروقی نے حیرت سے کہا۔

"یہ میرے اصول کے خلاف ہے۔ میں ہمیشہ یہی کوشش کرتا ہوں کہ لوگوں کا ہاتھ بٹاؤں۔"

"مگر میں تو....!" فاروقی نے تشویش آمیز لہجے میں کچھ کہنا چاہا۔

"نہیں جناب۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میرے پاس تحریر موجود ہے۔ میں صرف اسی شرط پر وہ کیس لیتا ہوں جو دوسری جگہوں سے منتقل ہوتے ہیں۔ ہاں ان کیسوں کے فائیل میں ضرور رکھتا ہوں جو براہِ راست میرے پاس آتے ہیں۔"

"یعنی آپ ان لوگوں کا دل نہیں توڑنا چاہتے جن کے پاس سے کیسوں کی منتقلی ہوتی ہے۔" شاہد نے ہنس کر کہا۔

"یہی سمجھ لیجئے۔"

کچھ دیر تک اس کیس کے متعلق گفتگو ہوتی رہی پھر فریدی نے اٹھنے کے لئے کرسی کھسکائی اور شاہد سے بولا۔ "آج رات کا کھانا ریجنٹ میں میرے ساتھ کھایئے گا۔"

"شکریہ"

"اب اجازت دیجئے۔" فریدی نے فاروقی سے کہا۔

واپسی پر حمید اچھی طرح چہکنے لگا تھا۔ پتہ نہیں وہ حقیقتاً اچھے موڈ میں تھا یا فریدی کو چڑھانا

چاہتا تھا۔ فریدی نے خود ہی اس کیس کا تذکرہ چھیڑ دیا جس کے متعلق کچھ دیر پہلے نصیر آباد برانچ کے دو آفیسروں سے گفتگو ہوئی تھی۔

"شاید تم اس کیس کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔" فریدی نے کہا۔

"میرے جاننے نہ جاننے سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"تم اخبارات میں صرف تفریحی پروگراموں کے اشتہار دیکھنے کے عادی ہو۔"

"اس عادت کی بناء پر معلومات میں پیش بہا اضافہ ہوتا ہے اور پھر میں اس معاملے میں ضرورت سے زیادہ حقیقت پسند واقع ہوا ہوں۔ اخبارات خبروں کے لئے نہیں نکالے جاتے کیونکہ خبروں کی قیمت زیادہ سے زیادہ دو آنے یا ڈھائی آنے ہوتی ہے اور اشتہارات.... خدا کی پناہ بیس روپے فی کالم انچ تک ہوتی ہے، بعض حالات میں اس سے بھی زیادہ لہٰذا میں وہی کیوں نہ پڑھوں جس کے لئے اخبارات کا اجراء عمل میں آتا ہے۔"

"تم نے نگار تھیٹر کے مسخرے کی موت کے متعلق پڑھا تھا یا نہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ مسخروں کو موت بھی نہیں آتی۔"

"تمہارا خیال غلط ہے۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "آدمی اسی وقت مر جاتا ہے جب اس کے قدم خود فریبی کی طرف اٹھتے ہیں۔ مسخرہ پن خود فریبی نہیں تو اور کیا ہے۔"

"یہ ایک طویل بحث ہے جس سے میں بچنا ہی چاہوں گا۔" حمید نے کہا۔ "فی الحال آپ مجھے اُس مسخرے کی موت کے متعلق بتایئے۔"

"وہ اسٹیج کا مسخرہ تھا۔ ہر شو میں اس کا ایک خصوصی پروگرام ہوتا تھا اس پروگرام میں وہ زیادہ تر اپنی رائفل کو مزاح کا موضوع بناتا تھا۔ کبھی اُسے سارنگی کی طرح استعمال کرتا اور کبھی شہنائی کی طرح حادثے والی رات کو وہ رائفل کا دہانہ اپنے ہونٹوں میں دبائے ہوئے اس طرح اچھل کود رہا تھا جیسے سچ مچ آرکسٹرا کی شہنائی کی آواز اس رائفل ہی سے نکل رہی ہو۔ اچانک اسی حالت میں اس کی انگلی ٹریگر پر پڑ گئی اور وہ بے جان ہو کر اسٹیج پر گر گیا۔ رائفل کی نال سے نکلنے والی گولی اس کے حلق کے چیتھڑے اڑاتی ہوئی گدی سے دوسری طرف نکل گئی تھی۔ یہ تو اخبار کی خبر تھی لیکن یہ آج معلوم ہوا کہ مرنے والا کوئی پیشہ ور مسخرہ نہیں بلکہ ہمارے محکمے کا ایک انسپکٹر تھا۔"

"کیس حقیقتاً دلچسپ ہے۔" حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "سترہ مرنے والوں کی فہرست

مگر ٹھہریئے۔ آپ نے خصوصیت سے کیپٹن کریگ ہی کے متعلق کیوں معلومات حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔"

"کیونکہ ان میں کریگ ہی ایسا ہے جس میں پولیس نے ہمیشہ دلچسپی لی ہے۔ وہ ایک انتہائی چالاک قسم کا قانون شکن تھا۔ اس پر اکثر غیر قانونی حرکات کے سلسلے میں مقدمے چلتے رہتے تھے، لیکن اسے کبھی کسی عدالت سے سزا نہ ہو سکی، کیونکہ وہ ایک ماہر قانون دان تھا۔ عموماً اس کی ذہانت اور منطقی موشگافیاں عدالت کو غلط راستے پر ڈال دیتی تھیں اور سنگین سے سنگین الزام سے بری ہو جاتا تھا۔"

"اور وہ بھی بالآخر موت کے گھاٹ اتر گیا۔"

"یہ بھی غور طلب ہے کہ کریگ کے بعد پھر کوئی ایسی موت نہیں ہوئی جس کا تعلق نگار سے رہا ہو۔ نہیں حمید صاحب! شروعات کے لئے کریگ سے بہتر اور کوئی نہیں ملے گا۔"

قمار خانہ

رات آہستہ آہستہ نڈھال ہوتی جا رہی تھی۔ ویسے رات کے نڈھال ہو جانے کا تذکرہ شاعری ہی میں معلوم ہوتا ہے۔ مگر جہاں راتیں نڈھال سی معلوم ہوتی ہیں وہاں شاعری کا تصور بھی نہیں ہوتا، جیسے جیسے رات گذرتی ہے ہنگامے سرد ہوتے جاتے ہیں۔ پینے والے بلانوشی کی اُن حدود میں ہوتے ہیں جہاں "ذہن بن جاتا ہے دلدل کسی ویرانے کی" لیکن "رات آغاز زمساں کے پرندے کی طرح" نہ اپنے "پر تولتی ہے اور نہ چہکتی" ہے بلکہ نڈھال ہو جاتی ہے۔ مگر ہیری کے قمار خانے کے باہر تو چاندنی میں لپٹی ہوئی رات کسی چنچل چھوکری کی شرارت انگیز انگڑائی معلوم ہو رہی تھی اور قمار خانے کے اندر لوسی کریگ محسوس کر رہی تھی جیسے رات کا دم اکھڑ رہا ہو۔ وہ آج بہت ہاری تھی۔ تقریباً ساڑھے تین ہزار۔ اس کے بعد وہ اٹھ ہی گئی تھی۔ اس کا مقابل تو یہی چاہتا تھا کہ وہ خود کو بھی داؤ پر لگا دے لیکن لوسی کریگ کوئی دو ٹکے کی لڑکی تو تھی نہیں۔ اس کے باپ کیپٹن سام کریگ نے بے اندازہ دولت چھوڑی تھی اور وہ اس دولت کی بلا شرکت غیرے مالک تھی۔

وہ تفریحاً جوا کھیلتی تھی اور شاذونادر ہی جیت میں رہتی تھی۔ مگر ہزاروں روپیوں میں صرف بارہ آنے کی جیت بھی اُسے قارون کا خزانہ معلوم ہوتی تھی، خواہ وہ بارہ آنے اُسی وقت ٹپ ہی میں کیوں نہ نکل جاتے ہوں۔ اُسے بڑی سے بڑی رقم گنوانے کا بھی غم نہیں ہوتا تھا۔ آج ہی وہ ساڑھے تین ہزار ہار گئی تھی لیکن اس وقت کھڑکی کے قریب ہو کر وہ اپنی اس ہار کے متعلق نہیں سوچ رہی تھی بلکہ باہر پھیلی ہوئی نیم بیدار سی چاندنی اُسے ماضی کے خواب یاد دلا رہی تھی کہ آخر یہاں ہی قمار خانے میں ڈھلتی ہوئی رات جانکنی میں کیوں مبتلا معلوم ہونے لگتی ہے۔

اچانک اس نے محسوس کیا کہ کوئی اس کے پیچھے آکر کھڑا ہو گیا ہے۔ وہ مڑی اس کا اندازہ غلط نہیں تھا وہ ایک خوشرو نوجوان تھا اور اسی کی طرح یوریشین ہی معلوم ہوتا تھا لیکن ہیری کے قمار خانے میں شاید اُسے پہلی بار نظر آیا تھا کیونکہ ایسے چہرے ایک بار دیکھنے کے بعد بھلائے نہیں جا سکتے۔

لوسی کی آنکھوں میں استعجاب کے ساتھ ہی ساتھ ہلکا سا احتجاج بھی تھا۔

"اوہ.... کیا میں یہاں سے ہٹ جاؤں۔" نوجوان نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں.... لیکن میرا خیال ہے کہ آپ میرے لئے اجنبی ہیں۔" لوسی نے کہا۔

"جی ہاں.... آپ کا خیال درست لیکن آج آپ بہت ہاری ہیں۔"

"اوہ....!" لوسی نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔ "میرے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔"

"یعنی آپ ہمیشہ اتنی بڑی بڑی رقمیں ہارتی رہتی ہیں۔"

"ہاں.... کچھ دیر بے فکری سے گذارنے کے لئے یہ بہت زیادہ تو نہیں ہے۔"

"لیکن میں نے محسوس کیا ہے کہ یہاں شارپنگ ہوتی ہے۔ کھیلنے والے سب قمار خانے ہی کے آدمی ہوتے ہیں۔"

"یہ بھی کوئی نئی بات نہیں ہے۔" لوسی مسکرائی۔ "لیکن آپ شاید یہاں بالکل نئے ہیں۔"

"جی ہاں.... میں آج ہی یہاں آیا تھا لیکن رنگ دیکھ کر کھیلنے کا ارادہ ترک کرنا پڑا۔"

"اوہ تو آپ ضرور تاً کھیلنے والوں میں معلوم ہوتے ہیں۔"

"یہی سمجھ لیجئے۔" نوجوان مسکرایا۔

"تب تو آپ کے لئے نہ کھیلنا ہی مفید ہے۔ یہاں لوگ ہمیشہ ہارنے ہی کے لئے آتے ہیں۔ کبھی کبھی جیت میں بھی رہتے ہیں، لیکن یہ جیت بہت بڑی نہیں ہوتی۔ پرسوں میں چار ہزار لے کر بیٹھی تھی اور ساری رات کھیلتے رہنے کے بعد دو روپے بارہ آنے کی جیت میں رہی تھی۔"

"دو روپے بارہ آنے۔" نوجوان ہنس پڑا۔ پھر سنجیدگی سے بولا۔ "مگر اس کے باوجود بھی یہاں کافی بھیڑ نظر آتی ہے۔"

"لوگ اپنا پچھلا حساب برابر کرنا چاہتے ہیں۔" لوسی مسکرائی۔ "کل میں نے سوچا تھا کہ ممکن ہے آج دو روپے بارہ آنے کی بجائے ہزاروں کی جیت میں رہوں لیکن میں کل بھی ہاری اور آج بھی۔"

"کل میں بھی کھیلوں گا۔" نوجوان نے کہا۔

"کیوں کل کیوں؟"

"میں نے دیکھ لیا ہے کہ یہاں کس قسم کے تاش استعمال ہوتے ہیں۔"

لوسی نے قہقہہ لگایا۔ نوجوان خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔

"آپ ویسے تاش اپنے ساتھ لائیں گے جیسے یہاں استعمال ہوتے ہیں۔" لوسی نے پوچھا۔

"یقیناً بے ایمانوں کے ساتھ بے ایمانی کرنی ہی پڑتی ہے۔"

"لیکن۔" لوسی پھر ہنس پڑی۔ "کوئی نہیں جانتا کہ کل یہاں کس برانڈ کے تاش استعمال ہوں گے۔ روزانہ نئی قسم کے تاش استعمال ہوتے ہیں۔"

نوجوان کے چہرے پر بے بسی نظر آنے لگی، مگر پھر بشاشت کے آثار دکھائی دیئے اور اس نے چہک کر کہا۔ "کوئی پرواہ نہیں کل میں ضرور کھیلوں گا۔"

"آپ شاید اس شہر ہی میں اجنبی ہیں ورنہ سب کو معلوم ہے کہ ہیری کے قمار خانے میں چالاکوں کا کیا حشر ہوتا ہے۔"

"ہیری کا قمار خانہ۔" نوجوان نے بُرا سا منہ بنایا۔ "میں دیکھوں گا ہیری کے قمار خانے کو۔"

"بہتر یہ ہوگا کہ پہلے ہیری کو دیکھ لیجئے۔" لوسی کے ہونٹوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ تھی۔

"آپ مجھے تاؤ دلا رہی ہیں۔" نوجوان نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "اگر آپ کہئے تو میں اسی وقت آپ کے ہارے ہوئے ساڑھے تین ہزار ہیری سے وصول کر لوں۔"

"کس طرح وصول کریں گے آپ۔"

"بس آپ کہہ دیکھیے میں وصول کرلوں گا۔"

"وصول کرلیجیے۔" لوسی کے ہونٹوں پر پھر وہی پہلے کی سی طنزیہ مسکراہٹ دکھائی دی۔

"اچھا ٹھہریئے! مگر آپ.... میں جارہا ہوں۔ آپ مجھے کہاں ملیں گی۔"

"آپ سنجیدہ ہیں۔"

"میں قطعی سنجیدہ ہوں۔ ایک گھنٹے کے اندر ان لوگوں سے ساڑھے تین ہزار وصول کرلوں گا۔"

"اگر نہ کرسکے تو پھر آپ کا پتہ تو معلوم ہی ہو جائے گا۔"

"کیا مطلب....!"

"کل میں آپ کو قبرستان میں تلاش کروں گی۔"

"بس ختم کیجیے۔" نوجوان ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اگر آپ یہاں سے جانا چاہتی ہوں تو چلی جایئے کیونکہ ابھی یہاں ایک زبردست ہنگامہ ہوگا لیکن میں آپ کو روپے کس پتہ پر پہنچاؤں گا۔"

"میرا وقت نہ برباد کیجیے۔ آپ میرا نام پوچھنا چاہتے ہیں اور اپنا نام بتانا چاہتے ہیں۔ میرا نام لوسی کریگ ہے اور آپ کا....!"

"میرے اور آپ کے ناموں میں کاف اور گاف کا فرق ہے۔" نوجوان مسکرایا۔ "آپ کریگ ہیں اور میں کریک۔"

"شکل ہی سے ظاہر ہے۔" لوسی نے سنجیدگی سے کہا۔

"اب اپنا پتہ بھی بتا دیجیے۔"

"کیوں....!"

"ساڑھے تین ہزار کہاں پہنچاؤں گا۔"

"میں گھر پر کسی سے بھی نہیں ملتی۔" لوسی نے کہا۔ "لہٰذا میرے ملازمین ملاقاتیوں سے اچھی طرح پیش نہیں آتے۔"

"فکر نہ کیجیے۔ انہیں بالکل زحمت نہیں دی جائے گی۔"

"کیا مطلب....!"

"یہ روپے بذریعہ ڈاک بھجوا دیئے جائیں گے۔"

"اتنا ہی پتہ کافی ہوگا۔ ڈائر آف کیپٹن سام کریگ نصیر آباد۔"

"اچھا.... شکریہ۔" نوجوان نے کہا اور اس کے پاس سے ہٹ گیا۔ لوسی اُسے دروازے سے باہر جاتے دیکھتی رہی۔ وہ جو کوئی بھی تھا خاصی پرکشش پرسنالٹی کا مالک تھا۔ لوسی نے سوچا اور پھر کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔ قمار خانے کے ہنگامے سرد ہو چکے تھے مگر کھیلنے والے اب بھی میزوں پر موجود تھے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ قیامت تک نہ اٹھنے کا عہد کر کے بیٹھے ہوں۔

لوسی ایک خالی میز پر جا بیٹھی اور ویٹر کو بلا کر ایک پگ وہسکی طلب کی۔

وہ ابھی گھر نہیں جانا چاہتی تھی۔ ویسے بھی وہ گھر سے دور بھاگتی تھی کیونکہ وہاں اُسے ایماندار نوکروں سے سابقہ پڑتا تھا وہ سب اچھے آدمی تھے۔ لیکن لوسی کو اچھے آدمی ذرا بھی اچھے نہیں لگتے تھے کیونکہ اس کی ساری خامیاں اور کمزوریاں اظہر من الشمس تھیں۔ اُسے خود بھی خواہش نہیں تھی کہ اس کا شہر کے اونچے طبقے سے کوئی تعلق ہو۔

ویٹر نے ٹرے اس کے سامنے رکھ دی۔ لوسی نے گلاس اٹھا کر سائیفن سے سوڈا لیا لیکن گلاس ہونٹوں تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ یک بیک شور اٹھا۔ نہ صرف شور اٹھا بلکہ لوگ بھی کرسیوں سے اٹھ گئے۔ سامنے ہیری کھڑا دہاڑ رہا تھا۔ لوسی نے اس کے چہرے پر کوئی چپچپی سی چیز دیکھی اور اس کا سر بائیں شانے پر جھکا ہوا تھا۔

"دیکھو....!" وہ گرج رہا تھا۔ "یہ کون سور کا بچہ تھا۔ نکل کر جانے نہ پائے.... بھا.... خاک" اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی ناک دبالی اور آگے جھک آیا۔ اس بار لوسی نے بھی اس کی ناک پر انڈا لگتے دیکھا تھا۔

اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ کئی میزیں الٹ گئیں اور پھر وہاں اندھیرا ہو گیا۔ لوسی جلدی سے اٹھی اور دیوار سے جا لگی۔ خدشہ تھا کہ کہیں کوئی اس پر نہ آگرے۔ شور برابر جاری رہا کئی ایک چیخیں بھی سنائی دیں۔ تقریباً دو منٹ تک اندھیرا رہا اور پھر سارے بلب روشن ہو گئے۔ قمار خانہ اتنی دیر میں کباڑ خانہ بن کر رہ گیا تھا اور ہیری کے دو آدمی ادھر اُدھر دوڑتے پھر رہے تھے جو بہت ہی خاص قسم کے واقعہ پر حرکت میں آتے تھے۔

لوسی نے باہر جانا چاہا لیکن معلوم ہوا کہ سارے دروازے بند کرا دیئے گئے ہیں۔ وہ پھر اپنی جگہ پر آبیٹھی۔ اس جیسے بہتیرے باہر نکلنا چاہتے تھے لیکن یہ اس وقت تک مشکل تھا جب تک کہ ہیری نہ چاہتا۔

ہیری کسی بپھرے ہوئے درندے کی طرح ہال میں ایک ایک کو گھورتا پھر رہا تھا۔ لوسی کے قریب سے بھی وہ گذر گیا۔ کچھ دیر بعد لوسی نے اُسے اپنے کسی آدمی سے کہتے سنا۔ "یہاں کوئی بھی اجنبی نہیں ہے۔"

"لیکن دو ایک اجنبی بھی آج آئے تھے۔" کسی نے کہا۔

"دروازے کب کھلیں گے۔" کسی گوشے سے آواز آئی۔

"ٹھہرو.....!" ہیری پھر بپھر گیا۔ یہ ایک اچھے تن و توش کا دراز قد آدمی تھا۔ عمر چالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہوگی۔ صورت ہی سے خطرناک آدمی معلوم ہوتا تھا۔ پیشانی پر زخموں کے کئی نشانات تھے یک بیک وہ پھر لوسی کی میز کی طرف مڑا اور سیدھا وہیں چلا گیا۔

"تم پھر یہاں دکھائی دیں" اُس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"کیا میں یہاں بھیک مانگنے آئی تھی۔" لوسی جھلا کر بولی۔

"نہیں میں تمہیں غلط راہوں پر نہیں دیکھنا چاہتا۔ سام میرا دوست تھا۔"

"اور وہ سب تمہارے دشمن تھے جن کے بیٹے یہاں آکر ہر رات ہزاروں گنواتے ہیں۔"

"کل سے تم یہاں داخل نہیں ہونے پاؤ گی۔ سمجھیں۔" ہیری نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

لوسی نے بہت بُرا سا منہ بنایا اور گلاس اٹھا کر وہسکی کی چسکیاں لینے لگی۔ اب وہ اس نوجوان کے متعلق سوچ رہی تھی جس نے ساڑھے تین ہزار کی واپسی کا وعدہ کیا تھا۔

کچھ دیر بعد دروازے کھلوا دیئے گئے۔ لوسی باہر آئی اور اپنی کار میں بیٹھ کر گریگ ولا کی طرف روانہ ہوگئی۔

وہ کچھ ایسی زیادہ نشے میں نہیں تھی کہ کار بھی نہ ڈرائیو کر سکتی۔ لیکن نہ جانے کیوں اب وہ سو جانا چاہتی تھی۔ وہ پُر اسرار نوجوان بار بار اس کے ذہن کی سطح پر ابھرتا اور کانوں میں اس کے الفاظ گونجنے لگتے۔ وہ اُسے بالکل گدھا سمجھتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اس طرح صرف جا پہچان پیدا کرنا چاہتا ہے۔ مگر اب سوچ رہی تھی کہ وہ کس قسم کا آدمی تھا۔ کیا وہ اپنا وعدہ پورا کر گا۔ کیا حقیقتاً اُسے ساڑھے تین ہزار بذریعہ ڈاک واپس مل جائیں گے۔ اُسے روپوں کی واپسی فکر نہیں تھی۔ وہ تو اب اس نوجوان ہی میں دلچسپی لینے لگی تھی۔

"اوہ.....!" وہ آہستہ سے بڑبڑائی۔ "ممکن ہے۔ بستر درست کرنیوالی لائٹ بند کرنا بھول گئی ہ

مگر خواب گاہ میں قدم رکھتے ہی ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اُسے ہزاروں فٹ کی بلندی سے نیچے پھینک دیا ہو۔ ہیری کے قمار خانے والا نوجوان سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"تم یہاں کیسے پہنچے۔" لوسی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"پائپ کے ذریعہ چھت پر چڑھ کر" بڑی سادگی سے جواب دیا گیا۔ "تمہارے دونوں کتوں نے بہت پریشان کیا۔ مجبوراً انہیں گوشت کے ایسے ٹکڑے کھلانے پڑے جن پر بیہوشی کی دوا لگائی تھی۔"

"میں کہتی ہوں تم نے ایسا کرنے کی جرأت کیسے کی۔"

"ویسے ہی جیسے ہیری کی ناک پر انڈوں سے نشانہ لگانے کی جرأت کی تھی۔"

"پھر..... پھر کیا ہوا؟" لوسی نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

"پھر فیوز اڑا کر اچھی طرح ہاتھ صاف کیا۔ اس وقت میری جیب میں ساڑھے تین ہزار سے زیادہ ہی ہوں گے۔"

"تم نے اس طرح ڈاکہ ڈالا۔" لوسی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں" اس نے جیب سے نوٹوں کی گڈیاں نکال کر گول میز پر ڈالتے ہوئے کہا۔ "فرق ہی کیا ہے۔ البتہ اس میں جوئے سے زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے اور لٹنے والا بھی مرنے مارنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ مجھے دراصل یہی جوا زیادہ پسند ہے، کیونکہ اس میں جان کی بازی لگانی پڑتی ہے اور گرہ سے کچھ نہیں جاتا۔"

"میں یہ روپے نہیں لوں گی۔ انہیں واپس لے جاؤ۔"

"کیا...!" نوجوان نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "پھر تم نے خواہ مخواہ میرا وقت کیوں برباد کرایا تھا۔"

"میں مذاق سمجھی تھی۔"

"تم کیا سمجھی تھیں۔ اس کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہیں ہوتی۔ اپنے ساڑھے تین ہزار گن کر نکال لو۔ میں اب واپس جانا چاہتا ہوں۔"

"تم اس طرح نہیں جا سکتے۔ میں تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں گی۔ خطرناک آدمی معلوم ہوتے ہو۔ کل اگر تم نے اسی طرح یہاں داخل ہو کر مجھ پر بھی ہاتھ صاف کر دیا تو کیا ہوگا۔"

"کیا تم مجھے کوئی پیشہ ور ڈاکو سمجھتی ہو۔" نوجوان نے غصیلے لہجے میں کہا اور کھڑکی کی طرف بڑھا۔

"ٹھہرو! اب تمہاری واپسی اُدھر سے نہیں ہو گی۔"

"مجھے کون روکے گا۔" نوجوان پلٹ کر غرایا۔

"تم غلط سمجھے۔ بیٹھ جاؤ۔ تم پہلے مرد ہو جو لوسی کریگ کی خواب گاہ میں داخل ہوئے ہو۔"

"صورت ہی سے ظاہر ہوتا ہے۔" نوجوان نے اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھ کر طنزیہ انداز میں کہا۔

"اے.... تم میری توہین نہیں کر سکتے۔" لوسی غصیلی آواز میں بولی۔

"کیوں؟ تم میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں۔ یہی نا کہ تم کافی دولت مند ہو لیکن دولت کا جو حشر میرے ہاتھوں ہو سکتا ہے تم دیکھ ہی رہی ہو۔"

لوسی اُسے چند لمحے گھورتی رہی پھر بولی۔ "تم نے ابھی کہا تھا کہ تم پیشہ ور لٹیرے نہیں ہو پھر تمہارا ذریعہ معاش کیا ہے۔"

"جوتے گانٹھتا ہوں۔"

"بیٹھ جاؤ.... تم غصے میں معلوم ہوتے ہو۔" لوسی مسکرائی۔ لیکن دفعتاً اس کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ نوجوان نے بھی یہ تبدیلی محسوس کر لی اور اس کی نظریں لوسی کی نگاہوں کا تعاقب کرتی ہوئی اس ننھے سے سرخ رنگ کے بلب پر جم گئیں، جو مینٹل پیس کے ایک گوشے پر بار بار روشن ہو کر بجھ رہا تھا۔

بلب اور ہندسے

وہ اُسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔

"کیوں....!" نوجوان نے پوچھا۔ کیا یہ کسی قسم کا اشارہ ہے۔

"بیٹھ جاؤ۔" لوسی مضطربانہ انداز میں بولی۔

نوجوان بیٹھ گیا۔ وہ بھی اسی بلب کو دیکھے جا رہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہارے آدمی آ رہے ہیں۔" اس نے لوسی کی طرف دیکھ کر غصیلی آواز میں کہا۔ "کیا اس بلب کا سلسلہ زینوں سے نہیں ہے۔"

"نہیں! تم غلط سمجھے ہو یہ بلب میرے لئے بھی ایک معمہ ہے۔"

"کیا تمہارے چہرے پر خوف کے آثار نہیں ہیں۔"

"نہیں.... الجھن کے آثار ہوں گے۔" لوسی نے کہا۔ "خوف میرے خمیر میں نہیں پڑا۔"

"یہ بلب تمہارے لئے معمہ کیوں ہے۔ کیا یہ تمہاری خواب گاہ میں نہیں ہے۔"

"یقیناً ہے۔ لیکن یہاں کے عجائبات....!"

"کیا تم نے یہ عمارت حال ہی میں خریدی ہے۔"

"نہیں یہ عمارت ڈیڈی نے بنوائی تھی اور یہ خواب گاہ بھی دراصل انہیں کی ہے لیکن ان کی موت کے بعد سے میں اسے استعمال کرنے لگی ہوں۔ بہت عرصہ سے خواہش تھی کہ اس خواب گاہ کو اندر سے دیکھ سکوں۔"

"کیا تم بہت زیادہ پی گئی ہو۔"

"نہیں! میں نشے میں نہیں ہوں۔ تمہیں یہ بات عجیب لگے گی۔ لیکن اب سوچتی ہوں کہ وہ ڈیڈی کی جھک نہیں تھی۔ بات دراصل یہ ہے کہ ڈیڈی کی خواب گاہ ہمیشہ مقفل رہا کرتی تھی۔ کسی نے بھی اسے اندر سے نہیں دیکھا تھا وہ اپنے بستر کی چادریں اور تکیوں کے خلاف خود ہی بدلا کرتے تھے اور کمرے کی صفائی بھی خود ہی کر ڈالتے تھے۔ بہر حال ان کی موت کے بعد سب سے پہلے میں نے اسی پر دھیان دیا تھا لیکن میں نہیں جانتی کہ اس بلب کا کیا مقصد ہے اور اکثر خود بخود کیوں جلنے بجھنے لگتا ہے۔"

"اگر یہ کہانی درست ہے تو اسے حیرت انگیز ہی کہنا چاہئے۔" نوجوان متحیرانہ انداز میں جلدی جلدی پلکیں جھپکاتا ہوا بولا۔

"یقین کرو....!" جواب ملا۔

"کر لیا....!" نوجوان مسکرایا۔

"یہی نہیں.... آؤ.... میں تمہیں کچھ اور بھی دکھاؤں گی۔" لوسی نے کہا اور اٹھ کر مینٹل پیس کے قریب پہنچ گئی۔ وہ بھی آگے بڑھ گیا۔

لوسی نے ٹھیک بلب کے نیچے مینٹل پیس کے نچلے حصے کی طرف اشارہ کیا۔ یہاں ایک چھوٹا سا خانہ تھا جس پر شیشے کا ڈھکنا تھا اور ہلکی سی روشنی اس کی سطح پر نظر آ رہی تھی اسی روشنی میں وہ

متحرک ہند سے صاف دکھائی دے رہے تھے، جو نیچے سے اٹھ کر شیشے کی چوڑائی طے کرتے اوپر جا کر غائب ہو جاتے۔

"تم اس کے مقصد سے واقف نہیں ہو۔" نوجوان نے کہا۔ "اس کی آنکھوں سے شبہ جھانک رہا تھا۔"

"نہیں....!" لوسی نے طویل سانس لے کر کہا پھر آہستہ سے بولی۔ "آؤ بیٹھو.... اُسے دیکھتے دیکھتے میرا دماغ پک گیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ آخر ہے کیا بلا۔"

نوجوان پھر کرسی پر آبیٹھا اور لوسی بستر پر بیٹھتی ہوئی بولی۔ "میرے گردو پیش ایسی ہی بہتیری الجھنیں موجود ہیں لیکن میں کسی کی بھی پرواہ نہیں کرتی۔ ڈیڈی کی موت پُر اسرار حالات میں ہوئی تھی۔"

"ہونی ہی چاہئے۔" نوجوان نے لاپروائی سے کہا۔

"کیوں؟" لوسی اُسے گھورنے لگی۔

"تم کیپٹن سام کریگ ہی کی بیٹی ہو نا۔"

"ہاں....!" اُس کی آنکھوں میں اب بھی سوال تھا۔

"مجھ جیسے آدمی سے کیپٹن سام کریگ یا ایسے ہی دوسرے افراد کے کارنامے کیسے پوشیدہ رہ سکتے ہیں۔"

"کیا اب تم مجھے ذلیل کرنا چاہتے ہو۔" لوسی آنکھیں نکال کر بولی۔

"بور مت کرو۔ میں جا رہا ہوں۔ اگر مجھے پہلے یہ معلوم ہوتا کہ تم سام کریگ کی بیٹی ہو تو میں ہیری سے تمہاری رقم واپس دلوانے کا وعدہ ہرگز نہ کرتا۔ ظاہر ہے کہ سام کریگ کی دولت بھی ایمان داری کا نتیجہ نہیں ہے۔"

لوسی نے تکیے کے نیچے ہاتھ ڈال کر ایک چھوٹا سا پستول نکالا اور اس کا رخ نوجوان کی طرف کرتی ہوئی بولی۔ "میں تمہیں اپنی توہین کا مزہ بھی چکھا سکتی ہوں۔"

"سام کریگ ہی کی بیٹی ہو۔" نوجوان کا لہجہ سچ مچ غصہ دلانے والا تھا۔

"میں فائر کر دوں گی۔"

"ضرور کر دو.... لیکن میری موت اتنی پُر اسرار نہ ہو گی جتنی سام کریگ کی تھی۔"

لوسی چند لمحے اُسے گھورتی رہی پھر اس نے پستول تکیے کے نیچے رکھ دیا۔

"اس کا استعمال بہت مشکل ہے۔" نوجوان نے مسکرا کر کہا، جواب میں وہ بھی مسکرائی۔ پھر ایک طویل انگڑائی لے کر تکیے سے ٹک گئی۔ وہ عجیب نظروں سے نوجوان کی طرف دیکھ رہی تھی، لیکن نوجوان پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

آخر وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "بڑے جیالے ہو۔"

"پھر....؟"

"اگر ڈاکہ زنی تمہارا پیشہ نہیں ہے تو زندگی کیسے بسر ہوتی ہے۔"

"ایک فرم کا ٹریولنگ ایجنٹ ہوں۔"

"کیا آمدنی ہو جاتی ہو گی۔"

"یہی.... ساڑھے تین یا چار سو۔"

"بس....!"

"بس کا کیا مطلب۔" نوجوان نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"تم جیسے آدمی کی یہ قیمت بہت کم ہے۔"

"صرف تم جیسی مالدار لڑکیوں کی نظروں میں۔ ورنہ چار سو میرے خدا.... ایک آدمی کے لئے بہت ہیں اور پھر میں بہت کم ہارتا ہوں۔ ان چار سو روپیوں میں سے صرف سو روپے کھیلنے کے لئے الگ کر لیتا ہوں اور یہ سو روپے بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔"

"پیتے کون سی ہو۔"

"وہ بھی نہیں جو مفت ہاتھ آتی ہے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ تم کھیلتے ہو مگر پیتے نہیں۔"

"تمہیں حیرت نہ ہونی چاہئے کیونکہ جوئے کے ساتھ شراب صرف ہارنے ہی والے پیا کرتے ہیں۔"

"تب تو تم ایک بااصول جواری ہو۔"

"تم مجھے کیوں روک رہی ہو۔ اب میں جاؤں گا۔" دفعتاً نوجوان نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ اگر تمہیں کوئی ایسی ملازمت مل جائے جو موجودہ ملازمت

سے زیادہ منفعت بخش ہو تو تم کیا کرو گے۔"

"کسی کنوئیں میں چھلانگ لگا کر خوشی ظاہر کروں گا۔"

"کم از کم سات سو روپے ماہوار کی ملازمت....!"

"میرا مذاق نہ اڑاؤ۔"

"یقین کرو۔" لوسی مسکرائی۔ "میں ابھی اور اسی وقت تمہیں سات سو روپے ماہوار کی ملازمت دلوا سکتی ہوں۔"

"مجھے منظور ہے۔" نوجوان نے اس انداز میں کہا جیسے وہ اپنا مضحکہ اڑوانے پر تیار ہو گیا ہو۔

"تمہیں سام کریگ کی بیٹی کا پرائیویٹ سیکریٹری بننا پڑے گا۔"

"اگر ایمانداری کے پیسے ملیں تو میں کتے کے پلے کا پرائیویٹ سیکریٹری بننا بھی منظور کر لوں گا۔"

"تم پھر مجھ پر چوٹ کر رہے ہو۔"

"ہو سکتا ہے لیکن ابھی میں نے تمہاری ملازمت اختیار نہیں کی۔"

"کیا مطلب....!"

"ملازمت اختیار کرنے کے بعد تو مجھے تمہارا ادب کرنا ہی پڑے گا۔"

"تم بہت منہ پھٹ ہو۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔"

"ملازم ہو جانے کے بعد تم میرا سلیقہ بھی دیکھ لو گی۔"

چند لمحے خاموشی رہی پھر لوسی نے سگریٹ سلگا کر کہا۔ "لیکن اسے کان کھول کر سن لو کہ تم مجھ سے عشق کرنے کی کوشش نہیں کرو گے۔"

"ہرگز نہیں.... عشق کرنا میری خاندانی روایات کے خلاف ہے۔ میرے والدین مرتے دم تک ایک دوسرے کو گالیاں دیتے رہے تھے۔ دادا صاحب کے متعلق بھی یہی سننے میں آیا ہے کہ وہ جس عورت سے شادی کرتے تھے اسے دوسرے ہی دن قتل کر دیتے تھے۔"

"پھر تمہارے باپ کہاں سے آئے تھے۔" لوسی ہنس پڑی، سگریٹ کا دھواں اس کے منہ میں تھا۔ لہٰذا وہ اس بے ترتیبی سے حلق کی طرف لوٹ گیا کہ اُسے کھانسی آنے لگی۔

"پتہ نہیں کہاں سے آئے تھے۔ میں نے اس کے متعلق کبھی غور نہیں کیا۔"

"ٹھہرو....!" لوسی نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں نے یہ بات مذاقاً نہیں کہی تھی۔ میں نے

چا ممکن ہے تم کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جاؤ۔ مجھے دراصل ان دنوں تم جیسے آدمی کی ضرورت ہے۔"

"ہاں! ہو سکتا ہے۔" نوجوان نے لاپروائی سے کہا۔

"تم یہ بھی جانتے ہو کہ ڈیڈی کس قسم کے آدمی تھے۔ اب ان کی موت کے بعد بعض افراد ے مختلف قسم کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔"

"کیسی دھمکیاں!"

"ڈیڈی نے خواہ کسی طرح بھی دولت جمع کی ہو۔ میں تو اس کی ذمہ دار نہیں۔ وہ دولت اثنا میری طرف منتقل ہوئی ہے تو کیا میں اس سے دستبردار ہو جاؤں۔"

"ہرگز نہیں۔"

"ادھر کسی نامعلوم آدمی نے دھمکیاں دینی شروع کی ہیں کہ میں اس مکان کو چپ چاپ خالی کے کسی دوسری عمارت میں منتقل ہو جاؤں ورنہ مجھے وراثت میں ملی ہوئی دولت کے بیشتر حصے سے محروم ہو جانا پڑے گا۔"

"واہ.... کمال ہے۔"

"میں جانتی ہوں کہ میرا ساتھ دینے والے یہاں کم ہی نکلیں گے۔"

"کیوں؟ دولت سے تم سب کچھ خرید سکتی ہو۔"

"لیکن اکثر خریدی ہوئی چیزوں پر اعتماد کرنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"مگر میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"بہت کچھ کر سکتے ہو۔ وہ آدمی جو ہیری کے قمار خانے میں تنہا لوٹ مار کر سکتا ہو وہ کیا نہیں رسکے گا۔"

"خیر اگر تم مجھ سے کوئی کام ہی لینا چاہتی ہو تو میں تیار ہوں۔ ہاں.... کیا میں خود کو تمہارا لازم سمجھوں۔"

"قطعی.... لیکن یہ رقم۔" اس نے میز پر پڑی ہوئی نوٹوں کی گڈیوں کی طرف اشارہ کیا۔

"سب سے پہلے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں مادام۔" نوجوان نے اٹھ کر قدرے جھکتے ہوئے کہا۔ پھر سیدھا کھڑا ہو کر بولا۔ "یہ رقم قطعی آپ کی ہے مطلب یہ کہ اس میں سے ساڑھے تین ہزار بقیہ ہیری کو کسی نہ کسی طرح واپس کر دیئے جائیں گے۔ اگر وہاں بے ایمانی ہوتے نہ دیکھتا تو

مجھ سے ایسی حرکت ہرگز نہ سرزد ہوتی۔"

"بس اسی بناء پر میں تمہیں پسند کرنے لگی ہوں۔ مطلب یہ کہ تم میرے ساتھ ایماندی سے پیش آؤ گے۔"

"ہاں کسی حد تک۔"

"کیا مطلب....!"

"مطلب یہی ہے کہ اگر آپ مجھ سے کسی قسم کی بے ایمانی کرانا چاہیں گی تو میں ایمانداری سے پیش نہ آؤں گا۔"

"نہیں.... میں صرف اپنی حفاظت کرنے کی قائل ہوں۔"

"بس پھر میں ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں۔"

"تم رہتے کہاں ہو۔"

"ہوٹیل آرمیان میں۔"

"نام ابھی تک نہیں بتایا۔" لوسی مسکرائی۔

"نوبل کریک۔"

"بکواس ہے.... ٹھیک بتاؤ۔"

"لفظ کریک پر شاید آپ کو اعتراض ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ میرا خاندانی نام میرے باپ کا نام ڈمبل کریک تھا اور دادا کا بالکل کریک۔"

"بالکل....!"

"ہاں.... وہ دیسی تھے اس لئے نام بھی دیسی تھا۔"

"تم مسخرے ہو۔ میں یقین نہیں کر سکتی۔ خیر میں تمہیں کریک ہی کہوں گی مگر تم میرے ساتھ قیام نہیں کرو گے۔ وہیں آرمیان میں رہو۔ وہاں کے سارے اخراجات میرے ذمہ۔ تنخواہ سے کوئی مطلب نہیں۔"

"مجھے حیرت ہے۔"

"کس بات پر۔"

"آخر مجھے کون سا کارنامہ انجام دینا پڑے گا۔"

"اس شخص کا پتہ لگانا ہے جو مجھ سے یہ عمارت خالی کرانا چاہتا ہے کیوں خالی کرانا چاہتا ہے۔ یہ بھی معلوم کرنا ہوگا اور یہ بلب.... اور ہند نے جو مجھے مستقل طور پر الجھن میں ڈالے ہوئے ہیں۔"

"کیا بلب خود بخود روشن ہوتا ہے۔"

"ہاں.... قطعی اور جیسے ہی یہ بلب روشن ہوتا ہے ہند سے بھی متحرک نظر آنے لگتے ہیں۔"

"آپ نے اس مینٹل پیس کو توڑ کیوں نہیں دیا۔"

"نہیں! میں یہ نہیں کرنا چاہتی۔"

"یہاں کی ساری وائرنگ انڈر گراؤنڈ معلوم ہوتی ہے۔" نوجوان نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں.... مسٹر کریک۔" لوسی نے طویل سانس لی۔ "ڈیڈی کو کئی قسم کے خبط تھے۔ اس پوری عمارت میں کہیں بھی تمہیں بجلی کے تار اوپر نہ ملیں گے۔ سب دیواروں کے اندر ہیں۔ لہٰذا میں نے سوچا کہ اگر اس مینٹل پیس کو توڑ بھی ڈالوں تو اس بلب کا سلسلہ معلوم کرنے کے لئے ساری عمارت کھدوانی پڑے گی۔"

"ٹھیک ہے...." نوجوان سر ہلا کر بولا۔ "خیر.... ہاں.... یہ تو بتایئے کہ وہ گمنام آدمی آپ کو دھمکیاں دینے کے لئے کون سا ذریعہ اختیار کرتا ہے۔"

"فون....!"

"مگر یہ مذاق بھی ہو سکتا ہے خیر! میں دیکھوں گا۔ اچھا اب اجازت دیجئے۔"

قتل

کرنل فریدی سگار کو ایش ٹرے میں مسل کر میز پر پھیلے ہوئے کاغذات سمیٹنے لگا۔ انسپکٹر شاہد بھی کمرے میں موجود تھا لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بہت دیر سے خاموش بیٹھا ہو۔

"مسٹر شاہد۔" فریدی نے کاغذات ایک طرف رکھ کر انہیں پیپر ویٹ سے دباتے ہوئے کہا۔ پھر شاہد کی طرف دیکھ کر بولا "ان کاغذات سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ وہ انسپکٹر محض ان پراسرار اموات کے سلسلے میں نگار تھیٹر کی طرف متوجہ ہوا تھا۔"

"لیکن اُس نے محکمے کو یہی رپورٹ دی تھی۔" شاہد نے کہا۔

"پھر ان کاغذات میں اس کا تذکرہ کیوں نہیں ہے۔ یہ اسی کے ہاتھوں کے مرتب کئے ہوئے ہیں

"جی ہاں.... ہیں تو اور یہ اس کی موت کے بعد اس کے سوٹ کیس سے برآمد ہوئے تھے

"ان اموات کے متعلق کس نے چھان بین کی تھی۔"

"میں نے۔" شاہد نے جواب دیا۔

"یعنی سب سے پہلے آپ ہی کی توجہ اس طرف مبذول ہوئی تھی۔"

"جی ہاں۔"

"لیکن آپ صرف فائیلوں ہی تک محدود رہے۔" فریدی مسکرایا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"مطلب یہ کہ تفتیش اس انسپکٹر نے شروع کی تھی جو پُراسرار طور پر نگار میں کام آیا۔"

"جی ہاں! تفتیش اسی کے سپرد کی گئی تھی۔"

"آپ نے اپنی تفتیش مکمل کر کے مرنے والوں کی لسٹ کب پیش کی تھی۔"

"گیارہ اگست کو۔"

"اور اس کے بعد ہی اس انسپکٹر نے تفتیش شروع کی تھی؟"

"جی ہاں ظاہر ہے۔"

"مگر مسٹر شاہد.... ان کاغذات پر.... مگر ٹھہریئے۔ کیا آپ انہیں دیکھ چکے ہیں۔"

"جی نہیں.... یہ تو آپ کو براہِ راست سپرنٹنڈنٹ صاحب سے ملے ہیں۔"

"اوہ.... شاید اسی لئے مجھے یہاں طلب کیا گیا ہے۔"

"میں نہیں سمجھا جناب۔"

"یہ کاغذات روزنامچے کی شکل میں ہیں اور ان پر گیارہ اگست سے پہلے کی تاریخیں ہیں۔"

"نہیں....!" شاہد کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں.... بہت پہلے کی تاریخیں یعنی پہلی موت سے پہلے کی تاریخیں۔"

"میرے خدا.... شاہد کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔"

"جی ہاں.... گیارہ اگست تو آخری موت سے بہت بعد کی تاریخ ہے۔"

"لیکن.... میں اس سلسلے میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔"

"اس کا مطلب یہی ہوا کہ وہ انسپکٹر پہلے ہی سے نگار تھیٹر میں دلچسپی لے رہا تھا لیکن اس نے محکمے کو اس کی اطلاع نہیں دی تھی۔ پھر اُن اموات کی تفتیش باقاعدہ طور پر اُسی کے سپرد کر دی گئی۔"

"لیکن اُس نے محکمے کو مطلع کئے بغیر تفتیش کیوں شروع کر دی تھی۔"

"اکثر ایسا بھی ہوتا ہے۔" فریدی مسکرایا۔ "خود میں نے بھی بعض اوقات یہی کیا ہے۔"

"مگر کم از کم اُس وقت تو اُسے محکمے کو مطلع ہی کرنا چاہئے تھا جب کیس باقاعدہ طور پر اُس کے سپرد کیا گیا تھا۔"

"ہاں.... آں.... خیر میں دیکھوں گا اچھا.... وہ کیپٹن کریگ کا معاملہ رہ ہی گیا۔"

"وہ کئی ملوں اور انشورنس کمپنیوں کا حصہ دار تھا۔ گلہریوں کی فارم والے مقدمے کے بعد سے اس نے خود اپنی ذمہ داری پر کوئی بزنس نہیں کیا تھا۔ اب اس کی وارث ایک لڑکی ہے۔ لوسی کریگ وہ بڑی بے دردی سے کریگ کی دولت صرف کر رہی ہے اور اُسے کبھی بھلے آدمیوں کے ساتھ نہیں دیکھا گیا۔"

"یہ ساری معلومات میرے لئے بیکار ہیں۔"

"پھر آپ کیا چاہتے ہیں۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔" فریدی اس طرح سر ہلا کر مسکرایا جیسے خود سے مخاطب ہو۔ لیکن پھر اُس نے شاہد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے کہا تھا کہ میں آپ کے مددگار کی حیثیت سے کام کروں گا لیکن الٹے آپ ہی کو تکلیف دے رہا ہوں۔"

"ارے.... نہیں جناب۔ میں تو آپ کا خادم ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ آپ ہی کے طفیل آگے بڑھ سکوں۔"

"ذرا ٹھہریئے۔" فریدی اٹھ کر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اموات کے متعلق تفتیش کے دوران آپ نے اس کا خیال تو رکھا ہی ہوگا کہ مرنے والوں کا آپس میں تعلق دریافت کر سکیں۔"

"جی ہاں.... لیکن مجھے اس سلسلے میں مایوسی ہی ہوئی تھی۔"

"یعنی....!"

"وہ سبھی ایک دوسرے سے بے تعلق ثابت ہوئے تھے۔"

"آپ کو یقین ہے۔"

"جی ہاں.... اپنی تفتیش کی روشنی میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں۔"

"چلئے ٹھیک ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "اب ہم کیس کے متعلق گفتگو یہیں ختم کر ہیں۔ کچھ دوسری باتیں کیجئے۔"

"دوسری باتیں۔"

"ہاں! ہم تھوڑی دیر کے لئے یہ بھول جائیں کہ ہمارا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے ہے یا دونوں ایک دوسرے سے بے تکلف نہیں ہیں۔"

"میں نہیں سمجھا جناب" شاید یک بیک بوکھلایا ہوا سا نظر آنے لگا۔

"اوہ.... کچھ نہیں۔ کبھی کبھی معمولات سے دل اکتا جاتا ہے۔"

شاہد نے کیپٹن حمید کی طرف دیکھا جو آرام کرسی میں پڑا ہوا منہ پر اخبار رکھے غالباً سو رہا تھ

"کیا حمید صاحب کچھ علیل ہیں۔" اُس نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" فریدی نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ پھر خود اسی نے ادھر اُدھر کی باتیں دیں اور ذرا ہی سی دیر میں شاہد کھل گیا۔ اب وہ نصیر آباد کے نائٹ کلبوں کا تذکرہ لے بیٹھا تھا۔

"آدمی کے لئے کتنی الجھنیں اور جھنجھٹ ہیں۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "میں تو کہتا ہوں اگر نصیر میں نائٹ کلب نہ ہوتے تو میں بے موت مر گیا ہوتا۔"

"لیکن میں کہتا ہوں۔" حمید اخبار پھینک کر سیدھا بیٹھ گیا اور تھوڑے توقف کے بعد بولا۔ "اگر میں نہ ہوتا تو ساری دنیا کے نائٹ کلب ویران ہو جاتے۔"

"اس میں کیا شک ہے۔" شاہد مسکرا کر بولا۔

"مگر نصیر آباد کے نائٹ کلب۔" حمید مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "دو کوڑی کے نہیں ہیں۔"

"آپ دارالحکومت سے آئے ہیں۔ ظاہر ہے وہاں کے معیار اور یہاں کے معیار میں زمین آسمان کا فرق ہوگا۔"

"حالانکہ زمین و آسمان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ صدہا سال بعد گلیلیو نے ثابت کیا زمین گول ہے ہو سکتا ہے مزید صدہا سال گذرنے پر آسمان بھی گول ہو جائے۔"

"ہم نصیر آباد کے نائٹ کلبوں کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔" فریدی نے شاہد کو ٹوکا اور ید کو اس طرح گھورنے لگا جیسے کچا ہی چبا جائے گا۔

حمید نے پھر اخبار سے چہرہ ڈھانک لیا۔ فریدی اور شاہد کے درمیان نائٹ کلبوں کے فوائد اور ضمانات پر گرما گرم بحثیں ہوتی رہیں۔

پھر کچھ دیر بعد شاہد اٹھ کر چلا گیا۔

اور حمید نے چہرے پر سے اخبار ہٹا کر ایک طویل انگڑائی لی۔ چند لمحے فریدی کو گھورتا رہا پھر لا۔ "آج میں نے پہلے پہل آپ کو وقت برباد کرتے دیکھا ہے۔"

"نہیں تو....!" فریدی مسکرایا۔ "میں نے وقت نہیں برباد کیا۔"

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ کیس کے متعلق گفتگو کرتے کرتے ادھر اُدھر کی باتوں پر اُتر آنا کس قسم کی عقل مندی ہے۔"

فریدی پھر مسکرایا اور آہستہ سے بولا۔ "تم بھی ادھر اُدھر کی باتیں کرو۔ میں اس کیس کا نام سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"آ.... ہم.... تو میں اِدھر اُدھر کی باتیں کروں۔ اچھا سنئے تو ادھر کی باتیں یہ ہیں کہ ہم جی بھر مکھیاں مارتے رہ جائیں گے اور اُدھر کی باتوں کا کیا پوچھنا۔

سینے اُبلتے میکدے اور ہونٹ پیمانوں کے لب
ٹخنوں پر بجتی جھانجھیں ہنستا ہسانا ہے بے سبب
لہنگوں کی لہروں کے تلے مکھن سے پاؤں رقص میں
پگڈنڈیوں کے اسطرف گاگر کی چھاؤں رقص میں

اور بہت سی باتیں.... بقول قاسم الاقسم حمید بھائی! اگر نرس حسین نہ ہوتی تو میں پیدا ہونے سے انکار کر دیتا۔"

"شاباش....!" فریدی مسکرایا۔ "اب اُسے سمجھنے کی کوشش کرو۔ ادھر اُدھر کی باتوں میں کبھی کبھی ننگا ہو جاتا ہے۔ یعنی تمہاری روح اور فرشتے ادھر اُدھر کی باتوں میں لازمی طور پر ظاہر ہو جائیں گے.... تم.... ادھر اُدھر کی باتوں میں غیر شعوری طور پر اپنے کردار کی جھلکیاں دیتے چلے جاؤ گے۔ میں دراصل اس وقت یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ شاہد کس قسم کا آدمی ہے۔"

"اوہ.... مگر کیوں؟" حمید یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔

"مین اسے قابل اعتماد نہیں سمجھتا۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو.... کرنل۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"کون صاحب۔"

"فاروقی۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "کیا آپ نے کاغذات دیکھ لئے۔"

"جی ہاں۔"

"کیا خیال ہے۔"

"فی الحال کوئی خیال نہیں ہے۔ ویسے میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ شاہد پر اعتماد کر ہیں یا نہیں۔"

"کیوں....!"

"کیونکہ وہ مجھے فراڈ معلوم ہوتا ہے۔"

"اوہ....!"

"اور مجھے یقین ہے کہ نگار کے مسخرے نے آپ کے علم میں لائے بغیر کام نہ شروع کیا ہوگا۔"

"کمال ہے.... آخر آپ اتنی جلدی اس نتیجے پر کیسے پہنچ گئے۔"

"کوئی خاص بات نہیں ہے اگر ایسا نہ ہوا ہوتا تو آپ اس کے مرنے کے بعد اس کیس تفتیش شاہد کے سپرد نہ کرتے۔ حالانکہ آپ کو ان اموات کے متعلق شاہد کو تفتیش جاری دینا چاہئے تھا۔ مگر آپ نے ان کی تفتیش بھی مرنے والے کے سپرد کی تھی۔"

"وہ تو پہلے ہی سے اس فکر میں تھا اسی لئے....!"

"نہیں جناب۔" فریدی بولا۔ "وہ ان اموات کی فکر میں نہیں تھا۔"

"پھر....!"

"یہ آپ مجھ سے بہتر جانتے ہوں گے۔"

"کرنل....!" فاروقی کی آواز کپکپا رہی تھی۔ "آپ واقعی حیرت انگیز صلاحیتوں کے ہیں، مگر آپ نے یہ نتیجہ کیسے اخذ کیا کہ وہ اُن اموات کی فکر میں نہیں تھا۔"

"ان کاغذات سے جو آپ نے مجھے دیئے تھے۔"

"مگر اُن میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ اُن میں اپنی روزانہ کی مشغولیات ے متعلق لکھتا رہا ہے۔"

"کیا حقیقتاً آپ کو ان میں کچھ نہیں نظر آیا۔"

"نہیں اُن میں تو کچھ بھی نہیں نظر آیا۔ یقین کیجئے۔ میری دانست میں وہ کسی رومان پرست می کی ڈائری کے اوراق ہیں، جو تھیٹر کی رومان پرور فضا سے متاثر ہو کر لکھے گئے ہیں، لیکن وہ پکڑا ایسا آدمی نہیں تھا۔"

"لیکن آپ کو احساس تھا کہ شاہد نے وہ رپورٹ نیک نیتی سے نہیں پیش کی۔"

"ہاں مجھے اُس رپورٹ کے متعلق شبہ تھا۔"

"کیوں؟"

"میں شاہد کی طرف سے کبھی مطمئن نہیں رہا۔"

"کیا کبھی اُس کے خلاف تحقیقات بھی کرائی تھی۔"

"نہیں اس کے خلاف کبھی ثبوت نہیں مل سکے لیکن یہ ضرور دیکھا گیا ہے کہ وہ خود سے اگر ا مسئلے میں ہاتھ لگاتا ہے تو سو فیصدی اپنے ہی فائدے کو مد نظر رکھ کر.... ورنہ عام حالات میں ا کی آنکھوں کے سامنے جرائم ہوتے رہتے ہیں لیکن وہ اس وقت تک کسی معاملے میں دخل ں دیتا جب تک کہ محکمے کی طرف سے ہدایت نہ ملے۔"

"خیر.... ہم رات کو آٹھ بجے مل رہے ہیں۔ فون پر گفتگو کو طول نہیں دیا جاسکتا۔" فریدی نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

دوسری طرف ویٹر آج کی ڈاک رکھ گیا اور حمید اُسے دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً وہ پاگلوں کے سے راز میں آواز میں اُتار چڑھاؤ پیدا کئے بغیر ایک جگہ پڑھنے لگا۔

"ڈیئر بابا.... ڈیئر انکل.... میں یہاں تنہا نہیں رہ سکتی۔ بہت شدت سے بور ہو رہی ہوں۔ ا میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اتوار کو نصیر آباد پہنچ جاؤں نیلم۔"

فریدی سگار کا گوشہ توڑ رہا تھا اس نے حمید کی طرف دھیان نہیں دیا۔

"میں کہتا ہوں آخر اُسے ساتھ رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔" حمید میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

"اتنی چھوٹی بھی نہیں تھی کہ کسی یتیم خانے کے سپرد کر دی جاتی۔" فریدی نے جواب دیا۔

"آپ جانتے ہیں کہ آپ کے اس رویہ کے خلاف کیا چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔"

"مجھے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ چہ میگوئیاں پر غور کر سکوں۔"

"آپ بدنام ہو رہے ہیں۔"

"لیکن میرا وزن ایک اونس بھی کم نہیں ہوا۔"

"ارے تو کیا وہ یہاں آکر بھی بور کرے گی۔" حمید جھلا کر بولا۔

"مجبوری ہے کیونکہ وہ مجھے انکل کہتی ہے اور تمہیں بابا۔" فریدی مسکرایا۔

"میرے خدا....!" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "یعنی یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے کہ وہ ہمیشہ ہمارے ہی ساتھ رہے گی۔"

"کم از کم اس وقت تو یقینی طور پر رہے گی جب تک کہ اس کیلئے کوئی اچھا شوہر نہ مل جائے۔"

"تب تو کوئی بات نہیں ہے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "میں ایک ماہ کی چھٹی لے کر اُس کے لئے کوئی اچھا سا شوہر تلاش کروں گا۔"

اچانک ایک ویٹر بوکھلایا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

"صاحب۔" وہ بُری طرح ہانپتا ہوا بولا۔ "انہیں.... کسی نے قتل کر دیا جو.... ابھی آپ کے پاس آئے تھے۔"

"کیا.... کون۔"

"وہ جو ابھی یہاں سے گئے تھے۔"

"شاہد....!" فریدی کی آواز میں تحیر تھا۔

شاہد کا راز

حمید نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ بارہ بج چکے تھے۔ لیکن فریدی ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ وہ اسی وقت سے غائب تھا جب شاہد کی لاش ریجنٹ کے ایک پیشاب خانے سے اٹھوائی گئی تھی۔ حمید نے بھی لاش دیکھی تھی اور اُسے یقین نہیں آیا تھا کہ یہ وہی شاہد ہے جو کچھ دیر پہلے ان کے

ں سے اٹھ کر گیا تھا۔

کسی نے اس پر خنجر سے حملہ کیا تھا اور ہاتھ اتنا جچا تلا تھا کہ کسی نے شاہد کی آخری چیخ بھی ں سنی تھی یا پھر قاتل کو اطمینان تھا کہ کوئی دخل انداز نہ ہو سکے گا۔ دونوں ہی صورتیں حیرت بز تھیں۔ لاش اتفاقاً دریافت ہوئی تھی اگر وہ پیشاب خانہ استعمال نہ کیا جاتا تو لاش وہیں پڑی تی اور کسی کو علم بھی نہ ہوتا کہ ریجنٹ جیسے بھرے پرے ہوٹل میں بھی دن دہاڑے قتل کی دات ہو سکتی ہے۔

ڈیڑھ بجے حمید جھلا کر اٹھا اور باہر جانے کے لئے کپڑے پہننے لگا۔ لیکن ٹھیک اُسی وقت یدی کمرے میں داخل ہوا۔

"کیوں! تم کہاں چلے۔"

"ایک رپورٹ درج کرانے جا رہا تھا۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "ایک آنریری کرنل ج رات کا کھانا بھول گیا ہے، لہٰذا جہاں کہیں بھی ملے، اُسے رات کا کھانا ضرور کھلایا جائے کیونکہ ب آنریری کیپٹن دوپہر سے بھوکا ہے۔"

"تم نے کیوں نہیں کھایا کھانا۔"

"کھانے کی بات نہیں ہے یہ بکواس تو اس حقیقت کی طرف اشارہ تھی کہ میرا دماغ ماؤف گیا ہے۔"

"کیوں....؟"

"میں کرنل فریدی کے اسسٹنٹ کے بجائے کسی شریف آدمی کی بیوہ معلوم ہوتا ہوں، جو زت آبرو لئے گھر میں بیٹھی رہ جاتی ہے۔"

"بیکار باتیں نہ کرو۔" فریدی نے کوٹ اتارتے ہوئے کہا۔ "تم اس وقت کہیں نہ جا سکو گے۔"

"کیوں؟ میں کمروں میں بند ہو کر بیٹھنے نہیں آیا۔ آخر آپ مجھے یہیں ٹھہرنے کو کیوں کہہ لئے تھے۔"

"کیا تمہیں بے کار بیٹھنا پڑا تھا۔"

"نہیں.... کھیاں مارنا کام بھی ہے اور شغل بھی۔"

"فاروقی کی طرف سے تمہیں کوئی پیغام نہیں ملا۔"

"نہیں....!" حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا اور بیٹھ گیا۔

فریدی نے کوٹ ہینگر پر ڈالتے ہوئے ایک طویل سانس لی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر تشویش کے آثار صاف پڑھے جاسکتے تھے۔ حمید اُسے بغور دیکھتا رہا پھر بولا۔ "آپ نے تو خود ہی فاروقی سے ملنے کا وعدہ کیا تھا پھر پیغام کیسا۔"

"تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ وہ فاروقی نہیں تھا جس سے فون پر گفتگو ہوئی تھی۔"

"نہیں....!"

"ہاں.... فاروقی نے اس سے لاعلمی ظاہر کی ہے۔"

"مگر پھر اس نامعلوم آدمی کو اس کا علم کیسے ہوا کہ آپ کو کچھ کاغذات فاروقی سے ملے ہیں"

"شاہد کے قتل کے بعد یہ بات بھی صاف ہوجاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے قتل میں جس کا ہاتھ ہے اُسے شاہد ہی سے کاغذات کے بارے میں معلوم ہوا ہوگا اور شاہد کا قتل بھی اسی لئے میں آیا کہ میں نے اس پر شبہ ظاہر کیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ فون دراصل اس لئے کیا گیا تھا کہ کاغذات کے متعلق میری رائے معلوم کی جاسکے، لیکن میں شاہد پر شبہ ظاہر کر بیٹھا لہٰذا ظاہر ہے"

"تو یہ شاہد مجرموں سے ملا ہوا تھا۔"

"یقینی طور پر.... ورنہ قتل کیوں کیا جاتا۔ خیر بہر حال اب اسے ثابت کرنے کے لئے ز جمناسٹک نہیں کرنی پڑے گی کہ شاہد کس قسم کا فراڈ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔"

"ذرا ٹھہریئے.... یہ بھی ممکن ہے کہ شاہد کو کسی غیر متعلق آدمی نے قتل کیا ہو۔ فون گفتگو کرنے والے کو صرف کاغذات کے متعلق آپ کا نظریہ معلوم کرنے کی فکر رہی ہو۔"

"تمہارا خیال درست بھی ہوسکتا ہے لیکن یہاں تو صرف اس سے بحث ہے کہ اُن امو کے بارے میں شاہد کی رپورٹ صحیح تھی یا غلط۔ اگر صحیح تھی تو خیر کوئی بات نہیں، لیکن اگر غلط تو اس کا مقصد کیا تھا۔"

"لیکن یہ کہاں سے ثابت ہوگیا کہ رپورٹ غلط ہی تھی۔"

"قتل کے بعد کی تفتیش کا ماحصل یہی ہے۔ میں نے اُن گواہوں سے پوچھ گچھ کی تھی ج تذکرہ شاہد کی رپورٹ میں تھا۔"

"کیسے گواہ۔"

"وہ گواہ جن کے بیان کے مطابق مرنے والوں کا تعلق نگار تھیٹر سے ثابت ہوتا ہے۔ میں ن گواہوں پر یہ ظاہر کردیا تھا کہ شاہد قتل کردیا گیا ہے کیونکہ وہ ان اموات کے سلسلے میں تفتیش کررہا تھا۔ یقین کرو کہ ان سبھوں نے چھوٹتے ہی یہی کہا تھا کہ چلو جان بچی۔"

"کیا مطلب....!"

"وہ بنائے ہوئے گواہ تھے۔ انہیں مجبور کیا گیا تھا کہ وہ اس فرضی شہادت پر قائم رہیں کہ ں آدمی کو فلاں وقت نگار تھیٹر سے نکلتے دیکھا گیا تھا۔"

"مگر اس لمبی چوڑی فہرست میں ایک نام ایسا بھی ہے جو نگار تھیٹر سے واپسی ہی پر مرا تھا۔"

"کون....!"

"کیپٹن سام کریگ نگار سے واپسی پر وہ سیدھا مون لٹ نائٹ کلب گیا تھا۔ وہاں اس نے ب ویٹر کو شراب کا آرڈر دیا اور جب ویٹر شراب لایا تو اس نے دیکھا کہ کیپٹن سام کریگ مرچکا ہے۔ ہاں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ مرنے والوں کی لسٹ میں صرف سام کریگ ہی کا پوسٹ ٹم ہوسکا تھا کیونکہ شاہد کی تفتیش کی گاڑی اسی کی موت کے بعد سے چلی تھی۔"

"تو پھر جس نے فون کیا تھا۔"

"اُسے فی الحال اس معاملے سے الگ ہی رکھو۔" فریدی نے کہا۔ "میں صرف یہ دیکھنا چاہتا ں کہ شاہد نے یہ کیس کیوں بنایا تھا۔"

"مگر کیا آپ فاروقی کی آواز فون پر نہیں پہچان سکے تھے۔"

"کیا تم نے کل یہ نہیں محسوس کیا تھا کہ فاروقی کی آواز کام کی وجہ سے بھاری ہورہی تھی۔ ن کرنے والے نے اسی سے فائدہ اٹھایا اور خالص قسم کی زکامی آواز میں مجھ سے گفتگو کرتا رہا۔ یسے بھی بعض اوقات فون پر مختلف قسم کی آوازوں میں تمیز نہیں کی جاسکتی۔"

"مگر سنئے تو.... وہ انسپکٹر جو مسخرے کے روپ میں نگار تھیٹر سے متعلق تھا اس کے روزنامچے کے کاغذات میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔"

فریدی نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا لیکن پھر چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولا۔ "اس کے باوجود بھی کسی نے اُن کاغذات کے متعلق میری رائے معلوم کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"ممکن ہے کاغذات اس کی نظروں سے گذرے ہی نہ ہوں۔"

"اگر یہ بات تھی تو اُسے کاغذات کا علم کیسے ہوا۔"

"فرض کر لیجئے شاہد ہی اس کی معلومات کا ذریعہ ہو۔"

"ایسی صورت میں اُسے یہ کام شاہد ہی پر چھوڑ دینا چاہئے تھا۔ یعنی وہ شاہد ہی کے ذریعہ بھی معلوم کرنے کی کوشش کرتا کہ ان کاغذات میں کیا تھا۔ نہیں حمید صاحب! اگر شاہد نے سے ان کاغذات کا تذکرہ کیا ہوتا.... ٹھہرو! شاید کوئی آرہا ہے۔"

وہ دونوں خاموش ہوگئے۔ قدموں کی آہٹ دروازے کے پاس رک گئی تھی۔ دوسرے لمحے میں کسی نے دستک دی۔

"آجاؤ....!" فریدی نے کہا۔ دروازہ کھلا اور نصیر آباد برانچ کا سپرنٹنڈنٹ فاروقی کمرہ میں داخل ہوا۔

"اوہ.... آپ....!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

"تشریف رکھئے.... تشریف رکھئے۔" فاروقی مضطربانہ انداز میں ہاتھ ہلا کر بولا اور خود کے گوشے پر ٹک گیا۔

"یہ آپ نے اس وقت فون پر گفتگو کے متعلق کیا پوچھا تھا۔" اس نے فریدی کو گھور ہوئے کہا۔

"کسی نے آپ کے زکام سے ناجائز فائدہ اٹھایا تھا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"دیکھئے اس وقت میں بہت پریشان ہوں، مجھ سے خوش مزاجی کی توقع نہ رکھئے۔"

"میں خود بھی حقیقت عرض کر رہا ہوں۔ خوش مزاجی ظاہر کرنے کا وقت ہی نہیں ملتا مجھے کسی نے بھرائی ہوئی سی آواز میں آپ کے نام سے گفتگو کی تھی لہٰذا میں دھوکا کھا گیا۔ اس نے کاغذات کے بارے میں میری رائے معلوم کرنی چاہی تھی۔"

"اوہ....!"

"کیا شاہد کی موت کے اسباب آسانی سے معلوم ہو سکیں گے۔" فریدی نے موضوع بدل دیا۔

"خدا جانے مجھے بھی حیرت ہے۔"

"کیا آپ شاہد پر اعتماد کرتے تھے۔"

"کیا مطلب....!" فاروقی چونک پڑا۔

فریدی نے پھر یہی جملہ دہرایا۔

"میں نہیں سمجھ سکا۔" فاروقی نے بے بسی سے کہا۔

"نگار سے متعلق اموات کی رپورٹ شاہد ہی نے پیش کی تھی۔"

"جی ہاں۔"

"پھر آپ نے اس کی تفتیش اسی کے سپرد کیوں نہیں کی تھی۔"

"اس نے خود ہی باقاعدہ طور پر یہ کیس لینے سے انکار کر دیا تھا۔"

"کیوں؟"

"صحت کی خرابی کا بہانہ کیا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ میڈیکل گراؤنڈ پر دو ماہ کی چھٹی لے گا اور ں ٹھہریئے.... یہ حقیقت ہے کہ وہ انسپکٹر پہلے ہی سے نگار میں کام کر رہا تھا اور اس کی اطلاع بھی شاہد ہی نے دی تھی۔ ویسے وہ انسپکٹر رخصت پر تھا اور آفس کو اس کی اطلاع نہیں تھی کہ وہ یا کر رہا ہے، بہر حال میں نے اُسے طلب کیا۔ پہلے تو اُس نے کہا کہ اس کی رخصت کا مقصد یہی تھا کہ وہ اسٹیج کا تجربہ حاصل کرے، لیکن جب شاہد کی رپورٹ اس کے علم میں لائی گئی تو اُس نے ہنس کر کہا کہ وہ بھی اسی چکر میں تھا۔ کیوں نہ یہ کیس باضابطہ طور پر اس کے سپرد کر دیا جائے لہٰذا یہی کیا گیا۔"

"ہوں....!" فریدی کچھ سوچنے لگا۔

"لیکن.... آخر.... شاہد کو کس نے قتل کر دیا.... کیوں قتل کر دیا۔" فاروقی بڑبڑایا۔

"قتل سے کچھ دیر پہلے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں نے فون پر اس نامعلوم آدمی سے کہا تھا کہ شاہد ناقابل اعتماد اور پکا فراڈ ہے۔"

"یہ آپ نے کیوں کہا تھا۔" فاروقی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں نے اس لئے کہا تھا کہ یہی حقیقت تھی۔" فریدی نے کہا اور فاروقی کو بتانے لگا کہ کس طرح فرضی گواہوں کی مدد سے شاہد نے رپورٹ تیار کی تھی۔

"میرے خدا....!" فاروقی اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ "میں کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔"

"اور میری نظروں میں وہ انسپکٹر صاحب بھی مشتبہ ہیں، جو نگار میں ایک مسخرے کی حیثیت

سے کام کر رہے ہیں۔"

"اس کے خلاف کیا چارج ہے۔"

"فی الحال میں اس کی وضاحت نہ کر سکوں گا۔ اس وقت کا انتظار کیجئے جب میرا شبہ یقین سے بدل جائے۔"

"نصیر آباد برانچ کی تاریخ میں یہ پہلے واقعات ہیں۔" فاروقی نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"اس انسپکٹر کی ڈائری کے اوراق کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔"

"کچھ بھی نہیں۔" فاروقی بولا۔ "میری دانست میں وہ بالکل لغو اور مکھے کے لئے لایعنی ہیں۔"

"کیا شاہد کو اُن کاغذات کا علم تھا۔"

"نہیں۔ میں نے اُسی وقت تہیہ کر لیا تھا کہ مرکز کو آپ کے لئے لکھا جائے۔ لہٰذا میں نے یہ کیس شاہد کے سپرد کر دیا تھا، لیکن اُس انسپکٹر سے متعلق جتنی بھی چیزیں تھیں وہ خصوصیت سے آپ کے لئے رکھ لی گئی تھیں اور اُن کا تذکرہ کسی سے بھی نہیں کیا گیا تھا۔"

فریدی کچھ سوچ رہا تھا.... اور حمید کبھی کا کمرے سے جا چکا تھا۔

مینٹل پیس

صبح خوشگوار تھی۔ لوسی نے بستر سے اٹھتے وقت یہی محسوس کیا تھا۔ حالانکہ پچھلی رات اس نے کثرت سے شراب پی تھی، لیکن اس کے باوجود بھی اُسے صبح خوشگوار معلوم ہو رہی تھی۔ اس نے اٹھ کر عقبی کھڑکی کھول دی۔ ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آنکھوں کی سطح سے ٹکرایا اور اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ٹھنڈک اس کی روح میں اترتی چلی گئی ہو۔

پچھلی رات کے تجربات اُس کے ذہن پر اپنے دھندلے سے نقوش چھوڑ گئے تھے اور وہ اس وقت اُس پُراسرار اجنبی کی شکل یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی جس نے کافی رات گئے تک اُسے اپنی انوکھی باتوں میں الجھائے رکھا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ وہ یقیناً کوئی فلرٹ تھا اور اُس سے اس طرح تعارف حاصل کر کے غالباً قریب ہونا چاہتا تھا۔

اس نے میز کی طرف ہاتھ بڑھا کر سگریٹ کے ڈبے سے ایک سگریٹ نکالا اور اُسے

ہونٹوں میں دبا کر شاید سلگانا بھول گئی۔ وہ مسلسل اُسی نوجوان کے متعلق سوچے جا رہی تھی۔ اس نے ہر ہر طرح خود کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ وہ کوئی فراڈ تھا اور اس طرح اُسے اپنے جال میں پھانس کر اُس کی دولت پر ہاتھ صاف کرنا چاہتا ہے لیکن اس کی نظر گول میز کی طرف بھی اٹھ جاتی جس پر اب بھی نوٹوں کی گڈیاں پڑی ہوئی تھیں۔

سگریٹ کو ہونٹوں سے نکال کر اُس نے میز پر ڈال دیا اور الماری کھول کر شیری کی بوتل نکالی کیونکہ اُسے اپنے حلق میں پھندا سا محسوس ہو رہا تھا۔ چوتھائی گلاس شیری حلق میں انڈیلنے کے بعد اس نے سگریٹ سلگایا۔

باہر لان پر سورج کی پہلی کرن گلابی رنگ کی پچکاری مار رہی تھی اور رکھوالی کے السیشین اس انداز میں زبانیں نکالے ہانپ رہے تھے جیسے انہیں کی محنت نے سورج کو طلوع ہونے میں مدد دی ہو۔

سگریٹ کے دو تین کش لینے کے بعد اس نے اُسے باہر اچھال دیا اور صبح کی چائے کے لئے گھنٹی بجائی۔ چائے کا انتظار وہ کھڑکی ہی پر کھڑی ہو کر کرنا چاہتی تھی۔

دفعتاً اس کی نظر پھاٹک کی طرف اٹھ گئی۔ ایک آدمی باہر سے پھاٹک کھولنے کی کوشش کر رہا تھا اور یہ اس کے لئے بالکل اجنبی تھا۔ نہ وہ دودھ والا معلوم ہوتا تھا اور نہ انڈے روٹی والا۔ وہ یہ بھی نہیں سوچ سکتی تھی کہ وہ نوکروں میں سے کسی کا ملاقاتی ہو کیونکہ اس کے جسم پر بہترین تراش کا سوٹ موجود تھا اور گلے میں ٹائی بھی تھی۔ مونچھیں گھنی اور سیاہ تھیں۔

چوکیدار نے پھاٹک کھول دیا۔ لوسی اُسے چوکیدار سے گفتگو کرتے دیکھتی رہی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ چوکیدار کو کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہا ہو۔

پھر لوسی نے اُسے روش پر چل کر پورچ کی طرف آتے دیکھا۔ وہ سمجھ گئی کہ وہ اسی سے ملنا چاہتا ہے.... مگر اتنے سویرے.... لوسی کے ہونٹ سکڑ گئے۔ وہ ابھی اس وقت کسی سے نہیں ملنا چاہتی تھی۔

ملازمہ چائے کی کشتی لائی اور میز پر رکھ کر چلی گئی۔

چائے انڈیل کر لوسی دوسرا سگریٹ سلگانے لگی، لیکن ٹھیک اُسی وقت باہر سے بھاری قدموں کی آواز آئی۔ پھر دروازے کا پردہ ہٹا اور بڑی مونچھوں والا اجنبی اس کے سامنے تھا۔

لوسی سگریٹ پھینک کر کھڑی ہو گئی اور اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

"کس گدھے نے تمہیں یہاں آنے دیا ہے۔" وہ حلق کے بل چیخی۔

"گدھا کوئی نہیں ملا، ورنہ میں اسی پر بیٹھ کر آیا ہوتا کیونکہ آپ کا چوکیدار اونچا سنتا ہے۔ اس کے کانوں تک منہ لے جانے کے سلسلے میں ایک گدھے کی اونچائی کافی ہوتی۔"

"گٹ آؤٹ.... یور لیکل...." لوسی دانت پیس کر چیخی۔ "ورنہ دھکے دے کر نکال دیئے جاؤ گے۔"

"یہ میرا اپنا مقدر ہے، اس کے لئے بھی آپ کو تشویش نہ ہونی چاہئے۔"

لوسی نے گھنٹی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"ٹھہریئے...." اجنبی نے بھاری آواز میں کہا۔ "نوکروں کو بلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ نے پچھلی رات مجھے بحیثیت پرائیویٹ سیکریٹری ملازم رکھا تھا۔ اس لئے میں نے اس کی جسارت کی، ورنہ بھلا کوئی شریف آدمی کہیں اس طرح جاتا ہے۔"

"اوہ....!" لوسی بے سدھ ہو کر کرسی میں گر گئی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے آنے والے کو دیکھ رہی تھی۔

"تم.... تم....!" وہ مسکرائی۔ "مگر تم.... کیا یہ میک اپ....!"

"یس مادام....!" اجنبی نے قدرے جھک کر کہا۔

"تم سچ مچ کریک ہو مسٹر کریک۔ آخر اس کی کیا ضرورت تھی۔"

"قطعی ضرورت تھی مادام.... اس طرح میں نہایت اطمینان سے کام کر سکوں گا۔"

"شو.... کیا تم نے جاسوسی ناول بکثرت پڑھے ہیں۔" لوسی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"ہاں.... مادام.... آپ کا خیال درست ہے لیکن آپ حالات کی نوعیت پر غور کئے بغیر میرا مذاق نہیں اڑا سکتیں۔ میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں ہر لحاظ سے بہتر کر رہا ہوں۔ آپ اس سے لاعلم ہیں کہ آپ کن خطرات میں گھری ہوئی ہیں۔ کیا آپ بھول گئیں کہ کیپٹن سام کریگ کی موت پُراسرار حالات میں ہوئی تھی۔"

"مگر پولیس کے لئے تو وہ صرف ہارٹ فیلیور کا کیس تھا۔ میں اُسے پُراسرار ہی سمجھتی ہوں کیونکہ ڈیڈی کبھی اتنی زیادہ نہیں پیتے تھے کہ پینے کی وجہ سے ان کے قلب کی حرکت بند ہو جاتی۔"

"آپ سمجھتی ہیں نا.... بس یہی کافی ہے۔ ویسے اب مجھے بھی علم ہے کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں کثرت شراب نوشی ہی حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ ثابت کی گئی تھی۔"

"تو تم نے پچھلی رات ہی سے کام شروع کر دیا ہے۔"

"ہاں مادام....!"

"تم سچ مچ عجیب ہو۔ عجیب ترین۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ مجھے پریشان کرنے والا ہی ڈیڈی کی موت کے ذمہ دار ہیں۔"

"کیا یہ ممکن نہیں ہے۔"

"ممکن ہے۔"

"پھر ایسی صورت میں جب کہ مجھے کام کرنا ہے میں ان لوگوں پر اپنی اصلی شکل کیوں ظاہر کروں۔"

"ٹھیک ہے مگر میں تمہیں آواز سے بھی نہیں پہچان سکی تھی اور اب تمہاری آواز اس آواز سے مختلف ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہی آواز تمہاری اصلی آواز ہے کیونکہ پچھلی رات یہی آواز تھی۔"

"آپ آوازوں کے چکر میں نہ پڑیئے۔ ضرورت پڑنے پر میں گدھے کتے کی آواز میں بھی گفتگو کر سکتا ہوں۔ خیر دیکھئے.... یہ مینٹل پیس والا بلب اور ہند سے مجھے بالکل ناپسند ہیں۔ انہیں کسی طرح چھپانے کی کوشش کیجئے۔"

"کیوں....!"

"بس یونہی.... اب تو خواب گاہ عموماً کھلی ہی رہتی ہو گی۔"

"نہیں.... میں یہاں سے جاتے وقت اسے مقفل کرنا نہیں بھولتی۔"

"لیکن ملازم تو اندر آتے ہی ہوں گے۔"

"ہاں.... وہ تو آتے ہی ہیں۔"

"اگر اُن کی موجودگی میں کبھی بلب جل اٹھا اور ڈائیل پر ہند سے متحرک نظر آنے لگے تو یہ داستان تمام پھیل جائے گی۔"

"پھیل جائے۔" لوسی نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی۔

"نہیں اسے اتنا غیر اہم نہ سمجھئے۔ ہو سکتا ہے کیپٹن سام کریگ اس کمرے کو اسی لئے مقفل

رکھتے رہے ہوں کہ ان چیزوں پر کسی کی نظر نہ پڑنے پائے۔"

"ہو سکتا ہے کوئی اور وجہ رہی ہو۔"

"کوئی اور وجہ نظر آئی تھی آپ کو۔" سیکریٹری نے پوچھا۔

"نن.... نہیں۔" وہ غور سے سیکریٹری کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"سام کریگ اس کمرے کو مقفل کر گئے تھے اور پھر ان کی موت ایک نائٹ کلب میں واقع ہوئی تھی۔ اگر یہاں کوئی اور چیز بھی ایسی ہوتی جسے چھپانے کے لئے وہ اس کمرے کو بند رکھتے رہے ہوں تو وہ چیز آپ کو ضرور ملنی چاہئے تھی کیونکہ انہیں اس چیز کو یہاں سے ہٹانے کی مہلت نہ ملی ہوگی۔"

"یہ بھی ممکن ہے۔"

"آپ مجھے بور کر رہی ہیں مادام....!" سیکریٹری آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"کیوں؟"

"آپ ایک بحث کا آغاز کر کے میرے پھیپھڑوں کا دم نکال لیتی ہیں اور پھر اتنی معصومیت سے اس کے امکان کا اعتراف کر لیتی ہیں جیسے.... جیسے.... یعنی کہ.... جیسے.... ہائیں اس وقت کوئی اچھی سی تشبیہہ نہیں سوجھ رہی ہے خیر ٹالئے۔ ہاں تو میں اس وقت یہ عرض کرنے آیا تھا کہ مجھے کیپٹن کریگ کے قریبی دوستوں کی فہرست چاہئے۔"

"اس سے کیا ہوگا۔"

"اس سے یہ ہوگا محترمہ!" سیکریٹری اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔ "یہ ہوگا.... آ.... کہ میری جان پہچان والوں میں چند نئے آدمیوں کا اضافہ ہو جائے گا۔"

"مسٹر کریک تم کھل کر مجھ سے گفتگو نہیں کر رہے ہو۔"

"آپ کھل کر سن ہی نہیں رہی ہی۔ دیکھئے آپ کی چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔"

"کیا تم ناشتہ کر چکے ہو۔"

"نہیں میں ناشتہ جیسی غیر ضروری چیزوں کا عادی نہیں ہوں۔"

"کیا مطلب....!"

"مطلب یہ کہ میں چوبیس گھنٹے میں صرف ایک بار اپنے معدے کو تکلیف دیتا ہوں۔"

"اگر مجھے تمہاری ضرورت نہ ہوتی تو میں تمہیں چڑیا گھر کے کسی کٹہرے میں رکھوا دیتی۔"

"میرے لئے یہ بھی ممکن ہے۔ کیا آپ یہ سمجھتی ہیں کہ میں کسی چڑیا گھر کے کٹہرے میں نہیں رہا۔"

"ایسا ہو چکا ہے محترمہ۔ ایک زمانہ تھا کہ پولیس میری تلاش میں تھی۔ ہاں شاید میں آپ کو یہ بتانا بھول گیا ہوں کہ میں بھی کسی زمانہ میں قانون شکنی کیا کرتا تھا، مضبوط سے مضبوط تجوریاں توڑ ڈالنا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ میں نے کئی بنکوں میں چوریاں کی تھیں اور پولیس میرے پیچھے تھی۔ ایک دن مجھے معلوم ہوا کہ پولیس نے میرے مکان کے گرد گھیرا ڈال دیا ہے۔ اس اطلاع سے میرے ہاتھ پیر ڈھیلے ہو گئے۔ لیکن پھر فوراً ہی ایک تدبیر سوجھ گئی۔ مجھے یاد آیا کہ پچھلے دن ایک گوریلا چڑیا گھر سے فرار ہو گیا تھا جس کی تلاش اس وقت تک جاری تھی۔ میں نے جھٹ پٹ اپنے کپڑے اتار ڈالے اور گوریلے کی کھال اپنے جسم پر منڈھ لی۔"

"غپ.... جھوٹ.... بکواس۔" لوسی بڑبڑائی۔

"یقین کیجئے۔"

"تمہیں گوریلے کی کھال کہاں سے ملی تھی۔"

"اوہ.... گوریلے کی کھال.... وہ تو میرے پاس پہلے ہی سے تھی۔ اب میں کیا عرض کروں آپ سے کہ میں اُس زمانے میں کیسا آدمی تھا اور گوریلے کی کھال پہن کر میں نے کس قسم کے کارنامے انجام دیئے تھے۔ کسی وقت اطمینان سے بتاؤں گا۔ خیر قصہ مختصر یہ کہ میں کھال پہن کر پڑوس کی چھت پر جا چڑھا۔ بس پھر کیا تھا لوگ مجھے پکڑنے کے لئے دوڑ پڑے۔ بڑی مشکل سے ہاتھ آیا۔ آہا کاش آپ مجھے اس وقت دیکھتیں۔ میں سو فیصدی بن مانس معلوم ہو رہا تھا۔ اُسی کی طرح غرانا اور سیٹیاں بجانا اور ٹانگیں خمیدہ کر کے چلنا۔"

دفعتاً سیکریٹری نے بن مانس کے غرانے اور سیٹیاں بجانے کی نقل شروع کر دی۔

"ارے... بس.. ارے بس" لوسی آنکھیں بند کر کے کانوں میں انگلیاں ٹھونستی ہوئی بولی۔

"آہا.... تو پھر مجھے لے جا کر کٹہرے میں بند کر دیا گیا۔"

"کتنے دنوں تک بند رہے تھے.... مگر نکلے کیسے ہو گے۔"

"محافظ کے پاس سے قفل کی کنجی پار کر دی تھی۔ رات کو نہایت اطمینان سے قفل کھولا اور

باہر نکل آیا۔"

"اس میں کتنی سچائی ہے، مسٹر کریک۔"

"آپ کے یقین نہ کرنے سے میرا کیا بگڑے گا۔" سیکریٹری نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"نہیں مجھے یقین دلاؤ ورنہ میں تمہاری مونچھیں اکھاڑ دوں گی۔"

سیکریٹری بُرا سا منہ بنائے دوسری طرف دیکھتا رہا۔ اتنے میں وہی ملازمہ پھر آئی جو چائے کی ٹرے رکھ گئی تھی۔ اس نے کسی کا ملاقاتی کارڈ پیش کیا۔

"کرنل اے کے.... فریدی" لوسی نے بلند آواز سے پڑھ کر پیشانی پر شکنیں ڈال لیں اور پھر بڑبڑائی۔ "مگر میں اس آدمی کو نہیں جانتی۔"

"کرنل اے کے فریدی... اُم" سیکریٹری جھک کر کارڈ پڑھتا ہوا بولا۔ "ارے باپ رے... کیا آپ اُسے نہیں جانتیں۔ میرے خدا یہاں کیسے ٹپک پڑا۔"

"کیوں یہ کون ہے!"

"وہ سرکاری سراغ رساں جو شیطان سے زیادہ مشہور ہے۔"

"ارے.... یہ.... وہ فریدی ہے۔" لوسی نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ "مگر یہاں کیسے۔"

"ممکن ہے کیپٹن کی موت کے سلسلے میں تفتیش کر رہا ہو۔"

"تب تو میں اُس سے ضرور ملوں گی۔ چلو تم بھی چلو۔"

"میں.... نن.... نہیں۔ اگر اس نے پہچان لیا تو میرا مستقبل برباد ہو جائے گا۔"

"کیوں....؟"

"مین ایک روپوش مجرم ہوں محترمہ اور جرائم سے توبہ کر چکا ہوں، لیکن مجھے علم ہے کہ ابھی تک میرا فائیل بند نہیں ہوا۔"

"کیا میں اس سے بتادوں کہ کوئی نامعلوم آدمی مجھے دھمکیاں دے رہا ہے۔"

"ہرگز نہیں.... یہ تو آپ کی زبان سے نکلنے ہی نہ پائے ورنہ آپ بڑی مشکلات میں پڑ جائیں گی۔"

"کیوں؟"

"خدا کے لئے اس وقت مجھ سے بحث نہ کیجئے۔ جایئے.... اُسے جلد از جلد ٹالنے کی کوشش

کیجئے گا۔ ہاں ایک بات اور.... اگر وہ کیپٹن کے کاغذات وغیرہ دیکھنا چاہے تو دکھا دیجئے گا۔ مگر اس کا گذر اس خواب گاہ میں نہ ہونے پائے جہاں پر بلب اور ہندسوں کا ڈائیل موجود ہے۔"

شاید لوسی نے پھر "کیوں" کہنے کے لئے ہونٹ کھولے تھے، لیکن اس نے اس بار سوال نہیں کیا بلکہ چپ چاپ اٹھ کر ڈریسنگ گاؤن پہنا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

پھر بیس منٹ بعد وہ واپس آگئی۔ سیکریٹری اُسے گھورے جا رہا تھا۔

"اوہ مسٹر کریک.... وہ تو عجیب ترین تھا۔ تم سے بھی عجیب۔ میں سمجھی تھی کہ وہ کوئی ڈراؤنا آدمی ہوگا اور میں اس کے سامنے ہونٹ بھی نہ ہلا سکوں گی مگر وہ تو انتہائی رحم دل اور معصوم آدمی معلوم ہوتا ہے۔ گفتگو کا انداز کتنا شریفانہ تھا۔"

"کاش تم اُسے اس وقت بھی دیکھتیں، جب وہ کسی درندے کی طرح سرکش مجرموں کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔"

"یقین نہیں آتا...." لوسی سر ہلا کر بولی۔ "ارے وہ تو فرشتہ ہے، فرشتہ.....!"

"اگر وہ فرشتہ ہے تو موت یا عذاب ہی کا فرشتہ ہو سکتا ہے۔ خیر ہٹایئے.... ہاں تو وہ کیوں آیا تھا۔"

"تمہارا خیال صحیح نکلا۔ اس کا خیال ہے کہ ڈیڈی کی موت معمولی حالات میں نہیں ہوئی مگر اس نے پوچھا تھا کہ ڈیڈی کے ہیری سے کیسے تعلقات تھے۔ کیا کبھی اُن دونوں نے کوئی بزنس بھی کیا تھا؟ کیا کبھی اُن دونوں میں جھگڑا ہوا تھا۔"

"اس کے علاوہ۔"

"اور کچھ بھی نہیں.... نہ تو اُس نے کاغذات دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی اور نہ ڈیڈی کا سامان دیکھنا چاہا تھا۔ وہ اس بات پر افسوس ظاہر کر رہا تھا کہ میں دنیا میں تنہا رہ گئی ہوں۔"

"مادام! میرے ایک سوال کا جواب دیجئے۔"

"کیا....؟"

"آپ کی جائیداد کا کچھ حصہ خطرے میں بھی پڑ سکتا ہے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص اس بات کی کوشش کرے کہ جائیداد کا کچھ حصہ اُسے قانونی

طور پر مل جائے تو کیا وہ کامیاب ہو سکے گا۔"

"ہرگز نہیں.... میں ڈیڈی کی وارث ہوں۔ ایسا کوئی آدمی نہیں ہے، جو اس قسم کا دعویٰ کر سکے۔ تم اس جھگڑے میں نہ پڑو۔ اس آدمی کا پتہ لگاؤ، جو مجھے دھمکیاں دے رہا ہے۔"

"جب آپ جائیداد کی طرف سے مطمئن ہیں تو پھر آپ نے اس کی رپورٹ پولیس کو کیوں نہیں دی۔"

"میں خواہ مخواہ کسی قسم کی جھنجھٹ میں نہیں پڑنا چاہتی۔ پولیس اس کا پتہ نہیں لگا سکے گی آئے دن مجھے ہی پریشان کرتی رہے گی۔"

"مگر آپ نے پچھلی رات یہ خدشہ ظاہر کیا تھا کہ آپ کے ڈیڈی کی ناجائز طور پر پیدا کی ہوئی دولت کا کچھ حصہ آپ کے ہاتھ سے نکل بھی سکتا ہے۔"

"پچھلی رات میں نشے میں تھی۔ اگر میں نے کہا بھی تھا تو غلط کہا تھا۔"

"خیر....!" سیکریٹری نے ایک طویل سانس لی۔ وہ خاموش ہو کر اس مینٹل پیس کی طرف دیکھ رہا تھا، جس پر سرخ رنگ کا بلب نصب تھا۔ اچانک مینٹل پیس سے عجیب طرح کی آواز نکلی۔ وہ اُس مینٹل پیس کے لئے تو عجیب ہی تھی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے کوئی ٹائپ رائٹر ٹائپ کر رہا ہو۔ سیکریٹری آگے بڑھا۔ آواز اب تک آ رہی تھی۔ لوسی کے چہرے پر بھی حیرت کے آثار نظر آ رہے تھے۔

سیکریٹری تھوڑی دیر تک مینٹل پیس کا جائزہ لیتا رہا پھر اُس پر رکھی ہوئی چیزیں اُتار اُتار کر نیچے رکھنے لگا۔ اب آواز آنی بند ہو گئی تھی۔ دفعتاً لوسی نے مینٹل پیس کو دو حصوں میں تقسیم ہوتے دیکھا، درمیان میں تقریباً ایک فٹ چوڑی خلاء پیدا ہو گئی تھی۔ سیکریٹری اس پر جھکا ہوا تھا۔

"اوہ.... ٹیلی پرنٹر....!" وہ مضطربانہ انداز میں بڑبڑایا اور دوسرے ہی لمحے میں اُس نے خلا کے اندر ہاتھ ڈال کر کاغذ کی ایک لمبی سی پٹی نکالی جس پر ٹائپ کے حروف میں تحریر تھا۔

"تشویش غلط تھی۔ سر مو فرق نہیں ہے۔ تین ہزار دو سو ستر عدد نکالے گئے ہیں۔"

لوسی اور سیکریٹری کبھی اس تحریر کو دیکھتے تھے اور کبھی ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے تھے۔

ہیرے کی انگوٹھیاں

شام کو آخر کار نیلم پہنچ ہی گئی۔ حمید سمجھا تھا، شاید اُس نے اُسے چڑھانے کے لئے نصیر آباد پہنچنے کی دھمکی دی تھی۔ مگر جب وہ پہنچ ہی گئی تو مجبوراً اُسے خندہ پیشانی سے اُسے برداشت کرنا پڑا۔ وہ دراصل اٹھتے بیٹھتے ناک میں دم کئے رہتی تھی، بور کرنے کے لئے فریدی ہی کیا کم تھا۔ مگر اب دوسرے کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ اُسے اس مسئلہ پر بہت زچ کرتی تھی کہ وہ روزانہ نئی نئی لڑکیوں کی تلاش میں رہتا ہے۔

یہاں پہنچتے ہی سب سے پہلے اس نے یہی پوچھا تھا۔

"کیوں بابا.... بہت اداس نظر آ رہے ہو۔ کیا کوئی گدھی نہیں ملی۔"

"جان بابا....!" حمید دونوں آنکھیں بھینچ کر اور ٹھنڈی سانس لے کر بولا تھا۔ "تم بابا کا پیچھا چھوڑ دو، ورنہ اس بابا سے بھی محروم ہو جاؤ گی۔ یہ بابا اُلو کا پٹھا اب تک کئی بار خودکشی کا ارادہ کر کے ملتوی کر چکا ہے مگر اب یہ آخری ارادہ ہو گا۔"

"میں تمہیں آدمی بنانا چاہتی ہوں۔"

"بس بابا ہی رہنے دو۔ آدمی بننے کی تاب نہ لا سکوں گا۔" حمید نے پہلے تو ٹھنڈے دل سے کہا پھر تاؤ آ گیا اور جھلا کر بولا۔ "ارے تم ٹھیکیدار ہو سارے زمانے کی۔ مجھ سے اس مسئلے پر گفتگو نہ کیا کرو۔ اب تو میں خود کو دنیا کی ہر جوان لڑکی کا بابا تصور کرنے لگا ہوں۔ خدا تمہیں غارت کرے۔"

"میں تمہیں انکل کی طرح کا آدمی دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"اگر انکل آدمی ہے تو میں آدمیت کے مستقبل سے مایوس ہوں۔"

"تم جانتے ہی نہیں کہ آدمیت کس چڑیا کا نام ہے۔"

"میں چڑی مار نہیں ہوں۔" حمید نے بیزاری سے کہا۔

"انکل کہاں ہیں۔"

"میں تمہارے انکل کی دم میں نہیں بندھا رہتا۔"

"بابا.... موڈ اتنا خراب کیوں ہے۔"

"بیٹھ جاؤ...." حمید نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ "میں تمہیں بتاؤں گا کہ کس طرح میری مٹی پلید ہو رہی ہے۔"

"ہوا کیا....!"

"بتاتا ہوں۔ مگر بتانے سے پہلے تمہیں آگاہ کر دوں کہ تمہاری مٹی بھی اسی طرح پلید ہو گی۔ اسے لکھ لو۔ میں کبھی کوئی غلط بات نہیں کہتا۔ اگر تم یہ چاہتی ہو کہ شریف عورتوں کی طرح زندگی بسر کرو تو اس فن سے دور رہو، جو تمہیں تمہارا انکل اور میرا فادر سکھا رہا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ تم کس قسم کی لڑکی ہو۔ تمہیں اپنے مستقبل کا ذرہ برابر بھی خیال نہیں ہے۔"

"یہ مستقبل ہی کے لئے تو سب کچھ کر رہی ہوں۔ تم جانتے ہو کہ میری پرورش کس ماحول میں ہوئی ہے۔ میں کسی شریف آدمی کی بیوی بن کر زندگی نہیں گذار سکتی کیونکہ شریف سے شریف آدمی بھی بیوی پر اپنی برتری ضرور جتاتا ہے اور میں کسی کی بھی برتری کی قائل نہیں۔ جرائم سے مجھے ہمیشہ نفرت رہی ہے اس لئے میں یہی بہتر سمجھتی ہوں کہ اپنے پیروں پر کھڑی ہونے کی کوشش کروں۔"

"ارے تو اپنے پیروں پر کھڑی ہو کر بھینسیں بھی چرا سکتی ہو۔ سراغ رسانی کا مشورہ کس گدھے نے دیا ہے تمہیں۔"

"نہیں.... یہ پیشہ مجھے بے حد پسند ہے۔ انکل کہہ رہے تھے کہ میں اس کے لئے بہت موزوں ہوں۔"

"انکل نے تو پچھلے سال ایک قوال سے بھی یہی کہا تھا اور دوسرے ہی دن وہ قوال اس حال میں دیکھا گیا کہ اس کا سر نیچے تھا اور ٹانگیں اوپر.... اہے وا.... نیلم خدا کے لئے ہوش میں آؤ۔ مجھے دیکھو.... کیا میں تمہیں پاگل معلوم ہوتا ہوں۔"

"صرف اُسی وقت جب اس قسم کی باتیں کرنے لگتے ہو۔"

"ہام.... اچھا.... اور انکل کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"انکل سپر مین ہیں۔"

"ہاں.... چلو.... یہ دیکھو.... کیا لکھا ہے۔"

حمید نے کاغذ کا ایک ٹکڑا نیلم کی طرف بڑھا دیا جس پر پنسل سے تحریر تھا۔

"آج قومی تہوار کا دن تھا۔ ہم سب خوش تھے اور مرجانہ ہمارے درمیان رقص کر رہی تھی۔ بس یہی دل چاہتا تھا کہ نشے میں ڈوبتے چلے جاؤ۔"

نیلم نے بلند آواز سے اُسے پڑھا اور جواب طلب نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگی۔

"کیا سمجھیں؟" حمید نے مسکرا کر پوچھا۔

"کچھ نہیں سمجھی.... یہ کیا بکواس ہے۔"

"تمہارے سپر مین انکل کی ہدایت ہے کہ میں اُن کی واپسی تک اسی کمرے میں بیٹھ کر اس عبارت پر غور کرتا رہوں۔"

"ہاں بے بی۔ میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں، خدا نے بڑا فضل کیا کہ تم بھی آ گئیں۔ اب ہم دونوں مل کر اس عبارت پر غور کریں گے بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ تم مرجانہ کی طرح رقص شروع کر دو اور میں رم کا ایک پیسہ منگوا کر اُس میں چھلانگ لگا دوں۔"

"کیا یہ حقیقت ہے۔"

"بے بی ہوش میں آؤ ورنہ بابا اب تھپڑ رسید کر دے گا۔"

"تب تو مجھے یقین ہے کہ اس عبارت میں کوئی نہ کوئی خاص بات ضرور ہو گی۔"

"بے بی۔" حمید غرایا۔ "اگر تم نے آدھے گھنٹے کے اندر اندر اس میں کوئی خاص بات نہ تلاش کی تو.... میں تو میں.... صبر کروں گا۔"

آخیر میں اس کی آواز مردہ ہو گئی اور نڈھال سا ہو کر آرام کرسی میں گر گیا۔

"آخر معاملہ کیا ہے۔ کیس کیا ہے۔ تم کچھ بتاتے ہی نہیں، خواہ مخواہ اتنی دیر سے بور کر رہے ہو۔"

"یہ کاغذ کا ٹکڑا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ درجنوں صفحات ہیں جن پر ایسی ہی تحریریں مجھ جیسے آدمی کو دن رات خود کشی پر مجبور کرتی رہتی ہیں۔ تمہارا انکل گڈلارڈ خود بھی انہیں سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور مجھے بھی بور کرتا ہے۔"

"تب تو میرا یقین اور پختہ ہو گیا ہے کہ اس میں کوئی خاص بات ہے۔"

"اچھا تو سنو.... کیا خاص بات ہے۔ آج صبح ہی سے مطلع ابر آلود رہا ہے۔ للی نے شوخ رنگ کی لپ اسٹک استعمال کی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کچے چوہے چبا کر آئی ہو۔ میں کہتا ہوں للی تمہاری آنکھیں بہت حسین ہیں۔ وہ کہتی ہے.... اوں ہوں تم مجھے بے وقوف بنا رہے

ہو۔ میں کہتا ہوں، للی مجھ پر رحم کرو اور وہ مجھے اپنا سینڈل سونگھانے لگتی ہے، کاش وہ مجھے سمجھ سکتی۔ کاش وہ مجھے سمجھ سکتی۔ کاش وہ مجھے سٹیج کا مسخرہ سمجھ کر مجھ سے بے اعتنائی نہ کرتی وغیرہ وغیرہ بے بی۔ تمہارا انکل یہی سب کچھ پڑھتا ہے، کبھی اُس کی آنکھیں چمکنے لگتی ہیں اور کبھی وہ بھیڑیئے کی طرح غراتا ہے.... بچالو.... بے بی.... خدا کے لئے مجھے بچالو۔"

حمید نے آنکھیں بند کر کے اس طرح دونوں ہاتھ آگے پھیلا دیئے تھے جیسے سچ مچ کسی حملہ کرتے ہوئے بھیڑیئے سے رحم کی بھیک مانگ رہا ہو۔

اتنے میں فریدی کمرے میں داخل ہوا۔

"آہا.... نیلم تم آگئیں؟" اس نے کہا۔

"جی ہاں۔"

"بھئی.... میں شدت سے تمہاری ضرورت محسوس کر رہا تھا۔"

"اوہ.... شکریہ.... انکل.... ڈیئر۔"

فریدی نے فلٹ ہیٹ میز پر ڈال دی اور کوٹ اتارنے لگا۔ نیلم نے بڑھ کر کوٹ اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا۔ "بابا بے چارہ پاگل ہو گیا ہے۔"

"کب نہیں تھا۔" فریدی نے کہا۔

نیلم کوٹ ہینگر پر لٹکا کر حمید کو دیکھنے لگی، جو دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا تھا۔

"کیوں؟" فریدی نے حمید سے غصیلی آواز میں پوچھا۔ "اُس تحریر سے کیا مطلب اخذ کیا۔"

"مطلب....!" حمید سر اٹھا کر ٹھنڈی سانس لیتا ہوا بولا۔ "آپ مرجانہ کو بلوا دیجئے۔ وہ یہاں ناچنا شروع کر دے اور مجھے دس بارہ بوتلیں وہسکی کی منگوا دیجئے۔ اگر مطلب نہ اخذ کر لوں تو گولی مار دیجئے گا۔"

"یہ سب کیا ہے انکل....!" نیلم نے حیرت ظاہر کی۔

"یہ کچھ نہیں.... تم بھی کوشش کرو۔"

"باس....!" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اب تم کوشش کرو اور میں دوڑ کر آدھ سیر سنکھیا لے آؤں۔"

"نہیں تم باہر نہیں جاسکتے۔ ہرگز نہیں۔" فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔

"کیوں؟"

"کیوں کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔"

"تو میں اب اپنی مرضی سے مر بھی نہیں سکتا۔"

"نہیں.... تم میری گود میں مرو گے اور میں اس لڑکی کو بُرا بھلا کہہ رہا ہوں گا جس کی وجہ سے تمہیں موت نصیب ہوئی ہو گی۔"

"بعض لڑکیوں کے ابا میاں بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔" نیلم دیدے پھاڑ کر بولی۔ "کیوں کہ....؟"

حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ فریدی نے فون کا ریسیور اٹھا کر ویٹر کو طلب کیا۔

"دیکھئے تو انکل میں جب سے آئی ہوں اسی طرح بیٹھی ہوئی ہوں۔ نہ بابا نے لباس تبدیل کرنے کو کہا اور نہ چائے منگوائی۔"

"میں نے اسی لئے ویٹر کو کال کیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

حمید نے پائپ نہیں سلگایا بلکہ اُسے ایک طرف پھینک کر کھڑا ہو گیا۔ تیور بڑے خراب تھے، معلوم ہو رہا تھا جیسے فریدی پر حملہ کر بیٹھے گا۔ مگر اس کے بجائے اس نے اپنا سر دیوار سے ٹکرا دیا۔

"ارے.... ہائیں.... بابا....!" نیلم اس کی طرف جھپٹی۔

"ہٹ جاؤ بے بی۔ آج میں تصفیہ کرنا چاہتا ہوں۔" حمید نے کہا اور دوبارہ دیوار پر سر مارنے ہی رہا تھا کہ نیلم نے اس کی گردن دونوں ہاتھوں سے پکڑ لی۔

ٹھیک اُسی وقت کسی نے باہر دروازے پر دستک دی۔

نیلم نے حمید کی گردن چھوڑ دی اور حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے میز کے گوشے سے ٹک گیا۔

"آجاؤ....!" فریدی نے دروازے کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

ویٹر کافی کی ٹرے اٹھائے ہوئے اندر داخل ہوا۔ یہ ایک تنومند آدمی تھا اور اس کے بازوؤں کی مچھلیاں آستینوں پر بھی اُبھری ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ مونچھیں گھنی اور اوپر چڑھی ہوئی تھیں۔ فریدی اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ جب وہ کافی کی ٹرے چھوٹی میز پر رکھ کر مڑا تو فریدی نے کہا۔ "ذرا سگار کا ڈبہ مجھے اٹھا دینا۔"

ویٹر نے بڑی میز سے سگار کا ڈبہ اٹھا کر بڑے ادب سے پیش کیا۔ فریدی کی نظر اُس کے

ہاتھوں پر تھی۔

"شکریہ....!" فریدی نے آہستہ سے کہا اور ڈبہ ایک طرف رکھتا ہوا بولا۔ "تم یہاں کے سب سے زیادہ مالدار ویٹر ہو.... کیوں؟"

اس کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ سی مسکراہٹ تھی۔

"اوہ.... کیوں جناب۔" ویٹر سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

"تمہارے بائیں ہاتھ کی دونوں انگوٹھیوں کے نگینے اصلی ہیں۔"

"اَرر.... اُو....!" ویٹر نے غیر ارادی طور پر اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا۔ پھر فوراً ہی سنبھالا لیا اور اکڑ کر بولا۔ "جی ہاں.... کیا ہیرے کی انگوٹھیاں صرف مالداروں ہی کا حصہ ہیں۔"

اس کا لہجہ غصہ دلانے والا تھا۔

"او گدھے کے بچے! میں تمہاری مونچھیں اکھاڑ لوں گا۔" حمید بگڑ گیا۔

"میں تمہیں اس کا مشورہ ضرور دوں گا۔" فریدی کا لہجہ حد درجہ سرد تھا۔

حمید نے ایک جھرجھری سی لی اور پھر اس نے فریدی کو بڑی پھرتی سے ریوالور نکالتے دیکھا۔

"نہیں تم اپنا ہاتھ جیب کی طرف نہیں لے جاؤ گے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

ویٹر نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

حمید نے نیلم کی آنکھوں میں عجیب سی چمک دیکھی اور اُسے اس بلی کی چمک یاد آ گئی جس نے تازہ شکار کیا ہو۔

"حمید اس کی مصنوعی مونچھیں کھینچ لو۔"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے جناب۔" ویٹر تھوک نگل کر بولا۔

حمید نے آگے بڑھ کر اس کے چہرے پر ہاتھ صاف کر دیا۔ مونچھیں مصنوعی ہی تھیں۔ اُس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "لاحول ولا قوۃ.... کاش یہ مونچھیں اصلی ہوتیں تب میں بتاتا کہ حجام کا احسان نہ لینے کا کیا طریقہ ہے۔"

"کیا جیب میں ریوالور رکھنا بھی ریجنٹ کے ویٹروں کے لئے ضروری ہے۔"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ حمید آگے بڑھ کر اس کی جیبیں ٹٹول رہا تھا۔ یہ حقیقت تھی کہ اس کی جیب میں ریوالور موجود تھا۔

"کیا تم اس کا لائسنس پیش کر سکو گے۔"

ویٹر اب بھی خاموش رہا۔

"میں تمہیں اس جرم میں گرفتار کرتا ہوں۔"

دفعتاً ویٹر حمید سے لپٹ پڑا۔ حمید کے لئے یہ غیر متوقع تھا۔ اس لئے اُسے سنبھلنے کا موقع نہ مل سکا۔ اس کے ہاتھ سے ویٹر کا ریوالور گر چکا تھا۔

"اب شوق سے گولی مار دو۔" ویٹر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ فریدی کے ریوالور کا رخ حمید کے سینے کی طرف تھا۔ نیلم ابھی تک ویٹر کے پیچھے خاموش کھڑی تھی اور ویٹر بھی اس کی طرف سے غافل تھا۔ اچانک نیلم نے اپنی انگلیاں اس کی گردن میں پیوست کر دیں۔ ویٹر جس نے حمید کی گردن پر قینچی لگا رکھی تھی بوکھلا گیا۔ اس کے ہاتھ ڈھیلے ہوئے ہی تھے کہ حمید اس کی گرفت سے نکل گیا اور پھر تو اس کی شامت ہی آ گئی۔ حمید نے اُسے گھونسوں پر رکھ لیا تھا۔ ذرا ہی سی دیر میں وہ بے دم ہو کر گر پڑا۔

حمید کھڑا اپنے ہاتھ جھاڑ رہا تھا اور نیلم نے اتنا بُرا سا منہ بنا رکھا تھا جیسے اس کے اتنی جلدی بے ہوش ہو جانے پر اُسے بے حد مایوسی ہوئی ہو۔

کچھ دیر تک کمرے پر سکوت مسلط رہا پھر حمید جیب سے رومال نکال کر اپنے چہرے کو صاف کرتا ہوا فریدی سے بولا۔

"آج میں آپ کو ایک نئی راہ پر دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے کبھی ایسا نہیں کیا؟"

"کیا مطلب....!"

"ظاہر ہے کہ یہ آدمی ہم لوگوں کی نگرانی کر رہا تھا۔ آپ نے آج تک کسی ایسے آدمی پر ہاتھ نہیں اٹھایا بلکہ ہمیشہ ایسے آدمیوں کو پہچان لینے کے بعد ان کی غفلت سے فائدہ اٹھاتے رہے ہیں۔"

"ہاں.... اور پھر ان کے ذریعے سے اصل مجرم تک پہنچنے میں آسانی ہوتی تھی، لیکن حمید صاحب یہ معاملہ مختلف ہے۔ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ آدمی اصل مجرم تک میری رہنمائی نہ کر سکے گا۔"

"یہ آپ کس بناء پر کہہ رہے ہیں۔"

"وہ کاغذات جنہیں تم فضول سمجھتے ہو، اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔"

"کس طرح۔"

"وہ کاغذات تھیٹر کے آرٹسٹوں میں بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھے جاتے تھے۔"

"اسی لئے ان کی آپ کی نظروں میں اتنی اہمیت ہے، وہ کاغذات جو دلچسپی کے لئے مر۔ والے کے حلقہ احباب میں علانیہ پڑھے جاتے تھے کسی بہت بڑے راز کے حامل تھے۔" حمید کا لہ طنزیہ تھا۔

"ہاں انہیں درجنوں آدمی پڑھتے اور سنتے تھے کیونکہ تحریر میں بلا کی ادبی چاشنی موجود ہے انداز طربیہ اور رومانی ہے، کہیں کہیں تو ظالم نے نثر میں شاعری کر کے رکھ دی ہے مگر ا کاغذات میں ایسے پیغامات موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ لکھنے والا اُس شخص سے واقف نہیں تھا جس کے لئے اُس نے وہ پیغامات ترتیب دیئے تھے، اسی لئے وہ کاغذات علانیہ پڑھ جاتے تھے اور ایسی جگہ رکھے رہتے تھے جہاں سے ہر ایک انہیں اٹھا کر پڑھ سکتا تھا اگر لکھنے والا شخص سے واقف ہوتا تو یہ طریقہ اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی اور یہ آدمی۔" فریدی ہوش ویٹر کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔ "میں پچھلی رات سے اس کے پیچھے ہوں اور یہ غالباً ا کاغذات کے لئے ہماری نگرانی کرتا رہا ہے، جو ہمارے پاس پہنچ چکے ہیں۔ رات میں نے کوٹھری کی تلاشی لی تھی جس میں اس کا سامان رکھا ہوا ہے۔ مجھے ناکامی نہیں ہوئی۔ وہاں سے نے دو تین ایسے ہی اوراق اور بھی برآمد کئے ہیں۔ یہ بھی پنسل ہی سے لکھے گئے ہیں اور طرز تح میں اُن کاغذات سے مختلف نہیں ہیں، جو ہمارے پاس موجود ہیں۔ ہاں تو حمید صاحب! میرا خ ہے کہ جس گروہ کے لوگ پیغام رسانی کے لئے ایسے طریقے اختیار کرتے ہوں انہیں اس ش کے متعلق کیا معلوم ہوگا، جو ان پر حکومت کرتا ہے، لہٰذا یہ آدمی اس تک ہماری رہنمائی نہ کر گا۔ پھر کیوں نہ میں اسے اپنے کام میں لاؤں۔"

"کیا مطلب.....!"

"مطلب ابھی نہ پوچھو۔ فی الحال اس پر کسی بوڑھے آدمی کا میک اپ کر دو۔ یہ ابھی ہوش ہے۔"

"مگر اس کے سر کے بال سیاہ ہیں۔"

"آنکھیں کھول کر دیکھو۔ یہ بال قطعی مصنوعی ہیں۔ یہ بھی نگار تھیٹر کے آرٹسٹوں میں

ہے۔ سر کے بال میک اپ ہی کے لئے عموماً صاف ہی رکھتا ہے۔"

"مگر انکل آپ یہ کیوں کر رہے ہیں۔" نیلم نے پوچھا۔ لیکن فریدی خاموش ہی رہا۔

اسے مارو

لوسی ہیری کے قمار خانے میں خاموش بیٹھی تھی۔ آج اس نے جوا نہیں کھیلا تھا۔ بس تفریحاً ادھر آنکلی تھی۔ وہ شاید ادھر کا رخ بھی نہ کرتی مگر اس کے پُر اسرار سیکریٹری نے گفتگو کے دوران میں کہیں یہ کہہ دیا تھا کہ وہ آج رات کا کچھ حصہ ہیری کے قمار خانے میں بھی گزار دے گا۔ لہٰذا لوسی کے ادھر آنکلنے کی محرک دراصل یہی چیز ہوئی تھی۔ وہ اس کے متعلق سوچتی اور دریائے حیرت میں غوطے کھاتی رہ جاتی۔ اُسے اپنی خواب گاہ کا مینٹل پیس یاد آرہا تھا جسے وہ عرصہ سے دیکھتی آئی تھی، مگر اس حیرت انگیز بلب کی موجودگی میں بھی وہ اس کے متعلق کچھ بھی نہیں معلوم کر سکی تھی، لیکن اس پُر اسرار نوجوان نے کتنی آسانی سے اس کا ایک نیا راز بھی دریافت کر لیا تھا۔ مگر وہ ٹیلی پرنٹر اور وہ پیغام! مگر وہ پیغام کس کے لئے تھا۔ کیا ڈیڈی کے لئے مگر ڈیڈی تو..... دنیا جانتی ہے کہ وہ کتنے دن پہلے مر چکے ہیں۔ پھر وہ پیغام کیسا۔ وہ سوچتی اور الجھتی رہی۔ پھر اس الجھن سے پیچھا چھڑانے کے لئے ہیری پر تاؤ کھانا شروع کر دیا جو کچھ ہی دیر پہلے اُسے بُرا بھلا کہہ گیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اگر وہ یہاں جوا کھیلے گی تو وہ اسے اٹھوا کر سڑک پر پھنکوا دے گا۔ وہاں بیٹھنے اور پینے پلانے پر اُسے کوئی اعتراض نہیں تھا۔ لوسی نے اس کے سامنے شراب منگوائی تھی لیکن اس نے اس کے لئے کچھ نہیں کہا تھا۔

لوسی غصے میں تپتی ہی چلی گئی اور اُسے سچ مچ اچھا خاصہ نشہ ہو گیا اور پھر جب سیکریٹری سے ملاقات ہوئی تو وہ نشے ہی میں تھی۔ اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُسے دیکھا اور پلکیں جھکا کر مسکرائی۔ سیکریٹری اس وقت بھی اسی میک اپ میں تھا جس میں آج صبح اس سے ملاقات ہوئی تھی۔

"تم آگئے خان بہادر۔" وہ جھومتی ہوئی بولی۔

"مادام پلیز..... بھلا میں ان مونچھوں میں خان بہادر کیسے معلوم ہوتا ہوں۔"

"معلوم ہوتے ہو..... بیٹھ جاؤ اور میری بات سنو۔ اگر تم نے اس پر عمل نہ کیا تو میں تمہیں

ڈس.... مس کردوں گی.... بالکل ڈس مس....!"

"کچھ کہہ کر بھی تو دیکھئے مادام.... مگر معاف کیجئے گا آپ اس وقت نشے میں ہیں۔"

"میں ہر وقت نشے میں رہتی ہوں، اس لئے معاف نہیں کروں گی۔ مارو آج ہیری کو مار وہ اُلو کا پٹھا میری توہین کرتا ہے۔"

"آپ اُسے کسی لفافے میں بند کر کے میرے حوالے کر دیجئے۔ میں گھر لے جا کر اس کو گھونٹ دوں گا۔"

"بزدل.... بکری کے بچے.... تم.... ڈس مس.... گٹ آؤٹ۔"

"اچھا سنئے.... میں ایک پھٹا پرانا جوتا ڈھونڈ لاؤں اور اسی طرح چھپ کر کہیں سے اس پھینک ماروں جیسے انڈے۔"

"انڈے کی ایسی کی تیسی... جوتے کی ایسی کی تیسی۔ تم سب کے سامنے اسے للکار کر مارو۔"

سکریٹری نے ایک طویل سانس لی اور پھر بولا۔ "اچھا.... ٹھہریئے.... میں ایک مرتبہ انتظام کر لوں۔"

"کیوں مرتبان کیا کرو گے۔"

"جب اس کے آدمی میری چٹنی بنا دیں تو آپ نہایت احتیاط سے اسے مرتبان میں رکھ گا۔ آئندہ کبھی کام آئے۔"

"اُو.... بزدل....!" لوسی دانت پیس کر بولی۔

"ٹھہریئے.... دیکھئے.... اُسے کیا ہو گیا ہے۔"

"کسے....!"

"ہیری کو....!"

ہیری اپنے آفس سے نکل کر ہال میں آیا تھا اور آفس کے دروازے کے قریب ہی چاروں طرف گھورتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ویسے اس کے چہرے پر پریشانی کے صاف پڑھے جا سکتے تھے۔

"جاؤ....!" لوسی دانت پیس کر آہستہ سے بولی۔ "مارو اُسے.... مارو.... ورنہ میں تم مار بیٹھوں گی۔ یہیں سب کے سامنے اسے ذلیل کرو۔"

"ٹھہریئے.... دیکھئے.... وہ اسی طرف آ رہا ہے۔" سکریٹری نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

ہیری اُن کی میز کے قریب پہنچ کر رک گیا تھا۔ لوسی نے بھی اُسے محسوس کر لیا۔ وہ سکریٹری کو گھور رہا تھا۔

"یہ کون ہے بے بی۔" اُس نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"یہ....!" لوسی دانت پیس کر بولی۔ "میرا سکریٹری ہے۔ میں اس سے کہہ رہی تھی....!"

"جی ہاں جناب.... میں نے عرض کیا۔" سکریٹری جلدی سے بول پڑا۔ "تشریف رکھئے نا....!"

"او بدتمیز....!" لوسی غرائی۔ "تم خاموش رہو۔ مجھے گفتگو کرنے دو۔"

"یہ بہت زیادہ نشے میں ہیں جناب۔" سکریٹری پھر بولا۔

"اُلو کے پٹھے.... تم خاموش نہیں رہو گے۔ مارو.... میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ مارو۔"

"بے بی! اس طرح شور مت مچاؤ ورنہ مجبوراً مجھے تم کو گھر بھجوانا پڑے گا۔"

"ارے تمہاری حقیقت کیا ہے۔" لوسی تن کر کھڑی ہو گئی۔ "میں تمہیں اپنے سکریٹری سے پٹواؤں گی۔ وہ آج تم پر انڈے کی بجائے پھٹا پرانا۔"

"مادام.... مادام.... خدا کے لئے خاموش رہئے۔ آپ اتنے بڑے آدمی کی توہین کر رہی ہیں۔" سکریٹری تقریباً رو کر بولا۔

"مادام کے بچے مارو اسے۔"

"لے جاؤ! اسے فوراً یہاں سے لے جاؤ۔" ہیری نے سکریٹری کو جھنجھوڑ کر کہا۔

"میرے سکریٹری کو کیوں جھنجھوڑتا ہے اُلو کے پٹھے۔" لوسی چیخی۔

دفعتاً ہیری نے الٹا ہاتھ اسکے منہ پر رسید کر دیا اور وہ کرسی سمیت دوسری طرف الٹ گئی۔

"یہ آپ نے کیا کیا۔" سکریٹری لوسی کی طرف جھپٹتا ہوا بولا۔ اب اُسے بھی غصہ آ گیا تھا۔ لوسی خود ہی اٹھ کر کھڑی ہوئی تھی اور اس کا نشہ ہرن ہو گیا تھا۔

"تم اندھے ہو۔" سکریٹری غرایا۔ "کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتا کہ مادام نشے میں ہیں۔"

"نشے کے بچے اب تم دونوں چپ چاپ کھسک جاؤ، ورنہ یہاں سے زندہ نہ جا سکو گے۔"

"ہیری.... اب میں تمہیں ضرور ماروں گا۔"

"کیا....!" ہیری حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

"میں تمہیں ماروں گا.... تم نے مادام کی توہین کی ہے۔"

ہیری اس پر جھپٹ پڑا، لیکن سیکریٹری نے بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ کر چھلتی لگادی۔ ہیری اچھل کر منہ کے بل دور جا پڑا۔ پھر سیکریٹری نے اسے اٹھنے کا موقع نہیں دیا۔ دوسرے لمحے میں وہ اس کی پشت پر کھڑا تھا۔ دو تین بار وہ اس پر اچھلا اور پھر دروازے کی طرف چھلانگ لگائی۔ ساتھ ہی اس کے ریوالور سے ایک شعلہ بھی نکلا۔ گولی ہال کے ایک بلب پر پڑی اور تاریک ہو گیا۔

شور و غل کا کیا پوچھنا۔ بالکل ایسا معلوم ہوا جیسے یا تو زمین پھٹ گئی ہو یا آسمان ٹوٹ پڑا۔ اندھیرے میں لوگ ایک دوسرے سے ٹکرا کر چیخ رہے تھے۔

ان غیر متوقع قسم کے ذہنی جھٹکوں کی بناء پر لوسی کا نشہ بالکل ہی زائل ہو چکا تھا۔ اس سوچا اگر ہیری کے آدمیوں نے دروازے بند کر دیئے تو شامت ہی آجائے گی۔ وہ جانتی تھی اس موقع پر ہیری کو کیپٹن کریگ سے اپنی دوستی ہرگز نہ یاد آئے گی۔ وہ اس قسم کا آدمی تھا جھلاہٹ میں اپنے باپ کو بھی قتل کر سکتا تھا۔

"اے.... وہ کتیا لوسی یہیں ہے۔" اس نے اندھیرے میں ہیری کی غراہٹ سنی اور ٹھنڈا پسینہ اس کے جسم سے پھوٹ نکلا۔ لیکن اس موقع پر بھی اُس نے حاضر دماغی ہی کا ثبوت دیا۔ اُسے یاد آیا کہ بائیں جانب سرے پر دیوار سے لگا ہوا عمارت کا عقبی پھاٹک ہے، جسے لوہے سلاخوں کے جال سے مسدود کر دیا گیا ہے لیکن جال زمین سے تقریباً نو یا دس انچ اونچا ہے۔

وہ بہت تیزی سے دیوار تک پہنچی اور اسی کے سہارے آگے بڑھتی رہی۔ اس بھگدڑ میں تک کہیں ٹارچ کی روشنی بھی نہیں نظر آئی تھی۔

وہ سلاخوں والے پھاٹک تک پہنچ گئی اور پھر اُسے زمین پر لیٹ کر اس کے نیچے سے نکلنے کوئی دشواری نہیں پیش آئی۔

گلی بھی تاریک پڑی تھی لیکن اس نے سڑک کا رخ کرنے کی بجائے گلیوں ہی میں مناسب سمجھا۔ اُسے خود پر غصہ آرہا تھا۔ آخر اس نے وہاں اتنی زیادہ پی کیوں تھی۔ اگر پی ذہن کو قابو میں رکھتی۔

اس کے لئے یہ پہلا موقع تھا جب وہ اس طرح بہک گئی تھی۔ اُسے ہیری کا تھپڑ یاد آیا اور وہ آگ ہو گئی۔

کچھ دیر بعد اُس نے محسوس کیا کہ وہ گلیوں کے جال میں الجھتی ہی جا رہی ہے جس گلی میں بھی اس توقع پر مڑتی کہ وہ اسے سڑک تک لے جائیگی اس کا اختتام کسی دوسری گلی پر ہوتا، اسے پھر دائیں یا بائیں مڑنا پڑتا۔ اُسے کبھی شہر کی گلیوں میں بھٹکنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ وہ خائف بھی تھی اور الجھن میں بھی مبتلا ہو گئی تھی۔

مگر اُسے بچ کر نکل آنے پر اتنا اطمینان تھا کہ اس نے اپنے پیچھے قدموں کی آواز بھی نہیں سنی تھی حالانکہ کوئی اس کا تعاقب اُسی وقت سے کرتا رہا تھا جب وہ سلاخوں کے جال کے نیچے سے نکل کر گلی میں آئی تھی۔

اچانک ایک بار اس کا ذہن ان آوازوں کی طرف متوجہ ہو گیا اور پھر اُسے خیال آیا کہ وہ تو قدموں کی آوازیں شاید بہت دیر سے سن رہی ہے۔

غیر ارادی طور پر اس نے مڑ کر دیکھا اور ٹھٹک گئی۔ وہ اتنی بھی دلیر نہیں تھی کہ اس آدمی کو دیکھ کر وہ چونک نہ پڑتی۔ کیونکہ وہ ان گلیوں اور شکستہ مکانات کا باشندہ نہیں معلوم ہوتا تھا اور میونسپلٹی کی لالٹین کی دھندلی روشنی میں بھی اُس کا سیاہ سوٹ صاف نظر آرہا تھا۔

لوسی ٹھٹکی ہی تھی کہ آنے والے کی رفتار کچھ اور تیز ہو گئی اور پھر وہ اس کے قریب آکر رک ہی گیا۔ اُسی نے پیشانی پر جھکا ہوا فلٹ اوپر اٹھایا اور لوسی ایک تحیر زدہ سی آواز کے ساتھ دو چار قدم پیچھے ہٹ گئی۔

یہ کرنل فریدی تھا اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی لیکن آنکھیں چونکہ پھر فلٹ ہیٹ کے گوشے کی چھاؤں میں آگئی تھیں اس لئے لوسی اندازہ نہ کر پائی کہ اس مسکراہٹ کا مقصد کیا تھا۔ وہ مسکراہٹ اس کی بے بسی پر مسرت کا اظہار تھی یا اس مسکراہٹ میں طنز تھا۔ بہر حال کچھ بھی ہو زیادہ دیر تک اس مسئلے پر غور نہیں کیا جا سکتا تھا۔

"چلتی رہئے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ آپ ان گلیوں سے ناواقف ہیں۔"

"جی.... جج.... جی ہاں....!" لوسی ہکلائی۔

"میرے لئے بھی یہ گلیاں نئی ہیں، مگر میرا خیال ہے کہ اگر ہم بائیں جانب والی گلی میں چلتے

رہیں تو شاید سڑک تک پہنچ جائیں۔"

"میں اتفاقاً ادھر سے گذرا تھا۔ آپ کو اس طرح باہر آتے دیکھا تو خواہ مخواہ حقیقت معلو کرنے کو دل چاہا۔"

"میری ذات سے وہاں فساد ہو گیا تھا۔ میں نشے میں تھی۔ میں نے ہیری کو بُرا بھلا کہا۔ بھی زیادتی پر آمادہ ہو گیا۔ اس لئے میرے سیکریٹری نے اس کی پٹائی کر دی۔ وہ تنہا تھا اس لئے اس کے بعد وہاں نہیں رکا۔"

لوسی نے کرنل کو بتایا کہ کس طرح وہ نکل جانے میں کامیاب ہو گیا ہو گا اور کس طرح خو اس نے اپنی جان بچائی تھی۔

"مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔" فریدی نے کہا۔ لیکن لوسی نے اس کے لہجے کے طنزیہ انداز کو سمجھنے میں دیر نہیں لگائی۔

وہ کچھ دور تک خاموشی سے چلتے رہے پھر لوسی بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "آپ میرے ڈیڈی کی موت کے متعلق تفتیش کر رہے ہیں۔"

"جی ہاں....!"

"مگر ان کا ہارٹ فیلیور ہوا تھا۔"

"ٹھیک ہے ہارٹ فیلیور کی بہتیری وجوہات ہو سکتی ہیں۔ بہتیرے زہر ایسے ہیں جن کی شناخت ناممکن ہے اور اُن کا ردِ عمل بھی ہارٹ فیلیور ہی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔"

"ہاں جناب۔ میں جانتی ہوں۔ ڈیڈی کبھی اتنی زیادہ نہیں پیتے تھے کہ شراب کی مقدار دل پر بُرا اثر ڈال سکے۔"

"میں سام کریگ سے بہت اچھی طرح واقف ہوں۔"

"آپ کیوں نہ جانیں گے۔" لوسی ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

"کیا کریگ نے حال میں کوئی شرکت کا بزنس کیا تھا۔ میں آپ سے یہ سوال دوسری بار کر رہا ہوں۔"

"میں ہر بار یہی عرض کروں گی کہ مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ وہ مجھ سے کبھی اپنے کاروبار کے متعلق گفتگو نہیں کرتے تھے۔"

"ہوں کیپٹن کریگ ایک اچھا انجینئر بھی تھا.... کیوں؟"

"افسوس کہ وہ بہت کچھ تھے، لیکن انہوں نے مجھے کچھ بھی نہ دیا۔"

"کیوں.... اُس کی وارث تو آپ ہی ہیں۔"

"جی ہاں، مجھے خجالت اور شرمندگی ورثے میں ملی ہے۔"

"خیر چھوڑیئے.... ہاں تو.... ہیری سے بگاڑ پیدا کرنے کا نتیجہ تو جانتی ہی ہوں گی۔"

"میں جانتی ہوں کہ آج کی رات میرے لئے خطرہ سے خالی نہیں ہے۔"

"ایسا بھی کیا۔" فریدی نرم لہجے میں بولا۔ "اب آپ کو تنہا چھوڑنا موت کے منہ میں دھکیلنے کے مترادف ہو گا۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"مطلب یہ ہے کہ آپ کی حفاظت کا انتظام کیا جائے گا۔ آپ مجھے ایک رپورٹ ہیری کے خلاف لکھ کر دے دیجئے۔ پھر میں سب کچھ سمجھ لوں گا۔"

لوسی کچھ نہ بولی پھر تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "میری کار وہیں رہ گئی ہے۔"

"اس کی فکر بھی مت کیجئے۔ وہ بھی آپ تک پہنچ جائے گی۔"

"میں ایک بُرے آدمی کی لڑکی ہوں۔ آخر آپ اتنی مہربانی سے کیوں پیش آ رہے ہیں۔"

"بُرے آدمی کی لڑکی ہونا بُرا نہیں ہے، لیکن اگر بُرے آدمی کی لڑکی بھی بُری بننے کی کوشش کرے تو وہ اس بُرے آدمی سے بھی زیادہ بُری سمجھی جائے گی۔"

"اور میں حقیقتاً بُری بننے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

"یہ آپ جانئے.... مجھے کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ میں اس مسئلہ پر آپ کو کوئی رائے دے سکوں۔"

سب کچھ غائب

لوسی کچھ نہیں بولی۔ اب وہ پھر شراب کی ضرورت محسوس کر رہی تھی، نہ جانے کیوں بڑی سے گفتگو کرتے وقت اُس کی زبان لڑکھڑانے لگتی تھی اور وہ سوچ رہی تھی کہ وہسکی کا ایک

بڑا پگ اس کمزوری پر قابو پانے میں مدد دے سکتا ہے۔

"ظاہر ہے کہ رپورٹ کے لئے مجھے آپ کے گھر تک چلنا پڑے گا۔"

"جج.... جی ہاں.... مگر آپ اتنی تکلیف کریں گے۔"

"ہاں.... یہ میرے فرائض میں داخل ہے۔"

لوسی پھر خاموش ہوگئی۔ پہلے تو اُسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے فریدی بات بات پر اس پر طنز کر رہا ہو لیکن پھر اسے اپنی غلط فہمی پر افسوس ہوا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے ذہن میں بیٹھے ہوئے چور ہی نے اُسے یہ سوچنے پر مجبور کیا ہو۔

کچھ دیر بعد وہ ایک سڑک پر پہنچ گئے اور لوسی کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ اپنی کوٹھی سے زیادہ دور نہیں ہے۔

"ہاں.... آپ نے اپنے کسی سیکریٹری کا تذکرہ کیا تھا۔" فریدی بولا۔ "وہ کہاں ہے۔"

"پتہ نہیں.... میں نہیں کہہ سکتی کہ وہ نکل گیا یا وہیں پھنس گیا۔"

"یقیناً بڑے دل گردے کا آدمی ہوگا۔" فریدی نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ ہیری کے قمار خانے میں کسی قسم کا ہنگامہ برپا کرنا آسان کام نہیں ہے۔"

"وہ ایک پُراسرار آدمی ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"وہ عجیب و غریب حالات میں مجھ سے ملا تھا۔" لوسی نے کہا اور سیکریٹری کی داستان چھیڑ دی۔ وہ کس طرح اُس سے ہیری کے قمار خانے ہی میں ملا تھا اور کس طرح اس نے وہاں ہنگامہ برپا کر کے ایک بڑی رقم اڑا لی تھی۔

جب وہ خاموش ہوئی تو فریدی نے کہا۔ "مجھے حیرت ہے کہ آپ نے اُس پر کیسے اعتماد کر لیا۔"

"وہ سارے روپے اب بھی میرے ہی پاس موجود ہیں اور وہ برابر تقاضہ کرتا رہتا ہے کہ بقیہ روپے ہیری کو واپس بھجوا دیئے جائیں۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ اکثر فراڈ قسم کے لوگ اس سے بھی زیادہ بڑی قربانیاں پیش کرتے ہیں۔"

"اب جو کچھ بھی ہو۔ پتہ نہیں کیوں میرے دل نے کہا تھا کہ اس پر اعتماد کر لو۔" وہ کوٹھی

داخل ہوئے۔ نشست کے کمرے میں فریدی کو بٹھا کر لوسی اپنی خواب گاہ میں آئی۔ یہاں بڑی موجود تھا۔

"اوہ.... تم.... پہنچ گئے.... مگر تمہاری مونچھیں۔"

"وہ وہیں رہ گئیں۔" سیکریٹری نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"مگر یہ کیا گدھا پن ہے۔ تم میری خواب گاہ میں کیوں چلے آتے ہو۔"

"خواب گاہ میں اس لئے آتا ہوں مادام کہ ممکن ہے کوئی نئی چیز ہاتھ آئے، اب دیکھئے نا آپ وہ بلب اور ہندسوں کی پلیٹ ہی دیکھا کرتی تھیں اور میں نے ایک ٹیلی پرنٹر بھی دریافت ہو سکتا ہے کہ اسی طرح میں وہاں بھی جا پہنچوں جہاں سے یہ بلب روشن ہوتا ہے۔"

"مگر کرنل فریدی کا خیال ہے کہ تم فراڈ ہو۔"

"کیا مطلب....!" سیکریٹری یک بیک چونک پڑا۔ "وہ میرے متعلق کیا جانے۔"

"میں نے بتایا تھا۔"

"یہ آپ نے اچھا نہیں کیا مادام۔ خیر اب آپ مجھے فوراً ڈس مس کر دیجئے تاکہ میں آپ ہاتھ کسی قسم کا فراڈ نہ کر سکوں۔"

"مگر میں نے تو نہیں کہا کہ تم فراڈ ہو۔" لوسی مسکرائی۔

"آپ بھی کہنے لگیں گی۔"

وسی کچھ نہ بولی۔ اُس نے میز پر سے رائٹنگ پیڈ اور فاؤنٹین پن اٹھائے۔

"کرنل فریدی اسٹڈی میں موجود ہے۔" اُس نے کہا۔ "میں اُسے ہیری کے خلاف ایک ٹ دینے جا رہی ہوں۔"

"یہ اس وقت کہاں سے ٹپک پڑا۔" سیکریٹری بوکھلا کر بولا۔

وسی نے اُسے اس کے متعلق بتاتے ہوئے کہا۔ "میں سوچتی ہوں کیوں نہ اُسے اس بلب اور نٹر کے متعلق بتا دوں۔"

"آپ مجھ سے زیادہ عقلمند ہیں۔" سیکریٹری نے اپنے شانوں کو جنبش دے کر لاپروائی سے جیسا آپ کا دل چاہے۔"

"تم بھی چلو.... میں تمہیں اس سے ملاؤں گی۔ اتنا شریف آدمی آج تک میری نظروں

سے نہیں نہیں گذرا۔"

"میں قطعی نہیں ملنا چاہتا۔ روز ایسے سینکڑوں شریف آدمی میری نظروں سے گذرتے رہتے ہیں۔"

"تب تو میں یہی سمجھوں گی کہ تم سچ مچ فراڈ ہو۔"

"مجھے فوراً ڈس مس کیجئے.... میں جارہا ہوں۔"

"ڈس مس کے بغیر بھی تم جاسکتے ہو۔" لوسی نے غصیلے لہجے میں کہا اور پیر پٹختی ہوئی خواب گاہ سے نکل آئی۔

خواب گاہ میں جاتے وقت وہ ایک ملازم سے کہتی گئی تھی کہ اسٹڈی میں وہسکی اور سوڈا پہنچا دیئے جائیں۔ اسٹڈی میں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ بوتل اور گلاس جوں کے توں رکھے ہوئے ہیں۔

"ارے آپ یونہی بیٹھے ہوئے ہیں، جناب!" لوسی نے حیرت سے کہا۔ "یہ خانہ بے تکلف ہے۔"

"مگر میں شراب نہیں پیتا۔"

"نہیں....!" اس بار لوسی کے لہجے میں حقیقتاً حیرت تھی۔

"جی ہاں.... میں نہیں پیتا۔"

"ارے تفریحاً تو کبھی کبھی پیتے ہی ہوں گے۔"

"کبھی نہیں.... اگر آپ رپورٹ لکھنے میں جلدی کریں تو بہتر ہے۔"

"اوہ.... اچھا.... مگر مجھے معاف کیجئے گا میں شراب کے بغیر ایک سطر بھی نہ لکھ سکوں گی۔"

"آپ پی سکتی ہیں۔"

"شکریہ۔"

لوسی نے گلاس میں وہسکی انڈیلی، سائیفن سے سوڈا لیا اور دو تین چسکیاں لینے کے بعد قلم سنبھالتی ہوئی بولی۔

"کیا لکھ دوں۔"

"جو آپ کا دل چاہے اگر میں کہیں ضرورت سمجھوں گا تو آپ کو رائے دے دوں گا۔"

لوسی لکھنے بیٹھ گئی۔ فریدی غور سے اس کے چہرے کا اتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا اور لوسی لکھتے ہا

اس کا قلم تیزی سے کاغذ پر چل رہا تھا کبھی کبھی وہ ایک چسکی کے لئے رک بھی جاتی تھی۔

دیر بعد اس نے رائیٹنگ پیڈ فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

فریدی اُسے پڑھتا رہا۔ اس کے بعد اس نے رائیٹنگ پیڈ اپنے زانوؤں پر رکھتے ہوئے ایک سانس لی اور پھر بولا۔ "کیا یہ حقیقت ہے کہ کوئی گمنام آدمی آپ کو فون پر کوٹھی چھوڑ دینے کی دھمکی دیتا رہا ہے۔"

"جی.... جج.... دیکھئے۔" لوسی پھر ہکلائی، لیکن اس بار اس نے پورا گلاس حلق میں انڈیل لیا کے طور پر اُسے بُرے بُرے منہ ضرور بنانے پڑے، لیکن تھوڑی دیر بعد وہ محسوس کرنے لگی اور کہ اب وہ بے جھجکھو کر فریدی سے گفتگو کر سکے گی۔

"کیا کوئی گمنام آدمی حقیقتاً آپ کو دھمکیاں دیتا رہا ہے۔"

"جی ہاں....!"

"لیکن آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا تھا۔"

"میں بھول گئی تھی۔"

"کیا آپ کو شبہ ہے کہ وہ گمنام آدمی ہیری ہی ہوگا۔"

"قطعی نہیں.... ہیری کو کیا پڑی ہے۔ یہ تو میں نے اپنی رپورٹ میں زور پیدا کرنے کے لئے دیا ہے۔"

"ہیری سے کریگ کے کیسے تعلقات تھے۔"

"میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتی۔ ویسے ہیری کہتا ہے کہ ڈیڈی اس کے دوست تھے۔"

"اسی لئے وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ آپ اس کے قمار خانے میں جائیں۔"

"جی ہاں۔"

"کبھی ان دونوں نے شرکت میں کوئی بزنس کیا تھا۔"

"میں پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ ڈیڈی مجھ سے اپنے بزنس کی باتیں نہیں کرتے تھے۔"

"اچھی بات ہے، میں دیکھوں گا لیکن.... آخر کوئی آپ سے عمارت کیوں خالی کرانا چاہتا ہے۔"

"م.... میں.... نہیں سمجھ سکتی۔" وہ پھر ہکلانے لگی اور اس نے دوسرا گلاس لبریز کیا۔

فریدی غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"آپ کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی ہیں۔" اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ لوسی دوسرا گلاس خالی کر چکی تھی۔

"نہیں تو.... میں کچھ بھی نہیں چھپا رہی ہوں۔"

"اچھا کیا.... آپ مجھے اس عمارت کو دیکھنے کی اجازت دیں گی۔"

"کیوں؟"

"بس یونہی.... ممکن ہے کہ اس سے پہلے ہی آپ کے والدین کی موت پر کچھ پڑ سکے۔"

"میں آپ کو اس کی اجازت نہیں دے سکتی۔" لوسی نے کہا۔ "اُسے یاد آ گیا تھا کہ سیکر شروع ہی سے اس کی مخالفت کرتا رہا ہے۔ اگر سیکریٹری کا خیال نہ ہوتا تو وہ فریدی کو اجازت دے دیتی۔"

"دیکھئے اس کی ایک دوسری صورت بھی ہے کہ میں عدالت سے تلاشی کا وارنٹ کرلوں۔"

"آپ یہ کریں گے۔"

"مجبوراً.... ورنہ میں خواہ مخواہ دوسروں کو پریشان کرنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"میں نے آپ سے کب کہا تھا کہ میری مدد کیجئے۔"

"میں افراد کی نہیں بلکہ قانون کی مدد کرنے کے لئے اس عہدے پر فائز کیا گیا ہوں۔"

"قانون کو میری کوٹھی سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔"

"وہی جو کسی نامعلوم آدمی کو ہو سکتی ہے۔"

"کسی نے بھی مجھے دھمکی نہیں دی تھی۔ میں اس وقت نشے میں ہوں۔"

"آپ نشے میں ہرگز نہیں ہیں۔ آپ کو نشے کے معاملے میں خود پر قابو حاصل ہے۔"

"کچھ بھی ہو.... میں آپ کو کوٹھی کی تلاشی ہرگز نہیں لینے دوں گی۔"

"خیر ٹالئے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور قدرے توقف کے ساتھ بولا۔ "چلئے فون کر کے یہاں کے لئے کم از کم تین مسلح کانسٹیبل کو بلوا ہی لوں۔"

"شکریہ۔"

فون وہیں اسٹڈی میں تھا۔ فریدی نے کوتوالی کے نمبر ڈائیل کئے اور فوری طور پر تین مسلح کانسٹیبل طلب کر لئے۔ پھر وہ اس وقت تک وہیں بیٹھا رہا۔ جب تک کہ تین مسلح کانسٹیبل وہاں نہ پہنچ گئے۔ اس کے بعد وہ بڑے شریفانہ انداز میں رخصت ہو گیا۔

لوسی اپنی خواب گاہ میں واپس آئی ہی تھی کہ اس کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی۔ کمرے کے سامنے والی دیوار سے مینٹل پیس غائب تھا اور دیوار بالکل سپاٹ پڑی تھی وہ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ شاید اسے شبہ ہوا تھا کہ وہ کسی دوسرے کمرے میں آ گئی ہے مگر وہ سو فیصدی وہی کمرہ تھا جس کے مینٹل پیس کے ایک گوشے پر سرخ رنگ کا بلب نظر آیا کرتا تھا۔ مگر مینٹل پیس؟ وہ کہاں؟ اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ کانپتے ہوئے قدموں سے آگے بڑھی اور دیوار کا جائزہ لینے لگی۔ کہیں ہلکا سا نشان بھی نہیں دکھائی دیا جیسے اس دیوار پر کبھی مینٹل پیس رہا ہی نہ ہو۔ وہ کچھ ایسے خوفزدہ انداز میں کمرے سے نکل کر بھاگی جیسے سچ مچ وہاں کوئی بھوت نظر آ گیا ہو۔

حیرت

وہ اسی طرح دوڑتی ہوئی زینوں تک آئی مگر پھر رک گئی۔ اس کا چہرہ پسینے کی ننھی ننھی بوندوں سے ڈھکا ہوا تھا اور سانس نتھنوں سے اس طرح خارج ہو رہی تھی، جیسے نتھنے معمول سے کچھ پھٹے ہو گئے ہوں۔ دل کی دھڑکن سر میں ٹھوکریں مار رہی تھی۔ اس نے اپنے خشک ہوئے حلق میں نیچے تھوک اتارنا چاہا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔

پھر آہستہ آہستہ وہ خود پر قابو پاتی گئی۔ رومال سے چہرے کا پسینہ خشک کیا۔ بلاؤز سے سگریٹ کیس نکال کر ایک سگریٹ سلگایا اور جہاں تھی وہیں کھڑی رہی۔

اُسے فریدی کا جملہ یاد آیا۔ اس نے کہا تھا کہ سام کریگ ایک اچھا انجینئر بھی تھا تو کیا یہ ممکن ہے کہ ڈیڈی نے اس عمارت پر اپنی مہارت صرف کی ہو۔ مگر کیوں؟ مقصد؟ لیکن آج سے پہلے اُسے اس بات کا علم نہیں تھا کہ ڈیڈی انجینئر بھی تھے، آخر اس عمارت سے کون سا راز وابستہ ہے۔ ڈیڈی اس دنیا میں نہیں ہیں، لیکن خواب گاہ کی دیوار میں پوشیدہ ٹیلی پرنٹر پر اب بھی پیغامات وصول ہوتے ہیں۔ یہ بھی ناممکن ہے کہ وہ پیغامات ڈیڈی کے لئے نہ ہوں، مگر کیا پیغام بھیجنے

والے کو ان کی موت کا علم نہیں ہے، مگر یہ کیسے ممکن ہے۔ ڈیڈی تو بہت مشہور آدمی تھے۔ ان کی موت کی خبر سارے ملک کے اخبارات میں شائع ہوئی تھی.... لہٰذا وہ پیغام یا تو کسی دوسرے ملک سے موصول ہوا تھا.... یا پھر.... لیکن اس کے علاوہ اور کوئی خاص بات نہیں ہو سکتی۔ یقیناً پیغام کسی دوسرے ملک سے آیا تھا مگر اس کا مطلب کیا تھا۔ پیغام یہی تو تھا کہ تشویش غلط تھی؟ کسی چیز میں سر مو فرق نہیں ہے۔ تین ہزار دو سو عدد کون سی بلائیں ہیں، جو نکالی گئی ہیں۔

لوسی سوچتی رہی اور سگریٹ کے کش پر کش لیتی رہی۔ وہ خیالات میں اس طرح کھوئی ہوئی تھی کہ اسی جگہ جم کر رہ گئی۔ دفعتاً اس نے خواب گاہ کے دروازے پر سے ہلکے دھوئیں کے مرغولے سے نکلتے دیکھے۔ ایک بار پھر اس کا دل بہت زور سے دھڑکا مگر پھر اس طرح ساکت ہو گیا جیسے ڈوبتے کو کنارہ مل گیا ہو کیونکہ خواب گاہ سے سیکریٹری برآمد ہوا تھا اور اس کے ہونٹوں میں سگریٹ دبا ہوا تھا۔

لوسی اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر اُسے گھورنے لگی۔

"اوہ.... مادام....!" وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔

"تم کہاں تھے!" لوسی نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"پچھلی کھڑکی سے نیچے گیا تھا۔"

"مجھے آمد و رفت کا یہ طریقہ بالکل پسند نہیں ہے۔"

آپ دیکھ رہی ہیں محترمہ کہ میں اپنی مونچھیں ہیری کے قمار خانے میں چھوڑ آیا ہوں، اور مجھے نوکروں سے چھپ کر یہاں آنا پڑا تھا۔ میں اپنی اصلی شکل میں اب آپ کے علاوہ اور کسی کے سامنے نہیں آنا چاہتا۔

لوسی چند لمحے اُسے گھورتی رہی پھر بولی "چلو.... کمرے میں.... واپس چلو۔"

"چلئے مادام....!" وہ مؤدبانہ انداز میں ایک طرف ہٹ کر اسے راستہ دیتا ہوا بولا۔

لوسی آگے بڑھی اور وہ اس کے پیچھے کمرے میں داخل ہوا۔

لوسی تیر کی طرح مینٹل پیس کی طرف گئی۔ مینٹل پیس دیوار ہی پر موجود تھا۔ وہ سیکریٹری کی طرف مڑی۔

"تم جھوٹے ہو۔" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"میں اپنے لئے یہ جملہ پہلی بار سن رہا ہوں۔"

"اگر تم نے ذرہ برابر بھی جھوٹ بولا تو بُری طرح خبر لوں گی۔ بتاؤ تم کہاں تھے۔"

"میں نیچے تھا محترمہ....!"

"جب تم نیچے گئے تھے تو یہ مینٹل پیس کہاں تھا۔"

"کیا....؟" سیکریٹری آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "مینٹل پیس کہاں تھا۔" وہ اُسے اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے لوسی کا دماغ چل گیا ہو۔

"ہاں مینٹل پیس، میں ابھی کچھ دیر پہلے یہاں آئی تھی تو یہ موجود نہیں تھا۔"

"آپ کو یقین ہے کہ آپ نے اچھی طرح دیکھا تھا۔"

"مجھے یقین ہے۔"

"تب تو محترمہ مجھے فوراً ڈس مس کر دیجئے۔ میں اب اس عمارت میں قدم نہیں رکھوں گا۔ میں خواہ مخواہ کس جنجال میں پھنس گیا۔ نہیں مجھ سے آپ کی ملازمت نہیں ہو سکے گی۔"

"تم فراڈ ہو۔"

"یہ آپ پہلے بھی کہہ چکی ہیں۔"

"تم وہی آدمی ہو جو مجھے اکثر فون پر کو بھی خالی کر دینے کا مشورہ دیتا رہا ہے۔"

"یہ دوسری ہوئی.... میں تو بے موت مر گیا محترمہ۔"

"بتاؤ.... تم کون ہو۔"

"میں آپ کا پرائیویٹ سیکریٹری ہوں محترمہ۔"

"میں تمہیں ابھی پولیس کے سپرد کئے دیتی ہوں۔"

"لیکن اس سے پہلے آپ کو مجھے ڈس مس کرنا پڑے گا اور جب میں آپ کا ملازم نہ رہوں گا تو پھر مجھے آپ کا گلا گھونٹ دینے سے کون روک سکے گا۔"

"میرا وقت برباد نہ کرو۔" لوسی نے خشک لہجے میں کہا۔ "میں تمہیں صرف پانچ منٹ دیتی ہوں، نیچے تین مسلح کانسٹیبل موجود ہیں جنہیں کرنل فریدی میری حفاظت کے لئے چھوڑ کر گیا ہے۔"

"میں یقین نہیں کر سکتا۔"

"ٹھہرو.... میں انہیں یہیں بلوائے لیتی ہوں۔" لوسی نے گھنٹی کے بٹن کی طرف ہا
بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میری بھی تو سنئے۔" سیکریٹری اس کے اور میز کے درمیان آتا ہوا بولا۔ "آپ نے ا
نہیں کیا، جو کانسٹیبلوں کو یہاں بلوایا ہے.... آپ پچھتائیں گی۔"

"تمہاری بلا سے۔ ہٹو ایک طرف۔" لوسی نے جھلا کر کہا لیکن سیکریٹری جہاں تھا وہیں رہا
اس طرح اس نے اُسے گھنٹی کا بٹن دبانے سے روک دیا۔

"آپ کا موڈ بہت زیادہ خراب معلوم ہوتا ہے کیا میں آپ کے لئے وہسکی انڈیلوں۔"

"نہیں.... بس تم سامنے سے ہٹ جاؤ۔ میں کانسٹیبل کو یہاں بلانا چاہتی ہوں۔"

"ضرور بلایئے۔" سیکریٹری نے لاپروائی سے کہا اور ایک طرف ہٹ گیا۔ مگر لوسی کا ہاتھ
اس کے باوجود بھی گھنٹی کے بٹن تک نہ پہنچ سکا۔

"چلئے! دبایئے نا بٹن۔ میں اب آپ سے رحم کی بھیک نہ مانگوں گا۔"

لوسی نے ہاتھ کھینچ لیا۔

"ہاں.... بولئے.... پھر آپ کیا کہتی ہیں۔ مجھے ڈس مس کریں گی یا نہیں۔"

"نہیں.!" لوسی کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "جہنم میں جاؤ۔"

"حقیقتاً وہ جہنم ہی تھا.... کتنی گرمی تھی۔ میرے خدا۔"

"کہاں....!"

"جہنم میں.... اور جہنم اسی کمرے کے نیچے ہے میں نیچے گیا تھا محترمہ.... یقین کیجئے۔"
سیکریٹری مسکرا رہا تھا۔

"کیا مطلب....!"

"اس کمرے کے نیچے.... کیا آپ میرے ساتھ چلیں گی۔"

"بکواس مت کرو.... ٹھیک ٹھیک بتاؤ کیا کر رہے ہو۔"

"آپ اُدھر منہ کر کے کھڑی ہو جایئے۔" سیکریٹری نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہ مینٹل پیس ابھی پل بھر میں غائب ہو جائے گا۔"

لوسی غیر ارادی طور پر دوسری طرف مڑ گئی، ساتھ ہی اس نے ایک ہلکا سا کھٹکا سنا۔

"دیکھئے.... ادھر دیکھئے....!" سیکریٹری نے کہا۔

لوسی مضطربانہ انداز میں مڑی۔ مینٹل پیس سچ مچ غائب تھا۔

"اور اب اپنی مسہری کے نیچے جھانکئے۔"

مسہری کے نیچے تقریباً چار فٹ لمبی اور تین فٹ چوڑی خلاء فرش پر نظر آنے لگی تھی۔ یہ
تاریک نہیں تھی بلکہ اس میں ہلکی سی روشنی بھی موجود تھی۔

"اب دیکھئے میں نیچے جا رہا ہوں۔ آپ کا دل چاہے تو آپ بھی آیئے۔ بڑی صاف ستھری
جگہ ہے۔ مگر گرمی خدا کی پناہ...." سیکریٹری نے کہا اور مسہری کے نیچے رینگ گیا۔ لوسی
دروازے کی طرف جھپٹی۔ دروازہ بند کرنے کے بعد اس نے عقبی کھڑکی بھی بند کی اور مسہری
کے نیچے رینگ گئی۔

خلاء اب اچھی طرح روشن ہو گئی تھی اور لوسی کو زینے صاف نظر آ رہے تھے، جو نہ معلوم
کتنی گہرائی میں چلے گئے تھے۔

"سیکریٹری....!" اس نے آواز دی۔

"آ جایئے.... آ جایئے۔" نیچے سے ایسی ہی آواز آئی جیسے کوئی کنوئیں میں بول رہا ہو۔

لوسی زینوں پر اتر گئی۔ پھر بائیس سیڑھیاں طے کرنے کے بعد اس کے پیر فرش سے لگے۔
وہ ایک کافی کشادہ تہہ خانے میں تھی اور سیکریٹری اُس کے قریب ہی کھڑا کہہ رہا تھا۔

"کیا میں نے جھوٹ کہا تھا مادام....!"

"مگر تم نے یہ راستہ کیسے بنایا۔"

"یہ اس وقت بتاؤں گا جب آپ مجھے پہلی تنخواہ دیں گی۔"

لوسی کچھ نہ بولی۔ وہ تحیر آمیز نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا
جیسے اس تہہ خانے کی دیواریں ہارڈ بورڈ سے بنائی گئی ہوں۔

فرش صاف ستھرا تھا۔ دیواروں پر مکڑیوں کے جالے نہیں تھے اور نہ یہاں ایسی بدبو ہی
محسوس ہو رہی تھی جیسے عموماً تہہ خانوں میں گونجا کرتی ہے۔

وسط میں ایک میز پڑی ہوئی تھی اور دو کرسیاں تھیں۔ میز خالی تھی۔

دفعتاً سیکریٹری کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی اور پھر وہ بولا۔ "یہی تو میں کہہ رہا تھا کہ

جہاں برقی لیمپ موجود ہو، وہاں پنکھے کی غیر موجودگی کیا معنی رکھتی ہے۔"

"کیا مطلب.....!"

"یہاں پنکھا بھی موجود ہے۔ وہ دیکھئے دیوار میں ایک گول سا سوراخ نظر آرہا ہے۔ اس اندر پنکھا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس میز پر بڑی اچھی ہوا رہتی ہوگی۔"

سوراخ کا قطر ڈیڑھ فٹ سے کسی طرح کم نہ رہا ہوگا۔ سیکریٹری نے اس کے قریب پہنچ آخر کار اس کا سوئچ تلاش کر ہی لیا۔

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے پنکھا تیزی سے گردش کرتا ہوا سوراخ سے تقریباً ایک بالشت آگیا۔ حقیقتاً میز پر بہت تیز ہوا تھی۔ لوسی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"بیٹھو.....!" وہ دوسری کرسی کی طرف اشارہ کر کے مسکرائی۔

"شکریہ۔" سیکریٹری بھی بیٹھ گیا۔

"اب بتاؤ کہ میں تمہیں کیا سزا دوں۔"

"کہیں میری شادی کرا دیجئے۔" سیکریٹری نے مضمحل آواز میں کہا۔ "اس سے زیادہ بھیانک سزا میرے لئے اور کوئی نہیں ہو سکتی۔"

لوسی ہنسنے لگی۔ وہ اب بھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھے جا رہی تھی۔

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ یہ سب کچھ کیا ہے۔" اس نے کہا۔

"میرے خیال سے یہاں تک تو کچھ بھی نہیں ہے۔ مینٹل پیس کے سرخ بلب اور متحرک ہندسوں کا معمہ ابھی تک حل نہیں ہو سکا۔"

"تم مجھے یہی بتا دو کہ اس دن ٹیلی پرنٹر پر جو پیغام آیا تھا..... اس کا کیا مطلب تھا۔"

"مطلب سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔" سیکریٹری کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن وہ پیغام تھا، کے لئے۔ کیا پیغام بھیجنے والے کو کیپٹن کرنگ کی اطلاع نہ ملی ہوگی۔"

"میں بھی اسی الجھن میں ہوں۔" لوسی نے کہا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے جب آپ اسٹڈی میں گئی تھیں ایک پیغام اور موصول ہوا ہے۔" سیکریٹری نے کہا اور جیب سے ایک چٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دی، جس پر تحریر تھا۔ "راستہ صاف ہے، بائیس پونڈ۔"

"میرے خدا یہ سب کیا کرتے رہے ہیں ڈیڈی۔"

"کاش میں اُن سے ملا ہوتا۔" سیکریٹری نے ٹھنڈے سانس لی۔

"مل کر کیا کرتے۔"

"ان کی شادی کرتا۔"

"یعنی تم بھی بُرے آدمی ہو جاتے۔"

"تو میں اچھا کب ہوں۔"

"میں تمہیں بُرا نہیں سمجھتی۔" لوسی نے مسکرا کر کہا اور اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ارے باپ رے۔" سیکریٹری نے اس طرح اپنا ہاتھ کھینچا جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

"گدھے.....!"

"جی ہاں..... جی ہاں.....!"

"تم پہلے مرد ہو جسے میں پسند کرنے لگی ہوں۔" لوسی آہستہ سے بولی۔

"مجھے شرم آتی ہے۔" سیکریٹری نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "فوراً ڈس مس کیجئے مجھے..... فوراً۔"

"میں تمہیں مار ڈالوں گی۔ میرا مضحکہ نہ اڑاؤ۔" لوسی کو غصہ آگیا۔

"مجھے مار ڈالئے، لیکن خدارا پسند نہ کیجئے۔ میرے باپ کو جوانی میں ایک لڑکی نے پسند کیا تھا، لہٰذا وہ زندگی بھر جونک کی طرح اس سے چمٹی رہی۔ باپ نے کنوئیں میں چھلانگ لگائی، وہ بھی اسی کے ساتھ کود گئی۔ دونوں نکالے گئے وہ زندہ تھے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج آپ مجھے پسند کر رہی ہیں۔ اب پہلی ہی تنخواہ پر مجھے ایک کنواں کھدوانا پڑے گا۔"

"شٹ اپ.....!"

روانگی

"او نیلم کی بچی۔" آخر کار حمید دانت پیس کر دہاڑا۔

"غلط..... بابا کی بچی۔" نیلم نے سر اٹھائے بغیر جواب دیا۔ وہ ان کاغذات میں الجھی ہوئی

تھی، جو اُسے فریدی سے ملے تھے۔ یہ وہی پنسل سے لکھے ہوئے کاغذات تھے جو نگار تھیٹر کے سخرے کے سامان سے برآمد ہوئے تھے۔ اب نیلم ان پر اپنی ذہنی قوت صرف کر رہی تھی اور حمید کا خیال تھا کہ وہ پاگل ہو جائے گی۔

"او نیلم، تیری شامت آئی ہے کیا۔"

"اب تک ہر قسم کے بابا شامت ہی بن کر نازل ہوئے ہیں مجھ پر.... لہٰذا اس کی کوئی فکر نہیں ہے۔"

"اس ویٹر کا کیا بنا تھا جس کا میک اپ کرنے کے بعد میں نے فوراً ہی یہاں سے اپنا منہ کالا کیا تھا۔"

"اوہ.... بابا.... ڈیئرسٹ.... میں کیا بتاؤں کہ وہ ہوش میں آنے پر کتنا متحیر ہوا تھا۔ انکل نے اُسے اٹھا کر آئینے کے سامنے کھڑا کر دیا اور وہ اپنی شکل دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔ میں سچ کہتی ہوں ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ گونگا ہو گیا ہو۔ پھر انکل اس کے پہلو میں کھڑے ہو کر بولے، میری داہنی جیب میں پستول ہے اور اس کی نال تمہاری بائیں پسلی سے چبھ رہی ہے۔ تمہیں اسی طرح میرے ساتھ چلنا پڑے گا اگر تم نے ذرہ برابر بھی ادھر اُدھر ہٹنے کی کوشش کی تو میں بے دریغ ٹریگر دبا دوں گا۔ اگر میں تمہیں شارع عام پر بھی گولی مار دوں تو مجھے کوئی ٹوکنے والا نہیں ہوگا۔ ویسے میں نے تم پر یہ احسان کیا ہے کہ تمہارے ہتھکڑیاں لگا کر یہاں سے نہیں لے جا رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ ہتھکڑی لگا کر لے جانا تمہاری موت ہی کا پیغام ثابت ہوگا۔ بس بابا.... وہ چپ چاپ انکل کے ساتھ چلنے لگا تھا۔ مگر انکل نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ وہ اُسے کہاں اور کیوں لے گئے تھے۔"

"میں سمجھ گیا۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"کیا سمجھ گئے۔"

"دورہ پڑا ہے۔"

"کیسا دورہ۔"

"سال میں کم از کم ایک بار ضرور پڑتا ہے۔"

"بابا.... بتاؤ گے ڈھنگ سے یا میں کوئی اور طریقہ اختیار کروں۔"

"پچھلے سال۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "وہ اسی طرح ایک مزدور کو پکڑ لائے تھے۔ پہلے تو مار مار کر اس کا بھرکس نکال دیا۔ پھر زبردستی اُسے غسل دلوا کر ایک بہترین سا سوٹ پہنوایا اور کسی بوڑھے آدمی کا میک اپ کرنے لگے۔ مزدور بیچارہ حیرت کی زیادتی کی وجہ سے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ جب اسے ایک بوڑھے کی شکل میں تبدیل کر چکے تو بڑے پیار سے بولے۔ "بھائی جان" اور وہ بے چارہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ آپ نے پھر فرمایا خاموش رہو۔ تم میرے بڑے بھائی ہو۔ یاد کرو تم ہمالیہ کی ترائی میں ریچھوں کا شکار کیا کرتے تھے۔ وہ بے چارہ سر پیٹ کر بولا سرکار میرا نام جمن ہے۔ میرے باپ نے بھی کبھی ریچھ کا شکار نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا بکواس بند کرو۔ تم میرے بڑے بھائی ہو اور تمہارا نام انور جمال فریدی ہے۔ وہ پچھاڑیں کھانے لگا اور اپنے مقدر کو رونے لگا اور کہنے لگا کہ آج صبح ہی منگل کی ماں کا منہ دیکھا تھا۔ وہ حرافہ ایسی ہی منحوس ہے۔ اس پر آپ نے دو چار چانٹے جھاڑ کر فرمایا گستاخ ہماری بھاوج محترمہ کی توہین کرتا ہے۔ اس پر تو وہ بے چارہ پاگل ہی ہو گیا۔ پہلے تو کچھ دیر تک حلق پھاڑ پھاڑ کر دھاڑتا رہا پھر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔"

"تم جھوٹے ہو بابا۔" نیلم ہنسنے لگی۔ "انکل کے منہ پر ایسی ہی باتیں کرو تو بتاؤں۔"

"اوہ! تم جھوٹ سمجھتی ہو؟"

"پہلے اپنی خیر مناؤ بابا۔ تم ادھر اُدھر بھاگتے پھر رہے ہو۔ انکل کا خیال ہے کہ وہ اب تمہیں اپنی ماتحتی میں نہیں رکھیں گے، وہ کہہ رہے تھے کہ مجھے محکمے میں جگہ دلوائیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔ میں جوانی میں بوڑھی بیٹی کا داغ بھی سہہ لوں گا۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر اداس لہجے میں کہا۔

"انکل کا خیال ہے کہ تم کام چور، بزدل اور نکمے ہوتے جا رہے ہو۔"

"انکل دی گریٹ کا خیال بالکل درست ہے، اب میں فارورڈنگ اور کلیرنگ کا کاروبار کروں گا۔ تم یہی دیکھو۔ مجھے اس ملازمت سے کیا فائدہ ہوا ہے۔ میرے پاس میری نجی گاڑی بھی نہیں ہے۔"

"مگر انکل تمہیں کس بات سے روکتے ہیں بابا۔ میرا خیال ہے کہ ان کی ساری چیزیں تمہاری ہیں۔"

"ٹھیک ہے لیکن مجھے بور کیوں کرتے ہیں۔"

"وہ کیا بور کرتے ہیں۔"

"کیا یہ بوریت نہیں ہے۔ حمید نے ان کاغذات کی طرف اشارہ کیا جو نیلم کے سامنے میز پر

بکھرے ہوئے تھے۔"

"ان میں کوئی نہ کوئی خاص بات ضرور ہے بابا۔ میرا دل کہتا ہے۔"

"اگر مجھ سے کہے تمہارا دل تو میں اس کے تھپڑ رسید کر دوں۔ یہی غنیمت ہے کہ وہ صرف تم سے کہتا ہے۔"

نیلم مسکرا کر پھر کاغذات کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"اچھا سناؤ کیا پڑھ رہی ہو۔" حمید نے کہا۔

"سنو.... میں بہت اداس ہوں۔ بہت اداس ہوں۔ صبح سے ہوا میں بھاری پن سا محسوس ہو رہا ہے۔ یہ اداسی میرے رگ و پے میں سرایت کرتی جا رہی ہے۔ پتہ نہیں یہ موسم کا اثر ہے یا رات والے واقعات کی پرچھائیاں۔ میری روح پر پڑ رہی ہیں۔ رات اس نے میرا دل توڑ دیا۔ کتنی بڑی بات تھی۔ اس کا کیا بگڑتا اگر میری اتنی سی بات مان لیتی۔"

"بس بس! بند کرو۔" حمید غصیلی آواز میں بولا۔ "اسی لئے تم ان کاغذات میں کھوئی رہتی ہو۔ لعنت ہے تم پر۔ ارے اس بکواس میں کیا رکھا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ عشقیہ تحریریں انسان کے کس جذبے کی تسکین کرتی ہیں۔ مجھے تو ہمیشہ ان پر غصہ آتا ہے۔"

وہ ابھی کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا لیکن ٹھیک اُسی وقت فریدی کمرے میں داخل ہوا۔ اُس کے جسم پر شب خوابی کا لباس تھا مگر اس کی آنکھوں سے یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ سو کر اٹھا ہے۔

"نیلم! رپورٹ....؟" اس نے نیلم کی طرف دیکھ کر کہا۔ حمید کی جانب توجہ تک نہ دی۔

"یس انکل پلیز، پچھلی رات میں نے ان کا تعاقب سام کریگ کے مکان تک کیا تھا، مکان کی پشت پر مغرب کی جانب ایک چھوٹی سی عمارت اور بھی ہے لیکن اس کے گرد کافی اونچی گھنی جھاڑیاں ہیں اور بادی النظر میں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ کوئی عمارت ہو گی کیونکہ اس کی چھت ان جھاڑیوں سے بھی نیچی ہے، لیکن وہ ایک چھوٹی سی عمارت ہے جس کا رقبہ کم از کم اسی مربع گز ضرور ہو گا۔ بہر حال وہ لوگ اسی عمارت میں گئے تھے۔ میرا دل تو چاہ رہا تھا کہ میں اندر جا کر دیکھوں، لیکن آپ کی ہدایات کے مطابق مجھے خود کو قابو میں رکھنا پڑا۔"

"ان کی تعداد کیا تھی۔"

"آٹھ تھے، جب کار میں بیٹھے تھے تو ان کے چہرے پر نقابیں نہیں تھیں لیکن جب وہ اس

عمارت میں داخل ہونے لگے تھے تو ان کے چہروں پر نقابیں نظر آئی تھیں۔"

"اندھیرے میں تم نے نقابیں کیسے دیکھ لی تھیں۔"

"اس عمارت کی کھڑکیوں سے روشنی باہر آ رہی تھی۔"

"عمارت میں روشنی پہلے ہی سے تھی؟" فریدی نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ پہلے ہی سے تھی اور وہاں کوئی موجود تھا۔"

"ہیری تھا اُن میں۔"

"جی ہاں۔"

"تم کب تک وہاں ٹھہری تھیں۔"

"ان کے واپس آتے ہی میں نے پھر تعاقب شروع کر دیا تھا اور قمار خانے تک آئی تھی۔"

"وہ کتنی دیر اندر رہے تھے۔"

"ڈیڑھ گھنٹے تک۔"

"واپسی پر اُن کی تعداد کیا تھی۔"

"وہی آٹھ۔"

"ان میں سے کوئی رہائشی عمارت کی طرف بھی گیا تھا۔"

"جی نہیں.... کوئی بھی نہیں۔"

"تمہیں یقین ہے۔"

"جی ہاں، مجھے یقین ہے۔ میں ایسی جگہ پر کھڑی تھی، جہاں سے ایک بلی پر بھی نظر رکھ سکتی تھی۔"

"گڈ.... نیلم تم بہت اچھی جا رہی ہو۔ مگر اس عمارت کے متعلق تم نے اور کیا معلوم کیا۔"

"اور تو کچھ بھی نہیں۔"

"وہ عمارت سام کریگ نے کرائے پر دے رکھی تھی۔ تم نے دراصل اس عمارت کے پچھلے حصے کو دیکھا ہے۔ وہ یقیناً اونچی جھاڑیوں میں چھپا ہوا ہے۔ لیکن یہ مت سمجھنا کہ وہ جھاڑیاں اس عمارت کو چھپانے ہی کے لئے لگائی گئی ہوں گی۔"

"پھر....؟"

"سنو.... تمہیں چاہئے تھا کہ آج جا کر اس عمارت کے متعلق معلومات حاصل کرتیں۔ کیا

اس چیز نے بھی تمہارے جذبہ تجسس کو نہیں ابھارا کہ ان لوگوں نے عمارت میں داخل ہونے سے پہلے اپنے چہرے نقابوں میں چھپالئے تھے۔"

"مجھے اس عمارت کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی فکر تھی مگر چونکہ آپ نے اس کے متعلق کوئی ہدایت نہیں دی تھی اس لئے....!"

"اوہ.... اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ بہر حال آئندہ خیال رکھنا تم میں خود مختاری بھی ہونی چاہئے۔ اس کے بغیر تم اس فن سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکو گی۔"

"بہت بہتر.... میں آئندہ خیال رکھوں گی۔"

"اس عمارت کا صدر دروازہ سڑک کی طرف ہے اور ایک سائن بورڈ موجود ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مرمت طلب موٹر سائیکلوں کا کارخانہ ہے۔"

"اوہ.... لیکن وہاں چند ایسے لوگ جو نقاب پوش تھے عقبی دروازے سے داخل ہوتے ہیں۔"

"ہاں.... بس آج رات کو آخری کھیل ہوگا بے بی۔ تیار رہنا۔" فریدی نے کہا اور حمید کی طرف دیکھے بغیر کمرے سے چلا گیا۔

"کیوں بابا.... انکل تم سے ناراض ہیں۔"

"ہاں.... ناراض ہی ہوں گے تو میں ان کا کیا بگاڑ لوں گا۔ تم اس کی فکر میں نہ پڑو بے بی۔ میرا خیال ہے.... میرا خیال ہے.... خیر ہٹاؤ۔"

"کہو.... کہو.... کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"کچھ بھی نہیں! میں یہ کہہ رہا ہوں کہ آخری کھیل واقعی دلچسپ ہوگا۔"

"کیا مطلب....!" نیلم اُسے گھورتی ہوئی بولی۔

"آخری کھیل مطلب یہ ہے کہ دو چار لاشیں ضرور گریں گی اور فادر ہارڈ اسٹون کی پیاس بجھ جائے گی۔ یہ حضرت مجھے نظر انداز کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، خیر....!"

"بابا.... تم غصے میں معلوم ہوتے ہو۔"

"یہی تو مصیبت ہے کہ مجھے غصہ نہیں آتا ورنہ اپنے پیٹ میں چھرا مار کر آنتیں باہر نکال لوں۔"

نیلم ہنسنے لگی اور کچھ دیر بعد حمید پھر باہر نکل گیا۔

نیلم شام تک ان کاغذات میں سر کھپاتی رہی لیکن کچھ بھی پلے نہ پڑا۔ لیکن وہ فریدی پر اندھا

دھند اعتقاد رکھتی تھی، اس لئے یہ نہ سوچ سکی کہ وہ تحریریں کوئی پوشیدہ مفہوم نہیں رکھتیں۔

تقریباً نو بجے رات کو فریدی نے اپنے کمرے سے فون پر اُسے مخاطب کیا۔

"کیوں بے بی تم کتنی دیر میں تیار ہو جاؤ گی۔"

"بہت جلد انکل، مجھے کیا کرنا ہوگا۔"

"ایسے لباس میں چلو، جو تمہیں تیز دوڑنے سے باز نہ رکھ سکے۔"

"اوہ....!"

"ہاں.... یہ مہم تمہاری پسند کے مطابق ہوگی۔"

"اور بابا....!"

"وہ ہے کہاں۔"

"پتہ نہیں۔"

"پھر اُسے جہنم میں جھونکو۔ وہ آج کل کام کرنے کے موڈ میں نہیں ہے شاید۔ مجھے موڈی آدمی پسند نہیں ہیں۔ لیکن اس کی بعض خوبیاں.... خیر تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا اور نیلم لباس تبدیل کرنے لگی۔ اس نے جیکٹ اور پتلون کا انتخاب کیا تھا۔

روانگی کے وقت وہ دو پانچ کا براؤنی پستول رکھنا نہیں بھولی تھی۔ ایک ٹیکسی اُن دونوں کو چیتھم پارک تک لے آئی۔ وہ اُتر کر پارک میں چلے آئے۔ ٹیکسی کا کرایہ ادا کیا جا چکا تھا۔

"کیا ہمیں یہیں تک آنا تھا۔" نیلم نے حیرت سے کہا۔

"نہیں.... یہاں میں ایک پیغام کا انتظار کروں گا۔" فریدی نے جواب دیا۔

وہ ایک ویران گوشے میں پہنچ چکے تھے۔ فریدی نے ایک چھوٹا سا سفری ٹرانسمیٹر نکالا جس کے متعلق وہ اُسے پہلے ہی بتا چکا تھا کہ اس کا دائرہ عمل کم از کم دس میل ہے اور اس میں ٹارچ کی معمولی بیٹریاں استعمال ہوتی ہیں۔

"امر سنگھ.... امر سنگھ۔" اس نے اپنے ایک اسسٹنٹ کا نام لیا اور پھر بولا۔

"تم اس وقت کہاں ہو.... ٹھیک.... اوہ.... کسی کو قتل کر دیا.... تمہیں یقین ہے.... مگر.... تمہیں کیسے معلوم ہوا.... اندازہ.... خیر.... تم جہاں ہو وہیں ٹھہرو۔ میں آرہا

ہوں.... اُوور۔"

وہ خاموش ہو گیا۔

"کیا قصہ ہے۔" نیلم نے آہستہ سے پوچھا۔

"وہ لوگ اس وقت پھر اُسی عمارت میں داخل ہوئے ہیں۔ امر سنگھ کا بھی خیال ہے کہ وہاں کوئی پہلے ہی سے موجود تھا، جسے شاید انہوں نے قتل کر دیا ہے۔"

"اوہ....!"

"اٹھو! ہمیں جلدی کرنی چاہئے۔"

راستہ

ٹیکسی انہوں نے عمارت سے کافی فاصلے پر چھوڑی تھی اور اب پیدل ہی چل رہے تھے۔ فریدی نے سڑک بھی چھوڑ دی۔ نیلم نے محسوس کیا کہ وہ اسی طرف جا رہا ہے جہاں سے پچھلی رات وہ اُن آٹھوں آدمیوں کی نگرانی کرتی رہی تھی۔

جھاڑیوں کے قریب پہنچ کر وہ رک گئے۔ یک بیک نیلم چونک پڑی اور پھر اُسے ہنسی آ گئی کیونکہ چیل کی سی آواز نکالنے والا فریدی ہی تھا۔ مگر کون کہہ سکتا تھا کہ وہ چیل کی آواز کی نقل تھی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے کسی چیل نے.... سوتے سوتے چونک کر ہلکی سی آواز نکالی ہو اور پھر فوراً ہی اس کا مقصد بھی ظاہر ہو گیا۔ امر سنگھ اُن کے قریب پہنچ چکا تھا۔

"کیوں....؟" فریدی آہستہ سے بولا۔

"کوئی باہر نہیں نکلا۔"

"کتنے ہیں۔"

"آٹھ....!"

"ہیری....!"

"جی ہاں.... وہ بھی ان میں.... مگر اب کھڑکی کے شیشوں میں روشنی نہیں دکھائی دیتی۔"

"آؤ....!" فریدی نے آہستہ سے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ عمارت سنسان پڑی تھی اور تقریباً

ڈیڑھ یا دو فرلانگ کے فاصلے پر رہائشی عمارت کے قریب رکھوالی کے السیشین بھونک رہے تھے۔

فریدی عقبی کھڑکی تک پہنچ گیا تھا اس نے اس کے شیشوں پر ہاتھ پھیرا۔ اوپری شیشہ ٹوٹا ہوا تھا۔ اس نے اندر ہاتھ ڈال کر بہ آہستگی چٹخنی گرائی اور کھڑکی کے دونوں پٹ کھول دیئے۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ اندر تھا۔ پھر نیلم اور امر سنگھ نے بھی یکے بعد دیگرے اس کی تقلید کی۔ اندر جھینگروں کی جھائیں جھائیں کے علاوہ اور کسی قسم کی آواز نہیں تھی۔

فریدی نے محدود روشنی والی ننھی سی ٹارچ روشن کی اور روشنی کا دائرہ سب سے پہلے ایک آدمی پر پڑا جو بے حس و حرکت فرش پر لیٹا ہوا تھا۔

وہ مر چکا تھا۔ زخم خنجر ہی کا تھا۔ آنتیں باہر آ گئی تھیں اور فرش پر خون پھیلا ہوا تھا۔

فریدی کچھ دیر تک لاش کو دیکھتا رہا پھر دوسری جانب متوجہ ہو گیا۔ یہ پوری عمارت صرف دو کمروں پر مشتمل تھی۔ سڑک کی جانب کا کمرہ پچھلے کمرے سے بڑا تھا اور یہاں دو تین ٹوٹی پھوٹی موٹر سائیکلیں موجود تھیں۔ کئی جگہ اوزاروں کے ڈھیر نظر آ رہے تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی قسم کی چیزیں اِدھر اُدھر بے ترتیبی سے بکھری پڑی تھیں۔

"میرا دعویٰ ہے جناب۔" امر سنگھ آہستہ سے بولا۔ "ایک پرندہ بھی یہاں سے نکل کر نہیں گیا۔"

"مجھے یقین ہے کہ تم غلط نہیں کہہ رہے ہو۔" فریدی نے کہا۔

اچانک نیلم اچھل کر پیچھے ہٹ گئی ورنہ وہ تینوں موٹر سائیکلیں اسی پر گری ہوتیں۔ لیکن وہ خود بھی نہ سنبھل سکی اور لڑکھڑاتی ہوئی اوزاروں کے ڈھیر پر جا گری۔ گری ہوئی موٹر سائیکلوں کے پیچھے سے ایک نقاب پوش برآمد ہوا تھا، جس کے داہنے ہاتھ میں ریوالور تھا اور بائیں میں ٹارچ۔ ٹارچ کی روشنی فریدی اور امر سنگھ پر پڑ رہی تھی۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔" وہ سانپ کی طرح پھنکارا۔

نیلم کو یہ دیکھ کر بڑا افسوس ہوا کہ فریدی نے اپنے دونوں ہاتھ بے چوں و چرا اٹھا دیئے تھے۔ نیلم اب اوزاروں کے ڈھیر سے کھسک کر دوسری جانب چلی گئی تھی اور شاید نقاب پوش نے بھی اُسے نظر انداز کر دیا تھا۔

نقاب پوش آہستہ آہستہ ٹارچ والا ہاتھ دیوار کی طرف بڑھا رہا تھا۔ نیلم نے نہایت اطمینان

سے اپنا براؤنی نکالا اور نقاب پوش پر فائر کر دیا۔ نقاب پوش کے ہاتھ سے ٹارچ چھوٹ پڑی اور ساتھ ہی نیلم نے فریدی کی آواز سنی جس نے اسی کو مخاطب کر کے کہا تھا۔ "یہ کیا کر رہی ہو... نہیں۔"

ٹارچ بجھ گئی تھی اور اب نیلم اوزاروں کے بکھرنے اور چیزوں کے ٹوٹنے کی آوازیں سن رہی تھی۔

"امر سنگھ اسے سنبھالو....!" فریدی کی آواز اندھیرے میں گونجی۔

اور اب وہ ٹارچ نیلم کے ہاتھ آگئی تھی جو نقاب پوش کے ہاتھ سے گری تھی۔ دوسرے ہی لمحے میں کمرہ روشن ہو گیا۔

فریدی نے نقاب پوش کو دبوچ رکھا تھا۔ شاید نیلم کا وار خالی گیا تھا اور فریدی کو اسے قابو میں کرنے کے لئے جدوجہد کرنی پڑی تھی۔

امر سنگھ نے نقاب پوش کو کھینچ کر اٹھانا چاہا لیکن وہ اس کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی پھر گر پڑا۔ وہ دراصل بیہوش ہو چکا تھا۔ فریدی نے ٹارچ کی روشنی میں اس کا جائزہ لے کر کہا۔ "میرا خیال صحیح تھا۔ گولی نہیں لگی۔ مگر نیلم اس طرح فائر نہ جھونک مارا کرو۔"

"پھر کیا کرتی.... اگر وہ آپ پر فائر کر دیتا تو۔"

"میں غافل نہیں تھا.... خیر.... ہاں امر تم کھڑکی کے پاس ٹھہرو۔ میرا خیال ہے کہ وہ یہاں تنہا جھک نہیں مار رہا تھا۔"

امر سنگھ کچھ کہے بغیر دوسرے کمرے کی طرف چلا گیا۔

فریدی اب اس دیوار کا جائزہ لے رہا تھا جس کی طرف کچھ دیر پہلے نقاب پوش نے اس انداز میں ہاتھ بڑھایا تھا جیسے کسی چیز کو ٹٹول رہا ہو۔

"آہا....!" وہ بڑبڑایا۔ "یہ تو گھنٹی کا بٹن معلوم ہوتا ہے۔"

"لیکن یہاں کہیں بجلی کے تار نہیں دکھائی دیتے۔" نیلم نے کہا۔

"وائرنگ دیواروں کے اندر ہوگی ورنہ پھر.... یہ؟" فریدی نے چھت کی طرف اشارہ کر کے اُسے بلب دکھاتے ہوئے کہا۔

"تو وہ اسی بٹن کی طرف ہاتھ بڑھا رہا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ یہی بات ہوگی۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "مگر سوچے سمجھے بغیر اس بٹن

کو آزمانا بھی درست نہ ہوگا۔ اُوہ.... ٹھہرو۔"

وہ بے ہوش نقاب پوش پر جھک پڑا۔ اس کے چہرے سے نقاب اتاری۔ وہ ایک خوش شکل نوجوان تھا۔

"امر کو بلاؤ۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور نیلم دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

امر سنگھ کی مدد سے فریدی نے بے ہوش آدمی کے ہاتھ پیر باندھے اور حلق میں رومال ٹھونس کر ترپالوں کے ڈھیر کے پیچھے ڈال دیا۔

پھر وہ نقاب فریدی کے چہرے پر نظر آنے لگا۔ نقاب ایسی تھی کہ اس کا پورا چہرہ چھپ گیا تھا۔ چونکہ بے ہوش آدمی بھی کالے ہی سوٹ میں تھا اس لئے لباس کا مسئلہ بھی حل ہو گیا تھا۔ فریدی کے جسم پر سیاہ سوٹ ہی تھا۔

نیلم حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ فریدی نے ریوالور کا رخ نیلم اور امر سنگھ کی طرف کرتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "تم دونوں اپنے ہاتھ اٹھا دو۔"

اُن دونوں نے اپنے ہاتھ اٹھا دیئے، لیکن دونوں ہی کچھ غیر مطمئن سے نظر آرہے تھے۔

فریدی نے دیوار سے لگے ہوئے بٹن پر انگلی رکھ دی اور وہ اس کے دباؤ سے پیچھے کھسک گیا پھر وہ اسے برابر دباتا ہی گیا اور نیلم سوچتی رہی کہ وقت برباد کیا جا رہا ہے۔

دفعتاً ایک ہلکے سے شور کے ساتھ اسی دیوار میں ایک قد آدم اور تقریباً تین فٹ چوڑی خلاء پیدا ہو گئی۔ اس سے پہلے ہی فریدی نے کمرے کا بلب بھی روشن کر دیا تھا۔

دیوار سے پیدا ہو جانے والی خلاء سے دو آدمی برآمد ہوئے۔

"یہ کون ہیں؟" اُن میں سے ایک نے نیلم اور امر سنگھ کو گھورتے ہوئے پوچھا اور فریدی پر کھانسیوں کا دورہ پڑ گیا۔ پھر اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "یہ پچھلی کھڑکی سے آئے تھے اور یہاں کچھ تلاش کر رہے تھے۔"

"اوہ.... تم کون ہو دوستو۔" نیلم اور امر سنگھ سے پوچھا گیا۔

لیکن یہ دونوں خاموش ہی رہے۔

ان دونوں نے بھی ریوالور نکال لئے اور ایک نے دیوار کی خلاء کی طرف اشارہ کر کے کہا چلو۔

"چلو....!" فریدی بھی بھرائی ہوئی آواز میں غرا کر کھانسنے لگا۔

یہ دونوں خلاء کی طرف بڑھے اور فریدی ریوالور والوں کو روک کر بولا "ان کی تلاشی لے لو، کہیں ان کے پاس ریوالور نہ ہوں۔"

"ہاں ٹھہرو....!"

امر سنگھ اور نیلم رک گئے لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی نے اُن دونوں پر جست لگائی اور سب سے پہلے اُن کے ریوالوروں ہی پر ہاتھ مارے۔ وہ دونوں غافل تھے۔ ریوالور اُن کے ہاتھوں سے نکل کر دور جا گرے۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ ان دونوں کے منہ سے آوازیں بھی نہ نکل سکیں اور پھر اُن کا بھی وہی حشر ہوا جو کچھ دیر پہلے ایک نقاب پوش کا ہو چکا تھا۔

پھر فریدی نے دیوار والی خلاء میں جھانک کر دیکھا اور اس طرح سر کو جنبش دی جیسے وہ مطمئن ہو۔ امر سنگھ نے ان دونوں کو بھی پہلے نقاب پوش کے پاس پہنچا دیا۔

اور اب وہ اس خلاء میں داخل ہوئے، نیچے کافی گہرائی میں زینے چلے گئے تھے۔ لیکن اوپر سے اس کا اندازہ کرنا مشکل تھا کہ ان کا اختتام کہاں ہوا ہوگا۔

جیسے ہی پہلے زینے سے آخری آدمی کے قدم ہٹے دیوار برابر ہو گئی۔ فریدی چوتھے زینے پر تھا۔ اس نے مڑ کر دیکھا اور پھر نیچے اترنے لگا۔ یہاں ہلکی ہلکی سی روشنی تھی، جو نیچے ہی سے آ رہی تھی۔ وہ زینے طے کرتے رہے اور پھر جیسے ہی ان کے قدم فرش سے لگے انہیں اپنے سامنے ایک طویل اور نیم تاریک سرنگ نظر آئی۔

"انکل.... ہم کہاں جا رہے ہیں.... کیا کوئی دوسرا ہرمین پیدا ہو گیا ہے۔" نیلم نے کہا۔

"اب میں سوچ رہا ہوں کہ تمہیں ساتھ لے جانا مناسب ہے یا نہیں۔"

"میں تو ہر حال میں چلوں گی، انکل خواہ وہاں آگ ہی کی بارش کیوں نہ ہو رہی ہو۔"

"تم بہت ضدی ہو.... خیر.... چلو.... مگر خیال رہے کہ اُس وقت تک فائر کرنے سے احتراز کرنا جب تک یقین نہ ہو جائے کہ اب تمہاری زندگی خطرے میں ہے۔"

"میں یہی کروں گی انکل۔" نیلم بولی اور وہ چلتے رہے۔ سرنگ سنسان پڑی تھی۔ کچھ دیر بعد انہیں ایک دروازہ نظر آیا اور اسی دروازے پر سرنگ کا خاتمہ ہو گیا تھا۔

فریدی نے دروازے کو ہلکا سا دھکا دیا۔ مگر وہ دوسری طرف سے بند تھا اور دوسری طرف سے کسی متحرک مشین کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اب فریدی نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ دروازہ

نہیں تھا بلکہ پتھر کی سل ان کی راہ میں حائل تھی لیکن اُس پر کیا ہوا رنگ ہی ایسا تھا کہ لکڑی کا دروازہ معلوم ہو رہا تھا۔ شاید وہ اس کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا رہتا لیکن اُس میں کسی جھری کی تلاش کے سلسلے میں اُسے حقیقت معلوم ہو گئی۔ اب سوال تھا کہ اس رکاوٹ کا دفعیہ کس طرح کیا جائے۔ اس نے اُسے ہلانے ڈلانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ نیلم اور امر سنگھ بھی اسی کے متعلق سوچ رہے تھے۔

"یہ یقیناً دروازہ ہی تھا۔" نیلم نے کہا۔ "اور اسے ادھر سے کھولنے کے لئے بھی کوئی نہ کوئی ذریعہ ضرور ہوگا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ بنظر غائر دروازے اور اس کے قریب کی دیوار کا جائزہ لے رہا تھا۔

اچانک دروازہ خود ہی کھل گیا اور دوسری طرف نظر آنے والے آدمی کے حلق سے ایک تحیر آمیز سی آواز نکلی۔

"خاموشی سے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔" فریدی نے کہا۔ اسکے چہرے پر اب بھی نقاب تھی۔

اس آدمی نے ہاتھ نہیں اٹھائے اس کے چہرے پر بھی نقاب تھی اور وہ نیلم اور امر سنگھ کو گھور رہا تھا۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" فریدی دوبارہ غرایا لیکن نقاب پوش نے فریدی پر چھلانگ لگا دی۔

فریدی ایک طرف ہٹا اور نقاب پوش امر سنگھ سے جا ٹکرایا۔ خود امر اس کے لئے تیار نہ تھا۔ اس لئے دونوں ہی زمین پر ڈھیر ہو گئے لیکن دوسرے ہی لمحے میں امر نے اُسے اپنی ٹانگوں پر رکھ کر اچھال دیا۔ وہ اس پر سے گذرتا ہوا دوسری طرف جا گرا۔ پھر اگر وہ بجلی کی سی سرعت سے اٹھ کر اُس پر نہ جا پڑا ہوتا تو اس نے ریوالور نکال کر فائر کر دیا ہوتا۔ امر نے پہلے اس کے ہاتھ سے ریوالور چھینا اور پھر اس کا گلا گھونٹنے لگا۔ امر سنگھ ایک دلیر اور کافی چالاک نوجوان تھا۔ وہ جانتا تھا کہ حریفوں پر کب اور کس طرح قابو پایا جا سکتا ہے۔ معمولی حالات میں وہ ٹھنڈے مزاج کا آدمی ثابت ہوتا تھا۔ اس وقت بھی نہ تو اُسے غصہ ہی آیا تھا اور نہ وہ یہی نیت رکھتا تھا کہ گلا گھونٹ کر اُسے مار ہی ڈالے۔ اس وقت تک اس نے اپنی گرفت ڈھیلی نہیں کی جب تک کہ نقاب پوش کے حواس جواب نہیں دے گئے۔ لیکن جب وہ اسے چھوڑ کر مڑا تو اس نے دیکھا کہ دروازے میں کئی آدمی کھڑے فریدی کو کینہ توز نظروں سے گھور رہے ہیں۔ ان کے ہاتھ اوپر اٹھے ہوئے تھے اور

فریدی ان سے کہہ رہا تھا۔ "پیچھے ہٹو.... الٹے چلتے رہو۔ اگر کسی نے مڑ کر پیچھے دیکھنے کی کوشش کی تو گولی مار دوں گا چلو۔"

وہ الٹے چلنے لگے تھے۔ فریدی نیلم اور امر سنگھ آگے بڑھتے رہے۔ مشین چلنے کی آواز اب بہت صاف سنائی دے رہی تھی۔ آخر کار وہ ایک کشادہ کمرے میں پہنچ گئے۔ یہاں دو آدمی رسیوں سے جکڑے ایک طرف پڑے ہوئے تھے اور دو آدمی مشین پر کام کر رہے تھے۔"

"گڈ....!" فریدی مسکرایا۔ "تو یہ کاروبار ہو رہا ہے یہاں۔ شاباش.... بہت اچھے امر.... انہیں سنبھالو۔"

"ٹھہرو....!" ہاتھ اٹھائے ہوئے نقاب پوشوں میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا۔ "تم کون ہو۔"

"تم مجھے نہ پہچانو تو بہتر ہے۔" فریدی بولا۔ "اتنا ہی کافی ہے کہ میں نے ہیری کو پہچان لیا ہے۔ اُسے پہچان لیا ہے جس پر انسپکٹر شاہد اور مسخرے کے قتل کا الزام لگایا جا سکتا ہے، جو نگار کے اسٹیج کا نغمہ پیش کیا کرتا تھا۔"

"اوہ.... پولیس....!" نقاب پوش غرایا۔

"ہاں.... ہیری! آج رات تم نے کتنے نوٹ چھاپے ہیں.... امر.... چلو میری جیب سے ہتھکڑیاں نکال کر اس کے ہاتھوں میں لگا دو۔"

"کون لگائے گا ہتھکڑیاں.... تم دونوں.... اور یہ عورت! پوہ۔" نقاب پوش نے حقارت سے کہا اور اپنے ہاتھ نیچے گرا دیئے، ٹھیک اسی وقت لوہے کا ایک وزنی سا اوزار فریدی کے ہاتھوں پر آ کر لگا اور اس کے ہاتھ سے ریوالور چھوٹ پڑا۔ بس پھر کیا تھا۔ وہ سب اُن تینوں پر آ ٹوٹے۔

"نیلم.... پیچھے ہٹ جاؤ۔" نیلم نے فریدی کی آواز سنی۔

"نیلم دیوار سے جا لگی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کیوں نہ پستول نکال کر فائر کرنا شروع کر دے۔ مگر اس ہنگامے میں فائر کرنا مناسب نہیں تھا کہ فریدی یا امر سنگھ زخمی ہو جاتے۔ لیکن اس نے پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈال کر پستول کو مضبوطی سے گرفت میں لے لیا۔ ہو سکتا تھا کہ اُسے اپنی ہی حفاظت کرنی پڑے۔"

اچانک اس کے حلق سے ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی کیونکہ اُسے اپنی پشت سے دیوار سرکتی

معلوم ہوئی تھی۔ وہ سنبھل نہ سکی۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ فرش پر چت پڑی ہوئی تھی۔

اس دیوار میں بھی ایک خلاء پیدا ہو گئی تھی اور وہ اسی خلاء سے گذرتی ہوئی دوسری طرف جا گری تھی۔ اس کے سر کی طرف ایک عورت اور ایک مرد کو کھڑے دیکھا۔ دونوں ہی یوریشین معلوم ہوتے تھے۔ مرد کی مونچھیں گھنی اور براؤن رنگ کی تھیں۔

وہ نیلم پر جھکا ہوا حیرت سے آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً نیلم کا براؤنی جیب سے باہر نکل آیا اور یوریشین عورت بوکھلا کر پیچھے ہٹ گئی۔ بڑی مونچھوں والا بھی سیدھا کھڑا ہو گیا۔ نیلم بڑی پھرتی سے اٹھی اور ان دونوں کو پستول کی زد میں لیتی ہوئی بولی۔ "ہم صرف تین ہیں، لیکن تم دیکھو گے کہ کس طرح تمہاری مٹی پلید ہوتی ہے۔"

"وہاں.... ڈرامہ ہو رہا ہے مادام...." بڑی مونچھوں والے نے یوریشین عورت سے کہا۔

"یہ لوگ کون ہیں۔" عورت بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"یہ لوگ، جو ان تینوں پر یورش کر رہے ہیں مسٹر کریگ کے قاتل ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ میں اس لڑکی کو اچھی طرح پہچانتا ہوں، یہ کرنل فریدی کے ساتھیوں میں سے ہے۔"

"سیکریٹری....!" عورت تشویش کن لہجے میں بولی۔ "تب تو ہمیں ان کی مدد کرنی چاہئے۔"

"یقیناً مادام.... اوپاگل لڑکی تم اپنے پستول کا رخ اُدھر کر دو۔"

"تم مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے۔" نیلم غرائی۔ "اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو۔"

"ارے.... فریدی گرا۔" دفعتاً لوسی کریگ کا سیکریٹری چیخ اٹھا۔ نیلم بوکھلا کر مڑی اور دوسرے ہی لمحے میں اس کا پستول سیکریٹری کے ہاتھ میں تھا۔

"اب بتاؤ.... بے وقوف لڑکی۔" سیکریٹری ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا اور لوسی کریگ اس کی پیٹھ ٹھونکنے لگی۔

"چلو....!" سیکریٹری نیلم کو دھکیلتا ہوا اسی کمرے میں لے آیا جہاں فریدی اور امر سنگھ مجرموں کی مرمت کر رہے تھے اور ان میں سے کسی کو بھی ابھی تک ریوالور نکال لینے کا موقع نہیں ملا تھا۔

سیکریٹری نے اپنا ریوالور بھی نکال لیا۔ ایک فائر ہوا اور پھر صرف سیکریٹری ہی کی آواز سنی گئی جو کہہ رہا تھا۔ "خبر.... دار.... تم سب الگ ہٹ جاؤ۔ اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ اور مادام آپ براہِ

کرم ان سبھوں کے چہروں سے نقابیں ہٹا دیجئے۔"

وہ سب جہاں تھے وہیں رک گئے اور انہوں نے اپنے ہاتھ بھی اٹھا دیئے تھے۔ فریدی اور امر سنگھ کے ہاتھ بھی نیچے نہیں تھے۔

ایک آدمی کا ہاتھ جیب کی طرف جا ہی رہا تھا کہ سیکریٹری کے ریوالور سے شعلہ نکلا اور وہ آدمی کراہ کر وہیں ڈھیر ہو گیا۔

"ابھی میرے پاس دس فالتو راؤنڈ موجود ہیں۔" سیکریٹری نے سرد لہجے میں کہا۔ "اور کارتوسوں کی بچت میرے مدنظر نہیں رہتی۔ ہاں مادام ان کی نقابیں الگ کیجئے.... اوہ.... مگر ان میں کرنل فریدی نہیں۔"

"تمہیں دھوکا تو نہیں ہوا۔" لوسی کریگ نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں.... اس لڑکی کا نام نیلم ہے اور.... وہ امر سنگھ ہے، امر سنگھ تم ہی ان سبھوں کی نقابیں الگ کر دو۔ جلدی کرو، ورنہ تمہیں تو میں آنکھ مار کر مار ڈالوں گا۔"

یک بیک نیلم چونک پڑی۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سیکریٹری کو گھور رہی تھی۔

"چلو.... جلدی.... امر سنگھ۔"

لوسی کریگ نے بھی محسوس کیا کہ اب اس کے سیکریٹری کی آواز بالکل بدل گئی ہے۔

امر سنگھ بڑی تیزی سے مجرموں کی نقابیں اتار رہا تھا۔ دفعتاً لوسی کریگ چیخی۔ "ارے یہ تم ہو! مسٹر ہیری.... کیپٹن سام کریگ کے دوست۔"

"ہاں....!" ہیری غرایا۔ "اور میں تمہیں اس حرکت کا مزہ چکھا دوں گا۔"

"ہیری.... کیا تم پھر پلٹنا چاہتے ہو۔" سیکریٹری نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

ایک کے علاوہ اور سبھوں کی نقابیں اُتر چکی تھیں۔ سیکریٹری نے ایک طویل سانس لی اور نقاب پوش کی طرف دیکھنے لگا۔ اب نقاب پوش نے خود ہی اپنی نقاب الگ کر دی۔

"کرنل....!" لوسی کریگ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔

"ہاں اور تم اس کاروبار سے واقف تھیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"کس کاروبار سے۔"

"یہاں سو روپے کے نوٹ چھاپے جاتے رہے ہیں۔"

"میں نہیں جانتی تھی کرنل یقین کیجئے۔ میرے سیکریٹری سے پوچھ لیجئے۔ میں تو یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ اس عمارت کے نیچے تہہ خانے ہیں۔ یہ تہہ خانے بھی میرے سیکریٹری ہی نے دریافت کئے تھے۔"

"سیکریٹری سے میں بعد میں سمجھوں گا۔ فی الحال تمہیں بھی یہیں سے قیدیوں کی طرح میرے ساتھ چلنا پڑے گا۔"

ہیری کا قہقہہ تہہ خانے کی فضا میں گونج اٹھا۔ اس وقت امر سنگھ اس کے ہتھکڑیاں لگا رہا تھا۔ اس نے اس کے خلاف ذرہ برابر بھی جدوجہد نہیں کی۔

"آپ مجھے مجرموں کی طرح کیوں لے جائیں گے۔" لوسی نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"اگر آپ مجرموں کی طرح جائیں گی تو میں یہیں خودکشی کر لوں گا۔" سیکریٹری نے نیلم والا پستول اپنی بائیں کنپٹی سے لگاتے ہوئے کہا۔

❁

"اوہ....!" فریدی نے مجرموں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جن کے ہتھکڑیاں لگائی جا چکی تھیں۔ "نہیں.... میں تمہیں خودکشی کا مشورہ نہیں دوں گا۔ امر سنگھ اس کے بھی ہتھکڑیاں لگا دو۔"

"یہ کپتان صاحب ہیں جناب.... میں نے پہچان لیا ہے۔" امر سنگھ بولا۔

"کوئی صاحب بھی ہوں۔" فریدی کا لہجہ بہت سرد تھا۔ "یہ مجرموں ہی کی طرح کوتوالی تک لے جائے جائیں گے کیونکہ میں انہیں صرف لوسی کریگ کے سیکریٹری کی حیثیت سے جانتا ہوں۔ ویسے اگر یہ اپنے متعلق محکمے کے سپرنٹنڈنٹ کو اطمینان دلا سکے تو ان کی ہتھکڑیاں نکال دی جائیں گی۔"

دفعتاً سیکریٹری نے گرج کر کہا۔ "ہینڈز اپ" اور فریدی نے اپنے ہاتھ اٹھا دیئے۔ نیلم اور امر سنگھ نے بھی تقلید کی۔

"مادام واپس چلئے۔" سیکریٹری نے کہا اور پچھلی دیوار کی خلاء کی طرف ہٹنے لگا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ خلاء میں داخل ہوئے اور دیوار برابر ہو گئی۔ ہیری حیرت سے آنکھیں پھاڑے دیوار کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"بالکل ہی گدھا نہیں ہے۔" فریدی مسکرایا۔

وہ کون تھے

دوسری صبح سام کریگ کی کوٹھی پولیس والوں کے بھاری بھر کم جوتوں کی آواز سے گونج رہی تھی۔ فریدی نے سارے تہہ خانے کے راستے کھول کر رکھ دیئے تھے۔ لوسی کریگ کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں پولیس کے نصب کئے ہوئے ایک خیمے میں مقیم تھی۔

سپرنٹنڈنٹ فاروقی بہت زیادہ مشغول نظر آرہا تھا۔ وہاں دو مجسٹریٹ بھی موجود تھے جو تہہ خانوں سے برآمد کی ہوئی اشیاء کی فہرست تیار کررہے تھے، لیکن وہ سب ہی فریدی کی مفصل رپورٹ کے لئے بے چین تھے۔

اور فریدی باہر ٹینٹ میں لوسی کریگ سے گفتگو کررہا تھا۔

"میں آپ سے زیادہ آپ کے اسسٹنٹ کی ممنون ہوں کرنل صاحب! انہوں نے کس طرح مجھے مجبور کردیا تھا کہ میں ان پر اعتماد کروں، ورنہ دنیا کی کوئی قوت مجھ سے اس پُراسرار مینٹل پیس کے متعلق کچھ نہ معلوم کرسکتی جس پر سرخ رنگ کا بلب لگا ہوا تھا۔"

"لیکن آپ نے مجھے اس کے متعلق کیوں نہیں بتایا تھا۔ کیا آپ پر قانون سے تعاون نہ کرنے کا الزام عائد نہیں ہوسکتا۔"

"مجبور تھی جناب! آپ کے اسسٹنٹ ہی نے مجھے اس سے باز رکھا تھا۔ ورنہ میں نے تو تہیہ کرلیا تھا کہ آپ کو اپنے باپ کی پُراسرار خواب گاہ کے متعلق ضرور بتادوں گی۔"

"خیر....!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "آپ کو یقین ہے نا کہ آپ اپنے بیان میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہ محسوس کریں گی۔"

"میرا بیان حقیقت پر مبنی ہے اس لئے اس میں کبھی تبدیلی نہ ہوسکے گی۔"

"مجھے خدشہ ہے کہ آپ کو یہ عمارت چھوڑنی پڑے گی۔"

"میں سب کچھ چھوڑنے کو تیار ہوں۔ اپنی محنت سے روزی حاصل کرکے زندگی بسر کروں گی۔"

"نہیں... میرا خیال ہے کہ صرف یہ کوٹھی ساز و سامان سمیت ضبط ہوجائے گی۔"

"مجھے بے حد خوشی ہوگی۔"

فریدی پھر عمارت میں واپس آگیا۔ سوپر فاروقی بہت بے چینی سے اس کا انتظار کررہا تھا۔

لنچ کے بعد وہ سب اسٹڈی میں جمع ہوئے اور فریدی نے انہیں تفصیل سے بتانا شروع کیا۔

"سام کریگ نے بڑی چالاکی سے اپنا گروہ ترتیب دیا تھا۔ اس کے ساتھی اس کی اصلیت سے واقف نہیں تھے۔ وہ ان سے الگ رہ کر بھی اس بزنس کو کنٹرول کرسکتا تھا۔ آپ نے دیکھا ہے کہ یہاں جعلی نوٹ چھاپے جاتے تھے، جو یہاں سے ایک ہمسایہ ملک میں اسمگل کردیئے جاتے تھے اور وہاں سے ان کے عوض سونا اسمگل ہوتا تھا۔ وہاں سے وہ نوٹ مشرق وسطیٰ میں جاتے تھے جہاں اُن کی قیمت اصل سے ڈیڑھ گنی بڑھ جاتی تھی۔ سام کریگ ان کے عوض سونا وصول کرلیتا تھا۔ واضح رہے کہ یہ نوٹ یہاں نہیں چلائے جاتے تھے ورنہ سام کریگ کا بزنس اتنے دنوں تک نہ پھولتا پھلتا رہتا۔ سام کریگ کے آدمی جگہ جگہ پھیلے ہوئے ہیں اور ان کے ذمہ مختلف کام ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ محکمہ سراغ رسانی تک میں اس کے آدمی موجود تھے۔ نگار کا مسخرہ اسی کے گروہ سے تعلق رکھتا تھا لیکن وہ محکمہ سراغ رسانی کا ایک آفیسر بھی تھا اور وہ حقیقتاً وہاں سام کریگ ہی کے لئے کام کررہا تھا۔ اب سنئے.... مجرموں کے ایک دوسرے گروہ کو کسی طرح اس منفعت بخش بزنس کا علم ہوگیا اور اس نے کوشش شروع کردی کہ کسی طرح اس پر وہ خود قابض ہوجائے۔ اس گروہ کا سربراہ ہیری تھا۔ اور بدقسمتی سے اس کے گروہ کا ایک آدمی بھی محکمہ سراغ رسانی سے ہی تعلق رکھتا تھا۔ میرا اشارہ انسپکٹر شاہد کی طرف ہے۔ اُسے علم تھا کہ سرکس کا مسخرہ جعلی نوٹوں کا بزنس کرنے والوں ہی کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اُدھر سام کریگ کو بھی شاید علم ہوگیا تھا کہ ہیری اس کے بزنس پر نظر رکھتا ہے، لہٰذا اس نے اس کا قلع قمع کرنے کے لئے اپنے گروہ کا کچھ حصہ وقف کردیا۔ یہ لوگ ان جگہوں پر پھیل گئے جہاں جہاں ہیری کی ریشہ دوانیوں کا امکان ہوسکتا تھا۔ چنانچہ نگار تھیٹر بھی ایک ایسی ہی جگہ تھی۔ نگار تھیٹر کا منیجر سام کریگ کا آدمی ہے اور وہ بھی اس بزنس میں شریک رہا ہے۔ تھیٹر کے مسخرے کا کام یہ تھا کہ وہ علانیہ اپنی رپورٹ کسی ایسے آدمی کو دیتا تھا جسے وہ جانتا نہیں تھا۔ ہاں سام کریگ کے گروہ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس کے آدمی ایک دوسرے کی اصلیت سے واقف نہیں تھے۔ مثلاً اگر کسی کو ایک کام سونپا گیا ہے تو وہ صرف اسی کو کرتا رہے گا لیکن اسے اس کا علم نہیں ہوگا کہ اس کام کی اطلاع دوسروں تک پہنچانے والا کون ہوگا۔ مثال کے طور پر اسٹیج کے مسخرے ہی کو لے لیجئے۔ وہ دن بھر کی رپورٹ رومانی روزنامچے کی شکل میں پیش کرتا تھا۔ جسے اس کے ساتھی بڑی دلچسپی

سے پڑھتے تھے اور ان ہی میں ایک آدمی ایسا بھی تھا جو اس تحریر سے مخصوص قسم کے پیغامات نوٹ کرتا تھا لیکن مسخرہ اس آدمی سے واقف نہیں تھا ورنہ وہ اتنی محنت سے وہ روزنامچہ کیوں مرتب کرتا۔ ظاہر ہے کہ وہ روزنامچے آسانی سے نہیں لکھے جاسکتے۔ ہاں اگر وہ اس آدمی سے واقف ہوتا تو اتنے پاپڑ بیلنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ وہ خود ہی بالمشافہ اُسے اپنی رپورٹ دے سکتا تھا۔ ان رپورٹوں میں صرف منیجر ہی کے متعلق ساری باتیں ہوتی تھیں، بہر حال میں اُن سے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ کچھ آدمی نگار کے منیجر کے پیچھے تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ ہیری ہی کے آدمی رہے ہوں گے۔ دراصل سام کریگ نے یہ انتظام اس لئے کیا تھا کہ منیجر کی حفاظت کی جاسکے۔"

فریدی سانس لینے کے لئے رکا ہی تھا کہ فاروقی بول پڑا۔ "خدا کے لئے اب تو بتا دیجئے کہ ان کاغذات میں رپورٹیں کہاں ہیں۔"

"ٹھہریئے۔" فریدی مسکرا کر اپنا فائیل الٹتا ہوا بولا۔ "یہ لیجئے.... اس صفحے کی تحریر کو بلند آواز سے پڑھ جایئے۔ پھر میں بتاؤں گا۔"

فاروقی نے کاغذ لے کر پڑھنا شروع کر دیا۔ یہ ایک عشقیہ بکواس تھی لکھنے والے نے کسی رات کا تذکرہ کیا تھا جب اس کی محبوبہ نے اس کے ساتھ شراب پینے اور رقص کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

سننے والوں نے بہت بُرا سا منہ بنایا اور فریدی کو اس طرح گھورنے لگے جیسے اس کا دماغ خراب ہو گیا ہو۔

"اب مجھ سے سنئے۔" فریدی نے کہا۔ "پیغام یہ ہے۔ پچھلی رات ٹونی اور بلنگر منیجر کے دفتر میں گھسے تھے اور اس کے سارے کاغذات الٹ پلٹ ڈالے تھے، لیکن شاید انہیں وہ چیز نہیں ملی جس کی تلاش تھی۔"

"اس میں یہ پیغام کہاں ہے؟" فاروقی بیساختہ بولا۔

"ہے۔" فریدی مسکرایا۔ "یہ سارے صفحات پنسل سے تحریر کئے گئے ہیں۔ ذرا غور کیجئے۔ بعض الفاظ کے اکثر حروف دبا کر لکھے گئے ہیں یعنی تحریر روشن ہے اور بعض حروف بہت ہلکے ہیں۔ صرف روشن حروف کو علیحدہ کر کے ایک جگہ اکٹھا کر دیجئے۔ یہی پیغام بن جائے گا جو میں نے ابھی عرض کیا ہے۔"

"میرے خدا....!" فاروقی بے ساختہ اچھل پڑا۔ "کتنی معمولی سی بات تھی، لیکن میری سمجھ میں نہ آسکی۔"

"اس طرح اور بہتیرے پیغامات ہیں۔" فریدی بولا۔ "اور اُن سبھی میں ہیری کے قمار خانے کی جانب اشارے ملتے ہیں۔ بہر حال ان کاغذات کی اہمیت مجھ پر اسی وقت واضح ہوئی تھی جب شاہد قتل کر دیا گیا تھا اور کسی نے ان کاغذات کے بارے میں میری رائے معلوم کرنی چاہی تھی اور فون پر خود کو سپرنٹنڈنٹ فاروقی ظاہر کیا تھا۔ خیر شاہد تو اس لئے قتل کیا گیا تھا کہ میں نے ان کے متعلق شبہ ظاہر کیا تھا۔ بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ وہ گھبرا کر نگار تھیٹر سے بھاگ کھڑا ہوا اور نگار تھیٹر کے خلاف جو کیس بنایا گیا تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ نگار کا منیجر سراسیمہ ہو جائے اور اس سے ایسی حرکتیں سرزد ہوں، جو اس مقام تک ہیری کے گروہ کی رہنمائی کر سکیں جہاں نوٹ چھاپنے کی مشین تھی یا جو بزنس کا مرکز تھا۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ انہیں دونوں سام کریگ مر ہی گیا اور اس کی موت حقیقتاً نگار ہی سے واپسی پر واقع ہوئی۔ شاہد نے وہیں سے ایک کیس بنا ڈالا ورنہ میرا خیال ہے کہ ہیری کو بھی محض شبہ ہی تھا کہ سام کریگ اس بزنس کا ہیڈ ہے یقین نہیں تھا اُسے، ورنہ وہ اُسے کسی نہ کسی طرح قابو میں کرنے کی کوشش کرتا۔ اُسے دراصل شبہ ہوا تھا۔ سام کریگ کی موت کے بعد جب کسی مشتبہ آدمی کو اس نے سام کریگ کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ بس اُسی کے پیچھے لگ کر وہ اس مقام تک پہنچ گیا جہاں نوٹ چھاپنے کی مشین لگی ہوئی تھی۔"

"لیکن یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ سام کریگ کے آدمی یہ نہیں جانتے تھے کہ وہی ان کا سربراہ ہے" کسی نے سوال کیا۔

کیونکہ سام کریگ کی موت کے بعد بھی اس کی خواب گاہ میں چھپے ہوئے ٹیلی پرنٹر پر اس کے لئے پیغامات آتے رہے تھے لیکن ٹھہریئے میں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ سارے ہی آدمی اس سے ناواقف تھے، زیادہ تر ناواقف تھے۔ مجھے ابھی تک پچاس آدمیوں میں سے صرف دو ایسے مل سکے ہیں جو جانتے تھے کہ سام کریگ ہی اُن کا ہیڈ ہے۔ ایک ہے نگار کا منیجر اور دوسرا ایک معمولی حیثیت کا آدمی۔ سام کریگ نے اس کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں ایک معمولی سی عمارت بنوائی تھی جو صرف دو کمروں پر مشتمل ہے۔ اُسے کریگ نے ایک آدمی کو کرائے پر دے دیا، جو موٹر سائیکلوں

کی مرمت کا کام کرتا تھا اور یہ دوسرا آدمی موٹر سائیکل کی مرمت کے کارخانے میں ایک گھٹیا سی حیثیت کا ملازم تھا، لیکن نوٹ اس کی نگرانی میں چھپتے تھے اور اس عمارت کی کنجی اس آدمی کے پاس رہتی تھی اور یہ تو آپ دیکھ ہی چکے ہیں کہ اس عمارت سے تہہ خانوں کا راستہ شروع ہوتا ہے۔ سام کریگ بظاہر خود کو اس دھندے سے بالکل الگ تھلگ رکھتا تھا مگر یہ حقیقت تھی کہ ایک ایک چیز پر اس کی نگاہ رہتی تھی۔ اپنی خواب گاہ میں بیٹھے بیٹھے ہی اُسے علم ہو جاتا تھا کہ نوٹ چھاپنے کا کام کب شروع کیا گیا اور کتنے نوٹ چھاپے گئے۔ جیسے ہی نیچے مشین حرکت میں آتی خواب گاہ کے مینٹل پیس والا سرخ بلب روشن ہو جاتا اور حرکت کرتے ہوئے ہند سے چھپنے والے نوٹوں کی تعداد بتاتے رہتے۔"

"مگر ہیری کے متعلق آپ کو یقین کیسے ہوا تھا کہ وہی دوسرے گروہ کا سربراہ ہے۔" سوپر فاروقی نے پوچھا۔

"وہ.... وہ ویٹر جو آپ کی قید میں ہے.... دراصل اس بے چارے نے اس کیس کے سلسلے میں میرا بہت ہاتھ بٹایا ہے۔ وہ بھی سام کریگ ہی کے گروہ سے تعلق رکھتا تھا اور میرے پیچھے اس لئے لگا تھا کہ ان کاغذات کو اڑا دے۔"

فریدی نے ویٹر کے متعلق بتانا شروع کیا کہ کس طرح وہ اُسے پکڑ کر ریجنٹ ہوٹل سے ایک کیفے میں لے گیا تھا۔

"اوہ پھر....!" اس نے کہا۔ "یہ حقیقت ہے کہ وہ میرے اس رویہ پر اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا تھا۔ ہر وہ چیز جو کسی آدمی کے لئے قطعی غیر متوقع ہوتی ہے اس کے اعصاب پر ایک خاص قسم کا اثر ڈالتی ہے جس کے تحت وہ تھوڑی دیر کے لئے اپنی اصلیت سے ہٹ جاتا ہے۔ یعنی مثال کے طور پر کوئی آدمی آپ کے خلاف بھرا بیٹھا ہے اور اسے توقع ہے کہ آپ آتے ہی اس پر ہاتھ چھوڑ دیں گے لیکن اس کے برخلاف آپ نہایت محبت کے ساتھ اُسے سگریٹ پیش کرتے ہیں وہ فوراً ہی جذباتی کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ابھی تک وہ آپ کے لئے غصہ اور نفرت لئے بیٹھا تھا لیکن آپ کے رویے نے ان جذبات کے برعکس ایک تیسرا جذبہ اس کے ذہن پر مسلط کر دیا۔ ظاہر ہے کہ اس فوری جذباتی تغیر کا اثر سسٹم پر ضرور پڑے گا اور اس کے رویے میں بہتیری تبدیلیاں ظاہر ہوں گی۔ مثلاً وہ ہکلائے گا۔ جھینپے گا اور کبھی اس کے چہرے پر کچھ دیر پہلے کی

جھلاہٹ کا پرتو نظر آئے گا۔ وہ خود بھی اپنے اندر ان تبدیلیوں کو محسوس کرے گا لیکن جتنا بھی وہ ان کے متعلق سوچے گا اتنا ہی نروس ہوتا چلا جائے گا پھر اسے ذہنی کرب سے پیچھا چھڑانے کی صرف ایک ہی صورت نظر آئے گی۔ وہ یہ کہ وہ آپ سے ہم آہنگ ہو جائے۔ خود کو آپ کے رحم و کرم پر چھوڑ دے۔ یہی حال اس ویٹر کا بھی ہوا وہ سمجھا تھا کہ ہوش میں آنے پر وہ اپنے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں دیکھے گا لیکن اس کے بجائے اس نے اپنا حلیہ ہی تبدیل پایا.... اور پھر.... جب میں اُسے ایک دوسرے ریستوران میں لا کر اس کی خاطر مدارت کرنے لگا تو وہ بالکل ہی نروس ہو گیا بس پھر میں نے سیسہ پگھلتے دیکھ کر اُسے سانچے میں ڈھالنا شروع کر دیا۔ میں نے اس سے کہا کہ میں نے اس کی شکل اس لئے تبدیل کر دی ہے کہ وہ اپنے ہی کسی آدمی کی گولی سے محفوظ رہے۔ اس پر اس نے بتایا کہ میرا خیال صحیح تھا۔ گروہ کا ہر فرد جانتا ہے کہ وہ جب بھی پولیس کے ہاتھوں میں پڑا، بیان دینے سے پہلے ہی کسی نہ کسی طرح مار ڈالا جائے گا۔ اس کے بعد اس نے سب کچھ اگل دیا، لیکن وہ بھی نہیں جانتا تھا کہ گروہ کا ہیڈ سام کریگ ہے.... لیکن ہیری اور اس کے ارادوں سے واقف تھا۔ ہیری بھی جانتا تھا کہ گروہ والے عام طور پر اپنے سربراہ سے واقف نہیں ہیں اس لئے اگر بزنس پر آسانی سے اس کا قبضہ ہو جاتا تو گروہ والوں کو اس تبدیلی کا بھی علم نہ ہوتا۔"

بقیہ لوگ خاموشی سے فریدی کی تقریر سن رہے تھے جب وہ خاموش ہوا تو فاروقی نے کہا۔ "ان لوگوں نے بہت ہی اعلیٰ پیمانے پر سونا اسمگل کیا ہے تہہ خانوں سے جو سونا برآمد ہوا ہے، اس کی قیمت کم از کم ڈھائی کروڑ ضرور ہو گی۔"

"ابھی نہ جانے کتنی گرفتاریاں باقی ہیں۔" فریدی بولا "لیکن واضح رہے کہ وہ ویٹر جو آپ کی قید میں ہے وعدہ معاف گواہ بنایا جائے گا۔"

"تو نگار والے قتل کا ذمہ دار آپ کسے ٹھہراتے ہیں۔"

"سوفیصدی ہیری کو.... جب شاہد کو اس کی اصلیت کا علم ہو گیا تھا تو اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ ہیری ہی کے کسی آدمی نے رائفل لوڈ کی ہو گی۔"

اس کے بعد پھر ضابطے کی کاروائیاں شروع ہو گئیں اور فریدی جس کا کام قریب قریب ختم ہو چکا تھا ہوٹل واپس آ گیا۔ لیکن حمید سے ملاقات نہیں ہوئی۔ کیونکہ وہ تو اس ڈر سے بھاگا بھاگا پھر رہا تھا کہ فریدی کہیں سختی سے باز پرس نہ کرے کہ اس نے اُسے اطلاع دیئے بغیر لوسی پر

ڈورے کیوں ڈالے تھے۔

نیلم موجود تھی، فریدی کو دیکھتے ہی وہ مسکرائی۔

"میرے خیال سے آپ بابا کو معاف کر دیجئے۔" اس نے کہا۔

"وہ ہے کہاں؟"

"پتہ نہیں.... مگر....!"

"میں اب اچھی طرح اس کی خبر لوں گا۔ تنگ آ گیا ہوں۔ اگر میں کسی کام پر لگاتا ہوں تو دم نکلنے لگتا ہے اور خود مجھے اطلاع دیئے بغیر کنوئیں میں چھلانگ لگا دے گا۔ آگ میں کود پڑے گا۔ اگر اس نے مجھے سام کریگ کی خواب گاہ کے مینٹل پیس کے متعلق پہلے ہی بتا دیا ہوتا تو اس کیس میں اتنی دیر کیوں لگتی اور پھر یہ کیس ایسا تھا کہ اُسے اپنی تفتیش کی رپورٹ باضابطہ طور پر دینی چاہئے تھی۔ کیونکہ اس میں محکمے کے دو آفیسر بھی ملوث تھے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر پچھلی رات وہ وہاں سے کھسک ہی نہ گیا ہوتا تو مجھے س کے ہاتھوں میں بھی ہتھکڑیاں ڈالنی پڑتیں۔"

"اوہ.... تو اسی لئے آپ نے کہا تھا کہ بالکل گدھا نہیں ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا.... وہ سگار سلگانے لگا تھا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 69

ٹھنڈی آگ

(مکمل ناول)

پیش رس

اس کتاب کا پیشرس کسی کے اس مقولے سے شروع کر رہا ہوں کہ

"دیر آید درست آید"

فی الحال جو کچھ بھی ہے حاضر ہے۔

میں ان تمام دوستوں کا بیحد مشکور ہوں جنہوں نے لاہور کے ایک پبلشر کی اس غیر قانونی حرکت کے سلسلے میں مجھے خطوط لکھے ہیں کہ اس نے میرا ناول "طوفان کا اغواء" بعض ناموں کی تبدیلی کے ساتھ پیش کر کے شرافت کا نیا ریکارڈ قائم کیا ہے۔ آپ یقین کیجئے کہ اس نے یہ اقدام میری اجازت حاصل کئے بغیر کیا تھا اور اس سلسلے میں ان تمام لوگوں کے خلاف قانونی کاروائی کی جا رہی ہے۔ جنہوں نے غیر قانونی طور پر اس کتاب کی طباعت اشاعت اور فروخت میں حصہ لیا ہے۔

خیر چھوڑیئے یہ سب تو ہوتا ہی رہتا ہے.... اس بار آپ کیپٹن حمید سے براہِ راست گفتگو کر سکیں گے۔ کیوں کہ وہ خود ہی براہِ راست آپ کو مخاطب کر رہا ہے۔ اپنے مخصوص انداز میں اس نے کیسی پھل جھڑیاں چھوڑی ہیں۔ اس کا اندازہ تو آپ کہانی پڑھ کر ہی لگا سکیں گے۔ کہانی بھی حیرت زدہ کر دینے والی ہے۔ اس کہانی سے آپ کو یہ بھی معلوم ہو سکے گا کہ کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کس طرح یکجا ہوئے تھے۔ یہ واقعہ دلچسپ بھی ہے اور بڑی حد تک دردانگیز بھی۔ مگر حمید ہی اس ٹریجڈی کا پس منظر بھی آپ پر واضح کر دے گا۔

ابن صفی

۶/ اکتوبر ۱۹۵۷ء

میز پر لاش

یقین کیجئے یا نہ کیجئے کہ آج میں.... یعنی کیپٹن حمید آپ سے براہِ راست مخاطب ہوں.... براہِ راست مخاطب کرنے کی یوں ضرورت پیش آئی کہ تذکرہ نویسوں نے (میں ان کی نیت پر شبہ نہیں کرتا) یا تو میرے ساتھ پورا پورا انصاف نہیں کیا یا پھر آپ ہی نے ان کی تحریروں سے غلط مطالب اخذ کئے ہوں۔ ویسے میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ اکثر میری تفریحات کے تذکرے مبالغہ آمیز ہو جاتے ہیں۔ مگر آپ یہ تو سوچئے کہ زیب داستان کے لئے بھی تو کچھ نہ کچھ ہونا ہی چاہئے۔ لہٰذا مجھے اپنے تذکرہ نویس صاحب سے اس سلسلے میں کوئی شکایت نہیں ہے۔ میں تو دراصل یہ چاہتا ہوں کہ آپ میرے متعلق کوئی غلط رائے نہ قائم کریں۔ ویسے اگر آپ نے کر بھی لی تو میرا کیا بگاڑ لیں گے.... جی ہاں۔

خفا ہونے کی ضرورت نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ تمہید کے طور پر بھی تو کچھ ہونا چاہئے۔ اب یوں ہی گفتگو کیسے شروع کر دی جائے۔ پھر کیا میں یہ لکھتا کہ اپنی یہ کہانی میں خود ہی بیان کروں گا۔ جو کچھ کرنا ہے کر لیجئے؟ کیا میں آپ سے کمزور ہوں۔ آپ خود سوچئے اپنی کہانی اپنی زبانی سے بیان کرنے میں کتنا لطف آتا ہے اور کون نہیں چاہتا کہ دس آدمیوں میں بیٹھ کر اپنی انیاں بیان کرے.... جس کے پاس اپنی کہانیاں نہیں ہوتیں وہ گھڑتا ہے ایسی کہانیاں جو کسی محفل میں دوسروں کو مرعوب کر سکیں۔ مثلاً اگر آپ جوان ہیں تو اپنے عشق کی ایسی داستانیں سنائیں گے کہ سننے والے اپنا دن کا چین اور راتوں کی نیند حرام کر بیٹھیں۔ اگر آپ بوڑھے ہیں تو اپنے ایام تحصیلداری کے ایسے قصے سنائیں گے کہ جیسے آپ سے بڑا تحصیلدار آج تک پیدا ہی نہ

ہوا ہو۔ اگر آپ بچے ہیں تو اپنی بہادری کی ڈینگیں اس طرح مارتے پھریں گے جیسے آپ وہی ہیں جسے سیمرغ اپنے گھونسلے میں اٹھالے گیا تھا اور بعد کو آپ رستم کے پردادا کہلائے تھے۔

بہر حال بات صرف اتنی سی ہے کہ میں اپنی کہانی خود ہی بیان کرنا چاہتا ہوں۔ بہتیرے حضرات یہ جاننا چاہتے ہیں کہ میں اور کرنل کب اور کن حالات میں یکجا ہوئے تھے۔ چلئے پہلے یہی سن لیجئے۔ میں نے بی۔اے کیا تھا اور ایم اے میں پڑھ رہا تھا کہ تیسری جنگ شروع ہو گئی۔ میرے باپ ایک بہت بڑے زمیندار اور تاج برطانیہ کے وفادار ترین لوگوں میں سے تھے انہوں نے گاؤں سے رنگروٹ بھرتی کرانے شروع کئے۔ وہ فخریہ لوگوں سے کہتے کہ وہ حکومت کے اتنے وفادار ہیں کہ اس کی مدد کے لئے سب کچھ کر سکتے ہیں۔ ایک بار کسی ہم چشم نے کہہ دیا کہ خان صاحب تمہارا بھی تو جوان بیٹا ہے اسے فوج میں بھرتی کراؤ۔ تب ہم دیکھیں گے کہ کتنے وفادار ہو۔ چنانچہ آ گیا جلال خان صاحب کو اور مجھے اسی دن حکم دیا کہ میں کمیشن لے لوں۔ میں نے قسمیں کھائیں کہ میں قطعی اس قابل نہیں ہوں.... یقین نہ آئے تو استاد تشنہ مراد آبادی سے پوچھ لیجئے کہ میں نے حال میں شاعری شروع کی ہے اور استاد بن خاں سے ستار بجانا بھی سیکھ رہا ہوں مگر کون سنتا ہے فغانِ درویش۔

کمیشن لینا پڑا.... جب تک کسی محاذ جنگ پر نہیں جانا پڑا دل کھول کر عیش کئے۔ یقین کیجئے کہ کئی سال ادھر اُدھر کیمپوں میں بسر ہوتی رہی، اور میں دعائیں مانگتا رہا کہ کسی طرح لڑائی ختم ہو جائے اور میں میدان جنگ کی صورت دیکھے بغیر ہی غازی ساجد حمید بن جاؤں.... مگر توبہ کیجئے۔ ایک دن کھلونے بنانے والا جاپان بھی جنگ میں کود پڑا اور مشرق بعید میں بھی محاذ جنگ قائم ہو گیا۔

بہر حال مجھے تو اسی وقت یقین ہوا کہ کھلونے بنانے والا جاپان بھی جنگ میں کود سکتا ہے جبکہ میرے یونٹ کو مشرق کے کسی نامعلوم مقام کی طرف روانہ کیا جانے لگا۔

گھروں میں بیٹھ کر جنگ کی خبریں سننا اور پڑھنا اور بات ہے لیکن آپ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ میدان جنگ کس چڑیا کا نام ہے۔ آپ کسی کی فتح اور شکست پر بغلیں تو بجا سکتے ہیں لیکن شکست کھانے والے تو الگ رہے خود فاتحین سے پوچھئے کہ ان پر کیا گذری ہے۔ کیا ان کے ہاتھ اس قابل رہ گئے ہیں کہ وہ بغلیں ہی بجانے کے کام آ سکیں۔

آپ یہ نہ سمجھئے گا کہ اب میں میدان جنگ کا نقشہ کھینچ کر آپ کو بور کروں گا میں تو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں ایسا کیوں ہوں۔ میں ہر وقت قہقہے لگانا کیوں چاہتا ہوں۔ مجھے ہر وقت تفریح کی تلاش کیوں رہتی ہے۔ میں اکثر سنجیدگی کے مواقع پر بھی غیر سنجیدہ کیوں نظر آتا ہوں؟ ادھر دیکھئے ذرا میری پچھلی زندگی میں جھانکنے کی کوشش کیجئے۔

میں جس نے شاعری شروع کی تھی.... میں جو آرٹسٹک خیالات رکھتا تھا۔ میں جس نے ستار سیکھنا شروع کیا تھا۔ زبردستی جنگ کے میدان میں دھکیل دیا گیا۔ میں نے طالب علمی کی زندگی میں کبھی بھولے سے بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ فوجی بنوں گا۔ (یہ اور بات ہے کہ فلمی ہیرو بننے کے خواب میں نے بکثرت دیکھے ہوں) ہاں تو بالکل غیر متوقع طور پر اور دل پر جبر کر کے میں نے یہ لائن اختیار کی تھی۔ اگر نہ کرتا تو میرے والد خان اپنی دھمکی کے مطابق نہ زندگی بھر میری شکل دیکھتے اور نہ میری شادی پچھن پور کے جاگیردار کی لڑکی سے ہو سکتی جو مجھے بہت اچھی لگتی تھی۔ وہ میری شکل دیکھتے یا نہ دیکھتے اور میں کسی دوسرے جاگیردار کی لڑکی سے شادی بھی کر سکتا تھا کیونکہ ہر لڑکی لڑکی ہی ہوتی ہے لڑکا نہیں۔ رہا اچھی لگنے کا سوال تو کچھ دنوں کے بعد ہر لڑکی اچھی لگنے لگتی ہے خواہ وہ کولتار کا پیپہ ہی کیوں نہ ہو۔ میں دراصل صرف ایک بات سے ڈرتا تھا.... وہ صرف اتنی سی تھی کہ اگر جیب خرچ بند ہو گیا تو میں کیا کروں گا۔ والد خان کچھ ایسے ہی آدمی تھے جو کہتے کر گذرتے تھے بلکہ پہلے کر گذرتے تھے پھر کہتے تھے۔

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ کشت و خون قتل و غارت گری نے میری زندگی میں مایوسیاں بھر دیں۔ میں بے تحاشہ شراب پینے لگا تھا اور عورتیں میری زندگی کا جزو لازم بن کر رہ گئی تھیں۔ آپ یقین کیجئے میں اتنا بدنام ہو گیا تھا کہ سزا کے طور پر میرا درجہ گھٹا دیا گیا۔ یعنی سیکنڈ لیفٹیننٹ سے سارجنٹ بنا دیا گیا۔ لیکن مجھے اس کی بھی پرواہ نہیں تھی۔ کیونکہ میری انگلی سے مضراب نکال کر اسے زبردستی رائفل کے ٹریگر پر رکھ دیا گیا تھا۔ اسی دوران میں سنگاپور میں تین لڑکیاں ٹکرائیں۔ اتفاق سے وہ جاپانی جاسوس تھیں۔ ان کا راز اتفاقاً مجھے معلوم ہوا۔ اس میں میری کوششوں کو دخل نہیں تھا۔ اس کے بعد ہی مجھے ملٹری کی سیکرٹ سروس میں لے لیا گیا۔ مگر عہدہ رہا سارجنٹ کا۔ ان لڑکیوں کے ذریعہ ایک بہت بڑے گروہ کی گرفتاری عمل میں آئی جو منظم طور پر جاپان کے لئے کام کر رہا تھا۔ پھر کچھ ہی دنوں کے بعد جنگ ختم ہو گئی اور مجھ جیسے ہزاروں

تمیں مارخاں غازی کہلائے۔

لیکن یقین کیجئے کہ میں پھر گھر واپس نہیں گیا۔ سنگاپور سے واپسی پر میرے ایک شناسا نے جو میرے ہی گاؤں سے تعلق رکھتا تھا اپنی اور میری واپسی کی اطلاع اپنے گھر والوں کو دی تھی۔ والد خان جن سے عرصہ سے خط و کتابت بند تھی اس اطلاع پر مجھے ریسیو کرنے دوڑے چلے آئے، مگر میں نے انہیں نہیں پہچانا۔ پہچاننے سے انکار ہی کر دیا۔ ان کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ میں نے کہا کہ میں نے انہیں اس سے پہلے کبھی دیکھا ہی نہیں اگر انہوں نے خواہ مخواہ میرا باپ بننے کی کوشش کی تو میں ان کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ دائر کر دوں گا۔ والد خان اس پر بغلیں جھانکنے لگے.... یقیناً یہ خبر ان کے لئے ایٹم بم سے کم کسی طرح نہ رہی ہو گی.... آپ مجھے بُرا کہیں گے۔ لیکن میری بھی سنئے.... والد خان کو کیا حق حاصل تھا کہ مجھے اپنی آن پر بھینٹ چڑھا دیں۔ مجھ میں اس وقت اتنی کمزوری تھی کہ میں صرف والد خان ہی کو ان داتا تصور کرتا تھا۔ یہ سوچتا تھا کہ اگر انہوں نے اپنی پٹھانی آن کے مقابلے میں میری نافرمانی کو کمتر سمجھا تو مجھے در در کی ٹھوکریں کھانا پڑیں گی اور ہو سکتا ہے کہ میں ایک بہت بڑی جائیداد سے بھی محروم ہو جاؤں۔ مگر اب تو میری دنیا ہی بدل چکی تھی۔ میں ایک ہول ناک جنگ دیکھ چکا تھا۔ میں دیکھ چکا تھا کہ آدمی کتنا بے وقعت جانور ہے۔ وہ گرتی ہوئی عمارتوں کے نیچے دب کر کس طرح چیختا اور کراہتا ہے۔ وہ کس طرح چوہے دان میں پھنسے ہوئے چوہوں کی مانند بے بسی سے مر جاتا ہے۔ میں نے کیا نہیں دیکھا تھا۔ سب کچھ دیکھا تھا.... اور جو کچھ بھی دیکھا تھا اسی کی پرچھائیں میرا مستقبل بننے والی تھیں اور مستقبل میری نظروں میں کیا تھا۔ اک بیکراں تاریکی.... اک ابدی سناٹا۔ جس کے تصور ہی سے ذہن شل ہو کر رہ جائیں۔ خیر ختم کیجئے اس خشک سی بکواس سے میں آپ کو بور نہیں کرنا چاہتا۔

ہاں تو جب والد خاں میرے باپ ہونے پر مصر تھے اور میں اس کی تردید کر رہا تھا۔ میری نظر ایک آدمی پر پڑی جو بہت دلچسپی سے ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔ یہ ایک وجیہہ اور لحیم شحیم نوجوان تھا۔ شخصیت ایسی پرکشش تھی کہ دوسری بار دیکھنے کو بھی دل چاہتا تھا۔ اس کی آنکھیں عجیب تھیں بڑی بڑی پلکیں اور اس طرح نیچے جھکی آ رہی تھیں جیسے وہ اسی جگہ کھڑے کھڑے سو جائے گا۔ جیسے ہی ہماری آنکھیں چار ہوئیں اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی اور

مسکراہٹ بھی ایسی ہی تھی جیسے وہ مجھ سے واقف رہا ہو۔

مجھے شرارت سوجھی.... والد خاں سے بھی پیچھا چھڑانا چاہتا تھا جو جان کو آ گئے تھے.... یوں ہی خواہ مخواہ میں "بھائی جان" کہہ کر اس آدمی کی طرف لپکا۔

لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے "جیتے رہو.... خوش رہو۔" کہہ کر مجھے بھینچ اور پھر میری پیٹھ ٹھونک کر بولا۔ "ارے منے تو تو اب ایک دم جوان ہو گیا ہے۔"

والد خان قریب ہی کھڑے آنکھیں مل مل کر ہم دونوں کو گھور رہے تھے۔ مجھے حیرت ضرور اور میں اس آدمی کے رویئے پر الجھن میں ضرور مبتلا ہو گیا تھا لیکن یہ یقین تھا کہ اب والد سے پیچھا چھوٹ جائے گا۔ یہی ہوا.... والد خان جھینپے ہوئے انداز میں آگے بڑھے اور آہستہ سے بولے۔ "معاف کیجئے گا.... مجھے غلط فہمی ہوئی تھی مگر میرا لڑکا آپ کا ہم شکل ہے۔"

"ہو سکتا ہے.... کوئی بات نہیں۔" اس آدمی نے لاپروائی سے کہا اور والد خان اپنے ستوں اور اعزہ سمیت وہاں سے چلے گئے۔

اب میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور ایک طرف چلنے میں بھی تن بہ تقدیر چلا جا رہا تھا۔

ریلوے اسٹیشن سے باہر آ کر اس نے ایک کار کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر موش رہا۔ کہتا بھی کیا۔ اس نے جس انداز میں اس مذاق کو حقیقت کا رنگ دے دیا تھا اپنی مثال پ تھا۔

اور اسی وقت میں نے سوچا کہ دنیا میں مجھ سے بھی زیادہ ستم ظریف لوگ کم نہ ہوں گے۔

کار تیز رفتاری سے شہر کی سڑکیں ناپ رہی تھی اور ہم دونوں خاموش تھے۔ ویسے میں بار بار لکھیں پھاڑ کر اُسے گھورتا.... اور سوچتا کہ وہ آخر گونگا کیوں ہو گیا ہے۔

آخر گاڑی ایک عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ یہ کوٹھی بہت بڑی اور شاندار تھی۔ اس ہاپائیں باغ کے ساتھ ہی ساتھ عقبی پارک بھی تھا اور ان کے گرد ہزاروں مربع گز کا احاطہ ۔ میں نے سوچا یا خدا اصلی باپ تو اس حیثیت کا نہیں تھا مگر نقلی بھائی.... نقلی بھائی مجھے ایک ندار کیڈیلاک کار میں یہاں تک لایا تھا۔ میں پھاٹک پر لگی ہوئی نیم پلیٹ بھی نہ پڑھ سکا۔

کچھ دیر بعد وہ ایک ملازم سے کہہ رہا تھا۔ "انہیں باتھ روم وغیرہ دکھاؤ اور ان کا سامان

مہمان خانے میں پہنچادو۔"

اور پھر مجھے معلوم ہوا کہ وہ کون تھا۔ آج کا کرنل فریدی جو اس وقت انسپکٹر فریدی کہلاتا تھا۔ مگر ایک انسپکٹر کے یہ ٹھاٹھ باٹھ دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی تھی اور میں نے سوچا تھا کہ یہ آدمی آخر کتنا بڑا راشی ہے اور اسے کتنی رشوت ملتی ہے۔ کیا حکام بالا کو اس تزک و احتشام کی خبر ہی نہیں ہے۔

شام تک میں نے کرنل سے سچی بات کہہ دی۔ وہ سن کر کافی محظوظ ہوئے۔ لیکن انہوں نے مجھ سے یہ نہیں کہا کہ مجھے اپنے باپ سے ملنا چاہئے۔ یا میں نے غلطی کی ہے۔

میرے سامنے مستقبل کے لئے کوئی پروگرام نہیں تھا۔ اگر نہیں تھا تو مجھے اس کی پرواہ بھی نہیں تھی۔ میں تو ان دنوں خود کو قدیم یونان کے فرقہ کلبیہ کا ایک فرد سمجھنے لگا تھا۔

خود کرنل ہی نے میرے سامنے مستقبل کے لئے ایک پلان رکھا۔ ان کا خیال تھا چونکہ میں ملٹری کی سیکرٹ سروس سے منسلک رہ چکا ہوں اس لئے ان کے محکمے میں میرے لئے ضرور گنجائش نکل آئے گی۔

اور ایسا ہی ہوا۔ مجھے اسسٹنٹ سب انسپکٹر کا رینک مل گیا۔ لیکن ملٹری کے عہدے کے مطابق میں سارجنٹ حمید ہی کہلاتا رہا۔ کرنل نے مجھے شروع ہی سے اپنی ماتحتی میں رکھا تھا۔ ملازمت ملنے کے بعد ہی میں نے ایک علیحدہ مکان کرایہ پر حاصل کر لیا اور وہیں رہنے لگا۔ لیکن زیادہ دنوں تک ایسا نہیں ہو سکا۔ کرنل نے مجھے مجبور ہی کر دیا کہ میں رہوں بھی ان کے ساتھ۔

اور پھر اس کے بعد کی زندگی سے تو آپ واقف ہی ہیں۔ لیکن شاید آپ کو یہ نہ معلوم ہو کہ ایک بار کرنل ہی مجھے میرے گھر لے گئے تھے اور والد خان نے اس سلسلے میں ایک بہت بڑا جشن برپا کیا تھا۔ صلح صفائی ہوئی لیکن یہ حقیقت ہے کہ اب گھر بار سے طبیعت اچاٹ ہو گئی تھی۔

پھر آہستہ آہستہ میری کایا پلٹ ہوتی گئی۔ میں کرنل کا احسان مند ہوں کہ انہوں نے مجھے آدمی بنا دیا۔ غالباً اسی لئے انہوں نے مجھے اپنے ساتھ رکھا تھا۔ میری اصلاح کے لئے ایسے نفسیاتی پہلو اختیار کرتے کہ مجھے بھی خبر نہ ہوتی۔ شراب چھوٹی اور ان مایوسیوں کے تانے بانے میرے ذہن سے غائب ہوئے جن کا تعلق مستقبل سے تھا۔

مگر صرف ایک بات پر آج تک ان سے متفق نہ ہو سکا وہ بات آپ سے بھی پوشیدہ نہیں

ی ہاں.... وہی یلاہلیوں والا معاملہ.... اور یہ بھی سن لیجئے کہ اپنے قلم سے اس کا اعتراف کرتے ہوئے مجھے شرم نہیں آتی۔ شرم یوں نہیں آتی کہ آج تک میرے قدم دوستی سے آگے نہیں ڑھے۔ میں لڑکیوں میں بیٹھ کر گپیں مارنے کا شائق ہوں۔ مجھے ان سے عشق نہیں ہو جاتا۔

اوہو مگر ٹھہریئے۔ شاید آپ شہناز کی مثال پیش کریں۔ تو میں آپ کی خدمت میں یہ طلاع پیش کرتا ہوں کہ میں اس زمانے میں جب شہناز سے ملاقات ہوئی تھی بالکل اناڑی تھا۔ پھر ی میں اس سے شادی کر ہی لیتا۔ مگر خدا ان وکیل صاحب کو (مرنے کے بعد) جنت نصیب رے جنہوں نے مجھے بال بال بچا لیا.... شہناز کو وہ اڑا لے گئے۔ میرے دوست ہی تھے میں نے ں شہناز سے ان کا تعارف کرایا تھا۔ شہناز نے محسوس کیا کہ وہ اس وکیل کے ساتھ زیادہ خوش ہے گی جو ہزاروں روپئے ماہوار کماتا تھا۔ میں بیچارہ تو ایک اسسٹنٹ سب انسپکٹر تھا۔ اور آج تک ں.... یہ اور بات ہے کہ حکومت کے صرف خاص سے مجھے اب اتنے الاؤنسز ملتے ہوں کہ ری تنخواہ اپنے محکمے کے ڈی۔ آئی۔ جی کی تنخواہ سے بڑھ گئی ہو۔ مگر شابش ہے کرنل کو، وہ آج ی اتنی ہی تنخواہ لے رہے ہیں جتنی ایک انسپکٹر کی ہوتی ہے انہوں نے الاؤنسز لینا بھی منظور بس کیا۔ ورنہ ان کی تنخواہ آئی جی سے بھی زیادہ ہوتی۔

ہاں تو میں شہناز کا تذکرہ کر رہا تھا۔ وہ تو بہت خوش رہتی ہے لیکن وکیل صاحب ہر وقت اس لی کا سامنہ بنائے رہتے ہیں جیسے حلوہ سوہن کے بجائے دھوکے میں بار سوپ خرید کر کھانا شروع دیا تھا۔

بہر حال یقین کیجئے کہ میرا وہ عشق جذباتی بوکھلاہٹ کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا.... جی ا.... چلئے یہی سہی.... انگور کھٹے ہیں۔ اگر میٹھے بھی ہوتے تو آپ کا کیا بھلا ہوتا۔

چلئے میں جھیپ ہی مٹا رہا ہوں۔ اچھا بس اب خاموش۔ کہانی سنئے جس کے لئے اتنے صفحات ہ کئے ہیں۔

وہ ایک حسین شام تھی.... جی ہاں گھبرایئے نہیں۔ میں اسی طرح لکھنے کی کوشش کروں گا ے ناول نویس حضرات لکھتے ہیں.... یعنی وہ ایک ایسی شام تھی جو کسی ناول نویس ہی کو اپنی رف متوجہ کر سکتی تھی۔ ورنہ عام آدمی کو اتنی فرصت کہاں کہ وہ شفق کا عطر کشید کر کے ملکہ ب کے لباس زرنگار میں لگائے۔ یا شفق کے رنگ اسے ایسے معلوم ہوں جیسے افق نے اس کی

محبوبہ خاص الخاص کی اوڑھنی چرالی ہو۔ یا اور کچھ.... شام پر تو شاعری ہوتی ہے۔ نثر میں بھی بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے مگر زبان سے نہیں کہا جاسکتا۔ کیوں کہ آپ یہی سب کچھ کسی چوراہے پر کھڑے ہو کر کہنا شروع کردیں تو ٹریفک کانسٹیبل کسی قریبی دوا فروش کی دوکان سے تھانے کو ضرور فون کرے گا کہ یہاں ایک بزرگوار ٹریفک کی نقل و حرکت میں خلل انداز ہو رہے ہیں اور پھر آپ کو وہاں پہنچا دیا جائے گا جہاں آپ ہی جیسے ہزاروں بھلے آدمی موجود ہوں گے۔ لیکن آپ ان کی نثر سنتے سنتے تنگ آکر شاعری شروع کردیں گے۔ لہجے میں پھر بہک گیا۔ بس اپنی کہانی خود ہی لکھتے وقت یہی دشواری آپڑتی ہے۔ مگر میں بہر حال لکھنا چاہتا ہوں۔ خواہ آپ بور ہوں خواہ پڑھ کر بغلیں بجائیں۔

وہ ایک شام ہی تھی اور مجھ پر گھر سے نکل بھاگنے کا جنون طاری تھا۔ کرنل لائبریری میں تھے اور نیلم میرے سر پر سوار تھی۔ نہ جانے کیوں کرنل نے مجھے گھر پر روک رکھا تھا۔ نیلم نے میری زندگی تلخ کر کے رکھ دی تھی اور میرا یہی دل چاہتا تھا کہ اسے یا تو جان سے ماردوں یا خود اپنی ہی گردن میں پھندا ڈال کر ہمیشہ کے لئے اس سے پیچھا چھڑالوں۔

اب آپ ہی بتایئے ایسی باتیں کس طرح برداشت کی جاسکتی ہیں۔ کچھ دن پہلے کی بات ہے میں ہائی سرکل نائٹ کلب میں ایک نئی دوست بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ ایک یوریشین لڑکی تھی اور اس کے ہونٹ مجھے بہت پسند تھے۔ وہ جب مسکراتی تو اس کے گالوں میں خفیف سے گڑھے پڑ جاتے تھے۔ مجھے ایسی مسکراہٹ والی لڑکیاں بہت اچھی لگتی تھی۔ پتہ نہیں کیوں۔

بہر حال میں اور وہ ایک میز پر تھے اور ہم میں کتوں کی اقسام پر گفتگو ہو رہی تھی کہ یکایک نیلم آٹپکی۔ مجھے دیکھتے ہی لپک کر میز کی طرف آئی اور بولی۔

"اوہ.... فادر.... میں تمہیں کہاں کہاں ڈھونڈھ آئی ہوں۔"

میں بوکھلا گیا۔ ہزاروں بار سمجھا چکا تھا کہ باہر مجھے فادر یا بابا کہہ کر مخاطب نہ کیا کرے۔ مگر وہ نیلم ہی کیا جو چکنا گھڑا نہ ہو۔ آپ خود سوچئے۔ آپ ایک جوان آدمی ہیں اور ایک جوان لڑکی آپ کو بابا کہنے لگے۔ کیا آپ یہ نہ سوچیں گے کہ کاش آپ بابا ہونے سے پہلے ہی مر جاتے۔ یا اتنی لمبی چوڑی بے بی سرے سے پیدا ہی نہ ہوئی ہوتی۔

نیلم کے لہجے میں سنجیدگی تھی اس لئے وہ یوریشین لڑکی متحیر نظر آنے لگی۔ کبھی وہ میری

رف دیکھتی اور کبھی نیلم کی طرف۔ میرا دل چاہا کہ نیلم کی دونوں چوٹیاں پکڑ کر اس وقت زور ا تار ہوں جب تک کہ اس کا سر انڈے کے چھلکے کی طرح شفاف نہ ہو جائے۔

اگر بات یہیں ختم ہو گئی ہوتی تو میں اسے اپنے قہقہوں پر رکھ کر برابر کرنے کی کوشش ر تا.... مگر وہ تو مر جانے کی حد تک بور کرنے کا تہیہ کر کے آئی تھی۔

اتنی جلدی اس نے اپنے چہرے کے آثار بدلے کہ میں متحیر رہ گیا۔ اس کے ہونٹ کانپ ہے تھے اور چہرہ دھواں ہو گیا تھا۔ آنکھیں ڈبڈبا آئی تھیں۔

اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "پاپا ممی پر ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ ڈاکٹر کہتا ہے کہ وہ ایک نٹہ سے زیادہ نہ چلیں گی اور تم یہاں تفریح کر رہے ہو۔ پاپا.... اتنے ظالم نہ بنو۔"

یوریشین لڑکی کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتی میں خود ہی بوکھلا اٹھ گیا۔

"معاف کرنا....!" میں نے اس سے کہا۔ "میں ابھی آتا ہوں۔"

اور نیلم کو پیچھے ہی چھوڑ کر خود وہاں سے نکل آیا.... پھر میں نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ وہ یں رکی تھی یا میرے پیچھے لوٹ آئی تھی۔

اس مرض کا کوئی علاج نہیں ہے۔ کرنل کو وہ انکل کہتی ہے اور اُن کا بے حد احترام کرتی ہے۔ لیکن مجھے پاپا کہنے کے باوجود بھی چٹکیوں میں اڑاتی ہے۔ ویسے میں اس سے صرف اتنا ہی چاہتا ں کہ گھر پر وہ مجھے بابا، نانا، دادا یا جو کچھ بھی دل چاہے کہہ سکتی ہے۔ مگر باہر اسے اس معاملے ں سنجیدہ رہنا چاہئے۔ نہیں سنتی، نہیں مانتی۔ اب میں نے سوچا ہے کہ اس سے دور چلا اؤں.... بہت دور.... افق کے پار وغیرہ.... جہاں.... لاحول ولا قوۃ پھر بہک گیا۔ میں تو پ کو ایک کہانی سنانے جا رہا تھا۔

بہر حال وہی شام تھی جب اس کہانی کا آغاز ہوا۔ مجھے یہی اطلاع ملی تھی کہ کرنل اس وقت بریری میں موجود ہیں۔ لیکن انہوں نے مجھے تجربہ گاہ سے بلوا بھیجا۔ ان کی تجربہ گاہ اوپری نزل پر ہے۔

میں اوپر پہنچا لیکن تجربہ گاہ میں قدم رکھتے ہی چکر سا آ گیا۔ سامنے ہی بڑی میز پر ایک آدمی الاش پڑی ہوئی تھی جس کا پیٹ پھٹ گیا تھا۔ آنتیں باہر آگئی تھیں اور تازہ تازہ خون میز پر

چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔

لاش کی انگڑائی

میں جہاں تھا وہیں رک گیا۔ کبھی میں کرنل کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی لاش کی طرف۔ کرنل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور وہ اتنے مزے میں سگار کے کش لے لے کر دھواں بکھیر رہے تھے جیسے انواع واقسام کی شیرینی کے کسی خوان کے قریب کھڑے ہوں۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی۔ مطلب یہ تھا کہ اُن کے قریب آجاؤں۔

"اس لاش کے متعلق کیا خیال ہے۔" انہوں نے کلائی کی گھڑی دیکھتے ہوئے پوچھا۔ پھر لاش کی نبض پر ہاتھ رکھ دیا۔

"لاشوں کے متعلق کیا خیال ظاہر کروں۔ مگر یہ یہاں کیسے آئی۔"

اور پھر دفعتاً اچھل کر میں پیچھے ہٹ آیا۔ کیونکہ لاش کے ہاتھوں میں حرکت ہوئی تھی۔

میری آنکھیں حلقوں سے ابل پڑیں۔ لاش کے ہاتھ باہر نکلی ہوئی آنتیں سمیٹ سمیٹ کر پھٹے ہوئے پیٹ میں بھر رہے تھے۔

میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کانپنے لگوں یا چیخ مار کر بیہوش ہو جاؤں۔ دوسری ہی صورت بہتر معلوم ہوئی۔ بیہوش ہی ہو جانے میں عافیت تھی۔ کیونکہ اگر وہ لاش اپنی آنتیں پیٹ میں بھر لینے کے بعد "مان مرا احسان ارے نادان کہ میں نے تجھ سے کیا ہے پیار" گانا شروع کر دیتی تو میں کیا کرتا۔

"کک.... کیا میں بیہوش ہو جاؤں۔" میں نے کرنل سے پوچھا۔

کرنل ہنس پڑے۔ پتہ نہیں میری بوکھلاہٹ پر ہنسے تھے یا کوئی اور بات تھی۔

اب میں نے دیکھا لاش اپنا پیٹ برابر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ دونوں ہاتھ بڑی سرعت سے پیٹ پر مالش سی کر رہے تھے اور پھر وہ میز پر اس طرح آنکے جیسے لاش اٹھ کر بیٹھنے والی ہو۔

ر آنکھیں بند تھیں۔

اور میں یکلخت بھاگ نکلنے کی پوز میں آ گیا تھا۔

کرنل نے مجھے وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کیا اور وہ لاش کی طرف بڑی دلچسپی سے دیکھتے رہے۔

نے کچھ کہنا چاہا لیکن آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا اس منظر کو تفریح ے کس خانے میں فٹ کروں۔ کیونکہ کرنل کے چہرے پر تو اس قسم کے آثار تھے جیسے وہ اس ے بہت زیادہ لطف اندوز ہو رہے ہوں۔

میں نے ایک بار پھر کنکھیوں سے لاش کی طرف دیکھا۔ اس کی آنتیں پیٹ کے اندر جا چکی ں اور پیٹ کی سطح حیرت انگیز طور پر برابر ہو گئی تھی۔ کہیں بھی شگاف یا زخم کا نشان نہیں نظر تھا۔

اس شخص کے خدوخال چینیوں کے سے تھے۔ جسم گٹھیلا اور قد معمول سے کچھ چھوٹا تھا۔ عمر ازہ لگانا مشکل تھا کیونکہ کبھی وہ نوجوان معلوم ہوتا تھا اور کبھی ادھیڑ۔

دفعتاً اس نے آنکھیں کھول دیں اور حمید کو دیکھ کر کچھ چونک سا پڑا۔

"میرے اسسٹنٹ کیپٹن حمید.... مسٹر چیانگ....!" فریدی آہستہ سے بولا۔

"اوہ....!" چینی نے مسکرا کر حمید کی طرف دیکھتے ہوئے سر کو خفیف سی جنبش دی پھر ایک ں انگڑائی کے ساتھ جماہی لیتا ہوا بولا۔ "یہ اور ایسے بہتیرے شعبدے کرنل۔ آپ کا کیا ا ہے۔"

"بہت خوب۔" کرنل مسکرائے۔ "مگر مسٹر چیانگ یہ کتنا بڑا عذاب ہے کہ خواہ مخواہ ایک وزن اٹھائے پھرو۔"

"میں عادی ہو گیا ہوں کرنل۔"

"حمید! آپ فار موسا کی سیکرٹ سروس کے چیف مسٹر کاؤلی چانگ ہیں.... میرے پرانے ت۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔" میں لمبی لمبی سانسیں لیتا ہوا بولا۔ "لیکن کیا ابھی یہ آپ کو یقین دلانے شش کر رہے تھے کہ یہ اب بھی دوست ہیں۔"

"لوہو.... ہو.... ہو...." چینی ہونٹوں کو دائرے کی شکل میں لا کر ہنسا۔ پھر بولا۔ "یہ تو

ایک شعبدہ تھا۔"

پھر وہ سنجیدہ نظر آنے لگا۔ میز سے اتر کر وہ ایک کرسی پر آبیٹھا اور میں اسے اس طرح دیکھ رہا جیسے وہ ابھی ہوا میں تحلیل ہو جائے گا۔

جس کرسی پر وہ بیٹھا تھا اسی کے قریب ہی ایک چھوٹا سا ہینڈ بیگ رکھا ہوا تھا۔ اس نے اسے اٹھا کر کھولا اور ایک عجیب وضع کا پائپ نکال کر اس میں سیاہ رنگ کی ایک گولی ڈالی اور پھر دیا سلائی لگاتے ہی سارا کمرہ تیز قسم کی بو سے بس گیا۔ دھوئیں کی کثیف بادل اس کے ہونٹوں سے نکل کر فضا میں منتشر ہو گئے۔

اس نے پے در پے دو تین گولیاں پی ڈالیں اور پھر کرسی کی پشت سے ٹک کر آستین سے ہونٹ صاف کئے۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔

وہ کرنل کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور پھر میری طرف دیکھنے لگا۔ اس وقت وہ نجانے کیوں فیصدی احمق معلوم ہو رہا تھا۔

کچھ بھی ہوا میں بھی تک اسی الجھن میں مبتلا تھا۔ ایک لاش جس کی آنتیں باہر نکل آئی ہو اور.... وہ لاش اب ہنس رہی تھی۔ افیون پی رہی تھی۔ گفتگو کر رہی تھی اور کرنل نے اس لاش کا نام کاؤپی چانگ بتایا تھا۔ میں نے میز کی طرف دیکھا جس پر اب بھی خون پھیلا ہوا تھا۔

کرنل حسب معمول سگار پی رہے تھے اور کچھ سوچ رہے تھے۔ دفعتاً انہوں نے چانگ سے مخاطب کر کے کہا۔ "یہی وہ آدمی ہے جس کا تذکرہ میں نے آپ سے کیا تھا۔ مسٹر چانگ۔"

چانگ نے مجھے اس طرح دیکھنا شروع کیا جیسے اب پہلی بار دیکھ رہا ہو۔

"ہاں....!" وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ان میں مجھے کچھ ایسی ہی خصوصیات نظر آ رہی ہیں۔ کرنل کیا یہ ایک مستقل مزاج آدمی ہیں۔"

"ہوں یا نہ ہوں۔" کرنل میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرائے۔ "لیکن اس معاملے میں بے حد مستقل مزاج ثابت ہوں گے۔"

"کس معاملے میں۔" میں نے پوچھا۔

"ٹھہریئے....!" کاؤپی چانگ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "کیا آپ عشق کر سکتے ہیں۔"

"پندرہ ہزار میل فی گھنٹے کی رفتار سے۔" میں نے جواب دیا۔

"اجنبی عورتوں سے گفتگو کرتے وقت ہکلاتے تو نہیں ہیں۔"

"نہیں....!" میں نے کہا۔ "بشرطیکہ ان کی آنتیں پیٹ کے باہر نہ ہوں۔"

وہ پھر "ہو ہو" کر کے ہنسا۔ اس کے ہنسنے کا انداز مجھے قطعی پسند نہیں آیا تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ یہ کام ان کے علاوہ اور کوئی انجام نہ دے سکے گا۔" کرنل نے کہا۔

میں نے سوچا آج تو ایک انہونی ہو رہی ہے۔ یعنی کرنل میرے متعلق کسی کو یقین دلا رہے ہیں کہ میں یعنی حمید (جس کا دماغ ہر وقت کھوپڑی کے گرد منڈلایا کرتا ہے) کوئی کام بھی انجام دے سکوں گا.... لیکن میں نے وضاحت نہیں چاہی۔ ضرورت بھی کیا تھی۔ اگر کرنل کوئی کام مجھ سے لینا ہی چاہتے ہوں تو میرے فرشتے بھی اس سے پہلو تہی نہیں کر سکتے۔ پھر وضاحت کے لئے بے چینی فضول تھی۔ مگر وہ لاش.... مگر یہ کاؤپی چانگ کیا بلا تھا۔

"لیکن کرنل....!" کاؤ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "مجھے توقع تھی کہ آپ خود ہی اس میں دلچسپی لیں گے۔"

"میں یقیناً دلچسپی لے رہا ہوں مسٹر چانگ۔" کرنل نے کہا۔ "مگر اس سلسلے کے کچھ کام صرف کیپٹن حمید ہی کر سکیں گے۔ مثلاً یہ کہ مجھے عشق کرنے کا سلیقہ نہیں ہے۔ کیپٹن حمید آئے دن ریکارڈ توڑتے رہتے ہیں۔"

"گراموفون کے" میں نے آہستہ سے کہا اور پھر مجھے مسٹر کاؤپی چانگ کی "ہو ہو" سننی پڑی۔

میں نے تہیہ کر لیا کہ اب کوئی ایسی بات نہیں کروں گا جس پر مسٹر کاؤپی چانگ کو ہنسنا پڑے۔ مگر میری الجھن بڑھتی جا رہی تھی اور میں بار بار اس خون کی طرف دیکھ رہا تھا جو میز پر پھیلا ہوا تھا۔

"پھر مجھے کیا کرنا چاہئے۔" مسٹر چانگ نے پوچھا۔

"آپ کیپٹن کو اپنے ساتھ لے جایئے۔"

"لیکن میں اپنی آنتیں دوبارہ اپنے پیٹ میں بھر لینے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔" میں بول پڑا۔

"اوہ.... تم اس کی پرواہ نہ کرو۔" کرنل نے مجھ سے کہا۔ "وہ محض اک شعبدہ تھا۔ مسٹر کاؤ جھوٹ دم کے ماہر ہیں۔ وہ گھنٹوں مردوں کی طرح پڑے رہ سکتے ہیں.... اور....!"

کرنل خاموش ہو کر مسکرائے.... پھر بولے۔ "اور یہ دوہرا پیٹ رکھتے ہیں۔"

گفتگو انگریزی میں ہو رہی تھی۔ کاؤ نے پھر "ہو ہو" شروع کر دی تھی۔ تھوڑی دیر تک ہنستا رہا پھر بولا۔ "کیپٹن ادھر دیکھئے۔"

اس نے پیٹ کھول دیا تھا۔ ناف میں دو انگلیاں ڈال کر اسے کھینچتا چلا گیا اور ایک بار پھر اس کی آنتیں باہر نکل پڑیں۔ میں کانپ گیا۔ وہ پھر ہنسنے لگا تھا۔

ایک بار تو میں نے آنکھیں بند ہی کر لیں۔ میں خائف نہیں تھا بلکہ اس منظر سے کراہت محسوس ہوتی تھی۔ اس نے پھر آنتیں سمیٹ کر اندر کر لیں اور جس سوراخ سے آنتیں باہر آئی تھیں اس نے سمٹ کر ناف کی شکل اختیار کر لی۔

"یہ پلاسٹک کا مصنوعی پیٹ ہے اور آنتیں بھی پلاسٹک ہی کی ہیں۔" کرنل بولے۔ "اور اس پلاسٹک کے پیٹ میں بکرے کا خون بھرا ہوا تھا۔"

کاؤ اٹھ کر دوسری طرف مڑ گیا اور اس نے پشت سے قمیض اٹھائی۔ اس کی پشت پر تین پٹیاں سی نظر آئیں اور کرنل بولے۔ "یہ مصنوعی پیٹ اس طرح اصل پیٹ پر منڈھ لیا جاتا ہے۔"

"مگر اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔" میں نے کہا۔

"مائی ڈیئر کیپٹن" کاؤ میری طرف مڑ کر بولا۔ "اسی پیٹ نے کئی بار میری جان بچائی ہے۔ جب نیشلسٹ چین کا زوال ہو رہا تھا ایک بار میں ایک ندی کے کنارے دشمنوں میں گھر گیا۔ تھوڑی دیر تک تو لڑتا رہا پھر آنتیں نکال کر ڈھیر ہو گیا۔ انہوں نے مردہ سمجھ کر ندی میں پھینک دیا اور پھر میرا یہ مصنوعی پیٹ لائف بیلٹ بن گیا۔"

"لائف بیلٹ....!" میں نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں لائف بیلٹ.... یہ دیکھئے۔"

اس نے پھر قمیض اٹھا کر ناف میں پوری انگلی ڈال دی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اندر کوئی چیز ٹٹول رہا ہو۔ پھر میں نے دیکھا کہ ایک پتلی سی ربر کی نلکی باہر نکلتی چلی آ رہی ہے۔ اس نے نلکی کا سرا ہونٹوں میں دبا کر پھونکنا شروع کیا اور اس کا پیٹ پھولنے لگا۔ پھر اچھی خاصی توند نکل آئی اب اس نے نلکی میں ایک گرہ دے کر چھوڑ دیا۔

"یہ دیکھئے۔" اس نے کہا۔ "اگر تیرتے تیرتے بازو شل ہو جائیں اور میں ہاتھ روک لوں تب بھی نہیں ڈوب سکتا۔ یہ حاملہ کا پیٹ مجھے پانی کی سطح پر ہی رکھے گا۔"

اور پھر اس نے "ہو ہو" شروع کر دی۔ یوں ہی خواہ مخواہ ہنستا رہا اور میں سوچتا رہا کہ کاش میں اس کے حلق میں کپڑا ٹھونس سکتا۔

"تو کیپٹن آپ میرے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہیں۔" اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"کہاں....!"

"جہاں میں لے چلوں۔"

"مگر میرے پاس ایسی لائف بیلٹ نہیں ہے جو حاملہ کا پیٹ بن کر میری جان بچا سکے۔" میں نے کہا۔

میں نے یہ بات کہنے کو تو کہہ دی مگر پھر بے حد افسوس ہوا۔ کیونکہ اس کی "ہو ہو" ایک بار پھر "چالو" ہو گئی تھی۔

"تم اپنے ساتھ اپنے بہترین سوٹ لے جاؤ۔" کرنل بولے۔ "اور جتنی بھی آرائشی مصنوعات لے جا سکتے ہو ضرور لے جاؤ۔"

میں نے بے بسی سے سر ہلا دیا۔

"بس جاؤ تیاری کرو۔ تمہیں جو کچھ بھی کرنا ہے وہ مسٹر چانگ سے معلوم ہو جائے گا۔"

طبیعت جھنجھلا گئی اور میں نے سوچا اچھا بیٹا چانگ تم بھی کیا یاد کرو گے.... یاد کرو گے اور سر پٹک کر روؤ گے.... تمہیں بھی مرنے کے لئے یہی جگہ پسند آئی تھی۔

پتہ نہیں کیا قصہ تھا۔ کہاں جانا تھا۔ کس سے عشق کرنا تھا اگر وہ کوئی چینی ہی لڑکی ہوئی تو کیا کروں گا۔

"میں نیچے آ کر روانگی کی تیاری کرنے لگا۔ یہ تیاری بھی ایسی ہی تھی جیسے ہزاروں میل لمبا سفر درپیش ہو۔ ایسی صورت میں جب کچھ معلوم ہی نہ ہو، اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ نہ کام کی نوعیت کا علم تھا اور نہ یہی پتہ تھا کہ جانا کہاں ہے۔ شروع شروع میں مجھے کرنل کا یہ طریق کار سخت ناپسند تھا۔ مگر آہستہ آہستہ مجھے احساس ہوتا گیا کہ کرنل ہر معاملے میں نفسیاتی طریقوں کو بروئے کار لاتے ہیں۔ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اگر کسی کیس کی تفصیلات کا علم پہلے ہی سے ہو جائے تو پھر کام کرنے میں وہ سرگرمی باقی نہیں رہ جاتی جو کسی الجھی ہوئی ڈور کے سلجھانے کے سلسلے میں ہونی چاہئے۔ آج میں آپ کو حقیقت بتا رہا ہوں کہ کرنل کے ساتھ کام کرنے میں مجھے

وہی لطف حاصل ہوتا ہے جو آپ کو کسی اچھی قسم کے جاسوسی ناول سے حاصل ہوتا ہے۔ ایک ایک کر کے گرہیں کھلتی ہیں۔ ایک کھلی کہ دوسری سامنے موجود ہے۔ اب اسے بھی کھولئے کہ تیسری حاضر ہے۔ بہر حال یہ ساری گرہیں غیر متوقع طور پر سامنے آتی چلی جاتی ہیں اور سرگرمی بڑھتی رہتی ہے۔ اگر ان گرہوں کی مجموعی تعداد کا علم پہلے ہی سے ہو جائے تو کیا یہ دلچسپی باقی رہے۔ میرا خیال ہے کہ میں تو بور ہو کر مر جاؤں۔۔۔۔ بس یہ ناول کا سا انداز ہی مجھے دلچسپی لینے پر مجبور کرتا رہتا ہے۔ ویسے میں بظاہر کرنل پر تاؤ ہی کھاتا رہتا ہوں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مجھے اپنا یہ پیشہ بے حد پسند ہے۔

آپ مجھے کام چور سمجھتے ہیں۔ اس کی تمام تر ذمہ داری ہمارے تذکرہ نویس صاحب پر ہے۔ ممکن ہے انہوں نے مجھے غلط سمجھا ہو۔ یا محض صفحات بھرنے کی خاطر میری اکتاہٹوں اور کام چوری کا تذکرہ لے بیٹھے ہوں۔ میں نے جب بھی ان سے شکایت کی یہی بولے کہ جناب۔۔۔۔ زیب داستان کے لئے بھی تو کچھ ہونا ہی چاہئے۔ عام طور پر پڑھنے والے آپ کو کسی فلمی مسخرے ہی کے روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں جو مار دھاڑ کی فلموں میں ہیرو کے ساتھ لگا رہتا ہے۔

بڑا غصہ آتا ہے ان کی اس بات پر لیکن کیا کروں خود کرنل ہی ان کا بہت خیال رکھتے ہیں اور انہوں نے آج تک اس پر اعتراض نہیں کیا کہ یہ حمید کا پٹھا آخر فلمی مسخرہ بن کر کیوں رہ جاتا ہے۔ یہ بات ضرور ہے کہ مجھے ہنسنے ہنسانے سے عشق ہے لیکن میں کرنل کو اتنا بور بھی نہیں کرتا جتنا ہمارے تذکرہ نویس صاحب بیان کر ڈالتے ہیں۔ خیر چھوڑیئے نہ وہ میری قبر میں لیٹیں گے اور نہ میں ان کی قبر میں لیٹوں گا۔

ہاں تو میں کاؤپی چانگ کی بات کر رہا تھا۔ کیا مجھے یہ نہ سوچنا چاہئے تھا کہ آخر کاؤ مجھے یا کسی ملازم کو نظر آئے بغیر اوپر تجربہ گاہ میں کیسے پہنچ گیا تھا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد میری حیرت رفع ہو گئی جب میں نے اس بوڑھے کو دیکھا جو اکثر کرنل کے پاس آتا رہتا تھا اور میں یہ سمجھتا تھا کہ وہ ان کے والد مرحوم کا کوئی دوست ہوگا۔ کرنل اپنے والد کے دوستوں کا بے حد احترام کرتے تھے۔ بہر حال اب مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ بوڑھا کون تھا۔ وہ چانگ ہی تھا۔ اور ایک بوڑھے دیسی آدمی کے میک اپ میں کرنل سے ملتا رہتا تھا۔ اب آپ خود ہی سوچئے کہ میری کھوجی طبیعت کتنی بے چین ہوئی ہوگی۔

یہ تھا کرنل کا طریق کار۔۔۔۔ اب اگر اس وقت میں بستر مرگ پر بھی پڑا ہوتا تو یہی دل چاہتا کہ اس کاؤپی چانگ کے پٹھے کے ساتھ ضرور جاؤں خواہ زندگی بھر ہی اس کی "ہو ہو" کیوں نہ سننی پڑے۔

چانگ کی کار کمپاؤنڈ میں موجود تھی۔ ایک معمولی سی گاڑی تھی بہر حال اس میں اس بوڑھے کی موجودگی سے شتر گربگی کا احساس نہیں ہوتا تھا۔

میں چانگ کے ساتھ کسی نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ ہم دونوں ہی خاموش تھے۔ میرا خیال تھا کہ ابھی یہ گاڑی شہر سے نکل کر کسی ویران راستے پر لگ جائے گی۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ راجرس اسٹریٹ کی ایک عمارت کے سامنے رک گئی۔ خود چانگ ہی اُسے ڈرائیو کر کے یہاں تک لایا تھا۔

"اتر چلو کیپٹن۔۔۔۔!" چانگ آہستہ سے بولا اور میں اپنا سوٹ کیس سنبھالتا ہوا نیچے اتر آیا۔

ہم ایک شاندار عمارت کے برآمدے میں کھڑے تھے۔ چانگ نے اطلاعی گھنٹی کا بٹن دبایا اور عمارت کے کسی دور افتادہ حصے سے "ٹرن۔۔۔۔ ٹرن!" کی مدھم سی آواز آئی۔

کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور ایک مجہول سے آدمی نے سر نکال کر باہر جھانکا اور پھر ایک طرف ہٹ گیا۔ ہم دونوں عمارت میں داخل ہوئے۔ پی چانگ نے چینی زبان میں اس آدمی سے دو منٹ تک گفتگو کی اور پھر آگے بڑھتا چلا گیا۔ دروازہ کھولنے والے نے سوٹ کیس میرے ہاتھ سے لے لیا تھا۔ یہ ایک طویل راہداری تھی۔ دفعتاً پی چانگ نے میری طرف مڑ کر کہا۔ "کیپٹن آپ اس کے ساتھ اپنے کمرے میں جائیے، میں کچھ دیر بعد آپ سے وہیں ملوں گا۔"

ملازم مجھے جس کمرے میں لایا وہ صاف ستھرا اور کافی کشادہ تھا۔ ایک طرف ایک مسہری موجود تھی۔ جس پر شفاف بستر تھا۔ دو الماریاں تھیں۔ ایک میز۔۔۔۔ ایک لکھنے کی کرسی اور دو آرام کرسیاں۔ ملازم نے سوٹ کیس ایک طرف رکھ دیا اور اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے میرے کسی حکم کا منتظر ہو۔ میرے خیال سے وہ بھی چینی ہی تھا۔ لیکن میک اپ نے اسے اسی طرف کا آدمی بنا دیا تھا یہ اور بات ہے کہ آنکھوں کی اصلاح کسی طرح بھی نہ کی ہو۔

"کیا ہے۔" میں نے جھنجھلا کر پوچھا۔ مجھے نہ جانے کیوں اس کی موجودگی گراں گذر رہی تھی۔

"میں سوچ رہا تھا کہ پتہ نہیں آپ شغل کرنا پسند کریں یا نہ کریں۔" اس نے انگریزی میں

جواب دیا۔

"کیسا شغل....!" میں اسے گھورنے لگا۔

"افیون....!"

"نہیں.... میں افیونی نہیں ہوں۔ تمہارا بہت بہت شکریہ۔ تم جاسکتے ہو۔"

میرے افیونی نہ ہونے پر اسے اتنی حیرت ہوئی کہ اس کا منہ کھل گیا اور اس کے پھپھوند لگے ہوئے زرد دانتوں پر نظر پڑتے ہی مجھے ابکائیاں سی آنے لگیں۔

"جاؤ.... خدا کے لئے۔" میں ہاتھ ہلا کر بولا۔

"بہت اچھا.... جناب" وہ مسکرایا۔ "مگر اسے یاد رکھئے گا کہ یہ ماسٹر چانگ کا مکان ہے اور یہاں انہیں کا حکم چلتا ہے۔ آج تک کسی میں اتنی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ ماسٹر چانگ کی پیشکش ٹھکرا سکے۔"

وہ چلا گیا اور میں بیٹھا اس پر دانت پیستا رہا۔

شہزادے کی منگیتر

چانگ کی "کچھ دیر" کا خاتمہ تقریباً دو گھنٹے بعد ہوا۔ میں اس دوران میں یہی محسوس کرتا رہا تھا جیسے میں نے سچ مچ افیون کی چسکی لگالی ہو۔

چانگ سیاہ سوٹ میں ملبوس تھا۔ لیکن اس نے میک اپ میں تبدیلی نہیں کی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں شاید اس نے ابھی ابھی کشیدنی افیون کے دم لگائے تھے۔

"ہاں.... کیپٹن.... ارے آپ نے ابھی تک لباس تبدیل نہیں کیا۔"

"کیسا لباس؟" مجھے غصہ آ گیا۔

"ارے.... کیا اس مردود نے آپ کو اطلاع نہیں دی تھی کہ ہم ہوٹل ڈی فرانس میں کھانا کھائیں گے۔"

"مجھے کسی مردود نے اطلاع نہیں دی۔"

"اوہ....!" اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور پھر بولا۔ "آپ بہت اچھے ہیں کیپٹن کہ آپ

کو افیون سے رغبت نہیں ہے۔ وہ کمبخت پنک میں آپ کو اطلاع دینا بھول گیا ہوگا۔ بہر حال ہم اس وقت ہوٹل ڈی فرانس میں کھانا کھائیں گے۔ میں بے حد شکر گزار ہوں گا اگر آپ لباس تبدیل کرلیں۔"

"میں یقیناً لباس تبدیل کرلوں گا۔ لیکن مسٹر چانگ کیا یہ سفر صرف ہوٹل ڈی فرانس کے کھانے ہی تک محدود رہے گا۔"

"نہیں کیپٹن.... آپ چلئے تو۔ اگر آپ عاشق مزاج ہیں تو.... ہو ہو.... ہو ہو۔"

لعنت ہے میرے عاشق مزاج ہونے پر.... اگر میں کسی عشق کے لئے متواتر اس قسم کی "ہو ہو" سنتا رہوں۔ لیکن میں خاموش ہی رہا کیونکہ کرنل نے اس کا تعارف اپنے ایک پرانے دوست کی حیثیت سے کرایا تھا۔ ورنہ میں اسے بتاتا کہ کس طرح ہنسا چاہئے۔ اس کی ہنسی مجھے غصہ بھی دلاتی تھی اور کوفت میں مبتلا بھی کرتی تھی۔ گفتگو کرتے وقت جیسے ہی اس کے ہونٹ دائرے کی شکل اختیار کرتے میرا دم نکل جاتا۔

ہم ٹھیک نو بجے ہوٹل ڈی فرانس پہنچے۔ چانگ نے شاید پہلے ہی سے میز مخصوص کرالی تھی۔ میز پر ریزرویشن کارڈ موجود تھا جس پر تحریر تھا۔ "مسٹر پی۔ اے پنکھا والا۔"

"مسٹر پی۔ اے پنکھا والا۔" میں نے آہستہ سے کہا اور اس کے ہونٹ دائرے کی شکل میں آنے کے لئے سکڑے ہی تھے کہ میں نے ہاتھ اٹھا کر جلدی سے کہا۔ "ٹھہریئے مسٹر چانگ آپ کو ہنسی نہ آئے تو زیادہ بہتر ہے۔"

"کیوں؟" اس کی آنکھوں سے حیرت جھانک رہی تھی۔

"بہت زیادہ ہنسنے والوں پر مجھے بے حد غصہ آتا ہے۔"

"مگر کرنل نے تو بتایا تھا کہ آپ ہنسنے ہنسانے کی بے حد شائق ہیں۔"

"آج ساڑھے چار بجے تک یقیناً تھا۔"

"کیا مطلب....!"

"مطلب یہ کہ.... یہ کہ....!" سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہوں۔ کیا اس سے یہ کہہ دیتا کہ وہ ہونٹ سکوڑ کر ہنسنے کی بجائے باچھیں پھاڑ کر اور دانت نکال کر ہنسا کرے۔ یقیناً یہ بات اسے گہرا صدمہ پہنچاتی۔ لہٰذا میں نے کہا۔ "بات دراصل یہ ہے.... مسٹر چانگ کہ جب مجھے کوئی کام کرنا

ہوتا ہے تو میں بے حد سنجیدہ ہو جاتا ہوں۔"

"مگر اس کام میں تو سنجیدگی سے کام نہ چلے گا۔" چانگ نے تشویش کن لہجے میں کہا۔

"خیر.... میں سوچوں گا۔ فی الحال مجھے کھانے سے فراغت پا لینے دیجئے۔"

کھانے کے دوران میں اس نے مجھے بتایا کہ وہ ایک ایسی لڑکی کا معاملہ تھا جو ہنسنے ہنسانے کی بے حد شائق ہے۔ میں نے اسے یقین دلایا کہ اگر وہ ہنسنا ہنسانا پسند کرتی ہے تو میں اسے ہنسا ہنسا کر مار ڈالوں گا۔ مگر اسے اطمینان نہیں ہوا۔ میں نے دل میں کہا۔ "جہنم میں جاؤ.... پہلے میں اس لڑکی کو تو دیکھ لوں ہو سکتا ہے اسے دیکھ لینے کے بعد خود مجھے ہی کسی اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگانی پڑے۔"

جی ہاں.... اگر وہ کوئی چینی یا جاپانی لڑکی ہوتی تو.... کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں.... خیر زندہ تو رہتا لیکن شاید زندگی بھر ہنس نہ آتی۔

"مسٹر چانگ....!" میں نے پوچھا۔ "کیا وہ کوئی چینی یا جاپانی لڑکی ہے۔"

"نہیں.... وہ ایک فرانسیسی لڑکی ہے۔" چانگ نے فرانسیسی زبان میں جواب دیا۔

"اوہ.... تب تو ٹھیک ہے۔" میں نے بھی فرانسیسی ہی میں کہا۔

"کرنل نے یہ بھی بتایا تھا کہ آپ فرانسیسی بول سکتے ہیں.... اوہ.... وہ آ گئی.... کیپٹن۔"

میری نظر بائیں جانب اٹھ گئی۔ وہ بھی اُدھر ہی دیکھ رہا تھا۔ میں نے کیا.... دیکھا؟ میرے خدا.... وہ کتنی حسین تھی۔ اگر میں حاتم طائی کے زمانے کا کوئی شہزادہ ہوتا تو یقیناً میں نے اپنا گریبان پھاڑ ڈالا ہوتا۔ کوئی اور نہ ملتا تو مسٹر چانگ ہی کو اٹھا کو پٹخ دیتا پھر اس زور کا نعرہ مارتا کہ شہر بھر کی چھتیں اڑ جاتیں۔ لیکن نہ وہ حاتم طائی کا زمانہ تھا اور نہ مسٹر چانگ ہی اس بات پر تیار ہوتے کہ میں انہیں اٹھا کر پٹخ دوں۔

بہر حال وہ ایسی ہی حسین تھی کہ میں اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ وہ بہت حسین تھی۔ اس کے ساتھ دو مرد بھی تھے۔ پہلے میں ان دونوں کو چینی ہی سمجھا تھا مگر مسٹر چانگ نے بتایا کہ وہ انڈو چائینیز تھے۔ وہ جو کچھ بھی ہوتے میں انہیں اس خوبصورت لڑکی کے ساتھ دیکھنا پسند نہ کرتا۔

"کیپٹن اسے اپنی طرف متوجہ کیجئے۔ اس سے ملئے.... عشق کیجئے.... یہ یونان کی سائیکی

ہے۔" چانگ آہستہ سے بولا۔

"افیون سے تو شوق نہیں کرتی۔" میں نے پوچھا۔

"نہیں.... ہرگز نہیں۔ اگر یہ افیون استعمال کرتی ہوتی تو اس کی رنگت میں اتنا نکھار نہ ہوتا۔ اوہ کیپٹن آپ اسے بہت آسانی سے اپنی طرف متوجہ کر سکیں گے۔ یہ انگریزی اور فرانسیسی لساں طور پر بول سکتی ہے۔"

"لیکن سوال یہ ہے مسٹر چانگ کہ میں اس سے اپنے لئے عشق کروں گا یا آپ کے لئے۔"

چانگ نے ہنسنے کے لئے ہونٹ سکوڑے ہی تھے کہ میں نے بوکھلا کر کہا۔ "مسٹر چانگ کیا پ اپنے ہنسنے کا انداز نہیں بدل سکتے۔"

"کیا مطلب....!" چانگ پھر متحیر نظر آنے لگا۔ لیکن مجھے فوراً ہی جواب سوجھ گیا۔ میں نے ہا۔ "مسٹر چانگ آخر آپ کو میک اپ میں رہنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوتی ہے۔"

"کیوں نہ ہو۔" چانگ کے لہجے میں اب بھی حیرت کا عنصر موجود تھا۔ "میں اس لئے میک پ میں رہتا ہوں کہ بعض لوگ مجھے پہچان نہ سکیں۔"

"کیا آدمی اپنے اطوار و عادات سے نہیں پہچانا جا سکتا۔"

"مثلاً....!" چانگ اب بھی متحیر تھا۔

"مثلاً آپ ہونٹ سکوڑ کر ہنستے ہیں۔ یہ ایک غیر معمولی عادت ہے۔ جو عام آدمیوں میں ہیں پائی جاتی کیا آپ میک اپ میں باچھیں پھاڑ کر نہیں ہنس سکتے۔"

"اوہ....!" چانگ یک بیک سنجیدہ نظر آنے لگا۔ پھر کچھ دیر بعد آہستہ سے بولا۔ "میں یقیناً لطی پر تھا۔ آخر آپ کرنل ہی کے اسسٹنٹ تو ہیں۔"

پھر اس نے کرنل کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے شروع کر دیئے۔ حالانکہ سے یہ خیال میں نے دلایا تھا۔ مگر سارا کریڈٹ کرنل کو جا رہا تھا۔ جائے.... مجھے اس کی پرواہ نہ تھی۔ میں تو متواتر اس لڑکی کو دیکھے جا رہا تھا جو اب ایک میز پر بیٹھ گئی تھی۔ لیکن اس کے دونوں ساتھی اس کے پیچھے والی میز پر تھے۔ وہ اس کے ساتھ نہیں بیٹھے تھے اور اس پر مجھے کافی خوشی ہوئی تھی۔

"کیا وہ اس کے ملازم ہیں۔" میں نے چانگ سے پوچھا۔

"ہاں.... باڈی گارڈ....!"

وہ لڑکی اپنی میز پر تنہا تھی اور میرے دل میں گدگدیاں سی ہو رہی تھیں۔

"کیا اسے کسی کا انتظار ہے۔" میں نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" چانگ سر ہلا کر بولا۔ "وہ پچھلے کئی دنوں سے تنہا بیٹھ رہی ہے۔"

"اور اس سے پہلے۔"

"اس سے پہلے اس کے ساتھ ایک بوڑھا فرانسیسی ہوا کرتا تھا۔"

"اس کا باپ....!"

"پتہ نہیں۔"

میں نے سوچا کہ اس سے تفصیل کا تقاضہ کروں مگر پھر خاموش ہی رہا۔ کیونکہ ممکن تھا کرنل ہی نے اسے تفصیل بتانے سے روک دیا ہو۔

"اچھا تو مسٹر چانگ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔"

"مسکرانا چاہئے۔" چانگ میری آنکھوں میں دیکھتا ہوا شرارت آمیز لہجے میں بولا۔ "نہ چاہئے.... قہقہے لگانا چاہئے۔ اگر اس کے ساتھ دو تین راتیں بھی بسر کر لیں تو آپ امر ہو جائیں گے کیپٹن۔"

اس نے پھر ہنسنے کے لئے ہونٹ سکوڑے ہی تھے کہ میں نے ٹوک دیا اور اس بیچارے۔ بڑی بے بسی سے اپنے ہونٹ بند کر لئے۔

میں نے کہا۔ "مسٹر چانگ عشق ممکن ہے لیکن راتیں گذارنے کے لئے مجھے اپنے والد صاحب سے اجازت حاصل کرنی پڑے گی۔"

وہ بیساختہ ہنس پڑا اور اس کی حالت مضحکہ خیز تھی۔ کبھی وہ باچھیں پھاڑ لیتا تھا اور کبھی ہونٹ سکوڑ لیتا تھا۔ بدقت تمام وہ خاموش ہوا اور بولا۔ "آپ اسے پھانس لینے میں کامیاب ہو جائیں گے.... مجھے یقین ہے۔"

"لیکن میں اسے پھانس کر کروں گا کیا۔ کہیں اتنا بڑا فرائینگ پین بھی نہیں ملے گا کہ اسی میں ڈال کر تل ڈالوں۔"

"بس....!" وہ منہ پر دونوں ہاتھ رکھتا ہوا بولا "اب نہ ہنسائیے! میرے لئے بہت مشکل ہے

کہ میں باچھیں پھاڑ کر ہنسوں.... بہت مشکل۔"

"مائی ڈیئر.... مسٹر چانگ اتنا معلوم کئے بغیر تو میں ہرگز نہ رہوں گا کہ اس کا مقصد کیا ہے۔"

"مقصد....!" چانگ سنجیدہ ہو گیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ "میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس لڑکی کی پشت پر کون ہے۔ میں پولینڈ سے اس کا تعاقب کرتا آیا ہوں۔"

پولینڈ سے۔"

"ہاں کیپٹن.... اور یہ معلوم کرنا بہت ضروری ہے کہ حقیقتاً اس کی پشت پر کون ہے۔"

"کیا آپ کو شبہ ہے کہ اس کی پشت پر کوہان ہو گا۔"

اس نے ہنسنا چاہا۔ مگر پھر رک گیا۔ وہ آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔ "وہ ایک پُراسرار لڑکی ہے کیپٹن.... انتہائی پُراسرار.... اوہ میرے خدا.... وہ دیکھو.... اُدھر.... داہنی جانب جہاں ایک لڑکی کے سر پر گلاب کے پھول نظر آ رہے ہیں وہ آدمی اُسے کس طرح گھور رہا ہے۔ وہ روزانہ اسے اسی طرح گھورتا ہے۔ میں کئی دنوں سے دیکھ رہا ہوں اور وہ اسی میز پر ہمیشہ بیٹھتا ہے۔"

میں نے اس کی بتائی ہوئی سمت میں دیکھا۔ حقیقتاً ایک آدمی اسے گھور رہا تھا۔ مگر یہ بکواس تھی وہاں تو سبھی اسے گھور رہے تھے۔ حتیٰ کہ عورتیں بھی.... شاید وہ اس کے مقابلے میں خود کو کمتر محسوس کر رہی تھیں۔

"اب یہ یہاں کھانا کھا کر ہائی سرکل نائٹ کلب جائے گی۔" چانگ نے کہا۔ "اور یہ آدمی اس کا تعاقب کرے گا۔"

"اچھا....!"

ہم کھانا ختم کر چکے تھے۔ چانگ نیپکن سے ہاتھ صاف کر رہا تھا۔ اتنے میں وہ لڑکی اپنی جگہ سے اٹھی اُس کے باڈی گارڈ بھی اٹھے۔ وہ ریکریئیشن ہال کی طرف جا رہی تھی۔

"اس نے کھانا تو نہیں کھایا۔" میں نے کہا۔

"پتہ نہیں۔" چانگ سر ہلا کر رہ گیا۔ اس کی نگاہ برابر لڑکی کا تعاقب کرتی رہی۔

"مگر اس کا نام کیا ہے.... مسٹر چانگ۔"

"نام....!" چانگ نے ایک طویل سانس لی۔ "پولینڈ میں اس کا نام ایناپاولوا تھا۔ بلجیم میں

برتھا واگین۔ فرانس میں تاتانیا نتورا.... انگلینڈ میں گریٹا سوئنزن اور یہاں اس کا نام ہے سوفیا ر
گار ہم۔"

"بس.... قبر کے لئے بھی کچھ چھوڑیئے...." میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"اس کی پشت پر کون ہے۔" چانگ کچھ سوچتا ہوا بڑبڑایا۔ "اس کٹھ پتلی کی ڈور کس کے ہاتھ میں ہے۔"

"آپ نے بہت دیر سے افیون نہیں پی مسٹر چانگ۔"

"اوہ.... ہاں ابھی ہم لاؤنج میں چلیں گے۔ مگر کیپٹن اب میرا خیال ہے کہ آپ اپنا کا
کیجئے۔ میں واپس جاؤں گا۔ آپ کی واپسی بھی اسی عمارت میں ہوگی جہاں میں مقیم ہوں۔ کرنل نے کہا ہے کہ میں جتنے دن چاہوں آپ کو اپنے ساتھ رکھ سکتا ہوں۔"

"آپ جاسکتے ہیں مسٹر چانگ۔ میں سب کچھ دیکھ لوں گا۔" میں نے کہا۔ حقیقتاً میں چانگ سے اکتا گیا تھا۔ وہ مجھے بالکل ڈفر معلوم ہوتا تھا۔

"شکریہ کیپٹن۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "مجھے توقع نہیں تھی کہ آپ اتنی آسانی سے پیچھا چھوڑ دیں گے۔ میں دراصل اس وقت اس داستان کے دہرانے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ ویسے کرنل کو سب کچھ معلوم ہے۔"

"میں کچھ بھی معلوم کرنا نہیں چاہتا۔ سوائے اس کے کہ وہ لڑکی کیسا ناچتی ہے۔" میں نے کہا۔

چانگ نے میرا یہ جملہ اپنا منہ دبا کر بہت پسند کیا۔ اگر فوراً ہی اٹھ نہ گیا ہوتا تو میرے کانوں کو ایک بار پھر اس کی "ہو ہو" ہضم کرنی پڑتی۔

اس کے جاتے ہی میں نے ریکریئیشن ہال کی راہ لی۔ یہاں حسب معمول رونق ہی رونق تھی۔ یعنی بے شمار لڑکیاں نظر آرہی تھیں۔ میری نظریں اسے تلاش کر رہی تھیں.... اُف.... فوہ.... وہ ایک ایسی لڑکی تھی جس سے عشق کرنے کی اجازت فادر ہارڈاسٹون سے بھی مل چکی تھی۔

آرکسٹرا موسیقی بکھیر رہا تھا۔ لیکن ابھی رقص شروع نہیں ہوا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ آخر اسے ہم رقص بنانے کیلئے کونسا راستہ اختیار کیا جائے، اس کے طلب گار تو سیکڑوں رہے ہوں گے۔

کئی منٹ تک ذہن پر زور دیتا رہا لیکن کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی۔ ویسے وہ لڑکی تو نظر آگئی تھی اور یہاں بھی وہ اپنی میز پر تنہا نظر آرہی تھی اور اس کے پیچھے کی میز پر اس کے باڈی گارڈ

ہوئے تھے۔ جن کی جیبوں میں یقینی طور پر پستول رہے ہوں گے۔ میں نے آؤ بھی دیکھا اور بھی دیکھا لیکن سیدھا اس کی میز کی طرف چلا گیا اور اتنے اطمینان سے کرسی کھسکا کر بیٹھ گیا بہت پرانی بے تکلفی ہو۔ یک بیک میں نے اس کی آنکھوں میں غصے اور حیرت کے آثار ے۔ اس کے باڈی گارڈ بھی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر کھڑے ہوگئے تھے۔

میں نے بڑی تیزی سے اپنے چہرے پر بیچارگی اور حماقت کے آثار پیدا کئے اور کپکپاتی ہوئی میں آہستہ سے بولا۔ "معاف فرمایئے گا معاف فرمایئے گا.... میں اس وقت خطرے میں ہوں۔"

"کیوں؟" وہ مجھے گھورتی ہوئی بولی اور پلٹ کر باڈی گارڈز کو بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔

"میری منگیتر نے مجھے یہاں دیکھ لیا ہے۔ اگر میں تنہا رہا تو مجھے اس کے ساتھ ناچنا پڑے گا۔"

"میں نہیں سمجھی۔" اس کی آواز میں بھی بلا کی سکس اپیل تھی۔

"اوہ.... میں کیسے سمجھاؤں۔"

"منگیتر سے بھاگتے ہو۔" اس نے حیرت سے کہا۔

"ہاں....!"

"یہ بات تھی تو منگیتر بنایا ہی کیوں تھا۔"

"یہی تو یوروپین سمجھتے نہیں۔" میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "ہمارے یہاں کے رسم ج تمہارے معاشرے کے رسم و رواج سے بالکل مختلف ہیں۔ ہمارے یہاں لڑکی یا لڑکے کا ب والدین کرتے ہیں۔"

"اوہ.... ہاں.... میں جانتی ہوں۔"

"مجھے وہ لڑکی بالکل پسند نہیں ہے۔"

"پھر میں کیا کروں؟"

"بس تھوڑی دیر مجھے یہاں بیٹھنے دیجئے۔ آپ کے پاس مجھے دیکھ کر وہ کبھی ادھر کا رخ نہ ے گی۔"

"اور دل ہی دل میں مجھے گالیاں دے گی.... کیوں؟" وہ مسکرائی۔ اور کسی قدیم ناول نویس قول کے مطابق میرے خرمنِ ہوش و حواس پر بجلیاں سی گرادیں۔ حقیقتاً اس کی مسکراہٹ ادلکش تھی۔

"کچھ بھی ہو مجھے یہاں تھوڑی دیر بیٹھنے دیجئے۔"

"خصوصیت سے یہیں کیوں؟" وہ میری آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ "یہاں کئی میزوں تنہا لڑکیاں نظر آرہی ہیں۔"

"لیکن سب سے پہلے آپ ہی نظر آئی تھیں اور پھر یہ دیسی لڑکیاں بڑی تنگ نظر ہوتی ہیں میں ان سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔ اس وقت اگر آپ کی جگہ کوئی دیسی لڑکی ہوتی تو میر شامت آگئی ہوتی۔ وہ طوفان بدتمیزی پھیلتا کہ خدا کی پناہ۔"

"سچی بات۔" وہ وارننگ دینے کے انداز میں انگلی اٹھا کر بولی۔ "اتنا سلیقہ مجھے بھی ہے کہ میں جھوٹ اور سچ میں امتیاز کر سکوں اور اب تم اسی صورت میں صحیح و سلامت اس کرسی سے اٹھ سکو گے جب سچی بات بتادو۔ میری باڈی گارڈ بہت زیادہ شریف نہیں ہیں۔"

یک بیک میں نے اپنے چہرے پر شدید ترین غصے کے آثار پیدا کئے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ "لڑکی ہوش میں آؤ۔ تم میری توہین کر رہی ہو۔ کیا تم نہیں جانتیں کہ میں کون ہوں۔ میری رگوں میں شاہی نسل کا خون دوڑ رہا ہے اور لوگ مجھے پرنس داراب کہتے ہیں۔ یہاں کس میں ہمت ہے کہ مجھ سے آنکھ ملا سکے۔ پچھلے سال میں نے فرانس میں تین ڈوئیل لڑے تھے۔ میں اپنے باپ مہاراجہ سرخاب کے علاوہ اور کسی سے نہیں ڈرتا۔ میری منگیتر جس سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہوں وہ بھی کوئی معمولی لڑکی نہیں۔ ریاست چڑیمار پور کی شہزادی ہے۔"

مجھے غصے میں دیکھ کر اس کے باڈی گارڈز پھر کھڑے ہوگئے۔ لیکن اس نے مڑ کر انہیں جانے کا اشارہ کیا۔ پھر مسکرا کر بولی۔ "معاف کیجئے گا شہزادے صاحب مگر تعارف حاصل کرنے کا یہ ایک گھٹیا سا طریقہ ہے۔"

"تم برابر میری توہین کئے جارہی ہو۔ میں تم پر لعنت بھیجتا ہوں۔" میں نے کہا اور اٹھ گیا۔

"بیٹھو بیٹھو! ورنہ سچ مچ یہاں خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔ میرے باڈی گارڈز کو شبہ ہوگیا ہے کہ تم میرے دشمنوں سے تعلق رکھتے ہو۔ یہ میری ایک نہ سنیں گے کیونکہ یہ کسی دوسرے کے جوابدہ ہیں۔ ٹھہرو میں نے تمہاری توہین نہیں کی.... تم مجھے بے حد دلچسپ آدمی معلوم ہوئے ہو کیونکہ آج تک مجھ سے کسی نے بھی ایسے لہجے میں گفتگو نہیں کی جس لہجے میں تم کر رہے ہو۔"

میں بیٹھ گیا۔ لیکن اپنے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار باقی رکھے اور بولا۔ "تم لڑکیوں میں یہ

بڑی کمزوری ہوتی ہے کہ خواہ مخواہ ہر ایک کو فلرٹ سمجھنے لگتی ہو۔ میں تم سے رقص کی درخواست نہیں کروں گا۔ حالانکہ یہاں نہ جانے کتنے اس کے خواہش مند ہوں گے۔ میں صرف تھوڑی دیر اس میز پر بیٹھنا چاہتا ہوں جتنی دیر وہ یہاں موجود ہے۔"

"وہ کہاں ہے.... مجھے بھی دکھاؤ۔"

"آج.... چھا....!" میں نے کہا۔ مگر یہ مسئلہ ٹیڑھا تھا۔ حالانکہ دور ہی سے دکھانا تھا جو کسی طرح بھی خطرناک نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر سوال تھا کسی ایسی لڑکی کا جو شہزادیوں کی سی شان رکھتی ہو۔ جلد ہی مشکل آسان ہوگئی۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ اسے وہاں بیشتر عورتیں اور لڑکیاں گھور رہی تھیں۔ انہیں میں ایک گنبد نما لڑکی نظر آگئی۔ شاید آپ "گنبد نما" پر چونک پڑیں۔ جن رہئے وہ لڑکی ہی تھی۔ کوئی مقبرہ نہیں۔ میں نے اسے گنبد نما اس لئے کہا ہے کہ اس نے بال اوپر سمیٹ کر جوڑا لگایا تھا اور جوڑے کے گرد چنبیلی کے پھولوں کا ایک ہار لپٹا ہوا تھا اور جوڑے کے اوپر ایک بڑا سا گلاب نظر آرہا تھا۔ لباس اس کا یوریشین تھا۔ یعنی پیٹ اور کمر کھلے ہوئے تھے۔ مگر پتہ نہیں اس نے لنگوٹی پر ساری کو کیوں ترجیح دی تھی۔ وہ اسے گھور رہی تھی۔

"وہ دیکھو وہ رہی....!" میں نے اس سے کہا۔

پھر جیسے ہی دونوں کی نظریں ملیں گنبد نما لڑکی میری طرف دیکھنے لگی۔ چلئے قصہ تمام ہوا۔

"اوہ.... وہ کافی خوبصورت ہے۔" اس نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

"مگر مجھے تو پرستان کی بھینس معلوم ہوتی ہے۔" میں نے جھنجھلا کر کہا اور وہ ہنسنے لگی۔ اب اس ہنسی کی کیفیت کیا بیان کروں۔ اتنی دیر تک چانگ کی ہنسی سنتے سنتے کان پک گئے تھے سا انہیں پکے ہوئے کانوں میں اس نقرئی ہنسی کی آواز گویا امرت کی پچکاری معلوم ہوئی اور داراب ولد مہاراجہ سرخاب سجدہ شکر بجالانے کا ارادہ کرنے لگا۔ مگر ارادہ پورا نہ ہوا اس لڑکی نے اس کا موقع ہی نہ دیا۔ وہ اب بڑی تیزی سے میرا دماغ چاٹ رہی تھی۔

"تم بہت بذوق آدمی معلوم ہوتے ہو۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "اس نے کتنے حیرت انگیز طور سے بال سجائے ہیں۔ اگر یہ پیرس میں ہوتی تو ہزاروں اس کے لئے جانیں دینے پر تیار ہوتے۔"

"تو پھر عنقریب میں اسے پیرس بھجوانے کا انتظام کروں گا اور خود بھی وہیں جاکر کفن دفن

کرنے والی ایک فرم قائم کروں گا جس کے سائن بورڈ پر تحریر ہوگا شہزادی دردانہ پر جان دینے والے ہم سے تجہیز و تکفین کرائیں۔ ہم انہیں ان کے شایان شان دفن کر سکیں گے۔"

وہ ہنسنے لگی۔ کافی دیر تک ہنستی رہی پھر بولی۔ "تم بہت دلچسپ آدمی ہو۔"

میں اس کا اعتراف کرنے ہی والا تھا کہ رقص کے لئے موسیقی شروع ہوگئی۔ لوگ اٹھنے لگے اور گنبد نما لڑکی بھی اپنے ایک ساتھی کے ساتھ چوبی فرش پر اتر گئی۔

"بس... بہت بہت... شکریہ۔" میں اس انداز میں اٹھا جیسے سر پر پیر رکھ کر بھاگ لوں گا۔

"اوہ... ٹھہرو...!" اس نے میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "ہم ناچیں گے۔"

"نہیں... اس وقت نہیں... پھر کبھی۔"

"ابھی اور اسی وقت۔"

تھوڑی سی رد و قدح کے بعد میں ناچنے پر تیار ہوگیا اور ہم بھی رقاصوں کی بھیڑ میں آگئے۔ پہلے ہی راؤنڈ میں وہ مجھ سے کافی بے تکلف ہوگئی۔ ہم متواتر تین راؤنڈ ناچے پی چانگ کا خیال بالکل صحیح تھا وہ شاید ہنسنے ہنسانے والوں کا پیچھا نہیں چھوڑتی تھی جب ہم بہت زیادہ تھک گئے تو دوسرے دن ملنے کے وعدے پر ہم نے ایک دوسرے کو الوداع کہی۔

میں اس عمارت میں واپس آیا جہاں چانگ مقیم تھا۔ ابھی گھنٹی کا بٹن دبا ہی رہا تھا کہ کسی نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور ساتھ ہی چانگ کی "ہو ہو" بھی سنائی دی۔ پھر وہ بیتابانہ انداز میں بولا۔ "اوہ کیپٹن آپ حیرت انگیز ہیں۔ اتنی جلدی... اتنی جلدی۔ صرف چند منٹ میں اتنی تکلفی... آپ جادوگر ہیں۔ میں سب دیکھ رہا تھا۔"

چانگ میرے ہاتھ چومنے لگا۔ کشیدنی افیون کی بدبو کی وجہ سے میرا دماغ پھٹا جا رہا تھا۔

بھتیجی کا چچا

صبح بستر سے اٹھنے کو دل نہیں چاہا۔ پچھلی رات تقریباً ڈھائی بجے سویا تھا اور سوتے وقت بھی اس لڑکی کے ساتھ کبھی کبھی ناچتا رہا تھا اور جب آنکھ کھلی تھی اس وقت ویسی ہی خوشگوار خوشبو محسوس ہوئی تھی جیسی پچھلی رات اس کے بالوں سے نکل رہی تھی۔ لیکن اس کے فوراً بعد ہی

کشیدنی افیون کی بدبو یاد آئی اور کانوں میں پی چانگ کی "ہو ہو" گونجنے لگی۔ پھر یاد آیا کہ شاید بعض اوقات خواب میں بھی یہ "ہو ہو" پریشان کرتی رہی تھی۔

میں نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ لیکن اب نیند کہاں تھی۔ خواب کی خوشبوئیں ذہن میں رچنے لگی تھیں اور کبھی افیون کے دھوئیں کی بو انہیں چھوتی ہوئی ذہن کی لامحدود گہرائیوں میں کھو جاتی۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور چانگ کا خبط الحواس بوڑھا ملازم ہاتھوں پر ایک چھوٹی سی کشتی اٹھائے ہوئے اندر داخل ہوا۔ میں اٹھ بیٹھا۔ وہ قریب آ گیا۔ کشتی میں چاندی کی ایک چھوٹی سی کٹوری رکھی ہوئی تھی جس میں سیاہ رنگ کی کوئی سیال شے تھی۔

"یہ کیا ہے...!" میں نے پوچھا۔

"افیون جناب...!" نہایت ادب سے جواب دیا گیا۔

مجھے اس کی اس سادگی پر تاؤ آ گیا۔ میں پچھلے ہی دن سے بتا چکا تھا کہ میں افیونی نہیں ہوں۔

"اسے ادھر رکھ دو۔" میں نے میز کی طرف اشارہ کیا اور خود مسہری سے اتر آیا۔

پھر وہ افیون رکھ کر سیدھا بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ میں نے اُسے اٹھا کر پٹخ دیا۔ وہ کسی پاگل کی طرح چیخنے لگا۔ دوسرے ہی لمحے میں میں اس کے سینے پر سوار تھا۔ اس کے کھلے ہوئے منہ میں نے کٹوری کی افیون انڈیل دی اور اس کے حلق سے خرخراہٹ بلند ہونے لگی۔

چانگ بڑی بدحواسی کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا اور حیرت سے آنکھیں پھاڑے ہمیں تکتا رہا۔ جب ساری افیون بوڑھے کے حلق سے اتر گئی تو میں نے اُسے چھوڑ دیا۔

چانگ سوالیہ انداز میں مجھے گھور رہا تھا۔

"میں اسے افیون پلا رہا تھا۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

چانگ نے اس کٹوری اور کشتی کی طرف دیکھا اور ملازم پر برس پڑا۔ پتہ نہیں وہ کیا بک رہا تھا۔ تھوڑی دیر تک دونوں "چوں چوں چاں چاں" کرتے رہے اور پھر بوڑھا ملازم میرا شکریہ ادا کر کے چلا گیا۔

"آپ نے بہت بُرا کیا کیپٹن۔" چانگ بولا۔

"میں نے کل ہی اس گدھے کو بتا دیا تھا کہ میں افیون استعمال نہیں کرتا۔"

"ارے آپ اسے قتل کر دیتے! مگر اب وہ سور کا بچہ ہر دوسرے گھنٹے پر یہ بھول جائے گا آپ افیون استعمال نہیں کرتے اور میری نہایت نفیس قسم کی افیون اس حرام زادے کے ناپاک حلق سے اترتی رہے گی۔"

مجھے ہنسی آگئی اور چانگ بولا۔ "کبھی نہیں اسے ہمیشہ پہلے دو جوتے لگائیے پھر بات کیجئے۔ کا دماغ بالکل درست رہے گا اور وہ کوئی بات نہ بھولے گا۔"

میں نے اس کے مشورے پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ میرے جوتے انشورڈ نہیں ہ

"خیر...." چانگ سر ہلا کر بولا۔ "میں دراصل اس لئے آیا تھا کہ آپ کو آپ کے کارنا کا نتیجہ سنا دوں۔"

"کون سا کارنامہ۔"

"پچھلی رات کا کارنامہ۔" چانگ ایک لمبی سانس لے کر بولا۔ "آپ کی نگرانی شروع ہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ پچھلی رات ہی کو آپ کا تعاقب کیا گیا تھا۔"

"کیوں؟"

"صبح سے ایک آدمی عمارت کے سامنے موجود ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ اسی لڑکی آدمیوں میں سے ہے۔"

"اوہ.... تو کیا اس لڑکی کو مجھ پر شبہ ہو گیا ہو گا۔"

"ضروری نہیں ہے۔ لیکن اس آدمی کو ضرور شبہ ہو سکتا ہے جو اس کی پشت پناہی ہے۔" چانگ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"آہا.... تب تو اس بیچاری کا کوئی قصور نہیں۔ وہ انتہائی شریف اور نیک لڑکی معلوم ہے۔"

چانگ اس پر اس طرح چونکا جیسے میں نے اسے کوئی گندی سی گالی دی ہو۔

"اس خیال کو دل سے نکال دیجئے کیپٹن۔" چانگ نے مغموم لہجے میں کہا۔ "ورنہ یہ چانگ دوہرا پیٹ رکھنے کے باوجود بھی جہنم میں پہنچ جائے گا۔ کیا آپ سچ مچ اس کے عشق میں ہو گئے ہیں۔"

میں نے بے بسی سے سر ہلا دیا۔ چانگ نے بھی ایک لمبی سانس لی اس کے چہرے

معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ابھی ابھی اپنے اکلوتے بیٹے کو دفن کر کے آیا ہو۔ میں بھی اس طرح خاموش ہو گیا جیسے میں اس سلسلے میں اس کی کوئی بات نہ سننا چاہتا ہوں۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

"مجھے کرنل نے یقین دلایا تھا کہ آپ کو سچ مچ کسی سے عشق نہیں ہو سکتا۔ آپ صرف اسے بیوقوف بنائیں گے۔"

"مسٹر چانگ مجھے افسوس ہے کہ میں اس لڑکی کو بیوقوف نہیں بنا سکوں گا۔"

"تب تو میں ڈوب گیا۔" چانگ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"کیا یہ ممکن نہیں ہے مسٹر چانگ کہ میں اس آدمی کو جو اس کی پشت پر ہے آپ کے حوالے کے اس سے شادی کر لوں۔"

"نہیں.... میں اسے بھی قابو میں کرنا چاہتا ہوں۔ آخر آپ اسے کیا سمجھتے ہیں۔"

"اوہ اُسے۔" میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور آہستہ سے بولا۔ "میں اسے سفید افیون سمجھتا ہوں مسٹر چانگ.... مگر افسوس نہ تو میں اسے پائپ میں رکھ کر پی سکتا ہوں اور نہ گھول کر پی سکتا ہوں میں کیا کروں میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"اچھا.... اچھا....!" چانگ غمگین آواز میں بولا۔ "آپ اس سے شادی کر لیجئے گا مگر مجھے معلوم ہونا چاہئے کہ وہ کون آدمی ہے جو اس کی پشت پناہی کر رہا ہے۔"

"شکریہ.... مسٹر چانگ.... یہ آپ کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔" میں نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ میں اس عمارت میں پرنس دارا اب کی نیم پلیٹ لگوا دوں۔"

"یہ بہت اچھا خیال ہے۔ میں نے بھی یہی سوچا تھا۔ اب یہ ضروری ہے کہ میں یہاں سے کہیں اور چلا جاؤں۔ کیونکہ اس نے مکان کی نگرانی شروع کرا دی ہے۔"

"مجھے اس کی "ہو ہو" یاد آگئی اور میں نے خلوص نیت سے اس کے اس خیال کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ آپ اپنے آدمیوں کو بھی لے جائیے۔ ملازموں کا انتظام میں کر لوں گا۔

وہ اس تجویز پر بے حد خوش ہوا اور مجھے اس بات پر بے حد خوشی ہوئی کہ اس نے اپنی خوشی کا اظہار "ہو ہو" کر کے نہیں کیا۔

شام تک وہ اپنے آدمیوں سمیت وہاں سے چلا گیا۔ لیکن جب وہ وہاں سے جا رہا تھا کوئی بھی ایسا آدمی نہیں نظر آیا جس پر مکان کی نگرانی کرنے کا شبہ کیا جا سکتا۔

اس کے بعد میں نے اپنے تین ماتحتوں کو وہاں طلب کر لیا اور پھانک پر پرنس داراب کے نا
کی تختی لگادی گئی۔ کرنل نے اپنی لنکن بھی مجھے ہی بھجوادی تھی۔ انہوں نے بھی اس رائے
اتفاق کیا تھا کہ چانگ وہاں سے چلا جائے۔ لیکن انہوں نے مجھے اب بھی کچھ نہ بتایا۔ ویسے مجھ
یقین تھا کہ چانگ نے انہیں سارے حالات سے آگاہ کیا ہوگا۔ مگر کرنل کا مقولہ تھا کہ اگر آدمی
دائرہ معلومات اس کی قوت عمل سے زیادہ ہو تو وہ اپاہج ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس صورت میں وہ باتیں
تو بڑی لمبی چوڑی کرتا ہے لیکن عملی اعتبار سے صفر ہی رہتا ہے۔ میں نے کرنل کو پچھلی رات کے
واقعات سے بھی مطلع کر دیا تھا اور ان سے مجھے ہدایت ملی تھی کہ میں اپنی ملاقاتیں جاری رکھوں۔

ہاں شاید میں نے ابھی تک اس کا تذکرہ نہیں کیا کہ میں بھی میک اپ میں تھا۔ چانگ کے
ساتھ روانہ کرنے سے قبل کرنل نے میرے چہرے کی تھوڑی سی مرمت کی تھی۔

رات کو میں پھر ہوٹل ڈی فرانس میں تھا۔ لیکن گیارہ بجے تک وہ نہیں آئی۔ میں ریکریئیشن
ہال کی اسی میز پر اس کا انتظار کرتا رہا جس پر ہم دونوں پچھلی رات تھے۔ رقص کے دوران میں
اچانک اعلان کرنے والے مائیک سے آواز آئی۔

"پرنس داراب پلیز.... جناب والا.... آپ کی کال ہے۔ منیجر کے کمرے میں تشریف لائیے۔"

میں اٹھ کر منیجر کے کمرے کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں میں نے جس سے فون پر بات کی وہ
سوفیا ہی تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ بعض وجوہ کی بناء پر ہوٹیل دی فرانس نہیں آسکی لیکن اب وہ
ہائی سرکل نائٹ کلب میں میرا انتظار کر رہی ہے۔

میں باہر آیا.... اور لنکن میں بیٹھ کر ہائی سرکل کلب کی طرف روانہ ہو گیا۔

مجھے یقین ہے کہ میرا تعاقب کیا جا رہا تھا۔ اب پتہ نہیں تعاقب کرنے والا چانگ تھا یا اور
کوئی۔ تعاقب کا یقین اس وقت ہو گیا جب میں نے اپنی گاڑی غیر ضروری طور پر ادھر اُدھر کی
گلیوں اور سڑکوں پر بھٹکانی شروع کر دی کیونکہ پیچھے لگی ہوئی کار ایک بار بھی کسی دوسرے راستے
پر نہیں مڑی۔ بس اس نے مجھے کلب تک پہنچا کر ہی دم لیا۔ جب میری گاڑی کلب کی کمپونڈ میں
داخل ہو رہی تھی پچھلی کار فراٹے بھرتی ہوئی آگے چلی گئی۔

سوفیا ڈائننگ ہال میں موجود تھی۔ مجھے دیکھ کر بڑے دل آویز انداز میں مسکرائی آج بھی
دونوں گارڈ اسکے ساتھ تھے۔ میں نے محسوس کیا وہ کینہ توز نظروں سے میری طرف دیکھ رہے ہیں۔

میں سیدھا اس کی میز کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

"ہلو پرنس....!" اس نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

میں نے اپنا ہاتھ ڈھیلا چھوڑ دیا۔ کیونکہ میں کسی قسم کی گرم جوشی ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"یہ بڑا غلط طریقہ تھا۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"کیسا طریقہ میں نہیں سمجھی.... بیٹھو....!"

"اس طرح فون کرنے کی کیا ضرورت تھی اگر آج ہم نہ ملتے تو دنیا کے جغرافیہ میں کون سی
تبدیلی واقع ہو جاتی۔"

"اوہ کیا تم نہیں آنا چاہتے تھے۔"

"آنا چاہتا تھا لیکن میں اسے پسند نہیں کرتا کہ کسی پبلک مقام پر میرا نام مائیکروفون پر
لیا جائے۔"

"کیوں....!"

"تم خود سوچو! کتنی بدنامی کی بات ہے.... پرنس داراب اور ہوٹل ڈی فرانس جیسا گھٹیا
ہوٹل....!"

"اوہ.... مگر وہ تو ایک شاندار ہوٹل ہے۔"

"میری نظروں میں نہیں ہے۔"

"ختم کرو۔ میں آج دن بھر تمہارے متعلق سوچتی رہی۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہم
پہلے بھی کہیں ملے ہوں۔"

"ہو سکتا ہے" میں نے لاپروائی سے کہا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔ میں سوچ رہا تھا کہ وہ
حقیقت بیان کر رہی ہے یا چانگ کے خیال کے مطابق اسے مجھ پر کسی قسم کا شبہ ہو گیا ہے یا پھر وہ
اسی آدمی کی ہدایت پر مجھ سے قریب ہونے کی کوشش کر رہی ہے جو چانگ کے بیان کے مطابق
اس کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ وہ خود کتنی بھولی اور بے ضرر معلوم ہوتی ہے بعض اوقات تو چانگ
کے اندیشوں کا مضحکہ اڑانے کو دل چاہتا تھا۔

"تم کون ہو۔" میں نے اس سے پوچھا۔ "کہاں سے آئی ہو.... کیا مجھے اپنے متعلق کچھ نہ
بتاؤ گی۔"

"میں بھی پسند نہیں کرتی کہ لوگ مجھے پہچانیں۔"

"کیوں....؟" میں اسے گھورنے لگا۔ کیا وہ مجھے اپنی اصلیت بتانے جا رہی تھی؟

"میں فرانس کے ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتی ہوں جو بہت معزز ہے۔"

"تو کیا میں گدھوں کے خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔" میں نے جھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

"شاید....!" وہ میری آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی۔ "تم نے ابھی تک تو اپنے آدمی ہونے کا ثبوت دیا نہیں۔"

"اگر میں یہ میز الٹ دوں تو تم کہاں ہو گی۔" میں نے دانت پیس کر کہا۔

"جہاں بھی ہوں گی وہاں تم بھی پہنچ جاؤ گے۔ میرے باڈی گارڈز یہاں موجود ہیں۔"

"ان دونوں کو بیک وقت چیلنج کر سکتا ہوں۔"

"کیوں؟ کیا ہوا ہے تمہیں۔ کل تو تم اچھے خاصے تھے۔"

"تو آج ہی کونساشیو بڑھا ہوا ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں آج بھی اچھا لگ رہا ہوں گا۔"

"کیا تم کریک ہو.... میں تمہیں ابھی تک نہیں سمجھ سکی۔"

"لڑکیوں کے بس کا روگ نہیں ہوں۔ پچاسی سال کی بوڑھیاں بھی مجھے سمجھنے سے قاصر رہتی ہیں۔ تم خود ہو گی کریک۔"

"پھر بھی تم مجھے دلچسپ معلوم ہوتے ہو۔" وہ ہنسنے لگی اور نہ جانے کیوں مجھے چانگ کی ہنسی یاد آ گئی۔

میرے خدا وہ کس بُری طرح میرے ذہن سے چپک کر رہ گئی تھی۔ بعض اوقات تو مجھے ایسا محسوس ہونے لگتا جیسے میں بھی کسی موقع پر غیر شعوری طور پر اسی طرح "ہو ہو" کر سکتا ہوں۔

میں خاموش ہو گیا۔

دفعتاً میری نظر اس راہداری کی طرف اٹھ گئی جس سے پیشاب خانوں کی طرف راستہ جاتا تھا۔ وہاں مجھے کرنل نظر آئے۔ جیسے ہی ہماری نظریں ملیں وہ راہداری میں مڑ گئے۔ سوفیا کی پشت اسی طرف تھی اس لئے وہ نہ دیکھ سکی۔ اگر دیکھ بھی لیتی تب بھی کوئی ایسی خاص بات نہ تھی۔ کرنل کے مخصوص قسم کے اشاروں کو سمجھنا بھی ہر ایک کے بس کی بات نہ تھی۔ انہیں اس وقت درجنوں آدمیوں نے دیکھا ہو گا لیکن کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ انہوں نے مجھے کس قسم کا اشارہ

تھا۔ یہ تو صرف میں جانتا تھا کہ ان کا مقصد یہ ہے کہ میں اُس طرف آؤں۔

"اوہ.... میں ذرا باتھ روم تک جاؤں گا۔ ابھی آیا۔" میں نے سوفیا سے کہا اور اٹھ گیا۔

ی رفتار بھی کچھ ایسی ہی تھی جیسے اگر میں نے باتھ روم تک پہنچنے میں جلدی نہ کی تو کوئی حادثہ جائے گا۔

اس حصے میں سناٹا تھا کرنل نے مجھے ہلکی سی سیٹی سے اپنی طرف متوجہ کیا وہ دیوار سے لگے ہے تھے۔

"میں صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ اگر وہ تمہیں کہیں لے جانا چاہے تو بے خوف چلے جانا۔" ں نے کہا۔

"بس اتنی سی بات کے لئے....!" میں نے بُرا سا منہ بنایا۔

"میں نے سوچا تم حالات مدنظر رکھتے ہوئے اسے ٹالنے کی کوشش نہ کرو۔"

"حالات والات آپ کے ساتھ ہوتے ہوں گے۔ میں تو ایک ٹانگ پر اچھلتا ہوا جاتا موت ف ایک بار آتی ہے.... اور خوبصورت لڑکیاں بار بار ملتی ہیں۔ لہٰذا میں ایک بار والے معاملے بالکل پرواہ نہیں کرتا۔"

کرنل اس انداز میں مسکرائے جیسے زندگی میں پہلی بار میری کوئی بات پسند آئی ہو۔

"دفع ہو جاؤ۔" انہوں نے کہا اور عقبی دروازے کی طرف مڑ گئے۔

میں ہال میں واپس آ گیا۔ سوفیا مجھے دیکھ کر مسکرائی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بہت بے ا سے میرا انتظار کرتی رہی ہو۔

میں خوش ہو گیا خوشی کی بات بھی تھی۔ اگر آپ یہ محسوس کر لیں کہ کوئی لڑکی آپ کا انتظار ا کر سکتی ہے تو آپ کا کیا حال ہو گا۔ اس کی پرواہ نہیں کہ وہ لڑکی بھینس کی نواسی ہے یا گینڈے بھتیجی۔

میں بیٹھ گیا۔ وہ تھوڑی دیر تک میرے چہرے کا جائزہ لیتی رہی پھر بولی۔ "کیا پیو گے۔"

"کچھ بھی نہیں۔"

"وہسکی سوڈا یا اور کچھ۔"

"میں شراب نہیں پیتا۔"

"تم جھوٹے ہو۔"

"میں اس بے تکلفی کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا۔" میں نے پھر نتھنے پھلائے اور وہ اسی انداز میں ہنسنے لگی جیسے مجھے چڑا رہی ہو۔

"اے سوفیا میں بہت بُرا آدمی ہوں۔" میں نے غصیلا لہجہ برقرار رکھا۔

"تم کیا کرلو گے میرا۔"

"میں نے نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر دوسری طرف منہ پھیر لیا۔"

لیکن وہ میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ "خفا ہوگئے؟"

کہنے کے انداز میں اتنی لگاوٹ تھی کہ بے اختیار وہیں شہید ہو جانے کو دل چاہا۔ لیکن پھر خیال سے شہید ہو جانے کا ارادہ ترک کر دینا پڑا کہ اس قسم کی شہادت فادر ہارڈاسٹون کو میری ہر تک میں گھس آنے پر مجبور کر دے گی۔

"میرا موڈ خراب ہو گیا ہے۔" میں نے چڑچڑاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

"تم سنو تو سہی تمہاری وجہ سے میں بہت الجھن میں پڑ گئی ہوں۔ کیا تم فرانسیسی سمجھ سکتے ہو۔"

"بول بھی سکتا ہوں۔"

"نہیں....!" اس نے خوشی اور حیرت ظاہر کی۔

"یقین کرو کہ میں فرانسیسی بول سکتا ہوں۔" میں نے فرانسیسی میں کہا۔

"میرے خدا.... تب تو تم میری مدد کر سکو گے۔"

"کیا مطلب....!"

"اب ہم فرانسیسی میں گفتگو کریں گے۔ کیونکہ میرے باڈی گارڈز فرانسیسی نہیں سمجھ سکتے۔"

"ہوں....!" میں نے دلچسپی ظاہر کی۔

اس کے چہرے پر الجھن کے آثار پائے جانے لگے۔ یا تو وہ سوچ رہی تھی کہ بات کا آغاز کیسے کرے یا پھر اس ادھیڑ بن میں مبتلا تھی کہ وہ بات مجھے بتائے یا نہ بتائے۔ کچھ دیر بعد اس نے طویل سانس لی اور آہستہ سے بولی۔ "میں نہیں سمجھ سکتی کہ میں کن حالات سے دوچار ہوں.... میرے چچا.... اوہ.... میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں یہ بات کہاں سے شروع کروں.... ٹھہرو.... پہلے تو تم بھی سوچو گے کہ میں نے یہ بات تم سے کیوں کہی۔ ابھی کل ہی تو ہماری ملاقات ہوئی

ہے مگر اس کی بھی ایک وجہ ہے۔ فرض کرو تم میرے چچا ہو۔"

"یہ فرض کرنے سے پہلے میں مر جانا زیادہ پسند کروں گا۔" میں جلدی سے بول پڑا۔

"میری بات سنو۔" وہ جھلا گئی اور اس جھلاہٹ میں بچکانیت کا انداز تھا۔ اس نے کہا "مجھے بات کرنی نہیں آتی۔ میں یہ کہہ رہی تھی کہ میرے چچا نے مجھے تم سے ملنے سے نہیں روکا۔ حالانکہ اس سے پہلے جب بھی کسی نوجوان نے میرے قریب آنے کی کوشش کی ہے تو وہ بہت خفا ہوا ہے اور دوسری بار اس سے نہیں ملنے دیا۔ لیکن تمہیں اس نے کل بھی دیکھا تھا اور آج بھی دیکھ رہا ہے۔ اس نے مجھ سے یہ نہیں کہا کہ تم سے نہ ملوں۔ میں نہیں سمجھ سکتی.... وہ مجھ سے ہمیشہ دور دور رہتا ہے۔ میرے ساتھ نہیں رہتا.... مگر میں اس کی غلام سے بدتر ہوں۔"

"وہ یہاں کہاں ہے۔"

"بائیں جانب دیکھو.... وہ جس کے بال الجھے ہوئے سے ہیں۔ خبیث صورت.... خدا اس پر عذاب نازل کرے۔" اس نے بائیں جانب دیکھے بغیر کہا اور میں نے بھی مناسب نہیں سمجھا کہ فوراً ہی بائیں جانب دیکھنے لگوں۔ میں سوفیا ہی کی طرف دیکھتا ہوا کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ جیب سے پائپ نکال کر اس میں تمباکو بھری اور بائیں جانب جھک کر سلگانے لگا۔ اسی دوران میں نے بائیں جانب نظر بھی دوڑائی اور آخر مجھے ایک الجھے ہوئے بالوں والا خبیث صورت غیر ملکی نظر آ ہی گیا۔ اس نے غلط نہیں کہا تھا کہ وہ خبیث صورت تھا۔ اس کے جبڑے بھاری تھے اور تھوتھنی سور کی سی تھی۔

"ہاں.... وہ مجھے اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا۔"

"خدا اسے غرقاب کرے۔ پتہ نہیں وہ میرا چچا ہے بھی یا نہیں۔"

خطرہ ہے

مجھے اس پر بے حد حیرت ہوئی اور میں نے حیرت ظاہر کی.... بلکہ اسے یقین دلانے کی کوشش کرنے لگا کہ میں اس کے اس عجیب و غریب بیان کو صحیح تسلیم نہیں کر سکتا۔

"ارے تم سنو تو سہی میں ایک یتیم اور بے سہارا لڑکی ہوں۔ اس میں شبہ نہیں کہ میں

فرانس کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتی ہوں لیکن اب اس خاندان میں میرے چچا کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں بچا۔ وہ بھی ڈچ گی آنا کا باشندہ ہے۔ ڈیڑھ سال قبل وہ فرانس آیا تھا اس نے مجھے بتایا کہ وہ میرا چچا ہے۔ ویسے میں نے اپنے دور کے عزیزوں سے سنا تھا کہ میرا چچا ڈچ گی آنا میں رہتا ہے جو بچپن ہی میں گھر سے چلا گیا تھا۔ وہ مجھ سے ملنے آیا۔ لیکن میں یقین نہ کر سکی کہ وہ میرا چچا ہی ہے۔ پھر مجھے خیال آیا کہ میرے دور کے اعزہ میں ایک بہت بوڑھا آدمی زندہ ہے جس نے بچپن میں اسے یقینی طور پر دیکھا ہوگا۔ میں اپنے اس چچا کو اس کے پاس لے گئی اور وہ بوڑھا آدمی اسے بہت دیر بعد پہچان سکا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اس وقت بہت چھوٹا تھا جب اس نے اسے دیکھا تھا۔ لیکن وہ میرا چچا ہی ہے۔ مجھے اس لئے اور بھی یقین کرنا پڑا کہ میری حالت اچھی نہیں تھی۔ میں نے سوچا کہ بھلا کسی غریب لڑکی کو بھتیجی بنانے سے کیا فائدہ اور پھر وہ ایک مالدار آدمی تھا۔ اس لئے میں نے سوچا ممکن ہے وہ سچ کہہ رہا ہو۔ میں نے اسے اپنا چچا تسلیم کر لیا۔ اس نے یورپ کی سیاحت کا پروگرام بنایا تھا۔ مجھ سے خواہش ظاہر کی کہ میں بھی اس کا ساتھ دوں۔ میں ساتھ ہو گئی۔ مفت کی سیاحت تھی اور ایک مالدار چچا۔ لیکن فرانس سے باہر نکلتے ہی وہ عجیب غریب ثابت ہونے لگا۔ میرے لئے دو باڈی گارڈ مقرر کر دیئے اور جس ہوٹل میں مجھے ٹھہراتا وہاں خود نہیں قیام کرتا تھا۔ کسی دوسرے ہوٹل میں اس کا قیام ہوا کرتا تھا.... مجھ پر کسی قسم کی پابندی نہیں تھی سوائے اس کے کہ اگر اسے کہیں باہر دیکھ لوں تو اس سے مخاطب ہونے کی کوشش نہ کروں۔"

"تم نے اس پر احتجاج نہیں کیا۔" میں نے پوچھا۔

"کیا تھا لیکن اس نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ نہیں بتایا پھر میں نے سوچا حرج ہی کیا ہے۔ پہلے میں مفلسی کی زندگی بسر کرتی تھی اب عیش کر رہی ہوں اور ابھی تک مجھے کوئی ایسا کام بھی نہیں کرنا پڑا جس پر میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا۔ لہٰذا میں خاموش ہو رہی۔ لیکن الجھن.... خود سوچو.... ایسی حالت میں کتنی الجھن ہو سکتی ہے۔ یورپ کی سیاحت ختم کر چکنے کے بعد اس نے ایشیا کی سیاحت کا پروگرام بنایا۔ اب ہم یہاں آئے ہیں۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اس سیاحت کا مقصد کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ایشیا کی سیاحت کے بعد وہ مجھے ڈچ گی آنا لے جائے گا۔ جہاں اس کا بہت بڑا بزنس اور کروڑوں کی جائیداد ہے اور میں ہی دراصل اس کی وارث ہوں۔ کیونکہ وہ

ہے۔ اس نے شادی ہی نہیں کی تھی۔"

"تب تو تم بڑی خوش قسمت ہو۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"میرے خدا.... میں لعنت بھیجتی ہوں ایسی خوش قسمتی پر.... تم یہ تو دیکھو کہ وہ اسی طرح میرے ساتھ ساتھ لگا رہتا ہے اور ہم اجنبیوں کی طرح ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں۔ لیکن نہ مقصد نہیں معلوم ہوتا۔ جو کچھ وہ کہتا ہے اس پر میں یقین نہیں کر سکتی۔"

"کیا کہتا ہے۔"

"یہی کہ ڈچ گی آنا ایک عجیب و غریب ملک ہے۔ میں تمہیں وہاں کی زندگی کیلئے ٹریننگ دے دوں۔ لیکن جب پوچھتی ہوں کہ کیسی ہے وہاں کی زندگی تو جواب ملتا ہے کہ خود ہی دیکھ لو گی۔"

"اور وہ کسی نوجوان کو تمہارے قریب نہیں آنے دیتا۔"

"نہیں.... لیکن تمہارے متعلق اس نے ابھی تک کچھ نہیں کہا۔"

"اور تم پہلی بار کسی کو یہ داستان سنا رہی ہو۔"

"پہلی بار.... یقین کرو.... میں تنگ آ گئی ہوں اس الجھن سے۔ میں اس کے بہت بڑے بزنس اور کروڑوں کی جائیداد پر لعنت بھیج کر فرانس واپس جانا چاہتی ہوں۔ ایسی الجھن سے میں نے اپنی مفلسی کی زندگی میں بھی دوچار نہیں ہوئی۔"

"واقعی یہ داستان عجیب ہے۔"

"اب بتاؤ تم میری کیا مدد کر سکتے ہو۔"

"یہی سوچ رہا ہوں۔" میں نے کہا۔ میں حقیقتاً سوچ رہا تھا کہ اس کے متعلق کیا کرنا چاہئے۔ بات تو چانگ نے بھی کہی تھی کہ وہ کسی کے ہاتھوں کٹھ پتلی ہو رہی ہے اور چانگ اس آدمی کا پتہ لگانا چاہتا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ چانگ نے آج ہی صبح کسی ایسے آدمی کا تذکرہ کیا تھا جو ہماری رہائش گاہ کی نگرانی کر رہا تھا۔ یہ خیال بھی چانگ ہی نے ظاہر کیا تھا کہ ہو سکتا ہے سوفیا اس سے بے خبر ہو اور اس آدمی نے نگرانی شروع کرائی ہو۔ مگر پھر میں نے سوچا کہ چانگ تو یورپ کی سیاحت کے دوران ہی سے ان کا تعاقب کرتا رہا ہوگا لہٰذا یہ آدمی جسے وہ اپنا چچا بتا رہی تھی کئی بار اس کی نظروں سے گذرا ہوگا۔ لہٰذا اسے اس کے متعلق بھی چھان بین کرنی ہی چاہئے تھی میں ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ وہ بولی۔

"تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ بعض اوقات میں اسے پہچان ہی نہیں سکتی۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"وہ اپنی صورت تبدیل کر لیتا ہے اور مجھے آگاہ کر دیتا ہے کہ فلاں جگہ موجود ہوں او شکل میں ہوں تم وہاں پہنچو۔ لیکن اگر تم سے کوئی غیر ذمہ دارانہ حرکت سرزد ہوئی تو نتیجہ خود ذمہ دار ہوگی۔"

"اوہ.... تو کیا اس وقت بھی وہ میک اپ میں ہے۔"

"ہاں.... وہ میک اپ ہی میں ہے۔"

"اور تمہیں خود کو پہچنوا دیا ہے۔"

"ہاں یہ بات بھی مجھے الجھن میں ڈالتی ہے۔ اگر وہ میری نگرانی کرتا رہتا ہے تو مجھے ہ اسی بات سے آگاہ کر دے کہ وہ فلاں جگہ موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ میں اس سے خوف کھاؤ اور جو کچھ وہ کہتا ہے وہی کروں گی پھر آخر خود کو پہچنوانے کی کیا ضرورت ہے۔"

"بات غور طلب ہے۔" میں نے سر ہلا کر کہا۔

"پھر تم میری کیا مدد کر سکتے ہو۔"

"میں پتہ لگاؤں گا کہ وہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔"

"نہیں تم یہاں کی پولیس کو اس کی اطلاع دے دو۔ خدا کے لئے جو کچھ بھی کرنا ہے ج کرو۔ اب مجھے بہت خوف معلوم ہونے لگا ہے۔"

"ارے بس....!" میں نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ "عیش کرو عیش....!"

"یہ عیش مجھے پاگل بنا دے گا۔"

"تب تو میں تمہیں فرانس واپس نہیں جانے دوں گا۔"

"کیوں؟"

"عرصہ سے میری خواہش تھی کہ کسی پاگل لڑکی سے شادی کروں پتہ نہیں کیوں دل ہے کہ کبھی کوئی لڑکی مجھے کاٹنے دوڑے اور میں چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھالوں۔"

"شرم نہیں آتی کسی بے بس لڑکی کا مضحکہ اڑاتے ہوئے۔" اس نے غمگین آواز میں کہا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم بے بس نہیں ہو۔ جس وقت چاہو اسے قتل کر سکتی ہو۔"

"میرے خدا.... قتل!"

"ہاں.... کونسی بڑی بات ہے۔ میں ابھی اسے یہیں قتل کرا سکتا ہوں۔ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو کہ وہ کیسے مر گیا۔ بس یہیں اسی کرسی پر ڈھیر ہو جائے گا۔ میں پرنس داراب ہوں لڑکی۔ جس کے نام سے پولیس بھی کانپتی ہے اور یہاں کے بدمعاش بھی لرزتے ہیں اور مجھے ہر وقت خدشہ لاحق رہتا ہے کہ کہیں مجھے گولی نہ مار دی جائے۔"

"کیوں....!" وہ بے حد خوفزدہ نظر آنے لگی۔

"اسی لئے کہ پولیس بھی میری دشمن ہے اور یہاں کے بدمعاش بھی۔ لیکن میں پھر بھی آزادانہ گھومتا ہوں۔"

"کمال کرتے ہو.... نہیں تم جھوٹ بولتے ہو۔" وہ ہنسنے لگی مگر اب بھی خوفزدہ نظر آ رہی تھی۔

"اچھا تو تم دیکھو گی میرا کمال۔ میں ابھی پندرہ منٹ کے اندر اندر اس بوڑھے کا خاتمہ کرائے دیتا ہوں۔"

"کیسے.... کس طرح۔"

"بلو پائپ کے ذریعے۔"

"بلو پائپ کیا....؟"

"ایک پتلی سی نلکی جس میں زہریلی سوئی ہوتی ہے۔ اسے ہونٹوں میں دبا کر پھونکتے ہیں اور سوئی اس میں سے نکل کر شکار کے جسم میں جا چبھتی ہے اور وہ چشم زدن میں ختم ہو جاتا ہے۔ لڑکی میں ایک پُراسرار شہزادہ ہوں۔ یہاں میرے آٹھ آدمی موجود ہیں جو ہر وقت میری حفاظت کرتے رہتے ہیں اور اکثر میرے دشمنوں کی موت انہیں کے ہاتھوں واقع ہوتی ہے۔ ان کے پاس بلو پائپ ہوتے ہیں۔ ننھے ننھے سانپ ہوتے ہیں جب جہاں جیسا موقع ہوا.... کیا سمجھیں۔"

وہ اپنے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی.... میں نے کہا۔ "مگر میں اسے ختم نہیں کروں گا۔ میں یہ دیکھوں گا کہ اس کا مقصد کیا ہے۔ وہ کیوں تمہارا چچا بن گیا ہے۔"

"جب تک تم دیکھو گے میں مر جاؤں گی۔"

"نہیں اب میرے آدمی تمہاری بھی نگرانی کرتے رہیں گے۔ تمہیں ذرہ برابر بھی خائف نہیں ہونا چاہئے۔"

"اب مجھے اور زیادہ خوف معلوم ہونے لگا ہے۔"

"تم ٹھہری کہاں ہو۔"

"آر لکچو.... روم تھرٹین۔"

"اور.... وہ....!"

"میں نہیں جانتی.... وہ اب اپنی جائے قیام کے متعلق کچھ نہیں بتاتا۔ بس فون پر اطلاع دیتا ہے کہ آج کہاں جانا ہے۔"

"لیکن میک اپ میں خود کو پہچنوانے کا کیا طریقہ ہے۔"

"اس کے بائیں ہاتھ میں ایک انگشتری ہے جس پر نگینے کی جگہ شیر کا سر بنا ہوا ہے بس وہ کسی طرح انگشتری میرے سامنے کر دیتا ہے اور میں اسے پہچان لیتی ہوں۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کہیں اس نے یہ نہ جتایا ہو کہ وہ وہاں موجود ہے۔ خود کو مجھ پر ضرور ظاہر کر دیتا ہے۔"

"یہ چیز الجھن میں ڈالنے والی ہے۔" میں نے کہا اور خاموش ہو گیا۔ وہ بھی خاموش ہو گئی تھی۔

میں سوچ رہا تھا کہ ان حالات کی اطلاع کرنل کو دوں گا اور چانگ کو توقی الحال اس کی ہوا نہ لگنے دی جائے چونکہ کسی جرم کا ارتکاب خود ہمارے ملک میں ہونے والا تھا۔ اس لئے ہمارا فرض تھا کہ پہلے ہم اسے اپنے نکتہ نظر سے دیکھتے۔ غالباً کرنل بھی میرے اس خیال کی تردید نہ کریں گے۔ چانگ حقیقتاً کسی چکر میں تھا۔ اس کا علم ممکن ہے کرنل کو رہا ہو۔ مجھے تو نہیں تھا۔ لہٰذا مجھے محتاط رہنا چاہئے۔ پھر میں نے سوچا کیا چانگ یہاں بھی موجود ہو گا۔ پچھلی رات تو وہ میرے پیچھے ہی رہا تھا۔ اگر وہ حقیقتاً یہاں موجود ہے تو مجھے سوفیا کے چچا کا تعاقب کرنا چاہئے یا نہ کرنا چاہئے۔

"کیا سوچنے لگے" سوفیا نے ٹوکا۔

"کچھ نہیں! اب تمہارے معاملے کے علاوہ اور کیا سوچوں گا۔ ویسے اگر تم کوئی نئی بات سوجھ کا مشورہ دینا چاہو تو وہی اسٹارٹ کر دوں.... آہاں.... ٹھہرو.... بات دراصل یہ ہے کہ تمہاری یہ کہانی کسی جاسوسی ناول کا پلاٹ معلوم ہوتی ہے۔"

"خود مجھے بھی معلوم ہوتی ہے۔"

"آخر میں اس پر یقین کروں یا نہ کروں۔"

"میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تمہیں یقین نہیں آئے گا۔" اس نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"پھر کیا صورت ہو سکتی ہے مجھے یقین دلانے کی۔"

"یہی کہ اب میں ہی کسی اور کے ذریعہ یہاں کی پولیس کو اس سے باخبر کرانے کی کوشش کروں۔"

"ابھی نہیں.... جب میں یہ دیکھوں گا کہ میں کچھ نہیں کر سکتا اس وقت میں بھی سوچوں گا پولیس کو مطلع کر دیا جائے۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ اس کے چہرہ پر تھکن اور اکتاہٹ کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

"ہاں یہ تو بتاؤ کہ تم پاسپورٹ پر یہاں آئی ہو یا غیر قانونی طور پر۔"

"پاسپورٹ پر.... لیکن میرے یہاں آنے کی وجہ یہ ہے کہ میرا ماموں یہاں کی ایک فرم کا منیجر تھا جو پچھلے ماہ ہیضے کا شکار ہو کر چل بسا۔ میں اسی ماموں کا سامان سمیٹنے آئی ہوں۔"

"کیا حقیقتاً ایسا ہی ہے۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں جانتی بھی نہیں کہ وہ کم بخت کون تھا۔ مجھ سے جو کچھ بھی کہا گیا تھا میں نے اس کی اطلاع فرانسیسی سفارت خانہ کو دے دی ہے۔ میں نے سفیر کو یہی بتایا ہے کہ میں ڈکسن راجر کمپنی کے سابق منیجر موسیو تکل دریکساں کی بھانجی ہوں اور ان کی موت کے سلسلے میں یہاں آئی ہوں۔ لہٰذا اس کے سامان پر مجھے قبضہ دلوایا جائے۔"

"اور تم اب بھی نہیں سمجھیں کہ تمہارا بچا کیا چاہتا ہے۔"

"نہیں.... میں نے سمجھنے کی کوشش کی تھی لیکن نہیں سمجھ سکی۔ تم یہی سوچو گے نا کہ وہ میری آڑ لے کر کسی شریف آدمی کا ترکہ ہتھیانا چاہتا ہے۔"

"یقیناً....!"

"لیکن تکل دریکساں نے کچھ بھی نہیں چھوڑا۔ اس کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہ ایک عیاش طبع آدمی تھا جو کچھ بھی کماتا تھا اڑا دیتا تھا۔ بینک میں اس کی کل پونجی ستائیس روپے بارہ آنے بچی تھی سامان بھی کوئی ایسا قیمتی نہیں ہے اور میرے چچا نے بھی اس کے متعلق کوئی خاص بے چینی نہیں ظاہر کی تھی۔ ارے اسے ہٹاؤ.... میں کہتی ہوں یورپ کی سیاحت کا کیا مقصد تھا۔ وہاں بھی اس کا رویہ یہی تھا جو یہاں ہے کسی بات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔"

میں پھر سوچ میں پڑ گیا۔

"کیا سوچنے لگے۔"

"یہی کہ ممکن ہے وہ اسی تکل در یکساں کو یورپ میں تلاش کر رہا ہو اور اب یہاں اس کا سراغ ملا ہو۔"

"لیکن اب بھی اس کی پرانی حرکتیں جاری ہیں۔"

"خیر میں اس مسئلے پر اطمینان سے غور کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا اور اسی وقت میں نے اس کے چچا کو اٹھ کر ہال سے باہر جاتے دیکھا۔ سوفیا نے اس پر حیرت ظاہر کی کیونکہ اس کی یادداشت میں پہلی بار اس نے ایسا کیا تھا۔ ورنہ وہ کسی تفریح گاہ میں اسے تنہا نہیں چھوڑتا تھا۔ سوفیا کے بیان کے مطابق جب اسے کہیں سے اٹھنا ہوتا تھا تو وہ کسی نہ کسی طرح سوفیا کو اپنے ارادے سے آگاہ کر دیتا تھا اور دونوں آگے پیچھے ہی وہاں سے رخصت ہوئے تھے مگر آج ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ اسے مطلع کئے بغیر اٹھ گیا تھا اور اب سوفیا کہہ رہی تھی کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ کیا وہ بھی اٹھ جائے۔ مگر اس نے اٹھنے کا اشارہ نہیں کیا تھا۔ ہم اس پر ابھی بحث کر ہی رہے تھے کہ لاؤڈ سپیکر پر اعلان ہوا۔

"پرنس داراب پلیز... آپ کی فون کال ہے... براہِ کرم منیجر کے کمرے میں تشریف لائیے۔"

میں نے سوچا ممکن ہے کرنل ہوں لیکن میں نے تو انہیں ابھی تک پرنس داراب کی کہانی نہیں سنائی تھی۔ میں اٹھ کر منیجر کے کمرے میں آیا اور فون پر پہلی ہی بار مخاطب کی آواز پہچان لی۔ دوسری طرف سے چانگ بول رہا تھا۔ "کیپٹن تم خطرے میں ہو۔ میں کلب کے باہر والے فون بوتھ سے بول رہا ہوں۔ ابھی ابھی ایک بوڑھا یوروپین باہر آیا ہے اور اس نے تین آدمیوں کو تمہارے متعلق کچھ ہدایات دی ہیں۔ میں صاف نہیں سن سکا۔ لیکن تم ہوشیار رہو۔ اگر وہ لڑکا تمہیں کہیں لے جانا چاہے تو ہرگز نہ جانا۔ ویسے اس کا قیام آر لکچو میں ہے لیکن یہ بوڑھا یوروپین مجھے پہلی بار دکھائی دیا ہے۔"

"اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔"

"یہی کہ وہ اسی لڑکی کے ساتھیوں میں سے ہو سکتا ہے۔"

"میں ابھی یہاں بیٹھوں گا تم فکر نہ کرو۔"

"بہت ہوشیاری کی ضرورت ہے کیپٹن میں پھر تمہیں آگاہ کرتا ہوں۔"

"شکریہ ڈیئر.... ٹاٹا....!" میں نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا اور سوچنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔

شعلے کی ٹھنڈک

میں نے سوچا یہ چانگ بھی بڑا مستعد آدمی ہے۔ مگر کرنل.... بھلا میں کس طرح سمجھ لیتا کہ انہوں نے یہ کیس مکمل طور پر میرے سپرد کر دیا ہے۔ انہوں نے کچھ دیر پہلے مجھے جو ہدایت دی تھی اس کا مطلب یہی تھا کہ وہ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی مجھے بٹیروں کی پالی میں چھوڑ کر خود دور سے حالات کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ پھر میں چانگ کی ہدایت پر کیسے عمل کرتا۔

میں پھر ہال میں واپس آ گیا۔ سوفیا وہیں موجود تھی اور اس کے باڈی گارڈز شراب پی رہے تھے۔ اسی سے میں نے اندازہ کر لیا کہ ان کی نظروں میں سوفیا کا کوئی احترام نہیں ہے۔

"تم نے دیکھا۔" سوفیا آہستہ سے بولی۔ "یہ میرے باڈی گارڈز ہیں۔ میرے چچا کے ملازم۔ تم انہیں دیکھو یہ کس بے باکانہ انداز میں شراب نوشی کر رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ میں کسی بدمعاش آدمی کے چنگل میں پھنس گئی ہوں یہ میرا چچا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کیا ممکن نہیں ہے کہ وہ اس وقت بھی میک اپ میں رہا ہو جب وہ میرے چچا کی حیثیت سے سامنے آیا تھا۔"

"ہو سکتا ہے۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ بھی ممکن ہے وہ میرے چچا سے واقف ہو جو ڈچ گی آنا میں رہتا ہے اور اسی واقفیت سے فائدہ اٹھا رہا ہو۔ کاش مجھے اپنے چچا کا پتہ معلوم ہوتا۔ کاش میں یہ معلوم کر سکتی کہ وہ ڈچ گی آنا میں کہاں رہتا ہے۔"

میں بہت زیادہ بکواس کر چکا تھا لہٰذا اب میں نے خاموش ہی رہنا مناسب سمجھا۔ کاش کرنل یا چانگ مجھے سارے حالات سے آگاہ کر دیتے پھر میں دیکھتا کہ میں تنہا کیا کر سکتا تھا۔

کرنل شاید یہ سمجھتے ہیں کہ میں نرا ڈیوٹ ہوں۔ پتہ نہیں کیا بات ہے کہ ان کی موجودگی میں بچہ بن جانے کو دل چاہتا ہے۔ بس یہی خواہش ہوتی ہے کہ حماقتوں پر حماقتیں کئے جاؤ۔ لیکن

آپ واقف ہی ہیں کہ ان کی عدم موجودگی میں مجھ سے بھی اکثر کتنے شاندار کارنامے "سرزد" ہو جاتے ہیں۔

"تم کیا سوچنے لگے۔" سوفیا کی آواز پر میں چونک پڑا۔

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ مجھے کیا سوچنا چاہئے۔"

"میری الجھن بڑھتی جا رہی ہے۔ آخر وہ اٹھ کیوں گیا۔ کیا اب واپس نہیں آئے گا۔ کیا میں ساری رات یہیں بیٹھی رہ جاؤں گی۔"

چلو میں تمہیں آر لکچنو پہنچا دوں۔"

"نہیں میں اس وقت یہاں سے نہیں اٹھ سکتی جب تک کہ اس کی طرف سے اٹھ جانے کا اشارہ نہ ملے۔"

"تم ڈرتی کیوں ہو.... چلو میں ہوں تمہارے ساتھ.... اطمینان رکھو۔ تمہیں کوئی بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

"میں اس سے بہت ڈرتی ہوں.... بے حد.... پر نس اب میں چاہتی ہوں کہ مر ہی جاؤں۔"

"تھوڑی ہمت کرو.... میں چٹکی بجاتے اس سے رہائی دلوا دوں گا۔"

دفعتاً وہ چونک پڑی۔ میں نے کنکھیوں سے دروازے کی طرف دیکھا۔ بوڑھا یوروپین ہال میں داخل ہو رہا تھا۔

وہ آہستہ سے بڑبڑائی۔ "اشارہ مل گیا میں جا رہی ہوں۔"

میں کچھ نہ بولا۔ وہ اٹھ گئی۔ اس کے ساتھ ہی دونوں باڈی گارڈ بھی اٹھ گئے۔ لیکن یوروپین بیٹھا رہا۔ مجھے چانگ کی گفتگو یاد آئی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ بوڑھا پہلی بار اس کی نظروں سے گذرا ہے۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ وہ ان میں سے بہتیروں کا صورت آشنا تھا۔ ویسے شاید اس کو اس آدمی کی تلاش تھی جسے سوفیا کی وساطت سے میں نے دریافت کر لیا تھا۔ یہ تو آج کی بات تھی لیکن آئندہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ میرے قریب سے گذر جائے اور میں نہ پہچان سکوں کیونکہ سوفیا کے بیان کے مطابق وہ ہمیشہ ایک ہی حلئے میں نہیں رہتا تھا۔ پھر مجھے کیا کرنا چاہئے۔ اگر میں آج اس بوڑھے کا تعاقب نہ کیا تو ہو سکتا ہے وہ کبھی ہاتھ نہ آئے۔

پچھلی رات اس نے سوفیا کے بیان کے مطابق مجھے طرح دی تھی۔ لیکن آج چانگ نے فون

پر کسی سازش کی کہانی سنائی تھی۔ گویا اب وہ مجھ پر ہاتھ صاف کرنا چاہتا ہے۔ لیکن سوفیا نے یہ نہیں بتایا کہ کبھی اس سے پہلے بھی اس کے کسی ملنے والے پر ہاتھ صاف کیا گیا تھا یا نہیں۔ اس نے یہی کہا تھا۔ صرف کہا ہی نہیں تھا بلکہ اس پر حیرت بھی ظاہر کی تھی کہ اسے مجھ سے ملنے سے نہیں روکا گیا تھا۔ حالانکہ پہلے کئی بار اسے ایسی ملاقاتوں سے روکا گیا تھا.... پھر.... اگر اب کسی نئے ملنے والے کے خلاف کسی قسم کی سازش بھی کی جائے تو یہی سوچا جا سکتا ہے کہ وہ ملنے والا کسی قسم کی کوئی اہمیت رکھتا ہے۔ لہٰذا میرے ساتھ کون سی اہمیت ہو سکتی تھی۔ سوائے اس کے کہ میں محکمہ سراغ رسانی کا ایک آفیسر تھا۔ اگر اس بوڑھے نے اسی اہمیت کو مد نظر رکھ کر میرے خلاف کوئی سازش کی تھی تو اس کا یہی مطلب ہو سکتا تھا کہ وہ ایک بہت زیادہ باخبر آدمی ہے اور میں میک اپ میں بھی پہچان لیا گیا ہوں۔

اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد میں نے سوچا کہ کرنل کو اس کی اطلاع ضرور دی جائے، ورنہ ہو سکتا ہے کہ میں کسی مصیبت میں پڑنے کے بعد بھی کسی اُلو کا لخت جگر سمجھا جاؤں۔ حالانکہ آج تک کسی اُلو نے مجھے اپنا لخت جگر نہیں سمجھا۔

میں نے منیجر کے کمرے میں جا کر کرنل کے لئے رنگ کیا۔ لیکن وہ گھر پر نہیں ملے۔ ہر وہ مقام فون پر کھنگال ڈالا جہاں ان کے ملنے کے امکانات ہو سکتے تھے مگر مایوسی ہی ہوئی۔ پھر کوشش کی کہ امر سنگھ یا رمیش ہی میں سے کوئی مل جائے لیکن توبہ کیجئے.... اس رات تو سر پر چھپکلی سوار تھی۔ میں یہی کہوں گا کیونکہ مجھے چانگ کا گھر نہیں یاد آیا جہاں میں خود رہتا تھا اور میرے تین آدمی اس وقت بھی موجود تھے۔ اس عمارت میں فون بھی تھا۔ لیکن یقین کیجئے اس عمارت کو سرے سے بھول ہی گیا تھا۔

جب میرے سر پر چھپکلی سوار ہوتی ہے تو عموماً یہی ہوتا ہے۔ جوش شجاعت میں کچھ ایسی حماقتیں سرزد ہوتی ہیں جن کا جواب مشکل ہے۔ مگر کبھی کبھی اسی چھپکلی نے جو میرے سر پر سوار ہوتی ہے مجھے تیس مار خاں بھی بنا دیا ہے۔ نہیں سمجھے۔ بھئی یہ تیس مار خاں کا لطیفہ بھی عجیب ہے ہم آپ بات بات پر تیس مار خاں بنتے ہیں۔ لیکن اس کی کہانی شاید ہی عام طور پر لوگوں کو معلوم ہو۔ آپ کہیں گے ادھر اُدھر کی کہانیاں سنانے بیٹھ گیا۔ میں کہتا ہوں ہرج ہی کیا ہے۔ اب میں تذکرہ نویس صاحب کی طرح رنگ آمیزیاں تو کر نہیں سکتا۔ لیکن کسی نہ کسی طرح اس کہانی کو

دلچسپ بنانا بھی ضروری ہے۔ ورنہ آپ کہیں گے کہ بس حمید صاحب آپ کا جو کام ہے وہی کیجئے ہاتھ میں فلم لینا آپ کے بس کی بات نہیں ہے۔ ویسے آپ مطمئن رہئے میں ابھی آپ کے دل کو سرور اور آنکھوں کو نور اس خبر سے بخش دوں گا کہ اس رات کیسی مرمت ہوئی تھی۔

ہاں تو قصہ تیس مار خاں کا یہ ہے کہ کسی شہر میں دو میاں بیوی رہتے تھے۔ رہتے نہیں تھے بلکہ انہیں رہنا پڑتا تھا۔ نہ رہتے تو جاتے کہاں۔ نہ اکیلا مرد میاں ہو سکتا ہے اور نہ اکیلی عورت بیوی۔ حالانکہ میاں بیوی ہو جانے کے بعد وہ اکثر سوچتے ہیں کہ اکیلے ہی ہوتے تو بہتر تھا۔ اس لئے یہی عرض کروں گا کہ انہیں رہنا پڑتا تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے بیزار تھے۔ بیزاری کی وجہ یہ تھی کہ بیوی میاں صاحب کو باکار بنانا چاہتی تھی لیکن میاں صاحب بے کار ہی رہنے پر مصر تھے۔ وہ انہیں لاکھ لاکھ غیرت دلاتی۔ اسلاف کے کارنامے گنوا کر اُن کا خون گرمانے کی کوشش کرتی مگر میاں ٹس سے مس نہ ہوتے۔ آخر بیوی نے تنگ آ کر فیصلہ کیا کہ اب اس سے پیچھا چھڑانا چاہئے۔ نہ یہ کمائے گا اور نہ میرا ہی پیچھا چھوڑے گا۔ لہٰذا اس نے ایک دن میاں صاحب کو بھنگ پلادی اور پھر ان کے خون کو گرمانا شروع کیا۔ خون گرم ہو گیا جناب۔ آپ نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔ میں شاہی فوج کے لائق ہوں۔ یقیناً مجھے کوئی عہدہ ملنا چاہئے۔ بیوی نے کہیں سے ایک تلوار مہیا کی اور انہیں دربار شاہی کا راستہ بتادیا۔ اس ملک کا بادشاہ چونکہ بے حد قوالی پسند آدمی تھا۔ اس لئے ہر ایک کو مجرا کرنے کی اجازت مل جاتی تھی۔ جس وقت میرا شیر ہنکارتا ہوا دربار میں پہنچا۔ وہاں قوالی ہی ہو رہی تھی۔ بادشاہ سلامت بحالت وجد نہ جانے کیا کر رہے تھے کہ میاں صاحب نے للکار کر کہا۔ "میں شاہی فوج میں سپہ سالاری کے لائق ہوں۔" بادشاہ سلامت سمجھے کہ شاید اسے بھی حال آ گیا ہے۔ لہٰذا انہوں نے بحالت وجد کہا ہم نے تمہیں سپہ سالار مقرر کیا۔ تمہارا نام کیا ہے۔ جواب میں میاں صاحب نے اکڑ کر فرمایا۔ ہم تیس مار خاں ہیں۔ یعنی ایک حملے میں تیس آدمیوں کا صفایا کر دینا ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ بادشاہ سلامت اتنے خوش ہوئے کہ انہوں نے قوالی رکوادی اور وزیر سے فرمایا کہ اسے ہم نے سپہ سالار مقرر کیا۔ وزیر نے عرض کی حضور یہ یہاں ہماری محفل میں نہیں تھا۔ باہر سے آیا ہے۔ بولے کچھ پرواہ نہیں جو ہم نے کہہ دیا اٹل ہے۔

بس جناب وہ سپاہ سالار بنا دیئے گئے اور اس سے پہلے والا سپہ سالار جو خود بھی قوالی کا بے حد

لائق تھا سجدہ شکر بجالایا یعنی اس کی گلو خلاصی ہو گئی۔ اور وہ اس کے بعد سے اپنے گلے میں ہار نیم لٹکائے نظر آنے لگا۔ وہ ملک ایسا ہی تھا کہ فوج پڑے پڑے کھایا کرتی تھی۔ قریب کی مملکتیں ملک پر قبضہ کرنے کے متعلق اس لئے نہیں سوچتی تھیں کہ کہیں خود ان کی فوجیں بھی نہ الی کا شکار ہو جائیں۔ اگر کبھی کسی ملک کو کچھ اینٹھنا ہوتا تو وہ پہلے توالٹی میٹم دیتا اور جب قوالی پسند ں کی فوجیں سرحدوں پر خندق نشین ہو جاتیں تو وہ اپنے ہوائی جہاز سے پیراشوٹ کے ذریعہ الوں کی پارٹیاں اتار دیتا اور وہ پارٹیاں اوپر ہی سے الاپنا شروع کر دیتیں۔ پھر حالت یہ ہوتی کہ اہی خندقوں سے نکل کر ان کے گرد اکٹھا ہونے لگتے۔ محاذ جنگ پر چاروں طرف محفلیں جم تیں اور "اہے وا" پھر حملہ آور ملک کی فوج بے دریغ اندر گھستی چلی جاتی اور لوٹ مار کر کے ے سکون کیساتھ واپس بھی چلی جاتی۔ لیکن قوالی پسند فوجوں کو اتنا ہوش کہاں کہ معاملات ان سمجھ میں آ سکیں۔ پھر قوال بھی رخصت ہوتے وقت ان سے کافی لمبی لمبی رقمیں اینٹھ لے جاتے۔

مگر ایک بار ایسا ہوا کہ کسی دور دراز ملک کی فوج نے سرحد کے قریب ڈیرہ ڈال دیا۔ بادشاہ سلامت بوکھلا گئے۔ انہوں نے وزیر سے کہا کہ اے باتدبیر یہ کیسا حملہ ہے نہ قوال اُترے نہ قوالی ئی.... اور یہ لوگ چڑھ دوڑنے کی دھمکی دے رہے ہیں۔ یعنی اگر ہم نے ان کے مطالبات رے نہ کئے تو صبح وہ حملہ کر دیں گے اور تم جانتے ہو وزیر باتدبیر کہ ہم کسی سے دبنا تو جانتے ہی ہیں۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ وہ قوالی کرائیں اور ہم بحالت وجد انہیں نہ ٹوکیں کہ وہ کیا کر رہے ں۔ شاہی خزانہ کیوں لوٹ رہے ہیں۔ مگر کچھ تو بتاؤ اب ہم کیا کریں۔ ہم نے سنا ہے کہ ان کی ج میں ایک بھی قوال نہیں ہے۔ وزیر نے مشورہ دیا کہ اس موقع پر تیس مار خاں کو نہ بھولنا ہئے جس نے ایک حملہ میں تیس آدمی مارنے کا دعویٰ کیا تھا۔ بادشاہ سلامت اچھل پڑے اور وہ س خبر سے قوالی ہی کا سا اثر لینے کی تیاری کر رہے تھے کہ وزیر باتدبیر نے انہیں ہوشیار رہنے کا شورہ دیا۔ پھر تیس مار خاں بلوائے گئے اور انہوں نے آتے ہی کہا۔ "جہاں پناہ فوج نے اس بناء پر ڑنے سے انکار کر دیا ہے کہ حملہ آوروں کے ساتھ قوال نہیں آئے.... جہاں پناہ نے فرمایا فکر کی بات کی ہے تم تنہا ہی حملہ آوروں سے نپٹ لو گے۔ ایک حملے میں تیس مارتے ہو۔ اچانک تیس مار خاں کو وہ مکھیاں یاد آ گئیں جو گھر پر تیس کیا تیس ہزار بھی بہ آسانی ماری جا سکتی تھیں۔ مگر ایک نہ چلی۔ وہ شاہی فیصلہ تھا۔ تیس مار خاں نے قوالی کرتے ہوئے کہا کہ میں آج رات کو ان کا

صفایا کر دوں گا۔ مگر ٹھہریئے۔ میں ابھی حاضر ہو کر بتاتا ہوں۔ پوری اسکیم عرض کروں گا۔ انہیں گھر واپس جانے کی اجازت مل گئی۔ لیکن وزیر جو واقعی با تدبیر تھا اس نے چارا پنے آدمیوں مارخاں کے ساتھ کر دیئے۔

وہ گھر آئے بیوی کو وہ دن یاد دلایا جب اس نے انہیں گرما کر دربار بھجوایا تھا۔ بیوی کو وہ دن اب بھی یاد تھا۔ کیونکہ وہ اسی دن کی بدولت آج عیش کر رہی تھی۔ جب اس نے اعتراف کیا کہ اسے وہ دن اچھی طرح یاد ہے تو دھڑ سے بولے خدا کے لئے وہی شربت پھر پلا دو جو اس دن پلا تھا اور پھر اسی قسم کی باتیں کرو۔ بیوی نے وجہ پوچھی اس پر وہ قوالی کئے بغیر بیان کر چلے۔ مگر ار بیوی ان سے چھٹکارا پانے پر کسی طرح بھی تیار نہیں تھی۔ اس نے مشورہ دیا کہ کہیں بھاگ چلو انہوں نے فرمایا باہر چار آدمی موجود ہیں۔ یوں کام نہیں چلے گا تم پلاؤ شربت۔ میں ایک بار پھر بادشاہ سلامت کے دربار میں حاضری دوں۔ اس کے بعد شائد پھر ان آدمیوں سے چھٹکارا ہو جائے جو میرے ساتھ یہاں تک آئے ہیں۔ بس اب پلاؤ.... شربت.... واپس آکر پوری اسکیم بتاؤں گا۔ چنانچہ اس نیک بخت نے انہیں پھر بھنگ پلادی اور چنگیز وہلاکو کے تذکرے چھیڑ کر ان خون گرمانے لگی۔ میاں صاحب جلد ہی موڈ میں آگئے اور ایسے موڈ میں آئے کہ چھپاک سے تلو کھینچ لی.... بیوی سمجھی شائد فارغ البال ہو جانے کا ارادہ رکھتے ہیں اس لئے چیخ مار کر بھاگی اور ایک کوٹھری میں گھس گئی۔ آپ نے بھی ایک نعرہ جگر خراش مارا اور گھر سے نکل آئے۔ اب وہ چیخ چنگھاڑتے اور تلوار ہلاتے شاہی محل کی طرف جا رہے تھے۔ ہلڑ ہو گیا سارے شہر میں۔ لوگوں۔ پہلے ہی ان کی تیس مار خانی کے وہ قصے سن رکھے تھے جو انہوں نے اکثر احباب کو سنائے تھے بہر حال یہ حضرت شاہی محل میں پہنچے۔ بادشاہ سلامت اور وزیر با تدبیر تخلئے میں تھے۔ انہیں بھ وہیں بلوالیا گیا۔ انہوں نے وہاں پہنچتے ہی ہڑبونگ مچادی۔ چیختے رہے.... اچھلتے رہے.... اور ا طرح پینترے بدل بدل کر تلوار ہلاتے رہے جیسے سچ مچ ایک ایک وار میں تیس تیس کا صف کر رہے ہوں۔ جہاں پناہ اور وزیر با تدبیر اس خیال سے کونے کھترے میں چھپنے لگے کہ ہاتھ ہی۔ اگر خدانخواستہ بہک گیا تو کیا ہوگا۔ لیکن جب تیس مار خاں کے جوش و خروش میں کمی نہ ہوئی تنگ آکر جہاں پناہ اور وزیر با تدبیر نے صرف تالیوں ہی پر قوالی شروع کر دی۔ تیر نشانے پر بیٹھ تدبیر کارگر ہوئی۔ شربت نے پھر دماغ الٹ دیا اور تیس مار خاں تلوار پھینک کر حال کے بھاؤ بتا۔

لگے۔ "ارے ہاں.... جان دے دیں گے.... اجی ہاں جان دے دیں گے.... اہے واجان دے یں گے.... پیاجی جان دے دیں گے.... رجاجی جان دے دیں گے۔"

تیس مار خاں گاتے اور "ٹھک ٹھک" کرتے رہے۔ اسی دوران میں شربت کا اثر بھی آہستہ آہستہ زائل ہوتا رہا تھا۔ لہٰذا اچانک انہیں خیال آیا کہ انہوں نے یہ کیا شروع کر دیا۔ اُدھر جہاں پناہ اور وزیر با تدبیر بھی قوالی کرتے کرتے تھک گئے تھے۔ جیسے ہی وہ خاموش ہوئے آپ بھی اپنے حال میں بریک لگاتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر بولے سرکار مجھے غصہ آگیا تھا۔ اس پر جہاں پناہ نے خوش ہو کر پوچھا اب تو اتر گیا نا.... تیس مار خاں کا جواب اثبات میں سن کر جہاں پناہ اور زیادہ خوش ہوئے اور وزیر با تدبیر کی جان میں جان آئی۔ اتنے میں تیس مار خاں نے کہنا شروع کیا۔ غصہ اس لئے آیا تھا جہاں پناہ کہ وزیر صاحب نے مجھے منہ چور سمجھ کر اسی وقت میرے پیچھے چار آدمی لگا دیئے تھے۔ جب میں پردادا مرحوم کی بیاض خاص میں تنہا کسی لشکر پر بھاری رہنے کی تدبیر دیکھنے جا رہا تھا۔ کیا بتاؤں وہ چاروں جہاں پناہ کے اقبال سے بچ گئے ورنہ کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ کر ڈال دیتا۔ جہاں پناہ نے یہ سن کر فرمایا چولہے میں جھونکو وزیر صاحب کو یہ بتاؤ تم نے تدبیر دیکھ لی یا نہیں۔ تیس مار خاں بولے دیکھ لی سرکار۔ کل صبح میں دشمن کی ساری فوج کا صفایا کر دوں گا اور اگر اپنی مدد کے لئے آدھا سپاہی بھی مانگوں تو میرے سر پر قلم رکھ دیجئے گا۔ وزیر نے فوراً تصحیح کی کہ سر قلم کر دینا محاورہ ہے۔ تیس مار خاں تڑ سے بولے وزیر صاحب آپ کو بھی یہ لیاقت ہوئی کہ جہاں پناہ کے سامنے زبان کھولیں ارے وہ مالک ہیں چاہیں تو محاورہ کا بھی سر قلم کر سکتے ہیں۔ اس پر جہاں پناہ کو جلال آگیا اور گرج کر بولے۔ ہاں اے وزیر ابن خنزیر پر ہم چاہیں تو محاوروں پر پورا ایک ناول لکھ کر پبلک کو بور کر سکتے ہیں۔ کوئی ہمارا کیا کرلے گا۔ تیس مار خاں نے سوچا کہ اب بات نہ بڑھے تو بہتر ہے۔ کیونکہ ابھی تو بہت کچھ کرنا ہے غرضیکہ وہ وعدہ کر کے گھر پلٹ آئے کہ صبح دشمنوں کا قلع قمع ہو جائے گا اور وہ آج رات پھر جنگل میں پردادا مرحوم کی تدبیر کا جال پھیلائیں گے۔ ادھر بیوی منتظر تھی کہ دیکھو اب کون سی تدبیر فرما کر گھر واپس آتے ہیں۔ اس نے تدبیر سنی اور خوش ہو گئی۔ تدبیر یہ تھی کہ جتنا بھی نقدی ہے یا زیورات کی شکل میں ہے سمیٹ کر راتوں رات کسی طرف نکل جائیں۔ چنانچہ یہی ہوا۔ جب رات کچھ بھیگ گئی تو میاں صاحب نے نقدی اور زیورات کا صندوقچہ سر پر رکھا اور بیوی کا ہاتھ پکڑے ہوئے گھر سے باہر

ہو لئے۔ اندھیری رات تھی اور شہر میں سناٹا تھا۔ انہوں نے سرحد پار کر جانے کے لئے جو راہ اختیار کیا تھا اس سے بھٹک کر اُدھر جا نکلے جہاں دشمن کی فوجیں پڑی ہوئی تھیں۔ اچانک تیمر مارخاں کو غلطی کا احساس ہوا اور وہ صندوقچے سمیت تیمر مارخانم پر ڈھیر ہو گئے۔ نقدی اور زیورات کی اتنی زبردست کھنکھناہٹ سن کر پہرے دار بوکھلا گئے وہ سمجھے شائد حریف نے شب خون مارا ہے۔ اندھیرا تو تھا ہی ان کی ہوشیار خبردار..... جانے نہ پائے۔ سن کر سوتے ہوئے سپاہی بیدار ہوئے اور جو کچھ بھی ہاتھ لگا لے کر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے۔ تلواریں چلنے لگیں۔ وہ چیخ دھاڑ مچی کہ خدا کی پناہ..... بیچارے تیمر مارخاں اور تیمر مارخانم ایک جھاڑی میں چھپے ہوئے بُری طرح کانپ رہے تھے۔ انہیں اس کا بھی ہوش نہیں تھا کہ جنگل ہی کی طرف بھاگ لیتے۔

صبح تک تلواریں چلتی رہیں اور وہ ایک دوسرے کو مارتے کاٹتے رہے۔ ادھر اس غل غپاڑے کی صدا شہر تک پہنچی اور چاروں طرف ہرکارے دوڑنے لگے۔ جہاں پناہ اور وزیر قوالی بھول گئے۔ ادھر صبح ہو رہی تھی اجالا پھیلتے ہی غنیم کی سپاہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ ان کی تعداد بہت تھوڑی رہ گئی تھی۔ انہوں نے شاید سوچا کہ اگر اب یہاں سے بھاگنے میں جلدی نہ کی تو ممکن ہے حریف ہی آپڑے اور پھر بھاگتے راستہ بھی ملے تو نہ بھاگا جائے۔ لہٰذا وہ سب کچھ وہیں چھوڑ کر بھاگ لئے۔ تیمر مارخاں کی جان میں جان آئی اور ساتھ ہی عقل بھی آئی۔ انہوں نے چپکے سے بیوی کو مخاطب کیا۔ اب تم تو چپ چاپ جنگل کی طرف کھسک جاؤ اور وہیں سے گھر چلی جانا۔ کیوں کہ اب میں تیمر مارخانی شروع کرنے جا رہا ہوں۔

بیوی حسب ہدایت کھسک گئی اور تیمر مارخاں جھاڑیوں سے نکل کر مرنے والوں کے خون میں لوٹ لگانے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود بھی سر سے پیر تک خون میں نہا گئے۔ اُدھر ہرکاروں نے جا کر جہاں پناہ کو خبر پہنچائی کہ غنیم کا لشکر ہزاروں کا کھیت چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ جہاں پناہ خوش ہو کر قوالی شروع کرنے ہی والے تھے کہ وزیر نے کہا چلئے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ جہاں پناہ کی سواری میدان کارزار کی طرف روانہ ہو گئی۔ یہاں تیمر مارخاں تلوار سونتے ہوئے ہوا سے لڑ رہے تھے اور ان کے قدموں میں ہزاروں لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے لڑتے لڑتے انہیں حال آ گیا ہو۔ جہاں پناہ بے حد خوش ہوئے اور تیمر مارخاں کو ہوش میں لا کر آئندہ سال ایک خلعت فاخرہ عطا کرنے کا نہ صرف وعدہ کیا بلکہ اسی وقت قانون کی بے حد عزت افزائی کی۔

یہ کہانی ختم ہو گئی۔ اب آپ غالباً سمجھ گئے ہوں گے کہ تیمر مارخاں کسے کہتے ہیں اور آپ جانتے ہی ہیں کہ میں بھی اکثر ایسے ہی اتفاقات کے تحت ماسٹر آف سچویشن بن کر تیمر مارخانیاں انجام دے چکا ہوں۔ لیکن یہ میری بدقسمتی ہے کہ مجھے آج تک کوئی ایسی تیمر مارخانم نہیں ملی جو مجھے بھنگ پلا کر کرنل سے بھڑا دیتی۔

ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ سوفیا چلی گئی تھی اور میں کرنل وغیرہ کے لئے فون پر نمبر ڈائیل کرتے کرتے تھک گیا تھا..... آہا ٹھہریئے ایک بات اور یاد آئی..... آپ تیمر مارخاں کی کہانی پر بور تو نہیں ہوئے۔ بھئی میں نے یہ داستان تیمر مارخاں کی کہانی تک لکھ کر اپنے تذکرہ نویس صاحب کو دکھائی تھی۔ وہ بولے حمید صاحب آپ نے فن کا خون کیا ہے جہاں سے آپ نے تیمر مارخاں کی کہانی شروع کی ہے اس سے پہلے آپ سس پنس پیدا کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن تیمر مارخاں کی کہانی اس کا اثر پڑھنے والوں کے ذہن سے یکسر غائب کر دے گی۔ میں نے کہا غائب کر دے..... میں تو پڑھنے والے کو اپنے ساتھ لے چلنا چاہتا ہوں۔ اس طرح کہ نہ وہ پیچھے مڑ کر دیکھے اور نہ اسے اس کی فکر ہو کہ آئندہ کیا پیش آنے والا ہے۔ بس ہم دونوں ہنستے کھیلتے ہوئے آگے بڑھتے رہیں کیونکہ بعض اوقات سس پنس ایسی الجھن میں مبتلا کرتا ہے کہ بقیہ کتاب پھاڑو..... چباؤ اور نگل جاؤ۔

ہاں تو میں نے اسی سس پنس کی دم پر ہاتھ رکھ کر عرض کیا تھا کہ میرے سر پر چھپکلی سوار تھی۔ وہ چھپکلی جس نے مجھے اکثر تیمر مارخاں بنا دیا ہے..... اس چھپکلی کا تقاضہ ہے کہ جواری بنو۔ جو کچھ کرنا ہے سوچے سمجھے بغیر کر ڈالو..... یا اس پار یا اس پار..... لیکن اس بار سب کچھ سوچنے کے باوجود بھی چھپکلی بدستور سر پر سوار رہی۔ میں نے سوچا نہیں بیٹھے بیٹھے رات گذار دینا حماقت ہو گی۔ اب اٹھو بھی حمید صاحب آخر کرنل کیسے ان دیکھے حملوں سے بچ جاتے ہیں۔ تم بھی ذرا بلی کی سی نظر رکھنا اور پھر چانگ جو اس طرح تمہارے ساتھ لگا رہتا ہے کیا اب غائب ہو گیا ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہیں کرنل بھی آس پاس موجود ہوں۔

میں اٹھا اور باہر آیا۔ اب میں کمپاؤنڈ کے اس ویران حصے کی طرف جا رہا تھا جہاں میں نے لنکن کھڑی کی تھی۔ یہاں کئی گاڑیاں اور بھی تھیں مگر ان پر کوئی موجود نہیں تھا۔ ادھر عموماً وہی لوگ اپنی گاڑیاں پارک کرتے تھے جو خود ہی انہیں ڈرائیو کر کے یہاں تک لاتے تھے۔

میں اپنی گاڑی کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اس سے پشت لگائی اور متجسس نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اس وقت دراصل کرنل میرے ذہن میں تھے اور میں انہیں کی تلاش کر رہا تھا۔

پھر میں گاڑی میں بیٹھنے ہی والا تھا کہ مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی پانی بھرا ربر کا غبارہ میرے چہرے سے ٹکرا کر پھٹ گیا ہو۔ لیکن وہ تو آگ کی لپک تھی جو میرے چہرے پر پھیل گئی تھی ایک پل کے لئے کوندا سا لپکا تھا۔ میرا چہرہ جھلس گیا۔ مگر کیا وہ آگ سے جھلس جانے کی سوزش تھی.... ہرگز نہیں.... وہ.... وہ تو.... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے میری کھوپڑی کسی نے برف کے برادے کے ڈھیر میں ٹھونس دی ہو.... کتنی ٹھنڈک تھی.... کتنی تکلیف دہ ٹھنڈک.. ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے میرے شانوں پر سر کی بجائے برف کی سل رکھی ہو۔ پھر یہ ٹھنڈک بڑی تیزی سے سارے جسم میں پھیل گئی۔

اس کے بعد مجھے ہوش نہیں کہ پھر کیا ہوا۔

پتہ نہیں کتنی دیر بعد ہوش آیا.... ہوش کیا آیا ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے روئیں روئیں میں سوئیاں سی چبھ رہی ہوں اور اس چبھن کے علاوہ مجھے اور کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔

کچھ دیر بعد آنکھوں کے سامنے پھیلی ہوئی دھند ہٹی اور مجھے کرنل کا چہرہ نظر آیا۔ وہ مجھ پر جھکے ہوئے تھے اور میں پتہ نہیں زمین پر تھا یا آسمان پر۔ ہو سکتا ہے جسم زمین پر رہا ہو اور کھوپڑی فضا میں معلق۔

کچھ ایسی ہی کیفیت سے میں دوچار تھا۔

"کیا تمہیں ہوش آگیا۔" کرنل نے آہستہ سے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" میں نے جواب میں کہا۔ جسے سن کر ان کی بھنوئیں سکڑ گئی تھیں اور انہوں نے غصیلے لہجے میں کہا تھا۔

"جب چانگ نے حالات سے آگاہ کر دیا تھا تو جلدی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"بس غلطی ہو گئی۔"

پھر میں نے چانگ کی آواز سنی جو کرنل کے پیچھے کھڑا کہہ رہا تھا۔ "کیپٹن اگر آپ جلد بازی نہ کرتے تو ہم نے آج اس آدمی کو پکڑ ہی لیا تھا۔"

میں کچھ نہ بولا۔ بولتا بھی کیا۔ اگر اس سے یہ کہتا کہ تم نے پوری اسکیم نہیں بتائی تو وہ یہی سوچتا کہ کرنل فریدی کا اسسٹنٹ جس کی اتنی شہرت ہے اتنی معمولی سی بات بھی نہ سمجھ سکا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ غالباً چانگ کی یہی اسکیم رہی ہو گی کہ کسی طرح اس بوڑھے یورپین کو پکڑ لیا جائے.... پھر میں سوچتا ہی رہ گیا ویسے میں اس وقت اسی عمارت میں تھا جس میں چانگ نے ٹھہرایا تھا۔

چانگ کی کہانی

میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ حالانکہ ابھی یہی دل چاہ رہا تھا کہ پڑے رہو۔ کرنل نے بھی نہیں کہا کہ میں لیٹا ہی رہوں۔ وہ کسی گہری سوچ میں تھے اور چانگ مضطربانہ انداز میں کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے خود اسی سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہو۔

دفعتاً اس نے کہا۔ "کرنل غلطی میں نے ہی کی تھی۔ مگر میں کیا کرتا۔ میں نے سوچا کہ کہیں وہ کیپٹن کو ختم ہی نہ کر دیں۔"

"نہیں غلطی حمید کی ہے۔" کرنل بولے۔ "انہیں کلب سے اٹھنے میں اتنی جلدی کرنی ہی نہ چاہئے تھی۔"

"ارے تو کیا کیا میں نے۔" میں نے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔ "مجھ سے اتنی غلطی ضرور ہوئی ہے کہ زندہ بیٹھا ہوں۔ مگر یہ ایک بنیادی غلطی ہے جس کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہیں ہو سکتی۔"

"تم لیٹ جاؤ.... اور تھوڑی دیر خاموش رہو۔" کرنل نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔

میں لیٹ گیا.... اور کافی دیر تک خاموش رہنے کا ارادہ کر لیا کیونکہ بولا ہی نہیں جاتا تھا۔ زبان کی حرکت سر پر ہتھوڑے کی سی ضرب لگاتی تھی۔

"مگر اب کیا خیال ہے۔" چانگ نے کہا۔ "میرا دعویٰ ہے کہ بوڑھا یورپین وہی تھا جس کی ہمیں تلاش ہے۔"

میرا دل چاہا کہ اس کے بیان کی تائید کروں لیکن پھر اس خیال سے خاموش رہا کہ ممکن ہے کرنل اسے پسند نہ کریں۔ میں اب کرنل کی طرف دیکھ رہا تھا کہ وہ چانگ کے جواب میں کیا کہتے ہیں۔

انہوں نے ایک طویل سانس لی اور پھر میرے چہرے پر نظر جمائے ہوئے بولے۔ "ہاں مسٹر چانگ.... یہ بھی ممکن ہے کیونکہ وہ گارساں[1] کے ساتھیوں میں سے تھا اور گارساں ہی کی طرح غالباً اس کا بھی کوئی ریکارڈ نہ مل سکے اور میرا خیال ہے کہ وہ بھی گارساں ہی کی طرح میک اپ کا ماہر تھا.... مگر....!"

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ کہنے والے ہوں۔ لیکن اب ارادہ ترک کر دیا ہو.... میں او چانگ سوالیہ انداز میں ان کی طرف دیکھتے رہے۔

"اچھا مسٹر چانگ اب میں واپس جاؤں گا۔ کیپٹن کی خبر گیری کے لئے بے حد شکر گزا ہوں۔" انہوں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ارے جناب.... کرنل....!" چانگ نے جھینپے ہوئے انداز میں کہا۔ "مجھے بے شرمندگی ہے کہ میری وجہ سے آپ لوگ تکلیف اٹھا رہے ہیں۔"

"نہیں مسٹر چانگ.... ایک ایسے بین الاقوامی مجرم نے ہماری سرزمین پر قدم رکھا ہے ہم اطمینان سے بیٹھ ہی نہیں سکتے۔"

کرنل چلے گئے اور میں ان کے اس رویئے کے متعلق سوچتا ہی رہا۔

آخر وہ مجھے ایسی حالت میں یہاں کیوں چھوڑ گئے۔ اس سے پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔

چانگ انہیں صدر دروازے تک چھوڑنے گیا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ واپس آ گیا لیکن مجھ سے بھی زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔ وہ میری مسہری کے قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور پائپ میں کشیدنی افیون کی گولیاں خاموشی سے راکھ کرتا رہا حالانکہ اس کا دھواں مجھے گراں گذر رہا تھا لیکن میں خاموش ہی رہا۔ میں جانتا تھا کہ افیون پیتے وہ خاموش ہی رہے گا اور اگر گفتگو کرنے پر مجبور بھی کیا گیا تو شاید اوٹ پٹانگ باتیں شروع کر دے ویسے بھی اس کی حالت سے یہی اندازہ ہوتا تھا کہ اس نے بہت دیر سے افیون نہیں پی۔

آخر اس نے پائپ ایک طرف رکھ دیا اور چہرے پر رومال سے ہوا دینے لگا۔ اب وہ ادھ کھلی آنکھوں سے میری طرف بھی دیکھ رہا تھا۔ جو افیون کے نشے کے دباؤ سے ایسی ہو گئی تھیں۔

میں پھر بیٹھ گیا۔

"آپ لیٹے ہی رہئے تو بہتر ہے کیپٹن۔" چانگ نے کہا۔

[1] گارساں کی داستان کے لئے جاسوسی دنیا کے خاص نمبر "خوفناک ہنگامہ" جلد نمبر 8 ملاحظہ فرمائیے

"تھک گیا ہوں۔" میں نے لاپروائی سے کہا۔

"اب آپ اپنی حالت میں کچھ بہتری محسوس کر رہے ہوں گے۔"

"بہت زیادہ خراب حالت پہلے بھی نہیں تھی۔ مگر مسٹر چانگ کیا آپ لوگ میرے قریب ہی رہے تھے۔"

"ہاں.... مگر مجھے کرنل کی موجودگی کا علم نہیں تھا۔ جیسے ہی آپ گرے میں دوڑ پڑا۔ قریب ہی دو آدمی موجود تھے جو مجھے دیکھتے ہی فرار ہو گئے۔ پھر بعد میں کرنل بھی آئے۔ اُن سے معلوم ہوا کہ وہ بھی آپ کی نگرانی کر رہے تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں نے جلد بازی سے کام لیا تھا ورنہ اس وقت کوئی کار آمد گواہ مل جاتا۔ شاید انہیں بھی بوڑھے کی سازش کا علم تھا اور وہ اسے اسی وقت گرفتار کرنا چاہتے تھے۔"

"لیکن آپ نے کہا تھا کہ وہ بوڑھا ان آدمیوں میں پہلی ہی بار نظر آیا ہے۔ تو کیا کئی آدمی پہلے ہی سے آپ کی نظروں میں رہے ہیں مسٹر چانگ۔"

"یقیناً.... لیکن وہ بوڑھا پہلی ہی بار نظر آیا تھا۔ ہاں کیپٹن اگر وہ ہال سے اٹھ کر ان لوگوں سے نہ ملتا جو پہلے ہی سے میری نظر میں رہے تھے تو شائد مجھے معلوم ہی نہ ہوتا کہ وہ بھی انہیں میں سے ایک ہے۔"

میں نے اب بھی اسے اپنی اور سوفیا کی باتوں سے آگاہ نہیں کیا.... کچھ دیر بعد میں نے کہا۔ "کیا آپ نے میرے چہرے کے قریب آگ دیکھی تھی؟"

"اوہ کیپٹن یہی دیکھ کر تو میں گھبرا گیا تھا۔ میں سمجھا شائد وہ کوئی بے آواز آتشی حربہ ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ میں آپ کے چہرے پر جلنے اور جھلسنے کے آثار نہیں دیکھ رہا۔"

"وہ آگ نہیں تھی مسٹر چانگ۔"

"ہائیں....!" چانگ حیرت سے منہ اور آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے میری ذہنی حالت کے درست ہونے میں شبہ ہے۔

"ہاں مسٹر چانگ وہ برفیلے بادلوں میں کڑکنے والی بجلی تھی۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"پہلے تو مجھے ایسا معلوم ہوا تھا کہ جیسے میرا چہرہ جھلس گیا ہو۔" میں نے کہا۔ "لیکن پھر میں

یہی محسوس کرنے لگا تھا جیسے میرا سر برف کے برادے میں دفن کر دیا گیا ہو اور پھر وہ ٹھنڈک سارے جسم میں پھیل گئی تھی۔"

چانگ کی آنکھیں اب بھی پھیلی ہوئی تھیں۔ پھر اس وقت اس کی حیرت رفع ہوئی جب اس نے اس سے اصل معاملے کی بات شروع کی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ کس آدمی کی تلاش میں ہے

"کیا کرنل نے ابھی تک آپ سے تذکرہ نہیں کیا۔"

"نہیں....!"

"تب تو کوئی خاص وجہ ہو گی تذکرہ نہ کرنے کی۔"

"نہیں.... کوئی خاص وجہ نہیں ہے۔ محض عادتاً وہ اپنے ماتحتوں کو کسی کیس کے دوران پوری طرح باخبر نہیں رکھتے۔"

"پھر میں ان سے پوچھ کر ہی آپ کو کچھ بتا سکوں گا۔ اس سے پہلے مجھے معاف رکھئے۔ آج تک کرنل کو نہ سمجھ سکا کہ وہ کس قسم کے آدمی ہیں۔"

"آپ کب اور کتنے دن تک ان کے ساتھ رہے ہیں.... مسٹر چانگ۔"

"میں ان کے ساتھ کبھی نہیں رہا۔ ویسے اکثر و قتاً فوقتاً بعض بین الاقوامی نوعیت کے کے سلسلے میں ان سے ملاقاتیں ہوتی رہی ہیں۔"

"مائی ڈیئر مسٹر چانگ.... میں سالہا سال سے ساتھ رہنے کے باوجود بھی انہیں آج نہیں سمجھ سکا۔ لہٰذا اس چکر میں نہ پڑیئے ورنہ میں آپ کی کوئی مدد نہ کر سکوں گا۔ میں آ چھٹی پر ہوں۔ مطلب یہ کہ کرنل بھی مجھے اس پر مجبور نہ کر سکیں گے اور میں نے یہ بھی ہے کہ اس لڑکی کے پیٹ میں کتنی آنتیں ہیں۔"

"سچ....!" وہ والہانہ انداز میں اٹھتا ہوا بولا۔

"ہاں مسٹر چانگ اگر میں ایسا نہ ہوتا تو کرنل یہ کام میرے سپرد کیوں کرتے۔"

"ڈیئر کیپٹن....!" وہ اپنے ہاتھ پھیلاتا ہوا بولا۔ "آپ اس سے کچھ معلوم کر کامیاب ہو گئے ہیں۔"

"بہت کچھ... لیکن میں اسی شرط پر بتا سکوں گا جب تم مجھے سارے حالات سے آگاہ

وہ کسی سوچ میں پڑ گیا.... میں جانتا تھا کہ وہ آسانی سے نہیں بتائے گا کیونکہ اگر آ

بتانا ہی ہوتا تو پہلے ہی بتا چکا ہوتا۔ میں بہر حال اس کے لئے ایک کام انجام دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایسی صورت میں اسے خود ہی سارے حالات سے آگاہ کر دینا چاہئے تھا۔

"اس سے آپ نے کیا معلوم کیا ہے کیپٹن۔" چانگ نے کچھ بتانے کی بجائے خود ہی سوال کیا۔

"ناممکن مسٹر چانگ پہلے آپ۔" میں نے اٹھ کر اپنا سوٹ کیس کھولا اور تمباکو کا نیا ڈبہ نکال رمسہری پر آبیٹھا۔ میرا پائپ تکئے کے نیچے موجود تھا۔ کرنل جو کام بھی کرتے ہیں سلیقے سے رتے ہیں۔ یعنی انہیں اتنا خیال تھا کہ میرے کپڑے تبدیل کراتے وقت انہوں نے کوٹ کی ب سے پائپ بھی نکال کر تکئے کے نیچے رکھ دیا تھا۔

"ہاں تو مسٹر چانگ۔" میں نے تمباکو کے ڈبے کا کور کاٹتے ہوئے کہا۔ "اب آپ براہِ کرم پنی کہانی شروع کر دیجئے اور اگر آپ اسے دہرانے میں تکلیف محسوس کر رہے ہوں تو میں یہی شورہ دوں گا کہ دو چار گولیاں اور استعمال کر ڈالئے۔ پھر خدا نے چاہا تو کسی قسم کی بھی ہچکچاہٹ ہیں محسوس کریں گے۔"

چانگ نے ایک معمولی سی "ہو ہو" کے بعد پائپ اٹھالیا اور اس میں ایک گولی ڈال کر دیا سلائی کھاتے ہوئے ایک ایسا لمبا کش لگایا کہ دوسرے کش کی نوبت آنے سے پہلے ہی گولی راکھ ہو گئی۔ اکھ جھاڑ کر اس نے دوسری گولی سنبھال لی۔ اسی طرح پے در پے پانچ گولیاں راکھ کرنے کے بعد ں نے آگے پیچھے جھومتے ہوئے کہا۔

"کیپٹن میں وہ چانگ ہوں جس نے بہتیرے معرکے جھیلے ہیں۔ ہزاروں بار موت کے ہڑوں سے صحیح سلامت بچ نکلا ہوں۔ تم مجھے چین کا کرنل فریدی سمجھ سکتے ہو.... میں.... یعنی "چانگ مہینوں سے پریشان ہے۔ کیا تم نے کبھی گارساں کا نام سنا ہے۔"

"شاید ایک آدھ گولی زیادہ ہو گئی ہے مسٹر چانگ.... ارے گارساں تو میرے قدموں میں پڑا ایڑیاں رگڑ رہا تھا ایک دن۔"

"آہا....!" چانگ نے حیرت سے کہا۔ "تو اس مہم میں آپ بھی شریک تھے۔"

میں نے اس غیر متعلق اور غیر ضروری سوال کا جواب نہیں دیا۔ میں تو بس اب یہی چاہتا تھا کہ "سب چوں و چرا مجھے اس کیس کے متعلق بتا دے اور وہ شاید اب بتانے ہی لگا تھا۔ لیکن اس کی نبت یہ تھی کہ میں بھی اسے اس گفتگو سے آگاہ کر دوں جو میرے اور سوفیا کے درمیان ہوئی

تھی۔ چانگ فار موسا کی سیکریٹ سروس کا چیف آفیسر تھا۔ لہٰذا میں نے سوچا کہ اسے الو بنانا بھی اپنی جگہ ایک مکمل آرٹ ہوگا۔

اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ "گارساں کی ٹولی اکثر چین کے خلاف بھی کام کیا کرتی تھی۔ مجھ سے کئی بار اس کی مڈبھیڑ ہوئی لیکن نہ میں اس پر قابو پاسکا اور نہ وہ مجھ پر۔ وہ ایک پُراسرار آدمی تھا اور اس نے اپنا ایک پُراسرار ہمزاد بھی پیدا کیا تھا۔ وہ اسی کا ہم شکل تھا۔ مشہور ہے کہ عموماً اس کے ماتحت بھی دھوکہ کھا جایا کرتے تھے۔ وہ اس کے ہم شکل کو بھی گارساں ہی سمجھتے تھے اور یہ بھی یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ کبھی انہوں نے دونوں کو اکٹھے دیکھا ہو۔ وہ تو ایک بار ایسا ہوا کہ دو جگہوں سے بیک وقت وہاں گارساں کی موجودگی کی اطلاع آئی۔ بس اسی سے اس کے ہم شکل کا راز ظاہر ہوگیا۔ ورنہ اس سے پہلے تو ہم لوگ یہ سمجھتے تھے کہ گارساں کوئی بُری روح ہے جو پلک بھر میں ہزاروں میل کا فاصلہ طے کرسکتی ہے۔ مثلاً ابھی شنگھائی سے یہ اطلاع آئی ہے کہ پولیس گارساں کا تعاقب کررہی ہے۔ لیکن پیکنگ کے سراغ رساں پیکنگ میں اس کی موجودگی پر مصر ہیں۔"

"میں بالکل نہیں سمجھا مسٹر چانگ" میں نے سر ہلا کر کہا۔ "ایک بار آپ کہتے ہیں کہ بیک وقت دو جگہوں پر اس کی موجودگی کی اطلاع اس کے ہم شکل کا راز ظاہر کردیتی ہے اور دوسری بار آپ یہ کہتے ہیں کہ بیک وقت دو جگہوں پر اس کی موجودگی اسے کوئی بُری روح ثابت کرتی تھی۔"

"اوہ آپ سمجھے نہیں.... میں فاصلے کی بات کررہا تھا۔ دیکھئے بات دراصل یہ ہے کہ اس وقت گولیاں معمول سے زیادہ ہوگئی ہیں۔ آپ کا خیال درست تھا اسی لئے میں اپنا مطلب واضح کرنے میں دشواری محسوس کررہا ہوں۔ ہاں تو میں فاصلے کی بات کررہا تھا۔ مطلب یہ تھا کہ اگر آپ اسی وقت یہاں اور ہائی سرکل نائٹ کلب میں پائے جائیں تو میں یا تو اسے گپ سمجھوں گا یا آپ کو بھوت باور کرلوں گا۔ لیکن اگر آپ اسی عمارت کے دو مختلف کمروں میں بیک وقت پائے جائیں تو میں اگر اسے گپ بھی سمجھوں گا تو کم از کم اس کی تصدیق کرنا میرے لئے ممکن ہی ہوگا۔ آپ کو دونوں کمروں میں دیکھ لینے کے بعد ہی میں اس کا فیصلہ کرسکوں گا کہ آپ بھوت ہیں یا ہم شکل بھی رکھتے ہیں۔ وہ ایک ایسا ہی اتفاق تھا کہ دونوں ایک ہی عمارت میں اکٹھا ہوگئے تھے۔ پیکنگ کے ایک ہوٹل کا واقعہ ہے۔ شاید گارساں یا اس کے ہمشکل کو اس کا علم نہیں تھا کہ وہ بھی وہاں موجود ہے۔ لہٰذا اس سے وہاں آنے کی غلطی سرزد ہوگئی.... بہرحال....!

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ پچھلی جنگ کے دوران میں گارساں کا وہ ہمشکل ایک ملک کی سیکرٹ سروس والوں کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔ اسے قیدی بنالیا گیا۔ پھر گارساں کرنل کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچا۔ لیکن اس کا ہم شکل شاید اس ملک کی قید سے بھی بھاگا تھا جس کی سیکرٹ سروس کے ممبروں نے اسے گرفتار کیا تھا۔"

"یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ نکل بھاگا۔" میں نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں....!" چانگ یک بیک جوش سے بھر گیا۔ "ہرگز نہیں.... یہ بکواس ہے۔ یہ سراسر پروپیگنڈا ہے کہ وہ نکل بھاگا۔ اگر وہ ایک دوسرے ملک میں نہ دیکھ لیا جاتا تو وہ ملک کبھی اس کا بیان نہ کرتا کہ وہ نکل بھاگا ہے۔ آخر اس وقت کیوں اعلان کیا گیا جب وہ دوسری جگہ دیکھ لیا گیا تھا۔ اس سے صاف یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے اس ملک کے لئے کام کرنا منظور کرلیا ہے۔"

"مگر اس کا نام کیا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"گارساں....!" چانگ نے جواب دیا۔ "لیکن اصل نام تے ری فونگ ہے اور وہ حقیقتاً کوریا کا باشندہ ہے۔ گارساں تو فرنچ انڈوچائنیز تھا۔"

"تے ری فونگ۔" میں نے آہستہ سے دہرایا.... میں یہ نام کرنل کی زبانی بارہا سن چکا تھا لیکن اس کے متعلق کسی حکومت کا کوئی اعلان میری نظروں سے نہیں گذرا تھا۔

"اچھا تو کیا وہ بوڑھا.... فونگ ہی تھا۔" میں نے پوچھا۔

"پتہ نہیں! وہ خود تھا یا اس کی پارٹی کا کوئی آدمی۔ میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔"

"مگر آپ کو یہ کیسے یقین ہوگیا کہ وہ فونگ ہی کی پارٹی ہوگی۔"

"دیکھئے کیپٹن دنیا میں معدودے چند آدمی ایسے نکلیں گے جنہوں نے گارساں یا فونگ کو اصلی شکل میں دیکھا ہو اور میں بھی انہی معدودے چند لوگوں میں سے ہوں۔ مجھے دراصل شبہ ہے کہ یہ فونگ ہی کی پارٹی ہے اور فار موسا کی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش کررہی ہے۔"

"اُف فوہ.... مسٹر چانگ.... میرا خیال ہے کہ اب آپ پھر دو چار مزید گولیوں کی ضرورت محسوس کررہے ہیں، ارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آخر آپ کو شبہ کس بناء پر ہوا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اناس بائی کی ڈانسنگ پارٹی ہو۔"

"شبہے کی وجہ وہ لڑکی ہے۔"

"کیا مطلب....!" میں چونک پڑا۔

"کیا وہ ہر وقت کچھ خائف خائف سی نہیں رہتی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ رہتی ہے۔"

"بس اس پر فونگ ہی کی دہشت طاری رہتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ شریف اور بھولی بھالی لڑکی ہو اور وہ اسے کسی خاص مقصد کیلئے استعمال کر رہا ہو۔ فونگ کا طریق کار یہی ہے۔ وہ لڑکیوں کو ذہنی طور پر کچھ اس بُری طرح الجھا دیتا ہے کہ وہ اس کے چکر سے نکل ہی نہیں سکتیں۔"

"مائی ڈیئر.... مسٹر چانگ۔" میں نے جھلا کر کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ اختلاج قلب کی مریضہ ہو۔ اس لئے اس کا چہرہ ہر وقت انجانے خوف کا اظہار کرتا ہو۔ آخر وہ فونگ کے چکر میں پھنسی ہوئی کوئی لڑکی کیسے ہو سکتی ہے۔ یا ہو سکتا ہے کہ وہ کسی اور سے خائف ہو۔ آہا.... یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ وہ کسی ایسے آدمی سے خائف ہے جس کے اچانک حملے سے بچنے کے لئے اس نے دو عدد باڈی گارڈز رکھ چھوڑے ہیں۔"

"اس نے رکھ چھوڑے ہیں۔" چانگ نے حیرت سے کہا اور پھر یک بیک اس کی "ہو ہو" پھوٹ نکلی۔ پھر بدقت تمام وہ اس میں بریک لگا سکا۔

"اگر وہ باڈی گارڈ اس نے رکھے ہیں" چانگ بولا۔ "تو یہ کہنا پڑے گا کہ وہ اس سے بے حد تکلف ہیں۔ ورنہ اس کے سامنے بیٹھ کر شراب کیسے پیتے۔ آپ اتنی عقل بھی نہیں رکھتے کیپٹن فرض کیجئے اس پر کسی آدمی کا خوف مسلط ہے تو وہ اپنے باڈی گارڈز کو ہر وقت باہوش رکھنے کوشش کرتی نہ کہ اس طرح شراب پینے کی اجازت دیتی۔ اس کا مطلب تو یہی ہو سکتا ہے کہ کسی اور کی طرف سے اس کے نگراں مقرر کئے گئے ہیں اور ان کی نظروں میں لڑکی کا ذرہ برابر احترام نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ لڑکی دوسروں پر یہی ظاہر کرتی ہو کہ وہ ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ کیپٹن کاش تم گارساں اور اس کے کارناموں سے پوری طرح واقف ہوتے۔ اگرچہ ساری دنیا میں اس کی بعض حرکتیں مشہور ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی نجی زندگی کے متعلق بہت کم لوگوں کو کچھ معلوم ہو سکا ہے۔ گارساں جن ممالک کے لئے کام کرتا تھا ان میں اس کی حقیقت بڑی پروقار اور ذی عزت ہوتی تھی لیکن دوسرے ممالک میں وہ اکثر ڈاکوؤں چوروں کی سی زندگی بسر کرتا تھا۔ اس طرح وہ وہاں کے دوران قیام میں خاصی دولت اکٹھی کر لیتا تھا۔ خوبصورت لڑکیاں اس کے پاس ہوتیں اور وہ ان کے ذریعے دولت مند لوگوں کی جیبیں خالی کرتا تھا۔ ظاہر ہے کہ فونگ یعنی اس کے ہمزاد کو بھی اسی کے نقش قدم پر چلنا ہوا۔ میں بھی کے کئی ملکوں میں اس لڑکی سوفیا کا تعاقب کرتا رہا ہوں۔ اس نے وہاں کافی دھومیں مچائی ہیں ملک میں اس کا نام مختلف رہا ہے۔ لیکن وہ ہمیشہ ہر جگہ خوفزدہ نظر آتی رہی ہے۔ میں اسے بہ

دیکھتا رہا ہوں کیپٹن۔ اگر وہ کبھی خوش بھی ہوتی ہے تو پھر تھوڑی دیر بعد اس طرح چونک کر نظر آنے لگتی ہے جیسے اس سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ میں اسے فونگ کی پارٹی سمجھنے پر مصر ہوں اور چونکہ فونگ فارموسا کیلئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے اس لئے ٹھکانے لگا دینا میرا فرض ہے۔"

میں کچھ نہ بولا۔ چانگ کی کہانی اکتا دینے والی تھی اور چانگ مجھے خواہ مخواہ بور کر رہا تھا اس لئے بکواس کے باوجود بھی مجھے سچی بات نہیں بتائی تھی۔ اس کے دلائل کسی حد تک وزن ضرور تھے۔ لیکن یہ بات میرے حلق سے نہیں اتر سکی کہ وہ اپنے بیان کردہ وجوہ کی بناء پر اسے فونگ کی پارٹی سمجھنے پر مجبور تھا۔ ان سب دلائل کی روشنی میں بھی میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ فونگ ہی کیوں؟ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی اور ہی کی پارٹی رہی ہو۔ مجھے یقین تھا کہ اسے فونگ کی پارٹی تسلیم کر لینے کی اصل وجہ چانگ چھپانا چاہتا ہے۔ ہو سکتا ہے اس میں بھی کوئی مصلحت رہی ہو۔ یوں کہ وہ ایک غیر ملک کا سراغ رساں تھا اور ہمارے ملک کے محکمہ اُمور خارجہ کی اجازت سے ملک میں داخل ہوا تھا۔

میں یہی سب کچھ سوچتا رہا۔ چانگ نہ صرف خاموش ہو گیا تھا بلکہ شاید اب ضرورت سے زیادہ گولیاں اپنا اثر بھی دکھا رہی تھیں۔

چانگ اونگھ رہا تھا۔ میں نے سوچا چلو جان بچی۔ میں خواہ مخواہ جھوٹ بولنے سے بچ گیا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ میں اسے لڑکی کی وہ داستان تو ہرگز نہ سناتا جو اس سے سنی تھی۔

میں تو اب اس ٹھنڈی آگ کے متعلق سوچ رہا تھا جس کی رگوں کو شل کر دینے والی کیفیت اب بھی کسی حد تک میرے اعصاب میں موجود تھی۔ وہ فونگ رہا ہو یا اور کوئی اب کرنل کے ہاتھوں سے اس کا بچنا محال ہی نظر آتا تھا۔

اچانک چانگ کو کھانسی آئی اور وہ چونک کر اس طرح چاروں طرف دیکھنے لگا جیسے یہاں اپنی موجودگی پر متحیر ہو۔

اغواء

رات کس طرح گذری میں نہیں بیان کر سکوں گا۔ کیونکہ چانگ کے جاتے ہی چند
گدھے خرید کر سویا تھا جنہیں رینگنا بھی نہیں آتا تھا۔ اس لئے اطمینان سے سوتا رہا۔ چانگ
مج افیون چڑھ گئی تھی اور وہ اس لڑکی کی کہانی سنے بغیر اٹھ کر چلا گیا تھا۔

صبح میں نے کسی قسم کی بھی کمزوری محسوس نہ کی۔ ذہن تروتازہ تھا، اور جسم میں اتنی
تھی کہ میں کسی گدھے کو بھی لات مار کر مغموم نہیں ہو سکتا تھا۔

"ہے.... ہا....!" دل چاہا کہ بچوں کی طرح چیختا ہوا کسی پر ٹوٹ پڑوں۔ مگر اب وہاں چ
کا وہ افیونی ملازم کہاں تھا جو ہر دو گھنٹے بعد یہ بھول جاتا تھا کہ کیپٹن حمید افیونی نہیں ہے۔

مجھے اس وقت وہ لڑکی یاد آ رہی تھی۔ فونگ بھی اُلو کا پٹھا معلوم ہو رہا تھا اور چانگ بھی
کتنی حسین تھی کتنی بھولی تھی۔ اس کی آواز میں کتنی کشش تھی اور جب وہ یک بیک اپنی گھنی
پلکیں اوپر اٹھاتی تھی تو کیا معلوم ہوتا تھا۔ ہائے کاش میں نے شاعری کی مشق جاری ر
ہوتی.... کاش میں نے.... میرے خدا.... یہ زندگی کتنی عجیب ہے۔ اس میں کتنے موڑ ہیں
ہر موڑ پر کیا کچھ نظر نہیں آتا۔ حیران ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں۔ مگر کانوں سے
بھی سننا نہیں چاہتا۔ میں سوچتا ہوں کاش یہ خوبصورت لڑکیاں گونگی ہوتیں۔ میں انہیں
ہوں ان کے حسن سے مرعوب ہوتا ہوں کوئی یونان کی سائیکی معلوم ہوتی ہے اور کوئی مص
قلوپطرہ.... لیکن جب یہ بولنا شروع کرتی ہیں تو خدا کی قسم ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ان میں
بھرا ہوا ہو۔ کاش ان کی روحوں میں بھی ویسے ہی خطوط اور زاویئے ہوتے جیسے ان کے خدو
میں پائے جاتے ہیں۔ کاش ان کے خیالات میں بھی وہی بانکپن اور انیلا پن ہوتا جو ان کی
خرامی میں ملتا ہے۔ آنکھوں میں کتنا رس ہوتا ہے۔ کتنا نشیلا پن ہوتا ہے مگر زبانیں گھاس کاٹ
رکھ دیتی ہیں۔ ان کے ساتھ کھانے کو بیٹھ جاؤ تو متواتر چپ چپ سنائی دے گی جیسے کسی کتے کو
پر بٹھا لیا ہو۔ پانی پئیں گی تو "غٹ.... غٹ.... غٹ" جیسے شیر کسی بھینس کی گردن دبوچ
اس کا خون پی رہا ہو۔ سمجھ میں نہیں آتا کہاں سر پٹخ دوں۔ کون سا زہر کھا کر سو جاؤں کہ آئند
سب کچھ دیکھنے اور سننے میں نہ آئے۔ ایک بار کرنل سے اس ٹریجڈی کا تذکرہ آیا تھا۔ مسکر
بولے تھے "تمہیں کسی ایسی لڑکی کی تلاش ہے جسے فریم کرا کے ڈرائنگ روم کی کسی دیوار

بنا سکو۔"

میں نے عرض کیا تھا "ملے بھی تو کوئی ایسی.... سونے کے مندر میں بٹھا کر دن رات پوجا
گا۔"

مجھے یاد نہیں کہ انہوں نے اس کا کیا جواب دیا تھا کیونکہ جیسا بھی جواب انہوں نے دیا ہوگا وہ
ے حافظے کے قابل ہی نہ رہا ہوگا۔

ہاں تو میں اس وقت یہ سوچ رہا تھا کہ چانگ سے ملاقات ہونے سے پہلے ہی نکل چلو تو بہتر
ورنہ وہ پھر اس لڑکی کے معاملے میں بور کرنا شروع کر دے گا اور سچی بات تو اس کے فرشتے
جھ سے نہیں معلوم کر سکتے کیونکہ وہ بھی چینی ہی ہوں گے۔

میں نے بڑی تیزی سے لباس تبدیل کیا اور پھر کمرے سے نکل ہی رہا تھا کہ چانگ سے
بھڑ ہو گئی۔

"خوب اُلو بنایا تم نے پچھلی رات۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"آج کل الو بنانے کا میٹریل اتنا گراں آ رہا ہے کہ بنانے کو دل ہی نہیں چاہتا مسٹر چانگ۔"
نے بے پر کی اڑائی ہوگی۔

"ہرگز نہیں.... تم مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتے۔" چانگ نے کہا اور مجھے اس کا لہجہ بے حد
ا گذرا۔

"یہ بھی میری ہی مرضی پر منحصر ہے۔ بتاؤں یا نہ بتاؤں۔" میں نے لاپروائی سے کہا۔

چانگ کچھ دیر تک مجھے غصیلی نظروں سے دیکھتا رہا پھر یک بیک مسکرا کر بولا۔ "تم میرے
لے بھائی ہو۔"

"ہو.... ہو.... ہو.... ہو۔" میں نے اسی کے سے انداز میں ہنسنے کی کوشش کی اور پھر
یدہ ہو کر بولا۔ "خدا میرے گناہوں کو معاف کرے۔"

"باتوں میں نہ اڑاؤ" چانگ نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "تم اس کی اہمیت سے
اقف ہو۔ تم نہیں جانتے کہ میں کتنا پریشان ہوں۔ آخر اس لڑکی نے تمہیں کیا بتایا تھا۔"

"مائی ڈیئر مسٹر چانگ....!" میں نے اس کا ہاتھ بہ آہستگی اپنے شانے سے ہٹاتے ہوئے
ا۔ "میں صرف کرنل کو جوابدہ ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ اس کیس سے آپ کا کیا تعلق ہے۔
رنل نے مجھے آپ کے ساتھ بھیجا ضرور تھا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں اپنی رپورٹ آپ
دوں۔ آپ کو جو کچھ بھی معلوم کرنا ہے کرنل سے معلوم کر لیجئے گا۔"

میں آگے بڑھ گیا اور چانگ حیرت سے منہ کھولے کھڑا رہا۔

"سنئے کیپٹن.... پلیز.... صرف ایک بات۔" میں نے اس کی غمگین آواز سنی اور آ
کچھ ایسا ہی درد تھا جیسے کسی کنوارے نے ایک محبت کرنے والی بیوہ کو ٹھکرا دیا ہو اور وہ عالم یا
اسے روکنے کی کوشش کر رہی ہو۔ یہ چینی بھی عجیب ہوتے ہیں آپ نہیں کہہ سکتے وہ کر
کس بات پر غمگین ہو جائیں گے۔ لہٰذا کسی چینی کو اپنے بکرے کے جوان ہو جانے کی خبر بھ
محتاط ہو کر سنایئے انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو۔

بہر حال میں نے بھی بسور کر پوچھا۔ "کیا بات ہے۔"

"کیا آپ خفا ہو کر جا رہے ہیں۔"

"نہیں.... میں پھر واپس آؤں گا۔" میں نے کسی پردیس جانے والے شوہر کی طرح
دیتے ہوئے کہا۔ مگر شائد چین کے شوہروں کا انداز الگ ہوتا ہو۔ ورنہ چانگ کی ہچکیاں
جاتیں۔

وہ قریب آ گیا اور پھر آہستہ سے بولا۔ "کیپٹن مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو ایک غ
پر مجبور کر رہا تھا۔ بلاشبہ آپ کرنل ہی کو جواب دہ ہو سکتے ہیں۔"

"شکریہ....!" میں نے کہا اور اتنی تیزی سے چل پڑا جیسے ملک الموت تعاقب میں ہ
اب بھی میک اپ ہی میں تھا۔ یہ پلاسٹک میک اپ تھا۔ بڑا تکلیف دہ ہوتا ہے اگر پورے ہ
ہو تو.... آدمی دو گھنٹے سے زیادہ اسے برداشت نہیں کر سکتا۔ یہاں تو خیر خدا کا شکر ہے کہ
ناک اور گالوں کی ہڈیوں کے ابھار پر ہی کرنل نے پلاسٹک کی تہہ جمائی تھی جس سے میر
میں اچھی خاصی تبدیلی ہو گئی تھی۔

میں نے باہر نکل کر سوچا اب کدھر جاؤں۔ سامنے والے مکان کی دیوار پر "چل چ
نوجوان" نامی فلم کا پوسٹر چپکا ہوا نظر آیا اور میں بڑی سعادت مندی سے چلنے لگا۔ مگر سوا
کہ یہ چال کہیں تو ختم ہو گی ہی۔ پھر کیا وہیں دفن ہو جانا پڑے گا۔ یہ اسلئے سوچ رہا تھا کہ
پاس کام کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ کرنل نے پچھلی رات یہ نہیں بتایا تھا کہ اب کیا کرنا ہو گا
لنکن میرے پاس ہی تھی۔ لیکن میں نے پیدل ہی اسٹارٹ لے لیا۔ قصداً نہیں بلکہ بو
خیالی میں کچھ دور چلنے کے بعد غلطی کا احساس ہوا۔ مگر پھر میں واپس نہیں لوٹا۔ میں نے
پیدل ہی سہی۔ ایسے حالات میں یہی مناسب ہوتا ہے کہ پیدل ہی چلے ورنہ پیٹرول اتنی
سے پھکتا ہے کہ بعد میں خود بھی افسوس کرنے کو دل چاہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی منزل

ہو گا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اب کیا کرنا ہے۔ مگر مجھے پہلے ہی کیا کرنا تھا۔

اس بار پھر کرنل نے مجھے چارے کے طور پر استعمال کیا تھا۔ پچھلی رات مچھلی پھنستے پھنستے رہ
تھی۔ چارے پر اس نے منہ مارا ہی تھا مگر چانگ جلدی کر گیا اور اب تو مچھلی بھڑک ہی گئی
۔ لہٰذا اب پھنسے یا نہ پھنسے.... مگر وہ مچھلی کب تھی.... وہ تو مچھلا تھا۔ جس کی فکر چانگ کو
۔ ممکن ہے کرنل بھی مچھلا ہی کے چکر میں رہے ہوں۔ مگر وہ مچھلی.... بام کی طرح
ں.... اور جھینگے کی طرح شوخ اور غمزے والی.... اور کیکڑے کی طرح کجروی کی عادی....
روہو کی طرح.... لاحول ولا قوۃ کہیں آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ میں نے اس وقت مچھلی بازار
نے کا تہیہ کر لیا ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ سوفیا کی خوبیوں کے لئے تشبیہات کا
رہ کہاں سے لاؤں۔

یعنی مجھے اس کی پرواہ نہیں تھی کہ وہ کن حالات کی شکار ہے۔ میں تو اس کے لئے تشبیہات
ش کر رہا تھا۔ مجھے اس سے کیا غرض کہ وہ مر رہی تھی میں تو یہ دیکھ رہا تھا کہ وہ جان کنی کے عالم
کتنی حسین معلوم ہوتی ہے۔ چلئے وہ مر بھی جاتی تو میں اس قسم کا کوئی شعر کہے بغیر نہ رہتا۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی جو پنہاں ہو گئیں

کچھ بھی ہو سوفیا ایسی ہی لڑکی تھی جس کے بارے میں بہت کچھ سوچا جا سکتا تھا۔ اس لئے اگر
نے جان ہی دینے کی ٹھان لی تھی تو کیا بُرا کیا تھا۔ مگر ٹھہریئے میں اتنا چغد بھی نہیں ہوں کہ
لڑکی کے لئے جان دے دوں۔ پھر ایسی صورت میں جب کہ پچھلی رات مجھ پر حملہ ہو چکا تھا۔
رے قدم آر لکچو کی طرف کیوں اٹھ رہے تھے۔ اوہو کیا آپ بھول گئے کہ میں اس کیس میں
ارے کے طور پر استعمال کیا جا رہا تھا۔ کیا کرنل جو مجھے پچھلی رات اتنی لاپروائی سے چانگ کے گھر
ں چھوڑ کر چلے گئے تھے اس وقت قیلولہ کر رہے ہوں گے۔ نوپ! اگر وہ حقیقتاً خود سو بھی رہے
وں گے تو انہوں نے میرے گرد کم از کم اپنی بلیک فورس کا جال ضرور پھیلا دیا ہو گا۔ یہ بلیک
رس بھی آج تک میری سمجھ میں نہ آ سکی اگر اس کا تعلق محکمے سے ہوتا تو یہ بلیک فورس کیوں
لاتی۔ میرا خیال ہے کہ میرے علاوہ اور کسی کو اس کا علم نہیں تھا۔ ایک یہی نہیں کرنل کے
ہزاروں راز مجھ سے پوشیدہ ہیں۔ بعض اوقات تو میں سنجیدگی سے سوچنے لگتا ہوں کہ یہ حضرت
عموماً جس شکل میں نظر آتے ہیں یہ ان کی اصل شکل ہے بھی یا نہیں۔

آر لکچو پہنچ کر میں سیدھا روم نمبر تھرٹین کی طرف چلا گیا۔ دروازے پر آہستہ سے
دی۔ کسی کے چلنے کی آواز آئی اور دروازہ کھلا۔

سوفیا شب خوابی کے لباس میں سامنے کھڑی تھی۔ لیکن پھر وہ بوکھلا کر بستر کی طرف
اور جلدی سے اپنے اوپر سلیپنگ گاؤن ڈال لیا۔ وہ بے حد خوفزدہ نظر آنے لگی تھی۔

"جاؤ پرنس خدا کے لئے جاؤ.... پتہ نہیں وہ کیا کر بیٹھے۔" اس نے کانپتی ہوئی آواز میں

"میرے معاملے میں وہ خودکشی کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتا۔"

"میں کہتی ہوں جاؤ.... خدا کے لئے۔" وہ مجھے دھکیلتی ہوئی بولی۔

"نہیں میں تمہیں اپنے ساتھ لے چلوں گا۔"

"میں مرنا نہیں چاہتی.... جاؤ چلے جاؤ۔"

میں اسے ایک طرف ہٹا کر کمرے میں داخل ہو گیا۔ لیکن ٹھیک اسی وقت دونوں انڈو
باڈی گارڈز بھی اندر گھس آئے۔ دروازہ بند کر دیا گیا۔ ان کے ارادے نیک نہیں معلوم
تھے۔ شائد انہوں نے ارادہ کیا تھا کہ میرا اگلا گھونٹ کر مار ڈالیں کیونکہ وہ خالی ہاتھ اس طرح
طرف بڑھ رہے تھے جیسے میں ان کی نظروں میں ایک حقیر ترین کیڑا رہا ہوں۔ مجھے ان کے اس
پر بڑا غصہ آیا۔ میں نے غلط اندازہ نہیں لگایا تھا۔ وہ مجھ پر ایک ساتھ حملہ کرنے والے تھے
میں نے انہیں اس کا موقع نہیں دیا۔ دوسرے ہی لمحے میں میں نے ریوالور نکال لیا۔ "پیچھے ہٹو
وہ جہاں تھے وہیں رک گئے۔ میں نے کہا۔ "تم لوگ تین گھنٹے کے اندر شہر خالی کر دو
ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا جائے گا۔ یہاں پرنس داراب کے علاوہ کسی اور کی گنجائش نہیں
لڑکی مجھے اتنی پسند آئی ہے کہ یہ زندگی بھر میرے ساتھ رہ سکتی ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہو

وہ دونوں خاموش کھڑے رہے پھر میں نے ایک کو مخاطب کر کے دوسرے کے لئے
"اس کے ہاتھ اور پیر باندھ دو۔" وہ اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں میں نے پھر کہا۔ میں اس ریو
استعمال بھی کر سکتا ہوں کیونکہ یہ قطعی بے آواز ہے۔ تم دونوں نہایت اطمینان سے سو جاؤ
لڑکی تم یہاں سے چلنے کی تیاری کرو۔ اگر تم نے بھی میرا حکم نہ مانا تو میں تمہاری لاش بھی
چھوڑ جاؤں گا۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ اپنی سلیپنگ گاؤن کی ڈوری اس آدمی کے
کر دے جسے میں دوسرے کو باندھنے کا حکم دے چکا تھا۔ سوفیا نے ڈوری اس کی طرف اچھا
اور وہ اپنے دوسرے ساتھی کے ہاتھ پشت پر باندھنے لگا۔ دوسرا آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہا تھا

نہ سمجھ سکا۔ لیکن میں نے سوفیا کے چہرے پر تشویش کے آثار دیکھے۔ اب میں بھی اتنا احمق
تھا کہ اس گفتگو کا مقصد نہ سمجھتا۔

"اگر تم نے اس کے ہاتھ ڈھیلے باندھے تو وہی پھندا تمہارے لئے پھانسی کا پھندا بن جائے
"میں نے آہستہ سے کہا۔

یک بیک سوفیا بہت مستعد نظر آنے لگی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ابھی تک سوتی رہی ہو۔
نے جلدی جلدی اپنا سوٹ کیس کھول کر اس میں سے ریشم کی ڈور نکالی اور اسے میری طرف
ادیا۔ لیکن کچھ بولی نہیں۔ جب ایک باڈی گارڈ دوسرے کو باندھ چکا تو میں نے اُس سے کہا کہ
بھی خاموشی سے اپنے ہاتھ پیر بندھوا لے مگر وہ کینچوا تو تھا نہیں۔ اس نے برجستہ کہا کہ اگر تم
رے ہاتھ پیر باندھ سکے تو بلاشبہ بندھوا لوں گا۔ اس پر میں نے سوفیا سے کہا کہ وہ اس کی جامہ
اشی لے۔ سوفیا کے ہاتھ پیر کانپ رہے تھے لیکن اس نے دیر نہیں لگائی۔ باڈی گارڈ کی جیب
ے ایک بڑا سا چاقو برآمد ہوا۔ چاقو اپنے قبضے میں کر لینے کے بعد میں سوچنے لگا کہ اسے کس
رح باندھا جائے۔

سوفیا اس کام کے لئے بھی ناموزوں ہوتی کہ ریوالور ہی لئے کھڑی رہے۔ اتنے میں فون کی
نٹی بجی اور میں نے ریسیور اٹھا لیا۔ ریوالور کا رخ باڈی گارڈ ہی کی طرف تھا۔ میں نے ریسیور اٹھایا
دگر سوفیا کی طرف بڑھا دیا۔

سوفیا نے کال ریسیور کی۔

"آپ کے لئے ہے۔" اس نے کہا اور ریسیور مجھے دے دیا۔

دوسری طرف سے کرنل کی آواز آئی اور میں بوکھلا گیا۔ انہوں نے کہا۔ "تم وہاں کیا
کر رہے ہو۔"

"ایک کو باندھ چکا ہوں اب دوسرے کی فکر ہے۔"

"باڈی گارڈز۔"

"جی ہاں۔"

"پھر....!"

"لڑکی میرے ساتھ جائے گی۔"

"کہاں جائے گی۔"

"جہاں آپ کہئے۔"

"میرا خیال ہے کہ تم وقت برباد کر رہے ہو۔"

"نہیں وقت اچھا کٹے گا۔ میرا خیال ہے کہ وہ شاعرانہ ذوق رکھتی ہے۔"

"خیر.... فی الحال تم اسے جھریالی کا علاقہ دکھلاؤ.... اس کے بعد اسی عمارت میں جانا جہاں چانگ رہتا ہے.... بس۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ لیکن میری حیرت کا کیا ٹھکانہ۔ آخر جھریالی کی طرف کیوں لے جاتا۔ وہ سنسان میدانوں اور جنگلوں کا علاقہ تھا۔ ریسیور رکھ مجھ سے ایک غلطی ہوئی جس کے لئے مجھے بھگتنا پڑا۔ بس اتنی غلطی ہوئی تھی کہ میری گارڈ سے ہٹ کر فون کی طرف مبذول ہو گئی تھی۔ اس نے مجھ پر چھلانگ لگائی اور ریوالو ہاتھ سے نکل گیا۔

لیکن میں فوراً ہی سنبھل گیا ورنہ شاید میں نیچے ہوتا۔

انڈو چائنیز لپٹ پڑا تھا۔ لیکن شائد شرپھوں سے لڑنے کا سلیقہ اسے نہیں تھا۔ ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی بندر مجھ سے لپٹ پڑا ہو۔ سب سے پہلے اس نے میر بازو پر منہ مارا اور میں بلبلا اٹھا۔ پھر میرے چہرے پر ناخنوں سے نقش و نگار بنانے کی جس پر بُرا مان کر میں نے بھی ایک گھونسہ عرض کر دیا جسے اس نے اپنی ناک پر ریسیور کہا اور دوسری طرف الٹ گیا۔ جو کچھ بھی کہا تھا اپنی مادری زبان میں کہا تھا۔ لیکن میں پ کے علاوہ ایسے مواقع پر دنیا کی ساری زبانیں بھول جاتا ہوں۔ ورنہ خدشہ رہتا ہے کہ کہیں دودھ یاد نہ آجائے۔ جیسے ہی وہ فرش پر گرا میں نے یہی مناسب سمجھا کہ اس پر کم از مرتبہ قدم رنجہ ہی فرماؤں۔ چنانچہ میں دو تین بار اس کے سینے پر اچھلا اور نیچے اتر آیا۔ مادری زبان میں اس قدم رنجہ فرمائی کہ شکریہ ادا کرتا رہا اور اس کا دوسرا ساتھی انگریزی کہہ رہا تھا اگر اردو میں کہتا تو میں اس کا سر قلم کر دیتا۔

بہر حال قدم رنجہ فرمانے سے بھی کچھ نہ ہوا.... شکریہ ادا کر کے وہ اٹھ ہی رہا نے اس کی کھوپڑی کو قدوم میمنت لزوم سے شرفیاب کرنا شروع کر دیا۔ اب اس میر کرنے کی بھی سکت نہیں رہ گئی تھی۔ اس نے عالم سرور میں اپنی آنکھیں بند کر لیں مطمئن ہونے کے بعد میں اس کے ساتھی کی طرف متوجہ ہوا۔ جس کے ہاتھ پیر بند تھے لیکن زبان قینچی کی طرح چل رہی تھی۔ لیکن میرے پاس قینچی نہیں تھی ورنہ.. اب وہ میری شان میں قصیدہ خوانی کے سلسلے میں مبالغے کی سرحدیں چھونے لگا تھا۔ ا

نے یہی مناسب سمجھا کہ اب اس کی زبان کو آرام کرنا چاہئے۔

میرا رومال ناکافی ہوا تو مجھے سوفیا سے ایک رومال اُدھار لینا پڑا۔ کیا اب یہ بھی بتاؤں کہ اس نے اس وقت میری سات پشتوں تک کا شکریہ ادا کر کے رکھ دیا تھا۔ جب میں اس کے منہ میں رومال ٹھونس رہا تھا۔

لڑکی اس دوران میں ایک چھوٹا سا سوٹ کیس سنبھالتی رہی تھی۔ کبھی کبھی اس کے حلق سے ڈری ڈری سی آوازیں بھی نکل جاتی تھیں۔

وہ میرے ساتھ جانے پر تیار ہو گئی تھی لیکن اس طرح خائف نظر آرہی تھی جیسے باہر نکلتے ہی اُسے کوئی گولی مار دے گا۔ میں نہایت اطمینان سے نکلا چلا آیا۔ دونوں باڈی گارڈز کو اسی کمرے میں بند کر دیا گیا تھا۔ باہر آکر میں نے ٹیکسی کی اور ہم جھریالی کی طرف روانہ ہو گئے۔ لڑکی پیچھے مڑ مڑ کر دیکھے جا رہی تھی شاید اسے تعاقب کا خدشہ تھا۔ خدشہ تو مجھے بھی تھا لیکن میں مطمئن بھی تھا کہ بقیہ معاملات کرنل خود ہی سمجھ بوجھ لیں گے۔ ظاہر ہے کہ انہیں اس کا بھی علم تھا کہ میں سوفیا کے کمرے میں داخل ہوا ہوں۔ نہ صرف علم تھا بلکہ یقین بھی رکھتے تھے کہ میں وہاں ہر قسم کے حالات پر قابو پالوں گا۔ مجھے حیرت بھی تھی کہ آخر وہ مجھ پر اتنا اعتماد کیوں کرنے لگے ہیں۔

"اب ہم کہاں جائیں گے۔" سوفیا نے خوفزدہ آواز میں کہا۔

"اب ہم تھوڑی سی تفریح کریں گے۔ کیونکہ ابھی تک ہم کوفت کا سامنا کرتے رہے ہیں۔"

"کیا میں یقین کر لوں کہ اب میرا مستقبل محفوظ رہے گا۔"

"مستقبل کبھی محفوظ نہیں رہتا ہے۔ پہلے وہ حال بنتا ہے اور پھر ماضی میں تبدیل ہو جاتا ہے اور ہم بوڑھے ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا مستقبل کی فکر فضول ہے۔"

"میں نے تم پر اعتماد کر لیا ہے۔"

"بُرا نہیں کیا۔" میرا مختصر سا جواب تھا۔

میں دراصل الجھن میں پڑ گیا تھا۔ آخر جھریالی کا ویران علاقہ کیوں اور پھر اس کے بعد چانگ کے مکان میں واپسی۔ وہ مکان تو بقول چانگ پہلے ہی سے ان لوگوں کی نظروں میں تھا۔

بہر حال جو کچھ بھی مجھ سے کہا گیا تھا بے چوں وچرا کرنا تھا۔

"تم خاموش کیوں ہو۔" سوفیا نے کہا۔ وہ بہت زیادہ مضطرب معلوم ہو رہی تھی۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ تمہارے چچا کا کیا حال ہو گا۔ کیا اس نے اپنی زندگی کا بیمہ کرا لیا تھا۔"

"وہ جہنم میں جائے۔" سوفیا بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "اس کے تصور سے بھی نفرت معلوم ہوتی ہے۔"

"کیا اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہیں۔"

"میں ان دونوں محافظوں کے علاوہ اور کسی سے واقف نہیں۔"

"اسے ہمیشہ ہی تنہا دیکھا ہے....؟"

"ہاں.... ہمیشہ.... حد یہ ہے کہ کبھی کسی سے گفتگو کرتے بھی نہیں دیکھا۔ اگر کبھی کوئی اجنبی اسے مخاطب بھی کرتا ہے تو وہ اتنی سرد مہری سے پیش آتا ہے کہ دوسری بار اس کی ہمت نہیں پڑتی۔"

"وہ خود کہاں مقیم ہے۔"

"مجھے اس کا بھی علم نہیں۔"

"پھر کیسے کام چلے گا۔" میں نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"اوہ.... تو تم اس کے خلاف کیا کرنا چاہتے ہو۔"

"ہو سکا تو قتل کروں گا۔" میں نے لاپروائی سے کہا اور اسے لرزتے دیکھا۔

"نہیں....!" اس نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔ "اس کی کیا ضرورت ہے۔"

"پھر تم اس کے سلسلے میں کیا چاہتی ہو۔"

"بس اتنا ہی کہ آئندہ اس کا سامنا نہ ہو۔"

میں اس طرح خاموش ہو گیا جیسے سچ مچ سوچ رہا ہوں کہ اُسے مار ڈالا جائے یا زندہ رکھا جائے۔

ٹیکسی ڈرائیور سمجھا تھا شائد ہم لوگ سیاح ہیں اس لئے اکثر وہ مجھ سے مخاطب ہو کر جھریالی کے علاقے کے متعلق کچھ کہنے لگتا تھا۔ ٹیکسی شہر سے نکل کر ایک ویران راستے پر لگ گئی تھی۔

"یہ تم کہاں لے جا رہے ہو۔" سوفیا نے کہا۔ اب پھر اس کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔

"اُدھر ایک بڑی خوبصورت جھیل ہے۔ میں آج پھر دیکھوں گا کہ وہ تمہاری آنکھوں سے زیادہ گہری تو نہیں ہے۔"

"میرے خدا۔" وہ ٹھنڈی سانس لے کر بڑبڑائی۔ "کیا اب میں ریگستان سے نکل کر کسی دلدل میں پھنسوں گی۔"

میں کچھ نہ بولا۔ میرا خیال تھا کہ ایسے کسی موقع پر زبان کو تھکانا بیسود ہوتا ہے۔ میری دانست میں چونکہ وہ خود ہی غیر یقینی حالات کی شکار تھی اس لئے محض الفاظ سے اس کی تسکین ناممکن تھی۔

دفعتاً میں نے پیچھے کسی وزنی گاڑی کی آواز سنی۔ مڑ کر دیکھا۔ وہ ایک ٹرک تھا جس پر بانس

لدے ہوئے تھے۔ میں پھر مطمئن ہو گیا۔

ابھی تک تو مجھے تعاقب کے آثار نہیں نظر آئے تھے۔

ٹرک کی رفتار تیز تھی وہ ٹیکسی کے برابر سے آگے نکل گیا۔ لیکن اس کی رفتار اتنی تیز بھی نہیں تھی کہ ٹیکسی سے اس کا فاصلہ بہت زیادہ ہو جاتا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے ٹیکسی آگے نکالنی چاہی لیکن میں نے اُسے روک دیا۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ٹرک ہماری راہ میں حائل ہی رہنا چاہتا ہو۔ میں الجھن میں پڑ گیا۔ پیچھے سڑک اب سنسان پڑی تھی۔ مگر ٹرک کی رفتار میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ ہماری ٹیکسی بھی پہلے ہی کی سی رفتار سے جا رہی تھی۔

جھیل تک یہی کیفیت رہی۔ پھر جیسے ہی ہم جھیل کے قریب پہنچے ٹرک نے ایک لمبا چکر لیا اور پھر شہر ہی کی جانب مڑ گیا۔ کیا یہ کم حیرت انگیز تھا کہ وہ قریب کی فیکٹری میں بانس اتارے بغیر واپس ہو گیا تھا۔ خیموں کے لئے بانس بنانے کی ایک فیکٹری اسی علاقے میں تھی۔

واپسی

کرنل نے اتنا ہی کہا تھا کہ میں سوفیا کو جھریالی کے علاقے کی طرف لے جاؤں اور پھر وہاں سے ہماری واپسی چانگ کے مکان پر ہو۔ لیکن یہ نہیں بتایا تھا کہ جھریالی کے علاقے میں ہماری رت قیام کیا ہو گی۔

ڈرائیور نے میرے اشارے پر ٹیکسی جھیل کے کنارے پر روک دی۔

سوفیا نے چاروں طرف دیکھ کر ایک طویل سانس لی اور اس وقت نہ جانے کیوں مجھے رائیڈر یگرڈ کا ناول "شی" یاد آ رہا تھا۔ جس میں ایک ایسی حسینہ کا تذکرہ ہے جو ہزاروں سال سے زندہ ی اور جوالا مکھی کی آگ میں نہا کر جوان ہو جایا کرتی تھی اور ہمیشہ جوان ہی رہتی تھی۔

"یہ جادو کی جھیل ہے۔" میں نے سوفیا سے کہا۔ "تم نے پُر اسرار مشرق کے متعلق اپنے ہاں لاتعداد استانیں سنی ہوں گی۔ میں دراصل اسی جھیل میں رہتا ہوں۔"

"نہیں....!" سوفیا یک بیک مجھے گھورنے لگی۔

"ہاں.... میں ہزار سال سے زندہ ہوں.... میری رعایا مجھے "ہی" کہتی ہے اور "ہوا" کہہ مخاطب کرتی ہے۔ میں ہزار سال سے اپنی رعایا پر حکمران ہوں۔ جب بوڑھا ہونے لگتا ہوں تو

اسی جھیل کا پانی اپنی دم پر لگا کر دوبارہ جوان ہو جاتا ہوں۔"

سوفیا کھلکھلا کر ہنس پڑی اور بولی۔ "میں نے رائیڈر ہیگرڈ کا ناول شی پڑھا ہے۔ وہ ہیا.... کہلاتی تھی.... اور تم "ہی" ہو.... مگر "ہوا" کسے کہتے ہیں۔"

میں نے اسے "ہوا" کا مطلب سمجھانے کی کوشش کی اور وہ اور زیادہ ہنسنے لگی۔

"نوزائیدہ ہیگرڈ نے "ہوا" سے "ہیا" بنائی ہے۔ لوگ اس سے اسی طرح خائف رہتے تھے جیسے تمہارے بتائے ہوئے "ہوا" سے ہو سکتے ہیں۔ تم بہت دلچسپ اور ذہین آدمی معلوم ہوتے ہو پرنس.... میرے خدا میں آج کتنے دنوں بعد دل کھول کر ہنسی ہوں۔"

پھر وہ کار کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گئی۔ میں نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ وہ کسی ننھی سی بچی کی طرح خوش نظر آنے لگی تھی۔

"میں پیرس سے کبھی باہر نہیں نکلی۔ اس کے بعد نکلی بھی تو ایسے حالات کا شکار رہی۔ یورپ کے مختلف شہروں ہی میں ماری ماری پھری ہوں، ایسے مناظر میری نظروں سے کم گزرے ہیں۔ اوہ پرنس اوہ پرنس.... میں کتنی خوش نصیب ہوں کاش ساری زندگی مطمئن رہوں۔ کاش موجودہ حالات کی بھی اصلیت ظاہر ہو جائے۔"

"سب کچھ ہو جائے گا۔" میں نے کہا۔ "مگر تمہیں اپنی زبان کھولنی پڑے گی۔ اس کے بغ کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔ تم مجھے بتاؤ کہ اپنے اس چچا کے متعلق اور کیا جانتی ہو۔"

"میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتی جتنا بتا چکی ہوں اور دونوں باڈی گارڈز کے علاوہ کہ ایسے تیسرے آدمی کے وجود سے بھی ناواقف ہوں جو میرے چچا سے تعلق رکھتا ہو۔ لیکن ٹھہرو.... میں تمہیں ایک اہم واقعہ بتاؤں گی۔ جو ایمسٹرڈم میں پیش آیا تھا۔ میں اپنی اس قید و کی زندگی سے اکتا گئی تھی۔ ایک شام میں اپنے باڈی گارڈز کے ساتھ ایمسٹرڈم کی ایک تفریح میں بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھے اپنی بے بسی پر بڑا رونا آیا۔ لیکن میں نے تہیہ کر لیا کہ اب ان لوگوں ایک نہ سنوں گی۔ میرا چچا بھی اسی تفریح گاہ میں موجود تھا حسب معمول مقررہ وقت پر وہ جا کے لئے اٹھ گیا اور مجھے بھی اٹھنے کا اشارہ کیا۔ باڈی گارڈز بھی اٹھے۔ لیکن میں نے اٹھنے سے ا کر دیا۔ میں نے کہا کہ میں اب ان پابندیوں کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ اگر زبردستی کی گئی تو میں ش شور مچانا شروع کر دوں گی اور تم سب مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔ وہ دونوں گھبرا گئے اور ان میں ایک نے کہا اچھا ٹھہرو میں تمہارے چچا سے اجازت لے آؤں پھر تم بیٹھ سکو گی۔ ہمیں اعتراض نہ ہوگا۔ ایک وہیں موجود رہا اور دوسرا چلا گیا۔ مجھے سچ مچ بڑا شدید غصہ آ گیا تھا اور آ

لمحات کے بہتر یا بدتر ہونے کا دارومدار صرف میرے چچا کے جواب پر تھا۔ میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ حالات کا مقابلہ سختی سے کروں گی۔ تھوڑی دیر بعد باڈی گارڈ نے آ کر اطلاع دی کہ میرا چچا بھی مجھے باہر باغ میں بلا رہا ہے۔ میں اٹھ گئی۔ میں اب براہِ راست اسی سے گفتگو کرنا چاہتی تھی۔ باڈی گارڈز میرے ساتھ چلتے رہے اور میں باغ کے اس گوشے میں پہنچ گئی جہاں میرا چچا پہلے سے موجود تھا۔

اس نے مجھ سے پوچھا کہ میں کیا چاہتی ہوں اور میں کسی جوالا مکھی کی طرح پھٹ پڑی۔ اس گوشے میں ہم چاروں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا اور میں فرانسیسی میں گفتگو کر رہی تھی۔ یہاں روشنی بھی نہیں تھی۔ بس تاروں کی چھاؤں میں ان تینوں کی دھندلی سی پرچھائیاں دیکھ سکتی تھی۔ وہ تین کیا اگر تین ہزار ہوتے تب بھی میری زبان نہیں رک سکتی تھی۔ جو کچھ میرا جی چاہتا کہتی رہی۔ اچانک کوئی تلخی سی چیز میرے چہرے سے ٹکرائی پھر آنکھوں کے سامنے بجلی سی چمکی اور مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرا چہرہ جھلس گیا ہو۔ لیکن کیا وہ آگ تھی۔"

وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔ اس کی پیشانی پر شکنیں تھیں اور آنکھوں سے کسی تکلیف کا اظہار ہو رہا تھا۔ میں کچھ نہ بولا۔ اس نے پھر کہا۔ "کاش تمہیں اس پر یقین آ جائے۔ کاش! اسے تم گپ نہ سمجھو کیونکہ تم ابھی ابھی رائیڈر ہیگرڈ کے ایک ناول کا حوالہ دے چکے ہو۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ تم نے اس کا تذکرہ کیوں چھیڑا تھا۔ ہو سکتا ہے تم سرے ہی سے میری اس داستان کو گپ سمجھتے ہو اور تمہارا خیال ہو کہ میں کوئی آوارہ لڑکی ہوں اور اسی طرح مالدار آدمیوں کو پھانسنا میرا پیشہ ہو۔ تم کچھ بھی سمجھو میرا کچھ بھی حشر ہو مگر اب میں ان حالات کے جال سے نکلنا چاہتی ہوں، خواہ مجھے اس جھیل کی تہہ میں کیوں نہ پناہ لینی پڑے۔"

"تم بیان جاری رکھو میں تمہاری کہانی کو غلط نہیں سمجھا کیونکہ میں اکثر خود بھی اس سے کہیں زیادہ پُر اسرار حالات سے دوچار ہو چکا ہوں اور انہیں حالات کے پیش نظر میں تم میں اتنی دلچسپی بھی لے رہا ہوں ورنہ پرنس داراب ولد مہاراجہ سر خاب بہت مشغول آدمی ہے۔"

"پہلے مجھے ایسا محسوس ہوا تھا" اس نے کہانی دوبارہ شروع کی اور پھر خاموش ہو کر اپنی پیشانی رگڑنے لگی۔ میں بھی خاموش ہی رہا۔ اسے ٹوکنا نہیں چاہتا تھا۔

"مجھے ایسا محسوس ہوا تھا.... اوہ مجھے وہ تکلیف اس وقت یاد آ گئی ہے پرنس مجھے پہلے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے میرا چہرہ جھلس گیا ہو۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ یہ محسوس کرنے لگی جیسے میرے شانوں پر سر کی بجائے برف کی چٹان رکھ دی گئی ہو۔ پھر میرا سارا جسم برف کے ڈھیر میں دب کر

رہ گیا ہو۔ میں بیہوش ہو گئی۔ پھر میں نہیں جانتی کہ کتنی دیر بعد مجھے ہوش آیا تھا۔ میں ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں بند تھی اور میرے سر پر وہی دونوں باڈی گارڈز مسلط تھے۔ ان کا خیال تھا کہ بوڑھا مجھے مار ڈالے گا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ بھی اس سے خائف رہتے ہیں۔ کیونکہ اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وہ بے حد چالاک اور طاقتور ہے۔ پھر انہوں نے مجھے سمجھانا شروع کیا کہ میں مفت میں عیش کر رہی ہوں۔ مجھے ابھی تک کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ مجھے کسی ناجائز اور غیر قانونی کام پر مجبور نہیں کیا گیا۔ پھر آخر بدحواسی کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے بھی سوچا کہ اب بے چوں وچرا وہی کرنا چاہئے جو یہ لوگ کہیں۔ پھر جب کبھی گلو خلاصی کی صورت نظر آئے تو پھر ہاتھ پیر مارے جائیں گے۔ میں تنہا ان لوگوں سے نپٹنے کی قوت نہیں رکھتی تھی۔ ان دونوں نے مجھے دھمکی بھی دی تھی کہ اگر میں آسانی سے راہ پر نہ آئی تو وہ مجھے شریف اور نیک نہ رہنے دیں گے۔ پھر میں راہ پر آ گئی۔ پھر اس خبیث اور پُراسرار آدمی کے اشاروں پر ناچنے لگی۔ مگر میں آج تک نہ سمجھ سکی کہ میرا مصرف کیا ہے۔ نہ مجھے آج تک کسی سے ملنے پر مجبور کیا گیا نہ کسی سے گفتگو کرنے کو کہا گیا۔ یہاں آنے کے لئے بھی وہ ایک بہانہ تھا ورنہ میں آپ کو پچھلی رات ہی بتا چکی ہوں ہوں کہ مرنے والا ایک قلاش آدمی تھا۔"

"تو اب تم اُن لوگوں میں واپس نہیں جانا چاہتیں۔"

"اس پر میں موت کو ترجیح دوں گی۔ اس کے علاوہ اور سب کچھ کر سکتی ہوں۔ میں اب عیش پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرتی۔"

"اچھا تو آؤ واپس چلیں.... اب تم ان لوگوں میں واپس نہیں جاؤ گی۔"

"میں زندگی بھر احسان مند رہوں گی اگر ان سے چھٹکارا نصیب ہو جائے۔"

"چلو....!" میں ٹیکسی کی طرف مڑ گیا۔ خواہ وہ ایک شاندار فریب ہی کیوں نہ رہا ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں اس لڑکی کی بیچارگی سے بے حد متاثر ہوا تھا۔ مجھے وہ لڑکی یاد آئی جو حقیقتاً ایک ملک کی شہزادی تھی مگر چند اجنبیوں کے ہاتھوں ایسے پُراسرار حالات کا شکار ہوئی تھی کہ اس کے پاگل ہونے میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی۔[1] پہلے میں اسے بھی فراڈ ہی سمجھا تھا لیکن پھر مجھے اپنی بدگمانی پر بے حد افسوس ہوا تھا۔

ہم دونوں ٹیکسی میں بیٹھ گئے اور وہ پھر شہر کی طرف چل پڑی۔ میں راستے بھر ہوشیار رہا لیکن چانگ کے مکان تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

[1] اس داستان کے لئے جاسوسی دنیا کے ناول "خون کا دریا" جلد نمبر 7 ملاحظہ فرمائیے۔

وہاں پہنچ کر مجھے پھر متحیر ہونا پڑا۔ میرے ایک ماتحت نے بتایا کہ کرنل نے فون پر ہدایت دی ہے جیسے ہی وہاں پہنچوں ساتھی سمیت مجھے گھر چلے آنے کو کہا جائے۔

ٹیکسی میں نے چھوڑ دی تھی۔ اب لنکن نکالنی پڑی لیکن روانگی سے پہلے میں نے کرنل کو فون کر کے اپنے ماتحت کے بیان کی تصدیق کر لی تھی۔ وہ گھر ہی پر موجود تھے اور اُن کی خواہش تھی کہ میں سوفیا سمیت وہیں پہنچ جاؤں۔

سوفیا خاموش ہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے خود کو میرے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہو۔

ہم کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئے۔

"تمہاری یہ گاڑی بڑی شاندار ہے۔" سوفیا نے کہا۔

"تم یہ کیوں بھول جاتی ہو کہ میں شہزادہ ہوں۔ یہ گاڑی ایئر کنڈیشنڈ ہے۔"

میں اب بھی میک اپ ہی میں تھا اگر اپنی گاڑی میں نہ آیا ہوتا تو ملازم مجھ پر خونخوار قسم کے کتے چھوڑ دیتے۔ کیونکہ میں درانہ اندر گھستا چلا گیا تھا۔ نصیرا نے ٹوکا تھا۔ مگر میں نے آواز بدلے ہوئے نصیرا سے ڈانٹ دیا تھا۔ ورنہ بات ضرور بڑھ جاتی۔

کرنل لائبریری میں تنہا نہیں تھے ان کے ساتھ چانگ بھی تھا، اور میز پر بہت سے کاغذات بکھرے ہوئے تھے۔ ان کاغذات کے ساتھ چمڑے کا مخصوص طرز کا تھیلا دیکھ کر میں نے اندازہ لگایا کہ دفتر کے ریکارڈ روم سے کسی پرانے کیس کے کاغذات نکالے گئے ہیں۔ سوفیا کو میرے ساتھ دیکھ کر چانگ کا منہ حیرت سے کھل گیا اور کرنل نے مجھے بتایا کہ چانگ کو میرے اس کارنامے کا علم نہیں تھا۔

اس نے دبی زبان سے اتنا ضرور کہا کہ میں نے شائد اچھا نہیں کیا۔ یہ لڑکی بھی فراڈ ہو سکتی ہے۔ اس پر سوفیا نے بہت بُرا سا منہ بنایا اور اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ چانگ چونکہ ہم سے انگریزی میں گفتگو کرتا تھا اس لئے سوفیا کو اس کے خیالات کا علم ہو گیا۔ ورنہ شاید میں یہی کوشش کرتا کہ اس کی دل شکنی نہ ہونے پائے۔

"اسے نیلم کے سپرد کر کے یہاں واپس آ جاؤ۔" کرنل نے مجھ سے کہا۔

نیلم اس وقت کوٹھی ہی میں موجود تھی۔ اس نے کافی دیر تک میرا مضحکہ اڑایا۔ مجھے بابا کہتی رہی اور سوفیا کو "بابی" کہہ کر مخاطب کرتی رہی۔ پھر وہ اسے اپنے ساتھ اپنے رہائشی کمروں کی طرف لیتی چلی گئی۔

میں پھر لائبریری کی طرف واپس آیا۔ کرنل نے شائد کاغذات سمیٹ کر تھیلے میں بھر دیئے

تھے۔ تھیلا اب بھی میز ہی پر موجود تھا۔

میں نے کرنل کو لڑکی کی داستان سنائی اور چانگ کی "ہو ہو" اسٹارٹ ہو گئی۔ میرا دل چاہا کہ الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کر دوں مگر پھر تاؤ کھا کر رہ گیا۔ اگر مجھے اس کا خیال نہ ہوتا کہ وہ کرنل کا دوست ہے تو میں بلا تکلف ایک آدھ ہاتھ جھاڑ دیتا۔ اس کے ہنسنے کا انداز ایسا تھا جیسے میں اُلو بن گیا ہوں یا میں نے جو کچھ بھی کہا ہے جھوٹ کہا ہے۔

کرنل نے میرے بیان پر تبصرہ نہیں کیا۔ البتہ چانگ سے بولے "فی الحال تو یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ لڑکی سچی ہے یا جھوٹی۔ اس کی تصدیق ہم اسی وقت کر سکیں گے جب فونگ ہاتھ آ جائے۔"

"مگر وہ سور کا بچہ ہاتھ ہی کیوں آنے لگا۔" چانگ نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "ویسے میرا دعویٰ ہے کہ فونگ بھی یہی چاہتا ہے کہ یہ لڑکی آپ کے مکان میں پہنچ جائے۔ ورنہ اسے دہاڑے کون نکال لا سکتا تھا۔"

"تو پھر اس کا یہ مطلب ہے کہ میں میک اپ میں بھی پہچان لیا گیا ہوں گا۔" میں نے کہا۔

"اس کے بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن اسے لکھ لیجئے کہ فونگ ہی کے ایماء پر لڑکی آپ کے ساتھ آئی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ لڑکی حقائق سے لاعلم ہو۔"

میں خاموش ہو گیا۔ اب چانگ کے اس خیال میں کسی حد تک وزن نظر آنے لگا تھا کہ رات مجھے بیہوش کیا گیا تھا۔ ہو سکتا ہے میں پہچان لیا گیا ہوں۔ پھر سب سے بڑی بات یہ تھی مجھے وہ ٹرک یاد آیا جس میں بانس بھرے ہوئے تھے۔ لیکن وہ خیمہ ساز فیکٹری میں خالی کئے بغیر شہر کی طرف موڑ دیا گیا تھا۔ ہو سکتا ہے اس میں فونگ ہی کے آدمی رہے ہوں اور یہ بھی ہے کہ چانگ کے گھر سے کوٹھی تک بھی میرا تعاقب کیا گیا ہو۔ شہر میں جہاں ٹریفک کی ریل پیل رہتی ہے تعاقب کا اندازہ کرنا دشوار ہو جاتا ہے اور پھر میں نے تو خاص طور پر اس پر دھیان نہیں دیا تھا۔ چانگ کے گھر سے یہاں آتے وقت میں صرف سوفیا کے متعلق سوچتا رہا تھا۔ ذہن میں رکھے بغیر کہ وہ کس طرح مجھ تک پہنچی تھی کیوں پہنچی تھی۔ چانگ بڑبڑاتا رہا۔ کرنل سوچتے رہے اور میں بور ہوتا رہا۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ بہت زیادہ بور نہیں ہوا کیونکہ چانگ کی "ہو ہو" اس وقت نہیں چل رہی تھی۔

دفعتاً کرنل بولے۔ "اچھا چانگ اگر وہ بوڑھا یوروپین ہی فونگ ہے تو اسے میری حد میں تصور کرو۔"

"نہیں.....!" چانگ پر مسرت انداز میں چونک پڑا۔

"میں جانتا ہوں کہ اس کا قیام کہاں ہے۔ میں نے پچھلی رات ہی معلوم کر لیا تھا۔"

"ضروری نہیں ہے کہ وہ اب بھی وہیں ہو۔" چانگ نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے چند ساتھیوں سمیت اب بھی اسی مکان میں موجود ہے۔ میں ایسے واقع پر غافل رہنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"تب پھر آپ دیر کیوں کر رہے ہیں۔" چانگ بولا۔

"بس اب دیر نہیں کروں گا۔" کرنل مسکرائے۔ "مجھے کیپٹن حمید کے اسی کارنامے کا انتظار تھا۔"

ایک سرد سی لہر میرے جسم میں دوڑ گئی۔ کرنل کی مسکراہٹ ایسی ہی تھی میں نہیں سمجھ سکا ان کے لہجے میں کیا تھا۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ میرے لئے جو کچھ انہوں نے کہا تھا وہ طنز تھا یا یقیناً میں ان کی نظروں میں کوئی کارنامہ انجام دیا تھا۔

چانگ جواب طلب نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کرنل نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ اب اس میک اپ کی ضرورت نہیں رہی اسے ختم کر دو۔ مسٹر چانگ بھی خواہ میک اپ میں رہے ساتھ چلیں خواہ اپنی شکل میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کیونکہ میں آج گارساں کے ساتھی تے ری فونگ کو پکڑ ہی لوں گا۔

"نہیں میں میک اپ ہی میں رہنا مناسب سمجھوں گا۔" چانگ نے کہا۔

"تمہاری مرضی۔" کرنل بولے اور کاغذات کا تھیلا میز کی دراز میں رکھتے ہوئے مجھ سے بولے۔ "جاؤ جلدی کرو۔ اب اس میک اپ کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اسی وقت وہاں جائیں گے جہاں فونگ مقیم ہے۔"

میں لائبریری سے لیبارٹری کی طرف روانہ ہو گیا۔

کیچڑ کا رومان

چانگ نے اس پر بڑی حیرت ظاہر کی کہ ہمارے ساتھ پولیس کی جمعیت نہیں تھی۔ صرف کرنل اور کرنل اس مہم کو سر کرنے کے لئے چل پڑے تھے۔ ہمارا تو یہی حال تھا لیکن دوسرے اس

پر یقین کرنے کو تیار نہیں ہوتے تھے۔ ویسے اس سلسلے میں کرنل کا کوئی اصول نہیں تھا۔ اکثر وہ تنہا ہی ایسی مہموں پر روانہ ہو جاتے تھے اور اکثر ایسا ہوتا کہ یا تو ان کی بلیک فورس کے آدمی ان کے آس پاس موجود ہوتے تھے یا ان کے بعض ماتحت۔

بہر حال اس وقت کی روانگی عجیب لگ رہی تھی۔ بس ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے چند خوشباش قسم کے آدمی کہیں خالی ہاتھ بیٹھے گفتگو کر رہے ہوں اور گفتگو کے دوران ہرن کے شکار کا تذکرہ چھڑ گیا ہو اور انہیں میں سے ایک صاحب نے اٹھ کر کہا ہو۔ چلو ہرن مار لائیں۔ اس وقت دل چاہ رہا ہے کہ آپ کو ہرن کے شکار کا ایک لطیفہ سنا ڈالوں۔ مگر ٹالئے ورنہ آپ اور میرے تذکرہ نویس صاحب دونوں ہی کہیں گے کہ سسپنس کا خون کر دیا۔ ویسے ہم کسی نہ کسی کا خون کرنے تو جا ہی رہے تھے۔ ظاہر ہے مجرموں کی گرفتاری کے سلسلے میں اکثر گولیاں بھی چلتی رہیں اور وہ گولیاں لگنے ہی کے لئے چلتی ہیں ان کا مقصد سلام و دعا یا مزاج پرسی نہیں ہوتا۔

"کرنل کہیں آپ غلطی تو نہیں کر رہے۔" چانگ نے کہا۔ "اسے اچھی طرح سوچ لیجئے کہ گارساں اور فونگ کے درمیان اس کا فیصلہ نہیں ہو سکا تھا کہ کون کس سے زیادہ خطرناک ہے۔"

"پھر تم کیا چاہتے ہو۔"

"اس طرح تنہا جانا ٹھیک نہیں ہے۔"

"تنہا.... ارے ہم تین ہیں چانگ۔"

"وہ تو ٹھیک ہے.... مگر....!"

"ہاں.... آں.... میں سمجھتا ہوں۔" کرنل کچھ سوچتے ہوئے بولے۔ "لیکن میں اس پر ابھی تک یقین نہیں کر سکا کہ وہ فونگ ہی ہوگا۔ کیوں چانگ کیا تمہارے پاس اسکی کوئی پہچان ہے۔"

"سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ میں اسے اس کی اصلی شکل میں دیکھ سکوں۔"

"میک اپ میں بھی اسے نہیں پہچان سکتے۔" کرنل نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں.... میں ایک انہونی بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔"

"اسی لئے میں نے ضروری نہیں سمجھا کہ اس سلسلے میں قبل از وقت شور مچایا جائے اور ہم عموماً ضابطے کے اندر ہی رہ کر کسی قسم کی کاروائی کرتا ہوں۔ اگر وہ لڑکی میرے ہاتھ نہ آ گئی ہو تو میں اتنی جلدی نہ کرتا۔ فی الحال میں اس لڑکی کی شکایت پر بوڑھے سے پوچھ گچھ کیلئے جا رہا ہوں۔"

"صرف پوچھ گچھ....!" چانگ نے مایوسانہ انداز میں پوچھا۔

"پھر اور کیا.... ابھی اس سے زیادہ تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔"

"مگر آپ نے تو کہا تھا کہ میں یہ قصہ اسی وقت ختم کر دوں گا۔"

"ہو سکتا ہے ختم ہی ہو جائے۔"

اس پر میں خود بھی جھنجھلا گیا۔ پتہ نہیں چانگ کا کیا حال ہوا تھا۔ بس کرنل ایسے ہی مواقع پر لگتے ہیں جب ان کی طرف سے کسی بات کا کوئی صاف جواب نہیں ملتا۔

"اس سے پوچھ گچھ کرنے کے لئے میں ہی کافی تھا۔ آپ کیوں تکلیف کر رہے ہیں۔" میں نے کہا۔

لیکن کرنل نے جواب نہیں دیا۔ کار شہر سے نکل آئی تھی۔

"کیا وہ شہر میں نہیں رہتا۔" میں نے پوچھا۔

جواب نفی میں ملا۔ لیکن یہ نہیں بتایا کہ جانا کہاں ہے۔ ویسے سڑک تو وہی تھی جو جھریالی کی جاتی ہے۔ چانگ کبھی کبھی استفہامیہ نظروں سے میری طرف دیکھنے لگتا تھا۔ ہم دونوں نشست پر تھے اور کرنل ڈرائیو کر رہے تھے۔

میرا دل چاہا کہ قوالی شروع کر دوں مگر چونکہ کرنل کے ساتھ تھا اس لئے تیس مار خانی کے نہیں نصیب ہو سکتے تھے۔ تیس مار خانی مجھ سے عموماً اس وقت سرزد ہوتی ہے جب میں تنہا ہوں۔ اگر کوئی ٹوکنے والا سر پر موجود ہو تو عقل اپنی حدود سے باہر نہیں ہونے پاتی۔

کار ایک کچے راستے پر موڑ دی گئی۔ پتہ نہیں منزل کہاں تھی۔ میری دانست میں تو ادھر کسی عمارت ہو ہی نہیں سکتی تھی جہاں کوئی غیر ملکی شبہات سے بالاتر ہو کر قیام کر سکتا مگر پھر یاد آیا کہ جھریالی کے قرب و جوار میں چینی کے برتن بنانے کا بھی ایک کارخانہ ہے اور اس کے آس پاس تھوڑی سی آبادی بھی پائی جاتی ہے۔ وہ کارخانہ ایک غیر ملکی فرم کے تحت چل رہا تھا اس لئے اس کی نواحی بستی میں غیر ملکیوں کا قیام شبہے کی نظر سے نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ کار اسی بستی کی ایک چھوٹی سی عمارت کے سامنے روکی گئی۔ عمارت خوبصورت تھی اور پائیں باغ مختصر سا مگر سلیقے کا تھا۔ کرنل کار سے اتر کر سیدھے عمارت کی طرف بڑھتے چلے گئے میں اور چانگ بھی بڑھے۔ ویسے آپ یقین کیجئے کہ میں بڑی بے دلی سے جا رہا تھا۔ میں چونکہ اپنے کیس کے ڈرامائی اختتام کا عادی تھا اس لئے مجھے کوفت سی ہو رہی تھی اور سوچ رہا تھا کہ اگر وہی بوڑھا فونگ ثابت ہوا تو بات کیا بنے گی کرنل اسے اسی طرح گرفتار کر لیں گے جیسے مجرم عام طور پر گرفتار کر لئے جاتے ہیں۔ کرنل کے ساتھ کام کرنے کا لطف تو اسی میں تھا کہ کیس کے اختتام پر کسی چٹپٹے سے ناول کا مزہ آ جائے۔ وہ بڑے داؤ پیچ کے

ساتھ مجرموں پر ہاتھ ڈالتے تھے۔ اس انداز میں کہ مجرم بھی ہکا بکا رہ جاتے تھے۔

میرا دعویٰ ہے کہ ایسے مواقع پر اگر مجرموں کی ذہنی رو بہک جائے تو وہ خود بھی اسی انداز میں تالیاں بجانے لگیں جیسے کسی فلم میں چوٹی والے ہیرو کی اس وقت کی اچانک آمد پر تالیاں بجانے لگتے ہیں جب ولین ہیروئن پر دست درازیاں کر رہا ہو۔ مگر میں سوچ رہا تھا کہ مجھے شاید تالیاں بجانے کا موقع نہ مل سکے کیونکہ میں چانگ سے متفق تھا۔ میرا یہی خیال تھا کہ وہ یورو بوڑھا فونگ ہی ہوگا۔

کرنل برآمدے میں پہنچ کر کال بل کا بٹن دبا رہے تھے ہم بھی پہنچ گئے۔ لیکن دو منٹ جانے کے باوجود بھی دروازہ نہ کھلا۔

کرنل ہماری طرف مڑے۔ ان کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔

چانگ نے آہستہ سے کہا۔ "کرنل.... فونگ سے مقابلہ ہے۔ اگر وہ فونگ کا کوئی ساتھی ہوگا تب بھی آسانی سے آپ اس پر ہاتھ نہ ڈال سکیں گے۔"

کرنل نے اس کے اس خیال پر اپنی رائے نہیں ظاہر کی۔ وہ چند لمحے کچھ سوچتے رہے پھر بولے اندر کوئی نہ کوئی موجود ضرور ہے لیکن وہ یا تو بہرہ ہے یا سو رہا ہے یا مر گیا ہے کیونکہ دروازہ اندر ہی سے بند ہے۔

"ہو سکتا ہے عقبی دروازے میں قفل پڑا ہو۔" میں نے خیال ظاہر کیا۔

"چلو اسے بھی دیکھ لیتے ہیں۔ مگر نہیں.... ہم یہیں تمہارا انتظار کریں گے۔"

میں برآمدے سے نیچے اتر آیا اور عمارت کی پشت کی طرف چل پڑا۔ عمارت کو چھوڑ لیکن چہار دیواری کا پھیلاؤ پشت پر بہت زیادہ تھا اور یہاں مختلف قسم کی ترکاریوں کے چھوٹے کھیت تھے۔ انہیں کھیتوں کے درمیان مجھے ایک آدمی نظر آیا لیکن وہ آدمی ایسا تھا جیب میں پڑے ہوئے ریوالور پر میری گرفت مضبوط ہو گئی۔

غالباً آپ سمجھ گئے ہوں گے۔ سوفیا کے چچا کو پہلی ہی نظر میں پہچان لینا میرے لئے کام نہیں تھا۔ میں نے عمارت کی طرف دیکھا جس کا عقبی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ یہ بوڑھا غالباً سے کھیتوں کی طرف آیا تھا۔ میں اس کی جانب بڑھتا چلا گیا۔

"کیا بات ہے۔" اس نے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا۔

"اوہ میں گوبھی اور شلجم کے بیج فروخت کرتا ہوں مطلب یہ کہ ایک ایسی فرم آ ہوں جو گوبھی اور شلجم اور چقندر وغیرہ کے بیج فروخت کرتی ہے۔"

"کرتی ہوگی۔" اس نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

"میرا شوکیس برآمدے میں رکھا ہوا ہے ذرا اُدھر چلنے کی تکلیف گوارا فرمایئے۔"

"او تم دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" اس نے بندروں کی طرح دانت نکالے۔ "ورنہ میں ابھی اپنا خونخوار بلڈ ہاؤنڈ تم پر چھوڑ دوں گا۔"

پھر وہ بیٹھ گیا اور ایک کیاری کی مینڈ کاٹ کر اس کا زائد پانی دوسری کیاری میں منتقل کرنے لگا۔

میں نے کہا۔ "اگر تم سیدھی طرح نہیں چلو گے تو میں تمہیں زبردستی لے چلوں گا۔"

"اچھا....!" وہ سر اٹھا کر مجھے تیکھی نظروں سے دیکھنے لگا اس کے دونوں ہاتھ بدستور پانی میں تھے۔ دفعتاً میں بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔ کیونکہ غیر متوقع طور پر بہت سا کیچڑ میرے چہرے کی طرف اچھال دیا گیا تھا۔ مگر اب پیچھے ہٹنے سے کیا ہوتا تھا۔ کیچڑ تو پڑ ہی چکا تھا چہرے پر اور میری آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔ میں نے بیساختہ اس کے والدین کا شکریہ ادا کرنا شروع کر دیا اور پھر مجھے اس زور کا غصہ آیا کہ آنکھیں کھولے بغیر ہی اس پر چھلانگ لگا دی اور "چھپاک" کی آواز کے ساتھ ہی میرا غصہ حیرت انگیز طور پر خوش مزاجی میں تبدیل ہو گیا کیونکہ میں پانی سے بھری ہوئی کسی کیاری میں گرا تھا۔ پھر آپ جانتے ہی ہیں کہ کسی دلدل میں گر کر جلدی سے اٹھ بیٹھنا کتنا مشکل کام ہے۔ دانتوں پر بھی دلدل کا کچھ نہ کچھ اثر ہوتا ہی ہے۔ ورنہ میں کہتا کہ دانتوں پسینہ آجاتا ہے.... خیر ہاں.... آپ ہنس رہے ہوں گے۔ خدا کرے ہمیشہ اسی طرح ہنستے رہیں کیونکہ میرا غصہ بھی بالکل ہی کافور ہو گیا تھا۔

میں نے بدقت تمام آنکھیں کھولیں ان میں مرچیں سی بھر گئی تھیں۔ عمارت کا عقبی دروازہ بند نظر آیا۔ دروازہ بند ہونے کی آواز تو میں نے کیاری میں گرنے کے بعد ہی سنی تھی۔

تو گویا وہ بوڑھا اس وقت کسی پاگل اور جھکی آدمی کا رول ادا کر رہا تھا ورنہ اس طرح بھاگ کر دروازہ کیوں بند کر لیتا۔

میں وہیں کھڑا اپنے چہرے اور بالوں سے کیچڑ جھٹکتا رہا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کرنل اور چانگ کے سامنے کیسے جاؤں۔ یقین مانئے اس خیال پر سچ مچ مجھ پر بوکھلاہٹ طاری ہو گئی اور میں نے دوڑ کر دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی اندر سے بوڑھے کے قہقہے کی آوازیں آنے لگیں۔ بچوں کی طرح ہنس رہا تھا۔

"بھاگ جاؤ.... بھاگ جاؤ۔" اس نے کہا۔ "اب کبھی اپنی شکل نہ دکھانا۔ میں انشورنش

ایجنٹوں سے اسی طرح پیش آتا ہوں۔"

پھر وہ خاموش ہو کر بڑبڑایا۔ "اب اُدھر کون سور کا بچہ ہے۔"

میں نے گھنٹی بجنے کی بھی آواز سنی تھی۔ ممکن ہے کرنل نے اندر سے قہقہے کی آواز پھر گھنٹی کا بٹن دبادیا ہو۔ پھر میں نے قدموں کی آواز سنی۔ شائد وہ صدر دروازے کی طرف تھا۔ میں نے دروازے کی جھری سے جھانکا۔ میرا خیال غلط نہیں تھا وہ اسی جانب جارہا تھا۔ اسے ایک دروازہ میں داخل ہوتے دیکھا پھر وہ نظر نہیں آیا۔

میں سوچنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ چانگ مجھے اس حال میں دیکھ کر اپنی "ہو ہو" اسٹارٹ کر دیتا اور میرا یہی دل چاہتا کہ یا تو اُسے "ہو ہو" کے قابل ہی نہ رہنے دوں یا اپنا گھونٹ لوں۔ ویسے یہ دونوں ہی صورتیں ناممکن تھیں۔

اگر بوڑھے نے حقیقتاً مجھے کوئی انشورنش ایجنٹ ہی سمجھا تھا تو یقیناً وہ میری اصلیت سے ناواقف تھا۔ جب وہ میری اصلیت سے ہی ناواقف تھا تو اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ رات میک اپ میں ہونے کے باوجود بھی میں کیپٹن حمید ہی کی حیثیت سے نشانہ بنایا گیا تھا۔

مگر اس وقت یہ سب کچھ سوچنے کا موقع نہیں تھا۔ اندر سے پھر کسی قسم کی آواز نہیں آئی لیکن آنکھ میری بدستور جھری سے لگی رہی۔ شاید اسی حالت میں پانچ منٹ گذر گئے۔

اچانک میں نے کرنل کو دیکھا جو اندرونی برآمدے میں کھڑے چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔

لیکن میں انہیں آواز دینے سے پہلے ہی اچھل پڑا۔ کسی نے میری پشت پر ہاتھ مارا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں چانگ پر نظر پڑی جو حیرت سے آنکھیں پھاڑے مجھے گھور رہا تھا۔

"اوہ کیپٹن...." یک بیک اس کی "ہو ہو" چل پڑی۔

"یہی حشر تمہارا بھی ہو سکتا ہے مسٹر چانگ۔" میں دانت پیس کر بولا۔

"کیا ہوا کیا.... اسی سے جھگڑا ہوا تھا۔ اسے تو کرنل نے اس طرح پکڑ لیا جیسے کسی چڑ پکڑتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ مکان کی تلاشی لے رہے ہیں۔"

اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر دوسری طرف چلتے ہوئے کہا۔ "میں نے اس سے بھی بُرے دیکھے ہیں کیپٹن۔ اس طرح میری شکل بگڑی ہے کہ میں آئینہ دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا۔"

ہم صدر دروازے سے عمارت میں داخل ہوئے۔ بوڑھا اندرونی برآمدے کی ایک کرسی پر پڑا تھا اور اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیوں کا جوڑا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں تشو

انار نہیں تھے۔ اس کی بجائے ان سے تمسخر جھانک رہا تھا۔

کرنل سامنے ہی والے کمرے میں کاغذات کا ایک ڈھیر الٹ پلٹ رہے تھے۔

دفعتاً کرنل ہنسنے لگا۔ ہنسی بالکل مجنونوں کی سی تھی۔ پھر یک بیک اسے غصہ بھی آ گیا اور وہ دونوں ہاتھوں سے مکار دکھاتا ہوا بولا۔ "تم لوگ ڈاکو ہو۔ اس طرح مجھے بے بس کر کے لوٹنا چاہتے ہو۔ لیکن یہاں تمہیں کچھ بھی نہیں ملے گا۔ میں کبھی کیش نہیں رکھتا۔ ایک پائی بھی نہیں۔"

"میں تمہیں تمہاری گرفتاری اور مکان کی تلاشی کا وارنٹ دکھا چکا ہوں۔" کرنل نے سر اٹھائے بغیر کہا اور بدستور کاغذات کو الٹتے پلٹتے رہے۔

"یہ میک اپ میں ہے کیپٹن" چانگ آہستہ سے بولا۔ "اور خود کو پاگل ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کے چہرے سے میک اپ کی نقاب ہٹ جائے تو صاف گارساں کی شکل نکل آئے گی۔"

"گارساں کی۔"

"ہاں فونگ اور گارساں ہمشکل تھے۔"

"مگر اتنے خطرناک آدمی نے اتنی آسانی سے کیسے ہتھکڑیاں پہن لیں۔"

"مجھے خود بھی حیرت ہے کیپٹن۔" چانگ بولا۔ "ورنہ فونگ تو اپنے سائے سے بھی بھڑکنے والا آدمی ہے۔"

ہم دونوں آہستہ آہستہ گفتگو کر رہے تھے۔ بوڑھے نے صرف ایک ہی بار اچٹتی سی نظر ہم پر ڈالی تھی اور پھر اپنا سر سینے پر جھکا لیا تھا۔ میں سوچنے لگا کہ کہیں وہ سچ مچ کوئی مخبوط الحواس ہی نہ ہو۔ لیکن میں نے چانگ پر اپنا خیال ظاہر نہیں کیا۔

کرنل ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں جاتے رہے۔ انہوں نے میرا حلیہ دیکھا تھا۔ لیکن نہ انہوں نے مجھے ٹوکا تھا اور نہ اس پر حیرت ہی ظاہر کی تھی۔

چانگ نے کچھ دیر بعد کہا۔ "میرا خیال ہے کہ مجھے کرنل کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا۔"

"اوہ یہ فونگ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اگر فونگ ہوتا تو مر جاتا مگر اپنے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں نہ پڑنے دیتا۔ لیکن یہ اس کے گروہ کا کوئی اہم آدمی ضرور ہے ویسے میرا دعویٰ ہے کہ یہ میک اپ میں ہے.... اس کے بال.... اس کی ڈاڑھی سب نقلی ہیں۔ میں تو کہوں گا کہ کوئی اقدام کرنے سے پہلے اسے بھی کیوں نہ آزما لیا جائے۔ کہیں.... ایسا نہ ہو کہ...!"

"ٹھہرو...!" میں نے کہا اور آگے بڑھ گیا.... دوسرے ہی لمحے میں میرا ہاتھ بوڑھے کے سر پر پڑا۔ الجھے ہوئے بے ترتیب بال نقلی ہی ثابت ہوئے۔ اس کا سر انڈے کے چھلکے کی

طرح صاف تھا۔ پھر ڈاڑھی کی باری آئی اور وہ بھی نقلی ہی نکلی۔ بھلا میں مونچھیں اکھاڑنے میں کیوں دیر لگاتا۔ بوڑھا خاموشی سے بیٹھا رہا۔ جب میں اپنے کام سے فراغت حاصل کر چکا تو بوڑھا مسکرا کر بولا۔ "اب تم پوچھو گے کہ میں میک اپ میں کیوں رہتا تھا.... اس کا جواب یہ ہے کہ مجھے اپنا گنجا سر اچھا نہیں لگتا اور میں چاہتا ہوں کہ میرے چہرے پر خوبصورت قسم کی ڈاڑھی بھی ہو لیکن میری اصلی ڈاڑھی کسی کام کی نہیں تھی۔ دو چار بال یہاں اور دو چار بال وہاں۔"

مزا آگیا

ہماری کار شہر کی طرف واپس جا رہی تھی۔ بوڑھا میرے اور چانگ کے درمیان پھنسا ہوا تھا اور کرنل ڈرائیو کر رہے تھے۔

مجھے بوڑھے پر حیرت تھی اس نے ہمارے ساتھ آنے میں ذرہ برابر بھی ہچکچاہٹ ظاہر نہیں کی تھی۔ لیکن اس کی بڑبڑاہٹ برابر جاری ہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ہم لوگ ضرور کوئی ٹھگ ہیں اور اس فکر میں ہیں کہ اس سے کوئی بڑی رقم اینٹھی جائے۔

"بس اب خاموش رہو۔" میں نے اس کی بڑبڑاہٹ سے اکتا کر کہا۔ "سوفیا تمہیں عدالت میں شناخت کرے گی۔"

"کون سوفیا۔"

"تمہاری بھتیجی جسے تم یورپ کی سیر کرا رہے تھے۔" میں نے کہا اور بوڑھا ہذیانی شکل میں ہنسنے لگا۔

"اگر میری کوئی بھتیجی مجھے شناخت کرلے تو مجھے پھانسی پر لٹکا دینا۔ مجھے کوئی اعتراض ہوگا۔" بوڑھے نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"تم سے زبردست غلطی ہوئی ہے حمید۔" کرنل نے کہا۔ "اسے میک اپ ہی میں رہنا ہوتا۔ میرا دعویٰ ہے کہ اب لڑکی کے فرشتے بھی اسے شناخت نہ کر سکیں گے۔"

چانگ کے منہ سے ایک تحیر زدہ سی آواز نکلی اور بوڑھا ہنسنے لگا۔

"اوہو.... میک اپ تو دوبارہ بھی کیا جا سکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"ہرگز نہیں.... تم میں سے کوئی بھی اس کی ہمت نہیں کر سکتا۔" بوڑھا غرایا۔ "اگر ایسا

ی تو میرے کارخانے کے لوگ مجھے اس صورت میں شناخت نہ کر سکیں گے اور یہ ہو نہیں سکتا میرے کارخانے والوں سے شہادت نہ طلب کی جائے۔"

"چانگ تم نے بھی حمید کو نہ روکا۔" کرنل کے لہجے میں مایوسی تھی۔

"میں کیا کرتا کرنل۔ یہ بہت جلد باز آدمی ہیں۔" چانگ نے جواب دیا۔

مجھے چانگ کے ریمارک پر اتنا غصہ آیا کہ میں نے اسی کے سے انداز میں "ہو ہو" شروع ردی۔

ہم گھر واپس آئے۔ نیلم نے اطلاع دی کہ لڑکی اس وقت اس طرح بے خبر سو رہی ہے جیسے س نے ہزاروں راتیں جاگ کر گذاری ہوں۔

ہم پھر لائبریری میں آ بیٹھے۔ بوڑھا ہمارے ساتھ تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں اب بھی ہتھکڑیاں لگی ہوئی تھیں۔ لائبریری میں آنے سے پہلے کرنل نے اپنی خواب گاہ میں جا کر کسی کو فون کیا تھا۔

"اب بولو۔" کرنل نے بوڑھے کو گھورتے ہوئے کہا۔ "فونگ کہاں ہے۔"

"فونگ.... بوڑھے نے اتنی حیرت ظاہر کی جیسے کرنل نے اس سے اظہار عشق کر دیا ہو۔"

"تم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ تم تے ری فونگ کے ساتھیوں میں سے نہیں ہو۔"

"میں کسی تے ری فونگ کو نہیں جانتا۔" بوڑھے نے اس انداز میں کہا جیسے اپنے نجیب الطرفین ہونے کا یقین دلا رہا ہو۔

"تم ابھی اعتراف کرلو گے۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ میں ایسی اذیتیں بھی دینا جانتا ہوں جو آدمی کو سب کچھ اگل دینے پر مجبور کر دیتی ہیں۔"

"تم غیر قانونی طور پر مجھے محبوس نہیں رکھ سکتے۔" بوڑھا غرایا۔

اتنے میں لائبریری والے فون کی گھنٹی بجی۔ کرنل نے اٹھ کر کال ریسیو کی۔ لیکن میں نے ان کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار دیکھے۔ چانگ بھی بہت غور سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

انہوں نے ایک جھٹکے کے ساتھ ریسیور رکھ کر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "حمید میرے ساتھ آؤ۔"

میں بوکھلا گیا۔ میں نے کرنل کے چہرے پر اتنی سراسیمگی کے آثار کبھی نہیں دیکھے تھے۔ وہ دروازے میں رک کر مڑے اور چانگ سے بولے۔ "میری واپسی میں بیس منٹ سے زیادہ نہیں صرف ہوں گے۔ اس کا خیال رکھنا کہ یہ نکل کر جانے نہ پائے۔ ورنہ میں پھر تمہارے لئے کچھ نہ

کر سکوں گا۔"

"اس کے فرشتے بھی یہاں سے نہ جا سکیں گے۔" چانگ نے کہا۔ "مگر بات کیا ہے۔"

"اوہ ایک نہایت اہم معاملہ۔ لیکن یہ نجی ہے۔" کرنل نے کہا اور آگے بڑھ گئے۔ میرے پیر من من بھر کے ہو رہے تھے۔ کیونکہ میں ابھی تک کیچڑ ہی میں لپٹا ہوا تھا۔ نوکر دیکھ کر ہنسے تھے۔ نیلم نے مضحکہ اڑایا تھا۔ لیکن مجھے غسل خانے کی بجائے لائبریری ہی کی طرف جانا پڑا تھا۔ کرنل کا حکم.... اور نہ جانے اب کرنل ہی کا حکم مجھے کس پر رونق بازار میں تماشا بنا جا رہا تھا۔

"او سرکار۔" میں نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "یوں نہیں.... میرے گلے میں رسی ڈالئے اپنے ہاتھ میں ڈگڈگی لیجئے تب مزا آئے گا۔"

انہوں نے پلٹ کر میرا ہاتھ پکڑا اور کھینچنے لگے۔

"چل تو رہا ہوں۔" میں نے بے بسی سے کہا۔

وہ مجھے اسی طرح گھسیٹتے ہوئے عمارت کے ایک دور افتادہ کمرے میں لائے۔ یہاں کرنل زمانے میں مختلف قسم کے ساز بجانے کی مشق کیا کرتے تھے۔

"بیٹھ جاؤ۔" انہوں نے مجھے ایک کرسی پر دھکیلتے ہوئے کہا۔ "اب بتاؤ کہ تم بھوت کیسے گئے تھے۔"

"پہلے آپ بتایئے کہ جانا کہاں تھا۔"

"کہیں نہیں.... میں تو تمہیں یہاں اس لئے لایا ہوں کہ میں ستار بجاؤں گا اور تم کلیان الاپو گے۔"

"الاپنے کو تو میں شیام دلاری اور رام پیاری بھی الاپ سکتا ہوں مگر اب الو بننے کی سکت میں نہیں رہ گئی۔ آخر آپ نے فون پر کس سے گفتگو کی تھی۔"

"ارے وہ.... وہ تو ایک جنرل مرچنٹ کی کال تھی جس نے مجھے بتایا تھا کہ سیون او کلاک کے بلیڈ بھی بازار سے غائب ہو گئے اب میں سوچ رہا ہوں کہ کون سے بلیڈ استعمال کروں۔"

"بہتر ہے" میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "اٹھایئے ستار! میں اسٹارٹ لیتا ہوں۔"

کرنل نے سچ مچ ستار اٹھا لیا اور میں عظیم پریم راگی کی سی دردناک آواز میں الاپنے لگا۔

"کیسے نہ آئی بے جیا لگن ہوبے کریئے"

قوالوں میں عظیم پریم راگی کے علاوہ مجھے آج تک کوئی پسند نہیں آیا۔ یہ میں نہایت سنجیدگی

سے کہہ رہا ہوں۔ وہ ایک سچا آرٹسٹ ہے۔ اور مستقبل میں صرف "عظیم آرٹ" ہی زندہ رہے گا۔ مگر معاف کیجئے گا میں اب قوالوں اور قوالیوں کا تذکرہ نہیں چھیڑوں گا۔ ورنہ پھر سسپنس کا خون ہو جائے گا۔ آپ خود ہی سوچئے اس سے بڑا سسپنس اور کیا ہو گا کہ کرنل ایک مجرم کو لائبریری میں چھوڑ کر اتنی بدحواسی سے بھاگے تھے جیسے فون پر کسی عزیز کی موت کی اطلاع ملی ہو.... لیکن.... اب وہ یہاں بیٹھے ستار بجا رہے تھے اور میں قوالی الاپ رہا تھا۔

آخر پھر مجھ پر جھلاہٹ کا دورہ پڑا اور میں خاموش ہو گیا۔ ستار کے تاروں پر کرنل کی انگلیاں دوڑتی رہیں۔ اب انہوں نے ایک گت شروع کر دی تھی۔ میرے خدا یہ کرنل آخر کس قسم کا آدمی تھا.... کتنا شاندار.... کتنا عجیب.... کتنا لاپرواہ.... اور کتنا پراسرار....

میرا غصہ ذرا ہی سی دیر میں غائب ہو گیا اور میں ستار کی لے پر اس طرح ڈوبتا چلا گیا کہ سارا سسپنس ذہن کے کسی تاریک گوشے میں جا سویا۔

پھر اچانک گھنٹی کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ ادھر کرنل نے بھی ستار رکھ کر ایک طویل انگڑائی لی۔ سامنے والی دیوار پر لگی ہوئی گھنٹی پھر گنگنائی۔

"چوہا پھنس گیا حمید صاحب۔" کرنل اٹھ گئے۔ "آؤ.... اب چوہا ہمیں بھروین سنائے گا۔"

"اور میں کتے کے پلے کی طرح ٹیاؤں ٹیاؤں کروں گا۔" مجھے پھر غصہ آ گیا۔

ہم دونوں تیزی سے لائبریری کی طرف جا رہے تھے۔ چانگ ہمیں دیکھ کر عجیب انداز میں ہنسا جو "ہو ہو" سے بہت مختلف تھا۔ وہ میز کے قریب کھڑا نظر آ رہا تھا۔

"او بھائی کرنل۔" اس نے کہا۔ "یہ تمہارا گھر ہے یا عجائب خانہ.... میں یہاں میز پر ہاتھ رکھ کر اٹھا تھا کہ میرا ہاتھ ہی پھنس گیا۔"

اب میں نے غور سے دیکھا تو چانگ کے داہنے ہاتھ میں ہتھکڑی نظر آئی۔

"اوہ.... اچھا....!" کرنل مسکرائے۔ "بھئی چانگ اس میز کی دراز میں گارساں کے کاغذات تھے۔ لہٰذا اس میں سے ہتھکڑیاں بھی نکل سکتی ہیں۔ خود ہی دیکھو تم نے تار کے ٹکڑے کی مدد سے اس کا قفل کھولنے کی کوشش کی تھی حالانکہ یہ قفل اس کا عادی نہیں ہے۔ اگر اس کے ساتھ ذرا بھی بدتمیزی ہو تو یہ اسی طرح یا تو ہتھکڑی اگل دیتا ہے یا خنجر۔ شکر ہے کہ تم خنجر سے محفوظ رہے ورنہ وہ تمہارے سینے میں پیوست ہو جاتا اور میں تم سے یہ نہ پوچھ سکتا کہ پیارے مسٹر تے ری فونگ تمہارے لئے کافی منگواؤں یا چائے۔"

"تے ری فونگ....!" میں بیساختہ اچھل پڑا۔

بوڑھا بھی چانگ کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔

"کھٹاک۔"

میں چیخ پڑا۔ کرنل زمین پر بیٹھ گئے اور چاقو سامنے والے بند دروازے میں پیوست ہو گیا۔ چانگ کا بایاں ہاتھ آزاد تھا۔ اس نے جیب سے چاقو نکال کر بڑی پھرتی سے کرنل کا نشانہ بنالیا تھا۔

کرنل نے قہقہہ لگایا۔ اور بڑے اچھے موڈ میں بولے۔ "اسی جیب میں ریوالور بھی موجود ہے چانگ اب اسے آزماؤ۔"

چانگ نے ذرہ برابر بھی سستی نہیں دکھلائی۔ ریوالور بھی نکل آیا۔ مگر چٹ چٹ کر کے رہ گیا اور پھر چانگ نے جھلاہٹ میں وہ بھی کرنل پر کھینچ مارا۔ ظاہر ہے کہ اس کا بھی وہی انجام ہوا تھا جو چاقو کا ہوا تھا۔

"اب دیکھو نا مسٹر تے ری فونگ" کرنل چینیوں ہی کے سے انداز میں بولے۔ تم بھی گارساں ہی کی طرح مشہور تھے۔ مگر تمہیں اس کا ہوش نہیں کہ میں نے کب تمہاری جیب سے ریوالور نکالا اور اسے خالی کر کے دوبارہ رکھ بھی دیا۔ مجھ تک آنے سے پہلے تمہیں گارساں کے انجام پر بھی نظر ڈالنی چاہئے تھی۔ کیا وہ تمہارا استاد نہیں تھا۔ لیکن جب اس کے پر نکلے تھے تو اس نے میرے ہی ملک کا رخ کیا تھا۔ خیر گارساں تو یقیناً بہت چالاک تھا مگر تم.... تم سے بڑا ڈفر آج تک میری نظروں سے نہیں گذرا۔ اس پر تم نے کیسے یقین کر لیا تھا کہ میں نے تمہیں کاؤپی چانگ ہی سمجھ لیا ہے۔ کاؤپی چانگ جو میری تحقیقات کے مطابق اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ تم سے کہیں زیادہ چالاک تھا۔ وہ میک اپ میں کبھی اس طرح نہ ہنستا جس طرح تم ہنستے ہو۔ تم نے چانگ کی ہنسی کی نقل اتارنے کی کوشش ضرور کی ہے مگر اس نکتے کو ہمیشہ بھول جاتے ہو کہ میک اپ میں ہنسنے کے اس مخصوص انداز سے اجتناب کرنا چاہئے۔ پھر دوسری بات تم نے یہ کیسے یقین کر لیا کہ چانگ کے بارے میں میرا ابھی وہی نظریہ ہے جس کا عام طور پر فارموسا کی حکومت پروپیگنڈا کرتی ہے۔ کیا تم اتنی عقل نہیں رکھتے کہ اس پروپیگنڈے کا مقصد سمجھ سکو۔ کاؤپی چانگ چین کا بہترین دماغ تھا۔ اس سے سرخ چین کی حکومت کو خدشہ ہو سکتا ہے لہٰذا فارموسا کی حکومت سرخ چین کو اس خلش میں مبتلا رکھنا چاہتی ہے کہ چانگ زندہ ہے اور وہ ایک نہ ایک دن اس کا تختہ ضرور الٹ دے گا۔ بس اتنی سی کہانی ہے اس پروپیگنڈے کی جو فارموسا سے سرکاری طور پر کیا جا رہا ہے۔ آئے دن وہاں کا ریڈیو اسٹیشن چیختا رہتا ہے کہ چانگ زندہ ہے اور عنقریب وہ قوم پرستوں کا ہیرو

بن جائے گا۔ بس اسی لئے تم اپنی نقلی پیٹ کی کہانی لے کر میرے پاس دوڑے آئے۔ آستینیں نکال کر دکھائیں تاکہ میں یقین کر لوں کہ تم کس طرح اپنے دشمنوں کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گئے تھے اور حقیقتاً زندہ ہو.... اور تمہاری اس اچھل کود کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح گارساں کے کاغذات تمہارے ہاتھ لگ جائیں۔ ریکارڈ روم میں گھسنے کی ہمت تم میں نہیں تھی لہٰذا تم نے اپنی ذہانت پر اعتماد کر کے مجھے اُلو بنانے کی اسکیم بناڈالی۔ اپنے ماتحتوں کے ذریعے ایک ڈراما اسٹیج کرایا اور مجھے یقین دلاتے رہے کہ وہ تے ری فونگ کے آدمی ہیں۔ تے ری فونگ کو بے حد پراسرار آدمی بنا کر پیش کیا اور پھر یہ تجویز میرے سامنے رکھی کہ وہ کاغذات نکالے جائیں جو گارساں کی گرفتاری کے بعد اس کے پاس سے برآمد ہوئے تھے۔ تم نے خیال ظاہر کیا تھا ممکن ہے انہیں کاغذات سے کوئی ایسی بات معلوم ہو سکے جس سے تے ری فونگ کے متعلق کچھ معلوم ہو جائے۔ میں جو تمہیں ایک چوہے کی طرح پکڑنے کا تہیہ کر چکا تھا اس پر آمادہ ہو گیا اور پھر مجھے یہاں لائبریری میں یہ میز رکھوانی پڑی۔ ورنہ تمہارے ہی قول کے مطابق یہ میرے عجائب خانے ہی میں پڑی رہتی ہے۔"

"بس ختم کرو یہ مذاق" چانگ نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر مسکرانے کی کوشش کی۔

"مگر تمہارے مذاق نے تو مجھے ہی ختم کر دیا ہوتا۔ یہ چاقو.... وہ ریوالور.... یہ ریوالور تو دراصل اس بوڑھے کے لئے تھا اگر تمہیں موقع مل جاتا تو میرا اعتماد حاصل کرنے کے لئے تم اسے ختم ہی کر دیتے۔ مجھے یقین ہے کہ اس بوڑھے یا تمہارے دوسرے ساتھیوں نے آج تک تمہاری شکل نہ دیکھی ہو گی۔ تم نے سوچا تھا کہ اگر یہ سب گرفتار ہو گئے تب بھی تمہارا کچھ نہ بگڑے گا۔ یہ تمہاری نشاندہی نہیں کر سکیں گے۔ مگر اس لڑکی کی کہانی مجھے ضرور سناؤ۔ تم نے حقیقتاً ان کاغذات کے لئے بہت بکھیڑا کیا تھا۔ ایک ایسی لڑکی کی کہانی یقیناً میرا ذہن الجھا سکتی تھی اور میں تمہارے شبہے کی بناء پر گارساں کے کاغذات ریکارڈ روم سے نکال سکتا تھا۔ مگر تمہاری ہنسی.... سچ پوچھو تو.... تم ہنسی کی وجہ سے مارے گئے۔ ورنہ ہو سکتا تھا کہ تم مجھے فریب دینے میں کامیاب ہی ہو جاتے۔ کیونکہ تمہارا میک اپ بڑا شاندار تھا اور اس معاملے میں تم یقیناً گارساں سے ٹکر لیتے ہو.... آہاں ان کاغذات کو تو میں بھول ہی گیا۔ حمید! ذرا ان کی پشت کھولو۔ بس کوٹ اور قمیض اوپر اٹھا دو۔"

"خبردار.... اگر کوئی میرے قریب آیا۔" فونگ دھاڑا اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔ اس نے پھر گرج کر کہا۔ "ابھی میرا ایک ہاتھ اور دونوں پیر آزاد ہیں اور میں تے ری فونگ ہوں.... فونگ دی گریٹ۔" پھر اس نے اپنی زبان میں کچھ کہا۔ یقیناً یہ "منم" قسم کا کوئی نعرہ ہی تھا۔

"میں تمہارے قریب آؤں گا۔" کرنل مسکرائے۔ "اور اسی بات پر تمہیں آزاد بھی کر دوں گا تاکہ تمہیں اپنے کمالات دکھانے کا موقع مل سکے۔"

کرنل آگے بڑھے اور فونگ نے میز پر بایاں ہاتھ ٹیک دولتی چلائی۔ لیکن میں نہیں دیکھ سکا کہ کرنل نے کیا کیا۔ ویسے یہ تو دیکھ ہی رہا تھا کہ دوسرے ہی لمحے میں میز دوسری طرف گر گئی اور خود فونگ اسی پر ڈھیر ہو گیا۔ کرنل نے اسے دبوچ کر میز کی دراز کا ہینڈل گھمایا اور اس کا داہنا ہاتھ ہتھکڑی کی گرفت سے آزاد ہو گیا۔

"اب آؤ" کرنل اسے چھوڑ کر ہٹتے ہوئے بولے۔ مگر فونگ اٹھ نہ سکا۔ گرتے وقت پتہ نہیں کہاں چوٹ آئی تھی جس نے اسے نڈھال کر دیا تھا اور وہ شائد اسی کی بناء پر آنکھیں کھولنے میں بھی دشواری محسوس کر رہا تھا اور اس کا سارا جسم کسی چوٹ کھائے ہوئے مینڈک کی طرح کانپنے لگا تھا۔

کرنل نے اس کی پشت سے لباس ہٹایا اور آہستہ سے بولے۔ "یہ بلاشبہ فونگ ہے۔ یہ نشان دیکھو۔"

فونگ بیہوش ہو چکا تھا۔ میں نے اس کی پشت پر سرخ رنگ کا ایک نشان دیکھا جو چھپکلی سے مشابہ تھا اور یہ نشان پیدائشی معلوم ہوتا تھا۔

"ان کاغذات کو یہ اسی لئے حاصل کرنا چاہتا تھا کہ ان میں اس چھپکلی کے نشان کا تذکرہ ملتا ہے۔ گارساں کے ساتھیوں میں اس کے کچھ ایسے معتمد بھی تھے جنہوں نے گارساں اور فونگ دونوں ہی کو دیکھا تھا۔ لیکن دونوں کی شکلیں یکساں ہونے کی بناء پر انہیں بھی دھوکہ ہو جاتا تھا۔ اس لئے یہ چھپکلی ان دونوں کے درمیان امتیازی نشان قرار پائی تھی۔ مگر یہ کاغذات اس بات کی وضاحت نہیں کرتے کہ چھپکلی کا نشان رکھنے والا فونگ کہلاتا ہے۔ بس اس کا تذکرہ چھپکلی والا لکھ کر کیا گیا ہے۔ یا پھر بعض جگہ یہ لکھا گیا ہے کہ وہ جس کی پشت پر چھپکلی کا نشان ہے۔ تمہیں یہ بھی یاد ہو گا کہ گارساں کا کیس ختم ہونے کے بعد اخبارات میں ان کاغذات کے خوب خوب تذکرے

ئے تھے اور لکھا گیا تھا کہ گارساں کے جتنے بھی ساتھی گرفتار ہوئے ہیں ان میں کوئی ایسا آدمی ں مل سکا جس کی پشت پر چھپکلی کا نشان ہوتا۔ بہرحال اس کے سر پر چھپکلی ہی سوار تھی کہ یہ اس ے لئے یہاں دوڑا آیا۔"

"تو یہ دوہرا میک اپ کرتا تھا۔" میں نے پوچھا۔

ہاں قطعی دوہرا.... اصلی چہرے پر چانگ کا پلاسٹک میک اپ ہے اور اس میک اپ پر یہ ہرے معمولی قسم کے میک اپ کرتا رہتا تھا۔

چلئے کہانی بھی ختم ہو گئی۔ جناب اب بقیہ نتائج آپ خود اخذ کر لیجئے۔ ذرا سوچئے تو کہ فونگ ھے کس طرح گھستا رہا تھا اور خود کس طرح گھسا گیا تھا۔ گویا کرنل نے اس دن تہیہ کر لیا تھا کہ گ کو پکڑ ہی لیں گے ورنہ اس مہم پر روانگی سے پہلے اسی کے سامنے وہ کاغذات اس میز کی دراز ں کیوں رکھتے جس میں آٹو میٹک ہتھکڑی موجود تھی۔ گویا انہیں پہلے ہی سے علم تھا کہ اس دوجہد کا نقشہ کیا ہو گا۔ یعنی اُنہیں معلوم تھا کہ وہ بوڑھے کو پکڑ کر لے ہی آئیں گے اور پھر گ کو موقع دیں گے کہ وہ کاغذات چرانے کی کوشش کرے۔

آٹو میٹک ہتھکڑی کا سلسلہ اس گھنٹی سے ملایا گیا تھا جو اس کمرے میں لگی ہوئی تھی جہاں ہم دونوں نے گایا بجایا تھا۔

کیا اب یہ بھی بتانے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے کہ بانسوں کے لدے ہوئے اس ٹرک پر رنل ہی کے آدمی تھے۔ جس نے جھریالی تک میرا اور سوفیا کا تعاقب کیا تھا۔ وہ لوگ یہ دیکھنے کے لئے پیچھے گئے تھے کہ ہمارا تعاقب کیا جاتا ہے یا نہیں۔ یہاں بھی فونگ سے غلطی ہوئی تھی۔ فونگ کو ہمارا تعاقب ضرور کرانا چاہئے تھا.... کرنل اسی سے اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ سوفیا کا اغواء عین فونگ کی مرضی کے مطابق ہوا تھا.... اور وہ خاص طور سے ہمارے سر منڈھی گئی تھی۔

اب میں آپ کو ہرگز نہیں بتاؤں گا کہ فونگ کا کیا حشر ہوا.... اور وہ کس ملک کے لئے کام کر رہا تھا۔ کیوں کہ یہ ملک کے راز ہیں۔

رہا سوفیا کا معاملہ تو اسے اس کے وطن بھجوا دیا گیا اور اسے اصل معاملے کا علم ہی نہ ہو سکا۔

بوڑھے نے اقبال جرم کر لیا تھا۔ سوفیا کو اسی نے ورغلایا تھا ورنہ وہ حقیقتاً معصوم تھی۔

فونگ کے ساتھی تعداد میں دس گیارہ تھے۔ لیکن انہیں فونگ کی شخصیت کا علم نہیں تھا۔

ان لوگوں کو ان کے ملک کی حکومت کی طرف سے ہدایت ملی تھی کہ وہ فونگ نامی ایک شخص کے احکامات کی تعمیل کریں جو ان کے سامنے نہیں آئے گا۔ بلکہ پس پردہ ان پر کنٹرول کرے گا۔

"اچھا جناب اب اجازت دیجئے۔ لیکن خدارا میری یہ کہانی زیادہ پسند نہ کیجئے گا ورنہ مجھے بھی شاعروں ہی کی طرح "واہ واہ" کی چاٹ پڑ جائے گی اور میں اپنے دھندے سے بھی جاؤں گا۔"

"اس کہانی سے دو نصیحتیں حاصل ہوتی ہیں اول تو یہ کہ آنکھیں بند کر کے کسی کے پیچھے مت چلو۔ ورنہ کوئی فونگ تمہیں اُلو بنا کر رکھ دے گا.... دوسری نصیحت یہ کہ خوبصورت لڑکیوں کے چکر میں ضرور پڑو کیونکہ دھکے کھائے بغیر آدمی دنیا کے سرد و گرم سے آشنا نہیں ہو سکتا۔"

تمام شد

ابنِ صفی

جلد نمبر
22

جاسوسی دنیا

70- جاپان کا فتنہ

71- دشمنوں کا شہر



پیش رس

''جاپان کا فتنہ'' اور ''دشمنوں کا شہر'' میں پُراسرار مجرم ''ٹویوڈا'' سے ملئے۔ وہ ایک دلیر مجرم تھا۔ قانون کو چیلنج کر کے خود کو خطرے میں ڈالنا اور پھر اپنی بے پناہ صلاحیتوں کو برائے کار لا کر ان خطرات سے نکل جانا اس کی تفریح تھی۔ وہ حقیقتاً عجیب تھا۔

''دشمنوں کا شہر'' میں وہ کٹی پرکنس کو ایک تحفہ بھیجتا ہے اور وہیں سے کہانی کی داغ بیل پڑ جاتی ہے۔ پھر وہ فریدی کو چیلنج کرتا ہے۔ اپنی دانست میں وہ فریدی کو ذلیل کر رہا تھا۔ اس نے فریدی کو اطلاع دی تھی کہ وہ اُسے اسی طرح ذلیل کرتا رہے گا اور بالآخر ایک دن کسی

بے بس جانور کی طرح مار ڈالے گا لیکن آپ اس منظر کو کیا کہیں گے، جب فریدی ایک معمولی سے آدمی کے ہاتھوں ٹویوڈا کی مرمت کرا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ وہ ان لوگوں کو ہاتھ لگانا بھی پسند نہیں کرتا جو اُسے ''حقیر'' سمجھتے ہیں۔ یورپ کا ہوّا ٹویوڈا بڑی بے بسی سے پٹ رہا تھا اور فریدی قریب کھڑا ہنس رہا تھا۔ مگر اس دلخوش منظر کے لئے اسے بڑے پاپڑ بیلنے پڑے۔

قاسم سے بھی اس کہانی میں ملئے۔ وہ اپنی تمام تر حماقتوں سمیت آپ کو ایک ایسی لڑکی کے چکر میں نظر آئے گا جو اس کی تصویر دیکھ کر بُری طرح عاشق ہوگئی تھی۔ حمید قاسم کے سیکریٹری کے فرائض انجام دیتا ہے لیکن قاسم کو کبھی نہ معلوم ہو سکا کہ وہ کون تھا جس نے اُسے ایک بڑی تباہی سے بچا لیا تھا۔

آپ کو ایک بُرا آدمی ملے گا جو اچھا بننے کی کوشش کر رہا تھا۔ آپ دیکھیں گے کہ ایسے آدمیوں کی راہ میں کیسی دشواریاں آ کھڑی ہوتی ہیں لیکن وہ لوگ جو جدوجہد کرتے رہنے کے عادی ہیں پیچھے نہیں ہٹتے..... پیچھے ہٹنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، جو آدمی سمندر کا سینہ چیر سکتا ہے پہاڑوں کے دل ہلا سکتا ہے.....طوفان سے ٹکرا سکتا ہے کیا وہ اپنی کمزوریوں سے نہیں لڑ سکتا۔ کیا وہ

اپنی خواہشات کا گلا نہیں گھونٹ سکتا۔ اگر اسے اپنی لامحدود قوتوں کا احساس ہوجائے تو وہ سب کچھ کرسکتا ہے۔ نادر ایک ایسا ہی کردار ہے۔ وہ بڑی پامردی سے حالات کا مقابلہ کرسکتا ہے اور بالآخر فتح اسی کی ہوتی ہے۔

ابنِ صفی

۱۶/دسمبر ۱۹۵۷

اُلو یا گدھا

کٹی نے بار میں داخل ہوکر ایک بھاری جبڑے والے آدمی کے شانے پر ہاتھ مارا اور وہ کسی بھیڑیئے کی طرح غرا کر پلٹا مگر آن واحد میں اس کی جھلاہٹ غائب ہوگئی یہ اور بات ہے کہ کٹی اب بھی غصے میں بھری رہی ہو۔

"آج تو ہوا ہے لڑ رہی ہو، بیٹھو۔ یہ اسکاچ بڑی نفیس ہے۔"

"کارٹر کہاں ہے۔" کٹی نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔

بھاری جبڑے والے نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور کرسی کی پشت سے ٹک گیا کٹی اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتی ہوئی بولی۔ "مجھے شبہ ہے کہ تم نے اُسے قتل کردیا ہے۔"

"اوہ... کیا بکواس ہے۔ آہستہ بولو۔" بھاری جبڑے والا میز پر جھک کر ادھر اُدھر دیکھتا ہوا بولا۔

"میں شہر کی لڑکیوں میں چیختی پھروں گی کہ تم کارٹر کے قاتل ہو۔"

"اُو لڑکی ہوش میں آ..... کارٹر میرا بہترین دوست ہے۔"

"دشمن آسمان سے نہیں ٹپکا کرتے اور نہ کسی دوسری دنیا کی مٹی سے بنائے جاتے ہیں۔"

"تم بہت زیادہ پڑھی لکھی ہو گئی اس لئے زیادہ سوچتی ہو اور جو لوگ زیادہ سوچتے ہیں وہ عموماً چھوٹی ہی سی عمر میں سٹھیا جاتے ہیں۔"

"مجھے بتاؤ کارٹر کہاں ہے ورنہ میں پولیس کو اطلاع دے دوں گی۔"

"شوق سے دے دو۔" بھاری جبڑے والے نے کہا۔ "کارٹر جہنم میں ہے اور اس وقت وہ بھی اسکاچ ہی پی رہا ہوگا۔ تم میرا موڈ خراب نہ کرو۔ یہاں سے دفع ہو جاؤ۔"

"ٹونی میں تمہیں دیکھ لوں گی۔ اگر تم نے اُسے قتل کر دیا ہوگا۔"

"اچھا یہ تو بتاؤ کہ میں اُسے قتل کیوں کرنے لگا۔"

"تم تفریحاً قتل کرتے ہو۔ تم یہ نہیں دیکھتے کہ کون تمہارا کتنا گہرا دوست ہے۔"

"میں تفریحاً قتل کرتا ہوں۔" ٹونی مسکرایا۔ "لیکن اس کے باوجود بھی تم مجھے اتنی دیر سے گالیاں دے رہی ہو۔"

"میں جانتی ہوں تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

"آہا..... تمہارے ہاتھی جیسے عاشق کو قتل کر سکتا ہوں لیکن تم جیسی چوہیوں کو اپنے کان کترنے کی اجازت دے دوں گا۔ شائد تم نے بہت زیادہ پی لی ہے یا پھر تمہیں کئی دن سے نصیب ہی نہیں ہوئی۔"

یک بیک کٹی کے چہرے پر بہت زیادہ پریشانی کے آثار نظر آنے لگے اور اس نے رو دینے والی آواز میں کہا۔ "خدا کے لئے مجھے پریشان نہ کرو۔ بتا دو۔"

"لڑکی..... میں بڑی سے بڑی قسم کھا سکتا ہوں کہ مجھے علم نہیں۔ پچھلے ہفتے سے وہ نہیں دکھائی دیا۔"

"پھر بتاؤ۔ میں کیا کروں! اُسے کہاں سے ڈھونڈوں۔"

"کب سے نہیں ملا۔"

"پرسوں سے۔"

"بس! واقعی تم پاگل ہو گئی ہو۔ ہم جیسے لوگ مہینوں کے لئے بھی غائب ہو سکتے ہیں۔ ابھی پچھلے ہی سال کی بات ہے کہ ہم دونوں تین ماہ تک غائب رہے تھے اگر ایسا نہ کرتے تو ہم میں سے ایک یقینی طور پر پھانسی پا چکا ہوتا۔ جاؤ..... اطمینان سے بیٹھو۔ میرا خیال ہے کہ اس نے کہیں لمبا ہاتھ مارا ہے۔"

"وہ ان دنوں بہت پریشان دکھائی دیتا رہا ہے۔" کٹی بولی۔

"آہا تب تو پولیس اس کے پیچھے ہوگی۔ اُس میں بس یہی ایک بہت بڑی کمزوری ہے کہ وہ پولیس کی پرواہ کرتا ہے اور اپنے حلقے کے پولیس آفیسروں کے مکھن لگاتا رہتا ہے اس کے باوجود بھی بعض اوقات وہ اُسے نہیں بخشتے۔ میں کہتا ہوں آخر اتنا گرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔"

"تم جھوٹے ہو۔ وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔"

"تم مجھ سے زیادہ نہیں جانتیں۔ عورتوں کے سامنے تو کیچوئے بھی شیخیاں بگھارنے لگتے ہیں۔"

"تم اپنے دوست کے متعلق ایسی بُری رائے رکھتے ہو۔"

"سچی بات ہر حال میں کہی جاتی ہے۔"

"کبھی اُس کے منہ پر کہو۔"

"تم تو خواہ مخواہ لڑنے پر آمادہ ہو۔ اگر میرے دوست کی محبوبہ نہ ہوتیں تو بتاتا۔"

"کیا بتاتے۔"

"کچھ نہیں ختم کرو۔ غصہ تھوکو اور اسکاچ پیو۔"

"میں نہیں پیتی۔"

"اچھا تم نے اُس سے پریشانی کی وجہ پوچھی تھی۔"

"اس نے کچھ نہیں بتایا۔"

"کہیں وہ کسی لڑکی کے چکر میں نہ ہو۔ ایسے مواقع پر بھی وہ بہت زیادہ پریشان رہتا ہے۔"

"اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔"

"وہ یہ سوچ سوچ کر پریشان ہوتا رہتا ہے کہ دیکھو ہاتھ آتی ہے یا نہیں۔"

"میرا مذاق مت اڑاؤ ٹونی۔"

ٹونی نے ایک ویٹر کو بلا کر دوسرا گلاس منگوایا۔

"تم پیو کٹی۔ اسکاچ ساری پریشانیاں رفع کر دیتی ہے۔ ایک گلاس تمہارے ذہن میں دس کارٹر پیدا کر دے گا۔ دوسرے گلاس پر تمہیں چاروں طرف کارٹر ہی کارٹر نظر آئیں گے۔"

کٹی کچھ نہ بولی۔ وہ اُسے گلاس میں شراب انڈیلتے دیکھتی رہی۔

"یہ لو۔ پہلے تم اپنا موڈ ٹھیک کر لو پھر میں تمہیں کارٹر کے متعلق بہت کچھ بتاؤں گا۔"

کٹی نے گلاس کو میز سے اٹھائے بغیر سر جھکا کر دو تین چسکیاں لیں اور سیدھی بیٹھ کر اپنا نچلا ہونٹ چوسنے لگی۔

ٹونی سگریٹ سلگا رہا تھا اُس نے دھوئیں کا کثیف بادل اگلتے ہوئے کہا۔ "دنیا میں وہی آدمی خوش رہ سکتا ہے جسے صرف اپنی ذات سے محبت ہو۔"

"تم اس مسئلے پر مجھ سے بحث نہیں کر سکو گے۔" کٹی فخریہ انداز میں بولی۔

"میں جانتا ہوں تم بہت پڑھی لکھی ہو مگر اُسے ہمیشہ یاد رکھنا کہ کارٹر کو پڑھے لکھے ہونے سے ذرہ برابر بھی دلچسپی نہیں ہے۔ اگر ایک خارش زدہ کتیا بھی اُس کے لئے سکس اپیل رکھتی ہے تو وہ اُس کے لئے ضرور دم ہلائے گا..... علم..... ہنہہ۔"

"تم آخر مجھ سے اتنی بے تکی باتیں کیوں کر رہے ہو۔"

"میں تمہیں حقیقت سے آگاہ کر رہا ہوں کٹی پُورکیٹ۔"

"خاموش رہو۔ میں اس سلسلے میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔"

"وہ تم سے زیادہ حسین ہے بھولی لڑکی۔"

"کون۔"

"کوئی بہت امیر لڑکی۔ لیکن وہ تمہاری طرح یورپین نہیں ہے بلکہ کسی خالص سفید نسل سے تعلق رکھتی ہے۔ تصویر ہے تصویر..... لو اور لو۔"

اُس نے پھر اُس کے گلاس میں شراب انڈیل کر سائفن سے سوڈے کی دھار ماری۔

"مجھے اُس کا پتہ بتاؤ۔"

"پتہ نہیں معلوم لیکن میں نے کارٹر کو پچھلے دنوں اُس کے ساتھ سی سائیڈ سوئمنگ کلب میں دیکھا تھا۔ اُف فوہ..... سرخ رنگ کے تیراکی کے لباس میں وہ شعلہ معلوم ہو رہی تھی اور کارٹر اس طرح اُس کے پیچھے دم ہلاتا پھر رہا تھا جیسے وہ سچ مچ اس کا بہت پرانا کتا ہو۔"

"بس کرو۔ ورنہ میں یہ گلاس تمہارے منہ پر کھینچ ماروں گی۔"

"ہاہا..... لیکن اس کے باوجود بھی تم کارٹر کو واپس نہ لا سکو گی۔ اب اُسے بھول جاؤ۔ تم اُس کے لئے پہلی لڑکی نہیں تھیں۔ مجھے دیکھو میں کتنا خوش رہتا ہوں۔ کتنا مگن رہتا ہوں، کیونکہ میں نے آج تک محبت کا روگ نہیں پالا۔ ہمارے پیشے کے لوگ عموماً محبت ہی کے چکر میں مارے جاتے ہیں۔"

"وہ صرف میرا پارٹنر ہے۔"

"وہ تو میں بھی جانتا ہوں لیکن تم اتنی پریشان کیوں ہو۔ تمہیں دوسرا پارٹنر بھی مل سکتا ہے۔"

"بیکار باتیں نہ کرو۔ وہ بہت چالاک ہے۔ اُس نے آج تک مجھ پر کوئی آنچ نہیں آنے دی۔ خطرات میں وہ میری ڈھال بن جاتا ہے۔"

"تم جس کے ساتھ کام کرو گی وہی بنے گا۔ آؤ چلو آج آزمائش کے طور پر کچھ ہو جائے۔ میں کارٹر سے بھی زیادہ لمبے ہاتھ مارنے والوں میں سے ہوں اور میں تم جیسی خوبصورت لڑکیوں کی بھی آڑ نہیں لیتا لیکن اگر تم جیسی کوئی پارٹنر مل جائے تو مجھے بھی انکار نہ ہوگا۔ اس طرح ہمیں فائدہ ہی ہوگا نقصان نہیں۔"

"میں کارٹر کے علاوہ اور کسی کے ساتھ کام کرنا پسند نہیں کرتی۔"

"بس وہی محبت۔" ٹونی حقارت سے ہنسا۔

"یہی سمجھ لو۔" کٹی دانت پیس کر بولی۔ "میں اُس کے علاوہ دنیا کے اور کسی مرد کو نہیں پسند کر سکتی سمجھے۔"

"حماقتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔" ٹونی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا اور کرسی کی پشت سے

ٹک گیا۔

''اب میں جارہی ہوں۔تم کارٹر کے دوست ہرگز نہیں ہو۔تم اس کے دشمن ہو۔ مجھے یقین ہے۔اس کی روپوشی میں تمہارا ہی ہاتھ ہے۔اچھی بات ہے۔ میں دیکھوں گی کہ میں اس سلسلے میں کیا کرسکتی ہوں۔''

''جاؤ.....!'' ٹونی بندروں کی طرح دانت نکال کر ہاتھ ہلاتا ہوا بولا۔



ھیوبشام لاج کے ایک کمرے میں ایک نوجوان یوریشین بیٹھا خوفزدہ نظروں سے اس آدمی کی طرف دیکھ رہا تھا جس کے متعلق یہ کہنا دشوار تھا کہ وہ کوئی مرد ہے یا عورت۔ کیونکہ اُس کے جسم پر سر سے پیروں تک سیاہ لبادہ تھا۔صرف آنکھوں کی جگہ دو سوراخ نظر آرہے تھے۔ اُس کے ہاتھ میں چمڑے کا بڑا سا چابک تھا۔دفعتاً اس نے یوریشین سے کہا۔''تم پھر خاموش ہوگئے۔''

اس کی آواز سے بھی اندازہ نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ کوئی عورت ہے یا مرد۔

''اُو..... اُو..... ہو۔'' یوریشین چونک کر کہنے لگا۔''میرا نام جمی کارٹر ہے۔ میں گدھا ہوں۔ مجھے ایک گدھی نے جنا تھا اور ..... اور میرا باپ اُلو تھا۔ میرا نام جمی کارٹر ہے۔ میں گدھی.....ارے ..... ہا.....!''

وہ اچھل کر دیوار سے جاٹکرایا کیونکہ یک بیک سیاہ پوش کا چابک اس کی طرف لپکا تھا۔

''بھول جاتا ہے.....گدھے کے بچے۔'' سیاہ پوش نے اُسے ڈانٹا۔

''اب نہیں..... بھبھ ..... بھولوں گا۔'' یوریشین اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔''میرا نام جمی کارٹر ہے۔ میں گدھا ہوں۔ مجھے ایک گدھی نے جنا تھا اور میرا باپ اُلو تھا۔''

''رک رک کر نہیں۔تیزی سے کہو۔'' سیاہ پوش نے پھر چابک گھمایا اور جمی کارٹر نے بچنے کی کوشش میں چھلانگ لگائی پھر زمین پر پیر لگتے ہی وہ تیزی سے کہنے لگا۔

''میرا نام جمی کارٹر ہے۔ میں گدھا ہوں۔ مجھے ایک گدھی نے جنا تھا اور میرا باپ اُلو تھا۔ میرا نام جمی کارٹر ہے۔ مجھے ایک گدھی.....!''

''پھر.....!'' چابک پھر لہرایا اور جمی کارٹر نے بچنے کے لئے پھر چھلانگ لگائی اور پھر بکنے لگا۔''میرا نام جمی کارٹر ہے۔ میں گدھا ہوں۔ مجھے ایک گدھی نے جنا تھا اور میرا باپ اُلو تھا۔''

وہ اسی طرح یہ تینوں جملے تیزی سے دہراتا رہا لیکن ساتھ ہی وہ سیاہ پوش کے چابک کی طرف بھی دیکھے جارہا تھا اور جب بھی اُس کی زبان لڑکھڑاتی چابک ضرور گھومتا لیکن ابھی تک ایک بار بھی چابک اُس کے جسم پر نہیں پڑ سکا تھا کارٹر کافی پھرتیلا معلوم ہوتا تھا۔

دفعتاً ایک جانب کا دروازہ کھلا اور ایک خوبصورت سی سفید فام لڑکی اندر داخل ہوئی لیکن پھر الٹے قدموں چلتے ہوئے دروازے میں جارکی۔

اُس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔کارٹر اسکی طرف دیکھنے لگا لیکن وہ برابر کہے جارہا تھا۔

''میرا نام جمی کارٹر ہے۔ میں گدھا ہون۔ مجھے ایک گدھی نے جنا تھا اور میرا باپ اُلو تھا۔''

وہ کہتا رہا اور ایک بار اُس کی زبان لڑکھڑا گئی۔نظر لڑکی پر تھی اس لئے اس بار چابک اس کے جسم پر پڑ ہی گیا اور وہ کسی جانور کی طرح چیختا ہوا سیاہ پوش کی طرف جھپٹا۔لیکن دوسرے ہی لمحے میں اچھل کود یوار سے جاٹکرایا کیونکہ نقاب پوش کے بائیں ہاتھ سے چنگاریاں سی نکلی تھیں۔

اب وہ زمین پر پڑا اپنے جسم کے مختلف حصوں کو بالکل اسی طرح مل رہا تھا جیسے وہ چنگاریاں وہاں چٹ کر رہ گئی ہوں۔

''چلو کہتے رہو۔'' سیاہ پوش غرایا اور کارٹر کراہتا ہوا وہی تینوں جملے دہرانے لگا۔لڑکی جہاں تھی وہیں کھڑی رہی لیکن اب بھی اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہی تھی۔

کارٹر زمین پر پڑا چیختا رہا اور وہیں تینوں جملے دہراتا رہا۔لڑکی مسکراتی رہی اور سیاہ پوش کا چابک خلاء میں گردش کرتا رہا۔

پھر اچانک لڑکی نے سیاہ پوش کو کسی قسم کا اشارہ کیا اور وہ چابک والا ہاتھ روک کر چابک کو اپنی کلائی میں لپیٹنے لگا۔

اس کے بعد جمی کارٹر نے اُسے اس کمرے سے جاتے دیکھا اور خاموش ہو گیا۔ اُس کے چہرے سے شدید قسم کی تکلیف کا اظہار ہو رہا تھا۔

لڑکی کو کارٹر نے بُرا سا منہ بنا کر دیکھا۔

''مجھے افسوس ہے۔'' لڑکی آہستہ سے بولی۔ ''وہ میرے عاشقوں کے ساتھ یہی سلوک کرتا ہے۔''

یک بیک جمی کارٹر اٹھ بیٹھا۔ وہ قہر آلود نظروں سے لڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ دانت پیس کر کسی سانپ کی طرح پھپھکارا۔ ''میں اس وقت بے بس ہوں۔ میں جمی کارٹر.....لیکن یہ مت بھولو کہ جیسے ہی مجھے موقعہ ملا.....!''

''اوہ.....جمی ڈیئر.....خدا کے لئے مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ان سب حرکتوں کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔''

''نہیں! تم تو صرف عشق کرنا جانتی ہو۔''

''اُف فوہ.....میں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔''

''پھر اُسی طرح مسکراؤ جیسے کچھ دیر پہلے مسکرا رہی تھی۔ سب کچھ میری سمجھ میں آ جائے گا۔''

''بس! اب بہت مشکل ہے کہ میری طرف سے تمہاری بدگمانی رفع ہو سکے۔''

''نہیں کوشش کرو رفع کرنے کی۔''

''اچھا جمی یہ بتاؤ۔ کیا میں تمہیں یہاں لائی تھی۔ کیا میں نے تم سے کہا تھا کہ اس عمارت میں قدم رکھو۔ پچھلی رات تم چوروں کی طرح یہاں داخل ہوئے تھے لہٰذا ایک چور ہی کی طرح پکڑ لئے گئے۔''

''اوہ.....تو مجھے پولیس کے حوالے کر دیا گیا ہوتا۔ یہ سب کیا ہے وہ اُلو کی پٹھی یا پٹھا کون ہے۔''

''وہ اُلو کا پٹھا ہی ہے پٹھی نہیں۔'' لڑکی مسکرا کر بولی۔ ''میں نے بھی آج تک اس کی شکل

نہیں دیکھی۔''

''وہ کیا چاہتا ہے۔''

''میں کیا بتا سکتی ہوں۔ میں تو یہ بھی نہیں جانتی کہ میں خود کس چکر میں پھنسی ہوئی ہوں۔''

''مگر تم میری طرح قید تو نہیں ہو۔''

''نہیں ہوں۔ ٹھیک ہے۔ مگر میں جاؤں کہاں۔ اس ٹھکانے کے علاوہ اور کوئی ٹھکانہ بھی تو نہیں ہے۔ میں نہیں جانتی ہوں کہ میں کون ہوں۔ کیا ہوں اور میرا مقصد کیا ہے۔''

''کیا بات ہوئی۔''

''کیا تم بتا سکو گے کہ تمہارے والدین کون تھے۔''

''یقیناً بتا سکوں گا۔''

''لیکن میں نہیں بتا سکتی کیونکہ جب سے ہوش سنبھالا ہے یہی سیاہ پوش بھوت آنکھوں کے سامنے رہا ہے اور چابکوں کی شائیں شائیں سنتی رہی ہوں۔''

''یہ کیوں نہیں کہتیں کہ تم اسی بھوت کی صاحبزادی سفید چڑیل ہو۔''

''شوق سے گالیاں دو لیکن میں وثوق سے نہیں کہہ سکتی کہ وہ میرا باپ ہی ہے۔ کیونکہ اس نے اس مسئلے پر کبھی گفتگو نہیں کی بلکہ اس مسئلے وہ زبان کھولنے کی اجازت ہی نہیں دیتا۔ مجھ جیسی دو لڑکیاں اور بھی ہیں اور ان کے عاشق بھی اسی طرح آ پھنسے ہیں۔ چابک کھاتے ہیں اور اپنی زبان سے اعتراف کرتے ہیں کہ وہ گدھی کے بچے اور اُلو کے پٹھے ہیں۔''

جمی کارٹر اپنے بال مٹھی میں جکڑنے لگا پھر آہستہ سے بولا۔ ''میں سمجھتا ہوں تم لوگ چاہتے ہو کہ میں پاگل ہو جاؤں۔''

''جمی! تم پہلے ہی پاگل تھے۔ میں نے نہ تم سے دوستی کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی نہ دوستی ہو جانے کے بعد میں نے تمہیں اپنا پتہ بتایا تھا۔ نہ کبھی تمہیں کسی قسم کی دعوت دی تھی۔ تم خود ہی آئے اور پھنس گئے۔ میں جانتی تھی کہ اگر تم نے کبھی ادھر کا رخ کیا تو تمہیں بھی چابک کھا کھا کر اپنے گدھی کے بچے اور اُلو کے پٹھے ہونے کا اعلان کرنا پڑے گا۔ یہی وجہ ہے کہ

میں نے تمہارے پوچھنے کے باوجود بھی اپنا پتہ نہیں بتایا تھا۔"

"مگر تم بار بار میرے سامنے کیوں آتی تھیں۔"

"کیا اس لئے آتی تھی کہ تم مجھ سے عشق کرنے لگو اور میں کیا کرتی۔ جب میں نے دیکھا کہ تم میرے قریب آنے کی کوشش کر رہے ہو تو میں نے تم سے بھاگنا شروع کر دیا۔ لیکن تم نہ مانے۔ تم نے مجھے دھوکے میں رکھ کر میرا پتہ معلوم کیا اور پچھلی رات یہاں آ ٹپکے۔ مگر تم چوروں کی طرح کیوں آئے تھے؟"

"بس یہ دیکھنے چلا آیا تھا کہ تم سوتے میں کیسی لگتی ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ کوئی شریف آدمی تو اس کی ہمت نہیں کر سکتا۔"

"تو میں نے کب کہا ہے کہ میں شریف آدمی ہوں۔"

"نہیں ہو۔" لڑکی نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

"سہوں کو ایک دن اس کا مزہ چکھاؤں گا۔"

"خدا جانے۔" لڑکی نے لاپروائی سے کہا۔ "میں اب تک تم جیسے سینکڑوں دیکھ چکی ہوں۔ وہ بھی اسی طرح مار کھاتے تھے اور بعد میں اینڈتے تھے۔ مگر آج وہی اس کے غلام ہیں۔ اس کے بوٹ چاٹتے ہیں۔ اس کے سامنے آ کر اب بھی اعتراف کرتے ہیں وہ گدھی کے جنے اور اُلو کے پٹھے ہیں۔"

"مگر تم کس کی پٹھی ہو۔" جی کارٹر نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ میں صرف اپنی پٹھی ہوں کیونکہ میں نے آج تک چابک نہیں کھائے اور نہ مجھ سے اعتراف کرایا گیا ہے کہ میں گدھی کی بچی ہوں۔"

"تم کس ملک سے تعلق رکھتی ہو۔"

"میں یہ بھی نہیں جانتی۔ بس انگریزی ہی بولتی ہوں انگریزی ہی لکھ پڑھ سکتی ہوں۔"

"مگر وہ کالا بھوت تو لہجے سے انگریز نہیں معلوم ہوتا۔"

"پتہ نہیں۔ اچھا اب میں جا رہی ہوں۔ تم خوش رہنے کی کوشش کرو۔"

جواب میں جی کارٹر کی زبان نہ جانے کیا کیا اگلنے لگی۔ لیکن لڑکی تو جا چکی تھی۔

بدحواسی

ملازم نے لیڈی شمشاد کی آمد کی اطلاع دی تھی۔ کرنل فریدی حمید اور نیلم کو جھگڑتے چھوڑ کر اٹھ گیا تھا۔ اُن دونوں میں کافی دیر سے اس بات پر جھگڑا ہو رہا تھا کہ نیلم حمید کو بابا کیوں کہتی ہے۔ حمید کو سچ مچ غصہ آ گیا تھا اور نیلم اُسے برابر کہے جا رہی تھی۔

"پھر میں تمہیں کیا کہہ کر مخاطب کروں۔"

"ارے تو مخاطب کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔"

"واہ یہ کیسے ممکن ہے۔ میں تم سے اتنی محبت کرتی ہوں میرے پیارے بابا جی۔"

"او..... مردود اب تم بابا کے ساتھ جی بھی لگاؤ گی۔ خدا تمہیں غارت کرے۔" حمید اپنی پیشانی پر دونوں ہاتھ مارتا ہوا بولا۔

اور پھر وہ وہاں سے اٹھ ہی گیا۔ نیلم اُس کے لئے ایک مستقل عذاب بن کر رہ گئی تھی لیکن مصیبت تو یہ تھی کہ کبھی کبھی اس کی شرارتوں پر پیار بھی آتا تھا۔

وہ سیدھا ڈرائینگ روم کی طرف آیا لیکن وہ جانتا تھا کہ لیڈی شمشاد ایک بوڑھی عورت ہے۔ دراز قد اور بھاری جسم والی۔ اور زیادہ تر ساری میں رہتی ہے۔ بال گو زیادہ گھنے نہیں ہیں لیکن پھر بھی وہ انہیں آئے دن نت نئی شکلیں دیتی رہتی ہے اور اُسے یہ بھی یاد آیا کہ گفتگو کرتے وقت وہ ناک سے اس قسم کی آوازیں نکالنے لگتی ہے جیسے سانس لینے میں دشواری محسوس ہو رہی ہو۔

وہ ڈرائینگ روم میں داخل ہوا اور لیڈی شمشاد کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئی۔

فریدی نے مڑ کر دیکھا اور پھر اس سے بولا۔ "آپ اپنا بیان جاری رکھئے۔ یہ میرے اسسٹنٹ کیپٹن حمید ہیں اور ہر وہ بات ان کے علم میں لائی جا سکتی ہے جو میرے لئے مخصوص ہو۔"

''اوہ..... اچھا اچھا'' لیڈی شمشاد حمید کو اپنے لئے جھکتے دیکھ کر مسکرائی۔ ''مگر بیٹے مصیبت تو یہ ہے کہ وہ بات مجھے بھی مضحکہ خیز معلوم ہوتی ہے۔ تم نہ جانے کیا سوچو۔''

''میں کوئی غلط بات نہیں سوچوں گا۔ مجھ پر اعتماد کیجئے۔''

''میرے خدا.....!'' لیڈی شمشاد اپنی پیشانی رگڑتی ہوئی بولی۔ ''زبان نہیں کھلتی۔ بچوں کی سی باتیں۔''

''مجھے آئے دن ایسی باتوں سے الجھنا پڑتا ہے جن کی دوسروں کی نظروں میں کوئی اہمیت نہیں ہوتی لیکن وہ انتہائی اہم ثابت ہوئی ہیں۔ ہوسکتا ہے یہ بھی کوئی ایسی ہی بات ہو۔''

لیڈی شمشاد تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔ ''تقریباً ایک ماہ پہلے کی بات ہے ایک رات میں نے سر شمشاد کی پشت پر کچھ لکھا ہوا دیکھا۔ قریب سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ کسی ربر اسٹامپ کا امپریشن تھا اور وہ تحریر.....!''

لیڈی شمشاد خاموش ہوگئی۔ لیکن اب فریدی کے انداز سے بھی لاپرواہی سی ظاہر ہونے لگی تھی۔ حمید جانتا تھا کہ فریدی پوری بات سننے کا متمنی ہے لیکن لاپروائی ظاہر کئے بغیر وقت کی بچت اس کی دانست میں ناممکن تھی۔ وہ ایسے مواقع پر عموماً یہی کرتا تھا۔

آخر لیڈی شمشاد خود ہی بولی ''وہ ایک مضحکہ خیز تحریر تھی بیٹے۔''

لیکن فریدی نے اب بھی اشتیاق ظاہر نہ کیا۔

''تحریر تھی۔ تم اُلو ہو۔'' لیڈی شمشاد نے کہا اور حمید اس طرح اچھل پڑا جیسے صوفے کے کسی اسپرنگ نے اپنی جگہ چھوڑ دی ہو۔

لیکن فریدی نے ذرہ برابر بھی حیرت کا اظہار نہیں کیا۔

''آپ کہتی چلئے۔'' اُس نے کہا۔

''میں نے سر شمشاد کو کوٹ اتارنے کو کہا۔ پھر جب انہوں نے وہ تحریر دیکھی تو انہیں بہت غصہ آیا۔ اُن کا خیال تھا کہ وہ اُن کے کسی بے تکلف دوست کی حرکت تھی۔ مگر ظاہر ہے اس عمر میں ایسی غیر سنجیدگی انہیں بہت گراں گذری ہوگی۔ وہ کافی دیر تک بڑبڑاتے رہے پتہ نہیں باہر

کتنے آدمیوں کی نظریں اس پر پڑی ہوں گی اور انہوں نے کیا سوچا ہوگا۔ یہ چیز اُن کے لئے بڑی پریشان کن تھی۔ خیر بات رفع دفع ہوگئی لیکن ایک ہفتہ بعد پھر وہی تحریر ان کی پشت پر نظر آئی اور میں نے پھر انہیں ٹوکا۔ مگر اس بار نہ تو انہیں غصہ آیا اور نہ انہوں نے اپنے دوستوں کو بُرا بھلا کہا بلکہ میں نے محسوس کیا کہ وہ بہت زیادہ خائف نظر آنے لگے تھے۔ میں نے پوچھا کہ ایسی حرکت کرنے والا کون ہوسکتا ہے لیکن وہ الٹی سیدھی باتیں کرکے سونے کے لئے چلے گئے۔ دوسری صبح ان کا چہرہ بہت زیادہ اُترا ہوا تھا۔ پھر میں انہیں روز بروز اور زیادہ پریشان دیکھتی رہی۔ پھر ایک ہفتہ پہلے کی بات ہے کہ میں نے ان کی پشت پر لکھا ہوا دیکھا۔ تم اُلو نہیں ہو۔ انہوں نے بھی اُسے دیکھا اور یک بیک ان کی آنکھوں میں بشاشت نظر آنے لگی اور اب اُن کی حالت بہت ابتر ہوچکی ہے۔ وزن گھٹ گیا ہے۔ آنکھوں کے گرد حلقے نظر آنے لگے ہیں۔

''اُلو نہ ہونے کے باوجود بھی۔'' حمید بول پڑا۔ پھر یک بیک سنبھالا لے کر بولا۔ ''میرا مطلب یہ ہے کہ آپ نے ابھی فرمایا ہے تیسری بار کی تحریر نے اُن پر اچھا اثر ڈالا تھا۔''

''ہاں! لیکن وہ اثر وقتی تھا۔ اب وہ روز بروز زیادہ پریشان نظر آنے لگے ہیں۔ بس یہی کہا جاسکتا ہے کہ برابر گھلتے جارہے ہیں۔ لیکن وہ مجھے کچھ نہیں بتاتے۔''

''آپ اس سلسلے میں ان کے دوستوں سے بھی ملی ہوں گی۔''

''ہرگز نہیں۔ وہ اکثر مجھ سے کہتے رہتے ہیں کہ میں اس کا تذکرہ کسی سے بھی نہ کروں۔''

''اُوہ.....!''

''اب تم بتاؤ کہ میں کیا کروں۔ میں نے یہی مناسب سمجھا کہ تم سے اس کا تذکرہ ضرور کروں۔ ہمارے خاندانی تعلقات.....!''

''اوہ..... جی ہاں۔ میں دیکھوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کرسکتا ہوں۔ مگر کیا یہ حقیقت ہے کہ آپ نے اس کا تذکرہ ہمارے علاوہ اور کسی سے نہیں کیا۔''

''تم پہلے آدمی ہو۔''

''پہلی بار جب یہ تحریر نظر آئی تھی تو وہ خوفزدہ تھے۔''

''نہیں ہرگز نہیں۔ انہیں اس پر بے حد غصہ آیا تھا اور وہ کافی دیر تک محض شبہے کی بناء پر اپنے بعض دوستوں کو بُرا بھلا کہتے رہے تھے۔ خوفزدہ تو وہ دوسری بار نظر آئے تھے۔ بہت زیادہ اور انہوں نے مجھ سے اوٹ پٹانگ باتیں کی تھیں۔''

''مثلاً.....!''

''مجھے اچھی طرح یاد نہیں۔ باتیں بے ربط سی تھیں۔ مثال کے طور پر دنیا بڑی واہیات جگہ ہے جہاں کوئی بھی چین سے نہیں رہ سکتا۔ کوئی چیز ڈھال نہیں بن سکتی۔ تم کسی ذی عزت آدمی کو سڑک پر پانچ جوتے مارو۔ تمہارا کچھ نہ بگڑے گا۔ لعنت ہے، لعنت ہے آدمی کتنا بے بس ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ پھر انہوں نے کہا تھا میرا موڈ خراب ہے۔ اب میں سونا چاہتا ہوں۔ پھر وہ اپنی خواب گاہ میں چلے گئے تھے۔''

''تیسری تحریر پر وہ کچھ دیر تک خوش نظر آئے تھے اور اس کے بعد وہ بالکل خاموش ہو گئے تھے کچھ بولے ہی نہیں۔ میں نے لاکھ پوچھا۔''

''کیا حال میں کسی سے اُن کے تعلقات خراب ہو گئے ہیں۔''

''میری دانست میں تو نہیں۔''

''تو آج کل وہ بہت زیادہ پریشان رہتے ہیں۔''

''یہی کہنا چاہئے۔''

''آج کل اُن کے مشاغل کیا ہیں۔''

''کچھ بھی نہیں۔ زیادہ تر گھر پر رہتے ہیں۔ ویسے دن میں عموماً ایک بار ہر کارخانے کا چکر ضرور لگاتے تھے۔ مگر اب کئی دن ہو جاتے ہیں وہ گھر سے باہر بھی نہیں نکلتے۔ ملاقات کے لئے آنے والوں سے کہلوا دیتے ہیں کہ وہ گھر پر موجود نہیں ہیں۔''

''ان کے دوستوں میں سب سے زیادہ چالاک آدمی کون ہے۔''

''لیڈی شمشاد اس طرح فریدی کو دیکھنے لگی جیسے اُس نے یہ سوال کسی غیر ملکی کے لئے ناقابل فہم زبان میں کیا ہو۔ لیکن فریدی نے اپنا جملہ دہرایا نہیں۔''

''میں نہیں سمجھی۔'' لیڈی شمشاد نے کچھ دیر بعد آہستہ سے کہا۔

''چالاک آدمی..... اُن کا کوئی بہت زیادہ چالاک دوست۔''

''اُن کے دوستوں میں سبھی ذہین ہیں۔ اگر چالاکی سے مراد ذہانت ہے تو آپ سبھوں کو بہت زیادہ چالاک پائیں گے۔''

''لفظ چالاک اچھے معنوں میں کبھی استعمال نہیں ہوتا۔''

''نہیں! مجھے افسوس ہے کہ میں ایسے کسی آدمی سے واقف نہیں ہوں۔''

''خیر اچھا..... میں کوشش کروں گا کہ اُن کی پریشانی کی وجہ معلوم ہو جائے۔''

لیڈی شمشاد جتنی دیر بھی بیٹھی اس کے متعلق گفتگو کرتی رہی اور اُس کے جانے کے بعد کیپٹن حمید نے ہنسنا شروع کر دیا۔ لیکن فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ بھی نہیں دکھائی دی۔ وہ فکرمند نظر آنے لگا تھا۔

جمی کارٹر نے ہیویشام لاج سے نکل بھاگنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا کیونکہ کمپاؤنڈ میں چار بہترین قسم کے بلڈ ہاؤنڈ اُس کے پرتپاک استقبال کے لئے موجود تھے۔ وہ اس عمارت کے عقبی حصے کو راہ فرار بنانا چاہتا تھا۔

ابھی صرف آٹھ ہی بجے تھے لیکن سردیوں کا زمانہ تھا۔ اس لئے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے آدھی رات گذر چکی ہو۔ عمارت میں بھی خلاف معمول سناٹا تھا۔ ایسا سناٹا جیسے یا تو اس کے مکین سو گئے ہوں یا پوری عمارت ہی خالی پڑی ہو۔ یہی وجہ تھی کہ کارٹر کے ذہن میں بھاگ نکلنے کا خیال کلبلایا تھا۔ مگر وہ کتے۔ جو بلائے بے درماں کی طرح عمارت کے چاروں طرف چکراتے پھر رہے تھے۔

وہ تھک ہار کر اپنے کمرے کی طرف واپس آیا لیکن کمرے میں قدم رکھتے ہی سارے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ کیونکہ سیاہ پوش خبیث کمرے کے وسط میں کھڑا چابک گھما رہا تھا۔

کارٹر کے حلق سے چند بے ہنگم سی آوازیں نکلیں اور وہ کہنے لگا۔ ''میرا نام جمی کارٹر ہے۔ میں گدھا ہوں مجھے ایک گدھی نے جنا تھا اور میرا باپ اُلو تھا۔ میرا نام.....!''

''خاموش رہو۔'' سیاہ پوش غرایا۔

کارٹر خاموش ہو گیا اور سیاہ پوش نے کہا۔ ''تم انتہائی کوشش کرو تب بھی یہاں سے نہیں نکل سکتے۔''

اس نے جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی چابک ہلایا تھا مگر کارٹر نے بڑی پھرتی سے اس کا وار خالی دے کر پھر وہی بکواس شروع کر دی تھی۔

''خاموش رہو۔'' وہ پھر غرایا۔ ''اگر تم جانا چاہو تو جا سکتے ہو۔ اس وقت سوا آٹھ بجے ہیں لیکن تم ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے یہاں واپس آ جاؤ گے۔''

کارٹر نے ایک طویل سانس لی اور سوچنے لگا کہ میں ضرور واپس آؤں گا۔ خبیث کی اولاد۔ لیکن میری واپسی تمہارا بیڑا غرق کر دے گی۔

''میں واپس آ جاؤں گا۔'' کارٹر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''آنا ہی پڑے گا..... جاؤ۔''

''مگر باہر کتے۔''

''میں انہیں بلا لوں گا۔''

کارٹر کمرے سے نکل آیا۔ وہ صدر دروازے کی طرف جا رہا تھا۔ مگر وہ یہ سوچنے پر مجبور تھا کہ کہیں وہ بھی کسی قسم کا پاگل پن ہی نہ کر رہا ہو کیونکہ وہ اس سیاہ پوش کو صحیح الدماغ نہیں سمجھتا تھا۔

جیسے ہی اُس نے صدر دروازے سے باہر قدم رکھا کتے بھاگتے ہوئے دوسری طرف چلے گئے۔ عمارت کے بائیں بازو سے سیٹی کی آواز آئی تھی۔ کارٹر گویا ہوا میں اڑتا ہوا پھاٹک تک پہنچا۔ اُسے نہیں معلوم کہ پورچ سے پھاٹک تک کا راستہ کیسے طے ہوا تھا۔

•

اور پھر سڑک پر پہنچ کر تو وہ اس طرح دوڑنے لگا جیسے ملک الموت تعاقب کر رہا ہو۔ راہگیر اُسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ اگر اس وقت ایک بچہ بھی اس کے پیچھے دوڑ پڑتا تو لوگ یہی سمجھتے کہ وہ کچھ چُرا کر بھاگا ہے اور کارٹر کو جان بچانا مشکل ہو جاتا۔

ڈریک روڈ سے گوہن اسٹریٹ میں مڑتے وقت اُس کی رفتار بھی سست ہو گئی اور اُسے اپنی مضحکہ خیز پوزیشن کا بھی احساس ہوا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی جیل کی بہت اونچی دیوار سے کودنے کے بعد بھی اپنے ہاتھ پیر بچا لے گیا ہو۔

گوہن اسٹریٹ سے نکلتے ہی گرینج بار سامنے پڑا اور وہ خبط الحواس کی طرح اُسی میں داخل ہو گیا۔ ویسے گرینج بار اُس کے لئے کوئی نئی جگہ بھی نہیں تھی۔ وہ اکثر پہلے بھی اپنے احباب کے ساتھ یہاں راتیں گذار چکا تھا اور اس وقت بھی اُسے توقع تھی کہ اُس کا کوئی نہ کوئی دوست یہاں ضرور موجود ہو گا۔

بار میں تقریباً ساری میزیں گھری ہوئی تھیں لیکن کارٹر کو مایوسی نہیں ہوئی۔ اس کا ایک پرانا ساتھی ٹونی ایڈونٹر وہاں موجود تھا۔ جیسے ہی ٹونی کی نظر اُس پر پڑی اس کا منہ کھل گیا لیکن پھر ایک خفیف سی مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں پر دکھائی دی۔

کارٹر کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ ٹونی اپنی میز پر تنہا تھا مگر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی کا منتظر رہا ہو اور کارٹر کی آمد اُسے گراں گذری ہو۔

وہ اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا رہا لیکن کارٹر نے اُس سے کچھ کہے بغیر سب سے پہلے ایک ویٹر کو بلا کر گلاس طلب کیا اور پھر ٹونی کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے بولا۔ ''میں تم میں کسی قسم کی تبدیلی محسوس کر رہا ہوں۔''

''اور میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ تم بہت کچھ کھو چکے ہو۔'' ٹونی نے اُس کے گلاس میں شراب انڈیل کر سائیفن سے سوڈے کی دھار مارتے ہوئے کہا۔ ''تم آخر اتنے دنوں سے تھے کہاں!''

''میں..... اوہ.....!'' دفعتاً کارٹر خاموش ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ٹونی کو کیا بتائے کیا وہ اُسے یہ بتا دیتا کہ ایک گمنام آدمی نے اُسے چوہے دان میں بند کر رکھا تھا اور وہ کسی بے بس اور

یتیم بچے کی طرح اس کی زیادتیوں پر بلبلاتا اور سسکیاں لیتا تھا؟ اس نے سوچا کہ وہ اپنے ہم چشموں سے اس کا تذکرہ نہیں کر سکے گا۔ کبھی نہیں۔ اُس پُراسرار آدمی سے نپٹنے کے لئے اُسے کوئی دوسرا ہی طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔

''میں شہر میں نہیں تھا۔'' اُس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''مگر میں کیا کھو چکا ہوں۔''

''بہت کچھ۔'' ٹونی نے ایک طویل سانس لی اور کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ وہ کارٹر کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''مجھ سے پہیلیوں میں بات نہ کرو۔ ہوسکتا ہے میں جوئے میں کچھ ہار گیا ہوں۔ اس کے علاوہ میں نے اور کچھ نہیں کھویا۔''

''ہوسکتا ہے۔'' ٹونی نے کہا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

''لیکن میں تم میں بھی بڑی تبدیلیاں محسوس کر رہا ہوں۔'' کارٹر بولا۔

''یہ بھی ممکن ہے۔'' ٹونی نے پھر ایک لمبی سانس لی اور سیدھا بیٹھ کر اپنے گلاس میں شراب انڈیلنے لگا۔

''کیا میں یہاں سے اٹھ جاؤں۔'' کارٹر جھلا کر بولا۔

''کیوں؟''

''تمہارے رویئے سے یہی ظاہر ہوتا ہے مگر میں اس تبدیلی کی وجہ ضرور پوچھوں گا۔ کیا ہمارے درمیان کبھی کسی قسم کے تکلفات بھی روا رہے ہیں۔''

''اس کی وجہ میں تمہیں ضرور بتاؤں گا۔'' ٹونی مسکرایا۔ ''وجہ یہ ہے کہ ہمارا پیشہ اس بات کی اجازت ہرگز نہیں دیتا کہ ہم اپنی ہم پیشہ عورتوں کے علاوہ کسی اور قسم کی عورتوں سے بھی تعلق رکھیں۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''اب یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔''

''اچھی بات ہے۔'' کارٹر میز پر دونوں ہاتھ ٹیک کر اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''میں سمجھنا بھی نہیں چاہتا۔''

ٹھیک اُسی وقت کٹی تیر کی طرح اُن کی میز کی طرف آئی۔

''اوہ تم بھی..... کہاں تھے۔'' وہ آتے ہی بولی۔

''آہا..... کٹی..... ہاؤ ڈو یو ڈو۔'' کارٹر اٹھتا ہوا بولا۔

''بیٹھو جی۔ میرے خدا۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے ہم سالہا سال بعد ملے ہوں۔''

''تم بھی یہی محسوس کر رہی ہو نا۔'' ٹونی چہک کر بولا۔

''کیوں؟'' کٹی اُسے گھورنے لگی اور وہ گڑبڑا کر بولا۔ ''مطلب یہ کہ جی کچھ بدلا بدلا سا نظر آتا ہے۔''

''بس خاموش رہو۔'' کارٹر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا اور ٹونی ہنسنے لگا۔

''ہاں تم کہاں تھے؟'' کٹی نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ اس پر کارٹر نے اُسے ایک فرضی داستان سنائی کہ وہ کس طرح ایک مالدار جواری کا تعاقب کرتا ہوا نصیر آباد تک گیا تھا اور اُسے لوٹنے کی کوشش کی لیکن خود ہی بُری طرح لٹ گیا تھا۔ اُسے توقع تھی کہ وہ شاپنگ کر کے اس جواری کا دیوالہ نکال دے گا لیکن خود ہی اس طرح ہارتا چلا گیا کہ آخر کار اُس کی جیب میں پھوٹی کوڑی بھی نہ رہ گئی۔ بغیر پیسوں کے واپسی ناممکن تھی کیونکہ وہ ٹرین میں بغیر ٹکٹ سفر کرتے ہوئے پکڑے جانا پسند نہیں کرتا۔ پھر اتفاق سے ایک دن ایک شناسا وہاں مل گیا۔ اس سے کچھ روپے قرض لینے کے بعد واپسی ہوئی۔ ٹونی کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اُسے اس کہانی پر یقین نہیں آیا۔ کارٹر نے اُسے محسوس کیا اور اپنا سامنہ بنا کر دوسروں کی طرف دیکھنے لگا۔

پھر وہ تقریباً گیارہ بجے تک وہاں بیٹھا رہا۔ جب کلاک نے گیارہ بجائے تو وہ کچھ بے چین سا نظر آنے لگا۔ سیاہ پوش نے بڑے وثوق کے ساتھ کہا تھا کہ ہر حال میں واپس آنا پڑے گا لیکن کارٹر نے اپنے بچاؤ کے لئے ابھی تک کچھ بھی نہیں کیا تھا۔ وہ کٹی کی باتوں میں الجھا رہا تھا، جو اُسے اپنی کسی نئی مہم کے لئے تیار کرنا چاہتی تھی۔

اچانک کارٹر کے حلق سے عجیب قسم کی آواز نکلی اور وہ اپنا داہنا بازو دبا کر رہ گیا۔ پھر ایسا

معلوم ہونے لگا جیسے وہ اپنا کوٹ اتار پھینکے گا۔ مگر وہ صرف بٹن ہی کھول کر رہ گیا کیونکہ اب اُسے اچھل کر اپنا داہنا بازو دبا لینا پڑا تھا اور پھر اُس کے حلق سے ایک ہلکی سی چیخ نکلی تھی۔

''کیا بات ہے۔'' کٹی اور ٹونی نے بیک وقت سوال کیا۔

''کک..... کچھ نہیں..... اوہ۔'' وہ داہنا شانہ دبا کر دہرا ہو گیا۔

''میں جاؤں گا۔'' وہ اٹھتا ہوا بولا اور پاگلوں کی طرح دوڑتا ہوا باہر سے باہر آیا۔ اب وہ پھر گوہن اسٹریٹ میں داخل ہو رہا تھا اور گوہن اسٹریٹ سے ڈریک روڈ پر آیا۔ اُس کا رخ ہیویشام لاج کی طرف تھا اور ایک بار پھر وہ اسی طرح دوڑ رہا تھا جیسے ملک الموت تعاقب میں ہو۔

دوسرا اُلو

فریدی نے کتاب میز پر ڈال دی اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔ حمید تقریباً پانچ یا چھ منٹ سے اُس کے قریب ہی موجود تھا لیکن فریدی نے ایک بار بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ حالانکہ حمید کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اُس سے کوئی ضروری بات کہنا چاہتا ہے۔ فریدی اٹھ کر کھڑکی کے قریب چلا گیا۔ حمید نے کنکھار کر گلا صاف کیا اور بولا۔ ''میں نے کہا۔ آج اتوار ہے اور دوسرے اتوار کے ملنے پر پھر سات دن انتظار کرنا پڑے گا۔''

''پھر.....؟'' فریدی نے کھڑکی سے مڑے بغیر کہا۔ وہ باہر عقبی پارک میں دیکھ رہا تھا۔

''پھر کیا! اب ہم نیاگرہ نہیں جا سکیں گے۔''

''آہا..... ٹھیک ہے۔ آج ہم وہاں رسلنگ دیکھنے جا رہے ہیں۔''

''نہیں جا سکیں گے۔'' حمید نے مردہ سی آواز میں کہا۔

''کیوں؟''

''ڈرائنگ روم میں ایک دوسرے اُلو کی بیوی موجود ہے۔''

''کیا مطلب.....!'' فریدی مڑا۔

''اُس نے بھی بالکل ویسی ہی داستان سنائی ہے جیسی اُس دن لیڈی شمشاد نے سنائی تھی۔''

''اُوہ..... مگر وہ کون ہے۔''

''کرنل اسمتھ کی بیوی۔''

''ارے ٹال دو۔'' فریدی نے کہا۔

یہ چیز حمید کے لئے غیر متوقع تھی کیونکہ فریدی نے آج تک کسی غرض مند کو ٹالا نہیں تھا۔

''اس وقت نہ میں کسی سے مل سکوں گا اور نہ نیاگرہ ہی جا سکوں گا۔'' فریدی سگار کو کھڑکی کے باہر پھینکتا ہوا بولا۔ ''اُس کی داستان سن ہی چکے ہو۔ لہٰذا تم بھی اُس کی مدد کر سکو گے۔''

''یہاں اُلو بہت کم پھنستے ہیں۔ ویسے اُس وقت تک شاید پھنس بھی جاتا جب تک کرنل اسمتھ اُلو تھا۔ اب تو بہت دیر ہو گئی۔ اب وہ اُلو نہیں ہے۔ اس لئے وہ بور بھی ہو رہا ہے اور اس کی صحت بھی خراب ہوتی جا رہی ہے۔''

''اچھا! بس ختم کرو۔ اُس سے کہہ دو کہ میں بہت مشغول ہوں۔ ایک ہفتے سے پہلے نہیں مل سکوں گا۔''

''مگر آپ کا یہ رویہ۔''

''تمہارے لئے نیا ہے مگر تم اس کی فکر نہ کرو۔ جاؤ۔''

آج کل اُس کی فرصت کے لمحے عموماً لائبریری ہی میں گذرتے تھے ورنہ اس سے پہلے اکثر وہ اور نیلم بلیرڈ یا پنگ پانگ بھی کھیل لیا کرتے تھے۔

حمید کچھ دیر بعد واپس آ گیا اور فریدی نے پھر کتاب میز پر ڈال دی۔ سگار کے ڈبے سے ایک سگار منتخب کر کے اُس کا گوشہ توڑتے ہوئے اس نے کہا۔ ''کیا تم کٹی پرکنس سے واقف ہو۔''

''پرکٹی۔'' حمید نے حیرت سے دہرایا۔

''کٹی پرکنس.....!'' فریدی نے ''پرکٹی'' نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''شاید۔ میں نے یہ نام کسی سلسلے میں پہلے بھی سنا ہے۔''

''صرف نام ہی سنا ہوگا ورنہ اس وقت تم کرنل اسمتھ کی بیوی کہنے کے بجائے کٹی پرکنس ہی کہتے۔''

''اوہ.....تو کیا اس کا نام کٹی پرکنس تھا۔''

''ہاں۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم نے کٹی پرکنس کے متعلق کیا سنا ہے۔''

''غالباً یہ کہ وہ ایک فراڈ ہے۔''

''بہت کم سنا ہے تم نے۔ بہرحال اب وہ مالدار آدمی کی بیوی ہے لیکن اس کے باوجود شہر کے بدمعاشوں کی محبوبہ بننے میں فخر محسوس کرتی ہے۔''

''محبوبہ ہر حال میں محبوبہ ہوتی ہے خواہ وہ کسی کی بیوی ہو یا نہ ہو اور محبوبائیں عموماً بدمعاش ہی رکھتے ہیں۔ شریفوں میں تو بیوی رکھنے کی بھی ہمت نہیں ہوتی۔''

''غیر متعلق باتیں نہ چھیڑا کرو۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

''ہام.....تو آپ اُس سے اس لئے نہیں ملے کہ وہ کرنل اسمتھ کی بیوی ہونے کے ساتھ ہی ساتھ بدمعاشوں کی محبوبہ بھی ہے۔''

''نہیں..... بلکہ وہ بھی اُلو کی کہانی لے کر آئی تھی اور حمید صاحب یہ دوسری نہیں بلکہ آٹھویں عورت تھی۔ میں اس سے پہلے سات کیسز نوٹ کر چکا ہوں۔ یہ آٹھواں کیس ہے۔''

''وہ آٹھواں کیس نوٹ کرنا آپ نے مناسب نہیں سمجھا۔''

''تم سوچنے کی عادت ڈالو۔'' فریدی نے پھر کتاب اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''شاید تم کرنل اسمتھ سے بھی اچھی طرح واقف نہیں ہو۔''

''میں جانتا ہوں کہ وہ ایک پرانا سازشی ہے۔'' حمید نے کہا اور چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ ''آہا تو آپ کا خیال یہ ہے کہ ان حرکتوں میں خود کرنل اسمتھ کا بھی ہاتھ ہوسکتا ہے۔''

''خیر.....کچھ تو سمجھے۔''

''میں کچھ بھی نہیں سمجھا۔ اگر آپ اُس سے ملے ہوتے تو البتہ میں کچھ سمجھنے کی کوشش

کرتا۔ نہ مل کر آپ نے انہیں ہوشیار کر دیا۔''

''ضروری نہیں ہے کہ ہر کیس میں میرا لائحہ عمل یکساں ہو۔ کبھی میں مجرموں کو اپنے دھوکے میں رکھتا ہوں اور کبھی خود ہی دھوکے کھاتا ہوں۔ لیکن آخر اُس سے مل لینے پر کیوں مصر تھے۔''

''اُس کی آنکھیں مجھے بہت اچھی لگی تھیں۔ لہٰذا میں نے سوچا کہ اُن کے متعلق آپ کی رائے بھی معلوم کرلوں۔ کیا حرج ہے۔''

''دفع ہوجاؤ۔'' فریدی نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ حمید باہر چلا آیا۔ اُس نے کرنل اسمتھ کی بیوی کو ٹال ضرور دیا تھا لیکن اُس سے وعدہ کرلیا تھا کہ وہ اُس سے ضرور ملے گا اور اطمینان سے ان معاملات پر غور کرنیکے بعد کوئی مناسب قدم اٹھائے گا۔ ہوٹل ڈی فرانس میں ملنے کی ٹھہری تھی۔

حمید نے نیلم سے تذکرہ نہیں کیا تھا ویسے وہ اس وقت کوٹھی ہی میں موجود تھا جب کرنل اسمتھ کی بیوی ڈرائنگ روم میں اس سے گفتگو کر رہی تھی۔ کرنل اسمتھ کی بیوی میں حمید کو سرخاب کے پر نہیں نظر آئے تھے۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ وہ کرنل اسمتھ سے اچھی طرح واقف تھا لیکن یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ خرانٹ اتنی جوان بیوی رکھتا ہوگا۔ اُسے بوڑھوں کی نوجوان بیوی سے مل کر ہمیشہ بڑی خوشی ہوتی تھی اور وہ ایسے مواقع پر خدا کا شکر ادا کرتا تھا کہ نوجوان مردوں میں بوڑھیوں سے شادی کرنے کا رجحان نہیں پایا جاتا۔ ورنہ مہد سے لحد تک ''آغوش مادر'' کے علاوہ اور کسی قسم کا ماحول نصیب نہ ہوسکتا۔

ٹھیک آٹھ بجے وہ ہوٹل ڈی فرانس میں نظر آیا لیکن شاید مسز اسمتھ ابھی نہیں آئی تھی۔ وہ وقت گذارنے کے لئے بلیرڈ روم میں چلا گیا۔ یہاں اُس کے کئی شناسا بلیرڈ کھیل رہے تھے جنہوں نے اس کی آمد پر مسرت کا اظہار کیا۔ باغ و بہار قسم کے آدمیوں کی صحبت تو سبھی چاہتے ہیں مگر حمید یہاں پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں رکنا چاہتا تھا۔

پندرہ منٹ بعد وہ پھر ڈائننگ ہال میں تھا اور کٹی پرکنس یعنی کرنل اسمتھ کی بیوی بھی اب وہاں موجود تھی اور وہ وہاں پندرہ منٹ لیٹ پہنچی تھی۔ حمید نے یہی ظاہر کیا کہ وہ اکثر وہاں کر شام ہی آجاتا ہے اور کافی [illegible]

مسز اسمتھ نے چرا اپنی پریشانیوں کی داستان چھیڑ دی اور حمید بولا۔

''میں کرنل اسمتھ کو عرصہ سے جانتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ وہ تم سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہے۔''

''کیوں۔''

''کیا یہ ایک معمولہ نیز ذھونک نہیں ہے جسے دنیا کی کوئی سنجیدہ عورت نہیں برداشت کرسکتی۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''میں کرنل اسمتھ کے متعلق کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا۔''

''اور میرے متعلق.....؟'' کٹی مسکرائی۔

''تم.....تم بہت اچھی ہو۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا اور کٹی ہنسنے لگی۔ پھر اُس نے کہا۔ ''کیپٹن ذرا اپنے یہاں کٹی پرکنس کا فائیل ضرور دیکھنا۔ گو پولیس آج تک میرے خلاف کوئی ثبوت بہم نہیں پہنچا سکی۔ پھر بھی آپ کا محکمہ میرا فائیل رکھتا ہے۔''

''اوہ.....تو تم وہ کٹی ہو۔ میں نے تمہارے متعلق صرف سنا تھا۔ فائیل آج تک نظر سے نہیں گذرا۔''

''کرنل اسمتھ بھی ایسے ہی آدمیوں میں سے ہے، جس کا فائیل آپ کے محکمے میں ضرور ہوگا۔ لہٰذا کہنے کا مطلب یہ کہ وہ مجھ سے پیچھا چھڑا کر کیا کرے گا۔''

''تب تو وہ سچ مچ اُلو ہے۔''

''تم میرے سامنے میرے شوہر کی توہین نہیں کرسکتے۔''

''کیا کرو گی تم۔''

''میز الٹ دوں گی۔ زیادہ سے زیادہ تم مجھ پر دعویٰ کرو گے میں عدالت میں معافی مانگ لوں گی۔''

حمید ہنسنے لگا اور کٹی نے اُس کا ساتھ دیا مگر پھر جلد ہی وہ اصل [illegible] آ گئی۔

''بتاؤ۔ میں کیا کروں۔ جمی بہت خوفزدہ ہے۔ بہت زیادہ۔ مگر وہ کچھ بتاتا نہیں۔ بس روز

بروز اس کی صحت گرتی جارہی ہے۔''

دفعتاً حمید نے محسوس کیا کہ وہ کچھ مضطرب سی نظر آنے لگی ہے۔ مگر شاید موضوع گفتگو اس کی بے چینی کا باعث نہیں تھا کیونکہ اس کی نظر ایک سمت اٹھی ہوئی تھی اور اس کے چہرے پر اضطراب کروٹیں لے رہا تھا۔

پھر یک بیک وہ اٹھ گئی۔ حمید نے دیکھا کہ ایک میز سے ایک بھاری جبڑے والے آدمی نے اُسے اشارہ کیا تھا۔

''اچھا تو کیپٹن خیال رکھنا۔ میں بے حد مشکور ہوں گی۔'' اس نے کہا اور آگے بڑھ گئی۔

حمید کو بڑا غصہ آیا۔ گویا وہ یہی ایک جملہ سننے کے لئے گھر سے یہاں تک دوڑا آیا تھا۔ بس وہ شربت کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ خون کے گھونٹ تو اس وقت کہلاتے جب اُسے فوراً ہی ایک گلاس ٹھنڈا پانی دستیاب ہوجاتا۔

اس نے دیکھا کہ بھاری جبڑے والا بھی اپنی میز سے اٹھ گیا ہے۔ کٹی آگے تھی اور وہ اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ مگر وہ دونوں خود کو ایک دوسرے سے بے تعلق ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کررہے تھے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو حمید کی رگ تجسس ضرور پھڑکتی لیکن اس وقت تو وہ اس کے بغیر ہی اُن دونوں کا تعاقب کرنے پر آمادہ ہوگیا تھا۔

وہ آیا بھی ٹیکسی ہی میں تھا لہٰذا تعاقب کے لئے بھی ٹیکسی ہی لینی پڑی۔

جمی کارٹر قفل کے سوراخ سے دوسرے کمرے میں جھانک رہا تھا۔ اُس طرف متوجہ ہونے کی محرک چابک کی شائیں شائیں بنی تھی۔

دوسرے کمرے میں اُسے سیاہ پوش نظر آیا۔ حسب دستور چابک اُس کے ہاتھ میں موجود

تھا اور ایک آدمی اُس سے تھوڑے ہی فاصلے پر کھڑا آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہا تھا۔ کبھی کبھی سیاہ پوش کا چابک اس کی طرف لپکتا اور وہ کسی بندر کی طرح اچھل کود کر خود کو بچانے کی کوشش کرتا لیکن وہ جو کچھ بھی کہہ رہا تھا چابک کی ''شائیں شائیں'' کے باوجود بھی کہتا رہا۔ البتہ چابک سے بچنے کے لئے اچھلتے وقت اس کی آواز کچھ بلند ضرور ہو جاتی تھی۔

کارٹر اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔ وہ کم تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود بھی لاطینی سمجھ سکتا تھا۔ مگر اس خبیث کا کارنامہ ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

یہاں اُسے بہترین غذائیں ملتی تھیں۔ نفیس قسم کی پرتگالی شرابیں اُس کا دماغ گرماتی تھیں۔ تفریح کے لئے لڑکیاں بھی تھیں لیکن دن میں کم از کم تین بار اس خبیث کے چابک سے ضرور سابقہ پڑتا تھا اور چابک کی شائیں شائیں کے درمیان اُسے بار بار اعتراف کرنا پڑتا تھا کہ اس کی ماں گدھی تھی اور باپ اُلو۔

اس کا مقصد سمجھنے کے لئے گھنٹوں غور کرتا اور تنگ آ کر اپنے بال نوچنے لگتا۔ کنپٹی کی رگیں پھٹتی ہوئی سی محسوس ہوئیں اور اس کا دل چاہتا کہ دیوار سے سر ٹکرا دے۔ وہ ایک کیچوے کی طرح بے بس تھا۔ وہ اپنے پچھلے کارنامے یاد کرتا اور سر دھنتا۔ نہ جانے کیسے کیسے جیالوں کے اس نے چھکے چھڑائے تھے مگر سیاہ پوش خبیث یہ اسے اس دنیا کا آدمی تو ہرگز نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کاش وہ ایک ہی بار اُس پر قابو پا سکتا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے قفل کے سوراخ سے اپنی آنکھ ہٹالی کیونکہ وہ دونوں اب اس کمرے سے چلے گئے تھے۔

دفعتاً وہ چونک کر اپنی پشت والے دروازے کی طرف مڑا۔ وہی لڑکی کھڑی مسکرا رہی تھی جس کے چکر میں وہ مکڑی کے اس جالے میں آ پھنسا تھا۔

''ہلو جمی کارٹر۔ ہاؤ ڈو یو ڈو۔'' لڑکی نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ ''تاک جھانک کی عادت بُری کہلاتی ہے؟''

''بُرے آدمیوں میں بھی۔'' کارٹر کا لہجہ تلخ نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ تلخیوں کا اظہار

حالات کو سازگار ہونے میں مدد نہیں دے گا۔ لہٰذا وہ اس ماحول میں خود کو زیادہ سے زیادہ خوش ظاہر کرنا چاہتا تھا۔

''تمہاری حالت اب پہلے سے بہتر ہے۔''

''ہاں بہت بہتر۔'' کارٹر نے اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ اس وقت سرخ بلاؤز اور زرد اسکرٹ میں بہت حسین لگ رہی تھی۔ کارٹر اُسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ ''آج تو ایسا لگ رہا ہے جیسے تم مجھے کہیں لے جاؤ گی۔''

''چلو گے۔'' وہ دلآویز انداز میں مسکرائی۔

''سر کے بل گریشی۔ تمہارے ساتھ تو میں جہنم میں بھی چھلانگ لگا سکتا ہوں۔''

''چلو۔ آج ہم کسی بہترین تفریح گاہ میں چلیں گے لیکن جب میں کہوں تو واپسی کے لئے تیار ہو جانا ورنہ نتیجے کے خود ذمہ دار ہو گے۔''

''میں اُس سے پہلے بھی نتیجے کا ذمہ دار ہو چکا ہوں۔ آج بھی کبھی کبھی میرے جسم کے بعض حصوں میں چبھن سی ہونے لگتی ہے۔''

''کیا مطلب! میں نہیں سمجھی۔''

''ایک رات اس صورت حرام نے مجھے باہر جانے کی اجازت دی تھی اور کہہ دیا تھا کہ میں ساڑھے گیارہ بجے واپس آ جاؤں لہٰذا میں یہاں سے نکل کر ایک بار میں جا بیٹھا۔ وہاں چند دوست مل گئے اور میں یہ بھول گیا کہ مجھے ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے یہاں واپس آنا ہے۔ اچانک میں نے اپنے داہنے بازو میں تیز قسم کی چبھن محسوس کی پھر بائیں بازو میں۔ پھر گردن میں پھر ران میں۔ غرضیکہ میں پاگل ہو گیا اور کسی پاگل کتے کی طرح ہیویشام لاج کی طرف بھاگ نکلا۔

گریشی ہنستی رہی اور کارٹر بھی ہنستا رہا۔ وہ خود کو ٹھنڈا رکھنے کیلئے کافی جدوجہد کر رہا تھا۔

''پھر کیا ہوا۔'' گریشی نے پوچھا۔

''پھر جب میں یہاں آیا تو ان حصوں کو ٹٹول کر دیکھا جہاں تیز قسم کی چبھن ہو رہی تھی۔

میرے خدا نہ جانے کتنی چیخیں اُس وقت میرے حلق سے نکلی تھیں۔ وہ باریک سوئیاں تھیں جو ان حصوں میں چبھی ہوئی تھیں۔"

"نہیں!" گریشی کے لہجے میں حیرت تھی۔ پتہ نہیں وہ حقیقتاً متحیر تھی یا یہ بھی تصنع ہی تھا۔

پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ "وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔ میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تم سے ایک زبردست حماقت سرزد ہوئی ہے۔ تمہیں ادھر کا رخ ہی نہ کرنا چاہئے تھا۔ یہاں آ کر پھنسا پھر وہ کبھی نہیں نکل سکتا۔"

"مقصد۔ گریشی خدا کے لئے مجھے بتادو۔ اس کا مقصد کیا ہے۔ ورنہ شائد میں پاگل ہوجاؤں۔"

"تم پاگل نہیں ہوسکو گے۔ اس کا ذمہ میں لیتی ہوں۔ مطمئن رہو۔" گریشی نے مسکرا کر کہا۔ "کیونکہ میں نے ابھی تک کسی کو پاگل ہوتے نہیں دیکھا۔ وہ آج بھی چابک کی چوٹیں سہتے ہیں لیکن نہ تو انکے ہاتھ اس پر اٹھتے ہیں اور نہ وہ کبھی کسی قسم کا پاگل پن ہی ظاہر کرتے ہیں۔"

"تب پھر وہ مقصد سے واقف ہوگئے ہوں گے۔" کارٹر نے کہا۔

"پتہ نہیں۔"

"اچھا تم مجھے کہاں لے چلوگی۔"

"جہاں تم کہو۔ آج کی رات مجھے بڑی حسین لگ رہی ہے۔"

"چلو پھر باہر ہی نکل کر ہم فیصلہ کریں گے کہ ہمیں کہاں جانا ہے۔"

وہ باہر آئے۔ یہاں ایک شاندار گاڑی موجود تھی۔ گریشی ڈرائیو کرنے لگی۔ کارٹر اس کے ساتھ ہی اگلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ گریشی کا گلا گھونٹ کر خود کار ڈرائیو کرنا شروع کردے۔ ممکن ہے اسی طرح اس جال سے گلوخلاصی نصیب ہوجائے۔ مگر..... گریشی..... کیا وہ گریشی کا گلا گھونٹ سکتا ہے۔ کبھی نہیں۔ اس کی خوب صورت گردن کی طرف بڑھے ہوئے ہاتھ کانپ کر رہ جاتے اور خفت کے علاوہ اور کچھ ہاتھ نہ آتا۔

وہ اس الجھن سے چھٹکارا پانے کے لئے بڑبڑایا۔ "ہائی سرکل نائٹ کلب۔"

"وہیں چلو۔ ہاں اچھی جگہ ہے۔"

وہ ہائی سرکل نائٹ کلب میں آئے۔ یہاں حسب معمول رونق ہی تھی۔ انہوں نے دو دو شیری کی کاک ٹیل لئے اور پھر ریکریئیشن ہال میں چلے آئے۔ دونوں طرف کی گیلریاں بھری ہوئی تھیں، لیکن اکثر میزیں اب بھی خالی پڑی تھیں۔ آرکسٹرا ساز بجا رہا تھا، لیکن ابھی رقص میں دیر تھی۔

"بیٹھو.....!" گریشی ایک میز کے قریب کرسی کھینچتی ہوئی بولی۔

وہ اس وقت تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے، جب تک کہ رقص کے لئے موسیقی نہیں شروع ہوگئی۔ پھر ایک راؤنڈ بھی ہوگیا اور پہلے راؤنڈ کے اختتام پر جب وہ گیلری کی طرف واپس جارہے تھے کارٹر کی نظر کٹی پر کنس پر پڑی اور وہ بُری طرح بوکھلا گیا۔ کٹی اُسے خونخوار نظروں سے گھور رہی تھی اور کٹی کے ساتھ بھاری جبڑے والا ٹونی بھی تھا۔ کارٹر سمجھ گیا کہ ان دنوں ٹونی کٹی کو اس کے خلاف بھڑکا تا رہا ہے، اور اب اُسے وہ گفتگو یاد آئی، جو ان کے درمیان ایک رات گرینچ بار میں ہوئی تھی۔ وہ چپ چاپ گریشی کے ساتھ اپنی میز پر واپس آ گیا۔

کٹی کے تیور کہہ رہے تھے کہ وہ اسی وقت کوئی نہ کوئی حرکت ضرور کر بیٹھے گی۔ مگر یک بیک کارٹر بے حد خوش نظر آنے لگا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہ دونوں ہیویشام لاج تک ان کا تعاقب ضرور کریں گے۔

اندھیرا

حمید کٹی اور بھاری جبڑے والے کا تعاقب کرتا ہوا ہائی سرکل نائٹ کلب تک آیا تھا۔ یہاں اس کی نظروں کی پہنچ انہیں دونوں کے ذریعہ ایک بے حد حسین لڑکی تک ہوئی۔ یہ کوئی یوروپین تھی اور اس کے ساتھ ایک یوریشین نوجوان تھا۔ یہ دونوں کٹی اور بھاری جبڑے والے کی

توجہ کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ حمید نے کٹی کی آنکھوں میں کینہ اور نفرت کی جھلک دیکھی۔ کٹی اپنے ساتھی سے آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہی تھی۔ حمید ان دونوں سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا اور شاید دو ایک بار کٹی نے اُسے دیکھا بھی تھا لیکن اس کے انداز سے ایسا نہیں معلوم ہو رہا تھا کہ اس نے اس کی پرواہ کی ہو۔ مگر اب حمید کو کٹی یا اس کے ساتھی سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی۔ وہ اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا جس کیلئے اس نے کٹی کی آنکھوں میں نفرت اور غصے کی جھلک دیکھی تھی۔

پھر کچھ دیر بعد اس نے لڑکی کے ساتھی کی طرف توجہ دی۔ وہ کچھ نروس سا نظر آ رہا تھا اور حمید نے یہ بھی محسوس کیا کہ وہ کٹی سے نظریں چرانے کی کوشش کر رہا ہے۔

تو کیا حمید ایسی جگہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا رہتا۔ وہ بڑی بے تکلفی سے آگے بڑھا اور سیدھا اسی میز کی طرف چلا گیا جہاں کٹی اپنے ساتھی سمیت بیٹھی ہوئی تھی۔

اس نے کرسی کھسکائی اور نہایت اطمینان سے بیٹھ گیا۔ اب بھاری جبڑے والا نروس نظر آنے لگا۔

''کیوں کیپٹن۔'' کٹی نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تم اس طرح یک بیک اٹھ کر وہاں سے چلی آئی تھیں اور مجھے بے حد غصہ آیا تھا۔''

''پھر کیا کرتی۔''

''کچھ بھی کرتیں لیکن یہ نہ کرنا چاہئے تھا۔ کیا تم نے گھر سے ہوٹل ڈی فرانس۔''

''پلیز کیپٹن۔'' وہ جلدی سے بولی۔ ''میرا یہاں آنا بھی ضروری تھا۔''

''ایسی صورت میں وجہ ضرور پوچھوں گا۔ جب کہ تم مجھے اپنے متعلق سب کچھ بتا چکی ہو۔''

''اور اگر میں وجہ نہ بتاؤں تو۔'' کٹی مسکرائی اور اس کا ساتھی اٹھتا ہوا بولا۔ ''اچھا اب میں جاؤں گا۔''

کٹی نے اُسے روکا نہیں اور وہ اس سے مصافحہ کئے بغیر رخصت ہو گیا۔

''کیا قصہ ہے۔'' حمید نے آہستہ سے پوچھا۔ ''تم اس لڑکی کو بڑی قہر آلود نگاہوں سے گھور رہی ہو۔''

''آپ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ میری نجی معاملات میں دخل انداز ہو سکیں۔''

''ہاں۔ یہ تو صحیح ہے لیکن دنیا کی ہر خوبصورت عورت پر میں اپنا حق جتانے کے لئے آزاد ہوں۔ لہٰذا اب تم اسے اس طرح نہیں گھور سکتیں۔''

''آپ خواہ مخواہ بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

''ظاہر ہے کہ کوشش کئے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ تکلف کیلئے بھی کوشش ہی کرنی پڑتی ہے۔''

''میں نے اس وقت آپ کو اپنے ساتھ بیٹھنے کی دعوت نہیں دی۔''

''میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ دنیا کی ہر خوبصورت عورت پر اپنا حق جتانے کیلئے میں آزاد ہوں۔ تم بھی اس لڑکی سے کم حسین نہیں ہو۔'' حمید قربان ہو جانے والے انداز میں مسکرایا۔

''خدا کے لئے مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔''

''تو میں اپنے حال پر کب چھوڑ رہا ہوں۔ تم آخر اتنی پریشان کیوں ہو۔ کیا تمہارے شوہر کے اُلو پن سے اس لڑکی کا بھی کچھ تعلق ہے۔''

''اب کیا میں چیخ کر کہوں کہ یہاں سے اٹھ جاؤ۔''

''ایسے مواقع پر عموماً اونچا سننے لگتا ہوں۔ لیکن مجھے کوئی بھی پاگل نہیں سمجھتا۔''

''میں نے یہ عذاب اپنے پیچھے کیوں لگا لیا۔'' کٹی بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑائی۔

''ہاں اس پر تمہیں سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔ مگر اس وقت نہیں۔ آہا۔ دوسرا راؤنڈ شروع ہونے والا ہے۔ کیا تم میرے ساتھ ناچنا پسند کرو گی۔''

کٹی کچھ نہ بولی۔ مگر یک بیک اس کے چہرے سے الجھن اور غصے کے آثار غائب ہو گئے تھے۔

''میں اسے بُرا بھی نہیں سمجھتی۔'' وہ کچھ دیر بعد مسکرا کر بولی۔

''گڈ..... تو تم کیا پیو گی۔ جلدی بتاؤ۔''

''جو تم پیتے ہو۔''

''میں تو کافی یا پانی کے علاوہ اور کچھ نہیں پیتا۔ لیکن تم جیسی حسین ساتھیوں کے لئے شراب ضرور مہیا کرسکتا ہوں۔''

''تمہارے پیشے کے لئے یہ بہت اچھا ہے کہ تم شراب نہیں پیتے۔''

''کیا پیو گی۔''

''سکاچ۔''

حمید نے ایک ویٹر کو بلا کر اسکاچ کے بڑے پگ کا آرڈر دیا۔

''تم آخر چاہتے کیا ہو۔'' کٹی نے پوچھا۔

''فی الحال اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ تم میری ہم رقص بن جاؤ۔''

''محکمہ پولیس مجھے اچھی نظروں سے نہیں دیکھتا۔''

''میں محکمہ پولیس نہیں ہوں۔''

اسکاچ آ گئی اور کٹی اس پر اس طرح ٹوٹ پڑی جیسے برسوں سے پیاسی رہی ہو۔ حمید نے اس انداز میں اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی جیسے وہ اس دعوت پر مطمئن ہو۔

ویٹر میز کے پاس سے ہٹ ہی رہا تھا کہ حمید نے دوسرے پگ کے لئے بھی کہہ دیا۔ پہلا گلاس ختم ہونے سے پہلے ہی دوسرا گلاس بھی موجود تھا۔

کٹی نے اُسے خالی میز پر رکھتے وقت رومال سے اپنے ہونٹ خشک کئے اور ایک ٹھنڈی سانس لے کر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ میں بہت مغموم ہوں کیپٹن۔ آدمی اور کتے میں کوئی فرق نہیں۔ مگر آدمی احساس فراموش بھی ہوتا ہے۔

''اسلئے مجھے توقع ہے کہ یہ دونوں پگ ہمیشہ تمہیں یاد رہیں گے۔'' حمید نے مسکرا کر کہا۔

''کیوں؟'' وہ اُسے نشیلی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

''کیا تمہیں اس وقت ان کی ضرورت نہیں تھی۔''

''بے حد۔'' وہ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر مسکرائی تھی۔

اور حمید کے دیوتا کوچ کر گئے کیونکہ وہ ایک بے جھجک اور تقریباً فاحشہ قسم کی عورت تھی۔

اس نے جلدی سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور جیب سے پائپ نکال کر اس میں تمباکو بھرنے لگا لیکن اسی دوران میں رقص کے لئے موسیقی بھی شروع ہوگئی اور حمید نے پائپ سلگانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ وہ اس عورت کے ساتھ ہر حال میں ناچنا چاہتا تھا محض اس لئے کہ کرنل فریدی نے اس سے ملنے سے انکار کر دیا تھا اور وہ ایسی عورت تھی جو فریدی کے لئے ایک کیس کے سلسلے میں آٹھویں اطلاع لائی تھی۔ حمید جانتا تھا کہ وہ اس وقت شدت سے شراب کی ضرورت محسوس کر رہی ہے۔ اس لئے اس نے شراب کا آرڈر دینے میں جلدی کی تھی۔ اس کا یہ انداز بھی صحیح نکلا کہ ذہن پر شراب کا اثر ہوتے ہی وہ اس سے کھل جائے گی۔

دونوں چوبی فرش پر آ گئے مگر حمید کی نظر اُسی جوڑے پر تھی۔ کٹی نے کہا کہ وہ بہت اداس ہے اور اس کا دل چاہتا ہے کہ چیخ چیخ کر رونا شروع کر دے۔

''ہرگز نہیں۔ تمہیں صبر کرنا چاہئے۔ کیا اس کا ساتھی کبھی تمہارا محبوب بھی رہ چکا ہے۔'' حمید نے کہا۔

''آہ..... کیپٹن میں اس وقت انگاروں میں لوٹ رہی ہوں۔''

''تم میری توہین کر رہی ہو۔''

''کیوں؟''

''تم انگاروں میں نہیں لوٹ رہی بلکہ میرے ساتھ ناچ رہی ہو۔''

''میری مدد کرو کیپٹن۔''

''یقیناً..... میں پتہ لگاؤں گا کہ اس کو کس نے اُلو بنایا ہے۔''

''اُسے جہنم میں جھونکو۔''

''پھر.....!''

''میں کارٹر کو بے حد چاہتی ہوں لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ وہ کس طرح اس لڑکی کے ساتھ.....!''

''اوہو تو اس کا نام کارٹر ہے۔''

''جمی کارٹر۔''

''شاید یہ نام بھی میرا سنا ہوا ہے۔''

''یقیناً ایسا ہی ہوگا۔ کارٹر بھی مطلب یہ کہ کوئی شریف آدمی نہیں ہے۔ یعنی وہ پولیس کے ریکارڈ میں ضرور ہوگا۔''

''کیا وہ جانتا ہے کہ تم نے کرنل اسمتھ سے شادی کرلی ہے۔''

''نہیں۔ وہ مجھے صرف اپنی ہم پیشہ سمجھتے ہیں۔ وہ کبھی میرے گھر پر نہیں گئے۔''

''تم کئی آدمیوں کا تذکرہ کررہی تھیں۔''

''دو آدمیوں کا۔ جمی کارٹر اور ٹونی۔ وہ جو ابھی میرے ساتھ تھا ٹونی ہے۔ کارٹر اور ٹونی عموماً شرکت کا بزنس کرتے ہیں۔''

''آہا تو اس بزنس میں تمہاری کیا پوزیشن ہے۔''

''میرا مذاق نہ اڑاؤ کیپٹن۔''

اچانک سارے ہال میں اندھیرا ہوگیا۔ لوگ شور مچانے لگے۔



اس اندھیرے میں کارٹر نے محسوس کیا کہ گریشی اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف لے جارہی ہے۔

''کیوں کیا بات ہے؟'' کارٹر نے آہستہ سے پوچھا۔

''کچھ نہیں چلو۔ میں اپنے بازوؤں میں چبھن محسوس کررہی ہوں۔''

''اوہ..... اچھا.....!''

کارٹر اس کے ساتھ کھنچا چلا گیا۔ باہر کمپاؤنڈ میں بھی اندھیرا ہی تھا۔ وہ اس طرف آئے جہاں کاریں پارک کی جاتی تھیں۔

''ٹارچ ہے تمہارے پاس۔'' کارٹر نے پوچھا۔

''نہیں مجھے یاد ہے کہ میں نے گاڑی کہاں کھڑی کی تھی۔''

کارٹر نے سگریٹ لائٹر روشن کرلیا۔ وہ کار میں بیٹھے اور کار کمپاؤنڈ سے باہر نکل آئی۔ باہر سڑک کے بلب روشن تھے۔ اس لئے یہی کہا جاسکتا ہے کہ صرف کلب ہی کے برقی نظام میں کوئی خلل واقع ہوا تھا۔

''کیوں نہ کہیں رک جاؤ اور میں تمہارے جسم سے سوئیاں نکال دوں۔''

گریشی ہنس پڑی۔ روانگی کے وقت اس نے کار کا اندرونی بلب روشن کرلیا تھا۔ کارٹر نے اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار نہیں دیکھے۔ وہ اس سلسلے میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ گریشی خود ہی بول پڑی۔ ''زندگی میں ایسے نادر مواقع کم ہی نصیب ہوتے ہیں۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''نہیں سمجھے تو تم بالکل ہی گدھے ہو اور مجھے تم سے ذرہ برابر بھی ہمدردی نہیں۔''

''آہا..... کیا تمہیں بھی کبھی مجھ سے ہمدردی رہی ہے۔''

''یقیناً.....!''

''خیر چھوڑو۔ جو کچھ میں نہیں سمجھا مجھے سمجھانے کی کوشش کرو۔''

''سمجھو! اس سے بہتر موقع اور کبھی نہیں ملتا اور یہ موقع ہمیں قدرت ہی کی طرف سے عطا کیا گیا ہے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارے جسم میں چبھنے والی سوئیاں آسمان سے ٹپکی تھیں۔''

''میں کچھ بھی نہیں سمجھا تھا۔''

''اب تم مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش کررہے ہو۔''

''نہیں تو سنو گریشی۔ ان چند دنوں میں میری ذہنی صلاحیتیں پہلے کی آدھی بھی نہیں رہ گئیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ میں پاگل کیوں نہیں ہوگیا۔''

''مرد ہو کر ایسی باتیں کرتے ہو۔ چھی..... خیر مجھے اس سے بحث نہیں۔ میں تو یہ بتانا چاہتی تھی کہ ہم میں سے جب بھی کوئی باہر نکلتا ہے ہمارے آس پاس اس خبیث کے آدمی

موجود رہتے ہیں۔ لہٰذا اگر ہم نکل بھاگنا بھی چاہیں تو یہ ہمارے لئے نامن ہوگا۔"

"اچھا تو پھر.....!"

"یہ بہترین موقع تھا۔ ہم انہیں اندھیرے میں چھوڑ آئے۔"

"نہیں۔" کارٹر مسرت آمیز لہجے میں چیخ پڑا۔ گریشی کے ہونٹوں پر ایک معصوم سی مسکراہٹ تھی۔

"ہاں۔" اس نے کہا۔ "میں شاید اپنی کوشش میں کامیاب ہوگئی ہوں۔ اب ہم آزاد ہیں۔ لیکن اب اس.....!"

"بہت مناسب خیال ہے۔" کارٹر نے خوش ہوکر کہا۔ "ہاں ہمیں اب یہاں نہ ٹھہرنا چاہئے۔"

گریشی کچھ نہ بولی۔ اب اس نے اندر کی روشنی گل کردی تھی اور کار شہر کی مختلف سڑکوں سے گزر رہی تھی۔ کارٹر بے حد خوش تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ نہ صرف گلوخلاصی ہوئی بلکہ یہ اتنی حسین لڑکی بھی مفت ہاتھ آئی۔ اب وہ کسی دوسرے شہر میں جا کر ایک نئی زندگی شروع کرسکیں گے۔

"مگر ہم جائیں گے کہاں۔" کارٹر نے کہا۔

"فی الحال تارجام۔"

"بہت مناسب ہے۔" کارٹر سر ہلا کر بولا۔

کچھ دیر بعد کار اس ویران سڑک پر آ گئی جو تارجام کی طرف جاتی تھی اور دفعتاً کارٹر چونک پڑا۔ کیونکہ اُسے عقب نما آئینے میں کسی کار کی ہیڈ لائیٹس نظر آئی تھیں۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ حقیقتاً کوئی دوسری گاڑی ان کے پیچھے آرہی تھی۔ چونکہ فاصلہ زیادہ تھا اس لئے اس کا اندازہ کرنا مشکل تھا کہ وہ کوئی کار ہے یا ٹرک۔

"پیچھے ایک گاڑی ہے۔" کارٹر نے آہستہ سے کہا۔

"ہوگی۔" گریشی لاپروائی سے بولی۔

"اوہ..... کہیں ہمارا تعاقب۔"

"شش..... چھوڑو بھی۔ میرے اندازے بہت کم غلط ہوتے ہیں۔"

کارٹر خاموش ہوگیا۔ لیکن وہ مطمئن نہیں تھا اس لئے مڑ مڑ کر دیکھتا رہا۔ پچھلی گاڑی کی رفتار بہت تیز تھی اور اس سے بار بار ہارن دیا جارہا تھا۔ گریشی نے اپنی گاڑی ایک طرف کرلی اور کارٹر نے اس کار کو برابر سے گزرتے دیکھا اور دوسرے ہی لمحے میں اس کی روح فنا ہوگئی۔ ساتھ ہی گریشی کے حلق سے بھی ایک ہلکی سی چیخ نکلی۔ دوسری کار کے اندر روشنی تھی اور کارٹر نے اس میں سیاہ پوش خبیث کو صاف دیکھا تھا اور پھر خوف کے مارے اس کے ذہن کی کھڑکیاں کھلنے لگیں۔ اس نے سوچا کہ وہ جن لوگوں کی قید میں ہے وہ اس کے حالات سے اچھی طرح واقف ہوں گے۔ وہ کئی کو بھی جانتے ہوں گے اور شاید اس آدمی سے بھی واقف ہوں جو کئی کے ساتھ تھا۔ ہوسکتا ہے انہوں نے سوچا ہو کہ اب میں اس آدمی کی نظروں میں آ گیا ہوں جسے جرائم پیشہ لوگ اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ لہٰذا کہیں اس وقت مجھے ختم کردینے کے لئے انہوں نے کوئی پلاٹ نہ بنایا ہو۔ محض اس ڈر سے کہ کہیں کیپٹن حمید کی رسائی میرے ذریعہ سے ان تک نہ ہوجائے۔

"اوہ..... کارٹر۔ وہ گاڑی رک گئی ہے۔" گریشی نے خوفزدہ سی آواز میں کہا۔

کارٹر نے بھی دیکھا۔ اگلی گاڑی ترچھی سڑک پر رکی تھی اور بچا کر نکال لے جانے کی جگہ نہیں تھی۔ کارٹر نے اپنے حواس قابو میں رکھے اور دوسرے ہی لمحے میں اس کا ہاتھ دروازے کے ہینڈل پر پڑا۔ گریشی نے بریک لگائے اور کارٹر نے بڑی پھرتی سے دروازہ کھول کر باہر چھلانگ لگادی۔

"ارے یہ کیا۔" گریشی بیساختہ چیخی اور اگلی کار سے بیک وقت کئی فائر ہوئے۔ مگر کارٹر کے پیروں میں گویا پر لگ گئے تھے۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد ہال میں روشنی ہوئی اور لوگ اپنی میزوں کی طرف جانے لگے۔ ریکریئیشن ہال کا منتظم مائیکروفون پر معذرت طلب کر رہا تھا۔ کسی وجہ سے عمارت کا برقی نظام بگڑ گیا تھا۔

حمید اور کٹی بھی اپنی میز پر آ بیٹھے مگر انہیں کارٹر کی میز خالی نظر آئی اور کٹی مضطربانہ انداز میں بڑبڑائی۔ ''اوہ..... کیپٹن وہ چلا گیا۔''

''چلو..... اچھا ہی ہوا۔ خس کم جہاں پاک۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''نہیں..... وہ مجھے دھوکا دے کر نکل گیا۔'' وہ دردناک آواز میں بولی۔ ''میں نے تہیہ کیا تھا کہ آج اس کا تعاقب کر کے پتہ لگاؤں کہ وہ کہاں رہتا ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اوہ کیپٹن! وہ پچھلے پندرہ دنوں سے غائب تھا اور اطلاع یہ ملی تھی کہ وہ کسی لڑکی کے چکر میں پڑ گیا ہے۔ پھر تین دن پہلے کی بات ہے وہ ایک رات گرینچ بار میں ملا اور کافی بدلا ہوا سا نظر آیا۔ میں تو کہتی ہوں کہ وہ کچھ خوفزدہ بھی تھا۔ میرے خدا میں آج تک نہ سمجھ سکی کہ وہ سب کیا تھا۔ وہ اچانک اٹھا تھا اور دوڑتا ہوا بار سے باہر نکل گیا تھا۔''

''چڑھ گئی ہوگی۔''

''نہیں کبھی نہیں۔ میں اسے تسلیم نہیں کر سکتی۔ ٹونی نے بھی بتایا تھا کہ اس نے بہت ہی معمولی مقدار میں اسکاچ لی تھی اور وہ تو ایک بلانوش آدمی ہے دو چار پگ میں اس کا کیا بنتا بگڑتا ہے۔ بہت زیادہ پی جانے پر بھی اس کی حالت پاگلوں کی سی کبھی نہیں ہوتی۔ مگر اس رات..... پہلے تو وہ دو تین بار چیخا تھا اور پھر اٹھ کر دوڑتا چلا گیا تھا۔ جب تک ہم باہر آتے وہ نظروں سے غائب ہو چکا تھا۔''

''کیا تم دو ہی پگ میں بول جاتی ہو۔'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''اوہ..... تو تم مجھے نشے میں سمجھ رہے ہو۔ نہیں کیپٹن میں ہوش میں ہوں۔''

''خیر میں تسلیم کئے لیتا ہوں کہ تم ہوش میں ہو۔''

''میں کیا کروں۔'' کٹی نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا اور پھر حمید نے ہلکی ہلکی سسکیاں لیں۔ لیکن اُسے اب نہ تو اس سے دلچسپی رہ گئی تھی اور نہ اس کی کہانی سے۔ وہ تو اس لڑکی کے متعلق سوچ رہا تھا جسے اندھیرا نگل گیا تھا۔

''میں جا رہی ہوں۔ مجھے جانے دو۔'' کٹی اٹھتی ہوئی بولی۔

''میں نے تمہیں روکا کب تھا۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔

''تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔''

''حالانکہ وہ بالکل صاف ہوتی ہیں۔ مجھے ایسی عورتوں پر بے حد غصہ آتا ہے جو میرے پاس بیٹھ کر دوسرے مردوں کے لئے روتی ہیں۔''

کٹی بڑبڑاتی ہوئی چلی گئی اور حمید سوچنے لگا کہ زندگی میں ایسی راتیں بھی آتی ہیں جن کا حساب کتاب رکھنے کو دل نہیں چاہتا۔

ایک انگلی اور لاش

فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے اخبار سے نظر ہٹائے بغیر نیلم سے کہا۔ ''دیکھو.....!''

نیلم قریب ہی بیٹھی ہوئی سوئیٹر بن رہی تھی۔ اس نے اٹھ کر کال ریسیو کی اور ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ ''آپ کی کال ہے۔''

''کون ہے؟''

''لیڈی شمشاد.....!''

''ہیلو..... ڈیئر۔'' فریدی اٹھتا ہوا بولا اور نیلم نے ریسیور اس کی طرف بڑھا دیا۔

"ہیلو..... جی ہاں۔ فریدی..... ارے..... کب..... اوہ..... اچھا..... میں پندرہ منٹ کے اندر پہنچ جاؤں گا۔" اس نے ریسیور رکھ دیا اور ہینگر سے کوٹ اتار کر پہنتا ہوا دروازے کیطرف بڑھا۔

"کیوں..... انکل" نیلم نے سوال کیا۔

"واپس آ کر بتاؤں گا" اس نے کہا اور حمید کے کمرے کے قریب سے گزرتے وقت اسے بھی باہر آنے کی ہدایت کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

حمید کمرے سے نکلا ہی تھا کہ نیلم سے مڈبھیڑ ہوگئی اور حمید نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"یہ باہر آنا کیا معنی رکھتا ہے۔ بس کہتے ہوئے تشریف لے گئے ہیں کہ باہر آؤ۔"

"شاید لیڈی شمشاد کا فون تھا۔" نیلم جلدی جلدی پلکیں جھپکاتی ہوئی بولی۔

"بوڑھی عورتوں کے فون پر وہ اسی طرح طوفان ایکسپریس ہوجاتے ہیں۔ ہام..... تو میں کپڑے تبدیل کرلوں۔ یعنی لعنت ہے اس زندگی پر ابھی ناشتہ بھی نہیں نصیب ہوا۔"

"میں ایک ہفتے تک ناشتہ نہ کروں تب بھی مجھے پرواہ نہ ہوگی۔" نیلم بولی۔

"میں کسی ریگستان میں نہیں پیدا ہوا تھا۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا اور پھر کمرے میں واپس چلا گیا

دروازہ بند کر کے اس نے لباس تبدیل کیا اور باورچی خانے سے آنے والی خوشبوئیں اپنے پھیپھڑوں میں ٹھونستا ہوا باہر لان پر نکل آیا۔

فریدی لنکن میں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔

"مجھے اس سے بڑی نفرت ہے کہ بیدار ہوجانے کے بعد بھی شب خوابی کا لباس جسم پر موجود رہے۔" اس نے کہا۔

"جس چیز سے آپ کو محبت ہو اسی کا نام بھی لے لیجئے۔" حمید اس کے برابر بیٹھ کر دروازہ بند کرتا ہوا بولا۔

کار پھاٹک سے نکل کر سڑک پر آ گئی۔ فریدی نے حمید کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"کیا لیڈی شمشاد نے ناشتے پر مدعو کیا ہے یا سر شمشاد کی لاش ہمیں ناشتہ بنائے گی؟"

حمید نے پوچھا۔

"تم غلط سمجھے۔ شمشاد کو کسی نے قتل نہیں کیا بلکہ صرف اس کے بائیں پیر کی سب سے چھوٹی انگلی کاٹی گئی ہے۔"

"کیا مطلب.....؟"

"بائیں پیر کا مطلب بتاؤں یا سب سے چھوٹی انگلی کا۔"

حمید کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا اور اس نے تہیہ کرلیا کہ اب کچھ نہ پوچھے گا۔

کچھ دیر بعد کار شمشاد ولا کے سامنے رکی۔ یہاں کئی اور کاریں بھی کھڑی ہوئی تھیں، جن پر لگی ہوئی "ایم" کی تختیاں ظاہر کر رہی تھیں کہ اس وقت شمشاد ولا میں شہر کے ڈاکٹروں کا جم غفیر نظر آ رہا ہوگا۔

وہ جلد ہی لیڈی شمشاد کے پاس پہنچا دیئے گئے جو ان کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔ اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔ بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے وہ سچ مچ بیوہ ہوگئی ہو۔

فریدی نے خود ہی گفتگو چھیڑی تھی ورنہ اس کے ہونٹ تو اتنی مضبوطی سے بند تھے کہ جبڑوں کی رگیں ابھر آئی تھیں۔

"ان کی چیخ سن کر ملازم بیدار ہوا تھا۔" لیڈی شمشاد نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "یہ چھ بجے صبح کی بات ہے۔ اس نے خواب گاہ میں جا کر دیکھا وہ بستر پر تڑپ رہے تھے اور چادر خون سے رنگین تھی۔"

"کیا وہ اس وقت ہوش میں تھے۔"

"ہاں اس وقت تو ہوش میں تھے لیکن اس کے بعد سے پھر ہوش نہیں آیا۔"

"انگلی الگ ہوگئی ہے۔"

"بالکل..... لیکن کٹی ہوئی انگلی کمرے میں نہیں ملی۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ زخم تازہ نہیں ہے بلکہ وہ کم از کم چھ گھنٹے کا ہے۔ یعنی انگلی اسی وقت نہیں کٹی تھی جب ان کی چیخ سنی گئی تھی۔"

"ٹھہریئے۔ میں اس کے متعلق ڈاکٹروں ہی سے گفت و شنید کروں گا۔ کیا وہ ان کے

کمرے میں ہیں۔"

"ہاں میرے ساتھ آؤ۔" لیڈی شمشاد نے کہا اور آگے بڑھ گئی۔

وہ انہیں سر شمشاد کی خواب گاہ میں لے جانا چاہتی تھی لیکن پھر ایک ملازم سے معلوم ہوا کہ خواب گاہ میں ایک نرس موجود ہے۔ ڈاکٹر لائبریری میں آ گئے ہیں۔

ڈاکٹروں میں ایک فریدی کا شناسا بھی تھا۔ وہ فریدی کو دیکھتے ہی لائبریری سے نکل آیا۔

"میں انہیں الگ لے جا کر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے ڈاکٹر کی طرف دیکھ کر لیڈی شمشاد سے کہا۔

"اوہ..... ضرور..... ضرور۔" لیڈی شمشاد نے کہا اور دوسری راہداری میں مڑ گئی۔

"کیا انگلی بالکل الگ ہو گئی ہے ڈاکٹر صاحب۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں..... اور وہ کمرے میں بھی نہیں ملی۔ وہ چاقو یقیناً بہت تیز تھا کیونکہ ہڈی بالکل موم کی طرح ترشی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔"

"زخم کتنی دیر پہلے کا ہو سکتا ہے۔"

"کم از کم چھ گھنٹے پہلے کا۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"لیکن چیخ تقریباً چھ بجے سنی گئی تھی اور سر شمشاد اس وقت ہوش میں تھے۔"

"ہو سکتا ہے، اسی وقت ہوش میں آئے ہوں۔"

"مگر چھ بجے سے پہلے ان کی کوئی چیخ نہیں سنی گئی۔ ظاہر ہے کہ انگلی کٹتے وقت وہ چیخے ضرور ہوں گے۔"

"یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ چیخے ہی ہوں گے۔"

"کیوں.....!"

"ان کے سسٹم پر کلوروفارم کے اثرات بھی پائے گئے ہیں۔"

"اوہ.....!" فریدی کے ہونٹوں نے دائرے کی شکل اختیار کر لی۔

"انگلی کاٹنے سے پہلے یقینی طور پر کلوروفارم دیا گیا تھا۔" ڈاکٹر بولا۔

"شکریہ ڈاکٹر۔ بس مجھے اب اور کچھ نہیں پوچھنا ہے۔ ویسے حالت تشویش ناک تو نہیں ہے۔"

"نہیں یہ بھی حیرت انگیز بات ہے کہ خون زیادہ مقدار میں نہیں نکلا۔ حالانکہ چھ گھنٹے میں سارے جسم کی رگیں خشک ہونی چاہئے تھیں۔"

"حیرت انگیز کیوں خون جم گیا ہوگا۔ سردیوں کے دن ہیں۔"

"نہیں کرنل صاحب۔ زخم پر کسی دوا کے آثار بھی ہیں جس نے خون جمنے سے پہلے ہی رگوں کے منہ بند کر دیئے تھے۔"

فریدی خاموش ہی رہا۔ حمید اس کی آنکھوں میں تشویش کے آثار دیکھ رہا تھا۔

پھر وہ ڈاکٹر سے مصافحہ کر کے اسی راہداری میں مڑ گیا جس میں کچھ دیر پہلے لیڈی شمشاد داخل ہوئی تھی۔ وہ انہیں ایک کمرے میں مل گئی۔

"اب میں سر شمشاد کو بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"چلو..... مگر..... ڈاکٹر نے کیا کہا ہے۔"

"اوہ..... آپ فکر نہ کیجئے۔ ڈاکٹر مطمئن ہیں۔ خارج ہونے والے خون کی مقدار تشویشناک نہیں ہے۔"

"تم سچ کہہ رہے ہو نا۔" لیڈی شمشاد روہانسی ہو کر بولی۔

"بالکل فکر نہ کیجئے۔" فریدی اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرم لہجے میں بولا۔ "چلئے۔"

وہ سر شمشاد کی خواب گاہ میں آئے اور حمید اُسے دیکھ کر متحیر رہ گیا۔ وہ اس سے پہلے بھی اسے بارہا دیکھ چکا تھا مگر اب اُسے پہچاننے میں بھی دشواری ہو سکتی تھی۔ گال بیٹھ گئے تھے اور آنکھیں دھنس گئی تھیں۔ جن کے گرد سیاہ حلقے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سالہا سال سے صاحب فراش رہا ہو۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ اتنے بدل گئے ہوں گے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"بس دیکھ لو۔ اسی وقت سے حالت بگڑنی شروع ہو گئی تھی۔ جب دوسری بار وہ نامراد تحریر ان کی پشت پر دیکھی گئی تھی۔"

''اس درمیان میں بھی انہوں نے اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔''

''ہرگز نہیں۔ اگر بتاتے تو میں تمہیں ضرور اطلاع دیتی۔''

''اوہو..... اچھا چلئے۔ باہر گفتگو کریں گے۔''

وہ پھر خواب گاہ سے باہر آ گئے۔ حمید زخم نہیں دیکھ سکا تھا کیونکہ بائیں پیر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ ویسے اس کی خواہش تھی کہ ایک نظر زخم کو بھی دیکھ لیتا مگر جب فریدی ہی نے اس قسم کی کوئی مطالبہ نہیں کیا تھا تو وہ اپنی زبان کیسے کھولتا۔

وہ ایک دوسرے کمرے میں آئے۔

''میں ان۔ کے سارے احباب کو بھی چیک کر چکا ہوں۔'' فریدی نے کہا۔ ''مگر ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔''

''مگر انگلی کیسے کٹی۔ اس کا مطلب ہے.....!''

''مطلب تو ابھی تک کسی چیز کا بھی واضح نہیں ہو سکا۔ تحریر ہی کے متعلق ہم نے یا کسی نے کیا معلوم کر لیا ہے۔''

''پھر بتاؤ میں کیا کروں۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ میں پاگل ہو جاؤں گی۔''

''فکر نہ کیجئے۔ جلد ہی کوئی بہتر صورت پیدا ہو گی۔'' فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''کیا آپ سر شمشاد کے کسی دشمن سے بھی واقف ہیں۔''

''نہیں! ویسے تو ایک نہیں ہزاروں دشمن ہوں گے۔ کاروبار میں ہر قسم کی دشمنیاں چلتی رہتی ہیں۔''

''بہرحال آپ کوئی ایسی بات نہیں بتا سکتیں جس سے تفتیش کو کسی خاص رخ پر آگے بڑھایا جا سکے۔''

''میں سوچوں گی۔ اس وقت تو میرا دماغ قابو میں نہیں ہے۔''

''ان کی نجی ڈاک گھر کے پتہ پر آتی ہے یا دفتر کے پتہ پر۔''

''ڈاک دفتر کے پتہ پر آتی ہے اور نجی خطوط یہ دفتر میں نہ ہوں تو گھر آ جاتے ہیں۔''

''ان دنوں کی ڈاک کہاں ہے۔''

''اس کے لئے ان کے مخصوص ملازم سے گفتگو کرنی پڑے گی۔''

تقریباً آدھے گھنٹے تک فریدی ملازم سے حاصل کئے ہوئے خطوط دیکھتا رہا لیکن حمید نے اس کے چہرے سے اندازہ کر لیا تھا کہ اُسے کوئی کام کی بات نہیں معلوم ہو سکی۔

فریدی کی دوسری تجویز یہ بھی تھی کہ سر شمشاد کے نجی صندوقوں کی تلاشی لی جائے۔ لیکن لیڈی شمشاد اس پر رضامند نہیں ہوئی۔ اس کا خیال تھا کہ یہ کام سر شمشاد کی لاعلمی میں ہرگز نہ ہو سکے گا۔

پھر کچھ دیر بعد وہ وہاں سے روانہ ہو گئے۔ فریدی نے لیڈی شمشاد کو بہتیری تشفی دی تھی، لیکن اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نہیں مٹے تھے۔

راہ میں حمید نے پچھلی رات کا قصہ چھیڑ دیا۔ ابھی تک اس نے فریدی کو اس سے آگاہ نہیں کیا تھا کہ اس نے پچھلی رات کا کچھ حصہ کٹی پرکنس کے ساتھ بھی گزارا تھا۔

''جمی کارٹر اور ٹونی میں دونوں ہی سے واقف ہوں۔ یہ بہت ہی شاطر قسم کے شارپر ہیں۔ اول درجے کے مکار اور تم بڑے گدھے ہو کہ تم نے اس کا تذکرہ پہلے ہی نہیں کیا۔'' فریدی غرایا۔

''پہلے سے مراد ہے..... غالباً ناشتے سے پہلے۔'' حمید دردناک آواز میں بولا۔ ''مگر ابھی ہم نے ناشتہ کیا ہی کب ہے۔''

''بکواس مت کرو۔ ہو سکتا ہے کارٹر اور ٹونی ہی نے کوئی جال پھیلایا ہو۔''

''ناشتے سے پہلے اب میرے حلق سے آواز بھی نہ نکل سکے گی۔ ویسے ابھی میرے پاس بہتیری اہم اطلاعات ہیں۔''

فریدی نے کار ایک ریستوران کے سامنے روک دی۔

''چلو اترو۔'' فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ ''پہلے کچھ زہر مار کر لو۔''

''پہلے ہی زہر مار کروا دیا ہوتا تو کیا حرج تھا۔''

وہ ریستوران میں آ بیٹھے اور حمید ہی نے اپنی پسند سے آرڈر دیا۔

اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ مختلف چیزوں کے بڑے بڑے ٹکڑے نگلتا ہوا کہہ رہا تھا۔ ''ان دونوں گدھوں کو اس کا علم ہے کہ کٹی پرکنس کرنل اسمتھ کی بیوی بھی ہے۔''

''یہ کیسے کہا جا سکتا ہے۔''

''صرف زبان ہلا کر۔'' حمید نے کافی سعادت مندانہ انداز میں جواب دیا۔

''حمید میں تمہاری گردن توڑ دوں گا۔''

''اس کے باوجود بھی زبان ہلانے کے لئے ناشتے کا محتاج رہوں گا۔ کیونکہ ناشتہ ہر حال میں گردن سے گزرتا ہے۔ خواہ وہ ٹوٹی ہوئی ہو یا نہ ہو۔''

فریدی بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

''اوہاں۔'' حمید جلدی سے بولا۔ ''تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ بات مجھے کٹی ہی نے بتائی تھی کہ وہ دونوں اس حقیقت سے لاعلم ہیں۔''

''اور کٹی ہی نے گرینچ بار کا واقعہ بھی بتایا تھا۔''

''جی ہاں۔''

''ہوں۔'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''ٹونی تم دونوں کو وہیں چھوڑ کر اٹھ گیا تھا۔''

''یہ بھی درست ہے۔''

''تمہیں یقین ہے کہ ہائی سرکل نائٹ کلب کا اندھیرا لائین کی خرابی کا نتیجہ نہیں تھا۔''

''خود کلب ہی کی طرف سے مائیک پر اس کا اعلان ہوا تھا کہ صرف عمارت ہی کے برقی نظام میں کوئی گڑبڑ ہو گئی تھی۔''

اور پھر روشنی ہونے پر جمی کارٹر اور وہ لڑکی وہاں نظر نہیں آئے تھے۔

''یہ بھی درست ہے۔''

''اس کا ردعمل کٹی پر کیا ہوا تھا؟''

''وہ بہت زیادہ مغموم نظر آنے لگی تھی۔ بلکہ کچھ دیر تک روتی بھی رہی تھی۔''

''پھر تم دونوں کہاں گئے تھے۔''

''پھر وہ چلی گئی تھی اور میں وہیں بیٹھا سر پیٹتا رہا۔''

فریدی نے پھر کوئی سوال نہ کیا۔ ناشتہ ختم کر کے وہ کاؤنٹر پر آئے۔ حمید تو بل کی رقم ادا کرنے لگا اور فریدی نے فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کئے۔

''ہیلو! گیت یووا۔'' اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ''ٹونی کہاں ہے۔ میں جمی کارٹر بول رہا ہوں۔ اوہ..... شکریہ۔''

فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا اور وہ دونوں باہر نکل آئے۔''

کار پھر چل پڑی اور فریدی نے پوچھا۔ ''تو ٹونی کٹی کو ہائی سرکل میں اسی لئے لے گیا تھا کہ اُسے جمی کو اس لڑکی کے ساتھ دکھائے۔''

''ہاں..... کٹی نے تو یہی بتایا تھا۔ مگر اب ہم کہاں جا رہے ہیں۔''

''میں ٹونی کو چیک کروں گا۔''

''ٹونی کی سات پشتوں کو چیک کیجئے۔ میں ناشتہ کر چکا ہوں۔'' حمید نے کہا اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ ویسے حقیقتاً وہ اس کیس میں کافی دلچسپی لے رہا تھا۔

''کیا آپ کرنل اسمتھ سے نہیں ملیں گے۔'' اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

''ملوں گا۔ مگر اس سے پہلے ہی ٹونی کو چیک کروں گا۔''

''وہ کہاں ملے گا۔''

''اپنے گھر پر۔ کیونکہ وہ ابھی تک آفس نہیں پہنچا۔''

''آفس.....!'' حمید نے حیرت سے دہرایا۔

''ہاں۔ کیوں تمہیں اس پر حیرت کیوں ہے۔ وہ ایک جاپانی فرم میں اسسٹنٹ منیجر کی حیثیت سے کام بھی کرتا ہے۔''

''اس سے زیادہ حیرت مجھے اس بات پر ہے کہ آپ کو اس جاپانی فرم کے ٹیلی فون نمبر بھی یاد تھے۔''

"ہاں.....!"

"اسے میں کیا سمجھوں۔ ارے دنیا کی کوئی ایسی بات بھی ہے جو آپ کے علم میں نہ ہو۔" فریدی ہنسنے لگا پھر بولا۔ "اب تم غالباً شرلاک ہومز والی پھبتی دہراؤ گے۔"

"نہیں۔ میں کسی دن حیرت کی زیادتی کی وجہ سے مر ہی جاؤں گا۔"

"بات یہ ہے کہ اس فرم سے تعلق رکھنے والے بعض افراد سے میں ان دنوں ملتا رہا ہوں۔"

"اوہو.....اب میں سمجھا۔ جاپانی فرم ہے نا۔"

"ہاں جاپانی۔ مگر بہت دیر میں سمجھے۔"

"تو کیا اس فرم سے ٹویوڈا کا کوئی تعلق ثابت ہوتا ہے۔"

"مجھے شبہ ہے۔"

ٹویوڈا کے چکر میں فریدی عرصہ سے تھا۔ ٹویوڈا ساری دنیا میں جاپان کا فتنہ کہلاتا تھا اور دنیا کے کسی بھی ملک میں اس کی موجودگی ناممکن نہیں سمجھی جاتی تھی۔ فریدی کو شبہ تھا کہ وہ ان دنوں اسی کے ملک میں مقیم ہے نہ صرف ملک بلکہ دارالسلطنت میں۔

"تم ٹویوڈا کے متعلق کیا جانتے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"جو کچھ نہ جانتا ہوں گا وہ آپ جانتے ہوں گے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"اس لئے کوئی فرق نہیں پڑ سکتا۔"

فریدی پھر ہنسنے لگا۔ کار سینٹ جوزف کالونی میں داخل ہو رہی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ ایک چھوٹے سے مکان کے سامنے رک گئی۔ وہ دونوں اترے اور فریدی برآمدے کیطرف بڑھتا چلا گیا۔

پھر وہ کافی دیر تک کال بل کا بٹن دباتا رہا لیکن اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ تنگ آ کر حمید نے دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔ مگر جواب ندارد۔ آخر وہ گھوم کر عمارت کی پشت پر پہنچے۔ لیکن ادھر بھی اندر جانے کا کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ وہ پھر برآمدے کی طرف واپس آئے جب کوئی اور صورت باقی نہ رہ گئی تو فریدی نے فیصلہ کیا کہ وہ دروازہ ہی توڑ دیا جائے۔ اتنی دیر میں وہاں اچھی خاصی بھیڑ ہو گئی تھی۔ لوگوں کو یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ وہ دونوں محکمہ پولیس سے تعلق رکھتے ہیں۔

دروازہ توڑا گیا اور وہ اندر گھسے۔ مگر وہاں.....انہیں ٹونی کی لاش ملی۔ وہ فرش پر پیٹ کے بل پڑا ہوا تھا اور اس کی پشت میں ایک خنجر دستے تک پیوست تھا۔ آس پاس کی زمین خون سے سرخ تھی۔"

"ٹونی.....کوتوالی۔" فریدی نے حمید سے صرف اتنا ہی کہا اور پھر لاش کی طرف متوجہ ہو گیا۔

نئے اُلو

سینٹ جوزف کالونی کے پوسٹ آفس سے کوتوالی فون کر کے حمید پھر واپس آ گیا۔ اس وقت اس کے ذہن میں ٹویوڈا کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ مگر ٹویوڈا تھا کہاں اور فریدی کے شبہات کی بنیاد کیا تھی؟ اُسے کیسے علم ہوا تھا کہ ٹویوڈا دارالسلطنت میں مقیم ہے؟ حمید کے پاس ان سوالات کا کوئی جواب نہیں تھا۔

ٹویوڈا کوئی غیر معروف ہستی نہیں تھی۔ یورپ کے لوگ تو اُسے شیطان ہی کا جاپانی ترجمہ سمجھتے تھے اور اس کی شکارگاہ بھی یورپ ہی تصور کیا جاتا تھا۔ یورپ کے جس ملک میں بھی اس کی موجودگی کا شبہ کیا جاتا وہاں کے سرمایہ دار پوری نیند چھوڑ دیتے تھے اور انہیں ہر وقت ہوشیار رہنا پڑتا تھا۔

مگر ٹویوڈا..... یہاں؟ یہ بات حمید کے حلق سے نہیں اترتی تھی۔ آخر فریدی کو کس بناء پر یہاں اس کی موجودگی کا شبہ ہوا تھا۔ فریدی نے آج تک اپنے شبہے کی وجہ نہیں بتائی تھی۔

تھوڑی ہی دیر بعد ایک پولیس کار وہاں پہنچ گئی۔ کوتوالی انچارج کے ساتھ پولیس ہسپتال کا ڈاکٹر بھی آیا تھا۔

حمید کو ایک بار پھر باہر جانا پڑا کیونکہ وہ اپنے محکمے کے فنگر پرنٹ سیکشن کے فوٹو گرافروں کو فون کرنا بھول گیا تھا۔

واپسی پر اس نے فریدی کو چھان بین میں مشغول پایا۔ ڈاکٹر لاش کا معائنہ کر چکا تھا۔ اس کے خیال کے مطابق قتل رات کے پچھلے حصے میں ہوا تھا۔ دو اور تین کے درمیان۔

فریدی خاموش تھا۔ اس نے ابھی تک نہ کسی سے اختلاف کیا تھا اور نہ کسی پوائنٹ/ موضوع بحث بنایا تھا۔ حالانکہ کئی آفیسروں نے بحث چھیڑنی بھی چاہی تھی، مگر فریدی ٹال گیا تھا۔

پھر وہ دونوں فوٹو گرافروں کو بعض ضروری ہدایات دیتے ہوئے باہر آ گئے۔

''کیا خیال ہے۔'' حمید نے کار میں بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''ٹویوڈا۔'' فریدی نے آہستہ سے جواب دیا۔

''کوئی دلیل۔''

''اوہ..... حمید..... کٹی پرکنس۔''

''کیا مطلب.....!''

''میرا خیال ہے کہ کٹی پرکنس بھی خطرے میں ہو سکتی ہے یا ہو سکتا ہے اب تک اس کا بھی یہی حشر ہو چکا ہو۔''

حمید کے دل کو دھچکا سا لگا۔ کسی عورت کا قتل ہمیشہ اس کے لئے تھوڑا بہت تکلیف دہ ضرور ہوتا تھا خواہ مقتولہ مجرمہ ہی کیوں نہ ہو اور کٹی تو بہت صاف گو تھی۔ وہ اگر چاہتی تو حمید کو جمی کارٹر کے متعلق کچھ نہ بتاتی۔ یہ ظاہر کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ وہ کسی کی بیوی ہونے کے باوجود بھی دوسرے مردوں سے تعلقات رکھتی ہے۔

''کیوں نہ ہم اُسے بھی دیکھ لیں۔'' حمید نے کہا۔

''وہیں چل رہے ہیں۔''

''مگر ٹویوڈا۔ آخر آپ کس بناء پر یہاں اس کی موجودگی.....!''

''فی الحال اُسے الگ ہی رکھو۔'' فریدی بات کاٹ کر بولا۔

''میں الگ نہیں رکھوں گا۔ آپ کو بتانا پڑے گا۔''

''اگر تم نے اس کے متعلق کچھ معلوم بھی کر لیا تو کیا کر سکو گے۔''

''یہ بعد میں سوچوں گا۔''

''جو کچھ بھی سوچو گے غلط ہی سوچو گے۔''

''اگر غلط نہ سوچوں گا تو صحیح سوچوں گا۔ ان دونوں کے علاوہ اور کوئی تیسرا معیار نہیں ہے۔''

''ٹویوڈا کے متعلق تم کیا جانتے ہو۔''

''یورپ کا ہوّا۔ جو جاپان میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا خوف یورپ کے سرمایہ داروں پر اس طرح مسلط ہے کہ اکثر ٹویوڈا کے نام پر انہیں دوسرے بھی لوٹ لیتے ہیں۔''

''بس اتنا ہی جانتے ہو۔''

''اگر اس سے زیادہ جانتا ہوتا تو یہی نہ تسلیم کر لیتا کہ آج کل ٹویوڈا یہاں موجود ہے۔'' حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''کتنی دیر سے انگارے چبا رہے ہو۔'' فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا تھا۔

''ٹویوڈا ایک مقامی سرمایہ دار کا تعاقب کرتا ہوا جرمنی سے یہاں آیا ہے۔ اس سرمایہ دار نے خود ہی مجھے اطلاع دی تھی کہ ٹویوڈا ایک شکاری کتے کی طرح اس کا پیچھا کر رہا ہے۔''

''تب پھر اُسے شبہ کیوں کہئے۔ آپ کو یقین ہونا چاہئے کہ ٹویوڈا یہاں موجود ہے۔''

''جب تک کہ مجھے واضح ثبوت نہ مل جائیں، میں کسی معاملے کو شبہات کی حدود سے نہیں نکلنے دیتا۔''

''اس سرمایہ دار کا کیا حشر ہوا۔''

''اُسے اپنے حشر کا علم ہی نہ ہو سکے گا۔ اگر اس کا شبہ درست ہے۔''

''کیوں؟''

''یہی تو تم نہیں جانتے۔'' فریدی مسکرایا۔ ''ٹویوڈا کا طریق کار یہی ہے۔''

''میں اب بھی نہیں سمجھا۔'' حمید جھنجھلا گیا۔

''بھئی انہیں اچانک ہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کوئی نقصان ہو گیا۔ خواہ وہ نقصان سال

بھر سے کیوں نہ ہوتا رہا ہو۔ مثلاً تمہاری کوئی رقم کسی بینک کے سیونگ بینک اکاؤنٹ میں پڑی ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ تم اس کی طرف سے مطمئن ہو۔ لیکن اچانک ایک دن تمہیں علم ہوگا کہ لاکھوں میں صرف پانچ روپے باقی بچے ہیں۔"

"جعلی چیک.....!"

"ہاں..... یا تو وہ خود ہی جعلی دستخط بنانے کا ماہر ہے یا اس کے گروہ کا کوئی آدمی۔"

"وہ سرمایہ دار دراصل ایک تجارتی معاہدے کے سلسلے میں جرمنی گیا تھا۔ ٹویوڈا کو کسی وجہ سے یہ معاہدہ پسند نہیں تھا۔ ہوسکتا ہے کہ ٹویوڈا کی اس ناپسندیدگی کے پس منظر میں کسی دوسرے سرمایہ دار کا مفاد ہو۔ وہ اکثر دوسروں کے لئے کام بھی کرتا ہے۔"

"کیا وہ سرمایہ دار سرشمشاد ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔ ان آٹھوں اُلوؤں میں سے ایک بھی نہیں ہے۔"

"مگر وہ اس سرمایہ دار کا تعاقب کیوں کررہا تھا۔"

"اس نے اُسے وارننگ دی تھی کہ اگر اس نے جرمنی کی کسی فرم سے کوئی معاہدہ کیا تو وہ قبر تک اس کا تعاقب کرے گا۔ ٹویوڈا کی وارننگ کچھ اس قسم کی ہوتی ہے جو لوگوں کو ذہنی ہیجان میں مبتلا کردے۔ لوگ نہیں جانتے کہ وہ کیا کیا کرگزرے گا۔ اس لئے اس کی وارننگ ہی ان کی موت کا پیغام بن جاتی ہے اور وہ جو کچھ بھی کہتا ہے کرگزرتا ہے۔ خواہ اس کے لئے کتنی ہی دشواریاں کیوں نہ پیدا کردی جائیں۔"

"اوہ..... تب میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس کی شامت ہی اُسے یہاں لائی ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ کار کرنل اسمتھ کی کوٹھی کے قریب پہنچ گئی تھی۔ فریدی اُسے کمپاؤنڈ کے اندر لیتا چلا گیا۔

کچھ دیر بعد وہ ملازم کی واپسی کا انتظار کررہے تھے۔ فریدی نے کئی پرکنس کے لئے اپنا کارڈ بھی بھجوایا لیکن ملازم کو یقین نہیں تھا کہ وہ اندر موجود ہی ہوگی۔

اپنے خیال کے مطابق وہ بے نیل ومرام واپس آیا۔ وہ اندر موجود نہیں تھی۔ لیکن نوکر کے

پیچھے ہی کرنل اسمتھ کی شکل بھی نظر آئی۔ وہ ایک دبلا پتلا اور لمبا آدمی تھا۔ گو اس کی عمر اب ڈھل گئی تھی، لیکن پھر بھی اس کی آنکھوں سے جوانوں کی سی چستی اور طاقت کا اظہار ہوتا تھا۔

"آپ کٹی پرکنس سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔" کرنل اسمتھ نے فریدی کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"وہ میری دوست ہیں۔" حمید بول پڑا۔

"میں آپ دونوں کو پہچانتا ہوں۔" کرنل اسمتھ غرایا۔

"یقیناً ہماری خوش قسمتی ہے کرنل اسمتھ" فریدی مسکرایا۔

"لیکن میرا ہاتھ دوست کے لئے نہیں بڑھ سکتا۔"

"یہ بھی ظاہر ہے۔"

"میں نہیں چاہتا کہ آپ لوگ میرے گھر تشریف لائیں۔" اس نے بلند آواز میں کہا۔

"پھر میں دوست سے کہاں ملا کروں کرنل۔" حمید نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"جہنم میں۔" کرنل اسمتھ تقریباً چیخ پڑا۔ "اگر وہ تمہاری دوست ہے تو اُسے یہاں سے لے جاؤ۔ اپنے ساتھ رکھو لیکن میرے گھر پر آنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اوہو..... تم اپنی بیوی کی توہین کررہے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"وہ میری بیوی ہے اس لئے تمہیں اس کی فکر نہ ہونی چاہئے۔"

"مجھے اس کی فکر ہے۔"

"کیوں؟"

"وہ خطرے میں ہے کرنل اسمتھ۔"

"گڈ.....!" کرنل اسمتھ کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ لیکن ان سے حیرت بھی جھانک رہی تھی۔ کچھ دیر تک وہ خاموش رہا پھر بولا۔ "یہ خطرہ کب تک خطرے ہی کے اسٹیج میں رہے گا۔"

"میں نہیں سمجھا۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"خطرہ ٹل جائے تو اُسے کیا کہیں گے۔" کرنل اسمتھ نے پوچھا۔

"اگر شوہر کے سر سے خطرہ ٹل جائے تو بیوی بیوہ نہیں کہلائے گی۔" حمید بول پڑا۔ "اور

اگر بیوی کے سر سے خطرہ ٹل گیا تو شوہر کی شامت بدستور موجود رہے گی۔ کیا سمجھے۔"

"میں تم سے بات نہیں کر رہا ہوں۔" کرنل اسمتھ کسی بدمزاج بوڑھی عورت کی طرح نتھنے پھلا کر بولا۔

"کیا تم چاہتے ہو کہ کٹی مر جائے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں میں یہی چاہتا ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔ اگر آج ہی اس کی لاش مل گئی تو میں تمہیں پھر تکلیف دوں گا۔" فریدی نے کہا اور واپسی کے لئے مڑ گیا۔

"اُوہ..... آہ.....!" کرنل اسمتھ کھانس کر بولا۔ "ٹھہرو..... ٹھہرو۔ پتہ نہیں تم کیا کہہ رہے ہو۔"

فریدی رک گیا۔

"میں یہ کہہ رہا ہوں۔" اس نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "کہ تم ابھی اس کی موت کے خواہاں ہونے کا اعتراف کر چکے ہو۔ اس لئے اگر اس کی لاش ہی ملی تو.....!"

"مم..... مطلب..... یہ کہ..... میں سمجھتا ہوں تم کیا کہنا چاہتے ہو لیکن اس کی موت کا تعلق میری ذات سے نہیں ہو سکتا۔"

"اسے تو صرف عدالت ہی میں ثابت کیا جا سکے گا۔"

"ہوں.....!" اس نے آنکھیں نکال کر ہونٹ سختی سے بھینچ لئے اور پھر بولا۔ "تو میں یہ سمجھ لوں کہ میرے لئے کوئی جال پھیلایا جا رہا ہے۔"

"کس قسم کا جال..... کرنل اسمتھ۔"

"یہ کٹی جان سکتی ہے۔ یا تم جان سکتے ہو۔"

"اوہو تو کیا تمہاری بیوی تمہارے لئے کسی قسم کا جال بھی پھیلا سکتی ہے۔"

"میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ کٹی نے تمہیں میرے خلاف بھڑکایا ہے۔"

"میں تمہارے متعلق کیا نہیں جانتا اور کب سے نہیں جانتا۔" فریدی کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ سی مسکراہٹ تھی۔

"لیکن جاننے کے باوجود بھی میرا کیا بگاڑ سکے۔"

"یہ ایک دوسری بحث ہے اس وقت اس میں نہیں پڑنا چاہتا تھا لیکن اگر تم نے اپنی اور کٹی کی پوزیشن صاف نہ کی تو تم دونوں ہی پریشانیوں کا شکار ہو جاؤ گے۔"

"جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں قطعی مطمئن ہوں کیونکہ پریشانیوں سے نپٹنا میرا محبوب مشغلہ ہے لیکن بتاؤ کہ کٹی کو کس بات کا خطرہ لاحق ہے۔"

"ہم زیادہ دیر تک کھڑے نہیں رہ سکتے۔" حمید نے کہا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں اپنی چھت کے نیچے پولیس والوں کو دیکھنا پسند نہیں کرتا۔"

"تب تم دوبارہ اُلو ہو اور تیسری بار نہیں ہو۔" حمید نے کہا اور کرنل اسمتھ یک بیک اس طرح چونک پڑا جیسے الیکٹرک شاک لگا ہو۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں اور آنکھوں میں بادل سے چھا گئے تھے۔ پہلی سی آب و تاب باقی نہیں رہی تھی۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے گا۔ یہی ہوتا مگر اُسے برآمدے کے ستون کا سہارا مل گیا۔

حمید نے فریدی کے ہونٹوں پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ دیکھی۔ ویسے حمید ڈر رہا تھا کہ کہیں وہ اس اُلو کے حوالے کے لئے اس سے باز پرس نہ کر بیٹھے۔

"کیا تمہاری طبیعت کچھ خراب ہے۔" فریدی آگے بڑھتا ہوا بولا۔

"جاؤ..... خدا کے لئے چلے جاؤ۔ جاؤ یہاں سے۔" کرنل اسمتھ نے خوفزدہ سی آواز میں کہا۔ "اس سُور کی بچی نے آخر..... نہیں کچھ نہیں..... جاؤ۔"

پھر یک بیک وہ حلق پھاڑنے لگا۔ پاگلوں کی طرح چیخنے لگا۔ "نکل جاؤ۔ یہاں سے چلے جاؤ..... بھاگو۔ ورنہ میں بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔ میں نہیں جانتا تم کون ہو۔ میں تمہیں ملازمت نہیں دے سکتا۔ تم لٹیرے معلوم ہوتے ہو..... جاؤ۔"

اس کے بعد وہ ا۔ ز۔ ن۔ ک۔ ں کو پکارنے لگا۔

"آؤ چلیں۔" فریدی حمید کا ہاتھ پکڑ کر آہستہ سے بولا۔

"دو چار ہاتھ نہ جھاڑ دوں۔"

"نہیں..... بیکار باتیں نہ کرو۔"

وہ تیزی سے چلتے ہوئے کار کی طرف آئے اور پھر فریدی نے وہاں سے روانہ ہو جانے میں اتنی جلدی کی جیسے وہ سچ مچ کرنل اسمتھ سے دب گیا ہو۔

حمید بُری طرح جھلایا تھا۔ اگر وہ تنہا ہوتا تو شائد کرنل اسمتھ ہسپتال پہنچ گیا ہوتا۔

"یہ کیا کیا آپ نے۔"

"یہی مناسب تھا۔"

"اتنی عقل میں بھی رکھتا ہوں کہ یہ لوگ اپنے اُلو پن کا راز چھپانا چاہتے ہیں۔"

"جانتے ہو لیکن اس کے باوجود بھی میرے دماغ کے لئے دیمک بننے کی کوشش کر رہے ہو۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"میرا خیال ہے کہ کٹی بھی ختم کر دی گئی۔"

"ہاں۔ گھر میں تو اس کی موجودگی نہیں ثابت ہوتی۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ کئی طرح کے خیالات اس کے ذہن میں گڈمڈ ہو گئے تھے اور وہ انکو مربوط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سر شمشاد کا معاملہ اور دوسرے سات آدمی جن میں کرنل اسمتھ بھی شامل تھا کٹی کی کہانی..... ٹونی کا قتل..... ان کا دوسرے سے کوئی تعلق نہیں ظاہر ہوتا تھا۔ لیکن یہ بھی ممکن تھا کہ کٹی نے اُسے اصلیت ہی سے نہ آگاہ کیا ہو۔ اس نے اُسے جھی کارٹر کی کہانی سنائی تھی۔ لیکن خود حمید کے پاس اس کا کیا ثبوت تھا کہ وہ کہانی درست ہی تھی اور اگر درست بھی ہوتی تو اس کا کرنل اسمتھ اور دوسرے سات آدمیوں کے اُلو پن سے کیا تعلق ہوتا۔

وہ سوچتا رہا اور آخر اس نتیجے پر پہنچا کہ کٹی خود ہی ان سارے حادثات کی ذمہ دار ہو سکتی ہے کیونکہ اس کا ریکارڈ بھی اچھا نہیں تھا۔

دفعتاً فریدی نے ایک ٹیلی فون بوتھ کے قریب کار روک دی اور خود اُتر گیا۔

حمید اس کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ واپسی جلد ہی ہو گئی۔

"گھر پر کٹی موجود ہے۔" فریدی نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کس کے گھر پر۔"

"اپنے یہاں۔ میں نے نصیر کو فون کیا تھا۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ لیڈی شمشاد کی طرف سے کوئی پیغام تو نہیں ہے لیکن وہ ایک برقعہ پوش یوریشین عورت کی کہانی لے بیٹھا۔"

"برقعہ پوش یوریشین عورت..... کیا مطلب....."

"کٹی برقعے میں آئی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "حمید نے محسوس کیا کہ وہ کار کی رفتار بتدریج تیز کرتا جا رہا ہے۔

کٹی برقعے میں آئی ہے۔ وہ سوچنے لگا۔ تو کیا اس نے بھی خطرے کی بو سونگھ لی تھی۔

دفعتاً فریدی بولا۔ "کیا تم کٹی پر اعتماد کر لو گے۔"

"ہام.....!" حمید نے ایک طویل سانس لی، تھوڑی دیر تک سر کھجاتا رہا پھر بولا۔ "کٹی پر آج سے دس سال پہلے ضرور اعتماد کر لیتا مگر اس وقت شائد وہ تمیں سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے۔ مگر یہ تو آپ نے بتایا ہی نہیں کہ اس سوال کا مقصد کیا ہے۔"

"ہو سکتا ہے خود کٹی ہی نے کسی قسم کا جال پھیلایا ہو۔ کیا تم نے نہیں محسوس کیا کہ کرنل اسمتھ اس سے کتنی نفرت ظاہر کر رہا تھا۔"

"جی ہاں..... لیکن میں نے یہ بھی دیکھا تھا کہ اُلو کے تذکرے پر اس کی حالت غیر ہو گئی تھی۔"

"بہت اچھے۔ تم غالباً یہ کہنا چاہتے ہو کہ اگر اس کی حالت غیر نہ ہوئی ہوتی تو صرف اسی صورت میں کٹی پر شبہ کیا جا سکتا۔ ہاں میں بھی یہی سوچتا ہوں۔ اُلو والا معاملہ بظاہر کٹی یا اس کی امکانی سازشوں سے متعلق نہیں ہو سکتا۔ کرنل اسمتھ اُلو کے تذکرے پر بہت زیادہ خوفزدہ نظر آنے لگا تھا اور یہ کوئی بات بھی نہیں تھی۔ ان آٹھوں کا یہی حال ہے۔ وہ صرف خوفزدہ نظر آتے ہیں لیکن خوف کی وجہ کسی نے بھی نہیں بتائی۔ ہو سکتا ہے کرنل اسمتھ کٹی سے اسی بناء پر متنفر ہو گیا ہو کہ اس نے اُلو کی کہانی ہم تک پہنچائی تھی۔"

''کیا آپ نے اس کے انداز گفتگو پر غور کیا تھا۔'' حمید نے پوچھا۔

''جب تم کر سکتے ہو تو کیا وجہ ہے کہ میں.....!''

''اس کے متعلق کیا خیال ہے۔'' حمید نے فریدی کو جملہ پورا نہیں کرنے دیا۔

''وہ غالباً کسی کو اپنی گفتگو سنانا چاہتا تھا۔ لہٰذا غیر ضروری طور پر بلند آواز سے بول رہا تھا۔ اس غیر فطری انداز تخاطب کو ایک بچہ بھی محسوس کر لیتا۔ تم نے کونسا بڑا تیر مارا ہے حمید صاحب۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ کچھ دیر بعد کار کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔

جیسے ہی وہ برآمدے میں داخل ہوئے نصیر نے فریدی کو ایک لفافہ دیتے ہوئے کہا۔

''صاحب وہ چلی گئی۔''

''ہوں.....!'' فریدی نے لفافہ چاک کر کے خط نکالا اور پھر اُسے فوراً ہی حمید کی طرف بڑھا دیا۔

''ہائیں.....!'' حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

فریدی نصیر سے پوچھ رہا تھا۔ ''کیا وہ وہی عورت تھی جو پچھلی شام کو یہاں آئی تھی۔''

''جی نہیں۔ صاحب.....وہ تو نہیں تھی۔''

حمید فریدی کا منہ دیکھنے لگا اور فریدی نے کہا۔ ''اس نے صرف اتنا ہی بتایا تھا کہ وہ کوئی برقعہ پوش یورپین لڑکی ہے۔ میں نے سوچا ممکن ہے کٹی ہو.....لیکن.....!''

حمید نے ایک بار پھر خط پر نظر ڈالی جس میں تحریر تھا۔

''تم دونوں بھی اُلو ہو۔ اس لئے آج رات اپنے انگوٹھوں کی اچھی طرح حفاظت کرنا۔''

گردن اور چیخیں

فریدی نے نصیر سے پوچھا۔ ''کیا اس نے کچھ دیر انتظار کیا تھا۔''

''جی ہاں۔ جب آپ کی کال آئی تھی میں نے اُسے بھی بتایا تھا کہ آپ جلد ہی واپس آجائیں گے۔ لیکن اس نے لفافہ نکال کر دیا اور بولی کہ وہ اب دو منٹ بھی انتظار نہیں کر سکے گی۔ یہ لفافہ آپ کو دے دیا جائے۔''

''ہوں.....!'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''وہ بیٹھی کہاں تھی۔''

''ڈرائنگ روم میں۔''

''چلو مجھے بتاؤ۔ کہاں۔'' فریدی ڈرائنگ روم کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

نصیر نے ڈرائنگ روم کی ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا اور فریدی جھک کر اس کے ہتھوں کا جائزہ لینے لگا۔ تقریباً دس منٹ تک وہ مشغول رہا پھر سیدھا کھڑا ہو کر محدب شیشہ جیب میں ڈالتا ہوا بولا۔ ''بہت چالاک تھی۔ اس نے کسی قسم کے نشانات نہیں چھوڑے۔''

حمید نصیر سے اس کا حلیہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ نصیر کبھی کچھ بتاتا اور کبھی کچھ۔ شاید اُسے حلیہ یاد ہی نہیں تھا۔ یا وہ لڑکی ہی اتنی چالاک تھی کہ اس نے کسی کو بھی اپنا تفصیلی جائزہ نہ لینے دیا ہو۔

''اب مجھے یقین آ گیا ہے کہ وہ ٹویوڈا ہی ہو سکتا ہے۔'' فریدی نے کچھ دیر بعد کہا۔

''وہ کوئی بھی ہو۔'' حمید غمگین آواز میں بولا۔ ''میں اسے پسند نہیں کروں گا کہ کسی کو ٹھینگا دکھانے کے قابل بھی نہ رہ جاؤں۔''

''فضول باتیں نہ کرو۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

''مگر اس خط میں وضاحت نہیں ہے کہ انگوٹھے ہاتھ کے ہوں گے یا پیر کے۔'' حمید بولا۔

نیلم اس وقت کوٹھی میں موجود نہیں تھی ورنہ شاید وہ فائدے ہی میں رہتے۔ جب وہ واپس آئی اور اُسے واقعات کا علم ہوا تو اس نے بے تحاشہ ہنس شروع کر دیا اور حمید کو اس قدر پریشان کیا کہ اسے اپنے کمرے میں بند ہو جانا پڑا.....وہ اُسے اسی طرح پریشان کرتی تھی۔

کچھ دیر تک اُس نے کمرے کا دروازہ نہیں کھولا۔ پھر باہر نکلنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسیور اٹھا لیا۔ فریدی نے تجربہ گاہ سے اُسے مخاطب کیا تھا۔

"یہاں آجاؤ۔" اس نے کہا۔ "نیلم شمشاد ولا جا چکی ہے۔"

"ارے تو کیا میں نیلم سے ڈرتا ہوں۔" حمید نے جھلا کر کہا۔

"یہ تم ہی بہتر جان سکتے ہو۔"

"وہ شمشاد ولا کیوں گئی ہے۔"

"ایک اسکیم ہے۔ وقت نہ برباد کرو۔ یہاں آجاؤ۔"

حمید نے ایک طویل سانس کیساتھ ریسیور کریڈل میں رکھ دیا اور دروازہ کھول کر باہر نکلا فریدی تجربہ گاہ میں تنہا تھا اور حمید کو وہ بیکار ہی نظر آیا یعنی وہ نہ تو "تجربے" کی میز پر اور نہ اس طرف تھا جہاں میک اپ کا سامان رہتا ہے۔

"میرا خیال ہے کہ تم اس لفافے کے متعلق بہت کچھ سوچتے رہے ہو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا

"نہیں۔ ضرورت ہی کیا تھی۔ اس قسم کے دعوت ناموں کا انجام پلاؤ اور بریانی کے علا اور کیا ہو سکتا ہے۔"

"حمید سنجیدگی اختیار کرو۔ کہیں سچ مچ تمہیں اپنے انگوٹھے سے ہاتھ نہ دھونے پڑیں۔"

"اس کے بعد ہاتھ دھونے ہی پڑیں گے۔" حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ لیکن ٹھ اسی وقت تجربہ گاہ کے فون کی گھنٹی بجی۔

دوسری طرف سے بولنے والا نصیر تھا۔ اس نے اطلاع دی کہ خواب گاہ والے فون فریدی کی کال ہے۔

"اسی فون سے کنکٹ کردو۔" فریدی نے کہا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "ہیلو! فریدی اسپیکنگ۔ کون جمی کارٹر..... مگر میں کسی جمی کارٹر سے واقف نہیں..... اوہ..... مگر ٹھہرو تم ٹونی کے ساتھیوں میں سے تو نہیں ہو۔ اچھا..... اچھا..... دیکھو..... فوراً کوتوالی پہنچ جاؤ میرا نیک مشورہ ہے۔ پولیس کو تمہاری ضرورت ہے۔ ٹونی کے قتل کے سلسلے میں۔ ہاں رات..... کسی نے ٹونی کو قتل کر دیا..... کیوں..... ہاں کیپٹن حمید موجود ہیں مگر تم ان سے جو بھی کہنا چاہتے ہو مجھ سے کہو..... اچھا..... اچھا..... ٹھہرو۔"

وہ خاموش ہو کر حمید کی طرف مڑا۔

اب ریسیور حمید کے ہاتھ میں تھا اور وہ پلکیں جھپکاتا ہوا کہہ رہا تھا۔ "ہیلو..... حمید اسپیکنگ.....!"

"کیپٹن..... میں جمی کارٹر ہوں۔ خدا کے لئے بتایئے کہ کٹی کا کیا حشر ہوا۔ ٹونی کی موت کی خبر تو میں نے سن ہی لی۔"

"میں نہیں جانتا کہ تم کس کٹی کا تذکرہ کر رہے ہو۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا اور فریدی نے اس انداز میں اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی جیسے وہ حمید کے اس جواب سے مطمئن ہو۔

دوسری طرف سے بولنے والا کہہ رہا تھا۔ "اوہ کیپٹن..... وہ عورت جو پچھلی رات کو آپ کے ساتھ ہائی سرکل نائٹ کلب میں تھی۔"

"اوہ..... وہ..... کرنل اسمتھ کی بیوی۔ ہاں تھی تو۔"

"میں کٹی پرکنس کی بات کر رہا ہوں کیپٹن۔ وہ کسی کرنل اسمتھ کی بیوی نہیں ہے۔"

"اگر وہ کسی کرنل اسمتھ کی بیوی نہیں ہے تو میں کسی کٹی پرکنس کو نہیں جانتا۔ ہاں وہ مقتول ٹونی ضرور اس کے ساتھ تھا۔"

دوسری طرف سے ہلکی سی ہنسی کی آواز آئی جو یقیناً اضطراری ہی تھی۔ کیونکہ اس کے بعد بولنے والے کے لہجے میں مزید سنجیدگی کا اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "ممکن ہے اس نے آپ کو یہی بتایا ہو کہ وہ کسی کرنل اسمتھ کی بیوی ہے۔ خیر بہرحال میں آپ سے صرف اس عورت کی خیریت دریافت کرنا چاہتا ہوں۔"

"میرے ساتھ ہر قسم کی عورتوں کی خیریت ہی رہتی ہے، خواہ کسی کی بیوی ہوں۔"

"میں پوچھتا ہوں وہ زندہ ہے یا مر گئی۔" دوسری طرف سے جھلا کر کہا گیا۔

"اگر مری نہ ہوگی تو زندہ ہی ہوگی۔"

"خدا سمجھے۔ اچھا اگر آپ کسی بہت بڑے مجرم پر ہاتھ ڈالنا چاہتے ہوں تو ہیویشام لاج کے گرد گھیرا ڈال دیجیے۔"

''میں فی الحال صرف شام کی چائے پینا چاہتا ہوں۔ مگر تم ہو کہاں۔ کو توالی آ کر ٹونی کے سلسلے میں اپنی پوزیشن صاف کرو۔ میرا خیال ہے کہ ٹونی کے قاتل تم ہی ہو سکتے ہو۔''

''یہ خیال نہیں بلکہ مجھ پر سراسر ظلم ہے۔''

''کیوں.....!'' حمید غرایا۔

''کیونکہ اگر میں بھی پچھلی رات ہوشیار نہ رہتا تو میرا بھی وہی حشر ہوتا جو ٹونی کا ہوا ہے۔''

''کیوں.....؟''

''کیا کٹی نے میرے متعلق کوئی گفتگو کی تھی۔''

''میں تمہیں نہیں پہچانتا۔ ویسے تمہارا نام ٹونی کے دوستوں کی فہرست میں ضرور دیکھا تھا۔''

''یہ حیرت کی بات ہے کہ آپ ٹونی کو پہچانتے ہیں اور مجھے نہیں پہچانتے۔''

''میں اسے بھی نہیں پہچانتا تھا۔ آج اس کی لاش دیکھ کر خیال آیا کہ اس آدمی کو تو پچھلی رات مسز اسمتھ کے ساتھ دیکھا تھا اور پھر اس کا نام بھی معلوم ہوا..... مگر تم ہو کہاں؟''

''یہ اسی صورت میں بتاؤں گا جب میری حفاظت کا ذمہ لیں۔''

''فضول باتیں نہ کرو۔ بتاؤ ورنہ ہو سکتا ہے کہ کوئی بڑی مصیبت تمہاری منتظر ہو۔''

''اس سے بڑی مصیبت اور کیا ہوگی کہ میں کھلے آسمان کے نیچے آنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ سنئے کیپٹن۔ میں نے کسی قسم کا کوئی فراڈ نہیں کیا۔ بلکہ خود ہی فراڈ کا شکار ہوتا رہا ہوں اور ٹونی کے قتل کے ذمہ دار صرف آپ ہیں اور آپ کی وجہ سے میں بھی موت کے گھاٹ اترتے ہوتا۔ مگر کٹی..... خدا کے لئے بتا دیجئے کہ اس کا کیا حشر ہوا؟''

''بکواس بند کرو۔'' حمید نے ریسیور کریڈل میں ڈال دیا۔

''کیوں؟'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''ضروری نہیں کہ وہ جمی کارٹر ہی رہا ہو۔ ابھی ابھی ہم ایک برقعہ پوش عورت پر کئی دھوکہ کھا چکے ہیں۔''

''وہ جمی کارٹر ہی تھا۔ میں اس کی آواز پہچانتا ہوں۔''

''رہا ہوگا۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔ ''خواہ مخواہ دماغ چاٹ رہا تھا۔''

''کہا کیا اس نے۔''

حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے اس کی گفتگو دہراتا رہا۔

''تم سے حماقت سرزد ہوئی حمید۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ ''اسے کچھ دیر اور الجھائے رہتے۔ دوسرے فون پر انکوائری سے معلوم کر لیتا کہ وہ کہاں سے بول رہا ہے۔''

''تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ سامنے نہیں آئے گا۔''

''موت کا خوف پولیس کے خوف سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔''

''آپ نے یقین کر لیا اس کی بکواس پر۔''

''نہ یقین کرنے کی صورت میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ جمی کارٹر ہی کسی سازش کا بانی ہے اور اگر اُلو والی سازش سے اس کا علاقہ جوڑو تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ کم از کم جمی کارٹر جیسے کندہ ناتراش کرنل اسمتھ کو خائف نہیں کر سکتے۔ تم کرنل اسمتھ کو کیا سمجھتے ہو۔ یہ وہ شخص ہے جسے ایک بار میں نے بھی قانونی گرفت میں لینے کی کوشش کی تھی مگر ناکام رہا تھا۔''

''کٹی کی کہانی میں آپ کو سنا چکا ہوں۔''

''ہاں..... آں..... نہ میں اس کی صحت سے انکار کر سکتا ہوں اور نہ یہی کہہ سکتا ہوں کہ اس نے سب کچھ غلط کہا تھا۔ اس کے بیان کی تائید صرف ٹونی ہی کر سکتا تھا۔ مگر ہم اس سے اس وقت ملے جب وہ کسی قابل ہی نہیں رہ گیا تھا۔ اب فی الحال ناوقتیکہ کٹی سے دوبارہ ملاقات نہ ہو ہم کوئی رائے قائم نہیں کر سکیں گے۔ ویسے تمہیں کارٹر کی بات بھی سننی چاہئے تھی۔''

''ہیو یشام لاج کے گرد گھیرا ڈال دیجئے۔'' حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''آج نہیں..... آج تو ہر حال میں وہی کرنا ہوگا جو میں سوچ چکا ہوں۔''

''انگوٹھوں کی حفاظت۔'' حمید کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ سی مسکراہٹ تھی۔

''نہیں شائد اب کسی کی گردن کی حفاظت کرنی پڑے۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

"ضروری نہیں ہے کہ سب کچھ تمہاری سمجھ ہی میں آجائے۔"

"پھر مجھے بلایا کیوں تھا۔"

"یہ بتانے کے لئے کہ آج رات تاروں کی چھاؤں میں بسر کرنی پڑے گی۔"

"کہاں؟"

"ابھی سے اس فکر میں نہ پڑو۔ جاؤ.....!" فریدی نے کلائی کی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔" نو بجے سے پہلے نہ روانہ ہوں گے۔ لہٰذا اگر تم کچھ دیر سونا بھی چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

"اعتراض تو آپ کو اس پر بھی نہ ہوگا اگر میں دو چار رائفلیں چبا ڈالوں یا ایک آ ریوالور نگل لوں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ اس الماری کی طرف متوجہ ہوگیا جس میں کئی رنگوں کے متعدد مرتبانوں میں نظر آرہے تھے۔

حمید نیچے چلا آیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ فی الحال شمشاد ولا کے علاوہ اور کوئی ایسی عمارت نہیں جو فریدی کی توجہ کا مرکز بن سکے کیونکہ آٹھوں الّوؤں میں سے ایک اپنے جسم کا ایک حصہ پُرا طور پر کھو چکا تھا اور وہ تھا سر شمشاد۔ نیلم بھی وہیں بھیجی گئی تھی۔ مگر نیلم؟ وہ وہاں کیا کرے گی۔

حمید نے فون کا ریسیور اٹھا کر تجربہ گاہ سے سلسلہ ملایا۔ کچھ دیر بعد دوسری طرف فریدی کی آواز آئی اور حمید نے پوچھا۔"نیلم وہاں بھیجی گئی ہے۔"

"نیلم ایک تجربہ کار نرس کے فرائض بخوبی انجام دے سکتی ہے۔"

"اوہ.....اور آپ کا خیال ہے کہ وہ سر شمشاد کی زبان کھلوانے میں کامیاب ہوجائے

"اُمید پر دنیا قائم ہے۔"

"کیا.....؟"

"اب کچھ بھی نہیں۔" فریدی نے کہا اور سلسلہ منقطع کردیا اور حمید جھلاہٹ میں ا کریڈل پر پٹختا ہوا آرام کرسی میں ڈھیر ہوگیا۔ اسے یقین تھا کہ رات ضرور برباد ہوگی لئے اس نے سچ مچ اونگھنا شروع کردیا۔

اونگھنے کے بعد سو جانے ہی کا اسٹیج آتا ہے۔

پھر تقریباً آٹھ بجے فریدی ہی نے اُسے جگایا۔ خود باہر جانے کے لئے تیار نظر آرہا تھا۔ نے تیاری کی اور رات کے کھانے میں ایک گھنٹہ صرف کردیا۔ خود فریدی نے کافی کے دو پر اکتفا کی تھی۔

ویسے حمید کا یہ خیال درست ہی نکلا کہ فریدی کی توجہ کا مرکز شمشاد ولا ہی ہوسکتی ہے۔ کار رت سے کافی فاصلے پر چھوڑی گئی اور وہ دونوں پیدل چلتے ہوئے عمارت کی پشت پر آئے۔ ن وہ عقبی پارک کی چار دیواری کے نیچے کھڑے تھے۔

فریدی نے ٹارچ کی روشنی میں دیوار پر کوئی ایسی جگہ تلاش کرنی شروع کردی جسے اوپر نے کا ذریعہ بنایا جاسکتا۔ اوپر پہنچ کر دوسری طرف اتر جانا مشکل کام نہ ہوتا کیونکہ دیوار زیادہ نچی نہیں تھی۔

وہ جلد ہی اوپر پہنچنے میں کامیاب ہوگئے اور پھر دوسری طرف بھی اتر گئے۔ یہ اور بات ہے کہ حمید کے گھٹنوں کی خراشیں کافی دیر تک اُسے بڑبڑاتے رہنے پر مجبور کرتی رہی ہوں۔

نیچے پہنچتے ہی اس نے سوال کیا تھا۔"کیا اب کسی کنوئیں میں بھی چھلانگ لگانی پڑے گی۔"

"نہیں.....!" فریدی نے جواب دیا۔"ہم صرف ایک کھڑکی کی حفاظت کریں گے۔"

"اسی کھڑکی سے لٹک کر یا کھڑکی ہی ہمارے پاس چلی آئے گی۔"

"بس دیکھتے رہو۔" فریدی نے کہا اور ایک طرف چلنے لگا۔

کمپاؤنڈ سنسان اور تاریک پڑی تھی۔ البتہ عمارت کی بعض کھڑکیاں روشن تھیں لیکن دبیز دوں اور رنگین شیشوں کی وجہ سے عکس کا اثر کمپاؤنڈ کی فضا پر نہیں پڑتا تھا۔

وہ مالتی کی جھاڑیوں سے لگے ہوئے مشرق کی طرف چلتے رہے۔ اچانک قریب سے واز آئی۔"ٹرچ" اور فریدی چلتے چلتے رک گیا۔

حمید نے بھی وہ آواز سنی تھی اور اسے کسی پرندے کی آواز سے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ فریدی سے آگے بڑھنے کو کہنے ہی والا تھا کہ ویسی آواز پھر آئی اور اس بار حمید نے اس کا

اندازہ بھی کیا وہ آواز کہاں سے آئی تھی۔

دوسرے ہی لمحے میں فریدی آواز کی سمت مالتی کی جھاڑیوں میں گھس پڑا۔ حمید کو ساتھ دینا ہی تھا۔ دم گھٹ رہا تھا تو گھٹا کرے۔ وہ بھی چپ چاپ اس کی تقلید کرتا رہا۔

اُسے توقع تھی کہ فریدی اس پرندے کو پکڑ کر انسانیت کا سبق پڑھائے گا کیونکہ اس نے خواہ مخواہ راہ کھوٹی کی تھی۔

اس نے اس کے ہاتھ میں محدود روشنی والی ٹارچ بھی روشن دیکھی لیکن وہ تو زمین پر بیٹھ رہا تھا یہ اور بات ہے کہ حمید اس سے پہلے ہی بیٹھ گیا ہو۔ مگر اس کے انداز میں جھلاہٹیں چیخ رہی تھیں۔

"جم چکی بارات۔" اس نے دانت پیس کر فریدی سے پوچھا۔

"بالکل۔"

"تو میں اب سہرا گانا شروع کردوں۔"

"ابھی نہیں۔" فریدی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ حمید اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ رہا تھا اور اس کے کان دوبارہ اسی آواز کو سننے کے منتظر تھے۔

تقریباً دس منٹ تک وہ خاموش بیٹھا رہا۔ مگر پھر بوریت بڑھتی ہی گئی اور اُسے بولنا پڑا۔

"وہ کھڑکی کہاں ہے؟"

"سامنے جس کے شیشوں سے مدہم نیلی روشنی نظر آرہی ہے۔"

"اوہ..... شاید وہ سر شمشاد کی خواب گاہ ہے۔"

"تمہارا خیال غلط نہیں ہے۔"

"مگر وہ آواز کیسی تھی جسے سن کر آپ رکے تھے اور دوسری "ٹرچ پر" یہاں آ بیٹھے تھے۔"

"مجھے جھاڑیوں نے پکارا تھا۔" فریدی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"ارے تو یہ آسمان کیوں گونگا ہو گیا ہے۔ کب پکارے گا مجھے۔"

"جب تم دو چار بچوں کی سرپرستی میں بیوہ ہو جاؤ گے اور اب خاموش بیٹھو۔"

"صرف ایک بات اور.....!"

"بکو.....!"

"ہم نے یہاں کس توقع پر ڈیرا لگایا ہے۔"

"اس توقع پر کہ آج سر شمشاد کی خیر نہیں نظر آتی۔"

"یعنی کہ آج پھر.....!"

"ہاں..... اور تم اپنے انگوٹھوں کی طرف سے محتاط رہنا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اب وہ کچھ کہنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ ہوسکتا تھا کہ سر شمشاد کی "بے خبری" منظر دیکھنے کے لئے آفتاب کا انتظار کرنا پڑتا لہٰذا زبان کیوں تھکائی جائے۔

سردی اچھی خاصی تھی۔ حمید کان دبائے بیٹھا رہا۔ ایسے مواقع پر وہ ہمیشہ یہی کرتا تھا۔ کانوں کی مالش کرتا اور پھر انہیں دونوں ہاتھوں سے اس طرح ڈھانک لیتا کہ ہوا لگنے کی بائش نہ ہوتی۔

دور کسی گھڑیال نے گیارہ بجائے۔ گھنٹوں کی گونج ختم ہوتے ہی ایسا محسوس ہوا جیسے اندھیرے میں چاروں طرف سناٹے نے یلغار کردی ہو۔ پتہ نہیں حمید اونگھ رہا تھا یا کسی خوفناک کہانی کا ماحول اس کے ذہن میں انگڑائیاں لینے لگا تھا۔

اچانک کسی عورت کی چیخ سنائی دی اور حمید بے تحاشہ اچھل پڑا۔ اگر فریدی نے اس کی گردن پکڑ نہ لی ہوتی تو شاید وہ آواز کی سمت دوڑ پڑتا۔

"ارے..... بچاؤ..... بچاؤ۔" بڑی جگر خراش چیخیں تھیں۔

پھر دفعتاً جھاڑیوں میں بھونچال سا آ گیا اور شاید دو آدمی ان کے قریب ہی سے آواز کی طرف دوڑتے چلے گئے۔ چیخیں بدستور فضا میں انتشار برپا کر رہی تھیں۔ لیکن فریدی کا ہاتھ حمید کی گردن سے نہ ہٹا۔

"چھوڑیئے۔" حمید نے جھٹکا دیا۔ شاید وہ سنک ہی گیا تھا۔

"نہیں فرزند۔ اگر میں نے اس وقت تمہیں چھوڑ دیا تو مجھے زندگی بھر افسوس رہے گا۔"

"میں پاگل ہو جاؤں گا۔ آخر یہ کیا تماشہ ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کا ہاتھ حمید کی گردن پر جما رہا اور عورت چیختی رہی۔

سفید چور

حمید کی حالت بالکل ایسی ہی تھی جیسے بھنگ کے دو چار گلاس چڑھا گیا ہو۔ بس ایک چیز اس کے ذہن میں بیٹھ گئی تھی۔ کسی طرح گردن چھڑائے اور وہاں سے بھاگ نکلے۔ اس کی جدوجہد برابر جاری رہی۔

"او گدھے تم چین سے بیٹھتے ہو یا سچ مچ تمہارا گلا ہی گھونٹنا پڑے گا۔"

"گھونٹ دیجئے..... یہ کیا مذاق ہے واہ۔"

"واہ کے بچے..... خاموش رہو۔"

اس بار فریدی کے لہجے نے حمید کا خون منجمد کر دیا اور اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے ہو گئے۔ اسے بالکل یہی محسوس ہوا تھا جیسے کوئی بھیڑیا اس کے کان میں غرایا ہو۔ اسے ہوش بھی آ گیا۔ شاید نیند کے ہچکولوں نے اس کے ذہن کے کسی تاریک گوشے کی کوئی گرہ ابھار دی تھی۔ حالانکہ وہ دن میں بھی سوچکا تھا اور سوتے ہی سے اٹھ کر یہاں آیا تھا لیکن پھر بھی نہ جانے کیوں آ نیند اس کے ذہن پر اس طرح مسلط ہو گئی تھی۔

اسے ساکن ہوتے دیکھ کر فریدی نے بھی گرفت ڈھیلی کر دی۔

اب عورت کی چیخیں تو نہیں سنائی دے رہی تھیں لیکن شاید یہ آواز کی سمت دوڑنے والوں کا شور تھا جواب بھی سنا جا سکتا تھا۔

دفعتاً فریدی کے منہ سے ہلکی سی آواز نکلی اور حمید چونک پڑا۔ قدرتی امر تھا کہ اس کی نگاہ اس کھڑکی کی طرف اٹھ جاتی جس کا حوالہ فریدی نے دیا تھا۔ کھڑکی بدستور بند تھی لیکن ٹھیک اس

کھڑکی کی سیدھ میں شائد انہیں دروازہ کھلنے کا پتہ بھی نہ چلتا لیکن اندر کی روشنی سے انہیں بڑی آسانی سے دکھائی دے گیا تھا۔ ایک آدمی دروازے میں کھڑا تھا۔ اس کی پشت پر روشنی تھی اور انہوں نے باہر نکلنے والے کو بھی دیکھ لیا۔ حالانکہ دروازہ اب بند ہو چکا تھا مگر تاروں کی چھاؤں میں اس نامعلوم آدمی کی پرچھائیں صاف نظر آ رہی تھی۔ وہ اپنی پشت پر کوئی وزنی چیز اٹھائے ہوئے تھا۔ جس کے بار سے اسے کسی قدر جھک جانا پڑا تھا۔ مگر اس کے باوجود بھی اس کی رفتار بہت تیز تھی۔ وہ اسی طرف جا رہا تھا جدھر سے یہ دونوں کمپاؤنڈ میں داخل ہوئے تھے۔

"اچھا بیٹے خاں۔" فریدی حمید کا شانہ تھپتھپاتا ہوا بولا۔ "تم یہیں ٹھہرو۔ دس منٹ بعد جو دل چاہے کرنا۔"

حمید کے کچھ بولنے سے پہلے ہی وہ کسی تیز رفتار سانپ کی طرح رینگتا ہوا جھاڑیوں سے نکل گیا۔ وہ بُری طرح بوکھلایا ہوا تھا ورنہ یہ ضرور دیکھتا کہ فریدی کا رخ اس نامعلوم آدمی کی طرف تھا یا اس آواز کی طرف جسے سن کر اس نے احمقوں کی طرح اچھل کود مچائی تھی۔ وہ کئی منٹ تک اندھیرے میں آنکھیں پھاڑتا رہا۔

"دس منٹ" وہ آہستہ سے بڑبڑایا اور دونوں ہاتھوں سے اپنے کان ملنے لگا۔

پھر دس کیا بیس منٹ گزر گئے اور وہ احمقوں کی طرح وہیں بیٹھا رہا۔ پھر اچانک چند آوازوں نے اُسے چونکا دیا۔ کچھ لوگ ہاتھوں میں پیٹرومیکس لیمپ لئے اسی طرف آ رہے تھے۔ ان میں اسے امر سنگھ اور سارجنٹ رمیش بھی نظر آئے اور اب اس نے سوچا کہ اُسے بھی ان میں جا ملنا چاہئے۔ امر اور رمیش کو دیکھتے ہی اس کے ذہن پر چھائی ہوئی دھند چھٹ گئی تھی اور اب وہ سوچ رہا تھا کہ اس سے حقیقتاً ایک بہت بڑی غلطی سرزد ہونے والی تھی۔

ان لوگوں کے انداز سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کسی کی تلاش میں ہیں اور خوف تو ان کی کانپتی ہوئی آوازوں ہی سے مترشح تھا۔

حمید اس وقت باہر نکلا جب وہ لوگ کافی دور نکل گئے اور اب وہ بھی تیز رفتاری سے انہیں کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے امر سنگھ اور سارجنٹ رمیش کو آوازیں بھی دیں وہ لوگ رک گئے۔

"کیا بات ہے۔" اس نے قریب پہنچ کر پوچھا۔

"اوہ..... کپتان صاحب۔" یہ امر سنگھ کی آواز تھی۔ "وہ ایک نقاب پوش تھا۔"

"کون.....؟"

"جس نے ایک ملازمہ کی گردن دبائی تھی۔ عورت کا بیان ہے کہ وہ سر سے پیر تک لباس میں تھا۔ صرف آنکھوں کی جگہ دو سوراخ تھے۔"

"عورت کہاں ہے۔"

"اپنے کوارٹر میں۔ اس کی حالت ابتر ہے۔"

یک بیک عمارت سے پھر شور بلند ہوا اور کئی کھڑکیاں کھلیں۔ یہ لوگ پھر عمارت کی دوڑے مگر اب حمید اپنی بدحواس کر دینے والی جبلت پر قابو پا چکا تھا۔ اس نے امر سنگھ یا اس طرح دوڑنے سے نہیں روکا مگر خود آہستہ آہستہ چلتا رہا۔ اس کا خیال تھا کہ فریدی سے جو کچھ بھی کہا تھا کسی خاص مقصد ہی کے تحت کہا تھا۔ اس لئے اس کے جانے کے دیر بعد وہ سوچ سمجھ کر ہی قدم اٹھانا چاہتا تھا۔

عمارت میں قدم رکھتے ہی اسے شور کی وجہ معلوم ہوگئی۔ سر شمشاد اپنی خواب گا غائب تھا۔ لیڈی شمشاد حمید کو دیکھ کر رو پڑی۔

"آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔" حمید نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ سر شمشاد کو کوئی نہیں پہنچے گا۔"

لیکن وہ روتی ہی رہی۔ اس وقت اگر کچھ کہنا بھی چاہتی تو زبان خیالات کا ساتھ نہ دے

کمپاؤنڈ میں کسی نقاب پوش کی تلاش اب بھی جاری تھی۔ حمید لیڈی شمشاد کو روتا چ پھر باہر آ گیا۔ وہ رمیش اور امر سنگھ سے مفصل گفتگو کرنے کے لئے بے چین تھا۔ آخر وہ جگہ مل ہی گئے۔

"کیا قصہ تھا۔ تم لوگ یہاں کیسے پہنچے۔" اس نے پوچھا۔

"کرنل صاحب نے ڈیوٹی لگائی تھی۔ ہم ادھر مالتی کی جھاڑیوں میں تھے۔" رمیش جواب دیا۔

"مالتی کی جھاڑیوں میں۔" حمید نے حیرت سے دہرایا اور رمیش ہنسنے لگا۔

"آپ کو علم نہیں تھا۔" امر سنگھ نے پوچھا۔

"اس سے تمہیں کیا سروکار..... جو میں پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔ تمہاری ڈیوٹی ہاں کس لئے لگائی گئی تھی۔"

"ہمیں شمشاد کی خواب گاہ کی عقبی کھڑکی کے سامنے والی جھاڑیوں میں چھپنا تھا۔ کرنل کا لم تھا کہ ہم کسی ہنگامے کی آواز سنیں تو فوراً ہی جھاڑیوں سے نکل کر اسی طرف دوڑتے چلے ائیں۔ جب آپ دونوں وہاں پہنچے تھے تو میں نے ہی اپنی آواز سے آپ لوگوں کو چھپنے کی لہ بتائی تھی۔"

"اوہ.....!" حمید کچھ سوچنے لگا۔ اب حقیقت اس پر روشن ہوگئی۔ گویا کرنل نے مجرموں کو موکا دیا تھا۔ اُسے علم تھا کہ آج رات شمشاد ولا میں کوئی نہ کوئی واقعہ پھر ظہور پذیر ہوگا۔ لیکن نرم اس سلسلے میں کس قسم کا جال بچھائیں گے۔ مزید وضاحت کے لئے حمید نے چیخنے والی ورت کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

"جی ہاں۔" امر سنگھ آہستہ سے بولا۔ "وہ ملازمہ اپنے کوارٹر میں تنہا تھی۔ دفعتاً اُسے کھڑکی میں ایک ڈراؤنی شکل نظر آئی اور وہ چیخنے لگی۔ پھر وہ نقاب پوش کھڑکی سے اندر آ گیا راس وقت تک رہا جب تک عورت بے ہوش نہیں ہوگئی۔ ہم جب پہنچے ہیں تو وہاں اس بے ش عورت کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا اور وہ کھڑکی بھی اندر ہی سے بند تھی۔"

"ہوں..... تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی سر شمشاد کو کوٹھی سے اٹھا لے جانا چاہتا تھا لیکن سے شبہ تھا کہ پولیس بھی پہلے ہی سے ہوشیار ہوگی۔ اس لئے اس عورت کو ڈرایا گیا۔ ظاہر ہے ں کی چیخیں سن کر جو یہاں ہوتا آواز کی طرف دوڑ جاتا اور پھر وہ نہایت اطمینان سے سر شمشاد لونکال لے جاتے۔"

"اور نکال بھی لے گئے۔" سرجنٹ رمیش نے کہا۔

اس پر حمید کچھ نہیں بولا۔

"کرنل صاحب کہاں ہیں۔" امر سنگھ نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔ مجھے علم نہیں۔ تم نے ابھی کہا تھا کہ جب ہم دونوں جھاڑیوں کے قریب تھے تو تم نے کسی قسم کی آواز نکال کر ہمیں متوجہ کیا تھا۔ یہ کس کا قصہ ہے۔ میں تو ابھی ابھی آیا ہوا

"نہیں.....!" امر سنگھ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"پتہ نہیں..... تم لوگ کیا کر بیٹھے ہو۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "میں نے دوپہر کرنل کو نہیں دیکھا۔"

امر سنگھ اور رمیش کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"چلو..... جاؤ..... تلاش کرو سر شمشاد کو۔" حمید نے ہاتھ ہلا کر کہا اور وہ دونوں چاپ کھسک گئے۔ حمید نے انہیں یقینی طور پر الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔

اب اُسے نیلم کی فکر ہوئی۔ وہ بھی یہیں تو تھی اور اُسے تو سر شمشاد کی خواب گاہ پر موجود ہونا چاہئے تھا کیونکہ وہ ایک نرس کی حیثیت سے یہاں آئی تھی۔

کوٹھی میں کسی کے حواس بجا نہیں تھے۔ آہستہ آہستہ حمید کو واقعات کا علم ہو سکا اُسے بھی معلوم ہوا کہ نیلم خواب گاہ میں بے ہوش پائی گئی تھی اور سر شمشاد بستر سے غائب تھا۔

کچھ دیر بعد حمید نیلم کے پاس پہنچ گیا۔ وہ اب ہوش میں آ گئی تھی۔ حمید کو دیکھ کر اور آہستہ سے بولی۔ "وہ گھر کا ایک ملازم ہی تھا بابا۔ میں نے ابھی یہ بات کسی کو نہیں بتائی

"میں نہیں سمجھا۔"

"سر شمشاد سو رہے تھے، میں کمرے ہی میں تھی۔ اچانک میں نے کسی عورت کی سنیں اور ٹھیک اسی وقت وہ کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ جس میری طرف کر دیا گیا میں نے ہاتھ اٹھا دیئے لیکن یک بیک اس پستول سے ہلکا سا غبار میرے چہرے پر پڑا..... اور..... بابا..... میں کیا بتاؤں کہ میں کتنی جلدی بے ہوش ہو گئی سوچنے سمجھنے کا موقع نہ مل سکا۔ ہاتھ پیر ہلانا تو بڑی بات تھی۔"

"کسی دن تم اسی طرح مر جاؤ گی۔"

"مرنا تو ایک دن سبھی کو ہے لیکن میں تمہاری طرح نہیں مرنا چاہتی۔"

"کرنل نے تمہیں کیا ہدایت دی تھی۔"

"کچھ بھی نہیں..... بس اتنا ہی کہا تھا کہ مجھے سر شمشاد کی دیکھ بھال کرنی ہوگی۔"

"اور کچھ.....!"

"اور کچھ بھی نہیں۔ مگر اب مجھے کیا کرنا ہے۔ سر شمشاد تو گئے۔"

"اب تم چپ چاپ گھر واپس جاؤ۔" حمید نے خواہ مخواہ غصیلے لہجے میں کہا اور نیلم اُسے ورنے لگی۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں۔" اس نے کہا۔

"مجھے خاموش ہو گیا ہے۔"

"موڈ بہت خراب ہے؟"

"ہونا ہی چاہئے۔ میں ایک شریف آدمی ہوں۔ مجھے ان لغویات سے کیا سروکار۔ میں تم سے کہا تھا کہ یہاں سے جاؤ۔"

"انکل کی اجازت حاصل کئے بغیر میں یہاں سے ہلوں گی بھی نہیں۔"

حمید جھلا کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ لیڈی شمشاد کمرے میں داخل ہوئی۔

"فریدی کہاں ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"مجھے علم نہیں ہے۔ میں نے دوپہر سے انہیں نہیں دیکھا۔ ویسے یہاں کے لئے انہوں اپنے کئی آدمیوں کو ہدایات دی تھی۔"

"اب کیا ہو سکتا ہے۔" لیڈی شمشاد نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"وہ دراصل اس عورت کی چیخوں نے کھیل بگاڑ دیا ورنہ سر شمشاد یہیں ہوتے، انہیں اغوا نے والوں کو شاید علم ہو گیا تھا کہ پولیس ان کی تاک میں ہے لہٰذا انہوں نے یہ چال چلی۔ ت کی چیخیں سن کر ہمارے آدمی ادھر متوجہ ہو گئے اور ان کی بن آئی۔"

"پولیس کا کام ہی دھوکے کھانا ہے۔" لیڈی شمشاد نے تلخ لہجے میں کہا۔

حمید نے اس کا جواب نہیں دیا لیکن اس کی آنکھوں سے درشتی ظاہر ہونے لگی تھی۔

''کیا میں آپ کے ملازمین کو چیک کر سکتا ہوں۔'' اس نے سرد لہجے میں پوچھا۔

''جو دل چاہے کرو۔'' لیڈی شمشاد نے کہا اور نڈھال سی ہو کر ایک کرسی میں گر گئی۔

حمید نے کچھ دیر بعد ملازموں کو اکٹھا کیا۔ ان کی مجموعی تعداد بارہ تھی۔ لیکن انہیں لو
کی زبانوں سے کسی تیرھویں کا بھی علم ہوا۔ لیکن وہ اس وقت عمارت میں موجود نہیں تھا
سر شمشاد کا باڈی گارڈ تھا اور ہر وقت مسلح رہتا تھا۔

اس اطلاع پر حمید کو ایک بار پھر لیڈی شمشاد سے گفتگو کرنی پڑی جسے وہ معمولی حالا
میں نظر انداز ہی کرنے کی کوشش کرتا۔

''میرے خدا۔'' لیڈی شمشاد کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ ''وہ..... باڈی گارڈ..... یعنی کہ وہ

''اس کے متعلق آپ مجھے کیا بتا سکیں گی۔''

''میں نے دراصل اس کا تذکرہ کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ ہاں۔ جب دوسری بار ا
پشت پر ''تم اُلو ہو'' لکھا دیکھا گیا تھا تو اس کے بعد ہی انہوں نے ایک ریٹائرڈ فوجی کو ب
باڈی گارڈ رکھ لیا تھا۔''

''وہ کہاں رہتا تھا۔''

''میں نے اس کے متعلق تفصیل نہیں معلوم کی تھی۔ مجھے تو دراصل ہر وقت یہی فکر
جاتی تھی کہ وہ خوفزدہ کیوں رہتے ہیں۔''

''تو آپ اس سے زیادہ کچھ نہ بتا سکیں گی کہ اس کی ملازمت تھوڑے ہی دنوں کی
''میں اس سے زیادہ جانتی ہی نہیں۔''

اس کے بعد حمید نے دوسرے ملازموں سے بھی اس باڈی گارڈ کے متعلق پوچھ
لیکن وہ اس سے زیادہ نہ بتا سکے کہ سر شمشاد اُسے آفندی کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔

واپسی سے قبل اس نے ایک بار پھر نیلم کو ساتھ چلنے پر آمادہ کرنا چاہا لیکن اس
کر دیا۔ مجبوراً اُس نے امر سنگھ اور سرجنٹ رمیش کو وہیں چھوڑ دیا تا کہ وہ نیلم کی حفاظت کر

کار وہاں نہیں ملی۔ شاید فریدی ہی اُسے لے گیا تھا۔ اس وقت ان اطراف میں ٹیکسی کا
بھی مشکل ہی تھا۔ ویسے اگر حمید چاہتا تو سر شمشاد ہی کی کوئی گاڑی اُسے گھر چھوڑ آتی لیکن
نے اسے پسند نہیں کیا۔

کچھ دور پیدل چلنے کے بعد بالآخر ایک موٹر رکشہ مل ہی گیا اور اس طرح وہ گھر تک پہنچ
راستے بھر وہ کوشش کرتا آیا تھا کہ اس رات کے واقعات کے متعلق کچھ نہ سوچے کیونکہ ان
ہر پہلو اس کے ذہن میں سورج کی طرح روشن ہو چکا تھا۔

پھاٹک پر پہنچتے ہی اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کمپاؤنڈ میں بھونچال سا آ گیا ہو۔ کمپاؤنڈ
ریک تھی اس لئے اسے ٹارچ روشنی کرنی پڑی۔

درجنوں کتے کمپاؤنڈ میں دوڑتے پھر رہے تھے۔ ٹارچ کی روشنی دیکھ کر انہوں نے
سان سر پر اٹھا لیا۔ پھاٹک بند تھا۔ دور برآمدے میں بھی اندھیرا تھا۔

''کون ہے۔'' نصیر نے برآمدے سے چیخ کر کہا۔

''پھاٹک کھولو۔'' حمید کی جھلاہٹ دو چند ہو گئی۔

نصیر دوڑتا ہوا پھاٹک کی طرف آیا۔ کئی کتے بھی اس کے پیچھے دوڑے تھے۔ پھاٹک کھلا
رحمید نے اندر داخل ہو کر نصیر کی گردن پکڑ لی۔

''ابے یہ سب کیا ہے۔ ان خبیثوں کو کیوں کھلا چھوڑا گیا ہے۔''

''ہم نے ایک چور پکڑا ہے جناب۔''

''چلو..... اندر چلو.....!'' حمید آگے بڑھتا ہوا بولا۔ کیونکہ کتے اچھل اچھل کر اس سے
مالقہ کرنے کی کوشش کرنے لگے تھے۔

برآمدے کا بلب روشن ہو گیا۔ کتے بدستور کمپاؤنڈ میں دوڑتے رہے۔

''صاحب وہ چوروں کی طرح اندر داخل ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہم نے اُسے پکڑ لیا۔
ب مرمت کی اور پھر بند کر دیا۔''

''کہاں.....!''

''یہیں اندر! مگر وہ انگریز نکلا۔''

''تت.....تو پھر.....وہ ہوگا صاحب..... یوریشین کیونکہ وہ اردو بھی بول لیتا ہے۔''

''ابے کسی شریف آدمی کو پکڑ کر بند کر رکھا ہے۔'' حمید کہتا ہوا اندر گھستا چلا گیا۔

مگر پھر مڑ کر رکا اور نصیر کو گھورتا ہوا بولا۔ ''مار پیٹ بھی کی تھی۔''

''دل کھول کر مرمت کر دی ہے صاحب۔'' نصیر نے خوش ہو کر کہا۔

''اگر وہ میرا یا کرنل کا کوئی دوست ہوا تو.....!'' حمید آنکھیں نکال کر غرایا۔

''ہوا کرے.....ہم کیا کریں۔ جو کوئی بھی پھاٹک کھلوانے کی بجائے پھاٹک پر چڑھ کر اندر آنے کی کوشش کرے گا.....وہ.....!''

''بکو مت.....مختصر بتاؤ۔''

''وہ پھاٹک پر چڑھ کر کمپاؤنڈ میں کودا تھا۔ بس اُسے بند کر کے ہم نے سارے کتے کھول دیئے۔''

''وہ کیا کہہ رہا تھا۔''

''کہے گا کیا۔ بات کرنے کی مہلت ہی نہیں دی گئی تھی۔ مگر ہم نے اُس کا خیال رکھا کہ وہ کسی کو چوٹیں دکھا کر فریاد نہ کر سکے۔''

''چل بے بڑا.....قانون بگھارنے چلا ہے۔'' حمید نے اس کی گردن پکڑ کر دھکیلا اُسے اسی طرح اس کمرے کے سامنے لایا جہاں ملازمین نے کسی کو بند کر رکھا تھا۔

دروازے کے شیشے روشن تھے۔ حمید نے دروازہ کھولنے سے پہلے شیشوں سے اندر ڈالی اور ایک طویل سانس کی اس کے پھیپھڑوں سے آواز آئی۔

اندر جمی کارٹر موجود تھا۔

وہی چھپکلی

اس کے کپڑے پھٹ گئے تھے اور چہرے پر جابجا خراشیں تھیں۔ شائد ملازمین نے اس طرح اس کی خبر لی تھی۔

جیسے ہی حمید نے دروازہ کھولا وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

''اوہ.....کیپٹن میرے ساتھ بڑی زیادتی ہوئی ہے۔ حالانکہ میں پناہ لینے آیا تھا۔'' اس نے کہا۔

''تم پناہ لینے کے لئے چوروں کی طرح آئے تھے۔''

''اگر کھلے عام آ سکتا تو پناہ لینے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ کیپٹن.....میں خطرے میں ہوں رٹونی ہی کی طرح قتل کیا جا سکتا ہوں۔''

''غالباً اس ایک جملے کی وضاحت کے سلسلے میں تم کوئی لمبی چوڑی کہانی چھیڑ دو گے، مگر اس وقت کہانی سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ اس لئے آرام کرو۔''

''میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں کہ میں کسی قسم کا فراڈ نہیں کر رہا ہوں۔ آپ میری ری بات سن لیجئے پھر آپ کو اختیار ہے جیسی رائے دل چاہے قائم کیجئے۔ رہا ٹونی کے قتل کا املہ تو اس سلسلے میں بھی مجھے چیک کر لیجئے۔ ویسے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس قتل کا لق میری ہی ذات سے ہے۔''

''تم نشے میں تو نہیں ہو۔'' حمید اُسے گھورتا ہوا بولا۔

''نہیں.....قطعی نہیں.....میں ہوش میں ہوں کیپٹن۔ لیکن میری داستان سن کر شاید آپ ھے پاگل ہی تسلیم کر لیں۔''

''میں تمہیں پاگل نہیں تسلیم کرنا چاہتا اس لئے کرنل کی واپسی تک تمہیں اس کمرے میں ر رہنا پڑے گا۔''

''میں یہاں بہر حال محفوظ ہوں۔'' جمی کارٹر نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

حمید کلائی کی گھڑی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اچانک وہ غصیلی آواز میں بولا۔ ''تو آج حقیقتاً نے ہی فون پر گفتگو کی تھی۔''

''جی ہاں اور میں آپ کو اپنے متعلق بہت کچھ بتانا چاہتا تھا۔ لیکن اب میری زبان بند ہے گی۔ آپ شوق سے مجھے عدالت میں حاضر کر سکتے ہیں۔''

''کس الزام میں۔'' حمید نے اُسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''جس الزام میں آپ کا دل چاہے۔ قتل مجھ پر ثابت نہیں ہو سکے گا۔ اس کے علاوہ جرم میں بھی ماخوذ ہوا قید ہی ہوگی اور اب صرف قید ہی میری حفاظت کا ذریعہ ہو سکتی ہے، وہ لوگ مجھے بھی قتل کر دیں گے۔ ضروری نہیں ہے کہ تقدیر ہر بار ساتھ دے جائے۔''

وہ خاموش ہو گیا۔ حمید بدستور اس کی آنکھوں میں دیکھے جا رہا تھا۔ اس نے آہستہ کہا۔ ''بیٹھ جاؤ۔''

اور پھر وہ خود بھی بیٹھ گیا اور بولا۔ ''ہاں تم کیا کہنا چاہتے ہو۔''

جمی کارٹر نے اپنی کہانی شروع کر دی۔ حمید بہت غور سے سنتا رہا لیکن اس کی آنکھ سے بے اعتباری مترشح تھی۔

تقریباً بیس منٹ بعد جمی کارٹر خاموش ہوا اور حمید ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ''ذ کے لحاظ سے یہ کہانی خاصی رہے گی۔ تم اُسے لکھ ڈالو تو بہتر ہے۔''

''میں جانتا تھا۔'' جمی کارٹر کے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ نظر آئی۔

''مگر اس کہانی کا مقصد میری سمجھ میں نہیں آ سکا۔'' حمید نے کہا۔

''مقصد ہی اگر سمجھ میں آ گیا ہوتا تو یہ کہانی آپ تک ہرگز نہ پہنچ سکتی کیپٹن۔ کیونکہ پولیس والوں کے سائے سے بھی دور بھاگتا ہوں۔''

''وہ لڑکی تمہیں پہلی بار کہاں ملی تھی۔''

''سوئمنگ کلب میں۔''

''اور تم خود ہی اس کی طرف کھنچتے چلے گئے تھے۔''

''جی ہاں۔''

''اور تمہیں اس کا اعتراف ہے کہ ایک رات تم اسی کے لئے ہیویشام لاج میں چور کی طرح داخل ہوئے تھے۔''

''مجھے اعتراف ہے۔ لیکن چونکہ ہیویشام لاج والے اسے پولیس کے علم میں نہیں لا

س لئے کم از کم اس جرم کی سزا مجھے نہیں بھگتنی پڑے گی۔''

''سزا تو جرم کے ارتکاب کے بغیر ہی بھگتائی جا سکتی ہے۔ لہٰذا مجھے قانون پڑھانے کی کوشش نہ کرو۔''

''میں نے تو پہلے ہی عرض کیا تھا کہ اب میری زبان بند رہے گی۔''

''مگر میں نے زبردستی تمہاری کہانی سن لی۔'' حمید طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

''میں پھر کہتا ہوں ہیویشام لاج کے گرد حصار قائم کیجئے۔''

''اگر تمہاری کہانی صحیح ہے تو اب وہاں کیا ملے گا۔''

''ہیویشام لاج نہ سہی۔ اسکے علاوہ بھی ایک اور عمارت میری نظروں میں ہے کیونکہ اس روہ لڑکی گریشی اس عمارت میں گئی تھی۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب گریشی سے اچھی طرح جان پہچان بھی نہیں تھی۔''

''وہ کون سی عمارت ہے۔''

''ثروت منزل۔''

''تمہیں یقین ہے کہ وہ لوگ اب بھی ثروت منزل میں مل جائیں گے۔''

''ہو سکتا ہے کہ وہیں ملیں۔ اگر وہ مجھے مار ڈالنے میں کامیاب ہو گئے ہوتے تو شاید انہیں ہیویشام لاج چھوڑ دینے کی ضرورت ہی نہ پیش آتی۔''

''میں اتنی دیر سے سوچ رہا ہوں کہ تم نے اپنی محبوبہ کٹی کا تذکرہ ایک بار بھی نہیں کیا۔''

جمی کارٹر کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نظر آئی اور پھر وہ بہت زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگا۔ کچھ دیر بعد وہ بولا۔ ''مجھے علم ہو چکا ہے کٹی زندہ ہے۔''

''وہ کہاں ہے۔''

''اپنے گھر میں۔'' جمی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''آج سے پہلے مجھے علم نہیں تھا کہ ہ کرنل اسمتھ کی بیوی بھی ہے۔ آپ کے کہنے پر میں نے اپنے ایک دوست کے ذریعہ اس کی صدیق کی۔ کٹی بہت چالاک ہے۔ ہو سکتا ہے اس نے کوئی لمبا بزنس کیا ہو۔''

''عنقریب تم لوگوں کے بزنس منظر عام پر آجائیں گے۔'' حمید نے بُرا سا منہ بنا کر پھر وہ اُٹھ گیا۔ جمی کارٹر بھی اس طرح خاموش ہوگیا تھا جیسے وہ اب تک دیوار ہی سے گفتگو کرتا رہا ہو۔

حمید اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔ لیکن کارٹر کی کہانی اس کے ذہن میں کروٹیں لے رہی تھی۔ اس نے کپڑے اُتار کر شب خوابی کا لباس پہن لیا اور مسہری کی طرف بڑھا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔

''ہیلو.....!'' وہ ریسیور اٹھا کر نند اسی آواز میں دہاڑا۔

''حمید.....!'' دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔ ''مجھے یقین تھا کہ تم واپس ہو گے۔''

''واپسی سے فائدہ ہی کیا۔ ظاہر ہے کہ سو نہ سکوں گا۔''

''زندگی میں بعض ایسی حسین راتیں بھی آتی ہیں جب سونے کو دل ہی نہیں چاہتا۔''

''آپ اس کال کا مقصد بیان کیجئے۔ میں اس سے بھی بہتر شاعری کر سکتا ہوں۔''

''مقصد یہ ہے کہ جمی کارٹر کو تلاش کرو۔''

''کیوں.....؟''

''بعض مشتبہ آدمیوں کو بھی اس کی تلاش ہے۔''

حمید نے مسکرا کر پلکیں جھپکائیں اور آہستہ سے بولا۔ ''میں اُسے تلاش کہاں کروں۔''

''کٹی گھر پر موجود ہے۔ مجھے بھی اطلاع ملی ہے۔ تم اس سے رابطہ قائم کرو۔ ہو سکتا ہے اُسے جمی کے متعلق علم ہو۔''

''اچھا میں معلوم کروں گا۔''

''اتنی لاپروائی سے نہ کہو۔ یہ رات بہت اہم ہے۔''

''ارے تو کیا اسی وقت۔''

''ہاں.....ابھی اور اسی وقت۔ غفلت نقصان دہ ثابت ہوگی۔''

''آج.....اچھا!'' حمید نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

پرانی چھپکلی آہستہ آہستہ اس کے سر پر رینگ رہی تھی۔ اس لئے آئی عقل خبط ہوگئی۔ خود حمید کو اس کا اعتراف تھا کہ وہ چھپکلی ہمیشہ اسکے لئے پریشانی ہی کا باعث بنتی رہی ہے لیکن اس کے باوجود بھی وہی چھپکلی پھر اس کے سر پر سوار ہوگئی۔

ایسے مواقع پر وہ یہ تو قطعی بھول جاتا تھا کہ وہ ساجد حمید ہے بس اس کے ذہن میں فریدی کا تصور ابھرتا اور غیر شعوری طور پر اس کی شخصیت پر حاوی ہو جاتا اور ذہن کے ڈھکے چھپے گوشوں میں یہ خواہش بچوں کی طرح مچلنے لگتی کہ وہ کسی طرح کرنل فریدی کو بھی متحیر کر دے۔ اس سے بھی آگے بڑھ جائے۔

اب اُسے یقین آ گیا تھا کہ جمی کارٹر کی کہانی محض بکواس نہیں ہو سکتی۔ وہ ایک بار پھر اسی کمرے کی طرف جا رہا تھا جہاں جمی کارٹر مقید تھا۔ مگر اس کا ارادہ یہ نہیں تھا کہ اب اس سے نرمی سے پیش آئے گا۔ وہ اب بھی دھونس دھڑے ہی سے کام نکالنا چاہتا تھا۔

جمی کارٹر اُسے دیکھ کر کھڑا ہوگیا۔

''ہام.....تم نے پھر دھوکہ دینے کی کوشش کی تھی۔'' وہ اُسے گھورتا ہوا بولا۔

''میں نہیں سمجھا جناب۔''

''تم نے خود ہی کٹی سے فون پر گفتگو کی تھی۔''

''وہ.....دو.....دیکھئے.....بب.....بات.....!'' جمی ہکلا کر رہ گیا۔

''بولو.....بولو.....کوئی دوسرا جھوٹ۔ بولو۔''

جمی کا چہرہ دھواں ہوگیا تھا۔ اس نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

''بلاشبہ میں نے یہ بات غلط ہی کہی تھی۔''

''پھر.....!''

''آپ دیکھئے کہ میں کن دشواریوں سے دوچار ہوں۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں نادانستگی میں گردن تک کسی دلدل میں غرق ہوگیا ہوں۔ مجھے آپ کی زبانی یہ سن کر بڑی حیرت

ہوئی تھی کہ کٹی کسی کرنل اسمتھ کی بیوی ہے۔ اب یہاں اس شہر میں صرف ایک ہی کرنل ہے۔ میں نے یونہی امتحاناً فون پر اس کے نمبر ڈائیل کیے۔ دوسری طرف سے کوئی جواب میں میں نے کٹی پرکنس کا نام لیا۔ اس نے کہا کہ میں ہولڈ آن کروں۔ بس تھوڑی بعد میں کٹی سے گفتگو کر رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ اگر وہ مجھ سے کرنل اسمتھ کی بیوی ہونے کا کر دیتی تو میں اس سے دور بھاگتا کیونکہ کرنل اسمتھ سے شہر کے سارے بُرے آدمی ڈرتے ہ

''کیا تم بھی کرنل اسمتھ سے ڈرتے ہو۔''

''ہرگز نہیں کیپٹن۔ میں اس خبیث نقاب پوش کے علاوہ اور کسی سے نہیں ڈرتا۔ و کو بے بس کر دیتا ہے۔''

''لیکن تم نے کٹی کے معاملے میں جھوٹ کیوں بولا تھا۔ تم نے پہلے ہی یہ کیوں نہ تم نے اس سے فون پر گفتگو کی تھی۔''

''اوہ..... کیپٹن..... خدارا میری دشواریوں کو نظر انداز کیجئے۔ پہلے میں آپ سے تھا کہ میں کٹی کو کرنل اسمتھ کی بیوی کی حیثیت سے نہیں جانتا اور یہ حقیقت بھی تھی۔ اگ آپ سے یہ کہہ دیتا کہ میں نے بذات خود کٹی سے فون پر گفتگو کی تھی تو آپ مجھے جھوٹا سمجھ پھر میں آپ کو یقین نہ دلا سکتا کہ نقاب پوش والی کہانی بھی حقیقت ہی پر مبنی ہے۔''

''وہ تمہیں بے حد چاہتی ہے۔''

''اب میں اس کے دل کا حال کیا جانوں۔ زبان سے تو یہی کہتی ہے۔''

حمید چند لمحے سوچتا رہا پھر بولا۔ ''تم نے ہیویشام لاج کے علاوہ بھی کسی عمارت کا نام لیا

''جی ہاں۔ ثروت منزل۔ میرا خیال ہے کہ وہ بھی انہیں بدمعاشوں کا اڈہ ہے۔''

''اور اگر یہ بات بھی غلط نکلی؟'' حمید نے آنکھیں نکال کر کہا۔

''دیکھئے میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ یہ محض شبہ ہے اور شبے کی وجہ کا تذکر کر چکا ہوں۔ میں نے گریشی کو اکثر اس عمارت میں بھی دیکھا ہے۔ پہلے میں سمجھا تھا کہ قیام وہیں ہے لیکن بعد میں چھان بین کے بعد اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اس کا مستقل قیام ہ

لاج میں ہے اور یہی بات صحیح بھی تھی۔''

''میں تمہیں ثروت منزل تک اپنے ساتھ لے چلنا چاہتا ہوں۔''

''میں آپ کے ساتھ مرجانا بھی پسند کروں گا۔'' جمی خوش ہو کر بولا۔

''لیکن تنہا چوروں کی طرح چھپتے پھر رہے ہو۔''

''تنہا میں مارا جاؤں گا کیپٹن۔ لیکن کچھ کر کے مرنے کا غم مجھے قطعی نہیں ہوگا۔ میں اس سؤر کے بچے کی شکل دیکھنا چاہتا ہوں، جو میری ہی زبان سے میرے والدین کو گالیاں دلواتا رہا ہے۔ میں اس کی بوٹیاں نوچنا چاہتا ہوں۔''

''اچھا تو آؤ..... لیکن اگر تم نے دھوکہ دیا تو پھر مجھے جانتے ہی ہو۔ معافی مانگنے کے لئے تم زندہ نہیں رہو گے۔''

''جہاں بھی دھوکے کا شبہ ہو بے دریغ مجھے گولی مار دیجئے گا۔''

حمید اُسے تجربہ گاہ میں لایا اور تھوڑی ہی دیر بعد جمی کارٹر ادھیڑ نظر آنے لگا۔ اس کے چہرے پر گھنی اور بھورے رنگ کی ڈاڑھی تھی۔ اس کا لباس بھی تبدیل کرا دیا گیا۔ اس نے آئینے میں اپنی شکل دیکھی اور مسکرا کر بولا۔ ''میں تو اب کوئی شریف آدمی معلوم ہونے لگا ہوں۔''

''ہاں.....!'' حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ ''میں شریف بناتا ہوں مگر خود اتنا شریف نہیں ہوں۔ اسے بھی یاد رکھنا۔''

''کیپٹن آپ مجھ پر اعتماد کیجئے۔ بہت زیادہ بُرے آدمی سب کیلئے بُرے نہیں ہوتے۔''

اسکے بعد وہ نیچے آئے۔ حمید نے سارے کتے بند کرا دیئے تھے۔ گیراج سے اس نے وہ کار نکلوائی جو شاذ و نادر ہی استعمال کی جاتی تھی اور آئے دن جس کا رنگ بھی تبدیل ہوتا رہتا تھا۔

کار سڑک پر نکل آئی۔ حمید ڈرائیو کر رہا تھا اور جمی اس کے پاس ہی بیٹھا تھا۔

روانگی سے قبل اس نے نصیر کو ہدایت دی تھی کہ اگر فریدی کی کال آئے تو اس کے متعلق صرف اتنا ہی بتایا جائے۔ وہ گھر پر موجود نہیں ہے۔

پتہ نہیں اس کی اسکیم کیا تھی۔ اس نے اپنے مخصوص ماتحتوں کو بھی فون پر کسی قسم کی ہدایات

نہیں دی تھیں۔

کچھ دیر بعد جمی نے پوچھا۔ ''اسکیم کیا ہے کیپٹن؟''

''کچھ بھی نہیں۔ فی الحال میں یہ دیکھوں گا کہ ثروت منزل کس قسم کی عمارت ہے۔ ہم نہیں ٹھہرو۔ کیوں نہ ہم ہیویشام لاج کو بھی دیکھ لیں۔ میرا خیال ہے کہ پہلے وہیں چلو۔''

''مجھے توقع نہیں ہے کہ اب وہ لوگ وہاں موجود ہوں مگر کیپٹن آپ نے میک اپ نہیں کیا۔ میرا خیال ہے کہ وہ لوگ آپ کو پہچانتے ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اچانک مجھے موٹر کے گھاٹ اتار دینے کی کوشش کیوں کرتے۔ میرا خیال ہے کہ اگر وہ آپ کو کٹی اور ٹونی کے ساتھ نہ دیکھتے تو حالات کی یہ شکل نہ ہوتی جو اس وقت ہے۔''

''تم اس کی فکر نہ کرو کہ میں میک اپ میں ہوں یا نہیں ہوں۔''

جمی کارٹر خاموش ہو گیا اور کار شہر کی سنسان سڑکوں پر دوڑتی رہی۔

کچھ دیر بعد حمید نے کہا۔ ''وہ لڑکی گریشی تو بہت حسین ہے۔''

''ناگن.....!'' جمی کارٹر کسی سانپ کی طرح پھنکارا۔ ''اُس نے مجھے یہی بتایا تھا۔ میری ہی طرح وہ بھی اس خبیث کے چنگل میں آ پھنسی تھی اور اب اس سے نکل نہیں سکتی۔ لیکن وہ فراڈ تھی۔ اس نے مجھے اُلو بنایا تھا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو میرے کار سے کود جانے پر انہیں ہوشیار کیوں کر دیتی۔ مجھے خوبصورت لڑکیوں سے بڑے تلخ تجربات ہوئے ہیں۔ یہ سر ڈائنیں ہوتی ہیں۔''

''ہوں..... مگر میں اس وقت خوبصورت لڑکیوں کو موضوع گفتگو نہیں بنانا چاہتا فی الحا میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تمہاری داستان میں جھوٹ کس حد تک شامل ہے۔''

''اب بھی آپ کو یقین نہیں آیا۔'' جمی کارٹر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''کم از کم سوئیوں والا واقعہ تو غپ ہی ہوگا۔''

''کاش آپ اس وقت وہاں موجود ہوتے جب وہ سوئیاں میرے جسم سے نکالی تھیں۔ میں نہیں جانتا کہ وہ سوئیاں کہاں سے آئی تھیں وہ کس طرح پھینکی گئی تھیں۔ کتنی تو

سے پھینکی گئی تھی۔ میں کیا بتاؤں۔ یہ حالات ہی ایسے ہیں کہ کسی کو یقین نہیں آ سکتا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ خود اسے ایک بار ایسی ایک سوئی کا تجربہ ہو چکا تھا۔[1] اس لئے یقین نہ کر لینے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ ایسی سوئیاں کسی بے آواز پریشر مشین ہی سے پھینکی جا سکتی تھیں اور ایسی چھوٹی چھوٹی پریشر مشینیں بھی اس کی نظروں سے گزری تھیں جنہیں بہ آسانی جیب میں رکھا جا سکتا تھا۔

''یہ آپ کدھر چل رہے ہیں۔'' دفعتاً جمی کارٹر نے پوچھا۔

''ہیویشام لاج۔ میرا خیال ہے کہ عمارت بالکل ہی خالی نہ ہوئی ہوگی۔ وہاں ایسے آدمی ضرور موجود ہوں گے جن کے خلاف کچھ نہ کچھ ثابت کیا جا سکے۔''

''چلئے..... وہیں چلئے..... لیکن کیا ہم دونوں تنہا ہیں۔''

''ایسے احمقانہ خیال سے بچتے ہی رہنا۔ میں نے اپنے آدمی پہلے ہی ہیویشام لاج کے گرد پھیلا دیئے ہیں۔ روانگی کے وقت میں نے انہیں فون پر اطلاع دی تھی۔'' حمید نے بہت صفائی سے جھوٹ بولا۔

بات دراصل یہ تھی کہ وہ اب بھی جمی کارٹر کی طرف سے مطمئن نہیں تھا۔

پھر آخر اس سے یہ حماقت کیوں سرزد ہوئی تھی؟ وہی چھپکلی۔ فریدی کو بھی متحیر کر دینے کا خبط۔ وہ ایسے مواقع پر یہ بھول جاتا تھا کہ فریدی زندگی کے بہتیرے پہلوؤں پر خود اس کی نظر بھی نہیں ہے۔ اسی غلط روی نے اکثر پہلے بھی حمید کو خطرات سے دوچار کیا تھا۔ لیکن وہ اس چھپکلی سے مجبور تھا۔ کیونکہ یہ اچانک ہی اس کے سر پر سوار ہوتی اور پھر کیا مجال کہ مکمل حجامت کئے بغیر اُتر جائے۔ وہ بیچارا تو اس کے ہاتھوں مجبور محض تھا۔

کار ہیویشام لاج سے کافی فاصلے پر چھوڑی گئی اور وہ پیدل ہی عمارت کیطرف چل پڑے۔

''تم کس طرف سے چوروں کی طرح عمارت میں داخل ہوئے تھے۔'' حمید نے پوچھا۔

''عمارت کے پچھلے حصے میں ایک مختصر سا صحن بھی ہے اور عقبی دیوار اتنی نیچی ہے کہ بہ آسانی دوسری طرف اترا جا سکتا ہے۔ آپ کیوں یہ پوچھ رہے ہیں اُوہ ہو.....!''

---

[1] اس داستان کے لئے پڑھئے جاسوسی دنیا کا ناول ''شیطان کی محبوبہ'' جلد نمبر 20 ملاحظہ فرمائیے۔

کارٹر یک بیک رُک گیا۔ وہ عمارت کے سامنے پہنچ چکے تھے۔

''میرے خدا۔'' جمی کارٹر خوفزدہ آواز میں بولا۔ ''کیا وہ اب بھی اسی عمارت میں موجود ہے۔''

''کیوں.....؟''

''پوری عمارت میں صرف ایک کھڑکی کے شیشے روشن نظر آ رہے ہیں اور یہ کھڑکی کمرے کی ہے۔''

''ممکن ہے وہ موجود ہی ہو اور وہ بھاگنے ہی کیوں لگا جب کہ تم اُسے شناخت ہی نہ کر گے۔ اگر وہ نقاب اتار کر ہزار بار بھی تمہارے سامنے آئے تو تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔''

''مگر دوسرے لوگوں کو تو میں پہچان ہی سکتا ہوں۔ گریشی کیسے چھپے گی۔''

''بس وہی لوگ ہٹا دیئے گئے ہوں گے جنہیں تم شناخت کر سکو۔''

''جی ہاں..... یہ بھی ممکن ہے۔ مگر ہم یہاں کیا کریں گے۔''

''آج پھر چوروں کی طرح اس عمارت میں داخل ہونا ہے۔''

''دیکھئے۔ یہ بہت خطرناک ہوگا کیپٹن۔''

''تم اس کی پرواہ مت کرو۔ تمہاری حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں۔''

''میں تنہا تو کبھی نہ جاؤں گا۔''

''میں کب کہتا ہوں کہ تم تنہا جاؤ۔ میں بھی تمہارا ساتھ دوں گا۔''

''مگر اسکی ضرورت ہی کیا ہے۔'' کارٹر بولا۔ ''آپ کے ساتھ قانون کی طاقت ہے۔''

''اسے میں گھر چھوڑ آیا ہوں۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔ ''اگر تم میرے کہنے مطابق عمل نہیں کرو گے تو نتیجے کے خود ذمہ دار ہو گے۔''

''چلئے صاحب۔'' جمی کارٹر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''لیکن اگر آپ کسی مشکل پڑ جائیں تو مجھے الزام نہ دیجئے گا۔ اگر وہ سانپ یہاں رہ بھی گیا ہے تو اس میں بھی اس کی نہ کوئی چال ضرور ہے۔ ارے وہ بہت چالاک ہے۔ سچ مچ کوئی خبیث روح اس کے جسم حلول کر گئی ہے۔ میں اسے آدمی تسلیم کرنے پر تیار ہی نہیں ہوں۔''

''چلو..... باتیں نہ بناؤ۔'' حمید نے اُسے دھکا دیا۔

وہ عمارت کی پشت پر آئے اور حمید نے آہستہ سے کہا۔ ''دیوار تو بہت نیچی ہے۔''

دوسرے ہی لمحے میں کارٹر عقبی دروازے میں جڑی ہوئی پڑیوں پر پیر رکھ کر اوپر چڑھ رہا تھا۔ دیوار پر پہنچ کر حمید کو راستہ دینے کے لئے وہ ایک طرف ہو گیا ویسے وہ دیوار پر سینے کے بل بٹا ہوا تھا۔

حمید بھی اوپر پہنچا۔ نیچے صحن تاریک پڑا تھا۔

''میرا خیال ہے۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔ ''اگر ہم دیوار پکڑ کر لٹک جائیں تو ہمارے پیر فرش سے زیادہ سے زیادہ دو فٹ کی اونچائی پر ہوں گے۔''

''جی ہاں..... میرا بھی یہی اندازہ ہے۔'' کارٹر نے جواب دیا۔

پھر وہ دونوں دیوار پر ہاتھ جمائے ہوئے دوسری طرف لٹک گئے اور انہوں نے ایک ساتھ ہی دیوار ہاتھوں سے چھوڑی۔ لیکن غیر متوقع طور پر ان کے منہ سے عجیب سی آوازیں نکلیں۔ ان دونوں کے سر ایک دوسرے سے ٹکرا گئے تھے لیکن پیر زمین سے نہیں لگے۔

حمید نے محسوس کیا وہ ایک مضبوط قسم کا جال تھا جس میں پڑے ہوئے وہ جھولا جھول رہے تھے۔

''یہ کیا مصیبت ہے۔'' جمی کارٹر بڑبڑایا۔

''تم نے دھوکہ دیا۔'' حمید غرایا۔

''بیکار بات نہ کیجئے۔'' کارٹر کی آواز غصیلی تھی۔ ''میں نے پہلے ہی آپ کو خطرے سے آگاہ کر دیا، کہہ دیا تھا کہ اس طرح عمارت میں داخل ہونا مناسب نہ ہوگا۔''

حمید خاموش ہو گیا۔ اس کا ہاتھ کوٹ کی جیب میں تھا اور کسی لمحے بھی ریوالور نکال کر کارٹر کے سینے پر رکھ سکتا تھا۔

''تو کیا اس طرح اب ہم پڑے رہیں گے۔'' کارٹر نے کچھ دیر بعد کہا۔

''ٹھہرو۔'' حمید نے بائیں ہاتھ سے ٹارچ نکالتے ہوئے کہا۔

پھر ٹارچ کی روشنی میں انہوں نے دیکھا کہ اگر وہ اس جال کو کاٹ بھی دیتے تو ا
گہرے گڑھے میں جا پڑتے کہ اس سے بھی نکلنا مشکل ہی ہوتا۔ اگر وہ اس جال میں کھڑ
ہو جاتے تو ان کا اوپر پہنچنا بھی محال تھا کیونکہ ان کے ہاتھ فرش کی سطح تک پہنچ ہی نہ سکتے۔

''یہ بہت بُرا ہوا کیپٹن۔ اب اپنے آدمیوں کو بلایئے جو عمارت کے گرد پھیلے ہوئے ہیں

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جمی کارٹر نے یقینی طور پر دھوکہ دیا ہے۔ ہوسکتا ہے
فریدی نے اس سلسلے میں دھوکا کھایا ہو۔ وہ لوگ اس سے واقف ہوں کہ فریدی ان کے تعا
میں ہے اور انہوں نے حمید کو بھی پھانس لینے کے لئے جال بچھایا ہو۔ اس سے پہلے بھی
مجرموں نے دونوں کو ساتھ ہی قابو میں کر لینے کی کوشش کی تھی۔ لیکن اب کیا ہوسکتا ہے۔ حما
تو سرزد ہو ہی چکی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کارٹر کی گردن دبوچ لے لیکن پھر اسے صبر ہ
پڑا۔ کیونکہ وہ اب بغیر سوچے سمجھے کچھ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اب چھپکلی تو سر سے اُتر ہی چکی تھی اور وہ خود پر لعنت بھیج رہا تھا۔

دفعتاً اس نے جال میں حرکت محسوس کی وہ اوپر اٹھ رہا تھا۔ اس نے ٹارچ نہیں
کی۔ وہ سوچ رہا تھا ہوسکتا ہے اب رہائی کی کوئی صورت نکل آئے۔ پتہ نہیں وہ کتنی بلند
اٹھ آئے تھے۔ ان کے چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی تھی۔ اچانک کوئی سخت سی چیز حمید
پر پڑی اور وہ چکرا گیا اور دوسری چوٹ پر تو اس کی چیخ ہی نکل گئی۔ لیکن وہ تنہا نہیں چیخ
کارٹر کی چیخ بھی بڑی بھیانک تھی۔ پھر اُسے یاد نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا۔

مگر دوسری بار آنکھ کھلنے پر تاریکی رفع ہو چکی تھی اور کارٹر بھی اس کے قریب ہی
تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر اب وہ ڈاڑھی نہیں تھی جس پر حمید نے رات کافی محنت کی تھی۔

ٹکراؤ

''شاید یہ دوسرا دن ہے کیپٹن۔'' کارٹر نے کہا۔ ''مگر یہ کمرہ ہیویشام لاج کا تو ہرگز نہیں
ہوسکتا۔ وہ پوری عمارت میری دیکھی ہوئی ہے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ اُسے اپنی غیر ذمہ دارانہ حرکت پر بے حد افسوس تھا اور وہ سوچ رہا تھا
کہ ایسی زبردست غلطی تو اس سے پہلے کبھی نہیں سرزد ہوئی۔ پھر کیا وہ اس کی زندگی کی آخری
غلطی تھی۔ وہ اپنی اس چھپکلی کے متعلق سوچنے لگا۔ جو اکثر اس کے سر پر سوار ہو جایا کرتی تھی۔
مگر وہ اتنا احمق بھی نہیں تھا۔ آخر اسے پچھلی رات ہو کیا گیا تھا۔ بس وہ ایک طرح کا جنون ہی
تھا جو اُسے ہیویشام لاج تک لے گیا تھا۔ موت تو بس اسی طرح آتی ہے۔ لوگ بہت ہی
معمولی بات پر ایک دوسرے کو چھرا مار دیتے ہیں۔ آخر کیوں؟ کیا وہ یہ نہیں سوچ سکتے کہ اتنی
ذرا سی بات کی قیمت دو زندگیاں نہیں ہوسکتیں۔ ایک اتنی ہی ذرا سی بات پر چھرے کا شکار
ہو جاتا ہے اور دوسرا قتل کے الزام میں پھانسی پا جاتا ہے۔ تقدیر..... ستارے..... تو گویا خود اس
کے ستارے بھی اسے گھیر گھار کر موت کی طرف لے جا رہے تھے۔

''اونہہ.....!'' اس نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی اور کارٹر کی طرف دیکھنے لگا۔

کارٹر کے چہرے پر زردی دوڑ گئی اور ہونٹ خشک ہو گئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ
بھی زندگی سے ناامید ہو گیا ہو۔

''پرواہ مت کر جمی کارٹر۔'' حمید زبردستی ہنس کر بولا۔ ''دیکھو تو کیا ہوتا ہے۔''

جمی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دروازہ کھلا اور ایک اباجیوں کی کرسی کمرے میں داخل ہوئی۔
کرسی پر سر شمشاد آیا۔ وہ خود ہی اس کے پہیے گھما رہا تھا اور اس کے چہرے پر بھی مردنی چھائی
ہوئی تھی۔

کرسی رک گئی اور سر شمشاد نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''تم لوگوں سے کس نے کہا تھا کہ اس
معاملے میں کود پڑو۔''

''آپ کی زوجہ محترمہ نے۔'' حمید نے تلخ لہجے میں کہا۔

''اُسے بھی سزا ملے گی اور تمہیں بھی۔'' سر شمشاد نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔'' ہو جائے گی اور تم مارڈالے جاؤ گے۔''

''مجھے حیرت ہے کہ میرے مرنے سے وہ کس طرح بیوہ ہو جائیں گی۔''

''خاموش رہو۔ میرے خدا..... میری موت کی ذمہ داری تمہیں لوگوں پر ہوگی، ا ٹویوڈا ہے۔ ٹویوڈا۔ جسے یورپ کی پولیس بھی نظر انداز کرتی ہے۔''

''ٹویوڈا.....!'' حمید نے حیرت سے کہا۔ ''آپ کو کیسے علم ہوا کہ وہ ٹویوڈا ہے۔''

''وہ ٹویوڈا ہے۔ اُس نے خود ہی بتایا تھا۔ پہلے وہ مجھے خوفزدہ کر کے صرف کنگال مگر اب جان سے مار دے گا۔ خدا اس عورت کو غارت کرے جو منع کرنے کے باو تمہارے پاس دوڑی گئی تھی۔''

''اُوہ..... تو ٹویوڈا ہی آپ کو اُلو بنا رہا تھا۔''

''میں اُلو سے بھی بدتر کوئی چیز بن جاتا لیکن اس طرح مرنا پسند نہ کرتا۔ اوہ..... پیر میں کتنی شدید تکلیف ہے۔ محض تم لوگوں کی وجہ سے میری انگلی کاٹی گئی۔ اُف فوہ..... کروں میرے خدا۔''

''میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کی پشت پر جو تحریر ملا کرتی تھی اس کا کیا مقصد تھا۔''

''مقصد! ہاں میں تمہیں مقصد بھی بتاؤں گا۔ شاید میں چھوڑ بھی دیا جاؤں لیکن نہیں بچو گے۔ ہرگز نہیں بچو گے۔ تمہارا گروگھنٹال فریدی کہاں ہے۔''

''انہیں شاید ٹویوڈا نے ختم بھی کر دیا۔'' حمید مسکرا کر بولا۔

''ضرور ختم کر دیا ہوگا۔ تم مقصد پوچھ رہے ہو۔ جس دن تحریر نظر آئی تھی اس کے د ہی دن مجھے ایک خط ملا تھا جس میں تحریر تھا کہ ایک لاکھ کے کرنسی نوٹ فلاں مقام پر ا ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی کہ تم کب ختم کئے گئے اور کس کیا۔ بالکل اسی طرح جیسے تم اُلو ہو والی مہر تمہاری پشت پر لگائی گئی اور تمہیں علم نہ ہو

ب اور کہاں لگائی گئی۔ لگانے والا کون ہے۔ خبردار۔ اس کی اطلاع پولیس کو نہ ہونے پائے ورنہ تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ میں ٹویوڈا ہوں۔ یورپ کی بہترین تربیت یافتہ پولیس بھی مجھ سے کانپتی ہے۔ میں نے اسے مذاق سمجھا تھا لیکن کچھ دن بعد وہی تحریر پھر میری پشت پر دیکھی گئی اور میں نے خوفزدہ ہو کر اس کے بتائے ہوئے مقام پر ایک لاکھ کے کرنسی نوٹ رکھ دیئے۔ پھر یرے ہی دن میری پشت پر یہ تحریر نظر آئی کہ تم اُلو نہیں ہو۔ اور میں نے اطمینان کا سانس لیا یکن اس کے بعد ہی اس نے مجھے لکھا کہ وہ ہر ہفتہ ایک لاکھ روپیہ چاہتا ہے لیکن وہ سال دو سال یہاں قیام نہ کرے گا۔ اس لئے مجموعی رقم دس لاکھ سے زیادہ نہ ہوگی۔ میں نے اس پر بھی یہ نہیں چاہا کہ اس کی اطلاع پولیس کو ہو۔ میں جانتا ہوں کہ ٹویوڈا کس قسم کا آدمی ہے۔ اب اس نے دس لاکھ کے بجائے بیس لاکھ کا مطالبہ کیا ہے۔ میں ادا کروں گا۔ سکھ کی نیند سونے کے لئے یں کنگال بھی ہو سکتا ہوں مگر وہ تمہارے پاس دوڑی گئی اور ٹویوڈا نے میری انگلی کٹوا دی۔ پھر اس کی طرف سے ایک خط بھی موصول ہوا جس میں تم دونوں کے متعلق تحریر تھا اور مجھے وارننگ ی گئی تھی کہ اگر معاملات اس سے آگے بڑھے تو میرا بھی خاتمہ ہر حال میں کر دیا جائے گا۔''

سر شمشاد خاموش ہو کر اپنا زخمی پیر ٹٹولنے لگا۔

''تو گویا۔'' حمید نے کہا۔ ''تحریر کا مقصد یہ جتانا تھا کہ جس طرح یہ تحریر آپ کی پشت پر ائی جا سکتی ہے اسی طرح آپ سے روپے بھی وصول کر لئے جائیں گے۔''

''میں اب کچھ نہیں کہنا چاہتا۔'' سر شمشاد نے کہا اور اپاہجوں والی کرسی کا رخ دروازے کی طرف موڑ دیا۔ حمید پھر خاموش ہو گیا تھا۔ وہ سر شمشاد کی روانگی کا منظر دیکھتا رہا۔ لیکن اس کے چلے جانے کے بعد بھی دروازہ نہیں بند کیا گیا۔ ویسے دو آدمی ہاتھوں میں ٹامی گنیں لئے باہر موجود تھے۔

حمید سر شمشاد کی آمد کا مقصد نہ سمجھ سکا۔ ممکن ہے اُسے ٹویوڈا ہی نے بھیجا ہو، یہ جتانے کے لئے کہ سابقہ کس آدمی سے ہے۔

''کیپٹن کیا ہم کبھی یہاں سے نکل سکیں گے۔'' جمی نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''اگر انہوں نے ہماری لاشیں دفن کرنا پسند نہ کیا۔'' حمید نے جواب دیا۔

''کیا کرنل آپ کی بھی خبر لیں گے۔''

''کیوں نہیں! میری تو اچھی طرح خبر لیں گے۔''

کچھ دیر خاموشی رہی پھر کارٹر نے کہا۔ ''ٹویوڈا آخر مجھ سے کیا چاہتا تھا۔ مگر کیا آپ یقین ہے کہ یہ ٹویوڈا ہی ہوگا۔ میں نے اکثر یہ نام سنا ہے۔''

''وہ ٹویوڈا ہی ہے اور کرنل کئی ماہ سے اس کی تلاش میں ہیں۔'' حمید نے کہا اور ہ سروں میں سیٹی بجانے لگا۔ اب وہ بے حد مطمئن تھا۔ اگر یہاں سر شمشاد کو نہ دیکھ لیتا تو اس کے ذہن پر موت کی پرچھائیاں ہی منڈلاتی رہتیں۔ کرنل نے پچھلی رات اس آدمی کا تعاقب کیا جو سر شمشاد کو اس کی کوٹھی سے نکال لے گیا تھا۔ لہٰذا اُسے کسی طرح بھی باور نہیں کیا جاسکتا فریدی اس عمارت کی طرف سے غافل ہوگا جہاں اس وقت سر شمشاد کا قیام ہے۔

ٹھیک ڈیڑھ بجے ان کے لئے کھانا آیا لیکن کھانا لانے والوں کا رویہ نہ دوستانہ تھا اور دشمنوں کا سا تھا۔ ان کے انداز میں بے تعلقی بھی پائی جاتی تھی۔

دن ختم ہوا۔ رات آئی لیکن اس دوران میں کوئی ایسا واقعہ نہیں پیش آیا جو غیر معمو ہوتا۔ کارٹر بہت زیادہ خوفزدہ نظر آنے لگا تھا۔ حمید نے اُسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔

کمرے کا دروازہ اب بھی کھلا ہوا تھا اور باہر پہرے دار موجود تھے۔ اچانک گیارہ بجے دروازہ بند ہوگیا۔ آٹھ بجے انہیں رات کا کھانا بھی ملا تھا۔

''اب سو جاؤ جمی کارٹر۔ مجھے یقین ہے کہ صبح کی چائے ہمیں نصیب نہ ہوگی۔''

''اور اس کی تمام تر ذمہ داری آپ پر ہوگی۔''

''خیر اس کا فیصلہ ہم دوسری دنیا میں بھی کرسکیں گے کہ ہم میں سے کون اس کا ذمہ دار تھا۔''

''آپ اتنے غیر سنجیدہ کیوں ہیں۔'' کارٹر نے حیرت سے کہا۔ ''کیا آپ یہ سمجھتے ہیں ہم بچ جائیں گے۔''

''بچیں یا نہ بچیں..... سنجیدگی سے کیا فائدہ۔''

کارٹر نے پھر خاموشی اختیار کرلی۔

کچھ ہی دیر بعد حمید نے بھاری قدموں کی آوازیں سنیں اور کسی نے اس کمرے کے دروازے پر ٹھوکر ماری۔ دونوں پٹ کھل گئے۔ آنے والا فریدی ہی تھا مگر تنہا تھا۔ البتہ قدموں کی آوازیں اب بھی سنی جاسکتی تھیں۔ جو عمارت کے کسی دور افتادہ حصے سے آرہی تھیں۔

حمید اور کارٹر کھڑے ہوگئے۔ فریدی حمید کو گھور رہا تھا۔

''چلو.....!'' اس نے خشک لہجے میں کہا اور دوسری طرف مڑ گیا۔ یہ راہداری سنسان پڑی تھی اور اس کا اختتام ایک دروازے پر ہوا۔

''یہاں سر شمشاد بھی موجود ہے۔'' حمید نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔

''وہ باہر جاچکا ہے۔'' فریدی کے لہجے میں خشونت بدستور قائم تھی۔

وہ راہداری کے اختتامی دروازے میں داخل ہوئے۔ اب وہ بڑے کمرے میں تھے۔ فرنیچر سے اندازہ ہوتا تھا کہ اسے ہال ہی کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا تھا۔

جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئے سامنے کا دروازہ بند ہوگیا۔ فریدی راہداری والے دروازے کی طرف پلٹا لیکن وہ شائد اسی وقت بہ آہستگی بند ہوگیا تھا جب وہ ہال میں داخل ہوئے تھے۔ جمی نے آگے بڑھ کر اس دروازے پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ اچھل کر کئی گز دور جا گرا۔

''الیکٹرک شاک۔'' وہ چیخا اور اپنے کپڑے نوچنے لگا۔ فریدی جھپٹ کر اس کے قریب پہنچا۔ پھر ان دونوں نے اس کے جسم سے بجلی کا اثر زائل کرنے کی تدبیریں شروع کردیں۔ اس کے اعصاب اس دھچکے سے زیادہ متاثر نہیں ہوئے تھے اس لئے وہ جلد ہی اپنے پیروں پر کھڑا ہوگیا۔ لیکن ٹھیک اسی وقت کمرے میں ایک آواز گونجی ''جمی کارٹر..... شروع ہوجاؤ۔''

کارٹر کے ہونٹ کھلے اور جسم اس پوزیشن میں آگیا جیسے وہ شدید قسم کے پتھراؤ سے خود کو بچانا چاہتا ہو۔ پھر وہ چیخنے لگا۔ ''میرا نام جمی کارٹر ہے..... میں گدھا ہوں مجھے ایک گدھی نے جنا تھا..... اور..... اور..... مم..... میرا.....!''

''شٹ اپ.....!'' فریدی گرجا اور وہ سہم کر خاموش ہوگیا۔

اب کمرے کی فضا میں ایک وحشیانہ سا قہقہہ گونجا اور کسی نے کہا۔ ''کرنل فریدی تمہیں بھی یہی الفاظ دہرانے پڑیں گے اور کیپٹن حمید تم بھی تیار ہو جاؤ۔''

''تمہارا نام ٹویوڈا ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''تم گدھے ہو..... لیکن حیرت ہے کہ تمہیں کتیا نے جنا تھا اور تمہارا باپ گیدڑ تھا۔''

''اچھا..... میں آ رہا ہوں۔'' آواز آئی۔ ''تم مطمئن رہو۔ تمہارے وہ سارے آدمی بھی تمہاری ہی طرح چوہے دان میں پھنس گئے ہیں جو اس عمارت میں داخل ہوئے تھے۔''

''یہ سارے دروازے لوہے کے معلوم ہوتے ہیں۔'' جمی کارٹر مردہ سی آواز میں بولا۔

دوسرے ہی لمحے میں ایک دروازہ کھلا اور ایک سیاہ پوش جس کا چہرہ بھی نقاب میں پوشیدہ تھا کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں چمڑے کا چابک تھا اور بائیں ہاتھ میں ٹارچ قسم کی کوئی چیز تھی۔

فریدی نے ریوالور نکال لیا لیکن نقاب پوش نے ہنس کر کہا۔ ''بے کار ہے۔ کرنل میں ٹویوڈا ہوں۔ مجھ جیسے آدمی سے کبھی سابقہ نہ پڑا ہوگا۔ میرے سارے جسم پر بلٹ پروف موجود ہیں۔ تم شوق سے اپنے کارتوس ضائع کرو۔ مجھے ذرہ برابر بھی افسوس نہ ہوگا۔ لیکن ٹھہرو۔''

دوسرے ہی لمحے میں اس کے بائیں ہاتھ والی ٹارچ سے بجلی کی ایک لہر سی نکل کر فریدی کے ریوالور پر پڑی اور ریوالور اچھل کر دور جا گرا۔ فریدی بڑی تیزی سے اپنی ہتھیلیاں رگڑنے لگا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور آنکھوں میں تکلیف کے آثار تھے۔

نقاب پوش نے قہقہہ لگایا اور حمید دانت پیستا ہوا اس پر ٹوٹ پڑا۔ ٹارچ سے پھر ویسی چمک دار لہر نکلی اور حمید زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔

''میرا باپ گیدڑ تھا..... کیوں؟'' نقاب پوش نے قہقہہ لگایا۔ فریدی اُسے اس طرح گھور رہا تھا جیسے کوئی شکاری کتا اپنے شکار پر جھپٹنے کے لئے تیاری کر رہا ہو اور جمی کارٹر بُری طرح کانپ رہا تھا۔

''تم خاموش کیوں کھڑے ہو کارٹر۔'' نقاب پوش دہاڑا اور ساتھ ہی اس کے چابک نے

بھی سپاٹا بھرا۔ جمی کارٹر نے اس کی زد سے بچنے کی کوشش کرتے ہوئے اُلو اور گدھے والی بکواس شروع کر دی۔ چابک فضا میں چکراتا رہا۔

''تم بھی شروع ہو جاؤ کرنل۔'' ٹویوڈا نے گویا اپنی موت کو دعوت دی اس نے فریدی کی طرف بھی چابک لہرایا تھا۔ فریدی نے اس سے بچنے کے لئے ایک طرف چھلانگ لگائی اور ٹویوڈا ہنس کر بولا۔ ''یہ ایشیا کا سب سے چالاک آدمی ہے..... اور.....!''

فریدی بالکل خاموش تھا لیکن چابک کی طرف سے اتنا لاپرواہ نظر آ رہا تھا جیسے اگر وہ اس کے لگ بھی گیا تو وہ اُسے چھیڑ چھاڑ سے زیادہ اہمیت نہ دے گا۔

''تم بھی یہی الفاظ دہراؤ۔ ورنہ تمہارا بھی یہی حشر ہوگا۔ جو تمہارے ساتھی کا ہوا ہے۔''

دفعتاً فریدی اتنے زور سے دھاڑا کہ ٹویوڈا کا گردش کرتا ہوا ہاتھ بہک گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس کا چابک فریدی کی گرفت میں تھا اور پھر اس نے اتنی پھرتی سے آگے بڑھ کر اُسے جھٹکا دیا کہ ٹویوڈا کے جسم کے گرد چابک لپٹ گیا۔ دوسرا جھٹکا اُسے زمین پر لے آیا۔ پھر اُسے اپنا وہ حربہ بھی استعمال کرنے کی مہلت نہ مل سکی جو اس کے بائیں ہاتھ میں تھا۔

فریدی اس پر سوار ہو گیا۔ حمید اسی طرح تڑپ رہا تھا۔ جمی بھاگ کر کھلے ہوئے دروازے کی طرف چلا گیا۔ فریدی ٹویوڈا کو فرش پر رگڑ رہا تھا۔

''اس کے ساتھی آ گئے۔'' دفعتاً جمی کارٹر چیخا۔ بس پھر ایک ہی پل کے لئے فریدی کی گرفت ڈھیلی ہوئی تھی کہ ٹویوڈا کسی چکنی مچھلی کی طرح اس کے نیچے سے نکل گیا۔ اس نے دروازے میں چھلانگ لگائی تھی۔ جمی کارٹر ایک طرف گرا اور وہ اُسے روندتا ہوا باہر نکل گیا۔ فریدی ریوالور اٹھا کر اس کے پیچھے جھپٹا۔ اس کے دو تین ساتھی باہر راہداری میں موجود تھے۔ انہوں نے ٹویوڈا کو اس طرح بھاگتے دیکھا تو بوکھلا گئے۔ ادھر فریدی نے دو تین فائر کر دیئے۔ دو آدمی چیخ کر گرے۔

''جمی..... حمید کو دیکھو۔'' فریدی نے کہا اور ان کے پیچھے دوڑتا چلا گیا۔

جمی فرش سے اٹھا۔ اس کے سینے پر چوٹ آئی تھی کیونکہ ٹویوڈا کا پیر اس کے سینے ہی پر

پڑا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس برقی لہر کا اثر وقتی ہوتا ہے کیونکہ ایک بار خود اُسے بھی اس کا تجربہ ہو چکا تھا۔ حمید کی حالت جلد ہی اعتدال پر آ گئی۔ وہ اس کمرے سے باہر نکلا۔ ساری عمارت سنسان پڑی ہوئی تھی۔ جمی سے اسے جو حالات معلوم ہوئے تھے انہیں مدنظر رکھتے ہوئے اس نے اندازہ لگایا کہ فریدی کو ان لوگوں کو آزاد کرانے کا موقع نہ ملا ہوگا جنہیں ٹویوڈا نے قید کرا تھا۔ پتہ نہیں وہ فریدی کی بلیک فورس کے آدمی تھے یا محکمے کے سادہ لباس والے۔ کچھ دیر تک ادھر اُدھر بھٹکنے کے بعد وہ دونوں اس کمرے میں پہنچ گئے جہاں آٹھ سادہ لباس والے بے ہوش پڑے ہوئے تھے۔

تقریباً تین بجے وہ گھر پر فریدی کا انتظار کر رہا تھا۔ مصنوعی برقی رو کا اثر ابھی کلی طور اس کے سسٹم سے زائل نہیں ہوا تھا۔ تقریباً ساڑھے تین بجے فریدی غصے میں بھرا ہوا واپس آ اور آتے ہی حمید پر برس پڑا۔

''دیکھا لیا حماقت اور جلد بازی کا نتیجہ..... وہ نکل گیا۔''

''مم..... میں..... میں معافی چاہتا ہوں۔'' حمید کان پکڑ کر گڑگڑایا۔ ''واقعی اس سے بڑ حماقت مجھ سے آج تک نہیں سرزد ہوئی۔ میں پاگل ہو گیا تھا۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ غصے میں بھرا ہوا ٹہل رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ غرایا۔ ''پانی'' او حمید خود ہی بکٹ بھاگتا ہوا پانی لینے چلا گیا اور پھر واپسی پر جب وہ پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھا رہا تھا فریدی بے ساختہ ہنس پڑا۔ حمید کی شکل ہی ایسی نکل آئی تھی کسی غمزدہ لومڑی کی سی۔

''ارے تو یہ صورت پر پھٹکار کیوں برس رہی ہے۔'' اس نے کہا۔

''پرواہ نہ کیجئے۔ اگر اس وقت پھٹے پرانے جوتے بھی برسیں تو مجھے غم نہ ہوگا۔''

فریدی گلاس خالی کر کے صوفے میں گر گیا اور جیب سے سگار نکال کر اس کا گوشہ توڑنے لگا۔ پھر حمید سے بولا۔ ''اب بکو کہ یہ سب کیسے ہوا تھا۔''

حمید نے ہکلا ہکلا کر بدقت تمام ساری روداد دہرائی اور فریدی نے کہا ''حالانکہ نصیر کو تم نے منع کر دیا تھا لیکن اس نے فون پر مجھے بتایا کہ ان لوگوں نے کوئی یوریشین چور پکڑا تھا جسے تم میک اپ کر کے اپنے ساتھ لے گئے ہو۔ میں اپنا کام دوسروں کے سپرد کر کے یہاں واپس آیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ جمی ہی ہوگا لیکن محض خیال سے کیا ہوتا ہے۔ مجھے اسے ثابت کرنے کے لئے کافی وقت برباد کرنا پڑا۔ اس کمرے میں انگلیوں کے نشانات تلاش کرنے پڑے جس میں نصیر وغیرہ نے اسے بند کیا تھا۔ ریکارڈ روم سے جمی کارٹر کا ریکارڈ نکلوایا۔ نشانات ملائے۔ تب یقین ہوا کہ وہ جمی کارٹر تھا۔ ٹویوڈا کے آدمی سر شمشاد کو ثروت منزل میں لے گئے تھے لیکن میں اطمینان کرنا چاہتا تھا کہ ٹویوڈا ابھی ثروت منزل میں موجود ہے یا نہیں۔ بہرحال تم سے ثروت منزل میں بھی ایک حماقت سرزد ہوئی تھی۔ تمہارے پاس سر شمشاد کو اسی لئے بھیجا گیا تھا کہ ٹویوڈا حالات کا اندازہ کر سکے۔ جمی سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے سر شمشاد سے گفتگو کرنے کے بعد گنگنانا اور سیٹیاں بجانا شروع کر دیا تھا۔ گویا تم مطمئن ہو گئے تھے۔ اسی سے ٹویوڈا نے اندازہ لگایا کہ وہ پچھلی رات سر شمشاد کے معاملے میں دھوکا کھا گیا تھا اور میں اسی کی راہ پر لگ گیا ہوں۔ اس لئے وہ ہوشیار ہو گیا۔ میں اس چکر میں تھا کہ وہ میرے متعلق دھوکے میں رہے۔ لیکن وہ تمہاری گرفتاری کے بعد سے ہوشیار ہو گیا تھا۔ میرے آدمیوں کو یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ تم کب اور کس طرح ہیویشام لاج سے ثروت منزل پہنچائے گئے تھے۔ بس پھر جب رات کو وہاں چھاپہ مارا تو میدان صاف تھا۔ سر شمشاد کے علاوہ اور کوئی نہ ملا۔ اُسے تو فوراً ہی باہر بھجوا دیا کیونکہ اس کی حالت اچھی نہیں تھی۔ اس کے بعد پھر ان لوگوں کی تلاش شروع ہوئی۔ ایک کمرے میں غیر متوقع طور پر تم دونوں ملے اور پھر اس کے بعد خود تم نے بھی اپنی حماقتوں کا نتیجہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔''

حمید صرف ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

فریدی نے سگار کا ایک طویل کش لے کر کہا۔ ''ٹویوڈا نے ان آٹھوں الوؤں سے کئی لاکھ روپے وصول کئے ہیں اور آئندہ بھی وصول کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس کا طریق کار ایسا

ہی عجیب وغریب ہوتا ہے۔ اب یہی آٹھوں اس کے علاوہ اور کیا سوچ سکے ہوں گے کہ
جس وقت چاہے انہیں موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے کیونکہ جس جگہ وہ ''تم اُلو ہو'' کی مہ
ہے اسی جگہ خنجر بھی پیوست کرسکتا ہے۔ نہ انہیں اس کا علم ہوتا تھا کہ مہر کب لگی اور نہ ان
خیال کے مطابق اس کا علم ہوسکتا کہ کب حملہ ہوگیا۔ اس طرح خوفزدہ کرکے وہ سرمایہ دا
سے بہت رقمیں اینٹھتا ہے۔''

''مگر جمی کارٹر کا معاملہ۔ آخر اس کا کیا مقصد ہوسکتا ہے۔''

''اوہ..... کچھ بھی نہیں۔ وہ اسی طرح کام کے آدمیوں کو اپنا غلام بناتا ہے۔ وہ
کارٹر کو یہ سمجھانا چاہتا تھا کہ وہ اس کے سامنے ہمیشہ بے بس رہے گا۔ اس کے اشاروں پ
رہے گا۔ لہٰذا کیوں نہ وہ ایک کتے کی طرح اس کا وفادار ہی ہوجائے۔ وہ اسی طرح لوگوں
غلام بناتا ہے۔ اس کے کام کرنے کے طریقے سائنٹیفک ہوتے ہیں۔ وہ ایک ماہر نفسیا
ہے۔ لیکن وہ خواہ مخواہ پولیس سے الجھنے کی کوشش بھی نہیں کرتا۔ میرا خیال ہے کہ اگر جمی کا
تم اور ٹونی یکجا نہ ہوتے تو اس ہنگامے کی نوبت نہ آتی۔ وہ بڑی احتیاط سے اپنے اُلو
کرکے یہاں سے کھسک جانے کی کوشش کرتا مگر اب.....!''

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔ ''ہیلو پولیس ا
فریدی.....اوہ.....اچھا..... ہاں..... ہاں.....!''

اور پھر فریدی بیساختہ ہنس پڑا۔ سلسلہ منقطع کرکے بھی ہنستا ہی رہا۔

''کیوں؟ کون تھا۔'' حمید نے پوچھا۔

''ٹویوڈا۔''

''نہیں۔''

''ہاں.....اس نے کہا ہے کہ اب وہ مجھے قتل کئے بغیر یہاں سے واپس نہیں جائے گا
حمید سناٹے میں آگیا اور فریدی انگڑائی لیتا ہوا بولا۔ ''نیند آرہی ہے یار.....جاؤ تم بھی سوجا

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 71

دشمنوں کا شہر

(دوسرا حصہ)

بُرا آدمی

نادر نے نصیر آباد پہنچ کر اطمینان کا سانس لیا۔ وہ اپنا سب کچھ بہت پیچھے چھوڑ آیا
اپنی بدنامیاں، اپنی دولت، اپنا رُعب، سب کچھ پیچھے چھوڑ آیا تھا اور اب وہ پیچھے مڑ کر
گوارا نہیں کرسکتا تھا۔

وہ رام گڈھ سے آیا تھا۔ رام گڈھ کے نادر سے تو وہ لوگ بھی واقف ہوجاتے تھے
قیام وہاں عارضی ہوتا تھا۔ نادر رام گڈھ کا زلزلہ تھا۔ لوگ اس سے ڈرتے تھے۔ جدھر
موجودگی کا شبہ بھی ہوجاتا اُدھر سے مالدار لوگوں کا گزر کم ہی ہوتا تھا۔ رام گڈھ کا مالدار
خصوصیت سے اُسے ہوّا سمجھتا تھا۔

نادر کون تھا؟ ایک تعلیم یافتہ بدمعاش جو محض اپنی فطری جھلاہٹ کی وجہ سے بدمعاش
گیا تھا۔ وہ کافی ذہین اور باصلاحیت آدمی تھا۔ اس لئے قانون کی زد سے بچتا ہی رہتا
مقامی حکام سے بھی اس نے نہیں بگاڑی تھی اور ان کی خدمت ہی کرتا رہتا تھا۔ لہٰذا اُسے
چھوٹ مل گئی تھی۔ ویسے وہ اس قسم کے حالات ہی نہیں پیدا ہونے دیتا تھا کہ مقامی حکام کی
اس کی طرف مبذول ہوتی۔ وہ علانیہ لوگوں کو لوٹ لیتا تھا۔ لیکن ایسے حالات پیدا ہونے
بعد کہ وہ کسی سے فریاد تک نہ کرسکتے۔

اسی نادر کی زندگی میں ایک زبردست انقلاب آیا اور اس انقلاب کا بانی صرف ایک
ہوا تھا، جو آج بھی اس کے کانوں میں گونج رہا تھا۔

"اور جب وہ فاتح کی حیثیت سے مکے میں داخل ہوئے تو انہوں نے

ان لوگوں سے انتقام نہیں لیا جو اُن پر اوجھڑیاں پھینکتے تھے، ان کی راہ
میں کانٹے بچھاتے تھے۔ اُن پر پتھر پھینکتے تھے۔ ان تمام لوگوں کے لئے
کھلی ہوئی معافی تھی جنہوں نے انہیں ہجرت پر مجبور کیا تھا۔"

وہ انقلاب اس وقت ہوا تھا جب وہ ایک دشمن سے انتقام لینے جارہا تھا اور وہ یقیناً اُسے
کے گھاٹ اتار دیتا کیونکہ کچھ ہی دن پہلے اس نے بھرے مجمع میں اس کی توہین کی تھی اور
نے اسی وقت تہیہ کرلیا تھا کہ اُسے زندہ نہ چھوڑے گا۔

وہ اس رات اسی ارادے سے نکلا تھا۔ اس کی جیب میں بھرا ہوا بے آواز ریوالور بھی
تھا اور حالات ایسے تھے کہ وہ بڑی آسانی سے اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاتا۔

لیکن راہ میں ایک واعظ کی آواز نے اسے اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ اُسے مذہب سے ذرہ
لگاؤ نہیں تھا اور وہ کبھی مذہبی جلسوں کی طرف رُخ بھی نہیں کرتا تھا۔ واعظ تقریر کرنے
لئے نظم پڑھ رہا تھا اور پڑھنے کا انداز ایسا تھا کہ نادر بے اختیار اس کی طرف کھنچا چلا گیا۔
اُسے دو گھنٹے تک اِدھر اُدھر رہنا تھا کیونکہ کام کا وقت تو پروگرام کے مطابق دو گھنٹے بعد

وہ جلسہ گاہ کے ایک گوشے میں جا بیٹھا۔

نظم ختم ہونے پر تقریر شروع ہوگئی اور نادر بس یونہی بیٹھا رہ گیا۔ اس نے سوچا یہیں
دو گھنٹے گذار دیئے جائیں۔

تقریر رسول کریمؐ کی سیرت پر تھی۔ نادر کا سر خود بخود جھکتا چلا گیا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا
واعظ کا ایک ایک لفظ کانوں سے گذر کر اس کی روح میں تحلیل ہو رہا تھا اور پھر جب
موضوع پر آیا کہ رسول کریمؐ نے کبھی کوئی منتقمانہ کارروائی نہیں کی تو نادر کی حالت غیر
اس نے سنا کہ رسول کریم نے اس عورت سے بھی انتقام نہیں لیا تھا جس نے ان کے چچا
جبا ڈالا تھا۔ اس نے سنا کہ طائف والوں نے پتھر مار مار کر رسول کریمؐ کا سارا جسم
کردیا تھا لیکن اس حال میں بھی دنیا کے سب سے بڑے انسان نے ان کی بہتری کے

لئے ہی دُعائیں مانگی تھیں۔

نادر نے یہ سب کچھ سنا بچوں کی طرح رو پڑا۔ اس کا بھی ہوش نہیں تھا کہ وہ کہ مجمع میں رو رہا ہے۔ شاید وہ زندگی میں پہلی بار اس طرح رویا تھا۔ رونا تو بڑی بات رونے کا خیال بھی اس کے ذہن کے ڈھکے چھپے گوشوں میں نہیں جھانکتا تھا۔ کیونکہ وہ اُسے دوسروں کی گریہ وزاری بھی متاثر نہیں کر سکتی تھی۔

مگر وہی نادر اس وقت بچوں کی طرح رو رہا تھا۔

انتقام کا وقت نہ جانے کب کا گذر چکا تھا۔ نادر اُسی وقت اٹھا جب دوسرے ا تھے۔ یعنی جلسہ ختم ہو چکا تھا۔

نادر کے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھی۔ لیکن اسکے قدم گھر ہی کی طرف اٹھے

وہ ایک بڑے اور خوبصورت مکان میں رہتا تھا اس کے پاس کار بھی تھی اور بظا کا ایک خوشحال بروکر تھا لیکن حقیقتاً سمور کی دلالی برائے نام تھی دولت سمیٹنے کے دوسرے ہی تھے۔ مثلاً منشیات کی ناجائز تجارت قمار بازی اور فریب دہی..... وہ ایک قاتل بھی تھا۔ اتنا چالاک کہ بحیثیت قاتل اس کا نام کبھی نہیں لیا جا سکا تھا۔

اس نادر کی زندگی میں انقلاب کا بانی ایک پیشہ ور واعظ بن گیا وہ واعظ جو آ گراموفون کے ریکارڈ کی طرح اپنی تقریریں دہراتا رہتا تھا اور جو بالکل اسی طرح سنی کی جاتی تھیں جیسے مشاعرے الٹ دینے والے اشعار سنے اور سراہے جاتے ہیں۔ وا ایک سوئی ہوئی روح جھنجھوڑنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

نادر نے نیک بننے کا فیصلہ ہلکے سے نشے کے عالم میں کیا تھا لیکن نشہ اُترنے کے وہ اپنے فیصلے پر قائم رہا۔

اس نے سب کچھ چھوڑ دیا۔ اس صراحی کا پانی پینا بھی اب اسے گوارا نہ تھا جو اس کے گھر میں موجود تھی۔ جب تک وہ اس گھر میں ٹھہرا سڑک پر لگے ہوئے نل سے رہا اور اس وقت تک بھوکا ہی رہا جب تک کہ اپنے ایک شریف شناسا سے کچھ روپے قر

ے۔ اس نے اس سے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ رام گڈھ سے جا رہا ہے اور جب بھی وہ اس پے ادا کرنے کے قابل ہوا بذریعہ منی آرڈر روانہ کر دے گا۔ اس شناسا نے بھی سمجھا ہوگا وہ نشے میں ہے اس لئے اس نے چپ چاپ طلب کی ہوئی رقم اس کے ہاتھ پر رکھ دی ں نادر سے ڈرتے تھے۔

در کو وہ لباس کاٹ رہا تھا جو پہلے سے اس کے جسم پر موجود تھا۔ اس نے قرض کے میں سے اپنے لئے معمولی قسم کے ریڈی میڈ کپڑے خریدے اس طرح اس گھٹن سے ئی جو پرانے لباس کی وجہ سے اس کی روح پر طاری تھی۔

ر وہ نصیر آباد کے لئے روانہ ہو گیا۔ رام گڈھ میں اپنی ساری املاک جوں کی توں چھوڑ ختلف بینکوں میں اس کی بڑی بڑی رقومات تھیں لیکن وہ انہیں بھی بھول جانا چاہتا تھا۔

یر آباد پہنچ کر اس نے ریلوے کے اس شیڈ میں پناہ لی جو تیسرے درجے کا مسافر خانہ ا اور دوسرے ہی دن سے اس نے ملازمت کی تلاش شروع کر دی۔

اگریجویٹ تھا اور بزنس کا کافی تجربہ بھی رکھتا تھا۔ اس لئے ایک ایسی فرم میں اُسے ا جگہ مل گئی جو روئی کی تجارت کرتی تھی۔

ن دن تک وہ اطمینان سے کام کرتا رہا۔ چوتھے دن اچانک منیجر نے اُسے اپنے کمرے کر لیا۔ یہ ایک بھاری جسم اور معمول سے زیادہ چھوٹی آنکھوں والا یورپین تھا۔ اس لونچیسے اوپر تک گھور کر دیکھا اور پھر فون کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ''تمہاری کال بیور میز پر پڑا ہوا تھا نادر نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے اٹھایا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہاں نا پہچان والا نکل آیا۔

ہیلو.....!''

ہیلو..... کون ہے۔'' کسی نے انگریزی میں پوچھا۔ لہجہ غیر ملکیوں کا سا تھا۔

نادر.....!''

اوہ نادر..... وہی نادر جو منشیات کی ناجائز تجارت کرتا ہے۔ رام گڈھ والا۔''

"ہاں..... مگر اب نہیں۔"

"وہی نادر جو فریب دہی کا ماہر ہے۔"

"کچھ دن پہلے کی بات ہے۔"

"وہی نادر جو قاتل بھی ہے۔"

"میں اس سے بھی انکار نہیں کروں گا۔ بشرطیکہ تم ثابت کر سکو۔"

"تم اس فرم کے ساتھ کوئی لمبا فراڈ کرنا چاہتے ہو۔" دوسری طرف سے آواز

"میں اسے تسلیم نہیں کروں گا۔ کیونکہ یہ غلط ہے۔"

"تم سے واقف ہو جانے پر کون یقین کرے گا۔"

"کرے یا نہ کرے۔" نادر جھنجھلا گیا۔ "مگر تم کون ہو۔"

"ایک ایسا آدمی جس نے تمہیں بہت قریب سے دیکھا ہے۔"

"دیکھا ہوگا۔ پھر تم کیا چاہتے ہو۔"

"مجھے اس فرم سے ہمدردی ہے۔ میں اس کا نقصان ہوتے نہ دیکھ سکوں پہلے میں منیجر سے بھی تمہارے متعلق گفتگو کر چکا ہوں۔"

نادر کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دوسری سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

نادر نے اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔

"یہ کیا کہہ رہا تھا مسٹر نادر۔"

"بکواس کر رہا تھا۔" نادر نے جواب دیا۔

"مگر شاید تم نے چند باتوں کا اعتراف کیا تھا۔" منیجر کی پیشانی پر سلوٹیں ابھ

"جی ہاں۔ سچی باتوں کا اعتراف کرنا ہی چاہئے۔"

"تو یہ حقیقت ہے کہ تم ایسے ہی ہو جیسا اس نے کہا ہے۔"

"ہوں نہیں بلکہ تھا۔ اب مجھ میں بڑی تبدیلی ہو گئی ہے۔"

"تم نے کسی بات کی تردید بھی تو کی تھی۔"

"جی ہاں۔ وہ کہہ رہا تھا کہ تم اس فرم کے ساتھ کوئی بڑا فراڈ کرنے والے ہو۔ میں نے
ں کے اس خیال کی تردید کی تھی۔"

"مسٹر نادر۔ ہم ہر حال میں ایماندار آدمی چاہتے ہیں۔"

"آپ مجھے ایماندار ہی پائیں گے۔"

"مگر تمہارا پچھلا ریکارڈ۔"

"وہ ریکارڈ میں وہیں چھوڑ آیا ہوں، جہاں سے اس کا تعلق تھا۔"

"پھر بھی ہم دیدہ دانستہ کسی ایسے آدمی کو نہیں رکھ سکتے جس کا ریکارڈ اتنا خراب ہو۔"

"سنئے تو سہی..... جناب۔" نادر ہکلایا۔

"نہیں مسٹر نادر۔ میں مجبور ہوں۔" اس نے پیڈ پر کچھ لکھتے ہوئے کہا۔ "آپ کو یہاں
رادن ہے۔ میں دس دن کی تنخواہ کے لئے لکھ رہا ہوں۔ آپ کیشیئر سے لے لیجئے۔"

"میں خیرات نہیں لوں گا۔" نادر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "صرف تین دن کی تنخواہ کے
لکھئے۔ ویسے قانوناً آپ کو ایک ماہ کی تنخواہ دینی چاہئے۔"

"یہی غنیمت ہے مسٹر نادر کہ ہم آپ کو پولیس کے حوالے نہیں کر رہے۔ اس نے یہ بھی
تھا کہ آپ قاتل ہیں۔" منیجر نے پیڈ سے پرچہ پھاڑ کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"میں صرف تین دن کی تنخواہ لوں گا۔" نادر نے منیجر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سرد
میں کہا۔ "اگر آپ پولیس کو میرے قاتل ہونے کی اطلاع دینا چاہتے ہیں تو میں آپ کو
ں گا نہیں۔ شوق سے دیجئے۔"

"بیٹھ جائیے مسٹر نادر۔" منیجر عجیب انداز میں مسکرایا۔ "آپ تین ہی دن کی تنخواہ لیجئے گا
میں پولیس کو بھی اطلاع نہیں دوں گا۔"

وہ دوسرا پرچہ لکھنے لگا۔ پہلا پرچہ نادر نے میز پر ڈال دیا تھا۔

منیجر نے دوسرا پرچہ اٹھا کر [illegible] تے ہوئے کہا۔ "دیکھئے مسٹر نادر اس فرم کا منیجر

ہونے کی حیثیت سے میں آپ کو الگ کر رہا ہوں ورنہ مجھے آپ سے بے حد ہمدردی ہے۔

"شکریہ۔" نادر نے کہا اور اٹھنا چاہا۔

"بیٹھئے بیٹھئے..... میں آپ کو بتاؤں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کو الگ کرتے ہوئے مجھے دکھ ہو رہا ہے۔ مگر کیا کروں مجبوری ہے۔ میں فرم کے نظم و نسق کے لئے دوسروں کو ہوں۔ اگر یہاں کوئی گڑبڑ ہوتی ہے تو اس کی ذمہ داری مجھ پر ہوگی۔"

"قدرتی بات ہے۔" نادر نے خشک لہجے میں کہا۔

"آپ یقیناً بددل ہوگئے ہیں۔ آپ کا لہجہ کہہ رہا ہے۔" منیجر مسکرا کر بولا۔

"لیکن آپ آج شام کو مجھ سے میرے بنگلے پر مل لیجئے شائد میں آپ کے لئے کوئی کام اپنی ذمہ داری پر مہیا کر سکوں۔"

"میں بے حد مشکور ہوں گا جناب۔" نادر بھی مسکرایا۔

"میرا پتہ۔" منیجر نے جیب سے ایک چھوٹا سا کارڈ نکال کر نادر کی طرف بڑھا دیا۔

نادر تین دن کی تنخواہ پندرہ روپے لے واپس چلا آیا۔

"ابھی تک اس کا قیام اسٹیشن کے مسافر خانے ہی میں تھا۔ ایک چائے والا اس پر ہوگیا اس لئے اُسے بستر وغیرہ احتیاط سے رکھنے کی جگہ مل گئی تھی۔ دن بھر وہ آفس میں اور شام کو یہاں چلا آتا۔ پھر تقریباً دس بجے رات تک چائے والے کا ہاتھ بٹاتا۔ چائے کو یہ معلوم کر کے اس سے بڑی ہمدردی ہوگئی تھی کہ وہ ایک پڑھا لکھا آدمی ہے لیکن الحال خانہ بدوشوں کی سی زندگی بسر کرنی پڑ رہی ہے۔

نادر دفتر سے نکلنے کے بعد دن بھر اِدھر اُدھر پھرتا رہا۔ وجہ یہ تھی کہ وہ منیجر سے گفتگو بغیر اسٹیشن واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔

شام ہوتے ہی وہ اس کے بنگلے پر پہنچ گیا۔ منیجر نے خلاف توقع اس کی اسی طرح بھگت کی جیسے وہ اس کے برابر کا آدمی ہو۔

"مسٹر نادر۔ میں آپ کا منتظر ہی تھا۔ مگر پہلے ہم چائے پئیں گے۔ میں نے آج

ار میں خود بھی چائے نہیں پی۔"

اس نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی اور تھوڑی دیر بعد ایک ملازم چائے کی ٹرے اٹھائے ے اندر داخل ہوا۔

چائے کے دوران منیجر نے مغموم لہجے میں کہا۔ "یہ دنیا بڑی واہیات جگہ ہے نادر..... ں کو اس کی محنت کا مناسب معاوضہ نہیں ملتا اور پھر بہتیرے الجھاوے بھی ہیں۔ بہتیری یاں بھی ہیں۔ مثلاً آپ بے مروت نہیں ہیں اگر کوئی اخلاق سے پیش آئے تو آپ اس لئے مرمٹیں گے۔ مثلاً میں آپ سے کہوں کہ مجھے آپ سے محبت ہے آپ میرے چھوٹے ں ہیں۔ فلاں کام میرے لئے کیجئے تو آپ اس کی پرواہ کئے بغیر اس کام میں بھڑ جائیں گے آپ کو کتنا معاوضہ مل رہا ہے اور آپ کے اس کام سے اس آدمی کو کتنا فائدہ پہنچ رہا ہے۔ وہ خوبصورت الفاظ اور محبت آمیز باتوں سے آپ کا تیا پانچہ کرتا رہے گا۔ آپ سوچیں گے کہ ب کے ساتھ ناانصافی ہو رہی ہے۔ لیکن آپ کا خلوص آپ کی مروت یہ گوارا نہیں کرے گی آپ اس آدمی سے اس کے خلاف احتجاج کر سکیں، جو اوپر سے بے حد چمکدار اور اندر سے ں بلیک آؤٹ ہے۔ آپ تعلیم یافتہ آدمی ہیں، مجھے یقین ہے کہ آپ نے پہلے ایمانداری زندگی بسر کرنے کی کوشش کی ہوگی پھر جھلا کر منشیات کی ناجائز تجارت پر اُتر آئے ہوں دھوکے بازی اور قمار بازی کو ذریعہ معاش بنایا ہوگا۔"

"ہاں یہ حقیقت تھی۔" نادر نے سر ہلا کر کہا۔

"مگر اب پھر آپ نیک بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ پتہ نہیں کس توقع پر۔"

"کسی توقع پر بھی نہیں۔ میں اب صرف نیک بننے کی کوشش کر رہا ہوں۔ مجھے اس کی واہ نہیں ہے کہ نیک بننے کے سلسلے میں مجھے کتنے فاقے کرنے پڑیں گے۔ کتنی سختیاں جھیلنی ں گی۔"

"آپ پھر بھٹک جائیں گے۔ مجھے یقین ہے۔" منیجر نے کہا۔

"میں انتہائی کوشش کروں گا۔ آخری سانسوں تک حالات کا مقابلہ کرتا رہوں گا۔"

"خیر.....!" منیجر نے طویل سانس لے کر کہا۔ "میں نے یہ سوچا تھا کہ میرا سرمایہ ہوگا آپ کا تجربہ۔ پھر ہم دیکھیں گے کہ ہم سے بڑا آدمی اس شہر میں کون ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔" نادر نے پلکیں جھپکائیں۔

"کوکین کا بزنس.....!" منیجر نے آہستہ سے کہا۔

"اوہ.....!" نادر یک بیک مضمحل ہوگیا۔ پھر مردہ سی آواز میں بولا۔ "میں تو یہ سمجھا تھا آپ مجھے کوئی ایسا کام بتائیں گے جس میں ایمانداری کا سودا ہوگا۔"

"ایمانداری۔" منیجر غرایا۔ چند لمحے نادر کو گھورتا رہا پھر بولا۔ "کیا آپ باغبانی کرسکیں گے"

"یقیناً کرسکوں گا۔"

"تو کل سے آجایئے۔ میرا پائیں باغ بالکل اجڑا پڑا ہے۔ پچاس روپے ماہوار خوراک ملیں گے۔"

"مجھے منظور ہے۔" نادر خوش ہوکر بولا۔

"لیکن اس سلسلے میں آپ کو ایک معاہدے پر دستخط کرنے پڑیں گے۔"

"کیسا معاہدہ۔"

"یہی کہ اگر آپ نے چھ ماہ گذرنے سے قبل یہ ملازمت ترک کرنی چاہی تو میں آپ جیل میں بھی بھجوا سکوں گا۔"

"مجھے منظور ہے۔" نادر نے خود اعتمادی کے ساتھ کہا۔

لاش

کیپٹن حمید کو کرنل فریدی سے پوچھنا تھا کہ بلبل مذکر ہے یا مونث۔ اس لئے وہ سارے گھر میں اُسے تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ یہ پوچھنے کی ضرورت بھی

ش آئی تھی کہ اس کا ایک دوست اپنی بیوی کو بلبل کہتا تھا۔ وہ اگر نہ کہتا تب بھی وہ فریدی کو کچھ ر بور کرنا ہی چاہتا تھا۔

مگر فریدی گھر میں نہ ملا۔ نیلم بھی موجود نہیں تھی اور حمید تنہائی سے اُکتا گیا تھا۔ اس لئے ں نے اپنے چہیتے بکرے کے دو چار دھولیں جمائیں۔ مگر بکرا پھر بکرا ٹھہرا۔ وہ بھی شائد آج ں میں تھا۔ ورنہ عموماً وہ حمید کو دیکھتے ہی پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہوکر اس سے بغل گیر ہونے کی ش ضرور کرتا تھا جب وہ بھی موڈ میں نہ آیا تو حمید کسی ایسے کھلنڈرے بچے کی طرح اداس گیا جس کے سارے ساتھی شام ہوجانے پر اپنے گھروں کو سدھار گئے ہوں۔

جب کوئی مشغلہ سمجھ میں نہ آیا تو اس نے سوچا کیوں نہ اجنبیوں کو فون کرکے انہیں بور کیا ئے۔ ایک ذمہ دار آفیسر سے اس قسم کی حرکت کی توقع نہیں کی جاسکتی مگر وہ حمید تھا۔ افتادِ طبع ر کیا کرتا۔

وہ اپنی خواب گاہ میں آیا۔ ٹیلی فون ڈائریکٹری اٹھائی لیکن ابھی ورق گردانی ہی شروع کی ی کہ فون کی گھنٹی بجی۔

حمید نے ریسیور اٹھالیا۔ وہ سمجھا تھا کہ زیادہ سے زیادہ فریدی کی کال ہوگی، جو شاید آج ے پروگرام کے خلاف آفس چلا گیا تھا۔

لیکن دوسری طرف سے ایک عورت بول رہی تھی۔ "ہیلو.....ہیلو.....کرنل۔"

"کیپٹن حمید۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"اوہ کیپٹن خدا کے لئے جلدی آؤ۔ میں کٹی پرکنس ہوں۔"

"تم کٹی پرکنس ہو یہ درست بھی ہوسکتا ہے مگر میں کہاں آؤں۔"

"ریلوے اسٹیشن پارسل آفس..... جلدی..... میں یہاں اسسٹنٹ اسٹیشن ماسٹر کے مرے سے فون کررہی ہوں اور دو کانسٹیبل میرے سر پر مسلط ہیں۔"

"تو پھر میں اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ یہی کرسکوں گا کہ ان کانسٹیبلوں کو ترقی لوادوں۔"

"یہ ایک ایسی لاش کا قصہ ہے جس سے تمہیں ہر حال میں دلچسپی ہوگی۔"

"لاش.....!" حمید ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

"جلدی.....کیپٹن بہت جلدی۔"

"اچھی بات ہے۔ میں آ رہا ہوں۔ لیکن اگر وہ لوگ تمہیں لے ہی جا رہے ہوں۔ میں اس سلسلے میں کیا کر سکوں گا۔"

"تم کچھ بھی نہ کرنا بس آ جاؤ۔"

حمید نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کٹی بھی کچھ ایسی غیر دلچسپی نہیں۔ بوریت کے لمحات گذر ہی جائیں گے۔ مگر یہ لاش۔ خدا غارت کرے قاتلوں کو جو شاعر بجائے قتل کرتے پھرتے ہیں۔

اس نے لباس تبدیل کیا۔ گیراج سے وینس نکالی اور چل پڑا۔ یہ اس کی اپنی گاڑی تھی حال ہی میں خریدی گئی تھی۔

اسٹیشن پہنچنے میں دیر نہیں لگی۔ وہ سیدھا پارسل آفس کی طرف چلا گیا۔ وہاں اُسے کانسٹیبل اور سب انسپکٹر نظر آئے۔ یہ دونوں ہی اُسے اچھی طرح جانتے تھے کٹی وہاں موجود مگر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی تابوت سے نکل بھاگی ہو۔ زندہ لاش۔

حمید کو دیکھتے ہی وہ اس کی طرف لپکی۔

"کیپٹن میں اس کی ذمہ دار نہیں ہوں۔"

"کیا بات ہے۔" حمید نے سب انسپکٹر سے پوچھا۔

"لاش ہے کیپٹن۔ ہمیں پارسل آفس سے ملی ہے۔ ایک پیٹی سے بدبو پھیل رہی ہے وہ نصیر سے کسی مسز کرنل اسمتھ کے نام ہے۔ ہم یہاں پہنچے ہی تھے کہ یہ بھی اپنا پارسل وصول کر گئی۔ ہم اُسے اچھی طرح جانتے ہیں یہ کٹی پرکنس ہے۔ ہو ہی کسی کرنل اسمتھ کی بیوی نہیں ہو سکتی"

"میں جانتا ہوں کہ یہ کرنل اسمتھ کی بیوی ہے۔"

"کوئی بھی ہو۔" سب انسپکٹر نے لاپروائی سے کہا۔ "لیکن اس کے نام آئے ہ

پارسل میں ایک سڑی ہوئی لاش موجود ہے۔"

"کیوں.....!" حمید نے کٹی کی طرف دیکھا۔

"میرے پاس بلٹی موجود ہے۔" کٹی ہانپتی ہوئی بولی۔ "اور بیچک بھی میں نے نصیر آباد کی ایک فرم سے کچھ سامان منگوایا تھا۔ پارسل پر بھی اس فرم کا ٹریڈ مارک اور پتہ موجود ہے۔"

"کیا سامان تھا.....؟"

"کراکری۔ بیچک بھی موجود ہے۔"

"پارسل کھول ڈالا آپ لوگوں نے۔"

"جی ہاں۔ ایک مجسٹریٹ کی موجودگی میں۔"

"میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔"

کچھ دیر بعد حمید نے لاش دیکھی اور بھونچکا رہ گیا۔ کیونکہ وہ کٹی کے محبوب جمی کارٹر کی تھی۔

"یہ کب سے غائب تھا۔" حمید نے کٹی سے پوچھا۔

"پچھلے پندرہ دنوں سے۔ کیپٹن میں کیا کروں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ مسئلہ ایسا تھا کہ وہ کرنل فریدی سے مشورہ کئے بغیر اپنی زبان نہیں کھول سکتا تھا۔ اس نے سب انسپکٹروں کو سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ لاش کو اس وقت تک یہاں سے نہ ہٹائیں جب تک کہ کرنل بھی اُسے نہ دیکھ لیں۔

اب حمید نے فون پر کرنل فریدی کو تلاش کرنے کی مہم شروع کی۔

کچھ دیر بعد وہ ٹاؤن ہال کی پبلک لائبریری میں مل گیا۔ اس کی اطلاع کہ وہ ٹاؤن ہال کی لائبریری میں موجود ہے سارجنٹ رمیش سے ملی تھی۔

حمید نے اُسے اپنی دریافت سے آگاہ کیا اور یہ دریافت ایسی تھی کہ اس پر فریدی ہر قسم کے مشاغل فوری طور پر ترک کر سکتا تھا۔

وہ بیس منٹ کے اندر اندر پارسل آفس پہنچ گیا۔

کافی دیر تک وہ لاش کا معائنہ کرتا رہا اور پھر اس کے محکمے کے ایکسپرٹ آنے شروع

ہو گئے۔ دونوں سب انسپکٹر بُری طرح بور ہو رہے تھے۔ شاید ان کا خیال تھا کہ وہ جلد ہی سے لاش ہٹوا دیں گے لیکن معاملے نے طوالت اختیار کر لی تھی۔ تقریباً نو بجے رات اٹھوائی جا سکی۔ کٹی پر کنس حراست میں تھی۔

فریدی نے کرنل فریدی کو بھی اس کی اطلاع دی لیکن اس نے گفتگو کو آگے نہیں دیا۔ اس نے بتایا تھا کہ وہ ایک ماہ پہلے ہی کٹی کو طلاق دے چکا ہے اور اب وہ اس کے نہیں رہتی۔

فریدی اور حمید وہاں سے آرلکچو میں آئے۔ رات کا کھانا وہ یہیں کھانے کا ارادہ تھے۔ ویسے حمید کی سمجھ میں نہیں آ سکا کہ فریدی نے اس کا فیصلہ کیوں کیا تھا۔ کھانے کے گھر بھی جا سکتے تھے۔

کھانے کے دوران ہی میں ایک ویٹر نے کرنل کو آگاہ کیا کہ اس کی ٹرنک کال آئی فریدی اٹھ کر کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ شاید اس نے اس کال کے لئے کاؤنٹر کلرک کو ہدایت دے دی تھی کہ اگر اس کی کوئی ٹرنک کال آئے تو فوراً اطلاع دی جائے۔

حمید اس کی واپسی کا منتظر رہا۔ کچھ دیر بعد جب واپس آیا تو اس نے خود ہی اُسے رات کے کھانے کی غرض و غایت بتائی۔

اس نے اسٹیشن ہی سے نصیر آباد کے سی آئی ڈی آفیسر کو فون کر کے کٹی پر کنس کی تصدیق کرائی تھی اور آفیسر مذکور کو آرلکچو کے فون نمبر دیئے تھے۔

"فرم نے تصدیق کی ہے کہ کٹی کا آرڈر اس کے پاس موجود ہے۔ لیکن ابھی تک تعمیل نہیں ہوئی ہے۔ فرم کے منیجر نے اس کی تردید کی ہے کہ کٹی کو بلٹی بھیجی گئی تھی یا اطلاع گئی تھی کہ اُسے مال روانہ کیا جا رہا ہے۔" فریدی نے کہا اور کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"تو پھر کسی نے اس کے متعلق اپنی معلومات سے فائدہ اٹھایا۔" حمید بولا۔

"اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

"مگر.....!"

"کہو..... کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"جی کی لاش کون بھیج سکتا ہے۔ کٹی کا کوئی دوسرا عاشق.....!"

"یہ تو کٹی ہی بتا سکے گی۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"میں اس آدمی کا نام نہیں لینا چاہتا جس پر مجھے شبہ ہے۔" حمید بولا۔

"ضرورت بھی نہیں ہے۔"

"لیکن آخر کار بڈھے نے کٹی پر کنس کو طلاق ہی دے دی۔"

"یہ بھی ہونا ہی تھا۔ تم کھانا کھاؤ کس چکر میں پڑے ہو۔"

"نہیں یہ چکر تو اب میرے لئے مستقل ہو چکا ہے۔ میں اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھ سکتا جب تک کہ ٹویوڈا کو اپنے ہی ہاتھوں سے قتل نہ کر دوں۔"

"کھاؤ یار کیوں خواہ مخواہ اپنا ہاضمہ خراب کر رہے ہو۔ علماء کا قول ہے کہ کچھ کھاتے وقت ناؤ بالکل نہ کھاؤ۔ ورنہ معدہ چوپٹ ہو جائے گا۔" فریدی کے لہجے میں تمسخر تھا۔

حمید نے اُسے محسوس کیا اور کباب ہو کر رہ گیا۔ اس کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ ٹویوڈا کے سلسلے میں اس سے جو حماقتیں سرزد ہو چکی تھیں ہر وقت نظریں نیچی رکھنے پر مجبور کرتی تھیں۔ اسی بناء پر اس کا ذہن آج کل صرف حماقتوں کی آماج گاہ بن کر رہ گیا تھا۔ یعنی وہ ہر وقت یہی سوچتا رہتا تھا کہ کسی طرح ٹویوڈا کو مار لے اور اس کی لاش فریدی کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے اصول سراغ رسانی پر ایک دھواں دھار تقریر بھی جھاڑ دے۔ لیکن اس کے متعلق سوچتے وقت اسے ذرہ برابر بھی اس کا خیال نہ آتا کہ ٹویوڈا محض اس کی وجہ سے نکل جانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

حمید نے خاموشی سے کھانا ختم کیا اور کرسی کی پشت سے ٹک کر پائپ سلگانے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ٹرنک کال کے لئے آخر آرلکچو کے نمبر دینے کی کیا ضرورت تھی۔ کھانا گھر ہی پر کھایا جا سکتا تھا اور کال بھی وہیں ریسیو کی جا سکتی تھی۔

"یہاں کال ریسیو کرنے کا کیا مقصد تھا۔" آخر وہ پوچھ ہی بیٹھا۔

''گھر نہیں جانا چاہتا تھا۔''

''کب تک.....!''

''جب تک یہ نہ معلوم کرلوں کہ ٹویوڈا کہاں ہے۔''

''وہ پارسل نصیر آباد سے آیا تھا۔''

''ضروری نہیں ہے کہ ٹویوڈا بھی وہیں ہو۔''

''پھر.....!''

''کیا تم نہیں جانتے کہ وہ تقریباً چھ ماہ سے یہیں ہے۔ یہیں سے مراد ملک دارلسلطنت نہیں ہے۔ وہ یورپ واپس نہیں گیا۔ لیکن وثوق سے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کس شہ ہے۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ اس نے کئی شہروں میں اپنا جال پھیلا رکھا ہے اور دونوں ہا سے دولت سمیٹ رہا ہے۔''

''مگر آپ کتنی دیر میں معلوم کریں گے کہ ٹویوڈا کہاں ہے۔'' حمید نے بوکھلا کر پوچھ

''ہوسکتا ہے کہ صبح ہوجائے۔''

''یہ بھی ممکن ہے کہ آج سے سورج ہی طلوع ہونا بند ہوجائے۔'' حمید نے جھلا کر راتوں کی بربادی اُسے بُری طرح کھل جاتی تھی۔

کچھ دیر بعد فریدی کی لنکن شہر کے ایک گھنے آباد حصے سے گذر رہی تھی اور حمید بے سوچ کر بور ہو رہا تھا کہ رات گئی۔ فریدی نے تو یہ بھی نہیں بتایا تھا کہ جانا کہاں ہوگا۔

''یہ تو بتا ہی دیجئے کہ آپ کہاں جائیں گے اور یہ معلوم کرنے کا ذریعہ کیا ہوگا کہ کہاں ہے۔''

''کچھ ایسے آدمیوں پر عرصے سے میری نظر ہے جن پر ٹویوڈا کے ایجنٹ ہونے کا کر رہا ہوں۔''

''لیکن آپ اب تک کیوں خاموش رہے تھے۔''

''مصلحتاً۔ میں چاہتا تھا کہ خاموشی سے ٹویوڈا تک پہنچ جاؤں۔ مگر اب پھر اس نے

حرکتیں شروع کردی ہیں کہ ان کا فوری تدارک بھی ضروری ہے۔''

''اس سرمایہ دار کا کیا حشر ہوا جس سے آپ کو یہاں ٹویوڈا کی موجودگی کا علم ہوا تھا۔''

''وہ خوش اور تندرست ہے۔ لیکن اب نہ اس کی خوشی برقرار رہ سکے گی نہ تندرستی۔ کیونکہ ب میں اس پر بھی شبہ کر رہا ہوں۔''

''کیوں.....!''

''میرا خیال ہے کہ وہ بھی اس بزنس میں ٹویوڈا کا برابر کا شریک ہے۔''

''کمال ہے۔'' حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ پھر جھلا کر بولا۔ ''آپ خواہ مخواہ معاملات کو ول دے بیٹھے ہیں۔ اگر وہ ٹویوڈا کا شریک تھا تو اس نے آپ کو آگاہ کیوں کیا تھا۔''

''قانون کے خوف سے۔ اس نے سوچا تھا کہ اگر یہ بات کھل گئی تو وہ تباہ ہوجائے گا۔ ں لئے ایک طرف اس نے اس کے بزنس میں شرکت کی تھی اور دوسری طرف مجھے بھی آگاہ لردیا تھا۔''

''مگر آپ اس نتیجے پر کیوں پہنچے کہ ایسا ہی ہوا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ محض اندازے کی لطی ہو۔''

''ممکن ہے۔ مگر اب تک کا مشاہدہ یہی کہتا ہے کہ میرا خیال غلط ثابت نہ ہوسکے گا۔''

''کس طرح..... مجھے بھی سمجھایئے۔''

حمید کو اس وقت ٹویوڈا سے ذرہ برابر بھی دلچسپی نہ رہ گئی۔ باتیں تو اس نے اس لئے چھیڑ لی تھیں کہ کہیں اُسے نیند نہ آجائے اور اسی نیند ہی کی وجہ سے اس نے اس وقت ٹویوڈا کو لکل معاف کردیا تھا۔ یعنی اگر اتفاق سے ٹویوڈا خود ہی اُس وقت ہاتھ باندھے ہوئے اس کے امنے حاضر ہوجاتا تو حمید اس سے یہی کہتا کہ جاؤ تم بھی سوجاؤ۔ صبح میں تم سے انتقام لے لونگا۔''

''آٹھوں اُلوؤں کے بیانات کی روشنی میں میں نے یہ نظریہ قائم کیا ہے۔'' فریدی کہہ رہا تھا۔ ''جب بھی ان کی پشت پر ''تم اُلو ہو'' والی مہر نظر آتی ہے ان کا اسی دن کسی نہ کسی وقت اس سرمایہ دار کیساتھ ہونا ثابت ہوتا ہے اگر کسی ایک کے بیان سے بھی یہ ظاہر ہوجاتا کہ اس دن اس

سرمایہ دار سے اس کی ملاقات ہی نہیں ہوئی تو میں اُسے مشتبہ آدمیوں کی فہرست میں ہرگز نہ ڈالا

''بہرحال یہ بھی ابھی قیاس ہی ہے۔''

''میں اتنے دنوں تک صرف اس سرمایہ دار کے خلاف ثبوت اکٹھے کرتا رہا ہوں۔''

''تب تو پھر اُسے قیاس کی حدود سے گذر جانا چاہئے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ کار فراٹے بھرتی رہی۔

''بہرحال'' حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ ٹویوڈا نصیر آباد ہی میں ہے۔''

''اس خیال کے ثبوت میں اگر تم یہ پارسل پیش کرو تو یہ حماقت ہی ہوگی۔''

''ہماری حماقتوں میں ایک اور سہی لیکن میں کل ہی نصیر آباد کے لئے روانہ ہو جاؤں گا''

''تمہاری مرضی۔ تم عدم آباد کی طرف بھی روانہ ہو سکتے ہو۔ بھلا تمہیں کون روک گا۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی کو بھی علم تھا کہ آج کل حمید کے سر پر ٹویوڈا کا بھوت سوار۔ اس لئے ٹویوڈا کے متعلق گفتگو کرنے میں بہت زیادہ محتاط رہتا تھا۔

کار ایک ایسی بستی میں رکی جہاں زیادہ تر نچلے طبقے کے لوگ آباد تھے۔ دو چار بڑی شاندار عمارتیں بھی تھیں۔ فریدی نے کار ایک تاریک گلی میں روکی تھی۔

وہ دونوں اُتر آئے۔ فریدی آگے بڑھتا چلا گیا۔ حمید ٹھوکریں کھاتا ہوا اس کے پیچھے رہا۔ کچھ دیر بعد فریدی رکا اور حمید نے محسوس کیا کہ وہ بائیں جانب والے کسی دروازے پر دستک دے رہا ہے۔

کچھ دیر بعد اندر سے ایک غرائی ہوئی سی آواز آئی۔ ''کون ہے۔''

''پنجو'' فریدی نے کہا اور حمید نے اس کی آواز بدلی ہوئی سی محسوس کی۔

دروازہ ہلکی سی چڑچڑاہٹ کے ساتھ کھل گیا۔

''آجاؤ..... جابر.....!'' فریدی نے حمید کی طرف مڑ کر کہا۔

اور پھر وہ دونوں اس تاریک دروازے سے گذر کر ایک ایسے کمرے میں آئے

لیروسین لیمپ کی دھندلی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ دفعتاً ان کے پیچھے چلنے والا اچھل کر سامنے گیا۔ یہ ایک پستہ قد اور جھریائے ہوئے چہرے والا ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ جسم گٹھیلا تھا۔ آنکھوں ے پھرتیلے پن کا اظہار ہوتا تھا اور دھندلی روشنی میں اس کی آنکھیں کسی سانپ کی آنکھوں ے مشابہ نظر آ رہی تھیں۔

''تم کون ہو۔'' اس نے گھورتے ہوئے پوچھا۔ اب حمید نے دیکھا کہ اس کی مٹھی میں ب کھلا ہوا چاقو بھی جکڑا ہوا ہے۔

''میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ یہ چاقو زمین پر ڈال دو۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس آدمی نے بندر کی طرح چھلانگ لگائی اور سیدھا فریدی پر ا لیکن حمید نے اُسے دوبارہ اچھلتے دیکھا اور وہ سامنے والی دیوار سے ٹکرا کر فرش پر گرا۔ چاقو ں کے ہاتھ سے پہلے ہی نکل کر چھت کے ایک شہتیر میں پیوست ہو گیا تھا۔ حمید فریدی کی رت انگیز پھرتی کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔

روح کے دھبے

نادر کے لئے وہ زندگی بالکل نئی تھی۔ قدم قدم پر دشواریاں سامنے آ کھڑی ہوتیں۔ اب انجیر کے بنگلے کی کمپاؤنڈ میں مقیم تھا۔ پھاٹک کے قریب ملازموں کے لئے تین چھوٹی چھوٹی ٹھریاں بنی ہوئی تھیں۔ انہیں میں سے ایک میں نادر کو بھی رات بسر کرنی ہوتی تھی۔ وہ زمین ا پر دری ڈال کر لیٹتا اور اس وقت تک کروٹیں بدلتا رہتا جب تک کہ نیند جسمانی تکالیف پر ادی نہ ہو جاتی۔ ان دنوں اس کے اندر نیکی اور بدی میں بڑی شدید جنگ ہو رہی تھی۔ کبھی وہ وچتا کہ اس سے کتنی بڑی حماقت سرزد ہوئی ہے۔ عیش کی زندگی پر لات مار کر یہاں اس سڑی ی کوٹھری میں لوٹیں لگا رہا ہوں اور کبھی اس کی قوت ارادی کسی ضدی بچے کی طرح ان خیالات

سے لپٹ جاتی اور ایسے خیالات دم ہی توڑ دیتے جن کی بناء پر اس کے ڈگمگا جا امکانات پیدا ہو سکتے تھے۔

وہ سوچتا کہ جو قوت ارادی اسے جرائم کی طرف لے گئی تھی وہی اس کے اندر ہو کشمکش کا خاتمہ بھی ایک دن کر ہی دے گی۔

وہ محسوس کرتا کہ غلط قسم کی ذہنی ترغیبات کا مقابلہ کر کے وہ اپنی شخصیت میں بھار اضافہ کرتا ہے۔ ایسے مواقع پر اسے خود بھی اپنی روح کی پاکیزگی کا احساس ہونے لگ معلوم ہوتا جیسے وہ کسی گندی اور گھٹن پیدا کرنے والی کوٹھری سے نکل کر کھلی ہوا میں آ ویسے اس کا جسم تو اس وقت ایک گندی سی اور تنگ و تاریک کوٹھری میں مقید تھا۔ لیک بیکراں وسعتوں کی نورانی فضاؤں میں پرواز کر رہی تھی۔ ابھی دس ہی بجے تھے لیکن کوٹھری پھیلی ہوئی تاریکی اور سناٹے کی سائیں سائیں کہہ رہی تھی کہ رات آدھی سے زیادہ گذر چکی

نادر کروٹیں بدل رہا تھا۔ نیند آسانی سے نہیں آتی تھی کیونکہ پتھریلے فرش پر گد عادی جسم پھوڑا بن جاتا تھا اور جب تکلیف کا احساس زیادہ ہو جاتا تو اس کا ذہن فرار نظر آنے لگتا۔ اسے اپنا آرام دہ بستر یاد آتا۔ وہ بوتلیں یاد آتیں جو اس آرام دہ بستر پر بے خوابی کا بہترین علاج ثابت ہوا کرتی تھیں۔

وہ بوتلیں یاد آتیں اور نادر غیر شعوری طور پر کسی ندیدے بچے کی طرح منہ چلانے لگ پھر اچانک اس کے ذہن میں واعظ کے الفاظ گونجنے لگتے۔

"وہ لوگ نیکی اور سچائی کا علم بلند کرنے کے لئے اٹھے تھے۔ اس لئے ان کی راہوں میں کانٹے بچھائے گئے۔ انہیں عرب کے ریگزاروں کی تپتی ہوئی ریت پر ڈال دیا جاتا اور سینوں پر بڑے وزنی پتھر رکھ دیئے جاتے پھر ان سے کہا جاتا کہ وہ دوبارہ اسی اندھیرے میں لوٹ جائیں مگر اب کون تھا جو انہیں ان کی پرنور راہوں سے ہٹا سکتا۔"

"مجھے بھی کوئی نہیں ہٹا سکتا۔" نادر اپنے بال مٹھی میں جکڑ کر بڑبڑاتا اور اس طرح جھٹکے دینے لگتا جیسے ان خیالات کو ذہن سے جھاڑ دینا چاہتا ہو۔

اس وقت بھی کروٹیں بدلتے بدلتے اسے انہیں بوتلوں کا خیال آ گیا تھا اور وہ اپنی ان بے کیف راتوں کے متعلق سوچ رہا تھا جب اس کی خواب گاہ میں کوئی عورت نہیں ہوتی تھی۔ کتنی مصیبت سے نیند آتی تھی۔ ان راتوں میں اسے اتنی پینی پڑتی تھی کہ بالآخر غنودگی کے جھونکے آہستہ آہستہ اسے سلا ہی دیتے تھے۔

اچانک کسی نے کوٹھری کے دروازے پر دستک دی اور نادر اچھل کر بیٹھ گیا۔

دستک برابر جاری رہی۔ اس نے اُٹھ کر کنڈی گرائی اور دروازہ کھول دیا۔ اندھیرے میں سے کسی عورت کا دھندلا سا ہیولا نظر آیا۔

"تم سو رہے تھے شاید۔" اس نے منیجر کی نوجوان بیوی سلویا کی آواز سنی۔

"جج..... جی نہیں۔"

"دیکھو..... اندر شائد فیوز اڑ گیا ہے۔ بالکل اندھیرا ہے۔ صاحب بھی نہیں ہے اور رے نوکر میٹر کو ہاتھ لگاتے ڈرتے ہیں۔"

"بہت اچھا..... میں دیکھتا ہوں۔" نادر کواڑ بھیڑ کر باہر نکل آیا۔

پھر وہ اس کے ساتھ عمارت میں آیا۔ عمارت کے قریب پہنچ کر جیب سے دیا سلائی نکالی اُسے دیکھتا ہوا بولا۔ "آپ ذرا ایک سلائی کھینچئے۔ میں میٹر کھولتا ہوں۔"

فیوز حقیقتاً اڑ گیا تھا۔ اسی جگہ اسے تار کا چھوٹا سا لچھا بھی مل گیا۔ مین سوئچ آف کر کے نے فیوز وائر لگایا اور پھر کچھ دیر بعد روشنی ہو گئی۔

"سردی بہت ہے۔" سلویا نے کہا۔ "اگر تم کافی پینا چاہو تو کچن میں چلو۔ میں کافی ہی بنا تھی کہ یک بیک اندھیرا ہو گیا۔"

"پپ..... پی لوں گا مادام.....!"

"آؤ۔" وہ دوسری طرف مڑتی ہوئی بولی۔ سلویا کافی حسین اور متناسب الاعضاء تھی اور کے چلنے کا انداز اتنا دلکش تھا کہ نادر بھی کئی بار اُسے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ چکا تھا اور

اس وقت تو اس کے ذہن میں آندھیاں سی اٹھ رہی تھیں۔

منیجر گھر پر موجود نہیں تھا۔ دونوں نوکر اپنی کوٹھریوں میں سوئے پڑے ہوئے تھے اُسے کافی پلانے کے لئے کچن میں لے جا رہی تھی۔

بھدے اور بے ہنگم جسم والا منیجر اس بٹر فلائی کو کیا خوش رکھ سکتا ہوگا۔ نادر نے سوچا چٹکی بجاتے آئے گی..... چٹکی بجاتے..... نادر کے ذہن میں آندھیاں سی اٹھتی رہیں اور للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہوا اس کے پیچھے چلتا رہا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' کچن میں آ کر اس نے ایک اسٹول کی طرف اشارہ کیا اور خود الماری سے پیالیاں نکالنے لگی۔

نادر نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔ سلویا کی پشت اس کی طرف تھی اور وہ ہڑپ کر جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ عورتوں کا پرانا شکاری تھا۔ انتہائی شاطرانہ کامیاب ہو جانے والا۔ عموماً عورتیں خود ہی اس پر پھسل جاتی تھیں۔

اس نے دو پیالیاں نکال کر میز پر رکھ دیں۔

''کافی میں شکر کم پیتے ہو یا زیادہ۔''

''کم مادام.....!''

''اچھا.....!'' وہ شکر ڈال کر پیالی میں کافی انڈیلتی ہوئی بولی۔ ''تم بہت روانی کے انگریزی بول سکتے ہو اور قواعد کی بھی غلطی نہیں ہوتی۔ مطلب یہ کہ تم کافی پڑھے لکھے آدمی طرح انگریزی بول سکتے ہو۔''

''ہاں..... مادام.....!'' نادر نے ایک طویل سانس لی۔

''پھر تم کوئی ڈھنگ کا کام کیوں نہیں کرتے۔ تمہارے ہاتھوں سے بھی نہیں معلوم کہ تم نے کبھی باغبانی کی ہو۔ تمہارے ہاتھ دولت مند طبقے کے لوگوں کے سے ہیں۔''

''بھلا اس میں میرا کیا قصور ہے مادام.....!''

''تم آخر اس پیشے کو کیوں پسند کرتے ہو۔''

''بیروزگاری کا زمانہ ہے مادام۔ پہلے میں نے آفسوں ہی کی خاک چھانی تھی۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔''

''عجیب کیوں مادام.....!''

''تم جیسا آدمی اور ملازمت حاصل نہ کر سکے۔''

''مجھ جیسے ہزاروں اس شہر میں چوٹیاں سٹکاتے پھرتے ہیں۔''

''کچھ بھی ہو۔ نہ جانے کیوں تمہیں کدال چلاتے دیکھ کر مجھے بڑے کوفت ہوتی ہے۔''

''مگر میں تو بہت خوش ہوں مادام۔''

''اسی لئے تو مجھے کوفت ہوتی ہے کہ تم جیسے باحوصلہ آدمی کی اتنی بے قدری ہو رہی ہے۔ میں نے صاحب سے کہا ہے کہ وہ اپنے آفس میں تمہیں کوئی معقول سی جگہ دلوا دیں۔''

''بہت بہت شکریہ مادام۔''

اس نے کافی بنا کر نادر کی طرف پیالی کھسکا دی۔ نادر نے شکریہ ادا کر کے کپ میز سے اٹھا لیا۔ کافی کے دو ہی تین گھونٹوں نے اس کی آنکھیں کھول دیں، ورنہ اب اس کی پلکیں نیند کے دباؤ سے کچھ بوجھل ہو چلی تھیں۔

''تمہارے دوسرے اعزہ کہاں ہیں۔'' سلویا نے پوچھا۔

''کوئی بھی نہیں۔ مطلب یہ کہ کہیں میرا کوئی عزیز نہیں ہے۔''

''بیوی۔''

''بیوی بھی نہیں ہے۔ میں نے شادی ہی نہیں کی تھی۔''

''یہ اور بھی افسوس ناک ہے۔ اسی لئے تو تم ڈھنگ کے کام نہیں کر سکتے۔''

نادر کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کس ڈھب سے گفتگو کرے کہ زیادہ محنت کئے بغیر یہ شرنگ چڑیا جال میں پھنس ہی جائے۔

سلویا سر جھکائے کافی پی رہی تھی۔

دفعتاً وہ پیالی میز پر رکھ کر بولی۔

''مگر میں کیسے یقین کرلوں کہ تم نے جو کچھ بھی کہا ہے صحیح کہا ہے۔''

''میں نہیں سمجھا مادام۔''

''کیا تم صاحب کو بہت عرصہ سے نہیں جانتے۔''

''نہیں مادام.....!''

''ہاہا۔'' وہ انگلی اٹھا کر ہنسی۔ ''پکڑ لیا چور۔''

نادر بھی مسکرا دیا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں اب بھی سوال تھا۔

''کیا تم صاحب کے ساتھ جوا نہیں کھیلتے تھے۔''

''نہیں مادام..... قطعی نہیں۔''

''جھوٹے ہو تم۔''

''مجھے افسوس ہے مادام کہ میں آپ کو یقین نہ دلا سکوں گا۔'' نادر نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''مجھے یقین ہے کہ تم جوئے میں ہار گئے ہو گے اور پھر تمہیں خود کو داؤ پر لگا دینا پڑا ہوگا۔''

نادر نے پلکیں جھپکائیں۔ سلویا کا لہجہ ایسا نہیں تھا جس پر مزاح کا گمان تک ہو سکتا۔

''میں اپنی زندگی میں کبھی نہیں ہارا مادام اور میں نے سینکڑوں کی گردنیں پکڑ کر انہیں داؤں پر لگا دیا ہے۔ مگر کیا صاحب ایسے ہی کھیل کھیلتے ہیں۔''

''صاحب۔'' سلویا کی ہنسی بہت تلخ تھی۔

''مجھے بتایئے مادام۔''

''خود دیکھ لو گے شاید تم چھ ماہ کے لئے خود کو ہارے ہو۔''

''کیوں۔ یہ کیسے کہا آپ نے۔''

''تذکرہ کیا تھا کہ تم کم از کم چھ ماہ تک یہاں کام کرو گے۔''

''لیکن یہ ہار جیت کیسی ہے۔ یقین کیجئے مادام میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا۔''

سلویا اُسے غور سے دیکھنے لگی۔ پھر آہستہ سے بولی۔ ''اگر تم نے ملازمت ہی کی ہے
میں تمہیں مشورہ دوں گی کہ معاہدے کی پرواہ کئے بغیر یہاں سے چپ چاپ چلے جاؤ۔''

''کیوں مادام.....!''

''بس یہ مشورہ ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتی۔''

''عہد شکنی میرا شیوہ نہیں ہے مادام۔'' نادر نے کہا اور اس جملے کے ساتھ ہی واعظ کی
از اس کے کانوں میں گونجنے لگی، جو اُسے نیکی اور سچائی کی طرف بلا رہی تھی۔ اس نے اپنی
ھیں نیچی کرلیں اور سوچنے لگا کہ اب اُسے یہاں سے فوراً بھاگنا چاہئے۔ کیونکہ کچھ دیر پہلے
اس عورت کے شکار کی اسکیم مرتب کرتا رہا تھا۔ اس نے سوچا اگر اس کے قدم ڈگمگا گئے تو
یک کی ساری محنت خاک کا ڈھیر ہو جائے گی۔

سلویا کہہ رہی تھی ''میں تمہیں کوئی ذہین آدمی سمجھی تھی مگر تم بالکل بے وقوف معلوم ہوتے
۔لو اور کافی لو۔''

نادر نے غیر ارادی طور پر پیالی اس کی طرف بڑھا دی اور آہستہ سے بولا۔ ''میں نہیں سمجھ
ا مادام کہ آپ اپنے شوہر کے متعلق ایسے بُرے خیالات کیوں رکھتی ہیں۔''

''سنو۔'' وہ اپنی آنکھیں بند کر کے آہستہ سے بولی۔ ''ایک پرندے کو قفس میں بند کر کے
ا کی نعمتیں اس کے لئے مہیا کر دو لیکن کیا وہ پرندہ تمہیں دعائیں دے گا۔''

''میں نہیں سمجھا مادام۔''

''میں اپنے شوہر کو گالیاں دیتی ہوں لیکن اُسے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے
اپنی کہانی تم خارش زدہ کتیوں کو بھی سناؤ مجھے پرواہ نہیں ہوگی۔ پھر میں دل کی بھڑاس کیوں
نکالوں۔ وہ بلاشبہ میرا شوہر ہے میں اس سے انکار نہیں کر سکتی۔ لیکن مجھے یہ حق حاصل نہیں کہ
غیر قانونی طور پر اس سے پیچھا چھڑا سکوں اور اگر حق حاصل بھی ہو تو میں ایسا نہیں کر سکتی۔''

''کیوں۔ آپ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا سکتی ہیں مادام۔''

''ہاں۔ میں ایک ظالم شوہر سے چھٹکارا پا سکتی ہوں۔ مگر نہیں پا سکتی کیونکہ اگر اس کا خیال
دل میں لائی تو میرا بوڑھا باپ پھانسی پا جائے گا۔''

''آپ کی باتیں عجیب ہیں مادام۔''

"آہا۔ وہ یقیناً عجیب ہیں۔ اگر میرا باپ جواری نہ ہوتا تو تمہیں اتنی عجیب باتیں نہ سننی پڑتیں۔ جب میں تیرہ سال کی تھی تو میرا باپ مجھے جوئے میں ہار گیا تھا۔"

"میرے خدا۔" نادر ہکا بکا رہ گیا۔

"میرا شوہر میرے باپ کو پہلے بھی کسی معاملے میں بلیک میل کرتا رہا تھا۔ ایک رات دونوں جوا کھیل رہے تھے۔ میرا باپ ہارتا چلا گیا۔ سب کچھ ہار گیا۔ میرے شوہر نے کہا کہ اگر وہ مجھے داؤ پر لگا دے اگر قسمت نے یاوری کی تو وہ اپنا سب کچھ واپس لے جائے گا۔ میرا باپ نشے میں تھا اس نے سوچا ممکن ہے کہ وہ آخری داؤں ہاری ہوئی پونجی واپس دلا دے۔ اس نے یہی کیا اور مجھے بھی ہار گیا۔"

وہ خاموش ہوگئی اور پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ "میرا باپ بیچارا اُسے مذاق سمجھا لیکن جیتنے والا دوسرے دن ہمارے گھر آ پہنچا۔ اس وقت میری عمر صرف تیرہ سال تھی۔ میں بچپن ہی میں مر چکی تھی۔ ہم دونوں کے علاوہ گھر میں کوئی تیسرا نہیں تھا۔ اس زمانے میں میں اردو نہیں سمجھ سکتی تھی۔ وہ میرے باپ سے اردو میں گفتگو کر رہا تھا۔ میں بھی وہیں موجود تھی حالانکہ ان کی باتیں نہیں سمجھ سکی تھی۔ لیکن اس کا احساس ہوگیا تھا کہ میرا باپ بہت زیادہ خائف نظر آ رہا ہے۔ پھر کچھ دیر بعد دونوں نے ہنسنا شروع کر دیا۔ میں اس وقت صرف اتنا ہی جانتی تھی کہ وہ میرے باپ کا دوست ہے۔ پھر دونوں نے انگریزی میں گفتگو شروع کر دی۔ اس کے بعد مجھے بتایا گیا کہ میرا باپ کچھ دنوں کے لئے ایک ضروری کام سے باہر جا رہا ہے اور مجھے اس وقت تک اس کے ساتھ ہی قیام کرنا پڑے گا۔ جب تک کہ میرا باپ واپس نہ آ جائے میں کیسے انکار کر سکتی تھی۔ جب کہ اُسے بہت دنوں سے جانتی تھی اور انکل کہہ کر مخاطب کرتی تھی۔ میں اس کے ساتھ یہاں چلی آئی۔"

سلویا نے خاموش ہو کر سر جھکا لیا۔

نادر کی کافی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ اس نے دو تین بڑے بڑے گھونٹ لئے اور پیالی میز پر رکھ دی۔

"مگر اتنی چھوٹی عمر میں شادی کی اجازت قانون کب دیتا ہے۔" نادر نے کہا۔

"یہ نہ پوچھو۔" سلویا نے سر جھکائے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "میں تفصیل میں نہیں جانا چاہتی۔ شادی تو اس وقت ہوئی تھی جب میں قانونی طور پر بالغ ہوگئی تھی۔"

"اوہ.....!" نادر اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔ اس کا ذہن اب اس کہانی کے بعد کی باتیں سوچنے لگا تھا۔ اس نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدل کر کہا۔ "تو کیا..... آپ کے باپ نے اس کی بعد خبر نہیں لی تھی۔"

"وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر روتا تھا۔ مگر پھانسی سے ڈرتا تھا۔ اس نے مجھے یقین دلایا تھا کہ اگر میں نے اس کا تذکرہ کسی سے بھی کیا تو میرا شوہر اُسے پھانسی کے تختے تک پہنچا دیگا اور میں نے اپنے شوہر کی زبان سے بھی یہ دھمکی سنی تھی۔ اس وقت تک اس نے مجھے زبان نہیں کھولنے دی جب تک کہ باقاعدہ طور پر ہماری شادی نہیں ہوگئی۔"

"اور آپ تیرہ سال کی عمر سے اس وقت تک اس کے ساتھ ہی رہی تھیں۔" نادر نے کہا۔ اس کا ذہن پھر بھٹکنے لگا تھا۔ وہ پھر بھول گیا تھا کہ وہ اپنی زندگی کا چلن بدل دینے کا عہد کر چکا ہے۔

"ہاں..... میں اُسی کے ساتھ رہتی تھی۔" سلویا نے کہا اور دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔

نادر کی آنکھوں سے درندگی جھانک رہی تھی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے اب وہ اس ننھے سے پرندے پر جھپٹ پڑے گا۔

مگر وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "خدا دیکھ رہا ہے۔ ایک نہ ایک دن میں گن گن کر بدلے چکاؤں گی۔ میرا باپ مجبور ہے۔ میں مجبور ہوں۔ لیکن وہ مجبور نہیں ہے جس نے مجھے اور میرے باپ کو پیدا کیا تھا۔"

نادر کے کانوں میں گھنٹیاں سی بجنے لگیں۔ اتنی تیز گھنٹیاں کہ اب اُسے سلویا کی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ "خدا مجبور نہیں ہے..... خدا مجبور نہیں ہے۔" ان گھنٹیوں کی آواز کے

درمیان کوئی چیخ رہا تھا۔

"یقیناً خدا مجبور نہیں ہے۔" نادر کی آواز سے کچن گونج اٹھا۔ "مادام میں وعدہ کر
کہ آپکو اس دلدل سے نکال لوں گا۔ میں دیکھوں گا کہ آپ کا شوہر کتنا طاقتور اور چالاک

"تم.....!" سلویا اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔ "ہوسکتا ہے کہ تم سچ کہ
ہو۔ مگر کیا تم بھی اس کی قیمت نہ طلب کرو گے۔"

"مجھے غلط نہ سمجھئے مادام۔" نادر نے سر جھکا کر آہستہ سے کہا۔ "میں یقیناً اس کی
طلب کروں گا مگر آپ سے نہیں اس کی قیمت تو میں اپنی روح کے اُن تاریک دھبوا
طلب کروں گا جو مجھے دوبارہ اندھیرے میں پھینک دینا چاہتے ہیں۔"

قیدی کی چیخ

فریدی نے اس آدمی کو گریبان سے پکڑ کر اٹھایا۔

"اوپر کون کون ہے۔" اس نے آہستہ سے پوچھا۔ پھر اس آدمی نے دوبارہ تیور
ہی تھے کہ فریدی نے اُسے دیوار پر رگڑتے ہوئے کہا۔ "اگر تمہاری آواز بلند ہوئی تو جا
مار دوں گا۔ اوپر کون کون ہے۔"

"تم کون ہو۔"

اس نے اس طرح آنکھیں بند کرلیں جیسے اگر اس کی شکل نہ دکھائی دی تو وہ اُس
بھی نہ بگاڑ سکے گا۔

"بولو.....!" فریدی نے اس کے گریبان کو جھٹکا دیا۔

"جیپال، ایڈگر اور روبی۔"

فریدی نے پھر اُسے جھٹکا دیا اور وہ فرش پر گر کر آہستہ سے کراہا۔

"حمید تم اُسے دیکھو میں ابھی آیا۔" فریدی نے کہا اور آگے بڑھتا چلا گیا۔ اس کوٹھڑی
سے نکلتے ہی سامنے زینے نظر آئے اور وہ دبے پاؤں اوپر چڑھتا چلا گیا۔ زینے ایک دروازے
ختم ہوئے اور فریدی رک گیا۔

دروازے کی جھریاں روشن تھیں اور اندر سے ہنسنے کی آوازیں آرہی تھیں۔

فریدی نے اندازہ کرلیا کہ دروازہ صرف بھڑا ہوا ہے بولٹ نہیں کیا گیا۔ یک بیک اس
نے دروازے پر ٹھوکر ماری اور دونوں پٹ کھل گئے۔ اندر کے قہقہے اس طرح ساکت ہوگئے
جیسے وہاں کوئی بم گرا ہو۔ دو مرد اور ایک یورپین لڑکی ایک میز کے قریب ہکا بکا کھڑے تھے
ایک ہی مرد نے جیب کی طرف ہاتھ لے جانا چاہا فریدی کی داہنی جیب سے فائر ہوا اور میز پر
رکھی ہوئی شراب کی بوتل چور ہوگئی۔

"وارننگ۔" فریدی بایاں ہاتھ اٹھا کر بولا۔ اس کا داہنا ہاتھ کوٹ کی جیب میں تھا۔ اب
جیب کے ایک سوراخ سے ریوالور کی نال جھانک رہی تھی جو ایک لمحہ پہلے ریوالور ہی نے بنایا تھا۔

تینوں نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

یورپین لڑکی بُری طرح کانپ رہی تھی۔

دفعتاً اُن میں سے ایک نے غرا کر کہا۔ "میں اس حرکت کا مطلب نہیں سمجھ سکا کرنل۔"

"تم اچھی طرح سمجھتے ہو جیپال۔"

"اگر ہم غریب ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں..... کہ۔"

"اوہو..... میں تمہاری غریبی کا دکھڑا سننے نہیں آیا۔ یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ غریب آدمی
بشر وائٹ ہارس ہی پیتے ہیں اور کافی مہنگی طوائفیں ان کے پہلو گرماتی ہیں۔"

"مگر یہ طریقہ غیر قانونی ہے، جو آپ نے اختیار کیا ہے۔" دوسرا آدمی بولا۔

"ہاں ایڈگر..... جہاں قانون مجھے بے بس نظر آتا ہے وہاں میں اُس کی مدد اسی طرح
کرتا ہوں۔"

"عدالت میں جوابدہ ہونا پڑے گا۔" جیپال آنکھیں نکال کر بولا۔

"اس طرح کی کوشش ضرور کرنا کہ مجھے عدالت میں جوابدہ ہونا پڑے۔"

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔" ایڈگر نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"ٹویوڈا کا پتہ۔"

"ٹویوڈا۔" جیپال نے پلکیں جھپکائیں جیسے فریدی مذاق کر رہا ہو۔

"ہاں..... ٹویوڈا کے بچے بھی تمہیں بتا سکوں گا۔"

"آپ ضرور کسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔" ایڈگر ہنس پڑا۔

"اکثر میری غلط فہمیاں بھی کارگر ثابت ہوتی ہیں۔"

"تم خواہ مخواہ اپنے الفاظ ضائع کر رہے ہو۔" جیپال نے ایڈگر سے کہا۔

"لڑکی تم پیچھے ہٹ جاؤ۔" فریدی نے اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر یوریشن مخاطب کیا اور کھسکتی ہوئی دیوار سے جا لگی۔

"آخر مقصد کیا ہے۔" جیپال بُرا سا منہ بنا کر غرایا۔

"مقصد پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ اس لئے اب زبان کو تکلیف نہیں دوں گا۔"

"آپ خواہ مخواہ جھگڑا کر رہے ہیں جناب۔" ایڈگر بڑبڑایا۔

"مجبوری ہے۔ میں اس وقت ٹویوڈا کا پتہ معلوم کئے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔"

"اچھی بات ہے تو معلوم کر لیجئے۔ ویسے یہ پہلے ہی کہا جا چکا ہے کہ ہم کسی ٹویو واقف نہیں ہیں۔"

"لڑکی آگے بڑھو اور ان دونوں کی جیبوں سے ریوالور نکال کر میرے قریب فریدی نے کہا۔ مگر لڑکی دیوار سے لگی ہوئی صرف کانپتی رہی۔

جیپال نے لڑکی کو گھور کر دیکھا۔

"اگر تم نے میری ہدایات پر عمل نہ کیا تو بڑے خسارے میں رہو گی۔" فریدی اُسے مخاطب کیا۔

لڑکی ڈگمگاتے ہوئے قدموں سے آگے بڑھی۔

"کیا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" جیپال نے کٹکھنے کتے کی طرح اپنے ہونٹوں کی نمائش کی۔ لیکن لڑکی اس کی جھلاہٹ کو نظر انداز کر کے آگے ہی بڑھتی رہی۔

"روبی۔" ایڈگر نے اُسے ڈانٹا۔

"شاباش روبی۔ تم قانون کی مدد کرنے جا رہی ہو۔ تم ایک اچھی شہری ہو۔" فریدی نے کہا۔

روبی نے اُن کے قریب پہنچ کر اُن کی جیبوں میں ہاتھ ڈال دیئے۔ وہ دونوں ہی اُسے بُرا بھلا کہہ رہے تھے۔

فریدی کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ دونوں ہی کے پاس ریوالور موجود تھے۔ روبی انہیں جیبوں سے نکال کر قریب آئی۔ فریدی نے بائیں ہاتھ سے انہیں سنبھال کر پتلون کی جیب میں ڈال لیا اور لڑکی سے بولا۔ "اب تم نیچے چلی جاؤ۔ زینے کے سامنے والی کوٹھری میں میرا انتظار کرنا۔ شاباش۔"

لڑکی خاموشی سے زینے پر اتر گئی۔ فریدی نے اپنا ریوالور بھی جیب میں ڈال لیا اور مسکرا کر بولا۔ "اب دوستانہ فضا میں بات چیت ہو سکے گی۔"

ان دونوں نے اپنے ہاتھ گرا دیئے۔

"بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں بیٹھیں گے۔" جیپال نے غصیلے لہجے میں جواب دیا۔

"تمہاری بات ہے۔ بچوں کی طرح ضد نہیں کرتے۔"

"اور لڑکیوں کے سامنے دوسروں کو ذلیل کرتے ہیں۔" جیپال غرایا۔

"تم نے اُس کی نوبت ہی کیوں آنے دی تھی۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "اب لڑکی کل تمہارے کان کھائے گی کہ ٹویوڈا کس جانور کا نام ہے۔"

"دوسروں کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا اچھی بات نہیں ہے۔"

"کیا تم نے کبھی یہ بات اپنے سُور ماٹویوڈا کو بھی سمجھانے کی کوشش کی تھی۔"

"ہم کسی ٹویوڈا کو نہیں جانتے۔" ایڈگر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "آپ خواہ مخواہ شریف

شہریوں کی تفریح میں خلل انداز ہوتے ہیں۔"

"مجھے خوشی ہے کہ اس خلل اندازی کے سلسلے میں چند شریف شہریوں کے نیاز حاصل ہو گئے

جسپال بیٹھ گیا اور ایڈی بھی بیٹھنے ہی والا تھا کہ دفعتاً فریدی نے ٹھوکر مار کر میز الٹ د دونوں گالیاں بکتے ہوئے دوسری طرف الٹ گئے۔

پھر فریدی نے انہیں اٹھنے کی مہلت نہیں دی۔ ان میں سے کسی پر لاتیں پڑ رہی تھیں کسی پر گھونسے برس رہے تھے۔

ذرا ہی سی دیر میں دونوں کے کس بل نکل گئے۔

"میں اسی رفتار سے تمہیں رات بھر پیٹ سکتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

وہ کچھ نہ بولے۔ ویسے دونوں ہی غصے سے بدحال ہو رہے تھے۔

فریدی نے انہیں فرش سے اٹھا کر کرسیوں میں دھکیل دیا اور خود بھی بیٹھتا ہوا بولا۔" تمہیں صرف پندرہ منٹ دیتا ہوں اس کے بعد پھر نہیں کہہ سکتا کہ کیا ہوگا۔ میں صرف اتنا معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آجکل ٹویوڈا کہاں ہے۔ صحیح پتہ تو خیر تمہارے فرشتے بھی نہ جانتے ہوں گے۔

ان دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر فریدی کی طرف دیکھنے لگے۔

یک بیک جسپال بولا۔" اب میں کچھ بتا سکوں گا۔ اگر پہلے ہی یہ یقین ہو جاتا کہ آ صحیح پتے پر مصر نہ ہوں گے تو اتنا سب کچھ نہ ہونے پاتا۔ میں سمجھا تھا کہ آپ صحیح پتہ پوچھ ر ہیں۔ مگر خیر آپ جانتے ہیں کہ صحیح پتے کا علم ہمیں نہیں ہے۔"

"کم سے کم الفاظ استعمال کرو۔"

"وہ نصیر آباد میں ہے۔"

"تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو۔"

"آپ کی مصروفیات پر نظر رکھنا ہمارے سپرد کیا گیا تھا۔"

"یہ بات تم نے غلط نہیں کہی۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔" اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ میں نصیر آباد میں اس کی موجودگی تسلیم نہ کرلوں۔"

"مگر آپ کی یہ زیادتیاں۔" جسپال ہانپتا ہوا بولا۔" کبھی نہ کبھی آپ کو بڑی مشکلات میں تا کر دیں گی۔"

"یہ کوئی ایسی انہونی بات نہیں ہے، جس کا تذکرہ خصوصیت سے کیا جا سکے۔" فریدی اٹھتا وا بولا۔" اچھا اب تم آرام کرو۔"

لیکن وہ ابھی پوری طرح مڑا بھی نہیں تھا کہ اس کی آنکھوں کے قریب ایک چمک سی رائی۔ وہ اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ ایڈگر کا پھینکا ہوا چاقو دروازے میں پیوست ہو گیا تھا۔

"خوب" فریدی پرسکون انداز میں مسکرایا۔" فی الحال میں نہیں چاہتا تھا کہ تمہیں اندر روں۔ لیکن اب مجبوری ہے۔ ایڈگر میرے قریب آؤ۔"

"ابے تو نے یہ کیا کیا ایڈی کے بچے۔" جسپال دھاڑا۔

"بچے عموماً ڈیڈی کے ہوا کرتے ہیں۔" فریدی تمسخر آمیز لہجے میں بولا۔" اٹھو ایڈگر تمہیں ھکڑیاں پہنی پڑیں گی۔ صرف تمہیں۔"

"اوہ کرنل دیکھئے یہ نشے میں ہے۔" جسپال نے کہا۔

"کچھ بھی ہو۔ یہ ہتھکڑیاں ضرور پہنے گا۔ اس لئے نہیں کہ ٹویوڈا کا ساتھی ہے بلکہ اس ئے کہ اس نے مجھ پر دھوکے سے حملہ کیا ہے۔ ٹویوڈا یا اس کے ساتھیوں کی مجھے ذرہ برابر پرواہ لما ہے۔"

ایڈگر جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔

"چلو.....!" فریدی غرایا۔

"کیا ثبوت ہے کہ میں نے چاقو پھینکا تھا۔" ایڈگر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"تمہارا جگری دوست جسپال عدالت میں شہادت دے گا۔"

"اوہ..... دیکھئے کرنل۔" جسپال ہکلایا۔" مم..... مجھے تو آپ معاف ہی رکھئے۔"

"چلو مجھے منظور ہے۔ خیر میں کسی طرح بھی ثابت کر دوں گا۔ مگر تم چپ چاپ ہتھکڑیاں لوا ورنہ یہ بھی جانتے ہو کہ میں مارتے مارتے ختم بھی کر سکتا ہوں۔"

ایڈگر خاموشی سے قریب چلا آیا۔ فریدی نے جیب سے ہلکی ہتھکڑیوں کا جوڑا نکال ایڈگر کے ہاتھوں میں لگا دیا۔ جیپال انگریزی میں بڑبڑا رہا تھا۔ ''میں کیا کر سکتا ہوں ایڈگر مجھے الزام نہیں دے سکتے۔ میں نے کب کہا تھا کہ تم کرنل پر چاقو پھینک مارو۔ کرنل شریف آدمی ہے۔ یہ معلوم ہو جانے کے بعد بھی کہ ہم ٹویوڈا کے ساتھی ہیں ہمیں چھوڑ دیا تھا۔''

فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔ ''تم غلط سمجھے جیپال۔ اگر یہ چاقو نہ پھینکتا تو مجھے مایوسی ہوتی۔ کیا ایڈگر ہی تم لوگوں کا لیڈر نہیں ہے۔ کیا اس نے ہی تمہیں ٹویوڈا کے لئے نہیں رکھا تھا۔''

''اوہ..... آپ۔''

''خاموش جیپال۔'' ایڈگر غرایا۔

''ہاہا۔'' فریدی کا قہقہہ کافی اونچی آواز میں تھا۔ ''اب مزید حماقتیں نہ کرو ایڈگر۔''

''آپ پتہ نہیں کس چکر میں پھانسنے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

''میں نے کوشش نہیں کی بلکہ تم خود ہی پھنس گئے ہو۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''سمجھ لو۔ میں نہیں چاہتا کہ دھوکے میں رہوں۔'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ''مجھے ٹویوڈا کا صحیح پتہ بھی بتاؤ گے۔''

''میں نہیں جانتا۔''

''مگر چاقو تمہارے اس بیان کی تردید کر رہا ہے۔'' فریدی نے دروازے میں ہوئے چاقو کی طرف انگلی اٹھائی۔ ''یہ چاقو کہہ رہا ہے کہ تم ٹویوڈا کے صحیح پتے سے واقف یہ بھی درست ہے کہ ٹویوڈا نصیر آباد میں ہے اور تم ٹویوڈا کے اُن آدمیوں میں سے ہو جو سرکس کے جانور کی طرح چابک مار مار کر ٹریننگ دیتا ہے۔''

ایڈگر کا چہرہ تاریک ہو گیا اور فریدی نے کہا۔ ''جیپال ان لوگوں میں سے نہیں

ٹویوڈا کے چابک کی شکل دیکھ چکے ہیں۔ ورنہ وہ بھی مجھے کچا چبا جانے کی کوشش کرتا۔ کیوں..... کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔''

ایڈگر کچھ نہ بولا۔ اب اس کے چہرے پر خوف کے آثار نہیں تھے۔ وہ اپنا نچلا ہونٹ اس طرح چبا رہا تھا جیسے وہ بے جان ہو گیا ہو۔

فریدی نے چاقو رومال سے پکڑ کر دروازے سے کھینچا اور رومال ہی میں لپیٹ کر احتیاط سے جیب میں ڈال لیا۔ پھر ایڈگر کو دروازے کی طرف دھکا دے کر بولا۔

''چلو..... زندگی میں ایسے مواقع بھی آتے ہیں جب انتہائی شاطر قسم کے لوگ بھی غلطیاں کر بیٹھتے ہیں۔''

دروازے سے اُسے نکال کر فریدی نے دروازہ بند کیا اور اُسے باہر سے بولٹ کرتا ہوا بلند آواز میں بولا۔ ''جیپال کچھ دیر بعد تمہارا آدمی اوپر آ کر تمہیں بھی نکالے گا۔''

زینے طے کر کے وہ کوٹھری میں آئے جہاں حمید نے پریشان لڑکی کو روک رکھا تھا اور یہ سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ بے حد عاشق مزاج ہے۔ لیکن اس وقت اس کی کوئی خدمت نہ کر سکے گا کیونکہ ڈیوٹی پر ہے۔

''لڑکی اب تم جا سکتی ہو۔'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

''بہت بہت شکریہ جناب۔'' لڑکی نے کہا اور لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے باہر نکل گئی۔

اب فریدی نے اس آدمی کو مخاطب کیا جس نے اُن کی آمد پر دروازہ کھولا تھا۔

''تم اب اوپر جاؤ۔ جیپال تمہارا منتظر ہے اور شکر کرو کہ تم دونوں بھی ایڈگر ہی کی طرح نہیں لے جائے جا رہے۔''

وہ آدمی چپ چاپ زینوں کی طرف مڑ گیا۔

وہ گلی میں آ گئے۔ ایڈگر آگے تھا اور وہ دونوں اس کے پیچھے چل رہے تھے۔

دفعتاً ایڈگر نے کہا۔ ''تمہیں پچھتانا پڑے گا کرنل۔''

''چل بے۔'' حمید غرایا۔ ''ورنہ وہ ہاتھ رسید کروں گا کہ آئندہ نسلیں بھی گنجی پیدا ہوں گی۔''

"بدکلامی مت کرو۔" فریدی بولا۔

"بہت بہتر لیکن اس سے بھی کہئے کہ اپنی زبان قابو میں رکھے ورنہ میرے ہاتھ بھی قابو ہو سکتے ہیں۔"

وہ کار تک آئے۔

"اسٹیئر کرو۔" فریدی نے حمید سے کہا اور حمید آگے جا بیٹھا۔ فریدی ایڈگر کے ساتھ پچھلی نشست پر چلا آیا۔ کار چل پڑی۔

"تم میری نجی قید میں رہنا چاہتے ہو یا پولیس کی حوالات میں۔" فریدی نے ایڈگر سے پوچھا۔

"میں اب اپنی زبان قطعی بند رکھوں گا۔"

"میں جانتا ہوں کہ تمہاری زبان اب قطعی بند ہو جائے گی۔ اس لئے پولیس کی حوالات میں تمہیں آرام نہیں مل سکے گا۔ کیونکہ وہ لوگ چوبیس گھنٹوں میں صرف تین گھنٹے ملزموں کو زیادہ سے زیادہ آرام پہنچاتے ہیں۔ تم خود سوچو کہ وہ آرام کیسا ہوگا۔ تم سونا چاہو گے لیکن کوشش کے باوجود بھی نہ سو سکو گے۔ مگر تمہیں کیا بتانا تمہیں تو پہلے ہی سے تجربہ ہوگا۔"

ایڈگر کچھ نہ بولا۔

"نہیں اِسے میری نگرانی میں دیجئے۔" حمید نے کہا۔

"یہ ٹویوڈا کا صحیح پتہ جانتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"تب تو میں اُسے پھاڑ کھاؤں گا۔ میری استدعا ہے کہ اسے میرے حوالے کر دیجئے۔"

"میرے خلاف کوئی غیر قانونی حرکت نہیں ہو سکے گی۔" ایڈگر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیا تمہیں علم نہیں ہے کہ ٹویوڈا کے سلسلے میں مجھے مخصوص احکام ملے ہیں یعنی اگر میں چاہوں تو تمہیں سڑک پر ننگا کر کے تم پر ہنٹروں کی بارش کرا دوں۔ قانون دور کھڑا مسکراتا رہے گا۔ یہ قانون صدر جمہوریہ کے خصوصی اختیارات کے ساتھ مجھ تک پہنچا ہے کیا سمجھے۔"

"لیکن کرنل۔" اس نے کہا۔ "اگر تم یہ جانتے ہو کہ ٹویوڈا کے ہاتھ سے چابک کھانے والوں میں سے ہوں تو میرا محبوس کرنا کتنا خطرناک ثابت ہوگا۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں تو اب یہ چاہتا ہوں کہ ٹویوڈا مجھ سے چھیڑ چھاڑ کرے۔ اس نے مجھے دھمکی دی ہے کہ مجھے قتل کئے بغیر واپس یورپ نہ جائے گا۔"

"اگر اس نے دھمکی دی تھی تو اُسے ضرور پورا کرے گا۔ آپ کو مطمئن رہنا چاہئے۔"

"میں بالکل مطمئن ہوں۔"

"اوہ..... خیر۔"

کار فریدی کے مکان سے قریب ہی تھی کہ اچانک پچھلے پہیے کا ٹائر ایک زوردار دھماکے کی آواز کے ساتھ پھٹ گیا۔ حمید اگر فوراً ہی بریک نہ لگاتا تو اس رفتار پر اس کے الٹ جانے کے امکانات بعید نہ ہوتے۔

باہر اندھیرا تھا۔ وہ دونوں بڑی تیزی سے اُترے اور زمین پر رینگ گئے مگر کچھ دور آگے سرکنے کے بعد ہی انہوں نے ایڈگر کی چیخ سنی اور پھر وہ دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں۔

فریدی نے فائر کیا لیکن آواز دور ہوتی چلی گئی۔

"ایڈگر ختم ہو گیا۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

دوسرا شکار

ایڈگر واقعی ختم ہو چکا تھا لیکن حمید اس سے ذرہ برابر بھی متاثر نہیں نظر آ رہا تھا۔

"کار کا ستیاناس کر دیا مردود نے۔" وہ بڑبڑایا کیونکہ پچھلی سیٹ پر خون ہی خون پھیلا ہوا تھا۔ ایڈگر کی پشت میں دستے تک ایک خنجر پیوست نظر آیا۔ لیکن فریدی اس کی طرف دھیان دیئے بغیر ڈیش بورڈ کے اس حصے پر جھک پڑا جہاں ٹرانسمیٹر پوشیدہ تھا۔

"ہیلو..... تھرٹین ..... تھرٹین..... ہیلو تھرٹین۔ دیکھو جسپال جہاں رات کو ملتا ہے اُس مکان کو گھیر لو۔ جسپال اور اُس کے ساتھی کو زندہ نکالنا ہے۔ احتیاط بہت احتیاط۔ ہو سکتا ہے کہ

تمہاری نگرانی میں کوئی اُسے ختم کردے۔ فوراً ایک منٹ ضائع کئے بغیر وہاں پہنچو۔ بہت رہنا۔ اُوور۔"

"آؤ چلیں۔" فریدی نے حمید کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ "گاڑی یہیں چھوڑو۔ اُسے یہیں پڑا رہنے دو۔ ہم گھر کے قریب ہی ہیں۔"

حمید اسکے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ مگر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس طرح نہ جانا چاہتا

"آخر آپ جسپال کو پہلے ہی کیوں چھوڑ آئے تھے۔" اس نے پوچھا۔

"جسپال بیکار ثابت ہوتا۔ وہ ٹویوڈا کا پتہ نہ بتا سکتا۔"

"تو پھر اُسے گھیرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"اب وہ محض اس لئے ختم کردیا جائے گا کہ میری راہ میں دشواریاں حائل ہوں۔ کے بغیر یہ ثابت کرنا دشوار ہوجائے گا کہ میں اُسے ٹویوڈا ہی کے لئے لایا تھا اور پھر اگر یہ میرے گھر کے قریب پیش نہ آیا ہوتا تو خیر اتنی بھی فکر نہ ہوتی۔ بہرحال ویسے بھی اگر جسپا ڈالا گیا تو مجھے افسوس ہوگا۔"

"اوہو تو جوابدہی سے بچنے کے لئے آپ جسپال کو زندہ چاہتے ہیں۔"

"یقیناً۔ ٹویوڈا معمولی ذہانت کا آدمی نہیں ہے۔ اس لئے مقابلہ ہو تو ہر وقت ہوشیا چاہئے۔"

وہ کچھ دیر بعد کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئے۔

فریدی سیدھا اپنی خواب گاہ میں چلا گیا تھا۔ وہاں سے شاید اس نے فون کیا تھا اور نوکروں نے اطلاع دی کہ قاسم بہت دیر سے اس کا انتظار ڈرائنگ روم میں کر رہا ہے۔ حمید گھڑی دیکھی ایک بج رہا تھا۔

"تم نے اتنی دیر تک اُسے ٹھہرنے ہی کیوں دیا۔" حمید ایک نوکر پر چڑھ دوڑا۔

"ہم کیا کرتے صاحب۔ وہ کہہ رہے تھے کہ ملاقات کئے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔"

"آہم..... اچھا دفع ہوجاؤ۔"

حالانکہ حمید بہت زیادہ تھکا ہوا تھا مگر قاسم کا نام اُسے ڈرائنگ روم کی طرف لے ہی گیا۔ سوچ رہا تھا کہ تھوڑی تھکن ہی اُترے گی لیکن ڈرائنگ روم کے قریب پہنچ کر اس نے قاسم کے خراٹے سنے۔

قاسم ایک صوفے پر دراز تھا اور اس کی توند کسی متحرک گنبد کا سماں پیش کر رہی تھی۔ منہ کھلا تھا اور خراٹے فضا میں ارتعاش پیدا کر رہے تھے۔

"ابے او..... لمڈھیگ۔" حمید نے اس کی ران میں گھٹنا مارا۔

"خرر..... خرم..... داد..... م..... واو..... م.....!" قاسم نے منہ چلاتے ہوئے کروٹ بدلی۔

حمید نے اُس کی توند پر دو ہتھڑ چلانے شروع کئے۔

"اغے۔" دفعتاً قاسم نے آنکھیں کھولیں اور پھر "اغے اغے" کرتا ہی چلا گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی گھگھی بندھ گئی ہو۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ لیکن ایسا لگ رہا تھا جیسے سچویشن سمجھنے سے قاصر ہو۔ اس کی "اغے اغے" کے ساتھ ہی حمید کے دو ہتھڑ بھی چلتے رہے۔ بڑی مشکل سے قاسم کو ہوش آیا اور وہ اٹھ بیٹھا اور اس کے بیٹھنے کے سلسلے میں اس کا پورا جسم کسی متحرک پہاڑ کی طرح گھوم کر رہ گیا۔ اگر حمید اچھل کر پیچھے نہ ہٹ گیا ہوتا تو اُسے معلوم ہوتا کہ کسی جنگلی بھینسے سے ٹکرانے کے بعد آدمی کتنی دیر تک اپنی محبوبہ کا نام یاد کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

"ہائیں..... میں کہاں۔" قاسم چاروں طرف دیکھ کر بڑبڑایا۔ پھر اچھل کر کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ "کیا بجا ہے۔"

اس کی آواز نیند کے دباؤ سے کچھ بھرائی ہوئی سی تھی۔ اس لئے الفاظ صوتی اعتبار سے "گاڑھے" ہوکر اس کی زبان سے پھسل رہے تھے۔

"ایک بجا ہے۔" حمید اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"ارے باپ رے۔ غاڑی نقل غئی۔" وہ آنکھیں نکال کر توند پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

"ابے یہ غاڑی کیا بلا ہے۔ جو نقل غئی۔"

"لاقسم..... حمید بھائی میں سالا ہوں ہی بدقسمت.....!" وہ دھتا رو دینے والی آواز میں

"سالے ہو سکتے ہو مگر بدقسمت نہیں۔" حمید نے تصحیح کی۔

"کیسے ہو سکتا ہوں سالا۔" قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

"چونکہ تم اپنی بیوی کو بیوی تسلیم نہیں کرتے اس لئے کسی نہ کسی کے سالے ضرور ہو

"وہ کیسے۔ نہیں بتاؤ۔ میں بھی تو سنوں۔"

"پہلے تم بتاؤ غاڑی کیا ہے۔"

"ریلوے ٹرین۔ میں نے گاڑی کہا تھا۔ اس لئے تم بھی کسی نہ کسی کے سالے ہو گے۔" قاسم نے اس طرح آنکھیں چمکا کر کہا جیسے وہ بدلہ لینے میں کامیاب ہو گیا ہو۔

"مر رہے تھے تم اس صوفے پر گاڑی کہاں کی نکل گئی۔"

"ہائے وہیں کی۔" قاسم دونوں ہاتھوں سے کلیجہ دبا کر گوپ اسٹائل میں مسکرایا۔ کی گاڑی جہاں وہ..... بب..... بب..... بل گکاؤلی رہتی ہے۔ فوٹو دیکھو گے۔"

"کیا بک رہے ہو۔ بل گکاؤلی کیا بلا ہے۔"

"ابے پھر کچھ اور کہتے ہوں گے۔ بیٹھ جاؤ۔ بیٹھ جاؤ پیارے۔" قاسم بڑے میں تھا۔

"آہا یہ گل بکاؤلی الٹی لٹکائی گئی ہے۔"

"جیو..... حمید بھائی۔ میری جان..... وہی وہی میں بھول گیا تھا۔ ابے تم مجھے کیا اب کبھی نہ کہتا کہ لونڈیاں مجھے لفٹ نہیں دیتیں۔"

"کیا مطلب۔" حمید نے پلکیں جھپکائیں۔

"مطلب۔" قاسم اُسے گھورتا ہوا اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا۔ کچھ دیر بعد ایک لفافہ لفافے سے برآمد ہونے والی چیز ایک تصویر تھی۔ کسی دلکش لڑکی کی تصویر جس کے نیچے میں "لوسی پالگریو" تحریر تھا۔

حمید نے اُسے دیکھا اور پھر استفہامیہ انداز میں قاسم کی طرف دیکھنے لگا۔

"بولو کیسی ہے۔"

"کوئی خاص نہیں۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"ابے جاؤ۔" قاسم ہاتھ ہلا کر بولا۔ "بڑے آئے کہیں کے۔ ابے تم لونڈیاں کے دھری ہو؟"

"یہ ہے کون۔" حمید نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"ڈارلنگ آف مائی ہارٹ..... ہاہا.....!" قاسم سینے پر دو ہتھڑ مار کر دھاڑا۔ "تم مجھے کیا سمجھے ہو۔ یہ صرف میری تصویر دیکھ کر رہی ہی..... ہی ہی..... ہی ہی۔"

"قاسم یہ شریفوں سے ملنے کا وقت نہیں ہے۔"

"یار سنو تو سہی۔ اب تو میری گاڑی بھی چھوٹ گئی ہو گی۔ میں اسی سے ملنے کے لئے نصیر آباد جا رہا تھا۔"

"ضرور جا رہے ہو گے۔ لیکن میرا دماغ چاٹنے کیوں آ گئے۔"

"تمہیں بتانا تھا کہ دیکھو..... دیکھو..... ہائے..... کتنی بے کرار..... قرار ہو گی۔"

حمید چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ "تم اس سے ملنے کے لئے نصیر آباد جا رہے تھے لیکن یہ تصویر تمہیں کہاں سے ملی۔"

"کہاں سے ملی۔ ارے خود اسی نے بھیجی۔ میری تصویر دیکھی تھی۔ ہاں تم نہیں جانتے۔ نے یہاں ایک بار ایک اسکول کے جلسے کی شدارت کی تھی۔"

"شدارت.....!"

"ابے ہاں..... شدارت ہی تو کہتے ہیں۔ وہ جو ایک کرسی پر بٹھا دیا جاتا ہے اور لوگ جناب شدر کہتے ہیں اُسے۔ وہ سالا کیا ہوتا ہے۔"

"ابے صدر..... ڈیوٹ۔"

"چلو وہی ہو گا۔ ہاں تو میں جلسے کا وہی بنایا گیا تھا اور میں نے بیس ہزار روپیہ چندہ دیا تھا اسی اسکول کے میگزین میں میری تصویر چھپی تھی۔ لوسی یالگیر یو ڈارلنگ نے میری تصویر دیکھ کر

مجھے ایک خط لکھا۔ ہائے حمید بھائی الاقسم لکھتی ہے جالم.....ظالم کہ آپ کی تصویر اتنی اچھی
آپ کو دوست بنانے کو دل چاہتا ہے۔ میرے پن فرینڈ بن جایئے۔ ابے بس۔ پھر میں
پن فرینڈ بن گیا۔ کیا خط لکھتی ہے۔ ہائے۔ پھر اپنی تصویر بھیج دی اور حمید بھائی تم چکنے
ہو۔ بالکل اتنی فس کلاس لونڈیا تم نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھی ہوگی۔ اب میں اس
جارہا ہوں نصیر آباد۔"

"اچھی بات ہے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "جاؤ.....اگر اس کی کوئی خالہ
ہو تو مجھے بھی اطلاع دینا۔"

"کیوں؟"

"بس اب جاؤ۔" حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔

"بھگاتے ہو۔" قاسم نے آنکھیں نکالیں۔

"نہیں۔ التجا کرتا ہوں۔ تم سے تھوڑی دیر گفتگو کر لینے کے بعد یہی محسوس ہونے لگا
جیسے کھوپڑی کے اندر بھس کے علاوہ اور کچھ نہ ہو۔"

"تم میری بہت توہین کرنے لگے ہو۔" قاسم نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "خیر
دیکھوں گا۔"

"مگر تم اس وقت یہاں کیوں آئے تھے۔"

"میں اسٹیشن سے تمہارے پاس آیا تھا۔ احسان فروش۔"

"احسان فراموش۔"

"ٹھینگے سے۔" قاسم جھلا گیا۔ کچھ بھی ہو مگر تم واہیات آدمی ہو۔ دو کوڑی کے۔"

"اچھا تم اسٹیشن گئے تھے۔ نصیر آباد جانے کے لئے پھر تمہیں خیال آیا کہ حمید کو تو
ہی نہیں۔"

"ابے بس جہنم میں جاؤ۔" قاسم کسی لڑاکا بھٹیارن کی طرح ہاتھ ہلا کر باہر نکل گیا۔
حمید خواب گاہ کی طرف جانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ فریدی ڈرائنگ روم میں

ہوا۔ اس کے چہرے سے تشویش ظاہر ہو رہی تھی۔

"میری بلیک فورس کے آدمی ناکام رہے۔" اس نے کہا۔

"کیوں؟"

"جیپال نہیں ملا۔ اس کا دوسرا ساتھی زخمی حالت میں وہیں بے ہوش پایا گیا ہے۔"

"تو پھر اسکا مطلب یہ ہی ہوسکتا ہے کہ اسکا ساتھی ٹویوڈا کے نام سے بھی واقف نہ ہوگا۔"

"تمہارا خیال صحیح ہے۔" فریدی نے کہا۔ "دراصل مجھ سے ایک غلطی ہوئی تھی۔ میں نے
اس لڑکی کو سمجھنے میں دھوکا کھایا تھا۔ وہ بھی حقیقتاً ٹویوڈا کے گروہ سے تعلق رکھتی تھی۔"

"پھر آپ کیا سمجھے تھے۔"

"میں اُسے صرف کوئی پیشہ ور لڑکی سمجھا تھا۔"

"کیپٹن حمید کو ایسے مواقع پر فراموش نہ کیا کیجئے۔" حمید فخریہ انداز میں مسکرایا۔

"آپ بھی تو جھک ہی مارتے رہے۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا "وہ کافی دیر تک
آپ کے ساتھ رہی تھی۔"

"میں سمجھا تھا شاید وہ چھٹی پر ہے۔"

"بکواس نہ کرو۔" فریدی بڑبڑایا۔ "وہ کم بخت شکست پر شکست دے رہا ہے۔"

"جب تک میرے مشورے پر عمل نہ کیجئے گا یہی ہوتا رہے گا۔"

"فرمایئے۔"

"بس ایک طرف سے بزن۔ جن لوگوں پر شبہ بھی ہو جائے کہ یہ ٹویوڈا کے آدمی ہیں ان
میں ہراس پھیلایئے۔"

"اس سے کیا ہوگا۔"

"بس تھوڑی سی سنسنی۔ ٹویوڈا جیسے لوگوں کو مرعوب کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"فضول۔ وہ مرعوب ہونے کی بجائے اسے میری کمزوری پر محمول کرے گا۔"

"زیادہ سوچنا بھی بعض اوقات بیکار ثابت ہوتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"تمہارا خیال غلط ہے۔ میں اُسے تسلیم نہیں کرسکتا۔ سوچنا کبھی بیکار ثابت نہیں ہوسکتا۔"

"بس تو پھر سوچ سوچ کر اُسے مار ڈالئے۔"

"شاید تم پر نیند سوار ہے۔" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"جی ہاں۔ اب میں سونا چاہتا ہوں۔"

"تم نہیں سوسکو گے۔"

"کیوں؟"

"بس میری مرضی۔ میں آج.....!"

جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی ایک ملازم نے اطلاع دی کہ خواب گاہ میں فون کی گھنٹی بج رہی ہے۔

فریدی چلا گیا اور حمید کپڑوں سمیت ایک صوفے پر دراز ہوگیا۔ ارادہ یہی تھا کہ وہ اسی طرح سوجائے گا۔ آنکھیں بھی بند کرلیں مگر دوسرے ہی لمحے میں اُس نے قاسم کی بھرائی ہوئی سی آواز سنی۔ "حمید بھائی۔ سو گئے کیا۔"

"کیا ہے۔" حمید پھاڑ کھانے کے سے انداز میں اٹھ بیٹھا۔

"کھفا کیوں ہوتے ہو پیارے۔ میں نے کہا مجھے گھسنے کی کوشش کررہے ہو۔ ابے ایک کیا دس لاشیں میری راہ میں پھینکوا دو سہوں کو روندتا ہوا نکل جاؤں گا۔"

"میں نہیں سمجھا۔" حمید نے پلکیں جھپکائیں۔

"آہا..... اب اور گھسو گے۔ ابے پتہ نہیں کیا خیال کرکے چھوڑ دیتا ہوں۔ ورنہ تمہیں تو رگڑ ہی ڈالوں گا۔"

"میں تمہیں کتوں سے نچوا ڈالوں گا۔ ورنہ ہوش میں رہ کر گفتگو کرو۔"

"ابے میں تمہارے کتوں سے نہیں ڈرتا۔ ذرا نکالو تو باہر سالوں کو میں بھی تو دیکھوں کیسے ہیں۔"

"تم واپس کیوں آئے۔"

"اور نہیں تو کیا اس لاش پر بیٹھ کر تمہارے نام کو روتا۔"

"کیا لاش لگا رکھی ہے۔"

"اچھا جی۔" قاسم اُسے گھورنے لگا۔ "ابے اے سراغ رساں کے بچے۔ تم لاٹ صاحب نہیں ہو۔ میں ابھی آئی جی صاحب کو فون کرتا ہوں کہ حمید نے مجھے ڈرانے کے لئے ایک آدمی کا خون کردیا۔ لاش پھاٹک پر پڑی ہوئی ہے۔"

"کیا تم سنجیدگی سے کہہ رہے ہو۔"

"اچھا..... اچھا میں دیکھ لوں گا۔" قاسم غرایا اور جانے کے لئے مڑا۔ مگر اس بار حمید بھی اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ پورچ سے کچھ دور چلنے کے بعد اس نے ٹارچ روشن کرلی کیونکہ پورچ سے پھاٹک کی طرف جانے والی روش کا کچھ حصہ تاریک تھا۔ شاید قاسم کو علم نہیں تھا کہ حمید اس کے پیچھے آرہا ہے۔ اس لئے وہ اپنے آگے ٹارچ کی روشنی دیکھ کر رک گیا۔

"قیوں..... اب کیوں دوڑے آئے۔" اس نے کہا۔

"مجھے شبہ ہے کہ تم نے کوئی لاش ضرور دیکھی ہے۔"

"تمہارے شبہے کی ایسی کی تیسی۔ تم واپس جاؤ۔ میں لاش کو پھلانگ سکتا ہوں۔"

"تم تو اپنے باپ کو بھی پھلانگ سکتے ہو۔"

"کیا مطلب۔ اس جملے کا مطلب سمجھاؤ۔ ورنہ اچھا نہ ہوگا۔"

"مطلب ایک پرچے پر لکھ کر تمہارے باپ ہی کو بھجوا دوں گا۔ وہ یہ معلوم کرکے بے حد خوش ہوں گے کہ ہاتھی زادے ایک لڑکی کے چکر میں نصیر آباد تشریف لے گئے ہیں۔"

"الا قسم اگر تم نے کسی کو بتایا تو اچھا نہ ہوگا۔"

"تم آگے چلو۔ کھسکو ورنہ۔"

"ابے چل تو رہا ہوں۔" قاسم جھلا گیا۔ پھر سنبھل کر بولا۔ "اے پیارے سنو۔ کسی سے تذکرہ نہ کرنا۔ اچھا..... میں اب تم سے کبھی جھگڑا نہ کروں گا۔"

"لاش کہاں ہے۔"

"ٹھینگے پر ہے لاش۔ میری بات کا جواب دو۔"

حمید خود ہی آگے بڑھ گیا۔ لیکن قاسم نے جھک کر اس کی کمر پکڑ لی۔ حمید نے اس کی توند پر کہنی ماری اور قاسم "سی" کر کے رہ گیا۔

"یار واقعی بڑے سُور ہو تم حمید بھائی۔ مگر اچھا بیٹا۔ اب اپنی کمر چھڑا لو تو جانوں، میں کنگڑی کی طرح توڑ کر رکھ دوں گا۔"

حمید زور لگانے لگا۔ مگر وہ آدمی کی گرفت کب تھی۔ ویسے حمید یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ قاسم کے کہیں چوٹ آ جائے، ورنہ قاسم تو کسی ارنے بھینسے کی طرح ڈکرا کر چت ہو جاتا۔

"وہاں کون ہے۔" دفعتاً پورچ کی طرف سے فریدی کی گرجدار آواز آئی اور قاسم نے حمید کی کمر چھوڑ دی۔ حمید تیر کی طرح پھاٹک پر پہنچا اور ٹارچ روشن کی۔

پھاٹک کے پاس ہی ایک لاش راستہ روکے پڑی تھی۔

"لاش.....!" حمید چیخا۔

پھر تھوڑی دیر بعد ہی فریدی اُسے بتا رہا تھا کہ وہ جسپال کی لاش تھی۔

قاسم جا چکا تھا۔

"وہ ٹویوٹا کی ٹرنک کال تھی۔" فریدی نے کہا۔ "نصیر آباد سے۔ اُس نے کہا ہے کہ وہ اسی طرح مجھے کچھ دن ذلیل کر کے آخر کار ختم کر دے گا۔"

"میں کل ہی نصیر آباد جاؤں گا۔" حمید نے جھلا کر کہا۔ "دیکھتا ہوں مجھے کون روکتا ہے۔"

فریدی ہنس رہا تھا۔

الجھن

نادر پھولوں کے بیج خرید کر دوکان سے باہر آیا۔ اس وقت صدر کے فٹ پاتھوں پر تل رکھنے کی جگہ بھی مشکل سے نظر آتی تھی۔ نصیر آباد صدر کی شامیں ایسی ہی ہوتی تھیں۔ کھوے

سے کھوا چھلتا تھا۔ ایک کنارے کھڑے ہو کر تھالی پھینکئے وہ سروں پر پھسلتی ہوئی دوسرے کنارے پر جا گرے گی۔

نادر سر جھکائے ہوئے ایک طرف چلنے لگا۔ لیکن اچانک اُسے ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کسی نے اس کی ٹانگوں میں ٹانگ پھنسا کر دھکا دیا ہو۔ وہ منہ کے بل راہگیروں پر آیا۔ بھیڑ کائی کی طرح پھٹی اور دوسرے ہی لمحے میں وہ پتھریلے فٹ پاتھ پر تھا۔

پھر اس کی پرواہ کئے بغیر ہی وہ جلدی سے اٹھ بیٹھا کہ پیشانی میں کتنی چوٹ آئی تھی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ لوگ رک گئے تھے۔ کچھ بڑبڑا رہے تھے اور کچھ ہنس رہے تھے۔ ان میں سے کسی کی بھی آنکھوں میں اس کے لئے ہمدردی کے جذبات نہیں نظر آئے۔

نادر کا دل چاہا کہ وہیں قتل عام شروع کر دے۔ لیکن اس نے خود کو قابو میں رکھا اور پھر چل پڑا۔ لیکن اس کے ذہن میں آندھیاں سی اٹھ رہی تھیں۔ اگر صرف پیروں میں کسی کی ٹانگ لگ جانے ہی کا معاملہ ہوتا تو وہ اُسے اتفاق سمجھ کر چپ ہو رہتا مگر اُسے تو اچھی طرح یاد تھا کہ کسی نے اُسے دھکا بھی دیا تھا۔ اس کا ذہن کشت و خون کی باتیں سوچ رہا تھا۔ مگر پھر یک لخت خیال آیا کہ وہ اپنی زندگی کی راہ بدل چکا ہے، اُسے صبر سے کام لینا چاہئے۔

وہ ملبوسات کی اس دوکان میں واپس آیا جہاں سلویا کو چھوڑ کر بیج خریدنے گیا تھا۔ سلویا وہاں کچھ کپڑے خریدنے کے لئے رکی تھی۔

"تم بہت جلد واپس آ گئے۔"

"ہاں مادام صرف بیج ہی تو خریدنے تھے۔"

کپڑے خرید کر سلویا بھی باہر نکل آئی۔ اس نے اپنی چھوٹی سی آسٹن ایک گلی میں پارک کی تھی۔

جیسے ہی وہ گلی میں داخل ہونے لگی نادر کا سر چکرا گیا کیونکہ کھوپڑی پر پڑنے والا ہاتھ اتنی طاقت سے پڑا تھا "چٹاخ" کی آواز شاید دور دور تک پھیلی تھی۔ وہ غراتا ہوا پلٹ پڑا لیکن وہ لڑکا ہاتھ پکڑ کر کہتا کہ وہ حرکت اسی کی تھی۔ بہتیرے لوگ تو بالکل ہی بے تعلقانہ انداز میں

گذر رہے تھے اور کچھ اسے اس لئے گھور رہے تھے کہ اس کے پیچھے ہی ایک حسین سی ایر
عورت کھڑی تھی۔

"چلو کیوں وقت برباد کر رہے ہو۔" سلویا نے کہا۔

"جج..... جی ہاں۔ چلئے مادام۔" نادر نے جھینپے ہوئے لہجے میں کہا۔

سلویا اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ گئی اور نادر سامان اٹھائے ہوئے پچھلی نشست پر آ
کار گلی سے نکلی اور سلویا نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "مجھے اتنے بے تکلف دوست قطعی پس
ہیں، جو سرِ راہ بے عزتی کر بیٹھیں۔ تم خود سوچو یہ کتنی بُری بات تھی۔ لوگ مجھے کیسی نظروں
دیکھ رہے تھے۔ میں اب تمہیں اپنے ساتھ کبھی باہر نہ لے جاؤں گی۔ سوچ سوچ کر شرم
ہو رہی ہے۔"

"یقین کیجئے مادام۔" نادر نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "یہاں نصیر آباد میں میر
شناسا نہیں ہے۔ میں ابھی حال ہی میں رام گڈھ سے آیا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ کوئی نا
آدمی یہاں میرا دشمن ہو گیا ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے جب میں بیچ خرید کر فٹ پاتھ پر آ
کسی نے مجھے دھکا دے کر گرایا بھی تھا۔"

"ہو سکتا ہے۔" سلویا کے لہجے میں بے اعتباری تھی۔ "مگر تم خود سوچو کہ یہ کتنی بُری بات
"یقیناً بُری بات ہے مادام۔ لیکن میں نے ابھی جو کچھ بھی کہا ہے اس میں ذرہ
جھوٹ نہیں۔"

سلویا کچھ نہ بولی۔ البتہ نادر ہی کچھ دیر بعد بولا۔ "میں نہیں جانتا کہ کون اس طر
پر آمادہ ہے۔ دیکھئے میں آپ سے جھوٹ نہیں بولتا۔ آج آپ کو بتا رہا ہوں کہ میں صاد
کے دفتر میں بحیثیت کلرک ملازم ہوا تھا۔ ایک دن کسی نامعلوم آدمی نے صاحب کے کمر
میں مجھ سے فون پر گفتگو کی وہ مجھ سے اعتراف کرانا چاہتا تھا کہ میں ایک پُراسرار آدمی
جہاں تک میری پچھلی زندگی کا سوال ہے میں واقعی بہت بُرا آدمی تھا۔ مگر اب میں ایک
آدمی بننے کی کوشش کر رہا ہوں، لہٰذا میں کیسے اعتراف کر لیتا کہ میں اب بھی بُرا آدمی

اس نامعلوم دشمن نے صاحب کو میری پچھلی زندگی سے آگاہ کر دیا تھا اس لئے انہوں نے مجھے
دفتر سے الگ کر دیا۔ لیکن وعدہ کیا کہ میرے لئے کہیں کوئی دوسرا کام تلاش کر دیں گے۔ میں
صاحب سے بنگلے پر ملا۔ آپ جانتی ہیں۔ انہوں نے میرے لئے کون سا کام تجویز کیا تھا۔"

"نہیں مجھے کچھ نہیں معلوم۔"

"انہوں نے تجویز پیش کی تھی کہ سرمایہ ان کا ہوگا اور محنت میری۔ میں کوکین اور دوسری
منشیات کی غیر قانونی تجارت کروں۔"

"اوہ..... پھر.....!"

"میں نے انکار کر دیا مادام۔ میں نے کہا میں باعزت طور پر جائز وسائل سے اپنے لئے
روزی کمانا چاہتا ہوں۔ اس پر جھلا کر انہوں نے باغبانی کی تجویز پیش کی، جسے میں نے بخوشی
منظور کر لیا۔ لیکن انہوں نے چھ ماہ کے معاہدے کی شرط رکھی میں اس پر بھی تیار ہو گیا اور آپ
مجھے اتنے دنوں سے دیکھ رہی ہیں کہ میں کتنی محنت سے کام کر رہا ہوں۔"

سلویا فوراً ہی کچھ نہ بولی۔ نادر بھی خاموش ہو گیا تھا۔

کچھ دیر بعد سلویا نے کہا۔ "میں اپنے صاحب سے اچھی طرح واقف ہوں۔ اس لئے
میں تمہاری کہانی کو نہ حیرت انگیز سمجھ سکتی ہوں اور نہ غلط قرار دے سکتی ہوں۔ مگر یہ سن کر حیرت
ہوئی ہے کہ تم کبھی بُرے آدمی بھی تھے۔"

"مجھے اعتراف ہے محترمہ کہ میں بہت بُرا آدمی تھا۔"

"تم پر قتل کا الزام تو نہیں ہے۔" دفعتاً سلویا نے چونک کر پوچھا اور نادر ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔

"آپ مطمئن رہئے مادام۔ میں روپوش ملزموں میں سے نہیں ہوں۔ آپ یہ نہ سمجھئے گا
کہ میں نے خود کو پولیس سے چھپانے کے لئے آپ کے بنگلے میں پناہ لی ہے اور اگر آپ کو شبہ
ہے تو مجھے پولیس اسٹیشن لے چلئے۔ یہ تو یقینی بات ہے کہ پولیس والے میرا نام سنتے ہی
حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں گے۔ لیکن اگر وہ مجھے حراست میں لے سکیں تو مجھے وہیں گولی
مار دیجئے گا۔ اس سے صرف اتنا ہی ہوگا کہ نصیر آباد کی پولیس ہوشیار ہو جائے گی اور سرکاری طور

پر آپ کو مجھ سے خبردار رہنے کا مشورہ ضرور دیا جائے گا اور میری نگرانی بھی شروع کر دی جائے گی۔"

"اتنے خطرناک آدمی ہو۔" سلویا نے پلکیں جھپکائیں۔

"ہوں نہیں بلکہ تھا مادام۔ لوگ اس پر یقین نہیں کرتے کہ پہلے تھا۔ اب نہیں ہوں۔"

"ہاں۔ یہ دشواری تو ضرور پیش آتی ہے۔ اب تم ہی بتاؤ جب تم میرے واقعات سے واقف نہیں تھے اس وقت تمہاری نظروں میں جتنی وقعت تھی اب نہ رہی ہوگی۔"

"اس سے زیادہ بڑھ گئی ہے مادام اور اب اس میں ہمدردی بھی شامل ہے۔ جو شخص ا برائیاں تسلیم کر لینے کے سلسلے میں لوگوں کی نظروں سے گرنے کا خطرہ مول لے اس سے زیا باہمت اور اونچا آدمی تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا اور آپ نے اپنی کہانی تو مجھے اس لئے سنائی تھی میں آپ کے شوہر سے ہوشیار رہوں۔ یعنی مجھے ایک دلدل سے نکالنے کے لئے آپ نے خو میری نظروں سے گرانے کا خطرہ بھی مول لیا تھا۔ میں تو فی زمانہ اتنی جرأت اور عالی ہمتی دو عورتوں میں نہ پا سکوں گا۔ آپ میری نظروں میں بہت بلند ہیں مادام۔ میرا خیال ہے کہ آ کی کہانی عام نہ ہوگی۔"

"کوئی نہیں جانتا۔ کوئی بھی نہیں۔ کم از کم میرے آبرو باختہ ہونے کا علم تو کسی کو بھی نہیں ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ تیرہ سال کی عمر سے سن بلوغ تک اس کی داشتہ رہی ہوں۔ لوگ تو سمجھتے تھے کہ وہ میرے سرپرست کی حیثیت رکھتا ہے اور میں اس کی نگرانی میں تعلیم و تربیت حاصل کر رہی ہوں۔"

"پھر آپ ہی بتایئے کہ میری نظروں میں آپ کا مقام بلند کیوں نہ ہو۔"

سلویا نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور خاموش ہوگئی۔ پھر کچھ دیر بعد بولی۔ "میں یہ کیوں نہ سمجھوں کہ میرا شوہر تمہیں بُری راہ پر ہی لگنے کے لئے مجبور کر رہا ہے۔ تمہیں بے بسی کا احساس دلا کر دوبارہ تمہیں تمہاری پچھلی زندگی کی طرف واپس لے جانا چاہتا ہے۔"

"میں نے بھی اکثر یہی سوچا ہے مادام۔ وہ انہیں کا کوئی آدمی تھا جس نے فون پر مجھ سے گفتگو کی تھی لیکن جب انہوں نے یہ دیکھا کہ میں مزدوروں کی طرح کام کر کے پیٹ پال

ا ہوں تو انہوں نے اس قسم کی حرکتیں شروع کرا دیں۔ اب دیکھئے نا مادام آدمی آدمی ہی ۔ فرشتہ نہیں ہو سکتا۔ ویسے فرشتہ بننے کی کوشش ضرور کرتا ہے لیکن حقیقتاً فرشتہ نہیں ہے۔ اُسے بھی آ ہی سکتا ہے اور ایسے اوچھے قسم کے حملے تو پاگل ہی کر دیتے ہیں۔ جب میں فٹ پاتھ ا تھا تو بے اختیار یہی دل چاہا تھا کہ چاقو نکال کر ایک سرے سے قتل عام شروع کر دوں۔ یہ چے بغیر کہ حرکت کس کی تھی اور پھر جب وہ طمانچہ میرے خدا اگر..... میرے خدا.....!"

نادر کی آواز شدت جذبات سے کانپ گئی۔

"میں سمجھتی ہوں نادر۔" سلویا نرم لہجے میں بولی۔

پھر نادر خاموش ہوگیا اور کار تیزی سے راستہ طے کرتی رہی۔ پھر وہ بنگلے میں داخل ئے۔ جب اندر جانے کے لئے راہداری سے گذرنے لگے تو نادر کی نظر منیجر پر پڑی۔ وہ نگ روم میں تنہا تھا اور غصے میں معلوم ہوتا تھا۔

"ٹھہرو۔" اُس نے ہاتھ اٹھا کر اُنہیں روکا۔ "اِدھر آؤ۔"

وہ دونوں کمرے میں داخل ہوئے۔ نادر سلویا کا خرید کردہ سامان اٹھائے ہوئے تھا۔

"تم بالکل گدھے اور اُلو کے پٹھے ہو۔" منیجر نادر کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔

نادر سرخ ہوگیا۔ بس پتہ نہیں کس قوت نے اُسے روکا تھا۔ ورنہ پرانا نادر تو منیجر کے ے تیور ہی پر جاگ اٹھا تھا۔ اس نے بہت ضبط کر کے دھیمی آواز میں کہا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"میں نے تمہارے سپرد باغ کیا ہے یا تم شہر میں خرید و فروخت کرنے کے لئے رکھے ہو۔"

"میں اپنے ساتھ لے گئی تھی۔" سلویا بولی۔

"تم خاموش رہو۔" وہ حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

سلویا خاموش ہوگئی۔ مگر وہ قہر آلود نظروں سے اُسے دیکھ رہی تھی۔

"مادام کے حکم سے سرتابی کیسے کرتا جناب۔" نادر نے کہا۔

"مادام کے بچے۔تم صرف مالی ہو۔"

"تم برابر میری توہین کئے جارہے ہو۔" سلویا نے غصیلی آواز میں کہا۔

"تم یہاں کھڑی کیوں ہو۔دفع ہوجاؤ۔"

"کیا تم آدمیوں کی طرح گفتگو نہیں کرسکتے۔"

"نہیں کرسکتا۔" منیجر گردن جھٹک کر بولا۔

"تمہیں شرم آنی چاہئے۔"

"نہیں آئے گی۔"

بالکل ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے وہ یا تو دیوانہ ہوگیا ہے یا نشے میں ہو۔

سلویا نے نادر کے ہاتھ سے پیکٹ لئے اور انہیں بازوؤں میں سنبھالتی ہوئی وہا چلی گئی۔

"میں سمجھتا ہوں۔" منیجر آنکھیں نکال کر بولا۔"تمہاری پچھلی زندگی۔مگر پچھلی کہ نہیں اب کس قسم کا فراڈ کرنا چاہتے ہو۔میں اسے تسلیم نہیں کرسکتا کہ تم نے اپنا پچھلا پیٹ کردیا ہے،جس شخص نے تمہارے متعلق فون پر اطلاع دی تھی وہ تم سے اچھی طرح واقف ہوتا ہے۔اس نے مجھے فون پر ہی بتایا تھا کہ تم بہت مالدار آدمی ہو۔مگر میں آگاہ کرتا ہ میں بھی اچھا آدمی نہیں ہوں۔"

"دیکھئے جناب میں آپ کا ملازم ہوں اس لئے آپ کے اچھے یا بُرے ہونے کا ہی نہیں ہے۔آخر اب تک میں نے آپ کو کتنے دھوکے دیئے ہیں۔آپ کو میرے فراڈ نقصان پہنچا ہے۔"

"مجھ سے بحث نہ کرو۔"

"میں نے نہیں شروع کی تھی بحث۔"

"تم گدھے ہو۔تمیز سے بات کرو۔"

"میں نے ابھی تک کوئی بدتمیزی نہیں کی جناب۔صرف آپ کی باتوں کا معقول ج

بتارہا ہوں۔"

"تم بنگلے کے اندر کیوں آتے ہو۔"

"خود سے کبھی نہیں آیا جناب۔اگر مادام کوئی کام ہوتا ہے تو طلب کرلیتی ہیں۔"

"تم اس کے ملازم ہو یا میرے۔"

"میں تو یہی سمجھا تھا جناب کہ وہ مالکہ ہے۔"

"میں سب سمجھتا ہوں۔"

"آپ پہلے بھی کہہ چکے ہیں لیکن ابھی تک آپ نے یہ نہیں بتایا کہ اس جملے سے آپ کیا مراد ہے۔"

"میں ابھی تمہارا حساب کئے دیتا ہوں۔تم جاسکتے ہو۔"

"چھ ماہ سے پہلے نہیں جناب۔ہمارے درمیان تحریری معاہدہ موجود ہے۔"

"میں اُسے منسوخ کرتا ہوں۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ اس میں کوئی ایسا نکتہ نہیں نکال سکیں گے جس کی رو سے آپ رکیں۔"

"میں تمہیں نہیں رکھنا چاہتا۔"

"اگر وہ معاہدہ موجود نہ ہوتا تو میں خود بھی یہاں رہنا پسند نہ کرتا۔"

"میں اُسے پھاڑ دوں گا۔کبھی کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا۔"

"شاید آپ بھول رہے ہیں کہ اس کی کاپی میرے پاس بھی موجود ہے۔"

"میں کہتا ہوں مجھ سے بحث نہ کرو۔" منیجر میز پر ہاتھ مار کر بولا۔"تمہیں یہاں سے جانا ہوگا۔"

"اگر میں چھ ماہ سے پہلے جانا چاہتا تو آپ مجھے جیل بھجوا دیتے۔اب آپ مجھے نکال ہیں تو میں کس سے فریاد کروں۔"

"اب اگر نہ جاؤ گے تو جیل ہی جانا پڑے گا۔"

"کوشش کیجئے۔" نادر نے کہا۔

"چلے جاؤ یہاں سے۔" منیجر گرجا۔ "تم میری اجازت کے بغیر بنگلے کے اندر نہیں ہو گے۔"

"مادام کا حکم نہ مانوں۔"

"نہیں۔"

"بہت بہتر ہے۔ اب ایسا ہی ہو گا۔"

"باغ کا ستیاناس ہو کر رہ گیا۔"

"پہلے سے بہتر ہے جناب۔ جب میں آیا تھا تو یہاں خاک اڑتی تھی۔"

"جاؤ۔"

نادر اپنی کوٹھری میں چلا آیا۔ منیجر کے خلاف اس کا غصہ تو کبھی کا غائب ہو چکا بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی کہ منیجر کو اس کا سلویا کا ربط ضبط پسند نہیں تھا۔ اس۔ سگریٹ سلگایا اور فرش پر چت لیٹ گیا۔ ابھی اُسے کیاریوں میں پانی دینا تھا۔ اس۔ کہ سگریٹ ختم ہونے تک پائپ بھی خالی ہو جائے گا۔ کیونکہ ملبوسات کی دیکھ بھال کر۔ عورت نل پر کپڑے دھو رہی تھی۔

سگریٹ ختم کر کے وہ پھر باہر آیا۔ سورج غروب ہونے والا تھا۔

اُسے منیجر پورچ میں کھڑا نظر آیا۔ نظر ملتے ہی اُس نے اشارہ کیا اور نادر اس کی چلا گیا۔

نادر سمجھا تھا شاید پھر وہ کھوپڑی سے باہر ہو جائے گا۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ کیونکہ ا معمول پر آ چکا تھا اور آنکھوں میں پھر وہی پہلی سی مکار طبیعت کی غماز چمک عود کر آئی۔

"تم واقعی اچھے بن رہے ہو۔ مگر یہ تمہارے حق میں بہت بُرا ہے۔" اس نے مسکرا

"میں نہیں سمجھا جناب۔"

"اوہ۔ تم شاید اتنے ذہین بھی نہیں ہو جتنا میں نے سن رکھا ہے۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"میں دراصل اس وقت تمہارا امتحان لے رہا تھا۔ واقعی تم نے کافی حد تک خود پر قابو پا لیا ہے۔"

"بات دراصل یہ ہے جناب۔" نادر مسکرایا۔ "پھاوڑا چلانے سے جسم میں قوت آتی ہے اور قوت سے تو شیر تک قابو میں آ جاتے ہیں۔ اپنی طبیعت کیا چیز ہے۔"

"اور تمہارے اس امتحان کے چکر میں بیوی کو بھی ناراض کر دیا۔ سلویا بہت رنجیدہ ہے۔ اُسے حالات کا چونکہ علم نہیں ہے اس لئے راہ راست پر لانے کے سلسلے میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لیکن ٹھہرو۔ کیا تم سلویا کو صحیح الدماغ سمجھتے ہو۔"

"یقیناً جناب۔ انہوں نے ابھی تک مجھ سے کوئی ایسی بات نہیں کہی جسے میں ان کی دماغ کی خرابی کا نتیجہ سمجھ سکتا۔"

"وہ صحیح الدماغ نہیں ہے۔ اس سے شادی کر کے میں نے سخت غلطی کی ہے۔ یہ مجھے اکثر بتایا کرتی ہے کہ جب وہ چھ سال کی تھی تو اُسے پریاں اٹھا لے گئی تھیں اور بھی نہ جانے کیا الا بلا..... میں اس کا مذاق اڑاتا تھا تو خفا ہو جاتی تھی مگر اب میں اس سے خائف ہوں، بے حد خائف۔ ادھر آؤ..... میں دنیا میں بالکل اکیلا ہوں مجھے ایک ہمدرد کی ضرورت ہے۔ مجھے معاف کر دو۔ اس وقت بہت غصے میں تھا۔ وہ عورت مجھے بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔"

نادر اس کے ساتھ چلنے لگا۔ وہ پائیں باغ کے ایک گوشے میں آئے۔

منیجر کہہ رہا تھا۔ "میں اتنا اچھا آدمی بھی نہیں ہوں کہ فرشتہ کہلاؤں۔ دولت حاصل کرنے کے لئے مختلف ذرائع اختیار کرنے ہی پڑتے ہیں لیکن میں ان حدود میں کبھی داخل نہیں ہوا جہاں قانون کے بگڑے ہوئے تیور بھی برداشت کرنے پڑیں۔ دنیا میں کوئی ایسا فرشتہ ہے جو سینے پر ہاتھ رکھ کر ایمانداری سے کہہ سکے کہ اس کی ذات سے کبھی کسی کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا۔ مطلب یہ ہے کہ مجھے ایک ہمدرد کی ضرورت ہے اور میں تمہیں قابل اعتماد سمجھتا ہوں۔ سلویا اب مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہے۔ وہ مجھے طرح طرح کی دھمکیاں دے رہی ہے۔ ملازموں سے میرے متعلق من گڑھت اور بے تکی باتیں کرتی ہے۔"

"مگر جناب انہوں نے مجھ سے کوئی بے تکی بات نہیں کہی۔"

"نہ کہی ہوگی۔ لیکن تمہیں میرا ہر حال میں ہمدرد رہنا پڑے گا۔" منیجر نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا اور نادر نے اپنے ہونٹ مضبوطی سے بند کر لئے۔

وہ لڑکی

حمید نصیر آباد پہنچ چکا تھا اور فریدی کی ہدایت کے مطابق میک اپ میں تھا۔ لیکن فریدی نے اُسے یہ نہیں بتایا تھا کہ اُسے کیا کرنا ہوگا۔ بس وہ گرینڈ ہوٹل میں ٹھہر گیا تھا۔ فریدی۔ بس اتنا ہی کہہ دیا تھا کہ وہ جہاں کہیں بھی ٹھہرے اس ہوٹل کے نام سے اُسے بذریعہ تار مطلع کر دے چونکہ حمید کو کام کی نوعیت کا علم نہیں تھا۔ اس لئے اس نے سوچا کہ قاسم کو تلاش کرنا چاہئے۔ بیکاری کے اوقات کے لئے قاسم کچھ ایسا بُرا بھی نہیں تھا۔

حمید کو علم تھا کہ قاسم کسی لڑکی کے چکر میں نصیر آباد آیا ہے۔ اس نے اس لڑکی کی تصویر بھی دکھائی تھی اور شاید نام بھی بتایا تھا مگر نام اب ذہن سے اتر گیا تھا۔

بہر حال حمید نے یہاں کے سب سے بڑے ہوٹل کا رخ کیا تھا اور اس کا اندازہ صحیح نکلا تھا۔ قاسم بھی گرینڈ ہی میں مقیم تھا۔ مگر دشواری میک اپ کی تھی۔ حمید اس پر خود کو ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن پھر بھی دوسرے ذرائع سے وہ اُسے اپنی تفریحات میں گھسیٹ سکتا تھا۔

قاسم سرِ شام ہی ڈائننگ ہال میں جم گیا تھا۔ حمید نے اُسے دیکھا اور وہ بھی اُس کے قریب ہی کی میز پر جا بیٹھا۔

قاسم کبھی جماہیاں لیتا اور کبھی کچھ سوچتا ہوا منہ چلانے لگتا۔ پتہ نہیں وہ رات کے کھانے کے متعلق سوچ رہا تھا یا اُسے کسی کا انتظار تھا۔ ہوسکتا ہے وہ اسی لڑکی کا منتظر رہا ہو جس کے لئے وہ نصیر آباد آیا تھا۔ اس لئے حمید کو علم نہیں تھا کہ اس لڑکی سے ملاقات ہوئی بھی تھی یا نہیں۔

حمید خاموش بیٹھا رہا۔ مگر اُسے حیرت تھی کہ قاسم ڈائننگ ہال میں بے کار بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے ابھی تک کھانے پینے کا چرخہ نہیں چلایا تھا۔ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز اسموکنگ پائپ اور تمباکو کا ڈبہ تھا جو قاسم کے سامنے رکھے ہوئے تھے۔ حمید نے اُسے کبھی تفریحاً بھی پائپ پیتے نہیں دیکھا تھا۔ اب وہ یہ بھی دیکھنا چاہتا تھا کہ قاسم تمباکو کیسے پیتا ہے۔ اس نے حلق سے چند بے ہنگم سی آوازیں نکال کر قاسم کو اپنی طرف متوجہ کیا اور اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ بے کاری کی اکتاہٹ نے قاسم کو بھی ایک مشغلہ ہاتھ آ ہی دیا اور وہ بھی اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا لیکن اب وہ حمید کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

کچھ دیر بعد حمید نے دیکھا کہ وہ پائپ سلگانے کی کوشش کر رہا ہے اور سانپ کی سی پھنکاریں ہال میں گونج رہی تھیں۔ کئی آدمی قاسم کی طرف دیکھنے لگے لیکن وہ ان سب سے بے پرواہ سلائیاں پھونکتا رہا۔

پھر حمید نے اس کی بڑبڑاہٹ سنی۔ "پتہ نہیں یہ حرامزادے اتنا گیلا تمباکو خوقیوں بناتے ہیں۔ اچھا سالو..... اب تمباکو کا کارخانہ بھی کھولوں گا۔"

حمید نے بدقت تمام ہنسی ضبط کی۔ قاسم اتنا کھویا ہوا تھا کہ اس نے ادھر اُدھر دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔ اگر کبھی کسی طرف نظر اٹھ بھی جاتی تو ایسا معلوم ہوتا جیسے وہ سب سے بے نیاز ہو اور اُسے توقع ہو کہ دوسرے بھی اس کی طرف متوجہ نہ ہوں گے۔

بمشکل تمام پائپ سلگا اور قاسم کسی ریلوے انجن کی طرح جلدی جلدی دھواں چھوڑنے لگا۔ غالباً تمباکو نم ہونے کی وجہ سے اُسے خدشہ تھا کہ وہ پھر بجھ جائے گا۔ لہٰذا وہ کش پر کش لگا رہا۔ حتیٰ کہ پائپ سے لپک اٹھنے لگی اور پھر یک بیک بُرا سا منہ بنا کر سینے پر ہاتھ رکھ لیا پھر جو کھانسیوں کے جھکڑ شروع ہوئے تو پائپ بھی ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر جا رہا..... اور کھانستا ہوا تمباکو اس سے نکل کر دور جا پڑا۔

لوگ ہنسنے لگے۔ وہ کافی دیر سے قاسم کی حرکتیں دیکھ رہے تھے۔

مگر قاسم کو اب بھی اس کی پرواہ نہیں تھی۔ بدقت تمام کھانسی رکی اور حمید نے اُسے

بڑبڑاتے سنا۔ ''اب کی سالا حلق کے نیچے اتر گیا تھا۔''

غالباً وہ سالا دھواں تھا جو اتفاقاً حلق سے نیچے اُتر گیا۔ ورنہ قاسم تو صرف گالوں اسے بھر بھر کر فضا میں منتشر کرتا رہا تھا۔

ایک ویٹر نے پائپ اٹھا کر میز پر رکھ دیا اور قاسم جھینپے ہوئے انداز میں بولا۔

''شائے لاؤ۔''

ویٹر تعظیماً جھکا اور آگے بڑھ گیا۔

ادھر حمید بے قابو ہوا جا رہا تھا۔ اگر وہ قاسم کی میز پر ہوتا تو یہی تفریح طویل بھی تھی۔ مگر اس وقت، وہ ٹھنڈی آہیں بھر کر رہ گیا۔

تھوڑی دیر بعد قاسم کی ''شائے'' آئی۔ ٹی پاٹ معمول سے کافی بڑا تھا۔

تنہا آدمیوں کی میز پر عموماً چھوٹے چھوٹے ہی ٹی پاٹ لائے جاتے ہیں۔ مگر خدا کہ ویٹر اس کی خوراک سے آگاہ ہی ہو چکے ہوں گے۔

کچھ وقت گذر گیا۔ حمید ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا تھا۔ قاسم کی چائے نوشی میں ابھی نہیں لگا تھا۔ دفعتاً ایک خوبصورت سی سفید فام لڑکی قاسم کی میز کے قریب نظر آئی اور قا کر کھڑا ہو گیا۔

حمید نے پہلی ہی نظر میں لڑکی کو پہچان لیا وہ وہی لڑکی تھی جس کی تصویر قاسم نے اُ دن پہلے دکھائی تھی۔ حمید نے ایک طویل سانس لی۔ کیونکہ یہ لڑکی اپنی تصویر سے بھی زیاد تھی۔ اس نے بڑی بے چینی سے پہلو بدلا۔ لڑکی بیٹھ چکی تھی۔

قاسم بالکل اُلو کا پٹھا نظر آنے لگا۔ اس کے انداز سے بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھ انڈوں کا ایک مینار بنا کر اس کے حوالے کر دیا ہو اور کہا گیا ہو کہ خبردار ایک بھی انڈا ٹ پائے، ورنہ کھال کھینچ لی جائے گی۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور کبھی وہ تمباکو کا ڈ طرف سے اٹھا کر دوسری طرف رکھ دیتا اور کبھی وہ پائپ کو سنبھال کر رکھنے لگتا۔

لڑکی مسکرا کر بولی۔ ''نہ کہنا۔ میں نے کتنی دور سے دیکھ کر تمہیں پہچان لیا تھا اور سیدھ

کی طرف آئی۔''

''جج..... جی..... ہاں۔'' قاسم ہکلایا اور پھر کسی تھکے ہوئے بھینسے کی طرح ہانپنے لگا۔

''آپ تو اپنی تصویر سے بھی زیادہ اچھے ہیں۔'' لڑکی نے آگے جھک کر پیار بھرے لہجے کہا اور قاسم کی حالت غیر ہو گئی۔ اس وقت اس کی صحیح شکل و شباہت کا اندازہ کرنا بہت مشکل کیونکہ اس کے ہونٹوں اور آنکھوں نے نئے نئے انداز اختیار کرنا شروع کر دیئے تھے۔

''آپ خاموش کیوں ہیں۔'' لڑکی نے پوچھا۔ ''کیا آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔ ارے ہوسی پالگریو ہوں۔''

''پپ..... پہچان لیا۔'' قاسم کے حلق سے آواز کو آزادی حاصل ہوئی۔

''پھر کیا بات ہے آپ کے خطوط تو بے حد دوستانہ ہوتے تھے۔''

''اوہ..... مم..... دراصل جی ہاں جی ہاں۔ بیمار ہو گیا ہوں۔''

''کیوں کیا ہوا۔''

''بخار.....!''

''اب کیا حال ہے۔''

''اب تو اچھا ہوں۔''

''اچھا..... اچھا شاید اسی لئے آپ تصویر سے کچھ دبلے نظر آ رہے ہیں، مجھے بے حد ں ہے۔''

''کوئی سب..... بات نہیں ہے۔''

''آپ سے مل کر واقعی بے حد خوشی ہوئی ہے۔'' لڑکی ہاتھ ملتی ہوئی بولی۔ ''میں تو آپ کو سب میں دیکھا کرتی تھی۔ یہ میں نے اپنے خط میں بھی لکھا تھا۔''

''میں بھی دیکھتا تھا۔''

''آپ بھی دیکھتے تھے۔'' لڑکی ناز کرنے کے سے انداز میں مسکرائی۔ ''بھلا کیوں۔''

حمید کو ایسا معلوم ہوا جیسے خود اس کے حلق میں ہڈی اٹک گئی ہو۔

''بب.....بس۔'' قاسم بوکھلا کر بولا۔ ''یونہی.....بس یونہی۔''

''سچی بات نہیں بتاؤ گے۔'' لڑکی ہنس پڑی اور ساتھ ہی قاسم کی ہی ہی بھی چل نکلی۔

حمید کو اس پر اتنا غصہ آ رہا تھا کہ وزنی سا گلدان اس کے سر پر پٹخ دے مگر وہ بھی سو تھا کہ آخر یہ چکر کیا ہے۔

ادھر اب قاسم کی ہمت کھلتی جا رہی تھی اور وہ باقاعدہ بولنے پر آمادہ نظر آنے لگا تھا۔

حمید نے بھی ایک ویٹر کو اشارہ کیا۔ جب وہ قریب آیا تو آہستہ سے بولا۔ ''یہ کھانا کس وقت کھاتے ہیں۔''

''پتہ نہیں۔ جناب ان کی میز والا جانتا ہوگا۔''

''کیا یہ اسی میز پر بیٹھتے ہیں۔''

''شاید انہوں نے اپنے لئے کوئی میز مخصوص نہیں کرائی۔''

''اچھا.....دیکھو کافی لاؤ۔ ساتھ ہی سینڈوچ بھی لانا۔''

ویٹر چلا گیا۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا۔ خواہ وہ کسی قسم ہی کیوں نہ کر رہا ہو۔ مگر حمید اُسے برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ اتنی خوبصورت لڑکی قاسم جیسے کے ساتھ تضیع اوقات کرے۔

لڑکی قاسم سے کہہ رہی تھی۔ ''میں کتنی خوش ہوں بیان نہیں کر سکتی۔ بس یہ سمجھ لیجئے تک میں اتنی خوش کبھی نہیں ہوئی۔''

''میں بھی بالکل.....یعنی کہ بہت زیادہ خوش ہوں۔ جی ہاں۔'' قاسم سر ہلا کر بولا سچ مچ بہت زیادہ خوش نظر آ رہا تھا۔ حمید کے دل پر چھریاں سی چل رہی تھیں۔ اس کا دل تھا کہ یک بیک قاسم کی میز پر چھلانگ لگا دے۔

اچانک اس نے محسوس کیا کہ لڑکی کچھ اداس سی نظر آنے لگی ہے۔ قاسم نے بھی شاید محسوس کر لیا تھا۔

لڑکی مغموم آواز میں بولی۔ ''میں آپ سے پرسوں ہی ملی ہوتی جب آئے تھے۔ مگر میرے خاندان والوں کو ایک بہت بڑی الجھن سے دوچار ہو جانا پڑا۔''

''کیا بات ہے مجھے بتایئے۔''

''اب کیا بتاؤں۔ میرے ڈیڈی کے دشمن ان کی غیر حاضری سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ڈیڈی یورپ گئے ہیں۔ چھ ماہ تک واپس نہ آ سکیں گے۔ یہاں دراصل بزنس ہے۔ ان کے ایک دشمن نے ان کے خلاف ایک جھوٹا مقدمہ بنایا ہے اور ان کی غیر حاضری میں ان کے خلاف ایک لاکھ کی ڈگری لایا.....اور.....!''

حمید اس سے آگے نہ سن سکا۔ کیونکہ آرکسٹرا جاز بجانے لگا تھا۔ حمید کو اس کی بے وقت نہائی پر بڑا غصہ آیا۔ اُسے یقین ہو چلا تھا کہ یہ لڑکی قاسم سے کوئی بہت بڑا فراڈ کرنے والی ہے۔ اسے یاد آیا کہ قاسم نے اس لڑکی سے خط و کتابت کے سلسلے میں بتایا تھا کہ وہ ایک تصویر کے ذریعہ ایک دوسرے سے متعارف ہوئے تھے۔ قاسم کی وہ تصویر ایک اسکول کے میگزین میں چھپی تھی اور تصویر بھی یوں چھپی تھی کہ قاسم سے اسی اسکول کے جلسے کی صدارت کرا کے کوئی رقم وصول کی گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس میگزین میں قاسم کے اس ''عطیہ'' کا تذکرہ بھی ضرور ہوگا۔ موٹی مرغی.....حمید نے سوچا کسی جال میں پھنسنے والی ہے۔

جاز بجتا رہا اور وہ صرف ان کے ہونٹ ہلتے دیکھتا رہا کیونکہ گفتگو سننا مشکل تھا۔ ویسے موسیقی کی لہروں کے ساتھ ہی ان کی آوازیں بھی کانوں سے ٹکراتی تھیں۔ لیکن فضول۔

کچھ دیر بعد حمید نے قاسم کو جیب سے چیک بک نکالتے دیکھا اور اس کا ذہن ہوا میں اڑنے لگا۔ قاسم نے قلم نکال کر چیک بک پر کچھ لکھنا شروع کر دیا اور پھر جب وہ اس میں سے پرزہ پھاڑنا چاہ رہا تھا لڑکی نے اس انداز میں اپنا ہاتھ چیک بک پر رکھ دیا جیسے اسے چیک پھاڑنے سے روک رہی ہو۔ اس کے ہونٹ بھی ہل رہے تھے۔ پھر قاسم نے چیک پھاڑے بغیر چیک کو جیب میں رکھ لی اور اٹھ گیا۔ لڑکی بھی اٹھی اور وہ دونوں صدر دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

اب حمید کس طرح وہیں بیٹھا رہ سکتا تھا۔

غیر متوقع حالات

نادر کافی رات گئے تک سوچتا رہا کہ آخر اب منیجر اس سے کیا چاہتا ہے۔ اس نے
کے متعلق بھی اسے شبہے میں مبتلا کر دیا تھا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ ممکن ہے سلویا ہی کسی معا
میں منیجر کو بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ اب تک اس کی نظروں سے صدہا قسم کی عو
گذری تھیں۔ ان میں ایسی بھی آنکرائی تھیں جن کا نادر نے احترام کیا تھا۔ یعنی اس نے ا
سمجھنے میں غلطی کی تھی۔ وہ انہیں فرشتہ سمجھتا رہا تھا لیکن وہ شیطان سے بھی زیادہ بھیانک ثا
ہوئی تھیں۔

منیجر سے گفتگو کرنے کے بعد پھر سلویا سے ملاقات نہیں ہوئی تھی ورنہ وہ اُسے ٹٹولنے
کوشش کرتا۔ مگر پھر اس نے سوچا آخر ان جھگڑوں میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔
اچھائیوں کی تلاش میں نکلا تھا پھر کسی دلدل میں پیر ڈالنے کیا ضرورت تھی۔

وہ کافی رات گئے سویا لیکن زیادہ دیر تک نہیں سو سکا۔ کیونکہ صبح ہی صبح کسی نے ا
کوٹھری کے دروازے پر دستک دی۔

باہر سلویا کھڑی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ساری رات سو نہ سکی ہو۔ اس کی آنکھ
سرخ تھیں اور آنکھوں کے نیچے حلقے سے معلوم ہو رہے تھے۔

''میں اس سے ڈر نہیں سکتی۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''تمہیں بھی نہ ڈ
چاہئے۔ خدا کے لئے میری مدد کرو۔ فی الحال تمہارے سوا مجھے اور کوئی ایسا نظر نہیں آتا، جو ا
کی حرکتوں کا جواب دے سکے۔''

''آخر بات کیا ہے مادام۔ میرا خیال ہے کہ اگر صاحب نے دیکھ لیا تو۔''

''اوہو تو کیا تمہیں اس نے مرعوب کر لیا ہے۔''

''نہیں مادام۔ لیکن انہوں نے مجھے شبہے میں ضرور مبتلا کر دیا ہے..... اوہ وہ اس وقت
ہیں کہاں۔''

''رات باہر گیا ہے۔ آج شام تک واپس آئے گا۔ مگر اب پانی سر سے اونچا ہو رہا ہے۔
اس نے کس شبہے میں مبتلا کر دیا ہے۔''

''ان کا خیال ہے کہ آپکے دماغ میں فتور ہے یا پھر آپ انہیں بلیک میل کرنا چاہتی ہیں۔''

''وہ کتے کا پلا ہے۔'' سلویا جھلا کر بولی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور پھر
بھیلی آواز میں سسکیاں لیتی ہوئی کہنے لگی۔ ''اس سے بڑا کمینہ اور ذلیل آج تک میری
نظروں سے نہیں گذرا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔ چلو اندر چلو، میں بہت کچھ
بتاؤں گی۔''

''مگر صاحب نے حکم دیا ہے کہ میں بنگلے میں قدم نہ رکھوں۔''

''میں قانوناً اس کی بیوی ہوں۔ تم یہ مسئلہ ہم دونوں پر چھوڑو۔ اب مجھے اس کی پرواہ بھی
نہیں ہے کہ میرے باپ کو پھانسی ہو جائے گی۔''

نادر چند لمحے سوچتا رہا پھر بولا۔ ''چلئے۔''

اس نے سوچا کہ دیکھ ہی لینا چاہئے۔ کون جھوٹا ہے۔

سلویا اسے پھر کچن ہی میں لے آئی۔

نادر پھر اسی کرسی پر بیٹھ گیا جس پر اس سے پہلے بھی ایک رات بیٹھ چکا تھا۔

''ہاں..... اس نے میرے متعلق کیا کہا تھا۔''

نادر نے اختصار کے ساتھ اُسے منیجر کے خیالات سے آگاہ کر دیا۔ سلویا اس طرح دانت
پیس رہی تھی جیسے اب ملاقات ہونے پر اپنے شوہر کو کچا ہی چبا جائے گی۔

''وہ جھوٹا اور بے ایمان ہے۔ اُسے خدشہ ہے کہ کہیں میں تمہاری ہمدردیاں نہ حاصل
کر لوں اور تم سے تو وہ اچھی طرح واقف ہی ہے۔''

''اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مادام میں کیا کروں۔''

''تم میری طرح عورت تو نہیں ہو۔ تمہیں یہ نہ سوچنا چاہئے۔ اب مجھے خصوصیت سے
کسی نہ کسی کی مدد درکار ہے کیونکہ وہ مجھ سے جو کچھ چاہتا ہے اسے میں کسی قیمت پر بھی پسند نہ

کرسکوں گی۔"

"وہ کیا چاہتا ہے۔" نادر نے پوچھا۔

"اب وہ مجھے اپنے دوستوں کے حوالے کردینا چاہتا ہے۔"

نادر حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ سلویا کہتی رہی۔ "مگر میں یہ بھی رہی ہوں کہ وہ آج کل کچھ خائف بھی رہتا ہے۔ پتہ نہیں وہ کس مصیبت میں پڑگیا ہے یا میرے لئے کوئی کنواں کھودرہا ہے۔ پچھلی رات اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر میں نے اسکے مشور پر عمل نہ کیا تو وہ کسی بہت بڑے حادثے سے دوچار ہوگا ساتھ ہی میرا باپ بھی زندہ نہ رہیگا۔

"وہ مشورے کیا ہیں مادام۔"

"اس نے کہا تھا کہ میں آج رات کو یہاں کی ایک مشہور عمارت میں ایک آدمی ملوں اور مجھ سے جو کچھ بھی کہا جائے اس پر بے چوں و چرا عمل کروں۔"

"تو پھر آپ کا کیا ارادہ ہے۔"

"میں ہرگز نہ جاؤں گی۔"

"نہیں آپ وہاں چلئے۔ اس طرح حالات سے آگاہی بھی ہوسکے گی۔"

"لیکن اگر۔"

"ہاں کہئے آپ خاموش کیوں ہوگئیں۔"

"اگر مجھے کوئی نقصان پہنچ گیا تو۔"

"میں حتی الامکان کوشش کروں گا کہ ایسا نہ ہونے پائے۔"

"کیا تم میرے ساتھ چلو گے۔"

"جی ہاں اور آپ سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہوں گا۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ اس نے میز پر دو کپ رکھ دیئے تھے اور اب ان میں چائے انڈیل رہی تھی

"مجھے خوف معلوم ہوتا ہے نادر۔" اس نے کچھ دیر بعد کہا اور پیسٹریوں کی پلیٹ نادر کی طرف کھسکا دی۔

"اچھا تو پھر صاحب کے مشورے پر عمل نہ کرنے کی صورت میں کیا ارادہ رکھتی ہیں۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔ پچھلی رات ایک منٹ کیلئے بھی نہیں سوئی۔"

"بس تو میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ ناشتہ کرکے سوجایئے۔"

"مجھے اس وقت تک نیند نہیں آئے گی جب تک کہ میں مطمئن نہ ہوجاؤں۔"

"کس سلسلے میں اطمینان کرنا چاہتی ہیں۔"

"یہی کہ وہ کیا چاہتا ہے اور اس عمارت میں بھیجنے کا مقصد کیا ہے۔"

"دیکھئے۔ مقصد اس وقت تک نہیں معلوم ہوسکتا جب تک کہ آپ ان کے مشورے پر عمل نہ کریں۔"

"اچھی بات ہے۔ فرض کرو میں اس کے مشورے پر عمل کرتی ہوں۔ اوہ تم نے پیسٹریاں نہیں لیں۔ لو یہ چائے لو۔ ہاں فرض کرو۔ میں وہاں جاتی ہوں اور میرے ساتھ تم بھی ہوتے ہو۔ اگر تمہارے متعلق اسے علم ہوگیا تو تم کیا کرو گے۔"

"سیدھی سی بات ہے مادام۔ میں ان سے کہہ سکوں گا کہ میں انہیں کی ہمدردی میں وہاں گیا تھا۔ میں ان سے کہوں گا کہ میں مادام کی نقل و حرکت کی نگرانی کرتا رہا ہوں اور ان کا تعاقب کرتا ہوا اس عمارت میں گیا تھا۔"

سلویا کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے اس کی سب سے بڑی الجھن فوری طور پر رفع ہوگئی ہو۔

"اوہ پھر تم نے پیسٹریاں نہیں لیں۔ دیکھو نادر میں خلوص کی بھوکی ہوں اور خلوص مجھے کبھی نہیں ملا۔ میں تمہیں اپنا صرف دوست سمجھتی ہوں۔"

"اگر آپ حق پر ہیں مادام تو مجھے ہمیشہ اپنا دوست پائیں گی۔"

"اوہ..... تمہیں ابھی تک یقین نہیں آیا۔"

"میں اس کا اعتراف کرکے آپ کا دل دکھانا نہیں چاہتا۔ بس آپ آج وہی کیجئے جو میں کہہ رہا ہوں۔ اگر وہاں آپ کے ساتھ کسی قسم کی کوئی زیادتی ہوئی تو پرانا نادر ایک بار پھر

جاگ اٹھے گا لیکن اس صورت میں مطمئن رہئے گا کہ حق کی حمایت میں اسکے قدم اٹھے ہیں۔"

"اچھا نادر۔" سلویا نے ٹھنڈی سانس لی۔ "ارے پھر تم نے پیسٹری نہیں لی۔"

"میں اپنی موجودہ حیثیت سے آگے نہیں بڑھنا چاہتا مادام۔"

"کیا مطلب.....!"

"مجھے وہی باسی روٹی کا ٹکڑا چاہئے جو روزانہ ملتا ہے۔"

"مجھے شرمندہ نہ کرو نادر۔"

"ہرگز نہیں مادام۔ میں طنز نہیں کر رہا۔ میرے مطالبے میں خلوص ہے۔ میں آپ کی امکانی خدمت کر سکتا ہوں۔ مگر موجودہ حیثیت کی حدود سے قدم نکالے بغیر مجھے کسی ایسی بات پر مجبور نہ کیجئے، جو میرے ضمیر کی ملامت کا باعث بنے۔"

"تم واقعی بہت شریف اور اونچے آدمی ہو نادر۔ میں یقین نہیں کر سکتی کہ کبھی بُرے رہے ہو گے۔ آدمی اتنی جلدی خود کو نہیں بدل سکتا۔"

"میں آپ سے متفق نہیں ہوں مادام۔ وہ آدمی جو دریاؤں کے رخ بدل سکتا ہے، پہاڑوں کے جگر چیر سکتا ہو۔ کیا وہ خود کو نہیں بدل سکتا۔"

"ہاں..... الفاظ میں تو وہ بہت کچھ کر سکتا ہے مگر.....!"

"اگر وہ سوچ سکتا ہے تو کر بھی سکتا ہے مادام۔"

سلویا کچھ نہ بولی۔ وہ ایک بڑی روٹی کو دو ٹکڑوں میں کاٹ رہی تھی۔

نادر خاموشی سے روٹی کے ٹکڑے چائے میں ڈبو ڈبو کر کھاتا رہا۔

اسی شام کو سلویا نے اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیا کہ وہ اپنے شوہر کی ہدایت کے مطابق اس عمارت میں جانے پر آمادہ ہو گئی تھی۔ منیجر ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ نادر کو ایک سیاہ نقاب کا انتظام کرنا پڑا چونکہ وہ ابھی تک فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ دونوں میں سے کون پر ہے۔ اس لئے اسے ہر حال میں محتاط رہنا تھا۔

ایڈگر ہاؤز نصیر آباد کی مشہور ترین عمارتوں میں سے تھا۔ نادر سلویا کا تعاقب کرتا ہوا

جا پہنچا مگر دشواری یہ تھی کہ وہ صدر دروازے سے عمارت میں نہیں داخل ہونا چاہتا تھا۔

سلویا اندر چلی گئی اور نادر اپنے لئے کوئی مناسب راہ تلاش کرتا ہوا عمارت کی پشت پر آیا۔ راستہ ملنے میں کوئی دشواری بھی نہیں پیش آئی کیونکہ گندے پانی کا پائپ اوپری منزل تک چلا گیا تھا۔ نادر نے جوتے اتار کر جیبوں میں ٹھونسے اور پائپ کے سہارے اوپر چڑھتا چلا گیا۔

اوپری منزل ویران پڑی ہوئی تھی۔ کسی جگہ بھی روشنی نہیں دکھائی دی۔

نچلی منزل کے زینے تلاش کرنے میں بھی دشواری نہیں پیش آئی اور پھر کچھ دیر بعد وہ اس کمرے تک پہنچ گیا جہاں اس کا پہنچنا ضروری تھا۔ اس نے کھڑکی سے دیکھا۔ سلویا اندر ہی تھی، مگر نادر نے جو کچھ بھی دیکھا وہ اس کے لئے غیر متوقع اور تحیر کن تھا۔ ایک بوڑھا یورپین جس کا شیو بڑھا ہوا تھا اور ظاہری حالت بہت سقیم تھی۔ سسک سسک کر رو رہا تھا اور سلویا اس طرح سامنے کھڑی ہوئی تھی جیسے اس سے کوئی زبردست غلطی سرزد ہوئی ہو۔ ویسے اس کے چہرے پر گہرے غم کے آثار نظر آ رہے تھے۔

دفعتاً بوڑھا اپنی سسکیوں پر قابو پا کر بولا۔ "اب یہ لوگ مجھ سے بھی قتل کرانا چاہتے ہیں۔ جس راز سے ڈریگی واقف تھا اس سے یہ بھی واقف ہیں۔ مجھے دھمکیاں دیتے ہیں کہ اگر میں نے ان کے کہنے پر عمل نہ کیا تو وہ مجھے مار ڈالیں گے۔"

"کسے قتل کرانا چاہتے ہیں۔" سلویا نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"ڈریگی کو۔"

"ارے۔" سلویا یک بیک اچھل پڑی اور پھر بولی۔ "اسی نے تو مجھے یہاں بھیجا ہے۔"

"ڈریگی نے۔" بوڑھا بھی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

ادھر اچانک کسی نے نادر کی گردن پیچھے سے پکڑ لی۔ نادر بڑی تیزی سے مڑا اور ایک جھٹکے کے ساتھ گردن چھڑا کر اس کے پیٹ پر ایک لات رسید کی۔ وہ آدمی تو چیخ کر وہیں ڈھیر ہو گیا لیکن اس کے پیچھے کھڑے ہوئے دوسرے آدمی نے نادر پر چھلانگ لگا دی۔ نادر بھی غافل نہیں تھا۔ وہ بڑی پھرتی سے پیچھے ہٹا اور چھلانگ لگانے والا منہ کے بل آ رہا۔ پھر نادر نے اُسے

سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ اس کی دو ہی ٹھوکروں نے اس کا مغز تک ہلا کر رکھ دیا۔

مگر دو آدمی نہ جانے کدھر سے نکل آئے۔ نادر انہیں دیکھ کر دروازے کی طرف بھاگا۔

وہ دونوں بھی خاصے پھرتیلے اور تیز رفتار معلوم ہوتے تھے۔ دروازے تک جا کر اچانک نادر پھر پلٹا۔ اس کی یہ حرکت دونوں تعاقب کرنے والوں کے لئے غیر متوقع تھی اس لئے وہ گڑبڑا گئے۔ نادر کے لئے بس اتنا ہی کافی تھا۔ اس نے دونوں کے چہروں پر بیک وقت بھرپور ہاتھ رسید کئے۔ دونوں ہی لڑکھڑائے لیکن نادر نے ایک کو سنبھال کر بڑی تیزی سے اٹھایا اور سر سے بلند کر کے دوسرے پر پٹخ دیا۔ دونوں ہی چیخ کر ایک دوسرے پر ڈھیر ہو گئے۔

دروازے میں سلویا کھڑی بُری طرح کانپ رہی تھی۔ نادر کا چہرہ سیاہ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔ چار آدمی فرش پر پڑے ہوئے تھے اور نادر سلویا کو گھور رہا تھا۔

دفعتاً بوڑھا بڑبڑایا۔ ''یہ کون ہے۔''

''ایک ہمدرد۔'' سلویا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''ارے تو پھر کھڑی منہ کیا دیکھ رہی ہو۔ نکلو یہاں سے۔ ان چاروں کے علاوہ یہاں اور کوئی نہیں تھا۔

نادر نے سلویا کو اشارہ کیا اور خود دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ سلویا اس کے پیچھے چل رہی تھی۔ لیکن بوڑھا آدمی ان دونوں سے زیادہ تیزی دکھا رہا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ سب سے پہلے وہی کمپاؤنڈ میں پہنچا۔ اس نے مڑ کر نادر سے کہا۔

''ان کی گاڑی گیراج میں موجود ہے۔''

''آ..... ہاں۔'' نادر نے کہا اور دوڑتا ہوا گیراج کی طرف چلا گیا۔ کار اندر موجود تھی۔ اس نے بڑی پھرتی سے اُسے باہر نکالا۔ سلویا اور بوڑھا پچھلی نشست پر بیٹھ گئے۔

کار پھاٹک سے نکلی اور ایک طرف روانہ ہو گئی۔

''مگر میں اب کہاں جاؤں۔'' بوڑھا بڑبڑا رہا تھا۔ ''یہ لوگ مجھے پکڑ لیں گے۔''

یوں.....!'' نادر نے پوچھا۔

''یہ کون ہے۔'' بوڑھے نے سلویا سے پوچھا۔

''ایک ہمدرد۔''

''میں نام معلوم کرنا چاہتا ہوں۔'' بوڑھا جھنجھلا گیا۔

''نام نہیں بتایا جائے گا۔'' سلویا نے بھی غصیلی آواز میں کہا۔

بوڑھا خاموش ہو گیا اور نادر نے سلویا سے پوچھا۔ ''کدھر مادام۔ یہ شہر میرے لئے بالکل ہے۔ میں راستوں سے واقف نہیں ہوں۔''

''اگلے چوراہے سے بائیں جانب موڑ لینا۔ ہم گھر نہیں جائیں گے۔'' سلویا نے جواب دیا۔

''کہاں..... کہاں۔'' بوڑھا مضطربانہ انداز میں بولا۔

''کہیں بھی مگر میں تمہیں لے جاؤں گی۔ ڈیڈی تم نے کہا تھا کہ وہ تمہیں کہیں سے بھی سکتے ہیں۔''

''مادام جلدی کوئی فیصلہ کیجئے۔ اس کار کے سلسلے میں ہم گرفتار بھی کئے جا سکتے ہیں۔''

''تم ہی بتاؤ۔ میں کیا کروں۔''

''یہ آپ کے ڈیڈی ہیں۔''

''ہاں۔''

''آپ انہیں گرفتار کرا دیجئے۔''

''کیوں..... کیا بک رہے ہو۔'' بوڑھا بوکھلا کر بولا۔

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں مسٹر۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔ مسٹر ڈریگی آپ کو بلیک کرنا چاہتے تھے۔ کسی دوسرے نے آپ کو پکڑا اور آپ سے چاہتا ہے کہ آپ ڈریگی کو قتل دیں۔ ادھر مسٹر ڈریگی بھی بلیک میل ہو رہے ہیں۔ انہوں نے مادام کو اس عمارت میں اس بھیجا تھا کہ وہ اس شخص سے ملیں، جو انہیں بلیک میل کر رہا ہے۔ کیا یہ الجھاؤ حیرت انگیز نہیں غالباً مادام یہاں اس لئے بلوائی گئی تھیں کہ آپ انہیں ڈریگی کے قتل پر آمادہ کر سکیں۔''

''میں نہیں سمجھی۔'' سلویا نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

"ایک ہی آدمی آپ کے ڈیڈی اور مسٹر ڈریگی کو بلیک میل کر رہا ہے۔ یقین کیجئے مسٹر.....ار.....کیا نام ہے۔ آپکے ڈیڈی آپ کو مجبور کرتے کہ آپ مسٹر ڈریگی کو زہر دے دیں۔"

"کیوں ڈیڈی۔"

"ہاں۔" بوڑھا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"دیکھا آپ نے۔" نادر نے سلویا کو مخاطب کیا۔

"یہ آخر کیا ہو رہا ہے۔"

"دیکھئے مادام.....اگر آپ یہ چاہتی ہیں کہ آپ کے ڈیڈی محفوظ رہیں تو انہیں پولیس کے حوالے کر دیجئے۔"

"نہیں.....نہیں.....میں مرنا نہیں چاہتا۔" بوڑھے نے دونوں ہاتھ پھیلا کر سسکی لی۔

"ایک منٹ خاموشی رہئے مسٹر۔ پوری بات سن لیجئے۔ ہاں مادام۔ پوری بات سن لیجئے آپ فی الحال انہیں تھانے لے جائیے اور ان کے خلاف رپورٹ درج کرا دیجئے کہ یہ آپکا بنگلہ اڑا دینے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ بتانے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ آپ دونوں میں کیا رشتہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ صرف جیل ہی میں محفوظ رہ سکیں گے اور آپ بھی مطمئن رہ سکیں گی۔"

سلویا تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ "تمہاری تجویز معقول ہے۔"

"اچھا تو بس تھانے کی طرف چلئے۔ میں آپ دونوں کو وہاں اتار کر گاڑی کہیں اور چھپا دوں گا۔"

"نادر واقعی تم بہت کام کے آدمی ہو۔" سلویا ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

چیک بک

قاسم اور لوسی پالگریو ایک ٹیکسی میں تھے اور حمید بھی ٹیکسی ہی میں ان کا تعاقب کر رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اگلی ٹیکسی ایک عمارت کے سامنے رکی۔ مگر یہاں اندھیرا تھا۔ حمید نے اپنی ٹیکسی کی رفتار کم کرا دی اور پھر اس نے ان دونوں کو ٹیکسی سے اترتے دیکھ کر اپنی ٹیکسی رکوا ہی دی۔ دونوں ٹیکسیوں کے درمیان تقریباً تین سو گز کا فاصلہ تھا۔

اگلی ٹیکسی کا انجن بند نہیں کیا گیا تھا۔ انکے اترنے کے آدھے منٹ بعد ہی ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔ پھر تاروں کی چھاؤں میں وہاں صرف قاسم ہی کا ہیولا نظر آ رہا تھا۔ لڑکی شاید عمارت میں چلی گئی تھی۔ حمید ٹیکسی سے اتر آیا لیکن ڈرائیور کو ہدایت کر دی کہ وہ اسکی واپسی تک وہیں ٹھہرے۔

قاسم جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ دفعتاً حمید اس سے ٹکرایا اور ایسا کرتے وقت اس کی جیب سے چیک بک اڑا لی۔

"ابے اندھے ہو گیا۔" قاسم غرایا۔

"شکر ہے کہ تم آدمی ہی نکلے۔" حمید نے خوش ہو کر کہا۔ "ورنہ میں تو سمجھا تھا کہ شاید اندھیرے میں کسی گدھے سے ٹکرا گیا ہوں۔"

"بھاگ جاؤ۔" قاسم گھونسہ اٹھا کر بولا۔ "میں یہاں لڑائی جھگڑا نہیں کرنا چاہتا۔"

"بہت اچھا جناب۔" حمید نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

کچھ دور چل کر وہ ایک عمارت کی کمپاؤنڈ وال سے جا لگا۔ بہرحال وہ یہاں سے قاسم کو صاف دیکھ سکتا تھا۔

کچھ دیر بعد اُسے قاسم کے قریب ہی ایک دوسرا سایہ بھی نظر آیا۔ یہ یقیناً وہی لڑکی لوسی تھی پھر وہ دونوں اندر چلے گئے۔

حمید اپنی جگہ سے ہلا اور پھر اسی عمارت کیطرف چلنے لگا جس میں وہ دونوں داخل ہوئے تھے۔

چھوٹے سے پائیں باغ کے صرف ایک حصے پر روشنی کا بڑا سا دھبہ نظر آ رہا تھا۔ اس کے علاوہ دوسرے حصے تاریک پڑے ہوئے تھے۔ وہ ایک کھلی ہوئی کھڑکی سے باہر آ جانے والی روشنی تھی۔

حمید نے جب اچھی طرح اطمینان کر لیا کہ اس عمارت میں کتوں کی موجودگی کے

امکانات نہیں ہو سکتے تو وہ پائیں باغ میں داخل ہو گیا۔

وہ کمرہ خالی تھا جس سے روشنی باہر آ رہی تھی۔ وہ روشنی کی زد سے بچ کر نکلا اور با جانب مڑ گیا۔ ادھر کمپاؤنڈ وال اور اصل عمارت کی دیوار کے رنگین شیشے بھی روشن نظر آ تھے۔ حمید آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا۔ آخر کار اس نے قاسم کی ''غوں غوں'' سن ہی لی ہنس ہنس کر ہکلا رہا ''جی ہاں۔ بہت بہت گہری دوستی۔ مجھے یوریشین لوگ بے حد پسند ہ میں اپنے ایک بوڑھے یوریشین پڑوسی کو فادر کہتا ہوں۔ جی ہاں..... جی ہاں۔''

اس کھڑکی کے شیشے منقش اور رنگین تھے۔ اس لئے حمید کمرے کے اندر کا حال نہ سکا۔ ویسے اس نے قاسم کی گفتگو کا ایک ایک لفظ سنا اور سمجھا تھا۔

''اوہ انکل۔'' اس نے لڑکی کی آواز سنی۔ ''یہ بہت شریف اور عالی ہمت ہیں۔ میں دنگ رہ گئی ان کی عالی ہمتی دیکھ کر۔''

''کیا بات ہے۔'' یہ کسی مرد کی بھرائی ہوئی آواز تھی۔

''بس کیا بتاؤں انکل۔'' لڑکی کی آواز سے شرمندگی ظاہر ہو رہی تھی۔ ''میری حماقت ڈگری کا ذکر نکل آیا۔ میں نے انہیں بتایا کہ ہمارا دشمن ایک لاکھ کی ڈگری لایا ہے۔ پاپا یور گئے ہیں اور چھ ماہ تک واپس نہیں آ سکیں گے ان کی عادت ہے کہ وہ سفر کے دوران میں کم خط و کتابت کرتے ہیں اور اس وقت یہ پتہ نہیں یورپ کے کس حصے میں ہوں گے اور کے دستخط کے بغیر کوئی بڑی رقم بینکوں سے نہیں نکالی جا سکتی۔''

''خاموش رہو۔'' دفعتاً مرد نے غصیلی آواز میں کہا۔ ''آخر اس قسم کی بکواس کی ضرورت تھی۔''

''بب..... بس غلطی ہو گئی انکل۔ مگر میں نے دوسری غلطی نہیں کی۔'' لڑکی سہمی ہوئی آواز میں بولی۔

''دوسری غلطی کیسی۔'' مرد غرایا۔

''یہ مجھے پچاس پچاس ہزار کے دو چیک دے رہے تھے جو تین دن کے وقفے سے

کرائے جا سکتے۔ لیکن میں نے نہیں لئے۔''

''ارے تو بات ہی کیا تھی دوستی میں۔'' قاسم نے کہا اور حمید نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔

''نہیں جناب۔ یہ لڑکی احمق ہے۔'' مرد کی آواز آئی۔

''میرا خیال ہے آپ چیک لے لیجئے جب ان کے پاپا آ جائیں تو آپ یہ روپے واپس کر دیجئے گا۔''

''مجھے افسوس ہے کہ ہم ایسا نہ کر سکیں گے۔'' مرد کا لہجہ بے حد خشک تھا۔

''آپ مجھے مایوس کر رہے ہیں۔'' قاسم درد ناک آواز میں بولا۔

''تم بہت واہیات ہو لوسی۔ تمہیں خاندان کی عزت کا خیال نہیں ہے۔'' مرد کی آواز غصیلی تھی۔

''میں کیا بتاؤں انکل۔ بڑی غلطی ہوئی۔ یقیناً مجھے ان سے اسکا تذکرہ نہیں کرنا چاہئے تھا۔''

''آپ لوگ مجھے غیر سمجھتے ہیں۔'' قاسم گڑگڑایا۔

''انکل یہ زبردستی کر رہے ہیں کہ میں چیک لے لوں۔ لیکن میں نے کہا کہ میں انکل کی اجازت حاصل کئے بغیر ایسا نہیں کر سکتی۔ لہٰذا یہ اسی وقت آپ سے ملنے پر مصر ہو گئے۔ مجھ سے بہت بڑی بڑی غلطیاں ہو جاتی ہیں، انکل خدا کے لئے معاف کر دیجئے۔''

''دیکھئے انکل۔'' قاسم پھر گڑگڑایا۔ ''آخر مجھے بتایئے نا کہ اس میں کیا برائی ہے۔ سمجھ لیجئے گا کہ آپ کی فرم نے کسی پارٹی سے ایک لاکھ روپے قرض لئے ہیں۔''

''اب یہ تذکرہ ختم کر دیجئے جناب۔'' مرد کی آواز میں احتجاج تھا۔

''دیکھئے خدا کے لئے مان جایئے۔'' قاسم کی آواز آئی اور حمید کا دل چاہا کہ اس کی گردن اڑا دے۔ اس کی پرواہ کئے بغیر کہ اس کی گردن بہت موٹی ہے۔

''اُف فوہ۔ آپ بھی بڑے ضدی ہیں۔'' مرد کی آواز سے ہنس دینے کا سا انداز صاف ظاہر ہو رہا تھا۔

''ہاں..... دیکھئے بس میری یہ درخواست منظور کر ہی لیجئے۔''

''اچھا جناب۔'' مرد تھکے تھکے سے لہجے میں بولا۔ ''مگر مجھے فرم کی طرف سے پر وغیرہ لکھنے کا اختیار نہیں ہے۔''

''ارے لعنت بھیجئے پرونوٹ پر۔'' قاسم جلدی سے بولا۔ ''آپ بھی کیسی باتیں ہیں مسٹرار..... انکل..... یہ بھی کوئی بات ہوئی یعنی کہ جی ہاں۔''

کچھ دیر خاموشی رہی پھر یک بیک حمید نے قاسم کی ''ارے ارے'' سنی۔ جس کی بوکھلاہٹ صاف ظاہر ہو رہی تھی۔

''یعنی کہ..... کیا ہوگئی..... اُف فوہ۔''

''کیا بات ہے۔'' مرد کی آواز آئی۔

''مم..... میری چیک بک۔''

''کیوں..... چیک بک کو کیا ہوا۔'' یہ لڑکی کی آواز تھی۔

''اسی جیب میں رکھی تھی آپ کے سامنے۔''

''ہاں..... رکھی تو تھی پھر۔''

''غغ..... غائب ہوگئی۔''

''نہیں۔'' لڑکی کے لہجے میں حیرت تھی۔

''جی ہاں۔''

''کیسے غائب ہوگئی۔'' مرد کی آواز آئی۔

''اوہ..... ٹھہریئے مجھے سوچنے دیجئے۔'' قاسم رک رک کر بولا۔ ''جی ہاں۔ اب یاد ہے۔ وہ کوئی جیب کترا ہی تھا۔''

''کون.....!'' لوسی اور اس کا انکل بیک وقت بولے۔

''جب آپ مجھے سڑک پر چھوڑ کر اندر آئی تھیں..... تب ایک آدمی مجھ سے اندر میں ٹکرایا تھا۔ میں نے اُسے بُرا بھلا کہا تھا۔ شاید اسی نے جیب سے نکال لی۔''

''آپ نے تو دو چیک لکھ بھی لئے تھے اور وہ شاید بیئرر تھے۔'' لوسی نے کہا۔

''جی ہاں۔''

''مگر آپ کی کوئی رقم یہاں کیوں ہونے لگی۔ آپ تو شاید کہیں باہر سے آئے ہیں۔'' لوسی نے کہا۔

''ارے گھپلا ہوسکتا ہے مسٹر انکل۔''

''کیوں..... کیسے۔''

''میں نے سفر کرنے سے پہلے یہاں دو لاکھ منتقل کرائے تھے۔ میں ہمیشہ سفر کرنے سے پہلے یہ ضرور کر لیتا ہوں۔''

''تب تو آپ فوراً پولیس کو اطلاع دیجئے اور متعلقہ بینک کے ذمہ داروں کو اس سے آگاہ کیجئے۔ کیا واقعی آپ نے چیک کر اس نہیں کیا تھا۔''

''نہیں۔ وہ ذاتی چیک تھا اور میں نے دونوں کی پشت پر بھی اپنے دستخط کر دیئے تھے۔''

''ہاں۔ میں نے دیکھا تھا انکل۔'' لڑکی بولی۔

''تو پھر آپ دیر کیوں کر رہے ہیں۔''

''بتایئے میں کیا کروں۔'' قاسم بڑبڑایا۔

''فون۔ مگر نہیں ٹھہریئے۔ فون بے کار ہی ہوگا۔ آپ سیدھے پولیس اسٹیشن چلے جایئے۔ میرا خیال ہے کہ کوئی ہوٹل ہی سے آپ کے پیچھے لگ گیا تھا۔ ہوسکتا ہے اس نے وہاں آپ کو چیک لکھتے دیکھا ہو۔ مجھے افسوس ہے کہ میری گاڑی خراب ہوگئی ہے ورنہ میں آپ کو پولیس اسٹیشن تک پہنچا دیتا۔''

''لک..... کوئی بات نہیں۔'' قاسم نے کہا۔ ''میں ٹیکسی لے لوں گا۔''

حمید نے اب کھسک جانا ہی مناسب سمجھا۔ قاسم کو بھلا اس سنسان سڑک پر اس وقت ٹیکسی کہاں ملتی۔

وہ سڑک پر آ گیا اور تیزی سے اس طرف بڑھا جہاں اپنی ٹیکسی چھوڑی تھی۔ مگر اُسے بے

حد مایوسی ہوئی کیونکہ اب وہاں ٹیکسی نہیں تھی۔ کرایہ وہ پہلے ہی ادا کر چکا تھا۔ اس نے پیچھے دیکھا۔ قاسم لڑھکتا ہوا چلا آ رہا تھا۔

حمید ایک طرف ہو گیا۔ اب اس کے ذہن میں کوئی واضح پلان نہیں تھا۔ بہرحال اس اپنی دانست میں قاسم کو ایک بہت بڑے خسارے سے بچا لیا تھا اور سوچ رہا تھا کہ وہ لڑکی اس کا انکل دونوں ہی فراڈ معلوم ہوتے ہیں۔"

قاسم سڑک ناپتا رہا جب وہ کچھ دور نکل گیا تو حمید بھی سڑک پر آ گیا۔ دونوں آگے چلتے رہے۔

دفعتاً حمید نے دیکھا کہ ایک آدمی ایک گلی سے نکل کر قاسم کے ساتھ ہو لیا۔ اب وہ روشن حصے پر آ گئے تھے۔ پتہ نہیں لوسی پالگریو کے مکان کے سامنے والے پول کا بلب تھا یا اس تاریکی کا بھی کوئی خاص مقصد تھا۔ حمید نے قدم بڑھا دیئے اور کچھ ہی دیر بعد حمید قاسم کی آواز سنی جو شاید اس راہگیر کو اپنی دکھ بھری کہانی سنا رہا تھا۔

اس نے دوسرے آدمی کی "ہوں ہوں" بھی سنی تھی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا اس آدمی کو یہ کہانی گراں گذر رہی ہو اور بس یونہی اخلاقاً کبھی کبھی بول دیتا ہو۔

حمید پہلے تو اس آدمی کو راہگیر ہی سمجھا تھا لیکن جب اس نے قاسم کو یہ بتایا کہ پولیس اسٹیشن تک پہنچنے کے لئے اسے کم از کم دس میل پیدل چلنا پڑے گا تو حمید کا ماتھا ٹھنکا اور سوچنے لگا کہ آخر قاسم کے گرد کس قسم کا جال پھیلایا جا رہا ہے۔

اب وہ آدمی اپنی رہبری میں قاسم کو پولیس اسٹیشن کی طرف لے جا رہا تھا۔ حمید تعاقب جاری رکھا۔

گلابی دیو

نادر بنگلے کے پھاٹک ہی پر سلویا کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے کار شہر کے ایک ایسے میں چھوڑی تھی جہاں زیادہ تر سڑکوں کے کنارے بے شمار کاریں کھڑی رہا کرتی تھیں۔

اس سے بنگلے تک پہنچنے کے لئے اُسے کافی دیر تک بھٹکنا پڑا تھا۔ اس نے انتہائی کوشش کی تھی کار کے کسی حصے میں اس کی انگلیوں کے نشانات نہ پائے جا سکیں۔

اس کے ذہن میں متعدد سوالات تھے اور وہ اپنے طور پر ان کے تشفی بخش جوابات فراہم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد سلویا بھی پہنچ گئی۔ وہ بہت زیادہ گھبرائی ہوئی سی نظر آ رہی تھی۔

"آؤ نادر..... اندر چلو۔"

وہ بہت تیزی سے اندر بڑھتی چلی گئی۔ نادر بھی کم مضطرب نہ تھا لیکن اُس نے اپنے سے دلی کیفیات ظاہر نہیں ہونے دی تھیں۔

اندر پہنچ کر سلویا ایک صوفے پر گر گئی کچھ دیر اسی طرح پڑی ہانپتی رہی پھر دو تین بار اٹھ کر بیٹھی۔ اس کا چہرہ زرد اور ستا ہوا تھا۔ خشک ہونٹوں پر بار بار زبان پھیرنے کے باوجود بھی وہ انہیں نم کرنے سے قاصر رہی تھی۔

"یہ..... یہ..... تم یہ دیکھو نادر۔ میں اپنے باپ کو گرہ کٹی کے الزام میں پولیس کے حوالے آئی ہوں۔ اس سے بڑی ٹریجڈی اور کیا ہوگی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر میں خود کو دنیا کے کیسے آدمیوں کو ساتھ رکھوں۔ اُف میرے خدا..... دیکھو میری آنکھیں بالکل خشک ہو گئی ہیں۔ گہرے سے گہرا غم بھی انہیں بھگونے سے قاصر رہے گا۔ پانی نادر۔ خدا کے لئے ایک گلاس پانی۔ کسی نوکر کو آواز دو۔"

"میں خود ہی لا رہا ہوں مادام۔" نادر اٹھ گیا۔

اور اُسے کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر کمرے سے نکل آیا اور کچن سے گلاس میں پانی لے کر گلی سے پھر کمرے کی طرف مڑ گیا۔

سلویا صوفے پر نیم دراز تھی اور اس کی آنکھیں بند تھیں۔ نادر نے آہستہ سے اُسے آواز لگائی۔ وہ اس طرح چونک پڑی جیسے ذہنی طور پر اس کمرے میں نہ رہی ہو۔

اس نے گلاس ہاتھ میں لے کر کسی پیاسے جانور کی طرح پانی پیا اور گلاس کو فرش پر رکھ کر

بڑبڑائی۔ ''پتہ نہیں یہ لوگ کیا چاہتے ہیں۔ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔''

نادر فوراً ہی کچھ نہ بولا۔ وہ غور سے سلویا کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اس کے کانوں میں ڈریگی یعنی منیجر کے الفاظ گونج رہے تھے کہ اس کی بیوی اُسے میل کرنا چاہتی ہے۔

''بولو نادر تم خاموش کیوں ہو۔ اگر اس وقت تم میری مدد نہ کرتے تو میں بہت پریشانیوں کا شکار ہوگئی تھی۔''

''ہاں مادام میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ حالات عجیب تر ہیں۔''

''پھر ہمیں حالات کا علم کیسے ہوگا۔ آخر یہ سب کیوں ہو رہا ہے۔ کون اس کا ذمہ دار ہے۔''

''کوئی تیسرا آدمی، جو آپ کے والد اور مسٹر ڈریگی کی کمزوریوں سے واقف ہے اور اس سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ کیا آپ مجھے کسی تیسرے آدمی کے متعلق بتا سکیں گی۔''

''میں ایسے کسی تیسرے آدمی سے واقف نہیں ہوں، جو اتنے عجیب اور پُراسرار انداز دونوں کو بلیک میل کر سکے۔''

''بہرحال یہی ہو رہا ہے۔'' نادر نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''وہ دونوں ہی کسی بڑے بلیک میلر کے ہتھے چڑھ گئے ہیں۔ اچھا آپ یہی بتا دیجئے کہ آپ کے والد مسٹر سے اتنے خائف کیوں تھے کہ انہوں نے ان سے آپ کا بھی سودا کر ڈالا تھا۔''

''میرا خیال ہے کبھی اُن سے بھی کوئی بڑا جرم سرزد ہو چکا ہے۔''

''قتل.....!'' نادر سلویا کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''ممکن ہے قتل ہی ہو۔ میں وثوق سے نہیں کہہ سکتی۔''

''اس تیسرے آدمی سے مسٹر ڈریگی خائف ہیں۔ اس نے انہیں کسی دھمکی کے ساتھ ان کی گلو خلاصی کے لئے آپ کے اس عمارت میں پہنچنے کی شرط لگا دی ادھر اس نے آپ کے والد کو بھی قابو میں کر رکھا تھا اور انہیں مجبور کر رکھا تھا کہ وہ مسٹر ڈریگی کو کردیں۔ انہوں نے معذوری ظاہر کی ہوگی۔ اس پر اس نے آپ کا سوال اٹھا دیا ہوگا۔

ہو گا کہ وہ آپ کے ذریعے مسٹر ڈریگی کو زہر دلوا دیں۔''

''یہ تو ایک طرح کی خودکشی ہوئی جس پر ڈریگی مجبور کیا جا رہا ہے۔''

''یقیناً۔ لیکن مسٹر ڈریگی مجھے کافی دل گردے کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن مادام اس مفروضہ حقیقتاً یہ نہیں ہوسکتا کہ ڈریگی مار ڈالے جائیں کیونکہ اگر اس آدمی کی خواہش یہی ہوتی مسٹر ڈریگی مار ڈالے جائیں تو وہ یہ کام خود بھی آسانی سے کر سکتا تھا۔ مسٹر ڈریگی کے فرشتوں بھی علم نہ ہوسکتا کہ کب اور کہاں سے حملہ ہوا۔ کیونکہ جو آدمی اس قسم کے پلاٹ مرتب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو سب کچھ کر سکتا ہے۔''

''پھر آخر میرے باپ کو طلب کر کے مجھے کیوں بلوایا گیا تھا۔''

''تاکہ مسٹر ڈریگی کو اس کا علم ہو سکے کہ وہ کیسے جنجال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ یعنی اگر وہ اسرار آدمی چاہے تو انہیں خودکشی پر بھی مجبور کر سکتا ہے۔ یہ خودکشی ہی ہے مادام کہ انہوں نے وہی آپ کو بھیجا تھا اور آپ دراصل اس لئے بلوائی گئی تھیں کہ آپ مسٹر ڈریگی کو زہر دے لیں مگر جو کچھ بھی ہوا اس پُراسرار آدمی کی توقعات کے خلاف ہوا۔ ویسے آپ کو یقین ہونا چاہئے کہ خود اسی کی طرف سے ایسے حالات پیدا کئے جاتے کہ آپ مسٹر ڈریگی کو زہر دینے کی بجائے انہیں اس سازش سے آگاہ کر دیتیں۔''

سلویا کی آنکھیں پھیل گئی تھیں اور منہ کھلا ہوا تھا۔ اس انداز میں وہ کسی معصوم بچی ہی کی طرح بہت پیاری لگ رہی تھی۔ خود نادر بھی اس سچویشن سے کم متاثر نہیں ہوا تھا۔

''تو.....تو میں ڈریگی کو آگاہ کر دوں۔'' اس نے کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''یقیناً مادام۔'' نادر اپنی بائیں آنکھ دبا کر بولا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک شیطانی سی مسکراہٹ تھی۔ اس نے پھر کہا۔ ''اور میں مسٹر ڈریگی کو اپنی کہانی سناؤں کہ کس طرح میں ان کی عمارت میں مادام کا تعاقب کرتا ہوا اس عمارت میں پہنچا تھا اور کس طرح مجھے اس اسکیم کا علم ہوا تھا کہ مادام انہیں زہر دے دیں گی اور یہ تو آپ ہی انہیں بتائیں گی کہ آپ اپنے باپ کو پولیس کے حوالے کر آئی ہیں۔'' نادر مسکراتا رہا۔ پرانا نادر اس وقت پوری طرح جاگ اٹھا تھا۔



حمید دونوں کا تعاقب کرتا رہا۔ ان کی گفتگو نہیں سن سکتا تھا۔ یہ کمی فاصلے کی زیادتی وجہ سے رہ گئی تھی۔ ویسے وہ قاسم کی ''غوں غوں'' برابر سنتا رہا تھا۔

پھر وہ ایک پررونق سڑک پر آ گئے۔ یہاں روشنی میں حمید نے دوسرے آدمی کا چہرہ دیکھا۔ وہ ایک جوان العمر اور جاذب توجہ آدمی تھا۔

دفعتاً حمید نے دونوں کو ایک ریستوران میں گھستے دیکھا اور متحیر رہ گیا کیونکہ قاسم تو ہیڈ کوارٹر تاؤ میں تھانے کی طرف جا رہا تھا۔

ریستوران کا ڈائننگ ہال کافی کشادہ تھا اور اس میں ایک جانب لکڑی کے متعدد کیبن بنے ہوئے تھے کی قطار تھی جن کے دروازوں میں ریشمی پردے لہریں لے رہے تھے۔

وہ دونوں ایک کیبن میں چلے گئے۔ حمید بھی اندر گھسا لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ اگر برابر کوئی کیبن خالی نہ ہوا تو محنت برباد ہی ہوگی۔

لیکن پتہ نہیں یہ قاسم کی خوش بختی تھی یا خود اس کی کہ اس کے کیبن کے دونوں جانب والے کیبن خالی ہی ملے۔

حمید چپ چاپ اندر جا بیٹھا اور اب وہ دونوں کی گفتگو کا ایک ایک لفظ صاف سن رہا تھا۔

''پاؤں چلنے کی عادت نہیں ہے۔'' قاسم کہہ رہا تھا۔ ''تھوڑی ہی دور چلنے کے بعد تھک جاتا ہوں۔ مگر دیکھئے بھائی صاحب مجھے فوراً پولیس اسٹیشن پہنچنا چاہئے۔''

''میں ابھی پہنچا دوں گا۔ ڈی ایس پی میرا دوست ہے۔ مگر میری بھی تو سنئے۔ جناب میری خوش قسمتی ہے کہ آپ سے ملاقات ہوگئی۔ میں اب اس وقت تک آپ کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا جب تک کہ آپ وعدہ نہ کرلیں کہ میری مدد کریں گے۔''

''مم..... میں کیا بتاؤں۔''

''ارے جناب۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کیسے نوجوان ہیں۔ ارے جناب یہ

ہزاروں ایک سے ایک بانکے سجیلے اور اعلیٰ خاندان کے افراد دن بھر میرے گرد منڈلایا کرتے ہیں کہ میں انہیں ایکسٹرا کا ہی چانس دے دوں۔ خیر..... ٹھہریئے۔ پہلے آپ کا کام ہو جائے۔ پھر میں اپنی دشواریاں آپ کے سامنے رکھوں گا۔ ہاں دیکھو کافی لاؤ اور کھانے کیلئے کوئی چیز۔''

شاید وہ ویٹر کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔ حمید نے بھی ویٹر کو طلب کرنے کے لئے گھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔

''میں بہت پریشان ہوں بھائی صاحب۔'' قاسم کی آواز آئی۔

''کچھ مجھ سے بھی تو فرمایئے۔ شاید میں ہی آپ کے کام آسکوں۔''

''کسی گرہ کٹ نے میری چیک بک اڑالی ہے۔ اس میں پچاس پچاس ہزار کے دو چیک لکھے ہوئے دستخط شدہ موجود تھے۔''

''ارے ایک لاکھ۔''

''جی ہاں۔'' قاسم نے بڑی لاپروائی سے کہا۔

''کراس نہیں کیا تھا آپ نے۔''

''جی نہیں۔''

''کس بینک کے چیک تھے۔''

''پراونشل بنک۔''

''ارے بس۔'' دوسرے آدمی نے تمسخر آمیز لہجے میں کہا۔ ''اتنی سی بات کے لئے آپ اتنے پریشان ہیں۔ میں ابھی سنگر کو فون کئے دیتا ہوں اکاؤنٹ نمبر وغیرہ بتا دیجئے۔''

''سنگر کون۔''

''مسٹر سنگر۔ پراونشل بنک کا منیجر۔ اس سے اپنے گہرے مراسم ہیں۔ بہرحال اگر سنگر ہی کو اطلاع دے دی جائے تو چیک کیش نہیں ہو سکے گا۔''

''میں تو پولیس کو اطلاع دینا چاہتا ہوں۔''

''فضول ہے جناب۔ آپ خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع کریں گے اور آپ کو رپورٹ درج

کرانے کے لئے کم از کم دو بجے رات تک وہیں بیٹھے رہنا پڑے گا۔"

"ارے بس۔" قاسم ہنس کر بولا۔ "مجھے سالے کیا بٹھائیں گے۔ دس بیس منٹ میں بجاتے رپورٹ لکھی جائے گی۔ کیا آپ مجھے اناڑی سمجھتے ہیں۔"

"قطعی نہیں جناب۔ لیکن یہ نصیر آباد ہے۔ ڈی ایس پی سٹی آج کل ایک بہت ہی قسم کا لگا ہوا ہے۔ کیا مجال کہ کوئی ایک پائی بھی رشوت کی لے سکے۔ بس جناب رپورٹ لکھوالوں کی ایک لائن لگوا دیتا ہے۔ رات کو جایئے تو دوسری صبح کا ناشتہ وہیں نصیب ہو۔"

ویٹر حمید کی میز پر چائے کی ٹرے رکھ کر واپس گیا۔

"اچھا تو پھر۔ صرف فون ہی سے کام چل جائے گا۔"

"بالکل چلے گا جناب۔" دوسرے آدمی نے کہا۔

"تب تو واقعی آپ کمال کے آدمی ہیں..... ہی ہی ہی۔"

"ہے ہے۔ آپ کے ہنسنے کا انداز۔" دوسرا آدمی شاید کافی محظوظ ہو کر بولا۔ "خدا چلے گا۔ اس سال کی بہترین ہٹ۔ بس آپ میرا دل نہ توڑیئے۔ آہ..... ارے فن کی عظمت برقرار رکھنے کے لئے تو لوگ جان کی بازی لگا دیتے ہیں اور آپ صرف اپنے والد صاحب ڈر رہے ہیں۔ کمال کرتے ہیں آپ بھی۔"

"نہیں بھائی۔ میں فلم میں کام نہیں کروں گا۔" قاسم سہمی ہوئی آواز میں بولا۔

"ٹکنی کلر میں بنا رہا ہوں مسٹر۔ ساری دنیا میں دھوم مچ جائے گی۔ بالکل نیا موضوع کا نام گلابی دیو ہے۔ رستم اور گلابی دیو کی جنگ۔ بس آخیر میں رستم آپ کو پچھاڑ دے گا۔"

"ٹانگیں چیر کر پھینک دوں گا سالے کی۔" شائد قاسم کی ذہنی حالت بہک گئی تھی اور اُسے غصہ آ گیا تھا۔ اس نے کہا۔ "مجھے خواہ مخواہ غصہ نہ دلایئے۔"

"اُف فوہ۔ بالکل فٹ۔" دوسرے آدمی کا لہجہ بے حد پر مسرت تھا۔ "بس گلابی دیو کردار بھی ایسا ہی ہے۔ خدا کی قسم مزہ آ جائے گا جناب۔ آپ بس ہاں کہہ دیجئے۔ میں سمجھوں گا مجھے دنیا ہی میں جنت مل گئی۔"

"میں فلم میں کام نہیں کروں گا۔ چاہے تم فون کرو یا نہ کرو۔"

"آپ کام کریں یا نہ کریں۔ میں بہر حال فون یقینی طور پر کروں گا بلکہ فون پر آپ کو مسٹر نگر سے ملوا دوں گا۔ آپ خود ہی ان سے کہہ دیجئے گا۔"

"بھئی۔ یہ فلم کمپنی والا معاملہ۔" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "دل تو میرا بھی چاہتا ہے کہ فلم میں کام کروں مگر میرا باپ بڑا ظالم ہے بھائی صاحب۔ وہ مجھے پکا..... ارے کچا چبا جائے گا۔"

"اب میں آپ سے کیا عرض کروں۔ ارے جناب ہماری پستی کے یہی اسباب ہیں۔ یورپ اور امریکہ کے والدین بڑی خوشی سے اپنی اولادوں کو آرٹ پر قربان کر دیتے ہیں۔"

"اچھا.....!" قاسم نے حیرت ظاہر کی۔

"یقین کیجئے۔ اگر میں نے کسی یوروپین یا امریکن سے استدعا کی ہوتی تو وہ میری فلم میں مفت کام کرنے پر تیار ہو گیا ہوتا اور پھر آپ یہ سوچئے کہ خود آپ کی تفریح مفت رہی۔ مثلاً گلابی دیو کے ساتھ پانچ عدد نیم برہنہ پریاں ہوں گی۔ ان پانچوں کا انتخاب میں خود کر چکا ہوں۔ ایک سے ایک بڑھ کر حسین ہے۔"

حمید نے معنی خیز انداز میں اپنے سر کو جنبش دی اور سوچا کہ قاسم یقینی طور پر اس وقت اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر رہا ہو گا۔ دوسرے ہی لمحے میں اُس نے قاسم کو ہکلاتے سنا۔

"پپ..... پریاں..... پپ پریاں..... کیسی ہوتی ہیں بھائی صاحب۔" "اور..... اور..... یہ نیم برہنہ کیا ہوتا ہے بھائی صاحب۔"

وہ آدمی اُسے بتانے لگا کہ نیم برہنہ کسے کہتے ہیں اور پھر اس نے کہا۔ "وہ پانچوں لڑکیاں آپ کے ساتھ ہر وقت رہیں گی۔"

"ارے باپ رے۔" قاسم نے غالباً پیٹ سہلا کر کہا ہو گا۔ "مم..... مطلب یہ کہ..... میں اپنے باپ سے پوچھ لوں تو..... تب بتاؤں۔"

"آپ خود اپنے متعلق سوچئے کہ آپ گلابی دیو کے رول میں کتنے جچیں گے اور آپ کے

چہرے کا کلوز اپ تو بہتیرے لوگوں کو چیخیں مارنے پر مجبور کردے گا۔ آپکا قیام کہاں ہے جناب۔

''گرینڈ میں۔'' قاسم نے جواب دیا اور پھر وہ دونوں ہی خاموش ہوگئے۔

غالباً انہوں نے چائے شروع کردی تھی۔

کچھ دیر بعد حمید نے دونوں کو کاؤنٹر پر دیکھا۔ دوسرا آدمی کسی سے فون پر گفتگو کررہا پھر اس نے قاسم کو بھی اس سے ریسیور لے کر گفتگو کرتے دیکھا۔

حمید کا ذہن بُری طرح الجھا ہوا تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ آخر قاسم کے گرد کتنے پھیلائے جارہے ہیں اور ان کا مقصد کیا ہے۔

دیو کا سیکریٹری

تقریباً تین بجے کسی نے کمپاؤنڈ کا پھاٹک ہلایا اور چوکیدار نے ''جاگتے رہو'' کی ہانک لگ نادر کو ابھی تک نیند نہیں آئی تھی۔ اُسے ڈریگی کا انتظار تھا۔ وہ بھی اپنی کوٹھری سے نک پھاٹک کی طرف چل پڑا۔

آنے والا ڈریگی ہی تھا۔ یہاں اندھیرا تھا اس لئے نادر کو نہ پہچان سکا۔

''دوسرا کون ہے۔'' ڈریگی نے چوکیدار سے پوچھا۔

''باغبان جناب۔'' نادر نے کہا۔

''ارے.....تم کیوں؟''

''آپ کا تھوڑا وقت لینا چاہتا ہوں۔''

''ضرور.....ضرور آؤ۔''

''بنگلے میں نہیں۔'' نادر نے کہا۔ ''میری کوٹھری میں چلئے۔ میں نے آج رات آپ لئے کچھ کیا ہے۔''

''آہا.....چلو چلو۔''

نادر اُسے اپنی کوٹھری میں لایا اور آہستہ سے بولا۔ ''آپ کا خیال درست تھا جناب۔ ام آپکے ایسے دشمنوں سے ملی ہوئی ہیں جو انہیں کے ہاتھوں آپ کو زہر دلوانا چاہتے ہیں۔''

ڈریگی اچھل پڑا۔ وہ اس طرح نادر کو گھور رہا تھا جیسے اس نے اُسے کوئی غیر متوقع خبر سنائی پھر نادر نے جو کچھ بھی سنا اور دیکھا تھا بیان کردیا۔

''تمہیں یقین ہے کہ اس نے اس بوڑھے کو ڈیڈی کہا تھا۔''

''ہاں جناب مجھے یقین ہے۔ کیونکہ مادام نے اُسے درجنوں بار ڈیڈی کہا تھا۔ بوڑھا ہاتھا۔ مادام بھی رورہی تھیں۔''

''بوڑھے کا حلیہ بتاؤ۔''

''پتلا چہرہ گالوں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ سر کے نچلے حصے میں سفید بال تھے۔ یانی حصہ بالکل صاف تھا۔ ناک طوطے کی چونچ کی طرح اوپری ہونٹ پر جھکی ہوئی تھی۔ شیو ماہوا تھا.....کپڑوں کی حالت پھٹیچروں جیسی تھی۔''

''اچھا خیر.....پھر کیا ہوا۔''

''میں ان دونوں کی گفتگو سن رہا تھا کہ کسی نے پیچھے سے میری گردن پکڑ لی۔ پھر مجھے چار یوں سے نپٹنا پڑا۔ انہیں بے کار کرکے میں باہر نکلا۔ میرے ساتھ ہی مادام بھی بوڑھے بت باہر آگئیں۔ میں نے گیراج سے کار نکالی اور ان دونوں کو بٹھا کر لے اڑا۔ راستے میں ھے نے کہا کہ ڈریگی نے اس کے ساتھ کبھی کوئی نیکی نہیں کی۔ لیکن پھر بھی وہ چاہتا ہے کہ گی کو کوئی گزند نہ پہنچے اور پھر اس نے خود ہی خواہش ظاہر کی کہ مادام اُسے گرہ کٹی کے الزام ماپولیس کے حوالے کردیں۔ یہ بات بھی میری سمجھ میں نہیں آئی۔''

''کیوں۔ اب تمہیں میری مظلومیت کا احساس ہوا یا اب بھی نہیں۔'' ڈریگی نے کہا۔

''بہت شدت سے جناب۔''

''لو یا وہاں تمہاری موجودگی پر متحیر تو ضرور ہوئی ہوگی۔''

''بے حد جناب۔''

''پھر تم نے اُسے کس طرح مطمئن کیا تھا۔''

''نہایت آسانی سے۔'' نادر مسکرایا۔ ''میں نے انہیں بتایا کہ آپ ذہنی فتور میں مبتلا ہیں اور کہا کہ صاحب نے کہہ رکھا ہے کہ میں آپ پر گہری نظر رکھوں۔ لہٰذا آج آپ جب باہر جا رہی تھیں تو میں بھی ساتھ ہی ساتھ چل پڑا تھا۔ محض یہ دیکھنے کے لئے کہ صاحب کا بیان کہاں تک درست ہے کیونکہ بظاہر آپ صحیح الدماغ معلوم ہوتی ہیں۔''

''پھر اس نے کیا کہا تھا۔''

''کچھ بھی نہیں جناب۔ کسی سوچ میں پڑ گئی تھیں۔''

''خیر..... ہاں تو اب وہ بوڑھا کہاں ہے۔''

''حوالات میں جناب۔ مادام نے اس کے مشورے پر عمل کیا تھا۔'' نادر نے کہا۔ ''مگر جناب اب آپ میری ایک الجھن رفع کر دیں۔''

''کیا ہے بتاؤ۔'' ڈریگی نے کہا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک پل کے لئے ایک بے جان سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

''وہ لوگ کون ہیں جو آپ کو زہر دلوانا چاہتے تھے۔ کیا وہ لوگ مادام کو اس پر مجبور کر سکتے ہیں۔ اگر مادام آپکے خلاف کسی سازش میں حصہ لے سکتی ہیں تو وہ اس پر روئی کیوں تھیں اور کیا وہ بوڑھا آدمی جسے انہوں نے پولیس کے حوالے کیا ہے سچ مچ ان کا باپ ہے۔''

''تم نے ایک ہی سانس میں بہت سارے سوال کر ڈالے ہیں۔'' ڈریگی مسکرایا۔ ''دیکھو حقیقت یہ ہے کہ اس کہانی پر یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ وہ لوگ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ ہاں تم نے بوڑھے کا جو حلیہ بتایا ہے اس کی مناسبت سے وہ اس کا باپ ہی ہو سکتا ہے۔ لیکن نادر میں نے اس کے ساتھ کبھی کوئی بُرائی نہیں کی۔ ویسے تم ہی بتاؤ کہ میں اس کے اوٹ پٹانگ اخراجات کا بار کیسے برداشت کر سکتا ہوں۔ کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ وہ بوڑھا جوا کا ہے۔ شرابی ہے مطلب یہ کہ وہ مدہوش ہو جانے کی حد تک پیتا ہے۔ بہر حال نہ میں اس شراب کا بار اٹھا سکتا ہوں، اور نہ قمار بازی کا۔ اب اگر وہ مجھے بدنام ہی کرنے پر تل گیا ہے تو ہوا کرے۔ مجھے اسکی ذرہ برابر بھی پرواہ نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کے سلسلے میں میرا ضمیر مطمئن ہے۔''

''غالباً مادام بھی یہی چاہتی ہونگی کہ آپ بوڑھے کے ناجائز اخراجات پورے کریں۔''

''خدا بہتر جانتا ہے۔'' ڈریگی نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''خیر..... بہر حال میرے لائق جو بھی خدمت ہو اس کے لئے ہر وقت تیار ہوں۔''

''شکریہ نادر مجھے تم سے یہی اُمید ہے۔ اچھا اب سو جاؤ۔ میری نیند تم نے ختم ہی کر دی۔ اب میرا ذہن اس میں الجھا ہی رہے گا کہ یہ سب کیا تھا۔''

دوسری صبح حمید بستر پر پڑا پچھلی رات کے واقعات پر غور کر رہا تھا۔ اس نے یہ بھی دیکھا تھا کہ قاسم پولیس اسٹیشن نہیں گیا تھا۔ صرف اس ریستوران سے فون پر کسی سے گفتگو کی تھی۔

قاسم کی چیک بک اب بھی حمید کے پاس تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ اُسے اس سلسلے میں اور کیا کرنا چاہئے۔ قاسم تو گردن تک کسی دلدل میں غرق ہو چکا تھا۔ ایک طرف وہ لڑکی لوسی پالگریو اور دوسری طرف وہ آدمی آنکرایا تھا جس نے فلم کمپنی والا اسکینڈل شروع کیا تھا۔ فی الحال یہ بتانا مشکل تھا کہ وہ فلم کمپنی والا بھی لوسی پالگریو ہی سے تعلق رکھتا تھا یا وہ کوئی دوسرا ہی فراڈ تھا۔

حمید تھوڑی دیر تک الجھتا رہا پھر ایک تدبیر سمجھ میں آ ہی گئی۔ وہ اٹھا اور ضروریات سے فارغ ہو کر لباس تبدیل کیا اور پھر وہ سوچ کر ہی باہر نکلا کہ قاسم سے یقینی طور پر مڈبھیڑ ہوگی۔ مگر اُسے یقین نہ تھا کہ قاسم ڈائننگ ہال ہی میں مل جائے گا۔

اس نے سوچا کہ ڈائننگ ہال میں ناشتہ کر کے قاسم کی فکر کرے گا۔

ایک اسکیم اس کے ذہن میں تھی جسے بروئے کار لانے پر قاسم سے قریب ہو جانے کے امکانات تھے۔

قاسم خلاف توقع اُسے ڈائننگ ہال میں نظر آ گیا وہ اپنی میز پر تنہا ناشتہ کر رہا تھا۔ حمید نے ایک ویٹر سے اپنے ناشتے کے لئے کہہ کر ہدایت کر دی کہ وہ اُسے قاسم ہی کی میز پر لائے پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا قاسم کی میز کے قریب آیا۔

''کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں حضور والا۔'' اس نے بڑی عاجزی سے کہا۔

''قیوں.....!'' قاسم نے پوچھا اور بھاڑ سا منہ کھول دیا۔

''مجھے صرف ایک بار اپنی خدمت کا موقع دیجئے۔''

''کیسی کھدمت۔ خدمت بیٹھ جاؤ۔''

''بہت بہت شکریہ جناب۔'' حمید کرسی کھسکا کر بیٹھ گیا۔

قاسم اُسے استفہامیہ نظروں سے دیکھتا رہا۔

''اکثر بڑے آدمی اپنے سیکریٹریوں کو ساتھ لے کر سفر نہیں کرتے۔'' حمید نے کہا۔

''اچھا تو پھر۔''

''میں ایک پیشہ ور سفری سیکریٹری ہوں۔ گرینڈ ہی میں میرا مستقل قیام رہتا ہے اور اکثر بہت بڑے آدمی مجھے اپنے دوران قیام کی مدت کے لئے انگیج کر لیتے ہیں۔''

''اچھا.....!'' قاسم نے حیرت ظاہر کی۔

''جی ہاں۔ اگر آپ کو ضرورت ہو تو میں اس خدمت کے لئے حاضر ہوں۔''

''ضرورت تو ہے۔'' قاسم کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''مگر میں پیشگی روپے کبھی نہیں دیتا۔''

''میں نے بھی آج تک پیشگی تنخواہ کسی سے نہیں لی۔''

''تب تو ٹھیک ہے۔ ہو جاؤ میرے سیکریٹری۔ مگر ٹھہرو۔ پہلے میں تمہاری کابلیت کا اِمتحا لوں گا۔''

''ضرور جناب۔''

''اچھا بتاؤ نیم برہنہ کسے کہتے ہیں۔''

حمید نے قابل تعریف پھرتی سے اپنا قہقہہ ضبط کیا اور سوچنے لگا کہ یہ اُلو کا پٹھا یقینی طور پر کوئی بہت بڑی رقم گنوا دے گا۔

''نیم برہنہ۔'' حمید نے کچھ سوچنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔ ''شاید اُسے کہتے ہیں جو کسی درخت پر چڑھ کر اپنی قمیض اتار پھینکے۔''

''فیل.....!'' قاسم بچوں کی طرح خوش ہو کر بولا۔ ''اچھا بتاؤ ویلا یلی کسے کہتے ہیں۔''

''میں نہیں بتا سکوں گا میرے لئے یہ نیا لفظ ہے۔''

''ہاں..... بالکل نیا ہے اور جس نے بھی ایجاد کیا ہے بڑا سوَر آدمی ہے۔''

حمید خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا کیونکہ ویٹر ابھی چائے نہیں لایا تھا۔

''خیر.....فل فلوٹی تو جانتے ہی ہو گے۔'' قاسم نے پوچھا۔

حمید بوکھلا گیا کہ کہیں قاسم نے اُسے پہچان تو نہیں لیا۔ ویسے اس وقت وہ اُسے ایک ایسا بردار گدھا معلوم ہو رہا تھا جو اپنی فطرت کے خلاف شوخی پر اتر آئے۔

''نہیں جناب، میں نہیں جانتا یہ بھی نیا لفظ ہے۔''

''میں تم سے بہت خوش ہوں سیکریٹری۔'' قاسم نے کہا۔ ''تم ایماندار آدمی معلوم ہوتے ہو بے شک نہ معلوم ہو گا۔ یہ لفظ بھی اُسی سوَر نے نہ جانے کہاں سے کھود کر نکالا ہے۔''

''کس سوَر نے۔''

''ہے ایک سوَر..... سالا ہمارا حمید بھائی۔''

''ہاں جناب تو پھر کیا طے فرمایا۔''

''ہم نے تمہیں اپنا سیکریٹری مقرر کیا۔'' قاسم نے کہا۔

''بہت بہت شکریہ جناب۔''

اتنے میں ویٹر حمید کا ناشتہ لایا۔

''اے۔ اب ان کا حساب میرے ساتھ چلے گا۔'' قاسم نے ویٹر سے کہا۔

''کاؤنٹر پر کلرک صاحب کی کتاب میں نوٹ کرا دیجئے گا جناب۔''

''صاحب بھی اتنا جانتے ہیں۔ خواہ مخواہ مغز نہ کھاؤ۔'' حمید غصیلے لہجے میں بولا اور ناشتے کی ٹرے میز پر رکھ کر چپ چاپ چلا گیا۔

''وفادار بھی معلوم ہوتے ہو۔'' قاسم خوش ہو کر بولا۔

اتنے میں قاسم کو وہی آدمی نظر آیا جس نے پچھلی رات قاسم سے کسی فلم کے متعلق گفتگو کی تھی اور اُسے پولیس اسٹیشن نہیں جانے دیا تھا۔

وہ سیدھا اسی میز کی طرف آیا۔

''آہا..... آیئے آیئے ڈاکٹر صاحب۔'' قاسم خوش ہو کر بولا۔ ''تشریف رکھئے۔''

وہ بیٹھ گیا لیکن حمید نے محسوس کیا کہ اس نے اُسے گھور کر دیکھا تھا۔

''آپ کی تعریف.....!'' اُس نے حمید کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''یہ میرے سیکریٹری ہیں۔'' قاسم نے جواب دیا۔

''اوہ..... خیر ہاں جناب مجھے رات بھر نیند نہیں آئی۔''

''کیوں.....!''

''بس میں یہی سوچتا رہا کہ اگر آپ تیار نہ ہوئے تو کیا ہوگا۔''

قاسم ہنسنے لگا اور اس نے کہا۔ ''آپ سے زیادہ مناسب آدمی گلابی دیو کے رول کے لئے اور کوئی نہ ملے گا۔''

''بھئی دیکھئے ڈاکٹر صاحب مجھے ایکٹنگ کرنا نہیں آتا۔''

''ارے واہ..... یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ اگر مجھے اس کی پرواہ ہوتو میں ڈائریکٹر نہیں چڑی مار کہلاؤں گا۔ کیا آپ نے پروڈیوسر ڈائریکٹر کھٹکھٹے کا نام پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔''

''میرے والد نے ضرور سنا ہوگا کیونکہ وہ فلم کے بیحد شوقین ہیں۔'' قاسم نے جواب دیا۔

''اُف فوہ..... آپ پھر والد صاحب کا قصہ لے بیٹھے۔ آخر آپ ان سے اتنا ڈرتے کیوں ہیں۔''

''آپ میرے سیکریٹری سے بات کر لیجئے۔'' قاسم نے کہا۔ ''میں آپ کو کس طرح سمجھاؤں۔''

''ارے ہاں۔'' یک بیک اس آدمی نے موضوع گفتگو بدل دیا۔ ''آپکی چیک بک ملی یا نہیں۔''

''چولہے میں جائے۔ میرے پاس کافی کیش بھی ہے۔''

''یقیناً ہوگا جناب۔ میں نے تو یونہی ازراہ ہمدردی پوچھا تھا۔''

''آپ کوئی فلم بنا رہے ہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''جی ہاں۔'' اس نے ناک چڑھا کر کہا۔

''کس موضوع پر۔''

''کئی موضوع ہیں۔''

اس کے لہجے پر حمید کو غصہ آ گیا اور اس نے کہا۔ ''آپ خواہ مخواہ شریف آدمیوں کو بور کرتے پھرتے ہیں۔ کیا یہ کوئی اچھی بات ہے۔''

''آپ براہِ کرم سوچ سمجھ کر مجھ سے گفتگو کیجئے۔''

''گفتگو کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔''

''ہاں تو جناب آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے۔'' اس نے قاسم کو مخاطب کر کے پوچھا۔

''بھئی میں کیا بتاؤں۔''

''ایک بار تجربے کے لئے سہی۔'' حمید بول پڑا۔

''ہاں..... ہو تو سکتا ہے لیکن اگر کبھی میرے باپ نے بھی وہ فلم دیکھ لی تو..... میں کیا کروں گا سیکریٹری۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ اب وہ آدمی بھی کچھ اکھڑا اکھڑا سا نظر آنے لگا تھا۔ شاید اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ سیکریٹری قاسم کے نجی معاملات میں کافی دخیل ہے۔

آخری آرام گاہ

پھر حمید نے کچھ ایسی باتیں شروع کر دیں، جو اُسے اور زیادہ اکھاڑ دینے کے لئے کافی تھیں۔ اس کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ قاسم کی طرف سے مایوس ہو گیا ہے۔ بہرحال اٹھتے اٹھتے وہ قاسم کو آج شام کی شوٹنگ دیکھنے کی دعوت دے ہی گیا۔

اسکے جانے کے بعد حمید نے قاسم سے پوچھا۔ ''اس آدمی کے متعلق آپکا کیا خیال ہے۔''

''خیال..... اچھا تم بتاؤ کیا خیال ہونا چاہئے۔''

''پہلے آپ بتایئے۔''

''دیکھو یار سیکریٹری۔ مجھ سے بحث کبھی نہ کرنا۔ اب تم نے یہ بات چھیڑی ہے تو تم ہی بتاؤ کہ کیا خیال ہونا چاہئے۔''

''مجھے تو یہ آدمی گرہ کٹ معلوم ہوتا ہے۔''

''گرہ کٹ۔'' قاسم یک بیک اچھل پڑا اور اس کی آنکھیں اس طرح پھیل گئیں جیسے چنگیز یا ہلاکو کا نام آ گیا ہو۔ ''کیا کہا..... گرہ کٹ'' وہ آہستہ سے بولا۔ ''تم نے یہ کیسے کہا کہ وہ گرہ کٹ معلوم ہوتا ہے۔''

''صورت ہی سے معلوم ہوتا ہے۔''

''نہیں ٹھیک بتاؤ رات کسی نے میری جیب کاٹ لی اور اس کے بعد یہ سالا وہیں سڑک پر ملا تھا۔''

''آپ کی جیب کٹ گئی۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔ ''کتنی رقم تھی۔''

''ایک لاکھ۔''

''ارے نہیں۔'' حمید ہنسنے لگا۔ ''شائد آپ مذاق کر رہے ہیں۔''

اس پر قاسم نے چیک بک کا قصہ سنایا اور حمید بے حد سنجیدہ نظر آنے لگا۔

''ہوسکتا ہے۔'' اس نے سر ہلا کر کہا۔ ''اب کسی اور چکر میں ہو ظاہر ہے کہ وہ نہ تو اب

چیک سے فائدہ اُٹھا سکے گا اور نہ چیک بک سے۔ کیونکہ آپ چیک بک کی گمشدگی کی رپورٹ کر چکے ہوں گے۔ لہٰذا اب وہ کسی دوسرے طریقے سے روپیہ اینٹھنے کی کوشش کرے گا۔''

''مار ڈالوں گا سالے کو۔'' قاسم آستین چڑھاتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

''بیٹھیے بیٹھیے جناب۔'' حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ ''مگر آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ آپ نے دونوں چیک کس لئے لکھے تھے۔''

قاسم جو دوبارہ بیٹھ گیا تھا جھلاہٹ میں میز پر ہاتھ مار کر بولا۔ ''اپنے کفن کے لئے لکھے تھے۔ اب کیا میں تمہیں یہ سب بھی بتاؤں گا۔''

''بہت ضروری ہے ورنہ پھر سیکریٹری رکھنے کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ سیکریٹری رکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے اگر اُسے اپنے حالات سے آگاہ نہ رکھا جائے۔''

''جروری ہے۔''

''بالکل ضروری ہے۔''

''قاسم ہکلا ہکلا کر لوسی پالگریو اور اس کے چچا کی کہانی دہرانے لگا۔ جب وہ خاموش ہوا تو حمید نے کہا۔ ''مجھے تو وہ لوگ بھی فراڈ ہی معلوم ہوتے ہیں۔''

''ابے جاؤ۔ بڑے آئے سیکریٹری کی دم بن کر۔'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ ''سب سالے فراڈ ہی ہو گئے۔ تم بڑے اچھے۔''

''اچھی بات ہے۔ میں ایک ایک کو فراڈ ثابت کرنے کی کوشش کروں گا۔'' حمید نے کہا۔

دفعتاً ایک ویٹر نے میز کے قریب آ کر حمید سے کہا۔ ''آپ کا فون ہے مسٹر ناصر۔''

''میں ابھی حاضر ہوا جناب۔'' حمید نے قاسم سے کہا اور اٹھ گیا۔ کاؤنٹر پر آ کر اس نے کال ریسیور کی۔ دوسری طرف سے بولنے والا کرنل فریدی تھا۔

''میرا خیال ہے کہ تم نے وقت برباد نہیں کیا۔'' اس نے کہا۔

''پتہ نہیں۔'' حمید کا جواب تھا۔

''تمہیں رام گڈھ کا نادر یاد ہے نا۔''

''جی ہاں.....اچھی طرح۔''

''تم یہ بھی جانتے ہو کہ وہ کافی دولت مند ہے۔''

''جی ہاں۔ مجھے علم ہے۔''

''لیکن وہ آج کل یہاں ایک بنگلے میں مالی کی حیثیت سے کام کر رہا ہے۔''

''وہاں یقیناً کوئی خوبصورت عورت ہوگی۔'' حمید نے خوش ہو کر کہا۔ ''اس لئے میں ہم اس بنگلے میں جھاڑو تک دے سکوں گا۔''

''اوہو تو تم نادر سے اچھی طرح واقف ہو۔ ہاں وہاں ایک خوبصورت عورت بھی ہے مگر میرا خیال ہے کہ وہ عورت کے چکر میں نہیں ہے۔''

''میں پھر عرض کروں گا کہ جہاں عورتوں کا معاملہ آ پڑے وہاں آپ کوئی خیال قا کرنے میں جلدی نہ کیا کیجئے۔''

''بکو مت۔ تمہیں نادر پر نظر رکھنی ہے۔ یہ معاملہ بھی اہم ہے۔ کیا تمہیں معلوم ہے لوسی پالگریو کون ہے۔''

''ہاں.....میرے باس کی نئی محبوبہ۔''

''باس.....کیا مطلب۔''

''اس نے مجھے بطور سیکریٹری ملازم رکھ لیا ہے۔''

''خیر بُرا نہیں ہے۔ ہاں تو نادر جس آدمی کا ملازم ہے اس کا نام ڈرگ پالگریو ہے اور عام طور پر ڈریگی کہلاتا ہے۔ لوسی پالگریو اس کی بھتیجی ہے۔''

''اوہ.....تو وہ نادر اسی کے چکر میں ہوگا۔ وہ بے حد حسین ہے۔''

''نہیں وہ اس بنگلے میں نہیں رہتی۔ خیر تو قاسم کی چیک بک کا کیا ہوا۔''

''میرے پاس ہے۔''

''گڈ.....اچھے جا رہے ہو۔ کوشش کرو کہ وہ اس فلم ڈائریکٹر کے چکر میں پڑ جائے۔''

''پڑ جائے۔'' حمید نے حیرت سے دہرایا۔

''ہاں.....اس کے چکر میں پڑ جائے۔''

''میں تو اُسے اکھاڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔''

''نہیں..... پھنسنے دو۔ لیکن خیال رکھو کہ وہ کوئی بڑی رقم ضائع نہ کرنے پائے۔ میں اسی خطرناک آدمی کی راہ پر ہوں۔ اچھا بس۔''

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

نادر کو حالات نے ایک بار پھر اسی ماحول میں جھونک دیا جس سے وہ نکل کر بھاگا تھا۔ گو نوعیت دوسری تھی لیکن لوازمات وہی تھے اسے ایک بار پھر اپنے دل پر سیاہی کی تہیں چڑھانی پڑیں۔ وہ سیاہی جس سے کبھی رحم و ایثار کی کرنیں نہیں پھوٹتیں وہ سیاہی جو آدمی کو سخت کوشی اور ظلم کی طرف لے جاتی ہے لیکن نادر ان حالات میں بھی اکساہٹوں کے خلاف اپنی تمام تر قوت کے ساتھ صف آرا رہتا تھا۔

سلویا اس کے لئے ایک سوال تھی۔ وہ اس سے بے حد قریب ہوگئی تھی۔ اتنی کہ وہ اس پر متصرف بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن وہ اس سلسلے میں پرانے نادر سے لڑتا ہی رہا۔ ویسے اس سے ایک کمینہ پن ضرور سرزد ہوا تھا۔ وہ یہ تھا کہ اس نے دونوں ہی کو دھوکے میں رکھا تھا۔ دھوکے میں رکھنے کی معقول وجہ بھی تھی۔ وہ دراصل ابھی تک فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ ان میں سے کون حق پر ہے۔ سلویا سے وہ یہ کہتا کہ وہ اس کے لئے کام کر رہا ہے اور ڈریگی کو یقین دلانے کی کوشش کرتا کہ وہ عنقریب سلویا کے حواریوں سے ٹکرا جائے گا۔ مگر اس نے نہ جانے کیوں ابھی تک سلویا سے کوئی رقم نہیں لی تھی اس کے برخلاف ڈریگی سے کافی بڑی رقومات وصول کر کے انہیں اپنی حالت درست کرنے پر صرف کر چکا تھا۔ ایک بار پھر اس کے جسم سے وہ لباس اتر گیا تھا جو اس

نے رام گڈھ کے ایک شریف آدمی سے قرض لے کر بنوایا تھا۔ وہ اسے ہرگز نہ اتارتا لیکن ا
اسے جس ماحول میں رہ کر کام کرنا تھا وہ اس سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔

اس وقت وہ سیاہ سوٹ سخت کالر اور سیاہ بو میں تھا۔ سلویا کچن میں شام کی چائے تی
کر رہی تھی۔ اس نے فرائنگ پین سے انڈے پلیٹ میں الٹتے ہوئے اسے نیچے سے اوپر تک
دیکھا اور ایک دلآویز سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔

''تم بلاشبہ شاندار ہو نادر۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''کیوں نہ ہوں مادام۔'' نادر بھی مسکرایا۔ ''کیونکہ آج کل میں مسٹر ڈرگ پالگریو
پرائیویٹ سیکریٹری ہوں۔ وہ مجھے تنخواہ دے رہے ہیں اور اپنے اس کارنامے پر بے حد خو
ہیں کہ انہوں نے بالآخر مجھے بُرائی کے راستے پر لگا ہی دیا۔''

''مگر نادر میں نہیں سمجھ سکتی کہ تم میرے ہمدرد ہو یا اس کے۔''

''میں سو فیصدی آپ کا ہمدرد ہوں۔ لیکن اس کام کے اخراجات کا بار آپ پر نہ
ڈالنا چاہتا۔ اس لئے مجھے مسٹر پالگریو کا ہمدرد بھی بننا پڑا ہے۔''

''بڑے چالاک ہو۔'' سلویا مسکرائی۔

''اور مادام یہ مجھے کل ہی معلوم ہوا ہے کہ مسٹر پالگریو ایک بے حد حسین بھتیجی بھی رکھتے ہیں

''نہیں.....!'' سلویا کے لہجے میں حیرت تھی۔

''مجھے آپ کی حیرت پر حیرت ہو رہی ہے مادام۔ ارے آپ اپنی بھتیجی لوسی پالگریو۔
واقف نہیں ہیں۔''

''خدا کی قسم میں نہیں جانتی۔ اس نے آج تک اپنے کسی عزیز کا تذکرہ ہی نہیں کیا۔
وہ اسی شہر میں رہتی ہے۔''

''ہاں وہ اسی شہر میں رہتی ہے۔ مادام۔''

''کہاں۔''

''معاف کیجئے۔ یہ ابھی نہ بتا سکوں گا۔ مسٹر پالگریو کا بزنس بہت بڑا ہے۔ میر

اندازے سے بھی بہت بڑا ثابت ہو سکتا ہے۔''

''میں نہیں سمجھی۔ مجھے بھی بتاؤ۔ اچھے نادر۔''

''مجھے افسوس ہے مادام۔''

''تم مجھے مادام نہ کہا کرو۔ تم میرے صرف دوست ہو۔''

''نہیں مادام۔ مجھے صرف دوست بننے سے بھی معذور سمجھئے۔ میں ایک با اصول آدمی
بننے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ہاں اس وقت آپ کا دوست بن سکتا ہوں جب مسٹر پالگریو کی
ملازمت میں نہ ہوں۔''

''تم بہت عجیب ہو۔'' سلویا ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

''اس طرح عجیب ہونے میں بڑی لذت ہے مادام۔''

''خیر..... ہٹاؤ۔ تم نے ان لوگوں کے متعلق کیا معلوم کیا جو ڈریگی کی جان لینا چاہتے
ہیں۔''

''میں ابھی تک ان کے سرغنہ کا پتہ نہیں لگا سکا۔ ویسے وہ چاروں میری نظر میں ہیں جن
سے اس عمارت میں مڈبھیڑ ہوئی تھی۔ اب میرا خیال ہے مادام کہ آپ نے اپنے والد کو خواہ مخواہ
پولیس کے حوالے کیا۔ وہ لوگ صرف اتنا ہی چاہتے تھے کہ مسٹر پالگریو ان کی اس سازش سے
آگاہ ہو سکیں۔ میری دخل اندازی فضول تھی۔ نہ آپ کے والد کو کوئی گزند پہنچا اور نہ آپ کو..... وہ
مسٹر پالگریو کے لئے ایک دھمکی تھی۔''

''آخر ڈریگی کیا کر رہا ہے اور وہ لوگ اس سے کیا چاہتے ہیں۔''

''اب صرف یہی دیکھنا ہے مادام۔''

''تمہارے انداز گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ تم ڈریگی کے متعلق مجھ سے بھی زیادہ جانتے ہو۔''

''یہ تو ایک کھلی ہوئی بات ہے۔ آپ ان کی بھتیجی لوسی پالگریو ہی سے واقف نہیں ہیں۔''

''مجھے بتاؤ نادر۔ خدا کے لئے الجھن میں مبتلا نہ کرو۔'' وہ نادر کے شانے پر ہاتھ رکھ کر
بولی۔ وہ اس سے اتنی قریب تھی کہ نادر اس کی سانسیں اپنی گردن پر محسوس کر رہا تھا۔ اس نے

ایک جھرجھری سی لی اور آہستہ سے اس کا ہاتھ اپنے شانے سے ہٹا دیا اور پیچھے ہٹتا ہوا بولا

''اچھا اب اجازت دیجئے مادام۔''

''ارے..... چائے تو۔''

''نہیں مادام..... میں بہت جلدی میں ہوں۔ کہیں اور پی لوں گا۔ بہت بہت شکریہ۔''

وہ باہر نکل آیا۔ اس کی کنپٹیاں چٹخ رہی تھیں اور آنکھوں کی ویسی ہی کیفیت تھی جیسے تیز قسم کی شراب کے پہلے ہی گھونٹ نے ان پر ٹھوکر ماری ہو اور اس کے جسم میں ہزار انگڑائیاں مچل رہی تھیں۔

قاسم کو ہینڈل کرنا بہت مشکل کام تھا۔ لیکن پھر بھی کسی نہ کسی طرح حمید اُسے قابو ہی رکھتا تھا۔ خود حمید کے لئے بھی بہت دشوار تھا کہ ہر وقت اپنے میک اپ کا دھیان رکھتا خراب نہ ہونے پائے۔ یعنی اس کی اصل آواز نہ ظاہر ہونے پائے۔ کبھی کبھی تو اسے اپنی آ پر بالکل ہی قابو نہ رہ جاتا مگر قاسم کو اتنی تمیز کہاں تھی کہ اُسے شبہ ہوسکتا۔

ویسے قاسم اپنے سیکریٹری سے بے حد خوش تھا کیونکہ وہ ہر وقت مرغ مسلم، بکر۔ ران اور تگڑی تگڑی عورتوں کی باتیں کرتا رہتا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اُسے گر کی باتیں سمجھایا کرتا تھا یہ اور بات ہے کہ لڑکیوں پر ڈورے ڈالنے کی وہ ساری تدبیریں ناقابل عمل ہوں بلکہ انہیں ناممکن العمل ہی کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔

اس کی چیک بک اب بھی حمید ہی کے پاس تھی اور اب کیش بھی آہستہ آہستہ ختم جارہا تھا۔ مگر قاسم بالکل بے پرواہ تھا۔ کیونکہ سیکریٹری نے اخیر دم تک اس کی مدد کرنے کا کیا تھا۔ قاسم نے یہ خیال بھی ظاہر کیا تھا کہ وہ کیوں نہ دو ایک دن کے لئے دارالحکومت جا

پے کا انتظام کر کے واپس آجائے۔

ویسے اب اس نے باقاعدہ طور پر چیک بک کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرادی تھی اور سے استدعا کی تھی کہ اُسے دوبارہ چیک بک ایشو کی جائے لیکن حمید کی حکمت عملی کی وجہ بھی تک دوبارہ چیک بک ایشو نہیں ہوسکی تھی۔

لوسی پالگریو قاسم سے برابر مل رہی تھی۔ گو اس نے اب اس سے روپوں پیسوں کی بات نرک کردی تھی۔ مگر اپنی پریشانیوں کی داستان ضرور چھیڑ دیتی تھی اور قاسم حمید پر گرجنے لگتا تھا کہ اس نے بینک سے اب تک نئی چیک بک حاصل نہیں کی۔ حمید لوسی کے سامنے سی صورت بنا کر گڑگڑانے لگتا۔

لیکن لوسی جو بہت زیادہ چالاک معلوم ہوتی تھی ان معاملات کو کسی حد تک سمجھ بھی چکی ، اُسے شاید شبہ ہوگیا تھا کہ حمید ہی کی وجہ سے دال نہیں گل رہی ہے۔ لہٰذا اب اس نے نہ آہستہ حمید کی طرف بھی ہاتھ بڑھانا شروع کردیا تھا۔

اور آج تو حمید اس کے روئے پر متحیر ہی رہ گیا تھا۔

وہ شام کو اپنے کمرے میں تھا اور شام کی چائے کا انتظار کر ہی رہا تھا کہ ویٹر چائے کی ے کے ساتھ ایک خط بھی لایا جو لوسی پالگریو نے لکھا تھا۔ اس نے خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ ن اس سے آٹھ بجے بلیومون کلب میں ملنا چاہتی ہے۔ حمید نے سر کو خفیف سی جنبش دے خط جیب میں ڈال لیا۔

بلیومون یہاں کا سب سے بارونق کلب تھا اور یہاں گذر بھی اونچے ہی طبقے کے لوگوں ہوتا تھا۔

حمید قاسم سے کوئی بہانہ کر کے وہاں جا پہنچا۔ لوسی اس کی منتظر تھی۔ حمید نے اس وقت ے معمول سے زیادہ حسین محسوس کیا کیونکہ اس نے خود کو نکھارنے میں شاید معمول سے زیادہ اہتمام کیا تھا۔

''میں بہت بے چینی سے تمہاری منتظر تھی۔'' نے مسکرا کر کہا اور حمید نے بھی کہا

عیاش آدمی کے سے انداز میں چند رسمی جملے کہے۔

''میں ڈر رہی تھی کہ کہیں قاسم کو بھی نہ لیتے آؤ۔ وہ بہت بور کرتا ہے۔'' لوسی نے کہا

''میں بھلا انہیں کیسے لا سکتا تھا۔ میں تو بہر حال ان کا ملازم ہوں۔''

''بہت چالاک ہو۔'' لوسی معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

''میں نہیں سمجھا۔ آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔''

''وہ میرا پین فرینڈ ہے۔ میں نے اُس سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ مگر اب مجھے غلطی پر بے حد افسوس ہے۔ پن فرینڈ کو کبھی ایک دوسرے سے نہ ملنا چاہئے۔ بڑی مایوسی ہے اور سارا خلوص رخصت ہو جاتا ہے۔''

''آہا..... تو آپ کو میرے باس سے مل کر مایوسی ہوئی ہے۔''

''یقیناً ہوئی ہے۔ وہ پرلے سرے کا بیوقوف اور گاؤدی ہے۔''

''دیکھئے محترمہ۔'' حمید کسی چڑچڑی عورت کی طرح نتھنے پھلا کر بولا۔ ''آپ میرے سامنے میرے باس کی توہین نہیں کر سکتیں۔''

''ہاہاہا.....!'' وہ حمید کے چہرے کے سامنے انگلی نچا کر ہنسی ''اور تم..... دوسروں کو بنانے وقت بے حد پیارے لگتے ہو۔''

''کیا مطلب.....!''

''تم اس گاؤدی پر اچھی طرح ہاتھ صاف کر رہے ہو۔ اب تک کتنی رقم بنائی ہے معلوم ہوا ہے وہ ارب پتی ہے۔''

''مجھے سات سو روپے ماہانہ تنخواہ ملتی ہے۔ لیکن آپ کے خیالات بہت خراب ہوتے ہیں۔''

''آہا..... لوسی تم یہاں ہو۔'' کسی نے پشت سے کہا اور حمید چونک کر مڑا۔ ایک بے ہنگم پوریشین میز کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''اوہ..... انکل..... آیئے..... آیئے۔'' لوسی اٹھتی ہوئی بولی۔

''او بھئی۔ تم نے شام کو مجھ سے روپے مانگے تھے۔ میں بھول گیا تھا۔ میں نے سوچا تم ہوگی۔ دیتا چلوں۔''

''ہاں میں بھول گئی۔'' اس نے ہنس کر کہا۔ پھر بوکھلائے ہوئے انداز میں بولی۔ ''انکل ملئے۔ یہ میرے دوست مسٹر ناصر ہیں اور یہ میرے انکل مسٹر ڈرگ پالگریو۔''

''بڑی خوشی ہوئی جناب۔'' اس نے لاپروائی سے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا اور جیب سے سو کے پانچ نوٹ نکال کر لوسی کے سامنے ڈالتے ہوئے کہا۔ ''میں رات کو باہر رہوں گا۔ پانچ ہزار گانٹھیں جاپان کے لئے بک کرانی ہیں۔''

حمید اُسے جاتے دیکھتا رہا۔ اس کی چال عجیب تھی نہ جانے کیوں حمید کو اس کے چلنے کے پر بڑا غصہ آیا۔

''ہاں تو میں یہ کہہ رہی تھی کہ یا تو تم بہت ایماندار آدمی ہو۔ یا اپنا گھر بھر رہے ہو۔ اگر بات صحیح ہے تو مجھے اس احمق سے ہمدردی ہے۔''

''ہونی بھی چاہئے کیونکہ وہ مالدار ہونے کے ساتھ ہی ساتھ آپ کے بیان کے مطابق احمق بھی ہیں۔ ویسے میرا خیال ہے کہ ان سے زیادہ چالاک آدمی میری نظروں سے گذرا ہی نہیں۔''

''اوہو.....!'' لوسی نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔ ''تو کیا وہ خود کو بیوقوف ظاہر کرتا ہے۔''

''پہلی بار یہ سوال میرے سامنے آیا ہے اس لئے عرض کروں گا کہ آپ کا خیال بالکل صحیح ہے ویسے آج تک کسی کو شبہ بھی نہیں ہو سکا کہ وہ خود کو بیوقوف ظاہر کرتے ہیں۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔''

''آپ نے یہ تذکرہ کیوں چھیڑا تھا اور مجھے بلانے کا مقصد کیا تھا۔''

''تمہاری باتیں بڑی دلچسپ ہوتی ہیں لیکن وہ تمہیں بولنے نہیں دیتا۔ میں دیر تک تمہاری باتیں سننا چاہتی ہوں۔ اس لئے میں نے آج تمہیں یہاں بلایا ہے۔''

''میں بے حد مشکور ہوں۔'' حمید نے ہنس کر کہا۔ ''لیکن اگر باس کو اطلاع ہو گئی تو میری ملازمت ختم کر دیں گے۔''

"کیوں اُسے کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔"

"یہی تو آپ نہیں جانتیں۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "وہ آپ کے پرستار ہیں۔ اکثر کہتے ہیں کہ آپ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے اور ان کا خیال ہے کہ آپ بھی ان کی یاد میں اسی طرح تڑپتی ہوں گی۔"

"اس نے مجھے غلط سمجھا ہے۔" یک بیک وہ غصیلی آواز میں بولی۔ "کتنا لغو خیال ہے دوستی کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ عشق ہی کی شکل اختیار کرلے۔ کیا بیہودہ خیال ہے نے میرا موڈ خراب کردیا۔"

"خیر آپ کو عشق نہ ہوگا مگر انہیں تو ہوگیا ہے۔ وہ ہر وقت آپ کی باتیں کرتے ہیں۔ وقت آپ کے خیال میں کھوئے رہتے ہیں۔ اگر کھانا کھاتے وقت آپ کا خیال آگیا کھاتے ہی چلے جائیں گے۔ اس معاملے میں وہ گرینڈ کے منیجر کیلئے ایک مسئلہ بن گئے ہیں۔"

"میں اب اُس سے نہیں ملوں گی وہ بڑے گندے خیالات رکھتا ہے۔"

"عشق کی توہین کررہی ہیں آپ۔"

"اچھی بات ہے۔ اگر تم صرف اس کے عشق ہی کا تذکرہ کرنا چاہتے ہو تو چپ چاپ اٹھ جاؤ۔ میں ایک منٹ کے لئے بھی تمہارا وجود برداشت نہیں کرسکتی۔"

"اوہ۔" حمید آنکھیں بند کرکے مسکرایا۔ "آپ غصے میں کتنی اچھی لگتی ہیں۔"

"اب تم نے بھی بکواس شروع کردی۔"

"اوہو۔ میں نے تو یوں ہی رسماً کہہ دیا تھا ورنہ آپ کی شکل پر تو ایسی پھٹکار برستی ہے خدا کی پناہ۔"

لوسی ششدر رہ گئی۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُسے دیکھ رہی تھی۔

"جب آپ جھلاہٹ میں کچھ کہتی ہیں تو بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے کسی انڈوں پر بیٹھی ہوئی مرغی کو چھیڑ دیا ہو۔ جب آپ ہنستی ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی چڑیا "چک چک" کرتی ہوئی سر پر سے گذر گئی ہو اور جب.....!"

"خاموش رہو۔" وہ اس کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر بولی۔ "اگر میں نے خود ہی تمہیں نہ بلایا ہوتا بہت بُری طرح پیش آتی۔ تم میری توہین کررہے ہو۔"

"نہیں..... میں جھک مار رہا ہوں جب میں آپ کی تعریف کرتا ہوں تو وہ بکواس ہوجاتی اور جب برائیاں بیان کرتا ہوں تو وہ آپ کی توہین ہوجاتی ہے پھر میں کیا کروں۔"

"کچھ بھی نہیں۔ جتنا وہ بیوقوف ہے اس سے کہیں زیادہ تم چالاک ہو۔"

"اب بس کیجئے محترمہ۔ ورنہ ہوسکتا ہے کہ مجھے غصہ آجائے۔"

"کیا ہوگا۔ تمہارے غصے سے میرا کیا بگڑے گا۔"

"آپ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جائیں گی۔"

"کیا مطلب.....؟"

"میں یہیں اسی میز پر سر کے بل کھڑا ہوکر آپ کی محبت کے گیت گاؤں گا اور اس وقت گاتا رہوں گا جب تک کہ یہاں کا ایک ایک آدمی ہماری طرف متوجہ نہ ہوجائے گا۔"

"اچھا تم اس کی حماقت کا ثبوت ہی چاہتے ہو نا۔" لوسی نے کہا۔ "تو میرے گھر چلو، میں اس بیان کے سلسلے میں کچھ پیش کروں گی۔"

"چلئے میں تیار ہوں۔"

وہ دونوں اٹھ گئے۔ حمید سوچ رہا تھا کہ یا تو اب کوئی حادثہ ہونے والا ہے یا وہ لڑکی اس کے گرد اپنا جال مضبوط کرنے کے لئے اب کوئی نئی چال چلے گی۔

جیسے ہی نادر کو ہوش آیا وہ اچھل کر اٹھ بیٹھا۔ حالانکہ ابھی اس کی نظر تک ٹھیک نہیں ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ لیکن کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہورہا تھا

جیسے اس نے پانی میں غوطہ لگا کر آنکھیں کھول دی ہوں۔ بس اسے زرد رنگ کا احساس تھا۔ بے داغ اور سپاٹ زرد رنگ حد نظر تک پھیلا ہوا تھا۔ اس نے اندھوں کی طرح اپنے چاروں طرف زمین ٹٹولی اور سر جھکا کر آنکھیں پھاڑنے لگا۔ لیکن نہ تو اُسے زمین نظر آئی اور نہ اپنے ہاتھ ہی دکھائی دیئے۔ نیچے بھی چمکدار زرد رنگ نظر آ رہا تھا۔

وہ بے تحاشہ لیٹ گیا۔ سر زمین سے ٹکرایا۔ چوٹ کا احساس بھی ہوا جہاں چوٹ آئی تھی وہاں ہاتھ سے ٹٹولا بھی لیکن زرد رنگ بدستور حد نگاہ تک پھیلا ہوا تھا۔ بے داغ سپاٹ زرد رنگ۔

اب بھی اُسے اپنے ہاتھ نہ دکھائی دیئے۔ حالانکہ اس نے انہیں اپنے چہرے پر بھی پھیرا تھا اور آنکھوں کے قریب لا کر بھی دیکھنے کی کوشش کی تھی۔

اس نے سوچا کیا وہ اندھا ہو گیا ہے۔ کچھ دیر پہلے وہ ان چاروں آدمیوں میں سے ایک کا تعاقب کر رہا تھا جن سے سلویا کے معاملے میں ایک عمارت میں مڈبھیڑ ہوئی تھی۔

وہ آدمی ایک عمارت میں داخل ہوا تھا اور نادر نے پھر اُسی رات کی طرح اس عمارت میں بھی داخل ہونے کی کوشش کی تھی۔ وہ عمارت کی پشت پر پھیلی ہوئی بیل کے سہارے دیوار پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کی آنکھوں کے سامنے بجلی سی چمک گئی تھی اور ایسا محسوس ہوا تھا جیسے دھوئیں کے بادلوں کا ایک بہت بڑا جھنڈ اس کے پھیپھڑوں میں داخل ہو گیا ہو۔ اس کا دم گھٹنے لگا تھا اور بیل کی جٹائیں اس کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی تھیں۔ پھر اس کے بعد کے واقعات کا ہوش اُسے نہیں تھا۔

اور اب اس کی آنکھوں کے سامنے زرد رنگ کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ دل ہی دل میں اپنی حماقت پر افسوس کر رہا تھا۔ اس وقت اُسے رام گڈھ سے بھاگنا ہی حماقت معلوم ہو رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ نیکی اور سچائی کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے۔ البتہ آدمی نے ہمیشہ ان کے خواب ضرور دیکھے ہیں۔ وہ بھی اس وقت جب بدی سے پناہ کی اس میں سکت ہی نہیں رہ گئی جب وہ بالکل ہی بے بس ہو گیا تو اس نے نیکی اور سچائی کے خواب دیکھے۔

نادر کا ذہن بھٹکتا رہا اور وہ آنکھیں بند کئے زمین پر پڑا رہا۔ اب اسے اس واعظ پر بھی رہا تھا۔ جس کی نصیحتوں نے اُسے اس حال کو پہنچا دیا تھا۔ شاید اگر اُسے پاگل کتا کاٹ بھی اس سے ایسی دیوانگی سرزد نہ ہوتی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ دیوانگی ہی تو تھی کہ وہ صدہا ٹوں پر لات مار کر ایک اجنگے کے یہاں باغبانی کر رہا تھا۔

مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ اب تو شاید وہ ان لوگوں کے ہتھے چڑھ گیا تھا جو ڈریگی کے پیچھے ہوئے تھے۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں مگر فوراً ہی اُسے احساس ہوا کہ اب ں کے سامنے پھیلی ہوئی زردی میں کہیں کہیں سیاہ دھبے بھی نظر آنے لگے ہیں۔ آہستہ وہ دھبے بڑے بڑے ہوتے جا رہے تھے۔ وہ آنکھیں پھاڑتا رہا۔ کچھ دیر بعد آنکھوں امنے پھیلی ہوئی زردی حیرت انگیز طور پر سمٹ کر ایک چھوٹے سے نقطے میں تبدیل ہو گئی نقطہ ایک روشن بلب تھا جو چھت سے لٹک رہا تھا اور اس کی روشنی چاروں طرف کمرے پھیلی ہوئی تھی۔ بڑے بڑے سیاہ دھبے دراصل بڑی بڑی سیاہ رنگ کی الماریاں تھیں، جو ے میں چاروں طرف نظر آ رہی تھیں۔ نادر نے پہلی ہی نظر میں انہیں گن لیا۔ یہ بارہ ۔ کمرہ کافی طویل و عریض تھا لیکن اس میں اسے ایک بھی دروازہ نظر نہ آیا۔ وہ بڑی پھرتی اٹھا اور باہر نکلنے کی راہ تلاش کرنے لگا۔ اس کی مضطرب آنکھیں برابر گردش کر رہی تھیں پھر ن الماریوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ایک کے ہینڈل پر تھوڑی سی قوت صرف کی اور اس کا ر کھل گیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں نادر کو اچھل کر پیچھے ہٹ آنا پڑا۔

الماری کے اندر انسانی ہڈیوں کا ڈھانچہ بڑے بڑے دانت نکالے آنکھوں کے سوراخوں اُسے گویا ڈرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ نادر چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر آگے بڑھا۔ ڈھانچے قریب ہی اُسے ایک تصویر نظر آئی یہ کسی دلکش خدوخال والی لڑکی کی تصویر تھی۔ تصویر کے نیچے تحریر تھا۔

گریشی براؤن

عمر اٹھارہ سال۔ شبنم سی خنک..... پھولوں سے حسین۔ اس کا

صرف اتنا ہی قصور تھا کہ یہ ایک پولیس آفیسر کی نظروں میں آ گئی تھی۔
اس لئے اس کی ہڈیوں کو گوشت و پوست سے بے نیاز ہونا پڑا۔ عظیم
ٹویوڈا ایک ایسا فنکار ہے کہ چشم زدن میں ہڈیوں سے گوشت الگ
کر دیتا ہے۔"

نادر کانپ گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ یہ اُسی خوبصورت لڑکی کی ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے اور
ٹویوڈا..... ٹویوڈا..... تو وہ ٹویوڈا کے جال میں آ پھنسا ہے۔ وہی ٹویوڈا جس کا غلغلہ ایک
دارالحکومت سے اٹھا تھا اور جس پر نادر نے سوچا تھا کہ شاید دارالحکومت کی پولیس کو فرنگ ہو
ہے۔ بھلا ٹویوڈا یورپ کی شکارگاہ چھوڑ کر یہاں کیوں آنے لگا۔

اس نے یکے بعد دیگرے ساری الماریاں کھول کر دیکھیں اور دل ہی دل میں ٹویوڈا
گالیاں دیتا رہا۔ ان سبھوں میں انسانی ہڈیوں کے ڈھانچے تھے اور ہر ڈھانچے کے ساتھ ایک
تصویر تھی۔ تصویروں کے نیچے تحریریں بھی موجود تھیں جن سے ان لوگوں کی شخصیت پر روشنی پڑ
تھی۔ جنہیں کسی نہ کسی علت میں سزا کے طور پر ہڈیوں کے ڈھانچے میں تبدیل کر دیا گیا تھا
ان میں خوبصورت لڑکیاں بھی تھیں اور مرد بھی۔ یہ سب ٹویوڈا کے مجرم تھے اور ٹویوڈا ہی ان کی
موت کا باعث بنا تھا۔

نادر نے الماریاں بند کر دیں اور کمرے کے وسط میں آ کھڑا ہوا۔ اس کی ٹانگیں کانپ
رہی تھیں۔ وہ انتہائی کوشش کر رہا تھا کہ ٹانگوں کے لرزنے پر قابو پا سکے لیکن ابھی تک کامیاب
نہیں ہوا تھا۔ دفعتاً اس نے ایک الماری کو اپنی جگہ سے کھسکتے دیکھا۔ وہ ایک طرف ہٹ گئی
اور جتنی جگہ اس نے پہلے گھیر رکھی تھی اتنی ہی جگہ میں دیوار پر ایک روشن مگر دھندلا سا شیشہ نظر
آیا جس پر بڑے بڑے سیاہ حروف میں تحریر تھا۔

اور یہی انجام تمہارا بھی ہو سکتا ہے۔ ورنہ
عظیم ٹویوڈا کی ہر خواہش کے سامنے سر جھکا دو۔
اس کے بنائے ہوئے قوانین کی حدود سے نکلنے

والوں کی آخری آرام گاہیں یہ الماریاں ہیں۔
کیا تم اس کمرے میں تیرھویں الماری کا اضافہ
پسند کرو گے۔ نہیں تم اتنے احمق نہیں معلوم
ہوتے۔"

نادر اس تحریر کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا رہا۔ پھر اچانک الماری دوبارہ کھسک کر اپنی جگہ
گئی۔ نادر اپنے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

باس کی محبوبہ

حمید بہت احتیاط سے اس عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوا۔ لوسی اُسے اپنے ساتھ لانے
کامیاب ہو گئی تھی۔ وہ حمید سے راستے بھر پیاری پیاری باتیں کرتی آئی تھی مگر حمید اپنی
ڑی کی حدود سے باہر نہیں ہوا تھا۔ اچھی طرح ہوشیار تھا۔ یعنی ضرورت پڑنے پر ہر قسم کے
ات کا مقابلہ کر سکتا تھا۔

اصل عمارت میں بھی قدم رکھتے وقت اس نے ادھر اُدھر دیکھ لیا تھا۔ لیکن وہ اسٹڈی میں
پہنچ گیا اور کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔

لوسی نے اس کے قریب ہی کھڑے ہو کر انگڑائی لی۔

"تم سچ مچ بڑے عجیب ہو۔" وہ خوابناک انداز میں مسکرائی۔

"جب آپ پچھترویں بار مجھے عجیب کہنے کا ارادہ کریں گی تو میں اس دنیا میں نہ ہوں گا۔
سے نوٹ کر لیجئے۔"

لوسی ہنسنے لگی۔ پھر بولی۔ "تمہارا انداز گفتگو ہی تو بے حد پیارا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ
تم اس احمق کا ساتھ چھوڑ دو۔ میں اپنے آفس میں تمہارے لئے کوئی معقول سی جگہ نکلوانے

کی کوشش کروں گی۔"

"کیوں"

"تاکہ میں تم سے روزانہ مل سکوں۔"

"آخر آپ روزانہ کیوں ملنا چاہتی ہیں۔"

"تم مجھے بہت..... یعنی کہ..... تم بہت اچھے دوست ثابت ہو سکتے ہو۔" لوسی نے آہستہ سے کہا اور پیچھے دیکھنے لگی۔ یہ انداز شرما جانے کا سا تھا۔

"ہاں دیکھئے۔ آپ مجھے یہاں اس لئے لائی تھیں کہ میرے باس کے احمق ہونے کا ثبوت پیش کریں گی۔"

"ارے ثبوت کی کیا ضرورت ہے۔ تمہیں وہ احمق نہیں معلوم ہوتا۔"

"محترمہ۔" حمید غصیلے لہجے میں بولا۔ "میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ وہ مجھے احمق نہیں معلوم ہوتے۔"

"میں نے فضول اتنی کوشش کی۔" لوسی نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "تم اس کا ساتھ نہیں چھوڑو گے۔"

"ہر شخص اپنے فائدے کی سوچتا ہے۔"

"آہا۔" لوسی بیساختہ ہنس پڑی۔ "تو آ گئی نا فائدے کی بات۔"

"کیوں نہ آئے۔ میرا باس مجھے بہت زیادہ تنخواہ دیتا ہے۔"

"جھوٹے ہو۔ تنخواہ کے علاوہ بھی تم اُس سے بڑی بڑی رقمیں اینٹھتے ہو۔"

"چلئے اب میں اس کی تردید بھی نہیں کروں گا۔ پھر۔"

"کچھ نہیں۔ مزہ کرو۔ میرا کیا بگڑتا ہے۔ میں تو صرف اتنا چاہتی ہوں کہ اب مجھے اس گدھے سے ملنا نہ پڑے۔ ایک بار ملنے کے بعد شائد پھر نہ ملتی۔ مگر تم.....!"

"میں نے کیا کیا ہے۔" حمید نے پھر چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا۔

"تم نے بہت کچھ کیا ہے۔" وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ "تم پہلے مرد ہو جس نے مجھے

متاثر کیا ہے۔ میں صرف تمہاری خاطر اُسے ناپسند کرنے کے باوجود بھی اُس سے ملتی رہی ہوں۔ کسی عورت سے پوچھو کہ یہ کتنا مشکل کام ہے۔"

"فی الحال مجھے ہی عورت تصور کر لو۔ میں کہتا ہوں یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔"

"اُسے بھی جہنم میں جھونکو۔ میں تو تمہیں اپنی دلی کیفیت بتا رہی ہوں۔ تمہیں یقین آئے نہ آئے مجھے اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہ ہوگی۔"

"ہاں..... اب آپ نے کہی ہے پتے کی بات۔ بس اسی طرح میرا باس بھی آپ سے بے حد محبت کرتا ہے۔ آپ کو اس کی پرواہ ہو یا نہ ہو۔"

"اس گدھے کی بات نہ کرو۔ اس کے تصور ہی سے مجھے گھن آتی ہے۔ تم بتاؤ کہ تمہارے دل میں میرے لئے کتنی جگہ ہے۔"

حمید نے دو چار بار پلکیں جھپکائیں۔ پھر بے حد مغموم نظر آنے لگا۔

"جواب دو۔" لوسی نے اس کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑا۔

"میں اس وقت تک کوئی جواب نہیں دے سکتا جب تک کہ میرا باس آپ سے محبت کرنا چھوڑ دے۔" حمید نے مغموم لہجے میں کہا۔

"ارے..... کیا تم بھی اسی کی طرح احمق ہو گئے ہو۔"

"نہیں محترمہ۔ میں بہت با اصول آدمی ہوں اور لائیے ایک خنجر لائیے تاکہ میں اپنا دل نکال کر آپ کو دکھا سکوں کہ آپ کے لئے اس میں کتنی جگہ ہے مگر ایک با اصول اور شریف آدمی اس طرح سلگ سلگ کر مر جاتا ہے کبھی اپنی زبان پر وہ نہیں لاتا جو اُسے ضرور کہنا چاہئے۔"

"ڈیئر۔" وہ اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر جھکتی ہوئی بولی۔ "تم کتنے شاندار گدھے ہو۔" اور پھر وہ بے تحاشہ ہنسنے لگی۔

حمید کی آنکھوں سے دو آنسو گالوں پر ڈھلک آئے اور وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "مگر جانتا ہوں کہ میرا باس پکا فراڈ ہے اُسے آپ سے قطعی محبت نہیں ہے مگر چونکہ وہ زبان سے سچا کہتا ہے اس لئے میں اس کا پابند ہوں۔"

"بیٹھ جاؤ۔ ارے تم رونے لگے۔ چھی چھی بُری بات ہے۔ اچھا میں اب تمہیں پریشان نہیں کروں گی۔ بیٹھو۔" اس نے اُسے صوفے میں دھکیل دیا اور خود بھی اس پر لدسی پڑی۔

حمید کے کانوں میں سیٹیاں سی بجنے لگیں اور قریب تھا کہ وہ کھوپڑی کی حدود سے تجاوز کر جائے دفعتاً اُسے خیال آ گیا کہ یہ لڑکی سچ مچ مجھے گھسنے کی کوشش کر رہی ہے۔ لہٰذا اس نے پہلے تو لوسی کے جسم کی لمس کی پرواہ کئے بغیر اپنے آنسو خشک کئے اور آہستہ سے ایک طرف کھسکتا ہوا بولا۔ "دیکھئے میں بہت ستم رسیدہ ہوں۔"

"آج تک کوئی بھی مجھ سے ہمدردی سے پیش نہیں آیا۔ میرا باس ہی مجھے ہر وقت گالیاں دیتا رہتا ہے۔ مگر چونکہ پیسے اچھے ملتے ہیں اس لئے سب کچھ برداشت کر لیتا ہوں۔"

"قدرتی بات ہے۔ بڑا کمینہ ہے۔ وہ اب ملے گا تو اس کا منہ نوچ لوں گی۔"

حمید کی آنکھوں سے پھر آنسو اُبل پڑے اور وہ باقاعدہ رونے لگا۔ لوسی نے جھپٹ کر ایک بازو اس کی گردن میں ڈال دیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے آنسو خشک کرنے لگی۔ مگر حمید بوکھلا گیا کہ کہیں میک اپ ظاہر نہ ہو جائے۔ اس لئے وہ تڑپ کر اس کے بائیں بازو سے نکل گیا اور دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "دنیا نے مجھے پیس کر رکھ دیا ہے۔ اب میں خودکشی کر لوں گا اور اب میں اپنے کمینے باس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔ صبح شہر کے کسی حصے سے میری لاش اٹھوا لینا۔"

لوسی نے جھپٹ کر اُس کی کمر پکڑ لی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی بے وقوف آدمی سے کھیل رہی ہو۔

"چلو..... بیٹھو..... یہ کیا پاگل پن ہے۔ اگر تمہیں اس گدھے سے کوئی شکایت ہے تو اسی کا خاتمہ کر دو۔ تم کیوں مرو۔ واقعی اس کی صحبت نے تمہیں بھی احمق بنا دیا ہے۔"

حمید ایک کرسی پر بیٹھ کر آنکھیں ملنے لگا اور وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھے کھڑی اُسے دلاسہ دیتی رہی۔ ویسے حمید نے اس بار ایک ایسی کرسی منتخب کر لی تھی جس پر کسی دوسرے کے لئے گنجائش نہ نکل سکے۔

"ہاں ابھی تم نے اُسے فراڈ کہا تھا۔" لوسی نے کہا۔

"قطعی فراڈ ہے اور انتہائی چالاک۔" حمید بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "اس نے تمہیں چچا کو بھی اُلو بنایا ہے۔ چیک بک وہ باہر پھینک گیا تھا گرہ کٹ کی کہانی بکواس تھی۔ بکواس۔ وہ بعد میں ہنس رہا تھا تم لوگوں کا مضحکہ اڑا رہا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ وہ تو میں رعب ڈالنے کے لئے وہ چیک لکھ ڈالے تھے۔ اگر تمہیں یقین نہ آئے تو میں وہ چیک کے کمرے سے برآمد کرا سکتا ہوں۔"

"مگر یہ کتنا بڑا کمینہ پن ہے۔ اتفاق سے میری زبان سے اپنی موجودہ پریشانیوں کے بارے نکل گیا تھا۔ اس نے خود ہی پچاس پچاس ہزار کے دو چیک لکھے تھے اور مجھے مجبور کیا کہ میں انہیں لے لوں۔ میں نے مناسب نہیں سمجھا۔ اس لئے پیچھا چھڑانے کی غرض سے کہا کہ چلو میرے چچا کے پاس..... اگر وہ لے لیں تو مجھے بھی کوئی انکار نہ ہوگا۔ میں سمجھی تھی کہ جگہ سے بات ٹل جائے گی۔ لیکن وہ میرے ساتھ یہاں آنے پر آمادہ ہو گیا تھا اور یہاں آ کر میرے چچا کے پیچھے پڑ گیا۔ مجبوراً انہیں کہنا پڑا لاؤ بھئی دے دو۔ لیکن اس نے اپنی جیبیں ٹٹولیں اور کسی نامعلوم گرہ کٹ کو گالیاں دینے لگا۔"

"ہا..... ہا.....!" حمید نے قہقہہ لگایا۔ "اب بھی تم اُسے احمق کہو گی۔"

"نہیں۔ مگر اب اُسے سزا دینے کو دل چاہتا ہے۔ کیا اس نے وہ دونوں چیک کینسل نہیں کئے۔"

"نہیں..... چیک بک جوں کی توں رکھی ہوئی ہے اور یہ بھی قطعی غلط ہے کہ اس نے بطور پر چیک بک کی گمشدگی کی اطلاع دے دی ہے۔"

"تب تو سنو ڈیئر۔ اُسے سزا دینی چاہئے۔ تم کسی طرح وہ دونوں چیک اڑا دو۔ اس کو کچھ دن پریشان کر کے اس کے روپے کسی پھٹے پرانے جوتے میں بھر کر پھر اس کے حوالے کر دیں گے۔" لوسی نے کہا۔

"نا..... بابا.....!" حمید کانوں پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "میں نہیں اڑا سکتا۔"

"ہنہہ ڈرپوک۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "یہی موقع ہے بدلہ لینے کا۔"

"میں تو نہیں اڑا سکتا لیکن وہ جگہ بتا سکتا ہوں جہاں چیک بک رکھی ہوئی ہے۔ میں باس کو باتوں میں لگائے رہوں گا تم اڑا دینا۔"

"اچھا چلو یہی سہی۔ مگر وعدے سے نہ پھرنا۔ میں چاہتی ہوں اسے ایک ایسا اچھا سبق دیا جائے



نادر کسی پتھر کے بت کی طرح کمرے کے وسط میں بے حس و حرکت کھڑا تھا۔

دفعتاً آٹھ نمبر کی الماری اپنی جگہ سے کھسک گئی اور اس کی پشت پر دیوار میں خلاء نظر جس نے دیکھتے ہی دیکھتے دروازے کی شکل اختیار کر لی۔

دوسری طرف بھی روشنی ہی تھی۔ لیکن وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ اب وہ کسی قسم کی بے احتیاطی کے لئے تیار نہیں تھا۔

دفعتاً ایک نقاب پوش اُسے دوسری طرف نظر آیا، جو اس کی جانب ہاتھ پھیلائے بڑ پیار سے کہہ رہا تھا۔ "آؤ دوست۔ خوش آمدید۔ تم ایسی جگہ پہنچ گئے ہو جو تمہارے شایان شان۔ آؤ عظیم ٹویوڈا نے عہد کیا تھا کہ تمہیں فرشتہ نہیں بننے دے گا وہ آج بھی اپنے عہد پر قائم ہے

نادر آگے بڑھ گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ان پر اس کی کوئی کمزوری ظاہر ہو جائے۔ و بھی نہیں ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ اچانک ٹویوڈا کے نام نے اُسے مرعوب کر دیا ہے۔ وہ بڑے تکلفانہ انداز میں نقاب پوش کی طرف بڑھا تھا۔ اس نے اس سے گرم جوشی سے مصافحہ کیا مسکراتا ہوا بولا۔ "اگر تم ہی ٹویوڈا ہو تو تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔"

"میں ٹویوڈا کا ایک ادنیٰ خادم ہوں۔ دوست مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہیں یہاں عجائبات دکھاؤں۔"

"ہاں! ضرور ضرور۔" نادر مسکرا کر بولا۔ "ابھی میں نے بارہ آدمیوں کی آخری آر

ہیں دیکھی ہیں، واقعی ٹویوڈا ایک بہت بڑا فنکار ہے۔"

"ابھی ایسے ہی بہتیرے عجائبات ہیں۔ اچھا آؤ میرے ساتھ۔"

وہ ایک لمبی راہداری سے گذر رہے تھے۔ دفعتاً نادر نے کسی کی چیخیں اور کراہیں سنیں۔

نقاب پوش ہنس رہا تھا۔ "یہ بھی عجوبہ ہے۔ مسٹر نادر آؤ پہلے اسی کو دیکھیں۔"

وہ اسی کمرے میں داخل ہوئے جہاں سے آوازیں آ رہی تھیں۔

ایک بڑی میز پر ایک نیم برہنہ آدمی اندھا پڑا چیخ رہا تھا اور دوسرا آدمی داہنے ہاتھ سے زنبور پکڑے اس کی پشت سے کوئی چیز نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"آؤ..... قریب آؤ..... میں تمہیں ٹویوڈا کا دوسرا کمال دکھاؤں۔" نادر کے ساتھی نے اس سے کہا۔ نادر میز کے قریب چلا گیا۔ دفعتاً اس نے دوسرے آدمی کے زنبور کی گرفت میں ایک باریک سی سوئی دیکھی، جو اس نے نیم برہنہ آدمی کے داہنے شانے سے نکالی تھی۔

"ایسی ہی لاتعداد سوئیاں اس کے سارے جسم میں پیوست ہیں۔ نقاب پوش کا ساتھی کہہ رہا تھا۔ اور یہ سوئیاں اس کا ثبوت ہیں کہ دنیا کا بڑے سے بڑا آدمی بھی عظیم ٹویوڈا کے سامنے بالآخر بے بس ہو جاتا ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔" نادر نے کہا۔

"عظیم ٹویوڈا اپنے غلاموں کو باندھ کر نہیں رکھتا۔"

"میں اب بھی نہیں سمجھا دوست۔" نادر نے بہت زیادہ دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"یہ ٹویوڈا کا قیدی تھا اور اسی عمارت میں تھا۔ آج ٹویوڈا نے اسے اس شرط پر آزاد کیا تھا کہ وہ ٹھیک نو بجے اسی عمارت میں واپس پہنچ جائے۔ اس نے وعدہ کر لیا تھا۔ لیکن یہ نو بجے تک واپس نہیں آیا بس پھر یہ جہاں بھی تھا وہیں ٹھیک نو بج کر پانچ منٹ پر اس کے جسم میں سوئیاں چبھنے لگیں اور اسے خیال آیا کہ ٹویوڈا اُسے رہا کرتے وقت نشے میں نہیں تھا، ورنہ یہ بیچارہ تو یہی سمجھا تھا کہ ٹویوڈا نے نشے کی جھونک میں اسے رہا کر دیا ہے۔ لہٰذا رہا ہونے والا جس کے حواس خمسہ اپنی جگہ پر ہی تھے اپنی دانست میں ٹویوڈا کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھانے

میں کامیاب ہوگیا تھا۔ بھلا پنچھی پنجرے سے اڑنے کے بعد کب واپس آیا ہے۔ اگر تم کسی پرندے کے پنجرے کی کھڑکی کھول کر کہو کہ جاؤ بیٹا اڑ جاؤ لیکن دو گھنٹے بعد واپس آجانا تو دیکھنے اور سننے والے تمہیں یا تو پاگل سمجھ لیں گے یا اس پر یقین کرلیں گے کہ تم بہت زیادہ پی گئے ہو۔ یہی حال اس قیدی کا بھی ہوا۔ یہ سمجھا تھا کہ اب اُسے کون پا سکے گا۔ لیکن اُسے ٹھیک ساڑھے نو بجے یہاں پہنچ جانا پڑا۔ جب کئی سوئیاں اس کے جسم میں پیوست ہوچکی تھیں تو اُسے خیال آیا کہ کہیں ٹویوڈا ہی کے بھوت نہ ہوں۔ کیونکہ اسے ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ سوئیاں آسمان سے برسی ہوں۔"

نادر نے ایک طویل سانس لی لیکن اپنے ذہن کو قابو میں رکھا۔ پھر اس طرح سر کو جنبش دی جیسے اُسے ٹویوڈا کا یہ بچکانہ کھیل بہت پسند آیا ہو۔

"اب آؤ تمہیں دکھاؤں کہ وہ اپنے سرکس کے جانوروں کو کس طرح سدھاتا ہے۔"

وہ اب اسے ایک ایسے کمرے میں لایا جہاں ایک میز کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا اور اس میز پر ایک ٹیلی ویژن سیٹ بھی موجود تھا۔

اس نے اس کا سوئچ آن کردیا اور اس کی اسکرین روشن ہوگئی۔

"غور سے دیکھنا۔ ٹویوڈا اپنے سرکس کے لئے ایک جانور کو ٹریننگ دے رہا ہے۔" ٹیلی ویژن کی اسکرین پر نادر کو ایک سیاہ پوش نظر آیا جس کے ہاتھ میں چمڑے کا چابک بھی تھا اور اس کا سارا جسم سیاہ رنگ کے ایک لبادے میں چھپا ہوا تھا۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہ اپنے ہاتھ میں دبے ہوئے چابک کو گردش دے رہا ہو۔ پھر ایک اور آدمی بھی اسکرین پر نظر آیا۔ یہ غالباً چابک کی زد سے بچنے کیلئے بندروں کی طرح کود رہا تھا۔ ساتھ ہی نادر نے اسکی آواز بھی سنی۔

وہ اچھل اچھل کر کہہ رہا تھا۔ "میں اُلو ہوں، میرا باپ بھی اُلو تھا اور مجھے ایک گدھی نے جنم دیا تھا۔"

جب بھی اس کی زبان رکتی سیاہ پوش کا چابک لپکتا ہوا اس کے جسم کے کسی حصے پر ضرور لپٹ جاتا اور وہ دوسری چوٹ بچانے کے لئے اچھلنا کودنا شروع کردیتا اور ساتھ ہی اس کی

بھی چلنے لگتی تھی۔

نادر کچھ دیر تک یہ تماشا دیکھتا رہا پھر ٹیلی ویژن کا سوئچ آف کردیا گیا۔

"یہ کیا تھا دوست۔" نادر نے ایسے لہجے میں پوچھا جیسے اس منظر سے بے حد محظوظ ہوا ہو۔

"یہ ٹویوڈا کی تفریح تھی۔"

"کیا وہ سیاہ پوش۔"

"ہاں..... وہ بذات خود ٹویوڈا ہے۔ اس کی یہ تفریح اس کے غلاموں کی تربیت کا طریقہ ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"نہ سمجھے ہوگے۔" نقاب پوش نے لاپروائی سے کہا۔ "ٹویوڈا انتہائی پراسرار ہے لیکن اس یقہ کار سائنٹیفک ہوتا ہے۔ جس پر وہ کوڑے برسا رہا تھا ایک نوگرفتار ہے۔ کچھ دن ٹویوڈا ندی میں رکھے گا اور پھر وہ بھی آزاد کردیا جائے گا اور پہلی آزادی پر وہ یہی سمجھے گا کہ انے میں تھا۔ بھلا اڑا ہوا پنچھی کب واپس آتا ہے۔ وہ ٹویوڈا سے دور بھاگنا چاہتا ہے اسانی بلائیں اُسے گھیر کر دوبارہ ٹویوڈا کے حضور میں لے آئیں گی۔ ابھی تم ایک ایسے ہی کو دیکھ چکے ہو۔ جس کے جسم سے سوئیاں نکالی جارہی تھیں۔ صرف سوئیاں ہی نہیں ٹویوڈا رتح کا کسی حد تک تم بھی شکار ہوئے ہو مسٹر نادر۔"

"مثلاً....." نادر تلخ لہجے میں بولا۔ "میرا کاٹن ڈیل کے آفس سے نکالا جانا..... اور بیچ لما بے عزتی کا سامنا کیوں۔"

"یقیناً وہ ٹویوڈا ہی کی تفریح تھی۔"

"آخر کیوں۔ میں نے اس کا کیا بگاڑا تھا۔"

"اس کا تو کچھ نہیں بگاڑا تھا۔ مگر اس کے مسلک کا مضحکہ اڑانے کی کوشش ضرور کی تھی۔ ارا بھلا وہ کیسے برداشت کرلیتا کہ اس کی عملداری میں کوئی بُرا آدمی اچھا بننے کی کوشش ے جب کہ اچھوں کو بُرا بنانا ہی اس کی زندگی کا ایک بہت بڑا مشن ہے۔ مگر دیکھو بعد میں

اُسے تمہاری قدر و قیمت معلوم ہوئی ہے اس لئے اس نے تم سے وہ برتاؤ ترک کر دیا تو تمہیں اس طرح نہیں پکڑوایا گیا جیسے دوسرے پکڑوائے جاتے ہیں بلکہ تمہیں موقع دیا گیا خود ہی یہاں تک چلے آؤ۔"

"تو وہ سلویا پالگریو والا معاملہ۔"

"ہاں۔ وہ معاملہ الگ نوعیت کا حامل بھی ہے اور اس سے تم بھی متعلق ہو۔ مگر یہ نہیں جاسکتا وہ ڈرامہ محض تمہارے ہی لئے کیا گیا تھا۔ تم خواہ مخواہ بیچ میں آ کودے۔ اس لئے گیا کہ یہ بھی غیر مناسب نہ ہوگا۔"

"تو کیا میں خود کو ٹویوڈا کا قیدی سمجھوں۔"

"قطعی نہیں۔ تم اگر ابھی واپس جانا چاہو تو جاسکتے ہو۔ ٹویوڈا تو تمہیں محض یہ دکھانا ہے کہ تم یہاں سے جانے کے بعد بھی ٹویوڈا کے خلاف کچھ نہ کرسکو گے۔"

"کیا مجھے پاگل کتے نے کاٹا ہے کہ ٹویوڈا جیسے فنکار کی راہ میں آؤں گا۔" نادر نے کر کہا۔

"نہیں۔ سلویا یا ڈریگی کی حمایت کا خبط ایک دن تمہیں ٹویوڈا کی راہ پر ضرور لائے گا۔

نادر نے قہقہہ لگایا اور بائیں آنکھ دبا کر بولا۔ "سلویا بے حد حسین ہے۔ عورت معاملے میں میں اب بھی بُرا ہوں۔ مگر میں نہیں جانتا کہ ان دونوں میں سے کون غلط ہے۔"

دوسرا نقاب پوش

پھر معاملات بہت آگے بڑھ گئے اور حمید کو کچھ دیر تک اپنا سر کھجانا پڑا۔ لیکن آخر لوسی کی اس رائے سے متفق ہونا ہی پڑا کہ اس معاملے سے اس کے چچا کو بھی آگاہ کیا جا کیونکہ قاسم نے اس کی بھی توہین کی تھی۔ بات طے ہوگئی اور یہ مسئلہ دوسرے دن ڈریگی

پیش ہوا۔ غالباً لوسی کا خیال تھا کہ وہ حمید کو اُلو بنانے میں کامیاب ہوگئی ہے کیونکہ حمید اور اس کی انگلیوں پر ناچ رہا تھا۔

ڈریگی نے چیک بک کی کہانی سن کر آپے سے باہر ہو جانے کا مظاہرہ کیا اور کافی دیر تک برستا رہا۔ پھر لوسی نے اپنی تجویز پیش کی۔

"نہیں قطعی نہیں۔ میں مذاق کے لئے بھی اُسے پسند نہیں کروں گا۔" ڈریگی نے وار لہجے میں کہا۔

"پھر یہ تو دیکھو انکل کہ اس نے ہم لوگوں کو کیسا ذلیل کیا ہے۔"

"یہ تمہاری غلطی تھی۔ نہیں اب میں مشورہ دوں گا کہ خاموشی اختیار کرو۔ ہاں اگر اب اس سے ملنے کی کوشش کی تو شہر کی کسی شاہراہ پر اس کے جوتے لگوادوں گا۔"

"اس سے کیا فائدہ ہوگا انکل۔ میں کہتی ہوں تفریحاً ہی سہی لیکن اس کے ساتھ کوئی فراڈ چاہئے۔ مسٹر ناصر کی ایک تجویز ہے۔ یہ بھی اس گدھے سے عاجز آ گئے ہیں۔ اوہ انکل یہ تو زبانی معلوم ہوا ہے کہ وہ خود کتنا بڑا فراڈ ہے۔ یہ اب اس کی ملازمت نہیں کرنا چاہتے۔ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ میں اپنی فرم میں انہیں جگہ دوں گی۔"

ڈریگی نے حمید کو نیچے سے اوپر تک دیکھا لیکن کچھ بولی نہیں۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر لوسی نے کہا۔ تجویز یہ ہے کہ چیک بک اڑالی جائے اور مسٹر ناصر سے روئی کے ایک بڑے سودے کا کاغذ لکھوالیں۔

"ہوم.....!" ڈریگی حمید کی آنکھوں میں دیکھنے لگا بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ حمید کو نے کی کوشش کر رہا ہو۔

"وہ سودا کس طرح ہوگا جناب۔" اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"ہر طرح ہوگا اور ہو کر رہے گا۔ میں اسے اس کے کمینہ پن کا مزہ چکھاؤں گا۔ خواہ مجھے اجان ہی سے ہاتھ کیوں نہ دھونے پڑیں۔ وہ مجھے اپنے پالتو کتے سے بھی بدتر سمجھتا ہے۔ ہر گالیاں دیتا رہتا ہے۔ میں اُسے مزہ چکھاؤں گا۔"

"مگر سودا کیا ہوگا۔"

"میں اس سے ایک لاکھ کی روئی وصول پانے کی رسید لکھواؤں گا۔"

"اس سے کیا ہوگا۔"

"آپ چیک کیش کرالیجئے گا یا اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرالیجئے گا اگر اس نے کسی قانونی کارروائی کی تو ڈیلیوری ریسیٹ اس کی گردن کا پھندا بن جائے گی۔"

"مگر وہ ڈیلیوری ریسیٹ دینے ہی کیوں لگا۔ اگر وہ اتنا ہی چالاک ہے۔"

"یہ مجھ پر چھوڑیئے۔ اس کے فرشتے بھی دیں گے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ کب حما کرنے لگتا ہے۔ بس شراب چاہئے..... اور..... خیر میں اس کا ذمہ لیتا ہوں۔ ایک کیا چاہوں تو اس سے روزانہ دس لاکھ وصول کرسکتا ہوں۔"

"وصول ہی کرتے ہوگے۔" ڈیگی نے ترش لہجے میں کہا۔ "تم بھی مجھے کوئی اچھے نہیں معلوم ہوتے۔"

پھر اس نے لوسی سے کہا۔ "تم ان لغویات میں نہ پڑو۔ ان کالے آدمیوں پر اعتماد بڑی حماقت ہے۔"

"مسٹر ڈریگی۔" حمید کسی سانپ کی طرح پھپھکارا۔ "تم میری توہین نہیں کرسکتے۔ تمہاری بھتیجی میری دوست نہ ہوتی تو تمہیں بتاتا کہ دیکھو میری رنگت تم سے زیادہ سفید ہے میرے مقابلے میں کوئی حبشی معلوم ہوتے ہو۔"

"بدتمیز۔" ڈریگی گھونسہ تان کر حمید کی طرف بڑھا۔ لیکن لوسی ان کے درمیان آ گئی۔

"انکل یہ کیا کر رہے ہو۔ ناصر میرا بہترین دوست ہے۔"

ڈریگی پیچھے ہٹ گیا اور یک بیک اس کے چہرے سے شرمندگی ظاہر ہونے لگی۔

"ناصر.....!" لوسی حمید کے بازو پر ہاتھ پھیرتی ہوئی کہہ رہی تھی۔ "انکل دل کے بُرے نہیں ہیں۔ مگر انہیں غصہ بہت جلد آ جاتا ہے۔"

"مجھے اپنے اس غیر شریفانہ رویے پر ندامت ہے مسٹر ناصر۔" ڈریگی بھی بھرائی

آواز میں بولا۔ "بات دراصل یہ ہے۔"

"آؤ چلیں۔" لوسی اسے دروازے کی طرف کھینچ لے گئی اور یہ بھی نہ سننے دیا کہ ڈریگی کیا کہنا چاہتا ہے۔

وہ اسے پھر اسٹڈی میں لاکر بولی۔ "میں کہتی ہوں انکل کو الگ ہی رکھا جائے۔ اس معاملے کو ہم خود ہی دیکھ لیں گے۔ میں اس سے انتقام لینے کے لئے بے چین ہوں۔"

"میں کچھ نہیں کرسکوں گا۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"ارے ڈیئر۔ تم بُرا مان گئے۔ انکل نے معافی تو مانگ لی تھی۔"

"کچھ دیر مجھے خاموش رہنے دو۔ میرا موڈ بہت خراب ہوگیا ہے۔" حمید منہ پھلائے ہوئے ایک کرسی پر بیٹھ گیا لوسی پھر اس پر لد پڑی وہ کرسی کے ہتھے پر بیٹھ گئی تھی اور آہستہ آہستہ اس کی گردن سہلا رہی تھی۔

کچھ دیر بعد حمید نے پوچھا۔ "ایک لاکھ میں کتنی گانٹھیں ہوں گی۔"

"یہ تو انکل ہی سے معلوم ہوسکے گا۔"

"انکل کی بات نہ کرو۔"

"ارے بس یونہی ان سے ریٹ معلوم کرکے گانٹھوں سے ایک لاکھ کو تقسیم دے دوں گی۔ غالباً تم ایک لاکھ قیمت کی گانٹھوں کی ڈیلیوری پر ریسیٹ لکھواؤ گے۔"

"ہاں۔"

"مگر کس طرح لکھوالو گے۔"

"نشے کی حالت میں۔ زیادہ مشکل کام نہیں ہے۔ نشے میں وہ سچ مچ بالکل گدھا ہوجاتا ہے۔"

"ہم کچھ دن اُسے پریشان کریں گے۔" لوسی ہنس پڑی۔ "پھر رقم واپس کردیں گے۔"

"یہ ناممکن ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "آدھے آدھے پر معاملہ کرلو۔"

"چلو، جو تم کہو گے۔ میں اپنا حصہ اُسے واپس کردوں گی۔"

"تمہاری مرضی۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

نادر نے کھلی فضا میں پہنچ کر دو تین گہری گہری سانسیں لیں اور مڑ کر عمارت کی طرف دیکھنے لگا۔ ایسی الجھن سے وہ کبھی دو چار نہیں ہوا تھا۔

آخر ٹویوڈا کے آدمیوں نے اسے کیوں پکڑا تھا۔ پکڑا ہی تھا تو اس طرح چھوڑ کیوں دیا اور اسے اس کا موقع کیوں دیا کہ وہ اس عمارت کے محل وقوع سے واقف ہو جائے۔ مگر یہ وہ عمارت تو ہرگز نہیں تھی جس کی دیوار پر پھیلی ہوئی بیل کے ذریعے اس نے اندر پہنچنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے چاروں طرف دیکھا۔ یہ شہر کا ایک جانا پہچانا حصہ تھا اور نادر نے ادھر سے گذرتے وقت اس شاندار عمارت کو بار بار دیکھا تھا۔ اس عمارت میں انسانی ہڈیوں کے ڈھانچے تھے اور ہر ڈھانچے کے ساتھ ایک تحریری اقرار جرم بھی موجود تھا۔ اس عمارت میں ایسے لوگ بھی تھے جنہیں ان کی مرضی کے خلاف محبوس رکھا گیا تھا۔ پھر.....؟ ان لوگوں نے نادر کو کسی ایسی عمارت سے کیوں نکل آنے دیا۔ وہ چلتا رہا اور اس کے ذہن میں لاتعداد سوالات چکراتے رہے۔ وہ نہایت آسانی سے پولیس کو اس عمارت کا پتہ بتا سکے گا کیا ٹویوڈا اتنا احمق بھی ہو سکتا ہے۔ پھر کیا بات تھی۔ اسے وہ آسمانی بلائیں یاد آئیں جن کا تذکرہ اس نقاب پوش نے کیا تھا۔ ساتھ ہی یہ بھی یاد آیا کہ اسے کس طرح صدر کے فٹ پاتھ پر گرایا گیا تھا۔ کس طرح سر پر چپتیں رسید کی گئی تھیں۔ تو کیا پولیس اسٹیشن کی طرف رخ کرنے سے اس کے جسم پر بھی باریک باریک سوئیوں کی بارش ہوگی۔ یقیناً اس کے ذہن نے جواب دیا۔ ٹویوڈا احمق نہیں ہو سکتا۔ اس نے کسی مضبوطی ہی کی بناء پر اسے اس طرح مرعوب کرنے کی کوشش کی ہے۔ لہٰذا اُسے فی الحال خاموش ہی رہنا چاہئے۔ ویسے اس نے تہیہ کرلیا تھا کہ وہ ایک نہ ایک دن ٹویوڈا سے ضرور ٹکرائے گا۔ خواہ خود ہی فنا ہو جائے۔ تو کیا ٹویوڈا اُسے بُرائی کے راستے پر زبردستی لے جائے گا۔ ہرگز نہیں۔ نادر کا خون کھولنے لگا اور اس کے قدم بیساختہ اس سڑک کی طرف مڑ گئے جو اسے پولیس اسٹیشن تک لے جاتی۔

لیکن پھر کچھ دور چلنے کے بعد وہ چونک پڑا۔ اُسے ٹویوڈا کی آسمانی بلائیں یاد آ گئیں۔ کارکار ترین آدمی، اس نے سوچا اس کے خلاف علانیہ طور پر جنگ کرنا حماقت ہی ہوگی۔ ہاں ہے کہ مکاری ہی اس کے سلسلے میں کارآمد ثابت ہو سکے۔

اب نادر کے قدم سلویا کے بنگلے کی طرف اٹھ رہے تھے اور وہ اب سلویا اور ڈریگی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ آخر ان کا ٹویوڈا سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ ٹویوڈا نے ڈریگی کو سلویا کے لئے زہر کیوں دلوانا چاہا تھا۔ ان دونوں میں مظلوم کون تھا۔

بنگلے کے قریب پہنچ کر اس نے رک کر چاروں طرف دیکھا۔ لیکن نزدیک و دور کوئی بھی دکھائی دیا۔ کہیں دور گھڑیال بارہ بجا رہا تھا۔ گھنٹوں کی آوازیں سکوت کا سینہ چیر رہی تھیں۔ اس نے آگے بڑھ کر پھاٹک ہلایا۔ چوکیدار نے جاگتے رہو کی ہانک لگائی پھر کچھ دیر بعد پھاٹک کھل گیا۔ عمارت تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔

وہ اپنی کوٹھری کی طرف چلا آیا۔ کوٹھری کی کنڈی گری ہوئی دیکھ کر اسے حیرت نہیں ہوئی۔ اس نے سوچا ممکن ہے اس کی عدم موجودگی میں سلویا آئی ہو۔ وہ اکثر اس کی عدم موجودگی میں بھی اس کی کوٹھری میں آجایا کرتی تھی اور اس طرح وہ روزانہ اپنے تکیے پر نیا سا پایا کرتا تھا۔ بستر گو فرش پر ہوتا تھا لیکن بچھا ہوا ملتا اور سرہانے دو چار تازہ گلاب۔

نادر نے دروازے کو دھکا دیا، جو ہلکی سی چڑچڑاہٹ کے ساتھ کھل گیا پھر کوٹھری میں داخل ہو کر اس نے دروازہ بند کر کے کنڈی چڑھا دی۔ ٹٹولتا ہوا آگے بڑھا اور تختے پر رکھے ہوئے لیمپ کے روشن کرنے کے لئے دیا سلائی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی تھی۔ دفعتاً اس کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی پڑی تھی اور کسی نے آہستہ سے کہا ''ریوالور کا رخ تمہارے سینے کی طرف ہے۔ اب تم لیمپ روشن کر سکتے ہو۔''

''تم کون ہو۔'' نادر نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''لیمپ روشن کرو۔ اگر میں نے پسند کیا تو مجھے فوراً پہچان لو گے۔''

نادر نے بے چوں و چرا لیمپ روشن کر دیا۔ ٹارچ بجھا دی گئی۔ کیروسین لیمپ کی مدھم

روشنی میں ایک نقاب پوش اُسے نظر آیا۔ جس کے جسم پر سیاہ پتلون اور چمڑے کی جیکٹ تھی آدمی قد آور تھا اور مضبوط جسم کا معلوم ہوتا تھا لیکن اب اس کے ہاتھ میں ریوالور نہیں تھا۔ اُسے چند لمحے گھورتا رہا پھر بولا۔ ''تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو۔''

''کیا ٹویوڈا اُس عمارت میں موجود تھا۔'' نقاب پوش نے پوچھا۔

''نہیں۔'' نادر نے غیر ارادی طور پر کہا۔ پھر سنبھل کر بولا۔ ''تم کون ہو۔''

''تم اب مجھ سے کوئی سوال نہیں کرو گے۔'' نقاب پوش نے سخت لہجے میں کہا ''صر میری باتوں کا جواب دیتے رہو۔''

''اچھی بات ہے۔'' نادر نے مسکرا کر اپنے شانوں کو جنبش دی۔ ''اگر تمہارے جسم مجھے زیر کرنے کی قوت موجود ہے تو ضرور تم مجھ سے اپنے سوالات کا جواب لے سکو گے۔''

''اوہ.....!'' نقاب پوش ہلکی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ ''کشتی لڑو گے۔''

لیکن دوسرے ہی لمحے میں نادر نے اس پر چھلانگ لگادی اور پوری قوت سے اس ٹکرایا لیکن یہ اور بات ہے کہ پلک جھپکتے ہی نقاب پوش اُسے گرا کر سینے پر سوار ہوگیا ہو۔

''کیوں؟'' نقاب پوش ہنس کر بولا۔ ''اب ملے گا جواب۔''

''یقیناً.....!'' نادر بھی جواباً مسکرایا۔ ''ملے گا لیکن اس لئے نہیں کہ میں زیر ہوگیا ہوں اس لئے کہ میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔''

نقاب پوش اُسے چھوڑ کر اٹھ گیا۔

نادر نے آہستہ سے کہا۔ ''مجھے بے حد خوشی ہے کہ اب ایک بہت بڑی الجھن سے کسی تک نجات مل جائے گی۔''

نقاب پوش نے پھر اپنا سوال دہرایا۔ ''ٹویوڈا وہاں تھا یا نہیں۔''

''حقیقت یہ ہے کہ میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا ویسے مجھے ٹیلی ویژن پر اس درشن کرائے گئے تھے۔''

''کیا تم نوگرفتاروں میں سے ہو۔'' نقاب پوش نے پوچھا۔

''ذرا مجھے دم لینے دیجئے میں پوری کہانی دہرادوں گا۔'' نادر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

سیکریٹری اور مچھر

اس وقت ڈریگی کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں جب قاسم نے یہ کہا کہ ڈیلیوری سیٹ پر اس کے دستخط جعلی ہیں۔ ڈی ایس پی سٹی نے چیک کے دستخط سے ڈیلیوری ریسیٹ کے دستخط کا موازنہ کر کے کہا۔ ''اوہو..... یہ تو قطعی جعلی معلوم ہوتے ہیں، ایک بچہ بھی کہہ دے گا۔''

ڈریگی بڑی مصیبت میں پھنس گیا تھا۔ حمید کی اسکیم کے مطابق لوسی نے چیک بک قاسم کے کمرے سے اڑالی تھی اور قاسم کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ کب کیا ہوگیا وہ تو جب دونوں چیک ڈریگی کی فرم کے اکاؤنٹ میں جمع ہونے کے لئے بینک بھیجے گئے تو ہنگامہ کھڑا ہوگیا۔ کیونکہ قاسم نے چیک بک کی گمشدگی کی اطلاع بینک کو بھی دے دی تھی اور باقاعدہ طور پر اس کی رپورٹ بھی درج کرادی تھی۔ بینک نے معاملہ پولیس کے سپرد کر دیا۔

قاسم کو اطلاع ملی کہ ڈریگی ہی نے ان گمشدہ چیکوں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی۔ معاملہ سناٹے میں آ گیا۔ کیونکہ اس کے پراسرار سیکریٹری کا قول کرسی نشین ہوگیا تھا۔ پھر کوتوالی میں قاسم اور ڈریگی کی مڈبھیڑ ہوئی۔ ڈریگی نے ڈیلیوری ریسیٹ پیش کی جو اُسے قاسم سے ملی تھی حمید نے اُسے یقین دلایا تھا کہ کام پکا ہوگیا ہے۔ اب قاسم کسی صورت سے بھی یہ ثابت نہ کر سکے گا کہ اس کے ساتھ جعلسازی ہوئی ہے۔

''مجھے یہ چیک اور ڈیلیوری ریسیٹ تمہارے سیکریٹری سے ملے تھے۔'' ڈریگی نے جھلا کر کہا۔

قاسم صرف بُرا سا منہ بنا کر رہ گیا لیکن ڈی ایس پی نے کہا۔ ''کیا چیک اور ڈیلیوری

ریسیٹ ساتھ ہی ملے تھے۔''

''اس کے سیکریٹری کو بلوایا جائے۔'' ڈریگی غصیلی آواز میں بولا۔''وہی بتائے گا اگر یہ ریسیٹ جعلی ہے تو پھر میں تو برباد ہی ہوگیا۔ کیونکہ نہ صرف ایک لاکھ کی روئی خرد برد ہوگئی بلکہ دس ہزار روپے نقد بھی گئے۔''

''کیوں۔'' ڈی ایس پی نے اُسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

''اس سودے کے سلسلے میں سیکریٹری نے دس ہزار کا مطالبہ کیا تھا اور ریٹ وہی منظور کرائے تھے جو میں نے دیئے تھے۔ لہٰذا میں نے اُسے دس ہزار نقد دیئے تھے۔ چونکہ یہ لوگ قابل اعتماد معلوم ہوئے تھے اس لئے رقم وصول ہونے سے قبل ہی سیکریٹری کا مطالبہ پورا کردیا گیا تھا۔ پھر ایک لاکھ کی روئی دی گئی اور مجھے اس کی ڈیلیوری رسید سیکریٹری ہی سے ملی۔ جی ہاں چیک اور ڈیلیوری ریسیٹ ساتھ ہی ملے تھے، چونکہ معاملہ عاصم ٹیکسٹائل ملز کا تھا اس لئے ہم نے کچھ بیعانہ وغیرہ بھی نہیں طلب کیا تھا۔ اگر یہ سب کچھ جعلی ہے تو میری روئی کہاں گئی۔ میں تو کہیں کا نہ رہا۔''

''اور وہ تمہاری شوشو کہاں ہے۔'' قاسم نے لچک کر جلے کٹے انداز میں کہا۔''جس نے لیلیٰ مجنوں والے خط لکھ کر مجھے یہاں بلوایا تھا اور پھر ایک لاکھ روپے اینٹھنے چاہے تھے۔ ابے اگر بے ایمانی کرو گے تو اسی طرح کیڑے پڑیں گے۔ تمہارا ستیاناس ہوجائے گا۔''

''آپ کا سیکریٹری کہاں ہے اسے بلوایئے۔'' ایس پی سٹی نے کہا۔

''اس سالے کو بھی آج صبح نکال دیا۔ ارے یہ سالا دشمنوں کا شہر ہے کوئی دوست نہیں نظر آتا۔ کل رات اس پھلم کمپنی والے نے بھی چونا لگانا چاہا تھا بولا کہ فائننس کم پڑ گیا ہے۔ اگر دو لاکھ کہیں سے فوراً نہ ملے تو فلم سالی ڈبے میں چلی جائے گی۔''

''آپ پتہ نہیں کیا اوٹ پٹانگ ہانک رہے ہیں جناب..... میں کہہ رہا ہوں کہ اپنے سیکریٹری کو بلوایئے۔''

''نکال دیا نا۔ اُسے کون برداشت کرسکتا ہے۔''

''کیا کہہ رہے ہیں آپ۔''

''جی ہاں۔ کوئی برداشت نہیں کرسکتا۔'' قاسم سر ہلا کر بولا۔''صبح میں اپنے کمرے میں رہا تھا کہ سالے نے پٹاخ سے میرے سر پر ایک ہاتھ رسید کیا۔ الاقسم بس میں اٹھ کر اس ن مروڑنے ہی والا تھا کہ بولا سر پر ملیریا کا مچھر بیٹھا ہوا تھا۔ کاٹ لیتا تو کیا ہوتا۔ میں بس سالے نکل جاؤ یہاں سے۔ آپ خود بتایئے تحصیلدار صاحب۔ اور کپتان صاحب اگر ہش کردیتا تب بھی مچھر اڑ جاتا۔ اس کی ایسی تیسی..... خدا غارت کرے۔''

''سن رہے ہیں آپ اس فراڈ کی باتیں۔'' ڈریگی نے ڈی ایس پی سے کہا۔

''وہ اس وقت گرینڈ میں ہوگا یا نہیں۔'' ڈی ایس پی نے قاسم سے پوچھا۔

''پتہ نہیں۔'' میں نے تو الگ کردیا تھا۔ اگر اس کی جیب میں پیسے ہوں گے تو ضرور ہوگا۔''

''سیکریٹری کی حاضری ضروری ہے اور آپ دونوں اس وقت تک حراست میں رہیں گے ل کہ وہ حاضر نہ ہوجائے۔''

''ارے واہ۔'' قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔''میں کوئی ٹھیکیدار ہوں اس سالے کا۔''

''وہ کب سے آپ کے پاس تھا۔''

''تین چار دن سے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''وہی، جو تین چار دن کا ہوتا ہے۔''

''مسٹر قاسم آپ اوٹ پٹانگ باتیں کرکے اپنے حق میں کانٹے بو رہے ہیں۔''

''بس اب میں کچھ نہیں کہوں گا۔'' قاسم نے غصیلے لہجے میں کہا۔''یہاں لوگ مجھے لوٹنے کی کررہے ہیں اور پولیس الٹا مجھ ہی پر دھونس جماتی ہے۔ میں ابھی وزیر اعظم کو فون کرتا کیا سمجھا ہے آپ لوگوں نے۔''

ڈی ایس پی نے ایک طویل سانس لی اور ڈریگی کی طرف متوجہ ہوگیا۔

''ان لوگوں نے مجھے لوٹ لیا۔'' ڈریگی بڑبڑایا۔ ٹھیک اسی وقت فون کی گھنٹی بجی اور ڈی

ایس پی سٹی نے ریسیور اٹھالیا۔

''ہیلو۔ یس ڈی ایس پی سٹی پلیز۔ ارے نہیں۔'' ڈی ایس پی کے چہرے سے حیرت ظاہر ہونے لگی۔ وہ دوسری طرف سے بولنے والے کی آواز سنتا رہا۔ لیکن کبھی وہ قاسم کو دیکھنے لگتا اور کبھی ڈریگی کو۔

پھر اس نے ریسیور رکھ کر کہا۔ ''جب تک کہ سیکریٹری نہ مل جائے آپ دونوں حراست میں رہیں گے۔''

''یہ زیادتی ہے۔ میں ہی لٹ گیا ہوں..... اور.....!''

''مسٹر ڈرگ پالگریو۔ میں مجبور ہوں۔ اس کے علاوہ اس مسئلے کا اور کوئی حل نہیں ہے۔'' ڈی ایس پی نے کہہ کر سب انسپکٹر کو اشارہ کیا کہ وہ انہیں لے جائے۔

نادر نے جیسے ہی پھاٹک میں قدم رکھا سلویا پورچ سے اس کی طرف دوڑی نادر جہاں تھا وہیں رک گیا۔ سلویا کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ قریب آ کر ہانپتی ہوئی بولی۔

''تم نے سنا وہ گرفتار کرلیا گیا ہے۔ آؤ چلو شائد تمہیں نہیں معلوم۔ میں بتاؤں گی۔''

اس نے نادر کا ہاتھ پکڑ لیا اور بڑی تیزی سے پورچ کی طرف چل پڑی۔ ساتھ ہی وہ جلدی جلدی کہتی جارہی تھی۔ ''میں جانتی تھی کہ ایک نہ ایک دن اس کے ہتھکڑیاں لگیں گی۔ کوئی بھی بُرا آدمی زیادہ دنوں تک نہیں پھل پھول سکتا۔ اس نے کسی سے ایک لاکھ روپے کا فراڈ کیا ہے۔''

''مجھے علم ہے مادام۔ میں شاید آپ سے بھی زیادہ جانتا ہوں۔'' نادر نے کہا وہ ڈرائنگ روم میں پہنچ چکے تھے۔ سلویا ایک صوفے میں گر کر ہانپنے لگی۔ نادر بدستور کھڑا اس کی طرف ترحم آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ سلویا کی آنکھیں متورم اور سرخ تھیں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ

روئی ہو۔

''مگر مادام۔'' نادر نے آہستہ سے کہا۔ ''آپ اس ناہنجار کے لئے روتی ہیں۔ جس کے اب میری معلومات کا ذخیرہ یادداشت کے لئے وبال بن گیا ہے۔''

''میں اپنے لئے روئی تھی۔ ڈیڈی مرگئے۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میرے ایسی ٹریجڈی شاید تمہیں کہانیوں میں بھی نہ ملے۔ وہ مرگئے ہیں لیکن لاوارثوں کی طرح دیئے جائیں گے۔ میں ان کے جنازے میں بھی شرکت نہیں کرسکوں گی۔ کیسے کرسکتی میں نے ہی انہیں پولیس کے حوالے کیا تھا۔ انہوں نے اعتراف کیا تھا کہ وہ میرا پرس کی کوشش کررہے تھے۔ مگر میں اب کیسے کہہ سکتی ہوں کہ میرے باپ تھے۔ ان کی لاش کے لئے مجھے دی جائے۔ پچھلی رات ان کی حالت بہت خراب تھی۔ انہوں نے ایک سے استدعا کی کہ انہیں مجھ سے ملا دیا جائے۔ وہ مجھ سے معافی مانگنا چاہتے ہیں۔ انہوں سے میرا فون نمبر بھی بتا دیا تھا۔ آفیسر نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں ان سے ملنا پسند کرونگی، ملا کیسے انکار کرسکتی تھی۔ چلی گئی۔ ڈیڈی بہت زیادہ بیمار تھے اور ان کا سینہ کسی لوہار کی کی طرح چل رہا تھا۔ ہم دونوں اس جگہ تنہا تھے۔ ڈیڈی نے مجھے وہ کہانی سنائی جس کی ڈریگی انہیں بلیک میل کرتا رہا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ جوانی میں وہ بہت زیادہ دولت مند اور ڈریگی ان کے دوستوں میں سے تھا۔ ایک بُری عورت سے دونوں کی دوستی تھی لیکن مایہ نہیں جانتا تھا کہ ڈیڈی بھی اس عورت کے دوست ہیں۔ ڈیڈی بھی عورتوں کے چکر میں تھے لیکن بہت محتاط آدمی تھے۔ اپنے گناہوں کو منظر عام پر لانا پسند نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا کسی کو علم رہا ہو کہ ڈیڈی بھی اس عورت کے دوستوں میں سے ہیں۔ اچھا ڈیڈی کو بھی وقت تک علم نہیں تھا کہ ڈریگی بھی اس عورت سے تعلقات رکھتا ہے۔ اچانک ایک رات عورت نے ڈیڈی کو فون کیا کہ وہ فوراً اس کے گھر پر پہنچ جائیں۔ ایک ضروری کام ہے۔ بارہ بجے رات کو آئی تھی۔ ڈیڈی فوراً روانہ ہوگئے۔ خلاف معمول انہیں صدر دروازہ کھلا ہوا اندر چلے گئے۔ گھر ویران پڑا تھا لیکن اس عورت کی خواب گاہ میں روشنی تھی۔ ڈیڈی

سیدھے وہیں چلے گئے۔ لیکن انہوں نے بستر پر اس عورت کی لاش دیکھی۔ اس کے سینے سے خون ابل رہا تھا اور قریب ہی فرش پر پستول پڑا تھا۔ ڈیڈی گھبرا گئے۔ عورت مر چکی تھی اور وہ اس لاش کے قریب تنہا تھے۔ انہوں نے سوچا کہ انہیں الٹے پاؤں واپس جانا چاہئے لیکن اس سے پہلے ہی ڈریگی وہاں پہنچ گیا۔ اس نے لاش سے زیادہ وہاں ڈیڈی کی موجودگی پر حیرت ظاہر کی اور اس نے ان پر اس عورت کے قتل کا الزام لگایا۔ پھر فوراً ہی ڈیڈی سے اپنی اس غلط فہمی کی معافی بھی مانگ لی اور پھر ان دونوں ہی نے مل کر خیالی گھوڑے دوڑانے شروع کئے کہ اسے کس نے قتل کیا ہوگا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ڈیڈی سے وہ پستول اٹھانے کو کہا جو فرش پر پڑا ہوا تھا۔ ڈیڈی نے بے خیالی میں پستول اٹھالیا لیکن پھر ڈریگی جلدی سے بولا۔ ارے نہیں اسے وہیں پڑا رہنے دو اور اب جلدی سے بھاگو۔ ورنہ کہیں ہم ہی کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔ پھر وہ وہاں سے چلے آئے۔ دوسرے دن اس قتل کے سلسلے میں تفتیش شروع ہوگئی لیکن دونوں ہی نے خاموشی اختیار کرلی تھی۔ ڈیڈی نے تو کہا تھا کہ چل کر پولیس کو اطلاع دے دیں ظاہر ہے کہ اُسے ہم نے قتل نہیں کیا۔ اس پر ڈریگی نے کہا کہ تم پولیس والوں کو نہیں جانتے۔ کوئی نہ ملے گا تو وہ ہم ہی میں سے کسی ایک کو پھانسی دلوادیں گے۔ ڈیڈی سہم گئے اور انہوں نے خاموشی اختیار کرلی۔ تفتیش ہوتی رہی لیکن چھ ماہ تک قاتل کا سراغ نہ مل سکا۔ چونکہ ڈریگی اس سے علانیہ ملتا جلتا تھا اسلئے اس سے بھی پوچھ گچھ ہوئی تھی۔ لیکن اس پر قتل کا شبہ نہیں کیا جاسکا کیونکہ وہ قتل سے تین دن پہلے سے چار دن بعد تک قائم آباد کے ایک ہسپتال میں بیمار پڑا رہا تھا۔''

''اوہ۔'' نادر نے ایک طویل سانس لی اور سلویا کہتی رہی۔ ''غالباً اس نے پہلے ہی سے اس کا انتظام کرلیا تھا۔ لہٰذا پولیس قائم آباد کے اس ہسپتال سے تصدیق کرنے کے بعد اس کی طرف سے مطمئن ہوگئی تھی۔ ڈیڈی سے پوچھ گچھ بھی نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ کوئی جانتا ہی نہیں تھا کہ مقتول سے ان کے بھی تعلقات تھے۔ گو قتل والی رات کو ڈریگی نے انہیں جائے واردات ہی پر دیکھا تھا لیکن اس نے پولیس سے اس کا تذکرہ نہیں کیا مگر چھ ماہ بعد جب معاملہ بالکل ٹھنڈا پڑ چکا تھا اور اس سلسلے میں پولیس کی سرگرمیاں بھی ختم ہو چکی تھیں ڈریگی نے ڈیڈی سے کہا کہ وہ

آدمی کو پھانسی دلوا سکتا ہے۔ اس کا صرف ایک معمولی سا اشارہ کافی ہوگا۔ ڈیڈی نے اس کی اس پر دھیان نہیں دیا۔ لیکن اس نے انہیں آگاہ کیا کہ پولیس کو پستول کے دستے پر ڈیڈی انگلیوں کے نشانات ملے تھے اگر وہ صرف اشارہ ہی کردے تو ڈیڈی فوراً گرفتار کرلئے ئیں گے کیونکہ 'فنگر پرنٹ ڈیپارٹمنٹ' میں انگلیوں کے نشانات محفوظ کرلئے گئے ہیں۔ ڈی پستول اٹھانے والا معاملہ بھول گئے تھے۔ اس نے انہیں یاد دلایا اور ڈیڈی چکرا گئے۔ ئی ایسے حالات میں ان پر قتل کا الزام عائد ہوسکتا تھا۔ بہرحال ڈریگی نے انہیں یقین دلایا ہ انہیں پھانسی ہوسکتی ہے۔ وہ کسی طرح بھی اپنی بیگناہی نہیں ثابت کرسکیں گے اور بس پھر ں سے ڈریگی نے انہیں بلیک میل کرنا شروع کردیا۔ ان کی تباہی کا باعث ڈریگی ہی بنا تھا۔ نے ان کی زندگی میں مایوسیاں بھر دیں اور وہ خود بھی بہت بُرے بن گئے۔ جب اُن کی ت ختم ہوگئی تو ڈریگی نے مجھ پر بھی ہاتھ صاف کردیا۔ آہ۔ نادر خدا کے لئے مجھے بتاؤ کہ مجھ سے بھی زیادہ مظلوم تمہیں آج تک کوئی ملا ہے۔''

''نہیں مادام۔'' نادر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''لیکن آپ کو یہ نہ بھولنا چاہئے کہ الموں کے سروں پر بھی کوئی موجود ہے۔ ڈریگی اپنی تمام تر ذلالتوں سمیت عنقریب فنا ہوجائے گا۔ گردن تک دلدل میں غرق ہو چکا ہے اور اب اس کے ایک نہیں درجنوں جرائم پولیس کی نظر میں آگئے ہیں۔ لوسی پالگریو اس کی بھتیجی نہیں بلکہ داشتہ ہے۔ اس کے ذریعے وہ مالدار لوگوں کو پھانس کر ان سے بڑی بڑی رقمیں اینٹھتا تھا۔ اکثر کو اس نے بلیک میل کیا ہے۔ یہی لوسی بلیک میلنگ کا بھی واحد ذریعہ تھی۔ یہ مالدار لوگوں سے قریب ہوکر ان کی کمزوریوں کو معلوم کرتی تھی اور انہیں کمزوریوں کے لئے وہ بلیک میل کئے جاتے تھے۔ اس دوران میں اس نے ملک کے ایک بہت بڑے سرمایہ دار سیٹھ عاصم کے لڑکے کو پھانسنے کی کوشش کی تھی۔ اس سے کم از کم تین لاکھ روپے اینٹھنے کی اسکیم تھی۔ لیکن یہ لوگ خود ہی پھنس گئے۔ لوسی نے اس سے قلمی دوستی کی تھی اور اسے یہاں بلایا تھا۔ وہ اس سے ایک لاکھ روپیہ وصول کرنے کے چکر میں تھی۔ دوسری طرف ڈریگی نے ایک فلم کمپنی کا اسٹنٹ بنایا تھا۔ اس کا مقصد بھی یہی تھا کہ سیٹھ عاصم کے

لڑکے کو پھانسا جائے۔ وہ دراصل عورتوں کا شائق ہے۔ فلم کمپنی کے چکر میں بھی اس کا پھنس جانا یقینی تھا۔ مگر اس کے بعض دوستوں نے ڈریگی کی اسکیموں پر پانی پھیر دیا۔ وہ آدمی بھی گرفتار کرلیا گیا ہے، جو خود کو فلم ڈائریکٹر ظاہر کر کے اس سے دو لاکھ اینٹھنے کی فکر میں تھا۔"

"اب مجھے بتاؤ۔ میں کیا کروں۔"

"اوہ تو کیا آپ ڈریگی کے لئے بھی مغموم ہیں۔"

"ذرہ برابر نہیں۔ میں تو اپنے مظلوم باپ کے متعلق سوچ رہی ہوں۔"

"دیکھئے مادام۔ ابھی آپ کو کئی الجھنوں سے دوچار ہونا ہے۔ میرا خیال ہے کہ کچھ دیر بعد یہاں بھی پولیس پہنچ جائے گی۔ شائد عمارت کی بھی تلاشی لی جائے آپ سے بھی پوچھ گچھ ہوگی۔ ڈریگی کے ہاتھ بہت آلودہ تھے۔ کاٹن ڈیل نام کی فرم بھی فراڈ تھی۔ روئی کا کاروبار حقیقتاً برائے نام تھا۔ اس سے اتنی آمدنی نہیں ہوتی تھی کہ فرم کے اخراجات ہی پورے ہوسکتے۔ حقیقتاً روئی کی آڑ میں منشیات کی غیر قانونی تجارت ہوتی تھی۔ ڈریگی خود کو اس کا منیجر ظاہر کرتا تھا۔ لیکن حقیقتاً وہی اس کاروبار کا مالک تھا۔ شرکا فرضی تھے۔ پولیس نے حیرت انگیز طور پر تیزی دکھائی ہے۔ بہت جلد ڈریگی کے بزنس کی تہہ تک پہنچ گئی اور میں تو خود اس وقت یہ کہنے آیا تھا کہ مادام میں کچھ دنوں کے لئے آپ سے اجازت طلب کروں۔"

"کیسی اجازت۔"

"کچھ دن۔ میں اس بنگلے سے الگ رہنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ ان حالات میں یہاں میری موجودگی مناسب نہیں ہے۔ میں بھی تو آخر ایک بدنام ہی آدمی ہوں۔ پولیس مجھے ہرگز نہیں چھوڑے گی۔ لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وقتاً فوقتاً کسی نہ کسی طرح آپ سے ملتا رہوں گا۔ اب میں دراصل اس آدمی کی راہ پر ہوں جس کی وجہ سے آپ کے والد کو حوالات میں جان دینی پڑی تھی۔ جس نے ڈریگی کو ڈرانے کے لئے آپ دونوں کو استعمال کرنا چاہا تھا۔"

"جاؤ۔" سلویا ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ "لیکن یہ نہ بھولنا کہ اب میں بالکل بے سہارا ہوں۔"

"میں آخری سانس تک آپ کے کام آنے کی کوشش کروں گا مادام۔ آپ دیکھ ہی لیں

اچھا اب اجازت دیجئے۔" سلویا کچھ نہ بولی۔

بُری جگہ

حمید قاسم کے سلسلے میں اپنا پورا کام کر چکا تھا۔ لیکن قاسم پر یہ ظاہر کئے بغیر کہ وہ حمید ہے ڈریگی کے پکڑے جانے سے پہلے ہی وہ قاسم کا ساتھ چھوڑ دینا چاہتا تھا۔ اس لئے چلتے تے اس نے قاسم کی کھوپڑی پر ایک ہاتھ جھاڑ کر اُسے ملیریا کے مچھر کی بشارت دی تھی۔ وہ تھا کہ قاسم اس حرکت پر اسے کچا چبانے کی کوشش کرے گا۔ لہٰذا اس نے اس طرح ات کو کچھ اور زیادہ الجھا دیا تھا۔

اور اب وہ نصیر آباد کے ایک دوسرے ہوٹل میں فروکش تھا۔ میک اپ میں بھی اس نے ایسی تبدیلیاں کرلی تھیں کہ قاسم کے سیکریٹری کی حیثیت سے نہیں پہچانا جاسکتا تھا۔

مگر کیا اس کا کام ختم ہوگیا تھا۔

کام ختم ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوسکتا تھا۔ کیونکہ فریدی بھی نصیر آباد ہی میں کہیں مقیم ر حمید نے اب تک جو کچھ کیا تھا فریدی ہی کی اسکیم کے مطابق کیا تھا۔ مگر اس میں وہ چیت نہیں تھی جو اس نے قاسم کو ملیریا کے مچھر کے دستبرد سے بچانے کے لئے اس کی کھوپڑی پر رکی تھی۔ پھر وہ حمید ہی ٹھہرا۔ کیا بالکل ہی لکیر کا فقیر ہوجاتا۔

ویسے اُسے فون پر فریدی کی طرف سے ہدایات ملتی رہتی تھیں اور اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ ڈی کا قیام کہاں ہے۔ اس نے اُسے ہوٹل اور اپنے نام کی تبدیلی کی اطلاع دے دی تھی بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ گرینڈ سے کھسک جانے کا مشورہ بھی فریدی ہی نے دیا تھا اور اس کی غرض و غایت بھی سمجھا دی تھی۔ اس نے اُسے میک اپ میں تبدیلی کے ساتھ اِٹالیانو قیام کرنے کی رائے دی تھی۔

ہوٹل اٹالیانو کے رجسٹر میں اس نے اپنا نام ساجد لکھوایا تھا۔

دن ڈوبتے ہی فریدی کی کال آئی۔ اس نے اُسے ریجنٹ پارک پہنچنے کی ہدایات دی تھیں اور کہا تھا کہ وہ ٹھیک آٹھ بجے کیفے وکٹوریا کے صدر دروازے پر نظر رکھے۔ وہاں سے اُسے رام گڈھ کے نادر کا تعاقب کرنا ہے۔

حمید اب کچھ اکتا سا گیا تھا۔ کیونکہ ابھی تک اس کی خواہش نہیں پوری ہوئی تھی۔ یعنی جس کام کے لئے نصیر آباد آیا تھا وہ ابھی تک نہیں ہوا تھا۔ درمیان میں قاسم کا قصہ نکل آیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ایک قطعی غیر متعلق کام تھا۔ پھر بھی اُسے خوشی تھی کہ اس نے قاسم کو بال بال بچالیا۔ ورنہ وہ کم از کم تین لاکھ کے دھکے میں ضرور ہی آجاتا۔

قاسم کو وقتی طور پر حراست میں لیا گیا تھا مگر پھر چھوڑ دیا گیا تھا۔ ویسے ڈریگی اور اس کے دو ساتھی اب بھی حراست میں تھے جن پر منشیات کی غیر قانونی تجارت کرنے یا کرنے والوں کا ہاتھ بٹانے کا الزام تھا۔ ڈریگی پر کئی چارج لگائے گئے تھے۔ فی الحال عدالت سے بھی اس کی ضمانت ہوجانے کے امکانات نہیں تھے۔

حمید کو جب یہ معلوم ہوا کہ لوسی ڈریگی کی بھتیجی نہیں بلکہ داشتہ تھی تو نہ جانے کیوں اُسے بے حد افسوس ہوا۔ اس کی وجہ سمجھ میں نہ آسکی۔ آتی بھی کیسے۔ بہت کم لوگ اپنے ذہن کی گرہیں ٹٹول پاتے ہیں۔

تقریباً آٹھ بجے وہ کیفے وکٹوریہ کے صدر دروازے کی نگرانی کررہا تھا۔ اس نے نادر کو وہاں سے برآمد ہوتے دیکھا، جو سیاہ سوٹ میں ملبوس تھا اور کوئی بے حد شریف آدمی معلوم ہوتا تھا۔ تعاقب حمید کے لئے بے حد ناخوشگوار ثابت ہوتا تھا۔ بشرطیکہ معاملہ کسی لڑکی کا نہ ہو۔ اس سے پہلے بھی وہ ایک بار فریدی کی ہدایت پر نادر کا تعاقب کرچکا تھا اور آخیر میں اُسے سلویا کی دلکش شخصیت نظر آئی تھی آج بھی وہ اسی توقع پر اس کے پیچھے چل پڑا تھا کہ آج بھی سلویا نظر آئے گی اور آج وہ اس تک پہنچنے کی کوشش ضرور کرے گا۔

لیکن آج نادر اس بنگلے کی طرف نہیں گیا جہاں اس کا قیام تھا۔ وہ ایک دوسری عمارت

کے سامنے رکا تھا اور غالباً اندر جانے کے متعلق سوچ رہا تھا۔ لیکن حمید کو اسی عمارت کی ایک کھڑکی میں ایک دلکش چہرہ دکھائی دیا اور یہ چہرہ سلویا کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہوسکتا تھا۔

نادر اس عمارت کے سامنے پہنچ کر رک گیا جہاں کچھ دن پہلے اس نے ٹویوڈا کے عجائبات دیکھے تھے۔ اسے عمارت نہیں کہا جاسکتا تھا۔ لیکن وہ آج آزمائشی طور پر خود ہی اس عمارت میں داخل ہونا چاہتا تھا۔

اچانک اس کی نظر ایک کھڑکی پر پڑی۔ وہ سناٹے میں آگیا۔ کھڑکی روشن تھی اور وہ اندھیرے میں کھڑا تھا۔ اس لئے ہوسکتا ہے کہ سلویا کی نظر اس پر نہ پڑی ہو لیکن نادر نے اُسے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا تھا اور اسے حیرت تھی کہ وہ وہاں کیسے پہنچ گئی۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار بھی نہیں تھے کہ نادر ٹویوڈا کی زبردستیوں کے متعلق کچھ سوچتا۔

وہ آج صبح ہی سلویا کو محتاط رہنے کی ہدایت دے کر بنگلے سے چلا آیا تھا اور اس کا ارادہ تھا کہ اب وہ بنگلے سے دور ہی دور رہے گا۔ اس کی وجہ بھی اس نے سلویا کو بتا دی تھی..... تو کیا سلویا اب تک اسے دھوکہ دیتی رہی تھی۔ مگر اس نے تو اس کے اس بیان کی تصدیق بھی کرلی تھی کہ اس کا باپ جیل میں فوت ہوگیا ہے۔ پھر آخر سلویا یہاں کیسے..... نادر وہیں کھڑا رہا اور اس کی الجھن بڑھتی رہی۔ ساتھ ہی اُسے سلویا پر بے حد غصہ بھی تھا۔ وہ اب کھڑکی سے ہٹ چکی تھی۔ کھڑکی بند ہوچکی تھی مگر اس کے دھندلے شیشوں پر اس کا سایہ سا نظر آرہا تھا۔

نادر کا غصہ بڑھتا رہا اور اس نے تہیہ کرلیا کہ خواہ کچھ ہوجائے اس عورت کا گلا خود گھونٹ دے گا۔ وہ ٹویوڈا کی ساتھی تھی اور نادر کو دھوکہ دے کر ڈریگی کے گرد کسی قسم کا جال بنتی رہی تھی۔ لگتا ہے کہ وہ بوڑھا جسے اس نے اپنا باپ ظاہر کیا تھا ٹویوڈا ہی کا کوئی مظلوم شکار رہا ہو اور

اسے کسی مقصد کے لئے اس طرح استعمال کیا گیا ہو کہ وہ پولیس کے قبضے میں آجانے کے باوجود بھی زبان نہ کھول سکا ہو۔ نادر کی مٹھیاں بھنچ گئیں اور سارے جسم میں گرم گرم لہریں سی دوڑتی محسوس ہونے لگیں۔

اس نے آگے بڑھ کر کال بل کا بٹن دبایا۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور وہ بے دھڑک اندر داخل ہوگیا۔

دروازہ کھولنے والا بھی اس کے اس طرح داخل ہوجانے پر غیر مطمئن نہیں تھا۔ نادر نے اُسے فوراً ہی محسوس کرلیا۔ لیکن کسی قسم کی کمزوری ظاہر کئے بغیر آگے بڑھتا رہا۔ دفعتاً اُس آدمی نے دروازہ بند کر کے اُسے مخاطب کیا۔

''اس طرح بھٹکتے پھریں گے۔ مجھے بتایئے کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔''

نادر رک گیا اور غرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''مجھے ٹویوڈا کے پاس پہنچا دو۔''

''ٹویوڈا۔'' وہ آدمی متحیر رہ گیا۔ ''یہ ٹویوڈا کون ہے۔ محترم آپ نشے میں تو نہیں ہیں۔''

دفعتاً نادر سنبھل گیا۔ اس سے غلطی ہوئی تھی، اس نے آہستہ سے کہا۔ ''میں اس عمارت کے مالک سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''اوہ..... تو اس طرف تشریف لایئے۔ مالک نہیں بلکہ مالکہ کہیئے۔ کیا آپ پہلی تشریف لائے ہیں۔''

''نہیں دوسری بار۔ مگر مجھے پہلے نہیں بتایا گیا تھا کہ یہاں کوئی مالکہ بھی ہے۔''

''تب پھر آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے اور آپ غلطی سے کہیں اور چلے آئے ہیں۔''

''کیا یہ وہی عمارت نہیں ہے جہاں میں نے ہڈیوں کے بارہ ڈھانچے دیکھے تھے۔''

''آہا۔ یقیناً آپ تشریف لائے ہوں گے۔ آپ کوئی فلسفی ادیب معلوم ہوتے ہیں بلاشبہ بارہ ایسی لڑکیوں کو ہڈیوں کے ڈھانچے کہنا ایک نادر خیال ہے جو عصمت فروشی کرتی ہیں۔ آپ جیسے نہ جانے کتنے ادیب اور شاعر یہاں آتے ہیں۔ جسموں کا سودا ہی کرنے آتی ہیں لیکن پھر شراب پی کر بہکتے ہیں اور اسی قسم کی باتیں کرنے لگتے ہیں۔ ہڈیوں کے ڈھانچے

شرے کا ناسور۔ سماج کا گندا پھوڑا اور نہ جانے کیا کیا اور پھر آپ جانتے ہی ہیں اس کے کیا ہوتا ہے۔ وہ سارے عظیم ادباء و شعراء وہ سارا زہر خود پی کر پوری سوسائٹی کو بچا لیتے چلئے جناب..... آپ شاید پہلی ہی بار تشریف لائے ہیں۔ آپ نے اس عمارت کے متعلق روں سے کچھ سن لیا ہوگا چلئے مسز وارنر آپ سے مل کر بے حد خوش ہوں گی۔ وہ اپنی چھت نیچے شریف تعلیم یافتہ اور اعلیٰ خاندان کے افراد کو دیکھنا پسند کرتی ہیں۔ چلئے جناب۔''

نادر نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر خاموش ہوگیا۔ وہ اس آدمی کے ساتھ بائیں جانب والی اری میں مڑ گیا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ ایک کمرے میں داخل ہوا جہاں ایک معمر یورپین عورت نے اس کا بال کیا۔

نادر الجھن میں تھا کہ اب کس چکر میں آپھنسا ہے۔

''تشریف رکھئے جناب۔'' اس عورت نے کہا۔ ''مجھے مسز وارنر کہتے ہیں۔ آپ شاید پہلی ہاں تشریف لائے ہیں۔''

''نہیں نہیں۔ پہلی بار تو نہیں۔'' نادر بیٹھ کر چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''لیکن شاید پہلے اور لوگ رہتے تھے۔''

''یہاں میں ہی رہتی ہوں محترم اور یہ مسز وارنر کا بورڈنگ کہلاتا ہے۔ اگر آپ دن بھر کی ا اور الجھنوں اکتائے ہوئے ہوں تو یہاں آرام کر سکتے ہیں۔ ہر قسم کی آسائشیں معقول نہ پر مہیا کی جاتی ہیں۔''

''آپ کب سے یہاں ہیں۔''

''وارنر کا بورڈنگ تقریباً پانچ سال سے قائم ہے جناب۔''

''اوہ..... اچھا..... ہاں میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔ ہوسکتا ہے میں غلطی سے یہاں آ گیا ۔شاید تین سال بعد نصیر آباد آیا ہوں۔''

عورت نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی اور دو یا تین منٹ بعد ہی چھ لڑکیاں کمرے میں

گھس آئیں۔ یہ سب جوان اور دلکش تھیں ان میں یورپین بھی تھیں اور مشرقی بھی۔

''ان میں سے کسی کو پسند کر لیجئے۔'' بوڑھی نے کہا۔

''ان میں سے تو کوئی بھی پسند نہیں آئی۔'' نادر نے مسکرا کر کہا۔

''میرے پاس فی الحال بارہ لڑکیاں ہیں ان میں سے چھ اس وقت تک انگیج ہو چکی ہیں۔ آہا..... ٹھہریئے..... ایک تیرھویں بھی ہے۔ اُسے بلواتی ہوں یا آپ خود ہی اُس راہداری کے آخری کمرے میں چلے جایئے۔ وہ وہیں ہوگی۔ آج ہی آئی ہے۔ ہوسکتا ہے ابھی آسانی سے راہ پر نہ آئے۔ مگر میں یہ کام آپ کی لیاقت پر چھوڑتی ہوں۔''

نادر نے سوچا کہیں وہ تیرھویں عورت سلویا ہی نہ ہو۔ اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''اچھی بات ہے۔ میں دیکھے لیتا ہوں اگر وہ بھی معیار کے مطابق نہ ہوئی تو میں پھر انہیں میں سے کسی کو منتخب کروں گا۔''

''بہتر ہے تشریف لے جایئے جناب۔''

''نادر اٹھ کر راہداری میں آ گیا۔ وہ لڑکیاں اس طرح بڑبڑانے لگی تھیں جیسے انہیں نادر کے رویے سے تکلیف پہنچی ہو۔ نادر راہداری کے سرے پر رک گیا۔ آخری کمرہ روشن تھا لیکن دروازہ اندر سے بند تھا۔ نادر نے آہستہ سے دستک دی۔ دروازہ کھل گیا اور سلویا ہی نے اُسے کھولا تھا۔

''اوہ..... نادر کتنی دیر سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔'' اس نے شکایت آمیز لہجے میں کہا لیکن نادر بڑی حقارت سے اُسے ایک طرف دھکا دیتا ہوا کمرے میں داخل ہو گیا۔

''ہاں..... کیا قیمت ہے تمہاری۔'' وہ بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''یہ میری شرافت کے ناپنے میں آخری کیل تھی۔''

''کیا کہہ رہے ہو تم۔'' سلویا نے حیرت سے کہا۔ ''میں نہیں سمجھی۔''

''مجھے اب زیادہ بیوقوف نہ بناؤ۔''

''نادر..... خدا کے لئے۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''میں بے حد پریشان ہوں۔

نمبر 72

نہیں کیا کہہ رہے ہو۔''

''میں یہ کہہ رہا ہوں کہ تم مجھے پسند آ گئی ہو اور مجھے یہاں اس لئے بھیجا گیا ہے کہ تمہیں اپنے ساتھ رات بسر کرنے پر آمادہ کروں۔''

''نادر اب تم بھی مجھے بے سہارا سمجھ کر۔'' سلویا نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا۔

''یہاں تمہاری موجودگی کا مطلب کیا ہے۔'' نادر نے گرج کر پوچھا اور وہ یک بیک ہل پڑی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں اور ہونٹ آہستہ آہستہ ہل رہے تھے۔ اس نے دھیرے سے کہا۔ ''مجھے حیرت ہے کہ تم مجھ سے یہ پوچھ رہے ہو۔''

''کیوں..... پھر کس سے پوچھوں۔ کیا میں تمہیں لایا تھا۔''

''نادر صاف صاف کہو۔'' وہ یک بیک جھلا گئی۔ ''کیا ہے تمہارے دل میں۔ تم نہیں لائے تو میں خود آئی ہوں۔ کیا تم نے مجھے یہاں نہیں بلوایا تھا۔''

''میں نے۔'' نادر نے پھٹی پھٹی سی آواز میں کہا۔

''میں نہیں جانتی۔'' وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ ''تمہارے جانے کے آدھے گھنٹے بعد ایک بوڑھی عورت وہاں پہنچی تھی اور مجھے بتایا تھا کہ میں خطرے میں ہوں۔ لہٰذا نادر مجھے ایک محفوظ مقام پر پہنچا دینا چاہتا ہے۔ نادر کا نام سن کر مجھے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ میں اس کے ساتھ یہاں چلی آئی۔''

''تم غلط بیانی سے تو کام نہیں لے رہیں۔''

''نادر خدا کے لئے مجھے پریشان نہ کرو۔ ورنہ میں اپنے ہاتھوں سے گلا گھونٹ لوں گی۔''

نادر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ''میں سمجھ گیا۔ وہ سؤر کا بچہ مجھے الجھا ہو جانے پر مجبور کر دے گا۔''

''کون؟''

''کوئی نہیں۔ تم نہیں سمجھ سکتیں۔ خیر میں اُسے دیکھوں گا۔''

''تم اُسے نہیں دیکھ سکو گے۔'' دروازے سے آواز آئی۔ نادر چونک کر مڑا۔ ایک نقاب

پوش دروازے میں کھڑا اُسے گھور رہا تھا۔ نادر کے دونوں ہاتھ کوٹ کی جیبوں میں تھے۔ اچانک اس کی داہنی جیب سے ایک شعلہ نکلا اور نقاب پوش چیخ مار کر راہداری میں ڈھیر ہوگیا۔ اس کے سینے سے خون کا فوارہ پھوٹ رہا تھا۔ جیب کے سوراخ سے ریوالور کی نال جھانک رہی تھی۔

''یہ تم نے کیا کیا۔'' سلویا کپکپاتی ہوئی آواز میں چیخی۔

''اس عمارت میں ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تم کمرہ اندر سے بند کرلو۔ کسی حال میں بھی نہ کھولنا..... چلو جلدی کرو۔'' نادر نے کہا اور باہر نکل گیا۔ اس نے خود ہی کھینچ کر دروازہ بند کیا تھا اور پھر شاید سلویا نے اندر سے چٹخنی چڑھا دی۔

مسز وارنر

حمید فائر کی آواز سن کر اس عمارت میں نہیں داخل ہوا بلکہ اس نے سڑک پر ہی اس عمارت کے متعلق معلومات حاصل کی تھیں اور اُسے بھی یہی معلوم ہوا تھا کہ وہ مسز وارنر کا بورڈنگ ہاؤس ہے اور وہاں بڑی خوبصورت لڑکیاں پائی جاتی ہیں۔ مردوں کا قیام بھی رہتا ہے۔ اکثر طلباء کالج کے ہاسٹل چھوڑ کر یہیں چلے آتے ہیں۔ لیکن صرف مالدار طلباء کیونکہ یہاں کے اخراجات کا بار عام آدمی کا تصور بھی نہیں اٹھا سکتا۔

حمید نے کال بل کا بٹن دبایا۔ دروازہ پھر کھلا اور ایک آدمی نے اُسے خوش آمدید کہا۔

''میں مسز وارنر سے ملنا چاہتا ہوں۔'' حمید نے کہا۔

''تشریف لے چلئے جناب۔'' اس آدمی نے جواب دیا۔

پھر حمید کو بھی اسی کمرے میں پہنچا دیا گیا جہاں کچھ دیر پہلے نادر اس بوڑھی عورت سے ملا تھا۔ یہاں ابھی وہ لڑکیاں بھی موجود تھیں جو نادر کے لئے بلوائی گئی تھیں۔ حمید کی طبیعت خوش ہوگئی اور وہ سوچنے لگا کہ وقت اچھا گذرے گا۔ رہا فریدی کا معاملہ تو اس نے اس سے نادر کا

قاب کرنے کو کہا تھا۔ وضاحت نہیں کی تھی کہ اگر وہ کسی عمارت میں داخل ہو تو حمید کو کیا کرنا ہوگا۔ بس وہ تعاقب کرتا ہوا عمارت ہی میں داخل ہوگیا اور اب نادر بھاڑ میں جائے۔ وہ بھی کسی کمرے میں چین کی بنسی بجا رہا ہوگا۔

''میں مستقل طور پر ایک کمرہ حاصل کرنا چاہتا ہوں۔'' اس نے مسز وارنر سے کہا۔ ''ایک نامی کالج کا طالب علم ہوں۔ ہاسٹل میں مجھے ڈبل بیڈ والا کمرہ ملا تھا جو مجھے قطعی پسند نہیں۔

مسز وارنر کچھ کہنے ہی والی تھی کہ حمید فائر کی آواز سن کر اچھل پڑا اور ساتھ ہی اس نے کسی کی چیخ بھی سنی۔ مسز وارنر بھی بوکھلا کر اٹھی اور لڑکیاں چیخنے لگیں۔

''خاموش رہو۔'' مسز وارنر نے انہیں ڈانٹا۔ اتنی دیر میں حمید دروازے پر پہنچ چکا تھا۔ اسے راہداری کے سرے پر نادر نظر آیا جو بائیں ہاتھ سے ایک کمرے کا دروازہ بند کر رہا تھا۔ اپنے ہاتھ میں ریوالور لئے ہوئے تھا۔ اس کے قریب ہی فرش پر ایک آدمی پڑا ہوا نظر آیا۔

حمید پر نظر پڑتے ہی نادر نے اس پر بھی ایک فائر جھونک دیا۔ حمید بال بال بچا۔ ورنہ اس کی کھوپڑی بھی صاف ہوگئی تھی۔ اس نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کرلیا۔

''کون ہے کیا بات ہے۔'' مسز وارنر نے کپکپاتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''ایک آدمی فائر کر رہا ہے۔'' حمید نے دروازے کی چٹخنی چڑھاتے ہوئے کہا۔

''اس نے ایک آدمی کو ختم بھی کر دیا ہے۔''

''ارے۔'' مسز وارنر کے لہجے میں حیرت تھی۔ پھر اس نے پوچھا۔ ''کیا وہ سیاہ سوٹ ملبوس تھا۔ راہداری کے سرے پر۔''

''ہاں وہی تھا۔ کیا وہ پاگل ہوگیا ہے۔''

مسز وارنر کچھ کہنے ہی والی تھی کہ کوئی دروازہ پیٹنے لگا۔ ساتھ ہی حمید نے نادر کی آواز سنی، جو کہہ رہا تھا۔ ''دروازہ کھولو۔ میں ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ سؤر کی بچیو..... مجھے بتاؤ کہ ارڈرو ٹیوڈا کہاں ہے۔ ورنہ میں اس عمارت میں آگ لگا دوں گا اور تم سب خاک کا ڈھیر ہوجاؤ گے۔

"میں ٹویوڈا اندر موجود ہوں۔" حمید نے گرج کر کہا۔

"باہر نکل نامرد۔"

"نہیں نکلوں گا۔ میرے ساتھ کچھ عورتیں بھی ہیں۔ میں انہیں خوفزدہ نہیں کرنا چاہتا۔ تم چپ چاپ کھسک جاؤ یہاں سے ورنہ مجھے باہر ہی نکلنا پڑے گا۔"

دفعتاً مسز وارنر نے اعشاریہ پانچ کا پستول نکال لیا اور حمید کو مخاطب کر کے غرائی۔ "اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو۔"

"لو بیٹے نادر۔" حمید نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "مسز وارنر نے ٹویوڈا کے ہاتھ بھی اٹھوا دیئے۔"

"میں دروازہ توڑ دوں گا۔"

"کوشش کرو۔" مسز وارنر غرائی۔ پھر حمید سے بولی۔ "تم کون ہو۔"

"میں ٹویوڈا ہوں ڈارلنگ۔ مجھے پہچاننے کی کوشش کرو۔ پچھلے سال ہم دونوں نے ماؤنٹ ایورسٹ پر آئس کریم کھائی تھی۔"

"لڑکیو۔" وارنر بولی۔ "اُسے زمین پر گرا دو۔"

"اس حرکت کے لئے انہیں لڑکیو نہ کہو بلکہ ہاتھیو کہہ کر مخاطب کرو۔ اگر انہوں نے مجھے گرا لیا تو مجھے ویسے بھی خودکشی ہی کرنی پڑے گی۔"

باہر سے نادر دروازے پر ٹکریں مار رہا تھا۔ اُدھر وہ لڑکیاں حمید پر ٹوٹ پڑیں اور حمید نے موقع مناسب جان کر خود ہی زمین پر لوٹ لگائی۔ وہ دراصل اس فکر میں تھا کہ مسز وارنر کے ہاتھ سے پستول چھین لے۔ لڑکیاں ایک دوسرے پر گریں لیکن حمید تو بہرحال ان کے نیچے ہی تھا۔ پھر اس نے دوسرے ہی لمحے میں دوبارہ غلطک ماری اور سیدھا وارنر سے جا ٹکرایا۔ وہ شاید غافل تھی اس لئے سنبھل نہ سکی۔ دیوار سے ٹکرائی پھر جوتے چکنے فرش پر پھسل گئے اور دھب سے بیٹھ گئی۔ اب اس کا پستول حمید کے ہاتھ میں تھا۔

"چلو..... تم سب دیوار سے لگ کر کھڑی ہو جاؤ۔" حمید نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ "مسز وارنر تم

بھی اٹھو۔ اس مہم کے بعد تمہارے لئے ایک یتیم خانہ مہیا کرنے کی کوشش کروں گا۔"

دفعتاً باہر سے کئی آدمیوں کی آوازیں آئیں اور پے در پے فائر ہوئے۔ لیکن ان فائروں کے درمیان ایک قہقہہ گونجتا رہا تھا۔

"بس....." کسی نے کہا۔ "اب اسے پکڑ لو۔"

حمید کے جسم میں ایک سرد سی لہر دوڑ گئی کیونکہ یہ آواز وہ اس سے پہلے بھی ایک بار سن چکا تھا۔ اس کے متعلق نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ کسی عورت کی آواز تھی یا کسی مرد کی۔ ٹویوڈا کی آواز تھی اور فائروں کے درمیان قہقہہ بھی اسی کا تھا۔

اب ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کچھ آدمی لڑ پڑے ہوں۔ حمید نے سوچا ممکن ہے نادر نے یہ ہائر ٹویوڈا ہی پر کئے ہوں لیکن ٹویوڈا تو اپنے لبادے کے نیچے بلٹ پروف جمائے رکھنے کا عادی تھا۔ یقیناً اب نادر پکڑ لیا گیا ہوگا۔

دفعتاً باہر سے پھر ٹویوڈا کی آواز آئی۔ "مسز وارنر اندر کون ہے۔"

"ایک اجنبی جناب۔ ابھی اس نے خود کو ٹویوڈا کہا تھا۔" مسز وارنر نے چیخ کر کہا۔

وہ بے حد خوش نظر آنے لگی تھی۔

"اگر تم میں سے کسی نے بھی اپنی جگہ سے حرکت کی تو گولی مار دوں گا۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"کیا اس نے تمہیں کور کر رکھا ہے۔" باہر سے پوچھا گیا۔

"ہاں جناب۔ پتہ نہیں یہ کون ہے۔"

"تمہارا کوئی گاہک۔" باہر سے پوچھا گیا۔

مسز وارنر نے کچھ کہنے کیلئے ہونٹ ہلائے ہی تھے کہ حمید آنکھیں نکال کر بولا۔ "کہو ہاں۔"

"جی ہاں۔" مسز وارنر بوکھلا کر بولی۔ "وہ یہی کہتا ہے کہ میں گاہک ہوں۔"

"اس سے کہو کہ دروازہ کھول دے اُسے اس شرط پر باہر نکال دیا جائے گا کہ وہ اپنی زبان بند رکھے۔"

"مجھے منظور ہے۔" حمید نے بلند آواز میں کہا۔ "میں کسی سے نہیں کہوں گا کہ مسز وارنز کا بورڈنگ غنڈوں اور لفنگوں کا اکھاڑہ ہے۔"

"آہا۔" باہر سے آواز آئی۔ "میرے کان دھوکہ نہیں کھا سکتے۔ میں نے تمہیں پہچان لیا۔ تم کیپٹن حمید ہو۔ ہاہا..... اب میں باہر سے دروازہ مقفل کر رہا ہوں۔ اگر تمہارے ساتھ یہ سہمات عورتیں بھی جل مریں تو مجھے افسوس نہ ہوگا۔"

"کیا مطلب.....؟"

"میں عمارت میں آگ لگانے جا رہا ہوں..... ہاہا.....!"

"ارے جناب..... ارے جناب۔" مسز وارنز ہذیانی انداز میں چیخی۔

"صبر کرو مسز وارنز۔ یہ موقع ہی ایسا ہے کہ تم عظیم ٹویوڈا پر قربان ہو کر اپنی وفاداری کا ثبوت دو۔"

"ارے نہیں..... ارے نہیں۔" مسز وارنز کتیوں کی طرح رونے لگی۔ لڑکیاں بھی پاگلوں کے سے انداز میں حلق پھاڑ رہی تھیں۔

"مجبوری ہے مسز وارنز۔" باہر سے ٹویوڈا کی آواز آئی۔ "میں اس سؤر کو باہر نہیں نکالنا چاہتا۔ ان لوگوں سے بے حد زچ ہوا ہوں اسلئے اب انہیں کسی قسم کی ڈھیل دینا پسند نہیں کرتا۔"

پھر شاید باہر سے اس نے اپنے ساتھیوں سے چلنے کو کہا۔ وہ لوگ غالباً نادر کو بھی اپنے ساتھ لئے جا رہے تھے۔ کچھ دیر بعد راہداری میں سناٹا ہو گیا۔

اب مسز وارنز وحشیوں کی طرح آنکھیں پھاڑے ٹویوڈا کو گالیاں دے رہی تھی اور اس طرح دونوں ہاتھ ہلا رہی تھی جیسے کسی خیالی ٹویوڈا کی دھجیاں اڑا رہی ہو۔ لڑکیاں تو سبھی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں۔ دفعتاً مسز وارنز نے انہیں ڈانٹ کر چپ رہنے کو کہا۔

پھر اس نے حمید سے پوچھا "آپ کون ہیں جناب جس کے لئے ہمیں جانیں بھی ضائع کرنی پڑیں گی۔"

"میں ٹویوڈا کی موت ہوں۔" حمید نے غصیلی آواز میں کہا۔

"کیپٹن حمید کہا تھا اس نے..... اوہ کہیں آپ کرنل فریدی کے ساتھی تو نہیں ہیں۔"

"فرض کرو ہوں بھی تو اب کیا ہو سکتا ہے۔ وہ باہر سے دروازہ مقفل کر گیا ہے اور اب ت کے کسی گوشے میں آگ لگا رہا ہوگا۔"

"ہم اس سے پہلے ہی نکلیں گے اور اب میں اُسے بتاؤں گی کہ وہ کتنا چالاک ہے۔ سؤر بچے نے میری خدمات بھی نظر انداز کر دیں۔"

"کیسے بتاؤ گی۔ کیا باہر نکلنے کی کوئی صورت ہو سکتی ہے۔"

"کیوں نہیں۔ اس عمارت کو وہ مجھ سے زیادہ نہیں جانتا۔ اس دروازے میں دوہرا قفل ہے۔ میں اُسے اندر سے بھی کھول سکوں گی۔"

اس نے میز کی درازیں کھول ڈالیں اور ان میں کوئی چیز تلاش کرنے لگی۔ آخر ایک پرکار اور اس کے نکیلے حصے کو قفل کے سوراخ میں ڈال کر زور لگانے لگی۔ پھر حمید کی باچھیں تو اس ت کھلیں جب دروازہ کھل گیا۔

مسز وارنز لڑکیوں سے کہہ رہی تھی۔ "جاؤ۔ تم لوگ یہاں سے جلدی نکلو۔ تم یہ رات کسی ٹ کلب میں گذار سکتی ہو۔ اسکے بعد میں تم لوگوں کیلئے کچھ سوچوں گی۔ ارے جلدی کرو۔"

لڑکیاں دوڑتی ہوئی صدر دروازے کی طرف چلی گئیں۔

"اب ہمیں یہاں وقت نہیں برباد کرنا چاہئے۔ آؤ میرے ساتھ آج اس کتے کے پلے کی موت آ گئی ہے۔ اگر اس نے میرے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کیا ہوتا تو شاید کچھ دن زندہ بھی رہ لیتا۔ میرا خیال ہے کہ اس عمارت کے پچھلے حصے میں آگ لگا دی گئی ہے۔ اوہو..... تم بہت آہستہ چل رہے ہو۔ جلدی قدم بڑھاؤ۔ وہ ٹویوڈا ہے۔"

وہ عمارت سے باہر نکل آئے اور تیزی سے سڑک کی طرف بڑھے۔ مسز وارنز نے ہاتھ اٹھا کر ایک ٹیکسی رکوائی۔

"چلو بیٹھو۔ تم بہت سست ہو۔" وہ حمید کو پچھلی نشست کی طرف دھکیلتی ہوئی بولی اور خود بھی اس کے برابر بیٹھتی ہوئی ڈرائیور سے بولی۔ "گرینچ روڈ۔"

ٹیکسی چل پڑی۔ حمید خاموش تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔ ”تم مجھے کہاں لے جارہی ہو۔“

”اسی گیدڑ کے غار کی طرف۔ میرے علاوہ شاید ہی کوئی اس کے ٹھکانے سے واقف ہو۔“

حمید بے اختیار خوش ہوگیا۔ وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ مسز وارنر بولی۔ ”وہ وہاں تنہا ہوگا۔ اپنے اصل ٹھکانے پر وہ تنہا ہی ہوتا ہے۔“

اب تو حمید کی کھوپڑی آسمان سے باتیں کرنے لگی۔ اس نے سوچا کہ فریدی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی اور وہ ٹویوڈا کو مار لے گا۔ اس طرح پچھلی حماقتوں کے داغ دھل سکیں گے۔ ٹویوڈا انتہائی آسانی سے ہاتھ آجائے گا۔ آخر وہ بھی تو آدمی ہی ہے۔ کوئی مافوق الفطرت ہستی نہیں۔

مسز وارنر خاموش ہوگئی تھی۔ کچھ دیر بعد ٹیکسی گرینج روڈ پر پہنچ گئی۔ مسز وارنر نے ایک جگہ ڈرائیور سے روکنے کو کہا۔

یہ ایک مختصر سی عمارت تھی جس کے سامنے ٹیکسی رکی تھی۔ حمید سمجھا شائد اسی عمارت میں جانا ہوگا مگر مسز وارنر ٹیکسی کا کرایہ ادا کر کے ایک طرف پیدل چلنے لگی۔

”وہ بہت چالاک ہے۔“ مسز وارنر نے کہا۔ ”اسلئے بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ آخر مسز وارنر ایک عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ چاروں طرف سناٹا تھا اور عمارت بھی تاریک پڑی تھی۔

”ہم اپنے جوتے اتار لیں تو بہتر ہے۔“ مسز وارنر نے آہستہ سے کہا۔ وہ گلاب کی اونچی اونچی جھاڑیوں کے قریب رک گئے تھے۔

”مگر کیا یہ ضروری ہے کہ وہ عمارت میں موجود ہی ہو۔“ حمید نے کہا۔

”اگر نہ ہوا تو ہمیں اور بھی آسانی ہوجائے گی اور ہم اُسے غفلت میں مار سکیں گے۔ ویسے وہ واپس یہیں آئے گا۔ یہیں رات بسر کرے گا۔ تنہا ہوگا۔ ہم کہیں چھپ رہیں گے۔ عمارت تاریک پڑی ہے۔ اس کا مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ ابھی وہ واپس نہیں آیا۔ جوتے اتار لو۔“

حمید نے جوتے اتار کر جیب میں ٹھونس لئے۔ مسز وارنر نے بھی اپنے جوتے اتار کر ہاتھ میں لٹکا لئے تھے۔

کچھ دیر بعد وہ برآمدے میں تھے۔ مسز وارنر آگے تھی۔ حمید اندازہ نہیں کر سکا کہ اس نے دروازہ کیسے کھول لیا تھا۔

وہ دونوں دبے پاؤں اندر داخل ہوئے۔ شاید مسز وارنر دروازہ بند کرنے کے لئے رکی تھی۔ پوری عمارت سنسان پڑی تھی۔ مسز وارنر کی چھوٹی سی ٹارچ کی روشنی میں حمید ایک ایک کمرہ دیکھتا پھر رہا تھا۔

پھر وہ ایک ایسے کمرے میں آئے جسے خواب گاہ ہی کہا جاسکتا تھا۔ یہاں ایک بڑی مسہری تھی جس پر بہت پرتکلف بستر نظر آرہا تھا اور چادر فرش پر لوٹ رہی تھی۔

”چھپنے کے لئے یہ بہترین جگہ ہے۔“ مسز وارنر نے کہا۔

”کیا مطلب.....!“

”بس اسی مسہری کے نیچے گھس چلو۔“ مسز وارنر نے تجویز پیش کی۔

”اس سے کیا ہوگا۔“

”یقین نہیں آتا کہ کرنل فریدی کے اسسٹنٹ ہو۔“ مسز وارنر نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”ارے اسی مسہری پر تو وہ سوئے گا۔ بس پھر مالک ہم ہوں گے۔“

اس نے مغرورانہ انداز میں سر کو خفیف سی جنبش دی۔

ٹویوڈا کا انجام

کچھ دیر بعد دونوں مسہری کے نیچے پڑے ہوئے تھے اور خواب گاہ میں بالکل اندھیرا تھا۔ حمید نے مضبوطی سے پستول کا دستہ پکڑ رکھا تھا۔

پندرہ منٹ بھی نہیں گذرے تھے کہ کئی قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور حمید کچھ تھوڑا سا ڈر ہوگیا۔ شاید ٹویوڈا کئی آدمیوں کے ساتھ آیا تھا۔

حمید نے دوسرے ہی لمحے ٹارچ کی روشنی محسوس کی۔اس کے بعد قدموں کی آوازیں دور ہوتی چلی گئیں۔

''چلو آؤ۔'' مسز وارنر نے آہستہ سے کہا۔''اس کی پرواہ نہ کرو کہ اس کے ساتھ کئی آدمی ہیں۔ بس تم نہایت اطمینان سے فائرنگ شروع کر دینا۔ وہ عموماً بلٹ پروف پہنے رہتا ہے لیکن اب وہ کچھ دیر بعد آرام کرنے کے لئے یہاں واپس آئے گا۔اس وقت اس کے جسم پر بلٹ پروف نہ ہوں گے۔''

وہ دونوں مسہری کے نیچے سے نکل آئے۔

مسز وارنر اُسے ایک سمت لے جا رہی تھی۔ بڑے کمرے میں انہیں روشنی نظر آئی اور حمید نے پستول سنبھال لیا۔

اندر تین آدمی موجود تھے اور ان کی پشت دروازے کی طرف تھی۔

''کرو فائر۔'' مسز وارنر نے آہستہ سے کہا اور حمید نے جھونک مارا.....لیکن اس کا ہاتھ کانپ گیا تھا اس لئے گولی کسی کے بھی نہ لگی اور وہ اچھل کر ادھر اُدھر ہو گئے۔ پھر حمید کے منہ سے ایک خوفزدہ سی آواز نکلی کیونکہ اس نے کرنل فریدی اور اس کے دو نقاب پوش ساتھیوں پر فائر کیا تھا۔

''دماغ خراب ہو گیا ہے۔'' فریدی غرایا۔

''مم.....میں سمجھا ٹویوڈا۔ مگر آپ کہاں۔'' حمید نے ہکلا کر کہا۔

''میں بھی ٹویوڈا ہی کی تلاش میں آیا ہوں۔ اور مسز وارنر میں تمہارا شکر گذار ہوں کہ تم نے یہاں تک رہنمائی کی۔ مگر ٹویوڈا کہاں ہے۔''

''یہ کون ہے۔'' مسز وارنر نے پوچھا۔

''کرنل فریدی۔''

''اوہ۔'' مسز وارنر بے حد خوش ہو کر بولی۔''کرنل تم سے مل کر بے حد خوشی ہوئی۔''

''مجھے معلوم ہوا تھا کہ ٹویوڈا کی صحیح قیام گاہ سے صرف تم ہی واقف ہو۔'' فریدی نے کہا۔

''اور تمہیں غلط اطلاع نہیں ملی تھی۔'' مسز وارنر مسکرائی۔''اسی لئے تم نے مجھے ٹویوڈا کے خلاف غصہ دلا کر ٹویوڈا کی قیام گاہ تک پہنچنے کی اسکیم بنائی تھی۔ تم نے کیپٹن حمید کو اسی لئے عورت میں بھیجا تھا کہ وہ وہاں آ کر کچھ شروع کرے اور تم ٹویوڈا کا بھیس بدل کر آ پہنچو۔ پھر اسے اور اسے کسی ایک کمرے میں بند کر کے ایسی باتیں کرو کہ مجھے ٹویوڈا پر غصہ آ جائے۔ تم جو کچھ بھی چاہتے تھے میں نے وہی کیا۔ مجھے ٹویوڈا پر غصہ آیا اور اب میں تمہارے اسسٹنٹ کو یہاں لائی ہوں۔ ظاہر ہے کہ تم ہم دونوں کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں آئے ہو۔ لہٰذا اب ٹویوڈا کو تلاش کر لو۔''

''میں ٹویوڈا ہوں۔'' دفعتاً مسز وارنر کی آواز بدل گئی۔

''میں جانتا ہوں جاپانی بہروپے۔'' فریدی نے ہنس کر کہا۔

اور پھر یک بیک مسز وارنر یا ٹویوڈا کے ساتھ بھی وہی برتاؤ ہوا۔

نادر دبے پاؤں اس کی پشت والے کمرے سے اندر داخل ہوا تھا اور ٹویوڈا کی کمر پر اس کی لات رسید کی تھی کہ وہ اچھل کر کمرے کے وسط میں جا پڑا تھا۔ پھر اس نے اُسے سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر ہی اس پر چھلانگ لگا دی۔ سب سے پہلے اس نے پستول پر ہاتھ مارا مگر اس پر ٹویوڈا کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ دو تین فائر ہو گئے اور کمرے کے کچھ گلدان اور کھڑکیوں کے شیشے ضائع ہوئے۔

لیکن نادر نے اس سے پستول چھین ہی لیا اور اب وہ دونوں دو وحشیوں کی طرح لڑ رہے تھے۔

فریدی نے ہنس کر کہا۔''میں تمہیں ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔ جو مجرم بہت زیادہ لاف و گزاف کرتے ہیں انہیں ہاتھ لگانے سے ہمیشہ احتراز کرتا ہوں۔ تم نے کہا تھا نا کہ مجھے کچھ دن چل کر کے آخر کار مار ڈالو گے۔ لہٰذا اب اس وقت تم مجھے ذلیل کر رہے ہو اور کچھ دیر بعد مار ڈالو گے۔ تم یہ نہ سمجھنا کہ مجھے یہاں دھوکہ دے کر لائے ہو۔ جب تک میں نے تمہاری آواز نہیں سنی تھی صرف دور سے دیکھا ہی تھا اس وقت تک تمہیں عورت ہی سمجھتا رہا تھا لیکن ابھی کچھ دیر پہلے جب تمہارے بورڈنگ میں تمہاری آواز سنی تو بڑا مزہ آیا۔ میں نے سوچا کہ تم باہر

والے ٹویوڈا کی اصلیت سے واقف ہی ہوگئے ہوں گے۔ اس لئے اب خاصی تفریح رہے گی اور دیکھو یہ رہی تفریح..... ایک ایسا آدمی تمہاری مرمت کر رہا ہے جسے تم اپنے غلاموں کے حلقے میں داخل کرنا چاہتے تھے۔ ہاں نادر..... شاباش.....!"

ٹویوڈا کی کھوپڑی انڈے کے چھلکے کی طرح شفاف نکل آئی تھی۔ مصنوعی بال اس جدوجہد کے دوران میں سر سے نکل گئے تھے اور اب اس کے لباس کے نیچے سے نہ جانے کیا کیا الا بلا نکل کر فرش پر گر رہی تھی۔ لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ وہ جسمانی قوت میں نادر سے کم نہیں تھا اور نادر کو دانتوں پسینہ آ رہا تھا۔

ابھی تک وہ اُسے نیچے نہیں گرا سکا تھا۔

"چلو بس بہت ہو چکا۔" فریدی نے کہا۔ "اب اسے پکڑ کر ایک معمولی گرہ کٹ کی طرح گرفتار کر لو۔ یہ جاپان کا فتنہ ہے..... ہاہا..... یورپ کا زرد بخار ہے..... یہ وہ ہے جس نے عہد کیا تھا کہ مجھے قتل کئے بغیر یہاں سے نہ جائے گا۔"

"ہاں میں تمہیں قتل کئے بغیر یہاں سے نہ جاؤں گا۔" ٹویوڈا دھاڑا اور یک بیک نادر کو چھوڑ کر فریدی کی طرف چھلانگ لگا دی۔ لیکن فریدی بڑی پھرتی سے پیچھے ہٹ گیا۔ ٹویوڈا جھونک میں آ کر نیچے گرا لیکن زمین پر پہنچنے سے پہلے ہی فریدی کی ٹھوکر اس کی ٹھوڑی پر پڑی اور وہ ایک کریہہ چیخ کے ساتھ دوسری طرف الٹ گیا۔

اب وہ دونوں ہاتھوں سے اپنی ٹھوڑی دبائے ہوئے کسی مرتے ہوئے بھینسے کی طرح ڈکرا رہا تھا اور خون کی چادر اس کے سینے پر پھیل رہی تھی۔

"کرنل..... ہُرّا..... ہُرّا....." نادر چیخا۔

دوسری صبح حمید یقین کرنے پر تیار نہیں تھا کہ ٹویوڈا کو اس طرح پکڑ لیا گیا ہوگا۔ اس نے بڑی سے پوچھا۔ "کہیں ہم دونوں خواب تو نہیں دیکھتے رہے ہیں۔"

"بھئی مجھے خود بھی حیرت ہے کہ وہ تو کسی چوہے سے بھی بدتر ثابت ہوا۔" فریدی بولا۔ "میں دراصل اسی کی فکر تھی ورنہ اس کے بہتیرے آدمی تو یہاں نصیر آباد میں بھی میری نظروں میں آ گئے تھے۔ انہیں میں سے ایک آدھ کو پکڑ کر میں نے یہ بات معلوم کی تھی کہ مسز وارنر یقینی طور پر ٹویوڈا کی قیام گاہ سے واقف ہے۔ اس کے علاوہ اور کسی کو بھی علم نہیں ہو سکتا کہ وہ رہتا کہاں ہے۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ اس کی آواز سننے سے پہلے اسے نہیں پہچان سکا تھا۔ ویسے میرا منشا یہی تھی کہ میں مسز وارنر کو ٹویوڈا کے خلاف غصہ دلا کر ٹویوڈا کی قیام گاہ کا پتہ معلوم کر سکوں اسی لئے نادر کو وہاں بھیجا تھا اور تمہیں بھی پیچھے لگا دیا تھا کہ دونوں میں سے کسی ایک کو اس کے ساتھ بند کر کے آگ لگا دینے کی دھمکی دوں گا۔"

"مگر آپ نے ٹویوڈا کی آواز کی بڑی شاندار نقل اتاری تھی۔" حمید نے کہا۔

"لیکن وہ تو فوراً ہی سمجھ گیا تھا کہ میں کیا چاہتا ہوں اس لئے اس نے بھی وہی کیا تھا، جو وہ چاہتا تھا۔ اس طرح وہ دھوکے کا جواب دھوکے سے دے کر میرا مضحکہ اڑانا چاہتا تھا۔ بات کچھ اور ہوتے لیکن نادر نے وہاں پہنچ کر پہلے ہی گڑبڑ مچا دی تھی۔ مجھے اس کا علم نہیں تھا کہ ٹویوڈا نے سلویا کو اس لئے اڑا دیا ہے کہ وہ پولیس کو ڈریگی کے سلسلے میں اپنا بیان نہ دے سکے۔ بس نادر اُسے اس عمارت میں دیکھ کر آپے سے باہر ہو گیا اور ٹویوڈا کے ایک آدمی کو بھی ہلاک کر دیا۔ میرا خیال ہے کہ اگر میں جلد ہی نہ پہنچ جاتا تو اس نے کھیل ہی بگاڑ دیا ہوتا۔"

"یہ ڈریگی کا کیا قصہ تھا۔ کیا اس کا تعلق بھی ٹویوڈا سے تھا۔"

"صرف اسی حد تک کہ ٹویوڈا اُسے بلیک میل کر رہا تھا۔ اپنی زبردستیوں سے اُسے یہ جتانا چاہتا تھا کہ وہ جب چاہے اُسے چٹکی سے مسل سکتا ہے۔ لہٰذا ٹویوڈا کا پیٹ بھرنے کے

لئے اُسے ہر وقت بڑی بڑی رقومات کی فکر رہتی تھی۔ اس سلسلے میں وہ قاسم سے کم از کم تین لاکھ وصول کرنے کے چکر میں تھا۔ لیکن اسی چکر میں بالآخر خود بھی مارا گیا اور اُسے پھانسنے کے سلسلے میں تمہارا کارنامہ یادگار حیثیت کا حامل ہے۔ بڑے ڈھب سے اُسے قانون کے شکنجے میں لائے ہو۔"

"اور یہ نادر۔" حمید نے پوچھا۔ "اس کا معاملہ ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آسکا۔"

"اوہ..... نادر..... واقعی ایک شاندار آدمی ہے۔ اس نے خود کو یکسر بدل دیا ہے۔ وہ دراصل ڈرینگی اور سلویا کے معاملات سمجھنا چاہتا تھا۔"

فریدی نے نادر کی داستان شروع کردی، جو غالباً نادر ہی کی زبانی اس تک پہنچی تھی۔

"مگر..... کیا آپ نے نادر کو پہلے ہی ملا لیا تھا۔"

"نہیں وہ تو صرف دو تین رات پہلے کی بات ہے۔ میں اس وقت اس کی کوٹھری میں پہنچ گیا تھا۔ جب وہ وہاں موجود نہیں تھا میں اس سے ملنا ہی چاہتا تھا کیونکہ اس کا رول بھی اس ڈرامے میں کافی دلچسپ معلوم ہوا تھا۔ بہرحال نادر نے اس کے متعلق بہترین ہی اطلاعات فراہم کیں۔"

فریدی نے اُسے بتانا شروع کیا کہ کس طرح ٹویوڈا اُسے مرعوب کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ غالباً اس کا مقصد تو یہی تھا کہ وہ مرعوب ہوکر اس کی ٹولی میں آملے اور اس کے گروہ میں ایک کارآمد آدمی کا اضافہ ہوجائے۔ اس کا اعتراف مجھے آج بھی ہے کہ جہاں تک ذہانت کا تعلق ہے ٹویوڈا ایک دیو ہے اور وہ جانتا ہے کہ کسی آدمی کو کس طرح راہ پر لایا جاسکتا ہے۔ اب مجھے ان آدمیوں کو تلاش کرنا ہے جو ٹویوڈا کے غلام کہلاتے تھے۔ ان میں سے بہتیرے ایسے ہیں جو کسی وقت بھی پکڑے جاسکتے ہیں۔"

"مگر ٹویوڈا سلویا کو کیوں لے گیا تھا۔"

"اوہ..... یہ بھی اُس کی ایک عقلمندی ہی تھی، جو پھانسی کے پھندے کی طرح گلے پڑ گئی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ پولیس کو اس کا علم ہوسکے کہ ڈرینگی کو بھی کوئی بلیک میل کررہا ہے۔ حالانکہ یہ سارا فتنہ اسی لئے اٹھا تھا کہ وہ ڈرینگی کو بلیک میل کررہا تھا۔ اگر یہ سلسلہ نہ ہوتا تو نا

کی راہ پر کبھی نہ لگتا اور مجھے بہت زیادہ جدوجہد کرنی پڑتی۔"

دراصل مجھے نادر پر شبہ تو ہوا تھا کہ وہ کوئی حرکت کرنے والا ہے کیونکہ اس کا ڈرینگی کے ں ایک باغبان کی حیثیت سے ملازمت کرنا حیرت انگیز تھا۔ تم جانتے ہی ہو کہ یہ کتنا مالدار لی ہے۔ بہرحال نادر کی نگرانی کرتا ہوا میں ٹویوڈا تک جا پہنچا۔"

"اب صرف دو نکتے اور باقی رہ گئے۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "کٹی پرکنس ہ سرمایہ دار جس پر آپ کو ٹویوڈا کا ساتھی ہونے کا شبہ تھا۔"

"وہ حضرات بھی حراست میں ہیں۔ خود ان کے گھر سے ایسی دستاویزات امر سنگھ نے د کرلی ہیں جن سے دونوں کے تعلقات پر روشنی پڑتی ہے۔ کٹی پرکنس کے متعلق کیا بتاؤں۔ جی کارٹر کی وجہ سے وہ بھی سامنے آئی تھی۔ جی کارٹر اس کا محبوب تھا جسے ٹویوڈا اپنے گروہ شامل کرنا چاہتا تھا لیکن چونکہ جی ہی کی وجہ سے اُسے شکست نصیب ہوئی تھی اور اس فیلڈ میں کہیں کٹی کا وجود بھی اُبھرا تھا اس لئے جی کو قتل کرکے اس کی لاش تحفتاً کٹی کو بھیج دی گئی۔ ٹویوڈا ایسے لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑتا تھا جن سے اُسے کوئی نقصان پہنچ جائے یا نقصان پہنچے کا ل ہو۔"

ٹویوڈا پکڑ تو لیا گیا مگر اب وہ بین الاقوامی رسہ کشی کا باعث بنا ہوا تھا۔ بہتیری حکومتوں کا ی تھا کہ وہ ان کا مجرم ہے۔ لہٰذا اُسے اُن کے حوالے کردیا جائے۔ اس میں کافی وقت صرف یا۔ لیکن پھر متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ اُسے حکومت جاپان کے حوالے کردیا جائے۔ یہی اور جاپان میں ٹویوڈا کو بجلی کی کرسی نصیب ہوئی۔

اس کے دوسرے ساتھی جو گرفتار ہوسکے تھے انہیں یہیں کی عدالت نے بڑی بڑی

سزائیں دیں۔ ڈریگی پر قتل کے مقدمات بھی قائم ہوئے تھے۔ لہٰذا اُسے بھی ایک دن تختہ دار پر جانا پڑا اور اس کے دوسرے ساتھیوں کو مختلف قسم کی سزائیں دی گئیں۔

نادر اب ایک شریف آدمی کی طرح زندگی بسر کر رہا ہے۔ مگر اب وہ تنہا نہیں ہے۔ ایک شریف عورت بھی اُس کے ساتھ ہے۔ سلویا نادر۔ ان کی ازدواجی زندگی بے حد خوشگوار ہے اور اب وہ ماضی میں جھانکنا بھی پسند نہیں کرتے۔

نادر کا خیال ہے کہ ایک نہ ایک دن ہر بُرے آدمی کو یہ سوچنا پڑتا ہے کہ وہ غلط راہوں پر آ نکلا تھا۔ اب اگر اس میں اتنی ہمت ہوئی کہ وہ اسی راہ پر واپسی کے لئے مڑ جائے تو یقیناً اُسے وہ راہ مل جاتی ہے جس سے بھٹک کر غلط راہ پر جا نکلا تھا۔ لیکن اگر اس نے یہ سوچا کہ اب واپسی کی زحمت کون گوارا کرے ہو سکتا ہے یہی راہ آگے جا کر اُس راہ سے مل جائے جس پر اسے سفر جاری رکھنا چاہئے تھا تو وہ ہمیشہ دھوکے ہی میں رہے گا اور وہ راہ آہستہ آہستہ اُسے اندھیروں میں دھکیلتی رہے گی۔

ختم شد

ابنِ صفی

جلد نمبر
23

جاسوسی دنیا

72- لاش کا بلاوا

73- گارڈ کا اغوا

74- شادی کا ہنگامہ



پیشرس

"دشمنوں کا شہر" آپ نے یقیناً پڑھا ہوگا!.... ممکن ہے پسند بھی آیا ہو! لیکن اس وقت میں یہ پوچھنے نہیں بیٹھا ہوں کہ وہ کیسا رہا!.... اس کی بات تو اس لئے چھیڑی ہے کہ اس میں ایک کمی رہ گئی تھی! اور اس کمی کا احساس بھی مجھے اس وقت ہوا تھا جب اس کے پروف دیکھے جا رہے تھے! یعنی کتاب پریس میں پہنچ چکی تھی۔ ظاہر ہے اس وقت اس کا ازالہ ناممکن تھا!

ہاں تو میں اس کمی کی بات کر رہا تھا! کمی یہ رہ گئی تھی کہ اس میں مسز وارنر جیسے اہم کردار کی اصلیت پر روشنی نہیں ڈالی جا سکی تھی! وہ کون تھی کہاں تھی! ظاہر ہے کہ پہلے سے اس کا وجود ضرور رہا ہوگا ورنہ ٹویوڈا اس کی آڑ کیسے لیتا؟

"دشمنوں کا شہر" کی اُسی خامی کو مدنظر رکھ کر یہ ناول "لاش کا بلاوا" لکھا گیا اور اس کی کہانی مسز وارنر ہی کے گرد گھومتی ہے۔

"دشمنوں کا شہر" ایک ایسے آدمی کی کہانی تھی جو گناہ کے اندھیروں سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا! اس کے برعکس "لاش کا بلاوا" میں آپ کو ایک ایسا آدمی ملے گا جو شرافت کی زندگی ترک کر کے جرائم کی راہ پر نکل آیا تھا.... ہو سکتا ہے کہانی کے اختتام پر آپ اس سے ہمدردی بھی محسوس کریں! لیکن اسے ہرگز نہ بھولئے گا کہ وہ غلطی پر تھا۔ اول تو یہی چیز غلط ہے کہ آپ میرا تھپڑ میرے بھائی کے گال پر واپس کر دیں اور دوسری بات یہ

کہ "شخصی انتقام" کا طریقہ سود مند نہیں ہوتا کیونکہ دوسرے کی پشت پناہی قانون کرتا ہے! جس معاشرے سے آپ کا تعلق ہے اس کے قوانین آپ ہی کے وضع کردہ ہیں! آسمان سے نہیں اترے.... پھر آپ ان کی حدود سے کیوں تجاوز کریں۔

اس کہانی میں بھی آپ کو حمید کافی مصروف نظر آئے گا لیکن اتنا بھی نہیں کہ شگوفے چھوڑنے کا ہوش نہ رہے۔ وہ آپ کو قدم قدم پر ہنسنے کی دعوت دے گا۔ ایک معاملے میں قاسم کو بھی گھسیٹ لایا ہے۔ مگر گھسیٹنے ہی کی حد تک! اُسے ایک پوریشین لڑکی کی تلاش تھی لیکن ایک ایسی عورت سے جا ٹکرایا جس کے لئے صرف قاسم ہی دیدہ دل فرش راہ کر سکتا تھا! مگر وہ عورت کون تھی.... اور ہائی سرکل نائٹ کلب کے منیجر کو دعوت عشق کیوں دے رہی تھی؟

اس کہانی میں نیلم بھی ملے گی! مگر نہ جانے کیوں نیلم سے بہتیری خواتین بے حد خفا ہیں! وہ نہیں چاہتیں کہ نیلم دوسری کہانیوں میں بھی لائی جائے۔ لہٰذا اب نیلم نہیں آئے گی۔ مطمئن رہئے۔ یہ آخری کہانی ہوگی جس میں نیلم آئی ہے۔

ڈائمنڈ جوبلی نمبر کے لئے بہتیری تجاویز آ رہی ہیں لیکن سبھوں کو علمی جامہ پہنانا مشکل ہے....! بہرحال وہ تجاویز تو یقینی طور پر بروئے کار لائی جائیں گی۔ جن پر زیادہ تر پڑھنے والے متفق ہوں۔

اس سلسلے میں آپ کی رائے کا منتظر رہوں گا۔

ابن صفی

۱۳/ جنوری ۱۹۵۸ء

لاش تیار تھی

عشرت نے اخبار میز پر رکھ کر ایک طویل سانس لی اور بُرا سا منہ بنا کر کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی.... وہ یکم اپریل کی صبح تھی.... موسم خوشگوار تھا.... خلاف توقع صبح سے پہلے ہی مطلع ابر آلود ہونے لگا تھا.... اور اب تو بھورے رنگ کے بادلوں سے حدِ نگاہ تک آسمان ڈھک گیا تھا.... ہوا میں خنکی تھی....! مگر پھر بھی بارش کے آثار نہیں تھے! ویسے معمولی ترشح کی پیشین گوئی محکمہ موسمیات نے پچھلے ہی دن کر دی تھی۔

عشرت اپنے کمرے میں ناشتہ کرنے کی عادی تھی! صرف دوپہر کے کھانے پر اُسے اپنے باپ کا ساتھ دینا پڑتا تھا۔ رات کو بھی وہ کھانے کی میز پر تنہا ہوتی تھی!

اس نے ایک بار پھر اخبار پر نظر ڈالی اور پھر ملازمہ کی طرف متوجہ ہو گئی، جو ناشتے کی ٹرے اٹھائے ہوئے کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔

اس نے ٹرے میز پر رکھ دی اور پیچھے ہٹ کر خاموش کھڑی رہی! شائد اُسے اس کی کسی نئی فرمائش کا انتظار تھا۔

"کیا ڈیڈی نیچے موجود ہیں۔" عشرت نے اُس سے پوچھا۔

"جی ہاں!.... ناشتے پر ہیں۔" جواب ملا۔

"اچھا.... تم جاؤ۔"

ملازمہ چلی گئی.... عشرت نے ہاتھ بڑھا کر خود کار فون کا ریسیور اٹھایا اور ماؤتھ پیس میں بولی۔ "گڈ مارننگ ڈیڈی....!"

"مارننگ....!" دوسری طرف سے بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔

"غالباً آپ اخبار دیکھ رہے ہیں۔"

"ہاں....!"

"کون سا ہے....!"

"آبزرور....!"

"آہا وہی میرے سامنے بھی ہے۔" عشرت نے کہا۔ "پہلے ہی صفحہ پر نیچے اشتہار دیکھئے۔"

"ہاں.... دیکھا ہے! مضحکہ خیز ہے.... یہ نہ بھولنا کہ آج یکم اپریل ہے۔"

"آپ جانتے ہیں کہ یہ اشتہار کس کے لئے ہے۔"

"نہیں.... میں کیا جانوں....!"

"یہ اشتہار میرے لئے ہے۔!" عشرت نے ٹھنڈی سانس لی۔

"کیا بکواس ہے۔ میں نہیں سمجھا۔"

"یہ اشتہار میرے لئے ہے....!" اس نے اخبار کی طرف دیکھتے ہوئے دہرایا۔

"یعنی....!" دوسری طرف سے آواز آئی اور اشتہار کے الفاظ دہرائے گئے۔ "آج ڈیڑھ بجے میرے گھر پر آجاؤ "میری لاش" تیار ملے گی۔"

"ہاں! یہی اشتہار ڈیڈی....!"

"میں ایسے لغو مذاق پسند نہیں کرتا.... مانا کہ آج یکم اپریل ہے.... مگر....!"

"اوہ.... کیا آپ فخری کی ذہانت کی داد نہیں دینگے۔ مگر یہ اشتہار مجھے بھی گراں گزرا ہے۔"

"فخری.... اوہ.... وہ.... تو کیا....!"

"ہاں ڈیڈی! میں آپ کو اس کے متعلق بتا چکی ہوں۔"

"میری لاش....!"

"جی ہاں.... مگر یہ اشتہار.... شاید یکم اپریل کا مذاق بھی اس میں شامل ہے۔"

"میں کہتا ہوں! ایسا لغو اشتہار شائع کیسے ہو گیا۔"

"فخری آبزرور کے ایڈیٹر کا داہنا ہاتھ ہے! وہ سب کچھ کر سکتا ہے! وہ جانتا ہے کہ میں صرف آبزرور ہی دیکھتی ہوں.... اس لئے اس اشتہار کا میری نظروں سے گذرنا ضروری ہے۔"

"میں کہتا ہوں عشی تم لغویات میں نہ پڑو! کئی بار تمہیں سمجھا چکا ہوں۔ مگر تم باز نہیں آتیں، آخر تمہیں اس سے کیا فائدہ۔"

"وہ لاپرواہ ہے ڈیڈی.... بہت لاپرواہ....!"

"میں کچھ نہیں جانتا۔ لیکن ایک دن تم پچھتاؤ گی۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

عشرت بھی ریسیور رکھ کر ناشتے کی ٹرے کی طرف متوجہ ہو گئی.... وہ یوریشین تھی! اس کا باپ مشرقی تھا اور ماں مغربی.... لیکن ماں اب زندہ نہیں تھی! وہ پانچ ہی سال کی عمر میں ماں کی شفقتوں سے محروم ہو گئی تھی۔

عشرت کے جسم پر لباس تو مغربی ہی ہوتا تھا لیکن اس کی شخصیت میں مشرق ہی رچا بسا ہوا تھا۔ اندازِ فکر بھی مشرقی ہی تھا۔ وہ اردو کی ایک اچھی انشا پرداز تھی! اردو بولتے وقت لب و لہجہ خالص مشرقی ہوتا تھا۔ اکثر شعر بھی کہتی تھی اور اس کی شاعری کو تک بندی نہیں کہا جا سکتا تھا۔

اس کا باپ تیمور شہر کے بڑے آدمیوں میں سے تھا۔ ایک مشہور سرمایہ دار جس کا بزنس لامحدود تصور کیا جاتا تھا۔ وہ نیک دل اور مخیّر بھی مشہور تھا۔ قومی کاموں میں دل کھول کر خرچ کرتا تھا۔ شہر کے کئی یتیم خانے اور محتاج خانے اس کی سرپرستی میں چل رہے تھے۔ ابھی حال ہی میں اس نے اندھوں اور گونگوں کا ایک اسکول بھی قائم کیا تھا۔

عشرت شہزادیوں کی طرح زندگی بسر کرتی تھی۔ مگر تیمور کو اس کے مشاغل پسند نہیں تھے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ عشرت کم رتبہ آدمیوں سے میل جول رکھے۔ لیکن وہ ابھی تک تو اسے باز رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ عشرت جو ایک کامیاب مصنفہ بننے کے خواب دیکھ رہی تھی۔ زندگی سے قریب تر رہنا چاہتی تھی۔ لیکن خود اس کے طبقے میں زندگی مفقود تھی۔ یا پھر وہ اُسے پانچ لاں ہی سمجھتی تھی.... اُسے ابھی تک تو اپنے طبقے میں وہ زندگی نہیں ملی تھی جو اپنے طور پر پھیلتی بڑھتی ہے۔ جس پر بناوٹ کی تہیں نہیں چڑھائی جاتیں.... جو مشینی نہیں ہوتی۔

ناشتہ ختم کر کے اس نے ملازمہ کیلئے گھنٹی کا بٹن دبایا اور وہ کچھ دیر بعد آ کر ٹرے اٹھا لے گئی۔

عشرت کچھ مضطرب سی نظر آنے لگی تھی.... لیکن وہ خود بھی اپنے اس اضطراب کی وجہ نہ سمجھ سکی.... ذہن کو کافی کریدنے کے باوجود بھی اس اضطراب کی جڑیں نہ مل سکیں۔

ایک بجے اُس نے گیراج سے کار نکلوائی اور کوٹھی سے چل پڑی۔ کار وہ خود ہی ڈرائیو کر رہی تھی۔ اس کی کلائی پر گھڑی موجود تھی جسے وہ ذرا ذرا سی دیر کے بعد دیکھتی جا رہی تھی۔

پھر ٹھیک ایک بج کر پچیس منٹ پر اُس نے کار نادر منزل کے سامنے روک دی۔ یہ ایک بہت بڑی عمارت تھی اور اس میں متعدد فلیٹ تھے۔ نادر منزل شہر کی اُن معدودے چند عمارتوں میں سے تھی جن کے فلیٹ "شاندار" کہلاتے تھے۔

عشرت کار سے اتری اور آہستہ آہستہ اوپری منزل کے زینے طے کرنے لگی اسے گیارہویں فلیٹ کے دروازے پر دستک دینی تھی۔

لیکن گیارہویں فلیٹ کے سامنے پہنچ کر اُس نے محسوس کیا کہ دروازہ اندر سے مقفل نہیں ہے کیونکہ وہ چوکھٹ سے کچھ پیچھے کھسکا ہوا تھا۔ عشرت نے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر اُسے آہستہ سے دھکا دیا اور دروازہ کھل گیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں یک بیک اس پر لرزہ طاری ہو گیا۔ ہاتھ ہینڈل پر جم سا گیا تھا۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے وہ اب نہ تو دروازے کو اور زیادہ دھکیل کر اندر داخل ہو سکے گی اور نہ کھینچ کر دوبارہ بند ہی کر سکے گی۔ اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

اس کمرے کے بعد والے کمرے کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا اور وہ دوسرے کمرے میں پڑی ہوئی اس لاش کو صاف دیکھ رہی تھی۔ جس سے ایک عورت لپٹی ہوئی تھی۔ لاش کے سینے میں ایک خنجر پیوست تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کمرے کے فرش پر خون کا سوتا پھوٹ گیا ہو۔ دفعتاً لاش سے لپٹی ہوئی عورت کی نظر عشرت کی طرف اٹھ گئی اور پھر عشرت نے اسے اچھل کر دیوار سے لگتے دیکھا۔

یک بیک عشرت نے ایک جھرجھری سی لی اور دروازہ شائد اضطراری طور پر کھینچ کر بند ہو گیا۔ لیکن ہینڈل پر سے ہاتھ ہٹاتے وقت عشرت کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے لئے بھی اُسے قوت صرف کرنی پڑی ہو۔

اس کے قدم تیزی سے زینوں کی طرف اٹھتے رہے۔

پھر اُسے اچھی طرح یاد نہیں کہ وہ اپنی کار تک کیسے پہنچی تھی! لیکن کار ڈرائیو کرتے وقت اس کی مشاقی ہی آڑے آئی تھی ورنہ ذہن تو ہوا میں اڑا جا رہا تھا۔

لاش.... لاش.... اس کی لاش.... فخری کی لاش.... جس نے بذریعہ اشتہار اُسے اطلاع

دی تھی۔ "آج ڈیڑھ بجے میرے گھر پر آجاؤ۔ "میری لاش" تیار ملے گی۔"

مگر.... وہ تو.... ایک ذو معنی اشتہار تھا۔ یکم اپریل کا مذاق بھی.... اور ایک حقیقت بھی۔ پھر لاش.... لاش.... فخری کی لاش.... پولیس اسے پریشان کرے گی.... کیونکہ وہ اشتہار اسی کیلئے تھا.... اوہ مگر ممکن ہے اس نے آبزرور کے ایڈیٹر کو سب کچھ بتادیا ہو۔ اب پولیس یقیناً اسے پریشان کرے گی! خاکی یونیفارم سے اسے بچپن ہی سے ہول آتا تھا۔ پھر اب کیا ہوگا مگر وہ عورت کون تھی جو اس کی لاش سے لپٹی ہوئی تھی۔ فخری نے کبھی کسی عورت کا تذکرہ نہیں کیا تھا جو اس کی لاش سے اس طرح لپٹ سکے! پھر کار فراٹے بھرتی رہی اور عشرت کا ذہن ہوا میں اڑتا رہا۔

❁

کیپٹن حمید نے فون کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھے ہوئے فریدی کی طرف مڑ کر کہا۔ "جگدیش کو ہیضہ ہوگیا ہے۔" اور پھر ریسیور اس کی طرف بڑھادیا۔

"ہیلو....!" فریدی نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"میں جگدیش ہوں جناب!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "کچھ دیر پہلے کسی عورت نے کہیں سے فون پر اطلاع دی تھی کہ نادر منزل کے گیارہویں فلیٹ میں ایک لاش پڑی ہوئی ہے۔"

"تمہیں یاد ہے یا نہیں کہ آج یکم اپریل ہے!" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"سنئے تو سہی! میں نے بھی یہی سوچ کر اُسے نظر انداز کردیا تھا۔ مگر تھوڑی دیر بعد پھر کسی عورت ہی نے اطلاع دی کہ گیارہویں فلیٹ میں آبزرور کے نائب مدیر فخری کا قتل ہوگیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آواز پہلی عورت کی نہیں تھی۔"

"دس عورتیں بھی تمہیں ایک ہی موضوع پر بور کرسکتی ہیں کوئی ان کا کیا بگاڑے گا۔"

"جی ہاں! میں نے بھی یہی سوچا تھا.... لیکن پھر اس سلسلے میں آبزرور کے ایڈیٹر سے گفتگو کی۔ اُس نے فخری کو فون کیا.... پھر دوبارہ مجھ سے رابطہ قائم کرکے بتایا کہ فخری کے فلیٹ سے کوئی جواب نہیں مل رہا۔ حالانکہ اسے اس وقت فلیٹ ہی میں ہونا چاہئے.... اُسے بھی تشویش ہوگئی ہے کیونکہ آبزرور کے آج کے شمارہ میں فخری نے ایک عجیب و غریب اشتہار شائع کرایا تھا جس میں کسی کو مخاطب کرکے کہا گیا تھا کہ وہ ٹھیک ڈیڑھ بجے فخری کے فلیٹ میں پہنچ جائے۔ فخری کی لاش تیار ملے گی۔"

"اچھی بات ہے۔" فریدی نے ایک طویل سانس لی اور پھر بولا۔ "تم جاؤ! اگر یہ حقیقت ہو تو مجھے فون کردینا۔ لیکن واضح رہے کہ فخری کا فون استعمال نہ کیا جائے....! میں آج کل زیادہ مصروف نہیں ہوں تمہارے لئے بھی کچھ کرسکوں گا۔"

"بہت بہت شکریہ....!" دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہوگیا۔

"یہ کیا بکواس کررہا تھا....!" حمید نے پوچھا۔

"کچھ نہیں آج یکم اپریل ہے....!"

حمید کھڑکی کے پاس کھڑا ہوکر پائپ سلگانے لگا۔ آج دفتر میں اس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ امر سنگھ اور رمیش بھی غائب تھے ورنہ وہ انہیں ہی چھیڑتا۔

آخر اس نے فریدی کو پھر مخاطب کیا۔ "دس عورتیں کس موضوع پر جگدیش کو بور کرسکتی ہیں۔"

"اسی موضوع پر کہ حمید جیسے فرض ناشناس آفیسر کو گولی ماردینی چاہئے۔" فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "تم نے اس فائل کے کاغذات کی ترتیب غلط کردی ہے۔"

"مجھے اتنا وقت ہی نہیں ملتا کہ فائلوں میں ہاتھ لگاؤں۔ کسی اور نے کی ہوگی۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"چلو! اسے درست کرو۔"

حمید میز پر آبیٹھا۔ لیکن اس کے چہرے سے اکتاہٹ ظاہر ہورہی تھی۔ اکتاہٹ کی وجہ دراصل یہ تھی کہ یکم اپریل کا دن یونہی گذرا جارہا تھا۔

اس نے فائیل کی ورق گردانی شروع کردی اور کاغذات کو ترتیب سے لگاتا رہا۔

فریدی نے فائیل کھول لیا تھا اور وہ اس سے سادہ کاغذ پر کوئی عبارت نقل کررہا تھا۔ حمید نے فائیل کے کاغذات مرتب کرکے اُسے ایک طرف رکھتے ہوئے ایک طویل سانس لی اور سر کھجانے لگا۔

"اسٹار لمیٹڈ کا فائیل تمہارے پاس تھا۔" فریدی نے سر اٹھائے بغیر اُسے مخاطب کیا۔

"بہت احتیاط سے رکھا ہوا ہے مطمئن رہئے۔"

"میں پوچھتا ہوں تم نے اس کے سلسلے میں کیا کیا۔" فریدی نے جھلا کر کہا اور قلم رکھ کر سیدھا بیٹھ گیا۔

"اگر کچھ کرنے کو بھی کہا گیا ہوتا تو ضرور کرتا۔ آپ نے صرف فائیل مجھے دیا تھا۔ وہ میں

نے احتیاط سے رکھ دیا کہ پتہ نہیں پھر کب آپ اُسے واپس لے لیں!"

"حمید....!"

"جناب والا۔"

"میں تمہیں کان سے پکڑ کر نکال دوں گا۔"

"میں خود ہی کان پکڑ کر نکل جاؤں گا۔ آپ صرف اشارہ کر دیجئے۔ یکم اپریل کو بھی موسم اتنا خوشگوار ہے کہ خدا کی پناہ۔"

"میں کسی دن تمہاری ہڈیاں توڑ دوں گا۔" فریدی دانت پیس کر بولا۔

"میں اسی قابل ہوں۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "ایسے آدمی کا یہی حشر ہونا چاہئے جو اپنے کسی چڑچڑے آفیسر کو ہنس مکھ نہ بنا سکے۔"

فریدی فون کی طرف متوجہ ہو گیا جس کی گھنٹی بج رہی تھی۔

"ہیلو....!" اس نے ریسیور اٹھا کر کہا۔ "ہاں.... اچھا.... پھر.... وہ تنہا رہتا تھا.... ہوں! تم دروازے سے داخل ہوئے تھے! دروازہ کھلا ہوا تھا.... اچھا.... اچھا! دروازے کی ساخت۔ ہوں.... ہوں۔"

"اچھا تم نے ہینڈل پکڑ کر دروازہ کھولا ہوگا۔ گدھے ہو! اب تک عقل نہ آئی.... خیر میں آ رہا ہوں....!" اس نے ریسیور رکھ دیا۔

"میں نے کہا۔" حمید کچھ کھنکار کر بولا۔ "میں کچھ عرض کروں۔"

"بکو....!" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"گذارش ہے کہ گدھے ہینڈل پکڑ کر دروازہ نہیں کھول سکتے۔ آپ کو اُسے آدمی ہی کہنا چاہئے تھا۔"

فریدی نے اس کا کان پکڑ کر کرسی سے اٹھا دیا۔

"کتنی دور جانا ہوگا۔" حمید نے مردہ سی آواز میں پوچھا۔

"نادر منزل تک.... وہاں ایک قتل ہو گیا ہے۔"

"خدا غارت کرے۔" حمید نے منہ بنا کر آنکھیں بند کر لیں پھر بڑبڑایا۔ "یکم اپریل کو بھی یہ اُلو کے پٹھے باز نہیں آتے۔"

"چلو....!" فریدی نے اُسے دروازے کی طرف دھکا دیا۔

حمید برآمدے میں نکل آیا۔

اور پھر کچھ دیر بعد وہ نادر منزل کی طرف جا رہے تھے۔ فریدی کار ڈرائیو کر رہا تھا۔

"کس کا قتل ہوا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"آبزرور کے سب ایڈیٹر.... فخری کا....!"

"فخری....!" حمید نے حیرت سے کہا۔ "نہیں۔"

"کچھ دیر پہلے رمیش کو کسی عورت نے فون پر بتایا تھا کہ فخری قتل کر دیا گیا۔"

"اوہ.... ارے میں اُسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ ایسا آدمی نہیں تھا کہ اُسے کوئی قتل کر دے۔ میرے خدا بڑا شاندار نوجوان تھا۔ بڑا آرٹسٹک.... سچ کہتا ہوں زرد سلک کے لبادے میں وہ کوئی یونانی دیوتا معلوم ہوتا تھا۔ اس کے بال سنہرے اور گھونگھریالے تھے۔ وہ ان میں کبھی کنگھا نہیں کرتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود بھی یہی معلوم ہوتا تھا کہ اس نے اپنے بالوں پر کافی وقت صرف کیا ہے.... اکثر ہم دونوں نے ہائی سرکل میں بہت اچھا وقت گذارا ہے۔"

"اس کے گرد عورتیں ضرور رہتی ہوں گی۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"وہ کسی کو لفٹ ہی نہیں دیتا تھا۔ اس معاملے میں شاید اس پر آپ کا سایہ پڑ گیا تھا۔ ارے بڑا اچھا آدمی تھا۔ بہت نیک.... غریبوں کے لئے بڑا درد رکھتا تھا۔"

"اس کے باوجود بھی اُسے قتل کر دیا گیا۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"مگر ٹھہریئے.... وہ قتل بھی کیا جا سکتا تھا کیونکہ اکثر بعض ناعاقبت اندیش بڑے آدمیوں کی پول کھولتا رہتا تھا۔"

"ہوں....!"

حمید بھی خاموش ہو گیا۔ اب نہ اُسے موسم خوشگوار لگ رہا تھا اور نہ یکم اپریل ہی یاد رہ گئی تھی۔ وہ صرف فخری اور اس کے قتل کے متعلق سوچ رہا تھا۔

"کیا آپ نے فخری کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔" اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"میں نے یہ کب کہا ہے! لیکن تمہارا یہ بیان قطعی غلط ہے کہ وہ عورتوں سے الگ تھلگ رہتا تھا۔"

"میں نے کبھی اُس کی میز پر کوئی عورت نہیں دیکھی....!" حمید نے کہا۔

وہ اوپر پہنچے! ایک کانسٹیبل گیارہویں فلیٹ کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو رہا تھا۔

"ذرا سلیقہ نہیں ہے ان لوگوں کو....!" فریدی بڑبڑایا۔ "ایسے مواقع پر ہر اس چیز کو ہاتھ لگانے سے احتراز کرنا چاہئے جس پر مجرم کی انگلیوں کے نشانات ملنے کا امکان ہو!"

"میں نہیں سمجھا....!" حمید نے کہا۔

"ان لوگوں کو چاہئے تھا کہ ہینڈل کو ہاتھ لگائے بغیر دروازہ کھولتے! خیر!" پھر وہ آگے بڑھے ہی تھے کہ انسپکٹر جگدیش باہر آیا۔

"ارر.... آبزرور کا ایڈیٹر بھی موجود ہے۔" جگدیش نے کہا۔ "مگر یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ فخری کا وہ اشتہار کس کے لئے تھا.... اور نہ ابھی تک اس کا مقصد ہی معلوم ہو سکا ہے۔"

وہ اندر آئے.... جگدیش کے بیان کے مطابق لاش ابھی تک جوں کی توں پڑی ہوئی تھی۔ اس نے کہا۔ "ڈاکٹر نے ابھی دور ہی سے لاش کو دیکھا ہے۔ اس خیال سے میں نے کسی کو بھی ہاتھ نہیں لگانے دیا کہ آپ اُسے پسند نہیں کرتے۔"

حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑے اس طرح لاش کو گھور رہا تھا جیسے اُسے یقین نہ آ رہا ہو۔

چھان بین

عشرت کی کار ہوا سے باتیں کرتی رہی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے کہاں جانا چاہئے۔ اسے رہ رہ کر اپنے باپ کا بھی خیال آتا جو اسے کئی بار فخری کے سلسلے میں سرزنش کر چکا تھا۔ کاش اس نے صبح اُسے اس اشتہار کے متعلق نہ بتایا ہوتا.... اب اس قتل کی خبر آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل جائے گی۔ ہو سکتا ہے کہ اس سلسلے میں آبزرور کا ضمیمہ بھی نکل آئے۔ اب وہ اشتہار کہانی بن جائے گا۔ ایک معمہ بن جائے گا جسے پولیس حل کرنے کی کوشش کرے گی۔ اوہ.... فخری نے کیا کیا؟ کیا اس نے آبزرور کے ایڈیٹر سے اس کا بھی تذکرہ کیا ہوگا کہ وہ اشتہار کس کے لئے تھا.... اگر ایسا ہوا.... اگر ایسا ہوا....

اُس کے ہاتھ اسٹیئرنگ پر کانپنے لگے.... سارے جسم میں سنسنی سی محسوس ہو رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے تھوڑی ہی دیر بعد وہ بالکل مفلوج ہو کر رہ جائے گی۔

اس نے سوچا کہ اب وہ اپنے اعصاب پر قابو پائے بغیر اسٹیئرنگ نہیں کر سکے گی۔ ایسی حالت میں کوئی حادثہ بھی ہو سکتا ہے۔ وہ محسوس کر رہی تھی کہ اسٹیئرنگ پر اس کی گرفت ڈھیلی ہوتی جا رہی ہے۔

آرلکچو کے قریب پہنچ کر اُس نے کار کی رفتار کم کرتے ہوئے سوچا کہ وہ فی الحال کسی کیبن میں بیٹھ کر خود پر قابو پانے کی کوشش کرے گی۔

کار پھاٹک سے گذر کر کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ پھر عشرت اُسے اس طرف لے گئی جہاں کاریں پارک کی جاتی تھیں۔ بدقت تمام وہ ڈائننگ ہال تک پہنچی اور پھر ایک کیبن کا پردہ ہٹا کر اندر جا بیٹھی۔ اس کا پورا جسم کانپنے لگا تھا۔

خون....! خنجر.... لاش.... فخری کے سینے میں خنجر.... فخری.... اُس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا.... پھر اُسے وہ عورت یاد آئی جو فخری کی لاش سے لپٹی ہوئی تھی۔ وہ کون تھی؟ فخری نے کبھی کسی ایسی عورت کا تذکرہ نہیں کیا تھا، جو اس کی لاش سے لپٹ سکتی ہو! وہ خود اتنے قریبی تعلقات ہونے کے باوجود بھی کس طرح سر پر پیر رکھ کر وہاں سے بھاگی تھی۔ لیکن وہ عورت.... اوہ تو کیا.... اُسی وقت ایک ویٹر نے بھی کیبن کا پردہ ہٹایا۔

"کافی.... خوب گرم....!" عشرت بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

ویٹر چلا گیا.... اور وہ پھر خیالات میں کھو گئی۔ لیکن اب وہ دراصل اپنا دھیان بٹانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اگر ایسا نہ کرتی تو وہ اعصابی اختلال کی سی کیفیت ہر حال میں برقرار رہتی۔

کچھ دیر بعد ویٹر کافی لایا.... کافی گرم اور گاڑھی تھی.... عشرت دو پیالیاں پی گئی۔ اب وہ کسی حد تک سکون محسوس کر رہی تھی.... اس دوران میں بھی اس نے اپنے ذہن کو بھٹکنے نہیں دیا تھا۔ جب اُسے فخری کی لاش یاد آئی وہ کچھ اور سوچنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد وہ اٹھی اور کاؤنٹر ہی پر کافی کی قیمت ادا کر دی۔ بل کے انتظار میں وہیں بیٹھے رہنا اس وقت اس کے بس کی بات نہیں تھی۔

اُس نے سوچا کہ اب اُسے گھر واپس جانا چاہئے اور یہ تو اس نے پہلے ہی سوچ لیا تھا کہ اپنے باپ پر حقیقت نہیں ظاہر ہونے دے گی۔ یعنی وہ اُسے بتائے گی کہ سر پر شدید درد ہو جانے کی وجہ سے وہ آج کہیں جا ہی نہیں سکی تھی۔ سارا دن اپنے کمرے ہی میں پڑی رہی تھی۔

وہ باہر آکر کار میں بیٹھی اور اُسے پھاٹک تک لائی۔ پھر سوچا کہ کیوں نہ ایک نامعلوم فرد کی حیثیت سے پولیس کو اس کی اطلاع دے دے کہ نادر منزل کے گیارہویں فلیٹ میں ایک لاش پڑی ہوئی ہے یہ خیال اس بُری طرح ذہن پر مسلط ہوا کہ وہ کسی طرح بھی اُس سے پیچھا نہ چھڑا سکی اور آخر کار اُسے اپنی گاڑی ایک ٹیلی فون بوتھ کے قریب روکنی ہی پڑی۔ کوتوالی کے نمبر اُسے یاد تھے۔ اس بوتھ میں آکر کوتوالی کے نمبر ڈائیل کئے۔

"ہیلو.....!" اس نے فون ریسیو کرنے والے سے کہا۔ "نادر منزل کے گیارہویں فلیٹ میں آبزرور کا سب ایڈیٹر فخری قتل کر دیا گیا ہے۔"

اور پھر فوراً ہی وہ ریسیور ہک میں لٹکا کر واپسی کے لئے مڑی..... لیکن پھر ٹھٹک گئی کیونکہ ایک آدمی دروازے پر راستہ روکے مسکرا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں گراموفون کی شکل کا ایک چھوٹا سا ڈبہ تھا جس کا ڈھکنا کھلا ہوا تھا اس کی مسکراہٹ اور کھڑے ہونے کے انداز پر اُسے بڑا غصہ آیا اور اس نے غرا کر کہا۔ "ایک طرف ہٹ جایئے۔"

"لیجئے محترمہ.....!" وہ نہایت ادب سے ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔

"مگر میں آپ سے دو باتیں ضرور کروں گا۔ مجھے اجازت دیجئے۔"

وہ بوتھ سے نکلتی ہوئی غرائی۔ "کیا بات ہے۔"

"آپ نے جسے بھی کسی کے قتل کی اطلاع دی تھی اُسے اپنا نام اور پتہ نہیں بتایا۔"

"شٹ اپ..... بکواس نہ کرو۔" اُسے بہت غصہ آگیا..... لیکن پھر اچانک ایسا محسوس ہوا جیسے آسمان پر اڑتے اڑتے یک بیک زمین پر آپڑی ہو۔

"آپ کا غصہ حق بجانب ہے محترمہ.....!" اس نے نہایت ادب سے کہا۔ "لیکن میں نے ابھی آپ کو کسی کی اطلاع دینے کا صحیح طریقہ بتایا تھا۔ آپ نے غالباً کوتوالی ہی فون کیا تھا۔"

عشرت اُسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی یہ ایک وجیہہ اور تندرست آدمی تھا۔ عمر تیس اور پینتیس کے درمیان ہی رہی ہوگی۔ صورت سے وہ ایک شرمیلا اور کم سخن آدمی معلوم ہوتا تھا اور اس وقت اس کی گفتگو کا انداز کچھ غیر فطری معلوم ہوتا تھا عشرت نے یہی محسوس کیا تھا جیسے وہ کوئی فلمی اداکار ہو اور اس سے چند جملے کسی مخصوص انداز میں ادا کرائے گئے ہوں۔

"میں پوچھتی ہوں تمہیں اس طرح گفتگو کرنے کی ہمت کیسے ہوئی۔" عشرت نے جی کڑا

کر کے کہا۔

"ہمت کی کہانی میں آپ کو پھر کبھی سناؤں گا۔ لیکن فی الحال میرا مشورہ یہ ہے کہ نادر منزل سے دور ہی رہئے گا۔ کیونکہ آس پاس کے لوگوں نے آپ کے علاوہ اور کوئی عورت وہاں نہیں دیکھی۔ میرا مطلب ہے فخری کے فلیٹ میں۔"

"تمہیں ان باتوں سے کیا سروکار۔"

"میں بھی فخری کا ایک دوست ہوں اور آپ کے وہاں پہنچنے سے پہلے میں پہنچا تھا۔ لیکن اس کی لاش دیکھ کر میں نے اندر قدم رکھنے کی ہمت نہیں کی تھی۔"

"پھر اب تم مجھ سے کیا کہنا چاہتے ہو.....!"

"میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ سے ایک بہت بڑی حماقت سرزد ہوئی ہے۔ مجھ سے بھی ہوئی تھی لیکن میں نے اس کا ازالہ کر دیا تھا۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"آپ بہت زیادہ الجھنوں میں پڑ جائیں گی۔ مگر میں یہاں اس جگہ اس قسم کی گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔ یہ باتیں اطمینان کی ہیں۔ مجھے آپ کا پتہ معلوم ہے، گھر پر آپ سے مل لوں گا۔"

"نہیں ٹھہرو.....!" عشرت کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔ "میں گھر پر کسی سے بھی نہیں ملتی!"

"ٹھیک ہے!" اس نے سر ہلا کر کہا۔ "آپ کے ڈیڈی خفا ہوتے ہوں گے۔"

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ میں گھر پر بہت کم رہتی ہوں اس لئے میرے ملنے والے گھر کا رخ شاذ و نادر ہی کرتے ہیں۔"

"خیر..... مجھے جو کچھ بھی کہنا ہے! یہیں کہہ دوں گا۔"

"کچھ کہو بھی تو، مجھے خواہ مخواہ الجھن میں نہ ڈالو۔" عشرت پھر جھنجھلا گئی۔

"آپ سے ایک زبردست غلطی ہوئی تھی، لیکن میں نے فوراً ہی اس کی اصلاح کر دی تھی، مجھ سے بھی وہی غلطی ہوئی تھی۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"آپ نے دروازہ کھولا تھا لیکن لاش پر نظر پڑتے ہی آپ نے اندر جانے کا ارادہ ترک کر دیا تھا..... اور پھر بڑی بدحواسی کے عالم میں وہاں سے بھاگی تھیں! اگر میں وہاں موجود نہ ہوتا تو آپ

جانتی ہیں کیا ہوتا....!"

"کیا ہوتا!"

"پولیس دروازے کے ہینڈل پر آپ کی انگلیوں کے نشانات ضرور پا جاتی۔"

"اوہ.... تو تم نے کیا کیا!"

"میں نے آپ کے جاتے ہی ہینڈل کو رومال سے صاف کر دیا تھا۔"

"اوہ.... مم.... مگر کیوں....!"

"مجھے علم ہے کہ آپ فخری کی ہمدرد تھیں۔ آپ نے اکثر اس کی مدد کی ہے.... وہ آپ کا احسان مند تھا۔"

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں تھی۔"

"عالی ظرف لوگ کبھی احسان نہیں جتاتے بلکہ زبان پر بھی نہیں لاتے۔ میں دراصل یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ آپ نے اس وقت فون کر کے بھی غلطی کی ہے آخر ضرورت ہی کیا تھی! اگر فون کیا ہی تھا تو اپنا نام اور پتہ بھی بتا دیا ہوتا.... میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ کوتوالی کے فون سے ٹیپ ریکارڈر بھی اٹیچ ہے آپ کی آواز اس وقت یقینی طور پر ریکارڈ ہو گئی ہو گی۔"

"نہیں....!" عشرت کی آواز کانپ رہی تھی۔

"ہاں! محترمہ میں غلط نہیں کہہ رہا۔ آپ کسی سے بھی معلوم کر سکتی ہیں۔"

"پھر.... کیا ہو گا....!" عشرت نے غیر ارادی طور پر کہا۔

"کچھ بھی نہیں۔ اس کے لئے آپ کو متفکر نہ ہونا چاہئے۔ میں انتہائی کوشش کروں گا کہ پولیس کسی سلسلے میں بھی کوئی آپ کا نام نہ لے سکے۔ مگر آپ بھی محتاط رہئے۔ ایسی کوئی غیر ذمہ دارانہ حرکت نہ ہو۔ جیسی اس وقت آپ سے سرزد ہو چکی ہے۔"

"تم کیا یہ سمجھتے ہو کہ میں نے اُسے قتل کیا تھا۔"

"ارے.... چچ.... چچ.... یہ آپ کیا فرما رہی ہیں.... میرے وہم میں بھی یہ بات نہیں آسکتی....! مگر محترمہ یہ بھی کیا کم ہے کہ آپ نے پولیس کو اس کی اطلاع ہونے سے پہلے ہی لاش دیکھی تھی۔ خدا نہ کرے کہ کبھی کسی کو پولیس کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے.... میں نے نہ جانے کتنے بے گناہ آدمیوں کو پھانسی کے تختے پر دیکھا ہے! پولیس والوں کو اگر اصل مجرم نہیں ملتا

تو وہ اپنی کارکردگی کا ریکارڈ بے گناہوں کے خون سے مرتب کرتے ہیں! اچھا بس اب آپ جائیے! لیکن خدارا اس کا تذکرہ اپنے باپ سے بھی نہ کیجئے گا کہ نادر منزل میں آپ نے فخری کی لاش دیکھی تھی۔"

عشرت حیرت سے منہ کھولے اُسے دیکھتی رہی اور وہ سڑک پار کر کے ایک گلی میں داخل ہو گیا۔

❁

فریدی کھڑکی کے قریب رک گیا۔ اُس کی نظریں عقبی پارک کے ہرے بھرے درختوں میں بھٹک رہی تھیں۔ پھر کچھ دیر بعد وہ نیلم کی طرف مڑا، جو قریب ہی ایک کرسی کے ہتھے سے ٹکی ہوئی تھی، اُسے اور حمید کو فریدی ہی نے تجربہ گاہ میں طلب کیا تھا.... نیلم اس کی غرض و غائت معلوم کرنے کے لئے بے چین تھی اور حمید بور ہو رہا تھا۔ اس کا بس چلتا تو کسی کھڑکی سے عقبی پارک میں چھلانگ ہی لگا دیتا۔

"نیلم....! ایک معمہ ہے۔" فریدی نے کہا۔

"صحیح حل کس تاریخ کو شائع ہو گا؟" حمید بول پڑا.... لیکن فریدی اُسکی طرف دھیان دیئے بغیر بولا۔ "میں دراصل یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ اب تک تم میں کتنی سوجھ بوجھ پیدا ہوئی ہے۔"

"کوئی کلیو ہے انکل....!" نیلم نے پوچھا۔

"ہاں.... فخری کے قتل سے متعلق۔"

"آہا.... کیا اس سلسلے میں کوئی کلیو بھی تھا۔" حمید نے چونک کر پوچھا۔

"یقیناً تھا.... لیکن تم اپنی آنکھیں کھلی کب رکھتے ہو۔"

"ہو سکتا ہے رہا ہو۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

فریدی پھر نیلم کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"اس کی لاش کے قریب ہی خنجر پڑا ہوا تھا۔ وہ اُسی خنجر سے قتل کیا گیا تھا.... پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق زخم اتنا گہرا تھا کہ اس کے لئے قاتل نے خنجر کو دستے تک پیوست کیا ہو گا.... خنجر کا پھل آٹھ انچ لمبا تھا۔ بس زخم کی گہرائی بھی اتنی ہی سمجھ لو.... لیکن سوال یہ ہے کہ آخر اس حماقت سے قاتل کا کیا مقصد تھا کہ وہ خنجر مقتول کے سینے سے کھینچ کر وہیں ڈال دیا

جائے.... میں کہتا ہوں اس کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ایسے مواقع پر اگر خنجر نکالا بھی جاتا ہے تو اس مقصد سے کہ قاتل اسے لاش کے ساتھ نہیں چھوڑنا چاہتا۔"

"اگر وہ ایسا کرنا بھی چاہے تو آپ اس کا کیا بگاڑ لیں گے؟" حمید بول پڑا۔

فریدی بدستور نیلم کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "تمہیں تو صرف اس لئے بلوایا تھا میں نے کہ تم نیلم کا جواب سن سکو، جو تم سے زیادہ ذہین ہے!"

"انکل کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ خود مقتول ہی نے مرنے سے پہلے اپنے سینے سے وہ خنجر کھینچ لیا ہو۔!" نیلم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"گڈ....!" فریدی مسکرایا۔ "مجھے تم سے اسی جواب کی توقع تھی! یہ قرین قیاس ہے۔ لیکن خنجر کے دستے پر مقتول کی انگلیوں کے نشانات نہیں ملے۔!"

"نشانات تو ہیں.... لیکن مقتول کی انگلیوں کے نہیں۔"

"تب تو پھر قاتل ہی....!"

"لیکن پھر وہی سوال آپڑتا ہے کہ اس کی ضرورت ہی کیا تھی۔"

کچھ دیر کے لئے وہ خاموش ہو گئے۔

حمید پائپ کا دھواں منتشر کرتا رہا۔ ویسے وہ اس وقت صرف شام کی تفریحات کے متعلق سوچ رہا تھا اور اس فکر میں تھا کہ خود فریدی ہی کان پکڑ کر اُسے تجربہ گاہ سے باہر نکال دے۔

"میں نہیں سمجھ سکتی انکل۔" نیلم نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "حقیقتاً یہ خبر بہت اہم ہے، خنجر لاش کے سینے سے اسی صورت میں نکالا جاسکتا ہے جب قاتل اُسے ساتھ لے جانے کا خیال رکھتا ہو! ورنہ اس طرح خنجر نکال کر وہیں ڈال دینا سمجھ میں نہیں آتا۔"

"ارے تو ضرورت ہی کیا ہے کہ سمجھ میں آئے۔ سمجھنے سمجھانے کے لئے یہی کیا کم ہے کہ تمہاری ناک چہرے کی بجائے کھوپڑی پر کیوں نہیں چپکائی گئی۔" حمید نے کہا۔

"کیا سرے سے نشانات تھے ہی نہیں۔"

"یہ باتیں تمہاری سمجھ سے بہت اونچی ہیں بابا....!" نیلم نے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔ "تم خواہ مخواہ اپنا ذہن نہ الجھاؤ۔ جاؤ یہاں سے تمہارے بکرے کو بھی کسی اچھے ساتھی کی تلاش ہو گی۔"

"میں تمہارے دونوں کان اکھاڑ دوں گا اگر اب تم نے مجھے بابا کہہ کر مخاطب کیا۔"

"وقت نہ برباد کرو۔" فریدی نے نیلم سے کہا۔

"مجھے کیوں بلایا تھا آپ نے۔" حمید نے نتھنے پھلا کر غصیلے لہجے میں کہا۔

"اس لئے بلایا تھا کہ تم ہماری گفتگو سے فائدہ اٹھا سکو۔" فریدی نے کہا۔ شاید وہ بھی حمید کو شرمندہ کرنے پر تل گیا تھا۔

"آپ اس مینڈکی کو مجھ پر ترجیح دیتے ہیں۔" حمید کھڑا ہو کر غرایا۔

"تم سے زیادہ ذہین ہے۔"

"میں آپ دونوں کی گفتگو سے فائدہ اٹھانے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتا۔" حمید نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"تب پھر تمہاری موجودگی بھی غیر ضروری ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"شکریہ....!" حمید نے کہا اور پیر پٹختا ہوا باہر نکل آیا.... لیکن اب اُس کے چہرے پر ایسی بشاشت نظر آرہی تھی جیسے کسی کٹہرے سے نکل کر بھاگا ہو۔

نیلم کی اس ذہانت پر اُسے بھی بے حد فخر تھا، جو اُسے اکثر خشک اور اکتا دینے والی بحثوں سے بچا لیا کرتی تھی۔ فریدی پر تو وہ یہی ظاہر کرتا تھا کہ نیلم کو اس پر ترجیح دیا جانا اُسے قطعی پسند نہیں ہے لیکن وہ دل ہی دل میں اپنی اس حکمت عملی پر بے حد خوش ہوتا۔ کیونکہ اپنی دانست میں وہ اس طرح فریدی جیسے زیرک آدمی کو جل دیا کرتا تھا۔

اب وہ آزاد تھا بالکنی میں کھڑے ہو کر اس نے دو تین گہری سانسیں لیں اور پھر نیچے آنے کے لئے زینے طے کرنے لگا.... وہ فریدی اور اس کی بحثوں سے چھٹکارا تو پا گیا تھا لیکن خود اس کا ذہن بھی فخری والے معاملے میں الجھا ہوا تھا۔

نیچے آکر اس نے لباس تبدیل کیا.... وہ دراصل فخری کے حلقہ احباب میں تھوڑی پوچھ گچھ کرنا چاہتا تھا کیونکہ اس کے پڑوسیوں نے کسی ایسی یورپین لڑکی کا تذکرہ کیا تھا جو اکثر اس کے فلیٹ میں آتی رہتی تھی۔ اس ایک لڑکی کے علاوہ انہوں نے کسی دوسری عورت کا تذکرہ نہیں کیا تھا.... لیکن حمید کی معلومات کے مطابق فخری اپنے گرد لڑکیوں کی بھیڑ دیکھنے کا شائق نہیں تھا۔

ہائی سرکل نائٹ کلب میں اس کے کئی دوستوں سے ملنے کی توقع تھی۔ اس لئے اس نے وہیں جانا مناسب سمجھا۔

گیراج سے اپنی وین نکال کر وہ ہائی سرکل کے لئے روانہ ہو گیا۔ موسم آج بھی خوشگوار ہی تھا اور آسمان میں بادل بھی منڈلا رہے تھے۔ لیکن بارش کے آثار آج بھی نہیں تھے۔

ہائی سرکل پہنچ کر اُس نے براہِ راست فخری کے دوستوں سے پوچھ گچھ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس کے لئے ہائی سرکل کا منیجر ہی کافی ہوگا۔ کیونکہ وہ تو ایسے آدمیوں پر خاص طور سے نظر رکھتا تھا، جن میں لڑکیاں دلچسپی لیتی تھیں.... منیجر اُسے اپنے کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر بوکھلا گیا۔ حمید سے اس کی روح فنا ہوتی تھی اور اس کی شکل دیکھتے ہی اُسے اپنے اگلے پچھلے سارے گناہ یاد آجاتے تھے.... لیکن وہ اس کا استقبال تو ہمیشہ ہی لہک کر کرتا تھا۔

"آہا.... کپتان صاحب! آیئے.... آیئے جناب!" وہ کھڑا ہو کر قدرے جھکتا ہوا بولا۔ "آپ کی بے مروتی تو ضرب المثل بن سکتی ہے۔ اللہ اللہ ایک ہی شہر میں رہنا سہنا ہو اور اتنے اتنے دنوں بعد درشن ہوں.... ظلم ہے جناب سراسر ظلم....!"

"بیٹھ جاؤ....!" حمید نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"یعنی کہ....!" وہ مشینی طور پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "یعنی کہ.... آپ خفا ہو کر آئے ہیں۔"

"نہیں میں تمہیں دو چار رزمیہ اشعار سناؤں گا۔" حمید غرایا۔

"اوہ.... ہی ہی ہی۔" وہ شانے سکوڑ کر ہنسا۔ "آپ تو ڈرا دیتے ہیں جناب.... کیا موقع کا شعر یاد آیا ہے۔"

"نہیں....!" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں سناؤں گا.... سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"آپ کی مرضی....!" منیجر صاحب کا منہ لٹک گیا۔

"فخری کے قتل کی خبر تم نے سنی ہی ہوگی۔"

"اوہ.... جی ہاں....!" منیجر کی آواز یک بیک دھیمی پڑ گئی اور وہ غم ناک لہجے میں بولا۔ "جوان مرگ اسی کو کہتے ہیں.... اُف فوہ۔ کیا شاندار آدمی تھا.... کتنا شاندار.... بقول مرزا غالب....!"

"نہیں شعر نہیں۔" حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ "غالب کیا.... اس وقت میر و سودا کو بھی زبان کھولنے کی اجازت نہیں دوں گا۔"

"اوہ.... تو کیا آپ اس قتل کے سلسلے میں مجھ سے کسی قسم کی پوچھ گچھ کریں گے؟"

"یقیناً.... کیونکہ پچھلے ہی ہفتے تم اس سے کسی یوریشین لڑکی کے لئے لڑ گئے تھے۔"

"ارے.... جھوٹ.... بالکل جھوٹ.... یہ آپ کیا فرما رہے ہیں جناب....!" منیجر اپنے سینے پر دوہتھڑ مارتا ہوا بولا۔ "خدا سے ڈریئے.... جناب! کیوں.... اتہام...."

"کچھ یوریشین لڑکی ہی پر منحصر نہیں ہر لڑکی کے معاملے میں خدا سے ڈرنا چاہئے.... مگر تم اس لڑکی کیلئے فخری سے لڑ گئے تھے۔"

"دیکھئے اسے آپ ثابت نہیں کر سکیں گے! اِدھر سب جانتے ہیں کہ فخری یہاں لڑکیوں کے لئے نہیں بلکہ صرف اس شراب کے لئے آتا تھا جو ہائی سرکل کے علاوہ اور کہیں نہیں ملتی۔"

دفعتاً ایک وجیہہ اور اچھا جسم رکھنے والا آدمی کمرے میں داخل ہوا اور منیجر نے اس طرح اپنے ہونٹ سختی سے بند کر لئے جیسے اس کی موجودگی میں زبان ہلانے سے بھی ڈرتا ہو۔

حمید نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ اور پھر منیجر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ لیکن اب منیجر بالکل خاموش تھا۔

غرارہ سوٹ

نیلم سیاہ پتلون اور سفید شارک اسکن کی جیکٹ میں تھی.... روانگی سے پہلے وہ ایک بار پھر فریدی کے پاس گئی، جو تجربہ گاہ سے اپنے کمرے میں آگیا تھا۔

"اوہ.... تم ابھی یہیں ہو۔"

"جی بس جا رہی ہوں۔" نیلم نے کہا۔ "ویسے میں ایک بات سوچ رہی ہوں کہ فخری کا قتل اس کے فلیٹ میں ہوا تھا۔ یقیناً یہ کسی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ہوا ہوگا۔ لہٰذا خنجر پر انگلیوں کے نشانات کا پایا جانا بھی الجھن کا باعث بن سکتا ہے.... کیونکہ آج کل ایک سڑا سے سڑا اجرائم پیشہ بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ انگلیوں کے نشانات پھانسی کے تختے تک پہنچانے کے لئے خط تقدیر کا درجہ رکھتے ہیں اور پھر سوچی سمجھی اسکیموں کے تحت کئے جانے والے قتل تو بڑی احتیاط سے کئے جاتے ہیں! پھر کیوں نہ میں یقین کے ساتھ کہہ دوں کہ خنجر پر پائے جانے والے نشانات قاتل کی انگلیوں کے نہیں ہو سکتے۔!"

"تم بہت اچھی جا رہی ہو۔" فریدی مسکرایا۔ "لیکن یہ نکتہ حمید کے ذہن میں بھی ہوگا۔ میں دراصل اسے کام پر اکسانے کیلئے تاؤ دلاتا رہتا ہوں۔ میرا دعویٰ ہے کہ اس نے کام شروع کر دیا ہوگا۔"

"تو میں انہیں ناکارہ یا بیوقوف کب سمجھتی ہوں انکل، آپ یہ کبھی نہ سوچئے گا کہ میں خود کو اُن سے زیادہ ذہین سمجھتی ہوں.... میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ وہ آپ ہی کی طرح سنجیدہ ہو جائیں۔"

"تمہاری یہ خواہش مناسب نہیں ہے اگر حمید سنجیدہ ہو گیا تو اس کی ذہانت کسی ویرانے کی دلدل بن جائے گی۔ وہ ایک قدم بھی نہ چل سکے گا۔"

"پھر آپ انہیں غیر سنجیدگی پر سرزنش کیوں کرتے رہتے ہیں۔"

"اوہ ختم کرو....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں یہ کہہ رہا تھا کہ وہ جہاں بھی ہوگا بیکار نہ ہوگا.... ٹھہرو! میرا خیال ہے کہ وہ سیدھا ہائی سرکل نائٹ کلب پہنچا ہوگا.... کیونکہ فخری وہاں زیادہ بیٹھتا تھا۔"

"اور وہیں مجھے بھی جانا ہے.... مگر کہیں ہم میں جھگڑا نہ ہو جائے۔"

"نہیں! گھر سے باہر یہ ناممکن ہے۔" فریدی مسکرایا۔

"انکل سب سے زیادہ اُلجھن کا باعث وہ اشتہار ہوا ہے، جو فخری نے شائع کرایا تھا! کیا وہ محض مذاق تھا یا اس میں حقیقت بھی تھی!"

"حقیقت یا مذاق کی فکر میں نہ پڑو.... تمہیں صرف اس سے دلچسپی ہونی چاہئے کہ وہ کس کے لئے شائع کرایا گیا تھا۔"

"اس سلسلے میں آبزرور کے چیف ایڈیٹر نے اپنا ذاتی خیال بھی نہیں ظاہر کیا!" نیلم نے پوچھا۔

"نہیں وہ یہ بتانے سے قاصر ہے کہ اس اشتہار کا مقصد کیا تھا یا فخری نے اُس اشتہار میں کسے مخاطب کیا تھا! یہ بات بھی نوٹ کرو کہ اگر حقیقتاً اُسے خدشہ تھا کہ وہ یکم اپریل کو قتل کر دیا جائے گا تو وہ اس دن شراب کو ہاتھ بھی نہ لگاتا.... لیکن پوسٹ مارٹم کی رپورٹ اس کے معدے میں شراب کی کافی مقدار ظاہر کرتی ہے۔"

"تب پھر وہ اشتہار یکم اپریل کا مذاق ہی رہا ہوگا۔"

"اس کے بارے میں بھی وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا.... کیونکہ اشتہار میں نہ تو مخاطب کا

نام تھا اور نہ خطاب کرنے والے کا نام! اگر آبزرور کا ایڈیٹر فخری کا نام نہ لیتا تو ہمیں یہ بھی نہ معلوم ہو سکتا۔"

"اوہ.... تم یہ سب مجھ پر چھوڑ دو۔ فی الحال اُس یوریشین لڑکی کا پتہ لگانے کی کوشش کرو۔"

"میں جا رہی ہوں!" نیلم نے کہا۔ "مگر آپ کے بیان کے مطابق بابا بھی وہیں ہوں گے۔"

"بھئی.... میرا خیال تھا۔ ہو سکتا ہے وہ کہیں اور ہو!.... ٹھہرو.... فون پر ہائی سرکل کے منیجر سے معلوم کر لو....!"

نیلم نے ہائی سرکل کے نمبر ڈائیل کر کے حمید کے متعلق استفسار کیا اور پھر ریسیور رکھ کر فریدی سے بولی۔ "وہ منیجر کے کمرے ہی میں موجود ہیں۔"

فریدی کچھ سوچنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ "تم وہیں جاؤ! لیکن منیجر کے کمرے میں مت جانا۔ فخری کے کئی دوست بھی ہائی سرکل کے مستقل ممبر ہیں۔ تم کسی ویٹر ہی سے اُن کے متعلق معلومات بہم پہنچا سکو گی۔ کیونکہ فخری وہاں کافی مشہور تھا۔"

نیلم ہائی سرکل نائٹ کلب کی طرف روانہ ہو گئی۔

فخری کا کیس پیچیدہ تھا.... اور نیلم کی ذہانت میں پیچیدگی اُس اشتہار نے پیدا کی تھی! آخر اس نے کسے مخاطب کیا تھا۔

وہ سوچتی رہی۔ لیکن آج وہ خود ہی ڈرائیو کر رہی تھی....! فریدی نے اس سے کہہ تو دیا تھا کہ وہ ہائی سرکل کے منیجر سے ملنے کی بجائے ہال میں فخری کے دوستوں سے ملے.... مگر برآمدے میں پہنچ کر منیجر کے کمرے کے سامنے سے گذرتے وقت اُس نے ارادہ تبدیل کر دیا! کیونکہ اس نے حمید کی آواز سن لی تھی۔ اور وہ اپنے ہی الفاظ میں غالباً اُس وقت چہک رہا تھا۔

نیلم نے بڑی بے تکلفی سے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئی۔ منیجر اور حمید کے علاوہ وہاں اور کوئی نہیں تھا۔ نیلم کی آہٹ پر حمید مڑا اور منیجر بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

"فرمایئے.... میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔" اس نے اس انداز میں کہا جیسے وہ آواز کسی گراموفون ریکارڈ سے نکلی ہو۔

"اوہ....!" حمید اُس کے شانے پر زور ڈال کر اُسے دوبارہ بٹھاتا ہوا بولا۔ "میری بات کا

جواب دے دو۔ اس سے پہلے تم کسی کی کوئی خدمت نہیں کر سکتے۔"

"آپ حد سے بڑھ رہے ہیں جناب۔" اس نے جھلاہٹ میں حمید کا ہاتھ اپنے شانے سے جھٹک دیا۔ اس کی وجہ غالباً نیلم کی موجودگی تھی۔

"فی الحال آپ انہیں کی خدمت کیجئے....!" نیلم نے مسکرا کر کہا۔ لیکن حمید نے اس کی طرف توجہ تک نہ دی۔

منیجر کو بہت شدت سے غصہ آگیا تھا اور وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

"اوہم.... میں.... ابھی.... آپ کے.... آئی جی سے شکائت کروں گا.... ابھی اسی وقت....!" اس نے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"مگر شکایت سے پہلے انہیں موقع کا کوئی شعر سنانا مت بھولنا....!" حمید نے تمسخر آمیز لہجے میں کہا۔

اس کے رویئے پر منیجر کا ہاتھ جہاں تھا وہیں رک گیا۔ پھر اُس نے وہی ہاتھ میز پر رسید کرتے ہوئے اچھل کر کہا۔ "آخر دوسروں کی بے عزتی کرنے میں آپ کو کیا لطف آتا ہے۔"

"میں انہیں بھی مایوس کرنے کا عادی نہیں ہوں جو اپنی بے عزتی ہی کرانا پسند کرتے ہیں۔"

"کوئی بات بھی ہو! آخر آپ کیوں میری جان کو آگئے ہیں۔" وہ اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔

"تم مجھے اس یوریشین لڑکی کے متعلق کچھ بتانے جا رہے تھے۔"

"میں کسی ایسی یوریشین لڑکی کو نہیں جانتا جس کے سلسلے میں آپ مجھ پر ہی سے جھگڑے کا اتہام رکھ رہے ہیں۔"

"تم اُس کے متعلق کچھ بتانے جا رہے تھے! مگر اُس آدمی کو دیکھ کر خاموش ہو گئے تھے جس نے تم سے کسی مسٹر ہارپر کے متعلق پوچھا۔"

"نہیں جناب میں جانتا ہی نہیں! آپ کو کس طرح یقین دلاؤں....!"

"اچھا وہ آدمی کون تھا۔"

"میں اُسے بھی نہیں جانتا! میرے لئے ایک نیا چہرہ تھا۔"

"تم بکواس کرتے ہو! میرا دعویٰ ہے کہ اسی کو دیکھ کر تم نے زبان بند کر لی تھی۔"

"آپ مجھے زندہ رہنے دیں گے یا نہیں....!" وہ پھر جھلا گیا۔

"ہرگز نہیں.... اگر تم نے اس آدمی کے متعلق نہ بتایا۔"

"اچھی بات ہے، آپ مجھے پھانسی پر چڑھا دیجئے۔ میں تو اس آدمی کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا۔"

"خیر....!" حمید نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی! اور پھر اُس نے نیلم کو باہر چلنے کا اشارہ کیا۔

برآمدے میں آکر نیلم نے پوچھا۔ "کیا قصہ ہے بابا!"

"اوہ.... بابا کی بچی.... اگر تم نے اب مجھے بابا کہا تو تمہیں علی الاعلان خالا کہنا شروع کر دوں گا۔"

"میں قطعی بُرا نہیں مانوں گی.... لیکن وہ کس آدمی کو دیکھ کر خاموش ہو گیا تھا۔"

"اگر میں یہی جانتا ہوتا تو اُس سے پوچھتا کیوں....! مگر نہیں تم اِس قسم کے سوالات ضرور کرو گی کیونکہ کرنل ہارڈاسٹون کے بیان کے مطابق تم بہت ذہین ہو۔"

"تم سے زیادہ ذہین نہیں ہوں بابا....!"

"اونہہ.... ختم کرو! مگر تم میرے پیچھے کیوں لگ گئی ہو۔"

"غلط فہمی میں پڑنے سے فائدہ....!" نیلم مسکرائی۔ "ایسی فضول باتیں نہ سوچا کرو بابا! بھلا میں تمہارے پیچھے کیوں لگنے لگی میں تو بالکل الگ رہ کر کچھ کرنا چاہتی ہوں۔"

"صبر کے علاوہ اور کچھ نہ کر سکو گی۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"لیکن میں کیوں نہ تمہیں آگاہ کر دوں کہ میرا تعاقب کر کے خسارے ہی میں رہو گی۔"

"خواہ مخواہ.... تمہیں فرنجک ہو رہی ہے۔ مجھے کیا پڑی ہے کہ تمہارے پیچھے لگوں گی.... اپنا کام کرو۔"

اچانک نیلم نے اسے ایک جانب جھپٹتے دیکھا۔ پھر وہ برآمدے سے کمپاؤنڈ میں اتر گیا۔ شاید وہ ایک آدمی کے پیچھے جھپٹا تھا۔

وہ دونوں ہی اُسی سمت چلے گئے، جہاں کاریں پارک کی جاتی تھیں۔ نیلم جہاں تھی وہیں کھڑی رہی اب اس نے سوچا کہ حمید کا تعاقب فضول ہی ہو گا۔ اُسے تو چاہئے کہ وہ منیجر سے کچھ اگلوانے کی کوشش کرے۔ کچھ دیر پہلے اس نے منیجر کے رویئے پر یہی محسوس کیا تھا کہ وہ حقیقتاً

کچھ جانتا ہے! مگر پھر وہ آدمی کون تھا جس کی آمد نے اس کی زبان ہی روک دی تھی۔ وہ منیجر کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

❀

عشرت نے کھڑکی سے باہر سر نکال کر دیکھا۔ عقبی پارک پر تاریکی مسلط تھی۔ بجلی کے پنکھے کی گھن گھن اسے گراں گزر رہی تھی اس لئے اُس نے عقبی پارک کی جانب والی کھڑکی کھول کر پنکھا بند کر دیا تھا۔ یہ عشرت کی خواب گاہ کی کھڑکی تھی اور خواب گاہ بالائی منزل پر تھی۔ اس کھڑکی میں سلاخیں نہیں تھیں....

ہوا کے ہلکے مگر خوشگوار جھونکے کمرے سے گذرنے لگے....! عشرت بہت پریشان تھی.... یہ کوئی معمولی الجھن نہیں تھی اور پھر اُس نامعلوم آدمی نے تو ان الجھنوں میں مزید اضافہ کر دیا تھا.... پتہ نہیں وہ اُس کا ہمدرد تھا یا دشمن۔ اس نے سوچا تھا کہ پولیس کو اس کی اطلاع دے کر وہ اشتہار فخری نے اسی کے لئے شائع کرایا تھا اور اس نے نہ صرف فخری کی لاش دیکھی تھی بلکہ اُس کی لاش سے لپٹی ہوئی ایک عورت بھی اُسے نظر آئی تھی....! اور وہ یہ بھی بتانا چاہتی تھی کہ اسی نے کوتوالی فون کر کے فخری کے قتل کی اطلاع دی تھی.... لیکن پھر پولیس.... اُسے پریشان کر کے رکھ دے گی اُسے اس کا بھی علم تھا کہ پولیس سب سے پہلے اُسی پر شبہ کرتی ہے، جو کسی قتل کی اطلاع دے! پھر کیا وہ ڈیڈی سے اس کا تذکرہ کرے۔

فخری کے قتل کو آج دو دن ہو چکے تھے لیکن اس نے ابھی تک تیمور کو کچھ نہیں بتایا تھا.... تیمور نے بھی اس سلسلے میں کچھ نہیں کہا تھا! عشرت کے خیال کے مطابق اُسے شاید اس قتل کا علم ہی نہ ہو سکا۔ کیونکہ فخری کے قتل کے سلسلے میں اخبارات نے سنسنی خیز قسم کی سرخیاں نہیں جمائی تھیں اور نہ خبر میں اس اشتہار ہی کا تذکرہ تھا جو آبزرور میں فخری کی طرف سے یکم اپریل کو شائع کرایا گیا تھا۔

عشرت اپنے باپ کے طنزیہ طرز کلام سے بہت گھبراتی تھی۔ اُس نے سوچا کہ اگر اُس نے اس سے اس کا تذکرہ کر دیا تو وہ اپنی جلی کٹی باتوں سے اس کا سینہ چھلنی کر دے گا! وہ ایک لاپرواہ باپ تھا اسے اس کی فکر نہیں ہوتی تھی کہ وہ کیا کرتی ہے کہاں رہتی ہے۔ کتنا صرف کرتی ہے۔ گھر سے باہر کتنا وقت گذارتی ہے۔ وہ اُسے کسی بات پر شاذ و نادر ہی ٹوکتا تھا۔ البتہ اُس وقت اُسے

جلی کٹی باتیں ضرور سننی پڑتی تھیں جب وہ اُس کے سامنے کسی معاملے میں اپنی کسی دشواری کا تذکرہ چھیڑ دیتی تھی۔

اُس کا یہ رویہ صرف عشرت ہی کے لئے نہیں تھا بلکہ ہر ایک کی دشواریوں کی داستان پر وہ جلے کٹے ریمارکس پاس کرنے کا عادی تھا۔

ویسے عام حالات میں وہ ایک خوش مزاج آدمی ہی ثابت ہوتا تھا.... مگر وہ اپنے چہرے کی بناوٹ کو کیا کرتا، جو پہلی ہی نظر میں دوسروں پر اپنا رعب طاری کر دیتی تھی۔

صرف وہی لوگ اُس سے پوری طرح گفتگو کر لینے میں کامیاب ہوتے تھے جن کا روز کا ساتھ تھا.... ورنہ اجنبی تو اُس کے چہرے کی طرف نظر اٹھاتے ہوئے بھی ہچکچاتے تھے۔

عشرت سوچتی رہی اور الجھنوں میں اضافہ ہوتا رہا.... اُسے اِس پر سب سے زیادہ حیرت تھی کہ فخری کے قتل کے سلسلے میں اس اشتہار کا تذکرہ کیوں نہیں آیا.... اُس نے اس کے متعلق آبزرور کے ایڈیٹر کو تو کچھ نہ کچھ ضرور ہی بتایا ہوگا.... پھر اس قتل کے سلسلے میں اس اشتہار کا حوالہ کسی اخبار نے کیوں نہیں دیا.... یہ چیز اس کے لئے بڑی سنسنی خیز ثابت ہوئی.... تو پھر کیا؟ پولیس کسی قسم کا جال بچھانے کی فکر میں تھی۔

عشرت کھڑکی سے ہٹ کر مسہری پر آگری۔ اُس نے ابھی تک شب خوابی کا لباس نہیں پہنا تھا! ویسے وہ ذہنی طور پر اتنی تھک گئی تھی کہ سو جانا چاہتی تھی.... مگر کیا وہ الجھنیں اُسے سونے دیں گی؟ پھر وہ کیا کرے.... کیا وہ خواب آور ٹکیاں منگوائے، جو اکثر ڈیڈی کے استعمال میں رہتی ہیں.... اُس نے سوچا آج یہی کرنا چاہئے۔"

ملازمہ کو طلب کرنے کے لئے گھنٹی کے بٹن کی طرف ہاتھ بڑھا ہی تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"آجاؤ....!" عشرت نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

ملازمہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں چاندی کی ایک چھوٹی سی کشتی تھی، جس میں کسی کا وزیٹنگ کارڈ پڑا ہوا تھا۔

عشرت نے کارڈ اٹھایا اُس کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں اور وہ آہستہ سے بڑبڑائی۔ "ڈاکٹر واصف یہ کون ہے؟" پھر اس نے ملازمہ سے پوچھا۔ "یہ کیا چاہتا ہے۔"

"آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"کیوں....؟" اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"یہ....انہوں نے نہیں بتایا....!"

"اچھا بٹھاؤ....!" اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

ملازمہ چلی گئی۔ وہ ذہن پر زور ڈالتی رہی لیکن اپنے ملاقاتیوں میں کسی ڈاکٹر واصف کا وجود اُسے یاد نہ آیا.... پھر وہ اٹھی، آئینے کے سامنے پریشان بال درست کئے! چہرے پر ہلکا سا پف کیا اور لپ اسٹک سے ہونٹوں کی سرخی ہموار کرنے لگی۔

کچھ دیر بعد وہ اسٹڈی میں داخل ہو رہی تھی.... وہاں ایک ایسے آدمی نے اسے شام کا سلام کیا جو اس کے لئے بالکل اجنبی تھا.... اُس کی ڈاڑھی بھوری تھی اور آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک تھی! جسم پر بہترین تراش کا ایوننگ سوٹ موجود تھا۔

"میں شائد آپ کے لئے اجنبی ہوں محترمہ....!" اس نے مسکرا کر کہا۔

"تشریف رکھئے....جی ہاں! میرا خیال بھی یہی ہے....!" عشرت نے خوش اخلاقی سے کہا اور مسکراتی ہوئی خود بھی بیٹھ گئی۔

"لیکن میں آپ کے لئے اجنبی نہیں ہوں۔" وہ بدستور مسکراتا رہا۔

"میں نہیں سمجھی۔"

"اپنے اس خادم کو یاد کیجئے جو آپ کو ٹیلی فون بوتھ کے قریب ملا تھا۔"

"اوہ....!" عشرت یک بیک چونک پڑی.... پھر آہستہ سے بولی۔ "مگر آپ۔"

"ہاں....!" وہ ہلکی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "میں کسی زمانے میں اسٹیج کا ایکٹر بھی رہ چکا ہوں اس لئے میک اپ میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔"

"مگر کیوں؟ آپ آخر اس طرح میرے پاس کیوں آئے ہیں۔"

"میں کسی ایسی لڑکی سے اپنی اصل شکل میں تو نہیں مل سکتا جس کی تلاش پولیس کو ہو۔"

"اوہ....ذرا آہستہ بولئے....!" عشرت خوفزدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھ کر بولی۔

"معاف کیجئے گا مجھے خیال نہیں رہا تھا۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔ "اب میں اس کا حوالہ نہیں دوں گا لیکن کیا آپ کسی ایسی جگہ نہیں چل سکتیں جہاں ہماری گفتگو کے سن لئے جانے کا امکان نہ ہو۔"

"مگر کیوں....؟"

وہ چند لمحے خاموش رہ کر ناخوشگوار لہجے میں بولا۔ "شاید آپ یہ سمجھتی ہیں کہ میں کبھی آپ سے کسی قسم کا کوئی معاوضہ طلب کروں گا! اوہ آپ کا قصور نہیں ہے۔ یہ دنیا آج کل اسی ڈگر پر چل نکلی ہے۔ اگر آپ خواہ مخواہ کسی سے ہمدردی کریں تو وہ سب سے پہلے یہی سوچے گا کہ آخر اس سے اس کی کون سی غرض وابستہ ہو سکتی ہے....!"

"اوہ....دیکھئے! غلط نہ سمجھئے!" عشرت جلدی سے بولی۔

"مجھے کہنے دیجئے محترمہ! میں دراصل اسی قابل ہوں کہ لوگ میرے متعلق بُرے خیالات رکھیں۔ آخر میں اس خبط میں کیوں مبتلا ہوں کہ دوسروں کے کام آؤں۔"

"دیکھئے آپ غلط سمجھے ہیں! میں بڑی الجھنوں میں مبتلا ہوں! آپ خود سوچئے.... آج دو دن ہو چکے ہیں۔ میں نے اس کی لاش دیکھی تھی۔ میرا فرض تھا کہ میں پولیس کو باقاعدہ طور پر اطلاع دیتی۔ اُسے اپنے متعلق کسی دھوکے میں نہ رکھتی۔ فون پر میں نے اطلاع تو دی تھی مگر اپنا نام نہیں بتایا تھا۔"

"یقیناً آپ الجھن میں ہوں گی.... لیکن کیا ہم یہاں آزادانہ طور پر گفتگو کر سکتے ہیں۔"

"نہیں....چلئے....!" وہ اٹھ گئی۔

اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کر رہی ہے اور اُسے کیا نہ کرنا چاہئے۔ اس کے قدم آؤٹ ہاؤز کی طرف اٹھتے رہے، آنے والا اس کے پیچھے چل رہا تھا۔

آؤٹ ہاؤز میں پہنچ کر بھی وہ کچھ دیر تک خاموش بیٹھے رہے۔ پھر اُس پُر اسرار آدمی نے کہا۔ "آپ نے جو کچھ بھی کیا ہے اسی میں آپ کی بہتری ہے۔ اگر آپ نے پولیس کو اس کی اطلاع دے دی ہوتی اور اس کے علم میں یہ بات لائی ہوتیں کہ فخری آپ کا دوست تھا تو آپ کو اس وقت یہاں اتنے اطمینان سے بیٹھنا نصیب نہ ہو سکتا۔"

"کیوں....؟"

"اب پولیس نے چھان بین شروع کی ہے تو اُسے معلوم ہوا ہے کہ فخری ایک غیر ملکی جاسوس تھا.... اسی لئے تو اس کے قتل کے سلسلے میں بہتیری تفصیلات اخبار میں نہیں آئیں.... مثلاً اس یورپین لڑکی کا تذکرہ جو اکثر اس کے فلیٹ میں آتی تھی....اور وہ حیرت انگیز اشتہار۔"

"آپ جانتے ہیں....!" عشرت یک بیک چونک پڑی۔

"جی ہاں۔ فخری میرا بھی دوست تھا۔ لیکن اب میں اُسے زبان پر بھی نہیں لا سکتا۔ خیر ختم کیجئے۔ میں تو دراصل آپ کو یہ مشورہ دینے کے لئے آیا تھا کہ آپ اپنی ہیئت کچھ دنوں کے لئے بالکل تبدیل کر دیجئے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"اسکرٹ کی بجائے غرارہ سوٹ استعمال کیجئے! بالوں کو سمیٹ کو جوڑے کی شکل میں لائیے! تاکہ فخری کے پڑوسی آپ کو آسانی سے پہچان نہ سکیں۔ پولیس انہیں کے ذریعہ آپ کو تلاش کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔"

عشرت کا چہرہ آن واحد میں اس طرح ستا ہوا نظر آنے لگا تھا جیسے وہ برسوں کی بیمار ہو۔

محبوبہ کا شوہر

دوسری صبح نیلم فریدی کو رپورٹ دے رہی تھی۔

"اس کے بعد میں نے بابا کا پیچھا چھوڑ دیا اور ہال میں آئی۔ لیکن وہاں مجھے فخری کا کوئی قریبی دوست نہ مل سکا ہو سکتا ہے اس کے احباب نے پوچھ گچھ کے ڈر سے باہر نکلنا چھوڑ دیا ہو۔"

"ہوں.... ممکن ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ وہ ناشتے کے بعد صبح کا اخبار دیکھ رہا تھا۔

"اب بتائیے.... میں کیا کروں؟"

"میں کیا بتاؤں! تم خود سوچو کہ اب تمہیں کیا کرنا چاہئے۔"

"دیکھئے میں کوشش کروں گی کہ اُس یوریشین لڑکی کا پتہ لگا سکوں؟"

"ہاں! سنو....!" فریدی نے اخبار ایک طرف رکھ کر نیلم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا تم نے ابھی حمید اور منیجر کی گفتگو لفظ بلفظ دہرائی تھی۔"

"جی ہاں! میں نے یہی کوشش کی تھی کہ لفظ بلفظ دہرا سکوں۔"

"تم نے اُس آدمی کو دیکھا نہیں تھا جس کا تذکرہ تھا۔"

"شاید وہ میرے وہاں پہنچنے سے کچھ ہی دیر قبل منیجر کے کمرے سے گیا تھا۔"

"پھر تم نے حمید کو ایک آدمی کے پیچھے جاتے دیکھا تھا۔"

"جی ہاں....!"

"آدمی کا حلیہ۔"

"حلئے کا ہوش نہیں تھا۔ غالباً وہاں روشنی تیز نہیں تھی اور اُس نے فلٹ ہیٹ کا گوشہ بھی کافی نیچے جھکا رکھا تھا۔ اس لئے اُس کے چہرے کا تفصیلی جائزہ لینا قریب قریب ناممکن ہی تھا۔"

"حمید کہاں ہے....!"

"میرا خیال ہے کہ وہ ناشتہ کئے بغیر ہی کہیں چلے گئے ہیں۔"

فریدی نے پھر اخبار اٹھا لیا۔ نیلم وہیں بیٹھی رہی۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "مسز وارنر کا معمہ آج تک نہ حل ہو سکا انکل....!"

"حل ہو چکا ہے.... لیکن ابھی میں اس کی پبلسٹی مناسب نہیں سمجھتا۔"

"کیا ٹویوڈا نے اُسے مار ڈالا تھا....!"

"نہیں.... وہ پاگل ہو گئی تھی.... یہی خیال کیا جا سکتا ہے کہ ٹویوڈا ہی کی کسی تدبیر کی بناء پر اس کا دماغ ماؤف ہو گیا تھا.... اب تو وہ ٹھیک ہے۔"

"اوہو.... تو کیا وہ یہیں ہے اسی شہر میں۔"

"ہاں یہیں ہے! وہ ایک قصبے کی ایک عمارت میں ملی تھی۔ اُس کے ساتھ اس کا ایک بوڑھا ملازم بھی تھا، جو اس کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ وہ پاگل تھی۔ ملازم کا بیان ہے کہ اُسے محض اسی کی دیکھ بھال کے لئے نوکر رکھا گیا تھا۔ لیکن وہ اپنے مالک کا نام اور پتہ نہیں بتا سکا۔ بس ایک آدمی اس سے معاملات طے کر کے اُسے اس عمارت میں چھوڑ گیا تھا۔ مسز وارنر پہلے ہی سے وہاں موجود تھی۔ بوڑھے ملازم کو کچھ عرصے تک نامعلوم ذرائع سے اچھی خاصی رقومات ملتی رہی تھیں.... اور پھر یکایک رقومات ملنی بند ہو گئیں۔ بوڑھے نے کافی رقم پس انداز کر لی تھی اور اسی لالچ میں وہاں جما رہ گیا تھا کہ آئندہ بھی اچھی خاصی آمدنی سے فائدہ اٹھا سکے گا.... لیکن پھر پولیس کی رسائی وہاں تک ہو ہی گئی۔ مسز وارنر کا علاج کیا گیا اب وہ بہتر حالت میں ہے، لیکن اب اسے کچھ یاد نہیں کہ وہ کس طرح اپنے بورڈنگ سے نکلی تھی اور اس کا بورڈنگ اب ویران کیوں ہو گیا ہے۔ اُس کے کرایہ دار کہاں گئے۔ ملازمین کیا ہوئے۔"

"کیا اُس نے تسلیم کر لیا ہے کہ بورڈنگ فحاشی کا اڈا تھا۔"

"ہرگز نہیں۔ وہ تو یہی کہتی ہے کہ اُس کے بورڈنگ میں وہی مالدار طالب علم رہتے تھے جنہیں کالج کے ہاسٹلوں کی رہائش پسند نہیں آتی تھی۔ اس نے کچھ طلباء کے نام اور کالجوں کے پتے لکھوائے تھے اُن طلباء سے پوچھ گچھ کرنے پر معلوم ہوا کہ انہوں نے خود ہی بورڈنگ چھوڑ دیا تھا کیونکہ وہاں اچانک غنڈہ گردی شروع ہو گئی تھی اور وہ شریفوں کے رہنے کی جگہ نہیں رہ گئی تھی۔"

"غالباً یہ اُسی وقت ہوا ہو گا جب وہاں ٹویوڈا کا دخل بحیثیت مسز وارنر ہوا تھا۔"

"پتہ نہیں....!" فریدی نے اکتائے ہوئے سے لہجے میں جواب دیا۔

"لیکن انکل آپ اس واقعے کی پبلسٹی کیوں نہیں پسند کرتے۔"

"بھئی ابھی میں مطمئن نہیں ہوں۔"

"کس بات سے....!"

"اوہ.... نیلم مجھے اخبار دیکھنے دو....!"

نیلم خاموش ہو گئی، لیکن فریدی نے کچھ دیر بعد کہا۔ "تم اس کا تذکرہ کسی سے بھی نہیں کرو گی۔"

"کیا بابا اس سے لاعلم ہیں۔"

"جس چیز کا تذکرہ تم سے کیا جا سکتا ہے کیا وجہ ہے کہ حمید بھی اس سے واقف نہ ہو۔ بھئی تم اُسے نہیں سمجھ سکتیں۔ وہ بھی اپنے رنگ میں عجیب ہے۔ بس کبھی کبھی کام پر آمادہ کرنے کے لئے اُسے تاؤ بھی دلانا پڑتا ہے۔ اب تم خود ہی دیکھو۔ وہ رات ہی سے اس یوریشین لڑکی کے چکر میں ہے اور اس وقت ناشتہ کئے بغیر ہی نکل گیا۔"

"میں ایک بار پھر آپ سے عرض کرتی ہوں کہ میں بابا کے سامنے بھی طفلِ مکتب ہوں۔ لیکن بس انہیں چھیڑنے میں لطف آتا ہے۔"

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو....!"

"نیلم نے آپ کو پچھلی رات کے واقعات بتائے ہی ہوں گے۔" دوسری طرف سے حمید کی آواز آئی۔

"کسی حد تک....!" فریدی نے جواب دیا۔

"میں دراصل ہائی سرکل کے منیجر سے یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کبھی وہاں کوئی یوریشین لڑکی بھی فخری کے ساتھ نظر آئی تھی.... شاید وہ کچھ بتانے ہی والا تھا کہ وہاں ایک آدمی آ گیا تھا اور منیجر اس طرح خاموش ہو گیا تھا جیسے اسی کے خوف سے اس نے زبان بند کر لی ہو۔ وہ آدمی منیجر سے کسی مسٹر ہارپر کے متعلق دریافت کر کے وہاں سے چلا گیا تھا۔"

"پھر تم نے کیسے اندازہ لگا لیا تھا کہ منیجر نے اسی کے خوف سے زبان نہیں کھولی تھی۔"

"میرا خیال ہے کہ اس آدمی نے آفس میں داخل ہوتے ہی منیجر کو کسی قسم کا اشارہ کیا تھا۔ میرا اندازہ ہے ورنہ میری پشت دروازے کی طرف تھی اور میں نے منیجر کے یک بیک خاموش ہو جانے پر ہی مڑ کر دیکھا تھا.... دونوں ہی کے انداز میں کچھ غیر فطری پن سا مجھے نظر آیا تھا۔"

"خیر.... ممکن ہے تمہارا خیال درست ہو۔ ہاں پھر تم نے اس کا تعاقب تو کیا تھا۔"

"لیکن مجھے افسوس ہے کہ وہ ڈاج دے کر نکل گیا تھا اس چیز سے شبہات کو اور زیادہ تقویت ہوتی ہے۔"

"پھر اب تم کہاں ہو اور کیا کر رہے ہو۔"

"میں فی الحال ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ میں ہوں۔ لیکن سوچ رہا ہوں کہ اب منیجر کو زبان کھولنی ہی چاہئے ورنہ میں اُسے ساٹھ ہزار اشعار کی کوئی مثنوی سنا کر ختم کر دوں گا۔"

"وہ بہت چمڑ ہے! مجھے یقین نہیں ہے کہ تم اس کی زبان کھلوا سکو۔"

"اگر آپ اس کی شکایات کا نوٹس نہ لینے پر تیار ہوں تو میں سب کچھ کر سکتا ہوں۔"

"نہیں میں تمہیں کسی غیر قانونی حرکت کی اجازت نہیں دوں گا۔"

"غیر قانونی حرکت....!" حمید نے حیرت سے کہا۔ "اگر ساٹھ ہزار اشعار کی مثنوی غیر قانونی ہو سکتی ہے تو پھر غزلوں پر غزلیں سنا کر بور کرنے والے شعراء کو تو پھانسی ہی نصیب ہونی چاہئے۔"

"فضول باتوں میں نہ پڑو.... اگر وہ زبان نہیں کھولتا تو فخری کے کسی قریبی دوست کو ٹٹولنے کی کوشش کرو....! لیکن اگر تمہیں یقین ہے کہ اس نے کسی سے خائف ہو کر ہی خاموشی اختیار کی تھی تو اُس آدمی کے متعلق بھی اُس صورت میں معلومات فراہم کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔"

"اُس آدمی کے متعلق بھی تو اُسی صورت میں معلومات فراہم کی جا سکتی ہیں جب منیجر کی

گردن دبائی جائے۔"

"جو کچھ بھی کرو.... محتاط رہ کر....!"

"دوسری خبر یہ ہے کہ مسز وارنر کا بورڈنگ دوبارہ آباد ہو رہا ہے! لیکن ابھی تک وہاں کوئی لڑکی نہیں دیکھی گئی! صرف مختلف کالجوں کے طلباء ہیں۔"

"مسز وارنر کہاں ہے۔"

"بورڈنگ ہی والی عمارت میں....!"

"تم فی الحال اس کے چکر میں نہ پڑو....!"

"ہاں.... فضول بھی ہے.... میں دیکھ ہی چکا ہوں کہ مسز وارنر کی کیا عمر ہے۔ البتہ وہ یوریشین لڑکی....!"

"ہاں:... تم خود ہی کافی سمجھ دار ہو۔" فریدی طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

"اچھا تو پھر.... میں اس منیجر کے بچے سے نپٹنے جا رہا ہوں۔"

"جاؤ....!" فریدی نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

❁

ہائی سرکل کا منیجر چقندر ہو رہا تھا جیسے حمید کو پھاڑ کھائے گا۔ مگر حمید کے اندا سے یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ اُسے ذرہ برابر بھی اس کے غصے کی پرواہ ہو۔ بس یہی لگ رہا تھا جیسے وہ ی لمحے بھی اُسے گردن سے پکڑ کر کرسی سے اس طرح اٹھائے گا کہ اس کی ٹانگیں زمین سے ایک یا دو فٹ کے فاصلے پر جھولتی رہ جائیں گی۔

"مجھے اس آدمی کا پتہ چاہئے جس سے خائف ہو کر تم نے پچھلی رات مزید گفتگو کر سے انکار کر دیا تھا۔"

"میرے خدا میں کہاں جاؤں.... کیا کروں....!" منیجر اپنی پیشانی پر دو ہتھڑ مار کر بولا۔

"اپنی اس حرکت پر موقع کا کوئی شعر بھی سناؤ تاکہ میں اور زیادہ محظوظ ہو سکوں۔"

"کیا اب میں پاگلوں کی طرح چیخنا شروع کر دوں۔"

"یقیناً اگر اس سلسلے میں بھی کوئی موقعے کا شعر یاد آ جائے؟"

"اب میں خودکشی کر لوں گا۔"

"لیکن اس سے پہلے موقع کا ایک شعر کسی کاغذ کے ٹکڑے پر لکھ جانا مت بھولنا ورنہ میں تمہاری لوح مزار پر کیا اپنے بکرے کا نام لکھواؤں گا۔"

"خدا کے لئے میرا پیچھا چھوڑیئے۔" منیجر رو دینے کے سے انداز میں بولا۔

"یہ ناممکن ہے! ویسے ہو سکتا ہے کہ میں اس وقت تمہارا پیچھا چھوڑ دوں۔ لیکن اُس وقت میں مجبور ہو جاؤں گا جب تم اپنی جدید ترین محبوبہ کے ساتھ ہو گے، جو سیام کے سفید ہاتھی کی اگر بھتیجی نہیں تو بھانجی ضرور معلوم ہوتی ہے۔"

"آپ ایسا نہیں کر سکیں گے....!" منیجر پھر جھلا گیا۔

"مجھے کون روکے گا۔"

"وہی جو آپ سے زیادہ طاقت ور ہے جس کی لاٹھی بے آواز ہے۔"

"اس کی لاٹھی تو تم جیسے بھینس کے عاشقوں کے لئے ہے۔ خدا غارت کرے.... مجھے تو تمہارے ٹیسٹ پر غصہ آتا ہے۔ اس عورت کو دیکھ کر کسی ایسے سفید شلجم کا تصور ذہن میں ابھر آتا ہے جس کا وزن کم از کم پانچ سیر ہو۔"

"آپ سے مطلب....!"

"یقیناً مطلب ہے۔ میں تم پر یہ ظلم ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ ذرا اپنا جثہ ملاحظہ کرو.... اگر اس کے سر پر کھڑے ہو جاؤ تو لوگ یہی سمجھیں گے کہ کسی گنبد پر مینار اُگ آیا ہے۔"

"بس اب خاموش رہئے.... حد ہوتی ہے۔"

"حد تو وہاں ہوتی ہے.... جہاں محبوبہ کے سامنے عاشق سلمہٰ کی حجامت بنتی ہے۔"

"دب کر چیونٹی بھی کاٹ لیتی ہے اسے نہ بھولئے گا۔"

"چیونٹیوں کی باتیں صرف چونٹیاں ہی سمجھ کر یاد رکھ سکتی ہیں۔ لہٰذا مجھے اس پر مجبور نہ کرو۔"

"خدا نے چاہا تو آپ کا بھی بیڑہ غرق ہو جائے گا۔"

"ہاں ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی اتنی ہی موٹی عورت میرے بیڑے پر بھی بیٹھ جائے۔"

"یا خدا میں کیا کروں۔" منیجر دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بڑبڑایا۔

"اپنی بوڑھی بیوی کی دلجوئی کرو۔ موٹی محبوبائیں لاش کے سینے پر رکھا ہوا پتھر بن جاتی ہیں۔"

"آپ براہِ کرم تشریف لے جائیے۔"

"ہوش میں آؤ۔ بوڑھے بیٹے! میں سرکاری طور پر تم سے پوچھ گچھ کر رہا ہوں، ورنہ اب تک میں نے بھی موقعے کے دو چار شعر رسید کر دیئے ہوتے۔"

"اب کس طرح میرا پیچھا چھوٹے گا.... آخر آپ کو یقین کیوں نہیں آتا کہ میں نے اُس آدمی کو پہلے پہل دیکھا تھا۔"

"میں کیسے یقین کرلوں جب کہ مجھے علم ہے کہ وہ تمہارا ایک اچھی طرح پہچانا ہوا آدمی ہے۔"

"آپ اس کا ثبوت نہیں دے سکیں گے۔"

"میں نے خود دیکھا تھا کہ اُس نے آفس میں قدم رکھتے ہی تمہیں کسی قسم کا اشارہ کیا تھا۔"

منیجر نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا۔ پھر ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ اس کے چہرے کی رنگت بدل گئی تھی بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی چور برسرِ عام پکڑ لیا گیا ہو۔

"دد.... دیکھئے.... آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے جناب!" اُس نے مردہ سی آواز میں کہا

"اچھی بات ہے۔ میں اب تمہیں دیکھ لوں گا۔" حمید نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔ "اگر یہاں سے ہتھکڑیاں لگا کر نہ لے جاؤں تو میرا نام بدل دینا۔"

"اررر.... سنئے تو سہی.... جناب.... کپتان صاحب.... پلیز....!"

"سناؤ....!" حمید ہاتھ اٹھا کر گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔ "میرے پاس وقت کم ہے۔"

"وہ.... دراصل.... دردانہ کا شوہر ہے۔"

"کون دردانہ....!"

"جی... وہی.... عورت.... موٹی عورت....!" منیجر نے سر جھکا کر مضمحل آواز میں کہا۔

"اوہ.... تو وہ دردانہ ہے.... اس کا نام تو لڑھکانا ہونا چاہئے تھا.... خیر تو اس نے تمہیں کیوں.... روکا تھا....!"

"میں کیا جانوں جناب! بھلا.... میں کیا بتا سکتا ہوں۔ بس اس نے مجھے اشارہ کیا تھا کہ میں خاموش ہو جاؤں۔"

"تم اس سے ڈرتے ہو....!"

"جی ہاں.... جی نہیں! دد.... دیکھئے.... بات دراصل یہ ہے کہ .... وہ مجھے خواہ مخواہ دھمکاتا رہتا ہے.... وہ بھی آپ ہی کی طرح یہی سمجھتا ہے۔"

"کیا سمجھتا ہے۔"

"یہی کہ میں دردانہ سے عشق کر رہا ہوں۔"

"پھر....؟"

"میں اُسے یقین دلانے کی کوشش کرتا ہوں کہ وہ غلط فہمی میں مبتلا ہے۔ لیکن وہ ہمیشہ یہی کہتا رہتا ہے کسی دن مجھے قتل کر دے گا۔"

"تم نے اُس کے خلاف رپورٹ کیوں نہیں درج کرائی۔"

"کیسے کراتا، جب کہ وہ کہتا ہے کہ میں اپنی بیوی کو بھی ڈرا دھمکا کر تمہارے خلاف بیان دلوا دوں گا۔"

"تو پھر.... تم اس کی بیوی سے کیوں ملتے ہو۔"

"ارے.... وہ تو گلے کا پھندا ہو گئی ہے۔ وہ خود ہی میرا پیچھا نہیں چھوڑتی۔"

"اوہ....!"

"اب آپ بھی مجھے گولی مار دیجئے۔ میں تو تنگ آ گیا ہوں۔ اس زندگی سے۔"

"مگر تم مجھے اُس یوریشین لڑکی کے متعلق کیا بتانے جا رہے تھے۔"

"دیکھئے! آپ بھی غلط فہمی میں مبتلا ہیں، میرا فخری سے کبھی جھگڑا نہیں ہوا۔ لیکن یہاں دو ایک بار ایک یوریشین لڑکی ضرور دیکھی گئی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کون تھی یا اس کا کیا نام تھا۔ محض اس لئے خصوصیت سے یاد ہے کہ فخ ، اکی میز پر کبھی لڑکیاں نہیں نظر آتی تھیں۔"

حمید کچھ سوچنے لگا اور منیجر پھر بولا۔ "دیکھئے میں جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں اس پر یقین کیجئے۔"

"اس پر میں پھر غور کروں گا کہ یقین کروں یا نہ کروں۔ فی الحال یہ بتاؤ کہ اس آدمی کا کیا نام ہے۔"

"دلاور مرزا....!"

"کہاں رہتا ہے۔"

"اٹھارہ پرنس لین....!"

"کبھی وہ دونوں یہاں ساتھ بھی نظر آتے ہیں۔"

"ٹھہریئے! مجھے سوچنے دیجئے۔" منیجر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بڑبڑانے لگا۔ "نہیں میرا.... خیال ہے.... کہ کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا ہی نہیں۔"

"اچھی طرح سوچ لو.....!"

"جی نہیں! وہ کبھی کلب میں ساتھ نہیں داخل ہوئے۔ اگر ایک موجود تو دوسرا غائب.....!"

"اور وہ تمہیں اکثر دھکا تا رہا ہے۔"

"جی ہاں.....!"

"اچھی بات ہے۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "اگر یہ جھوٹ ہوا تو اپنے نقصان کی ذمہ داری خود تم پر ہوگی۔"

وہ باہر آیا..... برآمدے میں رک کر تھوڑی دیر کچھ سوچتا رہا پھر چل پڑا۔

پرنس لین زیادہ دور نہیں تھا۔ اٹھارہویں عمارت کے سامنے پہنچ کر اُس نے دیکھا کہ منیجر کی موٹی محبوبہ ایک ٹانگے پر بیٹھ رہی ہے۔ اس نے کار روک دی اور نیچے اتر کر ٹانگے کی طرف بڑھا۔ عورت بھی اس کی طرف متوجہ ہوگئی تھی اور شائد اُس نے ٹانگے والے سے رکنے کو کہا تھا۔

"معاف کیجئے گا محترمہ.....!" وہ ٹانگے کے قریب پہنچ کر بولا۔ "آپکو تکلیف دے رہا ہوں۔"

"نہیں..... فرمایئے! شوق سے۔" عورت نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

"میں مسٹر دلاور مرزا سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"کون دلاور مرزا.....!" عورت کے لہجے میں حیرت تھی۔

"آپ کے شوہر.....!"

"ہائیں..... شوہر..... آپ کا دماغ تو نہیں خراب ہوگیا۔ ابھی میری شادی کہاں ہوئی ہے..... چلو بڑھاؤ تانگہ..... بیہودے بدتمیز..... لفنگے کہیں کے۔" تانگہ آگے بڑھ گیا اور حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے گالیاں سنتا رہا۔

پھر اُس نے پڑوسیوں سے پوچھ گچھ کی۔ معلوم یہ ہوا کہ وہ مونتیسری اسکول میں ہیڈ مسٹریس ہے۔ اس عمارت میں تنہا رہتی ہے۔ اس کے یہاں کبھی کوئی مرد نہیں دیکھا گیا۔ نام بھی دردانہ ہی تھا۔ مگر کسی دلاور مرزا کا سراغ نہ مل سکا۔

اسٹیج کا ایکٹر

عشرت نے پہلی بار غرارہ سوٹ پہنا تھا اور بالوں کو سمیٹ کر جوڑا لگایا تھا۔ اس کی خادمہ نے اُسے اس لباس میں دیکھ کر بے حد مسرت ظاہر کی۔

"کتنی اچھی لگتی ہیں آپ.....!" اُس نے کہا تھا۔ "کاش آپ ہمیشہ اسی لباس میں رہیں۔"

خود عشرت بھی بڑی دیر تک آئینے کے سامنے کھڑی خود کو گھورتی رہی تھی اور اس نے سوچا کہ اب مشرقی ہی لباسوں میں رہا کرے گی۔

مگر اس وقت بھی یہ خلش تھوڑی تھوڑی دیر بعد شعور کی سطح پر ابھر آئی تھی کہ اس نے یہ سب کچھ محض خود کو پولیس کی نظروں سے بچانے کے لئے کیا ہے..... وہ پُراسرار آدمی جسے وہ میک اپ میں پہچان نہیں سکی تھی اس کے اعصاب پر چھا کر رہ گیا تھا۔ وہ کون ہے؟ عشرت گھنٹوں سوچتی! آخر اس ہمدردی کا مقصد کیا ہے؟ ضرورت ہی کیا تھی کہ وہ اس کے لئے اتنے پاپڑ بیلتا..... اس تک مختلف اطلاعات پہنچانے کے لئے اس نے میک اپ کا سہارا لیا تھا لیکن یہ چیز خود اس کے لئے کتنی مخدوش تھی۔ پھر آخر..... کیا اس کا یہ ہمدردانہ رویہ کسی ذاتی غرض کا پیش خیمہ ثابت نہیں ہو سکتا تھا۔

اُس کا تعلق مالدار طبقے سے تھا اس لئے بہت ممکن تھا کہ حالات درست ہو جانے پر وہ کسی بڑے معاوضے کا مطالبہ کر بیٹھتا۔ اگر ایسا ہوتا بھی تو عشرت کو اس کی کیا پرواہ ہو سکتی تھی۔ اس الجھن سے نجات پانے کے لئے وہ تو ویسے بھی بہت کچھ خرچ کر دیتی۔

وہ اس کا نام اور پتہ معلوم کرنے کے لئے بھی مضطرب تھی۔ یوں تو اس کے وزیٹنگ کارڈ پر نام اور پتہ دونوں موجود تھے لیکن اُسے ان کی صحت میں شبہ تھا۔

اس نے آج ملنے کا وعدہ کیا تھا! وقت دیا تھا! عشرت کی نظر بار بار کلاک کی طرف اٹھ رہی تھی۔ لیکن ابھی پانچ ہی بجے تھے اور اس نے سات بجے پہنچنے کا وعدہ کیا تھا۔ فخری کے قتل کو پانچ دن گذر چکے تھے اور وہ اس دوران میں زیادہ تر وقت گھر ہی پر گذارتی رہی تھی۔

اس کے باپ نے ابھی تک اُس سے فخری کے متعلق کوئی گفتگو نہیں کی تھی۔ اس کے خیال کے مطابق شائد اُسے ابھی تک اس کا علم ہی نہیں ہوا تھا کہ فخری قتل کر دیا گیا ہے۔ لیکن اُس نے

اُس کے غرارہ سوٹ پر ضرور حیرت ظاہر کی تھی۔ مگر اس تبدیلی کی وجہ نہیں پوچھی تھی۔

ٹھیک سات بجے ڈاکٹر واصف وہاں پہنچ گیا اور عشرت کو انتظار کی الجھن سے نجات ملی۔ وہ آج بھی اسی میک اپ میں آیا تھا۔

"میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کی صحت پر اس کا بُرا اثر نہیں پڑ رہا۔" اس نے آتے ہی کہا تھا۔

"ارے آخر آپ کو اتنی پریشانی کیوں ہے۔ جب تک میرے دم میں دم ہے کوئی آپ کی طرف انگلی بھی نہ اٹھا سکے گا۔"

"مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے۔" عشرت نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔

"نہیں آپ بہت زیادہ اثر لے رہی ہیں۔"

"قطعی نہیں۔" عشرت ہنس پڑی.... لیکن پھر یک بیک سنجیدہ ہو کر بولی۔ "یقین نہیں آتا کہ فخری کسی غیر ملک کا جاسوس تھا۔"

"ارے مجھے خود بھی یقین نہیں آتا۔ مگر اُن کاغذات کو کیا کہا جائے گا جو اُس کے سامان سے برآمد ہوئے ہیں۔"

"میں اسے ایک محبِ وطن کی حیثیت سے جانتی تھی۔" عشرت نے کہا۔

"آہا.... جاسوس تو ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جن کی طرف انگلیاں نہ اٹھ سکیں آپ سوچ نہ سکیں کہ وہ غیر ملک کے جاسوس بھی ہو سکتے ہیں۔"

"شاید سچ مچ میرا دماغ ماؤف ہو جائے گا۔" وہ اپنی پیشانی رگڑتی ہوئی آہستہ سے بڑبڑائی۔

"نہیں محترمہ.... میری زندگی میں تو یہ ناممکن ہے! ویسے اس وقت میں آپ سے دو تین سوالات کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے توقع ہے کہ آپ اس سلسلے میں بھی میرا ہاتھ بٹائیں گی۔ بات دراصل یہ ہے کہ میں آپ کی بے گناہی بھی ثابت کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہائیں تو مجھ پر قتل کا الزام کب ہے۔"

"نہیں ہے تو بنا لیا جائے گا.... کیا آپ کیپٹن حمید کو جانتی ہیں۔"

"وہ جو محکمہ سراغ رسانی میں ہے؟"

"جی ہاں۔"

"میں نے اُس کا نام سنا ہے۔"

"کبھی ملی تو نہیں۔"

"نہیں....! کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا۔"

"مگر آپ فخری کے ساتھ ہائی سرکل نائٹ کلب میں تو اکثر بیٹھتی رہی ہیں۔"

"اپنی یادداشت میں شائد دوبار میں فخری کی تلاش میں وہاں گئی تھی۔ مجھے اس سے ملنا تھا۔ جب وہ آفس یا گھر پر نہیں ملا تھا تو میں ہائی سرکل چلی گئی تھی.... وہ ہائی سرکل کے علاوہ اور کہیں نہیں بیٹھتا تھا۔ کیونکہ روسی واڈکا صرف وہیں ملتی ہے.... وہ عموماً واڈکا ہی پیتا تھا۔"

"تب تو اس کے احباب نے بھی آپ کو اس کے ساتھ دیکھا ہوگا۔"

"اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

"ہائی سرکل کا منیجر آپ کو جانتا ہے۔"

"پتہ نہیں! مجھے تو کبھی اس سے گفتگو کرنے کا بھی اتفاق نہیں ہوا۔ مگر آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"کیپٹن حمید کو کسی ایسی یوریشین لڑکی کی تلاش ہے جو ایک غیر ملکی جاسوس سے اس کے فلیٹ میں ملا کرتی تھی....!"

"غیر ملکی جاسوس.... یوریشین لڑکی....!" عشرت احمقانہ انداز میں بڑبڑائی۔ اُس کا دل بہت شدت سے دھڑکنے لگا تھا اور یہ دونوں فقرے غیر ارادی طور پر اس کی زبان سے نکلے تھے۔

"ہاں! آپ بڑی مشکلات میں پڑ گئی ہیں۔ اگر فخری کوئی غیر ملکی جاسوس نہ ثابت ہوا ہوتا تو زیادہ تشویش کی بات نہیں تھی مگر اب ایسی صورت میں اگر وہ لوگ آپ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تو مسٹر تیمور بھی بڑی مشکلات میں پڑ جائیں گے۔ آپ کرنل فریدی کو نہیں جانتیں اور یہ بھی نہیں جانتیں کہ اس نے اتنی شہرت کیسے حاصل کر لی ہے۔"

"ظاہر ہے کہ وہ ایک دلیر اور بہت زیادہ ذہین آدمی ہے۔"

"دلیری میں تو مجھے بھی شبہ نہیں ہے۔ مگر ذہین کی بجائے آپ نے مکار کہا ہوتا تو بہتر تھا۔ کیونکہ وہ ایسے مواقع پر جب اصل مجرم ہاتھ نہیں آتے بے گناہوں کو پھانس دیتا ہے.... ابھی چند ماہ پہلے کی بات ہے اس نے ٹویوڈا کو پکڑا تھا.... ٹویوڈا کو پکڑا تھا....!"

وہ تمسخر آمیز انداز میں ہنس کر کچھ سوچنے لگا۔

"ہاں.... کیوں؟اس میں کسے شبہ ہو سکتا ہے۔"

"یہی تو آپ نہیں سمجھتیں!ٹویوڈا وہ شخص ہے جس سے سارے یورپ کی پولیس کانپتی ہے۔ اُسے اس فریدی نے پکڑ لیا.... ہونہہ....!"

وہ پھر مضحکہ اڑانے کے سے انداز میں ہنسا۔

"آپ بھی کمال کرتے ہیں کیا اُس نے نہیں پکڑا تھا؟ کیا ٹویوڈا کو جاپان میں بجلی کی کرسی نہیں نصیب ہوئی تھی۔"

ڈاکٹر واصف نے پھر قہقہہ لگایا اور بولا۔"ارے وہ بھی فریدی کی مکاری کا ایک شاہکار تھا۔ اُس نے کسی طرح اُس آدمی کا دماغ خراب کر دیا تھا۔ اس نے جو کچھ بھی کہا اُسے ٹویوڈا کی بد دماغی سمجھا گیا.... وہ بیچارا اپنے ہوش ہی میں کب تھا کہ کوئی ڈھنگ کی بات کرتا۔ چونکہ بین الاقوامی شہرت رکھنے والے کرنل فریدی نے اُسے ٹویوڈا ثابت کر دیا تھا اسلئے اسے الکٹروکیوٹ کر دیا گیا۔"

عشرت کچھ نہ بولی خود اس کے لئے ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ وہ اس پُراسرار آدمی ڈاکٹر واصف کی مخالفت نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"پھر آپ کیا چاہتے ہیں۔"اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"فی الحال میں آپ کو یہی مشورہ دے سکتا ہوں کہ آپ گھر سے نکلنا ہی چھوڑ دیجئے۔"

"یہ تو بہت مشکل ہے۔ دیکھئے جناب.... میں اب اس الجھن سے تنگ آ گئی ہوں۔ میں خود ہی اب پولیس کو مطلع کر دوں گی کہ.... مجھ سے غلطی ہوئی تھی۔ مجھے اس کی اطلاع دینی چاہئے تھی مگر پھر خوف کی وجہ سے باز رہی تھی۔"

"اس طرح آپ خود ہی اپنی گردن میں پھندا ڈالیں گی۔ دیکھئے اسے کئی دن ہو چکے ہیں۔ ہاں اس وقت یہ کوئی ایسی خاص بات نہ ہوتی جب آپ نے فون پر ہی پولیس کو اپنے نام اور پتے سے آگاہ کر دیا ہوتا۔ اب تو وہ آواز بھی پولیس کے لئے پراسرار ہو گئی ہے جو کوتوالی کے ٹیپ ریکارڈر نے ریکارڈ کی تھی.... اچھا ٹھہریئے.... مجھے سوچنے دیجئے۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر اس نے کہا۔"دیکھئے مشورہ دینا میرا کام ہے، آپ اس پر عمل کریں یا نہ کریں.... انہیں ایک ایسی یوریشین لڑکی کی تلاش ہے جو فخری کے فلیٹ میں جایا کرتی تھی۔ لیکن آپ کو کیا علم کہ انہیں آپ کی تلاش ہے۔ اگر کسی طرح بھی اس کا اعلان کیا جائے کہ

پولیس کو کسی ایسی لڑکی کی تلاش ہے تو آپ کسی پس و پیش کے بغیر کوتوالی جا کر اعتراف کر لیجئے گا کہ آپ اکثر اس سے اُس کے گھر پر بھی ملتی رہی ہیں۔ مگر خواہ مخواہ کوتوالی جا کر اس کی اطلاع دینا میرے نزدیک تو بہتر نہیں ہے.... ہاں اگر میرے علاوہ اور کسی نے بھی آپ کو وہاں اُسی دن دیکھا ہو تا جب فخری کا قتل ہوا تھا تو بات بھی تھی۔ میں بھی آپ کو ٹیلی فون بوتھ ہی میں مشورہ دیتا کہ اپنا نام بھی ظاہر کر دیجئے اور سیدھی کوتوالی چلی جایئے۔ مگر ان حالات میں نہیں کبھی نہیں.... میں مشورہ نہیں دے سکتا۔ ویسے آپ اپنی مرضی کی مالک ہیں میں آپ کو مجبور بھی تو نہیں کر سکتا۔"

"اوہ.... اب اسے ختم بھی کیجئے۔ میں بُری طرح اکتا گئی ہوں۔ جو کچھ بھی ہو گا دیکھا جائے گا۔ آپ مجھے اپنے متعلق بھی کچھ بتایئے۔ آپ کا وجود بھی میرے لئے بعض نئی الجھنوں کا باعث بن گیا ہے۔"

"ضرور بن گیا ہو گا....!"وہ مسکرایا۔

عشرت خاموش ہو گئی۔ شائد اُسی سے کچھ سننے کی منتظر تھی۔ لیکن تقریباً دو منٹ تک وہ خاموش ہی بیٹھا رہا۔ پھر عشرت کے دوبارہ ٹوکنے پر بولا۔"میں پہلے بہت کچھ تھا۔ اب کچھ بھی نہیں ہوں، اب سے پانچ سال پہلے آپ نے رین بو تھیٹریکل کمپنی کی شہرت ضرور سنی ہو گی۔ اس کا مالک میں ہی تھا۔ مگر حالات نے اُسے برباد کر دیا۔ مجھے برباد کر دیا اب میں دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کی کوشش کر رہا ہوں۔ سارے انتظامات مکمل ہو چکے ہیں۔ بہتیرے آرٹسٹ کچھ دنوں تک مفت کام کرنے پر تیار ہیں.... کاسٹیوم کا مسئلہ بھی ایک مہربان کی وجہ سے حل ہو گیا ہے.... مگر جگہ نہیں ملتی.... اس دشواری پر قابو پانا میرے بس سے باہر ہو گیا ہے۔"

وہ پھر سر جھکا کر کسی سوچ میں ڈوب گیا اور عشرت سوچنے لگی!اوہو.... تو یہ بات ہے.... شائد یہ حضرت اسی چکر میں ہیں.... کسی زمانے میں تیور کا ایک سینما بھی چلتا تھا۔ لیکن پھر اُسے بند کر کے سینما ہال کو روئی کے گوڈاؤن میں تبدیل کر دیا گیا تھا.... عشرت نے سوچا ممکن ہے وہ اُسی ہال کو حاصل کرنے کی فکر میں ہو۔

"آپ کی یہ دشواری بھی رفع ہو سکتی ہے۔"عشرت مسکرائی۔

"وہ کیسے....؟"واصف یک بیک چونک پڑا۔

"بس ہو جائے گی۔"

"آپ کریں گی۔"

"جی ہاں....!"

"معاف کیجئے گا.... میں اسے کسی قیمت پر بھی گوارا نہیں کروں گا۔" اس نے ناخوشگوار لہ میں کہا۔ "اوہ.... میرے خدا.... آپ شاید یہ سمجھی ہیں کہ میں نے یہ داستان محض اسی لئے چھیڑی ہے۔"

پھر ایسا معلوم ہوا جیسے شدید ترین غصے نے اس کی زبان روک دی ہو۔ لیکن آنکھیں بہر کچھ کہہ رہی تھیں اور ان کی زبان عشرت کی سمجھ میں بخوبی آ رہی تھی۔ وہ احتجاج کر رہی تھیں عشرت کی اس تجویز پر اُسے ملامت کر رہی تھیں۔

"معاف کیجئے گا محترمہ... آپ نے مجھے غلط سمجھا ہے۔" وہ یک بیک اٹھتا ہوا بولا۔ "اگر آپ میرے متعلق استفسار نہ کرتیں تو میں کبھی کچھ نہ بتاتا۔ شاید اب میں آپ سے نہ مل سکوں۔"

وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"ارے... ارے... سنئے تو سہی....!" عشرت نے مضطربانہ انداز میں کہا مگر وہ باہر جا چکا تھا۔

❀

کرنل فریدی کے سامنے میز پر بے شمار تصویریں بکھری ہوئی تھیں.... یہ انگلیوں کے نشانات کے عکس تھے.... فریدی انہیں یکے بعد دیگرے دیکھتا جا رہا تھا.... کچھ دیر بعد اُس نے تصویریں ایک طرف سرکا دیں اور اسپیشلسٹ کی رپورٹ پڑھنے لگا۔ کبھی اس کی بھنویں سکڑ جاتیں اور کبھی آنکھیں بالکل سپاٹ اور ہر قسم کے جذبات سے عاری نظر آنے لگتیں۔

"حمید....!" اُس نے تھوڑی دیر بعد.... حمید کو متوجہ کیا، جو اپنی میز پر بیٹھا چغل کارٹون بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"جی....!" وہ چونک پڑا۔

"اِدھر آؤ۔"

حمید بُرا سا منہ بنا کر اٹھا۔ یہ اُس کی عادت تھی۔ خواہ دونوں کسی وقت ایک ہی مسئلے پر کیوں نہ غور کر رہے ہوں لیکن اگر فریدی اُسی پر اظہار خیال کرتا تو حمید یہی ظاہر کرنے لگتا کہ موضوع

اُسے گراں گزر رہا ہے۔

"یہ رپورٹ دیکھو....!" فریدی نے کہا۔

حمید نے ایک طویل سانس لی اور آہستہ سے بولا۔ "لائیے صاحب! لیکن کیا آپ اسپیشلسٹ کو اس بات پر مجبور نہیں کر سکتے کہ کہیں کہیں موقع کے اشعار بھی لکھ دیا کرے۔"

پھر اُس نے کچھ اکتائے ہوئے سے انداز میں رپورٹ پر نظر دوڑانی شروع کی۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔" کچھ دیر بعد وہ سر اٹھا کر بولا۔

"کیا سمجھ میں نہیں آتا....؟"

"یہ رپورٹیں کبھی میری سمجھ میں نہیں آتیں.... اور پھر خصوصیت سے وہ رپورٹیں جو صرف آپ کیلئے ہوتی ہیں! ان میں نہ وضاحت ہوتی ہے اور نہ اسپیشلسٹ کوئی نتیجہ نکالتا ہے۔"

"وضاحت کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ کیا تم نتیجہ نہیں نکال سکتے۔"

"میں کہتا ہوں کہ جب اسپیشلسٹ اسی لئے ہوتا ہے تو ہم کیوں جھک ماریں۔"

"جھک مارے بغیر ترقی ناممکن ہے۔"

"خدا صرف اسپیشلسٹ کو اور ترقی عطا کرے.... ہمیں تو دیکھنے کی خوشی ہے۔"

"بکواس مت کرو۔"

"میں واقعی نہیں سمجھ سکا۔"

"لاش کے قریب فرش کے ٹائیلز پر پائے جانے والے نشانات مقتول کی انگلیوں کے نہیں تھے۔"

"مگر قاتل اتنا اناڑی نہیں ہو سکتا۔"

"میں کسی تیسرے کے وجود کے امکانات پر بھی غور کر رہا ہوں۔ فرش پر پائے جانے والے نشانات خنجر کے دستے والے نشانات سے مختلف نہیں ہیں اور یہی نشانات فون پر بھی پائے گئے ہیں۔ اگر خنجر قاتل ہی نے مقتول کے سینے سے کھینچا تھا تو نہ وہ خنجر وہاں چھوڑ جاتا اور نہ انگلیوں کے نشانات ہی کی طرف سے اتنا لاپرواہ ہوتا۔"

"ہو سکتا ہے! وہ کوئی جنونی رہا ہو.... پاگل رہا ہو....!"

"جنونی یا پاگل کو فون استعمال کرنے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔"

"ارے کمال کرتے ہیں آپ بھی....! اگر میں پاگل ہو جاؤں تو کسی کو قتل کرنے کے بعد

اسکی مسہری کے پائے تک اکھاڑ پھینکوں گا۔ اگر قریب ہی فون موجود ہو تو کوتوالی کے بجائے کسی یتیم خانے کے نمبر ڈائیل کر کے اس قتل کی اطلاع دوں اور فرار ہو جاؤں۔"

"پھر بکنے لگے؟" فریدی آنکھیں نکال کر رہ گیا۔

"میں تو آپ کو یہ باور کرانے کی کوشش کر رہا تھا کہ پاگل پن میں سب کچھ ممکن ہے۔"

"تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ فخری کے قتل کی اطلاع کسی عورت نے فون پر دی تھی ہو سکتا ہے وہ فخری ہی کا فون رہا ہو، جسے اس سلسلے میں استعمال کیا گیا ہو! فون پر تو فخری کی انگلیوں کے نشانات ملے ہیں یا وہ نشانات جو خنجر کے دستے اور لاش کے قریب فرش پر بھی موجود تھے۔ اب کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اس کے قتل کے بعد کوئی عورت وہاں آئی ہو! فخری کی شناسا جو اس کی لاش دیکھ کر بوکھلا گئی ہو اور اضطراری طور پر اُس نے خنجر اس کے سینے سے کھینچ لیا ہو۔ پھر آہستہ آہستہ اس کے اوسان بجا ہوئے ہوں اور اس نے اسی میں عافیت سمجھی ہو کہ پولیس کو اس کی اطلاع دے کر وہاں سے کھسک جائے۔"

"وہی یوریشین لڑکی....؟" حمید نے پوچھا۔

"یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا۔"

"اس لڑکی کا مسئلہ سمجھ میں نہیں آتا۔"

"ارے.... ہاں.... اُس عورت دردانہ کا کیا رہا....!"

"آپ نے پھر دردانہ کہا۔ میں نے عرض کیا تھا کہ اس کا نام بھینسا نہ ہے۔"

"شش.... فضول باتیں نہ نکالو.... کیا تم ابھی تک کسی دلاور مرزا کا سراغ نہیں پا سکے۔"

"نہیں.... میرا خیال ہے کہ ہائی سرکل کے منیجر کو خواہ مخواہ کسی نے اُلو بنایا ہے۔ کیونکہ خود اس کا بیان ہے کہ وہ دونوں کبھی وہاں ایک ساتھ نہیں آئے۔ دلاور مرزا اُس عورت کی عدم موجودگی میں خود کو اس کا شوہر ظاہر کر کے منیجر کو دھوکا تا رہا ہے۔ اب اس کا مقصد جو کچھ بھی ہو۔"

"غالباً تمہارا یہ خیال ہے کہ دردانہ اور دلاور مرزا ایک دوسرے سے واقف بھی نہ ہوں گے۔"

"جی ہاں! میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں۔"

"لیکن میرا نظریہ اس کے برعکس ہے۔"

"یعنی....!"

"وہ دونوں ایک دوسرے سے گہرا تعلق رکھتے ہیں اور شائد منیجر کو کسی چکر میں پھانسنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"اور اُس چکر کا تعلق اس یوریشین لڑکی سے بھی ہو سکتا ہے۔ کیوں۔"

"ارے اس کے متعلق میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن اگر حقیقتاً دلاور مرزا کا اُس عورت سے کوئی تعلق ہے تو تم اب اس کی گرد کو بھی نہ پا سکو گے۔ بس دردانہ ہی دردانہ تمہارے سامنے رہ جائے گی۔"

"جہنم میں جھونکئے اُسے۔ مجھے تو صرف اُس یوریشین لڑکی کی تلاش ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔

"اُف.... فوہ....!" حمید بڑبڑایا۔ "ابھی تک ہم کچھ بھی تو نہیں معلوم کر سکے۔ اس اشتہار ہی کا معمہ نہیں حل ہو سکا جو فخری نے آبزرور میں شائع کرایا تھا۔"

"وہ تو حل ہو چکا ہے.... حمید صاحب۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔ "لیکن فی الحال اس سے متعلق تمہیں کچھ نہ بتا سکوں گا۔ کیونکہ ابھی میں اس کے حل سے پوری طرح مطمئن نہیں ہوں۔"

دردانہ

حمید کو غصہ آ گیا۔ معمہ حل کر چکے ہیں مگر بتائیں گے نہیں۔ وہی پرانی عادت! یہاں اس کیس کے الجھاوے۔ سانسیں الجھائے دے رہے ہیں۔ مگر ابھی آپ مطمئن نہیں ہیں۔ اس لئے کچھ نہیں فرمائیں گے۔

اچھی بات ہے! اب میں بھی آپ سے کچھ نہیں عرض کروں گا۔ لیکن آپ کے لئے مزید الجھاوے ضرور پیدا ہو جائیں گے۔

حمید نے بہت بُرا سا منہ بنا کر اس کی طرف دیکھا لیکن فریدی پھر کاغذات میں کھو گیا تھا۔

وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ پھر کلائی کی گھڑی پر نظر ڈال کر اٹھا۔ فون پر قاسم کے نمبر ڈائیل کئے۔ قاسم دوسری طرف موجود تھا۔

"غالو....!" وہ فون میں دہاڑا....

"ارے.... آہستہ.... لائین خراب ہو جائے گی۔"

"قون....ہائے....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"حمید....!"

"سالیکم.... کیا بات ہے.... پپ.... پیارے حمید بھائی!"

"تفریح کے موڈ میں ہو۔"

"اُلا قسم میں تو ہڑک رہا ہوں تمہارے لئے حمید بھائی.... یہ میری بیوی کی خالا آج کل پھر آئی ہوئی ہے.... مجھے بچالو.... پیارے بھائی.... ورنہ وہ لکچر پلا پلا کر میرے دماغ سالے کا کباڑا کردے گی.... اگر میری خالا ہوتی تو میں اس کے میاں کو پانی چڑھا کر اِسے طلاخ دلوا دیتا.... بڑی جلن لگتی ہے.... حمید بھائی.... قیا قرون....!"

"بس آج شام کو چپ چاپ کھسک آؤ.... ہائی سرکل نائٹ کلب میں ملیں گے! مجھے یقین ہے کہ دردانہ کو دیکھ کر خوش ہو جاؤ گے....!"

"کون دردانہ....!" فون میں ہلکی سی آواز سنی گئی، جو منہ چلانے کی آواز کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتی تھی۔

"ہے....ایک چوکور عورت....!"

"چوکور کیا ہوئی....!"

"بہت تگڑی جدھر سے بھی ناپو گے چاروں اضلاع برابر ملیں گے۔"

"میں....ابھی....ابھی آرہا ہوں۔" غالباً قاسم کی سانس پھولنے لگی تھی۔

"ابھی نہیں....شام کو....!"

"مگر یہ سالی خالا....!"

"کہیں اور گھوم پھر آؤ....!"

"وہ کہتی ہے بلا جرورت....ضرورت....باہر نہ نکلا کرو۔"

"پھر شام کو کیسے آؤ گے۔"

"قسم کھا جاؤں گا....ضرورت سے جارہا ہوں....ابے یہ ضرورت نہیں ہے کہ تم مجھے

وہاں بلا رہے ہو۔"

"شدید ضرورت....!"

"بس تو پھر آئیں گے حمید بھائی....ہی ہی ہی....!"

حمید نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

فون کے پاس سے ہٹنے پر اُس نے محسوس کیا کہ فریدی اسے گھور رہا ہے۔ پھر وہ جہاں تھا وہیں اس انداز میں رک گیا۔ جیسے فریدی کے سوال کا جواب پہلے ہی سے تیار ہو۔

"یہ کیا حرکت تھی۔"

"میں ابھی وضاحت نہیں کر سکوں گا۔" حمید نے فریدی ہی کے سے پُر سکون لہجے میں کہا۔

"اگر تم سے کوئی حماقت سرزد ہوئی تو نتیجے کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔"

"ذمہ داری اور حماقت میں دور کا بھی علاقہ نہیں ہے۔ آپ خواہ مخواہ بور ہو رہے ہیں۔ میں تو صرف یہ عرض کر رہا تھا کہ اپنا اپنا طریق کار ہے اور جب تک کہ میں مطمئن نہیں ہو جاتا کسی چیز کی وضاحت نہیں کرتا....اس لئے فی الحال اگر ہم اس مسئلے پر گفتگو نہ کریں تو بہتر ہے۔"

"اوہ....اچھا....!" فریدی مسکرایا۔ "یہ بات ہے....اِدھر آؤ....میں تمہیں مطمئن ہونے سے پہلے ہی سب کچھ سمجھا دوں۔ بیٹھ جاؤ....ٹھیک کرسی قریب لے آؤ....!"

اس نے میز کی دراز کھول کر جاذب کاغذ کا ایک تختہ نکالا....غالباً یہ کسی ٹیبل پیڈ سے نکالا گیا تھا۔

"یہ دیکھو....یہ فخری کی میز پر تھا....میں نے اس پر ایک جگہ پنسل سے دائرہ بنایا ہے....اُس دائرے کی الٹی تحریر کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ اُس نے شائد کسی کو خط لکھ کر جاذب پر خشک کیا تھا جہاں جہاں زیادہ روشنائی تھی وہاں وہاں حروف کے الٹے دھبے آگئے ہیں۔

حمید نے پنسل سے دائرہ والی جگہ پر نظر ڈالی اور کچھ اُکھڑے اُکھڑے سے الفاظ نظر آئے جن کی ترتیب یوں تھی۔

'اور میری لانس کمل رسکالوم....سرسوم ولرہ....اجاد....!"

اس کے علاوہ دوسرے نشانات اتنے شکستہ تھے کہ اُن پر نقطوں یا لکیروں کا اطلاق ہوتا تھا....حمید چند لمحے جاذب پر نظر جمائے رہا پھر سر اٹھا کر بولا۔

"کیا آپ نے اس سے کوئی اہم نتیجہ اخذ کیا ہے....!"

"یقیناً....!"

حمید استفہامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ لیکن فریدی اب پھر دوسرے کاغذات پر مشغول ہو گیا تھا۔

"آپ نے مجھے کچھ سمجھانے کے لئے بلایا تھا۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"غلط فہمی ہوئی ہے تمہیں.... میں تو تمہاری الجھنوں میں اور اضافہ کرنا چاہتا تھا۔"

"کیوں....؟"

"تاکہ آئندہ تم مجھے دھمکیاں دینا چھوڑ دو.... جاؤ....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"جتنی حماقتیں سرزد ہو سکتی ہوں ہونے دو.... قاسم کو لے جاؤ.... دردانہ کے گھر پر قوالی کراؤ مجھے ذرہ برابر بھی پرواہ نہ ہو گی۔ دفع ہو جاؤ۔"

حمید جھٹکے کے ساتھ اٹھا.... اور باہر نکل آیا.... اُس نے فریدی کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ نہیں دیکھی تھی۔

آفس بند ہونے کا وقت بھی قریب ہی تھا اس لئے وہ وہاں نہیں رکا.... سیدھا اس شڈ کی طرف آیا جہاں کاریں پارک کی جاتی تھیں۔

اپنی وین نکالی اور پھاٹک سے نکلتے وقت سٹیئرنگ پر جدھر بھی ہاتھ گھوم گیا اسی طرف چل پڑا.... وہ سوچ رہا تھا کہ سارے فساد کی جڑ نیلم ہے۔ وہ یقیناً نواب صاحب کے کان بھرتی ہو گی۔

نیلم سچ مچ اُس کے لئے ایک بہت بڑی الجھن بن گئی تھی۔ کبھی وہ اس الجھن کو ہنسی میں ٹال جاتا اور کبھی اُسے اُس پر سنجیدگی سے غور کرنا پڑتا۔

اب اس وقت سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُسے کہاں جانا چاہئے۔ کلب نہیں جا سکتا تھا کیونکہ قاسم کو وقت دے چکا تھا۔ اس لئے مقررہ وقت سے پہلے پہنچنا فضول ہی ہوتا۔

وہ بڑی دیر تک شہر کے مختلف حصوں کے چکر کاٹتا رہا اور پھر جب دن ڈوب چکا تو اُس نے وین کا رخ ہائی سرکل کی طرف کر دیا....

اور پھر وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ قاسم پہلے ہی سے اس کا منتظر تھا.... حمید کو دیکھتے ہی" گوبھی کے پھول کی طرح تر و تازہ نظر آنے لگا۔

"میں تو سمجھا تھا کہ تم نے اُلو بنایا ہے۔" اُس نے باچھیں پھاڑ کر کہا۔

"اُلو کو اُلو بنانے سے فائدہ ہی کیا....!"

"ہی.... ہی.... ہی....!" قاسم آنکھیں میچ کر ہنسا پھر چونک کر بولا۔ "کیا مطلب....!"

"کچھ بھی نہیں پیارے۔" حمید نے اُس کے بازو پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ "مطلب یہ تھا کہ جس سے مجھے محبت ہو جاتی ہے اُسے اُلو سمجھنے لگتا ہوں۔"

"میں اب بھی نہیں سمجھا۔"

"اُلو عشق کا نشان ہے.... جب کوئی عاشق مرتا ہے تو اس کی کھوپڑی تڑخ جاتی ہے اور اس میں سے ایک اُلو نکل کر عالم بالا کی طرف پرواز کر جاتا ہے۔"

"ارے باپ رے....!" قاسم خوفزدہ ہو کر اپنی کھوپڑی ٹٹولنے لگا۔ پھر جلدی سے بولا۔ "کیا میں عاشق ہوں۔"

"یقیناً ہو.... مگر ابھی نہیں مرو گے۔"

"تب تو ٹھیک ہے۔" قاسم اس طرح سر ہلا کر بولا جیسے مطمئن ہو گیا ہو۔

"اچھا اب تم ہال میں جا کر بیٹھو۔ تھوڑی دیر بعد مزے ہی مزے ہوں گے۔"

"مگر میں اکیلے.... یعنی کہ تم نہیں بیٹھو گے میرے ساتھ۔"

"پہلے میں تفریح کا انتظام تو کر لوں۔"

"ہی.... ہی.... اچھا.... اچھا....!" قاسم نے کہا اور برآمدے سے ہال کے ایک دروازے میں مڑ گیا۔

حمید وہیں کھڑا رہا.... وہ سوچ رہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے.... اتنے میں ایک ویٹر منیجر کے کمرے سے نکلا.... حمید نے اُسے اشارے سے اپنی طرف بلا کر پوچھا۔

"کیا منیجر صاحب تنہا ہیں۔"

"جی نہیں! ایک صاحبہ بھی ہیں۔"

"موٹی سی۔"

"جی ہاں....!" ویٹر نے کہا اور غالباً اپنی بے ساختہ قسم کی مسکراہٹ کو چھپانے کے لئے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ یہاں کے سارے ویٹر حمید کو پہچانتے تھے اور انہیں اس کا بھی علم تھا

کہ وہ منیجر کو زچ کئے رہتا ہے۔

"اچھا ٹھیک ہے.... جاؤ!" حمید نے کہا اور ویٹر ہال سے چلا گیا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا منیجر کے کمرے کے قریب آگیا۔ دروازہ بند تھا۔ لیکن اندر کی آوازیں صاف سنی جاسکتی تھیں۔

کوئی عورت صاف کہہ رہی تھی۔ "تم پتہ نہیں کیسے آدمی ہو۔ پتہ نہیں تم کس آدمی کے متعلق کہہ رہے ہو۔ تم نے کبھی مجھ سے اس کا تذکرہ کیوں نہیں کیا۔"

"خدا کیلئے پہلے مجھے بتایئے کہ معاملہ کیا ہے.... کیا مسٹر دلاور مرزا....!" یہ منیجر کی آواز تھی اور اس کا جملہ پورا ہونے سے قبل ہی عورت نے غصیلے لہجے میں کہا تھا۔ "میں کسی دلاور مرزا کو نہیں جانتی۔ تم خواہ مخواہ میری توہین کیوں کر رہے ہو۔ میں نے ابھی تک شادی کی ہی نہیں۔"

"تب تو میں مر گیا۔" منیجر کی آواز بھرائی ہوئی سی تھی۔

"کیوں کیا ہوا۔"

"میں انہیں اب تک تین ہزار روپے قرض دے چکا ہوں۔"

"میرے خدا تم اتنے گدھے کیوں ہو گئے تھے کم از کم مجھ سے تو پوچھ لیا ہوتا۔"

"آپ سے کیا پوچھ لیا ہوتا کہیں ایسا بھی ہوا ہے کہ کوئی زبردستی کسی کا شوہر بن بیٹھا ہو۔"

"اچھا تو کیا تم مجھے جھوٹی سمجھتے ہو۔" عورت کی آواز پھر غصیلی ہو گئی۔

"نن.... نہیں! آپ خواہ مخواہ خفا ہو رہی ہیں۔ میں تین کیا تیس ہزار کے لئے بھی صبر کر سکتا ہوں۔ کیونکہ اُس نے یہ روپے آپ کے حوالے سے اینٹھے تھے۔"

"اپنی عقل نہیں استعمال کی تھی۔ مجھ سے تذکرہ کیوں نہیں کیا۔"

"چھوڑیئے بھی، جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ اب وہ حضرت کہیں نظر آگئے تو بتاؤں گا۔ ہو سکتا ہے پھر کبھی آدھمکیں۔ آپ بھی کسی سے کچھ نہ کہئے گا۔ ظاہر ہے انہیں ہماری گفتگو کا علم تو ہو گا نہیں۔"

"کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر عورت کی آواز آئی۔" میں اس آدمی دلاور مرزا کے متعلق سنجیدگی سے سوچ رہی ہوں۔

"کیوں....؟"

"ابھی کل ہی کی بات ہے ایک آدمی نے میرے گھر کے قریب میرا تانگہ رکوا کر کسی دلاور

مرزا کے متعلق پوچھا تھا اور اس نے بھی اُسے میرا شوہر ہی کہا تھا۔ میں نے اُسے جی کھول کر سلواتیں سنائی تھیں۔"

"کیسا تھا.... وہ آدمی....!"

"شریف ہی معلوم ہوتا تھا۔ جوان تھا.... جاذب توجہ تھا۔"

"اب.... اس دلاور مرزا کی خیریت خطرے میں پڑ گئی ہے....!"

منیجر کچھ اور بھی کہنے والا تھا کہ حمید دروازے کو دھکا دیتا ہوا اندر گھس گیا۔ اُسے خدشہ تھا کہ کہیں منیجر اس کے متعلق بھی نہ بتانا شروع کر دے۔

"اوہو....!" حمید نے بڑی شائستگی سے کہا۔ "معاف کیجئے گا مسٹر منیجر.... میں سمجھا تھا شاید آپ تنہا ہیں۔"

"ارے کوئی بات نہیں ہے۔" منیجر نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

"آیئے.... آیئے.... یہ ہیں میرے بے تکلف دوست....!"

"میرا نام شاہد جمال ہے....!" حمید جلدی سے بول پڑا اور یہ میری خوش قسمتی ہے کہ منیجر صاحب بھی مجھے اپنا بے تکلف دوست سمجھتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ میں آپ کو پہچانتی ہوں۔" عورت مسکرا کر بولی۔

"یقیناً پہچانتی ہوں گی۔ کیونکہ پچھلے ہی دن آپ نے مجھے بے تحاشہ گالیاں دی تھیں۔"

"مجھے افسوس ہے۔ کل تک میرے لئے وہ بات بالکل بے تکی تھی۔ اس لئے غصہ آگیا تھا۔ مگر اس وقت میں بہت سنجیدگی سے اسی کے متعلق سوچ رہی ہوں۔"

"کیا قصہ تھا۔" منیجر نے حمید سے پوچھا۔ شائد اُسے بھی تھوڑی بہت عقل آگئی تھی۔

"قصہ کیا تھا۔ میں نے اکثر اس دلاور مرزا کو آپ کے ساتھ دیکھا تھا۔ لیکن مجھے یقین نہیں آیا تھا کہ وہ محترمہ دردانہ جیسی شریف اور معزز خاتون کا شوہر ہو گا۔ میں نے آپ سے اسکا تذکرہ کئے بغیر ہی اسکے متعلق چھان بین شروع کر دی تھی۔ آخر اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ کوئی فراڈ ہی تھا۔"

"اور آپ آج مجھے اس نتیجے سے آگاہ فرما رہے ہیں جب میں کافی خسارہ اٹھا چکا ہوں۔" منیجر بولا۔

"اس نتیجے پر تو میں کل ہی پہنچا ہوں۔ مگر کیا آپ بتا سکیں گے محترم کہ آپ ان محترمہ کا

شوہر ہی سمجھ کر اُسے تین ہزار قرض کیوں دے بیٹھے تھے....!"

منیجر سٹپٹا گیا۔ اس کی آنکھوں میں بیچارگی صاف پڑھی جا سکتی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ حمید سے رحم کی بھیک مانگ رہا ہو۔ لیکن حمید نے بہت بُرا سا منہ بنا کر دردانہ سے کہا۔ "اور آپ یہ فرمائیے کہ آپ نے ان حضرت سے ان کی اس حرکت پر جواب کیوں نہیں طلب کیا۔"

"میں نہیں سمجھی۔ آپ کا لہجہ بہت خراب ہے۔ آپ میری توہین کر رہے ہیں۔"

"میں یہ لہجہ اختیار کرنے پر مجبور ہوں محترمہ۔ آخر انہوں نے آپ ہی کے خیال سے سہی اسے تین ہزار کیوں دیدیئے۔ کیا آپ اتنی رقم ادا کر دینے کی حیثیت رکھتی ہیں۔"

"آپ سے مطلب....!" دردانہ گرجی۔

"آپ خواہ مخواہ فضول باتیں چھیڑ رہے ہیں جناب۔" منیجر کی آواز بھی اونچی ہو گئی۔

"آپ اگر خاموش ہی رہیں تو مناسب ہوگا۔ کیونکہ آپ تین ہزار برباد کر چکے ہیں۔"

"وہ سب ٹھیک ہے۔" منیجر گردن جھٹک کر بولا۔ "میں نے کسی سے اسکی شکایت نہیں کی۔"

"یہ آخر ہیں کون؟" دردانہ نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

حمید نے جیب سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ کیونکہ اب اُس نے اپنی اسکیم فوری طور پر بدل دی تھی۔

عورت نے کارڈ لے کر دیکھا اور دفعتاً اس کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ منیجر حمید کو خونخوار نظروں سے دیکھتا ہوا دانت پیس رہا تھا۔

"یہ آپ کا پہلا کارنامہ نہیں ہے محترمہ۔ آپ نے یہاں کے کئی تاجروں کو سیٹھ عاصم کے لڑکے قاسم کی بیوی کے نام سے دھوکے دیئے ہیں۔"

"یہ جھوٹ ہے.... میں کسی عاصم قاسم کو نہیں جانتی۔"

"آپ نے ان تاجروں کو دھوکا دیا ہے، جن کے یہاں قاسم کا حساب چلتا ہے۔ آپ نے ان سے یہ کہہ کر کافی سامان قرض خریدا ہے کہ آپ قاسم کی بیوی ہیں۔"

"ہائیں....!" منیجر کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔

"خاموش....!" حمید اُسے گھور کر بولا۔

"اب تو میں خاموش ہی ہوں۔" وہ آہستہ سے بڑبڑا کر خاموش ہو گیا۔ مگر ایسا معلوم ہو رہا

تھا جیسے برسرِ عام کسی نے اس کی مرمت کر دی ہو۔

"آپ خواہ مخواہ اتہام رکھ رہے ہیں۔" دردانہ بہت غصہ میں تھی۔

"میں اُن تاجروں سے شہادت دلوادوں گا اور میں دراصل قاسم ہی کی شکایت پر آپ کے متعلق انکوائری کر رہا تھا۔ پھر اسی دوران میں مجھے معلوم ہوا کہ آپ تنہا نہیں ہیں بلکہ ٹھگوں کا ایک پورا گروہ اس شہر میں فریب دہی کی وارداتیں کر رہا ہے۔"

"غلط ہے جھوٹ ہے.... میں ہیڈ مسٹریس ہوں۔"

"اگر آپ کا ظاہر اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ آپ ٹھگ ہیں تو کون آپ کے فریب میں آئے گا۔"

"ٹھہریئے میں قاسم کو یہیں بلواتا ہوں۔"

حمید نے ویٹر کو بلانے کے لئے دیوار سے لگی ہوئی برقی گھنٹی کا بٹن دبایا۔ کچھ دیر بعد ویٹر آ گیا جسے حمید نے قاسم کا حلیہ بتا کر پھر واپس بھیج دیا۔ یہاں منیجر اور دردانہ ایک دوسرے کو گھور رہے تھے اور حمید ایسی بے تعلقی سے دوسری طرف دیکھ رہا تھا جیسے اُن دونوں سے اس کی جان پہچان ہی نہ ہو۔

وہ اسی وقت چونکا تھا جب قاسم کے بھاری قدموں کی آواز سنی تھی۔ وہ دروازے ہی میں تھا کہ حمید نے اُسے آنکھ ماری اور قاسم بوکھلا گیا۔ پھر شرمیلی سی مسکراہٹ اسکے ہونٹوں پر نظر آئی۔

"یہ ہیں قاسم صاحب۔ کیا آپ انہیں نہیں پہچانتیں۔"

"میں نہیں پہچانتی۔"

قاسم نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ ہلائے ہی تھے کہ حمید نے پھر آنکھ ماری اور اُس نے مضبوطی سے اپنے ہونٹ بند کر لئے۔

"آپ انہیں اچھی طرح جانتی ہیں۔ جانتی نہ ہوتیں تو لوگوں سے یہ کیوں کہتیں کہ قاسم آپ کا شوہر ہے۔"

"یہ غلط ہے... بالکل غلط ہے.... کوئی ثابت نہیں کر سکتا۔"

"میں ثابت کر سکتا ہوں.... ایک تاجر نے قاسم کو دور سے آپ کو پہچنوایا تھا اور بتایا تھا کہ اسی عورت نے آپ کی بیوی کے نام سے کافی سامان قرض خریدا ہے کیوں قاسم صاحب۔"

"غاں... غاں...!" قاسم بوکھلا کر اثبات میں سر ہلانے لگا۔ ویسے اسکا چہرہ بھی فق ہو گیا تھا۔

"اب فرمایئے محترمہ! میرا خیال ہے کہ آپ ان سے سمجھوتہ کر لیجئے۔ یعنی اگر یہ اپنی درخواست واپس لے لیں اسی صورت میں آپ کو چھوڑا جا سکے گا۔ ورنہ فی الحال گرفتاری.... اور اس کے بعد مقدمہ....!"

"میرے ساتھ فراڈ ہو رہا ہے۔" عورت ہسٹریائی انداز میں چیخی۔

پرانی آگ

کار عشرت ہی ڈرائیو کر رہی تھی۔ لیکن وہ تنہا نہیں تھی۔ پچھلی نشست پر واصف موجود تھا.... اس نے کہا تھا کہ وہ پچھلی ہی نشست پر بیٹھے گا کیونکہ ہوا معمول سے زیادہ خنک تھی اور روانگی سے پہلے ہی چونکہ اُسے کچھ چھینکیں آ چکی تھیں اس لئے وہ خنک ہوا اور نزلے کی تحریک کی بحث چھیڑ کر پچھلی ہی نشست پر ڈھیر ہو گیا تھا۔ شروع ہی سے وہ ظاہر کرتا رہا تھا کہ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔

موسم پچھلے دن سے ایسا ہی تھا۔ بالکل یہی معلوم ہوتا تھا جیسے جنوری پھر پلٹ آیا ہو۔ سردی بڑھ گئی تھی۔ آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور کبھی کبھی ترشح بھی ہونے لگتا تھا۔ آج عشرت ڈاکٹر واصف کے ساتھ اس کی قیام گاہ دیکھنے جا رہی تھی۔

اس دوران میں وہ اس سے کافی مانوس ہو گئی تھی کیونکہ وہ اُسے ہر معاملے میں عجیب نظر آیا تھا.... روزانہ شام کو وہ ساتھ ہی تفریح کے لئے باہر جایا کرتے تھے اور واصف ایک آدھ بار اُسے اُس عمارت کی طرف بھی لے گیا تھا جس کے ایک فلیٹ میں فخری کا قتل ہوا تھا لیکن خود عشرت نے بھی یہی محسوس کیا تھا کہ وہاں کوئی اُسے پہچان نہیں سکا۔ کیونکہ وہ اب مستقل طور پر مشرقی لباس میں رہنے لگی تھی۔ بالوں کا جوڑا ہی لگاتی تھی۔ لپ اسٹک کا استعمال قطعی ترک کر دیا تھا۔ بڑھے ہوئے ناخن تراش لئے تھے اور ناخنوں سے نیل پالش کہ تہہ اکھاڑنے کی کوشش کی تھی۔

اس کے اکثر ملنے والوں نے بھی اُسے فوراً پہچان لینے میں دشواری محسوس کی تھی۔

پھر عشرت ڈاکٹر واصف کی ذہانت کی قائل کیوں نہ ہو جاتی۔ وہ اُسے دوبارہ اپنے پیروں پر

کھڑے ہونے میں مدد دے گی۔ وہ اُس سے بہت زیادہ متاثر ہوئی تھی۔ اُس کی باتیں وزن دار ہوتی تھیں اور وہ کوئی بہت زیادہ تعلیم یافتہ آدمی معلوم ہوتا تھا.... اکثر ڈوبے ہوئے فلسفیوں کی سی گفتگو کرنے لگتا۔ کبھی ٹیگور کی گیتانجلی کے بعض ٹکڑے دہرا کر تصوف کے مسائل چھیڑ دیتا اور اس سلسلے میں مشرق اور مغرب کے تمام صوفی فلسفی کھنگال کر رکھ دیئے جاتے۔

عشرت اس سے مل کر بے حد خوش تھی۔ مگر اکثر اُسے حیرت بھی ہوتی کہ اتنا پڑھا لکھا آدمی اسٹیج کا ایکٹر کیسے بن گیا ہو گا لیکن ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اس سے اسکے متعلق کچھ پوچھتی۔

کار شہر کی پررونق سڑکوں پر دوڑ رہی تھی۔ رات کے آٹھ بجے تھے۔ سردی اتنی ہی شدید تھی کہ عشرت کو گرم کپڑے دوبارہ نکالنے پڑے تھے اور وہ غرارہ سوٹ پر لمبا کوٹ پہن کر بے حد خوش ہوئی تھی۔ کیونکہ اس طرح اس کی دلکشی میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔

"ڈاکٹر.... میں دیکھوں گی کہ آپ رہتے کس طرح ہیں۔" اُس نے واصف کو مخاطب کیا۔

"جانوروں کی طرح....!" اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"میں نہیں سمجھی۔"

"کچھ دیر بعد آپ دیکھ ہی لیں گی۔"

"مگر ڈاکٹر.... آخر اس بیچارے فخری کا کیا ہو گا.... مطلب یہ کہ....!"

"آپ براہِ کرم فخری کا تذکرہ نہ چھیڑا کریں۔ وہ بڑا خطرناک آدمی تھا۔ کبھی نہ کبھی آپ بھی کسی بڑی مصیبت میں مبتلا ہو جاتیں۔ اس کا مر جانا ہی اچھا ہوا۔ نہ وہ مرتا اور نہ پولیس اس کے متعلق چھان بین کرتی اور نہ یہ معلوم ہو سکتا کہ وہ ایک غیر ملکی جاسوس کی حیثیت سے ملک و قوم سے غداری کا مرتکب ہو رہا تھا۔ آج کل اس کے کئی دوست الجھنوں میں پڑ گئے ہیں کیونکہ پولیس ان پر سختیاں کر رہی ہے۔ غالباً اُسے ان پر بھی غیر ملکی جاسوس ہونے کا شبہ ہے۔ حالانکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کے سارے ہی ملنے والے اس گندگی سے ملوث رہے ہوں۔ آپ اپنی ہی مثال لے لیجئے۔ آپ صرف اس کی ادبی صلاحیتوں کی قدر داں تھیں۔ لیکن اگر آج پولیس کو اس کا علم ہو جائے کہ آپ ہی نے فون پر فخری کے قتل کی اطلاع دی تھی تو پھر دیکھئے کہ کیسی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ شائد مسٹر تیمور بھی اس جھٹکے میں آ جائیں۔"

"کیوں....؟"

"پولیس اچانک آپ کی کوٹھی پر چھاپہ مار کر تلاشی لینا شروع کر دے۔"

"تو ڈیڈی پر اس کا کیا اثر پڑ سکتا ہے۔"

"بہت کچھ پڑ سکتا ہے۔ محترمہ عشرت۔ وہ اپنے بزنس کا اصلی حساب گھر پر ہی رکھتے ہوں گے اور اس سے تو آپ کو انکار ہو نہیں سکتا کہ اس کالے دور میں کسی کے بھی ہاتھ بلیک مارکیٹنگ سے پاک رہے ہوں۔"

"اوہ....!" عشرت یک بیک خاموش ہو گئی اور وہ کہتا رہا۔ "اب آپ خود سوچئے اگر مسٹر تیمور اس تلاشی کی وجہ سے کسی الجھن میں پڑے تو آپ کی طرف سے ان کے جذبات کیا ہوں گے۔ آپ خود غور کیجئے۔"

"ٹھیک ہے۔" عشرت نے ٹھنڈی سانس لی۔ "میں جانتی ہوں کہ ڈیڈی کے ہاتھ بھی ملوث ہیں۔ لیکن اُن لوگوں کا فلسفہ ہی الگ ہے۔ یہ بلیک مارکیٹنگ کو قابل مذمت نہیں سمجھتے۔"

"اوہو! میں کب کہتا ہوں کہ آپ ان سے متفق ہوں گی۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ ہر آدمی اپنی برائیوں کے لئے کوئی نہ کوئی جواز پیدا ہی کر لیتا ہے۔ اگر برائیاں اپنے اصل روپ میں لوگوں کو نظر آجائیں تو ان کی ہمت ہی نہ پڑے ان کی طرف جانے کی۔"

"میں آپ سے متفق ہوں کہ میرا پولیس کے سامنے نہ آنا ہی بہتر ہوا ہے۔"

"وہ تو ہونا ہی پڑے گا۔ حالات ہی ایسے ہیں۔ پولیس کو اس کی پرواہ نہیں ہے کہ فخری کو کس نے قتل کیا اور نہ وہ قتل کی وجہ ہی جاننا چاہتی ہے۔ اُسے قاتل کی بھی تلاش نہیں ہے.... وہ تو بس اس فکر میں ہے کہ اسی سلسلے میں اُن لوگوں کو کھود نکالے جو کسی دوسرے ملک کے لئے سراغ رسانی کرتے رہے ہیں۔ پولیس کا خیال ہے کہ فخری ہی کے سلسلے سے تعلق رکھنے والا ایک بہت بڑا گروہ یہاں سرگرم عمل ہے اور کسی یوریشین لڑکی کا وجود.... آپ خود سوچئے۔"

"مجھے تو وہ خصوصیت سے اس کی ساتھی جاسوس سمجھ رہے ہوں گے۔"

"اصلیت یہی ہے اور اسی وجہ سے مجھے فکر ہے کہ کچھ دنوں تک پولیس کی رسائی آپ تک نہ ہو سکے۔ اس کے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہاں اگلے چوراہے سے دائیں جانب موڑ لیجئے.... اور .... ٹھیک ہے.... بس تھوڑی ہی دور چلنا ہو گا۔"

"کیا آپ اسی سڑک پر رہتے ہیں۔"

"جی ہاں.... تیرھویں عمارت میں۔"

"کسی کے ساتھ رہتے ہیں۔"

"نہیں! تنہا رہتا ہوں۔ کسی کا ساتھ مجھے پسند نہیں ہے۔ کسی ایسے ساتھی کے تصور ہی سے دم گھٹنے لگتا ہے جو ہم خیال نہ ہو۔"

عشرت کچھ نہ بولی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اس سڑک کی ساری عمارتوں میں مالدار ہی رہتے ہیں۔ اگر کوئی عمارت کرائے پر بھی لی جائے تو کم از کم ایک ایسا آدمی تو ہرگز اس کا بار نہیں اٹھا سکتا جو اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کی کوشش کر رہا ہو۔

"بس بائیں جانب والی اگلی عمارت کے پھاٹک میں موڑ لیجئے گا۔ پھاٹک کھلا ہوا ہے۔ واصف نے کہا۔ عشرت نے کار کی رفتار بہت کم کر دی اور پھاٹک میں مڑتے وقت اس کی نظر نیم پلیٹ پر پڑی جس پر "ڈاکٹر واصف" ہی تحریر تھا اور نام کے نیچے ڈگریوں کی فوج آراستہ تھی۔

عشرت کا دل دھڑکنے لگا.... اس وقت یک بیک اُسے خیال آیا تھا کہ کہیں ڈاکٹر واصف خود ہی غیر ملکی جاسوسوں کے اُس گروہ سے تعلق نہ رکھتا ہو۔ جس کی پولیس کو تلاش ہے اور .... تو کیا.... یہ اُسے کسی چکر میں پھانسنے کی کوشش کر رہا ہے۔ عشرت نے بڑی مضبوطی سے دانت پر دانت جما لئے۔ مگر کیا اس سے کوئی خطرہ ٹل جاتا۔

"بس پورچ کی طرف لے چلئے۔" واصف نے کہا۔

عشرت کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا.... گاڑی پورچ میں روک دی گئی.... وہ ایک طویل روش سے گذر کر پورچ تک آئی تھی۔ کمپاؤنڈ کافی وسیع تھا اور چاروں طرف پھولوں کے تختے بکھرے ہوئے تھے۔ پائیں باغ بڑے سلیقے سے ترتیب دیا گیا تھا۔

"بس یہی ہے غریب خانہ....!" واصف نے کار سے اترتے ہوئے کہا۔

عشرت نے ایک طویل سانس لی اور وہ بھی نیچے اُتر آئی۔

"آیئے....!" واصف پورچ سے برآمدے کی سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ عمارت کی کرسی کافی اونچی تھی۔ پانچ زینے طے کرنے کے بعد وہ برآمدے میں آئے۔ کچھ دیر بعد وہ ایک کمرے میں تھے۔ لیکن یہ کمرہ نشست کا کمرہ نہیں ہو سکتا تھا۔

لفظ "ڈاکٹر" کی رعایت سے اسے آپریشن تھیٹر ہی کہا جا سکتا تھا۔

"بیٹھئے....!" واصف نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ "ارے آپ کچھ گھبرائی ہوئی سی نظر آرہی ہیں۔ کیا بات ہے.... بالکل ایٹ ایز ہو جایئے.... یہ خانہ بے تکلف ہے۔"

"نہیں.... میں بالکل ایٹ ایز فیل کر رہی ہوں۔" عشرت.... خواہ مخواہ ہنس پڑی لیکن ساتھ ہی اس نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان بھی پھیری تھی۔ چہرہ.... دھواں.... دھواں.... ہو رہا تھا.... اور آنکھوں میں خوف صاف پڑھا جا سکتا تھا۔

"نہیں آپ کوئی خلش محسوس کر رہی ہیں۔" واصف نے سنجیدگی سے کہا۔

عشرت کچھ سوچنے لگی پھر کچھ دیر بعد آہستہ سے بولی۔ "یقیناً میں الجھن میں پڑ گئی تھی۔ مگر اب یہ الجھن بھی رفع ہو گئی ہے۔ بھلا آپ میں کون سی ایسی بات ہے جس میں دوسروں کے متحیر کر دینے والے پہلو موجود نہ ہوں۔"

"آہا.... تو کیا آپ میرے متعلق کسی الجھن میں مبتلا ہو گئی تھیں۔"

"جی ہاں.... کیا یہ بات الجھن کے لئے کافی نہیں ہے کہ آپ کے رہن سہن کا طریقہ میری توقع کے خلاف ثابت ہوا ہے۔"

واصف نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور پھر یک بیک سنجیدہ ہو کر عشرت کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "ہاں آپ کو حیرت ہو سکتی ہے کہ اس سطح کا کوئی آدمی اپنی مفلسی اور ناداری کا رونا کیوں روتا پھرتا ہے۔"

عشرت کچھ نہ بولی۔ اس کی یہ خاموشی واصف کے اس خیال کی تائید ہی معلوم ہو رہی تھی۔

کچھ دیر بعد واصف نے پھر کہا۔ "حیرت کی بات ہی ہے۔ آخر مجھے کیا پڑی تھی کہ میں نے آپ کے لئے اتنا وقت برباد کیا اور اب بھی کر رہا ہوں۔ ظاہر ہے کوئی نہ کوئی غرض ضرور ہو گی۔"

"دیکھئے آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔"

"میں بالکل صحیح سمجھ رہا ہوں۔ محترمہ عشرت! اور آپ کا یہ خیال بھی درست ہے کہ میری اس بھاگ دوڑ سے کوئی غرض وابستہ ہے۔ ذرا ایک منٹ ٹھہریئے میں آپ کو سمجھا دوں گا۔"

وہ اٹھ کر ایک چھوٹی سی الماری کے قریب آیا جو بظاہر ایک ریفریجریٹر معلوم ہو رہی تھی.... لیکن وہ کسی ریفریجریٹر کی طرح سامنے سے نہیں کھولی گئی بلکہ اوپری سطح سے ایک ڈھکن

اوپر اٹھ گیا۔ یعنی وہ کسی صندوق کی طرح کھلی تھی۔ آصف تھوڑی دیر تک اس پر جھکا رہا پھر ڈھکن بند کر دیا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس میں سے کسی عورت کی آواز آنے لگی۔

عشرت کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ کیونکہ یہ خود اسی کی آواز تھی.... وہی ٹیلیفونی اطلاع جو اس نے فخری کے قتل کے متعلق پولیس کو دی تھی۔ اُسے اپنا دل سر میں دھڑکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ پھر آواز آنی بند ہو گئی اور واصف مسکراتا ہوا اس کی طرف مڑا۔

"آپ اس پر متحیر ہوں گی محترمہ عشرت۔ مگر یاد کیجئے۔" اس نے کہا۔ "اس دن جب ٹیلی فون بوتھ سے پولیس کو اطلاع دے رہی تھیں تو میں بوتھ کے دروازے میں کھڑا آپ کی آواز ریکارڈ کر رہا تھا۔ میرے ہاتھ میں ایک پورٹیبل ٹیپ ریکارڈر تھا۔"

"مگر آپ نے ایسا کیوں کیا تھا۔" عشرت پاگلوں کی طرح چیخی۔

"آپ پر قابو پانے کے لئے محترمہ عشرت۔"

"کیا مطلب....!"

آج اس قتل کو دس دن ہو چکے ہیں اور وہ ایک غیر ملکی جاسوس تھا۔ آپ نے پولیس کو اس قتل کی اطلاع دی۔ لیکن اپنا نام نہیں بتایا۔ اگر اب پولیس کو اس کا علم ہو جائے تو آپ جیل میں ہوں گی۔ شائد ضمانت بھی نہ ہو سکے۔ کیونکہ جن لوگوں پر غیر ملکی جاسوس ہونے کا شبہ ہوتا ہے وہ سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کئے جاتے ہیں۔ بہر حال میں یہی چاہتا تھا کہ آپ کچھ دنوں تک پولیس کو بیان نہ دے سکیں۔ اس کے بعد پھر آپ خود ہی اس کی ہمت نہ کر سکیں گی۔"

"مگر اس سے تمہیں کیا فائدہ ہوا.... بولو بتاؤ۔" وہ ہذیانی انداز میں چیخی۔

"اب میں ایک بہت پرانی آگ بجھا سکوں گا محترمہ عشرت.... وہ آگ جس نے میری روح تک کو جھلسا دیا ہے۔"

چیخیں

"اور پھر وہ بُری طرح نروس ہو گئی۔" کیپٹن حمید نے مسکرا کر کہا اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ کرنل فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

حمید نے پائپ سلگا کر دھوئیں کے گنجان مرغولے بکھیرتے ہوئے کہا۔ "میں اور قاسم ا
منیجر کے کمرے سے نکال لائے اور پھر اس سے ایک طویل گفتگو ہوئی۔ اُسے یقین ہو گیا تھا کہ
کے گرد پھیلایا جانے والا جال کافی مضبوط ہے اور وہ کسی طرح بھی اپنی گردن نہ چھڑا سکے گی۔"

اُس نے بتایا کہ دلاور مرزا اسے بلیک میل کر کے اکثر اس قسم کے کام لیتا رہا ہے۔ لیکن
یقین ہے کہ دلاور مرزا اس کا اصلی نام نہیں ہو سکتا۔ اس کی دانست میں وہ ایک پُراسرار آدمی
اور اُس نے اُسے اب تک اپنا صحیح پتہ نہیں بتایا.... اور جب سے میں نے اس سے اس کے متع
پوچھ گچھ شروع کی ہے وہ اس سے ملا بھی نہیں ہے۔

"اس نے یہ نہیں بتایا کہ کس سلسلے میں اُسے بلیک میل کر رہا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"وہ مونتیسری اسکول کی ہیڈ مسٹریس ہے۔ اپنی ملازمت نہیں گنوانا چاہتی۔ دلاور مرزا
کی بعض کمزوریوں سے واقف ہے اور اس کے خلاف کچھ ثبوت بھی رکھتا ہے۔ دردانہ کا خیال
کہ اگر اس نے وہ ثبوت اسکول کی مینجنگ کمیٹی کے سامنے پیش کر دیئے تو اُسے ملازمت سے ہا
دھونے پڑیں گے۔"

"اب تک وہ اسے کن حرکتوں پر مجبور کر چکا ہے۔"

"اسی کے بیان کے مطابق وہ اکثر اسے فریب دہی کے سلسلے میں استعمال کرتا رہتا ہے۔
ہائی سرکل کے منیجر ہی کا قصہ لے لیجئے۔ غالباً دلاور مرزا ہی کے اشارے پر وہ منیجر سے رومان
بیٹھی ہو گی۔ منیجر ڈرپوک اور بے وقوف قسم کا آدمی ہے۔ احساس کمتری میں بھی مبتلا ہے اس
دلاور مرزا اُسے ڈرا دھمکا کر تین ہزار وصول کرنے میں کامیاب ہو ہی گیا.... اس دلاور مرز
اپنا شکار منتخب کرنے میں بھی بڑی کد و کاوش سے کام لینا پڑا ہو گا۔"

"ہوم.... پھر تم نے اس عورت کا کیا.... کیا....!"

"کچھ نہیں۔ دلاور مرزا پر ہاتھ ڈالنے کے لئے ضروری تھا کہ میں فی الحال اُسے چند ہدا
دے کر چھوڑ دیتا۔"

"میں نے اُسے سمجھا دیا ہے کہ وہ دلاور مرزا کو اس پوچھ گچھ کے متعلق کچھ نہ بتائے بلکہ
ہی کی طرح اس سے ملتی رہے۔"

"اس سے کیا فائدہ ہو گا....!" فریدی نے پوچھا۔

"کھانسی میں بھی فائدہ ہو گا اور بخار بھی کم ہو جائے گا۔" حمید جھلا گیا اور فریدی بے اختیار مسکرا پڑا۔ پھر اس نے کہا۔ "آخر تمہیں اس دلاور مرزا کی اتنی فکر کیوں ہے۔"

"وہ اس یورینین لڑکی سے ضرور واقف ہے جس کی ہمیں فخری کے قتل کے سلسلہ میں تلاش ہے۔"

فریدی سگار سلگا رہا تھا.... لائٹر بجھا کر وہ حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "مونتیسری اسکول کے بارے میں تم کیا جانتے ہو۔"

"وہاں صرف فرنچ پڑھائی جاتی ہے۔"

"اور کچھ....!"

"وہ اسکول ایک عمارت میں ہے۔" حمید جلے کٹے لہجے میں بولا۔ "تیرہ دروازے ہیں اور ساڑھے تیس کھڑکیاں پونے پچاس روشندان ہیں۔"

"میں وہاں تعلیم حاصل کرنیوالوں کے متعلق پوچھنا چاہتا تھا۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"چارلس اول سے لے کر جارج ششم تک سبھی وہاں پڑھنے آتے ہیں۔"

"تم اپنا وقت برباد کرتے رہے ہو۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"اور اس وقت بھی جھک مار رہا ہوں۔"

"یقیناً! دردانہ کے سلسلے میں تمہیں اس حد تک نہیں بڑھنا چاہئے تھا۔"

"کیوں؟ اگر میں ایسا نہ کرتا تو وہ کسی دلاور مرزا سے اپنی جان پہچان تک کا اعتراف نہ کرتی۔"

"اوہو.... تو تم اس سے اسی کا اعتراف کرانا چاہتے تھے۔"

"یقیناً....!"

"اچھا تو اس نے اعتراف کر لیا ہے.... پھر اب تم اس کا کیا بگاڑ لو گے۔"

"یہ اُس وقت بتاؤں گا جب دلاور مرزا ہاتھ آ جائے۔"

"اگر دلاور مرزا کے ہاتھ آ جانے کے امکانات ہوتے تو وہ کبھی اس کا تذکرہ نہ کرتی۔"

"آپ یہاں بیٹھ کر جو دل چاہے کہہ سکتے ہیں.... کوئی آپ کی زبان نہیں روک سکتا۔"

فریدی مسکرایا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "کیا تمہیں اس کا علم نہیں ہے کہ میں عرصہ سے مسز وارنر کی فکر میں ہوں۔"

"جی ہاں مجھے علم ہے کہ آپ عموماً بوڑھیوں ہی کی فکر میں رہا کرتے ہیں۔"

"بکواس مت کرو اٹھو.... میں آج تمہیں بہت کچھ دکھاؤں گا۔"

"اس وقت گیارہ بجے ہیں۔" حمید نے گھڑی دیکھ کر جماہی لیتے ہوئے کہا۔

"بجے ہوں گے.... چلو اٹھو....!"

"میں دردانہ والے معاملے میں کافی تھک چکا ہوں اور مجھے ابھی یہ بھی سوچنا ہے کہ قاسم سے اپنی گردن کیسے بچائی جائے۔ وہ اس موٹی عورت پر بُری طرح عاشق ہو گیا ہے۔"

"اُسے درمیان میں لانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"کام کے ساتھ اگر تفریح بھی ہو جائے تو کیا حرج ہے۔"

"بس تو اب میں بھی اس تفریح سے محظوظ ہونا چاہتا ہوں۔"

"کیا مطلب....!"

"قاسم ہی سے تمہاری مرمت کراؤں گا۔"

حمید نے ایک طویل سانس لی اور چپ چاپ اٹھ گیا۔ اس معاملے میں وہ فریدی سے بہت ڈرتا تھا کیونکہ اُس کی تفریح بھی خطرناک ہوتی تھی۔

کچھ دیر بعد فریدی کی لنکن کمپاؤنڈ سے نکل رہی تھی۔ فریدی ہی اسٹیئر کر رہا تھا اور حمید بھی اگلی ہی سیٹ پر تھا اس نے کہا۔ "مگر یہ بات کہاں سے شروع ہوئی تھی.... کیا یہ سب کچھ فخری ہی کے سلسلے میں ہو رہا ہے۔"

"میں نہیں جانتا۔" فریدی نے کہا۔ "اس تعلق کی اطلاع تو مجھے تم نے ہی دی تھی۔"

"آخر مسز وارنر پر آپکو کس چیز کا شبہ ہے اور اسکے سلسلے میں آپ کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ اس کا جو کاروبار ہمارے علم میں آیا تھا اسمیں ذرہ برابر بھی مبالغہ نہیں تھا۔"

"یعنی کہ اس کے بورڈنگ میں لڑکیوں کا کاروبار ہوتا تھا۔"

"بہت ہی اعلیٰ پیمانے پر اور منظم طریقے سے۔"

"مگر اب تو.... وہ گم نامی کی زندگی بسر کر رہی ہے۔ ٹویوڈا نے اس کو ذہنی طور پر مفلوج کر دیا تھا۔"

"مجھے اس میں بھی شبہ ہے۔ بہر حال بہت جلد وہ روشنی میں آجائے گی۔ نہ صرف وہ بلکہ اس

کا ایک سرپرست بھی۔"

"آہا تو وہ کوئی سرپرست بھی رکھتی ہے۔"

"میرا خیال ہے۔"

"لیکن ابھی آپ کچھ نہ بتا سکیں گے۔"

"نہیں....!"

"اچھا آپ فخری ہی کے متعلق کچھ بتا دیجئے۔"

"اسکے متعلق میری معلومات بھی اتنی ہی ہیں جتنی تمہاری یا کسی تیسرے آدمی کو ہو سکتی ہیں۔"

"مگر آج آپ نے جاذب کے اس شیٹ پر کوئی کلیو تلاش کیا تھا۔"

"ہاں.... لیکن وہ قتل کے سلسلے کا کلیو نہیں ہو سکتا۔ بلکہ "میری لاش" کا ہو سکتا ہے۔"

"کیا مطلب.... کیا وہ اشتہار۔"

"ہاں.... وہ اشتہار.... کیا اس اشتہار کا یہ مطلب سمجھا جائے کہ اس نے کسی کو اپنی خودکشی سے مطلع کیا تھا۔"

"مگر کیا سوچی سمجھی ہوئی خودکشی کے لئے خنجر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ زندگی سے تنگ آئے ہوئے لوگ بھی کم از کم جسمانی اذیت سے تو ڈرتے ہیں۔ اس لئے وہ کوئی ایسا ہی ذریعہ اختیار کرتے ہیں کہ چشم زدن میں زندگی کا خاتمہ ہو جائے یعنی وہ مرنے کے سلسلے میں بھی جسمانی اذیت سے دوچار نہ ہو سکیں!"

"تمہارا خیال ٹھیک ہے وہ خودکشی نہیں تھی.... قتل ہی تھا۔"

"پھر وہ اشتہار....!" حمید بڑبڑایا۔ "اس کا بھی تو سراغ نہ مل سکا جس کیلئے اشتہار دیا گیا تھا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ کار سڑک پر دوڑتی رہی۔ ابھی سڑکیں ویران نہیں ہوئی تھیں۔

"اس وقت ہم کہاں جا رہے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"مونتیسری اسکول....!"

"ہام.... تو کیا.... مگر وہ بچوں کا اسکول ہو گا۔"

"یہ کیسے سمجھ لیا تم نے....؟"

"ارے.... مادام مونتیسری کے نام سے عموماً کنڈر گارڈن ہی کھولے جاتے ہیں۔"

"ہوں.... تو یہ ہیں تمہاری معلومات۔ اس اسکول کے متعلق بڑے تیر مارتے پھرے ہو حمید صاحب۔"

"میں تو صرف دردانہ کے متعلق چھان بین کرتا رہا تھا۔ مسز وارنر جیسی بوڑھیوں کے بیچ میں نہیں رہتا۔ کیا سمجھے جناب۔"

"موتیسری اسکول میں بالغ اور فارغ التحصیل لڑکیاں! صرف فرانسیسی زبان کی تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ اس میں بورڈنگ بھی ہے۔"

"اوہ.... مگر میں بڑا بدنصیب ہوں۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"کیوں....؟"

"مجھے پہلے اس قسم کے کسی اسکول کا علم نہیں تھا۔ ورنہ مجھے بھی فرنچ پڑھنے کا بے حد شوق ہو جاتا۔ مگر کیا وہ صرف لڑکیوں کے لئے ہے۔"

"ہاں! مگر ایک آدھ زنانے قسم کے لڑکے کے لئے بھی جگہ نکل ہی آتی۔" فریدی نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

کار فراٹے بھرتی رہی۔ مگر اب شہر کی گھنی آبادیاں پیچھے رہ گئی تھیں اور وہ ایک ایسے علاقے سے گذر رہے تھے جہاں خال خال ایک آدھ بڑی عمارت نظر آجاتی تھی۔

ایک جگہ فریدی نے کار کی رفتار کم کر کے اُسے سڑک کے نیچے اتار دیا اور پھر روک کر مشین بند کرتا ہوا بولا۔

"اُترو....!"

حمید نیچے اتر گیا اور پھر وہ ایک جانب بڑھے....!

"کیا ارادہ ہے....!"

"بورڈنگ کی تلاشی لوں گا۔ میں یہاں اچانک نہیں آیا۔ بلکہ آنا ہی تھا۔ تلاشی کا وارنٹ حاصل کر چکا ہوں۔"

"اوہ.... مگر اس طرح تو آپ انہیں ہوشیار کر دیں گے۔"

"پرواہ نہ کرو۔ اگر انہیں ہوشیار نہ کیا گیا تو اس گندے پودے کی جڑیں باہر نہ آسکیں گی۔"

"مجھے دراصل اس آدمی کی تلاش ہے جو مسز وارنر کی عدم موجودگی میں بھی اس کا کاروبار

چلاتا رہا تھا ورنہ اس کے پاگل پن کے دوران میں تو اُسے ختم ہی ہو جانا چاہئے تھا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ تیزی سے ایک عمارت کی طرف بڑھتے رہے جس کا پھاٹک کھلا ہوا تھا لیکن پھاٹک پر روشنی نہیں تھی۔ اندر تقریباً تین سو گز کے فاصلے پر اصل عمارت کی متعدد کھڑکیاں روشن نظر آرہی تھیں، جن میں کئی رنگوں کے شیشے تھے۔

پھاٹک میں داخل ہو کر وہ عمارت تک پہنچنے کے لئے روش طے کرنے لگے.... لیکن تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ کمپاؤنڈ کے کسی دور افتادہ حصہ سے ایک نسوانی چیخ ابھری اور فضا میں منتشر ہو گئی۔ حمید کے دانت بج اٹھے پتہ نہیں یہ اس چیخ کا ردعمل تھا یا بے موسم سردی کا۔ وہ آواز کی طرف جھپٹے.... چیخ پھر سنائی دی اور پھر وہ ٹھیک اسی جگہ پہنچ گئے جہاں ایک لڑکی زمین پر چت پڑی تھی اور اس کی بائیں بغل کے نیچے ایک خنجر دستے تک پیوست تھا۔ اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں.... اور سینہ کسی لوہار کی دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ ٹارچ کی روشنی میں بھی اس نے پلکیں نہیں جھپکائیں۔ اس کے جسم پر لمبا گرم کوٹ تھا۔

خطرناک آدمی

عشرت تین ہی دن میں جھنک گئی تھی.... یہ کوئی معمولی بات تو تھی نہیں کہ وہ ایک بلیک میلر کے پھندے میں پھنس گئی تھی.... اور سب سے بڑی الجھن تو یہ تھی کہ آخر وہ اس سے چاہتا کیا ہے۔ کیونکہ ابھی تک نہ تو اس نے اس سے کسی قسم کا مطالبہ کیا تھا اور نہ اس کے جسم پر ہی قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی.... وہ اس کے لئے دنیا کا عجیب ترین آدمی تھا۔ جب کھلا نہیں تھا تب بھی وہ اس کی الجھن کا باعث بنا رہا تھا.... اور اب کھل جانے کے بعد بھی پرانی الجھن بدستور قائم تھی۔ یعنی وہ اُس سے کیا چاہتا ہے۔

اس نے اس کی وہ کال ریکارڈ کر لی تھی جو اس نے پولیس اسٹیشن کے لئے ایک پبلک ٹیلیفون سے کی تھی اور اُسے یقین دلایا تھا کہ ٹیپ ریکارڈنگ کا آلہ کوتوالی کے فون سے بھی اٹیچ ہے۔ دن بھر کی کالیں وہاں روزانہ ریکارڈ کی جاتی ہیں۔ پھر اُس نے اُسے پولیس سے دور رکھنے کی کوشش کی تھی اور کچھ دنوں بعد اپنے اصلی روپ میں ظاہر ہو گیا تھا۔ یعنی اُس نے یہ سب کچھ محض اسی لئے

کیا تھا کہ وہ کچھ دنوں تک پولیس کو اپنا بیان نہ دے سکے۔ اس نے اپنے باپ سے بھی ان حالات کا تذکرہ نہیں کیا تھا.... پھر اب کیا منہ لے کر اسکے سامنے اس کہانی کو دہراتی۔ کس طرح کہتی کہ خود ہی اپنی گردن پھنسا بیٹھی تھی۔ اگر فخری کوئی غیر ملکی جاسوس نہ ثابت ہوا ہوتا تو شائد دو ایک عرصہ گذر جانے کے بعد بھی پولیس کو اپنا بیان دے دیتی۔ لیکن اب یہ چیز ڈاکٹر واصف کے خیال کے مطابق اس کی گردن اور بُری طرح پھنسوا دیتی۔ بہر حال وہ بڑی الجھنوں میں پھنس گئی تھی۔

واصف کا حکم تھا کہ وہ روزانہ چھ بجے شام سے آٹھ بجے رات تک اسکے گھر پر موجود رہا کرے خواہ وہ خود وہاں موجود ہو یا نہ ہو۔ عشرت تین دن سے برابر اس کے حکم کی تعمیل کر رہی تھی۔

آج بھی وہ ٹھیک چھ بجے وہاں پہنچ گئی تھی۔ لیکن واصف موجود نہیں تھا۔ عمارت میں دو ملازم تھے لیکن اس کی طرف سے اتنے لاپرواہ نظر آرہے تھے جیسے انہیں اس کی موجودگی کا علم ہی نہ ہو۔ وہ ان کے اس رویہ پر دل ہی دل میں کباب ہو رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ اُسے اس بلیک میلر سے ڈرنے کی بجائے جم کر اس کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ اس کا باپ کروڑوں کا مالک تھا۔ پھر کیا وہ اس حقیر کیڑے سے نہ نپٹ سکے گا۔ جو بلیک میلنگ کی کمائی پر بسر اوقات کرتا ہے.... وہ سوچتی رہی.... لیکن آہستہ آہستہ اس کا غصہ کافور ہوتا گیا۔ کیونکہ فخری کا معاملہ پھر سامنے آگیا تھا۔ واصف کے بیان کے مطابق وہ ایک غیر ملکی جاسوس تھا.... اور اس کے دوستوں کی کڑی نگرانی ہو رہی تھی۔ بعض کی خانہ تلاشیاں بھی ہوئی تھیں۔ پھر وہ تو ایک ایسی لڑکی ہوئی جس نے پولیس کو اس کے قتل کی اطلاع دے کر اپنا نام اور پتہ بتائے بغیر روپوشی اختیار کر لی تھی لہٰذا اُسے تو پولیس اور زیادہ شبہے کی نظر سے دیکھتی اور اگر اس سلسلے میں اس کے گھر کی بھی تلاشی لی جاتی تو کیا ہوتا.... اُس کا باپ اُس صورت میں کن پریشانیوں کا شکار ہو جاتا ہے؟ اس کے پوشیدہ حسابات کا ریکارڈ لازماً پولیس کے ہاتھ لگ جاتا اور وہ سونا کہاں چھپایا جاتا جو دوسرے ممالک سے اسمگل کیا گیا تھا اور کافی بڑی مقدار میں مکان ہی میں موجود تھا؟ نہیں اُسے اس بلیک میلر کے سامنے سر جھکانا ہی پڑے گا ورنہ وہ ہر حال میں پولیس کی گرفت میں آجائے گی۔ کیسی مجبوری تھی....؟ اگر ایسی خراب سچویشن نہ ہوتی تو وہ ایک بلیک میلر کو دیکھ لیتی.... مگر ایسی صورت میں اس کے اشاروں پر ناچتے رہنے کے علاوہ اور کیا چارہ تھا۔

سات بجے واصف اس کمرے میں داخل ہوا جہاں عشرت اس کی منتظر تھی۔

"تم شائد ٹھیک چھ بجے یہاں پہنچ گئی تھیں۔" اس نے خشک لہجے میں پوچھا۔

"ہاں.... میں پہنچ گئی تھی لیکن خدا کے لئے مجھے کچھ تو بتاؤ۔ آخر تم کیا چاہتے ہو۔"

"کچھ بھی نہیں۔" واصف مسکرایا۔ "میں تمہیں صرف اتنا بتانا چاہتا تھا کہ اب تم بُری طرح میرے قبضے میں ہو اور میں جس طرح چاہوں تمہیں استعمال کر سکتا ہوں۔"

"مجھے اس سے کب انکار ہے۔" عشرت گڑگڑائی۔

"بس فی الحال اتنا ہی کافی ہے۔"

"دیکھو.... مجھے اس طرح زچ نہ کرو کہ میں خودکشی کر لوں۔"

"خودکشی تو تمہارا مقدر بن چکی ہے.... مگر ابھی اس میں دیر ہے؟"

"آخر کیوں....؟ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔"

"کچھ بھی نہیں! میں کہتا ہوں! اوہ ختم کرو۔ کیا اور کوئی موضوع نہیں ہے گفتگو کے لئے۔"

"میں پولیس کو اس بلیک میلنگ کی اطلاع دے دوں گی۔" عشرت جھنجھلا گئی۔

"میں نے تمہیں اس سے روکا نہیں ہے۔ آج سے تین دن پہلے ہی تم ایسا کر سکتی تھیں۔"

"میں اب کروں گی....!"

"شوق سے! مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

عشرت دانت پیس کر رہ گئی۔ اس کا بس چلتا تو وہ اُسے کچا ہی چبا ڈالتی۔

کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "تو میں کب تک اس الجھن میں رہوں گی۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں تمہیں اس الجھن سے نجات پا جانے کی تاریخ نہ بتا سکوں گا۔"

"آخر بتا دینے میں کیا حرج ہے۔"

"مجھے اس پر مجبور نہ کرو عشرت ورنہ ہو سکتا ہے کہ تمہیں جلد ہی خودکشی کر لینی پڑے۔"

عشرت خاموش ہو گئی۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس وقت اس کے ذہن میں کچھ سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت نہیں رہ گئی تھی۔

واصف خود بھی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "اگر تم رات بھر گھر سے غائب رہو تو کیا اس پر مسٹر تیمور کو تشویش ہو گی۔"

"کیوں! تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو۔" عشرت نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

"بس یونہی.....!"

"میں پاگل ہو جاؤں گی۔" عشرت اپنی پیشانی رگڑنے لگی۔

"اس سے پہلے ہی مجھے کچھ نہ کچھ کر گزرنا ہے۔" واصف مسکرایا۔

"ذلیل کتے! مجھے کیوں پریشان کرتا ہے۔" عشرت دانت پیس کر چیخی۔

"زبان بند کرو۔" ایک بھرپور طمانچہ اس کے گال پر پڑا اور وہ کرسی سے فرش پر جا پڑی۔ پھر کمر پر ایک لات بھی پڑی۔ واصف اُسے گندی گندی گالیاں دے رہا تھا اور وہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے فرش پر پڑی سسکیاں لے رہی تھی۔

مگر یہ احساس بے بسی نہیں تھا..... بلکہ شدید ترین غصے نے نہ صرف اس کا دماغ ماؤف کر دیا بلکہ اس کا ردعمل جسم کی کپکپاہٹ اور سسکیوں کی شکل میں بھی ظاہر ہوا تھا۔ بس وہ ایک ذہنی کیفیت تھی جسے نیم بیہوشی ہی کہا جا سکتا تھا۔

کچھ دیر تک وہ اسی طرح پڑی رہی اور پھر اس کا ذہن کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہوا..... اور واصف کی گالیاں اس کے کانوں میں گونجنے لگی..... وہ چوٹ کھائی ہوئی ناگن کی طرح مچلی اور اٹھ بیٹھی۔ اسکی آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔

"میں تمہیں فنا کر دوں گی۔" وہ سانپ کی طرح پھنکاری۔

واصف نے قہقہہ لگایا اور بولا۔ "تم اس اسٹیج میں ہو جہاں نہ تمہاری دولت کام آ سکتی ہے اور نہ تمہارے باپ کا اثر و رسوخ۔"

غصے کی زیادتی کی وجہ سے وہ صرف ہونٹ ہلا کر رہ گئی۔ آواز حلق میں پھنس رہی تھی۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کچھ کہنے کے لئے اُسے کافی جسمانی قوت صرف کرنی پڑے گی۔

بس وہ اُسے خونخوار نظروں سے گھورتی رہی۔

واصف کہہ رہا تھا۔ "تمہیں میرے اشاروں پر ناچنا ہی پڑے گا۔ میرے فیصلے اٹل ہوتے ہیں۔ تم پر ہی منحصر نہیں ہے پتہ نہیں کتنی میرے اشاروں پر ناچ رہی ہیں۔ لیکن ان میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ کسی سے اس کا تذکرہ بھی کر سکیں اور اگر تم نے بھی کبھی میرے سامنے سر اٹھانے کی جرأت کی تو تمہارے خاندان کی ساری عزت اور ساکھ خاک میں مل جائے گی..... میں ہر طرف سے اپنی پوزیشن مضبوط رکھنے کا عادی ہوں۔"

عشرت نے یہی مناسب سمجھا کہ اس وقت خاموش رہے جس طرح اس نے مکاری سے مات کھائی ہے اسی طرح وہ بھی اپنے موقع کی منتظر رہے۔ کیا خود وہ اپنی ذہانت کو ان راہوں پر نہیں موڑ سکتی تھی۔ جن راہوں پر اُسے فریب دے کر لایا گیا تھا اور پھر دھوکے ہی میں رکھ کر شکست دی گئی تھی؟ مگر اس وقت بھی اس کا ذہن رہ رہ کر اسی سوال میں الجھ رہا تھا کہ آخر وہ چاہتا کیا ہے؟

واصف اُسے گھورتا رہا..... پھر یک بیک مسکرا کر بولا۔ "مجھے تم پر رحم بھی آتا ہے..... اس لئے میں تمہیں کچھ رعائتیں بھی دوں گا! مثلاً اگر تم میرے کسی گاہک کو اپنی شکل نہ دکھانا چاہو تو نقاب بھی استعمال کر سکو گی۔ میرے گاہکوں کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ میرے سارے گاہک شریف اور ذی عزت ہیں۔"

"کیا مطلب.....!"

"میں لڑکیوں کا بیوپاری ہوں اور اپنے اس کاروبار کے سلسلے میں مجھے بڑی محنت کرنی پڑتی ہے۔ زندگی کو خطرے میں ڈالنا پڑتا ہے..... تم اپنا ہی معاملہ لے لو۔ پولیس تمہاری تلاش میں تھی اور میں تمہیں ساتھ لئے پھرتا تھا۔ اگر کبھی تمہارے ساتھ پکڑا گیا ہوتا تو کیا حشر ہوتا میرا..... مگر کچھ بھی ہو۔ مجھے تم پر رحم آتا ہے۔ اگر تم اپنا چہرہ گاہکوں کو دکھانا پسند نہیں کرو گی تو تمہیں اس پر مجبور بھی نہیں کیا جائے گا۔ میرے گاہک بھی نہیں مجبور کریں گے۔"

"خدا کے لئے ایسا نہ کرو۔" وہ رو دینے والے انداز میں بولی۔ "اس طرح ذلیل نہ کرو۔ میں بڑی سے بڑی رقم تمہارے لئے مہیا کر سکتی ہوں۔ میں اب تمہیں کچھ نہیں کہوں گی۔ ہاتھ جوڑتی ہوں مجھے اس راہ پر نہ چلاؤ۔"

عشرت یک بیک رو پڑی۔

"ہونہہ..... بڑی سے بڑی رقم میرے جوتے کی نوک پر رکھی رہتی ہے..... مگر یہ تو میری تفریح بھی ہے ننھی لڑکی.....! نہیں مجھے کسی بڑی رقم کی ضرورت نہیں ہے..... تم پر اتنا زیادہ رحم بھی نہیں کیا جا سکتا۔"

خوفزدہ لڑکی

حمید کھڑا پلکیں جھپکا رہا تھا۔ لڑکی ابھی زندہ تھی۔ فریدی اس کے قریب ہی دوزانو بیٹھ گیا۔ خنجر کے قبضے پر رومال ڈال کر اُسے کھینچ لیا۔ دوسرے ہی لمحے میں اُسکے منہ سے ہلکی سی آواز نکلی۔

"یہ تو زمین میں پیوست تھا۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔ "لڑکی اٹھو.... تم ٹھیک ہو۔ ڈرو نہیں اب خود کو محفوظ سمجھو۔"

حمید بھی جھک پڑا.... لیکن فریدی نے ٹارچ بجھادی تھی۔

"ٹارچ مت روشن کرنا....!" اُس نے اس سے کہا۔

حمید نے چاروں طرف دیکھا۔ کمپاؤنڈ بہت طویل و عریض تھی اور یہ حصہ بالکل ہی ویران تھا اور یہاں زیادہ تر خودرو جھاڑیاں تھیں اور کہیں کہیں یہ قدِ آدم سے بھی اونچی ہو گئی تھیں۔

چاروں طرف گہرا سناٹا تھا.... حمید کو اس پر حیرت تھی کہ ابھی تک عمارت سے کوئی بھی باہر نہیں نکلا۔ حالانکہ لڑکی کی چیخیں وہاں تک ضرور پہنچی ہوں گی۔

"لڑکی اٹھو.... تم بالکل محفوظ ہو۔ حملہ آور بھاگ گیا۔"

"میں.... مم.... مم....؟" لڑکی نے ہچکیوں اور سسکیوں کے درمیان کچھ کہنا چاہا لیکن نہ کہہ سکی۔

بدقت تمام انہوں نے اُسے وہاں سے اٹھایا۔ اب بھی قرب و جوار میں کسی قسم کی آہٹ نہ سنائی دی۔ حمید نے سوچا ممکن ہے عمارت میں سب سوئے پڑے ہوں۔ مگر پھر پھاٹک کیوں کھلا ہوا تھا۔ کیا حملہ آور نے اُسے کھولا تھا....؟ مگر لڑکی تو ایسے لباس میں تھی جیسے کہیں باہر جانے کے ارادے سے نکلی ہو۔

بہر حال وہ بالکل خاموش تھی اور بُری طرح کانپ رہی تھی.... دونوں نے اُسے سہارا دیا۔ لیکن اس کے قدم اٹھ ہی نہیں رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ بالکل مفلوج ہو کر رہ گئی ہو۔

بدقت تمام وہ اُسے کار تک لے گئے۔ حمید کو حیرت تھی کہ فریدی نے تلاشی کا ارادہ کیوں ملتوی کر دیا۔ واپسی پر بھی انہیں پھاٹک کھلا ہوا ملا تھا اور عمارت کی طرف جانے والی روش سنسان پڑی تھی۔

فریدی نے وہاں رک کر حملہ آور کو بھی تلاش نہیں کیا تھا۔ یہ چیز بھی حمید کے لئے متحیر کن تھی۔ اُسے بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس وقت صرف اسی لئے یہاں آئے ہوں؟

فریدی نے اُسے اگلی ہی نشست پر بٹھایا اور حمید پیچھے چلا گیا۔ پھر جب فریدی انجن اسٹارٹ کر رہا تھا حمید نے کہا۔ "بقیہ معاملات کا کیا رہا۔"

"فی الحال یہی معاملہ کافی اہم ہے۔" فریدی نے مختصر سا جواب دیا۔

پھر حمید بھی کچھ نہ بولا اور لڑکی تو پہلے ہی سے خاموش تھی۔

کار گھر تک پہنچ گئی۔ چوکیدار پھاٹک ہی پر موجود تھا۔ وہ پھاٹک کھول کر ایک طرف ہٹ گیا۔ کار کمپاؤنڈ میں داخل ہو گئی اور پھاٹک پھر بند کر دیا گیا۔

کچھ دیر بعد فریدی لڑکی سے نیچے اترنے کو کہہ رہا تھا اب اس کی حالت بہتر تھی اور وہ اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکتی تھی۔ لیکن اب اس کا چہرہ سپاٹ نہیں تھا۔ بلکہ اُس پر خوف کے آثار نظر آ رہے تھے۔ کار سے اترتے وقت اس نے چاروں طرف دیکھا اور پھر خوفزدہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

"آؤ.... اندر چلو....!" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ وہ ڈرائنگ روم میں آئے۔ لڑکی کی آنکھوں میں الجھن اور خوف کے ملے جلے آثار نظر آ رہے تھے۔

"تم پر کس نے حملہ کیا تھا....!" فریدی نے پھر سوال دہرایا۔

"کک.... کسی نے بھی نہیں۔ میں نے خودکشی کرنی چاہی تھی۔ پھر خوفزدہ ہو گئی.... پھر خوفزدہ....!"

وہ خاموش ہو کر ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔ لڑکی خاصی دلکش تھی اور کسی اچھے گھرانے کی معلوم ہوتی تھی۔ کچھ دیر تک وہ خاموش رہی پھر بولی۔

"اب.... میں کیا کروں؟"

"سچی بات بتادو....!" فریدی نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"مم.... میں خودکشی....!"

"خودکشی کی کہانی پر کوئی یقین نہ کرے گا۔ ویسے اگر کر بھی لو تو تم جیل میں ہو گی۔"

"جیل ہی سہی.... پھر میں کیا کرتی.... مجھے قرض خواہ پریشان کر رہے تھے۔ لیکن گھر سے

روپے نہیں آئے تھے.... میں مونتیسری میں پڑھتی ہوں.... ہاسٹل میں رہتی ہوں۔ میری ماں سوتیلی ہے.... بڑی دقتوں سے خرچ ملتا ہے۔"

"میں یہ سب کچھ نہیں سننا چاہتا۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"تم حملہ آور کو بچانے کی کوشش کر رہی ہو۔"

لڑکی کچھ نہ بولی اس کی آنکھوں میں بہت زیادہ الجھن کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

"یقین کیجئے جناب....!" اُس نے پھر کچھ دیر بعد کہا۔ وہ اپنے قریب رکھی ہوئی چھوٹی گول میز کی سطح کو ناخن سے کرید رہی تھی.... "یقین کیجئے! میں نے خودکشی ہی کی کوشش کی تھی۔"

"یہ کوشش اتنی رات گئے بستر ہی پر مناسب ہوتی۔ لیکن تم نہ تو شب خوابی کے لباس میں تھیں اور نہ اپنے بستر پر....!"

"میں پاگل ہو گئی ہوں....!"

فریدی کی نظر اس کی انگلی پر جمی ہوئی تھی، جو برابر میز کی سطح کریدے جا رہی تھی۔ یک بیک اس نے ایک طویل سانس لی اور لڑکی کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔

"تم میز کا پالش خراب کر رہی ہو۔" اس نے کہا۔

"اوہ.... معاف کیجئے گا۔" لڑکی نے چونک کر اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ وہ بہت زیادہ خفیف نظر آنے لگی تھی۔ اس نے شرمندہ سے لہجے میں کہا۔ "یہ میری بہت بُری عادت ہے.... بے خیالی میں اکثر.... مجھے بے حد افسوس ہے جناب۔"

"یکم اپریل کی دوپہر کو تم کہاں تھیں۔"

"جی....!" وہ یک بیک اچھل پڑی۔

فریدی نے پھر ایک طویل سانس لی، اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں.... حمید حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تم....!" فریدی حمید کی طرف مڑا.... "فوراً جاؤ.... مونتیسری کی بلڈنگ کی نگرانی کرو.... جتنے آدمیوں کی ضرورت ہو ساتھ لے جاؤ.... ہر وہ مرد جو مونتیسری کی بلڈنگ سے باہر آئے اُس کا تعاقب لازمی ہے.... اُس کے نام اور پتے اور اس کے متعلق ضروری معلومات کا ریکارڈ رکھا جائے۔"

اس موقع پر یہ حکم حمید کو بے حد گراں گذرا، اس کی دانست میں تو دلچسپی کا آغاز اب ہوا تھا اور وہیں سے اُسے سردرات میں سڑکوں پر ٹکریں مارنے پر مجبور کیا جا رہا تھا۔ لڑکی کی بدلتی ہوئی حالت اس کی نظروں سے بھی پوشیدہ نہیں تھی۔ اب تو بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے وہ بیہوش ہو جائے گی۔

"اوہ.... نہیں تم یہیں ٹھہرو۔ میں دوسرے ذرائع اختیار کروں گا۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا اور حمید کا چہرہ کھل گیا۔ فریدی باہر نکل گیا۔ شاید وہ کسی کو فون کرنے کے لئے اٹھا تھا۔

"کیا بات ہے۔" حمید نے لڑکی سے پوچھا۔ "کیا تم کوئی تکلیف محسوس کر رہی ہو۔"

وہ پھر چونک پڑی اور اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر حمید کو دیکھنے لگی جیسے اس سے پہلے خواب دیکھتی رہی ہو۔

"آپ لوگ کون ہیں۔" اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"فی الحال ہمیں فرشتے سمجھو! جو تمہیں جنت میں لے آئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ مونتیسری سکول جہنم ہی ہو سکتا ہے۔"

"نہیں.... نہیں.... پتہ نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" وہ خوفزدہ سی آواز میں بولی۔

"حملہ آور کا نام چھپانے سے تم نقصان ہی میں رہو گی۔"

"میں کچھ نہیں.... میں تو خودکشی....!"

ٹھیک اُسی وقت فریدی کمرے میں داخل ہوا.... اور حمید کو اس طرح گھور کر دیکھا جیسے اس کی کوئی بات اُسے گراں گذری ہو۔ لڑکی خاموش ہو گئی تھی۔ فریدی بیٹھتا ہوا بولا۔ "کیا فخری نے وہ اشتہار تمہارے ہی لئے شائع کرایا تھا۔"

"نہیں....!" اُس کی زبان سے غیر ارادی طور پر نکل گیا۔ پھر وہ بلند آواز میں بولی۔ "میں نہیں جانتی آپ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔ میں کسی فخری کو نہیں جانتی۔ میں کیا جانوں کیسا اشتہار! خدارا مجھے جانے دیجئے۔"

"تم خائف ہو اُن لوگوں سے کیوں....؟" فریدی نرم لہجے میں بولا۔ "لیکن تم مطمئن رہو۔ اب قطعی محفوظ ہو۔"

"آپ کون ہیں۔"

فریدی نے اپنے نام کا کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"اوہ....!" اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ کچھ دیر تک وہ خاموش بیٹھی رہی پھر بولی۔ "جی ہاں کسی نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ اندھیرا ہونے کی وجہ سے میں اُسے دیکھ نہیں سکی تھی۔"

"تم آخر اتنی رات گئے اُس ویران حصے میں کیوں گئی تھیں۔"

"اب میں کیا بتاؤں۔" اس نے سر جھکا لیا۔ "چہرے پر خجالت کے آثار تھے۔"

"خیر... تمہیں وہیں جانے کو کہا گیا ہوگا... ہاں تو یہ بتاؤ فخری مر چکا تھا جب تم پہنچی تھیں۔"

"وہ تڑپ رہا تھا.... میں نے بدحواسی میں خنجر اس کے سینے سے کھینچ لیا تھا.... لیکن وہ فوراً ہی ختم ہو گیا.... میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ یقین کیجئے۔ میرا دماغ ہی ماؤف ہو گیا تھا۔ پہلے جب وہ تڑپ رہا تھا تو میں بے ساختہ اس پر گر گئی تھی۔ مجھے خواب کی طرح یاد ہے.... کسی نے بیرونی کمرے کا دروازہ کھولا تھا۔ وہ کوئی سفید فام لڑکی تھی.... یا نہ رہی ہو۔ میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتی۔ لیکن.... تھی لڑکی ہی.... پھر اُس نے دروازہ بند کر دیا تھا.... میں نے بوکھلاہٹ میں فخری کے سینے سے خنجر کھینچ لیا اور خنجر کھینچتے ہی وہ سرد پڑ گیا۔ پھر میں سوچنے لگی کہ اب کیا کروں.... اسی وقت فون پر نظر پڑی اور میں نے کوتوالی کے لئے رنگ کر دیا.... لیکن اطلاع دینے کے بعد میں نے اپنا نام اور پتہ بتائے بغیر ہی ڈس کنکٹ کر دیا تھا اور وہاں سے نکل بھاگی تھی۔ کیونکہ مجھے کئی طرح کے خوف گھیرے ہوئے تھے.... آپ تو شاید سب کچھ جانتے ہیں۔"

"وہ اشتہار کس کے لئے تھا....؟"

"میں نہیں جانتی۔ لیکن اشتہار ہی دیکھ کر اس کی طرف جا نکلی تھی۔ حالانکہ حادثے سے دو دن پہلے بھی اُس سے مل چکی تھی۔"

"غالباً اُس نے تمہیں خط لکھا تھا ملنے کے لئے....!"

"اوہ.... آپ یہ بھی جانتے ہیں۔" لڑکی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اب "میری لاش" کے متعلق بھی کچھ بتاؤ۔"

حمید حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا اور لڑکی بولی۔ "فخری میرا دوست تھا اُسے مجھ سے ہمدردی تھی۔ میں نے اُسے اپنی کہانی سنائی تھی۔ وہ اس آدمی کی فکر میں پڑ گیا تھا جو میری اور میری ہی جیسی بہتیروں کی بربادی کا باعث بنا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اسی بناء پر اُسے اپنی جان بھی

دینی پڑی۔ اس نے میری کہانی سن کر ایک داستان لکھ ڈالی تھی اور اس کا نام "میری لاش" رکھا تھا۔ جب داستان مکمل ہو گئی تو اس نے مجھے خط لکھا اور میں نے اس کے ہاں آ کر وہ داستان پڑھی.... اس نے سبھی کچھ لکھ ڈالا تھا.... اور اس پُراسرار گروہ کا کچا چٹھا جو سیدھی سادھی لڑکیوں کو کسی طرح اپنے چکر میں پھانس کر برباد کر دیتا تھا.... اوہ.... اوہ.... مجھے یقین ہے وہ اسی لئے قتل کر دیا گیا.... اور مجھ پر حملے کی وجہ بھی یہی معلوم ہوتی ہے۔ انہیں شائد معلوم ہو گیا ہے کہ فخری کی معلومات کا ذریعہ میں ہی بنی تھی.... وہ ایسے ہی ہیں۔ سرکش لڑکیوں کو اس طرح ختم کر دیتے ہیں۔"

"وہ اشتہار تمہارے لئے نہیں تھا۔"

"جی نہیں! لیکن مجھے اس اشتہار پر حیرت ضرور ہوئی تھی۔ وہ یکم اپریل کا مذاق بھی ہو سکتا تھا۔ یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ فخری ہی نے اسے شائع کرایا ہو۔ اگر یہی ہوا ہو تا تب بھی میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتی کہ اس کا تعلق فخری ہی سے ہوگا۔ لیکن پھر بھی نہ جانے کیوں میرے قدم اس کے گھر کی طرف اٹھ گئے تھے.... اشتہار پر نہ مشتہر کا نام تھا اور نہ مخاطب کا! پھر وہ کوئی پُراسرار قوت ہی تھی جو مجھے اس کے گھر کی طرف لے گئی تھی۔"

"تم نے قاتل کو نہیں دیکھا تھا۔"

"جی نہیں.... میں نے نہیں دیکھا تھا۔ وہاں تو وہ تنہا تھا اور فرش پر پڑا تڑپ رہا تھا۔ یہ لوگ انتہائی خطرناک ہیں جناب اور ان کے گروہ کی شاخیں پورے ملک میں پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ اتنے ہی خطرناک ہیں کہ ان کے پھندے میں پھنسی ہوئی لڑکیاں کبھی آزاد نہیں ہو سکتیں، اگر آزاد ہونے کی کوشش کرتی ہیں تو مار ڈالی جاتی ہیں۔ اس لئے کوئی بھی اپنی حدود سے باہر قدم نکالنے کی ہمت نہیں کرتی.... میں وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتی کہ یہ درست ہی ہوگا مگر سنتی ہوں کہ ان کا ہیڈ کوارٹر نصیر آباد میں ہے اور ان کی سربراہ کوئی غیر ملکی سفید فام عورت ہے۔"

"ہوں....!" فریدی نے اس طرح سر ہلایا جیسے اس کے بیان کی صحت میں اُسے ذرہ برابر بھی شبہ نہ ہو۔

"آپ کو "میری لاش" ہی کے مسودے سے ہم لوگوں کے متعلق علم ہوا ہوگا۔" لڑکی نے کہا۔ اب وہ خوفزدہ نہیں تھی۔ اس کی حالت میں حیرت انگیز طور پر تبدیلی ہوئی تھی۔

"نہیں! مجھے وہاں کوئی ایسا مسودہ نہیں مل سکا۔ ہو سکتا ہے اُسے قاتل ہی لے گیا ہو.... یا پھر وہ شخص لے گیا ہو جس کے لئے وہ اشتہار شائع کرایا گیا تھا.... اوہ خیر.... ہاں تم کون ہو.... تمہارا کیا نام ہے.... تم ان لوگوں کے ہاتھ کیسے لگی تھیں۔"

لڑکی تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "میرا نام رکمنی ہے۔ میں اکبر پور کی رہنے والی ہوں۔ یہاں یونیورسٹی میں پڑھتی تھی.... ہاسٹلر تھی! بی اے کرنے کے بعد میں نے مونتیسری اسکول میں فرنچ پڑھنے کے لئے داخلہ لیا۔ یہاں بھی ہاسٹل تھا اس لئے رہائش کی بھی دشواری نہ پیش آئی۔ ہوسٹل میں لڑکیاں تفریحاً جوا کھیلا کرتی تھیں۔ میری بھی عادت ہوگئی۔ مگر یہ تفریح دس پانچ روپے سے آگے کبھی نہیں بڑھتی تھی۔ میں عموماً جیت ہی میں رہتی۔ تھوڑی ہی دنوں میں میں نے محسوس کیا کہ میں ایک مشاق کھیلنے والی ہوں۔ آہستہ آہستہ کھیل بڑا ہونے لگا۔ پھر مجھے پتہ چلا کہ ہم لوگوں کی نگراں لکچرار کے کمرے میں بھی جوا ہوتا ہے، اور وہاں شہر کی متمول عورتیں کھیلتی ہیں۔ ایک دن وہاں بھی میرا گذر ہو گیا اور میں نے تقریباً دو سو روپے جیتے.... میں نے سوچا کہ میں تو بہت جلد امیر ہو جاؤں گی۔ کھیل جاری رہا.... اور میں اس سلسلے میں ہاسٹل کی محدود فضا سے نکل آئی.... اُن متمول عورتوں کے گھروں پر بھی اکثر کھیل ہوتا تھا جو ہاسٹل میں کھیلنے آتی تھیں۔ ان کے یہاں مرد بھی کھیلتے تھے.... ایک رات ایک گھر پر مونتیسری کی ہیڈ مسٹریس دردانہ بھی موجود ملیں.... اسی دن مجھے معلوم ہوا کہ وہ بھی اچھی کھلاڑی ہیں۔ مجھے ان کے ساتھ کھیلنے کا بھی فخر حاصل ہوا اور پھر اُن سے دوستی سی ہوگئی۔ میرا احساس کمتری ہی تھا کہ اس دوستی میں خود کو نہ جانے کیا سمجھنے لگی تھی۔ اس کے بعد میں ہارنے لگی.... بڑی بڑی رقمیں.... اور دردانہ کی قرض دار ہوگئی۔ تقریباً ڈھائی ہزار روپے کی قرضدار جو میرے فرشتے بھی نہ ادا کر سکتے! دردانہ کے تقاضے شدت اختیار کرنے لگے! دردانہ کا ایک دوست تھا.... واصف وہ میرا ہمدرد بن گیا۔ وہ دردانہ سے میرے لئے سفارش کرتا رہتا تھا۔ آخر اُس نے ایک دن مجھے مشورہ دیا کہ میں خود کو فروخت کر کے قرض ادا کر دوں۔ مجھے بڑا غصہ آیا۔ لیکن اس نے سمجھایا کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوگی۔ خود وہ شخص بھی واقف نہیں ہو سکے گا جو خریدے گا۔ اس نے مشورہ دیا کہ میں اپنا چہرہ نقاب میں چھپالوں گی۔ خریدنے والے کو بھی اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ اپنے چہرے پر نقاب ہی لگائے رہتا ہے۔

"لڑکی خاموش ہوگئی....!" فریدی نے بھی اُسے ٹوکا نہیں۔ لیکن حمید اس سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ فریدی کے خیال سے خاموش رہ گیا ہو۔ پھر کچھ دیر بعد لڑکی خود ہی بولی۔ "بہرحال میرے قدم اس گھناؤنی زندگی کی طرف اٹھ گئے تھے اور آج تک میں اس دلدل میں پھنسی ہوئی ہوں۔"

"مجھے اُس نقاب پوش کے بارے میں بتاؤ جس کے پاس تمہیں پہلی بار لے جایا گیا تھا۔"

"میں نہ بتا سکوں گی کہ وہ کون تھا۔ میں اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکی تھی اور اس نے بھی مجھ سے نقاب اتار دینے کی فرمائش نہیں کی تھی۔ بس ایک ہی بار اس سے سابقہ پڑا تھا۔"

"اس کے بعد انہوں نے تمہیں بلیک میل کرنا شروع کر دیا ہوگا...."

"جی ہاں.... پھر مجھے باقاعدہ طور پر اس تجارت میں جھونک دیا گیا۔ ہاسٹل میں اس وقت پچاس لڑکیاں ہیں جن میں سے چھیالیس باقاعدہ طور پر اس بزنس میں شریک ہیں اور چار جو ابھی نئی ہیں۔ حالات سے بے خبر ہاسٹل کی تفریحات میں مشغول ہیں۔ انمیں سے ہر ایک تقریباً پندرہ روپے یومیہ کے حساب سے جیت رہی ہے۔ کچھ دن بعد انہیں بھی پہلا قرض چکانے کیلئے اسی پُراسرار نقاب پوش کی خدمت میں حاضر ہونا پڑے گا اور اسکے بعد وہ بھی بزنس میں آجائیں گی۔"

"ہوں....!" فریدی کا چہرہ یک بیک سرخ ہوگیا اور ایسا معلوم ہونے لگا جیسے وہ کسی جوالا مکھی کی طرح پھٹ پڑے گا.... لڑکی گلوگیر آواز میں بولی۔

"دوسری لڑکیوں کی طرح میں صرف ان کے اشاروں پر ہی ناچتی رہی بلکہ اپنی باری کی منتظر بھی رہی ہوں۔ میں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر ان لوگوں کے متعلق معلومات بھی حاصل کرنے کی کوشش کی ہے لیکن میں یہ بھی سوچتی تھی کہ ان کے خلاف کسی قسم کا ثبوت مہیا کرنا مشکل ہو جائے گا.... اگر میں پولیس کو اطلاع بھی دیتی تو وہ لوگ بے داغ ہی ثابت ہوتے اور میں مفت میں قتل ہو جاتی.... یہی سب سوچ کر میں نے کبھی اس کی ہمت نہیں کی۔ البتہ مجھے اب کسی ایسے آدمی کی تلاش ہوئی جو ان کی حرکتوں کی پبلسٹی کر سکے۔ میرا خیال تھا کہ اس طرح ان میں ہراس پھیلے گا اور وہ اپنی حرکتیں ترک کر دیں گے۔ میں نے فخریہ سے دوستی کی اور وہ آبزرور کا سب ایڈیٹر تھا۔ اُس نے ان کا کھوج لگانا شروع کر دیا، ساتھ ہی اس سلسلے میں ایک کتاب بھی لکھتا رہا.... اس کا جو بھی انجام ہوا آپ دیکھ ہی چکے ہیں اور پھر آج مجھ پر بھی حملہ کیا گیا۔"

"تمہیں کمپاؤنڈ کے اُس ویران حصے میں کیسے بھیجا گیا تھا۔"

"ہاسٹل کی نگران نے کہا تھا کہ ایک گاہک وہاں میرا انتظار کر رہا ہے۔"

"تم اس عمارت کا پتہ بتا تو سکو گی جہاں پہلی بار تمہاری ملاقات اس نقاب پوش سے ہوئی تھی

"نہیں میری آنکھوں پر پٹی باندھ کر لے جایا گیا تھا اور اس عمارت کے برآمدے میں کھولی گئی تھی۔ اس لئے میں شاید اس عمارت کو باہر سے دیکھ کر بھی نہ پہچان سکوں۔"

"اور .... وہ آدمی واصف ہی تمہیں وہاں لے گیا تھا۔"

"جی ہاں .... وہ بڑا شاطر آدمی ہے۔ وہ اکثر یوں بھی بیوقوف قسم کے مالدار آدمیوں کو کافی بڑی بڑی رقمیں اینٹھتا رہتا ہے۔ ایک بار وہ مجھے بھی آلہ کار بنا چکا ہے۔ میں اس بیچارے کا نہیں بتاؤں گی .... وہ ایک شریف تعلیم یافتہ اور مالدار آدمی ہے .... ایک مقامی کلب میں میری اس سے ملاقات ہو گئی۔ لیکن وہ ایسا آدمی نہیں تھا کہ میرے جال میں پھنس جاتا .... اور نہ یہ ارادہ ہی تھا کیونکہ وہ مجھے جوانی میں بھی فرشتہ ہی معلوم ہوا تھا۔ میں نے اس کی عالمانہ گفتگو سن اس کی طرف کھنچتی چلی گئی۔ پھر میں اسے روزانہ ملنے لگی۔ مجھے اس سے عقیدت تھی۔ میں نے اسے بتایا تھا کہ میں طالب علم ہوں اور یقین کیجئے کہ میں نے ہمیشہ اس کا خیال رکھا تھا کہ میری ذات سے اُسے کوئی مالی خسارہ نہ ہونے پائے .... اس کی شخصیت بڑی پرکشش تھی۔ جب میرے سامنے اخلاقیات کے مسائل چھیڑتا تو مجھے ایسا معلوم ہوتا جیسے میں سر تا پا غلاظت میں لت پت ہوئی ہونے کے باوجود بھی اپنی روح کو نور کے سمندر میں غوطے دے رہی ہوں .... ایک بار میں نے اس سے کہہ دیا کہ میں اس کے ساتھ اپنی ایک تصویر چاہتی ہوں۔ وہ تیار ہو گیا۔ میں نے اسے یقین دلایا تھا کہ یہ عقیدت مندی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ کوئی فضول خواہش نہیں۔

اس نے میرے ساتھ تصویر کھنچوائی اور میں نے اُسے بڑی عقیدت سے اپنے البم کے پہلے صفحے پر جگہ دی۔ مگر ایک دن جب میں اس سے ایک جگہ ملی تو اس نے بہت بُرا سا منہ بنا لیا۔ اس کی آنکھوں سے نفرت جھانک رہی تھی۔ اُس نے مجھے بتایا کہ میرے شوہر نے وہ تصویر دکھا کر اسے دھمکیاں دی تھیں اور الزام لگایا تھا کہ وہ اس کی بیوی یعنی مجھ سے غیر قانونی تعلقات رکھتا ہے۔ مجھے اس شوہر کے متعلق سن کر بڑی حیرت ہوئی اور میں نے لاکھوں قسمیں کھائیں میں شادی شدہ نہیں ہوں! پتہ نہیں کس نے کس مقصد سے ایسی حرکت کی ہے۔ اُسے یقین نہیں آیا

بھی کیسے جب اس نے اس شوہر کی زبان رکھنے کے لئے اُسے دو ہزار روپے دیئے تھے۔ اس نے بتایا کہ وہ ایک معزز آدمی ہے اپنے متعلق ایسی لغو باتوں کی شہرت نہیں پسند کرے گا۔ میں نے اپنے اُس شوہر کا حلیہ پوچھا۔ جو من و عن واصف ہی کا ثابت ہوا اور حقیقت بھی یہی تھی۔ اُس نے وہ تصویر میرے البم سے اڑا دی تھی۔ پھر مجھ میں اتنی ہمت نہیں رہ گئی کہ میں اس شریف آدمی سے دوبارہ ملتی۔"

"اس آدمی واصف کے متعلق مجھے بھی بتاؤ۔" فریدی نے کہا۔

"وہ بہت شاطر ہے۔ جناب صورت سے کوئی سنجیدہ اور ذی عزت آدمی معلوم ہوتا ہے۔ شکل و صورت کا بھی اچھا ہے۔ اس کے بال سنہرے ہیں اور وہ اکثر میک اپ میں بھی رہتا ہے۔"

"پیشانی کشادہ ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں ....!"

"اور پیشانی کا نچلا حصہ اتنا ابھرا ہوا ہے کہ کچھ غیر متناسب سا معلوم ہوتا ہے۔"

"جی ہاں .... وہی! کیا آپ اُسے جانتے ہیں۔"

فریدی نے جواب دیئے بغیر گھنٹی کا بٹن دبایا اور بوڑھے نصیر نے وہاں پہنچنے میں دیر نہیں لگائی۔ وہ ابھی تک جاگ رہا تھا۔

"انہیں .... نیلم کے کمرے میں پہنچا دو۔" فریدی نے لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا اور لڑکی سے بولا۔ "میں تمہیں حوالات میں دینا مناسب نہیں سمجھتا۔ جب تک میں حالات پر قابو نہ پالوں تم یہیں رہو گی۔"

"میں بے حد مشکور ہوں گی جناب۔" اس نے کہا اور نصیر کے ساتھ چلی گئی۔

کچھ دیر بعد حمید کھنکار کر بولا۔ "کیا یہ جادو تھا .... یا آپ اٹھارہ سال پرستان میں بھی گذار چکے ہیں۔"

"کیوں ....؟"

"یا پھر آپ پہلے ہی سے اُسے جانتے تھے۔"

"نہیں! میں نے آج پہلی بار اُسے دیکھا ہے۔"

"پھر آپ نے یک بیک کیسے کہہ دیا تھا کہ وہی اس دن فخری کے فلیٹ میں تھی۔"

"یہ جاگتے ہوئے ذہن کا کرشمہ تھا۔ فخری کے فلیٹ میں اس میز پر جہاں فون رکھا ہوا تھا۔ میں نے ناخن سے میز کی سطح کھرچنے کے نشانات پائے تھے جو تازہ تھے.... تمہیں تو شائد یہ بھی یاد نہ ہو کہ گندی سطح والی میز پر میز پوش نہیں تھا۔"

"آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ نشانات تازہ ہی تھے۔"

"ہر نشان کے سرے پر کھرچا ہوا میل جوں کا توں موجود تھا۔"

حمید خاموش ہو گیا۔

دو نقاب پوش

دوسری رات حمید پرنسٹن کے چوراہے پر کرنل فریدی کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے توقع تھی کہ جو کچھ بھی ہونا ہے آج ہی ہو کر رہے گا۔ کیونکہ کرنل کی بلیک فورس بھی حرکت میں آ گئی تھی اور محکمے کے مخصوص لوگ بھی فریدی کی اسکیم کے مطابق مختلف قسم کے کاموں میں لگے ہوئے تھے۔ اسکیم کا علم حمید کو نہیں تھا.... وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ اُسے پرنسٹن کے چوراہے پر انتظار کرنے کو کیوں کہا گیا ہے۔

پچھلی رات سے اب تک سکون نہیں نصیب ہوا تھا۔ کبھی اس کے پیچھے اور کبھی اس کے پیچھے۔ مختلف آدمیوں کا تعاقب کرتے کرتے وہ عاجز آ گیا تھا اور اب یہ سوچ رہا تھا کہ وہ کیوں نہ اسی چوراہے پر سر کے بل کھڑا ہو کر مرغ کی بولی بولنے لگے۔

پچھلی رات اس لڑکی رکمنی نے واصف کا جو حلیہ بتایا تھا من و عن اس دلاور مرزا کا تھا جس نے دردانہ کی آڑ لے کر ہائی سرکل کے منیجر سے تین ہزار روپے اینٹھ لئے تھے۔

حمید نے آج مونتیسری اسکول کو بھی قریب سے دیکھنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن اُس نے وہاں سراسیمگی کے آثار نہیں پائے۔ حالانکہ رکمنی ان لوگوں کے ہاتھ سے نکل گئی تھی وہ اس کے امکانات پر بھی نظر رکھ سکتے تھے کہ وہ پولیس ہی کے ہاتھ لگی ہو۔ ایسی صورت میں وہاں کچھ نہ کچھ سراسیمگی تو ملنی ہی چاہئے تھی۔ مگر ایسا نہیں تھا.... لہٰذا حمید کو سوچنا پڑا ممکن ہے فریدی ہی نے دھوکا کھایا ہو۔ وہ لڑکی رکمنی کوئی چال چل رہی ہو۔

پرنسٹن کے چوراہے پر اُسے نو بجے تک فریدی کا انتظار کرنا پڑا.... فریدی تنہا آیا تھا.... اور وہ ایک واٹر کول انجن والی بے آواز موٹر سائیکل پر تھا۔

"آؤ.... پیچھے بیٹھ جاؤ۔" اُس نے حمید سے کہا اور حمید پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ موٹر سائیکل چل پڑی۔

"اب کہاں....!" حمید نے پوچھا۔

"آر لکچو....!"

"کیوں.... وہاں کیا ہے؟"

"وہاں واصف ہے اور ایک یوریشین لڑکی۔ جو کچھ خوفزدہ سی نظر آ رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ کوئی نیا شکار ہے.... مگر شائد تم واصف کو پہچان نہ سکو۔ کیونکہ اُس کے چہرے پر بھوری ڈاڑھی ہے اور وہ بھی کوئی یوریشین ہی معلوم ہوتا ہے۔"

"کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ اُسے آج ہی گرفت میں لے سکیں گے؟"

"میرا خیال ہے کہ اس سے بہتر موقع پھر کبھی ہاتھ نہ آئے گا۔ ان دونوں کی گفتگو بہت ہی قریب سے سنی گئی ہے جس کا لب لباب یہ ہے کہ شائد آج ہی وہ نقاب پوش بھی ہاتھ آ جائے جسے لڑکیوں کے نقاب پوش ہونے پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا اور نئے شکار سب سے پہلے اسی کے پاس پہنچائے جاتے ہیں۔"

"مگر آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ یوریشین لڑکی بھی وہیں لے جائی جائے گی۔"

"اُن دونوں کے درمیان ایسی ہی گفتگو سنی گئی ہے۔ وہ اُسے سمجھا رہا تھا کہ وہ قطعی نہ پہچانی جا سکے گی۔ کیونکہ اس کے چہرے پر نقاب ہوگا اور وہ نقاب پوش اُسے بے نقاب ہونے پر مجبور نہیں کرے گا۔ لڑکی اس کی خوشامدیں کر رہی تھی وہ اُسے اس پر مجبور نہ کرے۔ وہ آر لکچو میں کھانا کھا رہے ہیں اور وہاں سے اٹھ کر سیدھے وہیں جائیں گے جہاں وہ نقاب پوش موجود ہوگا۔"

"آخر.... وہ نقاب پوش کون ہے۔"

"کوئی بھاری قیمت ادا کرنے والا۔ جسے اس گروہ کا سرپرست بھی سمجھا جا سکتا ہے۔"

حمید خاموش ہو گیا.... وہ دونوں ہی میک اپ میں تھے۔

کچھ دیر بعد موٹر سائیکل آر لکچو کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی اور وہ ڈائننگ ہال میں آئے۔

فریدی نے آنکھوں کی جنبش سے ایک میز کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ....!" حمید بڑبڑایا۔ "بڑی موٹی مرغی ہے.... میں تو اسے پہچانتا ہوں۔"

"کون ہے....!" فریدی نے پوچھا۔

وہ ایک خالی میز پر بیٹھ چکے تھے۔ حمید تھوڑی دیر تک پلکیں جھپکاتا رہا پھر بولا۔ "اس میں شبہ نہیں کہ یہ ڈاڑھی والا دلاور مرزا ہی ہو سکتا ہے کیونکہ اس کی پیشانی کا نچلا ابھار ویسا ہی ہے.... مگر اس لڑکی کے معاملے میں شائد آپ کی بلیک فورس والے دھوکا کھا گئے ہیں۔"

"کیوں....؟"

"ارے.... یہ تیمور کی عشرت ہے۔ لاکھوں میں کھیلنے والی۔ اس کے ساتھ کون سی مجبوری ہو سکتی ہے جس کی بناء پر وہ اس نابدان کے کیڑے کے اشاروں پر ناچے گی۔ ہو سکتا ہے وہ کسی دوسرے چکر میں ہو۔"

"تیمور کی لڑکی ہے۔" فریدی نے حیرت سے دہرایا۔ وہ کچھ سوچنے لگا۔ پھر حمید کو اس کی آنکھوں میں ہلکے سے اضطراب کی جھلک دکھائی دی۔

"آپ کیا سوچنے لگے۔"

"کچھ بھی نہیں۔" فریدی مسکرایا۔ لیکن اس مسکراہٹ کا انداز کچھ طنزیہ سا تھا۔

تھوڑی دیر بعد حمید نے ان دونوں کو اٹھتے دیکھا غالباً ویٹر کا بل وہ ادا کر چکے تھے۔ فریدی انہیں جاتے دیکھتا رہا اور خود اُس وقت تک نہیں اٹھا جب تک کہ وہ باہر نہیں نکل گئے۔

پھر کچھ دیر بعد تعاقب شروع ہو گیا۔ وہ دونوں ایک کار میں تھے اور کار ہوا سے باتیں کر رہی تھی۔ بستی سے نکلتے ہی فریدی نے موٹر سائیکل کی ہیڈ لائٹ بجھا دی تھی اور یہ سفر اندھیرے ہی میں جاری رہا۔ سڑک سنسان پڑی تھی اس لئے اس میں دشواری بھی نہیں پیش آئی۔

کار شہر کے آباد حصوں سے نکل آئی تھی.... پولو گراؤنڈ سے آگے وہ ایک کچے راستے پر مڑ گئی۔ یہاں فریدی کو موٹر سائیکل کی رفتار کم کر دینی پڑی۔

"اب میں ایک بات سوچ رہا ہوں۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"کیا....؟"

"کہیں یہ وہی یوریشین لڑکی تو نہیں ہے جس کی ہمیں تلاش تھی۔"

"ہو سکتا ہے۔"

کچے راستے کے قریب پہنچ کر فریدی نے بریک لگایا۔ بائیک رک گئی۔ کار تھوڑے ہی فاصلے پر رکی تھی اور اس کی عقبی روشنی ابھی گل نہیں ہوئی تھی۔ انجن کا ہلکا سا شور بھی سنائی دے رہا تھا۔ پھر انجن بند کر دیا گیا۔ فریدی موٹر سائیکل سے اتر کر زمین پر لیٹ گیا تھا۔ حمید نے بھی یہی کیا۔ تاروں کی چھاؤں میں انہیں دو سائے نظر آئے جو ایک چھوٹی سی عمارت کی طرف بڑھ رہے تھے۔ پھر وہ نظروں سے غائب ہو گئے۔ اس سے قبل کسی دروازے پر دستک بھی سنائی دی تھی۔

وہ دونوں اٹھ کر تیزی سے آگے بڑھے۔ کار کے قریب آئے۔ کار خالی تھی۔ پھر عمارت کی طرف متوجہ ہو گئے۔ یہ ایک شکستہ سی اور معمولی قسم کی عمارت تھی۔ دیواریں بھی اونچی نہیں تھیں۔ اس میں بمشکل تمام دو یا تین کمرے ہوں گے۔

دروازہ سامنے ہی تھا اور انکی لمبی لمبی جھریوں سے اندر کی روشنی صاف نظر آ رہی تھی۔ وہ دروازے کے قریب پہنچ گئے۔ جھری سے آنکھ لگاتے ہی حمید نے دیکھا کہ اب عشرت کے چہرے پر بھی نقاب موجود ہے۔ وہ ہلکے رنگ کے اسکرٹ میں تھی اور کہنیوں تک سفید دستانے چڑھے ہوئے تھے۔ پیروں میں اسٹاکنگ بھی تھے اُسکے قریب ہی ایک نقاب پوش مرد بھی موجود تھا۔

"اس سلسلے میں بڑی محنت کرنی پڑی ہے جناب! مگر آپ کی طبیعت خوش ہو جائے گی۔" واصف نقاب پوش سے کہہ رہا تھا۔

نقاب پوش کچھ نہیں بولا۔ اس نے جیبوں میں ہاتھ ڈال کر نوٹوں کی گڈیاں نکالیں اور واصف کی طرف بڑھا دیں۔

"بہت بہت شکریہ جناب۔" واصف گڈیاں لے کر قدرے جھکا اور پھر سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ "میں باہر گاڑی میں موجود ہوں گا اگر کوئی ضرورت پیش آئے تو طلب فرمایئے گا۔"

پھر وہ دروازے کی طرف بڑھا اور فریدی نے حمید کا بازو پکڑ کر کھینچ لیا۔ دروازہ کھلا.... اور دوسرے ہی لمحے میں فریدی کی ٹھوکر واصف کے پیٹ پر پڑی.... وہ چیخ کر کمرے کے وسط میں جا پڑا.... فریدی اور حمید اندر گھستے چلے گئے۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" فریدی نے سرد لہجے میں انہیں مخاطب کیا اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ نقاب پوش نے ہاتھ اٹھا دیئے مگر وہ قہر آلود نظروں سے واصف کو گھور رہا تھا۔ واصف پیٹ

دبائے ہوئے فرش پر بیٹھا کراہ رہا....

"ان دونوں کے نقاب اتار دو۔" فریدی نے حمید سے کہا اور یک بیک واصف اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"کون ہو تم لوگ۔ ایسی کوئی حرکت نہیں ہو سکتی۔ میں تمہارا خون پی لوں گا۔"

اس نے غرا کر کہا۔ حمید نقاب پوش کی طرف بڑھا.... لیکن واصف فریدی کے ریوالور کی پرواہ کئے بغیر اُس پر ٹوٹ پڑا.... دونوں گتھ گئے۔

نقاب پوش مرد نے نکل بھاگنے کے لئے دروازہ کی طرف چھلانگ لگائی لیکن فریدی نے اس کے پیروں میں چھلتی لگادی اور وہ منہ کے بل فرش پر گرا۔

لیکن پھر اٹھنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ فریدی اس پر ٹوٹ پڑا۔

واصف حمید سے گتھا ہوا پاگلوں کی طرح چیخ رہا تھا۔ "نہیں تم ایسا نہیں کر سکتے۔ میں تمہیں فنا کر دوں گا جو کچھ میں چاہتا ہوں ہو کر رہے گا۔ چھوڑو مجھے۔ سور کے بچے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کبھی نہیں۔ چھوڑو.... ذلیل.... کمینے کتے۔"

"چپ بے بھینس کے شوہر۔" حمید نے اس کی ناک پر گھونسہ رسید کیا اور اس کا جسم ڈھیلا پڑ گیا۔ پھر دوسرا ہی گھونسہ اُسے فرش پر لے آیا.... وہ کراہتا ہوا چیخ رہا تھا۔ "نہیں.... نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ نہیں ہو سکتا۔ میں تمہیں زندہ نہ چھوڑوں گا۔" اِدھر فریدی نے اپنے شکار کو قابو میں کر کے بے نقاب کر دیا۔

"ڈیڈی....!" عشرت چیخ پڑی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے یک بیک کسی نے اس کے سینے میں خنجر گھونپ دیا ہو۔

"ارے کتو.... کیا کیا تم نے....!" واصف بلبلایا۔

اِدھر.... عشرت کی چیخ سن کر بے نقاب ہونے والا تیمور سناٹے میں آ گیا تھا۔ پھر یک بیک وہ سنبھلا اور اپنی پوری قوت سے فریدی کا مقابلہ کرنے لگا۔

"اوہو....!" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "تم میری جیب سے ریوالور نکال لینے کی کوشش کر رہے ہو۔ مگر میں تمہیں خودکشی نہیں کرنے دوں گا۔ آج تم اپنی بیٹی کی چیخ سن کر خودکشی کرنا چاہتے ہو۔ مگر اُن بیٹیوں کو بھی یاد کرو جن کی چیخیں نکلنے سے پہلے ہی گھٹ گئی ہوں گی۔ اگر

میرے سر پر خدا نہ ہوتا تو اس گندے کیڑے واصف کی خواہش ضرور پوری ہو جاتی۔"

فریدی نے اُسے دھکا دیا اور وہ سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا۔ لیکن اب وہ کھڑا نہیں رہ سکا تھا.... دیوار سے ٹکراتے ہی فرش پر چلا آیا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ پتہ نہیں وہ سچ مچ بیہوش ہو گیا تھا یا خجالت ہی اُسے آنکھیں بند کئے رکھنے پر مجبور کر رہی تھی۔

عشرت تو گویا پتھر کے بت میں تبدیل ہو گئی تھی۔ دفعتاً واصف فرش سے اٹھا۔ اس کی شکل ڈراؤنی لگ رہی تھی۔ سارے چہرے پر خون ہی خون تھا اور مصنوعی ڈاڑھی کے بال اس میں لت پت ہو کر کہیں کہیں سے نکل ہی گئے تھے۔

وہ چیخنے لگا۔ "کون ہو تم کمینو.... تم نے میری اتنے دنوں کی محنت برباد کر دی۔ اب جب تک میں زندہ ہوں یہ آگ ٹھنڈی نہیں ہو سکے گی۔ مجھے بھی گولی مار دو.... نکالو ریوالور....!"

"فخری کو تم نے قتل کیا تھا....!" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں میں نے کیا تھا.... پھر....!" وہ اپنی چھاتی ٹھونک کر بولا۔

"رکمنی پر پچھلی رات قاتلانہ حملہ بھی تم نے ہی کیا تھا۔"

"ہاں.... ہاں.... کیا تھا....؟ پھر....!"

"اس کے ہتھکڑیاں لگا دو....!" فریدی نے حمید سے کہا۔

"اوہ.... میں سمجھا۔" واصف دہاڑا۔ "پولیس.... مگر اس وقت یہ ہتھکڑیاں کیوں نہیں نکلی تھیں.... جب میری بہن اسی کتے کے ہاتھوں لٹی تھی.... بتاؤ اس وقت تم کہاں تھے۔"

"اس وقت تمہارا قانون کہاں سو رہا تھا جواب دو.... تمہارا قانون تجوریوں کے سامنے بے بس کیوں ہو جاتا ہے؟"

"میں کہتا ہوں.... اگر تم قانون کو ناقص سمجھتے ہو تو اجتماعی کوششوں سے اُسے بدلنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔ اگر اس کی ہمت نہیں ہے تو تمہیں اسی قانون کا پابند رہنا پڑے گا۔ اگر تم اجتماعی حیثیت سے اس کے خلاف آواز نہیں اٹھا سکتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اس سے متفق ہو.... اب اگر متفق ہونے کے باوجود بھی تم اس کی حدود سے نکلنے کی کوشش کرو تو تمہاری سزا موت ہی ہونی چاہئے۔"

واصف کے منہ سے مغلظات کا طوفان امنڈ تا رہا.... ایسا لگ رہا تھا جیسے فریدی کے الفاظ اس کے کانوں تک پہنچے ہی نہ ہوں۔

اُسے ہتھکڑیاں لگادی گئیں۔

❀

دوسری صبح سارے شہر کے لئے ہنگامہ خیز ثابت ہوئی۔ صبح کے اخبارات کے ساتھ ہی ان کے ضمیمے بھی نکل آئے تھے اور یہ جلدی ہی میں نکالے گئے تھے۔ خبروں میں جو کچھ بھی تھا واصف ہی کی زبان سے منکشف ہوا تھا۔ ٹویوڈا کیس کی پراسرار مسز وارنر ایک بار پھر گرما گرم بحثوں کا موضوع بن گئی تھی۔ اُسے گرفتار کرلیا گیا تھا۔ واصف کے بیان کے مطابق وہی اس گندے بزنس کی روح رواں تھی اور تیمور نہ صرف اس کا سرپرست بلکہ اس بزنس کے ایک بڑے حصے کا مالک بھی تھا۔ لڑکیاں سب سے پہلے اسی تک پہنچائی جاتی تھیں اور پھر اس کے بعد عام ہو جاتی تھیں.... ملک کے کئی بڑے شہروں میں اس کاروبار کی شاخیں بکھری ہوئی تھیں۔ ایک بہت بڑے گروہ کی گرفتاری عمل میں آئی۔ تیمور اور عشرت بھی حراست میں تھے۔ عشرت کے متعلق فریدی نے حمید کو بتایا تھا کہ اگر اسے کڑی نگرانی میں نہ رکھا گیا تو وہ خودکشی کرلے گی۔

شام تک فریدی نے اپنی رپورٹ مکمل کرلی۔ لیکن حمید کے لئے ابھی کئی سوال موجود تھے۔

"عشرت....؟!" اس نے حمید کے استفسار پر کہا۔ "فخری کی دوست تھی.... وہی یوریشین لڑکی جو اس کے فلیٹ میں بھی جایا کرتی تھی۔ اُس نے بتایا ہے کہ وہ اشتہار فخری نے اسی کے لئے شائع کرایا تھا۔ اس میں حقیقت بھی تھی اور یکم اپریل کا مزاج بھی پوشیدہ تھا.... مقصد بہرحال یہی تھا کہ "میری لاش" نامی کتاب مکمل ہوگئی ہے۔ تمہیں شائد نہ معلوم ہو کہ اردو کا مشہور اور مقبول ترین ناول نگار رزمی.... فخری ہی تھا! لیکن اس کا یہ راز عشرت ہی کی دانست میں اس کے علاوہ اور کسی کو نہیں معلوم تھا۔ کیونکہ اس کی کتابیں پبلشروں تک وہی پہنچاتی تھی۔ لیکن پبلشرز بھی رزمی کی اصل شخصیت سے نہیں واقف تھے۔ مگر وہ کتاب پبلشروں تک نہیں پہنچ سکی اور عشرت بھی اس سے لاعلم ہے۔ اصلیت یہ ہے کہ واصف نے اس کا مسودہ وہاں نہیں رہنے دیا تھا۔ فخری کو قتل کرنے سے پہلے اس نے اس پر قبضہ کرلیا تھا اور اس کا بیان ہے کہ وہ اُسی دن نذر آتش کردی گئی تھی۔"

"واصف کا کیا قصہ تھا۔"

"واصف کی بہن اس گروہ کا شکار ہو کر تیمور تک پہنچی تھی اور پھر اُس نے خودکشی ہی کرلی تھی۔ واصف اس زمانے میں ایک شریف آدمی کی طرح زندگی بسر کر رہا تھا۔ بہن کی خودکشی کے بعد ہی اس کی ڈائری اس کے ہاتھ لگ گئی جس میں اس نے اپنی خودکشی کی وجہ لکھی تھی۔ واصف نے وہ ڈائری پولیس کے حوالے کردی۔ لیکن پولیس کسی ایسے گروہ کا پتہ نہ لگا سکی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ واصف شخصی انتقام کی راہ پر لگ گیا۔ اس نے نہ صرف اس گروہ کا پتہ لگالیا بلکہ اس آدمی سے بھی واقف ہوگیا جو پہلی بار اس کی تباہی کا باعث بنا تھا۔ اس کے بعد اس نے ایک اسکیم بنائی اور خود بھی اسی گروہ میں شامل ہوگیا۔ مگر اس کی اسکیم کامیاب نہ ہوسکی۔ اگر مجھے بروقت اطلاعات نہ ملتی رہی ہوتیں تو وہ کامیاب ہی ہوگیا ہوتا۔ اور آج اس شکستہ عمارت سے شائد دو خودکشی کرنے والوں کی لاشیں برآمد ہوتیں۔"

"واصف نے عشرت کو پھانسا کیسے تھا....؟" حمید نے پوچھا۔

"یہ میری رپورٹ میں پڑھ لینا... صرف وہ باتیں پوچھو جن کا جواب اختصار کیساتھ دیا جاسکے۔"

"ابھی مجھے فرصت نہیں نصیب ہوئی۔ ویسے مسز وارنر یقینی طور پر ٹویوڈا سے ملی ہوئی تھی۔"

"آہا.... وہ جاذب کے شیٹ والی.... الٹی اور نامکمل تحریر۔"

"اوہ.... تم نے اُسے مکمل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اسی لئے تو میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ "میری لاش" کسی داستان یا کتاب کا نام ہوگا.... اس نے وہ خط رکمنی کو لکھا تھا۔"

بہرحال وہ تحریر ایک آدھ حرف کے اضافے کے ساتھ یوں پڑھی جائے گی۔

"اور "میری لاش" مکمل کرچکا ہوں.... پرسوں ملوں گا۔"

"آجاؤ۔"

حمید نے ایک طویل سانس لی اور خاموش ہوگیا۔

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور حمید نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو....!"

"کون ہے....!" دوسری طرف سے قاسم کی آواز آئی۔

"حمید....!"

"سامالیکم حمید بھائی.... ابے الا قسم.... بڑے وہ ہو تم.... پریشان کرتے ہو خامخاہ بتادو نا....!"

"پتہ.... ان کا.... وہ.... کیا نم.... دردانہ باجی.... نائیں.... نائیں.... بیگم بیگم دردانہ بیگم کا پتہ....!"

"مت بکواس کرو.... میرا موڈ ٹھیک نہیں ہے۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 73

گارڈ کا اغوا

(مکمل ناول)

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

پیشرس

گارڈ کا انعواء نئے انداز کی کہانی ہے۔ اس میں آپ کو ایڈونچر بھی ملے گا، اور سراغ رسی بھی! پہلی بار فریدی نے ایک کیس کلی طور پر حمید کے سپرد کیا ہے! لہٰذا دیکھئے کہ حمید کی بوکھلاہٹوں نے کیسے گل کھلائے ہیں! محض اتفاقات اُسے ماسٹر آف سچویشن بنا دیتے ہیں۔ وہ مجرم پر بھی ہاتھ صاف کر دیتا ہے! لیکن اس کے باوجود بھی وہ کیس اُس کے لئے بے سروپا بنا رہتا ہے اگر فریدی اس کی پشت پر موجود نہ ہوتا تو شاید وہ بیچارا رپورٹ تک مکمل نہ کر سکتا۔

اس کہانی میں آپ کو حمید کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں بھی نظر آئیں گی اور شاید آپ کو اس کی بے بسی پر افسوس بھی ہو لیکن خود حمید آپ کو بے بس نہیں نظر آئے گا۔ بھوک اور پیاس کے عالم میں بھی اُس نے جم کر حالات کا مقابلہ کیا ہے۔ قہقہے بھی لگائے ہیں اور دوسروں کو بھی ہنسایا ہے۔ ایک بہت بڑا سانپ اُسے موت کے منہ میں دھکیل دیتا ہے.... لیکن کیا حمید نے حقیقتاً ہمت ہار دی تھی؟ آپ دیکھیں گے کہ وہ تنہا کس طرح اپنی حفاظت بھی کرتا ہے اور مجرموں پر بھی قابو پانے کی کوشش کرتا ہے! کہانی کے اُس حصے میں آپ کو دیوار قہقہہ بھی بنا سکتا ہے جہاں اس نے ایک

بہرے آدمی کے مقابلے میں خود بھی بہرے کا رول ادا کیا۔

ڈائمنڈ جوبلی کے نمبر کے سلسلے میں اب تک لاتعداد تجاویز موصول ہو چکی ہیں! اکثریت کی خواہش ہے کہ اس میں تاریک وادی ہی کی کہانی پیش کی جائے! فریدی اور حمید کے ساتھ عمران بھی ہو! اگر آپ یہی چاہتے ہیں تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے! لیکن نام "زمین کے بادل" ہی رہے گا۔ کہانی تاریک وادی کی ہوگی۔ لیکن اس کہانی میں سارے ہی کردار نہیں سمیٹے جا سکتے جن کے متعلق آپ لکھتے ہیں۔ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ نئی کہانیوں میں پرانے کرداروں کو جگہ دینے کے لئے اس کی ایک معقول سی وجہ بھی پیدا کرنی پڑتی ہے۔ لہٰذا گذارش ہے کہ میں ڈائمنڈ جوبلی نمبر کو "وجوہات کا زچہ خانہ" نہیں بنانا چاہتا.... کوشش کروں گا کہ یہ کہانی بہتر انداز میں پیش کی جائے! ویسے میرے لئے یہ یقیناً ایک بڑا مشکل مرحلہ ہوگا کیونکہ تینوں کرداروں کی یکجائی ایسے انداز میں کرنی پڑے گی کہ اُن کا بھرم بھی قائم رہے اور وہ ایک دوسرے سے پیچھے بھی نہ رہنے پائیں! خصوصیت سے عمران اور حمید کا یکجا ہونا میرے لئے دردِ سر بھی بن سکتا ہے۔

ابنِ صفی

۱۵ر فروری ۱۹۵۸ء

تارکٹ گئے

شیلا نے رجسٹر بند کر کے ایک طرف رکھتے وقت طویل سانس لی! ابھی ابھی تھرٹین اَپ گذر چکی تھی اور اب اسے تقریباً تین گھنٹوں کے لئے فرصت ہی فرصت تھی۔ آج اے۔ایس۔ایم کی طبیعت بھی خراب ہوگئی تھی اس لئے ساری ذمہ داریاں اسی پر آپڑی تھیں۔ ٹرینوں کی آمد کے اوقات میں ٹکٹ تقسیم کرنا۔ اُس کا حساب رکھنا اور قریب کے دونوں اسٹیشنوں سے بذریعہ فون رابطہ قائم رکھنا۔ سگنل اور لائین کی دیکھ بھال! وہ ایسی ہی طبیعت رکھتی تھی کہ اسے دوسروں کے کاموں پر مطمئن ہونا نہیں آتا تھا۔ ٹرین کی آمد کے وقت وہ اکثر خود ہی دوڑتی ہوئی کیبن چلی جاتی اور جب تک یہ نہ دیکھ لیتی کہ کانٹا بدلا گیا یا نہیں اسے اطمینان نہیں ہوتا تھا.... انتظامی اُمور کے متعلق دوسرے معاملات میں بھی اس کا یہی حال تھا۔

وہ تقریباً چھ ماہ سے اس پہاڑی ریلوے اسٹیشن پر کلرک کے فرائض انجام دے رہی تھی۔

لونی ہاٹ ایک پہاڑی علاقہ تھا اور یہاں زیادہ تر کان کن آباد تھے۔ کیونکہ قریب و جوار میں کوئلے کی کانیں تھیں! پچاس ساٹھ میل کے گھیرے میں یہاں لونی ہاٹ جیسی کئی بستیاں تھیں اور لونی ہاٹ کو تو ایک چھوٹا موٹا شہر ہی کہنا چاہئے۔

ریلوے اسٹیشن ویران علاقے میں تھا۔ لیکن شہر سے اس کا فاصلہ دو میل سے زیادہ نہیں تھا۔ یہ اور بات ہے کہ پہاڑی علاقے کے دو میل میدانوں کے دس میل سے بھی زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔

شیلا اس اسٹیشن پر چھ ماہ سے تھی۔ اسے یہاں کی زندگی سے بھرپور فضا بہت پسند تھی۔ حد نظر تک سبزہ ہی سبزہ دکھائی دیتا تھا۔ چٹانوں پر خودرو بیلیں پھیلی ہوئی تھیں جن میں کئی رنگوں کے پھول کھلتے تھے۔ مغرب کی جانب ڈھلان میں جنگلوں کا سلسلہ صدہا میل تک پھیلا ہوا تھا اور شام کو ان جنگلوں پر شفق کے رنگین لہریئے بڑے بھلے لگتے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ شوخ رنگ درختوں کی چوٹیوں سے غبار کی طرح نکل کر حد نظر تک پھیل گئے ہوں۔

شیلا یہاں بہت خوش تھی اور یہاں زیادہ سے زیادہ دن گذارنا چاہتی تھی۔ اس نے کچھ دوست بھی بنا لئے تھے جن میں راجن سب سے اچھا دوست ثابت ہوا تھا۔ وہ لونی ہاٹ پولیس اسٹیشن کا انچارج تھا۔ جوان خوشرو اور شائستہ آدمی تھا.... اُس میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اُس نے کبھی شیلا کے رہن سہن پر تنقید نہیں کی تھی ورنہ کم از کم اس کے مغربی طرز کے لباس پر تو ہر ایک اسے ٹوکتا رہتا تھا۔ راجن نے اس سے آج تک نہیں پوچھا کہ وہ اسکرٹ کی بجائے ساری کیوں نہیں استعمال کرتی.... بال کیوں ترشواتی ہے.... بھنویں کیوں نوچتی ہے۔ ناخن کیوں بڑھاتی ہے.... تنہا کیوں رہتی ہے؟ اپنے کسی عزیز کو بھی ساتھ کیوں نہیں رکھتی؟

زیادہ تر لوگ اُس کے نجی حالات جاننے کے خواہش مند رہتے تھے لیکن راجن نے آج تک نہیں پوچھا تھا کہ وہ کون ہے؟ کس خاندان سے تعلق رکھتی ہے؟ اس کے دوسرے اعزاء کہاں ہیں اور اس نے اپنے مستقبل کے لئے کیا سوچا ہے؟

شیلا کو اس قسم کے سوالات سے گھٹن ہوتی تھی! اس اجنبی علاقے میں اُس نے اپنا تبادلہ اسی لئے کرایا تھا کہ وہاں اُس کے جان پہچان والے نہ ہوں گے۔ لیکن یہاں بھی ابھی تک صرف ایک ہی آدمی ایسا ملا تھا جس نے اُس سے جان پہچان تو پیدا کرلی تھی لیکن یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی کہ اس کا تعلق کس خاندان سے تھا یا وہ کہاں کی رہنے والی تھی۔

یہ آدمی راجن تھا۔ وہ روزانہ اُس سے ملتا تھا، دونوں گھنٹوں ساتھ رہتے تھے! لیکن یہ ملنا جلنا شیلا کی دانست میں دوستی ہی تک محدود تھا۔

وہ روزانہ شام کو اسٹیشن ضرور آتا تھا! لیکن آج خلاف معمول ابھی تک نہ تو آیا تھا اور نہ ہی کو فون ہی پر اطلاع دی تھی کہ وہ آج نہ آسکے گا۔

اکتوبر شروع ہو چکا تھا اس لئے اب قریب ہی سماور میں کھولتے ہوئے پانی کی موجودگی بھی اشد ضروری تھی۔ شیلا چائے کے سارے لوازمات آفس ہی میں رکھتی تھی تاکہ سردی اور غنودگی کے مارے ہوئے ذہن کو بروقت کام کے قابل بنایا جاسکے۔

اس نے ایک قلی کو آواز دے کر چائے کے لئے سماور سے پانی نکالنے کو کہا اور فون پر پولیس اسٹیشن کے نمبر رنگ کرنے لگی۔

وہ دراصل راجن کے متعلق پوچھنا چاہتی تھی۔ لیکن پولیس اسٹیشن سے جواب ملا کہ راجن وہاں موجود نہیں ہے اس نے سلسلہ منقطع کر دیا اور اس قلی کی طرف متوجہ ہو گئی، جو سماور سے کیتلی میں پانی لے رہا تھا۔ یہ ادھیڑ عمر کا ایک مسکین صورت آدمی تھا۔

"آج سردی پھر بڑھ گئی ہے میم صاحب!" اُس نے کیتلی میں چائے کی پتی ڈالتے ہوئے کہا۔

"لیکن اسکے باوجود بھی تم ایک ہلکی سی قمیض میں نظر آرہے ہو۔ جرسی ہی نکال لی ہوتی۔"

"جرسی۔" قلی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "بڑھیا بیچاری مجھ سے زیادہ کمزور ہے میم صاحب! میں تو کسی نہ کسی طرح نکال ہی لے جاؤں گا۔"

"اوہ.... دیکھو.... میں اس کے لئے سوئیٹر نکالوں گی.... تم جرسی اُس سے لے کر خود استعمال کرو۔ اب بوڑھے ہونے کو آئے سردی سے بچنا ہی چاہئے۔"

قلی کچھ نہ بولا۔ وہ کیتلی میں چائے ڈال چکا تھا.... اور اب الماری سے پیالی نکال رہا تھا۔

"میں بوڑھیا کے لئے کچھ اور چیزیں بھی دوں گی۔" شیلا نے کہا۔

"بہت خوش ہو گی۔ بہت دعائیں دے گی میم صاحب۔ وہ کسی دن آئے گی آپ کے پاس مجھ سے کہہ رہی تھی۔"

"ارے.... ہاں کریم۔ میں نے سنا ہے آج کل شہر میں بڑی سنسنی پھیلی ہوئی ہے۔"

"جی میم صاحب....!"

"کیا یہ سچ ہے کہ جنگل کی طرف سے پچھلی رات فائروں کی آوازیں آئی تھیں!"

"سچ ہے میم صاحب، سننے والوں کا بیان ہے کہ آدھے گھنٹے تک گولیاں چلتی رہی تھیں اور یہ پہلی بار ہوا ہے ورنہ اس سے پہلے تو کبھی شکاریوں کی بندوقوں کی آوازیں بھی نہیں سنی گئیں۔ جنگل میں گھسنے کی ہمت ہی نہیں پڑتی کسی کی!"

"تب تو آدھے گھنٹے تک فائرنگ ہونا یقیناً تشویش ناک ہے۔"

"ابھی کچھ بھی تشویش ناک نہیں ہے میم صاحب۔ ابھی دیکھئے اور کیا ہوتا ہے۔"

"اوہ کیا ہوگا....؟" شیلا مسکرائی۔

"سانس لینا مشکل ہو جائے گا میم صاحب! آزادی ملی ہے ہمیں! آزادی سے پہلے ایسے اندھیر دیکھنے میں نہیں آئے تھے؟"

"اوہ.... تم یہ سب کچھ مت سوچا کرو۔ تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا۔ یہ آزادی کا قصور نہیں ہے۔"

"مجھ سے زیادہ آپ بھی نہیں سمجھ سکتی میم صاحب۔" کریم نے زہریلی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔ "کیونکہ مجھے اکثر بھوکا بھی سو رہنا پڑتا ہے۔ آزادی سے پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ میں آپ کی طرح بہت زیادہ پڑھا لکھا نہیں ہوں میم صاحب مگر معدے کی زبان سمجھنے کے لئے زیادہ پڑھا لکھا ہونا ضروری نہیں ہے۔"

شیلا اس جملے پر اس طرح چونک پڑی جیسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا ہو۔

"بڑی اونچی بات کہہ دی تم نے....؟" اُس نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

"اپنی زبان میں ارسطو کو بھی حکمت سکھانے کا دعویٰ رکھتا ہوں میم صاحب۔" کریم نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "لیکن انگریزی مجھے نہیں آتی اسی لئے اس طرح پیٹ پالنا پڑتا ہے اور آپ یہ جانتی ہی ہیں کہ انگریزی اُن لوگوں کی زبان تھی جن کے نیچے سے ہمیں رہائی مل چکی ہے.... یعنی ہم آزاد ہیں۔"

وہ چند لمحے خاموش رہا پھر ایک ہذیانی قہقہہ لگا کر بولا۔ "نہیں میم صاحب۔ میں بالکل گدھوں کی سی باتیں کر رہا تھا.... آزادی ملی ہے یقیناً ملی ہے۔ انہیں ملی ہے جنہوں نے آزادی کے لئے قربانیاں دی تھیں۔ اپنی تجوریوں کے منہ کھول دیئے تھے۔ بہت بڑی بات ہے میم

صاحب۔ گرہ سے ایک پیسہ نکالنا بھی مشکل ہو جاتا ہے لیکن وہاں تجوریوں کے منہ کھل گئے تھے۔ اب بھی ان تجوریوں سے صدائیں آتی رہتی ہیں کہ ہمارا احسان کبھی نہ بھولنا ورنہ آئندہ الیکشن کے موقع پر تم سے سمجھ لیا جائے گا.... اور میم صاحب۔" وہ یک بیک خاموش ہو گیا۔ کیونکہ ٹھیک اُسی وقت انسپکٹر راجن کمرے میں داخل ہوا تھا۔ اُس نے کریم پر یونہی سرسری سی نظر ڈالی تھی لیکن اس سے پہلے ہی کریم کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔

"اوہو! میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔" شیلا نے کہا۔

"بھئی.... آج کل میں بڑی الجھنوں میں ہوں۔" راجن بیٹھتا ہوا بولا۔ پھر اُس کی نظر سماور کی طرف اٹھ گئی اور اس نے کہا۔ "یہ ایک نیک کام ہو گا۔"

"ارے.... ہاں کریم.... ایک کپ اور مزید نکال لو۔" شیلا نے کریم سے کہا اور کریم نے دوسرا کپ نکالنے کے سلسلے میں بڑی پھرتی دکھائی۔ مگر وہ اب بھی نہ جانے کیوں رہ رہ کر راجن کو کنکھیوں سے دیکھنے لگتا تھا۔ شاید اُسے خوف تھا کہ کہیں راجن نے اُس کی گفتگو سن نہ لی ہو۔

اُس نے دو کپ میز پر رکھ دیئے اور پھر کیتلی سے اُن میں چائے انڈیلنے لگا۔ "بس اب تم جا سکتے ہو۔" شیلا نے کچھ دیر بعد کریم سے کہا۔

اور وہ بالکل ایسے ہی انداز میں وہاں سے رخصت ہوا جیسے سستا چھوٹا ہو۔

"یہ کافی پڑھا لکھا آدمی ہے۔" شیلا نے راجن سے کہا جو کسی خیال میں ڈوبا ہوا چسکیاں لے رہا تھا۔

"کون....؟" اُس نے چونک کر پوچھا۔

"یہی قلی.... کریم بیچارے کو انگریزی نہیں آتی۔"

"بہتیرے ایسے ہیں۔" راجن نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"تم کس سوچ میں ہو۔"

"اوہ.... کیا تمہیں نہیں معلوم کہ پچھلی رات جنگل میں تقریباً آدھے گھنٹے تک فائرنگ ہوتی رہی تھی۔"

"ہاں.... میں نے سنا تھا۔" شیلا نے لاپروائی سے کہا۔

"ارے... تم تو اس انداز میں کہہ رہی ہو جیسے تمہاری نظروں میں اسکی کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔"

"میری نظروں میں کسی کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔" شیلا مسکرائی۔

"اکثر تم مجھے کہانیوں کے کردار معلوم ہونے لگتی ہو۔"

"یہ بھی غلط نہیں ہے! خود مجھ میں کہانی بننے کی صلاحیت موجود ہے۔"

"کہانیوں کی زبان بعض اوقات میری سمجھ میں نہیں آتی! میں تو دو اور دو چار والا آدمی ہوں۔"

شیلا کچھ نہ بولی۔ راجن کہتا رہا۔ "تم بعض اوقات مجھے پُراسرار بھی معلوم ہونے لگتی ہو۔"

"جاسوسی کہانی۔" شیلا پلکیں جھکا کر مسکرائی۔

"مجھے جاسوسی کہانیوں بہت پسند ہیں۔"

"تمہاری لائین کی چیز ہے۔ میرا خیال ہے کہ جاسوسی کہانیاں تباہ کن ہوتی ہیں۔"

"کیوں....؟"

"ان سے جرائم پھیلتے ہیں۔"

"میں اسے تسلیم نہیں کر سکتا؟" راجن نے سر ہلا کر کہا۔ "ہمارے یہاں کے زیادہ تر جرائم پیشہ لکھ پڑھ نہیں سکتے۔ پچانوے فیصد جاہل ہوتے ہیں۔ جرائم کی جڑیں دراصل مایوسی میں ملتی ہیں۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"جس معاشرے کے افراد مستقبل کی طرف سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ وہیں جرائم کی گرم بازاری بھی ہو جاتی ہے۔"

"تو کیا ہمارے یہاں کے لوگ مستقبل سے مایوس ہیں۔"

"یقیناً ہیں! مستقبل سے مایوس ہیں اور یہ چیز اُن کے ذہنوں میں جڑیں پکڑ چکی ہے کہ ان کے ساتھ انصاف نہیں ہو سکے گا....!"

"ختم کرو.... آج سردی بہت ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے اس بوڑھے نے بھی مجھے بور کرنا چاہا تھا.... لیکن مجھے ایسی باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے.... وہ تو میں نے یونہی کہہ دیا تھا کہ جاسوسی کہانیوں سے جرائم پھیلتے ہیں۔"

"ہاں.... یہ بتاؤ کہ تم اُن فائروں کے سلسلے میں پریشان کیوں ہو۔"

"کیونکہ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔"

"تمہارا ان فائروں کے متعلق کیا خیال ہے....!"

"اگر یہ ڈاکو تھے اور کسی سے ان کی جھڑپ ہوئی تھی تو وہ اس کی اطلاع پولیس کو ضرور دیتا۔"

"ممکن ہے وہ اطلاع دینے کے قابل ہی نہ رہ گیا ہو۔"

راجن کچھ نہ بولا.... تھوڑی دیر بعد شیلا نے کہا۔ "کیا آج صبح تم جنگلوں میں گھسے تھے۔"

"ہاں.... جتنی دور جا سکا تھا گیا تھا.... لیکن کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔"

"کیا یہ جنگل حقیقتاً دشوار گذار ہیں۔"

"بہت زیادہ۔"

"انہیں ٹھیکے پر کیوں نہیں اٹھا دیا گیا۔"

"اٹھا ہی دیا جاتا مگر یہاں سے اندرون ملک لکڑی لے جانے میں بہت زیادہ مصارف ہوں گے.... اس لئے کوئی اِدھر کا رخ ہی نہیں کرتا۔"

شیلا کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ یک بیک وہ اٹھ کر پلیٹ فارم کی طرف بھاگی۔

"کیوں کیا ہے!" راجن اُس کے پیچھے جھپٹا۔

شیلا پلیٹ فارم پر رک گئی وہ وہاں تنہا نہیں تھی بلکہ اسٹیشن کے عملہ کے کئی آدمی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر جنوب کی طرف دیکھ رہے تھے راجن کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔

"کیا بات ہے.... کیا معاملہ ہے۔" راجن نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"اوہ.... راجن آؤ.... ابھی بتاتی ہوں۔" اس نے کہا اور پھر دوڑتی ہوئی آفس میں آئی اُس کے پیچھے پیچھے راجن بھی آیا۔

پھر کمرے میں اُس سے کچھ اس قسم کی حرکتیں سرزد ہونے لگیں جیسے اُس کی سمجھ ہی میں نہ آ رہا ہو کہ اُسے کیا کرنا چاہئے اور راجن بھی اندازہ نہ کر سکا کہ وہ کیا چاہتی ہے۔"

"کچھ بتاؤ بھی تو کیا بات ہے۔"

"اوہ.... راجن .... ہاں.... ہاں ٹھیک ہے۔ مجھے پچھلے اسٹیشن پر فون کرنا چاہئے.... راجن ایک منٹ۔"

وہ فون کی طرف جھپٹی! ریسیور اٹھایا ہی تھا کہ راجن نے اُس کا بازو پکڑ کر پیچھے کھینچ لیا اور ساتھ ہی اس کے ریوالور سے ایک شعلہ بھی نکلا.... روشندان کا شیشہ چور چور ہو گیا۔ پھر راجن شیلا کو فرش ہی پر پڑا چھوڑ کر باہر نکل گیا۔

شیلا فرش پر چت پڑی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ رہی تھی اور پلیٹ فارم

ہونے والے شور کے درمیان فائروں کی آوازیں اس کے کان کے پردوں پر ہتھوڑے کی طرح پڑ رہی تھیں اور وہ ان آوازوں کا مطلب سمجھنے سے قاصر تھی۔

وہ سمجھ ہی نہیں سکی تھی کہ راجن نے فون کرتے وقت اُسے کیوں کھینچا تھا....؟

چند لمحوں کے بعد وہ اچھل کر بیٹھ گئی اور پھر فون کی طرف جھپٹی لیکن پھر ایسا معلوم ہوا جیسے الیکٹرک شاک لگا ہو۔ وہ جہاں تھی وہیں ایک جھٹکے کے ساتھ رک گئی۔

فون کے قریب ہی میز پر ایک بڑا سا خنجر پیوست تھا۔ ایک بار پھر اُس کا سر چکرا گیا۔ پلیٹ فارم پر بدستور شور ہو رہا تھا اور تھوڑے تھوڑے وقفے سے فائروں کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔

"تو کیا....؟" شیلا نے سوچا۔ راجن نے اس خنجر سے بچانے کے لئے اُسے پیچھے کھینچا تھا.... اُس نے ٹوٹے ہوئے روشندان کی طرف دیکھا۔ خنجر اُسی راستے سے آیا تھا.... اور دوسرے حصے کا شیشہ شاید راجن کی گولی سے ٹوٹا تھا۔

وہ ایک نڈر لڑکی تھی اور اب اپنے اعصاب پر قابو پا چکی تھی۔ اُس نے میز کے نیچے جھولتے ہوئے ریسیور کو سنبھالا اور نمبر ڈائیل کرنے لگی۔ شور جاری تھا۔ لیکن فائروں کی آوازیں آنی بند ہو گئی تھیں۔

"پپلٹی کے اسٹیشن ماسٹر کو.... اوہ.... راجن تھرٹین اپ جو کچھ دیر پہلے یہاں سے گذری ہے اُسے یقیناً کوئی حادثہ پیش آیا ہے۔"

"کیوں؟ تم باہر کیوں بھاگی تھیں!"

"ایک ڈبہ.... لائین پر دوڑ رہا تھا۔ غالباً وہ گارڈ کا ڈبہ تھا۔ بوگی نہیں تھی۔ میں فون پر اسی کی اطلاع پچھلے اسٹیشن کو دینا چاہتی تھی۔ وہ یقیناً تھرٹین اپ ہی کا ڈبہ تھا....!"

"لیکن کسی نے تمہیں فون کرنے سے باز رکھنا چاہا تھا۔" راجن نے کہا اور اُس خنجر کی طرف دیکھنے لگا، جو اب بھی میز پر پیوست تھا۔

"یہ خنجر کس نے پھینکا تھا۔"

"اگر میں نے تمہیں کھینچ نہ لیا ہوتا تو یہ تمہاری گردن پر پڑا ہوتا۔"

"اب میں کیا کروں۔ لائین ہی خراب ہو گئی ہے۔ پپلٹی کے اسٹیشن پر فون کرنا ضروری ہے تاکہ وہ اسے سائیڈنگ میں لے لیں ورنہ کسی دوسری گاڑی سے ٹکرا کر... میرے خدا میں کیا کروں۔"

"ٹھہرو....!" راجن نے کہا اور پھر کمرے سے باہر نکل گیا۔

شیلا کرسی میں پڑی ہانپتی رہی تھوڑی دیر میں راجن واپس آ گیا۔

"فون کے تار کاٹ دیئے گئے ہیں۔ تم جس وقت فون کرنے جا رہی تھیں اس وقت شاید کاٹنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ خنجر پھینک کر تمہیں فون کرنے سے روکا گیا۔ پھر میں باہر آیا انہوں نے فائرنگ شروع کر دی اور اس وقت تک کرتے رہے جب تک کہ تار نہیں کٹ گئے پھر وہ بھاگ نکلے۔"

"تم نے تعاقب نہیں کیا۔"

"کیا تھا.... لیکن یہ جنگل.... میرا بس چلے تو اس میں آگ لگوا دوں۔"

"لیکن مجھے فون کرنے سے روکنے کا کیا مقصد تھا....؟"

"خدا جانے....!" راجن نے کہا اُس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔

"وہاں اطلاع پہنچنی ضروری ہے۔ بتاؤ میں کیا کروں۔"

"میں نے گاڑی بھی واپس بھیج دی۔ تھانے سے پانچ مسلح کانسٹیبل بلوائے ہیں میں اس وقت جنگل میں گھسوں گا۔"

"پپلٹی اطلاع پہنچنا اس سے بھی زیادہ اہم ہے ورنہ کوئی دوسری ٹرین حادثے کا شکار ہو جائے گی۔ ویسے پپلٹی سے اِدھر اس کا رکنا محال ہی ہے کیونکہ پپلٹی کافی نشیب میں ہے۔"

"یہاں اس وقت کوئی لائٹ انجن موجود ہے۔"

"نہیں....!" شیلا نے طویل سانس کے ساتھ کہا۔

"تب تو مشکل ہی ہے اب تو گاڑی واپس آ جانے کے بعد ہی کچھ ہو سکے گا۔"

دو بہرے

حمید نے کھڑکی کے باہر سر نکال کر دیکھا اور پھر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ٹرین چڑھائی پر جا رہی تھی اس لئے اس کی رفتار بہت کم ہو گئی تھی۔

حمید کے چہرے پر اکتاہٹ اور بیزاری کے آثار تھے اور وہ کمپارٹمنٹ میں بیٹھے ہوئے لوگوں

کو اس طرح گھورنے لگتا تھا جیسے ان میں سے کسی کو نیچے پھینک دینے کے لئے منتخب کر رہا ہو۔

موڈ صرف ایک آدمی نے خراب کیا تھا لیکن اُسے غصہ سارے ہم سفروں پر آ رہا تھا۔ جس نے موڈ خراب کیا تھا وہ سامنے ہی والی برتھ پر تھا اور ہر دس منٹ کے بعد موڈ کی خرابی کی تجدید کر سکتا تھا۔ اگر وہ کوئی معمر آدمی نہ ہوتا تو حمید نے اُسے جی کھول کر رگڑا ہوتا۔ وہ بوڑھا ہونے کے ساتھ ہی ساتھ بہرا بھی تھا۔

ویسے اُس کا بہرا پن ہی بوریت کا سبب بنا تھا۔ وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد حمید کو مخاطب کرتا کچھ پوچھتا اور جواب کچھ کا کچھ سن کر حمید کو اور زیادہ بور کرتا۔

مثلاً.... "کیا وقت ہوا جناب۔"

"بارہ....!" حمید نے جواب دیا۔

"کمال ہے....!" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "میں نے وقت پوچھا ہے غبارہ سے مجھے کیا سروکار۔"

"غبارہ نہیں.... بارہ....!" حمید نے چیخ کر کہا۔

"ارے تو اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے۔" جواب ملا۔

حمید نے پاؤچ سے تمباکو نکال کر پائپ بھرا اور اُسے دیا سلائی دکھا کر دو تین لمبے لمبے کش لئے۔

"کون سا تمباکو پیتے ہیں آپ....!" بوڑھے نے پوچھا۔

"پرنس ہنری....!"

"ہری تمباکو چل ہی نہیں سکتی پائپ میں! مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش نہ کیجئے۔"

"ہری نہیں پرنس ہنری۔"

"واہ یہ بھی کوئی نام ہوا.... پرنس ہنری.... ہونہہ۔"

"تو کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں۔" حمید چڑھ گیا۔

"اگر بولیں بھی تو میرا کیا بگڑے گا۔" بوڑھے نے بُرا سا منہ بنا کر خشک لہجے میں کہا۔

حمید خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اگر کمپارٹمنٹ میں کوئی لڑکی بھی موجود ہوتی تو وہ یقینی طور پر اُس بوڑھے سے چمٹ گیا ہوتا۔

"کہاں تشریف لے جائیں گے!" بوڑھے نے پھر کچھ دیر بعد پوچھا۔

"جہنم میں....!"

"اچھا....!" بوڑھے نے اس بار بڑی سنجیدگی سے سر ہلایا تھا۔

"آپ کہاں تشریف لے جائیں گے!" حمید نے نتھنے پھلا کر پوچھا۔

"پپلٹی....!" بوڑھے نے جواب دیا۔

"مگر اس لائن پر چمرٹی کا کوئی اسٹیشن نہیں ہے۔"

"نہ ہوگا....!" اس نے لاپروائی سے کہا۔ "لیکن ہو یا نہ ہو مجھے تو وہیں اترنا ہے۔"

"اگر وہیں مرنا ہے تو میں کیا کروں....؟" حمید نے چیخ کر کہا اور کمپارٹمنٹ کے دوسرے لوگ ہنسنے لگے۔ بوڑھا اس طرح ایک ایک کا منہ دیکھ رہا تھا جیسے سبھوں کو پاگل سمجھتا ہو۔

"کیوں ہنس رہے ہیں یہ لوگ....!" اُس نے آگے جھک کر آہستہ سے پوچھا۔

"یہ لوگ اس لئے ہنس رہے ہیں کہ کالی نوس کا منجن استعمال کرتے ہیں۔"

"اماں.... تم خود ہو گے جالینوس....!" وہ تن کر بیٹھتا ہوا بولا۔ "پتہ نہیں خود کو کیا سمجھتے ہو۔ کوئی لونڈا سمجھ لیا ہے مجھے! میں بھی ریٹائرڈ صوبیدار میجر ہوں۔"

"تحصیلدار میجر یہ عہدہ میرے لئے بالکل نیا ہے۔"

"بہرے ہو تم....!" وہ حلق کے بل چیخا۔ "صوبیدار میجر....!"

"تو اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے۔" حمید بھی اُسی طرح حلق پھاڑ کر چیخا مگر اُسے کھانسی آنے لگی۔

"اچھا ہے.... اچھا ہے....!" بوڑھا سر ہلا کر بولا۔ "بڑوں سے بدتمیزی کرو گے تو اسی طرح کھانس کھانس کر مر جاؤ گے۔"

"شکریہ! طریفل کشیزی بہت استعمال کر چکا ہوں۔ مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔"

بوڑھا بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ حمید نے سچ مچ بہروں ہی کی سی ایکٹنگ شروع کر دی۔

کمپارٹمنٹ کے دوسرے لوگ بھی اُسے بہرا ہی سمجھ رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ اُن کے لئے خاصی دلچسپی کا سامان تھا۔

دو بہرے اور دونوں ہی ایک دوسرے کو غلط سمجھنے پر مصر! پھر یہ بھی ضروری کہ تھوڑی دیر بعد ایک دوسرے سے مخاطب ہوں۔

سارے ہم سفر اُن کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

ابھی تک یہ سفر حمید کے لئے اکتا دینے والا ہی ثابت ہوا تھا۔ لیکن سفر کے اختتام پر بوریت رفع ہو جانے کی توقع بھی تھی۔

یہ سفر تفریحی نہیں تھا بلکہ اس کی نوعیت خالص سرکاری تھی۔ ان دنوں ایک کیس فریدی کے سپرد کیا گیا تھا اور فریدی نے اس کا فائیل حمید کے سپرد کر دیا تھا۔

یہ تھرٹین اپ ٹرین کا کیس تھا، جو لونی ہاٹ اسٹیشن سے گذرنے کے بعد حیرت انگیز طور پر گارڈ کے ڈبے سے محروم ہو گئی تھی اور اس کا انکشاف اس وقت ہوا تھا جب وہ لونی ہاٹ کے آگے والے اسٹیشن پر رکی تھی!

پچھلی بوگی کے معائنے کے بعد جو نتیجہ اخذ کیا گیا وہ حیرت انگیز تھا۔ بلکہ ناقابل یقین بھی.... لیکن کسی حقیقت کو جھٹلا دینا بھی آسان کام نہیں ہے۔

ماہرین کی رپورٹ بھی ٹرین ایگزامنر کی رپورٹ سے مختلف نہیں تھی۔ اُن کا خیال تھا کہ آخری بوگی سے گارڈ کے ڈبے کی علیحدگی بوگیاں جوڑنے والوں کی لاپروائی کا نتیجہ نہیں تھی یا وہ زنجیر کمزور نہیں تھی جس سے ڈبہ جوڑا گیا تھا بلکہ وہاں تو ایسے نشانات ملے تھے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ زنجیر پگھل جانے کی وجہ سے ڈبہ علیحدہ ہوا ہوگا۔ مگر زنجیر کا پگھلنا بجائے خود ایک چکرا دینے والا سوال تھا؟

اس کے بعد کی کہانی اور زیادہ حیرت انگیز تھی۔

لونی ہاٹ کی بکنگ کلرک شیلا نے ایک ڈبہ جنوب کی طرف نشیب میں دوڑتے دیکھ کر سوچا تھا کہ شاید تھرٹین اپ کسی حادثے کا شکار ہو گئی ہے۔

اس ڈبے کے متعلق پچھلے اسٹیشن پپلٹی کے اے ایس ایم کو آگاہ کرنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ کسی نامعلوم آدمی نے اس پر خنجر پھینکا۔

اس کے بعد لونی ہاٹ کے سب انسپکٹر پولیس راجن کی رپورٹ تھی جس نے خنجر پھینکنے والے کا تعاقب کیا تھا۔ لیکن دوسری طرف سے باقاعدہ فائرنگ شروع ہو گئی۔ پھر کچھ دیر بعد فائرنگ کرنے والے پہاڑی بھول بھلیوں میں گم ہو گئے اور راجن اُن میں سے ایک کو بھی نہ پکڑ سکا۔ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ وہ نامعلوم آدمی جنہوں نے فائرنگ

کی تھی اور شیلا پر خنجر پھینکا تھا دراصل یہ نہیں چاہتے تھے کہ اس ڈبے کے متعلق پچھلے اسٹیشن کوئی اطلاع دی جائے۔ لہٰذا انہوں نے لونی ہاٹ اسٹیشن کے فون کے تار ہی کاٹ دیئے تھے۔

پپلٹی اسٹیشن نشیب میں تھا اس لئے وہ ڈبہ وہاں بھی نہیں رکا تھا۔ لیکن وہاں بھی اُسے دیکھ سرا سیمگی پھیل گئی تھی اور اس کی اطلاع اس کے بعد والے اسٹیشن کو دے دی گئی تھی۔

پھر وہ ڈبہ تیسرے اسٹیشن پر پہنچنے سے پہلے ہی رک گیا تھا.... لہٰذا تیسرے اسٹیشن سے ایک لائٹ انجن روانہ ہوا جو اُسے تیسرے اسٹیشن پر لایا۔ ڈبے سے گارڈ غائب تھا اور آج تک اسکا پتہ نہیں مل سکا تھا اور نہ ہی معلوم ہو سکا تھا کہ بعض نامعلوم آدمیوں کی اس حرکت کا مقصد کیا تھا۔

حمید کو اس سلسلے میں چار اسٹیشنوں سے معلومات فراہم کرنی تھی.... سکلٹا جہاں گارڈ ڈبے کے غائب ہو جانے کا انکشاف ہوا تھا۔ لونی ہاٹ جہاں ٹیلی فون کے تار کاٹے گئے تھے اور جہاں سے پچھلے اسٹیشن تارالنگی کو اس ڈبے کے متعلق اطلاع دی گئی تھی۔

مگر حمید کو ان میں سے صرف لونی ہاٹ کا اسٹیشن زیادہ اہم معلوم ہو رہا تھا۔ ویسے ہو سکتا ہے اس اہمیت کی وجہ وہاں کی لیڈی بکنگ کلرک شیلا ہی رہی ہو۔

بہر حال حمید نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ سب سے پہلے لونی ہاٹ ہی جائے گا۔ وہ اُسی ٹرین تھرڈ اے ہی سے سفر کر رہا تھا جسے عجیب و غریب حادثہ پیش آیا تھا۔

حمید اس وقت صرف اسی کیس کے متعلق سوچنا چاہتا تھا مگر وہ بہرا بوڑھا تو جان کو آگیا۔ اب تو ایسا معلوم ہونے لگا تھا جیسے وہ سچ مچ حمید کو چڑھا ہی رہا ہو۔

"تعلیم کہاں تک ہے تمہاری۔" اس نے حمید سے پوچھا۔

"تسلیم.... تسلیم....!" حمید نے جھک کر خالص لکھنوی انداز میں اُسے سلام کیا۔

"تسلیم نہیں....!" بوڑھا چیخ کر بولا۔

"ارے تو اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے؟" حمید نے اُسی کے لہجے کی نقل اتاری۔

"جدا ہونا ہی پڑے گا۔" بوڑھے نے سر ہلا کر کہا۔ "اور نہیں تو کیا میں تمہیں اپنی قبر میں جاؤں گا۔"

لوگ بے ساختہ ہنسنے لگے اور حمید انہیں غصیلی نظروں سے گھور کر بوڑھے سے بولا۔ "اس وقت بہت اُداس ہوں اس لئے براہِ کرم خاموش رہئے۔"

"میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ تمہارا نام دیوداس ہی ہوگا۔ صورت سے ظاہر ہے!" بوڑھے نے کہا۔

"آپ کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔" حمید غصیلے لہجے میں بولا۔ "میں سفر میں بے تکلفی کا قائل نہیں ہوں۔"

"قبائل کے متعلق تم مجھ سے زیادہ نہیں جان سکتے۔ میں نے اپنی زندگی کے پندرہ سال قبائلیوں کے ساتھ گذارے ہیں۔"

"خدا آپ کو غارت کر دے۔"

"ہاں.... وزارت کا بھی شوق ہے۔ مگر وقت نہیں ملتا۔" بوڑھے نے سر ہلا کر جواب دیا۔

حمید نے سوچا اب خاموش ہی رہنا چاہئے ورنہ یہ بوڑھا دماغ چاٹ جائے گا۔ پہلے اُس نے سوچا تھا کہ ممکن ہے اُس کی الٹی سیدھی باتیں اُسے خاموش ہی کر دیں لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ وہ بھی کوئی بکواسی ہی تھا۔

حمید نے دوبارہ پائپ میں تمباکو بھری اور اُسے سلگا کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

دھندلکا پھیلنے لگا تھا۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر شفق کے لہریئے غبار آمیز ہوتے جا رہے تھے۔

سردی بھی بڑھ رہی تھی۔ حمید نے چمڑے کا جیکٹ سرہانے سے اٹھا کر پہن لیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ رات اُسے لونی ہاٹ کے ویٹنگ روم ہی میں گذارنی پڑے گی۔ پھر صبح وہ کہیں قیام کا انتظام کرے گا۔ ویسے اسے پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا کہ لونی ہاٹ شہر میں دو ایک ہوٹل بھی ہیں ایک اسٹیشن سے دو ڈھائی فرلانگ ہی کے فاصلے پر تھا۔

اندھیرا پھیلتے ہی ٹرین پپلٹی کے اسٹیشن پر رکی۔ بوڑھا اپنا سامان پہلے ہی سمیٹ چکا تھا۔ حمید نے اسے اترتے دیکھا.... قلی اُس کا سامان اٹھا رہا تھا اور پھر حمید کا دل چاہا کہ وہ بھی اُسی کے ساتھ یہیں اتر جائے کیونکہ ایک بڑی خوبصورت لڑکی اُسے ریسیور کرنے آئی تھی.... اب اُسے افسوس ہونے لگا کہ اُس نے بوڑھے سے جان پہچان کیوں نہ بڑھائی۔ اُس کے امکانات تھے۔

ٹرین پپلٹی سے بھی روانہ ہو گئی۔ اب اگلا اسٹیشن لونی ہاٹ ہی تھا۔ وہ اٹھ کر اپنا ہولڈال سنبھالنے لگا۔

اُس کے پاس لونی ہاٹ سے آگے والے اسٹیشن کا ٹکٹ تھا۔ لیکن وہ لونی ہاٹ ہی میں اترنا چاہتا تھا اس کا فیصلہ اُس نے ٹرین پر بیٹھ جانے کے بعد کیا تھا۔ حمید لونی ہاٹ کے اسٹیشن پر اتر گیا اور اُس

وقت تک پلیٹ فارم ہی پر کھڑا رہا جب تک کہ ٹرین وہاں سے روانہ نہیں ہو گئی۔

اور جب گاڑی آدٹر سگنل کے قریب سے بھی گذر گئی تو اُس نے اُس بورڈ کو آنکھیں پھاڑ کر گھورنا شروع کر دیا جس پر اسٹیشن کا نام لکھا ہوا تھا۔

"خدا غارت کرے ان پہاڑی اسٹیشنوں کو.... میں کہاں اتر پڑا۔" اُس کے قریب کھڑے ہوئے ایک خوش پوش اور قوی ہیکل جوان نے اُسے گھور کر دیکھا اور پھر پوچھا۔ "کہ آپ کو کہاں اترنا تھا۔"

"میں دارالحکومت سے آرہا ہوں۔" حمید نے جواب دیا۔

"میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ آپ کو کہاں اترنا تھا۔"

"جی....!" حمید کان پر ہاتھ لگا کر اس کی طرف جھکا۔

"آپ کو کہاں اترنا تھا۔" اس نے بلند آواز میں پوچھا۔

"سکلٹا.... مگر یہ کم بخت.... اسٹیشن ایک ہی جیسے بنے ہوئے ہیں۔ اور ایک گدھے نے مجھے بتایا تھا کہ سکلٹا پہلٹی کے بعد ہی پڑے گا۔"

"سکلٹا.... اگلا اسٹیشن ہے....!" اُس نے کہا۔

"پھر اب میں کیا کروں۔"

"دوسری ٹرین آپ کو چار گھنٹے سے پہلے نہ ملے گی۔"

"جی....!" حمید پھر کان پر ہاتھ رکھ کر اُس کی طرف جھکا۔

نوجوان نے اپنا جملہ پھر دہرایا اور حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "چار گھنٹے میرے خدا.... یہ کر طرح گذریں گے۔"

"کیا آپ پہلی بار ان اطراف میں آئے ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں....!" حمید نے جواب دیا۔ "شاید آپ کو تھرٹین اپ والے حادثے کا علم ہو۔"

"جی ہاں.... کیوں....!" وہ حمید کو شبہ آمیز نظروں سے گھورنے لگا۔

"میں گارڈ گومز کا بھتیجا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"اوہ.... کیا وہ گھر پہنچ گئے ہیں۔" نوجوان نے سوال کیا۔

"جی نہیں.... گھر پہنچ گئے ہوتے تو میں یہاں جھک مارنے آتا۔"

"اوہ.... اچھا.... اچھا.... آیئے آیئے آپ یہاں کب تک کھڑے رہیں گے۔ چلئے میں ویٹنگ روم کھلوا دوں۔ آج شدید سردی ہے۔"

"جی....!" حمید کان پر ہاتھ رکھ کر اُس کی طرف جھکا۔

اس نے پھر اپنا جملہ دہرا کر قلی کو سامان اٹھانے کا اشارہ کیا۔

چند لمحوں کے بعد حمید اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ وہ ویٹنگ روم میں آئے قلی نے سامان رکھ دیا اور نوجوان نے حمید سے کہا۔ "ٹھہریئے! میں آپ کے لئے چائے وغیرہ کا انتظام کرتا ہوں۔"

"کس بات کا انتقام لیں گے آپ مجھ سے۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"انتقام نہیں انتظام.... چائے کا انتظام۔" اس نے اونچی آواز میں کہا۔

"ارے کہاں.... تکلیف کیجئے گا۔ معاف فرمایئے میں اونچا سنتا ہوں۔" حمید نے مغموم لہجے میں کہا۔

"کوئی بات نہیں ہے!" نوجوان نے کہا اور باہر نکل گیا۔

حمید نے ایک طویل سانس لی اور وہ اس آدمی کے متعلق سوچنے لگا تھا۔ آخر وہ کون ہے اور اس میں اتنی شدت سے دلچسپی کیوں لے رہا ہے۔

کچھ دیر بعد وہ واپس آگیا۔ لیکن چائے کے ساتھ ہی حمید کی روحانی غذا بھی لایا تھا.... یعنی ایک لڑکی.... جو تھی تو دیسی ہی لیکن مغربی لباس میں تھی اور اچھی بھی لگتی تھی اس لباس میں۔

کیا یہ وہی بلنک کلرک شیلا ہے؟ حمید نے سوچا ویسے وہ لڑکی کی آمد پر احتراماً کھڑا ہو گیا تھا.... اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ تھوڑا بہت بوکھلا بھی گیا ہو۔

"بیٹھئے بیٹھئے جناب....!" نوجوان نے کہا اور قلی نے چائے کی ٹرے ٹی پائی پر رکھ دی۔

حمید بیٹھ گیا۔ لڑکی اُس کے سامنے والی کرسی پر تھی اور نوجوان بائیں جانب.... لڑکی چائے انڈیلنے لگی اور نوجوان نے حمید سے کہا۔ "مسٹر گومز نے گھر کوئی اطلاع تو بھجوائی ہی ہو گی۔"

"جی....!" حمید کان پر ہاتھ رکھ کر آگے جھکا۔

"آپ آلہ سماعت کیوں نہیں استعمال کرتے۔" نوجوان نے بلند آواز میں کہا۔

"اسی لئے تو میں اس سفر پر لعنت بھیج رہا ہوں۔" حمید نے غصیلی آواز میں کہا۔ "وہ اسی وقت کہیں گم ہو گیا جب میں نے نصیر آباد میں ٹرین بدلی تھی۔"

"میں یہ پوچھ رہا تھا کہ گومز نے گھر کوئی اطلاع بھجوائی ہے یا نہیں۔"

"کوئی اطلاع نہیں جناب۔"

"پھر آپ یہاں کس مقصد سے تشریف لائے ہیں۔"

"مجھے پاگل کتے نے کاٹا ہے۔" حمید نے اس سوال پر بُرا مان کر کہا۔

"میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

"اوہو.... آپ غلط سمجھے۔" نوجوان بولا۔ "لیجئے چائے لیجئے۔ آپ نے دراصل اس انداز میں مسٹر گومز کا تذکرہ کیا تھا جیسے اُنکے متعلق معلومات حاصل کرنے کیلئے تشریف لائے ہوں۔"

"اگر ان کے متعلق کچھ معلومات بھی حاصل ہو جائیں تو کیا حرج ہے؟" حمید نے چڑھ جانے والے انداز میں کہا۔

"ٹھہریئے۔" آپ کو شاید کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔ نوجوان نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا اور ایک وزیٹنگ کارڈ نکال کر حمید کی طرف بڑھا دیا۔

حمید نے کارڈ دیکھا۔ یہ راجن تھا۔ لونی ہاٹ پولیس اسٹیشن کا انچارج۔

"میں دراصل اس سلسلے میں تفتیش کر رہا ہوں۔" اس نے کہا۔ "اس لئے آپ کا فرض ہے کہ آپ میری مدد کریں۔"

"ضرور کروں گا۔ میں تو یہاں کی پولیس سے یہ بھی پوچھنے کیلئے آیا ہوں کہ میرے چچا اب کب مل سکیں گے۔ کیوں جناب کیا پولیس کا فرض نہیں ہے کہ وہ ہر معاملے میں اپنی آنکھیں کھلی رکھے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"آخر ڈبہ چلتی گاڑی سے کیسے الگ ہو گیا.... اور اگر وہ الگ ہوا تو انکل کہاں غائب ہو گئے۔"

"میرا خیال ہے کہ انہیں اغوا کیا گیا ہے۔" راجن نے کہا اور حمید منہ دبا کر ہنسنے لگا۔

"کیوں آپ ہنس کیوں رہے ہیں۔" راجن نے کچھ بُرا مان کر پوچھا۔

"عورتوں کا اغواء میں نے سنا تھا لیکن بوڑھے مردوں کا.... ہاہاہا....!"

شیلا مسکرائی۔ وہ ابھی تک کچھ نہیں بولی تھی۔

"آپ کا اغواء بھی ممکن ہے۔" اس نے اونچی آواز میں کہا۔

"بس ختم کیجئے۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "پتہ نہیں آپ لوگ کون ہیں اور مجھے کیوں بو

کر رہے ہیں۔"

راہ کا پتھر

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر یک بیک راجن نے کہا۔

"کیا آپ مجھے اپنا ٹکٹ دکھا سکیں گے۔"

"ضرور دیکھئے....!" حمید نے کہا اور ٹکٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

راجن نے ٹکٹ پر نظر ڈالی اور پھر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"آپ لونی ہاٹ کیوں اترے ہیں۔"

"مکھیاں مارنے کے لئے۔ مگر پھر غلطی کا احساس ہوا.... رات میں مکھیاں کہاں ملیں گی۔"

"اگر آپ سنجیدگی سے گفتگو کریں تو بہتر ہے۔"

"مجھ سے زیادہ رنجیدہ اور کون ہو گا.... کیونکہ میرے انکل....!"

"رنجیدگی نہیں.... سنجیدگی۔" راجن غصیلی آواز میں چیخا۔

"ارے تو اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے۔" حمید نے کچھ اس انداز میں کہا کہ شیلا بے ساختہ ہنس پڑی۔ اس پر راجن اور زیادہ چڑ گیا۔

"مجھے اس میں شبہ ہے کہ آپ بہرے ہیں۔" اُس نے کہا۔

"شبہ بہت بُری چیز ہے۔ اکثر لوگ اپنے متعلق بھی شبہے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس سے دنیا کے جغرافیہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ پولیس کو اس کی پروا نہیں ہوتی کہ گرد و پیش کیا ہو رہا ہے۔ اب مثلاً آپ اپنے ہی متعلق سوچئے۔ آپ نے اس سلسلے میں اب تک کیا کیا۔"

"میرا خیال ہے کہ اب کچھ نہ کچھ ضرور کر گذروں گا.... آپ لونی ہاٹ میں کسی کو جانتے ہیں یا نہیں۔"

"اگر کہئے تو جان پہچان پیدا کرنے کے لئے یہیں رک جاؤں۔ آپ انسپکٹر راجن ہیں مجھے زیرو گومز کہتے ہیں اور آپ کی تعریف....!"

حمید شیلا کی طرف دیکھنے لگا۔

"اگر آپ نے مجھے اپنے متعلق مطمئن نہ کیا تو میں آپ کو حراست میں لے لوں گا۔" راجن نے غصیلی آواز میں کہا۔

"میں خود بھی اپنے متعلق مطمئن نہیں ہوں۔ آپ کو کیا کروں گا۔"

"مجھے اپنا پتہ بتایئے۔ میں آپ کے متعلق دارالحکومت سے معلومات حاصل کروں گا۔"

"بالکل ٹھیک میں آپ کو ایسا پتہ بتاؤں گا کہ آپ کو معلومات حاصل کرنے میں دشواری پیش نہ آئے گی.... کوتوالی انچارج مسٹر جگدیش سے ڈاکٹر زیٹو کے متعلق پوچھ لیجئے۔ میرے پڑوسی ہیں اور ان کی بیوی صاحبہ میرا بہت خیال رکھتی ہیں۔ جب بھی پکوڑے تلتی ہیں مجھے ضرور بھجواتی ہیں۔ بیسن کے پکوڑے.... ہاہا.... بیگن کے قتلے پڑے ہوئے.... واہ...."

حمید خاموش ہو کر منہ چلانے لگا۔

"اگر.... آپ کا دیا ہوا حوالہ درست ثابت نہ ہوا تو۔"

"تو میں اُسے درست ثابت کرنے کے لئے جیومیٹری کی انیسویں تھیورم کا بھی زور لگاؤں گا۔ مگر پہلے آپ کوشش کیجئے.... جی ہاں.... کیوں محترمہ۔"

شیلا صرف مسکرادی۔ لیکن وہ اس بہرے آدمی میں کافی دلچسپی لے رہی تھی۔ دفعتاً حمید پھر راجن کو اُس وقت مخاطب کیا جب وہ خود ہی کچھ کہنے والا تھا۔

"کیوں جناب.... اگر آپ کو مجھ پر شبہ ہو تو آپ مجھے پکڑ کر بند کردیں لیکن اگر مجھے آپ پر شبہ ہو تو میں کس سے فریاد کروں گا۔ کون میری سنے گا۔ مجھے شبہ ہے کہ آپ میرے انکل اغواء کرنے والوں سے بخوبی واقف ہیں اور ان کا بچاؤ کررہے ہیں۔"

"آپ کس بناء پر کہہ رہے ہیں۔" راجن کو سچ مچ غصہ آگیا۔

"ایک پولیس آفیسر یہاں موجود تھا اور وہ لوگ ٹیلی فون کا تار کاٹ کر نکل گئے۔ مسٹر راجن یہاں کی رتی رتی کہانی دارالحکومت کے اخبارات میں آچکی ہے۔ وہ لوگ یہی چاہتے تھے کہ پولیس اسٹیشن والوں کو اس کی اطلاع نہ ہوسکے۔ اپنی اسکیم کے مطابق وہ اس میں کامیاب ہوگئے۔ مقصد تھا کہ ڈبہ اُس مقام سے پہلے روکا ہی نہ جاسکے جہاں وہ اسے روکنا چاہتے تھے۔ انہیں علم تھا کہ لونی ہاٹ سے پبلٹی اطلاع دے دی گئی تو وہاں اس دوڑتے ہوئے ڈبے کو سائیڈنگ پر لے لیا

گا اور وہ میرے انکل کو اغواء نہ کرسکیں گے۔ جو اُس وقت اُسی کٹے ہوئے ڈبے میں موجود تھے.... اُن کے آدمی تارالنگی سے کچھ فاصلے پر موجود تھے وہ جانتے تھے کہ وہاں سے تارالنگی تک پھر چڑھائی آجاتی ہے۔ اس لئے سکلٹا سے ڈھلان پر دوڑنے والا ڈبہ وہاں خود بخود رک جائے گا۔"

راجن نے ایک طویل سانس لی اور حمید پھر بولا۔ "اب رفع کیجئے میرا شبہ۔"

"راجن خواہ مخواہ بات نہ بڑھاؤ۔" لڑکی بولی۔ "اگر تمہیں ان پر شبہ ہے تو اُن کے بتائے ہوئے پتہ پر پوچھ گچھ کرلو۔"

"اچھی بات ہے۔" راجن اٹھ گیا۔ لیکن شیلا وہیں بیٹھی رہی۔

"اور چائے دوں۔ آپ کو جناب۔" شیلا نے حمید سے پوچھا۔

"یقیناً.... میں بہت تھک گیا ہوں۔ محترمہ.... شاید آپ شیلا ہیں۔ میں نے آپ کے متعلق بھی اخبارات ہی میں پڑھا تھا۔ آپ فون کرنے جارہی تھیں.... لیکن ایک خنجر نے آپ کو اس سے باز رکھا تھا۔ پھر ان راجن صاحب کی سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آتی۔"

"دیکھئے۔ اگر آپ یہاں ہوتے تو آپ بھی بوکھلا جاتے۔ سچویشن ہی ایسی تھی اچانک یہ سب کچھ ہوا تھا۔"

"اس کے بعد ہی مسٹر راجن کو چاہئے تھا کہ شہر جاکر کہیں سے پبلٹی کے لئے فون کرتے۔"

"بس یہی ایک غلطی ہوگئی تھی۔"

"اس غلطی کی بناء پر ان حضرت کو مشتبہ کیوں نہ سمجھا جائے۔"

"آپ کون ہوتے ہیں مشتبہ سمجھنے والے۔"

"چچا کا بھتیجا۔" حمید نے لاپروائی سے جواب دیا۔ پھر مسکرا کر بولا۔ "میں اس چائے کے لئے بے حد مشکور ہوں۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک پولیس آفیسر سے ٹکرانے کے خبط میں آپ کیوں مبتلا ہوگئے ہیں۔"

"پولیس آفیسروں کو چھیڑنے میں مجھے خاص لطف آتا ہے۔ اگر یہ حضرت مجھے بند بھی کردیں تو انہیں پچھتانا پڑے گا.... کیونکہ کرمنالوجی کے ماہر ڈاکٹر زیٹو کو کون نہیں جانتا.... ہمارے خود پرائم منسٹر تک.... خیر.... ہٹایئے....!"

"اوہ.... تو آپ اس سلسلے میں چھان بین کرنے آئے ہیں۔"

"ہاں چھان بین بھی کرنی ہے.... اور چند جڑی بوٹیاں بھی تلاش کرنی ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ لونی گھاٹ کے جنگلوں میں سونی بوٹی بھی پائی جاتی ہے۔"

"سونی بوٹی۔" شیلا ہنس پڑی۔

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔"

"میں نے بھی سنا ہے کہ سونی بوٹی سے سونا بن جاتا ہے۔"

"غلط سنا ہے آپ نے.... یہ سب بکواس ہے.... لیکن یہ حقیقت ہے کہ سونی بوٹی کا عرق بہرے پن کا واحد علاج ہے۔"

"یہاں ایک صاحب اور بھی ہیں۔ وہ بھی اتفاق سے بہرے ہی ہیں اور انہیں بھی جڑی بوٹیوں کا شوق ہے۔ انہوں نے تو باقاعدہ طور پر ایک تجربہ گاہ بنا رکھی ہے.... جڑی بوٹیوں کے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن وہ آج بھی بہرے ہی ہیں۔"

"ممکن ہے وہ جانتے ہی نہ ہوں کہ سونی بوٹی بہرے پن کا علاج ہے۔ ویسے جڑی بوٹیوں کی پہچان بہت مشکل ہے۔ مجھے ان صاحب کی پہچان بتایئے۔ میں اُن سے ضرور ملوں گا۔"

"اُن کا بنگلہ پپلٹی میں ہے۔ لیکن انہوں نے یہاں جنگل کے قریب تجربہ گاہ بنا رکھی ہے۔ پپلٹی سے یہاں اکثر آیا کرتے ہیں۔"

"بوڑھے آدمی ہیں۔"

"جی ہاں....!"

حمید کو وہ بہرا بوڑھا یاد آگیا جو پپلٹی کے اسٹیشن پر اترا تھا اور جسے ایک خوبصورت سی لڑکی ریسیور کرنے آئی تھی۔

"اُن صاحب کا نام کیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"پروفیسر منہاج کہلاتے ہیں.... بہت مشہور آدمی ہیں۔"

"اُن کی پیشانی پر بائیں جانب زخم کا لمبا نشان ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"جی ہاں.... ہے....!"

"میرا خیال ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ خیر اب میں سکلٹا نہیں جاؤں گا۔

یہیں رک جاؤں گا۔"

شیلا کچھ نہ بولی.... حمید بھی خاموشی سے چائے پینے لگا۔

پھر تھوڑی دیر بعد راجن ویٹنگ روم میں داخل ہوا۔

"مجھے غلط فہمی پر افسوس ہے ڈاکٹر صاحب۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"جگدیش نے کیا کہا؟"

"وہ آپ کو اچھی طرح جانتے ہیں اور آپ ایک معزز آدمی ہیں۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ مسٹر گومز آپ کے چچا تھے۔"

"ضروری نہیں ہے کہ لوگ میرے سارے خاندان سے بھی واقف ہوں۔"

"آپ کرمنالوجی کے ماہر بھی ہیں۔" شیلا نے کہا۔

"مسٹر جگدیش نے یہ نہیں بتایا۔" راجن بولا۔

"نہ بتایا ہوگا۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

"آپ کرمنالوجی کے ماہر ہیں۔" راجن نے کچھ دیر بعد طویل سانس لے کر کہا۔ "میری بھی کچھ مدد کیجئے۔ میرا خیال ہے کہ جگدیش صاحب وغیرہ آپ سے یقینی طور پر مدد لیتے ہوں گے۔"

"بالکل.... بالکل میں آپ کی بھی مدد کر سکتا ہوں۔ مگر دشواری یہ ہے کہ میں آلہ سماعت کھو بیٹھا ہوں۔"

"یہ شاید یہاں بھی مل جائے۔ میں تلاش کروں گا آپ کے لئے....!"

"بہت بہت شکریہ.... میں نے بھی سکلٹا جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا ہے۔ کیونکہ میں یہاں جڑی بوٹیوں کے ماہر سے ملاقات کروں گا۔"

راجن شیلا کی طرف دیکھنے لگا اور شیلا نے اُسے بتایا کہ ڈاکٹر زیٹو صاحب دراصل سونی بوٹی کی تلاش میں یہاں آئے ہیں۔ لگے ہاتھوں اپنے چچا کا معاملہ بھی دیکھیں گے۔

"مجھے بھی جڑی بوٹیوں سے دلچسپی ہے اور میں اکثر پروفیسر منہاج سے ملتا رہتا ہوں۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ وہ بھی اونچا سنتے ہیں۔"

"یہ ہم لوگوں کی خوش نصیبی ہے کہ غیر ضروری باتیں ہمارے کانوں میں نہیں پڑتیں۔" حمید نے کہا۔ "اب یہ بتایئے مسٹر راجن کہ قریب کوئی ہوٹل بھی ہے۔"

"جی ہاں.... نزدیک ہی ہے اور وہاں آپ کو آرام بھی ملے گا۔"

"تو پھر چلوں۔"

"چلئے باہر پولیس کار موجود ہے۔ میں آپ کو پہنچادوں گا۔"

"بہت بہت شکریہ....!" حمید اٹھ گیا۔

قلی نے سامان اٹھایا اور شیلا بھی ان کے ساتھ گیٹ تک آئی۔

وہ کار میں بیٹھ گئے۔ حمید آگے ہی بیٹھا تھا۔ پچھلی نشست پر سامان رکھ دیا گیا تھا۔ راجن ڈرائیو کرنے لگا۔ سڑک کی دونوں جانب اونچی اونچی چٹانیں پھیلی ہوئی تھیں۔ چونکہ کار چڑھائی پر جارہی تھی اس لئے اس کی رفتار بھی کم تھی۔

"لونی ہاٹ بڑی پرامن جگہ تھی ڈاکٹر....!" راجن نے کہا۔ "مگر اب یہاں ان واقعات کی بناء پر بڑا ہراس پھیل رہا ہے۔ تقریباً ایک ہفتہ پہلے کی بات ہے کہ اُدھر جنگلوں میں کوئی آدھے گھنٹے تک فائرنگ ہوتی رہی تھی لیکن یہ آج تک نہ معلوم ہوسکا کہ فائر کرنے والے کون تھے اور ان کا مقصد کیا تھا۔"

"انکل گومز والے حادثے سے پہلے کی بات ہے یا بعد کی۔" حمید نے پوچھا۔

"بس ایک رات پہلے کی بات ہے۔" راجن نے جواب دیا۔

"اوہ....!" حمید کچھ سوچنے لگا۔ پھر بولا۔ "تو کیا وہ فائرنگ ان اطراف کیلئے نئی بات بھی تھی۔"

"قطعی ڈاکٹر.... غیر متوقع اس سے پہلے شاید شکاریوں کی بندوقوں کی آوازیں بھی وہاں نہیں سنی گئیں۔ کیونکہ جنگل گھنے اور دشوار گذار ہیں۔ کوئی اُدھر جاتا ہی نہیں۔"

"جن لوگوں سے آپ کا مقابلہ ہوا تھا۔ وہ بھی جنگل ہی کی طرف بھاگے تھے۔"

"جی ہاں! اُن کا مقصد تو صرف یہ تھا کہ وہ فائرنگ کرکے مجھے اس وقت تک روکے رکھیں جب تک کہ ٹیلی فون کے تار نہ کٹ جائیں۔"

"یہی بات رہی ہوگی.... خیر تو پھر وہ جنگل ہی کی طرف فرار ہوئے ہوں گے۔"

"جی ہاں....!"

"آپ نے تعاقب نہیں کیا تھا۔"

"اگر میرے ساتھ اور آدمی بھی ہوتے تو یقینی طور پر تعاقب کرتا۔ دوسرے دن جنگل میں

گھسنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن ہم لوگ راہ بھٹک گئے۔ بڑی مشکل سے واپسی ہوئی۔ جنگل کیا بھول بھلیاں ہے....!"

"کیا کبھی شکار کی غرض سے بھی لوگ وہاں نہیں جاتے۔"

"میں نے تو کبھی نہیں سنا کہ کوئی گیا ہو۔"

اچانک کار ایک جھٹکے کے ساتھ رک گئی۔ اگر نہ رکی ہوتی تو اُس کا اُس بڑے پتھر سے ٹکرا جانا یقینی تھا، جو بیچ میں سڑک پر راستہ روکے پڑا تھا۔

حمید نے بڑی پھرتی سے کار کا دروازہ کھولا اور نیچے اُتر کر کسی تیز رفتار سانپ کی طرح نشیب میں رینگتا چلا گیا۔

اوپر تین نقاب پوشوں نے پولیس کار گھیر لی۔ اُن کے ہاتھوں میں ریوالور تھے جن کی نالیں راجن کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

"وہ کہاں ہے۔" ایک نے گرج کر راجن سے پوچھا۔

"پتہ نہیں.... ابھی تو یہیں تھا۔" راجن نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"گاڑی دیکھو۔" اس نے راجن کے سینے پر ریوالور رکھ کر دوسروں سے کہا۔

وہ کار میں پچھلی نشست پر دونوں ہاتھوں سے ٹٹولنے لگا۔

"یہ دیکھو۔" راجن بولا۔ "بائیں جانب کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ وہ بریک لگتے ہی اُتر گیا تھا.... مگر تم کون ہو.... اور اس حرکت کو کیسے برداشت کرلیا جائے۔"

"جب تک تمہارے سینے پر ریوالور ہے تمہیں برداشت کرنا ہی پڑے گا۔" نقاب پوش نے کہا۔ "ویسے ہم تمہیں کوئی نقصان پہنچانا نہیں چاہتے! اُس آدمی کو ہمارے حوالے کردو۔"

"تلاش کرلو۔ میں نے اُسے جیب میں تو نہیں رکھ لیا۔"

"انسپکٹر صاحب کی جیب سے ریوالور نکال لو۔" اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا اور دوسرے ہی لمحے میں راجن بالکل نہتا رہ گیا۔

"تم اچھا نہیں کررہے۔" راجن غرایا۔

"مجھے افسوس ہے مسٹر راجن۔ تم بہت نیک آدمی ہو۔ لیکن ہم لونی ہاٹ میں کسی اجنبی کا وجود نہیں برداشت کرسکتے۔"

"تم لوگ کیا چاہتے ہو۔ غالباً گومز کا اغواء....!"

"کیا یہ ضروری ہے کہ اس موقعہ پر اس کا بھی تذکرہ کیا جائے۔" نقاب پوش نے کہا اور اپنے آدمیوں سے بولا۔

"نیچے جا کر تلاش کرو۔"

وہ دونوں بائیں جانب والی ڈھلوان میں اتر گئے۔

"میرا ریوالور چھین کر تم نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔" راجن نے کہا۔

"اُسے ہم واپس کر دیں گے مسٹر راجن۔"

"آخر تم لوگ یہاں کی پُر امن فضا کیوں مکدر کر رہے ہو۔"

"وقتی ہنگامے ہیں مسٹر راجن۔ پھر سکون ہو جائے گا۔"

"آخر اس کا مقصد کیا ہے۔"

"کیا تم دوستانہ فضا میں بات کرنا چاہتے ہو۔"

"دوستانہ....!" راجن نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں.... کیوں؟ کیا ہوا.... تمہیں اس پر حیرت کیوں ہے۔ تم سے پہلے والا انچارج تم سے زیادہ عقلمند تھا۔ اس لئے ایک بہت بڑی جائیداد کا مالک بن گیا۔"

"اوہ.... مجھے ایسی جائیداد سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"چھوٹی طبیعت کے لوگ معمولی ہی قسم کی رشوتوں پر قناعت کر لیتے ہیں۔" نقاب پوش نے کہا۔

"میں ہر قسم کی رشوت پر لعنت بھیجتا ہوں۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ میرا عملہ بھی بالکل نیا ہے۔ میں نے پرانے آدمیوں میں سے ایک کو بھی یہاں نہیں ٹکنے دیا۔ رپورٹیں درج کرانے کے نذرانے تک میں نے بند کرا دیئے ہیں۔"

"اور جب تم مرو گے تو کریا کرم کے لئے بھی سرمایہ نہ ہوگا تمہارے گھر میں۔"

"بڑی شاندار موت ہوگی دوست.... دوسروں کے لئے بہترین مثال۔"

اچانک بائیں جانب والے نشیب سے فائروں کی آوازیں آنے لگیں۔

"یہ کیا لغویت شروع ہو گئی۔" نقاب پوش بڑبڑایا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ اجنبی آسانی سے قابو میں نہیں آئے گا۔" راجن نے ہنس کر کہا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ نقاب پوش بھی بائیں طرف کی ڈھلان میں اتر گیا۔ راجن نے ایک طویل سانس لی۔

اور اب وہ کار کو بیک کر رہا تھا۔ یہاں اس جگہ موڑنا خطرے سے خالی نہیں تھا کیونکہ سڑک کی دونوں جانب ڈھلانیں تھیں۔ جب وہ قد آدم اونچی چٹانوں کے درمیان پہنچ گیا تو پھر کار اسٹیشن کی جانب موڑ دی دراصل اسٹیشن سے کم از کم دو مسلح کانسٹیبل اپنے ساتھ لانا چاہتا تھا۔

جب سے اسٹیشن پر فائرنگ ہوئی تھی ہر وقت چار مسلح کانسٹیبلوں کی ڈیوٹی وہاں رہتی تھی۔

وہ جلد ہی اسٹیشن پہنچ گیا کیونکہ واپسی میں ڈھلان ہی ڈھلان تھی۔ اور پھر وہ کار کو خاصی تیز رفتار سے بھی لایا تھا۔

دو مسلح کانسٹیبلوں کو ساتھ لے کر وہ پھر اسی جگہ واپس آیا۔ مگر اب وہاں سناٹا تھا۔ نزدیک و دور سے جھینگروں کی جھائیں جھائیں کے علاوہ اور کوئی آواز نہیں آ رہی تھی البتہ کبھی کبھی گیدڑ چیخ اٹھتے تھے۔ بائیں جانب کی ڈھلان میں دور دور تک ٹارچ کی روشنی رینگتی رہی.... مگر لاحاصل نہ کہیں ڈاکٹر زیو کا پتہ تھا اور نہ نقاب پوش ہی نظر آئے۔ پھر تینوں نے بڑی مشکل سے وہ پتھر ہٹایا جو راہ میں حائل تھا۔

بیہوش لڑکی

حمید ڈھلان میں اُترتا چلا گیا تھا۔

اور پھر ایک جگہ رک کر دوبارہ اوپر کی طرف پلٹا تھا۔ لیکن بہت احتیاط سے! بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ زمین ہی پر رینگنے والا کوئی جانور ہو۔

لیکن ابھی آدھا ہی راستہ طے کیا تھا کہ دو سائے نیچے کی طرف جھپٹتے ہوئے دکھائی دیئے۔ حمید جہاں تھا وہیں رک گیا۔ لیکن وہ کم از کم اتنی اونچائی پر تو پہنچ ہی گیا تھا کہ راجن کی آواز اُسے صاف سنائی دے رہی تھی۔

اُسے اس کا علم نہیں تھا کہ اوپر کتنے آدمی ہیں۔

"ارے.... وہ رہا....؟" اس نے کسی کو کہتے سنا اور ساتھ ہی ایک فائر بھی ہوا۔ گولی اُ
کے قریب ایک پتھر سے ٹکرائی اور وہ پھر بڑی تیزی سے نشیب میں اترنے لگا۔

پھر فائر ہوا.... لیکن اب اُسے اطمینان تھا کہ آسانی سے نہ مارا جا سکے گا کیونکہ اب اُسے بھی
ایک بڑے پتھر کی آڑ مل گئی تھی۔ اُس نے بھی اسی سمت فائر کیا جدھر سے فائر ہوا تھا پھر
باقاعدہ طور پر ٹھن گئی۔ اندھیرے میں گولیاں برباد ہوتی رہیں۔

ویسے حمید فائر کرتا ہوا آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ رہا تھا.... مگر وہ جاتا کہاں۔ یہ علاقہ اُس کے
لئے بالکل نیا تھا اور اب اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اُس نے سوچا کہ خود اُسے تو فائر کرنا ہی نہ
چاہئے تھا۔ چپ چاپ کسی طرف نکل جانے کی کوشش کرتا۔ ویسے اگر یہ علاقہ جانا بوجھا ہوتا تو
خیر کوئی بات نہ تھی۔ اب وہ کوشش کرنے لگا کہ کسی طرح اسٹیشن ہی کی راہ پر لگ جائے۔

وہ پیچھے کھسکتا رہا۔ اُس کا خیال تھا کہ اُس سمت چل کر وہ اسٹیشن ہی پر پہنچے گا۔

فائر اب نہیں ہو رہے تھے۔ حمید نے سڑک پر پہنچنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اندازے سے
نیچے ہی نیچے چلتا رہا۔

وہ راجن کے متعلق سوچ رہا تھا کہ نہ جانے اس پر کیا گذری ہو....! اس کا خیال تھا کہ وہ
اسٹیشن پہنچ کر اُن چاروں مسلح کانسٹیبلوں کو اُس جگہ لائے گا جہاں کار روکی گئی تھی۔

لیکن بیچارا اسے کیا کرتا کہ متواتر ایک گھنٹہ چلتے رہنے کے باوجود بھی اسٹیشن پر نہ پہنچ سکا۔
اب اسے تشویش ہوئی اور اوپر چڑھنے لگا لیکن اوپر پہنچا تو سڑک ہی ندارد پائی۔ پتہ نہیں وہ کہاں
نکل آیا تھا۔ جسے وہ سڑک سمجھا تھا وہ تو مسطح چٹانوں کا ایک سلسلہ تھا، جو دور تک پھیلا ہوا تھا۔

پتلون کی جیب میں اتفاق سے وہ چھوٹی سی ٹارچ پڑی ہوئی تھی جسے اکثر خانہ تلاشیوں کے
موقع پر استعمال کیا جاتا تھا۔ مگر اس کی روشنی ایک ننھے سے دائرے ہی تک محدود رہتی تھی۔ حمید
جہاں تھا وہیں بیٹھ گیا۔

اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے۔ یہ بھی اپنی قسم کی واحد ٹریجڈی تھی۔ سفر کی
تکان بھی نہیں دور ہونے پائی تھی کہ نئی افتاد۔

آنتیں بھوک کے مارے اینٹھنے لگی تھیں۔ لیکن اُس وقت وہ ڈھائی ہزار کے نوٹ بھی اُس کا
پیٹ نہیں بھر سکتے تھے جنہیں اُس نے بڑی احتیاط سے جیکٹ کی اندرونی جیب میں رکھ چھوڑا تھا۔

کچھ دیر ستانے کے بعد وہ پھر نشیب میں اترنے لگا۔

بھوک کے مارے اب چلنے کی بھی سکت نہیں رہ گئی تھی، اس لئے اب وہ کوئی ایسی جگہ تلاش
کرنے لگا جہاں چپ چاپ پڑے۔

وہ سوچ رہا تھا کہ کیا لونی ہاٹ میں اُتر کر اُس نے غلطی کی تھی۔ مگر پیٹ خالی ہونے کی وجہ
سے اُس سوال کا کوئی معقول جواب اُس کی سمجھ میں نہ آسکا اور اس نے اس کے متعلق سوچنا ہی
چھوڑ دیا۔ جلد ہی اسے ایک ایسی جگہ مل گئی جہاں وہ رات بسر کر سکتا تھا۔

یہ ایک چھوٹے دہانے کا غار تھا مگر اس کا اندرونی حصہ کافی کشادہ تھا۔ اُس میں اترتے ہی اُس
نے محسوس کیا جیسے کسی ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں داخل ہو گیا ہو۔

تھوڑی ہی دیر بعد اُس کے یخ بستہ کان گرما گئے اور وہ لیٹ گیا۔ تھکن ایسی ہی تھی کہ نیند اور
بیہوشی میں فرق کرنا مشکل تھا۔ بہر حال وہ گھوڑے بیچ کر سویا۔

آنکھ کھلی تو غار میں بھی روشنی پھیل چکی تھی۔ وہ کچھ دیر تک وہیں بیٹھا رہا پھر باہر نکلا چٹانوں
پر دھوپ بکھری ہوئی تھی۔ مگر وہ چکرا کر رہ گیا۔ اُس کی سمجھ میں نہ آسکا کہ رات کس سمت سے
کدھر نکل آیا تھا۔ یعنی جدھر سے یہاں تک آیا تھا اُسی سمت کا اندازہ کرنا اس وقت دشوار ہی معلوم
ہو رہا تھا۔

وہ تھوڑی دیر اُس جگہ کھڑا فیصلہ کرنے کی کوشش کرتا رہا کہ کس سمت چل کر وہ اسٹیشن تک
پہنچ سکے گا۔ لیکن فیصلے کی بجائے اس کے ذہن میں ایک گندی سی گالی گونجی جسے اس نے اپنی ہی
ذات سے منسوب کرنا زیادہ مناسب سمجھا اور پھر ایک طرف چل پڑا.... چلتا ہی رہا لیکن ویرانے
کا سلسلہ کسی طرح ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔

آخر کچھ دیر بعد اُسے سامنے والی چڑھائی کے اختتام پر دھواں سا اٹھتا ہوا معلوم ہوا اور اُس
کی رفتار تیز ہو گئی۔

پھر یہ چڑھائی سفر آخرت کا نمونہ بن گئی۔ شاید جانکنی بھی حمید کے لئے اتنی تکلیف دہ نہ
ثابت ہوتی جتنی وہ چڑھائی بن گئی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ نشیب میں چھلانگ لگا کر اس سفر ہی
کا خاتمہ کر دے۔ لیکن یہ ضروری تو نہیں کہ ہر معاملے میں دل کی صدا پر لبیک کہی جائے۔

خدا خدا کر کے وہ اوپر پہنچا اور پھر اس کی باچھیں سچ مچ کھل گئیں۔ کیونکہ سامنے ہی بستی نظر

آرہی تھی۔ شدید ترین تھکن کے باوجود بھی اس کی رفتار تیز ہو گئی۔ اب وہ بالکل اسی انداز میں چل رہا تھا کہ خود اس کا ہی ذہن "ہٹو بچو" کی صدائیں دینے لگا۔

سب سے پہلے آدمی پر نظر پڑتے ہی اُس نے کہا۔ "بھائی ذرا تھانے کا راستہ تو بتانا۔"

"تھانہ....!" اُس آدمی نے اُسے نیچے سے اوپر تک گھورتے ہوئے کہا "تھانہ تو لونی ہاٹ پر ہے جناب۔"

"ارے تو پھر یہ کون سی بستی ہے۔"

"پپلٹی.... آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں۔"

حمید نے ایک طویل سانس لی اور بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "کوئی ہوٹل بھی ہے یہاں۔"

"جی ہاں.... سیدھے چلے جائیے۔ آگے بائیں جانب ایک زرد رنگ کی عمارت ہے۔"

وہ آدمی اپنی راہ پر ہو لیا اور حمید سوچنے لگا کہ اس ٹریجڈی کو کیا کہیں گے اور پھر وہ راجن کے متعلق تورات ہی سے الجھن میں پڑا ہوا تھا۔ گو اُس نے اس کی گفتگو کا کچھ حصہ سنا تھا۔ لیکن اُس کی بناء پر وہ اس کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ نہیں کر سکتا تھا۔

راہ گیر کی بتائی ہوئی راہ پر کچھ دور چلنے کے بعد حمید زرد رنگ کی عمارت کے سامنے پہنچ گیا۔ ایک چھوٹا سا صاف ستھرا ہوٹل تھا۔

اُس نے پیٹ بھر کر ناشتہ کیا.... اور پھر کچھ دیر بعد اُس میں کرسی سے اٹھنے کی بھی سکت نہ رہ گئی اور اُس نے تمباکو پینے کا ارادہ فی الحال قطعی ترک کر دیا۔ اُس نے سوچا کہ اگر پائپ کے دو چار گہرے کش لگ گئے تو چانڈو کا مزہ آجائے گا۔

اُس نے کرسی کی پشت سے ٹک کر آنکھیں بند کر لیں۔ فی الحال اُس کے ذہن میں کوئی اسکیم نہیں تھی.... وہ راجن کے بارے میں سوچنے لگا کہ اُسے اپنے متعلق اطلاع دے یا نہ دے۔

دفعتاً اُسے پروفیسر منہاج یاد آگیا جس کے متعلق اُس نے اتنی معلومات تو فراہم ہی کر لی تھیں جنہیں کسی نہ کسی طرح کام میں لایا جا سکتا تھا.... اس نے سوچا کہ کیوں نہ کچھ تھوڑا وقت تفریح ہی میں گذارا جائے۔ ہوٹل سے نکل کر وہ ایک ہیئر کٹنگ سیلون میں آیا اور یہاں کسی حد تک آدمی بننے کے بعد پروفیسر منہاج کے بنگلے کے لئے روانہ ہو گیا۔ پتہ اُس نے سیلون ہی میں معلوم کر لیا تھا اور اسکے اندازے کے مطابق بنگلہ یہاں سے دور بھی نہیں تھا۔ وہ جلد ہی وہاں

پہنچ گیا۔ عمارت تو چھوٹی ہی سی تھی، مگر اس کی تعمیر میں بڑی نفاست اور عرق ریزی سے کام لیا گیا تھا۔ وہ ایک خوبصورت سے باغ کے وسط میں واقع تھی لیکن باغ کے گرد چہار دیواری نہیں تھی۔

وہ باغ میں گھستا چلا گیا۔ تھوڑی ہی دور چلنے پر اُسے وہ لڑکی نظر آئی جسے پچھلی رات پپلٹی کے اسٹیشن پر دیکھا تھا۔ وہ خوبانی کے درخت کے نیچے ایک مسطح پتھر پر بیٹھی نٹنگ کر رہی تھی۔

اس نے حمید پر ایک اچٹتی نظر ڈالی اور پھر سر جھکا کر اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔ وہ نیلے غرارے اور فاختئی رنگ کے لمبے کوٹ میں تھی۔

حمید ایک لمحے کے لئے رکا اور پھر اُس کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اُسے اپنی جانب آتے دیکھ کر وہ کھڑی ہو گئی۔

"کیا پروفیسر منہاج یہیں رہتے ہیں۔"

"جی ہاں....!"

"جی....!" حمید کان پر ہاتھ رکھ کر اس کی طرف جھکا اور لڑکی پیچھے ہٹ گئی وہ غصیلے انداز میں اُسے گھور رہی تھی۔

"آپ ڈیڈی کا مضحکہ اڑا رہے ہیں۔" اس نے گرم ہو کر کہا۔

"ڈیڈی فاختہ اڑا رہے ہیں....!" حمید نے متحیرانہ لہجے میں سوال کیا؟

"آپ بدتمیز ہیں۔" لڑکی کی آواز بلند ہو گئی۔

"میرا نام حفیظ نہیں.... زیٹو گومز ہے.... ڈاکٹر زیٹو گومز....!"

"چلے جائیے یہاں سے.... میں سب سمجھتی ہوں۔ آپ تارالنگی کالج کے اسٹوڈنٹ ہیں۔ ذرا تمیز نہیں۔ خود ہی تقریر کرنے کے لئے ڈیڈی کو بلوایا اور پھر اُن کا مضحکہ بھی اڑایا.... جائیے.... یہ پپلٹی ہے۔ یہاں ایک ایک کی کھال کھنچوالوں گی ذلیل کہیں کے.... کتے.... ٹائیگر.... ٹائیگر....!"

اُس نے غالباً کسی کتے کو آواز دی اور حمید کی روح فنا ہو کر رہ گئی۔ پتہ نہیں یہ ٹائیگر کس قماش کا کتا ہو.... نام اور پتہ پوچھے بغیر ہی چڑھ بیٹھا تو کیا ہو گا۔

لیکن اُس نے اپنی حالت میں کوئی جذباتی تغیر نہیں ہونے دیا۔ بلکہ متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکاتا رہا۔

دفعتاً ایک بہت بڑا گرے ہاؤنڈ برآمدے سے نکل کر اُس کی طرف بڑھا۔ لیکن اس کی رفتار چہل قدمی کی سی تھی۔ وہ بہت بوڑھا تھا اور انداز سے کاہل بھی معلوم ہوتا تھا۔

وہ حمید سے پانچ یا چھ قدم کے فاصلے پر رک گیا اور پہلے اُسے صرف ایک آنکھ سے دیکھتا رہا پھر دونوں آنکھیں بند کرلیں۔ حمید نے سمجھ لیا کہ وہ قطعی بے ضرر ہے۔ ہوسکتا ہے رات کو ایک آدھ گو نجیلی قسم کی آواز نکال کر کسی اجنبی راہ گیر کو دہلا دیتا ہو.... اور بس۔

"اور اب میں کیا اتنا گدھا ہوں کہ آدمی اور کتے میں فرق نہ کرسکوں۔ میں پروفیسر منہاس کے متعلق پوچھ رہا تھا۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"اوہ.... جاؤ.... ورنہ میں تم پر پتھراؤ کروں گی۔" وہ دانت پیس کر چیخی۔

اور ٹھیک اسی وقت وہ بوڑھا بھی برآمدے میں نظر آیا جس سے پچھلے دن ٹرین میں حمید کی جھڑپیں ہوچکی تھیں۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ان کی طرف آیا۔

"آہا.... آپ ہیں جناب۔" اُس نے مضحکہ اڑانے کے سے انداز میں کہا۔

"آپ....!" حمید بھی حیرت سے منہ پھاڑے کھڑا رہ گیا۔ پھر ہنس کر بولا۔ "یہ صاحبزادہ خواہ مخواہ مجھ پر خفا ہو رہی تھیں۔"

"یہ آپ کا مضحکہ اڑا رہے تھے....!" لڑکی نے چیخ کر کہا۔

"کیا مضحکہ اڑا رہے تھے....!" بوڑھے نے حیرت سے پوچھا۔

"آپ کی نقل کر رہے تھے.... اونہہ سننے کی۔"

"ارے.... واہ.... ہاہاہا....!" بوڑھا دل کھول کر ہنسا پھر بولا۔ "نقل نہیں کر رہے بلکہ یہ بھی میری ہی طرح اونچا سنتے ہیں۔ میں نے تمہیں وہ دلچسپ واقعہ بتایا تھا نا... ٹرین میں تھے اور ہم دونوں کافی دیر تک یہی سمجھتے رہے تھے کہ ایک دوسرے کو بے وقوف بنا رہے ہیں۔"

لڑکی کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا تھا اور اب اُس کے چہرے پر شرمندگی کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

"کہئے کیسے تکلیف فرمائی جناب۔" بوڑھے نے حمید سے پوچھا۔

"عجیب اتفاق ہے.... یعنی آپ ہی سے ملنے کے لئے میں نے دارالحکومت سے یہاں تک سفر کیا تھا۔ نصیر آباد سے آپ کا ساتھ ہوا۔ پپلٹی تک ساتھ رہے لیکن اجنبیوں کی طرح مجھے

گمان تھا کہ آپ لونی ہاٹ میں رہتے ہیں! وہاں اترا تو معلوم ہوا کہ رہائش پپلٹی میں ہے.... رات بھر ایک ہوٹل میں مچھروں سے نبرد آزمائی کرتا رہا.... ان مچھروں کے پاس شاید آلہ سماعت بھی ہوتا ہے کہ بہرے بھی اُن کے ہوشربا نغموں سے محروم نہ رہ سکیں۔ پہلے کان میں آلہ لگا دیا پھر گانے لگے.... پروفیسر یہ بات آج تک سمجھ میں نہ آسکی کہ اونچی سے اونچی آواز بعض اوقات کانوں میں نہیں پہنچتی لیکن مچھروں کے نغمے بہ آسانی سن لیتے ہیں۔"

حمید کھانسنے لگا وہ بہت اونچی آواز میں بول رہا تھا۔

"ہاں ہوتا ہے۔" بوڑھے نے سر ہلا کر کہا۔ "مگر آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے۔ چلئے اندر بیٹھئے۔"

وہ اُسے ایک کمرے میں لایا جو بہت سلیقے سے سجایا گیا تھا۔

"تشریف رکھئے جناب۔" اُس نے کہا اور حمید ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اُن کے پیچھے پیچھے لڑکی بھی آئی تھی۔

"فرمایئے! مجھ سے آپ کو کیا کام تھا۔" بوڑھے نے پوچھا۔

"زکام تھا نہیں بلکہ اب بھی ہے۔" حمید نے ناک سے شوں شوں کرتے ہوئے کہا۔ "مگر میں زکام کیلئے نہیں آیا کیونکہ زکامی جڑی بوٹیاں تو عام طور پر عطاروں کے یہاں مل جاتی ہیں۔"

"اَہے.... زکام نہیں۔" وہ جھلا کر بولا۔ "میں نے پوچھا تھا کہ مجھ سے کیا کام ہے۔"

"اچھا....!" حمید سر ہلا کر بولا۔ "ٹھہریئے بتاتا ہوں۔ مجھے ان صاحب کا نام یاد نہیں جنہوں نے آپ کے متعلق بتایا تھا۔"

"میرے متعلق کیا بتایا تھا۔"

"یہی کہ آپ جڑی بوٹیوں کے ماہر ہیں۔"

"ہاں! عام طور پر لوگوں کا یہی خیال ہے۔" بوڑھے نے لاپروائی سے کہا۔ "مگر اس سے آپ کو کیا غرض۔"

"غرض نہ ہوتی تو میں دھکے کیوں کھاتا پھرتا۔" حمید نے بُرا مان جانے کی ایکٹنگ کی.... پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

"مجھے سونی بوٹی کی تلاش ہے شاید اُسے برہمی بوٹی بھی کہتے ہیں، پورے پودے میں صرف تین پتیاں ہوتی ہیں.... یہی اُس کی سب سے بڑی پہچان ہے، مجھے یہی بتایا گیا ہے۔"

"پھر میں اس سلسلے میں کیا کر سکوں گا۔"

"مجھے بتایا گیا ہے کہ وہ بوٹی انہیں اطراف میں ملتی ہے۔"

"کس لئے آپ کو اس کی تلاش ہے۔" بوڑھے نے پوچھا۔

"وہ بہرے پن کا تیر بہدف علاج ہے۔ اُس بوٹی کا عرق صرف ایک بار کانوں میں ڈالنے سے بہرہ پن رفع ہو جاتا ہے۔"

"جڑی بوٹیوں ہی کے چکر میں میری عمر گذری ہے۔ لیکن سونی بوٹی یا برہمی بوٹی کا یہ مصرف مجھے پہلی ہی بار معلوم ہوا ہے۔"

"اب خدا جانے بتانے والے نے صحیح بتایا تھا یا غلط۔" حمید بیزاری سے بولا۔

"مگر یہ بہرہ پن ایسا ہے کہ میں اس کے لئے اندھے کنوئیں میں بھی چھلانگ لگا سکتا ہوں۔ زندگی برباد ہو کر رہ گئی ہے۔"

"خیر.... یہ تو میں کہہ نہیں سکتا کہ سونی بوٹی کا وجود ہی نہیں ہے لیکن عام طور پر مشہور ہے کہ اُس سے سونا بنایا جاتا ہے۔"

"اگر اُس سے سونا بنایا جاتا ہے اور وہ بہرہ پن نہیں دور کر سکتی تو اُس پر ہزار لعنت! میں اس کا خیال چھوڑ کر دوسرا کام دیکھوں گا۔"

"کیسا دوسرا کام....!"

"میرا نام زیتو گومز ہے۔"

"ابے نام نہیں کام....!"

"والدین نے یہی نام رکھا تھا۔ میں کیا کروں۔ اچھا ہو چاہے بُرا۔ جرمن دوست تو زیتے کہتے ہیں۔ فرانسیسی احباب بڑے پیار سے زیتاک پکارتے ہیں۔ سعودی عرب اور مصر میں لوگ مجھے زتیخ کہتے تھے۔ کہاں تک گنواؤں.... مگر مجھے بھی اپنا نام قطعی پسند نہیں ہے۔"

"آپ ڈاکٹر ہیں۔"

"جی ہاں.... میں نے برلن یونیورسٹی سے حشرات الارض میں ریسرچ کی تھی۔"

"کیا فائدہ ہوا تھا۔" بوڑھا بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"فائدہ.... بہت بڑا فائدہ جناب۔ اگر کبھی فاقے کی نوبت آجائے تو میں کیچوے کھا کر بھی

پیٹ بھر سکتا ہوں۔ عام آدمی ایسا نہیں کر سکتے۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ کیچوے زہریلے نہیں ہوتے بلکہ ایک صحت مند غذا ثابت ہو سکتے ہیں۔"

لڑکی نے اتنا بُرا سا منہ بنایا جیسے اوبکائی آنے والی ہو اور پھر وہ اٹھ کر چلی ہی گئی۔

"میں کہتا ہوں آخر.... اتنے فضول موضوعات پر لوگ اپنا وقت کیوں برباد کرتے ہیں۔"

"جڑی بوٹیوں پر جھک مارنا کہاں کی دانائی ہے۔" حمید کی آواز غصیلی تھی۔

"دانائی نہ ہوتی تو آپ سونی بوٹی کی تلاش میں کیوں تشریف....!"

"ارے ہو گئی کبھی کبھار حماقت بھی.... اب یہ کیا ضروری ہے کہ دن رات جڑی بوٹیوں ہی کا چکر رہے۔ تجربہ گاہ قائم کر ڈالی جائے۔"

"بس تو پھر آپ ناحق آئے میرے پاس۔"

"بہتر ہے میں جا رہا ہوں۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

لیکن ٹھیک اسی وقت عمارت کے کسی حصے میں ایک نسوانی چیخ اُبھری۔ حمید کو اگر یک بیک اپنے بہرے پن کا خیال نہ آگیا ہوتا تو وہ اچھل ہی پڑا تھا لیکن اُس نے بڑی خوبصورتی سے خود پر قابو پالیا۔ چیخیں برابر گونجتی رہیں۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی عورت پر ہسٹریا کا دورہ پڑ گیا ہو۔

یک بیک بوڑھا چونک پڑا اور اُس کے چہرے پر ایسے آثار نظر آئے جیسے کچھ سننے کی کوشش کر رہا ہو۔

"ارے یہ کون چیخ رہا ہے.... کیوں جناب۔" حمید کہتا ہوا اُس کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔

وہ ایک کمرے میں داخل ہوئے۔ آوازیں بند دروازے کی دوسری طرف سے آرہی تھیں۔

"لڑکی خاموش رہو... خاموش رہو... ورنہ گولی مار دوں گا۔" کسی مرد کی غراہٹ سنائی دی۔

"زیبا.... زیبا.... کون ہے کیا بات ہے.... دروازہ کھولو۔" بوڑھا دروازہ پیٹ پیٹ کر چیخنے لگا اور پھر اندر سے کچھ اس قسم کی آوازیں آئیں جیسے کوئی گرا ہو.... لڑکی کی چیخ پھر بلند ہوئی.... اور اس کے بعد سناٹا طاری ہو گیا۔

بوڑھا بدستور دروازہ پیٹ پیٹ کر چیخ رہا تھا۔ "زیبا زیبا! دروازہ کھولو.... تمہیں کیا ہوا ہے.... کیوں چیخ رہی ہو۔"

لیکن نہ تو کوئی جواب ملا اور نہ دروازہ ہی کھلا۔ اب کسی قسم کی بھی آواز نہیں سنائی دے رہی

تھی۔ بوڑھا ہاتھ روک کر اپنی پیشانی رگڑنے لگا تھا۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور وہی لڑکی بوڑھے پر آپڑی جس نے کچھ دیر پہلے حمید پر پتھراؤ کرنے کی دھمکی دی تھی۔ بوڑھے نے اُسے بازوؤں میں سنبھالنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ لڑکی فرش پر گری.... وہ بے حس و حرکت تھی۔

حمید کی گرفتاری

بوڑھا بہت زیادہ بدحواس نظر آنے لگا تھا.... وہ اُسے زمین سے اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ حمید نے اُس کا ہاتھ بٹایا اور وہ اُسے دوسرے کمرے میں لائے۔

لڑکی بیہوش تھی.... اُسے مسہری پر ڈال دیا گیا۔

"کیا قصہ ہے جناب....!" حمید نے پوچھا۔

"کیا بتاؤں.... پتہ نہیں یہ کیوں چیخ رہی تھی۔"

"اندر.... اور کون تھا....؟"

"کون ہوتا.... کوئی بھی نہیں تھا۔"

حمید نے سوچا شاید اُس نے کسی مرد کی آواز نہیں سنی۔ لیکن وہ خاموش ہی رہا۔ اُس کا اظہار نہیں کیا کہ اُس نے کسی مرد کی آواز بھی سنی تھی۔ کیونکہ ایسا کرنے سے بہرے پن کا سوانگ ختم ہو جاتا۔

"یہ تو بیہوش ہو گئی ہیں۔" اُس نے کہا۔

"میں کیا کروں.... کس طرح ہوش میں لاؤں۔"

"ڈاکٹر....!"

"ڈاکٹر.... یہاں تین ڈاکٹر ہیں.... لیکن سب یہاں سے کافی دور ہیں۔ میری گاڑی کئی دنوں سے خراب پڑی ہے۔"

"فون....!"

"فون صرف اسٹیشن کے لئے ہے۔ یہاں قصبے میں کسی کے پاس نہیں ہے۔"

"تب پھر.... انہیں یونہی پڑی رہنے دیجئے۔ اگر یہ کسی قسم کا دورہ تھا تو خود ہی ہوش میں آئیں گی۔"

"اس قسم کے دورے کبھی نہیں پڑے۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ وہ اُس آدمی کے متعلق سوچ رہا تھا جس کی آواز بند کمرے میں آئی تھی۔ وہ لڑکی کو گولی مار دینے کی دھمکی دے رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد لڑکی کے پپوٹوں میں حرکت ہوئی اور بوڑھا اُسے آوازیں دینے لگا۔ لڑکی نے آنکھیں کھول دیں، تھوڑی دیر تک بے حس و حرکت پڑی رہی پھر اچھل کر بیٹھ گئی۔

"ڈیڈی۔" اُس کے حلق سے پھر ایک چیخ نکلی اور وہ بوڑھے سے لپٹ گئی۔

"زیبا زیبا.... کیا ہو گیا ہے تمہیں.... بیٹی۔"

"بچاؤ.... ڈیڈی.... بچاؤ.... ورنہ وہ مجھے گولی مار دے گا۔" وہ کسی ننھی سی خوفزدہ بچی کی طرح کانپ رہی تھی۔

"کون گولی مار دے گا۔" حمید نے پوچھا۔

"جاؤ.... تم جاؤ.... خدا کے لئے جاؤ یہاں سے.... جاؤ.... جاؤ.... جاؤ۔"

"کیوں بیٹی! کیوں....؟ کیا ہو گیا تمہیں۔ ایک معزز مہمان کی توہین کر رہی ہو۔ میں کتنا منع کرتا ہوں تم سے کہ ڈراؤنی کہانیاں مت پڑھا کرو۔ مگر تم نہیں مانتیں! کون گولی مارنے دے گا تمہیں۔"

لڑکی اُسے چھوڑ کر ہٹ گئی اور ہانپتی ہوئی بولی۔ "اس کے چہرے پر نقاب تھی اور ہاتھ میں پستول....!"

"ختم کرو۔" بوڑھا ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "یہ انہیں کہانیوں کا اثر ہے کہ تم دن میں بھی خواب دیکھنے لگی ہو۔"

"ان سے پوچھئے کہ یہ حضرت کون ہیں۔" لڑکی حمید کی طرف دیکھ کر دہاڑی۔

"زیبا خدا کیلئے پاگل پن کا مظاہرہ نہ کرو.... بڑی بدنامی ہو گی۔" بوڑھے نے کہا۔ پھر حمید سے بولا۔ "معاف کیجئے گا جناب! مجھے بے حد افسوس ہے شاید یہ اب بھی ہوش میں نہیں ہے۔"

"میں آپ سے متفق نہیں ہوں۔ یہ قطعی ہوش میں ہیں۔" حمید نے کہا۔

"کیا آپ کو اس کی باتیں بے ربط نہیں معلوم ہوتیں۔"

"قطعی نہیں۔"

"ڈیڈی.... خدا کے لئے.... انہیں یہاں سے روانہ کیجئے.... ورنہ.... ورنہ.... معلوم نہیں کیا ہو جائے گا۔"

"کیا ہو جائے گا...." حمید نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

"وہ پوچھ رہا تھا کہ تم کون ہو! یہاں کیوں آئے ہو! میں نے کہا میں نہیں جانتی۔ اس پر اس نے پستول نکال لیا۔ کہنے لگا کہ اگر میں نے نہ بتایا تو وہ مجھے گولی مار دے گا۔"

"جی....!" حمید کان پر ہاتھ رکھ کر جھکا۔

لڑکی نے پھر حلق پھاڑ پھاڑ کر اپنا جملہ دہرایا.... بوڑھے نے بھی شاید دوسری ہی بار پورا جملہ سنا تھا.... اس لئے وہ اب حمید کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔

"ڈیڈی میں جھوٹ نہیں کہہ رہی۔ پچھلی کھڑکی کھلی ہوئی تھی وہ اس سے اندر کود آیا تھا جب آپ دروازہ پیٹ رہے تھے اُدھر ہی سے فرار ہو گیا۔"

"زیبا.... خدا کے لئے سنجیدہ ہو جاؤ۔" بوڑھے نے کہا۔

"میں بالکل سنجیدہ ہوں ڈیڈی۔"

حمید نے بوڑھے کو اُس کمرے میں چلنے کا اشارہ کیا جہاں سے زیبا کو اٹھا کر لایا گیا تھا۔

کمرے میں آکر حمید چاروں طرف دیکھنے لگا۔ عقبی کھڑکی کھلی ہوئی تھی اس میں سلاخیں نہیں تھیں اور یہ زمین سے زیادہ سے زیادہ پانچ فٹ اونچی رہی ہو گی۔

وہ کھڑکی کے قریب آیا دوسری طرف کھڑکی کے نیچے پھولوں کی ایک بڑی سی کیاری تھی قدموں کے تین بہت گہرے نشانات نرم مٹی پر نظر آئے حمید نے اُن کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا مصیبت ہے!" بوڑھا بڑبڑایا۔ "کیا زیبا سچ کہہ رہی تھی۔"

باہر دور دور تک سناٹا تھا۔ حمید کو ایک متنفس بھی نہ دکھائی دیا۔ وہ بوڑھے کی طرف مڑا۔

"میرا خیال ہے کہ اب میری باری ہے۔" اُس نے بلند آواز میں کہا۔

"میں نہیں سمجھا۔" بوڑھے نے کہا۔ پھر یک بیک چونک کر بولا۔ "زیبا کو تنہا نہ چھوڑنا چاہئے چلئے....!" وہ پھر اسی کمرے میں آئے جہاں زیبا کو چھوڑ کر گئے تھے۔ وہ مسہری پر اوندھی پڑی ہوئی تھی۔ اُن کی آہٹ پر اٹھ بیٹھی۔

"وہ کیا پوچھ رہا تھا تم سے۔" بوڑھے نے کہا۔

"ان کے متعلق.... یہ کون ہیں۔ کہاں سے آئے ہیں۔ کیوں آئے ہیں! یہاں اس گھر میں ان کا کیا کام....!"

"کیوں جناب۔" بوڑھا حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "کیا آپ ان سوالات کے جواب دے سکیں گے۔"

"یہ تو میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"اگر آپ بہرے ہیں اور یہاں کسی بوٹی کی تلاش میں آئے ہیں.... تو کوئی میری بیٹی کو کیوں گولی مارنے لگا۔"

"میں نے اسی پر تو کہا تھا کہ اب شاید میری باری ہے۔"

"مگر اس جملے کا مطلب کیا تھا۔"

"ٹھہریئے بتاتا ہوں۔ بیٹھ جایئے یہ ایک لمبی داستان ہے۔"

بوڑھا بیٹھ گیا اُس کے چہرے سے شدید ترین اضطراب ظاہر ہو رہا تھا۔

"آپ کو تھرٹین اپ ٹرین کے گارڈ کے ڈبے کا واقعہ معلوم ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ہاں.... میں نے سنا تھا؟ کیوں؟"

"گارڈ.... لاپتہ ہو گیا تھا۔ آج تک اس کا سراغ نہیں مل سکا۔"

"ہاں شاید.... یہ بھی درست ہے.... پھر....؟"

"وہ میرا چچا تھا.... مسٹر گدمز....!"

"میرے خدا....!" بوڑھے کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"جن لوگوں نے انہیں اغواء کیا ہے یا مار ڈالا ہے اب وہ میرے پیچھے بھی پڑ گئے ہیں۔"

"تو کیا آپ یہیں کہیں قریب کے باشندے ہیں۔"

"نہیں میں دارالحکومت میں رہتا ہوں۔"

"پھر یہاں کیا کرنے آئے ہیں۔"

"کتنی بار بتاؤں۔" حمید جھلا گیا۔

بوڑھا اُسے خاموشی سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "کیا آپ اُن لوگوں کو جانتے ہیں جنہوں نے اغواء

کیا تھا۔"

"کاش میں اُن سے واقف ہوتا۔"

"اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کیلئے بھی خطرہ ہے تو آپ کیوں تشریف لائے ہیں یہاں۔"

"میں آسانی سے ہار ماننے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

"کیا فوج لے کر آئے ہیں۔"

"نہیں تنہا ہوں.... نہتا ہوں۔"

"تو یہ کیوں نہیں کہتے کہ خودکشی کا ارادہ ہے۔ یہ ایک ایسی واردات تھی کہ بڑے بڑوں کے چھکے چھوٹ گئے ہیں۔ آج تک ایسا کوئی واقعہ سننے میں نہیں آیا کہ ٹرین سے ڈبہ الگ کر لیا ہو.... میں نے سنا ہے کہ بوگیوں کو ملانے والی زنجیر ٹوٹی نہیں تھی بلکہ پگھل گئی تھی۔"

"جی ہاں.... اخبارات کی یہی اطلاع ہے۔"

"مسٹر گومز کا اغواء کیوں کیا گیا تھا....؟"

"پتہ نہیں! خدا بہتر جانتا ہے۔"

"صاحبزادے میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ چپ چاپ واپس جاؤ۔ آج کل یہاں انہونی باتیں ظہور پذیر ہو رہی ہیں۔ ابھی کچھ ہی دن پہلے کی بات ہے کہ لونی ہاٹ والے جنگل میں فائرنگ کی آوازیں سنی گئی تھیں۔ لوگوں کا بیان ہے بالکل ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے دو فوجیں آپس میں لڑ پڑی ہوں، اتنے زیادہ فائر ہوئے تھے اور میری آنکھیں بھی بہت کچھ دیکھتی رہی ہیں۔ لیکن میں اسے برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی میرے گھر میں گھس کر میری بیٹی کو دھمکائے۔ میں اسٹیشن سے لونی ہاٹ پولیس اسٹیشن کو فون کرتا ہوں۔"

"ضرور کیجئے.... آپ کو اس کی اطلاع پولیس کو ضرور دینی چاہئے۔"

"یقیناً جناب....!"

"اگر انسپکٹر راجن ہی سے گفتگو ہو تو ڈاکٹر زیٹو کا حوالہ دیجئے گا وہ دوڑا آئے گا.... ایک منٹ کی دیر کئے بغیر۔"

"کیا انسپکٹر راجن آپ کو جانتے ہیں۔"

"اچھی طرح....!"

"بڑی عجیب بات ہے۔"

"عجیب کیوں؟"

"ایک پولیس آفیسر سے آپ کے مراسم ہونے کے باوجود بھی لوگ اس طرح آپ کے متعلق پوچھ گچھ کرتے پھر رہے ہیں۔"

"پوچھ گچھ کی اصل وجہ یہی ہے کہ راجن کو اس کیس کی تفتیش کے سلسلے میں مدد دے رہا ہوں۔ میں اسی لئے یہاں آیا ہوں کہ اپنے چچا کو ڈھونڈ نکالوں۔ لگے ہاتھ اگر سونی بوٹی بھی مل جائے تو کیا کہنا۔"

"آپ بھی چلئے میرے ساتھ اسٹیشن تک....!" بوڑھے نے کہا۔

"میرے خیال سے صاحبزادی کو یہاں تنہا چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔"

"اوہ.... ٹھیک ہے۔ مگر آپ کی موجودگی تو اور زیادہ خطرناک ثابت ہوگی۔"

"جناب والا.... آپ ہیں کس خیال میں اگر میں اتنا ہی چوہا ہوتا تو وہ آدمی آپ کی صاحبزادی سے میرے متعلق کچھ پوچھنے کی بجائے میرے ہی گریبان پر ہاتھ ڈال دیتا۔"

"ہاں یہ چیز بھی قابل غور ہے۔"

"بس تشریف لے جایئے، میں آپ کی واپسی تک یہیں ٹھہروں گا۔"

"ڈیڈی! میں بھی ساتھ چلوں گی۔ میں کسی پر اعتماد نہیں کر سکتی۔"

"مجھ پر تو کرنا ہی پڑے گا آپ کو....!" حمید نے پوچھا۔

"کیوں....؟" لڑکی نے غصیلی آواز میں پوچھا۔

"کیونکہ میں قابل اعتماد آدمی ہوں! اگر قابل اعتماد نہ ہوتا تو مجرموں کی بجائے پولیس کو میرا شجرہ نسب جاننے کی خواہش ہوتی۔"

"یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں زیبا! پھر تم اتنی ڈرپوک تو نہیں تھیں۔"

"میں ڈرپوک نہیں ہوں۔" لڑکی نے غصیلی آواز میں کہا۔ "آپ جا سکتے ہیں۔"

بوڑھا لباس تبدیل کر کے چلا گیا۔ حمید وہیں اسی کمرے میں بیٹھا پائپ پیتا رہا۔ زیبا بھی وہیں موجود تھی۔ لیکن حمید کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہاں اس کی موجودگی کا احساس ہی نہ ہو گیا ہو۔ کچھ دیر بعد زیبا نے اُسے مخاطب کرنے کی کوشش کی۔

"آپ مجھے بہرے نہیں معلوم ہوتے۔" اُس نے آہستہ سے کہا تھا۔

لیکن حمید ٹس سے مس نہ ہوا.... بالکل بہروں ہی کی طرح بے تعلقانہ انداز میں پائپ پیتا رہا۔

"آپ کتنے دنوں سے بہرے ہیں؟" زیبا نے کچھ دیر بعد چیخ کر پوچھا۔

"پچھلی جنگ عظیم کے دوران میں نے ایک دن بھوک سے بے تاب ہو کر ایک خچر کے پٹھے کاٹے تھے اور انہیں بھون کر کھا گیا تھا۔ تب ہی سے بہرہ ہوں۔"

زیبا نے بُرا سا منہ بنایا اور پھر بولی۔ "پتہ نہیں آپ کتنے گندے آدمی ہیں۔ کبھی کیچوے کھاتے ہیں اور کبھی خچر کے کان۔"

"مچھر کے نہیں خچر کے۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"میں نے بھی خچر ہی کہا ہے.... اپنے کان کھلے رکھئے۔"

"اڑا لیجئے مضحکہ.... خدا نے چاہا تو آپ خچر کے کان کھائے بغیر ہی بہری ہو جائیں گی۔"

"خاموش رہئے.... مجھے فضول باتیں پسند نہیں ہیں۔"

"اگر فضول باتیں پسند نہیں ہیں تو اُس شیر کے بچے ٹائیگر کو آواز دیجئے گا۔"

"آپ اُس کا بھی مضحکہ نہیں اڑا سکتے۔"

"مجھے اتنا وقت ہی کہاں ملتا ہے کہ کسی کا مضحکہ اڑا سکوں۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"اچھا براہِ کرم کچھ دیر خاموش رہئے۔"

"لیجئے.... خاموش بھی ہو گیا۔"

لڑکی کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس کی طرف سے مطمئن نہیں ہے حمید بھی چپ چاپ بیٹھا ہی رہا۔

مگر پھر وہ بھی بولے بغیر رہ ہی نہ سکی۔

"کیوں جناب اگر اب دس پانچ مسلح آدمی آگھسیں تو کیا ہو گا۔"

"دس پانچ مرغ مسلم.... کیا مطلب....!" حمید کے لہجے میں تحیر تھا۔

"دس پانچ مسلح آدمی....!" لڑکی جھلا کر چیخی اور حمید یک بیک اچھل کر کھڑا ہو گیا اور ساتھ ہی اس کی جیب سے ریوالور بھی نکل آیا.... پھر اُس نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"کدھر ہیں! کہاں ہیں۔"

لڑکی نے اس کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر ایک طویل سانس لی۔

"بیٹھ جایئے!" اُس نے کہا۔ "اس طرح نہ بھڑکئے جناب! میں نے یہ کہا تھا کہ اگر دس پانچ مسلح آدمی آجائیں تو آپ اُن کا کیا بگاڑ لیں گے۔"

"لاحول ولا....!" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا اور پھر کرسی میں گر گیا۔

"یہ آپ کو ریوالور کہاں سے مل گیا۔" زیبا نے پوچھا۔

"میرے پاس لائسنس ہے۔"

"آپ میری سمجھ میں نہیں آرہے۔"

"بہرے بہت مشکل سے سمجھ میں آتے ہیں۔" حمید مسکرایا۔

"کیا مطلب....!" لڑکی اُسے گھورنے لگی۔

"مطلب اس وقت تک سمجھ میں نہیں آئے گا جب تک کہ آپ خود بھی بہرہ نہ ہو جائیں۔"

"میں نے آپ سے کہا تھا کہ کچھ دیر خاموش بیٹھئے۔"

"چلئے پھر خاموش ہو گیا۔ مگر نہیں! خاموشی سے آخر آپ کو اتنا لگاؤ کیوں ہے۔"

"زیادہ بکواس کرنے والے احمق ہوتے ہیں۔"

"دیکھئے آپ کی ناک پر مکھی بیٹھی ہوئی ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"ناک کا مطلب بتاؤں یا مکھی کا....!"

"آپ عجیب آدمی ہیں۔" زیبا نے غصیلی آواز میں کہا۔

"عجیب ہونا بُری بات نہیں ہے۔"

کلاک نے بارہ بجائے اور لڑکی بڑبڑائی۔ "ابھی تک ڈیڈی واپس نہیں آئے ایک گھنٹہ ہو گیا۔"

"کہیں انہیں بھی کسی نے پکڑ کر میرا شجرہ نسب نہ پوچھنا شروع کر دیا ہو۔"

"مجھے خوفزدہ نہ کیجئے۔"

"آپ غلط سمجھی ہیں۔ میں نے صرف ایک خیال ظاہر کیا ہے۔"

پروفیسر ٹھیک اسی وقت واپس آگیا.... اور ایک کرسی میں گر کر تھکی تھکی سی آواز میں

بولا۔ "فون پر انسپکٹر راجن ہی تھا۔ میں نے آپ کا حوالہ دے دیا تھا۔ وہ فوراً آرہا ہے۔"

حمید نے صرف سر ہلا دیا.... زیبا بولی۔ "مگر ڈیڈی آخر اُس آدمی نے دن دہاڑے یہاں گھ کی ہمت کیسے کی ہوگی۔"

"سب کچھ ممکن ہے بے بی! یہ جس شخص گومز کے متعلق باتیں کر رہے تھے ایسا ہی آدمی تھا

"کیسا آدمی تھا۔"

"اب کیا بتاؤں۔ میری آنکھوں نے بہت کچھ دیکھا ہے۔"

وہ دھیمی آواز میں بول رہا تھا اس لئے حمید نے یہ نہیں ظاہر ہونے دیا کہ اُس کے الفاظ بھی سن رہا ہے۔ لیکن وہ الجھن میں ضرور پڑ گیا تھا۔

"کیا دیکھا ہے۔" زیبا نے پوچھا۔

"وہ ایک پُر اسرار آدمی تھا۔ میں نے اُسے اکثر لونی ہاٹ کے جنگلوں میں دیکھا ہے۔ ا طرح جیسے اسے کسی کی تلاش ہو۔ وہ اکثر میری تجربہ گاہ میں بھی آیا کرتا تھا۔ مقصد ہوتا تھا جڑ بوٹیوں کے متعلق گفتگو کرنا لیکن میں ہمیشہ تاڑ تا رہا ہوں کہ وہ وہاں صرف وقت گذاری کے رک جایا کرتا تھا۔ اُسی طرح جیسے تمہیں کہیں جانا ہو! لیکن تم وقت سے پہلے روانہ ہو جاؤ پھر ر وقت راستے ہی میں کہیں گذار کر ٹھیک وقت پر وہاں جا پہنچو، جہاں تمہیں حقیقتاً جانا تھا۔"

زیبا شاید کچھ اور کہنے کا ارادہ رکھتی تھی لیکن باہر سے گاڑی کی آواز آئی شاید راجن پولیس میں آیا تھا۔

"آیئے اٹھئے۔" پروفیسر نے کہا۔

وہ دونوں برآمدے میں آئے۔ راجن کار سے اتر رہا تھا۔ کار میں حمید کو دو مسلح کانسٹیبل نظر آئے۔ راجن کے ساتھ وہ بھی اترے اور راجن سیدھا برآمدے کی طرف چلا آیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے اُس نے جیب سے ہتھکڑیوں کا جوڑا نکالا اور حمید سے بولا۔ "ڈاکٹر زیدی تمہیں حراست میں لے رہا ہوں۔"

"کیوں....؟" حمید نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"اوپر سے یہی آرڈر آئے ہیں۔" راجن نے کہہ کر حمید کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں۔

جنگل میں لاش

ان کے پیچھے زیبا بھی آئی۔ حمید کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑتے دیکھ کر اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور وہ کچھ خوفزدہ سی بھی نظر آنے لگی۔

"اوپر سے کہاں سے احکامات آئے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"میں تمہاری کسی بات کا جواب دینے پر مجبور نہیں ہوں۔"

"ٹائیگر.... ٹائیگر....!" دفعتاً حمید نے ہانک لگائی اور بوڑھا گرے ہاؤنڈ جو لان پر کھڑا تھا آہستہ آہستہ اُن کی طرف بڑھا اور قریب آکر کھڑا ہو گیا۔

"ٹائیگر.... ڈیئر....!" حمید نے کہا۔ "تم مسٹر راجن سے پوچھ کر مجھے بتاؤ کہ میں کس جرم کی پاداش میں گرفتار کیا جا رہا ہوں۔ وہ براہِ راست مجھے جواب نہیں دینا چاہتے۔"

ٹائیگر نے اپنی ایک آنکھ بند کر لی اور آہستہ آہستہ بڑے غمناک انداز میں دم ہلاتا رہا۔

"بیکار باتیں نہ کرو....!" راجن غصیلی آواز میں بولا۔ "پچھلی رات تمہاری ہی وجہ سے مجھ پر بھی حملہ ہوا تھا اور اب یہاں تمہارے قدم آئے تو ان لوگوں پر بھی افتاد پڑی۔"

"سب کچھ میرے کانوں کی بدولت ہو رہا ہے۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "ہاں مسٹر راجن تم نے وعدہ کیا تھا کہ میرے لئے آلہ سماعت مہیا کرو گے۔"

"بیٹھ جاؤ....!" راجن نے کرسی کی طرف اشارہ کر کے تحکمانہ لہجہ میں کہا اور پھر پروفیسر منہاج کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ہاں! پروفیسر کیا آپ رپورٹ درج کرائیں گے۔"

"جی ہاں....!"

راجن نے نوٹ بک نکال کر اُس کا بیان لکھا اور پھر اٹھتا ہوا بولا۔ "میں آپ کا مشکور ہوں ورنہ ان حضرت کو تلاش کرنے میں بڑی دشواریاں پیش آتیں۔"

"مگر یہ ہیں کون....؟" پروفیسر نے پوچھا۔

"خود کو گارڈ گومز کا بھتیجا ظاہر کرتے ہیں۔"

"تو کیا یہ غلط ہے۔"

"مجھے علم نہیں! لیکن دارالحکومت سے ایک آفیسر ان کا وارنٹ لے کر بذریعہ ہوائی جہاز پہنچا ہے۔"

حمید خاموش بیٹھا رہا۔ اس نئی اطلاع پر اُس نے خاموشی ہی مناسب سمجھی۔

راجن اُسے ساتھ لے کر کار میں آبیٹھا۔ مسلح کانسٹیبل پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے تھے۔ کار چل پڑی۔ حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "کیا وہ کوئی سادہ لباس والا ہے، جو وارنٹ لایا ہے۔"

"نہیں.... سب انسپکٹر ہے۔"

"کیا تم نے اُسے بتادیا تھا کہ سراغ مل گیا ہے۔"

"نہیں....؟"

"تب تو آج کا دن تمہارے لئے کافی منفعت بخش ہوگا۔" حمید نے انگریزی میں کہا۔ "میں ان دونوں کانسٹیبلوں کو بھی خوش کرادوں گا۔"

"کیا مطلب....!"

"پانچ پانچ سو ان دونوں کے اور ایک ہزار تمہارے۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"دماغ ٹھنڈا رکھو۔" راجن غرایا۔ "میں اُن لوگوں میں سے نہیں ہوں۔"

"اُن لوگوں میں سے تو کوئی بھی نہیں ہوتا۔ راجن صاحب لیکن پھر بھی۔"

"کچھ نہیں خاموش رہو۔"

"دو ہزار....!"

"پچاس ہزار میں بھی نہیں! اب تم اپنی زبان بند رکھو۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ وارنٹ جعلی نہیں ہے؟"

"کیا مطلب....!"

"وارنٹ جعلی بھی ہو سکتا ہے۔"

"مگر وہ آفیسر....!"

"جتنے جعلی آفیسر کہو میں بنا کر دکھادوں۔"

"جعلی ہی سہی۔ لیکن میں اُسے درست سمجھتا ہوں۔ تمہیں گرفتار کر کے اس کے حوالے کر دینے کے بعد میری ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔"

"تم یہ تو سوچو کہ میں کیسا، آدمی ہو سکتا ہوں جسے پولیس بھی گرفتار کرنا چاہتی ہے اور چند نامعلوم آدمی مار ڈالنا بھی چاہتے ہیں۔"

"سوچنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔" راجن نے لاپروائی سے کہا۔ "پچھلی رات کو انسپکٹر رمیش نے مجھے مطمئن کر دیا تھا۔ اس لئے سوچا تھا کہ تمہاری مدد کروں گا۔ اب دارالحکومت کی پولیس تمہیں گرفتار کر کے لے جانا چاہتی ہے۔ میں اس کا ہاتھ بٹا رہا ہوں۔"

"اچھی بات ہے! مگر کیا یہاں کوئی ہوائی اڈا بھی ہے۔"

"نہیں....!"

"پھر وہ بذریعہ ہوائی جہاز یہاں کیسے پہنچ گیا۔"

"یہاں تو وہ ہیلی کوپٹر سے آیا ہے! جہاں آباد کے ہوائی اڈے تک ہوائی جہاز سے آیا تھا۔"

"تو جہاں آباد سے یہاں تک ہیلی کوپٹر آیا ہے۔"

"ہاں....!"

"تم نے ہیلی کوپٹر دیکھا ہے۔"

"وہ تھانے کے باہر ہی موجود ہے۔"

حمید نے پھر ایک طویل سانس لی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا ہو گیا۔ ویسے وہ یہ بھی سوچ رہا تھا ممکن ہے فریدی کی بلیک فورس کے کچھ آدمی بھی اُس کے ساتھ ہی یہاں تک آئے ہوں اور اب اُسے اس سچویشن میں دیکھ کر یہاں سے نکال لے جانا چاہتے ہوں۔ ورنہ کسی ہوائی اڈے سے ہیلی کاپٹر حاصل کر لینا آسان کام نہیں ہے۔

کار راستہ طے کرتی رہی۔ حمید اب خاموش ہو گیا تھا.... کچھ دیر بعد وہ لونی ہاٹ پہنچ گئے۔ تھانے کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوتے وقت حمید نے پوچھا۔ "میرا سوٹ کیس اور ہولڈال کہاں ہے۔"

"یہیں تھانے میں....!" راجن نے جواب دیا۔

حمید خاموش ہو گیا۔ وہ اندر آئے اور یہاں.... اُسے ایک قد آور جوان نظر آیا جو پولیس کی وردی میں تھا۔

"ڈاکٹر زیڈ گومز...." راجن نے حمید کی طرف اشارہ کیا۔

"او بہت شکریہ....!" نوجوان نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں اس تعاون کے لئے بے حد ممنون

ہوں۔ مجھے ابھی روانہ ہو جانا چاہئے تاکہ چار بجے والا جہاز مل سکے۔"

"آپ کی مرضی....!" راجن نے کہا۔

"مگر کس جرم میں....!" حمید نے احتجاج کیا۔ "یہ ایک غیر ذمہ دارانہ حرکت ہے۔ مجھے وارنٹ دکھاؤ۔"

"میں انسپکٹر کو مطمئن کر چکا ہوں۔" نوجوان آفیسر نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"میں بذاتِ خود مطمئن نہیں ہوں۔"

"آپ عدالت میں مطمئن ہو سکیں گے۔" نوجوان آفیسر بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔

حمید کو یقین ہو گیا کہ وہ فریدی کی بلیک فورس ہی کا کوئی آدمی ہے۔ ممکن ہے بلیک فورس کے کچھ آدمی اُس کی لاعلمی میں ساتھ ہی آئے ہوں اور فریدی کو حالات سے مطلع کیا ہو اور اب جو کچھ بھی ہو رہا ہو اسی کی ہدایت کے مطابق ہو رہا ہو۔

"کیا آپ جامہ تلاشی لے چکے ہیں۔" نوجوان آفیسر نے راجن سے پوچھا۔

"نن.... نہیں....!"

"یہ ضروری ہے....!" اس نے کہا اور خود ہی آگے بڑھ کر حمید کی جیبیں ٹٹولنے لگا۔ ریوالور کوٹ ہی کی جیب میں موجود تھا۔ اُس نے اسے نکال کر میز پر رکھ دیا۔

"لائسنس تو ہوگا آپ کے پاس۔" اُس نے مسکرا کر حمید سے پوچھا۔

"ہے....!" حمید نے غصیلی آواز میں کہا۔ "دارالحکومت میں پہنچ کر دیکھ لوں گا۔"

"راہ میں بھی دیکھتے ہی چلئے گا۔ آپ کی آنکھوں پر پٹی باندھی جائے گی۔ ہاں مسٹر راجن! کا لگیج وغیرہ کہاں ہے۔"

"یہیں ہے! ایک سوٹ کیس اور ہولڈال....!"

"وہ بھی نکلوا دیجئے۔"

"بہتر ہے۔"

راجن چلا گیا اور وہ نوجوان آفیسر حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا عجیب انداز میں مسکراتا رہا۔ سامان بھی آ گیا اور وہ اُس جگہ جہاں ہیلی کوپٹر کھڑا تھا حمید نے اس کے پائلٹ کو بغور دیکھا۔ وہ ایئرپورٹ کے یونیفارم میں تھا۔

وہ ہیلی کوپٹر میں بیٹھ گئے۔ حمید کے ہاتھوں میں نوجوان آفیسر نے اپنی لائی ہوئی ہتھکڑیاں ڈال دی تھیں۔

تیز آواز والا انجن اسٹارٹ ہوا اور مشین فضا میں بلند ہونے لگی۔

"تو کیا واقعی مجھے دارالحکومت ہی واپس جانا ہے۔" حمید نے نوجوان آفیسر سے پوچھا۔

"فی الحال میں آپکے کسی سوال کا جواب نہ دے سکوں گا۔ جو کچھ مجھ سے کہا گیا ہے کر رہا ہوں۔"

"کرو....!" حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔ "مگر کیا یہ ہتھکڑیاں اب بھی ضروری ہیں۔"

"میں نے عرض کیا نا کہ میں فی الحال کسی سوال کا جواب نہ دے سکوں گا۔"

"اچھا پیارے! مگر میں تمباکو پینا چاہتا ہوں۔"

"اس کی اجازت میں اس صورت میں ہرگز نہ دے سکوں گا جب تک کہ آپ کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہیں۔"

"ارے تو اب ہتھکڑیاں نکال ہی دو نا۔"

"ابھی نہیں۔"

حمید خاموش ہو گیا اب وہ مطمئن نہیں تھا۔ اگر یہ فریدی ہی کے آدمی ہوتے تو ہیلی کوپٹر بلند ہوتے ہی یقینی طور پر ہتھکڑیاں کھول لی گئی ہوتیں لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ اس سے بڑی حماقت ہوئی تھی۔ مگر حماقت کیوں؟ یہ بلیک فورس ہی دھوکے کی ٹٹی تھی! اگر اس کا وجود نہ ہوتا تو اُس سے کبھی ایسی حماقت سرزد نہ ہوتی۔ یہ سب کچھ فریدی کے غیر یقینی طریق کار کی بناء پر ہوا تھا۔

حمید نے ایک طویل سانس لی اور سوچنے لگا اگر وہ غلط ہاتھوں ہی میں آ پڑا ہے تو اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ حقیقتاً وہ فریدی کو بھی الزام نہیں دے سکتا تھا کیونکہ اُس نے اسکے بتائے ہوئے طریق کار پر کام کی شروعات نہیں کی تھی۔ اُسے اسکی اسکیم کے مطابق سکلٹا سے تفتیش شروع کرنی چاہئے تھی اور تفتیش بھی پوشیدہ طور پر نہیں بلکہ کیپٹن حمید کی حیثیت سے کرنی تھی لیکن وہ اس اسکیم کو پس پشت ڈال کر لونی ہاٹ میں اتر پڑا تھا اور خود کو گومز کا بھتیجا ظاہر کر کے تفتیش شروع کی تھی۔

اس نے کنکھیوں سے اس نوجوان آفیسر کی طرف دیکھا اور پھر دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔ ہیلی کوپٹر اس وقت لونی ہاٹ کے ناقابل عبور جنگل پر سے گذر رہا تھا۔

"یہ سفر کتنا لمبا ہوگا....!" حمید نے پوچھا۔

"بس ختم ہی سمجھو....!" جواب ملا اور دوسرے ہی لمحے میں حمید نے محسوس کیا کہ ہیلی کوپٹر نیچے اتر رہا ہے۔ اونچے اونچے درختوں کی چوٹیاں قریب ہوتی گئیں۔ ہیلی کوپٹر جنگل میں اتر رہا تھا۔

"یہ جہاں آباد کا ہوائی اڈہ تو نہیں ہے۔" حمید نے غصیلی آواز میں کہا۔

"چلو تم اسے شاہ جہاں آباد کا ہوائی اڈہ سمجھ لو۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوا۔" نوجوان آفیسر نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر جواب دیا۔

"ہو سکتا ہے کہ یہ عدم آباد کا ہوائی اڈہ بن جائے۔"

"تمہاری مرضی۔"

ہیلی کوپٹر لینڈ کر چکا تھا! پائلٹ نے اتر کر دروازہ کھولا۔

"چلو اترو....!" نوجوان آفیسر نے حمید کو دھکا دیا۔

حمید چپ چاپ اُتر گیا۔ مصلحت اسی میں تھی کہ وہ بے چوں و چرا وہی کرتا رہے جس کے لئے کہا جائے۔

غلطی تو ہو چکی تھی۔ اگر وہ بلیک فورس کا کوئی آدمی ہوتا تو اس بدتمیزی سے پیش نہ آتا۔ بہر حال یہ افتاد تو بلیک فورس ہی کے دھوکے میں پڑی تھی۔ اگر حمید کو ذرہ برابر بھی شبہ ہوتا تو لونی ہاٹ کے تھانے ہی سے فریدی کو ٹرنک کال کرتا۔

وہ ہیلی کوپٹر سے نیچے اتر آیا۔ پائلٹ نے اُس کا سوٹ کیس اور ہولڈال نکال کر ایک طرف ڈال دیا اور انہیں پیچھے ہٹنے کا اشارہ کرتا ہوا پھر ہیلی کوپٹر میں جا بیٹھا۔

حمید کو نوجوان آفیسر نے پھر دھکا دیا۔ ہیلی کوپٹر کا انجن اسٹارٹ ہو چکا تھا۔ وہ فضا میں بلند ہو گیا۔

"اب....!" نوجوان آفیسر مسکرایا۔ "میں ہتھکڑیاں نکال سکوں گا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اُسے بہت شدت سے غصہ آ گیا تھا۔

آفیسر نے اُس کے ہاتھوں سے ہتھکڑیاں نکال لیں اور پھر اُس کے جیب سے ریوالور بھی نکل آیا اُس نے اس کا رخ حمید کی طرف کرتے ہوئے کہا۔ "ہولڈال اور سوٹ کیس اٹھا کر چلو۔"

"یہ بہت مشکل ہے۔" حمید نے ہولڈال پر بیٹھتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔

"بہت آسان ہے.... اگر مشکل سمجھتے ہو تو یہ صرف تمہاری سمجھ کا پھیر ہے۔ نہیں سمجھ

ے تو ریوالور کی زبان تمہیں سمجھائے گی۔ میں بہت بے رحم ہوں۔"

"تب تو بڑی خوشی کی بات ہے کہ مجھ سے تمہاری ملاقات ہو گئی۔ میں بھی رحمدل نہیں ہوں اور تم یہ بھی دیکھ چکے ہو کہ میں نے پولیس والوں کو کیسا اُلو بنایا تھا۔"

"اس کی کہانی بھی سن لی جائے گی مگر ابھی نہیں۔ بہتری اسی میں ہے کہ جو کچھ کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو۔"

"نہیں میں یہ ضرور دیکھوں گا کہ تم کتنے بے رحم ہو۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"تم کسی بیوہ کی طرح بلبلا کر رحم کی بھیک مانگو گے۔"

"چلو بھی یار.... شروع ہو جاؤ.... میں خود کو ظلم پروف سمجھتا ہوں۔ لہٰذا آج اپنا بھی امتحان ہو جائے گا۔"

اچانک اس نے فائر کر دیا اور حمید اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا۔ گولی ہولڈال میں سوراخ کرتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی۔ حمید نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے تھے۔

فراڈ آفیسر نے قہقہہ لگایا۔

"اٹھا.... اٹھاتا.... ہوں....!" حمید خوفزدہ آواز میں بولا۔ "خدا کے لئے فائر نہ کرنا۔"

"چلو.... جلدی کرو....!" آفیسر غرایا۔

حمید جھک کر ہولڈال اٹھانے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اسے اٹھا کر سر پر رکھے گا لیکن اُس نے اُسے سینے تک اٹھا کر پوری قوت سے فراڈ آفیسر کے منہ پر پھینک مارا۔ وہ اس غیر متوقع حملے کے لئے تیار نہیں تھا لہٰذا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔

دوسرے ہی لمحے میں حمید اس کے سینے پر سوار تھا۔ ریوالور تو پہلے اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا پڑا تھا۔ فراڈ آفیسر چاروں خانے چت گرا تھا.... حمید نے اسے سنبھلنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ اس کی بائیں کلائی اس کی ٹھوڑی اور گردن کو چھٹی کا دودھ یاد دلا رہی تھی اور داہنے ہاتھ سے وہ بڑی بیدردی سے اس کی ناک اور دہانے پر گھونسے برسا رہا تھا۔ جب بھی اُس کی آواز بلند ہونے لگتی وہ اُس کا منہ دبا دیتا۔ مار کھانے والے کی کمر کے نیچے ایک بڑا سا پتھر آ گیا تھا جس کی وجہ سے وہ انتہائی زور صرف کرنے کے باوجود بھی نہ اٹھ سکا تھا۔

حمید نے گھونسے مار مار کر اُس کا حلیہ ہی بگاڑ دیا.... آہستہ آہستہ اُس کی آنکھیں بند ہوتی

جارہی تھیں۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ بے حس و حرکت ہو گیا۔ اب حمید کو فکر ہوئی کہ کوئی مناسب سی پناہ گاہ بھی تلاش کرنی چاہئے۔ اس جنگل کے متعلق اُس نے سنا تھا کہ ناقابل عبور ہے۔ لیکن یہاں اس جگہ تو اسے کوئی ایسی دشواری نہیں نظر آئی جس کی بناء پر عام کہاوتوں کی تائید ہو سکتی۔ دور تک اونچی نیچی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں لیکن انہیں دشوار گذار نہیں کہا جا سکتا تھا۔ یہاں جنگل بھی گھنا نہیں تھا۔

حمید نے سوچا ممکن ہے بستیوں کے قریب کے حصے ایسے ہی ہوں جن کی بناء پر پورے جنگلی علاقے کو دشوار گذار اور ناقابل عبور سمجھا جا سکے۔

وہ اس وسیع اور مسطح چٹان سے نیچے اُتر آیا جس پر ہیلی کوپٹر نے لینڈ کیا تھا۔ وہ کسی ایسے ٹھ کی تلاش میں تھا جہاں وقتی طور پر پناہ لے سکتا۔

تقریباً پندرہ یا بیس منٹ کی جدوجہد کے بعد اُسے ایسا ایک غار مل گیا.... وہ پھر وہیں واپس آیا جہاں اس کا سامان پڑا ہوا تھا لیکن اب اُسے محسوس ہوا کہ اُس کا شکار تو مر چکا تھا۔ اس نے اُسے ہلا جلا کر دیکھا.... وہ سرد ہو چکا تھا۔

اب ایک نیا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ وہ یہاں تنہا نہ رہا ہوگا۔ آس پاس اُس کے دوسرے ساتھی بھی موجود ہوں گے اور انہیں علم ہوگا کہ وہ کس مہم پر گیا تھا۔ اگر اب انہیں اس کی لاش ملی تو وہ قاتل کی تلاش میں سارا جنگل چھان ماریں گے۔

یہ تو اب اچھی طرح اس کی سمجھ میں آ گیا تھا کہ وہ کون ہو سکتے تھے۔ پچھلی رات کا ہنگامہ بقیہ طور پر انہیں لوگوں کی ذات سے تعلق رکھتا تھا۔ انہوں نے شاید وہ گفتگو سن لی تھی جو اس کے اور راجن کے درمیان ڈیٹنگ روم میں ہوئی تھی اسی بناء پر پچھلی رات کا ہنگامہ ہوا تھا اور اسی لئے اس وقت اُسے یہاں لایا گیا تھا۔

مگر وہ لوگ کون تھے؟ اور کیا چاہتے تھے؟ گارڈ گومز کے اغواء کا کیا مطلب تھا اور اغواء کا طریقہ بھی خود اغواء کرنے والوں کے لئے بھی کتنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا.... پھر گومز کسی بھتیجے کے وجود نے انہیں اس قدر بوکھلا کیوں دیا؟ یقیناً یہ کوئی بہت ہی اہم معاملہ تھا اور پولیس کو دھوکا دے کر کسی آدمی پر اُس کے ذریعے قابو پانا تو اتنا ہی خطرناک تھا جتنا کسی شیر کے حلق میں ہاتھ ڈال کر اس کی غذا نکال لینا۔

وہ سوچتا رہا اور سامان اٹھائے ہوئے چلتا رہا.... سامان غار میں رکھ کر وہ دوبارہ اُسی چٹان کی طرف واپس جا رہا تھا کہ اب اُس کی لاش کو بھی ٹھکانے لگانے کی کوشش کرے۔ لیکن پھر اُسے رک جانا پڑا اور وہ بڑی تیزی سے ایک چٹان کی اوٹ میں ہو گیا۔

قدموں کی آوازیں قریب ہوتی جا رہی تھیں۔

اُسے خاکی لباس میں تین آدمی دکھائی دیئے جو اُسی چٹان کی طرف بڑھ رہے تھے جہاں ہیلی کوپٹر اترا تھا۔

لاش پر نظر پڑتے ہی انہوں نے دوڑنا شروع کر دیا۔

پُراسرار گروہ

حمید جہاں تھا وہیں دبکا رہا۔ ویسے جیب میں پڑے ہوئے ریوالور پر اُس کی گرفت مضبوط ہو گئی تھی۔ اس نے انہیں اونچی آواز میں گفتگو کرتے سنا۔

"ہیلی کوپٹر واپس آیا تھا۔ میں نے ہیلی کوپٹر کی آواز سنی تھی۔" ایک نے کہا۔

"مگر پھر یہ مرا کیسے....!"

"اوہ.... دیکھو.... اس کے منہ سے خون بہا ہے۔"

"ہونٹ پھٹ گئے ہیں۔"

"خون تو ناک سے بھی بہا ہے۔"

"کیا یہ تنہا واپس آیا تھا۔ کیا کام نہیں ہوا تھا۔"

"یقیناً.... کسی سے لڑائی ہوئی ہے۔ حالت دیکھو....!"

"مگر کس سے....!"

"کیا یہ ممکن نہیں ہے یہ اُسے ساتھ لایا ہو اور ہیلی کوپٹر کی واپسی کے بعد وہ اس سے لپٹ پڑا ہو۔"

"مگر یہ اتنا کمزور بھی نہیں تھا کہ ایک آدمی اسے زیر کر سکے۔"

"پھر اب کیا کیا جائے.... لاش اٹھائیں۔"

"نہیں.... میرے خیال سے مسٹر گومز کو یہیں بلاؤ۔"

اس جملے پر حمید بھونچکا رہ گیا۔ مسٹر گومز کو یہیں بلاؤ.... کون مسٹر گومز....؟

کیا وہی گارڈ جس کے لئے اتنا ہنگامہ ہوا تھا؟ مگر وہ یہاں؟ ان لوگوں میں؟

حمید پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور وہ سوچنے لگا کہ یہ وہی گومز ہوا تو اس معاملے

سمجھا جائے گا؟ کیا پورا کیس بے سروپا ہو کر نہ رہ جائے گا۔ اس نے ایک آدمی کو چٹان کی

جانب اترتے دیکھا اور دیر تک اس کے قدموں کی آوازیں سنتا رہا۔ پتھریلی زمین پر قدموں

آوازیں دور تک پھیل رہی تھیں۔

بقیہ دو آدمی وہیں چٹان پر بیٹھ گئے۔ وہ اب خاموش تھے۔ حمید نے سوچا ممکن ہے کہ

اُن کے ذہنوں میں جڑ پکڑ جائے کہ اسی نے اسے قتل کیا ہے۔ ایسی صورت میں یقینی طور پر

تلاش شروع کر دی جائے گی لہٰذا اب اسے بہت زیادہ محتاط رہنا چاہئے۔

اُس نے ان دونوں کو پھر بولتے سنا۔ ایک کہہ رہا تھا۔ "مسٹر گومز خود بھی اپنے کسی بھتیجے

وجود سے لاعلم ہیں، ان کا خیال ہے کہ وہ جاسوس ہوگا۔"

"ایسی صورت میں قطعی طور پر کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ بھلا وہ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ

کوئی جاسوس ہی ہوگا۔"

"ہاں ٹھیک ہے! مگر پھر آخر گومز کا بھتیجا بننے کی کیا ضرورت ہے۔"

"یہی تو دیکھنا تھا۔ ورنہ یہاں کسی اجنبی کو لانا کہاں کی دانش مندی ہو سکتی ہے۔"

"اس کے ضائع ہونے کا بے حد افسوس ہے۔ بڑا شاندار آدمی تھا۔"

"یقین نہیں آتا کہ یہ کسی سے مقابلہ کرتے ہوئے مارا گیا ہو۔ ناممکن ہے۔ قطعی ناممکن۔"

حمید اسی چٹان کی اوٹ میں بیٹھا رہا۔ یہاں سے وہ اُن دونوں کو بخوبی دیکھ سکتا تھا اور ان کی

گفتگو بھی صاف سن سکتا تھا بشرطیکہ وہ سرگوشیوں پر نہ اُتر آتے۔

کچھ دیر بعد اُس نے پھر قدموں کی آوازیں سنیں اور دوسری طرف سے چٹان پر دو صورتیں

ابھریں۔ اُن میں سے ایک تو وہی آدمی تھا جو یہیں سے گیا تھا اور دوسرا ایک ادھیڑ عمر کا وجیہہ آدمی

تھا اُس کے قویٰ بھی مضبوط معلوم ہوتے تھے۔

اس نے لاش کو متحیرانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہی خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ

کسی سے لڑ کر ہی مرا ہوگا۔ لاش کی حالت یہی ظاہر کرتی ہے۔"

"پھر اب ہمیں کیا کرنا چاہئے۔"

"سب سے پہلے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ یہ اپنی اسکیم کو عملی جامہ پہنا سکا تھا یا نہیں۔"

"اگر پہنا سکا ہوتا تو یہاں اس طرح مار ڈالا جانا کیا معنی رکھتا ہے۔" ایک آدمی بولا۔

"اوہ کیا تم نے پچھلی رات اُس آدمی کا پھرتیلا پن نہیں دیکھا تھا۔" گومز نے کہا۔

"آپ ہی کا بھتیجا ہے۔" وہ آدمی ہنس کر بولا۔

"نہیں راجیش.... اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور کرو۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ وہ کوئی سرکاری

راغ رساں ہے۔"

"دوسرے معاملے کو آپ کیوں فراموش کر دیتے ہیں۔"

"دوسرے معاملہ میں اتنا دم نہیں ہے۔"

"خیر اب اس کی لاش کا کیا کیا جائے۔"

"اٹھا لے چلو.... کسی غار میں ڈال دیں گے۔"

غار کے نام پر حمید بوکھلا گیا اور سوچنے لگا.... یا خدا یہ وہی غار نہ ہو جس میں ہولڈال اور

ٹ کیس پڑے ہوئے ہیں۔

اس نے انہیں چٹان سے نیچے اترتے دیکھا۔ وہ لاش اٹھائے ہوئے تھے۔

سطح چٹان سے بائیں جانب اُتر کر وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ حمید چپ چاپ اٹھ کر پھر

ی غار میں آیا جہاں سامان رکھا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ قرب و جوار میں اُس کی تلاش شروع

و جائے گی۔ ظاہر ہے کہ وہ پائلٹ جو انہیں ہیلی کوپٹر پر لایا تھا انہیں لوگوں کا آدمی رہا ہوگا۔ لہٰذا

اُس سے کسی نہ کسی طرح حقیقت معلوم کر لیں گے۔

اُس نے سوچا کہ سامان کو اسی غار میں کسی جگہ چھپا کر باہر نکل جائے۔ باہر وہ بخوبی اپنی

فاظت کر سکتا تھا۔ اس غار میں مار لیا جاتا۔

اُس نے سوٹ کیس کھول کر کارتوسوں سے دو پیٹیاں بھر لیں اور کچھ فالتو کارتوس جیبوں

یں بھی ٹھونسے۔ اُس کے پاس دو ریوالور تھے۔ ایک خود اس کا اور دوسرا مرنے والے کا۔ مرنے

الے کی جیب سے ایک بڑی ٹارچ بھی برآمد ہوئی تھی وہ بھی حمید ہی کے قبضے میں تھی۔

اچانک حمید کو خیال آیا کہ کیا وہ یہاں پتھر چبا کر زندہ رہے گا۔ اس خیال کے ساتھ ہی اُس کی

بھوک بھی چمک اٹھی اور وہ ٹھنڈے دل سے اس مسئلے پر غور کرنے لگا۔

کچھ دیر سوچنے کے بعد اُس نے پھر سوٹ کیس کھولا اور میک اپ کا سامان نکال کر میک شروع کر دیا۔ ذرا ہی سی دیر میں اُس کی شکل بے حد ڈراؤنی ہو گئی.... اُس نے لباس بھی تبد کیا۔ یہ گرم اور پنڈلیوں سے چپکا ہوا پاجامہ تھا۔ اس لئے ساتھ لایا تھا کہ شاید سردی کی شدت وجہ سے پتلون کے نیچے پہننا پڑے۔ اُس پاجامے پر چمڑے کا جیکٹ پہن کر وہ اچھا خاصا سر مسخرا معلوم ہونے لگا۔ بڑے بالوں والی سفید ٹوپی بھی نکالی.... اور زرد سلک کا ہلکا سا لبادہ لپ کر بغل میں دبایا.... دو چار متحیر کر دینے والے چٹکلے بھی سفر کے دوران میں اس کے سوٹ کے میں ضرور موجود ہوتے تھے۔

اس بار ٹویوڈا[1] کا وہ ٹارچ نما آلہ بھی اسکے ساتھ تھا جس سے چنگاڑیوں کی بوچھاڑ نکلتی تھی سفر کے دوران میں اوٹ پٹانگ قسم کے لباس اُس کے ساتھ ضرور ہوتے تھے؟ پتہ کب کس خوبصورت لڑکی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا خوشگوار فرض انجام دینا پڑے۔

کمر میں ریوالور کی پیٹی لگائی جس میں دونوں جانب دو ہولسٹر موجود تھے.... فی الحال اس کمر کے گرد ایک تولیہ بھی لپیٹ لیا تھا تاکہ ریوالور اور پیٹی چھپ جائیں۔

سوٹ کیس اور ہولڈال اُس نے ایک بڑے سوراخ میں ٹھونس کر اُس کے دہانے پر ایک بہت بڑا ٹکڑا رکھ دیا۔

اب وہ پھر غار کے باہر تھا اور چٹانوں کی اوٹ میں چھپتا چھپاتا ایک سمت چل رہا تھا۔ تہہ ہوا لبادہ بغل ہی میں دبا رہا۔

وہ بندروں کی طرح ایک چٹان سے دوسری چٹان پر چھلانگیں لگاتا ہوا بلندی کی طرف ج مقصد دراصل یہ تھا کہ کسی اونچی جگہ سے گرد و پیش کا جائزہ لے سکے۔ وہ یہ بھی معلوم کرنا چاہتا کہ جن لوگوں کی وجہ سے وہ یہاں تک پہنچا تھا ان کی کمین گاہیں کہاں ہیں.... اُن کا پتہ لگائے وہ سچ مچ بھوکوں مر جاتا۔ کیونکہ ابھی تک اُسے یہاں جنگلی پھلوں کے درخت بھی نہیں دکھ دیئے تھے۔

وہ ان اطراف کی سب سے اونچی چٹان پر پہنچ گیا، جو تین چار فٹ اونچے گنجان پودوں

---

[1] ٹویوڈا کی کہانی کے لئے جاسوسی دنیا کی جلد نمبر 22 ملاحظہ فرمائیے۔

ڈھکی ہوئی تھی۔ یہاں چھپ کر وہ بہ آسانی قرب و جوار کا جائزہ لے سکتا تھا۔

وہ وہیں چھپا بیٹھا رہا لیکن ڈوبتے ہوئے سورج کے دلکش منظر اور پرندوں کے شور کے علاوہ اور کچھ نہ دکھائی یا سنائی دیا۔ اُسے اس زور کا تاؤ آیا کہ بھوک سے سر چکرا کر رہ گیا.... مگر اپنی بوٹیاں تو نوچ کر کھا نہیں سکتا تھا۔

وہ اِدھر اُدھر کی باتیں سوچنے لگا تاکہ غصہ اُتر جائے اور خون ضائع نہ ہو لیکن ان اِدھر اُدھر کی باتوں میں بھی جھلاہٹ کا رنگ غالب تھا۔ مثلاً اُس نے شفق کی سرخی کے متعلق جو تشبیہ سوچی وہ یہ تھی کہ شفق کی سرخی بالکل ایسی ہی لگ رہی ہے جیسے کسی شوقین دیہاتی بڑھیا نے اپنا سرخ لہنگا دھو کر الگنی پر پھیلا دیا ہو یا پرندوں کا شور بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے کسی سڑی ہوئی بدرو پر مکھیاں بھنبھنا رہی ہوں۔

سوچتے سوچتے جب وہ نیم پاگل ہو گیا تو بالکل ہی غیر ارادی طور پر استوائی بندروں کی طرح تیز قسم کی قلقاری لگائی۔ وہ کئی قسم کے جانوروں کی آوازوں کی بڑی کامیاب نقل اتار سکتا تھا۔ اُس نے اپنی اس قلقاری کی بازگشت سنی اور پھر یک بیک ایسا معلوم ہوا جیسے پرندوں کا شور بھی ایک پل کے لئے تھم گیا ہو۔

پھر کچھ دیر بعد اندھیرا پھیلنے لگا اور حمید نے محدود روشنی والی ننھی سی ٹارچ بار بار روشن کرنی شروع کر دی۔ اُس نے ان جنگلوں کے متعلق سنا تھا کہ یہاں سانپ بکثرت ہیں۔ لیکن ابھی تک تو اسے ایک بھی نہیں دکھائی دیا تھا۔ پھر بھی اندھیرے نے اسے کچھ زیادہ محتاط بنا دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دوسری طرف نیچے اترنے لگا۔ اُس نے اب لبادہ بھی پہن تو لیا تھا لیکن اُسے کمر سے لپیٹ لیا تھا تاکہ دوڑنے میں آسانی رہے.... بہت بڑے بالوں والی گول ٹوپی سر پر موجود تھی اور وہ کسی دوسری دنیا کا باشندہ معلوم ہو رہا تھا۔

سردی شدت اختیار کر گئی تھی اگر لبادے کے نیچے چمڑے کی جیکٹ نہ ہوتی تو اُس کے دانت باقاعدہ طور پر بجنے لگے ہوتے۔

وہ نیچے اُتر کر تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ یک بیک اُس کے بھوکے پیٹ میں چوہوں کی بجائے بلیاں کودنے لگیں اور وہ خود بھی بلی ہی بن کر رہ گیا۔ ایسی بلی جو مچھلی کی بو پر بیتاب ہو کر چاروں طرف چکرانے لگی ہو۔ حقیقتاً وہ تلی ہوئی مچھلی ہی کی بو تھی جس نے اُسے بلی بنا دیا تھا۔

ایسی ہی بو تھی جیسے کہیں قریب ہی مچھلی کے قتلے تلے جا رہے ہوں۔ مگر وہ کدھر جا رہا تھا کیونکہ بو تو چاروں طرف سے آتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ اونچے اونچے درختوں سے.... قریب کی چٹانوں سے.... اور.... ہزار ہا میل کے فاصلے پر چمکنے والے ستاروں سے.... چلی آ رہی تھی۔ مچھلی کے تلے ہوئے قتلوں کی خوشبو.... مگر وہ یہ نہ سوچ سکا کہ یہی بو دریا کی روانی میں جاری و ساری ہے۔ اسی بو نے چاند ستاروں کو درخشانی عطا کی ہے.... بہار گل و لالہ میں اسی بو کی جھلکیاں ملتی ہیں.... یہ معدے کی بھوک کا معاملہ تھا اس لئے اُسے اس بو کے متعلق نادر ترین تشبیہات ڈھونڈنے کا ہوش نہیں تھا.... وہ اس بو سے خیالوں کے ایوان نہیں سجا سکتا تھا۔ اس بو کے لئے تو معدے کی آغوش وا ہو گئی تھی لہٰذا وہ اس بو کی خوشگوار بازگشت صرف ڈکاروں ہی میں محسوس کرنا چاہتا تھا۔ معدے کی بھوک آدمی کو شاعر کے بجائے جانور بناتی ہے اس لئے وہ اس سے از خود رفتہ ہو کر شعر نہیں کہتا بلکہ بلیوں کی طرح بچین ہو کر اپنا آدمی پن بھی بھلا بیٹھا ہے۔

جب حمید کی سمجھ میں نہ آیا کہ بو کس طرف سے آ رہی ہے تو وہ وہیں سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

دفعتاً اُسے ہیلی کوپٹر کی آواز سنائی دی جو دور سے آئی تھی۔ اُس نے سوچا ممکن ہے وہ ادھر ہی آ رہا ہو اور وہیں لینڈ کرے جہاں اُسے لانے والے ہیلی کوپٹر نے لینڈ کیا تھا۔ وہ اٹھ کر بڑی تیزی سے بلندی پر چڑھنے لگا۔ جلد ہی ہیلی کوپٹر ٹھیک اُس کے سر پر چیخنے لگا۔ حمید نے یہی مناسب سمجھا کہ چھپ جائے کیونکہ یہ بھی ممکن تھا کہ لینڈ کرنے سے پہلے وہ نیچے سرچ لائٹ پھینک کر جگہ کا جائزہ لے۔ یہی ہوا۔ آس پاس کی چٹانیں روشنی میں نہا گئیں۔ حمید بدقت تمام خود کو ایک سائبان نما چٹان کے نیچے چھپا سکا۔ کچھ دیر بعد پھر سناٹا چھا گیا۔ ہیلی کوپٹر کی مشین بند کر دی گئی تھی۔

پھر حمید نے قدموں کی آوازیں سنیں جو آہستہ آہستہ دور ہوتی جا رہی تھیں۔ قریب ہی گیدڑوں نے چیخنا شروع کر دیا۔ حمید چٹان کے نیچے سے کھسک کر کھلے میدان میں آ گیا۔

وہ چٹان اب زیادہ دور نہیں تھی جہاں اُسے لانے والا ہیلی کوپٹر اُترا تھا۔ وہ اُس چٹان کی طرف آہستہ آہستہ رینگتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر ہیلی کوپٹر خالی ملا تو اس سے بہتر موقع پھر کبھی نصیب نہ ہو سکے گا۔ وہ اُسے بہ آسانی پائیلٹ کرتا ہوا کسی طرف لے جا سکتا تھا۔

اُس کی رفتار تیز ہو گئی۔ مگر پھر اُس نے سوچا کہ اُسے جلد بازی سے کام نہ لینا چاہئے۔ وہ ایسی جگہ بس اتفاقاً ہی پہنچ گیا ہے جہاں ٹرین والے جرم کی تفتیش ہو سکتی ہے۔ وہ گومز جسے مظلوم تصور

کر لیا گیا تھا یہاں حاکموں کی سی حیثیت رکھتا تھا۔ مگر اس کا مطلب تو یہ تھا کہ وہ یہاں اُن لوگوں کے درمیان تھا جو اُس کے اغواء کے ذمہ دار تھے۔

ہو سکتا تھا کہ یہاں سے چلے جانے کے بعد وہ دوبارہ اس مقام تک نہ پہنچ سکتا.... مگر.... ؟ اس سے پہلے ہی اُس کی روح عدم آباد میں پہنچ سکتی نہ درختوں کی جڑیں کھا کر زندہ رہ سکتا تھا اور نہ پتھر چبا کر۔

اندھیرے میں ہیلی کوپٹر کا ہیولیٰ نظر آتے ہی وہ رک گیا۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں پہلے ہیلی کوپٹر اترا تھا.... غالباً وہ صرف وہیں اتارے جاتے ہیں۔

ایک بار پھر حمید کا دل چاہا کہ اُسے لے اڑے.... لیکن وہ کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔ ویسے وہ اب بھی اُس کی طرف بڑھ ہی رہا تھا.... اُس نے ٹٹول کر پتھر کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا اٹھایا اور اسے ہیلی کوپٹر کی طرف پھینک دیا جس نے چٹان پر گر کر آواز پیدا کی۔ تھوڑے وقفے سے اُس نے پھر یہی حرکت دہرائی۔ دراصل وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ ہیلی کوپٹر کے قریب کوئی موجود ہے یا نہیں۔

جب اُسے اطمینان ہو گیا کہ آس پاس کوئی موجود نہیں ہے تو وہ بے دھڑک ہیلی کوپٹر کے قریب پہنچ گیا۔ جیب سے محدود روشنی والی ٹارچ نکالی اور ہیلی کوپٹر کے اندر روشنی کا ننھا سا دائرہ رینگنے لگا۔ لیکن جیسے ہی اُسے بید کے ایک باسکٹ میں براؤن روٹی کی جھلک دکھائی دی وہ سب کچھ بھول کر پشت ڈال کر اسی پر ٹوٹ پڑا.... وہ کافی وزنی تھی.... اب حمید اُسے اٹھائے ہوئے اپنے غار کی طرف اڑا جا رہا تھا۔

لیکن اسے اتنا تو ہوش تھا ہی کہ غار میں داخل ہونے سے پہلے مطمئن ہونے کی کوشش کرتا۔ غار میں دو تین پتھر لڑھکانے کے بعد خود بھی اتر گیا۔

باسکٹ کا جائزہ لینے میں اُس نے بہت جلدی کی۔ اس باسکٹ میں اتنا کچھ تھا کہ کم از کم دو تین دن تو عیش اور بے فکری سے گذارے جا سکتے تھے۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ باسکٹ بھی اُسی بڑے سوراخ میں اتار دی گئی۔ اب وہ اتنا بے صبرا ہو رہا تھا کہ ہر طرف سے مطمئن ہونے سے قبل ہی کھانے پر ٹوٹ پڑتا۔ اُس نے سوچا ممکن ہے کہ ہیلی کوپٹر والوں کو باسکٹ کے غائب ہونے کا علم اڑان سے پہلے ہی ہو جائے اور وہ چور کی تلاش میں اس غار کی طرف بھی آ نکلیں۔

وہ پھر غار سے باہر آگیا اور اسی جگہ جا چھپا جہاں سے اس نے گومز کو تین آدمیوں کے ساتھ دیکھا تھا۔ مگر پھر اُس نے سوچا ممکن ہے وہ ہیلی کوپٹر رات بھر وہیں کھڑا رہے۔ اس پر آنے والے شب بسری کے لئے یہاں آئے ہوں؟ لہٰذا ایسی صورت میں اندیشوں کو راہ دینا اپنی ہی زندگی حرام کر لینے کے مترادف ہوگا۔

وہ واپسی کے لئے سوچ ہی رہا تھا کہ اسے پھر کئی قدموں کی آوازیں سنائی دیں، جو رفتہ رفتہ قریب ہوتی جا رہی تھیں۔ لیکن اسکے ساتھ ہی وہ کسی عورت کی بھی آواز سن رہا تھا، جو غیر معمولی طور پر بلند تھی.... پھر وہ آواز بتدریج واضح ہوتی گئی۔ اب وہ اس کے جملوں کے مفہوم سمجھ سکتا تھا۔ شاید آنے والے ہیلی کوپٹر والی چٹان پر پہنچ چکے تھے۔ حمید نے ذرا سا سر ابھارا.... ہیلی کوپٹر کے قریب تین سائے نظر آئے۔ عورت ہذیانی انداز میں کہہ رہی تھی۔ "مجھے لے چلو! مجھے لے چلو! میں یہاں نہیں رہنا چاہتی! نریش تم ظالم ہو۔ میں نے تمہیں اس لئے نہیں چاہا تھا کہ تم مردوں کی داشتہ بن جاؤں، مجھے یہاں سے لے چلو ورنہ میں خودکشی کر لوں گی۔"

"پاگل نہ بنو۔" کسی مرد کی آواز آئی۔ "یہاں سے نکلتے ہی تم حراست میں لے لی جاؤ گی۔ یہ کیوں بھول جاتی ہو کہ تم اپنے چچا کے دس ہزار روپے اور چچی کا زیور لے کر گھر سے فرار ہوئیں تھیں۔"

"اس کا ذمہ دار کون تھا....؟" عورت پاگلوں کی طرح چیخی۔

"جس نے روپے اور زیورات چرائے تھے!" مرد کی آواز آئی۔

"لیکن ترغیب کس نے دی تھی۔ تجویز کس کی تھی۔"

"میں نے تو صرف تمہیں آزمایا تھا۔ جب تم یہ چوری کا مال لے کر آئیں تھیں اسی وقت میری نظروں میں گر گئی تھیں اور میں نے سوچا تھا کہ جو لڑکی اپنے محسن کی نہ ہوئی وہ میری کیا ہو گی۔ تم نے اس چچا کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جس نے تمہیں پالا تھا اور اپنی بیٹیوں سے بھی زیادہ عزیز رکھا تھا۔"

"مت بکواس کرو۔" وہ حلق کے بل چیخی۔ "میں تمہارے گھر نہیں گئی تھی یہ کہنے کہ مجھے بھگا لے چلو....!"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" مرد نے کہا۔

"تم کمینے ہو۔"

"اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔" ہنس کر کہا گیا تھا۔ پھر دوسری آواز آئی تھی۔ "پیچھے ہٹ جاؤ ورنہ تمہارا بھرتا بن جائے گا۔ اس کے بعد ہی ہیلی کوپٹر کی کریہہ آواز سناٹے کا سینہ چھلنی کرنے لگی تھی۔

پھر حمید نے ہیلی کوپٹر کو بلند ہوتے دیکھا۔ چٹان پر صرف ایک سایہ رہ گیا۔

یہ غالباً وہی عورت تھی۔ ہیلی کوپٹر کافی بلندی پر پہنچنے کے بعد ایک جانب مڑنے لگا تھا۔

حمید چٹان کی اوٹ سے نکل کر اس چٹان کی طرف بڑھا اور جہاں عورت کی پرچھائیں اب بھی نظر آ رہی تھی۔

"کون ہے۔" عورت نے کہا اور پیچھے کھسکنے لگی۔

"ڈرو نہیں....!" حمید آہستہ سے بولا۔ "میرے ساتھ آؤ۔ ان لوگوں کی موت قریب ہے۔"

"تم کون ہو!"

"اس کی پرواہ نہ کرو.... میں تمہیں کھا نہ جاؤں گا۔" حمید نے کہا اور آگے بڑھ کر آہستہ سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

کچھ دیر بعد وہ اُسے اپنے غار کی طرف لے جا رہا تھا۔ عورت کی رفتار بہت سست تھی اور اُس کے انداز سے یہی ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ اس سے بالکل ہی بے تعلق ہو۔

سانپ اور ڈھلان

غار میں پہنچ کر حمید نے ٹارچ روشن کی وہ اس عورت کی شکل دیکھنا چاہتا تھا خود اس پر جو اثر ہوا ہو لیکن عورت تو اس کی شکل دیکھ کر لڑکھڑائی اور دھم سے زمین پر گر گئی۔ روشنی کا دائرہ اس کے چہرے پر تھا اور وہ بیہوش ہو گئی تھی۔

یہ ایک غیر معمولی طور پر حسین عورت تھی۔ عمر بیس سے زیادہ نہ رہی ہو گی۔ جسم پر دیسی ساخت کا لباس تھا۔ بال مغربی طرز پر بنائے گئے تھے۔

حمید اُسے ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگا اور اسے اس میں جلد ہی کامیابی بھی ہو گئی.... لیکن اس نے ٹارچ بھی فوراً ہی بجھا دی۔

"آپ.... کک.... کون ہیں۔" عورت نے کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"جنگل کا شہزادہ....!"

"لیکن آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔"

"میں کسی سے کچھ نہیں چاہتا۔ میرا مشن تو یہ ہے کہ مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کروں۔ اسی لئے میں کبھی کبھی عالم ارواح سے عالم آب و گل کی طرف بھی چلا آیا کرتا ہوں۔ تم مجھ سے بالکل نہ ڈرو۔ ابھی تم نے مجھے بھینس کے بچے کی شکل میں تو دیکھا ہی نہیں۔"

عورت کچھ نہ بولی۔ حمید کہتا رہا۔ "مجھے معلوم ہے کہ یہ چور تم پر بے حد مظالم کر رہے ہیں۔ لیکن تم مطمئن رہو۔ ان کی زندگی بہت تھوڑی ہے۔ یہ اپنی کمینگیوں سمیت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فنا ہو جائیں گے۔"

"آپ وہ تو نہیں ہیں.... وہ....!"

"ہاں بہتیرے لوگ مجھے صرف 'وہ' کہتے ہیں! میرا کوئی نام نہیں ہے۔"

"میرا مطلب ہے جس نے ارجن کو قتل کر دیا تھا۔"

"نہیں میں وہ نہیں ہوں۔ لیکن میں نے اُس کے قتل کا منظر ضرور دیکھا تھا.... ارے لڑکی میں جنگل کی روح ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ وہ کہاں چھپا ہوا ہے۔"

"کہاں چھپا ہوا ہے۔"

"لڑکی.... میں تمہیں بتا دوں گا۔ تم جو اُن کی مٹھی میں ہو اور اپنی رہائی کے لئے انہیں اُس تک پہنچا دو گی۔"

"نہیں بلکہ میں اُسے اُن تک پہنچا دوں گی۔ وہ لوگ بہت زیادہ خائف ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ وہ کوئی سرکاری جاسوس تھا۔"

"وہ ان کی موت ہے۔"

"میں اس زندگی سے تنگ آ گئی ہوں۔"

"لیکن تم آئی کیوں تھیں اس زندگی کی طرف۔"

"میں نے ایک آدمی سے محبت کی تھی۔ اُس پر اعتماد کیا تھا۔"

"ایک ایسے آدمی پر جس سے صرف چند دنوں کی ملاقات تھی اور اُن کے اعتماد کے منہ

نچھاڑ دیا جنہوں نے تمہاری پرورش کی تھی۔"

"میں پاگل ہو گئی تھی۔ اب میرے سینے کو چھلنی نہ کرو۔ میں شائد بہت جلد خودکشی کر لوں۔"

"یہ دوسری حماقت ہو گی۔"

"حماقت نہیں! خودکشی ہی میرے مسائل کا واحد حل ہے۔" عورت نے کہا۔ "اب میں اپنے آدمیوں میں بھی تو واپس نہیں جا سکتی۔ نریش نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ اپنی حالت درست کرنے کے لئے میرا لایا ہوا روپیہ اور زیور بزنس میں لگا دے گا.... اور ایک دن میرے چچا کی ایک ایک پائی ادا کر دینے کے قابل ہو جائے گا۔ مگر.... اُس کمینے نے مجھے بھی بزنس میں جھونک دیا۔ مجھے یہاں لے آیا اور میں ایک کتیا سے بھی بدتر ہو کر رہ گئی۔ میں نہیں جانتی کہ یہ لوگ یہاں کیوں رہتے ہیں ان کی تعداد کبھی دس ہوتی ہے اور کبھی سولہ اس وقت دس آدمی موجود ہیں اور میں ان میں تنہا ہوں.... کتیا سے بھی بدتر مجھے اُن کے لئے کھانا اور ناشتہ بھی تیار کرنا پڑتا ہے۔"

"تمہاری شکل ہی سے ظاہر ہے....؟" حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا پھر بولا۔ "وہ لوگ کرتے کیا ہیں۔"

"یہ مجھے آج تک نہ معلوم ہو سکا۔ وہ لوگ صبح چلے جاتے ہیں پھر شام کو انکی واپسی ہوتی ہے۔"

"کیا جنگل سے باہر چلے جاتے ہیں۔"

"مجھے اسکا علم نہیں ہے لیکن قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنگل سے باہر نہیں جاتے۔ کیونکہ جنگل سے جانے کا واحد ذریعہ ہیلی کوپٹر ہے۔ اکثر ہیلی کوپٹر سرے سے آتا ہی نہیں۔"

"کیا تم رہا ہونا چاہتی ہو۔"

"ہاں میں رہا ہونا چاہتی ہوں۔ لیکن رہائی سے زیادہ مجھے اس کی خواہش ہے کہ میں اُن لوگوں کو خاک و خون میں لوٹتا دیکھوں۔"

"یہ بھی ممکن ہے۔ ممکن نہیں بلکہ یہ تو اُنکی تقدیر ہو چکی ہے۔ وہ اس سے نہ بچ سکیں گے۔"

"خدارا ابتدا کیجئے کہ آپ کون ہیں۔"

"کیا ابھی جو کچھ بتایا ہے اُس پر تم مطمئن نہیں ہو۔"

"مجھے عالم ارواح پر یقین نہیں ہے۔"

"تمہارے یقین کرنے یا نہ کرنے سے کیا فرق پڑ سکتا ہے۔"

"اگر تم کل تک مجھے ان لوگوں کی مشغولیات کے متعلق کچھ بتا سکو تو بہتر ہے۔"

"کوشش کروں گی! مگر اب مجھے جانا چاہئے۔"

"تمہاری محنت اور جانفشانی ہی پر تمہاری رہائی کا دارومدار ہو سکتا ہے۔ اسے یاد رکھنا ورنہ میں تو ویسے بھی اس پوری ٹیم کو ہر وقت تباہ کر سکتا ہوں۔"

"میں کوشش کروں گی۔" عورت نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا اور غار سے باہر نکل گئی۔

حمید کیسے نچلا بیٹھ سکتا تھا۔ یہی تو وقت تھا جب وہ اُن لوگوں کی کمین گاہ کا پتہ لگانے میں کامیاب ہو سکتا۔ وہ چھپتا چھپاتا عورت کا تعاقب کرتا رہا۔

پھر اُسے ایک جگہ روشنی نظر آئی جسے وہ پہلے کوئی معنی نہ پہنا سکا تھا لیکن پھر جلد ہی تہہ تک پہنچ گیا۔ یہ لکڑی کے ایک بہت بڑے جھونپڑی نما مکان کی ایک روشن کھڑکی تھی۔

لڑکی مکان میں داخل ہو گئی اور حمید چپ چاپ پلٹ آیا۔ کیونکہ وہ معاملات کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد ہی کچھ کرنا چاہتا تھا۔

اپنے غار میں پہنچ کر اُس نے باسکٹ نکالی.... اور بالکل بندروں کے سے انداز میں پائیں باغ سینڈوچ اڑاتا رہا۔ ذرا ذرا سی آواز پر چونک کر وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑنے لگتا.... بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی جانور دوسرے جانوروں کے خوف سے کسی گوشے میں چھپ کر اپنا شکار ہضم کر رہا ہو۔ لیکن اس خدشے میں مبتلا ہو کر دوسرے بھی کسی لمحے زبردستی اس کے شریک بن جائیں گے۔

اچانک وہ کسی جانور ہی کی طرح بھڑک گیا۔ کیونکہ ایک بار پھر وہ کسی ہیلی کوپٹر کی آواز سن رہا تھا۔ وہ اس وقت غار کے دہانے کے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا۔ اس لئے دور کی آواز بھی اُسے بروقت سنائی دے گئی تھی۔ شاید ہیلی کوپٹر بھی واپس آ رہا تھا.... اتنی جلدی واپسی کا مطلب تو یہی تھا کہ باسکٹ کے غائب ہو جانے کی ہی بناء پر واپس آیا ہے.... ہو سکتا ہے یہ بات نہ بھی رہی ہو۔ لیکن حمید کے ذہن میں قدرتی طور پر یہی سوال پیدا ہو سکتا تھا۔

پھر ساتھ ہی اس نے یہ بھی سوچا تھا کہ ممکن ہے انہوں نے سوچا ہو کہ وہ قریب ہی کہیں چھپا ہوگا ورنہ باسکٹ اتنی جلدی کیسے غائب ہو جاتی۔

اُس نے بڑی تیزی سے باسکٹ پھر اُسی سوراخ میں چھپا دی اور غار سے باہر نکل آیا۔ ہیلی کوپٹر قریب آ چکا تھا اور اب نیچے اتر رہا تھا۔ اس بار پھر آس پاس کی چٹانیں روشن ہو گئیں۔

حمید چٹانوں کی اوٹ لیتا ہوا دور نکل جانے کی فکر میں تھا۔ "مگر ایک بار وہ روشنی میں آ ہی گیا تو اوپر سے گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی۔ شاید اُنکے پاس کوئی ہلکی مشین گن بھی تھی۔ نشانہ خالی گیا۔

حمید زمین سے چپک گیا! اب وہ اندھیرے میں تھا۔ لیکن اس کے خیال کے مطابق ہیلی کوپٹر نے اوپر چکر لگانے شروع کر دیئے تھے اور تیز روشنی چاروں طرف چکراتی پھر رہی تھی۔ وہ اس پتلی سی دراڑ میں اترتا چلا گیا جو اُس کے نیچے تھی۔

لیکن پھر وہ رک گیا۔ پتہ نہیں اگلا قدم اندھیرے میں کہاں لے جائے۔ بہر حال اب وہ گولیوں سے محفوظ ہو ہی گیا تھا۔ اس وقت اس کے جسم پر لبادہ نہیں تھا۔ اس لئے وہ بہت تیزی سے حرکت کر سکتا تھا۔ ٹوپی بھی غار ہی میں چھوڑ آیا تھا۔

ہیلی کوپٹر کی آواز تھوڑی دیر تک سنائی دیتی رہی پھر سناٹا چھا گیا۔ غالباً اُسے زمین پر اتار دیا گیا تھا.... اچانک حمید نے سیٹی کی آواز سنی۔ آواز میں تواتر نہیں تھا بلکہ وہ کسی قسم کے اشارے ہی معلوم ہوتے تھے۔ شاید وہ اپنے سارے آدمیوں کو وہیں اکٹھا کرنا چاہتے تھے۔

حمید نے جیب سے محدود روشنی والی ٹارچ نکالی اور اس دراڑ کا جائزہ لینے لگا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُسے اپنا شجرہ نسب یاد آ گیا کیونکہ اُس سے تقریباً تین فٹ نیچے ایک بہت بڑا سانپ رینگ رہا تھا۔ روشنی پڑتے ہی وہ آدھے دھڑ سے اٹھ گیا۔ حمید بڑی تیزی سے پیچھے کھسکا اور پھر کھسکتا ہی چلا گیا۔ کیونکہ کھسکنے میں اس کے ارادے کو دخل نہیں تھا۔ پھر پھسلا اور وہ دوسری جانب نامعلوم گہرائیوں کی طرف لڑھکتا چلا گیا.... مگر ڈھلان ایسی نہیں تھی کہ لڑھکنے کی رفتار بہت تیز ہوتی۔ چھوٹی ٹارچ اب بھی اُس کے ہاتھ میں دبی ہوئی تھی.... دفعتاً ایک ابھرے ہوئے پتھر پر اُس کا بایاں ہاتھ پڑا اور اُس نے اُسے مضبوطی سے پکڑ لیا۔

جسم میں لگنے والا جھٹکا شدید تھا۔ مگر اُس نے اُس پتھر کو نہ چھوڑا، پھر اُس کے پیر بھی ایک چٹان پر ٹک گئے۔ اُس نے داہنے ہاتھ میں دبی ہوئی ننھی ٹارچ دانتوں میں دبائی اور داہنا ہاتھ بھی اُس چٹان پر جما لگا۔ اس طرح اُسے دم لینے کا موقع مل گیا۔ اس کا سینہ لوہار کی دھونکنی کی طرح چل رہا تھا اور پسلیاں سنسنا رہی تھیں۔ کچھ دیر تک وہ اسی طرح کھڑا رہا پھر داہنے ہاتھ سے پتھر چھوڑ کر ٹارچ

سنبھالی.... روشنی کا دائرہ نیچے رینگ گیا اور حمید نے ایک طویل سانس لی۔ جسے اطمینان کا سانس کہنا چاہئے کیونکہ اس کے پیروں کے نیچے کچھ دور تک مسطح زمین تھی۔ اُس نے بائیں ہاتھ سے بھی پتھر چھوڑ دیا اور وہیں بیٹھ کر بڑبڑانے لگا۔ "ضروری نہیں ہے کہ یہاں کوئی گذر ہو سکے! مجھ سے بڑی غلطی ہوئی.... ہیلی کوپٹر لے کر نکل جانا چاہئے تھا۔ ان جنگلوں سے ہٹ کر کسی طرف بھی چلا جاتا۔"

اُس نے ٹارچ کی روشنی اوپر ڈالی اور اُس کا دم ہی نکل کر رہ گیا۔ اب اُس کے فرشتے بھی وہاں تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکتے تھے جہاں سے لڑھکتا ہوا وہ نیچے آیا تھا۔

"اب سامان اور کھانے سے بھی گئے۔" وہ پیشانی پر ہاتھ مار کر بڑبڑایا۔

یہاں سے آسمان نہیں نظر آرہا تھا۔ گویا یہ بھی ایک بہت بڑا غار تھا۔ حمید نے آگے کو کر نیچے روشنی ڈالی.... لیکن یہ بھی ایک خطرناک ڈھلان تھی اور ٹارچ کا محدود فوکس اندھیرے میں جھولتا رہ گیا تھا۔ حمید نے دانت بھینچ کر ایک سسکی سی لی اور پھر بڑبڑانے لگا۔ "اگر مجھے وقت کچھ مرکی انگریزی یاد آجائے تو میں خود کو ساری دنیا کا بادشاہ تصور کرلوں گا۔"

اس نے سیدھے کھڑے ہو کر دائیں اور بائیں بھی ٹارچ لہرائی لیکن بوکھلاہٹ میں نہ سمجھ سکا کہ اس نے ٹارچ کیوں لہرائی تھی اور اس کی روشنی میں کیا دیکھا تھا۔

وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اب یہی غار اُس کا مقبرہ بن جائے گا۔

وہ اُسی طرح سر پکڑے بیٹھا رہا۔ دفعتاً کچھ دیر بعد اُسے ایک آواز سنائی دی۔ جو اوپر ہی سے آئی تھی کوئی کہہ رہا تھا۔ "میں نے صاف دیکھا تھا وہ اُسی دراڑ میں دبک گیا تھا۔"

"تب پھر....!" دوسری آواز آئی۔ "اگر اُس نے ادھر اترنے کی کوشش کی ہوگی تو دوسری ہی دنیا میں اس سے ملاقات کریں گے۔"

"ہو سکتا ہے وہ اُس وقت یہاں سے نکل گیا ہو۔ جب میں ہیلی کوپٹر لینڈ کر رہا تھا۔"

حمید کا ہاتھ ریوالور کے دستے پر تھا۔ لیکن پھر اس کے بعد سناٹا چھا گیا۔ حمید جہاں تھا بیٹھا رہا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ اُس نے جلد بازی سے کام لیا تھا۔ ہیلی کوپٹر کی آواز ہی پر غار سے نکل بھاگنا ایک بہت بڑی غلطی تھی۔ اسے کم از کم ہیلی کوپٹر کے اترنے کا انتظار کرنا چاہئے تھا۔

اُس نے کلائی کی گھڑی دیکھی گیارہ بج رہے تھے جس وقت وہ غار سے نکل بھاگا تھا اُس

جد نمبر 23

محسوس ہوا تھا کہ وہ حلق تک ٹھونس چکا ہے مگر اب پھر ویسی ہی کیفیت طاری ہونی لگی تھی جیسے دل ہی سے بھوکا ہو۔ اُس نے ایک طویل سانس لے کر آنکھیں بند کرلیں۔

ہمدرد لڑکی

نیند کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ پھانسی کے تختے پر بھی آجاتی ہے۔ مگر کیپٹن حمید اس سے بھی آگے بڑھ گیا تھا۔ اُس کا قول تھا کہ نیند ایک ایسی مونث ہے جسے شریک حیات ہی نہیں بلکہ شریک ممات بھی کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ وہ قبر میں بھی ساتھ نہیں چھوڑتی۔

لہٰذا جب اُس کے ہوش میں آنے کی دوسری قسط شروع ہوئی تو کلائی کی گھڑی نے بتایا کہ وہ بارہ بجے رات سے آٹھ بجے تک خراٹے لیتا رہا تھا۔ نہ اوڑھنا تھا اور نہ بچھونا.... تھکن ہی سامان نیند بن گئی تھی، اور اس نے گھوڑے گدھے تک بیچ ڈالے تھے۔

مگر وہاں اتنا اندھیرا تھا کہ آٹھ بجے صبح بھی اُسے ٹارچ روشن کر کے وقت دیکھنا پڑا.... اس نے جیکٹ کی اندرونی جیب سے تمباکو کی چھوٹی پاؤچ نکالی اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

اُسے بڑی حیرت تھی کہ آخر وہ اتنا مطمئن کیوں ہے۔ اُس نے اپنے ذہن کو خوب خوب ٹٹولا لیکن اس اطمینان کی وجہ سمجھ میں نہ آسکی۔

وہ سوچنے لگا کیا مایوسی کی انتہا نے اس کا دماغ ماؤف کر دیا ہے کیا وہ اُس ذہنی اسٹیج پر پہنچ گیا ہے جہاں کسی چیز کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہوتی اور وہ مایوسی کی انتہا ہو جانے پر پاگل پن ہی کا اسٹیج ہوتا ہے۔ کچھ دیر تک وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہا پھر خیال آیا کہ اگر وہ پاگل ہی ہو گیا تھا تو اتنی تعمیری کی باتیں کیسے سوچ رہا تھا۔

وہ یک بیک اٹھ گیا اس طرح بیٹھے رہنا اُس وقت یقیناً حق بجانب ہوتا جب مایوسیاں اس کے ذہن میں جڑ پکڑ لیتیں۔ مگر مایوسیوں کا تو دور دور تک پتہ نہیں تھا۔

اُس نے ایک بار پھر ٹارچ کی روشنی میں گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ بائیں جانب کی چڑھائی پر اسے اُس کے امکانات نظر آئے کہ اگر وہ کوشش کرے تو اُس جگہ پہنچ سکتا ہے جہاں سے پچھلی رات اُس کا پیر پھسل گیا تھا۔

اُس نے پھر ہمت کی اور بائیں جانب والی چڑھائی پر قسمت آزمائی کرنے لگا اور پھر اوپر پہنچ
اُس کا دل چاہا کہ پاگلوں کی طرح قہقہے لگانا شروع کر دے۔ کیونکہ بس ایک ہی جست اسے
دراڑ میں لے جاسکتی تھی جس سے پھسل کر وہ نیچے چلا آیا تھا۔

خوشی کے مارے وہ تھوڑا سا نروس بھی ہو گیا تھا لہٰذا اُس نے جلد بازی سے کام نہیں
ہو سکتا تھا کہ اندازے کی غلطی سے اس کی چھلانگ اُسے عدم آباد ہی کی طرف لے جاتی
چھلانگ لگانے میں احتیاط کی ضرورت تھی کیونکہ ذرا ہی سی لغزش اُسے پھر نیچے لے آتی....

کچھ دیر بعد اس نے چھلانگ لگائی اور ٹھیک اُسی جگہ پہنچ گیا جہاں سے پھسلا تھا.... دن کا
نظر آتے ہی جان میں جان آئی۔

لیکن وہ دراڑ سے فوراً ہی باہر نکل آنے کی ہمت نہ کر سکا۔ دفعتاً اُس کی نظر کاغذ کے
بڑے ٹکڑے پر پڑی، جو ایک پتھر کے نیچے دبا ہوا تھا۔ کاغذ شفاف تھا اس لئے اُس کی طرف
مبذول ہونا ضروری تھا۔ حمید نے اُسے اٹھالیا.... اس پر پنسل سے تحریر تھا۔

"اگر تم زندہ ہو تو اُسی غار میں میرا انتظار کرو جہاں پچھلی رات مجھے لے گئے تھے۔ اس
وقت میدان صاف ہے۔ وہ لوگ موجود نہیں ہیں۔ تم بہ آسانی اُس غار تک پہنچ سکو
گے۔ اب تو یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ تم وہی ہو جس کی انہیں تلاش
تھی.... وہی مظلوم"

حمید نے پرچہ جیب میں رکھ لیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس تحریر پر اعتماد کرے یا نہ کرے۔ ہو
ہے یہ بھی اُن لوگوں کی دور اندیشی ہی ہو مگر آخر وہ.... کب تک یہاں اس تنگ سی دراڑ میں
رہے گا۔ اُسے ہر حال میں اب باہر نکلنا چاہئے اور پھر یہ اس کے لئے کوئی نیا تجربہ بھی نہ ہو
اس سے پہلے بھی کئی بار متعدد آدمیوں سے تنہا نپٹ چکا تھا۔ آخری کار تو اس تک شاید ایک پو
فوج بھی اس پر قابو نہ پا سکتی کیونکہ وہ بہر حال کرنل فریدی کا شاگرد تھا اور اچھی طرح جانتا تھ
اکیلے آدمی کو کس تدبیر سے دشمنوں کا مقابلہ کرنا چاہئے۔

وہ دراڑ سے نکل آیا اور بہت تیزی سے اسی غار کی طرف چل پڑا جہاں اس کا سامان تھ
غار میں قدم رکھتے ہی اُس تحریر کی تصدیق ہو گئی۔ وہ لڑکی غار میں موجود تھی۔ حمید کو دیکھ کر
کی طرف جھپٹی۔

"اوہ.... تم زندہ ہو۔" وہ پُر مسرت لہجے میں بولی۔ "میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ تم زندہ
ہو، کوئی بار بار کہہ رہا تھا کہ وہ تم پر قابو نہ پا سکیں گے۔"

"مگر میں کیسے یقین کر لوں کہ تم سے ملاقات ہو جانے کے بعد بھی زندہ رہوں گا۔"

"کیا مطلب۔"

"مطلب ظاہر ہے۔ مجھے اب تک درجنوں لڑکیاں دھوکا دے چکی ہیں۔"

"اوہ....!" وہ مسکرائی۔ "کیا لڑکیاں بے خوف ہو کر تمہارے قریب آتی ہیں۔"

اس جملے پر حمید کو یاد آیا کہ وہ ایک خوفناک شکل رکھنے والے آدمی کے میک اپ میں ہے۔

"ارے.... وہ تو مجھے بالکل اُلو سمجھتی ہیں۔ پھر اُلو سے وہ کیوں خوف کھانے لگیں۔"

"کچھ بھی ہو مجھے یقین ہے کہ تم اس گروہ کا خاتمہ کر دو گے۔"

"یقین کی وجہ....!"

"تمہاری وجہ سے وہ لوگ بہت پریشان تھے۔ اُن میں سے بعض کو یقین ہو گیا ہے کہ تم اس
دراڑ والی تاریک ڈھلان پر پھسل کر نامعلوم گہرائیوں میں جا سوئے ہو۔ بعض کا کہنا ہے کہ تم پھر
دھوکہ دے کر کسی طرف نکل گئے ہو اور اب بھی محفوظ ہو۔"

"ٹھہرو....!" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "مین بہت بھوکا ہوں۔"

"چلو.... میں تمہیں کھلاؤں گی۔ اس وقت وہاں کوئی بھی نہیں ہے۔"

"میں بالکل ہی مفلس نہیں ہوں۔" حمید نے مسکرا کر اپنی بائیں آنکھ دبائی اور اس سوراخ
کے دہانے سے پتھر ہٹانے لگا جس کے اندر اس کا سامان رکھا ہوا تھا۔

اس نے باسکٹ نکالی.... اور بچی کھچی چیزوں پر ٹوٹ پڑا.... "ارے بس پھینکو بھی۔" لڑکی
نے ہنس کر کہا۔ "شاید یہ وہی باسکٹ ہے جس کی بدولت پچھلی رات اتنا ہنگامہ ہوا تھا۔"

"ہاں وہی ہے۔ اب یہاں آپھنسا ہوں تو کیا پتھر چباؤں گا.... مگر دیکھو ان لوگوں کو یہ ہوائی
فوج کا ہیلی کوپٹر کہاں سے مل گیا ہے۔"

"پتہ نہیں! مجھے خود بھی حیرت ہے۔"

"کیا زیش اُسی آدمی کا نام ہے جو ہیلی کوپٹر کو پائیلٹ کرتا ہے۔"

"نہیں.... دوسرا آدمی ہے۔ میں اس کا نام نہیں جانتی لیکن میں بھی اسی ہیلی کوپٹر کے

ذریعہ یہاں تک پہنچی تھی۔ لونی ہاٹ تک نریش مجھے ٹرین سے لایا تھا اور پھر وہاں سے ہیلی کوپٹر
تھا۔ گومز کے علاوہ اور سارے آدمی ہیلی کوپٹر ہی کے ذریعے یہاں تک آتے ہیں اور یہاں سے
باہر جاتے ہیں۔ لیکن گومز کو میں نے کبھی ہیلی کوپٹر سے نہیں جاتے دیکھا۔"

"لیکن وہ یقینی طور پر باہر جاتا ہوگا۔"

"یقیناً جاتا ہے.... لیکن راستہ اس نے آج تک کسی کو بھی نہیں بتایا۔"

حمید کچھ سوچنے لگا۔ پھر بولا۔ "تم نے لکھا تھا کہ میدان صاف ہے میں اسکا مطلب نہیں سمجھ

"اس کا مطلب یہ ہے کہ لکڑی کا مکان اس وقت بالکل خالی پڑا ہے۔"

"بقیہ لوگ کہاں گئے۔"

"پتہ نہیں....!"

"ہو سکتا ہے کہ وہ اُسی راستے سے باہر گئے ہوں جس سے گومز....!"

"نہیں گومز والا راستہ کوئی بھی نہیں جانتا۔"

"وثوق کے ساتھ نہ کہو.... تم کیا جانو۔"

"میں جانتی ہوں۔ انہیں گومز سے صرف اس بات کی شکایت ہے کہ وہ کلی طور پر انہیں
قابل اعتماد نہیں سمجھتا۔ اگر سمجھتا ہوتا تو انہیں اُس راستے کے متعلق ضرور بتاتا۔"

"تو یہ گومز ہی ان لوگوں کا باس ہے۔"

"ہاں.... وہ اس سے اسی طرح کانپتے ہیں جیسے بکریاں شیر سے۔"

"مگر مجھے حیرت ہے کہ انہوں نے اس ویرانے میں کیوں ڈیرا ڈال رکھا ہے۔"

"یہ تو خصوصیت سے مجھے نہیں معلوم ہو سکا۔"

"پھر تم اُن کے بارے میں کیا جانتی ہو۔"

"اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ میں اُن سبھوں کی داشتہ ہوں اور اُن کے لئے بادرچن کے
فرائض انجام دیتی ہوں۔"

"تو تمہارا خیال ہے کہ اس وقت یہ لوگ جنگل سے باہر نہیں گئے۔"

"مجھے یقین ہے۔"

"گومز بھی اُن کے ساتھ تھا۔"

"ہاں وہ بھی تھا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اُس نے اُس راستے تک ان کی رہنمائی نہ کی ہوگی۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ پھر کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ لڑکی اُسے باسی روٹی کے ٹکڑے چباتے دیکھتی رہی۔

"میں نے کل سے نہ تو پانی پیا ہے اور نہ چائے.... چائے کا تو خیر سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"یہ سب کچھ تمہیں مل سکتا ہے۔ بشرطیکہ تم مجھ پر اعتماد کرو۔"

"کیسے....!"

"میرے ساتھ چلو.... میں تمہیں لکڑی کے مکان کے قریب ہی کہیں چھپا دوں گی اور
نہیں بھوکوں بھی نہیں مرنا پڑے گا۔"

"آخر تم مجھ پر اتنی مہربان کیوں ہو گئی ہو۔"

"کیونکہ میری ہی طرح تم بھی مظلوم ہو۔ لیکن میں تمہاری طرح ابھی تک ایک کو بھی قتل
نہیں کر سکی۔ ویسے اگر مجھے کہیں سے زہر مل جائے تو میں ایک ہی وقت میں ان سب کا خاتمہ
کر سکتی ہوں۔"

حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "اچھا تو پھر میں تمہارے ساتھ کب چلوں۔"

"ابھی اور اسی وقت ورنہ اگر وہ واپس آ گئے تو پھر کچھ نہ کر سکیں گے۔"

حمید نے جو شکم سیر ہو چکا تھا باسکٹ پھر اسی سوراخ میں رکھ کر دہانے پر پتھر رکھ دیا.... اور
کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"کیا واقعی میری صورت خوفناک ہے؟"

"بہت زیادہ....!"

"اچھی بات ہے تو پھر میں ابھی منٹوں میں شہزادہ گلفام کی شکل اختیار کئے لیتا ہوں۔"

"مذاق میں وقت نہ برباد کرو۔"

"ارے تمہیں یقین نہیں آتا کس طرح سمجھاؤں کہ میں جنگل کی روح ہوں اور ہر وقت اپنی
شکل تبدیل کر سکتا ہوں۔ کہو تو کتا بن کر تمہارے پیچھے دم ہلاتا پھروں۔"

"نہیں شکریہ! مجھے کتوں سے بڑی نفرت ہے۔" لڑکی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"اوہو.... تم مذاق سمجھتی ہو۔ خیر میں تمہیں دکھائے دیتا ہوں۔"

اُس نے پھر سوراخ کے دہانے سے پتھر ہٹا کر اپنا سوٹ کیس نکالا.... دوسرے لمحے میں

لکوئیڈ ایمونیا کی بوتل سوٹ کیس سے برآمد ہوئی۔

"اب شراب بھی پیو گے....!" لڑکی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"یہ شراب نہیں جادو کا پانی ہے جو مجھے میری چچی فریدن پری نے دیا تھا۔ یہ پتھروں کے دیس کوہ قاف کی ملکہ سنگستان ہیں۔ اتنا اچھا گاتی ہیں کہ بس.... خدا نے چاہا تو یہاں بھی قوال کریں گی۔"

حمید بکتا اور چہرے پر ایمونیا کے چھینٹے دیتا رہا۔ پھر تولیا نکال کر چہرہ رگڑنے لگا۔ میک اپ کا رنگ و روغن دیکھتے ہی دیکھتے صاف ہو گیا۔

لڑکی کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ لیکن پھر اُس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"اوہ.... تم سچ مچ کوئی سراغ رساں ہی ہو۔" اُس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"چلو یہی سمجھ لو.... اب دیکھنا ہے کہ تم میرے لئے کیا کر سکتی ہو۔"

"جتنا بھی امکان میں ہو گا اُس سے کوتاہی نہ کروں گی.... مگر اب تم بھی دیر نہ کرو۔"

کچھ دیر بعد وہ غار سے نکل آئے۔

خونی ہنگامہ

حمید تین دن تک لکڑی کے مکان کے اوپر والے ایک غار میں چھپا رہا اور اسے ایک وقت بھی فاقہ نہیں کرنا پڑا۔ لڑکی برابر اسے کھانا پہنچاتی رہی تھی۔

اب حمید کو الجھن ہونے لگی کہ آخر وہ کب تک یونہی چھپا بیٹھا رہے گا۔ اُس نے دو دن متواتر کوشش کی تھی کہ اُن لوگوں کا تعاقب کر کے دیکھے کہ وہ کہاں جایا کرتے ہیں لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ کیونکہ وہ کافی چالاک واقع ہوئے تھے.... اُن میں سے ایک بھی غافل نہیں ہوتا تھا.... غالباً انہیں اُس لڑکی کی طرف سے خدشہ تھا کہ کہیں وہ کسی دن ان کا تعاقب نہ کر بیٹھے.... حمید نے یہی اندازہ لگایا تھا۔

آج بھی وہ اُن لوگوں کا تعاقب نہیں کر سکا تھا۔

وہ اسے بھی حماقت ہی سمجھتا تھا کہ یہاں اُن لوگوں کے قیام کی وجہ معلوم کئے بغیر کوئی

چارہ کر بیٹھتا۔

لڑکی الگ بور ہو رہی تھی۔ ہر وقت اُسے ٹوکتی رہتی کہ اب تک وہ کچھ نہیں کر سکا۔

"میں اپنا سر تو پھوڑ ہی سکتا ہوں۔" حمید کہتا۔ "مگر ابھی اس کا وقت بھی نہیں آیا۔"

آج بھی وہ لوگ غائب تھے۔ لڑکی دوپہر کا کھانا لائی۔

"تم زندگی بھر اسی طرح یہیں پڑے رہو گے۔ لیکن کچھ نہ کر سکو گے۔ اسے لکھ لو۔"

"مجھے صرف گومز کی واپسی کا انتظار ہے۔" حمید نے جواب دیا۔

"اُس کی موجودگی میں تم کیا کرو گے.... وہ ان سبھوں سے زیادہ چالاک ہے۔"

"میں بھی اُسی آدمی پر ہاتھ ڈالنے کا عادی ہوں جو سب سے زیادہ چالاک ہو۔"

"وہ تین دن سے یہاں نہیں ہے.... اکثر پورا پورا ہفتہ گذر جاتا ہے۔"

"تم اُس کے متعلق اور کیا جانتی ہو۔"

"میں اُس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتی۔"

"اور تمہارا وہ آدمی نریش بھی اُن لوگوں میں موجود ہے یا نہیں۔"

"وہ یہاں نہیں رہتا۔ کبھی کبھی ہیلی کوپٹر سے آجاتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ دو دن سے ہیلی کوپٹر بھی نہیں آیا۔"

"جب اس کی ضرورت ہوتی ہے تب ہی آتا ہے۔"

"تم ہیلی کوپٹر کے پائیلٹ پر ڈورے کیوں نہیں ڈالتیں۔"

"مجھے یہ فن نہیں آتا۔" لڑکی نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"تب پھر اس طرح.... نہیں ٹھہرو.... ایک تدبیر ہے میرے ذہن میں۔ میں آج رات ان میں سے ایک کو باندھ کر یہاں سے اٹھا لے جاؤں.... مرمت کروں اور یہ اُگلوا لوں کہ یہاں ان کے قیام کا مقصد کیا ہے۔"

"تم ایسا نہیں کر سکو گے۔ دو آدمی رات بھر جاگ کر پہرہ دیا کرتے ہیں۔"

"پہرہ....!" حمید نے حیرت سے کہا۔ "بھلا یہاں پہرے کی کیا ضرورت ہے۔ کسے کیا پڑی ہے کہ ادھر کا رخ ہی کرے۔"

"میرا خیال ہے کہ یہاں بھی انہیں کسی کی طرف سے خدشہ لاحق ہے ورنہ وہ کیوں اتنی

احتیاط برتتے ہیں۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے اُن کا کوئی دشمن ہر وقت سر پر سوار رہتا ہو۔"

حمید کچھ سوچنے لگا۔ دفعتاً اُسے یاد آیا کہ اسی دوران میں یہاں گولیاں بھی چلی تھیں جس کے متعلق راجن نے بتایا تھا۔

"کیا یہ لوگ آپس میں لڑ بھی جاتے ہیں۔"

"نہیں! گومز کے سامنے کوئی دم مارنے کی بھی مجال نہیں رکھتا۔"

"اکثر گولیاں تو چلتی رہتی ہیں ادھر....!"

"اوہ.... وہ ان کے کوئی دشمن ہیں۔" لڑکی نے کہا۔ "وہ جب ادھر آنا چاہتے ہیں تو خوب خوب گولیاں چلتی ہیں۔"

"وہ دشمن کون ہیں؟"

"پتہ لگاؤ نا....!" لڑکی جھلا گئی۔ "تم تو سراغ رساں ہو۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ یہ ایک نئی بات معلوم ہوئی تھی۔ ان لوگوں کے کچھ دشمن بھی ہیں اور یہ دشمنی اس حد تک ہے کہ آپس میں گولیاں تک چل جاتی ہیں۔

وہ سوچتا ہی رہ گیا اور لڑکی چلی گئی۔ مسئلہ واقعی ٹیڑھا تھا۔ آخر اُسے کیا کرنا چاہئے؟ وہ سوچ رہا مگر کوئی راہ نہ نکال سکا۔

اُسی رات کو وہ لڑکی کا انتظار کر رہا تھا کہ یک بیک اُس نے شور سنا۔ فائروں کی آوازیں تو نہ آئیں لیکن وہ دل پر جبر کئے ہوئے جہاں تھا وہیں بیٹھا رہا۔

پھر کچھ دیر بعد وہ غار کے دہانے کے قریب کھسک آیا۔ شور بڑھتا جا رہا تھا۔ گولیاں برابر چل رہی تھیں۔

دفعتاً اُس نے قریب ہی دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنیں، جو غار ہی کی طرف بڑھی آ رہی تھیں حمید ہولسٹر سے ریوالور نکالتا ہوا ایک طرف ہٹ گیا۔ آنے والا تیر کی طرح غار میں آیا لیکن قبل اس کے کہ حمید کوئی کاروائی کرتا آنے والے نے آہستہ سے مخاطب کیا۔ یہ لڑکی کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

"کیا بات ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"دشمنوں نے حملہ کر دیا تھا اور آج شاید وہ بڑھتے آ رہے ہیں۔"

"گڈ....!" حمید نے چٹکی بجائی۔

"اب آؤ ہم تم اُس طرف نکل چلیں جہاں یہ لوگ جایا کرتے ہیں۔"

"کیا تم نے پتہ لگا لیا ہے۔"

"نہیں سمت تو معلوم ہی ہے۔ ڈھونڈ نکالیں گے۔"

"میں کسی قسم کا خطرہ مول لینے پر تیار نہیں ہوں۔"

"نہیں تمہیں خطرہ نہیں مول لینا پڑے گا۔ میں خرید دوں گا بے فکر رہو۔"

"فضول باتوں کے لئے وقت نہیں ہے میرے پاس۔ میں تو اس وقت صرف اس لئے آئی تھی کہ تمہیں خطرے سے آگاہ کر دوں۔"

"اچھی بات ہے۔" حمید نے ایک طویل سانس لی اور پھر سنبھل کر بولا۔ "آخر یہ حملہ آور کدھر سے آتے ہیں۔"

"اس کا علم تو شاید گومز کو بھی نہ ہو۔"

"ارے.... میں تو تنگ آ گیا ہوں تم سے.... نہ تمہیں خود کسی بات کا علم رہتا ہے اور نہ تم دوسروں ہی کو باخبر رہنے دیتی ہو۔ کبھی تو کم از کم دوسروں ہی کے متعلق کہہ دیا کرو کہ فلاں کو فلاں بات کا علم ضرور ہو گا۔ پتہ نہیں تم کیا پکا کر کھاتی ہو۔"

"تم باتیں بنانے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتے۔" لڑکی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"لیکن تم سے تو یہ بھی نہیں ہو سکتا۔"

یک بیک ہیلی کوپٹر کی آواز سے جنگل گونج اٹھا۔

"ارے....!" حمید نے چونک کر آواز کی طرف کان لگا دیئے پھر بولا۔ "یہ ایک مشین کی آواز نہیں معلوم ہوتی۔ کئی ہیں۔"

"لیکن میں نے ایک سے زیادہ آج تک نہیں دیکھا۔" لڑکی نے کہا۔

"وہی! اپنی بیوی بچوں سمیت آیا ہو گا۔" حمید نے کہا اور یک بیک اچھل پڑا۔ "ارے.... یہ فائرنگ.... میرا مطلب ہے یہ فائرنگ ہیلی کوپٹر ہی سے ہو رہی ہے۔ مشین گنیں۔"

"مشین گنیں....!" وہ خالی الذہنی کے سے انداز میں بڑبڑائی۔

"اب ہمت ہو تو نکل جاؤ باہر.... میرا خیال ہے کہ فی الحال ان کا کوئی ٹارگٹ نہیں ہے۔ وہ

یونہی چاروں طرف گولیاں برساتے پھر رہے ہیں۔"

"کون ہو سکتے ہیں؟"

"دشمن....!" حمید نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"مگر اس سے پہلے کبھی اُن کے ساتھ کوئی ہیلی کوپٹر نہیں رہا۔"

"ہو سکتا ہے وہ بھی ایئر فورس کے کچھ آدمیوں کو پھانسنے میں کامیاب ہو گئے ہوں۔"

"پھر اب کیا ہو گا.... تم بھی تو خطرے میں ہو۔"

"میں ہر وقت خطرے میں رہتا ہوں۔ تم فی الحال صرف اپنے متعلق سوچو۔"

تیز قسم کی روشنی دہانے سے غار میں داخل ہو کر چکرائی اور ہیلی کوپٹر کی چنگھاڑوں کے درمیان مشین گنوں کے قہقہے سنائی دیئے۔

"میگزین برباد کر رہے ہیں یہ لوگ.... انہیں چاہئے کہ سرچ لائٹ سے ٹارگٹ تلاش کریں۔"

"ٹارگٹ کیسے بنائیں گے۔"

"ان مشینوں سے زیادہ تو تم کان کھا رہی ہو۔"

"یہ ہمیں مار ڈالیں گے۔ اب میں کیا کروں....!" وہ رو دینے والی آواز میں بولی۔

"پرواہ نہ کرو....!"

"تم خاموش رہو۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ ہیلی کوپٹر چنگھاڑتے ہوئے دور نکل گئے تھے یا پھر ایک ایک کر کے لینڈ کر رہے تھے۔ فائروں کی آوازیں اب نہیں آ رہی تھیں۔

"کیوں.... کیا خیال ہے نکلو گی باہر....!" حمید نے کہا۔ لیکن پھر فوراً ہی خاموش ہو گیا۔ اب وہ ہوائی جہاز کی آواز سن رہا تھا۔ وہ غار کے دہانے کے قریب کھسک آیا۔

ٹھیک اسی وقت اُسے ایک تیز آواز سنائی دی۔

"گومز.... قیدی کو ہیلی کوپٹر والی چٹان کی طرف لاؤ.... ورنہ بمباری شروع کرا دی جائیگی۔ تمہیں صرف بیس منٹ کا وقت دیا جاتا ہے۔ تمہاری نجی آمد و رفت کا راستہ بند کیا جا چکا ہے۔ تمہارے آدمی یہاں سے نکل نہیں سکتے۔"

"وہ مارا....!" حمید نے پلٹ کر کہا۔

"یہ کون ہے....!" لڑکی نے پوچھا۔

"فادر.... میرا فادر.... ہاہا....!" اُس نے کہا لیکن پھر اچھل کر پیچھے ہٹ آیا۔ اُسے دہانے کے قریب ایک سایہ نظر آیا تھا اُس نے ہولسٹر سے پھر ریوالور نکال لیا۔

پھر اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے بیک وقت کئی آدمی غار میں رینگ آئے ہوں۔ لڑکی نے بھی محسوس کر لیا تھا۔ اس لئے اُس کے حلق سے آواز بھی نہ نکل سکی۔

حمید کی گرفت ریوالور کے دستے پر مضبوط ہو گئی۔ اس نے بائیں ہاتھ سے ٹارچ روشن کی اور ریوالور کا رخ اُن چاروں آدمیوں کی طرف کر دیا، جو قریب ہی کھڑے ہوئے تھے۔

وہ اچھل کر پیچھے ہٹے اور لڑکی چھلانگ مار کر حمید کے قریب آ گئی۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ دوستو....!" حمید نے گنگناتی ہوئی آواز میں کہا۔ "آہا چچا گومز بھی تشریف رکھتے ہیں۔ میں ہوں تمہارا بھتیجا ڈاکٹر زیٹو! نہیں اگر کسی نے ذرہ برابر بھی حرکت کی تو جہنم میں پہنچ جائے گا۔ تم اپنے ایک ساتھی کا حشر پہلے ہی دیکھ چکے ہو۔"

وہ کچھ نہ بولے.... پھر گومز نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں تو یہاں خود ہی قید تھا۔"

"یہ جھوٹا ہے۔" لڑکی چیخی۔ "یہ سب کا حاکم ہے۔"

"تم خاموش رہو کتیا۔!" ایک آدمی غرایا۔

"ہاں تم نے مجھے کتیا ہی بنا لیا تھا۔ مگر اب کتے کی موت مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

"گومز قیدی کو چٹان کی طرف لاؤ.... ورنہ بھون کر رکھ دیئے جاؤ گے۔" پھر لاؤڈ اسپیکر سے کہا گیا۔

"چلو قیدیو.... چٹان کی طرف۔" حمید نے سر ہلا کر کہا۔ "مجھے قیدی بنانے والوں کا یہی حشر ہوتا ہے۔"

اچانک ایک آدمی نے حمید کے ریوالور والے ہاتھ پر ہاتھ مارا لیکن حمید بھی غافل نہیں تھا۔ اُس نے اُس کا ہاتھ پڑنے سے قبل ہی فائر کر دیا.... وہ چیخ مار کر گرا، اور دوسرے اچھل کر پیچھے ہٹے۔ اسی افراتفری میں گومز نکل بھاگا۔ حمید کے لئے یہ ایک خراب سچویشن تھی۔ گومز ہاتھ سے نکل گیا تھا اور یہ دونوں بھی نہیں چھوڑے جا سکتے تھے۔

"چلو.... باہر نکلو جلدی.... ورنہ....!"

وہ دونوں چپ چاپ باہر نکل آئے.... اُن کے پیچھے حمید تھا اور حمید کے پیچھے لڑکی تھی۔ اچانک بائیں جانب سے فائر ہوا.... اور آگے والا چیخ مار کر ڈھیر ہو گیا۔ حمید نے زمین پر لیٹ کر پوزیشن لینے کی کوشش کی لیکن لڑکی دھڑام سے اُس پر آ رہی۔

چوتھا آدمی اپنی پوری قوت سے اندھیرے میں دوڑتا چلا گیا۔ قبل اس کے حمید سنبھلتا پھر فائر ہوا۔ یہ یقینی طور پر گومز تھا.... حمید نے اسطرح باہر نکل کر غلطی کی تھی۔ اُس نے اپنے اوپر گرتی ہوئی لڑکی کو ایک طرف دھکیل کر آہستہ سے کہا۔ "اٹھے بغیر رینگتی ہوئی بائیں جانب اتر جاؤ۔"

دوسرا فائر بھی خالی گیا تھا۔ حمید نے فائر نہیں کیا۔ تیسرے فائر پر بھی وہ خاموش ہی رہا۔ گومز بے انداز چاروں طرف فائر کر رہا تھا۔

یک بیک ہیلی کوپٹر پھر چنگھاڑتا ہوا فضا میں بلند ہوا۔ حمید نے سوچا کہ اگر یہ ادھر ہی آیا تو سرچ لائٹ نیچے پھینکی تو ہو سکتا ہے اُن دونوں میں سے ایک ختم ہی ہو جائے۔

اس لئے وہ بھی بائیں جانب رینگتا ہوا چلا گیا.... اچانک اس کا ہاتھ لڑکی کے سر پر پڑا اور وہ چیخ پڑی۔

"ارے خدا تمہیں غارت کرے جہنم واصل کراؤ گی کیا....!" حمید بڑبڑایا۔

اور اس بار وہ بال بال بچا گولی سر سے ایک بالشت اونچی گئی تھی۔

لڑکی بُری طرح کانپنے لگی اور حمید آہستہ سے بولا۔ "اب حلق سے آواز نہ نکلے۔"

"تم کیوں نہیں چلاتے گولی۔" اس نے سرگوشی کی۔

"میں اُسے خرگوش کی طرح پکڑنا چاہتا ہوں۔"

ہیلی کوپٹر ان کے سروں پر پہنچ گیا.... اور حمید نے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنی لیکن پھر سناٹا چھا گیا۔ شاید وہ پھر کہیں قریب ہی چھپ گیا تھا.... اس بار ہیلی کوپٹر سے سرچ لائٹ نہیں پھینکی گئی تھی۔ حمید نے ٹارچ روشن کر کے اوپر کی طرف لہرائی۔

"حمید.... حمید....!" اوپر سے آواز آئی۔ "ہیلی کوپٹر ہی میں مائیکروفون فٹ تھا۔"

حمید نے پھر ٹارچ لہرائی.... اور ہیلی کوپٹر تھوڑے ہی فاصلے پر اترنے لگا۔ پھر جیسے ہی زمین پر لگا۔ فریدی کی آواز پھر آئی۔ "ادھر آ جاؤ.... فرزند....!"

"گومز یہیں کہیں قریب ہی چھپا ہوا ہے۔" حمید نے چیخ کر کہا۔

"پرواہ مت کرو....!" آواز آئی۔ "میں ابھی بڑی شدت سے بمباری کراؤں گا۔"

"اٹھو....!" حمید نے لڑکی کا بازو پکڑ کر اٹھایا.... ہیلی کوپٹر کا ہیولیٰ اُسے صاف نظر آ رہا تھا اور اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر کوئی متحرک چیز نظر آئی۔ بادی النظر میں اُسے کوئی چوپایہ ہی سمجھا جا سکتا تھا۔

"آپ لوگ اندر ہیں۔" حمید نے چیخ کر پوچھا اور چوپایہ زمین سے چپک گیا۔ مگر جگہ مسطح ہونے کی وجہ سے زمین پر پڑا ہوا سایہ صاف نظر آ رہا تھا۔

"ہاں ہم اندر ہیں۔" ہیلی کوپٹر سے آواز آئی اور حمید نے پرچھائیں پر فائر جھونک دیا.... پرچھائیں اٹھ کر بھاگی لیکن دوسرا ہی فائر اُسے دوبارہ زمین پر لے آیا۔

"کیا کر رہے ہو....!" فریدی نے جھلا کر پوچھا۔

"مار لیا.... اپنے بائیں جانب دیکھئے۔" ہیلی کوپٹر سے کسی نے ٹارچ کی روشنی ادھر ڈالی اور دوسرے ہی لمحے میں ٹارچ کا شیشہ چور ہو گیا۔ اُدھر سے فائر ہوا تھا۔ حمید نے پھر فائر کر دیا اس بار ایک طویل کراہ سنائی دی۔ لیکن فائر بھی ہوا.... اور گولی شاید ہیلی کوپٹر سے ٹکرائی تھی۔

چالاک مظلوم

"گومز.... ریوالور پھینک دو! ورنہ مشین گن سے چھلنی کر دوں گا۔" فریدی کی آواز سناٹے میں گونجی لیکن اب نہ تو فائر ہوا اور نہ کوئی جواب ہی ملا۔ حمید لڑکی سمیت ہیلی کوپٹر کے قریب پہنچ چکا تھا۔

"دوسرا کون ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"وہی شامت جس سے زندگی کے ہر موڑ پر ملاقات ہوئی ہے۔"

"ہوں....!" وہ ہیلی کوپٹر سے اتر آیا۔ پھر وہ اُس طرف بڑھے جدھر حمید نے فائر کئے تھے۔ حمید جانتا تھا کہ وہ یا تو مر چکا ہے یا بیہوش ہو گیا تھا ورنہ اب تک اُس نے درجنوں فائر کر ڈالے ہوتے۔ وہ ایسا ہی آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو غار سے نکلنے کے بعد یہاں ٹھہرنے کی

ضرورت ہی نہیں تھی۔

واقعی وہ گومز ہی نکلا۔ اُس کے جسم پر تین گولیاں لگی تھیں۔ لیکن وہ مرا نہیں تھا۔ سانس چل رہی تھیں اور وہ بیہوش تھا۔ ہیلی کوپٹر کی سرچ لائٹ روشن کر دی گئی۔

فریدی نے لڑکی کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "یہ کون ہے۔"

"دھوکہ دے کر یہاں لائی گئی تھی اور اُن کی خادمہ کے فرائض انجام دیتی تھی۔"

فریدی کے کانوں میں ہیڈ فون چڑھے ہوئے تھے۔ شاید وہ ٹرانسمیٹر پر کہیں اطلاعات بھیج رہا تھا۔ دفعتاً وہ ٹرانسمیٹر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "ہیلو! ہیلو.... یس فریدی اسپیکنگ.... کیوں اچھا ہاتھ آ گیا ہے.... ٹھیک اُسے اسی طرح لاؤ.... سرچ لائٹ نظر آئے گی.... بس وہیں اتر آئیے۔"

اس کے بعد اُس نے حمید سے کہا۔ "اچھا فرزند تم نے یہ قضیہ کسی نہ کسی طرح نپٹا ہی دیا میرا خیال ہے کہ تم قیدی نہیں تھے۔"

"ہرگز نہیں....!" حمید گردن جھٹک کر بولا۔ "ہیلی کوپٹر کے اترتے ہی ہتھکڑیاں کھول دی گئی تھیں اس کے بعد میں نے سمجھ بوجھ لیا تھا۔"

"تم بہت تھکے ہوئے معلوم ہو رہے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"بہت زیادہ....!" حمید نے طویل سانس لے کر کہا۔

"بس تو پھر راجن بھی ایک ہیلی کوپٹر میں موجود ہے وہ تمہیں ابھی لونی ہاٹ لے جائے گا۔"

حمید نے سوچا چلو سستے چھوٹے۔ حقیقتاً وہ بہت زیادہ تھک گیا تھا۔ اس وقت نہ اُسے کارنامے کا ہوش تھا اور نہ شیخی بگھارنے کا۔ وہ تو بس یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح ایک کپ کافی آرام دہ مسہری اور پائپ میں سینٹ جولین کا تمباکو نصیب ہو جائے۔

اُس نے بڑی سعادت مندی سے فریدی کا کہنا مان لیا اُس کیساتھ ہی لڑکی کی واپسی بھی ہوئی۔

حمید رات بھر گھوڑے خریدتا اور بیچتا رہا لیکن اُسے ان کھٹملوں کا ہوش نہیں تھا جو راتوں کو فالتو مسہری میں شاید کافی دنوں سے فاقہ مستی کی زندگی گذار رہے تھے۔

دوسرے دن اُسی وقت اُن کی آنکھ کھلی جب خاص طور پر اُسے جگایا گیا۔

راجن سے معلوم ہوا کہ فریدی تھانے میں موجود ہے اور اپنی رپورٹ مرتب کر رہا ہے۔ اُس وقت تک فریدی سے ملاقات نہیں ہوئی جب تک کہ اُس نے اپنی رپورٹ مکمل نہ

کر لی اور جب وہ اُس سے ملا تو شعلہ جوالہ نظر آ رہا تھا۔

"کیوں! اب پھر مجھ سے کہو گے کہ کوئی پیچیدہ کیس تمہیں دیا جائے۔"

"برابر کہتا رہوں گا۔ ارے اگر آپ نہ آتے تب بھی کوئی فرق نہ پڑتا۔ میں نے تو اُسے گھیر ہی لیا تھا۔"

"اور اس طرح گھیرا تھا کہ کئی گھنٹے ہوئے اُس کا دم نکل چکا ہے۔"

"کیا وہ مر گیا۔"

"صبح ہونے سے پہلے ہی۔" فریدی بولا۔ "اگر تم نے یہ کیس نپٹا لیا ہے تو اس کیس کا سر پیر سمجھاؤ۔ یہ لوگ اس جنگل میں کیا کر رہے تھے۔ گومز جسے مظلوم سمجھا گیا تھا وہ ایک خطرناک گروہ کا سرغنہ کیسے نکلا۔ گارڈ کے ڈبے کے واقعہ کا کیا مطلب تھا اور جنگل میں فائرنگ کیوں ہوا کرتی تھی۔ جس وقت ہم نے گومز کو گھیرا تھا وہ کس سے نبرد آزما تھا....؟"

"دیکھئے کرنل فریدی دو شخصیتوں کا نام ہے۔" حمید ڈھٹائی سے بولا۔ پھر اپنے سینے پر انگلی رکھ کر کہا۔ "یہ کرنل فریدی کا جسم ہے اور یہ دماغ۔" دماغ کہتے وقت اس نے فریدی کی طرف انگلی اٹھائی تھی۔

"بکواس مت کرو۔ تم سے کس گدھے نے کہا تھا کہ تم خود کو گومز کا بھتیجا ظاہر کرنا.... پھر تمہیں تاکید کی گئی تھی کہ تفتیش کا آغاز سکلفا سے کرنا.... وہ تو کہو کہ راجن نے جگدیش سے ڈاکٹر زیٹو کے متعلق پوچھ لیا تھا مجھے تشویش تھی کہ تم نے کوئی اطلاع کیوں نہیں دی۔ اتفاقاً دو دن بعد جگدیش سے ملاقات ہوئی اور اُس نے بتایا کہ راجن نے ڈاکٹر زیٹو کے متعلق پوچھ گچھ کی تھی۔ میں نے راجن کو ٹرنک کال کی اور اُس نے بتایا کہ دارالحکومت سے کوئی اُس کا وارنٹ گرفتاری لے کر آیا تھا جو اُسے اپنے ساتھ لے گیا۔ بس پھر اُسی دن سب سے پہلے والے جہاز سے اڑنا پڑا۔ جہاں آباد کے ہوائی اڈے پر اُتر کر بذریعہ ہیلی کوپٹر لونی ہاٹ آیا.... دراصل اُن لوگوں سے حماقت ہوئی تھی۔ اگر وہ ہیلی کوپٹر تھانے ہی میں نہ اتارتے تو شاید اب تک تمہارا قیمہ بن چکا ہوتا۔ بس نکلی کوپٹر والی حماقت نے مجھے اس آدمی تک پہنچا دیا جو ہیلی کوپٹر لے کر پہنچا تھا.... ہوائی فوج کا وہ پائلٹ اس گروہ سے بھی تعلق رکھتا تھا۔"

"مگر اُسے اس طرح ہیلی کوپٹر استعمال کرنے کی اجازت کیسے مل جاتی تھی۔"

"معاملہ ایسا تھا کہ اسے اجازت کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ جنگلات کے مشرقی سرے پر ایک حفاظتی سرحدی چوکی ہے۔ اُس چوکی کو ہیلی کوپٹر ہی کے ذریعے رسد اور ڈاک وغیرہ پہنچائی جاتی ہے۔ راستہ جنگل ہی سے گذرتا ہے لہٰذا وہ سرکاری اڑان کے دوران ہی میں گروہ کے کام بھی انجام دے ڈالتا تھا۔

پائلٹ کا گلا دبایا تو اس نے سب کچھ اگل دیا اور ایک ایسے آدمی کا پتہ دیا جو مخصوص طور پر گومز سے متعلق تھا۔ اس کا نام نریش ہے۔ اسی سے وہ راستہ بھی معلوم ہوا جس کا علم اُس کے اور گومز کے علاوہ اور کسی کو نہیں تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ جنگل میں فائرنگ کیوں ہوا کرتی ہے۔ اُس نے گومز کے دشمن کا بھی پتہ بتایا۔ اس کا خیال تھا کہ اس دشمن کو بھی کسی راستے کا علم ہے جس سے گذر کر وہ گومز کی پارٹی پر حملے کرتا رہتا ہے.... اُس نے یہ بھی بتایا کہ اس کی اطلاع کے مطابق وہ دشمن آج پھر حملے کا پروگرام بنا رہا ہے، ہو سکتا ہے حملہ بھی ہو جائے میں نے امر سنگھ کو اس دشمن کے پیچھے لگا دیا اس طرح دوسرے راستے سے امر سنگھ کچھ فوجی جوانوں کے ساتھ دشمن پارٹی کا تعاقب کرتا ہوا وہاں جا پہنچا۔ جہاں سے گومز کی پارٹی پر حملہ کیا جانے والا تھا اور پھر عین وقت پر انہیں گھیر کر حراست میں لیا گیا۔ حملہ شروع ہو چکا تھا دوسری طرف سے گومز کے آدمی جوابی فائرنگ کر رہے تھے انہیں علم ہو گیا کہ دشمن پولیس کی حراست میں آ گیا ہے۔ بس وہ وہاں سے بھاگ نکلے۔ دوسری طرف میں اس پائلٹ کی نشاندہی پر وہاں جا پہنچا جہاں تم اتارے گئے تھے۔"

"مگر.... وہاں اُس جنگل میں وہ کیا کر رہے تھے۔"

"کوکین بنانے کا کارخانہ کھول رکھا تھا۔ روزانہ لاکھوں روپے کی کوکین وہاں سے تقسیم ہوتی تھی۔ دوسری پارٹی دراصل اس کارخانے پر قبضہ کرنا چاہتی تھی اور اسی سلسلے میں دونوں پارٹیاں ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہتی تھیں۔"

"دوسری پارٹی کا سرغنہ کون تھا؟ کیا وہ بھی مارڈالا گیا؟"

"نہیں وہ زندہ ہے اور اُس سے مل کر تمہیں یقیناً خوشی ہوگی اور اب شاید وہ تمہاری درخواست پر سونی بوٹی بھی تلاش کرنا شروع کر دے۔"

"پروفیسر منہاج....!" حمید متحیرانہ انداز میں چیخا۔

"ہاں.... پروفیسر منہاج....! وہ جڑی بوٹیوں کے بہانے جنگل سے دور نہیں رہنا چاہتا تھا.... اُسے توقع تھی کہ کسی نہ کسی دن وہ اُس کارخانے پر قبضہ ضرور کر لے گا۔"

"اور یہ گومز گارڈ بھی تھا۔"

"قطعی تھا! اور وہ اپنے ڈبے ہی میں کوکین کا اسٹاک رکھ کر مختلف مقامات پر پہنچایا کرتا تھا۔"

"اوہو تو.... پھر اُس کا ڈبہ پروفیسر منہاج ہی نے کٹوایا ہوگا۔"

"نہیں خود گومز نے کاٹا تھا۔"

"کیوں اسے کیا پڑی تھی۔"

"اگر ایسا نہ کرتا تو اُسے لاکھوں روپے کے اسٹاک سے ہاتھ دھونے پڑتے۔ اُس وقت اُس کے ڈبے میں کئی لاکھ روپیوں کی کوکین تھی۔ وہ گاڑی لے کر ادھر سے گذر رہا تھا اچانک لونی ہاٹ کے اسٹیشن پر اسے اطلاع ملی کہ سکلٹا سے گاڑی نکلتے ہی ڈاکہ پڑے گا اور کوکین چھین لی جائے گی۔ ڈاکہ ڈالنے والے پروفیسر ہی کے آدمی ہوں گے۔ بس اُس نے لونی ہاٹ ہی میں اسکیم بنائی کہ وہ سکلٹا پہنچنے سے پہلے ہی ڈبہ کاٹ دے گا اور اپنے آدمیوں سے کہہ دیا کہ وہ ڈبہ کٹتے ہی اطلاع پیپلٹی نہ جانے دیں اور کوشش کریں کہ کٹا ہوا ڈبہ لونی ہاٹ سے بھی گذر جائے۔ اگر لونی ہاٹ سے بروقت پیپلٹی اطلاع پہنچ گئی ہوتی تو وہ شتر بے مہار ڈبہ پیپلٹی میں سائیڈنگ پر لے لیا گیا ہوتا اور کوکین سرکاری طور پر پکڑلی جاتی۔ اس لئے گومز نے پروگرام بنایا کہ ڈبہ پیپلٹی سے بھی گذر کر وہیں رکے جہاں سے تارالنگی کی چڑھائی شروع ہوتی ہے یہی ہوا اور وہ اُس ویرانے میں کوکین ڈبے سے اتار کر فرار ہو گیا۔"

"مگر چلتی ہوئی ٹرین سے ڈبہ الگ کر لینا ناممکنات میں سے ہے۔"

"یقیناً ہے.... اور اس سلسلے میں ایک بالکل ہی نئی قسم کا اوزار ہاتھ لگا ہے جسے گومز ڈیوٹی پر ہمیشہ ساتھ رکھتا تھا۔ یہ اوزار کیمرے کے اسٹینڈ ہی کی طرح لمبائی میں گھٹایا اور بڑھایا جا سکتا ہے۔ سب سے زیادہ گھٹی ہوئی شکل میں وہ صرف ایک بالشت کا رہ جاتا ہے.... اور انتہائی لمبائی گیارہ فٹ۔ ایک بٹن دبانے سے اُس کے سرے سے نیلے رنگ کی لو نکلتی ہے جو لوہے کو آنِ واحد میں گلا دیتا ہے اور فولاد کچے سوت کی طرح ٹوٹ جاتا ہے۔"

"کمال ہے۔"

"وہ ڈبے کی چھت پر چڑھ گیا ہوگا اور لیٹ کر بہ آسانی ڈبہ کاٹ لیا ہوگا.... اب آپ فرمایئے کون سا کارنامہ انجام دے ڈالا۔"

"ایک مظلوم لڑکی لایا ہوں، جو جانوروں کی طرح زندگی بسر کرنے پر مجبور تھی۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔

"اب وہ اپنے چچا کے یہاں نہیں جانا چاہتی....!"

"کسی دھرم شالے وغیرہ میں انتظام کر دیا جائے گا۔ تمہیں اس کیلئے متفکر نہ ہونا چاہئے۔"

یہاں بات ختم ہو گئی تھی۔

فریدی دوسرے ہی دن وہاں سے دارالحکومت کیلئے روانہ ہو گیا تھا۔ لیکن حمید کو راجن کے اصرار پر رکنا پڑا.... وہ اُس سے بے حد شرمندہ تھا... بار بار یہی کہتا تھا کہ اگر آپ نے پہلے ہی مجھے اپنے متعلق بتا دیا ہوتا تو اس کی نوبت کیوں آتی۔ جواب میں حمید کہتا کہ اگر اس کی نوبت نہ آئی ہوتی تو ہمارے فرشتے بھی کوکین بنانے کے اتنے بڑے کارخانے پر قبضہ نہ کر سکتے اور نہ یہ معلوم ہو سکتا کہ گومز کے اغواء کا کیا قصہ تھا۔ حمید کے خیال کے مطابق گومز کی موت صرف ایک ہی معاملے پر پردہ ڈال سکی تھی وہ خود اُسی کی ذات تک محدود تھا۔ آخر وہ دو چار دن بعد کوئی فرضی کہانی لے کر آفس میں حاضر کیوں نہیں ہو گیا تھا...؟ پتہ نہیں اس سلسلے میں اُسکی کیا اسکیم تھی کیا وہ کچھ دنوں کے بعد پھر اپنے آفیسروں کے سامنے حاضر ہوتا؟ یقیناً اُسے ہونا پڑتا کیونکہ ایک ریلوے ٹرین گارڈ کی حیثیت سے وہ بہ آسانی کوکین ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا سکتا تھا۔

راجن نے تیسری شام اُسے بتایا کہ کل اس کی سول میرج ہوگی۔ اس لئے اُسے ایک دن اور رکنا چاہئے.... حمید نے شیلا جیسی لڑکی سے شادی پر اُسے مبارکباد دی۔

"بڑی اونچی ہے.... کپتان صاحب! میں تو متحیر رہ گیا اس کی صاف گوئی پر۔"

"اگر مجھ میں کوئی کھوٹ ہو تو میں اُسے چھپانے ہی کی کوشش کروں گا۔ مگر بھئی! یہ عورتیں عموماً مردوں سے اونچی ہوتی ہیں۔"

"ارے یار ہم لوگ بہت نیچی ایڑی کے جوتے پہنتے ہیں۔"

"مذاق نہیں، کیپٹن، جب میں نے اُس سے شادی کی درخواست کی تو وہ مسکرائی جیسے میں اُس کا جواب سن کر اپنی درخواست واپس لے لوں گا۔ اُس نے یہی کہا بھی۔ پھر بتایا کہ اُس کی ماں

چارلان تھی اور باپ انگریز جس کے یہاں اُس کی ماں نرس کے فرائض انجام دیتی تھی اور اُن کی باقاعدہ شادی نہیں ہوئی تھی۔ میں سمجھا مذاق کر رہی ہے۔ لیکن وہ سنجیدہ تھی.... پہلے تو میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی! مگر پھر سوچا یار راجن ایسی عالی ظرف عورت کے سامنے سر نیچا ہو جائے گا۔"

"کیا پریم کہانی پہلے ہی سے چل رہی تھی۔"

"نہیں قطعی نہیں.... ہو سکتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کے متعلق زیادہ سوچتے رہے ہوں لیکن رویہ سے نہیں ظاہر ہونے دیا۔"

"ارے جاؤ بھی.... عشق اگر ڈھول بجا بجا کر نہ کیا جائے تو میں اُسے عشق ہی نہیں سمجھتا۔"

"اپنا اپنا نظریہ ہے۔"

"کچھ بھی ہو۔ تمہیں بچوں کی طرف سے ضرور مطمئن رہنا چاہئے۔ وہ بانا سے بھی عظیم کوئی دوسری کمپنی قائم کریں گے! عورتیں اونچی ہوتی رہیں گی اور مرد زمین میں دفن ہوتے رہیں گے.... ویسے ہو سکتا ہے اس وقت تک مردوں میں بھی اونچی ایڑیوں کا رواج ہو جائے۔"

راجن صرف ہنس کر خاموش ہو گیا۔

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 74

شادی کا ہنگامہ

(مکمل ناول)

پیشرس

شادی کا ہنگامہ کچھ تاخیر سے آپ کی خدمت میں پہنچ رہا ہے۔ شادی کا ہنگامہ ٹھہرا.... اس تاخیر کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ حمید کی شادی کے سلسلے میں بڑے پاپڑ بیلنے پڑے.... اس کتاب کے اشتہار میں بھی اس شادی کا تذکرہ تھا! لہٰذا اس سلسلے میں بے شمار خطوط موصول ہوئے کہ حمید کی شادی کی نوبت نہ آنے پائے اکثر حضرات نے تو یہاں تک لکھ دیا تھا کہ اگر حمید کی شادی کا منظر پیش کیا گیا تو وہ جاسوسی دنیا پڑھنا ہی چھوڑ دیں گے۔ آدھے سے زیادہ ناول لکھا جا چکا تھا.... میں نے سوچا کہ جب زیادہ تر پڑھنے والے ہی اسے ناپسند کرتے ہیں تو پھر لکھنے سے کیا فائدہ۔ لہٰذا دوبارہ پلاٹ کی مرمت کی گئی.... مگر یہ بھی ناممکن ہے کہ اعلان ہو جانے کے بعد شادی رک جائے۔ لہٰذا دیکھئے کہ یہ شادی کس انداز سے پیش کی گئی ہے۔

یہ ایک ایسی لڑکی کی داستان ہے جس سے شادی کے خواستگار درجنوں مالدار آدمی بیان کئے جاتے تھے۔

اس شادی کے لئے اندھیرے میں فائروں کی آوازیں گونجتیں اور زخمیوں کی چیخیں سنائی دیتیں، کئی بار لڑکی کو زبردستی حاصل کر لینے کی کوشش کی گئی حمید نے مجرموں کی محنت پر پانی پھیر دیا۔

یہ چند آدمیوں کی خود غرضی کی کہانی ہے جنہوں نے دولت حاصل

کرنے کے لئے اپنے بھائی اپنے بیٹے اپنے بھتیجے کو زہر دیا تھا۔ لیکن وہ زہر ایک بلی کے حصے میں آیا۔ اس سازش سے آگاہ ہو جانے کے بعد بھی وہ مظلوم آدمی خاموش ہی رہا.... اور پھر یہ خاموشی اس کی موت کے بعد رنگ لائی کیونکہ وہ ایک ذہین آدمی تھا۔ زہر دینے والے اس کی موت کے بعد اس آمدنی سے بھی محروم ہوگئے جسے ان کے خیال کے مطابق اس کے مرنے کے بعد بڑھنا چاہئے تھا اس کی موت ان کے لئے بے حد نقصان دہ ثابت ہوئی۔

ایک بار پھر کیپٹن حمید ثابت کرتا ہے کہ وہ کرنل فریدی کا شاگرد ہے!

ہنسنے ہنسانے سے بھی باز نہیں آتا.... شادی کے تصور نے اسے ڈراؤنے خواب دکھائے ہیں۔

قاسم صاحب سے بھی کچھ دیر ملاقات رہے گی۔ کیونکہ یہ بیچارے بھی اس کیس میں خواہ مخواہ گھسیٹے گئے ہیں۔

ابن صفی

۱۸/ مارچ ۱۹۵۸ء

تعاقب

جنوری کی دھوپ بڑی خوشگوار تھی۔

آج اتوار تھا.... مگر کرنل فریدی کو اس پر بڑی حیرت تھی کہ حمید کہیں باہر جانے کی۔ بجائے لان پر بیٹھا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا... اس نے سوچا کہ شاید آج کل حمید آدمی بننے کی کوشش کر رہا ہے! لیکن جب وہ اسکے قریب آیا تو گرد پوش پر کتاب کا نام دیکھ کر اس کا منہ بگڑ گیا۔ کتاب کا نام تھا۔ "فلسفہ محبت۔"

حمید نے سر اٹھا کر فریدی کی طرف دیکھا اور پھر پڑھنے میں مشغول ہو گیا۔ "اس سے بہتر تو یہ ہوتا کہ تم لان کی گھاس برابر کر دیتے۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

حمید نے کتاب بند کر کے ایک طویل سانس لی اور خلاء میں گھورنے لگا۔ فریدی بھی ایک لان چیئر گھسیٹ کر اس کے قریب ہی بیٹھ چکا تھا۔

"اور اب ایسی کتابیں پڑھ کر اس اندھیرے میں مزید تاریکی کا اضافہ کر رہے ہو۔" فریدی بولا۔

"یہ کتاب آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گی لہٰذا اس پر رائے زنی نہ کیجئے۔"

"لیکن میں تمہیں اس کتاب سمیت کسی گٹر میں ضرور پھینک سکتا ہوں۔"

"محبت....!" حمید طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

"محبت ایسا ہمہ گیر جذبہ ہے.... جذبہ نہیں بلکہ جنت کہو جس کے سمجھنے سمجھانے کیلئے نہ کسی فلسفے کی ضرورت ہے اور نہ کتابوں کی۔ میرا خیال ہے کہ میری یا تمہاری ماں نے ایسی کوئی کتاب

نہ پڑھی ہوگی۔ اسکے باوجود بھی ہم کتنی چوڑی کلائیاں رکھتے ہیں۔ کتنے مضبوط بازو رکھتے ہیں۔"

"اس کتاب میں پرورش اطفال کے طریقے نہیں ہیں۔" حمید نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ اس میں کسی کی بیٹی یا کسی کی بہن پر ڈورے ڈالنے کے طریقے درج ہوں گے.... لیکن یہ محبت کا بڑا گھٹیا تصور ہے اسی لئے میں نے کہا تھا کہ تمہیں اس کتاب سمیت کسی گٹر میں پھینک سکتا ہوں۔"

"ایسی باتیں سننے سے تو یہی بہتر ہے کہ میں کسی گٹر میں ڈوب کر مر جاؤں۔"

"تم گٹر سے باہر کب ہو۔"

حمید نے کچھ کہے بغیر پھر کتاب کھول لی اور فریدی دانتوں میں سگار دبائے ہوئے دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔ شاید اس وقت وہ محض بیکار بیٹھنے کے موڈ میں تھا۔

ان دنوں اُس کے پاس کوئی کیس نہیں تھا۔ لیکن حمید کا خیال تھا کہ چین سے بیٹھنا تو سر سے مقدر ہی میں نہیں ہے پردۂ غیب سے کچھ نہ کچھ یقینی طور پر ظہور میں آئے گا اور نہ تو وہ اپنی عیش کے ساتھ فلسفہ محبت پڑھ سکے گا اور نہ فریدی اس طرح لان پر بیٹھ کر آسودہ حالوں کے سے انداز میں سگار کے ہلکے ہلکے کش لے سکے گا۔

اتوار کو عموماً اس کا دم نکلتا رہتا تھا کہ کہیں کوئی ایسی بلا نازل نہ ہو، جس سے ہفتے کا یہ سنہرا دن جنگل کی اندھیری رات بن جائے۔ آج بھی اتوار ہی تھا۔

دفعتاً اس نے کتاب بند کر کے فریدی سے کہا۔

"میری بائیں آنکھ پھڑک رہی ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ گلاب کی کیاریوں میں دیکھ رہا تھا۔

اتوار کو جب بھی میری بائیں آنکھ پھڑکتی ہے....

"مجھے ایک عورت کا انتظار ہے۔" فریدی اس کا جملہ پورا ہونے سے قبل ہی بولا۔ "اور میرا خیال ہے کہ اس کی آمد تمہارے لئے یقینی طور پر نحوست لائے گی بائیں آنکھ کو پھڑکنے دو۔"

"یعنی.... کہ....!"

"پرواہ مت کرو....!" فریدی مسکرایا۔ "آواز سے وہ کوئی معمر عورت معلوم ہوتی تھی۔"

"اوہو.... تو کیا فون پر....!"

"ہاں.... اُس نے ابھی فون پر مجھ سے استدعا کی تھی کہ میں اس کا انتظار کروں۔ وہ کسی بہت بڑی پریشانی میں پڑ گئی ہے.... اور اس کا خیال ہے کہ میں ہی اس کے کسی کام آسکوں گا۔"

"مر گئے....!" حمید پھنسی پھنسی سی آواز میں بولا۔ پھر گلا صاف کر کے پوچھا "کس پریشانی میں پڑ گئی ہے.... یعنی کیا اس پریشانی کا اثر ہماری فارغ البالی پر بھی پڑ سکتا ہے۔"

فریدی جواب دینے کی بجائے بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔ حمید کا دہانہ مختلف ڈگریوں کے زاویئے بنا رہا تھا۔ دفعتاً اس نے کتاب اپنے سر پر مارتے ہوئے کہا۔ ہفتے میں اس سنہرے دن کے اضافے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ چھ دن کا ہفتہ نہیں بلکہ شش ہی رہنے دیا جاتا اسے۔"

"میں تم سے متفق ہوں.... اتوار واقعی فضول سا دن ہے.... مگر غنیمت ہے کہ اس دن لکھیوں کی چھٹی نہیں ہوتی ورنہ بہتیرے لوگ تو اختلاجِ قلب کے شکار ہو جائیں۔"

"حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک ٹیکسی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی جس کی پچھلی نشست پر دو عورتیں تھیں اور آگے ڈرائیور کے قریب ایک ایسا آدمی نظر آیا جس کا داخلہ کم از کم فریدی کی کمپاؤنڈ میں حیرت انگیز ہی کہا جا سکتا تھا۔ ان دونوں ہی نے اسے پہچان لیا۔ یہ شہر کا مشہور بدمعاش دلاور تھا۔"

ٹیکسی رکی اور دونوں عورتیں نیچے اتر آئیں ان میں سے ایک معمر تھی اور دوسری نوجوان! عمر اٹھارہ سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ وہ معمولی ہی ناک نقشے والی تھی، لیکن آنکھیں کافی دلکش اور جاذب توجہ تھیں، رنگ گندمی تھا۔

معمر عورت کم از کم پینتالیس کی ضرور رہی ہوگی۔ وہ دونوں ان کی طرف بڑھیں۔ حمید دلاور کو گھور رہا تھا جو ٹیکسی سے نہیں اترا تھا۔

"تشریف رکھئے۔" فریدی نے قریب پڑی ہوئی اان چیئر کی طرف اشارہ کیا۔

"میں کرنل صاحب سے ملنا چاہتی ہوں۔" معمر عورت بولی۔

"جی ہاں فرمایئے.... غالباً.... ابھی آپ ہی نے فون پر....!"

"جی ہاں.... جی ہاں!" عورت سر ہلا کر بولی۔ "میں تکلیف دہی کی معافی چاہتی ہوں جناب۔"

"کوئی بات نہیں.... تشریف رکھئے۔"

"عورت نے لڑکی کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی بیٹھ گئی۔"

"فرمایئے....!" فریدی نے کچھ دیر بعد کہا۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ عورت ہچکچا رہی ہے۔

"میں تنہائی میں کچھ عرض کرنا چاہتی ہوں۔" عورت نے کہا۔

"اوہ... یہ میرے اسسٹنٹ ہیں۔" فریدی نے حمید کیطرف دیکھ کر کہا۔ "اگر بات صرف میری ہی ذات تک محدود رہنے والی ہو تو خیر کوئی بات نہیں ورنہ آپ یہیں سب کچھ کہہ سکتی ہیں۔"

"پھر بھی.... میں یہی مناسب سمجھتی ہوں کہ تنہائی۔"

حمید نے محسوس کیا کہ وہ لڑکی کی موجودگی میں گفتگو نہیں کرنا چاہتی شاید فریدی نے بھی اس کا اندازہ کر لیا تھا اس لئے وہ اٹھتا ہوا بولا۔ "اندر چلئے....!"

حمید اور وہ لڑکی وہیں رہ گئے۔ حمید تھوڑی دیر تک تو خاموش بیٹھا رہا پھر کھنکار کر بولا۔ "اگر آپ کو میرے تمباکو پینے پر اعتراض نہ ہو تو....!"

"اوہ.... جی نہیں....!" لڑکی چونک پڑی۔ "پیجئے جناب۔"

"شکریہ!" حمید نے پاؤچ سے تمباکو نکال کر پائپ میں بھرتے ہوئے کہا۔ "بہتیرے لوگ تمباکو کا دھواں پسند نہیں کرتے۔ مگر میں نے بہتیری خواتین کو بھی حقہ پیتے دیکھا ہے۔"

لڑکی صرف مسکرا کر رہ گئی۔ لیکن حمید نے شروع ہی میں محسوس کیا تھا کہ وہ کچھ فکر مند سی ہے۔

"افریقہ میں ایک قبیلہ پایا جاتا ہے.... ٹی ٹی کاٹا....!" حمید نے کہا۔ "اس میں حقہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ جس طرح ہمارے یہاں لڑکیوں میں تعلیم شائستگی اور گھر گرہستی کا سلیقہ دیکھا جاتا ہے اس طرح ٹی ٹی کاٹا قبیلے کی کسی لڑکی کے متعلق یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ بچپن سے اب تک کتنے حقے بدل چکی ہے۔ سب سے زیادہ حقے رکھنے والی لڑکی عدیم المثال سمجھی جاتی ہے اور قبیلے کے بہت زیادہ مالدار آدمی اس سے شادی کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔"

"آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں جناب۔" دفعتاً لڑکی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"آپ غلط سمجھی ہیں۔ کیا میں لائبریری سے وہ کتاب نکال لاؤں جس میں اس قبیلے کے متعلق بہتیری معلومات ہیں۔"

لڑکی بُرا سا منہ بناتے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگی۔

حمید نے سوچا کہ یہ لڑکی بد دماغ معلوم ہوتی ہے۔ بد دماغ ہی نہیں بلکہ بد ذوق اور ٹھس بھی۔

اس نے خشک لہجے میں کہا۔ "پتہ نہیں آپ کس بات پر ایسا سمجھتی ہیں۔ بھلا میں کیوں آپ کا مذاق

نے لگا۔ جب کہ ہم میں جان پہچان بھی نہیں ہے۔"

لڑکی کوئی جواب دینے کی بجائے اٹھ کر ٹیکسی میں جا بیٹھی۔ حمید کو اس پر اور زیادہ غصہ آیا۔ اب اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ اس کی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔

تھوڑی دیر بعد.... اس نے کار اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی اور لڑکی نے "ارے....ے....!" کہا۔ حمید مڑ کر اُدھر دیکھنے لگا۔ کار پھاٹک سے نکل رہی تھی.... پھر اس نے لڑکی کی آواز سنی جو "بچاؤ.... بچاؤ...." چیخ رہی تھی.... اس کے بعد ہی شاید اس کا منہ بند کر دیا گیا تھا۔

حمید اچھل کر گیراج کی طرف بھاگا۔ موٹر سائیکل ہی سامنے پڑی.... اور وہ اسی کو لے اڑا.... پھاٹک سے نکل کر وہ بائیں جانب مڑ گیا۔

ٹیکسی کی رفتار بہت تیز تھی۔ وہ گرینگ روڈ پر مڑ گئی.... اس کے دوسرے گھماؤ کے متعلق بھی حمید کا خیال صحیح نکلا وہ کٹالی کی طرف جانے والی ویران سڑک پر مڑی تھی۔

حمید سوچ رہا تھا کہ آخر یہ کیا چکر ہے۔ دلاور کو اس ٹیکسی میں دیکھ کر وہ پہلے ہی کھٹکا تھا۔ پھر سوچا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ اس کا ان عورتوں سے کوئی تعلق ہو۔ لیکن پھر لڑکی کی چیخوں کا کیا مطلب تھا۔ وہ اس طرح احتجاج کیوں کر رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ دلاور اسی کار میں اس کے ساتھ نہیں بیٹھ کر آیا تھا۔

حمید کار کا تعاقب کرتا رہا۔ سڑک تقریباً سنسان پڑی تھی کبھی کبھار مویشیوں کی چرنی سے لدا ہوا ایک آدھ ٹرک نظر آ جاتا۔

اچانک حمید نے کار کا پچھلا شیشہ ٹوٹتے دیکھا.... اس نے بڑی پھرتی سے اپنی موٹر سائیکل ٹرک سے کنارے کر لی اگر ذرا بھی چوکا ہوتا تو ریوالور کی گولی اس کی کھوپڑی میں سوراخ کرتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی ہوتی۔ اس نے موٹر سائیکل کی رفتار کم کر دی ساتھ ہی اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ ٹیکسی کی رفتار پہلے سے زیادہ تیز ہو گئی ہے۔ غصے کے مارے اس کا بُرا حال ہو گیا۔ دلاور جیسے کیڑوں کی بھی اتنی ہمت ہو گئی کہ اس پر فائر کر کے نکل جائیں۔

حمید نے موٹر سائیکل کی رفتار پھر تیز کر دی۔ وہ خود تنہا تھا.... ورنہ کوشش کرتا کہ اگلی کار کا کم از کم آدھ ٹائر ہی پھاڑ دے۔

موٹر سائیکل فراٹے بھرتی رہی۔ تھوڑی سی جدوجہد حمید کو کار کے قریب بھی پہنچا سکتی

لیکن حمید خود ہی دیدہ و دانستہ اس سے پہلو تہی کر رہا تھا۔

ٹیکسی سے پھر کوئی فائر نہیں ہوا.... حمید کسی پھرتیلے بندر کی طرح موٹر سائیکل کی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا.... بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے ضرورت پڑنے پر وہ اچھل کر کسی درخت پر جا چڑھے گا۔

اچانک ٹیکسی سے پھر فائر ہوا لیکن گولی پتہ نہیں کدھر نکل گئی۔ شائد فائر کرنے والا بھی نروس ہی تھا۔

پے در پے اس نے چھ فائر کئے لیکن حمید پر بھی شاید خون ہی سوار ہو گیا تھا۔ اب وہ پہلے سے زیادہ محتاط بھی معلوم ہوتا تھا۔

اس سڑک کا اختتام کہاں ہوگا۔ حمید نے سوچا۔ سونا گھاٹ پر اس کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا اور اس کے بعد سمندر تھا۔ تو کیا اس کار کی منزل سونا گھاٹ ہی تھی؟ پھر کیوں نہ راستہ کاٹ کر اس سے پہلے وہاں پہنچنے کی کوشش کی جائے۔

وہ سوچ ہی رہا تھا کہ دفعتاً کار کی رفتار کم ہو گئی۔ ساتھ ہی لڑکی کی چیخیں پھر سنائی دینے لگیں.... کار رک گئی تھی۔ حمید نے موٹر سائیکل بائیں جانب میدان میں موڑ لی اور کار سے آگے پہنچنے کے لئے ایک لمبا چکر لیا.... اس بار دلاور نے کار سے نیچے اتر کر اس پر فائر کیا تھا۔ حمید بال بال بچا.... لیکن وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ابھی ریوالور میں پانچ گولیاں اور ہوں گی۔ کیونکہ چھ فائر تو اس نے پہلے ہی گنے تھے۔ اس کے بعد غالباً وہ دوبارہ لوڈ کیا گیا تھا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ کسی طرح ریوالور خالی کرا دینے کے بعد ایک بار اس پر جا ہی پڑے۔ مگر ریوالور خالی کرانا بھی خطرے سے خالی نہیں تھا۔ بس ایک جوا ہی تھا۔ زندگی اور موت کا کھیل۔ مگر اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ وہ ناک کی سیدھ میں موٹر سائیکل لیتا چلا گیا اور ریوالور کی رینج سے نکل جانے کے بعد پھر پلٹا.... دلاور نے فائر کیا.... اور موٹر سائیکل نے ایک لمبی لہر لی.... گولی بائیں جانب سے نکل گئی.... اس بار پھر وہ ریوالور کی رینج سے نکل جانے کے بعد پلٹا پڑا.... فائر پھر ہوا.... موٹر سائیکل نے پھر ایک طویل لہریا بنایا.... اس بار بھی فائر خالی گیا تھا۔

حمید کو زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی کیونکہ دلاور نے بوکھلاہٹ میں جلد ہی ریوالور خالی کر دیا تھا.... پھر جیسے ہی اس نے ریوالور کو دوبارہ لوڈ کرنا چاہا حمید نے موٹر سائیکل اس پر چڑھا دی۔

چلی کر ایک طرف ہٹا.... لیکن ٹیکسی کے مڈگارڈ سے ٹھوکر کھائی اور دوسری طرف ڈھیر ہو گیا۔

پھر حمید کو یاد نہیں کہ اس نے موٹر سائیکل کس طرح روکی تھی اور کس طرح اس پر جا پڑا تھا۔ اس پر دیوانگی سی طاری ہو گئی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اب دلاور کو اپنے پیروں پر نہیں کھڑا ہونے دے گا۔

اس کا داہنا ہاتھ کسی مشینی ہتھوڑے کی طرح یکساں رفتار سے دلاور کے چہرے پر پڑ رہا تھا۔

اسے یہ بھی نہ محسوس ہو سکا کہ ٹیکسی ڈرائیور نے لڑکی کو ٹیکسی سے نیچے دھکیل دیا تھا اور وہ زمین پر گر کر چیخی تھی۔

ٹیکسی فراٹے بھرتی ہوئی آگے نکل گئی، لیکن حمید کی پوزیشن ذرہ برابر بھی نہیں بدلی۔ وہ دلاور کو اسی طرح رگید رگید کر مار تا رہا۔

لڑکی زمین پر پڑی کھسکتی ہوئی ان سے قریب آ گئی تھی اور کسی ننھے سے بچے کی طرح سسکیاں لے رہی تھی۔

دلاور چیخ رہا تھا اور پٹ رہا تھا۔ جب اس کے آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے تو خون کے ساتھ ناس کے منہ سے گالیوں کا فوارہ بھی چھوٹا۔

پھر آہستہ آہستہ اس کی آواز نحیف ہوتی گئی.... کچھ دیر بعد حمید اسے چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا کیونکہ وہ بیہوش ہو گیا تھا۔ لڑکی اب بھی اسی طرح زمین پر اوندھی پڑی سسکیاں لے رہی تھی۔

"اب تم کیوں مر رہی ہو.... سیدھی کھڑی ہو جاؤ۔" حمید نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"م.... ماف.... کیجئے گا جناب....!" لڑکی نے سسکیاں لیتے ہوئے کچھ کہنا چاہا لیکن اس سے زیادہ نہ کہہ سکی۔

"بیٹھ جاؤ....!" حمید نے کہا۔ اس بار اس کا لہجہ نرم تھا۔

لڑکی کراہ کر بیٹھ گئی.... حمید اسے تحیر آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"تم کار سے اتر کیوں آئی تھیں؟" اس نے پوچھا۔

"میں.... خود نہیں اتری تھی.... اس نے دھکیل دیا تھا۔"

"اس آدمی سے تمہارا کیا تعلق ہے۔" حمید نے بیہوش دلاور کی طرف اشارہ کیا۔

"ہمارا باڈی گارڈ۔"

"جی ہاں.... میں بالکل جاہل ہوں....!" حمید نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"دو.... دیکھئے.... آپ بُرا مان گئے۔ اب میں باڈی گارڈ کا کیا مطلب بتاؤں.... ویسے آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے مجھے بچالیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ دھوکے باز اور بدمعاش نکلے گا.... کیونکہ آپ کے پاس آنے کا مشورہ اسی نے دیا تھا۔"

"کیوں ہم سے کیا کام تھا....!"

"یہ تو.... یہ تو....!" وہ آنچل کا گوشہ انگلی میں لپیٹی ہوئی ہکلائی.... "مم.... ممی ہی بتا سکیں گی۔"

"بے بی کچھ بھی نہیں جانتی۔" حمید نے سوال کیا۔

"دیکھئے.... خدا کے لئے میرا مذاق نہ اڑائیے۔ اس وقت بھی آپ نے میرا مضحکہ اڑایا.... نہ آپ مضحکہ اڑاتے اور نہ اس کی نوبت آتی۔"

"میں نے کیا مضحکہ اڑایا تھا۔ اگر آپ کو حقہ پسند نہیں ہے تو یہ اپنا نجی معاملہ ہے.... اسے آپ مضحکہ اڑانا کیسے کہہ سکتی ہیں۔"

"میں کچھ نہیں جانتی۔" لڑکی نے سر جھکا کر بُرا سا منہ بنالیا۔

"یہ آپ کو کیوں لے بھاگا تھا۔"

"میں کچھ نہیں جانتی.... ممی بتائیں گی۔"

"کیا ممی ہی کے مشورے سے لے بھاگا تھا....!"

"اب میں چیخ چیخ کر رونا شروع کردوں گی۔"

"ارر.... ایسا ہرگز نہ کیجئے گا۔ اس وقت میرے جیب میں رومال بھی نہیں ہے۔ آپ کو پیش کروں گا۔"

"میں آپ کی کسی بات کا جواب نہیں دینا چاہتی۔"

"اچھی بات ہے۔" حمید ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "میں تو چلا۔ وہ موٹر سائیکل کے قریب پہنچا ہی تھا کہ لڑکی جھپٹ کر اس کے سامنے آگئی۔"

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ....؟" وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

"آپ کیا چاہتی ہیں؟"

"میں یہاں سے شہر کس طرح پہنچوں گی۔"

"میں آپ کی کسی بات کا جواب نہیں دینا چاہتا۔"

"خدا کے لئے مجھ پر رحم کیجئے۔" لڑکی گڑگڑائی۔

"اچھا بیٹھ جایئے۔"

"میں اس گدھے کو اپنے کاندھوں پر لاد کر نہیں لے جاؤں گا۔" حمید نے دلاور کی طرف اشارہ کیا۔

"کیوں....؟"

"ارے کیا اب اسے یہیں پڑا رہنے دوں۔"

لڑکی خاموش ہوگئی۔ حمید نے پھر کہا۔ "پتہ نہیں تم لوگ کون سی مصیبت لیکر آئی تھیں۔"

"ممی نے کرنل صاحب کو سب کچھ بتادیا ہوگا۔"

"اور جب باہر تشریف لائی ہوں گی....!"

"بہت پریشان ہوں گی.... بے حد....!"

"تمہیں کس گدھے نے مشورہ دیا تھا کہ اسے اپنا باڈی گارڈ بناؤ۔"

"پتہ نہیں یہ بھی ممی ہی جانتی ہوں گی۔"

"ایسی جاننے والی ممی آج تک میری نظروں سے نہیں گذری تھی۔ میرا خیال ہے کہ تمہارا ابھی ممی ہی جانتی ہوں گی۔"

"میرا نام بیلا ہے۔" لڑکی مسکرائی۔

"مجھے شبہ ہے۔ تمہاری ممی سے تصدیق کئے بغیر یقین نہیں کرسکتا۔"

لڑکی کچھ نہ بولی۔ حمید بیہوش دلاور کو غصیلی نظروں سے دیکھنے لگا۔ اب معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے پیٹا جائے گا۔

"اس کے پاس ریوالور کہاں سے آیا تھا؟"

"پتہ نہیں۔"

"معاف کرنا۔ میں بھول گیا تھا کہ اس کا علم بھی ممی ہی کو ہوگا۔"

"آپ آخر مانتے کیوں نہیں؟"

"کیا....؟"

"برابر میرا مذاق اڑائے جا رہے ہیں۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ اگر ہم پر یہ بُرا وقت نہ ہوتا تو ہم کیوں آتے آپ کے پاس۔"

حمید نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور دردناک لہجے میں بولا۔ "میں بہت عرصہ سے سوچ رہا ہوں کہ محکمہ پولیس میں ایک دعا گو برانچ بھی قائم کی جائے جس سے تعلق رکھنے والے ہر وقت مصلے پر بیٹھے پبلک کے لئے اچھی اچھی دعائیں مانگا کریں....!"

لڑکی کچھ نہ بولی۔ حمید نے پھر ہونٹ ہلائے ہی تھے کہ دلاور نے کراہ کے کروٹ لی اور دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ دبالیا۔ غالباً وہ ہوش میں آ رہا تھا۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ اٹھ بیٹھا۔ حمید کیطرف دیکھ کر اس نے نظریں نیچی کرلیں۔ اسکے چہرے پر خفت کے آثار تھے۔ حمید صحیح اندازہ نہ کر سکا کہ وہ آثار بناوٹی تھے یا حقیقتاً وہ شرمندہ تھا؟ دلاور اس قسم کے ڈھیٹ بدمعاشوں سے اسکے اپنے کسی فعل پر ندامت کی توقع رکھنا حماقت ہی تھی۔

"کیوں اب کیا خیال ہے۔" حمید نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

اس پر کچھ کہنے کی بجائے وہ پھر زمین پر لیٹ گیا۔

"فضول ہے فرزند۔" حمید بولا۔ "میں تمہیں دوڑاتا ہوا شہر لے جاؤں گا۔ اس کے بعد جو ہوگا وہ بھی دیکھ ہی لوگے۔"

مزاج پرسی

دلاور کچھ نہ بولا۔ وہ زمین پر پڑا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ لڑکی حمید کے قریب آ کر ہوئی آہستہ سے بولی۔ "کیا یہ مر رہا ہے۔"

"مر جانے دو....!" حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

"اس نے بھی تو آپ کو مار ڈالنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا مگر آپ اس طرح اس پر چڑھے آ رہے تھے جیسے اس کے ہاتھ میں نقلی پستول ہو۔"

حمید کوئی جواب دینے کی بجائے گردن اکڑا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ اچانک انہوں نے

کا شور سنا اور پھر انہیں پولیس کی تین لاریاں دکھائی دیں جن پر مسلح کانسٹیبل موجود تھے۔ ان کے قریب ہی رکیں اور ایک لاری سے فریدی اترا۔

"ہوں تو یہ....!" وہ دلاور کو بغور دیکھتا ہوا بڑبڑایا۔ پھر حمید سے پوچھا۔ "ٹیکسی کہاں گئی۔"

"وہ نکل گیا۔"

پھر فریدی کی نظر خالی کارتوسوں پر پڑی جو قریب ہی پڑے ہوئے دھوپ میں چمک رہے تھے۔

"فائرنگ بھی کی تھی اس نے۔" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں! بڑی شان سے....!"

"پھر....!"

"لمبی کہانی ہے۔"

اتنی دیر میں کانسٹیبلوں نے نیچے اتر کر دلاور کے گرد حلقہ بنالیا تھا۔

"خیر.... پھر سنوں گا۔" فریدی نے کہا اور پھر ایک لاری کی طرف اشارہ کر کے لڑکی سے "چلو بیٹھو۔"

"یہ تو کہہ رہی تھیں کہ میرے ساتھ بائیک پر جائیں گی۔"

لڑکی نے اس پر غالباً احتجاج ہی کے ہونٹ ہلائے تھے مگر فریدی جلدی سے بولا۔ "جلدی لڑکی.... وقت نہیں ہے۔"

"ممی کہاں ہیں جناب۔"

"کوتوالی میں۔"

"میرے لئے کیا حکم ہے جناب۔" حمید نے خالص طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"تم قاسم کو کوتوالی لاؤ....!"

"کیوں....؟"

"ضرورت ہے۔ اس کے خلاف ایک رپورٹ ہے۔ لیکن مجھے اس رپورٹ کی صداقت میں شبہ ہے۔"

"کچھ بتائیے بھی تو۔"

"کچھ نہیں بس جاؤ.... پھر بتاؤں گا۔"

لاریوں کی روانگی کے بعد حمید نے موٹر سائیکل سنبھالی۔

کچھ دیر بعد وہ شہر میں داخل ہو رہا تھا.... وہ سوچنے لگا کہ آخر قاسم کیوں اور پھر اس معاملے سے اس کا کیا تعلق۔ دفعتاً ایک خیال نے اسے چونکا دیا۔

"کیا اس اغواء میں قاسم کا ہاتھ تھا۔"

اس نے موٹر سائیکل اس سڑک پر موڑ دی جس پر قاسم کی کوٹھی تھی۔

مگر قاسم.... وہ سوچنے لگا۔ قاسم جنسی معاملات میں اتنا دلیر نہیں ہے کہ اغواء قسم کے اقدامات کر سکے۔ وہ تو بس اپنی محرومیوں پر ہائے ہائے کرنا جانتا ہے.... اور چاہتا ہے کہ لوگ اسے مظلوم سمجھیں.... فلمی کہانیوں کے ناکام عاشقوں کی طرح وہ بھی بے ضرر ہے۔ اس میں اتنا دم کہاں ہے کہ عورتوں کے کڑے تیور برداشت کر سکے۔ ظاہر ہے کہ اغواء کی ہوئی عورتیں محبت سے نہیں پیش آتیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ قاسم کی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوا۔ اس کی موٹر سائیکل واٹر کول انجن والی تھی۔ اس لئے اس کی برائے نام آواز قاسم کو مشغولیت سے چونکا نہ سکی جو اس وقت اپنی کمپاؤنڈ میں کرکٹ کھیل رہا تھا۔ ایک ملازم بولنگ کر رہا تھا اور دوسرے دوڑ دوڑ کر گیند اٹھا رہے تھے۔

حمید نے موٹر سائیکل بائیں جانب موڑ دی اور اسے مہندی کی باڑھ کی اوٹ میں روک کر گیا۔ وہ دراصل چھپ کر قاسم کے کرکٹ سے محفوظ ہونا چاہتا تھا۔

کوٹھی کے سارے ملازم کمپاؤنڈ میں موجود تھے۔ قاسم نے غالباً ڈنڈے مار مار کر انہیں کرکٹ میں حصہ لینے پر مجبور کیا ہوگا۔

"ارے.... یہ غیند بھیک رہا ہے یا مکھیاں اڑا رہا ہے۔" قاسم نے ہٹ نہ لگنے پر چیخ کر کہا۔

"پھر کیسے پھینکوں۔" دوسری طرف سے نوکر بھی چیخا۔

سالے کان پکڑ کر نکال باہر کروں گا۔ اگر زبان لڑائی.... چل بے تو پھیک شریفے۔"

شریف نے لپک کر دوسرے سے گیند لے لی۔

اس کا انداز پتھر پھینکنے کا سا تھا۔ گیند قاسم کا شانہ سہلاتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی۔ قاسم نے بوکھلاہٹ میں بلا اٹھا کر اسے روکنا چاہا تھا لیکن بلا ایک زور دار آواز کے ساتھ اس کی پیشانی سے ٹکرایا۔

"ارے باپ رے....!" اس نے بھلا پھینک کر دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا.... اور پھر اس کے بعد نوکروں میں بھگدڑ مچ گئی، جدھر جس کے سینگ سمائے نکل بھاگا۔

"اِدھر قاسم شاید یہ سوچ رہا تھا کہ کاش اس کے سر پر سینگ بھی ہوتے۔"

پھر اس نے بھی بلا اٹھا کر نوکروں کے پیچھے دوڑنے کا قصد کیا ہی تھا کہ حمید لپکتا ہوا اس کے سر پر پہنچ گیا۔

"حمید بھائی!" قاسم نے خوشی کا نعرہ لگایا۔ "اے اللہ قسم.... بہت بڑی عمر ہے تمہاری.... بھی ابھی یاد کیا تھا تمہیں۔"

"کیوں....؟"

"ذرا بولنگ کرو.... پیارے....!"

"دماغ خراب ہوا ہے۔"

"اے جاؤ.... نخرے کرتے ہو۔ پتہ نہیں کیا سمجھتے ہو اپنے کو۔"

"ختم بھی کرو۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "کرکٹ کا مشورہ کس گدھے نے دیا تھا۔"

"تم کیوں آئے ہو یہاں پہلے یہ بتاؤ۔" قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

"تم نے یاد کیا تھا نا....!"

"میں نہیں یاد کیا تھا۔"

حمید نے سوچا کہیں بے لگام نہ ہو جائے۔ ابھی اسے اپنے ساتھ کوتوالی بھی لے جانا تھا۔

"تم نے یاد کیا تھا" اس نے ہنس کر کہا۔ "اور بالکل ٹھیک وقت پر یاد کیا تھا۔ اگر نہ یاد کرتے تو بڑے گھاٹے میں رہتے۔"

"کیوں....؟"

"بس جلدی سے چلو میرے ساتھ۔"

"کہاں....!" قاسم نے مسکرا کر آہستہ سے پوچھا۔

"بس جہاں میں لے چلوں۔ ایسی چیز ہے کہ پھڑک اٹھو گے۔"

"سچ....!" قاسم نے احمقانہ انداز میں پوچھا اور منہ چلانے لگا۔

"چلو.... دیر نہ کرو.... ورنہ پھر مجھے الزام نہ دینا۔"

"غاڑی نکالوں....!"

"نہیں میری بائیک پر چلو.... یہی مناسب ہے۔"

"نہیں.... یار.... وہ جمشید کی سالی ایک دن کہہ رہی تھی کہ بائیک پر تم بالکل اُلو معلوم ہوتے ہو۔"

"کون.... میں....؟" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

"نہیں.... میں۔" قاسم نے بڑے سعادت مندانہ انداز میں کہا۔

"چلو پھینکو یہ بلاولا....!" حمید نے اسکے ہاتھ سے بلا لے کر ایک طرف ڈالتے ہوئے کہا۔"

پھر وہ اُسے موٹر سائیکل پر بٹھا کر کوتوالی کی طرف روانہ ہو گیا۔

"قہاں چلنا ہے۔" قاسم نے پوچھا۔

"زیادہ.... دور نہیں.... ارے ہاں یار ذرا ایک ضروری کام بھی یاد آگیا ہے، دو منٹ کے لئے کوتوالی میں رکیں گے۔ اس کے بعد۔"

"قوئی بات نہیں.... قوئی بات نہیں۔"

موٹر سائیکل فراٹے بھرتی رہی! حمید سوچ رہا تھا کہ کسی دشواری کے بغیر ہی قاسم ہاتھ آگیا ورنہ بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے۔ اگر اسے معلوم ہو جاتا کہ حقیقتاً منزل مقصود کوتوالی ہی ہے تو وہ اپنی کمپاؤنڈ سے باہر قدم نہ نکالتا۔ بیانگ دہل یہی کہتا کہ میں کسی کے باپ کا نوکر نہیں ہوں۔ اپنے منگے کے آئی جی کو یہیں میری کوٹھی پر بھیج دو۔

"وہ چیز کیا ہو گی.... پیارے حمید بھائی۔" قاسم نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"بہت تگڑی ہے قاسم....!"

"واقعی.... امے کیوں مذاخ کرتے ہو۔"

"تم خود ہی دیکھ لو گے۔"

"اچھی بات ہے لیکن اگر تم نے دھوکا دیا تو اچھی بات نہ ہو گی۔" کوتوالی پہنچ کر حمید نے معلوم کیا کہ فریدی کہاں ہے؟

وہ لڑکی اور معمر عورت سمیت ایک کمرے میں موجود تھا۔ یہیں ان کے بیانات لئے گئے تھے اور اس وقت ان تینوں کے علاوہ یہاں اور کوئی نہیں تھا۔

قاسم اور حمید کے کمرے میں داخل ہوتے ہی خاموشی چھا گئی تھی۔

حمید نے بھی محسوس کیا کہ جیسے وہ ان کی آمد ہی پر خاموش ہوئے ہوں۔

"سلام علیکم کرنل صاحب۔" قاسم نے فریدی کو دیکھ کر سلام کے لئے ہاتھ اٹھایا۔

مگر فریدی سلام کا جواب دے کر اس سے کچھ کہنے کی بجائے معمر عورت سے بولا۔ "آج کل موسم بہت واہیات جا رہا ہے.... کیا خیال ہے چیچک کی وبا پھیلنے کا بھی امکان ہو سکتا ہے۔"

"جی ہاں.... ہو سکتا ہے۔" عورت نے لاپروائی سے کہا۔ ویسے وہ قاسم کو دیکھ ہی رہی تھی اور قاسم اس طرح لڑکی کو دیکھ رہا تھا جیسے کوئی گناہ کر رہا ہو۔ کبھی لڑکی کو دیکھتا اور کبھی بوکھلا کر فریدی کی طرف دیکھنے لگتا۔ اسی انداز میں جیسے یہ معلوم کرنا چاہتا ہو کہ کہیں فریدی نے اسے وہ گناہ کرتے تو نہیں دیکھ لیا۔

"تم اچھے تو رہے قاسم....!" دفعتاً فریدی نے اس سے کہا۔ "بہت دنوں سے ہماری طرف نہیں آئے۔"

"جج.... جی ہاں.... اچھا کہاں رہا۔" قاسم درد ناک آواز میں بولا۔ "ملیریا نے پکڑ لیا تھا۔ بڑی کمزوری ہے.... سر چکراتا ہے.... آنکھوں کے نیچے اجالا.... آجاتا ہے۔"

"اندھیرا....!" حمید نے تصحیح کی۔

"ٹھینگے سے۔" قاسم جھلا گیا۔ "تم سے مطلب....!"

"لڑو مت....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ پھر حمید سے کہا۔ "غالباً تم لوگ تفریح کے لئے نکلے ہو۔"

"جج.... جی ہاں۔"

"بہتر ہے.... جاؤ.... لیکن شام کو چار بجے گھر پہنچ جانا۔"

حمید کچھ کہے بغیر دروازے کی طرف مڑ گیا۔ دراصل اسے غصہ آگیا تھا.... وہ سوچ رہا تھا کہ اب قاسم سے کس طرح گلو خلاصی ہو گی۔ وہ اسے کہاں لئے پھرے گا۔ ظاہر ہے کہ قاسم اب اس وقت تک اس کا پیچھا چھوڑنے سے رہا جب تک کہ اس بھاگ دوڑ کا مقصد اسے نہ بتا دیا جائے۔

آخر اسے کوتوالی کیوں بلوایا گیا تھا اور پھر اس طرح خیریت دریافت کر کے رخصت کر دینا کیا معنی رکھتا تھا۔

"اے حمید بھائی یہ قون تھی....!" قاسم نے باہر نکل کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہااور پھر حمید کی سمجھ میں آگیا کہ قاسم سے کس طرح پیچھا چھڑایا جائے۔

"کیسی تھی....!" حمید نے پوچھا۔

"بڑے گجب.... غضب کی آنکھیں تھیں۔"

"بس یہی دکھانے کے لئے تمہیں لایا تھا۔"

"ارے واہ.... تم نے تو کہا تھا کہ کوتوالی میں ایک کام ہے اس کے بعد پھر وہاں چلیں گے جہاں جانا ہے۔"

"یار قاسم مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"قیوں....؟"

"اگر میں تم سے یہ کہتا کہ وہ غضب کی آنکھیں کوتوالی میں ہیں تو کیا تم یقین کر لیتے۔"

"کیوں نہ کرتا۔"

"ہرگز نہ کرتے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "تم یہی سمجھتے کہ میں تمہیں بے وقوف بنا رہا ہوں بھلا کوتوالی میں غضب کی آنکھوں کا کیا کام۔ البتہ وہاں غضب ناک آنکھیں ضرور ملتی ہیں۔"

"پتہ نہیں.... مارو گولی.... مگر اب کہاں لے جا رہے ہو۔"

"کہیں بیٹھ کر ان غضب کی آنکھوں کی یاد میں آہیں بھریں گے۔"

"فریدی صاحب وہاں کیا کر رہے تھے۔"

"ارے.... وہ میرا تو ناک میں دم ہو گیا ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "وہیں ایک بوڑھی عورت بھی تھی نا...."

"ہاں ہاں.... وہ کون تھی۔"

"اسی لڑکی کی ماں.... فریدی صاحب بوڑھی عورت سے شادی کرنے جا رہے ہیں اور مجھے مجبور کر رہے ہیں کہ میں لڑکی سے شادی کر لوں۔"

"تو پھر مجھے یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی۔" قاسم نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"تمہیں نہیں تو پھر کیا تمہارے باپ کو لاتا۔"

"ذرا لا کر تو دیکھو کیسی گت بناتا ہوں۔ بڑے لائیں گے میرے باپ کو؟"

"خفا ہونے کی ضرورت نہیں پیارے۔ میں دراصل دوستوں کی پسند کی شادی کرنا چاہتا اگر تمہیں پسند ہے تو پھر ٹھیک ہے پسند نہیں آئی تو انکار کر دوں گا۔"

"تم الٹی سیدھی باتیں کر رہے ہو۔"

"بالکل سیدھی باتیں ہیں۔"

"اب تو پھر شادی دوستوں کو کرنی ہے یا تمہیں۔"

"شادی تو مجھے ہی کرنی ہے۔ مگر شادی کے بعد مجھے اتنا وقت کہاں ملے گا کہ میں بیوی میں ہی لے سکوں۔"

"ہی ہی ہی ہی....!" قاسم دونوں ہاتھوں سے منہ دبا کر ہنسنے لگا۔ پھر ہنستا ہوا بولا۔ "یعنی کہ ہی.... وہ دوستوں کی ہی ہی ہی.... اے جاؤ۔"

"اگر تم کہو تو میں کرنل کو اس پر راضی کر لوں کہ تمہاری شادی اس سے ہو جائے گی۔"

"ہائیں.... ہائیں....!" قاسم ہنستا ہوا بولا۔ "ایک ہی بات ہے تم ہی کر لو شادی....! مگر یہ ایسی بھی نہیں ہے کہ تم اس سے شادی کر لو.... اے کیا کہا تھا تم نے کرنل اس بوڑھیا سے شادی کریں گے۔"

"ہاں....!" حمید ایک ٹھنڈی سانس لے کر درد بھری آواز میں بولا۔

"ارے یار پچھلے سال جس عورت سے انہوں نے شادی کرنے کی کوشش کی تھی وہ اس سے کچھ زیادہ بوڑھی تھی۔ بدقت تمام میں نے انہیں روکا تھا۔"

"اچھا میں تو اب جاؤں گا۔" یک بیک قاسم نے کہا اور حمید کو اس پر بڑی حیرت ہوئی کیونکہ وہ تو اسے پکڑ لینے کے بعد کسی طرح پیچھا ہی نہیں چھوڑتا تھا.... کچھ بھی ہو۔ حمید خود بھی یہی چاہتا تھا کہ کسی طرح اس سے پیچھا چھوٹ جائے۔

اسے یہ بھی تو دیکھنا تھا کہ آخر اسے کوتوالی میں طلب کر کے اسکی خیریت کیوں دریافت کی گئی تھی۔

کتے کا مالک

ٹھیک چار بجے وہ گھر پہنچ گیا۔ فریدی موجود تھا۔ حمید نے محسوس کیا کہ وہ اُسے غصیلی

نظروں سے دیکھ رہا ہے۔

"یہ کیا حماقت تھی؟" اس نے پوچھا۔

"کیسی حماقت؟"

"لڑکی نے مجھے بتایا تھا کہ تم نے دلاور کو کس طرح قابو میں کیا تھا۔"

"اگر اسے قابو کرنا حماقت تھی تو میں تہہ دل سے معافی کا خواستگار ہوں۔" حمید نے جلے

لہجے میں کہا۔

فریدی چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر بولا۔ "اگر وہ خود ہی نروس نہ ہو گیا ہوتا

اس احمقانہ دلیری کا انعام تمہیں ضرور مل جاتا۔"

"اوہ....!" حمید نے ایک طویل سانس لی اور پھر آرام کرسی میں گرتا ہوا بولا۔ "میں ایک

ایسے آدمی کا شاگرد ہوں جو خود بھی عاقبت اندیشی کا قائل نہیں ہے۔"

"مجھے کیا کرنا ہے۔ خود ہی بھگتو گے کسی دن۔"

"ویسے مجھے خود بھی افسوس ہے کہ اس کی گولی کا شکار نہ ہو سکا۔ قاسم کے ساتھ وقت برب

کرنے سے بہتر تو یہی ہوتا۔"

"اوہ....!" فریدی مسکرایا۔

"آپ اگر مجھے ٹالنا چاہتے تھے تو یوں بھی ٹال سکتے تھے۔ خواہ مخواہ قاسم کو کیوں گھسیٹ ڈالا۔"

"آہا.... تمہیں شاید یہ ناگوار گذر رہا ہے کہ میں نے قاسم کی خیریت پوچھی تھی۔"

"خیریت آپ فون پر بھی دریافت کر سکتے تھے۔ پھر اس کا کیا مطلب تھا کہ خیریت کو تھا

ہی میں دریافت کی جائے۔"

"کیا اس لڑکی نے تمہیں کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔"

"نہیں شاید اس کی ممی اس کے حصے کی باتیں بھی جانتی ہے.... اس لئے وہ باتیں برا

راست آپ کے ہی حصے میں آئی ہوں گی۔"

"وہ باتیں عجیب بھی ہیں حمید صاحب اور دلچسپ بھی۔"

"یقیناً ہوں گی.... لیکن اگر آپ بتانا نہیں چاہتے تو اس انداز میں ان کا تذکرہ بھی نہ کیجئے۔"

"میں بتانا چاہتا ہوں۔" فریدی مسکرایا۔

"مگر شرط یہ ہے کہ میں پہلے آپ کو بھیم پلاسی سناؤں پھر تانڈو ناچ کر دکھاؤں۔"

"نہیں بڑی ہلکی شرط ہے۔"

"ہلکی بھاری کی پرواہ نہیں ہے آپ شرط بیان کیجئے۔"

"تمہیں شہر میں ایک ایسا کتا تلاش کرنا ہے جس کے کان سفید ہیں اور جسم سیاہ۔"

"نہ ملا تو میں خود ہی بن جاؤں گا مگر خدا کے لئے اب بور نہ کیجئے۔"

شہر کے بعض مالدار آدمی اس لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ فریدی نے کہا اور حمید ایک

ں پر کھڑا ہو کر کتوں کی طرح بھونکنے لگا۔ فریدی کو ہنسی آ گئی....

"کاش یہ کتا اس ہنسی میں بھی آپ کا ساتھ دے سکتا۔" حمید نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"یہ حقیقت ہے حمید صاحب میں نے غلط بیانی سے کام نہیں لیا۔" فریدی نے کہا۔

"اور ان مالدار آدمیوں میں وہ کتا بھی شامل ہے۔"

"تم مذاق ہی سمجھ رہے ہو۔" فریدی ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

"نہیں مجھے یقین ہے کہ وہ اس شادی کے لئے آپ کی رضامندی حاصل کرنے آئی تھی۔"

"مگر میں صرف قاسم کے متعلق معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے اسے کوتوالی میں کیوں

لایا تھا۔"

"قصہ طویل ہے! مختصراً یہ کہ .... کئی مالدار آدمی اس لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔

بڑھی کافی چالاک ہے۔ جب اس قسم کے پیغامات آنے شروع ہوئے تو اس نے سختی سے انکار

کرنا شروع کر دیا۔ شروع میں وہ لوگ منت سماجت کرتے رہے پھر کئی بار لڑکی کو اغواء کرنے کی

کوشش کی گئی۔ بوڑھی الجھن میں ہے کہ آخر ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ اس کی لڑکی بیلا کبھی سوسائٹی

میں بھی نہیں آئی.... مردوں سے اس کا میل جول قطعی نہیں تھا۔ یہ بوڑھی عورت مسز مطرب

چونکہ برائیوں میں اپنی زندگی گزار چکی ہے اس لئے اس نے بیلا کو کڑی نگرانی میں رکھا تھا اور

کوشش کرتی رہی تھی کہ وہ بے راہ نہ ہونے پائے۔ لیکن پھر بھی اس کے اتنے گاہک پیدا ہو چکے

تمہارا کا بیان ہے کہ ان متمول آدمیوں میں سے بعض اس سے براہِ راست بھی مل چکے ہیں۔

خان بہادر عاصم کا بیٹا قاسم بھی ان میں سے ایک تھا۔"

"قاسم....!" حمید یک بیک اچھل پڑا۔

"ہاں! لیکن وہ قاسم کو شناخت نہیں کر سکی۔ قاسم کو اس طرح وہاں بلوانے کا یہی مقصد تھا۔ اسے شناختی پریڈ سمجھ لو.... قاسم کا نام آتے ہی میں نے سوچا تھا کہ وہ اس کی ہمت نہیں کر سکے گی کیونکہ اپنے باپ سے بے حد ڈرتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ قاسم کے نام سے کوئی دوسرا ہی اس سے ملا ہو.... یہی حقیقت بھی تھی۔"

"فراڈ....!"

"ابھی یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا۔ مگر فراڈ سے تمہاری کیا مراد ہے۔"

"اس عورت کے ساتھ فراڈ ہو رہا ہے یا وہ خود فراڈ کر رہی ہے۔"

"عورت....!"

"اس کے لئے مقصد بھی ضروری ہے۔ بھلا اس فراڈ کا ہماری ذات سے کیا تعلق ہو سکتا ہے وہ ہمارے پاس کیونکر آئی تھی۔"

"کیا آپ مسز شوخ[1] کا واقعہ بھول گئے۔"

"مجھے یاد ہے۔"

"دلاور والا ڈرامہ مشتبہ ہے میری نظروں میں۔" حمید نے کہا۔ "مگر اس نے اپنی ٹیکسی میں دلاور کی موجودگی کا کیا جواز پیش کیا تھا۔"

"جب اس نے یہ محسوس کیا کہ لڑکی کے اغواء کی کوشش ہو رہی ہے تو اس نے چند بدمعاش ملازم رکھے۔ دلاور بھی انہیں میں سے ایک تھا۔"

"اور اس کا تعلق بھی کسی ایسی ہی پارٹی سے تھا جو شادی کے لئے کوشاں ہے۔"

"ہاں عورت کا بھی یہی خیال ہے۔"

"آپ نے ان لوگوں کو بھی چیک کیا جن کا نام اس سلسلے میں لیا گیا تھا۔"

"صرف تین آدمیوں کے نام اس نے لئے تھے ویسے امیدواروں کی لسٹ لمبی ہے۔ تین کے علاوہ اور کسی کا نام بوڑھی کو یاد نہیں۔ ان میں سے ایک قاسم ہی تھا جسے وہ شناخت نہیں کر سکی۔"

"دوسرے آدمی نے بھی اس طرف سے لاعلمی ظاہر کی۔ یہ دوسرا آدمی پرنس دارا پور ہے! اس کا نام بھی اس نے لیا تھا۔"

---

[1] مسز شوخ کی کہانی کے لئے جاسوسی دنیا کی "نیلی روشنی" جلد نمبر 6 ملاحظہ فرمائیے۔

"بہت اونچی جا رہی ہے۔"

"تیسرے آدمی نے اعتراف کیا۔ اس نے اسے پیغام بھجوایا ہے۔"

"وہ تیسرا آدمی کون ہے۔"

"وہ ایک خبطی آدمی ہے۔ مالدار بھی ہے.... ممکن ہے تم نے صبا نسیمی کا نام سنا ہو۔"

"ارے وہ مجہول شاعر.... جو اکثر مشاعروں میں شراب پی کر ناچنے لگتا ہے۔"

"وہی! رند مشرب آدمی ہے۔ لیکن اس نے بتایا کہ وہ بیلا سے صرف اس لئے شادی کا خواہش مند ہے کہ اس کا باپ مطرب بھی ایک بہت اچھا شاعر تھا۔"

"بوڑھی پرنس دارا پور کو شناخت کر سکی ہے یا نہیں۔"

"ابھی اس کی نوبت نہیں آئی.... لیکن اس کی شناختی پریڈ کے لئے بھی کوئی نہ کوئی بہانہ پیدا کرنا پڑے گا۔"

"ہو سکتا ہے کہ قاسم ہی کے معاملے کی طرح وہ بھی غلط ہو۔"

"ہو سکتا ہے۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

حمید بھی کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔

"یہ سفید کانوں والے سیاہ کتے کے متعلق آپ نے کیا کہا تھا۔"

"ان لوگوں میں سے ایک آدمی کیساتھ ایسا ہی کتا دیکھا گیا تھا جنکے نام اسے یاد نہیں ہیں۔"

"یہ صبا نسیمی بھی بذاتِ خود اس سے ملا تھا یا اس نے کسی سے پیغام بھجوایا تھا۔"

"خود بھی ملا تھا.... اور دوسروں سے بھی سفارش کرائی تھی۔"

"لڑکی بہت مالدار ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"قطعی نہیں! متوسط طبقے کے لوگ ہیں۔"

"تب پھر اس کا کوئی لاولد چچا یا ماموں دس پندرہ جواہرات کی کانوں کا مالک رہا ہو گا کسی دور ملک میں جا مرا ہو گا۔"

"کبھی اسی طرح سوچتے رہو۔" فریدی زہر خند کے ساتھ بولا۔ "اختتام پر کسی جیالے ہیرو سے اس کی شادی بھی ہو جائے گی۔"

"پھر اور کیا بات ہو سکتی ہے۔" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔ "وہ خود بھی مالدار نہیں ہے.... چاند

کا ٹکڑا بھی اسے نہیں کہا جاسکتا۔ وہ کبھی سوسائٹی میں بھی نہیں آئی۔ پھر کیوں مرے جارہے لوگ اس کے لئے.....!"

"اگر عورت کا بیان درست ہے تو یہی معلوم کرنا پڑے گا۔"

حمید پھر خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتے رہنے کے بعد بولا۔ "کیا میں صبا نگہ ٹٹولنے کی کوشش کروں۔"

"اس سے پہلے پرنس داراپور کی شناخت ضروری ہے۔"

"پرنس داراپور کو اکثر میں نے ہائی سرکل کلب میں بھی دیکھا ہے۔"

"ضرور دیکھا ہوگا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ حمید نے محسوس کیا جیسے یک بیک اس کی ساری دلچسپی ختم ہو گئی ہو۔ اس کے چہرے پر ایسے ہی آثار نظر آئے تھے۔

حمید چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ "تو اب میری چھٹی ہے نا.....!"

"نہیں..... تمہیں بھی کچھ کرنا ہے۔"

"کس سلسلے میں۔"

"کیا اتنی دیر سے تم مجھے بھیر دیں سنا رہے تھے۔" فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"آہا..... ٹھیک تو پھر مجھے اس سلسلے میں کیا کرنا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ اتوار کو بہ دما بھی غیر حاضر ہو جانا چاہتا ہے۔"

"تمہیں ان دونوں کی حفاظت کرنی ہے۔"

"طریقہ کیا ہوگا۔"

"تم ان کے یہاں مہمان کی حیثیت سے قیام کرو گے۔"

حمید نے ایک طویل سانس لی۔ فریدی کا فیصلہ غیر متوقع تھا اس سے پہلے کبھی اس نے اسے کسی عورت کا مہمان بنانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"لیکن تاوقتیکہ آپ عورت کے بیان کی تصدیق نہ کرلیں میں اسے دردسری ہی سمجھتا ہوں۔"

"اگر عورت کے بیان کی تصدیق نہ ہو سکی تو اس صورت میں اس کیس کی کیا شکل ہوگی۔" فریدی نے غصیلے لہجے میں سوال کیا۔

"اوہ..... تب تو.....!" حمید خاموش ہو گیا۔

"اگر وہ جھوٹی ہے تو ہمارے پاس کیوں آئی تھی؟ مقصد کیا ہو سکتا ہے اس جھوٹ کا اور پھر بہت سے ہم ہی کیوں! وہ براہِ راست باقاعدہ طور پر ہمارے محکمے سے امداد طلب کر سکتی تھی۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں..... دیکھئے نا..... وہ لڑکی کچھ زیادہ جچی نہیں تھی ورنہ میں آپ سے اتنی بحث ہی نہ کرتا۔"

"بکواس بند کرو..... جاؤ..... چائے پیو۔ اس کے بعد باہر چلنا ہے۔"

حمید سوچ رہا تھا کہ یہ کس قسم کی سازش ہو سکتی ہے۔ ان دنوں تو فریدی کے پاس کوئی اہم کیس نہیں تھا۔ سازش کا خیال پیدا ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اس سے پہلے بھی کئی بار بعض مجرموں نے اصل کیس سے ان کی توجہ ہٹانے کے لئے عجیب و غریب حرکتیں کی تھیں اور ان کے نتائج اصل کیس سے بھی زیادہ اہم سمجھے جاسکتے تھے۔ لہٰذا ممکن تھا کہ یہ شادی اور اغواء کا جھگڑا بھی قبیل کی کوئی چیز ہوتا۔

"تقریباً چھ بجے وہ باہر کے لئے روانہ ہو گئے..... حمید کا موڈ اچھا ہی تھا۔"

"اب ہم کہاں جارہے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"مجھے یاد پڑتا ہے کہ پچھلے سال کتوں کی نمائش میں ایک کتا ایسا بھی تھا جس کے کان سفید اور جسم سیاہ۔ وہ کتا یقیناً ایسا ہی تھا کہ اسے رکھا جاسکے۔ اگر مسز مطرب نے خصوصیت سے اس کا حوالہ دیا ہے تو اس کی یادداشت کو غیر معمولی بھی نہیں کہا جاسکتا۔ تم خود سوچو کوئی ایسا کتا جس کا جسم بالکل سیاہ ہو اور صرف کان سفید ہوں..... اتنے سفید کہ دیکھنے والا ان کے بے داغ ہونے کا بھی بہت سے تذکرہ کرے۔"

"اگر مجھے کوئی سینگوں والا کتا نظر آئے تو مجھے اس کی بھی ذرہ برابر پرواہ نہ ہوگی۔" حمید نے کہا۔ "کیونکہ سارے ہی کتے بھونکنے والے ہوتے ہیں خواہ آپ انہیں شیکسپیئر کے سارے ڈرامے ہی کیوں نہ رٹوا دیجئے۔"

"غیر متعلق باتیں کرنے والوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔" فریدی نے خشک لہجے میں پوچھا۔

"وہ عموماً بڑے آدمی ہوتے ہیں۔" حمید نے کہا پھر جلدی سے بولا۔ "مگر ہم اس کتے کو کہاں

تلاش کرتے پھریں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس سلسلے میں سر سیتارام کی یادداشت پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔"

"مگر وہ تو آپ کی شکل ہی دیکھ کر سرخ ہو جاتا ہے! کیونکہ آپ ہی اس کی بدنامی کا باعث بنے تھے۔"

"کسی دوسرے سے معلوم کراؤں گا۔"

"کچھ دیر بعد فریدی کی کار عدنان کی کوٹھی میں داخل ہوئی۔ یہ ایک بڑا سرمایہ دار اور کر فریدی کے مداحوں میں سے تھا۔"

اس نے بڑی گرم جوشی سے ان دونوں کا استقبال کیا.... فریدی نے اسے بتایا کہ وہ ایک کے متعلق معلومات فراہم کرنا چاہتا ہے۔

سر سیتارام کے حوالے پر عدنان نے کہا کہ وہ بہ آسانی اس سے معلوم کر سکے گا۔

"عدنان انہیں اپنی کوٹھی ہی میں چھوڑ کر چلا گیا۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ ایک گھنٹے اندر ہی اندر انہیں مطلع کرے گا۔"

"اس کے بعد کیا ارادہ ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"صبا نسیمی جو اس کا اعتراف کرتا ہے اس طرح کیوں نظر انداز کیا جا رہا ہے۔!"

"وہ سامنے ہی ہے، دراصل ان لوگوں کو اہمیت دینی ہی پڑے گی جو قاسم اور پرنس دارا کے نام پر مسز مطرب کو دھوکا دیتے رہے ہیں۔"

"آپ اتنے پر یقین لہجے میں اس کا تذکرہ مت کیجئے ہو سکتا ہے وہی ہمیں دھوکا دینے کوشش کر رہی ہو۔"

"تو کیا اس طرح اس کا تذکرہ کرنے سے مجھ پر آسمان ٹوٹ پڑے گا۔" فریدی جھلا گیا۔

"معاف کیجئے گا میں اس وقت اخلاقیات کی وادی میں بھٹک رہا تھا۔"

فریدی کچھ نہ بولا.... اس کی آنکھیں سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "مجھے حیرت ہے کہ تم نے ابھی تک دلاور کے متعلق کچھ نہیں پوچھا۔"

"کیا پوچھوں! میں جانتا ہوں کہ وہ یا تو مر چکا ہوگا یا مرنے والا ہوگا۔"

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اس بُری طرح مارنے کی کیا ضرورت تھی۔" فریدی نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

"افسوس کہ خالی ہاتھ تھا ورنہ اور زیادہ سلیقے سے مارتا۔"

"نہیں.... یہ غلط ہے قابو میں آئے ہوئے آدمی کو اس طرح نہیں مارنا چاہئے۔"

"اگر قابو میں لانے ہی کے لئے اتنی محنت کرنی پڑی ہو تو....؟"

"نہیں....! مجھے یقین ہے کہ وہ آسانی سے قابو میں آگیا ہوگا۔"

"تو پھر شاید وہ نشانہ بازی کی مشق کر رہا تھا اور میں بچاؤ کی۔"

"کیا اس سے لپٹ پڑنے کے بعد تمہیں زیادہ دیر تک جدوجہد کرنی پڑی تھی۔"

"ختم بھی کیجئے۔" حمید اکتا کر بولا۔ "اگر مجھ سے ذرا سی بھی لغزش ہو گئی ہوتی تو آپ یہاں ہونے کی بجائے میری میت سمیت قبرستان میں ہوتے۔ میں نے آپ سے صرف یہ معلوم کرنا چاہا تھا کہ دلاور نے کیا بیان دیا ہے۔"

"مجھے اس کے بیان پر یقین نہیں آیا۔" فریدی نے کہا۔ "ویسے اس نے کہا تھا کہ وہ اس لڑکی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس سے بے حد محبت کرتا ہے۔"

"آپ کو یقین کیوں نہیں آیا۔"

"بس یونہی۔ فی الحال اس کے لئے میرے پاس کوئی منطقی دلیل نہیں ہے۔"

"تب پھر مجبوراً مجھے اس کا بیان صحیح تسلیم کرنا پڑے گا۔" حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "محبت وغیرہ کے معاملات میں آپ مجھ سے مشورہ کئے بغیر کوئی رائے نہ قائم کیا کیجئے۔"

"فریدی پھر خاموش ہو گیا تھا اس نے جیب سے سگار کیس نکالا اور ایک سگار منتخب کر کے کا گوشہ توڑنے لگا۔"

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھایا اور جس طرح بولنے والے کو مخاطب کیا اس سے حمید نے یہی اندازہ لگایا کہ دوسری طرف عدنان ہی ہو سکتا ہے۔ کچھ دیر بعد اس نے ریسیور رکھ کر ایک طویل سانس لی۔

"کیوں کون تھا....؟" حمید نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ تم نے وہ بات کسی حد تک سوچ سمجھ کر کہی تھی۔"

"کون سی بات....!"

"یہی کہ ہو سکتا ہے یہ کسی مالدار لاولد چچا یا ماموں کی کہانی ہو۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"سر سیتا رام نے اس کی تصدیق کر دی ہے کہ پچھلی نمائش میں ایک کتا ایسا تھا اور انہوں نے کتے کے مالک کا نام بھی بتایا ہے۔"

"کیا پرنس دارا پور۔"

"نہیں....!"

"خان افضل....!"

"اوہو.... وہی جس کی چاندی کی کانیں جنوب میں ہیں۔"

اندھیرے میں ہنگامہ

رات تاریک تھی.... لیکن مطلع غبار آلود نہیں تھا۔ اس لئے تاروں کی چھاؤں میں بھی حمید عمارت کے عقبی حصے کی دیکھ بھال بخوبی کر سکتا تھا۔

یہ ایک قدیم وضع کی بڑی عمارت تھی اور مختلف ترکوں میں منتقل ہوتی ہوئی مسز مطرب یا بیلا مطرب تک پہنچی تھی، اگر یہ ان کا آبائی مکان نہ ہوتا تو یہ خواب میں بھی اتنی بڑی عمارت کا تصور نہ کر سکتیں۔ یہ عمارت شہر کے اس حصے میں واقع تھی جو پرانا شہر کہلاتا تھا.... وہ دونوں متوسط طبقے کے افراد کی سی زندگی بسر کرتی تھیں۔ کسی زمانے میں مطرب کا شمار ضرور بڑے آدمیوں میں ہوتا تھا۔ لیکن اس کی موت کے بعد اس کی دولت میں گویا پر لگ گئے تھے مسز مطرب نے دل کھول کر اور آنکھیں بند کر کے اس کی پس انداز کی ہوئی رقومات اڑائی تھیں۔ اگر مطرب نے کچھ جائیداد و مکانات اور باغات کی شکل میں نہ چھوڑی ہوتی تو یہ ماں بیٹی اب تک کوڑی کوڑی کو محتاط ہو چکی ہوتیں.... اب مکانات اور باغات ہی کی آمدنی پر ان کی بسر اوقات کر سکتی تھیں۔ مگر اس آمدنی کی بنا پر انہیں اتنا مالدار بھی نہیں سمجھا جا سکتا جتنا خود مطرب تھا۔

حمید کی آمد پر مسز مطرب نے اب بڑی خوشی ظاہر کی تھی اور اس کا شکریہ بھی ادا کیا تھا

کیونکہ اگر پچھلے دنوں وہ اس کی مدد نہ کرتا تو بیلا یقینی طور پر اڑالی گئی ہوتی! بھلا دلاور نے کون سا نتیجہ اخذ کر رکھا تھا۔ پھر مسز مطرب نے حمید کو یہ بھی بتایا کہ کرنل سے طالب امداد ہونے کا مشورہ دلاور ہی نے دیا تھا اور اسی نے اس ملاقات کی ہمت بھی دلائی ورنہ مسز مطرب کی ہمت ہی نہ پڑتی.... اور پھر اسی دلاور نے بیلا کو فریدی ہی کی کمپاؤنڈ سے اڑالے جانے کی کوشش کی تھی۔

حمید نے مسز مطرب کو یقین دلایا تھا کہ اب ان سازشیوں کے ہاتھ بھی بیلا تک نہیں پہنچ سکتے۔ مسز مطرب گھوڑے بیچ کر سو رہی تھی اور حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ خود کسی گدھے پر سوار ہو۔ کیونکہ ابھی تک اسے کوئی بات نہیں نظر آئی تھیں جو اس کی شب بیداری کی اہمیت بڑھا سکتی۔

وہ عمارت کی دوسری منزل پر تھا۔ کیونکہ وہ دونوں اوپری منزل ہی پر سوتی تھیں! نیچے چار نگران چوکیداروں کا پہرہ تھا جن پر اعتماد کیا بھی جا سکتا تھا اور نہیں بھی کیا جا سکتا تھا، کیونکہ یہ بھی دلاور ہی کی طرح حال ہی میں ملازم رکھے گئے تھے۔

دور کسی گھڑیال نے ایک بجایا اور حمید ایک کمرے کی عقبی کھڑکی کھول کر عمارت کی پشت پر دیکھنے لگا۔ اس طرف دور تک قدیم عمارتوں کے کھنڈروں کا سلسلہ تھا جن میں کہیں کہیں روشنی بھی نظر آ رہی تھی۔ اکثر خانہ بدوش ان کھنڈروں کے آس پاس جھونپڑیاں ڈال لیا کرتے تھے۔

یک بیک حمید چونک پڑا اس نے قریب ہی قدموں کی آوازیں سنیں تھیں۔ کوئی اوپری منزل کے کسی قریبی حصے میں چل رہا تھا۔ وہ دروازے کی طرف جھپٹا۔ اور پھر دروازے ہی پر ٹھٹک گیا.... صحن میں اسے ایک سایہ نظر آیا تھا دوسرے ہی لمحے میں اس کا ریوالور نکل آیا۔

"خبردار اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کرنا۔" وہ غرایا۔

"اوہ.... یہ میں ہوں کپتان صاحب۔" اس نے بیلا کی دھیمی دھیمی آواز سنی۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو۔"

"نیند نہیں آ رہی مجھے۔"

"اور ممی تمہاری۔"

"وہ سو رہی ہیں۔"

"جاؤ تم بھی سو جاؤ۔"

"کیسے سو جاؤں نیند آتی ہی نہیں۔"

حمید سوچنے لگا۔ کیا وہ خود ہی فرار ہو جانے کے چکر میں ہے۔ بیلا قریب آ گئی تھی۔ حمید نے کیروسین لیمپ کی بتی بڑھا دی۔

"بیلا شب خوابی کے لباس میں تھی اور اسی وقت نہ جانے کیوں معمول سے زیادہ دلکش نظر آ رہی تھی۔"

"کیا آپ خواب کی تعبیر بھی بتا سکتے ہیں۔" اس نے پوچھا اور حمید کو اس بے تکے سوال پر غصہ آیا۔

"کیوں....؟" اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"میں اپنے ایک خواب کی وجہ سے الجھن میں پڑ گئی ہوں؟"

"کیسا خواب تھا۔"

"پچھلی رات میں نے دیکھا جیسے میں کنوئیں میں گر گئی ہوں۔"

"آپ عنقریب ہوائی سفر کریں گی۔"

"یہ کیسے کہہ دیا آپ نے۔"

"تعبیر ہمیشہ الٹی ہوتی ہے۔" حمید غصیلے لہجہ میں بولا۔ "ایک بار میں نے دیکھا تھا جیسے میں ہوائی سفر کر رہا ہوں۔ دوسرے ہی دن کنوئیں میں گر گیا تھا۔"

بیلا ہنسنے لگی۔ اس پر حمید نے کہا۔ "آپ کو شرم آنی چاہئے۔ میں کنوئیں میں گر گیا تھا آپ ہنس رہی ہیں۔ لیکن اگر ممی جاگ گئیں تو ہم دونوں ہی کو رونا پڑے گا۔ لہٰذا چپ چاپ رخصت ہو جائیے.... جائیے۔"

"نہیں وہ نہیں جاگ سکتیں۔"

"کیا زہر دے دیا ہے آپ نے....!"

"آپ فضول باتیں کیوں کرتے ہیں.... خدانخواستہ۔" وہ جھنجھلا گئی۔

"پھر ان کے جاگنے میں کون سی چیز مانع ہو سکتی ہے۔"

"وہ خواب آور دوا لے کر سوتی ہیں۔"

"مجھے حیرت ہے محترمہ بیلا۔"

"کیوں حیرت کیوں ہے۔"

"ایسے حالات میں بھی وہ خواب آور دوائیں استعمال کر سکتی ہیں۔"

"ان کے بغیر انہیں نیند ہی نہیں آتی۔ ادھر مسلسل تین راتوں سے جاگ رہی تھیں آج شاید آپ کی موجودگی کی بناء پر انہیں اطمینان تھا۔"

حمید چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "بیٹھ جائیے۔"

بیلا ایک اسٹول پر بیٹھ گئی۔

"آپ کہاں پڑھتی ہیں؟"

"زنانہ گورنمنٹ کالج میں....!"

"کس ایئر میں....!"

"تھرڈ ایئر میں....!"

"کسی ایسے کالج میں داخلہ کیوں نہیں لیا تھا جہاں مخلوط تعلیم کا طریقہ رائج ہو۔"

"کیوں....؟ وہاں کیا کرتی۔"

"وہاں بھی پڑھتیں.... مطلب یہ کہ....!"

"ممی مخلوط تعلیم والے اداروں کو پسند نہیں کرتیں۔"

"مگر آپ کی یہی خواہش تھی کہ آپ کسی ایسے ہی ادارے میں تعلیم حاصل کریں۔"

"آپ خواہ مخواہ مجھے متہم کر رہے ہیں۔ جی نہیں یہ میری خواہش کبھی نہیں رہی۔"

"آپ خواہ مخواہ خفا ہو رہی ہیں.... میرا یہ مطلب نہیں تھا کہ آپ مخلوط تعلیم کی شائق ہیں۔ بس یونہی ایک بات پوچھ لی تھی۔ اگر آپ کو ناگوار گذری ہو تو....!"

"نہیں نہیں.... آپ بھی غلط سمجھے.... ممی اسے قطعی پسند نہیں کرتیں کہ میری دوستی لڑکوں سے ہو۔ دیکھئے بات دراصل یہ ہے کہ میں آج کل سوچتی کچھ ہوں اور زبان سے کچھ نکل جاتا ہے۔"

"آپ ہوائی سفر ضرور کریں گی اسے لکھ لیجئے.... ارے ہاں.... آپ تو خیر ممی کے ڈر سے لڑکوں سے دوستی نہ کرتی ہوں گی لیکن بعض لڑکے یقیناً آپ سے دوستی کے خواہش مند ہوں گے....."

"جی ہاں.... قدرتی بات ہے۔"

"میں کسی ایسے لڑکے کو نہیں جانتی جو مجھ سے دوستی کا خواہش مند ہو۔"

"پھر بھی.... آپ کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکوں گا۔"

"کیوں....؟"

"آپ مردوں سے ہمیشہ الگ تھلگ رہی ہیں لیکن اس کے باوجود بھی بھلائے بغیر مردوں سے گفتگو کر سکتی ہیں۔"

"آپ کو شاید یہ نہیں معلوم کہ میں اپنے کالج کی بہترین مقرر تسلیم کی جاتی ہوں۔ ابھی اسی سال میں نے پورے صوبے کے تقریری مقابلے میں پہلا انعام لیا تھا۔"

"کیا آپ نے مردوں کے مجمع میں بھی کبھی تقریریں کی ہیں۔"

"نہیں ابھی تک تو اس کا اتفاق نہیں ہوا۔"

"حمید کسی سوچ میں پڑ گیا۔ وہ دراصل اس فکر میں تھا کہ کسی طرح اس شادی کے ہنگامے کی تہہ تک پہنچ سکے۔"

اچانک وہ اچھل پڑا.... سامنے والی دیوار پر اسے ٹارچ کی روشنی کی جھلک نظر آئی تھی۔

"کیا بات ہے۔" بیلا بھی اچھل پڑی۔

"خاموش رہو۔" حمید نے آہستہ سے کہا اور بڑی تیزی سے عقبی کھڑکی کی طرف بڑھ گیا۔ وہ پٹھان چوکیداروں میں سے کسی کی ٹارچ کی روشنی نہیں ہو سکتی تھی۔ کیونکہ حمید نے انہیں عمارت کی پشت پر آنے سے روک دیا تھا۔

ان کے ذمے صرف اتنا کام تھا کہ وہ عمارت کے سامنے موجود رہیں۔ یہ انتظام اس نے فریدی کی ہدایت کے مطابق کیا تھا۔

اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا لیکن اب اسے آس پاس کہیں بھی ٹارچ کی روشنی نہ دکھائی دی۔ البتہ اس کی چھٹی حس خطرے کا اعلان ضرور کر رہی تھی۔

اس نے جیب سے ریوالور نکال لیا جس کے سارے چیمبر بھرے ہوئے تھے۔ اچانک کھنڈروں سے فائروں کی آوازیں آنے لگیں۔

"یہ کیا ہونے لگا؟" بیلا بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"ہو سکتا ہے کہ شادی کے کچھ خواہش مند آپس میں ٹکرا گئے ہوں۔" حمید نے خشک لہجے

میں کہا۔

فائروں کی آوازیں سناٹے کا سینہ مجروح کرتی رہیں۔ حمید بیلا کی چڑھتی ہوئی سانسوں کی آواز صاف سن رہا تھا۔ اس نے کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھا اور ہاتھ بڑھا کر کیروسین لیمپ گل کر دیا۔

"یہ کیا کیا آپ نے....!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"آہا تو کیا آپ ان پر واضح کرنا چاہتی ہیں کہ آپ اُنکے اس دلچسپ مشغلے سے محظوظ ہو رہی ہیں۔"

بیلا کچھ نہ بولی اور حمید سوچنے لگا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔

اب اکا دکا فائروں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ایک پارٹی میدان چھوڑ رہی ہو۔

"کیا آپ نے ابھی تک ممی کو نہیں بتایا۔" دفعتاً اس نے بیلا سے پوچھا۔

"کیا....؟" بیلا نے چونکنے کے سے انداز میں سوال کیا۔

"اس ہنگامے کے متعلق....!"

"کیا بتاتی.... میں کیا جانوں....؟"

"مجھے حیرت ہے کہ آپ جیسی تیز اور ذہین لڑکی اس ہنگامے کا مقصد نہیں جانتی۔"

"خدا گواہ ہے کہ میں کچھ بھی نہیں جانتی۔"

"حالانکہ یہ گدھے شاید نہیں جانتے کہ آپ صوبائی تقریری مقابلے میں اول انعام لے چکی ہیں۔"

"کیا مطلب....!"

"عورتیں یونہی پیدائشی مقرر ہوتی ہیں اگر تقریروں کے مقابلے میں حصے لینے لگیں تو پھر بیڑا پار ہو چھنا....!"

"میں اب بھی نہیں سمجھی۔"

"آپ نہیں سمجھ سکتیں۔" حمید ٹھنڈی لے کر بولا۔ "اب یہی دیکھ لیجئے کہ باہر گولیاں چل رہی ہیں اور آپ کو صرف میری بات کا مطلب سمجھنے کی فکر ہے۔"

"میں سمجھ گئی! آپ یہی کہنا چاہتے ہیں نا کہ عورتیں بہت باتونی ہوتی ہیں مردوں کا دماغ

چاٹ ڈالتی ہیں۔ مگر کسی پڑھے لکھے آدمی کی زبان سے ایسی بات سن کر مجھے یقیناً تکلیف ہوگی۔ مرد عورتوں کے معاملے میں ہمیشہ اور ہر دور میں تنگ نظر رہے ہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ وہ ہر حال میں عورت پر اپنی برتری جتانا چاہتے ہیں۔ اگر انہیں ایسی عورتیں مل جاتی ہیں جو ان کی ذہنی سطح سے بلند ہوں۔ تو وہ انہیں باتونی دماغ چاٹنے والی کہہ دیتے ہیں.... اور....!"

"محترمہ.... محترمہ.... آپ فائروں کی گونج میں تقریر کر رہی ہیں۔"

"یقیناً کر رہی ہوں۔ میں خود کو آپ سے کمتر نہیں سمجھتی....! اگر آپ مجھے پاگل سمجھتے ہیں تو آپ کو خود پر بھی نظر ثانی کرنی پڑے گی.... کیا میں نے آپ کو فائر کرنے والے پر موٹر سائیکل چڑھاتے نہیں دیکھا۔ وہ دیوانگی نہیں تو اور کیا تھی۔ اگر آپ ذرا سا بھی بہکتے تو آپ کا کیا حشر ہوتا۔"

حمید پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا تھا۔ بیلا کی یہ بے موقع کائیں کائیں اسے گراں گذر رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ فائروں کیطرف سے لاپروائی ظاہر کر کے اس کا مذاق اڑا رہی ہو۔

فائر اب بھی ہو رہے تھے لیکن اب ان میں آدمیوں کا شور بھی شامل ہو گیا تھا۔ پاس پڑوس والے غل مچا رہے تھے۔

"مجھے ڈر ہے کہ کہیں محلے والے آپ ہی لوگوں کے خلاف نہ ہو جائیں۔" حمید نے کہا۔

"تو کیا بگاڑ لیں گے ہمارا۔" قینچی کی طرح چلنے والی زبان گویا پہلے ہی سے تیار تھی۔

"کیا آپ براہِ کرم اپنے کمرے میں واپس جائیں گی؟"

"اب ایسے میں کیا نیند آئے گی۔"

"آسکتی ہے۔ اگر آپ گراموفون پر کوئی اچھا سا ریکارڈ لگا کر سونے کی کوشش کریں۔" حمید جل کر بولا۔

"میں یقیناً یہی کرتی بشرطیکہ ممی کی نیند میں خلل پڑنے کا اندیشہ نہ ہوتا۔"

دفعتاً حمید نے سوچا کہ کہیں یہ سب کچھ دھوکا ہی نہ ہو۔ اس فائرنگ کا مقصد بھی یہی ہو کہ عمارت کے سامنے والے چوکیدار بھی عمارت کی پشت پر آجائیں.... اور سامنے سے میدان صاف ہو جائے۔ ممکن ہے انہوں نے سوچا ہو کہ عمارت کے عقبی حصے کی نگرانی ضرور کی جارہی ہوگی۔ لہٰذا چاروں طرف کے لوگوں کو عمارت کی پشت ہی پر اکھٹا کر دیا جائے۔ اس طرح صدر

...ے ہی سے داخلہ ممکن ہو جائے گا۔ دروازوں یا کھڑکیوں کے شیشے توڑ کر چٹخنی نیچے گرا دینا ...ی بات ہوگی۔

"میں نیچے جارہا ہوں؟" حمید نے بیلا سے کہا۔

"میں بھی چل رہی ہوں! مجھے ڈر ہے کہ کہیں کوئی غلطی نہ کر بیٹھیں۔"

حمید کو پھر غصہ آگیا۔ یہ لڑکی خواہ مخواہ اسے جھلاہٹ میں مبتلا کر رہی تھی۔ مگر وہ کچھ بولا ...خاموشی سے زینے طے کرتا ہوا نیچے آیا۔

نیچے پہنچ کر اُسے صدر دروازے کی طرف دوڑنا پڑا۔ کیونکہ اس نے راہداری میں ٹارچ کی ...ک روشنی دیکھی تھی.... پھر شیشہ ٹوٹنے کی آواز آئی۔

عمارت قدیم طرز کی ضرور تھی لیکن اس کے بعض حصوں کی دوبارہ مرمت کے سلسلے میں ...ترین سامان استعمال کیا گیا تھا۔ مثلاً سامنے کے حصے میں بعض دروازے نئی وضع کے ....راہداری والا صدر دروازہ بھی اس قسم کا تھا۔

حمید ابھی راہداری تک پہنچا بھی نہیں تھا کہ اس نے کسی کے قدموں کی آواز سنی جو ...داری ہی سے آرہی تھی۔

"کون ہے!" حمید نے بلند آواز میں کہا۔ "وہیں ٹھہرو ورنہ....!"

پھر وہ اچھل پڑا کیونکہ راہداری سے چلائی جانے والی گولی اس کے سر پر سے گذر گئی تھی۔ ...بڑی پھرتی سے زمین پر لیٹ گیا۔

فائر پھر ہوا۔ لیکن اب وہ اس وقت تک کے لئے قطعی محفوظ ہو گیا تھا۔ جب تک فائر کرنے ...ٹارچ بھی نہ روشن کر لیتا۔ اور اب اس کے امکانات نہیں رہ گئے تھے کیونکہ ٹارچ روشن کرتے ...وہ بھی کسی ایسے آدمی کی گولی کا نشانہ بن سکتا تھا جو اسے للکار کر اندھیرے میں غائب ہو گیا تھا۔

حمید اسی طرح چپ چاپ پڑا رہا۔ لیکن اب وہ لڑکی کے متعلق بھی سوچ رہا تھا جو اس کے ...ہی نیچے آئی تھی۔ وہ کہاں رہ گئی۔ کہیں اس اندھیرے میں ان کے ہاتھ نہ لگ جائے جنہوں ...عمارت کی پشت پر ہنگامہ برپا کر کے سامنے سے اندر داخل ہونے کی کوشش کی تھی۔

اچانک اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی زمین پر گر کر کراہا ہو۔ پھر ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے ...زور آزمائی کرنے لگے ہوں۔ ان میں سے ایک کسی کتکھنے کتے کی طرح غرا رہا تھا۔

پھر کسی کے گرنے کی آواز آئی۔

"حمید.... کہاں ہو.... ٹارچ روشن کرو۔" اس نے فریدی کی آواز سنی۔

لیکن پھر آواز آئی۔ "اوہ.... نکل گیا.... ٹھہرو.... ورنہ گولی مار دوں گا۔"

فائر بھی ہوا.... اور حمید نے صرف دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنیں۔ اس کے بعد سناٹا چھا گیا۔

حمید نے ٹارچ روشن کی مگر اب وہاں کچھ بھی نہیں تھا.... روشنی کے دائرے نے بڑی تیزی سے چاروں طرف گردش کی.... اور حمید نے بیلا کو دیکھا جو دالان کے ایک ستون سے لپٹی کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر خوف کے آثار تھے۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ اپنے کمرے میں واپس جاؤ۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا اور وہ چپ چاپ وہاں سے چلی گئی۔

حمید سوچ رہا تھا کہ راہداری کا دروازہ دوبارہ بند کرے یا نہ کرے۔ اس نے فریدی کی آواز صاف پہچانی تھی جس نے شاید کسی کو پکڑ لیا تھا۔ لیکن کسی نہ کسی طرح اسے نکل بھاگنے میں کامیابی ہوئی تھی۔

حمید کی پریشانی

حمید بڑی دیر سے فریدی کی واپسی کا منتظر تھا۔ لیکن ابھی تک اسے مایوسی ہی ہوئی تھی۔ ویسے اب وہ باہر نکلنے کے لئے بے چین تھا۔ شور بڑھ رہا تھا لیکن اب فائروں کی آوازیں نہیں آ رہی تھیں۔ شائد پولیس آ گئی تھی۔

فریدی کی ہدایت تھی کہ وہ کسی حال میں بھی گھر سے باہر قدم نہ نکالے اسے اس کا بھی علم تھا کہ پولیس اس عمارت کی طرف ضرور متوجہ ہو گی۔ کیونکہ بیلا کے سلسلے میں اب تک بہت کچھ بھی ہو چکا تھا اس سے کسی حد تک اس کے پڑوسی بھی واقف تھے اور پھر اگر اندرونی فائروں کی آوازیں بھی باہر گئی ہوں گی۔ تب بھی پولیس کا اس طرف متوجہ ہونا لازمی ہو گا۔ اس نے راہداری میں ٹارچ کی روشنی ڈالی.... بند دروازہ کھلا ہوا تھا.... اور نیچے ٹوٹے ہوئے شیشے

پڑے تھے۔

اس نے دروازہ بند کر کے چٹخنی چڑھائی.... اور پھر اوپر منزل پر جانے کے لئے زینے طے کرنے لگا۔ اسے حیرت تھی کہ چاروں چوکیدار بھی ابھی تک واپس نہیں آئے۔

جیسے ہی وہ زینوں کے اختتام پر پہنچا بیلا سے پھر مڈبھیڑ ہو گئی۔ شاید وہ دوبارہ پیچھے جانے کے تیار تھی۔ حمید کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

"اب کہاں چلیں۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

"یہ کیسے ممکن ہے.... یہ کیسے ممکن ہے۔"

"کیا کہنا چاہتی ہیں آپ....!"

"آپ کو خطرات میں گھرا ہوا دیکھ کر میں کیسے سو سکتی ہوں۔"

"آپ بھی اسی طرح سو سکتی ہیں جیسے آپ کی ممی صاحبہ سو رہی ہیں۔"

"ممی واقعی حیرت انگیز ہیں۔" بیلا نے سر ہلا کر آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔ "پتہ نہیں کس کی خواب آور دوائیں استعمال کرتیں ہیں۔"

"حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ نچلی منزل کے دروازے پر زور سے دستک دی جانے لگی۔"

"جائیے.... اندر جائیے۔" حمید نے جلدی سے کہا۔ "مگر کمرے کو مقفل کرنا مت بھولئے گا۔"

"کیوں کیا بات ہے۔" اب کون ہے۔" بیلا نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔"

"غالباً پولیس ہے جائیے۔"

بیلا اپنے کمرے میں چلی گئی اور حمید اس وقت تک وہیں کھڑا رہا جب تک کہ دروازہ نہیں بند کر لیا گیا۔

نیچے حقیقتاً پولیس تھی۔ سب انسپکٹر حمید کو پہچانتا تھا۔ حمید نے اس سے کہا کہ وہاں بھیڑ نہ جمع ہونے پائے۔

"اندر آ کر کچھ دیر ٹھہرو! اور پھر واپس چلے جاؤ۔"

"کوئی خاص کیس کیپٹن....!" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"ہاں ورنہ یہاں میری موجودگی کیا معنی رکھتی ہے۔ باہر جا کر ضابطے کی کاروائی کرو۔"

کچھ دیر بعد سب انسپکٹر باہر چلا گیا۔

پھر بقیہ رات آنکھوں میں کٹی۔ صبح ہوتے ہی وہ اس طرح گھر کی طرف بھاگا جیسے جیل کی سلاخیں توڑنے میں کامیاب ہو گیا ہو۔

فریدی سے ناشتہ کی میز پر ملاقات ہوئی وہ حسب معمول خیالات میں کھویا ہوا نظر آرہا تھا۔

"اب مجھے متواتر ایک ہفتے تک سونا پڑے گا۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم پچھلی رات سوئے نہ ہو گے۔" فریدی مسکرایا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ مجھے گھر کے اندر ٹھونسنے کی کیا ضرورت تھی، جب آپ خود ہی سب کچھ دیکھ رہے تھے.... ارے.... ہاں وہ کون تھا جسے آپ نے چھوڑ دیا تھا۔"

"بس کیا بتاؤں حمید....! مجھے اس کے اس طرح نکل جانے پر بے حد افسوس ہے۔ پھر ایسی صورت میں یہ کیسے بتایا جا سکتا ہے کہ وہ کون تھا۔"

"آخر نکل کیسے گیا۔"

"اتفاق....!"

"اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"اور اس ہنگامے کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔"

"اس کے بارے میں بھی یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ویسے دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں چونکہ کئی پارٹیاں اس لڑکی میں دلچسپی لے رہی ہیں۔ اس لئے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے دو پارٹیاں آپس میں ٹکرا گئی ہوں۔ اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی ایک ہی پارٹی نے محض چوکیداروں کو سامنے سے ہٹانے کے لئے یہ حرکت کی ہو۔"

"ان دونوں ہی پہلوؤں پر میں نے غور کیا تھا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر تک سکوت رہا پھر حمید نے کہا۔ "یہ دونوں، ں بیٹی میری سمجھ سے باہر ہیں۔"

"کیوں....!" فریدی میز پر کہنیاں ٹیک کر آگے جھک آیا۔

"جس وقت فائرنگ ہو رہی تھی وہ لڑکی یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ وہ اپنے کالج کی سب سے کامیاب مقرر ہے اور مسز مطرب سو رہی تھی۔ لڑکی ہی سے معلوم ہوا تھا کہ وہ سونے کے لئے خواب آور دوائیں استعمال کرتی ہے۔"

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔"

"کچھ بھی نہیں۔ بھلا مجھے کسی پریشانی سے کیا سروکار۔"

"نہیں.... تمہیں پریشانیوں سے سروکار رکھنا پڑے گا۔"

"کیا اب سر کے بل کھڑے ہو کر قوالی کرنی پڑے گی۔"

"نہیں.... بلکہ میں شہر بھر کے شعراء کو دعوت دے کر تمہارے سہرے کی محفل برپا کروں گا۔"

"کیا مطلب....!"

"تمہیں بیلا سے شادی کرنی ہے۔"

"ہاہا....!" حمید نے قہقہہ لگایا پھر بولا۔ "میں تیار ہوں.... مگر آپ کو بیلا کی ممی سے شادی کرنا پڑے گی.... میں وعدہ کر چکا ہوں۔"

"مذاق میں نہ ٹالو.... میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔"

"کیا....!" حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ہاں.... شادی تو ایک دن ہونی ہی ہے پھر ابھی کیوں نہ ہو جائے۔ مجھے یہ لڑکی پسند ہے۔"

"آپ اپنی شادی کے متعلق کہہ رہے ہیں یا.... میری شادی....!"

"تمہاری شادی.... میں چاہتا ہوں کہ یہ کام بھی جلدی ہو جائے۔"

"لڑکی آپ کو پسند ہے اور آپ شادی میری کر رہے ہیں۔"

"وہ تو لڑکی ہی ہے میں تمہاری شادی کسی گدھی سے بھی کرا سکتا ہوں۔ اگر ہمت ہو تو اس حماقت ہی کر کے دیکھ لو۔"

حمید نے محسوس کیا کہ وہ جو کچھ بھی کہہ رہا ہے اسی انداز میں کہہ کر ہی گذرے گا۔ حمید اس کا مزاج جانتا تھا اس لئے اس انوکھی تجویز پر بوکھلا گیا۔

"دیکھئے میں سمجھتا ہوں آپ کا مطلب۔ لیکن خدارا مجھے اس طرح داؤں پر نہ لگائیے۔" اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے! میں تمہیں داؤں ہی پر لگا رہا ہوں مگر مجبوری ہے ایسا کرنا ہی پڑے گا۔ میں نے مسز [illegible] خان افضل اور پرنس دارا پور کی تصویریں بھی دکھائی تھیں لیکن اس نے انہیں نہیں پہچانا۔"

"آخر آپ صبا نسیمی ہی پر کیوں نہیں زور دیتے۔"

"میں اسے بھی دیکھ رہا ہوں۔"

"پھر اتنا گھماؤ اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"دیکھو....! میں اپنے خلاف کسی سازش کے امکانات پر بھی غور کر رہا ہوں۔"

"پھر....!"

"گدھے ہو تم۔ کیا میرے لئے اتنا بھی نہیں کر سکتے کہ شادی کر لو۔" فریدی مسکرایا۔

"آخر آپ اپنے خلاف کس قسم کی سازش کا امکان محسوس کر رہے ہیں۔"

"بعض ذمہ دار حضرات مجھے اس جگہ پر نہیں دیکھنا چاہتے۔ انہیں میری طرف سے خدشہ ہے کہ میں کبھی ان کی راہ پر ضرور لگ جاؤں گا۔"

"وہ کون لوگ ہیں۔"

"ایک دن دیکھ ہی لو گے۔ میں ابھی کسی کا نام نہیں لے سکتا۔"

"کچھ بھی ہو.... مگر وہ لڑکی....!"

"نہیں اس کی آنکھیں بھی پسند ہیں۔"

"دیکھئے آپ یہی سوچ رہے ہیں تاکہ جو لوگ اتنے بے جگر ہو رہے ہیں اس شادی کے موقعہ پر ا ی چمگادڑوں کی طرح آگ میں کود پڑیں گے۔"

"ہاں میں یہی سوچ رہا ہوں۔"

"لیکن اگر وہ محتاط ہو گئے تو۔"

"تب بھی تم گھاٹے میں نہ رہو گے۔ بیوی مفت ہاتھ آئے گی۔"

"موت بھی تو مفت ہی ہاتھ آتی ہے.... آپ کیوں بور کر رہے ہیں مجھے.... اگر ایک بار بھی اس ناریل جیسی کھوپڑی پر سہرے جھولتے نظر آ گئے تو پھر میں شہر میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہ رہ جاؤں گا.... یہ نگاران پری رو جوابھی ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں جوتے کی نوک پر بھی نہ ماریں گے۔"

"بکواس مت کرو۔ میں مسز مطرب کے پاس پیغام بھجوا رہا ہوں۔"

"یہ میری موت کا پیغام ہو گا.... سمجھے آپ....!" حمید غصیلی آواز میں بولا۔

"چلو یہ بھی خاصہ تجربہ رہے گا کہ شادی کرنے سے موت کیسے واقع ہو سکتی ہے۔"

حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ اسے سچ مچ تاؤ آ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جناب میں آپ ے لئے جان بھی دے سکتا ہوں مگر یہ شادی.... یہ تو بالکل قصہ کہانیوں والی بات ہوئی کہ ر افراساں مجرموں کو پکڑنے کے لئے اپنی شادی تک رچا بیٹھا.... لغو.... فضول.... واہیات مضحکہ خیز.... کیا فریدی کا دماغ چل گیا ہے.... میں اس مضحکہ خیز حرکت کے لئے قطعی ار نہیں ہوں....!" حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"تم نے کبھی میری کسی بات کے ماننے سے انکار نہیں کیا۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا مصیبت ہے۔" حمید نے اپنی پیشانی پر دو ہتھڑ مار کر کہا۔ "لوگ کیا کہیں گے۔ محکمے کے گ کس بُری طرح ہم پر ہنسیں گے۔ ہم پر جاسوسی ناولوں کے سراغ رسانوں کی پھبتی کہی جائے گی.... خدارا کچھ تو سوچئے۔"

"میں بہت کم پرواہ کرتا ہوں ہنسنے ہنسانے کی.... مجھے کئی بار کوئی گمنام آدمی فون پر دھمکیاں دے چکا ہے۔"

"کیسی دھمکیاں۔"

"یہی کہ اگر میں اس معاملے میں پڑا تو.... مجھے اس کے لئے بھگتنا پڑے گا۔"

"تو آپ اپنی بجائے مجھے بھگتانا چاہتے ہیں۔"

"حمید صاحب ان دھمکیوں کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ میں اور شدت سے اس کیس میں دلچسپی لینے لگوں۔"

"جب آپ یہ سمجھتے ہیں تو پھر ضرورت کیا ہے کہ آپ اتنی شدت سے دلچسپی لیں۔"

"ضرورت ہے! میں یہی ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے اور زیادہ تندہی سے کام شروع کر دیا ہے۔"

"یعنی آپ سازشیوں کو دھوکے میں رکھنا چاہتے ہیں۔"

"میں تمہاری بکواس سے تنگ آ گیا ہوں۔ کیا یہ کوئی فصاحت طلب مسئلہ ہے۔"

"فصاحت طلب مسئلہ تو میری شادی بھی نہیں ہے۔"

"قطعی نہیں ہے دنیا کا ہر آدمی شادی کرتا ہے۔"

"تو پھر آپ خود ہی کیوں نہیں کوشش فرماتے۔"

فریدی کچھ کہنے والا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور وہ اٹھ کر خواب گاہ میں چلا گیا۔

حمید ناشتہ کر چکا تھا اور اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہوئی جا رہی تھیں۔

وہ بھی اٹھ کر اپنی خواب گاہ کی طرف چلا آیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ مسہری پر لیٹا غنودگی کے عالم میں بڑبڑا رہا تھا۔ "چھ گھنٹے..... چھ گھنٹے پہلے نہیں اٹھوں گا۔ خواہ تم میری شادی کسی خارش زدہ کتیا سے کر دو۔ پیارے بھائی..... میری جان..... ن..... ن..... ن..... نم.....!" اور پھر نیند کے تاریک غبار نے اس کے ذہن پر یلغار کر دی اور وہ جلد ہی غافل ہو گیا۔ تھکے ہوئے ذہن پر اس اچانک قسم کی شادی کی تجویز نے بُرا اثر ڈالا تھا لہٰذا ذہنی الجھاؤ نے اسے اوٹ پٹانگ خواب دکھانے شروع کر دیئے..... مثلاً اس نے دیکھا کہ وہ ایک جنگل میں تنہا چلا جا رہا ہے..... اچانک ایک لومڑی اس پر جھپٹی اور وہ دوڑ کر بھاگا۔ ویسے لومڑی سے ڈر کر بھاگنا خواب میں بھی اس کی سمجھ میں نہیں آیا..... لیکن پھر اس نے ایسا محسوس کیا جیسے اس لومڑی کی شکل بیلا مطرب کی سی ہو۔ اب تو اس کے منہ سے چیخیں بھی نکلنے لگیں اور اس نے بدقت تمام ایک درخت پر چڑھ کر اپنی جان بچائی۔ مگر جان کہاں بچی..... لومڑی کی دم نوے درجے کا زاویہ بنا کر حیرت انگیز طور پر بڑھنے لگی تھی۔ وہ بلند ہوتی رہی حتیٰ کہ حمید کے چہرے تک پہنچ گئی اور اب اسے اس دم پر بھی بیلا مطرب کا چہرہ نظر آیا..... اچانک اس کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی اور آنکھیں کھل گئیں۔

"لاحول ولا قوۃ.....!" اس نے بڑبڑا کر کروٹ بدلی اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔ ویسے اسے اپنے دل کی دھڑکنوں کی دھمک کھوپڑی میں بھی محسوس ہو رہی تھی۔

وہ پھر سو گیا۔ اس بار اس نے دیکھا جیسے مسز مطرب کے قدموں پر پڑا اس سے التجا کر رہا ہو کہ بیلا کی شادی اس سے کر دی جائے مسز مطرب اسے ٹھوکریں مار مار کر کہتی ہے کہ یہ ناممکن ہے..... پھر یہ منظر کسی فلم کے منظر کی طرح فیڈ آؤٹ ہو گیا..... اور اس نے دیکھا جیسے اس کی جان پہچان والی خوبصورت لڑکیاں اس پر ہنس رہی ہیں..... پھبتیاں کہہ رہی ہیں..... پھر جلنے جلنے والوں کی متحیر آنکھیں اسے نظر آئیں..... مگر وہ ان سے چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ "یہ شادی ہو کر رہے گی..... تم سب گدھے ہو۔"

یہ منظر بھی فیڈ آؤٹ ہو گیا اور اب اس نے دیکھا جیسے وہ گھوڑے کے برابر گدھے پر سوار ہے یہ گھوڑے کی زین خود اس کی پیٹھ پر کسی ہوئی ہے۔ منہ میں لگام ہے اور لگام سے سہرے کی لڑیاں لٹک رہی ہیں۔ حمید نے خوش ہو کر "ڈھینچوں ڈھینچوں" کی سی آوازیں نکالنی شروع کر دیں اور گدھے نے گردن موڑ کر اس کا شکریہ ادا کیا اور بتایا کہ وہ خود اس خوشی کے موقعہ پر رینکنا پسند نہیں کرتا۔

یہ منظر بھی آہستہ آہستہ دھندلاہٹ اختیار کرتا ہوا تاریکی میں جا سویا۔

پھر اس نے دیکھا جیسے وہ ایک اونچی مسند پر بیٹھا ہوا ہے اس کے گرد احباب اکٹھا ہیں۔ لیکن وہ انہیں دیکھ نہیں سکتا کیونکہ اس کے چہرے پر سہرے کی لڑیاں جھول رہی ہیں۔

پھر اچانک فائر ہونے لگے..... بھگدڑ مچ گئی۔ حمید نے سہرا نوچ کر پھینک دیا۔ لیکن وہ تنہا تھا لہٰذا شامیانے کا ایک بانس اکھاڑ کر اس نے بانسے کے ہاتھ دکھانے شروع کر دیئے..... گولیاں بانس سے ٹکرا کر اِدھر اُدھر ہو جاتی تھیں۔ حمید کے ایک بھی نہ لگی۔

اچانک کسی نے چیخ کر کہا۔ "دلہن غائب ہو گئی۔"

پھر یہ منظر بھی دھندلاہٹ میں غائب ہو گیا اور اس کے بعد حمید نے دیکھا جیسے وہ ایک بیل گاڑی پر بیٹھ کر مجرموں کا تعاقب کر رہا ہے۔ بیلوں کی سست رفتاری پر اسے غصہ آ رہا ہے..... وہ بڑی بے دردی سے بیلوں کی دمیں اینٹھنے لگتا..... اور تب اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیل نہیں بلکہ گدھے تھے۔ پھر پتہ نہیں کیسے وہ اس گدھے گاڑی سے ہوٹل ڈی فرانس میں پہنچ جاتا ہے اور دیکھتا ہے کہ وہ بیلا کی ممی کے ساتھ رمبا ناچ رہا ہے۔

پھر کسی نے اسے اٹھا کر پٹخ دیا اور یک بیک اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ فریدی اسے بُری طرح جھنجھوڑ رہا تھا۔

"آٹھ گھنٹے ہو گئے سوتے ہوئے، تم آدمی ہو یا اُلو.....!" اس نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"ارے مار ڈالا.....!" حمید لیٹے ہی لیٹے انگڑائی لے کر کراہا۔

"اٹھو..... ورنہ کم از کم ایک بالٹی پانی ضرور تم پر الٹ دیا جائے گا۔"

"نہ جینے میں چین ہے نہ مرنے میں۔" حمید بڑبڑاتا ہوا اٹھ بیٹھا۔

"اوہو..... اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تم مر چکے ہو تو تکلیف نہ دیتا۔" فریدی نے کہا "خیر پھر کسی کباب کے دفن ہی کرا دوں گا۔"

"میں بے حد شکر گذار ہوں گا مجھ پر یہ احسان ضرور کیجئے۔" حمید جل کر بولا۔

"باتیں نہ بناؤ.... اٹھو.... تمہیں بہتیرے کام انجام دینے ہیں۔"

"مجھے ایک ماہ کی چھٹی دلوا دیجئے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ ادھر کا رخ بھی نہ کروں گا۔"

"کیا مطلب....!"

"اگر چھٹی نہ ملی تو میں استعفٰے دے دوں گا۔"

"خیر بھئی تم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھو۔ میں منع نہیں کرتا لیکن شام کا اخبار ضرور دیکھ لینا میں تو صرف سوچتا ہی ہوں لیکن دوسرے داغ دیتے ہیں۔"

"فریدی شام کا اخبار نیو اسٹار اس کے سامنے ڈال کر چلا گیا۔"

حمید نے اخبار کھول کر چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور پھر سناٹے میں آ گیا۔ پہلے ہی صفحے پر وہ منحوس خبر موجود تھی جس کے سلسلے میں کچھ ہی دیر پہلے وہ ڈراؤنے خواب دیکھ چکا تھا۔

حالانکہ خبر کے نیچے یہ بھی تحریر تھا کہ خبر غیر مصدقہ ہے لیکن پھر بھی یہ بہت بڑی بات ہے۔

حمید کا پارہ چڑھ گیا۔ غیر مصدقہ خبر یہ تھی کہ محکمہ سراغ رسانی کے ایک مشہور آفیسر کیپٹن حمید کی شادی نامور شاعر مطرب کی صاحبزادی مس بیلا مطرب کے ساتھ ہونے والی ہے۔

اس غیر مصدقہ خبر کی اشاعت آخر ہوئی کیسے۔ صاف ظاہر تھا کہ اس خبر کے شائع ہونے کی ذمہ داری کس پر عائد ہو سکتی تھی۔

حمید مسہری ہی پر بیٹھا کھولتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے اب کیا کرنا چاہئے۔

فریدی نے خواب گاہ میں ریڈیو کھول دیا تھا اور فرانسیسی موسیقی کی لہریں حمید کا خون جلا رہی تھیں۔

رات گئے اجنبی

دوسری صبح کے ایک اخبار میں حمید نے مسز مطرب کا بیان دیکھا جس نے نیو اسٹار کی خبر کو شر انگیز اور اپنی توہین قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ وہ نیو اسٹار کے ایڈیٹر اور پبلشر کے خلاف ہتک عزت کا دعویٰ دائر کرے گی۔

حمید نے اطمینان کی سانس لی اور ناشتے کی میز پر فریدی کو چھیڑتا رہا۔ فریدی خاموش تھا۔

...اس کے چہرے سے اندازہ کرنا بہت مشکل تھا کہ اس پر مسز مطرب کے بیان کا کیا ردعمل ہوا ...نہ یہی کہا جا سکتا تھا کہ وہ اس وقت کیسے موڈ میں ہے۔

"تو وہ نیو اسٹار والی خبر آپ ہی کی ایماء پر شائع ہوئی تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔" فریدی کا جواب تھا۔

"اب وہ نیو اسٹار کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ دائر کرے گی۔"

"اس کی بھی پرواہ مت کرو۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ نے ابھی تک اصل موضوع پر مجھ سے گفتگو نہیں کی۔"

"شائد ایسا ہی ہو۔" فریدی نے کہا اور سلائس اٹھا کر انڈے کے سینڈوچ بنانے لگا۔ وہ ناشتہ ...ی رہے تھے کہ لازم نے ایک ملاقاتی کا کارڈ پیش کیا۔

"مسز مطرب....!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا اور پھر ملازم سے بولا۔ "بٹھاؤ۔"

"ہوں.... تو اب اسے کیا جواب دیجئے گا۔ میرا خیال ہے کہ وہ مٹھائی کے خوان نہ لائی ...گی۔" حمید نے کہا۔

"تو یہاں سے لے جائے گی۔" فریدی مسکرایا۔

"میرا خیال ہے کہ اسٹار والوں نے اسے بتا دیا ہے۔"

"یقیناً بتایا ہوگا۔ بھلا وہ خود پر کیوں الزام لیتے۔"

"اگر میں سلائیس کے بجائے طشتریاں چبانا شروع کر دوں تو کیسی رہے گی۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"اچھی نہ رہے گی کیونکہ آج میں کفن دفن کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"میں ذہنی طور پر اس اسٹیج سے دور نہیں ہوں جہاں آدمی پتھر چبانے لگتا ہے۔"

"تم کبھی اس اسٹیج سے دور نہیں رہتے۔ مگر دیکھو اس وقت تمہیں وہاں مسز مطرب کے ...نے سلیم الطبع بن کر بیٹھنا پڑے گا۔"

"میں باہر جا رہا ہوں۔"

"گردن مروڑ دوں گا۔"

"اگر آپ نہ مروڑیں گے تو میں خود ہی مروڑنے کی کوشش کروں گا۔"

"بکواس ختم کرو.... اور جلدی.... ختم بھی کرو ناشتہ.... آج تمہاری بھوک کافی کھلی ہوئی

نظر آ رہی ہے۔"

"میں ڈرائینگ روم میں نہیں جاؤں گا۔"

"میں کہتا ہوں بکواس مت کرو۔"

حمید صرف دانت پیس کر رہ گیا۔ ناشتہ ختم کر کے وہ ڈرائینگ روم میں آئے۔ مسز مطرب ان کی منتظر تھی اور اس کا موڈ شاید بہت زیادہ خراب تھا۔

"اوہ! تشریف رکھئے۔ تشریف رکھئے محترمہ۔" فریدی نے اس سے کہا۔ وہ انہیں دیکھ کر کھڑی ہو گئی تھی.... وہ دونوں بھی بیٹھ گئے۔

تھوڑی دیر تک کمرے کی فضا پر بوجھل سی خاموشی مسلط رہی پھر مسز مطرب نے کہا۔ "میں اس خبر کا مطلب نہیں سمجھ سکی جو پچھلی شام نیوز اسٹار میں شائع ہوئی تھی۔"

"بہت دیر میں خبر لی آپ نے....!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں آپ سے اس کا مقصد پوچھ رہی ہوں۔"

"کیسے باور کر لیا جائے کہ آپ شادی کا مقصد نہیں سمجھتیں۔"

"دیکھئے کرنل صاحب۔" مسز مطرب نے ایک طویل سانس لے کر ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "میں کوئی ذی حیثیت عورت نہیں ہوں۔ لیکن کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ غریب ہونا بے عزت ہونا ہے۔"

"ارے نہیں محترمہ.... یہ آپ کیا فرما رہی ہیں۔"

"پھر میں پوچھتی ہوں کہ نیوز اسٹار کی خبر کا کیا مطلب تھا۔"

"کیپٹن حمید.... ایک ذی عزت اور دولت مند آدمی ہے۔"

"حمید نے اپنے ہونٹ مضبوطی سے بند کر لئے اور زبان دانتوں میں دبالی۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اس وقت بولا تو بعد میں شامت ہی آجائے گی۔ ویسے وہ دل ہی دل میں ایک شعلہ بار تقریر کر رہا تھا۔"

"زبردستی....!" مسز مطرب جھلا گئی۔

"آپ سمجھنے کی کوشش کیجئے محترمہ۔ میں اس طرح مجرموں پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔"

"نہیں! میں اسے پسند نہیں کرتی اس میں میری بدنامی ہے۔"

"بچی کی شادی کہیں نہ کہیں یقیناً ہو گی.... میں کیپٹن حمید کی شرافت کی ضمانت دے سکتا

آپ یقین کیجئے کہ یہ نجیب الطرفین آدمی ہے۔"

ھ سے بڑی غلطی ہوئی....!" عورت بڑبڑائی۔

یں نہیں سمجھا.... محترمہ....!"

آخر میں نے آپ سے کیوں مدد طلب کی۔"

یہ خیال ہے کہ آپ نے دانش مندی کا ثبوت دیا تھا۔"

یں نہیں سمجھ سکتی کہ آج کل میرے ستارے کیسے ہیں۔ اس مسئلے سے تنگ آ کر میں نے مدد طلب کی تھی وہی مسئلہ آپ نے بھی پیش کر دیا ہے۔"

ٹھہریئے۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "کیا آپ کیپٹن حمید کو بھی انہیں لوگوں کے زمرے ں کرنا پسند کریں گی جو اب تک آپ کو دھوکے دیتے رہے ہیں۔"

کیا میں آپ کے اس جملے کو دھمکی سمجھ لوں۔"

اوہ آپ غلط سمجھیں اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ناکام ہونے پر وہی حرکتیں کرے گا جو ے کر رہے ہیں۔ میں کہنا چاہتا تھا کہ کیپٹن حمید اس قسم کے لوگوں میں سے نہیں ہے.... ڑیئے.... ہاں آپ نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ آخر یک بیک شہر کے اتنے لوگوں نے ادی میں کیوں دلچسپی لینی شروع کر دی ہے۔"

"میں کیا جانوں....؟ اسی چیز نے تو مجھے بدحواس کر رکھا ہے۔"

"لیکن ابھی تک صبا نسیمی کے علاوہ اور کسی نے بھی اس کا اعتراف نہیں کیا کہ وہ صاحبزادی ادی کرنا چاہتا ہے۔"

"وہ لوگ جو اغواء جیسی حرکتوں پر اتر آئیں کیسے اعتراف کر سکتے ہیں۔"

"مگر نہ تو آپ قاسم کو شناخت کر سکیں اور نہ پرنس دارا پور کو.... جس کے کتے کا حوالہ دیا ھی آپ کے لئے اجنبی ہی نکلا۔"

کون....؟" عورت چونک پڑی۔

"اس کا نام تو مجھے یاد نہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ ان پندرہ تصاویر میں ایک اس کی بھی تھی۔"

پتہ نہیں آپ کس کا تذکرہ کر رہے ہیں۔"

"بہرحال ان پندرہ تصاویر میں سے آپ ایک کو بھی شناخت نہیں کر سکی تھیں۔"

"ان میں سے کوئی میرے پاس آیا ہی نہیں تھا۔"

"حالانکہ ان میں سے کئی کے نام آپ نے لئے تھے۔"

"پتہ نہیں کس قسم کی سازش ہے۔ اب تو شاید میں پاگل ہی ہو جاؤں گی۔" عورت نے اور اپنی پیشانی رگڑنے لگی۔

"اسی الجھن سے بچانے کیلئے میں نے یہ تجویز پیش کی تھی۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا

"نہیں ہرگز نہیں.... واہ یہ اچھی رہی۔ کیا قانون میری حفاظت نہیں کر سکتا۔ میں یا شادی نہیں کرنا چاہتی.... کیا کوئی مجھے اس پر مجبور کر سکتا ہے.... یہ کہاں کا انصاف ہے.... میں یہ کہوں کہ میرے پاس دس ہزار روپے ہیں اور کچھ لوگ انہیں اڑا دینے کی فکر میں ہیں تو آپ یہ تجویز پیش کریں گے کہ وہ آپ کے نام سے کسی بینک میں جمع کر دیئے جائیں۔ کیونکہ اس طرح اس کی حفاظت ہو سکے گی۔"

"زندہ باد....!" حمید کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔

"کیا مطلب....!" عورت چونک پڑی۔

"کک.... کچھ نہیں۔" حمید ہکلایا۔ کیونکہ فریدی اسے گھورنے لگا تھا۔

"تو آپ انکار کر رہی ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"جی ہاں.... مجھے افسوس ہے۔" عورت اٹھتی ہوئی بولی۔ "اب میں براہِ راست آئی جی صاحب سے درخواست کروں گی.... اور یہ معاملہ بھی ان کے سامنے رکھوں گی۔ نیو اسٹار کا ایڈیٹر انہیں بتائے گا کہ کس طرح آپ نے اسے وہ خبر چھاپنے پر مجبور کیا تھا۔"

"ارے نہیں.... ایسا نہ کیجئے گا۔" فریدی نے کہا۔

اور حمید یک بیک چونک پڑا کیونکہ اسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے فریدی خوفزدہ ہو۔ وہ آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

یہ حقیقت تھی کہ فریدی کے چہرے پر خوف کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

حمید کو اس پر حیرت بھی ہوئی اور غصہ آیا۔ کیونکہ یہ چیز فریدی کی شان کے خلاف تھی۔

"ایسا نہ کیجئے گا محترمہ.... وہ دیکھئے.... میں تو آپ کے فائدے کے لئے کہہ رہا تھا۔" فریدی پھر بولا۔

"مجھے معاف رکھئے۔" عورت کا لہجہ تلخ تھا۔

"دیکھئے.... نا دیکھئے وعدہ کیجئے کہ آپ یہ بات آئی جی تک نہیں پہنچائیں گی۔" فریدی بولا۔

عورت بیٹھ گئی تھوڑی دیر خاموش رہ کر سوچتی رہی پھر بولی۔ "یہ اسی صورت میں ممکن ہے کیپٹن حمید صاحب کی طرف سے ایک تردیدی بیان شائع ہو جائے گا۔"

"یہ تو بہت مشکل ہے۔" فریدی نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"تب میں مجبور ہوں۔" عورت کا جواب تھا۔

"دیکھئے شادیاں زبردستی نہیں ہوا کرتیں۔ اگر آپ اسے پسند نہیں کرتیں تو آپ کو بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن فی الحال اس کی تردید ہم سے نہ کرائیے تو بہتر ہے۔"

"تردید ہونی چاہئے ورنہ میری بدنامی ہو گی۔"

"آخر آپ سمجھتی کیوں نہیں۔ مجرموں کو گرفتار ہو جانے دیجئے اس کے بعد میں خود ہی شائع کرا دوں گا۔"

"نہیں کرنل صاحب تردید آج ہی آنی چاہئے۔"

"آ جائے گی۔" حمید جل کر بولا۔ "لیکن اس سے پہلے آپ تشریف لے جائیے۔"

فریدی پھر اسے گھورنے لگا۔ عورت کہہ رہی تھی۔ "نیو اسٹار ہی میں تردید آنی چاہئے۔"

"اف فوہ.... آپ آخر اس کے لئے اتنا مضطرب کیوں ہیں۔ آپ کی طرف سے جو تردید شائع ہوئی ہے اس سلسلے میں وہی کافی ہو گی۔"

"کیا آپ مجھے چڑا رہے ہیں۔" عورت جھلا گئی۔

"اررر.... نہیں تو....!"

"میں جا رہی ہوں اگر نیو اسٹار میں تردید نہ ملی تو آج ہی یہ کیس براہِ راست آئی جی صاحب کے سامنے پیش کرا دوں گی....!"

فریدی کچھ نہ بولا۔ عورت چلی گئی۔

کچھ دیر بعد حمید نے قہقہہ لگایا اور بولا۔ "پھنس گئے نا آخر....؟"

"لاحول ولا قوۃ.... کیا بچوں کی سی باتیں کرتے ہو۔ تجربہ کامیاب رہا۔ اب آج سے کام شروع کیا جائے۔"

"کیسا تجربہ....!"

"بس دیکھنا....!"

"تردیدی بیان نہیں شائع کرائیں گے آپ۔"

"ضرور کراؤں گا لیکن یہ بیان اسی عورت کی طرف سے ہوگا۔ یعنی یہ خود اپنے اس بیان تردید کرے گی جو اس نے تمہاری شادی کی خبر کی تردید کے سلسلے میں دیا تھا۔ وہ بیان میں کہ کہ نیو اسٹار کے خلاف کسی دشمن نے اس کی طرف سے بیان شائع کرایا تھا۔ بیلا کی شادی کیپٹن ہی کے ساتھ ہوگی۔"

حمید کا منہ حیرت سے کھل گیا....!

❁

بیلا بہت پریشان تھی.... وہ سوچ رہی تھی کہ شاید اب تعلیم بھی جاری نہ رکھ سکے گی کیو اب یہ بات شہر میں پھیل گئی تھی کہ پرانے شہر میں ایک لڑکی کے لئے گولیاں چلا کرتی ہیں۔

وہ اپنے مستقبل سے مایوس ہوگئی تھی سب سے زیادہ خود اس کی ماں اس کی الجھنوں اضافے کا باعث بنی رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس میں اس طرح دلچسپی لینے والے کو ہیں۔ بیلا محسوس کرتی جیسے اس کی ماں کو ان ہنگاموں کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہ ہو۔ وہ حسب خواب آور دوائیں استعمال کرتیں اور رات بھر بے خبر سویا کرتی مگر بیلا کی راتیں ان دنوں آنکھو میں کٹ رہی تھیں۔

کیپٹن حمید کی موجودگی اس کے لئے اطمینان بخش تھی لیکن اب وہ بھی نہیں آتا تھا۔ مکان کے باہر ہر وقت چار مسلح کانسٹیبل موجود رہتے تھے مگر بیلا مطمئن نہیں تھی۔

جب اس نے نیو اسٹار میں اپنی اور کیپٹن حمید کی شادی کے متعلق خبر پڑھی تھی تو کچھ متحیر رہنے کے بعد بے حد خوش نظر آنے لگی تھی۔

پھر اسی خبر پر اس نے اپنی ماں کی شعلہ بار آنکھیں دیکھیں.... وہ پاگل کتوں کی طرح لگی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کیپٹن حمید کی بوٹیاں نوچ ڈالے گی۔

بیلا نے سوچا تھا کہ اگر ایسا ہو جاتا تو کیا برا تھا کم از کم اس کا مستقبل تو محفوظ ہی ہو جاتا۔ حمید ایک مشہور اور ذی عزت آدمی تھا۔ اس کی بے جگری اور بہادری تو پہلی ہی ملاقات کے

دیکھ چکی تھی۔

پھر دوسرے دن اس نے اپنی ماں کا تردیدی بیان ایک دوسرے اخبار میں دیکھا۔ کاش وہ اس سے کہہ سکتی کہ کیپٹن حمید اسے پسند ہے اور اگر ایسا ہو سکے تو وہ خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی سمجھے گی۔ اس نے اپنی ماں سے اس مسئلے پر گفتگو کرنی چاہی لیکن پھر ہمت نہ پڑی۔ وہ اس کی مزاجی سے بہت ڈرتی تھی۔ اسکے زہریلے لہجے کے تصور ہی سے اسکی روح فنا ہونے لگتی تھی۔

آج ہی صبح کے اخبار میں اس نے اپنی ماں کا تردیدی بیان پڑھا تھا اور پھر شام کے ایک اخبار میں دوسرا بیان اس کی نظروں سے گذرا یہ بیان بھی اس کی ماں ہی کا تھا جس میں اس نے اپنے صبح والے بیان کی تردید کی تھی۔ بیلا متحیر رہ گئی۔ مگر جب اس کی ماں نے یہ بیان دیکھا تو پاگل ہو گئی جو کچھ بھی زبان پر آیا بکتی چلی گئی۔ تب اسے معلوم ہوا کہ یہ بیان اس کی ماں نے نہیں شائع کرایا تھا۔

سورج غروب ہوتے ہی پہرے کے کانسٹیبل بھی رخصت ہوگئے انہوں نے بتایا تھا کہ نہیں واپس بلایا گیا ہے۔ چونکہ ان کی جگہ دوسرے نہیں آئے تھے اس لئے بیلا نے سمجھ لیا کہ پہرہ مستقل طور پر ہٹایا جا چکا ہے۔ صرف اس کے نجی چوکیدار رہ گئے۔

بیلا اکثر یہ بھی سوچتی تھی کہ آخر ان چوکیداروں کی تنخواہیں کہاں سے دی جاتی ہیں۔ کرایہ پر اٹھے ہوئے مکانات سے اتنی زیادہ آمدنی نہیں ہوتی تھی کہ چار عدد چوکیدار ملازم رکھے جا سکتے۔

شام کا اخبار دیکھنے کے بعد سے اس کی ماں اپنی بوٹیاں ہی نوچتی رہی تھی۔ بیلا کے پوچھنے پر اس نے بتایا تھا کہ وہ کرنل فریدی کی حرکت تھی۔

یہ بات بیلا کی سمجھ میں نہ آسکی.... وہ گھنٹوں سوچتی رہی۔ لیکن اس کا جواب نہ ملا آخر کرنل فریدی بھی زبردستیوں پر کیوں اتر آیا ہے اب اسے اپنا وجود انتہائی پراسرار معلوم ہونے لگا تھا آخر اس کی وجہ سے اتنا ہنگامہ کیوں ہو رہا ہے۔

رات کو وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس کی ماں کا موڈ بہت خراب تھا اور وہ اسے بات بات پر جھڑکتی رہی تھی۔

بیلا کو بڑی مشکل سے نیند آئی۔ حالانکہ پچھلی کئی راتوں سے وہ بہت کم سوئی تھی۔

لیکن الجھے ہوئے اور دہشت زدہ ذہن نے اسے زیادہ دیر تک نہ سونے دیا۔

بار بار ڈراؤنے خواب نظر آتے اور اس کی آنکھیں کھل جاتیں! اس بار تو شاید وہ پیاس کی

شدت کی وجہ سے بیدار ہوئی تھی۔ حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے اور خشک زبان تالو سے جا لگی تھی۔

وہ اٹھ کر صحن میں آئی۔ لیکن پھر اچانک ٹھٹک گئی۔ کیونکہ اسے ماں کے کمرے میں روشنی نظر آئی تھی۔ ساتھ ہی اس نے کسی مرد کی آواز بھی سنی۔ پہلے اس نے سوچا ممکن ہے کانوں نے دھوکا دیا ہو کیونکہ اس کے لئے یہ ایک بالکل انہونی بات تھی۔ بھلا اس کی ماں کے کمرے میں اتنی رات گئے کسی مرد کا کیا کام لیکن اس نے پھر ایک بھرائی ہوئی سی آواز سنی اور اس کے قدم بے ساختہ کمرے کے دروازے کی طرف اٹھ گئے۔

وہ ننگے پیر تھی اور بچھوؤں کے بل چلتی ہوئی یہاں تک آئی تھی.... دروازے کی جھری سے آنکھ لگاتے وقت اس کا دل بڑی شدت سے دھڑکنے لگا۔

اندر ایک آدمی موجود تھا جس کی پشت دروازے کی طرف تھی۔ اس کی ماں سامنے کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ آدمی بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔ "یہ بہت ہے مسز مطرب۔ مجھے تم سے ایسی توقع نہیں تھی۔"

"بتایئے میں کیا کروں.... کتنی الجھنوں سے گذر رہی ہوں.... یہ بھی تو دیکھئے۔"

"کچھ بھی ہو یہ بہت ہے۔" مرد بولا۔

"آپ کے لئے پانچ لاکھ کی حقیقت ہو سکتی ہے؟"

"مسز مطرب۔" اس بار مرد کا لہجہ تیز تھا۔

"شاید اب آپ مجھے کسی قسم کی دھمکی دیں گے۔" اس کی ماں مسکرائی "لیکن اسے نہ بھولئے کہ میرا قتل بھی آپ کے لئے بہت زیادہ نقصان دہ ثابت ہوگا.... کیا سمجھے اور ہاں یہ بتانا تو بھول ہی گئی کہ کرنل فریدی نے شناخت کے لئے پندرہ یا سولہ تصویریں مجھے دی تھیں.... ان میں سے ایک آپ کی بھی تھی۔"

"کیا غلطی سے تم نے میرا نام بھی لے دیا تھا....!"

"مجھے یاد نہیں کہ میں نے آپ کا نام لیا تھا یا نہیں۔"

"تم بہت تکلیف دہ ہوتی جا رہی ہو۔ میں کہتا ہوں آخر اسکے پاس جانیکی کیا ضرورت تھی۔"

"یہ ہنگامہ ایک نہ ایک دن پولیس کو متوجہ کر لیتا۔" اس کی ماں نے کہا۔

"خیر میں دیکھوں گا۔" وہ دروازے کیطرف مڑا ہی تھا کہ بیلا بڑی تیزی سے پیچھے ہٹ آئی۔

خونخوار ماں

جیسے ہی وہ تاریک سایہ مسز مطرب کے مکان کی دیوار سے کھنڈروں کی طرف اترا۔ کیپٹن حمید نے بھی اسی سمت رینگنا شروع کر دیا۔ اس نے اسے مکان کے اندر داخل ہوتے بھی دیکھا تھا اسے توقع تھی کہ وہ اندر سے خالی ہاتھ واپس نہ آئے گا۔ لیکن اس نے اسے خالی ہاتھ ہی دیکھا۔ اس نے مکان سے باہر آنے میں بڑی احتیاط سے کام لیا تھا۔ دیوار سے اس طرح چپکا ہوا نیچے اترا تھا کہ اچانک اس پر نظر بھی نہیں پڑ سکتی تھی۔ خود کیپٹن حمید بھی اگر پہلے سے اس کی واپسی کا منتظر نہ ہوتا تو شاید اسے علم نہ ہوتا کہ وہ کب واپس آیا اور کب کھنڈروں کے اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ حمید اسی طرح رینگتا ہوا سائے کا تعاقب کرتا رہا۔

اچانک ایک جگہ اس نے سائے کو سیدھا کھڑا ہوتے دیکھا۔ لیکن پھر بُری طرح بوکھلا گیا۔ کیونکہ غیر متوقع طور پر کسی نے اس پر چھلانگ لگائی تھی۔

حمید نے سنبھلنا چاہا لیکن کامیاب نہ ہوا۔ پھر دوسرے ہی لمحے میں اس کی کھوپڑی سے سورج طلوع ہو گیا وہ ایسی ہی زبردست چوٹ تھی کہ آنکھوں کے سامنے کوندا سا لپک کر رہ گیا اور پھر اس کے بعد تاریکی ہی تاریکی تھی اور اسے اس کا بھی احساس نہ ہو سکا کہ اس نے بے ہوش ہونے میں کتنی دیر لگائی تھی۔

جب دوسری بار آنکھ کھلی تو نیند سے تارے جھپکیاں لینے لگے تھے اور فضا اسے بسورتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی کیونکہ اس کی کھوپڑی کا بُرا حال تھا بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے شانوں پر ایک دہکتا ہوا سا بوجھ رکھ دیا گیا ہو۔

کچھ بھی ہو.... لیکن اسی دکھتی ہوئی کھوپڑی کے کسی گوشے میں مسرت کی ہلکی سی ایک لہر گنگنا کر لوٹ رہی تھی.... یعنی وہ اسی کھنڈر میں تھا اس کے سر پر کھلا ہوا آسمان تھا اور چاروں طرف لامحدود وسعتیں۔

حملہ آور نے اسے کہیں لے جانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ جس کا مطلب یہی تھا کہ وہ اس سائے کے تعاقب سے باز رکھنا چاہتا تھا۔

حمید نے اٹھ کر چاروں طرف نظر دوڑائی لیکن نزدیک و دور کوئی نظر نہ آیا۔ رات کی تاریکی

آہستہ آہستہ دھندلکے میں تبدیل ہوتی جارہی تھی۔ وہ کھنڈروں سے باہر آیا.... اس کا دل چاہ رہا تھا کہ مسز مطرب کے مکان پر پتھراؤ شروع کردے۔

سورج طلوع ہونے سے پہلے وہ گھر نہیں پہنچ سکا۔ اس کا کالر خون سے چپک کر رہ گیا تھا۔ فریدی نے اسے اس حال میں متحیرانہ نظروں سے دیکھا۔

"یہ کیا ہوا....!" اس نے پوچھا۔

"کسی نے سہرا عرض کردیا تھا.... لیکن پگڑی کے بغیر فٹنگ نہیں ہو سکی.... آج یہاں سے روانہ کرتے وقت پگڑی بھی بندھوا دیجئے گا۔"

"بتاؤ نا کیا ہوا....؟"

"یہ سر پر جو آپ دیکھ رہے ہیں چنبیلی کا تیل نہیں بلکہ خون ہے۔ آپ یہ بھی جانتے ہوں گے خون کیسے نکل آتا ہے۔"

وہ اسے تھوڑی دیر تک اسی طرح زچ کرتا رہا پھر اصل بات اس وقت بتائی جب فریدی کو اچھی طرح غصہ آگیا۔

"تمہیں یقین ہے کہ وہ خالی ہاتھ واپس گیا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"مجھے یقین ہے کہ وہ گھر سے تہا برآمد ہوا تھا۔"

"کیا تم نے ہوش میں آنے کے بعد ان کی خیریت نہیں دریافت کی۔"

"خیریت تو خط لکھ کر بھی دریافت کی جاسکتی ہے۔ میں نے سوچا کہ مرنے سے پہلے ایک بار اور آپ کا دیدار کرلوں مگر مرنے سے پہلے میں یہ بھی جاننا چاہوں گا کہ آخر وہاں سے پہرہ اٹھا کر مجھے جھونکنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"بس یہی دیکھنا تھا کہ ان میں سے کس پارٹی کو مسز مطرب کی حمایت حاصل ہے مگر وہ آدمی کافی چالاک معلوم ہوتا ہے اس نے مکان میں داخل ہونے سے پہلے اپنے آدمی بھی کھنڈروں میں چھپا دیئے تھے۔ ان میں سے کسی نے تمہیں بے کار کردیا اور تم اس آدمی کا تعاقب نہ کرسکے۔"

"مگر کیا کوئی پارٹی ایسی بھی ہو سکتی ہے جسے مسز مطرب کی حمایت حاصل ہو۔"

"ہاں ہو سکتی ہے.... نہیں پہلے جاکر اپنی حالت درست کرو۔ پھر میں تمہیں اس سلسلے میں کچھ بتاؤں گا۔"

حمید اپنی خواب گاہ میں چلا آیا۔ یہاں اس نے کپڑے نکالے اور باتھ روم کی طرف چلا گیا۔ سر کے زخم پر خون جم کر خشک ہو گیا تھا۔ پانی پڑتے ہی پھر خون بہنے کا سلسلہ شروع ہو گیا جو زیادہ دیر تک جاری نہیں رہ سکا۔ کیونکہ فریدی نے ڈریسنگ کردی تھی۔

پھر ناشتے کی میز پر وہیں سے گفتگو شروع ہو گئی جہاں ختم ہوئی تھی۔

"کیا وہ چاروں چوکیدار اس وقت بھی وہاں موجود تھے جب سایہ اندر داخل ہوا تھا۔"

"نہیں میرا خیال ہے کہ وہ اس وقت وہاں سے ہٹ گئے تھے۔"

"ہوں....!"

"ہوں نہیں۔" حمید نے جھلا کر کہا۔ "آخر کسی پارٹی کی حمایت کا خیال کیسے پیدا ہوا۔"

"وہ خواب آور دوائیں استعمال کر کے چین سے سوتی ہے اس لئے تم کیا اندازہ کرو گے۔"

"یہی کہ وہ مطمئن ہے۔"

"جو لوگ شہر میں فائرنگ کر کے ہنگامہ برپا کر سکتے ہیں ان کے لئے کسی مکان میں داخل ہو جانا کتنا دشوار ہو سکتا ہو گا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی نے پھر کہا۔ "جواب دو....!"

"یقیناً آسان ہو گا۔" حمید بولا۔

"لیکن اس کے باوجود بھی وہ مطمئن ہے.... اتنی مطمئن کہ خواب آور دوائیں استعمال کر کے سوتی ہے۔ اس کا مطلب اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ ایک پارٹی کم از کم اتنی طاقتور ضرور ہے کہ کسی کو بھی مکان میں قدم نہ رکھنے دے....!"

"پھر وہ ہمارے پاس کیوں دوڑی آئی تھی۔"

"اسی میں اسے اپنی عافیت نظر آئی تھی۔ اس نے سوچا کہ پولیس کے متوجہ ہونے سے قبل ہی کیوں نہ اپنی پوزیشن صاف کرنے کی کوشش کرے۔"

"تو پھر اب آپ نے اپنا پچھلا نظریہ بدل دیا ہے۔"

"کون سا۔"

"یہی کہ آپ کے خلاف کسی قسم کی سازش ہو سکتی ہے۔"

"نہیں! اس نظریئے کے تحت میں اس کیس کا جائزہ لیتا رہا ہوں۔"

"پھر آپ نے پارٹیوں کا تذکرہ کیوں چھیڑ دیا۔"

"کیونکہ اس رات جب تم وہاں تھے میں نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ وہ ایک دوسرے کی دشمن پارٹیاں ہیں اور وہ ڈرامہ نہیں اسٹیج کر رہیں بلکہ حقیقتاً موت و زندگی کا کھیل ہو رہا ہے۔"

"مگر یہ کھیل کم از کم میری سمجھ سے تو باہر ہی ہے۔" حمید نے کہا۔

"کیوں....؟"

"اگر یہ سب اسی لڑکی کے لئے ہو رہا ہے تو وہ اسی آدمی کے سپرد کیوں نہیں کر دی جاتی جسے مسز مطرب کی حمایت حاصل ہے۔ آخر اس ہنگامے سے کیا فائدہ ہے۔"

"یہی تو دیکھنا ہے کہ وہ اس کی شادی پر کیوں نہیں رضامند ہوتی۔"

"اسے دیکھنے کی بجائے میں اپنی آنکھیں ہی بند کر لینا پسند کروں گا۔"

"زیادہ بور ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں اپنی اس تجویز کا ردعمل اس پر دیکھنا چاہتا تھا لہٰذا میں نے دیکھ لیا۔"

"کیا دیکھ لیا۔"

"یہی کہ اس تجویز پر وہ بُری طرح نروس ہو جاتی ہے۔"

"اس سے آپ نے کیا اندازہ لگایا ہے۔"

"یہی کہ خواہ اس کی گردن کٹ جائے لیکن وہ حمید سے بیلا مطرب کی شادی نہیں ہونے دے گی۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ جنگ کرنے والی پارٹیوں میں سے کسی ایک کی طرفدار ہے۔"

"میں کہتا ہوں اگر وہ آپ کی تجویز پر صاد کر دیتی تو کیا ہوتا۔"

"شادی ہی ہوتی۔ حمید صاحب اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ ابھی تک شادی کا بدل نہیں دریافت کیا جا سکا۔"

"دیکھئے میں نجی معاملات میں آپ کی ڈکٹیٹر شپ نہیں برداشت کر سکوں گا۔"

"موت کے علاوہ اور کسی معاملے کو نجی یا ذاتی نہیں کہا جا سکتا۔ مگر نہیں موت بھی کیوں؟ کیا ایک آدمی کی موت کا اثر دوسروں پر نہیں پڑتا کسی نہ کسی صورت میں دوسرے آدمی بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ لہٰذا موت بھی نجی یا ذاتی نہیں ہے! میرا بس چلے تو نجی اور ذاتی جیسے الفاظ کو

ڈکشنری ہی سے خارج کرا دوں۔"

"ہو سکتا ہے میں کشتی میں آپ سے جیت جاؤں لیکن باتوں میں نہیں جیت سکتا۔ لہٰذا باتیں ختم۔ شادی کے علاوہ اور جو کچھ بھی آپ کہیں گے کرتا رہوں گا۔"

"پرنس داراپور اور خان افضل پر نظر رکھو....!"

"آپ کی دانست میں صرف یہی دو پارٹیاں ہو سکتی ہیں۔"

"ہاں.... میرا خیال ہے کہ دو پارٹیوں کے علاوہ کسی تیسری کا وجود سرے سے ہے ہی نہیں۔"

"کیوں....؟"

"کیونکہ.... کمزور پارٹی شہر کے ان لوگوں کے نام استعمال کرتی رہی ہے جن کے فرشتوں کو بھی ان معاملات کا علم نہ ہوگا۔"

"قاسم کا کیس تو اظہر من الشمس ہے۔ اس نے اس کا نام لیا لیکن پہچان نہیں سکی۔ صرف ایک صبا نسیمی ان لوگوں میں سے ہے جن کے نام مسز مطرب نے لئے تھے اور صبا نے بھی اس کا اعتراف کر لیا ہے کہ اس نے پیغام بھجوایا تھا۔ لیکن دوسروں کو نہ وہ شناخت کر سکی ہے اور نہ انہیں لوگوں نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ وہ بیلا مطرب میں دلچسپی لیتے رہے ہیں۔"

"پرنس داراپور کی تصویر بھی اس کے لئے بظاہر ویسی ہی تھی جیسی دوسروں کی ہو سکتی تھی لیکن میرا دعویٰ ہے کہ وہ افضل کو جانتی ہے.... تصویر دیکھ کر وہ بُری طرح چونکی تھی یہ میں پہلے بھی تمہیں بتا چکا ہوں۔"

"لیکن خان افضل کا نام تو شاید اس نے لیا ہی نہیں تھا۔" حمید نے کہا۔

"اسی لئے میں سوچتا ہوں شاید خان افضل ہی کو اس کی حمایت حاصل ہے۔"

"اگر یہ بات ہوتی تو وہ کسی ایسے کتے کا تذکرہ بھی نہ کرتی جسکی وجہ سے افضل پہچانا جا سکے۔"

"اس کیس میں بس اسی جگہ گاڑی اٹکتی معلوم ہوتی ہے۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"کتے کا تذکرہ ہی فضول تھا۔"

دفعتاً فریدی کے خواب گاہ والے فون کی گھنٹی بجی اور وہ اٹھ کر چلا گیا۔ حمید کا ذہن اس کیس کا دوبارہ جائزہ لینے لگا تھا۔ لیکن تخیل کی ہر اڑان اسی کتے سے ٹکرا کر فنا ہو جاتی تھی، جس کا جسم سیاہ بیان کیا گیا تھا اور کان بے داغ سفید تھے۔

واقعی اس سلسلے میں یہ سب سے زیادہ اہم سوال معلوم ہو رہا تھا آخر مسز مطرب نے کتے کا تذکرہ کیوں کیا تھا اور خان افضل کی تصویر دیکھ کر متحیر اور دم بخود کیوں رہ گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد فریدی خواب گاہ سے واپس آگیا۔ حمید نے محسوس کیا کہ وہ کہیں جانا چاہتا ہے اور بہت جلدی میں ہے۔

"کیا بات ہے۔" حمید نے ٹٹولنے والی نظروں سے اسے دیکھ کر پوچھا۔

"بات کیا ہوتی.... جہاں تم بے ہوش ہوئے تھے وہاں سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک لاش ملی ہے۔"

"نہیں....!" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اس کے سینے میں دل کے مقام پر چاقو کے گہرے وار کا نشان ہے لباس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی ذی حیثیت آدمی تھا۔"

بہر حال تم پچھلی رات بال بال بچے ورنہ وہی چاقو تمہارے سینے میں بھی پیوست ہو سکتا تھا۔

حمید خاموشی سے ناشتہ کرتا رہا۔

❁

مسز مطرب کے مکان کی پشت والے کھنڈر میں ایک لاش ملی تھی! مرنے والا ذی حیثیت معلوم ہوتا تھا کیونکہ اس کے جسم پر بہترین تراش کا سوٹ موجود تھا انگلیوں میں قیمتی انگوٹھیاں تھیں۔ جیبوں سے ڈیڑھ سو کے نوٹ برآمد ہوئے تھے اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس کا قتل رہزنی کے سلسلہ میں ہوا ہوگا۔

چونکہ پرانے شہر کی یہ عمارت پولیس کے لئے دردِ سر بن کر رہ گئی تھی اس لئے مسز مطرب سے بھی پوچھ گچھ ہوئی۔ اس نے لاعلمی ظاہر کی اور وہاں سے پہرہ ہٹائے جانے پر احتجاج کیا۔

دوسری طرف بیلا بے حد مضطرب تھی اس نے رات اپنی ماں کی خواب گاہ میں کسی نامعلوم آدمی کو دیکھا تھا مگر اس کی شکل نہیں دیکھ سکی تھی۔ دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو نے اسے الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ کیسے پانچ لاکھ تھے جو اس آدمی سے اس کی ماں نے طلب کئے تھے؟ کیوں طلب کئے تھے؟ کیا اس کا سودا کیا جا رہا تھا.... مگر اس کی ماں نے اسے کسی قسم کی دھمکی بھی تو دی تھی.... پانچ لاکھ.... یہ بہت بڑی رقم ہوتی ہے کیا وہ کوئی بہت بڑا آدمی تھا۔ جس سے پانچ

بالکل اسی انداز میں طلب کئے گئے تھے جیسے پانچ آنے مانگے گئے ہوں۔

پولیس والے پوچھ گچھ کر کے رخصت ہو گئے۔ لیکن پھر تھوڑی ہی دیر بعد ایک دوسری کار ان کے دروازے پر رکی۔ اس پر کوئی بڑا آفیسر تھا۔

وہ بھی اندر آیا اس کے ساتھ دو سب انسپکٹر بھی تھے۔

"مسز مطرب....!" آفیسر نے اس کی ماں سے کہا۔ "آپ کو یہ عمارت تین گھنٹے کے اندر چھوڑنی ہے۔ ہم یہاں آپ کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لے سکتے۔"

"پھر ہم کہاں جائیں گے۔" مسز مطرب نے چیں بہ چیں ہو کر پوچھا۔

"شہر کے کسی آباد علاقے میں آپ عارضی طور پر قیام کریں گی۔ یہ عمارت عارضی طور پر رائٹ کی موجودگی میں مقفل کر دی جائے گی۔"

"آخر کیوں خواہ مخواہ ہمیں پریشان کیا جا رہا ہے۔"

"تعاون کرتی ہیں محترمہ آپ۔ کیا آپ کو اپنی زندگی پیاری نہیں ہے۔ ہم یہ اقدام آپ کی حفاظت کیلئے کر رہے ہیں۔ آپ براہِ کرم تین گھنٹے کے اندر یہاں سے روانگی کیلئے تیار ہو جائیے۔"

مسز مطرب کچھ نہ بولی۔ بیلا اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار دیکھ رہی تھی۔ پولیس آفیسر چلا گیا۔

مسز مطرب بڑبڑانے لگی۔ "میں تو اپنی زندگی سے تنگ آگئی ہوں۔ کہیں پاگل نہ ہو جاؤں چلو اپنا سامان درست کرو۔"

"ہم کہاں جائیں گے ممی....!"

"جہنم میں....!" مسز مطرب جھلا گئی۔

"وہ قرینے ہی سے ظاہر ہوتا ہے۔" بیلا بھی جل گئی۔

"کیا مطلب....!" مسز مطرب اسے گھورنے لگی۔

"کچھ نہیں....!" بیلا سہم گئی تھی۔ وہ ان تیوروں سے بہت ڈرتی تھی۔ ایسے مواقع پر جب مسز مطرب خفا ہوتی نہ جانے کیوں بیلا کو اس کی آنکھیں بڑی زہریلی معلوم ہونے لگتی تھیں۔ ایسا محسوس ہوتا جیسے ان میں رحم کا شائبہ بھی نہ ہو اور ان میں کسی وقت بھی درندگی کی چمک ابھر سکتی ہے۔"

"نہیں بتاؤ مجھے اس کا مطلب....!" مسز مطرب گرجی۔

"کک.... کچھ نہیں۔"

"کچھ نہیں کی بچی۔ کیا تو اندھی ہو گئی ہے۔ نہیں دیکھتی کہ میں کتنی پریشان ہوں.... پھر ایسی باتیں کرتی ہے۔"

"میں نے کیا کہا ہے....!"

"دیکھ بیلا میں بہت بُری طرح پیش آؤں گی۔"

"ممی تم خواہ مخواہ خفا ہو رہی ہو۔ تم نے کہا تھا جہنم میں.... میں نے کہا قرینے سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ کیا ان دنوں ہم جہنم ہی میں نہیں ہیں۔"

"باتیں مت بنایا کرو.... مجھ سے تقریریں نہیں چلیں گی.... سمجھی....!"

یک بیک بیلا کو غصہ آگیا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے اس پر دیوانگی سی طاری ہو گئی ہو۔ خود بیلا بھی یہی محسوس کر رہی تھی کہ اس سے کوئی نئی حرکت سرزد ہو رہی ہے۔

"تم ہمیشہ تقریروں کے طعنے دیا کرتی ہو۔ اب تم بتاؤ کہ پچھلی رات تمہارے کمرے میں کون تھا۔"

مسز مطرب سناٹے میں آگئی اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔ وہ دیوار سے لگ کر پھٹی پھٹی آنکھوں سے بیلا کو دیکھتی رہی۔

"کیا بک رہی ہو تم....!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"ہو سکتا ہے میں نے خواب دیکھا ہو۔" بیلا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "مگر وہ خواب بھی بڑا بھیانک تھا۔ تم کسی سے پانچ لاکھ میں میرا سودا کر رہی تھیں۔"

دفعتاً مسز مطرب بیلا پر جھپٹ پڑی اور اسے زمین پر گرا کر دونوں ہاتھوں سے پیٹنا شروع کر دیا۔

"کمینی کتیا! مجھ سے بدتمیزی کرتی ہے۔ ذلیل تیری یہ مجال یہیں دفن کر دوں گی۔"

"مارو.... ضرور.... مارو.... مگر تمہیں بتانا پڑے گا میں بھی تمہاری بیٹی ہوں۔ تم سے کم نہیں ہوں۔"

مسز مطرب کے ہاتھ یک لخت سست پڑ گئے اور پھر وہ اسے چھوڑ کر ہٹ گئی۔

"نہیں مارو....!" بیلا زمین ہی پر پڑی ہوئی کراہی "ہٹ کیوں گئیں....! مارتی رہو۔ حتیٰ کہ

مر جاؤں.... لیکن میں بھیڑ بکریوں کی طرح اپنا سودا نہیں ہونے دوں گی سمجھیں۔"

"بکواس مت کرو بیلا۔ مجھے اس طرح غصہ نہ دلایا کرو۔ میں تمہارا سودا نہیں کر رہی تھی۔ وہ ہمدرد تھا۔"

"ہمدردوں سے ایسی ہی باتیں کی جاتی ہیں جیسی تم کر رہی تھیں۔"

"بیلا....!" مسز مطرب دانت پیس کر اور گھونسہ دکھا کر بولی "اگر تم نے کسی سے بھی اس کا ذکر کیا تو میں تمہیں کچل کر رکھ دوں گی۔"

باپ اور بیٹا

کیپٹن حمید جیسے ہی کوٹھی میں داخل ہوا کرنل فریدی کو میک اپ میں دیکھ کر اسے بڑی حیرت ہوئی کیونکہ کافی عرصہ سے اس نے اسے میک اپ میں نہیں دیکھا تھا.... وہ بہت ہی خاص واقع پر میک اپ کی ضرورت محسوس کرتا تھا۔

"کیا خبر ہے۔" اس نے حمید کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

"پرنس دارا پور اڑ گیا۔" حمید نے جواب دیا۔

"کیا مطلب....!"

"وہ سوئیس ایئر کے طیارے سے روم گیا ہے۔"

"کب کی خبر ہے۔"

"ٹھیک دس بجے میں نے اسے ایئر پورٹ پر الوداع کہی تھی۔"

"سیٹ کب بک کرائی گئی تھی۔"

"پچھلے ہفتے.... تاریخ میں نے نوٹ کی ہے۔ مگر آپ کہاں چلے۔"

"تم بھی چلو گے....!" فریدی نے کہا پھر کچھ سوچنے لگا۔

"میں.... میں تو یقیناً چلوں گا۔ ویسے کیا آپ کو معلوم ہے کہ ڈی ایس پی سٹی نے بیلا اور اس کی ماں کو شہر میں منتقل کر دیا ہے۔ وہ پرنسٹن کے پولیس اسٹیشن کے اوپر والے فلیٹ میں ہیں۔"

"مجھے علم نہیں تھا۔ یہ اچھا ہی ہوا ہے۔"

"مسز مطرب نے ہم لوگوں کے خلاف رپورٹ کر دی ہے کہ ہم اسے بیلا کی شادی پر مجبور کرنا چاہتے ہیں۔"

"یہ اس سے بھی اچھا ہوا ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

"تو پھر اب چھٹی ہے میری! پرنس دارا پور تو روم گیا۔"

"نہیں! اب میں نے اسکیم بدل دی ہے۔ جہاں کے لئے خود میں تیار تھا اب وہاں تمہیں بھیجوں گا۔"

"میں نے آج تک طوائفوں کے محلے میں قدم بھی نہیں رکھا۔" حمید نے اپنے دونوں کان پکڑتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو معاف ہی رکھئے۔"

"کیا بکتے ہو۔ تمہیں تقریباً پندرہ میل تک گھوڑے پر سفر کرنا ہوگا۔"

"میں گدھے پر بھی سفر کر سکتا ہوں۔ بشرطیکہ آپ مجھے ایک ماہ کی چھٹی دلوا دیں۔"

"اس کیس سے نپٹنے کے بعد میں ایک لمبی چھٹی لوں گا۔" فریدی نے کہا۔ "ظاہر ہے کہ جہاں میں وہاں تم۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر یہ سفر گھوڑے پر کیوں ہوگا۔"

"تمہیں شکاریوں کے لباس میں جھریالی کی طرف لے جانا ہے۔ آج کل خان افضل اپنی پارٹی کے ساتھ وہیں شکار کھیل رہا ہے۔"

"اوہ.... خان افضل.... میں نے سنا ہے کہ وہ بڑھاپے میں بھی بچوں کی سی حرکتیں کرتا ہے خصوصاً شکار کے معاملے میں.... کاؤبوائے ٹائپ کے لباس میں گھوڑے پر آوارہ گردی کیا کرتا ہے۔ اسی قسم کے خیمے لگاتا ہے.... سنا ہے اس کا اور اسکے بیٹے کا لہجہ بھی کاؤبوائز ہی کا سا اکھڑ ہے۔"

"تو پھر....؟"

"کچھ نہیں....!"

"میرا خیال ہے کہ ایک زمانے میں تم بھی اس خبط میں مبتلا رہ چکے ہو اور تمہارے پاس بھی لباس تو محفوظ ہی ہوگا۔"

"جی ہاں.... ہے۔"

"بس تو پھر....! اب اس ایڈونچر کے متعلق خود ہی سوچو.... تمہیں ان لوگوں سے مل

ہے۔"

"کیا میک اپ میں جانا ہوگا۔"

"ہرگز نہیں۔"

"تب تو مل بیٹھنے دیا.... ان لوگوں نے۔ اگر ان کے خلاف آپ کا شبہ درست ہے تو پھر وہ پانچ بھی ہوں گے۔ کم از کم میری شادی کی خبر پڑھ کر انہوں نے میرا چاند سا چہرہ دیکھنے کی ضرور کی ہوگی۔"

"یقیناً کی ہوگی۔" فریدی مسکرایا۔ "اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ تم میک اپ میں نہ جاؤ.... سے زیادہ وہ تمہارا بھرتہ بنا کر رکھ دیں گے۔"

"کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ اس میں کوئی غلطی نہیں کر رہے۔"

"بحث نہ کرو۔"

"بہتر ہے! قربانی کے بکرے کو اتنی اردو کہاں آتی ہے کہ وہ بحث کر سکے! بہتر ہے جناب۔"

"تمہیں ٹھیک ساڑھے چار بجے چیتھم روڈ پر گھوڑا تیار ملے گا۔"

"غالباً اس نے بھی اس سلسلے میں آپ سے بحث کی ہوگی۔"

"میں جانتا ہوں کہ تمہارا دم نکلا جا رہا ہے۔" فریدی مسکرایا۔ "مگر تمہیں اتنا ڈرپوک نہیں تھا۔"

لفظ "ڈرپوک" پر حمید اس طرح اچھل پڑا جیسے کسی نے پشت پر خنجر مارا ہو۔

"اب میں کچھ نہیں کہوں گا۔" وہ غصیلی آواز میں بولا۔

❁

چار بجے چیتھم روڈ پر کار چھوڑی یہاں ایک آدمی گھوڑے سمیت موجود تھا۔ حمید دل ہی دل تاؤ کھاتا ہوا گھوڑے پر بیٹھ گیا۔ کار ڈرائیور کو واپس لے جانی تھی۔

اسے تاؤ اس لئے آ رہا تھا کہ لوگوں نے اسے دیکھ کر ہنسنا شروع کر دیا تھا... فلموں میں کاؤ کو دیکھ کر ان سے متعلق ہوائی قلعے بنانا اور بات ہے لیکن ان کا لباس پہن کر کسی مہذب ملک شہروں میں گھوڑا دوڑاتے پھرنا اور بات ہے.... یہاں تو حمید ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے کسی کا اشتہار بانٹنے نکلا ہو۔

ٹخنوں سے اونچی چست پتلون سبز رنگ کی واسکٹ گلے میں سرخ رنگ اسکارف کمر کے گرد کارتوسوں کی پیٹی تھی۔ جس کے دونوں جانب ہولسٹر لٹکے ہوئے تھے کاندھے پر رائفل بھی تھی۔

گھوڑا چیتھم روڈ پر سرپٹ دوڑ رہا تھا اور دیکھنے والے قہقہے لگا رہے تھے۔ حمید کو اس کی پرواہ نہیں تھی کہ وہ ایک بھری پُری سڑک پر اس طرح گھوڑا دوڑا رہا ہے وہ تو جلد از جلد آبادی سے نکل جانا چاہتا تھا۔

خدا خدا کر کے قہقہوں اور بچوں کی تالیوں سے اس کا پیچھا چھوٹا۔ بستی سے باہر نکلتے ہی دم لینے کے لئے گھوڑے کو سست رفتاری پر مجبور کر دیا۔

مگر پھر تھوڑی دیر بعد اسے خیال آیا کہ دن رہے ہی جھریالی پہنچ جانا چاہئے ورنہ اندھیرے میں کہاں بھٹکتا پھرے گا۔ اس نے پھر گھوڑے کو ایڑ لگائی.... کاؤ بوائے ہیٹ کا تسمہ جو بہت تنگ سے کسا ہوا تھا اب تکلیف دہ ہو گیا تھا۔ لہٰذا اس نے ہیٹ کو پشت پر ڈال لیا اور تسمہ گردن میں پھنسا رہ گیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اگر ان لوگوں کے خیموں میں پناہ نہ مل سکی تو کیا کرے گا۔ ضروری نہیں تھا کہ وہ لوگ اسے اپنے قریب آنے دیتے۔ پتہ نہیں کس مقصد کے تحت فریدی نے اسے اس طرح جھونک مارا تھا۔ وہ گھوڑے کو تیز رفتاری ہی پر مجبور کرتا رہا۔ گھوڑا سدھایا ہوا اور سیدھا معلوم ہوتا تھا ورنہ حمید کی زیادتیوں کی کسر نکال ہی لیتا۔

بہر حال یہ حمید کی قوت ارادی ہی کا کرشمہ تھا کہ وہ پانچ بجے تک جھریالی کے علاقے میں داخل ہو گیا جھیل کے کنارے اسے چھوٹے چھوٹے خیمے نظر آئے جن کے قریب گھوڑے چر رہے تھے۔ دفعتاً کچھ لوگ خیموں کے دروں میں نظر آئے۔ غالباً یہ گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سن کر باہر دیکھنے لگے تھے۔

حمید نے دیکھا کہ ایک طویل قامت اور جسیم آدمی دوسروں سے کچھ آگے بڑھ آیا ہے۔ حمید گھوڑا اسی طرف لیتا چلا گیا.... قریب پہنچنے پر حمید نے خان افضل کو پہچان لیا۔ یہ طویل قامت اچھے جسم والا ایک معمر آدمی تھا اس کی مونچھیں سفید تھیں سر کے بالوں میں سیاہی کی ہلکی سی لہر بھی کہیں نظر نہیں آتی تھی۔

"او جوان.... او جوان....!" خان افضل آگے بڑھ کر تعریفی نظروں سے حمید کا جائزہ لیتا

"کون ہو! کدھر سے آئے ہو.... اوہو.... تم بھی کاؤ بوائے بنے ہوئے ہو۔ کیا بوڑھے کو مضحکہ اڑانے آئے ہو....!"

"مضحکہ کون اڑا سکتا ہے.... خان کا....!" کئی غصیلی آوازیں آئیں۔ حمید نے دیکھا کہ اس کے ساتھیوں کے ہاتھ ہولسٹروں پر چلے گئے ہیں جن سے ریوالور کے کالے کالے دستے جھانک رہے تھے۔

"آہا.... جیالو....!" حمید نے اردو میں کاؤ بوائز کے اکھڑ لہجے کی نقل اتاری۔ "میرے قبضے میں دس گولیاں ہیں یا وہ ختم ہو جائیں گی.... یا میں ختم ہو جاؤں گا۔"

"نہیں....!" خان افضل اپنے ساتھیوں کی طرف مڑ کر بولا اور ان کے ہاتھ ہولسٹروں پر ہٹ گئے۔

"ادھر کیوں آئے ہو۔" خان افضل نے پوچھا۔

"بہت دنوں سے خواہش تھی کہ خان اور خان کے ساتھیوں میں بھی کچھ وقت گذارا ئے۔" حمید نے کہا۔

"کیوں....؟"

"ارے خان! میں کوئی بُرا آدمی نہیں ہوں....!" حمید ہنس کر بولا۔

"ان خیموں میں....!" خان افضل نے خیموں کی طرف انگوٹھے سے اشارہ کر کے کہا۔ "بھولے یا بروں کی پرواہ نہیں کی جاتی.... تم کون ہو۔"

حمید نے اپنا کارڈ نکال کر اُس کی طرف بڑھا دیا۔

وہ چند لمحے کارڈ کو گھورتا رہا پھر غصیلی آواز میں بولا۔ "یہاں ہمارے پاس بغیر لائسنس کی فیس نہیں ہیں۔"

"شش....!" حمید آنکھ مار کر مسکرایا۔ "میں اس وقت ایک کاؤ بوائے کے لباس میں ہوں۔ شکار پر نہیں.... یہ خبر ہی مجھے اس طرف لے آئی ہے کہ خان شکار گاہ میں ہیں۔"

"آؤ.... نیچے اتر آؤ۔ میں نے تمہارا نام بہت سنا ہے۔" خان افضل نے کہا۔ "میرے لڑکے تمہارا جمل سے مل کر تمہیں خوشی ہو گی۔ وہ بھی تمہاری ہی طرح پھرتیلا اور چالاک ہے۔"

❁

خان افضل کے خیمے قہقہوں سے گونج رہے تھے۔ وہ ایک زندہ دل آدمی تھا۔ اتنا زندہ دل کہ باپ اور بیٹے ایک ہی میز پر شراب پی رہے تھے۔

اس خیمے میں پانچ آدمی تھے۔ خان افضل اس کا بیٹا اجمل .... حمید اور دو آدمی اور جو خان افضل کے مصاحب معلوم ہوتے تھے۔ دوسرے آدمی مختلف خیموں میں تھے۔

اجمل حمید پر رعب ڈالنے کے لئے شیخیاں بگھار رہا تھا....

"بہت بُری بات ہے کیپٹن!" خان افضل بولا۔ "بہت بُری کہ تم تفریحاً بھی نہیں پیتے۔"

"پینے کیلئے دماغ اور پھیپھڑوں میں قوت چاہئے۔" اجمل نے مصاحبوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تم چپ رہو۔" خان افضل غرایا۔

"تم پیتے وقت مجھ پر نہ غرایا کرو پاپا سمجھے! ورنہ ہو سکتا ہے نشے میں کچھ میری زبان سے بھی نکل جائے۔"

"کچھ نکال کر دیکھو زبان سے۔"

"ابھی ہوش میں ہوں۔" اجمل کا لہجہ زہریلا تھا۔ پھر اس نے حمید سے کہا۔ "مجھے جب غصہ آتا ہے تو میری آنکھیں بلڈاگ کی آنکھوں کی طرح بند ہو جاتی ہیں۔"

"ضرور بند ہو جاتی ہوں گی...." حمید سر ہلا کر بولا۔ "تم ایسے ہی معلوم ہوتے ہو۔"

"کیوں بکواس کر رہا ہے اجمل....!" خان افضل نے اسے ڈانٹا۔

"میں کہہ چکا ہوں کہ میں ابھی نشے میں نہیں ہوں۔"

"خاموش بھی رہئے.... چھوٹے خان۔" ایک مصاحب بول پڑا۔

"یو شٹ اپ.... بلیک باسٹرڈ....!" اجمل اس کی طرف مڑتا ہوا دہاڑا۔

مصاحب سہم کر خاموش ہو گیا اور حمید نے کہا۔

"مسٹر اجمل میں آپ لوگوں کا مہمان ہوں۔ اس توقع پر آیا تھا کہ یہاں کچھ تھوڑی تفریح ہو جائے گی۔ لیکن آپ مجھے بھاگ جانے پر مجبور کر رہے ہیں۔"

"ارے نہیں....!" وہ یک بیک ہنسنے لگا۔ "اچھی بات ہے اب میں کوشش کروں گا کہ مجھے غصہ نہ آئے۔"

خان افضل اٹھ کر خیمے سے چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی دونوں مصاحب بھی اٹھ گئے۔

خان اجمل آہستہ آہستہ ہنسنے لگا۔ حمید کو ان دونوں کے تعلقات پر حیرت ہو رہی تھی۔ یہ باپ بیٹے ہیں وہ سوچ رہا تھا۔

"یار کیپٹن....!" وہ حمید کے شانے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "یہ واقعی بہت بُری بات ہے کہ تم پیتے نہیں ہو۔ پتہ نہیں جیتے کیسے ہو۔ میں تو شراب کے بغیر ایک دن بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔"

"بس کیا بتاؤں میں نے تو ساڑھے سات ہی سال کی عمر میں شراب بالکل چھوڑ دی تھی۔" حمید نے کہا۔

"ساڑھے سات سال کی عمر میں۔" اجمل نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں.... آپ کو حیرت کیوں ہے؟"

"کس عمر میں آپ نے پینی شروع کی تھی۔"

"یہ نہ پوچھئے۔ پیدا ہوتے ہی حلق میں برانڈی ٹپکائی گئی تھی۔ ویسے مجھے یاد ہے کہ جب میں ساڑھے تین سال کا تھا تو پیالہ پگ سے کم میں میرا کام نہیں چلتا تھا۔"

"کمال ہے۔ نہیں یار کیپٹن تم مجھے اُلو بنا رہے ہو۔"

"یقین کرو دوست....!"

"چلو کر لیا....!" اجمل ہنسنے لگا۔ پھر بائیں آنکھ دبا کر بولا۔ "اب تک کتنی لڑکیوں سے عشق کیا ہے۔"

"یہ نہ پوچھو....!" حمید نے ٹھنڈی سانس لی کچھ دیر خاموش رہا پھر کہنے لگا۔ "مجھے آج بھی یاد ہے کہ سوا تین سال کی عمر میں میں نے شراب کیوں شروع کی تھی۔"

"کیوں شروع کی تھی۔"

"مجھے ایک لڑکی سے محبت ہو گئی تھی۔ سوا تین سال کی ننھی سی جان کو دیکھو اور عشق کی ناکامی کا صدمہ۔ ہوا یہ کہ اس لڑکی کی شادی ہو گئی۔"

"لڑکی کی عمر کیا تھی۔"

"یہی کوئی بیس سال....!"

"ہاہا....!" اجمل نے بے تحاشہ قہقہہ لگایا۔ "یار تمہیں بغیر پیے نشہ ہو گیا ہے۔ اپنی چونچ

سنبھالو۔ ورنہ ابھی کہنے لگو گے کہ ڈھائی سال کی عمر میں پہلی شادی ہوئی تھی۔"

"میرا مذاق نہ اڑاؤ خان اجمل میں تمہارا مہمان ہوں۔ تم کسی سے بھی معلوم کر سکتے ہو کہ اسکی شادی ہو جانے کے بعد میں نے شراب شروع کر دی تھی اور اس وقت میں سوا تین سال کا تھا۔"

"ضرور رہے ہو گے۔" خان اجمل ہنستا ہی رہا۔

"اچھی بات ہے دوست۔ کبھی نہ کبھی مجھے بھی تم پر ہنسنے کا موقع ملے گا۔"

خان اجمل ہنستا ہی رہا۔ حمید نے محسوس کیا کہ اب اسے نشہ ہو چلا ہے۔

ٹھیک اسی وقت خان افضل خیمے میں داخل ہوا.... وہ تنہا ہی تھا۔ لیکن غصے میں بھرا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ حمید نے اس کے ہاتھ میں چمڑے کا چابک دیکھا۔

وہ کمر پر ہاتھ رکھے ہوئے تن کر کھڑا ہو گیا۔ اس وقت وہ سچ مچ کوئی دیو معلوم ہو رہا تھا۔

وہ چند لمحے اجمل کو حقارت سے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"خان افضل.... صرف خان افضل ہے نہ وہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ کسی کا باپ۔"

"ارے جاؤ....!" اجمل ہاتھ ہلا کر جھومتا ہوا بولا۔ "بڑے آئے خان افضل.... جاؤ.... جاؤ.... میں جانتا ہوں کہ میرا دادا کپڑے بنتا تھا۔ پھر پتہ نہیں ہم لوگ خان کہاں سے ہو گئے۔"

"خاموش رہو۔" خان افضل نے الٹا ہاتھ اپنے بیٹے کے منہ پر رسید کر دیا۔ اگر حمید اسے بڑی پھرتی سے سنبھال نہ لیتا تو یقینی طور پر اس کی کرسی الٹ گئی ہوتی۔

"تم دخل مت دو کیپٹن۔" وہ غرایا۔

حمید ایک طرف ہٹ گیا۔ اجمل بھی تن کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"یہ سودا تمہیں بہت مہنگا پڑے گا پاپا۔" اس نے کہا۔

"شائیں....!" چمڑے کا چابک اجمل کے شانے پر پڑا لیکن ساتھ ہی وہ اجمل کے ہاتھ میں بھی آ گیا۔ دونوں ہی اسے چھین لینے کے لئے زور لگا رہے تھے۔ حمید دور کھڑا تماشہ دیکھتا رہا۔

اچانک خان افضل نے چابک چھوڑ کر ٹھوڑی پر مکا رسید کر دیا۔

اجمل خیمے کی سائیڈ سے ٹکرا کر زمین پر گر گیا اب پھر خان افضل نے دو چار چابک بھی رسید کر دیئے۔

اجمل زمین سے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا چابک کی شائیں شائیں سے بچنے کے لئے کافی

جد کرنی پڑ رہی تھی۔ کبھی اِدھر رینگ جانا پڑتا کبھی اُدھر۔

"بولو... بتاؤ تمہیں نشہ ہوا یا نہیں۔" خان افضل کہہ رہا تھا اور اجمل پر چابک بھی برسا رہا تھا۔

"خان میں استدعا کرتا ہوں....!" حمید نے کچھ کہنا چاہا۔

"نہیں تم خاموش رہو کیپٹن۔ اسے اپنی قوت پر بے جا غرور ہو گیا ہے۔ اتنا غرور کے اپنے سے بھی ٹکرانے کے لئے تیار رہتا ہے۔"

"میں تم سے رحم کی بھیک نہیں مانگوں گا پاپا۔ ابھی جب تمہارا بوڑھا بازو شل ہو جائے گا دیکھنا۔"

خان افضل کا ہاتھ اور تیزی سے چلنے لگا۔ چابک کبھی اجمل پر پڑتا اور کبھی زمین پر۔ کبھی کبھی کو بھی اچھل کر اِدھر اُدھر ہٹنا پڑتا تھا کیونکہ خان افضل کا ہاتھ بڑے وحشیانہ انداز میں چل رہا تھا۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح یہ ہنگامہ فرو کرائے۔ بوڑھا خان افضل واقعی ت انگیز قوت کا مالک تھا۔ اس کا ہاتھ سست ہونے کے بجائے لحہ بہ لحہ تیز ہی ہوتا جا رہا تھا۔ ک ایک بار چابک کروسین لیمپ سے جا ٹکرایا۔ لیمپ کا زمین پر گرنا تھا کہ خیمہ تاریک ہو گیا۔ طرح خان اجمل کو چابک سے پناہ مل سکی۔ وہ چپ چاپ خیمے سے نکل کر کھسک گیا تھا۔

خدشہ

پرنسٹن کے تھانے کے اوپر تین کمروں کا ایک فلیٹ تھا یہاں پہنچ کر بیلا نے اطمینان کا سانس یا۔ صحیح معنوں میں اب وہ خود کو محفوظ سمجھ رہی تھی۔ لیکن اس کے برخلاف اس نے اپنی ماں کے چہرے پر اطمینان نہیں دیکھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ یہاں آ کر خود کو اور زیادہ غیر محفوظ سمجھنے لی ہو۔

ان دونوں کے درمیان ابھی تک کشیدگی باقی تھی۔ نہ جانے کیوں بیلا کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ان دونوں کے درمیان ایک خلیج سی حائل ہو گئی ہو۔ لیکن پچھلی جھڑپ کے بعد سے اب تک ان دونوں میں کوئی ناخوشگوار گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ ویسے بیلا بھی محسوس کرتی تھی کہ اس کی ماں اس سے بے حد خفا ہے۔ حالانکہ مسز مطرب نے خفگی کا اظہار بھی نہیں کیا تھا۔

اس واقعے کی یاد بیلا کے لئے ایک مستقل ذہنی خلش بن کر رہ گئی تھی۔ آخر وہ کون تھا اور اتنی رات گئے اس کی ماں کے کمرے میں کیا کر رہا تھا۔ ان دونوں کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس کا کیا مقصد تھا۔ کاش وہ پوری گفتگو سن سکی ہوتی۔

اس وقت دونوں نشست کے کمرے میں بیکار بیٹھی ہوئی تھیں۔ دونوں ہی کے چہروں پر پریشانی کے آثار نظر آرہے تھے۔

دفعتاً کسی نے دروازے پر دستک دی اور مسز مطرب اس طرح چونک پڑی جیسے وہ دستک اُن کے لئے کوئی بہت بڑی پریشانی لائی ہو۔

اس نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ کرنل فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

"غالباً میں نے آپ کو ناوقت تکلیف دی ہے۔"

بیلا اسے دیکھ کر کھڑی ہوگئی تھی۔

"کوئی بات نہیں۔" مسز مطرب نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تشریف لائیے۔" بیلا دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

"آپ یہاں مطمئن ہیں یا نہیں؟" فریدی بیٹھتا ہوا بولا۔

"بہت!" مسز مطرب زبردستی مسکرائی۔ "اگر یہاں بھی مطمئن نہ ہوسکوں تو پھر مجھے دنیا کے کسی گوشے سے بھی اطمینان نصیب نہ ہوگا۔"

"کاش پولیس نے آپ کی پہلی بار کی شکایت پر یہ انتظام کیا ہوتا۔" فریدی نے کہا۔

"مگر میں نہیں سمجھ سکتی کہ مجھے کب تک خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرنی ہوگی۔"

"ہاں.... یہ مسئلہ ایسا ہی ہے کہ یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا ویسے کچھ وقت تو ضرور لگے گا۔"

مسز مطرب تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔ "دیکھئے اس دن آپ خفا ہوگئے تھے۔ لیکن میری دشواریوں کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ میں سمجھتی ہوں کہ کیپٹن حمید بہت اچھے ہیں ان سے بہتر شوہر بیلا کے لئے ملنا مشکل ہے.... لیکن میں پھر بھی مجبور ہوں.... مجھے بے حد افسوس ہے۔"

"دشواریوں پر قابو بھی پایا جاسکتا ہے؟" فریدی مسکرایا۔

"نہیں وہ دشواری ایسی ہے کہ میں خود بھی....!" اس نے جملہ نہیں پورا کیا۔

"آپ بے تکلفی سے کہئے۔ ہوسکتا ہے کہ میں آپ کے کسی کام آسکوں۔"

"دیکھئے قصہ دراصل یہ ہے کہ ہمارے یہاں خاندان سے باہر شادیاں نہیں ہوتیں.... ورنہ اب تک میں کسی نہ کسی کے دھوکے میں آہی جاتی کیونکہ ساری دنیا کی عورتیں دولت مند داماد چاہتی ہیں۔"

"تب تو واقعی میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔" فریدی نے سر ہلا کر کہا۔

"اس سلسلے میں آپ نے بڑی زیادتی کی ہے۔ یعنی میرے تردیدی بیان کی تردید میرے ہی نام سے کرادی۔"

"وہ میں نے آپ کی بہتری کے لئے کیا تھا۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ محض روایات کو برقرار رکھنے کے لئے ان ہنگاموں کا مقابلہ کر رہی ہیں تو میں احتیاط برتتا۔"

"میں نہیں جانتی کہ یہ لوگ کیوں ہمارے پیچھے پڑگئے ہیں۔"

"مطرب صاحب نے ایسی کوئی بڑی رقم چھوڑی ہوگی جس کا علم بہت کم لوگوں کو ہوگا۔"

"اس کے متعلق مجھ سے زیادہ کون جان سکے گا۔"

"تو کیا میرا خیال صحیح ہے۔" فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ انہوں نے ایسی کوئی رقم نہیں چھوڑی تھی جو کچھ بھی ہے غیر منقولہ جائیداد کی شکل میں ہے۔"

"مطرب صاحب بھی ذی حیثیت لوگوں میں سے تھے۔"

"اب اس کا تذکرہ ہی فضول ہے۔" مسز مطرب نے کہا اور ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"میرا خیال ہے کہ ان کا حلقہ احباب بھی بہت وسیع رہا ہوگا۔"

"جی ہاں....!"

"کیا آپ ان لوگوں کے نام بتا سکیں گی جن سے بہت قریبی تعلقات تھے۔"

نہ جانے کیوں اس سوال پر ایک لحظہ کے لئے اس کے چہرے کی رنگت اڑ گئی مگر پھر اس نے سنبھل کر کہا۔ "بھلا میں یہ کیسے بتا سکتی ہوں۔ مجھے کیا علم۔"

"یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔"

"عجیب کیوں....؟"

"سو فیصدی عورتوں کو شوہروں کے دوستوں کے متعلق سب کچھ معلوم ہوتا ہے۔"

"مجھے ان کے دوستوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔"

"آپ کو یقین ہے کہ آپ غلط بیانی سے کام نہیں لے رہی ہیں۔"

"کیا مطلب....!"

"صرف اتنا ہی مطلب ہے کہ میں ان کے قریبی دوستوں کے نام اور پتے چاہتا ہوں۔"

"فرض کیجئے کسی طرح آپ کو نام اور پتے مل بھی جائیں تو آپ اس کیس کے سلسلے میں کیا کر سکیں گے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں اس قسم کے سوالات کے جوابات صرف اپنے آفیسروں کو دیتا ہوں۔"

"اوہ.... میں معافی چاہتی ہوں۔ دیکھئے نا۔ ایسے حالات سے گزرنا بھی ہنسی کھیل نہیں ہے۔ ذہن پر بُرا ہی اثر پڑتا ہے۔ آج کل میں جو کچھ سوچتی ہوں زبان پر نہیں آتا اور جو ذہن میں بھی نہیں ہوتا منہ سے نکل جاتا ہے۔"

"قدرتی بات ہے....!" فریدی نے کہا۔ "ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ممکن ہے کسی ایسی رقم یا بائیداد کا علم آپ کو بھی نہ ہو جس کی مالک مس بیلا بننے والی ہوں۔"

"بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔ آپ خود سوچئے۔"

"ایسے بہتیرے کیس میرے پاس آچکے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ مسٹر مطرب کو اس کا موقع نہ ملا ہو کہ وہ آپ کو بتا سکتے۔ بہتیرے ایسے لوگ دیکھنے میں آئے ہیں جو کروڑوں کے مالک ہوتے ہیں لیکن کسی کو بھی اس کا علم نہیں ہوتا ہے۔ بعض لوگوں میں یہ خبط بھی ہوتا ہے کہ مرتے وقت اپنے اعزہ کو کوئی بہت بڑی خوشی دے جائیں۔ مگر مطرب صاحب کا انتقال اچانک ہوا تھا یہ میں اپنی معلومات کی بناء پر کہہ رہا ہوں.... اور ان کا انتقال گھر میں نہیں ہوا تھا بلکہ ایک سفر کے دوران میں ان کے قلب کی حرکت بند ہو گئی تھی۔"

"میں آپ کی معلومات کو چیلنج نہیں کروں گی۔" مسز مطرب مسکرائی۔

"پھر کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ جو کچھ انہوں نے آخیر وقت کے لئے اٹھا رکھا ہو وہ آپ سے نہ کہہ پائے ہوں۔"

"ممکن ہے۔" مسز مطرب کچھ سوچتی ہوئی بولی۔

"مگر ہو سکتا ہے کہ ان کے کسی قریبی دوست کو اس کا علم ہو۔" فریدی بولا۔ "کیونکہ ایسے کیس بھی میرے پاس آچکے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔" مسز مطرب نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"میں اپنی یادداشت پر زور دوں گی، شاید کوئی ایسا دوست نکل ہی آئے جس پر وہ اتنا اعتماد کر سکتے رہے ہوں۔"

"تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر مسز مطرب نے ایک آدھ نام لئے اور فریدی جیب سے نوٹ بک نکال کر نام اور پتے تحریر کرنے لگا۔"

کچھ دیر بعد مسز مطرب نے خاموشی اختیار کر لی۔ فریدی بھی کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا۔ نوٹ بک اس کے زانو پر کھلی رکھی تھی۔

"کیا.... آپ ایک آدھ نام اور بھی نہیں یاد کر سکتیں۔" اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"ایک کیا ممکن ہے ابھی دس اور ہوں۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ میرے علم میں نہیں۔"

"یہ تو بہت بُری بات ہے مسز مطرب.... بہت بُری۔"

"اب میں کیا کروں۔" مسز مطرب نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اس قسم کی کوئی افتاد پڑے گی تو ان کے دوستوں کا شجرہ نسب تک زبانی یاد کرنے کی کوشش کرتی۔"

"خان افضل ایسا نام نہیں ہے محترمہ جو یاد نہ آسکے۔" فریدی نے کہا اور مسز مطرب اس طرح اچھل پڑی جیسے کرسی نے اچھال دیا ہو۔

"میں کسی خان افضل کو نہیں جانتی۔" وہ خوفزدہ آواز میں بولی۔

"نہ جانتی ہوں گی۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔ پھر چند لمحے اسے گھورتے رہنے کے بعد بولا۔ "تم یہاں سے باہر قدم نہیں نکال سکو گی۔ نہ کسی سے مل سکو گی اور نہ کوئی تم سے مل سکے گا۔"

پھر وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

❁

پچھلی رات کا ہنگامہ اس وقت بھی کیپٹن حمید کو یاد تھا۔ اس لئے دونوں باپ بیٹے کو اکٹھے دیکھ کر اسے حیرت ہوئی۔ قطعی یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ پچھلی رات وہ ایک دوسرے کے خون کے

پیاسے نظر آئے ہوں گے۔

انہوں نے ایک ہی میز پر ناشتہ کیا تھا اور اب خیمے کے باہر بیٹھے آج کے شکار کا پروگرام بنا رہے تھے۔

"ہیلو کیپٹن....!" اجمل حمید کو دیکھ کر مسکرایا تھا۔

"پہاڑوں کے ادھر ہرنوں کا شکار ہوتا ہے۔" خان افضل نے پہاڑیوں کی طرف ہاتھ اٹھا کر حمید سے کہا۔

"تو پھر اُدھر ہی چلیں گے۔" حمید بولا۔

"یہی خیال ہے۔"

ان میں سے کسی نے پچھلی رات والے واقعے کا حوالہ تک نہ دیا اور ان کے چہروں پر شرمندگی کے آثار بھی نہیں نظر آئے.... کتنے عجیب باپ بیٹے تھے۔ شاید وہ کاؤ بوائز بھی اتنے وحشی نہ ہوتے ہوں جن کی نقل یہ دونوں تھے۔ ان دونوں کی اسٹڈی حمید کے لئے بڑی دلچسپ ثابت ہو سکتی تھی۔

دس بجے حمید اس پارٹی کے ساتھ ہرنوں کے شکار کے لئے روانہ ہو گیا۔ چودہ گھوڑے جھیل کے کنارے دوڑ رہے تھے۔

مچھلیوں کا شکار کھیلنے والوں نے بڑی نفرت انگیز نظروں سے اُن کی طرف دیکھا۔

خان اجمل کا گھوڑا حمید کے گھوڑے کے برابر ہی چل رہا تھا۔ حمید نے اجمل کے بائیں گال پر ایک ابھری ہوئی سی نیلگوں لکیر دیکھی۔ یہ شاید چابک کا نشان تھا۔

"اس سے پہلے بھی کبھی ہرن کے شکار کا اتفاق ہوا ہے۔" اجمل نے اس سے پوچھا۔

"بھئی میں ان ننھی منی جانوں کے شکار کرنے کا قائل نہیں ہوں۔" حمید نے جواب دیا۔

"اچھا تو تم شاید ہاتھی مارتے ہو۔" اجمل نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "مگر دانت کون اکھاڑتا ہے۔"

"ایک چینی ڈینٹسٹ....!" حمید بولا۔ "جس کا نام ڈاکٹر چاچو چن ہے۔"

"دلچسپ آدمی ہو۔" اجمل مسکرایا۔

مگر حمید صبح ہی سے محسوس کر رہا تھا کہ وہ اسے اچھی نظروں سے نہیں دیکھتا۔ پتہ نہیں یہ پچھلی رات کے واقعات کی شرمندگی کا ردعمل تھا یا اور کچھ۔

جھیل کے کنارے انہوں نے ایک لمبا چکر لیا اور پھر ایک چھوٹے سے درے میں گھستے چلے گئے۔

درہ زیادہ طویل نہیں تھا۔ حمید اس سے پہلے بھی ایک آدھ بار اُدھر آچکا تھا.... درے سے نکلنے کے بعد پھر وہ کھلے میدان میں آگئے۔

"نشانہ کیسا ہے تمہارا....!" اجمل نے حمید سے پوچھا۔

"بس یونہی سا ہے۔ کوئی خاص نہیں۔" حمید نے بے دلی سے جواب دیا۔

وہ پھر سوچنے لگا تھا کہ آخر یہاں کیوں بھیجا گیا ہے۔ اگر ساتھ ہی ساتھ کام بھی بتا دیا گیا ہوتا تو وہ اس طرح گھوڑے پر بیٹھ کر مکھیاں کیوں مارتا پھرتا۔

ایک جگہ وہ سب رک گئے۔ خان افضل دفعتاً حمید کی طرف مڑا....

"کیوں....! اب یہاں بتاؤ کہ تم ہماری طرف کیوں آئے تھے۔"

"آفس کو علم ہے کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں۔"

خان افضل نے قہقہہ لگایا۔

اجمل حمید کو کینہ توز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"دیکھو.... کیپٹن.... اسے کسی طرح بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ ہم لوگ کوئی غیر قانونی کام کر رہے ہیں۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ خان افضل تفریحاً ڈاکے ڈالتا ہے لیکن اسے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔"

"قطعی نہیں ثابت کیا جا سکتا۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"پھر تم کیوں پیچھے لگے ہو۔"

"اچھی بات ہے میں واپس چلا جاؤں گا۔"

"نہیں میرا یہ مطلب نہیں ہے۔"

"پھر یہ سوال اٹھایا ہی کیوں تھا....؟"

"بس یونہی خیال آگیا۔ عام لوگ میرے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتے۔"

"اگر میرا بس چلے تو عام آدمیوں کا قتل عام شروع کرا دوں۔" اجمل بول پڑا۔

"کیا بکواس ہے۔ خاموش رہو۔" خان افضل نے اسے ڈانٹا اور پھر حمید سے بولا۔ "لوگ کہتے ہیں کہ میں نے یہ ساری دولت ڈاکے ڈال کر اکٹھا کی ہے اور اتنا چالاک ہوں کہ پولیس آج تک

میرے خلاف ثبوت ہی نہیں مہیا کر سکی۔"

"جب اس کی کوئی اصلیت ہی نہ ہو تو ثبوت کہاں سے ملے گا۔" حمید نے کہا۔

"پاپا.... اس کی باتوں میں نہ آنا یہ بہت خطرناک آدمی ہے۔" اجمل بولا۔

"میں نے تمہیں بکواس کرنے سے روکا تھا۔" خان افضل نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"نہیں انہیں بھی اپنی سنانے دیجئے۔" حمید نے ہنس کر کہا۔

"اچھا تم میرا مذاق اڑانے کی کوشش کر رہے ہو۔" خان اجمل کی بھنویں تن گئیں۔

"یار تم تو سچ مچ خاموش ہی رہا کرو۔ کیا یہ ضروری ہے کہ ہر معاملے میں دخل اندازی کرتے رہو۔"

"بس خاموش....!" اجمل گرجا۔ اس کا ہاتھ ریوالور کے ہولسٹر پر چلا گیا تھا۔

ان گیارہ آدمیوں میں شاید چار اس کے ساتھی تھے۔ حمید نے ان کے ہاتھ بھی ہولسٹروں ہی پر دیکھے۔

"اجمل کیا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" خان افضل نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"جانے دو چھوٹے خان۔" اجمل کے ساتھیوں میں سے ایک نے اسے آنکھ مار کر کہا۔

اجمل خاموش ہو گیا۔ مگر اب خان افضل اسے اور اس کے چاروں ساتھیوں کو باری باری سے گھور رہا تھا حمید نے اس کی آنکھوں میں شبے کی جھلکیاں دیکھیں۔

"اجمل! کیا ہے تمہارے دل میں۔" دفعتاً اس نے بھاری آواز میں پوچھا۔

"کچھ نہیں پاپا.... بھلا میرے دل میں کیا ہوتا....!"

خان افضل نے ایک طویل سانس لی اور بولا۔ "شکار نہیں ہو گا! ہم واپس جائیں گے۔" اجمل ہنسنے لگا۔

"تمہاری مرضی۔" اس نے کہا۔ "ہوتا تو اچھا تھا! نہ ہو گا تو ہم واپس چلیں گے۔"

اس نے اپنا گھوڑا پہاڑیوں کی طرف موڑ دیا۔

"ٹھہرو.... ساتھ چلو....!" خان افضل نے کہا۔

"نہیں.... میں پہلے جاؤں۔" وہ مڑے بغیر ہاتھ ہلا کر چیخا اس کا گھوڑا سرپٹ دوڑ رہا تھا اور اس کے پیچھے اس کے چاروں ساتھی تھے۔

"چلو کیپٹن اسے آگے نہ جانے دو۔ مجھ سے زیادہ اسے اور کون جانے گا آج کل وہ کسی چکر

میں ہے۔ پتہ نہیں کیوں میرا بھی دشمن ہو گیا ہے۔"

بقیہ لوگوں نے بھی اپنے گھوڑے اسی سمت ڈال دیئے جس سمت اجمل جا رہا تھا۔

"کس بات کا شبہ ہے آپ کو....!" حمید نے افضل سے پوچھا۔

"وہ مجھے قتل کرنا چاہتا ہے....!"

"ارے کمال کرتے ہیں آپ بھی....!" حمید ہنسنے لگا۔

"یقین کرو کیپٹن.... وہ میری ہی اولاد ہے میں اس کی آنکھوں سے اس کے دل کا حال معلوم کر لیتا ہوں۔"

"لیکن ایسی اولاد میری سمجھ میں نہیں آسکتی جو باپ کو قتل کر دے۔"

"یہاں کیا نہیں ہوتا....!"

"لیکن وہ آپ کو کیوں قتل کرنا چاہتا ہے۔"

"پتہ نہیں.... شاید وہ زیادہ دنوں تک میری دولت سے محروم نہیں رہنا چاہتا۔"

"ہو سکتا ہے آپ کو دھوکا ہوا ہو۔ اجمل ایسا نہیں ہو سکتا۔"

"تم اسے کیا جانو.... اوہ.... بڑھو.... تیز بڑھو۔" اس نے چیخ کر اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "پہاڑوں تک پہنچنے سے پہلے ہی اسے جالینا ہے تاکہ ہم سب ساتھ ہی درے میں داخل ہو سکیں۔"

پھر نو عدد تیز گھوڑوں نے بھونچال سا پیدا کر دیا.... خان افضل برابر اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائے جا رہا تھا۔

اس نے جو کچھ بھی کہا تھا وہی ہوا۔ اجمل اور اس کے ساتھیوں کو اس دوڑ میں شکست ہو گئی اور وہ سب ساتھ ہی ساتھ درے میں داخل ہوئے۔ اجمل اور اس کے ساتھی آگے تھے۔ آگے جانے میں اجمل یا اس کے ساتھیوں نے پس و پیش نہیں کیا۔

جب وہ درے سے نکل کر جھیل کے کنارے پہنچ گئے تو حمید نے خان افضل سے کہا۔ "آپ کے اندیشے بے بنیاد تھے۔"

"اوہ کیپٹن! کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ میرے سامنے آکر حملہ کرے گا۔ ہرگز نہیں اس کے فرشتے بھی اس کی ہمت نہیں کر سکتے۔ اس وقت شکار کے دوران میں یا واپسی میں پہاڑیوں میں چھپ کر

دھوکے سے حملہ کرتا۔"

حمید کچھ نہ بولا.... یہ کیمپوں میں واپس آگئے۔

گناہوں کا ثمرہ

حمید خان افضل ہی کے خیمے میں سوتا تھا۔ اس کے علاوہ یہاں اس کے دو ساتھی بھی ہوتے تھے۔ بستروں پر لیٹ کر کافی دیر تک ادھر اُدھر کی کہانیاں ہوتیں لطیفے ہوتے اور پھر جب ان کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگتیں تو وہ باتیں کرتے کرتے سو جاتے۔

آج بھی کہانیوں اور لطیفوں کا دور چل رہا تھا.... حمید کے لطیفوں اور چٹکلوں کا پوچھنا ہی کیا! خان افضل جو شاذ و نادر ہی مسکراتا ہوا بھی دیکھا جاتا تھا بے تحاشا قہقہے لگا رہا تھا۔

وہ کھانا کھا چکے تھے اور اب انہیں کافی کا انتظار تھا۔ تھوڑی دیر بعد باورچی ایک ٹرے اٹھائے اندر داخل ہوا۔ اس میں چار پیالیاں تھیں۔

انہوں نے کافی پی اور بستروں پر لیٹ گئے۔ ان کی زبانیں اب بھی چل رہی تھیں.... آہستہ آہستہ ان کی آنکھیں نیند کے بار سے جھکنے لگیں.... اور وہ سب ہی سو گئے۔

حمید آج بہت تھک گیا تھا۔ گھوڑے کی سواری بھی اچھی خاصی مشقت ہوتی ہے.... اور پھر ایسی صورت میں تو تھکن کا احساس ہوتا ہی ہے جب کبھی کبھار رائیڈنگ کی جائے۔

جب اس کی آنکھ کھلی تو اندھیرا ہی تھا.... اور شاید یہ نہ اترنے والی تھکن ہی تھی جس نے اس کا جسم جکڑ کر رکھ دیا تھا.... اس نے کروٹ بدلنی چاہی اور اس طرح ایک طرف لڑھک گیا جیسے کسی غلاف میں لپٹا ہوا ہو.... بس یہیں اس کے ذہن کو جھٹکا سا لگا اور غنودگی بالکل غائب ہو گئی۔ اس نے ہاتھ پھیلانے چاہے لیکن ممکن نہ ہوا اور اب معلوم ہوا کہ اس کا جسم تو رسیوں سے جکڑا ہوا ہے۔ پھر اپنے نیچے ٹھنڈی اور کھردری زمین بھی محسوس ہوئی۔ وہ پیال کے بستر پر نہیں تھا۔

یہ کیا مصیبت نازل ہوئی وہ سوچنے لگا۔ آخر وہ کہاں ہے وہ کتنی بدحواسی سے سویا تھا کہ رسیوں سے جکڑے جانے کے باوجود بھی آنکھ نہیں کھلی تھی۔

اندھیرا بہت گہرا تھا.... اس نے بھرائی ہوئی آواز میں خان افضل کو پکارا۔

"اوہ.... تم جاگ رہے ہو۔" قریب ہی سے آواز آئی اور آواز خان افضل ہی کی تھی۔

"یہ کیا مذاق۔" حمید نے غصیلی آواز میں پوچھا۔

"آہا.... تو کیا تم بھی رسی سے جکڑے ہوئے ہو۔" پوچھا گیا۔

"ہاں.... مگر کیوں؟" حمید غرایا۔

"یہی سوال میں بھی تم سے کر سکتا ہوں۔"

"کیا مطلب....!"

"میں بھی آزاد نہیں ہوں کیپٹن! بڑا دھوکا کھایا.... پچھلی رات کافی پیتے ہی غنودگی طاری ہونے لگی تھی۔"

"ہاں اب میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں۔ مگر ہم ہیں کہاں؟" حمید نے پوچھا۔

"یہ بتانا بہت مشکل ہے۔ لیکن ہم اپنے خیمے میں تو ہرگز نہیں ہو سکتے۔"

"ہاں میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔"

"تم نے دیکھا میں کبھی کوئی غلط بات زبان سے نہیں نکالتا۔ میرا قول کرسی نشین ہوا، یہ حرکت اجمل کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی۔"

"لیکن اس نے میرے ساتھ کیوں ایسا برتاؤ کیا۔ نہ میں اس کا باپ ہوں.... اور نہ....!"

"پتہ نہیں وہ کیا چاہتا ہے۔" خان افضل بڑبڑایا۔ "اگر مار ہی ڈالنا تھا تو اس کی کیا ضرورت تھی.... نہیں ہم خیمے میں نہیں ہیں۔ میں اپنے ایک ہاتھ سے زمین ٹٹول سکتا ہوں یہ کچی زمین نہیں ہے بلکہ چکنے ٹائیلز کا فرش ہے۔"

دفعتاً قریب ہی کوئی دروازہ کھلا اور کسی کے قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور پھر یک بیک روشنی پھیل گئی۔ چھت سے لٹکنے والا بلب روشن ہو گیا تھا۔

حمید نے اجمل کو دیکھا جو فاتحانہ انداز سے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ پھر حمید نے گردن موڑی۔ خان افضل اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر پڑا اجمل کو خونخوار نظروں سے دیکھ رہا تھا اس کے جسم سے بھی رسی لپٹی ہوئی تھی۔

"وہ صرف اسے گھورتا رہا کچھ بولا نہیں.... یک بیک اجمل کی مسکراہٹ ہونٹوں کے تنفر

آمیز کھینچاؤ میں تبدیل ہو گئی۔"

"تم نے دیکھا پاپا....!" اس نے زہر آلود لہجے میں کہا۔

"ہاں میں تمہیں بچپن ہی سے دیکھتا آرہا ہوں۔ تم میرے گناہوں کا ثمرہ ہو اس لئے تم سے میں نے کبھی کوئی اچھی توقع نہیں رکھی۔"

"کیا مطلب....!"

"کیا تمہیں اپنی ماں یاد ہے۔"

"نہیں....! آہا شاید تم اب پاگل پن کا ڈھونگ رچاؤ گے۔"

اجمل نے قہقہہ لگایا۔

"کیوں! یہ تم نے کیسے کہا۔" خان افضل کا لہجہ پر سکون تھا۔

"کیا تم مجھے یہ نہیں بتاتے رہے کہ میری ماں میری پیدائش کے بعد ہی مر گئی تھی۔"

"نہیں! وہ تو میں نے اس لئے مشہور کیا تھا کہ لوگ تمہیں بُری نظروں سے نہ دیکھیں۔"

"کیا مطلب....!"

"تم میرے گناہوں کا ثمرہ ہو۔ اس لئے میں یہی چاہتا ہوں کہ مجھے ایک زہریلے سانپ کی طرح ڈس لو۔"

"تم بکواس کر رہے ہو۔" اجمل حلق پھاڑ کر چیخا۔

"نہیں میرے بیٹے..... نور نظر..... لختِ جگر سچ کہہ رہا ہوں۔ تمہاری ماں ایک پیشہ ور طوائف تھی۔ تمہاری پیدائش کے بعد میں نے چاہا تھا کہ وہ باعزت طور پر زندگی بسر کرے لیکن وہ اس پر تیار نہیں ہوئی۔ میں نے تمہیں اس سے چھین لیا تھا۔"

"بکواس بند کرو۔ مجھے بیلا کے کاغذات درکار ہیں۔"

"کیا....!" خان افضل کی چیخ بڑی بھیانک تھی۔

"بیلا کے کاغذات....!"

"تو یہ ہنگامہ تو نے ہی برپا کیا تھا.... کمینے.... کتے.... ذلیل....!"

"وہ تو تم پہلے ہی کہہ چکے ہو کہ میں تمہارے گناہوں کا ثمرہ ہوں۔ لہٰذا یہ ساری گالیاں غیر ضروری ہیں۔ میں تمہیں صرف بیس منٹ دیتا ہوں۔ اگر تم نے اس کے کاغذات کا پتہ مجھے نہ بتایا

تمہارے گناہوں کا ثمرہ.... تم پر جہنم کی طرح چھا جاؤں گا۔"

"جاؤ.... دفع ہو جاؤ....!" خان افضل غرایا۔ "تمہارے فرشتے بھی مجھ سے نہیں معلوم لیں گے۔ اگر مجھے پہلے ہی معلوم ہو گیا ہوتا کہ یہ ہنگامہ تمہاری ذات سے برپا ہوا ہے تو میں کبھی کا تمہیں میٹھی نیند سلا چکا ہوتا۔"

"تم نہیں جانتے تھے۔"

"نہیں جانتا تھا ورنہ اس کی نوبت ہی نہ آتی....؟"

"نہیں جانتے تھے تو پھر اس سرکاری سراغ رساں کو کیوں بلوایا تھا۔"

"میں نہیں جانتا کہ یہ کیوں آیا ہے ہو سکتا ہے کہ یہ تمہارے ہی برپا کئے ہوئے ہنگامے کے سلسلے میں آیا ہو۔"

"بے کار باتیں نہ بناؤ۔ کیا تمہاری ہی ایماء پر اخبارات میں وہ خبر نہیں دی گئی تھی۔"

"کون سی خبر....!"

"یہی کہ بیلا مطرب کیپٹن حمید سے منسوب ہو گئی ہے۔"

"یہ انہیں لوگوں کا کوئی کھیل ہو گا۔ میں اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا لیکن اگر وہ بچی کیپٹن حمید سے منسوب ہو سکے تو مجھے بے حد خوشی ہو گی.... مگر تم ذلیل کتے....!"

"بوڑھے! تم ہوس پرست ہو۔ تمہیں شرم آنی چاہئے۔ وہ گلاب کی پنکھڑی ہے اور تم بوڑھے برگد....! مگر لڑکی کیوں! تم تو اس کی دولت پر ہاتھ صاف کرنے کی فکر میں ہو۔"

"کتیا کے بچے.... وہ میری بیٹی ہے۔"

"کتیا کے بچے کے باپ.... ہاہاہا....!" اجمل بے تحاشہ ہنس پڑا۔ پھر سنجیدگی اختیار کر کے بولا۔ "صرف دس منٹ اور رہ گئے ہیں اس کے بعد.... میں تمہاری بوٹیاں نوچ ڈالوں گا۔"

"تم مجھے اس طرح یہاں کیوں لائے ہو۔" حمید غرایا۔

"تاکہ تمہیں بیلا کا شوہر بنا کر خود پھانسی کے تختے پر چڑھ جاؤں۔"

"اجمل کیوں شامت آئی ہے۔" خان افضل نے کہا۔

"ارے تم اس گناہوں کے ثمرے کی پرواہ نہ کرو۔"

"میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ مجھے کھول دو.... ورنہ....!" حمید نے کچھ کہنا چاہا لیکن خان

افضل بول پڑا.... "ارے بیس منٹ گذر چکے یا نہیں۔"

"میں تمہیں سسکا سسکا کر ماروں گا۔"

"شروع کردو.... جو کچھ بھی کرنا ہے۔"

دفعتاً دروازہ کھلا اور ایک آدمی اندر داخل ہوا۔ حمید آنے والے کا چہرہ نہ دیکھ سکا کیونکہ درمیان میں اجمل حائل تھا۔

"کیوں کیا ہے۔" اجمل نے آنے والے سے غصیلے لہجے میں پوچھا اور پھر یک بیک اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا۔ آنے والا چہرے پر جھکی ہوئی فلیٹ ہیٹ کو اوپر کھسکا رہا تھا۔ اس کا چہرہ نظر آتے ہی حمید کی باچھیں کھل گئیں اور اس نے آہستہ سے اپنے بندھے ہوئے پیر سکوڑے اور پوری قوت سے اجمل کی کمر پر دولتی جھاڑ دی.... جو اس کی طرف پشت کئے کھڑا آنے والے کو گھور رہا تھا۔

وہ اچھل کر آنے والے پر جا پڑا دوسری طرف سے اس کے جبڑے پر گھونسہ پڑا اور وہ سنبھلنے کی کوشش کرتا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

"اوہو.... اوہو.... واہ جوان....!" خان افضل چیخا۔

اجمل پھر جھپٹ کر کھڑا ہو گیا تھا.... اس بار اس نے پوری قوت سے حملہ کیا.... لیکن آنے والے نے اس کی دونوں کلائیاں پکڑ لیں اور رگیدتا ہوا دیوار کی طرف لے جانے لگا۔

"یہ کون ہے.... یہ کون ہے۔" خان افضل نے حمید سے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

"کرنل فریدی....!"

"اوگڈ.... اوگڈ.... اللہ بڑا کارساز ہے۔"

اجمل وحشیوں کی طرح اچھل رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ فریدی نے پکڑ رکھے تھے مگر وہ کبھی گھٹنے چلاتا اور کبھی سر مارنے کے لئے اچھلتا تھا۔

"بس کرو۔" فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "تمہارے سارے آدمی باہر پولیس کی گاڑی میں موجود ہیں۔ تم بالکل گدھے ہو کہ تمہارا سفید کانوں والا کتا مسز مطرب تک پہنچ گیا تھا۔ اگر اسے یہ معلوم ہوتا کہ وہ خان افضل کا کتا ہے تو شاید وہ کبھی اس کا حوالہ نہ دیتی۔"

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا....!" اجمل دانت پیس کر بولا۔

"کرنل....!" خان افضل نے کہا۔ "خدا کے لئے مجھے کھول دو۔ میں اسے اپنے ہاتھوں سے قتل کروں گا.... کھول دو.... خدا کے لئے۔"

فریدی نے جواب نہیں دیا۔

"تم بوڑھے دجال۔" اجمل چیخا۔ "پھانسی پر لٹکائے جاؤ گے۔ تم نے بیلا کے باپ کو مار ڈالا تھا۔"

"میری فکر نہ کرو۔" بوڑھا خان افضل اس طرح چیخ کر بولا تھا جیسے کسی بہرے آدمی کے کانوں تک اپنی آواز پہنچانا چاہتا ہو.... "اگر اپنی زندگی کے بدلے میں بھی بیلا کی زندگی ملے تو میں اسے بخوشی منظور کرلوں گا۔"

"تم پاگل ہو گئے ہو پاپا۔ میں ان لوگوں کو کس طرح یقین دلاؤں کہ تم اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے ہو۔ اسی لئے میں نے تمہیں باندھ کر ایک طرف ڈال دیا ہے۔"

"اور چھوٹے پاپا نے کیا قصور کیا تھا۔" حمید نے ڈپٹ کر پوچھا۔

"تم بھی پاگل ہو گئے ہو۔ میں بھی پاگل ہو گیا ہوں.... ہاہاہا.... ہاہاہا....!"

"اب تم نے جی خوش کیا ہے۔ دونوں پاپاؤں کا۔" حمید نے خوش ہو کر کہا۔

اتنے میں وزنی قدموں کی آوازیں آئیں اور دوسرے ہی لمحے میں دو مسلح کانسٹیبل کمرے میں داخل ہوئے۔ فریدی نے اجمل کو ان کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔ "ہتھکڑیاں لگادو۔"

❀

فریدی، حمید، خان افضل اور مسز مطرب فریدی کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔ خان افضل غصے میں تھا۔ اس کی خونخوار آنکھیں یہی ظاہر کر رہی تھیں۔

فریدی نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ "مسز مطرب پر خفا ہونے سے بہتر یہ ہوگا کہ آپ مجھے اصل واقعہ سے آگاہ کیجئے۔"

"میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ سجاد میرا بزنس پارٹنر تھا۔ شروع میں ہم دونوں نے بہت معمولی سرمائے سے کام شروع کیا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ بڑھتے رہے۔ مطرب بھی ہمارے گہرے دوستوں میں سے تھا۔ لیکن اسے بزنس سے دلچسپی نہیں تھی وہ جاگیر دار تھا اور جاگیر دارانہ مزاج بھی رکھتا تھا.... یہ ان دنوں کی بات ہے جب ہم نے کان کنی نہیں شروع کی تھی۔ سجاد کو نچلے طبقے کی ایک لڑکی سے عشق ہو گیا۔ اس نے اس سے شادی کرلی بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ اپنے سر ایک مصیبت لے

لی خاندان والے خفا ہو گئے۔ سجاد خاندان والوں کے معاملے میں بے حد ڈرپوک واقع ہوا تھا۔ اتنی مخالفت ہوئی کہ اسے آبائی گھر چھوڑ کر دوسری جگہ قیام کرنا پڑا.... اس کی بیوی الگ اسی غم میں گھل رہی تھی کہ وہ شوہر کے لئے وبالِ جان بن گئی۔ سجاد نے خاندان والوں سے علیحدگی اختیار کرلی تھی لیکن ان کے بغیر وہ رہ بھی نہیں سکتا تھا۔ اسے اپنے والدین اور بھائی بہنوں سے بے اندازہ محبت تھی۔ وہ خود بھی اسی خیال میں گھلنے لگا کہ اس کے خاندان والے اس سے خفا ہیں.... تقریباً ایک سال گزر گیا.... اس کی بیوی کی صحت برابر گر رہی تھی اور وہ ماں بھی بننے والی تھی۔ پھر ایک بچی کو جنم دے کر وہ چل بسی۔ سجاد کی حالت ابتر تھی۔

اسی زمانے میں مطرب کے یہاں بھی بچی ہوئی یہ دونوں ایک ہی ہسپتال میں داخل تھیں اور مسز مطرب کی بچی جاتی رہی۔ سجاد اپنی بچی کے لئے بے حد پریشان تھا اور مسز مطرب اپنی بچی کے ضائع ہو جانے پر بدحال تھیں۔ انہوں نے خود ہی سجاد سے استدعا کی کہ وہ اپنی بچی انہیں دے دے۔ مگر اس نے ایک شرط پیش کی کہ یہ اسے اپنی ہی بچی مشہور کریں.... وہ نہیں چاہتا تھا کہ بچی بڑی ہو کر احساس کمتری کا شکار ہو۔ وہ اسے اپنے اعزہ سے الگ رکھنا چاہتا تھا۔

بس پھر ہم نے مشہور کر دیا کہ سجاد کی بیوی اور بچی دونوں ہی فوت ہو گئیں۔

کچھ دنوں بعد سجاد کے گھر والے پھر اسے ہاتھوں ہاتھ لینے لگے، لیکن اب وہ ان کی طرف سے کچھ بیزار سا ہو گیا تھا۔ اس نے پھر شادی نہیں کی۔ آہستہ آہستہ اس کا دل دنیا سے اچاٹ ہوتا گیا۔ اور وہ بزنس سے بھی الگ تھلگ رہنے لگا۔ لیکن میں نے اسے کبھی مجبور نہیں کیا کہ وہ بھی میرا ہاتھ بٹائے میں نے بزنس کو وسعت دی اور ہر نئے کام میں اس کا برابر کا حصہ رکھا۔ وہ کبھی حساب کتاب بھی نہیں کرتا تھا.... نہ کبھی یہ دیکھتا تھا کہ میں نے کتنی رقم اور کس شرح سے اس کے نجی اکاؤنٹ میں جمع کی ہے غرضیکہ اسے کسی بات سے بھی غرض نہیں تھی.... ایک دن میں نے اسے اداس دیکھا وجہ پوچھی تو ٹال گیا۔ لیکن پھر بے حد اصرار پر بتایا کہ گھر میں کسی نے اسے زہر دینے کی کوشش کی تھی.... وہ روزانہ رات کو دودھ استعمال کرتا تھا جو اسے خواب گاہ میں رکھا ہوا ملتا تھا۔ اس رات اتفاق سے دودھ کا گلاس اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ دودھ فرش پر پھیل گیا۔ ٹھیک اسی وقت گھر کی پالتو بلی بھی خواب گاہ میں گھس آئی اور وہ زمین پر پھیلا ہوا دودھ چاٹنے لگی۔ سجاد نے دیکھا کہ بلی وہیں تڑپ کر سرد ہو گئی۔ ٹوٹے ہوئے گلاس کی تہہ میں تھوڑا سا دودھ

باقی تھا۔ سجاد نے اسے شیشی میں محفوظ کر لیا۔ فرش صاف کر کے شیشے کے ٹکڑے چنے اور بلی کی لاش کو ایک تھیلے میں ڈال کر دور پھینک آیا.... پھر اس نے دوسری صبح تذکرتاً کسی سے کہہ دیا کہ پچھلی رات گلاس گر جانے کی وجہ سے دودھ ضائع ہو گیا تھا۔

اس نے اس دودھ کا کیمیائی تجزیہ کرایا جو شیشی میں محفوظ کر لیا تھا۔ اس میں ایک خطرناک قسم کے زہر کی آمیزش ثابت ہوئی۔ لیکن اس نے میرے علاوہ اور کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ اس کے بعد سے وہ اور زیادہ بیزار نظر آنے لگا آخر ایک دن اس نے ایک وصیت نامہ بیلا کے حق میں مرتب کیا جس کی رو سے وہ سنِ بلوغ کو پہنچتے ہی ساری املاک پر قابض ہو جائے گی۔ یہ وصیت نامہ ہمارے مشیر قانون کے پاس محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ ایک وصیت نامہ اور مرتب کیا تھا جس کے مطابق اس کی موت کی اطلاع ملنے تک اس کے بعض رشتہ داروں کو محدود رقومات ملتی رہیں گی۔ یہ وصیت بڑی ذہانت سے مرتب کی گئی ہے اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی زندگی میں رشتہ داروں کو مقررہ اور محدود رقومات ملتی رہیں گی.... اور موت کے بعد اس وصیت نامہ کے مطابق محدود رقومات کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ یعنی وہ رشتہ دار مالک ہی ہو جائیں گے ساری املاک کے۔ لیکن اگر اس کے علاوہ کوئی اور وصیت نامہ بھی موجود ہے تو اس کی موت کے بعد انہیں ایک حبہ بھی نہ ملے گا۔ لہٰذا دوسرا وصیت نامہ بیلا کے حق میں موجود ہی ہے، رشتہ داروں سے متعلق وصیت نامے کا مطلب ہی یہی ہے کہ وہ لوگ دھوکے میں رہیں حتیٰ کہ بیلا بالغ ہو جائے۔ بالغ ہو جانے پر املاک بھی اس کی طرف منتقل ہو جائیں گی اور پھر کوئی اس کے حق کو چیلنج نہ کر سکے گا۔ البتہ اگر بالغ ہونے سے پہلے ہی کسی رشتہ دار کو اس کے وجود کا علم ہو گیا تو وہ اسے اپنی ولایت میں لینے میں کامیاب ہو جائے گا۔ پھر جو لوگ اس کے باپ کو زہر دے سکتے ہیں وہ اُسے کب چھوڑیں گے۔"

"کیا بیلا بالغ ہو چکی ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"صرف چھ ماہ اور باقی ہیں اور میں یہی چھ ماہ کسی نہ کسی طرح نکالنا چاہتا ہوں۔"

"سجاد زندہ ہے۔"

"جی نہیں۔ تین سال گذرے سوئٹزرلینڈ کے ایک ٹی بی سینے ٹوریم میں اس کا انتقال ہو گیا۔ لیکن میں نے اس خبر کو دبا لیا تھا۔ اب تک اس کے اعزہ کو مقررہ رقومات دیتا رہا ہوں اور اس وقت

تک دوں گا جب تک کہ بیلا بالغ نہ ہو جائے۔ بالغ ہو جانے پر وہ اپنی مرضی کی مختار ہو گی۔ یعنی اسے زبردستی کسی عزیز کی ولایت میں نہیں دیا جا سکے گا۔ میں صرف اتنا ہی چاہتا ہوں کہ وہ اپنے لالچی اور خونی عزیزوں سے دور رہے۔ اس کے بالغ ہوتے ہی میں سجاد کی موت کا اعلان کر کے دوسرا وصیت نامہ نکلوالوں گا۔ جس کی موجودگی میں پہلا وصیت نامہ ساقط ہو جائے گا۔"

"لیکن اس کا ثبوت کیسے پیش کریں گے آپ کہ یہی بیلا اسکی لڑکی ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

خان افضل نے ایک طویل سانس لی اور رحم طلب نظروں سے مسز مطرب کی طرف دیکھنے لگا۔

"مجھے غلط فہمی ہوئی تھی خان۔" مسز مطرب بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "میں سمجھتی تھی شاید تمہاری نیت میں فتور آگیا ہے اور اب تم اس ہنگامے کا ڈھونگ رچا کر بیلا کے سن بلوغ کو پہنچنے سے پہلے ہی اس پر اور اس کی املاک پر قبضہ کر لو گے۔ اسی لئے میں نے ان کاغذات کی قیمت پانچ لاکھ بتائی تھی جن کے ذریعہ بیلا سجاد کی لڑکی ثابت ہو سکتی ہے.... ورنہ میں.... ارے وہ تو میری بچی ہے.... میں نے اسے اپنا خون پلا کر پالا ہے.... اس رات جب تم میرے کمرے میں تھے تو اس نے ہماری گفتگو سن لی تھی۔ مجھے بے حد افسوس ہے کہ اس کی زبان بند رکھنے کے لئے مجھے اسے دو ایک تھپڑ بھی مارنے پڑے تھے۔"

"مگر....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "جب آپ نے اتنی رازداری سے کام لیا تھا تو اجمل کو اس کا علم کیسے ہوا ہو گا۔"

"ہو سکتا ہے اس نے کبھی چھپ کر میری اور میرے مشیر قانون کی گفتگو سننے کی کوشش کی ہو۔ وہ کسی لومڑی کی طرح چالاک ہے۔ مگر کرنل آپ لوگ یک بیک مجھ تک کیسے پہنچ گئے تھے۔ ظاہر ہے کہ مسز مطرب نے بھی میرے متعلق آپ کو کچھ نہ بتایا ہو گا۔"

"اجمل سے ایک حماقت سرزد ہو گئی تھی آپ کا سفید کانوں والا کتا۔ اس کے ایک گرگے کے ساتھ مسز مطرب کے گھر تک چلا آیا تھا.... اگر مسز مطرب کو علم ہوتا کہ وہ کتا آپ کا تھا تو وہ لاکھ برس بھی اس کا تذکرہ نہ کرتیں۔ انہوں نے اس کتے کا تذکرہ کیا مگر آپ کی تصویر کو نہ شناخت کر سکیں ویسے وہ تصویر دیکھ کر چونکی ضرور تھیں۔ بس یہیں شبے نے سر ابھارا.... مجھے علم تھا کہ شہر میں ایک کتے کے علاوہ اس قسم کا اور کوئی کتا نہیں ہے۔ اجمل نے کئی قسم کے جال بچھائے تھے لیکن خود شاید مسز مطرب سے نہیں ملا تھا بلکہ اس کے گرگے شہر کے مختلف بڑے

آدمیوں کے حوالوں سے ان سے ملتے رہتے تھے۔ اجمل کا خیال تھا کہ شاید مسز مطرب ان ہنگاموں سے اکتا کر کسی نہ کسی کا سہارا لینے پر مجبور ہو جائیں گی۔ لہٰذا اگر وہ سہارا اجمل ہی کا ہو تو کیا کہنے کسی نہ کسی بڑے آدمی کے نام پر مسز مطرب تیار ہی ہو جائیں گی۔"

"حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس کتے کی اصلیت کا علم نہیں تھا۔ اس لئے میں نے اس کا تذکرہ کر دیا تھا ورنہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔" عورت نے کہا۔

"اور میری دشواریوں میں اضافہ ہو جاتا" فریدی مسکرایا۔ پھر یک بیک سنجیدگی اختیار کرتا ہوا خان افضل سے بولا۔ "کھنڈر سے برآمد ہونے والی لاش کس کی تھی۔"

وہ غریب میرا ایک وفادار ساتھی تھا جسے اجمل یا اس کے کسی آدمی نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

"کیپٹن حمید پر کس نے حملہ کیا تھا۔"

"مجھے علم نہیں ہے۔ میرے کسی ساتھی نے بھی اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ لہٰذا وہ اجمل ہی کے کسی آدمی کی حرکت ہو گی۔ بات دراصل یہ ہے کہ بیلا کی حفاظت کے لئے میرے آدمی ہر وقت عمارت کے آس پاس موجود رہتے تھے۔"

"اور غالباً.... وہ دلاور بھی اجمل ہی کا آدمی۔"

"دلاور.... اوہاں وہ غنڈہ.... وہ تو اجمل کا غلام بے دام تھا۔"

"خیر.... خان افضل مجھے افسوس ہے کہ کیس کو سنگین بنانے میں آپ کا بھی ہاتھ تھا اس لئے ہو سکتا ہے کہ آپ بھی عدالتی کاروائیوں کے شکار ہو جائیں۔"

"ارے اس کی فکر نہیں ہے۔" خان افضل مسکرا کر بولا۔ "یہ سب کچھ میں ہنسی خوشی جھیل لے جاؤں گا۔ میری بچی تو محفوظ ہو گئی۔ مگر کرنل آپ آخر ٹھیک اسی جگہ کیسے پہنچ گئے تھے جہاں مجھے اور کیپٹن حمید کو لے جایا گیا تھا۔"

"میں غافل تو نہیں تھا" فریدی نے کہا۔ "حمید کو اسی لئے آپ لوگوں میں بھیجا تھا کہ اس کے سہارے آپ کو اسٹڈی کرا سکوں بس آپ لوگوں کی نگرانی کراتا رہا تھا.... خیر میں نے تو ہتھکڑیاں ڈال ہی دیں مجرم کے ہاتھوں میں اور مسز مطرب مجھے افسوس ہے کہ ان خبروں سے آپ کو بڑی تکلیف پہنچی تھی جو میں نے اخبارات میں شائع کرائی تھیں اس کا بھی مقصد یہی تھا کہ

مجرم کھل کر سامنے آجائیں۔"

"اور مجھے بھی افسوس ہے کہ میں نے اس بدمزاجی کا مظاہرہ کیا تھا۔" مسز مطرب نے کہا۔

"میں کہتا ہوں کرنل.... اگر یہ رشتہ ہو ہی جائے تو کیا برائی ہے۔" خان افضل نے کہا۔

"مجھے کیپٹن حمید بہت پسند ہیں۔"

فریدی نے حمید کی طرف دیکھا اور حمید گڑبڑا کر بولا۔ "ارے نہیں۔"

"ابھی مجھے منشی فاضل کا امتحان دینا ہے۔ کیپٹن کی بجائے منشی حمید کہلانا مجھے بہت اچھا لگے گا.... میں نے تو یہاں تک سوچ رکھا ہے کہ کئی بار منشی فاضل کا امتحان دے کر منشی فضول ہو جاؤں۔ جیسے ڈبل ایم، اے ہوتا ہے اور پھر ابھی میری عمر ہی کیا ہے اگر شادی ہو گئی، تو اولاد والے میری آؤ بھگت کرنا چھوڑ دیں گے.... کوئی جاؤ بھگت کہنا بھی پسند نہ کرے گا۔"

تمام شد

ابنِ صفی

جلد نمبر
24

جاسوسی دنیا

فریدی، حمید اور عمران
کا مشترکہ کارنامہ

پلاٹینم جوبلی نمبر 75

زمین کے بادل



پیشرس

یہ میری ایک سو دوسری کہانی ہے۔ اب تک اٹھائیس ناول عمران کے سلسلے کے لکھے ہیں اور چوہتر جاسوسی دنیا کے سلسلے کے اور ان سلسلوں نے مجھے کچھ ایسا "مسلسل" بنا کر رکھ دیا ہے کہ بعض اوقات کسی مشین ہی کی طرح ٹھپ بھی ہو جانا پڑتا ہے۔ یہ جو اکثر میری کتابیں آپ تک دیر سے پہنچتی ہیں اس کی یہی وجہ ہے۔ اب دیکھئے نا کہ یہی کتاب آپ تک اعلان کے خلاف کچھ تاخیر سے پہنچ رہی ہے۔ مشین کی طرح ٹھپ ضرور ہو جاتا ہوں مگر دماغ مشین نہیں ہے۔ کبھی کبھی وہ معدے کے اَنجرات سے بھی شکست کھا جاتا ہے.... لہٰذا نتیجہ معلوم۔

میرا پہلا ناول دلیر مجرم تھا! پہلا ناول تھا اس لئے کسی بیرونی سہارے کی بھی ضرورت تھی! لہٰذا اس کا مرکزی خیال مغربی ادب سے لیا گیا تھا یہ ایک جرمن مصنف کا کارنامہ تھا جس پر دنیا کے کئی مصنفوں نے طبع آزمائی کی ہے۔ مثال کے طور پر پیٹر شینی نے اسی پلاٹ کو سینٹرل ڈیزائن کے نام سے پیش کیا ہے۔ وکٹر گن نے یہی کہانی آئرن سائیڈس کے نام سے لکھی ہے.... وکٹر گن کا انداز پیٹر شینی سے کہیں بہتر ہے۔ اس کے مقابلے میں پیٹر شینی کا ناول کسی بچے کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے.... حالانکہ پیٹر شینی وکٹر گن سے زیادہ مشہور ہے! ہندی میں بھی آپ کو اسی پلاٹ پر ایک ناول "قیامت کی رات" کے نام سے مل جائے گا۔ اس کے مصنف کا نام مجھے یاد نہیں رہا! ہاں تو دلیر مجرم کا پلاٹ میں نے انگریزی سے لیا تھا لیکن فریدی اور حمید میرے اپنے کردار تھے۔ میں نے اس کہانی میں کچھ ایسی دل چسپیوں کا اضافہ بھی کیا ہے جو اوریجنل پلاٹ میں نہیں تھیں۔ اس کے علاوہ جاسوسی دنیا میں ایسے ناول اور بھی ہیں جن کے پلاٹ میں نے انگریزی سے لئے تھے! مثلاً

پُر اسرار اجنبی، رقاصہ کا قتل ہیرے کی کان، خونی پتھر!.... ان پانچ ناولوں کے علاوہ آپ کو میرے ایک سو دو ناولوں میں ایک بھی ایسا نہیں ملے گا جس کا پلاٹ میرا اپنا نہ ہو۔ انور.... رشیدہ عمران اور قاسم جیسے خاص کردار میرے اپنے تخلیق کردہ ہیں۔ ذہنوں سے چپک جانے والے دوسرے کردار بھی اور یجنل ہی ہیں مثلاً سنگ ہی اور ایسے ہی دوسرے کردار۔ البتہ "خوفناک ہنگامہ" کا کردار پروفیسر درانی انگریزی سے آیا ہے صرف کردار ہی! کہانی میری اپنی ہے۔ اسی طرح پہاڑوں کی ملکہ کا بن مانس اور سفید ملکہ بھی انگریزی ہی سے آئے ہیں لیکن پلاٹ میرا اپنا ہے.... عمران کے سارے ناول بے داغ ہیں۔ ان میں نہ آپ کو کوئی ایسی کہانی ملے گی جس کا پلاٹ انگریزی سے لیا گیا ہو اور نہ کوئی ایسا کردار ملے گا۔

اس طرح ان ایک سو دو ناولوں میں بمشکل سات یا آٹھ ناول ایسے نکلیں گے جن میں کسی قسم کی ملاوٹ مل سکے۔ ورنہ بقیہ سب خالص ہیں! وہ پانچ ناول جن کے پلاٹ میں نے انگریزی سے لئے ہیں ترجمے نہیں ہیں۔ ان کی ایک ایک سطر پر میرا دعویٰ ہے۔

اب آیئے "زمین کے بادل" کی طرف.... میں نے موجودہ ذہنی انتشار کے عالم میں بھی انتہائی کوشش کی ہے کہ یہ دل چسپ بن سکے! میں کہاں تک اس میں کامیاب ہو سکا ہوں اس کا فیصلہ آپ ہی کر سکیں گے۔ عرصہ سے تاریک وادی کا تقاضا تھا۔ میں نے کہا اسی نمبر میں اپنا یہ وعدہ پورا کر دوں.... بہت دنوں سے پڑھنے والے خواہاں تھے کہ عمران حمید اور فریدی کو کسی ایک کہانی میں پیش کیا جائے۔ یہ خواہش بھی پوری کی جا رہی ہے۔

عمران اور قاسم کی گٹھ جوڑ سے آپ کافی محظوظ ہوں گے.... حمید نے بھی خاصے شگوفے چھوڑے ہیں.... کہانی میں بھی میں نے نیا پن پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسے آپ پچھلے تمام ناولوں سے مختلف پائیں گے۔

ابن صفی

۱۶/اپریل ۱۹۵۸ء

دیو کی بیہوشی

جیسے ہی ہوائی جہاز نے زمین چھوڑی قاسم کے چہرے پر ایسے ہی آثار نظر آنے لگے جیسے حلق میں کوئی چیز اٹک گئی ہو۔

حمید نے مسکرا کر اُسے آنکھ ماری اور وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں ایئر ہوسٹس کی طرف دیکھنے لگا۔

"فرمایئے جناب!" ایئر ہوسٹس بڑے ادب سے اس کی طرف جھکی۔

"کک.... کچھ نہیں....!" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "لیکن ایئر ہوسٹس نے اسے قے کرنے کی تھیلی پکڑا ہی دی۔"

اس کے بعد وہ قریب ہی کے دوسرے مسافر کی طرف متوجہ ہو گئی! حمید قاسم کے برابر ہی بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔ "پتہ نہیں کیوں ہوائی سفر کے دوران میں عشق کرنے کی صلاحیت بالکل ختم ہو جاتی ہے۔"

قاسم نے کچھ کہنے کیلئے ہونٹ کھولے لیکن حلق سے صرف اوبکائی کی آواز نکلی۔ پھر تھیلی بھی کیوں نہ اس کے منہ سے جا لگتی۔ وہ دیر تک کسی زخمی جنگلی بھینسے کی طرح حلق پھاڑ تا رہا۔

پھر جب جہاز کی اٹھان کا سلسلہ ختم ہو گیا اور وہ ایک مخصوص بلندی پر تیرنے لگا تو قاسم کی چنگھاڑیں بھی بتدریج ہلکی ہوتی گئیں۔ پھر کچھ دیر بعد وہ بالکل خاموش ہو گیا۔

چہرے تو سب کے فق نظر آ رہے تھے۔ لیکن بھینسوں کی طرح ڈکرانے والے کم ہی تھے۔

تھوڑی دیر بعد قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "یہ جو سالا جہاز اوپر چڑھنے لگتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے آنتیں حلق کی طرف کھنچ رہی ہوں۔ اب ٹھیک ہے حمید بھائی۔"

"ٹھیک ہی ہوگا....." حمید نے بیزاری سی کہا۔

"اے تو تم کھفا.... خفا.... کیوں ہوگئے.... اب کوئی قے بھی نہ کرے۔"

"اگر یہ جہاز ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے تو کیسی رہے گی۔" حمید نے کہا۔

"ارے.... باپ رے....!" قاسم نے بوکھلا کر توند پر ہاتھ پھیرا۔

"ایسی باتیں زبان سے نہ نکالئے جناب۔" ایک ادھیڑ عمر کے آدمی نے کہا جو اگلی سیٹ پر تھا۔

"اگر ہو ہی گیا تو ہم کیا کرلیں گے۔" حمید بولا۔

"پھر بھی ایسی باتیں نہ کہنی چاہئیں۔"

"خدا کرے یہ جہاز یہیں پھٹ پڑے۔" حمید نے کہا۔

"آپ عجیب آدمی ہیں۔" ادھیڑ آدمی کو غصہ آگیا۔

"اللہ نے چاہا تو اس جہاز میں آگ لگ جائے گی....!" حمید کا انداز چڑانے کا سا تھا۔

"آپ کو شرم آنی چاہئے۔" پچھلی سیٹ سے ایک عورت نے کہا۔

"اب تو یہ جہاز ضرور غارت ہو جائے گا۔"

"آپ خود غارت ہو جائیں گی۔" عورت کو بھی غصہ آگیا۔

"جہاز کے غارت ہو جانے کے بعد میری سلامتی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"اچھا خاموش رہئے۔" تیسرا آدمی بول پڑا۔

"جہاز میں بولنا ممنوع نہیں ہے۔" حمید نے کہا۔ "اور اگر ہے تو یقینی طور پر کریش ہوگا۔"

"زبان بند کیجئے۔" ادھیڑ عمر کا آدمی پھر گرجا۔

"خدا غارت کرے اس جہاز کو.... خدا غارت کرے۔"

"چپ رہئے۔" ادھیڑ آدمی جو بہت زیادہ ضعیف الاعتقاد معلوم ہوتا تھا حلق پھاڑ کر چیخا اور سارے ہی مسافران کی طرف متوجہ ہوگئے اور پھر یہ بات ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل گئی۔ لوگ حمید کو اس طرح گھورنے لگے جیسے وہ پاگل ہو۔ ایئر ہوسٹس فرانسیسی تھی۔ اُسے جب اس ہنگامے کی وجہ معلوم ہوئی تو وہ سیدھی حمید کی طرف آئی۔

"دوسروں کو پریشان کرنے سے کیا فائدہ جناب۔" اس نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

"کیا یہ سب پاگل ہوگئے ہیں۔" حمید نے اس سے پوچھا۔

"ضروری نہیں ہے کہ سارے ہی مسافر آپ کی طرح اس مزاح سے محظوظ ہونے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔"

"آپ کا کیا خیال ہے۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"میں بھی اسے اچھا نہیں سمجھتی کہ دوسروں کو دہشت زدہ کیا جائے۔"

"پہلے میں نے صرف خود کو دہشت زدہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر کام نہیں چلا۔"

"اے.... چوپ بھی رہو حمید بھائی۔" قاسم نے اردو میں کہا۔ "کہیں بُرا نہ مان جائے۔"

ہوسٹس بُرا سا منہ بنائے ہوئے آگے بڑھ گئی تھی۔ حمید خاموش ہوگیا۔

"کھفا ہوگئی....!" قاسم بڑبڑایا۔

"منالو دوڑ کر.... گدھے کہیں کے۔"

"دیکھو پیارے۔" قاسم آنکھیں نکال کر بولا.... "میں جہاز پر جھگڑا نہیں کرنا چاہتا۔"

"اگر کرو بھی تو میرا کیا بگاڑ لو گے۔"

"بتاؤں۔" قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

"انگریزی میں بتانا، تاکہ غیر ملکی مسافر بھی سمجھ سکیں۔"

"اچھا.... اچھا.... جہاز کو لینڈ کرنے دو پھر میں تمہیں بتاؤں گا۔"

"اگر یہیں اسی وقت لڑ جاؤ تو کیا حرج ہے۔ اس طرح میں شرمندگی سے بچ جاؤں گا۔"

"کیسی شرمندگی!"

"اگر جہاز تباہ نہ ہوا.... لیکن اگر تم اٹھ کر مجھ سے کشتی لڑنا شروع کردو.... تو جہاز یقینی طور پر الٹ کر زمین پر جا پڑے گا۔"

"ارے باپ رے....!"

"چلو اٹھو.... میں نہیں چاہتا کہ میری بات بگڑے۔"

قاسم پتھر کی مورتی کی طرح بے حس و حرکت ہوگیا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ہلنے جلنے میں بھی جہاز کے گر جانے کا خطرہ محسوس کر رہا ہو۔ بس ذہنی رو کی بات تھی۔ بہک گئی ہوگی۔

قاسم ہی ٹھہرا.... حمید شرارتوں کے موڈ میں تھا۔ اب ایئر ہوسٹس اس کی طرف مسکرا کر نہیں دیکھتی تھی۔ اس پر اُسے اور زیادہ تاؤ آیا.... مگر پھر اس نے سوچا کہ اگر سارے ہی لوگ اس کے

خلاف ہو گئے اور انہوں نے متفقہ طور پر اسے پاگل سمجھ لیا تو یہ سفر جاری نہ رہ سکے گا۔

قاسم جو کسی خوف زدہ پرندے کی طرح پلکیں جھپکا رہا تھا کچھ دیر بعد اچانک اس طرح چونک پڑا جیسے کوئی بات یاد آ گئی ہو۔

"اے جاؤ۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "تباہ ہو جانے دو سالے کو میں تو مرنے ہی کے لئے نکلا تھا۔"

"کیا بک رہے ہو۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں.... دیکھتا ہوں کون سالا مجھے مرنے سے روکتا ہے۔ میں چگد نہیں ہوں۔"

"چغد....!" حمید نے تصحیح کی۔

"نہیں چگد....!"

"کس گدھے نے بتایا ہے۔"

"اے تم خود گدھے! اب ذرا سنبھل کر بات کرنا۔ میں مرنے کے لئے گھر سے نکلا ہوں سمجھے۔"

"مرنے کا انتظام تو وہیں ہو سکتا تھا.... تم نے پہلے ہی کیوں نہیں بتایا۔"

"پتہ نہیں آپ لوگ کیسے ہیں!" پیچھے بیٹھی ہوئی عورت نے کہا۔ "میں بہت دیر سے سن رہی ہوں۔ آپ لوگ مستقل طور پر مرنے کی باتیں کئے جا رہے ہیں۔"

"ارے.... ہی ہی ہی....!" قاسم مڑ کر احمقانہ انداز میں ہنسا۔ "میں یہی چاہتا ہوں محترمہ۔" عورت کچھ نہ بولی۔ اتنے میں ایئر ہوسٹس نے بلند آواز میں کہا۔ "کیپٹن حمید پلیز! آپ کا فون ہے۔" حمید اٹھ گیا۔

"اوہ.... آپ ہیں۔" ہوسٹس زبردستی مسکرائی۔

حمید کچھ کہے بغیر لاسلکی فون کے کیبن میں آیا۔

"ہیلو....!" اس نے دوسری طرف سے بولنے والے کو مخاطب کیا۔

"کیپٹن حمید....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "میں فریدی ہوں! تم لوگ میڈرڈ میں اتر جاؤ اور میرے دوسرے پیغام کا انتظار کرو۔ تمہارے قیام کے لئے اجازت حاصل کر لی ہے.... بدمینو میں قیام کرنا۔"

حمید نے کچھ کہنا چاہا لیکن سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔

وہ سر پیٹ کر پھر اپنی نشست پر واپس آ گیا۔ یہ کال لندن سے آئی تھی۔ حمید کو صرف اتنا ہی معلوم تھا کہ فریدی نے طویل مدت کے لئے رخصت حاصل کی ہے اور یورپ کی سیاحت کا ارادہ رکھتا ہے۔ خود ایک ہفتہ پہلے انگلینڈ کے لئے روانہ ہوا تھا اور کہہ گیا تھا کہ حمید اس کے پیغام کا انتظار کرے۔ پچھلے دن حمید کو اس کی طرف سے اطلاع ملی تھی کہ وہ قاسم سمیت روانہ ہو جائے۔ لہٰذا لندن تک کے دو ٹکٹ حاصل کر لئے گئے اور اب جہاز پر اطلاع ملی کہ دونوں میڈرڈ ہی میں رک کر اس کے دوسرے پیغام کا انتظار کریں.... ظاہر ہے کہ یہ بتانے کی ضرورت ہی نہیں.... کہ اس لاسلکی فون کال نے حمید کی کھوپڑی کا کیا حال کیا ہو گا!"

"کس کا فون تھا....!" قاسم نے پوچھا۔

"میری دادا کی روح عالم بالا سے بول رہی تھی....!" حمید نے غصیلے لہجے میں جواب دیا۔

"اے تو کھفا کیوں ہو رہے ہو.... میرے ٹھینگے کی روح بول رہی تھی.... آنکھیں نہ دکھایا کرو مجھے! اب میں اپنے باپ سے بھی نہیں ڈرتا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ کئی دنوں سے سوچ رہا تھا کہ آخر قاسم کو اس بار فریدی نے کیوں دعوت دی ہے۔ قاسم سے پوچھنا اس نے مناسب نہیں سمجھا تھا.... اور فریدی بھلا کیوں بتانے لگا۔ ویسے قاسم سے بھی اس نے اصل بات نہ بتائی ہو گی۔ پھر پوچھنے سے فائدہ ہی کیا۔ مگر اس وقت چونکہ اس لاسلکی مخاطبے نے اُسے کھوپڑی سے باہر کر دیا تھا اس لئے پوچھ ہی بیٹھا۔

"تم کہاں مرنے جا رہے ہو۔"

"تم سے مطلب....!"

"میں تو میڈرڈ میں اتر جاؤں گا۔"

"میں بھی اتر جاؤں گا....!" قاسم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔

"اے حمید بھائی.... اس عورت کی کیا عمر ہو گی جو پیچھے بیٹھی ہوئی ہے۔"

"پوچھ کر بتاتا ہوں۔" حمید نے عورت کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

"ارے.... آغے.... غ....!" قاسم بوکھلا گیا۔

عورت بھی شائد یہی سمجھی تھی کہ حمید اس سے مخاطب ہو گا۔ مگر حمید پھر قاسم کی طرف

متوجہ ہو کر بولا۔

"ساڑھے گیارہ بجے ہیں۔"

"اچھا.... اچھا....!" قاسم احمقانہ انداز میں سر ہلانے لگا۔

"کرنل نے اس سفر کے بارے میں تم سے کیا کہا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔"

"ارے تم تیار کیسے ہو گئے تھے۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"بس کچھ روپیہ الائیڈ بنک آف انگلینڈ میں منتقل کرایا۔ سامان درست کیا اور تیار ہو گیا۔ بس تیار ہونے میں کیا لگتا ہے حمید بھائی۔"

حمید کا غصہ تیز ہونے لگا۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آخر قاسم یک بیک اتنے لمبے سفر کے لئے تیار کیسے ہو گیا تھا۔

"ابے میں پوچھ رہا ہوں کہ تم اس سفر پر تیار کیوں ہو گئے تھے۔"

"کہہ تو دیا کہ میں مرنا چاہتا ہوں۔"

"ابے تو گھر ہی پر زہر پی لیا ہوتا۔"

"نہیں حمید بھائی۔" قاسم مغموم لہجے میں بولا۔ "میں اس اُلو کی پٹھی کے سامنے نہیں مرنا چاہتا۔ وہ میری لاش کی بھی جان جلائے گی۔"

"آخر وہ اُلو کی پٹھی....!"

"اے.... یو شٹ اپ.... تم اسے کچھ نہیں کہہ سکتے۔" قاسم غرایا۔ "تمہیں کوئی حق نہیں ہے۔"

"مجھے حق ہے۔"

"بس ہے! خاموش رہو۔"

"اے کیوں خواہ مخواہ جھگڑا کرنا چاہتے ہو۔"

"میں کہتا ہوں خاموش رہو۔"

"اچھی بات ہے...." قاسم غصیلی آواز میں بولا.... "لیکن اب مجھ سے بات نہ کرنا۔"

یہ سفر اس لاسلکی مخاطبے کے بعد سے اکتا دینے والا ہو گیا تھا۔ حمید سوچنے لگا۔ چھٹی لی گئی ہے سیاحت کے لئے.... لیکن اس سیاحت میں بھی گھماؤ پھراؤ پیدا ہو گئے ہیں۔ یعنی فلاں دن لندن

کے لئے روانہ ہو جاؤ.... پھر میڈرڈ میں ہی اتر جاؤ.... اس کے بعد شاید یہ اطلاع آئے کہ بقیہ زندگی میڈرڈ ہی کے کسی یتیم خانے میں گذار دو۔

کچھ بھی ہو میڈرڈ میں انہیں بہر حال رک جانا پڑا.... قاسم بہت خوش تھا.... مگر بومینو جیسے بڑے اور شاندار ہوٹل میں چکرا کر رہ گیا۔ جہاں سرو کرنے والی زیادہ تر خوب صورت لڑکیاں تھیں.... دوسری طرف وہ لڑکیاں اس کی خوراک دیکھ کر چکرا گئی تھیں۔

تین چار گھنٹے کے اندر اندر اس دیو کی شہرت دور دور تک ہو گئی جو دس آدمیوں کا کھانا تنہا کھا جاتا تھا۔

اور قاسم تھا کہ ڈائننگ ہال میں جمے رہنے پر تل گیا تھا۔ حمید نے لاکھ چاہا کہ اسے اس کے کمرے میں واپس لے جائے لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ ڈائننگ ہال میں بھیڑ اتنی بڑھ گئی تھی کہ ہوٹل کا سپر وائزر بوکھلا گیا۔

قاسم اپنی میز پر جم سا گیا تھا.... کبھی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نظر آتی اور کبھی احمقانہ انداز میں اس کا منہ کھل جاتا.... حمید نے محسوس کیا کہ وہ غیر ارادی طور پر وہاں بیٹھا ہوا ہے۔ اٹھنا چاہتا ہے مگر اٹھ نہیں سکتا۔ بوکھلاہٹ میں ایسے بھی دو چار مقام آتے ہیں۔

بھیڑ میں اضافہ ہوتا رہا۔ ساری کرسیاں بھر گئیں.... اور لوگ جا بجا کھڑے ہوئے نظر آنے لگے.... تماشائیوں میں لڑکیوں کی تعداد زیادہ تھی۔

"ابے اٹھو بھی اُلو کے....!" حمید نے کچھ کہنا چاہا.... لیکن قاسم اس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی بول پڑا۔

"ارے باپ رے.... کائیے اٹھوں.... میرے اٹھتے ہی یہ سب سالیاں ہنسنے لگیں گی۔"

"نہیں ہنسیں گی۔ تم اٹھو بھی تو۔" حمید زچ ہو کر بولا۔

"نہیں ہنسیں گی۔ ان کے چہروں سے معلوم ہوتا ہے۔" قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"نائیں.... نائیں.... میں نائیں اٹھ سکتا.... تم جاؤ نا۔"

"ارے ابھی ابھی بے چارا سپر وائزر گڑگڑا رہا تھا کہ تمہیں تمہارے کمرے میں لے جاؤں۔"

"مرنے دو سالے کو تمہیں کیوں فکر پڑ گئی ہے.... میں دیکھتا ہوں کہ یہ سالیاں کب تک کھڑی رہتی ہیں۔"

حمید تھک ہار کر اپنے کمرے میں چلا آیا۔ تماشا بننا اسے پسند نہیں تھا۔ مگر تقریباً آدھے گھنٹے بعد اُسے پھر ڈائننگ ہال کا رخ کرنا پڑا.... پتہ نہیں قاسم پر کیا گزری ہو یا اس نے کیا کیا گل کھلائے ہوں۔

ڈائننگ ہال میں اب بھی بھیڑ ہی نظر آئی مگر اب لوگ صرف کرسیوں ہی پر تھے۔ کھڑے رہنے والے شاید سپروائزر کے حال زار پر رحم کھا کر واپس چلے گئے تھے۔ قاسم اپنی میز ہی پر موجود تھا۔ حمید کو دیکھ کر اس نے احمقانہ انداز میں سر کو جنبش دی تھی.... لیکن حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے ڈائننگ ہال سے باہر چلا آیا تھا۔

لیکن برآمدے میں پہنچتے ہی اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ نوٹس بورڈ پر ہاتھ سے لکھا ہوا ایک پوسٹر نظر آیا جس کی تحریر کے مطابق اس وقت ڈائننگ روم کے داخلے پر ٹکٹ لگ گئے تھے اور اس کی وجہ قاسم ہی تھا۔ حمید کو ہوٹل والوں کی ستم ظریفی پر بہت ہنسی آئی۔ انہوں نے پوسٹر میں بیسوی صدی کے اس دیو کا حوالہ بھی دیا تھا جو دس آدمیوں کی خوراک اکیلے ہضم کر جاتا تھا۔

حمید پھر ڈائننگ ہال میں واپس آگیا۔ اب وہ سپروائزر کے آفس کی طرف جا رہا تھا۔ سپروائزر نے اس کے استقبال کے سلسلے میں بہت خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "غالباً آپ اس پوسٹر کے سلسلے میں احتجاج کرنے آئے ہیں۔"

"یقیناً....!" حمید نے زبردستی اپنے لہجے میں غصیلا پن پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "یہ پوسٹر ہمارے لئے آہانت آمیز ہے۔"

"ہماری دشواریوں پر بھی نظر رکھئے جناب۔" اُس نے بھی ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "میں نے آپ سے پہلے ہی عرض کیا تھا کہ انہیں اُن کے کمرے میں لے جائیے۔ آپ نے دیکھا ہی ہوگا کہ کتنی بھیڑ اکٹھا ہو گئی تھی۔ مجبوراً ہمیں باہر نوٹس بورڈ پر وہ پوسٹر لگانا پڑا۔"

وہ سانس لینے کے لئے رکا اور پھر مسکرا کر بولا۔ "اگر آپ چاہیں تو ٹکٹوں کی آدھی آمدنی آپ کی خدمت میں پیش کی جاسکتی ہے۔ پھر غور فرمائیے کہ یہ فعل کتنا دانش مندانہ تھا۔"

"بے حد...." حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "وہ بیچارا ایک سیدھا سادہ آدمی ہے۔"

"کیا وہ پیشہ ور نہیں۔"

"کیا مطلب....!"

دیکھئے ابھی کچھ دیر گذری۔ انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ وہ لوہے کی موٹی موٹی سلاخیں موڑ سکتے ہیں۔ منہ سے لوہے کے بڑے بڑے گولے نکال سکتے ہیں۔ اپنے جسم سے لپٹی ہوئی لوہے کی زنجیریں توڑ سکتے ہیں اور بھی کئی کرتبوں کے نام انہوں نے لئے تھے۔ یہ سن کر حمید کو قاسم پر غصہ آگیا جو خود تماشہ بن ہی گیا تھا۔ اب حمید کی مٹی بھی پلید کر دینے کے درپے نظر آنے لگا تھا۔

وہ دانت پیستا ہوا سپروائزر کے کمرے سے باہر آیا۔ قاسم اب بھی وہیں بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کی پشت حمید کی طرف تھی.... حمید کا دل چاہا کہ اس کی گردن ہی دبوچ لے۔ وہ اس کی میز پر پہنچ کر رکا۔ قاسم کی آنکھیں بند تھیں اور وہ تنا ہوا بیٹھا تھا.... حمید کے منہ میں جو بھی آیا اُسے سنا کر رکھ دیا۔ لیکن نہ تو قاسم کی آنکھیں ہی کھلیں اور نہ اُس کے چہرے سے یہ ظاہر ہوا کہ وہ حمید کی گالیاں سن رہا ہے۔ حمید نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر جھٹکا دیا اور وہ میز پر آرہا۔

پتہ نہیں وہ بیہوش تھا یا گہری نیند سو رہا تھا۔

پھر کچھ دیر بعد حمید کو یقین ہو گیا کہ وہ نیند نہیں بلکہ بیہوشی ہی تھی۔ قاسم کی میز کے قریب بھیڑ بڑھنے لگی۔ یہ نئی مصیبت تھی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اب اُسے کسی طرح کمرے میں لے جانا چاہئے.... مگر وہ نومن کی لاش.... کوئی بھی ہاتھ لگانے پر تیار نہیں نظر آتا تھا۔

کافی دیر بعد سپروائزر نے کہیں سے ایک اسٹریچر کا انتظام کیا اور پھر آٹھ ویٹر اُسے اسٹریچر پر اٹھا کر اُس کے کمرے میں لائے۔ ڈاکٹر جو پہلے ہی طلب کر لیا گیا تھا اس کا معائنہ کرنے کے بعد بولا۔ "یہ بیہوشی تو کسی نشہ آور چیز ہی کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔" میری دانست میں یہ ایسی کسی چیز کا عادی نہیں ہے۔" حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر نے اسے ایک انجکشن دیا اور تاکید کر کے چلا گیا کہ آدھے گھنٹے تک ہوش نہ آنے پر اُسے دوبارہ طلب کیا جائے۔

لیکن قاسم کو آدھ گھنٹے سے پہلے ہی ہوش آگیا تھا اور اُس نے حمید کو دیکھ کر اس طرح آنکھیں پھاڑ دیں جیسے وہاں حمید کی موجودگی پر اُسے حیرت ہوئی ہو۔

"کیوں؟ کیا ہو گیا تھا.... تمہیں....!" حمید نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"تم کون ہو....؟" قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیا مطلب....!"

"میں پوچھتی ہوں تم کون ہو....!"

"ہائیں....ہائیں۔"

"جاؤ.... یہاں سے ورنہ میں شور مچادوں گی۔" قاسم ٹپک کر بولا۔

"ابے کیوں شامت آئی ہے قاسم کے بچے۔ میں پوچھتا ہوں یہ کیا حرکت....!"

"ہائے اللہ.... میرا دوپٹہ! قاسم نے بدن چراتے ہوئے کہا۔ نکلو یہاں سے ڈھیٹ کم....

با....خت....اے امی جان۔"

"حمید اُسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔" قاسم میں اتنی صلاحیت نہیں تھی کہ وہ ہنسے بغیر اس قسم کے مذاق کر سکتا.... اور نہ وہ اتنا اچھا اداکار ہی تھا کہ اس کی آنکھوں پر شرمیلے پن کی جھلکیاں نظر آسکتیں۔

حمید اُس کی سنجیدگی پر بوکھلا گیا۔ قاسم پاگل ہو گیا ہے؟ اُس نے سوچا یہ پاگل پن ہی ہو سکتا ہے۔ اسے مذاق نہ سمجھنا چاہئے۔ قاسم جیسا کوڑھ مغز آدمی عورتوں کی ایکٹنگ نہیں کر سکتا اور پھر اگر یہ مذاق ہی ہوتا تو قاسم اس کی ابتدا کرنے سے پہلے صرف سوچ کر ہی ہنستے ہنستے لوٹن کبوتر ہو گیا ہوتا۔

"قاسم.... کیا بات ہے۔ آخر تم چاہتے کیا ہو۔"

"قاسم....!" قاسم نے حیرت سے دہرایا۔ پھر یک بیک حلق پھاڑنے لگا۔ "ارے دوڑو لوگو! یہاں ایک پاگل گھس آیا ہے.... بچاؤ.... بچاؤ۔ میں مری۔"

"ابے او قاسم میں تجھے کاٹ کر رکھ دوں گا۔"

"ہائے کاٹ کر رکھ دے گا۔ دوڑو.... بچاؤ....!" قاسم پھر چیخا۔

"دیکھو! میں تمہیں یہیں چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔"

"ارے میں بھی یہی کہہ رہی ہوں کہ جاؤ....ہائے اللہ میرا دوپٹہ۔"

وہ اسی طرح بدن چرا رہا تھا جیسے کسی باحیا عورت کو دوپٹے کی تلاش ہو۔ حمید اُس کے متعلق سنجیدگی سے سوچ رہا تھا۔ کہیں اچانک اس کی جنس تو نہیں تبدیل ہو گئی۔ کیونکہ آج کل یہ مرض کچھ عام سا ہو چلا ہے.... تو کیا.... گھر سے اتنی دور.... غریب الوطنی میں وہ جنس تبدیل

کر دے گا.... نہیں نہیں.... یہ ظلم ہے.... حمید کا ذہن فلمی انداز میں ڈائیلاگ بولنے لگا اور پھر اُسے بے تحاشہ ہنسی آگئی۔ قاسم کے عورت بن جانے کا تصور ایسا ہی قہقہہ انگیز تھا۔ وہ اپنے کمرے میں واپس آگیا تھا۔

وہ آرام کرسی میں نیم دراز پائپ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا۔

کچھ دیر بعد کسی نے دروازے پر دستک دی۔ حمید سمجھا شائد قاسم راہِ راست پر آگیا ہے۔

"آجاؤ....!" اُس نے کہا۔ لیکن دستک بدستور جاری رہی۔

"آجاؤ....!" اس بار اُس نے انگریزی میں کہا اور سپروائزر دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔

"آپ ہی چلئے جناب۔" اُس نے مردہ سی آواز میں کہا۔ میری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آتا۔

"کیا بات ہے۔"

"آپ کے ساتھی نے ایک ہنگامہ برپا کر رکھا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہہ رہے ہیں۔"

حمید اُس کے ساتھ قاسم کے کمرے میں آیا۔

قاسم کمرے کے وسط میں کھڑا دہاڑ رہا تھا۔ "چور چور.... سب چور ہیں۔ میرا صندوق کون لے گیا۔"

"کیسا صندوق....!" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔ "تمہارے ساتھ کپڑوں کا صرف ایک ہی صندوق تھا۔"

"یہ میرا صندوق نہیں ہے۔" قاسم صندوق کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "اس میں مردانے کپڑے ہیں۔"

"اوور....!" حمید دانت پیس کر اور اُسے مکا دکھا کر بولا۔ "ہوش میں آجاؤ.... ورنہ بہت بُرا حشر کروں گا۔"

"اے مسٹر.... تم اتنی بے تکلفی سے باتیں کر رہے ہو۔ لیکن میں نہیں جانتی تم کون ہو۔"

دفعتاً حمید نے انگریزی میں گفتگو شروع کر دی۔ مقصد یہ تھا کہ قاسم جواب دینے کے معاملے میں محتاط ہو جائے۔ کیونکہ سپروائزر بھی موجود تھا۔

"ارے.... یہ کیا بکواس شروع کر دی۔" قاسم نے سپروائزر کی طرف اشارہ کر کے اردو میں کہا۔ "یہ آدمی بھی اسی طرح بول رہا تھا۔ میں اپنی زبان کے علاوہ اور کوئی زبان نہیں سمجھ

سکتی۔"

"تم انگریزی نہیں سمجھ سکتے۔" حمید نے اردو میں کہا۔

"نہیں....!" قاسم نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا اور دفعتاً حمید کو خیال آیا کہ کہیں وہ اپنی یادداشت تو نہیں کھو بیٹھا۔ قاسم کے لئے یہ ممکن بھی تھا۔ کیونکہ وہ پہلے ہی سے ذہنی رو بہکنے کا مریض تھا۔ تو کیا وہ بیہوشی اس کی یادداشت پر اثر انداز ہوئی تھی۔

اس خیال نے حمید کو بوکھلا دیا۔

کانفرنس

کیلی گراہم اپنے ملک کی نمائندگی کر رہی تھی۔ وہ بہت اچھا جسم رکھتی تھی۔ بڑی پھرتیلی تھی اور ذہانت کا کیا پوچھنا؟ ذہانت ہی کی بناء پر وہ پانچ ممالک کی کانفرنس میں اپنے ملک کی نمائندگی کر رہی تھی۔

وہ اپنے ملک کی سیکرٹ سروس کی ایک سرگرم کارکن تھی اور اُس کے ساتھی اُسے زہر کی پڑیا کے نام سے یاد کرتے تھے۔ ویسے اُس کا ظاہر بڑی دلکشی رکھتا تھا اور چہرے سے ظاہر ہونے والی معصومیت کا تو یہ عالم تھا کہ مذہبی تصاویر بنانے والے آرٹسٹ اکثر اُسے مقدس مریم کے لئے پوز دینے کی ترغیب دیتے رہتے تھے۔

آنکھیں بڑی بڑی اور نشیلی تھیں جن پر ہر وقت غنودگی کی سی کیفیت طاری رہا کرتی تھی اور یہ آنکھیں یہی ظاہر کرتی تھیں کہ وہ ایک کاہل اور خواب دیکھنے والی لڑکی ہے۔

کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ عملی زندگی میں بھی کوئی قدر و قیمت رکھتی ہوگی۔

اس وقت اُس کا ہیلی کوپٹر شمالی امریکہ کے جنوبی غیر آباد حصے پر پرواز کر رہا تھا۔

وہ پانچ دوست ممالک کی سیکرٹ سروس کے ممبروں کی کانفرنس میں شرکت کی غرض سے یہاں آئی تھی۔ زیرولینڈ کی تلاش کا سلسلہ درپیش تھا۔ ان پانچ دوست ممالک میں زیرولینڈ کے جاسوس پکڑے گئے تھے اور ان کے پاس سے ایسی حیرت انگیز چیزیں برآمد ہوئی تھیں جنہوں نے انتہائی ترقی یافتہ ممالک کو بھی حیرت میں ڈال دیا تھا.... سوال یہ تھا کہ زیرولینڈ ہے کہاں؟ اُس

کے جاسوس مر جاتے تھے لیکن سرزمین کی نشاندہی نہیں کرتے تھے۔

یہ کانفرنس شمالی امریکہ کے ایک غیر آباد مقام پر ہونے والی تھی۔ اطلاعات کے مطابق ہیلی کوپٹر اُسے ایک جگہ اتار دیتا اور پھر وہاں سے کسی کی رہنمائی میں اُسے کچھ دور پیدل چلنا پڑتا۔

کچھ دیر بعد ہیلی کوپٹر کے پائیلٹ نے اُسے آگاہ کیا کہ اب ہیلی کوپٹر نیچے اترے گا۔ دور تک خشک اور بھورے رنگ کی پہاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ کیلی نے دوربین ہاتھوں سے چھوڑ دی۔ وہ راستے بھر قرب و جوار کا جائزہ لیتی آئی تھی۔

دوربین گلے میں پڑے ہوئے چمڑے کے تسمے سے جھولنے لگی۔ اُس نے رومال نکال کر چہرے پر پھیرا اور نیچے دیکھنے لگی۔ ہیلی کوپٹر ایک مسطح چٹان پر اُتر رہا تھا۔

ذرا ہی سی دیر میں اُس کی کان پھاڑ دینے والی آواز سے قریب و جوار کی پہاڑیاں گونجنے لگیں۔ وہ ہیلی کوپٹر سے نیچے اُتر آئی اور پھر اس کا سامان نکال کر باہر رکھ دیا گیا۔ سامنے ہی نشیب میں تین آدمی نظر آئے اُن میں سے ایک آدمی زرد رومال ہلا کر اُسے خوش آمدید کہہ رہا تھا۔

پھر وہ لوگ اوپر آگئے.... ہیلی کوپٹر واپسی کے لئے اوپر اٹھ رہا تھا۔ میں نوبل ہنٹر ہوں۔ ایک آدمی نے اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اوہ.... مسٹر ہنٹر ہاؤڈویوڈو!" کیلی نے بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کیا۔

"اوکے.... مس گراہم.... اور میں تو آپ کو پہچانتا ہی ہوں....!"

"آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں جیسے ہم پہلے بھی کبھی مل چکے ہیں...!" کیلی نے مسکرا کر کہا۔

"ارے.... آپ ہنگری والا واقعہ بھول گئیں.... کس نے آپ کو اس مکان کی چوتھی منزل سے نیچے اتارا تھا۔ جب فوج نے پاور ہاؤز پر قبضہ کر کے بجلی کی سپلائی بند کر دی تھی.... اور لفٹیں بیکار ہو گئی تھیں۔"

"اوہ.... نہیں۔" کیلی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "وہ آپ تھے! اُف فوہ کتنا گہرا اندھیرا تھا۔ میں ہمیشہ سوچتی رہتی ہوں کہ آخر وہ کون تھا جس نے مجھے اندھیرے میں آواز دی تھی اور رسیوں کی سیڑھی سے نیچے اتارا تھا۔ نیچے گولیاں چل رہی تھیں۔ مشین گنوں کے شور سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔"

"بڑا بھیانک تجربہ تھا۔" ہنٹر نے ٹھنڈی سانس لی۔ یہ ایک جوان العمر اور وجیہہ آدمی تھا۔

پیشانی کشادہ تھی۔

"مجھے کتنی خوشی ہوئی ہے آپ سے مل کر۔" کیلی نے کہا۔ "بیان نہیں کر سکتی۔ اوہ.... کیا ہمیں زیادہ دور تک چلنا ہوگا۔"

"نہیں بس تھوڑی دور۔" اُس نے ایک اونچے پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "بس اُس طرف.... وہیں ہمارا عارضی ہیڈ کوارٹر ہے۔ بڑی پر فضا جگہ ہے۔ ان خشک پہاڑوں کے درمیان وہ چھوٹا سا ٹکڑا ایسا ہی ہے جیسے وہاں صدیوں پہلے کسی جادوگر نے قیام کیا ہو۔ بس جادو کی بنسری بجائی اور چاروں طرف سبزہ اگ آیا.... پھول کھل گئے اور پتھریلی زمین سے میٹھے پانی کا چشمہ ابل پڑا....!"

"آپ تو شاعر بھی معلوم ہوتے ہیں مسٹر ہنٹر۔" کیلی نے کہا اور ہنٹر صرف ہنس کر خاموش ہو گیا۔

اب وہ ایک تنگ سے درے میں داخل ہو رہے تھے۔ یہ اُس پہاڑ کا درہ تھا جس کی طرف ہنٹر نے اشارہ کیا تھا۔

"اور کہاں کہاں سے نمائندے آگئے ہیں۔" کیلی نے پوچھا۔

"بس فی الحال ایشیاء کے دو آدمی آپ کو وہاں ملیں گے۔"

"ایشیاء....!" کیلی نے متحیرانہ لہجہ میں دہرایا۔

"ہاں.... اُن لوگوں کو بھی ایک بار زیرولینڈ کے جاسوسوں سے نپٹنا پڑا تھا۔ لیکن ابھی تک وہ اس سے ناواقف ہیں کہ زیرولینڈ کہاں ہے۔"

کیلی کچھ نہ بولی۔ اُس کی پیشانی پر شکنیں اُبھر آئی تھیں۔ وہ کچھ سوچ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ "آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ میں اپنے ملک کی نمائندگی کر رہی ہوں۔"

"اوہ....!" ہنٹر مسکرایا۔ "ہمیں آپ کے سفارتخانہ سے آپ کے متعلق تفصیل ملی تھی.... اور آپ کی تصویر بھی.... غالباً اس سوال سے آپ کی مراد یہی ہے کہ اگر ہم میں غلط آدمی آجائے تو ہم اُسے کس طرح چیک کریں گے۔"

"جی ہاں.... میں یہی کہنا چاہتی تھی۔"

"دیکھئے اگر کوئی غلط آدمی ہم میں آبھی گیا تو اُس کی ذمہ داری کسی نہ کسی ملک کے سفارتخانے پر ہی ہوگی۔" کیلی کچھ نہ بولی۔

وہ درے سے نکل آئے تھے اور اب وہ ایک سرسبز و شاداب وادی میں داخل ہو رہے تھے۔ اونچے اونچے درختوں کی چوٹیاں نیلگوں آسمان کے مقابل بڑی دلکش نظر آرہی تھیں۔ بادل کا ایک سفید ٹکڑا آہستہ آہستہ مشرق سے مغرب کی جانب رینگ رہا تھا۔

نشیب میں جہاں چشمہ تھا کیلی کو لکڑی کی ایک چھوٹی سی عمارت نظر آئی جس کا بیشتر حصہ سرخ پھولوں والی بیل سے ڈھکا ہوا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ شام تک سب آجائیں گے۔" ہنٹر نے کہا۔

"واقعی بڑی پُر فضا جگہ ہے۔" کیلی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"چشمے کا پانی بہت ٹھنڈا اور شیریں ہے۔"

وہ لکڑی کے مکان میں داخل ہوئے۔ یہاں کیلی کو دو آدمی دکھائی دیئے جو آرام کرسیوں پر پڑے اونگھ رہے تھے۔ اُن کی آہٹ پر چونک کر انہوں نے آنکھیں کھولیں اور پھر جلدی سے کھڑے ہو گئے۔ کیلی نے اُن کا اچٹتی ہوئی نظروں سے جائزہ لیا اور ہنٹر کے ساتھ آگے بڑھتی چلی گئی۔

"میرا خیال ہے کہ یہ کمرہ آپ کے لئے مناسب رہے گا۔" ہنٹر نے ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"اوہ.... بہت.... شکریہ یہاں مجھے بہت آرام ملے گا.... مگر مسٹر ہنٹر.... کیا آپ انہیں دونوں آدمیوں کے متعلق کہہ رہے تھے۔"

"جی ہاں.... بیٹھ جایئے...." ہنٹر نے کہا اور پھر اُن دونوں آدمیوں سے بولا جو کیلی کا سامان اٹھائے ہوئے تھے۔ "اسے اُس طرف رکھ دو.... اور کرسٹوفر سے کہو کہ کافی لے آئے۔"

کیلی کینوس کی فولڈنگ آرام کرسی میں نیم دراز ہو گئی تھی۔ اُس نے تھکی تھکی سی آواز میں کہا۔

"اوہ.... بہت بہت شکریہ.... کافی ہی مناسب رہے گی۔ میں بہت تھک گئی ہوں۔ ہاں میں اُن دونوں آدمیوں کے متعلق کہہ رہی تھی۔"

"کہئے....!"

"اُن میں سے ایک تو صورت ہی سے احمق معلوم ہوتا ہے۔" کیلی نے جلدی جلدی پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔

"اوہ.... وہ....!" ہنٹر مسکرایا۔ "میں خود بھی نہیں سمجھ سکا کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے اس

کے مقابلے میں دوسرا آدمی صفدر سعید کام کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"بُرا نہ مانئے گا....!" کیلی نے کہا۔ "میرے نزدیک یہ مناسب نہ تھا۔"

"کیا....!"

"یہی کہ ایشیا کے کسی ملک سے بھی نمائندے طلب کئے جاتے ہیں۔"

"آپ کا خیال کسی حد تک درست ہے۔ لیکن اسے کیا کیا جائے کہ اُس کے ملک میں بھی زیرولینڈ کے جاسوس پکڑے گئے تھے۔"

کیلی نے کچھ نہیں کہا۔ وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہے پھر ہنٹر بولا۔ "ابھی تک ہم میں اصل موضوع پر گفتگو نہیں ہوئی۔ لیکن پھر بھی میرا خیال ہے کہ یہ کانفرنس کافی فائدہ مند ثابت ہوگی۔"

"مگر میں نہیں سمجھ سکتی کہ وہ لوگ ایشیا کی طرف کیوں متوجہ ہوئے ہیں۔"

"اوہ چھوڑیئے....!" ہنٹر مسکرایا۔ "اس پر ہم کانفرنس میں بحث کریں گے۔"

"ویسے آپ یہ بتایئے کہ آپ کے ساتھ اور کتنے آدمی آئے ہیں تاکہ اُن کے لئے بھی کوئی معقول انتظام کیا جاسکے۔"

"میرے ساتھ اور کوئی آدمی نہیں ہے۔"

"ارے آپ تنہا آئی ہیں.... یعنی کہ....!"

"ہاں.... میں تنہائی پسند ہوں.... اس لئے زیادہ بھیڑ لے کر نہیں چلتی۔"

ہنٹر کچھ کہنے والا تھا کہ کافی آگئی.... وہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ پھر دونوں مشرقیوں سمیت واپس آیا.... کیلی عمران کو بہت غور سے دیکھ رہی تھی اور عمران کچھ اس طرح نروس نظر آرہا تھا جیسے زندگی میں پہلی بار کسی لڑکی کے قریب جانے کا اتفاق ہوا ہو۔ اس کے برخلاف صفدر بے حد اسمارٹ نظر آرہا تھا۔ اس کی دانست میں اُس کانفرنس کے لئے اُن دونوں کا انتخاب ایکس ٹو نے کیا تھا۔ وہ اس پر بہت خوش تھا اور اُس صورت میں تو یہ خوشی دوگنی ہوگئی جب کہ اُس کا ساتھی عمران تھا.... وہ دونوں اُس میز کے قریب بیٹھ گئے جس پر کافی رکھی ہوئی تھی۔

"آپ لوگوں کو کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔" ہنٹر نے اُن سے پوچھا۔

"نہیں.... شکریہ۔" صفدر نے جواب دیا۔ لیکن عمران اس طرح خاموش بیٹھا رہا جیسے اس سوال کا اُس کی ذات سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔

ہنٹر نے استفہامیہ نظروں سے عمران کی طرف دیکھا اور صفدر مضطربانہ انداز میں پہلو بدلنے لگا۔

کیلی کبھی ہنٹر کی طرف دیکھتی تھی اور کبھی عمران کی طرف جو سر جھکائے بیٹھا شائد اپنے چمکدار جوتے میں شکل دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

پھر ہنٹر پیالیوں میں کافی انڈیلنے لگا۔ عمران نے بلند آواز میں جماہی لی اور منہ چلا کر احمقانہ انداز میں ایک ایک کی صورت دیکھنے لگا۔

کیلی نے مسکرا کر ہنٹر کی طرف دیکھا اور ہنٹر نے عمران سے کہا۔ "آپ شائد بہت کم سخن واقع ہوئے ہیں۔"

"اجی میں نے تو بولنے کی قسم کھا رکھی ہے۔" عمران نے صفدر کی طرف دیکھ کر کہا۔ "انہوں نے چلتے وقت مجھ سے کہا تھا کہ میں اپنی زبان قابو میں رکھوں گا۔"

"ایسا بھی کیا؟ کچھ تو بولئے۔" ہنٹر اُسے گھسنے پر آمادہ نظر آنے لگا۔

"اچھا تو بولتا ہوں سنئے۔ جب ہم کسی کتے کو پتھر مارتے ہیں تو وہ اس طرح چیاؤں چیاؤں کرتا ہوا بھاگتا ہے۔"

عمران نے منہ پر ہاتھ رکھ کر چوٹ کھائے ہوئے کتے کے چیخنے کی نقل اتاری اور وہ سب بیساختہ ہنس پڑے۔

اگر سنجیدہ ماحول میں اس قسم کا کوئی غیر متوقع واقع پیش آجائے تو پھر قہقہے رکنے کا نام ہی نہیں لیتے مگر صفدر عمران کی اس حرکت پر بُری طرح بوکھلا گیا تھا۔

"یار.... عمران صاحب۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔"

اُس نے اردو میں کہا تھا اس لئے کیلی اور ہنٹر خاموش ہو کر ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگے اس پر عمران بولا۔ "میرا ساتھی کہہ رہا ہے کہ آپ کو یہ بھی بتاؤں کہ دو کتے ایک دوسرے پر کس طرح غراتے ہیں۔"

اور پھر اُس نے کتوں کی طرح غرانا شروع کر دیا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے دو کتے ایک دوسرے پر غرا رہے ہوں۔

"کمال ہے۔" کیلی نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔ "یہ بالکل آپ کی مادری زبان معلوم ہوتی ہے۔"

"دنیا کی ہر عورت میری ماں ہے۔" عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

"آپ کی خاموشی ہی بہتر ہے جناب۔" ہنٹر نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"آپ کا یہ فیصلہ اب بیکار ہے۔" عمران کا لہجہ مایوسانہ تھا۔ "اب کچھ نہیں ہو سکتا۔"

"کیا نہیں ہو سکتا۔"

"اگر ایک بار زبان چل پڑی تو تھک جانے کے بعد ہی رکتی ہے ورنہ پھر دوسری صورت میں مجھ پر ہارٹ اٹیک ہونے لگتے ہیں۔"

"تب تو پھر افسوس ہے کہ آپ ہماری اس مہم کیلئے سلسلے میں بالکل ہی بیکار ثابت ہوں گے۔"

"اس پر بھی کانفرنس ہی میں غور کر لیا جائے گا۔" عمران نے لاپروائی سے کہا اور اُس نے غلط نہیں کہا تھا۔ صفدر کو بھی یقین تھا کہ وہ لوگ عمران کو بھی ایک مسئلہ ہی بنالیں گے۔

شام تک وہاں تین آدمی اور پہنچ گئے اور پھر رات کے کھانے کے بعد وہ مسئلہ پیش کیا گیا جس کے لئے وہ دور راز سفر کر کے یہاں اکٹھا ہوئے تھے۔

میز پر ساتھ آدمی تھے۔ صفدر، عمران، کیلی، ہنٹر، آلڈس، کراموئیل اور اُوبران .... اوبران امریکن سیکرٹ سروس کا ڈپٹی چیف آفیسر تھا اور ہنٹر اس کا ماتحت تھا۔ اُوبران نے بھی عمران کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھا تھا۔

کانفرنس میں کچھ دیر تک زیرولینڈ کے متعلق قیاس آرائیاں ہوتی رہیں پھر اوبران نے سنہرے رنگ کے اسفنج کا ایک ٹکڑا نکال کر میز پر رکھ دیا۔

"ذرا اسے دیکھئے.... اور بتائیے کہ یہ کیا ہے...." اُس نے کہا۔

عمران کے علاوہ سبھی اس سنہرے اسفنج پر جھک پڑے۔ وہ خاموش بیٹھا رہا اور اس کے چہرے سے بے تعلقی ظاہر ہوتی رہی۔

دفعتاً کیلی نے کہا۔ "میرے خدا.... یہ تو سونے کا معلوم ہوتا ہے.... لیکن ہے اسفنج۔"

"مگر آپ اس کے متعلق کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں، مسٹر اوبران۔" آلڈس نے پوچھا۔ یہ ایک معمر اور بدصورت آدمی تھا۔ کھوپڑی انڈے کی طرح شفاف تھی اور پلکوں کے بال بھی غائب تھے۔ چہرہ عادی قسم کے شرابیوں کا سا تھا۔

"کیا اس سے پہلے بھی کبھی یہ چیز آپ کے سامنے آئی ہے۔" اوبران نے پوچھا۔

عمران کے علاوہ اور سب نے نفی میں جواب دیا۔

اوبران نے عمران کی طرف دیکھا اور پھر اس طرح دوسری طرف دیکھنے لگا جیسے غلطی سے اس پر نظر پڑ گئی ہو۔ پھر کچھ دیر بعد بولا۔ "یہ زیرولینڈ کے ایک جاسوس کے پاس سے برآمد ہوا تھا اور یقین کیجئے کہ وہ اُسے ضائع کر دینے کے لئے اپنی انتہائی کوشش صرف کر رہا تھا۔ لیکن ہم نے اُسے کامیاب نہیں ہونے دیا تھا۔"

"تو آپ نے اُس سے اس کے متعلق بہت کچھ معلوم کر لیا ہوگا۔" صفدر بولا۔

"نہیں....!" اوبران نے مایوسانہ انداز میں سر کو جنبش دی۔ "ہم کچھ بھی نہیں معلوم کر سکے تھے اور پھر وہ تو تھوڑی ہی دیر بعد مر گیا تھا۔ پتہ نہیں کیسے وہ اُس زہر کو استعمال کر سکا تھا۔ ہم متحیر ہی رہ گئے تھے کیونکہ اس کی جامہ تلاشی میں ہمیں اس اسفنج کے علاوہ اور کچھ نہیں ملا تھا۔ ہم یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ اس طرح خودکشی کر لے گا۔ بہرحال یہ اسفنج بھی الجھن کی وجہ بنا ہوا ہے۔ آخر اُس نے اُسے ضائع کر دینے کے لئے ہاتھ پاؤں کیوں مارے تھے۔"

"وہ ڈرتا تھا کہ کہیں ہم اس کے پیچھے اپنا وقت نہ برباد کرنا شروع کر دیں۔" عمران بول پڑا۔

"اگر آپ وضاحت سے کام لیں تو بہتر ہوگا۔" اوبران نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"گذارش ہے کہ یہ ہمارے لئے ایک فضول سی چیز ہے۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں جناب۔" آلڈس بھی عمران کو گھورنے لگا۔ عمران کے چہرے پر اس وقت بھی حماقت ہی حماقت نظر آ رہی تھی۔

"اگر میں یہ کہوں کہ یہ ایک قسم کا ٹرانسمیٹر ہے تو آپ لوگ مجھے پکڑ کر پاگل خانے میں بھجوا دیں گے۔" عمران نے کہا اور پھر اچانک جیب سے ریوالور نکال کر اُس کا رخ آلڈس کی طرف کرتے ہوئے کہا۔ "نہیں مسٹر آلڈس! تم اپنے دونوں ہاتھ میز پر رکھ لو۔ میں یہ نہیں پسند کرتا کہ وہ تمہاری جیبوں کی طرف جائیں۔"

کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ حالانکہ آلڈس نے اپنے دونوں ہاتھ میز پر رکھ لئے تھے.... لیکن عمران کو خونخوار نظروں سے برابر گھورے جا رہا تھا۔

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ....!" اوبران نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں یہی مناسب ہے مسٹر اوبران۔"

"اوہ....!" آلڈس غرایا۔ "میں نہیں جانتا تھا کہ اس کانفرنس کا مقصد میرے ملک کی توہین

کرتا ہے۔"

"مسٹر.... میں آپ کو حکم دیتا ہوں کہ ریوالور میز پر رکھ دیجئے۔" اوبران نے گالی دینے کے سے انداز میں کہا۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ آپ کانفرنس کے سربراہ ہیں لیکن ہمیں اپنی آنکھیں کھلی رکھنی چاہئیں۔ میں دیر سے دیکھ رہا ہوں کہ یہ کئی بار کسی گرہ کٹ کی طرح آپ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالنے کی کوشش کر چکا ہے۔

"کیا مطلب....!"

"مطلب خود بخود ہی آپ کی سمجھ میں آنا چاہئے۔ کیا اس اسفنج کے علاوہ اور بھی کوئی چیز آپ کے پاس تھی جس کے لئے جیبوں میں ہاتھ ڈالا جا سکے۔"

"نہیں....!"

"یہ بکواس ہے۔" آلڈس دہاڑا۔ "میرے ملک کی توہین ہو رہی ہے۔"

"اگر یہ بکواس ہے تو پھر تمہارا میک اپ ہی اس کی تصدیق کرے گا۔" عمران نے کہا.... کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا کہ اچانک آلڈس نے بیٹھے ہی بیٹھے اس پر چھلانگ لگا دی۔

عمران کرسی سمیت دوسری طرف الٹ گیا۔ اس نے سوچا تھا کہ اُسے قابو میں کرے گا لیکن اچانک ریوالور چل گیا۔ آلڈس کے حلق سے ایک کریہہ سی چیخ نکلی اور اچھل کر ایک جانب جا پڑا۔ گولی سینے میں لگی تھی۔ وہ دیکھتے ہی دیکھتے ٹھنڈا ہو گیا۔

وہ سب بوکھلا کر کھڑے ہو گئے اور عمران احمقانہ انداز میں ان کی شکلیں دیکھ رہا تھا۔

"یہ برا ہوا....!" اوبران بڑبڑایا۔

"یقیناً بُرا ہوا۔" عمران نے اعتراف کیا۔ "لیکن ٹریگر کے دبنے میں میرے ارادے کو دخل نہیں تھا۔ اسی لئے وہ خود اپنی موت کا باعث بنا ہے۔"

پھر تھوڑی دیر بعد عمران نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ میک اپ میں تھا۔ اصلی آلڈس کا جو بھی حشر ہوا ہو۔

"تو یہ.... بھی زیرو لینڈ کا جاسوس تھا۔" اوبران نے متفکرانہ انداز میں کہا۔

"اس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔" کیلی نے کہا اور متحیرانہ نظروں سے عمران کی طرف

دیکھنے لگی۔

"اس نے اس وقت جیب میں ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی جب میں نے اسفنج کو ٹرانسمیٹر کہا تھا۔" عمران بولا۔

"ذرا ٹھہریئے....!" اوبران نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "آپ مجھے اس اسفنج سے بھی عجیب نظر آتے ہیں۔"

اوبران کے ان دونوں آدمیوں نے لاش وہاں سے ہٹا دی جو کیلی کا سامان اٹھا کر لائے تھے اور پھر کچھ دیر بعد یہ کانفرنس پھر شروع ہو گئی۔

"پتہ نہیں بیچارے آلڈس کا کیا حشر ہوا ہو گا۔" کیلی نے کہا۔

"اس پر غور کریں گے۔" اوبران نے کہا اور پھر عمران سے بولا۔ "ہاں تو جناب آپ اس اسفنج کے بارے میں کیا جانتے ہیں۔"

"وہی جو پہلے کہہ چکا ہوں۔"

"کبھی ٹرانسمیٹر دیکھا بھی ہے۔" کراموئیل نے جھنجھلا کر کہا۔

اور صفدر اسے بھی شبہے کی نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس کا ہاتھ جیب میں چلا گیا تھا اور ریوالور کے دستے پر اس کی گرفت سخت ہو گئی تھی۔

عمران جواب دینے کی بجائے صفدر کی طرف مڑ کر بولا۔ "نہیں یہ بالکل ٹھیک ہیں! خفا ہوتے ہیں تو ہونے دیں۔"

اس پر کراموئیل کو اور زیادہ تاؤ آ گیا۔ لیکن اوبران نے بات نہ بڑھنے دی۔

"آپ آخر کس طرح اسے ٹرانسمیٹر ثابت کریں گے۔" اس نے پوچھا۔

"بس کر دوں گا.... کیا آپ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے نہیں لگا سکتے کہ ٹرانسمیٹر کے تذکرے پر اس نے ریوالور نکالنے کی کوشش کی تھی۔"

"اوہ.... اہمیت.... اہمیت سے تو کسی صورت میں بھی انکار ممکن نہیں ہے۔ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ جس کے پاس سے یہ برآمد ہوا تھا اس نے اسے ضائع کر دینے کی کوشش کی تھی۔"

"اچھی بات ہے.... تو میں اسے ٹرانسمیٹر ثابت کر دوں گا.... لیکن واضح رہے کہ اس صورت میں جب یہ ٹرانسمیٹر ثابت ہونے لگے تو کسی کے منہ سے آواز بھی نہ نکلنی چاہئے۔" عمران

نے کہااور پھر صفدر سے بولا۔ ”میرے سوٹ کیس میں گدلے سیال کی بوتل ہے اسے نکال لاؤ۔“

صفدر اٹھ کر چلا گیا۔ دوسری طرف کیلی ہنٹر سے کہہ رہی تھی۔ ”بہت گہرا آدمی معلوم ہوتا ہے؟“

”ارے.... کیا آپ نے ابھی دیکھا نہیں۔“

”اب یہ بھی دیکھئے.... کہ وہ اسے ٹرانسمیٹر کیسے ثابت کرتا ہے.... کتنی مضحکہ خیز بات ہے.... کراموبل نے ٹھیک ہی پوچھا تھا کہ کبھی اس نے ٹرانسمیٹر دیکھا بھی ہے۔“

صفدر کی واپسی پر دونوں خاموش ہو گئے۔

صفدر کے ہاتھ میں ایک بوتل تھی جس میں گدلے رنگ کا سیال نظر آرہا تھا۔ عمران نے ایک گلاس بھی طلب کیا۔ جو فوراً مہیا کر دیا گیا۔ گلاس میں تھوڑا سا سیال انڈیل کر اس میں وہ سنہرا اسفنج ڈالنے ہی والا تھا کہ اوبران بول پڑا۔ ”دیکھئے.... یہ ضائع نہ ہونے پائے۔“

”ہرگز نہیں.... اگر ضائع ہو گیا تو میں دوسرا مہیا کر دوں گا۔“ عمران نے کہااور اسفنج کا ٹکڑا گلاس میں ڈال دیااور پھر وہ سب ہی اس پر جھک پڑے کیونکہ گلاس پر ہلکے گلابی رنگ کا دھواں سا نظر آنے لگا تھا۔ عمران نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر انہیں خاموش ہی رہنے کا اشارہ کیا۔

پہلے تو اس دھوئیں سے مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی سی آواز آئی اور پھر وہ آواز بتدریج کسی آدمی کی آواز میں تبدیل ہوتی گئی۔

ان کی آنکھیں متحیرانہ انداز میں پھٹی ہوئی تھیں۔ ہونٹ کھل گئے تھے۔ ایک آدھ کی سانسیں تیزی سے چلنے لگی تھیں۔

کچھ دیر بعد عمران نے اسفنج کا ٹکڑا گلاس سے نکال لیا۔

پُراسرار چینی

قاسم حمید کے لئے وبال جان بن گیا تھا۔

متواتر دو دن سے وہ عورت ہی بنا ہوا تھا۔ اگر یہ واقعہ اپنے ملک یا شہر میں پیش آتا تو حمید نے انواع واقسام کی تفریحات کے ڈھیر لگا دیئے ہوتے۔

مگر یہ قاسم کو کیا ہو گیا تھا؟ ایسا مذاق جس کی مدت اتنی طویل ہوتی قاسم کے بس کا روگ

نہیں تھا۔

پھر؟ حمید اسی خیال پر جم گیا کہ وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔ اس نے فریدی کو دو تین طویل تار دیئے۔ لیکن نہ تو ان تاروں کا جواب آیااور نہ ہوائی جہاز والے لاسلکی پیغام کے مطابق کوئی دوسری ہدایت ملی۔ البتہ میڈرڈ پہنچنے پر اس نے اسے اپنے لندن کے پتہ سے آگاہ کر دیا تھا۔ اگر قاسم اس کے لئے مصیبت نہ بن گیا ہوتا تو وہ کچھ دن یہیں بہترین تفریحات میں بسر کر دیتا۔

آج صبح ہی سے وہ پھر فریدی کے تار کا انتظار کر رہا تھا۔ ناشتہ کمرے ہی میں طلب کیا تھااور اب تک باہر نہیں نکلا تھا۔

یہاں کی تفریحات کا کیا پوچھنا۔ ہر قدم پر ایک حسین لڑکی سے ملاقات ہوتی تھی لیکن وہ تو قاسم کی وجہ سے اس حد تک بور ہو چکا تھا کہ اپنا ہی بوجھ گراں گزرنے لگا تھا۔

صبح سے اب تک وہ اسی خوف سے باہر نہیں نکلا تھا کہ لوگ اس سے قاسم کے متعلق سوالات کریں گے۔ یہاں تک کہ اس ہوٹل میں کئی مشرقی بھی مقیم تھے اور انہوں نے یہ بات سارے ہوٹل میں پھیلا دی تھی کہ قاسم عورتوں کی طرح گفتگو کرتا ہے۔

ٹھیک نو بجے حمید اٹھا کہ فون کر کے پائپ کا تمباکو منگوائے لیکن ابھی میز تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔

”آجاؤ....!“ اس نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا اور دوسرے ہی لمحے میں ہوٹل کا سپروائزر اندر داخل ہوا۔

”میں اس مداخلت پر معافی چاہتا ہوں جناب۔“ اس نے کہا۔

”کہئے۔“

”لوگوں کا خیال ہے آپ کے ساتھی صحیح الدماغ نہیں ہیں۔“

”لوگوں کا یہی خیال آپ کے متعلق بھی ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ آپ کو ناپسند کرنے لگیں۔“

”دیکھئے وہ دوسری بات ہے.... میں نے سنا ہے کہ وہ عورتوں کی طرح گفتگو کرتے ہیں۔“

”دنیا کا کوئی قانون اسے اس سے باز نہیں رکھ سکتا۔“

”میں آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ انہیں کہیں اور لے جایئے۔ یہاں لوگوں میں ان کی وجہ سے ہراس پھیل رہا ہے۔“

"کمال ہے....!" حمید ہنس پڑا۔ "لوگوں میں اس لئے ہراس پھیل رہا ہے کہ وہ عورتوں کی طرح گفتگو کرتا ہے۔"

"دیکھئے۔ اس مسئلے پر سنجیدگی سے بات کیجئے۔ ورنہ آپ پریشانیوں میں پڑ سکتے ہیں۔"

"کیسی پریشانیاں....!" حمید اُسے گھورنے لگا۔

"میں پولیس کو بھی اس کی اطلاع دے سکتا ہوں اور آپ کے دوست پاگل خانے بھی پہنچ سکتے ہیں۔"

حمید چکرا گیا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"اچھی بات ہے! میں شام تک یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

"بہت بہت شکریہ۔" سپروائزر نے ناخوشگوار لہجے میں کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

اب حمید غصے سے پاگل نہ ہو جاتا تو کیا کرتا اور یہ غصہ فریدی پر ہی تھا۔ خواہ مخواہ بیٹھ بٹھائے یہ مصیبت گلے ڈال دی۔

وہ پیر پٹختا ہوا کمرے سے باہر نکلا اور قاسم کے کمرے کی طرف روانہ ہو گیا۔ لیکن اس کمرے میں نہ قاسم نظر آیا اور نہ اس کا سامان۔ اس نے وہیں سے سپروائزر کو فون کیا۔ مگر سپروائزر نے قاسم کی روانگی کے متعلق لاعلمی ظاہر کی۔

حمید نے سوچا یہ دوسری ہوئی۔ اگر وہ یہاں سے چلا گیا ہے تو اب وہ یقینی طور پر کسی پاگل خانے ہی میں مل سکے گا۔

کمرے سے نکل کر اس نے اس کے متعلق پوچھ گچھ شروع کی اس ویٹر کو تلاش کیا جو قاسم کو کمرے میں سرو کیا کرتا تھا۔

"وہ تنہا نہیں گئے جناب۔" ویٹر نے کہا۔

"کون تھا اس کے ساتھ۔" حمید نے حیرت سے پوچھا۔

"ان کا جاپانی دوست....!"

"جاپانی دوست....!" حمید کی حیرت میں اضافہ ہو گیا۔

"دیکھئے.... میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ چینی تھا یا جاپانی.... لیکن تھا انہیں دونوں میں سے۔ میں چینی یا جاپانی آدمیوں میں تمیز نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میری دانست میں ان

کے چہروں کی بناوٹ یکساں ہوتی ہے۔"

"مگر میں نے تو کبھی اس کے ساتھ کسی چینی یا جاپانی کو نہیں دیکھا۔" حمید نے کہا۔

"نہ دیکھا ہو گا! مگر وہ ان کے گہرے دوستوں میں سے معلوم ہوتا تھا۔"

"اوہو.... تم نے اس کا بھی اندازہ کر لیا تھا۔"

"جی ہاں.... وہ ان کے لئے بھنی ہوئی مسلم رانیں اور مرغ لایا کرتا تھا۔"

"ارے بھئی میں نے تو کبھی نہیں دیکھا۔" حمید کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔

"نہ دیکھا ہو گا۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔ "آپ اس وقت اپنے کمرے میں ہوتے ہوں گے وہ عموماً رات گئے آتا تھا۔"

حمید نے پلکیں جھپکائیں۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "کیا اُسے یہاں کافی خوراک نہیں ملتی تھی؟"

"جی نہیں! جب سے ہمیں یہ معلوم ہوا تھا کہ وہ دماغی فتور میں مبتلا ہیں ان کی خوراک کے معاملے میں محتاط ہو گئے تھے۔"

"یعنی اسے اس کی فرمائش سے کم دینے لگے تھے۔"

"یقیناً جناب۔"

حمید نے ایک طویل سانس لی۔ اس کی الجھن بڑھتی جا رہی تھی۔

"تم نے سب سے پہلے کب اسے اس کے ساتھ دیکھا تھا۔"

"ٹھہریئے.... مجھے سوچنے دیجئے.... جی ہاں.... مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ جب وہ ڈائننگ ہال میں بے ہوش ہوئے تھے اس سے پہلے بھی وہ ان کی میز پر نظر آیا تھا۔"

حمید اپنا سر ہلانے لگا۔ پھر بولا۔ "کیا وہ پہلے بھی یہاں آتا رہا ہے۔"

"آپ لوگوں کی آمد سے پہلے؟" ویٹر نے پوچھا۔

"ہاں....؟"

"میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے پہلے کبھی اسے یہاں دیکھا ہو۔"

سپروائزر بھی آ گیا تھا اور ان کی گفتگو بہت غور سے سن رہا تھا۔ حمید اس کی طرف مڑ کر بولا "میں جرم کی بو سونگھ رہا ہوں۔"

"کیا مطلب....!" سپروائزر اسے گھورنے لگا۔

"میرے ساتھی کا اغوا۔"

"تو کیا آپ بھی اسے عورت ہی سمجھتے ہیں۔" سپروائزر مسکرایا۔

"سنجیدگی سے غور کیجئے۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "میرا ساتھی ایک بے انتہا دولت مند آدمی ہے۔ لیکن زیادہ چالاک نہیں ہے۔ اس لئے میں اس کے اغوا کے امکانات پر غور کر رہا ہوں۔"

سپروائزر کچھ سوچنے لگا۔ پھر بولا۔ "دیکھئے جناب.... اگر یہ معاملہ ہے تو آپ کو انہی صاحب سے مناسب مدد مل سکتی ہے جن کی وساطت سے آپ نے یہاں قیام کیا تھا۔"

حمید نے پھر متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اپنے یہاں کے سفارتخانے کی وساطت سے یہاں ٹھہرا ہوگا۔

"کیوں؟ کیا وہ کوئی مقامی آدمی ہے۔" اس نے پوچھا۔

"آپ نہیں جانتے...." سپروائزر کے لہجے میں زیادہ حیرت تھی۔

"نہیں.... میں نہیں جانتا۔ میرے ایک دوست نے اطلاع دی تھی کہ یہاں ٹھہرنے کا انتظام کر دیا گیا ہے۔"

"آیئے.... میرے ساتھ آیئے۔ میں اس کا پتہ دوں گا۔"

وہ حمید کو اپنے دفتر میں لایا اور میز کی دراز میں کچھ دیر تک کاغذات الٹنے پلٹنے کے بعد ایک ملاقاتی کا کارڈ نکالا۔

"یہ لیجئے.... باہر کسی ٹیکسی والے کے سامنے صرف یہ نام دہرا دیجئے گا۔ وہ آپ کو وہاں پہنچا دے گا۔"

کارڈ پر "ڈان میگاٹرے" تحریر تھا۔

"مگر اس پر پتہ کہاں ہے!" حمید نے کہا۔

"آہا.... یہی سب کچھ ہے جناب۔ آپ کسی سے بھی ڈان میگاٹرے کے متعلق پوچھئے گا وہ آپ کو وہاں پہنچا دے گا۔"

حمید سوچنے لگا کہ آخر یہ ڈان میگاٹرے کون ہے جس کی وساطت سے وہ اس ہوٹل میں ٹھہرا تھا۔ کیا فریدی سے اس کے تعلقات براہِ راست تھے۔ لیکن اگر اس کے ایسے ہی تعلقات ہوتے تو

کم از کم اسے یقینی طور پر اس کی زیارت نصیب ہوئی ہوتی۔

حمید ہوٹل سے باہر آیا اور ایک ٹیکسی ڈرائیور کے ہاتھ پر وہ کارڈ رکھتا ہوا بولا۔ "اس کے یہاں پہنچا دو۔"

"بہت بہتر جناب۔ تشریف رکھئے۔" وہ حمید کو نیچے سے اوپر تک دیکھتا ہوا بولا۔

دیکھنے کا انداز ایسا ہی تھا کہ حمید کو اس کے متعلق بھی سوچنا پڑا.... لیکن وہ اسے کوئی معنی نہ پہنا سکا۔

ٹیکسی چل پڑی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ یہ ڈان میگاٹرے کوئی بہت ہی معزز اور مشہور آدمی معلوم ہوتا ہے۔

"دفعتاً ڈرائیور نے پوچھا آپ پردیسی ہیں شائد۔"

"ہاں میں مشرق سے آیا ہوں۔"

"ڈان میگاٹرے سے پرانی جان پہچان ہے۔"

"قطعی نہیں....!"

"مجھے حیرت ہے کہ پھر آپ وہاں کیوں جا رہے ہیں۔"

"حیرت کیوں ہے وہ یہاں کا مشہور آدمی ہے میں اسی قسم کا سیاح ہوں کہ ہر جگہ کے مشہور آدمیوں سے ضرور ملتا ہوں۔"

"آپ غلطی کر رہے ہیں جناب۔" ٹیکسی ڈرائیور نے ہمدردانہ لہجہ میں کہا۔ "کسی نے آپ کو ڈان میگاٹرے کے متعلق غلط اطلاعات دی ہیں۔"

"کیا مطلب.... میں نہیں سمجھا۔"

"اس کے یہاں ایسے اشخاص جاتے ہیں جنہیں کسی کو قتل کرانا ہوتا ہے.... یا پھر ایسے اشخاص جو بہت مالدار ہوتے ہیں۔ یعنی اگر وہ وقتی طور پر لٹ بھی جائیں تو انہیں زیادہ صدمہ نہ ہو اور ایسے اشخاص کو عموماً اس کے ایجنٹ ہی پھانس کر وہاں بھیجتے ہیں۔"

حمید سناٹے میں آ گیا۔ اس کی جیب میں کافی بڑی رقم موجود تھی پھر اسے کیا کرنا چاہئے۔ وہ سوچنے لگا۔

"اچھا پھر مجھے یہیں کہیں اتار دو۔" حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔ وہ ایک اجنبی دیس میں بہت

محتاط رہنا چاہتا تھا۔

ڈرائیور نے ایک جگہ ٹیکسی روکی اور حمید کرایہ ادا کر کے نیچے اتر گیا۔ وہ خود کو اس وقت اُلو نہیں اُلو کا پٹھا محسوس کر رہا تھا۔

قریب ہی ایک کیفے تھا اس میں جا کر بیٹھ گیا۔ کافی منگوائی اور سوچتا رہا۔ کافی ختم کرنے کے بعد وہ بل ادا کرنے کے لئے کاؤنٹر پر آیا۔

"میں آپ کو تھوڑی سی تکلیف دینا چاہتا ہوں جناب۔" اس نے کاؤنٹر کلرک سے کہا۔

"فرمایئے۔" کلرک نے خندہ پیشانی سے پوچھا۔

"مجھے ایک آدمی کے ٹیلی فون نمبر معلوم کرنے ہیں۔"

"ہاں.... ہاں بتایئے۔" کلرک نے ایک طرف رکھی ہوئی ٹیلی فون ڈائریکٹری اٹھاتے ہوئے کہا۔

"ڈان میگاٹرے۔"

"جی....!" کلرک چونک پڑا.... وہ حمید کو ایسے انداز میں دیکھتا رہا تھا جیسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا ہو۔

"جی ہاں.... ڈان میگاٹرے۔"

کلرک سر جھکا کر ڈائریکٹری کے اوراق الٹنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد اس نے حمید کو نمبر بتائے۔

حمید نے نوٹ بک میں نمبر نوٹ کرتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا۔

کچھ دیر بعد وہ پھر فٹ پاتھ پر تھا۔ اب کسی ٹیلی فون بوتھ کی تلاش تھی۔ وہ اسی کیفے ہی سے فون کر سکتا تھا مگر چونکہ اس کال کی نوعیت ہی دوسری تھی۔ اس لئے اُس نے مناسب نہیں سمجھا تھا۔

ایک راہ گیر نے ایک پبلک کال بوتھ تک اس کی رہنمائی کی۔ حمید نے بوتھ میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا اور نوٹ بک میں تحریر کئے ہوئے نمبر ڈائیل کئے۔

دوسری طرف سے فوراً ہی کال ریسیو کی گئی۔

"مجھے ڈان میگاٹرے سے ملنا ہے۔" حمید نے خالص انگریزی لہجے میں کہا۔ وہ ہوٹل بومینو کے سپروائزر کے لہجے کی نقل اتارنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ایک منٹ ٹھہرو....!" دوسری طرف سے آواز آئی پھر کچھ دیر خاموشی رہی اور اس کے بعد ہی حمید نے کسی کھٹکنے کتے کی غراہٹ سنی۔

"ہیلو.... ڈان میگاٹرے۔"

"میں بومینو کا سپروائزر بول رہا ہوں۔"

"بکو.... کیا ہے...." دوسری طرف سے کہا گیا۔

"آپ نے چند دن پہلے دو آدمی یہاں ٹھہرائے تھے۔"

"ہاں.... تو پھر....!"

"ان میں سے ایک غائب ہے.... اور دوسرا کہہ رہا ہے کہ اس کا اغوا ہوا ہے۔ دوسرا آدمی بے حد پریشان ہے۔"

"اوہ.... نطفہ حرام.... تم مجھے ایسی خبر سنا رہے ہو۔ کیا یہ چاہتے ہو کہ بومینو کھنڈر ہو جائے۔"

"ہم کیا کر سکتے ہیں جناب۔"

"جناب کے بچے.... دوسرے آدمی کو فوراً میرے پاس بھیج دو۔ بیس منٹ کے اندر اندر....!"

"بہت بہتر جناب۔" حمید نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

اب وہ مطمئن تھا۔ اسے یقین ہو چکا تھا کہ ٹیکسی ڈرائیور کے بیان کی روشنی میں بومینو کا سپروائزر ڈان میگاٹرے کا ایجنٹ نہیں ہو سکتا۔

اس نے پھر ایک ٹیکسی کی اور ڈرائیور کو صرف ڈان میگاٹرے کا نام بتایا۔ اس ڈرائیور نے بھی اسے حیرت سے ہی دیکھا۔ لیکن اب حمید مطمئن ہو گیا تھا۔ اس لئے اپنے انداز سے لاپروائی ظاہر کرتا رہا۔

ٹیکسی چل پڑی۔ اس ڈرائیور نے اس سے ڈان میگاٹرے کے متعلق کوئی گفتگو نہ کی۔ کچھ دیر بعد ٹیکسی رک گئی۔

"کہاں....؟" حمید نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ یہ ایک کشادہ اور پر رونق سڑک تھی جس پر دو رویہ دکانیں تھیں۔ کچھ ہوٹل تھے اور کچھ شراب خانے۔

"وہ....!" ڈرائیور نے ایک شراب خانے کی طرف اشارہ کیا۔

حمید چپ چاپ اُتر گیا۔ ڈرائیور کو کرایہ دیا اور شراب خانے میں گھس گیا۔ صدر دروازے کے قریب ہی دو آدمی شائد اس کے منتظر تھے۔

"ادھر آیئے جناب۔" ایک نے نہایت ادب سے کہا اور حمید بائیں جانب والے دروازے

میں مڑ گیا۔ یہ ایک طویل راہداری تھی۔ اس کی رہنمائی کرنے والا کچھ دور چل کر ایک بند دروازے کے سامنے رک گیا۔

"آپ دستک دے کر اندر جاسکتے ہیں جناب۔" اس نے آہستہ سے کہا اور الٹے پاؤں واپس ہو گیا۔ حمید نے آہستہ آہستہ دروازے پر دستک دی۔

"آجاؤ....!" اندر سے غراہٹ سنائی دی۔

حمید دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ اس کے سامنے ایک لحیم شحیم بوڑھا کھڑا تھا جس کے قویٰ ضعیفی کا شکار نہیں ہوئے تھے۔ البتہ چڑھی ہوئی گھنی مونچھیں بے داغ سفید تھیں اور سر بالکل صاف تھا۔ آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔

"بیٹھ جاؤ....!" بوڑھے نے نرم لہجے میں کہا۔ اب اس کی آواز میں غراہٹ نہیں تھی۔ حمید بیٹھ گیا۔

"کیا قصہ ہے۔" اس نے پوچھا۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہم دونوں آپ ہی کی وساطت سے بومینو میں ٹھہرے تھے۔"

"ہاں.... یہ درست ہے۔ مجھے لندن سے کرنل فریدی کا تار ملا تھا...."

"میں ان کا اسسٹنٹ کیپٹن حمید ہوں۔"

"اچھا.... مگر بات کیا ہوئی۔"

حمید نے قاسم کا قصہ شروع سے آخر تک دہراتے ہوئے کہا۔ "اب تک ویٹر کسی چینی یا جاپانی آدمی کی کہانی سنا رہا تھا۔"

"وہ کیا ہے۔" ڈان میگاٹرے نے پوچھا۔

حمید ویٹر کا بیان دہرانے لگا۔ ڈان میگاٹرے تشویش کن انداز میں سنتا رہا اور حمید کے خاموش ہو جانے پر بولا۔ "اُسے یقین نہیں ہے کہ وہ کوئی چینی ہی تھا۔"

"وہ چینی اور جاپانی میں تمیز نہیں کر سکتا۔"

"میرے خیال سے وہ کوئی چینی ہی ہو گا۔" ڈان میگاٹرے نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "یہاں بدمعاش قسم کے چینیوں کی کمی نہیں ہے۔ مگر آپ کا وہ ساتھی....!"

"وہ بہت دولت مند آدمی ہے.... اس نے اس سیاحت کے لئے ایک بہت بڑی رقم الائیڈ

بنک میں منتقل کی تھی۔"

"آہا.... تب تو یہ اغوا ہی ہو سکتا ہے۔ میں ان چینیوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کے دوست کی بیہوشی کسی دوا کے استعمال ہی کا نتیجہ رہی ہو۔ ان چینی کتوں کے پاس ایسی حیرت انگیز دوائیں ہوتی ہیں جو شیطان کی سمجھ میں بھی نہ آسکیں۔"

"پھر بتایئے میں کیا کروں۔"

"میں یہاں کے مشتبہ چال چلن والے چینیوں کو پکڑواؤں گا۔ آپ بے فکر رہئے۔ اگر آپ کا دوست میڈرڈ ہی میں ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اُسے میری نظروں سے نہیں چھپا سکے گی۔"

"میں بے حد مشکور ہوں گا۔"

ڈان میگاٹرے کچھ نہ بولا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی سے اس کے تعلقات کس قسم کے ہیں۔

ڈان میگاٹرے نے میز پر رکھی ہوئی برقی گھنٹی کا بٹن دبایا اور کچھ دیر بعد ایک آدمی اندر داخل ہوا۔ یہ بھی صورت سے کوئی شریف آدمی معلوم نہیں ہوتا تھا۔

"تن لین سے کہو کہ میگاٹرے اُسے اور اس کے تمام آدمیوں کو اپنے باغ میں طلب کرتا ہے۔ چار بجے شام تک سبھوں کو وہاں پہنچ جانا چاہئے۔ اگر اس کا ایک آدمی بھی غیر حاضر ہوا تو ایک چینی بھی میڈرڈ میں نہ دکھائی دے گا۔"

آنے والے نے حمید پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور بولا۔ "بہت بہتر جناب۔"

"جاؤ....!"

"وہ کسی پالتو کتے کی طرح واپس گیا۔"

"تم کیا پیو گے۔" ڈان میگاٹرے نے حمید سے پوچھا۔

"فی الحال کچھ نہیں۔ لیکن اگر آپ کی مراد شراب سے ہے تو میں شراب پیتا ہی نہیں ہوں۔"

"کرنل فریدی ہی کے اسسٹنٹ ہو۔" ڈان میگاٹرے مسکرایا۔ "وہ بھلا تمہیں کیوں شراب پینے دے گا۔"

"آپ کرنل کو کب سے جانتے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"بہت دنوں سے.... جب وہ صرف اٹھارہ سال کا تھا۔" حمید کو حیرت زدہ دیکھ کر وہ پھر مسکرایا۔

"ہاں مجھے اس کا فخر حاصل ہے کہ بیسویں صدی کے حیرت انگیز آدمی سے بہت دنوں سے

واقف ہوں۔ اس وقت سے جانتا ہوں جب اس کے مستقبل کے لئے صرف پیشین گوئیاں ہی کی جاسکتی تھیں۔ میں نے بھی ایک پیشین گوئی کی تھی جو حرف بحرف صحیح نکلی ہے۔ میں نے کہا تھا کہ ایک دن وہ ایک ناقابل فہم آدمی کہلائے گا۔ شاید تمہیں یہ سن کر حیرت ہو کہ وہ میرا محسن بھی ہے۔ اس نے ایک بار اپنی زندگی خطرے میں ڈال کر میری جان بچائی تھی۔ یہ اسی زمانے کی بات ہے جب وہ اٹھارہ سال کا تھا۔ لندن میں زیر تعلیم تھا.... ہوا یہ کہ میں ایک رات پیکاڈلی کے ایک شراب خانے میں پی رہا تھا۔ اچانک وہاں آگ لگ گئی۔ شراب خانے کی آگ کا کیا پوچھنا۔ بس اُسے بارود خانہ ہی سمجھ لو.... ہم چاروں طرف شعلوں میں گھر گئے۔ آگ آناً فاناً پھیلی تھی۔ میں نہ جانے کس طرح اوپری منزل کے زینوں تک پہنچ گیا تھا۔ بدحواسی میں اوپر چڑھتا چلا گیا۔ لیکن پھر غلطی کا احساس ہوا۔ لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ واپسی ناممکن تھی کیونکہ زینے بھی آگ کی لپیٹ میں آچکے تھے۔

شراب خانے کے اوپر رہائشی فلیٹ تھے۔ میں نے وہاں عورتوں اور بچوں کو بلبلاتے دیکھا۔ باہر نکلنے کے سارے راستے مسدود ہو چکے تھے اور پھر میں خود بھی انہیں عورتوں اور بچوں کی طرح چیخنے چلانے لگا.... مجھے اس وقت اس کا اعتراف کرتے ہوئے بے حد شرم آرہی ہے کہ میں بہت بُری طرح خائف ہو گیا تھا۔

نیچے فائر بریگیڈ آگیا تھا۔ پانی کی دھاریں دیواروں اور جلتی ہوئی کھڑکیوں پر پڑ رہی تھیں۔ لیکن کسی میں بھی اتنی ہمت نہیں تھی کہ اوپر آسکتا۔ نیچے ایک بہت بڑا جال تان دیا گیا تھا اور برابر ہدایت کی جارہی تھی کہ اوپر والے نیچے کودنا شروع کردیں۔ مگر اس پر بھی کوئی تیار نظر نہیں آتا تھا۔ خود مجھ سے بھی یہ نہ ہو سکا۔ بات دراصل یہ تھی کہ جال ہمیں نظر نہیں آرہا تھا۔

اچانک ایک آدمی نے مجھے نیچے دھکیل دیا اور میرے حلق سے ایک طویل چیخ نکلی مگر میں جال پر گر کر خلاء میں جھول رہا تھا۔ مجھے جال پر سے الگ ہٹا لیا گیا اور پھر عورتوں اور بچوں کو نیچے پھینکا جانے لگا۔

یہ فریدی ہی تھا کہ جس نے پائپ کے سہارے اوپر چڑھنے کی ہمت کی تھی اور وہی عورتوں اور بچوں کو اٹھا اٹھا کر نیچے پھینک رہا تھا۔ اسی نے مجھے جال پر گرایا تھا اور سب سے آخیر میں جب وہ کودا تو اس کے کپڑوں میں آگ لگ چکی تھی۔ وہ بُری طرح جھلس چکا تھا۔"

"کرنل نے آج تک مجھے نہیں بتایا کہ کبھی انہیں ایسا کوئی واقعہ پیش آیا تھا۔" حمید نے کہا۔

"کرنل تجھے کیا کیا بتائے گا۔ اس کی ساری زندگی ہی ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے...." ڈان میگاٹرے طویل سانس لے کر بولا۔

حمید تین بجے تک ڈان میگاٹرے کے شراب خانے ہی میں رہا۔ پھر وہ اسے ساتھ لے کر اس مقام کے لئے روانہ ہو گیا جہاں اس کے بیان کے مطابق مشتبہ چینی اکٹھا کئے گئے۔

یہ ایک خوشنما اور طویل و عریض باغ تھا۔ جس کے وسط میں بھی ایک شراب خانہ تھا۔ حمید نے لان پر بیٹھے ہوئے چینیوں کا شمار کیا۔ یہ تعداد میں باسٹھ تھے۔ ان میں سے ایک آدمی اٹھ کر ڈان میگاٹرے کے قریب آگیا۔ حمید نے محسوس کیا وہ سب میگاٹرے کو خوف اور نفرت سے دیکھ رہے ہیں۔

"کیوں تن لین....!" میگاٹرے نے خشک لہجے میں پوچھا۔ "اچھے تو ہو۔"

"ہاں سی نیول! بہت اچھا مگر آخر ہمیں کیوں یہاں طلب کیا گیا ہے۔"

"تھوڑی دیر ٹھہرو۔" ڈان میگاٹرے ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "مجھے ایک آدمی کا انتظار ہے۔"

"میں سمجھتا ہوں سی نیول.... کسی نے آپ کو ہمارے خلاف ورغلایا ہے۔"

"بس اتنی دیر خاموش رہو جب تک کہ وہ آدمی نہ آجائے۔"

حمید نے سوچا آخر کس آدمی کا انتظار ہے.... لیکن اس نے ڈان میگاٹرے سے نہیں پوچھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد اس آدمی سے واقف ہو گیا۔ آنے والا بومینو کا ویٹر تھا جس نے قاسم کے متعلق معلومات بہم پہنچائی تھیں۔

سارے چینی ایک لائن میں کھڑے کردیئے گئے اور ویٹر سے بات چیت کرنے کو کہا گیا۔ اس نے باری باری سے ہر ایک کو بغور دیکھا اور مایوسانہ انداز میں سر ہلاتا ہوا بولا۔ "ان میں کوئی بھی نہیں ہے۔"

"آخر مجھے بھی تو کچھ بتاؤ.... سی نیول۔" تن لین آگے بڑھ کر بولا۔

تب ڈان میگاٹرے نے غصلی آواز میں پوری کہانی دہرائی۔

"اوہو.... ٹھہرو سی نیول" تن لین معنی خیز انداز میں اپنی آنکھوں کو گردش دیتا ہوا بولا۔ "اس بات کے لئے ان سبھوں کو ناحق تکلیف دی۔ یہ تو مجھ سے ہی پوچھ لیا ہوتا۔ یہ بیچارے کیا

جانیں.... لیکن میں بھی بے قصور ہوں۔ مجھے حالات کا علم نہیں تھا ورنہ ایسا کبھی نہ ہونے پاتا۔"

"کیا بات ہے۔"

"آج تک ایک آدمی میرے پاس مقیم تھا۔ وہ سنگاپور سے آیا تھا اور میرا ہم وطن ہی تھا۔ وہ دو تین دنوں سے بھنی ہوئی رانیں اور مرغ مسلم کہیں لے جایا کرتا تھا۔ آج دوپہر کو اس کے ساتھ ایک بہت لمبا چوڑا آدمی بھی تھا۔ اس کے ساتھ وہ میرے گھر پر آیا اور اپنا سامان لے کر کہیں اور چلا گیا۔"

"سامان لے کر کہیں اور چلا گیا۔"

"اوہ.... مگر کہاں چلا گیا۔"

"افسوس کہ اس نے یہ نہیں بتایا۔ میں تو گھر پر موجود نہیں تھا۔ مجھے یہ بات اپنے نوکر سے معلوم ہوئی۔"

"اس کا نام کیا ہے۔"

"روچن گی! وہ سنگاپور سے آیا تھا اور امریکہ جانے کا ارادہ رکھتا تھا!"

غیر متوقع حملہ

وہ سب سناٹے میں آگئے تھے اور عمران احمقانہ انداز میں پلکیں جھپکا رہا تھا.... دفعتاً اوبران نے ریوالور نکال کر اس کا رخ عمران کی طرف کر دیا.... لیکن عمران کے چہرے پر حماقت ہی کے آثار نظر آتے رہے۔

"ہنٹر.... اس کی جیب سے ریوالور نکال لو۔" اوبران نے کہا۔

ہنٹر نے اٹھ کر عمران کی جیبیں ٹٹولیں اور ریوالور نکال لیا۔

"اب یہ دیکھنا ہے مسٹر جگلر کہ تم کون ہو۔" اوبران نے تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"تم مسٹر علی عمران کی توہین کر رہے ہو مسٹر ڈپٹی چیف۔" صفدر غرایا۔

"تم بھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کرنا.... ہنٹر اس کی بھی تلاشی کر لو۔"

"تب تو ہم سبھی مشتبہ ہیں۔" کیلی نے غصیلی آواز میں کہا۔

"نہیں محترمہ! مجھے اطمینان کر لینے دیجئے اس کے بعد میں ان دونوں سے معافی مانگ لوں گا۔"

"ضرور ضرور....!" عمران خوش ہو کر بولا۔ "معاف کر دوں گا۔"

اس کے دو ریوالوروں کی چھاؤں میں ان کے چہروں پر کئی قسم کے لوشن آزمائے گئے لیکن وہاں میک اپ تو تھا نہیں۔

"اب دانت بھی صاف کرا دو۔" عمران نے ہنٹر سے کہا۔ "ویسے میری رنگت اس وقت اتنی نکھر آئی ہے کہ چھ ماہ تک منہ نہ دھوؤں تب بھی لوگ مجھے گلفام ہی سمجھیں گے۔"

"میں پہلے ہی جانتی تھی کہ آپ لوگ اپنا وقت برباد کر رہے ہیں۔" کیلی نے کہا۔

"میں آپ حضرات سے معافی چاہتا ہوں۔" اوبران بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"میں معاف کر دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔" عمران نے صفدر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کیا خیال ہے۔" مگر صفدر غصے میں بُرا سا منہ بنائے رہا۔

"اب ہمیں پھر اصل موضوع کی طرف آجانا چاہئے۔" اوبران نے کہا۔

"میرا ریوالور واپس کر دینے کے بعد۔" عمران سر ہلا کر بولا۔

ان دونوں کے ریوالور واپس کر دیئے گئے۔

"اب مجھے اس سیال کے متعلق بتایئے جس میں آپ نے اسفنج ڈالا تھا۔" اوبران نے کہا۔

"یہ ایک قطعی غیر متعلق سوال ہے۔" صفدر نے کہا۔ "اس کا جواب ہم نہیں دے سکتے۔ بہرحال عمران صاحب نے جو کچھ کہا تھا اُسے ثابت کر دیا۔"

"آپ اس کے استعمال سے کیسے واقف ہوئے تھے۔"

"یہ سوال بھی غیر متعلق ہے! ہم یہاں صرف اس لئے اکٹھا ہوئے ہیں کہ زیرو لینڈ کو تلاش کریں۔" صفدر نے جواب دیا۔ عمران تو اب خاموش ہو گیا تھا۔

"پھر بھی.... اگر ہم دوستانہ طور پر بعض تذکرے چھیڑیں۔" ہنٹر نے کہا۔

"غالباً آپ لوگ خفا ہو گئے ہیں۔" ہنٹر مسکرایا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ لیکن ہم اپنے اصولوں سے نہیں ہٹ سکتے۔" صفدر نے گلاس کا سیال ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔

"خیر آپ کی مرضی۔" اوبران نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی۔

"کیا وہ لاش کسی کی نگرانی میں ہے۔" عمران نے پوچھا۔

"ہاں....!" مختصر سا جواب تھا۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر اوبران بولا۔ "یہ لوگ جو کسی زیرولینڈ سے متعلق بیان کئے جاتے ہیں ان کے پاس سے ایسی ہی حیرت انگیز چیزیں برآمد ہوتی رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آزاد دنیا اس نام کو تشویش کی نظروں سے دیکھتی ہے۔" اُس نے خاموش ہو کر کراموئیل اور کیلی کی طرف دیکھا۔

"یہ بہت بڑی زیادتی ہے۔" کیلی نے کہا۔ "ابھی آپ دو شریف آدمیوں سے اس قسم کا برتاؤ کر چکے ہیں اس لئے کم از کم میں تو یہی چاہتی ہوں کہ آپ میری طرف سے مطمئن ہو جائیے۔"

"ہاں یہ مناسب ہے۔" کراموئیل بڑبڑایا۔

"قطعی غیر مناسب ہے۔" عمران بول پڑا۔

"کیوں....؟" کیلی اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی۔

"دنیا کے ہر ملک میں غیر ملک کے جاسوس ہوتے ہیں۔ انہیں پہچاننا آسان کام نہیں ہے کیونکہ وہ میک اپ میں رہتے ہیں۔ اکثر وہ اہم ترین محکموں میں بھی اہم ترین جگہیں حاصل کر لیتے ہیں پھر کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ سیکرٹ سروس میں بھی گھس آئیں۔ مطلب یہ کہ میں میک اپ میں نہ ہونے کے باوجود بھی زیرولینڈ کا جاسوس ہو سکتا ہوں۔ ہو سکتا ہے میرے متعلق میرے ہی ملک کی سیکرٹ سروس نے دھوکا کھایا ہو۔"

عمران خاموش ہو گیا اور وہ لوگ بھی کچھ نہ بولے۔

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں....!" اوبران نے پوچھا۔

"ہمیں بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ہم ایک دوسرے پر کڑی نظر رکھیں۔ قطعی اعتماد نہ کریں کسی پر! اب میں کیا بتاؤں کہ آپ لوگ مشاعرہ پسند نہیں ہیں ورنہ اس سلسلے میں آپ کو ایک غزل بھی سناتا۔"

"غزل کیا....!" ہنٹر نے پوچھا۔

"افسوس کہ انگریزی میں غزل کا ترجمہ نہیں کیا جا سکتا۔"

"پھر ہم کیسے سمجھیں کہ آپ نے کیا کہا ہے۔"

"دیکھئے غزل ہے.... یعنی کہ یوں۔" عمران نے گنگنا کر شعر پڑھا۔

یا الٰہی مٹ نہ جائے دردِ دل
مٹنے والوں کو مٹائے دردِ دل

"سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" اوبران نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"پھر بہکنے لگے آپ عمران صاحب۔" صفدر نے اُسے ٹوکا۔

"اوہاں.... میں یہ کہہ رہا تھا کہ زیرولینڈ کو ہم تلاش کہاں کریں گے۔" عمران نے کہا۔

"اس سے پہلے ہم اس سنہرے ٹرانسمیٹر پر غور کریں گے۔" اوبران کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "وہ یقیناً کسی آدمی ہی کی زبان تھی۔ لیکن کیا آپ میں سے کوئی اسے سمجھ سکا تھا۔"

عمران کے علاوہ ہر ایک نے نفی میں سر کو جنبش دی۔

"کیا آپ سمجھے تھے؟" اوبران نے اسے پوچھا۔

"اگر سمجھ سکا ہوتا تو اب تک زیرولینڈ میں اُلو بولنے لگے ہوتے۔" عمران نے کہا۔ "سب سے بڑی دشواری یہی ہے کہ ابھی تک مجھے کوئی ایسا آدمی نہیں مل سکا جو اس زبان کو سمجھنے کا دعویٰ کر سکتا۔ میں پھر پوچھتا ہوں کیا آلڈس کی لاش محفوظ ہے۔"

"جی ہاں.... محفوظ ہے۔" اوبران نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "پتہ نہیں کیوں آپ غیر متعلق گفتگو شروع کر دیتے ہیں۔"

"میں اپنے ملک میں اس کا ماہر سمجھا جاتا ہوں۔ ویسے میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ اس مکان سے نکلئے اور جدھر سینگ سمائیں دوڑنا شروع کر دیجئے۔ آلڈس تنہا نہ رہا ہوگا۔ اگر اس مکان پر بم گرا تو اس ویرانے میں کوئی افسوس کرنے والا بھی نہ ملے گا۔"

وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"ٹھیک ہے.... بالکل ٹھیک ہے۔" کیلی بھی چھلانگ مار کر عمران کے برابر پہنچ گئی۔

لیکن ٹھیک اسی وقت ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ اُس کے ہاتھ میں ٹامی گن تھی اور وہ سر سے پیر تک سیاہ پوش تھا۔

"بہت دیر میں ہوش آیا تمہیں۔" اس نے قہقہہ لگایا۔ پھر وہ قہقہہ بتدریج غراہٹ میں تبدیل ہوتا چلا گیا۔

"لاؤ.... سنہرے اسفنج کے دونوں ٹکڑے میرے حوالے کردو۔"

"کیا تمہیں گانا آتا ہے۔" عمران نے کیلی سے پوچھا۔

"کیا مطلب....!" کیلی کی آواز کانپ رہی تھی۔

"تم دیکھ رہی ہو کہ اس شریف آدمی کے ہاتھ میں ٹامی گن ہے۔ اگر فی کس پانچ گولیوں کے حساب سے بھی رکھ لو تو ہمیں بینگن کے بھرتے کا مزہ آسکتا ہے۔"

ایک آدمی اور اندر آیا۔ یہ بھی سیاہ لباس میں تھا اور اس کے چہرے پر بھی سیاہ نقاب تھی۔ اس نے میز پر پڑا ہوا سنہرا اسفنج اٹھالیا۔

"دوسرا ٹکڑا نکالو....!" ٹامی گن والا غرایا۔

"ہم کسی دوسرے کے وجود سے واقف نہیں ہیں۔" اوبران نے پرسکون لہجے میں کہا۔

دفعتاً دوسرے آدمی نے ان کے چہروں کا جائزہ لیتے ہوئے عمران کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"یہی آدمی ہوسکتا ہے۔"

"شکریہ۔" عمران بڑی سعادت مندی سے بولا۔

"بکواس مت کرو۔ اسفنج نکالو۔" ٹامی گن والا دہاڑا۔

"ارے تم خواہ مخواہ میرے پیچھے کیوں پڑگئے ہو۔" عمران بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "میں کیا جانوں۔"

"تم سے زیادہ کون جانے گا اگر تم وہی بے وقوف آدمی ہو۔"

"تم خود بیوقوف آدمی.... ابے زبان سنبھال کر۔ ورنہ میں یہیں اسی جگہ خودکشی کرلوں گا۔"

دفعتاً ٹامی گن والے نے دوسرے نقاب پوش سے کہا۔ "تم ان لوگوں کو باہر نکال لے جاؤ۔ میں اس سے سمجھ لوں گا۔"

مگر عمران کی سمجھ میں نہ آسکا کہ وہ اس سے سمجھنے کے لئے تنہائی کیوں چاہتا ہے۔

دوسرا آدمی بقیہ لوگوں کو ریوالور دکھا کر باہر نکال لے گیا۔

"بیٹھ جاؤ۔" نقاب پوش نے ٹامی گن کی جنبش سے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ "چلو بیٹھ بھی گیا۔" عمران بیٹھتا ہوا بولا۔

"کیا تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ زیرولینڈ تک پہنچ جاؤ گے۔" اس نے غرا کر کہا۔

"ہم سمجھیں نہ سمجھیں تم یہی سمجھتے ہو۔" عمران مسکرا کر بولا۔

"بکواس ہے.... ہمیں ایسی مہمات کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں۔"

"پھر کیوں ہمارے پیچھے دوڑتے پھر رہے ہو۔"

"اسفنج! صرف یہی دو ٹکڑے جو غلط ہاتھوں میں پہنچ گئے ہیں۔ لاؤ نکالو میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

"وہ میں اپنے ساتھ نہیں لایا۔" عمران نے کہا۔

"تم مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔ اگر نہ لائے ہوتے تو تمہارے پاس یہ محلول بھی نہ ہوتا جس کے سہارے تم نے انہیں اپنا کرتب دکھا کر مرعوب کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"تو وہ ٹرانسمیٹر ہی ہے۔" عمران نے اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے پوچھا۔

"اب بھی اس میں کوئی شبہ باقی رہ گیا ہے؟"

"مگر یار وہ زبان کون سی ہے۔ کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آئی۔"

"تمہارے فرشتے بھی سمجھ نہ سکیں گے۔" نقاب پوش مسکرایا۔

وہ اس کے قریب ہی کھڑا تھا اور ٹامی گن کا رخ اس کی طرف تھا۔

"اچھی بات ہے۔" عمران نے ایک طویل سانس لی۔ "میں ایک شرط پر وہ اسفنج تمہارے حوالے کرسکتا ہوں۔"

اس نے چاروں طرف دیکھ کر یہ جملہ آہستہ سے کہا تھا۔ گویا وہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ گفتگو کسی اور کے کان میں بھی پڑ سکے۔

"کیا مطلب....!"

"مجھے ان لوگوں یا ان کی اسکیموں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں تو صرف ایک عورت کی تلاش میں ہوں جس کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا۔"

"کون عورت۔"

"وہی جس نے ڈاکٹر داور[1] کو چوٹ دی تھی۔"

"میں نہیں جانتا کہ تم کس عورت کا تذکرہ کر رہے ہو۔" اس نے کہا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے وہ سب کچھ جان گیا۔ کیونکہ عمران نے اسے غافل پاکر اس کے پیٹ پر ایک زوردار لات رسید کی

---

[1] اس داستان کے لئے عمران سیریز کا جوبلی نمبر "پیاسا سمندر" ملاحظہ فرمائیے۔

تھی۔ وہ غیر متوقع حملے کے لئے تیار نہیں تھا۔ لہٰذا سنبھل نہ سکا۔ پھر عمران نے اس کے زمین پر گرنے سے پہلے ہی اس کے ٹامی گن والے ہاتھ پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔ ٹامی گن اچھل کر دور جا پڑی تھی۔ اب عمران اس پر اس طرح سوار تھا کہ ایک ہاتھ سے اس کا منہ دبا رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ سے اس کی گردن پر زور آزمائی کر رہا تھا۔

جلد ہی اس کا شکار بے حس و حرکت ہو گیا۔ لیکن عمران کو یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ یہ بے حسی دائمی بن گئی تھی۔ یعنی وہ دم گھٹنے کی وجہ سے ختم ہو چکا تھا۔ ویسے عمران نے اس کی گردن اسی حد تک دبائی تھی کہ وہ صرف بے ہوش ہو جائے۔ اس نے بڑی تیزی سے اس کے کپڑے اتار کر پہنے اور چہرے پر نقاب لگائی پھر ٹامی گن سنبھالتا ہوا باہر نکلا۔ وہ لنگڑاتا ہوا آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ باہر تھوڑے ہی فاصلے پر دوسرا نقاب پوش موجود تھا اور اس نے کانفرنس کے دوسرے شرکاء کو ریوالور سے روک رکھا تھا۔

دفعتاً عمران پر کھانسیوں کا دورہ پڑ گیا اور اس نے کھانسیوں ہی کے دوران دوسرے نقاب پوش سے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "انہیں لے چلو! کام ہو گیا ہے.... میں نے اسے مار ڈالا ہے۔ میں زخمی بھی ہوں۔ وہ جھپٹ پڑا تھا۔ مگر ٹھہرو.... ان کی تلاشی لے لو۔"

وہ انہیں ٹامی گن سے کور کر کے کھڑا ہو گیا اور دوسرا نقاب پوش ان کی جامہ تلاشی لینے لگا۔

"تم ہمیں کہاں لے جاؤ گے۔" اوبران نے مردہ سی آواز میں پوچھا۔

"جہنم میں۔" عمران نے کھانستے ہوئے جواب دیا۔ اس کی ان کھانسیوں نے بھرم رکھ لیا تھا۔ ورنہ دوسرا نقاب پوش آواز کی تبدیلی کی بناء پر ہوشیار ہو جاتا۔ عمران کا خیال تھا کہ ان لوگوں کا اڈہ یقینی طور پر قریب ہی کہیں ہو گا۔ اسی لئے اس نے یہ چال چلی تھی۔

اس کا خیال غلط نہیں نکلا۔ دوسرا نقاب پوش انہیں نہتا کر کے ایک جانب دھکیلنے لگا۔

"لے چلو.... لے چلو۔" عمران کھانستا ہوا بولا۔ "میں بہت زیادہ زخمی ہو گیا ہوں۔ میری رفتار کی پرواہ نہ کرو۔"

وہ انگریزی کے سے لہجے میں گفتگو کر رہا تھا۔ کیونکہ اس نے ان دونوں کے متعلق پہلے ہی اندازہ کر لیا تھا کہ وہ انگریز ہیں۔

یہ قافلہ اندھیرے میں ایک طرف چل پڑا۔

فریدی کی آمد

تن لین سے ملی ہوئی اطلاع حمید کے لئے قطعی بے سروپا تھی۔ روچن گی سنگاپور سے آیا تھا۔ امریکہ جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ درمیان میں قاسم کے اغوا کی بات آ پڑی مگر بات کیا ہوئی؟

آخر اس اغوا کا مقصد کیا تھا؟ اغوا سے پہلے وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا تھا.... یہی نہیں بلکہ اپنی جنس تک کا احساس نہیں رہ گیا تھا اور اس ذہنی حادثے سے کچھ دیر پہلے وہی چینی اس کی میز پر دیکھا گیا تھا جو بعد میں اسے ہوٹل ہی سے اڑا لے گیا تھا۔

"روچن گی.... کون تھا؟ کیا چاہتا تھا؟"

ڈان میگاٹرے نے تن لین کو اس سلسلے میں بہت کچھ ہلایا جلایا۔ لیکن وہ اس سے زیادہ نہیں بتا سکا جتنا پہلے بتا چکا تھا۔

روچن گی اس کے بیان کے مطابق سنگاپور سے آیا تھا اور سنگاپور ہی سے اس کے نام ایک تعارفی خط لایا تھا۔ وہ خط چونکہ تن لین کے ایک قریبی دوست کا تھا اس لئے اس نے روچن گی کو اپنے یہاں ٹھہرنے کی اجازت دے دی تھی۔ اس نے بتایا کہ اگر اسے شبہ بھی ہو جاتا کہ وہ کسی جرم کی نیت سے آیا تھا تو وہ اسے کبھی اپنے گھر میں جگہ نہ دیتا۔

حمید نے ڈان میگاٹرے کی آنکھوں میں بے اعتباری پڑھ لی تھی۔ اس نے اسے کہتے سنا۔

"اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو نو بجے رات تک اس سور کے بچے کو پیدا کرو۔"

"اگر اس نے کوئی جرم ہی کیا ہے تو ہاتھ کیوں آنے لگا سی نیول!" تن لین مردہ سی آواز میں بولا۔

"میں بکواس نہیں سننا چاہتا۔" ڈان میگاٹرے نے گرج کر کہا۔

"وہ آدمی میرا مہمان تھا جسے وہ اپنے ساتھ لے گیا ہے.... میں تم میں سے ہر ایک کی چمڑی ادھیڑ دوں گا۔"

"میں دیکھوں گا سی نیول مگر ہم بے قصور ہیں۔"

اس کے بعد ڈان میگاٹرے کے اشارے پر چینیوں کی بھیڑ وہاں سے کھسکنے لگی۔

حمید پھر ڈان میگاٹرے کے شراب خانے میں واپس آ گیا اور پھر جیسے ہی میگاٹرے کے آفس

میں پہنچا کسی ایسے ننھے سے بچے کی طرح خوش نظر آنے لگا جو اپنی بچھڑی ہوئی ماں سے غیر متوقع طور پر جاملا ہو۔

کرنل فریدی ڈان میگاٹرے کے آفس میں ان کی واپسی کا منتظر تھا۔

ڈان میگاٹرے بڑی گرم جوشی کے ساتھ اس سے بغل گیر ہوا۔ پھر بولا۔ "کرنل مجھے بے حد افسوس ہے کہ میرے مہمانوں کو تکلیف پہنچی۔"

"کیسی تکلیف.... میں نہیں سمجھا۔"

فریدی کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ حالات سے لاعلم ہو۔ قاسم کا واقعہ اس نے بڑی حیرت سے سنا۔

"اوہو....!" حمید بوکھلا کر بولا۔ "میں نے بڑے لمبے چوڑے تار کے ذریعے آپ کو مطلع کیا تھا۔"

"مجھے تمہارا کوئی تار نہیں ملا۔ میں نے تمہیں اپنے لندن کے پتہ سے مطلع کیا تھا۔ پھر تمہیں ایک تار دیا تھا کہ تم لوگ واپس جاؤ اور روانگی سے مجھے مطلع کرو۔ لیکن تمہاری طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی۔ اس سلسلے میں میں نے پے در پے تین تار دیئے.... لیکن جواب ندارد.... مجبوراً مجھے ہی آنا پڑا۔"

حمید اپنا سر سہلانے کے علاوہ اور کیا کر سکتا تھا۔ گویا یہ سب کچھ اسی قاسم کے لئے ہوا تھا۔ اُسے اغوا کرنے والوں نے باقاعدہ طور پر ایک جال بچھایا تھا۔ نہ فریدی کے تار اس تک پہنچنے دیئے اور نہ اس کے تار فریدی تک.... مگر مقصد کیا تھا۔ آخر فریدی ہی کیوں اسے ساتھ لایا تھا۔

اسے جہاز والی لاسلکی کال بھی یاد آئی۔ آخر انہیں لندن پہنچنے سے کیوں باز رکھا تھا؟ اس کے بجائے میڈرڈ کا قیام کیا معنے رکھتا تھا۔ اس نے فریدی کی پیشانی پر بھی شکنیں دیکھیں۔

"کیوں کرنل یہ کیا قصہ ہے آخر....؟" ڈان میگاٹرے نے پوچھا۔

"کچھ نہیں.... ہم نے یورپ کی سیاحت کا پروگرام بنایا تھا۔ میں کچھ دن پہلے لندن روانہ ہو گیا تھا۔ وہاں بنکوں میں کرنسی منتقل کرانی تھی۔ توقع تھی کہ کافی زرمبادلہ مل سکے گا۔ لیکن پھر اس میں دشواری پیش آئی۔ مجبوراً ان دونوں کا سفر راستے ہی میں رکوا دینا پڑا.... امید تھی کہ شاید کام ہو جائے۔ اس لئے انہیں دو چار دن میڈرڈ ہی میں رکنے کو کہا۔ خیال تھا کہ اگر ضرورت کے

مطابق کرنسی مل گئی تو انہیں بھی لندن بلوالوں گا۔ اس کے برعکس ہوا تو میڈرڈ ہی سے یہ لوگ واپس چلے جائیں گے.... لیکن یہ واقعہ ہو گیا۔ حالانکہ کام نہ ہونے کی بناء پر میں نے ان دونوں کو اطلاع دی تھی کہ یہ واپس چلے جائیں لیکن انہیں یہ تار ہی نہ مل سکا۔"

ڈان میگاٹرے تھوڑی دیر تک افسوس ظاہر کرتا رہا پھر بولا۔ "کیپٹن کا خیال ہے کہ وہ لوگ اس سے لمبی رقومات اینٹھیں گے۔"

"ہاں.... حالات ایسے ہی ہیں کہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سوچا جا سکتا۔" فریدی نے کہا۔

"مگر اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ لوگ پہلے ہی سے تاک میں تھے۔"

"یقیناً....!" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے سر ہلایا۔

"میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھوں گا۔ کرنل مجھے بے حد شرمندگی ہے۔" ڈان میگاٹرے نے کہا۔ "تم نے خود ہی ہوٹل بومینو کا حوالہ دیا تھا ورنہ میں انہیں اپنے ساتھ ہی رکھتا۔"

"میری دانست میں کسی قسم کی سازش کا امکان ہی نہیں تھا.... ورنہ میں خود ہی محتاط ہو جاتا۔"

"میں نے یہاں کے ایک بدمعاش چینی تن لین کو پکڑوایا تھا۔"

"تن لین....!" فریدی یک بیک چونک پڑا۔

"ہاں تن لین! اس نے بتایا کہ آپ کے ساتھی کا اغوا کنندہ روچن گی اس کے یہاں ٹھہرا تھا۔ لیکن آج دوپہر ہی کو وہ اس کی عدم موجودگی میں اپنا سامان اس کے گھر سے لے گیا۔ اسے اپنے ملازم سے معلوم ہوا تھا کہ اس کے ساتھ ایک لمبا چوڑا آدمی بھی تھا۔"

"یہ تن لین وہی تو نہیں ہے جس کا سر معمول سے کچھ بڑا ہے اور شانہ جھکا کر چلتا ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں....!" ڈان میگاٹرے کے لہجے میں حیرت تھی۔ "کیا تم اسے جانتے ہو؟"

"اٹھو.... ڈان میگاٹرے۔" فریدی مضطربانہ انداز میں اٹھتا ہوا بولا۔ "کہیں وہ نکل نہ جائے۔ وہ لوگ ہمارے حالات سے پوری طرح واقف ہیں۔ اگر انہیں میری آمد کی اطلاع ہو گئی تو کم از کم تن لین تو غائب ہی ہو جائے گا۔"

"آخر یہ قصہ کیا ہے!" ڈان میگاٹرے بولا۔

"چلو دیر نہ کرو۔"

ڈان میگاٹرے اٹھ گیا۔ وہ باہر آئے اور ڈان میگاٹرے کی کار میں بیٹھ گئے۔ حمید کی الجھنیں عروج پر تھیں۔ فریدی کے بیان پر اُسے یقین نہیں آیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی کس لہجے میں غلط باتیں کرتا ہے۔

کار چل پڑی.... ڈان میگاٹرے کو بھی کھوج پڑ گئی تھی۔ لیکن فریدی اس کے سوالات کے مختصر جوابات دے رہا تھا۔ اتنے مختصر کہ شاید ڈان میگاٹرے کو بھی الجھن ہونے لگی تھی اور پھر آخر کار اس نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔

حمید تو خاموش ہی تھا۔ وہ ڈان میگاٹرے کی موجودگی میں خاموش ہی رہنا چاہتا تھا۔ ورنہ شاید اب تک کئی جھڑپیں ہو چکی ہوتیں۔

"تم آخر تن لین کو کب سے جانتے ہو؟" ڈان میگاٹرے نے پوچھا۔

"بہت دنوں سے۔" فریدی کا جواب تھا۔

"تمہیں یقین ہے کہ وہ اس سازش میں شریک ہوگا؟"

"سو فیصدی یقین....!" فریدی نے کہا۔ "وہ قتل اور اغوا کا ماہر ہے۔"

ڈان میگاٹرے خاموش ہو گیا۔ کچھ دیر بعد اس کی کار ایک چھوٹی سی عمارت کے سامنے رکی۔ ساخت کے اعتبار سے عمارت معمولی ہی تھی لیکن اس سے ملحقہ پائیں باغ بہت سلیقے سے لگایا گیا تھا۔

وہ کار سے اتر کر پھاٹک میں داخل ہوئے۔ برآمدے میں ایک بوڑھا چینی اس کی پیشوائی کے لئے جھپٹا اور قریب آکر چندھیائی ہوئی آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگا۔

"تن لین کو بلاؤ....!" ڈان میگاٹرے نے گرج کر کہا۔

"وہ.... وہ تو نہیں ہیں سی نیول....!"

"میں کہتا ہوں اسے باہر لاؤ.... ورنہ میں خود ہی گھر میں گھس کر کھینچ لاؤں گا۔"

"آپ مالک ہیں سی نیول.... میں نے بتا دیا جو کچھ معلوم تھا۔" بوڑھے نے روہانسی آواز میں کہا۔ لیکن ڈان میگاٹرے اسے برآمدے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔ "اندر چلو.... اندر چلو۔"

وہ کسی سردی کھائے ہوئے آدمی کی طرح ہانپتا کانپتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

ڈان میگاٹرے نے اس کی گردن دبوچ رکھی تھی۔

وہ اسے عمارت میں لایا۔ عمارت خالی پڑی تھی۔ فریدی ایک ایک کمرہ دیکھنے لگا۔ اچانک حمید ایک جگہ چلتے چلتے رک گیا۔ اس کی نظریں ایک کرسی کے ہتھے پر پڑی ہوئی پتلون پر تھیں۔

دوسرے ہی لمحے میں اس نے جھپٹ کر اسے اٹھا لیا اور مضطربانہ انداز میں بولا۔

"یہ قاسم کا ہے۔"

"ہوں....!" فریدی بوڑھے چینی کی طرف مڑا۔

"تن لین کہاں ہے؟" اس نے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم سی نیول.... وہ دو بجے سے یہاں نہیں ہے۔"

"کیا آج یہاں کوئی اجنبی بھی آیا تھا؟ ایک دیو جیسا آدمی۔"

"نہیں! سی نیول میں نے ایسا کوئی آدمی نہیں دیکھا۔"

"تو جھوٹ بول رہا ہے۔" ڈان میگاٹرے گرجا۔

"نہیں.... سی نیول! میں کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔" بوڑھا رونے لگا۔ "وہ بہت زیادہ خوفزدہ نظر آرہا تھا۔"

"کتیا کے بچے میں تجھے زندہ دفن کر دوں گا۔"

"سی نیول! مالک ہیں۔ لیکن میں کچھ نہیں جانتا۔ میں نے بہت دنوں سے یہاں کوئی اجنبی نہیں دیکھا۔"

"مگر تمہارے پڑوسیوں نے بتایا ہے کہ آج دوپہر کو یہاں ایک لمبا چوڑا آدمی آیا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"بتایا ہوگا.... سی نیول! میں تو آج ساری دوپہر سوتا رہا۔ مجھے کچھ پتہ نہیں۔"

"روچن گی.... یہاں کب آیا تھا۔" ڈان میگاٹرے دھاڑا۔

"وہ تو پچھلے سال آئے تھے جناب.... اور پھر فرانس جا کر وہیں مر گئے تھے۔"

"ابے تو ہوش میں ہے یا نہیں۔"

اچانک وہ اچھل پڑے۔ ان کی پشت پر ایک دروازہ زوردار آواز کے ساتھ بند ہوا تھا۔ فریدی دروازے کی طرف جھپٹا۔

پھر وہ اس دروازے پر باری باری زور آزمائی کر رہے تھے کیونکہ دروازہ دوسری طرف شاید

مقفل کر دیا گیا تھا۔ حمید نے کنجی گھومنے کی آواز بھی سنی تھی اور اس کمرے میں صرف ایک دروازہ تھا۔

ڈان میگاٹرے نے جھلاہٹ میں الٹا ہاتھ بوڑھے چینی کے منہ پر رسید کر دیا اور وہ چیختا ہوا دیوار سے جا ٹکرایا۔

"اس سے کوئی فائدہ نہیں۔" فریدی بڑبڑایا۔

پھر اچانک انہوں نے پٹرول کی بو محسوس کی اور دروازے کے نیچے سے بہتے ہوئے پٹرول کی چادر کمرے میں در آئی۔

ساتھ ہی فریدی نے اچھل کر دروازے پر ٹکر ماری اور دروازہ چوکھٹ سمیت دوسری طرف اس آدمی پر جا پڑا جو بہتے ہوئے پٹرول پر آگ لگانے جا رہا تھا۔

فریدی بھی دروازے پر ہی گرا ہوا تھا۔ نیچے دبے ہوئے آدمی کے حلق سے ایک طویل چیخ نکلی۔

دفعتاً دوسرے دروازے سے اندھا دھند فائر ہونے لگے۔ فریدی نے ٹوٹے ہوئے دروازے پر سے ایک جانب چھلانگ لگائی۔ اس طرح وہ ان فائروں سے بچ سکا۔

پھر فائر رک گئے اور انہوں نے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنی۔

"نکل چلو۔" فریدی نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا

پھر انہوں نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ دروازے کے نیچے دبے ہوئے آدمی کا کیا حشر ہوا تھا۔

فائروں کی آواز پر باہر سڑک پر راہ گیر اور قرب و جوار کے رہنے والے اکٹھا ہو گئے تھے۔

ڈان میگاٹرے کی کار غائب تھی۔ شاید فائر کرنے والا اسی پر فرار ہوا تھا۔

ڈان میگاٹرے چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ "پورے اسپین میں ان سور کے بچوں کا وجود برداشت نہیں کروں گا۔"

لوگوں نے فائروں کے متعلق پوچھ گچھ کرنی چاہی اس پر وہ دہاڑا۔ "اگر اسپین چینیوں سے پاک نہ کیا گیا تو یہ ملک تباہ ہو جائے گا۔ تن لین میرے ایک مال دار دوست کو اغوا کر کے لے گیا ہے۔"

"بھئی ختم کرو۔" فریدی نے کہا۔ "اگر تم اپنے شراب خانے ہی میں پولیس کا سامنا کرو تو بہتر ہو گا۔"

"مجھے پولیس کا خوف نہیں ہے چلو۔"

وہ تیزی سے آگے بڑھے۔ لوگوں نے انہیں روکنا چاہا لیکن ڈان میگاٹرے کی ایک ہی جھڑکی پر ساری بھیڑ کائی کی طرح پھٹ گئی۔ دوسری سڑک پر ایک ٹیکسی مل گئی اور اس طرح وہ جلد از جلد شراب خانے پہنچنے میں کامیاب ہو سکے۔

"کرنل واقعی اس وقت تم نے کمال کر دیا۔" ڈان میگاٹرے نے کہا۔ "ورنہ ایک بار پھر وہی پیکاڈلی کے شراب خانے والا منظر آنکھوں کے سامنے ہوتا۔ ہم اس چھوٹے سے کمرے میں بھن کر کباب ہو جاتے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ گہری سوچ میں تھا۔ اس نے سگار سلگایا اور کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔ اندھیرا پھیل گیا تھا۔ میڈرڈ کی سڑکیں جگمگا اٹھی تھیں۔

دفعتاً اس نے کہا۔ "پولیس ضرور آئے گی۔"

"ہاں آنا تو چاہئے۔" ڈان میگاٹرے نے کہا۔

"مگر میں اس جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہتا۔ اگر اس چکر میں پھنسا تو کئی دن لگ جائیں گے اور اس عرصے میں ہمارے ساتھی کا پتہ نہیں کیا حشر ہو۔"

"پھر تم جو کہو کیا جائے۔"

"ہم یہاں سے چلے جائیں تو بہتر ہے۔"

"چلے جاؤ۔"

"تم کسی پریشانی میں تو نہیں پڑو گے۔"

اس پر ڈان میگاٹرے نے ایک طویل قہقہہ لگا کر کہا۔ "پریشانیاں صرف ان لوگوں کے حصے میں آتی ہیں جو ڈان میگاٹرے نہیں ہوتے۔"

فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اس وقت تک تن لین نے میڈرڈ چھوڑ دیا ہو گا۔"

"میں تمہارے لئے پورا اسپین چھان سکتا ہوں۔" ڈان میگاٹرے بولا۔

"نہیں شکریہ۔" فریدی نے کہا۔ "وہ اسپین میں ہرگز نہ ٹھہریں گے۔"

"میں جانتا ہوں کہ وہ کہاں جائیں گے۔"

"کہاں جائیں گے؟"

لیکن فریدی نے اس کا جواب نہیں دیا۔

ڈان میگاٹرے بھی معاملہ فہم آدمی معلوم ہوتا تھا اس لئے وہ اس پر مصر نہیں ہوا کہ اسے اپنے سوال کا جواب مل ہی جائے۔

"اگر میڈرڈ میں قیام رہا تو مجھے حالات سے آگاہ کرتے رہنا۔" اس نے فریدی سے کہا۔

"نہیں.... اب میڈرڈ میں ٹھہرنا فضول ہے۔" فریدی بولا۔

"اچھی بات ہے۔" ڈان میگاٹرے نے ایک طویل سانس لی۔ "تم میڈرڈ آئے بھی تو ایسے حالات میں.... مجھے بے حد افسوس ہے کرنل کہ تمہارے کسی کام نہ آسکا۔"

"تم نے بہت بڑا کام کیا ہے میگاٹرے.... میں تمہارا مشکور ہوں۔ اگر تم تن لین کے متعلق نہ بتاتے تو میں اندھیرے ہی میں رہتا۔ اب شاید وہ لوگ میری زد سے باہر نہ ہو سکیں گے کیونکہ میں ان لوگوں کی رگ رگ سے واقف ہوں۔"

"اگر تم کل شام تک ٹھہرتے تو چینیوں کا قتل عام بھی دیکھ لیتے۔"

"کیا مطلب....!"

"میں چینیوں کے خلاف اعلیٰ پیمانے پر فساد کراؤں گا۔ اب میں میڈرڈ میں ایک بھی چینی دیکھنا پسند نہیں کرتا۔"

"نہیں ایسا نہ کرنا.... دوسروں نے ہمارا کیا بگاڑا ہے۔"

"اگر ایسا نہ ہوا تو کتے بھی ڈان میگاٹرے کے منہ میں پیشاب کر جائیں گے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ غالباً وہ اس مسئلے پر بحث نہیں کرنا چاہتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اٹھ گئے۔ فریدی خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔ حمید نے ٹیکسی میں بیٹھ جانے کے بعد کہا۔ "یہ لمبی چھٹی اسی لئے لی گئی تھی کہ ہم اپنے لئے پھانسی کے پھندے تیار کریں۔ آخر قاسم کو ساتھ لانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"ایک بہت لمبا فراڈ ہوا ہے حمید صاحب۔" فریدی نے طویل سانس لے کر کہا اور خاموش ہو گیا۔

وہ کون تھا؟

عمران لنگڑاتا ہوا آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ اس لئے وہ ان سے تقریباً بیس گز پیچھے رہ گیا تھا۔ اس نے ٹارچ روشن کر رکھی تھی.... اور وہ بار بار کھانسنے لگتا تھا۔ ساتھ ہی اس کی زبان اس وقت بے وقت کھانسی کی شان میں قصیدے بھی پڑھتی جاتی۔

"کیا تمہیں سہارا دوں۔" دوسرے نقاب پوش نے اس سے پوچھا۔

"نہیں....!" عمران نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "ان پر اچھی طرح نظر رکھو۔"

وہ چلتے رہے۔ کچھ دیر بعد وہ اسی دراڑ میں داخل ہوئے جس سے گزر کر وہ اس سرسبز گھاٹی میں پہنچے تھے۔

کچھ دور چلنے کے بعد نقاب پوش نے انہیں بائیں جانب مڑنے کا حکم دیا۔ عمران نے دیکھا۔ اسی دراڑ میں ایک دوسری دراڑ تھی.... وہ اتنے ہی فاصلے سے ان کے پیچھے چلتا رہا۔ اس کی ٹارچ اب بھی روشن تھی اور اسی کی روشنی میں آگے والے راستہ طے کر رہے تھا۔

اس دراڑ کا اختتام ایک بہت بڑے غار کے دہانے پر ہوا۔

"اندر چلو....!" نقاب پوش نے اوبران کو دھکا دیا جو غار کے دہانے پر رک گیا تھا۔ پھر وہ سب ایک ایک کر کے غار میں داخل ہو گئے۔ عمران کو غار میں تین اور آدمی نظر آئے لیکن انہوں نے اپنے چہرے نہیں چھپا رکھے تھے۔

دفعتاً اوبران غرایا۔ "اوہ.... تو یہ تم ہو غدار.... کمینے....!"

اس نے ایک دراز قد آدمی کو مخاطب کیا تھا۔ جس کے چہرے پر گھنی اور بھورے رنگ کی مونچھیں تھیں۔ وہ اوبران کی بات کا جواب دینے کی بجائے ان نقاب پوشوں پر برس پڑا۔

"کیا تم دونوں گدھے ہو.... انہیں یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی۔ کس نے کہا تھا۔"

"میں کچھ نہیں جانتا.... اس سے پوچھو۔" دوسرے نقاب پوش نے عمران کی طرف مڑ کر کہا۔

"کیوں....؟" بھوری مونچھوں والا عمران کی طرف دیکھ کر غرایا۔

عمران نے ٹامی گن سیدھی کرتے ہوئے اپنے چہرے سے نقاب کھینچ پھینکا اور بیک وقت غار میں کئی تحیر زدہ سی آوازیں گونجیں۔

"اکثر میری کھانسیاں میرا دماغ الٹ دیتی ہیں۔" عمران نے احمقانہ انداز میں کہا۔ "اس لئے تم لوگ اپنے ہاتھ اوپر اٹھادو۔"

"بریوو....." کیلی نے قہقہہ لگایا۔ "ونڈر فل۔"

اوبران وغیرہ متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکا رہے تھے۔ دفعتاً اوبران سنبھل کر بولا۔

"کیوں.... مارشل کتے اب کیا خیال ہے۔"

اس نے بھوری مونچھوں والے کو مخاطب کیا تھا۔

وہ کچھ بولنے کی بجائے دوسرے نقاب پوش کو قہر آلود نظروں سے گھورتا رہا۔ "انہیں گرفتار کرلو۔" عمران نے کہا۔

لیکن وہ سب اسی طرح کھڑے رہے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اوبران کچھ کہنا چاہتا ہو۔ لیکن الفاظ نہ مل رہے ہوں۔

غار میں ایک کیروسین لیمپ روشن تھا اور وہاں بکھری ہوئی مختلف چیزوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ لوگ اس غار میں کئی دنوں سے مقیم ہیں۔

"ہاں.... ہنٹر۔" اوبران تھوڑی دیر بعد بولا۔ "کیا تمہیں اپنے ایک آفیسر کو گرفتار کرتے وقت خوشی نہ ہوگی۔ چلو جلدی کرو.... ان کی ٹائیوں سے ان کے ہاتھ باندھ دو۔"

ہنٹر نے سب سے پہلے نقاب پوش کی گردن پر ردا جمایا اور اس کی نقاب نوچ ڈالی۔ لیکن شاید یہ آدمی بھی ان کے لئے اجنبی ہی تھا۔

کراموئیل اور صفدر بھی ہنٹر کا ہاتھ بٹانے کے لئے آگے بڑھے.... لیکن اچانک مارشل نے کیروسین لیمپ میں ٹھوکر ماری جو قریب ہی زمین پر رکھا ہوا تھا۔ غار میں اندھیرا ہو گیا اور عمران چیخا۔ صفدر دہانے پر.... اور پھر اس نے بڑی پھرتی سے ٹارچ روشن کی۔ تین آدمی ہنٹر کراموئیل اور اوبران سے گتھے ہوئے نظر آئے۔ لیکن مارشل غائب تھا۔

صفدر غار کے دہانے پر دکھائی دیا۔ اتنی جلدی یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ مارشل غار کے دہانے تک پہنچ سکتا۔

عمران انہیں لڑتا چھوڑ کر چاروں طرف چکرانے لگا اور اسے وہ راستہ نظر آگیا جس سے مارشل کے فرار ہونے کے امکانات تھے۔

یہ سطح زمین پر ایک چوڑی سی دراڑ تھی جس پر اس کی نظر پہلے نہیں پڑی تھی۔ اس نے دراڑ میں ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ دور تک ایک ڈھلوان راستہ نظر آرہا تھا۔ عمران دراڑ میں اترتا چلا گیا۔ پھر اس نے اپنی پشت پر بھی قدموں کی آوازیں سنیں۔

وہ ٹارچ روشن کئے ہوئے تیزی سے نشیب میں اتر رہا تھا۔ اب غار کی گھٹن سے نجات مل گئی تھی۔ سر پر تاروں بھرا آسمان تھا اور نیچے دونوں جانب لامحدود گہرائیاں تھیں۔ جس راستے پر وہ چل رہے تھے وہ ایک کئی فرلانگ لمبی چٹان تھی جس کی چوڑائی چھ فٹ سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ اکثر جگہ تو وہ اتنی تنگ ہو گئی تھی کہ دو آدمی بمشکل برابر سے کھڑے ہو سکتے۔ دفعتاً اس نے قدموں کی آواز سنی۔ لیکن اس نے مڑ کر نہیں دیکھا کیونکہ وہ اس کے ساتھیوں ہی میں سے کوئی ہو سکتا تھا۔

اس راستے کے اختتام پر وہ رک گیا۔ آگے پھر چڑھائی شروع ہو گئی تھی اور دونوں جانب کی گہرائیاں بھی بہت پیچھے رہ گئی تھیں۔ اس نے ٹارچ کی روشنی میں گرد و پیش کا جائزہ لیا اور پھر آگے بڑھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ قدموں کی آوازیں بالکل قریب آگئیں۔

آنے والی کیلی گراہم تھی۔

"نہیں ملا....!" اس نے پوچھا۔

"کیا نہیں ملا....؟" عمران کے سوال میں حیرت بھی شامل تھی۔

"جس کے پیچھے آئے تھے۔"

"میں اپنے بڑے بھائی کے پیچھے آیا تھا لیکن اسے گم ہوئے تقریباً تیس سال ہو چکے ہیں۔"

"عجیب آدمی ہو۔" کیلی جھنجھلا گئی۔ "میں پوچھتی اس وقت کی بات۔"

"آہا.... اس وقت۔" عمران نے آسمان کی طرف اٹھا کر کہا۔ "اس وقت میں ستاروں کی سڑکوں کا کنارہ تلاش کر رہا ہوں۔ میری دادی اماں کہا کرتی تھیں کہ ستاروں کی سڑک کا راستہ زمین کے نیچے سے جاتا ہے جہاں ایک گائے اپنے سینگوں پر فٹ بال اٹھائے کھڑی جگالی کر رہی ہے.... اور فٹ بال پر بلیک اینڈ وائٹ کا ایک ٹن رکھا ہوا ہے اور زمین اسی ٹن پر ٹکی ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زمین پر بسنے والے تمباکو بے حد پسند کرتے ہیں خواہ تمباکو کی وجہ سے پھیپھڑوں کے سرطان ہی میں کیوں نہ مبتلا ہو جائیں۔"

"یہ تم نے آخر اتنی بکواس کیوں کر ڈالی۔" کیلی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"پھر کس سے کروں ایسی باتیں.... مردوں سے کرتا ہوں تو وہ مجھے بیوقوف سمجھتے ہیں۔ مگر میرا دل کتنا چاہتا ہے کہ ہر وقت دادی اماں کی باتیں کیا کروں۔"

"ارے اس کا کیا ہوا جس کے پیچھے دوڑ کر آئے تھے۔"

"بڑا بے مروت نکلا۔" عمران بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "ظالم نے پلٹ کر بھی نہ پوچھا کہ کھانسیوں کا کیا حال ہے؟"

"اچھا اب خاموش رہو۔ اگر اس نے اندھیرے میں ہم پر گولیاں برسانی شروع کر دیں تو بھاگنے کا راستہ نہ ملے گا۔ یا تو اسے تلاش کر دیا پھر واپس چلو۔"

"تم واپس جاؤ.... میں تو گائے کو جگالی کرتے دیکھنا چاہتا ہوں جس کی سینگ....!"

"کیا تم دوسروں کو بالکل اُلو سمجھتے ہو۔" کیلی بگڑ گئی۔

"میں اُلو کی نہیں گائے کی بات کر رہا ہوں۔ جگالی کرتی ہوئی گائے مجھے بہت اچھی لگتی ہے.... اکثر میں بھی تنہائی میں جگالی کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"ارے.... وہ کیا...." دفعتاً کیلی اچھل پڑی۔

"کہاں....؟" عمران نے ٹارچ بجھا دی اور نیچے کھسک آیا۔ کیلی بڑی پھرتی سے چٹان پر لیٹ گئی تھی۔ عمران بھی جھک کر آہستہ سے بولا۔

"کہاں....؟"

"کیلی نے بلندی کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "میں نے ایک متحرک سایہ دیکھا تھا۔"

"اگر وہ مارشل ہی ہے تو فائر کرنے کی حماقت نہیں کرے گا۔" عمران آہستہ سے بولا۔ "تم اسی طرح رینگتی ہوئی واپس جاؤ۔"

"کیوں؟ میں واپس کیوں جاؤں۔"

"دادی اماں کہا کرتی تھیں...."

"کہتی رہی ہوں گی۔ بس خاموش رہو۔ مجھے تمہاری دادی اماں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

کیلی بڑبڑاتی رہی اور عمران رینگتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ وہ اسی طرح چڑھائی پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

کیلی بھی شاید اس کے پیچھے پیچھے رینگ رہی تھی۔ اس نے یہی محسوس کیا۔ چڑھائی پر پہنچ کر

اس نے پھر ٹارچ روشن کی۔ روشنی کا دائرہ دیر تک ادھر اُدھر چکراتا رہا۔ لیکن مارشل کا سراغ نہ ملا۔

کیلی جواب پھر اس کے پاس پہنچ چکی تھی آہستہ سے بولی۔ "شاید وہ لوگ بھی آ رہے ہیں۔"

عمران کچھ نہ بولا۔ اس نے خود بھی نشیب میں کئی قدموں کی آوازیں سنیں تھیں۔

"واپس چلنا چاہئے۔" اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ "شاید وہ بالکل ہی گیا۔"

"تم نے وہاں اتنی دیر بکواس کر کے وقت برباد کیا تھا۔" کیلی نے کہا۔

عمران واپسی کے لئے مڑ گیا۔ اسے خود بھی اس کا احساس تھا کہ اس نے وقت برباد کیا تھا۔ مگر اس زبان کو کیا کرتا جو کافی عرصہ سے بے تکی بکواس کے لئے بے چین تھی۔

وہ نیچے اترنے لگے۔ راستے میں انہیں اوبران اور صفدر ملے۔

"کیا نہیں ملا۔" اوبران نے پوچھا۔

"بس ان کی وجہ سے نکل گیا۔" عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"میری وجہ سے کیوں؟" کیلی تنک کر بولی۔

"انہوں نے اپنی دادی اماں کے قصے چھیڑ دیئے تھے۔"

"ارے ارے.... میں نے چھیڑے تھے یا تم نے۔" کیلی نے حیرت سے کہا۔

"تو پھر میں ہی بھول رہا ہوں گا۔ میری یادداشت بہت کمزور ہے۔"

"خدا ان محترمہ پر رحم کرے....!" صفدر نے ٹھنڈی سانس لے کر اردو میں کہا۔

"مارشل نکل گیا.... یہ بہت بُرا ہوا۔" اوبران بڑبڑایا۔

پھر وہ واپسی کے لئے مڑ گئے۔ ہنٹر اور کرامویل قیدیوں کے ساتھ اُسی غار میں تھے۔

غار میں پہنچ کر عمران نے اوبران سے پوچھا۔ "کیا.... ان کے سامان کو اچھی طرح دیکھ لیا گیا ہے۔"

"ہاں....!"

"کوئی کام کی چیز....!"

"نہیں کوئی خاص چیز نہیں ملی۔" اوبران نے جواب دیا۔ لیکن عمران شائد مطمئن نہیں ہوا تھا۔ اُس نے دوبارہ وہاں کی ایک ایک چیز کا بغور جائزہ لیا۔ لیکن کوئی کار آمد چیز ہاتھ نہ لگی۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ اپنی قیام گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ تینوں قیدی آگے چل رہے تھے۔

"یہ مارشل کون ہے۔" عمران نے اوبران سے پوچھا۔

"اوہ.... سب سے پہلے مجھے تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ تم وہاں تنہا رہ گئے تھے۔ آخر وہ تم سے تنہائی میں کیا چاہتا تھا۔"

"اپنی موت....!" عمران نے جواب دیا۔

"اوہ.... کیا وہ مر گیا۔"

"ہاں.... میں نے باز رکھنے کی کوشش کی تھی مگر وہ مر ہی گیا۔"

"کیا تمہارے پاس بھی کوئی ویسا ہی سنہرا اسفنج ہے۔"

"اگر نہ ہوتا تو میں اس کے استعمال سے کیسے واقف ہوتا۔"

"تم واقعی حیرت انگیز آدمی ثابت ہوئے ہو دوست.... میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔"

"میں مارشل کے متعلق پوچھ رہا تھا۔"

"نہ پوچھو تو بہتر ہے۔" اوبران مغموم لہجے میں بولا۔ "مجھے بتاتے ہوئے شرم آئے گی۔"

"یہاں اندھیرا ہے.... اس لئے یہیں بتا دو.... میں تمہیں شرماتے نہ دیکھ سکوں گا۔"

"وہ.... بدبخت.... میرے محکمے ہی کا آدمی ہے اور میرے برابر ہی کا عہدہ رکھتا ہے۔"

"محکمے میں کب سے ہے؟"

"بہت دنوں سے ہے۔ تقریباً بارہ سال پرانی ملازمت سمجھ لو۔"

"اور وہ زیرولینڈ کے لئے کام کرتا رہا ہے۔" عمران بولا۔

"ہاں اسی طرح یہ لوگ ہماری خفیہ ایجادات چرا کر نامعلوم زیرولینڈ تک پہنچانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔"

"میں کہتا ہوں آخر یہ مہم کس توقع پر ترتیب دی جا رہی ہے۔"

"ہمارا خیال ہے کہ یہ زیرولینڈ آمیزن کے کسی دشوار گزار علاقے میں ہے۔"

"اس خیال کی وجہ۔"

"کچھ عرصے سے کئی اڑن طشتریاں اور فٹ بال کی شکل کے کئی طیارے ایکویڈور پر پرواز کرتے دیکھے گئے ہیں۔ ان کا رخ مشرق کی طرف تھا۔ اور انہیں اس وقت تک دیکھا جاتا رہا ہے جب تک کہ وہ جنگلوں میں نہیں داخل ہو گئے۔ اس کے بعد ایکویڈور کی حکومت کی اجازت سے

ہمارے سینکڑوں جہازوں نے دور تک پرواز کی لیکن کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ جنگل اتنے گھنے ہیں کہ نیچے کا حال معلوم کر لینا دشوار ہے۔ ابھی ہمارے پاس ایسے ہیلی کوپٹر بھی نہیں ہیں، جنہیں لمبی پرواز کے کام میں لایا جا سکے۔"

عمران کچھ نہ بولا.... وہ چلتے رہے۔ کیلی صفدر سے عمران ہی کے متعلق گفتگو کر رہی تھی۔ صفدر کی سمجھ ہی میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے عمران کے متعلق کیا بتائے کیونکہ عمران تو خود اس کی سمجھ سے بھی باہر تھا۔

وہ قیام گاہ پر پہنچ گئے۔ یہاں وہ دونوں ملازم ایک جگہ بندھے پڑے پائے گئے جن کے سپرد آلڈس کی لاش کی نگرانی کی گئی تھی۔

"مسٹر اوبران۔" عمران نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ ہم ان تینوں قیدیوں کو یہیں چھوڑ کر باہر کھلے میدان میں نکل چلیں۔ مارشل خاموش نہیں بیٹھے گا۔ اس کی یہی کوشش ہو گی کہ ہم سبھوں کو دوسری صبح نہ دیکھنے دے۔ کیونکہ اس کا راز ظاہر ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ تمہارے ملک کی سیکرٹ سروس سے بہ آسانی الگ ہونا پسند نہیں کرے گا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو دوست! ابھی تک تم نے جو کچھ بھی کہا ہے ٹھیک ہی نکلا ہے!"

اس گفتگو کے بعد تینوں قیدیوں کو زمین پر گرا کر ان کے پیر بھی باندھ دیئے گئے۔ پھر ان کے حلق میں رومال ٹھونسے جانے لگے۔

اور پھر وہ باہر نکل آئے.... عمران اپنا سوٹ کیس اٹھانا نہیں بھولا تھا۔ اوبران نے کہا۔ "کیا سامان بھی لے چلیں۔"

"جیسا دل چاہے! میں تو اپنا سوٹ کیس ہر وقت ساتھ رکھنے کا عادی ہوں.... کیونکہ میری عقل عموماً اسی میں بند رہتی ہے.... ویسے مس کیلی اگر چاہیں۔"

"کیلی....!" کیلی نے جھلا کر تصحیح کی۔

"اوہ.... معاف کیجئے گا۔ یہ بھول جانے کا مرض میرا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ اب مسٹر اوبران ان کا نام بھی مجھے بلی ماران یاد آتا ہے اور کبھی برگسان.... ہاں تو اب چل دیجئے۔"

وہ باہر نکلے۔ انہوں نے کھڑکیاں اور دروازے تو بند کر لئے تھے لیکن کیروسین لیمپوں کو روشن ہی رہنے دیا تھا۔

کچھ دور چلنے کے بعد وہ چٹانوں کی اوٹ میں ہو گئے۔ لیکن ان کا رخ لکڑی کے مکان ہی کی طرف رہا۔

ایک گھنٹہ گذر جانے کے بعد کیلی بڑبڑانے لگی۔ "کیا آج کی رات یونہی جائے گی۔"

"نہیں اور بھی شامتیں لائے گی۔" عمران سر ہلا کر بولا۔

اور پھر اچانک انہوں نے لکڑی کے مکان سے شعلے بلند ہوتے دیکھے۔ اُن میں سے کئی بوکھلا کر اٹھے۔

"نہیں....؟" عمران غرایا۔ "اگر اندھیرے میں اپنے جسم چھلنی کرانے ہوں تو ضرور جاؤ اس طرف۔"

اُن میں سے کئی بیک وقت بڑبڑانے لگے۔ انہیں اپنے سامان کی فکر تھی۔ دفعتاً انہوں نے ٹامی گن کی ریٹ ٹیٹ سنی۔

"آہا.... تو وہ تنہا ہی ہے۔" عمران نے کہا۔

"یہ کیسے کہا جاسکتا ہے۔" اوبران نے پوچھا۔

"اگر وہ کئی ہوتے تو آگ لگا کر فائرنگ نہ کرتے بلکہ ہمیں زندہ پکڑنے کی کوشش کرتے کیونکہ اس ٹکراؤ کا مقصد صرف سنہرے اسفنج کے ٹکڑے حاصل کرنا تھا۔ ورنہ انہیں اس کی کب پرواہ ہو سکتی ہے کہ ہم یہاں بلی کی گردن میں گھنٹی باندھنے کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں.... ٹھہرو۔ تم لوگ یہیں ٹھہرو.... میں دیکھتا ہوں۔"

عمران ٹامی گن سنبھالے ہوئے اندھیرے میں رینگ گیا۔

لکڑی کی عمارت سے شعلے بلند ہوتے رہے اور ٹامی گن شور مچاتی رہی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے استعمال کرنے والا پاگل ہو گیا ہو۔

پھر یک بیک انہوں نے دو ٹامی گنوں کے گرجنے کی آواز سنی۔

"اوہو.... کیا ٹکراؤ ہو گیا۔" صفدر بڑبڑایا۔

ٹھیک اسی وقت دور سے عمران کی آواز آئی۔ "ارے باپ رے.... یہ تو مر ہی گیا۔" اور پھر وہ چٹان کی اوٹ سے نکل کر جلتے ہوئے مکان کی طرف بھاگے۔

بُری خبر

طیارہ میڈرڈ سے نیویارک کے لئے پرواز کر چکا تھا اور حمید سوچ رہا تھا کہ آخر یک بیک نیویارک کی کیوں سوجھ گئی۔ فریدی نے ابھی تک اسے کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔

ڈان میگاٹرے سے رخصت ہونے کے بعد بھی وہ ایک دن میڈرڈ میں ٹھہرے تھے۔ اس روز فریدی کا زیادہ وقت ادھر ادھر تار دینے میں گذرا تھا اور اسی دن حمید نے یہ بھی دیکھ لیا کہ ڈان میگاٹرے نے جو کچھ بھی کہا تھا کر دکھایا تھا۔ میڈرڈ میں چینیوں کے خلاف اعلیٰ پیمانے پر فسادات شروع ہو گئے تھے اور ان فسادات کی وجہ افواہیں تھیں۔ حمید تو انہیں افواہیں ہی سمجھتا تھا کیونکہ اسے اس فساد کی اصلیت معلوم تھی۔

چینیوں کے خلاف یہ افواہیں ڈان میگاٹرے ہی کی طرف سے پھیلائی گئی ہوں گی۔ بس صبح ہی صبح یہ خبر سارے شہر میں پھیل گئی تھی کہ پچھلی رات کو ایک چینی نے ایک اسپینی بچے کو ذبح کر ڈالا تھا اور اس کا گوشت کھانے ہی والا تھا کہ پکڑ لیا گیا.... پھر تھوڑی دیر بعد یہ خبر پھیلی کہ چینیوں کے ایک مکان سے اٹھارہ اسپینی بچے برآمد ہوئے ہیں۔ غرضیکہ ہر خبر کا مرکزی خیال یہی ہوتا کہ چینی آدم خور ہیں.... بس پھر کیا تھا جہاں بھی کوئی چینی نظر آیا ڈھیر کر دیا گیا۔

وہ دوسرے ہی دن نیویارک کے لئے روانہ ہو گئے۔ فریدی اس فساد سے بہت دل برداشتہ ہوا تھا۔ اس نے اس سلسلے میں ڈان میگاٹرے سے بھی گفتگو کی اور پھر ہمیشہ کے لئے اس سے متنفر ہو گیا۔ مگر ڈان میگاٹرے بھی کیا کر سکتا تھا۔ فساد کو ہوا دینا آسان ہے لیکن اسے رکوا دینا بہت مشکل ہوتا ہے۔ ڈان میگاٹرے کا کہنا تھا کہ قاسم کا اغواء اس کی توہین کا باعث ہوا تھا۔ اس لئے چینیوں کے خلاف منتقمانہ کاروائی ضروری تھی۔ لیکن فریدی اندھے انتقام کا قائل نہیں تھا۔ اندھا انتقام بے گناہوں کو بھی چاٹ جاتا ہے۔ اس معاملے میں تو سو فیصدی یہی ہوا تھا۔ فریدی کے خیال کے مطابق اصل مجرموں کا بال بھی بیکا نہ ہوا ہو گا۔

"یہ آخر ڈان میگاٹرے ہے کیا بلا؟" حمید نے پوچھا۔

"میڈرڈ کا سب سے بڑا غنڈہ۔" فریدی نے جواب دیا۔

"تو آپ نے اس کی وساطت سے ہمارا انتظام کیوں کرایا تھا؟"

"میڈرڈ میں بس وہی جان پہچان والا تھا اور اس کا پتہ بھی سیدھا سادہ ہے۔ ڈان میگاٹرے میڈرڈ لکھ دو.... بس کافی ہے۔"

"آپ سفارتخانے کے توسط سے بھی کام کر سکتے تھے۔"

"کر سکتا تھا۔ مگر اُسی صورت میں جب کہ ہمارا یہ سفر سرکاری نوعیت کا ہوتا۔"

حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بھنا کر بولا۔ "آخر نیویارک کیوں؟"

فریدی نے ایک طویل سانس لی اور آہستہ سے بولا۔ "میں نے اس سے بڑا دھوکا شاید ہی پہلے کبھی کھایا ہو۔"

"دھوکا! آپ پہلے بھی کہہ چکے ہیں.... ہوگا.... میں اس کے متعلق کچھ نہیں پوچھوں گا ویسے یہ تو اپنا مقدر ہو چکا ہے۔ آپ دھوکے کھایئے اور میں دھکے کھاؤں۔"

فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی اور اس نے کہا۔ "پورا واقعہ سن کر تم مجھے احمق سمجھو گے۔ مگر حالات ہی ایسے تھے کہ اس چکر میں پھنس جانا پڑا۔ پچھلے دو ماہ سے برابر طارق سے خط و کتابت ہو رہی تھی۔ طارق کا خیال تھا کہ دوبارہ تاریک وادی کا سفر کیا جائے۔"

"اور آپ مجھے اب بتا رہے ہیں۔"

"سنو تو سہی.... میرا قطعی ارادہ نہیں تھا۔ لیکن پھر ابھی حال ہی میں میں نے سوچا کہ اس بہانے سے سیاحت بھی ہو جائے گی اور تفریح بھی۔ پچھلی بار تو سنگ ہی کا مسئلہ درپیش تھا اس لئے تفریح کیا ہوتی۔ یہی سوچ کر طارق کو لکھ دیا کہ میں تیار ہوں۔ اس پر طارق نے لکھا کہ موٹے کو بھی ساتھ لانا۔ کیونکہ اب کی بار ہم جو راستہ اختیار کریں گے اس کے لئے موٹے جیسے طاقتور آدمی بہت ضروری ہوں گے۔ میں نے بھی سوچا کیا حرج ہے اگر قاسم بھی ساتھ چلے۔ لہٰذا طارق کو اس کی روانگی سے بھی مطلع کر دیا گیا۔ پچھلے سفر میں بھی قاسم بعض اوقات کافی کار آمد ثابت ہوا تھا.... بڑے بڑے تناور درخت راستے سے ہٹائے تھے۔ اکثر درخت کاٹ کاٹ کر نالوں پر پل بنائے تھے۔ میں نے قاسم کو سفر پر آمادہ کیا۔"

"لیکن مجھے پھر بھی بے خبر رکھا۔" حمید جل کر بولا۔

"ایسے موقع پر تمہاری چڑچڑاہٹ کافی دلچسپ ہوتی ہے۔"

"اسی لئے اس بھینسے کو بھی مجھے کچھ بتانے سے منع کر دیا تھا۔"

"نہیں یہ تو اسے بھی نہیں بتایا تھا کہ تاریک وادی کا سفر درپیش ہے۔ بس ایک لمبے سفر کی بات کی تھی.... بہر حال میں نے سوچا کہ پہلے انگلینڈ جا کر بینکوں میں اپنی رقومات کا جائزہ لوں پھر تم لوگوں کو روانگی کے لئے لکھوں گا۔ تاکہ ادھر اُدھر زیادہ وقت برباد نہ ہو۔ یہ بھی محض اتفاق تھا کہ لندن میں ایک ایسے آدمی سے ملاقات ہو گئی جو میرا اور طارق کا دوست ہے۔ اس نے بتایا کہ طارق آج کل کیلیفورنیا میں ہے۔ میں نے اسے آگاہ کیا کہ اسے غلط اطلاعات ملی ہیں۔ طارق تو نیویارک میں ہے۔ وہ خوب ہنسا اور بتایا کہ وہ اسے پچھلے ہی ہفتے کیلیفورنیا میں چھوڑ کر آیا ہے۔ اور وہ تقریباً چھ ماہ سے وہیں مقیم ہے۔ مجھے اس پر بڑی حیرت ہوئی کیونکہ ابھی حال ہی میں اس کے خطوط نیویارک سے آتے رہے تھے۔ اس وقت تک کسی سازش کا خیال نہیں آیا۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ میرا ذہن بھٹکنے لگا۔ میں نے سوچا کہ تم لوگ میری ہدایت کے مطابق چل پڑے ہو گے اور راستے میں ہی ہو گے۔ لہٰذا میں نے لاسلکی فون پر تم سے گفتگو کر کے اسی دوست کے توسط سے طارق کے متعلق معلومات بہم پہنچانے کی کوشش کی۔ وہاں سے بھی یہی جواب آیا کہ طارق تقریباً چھ ماہ سے کیلیفورنیا میں ہے۔ میں اس دوست سے پہلے ہی طارق کا پتہ معلوم کر چکا تھا جس نے اس کے کیلیفورنیا کے قیام کے متعلق بتایا تھا۔ میں نے طارق سے اسی پتہ پر بذریعہ تار پوچھا کہ کیا اس نے اسی دوران میں مجھے خطوط لکھے تھے؟ جواب انکار میں آیا۔

حمید بوکھلائے ہوئے انداز میں یہ کہانی سنتا رہا تھا۔ فریدی کے خاموش ہوتے ہی بول پڑا۔

"کیا آپ طارق کی تحریر نہیں پہچانتے؟"

"وہ عموماً خطوط ٹائپ کرتا ہے.... ہاتھ سے نہیں لکھتا۔"

"دستخط تو کرتا ہی ہو گا۔"

"میں اس کے دستخط پہچانتا ہوں لیکن ان دستخطوں پر زیادہ غور کرنے کی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوئی تھی کیونکہ جو کچھ بھی ہوا ہے میرے لئے قطعی غیر متوقع تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔"

"پھر اب کیا خیال ہے؟"

"ایک مضحکہ خیز خیال کہ یہ سب کچھ محض قاسم کے اغواء کے لئے ہوا ہے۔"

"تو گویا اپنے یہاں سے نیویارک تک اس سازش کا جال بچھایا گیا تھا۔ ورنہ میڈرڈ ہی میں یہ واقعہ کیوں پیش آتا۔ نیویارک پہنچنے پر سب کچھ ہو سکتا تھا.... آہا.... ٹھہریئے مجھے سوچنے

دیجئے.... میرے خدا.... اب مجھے یاد آیا۔ جس ایرو پلین سے ہم نے سفر کیا تھا اس میں شائد دو چینی بھی تھے۔ اُف فوہ کس قدر دماغ خراب ہوا ہے میرا۔ میں اس چینی تن لین کے متعلق تو بھول ہی گیا تھا.... آپ اسے کیسے جانتے ہیں اور وہ ہے کون۔"

"وہ....!" فریدی ایک طویل سانس لے کر مسکرایا۔ "اسی سلسلے کی ایک کڑی۔ اگر اس کی شخصیت تم پر ظاہر ہو جائے تو یہ سازش بھی ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح تمہارے سامنے آجائے گی.... تن لین.... سنگ ہی کے مشہور ساتھیوں میں سے تھا.... جب وہ نیویارک سے تاریک وادی کی تلاش میں روانہ ہوا تھا۔ اس وقت تن لین بہت زیادہ بیمار ہو گیا تھا اس لئے وہ اس کا ساتھ نہیں دے سکا تھا۔ نیویارک کے ایک ہسپتال ہی میں پڑا رہ گیا تھا۔

"اوہ.... اوہ....!" حمید نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدلا۔

"غالباً تن لین تاریک وادی کے لئے کوئی مہم ترتیب دے رہا ہے۔ لیکن رہنمائی کے لئے بھی کوئی چاہئے۔ کوئی ایسا آدمی جو پہلے بھی سفر کر چکا ہو۔ میرا دعویٰ ہے کہ ان لوگوں نے روزا پر بھی ڈورے ڈالنے کی کوشش کی ہوگی۔ مگر روزا کافی چالاک ہے۔ آخر کار انہوں نے اس پورے ٹیم میں سے قاسم ہی کو مناسب سمجھ کر منتخب کر لیا اور اس کے لئے اتنے پاپڑ بیلے گئے۔ ہمارے ملک میں ان کی دال نہ گلتی۔ اس لئے انہوں نے ہمیں نیویارک بلایا اور ان کے کچھ آدمی ہمارے پیچھے بھی لگے رہے۔ میڈرڈ میں تمہارا اتفاقیہ قیام ان کے لئے ایک بہترین موقع ثابت ہوا اور اسے وہیں سے لے اڑے۔"

"مگر اس کی یادداشت پر کیا گذری تھی؟"

"اوہ.... یہ بہت معمولی سی چیز ہے۔ چینیوں میں زمانہ قدیم سے ایسی ادویات کے بارے میں تحقیق و تجسس کا رجحان پایا جاتا رہا ہے۔ جو آدمی پر غیر معمولی طور پر اثر انداز ہوں۔ مثلاً کئی سال ہوئے لندن میں چینیوں کا ایک ایسا گروہ پکڑا گیا تھا جو ایسی ہی ادویات کے بل بوتے پر دولت مند طبقے میں خوف و ہراس پھیلا کر لمبی لمبی رقمیں اینٹھ رہا تھا.... یہ لوگ کسی مالدار کو تاک لیتے اور اسے خط لکھتے کہ اگر فلاں دن انہیں کوئی بڑی رقم نہ ملی تو اس کے گھرانے پر خدا کا قہر نازل ہوگا اور اس کا لڑکا کسی کام کا نہ رہ جائے گا.... لارڈ برنہام ہی کی مثال لے لو اسے ایسا ہی ایک خط ملا اس نے معاملہ پولیس کے سپرد کر دیا۔ پولیس نے یہ نظریہ قائم کیا کہ کوئی لارڈ برنہام کو خواہ مخواہ

خوفزدہ کرنا چاہتا ہے۔ اس سے زیادہ اس دھمکی کی اصلیت نہیں۔ لیکن معینہ تاریخ کو لارڈ برنہام کے اکلوتے لڑکے کا جسم بالکل نیلا ہو گیا اور وہ اپنے حلق سے گیدڑوں کی سی آوازیں نکالنے لگا۔ اس کے علاوہ اور کسی قسم کی آواز اس کے منہ سے نکلتی ہی نہیں تھی۔ نہ وہ دوسروں کی گفتگو سمجھ سکتا تھا اور نہ آدمیوں کی طرح بول سکتا تھا۔ بہر حال جب وہ گروہ پکڑا گیا تو حقیقت ظاہر ہوئی یہ کسی قسم کے زہر ہی کا اثر تھا جو اسے شراب میں استعمال کرایا گیا تھا۔

قاسم کے سلسلے میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔ اس کا دماغ الٹے بغیر اس کا اغواء ممکن ہی نہیں تھا۔ اس طرح وہ چینی اس کا ہمدرد بننے میں بھی کامیاب ہو گیا ہوگا۔ مثلاً ہوٹل والوں نے سمجھ لیا تھا کہ وہ ذہنی فتور میں مبتلا ہو گیا ہے۔ اس لئے وہ اسے اس کی پوری خوراک نہیں دیتے تھے۔ وہ بھوکا رہ جاتا تھا.... بس اگر اسے موقع پر کوئی پیٹ بھرنے والا مل جائے تو اُس سے بڑا ہمدرد اور کون ہو سکتا ہے! قاسم اس کے لئے موم کی ناک ہوگا۔ جدھر چاہا موڑ دیا۔"

"لیکن جب وہ اپنی یادداشت ہی کھو بیٹھا ہے تو اُن کی رہنمائی کیسے کرے گا؟" حمید نے پوچھا۔

"ان دواؤں کا توڑ بھی ہوتا ہے ان کے پاس۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "مثال کے طور پر.... برنہام کا لڑکا کچھ دنوں بعد اصلی حالت پر آگیا تھا۔ نہ رنگت میں نیلاہٹ رہ گئی اور نہ آواز ہی گیدڑوں کی سی تھی۔ گروہ کی گرفتاری کے بعد اس کے سرغنہ کو مجبور کیا گیا کہ وہ ان لوگوں کو اصل حالت پر لے آئے جو زہر کا شکار ہوئے تھے.... لہٰذا اس نے انہیں وہ دوائیں استعمال کرائیں جو زہر کا توڑ تھیں۔"

"تو آپ کی دانست میں قاسم ان کے لئے کار آمد ثابت ہو سکے گا۔"

"یقیناً ہو سکے گا.... کیونکہ ہم نے وہ راستہ دوبارہ دیکھا تھا۔ جاتے وقت واپسی کے لئے کچھ نشانات قائم کئے گئے تھے اور انہیں نشانات کے سہارے کوٹی کی زیارت گاہ تک پہنچے تھے ورنہ امکانات تھے کہ ہم واپسی میں راستہ بھول جاتے۔"

حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "تو اب کیا ارادہ ہے؟"

"ظاہر ہے کہ قاسم کو ان سے حاصل کئے بغیر میری واپسی ناممکن ہے خواہ اس کے لئے کہیں جانا پڑے۔"

"بزرگوں سے مشورہ لئے بغیر کوئی کام کرنے کا یہی انجام ہوتا ہے۔" حمید نے بزرگانہ انداز

میں کہا۔ فریدی کچھ نہ بولا۔

میڈرڈ سے نیویارک تک کا سفر حمید کے لئے اکتا دینے والا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب آئیں گے سیاحت کے مزے۔ اگر ایک بار پھر تاریک وادی تک کی دوڑ لگانی پڑی۔ پچھلی ہی بار اسے صحیح وسلامت واپسی کی توقع نہیں تھی۔

خدا خدا کر کے سفر کسی طرح ختم ہوا اور انہیں وائیلڈ کیٹس کے ایجنٹ ہوائی اڈہ سے لے گئے۔ فریدی کا پہلے ہی سے خیال تھا کہ وہ وائیلڈ کیٹس ہی میں ٹھہرے گا۔

اب حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ فریدی یہاں قاسم کو کس طرح تلاش کرے گا اور پھر کیا یہ بھی ضروری تھا کہ وہ لوگ اسے نیویارک ہی لائے ہوں۔ اتنی بات فریدی بھی سمجھتا رہا ہوگا۔ پھر آخر وہ نیویارک کیوں آیا تھا؟ طارق سے بھی تبادلہ خیالات کا سوال نہیں پیدا ہوتا تھا۔ کیونکہ وہ یہاں تھا ہی نہیں۔

فریدی تو سفر کے تکان سے بھی متاثر نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ ایک ہی گھنٹے بعد وہ باہر جانے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔ لیکن اس نے حمید کو اس پر مجبور نہیں کیا۔ حمید نے اس پر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا اور پھر بستر پر ڈھیر ہو گیا۔ لیکن پھر تھوڑی دیر بعد کافی کی خواہش محسوس ہوئی۔ اُس نے ہیڈ ویٹر کو فون کیا۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک لڑکی کافی کی ٹرے لئے ہوئے کمرے میں آئی۔

حمید پھر سجدہ شکر بجالایا اور لڑکی سے نحیف آواز میں بولا۔ "اگر تم خود ہی ایک پیالی کافی بنا کر پلا دو تو میں بے حد مشکور ہوں گا.... آہ میں دنیا کا مظلوم ترین انسان ہوں۔"

"کیا آپ کی طبیعت خراب ہے جناب....؟" لڑکی نے ٹرے میز پر رکھتے ہوئے بڑے پیار سے پوچھا۔

"ہاں مجھے چائلڈ فوبیا ہو گیا ہے۔"

"یہ کون سا مرض ہے جناب؟ میں پہلی بار یہ نام سن رہی ہوں۔"

"بچوں کا خوف....!"

"میں نہیں سمجھی جناب۔" لڑکی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"بیٹھ جاؤ...." حمید نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ "میں تمہیں بتاؤں گا کہ میں کتنا بدنصیب آدمی ہوں۔"

لڑکی بیٹھ گئی اور اس کے لئے کافی بنانے لگی۔ لیکن اس کی نظریں بار بار استفہامیہ انداز میں حمید کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔

"وہ ایک اندھیری اور ڈراؤنی رات تھی۔" حمید کسی فلمی ایکٹر کے سے لہجے میں بولا۔ "بڑی ڈراؤنی میں آج بھی یاد کرتا ہوں تو دل الٹنے لگتا ہے آندھی کا شور.... بادلوں کی گرج، بجلی کی چمک.... ہزارہا بھٹکی ہوئی روحوں کی چیخیں۔ میں اپنے مکان میں تنہا تھا۔ رات آدھی سے زیادہ گذر چکی تھی۔ اچانک کسی نے دروازے پر دستک دی.... اور.... میرا دل دھڑکنے لگا۔"

حمید خاموش ہو گیا۔

لڑکی نے کافی کی پیالی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "پھر کیا ہوا جناب۔"

"اوہ.... پھر.... پھر میں کانپتے ہوئے قدموں سے دروازے کی طرف بڑھا.... دروازہ کھلتے ہی کمرے کی روشنی باہر کھڑے ہوئے آدمی پر پڑی اور میں چیخ مار کر پیچھے ہٹ آیا.... اس کی شکل بہت ڈراؤنی تھی۔ وہ چھوٹے قد کا ایک موٹا سا آدمی تھا۔ ہونٹ معمول سے زیادہ موٹے تھے اور ناک پھولی ہوئی تھی۔ سر اور داڑھی کے بال بے تحاشہ بڑھے ہوئے تھے۔ اس کے جسم پر ٹویڈ کا ایک بوسیدہ سا سوٹ تھا جو پانی سے شرابور ہو چکا تھا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا اندر داخل ہوا.... اور میں ایک بار پھر چیخ مار کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس کی سرخ سرخ آنکھیں ابلی پڑ رہی تھیں۔ اس نے دروازے کی طرف ہاتھ بڑھا کر گھونسہ ہلایا اور پھر فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کے کپڑوں سے بہنے والا پانی فرش پر پھیل رہا تھا۔"

حمید خاموش ہو کر کافی پینے لگا۔

لڑکی کا اضطراب بڑھ رہا تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے حمید کا بار بار خاموش ہو جانا اسے گراں گزر رہا ہو۔

"پھر کیا ہوا جناب۔"

"وہ گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ شائد بیہوش ہو گیا تھا۔ میں نے جھپٹ کر دروازہ بند کر دیا۔ مجھے ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے کچھ لوگ اس کا تعاقب کر رہے ہوں.... پھر میں تھوڑی دیر تک دم بخود کھڑا رہا لیکن اس کی پوزیشن میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی وہ جیسے پڑا تھا ویسے ہی پڑا رہا۔ میں نے آگے بڑھ کر اسے ہلایا جلایا۔ تب یقین ہوا کہ وہ سچ مچ بیہوش تھا۔ اس کی صورت ڈراؤنی ضرور

تھی مگر اس وقت وہ مظلوم ہی معلوم ہو رہا تھا۔ میں نے اس کے بھیگے ہوئے کپڑے اتارے اور اسے ایک خشک چادر میں لپیٹ دیا۔ اس کے سارے جسم پر ویسے ہی گدنے گدے ہوئے تھے جیسے عموماً جہاز رانوں کے جسموں پر پائے جاتے ہیں اور اس کے کانوں میں جہاز رانوں ہی کی سی بالیاں بھی تھیں۔ تقریباً دو گھنٹے بعد وہ ہوش میں آیا اور میں نے اس سے استدعا کی کہ وہ زمین سے اٹھ کر بستر پر لیٹ جائے۔ کیونکہ وہ بہت وزنی تھا۔ مجھ سے نہیں اٹھ سکتا تھا۔ بدقت تمام وہ اٹھا اور بستر پر لیٹ گیا۔ ہاں یہ بتانا تو بھول ہی گیا کہ اس کی بغل میں لوہے کا ایک چھوٹا سا ڈبہ بھی دبا ہوا تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد اس نے سب سے پہلے اسی پر جھپٹا مارا تھا اور اسے پھر بغل میں دبا کر بستر پر لیٹتا چلا گیا تھا۔۔۔ میں نے اس سے پوچھنا چاہا کہ وہ کون ہے اور کیوں آیا ہے۔ لیکن وہ صرف اشاروں میں بات کرتا رہا۔ زبان سے کچھ نہ بولا۔ اس وقت میں یہی سمجھا کہ شائد وہ گونگا ہے میں رات بھر اس کی دیکھ بھال کرتا رہا۔۔۔ وہ بہت زیادہ خوفزدہ معلوم ہو رہا تھا۔"

حمید پھر خاموش ہو گیا۔ لڑکی نے پھر مضطربانہ انداز میں پہلو بدلا۔

"کیا میں آپ کو اور کافی دوں جناب۔" اس نے پوچھا۔

"شکریہ ایک کپ اور۔۔۔!"

لڑکی نے کپ اس سے لے کر دوبارہ کافی انڈیلی اور اسے اس کی طرف بڑھاتی ہوئی بولی۔

"ہاں تو پھر کیا ہوا۔۔۔ جناب۔۔۔!"

دوسری صبح تک اس کی حالت بہت ردی ہو گئی۔ ڈاکٹر کو بلوایا۔ جس نے معائنہ کرنے کے بعد مایوسی ظاہر کی۔ اس نے بتایا کہ دل بہت کمزور ہو گیا ہے اور کسی وقت بھی اس کی دھڑکن بند ہو سکتی ہے۔ مجھے بہت افسوس ہوا اور افسوس کے ساتھ گھبراہٹ بھی ہوئی کہ ایک ایسا آدمی میری چھت کے نیچے دم توڑ رہا ہے جس کے نام اور پتے سے بھی میں واقف نہیں ہوں۔۔۔ دوپہر کو اس کے ہونٹ آہستہ آہستہ ہل رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا۔۔۔ یہ ڈبہ لو۔۔۔ تم نے میری بڑی خدمت کی ہے۔۔۔ یہ تمہارا انعام ہے۔ خدا تمہیں خوش رکھے اور پھر اس کے بعد ہی وہ ختم ہو گیا۔"

"ختم ہو گیا۔" لڑکی نے حیرت سے دہرایا اور اپنے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔

"ہاں۔۔۔ وہ ختم ہو گیا۔ اس کی تدفین کے بعد مجھے اس ڈبے کا خیال آیا۔ یہ بہت وزنی تھا۔

میں نے بمشکل تمام کھولا۔ اس میں ایک لفافہ رکھا ہوا تھا۔ لفافے کو کھولا تو اس میں سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکلا جس پر عجیب قسم کے نشانات نظر آ رہے تھے۔ ایک بطخ کی چونچ میں ایک مچھلی تھی اور مچھلی کی دم پر برطانیہ کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔۔۔ ایک طرف سورج کی تصویر تھی اور دوسری طرف شلجم۔۔۔ اسی کے ٹھیک نیچے گوبھی۔۔۔ اور گوبھی سے ایک تیر کا نشان دیگچی کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ دیگچی کے نیچے چار کا ہندسہ تھا اور اس کے نیچے ترپن کا ہندسہ! سب سے نیچے ایک نقشہ تھا اور یہ نقشہ اپنے ہی شہر کا تھا اور اس پر متعدد تیر کے نشان تھے۔۔۔ بھلا تم ہی بتاؤ کہ وہ نقشہ کیسا رہا ہو گا۔"

"اوہ۔۔۔ اوہ۔۔۔" لڑکی مضطربانہ انداز میں بولی۔ "وہ نقشہ یقیناً کسی خزانے کا رہا ہو گا۔" حمید خاموشی سے کافی پیتا رہا۔

"ارے آپ خاموش کیوں ہو گئے جناب۔" لڑکی نے اسے ٹوکا۔

"بس اب کچھ نہ پوچھو! یہ مصیبتوں سے بھری ہوئی داستان ہے۔"

"خزانے آسانی سے نہیں دستیاب ہوا کرتے۔" لڑکی نے مسکرا کر کہا۔

"نقشے میں تیروں کے نشان شہر کی ایک گلی میں مڑ گئے تھے اور غالباً پھر وہ ایک مکان میں داخل ہو گئے تھے۔ ایک دن میں انہیں تیروں کے نشانات کو دیکھتا ہوا چل پڑا۔ اس گلی میں پہنچا جہاں وہ مکان تھا۔ نقشے کے مطابق ابھی تک ایک ایک نشان صحیح نکلا تھا۔ مکان کافی بڑا تھا اور اس کے اندر سے بچوں کا شور سنائی دے رہا تھا۔ میں چپ چاپ واپس چلا آیا کیونکہ اگر وہ کسی خزانے ہی کا قصہ تھا تو اس کے لئے رات ہی مناسب ہوتی۔۔۔ رات کو میں کیل کانٹے سے لیس ہو کر پھر اسی گلی میں جا پہنچا۔ دیوار پر چڑھنے میں کوئی دشواری نہیں پیش آئی اور میں بآسانی دوسری طرف اتر گیا۔۔۔ نقشے نے ابھی تک میری بالکل صحیح رہنمائی کی تھی۔ میں دبے پاؤں آگے بڑھتا رہا۔ چاروں طرف سناٹا تھا۔

میں نقشے کے مطابق اس کوٹھری میں پہنچا جہاں تہہ خانہ تھا۔ تہہ خانے کا راستہ بھی جلدی ہی معلوم ہو گیا تھا اور میں بڑی تیزی سے نیچے اترتا چلا گیا۔ آہا۔۔۔ وہ آہنی صندوق میرے سامنے تھا جس کی تصویر نقشے میں موجود تھی اس میں ایک بڑا سا قفل لٹک رہا تھا۔ ہاں یہ بتانا تو بھول ہی گیا کہ اس ڈبے میں جو اس آدمی نے دیا تھا ایک کنجی بھی تھی اور اسی کنجی سے میں نے اندازہ لگایا تھا وہ

کسی خزانے ہی کا نقشہ ہو سکتا ہے۔ میں نے بڑی بے صبری سے صندوق کا قفل کھولا.... اور پھر اس کا ڈھکنا اٹھانے میں کافی قوت صرف کرنی پڑی۔

حمید پھر خاموش ہو گیا۔ لڑکی کا چہرہ جوش سے سرخ ہو گیا تھا اور آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔ مگر حمید کی خاموشی بدستور قائم رہی اور اب اس کی آنکھیں کچھ مغموم سی نظر آنے لگی تھیں۔

"پھر کیا ہوا جناب۔"

"ارے پھر ہوتا کیا مجھ پر خدا کا قہر ٹوٹ پڑا....!"

"کیا ہوا.... کیا ہوا۔" لڑکی احمقانہ انداز میں کھڑی ہو گئی۔

اس صندوق سے صرف ایک کاغذ کا ٹکڑا برآمد ہوا جس پر تحریر تھا۔

"اے نیک دل شخص میں اپنی یہ چار بیویاں اور ترپن عدد بچے تیرے سپرد کر رہا ہوں اگر تو نے ان کے سروں پر ہاتھ رکھا تو بروز محشر اللہ والوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ ورنہ خانہ خراب ہو گا.... روسیاہ اٹھے گا۔"

"خواہ مخواہ میرا وقت برباد کرایا۔" لڑکی بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

"افسوس کہ تم میری جگہ نہیں تھیں ورنہ قدر و قیمت معلوم ہوتی کیونکہ ٹھیک اسی وقت وہ چاروں بیویاں اور ترپن عدد بچے مجھ پر ٹوٹ پڑے تھے اور میں سر پر پیر رکھ کر وہاں سے بھاگا تھا اور پھر دوسرے ہی دن مجھے نیویارک بھاگنا پڑا کیونکہ وہ بیویاں اور بچے مجھے سارے شہر میں تلاش کرتے پھر رہے تھے.... اب میں یہاں صدر آئزن ہاور سے مل کر مدد کی درخواست کروں گا۔ ورنہ وہ چار بیویاں اور بچے مجھے دنیا کے کسی گوشے میں بھی چین نہ لینے دیں گے اور ہاں اسی رات سے مجھے چائیلڈ فوبیا بھی ہو گیا ہے۔ سنا ہے کہ تمہارے دیس میں اس قسم کے امراض کا معقول علاج ہوتا ہے۔"

لڑکی بھنبھناتی ہوئی اٹھی اور ٹرے سنبھالنے لگی۔ اسی وقت کسی نے دروازے پر دستک دی اور حمید کی اجازت سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ یہ کوئی مقامی آدمی معلوم ہوتا تھا۔

"آپ کیپٹن حمید ہیں جناب۔" اس نے پوچھا۔

"ہاں....!"

"مجھے کرنل فریدی نے بھیجا ہے۔ ان کے کسی نے چھرا مار دیا ہے۔ وہ اس وقت شکاگو ہاسپٹل

میں ہیں۔ حالت زیادہ اچھی نہیں ہے۔"

حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

گھوڑے پر پرندہ

لکڑی کا مکان انگاروں کا ڈھیر ہوا پڑا تھا اور اسی کے قریب مارشل کی لاش پڑی ہوئی تھی۔

"ہر ایک کو اپنے سامان کی فکر تھی۔" کیلی نے عمران سے کہا۔

"تم تو ایک سوٹ کیس بچا لائے تھے اب ہم کیا کریں گے۔"

"باری باری تم سب اس سوٹ کیس کو سر پر رکھ کر سفر کر سکو گے اتنی قربانی میں ضرور کروں گا۔"

"دوست! تم بے حد خطرناک آدمی معلوم ہوتے ہو۔ اگر پہلے ہی سے تم نے اس خطرے سے آگاہ کر دیا ہوتا تو ہم نے بھی کم از کم اپنی بہت ضروری چیزیں تو بچا ہی لی ہوتیں۔"

"میں کہتی ہوں کہ وہاں سے اتنی دور بھاگ کر آنا ہی حماقت تھی۔ کم از کم دو ایک آدمیوں کو مکان کے قریب ہی کہیں چھپے رہنا چاہئے تھا۔"

"دیکھا....!" عمران صفدر کی طرف دیکھ کر بولا۔ "میں نہ کہتا تھا کہ احمقوں سے دنیا کے ہر گوشے میں حماقتیں سرزد ہو سکتی ہیں مگر تمہارا خیال تھا کہ آب و ہوا تبدیل ہونے سے عقل ٹھکانے آجاتی ہے۔"

عمران خاموش ہو گیا اور اس کے چہرے پر پھر وہی پرانی حماقت طاری ہو گئی۔ عمران کے علاوہ ان میں سے کوئی بھی ہنسنے یا بولنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس مکان میں تین زندہ آدمی جل مرے تھے۔ کیلی کو اس پر بے حد افسوس تھا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ جھونپڑے ہی میں آگ لگا دے گا۔" اوبران نے کہا۔

"اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ خود اس کے ساتھی بھی ہمارے ساتھ ہی جل مریں گے۔"

"جو شخص اپنے ملک سے غداری کر سکتا ہے وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔" صفدر بولا۔

"اب ہم رات کہاں گزاریں گے۔" کراموبل نے کہا۔

"یہیں اسی جگہ۔ ورنہ جل مرنے والوں کی روحیں ہماری تلاش میں بھٹکتی پھریں گی۔" عمران نے کہااور وہیں بیٹھ گیا۔

"کیااب پھر کچھ....!" اوبران اسے گھورتا ہوا بولا۔

لیکن عمران کچھ نہ بولا۔ وہ لوگ بھی ایک ایک کر کے زمین پر بیٹھ گئے۔

وہ ایک دل ہلا دینے والا منظر تھا۔ ان کے قریب ہی ایک لاش پڑی تھی اور جلتی لکڑیاں اس طرح چیخ رہی تھیں جیسے وہ عرصہ سے اسی رات کی منتظر رہی ہوں۔

کچھ دیر بعد طے پایا کہ وہ لوگ اسی غار میں رات بسر کریں جسے مارشل اور اس کے ساتھی استعمال کرتے رہے تھے۔

وہ غار کی طرف چل پڑے۔ پھر رات وہیں بسر کی اور ان میں صرف عمران، صفدر اور ہنٹر رات بھر خراٹے لیتے رہے تھے۔ بقیہ کو ٹھیک سے نیند نہیں آئی تھی.... خصوصاً کیلی تو رات بھر بُرے بُرے خواب دیکھ کر بڑبڑاتی رہی تھی۔ دوسری صبح انہوں نے غار میں پڑے ہوئے سامان کی دوبارہ تلاشی لی اس طرح وہ کچھ کھانے پینے کی چیزیں حاصل کر سکے۔ ورنہ ہیلی کوپٹر کے آنے کے وقت تک بھوکا رہنا پڑتا۔

کچھ پیٹ میں ڈالنے کے بعد ان میں پھر گفتگو شروع ہو گئی۔ مگر عمران اب اونگھ رہا تھا۔ وہ ان کی کسی بات کا جواب نہ دیتا۔ بار بار کے استفسار پر صرف اتنا ہی کہتا۔ "خدا جانے.... دن کو مجھے صاف نہیں دکھائی دیتا اس لئے میں عموماً اپنی رائے ظاہر کرنے سے گریز کرتا ہوں۔"

وہ لوگ ایکویڈور کے سفر کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔

کیلی بار بار عمران کی طرف دیکھنے لگتی تھی۔ لیکن وہ اس طرح خلا میں گھورتا ہوا پلکیں جھپکا رہا تھا جیسے کسی اُلو کو پکڑ کر دھوپ میں بٹھا دیا گیا ہو۔

کچھ دیر تک ان میں گفتگو ہوتی رہی پھر وہ اٹھ گئے۔ غار سے باہر آئے.... اور ادھر اُدھر پھیل گئے۔ کیلی صفدر کے ساتھ تھی، وہ دراصل اس سے عمران کے متعلق گفتگو کرنا چاہتی تھی۔

"تمہارا ساتھی آخر ہے کس قسم کا آدمی؟" اس نے پوچھا۔

"روزانہ ہزاروں آدمی اس کے متعلق یہی سوچتے ہیں اور پھر رات کو یہی سوچتے ہوئے سو جاتے ہیں۔ نتیجے کے طور پر ان کی نیندیں حرام ہوتی ہیں۔ یعنی انہیں اوٹ پٹانگ خواب دکھائی

دیتے ہیں۔ لہٰذا اس کے متعلق کچھ سوچنا ہی فضول ہے۔"

"پچھلی رات وہ ایک حیرت انگیز آدمی معلوم ہو رہا تھا لیکن اس وقت یقین نہیں آتا کہ یہ وہی ہے۔"

"میں پھر کہتا ہوں کہ اس کے متعلق کچھ نہ سوچو۔ ورنہ تمہیں پچھتانا پڑے گا۔"

"کیوں؟" اس نے حیرت سے کہا۔ "میں نہیں سمجھی۔"

"اس کے متعلق واضح الفاظ میں کچھ سمجھایا بھی نہیں جا سکتا۔" صفدر نے کہا۔ "بس یہ سمجھ لو کہ اس پر مختلف اوقات میں مختلف قسم کے دورے پڑتے ہیں۔"

"تب تو کسی ایسے آدمی کو قابل اعتماد نہیں کہا جا سکتا۔ مجھے حیرت ہے کہ تمہارے ملک کا محکمہ اسے کیسے برداشت کر رہا ہے۔"

"کرنا ہی پڑتا ہے....!"

"کیوں....؟"

"اس نے آج تک کوئی غلط قدم نہیں اٹھایا۔ بظاہر پہلے شبہ ہوتا ہے کہ اس سے کوئی زبردست حماقت سرزد ہو رہی ہے۔ لیکن پھر اس حماقت کے نتائج اس طرح ہمارے ہی حق میں بہتر ثابت ہوتے ہیں کہ اسے کوئی معجزہ سمجھ لینے کو دل چاہتا ہے۔"

پھر بات عمران سے ہٹ کر زیرولینڈ کی طرف آ گئی۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ ہماری اس مہم کا کیا حشر ہو گا۔"

"کیوں....؟"

"اوبران مجھے کچھ بیوقوف سا آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"ہنٹر کافی ہوشیار آدمی ہے اور ابھی اوبران کے کئی اور آدمی بھی ہمارے ساتھ ہوں گے۔ آج شاید وہ آ جائیں۔"

دفعتاً انہوں نے عمران کو دیکھا جو ایک چٹان سے نیچے اتر رہا تھا.... انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے چٹان کی دوسری جانب کوئی خاص چیز دیکھی ہو۔

"گھوڑے پر پرندہ....!" عمران ان کے قریب پہنچ کر تحیر زدہ لہجے میں بولا۔

"کیا بات ہوئی۔" کیلی تمسخر آمیز انداز میں مسکرائی۔

"یعنی کوئی بات ہی نہ ہوئی۔ میں کہہ رہا ہوں میں نے ابھی گھوڑے پر ایک بہت بڑا پرندہ دیکھا ہے۔"

اوبران بھی ان کے قریب آگیا تھا۔ پہلے تو اس نے عمران کی اس بات پر بُرا سا منہ بنایا پھر یک بیک چونک پڑا۔

"کیا کہا.... پرندہ.... یعنی کوئی آدمی.... گھوڑے پر سوار تھا۔"

"آہا.... آدھا آدمی آدھا پرندہ....!"

"ریڈ انڈین....!" ہنٹر نے خوفزدہ آواز میں کہا۔ "کیا اس کے سر پر پروں کی ٹوپی تھی۔"

"یار پتہ نہیں تم لوگ کیسی باتیں کر رہے ہو۔" عمران بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ پھر چٹان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "تم خود ہی دیکھ لو نا جا کر۔"

ہنٹر بہت تیزی سے چٹان کی طرف بڑھا۔ وہ لوگ وہیں کھڑے رہے۔ پھر انہوں نے ہنٹر کو اس انداز میں چٹان سے نیچے اترتے دیکھا جیسے وہ کسی بیجان چیز کی طرح لڑھکتا ہوا نیچے آرہا ہو۔ نیچے آتے ہی وہ پوری قوت سے دوڑتا ہوا ان کی طرف آیا۔

"وہ.... وہ.... چاروں طرف سے گھیر رہے ہیں۔" وہ ہانپتا ہوا بولا۔

"تم اندر جاؤ.... اندر....!" اوبران نے کیلی کو غار میں دھکیلتے ہوئے کہا.... اور وہ بھی بڑی تیزی سے غار میں آئے.... اوبران اور ہنٹر نے دونوں ٹامی گنیں سنبھال لیں اور غار کے دہانے پر جم گئے۔

ہنٹر نے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ انہوں نے ہمیں دیکھ لیا ہے۔"

"یہ بہت بُرا ہوا.... بہت بُرا....!" اوبران کہہ رہا تھا۔ مخاطب عمران اور صفدر تھے۔ "یہ لوگ بڑے ظالم ہوتے ہیں۔"

"خدا غارت کرے گا انہیں۔" عمران عورتوں کے سے انداز میں کلکلایا۔

اتنے میں انہوں نے لاتعداد دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنیں.... شاید وہ سچ مچ اس حصے کو گھیرے میں لے کر آگے بڑھ رہے تھے کیونکہ وہ آوازیں چاروں طرف سے آرہی تھیں۔

یک بیک دونوں ٹامی گنوں کے دہانے آگ برسانے لگے اور باہر سے چیخوں کی آوازیں آئیں۔

"اوہ.... کیسے چالاک ہیں۔" اوبران بڑبڑایا۔ "خواہ مخواہ چیخ رہے ہیں۔ اوہ.... یہ بُرا

ہوا.... انہوں نے چٹانوں میں پوزیشن لے لی ہے۔"

عمران کے چہرے سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے اوبران وغیرہ کی یہ کاروائی قطعی پسند نہ آئی ہو۔ دفعتاً اس نے صفدر کا بازو پکڑ کر کہا۔ "آؤ۔"

وہ اسے غار کے پچھلے دہانے کی طرف لے جا رہا تھا.... اور اس وقت بھی وہ اپنا سوٹ کیس لینا نہیں بھولا تھا۔

وہ دونوں تنگ سے دہانے میں اترتے چلے گئے۔

محتاج خانہ

حمید آنے والے کو نیچے سے اوپر تک گھور رہا تھا.... یہ کوئی معمولی ہی حیثیت کا آدمی تھا۔ اس کے لباس سے یہی ظاہر ہو رہا تھا۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا...." حمید نے پوچھا۔

"میں ہسپتال میں اپنے ایک بیمار عزیز کو دیکھنے گیا تھا۔ وہاں ایک زخمی آدمی نے مجھ سے استدعا کی تھی کہ میں آپ تک اس کا پیغام پہنچا دوں۔ اس نے اپنا نام کرنل فریدی بتایا تھا اور آپ کا نام کیپٹن حمید بتایا تھا اور اس شریف آدمی نے مجھے اس خدمت کے عوض دو ڈالر دیئے تھے۔"

"میں تمہیں چار ڈالر دوں گا؟ ہسپتال تک میری رہنمائی کرو۔"

"میں ہر خدمت کے لئے تیار ہوں جناب۔" وہ خوش ہو کر بولا۔ حمید دس منٹ کے اندر چلنے کے لئے تیار ہو گیا۔

باہر نکل کر اس آدمی نے ہاتھ ہلا کر ایک ٹیکسی رکوائی اور حمید کیلئے پچھلی نشست کا دروازہ کھول کر نہایت ادب سے کھڑا ہو گیا۔ پھر حمید کے بیٹھ جانے پر خود ڈرائیور کے برابر جا بیٹھا۔

ٹیکسی چل پڑی۔ حمید اس وقت صرف فریدی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اس نے اکثر سوچا تھا کہ کبھی نہ کبھی کوئی دھوکے سے اس کے سینے پر خنجر یا گولی بھی اتار سکتا ہے۔ اکثر ایسا ہوا بھی تھا۔ فریدی پر دھوکے سے حملے ہوئے تھے۔ لیکن وہ عموماً بچ ہی جاتا تھا۔ ستارے اچھے تھے۔ لیکن یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ وہ ہمیشہ ایسے ان دیکھے حملوں سے بچا ہی رہتا۔

حمید کی الجھن بڑھتی ہی رہی۔ اسے راستے کا بھی ہوش نہیں تھا۔ یہ بھی فراموش کر بیٹھا تھا کہ وہ ایک ٹیکسی میں سفر کر رہا ہے۔ ہوش تو اس وقت آیا جب ٹیکسی رک گئی اور ٹیکسی شہری آبادی سے باہر ایک ویرانے میں رکی تھی۔

"یہ کہاں لائے...." وہ یک بیک چونک کر بولا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں ٹیکسی ڈرائیور کا پستول نکل آیا۔

"یہاں ہسپتال ویرانوں میں بنائے جاتے ہیں دوست۔" راہبر مسکرایا۔ "تاکہ مرنے والے چین سے سو سکیں۔ نیچے اتر آؤ۔"

حمید بوکھلا گیا....؟ تو یہ دھوکا تھا۔ وہ چپ چاپ نیچے اتر آیا۔ کیونکہ خالی ہاتھ تھا۔ عافیت اس میں نظر آئی کہ صرف موقع کا منتظر رہے۔

"اب ادھر تشریف لے چلئے حضور والا۔" راہبر نے ایک جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "چارڈالر تو میں آپ سے وصول ہی کرلوں گا۔"

کچھ دور چلنے کے بعد وہ نشیب میں اترنے لگے.... نیچے حمید کو سرخ کھپریلوں والی ایک بڑی عمارت نظر آئی جس کے چاروں طرف ایک بے ترتیب سا باغ تھا۔

قریب پہنچنے پر ایک سائن بورڈ نظر آیا۔ جس پر تحریر تھا۔ "چن شن محتاج خانہ۔"

اگر یہ محتاج خانہ کسی چینی کے نام پر نہ ہوتا تب بھی حمید کے ذہن میں اس واقعے کے سلسلے میں اسی چینی کا وجود ضرور ابھرتا جس نے میڈرڈ میں قاسم پر ہاتھ صاف کیا تھا۔

وہ عمارت میں داخل ہوئے اور ایک بڑے کمرے میں حمید کو تن لین نظر آیا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک قہر آلود سی مسکراہٹ تھی۔

''بہت چالاک ہو تم لوگ۔'' اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔'' اسی طرح فریدی بھی آئے گا۔ مطمئن رہو۔ تن لین کی نظروں میں چینیوں کا قتل عام بھی ہے۔"

"تم بالکل گدھے ہو۔" حمید خشک لہجے میں بولا۔ "اگر فریدی کے متعلق ایسا سوچ رہے ہو اور چینیوں کے قتل عام کی ذمہ داری ہم پر نہیں ہے۔ یہ ڈان میگاڑے کی ضد تھی۔"

"اس ولد الحرام سے بھی سمجھوں گا مگر اس قصے کے بعد۔ اب تم فریدی کو یہاں سے ایک خط لکھو کہ تم ایک کار سے ٹکرا کر بُری طرح زخمی ہوگئے ہو اور ایک شریف آدمی اپنے گھر

تمہاری دیکھ بھال کر رہا ہے۔ شریف آدمی کا چھوٹا بھائی یہ خط لا رہا ہے اسی کے ساتھ چلے آؤ۔"

"لاؤ لکھ دوں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "ایک سے دو بھلے۔ ورنہ یہاں تنہائی میں.... میں بہت اداس رہوں گا۔"

"بیٹھ جاؤ....!" تن لین نے لکھنے کی میز کی طرف اشارہ کیا۔ حمید میز کے قریب کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ یہ ایک بہترین موقع ہاتھ آیا تھا۔ اس طرح وہ فریدی کو بہ آسانی آگاہ کر سکتا تھا کہ وہ کسی مصیبت میں پڑ گیا ہے۔ بس خط میں اسے بعض حروف بخط جلی لکھنے پڑتے اور فریدی ہوشیار ہو جاتا۔ لیکن یہ ایک مشکل کام تھا۔ مضمون میں ان حروف کا شامل کرنا محنت طلب تھا۔ لیکن وہ خط لکھنے میں اتنی دیر نہیں لگانا چاہتا تھا جس سے تن لین کو کسی قسم کا شبہ ہو۔ بہر حال اس نے تن لین کا مافی الضمیر اپنے الفاظ میں لکھ دیا اور ان حروف کو بخط جلی لکھا جن کے امتزاج سے لفظ "خطرہ" بنتا تھا۔

خط ختم کر کے اس نے اسے تن لین کی طرف بڑھا دیا.... تن لین تھوڑی دیر تک خط دیکھتا رہا پھر وسطی میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔

ایک مقامی آدمی کمرے میں داخل ہوا.... تن لین نے اسے خط دے کر سمجھایا کہ وہ وائیلڈ کیٹس میں فریدی کا انتظار کرے اور خط اسی کے ہاتھ میں دے.... اس کے بعد اس نے کسی آدمی کا نام لے کر کہا کہ اسے بقیہ باتیں اس سے معلوم ہو جائیں گی۔

وہ چلا گیا.... پھر تن لین مسکراتا ہوا حمید کی طرف متوجہ ہوا۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتا حمید پوچھ بیٹھا۔ "موٹا کہاں ہے.... جسے تم لوگ میڈرڈ سے لائے ہو۔"

"اوہ....وہ....!" تن لین ہنسنے لگا۔ "چلو میں تمہیں اس کا حشر دکھاؤں۔"

وہ حمید کو اپنے ساتھ دوسرے کمرے میں لایا۔ ان کے پیچھے دو آدمی ریوالور تانے ہوئے چل رہے تھے۔

حمید نے قاسم کو دیکھا جو زمین پر دوزانو بیٹھا تھا۔ اس کے جسم پر صرف پتلون تھی اور دونوں ہاتھ فرش پر ٹکے ہوئے تھے اور ایک چینی اس پر ڈنڈے برسا رہا تھا۔ حمید کو اس پر بڑی حیرت ہوئی کہ دونوں ہاتھ آزاد ہونے کے باوجود بھی قاسم اس طرح پٹ رہا ہے۔

اس پر ڈنڈے پڑ رہے تھے اور وہ بھرائی آواز میں کہہ رہا تھا۔ "ابے اور زور سے۔ کھانے کو

نہیں ملتا کیا سالے۔"

"آخر اس بیچارے نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔" حمید نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"اس کی یادداشت واپس لائی جارہی ہے۔ اب یہاں ہمیں اس کی پرواہ نہیں ہے کہ یہ ہوش میں آنے کے بعد غل غپاڑہ مچائے گا۔"

"مگر یہ اتنی آسانی سے پٹ کیوں رہا ہے.... یہ ایسا نیک آدمی تو نہیں ہے۔"

"یادداشت واپس لانے کے لئے ضروری ہے کہ اسے ذہنی طور پر قطعی بے کار کر دیا جائے.. یہ ہوش میں نہیں ہے۔ آہستہ آہستہ اسے ہوش آئے گا اور پھر تکلیف کا احساس بھی ہونے لگے گا.... کہو تو تمہارے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا جائے۔"

"تمہاری مرضی! ویسے پہلے میری شادی ہو جانے دیتے تو بہتر تھا۔ مگر یار و تم لوگ پرلے سرے کے بزدل ہو۔ میں کہتا ہوں کہ اگر تمہارے یہ دونوں آدمی اپنے ریوالور رکھ دیں پھر میں تمہیں دکھاؤں کہ یادداشت کیسے واپس آتی ہے۔ اگر چھٹی کا دودھ نہ یاد آجائے تو میرا ذمہ۔"

"میں بزدل ہی سہی۔" تن لین اپنے مخصوص مکارانہ انداز میں مسکرایا۔ "کیا تم نہیں جانتے کہ میں کون ہوں۔ ضرور جانتے ہو ورنہ نیویارک کا رخ کبھی نہ کرتے۔"

دفعتاً حمید نے قاسم کو اٹھتے دیکھا اور وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ قاسم سیدھا کھڑا ہو گیا تھا۔ چند لمحے اسی طرح کھڑا رہا پھر ان کی طرف مڑا۔ اس کے دونوں ہاتھ دائیں بائیں پھیلے ہوئے تھے اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی پرندے کی طرح اڑنے کے لئے پر تول رہا ہو۔

اس کی آنکھیں اندھوں کی آنکھوں کی طرح ویران تھیں اور وہ خلاء میں گھور رہا تھا۔ شیو اتنا بڑھ گیا تھا کہ چھوٹی سی ڈاڑھی کا گمان ہوتا تھا۔

وہ اسی طرح ہاتھ پھیلائے ہوئے آہستہ آہستہ آگے بڑھا.... تن لین سامنے سے ہٹ گیا تھا اور حمید کو بھی یہی رائے دی۔ قاسم چل رہا تھا۔ لیکن اس کے چہرے سے نہیں ظاہر ہوتا تھا کہ اسے اپنے متحرک ہونے کا احساس ہو۔ وہ تو پتھر کا کوئی ایسا بت معلوم ہو رہا تھا جو کسی مشینی عمل کی وجہ سے متحرک ہو گیا ہو۔

وہ چلتا ہوا سامنے کی دیوار سے جا ٹکرایا اور پھر ان کی طرف مڑا۔

"یہ کیا کر رہا ہے۔" حمید نے تن لین سے پوچھا۔

"ورزش....!" تن لین مسکرایا۔ حمید نے بلند آواز میں پوچھا تھا لیکن اس نے محسوس کیا کہ قاسم پر اس کی آواز کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ اس کا چہرہ بدستور سپاٹ اور بیجان نظر آتا رہا۔

تن لین نے حمید کو گھورتے ہوئے کہا۔ "بس اب یہ کچھ دیر بعد سفر کے قابل ہو جائے گا.... اور تم.... یہاں قیدر ہو گے۔ حتیٰ کہ یہیں مر کر سڑ گل جاؤ گے۔"

"کیا مطلب....!"

"یہ ایک ویران محتاج خانہ ہے۔ کئی سال سے ویران پڑا ہے اور ہمارے بعد پھر ویران پڑا رہے گا۔ ہم یہاں سے چلے جائیں گے اور تم دونوں یہیں رہو گے۔ اسی صورت میں ہم چین سے سفر کر سکیں گے۔"

حمید اپنا نچلا ہونٹ چبانے لگا۔

نیلی قمیض والا

غار کے تنگ دہانے سے نکل کر وہ ڈھلوان راستے پر آگئے۔ صفدر نے دونوں جانب نظر دوڑائی۔ اونچی اونچی چٹانیں دور تک دیواروں کی طرح کھڑی ہوئی تھیں۔

"کیا ادھر وہ لوگ نہیں ہیں۔" صفدر نے کہا۔

"شاید نہیں ہیں۔ یار صفدر میں نے ایسے پرندے آج تک نہیں دیکھے تھے جو گھوڑوں پر سواری کرتے ہوں اور جنہیں شکار کرنے کے لئے ٹامی گنیں استعمال کی جاتی ہوں۔"

صفدر کچھ نہ بولا۔ اسے یقین تھا کہ عمران کے ذہن میں کوئی نہ کوئی اسکیم ضرور ہو گی۔ وہ اس کے ساتھ ڈھلوان راستے پر چلتا رہا۔

دفعتاً عمران نے مڑ کر کہا۔ "میرے خیال سے تیز چلو۔ جب ان کا میگزین ختم ہو جائے گا تو وہ بھی ادھر ہی کا رخ کریں گے اور پرندے ان کے پیچھے ہوں گے۔ ڈرو اس وقت سے۔"

صفدر عمران کے پیچھے دوڑنے لگا۔ پھر وہ اس جگہ پہنچے جہاں سے چڑھائی شروع ہوئی تھی۔

"یار.... صفدر....!" عمران نے رک کر کہا۔ "میں سوچتا ہوں یہ لوگ مفت میں مارے جائیں گے.... آؤ ذرا اوپر چڑھ کر دیکھیں کہ وہ پرندے کس طرف ہیں۔ پھر ان لوگوں کے لئے

بھی کچھ کیا جائے۔"

وہ اوپر چڑھنے لگے۔ دوسری طرف دیکھ لئے جانے کا خدشہ نہیں تھا۔ کیونکہ یہاں بھی چٹانیں اتنی اونچی تو تھیں ہی کہ وہ جھک کر ان کی اوٹ میں ہو سکیں۔

عمران کی رفتار بہت تیز تھی اور وہ بالکل پہاڑی لنگور معلوم ہو رہا تھا۔ وہ صفدر کو بہت پیچھے چھوڑ گیا۔ صفدر ابھی راستے ہی میں تھا کہ عمران تیزی سے پلٹ پڑا۔

"آہا.... یہاں اوپر سے تو ان کا فاصلہ تقریباً میل ڈیڑھ میل معلوم ہوتا ہے اور اب وہ غار کے دہانے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ فائروں کی آوازیں بھی نہیں آ رہیں۔ شاید میگزین ختم ہو گیا۔ چلو اوپر چلو.... اب کچھ نہیں ہو سکتا۔"

وہ پھر چڑھائی چڑھنے لگے۔ اوپر پہنچ کر جھکے ہی جھکے عمران نے چاروں طرف دیکھا اور پھر بائیں جانب والے نشیب میں اتر گیا۔ صفدر کے قدم بھی تیزی سے اٹھ رہے تھے۔

کچھ دور چلنے کے بعد وہ پھر اوپر چڑھے اور عمران نے سر ابھار کر دوسری طرف دیکھا اور جلدی ہی سے دوبارہ جھکتا ہوا آہستہ سے بولا۔ "ارے۔ وہ تو چوہوں کی طرح پکڑ لئے گئے ہیں۔"

"پھر اب کیا ہو گا۔"

"پتہ نہیں کیا ہو گا۔ اوبران نے فائرنگ شروع کر کے سخت غلطی کی تھی۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ ان لوگوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے تو اسے کبھی فائرنگ نہ کرنے دیتا۔ میرا خیال ہے کہ ان میں سے کوئی زخمی تک نہیں ہوا۔"

"اندازاً کیا تعداد ہو گی ان کی۔"

"ڈیڑھ سو سے کم نہیں ہو سکتی۔"

صفدر سناٹے میں آ گیا.... اس نے ریڈ انڈین لوگوں کے آتشی اور زہریلے تیروں کے متعلق بہت کچھ سن رکھا تھا۔

صفدر بھی دوسری طرف جھانکنے لگا۔ یقیناً ان لوگوں کی تعداد ڈیڑھ سو تک ضرور رہی ہو گی۔ ان میں صرف ایک ہی آدمی ایسا تھا جس نے اپنا پورا جسم ڈھانک رکھا تھا اور اس کے سر پر بہت بڑے بڑے پروں کی ٹوپی تھی۔ بقیہ لوگ اوپری دھڑ سے ننگے تھے اور ان کی بڑی بڑی چوٹیاں سینوں پر دونوں جانب لٹک رہی تھیں.... چہروں پر کھریا سے سفید لکیریں کھینچ رکھی

تھیں۔ بعض لوگوں کے سینوں اور پیٹ پر بھی ایسی ہی لکیریں نظر آ رہی تھیں۔

انہوں نے اوبران اور اس کے ساتھیوں کو غار سے باہر نکال لیا تھا۔

"آہا....!" عمران بڑبڑایا۔ "ان میں اوبران کے ساتھیوں کے علاوہ ایک مہذب آدمی اور بھی ہے.... وہ نیلی قمیض والا.... اوبران کے ساتھیوں میں سے کسی کے جسم پر نیلی قمیض نہیں تھی۔"

"اوہ.... وہ جو پروں کی ٹوپی والے کے قریب کھڑا ہے۔" صفدر بولا۔

عمران پھر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ چٹانوں کی دوسری جانب سے وہ لوگ چھ گھوڑے لائے اور اوبران وغیرہ کو ان کی پشت پر باندھا جانے لگا.... اس سلسلے میں کیلی کے ساتھ بھی کوئی رعایت نہیں کی گئی۔ اسے بھی اسی طرح گھوڑے کی پشت پر باندھ دیا گیا۔

پھر وہ گھوڑوں کو ایک جانب ہانکنے لگے۔ وہ کچھ گا رہے تھے یا یونہی حلق پھاڑ رہے تھے۔ صفدر کی سمجھ میں نہ آ سکا۔

"یہ بہت بُرا ہو رہا ہے.... عمران صاحب کچھ کیجئے۔" صفدر نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"فی الحال میں صبر کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتا۔ ویسے تمہارے پاس کتنے راؤنڈ ہوں گے۔"

"بمشکل تیس...." صفدر نے جواب دیا۔

"بس ختم کرو.... کچھ کرنے کے متعلق سوچنا ہی فضول ہے۔"

"پتہ نہیں ان بیچاروں کا کیا حشر ہو۔"

"جو کچھ بھی ہوتا یہیں ہو جاتا۔ آخر یہ انہیں لاد کر لے جانے کی زحمت کیوں مول لے رہے ہیں۔ آہا وہ دیکھو۔ وہ نیلی قمیض والا ان لوگوں کے ساتھ نہیں گیا۔"

نیلی قمیض والا جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ پھر غار کی طرف بڑھا۔

"چلو.... تم اس طرف کے راستے پر نظر رکھو۔" عمران نے صفدر سے کہا اور صفدر غار کے پچھلے دہانے والے ڈھلوان راستے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

کچھ دیر تک وہ یونہی خاموش کھڑے رہے.... پھر صفدر آہستہ سے بولا۔ "وہ.... وہ ادھر ہی آ رہا ہے.... کیا اسے ہم لوگوں کی تلاش ہے۔"

"بس تم چپ چاپ یہیں کھڑے رہو۔ میں اسے سنبھالتا ہوں۔" عمران نے کہا اور پیچھے ہٹ کر اسی جانب بڑھنے لگا جہاں ڈھلوان راستے کا اختتام ہوا تھا اور چڑھائی شروع ہو گئی تھی۔

پھر صفدر نے اسے ایک جگہ دبکتے دیکھا۔ اس وقت اس کی ساری حرکتیں بندروں کی سی معلوم ہو رہی تھیں۔

جیسے ہی نیلی قمیض والا راستے کے اختتام پر پہنچا ایک بیک عمران نے اس پر چھلانگ لگادی۔ نیلی قمیض والا بے خبر تھا اس لئے اس کے حلق سے ایک بے ساختہ قسم کی چیخ نکلی۔ دونوں گتھے ہوئے نیچے چلے گئے۔

اب صفدر بھی اسی طرف دوڑ رہا تھا۔ یہ آدمی بھی سفید فام ہی تھا۔ اچھے جسم والا تھا۔ لیکن چونکہ حملہ بے خبری میں ہوا تھا اس لئے اسے سنبھلنے کی مہلت نہیں ملی تھی۔ ورنہ وہ آسانی سے زیر ہو جانے والا نہیں معلوم ہوتا تھا۔

جب عمران تقریباً اسے بے دم کر چکا تو چھوڑ کر ہٹ گیا۔ نیلی قمیض والے میں اتنی سکت نہیں رہی تھی کہ زمین سے اٹھ سکے۔

صفدر نے اس کی جیبیں ٹٹول کر ایک ریوالور اور کچھ راؤنڈ برآمد کئے۔

پھر عمران نے اسے گریبان سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔ "تمہاری وہ آرزو بھی پوری کی جائے گی جس کے لئے تم یہاں رک گئے تھے۔" وہ اسے غار کے دہانے کی طرف دھکیلنے لگا۔

اس طرح وہ دونوں اسے غار میں لائے اور عمران نے اسے زمین پر دھکیل دیا۔

"تم ہیلی کوپٹر کے لئے یہاں رکے تھے۔" عمران نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "کیوں....؟ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں تم نہیں چاہتے کہ ان لوگوں کی گمشدگی کی اطلاع ہیڈ کوارٹر تک پہنچے۔"

"اگر میں دو گھنٹے تک واپس نہ گیا تو انڈین ان لوگوں کو مار ڈالیں گے۔" نیلی قمیض والے نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تم بکواس کر رہے ہو۔ ابھی ہیلی کوپٹر کے آنے میں تین گھنٹے کی دیر ہے۔ اس سے پہلے تم کیسے واپس جا سکتے ہو۔" عمران مسکرا کر بولا۔

"مجھے صرف تم دونوں کی تلاش تھی۔" اس نے کہا۔

"تم یہ بھی غلط کہہ رہے ہو۔ تمہاری کیا حقیقت ہے کہ اکیلے ہم سے نپٹ سکو۔ اگر ہمارے لئے رکے ہوتے تو کچھ انڈین بھی تمہارے ساتھ ہوتے.... اچھی بات ہے! تم انہیں دو گھنٹے بعد مر جانے دو گے۔"

نیلی قمیض والا کچھ نہ بولا۔ ویسے صفدر اس کی آنکھوں میں گہرے تفکر کے آثار دیکھ رہا تھا۔

"انڈین لوگوں میں تمہارے کتنے آدمی ہیں۔"

"میں کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔ اس لئے خواہ مخواہ اپنا وقت نہ برباد کرو۔" نیلی قمیض والے نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تمہاری مکھیاں بھی جواب دیں گی۔" صفدر آنکھیں نکال کر بولا۔

نیلی قمیض والا خاموش ہی رہا۔

"کیا تمہیں علم ہے کہ ہم نے مارشل اور اس کے ساتھیوں کو مار ڈالا۔" عمران نے پوچھا۔

"ہاں میں جانتا ہوں۔"

"تو تم نے انتقاماً یہ کاروائی کی تھی۔"

"یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔" نیلی قمیض والے کا لہجہ بہت تلخ تھا۔

"کیا تم بھی پچھلی رات یہاں تھے۔"

"ہاں.... تھا اور اس وقت یہاں سے گیا تھا جب تمہارے کسی آدمی نے مارشل کو ختم کر دیا تھا۔"

"تو تم نے رات کو ہی ہم لوگوں پر حملہ کیوں نہیں کرایا۔"

"مجھے علم تھا کہ تم لوگ ہیلی کوپٹر کے آئے بغیر واپس نہیں جا سکو گے۔ اس لئے اندھیرے میں ٹھوکریں کھانا فضول ہی تھا۔"

"آخر اس قسم کے سوالات سے کیا فائدہ...." صفدر اردو میں بڑبڑایا۔

"آہا.... کیا واقعی تمہیں فائدہ نہیں سجھائی دیا....؟"

"نہیں.... مجھے تو اس میں کوئی بھی کام کی بات نظر نہیں آتی۔"

"میں نے اس سے یہ معلوم کر لیا ہے کہ انڈینوں کی بستی یہاں سے بہت زیادہ دور نہیں ہے۔"

"یہ کس بات سے ظاہر ہوتا ہے۔"

"اس بات سے کہ انہوں نے رات کی بجائے دن ہی کو حملہ کیا تھا۔ کیونکہ وہ اندھیرے میں ٹھوکریں نہیں کھانا چاہتے تھے۔ اگر دوری کا معاملہ ہوتا تو وہ اندھیرے کی بجائے اسی دشواری کا حوالہ دیتا۔"

"تم لوگ بہت بڑی غلطی کر رہے ہو۔" دفعتاً نیلی قمیض والا بولا۔

"کیوں....؟" عمران نے احمقانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

"خواہ مخواہ.... ان کتوں کے لئے اپنی زندگیاں خطرے میں نہ ڈالو۔ یہ تم سے خلوص نہیں رکھتے۔ ایک وقتی غرض ہے جس کی بناء پر یہ مشرق کے دوست کہلاتے ہیں۔"

"خصوصیت سے کس ملک کی بات کر رہے ہو؟" عمران نے پھر اسی انداز میں پلکیں جھپکائیں۔ "یہاں تو ہم پانچ ملکوں کے نمائندے تھے۔"

"اسی کی بات کر رہا ہوں جو تمہیں خیرات دیتا ہے۔"

"تم کس قوم سے تعلق رکھتے ہو۔" عمران نے تلخ لہجے میں کہا۔

"ہم لوگ ایک نئی قوم ہیں۔ صدہا قوموں سے مل کر ایک نئی قوم بنی ہے اور عنقریب یہ قوم ساری دنیا پر چھا جائے گی۔"

"جب یہ قوم ساری دنیا پر چھا جائے اس وقت مجھے ضرور اطلاع دینا۔" عمران الوؤں کی طرح دیدے نچا کر بولا۔ "تاکہ میں تمہیں مبارک باد ہی کا تار دے سکوں۔ ویسے کیا تم مجھے بتا سکو گے کہ زیرولینڈ کہاں ہے۔"

نیلی قمیض والے نے مضبوطی سے اپنے ہونٹ بند کر لئے اور عمران مسکرا کر بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم اس سوال کا جواب نہیں دو گے۔ خیر صفدر اسے دیکھو۔ میں باہر جا رہا ہوں.... ہیلی کوپٹر کے آنے کا وقت قریب ہے۔"

"زبردست غلطی کر رہے ہو تم...." نیلی قمیض والا بول پڑا۔ "میں پھر تمہیں سمجھاتا ہوں کہ تمہارا ملک بڑے خسارے میں رہے گا۔"

عمران کوئی جواب دیئے بغیر غار سے نکل گیا۔

صفدر نیلی قمیض والے کو کسی بھوکے درندے کی طرح دیکھ رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کی ہلکی سی جنبش بھی اُسے جھپٹ پڑنے پر مجبور کر دے گی۔

تین کرسیاں

فریدی تنہا واپس نہیں آیا تھا بلکہ اس کے ساتھ ایف۔بی۔آئی کا ایک آفیسر جیری کپلنگ

بھی تھا۔ لیکن حمید کو کمرے میں موجود نہ پا کر اسے بڑی حیرت ہوئی۔ وہ کہیں باہر گیا تھا کیونکہ کمرے کا دروازہ مقفل تھا اور کنجی باہر ہک پر لٹکی ہوئی تھی۔

اسے توقع نہیں تھی کہ یہاں بھی حمید اس سے پوچھے بغیر اس قسم کی کوئی حرکت کرے گا اور پھر وہ تو اُسے تاکید کر کے گیا تھا کہ وہ تنہا باہر نہ جائے۔

اس نے جیری سے اس کا تذکرہ کیا۔ لیکن جیری نے اسے کوئی اہمیت نہ دی۔ اس نے خیال ظاہر کیا کہ نیویارک میں کسی جوان آدمی کا نچلا بیٹھنا محال ہے۔ ہو سکتا ہے کوئی لڑکی ہی اسے پھ!! کر باہر لے گئی ہو۔

لیکن فریدی اس سے متفق نہ ہو سکا۔ یہ اور بات ہے کہ اس نے وقتی طور پر جیری کی ہاں میں ہاں ملا دی ہو۔

جیری اس کے نادیدہ دوستوں میں سے تھا۔ دنیا کے ہر گوشے میں اس کے ایسے دوست موجود تھے کیونکہ وہ بین الاقوامی شہرت کا مالک تھا۔ جیری سے آج ہی ملاقات ہو گئی تھی اور وہ اس کے ساتھ ہوٹل چلا آیا تھا۔ وہ جیری سے ضرور تا ملا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ تن لین اور اس کے ساتھیوں کے متعلق معلومات حاصل ہو سکیں۔ لیکن محکمہ کار خاص کے اندراجات سے یہ ثابت نہ ہو سکا کہ اس درمیان میں تن لین نام کا کوئی چینی نیویارک آیا تھا۔ تن لین کے تذکرے پر اُسے جیری کو بتانا پڑا تھا کہ وہ اس کے ایک دوست کو لے بھاگا ہے.... لیکن اسے بھی قاسم کی دولتمندی ہی کی کہانی سنائی۔ تاریک وادی کے سفر کا تذکرہ نہیں کیا۔

اس وقت وہ ادھر اُدھر کی باتیں کر رہے تھے۔ لیکن فریدی کا ذہن حمید میں الجھا ہوا تھا۔ دفعتاً کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"آجاؤ....!" فریدی نے کہا اور دوسرے ہی لمحے میں ایک مقامی آدمی کمرے میں داخل ہوا۔

"کرنل فریدی پلیز....!" اس نے باری باری سے دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے مودبانہ لہجے میں کہا۔

"ہاں.... کیوں؟ کیا بات ہے....!" فریدی نے اسے نیچے سے اوپر تک دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کے لئے ایک خط ہے جناب۔"

"لائیے....!" فریدی نے ہاتھ بڑھا دیا۔

اس نے کاغذ کی تہہ کھولی اور تحریر پڑھنے لگے۔ پھر یک بیک اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نظر آئے اور اس نے اس سے پوچھا۔ "یہ حادثہ کیسے پیش آیا....؟"

"شاید سڑک پار کرنے میں غلطی ہو گئی تھی۔"

"اوہ.... اچھا.... آپ براہِ کرم ڈائننگ ہال میں میرا انتظار کیجئے۔ میں کپڑے تبدیل کر کے آپ کے ساتھ چلوں گا۔"

"بہت بہتر....!"

وہ آدمی کمرے سے نکل گیا۔ جیری استفہامیہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیپٹن حمید کسی مصیبت میں پڑ گیا ہے۔" فریدی نے جیری سے کہا۔

"کیوں....؟ کس طرح۔"

فریدی نے خط اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اس سے یہ خط زبردستی لکھوایا گیا ہے۔ لیکن لکھوانے والے اس سے بے خبر تھے کہ وہ اس خط کے ذریعے مجھے اپنی صحیح پوزیشن سے آگاہ کر دے گا۔"

جیری نے خط پڑھ کر کہا۔ "اس میں اس حادثے کی اطلاع کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر کسی نے یہ خط لکھوایا ہے تو اچھی طرح اطمینان کئے بغیر اسے تمہارے پاس نہ آنے دیا ہو گا۔"

"اس نے وہی لکھا ہے جو کچھ انہوں نے لکھوایا ہو گا۔ لیکن اس کے باوجود بھی اس میں ایک خفیہ پیغام موجود ہے جس پر اُن کی نگاہ نہیں پڑ سکی۔ ورنہ کم از کم یہ خط تو مجھ تک نہ پہنچ سکتا۔"

"بھئی مجھے تو کوئی ایسی چیز نہیں نظر آئی۔"

"اس میں ایسے حروف تلاش کرو جو دوسروں کی نسبت زیادہ واضح اور جلی ہیں اور پھر انہیں سلسلے سے ترتیب دے لو....!"

جیری تحریر کو بغور دیکھتا ہوا جلی حروف کو بلند آواز سے دہرانے لگا۔ "ڈی....اے.... این....جی....ای.... آر....اوہ....ڈینجر....!"

پھر وہ متحیرانہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "اوہ.... یہ تمہارا اسسٹنٹ بھی بہت چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"اب.... بتاؤ کہ تم اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ تم اس کے ساتھ روانہ ہو جاؤ۔ میں تمہارا تعاقب کروں گا۔ ضرورت سمجھی تو کچھ اور آدمیوں کو بھی بلا لوں گا۔ میری کار میں ٹرانسمیٹر موجود ہے۔ میں اس کے ذریعے ہیڈ کوارٹر سے رابطہ قائم کر سکوں گا۔"

"مگر تمہاری گاڑی پولیس کار ساخت کی ہے.... اس سے کھیل بگڑ بھی سکتا ہے۔ اگر یہ تن لین کے گروہ کی ہی حرکت ہے تو اس وقت بھی اس کے آدمی میرے گرد بکھرے ہوئے ہوں گے۔"

"پھر تم ہی بتاؤ کیا کروں۔"

"تم کوئی ٹیکسی لے لو۔"

"مگر اس طرح میں اپنے آدمیوں سے رابطہ قائم نہ کر سکوں گا۔"

"ضرورت بھی کیا ہے۔" فریدی مسکرایا۔ "میں یوں بھی زیادہ بھیڑ بھاڑ پسند نہیں کرتا۔"

"اگر زیادہ آدمیوں کی ضرورت پیش آئی تو۔"

"ممکن ہے ایسا بھی ہو۔ لیکن میں ان کے نکل بھاگنے کا رسک نہیں لے سکتا۔"

جیری چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔ "اچھا یونہی سہی۔ میں نے سنا ہے کہ تم تنہا ہی کام کرنے کے عادی ہو۔"

فریدی کی تجویز کے مطابق اسے یہیں سے اس کا تعاقب کرنا تھا۔ فریدی تنہا ہی ڈائننگ ہال میں آیا.... وہ آدمی موجود تھا۔ اس نے بوکھلائے ہوئے لہجہ میں اس سے کہا۔ "چلئے.... جناب چلئے...." اور پھر وہ دونوں ہی تیزی سے صدر دروازے کی طرف بڑھے۔

"کیا میں ٹیکسی کرا لوں یا آپ کی اپنی گاڑی۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"جی نہیں.... ٹیکسی ہی کرنی پڑے گی۔" اس نے کہا اور اس کی طرف جھپٹا جہاں ٹیکسیاں کھڑی تھیں۔ فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی اور اس کی آنکھوں سے اطمینان جھانک رہا تھا۔

ایک ٹیکسی کے قریب رک کر اس آدمی نے فریدی کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔

چلتے وقت فریدی کے انداز سے پھر اضطراب ظاہر ہونے لگا.... دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے اور ٹیکسی چل پڑی۔

"ہمیں کتنی دور جانا ہو گا۔" فریدی نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"کچھ دور تو جانا ہی ہوگا جناب۔ ہم لوگ اتنے دولت مند نہیں ہیں کہ شہر میں رہ سکیں۔ میرے بڑے بھائی پاوری ہیں۔ بہت بڑا کنبہ ہے۔ میں بھی بیکار ہوں۔ جتنی آمدنی ہے اس میں مشکل ہی سے گزر ہوتا ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کتنی گھٹیا قسم کی چالیں ہیں۔ اگر یہ تن لین ہی کا آدمی ہے تو تن لین اتنا ذہین ہرگز نہیں ہو سکتا جتنا سنگ ہی تھا۔

ٹیکسی راستہ طے کر رہی تھی۔ فریدی نے اس سے پھر کچھ نہیں پوچھا۔

البتہ اس کے چہرے سے بے چینی ظاہر ہو رہی تھی۔ پتہ نہیں وہ حقیقتاً پریشان تھا یا وہ صرف ایکٹنگ تھی۔

تھوڑی دیر بعد ٹیکسی ایک ویرانے میں رکی اور فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ٹیکسی ڈرائیور اس کی طرف مڑا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔

"چپ چاپ نیچے اتر جاؤ....!" اس نے کہا۔

"ہائیں.... کک.... کیا.... مطلب۔" فریدی ہکلایا۔

"چلو.... جلدی کرو۔"

دوسرا آدمی پہلے ہی اتر گیا تھا۔ فریدی بھی اتر آیا۔ اس کے چہرے پر خوف ظاہر ہونے لگا تھا۔

"اب ادھر چلو....!" ٹیکسی ڈرائیور نے ریوالور والے ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کیا۔

فریدی چپ چاپ چلنے لگا۔ دوسرا آدمی اس سے آگے تھا اور ٹیکسی ڈرائیور اس کے پیچھے ریوالور تانے ہوئے چل رہا تھا۔

پھر جیسے ہی وہ نشیب میں اترنے لگے فریدی کو ایک عمارت نظر آئی اور اب اس کا اندازہ کر لینا مشکل نہ تھا کہ منزل یہی ہے۔

اچانک وہ بڑی تیزی سے مڑا اور ٹیکسی ڈرائیور پر ہاتھ ڈال دیا۔ ٹیکسی ڈرائیور جو اس غیر متوقع حملے سے بوکھلا گیا تھا سنبھل نہ سکا۔ دوسرے ہی لمحہ میں فریدی نے اسے پیٹھ پر لاد کر دوسرے آدمی پر اچھال دیا.... دونوں گرے اور تھوڑی دور تک نشیب میں لڑھکتے چلے گئے۔ ان کے منہ سے گالیوں کا طوفان امنڈ رہا تھا۔

فریدی نے ریوالور کا رخ ان کی طرف کرتے ہوئے کہا۔ "اب چپ چاپ کھڑے ہو جاؤ۔"

وہ لڑکھڑاتے ہوئے اٹھے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر کھڑے ہو گئے۔ اتنے میں جیری کی ٹیکسی بھی اوپر سڑک پر رکی اور وہ نیچے اتر کر سیدھا اسی طرف دوڑتا چلا آیا۔

"ٹھیک ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "ابھی تک سب کچھ میری خواہش کے مطابق ہی ہوا ہے۔ اب تم انہیں یہاں سنبھالو۔ میں عمارت کے اندر جا رہا ہوں۔"

"اوہ.... یہ عمارت...." جیری کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "یہ تو ایک چینی کا قائم کردہ محتاج خانہ ہے۔ یہاں کسی زمانے میں اپاہج چینیوں کو رکھا جاتا تھا۔ ارے.... تم نے کسی چینی کا ذکر کیا تھا۔"

"ہاں.... یہ تن لین ہی کی حرکت معلوم ہوتی ہے۔ تم انہیں دیکھو۔"

"تنہا اندر جاؤ گے۔" جیری نے حیرت سے کہا۔

"فکر مت کرو۔"

جیری نے اپنا ریوالور نکال لیا اور ان دونوں کو گھورتا ہوا بولا۔ "تم دونوں کے چہرے میرے لئے نئے ہیں۔"

وہ دونوں غصیلی نظروں سے اسے دیکھتے رہے۔ پھر ٹیکسی ڈرائیور نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ ہلائے ہی تھے کہ جیری ڈپٹ کر بولا۔

"ایک لفظ بھی تمہاری زبان سے نہ نکلے.... کیا تم نے جیری کپلنگ کا نام نہیں سنا۔"

یک بیک ان دونوں کے چہرے تاریک ہو گئے اور ان کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔

فریدی تیزی سے نشیب میں اتر رہا تھا۔

عمارت کے قریب پہنچ کر وہ رک گیا۔ لیکن صدر دروازہ مقفل نظر آ رہا تھا۔ اس نے باری باری سے ہر دروازے کو دھکا دیا لیکن کسی میں بھی جنبش نہ ہوئی۔

پھر وہ عمارت کے عقبی حصے کی طرف پہنچنے کے لئے تیزی سے چلنے لگا۔ جنوبی پہلو سے گزرتا ہوا وہ نشیب پر آیا لیکن یہاں بھی اسے کوئی ایسی جگہ نظر نہ آئی جس سے وہ با آسانی اندر پہنچ سکتا۔ پھر وہ شمالی پہلو کی طرف مڑا اور تھوڑی ہی دور چلنے کے بعد اس کے قدم رک گئے۔ ایک کھڑکی کے دونوں پٹ کھلے ہوئے نظر آئے.... کھڑکی میں سلاخیں بھی نہیں تھیں۔ فریدی کو اس پر بڑی حیرت ہوئی۔ اسے اُس کے متعلق سنجیدگی سے سوچنا پڑا۔

کھڑکی زمین سے بمشکل تین فٹ اونچی رہی ہوگی۔ تھوڑی دیر کے لئے اس کی پیشانی پر

سلوٹیں سی نظر آئیں اور پھر غائب ہو گئیں۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ کھڑکی سے اندر داخل ہو رہا تھا۔ دوسری طرف کا دروازہ بھی کھلا ہوا نظر آیا۔ لیکن وہ جیسے ہی دروازے کی طرف بڑھا اُسے حمید کی آواز سنائی دی۔ "کرنل.... کرنل۔" وہ چیخ رہا تھا۔ "آپ جہاں ہیں وہیں ٹھہریئے۔"

فریدی ایک جھٹکے کے ساتھ رک گیا۔ حمید برابر چیخ چیخ کر اسی ایک جملے کی تکرار کئے جا رہا تھا۔ فریدی نے مڑ کر اپنی پشت والی کھڑکی کی طرف دیکھا اور پھر بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر اسے بند کرنے کے بعد بولٹ کر دیا۔

اب وہ دروازے کی جانب آیا اور کھلے ہوئے پٹ کی آڑ لیتا ہوا چیخا۔

"تم کہاں ہو.... میں آ گیا ہوں۔"

ساتھ ہی اس نے ریوالور نکال لیا تھا۔

"جس کمرے میں تین کرسیاں ہوں اس میں ہرگز نہ جایئے گا۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"یہاں کتنے آدمی ہیں۔" فریدی نے چیخ کر پوچھا۔

"کوئی بھی نہیں عمارت خالی ہے۔" جواب ملا۔

فریدی سوچنے لگا۔ کہیں یہ بھی دھوکا نہ ہو۔ جس طرح وہ اس سے خط لکھوا سکتے ہیں اس طرح اس کی گردن پر خنجر رکھ کر چیخنے پر بھی مجبور کر سکتے ہیں۔

دفعتاً اس نے اس جگہ کھڑے کھڑے اس طرح زمین پر پاؤں مارنے شروع کر دیئے جیسے دوڑ رہا ہو۔ لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ اس نے کسی قسم کی آواز نہیں سنی۔ پھر اس نے دروازے سے جھانک کر دیکھا۔ دوسرا کمرہ بھی سنسان پڑا تھا۔ دوسرے کمرے میں پہنچ کر اس نے اس کمرے کا بھی دروازہ بند کر کے بولٹ کر دیا جس سے آیا تھا۔ اب وہ بہت احتیاط سے اسی جانب جا رہا تھا جدھر سے حمید کی آواز آتی رہی تھی۔

ذرا ہی سی دیر بعد اُسے یقین ہو گیا کہ عمارت خالی پڑی ہے۔ وہ ایک ایسے کمرے کے سامنے سے بھی گزرا جس کی ساری کھڑکیاں اور سارے دروازے کھلے ہوئے تھے اور وسط میں تین کرسیاں پڑی تھیں، ان کرسیوں کے علاوہ اور کسی قسم کا سامان وہاں نہیں تھا۔ فریدی نے وہیں کھڑے ہو کر حمید کو آواز دی۔

"میں یہاں ہوں۔" قریب ہی سے حمید کی آواز آئی۔

"جس کمرے سے آواز آئی تھی اس کا دروازہ بند تھا۔ فریدی اس کی جانب بڑھا۔ دروازہ مقفل تھا.... اور قفل بھی مضبوط معلوم ہوتا تھا۔"

"حمید کیا تم یہاں ہو؟" اس نے دروازہ پر ہاتھ مار کر کہا۔

"جی ہاں....!" اندر سے آواز آئی۔

"اچھا ٹھہرو.... میں کوئی ایسی چیز تلاش کرتا ہوں جس سے قفل کھولا جا سکے۔"

"کیا دروازہ مقفل ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"ہاں....!"

"خدا ان شیطانوں کو غارت کرے۔"

فریدی چل پڑا۔ وہ باہر کی طرف کھلنے والے کسی دروازے کی تلاش میں تھا۔ اس میں دیر نہیں لگی۔ وہ اندر سے دروازہ کھول کر عمارت کے سامنے والے حصے میں آ گیا۔ یہاں سے چڑھائی پر جیری وغیرہ نظر آ رہے تھے۔ فریدی نے اُسے آواز دی۔ "جیری دوست آ جاؤ.... ان دونوں کو بھی لاؤ۔"

پھر اس نے انہیں نیچے اترتے دیکھا۔ وہ دونوں آگے تھے اور جیری ان کے پیچھے ریوالور لئے ہوئے چل رہا تھا۔

وہ قریب آ گئے۔ فریدی نے کہا۔ "عمارت خالی ہے۔" کیپٹن حمید کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔

دونوں آدمی متحیر نظر آنے لگے اور انہوں نے ایک دوسرے کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا۔

"انہیں اندر لے چلو...." فریدی نے کہا اور پھر اندر چلا گیا۔ "وہ لوگ اس کے پیچھے چل رہے تھے.... وہ انہیں اسی راہداری میں لایا جس کے کمرے میں حمید بند تھا۔"

"کیوں دوستو؟ ہم لوگ اسی کمرے میں بیٹھیں نا۔" فریدی نے اس کمرے کی طرف اشارہ کر کے دونوں سے پوچھا جس کے وسط میں تین کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔

"ہاں.... آں....!" وہ آدمی بھرائی ہوئی آواز میں بولا جو حمید کا خط لے گیا تھا۔

"تو چلو.... اندر بیٹھ جاؤ۔"

وہ دونوں ہچکچائے۔

"جاؤ....!" فریدی غرایا۔ "ورنہ گولی مار دوں گا۔"

وہ چپ چاپ کمرے میں داخل ہوگئے اور فریدی نے پھر کہا۔ "کرسیوں پر بیٹھ جاؤ۔"

وہ کرسیوں کی طرف بڑھے.... لیکن جیسے ہی ان کے قریب پہنچے اوپر سے لوہے کا ایک کٹہرا بجلی کی سرعت سے ان پر گرا اور وہ اس میں بند ہو کر رہ گئے۔ کٹہرا چاروں طرف سے کرسیوں کا احاطہ کئے ہوئے تھا۔ وہ دونوں چیخنے لگے.... جیری کبھی حیرت سے کٹہرے کی طرف دیکھتا تھا.... اور کبھی فریدی کی طرف.... وہ دونوں اب ان چینیوں کو گالیاں دینے لگے تھے جن کے لئے کام کرتے رہے تھے۔

"یہ کیا قصہ ہے....!" جیری بڑبڑایا۔

"اوہ.... سب سے پہلے کیپٹن حمید کو نکالنا ہے۔"

"وہ کہاں ہے۔"

فریدی نے مقفل دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

اور پھر کچھ دیر بعد وہ اس کمرے کا قفل کھولنے میں کامیاب ہوگئے۔ لیکن اس کمرے میں بھی حمید کے گرد ویسا ہی کٹہرہ نظر آیا جیسا تین کرسیوں والے کمرے میں تھا.... فرش سے چھت تک لوہے کی جالدار دیواریں سی کھڑی تھیں۔ فریدی نے آگے بڑھ کر اسے زمین سے اٹھانے کی کوشش کی لیکن اس میں جنبش تک نہ ہوئی۔

"یہ چھت سے گرا تھا۔" حمید نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ اوپر ہی اس کے اٹھانے کا کوئی ذریعہ بھی موجود ہو۔ تن لین ہمیں یہاں سے لے جانا چاہتا تھا۔ وہ قاسم کو لے کر نکل گیا تھا۔ اس نے قسم کھائی تھی کہ ہمیں سسکا سسکا کر مارے گا۔ اس لئے اس نے یہ چال چلی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ہم یہاں چیخ چیخ کر مر جائیں گے لیکن ہماری آواز باہر نہیں جا سکے گی۔"

"اچھا کچھ دیر اور ٹھہرو.... ہم چھت پر جا رہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

دو لڑاکے

کیلی گراہم بہت زیادہ پریشان نظر آ رہی تھی۔ لیکن ہنٹر اسے راستے بھر تسلیاں دیتا آیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ یہ لوگ قتل کر ڈالنے کی نیت نہیں رکھتے اگر یہی کرنا ہوتا تو اپنے ساتھ کیوں

لاتے۔ غالباً وہ کوئی بڑی رقم وصول کرنے کے چکر میں ہیں۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ ایک ایسی بستی میں پہنچے تھے جس کے گرد لکڑی کے لٹھوں کی چہار دیواری تھی اور یہ بستی لاتعداد چھوٹی بڑی جھونپڑیوں پر مشتمل تھی۔ انہیں ایک ایسی جھونپڑی میں ڈال دیا گیا جس میں صرف چھت ہی چھت لکڑی کے چند لٹھوں پر ٹکی ہوئی تھی۔ دیواریں نہیں تھیں۔ ان کے ہاتھ اور پیر بندھے ہوئے تھے۔

اوبران نے انہیں مخاطب کر کے کہا۔ "دوستو! میں ان کی زبان سمجھتا ہوں اور بول بھی سکتا ہوں۔ ان کی آپس کی گفتگو سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ ہمیں بہت مالدار سمجھتے ہیں اور انہیں توقع ہے کہ ہمارے اعزہ انہیں بھاری رقم ادا کر کے ہمیں چھڑانے کی کوشش کریں گے.... وہ نیلی قمیض والا مارشل کے ساتھیوں میں سے معلوم ہوتا تھا۔ شاید پچھلی رات اس نے اپنے ساتھیوں کا حشر دیکھ کر یہ منتقمانہ کاروائی کی ہو۔ اس نے ہی انہیں یہ بات سمجھائی ہوگی کہ ہماری گرفتاری ان کے لئے منفعت بخش ثابت ہو سکتی ہے۔ آہا ٹھیک یاد آیا.... ان میں سے ایک کہہ رہا تھا کہ شاید یہ لوگ سونے کی تلاش میں آئے ہیں۔"

"مگر وہ نیلی قمیض والا یہاں نہیں دکھائی دیا۔" کراموئیل نے کہا۔

"وہ وہیں رہ گیا تھا.... شاید اسے عمران اور صفدر کی تلاش تھی۔"

"بڑے چالاک نکلے وہ دونوں....!" کیلی نے کہا۔

"وہ یقیناً چالاک ہیں۔ مشرق ہم سے کمتر نہیں ہے۔ بلکہ اسے آگے بڑھنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ صدیوں سے سفید فام قومیں اسے اپنی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رہی ہیں اور انہوں نے اُسے ابھرنے نہیں دیا۔ لیکن اب وہ بھی آہستہ آہستہ بیدار ہو رہا ہے۔"

"ان دونوں نے نیلی قمیض والے کو ٹھکانے لگا دیا ہوگا۔" کیلی نے کہا۔

"ہو سکتا ہے.... لیکن مجھے توقع ہے کہ رات تک مدد ضرور آئے گی۔ کیونکہ عمران اور اس کا ساتھی وہاں رہ گئے ہیں۔ ہیلی کوپٹر آیا ہوگا۔"

کیلی ہنس پڑی اور پھر بولی۔ "اس نے یہی اطلاع دی ہوگی کہ ہم لوگوں کو پرندے پکڑ لے گئے۔"

"بہت گہرا آدمی معلوم ہوتا ہے۔" کراموئیل نے کہا۔ "یہ مشرقی آدمی عموماً بدنما مٹی کے ڈھیر معلوم ہوتے ہیں لیکن جب انہیں کریدو تو ایسے جواہرات نکلتے ہیں کہ آنکھیں چندھیا

جائیں۔ کرنل فریدی ہی کو لے لو.... وہ بین الاقوامی شہرت کا مالک ہے.... لیکن اگر اُسے دیکھو تو ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ یہ وہی فریدی ہے جس نے اتنے بڑے کارنامے انجام دیئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس کی صحت بڑی شاندار ہے۔ بڑے مضبوط جسم کا آدمی ہے لیکن اس کی آنکھیں ہر وقت نیند میں ڈوبی ہوئی سی معلوم ہوتی ہیں.... اور انہیں آنکھوں کی وجہ سے تم اسے کاہل اور کام چور تاجر سے زیادہ نہیں سمجھ سکتے۔"

"اگر ہم اس مہم میں ناکام ہوئے۔" اوبران بولا۔ "اور کبھی بین الاقوامی سطح پر کوئی مہم تیار کرنے کی ضرورت پیش آئی تو کرنل فریدی بھی یقینی طور پر ہمارے ساتھ ہوگا۔ مجھے بھی اس سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا.... کیا تم اُسے ذاتی طور پر جانتے ہو۔"

"مجھ سے زیادہ کون جانے گا۔" کراموِیل نے فخریہ انداز میں کہا۔ "ہم دونوں نے آکسفورڈ سے ساتھ پڑھا ہے۔ برسوں ہم نوالہ اور ہم پیالہ رہے ہیں۔ وہ اس وقت بھی انتہائی پراسرار معلوم ہوتا تھا جب اس نے اپنے مستقبل کے بارے میں کچھ بھی نہیں سوچا تھا.... تعلیم ختم کرنے کے بعد دو سال تک اس نے سیاحت کی تھی۔ کبھی افریقہ میں ہے کبھی جنوبی امریکہ میں۔ کبھی آسٹریلیا میں.... جنگل کی زندگی سے اسے عشق تھا۔"

"کیا تم بھی کبھی اس کے ساتھ گئے تھے۔" ہنٹر نے پوچھا۔

"نہیں میں اتنا مالدار نہیں تھا کہ دنیا کی سیاحت کر سکتا۔ فریدی بہت مالدار تھا۔ غالباً کسی شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ مجھے یاد ہے۔ اکثر اس کا باپ بھی انگلینڈ آتا رہتا تھا۔ جب بھی وہ آتا لندن کے معززین اور پارلیمنٹ کے ممبر اس کا استقبال کیا کرتے تھے اور اس استقبال کی خبریں اخبارات میں آیا کرتی تھیں.... مگر میں نے فریدی جیسا آدمی نہیں دیکھا۔ وہ کبھی دوسروں پر یہ ظاہر ہونے نہیں دیتا تھا کہ وہ دولت مند ہے۔ عام طلباء کی طرح سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔ اس کے ملک کے کئی اور بھی مالدار لڑکے آکسفورڈ میں زیرِ تعلیم تھے۔ لیکن ان کے ٹھاٹ دیکھ کر یہی کہنا پڑتا تھا کہ وہاں تعلیم حاصل کرنے کے لئے نہیں آئے۔ فریدی کنجوس بھی نہیں تھا۔ وہ سینکڑوں پونڈ نادار طلباء کی مدد کے سلسلے میں خرچ کر دیتا تھا۔ اس کا لحاظ کئے بغیر کہ وہ طلباء کس ملک و قوم یا مذہب و ملت سے تعلق رکھتے ہیں۔"

دفعتاً کیلی بے تحاشہ ہنس پڑی اور کراموِیل خاموش ہو کر متحیرانہ انداز میں اس کی طرف

دیکھنے لگا۔ دوسرے بھی متوجہ ہو گئے تھے۔

کیلی نے کہا۔ "ہم نے تو کچھ ایسی گفتگو چھیڑ رکھی ہے جیسے اپنے مکان کے سب سے آرام دہ حصے میں بیٹھے ہوئے ہوں۔"

"اوہ....!" کراموِیل مسکرایا۔ "ہم ایک ایسی مہم پر نکلے ہیں جس کے متعلق ہمیں تقریباً یقین ہے کہ ہم میں سے کچھ ہی لوگ زندہ رہ سکیں گے۔ لہٰذا ہمیں اس کے متعلق سوچنا ہی نہ چاہئے کہ ہم کس حال میں ہیں۔"

کیلی کچھ نہ بولی۔

جھونپڑی کے گرد ننگ دھڑنگ ریڈ انڈین بچوں کی بھیڑ نظر آ رہی تھی۔ کیلی انہیں توجہ اور دلچسپی سے دیکھتی رہی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کاش کبھی یہ تعلیم اور تہذیب سے آشنا ہو سکیں۔ پھر سورج مغرب میں جھکنے لگا۔

ریڈ انڈین قیدیوں کی جھونپڑی کے سامنے والے میدان میں اکٹھے ہو رہے تھے۔ ان میں سے کسی کے ہاتھ میں کلہاڑی تھی کسی کے ہاتھ میں نیزہ.... اور کمانیں اور ترکش تو قریب قریب ہر ایک کے شانے پر نظر آ رہے تھے۔ اکثر کے ہاتھوں میں پرانی وضع کی رائفلیں بھی نظر آئیں۔

کچھ دیر بعد ان کے درمیان ایک معمر اور باوقار آدمی بھی دکھائی دیا۔ اس کے سر پر پروں والی ٹوپی نہیں تھی۔ لیکن لباس سے وہ معزز آدمی معلوم ہو رہا تھا۔ اُسے دیکھتے ہی وہ سب خاموش ہو گئے۔

اس نے ان سے کچھ کہنا شروع کیا۔ شاید وہ کسی خاص موضوع پر تقریر کر رہا تھا۔ کیلی نے اوبران سے پوچھا۔ "یہ کیا کہہ رہا ہے؟"

"ہمارے ہی متعلق گفتگو ہو رہی ہے۔ وہ کہہ رہا ہے کہ نیلی قمیض والا ابھی تک واپس نہیں آیا۔ اس نے بتایا تھا کہ ان کے ساتھیوں میں دو آدمی اور بھی تھے جو نکل گئے۔ وہ یہی کہہ کر وہاں رک گیا تھا کہ انہیں تلاش کرے گا۔ اگر وہ انہیں تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تو.... ہم جلد ہی کسی نئے واقعے سے دوچار ہوں گے۔"

اوبران خاموش ہو کر دوسرے انڈینوں کا شور سننے لگا۔ وہ ہاتھ اور سر ہلا ہلا کر کچھ کہہ رہے تھے۔

آخر تقریر کرنے والے نے ہاتھ اٹھا کر انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور اپنی بھاری بھرکم اور پُروقار آواز میں پھر کچھ کہنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد اوبران بولا۔ "وہ لوگ کہہ رہے تھے کہ اگر ان کی وجہ سے ہم پر ہوائی جہازوں سے بمباری کی گئی تو کیا ہوگا۔ جواب میں وہ کہہ رہا ہے کہ بمباری کی حماقت وہ کبھی نہ کریں گے۔ کیونکہ اس طرح ان کے آدمیوں کے ضائع ہو جانے کا امکان ہے۔ فوج آنے میں کئی دن لگیں گے اور پھر ہم ان پہاڑوں میں اپنی حفاظت بخوبی کر سکیں گے۔"

اوبران پھر خاموش ہو کر سننے لگا اور تھوڑی دیر بعد بولا۔ "ہاں وہی پرانی کہانی ہے کہ ہم ان لوگوں کے مالدار ورثاء سے لمبی رقوم وصول کریں گے۔"

وہ لوگ پھر چیخنے لگے.... اور تقریر کرنے والا خاموش ہو کر ان کا شور سنتا رہا کچھ دیر بعد اس نے ہاتھ اٹھا کر انہیں خاموش کیا۔ پھر خود بولنے لگا۔ اوبران نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "وہ لوگ نیلی قمیض والے کے متعلق پوچھ رہے تھے کہ وہ کون ہے۔ اس پر اس نے غصیلے انداز میں کہا ہے کہ انہیں اس سے سروکار نہ ہونا چاہئے۔ اگر اب کسی نے ذرہ برابر بھی شور مچایا تو اُسے یہیں اسی وقت قتل کر دیا جائے گا۔"

اچانک اوبران بھی خاموش ہو گیا اور ریڈ انڈین سردار کی آواز بھی گھٹ کر رہ گئی۔ وہ سب آسمان کی طرف دیکھنے لگے۔

اوپر ہوائی جہاز گرج رہے تھے اور اس بغیر دیواروں والی جھونپڑی کے نیچے پڑے ہوئے قیدی بھی انہیں صاف دیکھ سکتے تھے۔ ان کی تعداد صرف تین تھی اور یہ رسد لے جانے والے طیارے تھے۔ دفعتاً دو پیراشوٹ فضا میں معلق نظر آئے۔ دو آدمی جہازوں سے نیچے اتر رہے تھے اور ان دونوں کے ہاتھوں میں سفید جھنڈے نظر آ رہے تھے۔

دفعتاً سردار کچھ کہنے لگا اور اوبران نے اپنے ساتھیوں کو بتایا۔ "وہ کہہ رہا ہے انہیں آنے دو۔ وہ سفید جھنڈے لہرا رہے ہیں۔ غالباً معاملے کی بات کریں گے.... اور پھر وہ دو ہی تو ہیں ہم انہیں باآسانی مار سکتے ہیں۔"

کھنچی ہوئی کمانیں ڈھیلی ہو گئیں۔ ورنہ درجنوں تیر ان دونوں کو چھید کر رکھ دیتے جو پیراشوٹوں کے ذریعے نیچے آ رہے تھے۔

وہ ٹھیک اُسی جگہ اُترے جہاں انڈینوں کا مجمع تھا۔ لیکن نیچے آتے ہی انہوں نے سفید جھنڈے پھینک دیئے اور پیراشوٹوں کو بھی الگ کر کے ٹامی گنوں سے اندھا دھند گولیاں برسانی

شروع کر دیں۔ انڈینوں میں بھگدڑ پڑ گئی۔ ان کے خیال کے مطابق یہ حملہ قطعی غیر متوقع تھا۔ اکثر جھونپڑیوں سے تیر بھی آئے۔ لیکن فائر کرنے والوں کے جسموں سے ٹکرا کر دور جا گرے.... ایک آدمی فائر کرتا ہوا قیدیوں کے پاس پہنچ گیا اور قیدیوں نے خوشی کے نعرے لگائے۔ پھر ہوائی جہازوں سے تین آدمی اور کودے.... لیکن اب انڈینوں کو اتنا ہوش کہاں تھا کہ وہ تیر مار کر پیراشوٹ کو چھلنی کر سکتے۔ پہلے آنے والے دونوں آدمیوں نے بڑی عقلمندی سے کام لیا تھا۔ اگر وہ سفید جھنڈے لہراتے ہوئے نیچے نہ آتے تو ان کی ہڈیاں یقینی طور پر چور چور ہو گئی ہوتیں۔ کیونکہ انڈین تیر مار مار کر پیراشوٹوں کو بیکار کر دیتے۔

انڈین لکڑی کے لٹھوں کی دیواریں پھلانگ کر بستی کے باہر بھاگ رہے تھے کیونکہ جب انہوں نے دیکھا کہ گولیاں برسانے والوں پر کوئی حربہ کارگر ہی نہیں ہوتا تو بھاگ نکلنے کے علاوہ انہیں اور کوئی چارہ نظر نہ آیا۔

اور اب وہ تعداد میں پانچ ہو گئے تھے اور ان کے پاس متواتر گولیاں برسانے والی ٹامی گنیں تھیں۔

ذرا ہی سی دیر میں بستی ویران ہو گئی۔ ہوائی جہاز اوپر چکر لگاتے رہے اوبران اور اس کے ساتھیوں کی رسیاں کاٹ دی گئیں۔ پھر انہیں معلوم ہوا کہ سب سے پہلے نیچے آنے والے دونوں آدمی صفدر اور عمران تھے انہوں نے اپنے جسموں پر بلٹ پروف لگا رکھے تھے اور ان کے سروں پر آہنی خود تھے۔

"میں جانتی تھی۔" کیلی نے عمران سے کہا۔ "تم یقیناً ہتھیلی پر سرسوں جماؤ گے۔"

"بس اب میرا ہارٹ فیل ہونے ہی والا ہے۔" عمران بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "ان لوگوں نے مجھے بھنگ پلا کر اس حرکت پر مجبور کیا تھا۔"

وہ سب ہنسنے لگے۔

پھر دفعتاً ہیلی کاپٹروں کی کرخت آواز سنائی دی اور تین ہیلی کوپٹر بھی فضا میں نظر آئے جو آہستہ آہستہ نیچے اتر رہے تھے۔

ان کی واپسی بڑی پرمسرت اور شاندار تھی۔ صفدر، عمران، کیلی، اوبران اور کراموبل ایک ہی ہیلی کوپٹر میں تھے۔

صفدر واقعات بیان کر رہا تھا۔ "جب ہیلی کوپٹر آیا تو عمران صاحب نے رسد لانے والے کو

حالات سے آگاہ کیا۔ پھر ہم اس ہیلی کوپٹر کے ذریعہ نیلی قمیض والے سمیت ہیڈ کوارٹر پہنچے۔ نیلی قمیض والے نے اپنی زبان بند کرلی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اب کبھی نہ کھلے گی۔ ہیڈ کوارٹر میں اس وقت صرف تین جہاز اور تین ہیلی کوپٹر موجود تھے.... کمانڈر سوچ میں پڑ گیا تھا۔ آخر عمران صاحب نے صرف چھ آدمی مانگے اور تجویز پیش کی کہ انہیں پیراشوٹوں سے نیچے اتارا جائے.... اس پر کمانڈر نے زہریلے اور آتشی تیروں کا خوف دلایا.... عمران صاحب نے بلٹ پروف کی تجویز پیش کی اور جھلاہٹ میں یہاں تک کہہ دیا کہ ہم صرف دو آدمی نیچے اتریں گے۔ اس لئے کمانڈر کو اسی کی پرواہ نہ ہونی چاہئے۔ آخر کافی بحث و تکرار کے بعد یہ تجویز منظور ہو گئی۔

"واقعی تم لوگ بہت دلیر ہو۔" اوبران مسکرا کر بولا۔

"میرا نروس بریک ڈاؤن ہو رہا ہے۔" عمران ہاتھ پیر پھیلا کر بولا۔

کیلی ہنسنے لگی۔

کراموئیل نے کہا۔ "کیا تم کرنل فریدی کو جانتے ہو۔"

"ارے آج آپ کو کرنل فریدی کے خواب کیوں آرہے ہیں۔" کیلی بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

"وہ بھی بہت دلیر آدمی ہے۔ آنکھیں بند کر کے موت کے منہ میں کود پڑتا ہے۔"

عمران نے قہقہہ لگایا دیر تک ہنستا رہا اور پھر خاموش ہو گیا۔

"کیوں؟ آپ ہنسے کیوں تھے!" کراموئیل نے پوچھا۔

"آپ ایک ایسے آدمی کا تذکرہ کر رہے ہیں جس کا کوئی وجود نہیں ہے۔"

"کیا مطلب....؟"

"کرنل فریدی.... صرف ایک کہانی ہے۔"

"آپ کہاں کی باتیں کر رہے ہیں۔"

"وہیں کی جہاں بڑے بڑوں کی عقلیں خبط ہو جاتی ہیں۔"

"شاید اس واقعہ نے آپ کے ذہن پر بُرا اثر ڈالا ہے۔"

"اتنا بُرا کہ میں اپنے نام کے ہجے تک بھول گیا ہوں.... ٹی۔ آئی۔ ایل۔ پی۔ اے۔ این عمران مگر مجھے اس میں شبہ ہے۔"

کیلی پھر ہنسنے لگی اور اس نے عمران سے کہا۔ "آپ نے کبھی کسی مسئلے پر سنجیدگی سے بھی غور

کیا ہے۔"

"میں جب بھی کسی مسئلے پر سنجیدگی سے غور کرنے کی کوشش کرتا ہوں میرا معدہ خراب ہو جاتا ہے۔"

"یقیناً یہی ہوتا ہوگا۔" کیلی مسکرائی۔

عمران کچھ نہ بولا۔ اس کے چہرے پر بلا کی حماقت پھٹ پڑی تھی۔ کراموئیل نے پھر فریدی کے تذکرے چھیڑ دیئے اور عمران اونگھنے لگا۔ صفدر اور اوبران بڑی دلچسپی سے سن رہے تھے۔ کیلی بھی بے تعلق نظر آرہی تھی۔ لیکن عمران کے اونگھنے کا انداز اُسے بار بار ہنسنے پر مجبور کر رہا تھا۔

"آپ بے کار اپنا وقت برباد کر رہی ہیں۔" صفدر نے اس سے کہا۔

"کیوں؟ کیا مطلب....!"

"یہ اس وقت یہاں نہیں ہیں۔"

"پھر کہاں ہیں؟"

"جہاں بھی ہوں.... یہاں تو نہیں ہیں۔"

"آپ مجھ سے زیادہ سمجھ سکتے ہیں۔"

"اسی لئے تو عرض کر رہا ہوں کہ ان کی فکر میں رہنے والے عموماً سر پر ہاتھ رکھ روتے ہیں۔"

"میں نہیں سمجھی....!"

"ان کی باتیں.... رفتہ رفتہ سمجھ میں آتی ہیں۔"

دفعتاً عمران چونک کر بولا۔ "یہ ہوائی ٹٹو نیچے کب اترے گا۔"

"کیا آپ تھکن محسوس کر رہے ہیں۔" اوبران نے پوچھا۔

"کہئے تو نہ محسوس کروں۔" عمران نے بیچارگی سے کہا اور وہ سب ہنس پڑے۔

"تم نے ٹھیک ہی کہا تھا۔" عمران نے صفدر سے کہا۔ "میں خواہ کسی عرض البلد یا طول البلد پر پہنچ جاؤں لوگ مجھے بیوقوف ہی سمجھیں گے۔"

"اوہ.... یہ مطلب نہیں۔" اوبران گڑبڑا کر بولا۔ "آپ غلط سمجھے ہیں۔"

"نہیں....!" عمران ٹھنڈی سانس لے کر دردناک لہجے میں بولا۔

"میں بہت بدنصیب آدمی ہوں۔ میں چھوٹا ہی سا تھا کہ میرا کتا مر گیا تھا۔ جب ذرا ہوش

سنبھالا تو گھوڑا بھی مر گیا۔ اب میں دنیا میں بالکل اکیلا ہوں اور لوگ مجھے گدھا سمجھتے ہیں اور میں کسی نیل کنٹھ کی طرح اداس ہوں۔"

صفدر کے علاوہ اور سب اسے ایسی نظروں سے دیکھ رہے تھے جیسے اس کا دماغ خراب ہو گیا ہو۔

رہائی اور شرارت

فریدی اور جیری چھت پر پہنچے.... یہاں صرف انہی دونوں کمروں پر بنے ہوئے کمرے نظر آئے جن پر وہ لوہے کے کٹہرے دیکھ آئے تھے اور انہی کمروں میں وہ مشینی نظام موجود تھا جس کے ذریعے وہ دونوں کٹہرے نیچے ہو جاتے تھے اور پھر نیچے سے اوپر کھینچے جا سکتے تھے۔

"یہ سب کچھ یہاں پہلے بھی موجود رہا ہو گا۔" جیری نے تشویش کن لہجے میں کہا۔

"یقیناً....!" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "یہ دو چار دن کا انتظام تو معلوم نہیں ہوتا۔"

"مگر.... اس کی یہاں ضرورت ہی کیا ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ اس کمرے کا کٹہرہ اوپر اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا جس میں حمید مقید تھا۔ تھوڑی سی جدوجہد کے بعد وہ اس میں کامیاب ہو گیا۔

وہ دونوں پھر نیچے آئے اور حمید راہداری میں کھڑا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ سورج غروب ہونے میں ابھی کچھ دیر تھی۔ عمارت ابھی تک تاریک نہیں ہوئی تھی اور وہ روشنی کے بغیر بھی کام چلا سکتے تھے۔

اب وہ تینوں اس کمرے میں آئے جہاں دونوں امریکن کٹہرے میں بند تھے۔ انہوں نے ان کو بہت نڈھال پایا۔

"تم لوگ بھی انہیں کے ساتھ سڑ جاتے۔" جیری انہیں گھورتا ہوا غرایا۔

وہ دونوں پھر ان چینیوں کو گالیاں دینے لگے جنہوں نے ان کو اس مصیبت میں پھنسایا تھا۔ وہ آدمی جو حمید کا خط لے کر گیا تھا کہنے لگا۔ "اس سور کے بچے نے مجھ سے کہا تھا کہ میں کرنل کو یہاں لاؤں اور ہم تینوں اس کمرے میں بیٹھیں۔"

"تم لوگ اسے کب سے جانتے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"صرف تین دن سے وہ ہمیں پچاس ڈالر یومیہ دیتا تھا۔"

"اب کیا ارادہ ہے۔" جیری نے غصیلی آواز میں پوچھا۔ "ہم تمہیں یہیں چھوڑ جائیں؟"

وہ دونوں گڑگڑانے لگے۔ انہوں نے کہا کہ وہ یہاں بھوکوں مر جانے سے بہتر سمجھیں گے کہ انہیں کسی پاگل خانے میں پاگلوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے۔

فریدی نے جیری کو علیحدہ لے جا کر کہا۔ "اگر تم نے ان کے خلاف کوئی قانونی کاروائی کی تو میرا بڑا وقت برباد ہو گا اور شاید پھر میں اپنے اس ساتھی کو نہ پا سکوں جس کے لئے میں نے یہ سفر اختیار کیا تھا۔"

"پھر تم جو کچھ کہو کیا جائے۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ عمارت منشیات کی ناجائز تجارت کے مرکز کی حیثیت سے استعمال کی جاتی رہی ہے اور یہاں دوسرے جرائم بھی ہوتے رہے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے....! میں بھی اس کے امکانات پر غور کرتا رہا ہوں مگر ہم اسے ثابت کیسے کریں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ یہاں تہہ خانے بھی موجود ہیں۔ اگر ہم تھوڑی سی محنت کریں تو بہت کچھ معلوم ہو سکے گا۔ پہلے یہ تو بتاؤ کہ یہ محتاج خانہ کس کی نگرانی میں چلتا رہا ہے۔"

"اس کے لئے ریکارڈ دیکھنے پڑیں گے۔" جیری نے کہا۔ "ویسے مجھے علم ہے کہ یہ چھ ماہ سے بند پڑا ہے۔"

"اچھی بات ہے آؤ.... ہم اس عمارت کا جائزہ لیں۔"

وہ جیری اور حمید عمارت کا گوشہ گوشہ دیکھنے لگے اور آخر کار فریدی نے تہہ خانہ اور اس کا راستہ تلاش کر ہی لیا۔ وہ نیچے اترے اور دوسرے ہی لمحے میں فریدی کے شبہے کی تصدیق ہو گئی۔ وہاں شراب کے بے شمار خالی بیرل نظر آئے.... بھلا کسی محتاج خانے میں شراب کے بیرلز کا کیا کام؟

"بس کافی ہے۔" جیری نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "ان دونوں کو پھانسنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ اب تمہیں اس معاملے میں گھسیٹنے کی ضرورت نہیں رہی۔"

انہوں نے باہر آ کر تہہ خانے کا راستہ بند کر دیا اور پھر اس کمرے میں واپس آئے جہاں وہ دونوں کٹہرے میں قید تھے۔

فریدی نے ان سے تن لین کے متعلق پوچھ گچھ شروع کی لیکن وہ اس کے پروگرام کے متعلق کچھ نہ بتا سکے۔

اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ وہ دونوں قیدیوں کو لئے ہوئے باہر آئے۔ جیری اسی ٹیکسی میں بیٹھ گیا جس پر فریدی کو لایا گیا تھا۔ قیدیوں کے ہاتھ پیر باندھ کر انہیں پچھلی نشست پر ڈال دیا گیا۔

جیری والی ٹیکسی حمید اور فریدی کو وائیلڈ کیٹس کی طرف لے جا رہی تھی۔

"تم نے بڑی عقلمندی سے کام لیا تھا۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

ارے میں تو اپنی قبر میں بھی بیٹھ کر ہارمونیم بجاؤں گا۔ میں کہتا ہوں آخر آپ جیسا چالاک آدمی ان کے خطوط کے چکر میں کیسے پھنس گیا تھا۔"

"بس اب کیا بتاؤں اتفاق ہی تو ہے اور پھر آنے والی گردش ہمیشہ عقل خبط کر دیتی ہے۔"

"بھگتنا تو مجھے پڑتا ہے۔ کیا آپ کو یہ تجویز مضحکہ خیز نہیں معلوم ہوئی تھی کہ قاسم کو بھی ساتھ لایا جائے۔"

"یقیناً یہ ایک مضحکہ خیز اسکیم تھی۔ میں کہتا ہوں یہی اسکیم مضحکہ خیز تھی کہ تاریک وادی کا سفر کیا جائے.... مگر پھر کیا ہوتا ہے۔ مقدرات نہیں ٹلتے۔ اور جب ستارے گردش میں آتے ہیں تو اونچے سے اونچا آدمی بھی مینڈکوں کے سے انداز میں سوچنے لگتا ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ ٹیکسی سنسان سڑک پر دوڑتی رہی۔ ابھی وہ شہری آبادی سے باہر ہی تھے کہ دفعتاً حمید اسے قاسم کے متعلق بتانے لگا کہ وہ کس طرح ایک غیر متوازن دماغ کے آدمی کے سے انداز میں بے بس نظر آ رہا تھا۔

"یہ یادداشت واپس لانے ہی کی تدبیریں ہو سکتی ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"کچھ بھی ہو.... وہ بڑی قابل رحم حالت میں تھا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔ "میں آج روزا سے بھی ملا تھا.... اس نے بھی ایک ایسے چینی کی کہانی سنائی ہے جو تین ماہ پہلے اسے ملا تھا اور کوشش کی تھی کہ وہ تاریک وادی کے لئے اس کی ہم سفر بن جائے۔ اس نے جو حلیہ بتایا ہے وہ تن لین ہی کا ہو سکتا ہے۔"

"آہا.... تو نہیں چین پڑی۔ مل ہی لئے روزا سے۔" حمید ہنسنے لگا۔

"بکواس مت کرو۔ آج میرا موڈ بہت خراب ہے۔ تن لین ہاتھ آیا ہوا نکل گیا۔ اب وہ سیدھا ایکویڈور جائے گا۔ اس میں کسی شبہے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔"

"تو پھر تیاری شروع کر دوں۔"

"یقیناً.... کرنی ہی پڑے گی۔"

"ارے تیاری کیا کرنا ہے.... بس تقریباً بیس گز سفید کپڑا خواہ ریشمی ہو خواہ سوتی۔"

"میرا خیال ہے کہ کفن دفن سے زیادہ رومانس اس میں رہے گا کہ ہماری لاشیں گدھ نوچ کھائیں۔"

"شاید ایسا ہی ہو۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

وہ ہوٹل پہنچ گئے۔ جیری کی ٹیکسی راستے ہی میں دوسری طرف مڑ گئی تھی۔ وہ ڈائننگ ہال سے گزر ہی رہے تھے کہ حمید ایک لڑکی دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ وہ دوسری جانب متوجہ تھی۔ فریدی بھی رک گیا۔

"اوہ.... روزا....!" اس نے آہستہ سے کہا۔ "شاید وہ ہمارا ہی انتظار کر رہی ہے۔"

پھر لڑکی بھی ان کی طرف متوجہ ہو گئی.... حمید تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔

"میرا خیال ہے کہ پہلے بھی آپ کو کہیں دیکھ چکا ہوں۔" اس نے کہا۔

"اوہ کیپٹن....!" روزا نے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا پھر بولی۔ "مجھے بڑی شکایت ہے آپ لوگوں سے، بغیر اطلاع آئے اور آپ ہوٹل میں مقیم ہو گئے۔"

"کرنل مقیم ہوں گے! میں تو ابھی جانوروں کے کٹہرے سے نکل کر بھاگا ہوں۔"

"آؤ.... اوپر چلیں۔" فریدی نے روزا سے کہا "یا یہیں بیٹھو گی۔"

"چلئے....!" روزا اٹھتی ہوئی بولی۔ "وہاں جانا تو ضروری ہو گا کیونکہ آپ لوگوں کا سامان یہاں سے اٹھوانا ہے۔"

"اس معاملے میں ضد نہ کرو۔" فریدی نے کہا۔ "ہم اگر یہاں تفریحاً آتے تو یقینی طور پر تمہیں تکلیف دیتے.... ان حالات میں ہمارا یہاں قیام کرنا مناسب نہ ہو گا۔"

روزا کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے فریدی کی یہ بات گراں گزری ہے۔

وہ زینے طے کر کے فریدی کے کمرے میں آئے۔

"قاسم کے متعلق کچھ معلوم ہوا ہے؟" روزا نے پوچھا۔ لیکن اس کی آواز میں پہلی سی گرم جوشی باقی نہ رہی تھی۔

"قاسم کچھ دیر پہلے نیویارک میں دیکھا گیا تھا! لیکن میں ذرا دیر سے پہنچا اور وہ لوگ وہاں سے ہٹ گئے۔" فریدی نے کہا۔ اس سلسلے میں یہ اس کا آخری جملہ تھا۔ وہ نہ تو تفصیل میں گیا اور نہ یہی بتایا کہ حمید پر کیا گزری تھی۔

"پھر اب آپ نے کیا سوچا ہے۔" روزا نے پوچھا۔

"اگر ضرورت پڑی تو ایک بار پھر تاریک وادی کا سفر کرنا پڑے گا۔"

"کیا میں امید کروں کہ آپ مجھے موقع دیں گے۔"

"تم....!" فریدی نے حیرت سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ تم اس بار سفر نہ کر سکو گی۔ پہلے کی بات اور تھی۔ وہ دراصل ایک قسم کی لاگ تھی جو تمہیں تاریک وادی لے گئی تھی۔ اس بار تمہاری ہمت جواب دے جائے گی۔"

"میں اپنی ذمہ داری پر چلوں گی۔"

"میں بھی ان کی ذمہ داری لے سکتا ہوں۔" حمید بولا۔

"آپ تو اپنی ذمہ داری بھی نہیں لے سکتے۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

پھر روزا سے بولا۔ "کیا اس چینی کے علاوہ اور کسی نے بھی کبھی تمہارے ساتھ تاریک وادی کا سفر کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔"

"نہ جانے کتنے تھے جنہوں نے خواہش ظاہر کی تھی۔ بہتیرے مسٹر طارق کے بھی پیچھے پڑے رہے تھے۔"

"مگر سوال یہ ہے کہ تاریک وادی کے متعلق لوگوں کو علم کیسے ہوا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"آپ لوگوں کے چلے جانے کے بعد میں بہت زیادہ پریشان رہنے لگی تھی۔ بس مجھے جنون سا ہو گیا تھا۔ اس سفر کی بھیانک یادیں ہر وقت میرے ذہن پر مسلط رہتیں۔ اسی پاگل پن کے دوران میں میں نے ایک دن اس سفر کی کہانی ایسے دوست کے سامنے دہرا دی جو پریس رپورٹر تھا۔ اس نے عقل مندی یہ کی کہ میری اجازت لئے بغیر وہ کہانی اخبارات کو دے دی۔ بس پھر کیا تھا۔ اچھی طرح شامت آ گئی۔ پولیس سے بھی دوچار ہونا پڑا اور خزانوں کی تلاش میں رہنے والوں

نے الگ یلغار کر دی۔"

"پھر کیا ہوا۔" حمید نے زبردستی اپنے چہرے پر حیرت کے آثار پیدا کئے۔

"آہا.... پھر.... پھر میں نے انہیں طارق کا پتہ بتا دیا۔" روزا ہنسنے لگی۔

پھر بولی۔ "میں کیا کرتی۔ میرے حواس یونہی غائب تھے.... میرے بس کا روگ نہیں تھا کہ فرداً فرداً ہر ایک کو وہ کہانی سناتی۔"

"اور اب پھر آپ ساتھ چلنے پر مصر ہیں۔"

"میں ڈرپوک تو نہیں ہوں۔ پچھلی بار کی بات اور تھی۔ ایسے حادثات پیش آئے تھے کہ میں ذہنی طور پر مفلوج ہو کر رہ گئی تھی اور مجھے صحیح معنوں میں اس کا احساس ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ سفر کب شروع ہوا اور واپسی کب ہوئی۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد روزا نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے ہی تھے کہ حمید بول پڑا۔

"خدارا.... کوئی نیا تذکرہ چھیڑیئے گا.... دیکھئے نا.... ہم لوگ کتنے دنوں بعد ملے ہیں.... پھر کیا یہ ضروری ہے کہ اس دوسری ملاقات پر بھی ہم تاریک وادی کا تذکرہ کرتے رہیں۔"

"قطعی نہیں....!" فریدی مسکرایا۔

"رات کا کھانا ہمارے ساتھ ہی کھایئے گا۔" حمید نے روزا سے کہا۔ روزا نے دعوت قبول کر لی۔ کھانے کے لئے وہ ڈائننگ ہال ہی میں آئے۔ فریدی متفکر نظر آ رہا تھا۔ اس نے گفتگو میں بہت کم حصہ لیا۔ ویسے روزا اسے بار بار مخاطب کرتی رہی۔ لیکن فریدی صرف ہوں ہاں کر کے خاموش ہو جاتا۔

"کیا بات ہے۔" روزا نے کچھ دیر بعد کہا۔ "کیا آپ کی طبیعت کچھ خراب ہے۔"

"ہاں.... میں بھی محسوس کر رہا ہوں؟" فریدی بولا۔

"آہا.... تب آپ اوپر جا کر آرام کیجئے۔" حمید جلدی سے بول پڑا۔ "ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ بات دراصل یہ ہے مس روزا کہ کرنل کئی روز سے سوئے نہیں۔"

"اوہ تب تو یقیناً آپ کو آرام کرنا چاہئے۔" روزا نے کہا۔

فریدی کچھ دیر بعد اٹھ کر چلا گیا۔ حمید جانتا تھا کہ وہ اس وقت صرف سوچنا چاہتا ہے۔ ایسے

موقع پر وہ حمید کا وجود بھی نہیں برداشت کر سکتا تھا۔ مگر حمید نے کچھ اس خیال کے تحت اس کے اوپر جانے کی تجویز نہیں پیش کی تھی کہ وہ تنہائی میں کسی مسئلے پر غور کر سکے۔ بلکہ وہ تو وائیلڈ کیٹس کی تفریحات کے سلسلہ میں کسی اچھی سی ساتھی کا متلاشی تھا۔ روزا سے بہتر ساتھی اور کہاں سے ملتی۔ لیکن فریدی کی موجودگی میں وہ حمید کی طرف رخ نہ کرتی۔

حمید اسے بال روم میں لے گیا۔ یہاں رقص ہو رہا تھا۔

"کیا میں آپ سے رقص کی درخواست نہ کروں۔" حمید نے روزا سے پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔" روزا نے ہنس کر کہا اور اس کی طرف ہاتھ بڑھا دیئے۔

پھر وہ دونوں بھی ناچنے والوں کی بھیڑ میں آ گئے۔

"کرنل میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔" روزا نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ اب بھی اتنے خشک آدمی ہیں جیسے پہلے تھے۔"

"افسوس کہ آپ نے تبدیلی محسوس نہیں کی۔" حمید نے کہا۔ "کیا آپ یہ سمجھتی ہیں کہ کرنل ہوش میں ہیں۔"

"کیا مطلب....؟" روزا چونک پڑی اور اس کے پیر لڑکھڑا گئے۔ اُسے سنبھالنا حمید کے لئے ایک بڑے خوشگوار فرض کی ادائیگی کا درجہ رکھتا تھا۔

"یہ ایک لمبی کہانی ہے مس روزا.... ہماری بدقسمتی کی کہانی۔ انہیں ایک ایسے مجرم کی تلاش ہے جس نے ایک ہزار سال پہلے ان کی محبوبہ کو قتل کر دیا تھا۔"

روزا بے تحاشہ ہنس پڑی۔ مگر اسے ایک بار پھر سنجیدہ ہو جانا پڑا۔ کیونکہ دو گرم گرم آنسو اس کے نیم عریاں شانے پر ٹپکے تھے۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا حمید رو رہا تھا۔

"ارے ارے کیا بات ہے۔" روزا نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور اس کے قدم رک گئے۔

"مجھے کرنل سے بے تحاشہ محبت ہے" حمید بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "میں انہیں اس حال میں نہیں دیکھ سکتا۔"

"آؤ.... چلو....!" مجھے بتاؤ کیا بات ہے۔" وہ اس کا شانہ چھوڑ کر ہٹ گئی اور وہ دونوں رقاصوں کی بھیڑ سے نکل کر گیلری کی طرف جانے لگے جہاں متعدد میزیں خالی پڑی ہوئی تھیں۔ ایک میز پر بیٹھ جانے کے بعد وہ کچھ دیر تک خاموش رہے پھر روزا نے پوچھا۔

"تم کیا کہہ رہے تھے۔"

"آپ شاید مذاق سمجھی تھیں۔" حمید نے گلوگیر آواز میں کہا۔ "ایک سال ہونے کو آیا۔ میری نیند پوری نہیں ہوئی۔ آج یہاں، کل وہاں اسی قاتل کی تلاش جاری ہے جس نے اس کی محبوبہ کو اب سے ایک ہزار سال پہلے قتل کر دیا تھا.... ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ وہ جو کچھ بھی کریں اسے غیر منطقی قرار نہ دیا جائے ورنہ اس کے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔ لہٰذا جو کچھ بھی کہتے ہیں کان دبا کر کرتا ہوں.... میں پہلے ہی جانتا تھا کہ ایک نہ ایک دن ان کے ذہن پر ایسے ہی بُرے اثرات پائے جائیں گے۔ آپ خود سوچئے چوبیسوں گھنٹے کام۔ بس کوئی کیس ہاتھ آ جانا چاہئے۔ پھر کیا ہے کھانا پینا حرام.... پوری نیند سونا حرام.... آپ خود سوچئے ایسے آدمی کا کیا حشر ہو سکتا ہے.... اب کچھ ہی دنوں پہلے کی بات ہے کہ رات سوتے سوتے اٹھ بیٹھے اور کہنے لگے کہ وہ قاسم کو پکڑ کر لے گیا۔ میں نے پوچھا، کون ہے، بولے کہ وہی جس نے ایک ہزار سال پہلے میری محبوبہ کو قتل کیا تھا۔ وہ قاسم کو پکڑ لے گیا ہے اور تاریک وادی میں لے جا کر قتل کر دے گا۔ میں نے سوچا خواب دیکھا ہے صبح تک اس کا اثر زائل ہو جائے گا مگر توبہ کیجئے۔ صبح ہوتے ہی انہوں نے نیویارک کے فضائی سفر کے لئے دو سیٹیں بک کرالیں۔ نتیجے کے طور پر ہم یہاں نظر آ رہے ہیں۔"

"مگر انہوں نے تو کسی چینی کا تذکرہ کیا ہے.... اور کچھ دن پہلے ایک چینی ہی نے مجھے تاریک وادی کے سفر کی دعوت دی تھی۔"

"محض اتفاق ہے محترمہ! وہ کبھی کسی کو سچی بات نہیں بتاتے۔ خواہ دماغ صحیح ہو خواہ نہ ہو۔ اب انہوں نے طارق کو تار دی ہے کہ وہ انہیں ایکویڈور کے صدر مقام کیتو میں ملے۔ لہٰذا وہ کیلی فورنیا سے کیتو پہنچ جائے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ہم سے پہلے ہی کیتو پہنچ کر طارق کو صورت حال سے آگاہ کر دیجئے۔ شاید وہ ہی اپنے ہپناٹزم وغیرہ کی مدد سے ان کے ذہن کی اصلاح کر سکے.... میں چاہتا ہوں کہ یہ کام ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی ہو جائے۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ طارق بھی ان کی باتوں میں آ جائے۔"

روزا تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ "مگر میں وہاں طارق کو کہاں تلاش کرتی پھروں گی۔"

"بڑی آسانی سے اس کا پتہ چل جائے گا۔ کیونکہ وہاں صرف تین بڑے ہوٹل ہیں۔ کالے

نیولے والے کا پتہ لگانا تو مشکل نہیں ہوگا۔ اپنے نیولے کی وجہ سے وہ بھلایا نہیں جاسکتا؟"

داؤ پیچ

دروازے پر دستک دینے سے پہلے کیلی نے قفل کے سوراخ سے کمرے کے اندر جھانکا۔ حالانکہ یہ ایک غیر مہذب حرکت تھی۔ مگر وہ کیا کرتی۔ عمران نے اسے کچھ اسی طرح پاگل بنا کر رکھ دیا تھا۔ وہ اس کی ایک ایک بات پر نظر رکھتی۔ حتیٰ کہ جب بھی موقع ملتا ہے اس کے کمرے میں بھی جھانکنے سے باز نہ آتی۔

کمرے میں جھانک کر اس نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔ کیونکہ عمران سر کے بل فرش پر کھڑا تھا۔ چند لمحے خاموش رہ کر اس نے دروازے پر دستک دی۔ عمران کا معمول تھا کہ وہ صبح کو مختلف قسم کی ورزشیں کیا کرتا تھا۔ یہ سر کے بل بھی کھڑا ہونا ایک قسم کی ورزش ہی تھی۔

عمران نے دروازہ کھول کر اسے خاص لکھنوی انداز میں فرشی سلام کیا اور ایک طرف ہٹ کر اُسے اندر آنے کا راستہ دیتا ہوا پوچھنے لگا کہ "جھینگے کیسے تلے جاتے ہیں؟"

"میں نہیں جانتی۔" کیلی نے کہا۔ "کبھی تلنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ بلکہ میں نے تو آج تک اپنے ہاتھ سے چائے بھی نہیں بنائی۔"

"مجھے چائے بنانا آتی ہے۔" عمران نے فخریہ انداز میں کہا۔

"میں یقین نہیں کر سکتی۔" کیلی سنجیدگی سے سر ہلا کر بولی۔

"میری بہتیری حیرت انگیز صلاحیتوں پر لوگوں کو یقین نہیں آتا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے.... اور اس پر تو کوئی بھی یقین نہیں کر سکتا۔ میں نے چائے کے سلسلے میں ایک بالکل ہی نیا طریقہ ایجاد کیا ہے جس سے تندرستی بھی شاندار رہتی ہے۔"

"کون سا طریقہ؟"

"پتی چبائی، شکر پھانکی اور اوپر سے ایک جگ گرم پانی کا پی لیا اور پھر ایک بوتل دودھ چڑھا کر تین چار قلابازیاں کھائیں.... چائے معدے میں تیار ہے۔ نہ چائے دانی کا جھگڑا نہ پیالوں کی الجھن.... یہ طریقہ اس سفر میں کافی کار آمد ثابت ہوگا۔"

"تمہاری صحت شاید اسی لئے اچھی ہے کہ تم گیہوں کے کھیتوں میں چرتے رہے ہو۔" کیلی نے کہا۔

"ہاں....!" عمران نے سنجیدگی سے سر ہلا کر کہا۔ "ایک بار تو اس سلسلے میں بڑا شاندار لطیفہ ہوا۔ میں اور ایک گدھا شانہ بشانہ ایک گیہوں کا کھیت چر رہے تھے۔ اتفاق سے گدھے کا مالک اور میرا ملازم ہم دونوں کو تلاش کرتے ہوئے ایک ساتھ وہاں پہنچے، پھر ان سے ایک زبردست بھول ہوئی۔ گدھے کا مالک مجھے ہانک لے گیا اور میرا نوکر گدھے کو۔ لہٰذا رات بھر گدھا میرے بستر پر سوتا رہا اور میں تھان پر بندھا رہا۔ دوسری صبح ان دونوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ ہمارے اصل ٹھکانوں پر لے گئے۔" کیلی ہنس رہی تھی۔

وہ اس وقت ایکویڈور کے شہر ریوبامبا کے ایک ہوٹل ایفی چمبرازو میں مقیم تھے اور انہیں یہاں سے شمال مشرق کی طرف سفر کرنا تھا۔ سفر کرنے والوں کی تعداد بارہ تھی۔ ان میں عمران صفدر، اوبران، ہنٹر، کراموئیل اور کیلی قابل ذکر تھے۔ بقیہ چھ آدمیوں کا تعلق اوبران کے محکمہ سے تھا وہ کہیں باہر سے نہیں آئے تھے۔

اب یہاں سے پیدل یا گھوڑوں پر سفر کی تجویز تھی۔ راستے دشوار گزار تھے۔ اس لئے صرف گھوڑے ہی ان کے کام آسکتے تھے۔ ان راستوں میں نہ تو ہیلی کاپٹر کام آتے اور نہ موٹریں۔ بار برداری کا کام بھی گھوڑوں ہی سے لینا تھا۔

کیلی نے خیال ظاہر کیا تھا کہ اس سفر کے لئے عمران کا وجود بے حد ضروری تھا کیونکہ اس کی نظروں میں کسی چیز کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ وہ تو اس وقت بھی چہکتا ہوا دیکھا گیا تھا جب ریڈ انڈینوں نے ان پر حملہ کیا تھا اور اس نے اسے اس وقت بھی ہنستے دیکھا تھا جب وہ اور صفدر ریڈ انڈینوں کی بستی میں کود گئے تھے۔ بڑا خطرناک کام تھا۔ خود امریکن پیچھے ہٹ گئے تھے۔

وہ اپنا زیادہ تر وقت عمران ہی کے ساتھ گزارنے کی کوشش کرتی تھی اور صفدر دل ہی دل میں کہتا تھا۔ "روؤ گی.... تم ایک دن سر پر ہاتھ رکھ کر روؤ گی.... تم سمجھتی ہو کہ شاید وہ تمہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے اس قسم کی حرکتیں کرتا ہے.... یہ تمہاری بھول ہے۔ بھولی لڑکی.... وہ تو اپنے باپ کے سامنے بھی اسی قسم کی حرکتیں کرتا ہے۔"

آج بھی کیلی صبح ہی صبح اٹھ کر عمران کے کمرے میں چلی آئی تھی اور اس کا ارادہ تھا کہ یہیں

ناشتہ کر لے گی۔ کچھ دیر بعد صفدر بھی آ گیا اور اُس نے ایک نئی اطلاع دی۔

"ہیڈ کوارٹر سے اطلاع آئی ہے۔" اس نے کہا۔ "نیلی قمیض والا حوالات میں مر گیا۔ اس کی لاش اپنی جسامت سے تقریباً آٹھ گنا بڑھ گئی ہے۔ ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ موت کسی قسم کے زہر سے واقع ہوئی ہے۔"

"مگر اس کے پاس زہر کہاں سے آیا.... اسی خیال سے کہ کہیں وہ خودکشی نہ کر لے اس کی اچھی طرح تلاشی لی گئی تھی۔" کیلی نے کہا۔

"کسی دوسرے نے اس پر زہر آزمایا ہوگا۔" صفدر بولا۔ "اوبران کے محکمے میں لاتعداد مارشل ہوں گے۔ ایک تو اتفاقاً ظاہر ہو گیا تھا۔"

"میں کہتا ہوں جب تک ان لوگوں کو گرفت میں نہیں لے لیا جاتا ہم لاکھ برس تک بھی زیرولینڈ کا پتہ نہ لگا سکیں گے۔"

کیلی نے عمران کی طرف دیکھا جو سادھوؤں کے سے انداز میں آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا۔

"تمہاری کیا رائے ہے مسٹر عمران....!" کیلی نے اسے مخاطب کیا۔

"آں....!" عمران نے چونک کر آنکھیں کھول دیں اور انہیں ایسی نظروں سے دیکھنے لگا جیسے وہ اس کی بے خبری میں گھس آئے ہوں۔

"کیا تم نے نہیں سنا۔"

"نہیں.... کیا بات ہے۔"

"نیلی قمیض والا حوالات میں مر گیا۔"

"تب پھر مجھے.... اس سلسلے میں کیا کرنا چاہئے۔" عمران نے احمقانہ انداز میں پوچھا۔

"شاید رونا چاہئے۔" کیلی نے مسکرا کر کہا۔

"تب تو مجھے افسوس ہے۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "یہ کیس پینڈنگ میں ڈالنا پڑے گا۔ کیونکہ فی الحال میرے پاس آنسوؤں کا سٹاک نہیں ہے۔ پچھلے پانچ برسوں سے میں رونے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی۔"

"کیوں رونا کیوں چاہتے تھے۔"

"میرے والد صاحب نے اپنے باپ کی موت کا تذکرہ کیا تھا۔ میں نے سوچا کہ مجھے اس

سلسلہ میں دو چار آنسو ضرور بہانا چاہئے۔ میں نے کوشش کی لیکن آدھا آنسو بھی نہ نکلا.... پھر میں مختلف اوقات میں اس واقعے کو یاد کر کے رونے کی کوشش کرتا رہا لیکن آنسو میونسپل الیکشن لڑنے چلے گئے۔"

اتنے میں راہداری سے قدموں کی آوازیں آئیں اور دوسرے ہی لمحے میں کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"اجازت ہے۔" عمران نے دروازے کو گھورتے ہوئے کہا۔

دروازہ کھلا اور اوبران اندر داخل ہوا۔

"کیا تمہیں اس کی موت کی اطلاع مل گئی۔" اس نے عمران سے پوچھا۔

"ہاں....!" عمران ٹھنڈی سانس لے کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"بیٹھ جایئے.... مسٹر اوبران۔"

"ہاں.... مجھے یہ منحوس اطلاع ابھی ابھی ملی ہے.... اور اس وقت مرنے والے کا بھولا بھالا چہرہ میری نظروں میں پھر رہا ہے.... اُف فوہ۔ کیا ابھی اس کے مرنے کے دن تھے۔ ارے وہ نیلی قمیض میں کتنا شاندار لگتا تھا۔ اس کے مسکرانے کے انداز میں کتنی دلکشی تھی.... ارے وہ شریف آدمی ہر ایک کے کام آتا تھا۔"

"یہ کیا اڑانے لگے تم....!" اوبران نے جھنجھلا کر کہا۔

"کک.... کیوں....!" عمران گھبرائے ہوئے انداز میں ہکلایا۔ "کک.... کیا میں کچھ غلط کہہ رہا ہوں۔ مگر میری ممی نے تو یہی کہا تھا کہ کسی کی موت کی خبر سن کر اسی قسم کی گفتگو کیا کرو۔"

"مائی ڈیئر سر! اگر تمہیں اسی طرح ممی اور ڈیڈی کی یاد ستاتی رہی تو تم ساتھ دے چکے ہمارا۔"

"ہائے میں انہیں کیسے بھلا دوں۔" عمران دونوں ہاتھوں سے کلیجہ تھام کر گلوگیر آواز میں بولا۔

"اچھی بات ہے.... یاد کرو انہیں۔" اوبران نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

دفعتاً عمران صفدر کو گھونسہ دیکھا کر بولا۔ "سب تمہاری ہی وجہ سے ہو رہا ہے۔ تم ہی مجھے یہاں لائے تھے۔ اب دیکھو کہ یہ لوگ مجھے ممی اور ڈیڈی کو بھی نہیں یاد کرنے دیتے۔"

کیلی ہنس پڑی.. اور صفدر نے کہا۔ "ممی اور ڈیڈی کی تصویریں تو آپ کے پاس ہوں گی ہی۔"

"ہاں.... ہیں۔"

"بس تو پھر یاد کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔"

"ارے تو پہلے ہی بتا دیا ہوتا۔" عمران نے میز پر ہاتھ مار کر غصے سے کہا۔ "میں خواہ مخواہ اس مسئلے پر مسٹر بوران سے جھگڑا کر بیٹھا۔"

"بوران نہیں او بران....!" کیلی نے تصحیح کی۔

"افسوس کہ میری یادداشت...." عمران ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

"تمہاری ممی اور ڈیڈی کیسے ہیں۔" کیلی نے پوچھا۔

"اچھے خاصے ہیں۔ بوڑھے نہ ہو گئے ہوتے تو اور بھی اچھے ہوتے۔"

"کیا وہ تم سے خوش رہتے ہوں گے۔"

"بہت خوش! مجھے دیکھتے ہی گنگنانے لگتے ہیں۔"

"اب ناشتہ بھی آئے گا یا باتوں ہی سے پیٹ بھریں گے۔" صفدر بڑبڑایا۔

"ناشتہ...." عمران نے ٹھنڈی سانس لی اور دردناک آواز میں بولا۔ "شاید اب اس کمرے میں نہ آئے۔"

"کیوں....؟"

"وہ صبح آیا تھا لیکن مجھے عبادت کرتے دیکھ کر ڈر گیا۔ برتن پھینک کر جو بھاگا تو پھر نہیں آیا۔"

"کیا مطلب....؟"

"ناشتے کا مطلب بتاؤں یا برتن پھینک کر بھاگنے کا۔"

"میں نے کہا بھوک لگ رہی ہے.... مطلب میری سمجھ نہ آئے گا۔" صفدر بولا۔

"چلو ڈائننگ ہال میں.... اس کمرے میں اب کوئی ویٹر نہیں آئے گا۔"

"آخر کیوں نہ آئے گا....؟"

"مجھے سر کے بل کھڑا دیکھ کر وہ خوفزدہ ہو گیا تھا۔"

"آخر تم سر کے بل کیوں کھڑے ہوتے ہو۔" کیلی نے پوچھا۔

"جب کوئی بات سیدھی طرح سمجھ میں نہیں آتی تو الٹ کر سوچنے لگتا ہوں۔ اگر تمہیں بھی اس قسم کی کوئی دشواری پیش آئے تو یہی کرنا۔"

صفدر اٹھتا ہوا بولا۔ "تو چلئے ڈائننگ ہال ہی میں چلیں۔"

عمران لباس تبدیل کرنے کے لئے غسل خانے میں چلا گیا اور پھر جب وہ لباس تبدیل کر کے واپس آیا تو کیلی نے اس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ وہ نیلی پتلون زرد قمیض اور سرخ ٹائی میں تھا۔

صفدر نے اس سے کچھ کہا جسے کیلی نہ سمجھ سکی۔ کیونکہ اس نے ماوری زبان استعمال کی تھی۔ وہ ڈائننگ ہال میں جانے کے لئے دروازے کی طرف مڑ گئی۔

وہاں وہ عمران اور صفدر سے پہلے پہنچی اور ایک دور افتادہ میز پر جا بیٹھی اس گوشہ میں وہ تنہا تھی۔

تھوڑی دیر بعد عمران اور صفدر بھی وہاں آئے۔ انہوں نے اسے دیکھا تو لیکن اس کی میز کی طرف نہیں آئے۔

کیلی نے کہا۔ چلو خیریت گزری ورنہ وہ خود بھی تماشہ بن کر رہ جاتی۔ ہال میں بیٹھے ہوئے لوگ عمران کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے اور عمران ان سب سے لاپرواہ اس انداز میں صفدر سے گفتگو کر رہا تھا جیسے ان دونوں کے علاوہ وہاں اور کوئی موجود ہی نہ ہو لیکن یک بیک لوگوں کی توجہ عمران کی طرف سے ہٹ گئی۔ کیوں کہ ہال میں ایک دیو گھس آیا تھا۔ اس کے ساتھ دو پستہ قد چینی بھی تھے۔ یہ دیو جتنا لمبا تھا اتنا ہی موٹا بھی تھا۔ لمبائی میں اونچا سے اونچا آدمی بھی اس سے کچھ دبتا ہی ہوا سا نظر آتا۔ کیلی متحیرانہ انداز میں اسے دیکھتی رہی۔ کیلی نے سوچا کہ وہ بھی کوئی مشرقی ہی ہے۔ لیکن چینی ہرگز نہیں ہو سکتا۔ وہ اس کے قریب ہی کی ایک میز پر آ بیٹھے اور دیو کیلی کو ہی گھورتا ہوا منہ چلانے لگا۔ کیلی بوکھلا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ اس نے دیکھا کہ عمران بھی اس دیو کو بہت توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

پھر کچھ دیر بعد کیلی نے اس دیو کے کھانے کا منظر دیکھا اور اسے چکر سے آنے لگے۔ اس نے سوچا کہ اگر ساری دنیا میں اس قسم کے صرف ایک ہزار آدمی بھی پیدا ہو جائیں تو بقیہ لوگوں کو سال میں کم از کم دس دن تو فاقے کرنے ہی پڑیں.... اس نے دو مرغ تنہا صاف کئے تھے اور اب بھیڑ کی ایک مسلم ران ادھیڑ رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ ان چینیوں سے گفتگو بھی کرتا جا رہا تھا۔ گفتگو چونکہ انگریزی میں کر رہا تھا اس لئے کیلی بھی سمجھ رہی تھی۔

وہ کہہ رہا تھا۔ "ارے بالکل جان نہیں ہے اس گوشت میں۔ مجھے زیادہ تر بھوکا رہنا پڑتا ہے۔

میں کسی دن سبھوں کو کھا جاؤں گا.... ہاں۔"

"ہم آپ کے غلام ہیں جناب والا.... کھا جایئے۔ ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔" ایک چینی نے جواب دیا۔ "مگر حضور یاد کر کے بتایئے کہ اب ہمیں کہاں جانا ہے۔"

"نہیں بتاؤں گا.... پہلے تم اپنا وعدہ پورا کرو.... ہاں....!" اس نے کہا اور ہنسنے لگا۔

"وہ ٹکڑی سی لڑکی بہت جلد آجائے گی جناب عالی۔" چینی نے کہا۔

دیو پھر کیلی کو دیکھنے لگا اور کیلی نے دیکھا کہ عمران اٹھ کر اس کی طرف آرہا ہے۔ نہ جانے کیوں کیلی کو اس سے الجھن نہیں محسوس ہوئی بلکہ وہ ایک طرح کا اطمینان محسوس کر رہی تھی۔

عمران کے بیٹھتے ہی وہ بولی۔ "دیکھا تم نے۔"

"ہاں....!" عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "کبھی میں بھی ایسا ہی تھا۔ مگر مجھے تفکرات نے کھالیا۔"

"تم اور تفکرات...." کیلی ہنس پڑی۔

"یقین کرو.... میں جھوٹ نہیں کہہ رہا.... مجھے سب سے بڑی فکر اس کی ہے کہ اگر زمین گول ہے تو چپٹی کیوں نظر آتی ہے۔"

"واقعی بڑی پریشان کن بات ہے! مگر ایسی باتیں سوچنے سے ٹی بی ہو جاتا ہے۔"

"سنو....!" عمران آگے جھک کر آہستہ سے بولا۔ "پتہ لگاؤ کہ یہ لوگ کون ہیں، کہاں سے آئے ہیں، کہاں جائیں گے۔"

"کیوں....؟"

"بس یونہی....!"

"پھر بھی! آخر خواہ مخواہ کیوں پتہ لگاؤں۔"

"میں اس موٹے آدمی کا شکار کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا مطلب.... میں نہیں سمجھی۔"

"دیکھو.... میں نے اتنی جغرافیہ تو پڑھی ہے کہ اس سفر کی دشواریوں کا اندازہ کر سکوں۔"

"پہیلیاں نہ بجھاؤ.... صاف صاف کہو۔"

"اگر یہ آدمی ہمیں مل جائے تو ہم اس سے بہتیرے کام لے سکیں گے۔ ویسے یہ مجھے اپنی ہی

طرف کا معلوم ہوتا ہے۔"

"تو پھر اس سے گفتگو کرو۔"

"نہیں.... میں نے ان چینیوں کو پچھلی شام کو بھی دیکھا تھا۔ یہ مجھے اچھے لوگ نہیں معلوم ہوتے۔ پتہ نہیں ان لوگوں میں اس موٹے کی کیا حیثیت ہے۔"

"تمہیں خواہ مخواہ اختلاج شروع ہوا ہے۔ آخر تم اس سے کیا کام لو گے اور پھر ہماری پارٹی میں کسی غیر متعلق آدمی کی گنجائش کیسے نکلے گی۔"

"میں نکال لوں گا.... تم اس کی پرواہ نہ کرو۔"

کیلی تھوڑی دیر تک کچھ خاموش رہی پھر بولی۔ "یہ چینی اُس کے غلاموں کے سے انداز میں گفتگو کر رہے تھے اور اس سے پوچھ رہے تھے کہ اب ہمیں کہاں چلنا ہے۔"

"اوہ....!" عمران سیٹی بجانے کے سے انداز میں ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔

"ویسے یہ آدمی شکل ہی سے بالکل گاؤدی معلوم ہوتا ہے۔" کیلی نے کہا۔

"اسے قابو میں کرنے کی کوشش کرو۔" عمران بولا۔

"کیا حماقت ہے.... بھلا میں کیسے قابو میں کروں گی۔"

"اچھا تو خیر.... پھر میں ہی دیکھوں گا۔"

"میں کہتی ہوں.... خواہ مخواہ وقت کیوں برباد کرو گے۔"

"تم دیکھنا یہ کتنا کار آمد ثابت ہوگا۔ اگر مجھے کہیں پیدل چلنا پڑا تو اس کے کاندھے پر سوار ہو کر چلوں گا۔"

کیلی پھر دیو کی طرف دیکھنے لگی جو اتنا کچھ کھا لینے کے بعد بھی ایسا منہ بنائے بیٹھا تھا جیسے ابھی پیٹ نہ بھرا ہو۔

ذہنی فتور

حمید کو یقین تھا کہ روزا کیتو پہنچ گئی ہوگی اور اُدھر کیتو سے طارق کی طرف سے پہلے ہی اطلاع مل چکی تھی کہ وہ کیتو میں ان کا منتظر ہے۔

کیتو پہنچ کر انہوں نے اسی ہوٹل کا رخ کیا جہاں سے طارق کا تار ملا تھا۔ طارق وہاں ان کے استقبال کے لئے موجود تھا۔ لیکن حمید کے پیٹ میں لڈو پھوٹنے لگے۔ کیونکہ اپنی "ایکٹوٹی" کا انجام اس کی نظروں کے سامنے تھا۔

طارق نے بڑے مغموم انداز میں فریدی سے مصافحہ کر کے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور ہمدردانہ لہجے میں گفتگو کرتا رہا۔

حمید کو یقین ہو گیا کہ روزا نے اُسے حلق تک بھر دیا ہے.... لیکن روزا تھی کہاں طارق انہیں ان کے کمروں میں لے آیا۔

"آپ کچھ مغموم سے نظر آ رہے ہیں۔" فریدی نے طارق سے کہا۔

"نہیں تو....!" وہ مسکرا کر بولا۔ "میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں آرام کی بے حد ضرورت ہے۔"

"شکریہ.... لیکن قاسم کے حصول سے پہلے میرے لئے آرام ناممکن ہے کیونکہ وہ میری ہی وجہ سے اس مصیبت میں پھنسا ہے۔"

"ٹھیک ہے.... ٹھیک ہے.... وہ مل ہی جائے گا۔ تمہیں بہت زیادہ فکر مند نہ ہونا چاہئے۔" طارق نے کہا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے کسی ناسمجھ بچے کو بہلایا جائے۔ فریدی نے متحیرانہ نظروں سے طارق کی طرف دیکھا اور طارق دوسری طرف دیکھنے لگا۔ وہ بار بار حمید کی طرف بھی دیکھنے لگتا تھا جیسے اس سے تنہائی میں گفتگو کرنے کا متمنی ہو۔

حمید سوچ رہا تھا کہ اب کیا ہوگا۔ اگر یہ راز کھل گیا تو پھر اُس کی شامت ہی آ جائے گی۔

"میرا خیال ہے کہ اب تم سو جاؤ۔ ہم صبح اس مسئلے پر گفتگو کریں گے۔" طارق نے فریدی سے کہا۔

"دیکھئے.... میں نے آپ کو پہلے ہی لکھ دیا تھا کہ اگر آپ کوئی دشواری نہ محسوس کرتے ہوں تو میرا ساتھ دیں۔ ورنہ نہیں۔ آپ میرے بزرگ بھی ہیں اور مجھ سے زیادہ دانشور بھی.... اور پھر ان اطراف کی بیشتر زبانوں سے واقف ہیں۔"

"آخر تم یہ سب کیوں کہہ رہے ہو۔"

"میں محسوس کر رہا ہوں کہ آپ مجھے بالکل بچوں ہی کے سے انداز میں بہلا رہے ہیں۔"

"تم غلط سمجھے ہو بیٹے۔ میں بھی تھکن محسوس کر رہا ہوں۔ اس لئے میں نے صبح گفتگو کرنے

کی تجویز پیش کی تھی۔"

"ٹھیک تو کہہ رہے ہیں طارق صاحب۔" حمید بول پڑا۔ "بھلا یہ کیوں نہ ساتھ دیں گے.... یہ تو پہلے بھی اکثر آپ کو اس سفر کی دعوت دیتے رہے ہیں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے طارق کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا۔

"اچھا شب بخیر.... میں دراصل بہت پریشان ہوں۔ آپ کچھ خیال نہ کیجئے گا۔"

پھر طارق اور حمید ساتھ ہی اس کے کمرے سے باہر آئے اور طارق اُسے اس کے کمرے میں لے آیا۔

"آپ کیلیفورنیا میں کیا کر رہے تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"میں دراصل آج کل جنگلوں سے متعلق معلوماتی فلمیں بنا رہا ہوں۔"

"آہا.... خاصا ایڈونچر رہتا ہوگا...." حمید نے کہا۔

"ہاں.... آں.... ارے بھئی مجھے فریدی کے متعلق یہ سب کچھ روزا سے معلوم ہوا۔ مجھے اس کے بارے میں ہمیشہ تشویش رہتی ہے۔ بہت زیادہ کام کا بُرا اثر اسی طرح ذہن پر پڑتا ہے۔"

"کیا روزا نے آپ کو سب کچھ بتا دیا ہے۔"

"ہاں.... وہ بھی اس سلسلے میں کافی پریشان نظر آ رہی تھی۔"

"مگر وہ کہاں ہے۔"

"کسی دوسرے ہوٹل میں ٹھہری ہے.... صبح آئے گی۔"

"اب عزت آپ ہی کے ہاتھ ہے۔" حمید گڑگڑایا۔

"کیا مطلب....!" طارق چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

"دماغ کرنل کا نہیں بلکہ میرا خراب ہو گیا ہے۔"

"یعنی....!"

"اُف فوہ! بس کیا عرض کروں.... مجھے بچپن ہی سے ایسا محسوس ہوتا رہا ہے جیسے مجھ پر کسی عورت کا سایہ ہو۔"

"پتہ نہیں کیا اوٹ پٹانگ ہانک رہے ہو۔"

"میں سچ عرض کر رہا ہوں۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "اب گذارش یہ ہے کہ اگر

روزا اس سفر میں ساتھ نہ ہوئی تو آپ لوگوں کو مجھے گھوڑوں کے ساتھ باندھنا پڑے گا۔"

"اگر تم نے صاف صاف بات نہ کی تو میں اٹھ کر چلا جاؤں گا۔"

"روزا نے کرنل سے درخواست کی تھی کہ اسے بھی ہم سفر بنایا جائے۔ لیکن کرنل نے اسے منظور نہیں کیا۔ میں نے سفارش کی تو سختی سے انکار کر دیا۔ مجبوراً مجھے یہ پلاٹ بنانا پڑا.... روزا بھی یہی سمجھتی ہے کہ کرنل کا دماغ خراب ہو گیا ہے اسی لئے ہمدردی میں یہاں دوڑی آئی۔ میرا مقصد بھی یہی تھا کہ کسی طرح کم از کم کیتو تک تو پہنچ ہی جائے۔ پھر یہاں سے میں دوبارہ کوشش کروں گا۔"

"ہونہہ....!" طارق آنکھیں نکال کر سر ہلاتا ہوا بولا۔ "تو یہ تمہاری شرارت ہے۔ تم نے خواہ مخواہ اتنی مخلص لڑکی کو بیوقوف بنایا۔ جس وقت وہ اس ٹریجڈی کا تذکرہ کر رہی تھی اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔"

"ارے تو میں نے یہ سب اُسی کے لئے تو کیا ہے۔ وہ سفر کرنا چاہتی تھی نا۔"

"کئی قسم کے شریر آدمی میں نے دیکھے ہیں مگر تم سا آج تک نظروں سے نہیں گذرا...." طارق مسکرایا۔

"کیا آپ کو مجھ سے ہمدردی نہیں ہے۔" حمید نے گلوگیر آواز میں کہا۔ "کیا آپ مجھے صحیح الدماغ سمجھتے ہیں۔"

"اب ڈھنگ کی باتیں کرو۔ ورنہ میں تمہاری مرمت کر دوں گا.... حمید میاں۔"

"پوچھئے.... کوئی ڈھنگ کی بات۔"

"قاسم کا کیا قصہ ہے۔"

حمید اُسے تفصیل بتانے لگا۔ اس کے خاموش ہونے پر طارق فوراً ہی نہیں بولا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر مسکرا کر کہا۔ "تو یہ سفر زبردستی ہو رہا ہے۔"

"قطعی زبردستی جناب۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "ورنہ تاریک وادی کا راستہ جنت میں نہیں لے جاتا۔"

"تم لوگوں نے یہ نہیں سوچا کہ میں اُس فضول سے آدمی کو ساتھ لے کر چلنے پر کیوں مصر ہونے لگا۔"

"اگر لوگ ایسی غلطیاں نہ کریں تو تقدیر کا نام کیسے روشن ہو۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔" طارق نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

"کیا آپ روزا کے لئے کرنل سے سفارش کر سکیں گے۔" حمید نے پوچھا۔

"کہوں گا بھئی۔" طارق نے لمبی سانس لے کر کہا۔ "ویسے یہ فعل بھی احمقانہ ہی ہو گا کہ ایسے کسی سفر میں کوئی عورت بھی ساتھ ہو۔"

"پچھلی بار بھی تو وہ ہمارے ساتھ ہی تھی۔"

"ضرورتاً ساتھ تھی! ہم نے اُسے بطور یرغمال رکھا تھا۔"

"ارے تو یہ کون سی بڑی بات ہے اس بار ہم اُسے تن لین کی بھتیجی تصور کر لیں گے۔"

طارق کچھ نہ بولا اور پھر تھوڑی دیر بعد وہ اُسے شب بخیر کہہ کر باہر چلا گیا۔

رات حمید نے سکون سے گزاری۔ طارق کے سامنے سب کچھ اگل دینے کے بعد وہ گویا اپنے سینے پر سے ایک بہت بڑی سل ہٹانے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اسے یقین تھا کہ طارق حالات کو سنبھال لے گا۔

اور یہی ہوا بھی۔ دوسری صبح طارق فریدی کے کمرے میں پہنچا۔ حمید وہاں پہلے ہی موجود تھا۔ گفتگو قاسم کے اغواء سے شروع ہوئی اور فریدی اس وقت طارق کے رویئے میں کوئی غیر معمولی بات نہ محسوس کر سکا۔

"تو پھر میں روزا کو بھی تار دے کر بلوا لوں...." طارق نے کہا۔

"کیوں....؟" فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کچھ نہیں بھئی۔ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ ہم جب بھی دوسری بار تاریک وادی کا سفر کریں گے وہ ہمارے ساتھ یقینی طور پر ہو گی۔"

"ذمہ داریاں بڑھ جائیں گی۔"

"پھر میں اپنے وعدے کا کیا کروں۔" طارق نے کہا۔ "تم پہلے بھی دیکھ چکے ہو کہ وہ بزدل یا باعث تکلیف نہیں ثابت ہوئی تھی۔ ہمیں یہ سوچنا ہی نہیں پڑا تھا کہ کوئی عورت بھی ہمارے ساتھ ہے۔"

"آپ جانئے۔"

"تم بالکل فکر نہ کرو۔"

فریدی خاموش ہو گیا اور حمید نے دل ہی دل میں کہا۔ "وہ مارا۔"

"مگر کیوں نہ پہلے ہم انہیں کیتو ہی میں تلاش کر لیں۔" فریدی نے کہا۔

"یقیناً یہ تو کرنا ہی پڑے گا۔ اگر قاسم یہیں مل جائے تو پھر آگے جانے کی کیا ضرورت ہے۔" حمید نے کہا اور طارق کی طرف دیکھنے لگا۔

"بھئی میں تو سفر کرنا ہی چاہتا ہوں۔" طارق بولا۔ "بہت دنوں سے سوچ رہا تھا اور یہی خواہش تھی کہ تم لوگ بھی ساتھ ہوتے۔ ہو سکتا ہے اس غار کی آگ اب بجھ گئی ہو جسے اس وادی کا راستہ ہی سمجھا جا سکتا ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔

حمید نے کہا۔ "تو پھر یہاں قاسم کو تلاش کرنے کی مہم کس طرح شروع کی جائے۔"

"یہاں کے ہوٹل ہی معلومات کا بہترین ذریعہ ثابت ہو سکتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"میں تمہیں بتاتا ہوں کہ ان سے کیتو آنے کی حماقت نہ سرزد ہوئی ہو گی کیونکہ پچھلی بار بھی ہم نے یہیں سے سفر شروع کیا تھا۔"

"پھر کیا کوئی دوسرا راستہ بھی ہو سکتا ہے۔"

"کیوں نہیں! وہ سیدھے ریوبامبا میں جا سکتے ہیں اور وہاں سے شمال مشرق کی طرف چل کر کوٹی زیارت گاہ تک پہنچ سکتے ہیں وہاں سے قاسم بخوبی ان کی رہنمائی کر سکے گا۔ بشرطیکہ اس کی یادداشت اچھی ہے۔"

"وہ شائد یادداشت کے ہجے بھی نہ جانتا ہو۔" حمید نے کہا۔

"تب تو پھر وہ لوگ اپنے ساتھ اُسے بھی ہلاکت میں ڈالیں گے۔"

پھر اُسی دن دوپہر کے بعد سے انہوں نے کیتو ہی میں قاسم کی تلاش شروع کر دی۔ ایک ایک کر کے سارے ہوٹل دیکھے۔ چینیوں کے متعلق پوچھتے پھرے لیکن کہیں سے بھی کوئی تشفی بخش جواب نہ ملا۔ انہوں نے گھوڑوں کے تاجروں سے بھی گفت و شنید کی لیکن انہوں نے بتایا کہ ان سے اس دوران میں کسی غیر ملکی نے گھوڑوں کا سودا نہیں کیا۔ پھر وہ بار بردار مزدوروں کی بستیوں میں گھستے پھرے لیکن کہیں سے بھی یہ اطلاع نہ ملی کہ کسی نے لمبے سفر کے لئے مزدور

حاصل کئے ہوں۔

"تو پھر اب ریوبامبا ہی چلنا چاہئے۔" حمید نے کہا۔

"نہیں فضول ہے.... وہ یقینی طور پر تاریک وادی ہی کی طرف جائیں گے خواہ کہیں سے بھی سفر کریں۔ لہٰذا اب پھر ادھر بھاگنے میں وقت نہ برباد کرنا چاہئے۔"

"نہ کیجئے جناب۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر مردہ سی آواز میں بولا۔ "لیکن آپ کو روزا کا انتظار تو کرنا ہی پڑے گا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ طارق حمید کی طرف شرارت آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

دفعتاً فریدی مسکرا کر بولا۔ "وہ کہاں سے آئے گی۔"

"شائد جنت سے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"وہ ہم سے پہلے ہی یہاں کیسے پہنچ گئی۔"

طارق اور حمید حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

"تم اپنی حرکتوں سے کہیں باز نہیں آتے۔"

"میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

"بھئی.... یہ حقیقت ہے کہ میں نے اُس سے اس سفر کا وعدہ کیا تھا۔" طارق نے جھینپے ہوئے انداز میں صفائی پیش کی۔ "اگر حمید صاحب یہ شرارت نہ فرماتے تب بھی میں اُسے دعوت دیتا۔"

"سن لیا آپ نے....!" حمید بولا۔

"مگر تمہیں اس کا علم کیسے ہوا۔" طارق نے پوچھا۔

"اسے حمید کی اصل اسکیم کا علم نہیں تھا اس لئے پچھلی رات کو ہی وہ ہوٹل میں آئی تھی۔"

"بھلا اُسے چین پڑ سکتی ہے۔" حمید نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"بکواس مت کرو۔"

حمید خاموش ہو گیا۔

وہ دن بھر ادھر اُدھر چکر لگانے کے بعد شام کو ہوٹل میں واپس آ گئے۔ روزا ان کی منتظر تھی۔ اُسے دیکھ کر فریدی اور طارق ڈائننگ ہال میں رک گئے۔ لیکن حمید اس راہداری کی طرف بڑھتا چلا گیا جس میں اس کا کمرہ تھا.... ویسے یہ اور بات ہے کہ کچھ دیر بعد وہ لوگ بھی وہیں پہنچ گئے

ہوں۔ روزا کسی لڑاکی مرغی کی طرح پھول پچک رہی تھی۔ اس نے حمید سے پوچھا۔

"آخر اس کی ضرورت کیا تھی۔"

"براہِ کرم آپ لوگ مجھے تنہا چھوڑ دیجئے۔" حمید اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔

"نہیں آپ کو بتانا پڑے گا۔" روزا آنکھیں نکال کر بولی۔

"یہ نہ بھولئے کہ آپ میری ذمہ داری پر چل رہی ہیں۔" حمید نے بھی اُسی طرح آنکھیں نکال کر کہا۔

"میں جاتی یا نہ جاتی مگر آپ کو ایسا نہ کرنا چاہئے تھا۔"

"میں طارق صاحب کو بتا چکا ہوں کہ میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

"ختم کرو۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "صبح ہماری روانگی ہو جائے گی۔ ہم اسی وقت گھوڑوں کا انتظام کریں گے۔ صرف چار ایسے مزدور ساتھ لے چلوں گا جو دشوار گزار راستوں پر بار برداری کر سکیں۔"

"نہیں آپ سب مجھ پر ہی سوار ہو جایئے اور سامان بھی لاد دیجئے۔" حمید نے جھلا کر کہا۔

"آخر آپ گول مرچیں کیوں چبا رہے ہیں۔" روزا ہنس پڑی۔

دفعتاً ایک ویٹر ان کی اجازت حاصل کر کے کمرے میں داخل ہوا۔

"ایک چینی ڈائننگ ہال میں موجود ہے جناب۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔

فریدی نے اس ویٹر کو تاکید کی تھی کہ اگر ان کے قیام کے دوران میں کوئی چینی ہوٹل میں دکھائی دے تو اسے مطلع کیا جائے۔ اس کے عوض اُس نے معقول انعام کا بھی وعدہ کیا تھا۔

"کیا وہ دیر سے ہوٹل میں تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں جناب۔ اس وقت ہال میں داخل ہوا تھا جب آپ اٹھ آئے تھے۔" فریدی نے طارق حمید اور روزا کو وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کیا اور خود باہر نکل گیا۔ ویٹر بھی اس کے ساتھ ہی چلا گیا تھا۔

"مجھے کرنل کے متعلق گہری تشویش ہے۔" حمید نے کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیوں! کیا اب پھر کوئی شوشہ چھوڑنے کا ارادہ ہے۔" روزا بولی۔

"نہیں آپ نہیں سمجھ سکتیں۔"

"بھئی ختم کرو" طارق نے کہا۔ "مجھے تمہاری باتوں سے وحشت ہونے لگتی ہے۔"

"دیکھئے پچھلی رات میں نے اس خیال سے آپ سے غلط باتیں کی تھیں کہ کہیں آپ جا کر انہیں سمجھانا نہ شروع کر دیں اور یہاں ہوٹل میں اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہو جائے۔ کیونکہ اگر انہیں اس بات کا شبہ بھی ہو جائے کہ مخاطب انہیں دماغی فتور میں مبتلا سمجھتا ہے تو.... وہ پچھلی رات آپ کے دردمندانہ رویہ پر کس بُری طرح بھڑک گئے تھے۔"

"میں کہتا ہوں کہ خاموش رہو۔" طارق نے کہا۔

حمید روزا کی طرف دیکھ کر بولا۔ "تو آپ ہی سن لیجئے یہ درد بھری داستان۔"

"میں نہیں سنتی۔"

حمید دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

پندرہ یا بیس منٹ بعد طارق نے کہا۔ "کیا بات ہے۔ ابھی تک وہ واپس نہیں آیا۔"

"اگر وہ کوئی چینی ہی تھا تو کرنل اُسے کھدیڑتے ہوئے چلی کے آخری سرے تک جائیں گے۔" حمید نے کہا۔

لیکن تھوڑی دیر بعد اُسے بھی تشویش ہوئی اور وہ ڈائننگ ہال میں آئے۔ لیکن یہاں نہ فریدی کا پتہ تھا اور نہ کسی چینی کا۔

انہوں نے اس ویٹر سے پوچھا جس نے کسی چینی کی موجودگی کی اطلاع دی تھی۔ لیکن اس نے بھی لاعلمی ظاہر کی۔ اس نے بتایا کہ وہ کاموں میں مشغول ہو گیا تھا۔ پھر اُسے دھیان ہی نہ رہا۔

باہر نکل کر بھی وہ تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر بھٹکتے پھرے، لیکن فریدی کا سراغ نہ ملا۔

خالہ زاد بھائی

عمران صفدر کا منتظر تھا اور چاہتا تھا کہ کیلی کسی طرح ٹل جائے۔ مگر وہ بڑی دیر سے اُس کے سر پر مسلط تھی۔

"تمہاری کتنی خالائیں ہوں گی۔" اس نے یک بیک چونک کر اس سے پوچھا۔

"کیوں....!"

"واہ یہ اچھی رہی۔" عمران نے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا۔ "میں جب بھی تم سے کچھ پوچھتا

ہوں تم اسی طرح کیوں کیوں کرنے لگتی ہو۔"

"کیوں نہ کروں....!"

"نہیں کر سکتیں۔"

"تمہیں میری خالاؤں سے کیا سروکار۔"

"ہے سروکار تمہیں بتانا پڑے گا۔" عمران کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ وہ اس طرح کانپ رہا تھا جیسے اُسے بڑی شدت سے غصہ آگیا ہو۔

دفعتاً کیلی کو صفدر کی بات یاد آگئی جس نے کہا تھا کہ عمران پر مختلف اوقات میں مختلف قسم کے دورے پڑتے ہیں۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ عمران بالکل پاگلوں ہی کے سے انداز میں اُسے گھور رہا تھا۔

"تم عجیب آدمی ہو....!" وہ اٹھ کر دروازے کی طرف کھسکتی ہوئی بولی۔

"میں پوچھ رہا ہوں.... تمہاری کتنی خالائیں ہیں.... اور تم بتائے بغیر یہاں سے نہیں جاسکتیں۔" عمران نے کہا۔ اس طرح نیچے جھکا جیسے اُس پر چھلانگ لگائے گا.... کیلی بھاگ نکلی۔

اُس نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا کہ کہیں وہ اس کے پیچھے تو نہیں آرہا۔

عمران نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کیا اور اُسے بولٹ کر کے پھر کرسی کی طرف واپس آرہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

"ارے اب کون ہے۔" عمران ناک کے بل بولا۔

"صفدر....!" باہر سے آواز آئی۔ عمران نے دروازہ کھول دیا اور کرسی کی طرف مڑتا ہوا بولا۔ "خوب مضبوطی سے بند کرنا۔"

"کیوں.... یہ ابھی کیلی کیوں بھاگی ہوئی گئی ہے۔" صفدر نے دروازہ بولٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"مجھ پر خالائی دورہ پڑا تھا....!" عمران نے بے بسی سے کہا۔ "مگر یہ یورپین لڑکیاں بڑی.... بے خفا.... نہیں کیا کہتے ہیں اُسے.... بے جفا.... اے کیا کہتے ہیں اسے.... ارے ہاں بے وفا.... بڑی بے وفا ہوتی ہیں۔ یورپین لڑکیاں۔ میں کہتا ہوں اگر میں تم سے پوچھوں کہ تمہاری کتنی خالائیں ہیں تو کیا تم مجھے کاٹنے دوڑو گے۔"

"پتہ نہیں....!"

"نہیں بتاؤ! میں کیا کروں۔ میرے ساتھ یہ بہت بڑی بدقسمتی ہے۔ بعض اوقات دل چاہتا ہے کہ ایک ایک کا ہاتھ پکڑ کو پوچھتا پھروں کہ اس کی کتنی خالائیں ہیں۔ بعض شریف آدمی بتا دیتے اور بعض مارنے کو دوڑتے ہیں۔ اب اسی وقت اس کیلی کی بچی نے کرسی کھینچ کر ماری ہوتی۔ ایک ماہر نفسیات نے بتایا تھا کہ اس ذہنی مرض کو آنٹو بناٹا کو مپلکس کہتے ہیں۔"

"ضرور کہتے ہوں گے...." صفدر نے سر ہلا کر کہا۔ "مگر یہاں آپ کے کومپلکسز اور فوبیاز میرے لئے بڑی الجھنیں پیدا کر رہے ہیں۔"

"کیوں؟ کیا ہو گیا؟"

"یہ لوگ میرا دماغ چاٹتے ہیں۔ میں انہیں کیا بتاؤں کہ آپ کس قسم کے آدمی ہیں۔"

"ارے ہٹاؤ....!" عمران ہاتھ ہلا کر بولا۔ "ہام..... تو کیا رہا۔"

"وہ چینی بھی کسی طرف سفر کرنا چاہتے ہیں اور ان کے سفر کا دارومدار موٹے پر ہے۔ لیکن میں ابھی تک اس موٹے کو سمجھنے سے قاصر رہا ہوں۔ اس کی باتیں سمجھ میں آنے والی نہیں ہیں.... وہ ان سے کہہ رہا تھا کہ وہ بڑا بدنصیب آدمی ہے۔ عرصہ ہوا اس کی شادی ہوئی تھی لیکن وہ نہیں جانتا کہ شادی کس چڑیا کا نام ہے۔"

"شادی شاید اس چڑیا کو کہتے ہیں جو رات کو بولتی ہے اور دن کو کہیں نہیں دکھائی دیتی۔"

"اُلو....!"

"ہاں.... اُلو.... مجھے.... کچھ اور یاد آرہا تھا.... ہاں تو وہ نہیں جانتا کہ شادی کس چڑیا کا نام ہے۔ کمال ہے.... صفدر صاحب.... کہیں یہ آدمی میرے ہی قبیلہ سے تو نہیں تعلق رکھتا۔"

"غالباً ان چینیوں نے اُسے کسی بہت تگڑی سی لڑکی کا لالچ دیا ہے اس لئے وہ کسی منزل تک ان کی رہنمائی کرے گا۔"

"گڈ گاڈ! وہ رہنمائی کرے گا۔ میرا خیال ہے کہ وہ اردو بولنے والوں میں سے ہے۔ لیکن کوئی ایسا آدمی یہاں کسی کی رہنمائی کیسے کر سکے گا...."

"جی ہاں.... وہ اردو ہی بولنے والوں میں سے ہے۔ میں نے یہی اندازہ لگایا ہے کیونکہ وہ اکثر انگریزی بولتے وقت رو میں اردو کے الفاظ بھی استعمال کر جاتا ہے مثلاً.... ارے باپ رے،

سالے.... اور ابے.... وغیرہ۔"

"شاندار آدمی معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ بڑی افسوسناک بات ہے کہ وہ اس چڑیا سے واقف نہیں حویلیوں کو کھنڈر کر دیتی ہے۔"

"وہ ایک پُراسرار آدمی کی باتیں کرتا ہے۔ ان سے کہتا ہے کہ تم اس وادی میں اتر ہی نہ سکو گے کیونکہ وہ میلوں گہری ہے اور وہ گہرائی دیواروں کی شکل کی ہے۔ نیچے پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔"

عمران نے اُلوؤں کی طرح دیدے نچائے اور ہونٹوں کو دائرے کی شکل دے کر کچھ سوچنے لگا۔

"تو یہ لوگ کدھر جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔" اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"ادھر ہی جہاں.... ہمیں جانا ہے۔"

"کیا مطلب....؟"

"وہ شمال مشرق کی طرف سفر کریں گے اور ان کی منزل بھی کوٹی کی زیارت گاہ ہی ہے.... اور وہیں سے وہ موٹا آدمی آگے کے لئے ان کی رہنمائی کرے گا۔"

"تمہارے سننے میں تو فرق نہیں آیا۔"

"نہیں قطعی نہیں.... یہ سب باتیں تو مجھے موٹے سے ان کی گفتگو کے دوران میں معلوم ہوتی رہیں ورنہ چینیوں کی چاؤں چاؤں تو میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"کوٹی کی زیارت گاہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں سے ہم مشرقی ڈھلان کے جنگلوں میں داخل ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ کم از کم ایکویڈور سے تو اور کوئی راستہ نہیں مل سکتا۔ اس لئے....!"

"ان جنگلوں میں داخل ہونے کے لئے کوٹی کی زیارت گاہ کی طرف جانا ضروری ہے۔"

"ہاں.... ضروری ہے۔" اوبران نے عمران کے سوال کا جواب دیا۔

"اچھا! کیا ان اطراف میں کوئی ایسی وادی بھی ہے جو میلوں گہری ہو اور نیچے اترنے کا کوئی راستہ نہ ہو۔"

"آہا....!" اوبران کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتا ہوا مسکرایا۔

"تو یہ کہو کہ تم نے کہیں سے تاریک وادی کا تذکرہ سن پایا ہے۔"

"یہ کیا بلا ہے۔"

"ارے بھئی یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ نیویارک میں دو ایسے افراد ہیں جنہیں تاریک وادی کے دیدار کر لینے کا دعویٰ ہے۔ لیکن مجھے اس کہانی پر یقین نہیں ہے.... ویسے اس سلسلے میں تمہارے ایشیا ہی کے ایک سراغ رساں کا نام لیا جاتا رہا ہے.... کرنل فریدی جس کی کہانیاں جاسوسی ناولوں کی سی حیثیت اختیار کرتی جا رہی ہیں۔"

"مگر میں یہ کہانی ضرور سنوں گا.... میرے لئے تھوڑا وقت نکالو۔"

وفعتاً دروازے پر کسی نے دستک دی اور اوبران سے اجازت مل جانے پر دروازہ کھولا۔ یہ کیلی تھی.... لیکن عمران پر نظر پڑتے ہی بوکھلا گئی۔

"اُف.... فوہ.... میں تو بھول ہی گیا تھا۔" عمران غرا کر اٹھا اور کیلی بڑی پھرتی سے باہر نکل گئی۔ دروازہ آواز کے ساتھ بند ہو گیا۔

اوبران سوالیہ انداز میں عمران کی طرف دیکھ رہا تھا۔

عمران نے ہاتھ نچا کر اس سے کہا۔ "آخر اس مہم میں کسی عورت کی کیا ضرورت تھی۔"

"میں بھی یہی سوچتا ہوں۔ مگر اس کے ملک کی حکومت نے اس کا انتخاب کیا تھا۔"

"کیا وہاں عورتوں کی حکومت ہے۔"

"پتہ نہیں۔" اوبران بیزاری سے بولا۔

"ہاں.... میں نے کہا تھا کہ تاریک وادی کے متعلق مجھے بتا دو۔"

اوبران تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "کئی سال کی بات ہے چلی کے اپلیوم پہاڑ پر برف میں دبی ہوئی ایک لاش ملی تھی۔ یہ انکا نسل کی ایک چودہ سالہ شہزادی کی لاش تھی۔ اسے ایک چینی نے دریافت کیا تھا۔ شاید تم نے بدنام زمانہ سنگ ہی کا نام سنا ہو۔ مردہ شہزادی کے جسم پر چاندی کے کچھ زیورات بھی تھے، جن میں سے ایک سنگ ہی نے غائب کر دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس طوق پر ایک قدیم تحریر تھی۔ طوق کے لئے ایک زبردست ہنگامہ ہوا۔ سنگ ہی اسے لے کر ایشیا کی طرف بھاگ گیا۔ نیویارک کا مشہور ماہر آثار قدیمہ ڈاکٹر شیپرڈ بھی اس طوق کی تاک میں تھا۔ اس کی پارٹی نے کرنل فریدی کے ملک تک سنگ ہی کا تعاقب کیا۔ وہاں ان کی آپس میں جھڑپیں ہوتی رہیں۔ پھر فریدی ان کی طرف متوجہ ہو گیا اور وہ طوق سنگ ہی کے ہاتھوں سے نکل کر فریدی کے پاس جا پہنچا۔ وہ اس لئے حاصل کیا گیا تھا کہ اسے چلی کی حکومت کو واپس کر دیا جائے گا کیونکہ چلی کی حکومت نے اس کے لئے استدعا کی تھی.... لیکن سنگ ہی اسے سرکاری خزانے سے دوبارہ لے اڑا۔ نیویارک پہنچ کر ڈاکٹر شیپرڈ اور سنگ ہی کے درمیان صلح ہو گئی۔ سنگ ہی کو صلح کرنی پڑتی کیونکہ ڈاکٹر شیپرڈ کے علاوہ اور کون اس سلسلے میں کام آ سکتا تھا۔ طوق کی تحریر کو صرف وہی سمجھ سکتا تھا۔ اس طوق کے متعلق خود انکا قوموں میں بھی سالہا سال سے عجیب و غریب روایات مشہور تھیں جن کا ماحصل یہ تھا کہ وہ طوق قدیم انکا بادشاہوں کے خفیہ خزانے کا نشان ہے۔ بہر حال فریدی ان دونوں کا تعاقب کرتا ہوا نیویارک پہنچا۔ مجھے اس کہانی پر یقین نہیں ہے۔ مسٹر عمران جس طرح میں نے سنا ہے اسی طرح تمہیں بھی بتا رہا ہوں۔"

"پھر کیا ہوا۔"

"ڈاکٹر شیپرڈ، وہ تصویری تحریر پڑھ لینے میں کامیاب ہو گیا جو اس طوق پر کندہ تھی۔ اس طرح وہ تاریک وادی کے راستے پر لگ گئے۔ ادھر فریدی کی پارٹی ان کا تعاقب کرتی رہی۔ فریدی کے ساتھ ڈاکٹر شیپرڈ کی لڑکی بھی تھی.... میں اس کا نام بھول گیا۔ ایک مشرقی بھی تھا، نیویارک ہی میں رہتا ہے۔ دراصل یہ کہانی انہی دونوں کی زبانی عام لوگوں تک پہنچی ہے۔ خیر ہاں تو وہ دونوں ہی پارٹیاں تاریک وادی تک پہنچ گئیں۔ سنگ ہی فریدی سے پہلے وہاں پہنچا تھا۔ لیکن وادی میں نہیں اتر سکا تھا۔ راستے میں ڈاکٹر شیپرڈ سنگ ہی کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ سنگ ہی نے وادی میں داخل ہونا چاہا لیکن اس کے کئی آدمی مر گئے۔ کیونکہ جس غار کے ذریعہ اس نے وادی

میں اترنے کی کوشش کی تھی اس کے دہانے سے گیس خارج ہو رہی تھی۔ یہ دیکھ کر سنگ ہی اور اس کے ساتھیوں نے گیس ماسک پہن لئے اور غار میں اترتے ہی جا رہے تھے کہ فریدی نے اپنے کوٹ میں آگ لگا کر اسے غار کے دہانے کی طرف اچھال دیا۔ گیس نے آگ پکڑ لی اور غار سے بہت اونچی لپک اٹھنے لگی.... مگر سنگ جس پر دیوانگی کا دورہ پڑا تھا اسی آگ میں کود کر غائب ہو گیا۔ پھر فریدی اور اس کے ساتھی کوئی دوسرا راستہ تلاش کرنے لگے لیکن انہیں کوئی دوسرا راستہ نہیں مل سکا تھا اور وہ ناکام واپس آئے تھے۔ طوق بھی فریدی کو نہیں مل سکا تھا کیونکہ سنگ ہی اسے اپنے ساتھ ہی لے گیا تھا۔"

"آخر تمہیں اس کہانی پر یقین کیوں نہیں آیا.... جبکہ ڈاکٹر شیپرڈ کی بھی واپسی نہیں ہوئی تھی۔"

"ارے.... میں اسے تسلیم کر سکتا ہوں کہ اسے سنگ نے مار ڈالا ہو گا۔ لیکن یہ واقعہ کسی دوسرے معاملے سے بھی متعلق ہو سکتا ہے۔ شیپرڈ بہت مالدار تھا ہو سکتا ہے اسے اس کے کسی عزیز ہی نے ختم کر دیا ہو اور جرم پر پردہ ڈالنے کے لئے یہ کہانی تراشی گئی ہو۔"

عمران کچھ نہ بولا۔ وہ کسی سوچ میں تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد اس نے اوبران کو اس موٹے آدمی کے متعلق بتایا جو چینیوں کے ساتھ تھا۔ اوبران توجہ اور دلچسپی سے سنتا رہا۔ پھر بولا۔ "اگر یہ بات ہے تو ممکن ہے وہ کہانی سچ ہی ہو۔ ہاں میں نے بھی اس دیوزاد کو دیکھا ہے۔"

"محض دیکھ لینے سے تو کام نہیں چل سکتا مسٹر اوبران۔"

"پھر بتاؤ کیا کروں۔"

"کچھ بھی نہ کرو.... اب سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو.... لیکن ہاں اس صورت میں میرے کسی کام میں دخل انداز مت ہونا۔ میں جو کچھ بھی کرتا ہوں اپنی ذمہ داری پر۔"

"مگر تم کرو گے کیا....؟"

"بس دیکھ لینا وہ موٹا ہمارے سفر کے لئے بہت ضروری ہے۔"

"لیکن اگر اس کہانی کو باور کر لیا جائے تو وہ موٹا سنگ ہی یا فریدی ہی کی پارٹی کا کوئی آدمی ہو سکتا ہے۔" اوبران نے کہا۔

"وہ کوئی بھی ہو۔ ہمارے لئے یقینی طور پر کار آمد ثابت ہو سکتا ہے۔" بات ختم ہو گئی اور عمران اوبران کے کمرے سے اٹھ گیا۔

صفدر اس کے ساتھ ہی تھا۔ اس نے پوچھا۔ "لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ وہ موٹا ان چینیوں کی بجائے ہمارے ہی ساتھ جائے۔"

"میرا خیال ہے کہ میں اس آدمی کو کسی حد تک سمجھ سکا ہوں۔"

"وہ کچھ بھی ہو لیکن چینی ہر وقت اس کی نگرانی کرتے رہتے ہیں۔"

"خیر تم فکر نہ کرو۔ میں دیکھوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔"

اسی رات کو ان کی روانگی تھی۔ صفدر کی سمجھ میں نہ آسکا کہ آخر عمران اپنے مقصد میں کس طرح کامیاب ہو سکے گا۔

سر شام ہی وہ اس مقام کی طرف روانہ ہو گئے جہاں سے انہیں کوٹی کے لئے روانہ ہونا تھا۔ لیکن عمران راستے ہی سے غائب ہو گیا بعد میں اوبران سے صفدر کو معلوم ہوا کہ دس بجے تک واپس آنے کو کہہ گیا ہے۔

صفدر وغیرہ اس سرائے میں آپہنچے جہاں ان کیلئے گھوڑے اور بار بردار مزدور موجود تھے۔

دس بجے تک عمران کا انتظار ہوتا رہا لیکن وہ نہیں آیا۔ اوبران کو اس سلسلے میں تشویش تھی۔ وہ کہہ رہا تھا کہ کہیں عمران کسی مصیبت میں نہ مبتلا ہو جائے کیونکہ وہ یہاں کی زبان بھی نہیں جانتا اور یہاں انگریزی بولنے والے کم ہی ملتے ہیں۔

پھر تقریباً پونے گیارہ بجے اوبران اس کی تلاش میں جانے کے لئے اٹھ ہی رہا تھا کہ عمران اس موٹے آدمی سمیت وہاں پہنچ گیا۔

انہیں اس پر بڑی حیرت ہوئی کہ موٹا آدمی خوش بھی نظر آرہا تھا۔

"یہ مس گیلی گراہم ہیں۔" عمران نے آتے ہی موٹے آدمی کا تعارف کیلی سے کرایا۔ "اور آپ مسٹر قاسم.... میرے خالہ زاد بھائی۔"

"ہی ہی ہی....!" قاسم نے بتیسی نکال کر کہا۔ "بڑی خوشی ہوئی.... جی ہاں۔"

بقیہ لوگ سمجھتے تھے شائد وہ ان کا تعارف بھی کرائے گا لیکن عمران نے بالکل خاموشی ہی اختیار کر لی۔

صفدر نے عمران کو الگ لے جا کر پوچھا کہ آخر یہ معجزہ کیسے ظہور میں آیا۔

"ارے...." عمران نے لاپرواہی سے کہا۔ وہ سب اسی کے کمرے میں تھے اور وہیں انہوں

نے کافی طلب کی۔ اتفاق سے اس موٹے نے چائے منگوائی تھی یا ممکن ہے یہ کافی پیتا ہی نہ ہو۔ میں نے کافی پر ہاتھ پھیر دیا۔ ارے یہ سوٹ کیس جو میری چھاتی سے چمٹا رہتا ہے تو کیوں چمٹا رہتا ہے اس میں ایسے ہی عجائب و غرائب ہیں کہ ہاتھ کی صفائی ہمالیہ کو بھی دریائے نربدا بنا دے بہر حال وہ لوگ کافی پی کر اتنا غفیل ہو گئے اور میں اس موٹے کو پار کرا لایا۔ یہ خود بھی اُن سے بُری طرح اکتایا ہوا تھا۔ میں نے اسے یقین دلایا ہے کہ وہ میرا خالہ زاد بھائی اور تایا زاد ماموں ہے۔

بھوکا بھوت

فریدی کا قافلہ کوٹی کی زیارت گاہ کی طرف چل پڑا تھا۔ یہ لوگ گھوڑوں پر سفر کر رہے تھے اور ان کے لباس مقامی باشندوں کے سے تھے۔

فریدی نے ابھی تک کسی کو بھی نہیں بتایا تھا کہ وہ پچھلی رات کو اتنی دیر تک کہاں رہا تھا اور اس چینی کا کیا ہوا تھا جس کی موجودگی کی اطلاع پر وہ ڈائننگ ہال میں گیا تھا۔

دھوپ تیز ہونے کے باوجود بھی یہ سفر تکلیف دہ نہیں تھا کیونکہ کیتو بلندی پر ہونے کی وجہ سے سرد ہی رہتا ہے۔ اگر بلندی پر نہ ہوتا تو تھوڑی ہی دور چلنے پر ان کی زبانیں نکل پڑتیں کیونکہ ایکویڈور استوائی خطے میں ہے۔

طارق کا سیاہ نیولا اس کے کاندھے پر سوار تھا اس لئے راہ میں ملنے والے مقامی باشندے ہاتھ اٹھا اٹھا کر اسے تعظیم دیتے تھے۔

روزا ایک اچھی شہسوار تھی اور حمید اس کے گھوڑے پر بیٹھنے کے انداز پر بڑی دیر سے مرمٹنے کا ارادہ کر رہا تھا۔

وہ فریدی کے ساتھ ہی چل رہا تھا۔ روزا آگے طارق کے ساتھ تھی۔

"پچھلی رات" فریدی نے خود ہی حمید کو مخاطب کیا۔ "وہ چینی میری سمجھ میں نہیں آسکا۔"

"کیوں....؟"

"ہو سکتا ہے وہ کوئی غیر متعلق آدمی ہی رہا ہو۔"

"مگر آپ اتنی دیر تک کہاں رہے تھے۔"

"اس کے تعاقب میں۔"

"وہ کہاں گیا تھا۔"

"ایک چینی دندان ساز کی دوکان میں! دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو وہ کوئی قطعی غیر متعلق آدمی تھا یا پھر تن لین کی طرف سے اس لئے یہاں چھوڑا گیا ہے کہ ہم لوگوں کو یہیں الجھائے رکھے۔ اگر غیر متعلق آدمی ہے تو صحیح الدماغ نہیں معلوم ہوتا کیونکہ مجھے خواہ مخواہ شہر کے چکر کھلا رہا تھا۔"

"ہاں.... یونہی بے فائدہ۔ کبھی یہاں کبھی وہاں۔ کبھی اس دوکان پر کھڑا ہوا ہے کبھی اس دوکان پر۔"

"اچھا اگر قاسم کیتو میں ہو تو۔"

"ہونے دو۔ میں خواہ مخواہ وہاں وقت نہیں برباد کرنا چاہتا تھا۔ قاسم کہیں بھی ہو اس راہ پر ضرور آئے گا کیونکہ اس کے اغواء کا مقصد ہی یہی ہے۔"

"بیٹھے بٹھائے مفت کی پریشانی۔ اپنے ستارے ہی ایسے واہیات ہیں کہ چھٹیوں میں بھی سکون نصیب نہیں ہوتا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ اگر طارق اپنا گھوڑا بڑھا لے جائے تو وہ روزا کے قریب پہنچ سکتا تھا لیکن وہ شاید کسی مسئلے پر بڑی سرگرمی سے بحث کر رہے تھے۔

سفر جاری رہا اور دو دنوں تک کوئی خاص واقعہ ظہور میں نہیں آیا۔ حمید کی وجہ سے ہر وقت لطیفے ہوتے رہتے اور فریدی بھی دل کھول کر ہنستا۔ روزا بھی کافی زندہ دل ثابت ہوتی رہی تھی اور بوڑھا طارق تو حمید کے ساتھ بچہ ہی بن گیا تھا۔

تیسرے دن انہیں ایک جگہ ایک بہت بڑی گھوڑا گاڑی دکھائی دی۔

"یہ راستہ ریوبامبا کی طرف آتا ہے۔" طارق بولا۔

فریدی نے جیب سے دوربین نکالی اور گاڑی کی سمت دیکھنے لگا جو ابھی بہت دور تھی۔ دفعتاً حمید نے اس کے ہونٹوں پر کھنچاؤ سا محسوس کیا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ آنکھوں پر سے دوربین ہٹاتا ہوا بولا۔ "میرا خیال ہے کہ گاڑی ہانکنے والے کے برابر بیٹھا ہوا آدمی کوئی چینی ہی ہے۔"

"تب پھر ہمیں یہیں ٹھہرنا چاہئے۔ بلکہ اگر ہم ٹیکرے کی اوٹ میں ہو جائیں تو بہتر ہے۔ وہ ہمیں دیکھ کر بے دریغ فائر کریں گے۔"

"میں انہیں اس کا موقع نہیں دوں گا۔ پیچھے ہٹو۔" حمید نے دوسرے سواروں کو ٹیکرے کی اوٹ میں کرنا شروع کر دیا۔ گھوڑا گاڑی آہستہ آہستہ چل رہی تھی اور اس کے پیچھے تین چار سوار بھی تھے اور کچھ خچروں پر سامان لدا ہوا تھا۔ فریدی کے علاوہ اور سب ٹیکرے کی اوٹ میں تھے۔ فریدی کا گھوڑا ٹیکرے پر تھا۔ حمید نے اسے بھی آواز دی لیکن فریدی نے کہا۔ "جیسے ہی میں فائر کروں تم اور طارق دائیں بائیں ہو کر فائرنگ شروع کر دینا۔ مگر خیال رہے کہ فائر ہوائی ہوں۔"

حمید نے ایک بار پھر اسے دوربین نکالتے دیکھا۔ دوربین کا رخ گھوڑا گاڑی کی طرف تھا۔ یک بیک اس نے دوربین جیب میں ڈالی اور رائفل اٹھا کر گھوڑے پر فائر کر دیا۔ طارق اور حمید ٹیکرے کے دائیں اور بائیں کناروں سے فائرنگ کرنے لگے.... گھوڑا گاڑی کے کوچوان نے نیچے چھلانگ لگا دی۔ گھوڑے بھڑک گئے تھے۔ پھر شاید کسی نے انہیں قابو میں کرنے کی کوشش کی اور گھوڑا گاڑی سے بھی فائر ہونے لگے۔

لیکن ادھر حمید پر نئی افتاد پڑی۔ اس کا گھوڑا اس بُری طرح بھڑکا کہ اس کے ہاتھ سے رائفل ہی چھوٹ پڑی اور پھر اگر وہ دوسرے ہی لمحے میں گھوڑے کی گردن سے چمٹ نہ گیا ہوتا تو اس کی کھوپڑی کے کم از کم ایک ہزار ٹکڑے ضرور ہو گئے ہوتے۔ اس کے بعد اسے صرف اتنا ہوش رہ گیا تھا کہ گھوڑے کی گردن پر اس کے بازوؤں کی گرفت سخت سے سخت ہوتی جا رہی تھی۔ ویسے وہ فائروں کی آوازیں بھی سنتا رہا تھا۔ لیکن خود اس کے حلق سے کسی قسم کی آواز نہیں نکل سکی تھی۔

گھوڑا اسی جوش و خروش کے ساتھ دوڑ رہا تھا اور حمید کو گرا دینے کی کوشش بھی کر رہا تھا۔ مگر تھا اصیل اس لئے لوٹ نہیں لگائی ورنہ حمید کی ہڈیاں سرمہ ہو گئی ہوتیں۔

حمید نے لگام کو جھٹکا دیا اور گھوڑا بے چوں و چرا اسی طرف چلنے لگا جدھر وہ اسے لے جا رہا تھا.... حمید نے اسے ایک درخت کے تنے سے باندھ دیا۔ اس کا دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ زین سے لٹکتے ہوئے تھیلے سے چابک نکالے اور اس پر برسانا شروع کر دے لیکن پھر سوچا کہ اگر اب کے وہ کوئی انتقامی کاروائی کر بیٹھا تو کیا ہوگا۔

"اچھا سالے....!" وہ ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "میں تمہیں اپنی خوش اخلاقی سے زیر کروں گا۔"

اور اس نے سچ مچ خوش اخلاقی کا مظاہرہ شروع کر دیا۔ اس کی گردن تھپ تھپائی اور چمکارتا رہا۔ ویسے اس کی بدحواسی ابھی پوری طرح زائل نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے اس کے ذہن میں یہی بات آئی کہ گھوڑے کو زیادہ سے زیادہ مکھن لگانا چاہئے۔ لہٰذا اس نے زین اتار کر باقاعدہ طور پر اس کی مالش شروع کر دی۔ حالانکہ خود اس کا جوڑ جوڑ ڈھیلا ہو کر رہ گیا تھا۔ اس لئے اسے زمین پر گر کر کچھ دیر تک بے سدھ پڑا رہنا چاہئے تھا۔ مگر بے چارا اسے کیا کرتا کہ جوڑ جوڑ کے ساتھ دماغ کے اسکریو بھی ڈھیلے ہو گئے تھے اور اسے اس وقت قطعی یاد نہیں رہ گیا تھا کہ وہ کس پوزیشن میں ہے۔ کچھ دیر پہلے کہاں تھا اور اب کہاں آ پہنچا ہے۔ دوسری بار صحیح راستے پر لگ بھی سکے گا یا نہیں۔

کچھ دیر بعد اسے ہوش آیا اور وہ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اب اس کے فرشتے بھی اندازہ نہیں کر سکتے تھے کہ گھوڑا اسے کس راستے سے لایا تھا۔

حمید سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اب تو اس کا دل چاہ رہا تھا کہ گھوڑے کو گولی ہی مار دے مگر چونکہ ابھی اسے اپنے اخلاق سے متاثر کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا اس لئے اس کا ہاتھ ہولسٹر کی طرف نہ جا سکا۔ لیکن اب وہ کیا کرے گا....؟ یہ سوال تھا یا کسی بہت بڑے بھیڑیئے کا پھیلا ہوا منہ۔ اس کا جسم پسینے سے شرابور ہو رہا تھا۔ کیونکہ یہاں کیتو کی سی ٹھنڈک نہیں تھی۔

دفعتاً وہ اچھل پڑا۔ اس نے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنیں۔ اس کی پشت پر ایک ٹیکرا تھا اور اس پر سے دو آدمی اس کی طرف دوڑتے چلے آ رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں کلہاڑیاں اور بڑے بڑے پتھر تھے۔

حمید بدک کر بھاگا مگر اس کا مقدر ہی اچھا تھا کہ وہ دونوں پتھر اس پر نہیں پڑے.... اس نے مڑ کر فائر کیا اور ایک چیخ سناٹے میں گونج کر رہ گئی۔ دوسرا آدمی بھاگ کر ٹیکرے کی اوٹ میں ہو گیا۔ اس کا ساتھی چشمے کے کنارے پڑا تڑپ رہا تھا۔ حمید نے اندھا دھند سارے فائر ٹیکرے پر جھونک مارے۔ وہ دراصل خائف تھا۔ جنگلیوں سے اس کی روح فنا ہوتی تھی۔ ویسے اگر اُن دو کی بجائے دس بھی ہوتے تو وہ پرواہ نہ کرتا۔

اس نے ریوالور کو دوبارہ لوڈ کرنا چاہا لیکن موقع نہ مل سکا کیونکہ جنگلی نے ٹیکرے کی اوٹ

سے دوبارہ اس پر چھلانگ لگائی، حمید پھر بھاگ نکلا۔ وہ اپنی پوری قوت سے دوڑ رہا تھا۔ لیکن ریوالور اس کے ہاتھ ہی میں تھا۔ جسے اس نے ہولسٹر میں ٹھونسنے کی کوشش کی۔ جنگلی کلہاڑا تانے ہوئے اس کے پیچھے دوڑا آ رہا تھا۔

حمید گھوڑے سے دور نہیں جانا چاہتا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ بھی ہاتھ سے نہ جائے۔ لہٰذا اس نے ایک لمبا چکر لیا۔ اس وقت اس کے پیروں میں گویا پر لگ گئے۔ لیکن وہ جنگلی بھی کم تیز نہیں معلوم ہوتا تھا۔ حمید جب بھی مڑتا اسے سر ہی پر پاتا اور پھر اس کے کلہاڑے کی زد سے بچنے کے لئے اسے دوڑتے ہی میں چھلانگ لگانی پڑتی.... وار خالی جاتا۔ جنگلی ایک جگہ ٹھوکر کھا کر گرا.... اور پھر اس کے سنبھلتے سنبھلتے حمید اس کے ساتھی کی لاش کے قریب پہنچ گیا۔

دفعتاً ایک خیال بجلی کی سی سرعت سے اس کے ذہن میں آیا۔ یہی کہ بھڑ ہی جانا چاہئے۔ ورنہ ممکن ہے اس طرح کی بھاگ دوڑ اسے دوسری دنیا کی سیر ہی کرا دے۔ اس نے بڑی پھرتی سے مردہ جنگلی کا کلہاڑا اٹھا لیا۔

اس کے ہاتھ میں کلہاڑا دیکھ کر جنگلی کی رفتار سست ہو گئی اور وہ اپنا کلہاڑا تولتا ہوا آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگا۔ اس وقت اس کی آنکھیں بلیوں کی آنکھوں کی طرح چمک رہی تھیں۔

حمید نے کبھی خواب میں بھی کلہاڑا نہیں چلایا تھا۔ وہ خائف بھی تھا اور جنگلی کو مار بھی ڈالنا چاہتا تھا۔ اس جذباتی کش مکش نے اس کا حلیہ ہی بگاڑ کر رکھ دیا۔ آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں اور دانت نکلے پڑ رہے تھے۔ شائد جنگلی نے بھی اس کی ظاہری حالت سے دلی کیفیات کا اندازہ کر لیا تھا۔ اس لئے اس کے ہونٹوں پر ایک وحشیانہ سی مسکراہٹ نظر آئی۔

یک بیک اس نے اچھل کر حملہ کیا اور حمید بلبلاتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ اتفاقاً جنگلی نے اپنے ساتھی کی لاش سے ٹھوکر کھائی اور منہ کے بل نیچے چلا آیا۔

پھر حمید کو نہیں معلوم کہ کس طرح اس کا کلہاڑا اس کی پشت میں پیوست ہو گیا تھا جسے وہ دوسرے وار کے لئے کھینچ بھی نہ سکا۔ جنگلی کسی بھینسے کی طرح ڈکراتا ہوا سیدھا کھڑا ہو گیا تھا۔ کلہاڑا اب بھی اس کی پشت میں پیوست تھا۔ حمید پھر بھڑک کر بھاگا۔

جنگلی اسی انداز میں کراہتا ہوا اندھوں کی طرح دو چار قدم چلا اور پھر ڈھیر ہو گیا۔ کچھ دور دوڑنے کے بعد حمید کو پھر عقل آئی اور وہ مڑا۔ پھر رک ہی گیا.... وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ان

آخر ان لوگوں نے طے کیا کہ اس جنگلی کو ساتھ ہی رکھا جائے.... ورنہ ہو سکتا ہے کہ یہ کسی فساد کا باعث بنے۔ مار ڈالنے والی تجویز پر کوئی بھی متفق نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ کسی کو خواہ مخواہ مار ڈالنا کوئی اچھی بات نہیں تھی۔ ایک سفید فام مذہبی آدمی تھا بولا.... "اگر سانپ بھی ضرر پہنچانے کے تیور نہ رکھتا ہو، اُسے بھی چھوڑ دینا چاہئے۔"

حمید نے سوچا کہ کیوں نہ ان کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ ظاہر ہے کہ اس کی مراد بر آئی تھی۔ یعنی وہ اپنی دانست میں اتفاقاً ان لوگوں سے آ ٹکرایا تھا جو قاسم کے اغواء کے ذمہ دار تھے اور اسے تاریک وادی کی طرف لے جا رہے تھے۔

اُس نے لہجہ بدل کر ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کہا۔ "میں اپنے قبیلے کا باغی ہوں.... انہوں نے مجھے مار پیٹ کر بستی سے نکال دیا ہے۔"

بیوقوف نظر آنے والے آدمی نے اُلوؤں کی طرح اپنے دیدے نچائے اور بچوں کے سے انداز میں خوش ہو کر بولا۔ "آہا.... میں نے جغرافیہ کی کتاب میں پڑھا تھا کہ غوغہ غاٹا قبیلے کے لوگ اپنے باغیوں کو کیچڑ میں پٹخ پٹخ کر مارتے ہیں اور مار کھانے والے اس وقت تک اپنے جسموں سے کیچڑ نہیں چھڑاتے جب تک کہ اپنی توہین کا بدلہ نہ لے لیں.... کیوں کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔"

"ہاں.... ہاں....!" حمید پرجوش انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "میں پوری بستی میں آگ لگا دوں گا۔"

"دوستو...." احمق آدمی نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "اس کی ٹانگ پکڑ کر نیچے کھینچ لو۔"

"کیوں.... کیوں؟" حمید بوکھلا کر بولا۔

"غوغہ غاٹا قبیلے میں میری سسرال ہے۔" احمق نے کہا۔ "میں نہیں چاہتا کہ تم اس کی بستی میں آگ لگا دو۔ پھر بھوت بنے رہنے سے کیا فائدہ.... مٹی صاف کرو۔ آدمی بنو پیارے.... میرا دعویٰ ہے کہ مٹی صاف ہوتے ہی تم گرامر کی غلطی کئے بغیر بڑے فراٹے سے انگریزی بولو گے۔"

"کیوں کیا بات ہے۔" ایک سفید فام نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ فراڈ ہے۔" عمران حمید کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "غوغہ غاٹا قبیلے کا وجود مریخ پر تو ہو سکتا ہے مگر ہماری زمین پر ناممکن ہے۔"

پھر حمید کے سنبھلنے سے قبل ہی وہ اس پر ٹوٹ پڑے.... حمید کو زین کے تھیلے سے ریوالور

تک نکالنے کا موقع نہ مل سکا۔ اسے قاسم کے خالہ زاد پر بڑا تاؤ آیا.... مگر کر ہی کیا سکتا تھا۔ اگر ایک بار بھی ریوالور اس کے ہاتھ آ جاتا تو دیکھتا.... جنگلیوں کی اور بات تھی۔ مہذب آدمیوں سے نپٹنے کے طریقے اُسے بخوبی معلوم تھے اور وہ انہیں ہر وقت بروئے کار لا سکتا تھا۔

اُسے بے بس کر دیا گیا تھا اور اب اس کے جسم سے خشک مٹی کی تہیں اکھاڑی جانے لگیں۔ جیسے ہی حمید کے چہرے سے مٹی صاف ہوئی قاسم متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکانے لگا اور کچھ کہنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ حمید نے اُسے آنکھ مار دی۔

"اے....! کھبردار.... آنکھ کیوں مارتے ہو۔" قاسم بوکھلا کر بولا اور کنکھیوں سے لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیوں.... پیارے.... بھائی....!" بیوقوف آدمی قاسم کا شانہ سہلاتا ہوا بولا۔ "کیا تم اسے پہچانتے ہو۔"

حمید نے قاسم کو آنکھیں دکھائیں۔ لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ بیوقوف کی آنکھیں بجلی کی طرح گردش کر رہی ہیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ حمید کی کھوپڑی کے اندر بھی نظر رکھتا ہو۔

"قاسم کو بھی شائد عقل آ گئی تھی...." اس نے کہا۔ "نائیں تو.... میں کیا جانوں۔"

"یہ ان چینیوں کے ساتھ نہیں تھا....؟" احمق نے پوچھا۔

"نہیں.... تو.... بالکل نہیں تھا۔" قاسم نے کہا۔ وہ اردو میں گفتگو کر رہا تھا۔ پھر یک بیک وہ حمید کی طرف دیکھ کر دہاڑا۔ "خدا تمہیں غارت کرے۔ تم میری منگیتر کو کیوں گھور رہے ہو۔"

دوسرا مشرقی ہنسنے لگا۔ لیکن احمق بدستور سنجیدہ نظر آتا رہا۔ حمید کیلی کو برابر گھورے جا رہا تھا۔

"اے.... تم نہیں مانتے.... پھر میں بتا دوں غا...." قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

"ہاں.... پیارے بھائی.... تم بتا ہی دو۔" احمق نے کہا۔ "ورنہ ہو سکتا ہے کہ یہ لڑکی اپنا فیصلہ تبدیل کر دے۔"

"اچھا بتا دوں غا....!" قاسم حمید کو غصیلی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ پھر حمید نے دیکھا کہ وہ جھک کر احمق کے کان میں آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہا ہے۔ احمق نے دیدے نچائے اور حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

دونوں لاشوں کو دیکھ رہا تھا۔

اس نے کہا کہ بس اب جدھر بھی سینگ سمائیں نکل ہی چلو.... ورنہ ہو سکتا ہے کہ پھر کوئی نئی مصیبت نازل ہو جائے۔

مگر وہ جدھر بھی جاتا اس خطرے سے تو دوچار ہونا ہی پڑتا۔ اُسے تنہا دیکھ کر ایک سڑا سا کتا بھی شیر کی طرح جھپٹ سکتا تھا۔

پھر کیا کرنا چاہئے؟ وہ یہی سوچتا ہوا ان دونوں لاشوں کے قریب آ گیا۔ ان کی رنگت تانبے کی سی تھی اور ان کے جسموں پر صرف پاجامے تھے۔ عجیب وضع کے پاجامے۔ حمید نے بڑی پھرتی سے اپنے کپڑے اتارے اور ان میں سے ایک کا پاجامہ پہن لیا۔ اپنے کپڑے گھوڑے کی زین سے لٹکے ہوئے تھیلے میں ٹھونس دیئے۔ پھر دونوں لاشوں کو باری باری سے کھینچتا ہوا چشمے کے کنارے لے گیا اور انہیں پانی میں دھکیل کر گھوڑے کی طرف پلٹ آیا۔ اب وہ بھی ایک جنگلی ہی معلوم ہو رہا تھا.... مگر نہیں۔ بھلا اس کی سرخ و سپید رنگت کہاں چھپ سکتی تھی.... اسے فوراً ہی اس کے متعلق بھی ایک ترکیب سوجھ گئی۔ وہ پھر چشمے کی طرف آیا اور کنارے سے کیچڑ اٹھا اٹھا کر اپنے جسم پر ملنے لگا۔ سر پر اتنی موٹی تہہ جمالی کہ اس کے نیچے بڑے بڑے بالوں کے گچھے معلوم ہوں۔ ایسی صورت میں بھلا چہرہ بھی کوئی چھوڑنے کی چیز تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ اچھا خاصا بھوت بن کر رہ گیا اور پھر گھوڑے پر بیٹھ کر ایک طرف بھاگ نکلا.... وہ سوچ رہا تھا کہ جنگلیوں میں گونگے بھی ہوتے ہوں گے.... اور پھر اُسے تو اس ہیئت میں وہ پاگل بھی سمجھیں گے۔ گھوڑا ایک سمت دوڑتا رہا۔ اسے کچھ دور پر ایک بستی نظر آئی جو مختلف قسم کے جھونپڑوں پر مشتمل تھی۔ حمید نے فوراً ہی راستہ کاٹ دیا۔ خود سے وہ دور ہی رہنا چاہتا تھا۔ اگر کسی سے مڈبھیڑ ہو جاتی تو پھر وہ گونگا اور پاگل تو تھا ہی۔

کچھ دیر بعد اُسے بڑی شدت سے بھوک معلوم ہونے لگی۔ مگر اس کے پاس پانی کی تین بوتلوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا.... ان جنگلوں میں اس نے بکریوں کی شکل کے کچھ جانور دیکھے تھے۔ اُس نے سوچا کہ اب کوئی نظر آیا تو اُسے ریوالور سے شکار کرنے کی کوشش کرے گا۔ گھوڑے کو جدھر بھی مسطح زمین ملتی تھی بھاگتا چلا جاتا تھا۔

لیکن حمید کو نہ کوئی ایسا پرندہ دکھائی دے رہا تھا اور نہ جانور.... جس سے اس کے پیٹ کی

آگ بجھ سکتی۔

شام ہو چلی تھی.... اور گھوڑا یکساں رفتار سے دوڑ رہا تھا۔ لیکن وہ اس کے قابو ہی میں تھا۔

اچانک ایک جگہ اُسے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سنائی دیں اور اس نے اپنا گھوڑا روک لیا۔ وہ آواز کی سمت کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔

دفعتاً اُسے سوار نظر آ گئے۔ وہ بہت دور بھی نہیں تھے اور مہذب ہی معلوم ہوتے تھے یعنی صرف پاجاموں ہی میں نہیں تھے۔ حمید خوش ہو گیا۔ وہ اس کے ساتھیوں کے علاوہ اور کون ہو سکتے تھے۔ لیکن حمید نے سوچا کہ کہیں وہ اُسے اس ہیئت میں پہچان نہ سکنے کی بناء پر فائرنگ نہ شروع کر دیں۔ لہٰذا اس نے لگام کو دانتوں میں دبا کر اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

سوار قریب آ گئے۔ انہوں نے اپنے ریوالور نکال لئے تھے اور اس کے گرد حلقہ بنا رہے تھے۔ حمید انہیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔ اسے ایک گھوڑے پر قاسم بھی نظر آیا۔ لیکن دوسرے لوگوں میں ایک بھی چینی نہیں تھا۔ زیادہ تر سفید فام تھے۔ ایک سفید فام لڑکی بھی تھی اور قاسم کے علاوہ دو مشرقی تھے۔

"ہی ہی ہی....!" قاسم ایک ایسے آدمی کے شانے پر ہاتھ مار کر ہنسا جو سر تا پا حماقت معلوم ہو رہا تھا۔ پھر بولا۔ "پیارے کھالا جاد.... زاد.... دیکھو سالے کو بالکل بھوت معلوم ہوتا ہے۔"

وہ حمید کو پہچان نہیں سکا تھا کیونکہ اُس کے چہرے پر چکنی مٹی کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔

رہائی اور گرفتاری

حمید ان کی گفتگو بخوبی سن رہا تھا۔ وہ اُسے جنگلی ہی سمجھے تھے اور اب اُس کے متعلق مشورے کر رہے تھے۔ ایک نے کہا کہ اسے مار ڈالنا چاہئے۔ لیکن بیوقوف آدمی بولا۔ "نہیں۔ میں اسے اپنے چڑیا گھر میں رکھوں گا۔ کسی بڑی بطخ سے اس کا جوڑا لگا دوں گا۔"

حمید کو اس پر کافی تاؤ آیا۔ کیونکہ قاسم بھی ہنس پڑا اور اُس نے احمق آدمی سے کہا۔

"واہ پیارے کھالا جاد.... میری جان۔"

اور پھر کنکھیوں سے لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔

سورج غروب ہونے والا تھا۔ احمق نے اپنے ساتھیوں سے بلند آواز میں کہا۔ "پڑاؤ کے لئے یہ جگہ خاصی اچھی ہے.... کیوں نہ ہم یہیں رات بسر کریں۔"

لیکن وہ اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے حمید کے متعلق پوچھ گچھ کرنے لگے۔

"میں ابھی کوئی معقول جواب دے نہیں سکتا۔" احمق نے کہا۔ "اب اطمینان سے دیکھوں گا۔"

بار بردار گھوڑوں پر سے چھولداریاں اتاری گئیں اور انہیں استادہ کیا جانے لگا۔ کچھ دیر بعد وہ دن بھر کی تھکن اتار رہے تھے۔

حمید دو سفید فاموں کی نگرانی میں تھا اور قاسم بھی اس کے قریب ہی موجود تھا۔

"ابے او.... موٹے حرام خور.... میں صبح ہی سے بھوکا ہوں۔" حمید نے اُسے گھور کر دانت پیستے ہوئے کہا۔

"اے.... جبان سنبھال کے.... تم خود حرام خور۔"

"تمہاری ہی بدولت ہم ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں۔"

"کیوں میری بدولت کیوں.... ابے ہاں.... یار حمید بھائی.... الا قسم دیکھو.... سچ مچ بتانا۔ میرا دماغ خراب ہونے لگتا ہے جب سوچتا ہوں....!"

"میں کچھ بھی نہ بتا سکوں گا۔ پہلے تم میرے لئے کھانے کا انتظام کرو۔"

"اچھا.... میں اپنے خالہ زاد سے کہتا ہوں....!" قاسم اٹھتا ہوا بولا۔ حمید اس کے خالہ زاد کے متعلق خصوصیت سے پوچھنا چاہتا تھا۔ لیکن اس نے اسے جانے ہی دیا۔

تھوڑی دیر بعد قاسم کھانے کے لئے کچھ چیزیں اور چائے لایا۔

"واہ میری جان.... جیو.... واقعی تم بہت اچھے دوست ہو۔" حمید خوش ہو کر بولا۔

"اور.... کیا....!" قاسم بیٹھتا ہوا بولا۔ "مگر تمہیں میری محبت پر کبھی یقین نہیں آئے گا۔"

"ارے نہیں واہ.... ایسا بھی کیا۔" حمید کھانے پر ہاتھ صاف کرتا ہوا بولا۔

"اچھا تو میری الجھن دور کر دو۔"

"کیسی الجھن۔"

"یار.... گھر سے ہم دونوں ساتھ ہی چلے تھے نا۔ پھر یہ کیا ہوا۔ میں ان چینیوں کے پاس کیسے پہنچ گیا تھا۔"

"وہ چینی اب کہاں ہیں۔"

"میرے خالہ زاد نے انہیں اُلو بنا دیا.... اور مجھے ان کے پاس سے نکال لایا.... وہ سالے مجھے تاریک وادی لے جانا چاہتے تھے۔"

"مگر یہ تمہارا خالہ زاد کہاں سے نکل پڑا.... اور یہ تمہیں کہاں لے جا رہا ہے۔"

"اے.... خبردار.... میں اپنے بھائی کی شان میں کوئی بُری بات نہیں سن سکتا۔ یہ بھی وہیں جا رہا ہے جہاں چینی جانا چاہتے ہیں۔"

پھر قاسم اُسے بتانے لگا کہ کس طرح وہ چینی کافی پی کر بیہوش ہو گئے تھے اور خالہ زاد بھائی اسے وہاں سے نکال لایا تھا۔

"مگر یہ خالہ زاد ہے کون؟" حمید نے پوچھا۔

"یہ تو میں بھی نہیں جانتا.... حمید بھائی!" قاسم نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔ "مگر ہے بڑا اچھا آدمی.... کیلی سے میری محبت کرا دی ہے.... اب میں اُس سے شادی کر کے سوئٹزر لینڈ میں بس جاؤں گا۔ ٹھینگے پر گئے والد صاحب.... اور وہ سالی نجاکت کی پڑیا۔"

"مگر تمہیں یہ خالہ زاد ملا کہاں سے....!"

"اے.... اللہ دیتا ہے۔" قاسم درویشوں کی سی شان سے جھومتا ہوا بولا۔

"تمہارے سبھی، خالہ ماموں، چچا، نانا زاد بھائی میرے دیکھے ہوئے ہیں مگر یہ بالکل نیا ہے۔"

"ابے ہاں....!" قاسم آنکھیں پھاڑ کر آہستہ سے بولا۔ "نیا تو میرے لئے بھی ہے۔ یار بڑی محبت کرتا ہے مجھ سے۔ اگر میں کہوں دن تو وہ بھی کہے گا دن۔ اگر میں کہوں رات تو وہ بھی کہے گا رات.... ابے ایسے بھائی آج کل کہاں ملتے ہیں۔"

"تمہارے لئے وہ نیا ہے لیکن پھر بھی تم نے اُسے اپنا خالہ زاد بھائی تسلیم کر لیا ہے۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

"کیوں نہ تسلیم کر لوں.... وہ بڑے لمبے چوڑے رشتے بتاتا ہے۔"

"کیا رشتے بتاتا ہے....!"

"میری سمجھ میں نہیں آئے.... جتنا سمجھا ہوں.... بتا دوں گا.... غدر کے زمانے میں ایک نانا ادھر چلے آئے اور دوسرے نانا ادھر چلے گئے۔ ادھر کے نانا سے ایک خالہ ہوئیں اور ادھر

کے نانا سے دوسری خالہ ہوئیں.... ایک خالہ سے میں ہوں اور دوسری خالہ سے وہ خود ہے۔"

"اور نانی سے تم دونوں کے باپ ہیں۔" حمید جھلا کر بولا۔ "ابے کب عقل آئے گی۔ تجھے لمڈھینگ جو بھی چاہتا ہے اُلو ہی نہیں بلکہ اُلو کا پٹھا بنا کر رکھا دیتا ہے۔"

"اے شامت آئی ہے تمہاری۔" قاسم دھاڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"ارے نہیں.... پیارے۔" حمید جلدی سے بولا۔ "میں تو تمہیں یونہی چھیڑ رہا تھا۔ مگر تمہاری محبوبہ مجھے بالکل پسند نہیں آئی۔"

"خدا کا شکر ہے۔" قاسم مسمی صورت بنا کر بولا اور پھر یک بیک بہت خوش نظر آنے لگا.... اور چہک کر بولا۔ "بالکل چوپٹ ہے حمید بھائی.... مگر دل کی بات ہے۔ مجھے تو اچھی ہی لگتی ہے.... ہائے کیسا قیاؤں قیاؤں بولتی ہے۔"

وہ اپنا سینہ اس انداز میں سہلانے لگا جیسے واقعی اندر آگ لگ گئی ہو۔

پھر جلدی سے بولا۔ "ارے ہاں.... تم یہاں کہاں؟"

"تمہاری ہی تلاش میں ہم دھکے کھاتے پھر رہے ہیں۔ تمہیں ان چینیوں نے اغوا کیا تھا۔"

"کرنل کہاں ہیں۔"

"وہ بھی کہیں بھٹکتے پھر رہے ہوں گے۔"

"میرے لئے....!" قاسم گلوگیر آواز میں بولا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ جو کچھ بھی سامنے تھا اسے صاف کر کے اب وہ چائے کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

اتنے میں قاسم کا خالہ زاد ایک سفید فام کے ساتھ چھولداری میں داخل ہوا۔

حمید کے چہرے سے لاپروائی ظاہر ہو رہی تھی۔

دفعتاً سفید فام نے اس سے پوچھا۔ "تم کرنل فریدی کے اسسٹنٹ ہو۔"

"کرنل فریدی....!" حمید نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "میں کسی کرنل فریدی کو نہیں جانتا۔

تم لوگوں نے خواہ مخواہ مجھے تکلیف دی ہے۔ کیا میں نے تمہیں کوئی نقصان پہنچایا تھا۔"

"نہیں....!" سفید فام نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "مگر تم اُس حلئے میں کیوں تھے۔"

"تم سے مطلب.... میں گھوڑے کی دم سے لٹکا پھروں تم کون ہوتے ہو دخل دینے والے۔"

"اُف فوہ....!" یورپین مسکرایا۔ "تم خفا کیوں ہوتے ہو بھائی۔ ہم بھی ایک اجنبی علاقے میں سفر کر رہے ہیں.... تمہیں اپنے لئے مخدوش سمجھ کر روک لیا تھا اور اب تم سے یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ مسٹر قاسم کا بیان کسی حد تک درست ہے۔"

"میں تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ تم اسے کہاں لے جا رہے ہو۔" حمید نے قاسم کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔

"ہم اسے نجات کا راستہ دکھائیں گے۔" احمق بول پڑا۔ "یہ اپنی بیوی اور باپ سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے۔"

"یہ تمہیں کسی اندھے کنوئیں میں گرائے گا۔ اس کا دماغ درست نہیں ہے۔ یہ پاگل ہے۔"

"ارے.... ہائیں.... ہائیں۔" قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ "ابے تم یہ کیا بک رہے ہو۔"

"ہم دونوں میڈرڈ میں مقیم تھے۔" حمید اس کی پرواہ کئے بغیر کہتا رہا۔ "ایک دن اسے کہیں سے ایک الٹا سیدھا نقشہ مل گیا اور اس نے ادھر اُدھر بیٹھ کر بکواس کرنی شروع کر دی کہ اُسے ایک خزانے کا نقشہ مل گیا ہے اور یہ ایک دن اس خزانے کی تلاش میں روانہ ہو جائے گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ چینی اس کے چکر میں پڑ گئے اور اسے لے اڑے۔ چونکہ اپنی بیوی کا اکلوتا لڑکا ہے....!"

"خاموش کم نجات....!" قاسم حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

"نہیں خاموش رہوں گا.... تم گدھے ہو! اُلو کے پٹھے ہو۔"

"مار ڈالوں گا...." قاسم دھاڑتا ہوا آگے بڑھا۔

"ابے بھاگ لومڑی کے بچے....!"

قاسم پر شیطان سوار ہو گیا تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح چیختا ہوا حمید پر پل پڑنے کے لئے ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ مگر چار آدمی اس سے لپٹ گئے تھے اور وہ ان میں سے بھی ایک آدھ کو جھٹک ہی دیتا تھا۔

حمید کی عقابی نظریں ایک سفید فام کے ہولسٹر پر تھیں۔ وہ اس انداز میں قاسم کی طرف جھپٹا جیسے اسے مارے گا۔ مگر اس کی بجائے اُس نے اس یورپین کے ہولسٹر سے ریوالور کھینچ لیا۔

اس وقت قاسم کو تاؤ دلانے کا مقصد بھی یہی تھا کہ وہاں ہنگامہ برپا ہو جائے گا۔ ریوالور ہاتھ آتے ہی وہ چھلانگ مار کر باہر آ گیا۔ چھلانگ لگاتے وقت اس نے دوسرے ہولسٹر پر بھی ہاتھ ڈال دیا تھا اور اب اس کے ہاتھوں میں دو ریوالور تھے۔ باہر نکلتے ہی اُس نے ایک قریبی ٹیکرے کی اوٹ

لے لی۔

احمق اور اس کے ساتھی بھی قاسم کو چھوڑ کر تیزی سے باہر نکلے تھے۔ احمق آگے تھا۔ حمید کو ٹیکرے کی اوٹ میں جاتے دیکھ کر اُس نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے تاکہ اس کے ساتھی آگے نہ بڑھ سکیں۔

دفعتاً حمید نے اونچی آواز میں کہا۔ "ہاں میں کرنل فریدی کا اسسٹنٹ ہوں۔ اگر ہمت ہو تو آگے بڑھو اور مجھے پکڑ لو۔"

احمق نے کہا۔ "او بران.... اس کا گھوڑا منگوا دو....!"

حمید نے اس پر قہقہہ لگایا اور بولا۔ "تم مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتے۔ دوست میں تمہارے ٹائپ کو اچھی طرح سمجھ چکا ہوں۔"

"سمجھ چکے ہو نا...." احمق نے جواب دیا۔ "اس لئے میں چاہتا ہوں کہ یہاں سے دفع ہو جاؤ۔"

"میں تم سبھوں کو للکار رہا ہوں.... جس میں ہمت ہو آئے۔"

"ارے جاؤ.... ہم کوئی لچے لفنگے ہیں کہ تمہاری للکار میں آجائیں گے۔ اپنا راستہ لو۔ ہمارے پاس اتنا راشن نہیں ہے کہ ہم تمہیں بھی کھلا سکیں۔"

"موٹے کو میرے حوالے کر دو۔"

"شکریہ.... ضرور لے جاؤ.... ورنہ اب یہ ہمیں ہی کھانا شروع کر دے گا۔ راشن کی قلت اسی کی وجہ سے ہو گئی ہے۔"

حمید الجھن میں پڑ گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ احمق خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے.... ہو سکتا ہے یہ بھی کسی قسم کی چال ہو۔

دفعتاً ایک سفید فام نے کہا۔ "اگر تم کرنل فریدی کے اسسٹنٹ ہو تو واپس آجاؤ.... ہمارا کسی سے کوئی جھگڑا نہیں ہے۔"

"اگر یہ واپس آیا تو میں اُسے جان سے مار دوں گا۔" قاسم دھاڑا۔ "اس نے کتنی گالیاں دی تھیں۔ کیا تم لوگ بہرے ہو گئے تھے اور وہاں تم نے مجھے کیوں پکڑا تھا.... بتاؤ۔"

"خاموش رہو پیارے بھائی۔" احمق نے نرم لہجے میں کہا۔

"نہیں کھاموش رہوں گا۔"

"اچھی بات ہے چیخو...." اس نے کہا۔

اور پھر حمید نے دیکھا کہ وہ لوگ احمق کے اشارے پر واپس جا رہے ہیں۔ حمید کی الجھن اور زیادہ بڑھ گئی اور وہ اس مکار آدمی کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔ قاسم وہیں کھڑا رہ گیا تھا۔ حمید نے اُسے آواز دی اور وہ ٹیکرے کی طرف بڑھنے لگا۔

"آجاؤ.... میں تمہیں گولی نہیں ماروں گا۔" حمید نے پھر کہا۔

قاسم کچھ کہے بغیر چلتا رہا۔ احمق اور اس کے ساتھی نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے۔ جیسے ہی قاسم اُس کے قریب پہنچا کوئی چیز اس کی پشت میں چبھنے لگے اور ساتھ ہی اس نے احمق کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا۔ "دونوں ریوالور زمین پر گرا دو دوست ورنہ گولی.... دوسری طرف نکل کر موٹے آدمی کو بھی زخمی کر دے گی۔" حمید نے ریوالور چھوڑ دیئے۔

نئی افتاد

حمید نے سوچا یہ بہت بُرا ہوا.... قاسم کو کنٹرول کرنے کی فکر میں وہ یہ بھول گیا تھا کہ اس پر عقب سے بھی حملہ کیا جا سکتا ہے۔

"پیارے بھائی۔" احمق نے کہا۔ "دونوں ریوالور اٹھا کر پیچھے ہٹ جاؤ.... ٹھیک شاباش تم بہت اچھے بھائی ہو.... ہاں اور پیچھے ہٹو.... تھوڑا اور بس ٹھیک ہے۔ وہیں کھڑے رہو۔"

پھر حمید کی پشت پر چبھنے والی چیز ہٹا لی گئی۔ لیکن حمید جوں کا توں کھڑا رہا۔ دفعتاً احمق نے اس سے کہا۔ "ادھر دیکھو....!" حمید اس کی طرف مڑا۔ احمق کے ہاتھ میں لکڑی کا ٹکڑا تھا۔ وہ اسے اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ "یہ لو.... اسے جادو کا ڈنڈا کہتے ہیں۔ بڑی بڑی توپوں کے رخ پھیر دیئے ہیں اس نے۔ حمید کو بڑا تاؤ آیا اپنی حماقت پر.... اس نے وہ ڈنڈا احمق کے ہاتھ سے چھین کر اسی پر کھینچ مارا.... لیکن وہ اس پر سے گزرتا ہوا دور جا گرا۔ کیوں کہ احمق بڑی پھرتی سے بیٹھ گیا تھا۔ اُس نے دوبارہ اٹھ کر مغموم انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "یہ تم نے بہت بُرا کیا۔ اب اسے نیلم پری اٹھا لے جائے گی۔"

حمید کھڑا پلکیں جھپکاتا رہا۔ اس نے سوچا کہ یہاں مکاری ہی سے کام چلے گا۔ لہٰذا اس نے مسکرا کر کہا۔ "واقعی حیرت انگیز تھا۔"

"اب آؤ اطمینان سے باتیں کریں گے۔" اس نے حمید کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ لیکن گرفت غیر دوستانہ نہیں تھی۔ اس لئے حمید چپ چاپ اس کے ساتھ چلنے لگا۔

یک بیک احمق نے مڑ کر کہا۔ "ارے پیارے بھائی۔ تم کیوں کھڑے ہو۔ تم بھی آؤ.... یہ میرے چچازاد بھائی ہیں۔"

"اے جاؤ.... تم بھی اچھے خاصے چکد ہو۔" قاسم جھلا کر بولا۔ "سب تمہارے رشتہ دار ہی نکل پڑتے ہیں.... یہ تمہارا چچازاد بھائی کیسے ہوا۔"

"میرے دادا اور ان کے دادا لنگوٹی لگائے پھرا کرتے تھے۔" احمق نے سنجیدگی سے جواب دیا اور قاسم پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔ پھر اسی دوران میں دونوں ریوالور کے ٹریگر دب گئے جو اس کے ہاتھوں میں تھے۔ قاسم بوکھلا کر اچھل پڑا اور پھر ٹریگر دبتے ہی چلے گئے۔ وہ ڈری ڈری سی آوازیں نکالتا ہوا اچھلتا کودتا رہا۔ حمید اور احمق نے بھاگ کر اپنی جانیں بچائیں ورنہ ایک آدھ بہکی ہوئی گولی ان کے ضرور لگ جاتی۔

جب ریوالور خالی ہو گئے تو قاسم انہیں پھینک کر ایک طرف سرپٹ دوڑتا چلا گیا۔ وہ دونوں اس کے پیچھے دوڑے۔ قاسم بھاری بھرکم ہونے کی وجہ سے تیز نہیں دوڑ سکتا تھا۔ انہوں نے فوراً ہی اُسے جالیا۔

قاسم بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ وہ ان دونوں کو کسی ایسے خوفزدہ بچے کی طرح دیکھ رہا تھا جیسے اپنی کسی شرارت پر پٹ جانے کا خدشہ ہو۔ وہ اسے چھولداری میں لائے۔ قاسم بالکل خاموش تھا۔

احمق اس کی پیٹھ سہلا سہلا کر اسے تسلیاں دے رہا تھا۔

کچھ دیر بعد حمید نے محسوس کیا کہ اب اس پر کسی قسم کی پابندی نہیں رہ گئی۔ نہ اب اس کی نگرانی کی جارہی تھی اور نہ اب وہ خالی ہاتھ ہی تھا۔

اس کا ہولسٹر اور کارتوسوں کی پیٹی اُسے واپس کر دی گئی تھی۔

احمق اب اس کے ساتھ نہیں تھا۔ چھولداری میں صرف وہ اور قاسم رہ گئے تھے۔

"اے حمید بھائی۔" اس نے تھوڑی دیر بعد رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔ "کیا وہ سچ مچ جادو کا ڈنڈا

تھا... ضرور تھا حمید بھائی.... نہ ہوتا تو اس طرح میرے ہاتھوں سے گولیاں کیسے چل جاتیں۔"

"مت دماغ چاٹو.... مگر نہیں ٹھہرو! تم نے مجھے ان لوگوں کے متعلق ابھی تک کچھ نہیں بتایا۔"

"میں کیا جانوں کون ہیں۔"

"یہ تم سے کیا چاہتے ہیں۔"

"تاریخ وادی لے جانا چاہتے ہیں۔"

"تو تم ہی انہیں اس راہ پر لے آئے ہو۔"

"ہاں.... اور.... کیا....؟"

"غلط لائے ہو.... میں خود بھی راستہ بھول کر بھٹکتا پھر رہا ہوں۔"

"ہم تو ابھی کوٹی کی زیارت گاہ جارہے ہیں۔" قاسم نے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔ "جہاں ہم تھے.... وہاں سے میں کوئی راستہ نہیں جانتا۔"

"پھر تم کیسے اس طرف لے آئے۔"

"میں نے کب کہا کہ میں لایا ہوں۔ اے تم پکے چار سو بیس ہو حمید بھائی۔"

"تم کہاں سے روانہ ہوئے تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"لی اڈ سبا سے....!"

"ابے یہ کیا بلا ہے....؟"

"شہر کا نام ہے۔"

"ایکویڈور میں اس نام کا کوئی شہر نہیں ہے۔"

"نہ ہوگا سالا.... تو پھر میں کیا کروں...." قاسم جھلا گیا۔

"ریوبامبا سے روانہ ہوئے ہوگے۔"

"ٹھینگے سے روانہ ہوا ہوں.... اب میری کھوپڑی نہ کھاؤ۔"

"اچھا بیٹا....!" حمید نے لمبی سانس لی۔ "تمہارے خالہ زاد کا کیا نام ہے۔"

"اسی سے پوچھو جاکر.... میں کوئی نام یاد رکھنے کی مشین ہوں.... ہوگا سالا بھائی وائی۔"

"ابے تو مرچیں کیوں چبا رہا ہے۔"

"کہاں....!" قاسم بوکھلا کر اپنا منہ ٹٹولنے لگا پھر آنکھیں نکال کر بولا۔ "ابے تم اتنا جھوٹ

کیوں بولتے ہو۔ شرم نہیں آتی۔"

حمید اکتا کر باہر نکل آیا.... پھر اُسے ان کے نام معلوم ہونے میں دیر نہیں لگی کیونکہ دوسرا مشرقی اس سے خواہ مخواہ گفتگو کرنے پر تل گیا تھا۔

اس نے حمید کو اپنے ساتھیوں کے ناموں سے آگاہ کیا۔

عمران کے نام پر حمید چونکا اور مسکرا کر بولا۔ "تمہارا عمران سے کیا تعلق ہے۔"

"ہم دونوں کولیگ ہیں۔"

حمید صرف مسکرا کر رہ گیا۔ پھر بولا۔ "لیکن آخر تاریک وادی کے سفر کا کیا مقصد ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں پارٹی لیڈر کی مرضی کے بغیر یہ نہ بتا سکوں گا۔"

"لیڈر کون ہے۔"

"او بران....!"

"لیکن اس موٹے کی یادداشت پر اعتماد کر کے سفر کرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔"

"پتہ نہیں.... یہ عمران صاحب کا معاملہ.... وہ جانیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔

رات کے کھانے پر وہ اُن کے ساتھ ہی تھا۔ صفدر نے دوسرے لوگوں کا تعارف اُس سے کرایا۔

حمید نے تہیہ کر لیا تھا کہ جب تک وہ لوگ اپنے سفر کا مقصد نہیں ظاہر کریں گے اس وقت تک وہ بھی انہیں اپنے یا کرنل کے متعلق کچھ نہ بتائے گا۔ چنانچہ کرامویل کے استفسار پر اُس نے یہ نہیں کہا کہ کرنل فریدی بھی تاریک وادی کا سفر کر رہا ہے۔ اس نے صرف اپنے متعلق بتایا کہ وہ قاسم کی تلاش میں نکلا تھا۔

کھانے کے بعد ایک جگہ عمران حمید کو تنہا مل گیا۔

"کرنل تم سے بخوبی واقف ہیں۔" حمید نے کہا۔

"اور میں ان سے واقف ہوں۔" عمران مسکرایا۔ "کیا یہ سنگ ہی والی کہانی درست تھی۔"

"ہاں....!" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "اب تو اتنی کہانیاں ڈھیر ہو گئی ہیں کہ کسی کی بھی تفصیل نہیں یاد رکھی جا سکتی۔ اچھا تو کیا تم لوگ بھی انکا خزانے کے چکر میں ہو۔"

"ہمیں خزانے سے کیا سروکار....!"

"پھر یہ سفر کس لئے اختیار کیا گیا ہے۔"

عمران نے بات اڑا کر حمید کو دوسری باتوں میں الجھا لیا.... مگر بات پھر وہیں آ پہنچی جہاں سے شروع ہوئی تھی۔ لیکن اس بار حمید نے سفر کا مقصد معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ اب اس موضوع ہی سے لاپرواہی ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

دوسری صبح ان کا سفر پھر شروع ہو گیا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ پتہ نہیں اُس کے قافلے کا کیا حشر ہوا ہو۔ ہو سکتا ہے فریدی وغیرہ اس کی تلاش میں سرگرداں ہوں۔ ہو سکتا ہے وہ ابھی اس علاقے سے آگے نہ بڑھے ہوں جہاں سے اس کا گھوڑا اسے لے بھاگا تھا۔

عمران اور اس کے ساتھی اب بھی اس سے خوش اخلاقی ہی سے پیش آ رہے تھے۔ حمید کو اُن سے اس کے علاوہ اور کوئی شکایت نہیں تھی کہ انہوں نے قاسم کا دماغ بالکل ہی الٹ دیا تھا اور وہ خصوصیت سے عمران کا اتنا گرویدہ ہو گیا تھا کہ اس کے لئے حمید سے بھی لڑ بیٹھتا تھا۔ حمید نے خود دیکھا اور سنا تھا کہ عمران بڑی شدت سے قاسم کی ہاں میں ہاں ملاتا تھا۔ اگر اس سے کوئی معمولی سی بھی حماقت سرزد ہوتی تو عمران اس سے دس گنا بڑی حماقت کر بیٹھتا تھا اور وہ حماقت قاسم کی حماقت کی تائید ہی کرتی ہوئی نظر آئی تھی۔

اس وقت قاسم گھوڑے پر بڑا مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے لچلچے ربڑ کا ایک بہت بڑا گنبد گھوڑے پر رکھ دیا گیا ہو۔ حمید نے گھوڑے کو مہمیز کی اور قاسم کے برابر پہنچ گیا۔ قاسم اس وقت نہ صرف کیلی کو گھور رہا تھا بلکہ بالکل اسی انداز میں اپنے سر کو جنبش دینے کی کوشش کر رہا تھا جس طرح گھوڑے کی رفتار کی مناسبت سے کیلی کا سر ہل رہا تھا اور قاسم کی کمر میں اسی کے سے انداز کی ہلکی سی لچک بھی پائی جا رہی تھی۔

حمید کو دیکھ کر وہ گڑبڑا گیا اور اس کی "ہی ہی" چل پڑی.... کچھ دیر تک اسی طرح ہنستا رہا پھر بولا۔

"حمید بھائی.... جرا دیکھو تو.... ہائے ہائے کس طرح کھوپڑی ہل رہی ہے۔ بس جی چاہتا ہے.... کربان ہو جاؤں۔"

حمید خاموشی سے اکتا گیا تھا۔ اس نے سوچا تھوڑا ہنگامہ ہی سہی۔

"بہت نیک اور شریف لڑکی ہے۔" حمید نے کہا۔

"بہت.... بہت حمید بھائی۔" قاسم نے خوش ہو کر کہا۔ پھر بوکھلا کر بولا۔ "مگر صورت

شکل کی اچھی نہیں ہے.... کیوں۔"

"ہاں.... ہو سکتا ہے...." حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "مگر ابھی کچھ دیر پہلے جب میرے ساتھ چل رہی تھی تو اس نے کہا تھا۔ آہ مسٹر حمید.... تم اتنے اچھے کیوں لگتے ہو۔"

قاسم کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ پہلے تو وہ ہونق سا نظر آرہا تھا پھر بیک بیک بپھر گیا۔

"اے تم کمینے ہو۔" وہ حلق پھاڑ کر چیخا۔ "میرا معاملہ بھی خراب کرو گے.... اس جنگل میں مجھے کوئی پھانسی دینے نہیں آئے گا۔ میں تمہیں مار ڈالوں گا۔"

"میں تمہارا پیٹ اسی طرح چاک کروں گا جیسے تربوز کاٹتے ہیں۔"

"اچھا.... ٹھہرو....!" قاسم نے گھوڑا اس کی طرف موڑ دیا اور ہاتھ اٹھائے ہوئے جھپٹا۔

حمید نے بھی گھوڑا دوسری طرف موڑ دیا۔

لیکن اتنے میں عمران وہاں پہنچ گیا۔

"ارے.... پیارے بھائی یہ کیا کر رہے ہو۔" اُس نے قاسم سے کہا۔

"تم مت بولو.... میں آج فیصلہ کرلوں گا۔" قاسم پہلے ہی کے سے انداز میں دھاڑا۔

"آخر بات کیا ہے....!" عمران نے اپنا گھوڑا دونوں کے درمیان حائل کرتے ہوئے کہا۔

"بات کیا ہوتی۔" حمید نے کہا۔ "مجھ سے کہنے لگا کیلی گرا ہم کہتی ہے کہ مجھے کیپٹن حمید بہت اچھا لگتا ہے۔"

"ارے خدا تمہیں غارت کرے.... جھوٹے.... چار سو بیس۔" قاسم غصے کی وجہ سے اور کچھ نہ کہہ سکا۔

"ارے ہاں.... خدا ضرور غارت کرے گا.... تم آگے جاؤ.... پیارے بھائی.... تمہیں تو کیلی کے ساتھ ہی ساتھ رہنا چاہئے۔ مگر اس سے گفتگو نہ کرنا.... نہیں تو سب گڑبڑ ہو جائے گا۔"

"اسے سمجھاؤ....!" قاسم حمید کی طرف ہاتھ اٹھا کر دہاڑا.... "ورنہ میں اسے کتل.... قتل کر دوں گا۔"

"ارے.... نہیں! پیارے بھائی اس طرح نہ چیخو۔ یورپین لڑکیاں چیخنے والوں کو جانور سمجھتی ہیں۔"

قاسم بغلیں جھانکنے لگا۔ چونکہ اب اس کا ذہن دوسری طرف متوجہ ہو گیا تھا اس لئے اس کا بگڑا ہوا حلیہ بھی اعتدال پر آگیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود بھی وہ تھوڑی دیر تک خالی الذہنی کے

سے انداز میں حمید کو گھورتا رہا پھر کچھ کہے بغیر گھوڑا دوسری طرف موڑ دیا۔

اب عمران حمید کے ساتھ چلنے لگا تھا۔ اس نے اُس سے کہا۔

"کیوں پیارے کپتان صاحب! کیا تم اکیلے ہی اس موٹے کی تلاش میں نکل پڑے تھے۔"

"نہیں میرے ساتھ تین بطخیں اور کچھ خرگوش بھی تھے۔"

"اچھا....!" عمران نے سنجیدگی سے سر ہلا کر کہا۔ "پھر اب ہمیں کیا کرنا چاہئے۔"

"کس سلسلے میں۔"

"تم دونوں کے متعلق.... میں سوچتا ہوں کہ تمہیں یہیں سے واپس کر دوں۔"

"میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔"

"کیوں....؟"

"میں ان چینیوں سے نپٹے بغیر واپس نہیں جاؤں گا.... جنہوں نے موٹے کو اڑایا تھا۔"

"اے کسی بیوقوف کو بیوقوف بنا کر تمہیں کیا مل جائے گا۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"تم کیوں چھپا رہے ہو کہ تمہاری پارٹی بھی انہیں جنگلوں میں موجود ہے۔"

"غلط سمجھے ہو۔"

"خیر یہ تو میرے لئے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ میں غلط سمجھنے کا عادی ہو چکا ہوں۔ بعض اوقات تو صحیح بھی غلط ہو جاتا ہے۔"

اس کے بعد عمران نے پھر خاموشی اختیار کرلی اور تین چار گھنٹے بعد پھر قاسم سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ کیلی اور عمران کرامویل کے ساتھ تھے۔

قاسم حمید سے نہیں بولا۔ اس کا منہ پھولا ہوا تھا۔

"کیوں.... پیارے۔ اب کیا خیال ہے۔" حمید نے اسے چھیڑا۔

"تم چاہے جو کچھ کہو.... اب مجھے غصہ نہیں آئے گا۔" قاسم نے آہستہ سے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"خوب اُلو بنایا ہے.... تمہیں اُس خالہ کے پٹھے نے۔"

"کیوں.... یار ذرا زبان سنبھال کر بات کرو۔ ورنہ میں غصہ آئے بغیر ہی تمہاری گردن دبا

دوں گا۔"

"اچھا اُس نے تمہیں اس سے گفتگو کرنے سے روکا تھا۔"

"اس کے ملک کا رواج نہیں ہے کہ شادی سے پہلے میاں بیوی بات چیت کریں۔"

حمید نے قہقہہ لگایا اور پھر بولا۔ "ابے وہ کسی مغربی ملک سے تعلق رکھتی ہے اور مغرب کے کسی بھی ملک میں اس قسم کا رواج نہیں پایا جاتا۔"

"پھر وہ کیوں روکتا ہے بات کرنے سے۔" قاسم نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"شائد اس لڑکی کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو کہ تمہیں اس سے محبت ہو گئی ہے۔ تمہارا خالہ زاد تمہیں اُلو بنا رہا ہے۔ آخر تم نے اس کی کس بات سے اندازہ لگایا ہے کہ وہ بھی تمہیں پسند کرتی ہے۔"

"عمران کہتا ہے کہ وہ ہر وقت میرا تذکرہ کرتی رہتی ہے۔"

"عمران کہتا ہے.... تم نے تو نہیں سنا اپنے کانوں سے۔"

"اے تم میرا دماغ نہ خراب کرو۔ سمجھے۔ تمہارے ٹھینگے سے کچھ بھی ہو رہا ہو۔" قاسم نے جھلا کر کہا اور اپنا گھوڑا آگے بڑھا لے گیا۔

یہ سفر دن بھر جاری رہا اور شام کو ایک جگہ پھر انہوں نے قیام کیا۔ آج ہی وہ کوٹی کی زیارت سے بھی گزرے تھے لیکن فریدی یا اس کی پارٹی سے کہیں بھی مڈبھیڑ نہیں ہوئی تھی۔ حمید سوچ رہا تھا کیا فریدی واپس چلا گیا۔

کوٹی کی زیارت گاہ سے مشرقی ڈھلان شروع ہوتی تھی اور یہاں بہت گھنے جنگل تھے۔ حمید نے عمران کو آگاہ کر دیا تھا کہ اب وہ ایک خطرناک علاقے میں داخل ہو رہے ہیں۔ اس لئے انہیں بہت محتاط رہنا چاہئے۔

رات کو انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ باری سے جاگتے رہیں گے۔ لیکن ایک بار اوبران کے دو آدمی جن کی پہرہ دینے کی باری تھی سو ہی گئے۔ اس اتفاق کو مقدر ہی کا کھیل کہنا چاہئے کہ اسی دوران میں جنگلیوں کی ایک بہت بڑی تعداد ان پر آپڑی اور انہیں سنبھلنے کا موقع نہ مل سکا۔

وہ سب پکڑے گئے اوبران کا ایک ماتحت مارا گیا۔ البتہ کیلی محفوظ تھی۔ اُسے کسی نے ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا.... جنگلی اُسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ عمران اور اس کے ساتھیوں کو ایک فائر کرنے کا بھی موقع نہ مل سکا۔

"تم اپنے چہرے سے خوف نہ ظاہر ہونے دو۔" عمران نے کیلی سے کہا۔ "شائد تم ہی ہمارے کام آسکو۔"

مشترکہ مہم

پتہ نہیں جنگلی ان سے کیا چاہتے تھے۔ انہوں نے ان کو نقصان نہیں پہنچایا۔ اُن کا صرف ایک آدمی مارا گیا تھا۔ کیونکہ شائد نیند کی جھونک میں وہ کسی جنگلی سے لپٹ پڑا تھا۔

"میں کس طرح مدد کر سکوں گی۔" کیلی نے عمران سے پوچھا۔

"اگر زندہ رہا تو پھر بتاؤں گا۔" عمران نے کہا۔ "یہاں آکر میں تھوڑی سی بے بسی محسوس کر رہا ہوں۔ وہ بھی اس لئے کہ ان کی زبان مجھے نہیں آتی۔ ورنہ انہیں تو میں ناچنے پر مجبور کر دیتا۔"

دفعتاً حمید نے محسوس کیا کہ وہ لوگ قاسم کو اس طرح ٹٹول ٹٹول کر دیکھ رہے ہیں جیسے قربانی کے دنبے ٹٹول ٹٹول کر دیکھے جاتے ہیں۔ ان جنگلیوں کی وضع عجیب و غریب تھی۔ ان کے سروں کے وسط میں بڑے بڑے بال تھے اور دونوں پہلو منڈے ہوئے تھے.... ان میں اکثر نے اپنے جسموں کے گرد بغیر سلے ہوئے کپڑے لپیٹ رکھے تھے اور اکثر کے جسموں پر جانوروں کی کھالیں تھیں۔ چہروں پر رنگین مٹی سے نقش و نگار بنائے گئے تھے۔

انہوں نے ان کا سامان سمیٹا اور انہیں نیزوں کی انیوں پر لئے ہوئے ایک طرف چلنے لگے۔ اُن کے ہاتھوں میں بڑی بڑی مشعلیں تھیں۔ انہوں نے کسی کے پاس بھی اس کا ریوالور نہیں رہنے دیا تھا۔ اس سے حمید نے اندازہ لگایا کہ آتشی اسلحہ ان کے لئے نئی چیز نہیں ہے۔ ویسے بھی انہوں نے سب سے پہلے اسلحہ جات کے ذخیرے ہی پر قبضہ کیا تھا۔

وہ انہیں ایک بستی میں لائے جو لاتعداد پھونس کی جھونپڑیوں پر مشتمل تھی۔

وہ رات انہوں نے جاگ کر گزاری۔ وہ کھلے میدان میں بٹھائے گئے تھے اور ان کے گرد جنگلیوں کا حلقہ تھا۔ اگر کوئی پہلو بھی بدلتا تو وہ اپنے نیزے سیدھے کر لیتے۔ مشعلوں پر بدبودار تیل ڈالا جاتا رہا جس کی چراندھ سے ان کے دماغ پھٹے جا رہے تھے۔ حمید بالکل خاموش تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب گلو خلاصی کی کیا صورت ہو گی۔

ان میں صرف قاسم ہی ایسا تھا جس پر نیند بُری طرح طاری تھی۔ حمید نے اُس سے کہا بھی تھا کہ اسے سونا نہ چاہئے۔ پتہ نہیں کس وقت کیا کرنا پڑے۔

"ٹھیکے سے۔" قاسم کا جواب تھا۔ "ابے جو سب کا حال ہوگا وہی میرا بھی ہو جائے گا۔ میں تو مرنے ہی کے لئے گھر سے نکلا ہوں۔"

کچھ دیر بعد انہوں نے بھاری قدموں کی آوازیں سنیں۔ آوازوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ آنے والوں کے پیروں میں وزنی قسم کے جوتے ہیں۔

وہ سب آواز کی سمت مڑے اور حمید نے ایک شاندار قسم کی قلقاری لگائی۔ اس کے سامنے فریدی اور طارق کھڑے تھے۔ طارق کے کاندھے پر سیاہ نیولا شکا کی تھا.... اور وہ دونوں ایکویڈور کے مقامی باشندوں کے لباس میں تھے.... فریدی کے پیچھے ایک نوعمر لڑکا تھا جسے پہچاننے میں حمید کو کوئی دشواری نہ ہوئی۔ یہ روزا تھی۔ ان کے ساتھ ایک جنگلی بھی نظر آیا۔ یہ کافی قدر آور اور مضبوط آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے صرف ایک سیاہ پتلون پہن رکھی تھی اور اس کے پیروں میں جوتے بھی تھے اور پتلون بھی شائد آج ہی پہنی گئی تھی۔ اس کی کریز اور فال یہی بتاتی تھی .... جسم پر قمیض قسم کی چیز نہیں تھی۔ ممکن تھا کہ پتلون اور جوتے اسے تحفے کے طور پر حال ہی میں ملے ہوں۔"

"اوہو.... یہ حضرت بھی ہیں۔" فریدی نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔ قاسم کی نیند بھی غائب ہو گئی تھی اور وہ احمقانہ انداز میں پلکیں جھپکا رہا تھا۔

عمران کے سارے ساتھی اچھل کر کھڑے ہو گئے اور وہ انہیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔

"مجھے ان میں ایک بھی چینی نہیں نظر آرہا۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

دفعتاً کراموئیل آگے بڑھا اور جنگلیوں نے اپنے نیزے اس کی طرف اٹھا دیئے۔

"کرنل....!" کراموئیل نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ کیا تم مجھے پہچان سکو گے۔

فریدی نے ایک جنگلی کے ہاتھ سے مشعل لے کر اوپر اٹھائی۔

"اوہ.... کریمی.... تم یہاں کہاں۔" فریدی کے لہجے میں حیرت تھی اور پھر انہوں نے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔

"تم ان جنگلیوں میں کہاں۔" کراموئیل نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوہو.... کیا تم بھول گئے کہ مجھے جنگلی کہا کرتے تھے۔" فریدی نے ہنس کر کہا اور کراموئیل طارق کی طرف دیکھنے لگا جو مذہبی پیشوا کے لباس میں تھا۔

عمران حمید کے قریب کھسک آیا تھا۔ اُس نے آہستہ سے کہا۔ "کیوں پیارے دوست کیا تم مجھے دھوکا دینے کی کوشش نہیں کر رہے تھے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ پھر عمران بھی اس سچویشن کی طرف سے لاپرواہ نظر آنے لگا۔

دوسری طرف فریدی کراموئیل سے کہہ رہا تھا مجھے افسوس ہے کہ میں فوری طور پر تمہارے لئے کچھ نہ کر سکوں گا۔ حتیٰ کہ یہ میرے دونوں ساتھی بھی ابھی تمہارے ساتھ یہیں رہیں گے۔

"اوہو.... ایک عورت بھی ہے تمہارے ساتھ۔ یہ بہت بُرا ہوا۔ ان جنگلوں میں داخل ہونے سے پہلے تمہیں اس کی ہیئت ضرور تبدیل کرنی چاہئے تھی۔"

کراموئیل کچھ نہ بولا۔ پھر حمید نے فریدی سے پوچھا کہ آخر انہیں وہیں کیوں رہنا پڑے گا۔

"ابھی مجھ سے کچھ نہ پوچھو! ہم خود ہی غیر یقینی حالات سے گذر رہے ہیں۔ فی الحال طارق کا نیولا ہمارے لئے بہت کار آمد ثابت ہوا ہے۔ وہ طارق کے نیولے کی وجہ سے اُسے کوئی آسمانی مخلوق سمجھتے ہیں اور ہم چونکہ طارق کے ساتھ ہیں اس لئے بظاہر محفوظ ہیں.... یہ آدمی جو تمہاری سیاہ پتلون میں نظر آرہا ہے اس بستی کا سردار ہے۔"

"میری پتلون میں کیوں نظر آرہا ہے۔"

"ہم نے تمہیں مردہ سمجھ کر تمہارے نام کی خیرات نکالی ہے۔ اچھا ہوا کہ تم آج ہی مل گئے۔ ورنہ میں کل تک تمہاری سب چیزیں ان جنگلیوں میں تقسیم کر دیتا۔"

"بس تو پھر مجھے مردہ ہی سمجھ لیجئے۔ اب میں انہی لوگوں کے ساتھ رہوں گا۔"

دفعتاً حمید نے دیکھا کہ بستی کا سردار زمین پر گر کر طارق کے پیر چوم رہا ہے اور ساتھ ہی وہ کچھ کہتا بھی جا رہا تھا۔ حمید نے طارق کے چہرے پر تشویش کے آثار دیکھے جو کیلی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

طارق نے سردار کے سر پر بزرگانہ انداز میں ہاتھ پھرا اور وہ پھر پہلے ہی کی طرح مؤدب بن کر اس کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔

طارق فریدی سے کہہ رہا تھا۔ "اب یہ لڑکی جھگڑے کا گھر بن سکتی ہے.... وہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ یہ آپ کے قدم کی برکت ہے کہ اتنی عمدہ عورت ہاتھ لگی۔ میں اسے اپنی سب بیویوں کی

سردار بناؤں گا۔"

"بڑا آیا سالا کہیں کا۔" قاسم نے ہاتھ نچا کر کہا۔ "دیکھتا ہوں کیسے بناتا ہے.... وہ میری جورو بننے والی ہے۔"

"کھوپڑی ٹھنڈی رکھنا.... میں غیر ضروری کشت وخون پسند نہیں کرتا۔"

قاسم بُرا منہ بنا کر کچھ بڑبڑانے لگا جو کسی کی بھی سمجھ میں نہ آسکا۔

"مگر کرنل.... یہ لوگ تم سے دوستانہ طور پر پیش آرہے ہیں۔" کرامویل نے کہا۔ "وہ ان کی گفتگو نہیں سمجھ سکا کیونکہ یہ لوگ اردو بول رہے تھے۔"

"فریدی ہنسنے لگا۔" اور بولا۔ "جنگلی مجھ سے بہت جلد مانوس ہو جاتے ہیں۔ میں تمہیں پھر اطمینان سے بتاؤں گا.... اور تم سے سنوں گا کہ تم لوگ یہاں کس غرض سے آئے ہو۔"

حمید نے قاسم کو دیکھا جو عمران کو ایک طرف لے جا کر کھسر پھسر کر رہا تھا۔ فریدی کی نظر ان پر پڑ گئی۔ اس نے پھر مشعل اٹھائی اور حمید سے پوچھا۔ "یہ کون ہے؟"

ٹھیک اسی وقت عمران بھی اس کی طرف مڑا۔ شائد فریدی نے ابھی تک اُسے نہیں دیکھا تھا۔

"اوہ.... تو یہ آپ ہیں۔" فریدی مسکرایا اور عمران احمقانہ انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"میرا خیال ہے کہ میں ایک آدھ کو اور پہچانتا ہوں۔ وہ اوبران ہے۔" فریدی نے کہا۔ اس کی آواز دھیمی تھی۔ شائد ان لوگوں نے سنا بھی نہ ہو۔

❁

تھوڑی دیر بعد فریدی اور طارق وغیرہ وہاں سے چلے گئے۔

عمران حمید کے پاس آیا اور بولا۔ "یہ موٹا اپنی ہونے والی جورو کے متعلق کچھ کہہ رہا تھا۔"

"تم خود کو بہت چالاک اور دوسروں کو احمق سمجھتے ہو۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ "اب اس لڑکی کا انجام بخیر نہیں نظر آتا۔ وہ جنگلی اسے اپنی بیوی بنائے گا اور یہ یہاں ان جنگلوں میں مویشی چرایا کرے گی۔"

"اگر اس لڑکی کا یہ انجام ہوا تو میں اس لونڈے کو بھی لڑکی بنا دوں گا جو کرنل کے ساتھ تھا۔ میرا تو یہ خالص قسم کا اصول ہے کہ اگر خود پٹو تو ساتھیوں کو بھی پٹوائے بغیر نہ چھوڑو۔"

"میرا نام حمید ہے سمجھے فرزند.... میں تمہیں دیکھ لوں گا۔"

"تم مجھے کافی دیر سے دیکھتے آرہے ہو.... اس کے باوجود بھی مجھے سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ میں تو دنیا کا مظلوم ترین آدمی ہوں.... تم بھی ڈانٹ پھٹکار لو۔ اسی لئے میں جو کچھ بھی کہہ دیتا ہوں وہ حیرت انگیز طور پر ہو جاتا ہے۔ مگر وہ مداری کون تھا جس نے اپنے کاندھے پر شکا کی سوار کر رکھا تھا۔"

"تم شکا کی کے متعلق جانتے ہو۔"

"ارے وہ تو میرے بھتیجے کا سوتیلا چچا ہے۔" عمران نے کہا اور پھر سر ہلا کر بولا۔ "اس لڑکی کو محفوظ رکھنے کی تدبیر میں نے سوچ لی ہے۔"

"میں نے بھی سوچ لی ہے۔" دفعتاً قاسم کی آواز آئی۔ وہ عمران کے پیچھے کھڑا حمید کو گھور رہا تھا۔

"کیا تم نے سنا نہیں کرنل نے کیا کہا تھا۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

"اے جاؤ.... کہا ہوگا۔ میں تمہارے ساتھ یہاں نہیں آیا۔"

"اچھی بات ہے تم بھی سوچو تدبیر۔" حمید نے کہا اور لاپروائی سے ایک طرف مڑ گیا۔ وہ اوبران اور کرامویل کے قریب سے گزرا اور پھر وہیں ٹھٹک گیا۔ یہاں اندھیرا تھا۔ کیونکہ وہ گھوڑوں کی آڑ میں تھی۔

"لیکن وہ ان لوگوں کے درمیان آزاد کیسے پھر رہا ہے۔" اوبران کہہ رہا تھا۔

"بھئی.... وہ فریدی ہے۔ دنیا کا چالاک ترین آدمی۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کس وقت کیا کر گزرے گا۔ تم نے نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھ ایک پجاری قسم کا آدمی بھی تھا.... اور میرا دعویٰ ہے کہ اس کے ساتھ ایک لڑکی بھی ہے جو ہر حال میں محفوظ رہے گی کیونکہ وہ کسی لڑکے کے میک اپ میں ہے۔"

یہ ایک زبردست غلطی تھی کہ کیلی ہمارے ساتھ نظر آرہی ہے.... لیکن یہ تو ناممکن ہے کہ کوئی ہماری زندگی میں اسے ہاتھ بھی لگا سکے۔

"ہمارے پاس اسلحہ بھی نہیں ہے۔ شائد کسی کے پاس ایک چاقو بھی نہ نکلے۔"

"جو صورت بھی ہو۔ لیکن یہ ناممکن ہے کہ ہم اسے جنگلیوں کے حوالے کر دیں۔ عمران کہاں ہے۔"

"ہوگا یہیں.... کہیں۔"

"اس سے گفتگو کرنی چاہئے۔"

حمید محض تفریحاً ان کے پیچھے لگ گیا۔ وہ عمران کی تلاش میں اٹھے تھے، عمران اور قاسم ایک ہی جگہ ملے۔ انہوں نے کیلی کے متعلق گفتگو چھیڑ دی۔

عمران نے کہا۔ "میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ عورت ہمارے ساتھ ہے اس لئے رحمت کے فرشتے دور ہی بھاگیں گے۔ عورت بھی اگر شادی شدہ ہوتی تو خیر کوئی بات نہیں تھی۔"

"میں کہتا ہوں کچھ سوچو۔" اوبران نے کہا۔

"اس اندھیرے میں کیا سوچا جاسکتا ہے۔ مشعلوں کی روشنی ناکافی ہے۔ سورج نکلنے دو پھر سوچیں گے۔"

"بیکار ہے....!" اوبران نے غصیلے لہجے میں غالباً کراموِیل کو مخاطب کیا تھا۔ "ہمیں خود ہی کچھ سوچنا چاہئے۔"

حمید نے پھر عمران کی آواز نہیں سنی۔

❁

دوسری صبح وہ ایک ایسی جگہ لے جائے گئے جہاں درختوں کی چھاؤں تھی لیکن ان کے گرد مسلح جنگلیوں کا پہرہ بدستور قائم تھا۔ کیلی بھی ابھی اُن کے پاس ہی تھی۔

صبح انہیں ان آدمیوں کے ہاتھ سے ناشتہ ملا جو فریدی کے ساتھ کیتو سے آئے تھے۔ لیکن قاسم بدستور پیٹ ہی پیٹتا رہ گیا کیونکہ اس کا بھلا اتنے میں نہیں ہوا تھا۔ حمید بھی انہیں لوگوں میں تھا۔ تقریباً آٹھ بجے فریدی ادھر آتا ہوا دکھائی دیا اور پھر حمید نے اُسے سیدھے کراموِیل کی طرف جاتے دیکھا۔ دوسرے ہی لمحے میں حمید بھی وہیں تھا۔

"حالات بگڑ گئے ہیں۔" فریدی نے کراموِیل سے کہا۔ "ہم نے کوشش کی بھی کہ تم لوگوں کو بھی اپنے ساتھ ہی نکال لے جائیں لیکن بستی کا مکھیا جو پچھلی رات ہمارے ساتھ تھا لڑکی کے لئے اڑ گیا ہے۔ وہ کہتا ہے تم سب چلے جاؤ لڑکی نہیں جاسکے گی۔ وہ اسے ضرور بالضرور اپنی بیوی بنائے گا۔ ہم نے اسے سمجھانے کی کوشش کی، لیکن وہ بولا کہ اگر لڑکی چلی گئی تو اس کی بہت توہین ہوگی۔ کیونکہ اس نے پچھلی رات سب کے سامنے اسے اپنی بیوی بنانے کا اعلان کیا تھا.... اب لڑکی اسی صورت میں جاسکتی ہے جب وہ مار ڈالا جائے۔ اس کا کہنا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی بھی

اس لڑکی کا دعویٰ دار ہے تو اس سے جنگ کرے.... خود مر جائے یا اسے مار ڈالے۔ اب فیصلہ اسی صورت سے ہو سکتا ہے۔"

کراموِیل نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ فریدی کہتا رہا۔ "ہمارا اسلحہ پہلے ہی سے لیا جاچکا ہے۔ لہٰذا ہمیں بڑی احتیاط برتنی پڑے گی۔"

"میں جنگ کروں گا سالے سے.... میں۔" یک بیک قاسم چھاتی ٹھونکتا ہوا بولا۔ لیکن فریدی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی۔

کچھ دیر بعد کراموِیل نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "ہم ان کے طریق جنگ سے ناواقف ہیں۔"

"وہ لوگ عموماً نیزے استعمال کرتے ہیں۔"

"اور ہم میں شاید کسی کو نیزہ پکڑنے کا بھی سلیقہ نہ ہو۔"

عمران قریب ہی اکڑوں بیٹھا ان کی گفتگو سن رہا تھا۔ فریدی کے خاموش ہوتے وہ کھڑا ہو گیا۔

"میری عقل میں کچھ بھی نہیں سما رہا۔" اس نے بے بسی سے کہا۔

"آپ کی عقل تو یقیناً اس وقت نئے گل کھلانے کے چکر میں ہوگی مسٹر عمران۔" فریدی مسکرایا۔

"میں کہتا ہوں کہ ایک نہیں ہزار ایسی لڑکیاں قربان اس ستم ظریف جنگلی پر، جو اتنی موٹی رقابت کے مزے لوٹنا چاہتا ہو۔"

"صرف زبان ہی چلے گی تمہاری یا کچھ کرو گے بھی۔"

"میں تو اب اپنی بقیہ زندگی اس درویش کی خدمت میں گزار دینا چاہتا ہوں جس کے کاندھے پر سیاہ نیولے سواری کرتے ہوں۔"

"سمجھا!" فریدی نے تشویش کن انداز میں سر کو جنبش دی اور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ شکاکی کے متعلق تمہاری معلومات وسیع ہوں اور تم ان سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرو۔ لیکن میں تمہیں ایک خطرے سے آگاہ کردوں۔ اگر تم نے کوئی غلط قدم اٹھایا تو ہو سکتا ہے کہ لڑکی بچ جائے لیکن ہم میں سے صرف وہی بچیں گے جن کے ستارے بہت اچھے ہوں گے۔"

"پتہ نہیں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"تم نے یہی سوچا ہے نا کہ سیاہ نیولے کو لڑکی کے ہاتھوں مروا ڈالو۔"

عمران کی آنکھوں میں ایک لحظہ کے لئے حیرت کے آثار نظر آئے اور اس کے بعد چہرے پر پھر وہی احمقانہ سنجیدگی طاری ہو گئی۔

"کیوں نیولے کا کیا قصہ ہے۔" کراموِیل نے پوچھا۔

"سب سے پہلے تم یہ بتاؤ کہ تم لوگ اس طرف کیوں آئے ہو۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں یہ نہ بتا سکوں گا۔" کراموِیل نے کہا۔ "کیونکہ پارٹی لیڈر اسے نامناسب سمجھتا ہے۔"

"کیا اوبران پارٹی لیڈر ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"تم اسے جانتے ہو۔" کراموِیل نے سوال کیا۔

"میں اسے جانتا ہوں اور شاید یہ بھی جانتا ہوں کہ تم لوگوں کے اجتماع کا کیا مطلب ہے۔ یہ لڑکی فرانسیسی ہے نا۔"

"ہاں....؟"

"تب تمہیں زیرولینڈ کی تلاش ہے۔ کیونکہ جن ممالک میں زیرولینڈ کے جاسوس پکڑے گئے تھے ان میں سے شاید ایک کی نمائندگی نہیں ہے بقیہ چار تو ہیں۔ یہ کمال ہے...." کراموِیل نے پلکیں جھپکائیں۔ "میرا خیال ہے زیرولینڈ کی کہانی عام نہیں ہوئی۔"

"ہم لوگ خاص باتوں کے لئے ہیں گریمی ڈیئر۔" فریدی مسکرایا۔

"جب تم جانتے ہی ہو تو.... کچھ کہنا سننا بیکار ہے۔"

"شاید تمہارا خیال ہے کہ تمہاری منزل تاریک وادی ہی ثابت ہو۔ اسی لئے تم لوگوں نے قاسم کو ان چینیوں سے حاصل کیا تھا۔ مگر اس کی یادداشت پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ تم نے خود ہی اندازہ کر لیا ہوگا۔"

فریدی خاموش ہو کر عمران کی طرف دیکھنے لگا۔

"آپ نے موٹے بھائی ہی کے لئے یہ سفر اختیار کیا تھا؟" عمران نے پوچھا۔

"یقیناً....!"

"تو پھر اب کیا ارادہ ہے۔"

"اگر زیرولینڈ کی بات نہ آ پڑی ہوتی تو میں یہیں سے واپس ہو جاتا۔ مگر اب ایک بار پھر دل چاہتا ہے کہ اس وادی میں اترنے کی کوشش کی جائے۔"

"بہت نیک خیال ہے۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "مگر یہ آپ کے اسسٹنٹ صاحب کو کیا ہو گیا تھا۔ بڑے عجیب حلیہ میں ملے تھے۔"

"ہاں بھئی....!" فریدی حمید کی طرف مڑا.... اور پھر حمید کو اپنی داستان دہرانی پڑی۔ اس پر کچھ تھوڑے ہی قہقہے بھی اڑے۔ فریدی بھی ہنس رہا تھا۔

"کم نہیں معلوم ہوتے دوست!" عمران حمید کو مخاطب کر کے بولا۔

حمید نے فخریہ انداز میں اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی اور پھر فریدی سے پوچھا "ان چینیوں کا کیا ہوا تھا۔"

میں نے صرف تین لاشیں دیکھی تھیں۔ ان میں سے ایک تن لین بھی تھا۔ لیکن گاڑی میں قاسم نہیں ملا تھا۔ یہ چیز متحیر کن تھی۔ طارق نے تمہارے گھوڑے کو بھڑکتے دیکھا تھا۔ لیکن سچویشن ایسی نہیں تھی کہ کوئی تمہارے پیچھے جا سکتا۔ بہرحال پھر اس کے بعد اور زیادہ بھٹکنا پڑا۔

"ارے تم اس نیولے کے متعلق کچھ بتانے جا رہے تھے۔" کراموِیل نے کہا۔

"ہاں تو عمران صاحب۔" فریدی نے ایک طویل سانس لے کر عمران کو مخاطب کیا۔ اگر تمہارے ذہن میں وہی اسکیم ہو جس کا تذکرہ میں نے ابھی کیا تھا۔ خیر ہوگا۔ اس پر اچھی طرح غور کر لینا.... ہاں کریمی.... یہ نیولا ان اطراف میں مقدس سمجھا جاتا ہے۔ دیوتا سمجھ لو۔ شکا کی کہلاتا ہے۔ لیکن یہ کمیاب بھی ہے۔ شاذ و نادر ہی ملتا ہے.... جس کے پاس یہ ہو اس سے لوگ خوف کھاتے ہیں اور اسے بھی کوئی آسمانی مخلوق سمجھتے ہیں۔ اس سے اور زیادہ خوف کھاتے ہیں جو اسے مار ڈالے۔ ان کے عقیدے کے مطابق ایسے آدمی کے جسم میں کوئی خبیث روح ہوتی ہے.... مسٹر عمران نے غالباً یہی سوچا ہے کہ لڑکی اس نیولے کو مار ڈالے۔ اس طرح وہ محفوظ رہ سکے گی۔ ہو سکتا ہے کہ لڑکی محفوظ رہے لیکن وہ اس کا غصہ ہم پر اتاریں گے.... اور ہمارے بعد کوشش کریں گے کہ لڑکی بستی سے نکل جائے۔ اگر لڑکی نہ نکلی تو خود ہی بستی چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ پھر لڑکی کا انجام معلوم....!"

"یہ یقیناً ایک خطرناک حرکت ہوگی۔" کراموِیل نے کہا اور عمران کی طرف دیکھ کر مسکراتا

ہوا بولا۔ "ابھی تک یہ حضرت بہت عقلمند ثابت ہوتے آئے ہیں۔ ان کی ذہانت ہی پر تم مجھے بے حد یاد آئے تھے۔"

"اس خطے کی آب و ہوا میرے لئے مفید معلوم ہوتی ہے۔" عمران نے بڑبڑا کر اپنی آنکھوں کو گردش دی اور سوالیہ انداز میں صفدر کی طرف دیکھنے لگا۔

"رشتے داروں کے درمیان پہنچ کر یونہی طبیعت باغ باغ ہو جاتی ہے۔" حمید بولا۔

"ٹھیک کہتے ہو بڑے بھائی۔" عمران نے سعادت مندانہ لہجے میں کہا۔

"کیا تمہاری یہی اسکیم تھی۔" کراموئیل نے عمران سے پوچھا۔

"ارے.... توبہ.... توبہ....!" عمران منہ پیٹنے لگا۔

اتنے میں فریدی دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔ طارق بڑی تیز رفتاری سے ان کی طرف آرہا تھا۔ جنگلیوں کے حلقے سے گزر کر وہ ان لوگوں کے پاس آیا اور دم لئے بغیر کہنے لگا۔ "وہ آج رات کو شادی کا جشن برپا کریں گے۔ ان لوگوں سے کہو کہ کوئی تدبیر کریں.... میں اسے نہیں پسند کروں گا کہ وہ لڑکی تباہی کی غار میں گرے۔"

"اگر آپ یہ نیولا اسی کے کاندھے پر بٹھادیں تو کیسی رہے گی۔" عمران نے کہا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"کیا یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ آپ اس نیولے کی شادی ہی اُس سے کرادیں۔"

"اے دماغ خراب ہوا ہے تمہارا۔" قاسم عمران پر جھپٹ پڑا۔ "مجال ہے سالے نیولے کی.... اگر میں تمہاری شادی کسی نیولی سے کردوں تو کتنا بُرا لگے گا تمہیں۔ اپنی ہی طرح دوسروں کو بھی سمجھا کرو۔"

قاسم کی اس کھری بات پر سب نے جی کھول قہقہے لگائے اور حمید نے اس کی کمر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "تمہارا پیارا کھالا جاد ہے.... کیوں کھفا ہوتے ہو۔"

"ہوگا.... تم چوپ راؤ۔"

"بھئی حمید میاں! خدا کے لئے ایسے مواقع پر تو سنجیدہ ہو جایا کرو۔" طارق نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ پھر فریدی سے بولا۔ "وہ بار بار یہی کہتا ہے کہ جسے اس لڑکی پر دعویٰ ہو مجھ سے فیصلہ کرلے۔"

"خیر.... میں فیصلہ کرلوں گا۔" فریدی نے بڑی خود اعتمادی سے کہا۔

"میں کہتا ہوں کہ اگر تم نے اُسے مار بھی لیا تو ہمارا کیا حشر ہوگا۔ وہ سارے وحشی ہم پر آپڑیں گے۔" طارق نے کہا۔

کچھ دیر کے لئے سناٹا چھا گیا.... کیلی کو سبھی حالات کا علم تھا۔ لیکن اس نے ابھی تک اس مسئلہ پر دوسروں سے گفتگو نہیں کی تھی، طارق کو دیکھ کر وہ بھی ان کے قریب آگئی۔ لیکن اب طارق نے دوسری قسم کی گفتگو شروع کردی تھی۔ شائد اپنی دانست میں وہ ایسا کر کے کیلی کو خوف زدہ ہونے سے بچا رہا تھا۔

حمید نے قاسم کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر زلزلے کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی خواہش ہو کہ کیلی یہاں سے چلی جائے۔

"میں اپنی حفاظت خود کر سکوں گی۔" کیلی نے پروقار لہجے میں کہا۔ "آپ لوگ پریشان نہ ہوں اور میرا خیال ہے کہ یہ لوگ مجھے ہاتھ بھی نہ لگا سکیں گے۔"

"اسی لئے مجھے اس وقت بھی نیند آرہی ہے۔" عمران بڑبڑایا۔

"میرے پاس میرا پستول موجود ہے.... انہوں نے میری تلاشی نہیں لی تھی اور نہ کسی نے مجھے ہاتھ لگانے کی ہمت کی تھی۔"

"میں نے جغرافیہ میں پڑھا تھا کہ یہ لوگ عورتوں کو تل کر کھاتے ہیں۔" عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"ابے او خالہ جاد۔" قاسم بول پڑا۔ "اب میں تمہیں اٹھا کر پٹخ دوں گا۔ تمہاری دم میں نمدہ.... ہاں نہیں تو۔"

بس وہ لوگ اسی قسم کی باتیں کرتے رہے لیکن بظاہر کوئی واضح اسکیم نہ بنا سکے۔

❁

سورج غروب ہوتے ہی ان کی الجھن بڑھ گئی۔ ان سے تھوڑے ہی فاصلے پر جنگلی خشک لکڑیاں ڈھیر کر رہے تھے۔ جب خاصا بڑا انبار ہو گیا تو اس میں آگ لگادی گئی اور پھر تھوڑی دیر بعد وہ چھوٹا سا میدان روشن ہو گیا جسے بنانے کے لئے کبھی لاتعداد درخت گرائے گئے ہوں گے۔

جنگلیوں کی تعداد بڑھتی جارہی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد جم غفیر ہو گیا اور ان مہذب آدمیوں

نے محسوس کیا کہ اس تعداد میں اگر ان پر صرف تھپڑوں ہی کی بارش ہو جائے تو وہ سب کے سب ذرا سی دیر میں جان بحق ہو سکتے ہیں۔

فریدی اور طارق بھی وہیں موجود تھے۔

جنگلیوں نے ہلکی آواز میں کوئی گیت شروع کیا اور پھر آہستہ آہستہ گیت کا جوش و خروش بڑھتا گیا اور وہ آگ کے گرد اچھلنے کودنے لگے۔ ان میں بستی کا سردار بھی تھا اور اس وقت بھی اس کے جسم پر وہی پتلون تھی جس میں وہ پچھلی رات کو نظر آیا تھا۔

پھر یہ ناچ بھی ختم ہو گیا اور جنگلی آگ کے پاس سے ہٹتے چلے گئے۔ صرف سردار آگ کے قریب کھڑا رہ گیا۔

دفعتاً اس نے ہاتھ اٹھا کر کچھ کہا جس کے جواب میں طارق بھی کچھ بولا اور پھر ان میں تقریباً دو منٹ تک گفتگو ہوتی رہی۔ پھر سردار نے مڑ کر اپنے آدمیوں سے کچھ کہا.... اور ایک جنگلی بھیڑ سے نکلا۔ بھیڑ سے باہر آتے وقت اس نے اپنے قریب کھڑے ہوئے دوسرے جنگلی کے ہاتھ سے نیزہ لے لیا تھا.... پھر عمران نے فریدی کو آگے بڑھتے دیکھا۔ حمید اس کے قریب ہی کھڑا تھا۔

"یہ کیا چکر ہے۔" اس نے حمید سے کہا۔ "یہ حضرت تو سردار سے لڑنے والے تھے!" حمید نے یہی سوال طارق سے دہرایا۔

"فریدی ہی کی تجویز کے مطابق سب کچھ ہو رہا ہے۔" طارق نے جواب دیا۔ "وہ اندازہ کرنا چاہتا ہے کہ یہ لوگ کس قسم کی نیزہ بازی کرتے ہیں۔ لہٰذا میں نے سردار کے سامنے تجویز پیش کی تھی کہ وہ پہلے اپنے کسی آدمی سے اُسے لڑائے، سردار نے تجویز منظور کر لی ہے۔ غالباً اس نے سوچا ہوگا کہ اب اسے تکلیف نہ کرنی پڑے گی۔"

"سن لیا تم نے۔" حمید نے عمران کی طرف ہاتھ ہلا کر کہا۔ "لیکن تم کچھ نہ کر سکے۔ حالانکہ یہ تمہارے ہی ساتھ آئی تھی۔"

"سنو بھائی....!" عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "میں ایک پرلے سرے کا گاؤدی ہوں۔ اسی لئے میں کسی کے معاملات میں دخل دینا پسند نہیں کرتا۔ اگر میں کہتا کہ میں اس سردار کے پٹھے سے کشتی لڑوں گا تو کرنل کا دل ٹوٹ جاتا.... لہٰذا چلنے دو۔"

"ابے جاؤ....!" قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "تم پکے چار سو بیس ہو۔"

عمران کچھ نہ بولا۔ حقیقتاً وہ ایسا ہی آدمی تھا۔ نہ اسے اپنی آن کی پرواہ تھی اور نہ بدنامی کی.... وہ تو بس کام نکالنا جانتا تھا۔ خواہ کسی صورت سے نکلے۔ اس کا نظریہ تھا کہ اگر محض مکاری سے کوئی مسئلہ حل ہو سکے تو اس کے لئے جسم یا ذہن کو تھکانے سے فائدہ!

فریدی اور جنگلی نیزے سنبھالے ہوئے ایک دوسرے کے مقابل ہو چکے تھے۔ جنگلی نے پہلے حملہ کیا.... فریدی نے وار خالی دیا اور اس کے دوسرے حملے کا انتظار کرتا رہا۔ اسی طرح اس نے اس کے سات یا آٹھ وار خالی دیئے.... خود حملہ نہیں کیا۔ پھر اس نے ہاتھ اٹھا کر جنگلی کو واپس جانے کا اشارہ کیا۔ سردار نے بھی کچھ کہا اور جنگلی پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے بعد سردار نے اپنا نیزہ سنبھالا۔

"میں بھی اکثر ایئر گن سے مکھیوں کا شکار کرتا ہوں۔" عمران بڑبڑایا۔

"اب زیادہ بکواس نہ کرو۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "ورنہ تمہیں مجھ سے نپٹنا پڑے گا اور....!"

جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی عمران نے اس کے سر پر ایک چپت جھاڑ دی اور اچھل کر بھاگا۔

"ٹھہرو اُلو کے پٹھے۔" حمید اپنا بانس کا ڈنڈا تانے ہوئے اس کے پیچھے دوڑا.... فریدی اور سردار ایک دوسرے پر حملہ کرنے کی بجائے انہیں دیکھنے لگے۔ بلکہ فریدی نے حمید کو للکارا بھی مگر کون سنتا تھا۔ عمران اسے چپت مار کر بھاگا تھا۔ یہ آسانی سے نظر انداز کر دی جانے والی حرکت نہیں تھی۔

ایک جگہ عمران کے رکتے ہی حمید نے اس پر ہاتھ چھوڑ دیا۔ مگر ڈنڈا زمین پر پڑا۔ عمران نے بڑی پھرتی سے وار خالی دیا تھا۔ حمید کا پارا اوپر چڑھ گیا اور اس نے اندھا دھند ڈنڈے برسانے شروع کر دیئے۔ مگر ایک بار بھی جو عمران کے لگا ہو۔ سبھی زمین پر پڑتے رہے۔ عمران بالکل بندروں کے سے انداز میں اچھل کود کر وار خالی دے رہا تھا.... جنگلی یہ تماشہ دیکھنے کے لئے ان کے گرد اکٹھے ہو گئے.... حمید کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا اور ساتھ ہی اس کے ہاتھ بھی تیزی سے چلنے لگے تھے.... مگر فریدی جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ دفعتاً عمران نے کہا۔ "او بران:... کراموئیل.... چپ چاپ کھسک جاؤ.... وہیں پہنچو جہاں ہم نے قیام کیا تھا۔ حملے کے وقت میں نے ایک پیٹی

بائیں جانب والے نشیب میں دھکیل دی تھی اس میں دو ٹامی گنیں اور کافی میگزین ہے۔ کم از کم یہ پوری بستی تباہ کی جاسکتی ہے۔"

اس نے یہ جملے بالکل اسی انداز میں کہے تھے جیسے حمید کو گالیاں دے رہا ہو۔ اچانک انہوں نے بہت ہی تیز قسم کی بو محسوس کی اور ان کے سر چکرانے لگے۔ جنگلی چیختے ہوئے ایک طرف بھاگ نکلے وہ کچھ بدحواسی کے عالم میں بھاگے تھے کہ ان میں سے کئی تو آگ کے ڈھیر کی نظر ہوگئے۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے وہ بو ان کے لئے کسی بہت بڑے خطرے کی علامت ہو۔ پھر اس میدان میں عمران اور فریدی کے ساتھیوں کے علاوہ اور کوئی نہ رہ گیا۔ لیکن اس تیز قسم کی بو نے جو یقینی طور پر کسی قسم کی گیس تھی انہیں ذہنی اور جسمانی طور پر کمزور کرنا شروع کر دیا تھا۔ حمید کے ہاتھ سے ڈنڈا چھوٹ گیا اور عمران ایک بار دھپ سے زمین پر بیٹھ گیا۔ پھر کسی کو ہوش نہیں رہا کہ بعد کی باتیں اس کی سمجھ میں آسکتیں۔

❁

حمید کو اپنے جسم میں پتھروں کی چبھن محسوس ہوئی اور وہ کراہ کر اٹھ بیٹھا، آنکھوں کے سامنے دھند سی چھائی ہوئی تھی اور سر بہت شدت سے چکرا رہا تھا.... آہستہ آہستہ اس کی حالت اعتدال پر آئی اور اس نے گھبرا کر چاروں طرف دیکھا۔ اس کے کچھ ساتھی زمین پر پڑے ہوئے تھے اور کچھ گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھے تھے۔ خود حمید کو بھی بڑی تھکن محسوس ہو رہی تھی اور سر اتنا بھاری لگ رہا تھا کہ اسے سہارے کی ضرورت تھی۔ اس نے بھی دوسروں ہی کی طرح گھٹنوں میں سر رکھ لیا۔

مگر اس کا ذہن سوچ سکتا تھا۔ وہ یہی سوچ رہا تھا کہ دور دور تک جنگلیوں کا پتہ نہیں ہے کیوں نہ کسی طرف نکل چلیں ورنہ ہو سکتا ہے کہ کچھ دیر بعد اپنے تساہل پر افسوس کرنا پڑے۔

اس نے سر اٹھا کر شرابیوں کے سے انداز میں کرنل کو آواز دی۔ جواب تو مل گیا لیکن حمید کچھ کہہ نہ سکا کیونکہ اس کی زبان لڑکھڑا رہی تھی.... تھوڑی دیر بعد اس نے اپنے قریب قدموں کی آواز سنی اور پھر چونک کر سر اٹھایا۔

فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا رہا تھا۔

"کھڑے ہو جاؤ....!" اس نے کہا۔

"مجھ میں اتنا دم نہیں ہے کہ کھڑا ہو سکوں۔" حمید نے افیونیوں کے سے انداز میں کہا۔

"سبھوں کی حالت دگرگوں ہے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"عمران صاحب بھی مکھیاں مار رہے ہیں۔ وہ تو فرماتے ہیں کہ ابھی کھل کر نشہ نہیں ہوا۔ تھوڑی سی اور منگوا دو۔"

پھر حمید نے بھی عمران کی آواز سنی جو شرابیوں کے سے انداز میں گا رہا تھا۔

کس بلا کی ہوا میں مستی ہے
کہیں برسی ہے آسمان سے آج

بلموا.... ہاں ہاں.... سجنوا.... اب گھر جانے دے

حمید نے اسے بھی دیکھا۔ وہ زمین پر چت پڑا اوٹ پٹانگ بکواس گانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی زبان میں لکنت تھی اور آواز بھرائی ہوئی تھی۔

"چپ رہو ورنہ پتھر کھینچ ماروں گا....!" حمید نے یونہی خواہ مخواہ اسے دھمکی دی۔ ورنہ حقیقت یہ تھی کہ اس کی دھمکی میں اس کے ارادے کو دخل نہیں تھا۔ عمران نے اور زور سے ہانک لگائی۔

لیلیٰ نے اپنے شہر میں یہ منادی کر دی
کوئی پتھر سے نہ مارے میرے دیوانے کو

فریدی نے جیب سے سگار نکال کر سلگایا اور ایک پتھر پر بیٹھ کر انہیں تشویش آمیز نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر تکان کے آثار نہیں تھے۔

"فریدی.... بیٹے سگار بجھا دو۔" طارق کی کمزور سی آواز آئی۔ "اس وقت اس کی بو گراں گزر رہی ہے۔ جی مالش کر رہا ہے۔"

فریدی نے فوراً ہی سگار بجھا دیا۔ دفعتاً حمید بولا۔ "اگر وہ کمبخت واپس آگئے تو بڑی مشکل کا سامنا ہوگا۔"

"کون کمبخت....!" فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ارے.... وہی جنگلی....!"

"ہاہا.... تو تم خود کو اسی جنگل میں سمجھ رہے ہو جہاں تم نے عمران پر ڈنڈے برسائے تھے۔"

"کیوں....؟ پھر ہم کہاں ہیں؟"

"تاریک وادی میں فرزند....!"

"ہاہا....!" حمید نے قہقہہ لگانے کی کوشش کی۔ لیکن ناکام رہا.... پھر بولا۔ "اب آپ بھی گانا شروع کر دیجئے۔ مگر میرے ہاتھوں میں اتنی سکت نہیں ہے کہ طبلہ بجا سکوں۔"

"ابھی جب تم ان درختوں کے پیچھے جاؤ گے تو میرے بیان کی تصدیق ہو جائے گی۔" فریدی نے ایک طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"ارے تو ہم یہاں کیسے پہنچ گئے۔" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"بس یہی سمجھ لو کہ ہم سچ مچ زیرولینڈ والوں کے ہاتھ لگ گئے ہیں۔" عمران کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ حمید کچھ نہ بولا۔

عمران زمین پر ہی پڑے پڑے رینگتا ہوا ان کے قریب آ گیا تھا۔

"یہی تاریک وادی ہے۔" اس نے فریدی سے پوچھا۔

"ہاں.... ان درختوں کے اس طرف سے وہ قدرتی دیوار دیکھی جا سکتی ہے جو میلوں اونچی معلوم ہوتی ہے۔"

عمران نے بائیں کنپٹی زمین پر رکھ دی اور اسی کروٹ پڑا رہا۔

"کیا تم اٹھ بھی نہیں سکتے۔" فریدی نے پوچھا۔

"مجھے شاید گٹھیا ہو گیا ہے۔" عمران نے بے بسی سے کہا۔ "یہ غالباً اسی اچھل کود کا نتیجہ ہے۔ مگر آپ حیرت انگیز طور پر تندرست نظر آ رہے ہیں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد اس نے مسکرا کر کہا۔ "تمہاری وہ حرکت بڑی دلچسپ تھی۔ شاید تم کامیاب بھی ہو جاتے۔ مگر اُس گیس کی بدبو نے حالات یکسر بدل دیئے تھے۔ جنگلی کس طرح خوفزدہ ہو کر بھاگے تھے۔ میرا خیال ہے کہ اکثر ان پر ایسی افتاد پڑتی رہتی ہے۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ کوئی نامعلوم آدمی ہمیں بے ہوش کر کے یہاں لایا ہے۔" حمید نے کہا۔ "واہ.... بھئی یہاں تو طلسم ہوشربا کا مزہ آ گیا۔ بیٹھے تھے طلسم نور افشاں میں جشن برپا تھا اچانک کسی جادوگر نے اوپر سے گولہ مارا مجلس درہم برہم ہو گئی اور اہل محفل بے ہوش! دوسری بار آنکھ کھلی تو خود کو باغ سیب میں پایا.... افراسیاب کے سامنے پابجولاں کھڑے ہوئے تھے۔"

کوئی کچھ نہ بولا۔ شاید ہی کوئی بولنے کے موڈ میں رہا ہو۔

آہستہ آہستہ وہ اعتدال پر آتے گئے۔ فریدی عمران کو اس جگہ لے گیا جہاں سے وہ اس جگہ کو تاریک وادی ثابت کر سکتا تھا۔

"مگر دیکھو....!" اس نے کہا۔ "پوری وادی بادلوں سے ڈھکی ہوئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے بادل ان قدرتی دیواروں سے چپک کر رہ گئے ہوں۔ شاید شاذ و نادر ہی سورج کی روشنی دیکھ سکیں۔"

اچانک قریب کی جھاڑی سے ایک آواز آئی۔ "معزز مہمانو خوش آمدید۔ یہی تمہارا اصل وطن ہے اور تم یہاں ہمیشہ رہو گے۔"

یہ جملے انگریزی میں کہے گئے تھے۔ وہ ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنے لگے۔ پھر فریدی جھاڑی کی طرف بڑھا۔ عمران اس کے پیچھے تھا۔ حمید اور صفدر بھی جھپٹے۔ پھر اوبران اور کراموئیل کو بھی ہوش آیا۔

جھاڑی میں انہیں جو کچھ بھی نظر آیا وہ عمران کے لئے بہت زیادہ سنسنی خیز تھا۔ جھاڑی کے وسط میں اس نے سنہرے اسفنج کا ایک بہت بڑا ڈھیر دیکھا۔

اس ڈھیر سے پھر آواز آئی۔ "کچھ دن اس حیرت انگیز وادی کی سیر کرو۔ پھر تمہیں اپنے اس نئے وطن کے لئے بہت کچھ کرنا ہے۔"

فریدی نے آگے بڑھ کر اس ڈھیر کو ٹٹولا۔ اس میں نمی تھی۔ کوئی سیال شے اس کے ہاتھوں میں لگ گئی.... اس نے اسے سونگھا اور عمران کی طرف دیکھنے لگا۔ عمران بھی اب اسے ٹٹول رہا تھا۔ اس نے فریدی کو جھاڑی سے باہر چلنے کا اشارہ کیا۔

وہ خاموشی سے چلتے رہے اور جھاڑی سے بہت دور ہٹ آئے۔

فریدی نے عمران سے کہا۔ "میں اپنے ہاتھ میں ایسٹیک ایسڈ کی بو محسوس کر رہا ہوں۔"

"آپ کا خیال درست ہے۔" عمران نے کہا اور مختصراً سنہرے اسفنج کی داستان سنائی۔

"استوائی جنگلوں میں اسفنج کی شکل کی کائی میں نے اکثر دیکھی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن سنہری کائی دیکھنے کا اتفاق پہلی بار ہوا ہے.... ٹھہرو.... ہو سکتا ہے کہ اس کی یہ رنگت ایمونیا اور ایسٹیک ایسڈ ہی کی وجہ سے ہوئی ہو۔"

"خدا جانے۔" عمران کچھ سوچتا ہوا بڑبڑایا۔ "تو اب ہم ان کے قیدی ہیں۔"

"قیدی ہی نہیں بلکہ جانے پہچانے قیدی۔ اگر راستے میں ان کے آدمیوں سے تمہارا ٹکراؤ ہوتا رہا ہے تو وہ تم میں سے ہر ایک کو اچھی طرح جانتے ہوں گے۔" فریدی نے کہا۔

دفعتاً انہوں نے کیلی کی چیخیں سنی اور چونک کر آواز کی طرف مڑے۔ وہ تیزی سے ان کی طرف آ رہی تھی۔ قریب آ کر اس نے کہا۔ "کیا اس موٹے کا دماغ چل گیا ہے۔"

"کیوں.... کیا ہوا؟" عمران نے احمقانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

"وہ کہتا ہے اب شاید سوئٹزرلینڈ میں نہ آباد ہو سکیں اس لئے یہیں شادی ہو جانی چاہئے.... یہ کیا بکواس ہے۔ میں پتھر مار مار کر اسے ہلاک کر دوں گی۔"

فریدی نے استفہامیہ انداز میں عمران کی طرف دیکھا۔

حمید نے اردو میں کہا۔ "انہی حضرت نے اس کا دماغ خراب کیا ہے۔"

"میں کیا کرتا۔" عمران مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "اسے قابو میں کرنے کا اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ ہی نہیں تھا۔ چینیوں نے بھی اس سے کسی تگڑی سی لڑکی کا وعدہ کیا تھا۔"

"ہم اسے سمجھا دیں گے۔" فریدی نے کیلی سے کہا۔ "وہ کمزور دماغ کا آدمی ہے۔ اکثر بہک جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تم نے خواب میں اس سے شادی کا وعدہ کیا ہو۔ اکثر اوٹ پٹانگ خواب بھی اسے حقیقت ہی کی طرح یاد آتے ہیں۔"

کیلی غصیلے انداز میں دوسری طرف دیکھنے لگی۔

حمید نے عمران کو آنکھ مار کر کہا۔ "تم چکر میں ہو۔"

"میرے باپ جو اس چکر میں پڑے تھے آج تک پچھتا رہے ہیں۔ پھر میں بیچارہ کیا پڑوں گا اس چکر میں۔"

"بڑے بے ہودہ ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"طارق بہت اداس تھا۔ اس نے ایک بار بھی تاریک وادی کے خزانے کا نام نہیں لیا۔ ویسے وہ راستے بھر اسی کا تذکرہ کرتا آیا تھا۔ اس کی اداسی کی وجہ غالباً یہ تھی کہ وہ جنگلیوں کے درمیان اپنا بیش قیمت نیولا شکا کی کھو آیا تھا۔ جب وہ بے ہوش ہوا تھا اس وقت تو نیولا اس کے کاندھے ہی پر موجود تھا.... اُسے اچھی طرح یاد تھا کہ گیس کی بدبو پھیلتے ہی نیولے نے بڑی کریہہ آواز نکالی تھی۔

اوبران اور اس کے ساتھی خاموش تھے۔

دفعتاً تھوڑی دیر بعد ایک جھاڑی سے پھر آواز آئی۔ "بائیں طرف چلتے رہو دوستو! تمہیں بھوک لگ رہی ہو گی۔ آگے تمہیں تمہاری آسائش کا سارا سامان ملے گا۔"

"چلنا ہی پڑے گا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بڑبڑایا۔ "جب تک کہ اس معاملے کا سر پیر نہ معلوم ہو جائے کیا کیا جا سکتا ہے۔"

"کچھ کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔" حمید بولا۔ "ہم تاریک وادی کی سیر کرنا چاہتے تھے، کر رہے ہیں۔ واپسی کا سوال ہی اٹھانا فضول ہے کیونکہ مرنے کے بعد کوئی بھی دوبارہ دنیا میں واپس نہیں آتا۔"

"گڈ....!" عمران سر ہلا کر بولا۔ "میں بھی ایسے ہی درویشانہ خیالات رکھتا ہوں۔"

پوری پارٹی میں صرف قاسم بہت مگن دکھائی دیتا تھا۔ اسے شاید اس کی بھی پرواہ نہیں تھی، کیلی اظہار عشق پر بھڑک اٹھی تھی۔

❁

تین دن تک وہ اس وادی کے مختلف حصوں میں چکراتے رہے، لیکن انہیں اپنے علاوہ اور کوئی آدمی نہ دکھائی دیا۔

لیکن انہیں اپنے لئے دو بڑے بڑے خیمے نصب ملے تھے اور ان میں ضروریات کی ساری چیزیں موجود تھیں، وہ دن بھر مارے مارے پھرتے اور شام کو انہیں خیموں میں آ کر پڑے رہتے۔ کیلی اور روزا دونوں ہی بہت بیزار نظر آتی تھیں۔

ان تین دنوں میں انہیں ایک دن بھی دھوپ نہیں دکھائی دی تھی۔ وادی پر چھائے ہوئے سفید بادل ایک جگہ پر جمے ہوئے سے معلوم ہوتے تھے۔ اکثر وہ انہیں کافی دیر تک دیکھتے رہتے لیکن کسی گوشے میں بھی حرکت نظر نہ آتی۔

چوتھے دن ایک سفید فام آدمی خیموں کے قریب نظر آیا۔ فریدی نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ وہ کوئی غیر ذمہ دارانہ حرکت نہ کر بیٹھیں۔ پھر اس نے عمران سے اردو میں کہا وہی اس آدمی سے گفتگو کرے۔

اس آدمی نے قریب آ کر بڑے دوستانہ انداز میں انہیں "صبح بخیر" کہی اور نرم لہجے میں بولا۔

"میں مطمئن ہوں کہ اس وقت اپنے دوستوں کے درمیان ہوں۔"

"یقیناً.... یقیناً....!" عمران نے سر ہلا کر کہا۔

"وہ جنگلی تم لوگوں کو زندہ نہ چھوڑتے۔ اسی لئے ہم تمہیں یہاں اٹھا لائے.... وہ آدم خور تھے۔ آگ اسی لئے روشن کی گئی تھی کہ تمہیں بھون کر کھا جائیں۔"

"میرا خیال ہے کہ میں ان کے پیٹ میں بڑی گڑبڑ مچاتا۔" عمران نے احمقانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

"اور پھر تم تو یہاں آنا ہی چاہتے تھے۔" اس آدمی نے مسکرا کر کہا۔

"شاید میں تمہیں پہچاننے میں غلطی نہیں کر رہا مسٹر علی عمران۔"

"آہا.... تو کیا یہ زیرولینڈ ہے۔" عمران نے لاپروائی سے پوچھا۔

"زیرولینڈ....!" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "نہیں یہ زیرولینڈ نہیں ہے۔ بلکہ یہاں زیرولینڈ کے لئے کام ہوتا ہے۔ یہاں کئی ایسی فیکٹریاں ہیں جو زیرولینڈ کے لئے ضروری سامان تیار کرتی ہیں۔"

"اوہ....!" عمران بُرا سا منہ بنا کر رہ گیا۔

"تمہیں مایوسی ہوئی ہے۔" وہ آدمی مسکرایا۔

"نہیں! میں سوچ رہا ہوں کہ انکانسل کے خزانے کا کیا حشر ہوا ہوگا جو یہاں تھا۔"

"وہ زیرولینڈ کے کام آرہا ہے۔ ایک بہت بڑا خزانہ.... تم اس کی قیمت کا اندازہ ہی نہیں لگا سکتے! یہ جواہرات اور قدیم ظروف پر مشتمل تھا۔ سونے چاندی کے ظروف اتنے سائنٹیفک طریقے سے محفوظ کئے گئے تھے کہ ان کا ایک حصہ بھی نہیں ضائع ہوا۔ وہ یقیناً کافی ترقی یافتہ اور ذہین لوگ تھے۔"

طارق نے جو قریب کھڑا ہوا تھا ٹھنڈی سانس لی اور فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہی نہیں۔" اس آدمی نے کہا۔ "اس خزانے کے علاوہ بھی اسے ہیروں ہی کی وادی کہنا چاہئے۔ یہاں ایک ایسا حصہ بھی ہے جہاں کی مٹی میں ہلکی سی نیلاہٹ پائی جاتی ہے۔ وہاں چاروں طرف ہیرے ہی ہیرے بکھرے ہوئے ملے تھے۔"

"اب بھی وہاں ہیرے ہیں۔" طارق بول پڑا۔

"نہیں.... وہ سب زیرولینڈ پہنچا دیئے گئے۔ اگر کھدائی کی جائے تو شاید ابھی اور نکلیں۔"

"کیا یہاں آدمی بھی تھے۔" عمران نے پوچھا۔

"ممکن ہے کبھی رہے ہوں۔ کیونکہ ہمیں اکثر انسانی ڈھانچے بھی ملے ہیں۔ اوہو تم اس کی فکر نہ کرو۔ کبھی رہے ہوں یا نہ رہے ہوں۔ لیکن اب یہ وادی آباد ہو گئی ہے۔ جہاں دنیا کے چند بہترین دماغ دنیا کی بہتری کے لئے دن رات کوشاں رہتے ہیں۔ تم لوگ زیرولینڈ کو ہوا سمجھتے ہو۔ لیکن تم دیکھنا کہ تیسری جنگ عظیم کے دوران زیرولینڈ کتنا اہم رول ادا کرتا ہے۔ ہمیں بس تیسری جنگ کے چھڑنے کا انتظار ہے۔"

"تم کیا کرو گے اس سلسلے میں۔" عمران نے پوچھا۔

"وقت ہی بتائے گا۔ زیرولینڈ کے شہریوں کو کسی قسم کا خدشہ نہ ہونا چاہئے۔ وہ ہر حال میں محفوظ رہیں گے۔ ہم سائنسی ترقی کی دوڑ میں ساری دنیا سے آگے ہیں۔"

"آہا تو کیا ہم زیرولینڈ کے شہری بنا لئے گئے ہیں۔"

"اسی وقت جب تمہارے قدم اس وادی کی زمین سے لگے تھے۔"

"بہت عمدہ....!" عمران خوش ہو کر بولا۔ "یہ بہت اچھا ہوا۔ میں زیرولینڈ کی تہہ دل سے خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ واہ.... کتنے بااخلاق اور شریف ہو تم لوگ۔ ارے مجھے معاف کر دیا۔ میں جس کی ذات سے زیرولینڈ کو کافی نقصانات پہنچے ہیں۔"

عمران آب دیدہ نظر آنے لگا.... اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

"ارے وہ کچھ نہیں۔" سفید فام جلدی سے بولا۔ "تم اس کی پرواہ نہ کرو۔ کبھی آدمی غلطیاں کرتا ہے اور کبھی سیدھی راہ پر آجاتا ہے۔ زیرولینڈیا اس کے باشندے آسمان سے نہیں ٹپکتے بلکہ اسی زمین کے بسنے والے کچھ ایماندار لوگ ہیں جو بے انصافیوں اور جانبداریوں سے تنگ آکر ایک مثالی نظام قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔"

"میرے ساتھ کبھی انصاف نہیں ہوا....!" عمران نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"مت پرواہ کرو.... اب تمہیں اپنی منزل کا عرفان ہو گیا ہے۔"

"مگر پیارے بھائی۔ کیا اس وادی میں دھوپ کبھی نہیں آتی۔" عمران نے پوچھا۔

"پہلے آتی تھی۔" سفید فام مسکرایا۔ "مگر جب سے تم لوگوں کو زیرولینڈ کی فکر ہوئی ہے نہیں آتی۔"

"میں نہیں سمجھا پیارے بھائی۔"

"یہ مصنوعی بادل ہیں۔ جو ابھی حال ہی میں وادی پر مسلط کئے گئے ہیں! تاکہ وادی تمہاری دنیا کے ہوابازوں کی نظروں سے محفوظ رہ سکے۔"

"آہا.... زمین کے بادل....!"

"زمین کے بادل....! ہاں یہی سمجھ لو۔ مگر بادل تو ہر حال میں زمین ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ آسمان سے نہیں آتے....!"

"پیارے بھائی مجھ سے بحث نہ کرو۔ میں اس مسئلے پر تم سے گھنٹوں بحث کر سکتا ہوں۔"

"یہ بُری عادت ہے۔ تمہیں زیادہ سے زیادہ وقت کسی کام پر صرف کرنا چاہئے۔ ہم لوگ لاحاصل مباحث میں وقت نہیں برباد کرتے۔"

"اچھی بات ہے۔" عمران کان پکڑتا ہوا بولا۔ "اب میں کسی سے بھی بحث نہ کروں گا۔ خواہ وہ میرا باپ ہی کیوں نہ ہو۔ آہا.... ٹھہرو پیارے بھائی میری سب سے بڑی الجھن رفع کردو۔"

"کہو.... کیا بات ہے۔"

"وہ سنہرا اسفنج....!"

"اوہ....!" وہ مسکرایا۔ "تم نے اس کا استعمال تو دریافت کر لیا تھا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن یہاں اس کے اتنے بڑے بڑے ڈھیر دیکھ کر عقل چکرا گئی ہے۔"

سفید فام تھوڑی دیر کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "یہ دریافت محض اتفاقیہ تھی۔ تمہیں اس کے متعلق ہر گز نہ بتایا جاتا.... مگر اب تم زیرولینڈ کے شہری ہو اور ایک ذہین آدمی ہو اس لئے یہ راز بتایا جا رہا ہے.... بہت عرصے کی بات ہے کہ ہم یہاں ایک قسم کے راکٹ کا تجربہ کر رہے تھے۔ اس راکٹ میں ایک خاص مقصد کے تحت ایمونیا اور ایسٹیک ایسڈ کا محلول بھی بہت بڑی مقدار میں تھا۔ اچانک راکٹ زمین سے ایک ہی گز بلند ہو کر پھٹ گیا.... ہاں یہ جو اسفنج کے ڈھیر تمہیں نظر آتے ہیں اپنی اصلی ہیئت میں سنہرے نہیں تھے اور یہ اسفنج نہیں بلکہ ایک قسم کی اکائی ہے جو اس وادی میں بکثرت پائی جاتی ہے۔ ہاں تو راکٹ پھٹتے ہی ایسڈ اور ایمونیا کا محلول چاروں طرف پھیل گیا۔ نیچے کائی کے بکثرت ڈھیر تھے۔ جیسے ان پر محلول پڑا ان کی رنگت تبدیل ہو گئی اور ہم نے ان میں اپنی آوازیں سنیں۔ ہم جو مختلف جگہوں پر کھڑے گفتگو کر رہے تھے اپنی آوازیں اس جگہ سے

دوسری جگہ سنتے رہے۔ اس کے بعد ہم نے اس کائی پر باقاعدہ طور پر تجربات شروع کر دیئے اور اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ ٹرانسمشن کا ایک بہترین ذریعہ ثابت ہو سکتی ہے۔"

"اچھا پیارے بھائی ایک بات اور.... میں مادام تھریسیا سے ملنا چاہتا ہوں تاکہ ان سے اپنی غلطیوں کی معافی مانگ سکوں۔"

"مادام تھریسیا یہاں کہاں ہیں۔" سفید فام نے حیرت سے کہا۔

"اگر نہیں تو یہ میری بدقسمتی ہے۔ جس کے لئے میں خود کو کبھی معاف نہیں کر سکتا۔ اچھا پیارے بھائی۔ اب کام بتاؤ.... ہم تمہاری کیا خدمت کر سکتے ہیں۔"

"کام بھی بتایا جائے گا.... ابھی دو ایک دن آرام کر لو.... میں تو اس وقت تمہاری خیریت دریافت کرنے آیا تھا۔"

"ہم تو بفضلہٖ خیریت ہیں اور تمہاری بھی خیر و عافیت خداوند کریم سے نیک مطلوب ہے۔"

سفید فام مسکراتا ہوا دوسری طرف مڑ گیا اور وہ سب بیک وقت بولنے لگے۔ فریدی ایک کونے میں خاموش بیٹھا ہوا تھا۔

اویران کہہ رہا تھا۔ "مسٹر عمران تم نے اس سے بہت ہی گھٹیا قسم کی گفتگو کی ہے۔ ہم کسی قیمت پر بھی ان کے لئے کوئی کام نہیں کر سکتے۔"

"ہم مشرقی ہوتے ہی گھٹیا ہیں۔" عمران نے خشک لہجے میں کہا۔

پھر وہ فریدی کے قریب آیا جو اب بھی خاموش بیٹھا ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" وہ سر ہلا کر بولا۔ "میں اس گفتگو سے مطمئن ہوں۔ میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ تم سے یا تمہارے مشن سے واقف ہے یا نہیں۔"

"اب کیا ارادہ ہے۔"

"فی الحال خاموش رہو۔ پہلے ہم ان کے متعلق سب کچھ معلوم کر لیں پھر دیکھیں گے کیا کر سکتے ہیں۔ یہاں سے نکلنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"جب نکلنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تو کچھ کرنے کی ضرورت۔"

"تم نہیں سمجھے۔" فریدی نے کہا۔ "میں یہ کہہ رہا تھا کہ اوپر جانے کے لئے کوئی راستہ ملنا محال ہے۔ لیکن یہ لوگ تو بہر حال اوپر جاتے ہیں۔ چنانچہ اوپر جانے کا ذریعہ دریافت کرنا پڑے

گا۔اس سے پہلے کچھ کر بیٹھنا حماقت ہی حماقت ہو گی۔"

عمران کچھ سوچتا ہوا سر ہلانے لگا.... فریدی پھر بولا۔

"یہ لوگ شاید جنگلیوں کو پکڑ کر یہاں لاتے ہیں اور ان سے اپنی فیکٹریوں میں کام لیتے ہیں۔ اس رات گیس کی بو محسوس کر کے جنگلیوں کا بھاگ نکلنا یہی ظاہر کرتا ہے۔ یہ انہیں بیہوش کر کے اٹھالاتے ہیں۔"

"کھلی ہوئی بات ہے۔"

"اچھا اب میری تجویز سنو۔ تم اسی طرح ان کا اعتماد حاصل کر سکتے ہو کہ تمہارے کچھ آدمی ان کی خدمت کرنے پر آمادہ ہو جائیں اور کچھ اس پر اڑ جائیں کہ خواہ جان چلی جائے۔ وہ زیرو لینڈ کے لئے کوئی کام ہرگز نہ کریں گے۔"

"آپ کا یہ خیال بھی درست ہے۔" عمران بولا۔

اور فریدی پھر کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ عمران وہاں سے جا چکا تھا۔ حمید نے جب دیکھا کہ فریدی تنہا ہے تو وہ اس کے قریب آیا۔

"یہ آپ کی کسی تجویز پر عمل نہیں کرے گا۔ اپنا وقت نہ برباد کیجئے۔ پکا فراڈ ہے۔"

"کوئی غلط قدم اٹھائے گا تو خود ہی بھگتے گا۔ مجھے تو اپنے ساتھیوں کو صحیح وسلامت نکال لے جانا ہے۔ مگر تم اسے فراڈ کیوں کہہ رہے ہو۔"

"ارے اس رات وہ ڈنڈا اسی ڈفر نے میرے ہاتھ میں تھمادیا تھا اور بولا تھا بڑے بھائی تھوڑی دیر اسے پکڑے رہو ورنہ کسی کے کھینچ ماروں گا۔ کیونکہ مجھے اختلاج ہو رہا ہے۔ اس طرح وہ اپنی اسکیم بروئے کار لایا تھا۔"

فریدی ہنسنے لگا پھر بولا۔ "اس کی حرکتیں بعض اوقات بڑی پیاری لگتی ہیں۔ اچھی سوجھ بوجھ کا آدمی ہے۔"

"ارے جگر ہے۔ انداز گفتگو بھی مداریوں ہی کا سا ہے۔ شاید ہمیشہ بد سلیقہ اور جاہل آدمیوں میں اٹھتا بیٹھتا رہا ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا.... اتنے میں قاسم دکھائی دیا اور قریب آکر اس نے کہا۔ "میں ماپھی چاہتا ہوں حمید بھائی۔ بہت تمہارا دل دکھایا ہے۔"

"کیوں....؟ اب عقل آئی نا۔"

"ارے.... یار کیا بتاؤں.... وہ کھالازاد پکا چار سو بیس نکلا۔"

"کیوں کیا ہوا....!"

"اس نے نونڈیا سے کہا ہے کہ میں بالکل اُلو کا پٹھا ہوں اور مجھے محبت کرنے کی تمیز نہیں ہے.... اب تم بتاؤ کہ میں کیا کروں۔ سر پھاڑ دوں سالے کا۔"

پھر یک بیک اس کی نظر کرنل پر پڑی اور وہ بوکھلا گیا۔ شاید اُس نے پہلے اسے نہیں دیکھا تھا۔ فریدی اسے گھور رہا تھا۔ قاسم تھوڑی دیر کھڑا احمقانہ انداز میں حلق سے طرح طرح کی آوازیں نکالتا رہا۔ پھر اس طرح وہاں سے بھاگا، جیسے یک بیک کسی ہاتھی کا دماغ الٹ گیا ہو۔

"اب دیکھئے....!" حمید نے کہا۔ "اس مردود نے اس کی بھی مٹی پلید کر کے رکھ دی۔"

"بھئی وہ اسی قسم کا آدمی ہے۔ کسی نہ کسی طرح اپنا کام نکال لیتا ہے۔ خواہ اس کے لئے کچھ کرنا پڑے۔ بااصول آدمی نہیں ہے.... لیکن اس کی ذہانت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کیا بتاؤں... کاش یہ میرے ساتھ صرف ایک سال ہی گذار سکتا۔" حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

❁

اوبران بہت دیر سے عمران کے کان کھا رہا تھا۔

"میں کہتا ہوں.... کیا فریدی قانونی طور پر ہماری مہم میں شریک ہوا تھا۔"

"یہ کون کہتا ہے مسٹر اوبران۔"

"پھر تم اس کے مشوروں پر کیوں عمل کر رہے ہو۔"

"میں کسی کے بھی مشوروں پر کبھی عمل نہیں کرتا۔" عمران سنجیدگی سے بولا۔

"اور پھر میرے عمل کرنے یا نہ کرنے سے کیا ہوتا ہے.... پارٹی لیڈر تم ہو۔ تم ہی کوئی ڈھنگ کا مشورہ دو۔"

"ہم ان کے لئے کام نہیں کریں گے۔" اوبران نے سختی سے کہا۔

"خواہ ہمیشہ یہیں پڑے سڑتے رہو۔" عمران نے پوچھا۔

"اس کی پرواہ نہیں ہے۔"

"مجھے تو پرواہ ہے مسٹر اوبران۔" عمران نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"مجھے ان بچوں کی فکر کھائے جارہی ہے جو ابھی تک پیدا نہیں ہو سکے۔"

"تو پھر تم ہم سے علیحدہ ہو رہے ہو۔" اوبران نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"ہونا ہی پڑے گا کیونکہ جب سے میں نے اس وادی میں قدم رکھا ہے زیرو لینڈ سے بے پناہ محبت محسوس ہوتی ہے۔"

"بس دفع ہو جاؤ سامنے سے۔"

"میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتا۔" عمران نے کہا اور وہاں سے ہٹ کر فریدی کے خیمے میں آیا.... اب قاسم بھی یہیں تھا اور ہر وقت کھالا جاد کی شان میں قصیدے پڑھتا رہتا تھا۔

"فریدی خیمے میں موجود نہیں تھا...." حمید نے قاسم کو ہشکار دیا۔

"آؤ.... آؤ....!" قاسم نے عمران کو گھونسا دکھا کر کہا۔ "آج میں نے پھیسلا کر لیا ہے۔"

روزا حالانکہ اردو نہیں سمجھتی تھی لیکن پھر بھی ہنس پڑی، کیوں کہ اسے اس قضیئے کا علم تھا۔

"یار ختم بھی کرو۔" عمران پلکیں جھپکا کر بولا۔ "اس بے وفا کو بھول جاؤ۔ تم سے پہلے بھی دنیا میں کروڑوں ناکامِ محبت گذرے ہیں.... صبر کرو۔ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔"

"ٹھینگے کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔" قاسم بُری طرح جھلا گیا اور پھر کفن پھاڑ انداز میں بولا۔ "سالے مرو گے تو پتہ چلے گا.... تن تن کیڑے پڑیں گے.... جیسے میرا دل دکھایا ہے۔"

"ارے پیارے بھائی۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ بھلا میں نے کیوں دل دکھایا ہے۔ وہ تم سے محبت کرتی تھی.... لیکن یہاں آکر موسم بدل گیا۔ اب وہ ہنٹر سے محبت کرنے لگی ہے۔"

"ہنٹر سے کرتی ہو یا لاٹھی ڈنڈے سے۔ میں تو تم سے سمجھوں گا۔"

"اور کیا.... سیدھی سی بات ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "تم بڑے کھرے آدمی ہو۔ میں جانتا ہوں کہ تمہاری رگوں میں خالص خون دوڑ رہا ہے۔"

"اس کا کیا مطلب ہوا۔" قاسم آنکھیں نکال کر حمید پر الٹ پڑا۔

"مطلب یہ ہوا کہ خالص خون۔"

"خالص خون نہیں تو کیا اس میں مٹی کا تیل ملایا جاتا ہے.... اے تم بھی مجھے اُلو بناتے رہتے ہو۔ مگر میں کسی کو بھی کچھ نہیں سمجھتا.... سمجھے۔"

"ارے یہ تو آج صبح تمہیں اُلو کا پٹھا کہہ رہے تھے۔" عمران بول پڑا۔

"یہ خود اُلو کے پٹھے۔ ان کے باپ دادے بھی سالے۔"

"ابے ہوش میں ہے یا نہیں۔" حمید نے کہا۔

"دیکھا پیارے بھائی۔" عمران سر ہلا کر بولا۔ "ابھی تمہاری رگوں میں خالص خون دوڑ رہے تھے اور اب ابے تبے سے باتیں کرنے لگے۔ گویا تم کسی تانگے والے کی اولاد ہو۔"

"ارے.... بے شرم کہیں کے۔" حمید جلدی سے بول پڑا۔ "پہلے اُسے دھوکا دیا اب تانگے والے کی اولاد بتا رہے ہو.... اور قاسم تم کھڑے سن رہے ہو.... میرا خیال ہے کہ تمہارے باپ نے کبھی تانگہ نہیں چلایا۔"

"بالکل نہیں چلایا۔" قاسم عمران کو خونخوار نظروں سے دیکھنے لگا۔ "بات بڑھ جاتی لیکن ٹھیک اسی وقت فریدی خیمے میں داخل ہوا۔"

"یہ کیا بے ہودگی مچا رکھی ہے تم لوگوں نے....!" اس نے کہا۔ پھر عمران سے بولا۔

"باہر تین آدمی کھڑے ہیں.... وہ ہمیں یہاں سے کہیں اور لے جانا چاہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ہمیں یہاں آرام نہیں ہے۔"

"کیا ابھی لے جائیں گے۔" عمران نے پوچھا۔

"ہاں ابھی....!"

"اب کیا خیال ہے۔"

"جو کچھ بھی وہ کہیں کرتے رہو۔ فی الحال یہی مناسب ہے۔"

"لیکن اوبران اور اس کے ساتھی۔"

"ان کا عدم تعاون بھی ہمارے لئے مفید ثابت ہوگا۔ میں پہلے بھی یہ خیال ظاہر کر چکا ہوں۔"

وہ خاموشی سے خیمے سے نکل آئے، اجنبیوں نے اوبران اور اس کے ساتھیوں کو باہر نکال لیا تھا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ اوبران نے خیمے سے نکلنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس پر اجنبیوں نے تشدد کی دھمکی دی۔ وہ سب نہتے تھے۔ اس لئے خاموش ہو رہے اور جو کچھ بھی کہا گیا تھا کان دبا کر کرنا پڑا۔

اب ان تینوں میں سے ایک ان سے کہہ رہا تھا۔ "دوستو! تم خود سوچ سکتے ہو کہ تمہارا کیا انجام ہوگا۔ تمہاری کیا حقیقت ہے۔ ہم یہاں تقریباً پانچ صد خونخوار قسم کے جنگلیوں کو کنٹرول

کرتے ہیں۔"

کوئی کچھ نہ بولا۔ عمران نے کچھ کہنا چاہا تھا لیکن فریدی نے اسے اشارے سے منع کر دیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہ ان کے بتائے ہوئے راستے پر چل رہے تھے۔

تین گھنٹے گذر گئے لیکن منزل کا کہیں پتہ نہ تھا۔ روزا اور کیلی کا بُرا حال تھا۔ وہ اس پر تیار نہیں تھیں کہ کوئی انہیں اٹھا کر لے چلے۔

کچھ دیر بعد انہیں سیاہ رنگ کی کچھ چمنیاں نظر آئیں.... جن سے دھواں نکل رہا تھا اور پھر بڑی بڑی عمارتیں بھی دکھائی دیں جو پتھروں سے بنائی گئی تھیں۔ وہ چلتے رہے اور پھر تھوڑی دیر بعد انہیں رکنے کو کہا گیا۔ وہ ایک عمارت کے دروازے پر رکے تھے۔ ایک آدمی نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور انہیں اندر چلنے کا حکم دیا۔ عمارت باہر سے جتنی بھدی نظر آئی تھی اندر سے اتنی ہی حسین نظر آئی.... یہ ایک بہت بڑا ہال تھا.... جس کی دیواریں شیشے کا طرح جھلکتی تھیں مگر یہ ہال چوکور نہیں تھا بلکہ اس کی بغلی دیواریں اس مناسبت سے ترچھی تھیں.... کہ اگر انہیں کچھ اور بڑھا دیا جاتا تو یہ ہال مثلث کی شکل اختیار کر لیتا.... ہال کے تنگ سرے پر ایک اسٹیج سا بنا ہوا تھا.... جس پر ایک شیشے کی دیوار تھی جو چھت سے جا ملی تھی اور ہال کا وہ حصہ شیشے کا ایک بہت بڑی صندوق معلوم ہوتا تھا.... شیشے کی دیوار کے پیچھے پانچ سفید فام آدمی نظر آئے.... وہاں کچھ مشینیں بھی تھیں.... جن کی نلکیاں شیشے کی دیوار سے گزر کر ہال کے کھلے ہوئے حصے میں نکلتی تھیں.... شیشہ اتنا صاف تھا کہ دوسری طرف کی ہر چیز بخوبی نظر آتی تھیں۔ وہ تین آدمی جو انہیں یہاں لائے تھے وہ بھی شیشے کی دیوار کے پیچھے چلے گئے۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی.... پھر ان میں سے ایک آدمی نے عمران کو اردو میں مخاطب کیا۔

"مسخرے احمق۔ ہم نے چاہا تھا کہ تم لوگ راہِ راست پر آجاؤ۔"

"ارے باپ رے۔" عمران بڑبڑایا۔ "یہ تو اردو بول رہا ہے۔ ہو گیا کباڑا۔"

"تم نے ہمیں دھوکہ دینے کی اسکیم بنائی ہے.... ہم سے فی الحال تقاضا کرو گے اور موقع کے منتظر رہو گے.... ہاہا.... لیکن ہم اس سے پہلے ہی تمہیں راہِ راست پر لائیں گے.... ادھر دیکھو! ہم یہاں صرف آٹھ آدمی ہیں اور پانچ سو جنگلیوں کو کنٹرول کرتے ہیں.... کیا یہ ہماری جسمانی قوت کا کارنامہ ہے۔"

"ہوگا بھئی.... میں یقین کئے لیتا ہوں۔" عمران نے کہا۔

"بکواس مت کرو۔ یہ تاریک وادی ہے۔ اگر تم یہاں ہمارے خلاف کچھ سوچو گے بھی تو ہمیں اطلاع ہو جائے گی۔ ہم تمہاری شخصیتوں تک کو بدل دینے کا دعویٰ رکھتے ہیں.... اور.... اب تمہارے ساتھ یہی کیا جائے گا تاکہ تم ہمارے کارخانوں میں کام کی دیکھ بھال کر سکو۔ ہمیں مہذب اور پڑھے لکھے آدمیوں کی ضرورت ہے۔"

"یہ کیا کہہ رہا ہے۔" او بران نے عمران سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" عمران بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "محض تمہاری ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے بات بڑھ گئی.... نہ تم اس مسئلے پر مجھ سے جھگڑا کرتے اور نہ اس کی نوبت آتی۔"

دفعتاً عمران نے ایک تیز قسم کی بو محسوس کی.... اور بے تحاشہ ہال کے دروازے کی طرف بھاگا.... یہاں یہی ایک دروازہ تھا.... لیکن اسے بند پایا۔ یہ بو اُس کے اعصاب پر بُری طرح حاوی ہوتی جا رہی تھی.... پھر ساتھیوں کی طرف پلٹا.... اور بدقت ان تک پہنچنے میں کامیاب ہو سکا.... کیونکہ اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے پیروں کی جان نکل چکی ہو.... اس نے اپنے اکثر ساتھیوں کو بھی بیٹھے دیکھا.... کئی تو بیٹھتے ہی فرش پر دراز ہو گئے تھے۔ فرش پر دراز ہو جانے والوں میں اسے فریدی بھی نظر آیا اور پھر وہ خود بھی کھڑا نہ رہ سکا.... اب یہ حالت تھی کہ صرف آنکھیں کھلی ہوئی تھیں.... اور سب کچھ دیکھ سکتی تھیں۔ لیکن جسم میں جنبش کرنے کی بھی سکت نہیں رہ گئی تھی۔ جب سبھی لمبے لمبے لیٹ گئے تو ہال کی چھت میں ایک طویل و عریض خلا نمودار ہوا جس سے وادی پر چھایا ہوا سفید بادل صاف نظر آیا تھا۔ آہستہ آہستہ وہ تیز قسم کی بو ہلکی ہوتی گئی اور پھر یک لخت غائب ہو گئی۔

مگر ان کی وہی کیفیت تھی.... وہ اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن سوچ سکتے تھے اور خائف ہو سکتے تھے۔

بُو کے غائب ہوتے ہی وہ آٹھوں آدمی ہال میں آگئے۔

"بولو.... دوستو.... اب کیا حال ہے۔" ان میں سے ایک آدمی نے کہا۔

"ایسی ہی چار منازل سے گزرنے کے بعد تم ہمارے لئے کار آمد ہو جاؤ گے۔ تمہارے دلوں میں کبھی بغاوت کا خیال بھی نہیں پیدا ہو سکے گا.... تم زیرولینڈ کے لئے جان تک دے دو گے۔

لیکن خوشی سے جان دو گے.... تمہیں اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔"

اچانک عمران نے فریدی کو ان پر چھلانگ لگاتے دیکھا.... وہ کسی بھوکے بھیڑیئے کی طرح ان پر ٹوٹ پڑا تھا.... اس کے دونوں ہاتھ کیا چل رہے تھے بس ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے بجلیاں کوند رہی ہوں۔

وہ آٹھوں اس غیر متوقع حملے سے بوکھلا گئے تھے.... لیکن اچانک ان تینوں آدمیوں میں سے ایک نے ریوالور نکال لیا جو انہیں یہاں تک لائے تھے اور پھر اس نے فائر جھونک مارا۔

عمران نے فریدی کو گرتے دیکھا.... اور اس کے حلق سے ایک بے تحاشہ قسم کی چیخ نکلی۔

"دیکھو.... دیکھو....!" ایک آدمی چلایا.... اور وہی آدمی فریدی کی طرف جھپٹا جس نے اس پر فائر کیا تھا.... عمران پاگل ہوا جا رہا تھا.... اس کی حالت بالکل ایسے شکاری کتے کی سی تھی جسے زنجیروں سے جکڑ دیا گیا ہو اور وہ اپنے آزاد ساتھیوں کو شکار کھیلتے دیکھ کر بے چین ہو اٹھے.... ایسے کسی موقع پر زنجیریں بھی توڑی جا سکتی تھیں.... مگر وہ اسے کیا کرتا کہ اس کا جسم ہی اس کے قابو میں نہیں تھا۔

فائر کرنے والا جھک کر فریدی کو دیکھنے لگا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے حلق سے ایک کریہہ سی چیخ نکلی کیونکہ وہ زمین سے کئی گز اونچا اچھل گیا تھا اور پھر زمین پر دوبارہ پہنچنے سے پہلے اسے ملک الموت نے جالیا۔ اسی کے ریوالور کی گولی اس کے سینے میں پیوست ہو گئی تھی.... اور ریوالور فریدی کے ہاتھ میں تھا۔

عمران کے ہونٹوں پر ایک شریر سی مسکراہٹ پھیل گئی.... جیسے یہ کارنامہ اسی کا رہا ہو۔

"ہاتھ اوپر اٹھاؤ....!" فریدی بقیہ سات آدمیوں کو گھورتا ہوا بولا۔

لیکن جواب میں بیک وقت دو فائر ہوئے۔ شیشے کی دیوار میں دو سوراخ ہو گئے۔ فریدی کو بچنے کے لئے زیادہ جدوجہد نہیں کرنی پڑی تھی۔ کیونکہ ان لوگوں کی بدحواسی کی وجہ سے نشانہ پہلے ہی خطا کر گیا تھا۔

لیکن فریدی نے جوابی فائر نہیں کیا.... اب عمران کی آنکھیں کھلیں۔ وہ اپنے سنگ آرٹ پر بہت نازاں تھا۔ لیکن یہاں دو آدمی فریدی پر متواتر گولیاں برسا رہے تھے اور ابھی تک اس کا بال بیکا نہیں ہوا تھا۔

پھر اس نے پے در پے دو فائر کئے اور وہ دو آدمی ڈھیر ہو گئے.... جنہوں نے دروازے کی طرف بڑھنے کی کوشش کی تھی.... وہ اپنے ریوالور کی گولیاں بہت احتیاط سے صرف کر رہا تھا.... ان دونوں کے ریوالور خالی ہو چکے تھے.... پھر یک بیک ایسا معلوم ہوا جیسے بقیہ پانچ آدمیوں کے دماغ الٹ گئے ہوں.... وہ اس کی پرواہ کئے بغیر کے فریدی کے ہاتھ میں ریوالور ہے اس پر چڑھ دوڑے.... فریدی کے ریوالور سے پے در پے دو شعلے نکلے.... دو آدمی اور گرے.... پھر اس نے ریوالور پھینک دیا کیونکہ وہ خالی ہو چکا تھا۔ بقیہ تین آدمی اس سے بھڑوں کی طرح چمٹ گئے تھے.... اور کوشش کر رہے تھے کہ اُسے گرا دیں.... فریدی تھوڑی دیر تک تو کھڑا اس طرح جھومتا رہا جیسے اس پر غشی طاری ہو رہی ہو.... مگر پھر یک بیک اس کے ہاتھ چلنے لگے.... اس کی قمیض کئی جگہ سے پھٹ گئی تھی اور چیتھڑے جھول رہے تھے۔ چہرہ حد درجہ بھیانک ہو گیا تھا۔ لیکن آنکھیں اس عالم میں بھی نیم غنودہ سی تھیں.... ویسے وہ فریدی کا چہرہ تو معلوم ہی نہیں ہو رہا تھا.... ذرا ہی دیر میں دو آدمی ڈھیر ہو گئے.... اب ایک آدمی رہ گیا تھا۔ لیکن اس نے فریدی سے رحم کی بھیک نہیں مانگی.... جب تک اس کے پیروں میں کھڑے ہونے کی قوت رہی.... ڈٹا ہی رہا.... مگر کب تک.... آخر کار اُسے بھی ڈھیر ہونا ہی پڑا۔

❁

تین گھنٹے..... بہت ہوتے ہیں! اگر آدمی بے دست و پا پڑا رہے..... تین گھنٹے بعد وہ اس قابل ہوئے کے اُٹھ کر بیٹھ سکیں..... فریدی کسی مافوق الفطرت ہستی کی طرح ان کے ذہنوں پر چھا گیا تھا!..... ہال میں آٹھ لاشیں پڑی ہوئی تھیں! ان میں سے بھی کوئی جانبر نہ ہو سکا تھا جن کی مرمت اس نے صرف ہاتھوں سے کی تھی!

روزا کیلی سے آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی! "یہ دیکھو یہ ہے کرنل فریدی! جسے تم کہانیوں کا شہر کہہ رہی تھیں..... بولو..... اب خاموش کیوں ہو؟..... کیا یہ سب تمہاری آنکھوں نے نہیں دیکھا..... کیا اس کے علاوہ اور کسی میں بھی اتنی سکت تھی کہ حالات کا رخ اس طرح موڑ سکتا.....! فریدی عظیم ہے ہر حال میں..... اور رہے گا!"

کیلی کچھ نہ بولی! چوتھے گھنٹے کا اختتام ان کے لئے مزید قوت لایا..... اور وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکے!

کارخانوں میں کام کرنے والے جنگلی اس نئے انقلاب سے بے خبر تھے۔ لیکن فی الحال انہوں نے ان کو چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہاں انہیں کئی اور بھی عمارتیں نظر آئیں جن میں مختلف قسم کے عجیب و غریب آلات اور مشینیں ملیں۔ یہ بھی حقیقت ہی تھی کہ وہاں ان آٹھ آدمیوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا.... وہ اپنا اطمینان کر لینے کے لئے مزید آدمیوں کو تلاش کرتے رہے.... مگر ایک بھی نہ مل سکا۔

کچھ دیر بعد عمران نے فریدی سے کہا۔ "آخر اب اس طرح بھٹکتے پھرنے سے کیا فائدہ۔"

"میں اس طیارے کی تلاش میں ہوں جس کے ذریعے وہ ہمیں یہاں لائے تھے۔ طیارہ نہیں بلکہ اڑن طشتری کہو۔"

"کیوں کیا آپ نے کوئی اڑن طشتری دیکھی تھی۔" عمران نے پوچھا۔

"وہی دیکھی تھی جس پر ہم یہاں آئے تھے۔"

"اوہ.... کیا آپ ہوش میں تھے۔"

"بالکل اسی طرح جیسے اس وقت ہوش میں تھا۔"

"مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس دن بھی آپ کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں نظر آئی تھی جس دن ہم یہاں پہنچے تھے اور ہم اس قابل نہیں تھے کہ اپنی قوت صرف کر کے کھڑے بھی ہو سکتے.... آخر آپ کیا پکا کر کھاتے ہیں۔"

"اوہو.... کچھ بھی نہیں۔" فریدی مسکرایا۔ "وہ تو ایک بہت معمولی سا واقعہ تھا۔ میں نے سانس روکنے کے سلسلے میں کافی مشق بہم پہنچائی ہے۔ یہی آرٹ اس رات بھی کام آیا تھا.... اور آج اس وقت بھی۔"

"کتنی دیر سانس روک سکتے ہیں آپ....!"

"کم از کم آدھے گھنٹے تک.... نہایت سکون کے ساتھ۔"

"ارے باپ رے۔" عمران آنکھیں نکال کر اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "جب اس رات بھی آپ ہوش میں تھے.... تو اسی قسم کا ہنگامہ وہاں بھی کیوں نہیں برپا کر دیا تھا۔"

"اسکیم یہی تھی مگر اڑن طشتری دیکھ کر ہی خیال بدل دیا تھا.... میں نے سوچا کہ اگر یہ مریخ

کے باشندے بھی ہوئے.... تو سودائیرانہ رہے گا.... کیونکہ پراسرار اڑن طشتریاں عرصے سے خاصا ہنگامہ برپا کئے ہوئے ہیں۔"

عمران تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا.... پھر بولا۔ "تو اس رات آپ بیہوش ہی نہیں ہوئے تھے۔ ظاہر ہے پھر کیوں نہ آپ....!"

عمران جملہ پورا نہ کر سکا.... کیونکہ طارق انہیں آواز دے رہا تھا۔ وہ رک گئے۔ طارق نے قریب آ کر کہا۔ "میں کیوں نہ ان جنگلیوں کو ان کی رہائی کا مژدہ سنا دوں۔"

"ہرگز نہیں.... تاوقتیکہ باہر نکلنے کی کوئی معقول صورت نہ نظر آ جائے۔"

"ان لوگوں سے کسی قسم کی گفتگو پریشانیاں ہی لائے گی۔ بہتر ہے کہ انہیں کسی تبدیلی کا احساس ہی نہ ہونے پائے۔"

"وہ دیکھو....!" طارق نے اپنی پیشانی تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "کیوں نہ ہم وہ جگہ بھی تلاش کرنے کی کوشش کریں جہاں کی مٹی نیل گوں ہے۔"

"ہیرے....!" فریدی مسکرایا۔ "یقین کیجئے کہ اب وہاں ایک ذرہ بھی نہیں ملے گا۔"

"ہم اس کی باتوں پر کیوں یقین کر لیں۔"

فریدی نے کچھ کہنا چاہا.... لیکن پھر خاموش ہی رہا.... سارا دن وہ اس اڑن طشتری کو تلاش کرتے رہے جس کا تذکرہ فریدی نے کیا تھا.... اسی دوران میں وہ نیلی مٹی والے خطے میں بھی جا نکلے۔ یہ مٹی کسی برادے کی راکھ معلوم ہوتی تھی اور کہیں کہیں جلے بھنے پتھر بھی نظر آ رہے تھے۔

فریدی محض طارق کے خیال سے وہاں رکا رہا کہ وہ اپنا اطمینان کر لے.... اسے بوڑھے سنجیدہ اور عقل مند طارق کا یہ بچپنا شدت سے کھل رہا تھا۔ کچھ دیر بعد طارق نے بالکل بچوں ہی کے سے انداز میں کہا۔ "جیسا کہ اس کا خیال تھا کہ اگر یہاں کی کھدائی کی جائے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس کھدائی سے بہتر یہ ہوگا کہ فرصت کے اوقات میں اپنی قبریں کھودا کریں۔" حمید بولا۔ "کیونکہ اگر ہیرے مل بھی گئے تو انہیں لے کہاں جائیں گے۔"

طارق اس پر خاموش ہو گیا تھا۔ لیکن صاف ظاہر تھا کہ اسے حمید کا یہ ریمارک بہت گراں گزرا تھا۔

فریدی اور عمران دونوں ہی سوچ رہے تھے کہ اگر اس دوران میں اسی تنظیم سے تعلق رکھنے

والا کوئی آدمی کسی دوسری جگہ سے یہاں آگیا تو مزید دشواریاں بھی پیدا ہو سکتی ہیں۔

وہ بڑی تندہی سے اڑن طشتری کی تلاش میں لگے رہے۔ بالآخر تیسرے دن حمید نے ایک ایسی جگہ دریافت کی جہاں پڑی ہوئی چٹانیں کچھ غیر قدرتی سی معلوم ہو رہی تھیں.... عمران نے بھی حمید کے شبے کی تائید میں مزید شبہ ظاہر کیا.... اور پھر اس جگہ کا تفصیلی جائزہ لینے کی ٹھہری۔

حمید کا شبہ غلط نہیں نکلا.... چٹانوں کی جگہ تبدیل کرنے میں یقینی طور پر انسانی ہاتھ نے کام کیا ہوگا۔

جیسے ہی اوپر چڑھ کر چٹانوں کے قریب پہنچے.... انہیں چالیس پچاس فٹ گہرا ایک غار دکھائی دیا جس کی ساخت کنوئیں کی سی تھی۔ قطر کم از کم دو سو فٹ ضرور رہا ہوگا.... اور پھر اس غار کی تہہ میں انہیں ایک اڑن طشتری نظر آئی.... مگر عمران نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور درد ناک آواز میں بولا۔ "یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ ہم اسے استعمال کر ہی سکیں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ غار کے گرد چل رہے تھے۔ ایک جگہ انہیں زینے نظر آئے فریدی کے اشارے پر حمید اور عمران بھی اس کے عقب میں اترتے چلے گئے۔

پھر وہ اڑن طشتری میں بھی داخل ہو گئے.... وہ اندر سے ایک بڑا گول کمرہ معلوم ہوتی تھی ایک جانب کچھ مشینیں نظر آ رہی تھیں۔

عمران کے منع کرنے کے باوجود بھی فریدی نے ایک مشین پر ہاتھ ڈال دیا اور سامنے ڈیش بورڈ پر دو فٹ لمبی اور ایک فٹ چوڑی اسکرین روشن ہو گئی۔ ساتھ ہی اڑن طشتری سے اس قسم کی آواز نکلنے لگی.... جیسے کسی بہت بڑے برتن میں سینکڑوں من پانی کھول رہا ہو۔

"ادھر اسکرین کی طرف دیکھو۔" فریدی نے ان دونوں سے کہا۔ اب اسکرین پر ایک اڑن طشتری کی تصویر بھی نظر آ رہی تھی۔ انہوں نے محسوس کیا کہ اڑن طشتری کی تصویر بھی متحرک نظر آنے لگی تھی اور وہ اوپر ہی طرف اٹھتی معلوم ہو رہی تھی۔ فریدی نے انہیں بتایا کہ یہی اسکرین ہی اس کے کنٹرول کا ذریعہ ہے۔ یہ گرد و پیش کے مناظر کے ساتھ ہی ساتھ اس اڑن طشتری کی پوزیشن بھی واضح کر دیتی ہے۔ مثلاً یہ دیکھو اوپر طشتری کی راہ میں ایک نکیلی چٹان حائل ہے۔ اگر راستہ کاٹا نہ گیا تو یہ اس چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے گی۔ دیکھو میں اسے بچاتا ہوں۔ فریدی نے ایک پرزے پر ہاتھ رکھا.... اور اسکرین پر اڑن طشتری کی تصویر ایک طرف کھسکنے

لگی حتیٰ کہ نوکیلی چٹان اس سے بہت دور ہو گئی۔ پھر طشتری کی تصویر کے اوپر بادل نظر آنے لگے۔

"دیکھو....! ہم اوپر چھائے ہوئے بادلوں کے قریب پہنچ رہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"میں کہتا ہوں آپ کو اس کے پائیلٹ کرنے کا طریقہ کیسے معلوم ہو گیا۔" عمران نے پوچھا۔

"میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں اس رات بے ہوش نہیں ہوا تھا.... میں نے خصوصیت سے اس حیرت انگیز طیارے کے متعلق ایک ایک تفصیل ذہن میں رکھی تھی۔"

کچھ دیر بعد فریدی نے اسے نہایت اطمینان سے تاریک وادی کی عظیم الشان قدرتی دیوار کے ایک حصے پر اتار دیا۔ اس طرح انہیں یہ معلوم کرے بے حد خوشی ہوئی کہ اب وہ آزاد ہیں۔

❁

کیتو کے لئے وہ رات بڑی حیرت انگیز تھی جب وہاں ایک بہت بڑی اڑن طشتری ہوائی اڈے پر اتری۔ لیکن چونکہ اوبران کی مہم ایکویڈور کی حکومت کی اجازت سے وہاں داخل ہوئی تھی اس لئے حالات ان کے موافق ہی رہے۔

انہوں نے تاریک وادی سے ایک ایک متنفس کو نکال لیا۔ فریدی کو اس سلسلے میں درجنوں بار اوپر سے نیچے جانا پڑا تھا اور وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں اس طشتری کا ایندھن ہی نہ ختم ہو جائے۔ جنگلی اوپر لا کر چھوڑ دیئے گئے تھے اور پھر ان میں سے جس کے جدھر سینگ سمائے نکل بھاگا تھا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی چھوٹے سے پنجرے میں بہت سے پرندے بند رہے ہوں اور راہ فرار ملتے ہی بھرا مار اڑ گئے ہوں۔

کیتو پہنچ کر فریدی نے اوبران عمران اور کرامویل کو الوداع کہی۔

"میں آپ کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔" اوبران نے کہا۔

"لیکن اسے بھول جانا کہ میں بھی اس مہم میں شریک تھا۔"

"کیوں کرامویل کے لہجے میں حیرت تھی۔"

"میں قانونی طور پر اس مہم میں شریک نہیں تھا اس لئے میں نہیں چاہتا کہ اس سلسلے میں ہم لوگوں کا نام لیا جائے۔"

"مگر ہم لوگوں کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔" اوبران نے کہا۔

"اعتراض ہو یا نہ ہو.... میں اسے پسند نہیں کرتا۔"

فریدی، حمید، قاسم اور طارق کیتو سے کیلیفورنیا کے لئے روانہ ہوگئے۔ طارق کی تجویز تھی کہ وہ سب کچھ دنوں تک اس لاحاصل سفر کی کوفت دور کریں۔

کچھ دن بعد انہیں معلوم ہوا کہ تاریک وادی پر باقاعدہ طور پر چڑھائی کی گئی تھی۔ اس مقصد کے لئے اسی اڑن طشتری کو استعمال کیا گیا تھا.... لیکن وہاں انہیں اب نہ وہ بادل دکھائی دیئے اور نہ انہیں ان کارخانوں کا سراغ ہی مل سکا جو انہوں نے وہاں دیکھے تھے۔ اس کے بجائے وہ وادی اب سمندر کا ایک ٹکڑا معلوم ہو رہی تھی.... حد نظر پانی ہی پانی موجیں مارتا ہوا نظر آتا تھا۔

فریدی کو یہ اطلاع لاس اینجلز میں ملی تھی اور اس نے کہا تھا۔ "میں کسی دن دنیا کو بتاؤں گا کہ زیرو لینڈ کہاں ہے۔"

تمام شد

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

ابنِ صفی

جلد نمبر
25

جاسوسی دنیا

76- وبائی ہیجان

77- اونچا شکار

78- آوارہ شہزادہ



پیشرس

جاسوسی دنیا کا چھہترواں ناول حاضر ہے.... یہ بھی تاخیر ہی سے پیش کر رہا ہوں۔ اگر ایک بار ڈیوڑھ بگڑ جائے تو پھر دوبارہ اعتدال بھی آنے کے لئے خاصی جدوجہد کرنی پڑتی ہے اور پھر آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ آج کل کراچی کا موسم کیسا جا رہا ہے۔ ایسے موسم میں اگر کوئی لکھنے بیٹھے تو کیا لکھے گا اور کتنا لکھ سکے گا۔ پھر بھی آپ بس یہ سمجھ لیجئے کہ میں نے اس بار آنچ اور انگاروں میں بیٹھ کر قہقہوں کی جنت تعمیر کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس کہانی میں حمید آپ کو ایک ایسے روپ میں نظر آئے گا، جس روپ میں آپ نے اُسے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ کچھ دیر قاسم صاحب سے بھی ملاقات رہے گی۔ مگر اس ملاقات کے اثرات کافی دیرپا ثابت ہوں گے۔ یعنی آپ کو جب بھی یہ سچویشن یاد آئے گی۔ آپ بے ساختہ ہنس پڑیں گے۔ شہر میں ایک عجیب و غریب وبا پھیلتی ہے اور حمید بھی اس وبا کا شکار ہو جاتا ہے۔ فریدی اس وباء سے بچنے کے لئے شاید وقتی طور پر شہر ہی چھوڑ دیتا ہے۔

یہ کہانی بھی میری دوسری کہانیوں کی طرح اپنا ایک الگ انداز رکھتی ہے۔ کہانی میں آپ کو کئی نکتے ایسے بھی ملیں گے، جن پر تفصیل سے روشنی نہیں ڈالی گئی۔ ان پر آپ خود غور کیجئے کہ ایسا کیونکر ہوا ہوگا۔ یا اس کے بعد کیا ہوا ہوگا۔

ابن صفی

کھوپڑی

نادر محل ایک بہت پرانی عمارت تھی۔ اس کے بعض حصے ٹوٹ کر کھنڈر میں تبدیل ہو گئے تھے، لیکن اس کے باوجود بھی صحیح و سالم حصوں میں پہنچنے کے لئے صدر دروازے کا قفل کھولنا ضروری تھا یا پھر دوسری صورت یہ ہو سکتی تھی کہ بیس بائیس فٹ اونچی دیواریں پھلانگی جائیں۔

یہ عمارت پچھلے دور کی یادگار تھی اور شہر کے اس حصے میں آباد تھی جسے آج بھی پرانے شہر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہاں کی اکثر عمارتیں پرانی اور مرمت طلب تھیں، لیکن بہت کم ایسی تھیں، جو آباد نہ ہوں۔ غیر آباد عمارتوں میں نادر محل بھی تھا۔ ایک دن آس پاس والوں کو معلوم ہوا کہ نادر محل بھی کرائے پر اٹھ گیا ہے۔ اس کے مالکان نئے شہر کے ایک جدید طرز پر آباد حصے میں رہتے تھے۔

کرائے پر اٹھنے کی خبر تو انہیں ملی تھی لیکن ابھی تک اسمیں کسی نے رہائش نہیں اختیار کی تھی۔

تین چار دن بعد نادر محل کے صدر دروازے پر ایک ٹیکسی رکی اور چار آدمی اترے جن کے جسموں پر بہترین قسم کے سوٹ تھے۔ ان میں سے ایک نے صدر دروازے کا قفل کھولا اور وہ چاروں اندر داخل ہو گئے۔

صدر دروازہ اندر سے بند کر دیا گیا۔ اب وہ ایک لمبی سی نیم تاریک راہداری میں تھے، جو ابابیلوں اور چمگادڑوں کی بیٹ کی بدبو سے گونج رہی تھی۔

راہداری سے گزر کر وہ صحن میں آئے۔ یہاں چاروں طرف جھاڑ جھنکاڑ نظر آ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سالہا سال سے کوئی ادھر نہ آیا ہو۔

چاروں وحشت زدہ سے نظر آنے لگے۔ دفعتاً ان میں سے ایک نے ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا جس پر ایک چھوٹی سی سرخ جھنڈی لہریں لے رہی تھی۔

وہ صحن سے گذر کر وسیع دالان میں پہنچے۔ یہیں کے ایک دروازے پر جھنڈی لہرا رہی تھی۔

چوڑے شانے والے آدمی نے مڑ کر اپنے تینوں ساتھیوں کی طرف دیکھا اور پھر دروازے میں داخل ہو گیا۔ اُسے توقع تھی کہ یہ کمرہ بھی نیم تاریک اور گرد و غبار کے اٹا ہوا ہو گا لیکن اس کے برخلاف اس کی صاف ستھری فضا نے اسے متحیر ہونے پر مجبور کر دیا۔ بڑے بڑے روشندانوں سے روشنی اندر آ رہی تھی اور یہاں اُس قسم کی بدبو کا نام و نشان تک نہیں تھا جس سے گزر کر وہ صحن میں پہنچے تھے۔

کمرے کے وسط میں چمکدار سطح والی ایک بڑی سی میز بچھی ہوئی تھی لیکن اُس پر جو چیز نظر آئی اس نے اس کے قدم روک دیئے۔ یہ کسی آدمی کی کھوپڑی کی ہڈی تھی۔ شفاف اور چمکدار دانتوں کی سفید سفید قطاریں بڑی بھیانک لگ رہی تھیں۔

چوڑے شانے والا اپنے ساتھیوں سے کچھ آگے بڑھ آیا تھا۔ اس نے ایک بار پھر اُن کی طرف مڑ کر دیکھا۔ تینوں کے چہرے دھواں ہو رہے تھے۔ انہوں نے بیک وقت اپنے ہونٹوں پر زبانیں پھیریں۔

وہ چند لمحے اُن کی طرف دیکھتا رہا لیکن کسی کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ یہ ایک دراز قد اور مضبوط جسم کا آدمی تھا۔ شانے نمایاں طور پر چوڑے تھے اور بال ہٹلر کی سی اسٹائل میں پیشانی پر جھولتے رہتے تھے۔

وہ بڑی توجہ اور دلچسپی سے اس کھوپڑی کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر میز کی طرف بڑھا۔

"ٹھہرو....!" اس کا ایک ساتھی ہاتھ اٹھا کر پھنسی پھنسی سی آواز میں بولا۔ "پتہ نہیں یہ کون سا شیطانی چکر ہے۔ ہمیں محتاط رہنا چاہئے۔"

چوڑے شانے والے نے لاپروائی سے گردن جھٹک کر کھوپڑی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"نہیں....!" دوسرے نے بھی اُسے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن اس کا ہاتھ کھوپڑی پر پڑ ہی گیا مگر پھر جھٹکے کے ساتھ ہٹ آیا۔ کھوپڑی سے عجیب قسم کی آواز نکلی تھی.... اور پھر اُس نے دائرے کی شکل میں میز پر ناچنا شروع کر دیا۔

دروازے کے قریب کھڑے ہوئے تینوں آدمی ایک دوسرے پر گرتے پڑتے ہوئے بھاگ نکلے لیکن چوڑے شانے والا میز پر دونوں ہاتھ ٹیکے قدرے جھکا ہوا کھوپڑی کا ناچ دیکھتا رہا۔ نہ اس کی آنکھوں میں حیرت تھی اور نہ خوف کی جھلکیاں تھیں بلکہ انکے برخلاف حقارت جھانک رہی تھی۔

یک بیک اس نے پھر ہاتھ بڑھایا اور ناچتی ہوئی کھوپڑی کو پکڑ لیا۔ کھوپڑی رک گئی اور اب اُس سے خارج ہونے والی بھنبھناہٹ بھی رک گئی تھی۔ لیکن جیسے ہی اُس نے اُسے میز سے اٹھایا بھنبھناہٹ کی آواز پھر خارج ہونے لگی۔

اس نے کھوپڑی کے نچلے حصے کو اپنی طرف کر لیا۔ تین چھوٹے چھوٹے پہیے بڑی تیزی سے گردش کر رہے تھے اور ان کی یہی گردش بھنبھناہٹ کی آواز پیدا کر رہی تھی۔

وہ اسے اسی طرح اٹھائے رہا اور تھوڑی دیر بعد پہیوں کی گردش تھم گئی۔ چوڑے شانے والے کے ہونٹوں پر ایک حقارت آمیز مسکراہٹ تھی۔ اس نے کھوپڑی کو میز پر ڈال دیا اور متجسسانہ نظروں سے ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ اُس قدیم عمارت کے ایک ایک گوشے میں چکراتا پھر رہا تھا۔ اسے اپنے اُن ساتھیوں کی بھی پرواہ نہیں تھی، جو کچھ دیر پہلے ڈر کر وہاں سے بھاگ نکلے تھے۔ پوری عمارت کا چکر لگا لینے کے بعد وہ پھر اُسی کمرے میں واپس آ گیا جہاں اُس نے میز پر کھوپڑی چھوڑی تھی۔ مگر اب اُس کھوپڑی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اُس نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی اور کمرے سے باہر نکل آیا.... لیکن اس کے انداز سے خوف نہیں ظاہر ہو رہا تھا اس کے برعکس اس کی آنکھوں میں شوخیوں اور شرارتوں کی بجلیاں کوند رہی تھیں۔

وہ بچے تلے قدم اٹھاتا ہوا عمارت سے باہر آ گیا۔ صدر دروازہ دوبارہ مقفل کر کے وہ ٹیکسی کی طرف چل پڑا۔ ٹیکسی میں اُس کے تینوں ساتھی موجود تھے۔ اُسے دیکھ کر اُن کے چہرے کھل اٹھے۔

وہ خاموشی سے ڈرائیور کے پاس جا بیٹھا۔ ڈرائیور کچھ نروس سا نظر آ رہا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ وہ اس کے تینوں ساتھیوں کی بدحواسی دیکھ کر پریشان ہو گیا ہو۔

"چلو....!" چوڑے شانے والا غرایا۔

ٹیکسی چل پڑی۔ وہ سب خاموش تھے۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ گرین اسکوائر کے ایک ہوٹل کے سامنے ٹیکسی سے اتر گئے۔

شام کے تین بجے تھے۔ ابھی ہوٹلوں میں اتنی بھیڑ نہیں ہوئی تھی کہ انہیں کوئی خالی میز نہ ملتی۔ وہ ایک گوشے میں جا بیٹھے۔

چوڑے شانے والا اپنے ساتھیوں کو خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔

"ہم کیا کرتے ناگر....!" دفعتاً اُس کے ساتھیوں میں سے ایک نے کہا۔ "ہمیں اس کی توقع نہیں تھی کہ وہاں....!"

"ایک ایسی کھوپڑی سے ملاقات ہوگی، جو بڑے بڑے ہاتھوں کو چبائے بغیر نگل لیتی ہے۔" ناگر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"سنو یار....!" دوسرا ساتھی میز پر ہاتھ مار کر بولا۔ "یہ کام ہمیں پاگل بنا دے گا۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ان حرکتوں کا مقصد کیا ہے۔"

"کیا اب تک تمہیں کسی کو دھوکا دینا پڑا ہے؟" ناگر غرایا۔

"نہیں....!"

"کسی کو قتل کرنا پڑا ہے؟"

"نہیں۔"

"پھر کیوں دم نکل رہا ہے۔ کیا تمہیں معقول معاوضہ نہیں مل رہا ہے۔ اس پکڑ دھکڑ کے زمانے میں جب تم قرضوں کے بار سے لدے جا رہے تھے اور فاقوں کی نوبت پہنچ گئی تھی کیا یہ ملازمت ایک آسمانی انعام سے کم درجہ رکھتی ہے۔"

"ہم صرف مقصد جاننا چاہتے ہیں ناگر....!" تیسرے آدمی نے کہا۔

"مقصد تو مجھے بھی نہیں معلوم۔" ناگر نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔

"اگر ہمیں کسی کو قتل کرنا پڑا ہوتا تو ہم مطمئن ہو جاتے۔ چین سے سو سکتے لیکن ایسے حالات میں....!"

"تم اب بھی چین سے سو سکتے ہو۔"

"نہیں ایسے حالات میں ممکن نہیں۔"

"حالات ہی سے پیچھا چھڑا لو۔ تمہیں کسی نے پکڑ نہیں رکھا ہے۔" ناگر نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

ایک ناگوار سی خاموشی چھا گئی۔ انہوں نے ناگر کا یہ جملہ اچھے دل سے نہیں سنا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ایک نے طویل سانس لے کر کہا۔ "تم اپنی کہو۔ وہ کھوپڑی کیسی تھی۔"

"بس کھوپڑی....!" ناگر مسکرایا۔ "اور... اور ناچ رہی تھی... پھر ناچتے ناچتے غائب ہو گئی۔"

"غائب ہو گئی۔" تینوں نے بیک وقت کہا۔

"ہاں غائب ہو گئی۔" ناگر نے لاپروائی سے کہا۔

"اوہ.... تم تو اس طرح کہہ رہے ہو جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔"

"کیا بات ہوئی۔" ناگر مسکرایا۔ "اگر غائب نہ ہو گئی ہوتی تو دیکھتا کہ وہ کیا بلا تھی۔"

"کیا تم ہمیں ڈرانا چاہتے ہو۔"

"میں.... نہیں تو.... تم خود ہی ڈر کر بھاگے۔"

"یہ ہیں رستم کے بھتیجے۔" ایک نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "تم خواہ مخواہ اپنی کھوپڑی خالی نہ کرو۔"

"ورنہ وہ بھی خالی ہو کر ناچنے لگے گی۔" ناگر نے قہقہہ لگایا۔

"اب یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی ہے۔" تیسرا بولا، جو دیر سے خاموش تھا۔

"ناگر ہی ہمیں بیوقوف بنا رہا ہے۔"

"اور تم پر ہزاروں روپے خرچ کر کے بیوقوف بن رہا ہے۔" ناگر نے مسکرا کر کہا۔

"کون جانے کوئی لمبا چکر ہو۔ لاکھوں کے وارے نیارے ہوں اور ہمیں بیوقوف بنا کر صرف ہزاروں سے کام نکالا جا رہا ہو۔ ناگر کو کون نہیں جانتا۔"

"دیکھو....!" ناگر نے دفعتاً سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "تم لوگ مجھے جواب دہ نہیں ہو اور نہ میں نے تمہیں نوکر رکھا ہے۔ اگر تم الگ ہونا چاہتے ہو تو شوق سے ہو جاؤ۔ یہاں تو آم کھانے سے مطلب ہے۔ اگر ہو سکا تو گٹھلیوں کے بھی دام وصول کرنے کی کوشش کریں گے۔ البتہ درخت وہی گنتا پھرے جس نے لگائے ہوں۔"

"آہا.... تو کیا ہم یہ سمجھ لیں کہ ناگر کو اس لونڈیا سے روٹیاں ملتی ہیں۔"

"تمہیں کس سے ملتی ہیں۔" ناگر نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔ "ناگر کا وقت بگڑ گیا ہے۔ اس لئے تم لوگ اُس سے اس لہجے میں گفتگو کرنے کی ہمت کر رہے ہو۔"

"کرنل فریدی کی وجہ سے بہتوں کا وقت بگڑ گیا ہے اکیلے تم ہی نہیں ہو۔"

"کچھ بھی ہو! میں تھوڑے دنوں تک ہاتھ پیر بچا کر رہنا چاہتا ہوں، اُس کے بعد کرنل فریدی کو بھی دیکھوں گا۔ یہ چیز میرے ذہن سے کبھی نہیں نکل سکتی کہ میں اس کی وجہ سے کوڑی کوڑی کا محتاج ہو رہا ہوں۔ تین جوئے خانے بند کرنے پڑے.... ایک پرستانی اڈہ ختم کرنا پڑا.... اور....!"

وہ چاروں اس سمت دیکھنے لگے جدھر سے ایک اسمارٹ قسم کی یوریشین لڑکی تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی ان کی طرف آ رہی تھی۔ یہ سرمئی پتلون اور سفید سلکن جیکٹ میں بڑی دلکش لگ رہی تھی۔ اس کے بال سنہرے اور گھونگھریالے تھے۔

وہ احتراماً کھڑے ہو گئے۔ لڑکی نے سر ہلا کر شاید خوشی ظاہر کی تھی اور اس کی آنکھیں پہلے سے بھی زیادہ گہری نیلی نظر آنے لگی تھیں۔

ایک نے اس کے لئے میز کے قریب کرسی کھسکائی اور اس نے اس کا شکریہ ادا کر کے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "اس کا خیال ہے کہ اس کا یہ تجربہ تم لوگوں کے لئے تھوڑا بہت پریشان کن ثابت ہوا ہوگا۔" پھر وہ ناگر کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

ناگر کی آنکھوں میں سوال تھا.... شاید وہ اس مسکراہٹ کا مطلب معلوم کرنا چاہتا تھا۔

"آج تصفیہ ہو گیا مسٹر ناگر....!" لڑکی نے کہا۔

"کس بات کا تصفیہ۔"

"یہ لوگ تمہارے چارج میں رہیں گے.... باس کا خیال ہے کہ تم بہتر طور پر ان کی رہنمائی کر سکو گے۔"

"اس خیال کی وجہ....!" ناگر مسکرایا.... وہ اُس کے گھونگھریالے بالوں میں جیسے کچھ تلاش کر رہا تھا۔

"ناچنے والی کھوپڑی.... باس تمہیں ایک مضبوط دل والا اور ذہین آدمی سمجھتا ہے۔"

ناگر نے اپنے ساتھیوں کی آنکھوں میں بے اعتباری کی جھلکیاں دیکھیں.... اور پھر مسکرا کر بولا۔ "مگر ان لوگوں کا خیال ہے کہ باس میں ہی ہوں۔"

"میں اور تم کوئی ایسا پلاٹ بنا رہے ہیں.... کوئی ایسا پلاٹ....!" وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

لڑکی نے ایک سریلا سا قہقہہ لگایا۔ "حالات ہی ایسے ہیں مسٹر ناگر۔ ہم میں سے کوئی بھی کسی پر اعتماد نہیں کر سکتا.... مگر چونکہ ابھی تک میری دانست میں ہم لوگوں کے ذریعہ کوئی غیر قانونی حرکت نہیں ہوئی۔ اس لئے سوچتی ہوں کہ....!"

"ٹھیک سوچتی ہو تم....!" ناگر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اس مسئلے پر بحث کرنا وقت ضائع کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں.... اب یہ بتاؤ کہ مجھے احکامات تمہارے توسط سے ملیں گے یا براہِ راست....!"

"فی الحال میرے ہی توسط سے....!"

"یہ بڑی اچھی بات ہے.... یہ بڑی اچھی بات ہے....!" ناگر بے حد خوش نظر آنے لگا تھا اور اُس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"کیوں....؟" لڑکی چونک کر اُسے استفہامیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"اوہ.... کک.... کچھ نہیں۔" ناگر بغلیں جھانکنے لگا۔

لڑکی نے بھی بات اڑا دی۔ اُن میں سے ایک نے ویٹر کو اشارے سے بلا کر کچھ منگوایا تھا.... تھوڑی دیر بعد چائے آ گئی جس کے ساتھ جھینگے اور سینڈوچز بھی تھے۔ ناگر کے تینوں ساتھی غیر مطمئن نظر آ رہے تھے۔ چائے کے دوران میں وہ خاموش ہی رہے۔ اس کے بعد لڑکی نے کہا کہ ناگر اُس سے چھ بجے شام کو میونسپل گارڈن میں ملے۔

پھر وہ چائے پئے بغیر اٹھ گئی۔ وہ چاروں ہی اُسے پر اشتیاق نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اُس کے چلنے کا انداز بے حد دلکش تھا۔

"چلو.... یہ بھی ایک ہی رہی۔" تھوڑی دیر بعد ایک آدمی بولا۔ "اب ہماری نکیل ناگر کے ہاتھوں میں ہے یعنی کہ....!"

وہ خاموش ہو کر ناگر کی طرف دیکھنے لگا۔ ناگر مسکرا رہا تھا۔

"تو یہ کھوپڑی کا قصہ دراصل ہمارا امتحان تھا.... کیوں ناگر۔" دوسرا بولا۔

"نئی اطلاع سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔" ناگر نے لاپروائی سے کہا۔

"اچھا.... اب اگر ہم کام کرنے سے انکار کر دیں تو....!"

"میرا کیا بگڑے گا اس سے.... مجھے صرف اتنا ہی کرنا ہوگا کہ تمہارے فیصلے کی اطلاع باس

کو دے دوں۔"

"اس کے بعد پولیس بھی ہماری مہم پہنچائی ہوئی اطلاعات سے فائدہ اٹھا سکتی ہے۔"

یک بیک ناگر بے حد سنجیدہ نظر آنے لگا۔

"جب تک ناگر اس کھیل میں شریک ہے تم ایسا نہیں کر سکو گے۔" ناگر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا سانپ کی طرح پھپھکارا۔ "یہ نہ سمجھو کہ میں بالکل ہی بے دست و پا ہو گیا ہوں۔ وقتی مصلحت تھی کہ میں نے اپنے جوئے خانے بند کر دیئے، ورنہ ناگر کے بازوؤں میں اب بھی قوت موجود ہے اور اس کا جوڑ توڑ کرنے والا ذہن بھی آزاد ہے۔"

"تم ہمیں دھمکی دے رہے ہو۔" ایک نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"صرف ایک معاملہ صاف کیا ہے۔" ناگر نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔ "صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے الگ ہو کر بھی خسارے ہی میں رہو گے۔ میں آج بھی اپنے راستے پر آئے ہوئے روڑوں کو ٹھوکر مار کر ایک طرف ہٹا سکتا ہوں۔"

"ارے یار تم مذاق کو لے دوڑے۔ ختم بھی کرو۔"

"چلو.... ختم....!" ناگر نے کہا اور ہنس پڑا۔

"وہ چھ بجے تم سے ملے گی۔" ایک نے پوچھا۔

"ہاں.... آں۔"

"اور وہاں ہم میں سے کوئی بھی نہ ہو گا۔"

"قطعی....!"

"اگر ہم میں سے کوئی موجود ہوا تو....!"

"اُسے ہم سے کم از کم اتنے فاصلے پر رہنا پڑے گا کہ وہ ہماری گفتگو نہ سن سکے۔"

انہوں نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"میں سمجھتا ہوں۔" ناگر اپنے پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ "یہ چیز تمہارے ذہنوں سے نہیں نکل سکتی کہ میں ہی باس ہوں۔"

وہ کافی دیر تک اسی مسئلے پر گفتگو کرتے رہے پھر ناگر ہی وہاں بیٹھا رہ گیا۔ اس کے تینوں ساتھی اٹھ گئے تھے۔

ناگر تھوڑی دیر تک وہیں بیٹھا رہا پھر اٹھ کر کاؤنٹر کلرک کے قریب آیا۔ یہ ایک سیاہ فام مگر اچھے ناک نقشے والی لڑکی تھی۔

"میری کوئی کال....!" اُس نے لڑکی سے پوچھا۔

"نہیں.... ناگی.... اوہ.... سنو تو.... تم آج کل عموماً بہت جلدی میں رہتے ہو۔ کیا تم مجھے نہ بتاؤ گے کہ وہ لڑکی کون ہے؟"

"وہ میری ایک ملنے والی ہے برتھی۔ کہو یہاں تمہارا دل لگ رہا ہے نا۔ کیوں لگتا ہو گا.... گھبراؤ نہیں میں پھر کاروبار شروع کرنے والا ہوں۔ اچھا.... چیریو.... میری کالوں کا خیال رکھنا۔"

وہ صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

چیخیں

لیڈی انسپکٹر ریکھا نے پکنک کا پروگرام بڑی خاموشی سے بنایا تھا اور پکنک پارٹی میں سب لڑکیاں ہی تھیں۔ ان کی تعداد دس تک پہنچ گئی تھی۔ لڑکیاں سب محکمے ہی کی تھیں۔

پروگرام بنانے میں رازداری اس لئے برتی گئی تھی کہ کہیں کیپٹن حمید کے کانوں میں بھنک نہ پڑ جائے۔ مگر ان میں کچھ لڑکیاں ایسی بھی تھیں جن کے لئے حمید کی موجودگی ہی سب سے بڑی تفریح ہوتی۔ بس ایک نے حمید تک پہنچا ہی دی یہ بات۔

اتوار کی صبح تھی۔ وہ سب فن آئی لینڈ کی طرف روانہ ہو گئیں۔ ان کے ساتھ کھانے پینے کا بہترین سامان تھا۔ ریکھا کی ایک خالہ مرغ مسلم کی اسپیشلسٹ تھی۔ اس لئے ظاہر ہے کہ اس موقع پر اُس کے باسکٹ میں دو چار مرغ مسلم کیوں نہ ہوتے۔ ہلداٹپل جو سپرنٹنڈنٹ کی اسٹینو تھی اپنے باسکٹ میں صرف کچی اور ک ملے ہوئے قیمے کے سموسے بھر لائی تھی۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اس قسم کے سموسوں کی لذت کا راز صرف ان کے خاندان والوں کو معلوم تھا، جو سینہ بہ سینہ اُس تک بھی پہنچا تھا۔ جولیا ڈرینہام صرف پڈنگ لائی تھی اور پڈنگ بھی ایسی، جو اُس کے خیال کے مطابق ہنری ہشتم ہی کے خاندان کا راز تھا، جو سینہ بسینہ جولیا ڈرینہام تک چلا آیا تھا۔

ثریا اکبر مونگ کے پاپڑ لائی تھی جس کا نسخہ اس کی دادی اپنے ساتھ لیتی چلی گئی تھی لیکن پھر

غلطی کا احساس ہوتے اُسے بواپسی ڈاک ثریا تک پہنچانا پڑا تھا۔

غرضیکہ جتنی بھی چیزیں تھیں سب پر اسپیشل کی چھاپ لگی ہوئی تھی۔

فن آئی لینڈ پہنچ کر انہوں نے ایک سرسبز ٹیکرہ منتخب کیا۔ جس پر ایک سایہ دار درخت بھی تھا۔

تھوڑی دیر بعد تفریح شروع ہو گئی۔ کسی نے گراموفون سنبھال لیا اور کوئی تھرکنے لگی۔ کچھ تاش کھیلنے بیٹھ گئیں اور کچھ سبزے پر چت لیٹ کر ٹھنڈی اور خوشگوار ہوا اپنے پھیپھڑوں میں بھرنے لگیں۔

پھر ایک خوش رنگ پرندے کو پکڑنے کے لئے انہیں ٹیکرے سے نیچے بھی اترنا پڑا۔ یہ پرندہ نہ جانے کدھر سے آیا تھا، جو زیادہ دور تک نہیں اڑ سکتا تھا۔

وہ تھوڑی دور اڑتا اور پھر زمین پر آ رہتا۔ یہ اس کے پیچھے دوڑتیں اور پھر جیسے ہی قریب پہنچتیں وہ پھر اڑ جاتا۔ اس طرح وہ ٹیکرے سے نیچے اتر آئیں۔ لیکن پرندہ ابھی تک اُن کے ہاتھ نہیں لگا تھا.... اور پھر ایک بار تو وہ بالکل ہی ناامید ہو گئیں۔ پرندہ ایک اونچے درخت کی شاخ میں پنجے گاڑے پر پھپھڑا رہا تھا پہلے تو وہ سمجھیں کہ پرندہ سنبھل نہیں سکے گا لیکن پھر وہ شاخ پر جم ہی گیا تھا۔

"اگر اسے پھر اڑایا جائے۔" ایک لڑکی نے تجویز پیش کرنی چاہی۔

"ارے جانے بھی دو۔" ریکھا نے کہا۔ "میں تو دراصل یہی چاہتی تھی کہ وہ درخت پر پہنچ جائے ورنہ کسی جانور کا لقمہ بن جاتا۔"

"پتہ نہیں کیا بات ہے.... کچھ مزہ نہیں آ رہا ہے۔" جولیا بولی۔

"کیوں مزہ کیوں نہیں آ رہا ہے۔" ریکھا نے پوچھا۔

"خدا جانے.... یہ ساری تفریح کچھ پھیکی پھیکی سی ہے۔"

"میں سمجھ گئی۔" ریکھا مسکرائی پھر سنجیدگی سے بولی۔ "تفریح تمہیں اسی لئے پھیکی لگ رہی ہے کہ کوئی مرد ساتھ نہیں ہے۔"

"ضروری نہیں ہے کہ تم نے صحیح اندازہ لگایا ہو...." جولیا نے کہا۔

"ارے ہم یہاں بحث کرنے نہیں آئے .... چلو....!" ہلدا نے کہا اور دوڑ کر ٹیکرے پر چڑھنے لگی۔

پھر وہ سب وہیں آ گئیں جہاں اُن کا سامان رکھا ہوا تھا۔

لیکن اُس وقت قیامت آ گئی جب وہ تھک تھکا کر کھانے کے لئے بیٹھیں کیونکہ ریکھا کے باسکٹ سے تین کڑکڑانے والی مرغیاں برآمد ہوئی تھیں مگر چونکہ مردہ تھیں اس لئے کڑکڑا کر اُن کا جی نہیں خوش کر سکتی تھیں۔ سموسوں کی باسکٹ میں گھونگھے اور سیپیاں نظر آئیں۔ ثریا اکبر کے اسپیشل پاپڑ پیڑیوں میں تبدیل ہو چکے تھے، البتہ جولیا کی لائی ہوئی شاہی پڈنگ بالکل محفوظ تھی۔

ریکھا نے اشتباہ آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا لیکن کچھ بولی نہیں۔ صرف ریکھا ہی خاموش تھی، ورنہ اور تو جس کے جی میں جو آئی تھی کافی اسپیڈ سے بکے جا رہی تھی۔

پھر تھوڑی دیر بعد انہیں ہوش آیا اور وہ چاروں طرف اُس نامعقول چور کو تلاش کرنے لگیں، جو انہیں اس طرح چوٹ دے گیا تھا۔

ریکھا صرف جولیا کو گھورے جا رہی تھی۔

"ارے.... کیا اب تم مجھے کھاؤ گی۔" جولیا نے ہنس کر کہا۔

"شاید....!" ریکھا نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"ارے واہ.... کیا تم یہ سمجھتی ہو....!"

"میں کچھ بھی نہیں سمجھتی خالہ گلہری.... وہ کوئی نیولا ہی ہو گا۔ مگر اسے لکھ لو کہ اس نیولے کے ساتھ ہی تم بھی اپنی دم گنوا بیٹھو گی۔"

ٹیکرے نے نیچے مغرب کی جانب بڑا جھاڑ جھنکاڑ تھا۔ ان میں نرکلوں کی قد آدم جھاڑیاں بھی تھیں۔ ریکھا اُن سبھوں کو ادھر اُدھر سر گرداں چھوڑ کر جھاڑیوں کی طرف بڑھی۔ وہ آہستہ آہستہ اور بہت احتیاط سے چل رہی تھی۔ اُس نے یونہی خواہ مخواہ جھاڑیوں میں گھسنے کا ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ اُسے جھاڑیوں سے گذرنے والی پگڈنڈی پر دو سموسے پڑے ہوئے ملے تھے۔

پگڈنڈی پر وہ دبے پاؤں چلتی رہی اور پھر ایک جگہ اُسے رک جانا پڑا۔ بائیں جانب والی جھاڑیوں میں کوئی تھا۔ پھر اُسے کھسر پھسر کی آوازیں سنائی دیں۔ کوئی آہستہ سے ہنسا بھی۔

وہ اکڑوں بیٹھ کر اندر جھانکنے لگی۔

❁

ایک مرغ حمید کے ہاتھوں میں تھا اور دوسرا قاسم کے ہاتھوں میں۔ تیسرا زمین پر بچھے

ہوئے رومال پر رکھا ہوا تھا اور دوسرے رومال پر سموسوں کا ڈھیر نظر آرہا تھا جسے شائد ابھی ہاتھ بھی نہیں لگایا گیا تھا۔

قاسم مرغ نوچتا ہوا کہہ رہا تھا۔ "واہ غمید بھائی جیو۔ یہ ریخاڈارلنگ بھی غضب کی تھانے دار ہے.... ہی ہی ہی.... قیا مرغ پکایا ہے۔"

"ابے آہستہ بول.... زبان بند.... خبر دار....!" حمید منہ چلاتا ہوا بولا۔

"پیارے مجھے تو ہنسی آرہی ہے۔"

"حلق میں ڈنڈے اُتر جائیں گے اگر ہنسی آئی۔ ریکھا کو اتنے اختیارات ہیں کہ وہ تمہیں بند بھی کرا سکتی ہے۔"

"اے جاؤ، بہت دیکھی ہیں ایسی ریکھیاں ویکھائیں۔"

"میں کہتا ہوں خاموشی سے کھاؤ۔"

"مخ.... خاموش.... غب.... ارے باپ رے۔" قاسم بیساختہ اچھل پڑا۔ ایک بڑا پتھر دھپ سے اس کی پیٹھ پر پڑا تھا۔ حمید کے ہاتھ سے مرغ چھوٹ پڑا کیونکہ ایک دو نہیں درجنوں پتھر جھاڑی میں گرے تھے۔ وہ دونوں وہاں سے نکل کر بھاگے۔

قاسم جھاڑیوں میں الجھ کر گر پڑا اور پھر اٹھنے میں اتنی دیر لگی کہ تین چار پتھر اس کی پیٹھ پر پڑ ہی گئے۔ ہر پتھر پر وہ اس طرح ڈکرایا تھا جیسے کوئی سرکش سانڈ ڈنڈوں پر رکھ لیا گیا ہو۔

حمید بھاگتے بھاگتے یکلخت پتھر چلانے والیوں کی طرف پلٹ پڑا۔ وہ اس اچانک تبدیلی پر بوکھلا گئیں اور ان کے ہاتھ سست پڑ گئے اور ان میں سے تین تو ایسی نروس ہوئیں کہ خود ہی دوسری سمت بھاگ نکلیں۔ حمید ریکھا کے قریب رک گیا۔

"خدا نے چاہا تو یہ مرغ تمہارے پیٹ میں سانپ بچھو بن جائیں گے۔"

"چلو سستے چھوٹے۔" حمید نے خوش ہو کر کہا۔ "مجھے تو یہ ڈر تھا کہ کہیں ہاتھی گھوڑے نہ بن جائیں۔"

اس پر ریکھا اور چڑھ گئی۔ دوسری لڑکیاں ہنس رہی تھیں۔ ان میں جولیا پیش پیش تھی۔

قاسم پھر انہیں جھاڑیوں میں دبک گیا تھا۔ ریکھا کی شکل دیکھ کر اُس کی ہمت ہی نہیں پڑی تھی کہ حمید کے پاس آتا۔ وہ ریکھا سے بہت ڈرتا تھا کیونکہ وہ کئی بار اس کی اچھی طرح خبر لے چکی تھی۔

"میں کرنل صاحب سے شکایت کروں گی۔" ریکھا نے غصیلے لہجے میں کہا۔ اسے سچ مچ حمید پر بڑا تاؤ آرہا تھا۔

"کرنل....!" حمید مسکرا کر بولا۔ "کرنل آج کل شکائتیں سننے کے موڈ نہیں ہیں کیونکہ وہ آج کل اپنے خاندان کے متعلق ریسرچ کر رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے تمہیں اس اطلاع سے خوشی بھی ہوئی ہو۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ انکے خاندان میں کبھی کسی نے محبت بھی کی تھی یا نہیں۔"

"مجھے کیوں خوشی ہوگی اس اطلاع پر۔" ریکھا اور زیادہ جھلا گئی۔

"اگر یہ ثابت ہو گیا کہ ان کے خاندان میں کبھی کسی نے محبت کی تھی تو پھر جانتی ہو کیا ہوگا۔ تمہیں یقیناً خوشی ہوگی یہ معلوم کر کے۔"

"مجھ سے بے تکی بکواس مت کیا کرو۔ میں پوچھتی ہوں کہ تم نے کھانا کیوں چرایا۔"

"کھانے کیلئے.... اگر میں نے کھانے کی بجائے اُسے گلے سے لٹکایا ہو تو بلاشبہ مجھے گولی مار دو۔"

"میں گولی ہی مار دوں گی تمہیں کسی دن۔"

دفعتاً کئی چیخیں فضا میں اُبھریں۔ "بچاؤ.... بچاؤ۔"

آواز نسوانی تھی.... اب حمید کو خیال آیا کہ تین لڑکیاں ساحل کی طرف نشیب میں دوڑتی چلی گئی تھیں۔ آواز اسی سمت سے آئی تھی۔ ایک لمحہ کے لئے وہ سب ساکت رہ گئے.... اور پھر حمید آواز کی طرف دوڑ پڑا۔

اتنے میں دو لڑکیوں کے سر نشیب سے ابھرے۔ دونوں ہاتھ ہلاتی ہوئی چیخ رہی تھیں۔

"ہلدا کو لے گئے.... ہلدا کو لے گئے.... دوڑو.... دوڑ....!"

وہ اوپر آئیں اور بے دم ہو کر گر پڑیں۔

"کون لے گیا ہلدا.... کو...." حمید چیخا۔

"اُدھر نیچے.... کیپٹن:... دوڑیئے۔" ایک ہانپتی ہوئی بولی۔ دوسری کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔ حمید نشیب میں اترتا چلا گیا مگر اُدھر تو سناٹا تھا۔ دور تک کوئی کشتی بھی نہیں نظر آرہی تھی۔

وہ سمندر کے کنارے دور تک دوڑتا چلا گیا۔ لیکن ہلدا کا نشان کہیں نہ ملا۔

حمید پھر پلٹا.... لیڈی انسپکٹر ریکھا اور جولیا بھی اسی طرف دوڑی آرہی تھیں۔

"وہ دونوں بیہوش ہو گئی ہیں۔" ریکھا نے اپنی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے

کہا۔ "ہلدا کہاں ہے۔"

"یہاں چاروں طرف سناٹا ہے۔" حمید نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

کتے کی لاش

ناگر کی پیشانی پر شکنیں نظر آرہی تھیں۔ اُس نے ایک بار پھر اُس لمبی چوڑی عمارت کو نیچے سے اوپر تک دیکھا اور پھر سڑک کی طرف دیکھنے لگا۔ لفٹ اوپر جاچکی تھی اور ابھی کئی امیدوار اُس کے منتظر تھے۔ ناگر کو اُس وقت تک وہیں ٹھہرے رہنا تھا جب تک وہ وہاں تنہا نہ رہ جاتا۔ اس کے جاننے والے اُس کی اس عادت سے بخوبی واقف تھے کہ وہ کسی لفٹ میں اُس وقت قدم رکھتا ہے جب وہ بالکل خالی ہو۔

سب جانتے تھے کہ وہ لفٹ خالی ہو جانے کے انتظار میں اکثر ایک ایک گھنٹے کھڑا رہ گیا ہے۔ اگر کبھی کوئی اس کی اس مضحکہ خیز حرکت کی وجہ پوچھ بیٹھتا تو وہ یا تو ہنس کر ٹال دیتا یا پھر بڑی سنجیدگی سے کہہ دیتا۔ "بس عادت ہی تو ہے۔ بہتیری عادتوں کا کوئی جواب نہیں ہوتا۔"

بمشکل تمام پندرہ یا بیس منٹ بعد اس نے لفٹ کے اندر قدم رکھتے ہوئے لفٹ مین سے کہا۔

"ٹاپ فلور۔"

لفٹ مین نے باہر جھانک کر دیکھا شاید کوئی اور بھی ہو۔ لیکن کسی نے بھی اُسے رکنے کا اشارہ نہیں کیا البتہ ناگر مضطربانہ انداز میں بولا۔ "میں جلدی میں ہوں دوست۔"

لفٹ ہلکی سی کھڑکھڑاہٹ کے ساتھ اوپر اٹھنے لگی۔

ناگر بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ آٹھویں منزل پر لفٹ رک گئی۔ ناگر باہر نکل کر بالکنی پر آگیا۔ اب وہ بائیں جانب چل رہا تھا۔ تین فلیٹوں کے سامنے سے گزرنے کے بعد وہ چوتھے پر رک گیا۔ دروازے کے بائیں جانب نام کی تختی آویزاں تھی جس پر انگریزی میں "مونا کرسٹی" تحریر تھا۔

اُس نے گھنٹی کا بٹن دبایا۔ اندر سے گھنٹی بجنے کی آواز آئی اور ساتھ ہی قدموں کی چاپ سنائی دی۔ پھر دروازہ کھلا۔

اُسی یوریشین لڑکی کا چہرہ باہر نکلا، جو ناگر سے ہوٹل میں ملی تھی۔

"آجاؤ.... اندر آجاؤ۔" وہ پیچھے ہٹتی ہوئی بولی۔ دروازہ بھی پورا کھل گیا تھا۔ ناگر فلٹ ہیٹ اتار کر اندر داخل ہوا۔

یہ ایک معمولی طور پر سجا ہوا کمرہ تھا۔ ناگر نے اچٹتی ہوئی نظروں سے گرد و پیش کا جائزہ لیا اور پھر آہستہ سے بولا۔

"پچھلی شام تم میونسپل گارڈن میں نہیں ملی تھیں۔"

"کیسے ملتی.... کیا تمہارے تینوں آدمی وہاں نہیں منڈلا رہے تھے؟ باس اسے پسند نہیں کرتا۔ وہ صرف تم پر اعتماد کرتا ہے۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ آخر کیوں۔"

"بیٹھو مسٹر ناگر.... میرا خیال ہے کہ وجہ سمجھنے کے لئے سر مارنا فضول ہی ہے۔"

ناگر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کیا پیو گے....!" لڑکی نے پوچھا۔

"شکریہ.... مس مونا کرسٹی.... میں کسی چیز کی بھی حاجت نہیں محسوس کر رہا ہوں۔"

لڑکی نے میز کی دراز سے سگریٹ نکالا اور ایک سگریٹ منتخب کرتی ہوئی بولی۔ "تم سگریٹ بھی نہ قبول کرو گے کیونکہ پائپ پیتے ہو۔"

اس پر ناگر صرف مسکرا کر رہ گیا اور مونا اپنا سگریٹ سلگانے لگی۔ وہ اس وقت صرف ڈریسنگ گاؤن میں تھی اور اس کے سنہرے بال بے ترتیب نظر آرہے تھے۔ ہونٹوں پر سرخی بھی نہیں تھی، لیکن اس کے باوجود بھی وہ دلکش لگ رہی تھی۔

"یہ زندگی بھی عجیب ہے مسٹر ناگر۔" اُس نے کافی مقدار میں دھواں بکھیرتے ہوئے کہا۔

"تم نہیں کہہ سکتے کہ آنے والے لمحات میں تمہارا ذہن تمہیں کدھر لے جا رہا ہوگا۔"

"اگر زندگی میں ایسے تغیرات نہ ہوں تو پھر کوئی کیسے جیے.... مس کرسٹی۔" ناگر مسکرایا۔

"کیا تم اپنی موجودہ حالت پر مطمئن ہو۔" وہ اسے غور سے دیکھنے لگی۔

"یہی سوال میرے تینوں ساتھی بھی بار بار دہرا چکے ہیں۔ مگر آج تک انہیں کوئی واضح جواب نہیں دے سکا۔ مطمئن ہونا یا نہ ہونا بھی حالات ہی پر منحصر ہے۔ آج کل حالات ایسے ہی ہیں کہ میں پھانسی کے تختے پر بھی مطمئن نہیں ہو سکتا ہوں۔"

"اسی لئے تو باس تم پر اعتماد کرتا ہے۔" مونا مسکرائی۔

ناگر اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ شائد وہ کچھ سوچ بھی رہا تھا۔ آنکھیں گہرے تفکر کا اظہار کر رہی تھیں۔ مونا چند لمحے اُسے خالی الذہنی کے سے انداز میں دیکھتی رہی پھر بولی۔ "میں مطمئن نہیں ہوں۔"

"آہا....!" ناگر مسکرا پڑا۔ "حالانکہ میری باس تم ہی ہو۔"

"میں کچھ بھی نہیں ہوں مسٹر ناگر۔" وہ مغموم لہجے میں بولی۔ "میرا کام صرف اتنا ہے کہ میں ایک نامعلوم آدمی کے پیغامات تم تک پہنچاتی رہوں۔ خواہ وہ پیغامات کسی دیوانے کی بکواس ہی کیوں نہ ہوں۔"

وہ استفہامیہ نظروں سے ناگر کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

"اور جب میں یہ بے تکے پیغامات اپنے تینوں ساتھیوں تک پہنچاتا ہوں تو وہ پاگل ہو کر کتوں کی طرح بھونکنے لگتے ہیں۔" ناگر ہنس پڑا۔

"مگر تم پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔"

"قطعی نہیں۔"

"تب تم اس نامعلوم آدمی کے راز سے واقف ہو گے۔"

"میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ کوئی آدمی ہے یا کسی ایسے لیڈر کی روح جس کے سر سے عوام کا سایہ اٹھ گیا ہو۔"

"لیڈر.... تم نے لیڈر کا حوالہ کیوں دیا۔" مونا نے حیرت سے دہرایا۔ "کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ بے تکی حرکتیں کسی سیاسی نتیجے کی حامل ہوں گی۔"

"لیڈر.... میرا فوبیا ہے۔" ناگر مسکرایا۔ "کسی خاص مقصد کے تحت میں نے لیڈر کا حوالہ نہیں دیا تھا۔"

"تم مجھے شروع ہی سے عجیب معلوم ہوتے ہو۔ کیا تمہیں یہ جاننے کی خواہش بھی نہیں ہے کہ وہ نامعلوم آدمی ہے کون۔"

"خواہش تو ہے.... مگر کیا یہ کبھی معلوم ہو سکے گا۔ شائد معلوم ہو جائے۔ سوال ہے کوشش کا۔ میں کوشش ہی کیوں کرنے لگا۔ مجھے یہ رقم گراں نہیں گزرتی، جو ان بے تکے کاموں کے

عیوض مل رہی ہے۔ مگر نہیں ٹھہرو۔ کیا تم بتا سکتی ہو کہ تمہیں اس کے پیغامات کیسے ملتے ہیں؟"

"ٹرانسمیٹر پر....!" اُس نے کسی ہچکچاہٹ کے بغیر کہا۔

"ہام.... اچھا دیکھو.... معاملے کی بات تم نے مجھ سے کی تھی لیکن تمہیں اس کام پر کس نے اور کیسے آمادہ کیا تھا۔"

"یہ ایک لمبی کہانی ہے.... مسٹر ناگر۔" لڑکی دردناک لہجے میں بولی۔

"کیا میری خاطر اُسے دہرانے کی تکلیف گوارا کرو گی۔"

وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر کچھ سوچتی اور سگریٹ کے کش لیتی رہی پھر بولی۔

"میں دراصل اینگلو برمیز ہوں۔ چھ ماہ پہلے رنگون میں تھی۔ میرے والدین مر چکے ہیں۔ میرا باپ انگریز تھا اور ماں برمیز۔ آج سے چھ ماہ پہلے مجھے لندن کے ایک وکیل کا خط ملا۔ جس نے لکھا تھا کہ میرے ایک لاولد چچا نے ایک بہت بڑی جائیداد چھوڑی ہے۔ جس کی وارث صرف میں ہی ہو سکتی ہوں۔ میرے علاوہ اور کوئی قریبی عزیز موجود نہیں ہے۔ خط کے ساتھ ایک بڑی رقم کا ڈرافٹ بھی تھا۔ ظاہر ہے کہ میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا ہو گا۔ کیونکہ میں اس وقت ایک پرائیویٹ فرم میں بہت ہی معمولی تنخواہ پر ملازم تھی۔ بہر حال میں لندن کے لئے روانہ ہو گئی۔ مگر وہاں مجھے اس پتے پر اس نام کا کوئی وکیل نہ مل سکا۔ کئی دن تک سرگرداں رہی۔ آخر پھر برما کے ہائی کمیشن سے رجوع کیا۔ ایک ہفتے تک اس معاملے کی تفتیش ہوتی رہی لیکن نہ تو اُس وکیل ہی کا سراغ مل سکا اور نہ اُس بڑی جائیداد کا جس کی وارث صرف میں ہی ہو سکتی تھی۔ البتہ جس بینک کے معرفت ڈرافٹ بھیجا گیا تھا وہاں اُس وکیل ہی کے نام سے رقم جمع ہوئی تھی اور وہاں بھی اس کا وہی پتہ درج تھا جو اس نے میرے خط میں تحریر کیا تھا۔ تقریباً ایک ماہ تک جھک مارنے کے بعد میں وہاں سے برما کے لئے روانہ ہو گئی۔ بحری سفر اختیار کیا تھا۔ ایک دن جب میں عرشے سے اپنے کیبن میں واپس گئی مجھے برتھ پر ایک لفافہ ملا جس میں کئی بڑے نوٹ تھے اور ایک خط بھی تھا جس میں تحریر تھا۔

"مائی ڈیئر مس کرسٹی! مجھے بے حد افسوس ہے کہ تم لندن سے بے نیل و مرام واپس جا رہی ہو۔ مگر میں کیا کروں۔ ایک بہت بڑا دشمن میری اور تمہاری گھات میں ہے۔ میں تمہارے کاغذات سمیت روپوش ہو گیا ہوں۔ اگر ایسا نہ کرتا تو میں بھی مار ڈالا جاتا اور تم بھی محفوظ نہ

رہتیں۔ اب اس وقت تک کے لئے یہ معاملہ ٹل رہا ہے، جب تک میں اس دشمن پر قابو نہ پالوں لیکن تمہیں مطمئن رہنا چاہئے۔ میں اسی طرح تمہاری مدد کرتا رہوں گا اور اب تمہیں زندگی بسر کرنے کے لئے معمولی قسم کی ملازمتیں نہ کرنی پڑیں گی۔ مطلب یہ کہ دنیا کو دکھانے کے لئے ملازمت تو کرنی پڑے گی لیکن تمہاری زندگی کا انحصار اس کی آمدنی پر نہ ہوگا۔ برما پہنچ کر تم یہی مشہور کرو گی کہ کسی نے تمہیں دھوکا دینے کی کوشش کی تھی۔ تم یہ نہیں ظاہر کرو گی کہ وکیل پوشیدہ طور پر اب بھی تمہاری مدد کر رہا ہے۔"

مونا خاموش ہوگئی اور ناگر دوبارہ اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

"برما پہنچ کر میں نے دوبارہ فرم میں حاضری دی۔ عقلمندی یہی کی تھی کہ ملازمت چھوڑ کر نہیں گئی تھی بلکہ چھ ماہ کی رخصت حاصل کی تھی۔ تقریباً تین ماہ تک میں رنگون میں رہی۔ پُراسرار وکیل مجھے ہر ماہ خاصی بڑی رقم دیتا تھا اور میں عیش کر رہی تھی۔ ایک دن اُس نے مجھے پھر ہدایت کی کہ میں چھ ماہ کی رخصت لے کر تمہارے ملک کا پاسپورٹ حاصل کروں۔ میں نے پاسپورٹ کے لئے کوشش کی لیکن نہ مل سکا۔ وکیل نے اطلاع دی تھی کہ یہاں پہنچنا بہت ضروری ہے کیونکہ یہاں بھی چچا نے ایک بڑا کاروبار چھوڑا ہے.... پھر ایک دن مجھے پاسپورٹ مل ہی گیا۔ لیکن یہ میرے نام کا نہیں تھا، ویسے اُس پر تصویر میری ہی تھی۔ یہ پاسپورٹ وکیل ہی نے کسی طرح حاصل کیا تھا۔ میں نے اس پر احتجاج کیا لیکن اس نے اس کی ذمہ داری لی کہ میں قانونی گرفت میں نہیں آنے پاؤں گی۔

مجھ پر تو بہرحال ایک بہت بڑی دولت کا نشہ طاری تھا۔ اس لئے میں بے چوں و چرا یہاں کے لئے روانہ ہوگئی۔ مونا کرسٹی میرا جعلی نام ہے، جو پاسپورٹ پر درج ہے۔ یہاں آتے ہی وہ وکیل سے میرا اباس بن گیا۔ اب مجھے اُس بڑی جائیداد کے متعلق کوئی جواب نہیں ملتا لیکن رقم اب بھی وہی ملتی ہے، جو پہلے ملتی رہی تھی۔ اکثر میں نے اُسے دھمکی بھی دی ہے کہ میں پولیس کو اطلاع دے دوں گی جس کا جواب یہی ملا ہے کہ شوق سے دے دو۔ پولیس مجھے نہیں پا سکے گی۔ لیکن خود تم ایک بہت بڑی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ گی۔ کیونکہ برما سے یہاں جعلی پاسپورٹ پر آئی ہو۔ بس میں خاموش رہ جاتی ہوں اور میں نے خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔"

"تمہیں یقین ہے کہ آج تک تمہارا سامنا اُس وکیل سے نہیں ہوا۔" ناگر نے پوچھا۔

"ہاں.... یقین ہے بھی اور نہیں بھی ہے۔ میں جب اُسے پہچانتی ہی نہیں تو وہ ہزاروں بار میرے سامنے آیا ہوگا.... اور کیا یہ ممکن نہیں ہے...."

وہ خاموش ہو کر ناگر کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی۔ پھر شرارت آمیز لہجے میں بولی۔

"وہ وکیل تو تم بھی ہو سکتے ہو۔"

ناگر ہنسنے لگا اور وہ بدستور شرارت سے آنکھیں چمکاتی ہوئی بولی۔ "بتاؤ نا تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ تم وہی وکیل نہیں ہو۔"

"کیا ٹرانسمیٹر میں تم میری ہی آواز سنتی ہو۔"

"آواز بدلی بھی جا سکتی ہے اور پھر ٹرانسمیٹر پر آواز پہچاننا تو بہت مشکل ہے، جب کہ میں فون پر بھی اپنے بعض بے تکلف دوستوں کی آوازیں پہچاننے کا سلیقہ نہیں رکھتی۔"

"بات تو ٹھیک ہے۔" ناگر مسکرایا۔ "میں تمہیں یقین نہیں دلا سکوں گا کہ میں ہی وہ وکیل نہیں ہوں، جو اب تمہارا اباس بن بیٹھا ہے۔ مگر تم نے آخر یہ سب کچھ مجھے کیوں بتا دیا۔"

"تاکہ تم مجھے ہی باس نہ سمجھ لو۔" مونا مسکرائی۔

وہ تھوڑی دیر تک اس مذاق سے محظوظ ہوتے رہے پھر ناگر نے پوچھا۔

"کم از کم تم یہ تو بتا ہی سکو گی کہ ٹرانسمیٹر پر بولنے والا مشرقی ہے یا مغرب کا باشندہ۔"

"لہجے سے وہ مجھے فرانسیسی معلوم ہوتا ہے اور بہتیرے الفاظ کا تلفظ بھی فرانسیسیوں ہی کے سے انداز میں کرتا ہے۔"

ناگر پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔ مونا بھی خاموش ہوگئی تھی۔ کچھ دیر بعد اُس نے ہنس کر کہا۔ "آج تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو ایک بہت ہی گندہ کام کرنا ہے۔"

"وہ کیا۔"

"ایک کتے کی لاش کنوئیں میں پھینکنی ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"کتے کی لاش بھئی.... وہ تمہیں آج آٹھ بجے رات کو نادر محل کے صدر دروازے پر پڑی ملے گی۔ تم اُسے پرانے شہر کی حاتم گلی والے کنوئیں میں پھینکو گے۔"

"تم مذاق تو نہیں کر رہی ہو۔"

"شاید اس سے پہلے بھی مذاق ہی کر رہی ہوں کیوں؟"

ناگر بُرا سا منہ بنائے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سارے شہر کی پولیس فن لینڈ میں الٹ پڑی ہو۔ ہلدا کی تلاش بڑی تندہی سے جاری تھی۔ باوردی پولیس تو خیر تھی ہی.... لاتعداد سادہ لباس والے جزیرے کے چپے چپے پر پھیل گئے تھے۔

عمارتوں کی تلاشیاں لی جا رہی تھیں اور دولت مند طبقہ کے لوگ اس پر جھلا جھلا کر احتجاجاً اعلیٰ آفیسروں کو فون کر رہے تھے، لیکن اس وقت کسی کی بھی شنوائی نہیں ہو رہی تھی۔

معاملہ محکمہ سراغ رسانی کی ایک لڑکی کا تھا اس لئے ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر گویا سارا جزیرہ الٹ پلٹ کر رکھ دیا گیا لیکن ہلدا نہ ملی۔

دونوں لڑکیوں کا بیان تھا کہ ہلدا کو لادے جانے والا ایک لمبا تڑنگا نقاب پوش تھا جس نے جاتے جاتے پلٹ کر ان دونوں کو جان سے مار دینے کی دھمکی دی تھی اور وہ چیختی ہوئی اوپر بھاگی تھیں۔

حمید کو اس پر بڑا غصہ آیا تھا اور اُس نے لیڈی انسپکٹر ریکھا سے کہا تھا۔ "کاش وہ تم سبھوں کو پکڑ لے جاتا۔"

"سب تمہاری وجہ سے ہوا۔" ریکھا دہاڑی۔

"طوفان نوح بھی تو میری وجہ سے آیا تھا۔"

ریکھا بُری طرح چڑھ گئی اور اس کا بخار اُس نے قاسم پر نکالا۔ وہ کسی کٹے ہوئے پتنگ کی طرح جزیرے میں ڈولتا پھر رہا تھا۔ ریکھا نے کانسٹیبلوں کو حکم دیا کہ وہ اسے نرغے میں لے لیں۔ پھر وہ اُن دونوں لڑکیوں کو اس کے قریب لے گئی۔

"کیا یہی تھا....!" اُس نے پوچھا۔

"نہیں اتنا لمبا چوڑا بھی نہیں تھا۔" ایک لڑکی نے جواب دیا۔

"ارے.... بھلا.... میں.... غغ.... واہ....!" قاسم بوکھلائے ہوئے انداز میں ہکلایا۔

اتنے میں حمید بھی وہاں پہنچ گیا۔

"غمید.... بھائی.... جرا دیکھو تو....!" قاسم نے جھینپے ہوئے انداز میں شکایتاً کہا۔

"میں کیا.... خدا دیکھ رہا ہے.... یہ سب چیچک کا شکار ہو کر نقشین ہو جائیں گے انشاءاللہ۔"

"خدا کرے تم خود مرو۔" ریکھا کی نسوانیت جاگ اٹھی۔

"خدا کرے یا نہ کرے ایک دن تو مرنا ہی پڑے گا۔ مگر تمہارا چہرہ کیسا لگے گا۔ اگر نکل آئی چیچک۔"

ریکھا دانت پیس کر آگے چلی گئی۔

پھر کچھ دیر بعد حمید کو وہاں کرنل فریدی نظر آیا جس کے چہرے پر گہری طمانیت تھی اور وہ سگار کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا۔ اُس نے حمید کو اشارے سے اپنے قریب بلایا۔

"کیا قصہ ہے؟" اس نے پوچھا۔

حمید کو اپنی شیطنت بھی دہرانی پڑی لیکن فریدی نے اس پر کچھ نہیں کہا۔ وہ تو سمجھا تھا کہ شاید فریدی حسب معمول پہلے تو اخلاقیات پر ایک طویل لیکچر پلائے گا اور پھر اُسے کسی بار بردار گدھے کی طرح کام پر لگا دے گا، لیکن اس کے انداز سے یہ بھی نہ ظاہر ہو سکا کہ وہ اس کیس میں دلچسپی ہی لے گا۔

"آج کل میرے پاس کام کی زیادتی ہے، ورنہ اسے بھی دیکھتا۔" اس نے لاپروائی سے کہا اور ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ حمید کی جان میں جان آئی اور اس نے سوچا کہ اب اتوار بارہ بجے شب تک اتوار ہی رہے گا۔

"مگر مجھے حیرت ہے کہ وہ اتنی جلدی غائب کہاں ہو گیا۔" حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ "وہاں پہنچنے میں بمشکل تمام دو منٹ لگے ہوں گے۔"

"لانچ میں بیٹھ کر نکل گیا ہو گا۔"

"دور دور تک کسی لانچ کا پتہ نہیں تھا۔" حمید نے کہا۔

"کیا تم پورے جزیرے کا چکر لگا سکے ہو گے دو منٹ میں۔"

"نہیں پھر بھی میں شائد اپنی زندگی میں کبھی اتنا تیز نہیں دوڑا تھا جتنا آج دوڑا ہوں۔"

"ایک لڑکی کا معاملہ تھا نا۔" فریدی مسکرایا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ اس معاملے کا مضحکہ کیوں اڑا رہے ہیں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"بکواس مت کرو۔" فریدی کہتا ہوا اٹھ گیا۔

تین لڑاکے

اس معاملے میں تو حمید کو اس سے غرض تھی ہی نہیں کہ فریدی اس میں دلچسپی لے رہا ہے یا نہیں۔ وقتی طور پر اُس سے ضرور کاہلی سرزد ہوئی تھی لیکن پھر اُس نے سوچا کہ ہلدا اس کی موجودگی میں وہاں سے غائب ہوئی تھی اس لئے اسے کچھ کرنا چاہئے۔

لیڈی انسپکٹر ریکھا اُس کے ہم چشموں میں اُس کا مضحکہ اڑاتی پھر رہی تھی۔ وہ حمید سے یوں بھی بُری طرح خار کھاتی تھی۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے حمید ہی اس کے اور فریدی کے درمیان آگیا ہو۔

وہ اس وقت ریکھا ہی کے متعلق سوچ رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔

اُس نے ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے فریدی بول رہا تھا۔

"میری کوئی کال آئی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"کوئی نہیں۔"

"تم کیا کر رہے ہو۔"

"میں تاؤ کھا رہا ہوں۔"

"کیوں....!"

"کیا ریکھا یہ سمجھتی ہے کہ آپ مجھ سے عشق کرنے لگے ہیں۔"

"کیا بکواس ہے۔"

"ارے وہ مجھ سے اس طرح جلتی ہے جیسے مجھے آپ کی محبوبہ بننے کا شرف حاصل ہو گیا ہو۔"

"کسی وقت تمہارا ذہن عورت سے خالی بھی رہتا ہے۔"

"اُس وقت کو میرا آخری لمحہ کہیں گے جب ایسا ہو۔"

"کیا تم اپنے بیڈ روم سے بول رہے ہو۔"

"ظاہر ہے۔"

"تمہیں باہر جانا ہے۔"

"کہاں....!"

"آر لکچو.... وہاں ٹھیک ساڑھے نو بجے تین آدمی پہنچیں گے۔ تمہیں اُن کا تعاقب کرنا ہے۔"

"وہاں شائد تین ہزار.... تین آدمی ٹھیک ساڑھے نو بجے پہنچیں گے۔ لیکن میں تین ہزار تو کیا ایک سہی ایک بٹادو بھی نہیں ہو سکتا۔"

"پوری بات سنو۔"

"سن رہا ہوں۔" حمید مردہ سی آواز میں بولا۔

"تم ان تینوں کو اچھی طرح پہچانتے ہو۔ وہ ایڈی۔ ٹونی اور ٹمپلر ہیں۔"

"اُن کی نگرانی تو ویسے بھی ہوتی تھی۔" حمید نے کہا۔

"آج کل نہیں ہو رہی ہے۔"

"ارے کسی سادہ لباس والے کو لگائیے۔"

"نہیں.... تم جاؤ گے۔" فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔ "اور میک اپ میں جاؤ گے، جلدی کرو صرف دو گھنٹے۔"

"بہت بہتر جناب عالی۔" حمید نے اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

میک اپ اور بھاگ دوڑ۔ بات کیا تھی اُسے علم نہیں تھا۔ لیکن میک اپ کی ضرورت بہت ہی خاص مواقع پر محسوس کی جاتی تھی۔ مگر کچھ بھی ہو حمید اس وقت کام کے موڈ میں ہرگز نہیں تھا خواہ وہ ہلدا ہی کا معاملہ کیوں نہ ہوتا۔

دراصل اُسے آٹھ بج کر پچیس منٹ پر ہائی سرکل نائٹ کلب پہنچنا تھا۔ وہ اپنی ایک نئی ملنے والی کو وقت دے چکا تھا۔ الجھن.... الجھن کے علاوہ اور کیا ہوتا۔ نہ وہ یہی برداشت کر سکتا تھا کہ اس کی نئی دوست اس کے متعلق کوئی بُری رائے قائم کرے اور یہ بھی ناممکن تھا کہ وہ فریدی کے حکم کی تعمیل نہ کرتا۔ اگر میک اپ کا جھگڑا نہ ہوتا تو وہ دونوں ہی کو نپٹانے کی کوشش کرتا۔ ساڑھے آٹھ بجے وہ ہائی سرکل نائٹ کلب میں ملنے والی تھی اور ساڑھے نو بجے اُن تینوں کو آر لکچو میں دیکھنا تھا۔ صرف ایک گھنٹے کا وقت ملتا لیکن اس ایک گھنٹے میں میک اپ کر کے صحیح وقت پر آر لکچو پہنچنا ناممکن ہو جاتا۔

وہ سر پیٹتا ہوا اوپری منزل پر آیا۔ یہاں تجربہ گاہ میں میک اپ کا سامان بھی رہتا تھا۔ وہ چند لمحے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بے حس و حرکت کھڑا رہا پھر یک بیک اس کے ہونٹوں پر ایک شریر

سی مسکراہٹ نظر آئی۔

اس کے بعد وہ الکٹرک شیونگ مشین سے اپنی ڈاڑھی اور مونچھیں کھرچنے لگا۔ چہرے کی مکمل قسم کی مرمت ہو جانے پر اُسے پہچاننا دشوار ہو گیا اور پھر جب اُس نے اپنے سر پر مصنوعی سنہرے بال چپکا لئے تو بس قیامت ہی ہو گئی۔ خود اس کا دل چاہا کہ آئینے ہی سے لپٹ جائے۔ ایسی حسین نسوانی شکل نکلی تھی کہ بس۔

اب وہ سوچنے لگا کہ ساری استعمال کرے یا اسکرٹ۔ زندگی میں پہلی بار عورت کا میک اپ کیا تھا لیکن اُسے خود پر اعتماد تھا۔ وہ مطمئن تھا کہ اس رول میں بھی کہیں سے جھول نمایاں نہیں ہو سکتا۔ ویسے فریدی کی یہ منشا ہرگز نہیں تھی کہ حمید کسی عورت کے میک اپ میں اُن تین آدمیوں کی نگرانی کرے اس نے نہ کبھی خود پر اس قسم کا کوئی میک اپ آزمایا تھا اور نہ کبھی حمید ہی کو اس کی رائے دی تھی۔

پھر تو گویا یہ سو فیصدی اُسی چھپکلی کا مسئلہ تھا جو کبھی کبھی حمید کے سر پر سوار ہو کر اُسے رسوا کیا کرتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ ہلکے نارنجی رنگ کی ساری میں ایک دراز قد اور غیر معمولی طور پر صحت مند لڑکی نظر آنے لگا اور پھر اُس نے آئینے میں آنکھ ماری۔

اب سوال تھا ملازموں کی نظروں سے بچ کر نکل جانے کا۔ اس کے لئے اُس نے عقبی زینے استعمال کئے اور عمارت کی پشت پر پہنچ گیا۔

پھر گیراج تک پہنچنے میں کوئی دشواری نہ پیش آئی۔ کمپاؤنڈ کا پھاٹک ابھی کھلا ہی ہوا تھا۔ اُس نے گیراج سے چھوٹی آسٹن نکالی جس کا رنگ فوقتاً فوقتاً ضرورت کے مطابق تبدیل کیا جاتا رہتا تھا اور یہ بہت ہی مخصوص قسم کے موقع پر استعمال کی جاتی تھی۔ اس کے کوئی مخصوص نمبر نہیں تھے اسلئے بعض اوقات اس پر تھوڑے تھوڑے وقفے سے مختلف نمبر کی پلیٹیں نظر آیا کرتی تھیں۔

وہ ٹھیک نو بجے آر لکچو پہنچ گیا۔

مگر اپنی اسکیم کے مطابق اُسے باہر ہی رک کر اُن تینوں کا انتظار کرنا تھا۔ وہ شہر کے بدنام لوگوں میں سے تھے اور اُن کا ذریعہ معاش فریب دہی اور دوسری مختلف غیر قانونی حرکات تھیں۔ یہ دیسی ہی تھے، لیکن انہوں نے انگریزوں کے سے نام اختیار کر رکھے تھے۔

حمید نے گاڑی کمپاؤنڈ کے ایک درخت کے نیچے کھڑی کر دی، جہاں اندھیرا تھا لیکن پورچ

یہاں سے صاف نظر آتی تھی اور پورچ کی چھت سے لٹکے ہوئے بڑے لیمپ کی روشنی میں ہر آنے جانے والے کا چہرہ بخوبی دکھائی دیتا تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ تینوں پورچ میں نظر آئے۔ حمید چپ چاپ گاڑی سے اترا اور انتظار کرنے لگا کہ وہ لوگ اندر داخل ہو جائیں۔

پھر جب حمید اندر پہنچا تو بیک وقت درجنوں آنکھیں اُس کی طرف اٹھ گئیں۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی اور آنکھیں خمار آلود ہو رہی تھیں۔ چال تو قیامت تھی قیامت۔

اُس نے ان تینوں کو ایک میز پر دیکھا اور ان کے قریب ہی دو ایک میزیں اور بھی خالی تھیں۔ وہ اسی طرح چل پڑا۔ ایڈی کا رخ اسی کی طرف تھا۔ اس نے اُسے دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ اُسے اس طرح ایک جانب گھورتے دیکھ کر اُس کے ساتھی بھی مڑے اور پھر اُن کی بھی وہی کیفیت ہوئی، جو ایڈی کی ہوئی تھی۔ حمید ایک میز پر جم گیا۔ وہی لاپرواہ سی مسکراہٹ اب بھی اس کے ہونٹوں پر تھی اور وہ کسی کیطرف بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔ ایڈی، ٹونی اور ٹمپلر بیچین نظر آنے لگے۔

پھر کچھ دیر بعد حمید نے ایسی حرکتیں شروع کیں کہ اُن کا دل بڑھ گیا اور ایڈی اٹھ کر اُس کی میز پر آیا۔

"کیا آپ ہماری دعوت قبول کریں گی محترمہ۔" اُس نے بڑے ادب سے کہا۔

"تشریف رکھئے۔" حمید نے جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "میں اس شہر میں اجنبی ہوں۔"

ایڈی اُس کا شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔

"یہ بدتمیزی ضرور تھی۔" اُس نے متاسفانہ انداز میں ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "مگر میں نے سوچا ممکن ہے آپ اس شہر میں نووارد ہوں۔ بات دراصل یہ ہے محترمہ.... اب سچی ہی بات عرض کروں۔ ہم تینوں پیشہ ور گائیڈ ہیں۔ اگر آپ نے ابھی تک کوئی گائیڈ نہ کیا ہو تو میں اپنی خدمات پیش کروں۔"

"ضرور پیش کیجئے.... میں آج ہی تو آئی ہوں۔" اُس نے ہنس کر کہا۔ پھر منہ بنا کر بولا۔ "اُف فوہ.... کتنی پیاس ہے.... وہ کم بخت.... ویٹر۔"

"کیا پئیں گی آپ....!"

"رات کو میں پانی نہیں پیتی۔"

"پھر بھی بتایئے نا کیا منگاؤں۔"

"میں خود منگوالوں گی...." حمید نے کچھ غصیلے لہجے میں کہا۔ "کیا تم مجھے کوئی فلرٹ سمجھتے ہو۔"

"ارے نہیں محترمہ.... یہ آپ کیا فرمارہی ہیں۔" ایڈی بوکھلا گیا۔

"بلاؤ اپنے ساتھیوں کو بھی بلاؤ.... اور تم تینوں مل کر مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش و.... اے.... بوائے۔"

ویٹر تیزی سے میز کے قریب آیا۔

"شیری لاؤ اور ایک اسکاچ.... یا پھر تم لوگ کیا پیتے ہو۔" اُس نے ایڈی کیطرف دیکھ کر کہا۔

"وہسکی.... وہائٹ ہارس....!" ایڈی گڑبڑا کر بولا۔

"ایک بوتل وہائٹ ہارس.... ایک شیری.... جلدی کرو۔" حمید نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔

ویٹر چلا گیا پھر وہ ایڈی کی طرف مڑ کر بولا۔ "بلاؤ نا اپنے ساتھیوں کو۔ نہ میں کوئی مفلس عورت ہوں اور نہ مردوں سے ڈرتی ہوں۔"

"آپ خواہ مخواہ بدگمان ہوتی ہیں محترمہ.... ہم تو آپ کے خادم ہیں۔" ایڈی نے کہا اور اپنے ساتھیوں کو اسی میز پر آجانے کا اشارہ کیا لیکن حمید نے اُسکی آنکھوں میں الجھن کے آثار دیکھے۔

"آپ ایک مہربان خاتون ہیں۔" اُس نے ٹونی اور ٹمپلر سے کہا۔ "آپ نے ازراہ نوازش میری خدمات قبول کرلی ہیں اور.... یہ دعوت.... آپ ہی کی طرف سے ہے۔"

اُن دونوں نے تشکرانہ انداز میں صرف سر ہلادیئے۔ زبان سے کچھ نہیں کہا۔

"ہاں میں حاتم کی بیٹی ہوں۔" حمید ہنس پڑا۔

ویٹر ٹرے میں شراب کی بوتلیں گلاس اور سوڈا کا سائیفن لایا اور وہ دونوں اشتباہ آمیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگے۔

پھر تھوڑی ہی دیر بعد وہ سب بڑی گرمجوشی سے پی رہے تھے۔ کیونکہ حمید نے انہیں تاؤ دلا دیا تھا اس نے اپنے کسی ایسے دوست کا تذکرہ کیا، جو بڑا پیکڑ تھا، جسے ایک ہی نشست میں کئی کئی بوتلیں صاف کردینے کے بعد بھی نشہ نہیں ہوتا تھا اور اُس نے یہ بھی کہا تھا کہ ایسے ہی پینے والوں کے ساتھ بیٹھ کر پینے میں لطف بھی آتا ہے۔

وہ تینوں شہر کے چھٹے ہوئے بدمعاش تھے لیکن حمید کو ایک آوارہ مزاج رئیس زادی کے

علاوہ اور کچھ نہ سمجھ سکے۔ پہلی بوتل ذرا ہی سی دیر میں خالی ہوگئی لیکن انہیں نشہ نہیں ہوسکا۔ شاید حمید کا دوست اُن کے ذہنوں پر بُری طرح حاوی ہوگیا تھا۔ پھر ٹونی نے دو بوتلیں اپنی جیب سے منگوائیں۔ حمید شیری پیتا رہا۔

اچانک ساڑھے دس بجے حمید کو وہاں شہر کا ایک اور بدمعاش دکھائی دیا جس کے کئی جوئے خانے چلتے تھے لیکن ابھی حال ہی میں فریدی نے اس کا یہ بزنس بند کرادیا تھا۔ حمید نے محسوس کیا کہ وہ اسی میز کی طرف آرہا ہے۔ ناگر کو وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ یہ بھی اُسے معلوم تھا کہ وہ بہت چالاک آدمی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ میک اپ ہی کا بھرم کھل جائے کیونکہ ناگر بہت عرصہ تک اسٹیج کا ایکٹر بھی رہ چکا تھا۔

"میں ابھی آئی۔" حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ارے.... نائیں.... ہام.... کاسے.... جی.... ئیں گے۔" ایڈی جھومتا ہوا بولا۔ لیکن حمید اپنا وینٹی بیگ سنبھالتا ہوا کھسک ہی گیا۔ وہ بڑی تیزی سے ریکریئشن ہال کی طرف جارہا تھا۔

"اب تمہیں کہاں جانا ہے میرے دوستو.... کہ میں تمہارا تعاقب کروں گا۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا اور بے اختیار مسکرا پڑا۔ پھر بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا کہ کہیں کسی نے اُسے اس طرح خود بخود مسکراتے تو نہیں دیکھ لیا.... آج وہ جی بھر کے تفریح کرنا چاہتا تھا۔

ٹونی، ایڈی اور ٹمپلر بُری طرح ڈاؤن ہوگئے تھے اور اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ناگر کو دیکھ رہے تھے، جیسے وہ کوئی جیتی جاگتی سچویشن نہ ہو بلکہ انہوں نے اُسے خواب میں دیکھ پایا ہو۔

"کیا کررہے تھے تم لوگ۔" ناگر غرایا۔

"مزہ کررہے تھے پیارے۔ تم بھی آؤ۔" ایڈی جھومتا ہوا انگلی نچا کر بولا۔

"وہ عورت کون تھی۔" ناگر غصہ پی گیا۔

"حاتم کی بیٹی۔" ٹمپلر آنکھیں بند کرکے بڑبڑایا۔ "حاتم کی بیٹی جس نے اپنے گھوڑے کو مہمان ذبح کرکے کھلادیا تھا۔"

"میں کہتا ہوں.... تم لوگ وہاں کیوں نہیں گئے۔"

"وہاں.... سے زیادہ.... یہاں.... ہچ.... مزہ آرہا.... ہچ.... تھا...." ٹونی ہچکیاں لیتا

ہوا بولا۔ "حاتم کی بیٹی تمہیں بھی پلائے گی.... ہچ.... بیٹھو.... بیٹھو.... ہچ....!"

"مت بکواس کرو۔" ناگر بیٹھتا ہوا بولا۔ "کان کھول کر سن لو.... اگر تمہیں سنجیدگی سے کام کرنا ہے تو کرو، ورنہ جہنم میں جاؤ۔"

"اچھی بات ہے....!" ٹمپلر نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ "ہم جہنم میں چلے جائیں گے.... آج ہی چلے جائیں گے.... ابھی چلے جائیں گے۔"

"جہنم".... میرے چچا نے بنوائی تھی.... سمجھے۔" ٹونی میز پر ہاتھ مار کر بولا۔ "تم.... ہچ.... وہاں کا سے.... جاؤ گے۔"

"ابے.... جا....!" ٹمپلر نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ "تیرے چچا کے پاس تو پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی۔ میرے باپ کے شراپ خانے میں پڑا رہا کرتا تھا۔ وہ بنوائے گا جہنم.... ہنہہ....!"

"ابے.... چوپ.... چھچھورے کی اولاد.... تیرا باپ دھکے کھاتا پھرتا تھا۔" اس نے ٹمپلر کو گھونسہ دکھایا۔

"اے.... ٹونی....!" ایڈی اس کا شانہ پکڑ کر جھنجھوڑتا ہوا بولا۔ "ہوش میں رہو۔ میں اس کے باپ کی بہت عزت کرتا تھا.... زبان بند کرو۔"

"تم.... ہچ.... میرے چچا.... کی عزت کیوں نہیں کرتے تھے۔" ٹونی جھٹکا دے کر اس کا ہاتھ اپنے شانے سے ہٹاتا ہوا بولا۔ "اس کی عزت کرو.... یہ میرا.... ہچ.... چچا تھا.... تمہارا باپ تھا.... ساری دنیا کا باپ تھا۔"

ناگر چند لمحے انہیں گھورتا رہا پھر اٹھ گیا۔ شاید اُس نے یہ سوچا تھا کہ ان سے ہوشمندی کی توقع فضول ہے۔ عین ممکن تھا کہ اُن کے درمیان ہاتھاپائی کی بھی نوبت آجاتی۔

آمد و رفت کے دروازے کے قریب پہنچ کر وہ رکا اور ایک بار پھر پلٹ کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔ میز الٹ گئی تھی اور وہ تینوں ایک دوسرے سے گتھے ہوئے تھے اور پھر بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔ ناگر چپ چاپ باہر نکل آیا.... اس کے ہونٹ سختی سے بھنچے ہوئے تھے۔ شاید وہ بہت غصے میں تھا۔

کمپاؤنڈ میں پہنچ کر اس نے موٹر سائیکل سنبھالی اور ایک طرف چل پڑا۔ کچھ دیر بعد اس نے ایک عمارت کے سامنے موٹر سائیکل روکی اور اتر کر اندر چلا گیا۔ واپسی پر اس کے ہاتھ میں پٹرول

کا ایک ٹن تھا! جسے اس نے موٹر سائیکل کے کیریئر پر رکھ کر چمڑے کے تسمے سے کس دیا اور پھر چل پڑا.... موٹر سائیکل کی رفتار بہت تیز تھی۔

اب اس کا رخ پرانے شہر کی طرف ہو گیا تھا۔

پرانے شہر پہنچ کر اس نے نادر محل سے کافی فاصلے پر موٹر سائیکل چھوڑ دی اور ہاتھ میں پیٹرول کا ٹن لٹکائے ہوئے نادر محل کی طرف چلنے لگا۔

چاروں طرف سناٹا تھا۔ سردیوں کی راتیں تھیں۔ اس لئے گیارہ بجے ہی ایسا معلوم ہونے لگا جیسے آدھی سے زیادہ رات گذر گئی ہو۔

وہ نادر محل کے قریب پہنچ کر پھر رکا اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ یہاں بھی ہر طرف سناٹے کی حکمرانی تھی۔ آس پاس کے کسی آوارہ کتے نے بھی آواز نہ نکالی۔

وہ صدر دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ یہاں ایک بڑے سے سیاہ رنگ کے کتے کی لاش موجود تھی۔ اس نے نہایت اطمینان سے پٹرول کا ٹن اس پر خالی کر دیا اور پھر چند قدم پیچھے ہٹ کر ایک دیا سلائی کھینچی اور لاش کی طرف اچھال دی۔

یک لخت روشنی کا ایک جھماکا سا ہوا اور لاش دھڑا دھڑ جلنے لگی۔

پھر موٹر سائیکل تک پہنچتے پہنچتے اس کے پیچھے پڑے دھونکنی بن گئے۔

وہاں سے وہ سیدھا مونا کرسٹی کے فلیٹ میں آیا۔ وہ شاید سو چکی تھی۔ بار بار گھنٹی بجانے پر تھوڑی دیر بعد اندر کچھ کھڑ کھڑاہٹ سنائی دی اور پھر قدموں کی آوازیں آئیں، جو دروازے کے قریب ختم ہو گئیں اور ایک لمحے کے لئے سکوت طاری ہو گیا۔

"کون ہے؟" اندر سے مونا کی بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔

"ناگر....!"

"کیوں؟" لہجے میں حیرت تھی۔ "اوہ ٹھہرو! ایک منٹ! ذرا میں سلیپنگ گاؤن ڈال لوں۔"

پھر تقریباً تین منٹ بعد دروازہ کھلا اور ناگر نے محسوس کیا کہ وہ اس قلیل وقفے میں چہرے پر پف کرنا اور ہونٹوں پر اسٹک پھیرنا نہیں بھولی تھی۔ ویسے اس کی خمار آلود آنکھیں صاف بتا رہی تھیں کہ وہ کچی نیند سے جاگی ہے۔ بڑے بڑے پھولوں والا سلیپنگ گاؤن اس کے سڈول جسم پر بہت حسین لگ رہا تھا۔

"میں یہ اطلاع دینے آیا ہوں کہ میں نے کتے کی لاش جلادی۔"

"کیوں....؟" مونا چونک سی پڑی۔

"ٹونی، ٹمپلر اور ایڈی اُسے کنوئیں میں نہیں پھینک سکے۔"

"انہوں نے اتنی پی لی ہے کہ دو قدم بھی نہیں چل سکتے۔ انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اُسے پھینک دیں گے.... میں خود نہیں پھینک سکا۔ اپنے باس سے کہہ دو کہ میں آدمی کی لاش برداشت کر سکتا ہوں لیکن کتوں کی لاشیں میرے بس سے باہر ہیں۔"

"مگر تم نے اُسے جلا کیوں دیا۔"

"پتہ نہیں وہ لاش کیسی تھی۔ اگر وہاں پڑی رہ جاتی تو معلوم نہیں کس قسم کے نتائج بر آمد ہوتے۔ یہی سب سوچ سمجھ کر میں نے اُسے ضائع ہی کر دینا مناسب سمجھا۔ اور ہاں اس سے یہ بھی کہہ دینا کہ اب مجھے دوسرے آدمیوں کا انتظام کرنا پڑے گا۔ کیونکہ وہ تینوں تو شاید اب تک حوالات میں پہنچ چکے ہوں گے۔"

"اچھا اب میں جارہا ہوں۔"

ناگر واپسی کے لئے مڑ گیا۔ اس نے یہ گفتگو وہیں کھڑے کھڑے کی تھی۔

تفریح

آر لکچو میں ہنگامہ ہوا اور آن واحد میں فرو بھی ہو گیا۔ کوئی خاص بات نہیں تھی۔ تین شرابی آپس میں لڑ پڑے تھے۔ انہیں پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔ کسی نے یہ بھی نہ پوچھا کہ ان کے ساتھ جو عورت تھی کہاں گئی۔ ایڈی، ٹونی اور ٹمپلر سے بہتیرے واقف تھے اور یہ بھی بہتیروں نے دیکھا تھا کہ ہنگامے کے وقت اس میز پر کوئی چوتھا آدمی نہیں تھا۔

بس یہ ہنگامہ ڈائننگ ہال ہی تک محدود رہا۔ ریکریئیشن ہال والوں کو اس کی خبر بھی نہ ہو سکی۔ مگر حمید غافل تو نہیں تھا۔ وہ اس وقت تک یہاں کی تفریحات میں مشغول نہیں ہوا تھا جب تک اس نے ناگر کو ڈائننگ ہال سے نکلتے نہیں دیکھ لیا تھا۔

اس کے بعد اُسے کسی شکاری کی تلاش ہوئی۔ وہ آج جی بھر کے تفریح کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ

فریدی کی وجہ سے اپنی ایک دوست کو وقت دے دینے کے باوجود بھی ہائی سرکل نائٹ کلب نہیں پہنچ سکا تھا۔

ذرا ہی سی دیر میں اُسے شکار نظر آگیا اور شکار بھی ایسا کہ بس مزہ ہی آجاتا۔ قاسم ان دنوں روزانہ آر لکچو میں آرہا تھا کیونکہ رقص گاہ کے فرش پر پاؤڈر چھڑکنے والی لڑکیوں میں سے ایک اُسے بہت زیادہ پسند آگئی تھی۔ مگر ظاہر ہے کہ وہ اُسے صرف دیکھتا اور ٹھنڈی سانسیں ہی کھینچتا رہا ہوگا۔ اس میں بھلا اتنی ہمت کہاں تھی کہ وہ کسی لڑکی سے ملنے ملانے میں پہل کر سکتا۔ ویسے اُس کا یہ قول بھی سچا ہی ہو سکتا تھا کہ

محبت اثر کرتی ہے چپکے چپکے
محبت کی کھاموش انگاریاں ہیں

وہ اس شعر کو گنگنا کر پڑھا کرتا تھا۔ مگر "چنگاریاں" اُسے ہمیشہ "انگاریاں" یاد آتیں۔ اگر کوئی ٹوک دیتا تو ہتھے سے اکھڑ جاتا اور حلق پھاڑ کر کہتا۔ "میں انگاریاں ہی کہتا ہوں، یہی درست ہے۔ انگارہ سے انگاریاں.... اگر چنگاریاں صحیح ہے تو انگارہ کو چنگارہ کیوں نہیں کہتے.... نہیں کہونا۔"

حمید نے اُسے دیکھا۔ وہ گیلری کی ایک میز پر تنہا تھا۔ وہ بڑے دلکش انداز میں وینٹی بیگ ہلاتا ہوا اس کی طرف بڑھا.... اور جب اُس کے قریب پہنچ گیا تو قاسم نے منہ کھول کر اس طرح پلکیں جھپکائیں جیسے کسی اُلو کو پکڑ کر دھوپ میں بٹھادیا گیا ہو۔

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں۔" حمید نے مسکرا کر پوچھا۔ اُس کی آواز میں نہ جانے کہاں کا رس اور لوچ آگیا تھا۔

"جج.... جی.... جی ہاں" قاسم بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔ پھر ایسا معلوم ہونے لگا جیسے وہ میز پر سر کے بل کھڑا ہو جانا چاہتا ہو۔

"آپ بھی بیٹھئے نا۔" حمید نے کہا، جو پہلے ہی بیٹھ گیا تھا۔

"جج.... جی ہاں.... بب.... بالکل.... بالکل....!" قاسم پیچھے ہٹ کر کرسی سنبھالنے لگا۔ کبھی ادھر کھسکاتا اور کبھی اُدھر۔ اس کا سینہ دھونکنی کی طرح چل رہا تھا اور نتھنے پھول پچک رہے تھے۔ شاید زندگی میں پہلا ہی موقع تھا جب کسی تگڑی سی لڑکی نے خود ہی اُس سے اُس کے ساتھ بیٹھنے کی اجازت طلب کی تھی۔

"میں کہتی ہوں.... تشریف رکھئے نا.... یا اگر میرا بیٹھنا ناگوار ہو تو میں چلی جاؤں۔"

"نن.... نہیں.... ارے نہیں.... بیٹھئے.... بھائی صاحب.... اُدغ.... ادغ.... مطلب یہ کہ.... جی ہاں۔"

قاسم دھم سے کرسی پر بیٹھ گیا۔

حمید نشیلی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ قاسم کا بُرا حال تھا۔ کبھی وہ اس کی طرف دیکھتا اور کبھی بوکھلا کر بغلیں جھانکنے لگتا۔ حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور آہستہ سے بولا۔

"میں آپ کو کتنے دنوں سے دیکھ رہی ہوں آپ کے متعلق میں نے سب کچھ معلوم کر لیا ہے.... مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔ آپ سیٹھ عاصم کے لڑکے ہیں آپ کا نام قاسم ہے۔ آپ کی شادی ایک ایسی لڑکی سے کر دی گئی ہے جو آپ کو پسند نہیں کرتی۔"

"جج.... جی ہاں....!" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اب وہ رو دے گا۔

"مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔ اچھا یہ بتایئے آخر مجھے کیا پڑی تھی کہ میں نے آپ کے متعلق اتنی معلومات فراہم کر ڈالیں۔"

"مخ.... خدا آپ کا بھلا کرے۔" قاسم کو اس کے علاوہ اور کوئی جواب نہ سوجھا۔

حمید پھر خاموش ہو گیا اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور وہ قاسم کو بڑی میٹھی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"آپ کتنے اچھے ہیں۔ مجھے کتنے اچھے لگتے ہیں۔" اس نے کچھ دیر بعد کہا۔

قاسم ہکا بکا رہ گیا اور اب تو وہ بالکل ہی گونگا ہو گیا تھا۔

"میں اکثر آپ کو خواب میں بھی دیکھتی ہوں۔ آپ کتنے بانکے سجیلے ہیں۔"

قاسم نے بوکھلاہٹ کے عالم میں سوچا کہ اُسے بھی کچھ نہ کچھ بولنا ہی چاہئے۔ مگر بولے کیا۔ ظاہر ہے اسی جملے کے جواب میں کچھ نہ کچھ کہنا چاہئے مگر اتنی دیر تک جواب بھی نہ سوچنا چاہئے کہ لڑکی کو کسی قسم کا شبہہ ہو جائے۔ اتنی عقل تو قاسم بھی رکھتا تھا۔ دفعتاً اُسے سوجھ ہی گئی کہ اس موقع پر اُسے کسر نفسی اور خاکساری سے کام لینا چاہئے۔ لہٰذا وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔

"اجی میں کس.... لائق ہوں.... بالکل چمار ہوں.... اررر.... ہوف.... یعنی کہ خبیث

ہوں.... اُف فوہ.... مطلب یہ کہ.... الا قسم جب بھی آئینہ دیکھتا ہوں بالکل دھوبی معلوم ہوتا ہوں.... ہت تیرے کی سب غلط۔"

قاسم نے جھنجھلا کر دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ دبا لیا۔ اُسے شدت سے احساس ہو گیا تھا کہ اس نے رو میں اچھی خاصی بکواس کر ڈالی ہے۔

"ہے ہے..... آپ کی یہی ادا تو مار ڈالتی ہے۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"ادا.... مار ڈالتی ہے.... ارے باپ رے۔" قاسم نڈھال سا ہو کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

"کیوں کیا ہوا....!" حمید آگے جھک آیا۔

"آپ مردوں کی طرح کیوں بول رہی ہیں۔" قاسم نے مردہ سی آواز میں کہا۔

"آپ عورتوں کی طرح بدحواس کیوں ہو جاتے ہیں۔" حمید نے لچک کر کہا۔

"یہاں گگ.... گرمی کتنی ہے۔" قاسم اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔

"تو اٹھئے.... باہر چلیں....!" حمید نے تجویز پیش کی۔

❁

ناگر کی موٹر سائیکل ایک بار پھر سڑکوں پر فراٹے بھر رہی تھی، لیکن وہ اُسے اپنی قیام گاہ کی طرف نہیں موڑ سکا کیونکہ اسے یک بیک وہ عورت یاد آ گئی تھی جسے اُس نے اپنے ساتھیوں کی میز سے اٹھتے دیکھا تھا۔

"کیا وہ اب بھی وہاں موجود ہو گی؟ ناگر سوچ رہا تھا۔ وہ کون تھی؟ اور اس حرکت کا کیا مقصد تھا۔ ٹونی ایڈی اور ٹمپلر اس کے لئے نئے نہیں تھے۔ وہ انہیں اچھی طرح جانتا تھا۔ ان کی عادت سے بھی واقف تھا کہ وہ کبھی زیادہ نہیں پیتے تھے۔ اتنی زیادہ کہ ہوش ہی میں نہ رہیں اور آپس ہی میں لڑ مریں۔ پھر یہ کیا قصہ تھا۔

موٹر سائیکل اسی سڑک پر مڑ گئی جس پر آرلکچو کی عمارت واقع تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ آرلکچو کے ڈائیننگ ہال میں داخل ہوا یہاں حالات معمول پر آ چکے تھے۔ لیکن ڈائیننگ ہال میں وہ لڑکی نہ دکھائی دی۔

ناگر نے سوچا ممکن ہے وہ چلی ہی گئی ہو۔ ویسے بھی یہ بات سمجھ میں آنے والی تھی کہ اگر وہ کسی قسم کی سازش ہی تھی تو اس کے بعد لڑکی وہاں ٹھہرنے ہی کیوں لگی۔

وہ کاؤنٹر کی طرف مڑ گیا اور کاؤنٹر کلرک سے فون استعمال کرنے کی اجازت طلب کر کے کسی کے نمبر ڈائیل کئے لیکن تیسری بار رنگ کرنے پر رابطہ قائم ہو سکا۔

"ہیلو....!" اُس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "اٹ از ناگر.... میری کوئی کال۔"

"جی ہاں۔" دوسری طرف سے بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔ "تھری تھری ایٹ سکس ناٹ پر رنگ کر کے صرف اپنا نام لیجئے۔"

"کیا لہجہ غیر ملکی تھا۔" ناگر نے پوچھا۔

"جی ہاں.... غیر ملکی ہی تھا۔"

"شکریہ۔" ناگر نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

اس کے بعد اُس کے بتائے ہوئے نمبر ڈائیل کئے۔

دوسری طرف سے فوراً ہی جواب ملا۔

"ناگر....!"

"گڈ....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "تم بہت ذہین ہو ناگر اسی لئے میں تمہیں بہت اہمیت دیتا ہوں اور یہی وجہ ہے کہ میں پہلی بار تم سے براہِ راست گفتگو کر رہا ہوں۔"

"شکریہ جناب....!" ناگر نے بہت بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"مجھے مونا سے اطلاع مل چکی ہے۔ تم نے سچ مچ عقلمندی کا ثبوت دیا ہے۔ اُسے ضائع کر دینا ہی بہتر ہوا۔ مگر تمہارے ساتھیوں کا کیا بنا۔"

"وہی جو ہونا چاہئے تھا۔ غالباً آپ سمجھ گئے ہوں گے۔"

"تم کہاں سے بول رہے ہو۔"

"آر لکچو سے۔" ناگر نے طویل سانس لے کر کہا۔ "اب میں سوچ رہا ہوں کہ اگر اُن سے مزید حماقتیں ہوئیں تو کیا صورت ہو گی۔"

"اسکی پرواہ نہ کرو۔" دوسری طرف سے ہلکے سے قہقہے کی آواز آئی۔ "اگر انہوں نے کوئی بیان دیا تو اسکی وقعت بھی نشے کی جھونک سے زیادہ نہ ہو گی۔ یا پھر وہ پاگل قرار دے دیئے جائیں گے۔"

"جی ہاں.... میں بھی یہی سوچ رہا ہوں.... ہاں دیکھئے ابھی فون ہی پر ٹھہریئے گا۔"

"کیا مطلب....!"

"میں سلسلہ منقطع کر رہا ہوں۔" ناگر نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

اب وہ باہر جا رہا تھا۔ سڑک پر آ کر وہ تیزی سے ایک جانب چل پڑا۔ پھر ایک ٹیلی فون بوتھ ہی کے قریب رکا۔ یہاں سے اُس نے پھر اُسی نامعلوم آدمی کے نمبر ڈائیل کئے جس سے کچھ دیر پہلے گفتگو کر چکا تھا۔

"ہیلو....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "اب کہاں ہو!"

"ایک پبلک کال بوتھ سے بول رہا ہوں۔"

"واقعی بہت سمجھ دار ہو ناگر۔ میرا خیال ہے کہ اب تم مجھے کوئی حیرت انگیز اطلاع دو گے۔"

"حیرت انگیز ہی سمجھئے کیونکہ.... مطلب یہ ہے کہ....!"

"کہو.... ہچکچاہٹ کی ضرورت نہیں۔"

"محکمہ سراغ رسانی کی ایک لڑکی غائب ہو گئی ہے۔"

"لیکن اُس سے ہمیں کیا سروکار۔" دوسری طرف سے متحیرانہ لہجے میں کہا گیا۔

"بہت عرصہ ہوا مجھے اُس سے سروکار تھا۔ لیکن پھر ہم میں بڑی سخت لڑائی ہوئی اور میں نے تہیہ کر لیا کہ اُسے جان سے مار دوں گا۔ شاید میں نے اس پر بھی اپنا یہ خیال ظاہر کر دیا تھا اس کے بعد اس کی ایک پولیس آفیسر سے دوستی ہو گئی جس نے محکمہ کے سپرنٹنڈنٹ کی اسٹینو کی حیثیت سے اُسے ملازمت دلوا دی تھی۔ اب یہ لڑکی فن آئی لینڈ سے غائب ہو گئی ہے۔"

"ارے تو تمہیں کیوں فکر ہے۔"

"مجھے تو ذرا ذرا سی بات کی فکر ہو جاتی ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ میرا ایک بہت بڑا دشمن شہر میں موجود ہے۔"

"دشمن.... کیا مطلب....!"

"میرا اشارہ کرنل فریدی کی طرف تھا۔ کیا آپ اُس کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔"

"میں نے بہت کچھ سن رکھا ہے۔"

"وہ مجھے پھانسنے کے لئے پیچیدہ ذرائع بھی اختیار کر سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس لڑکی کے غائب ہو جانے میں اسی کا ہاتھ ہو۔"

"ارے تم ان جھمیلوں میں نہ پڑو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "شاید وہ تمہارے خلاف

کسی قسم کا ثبوت بھی نہ مہیا کر سکے۔ محض قیاسات کی بناء پر وہ کیا کر لے گا۔ میرا مشورہ ہے کہ تم اسے اپنے ذہن سے نکال ہی دو۔"

❁

آخر کار قاسم ایک ڈنڈا تلاش کر لینے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ حمید نے ہال سے باہر آتے ہی ڈنڈے کی فرمائش کی تھی اور قاسم یہ سوچے بغیر کہ کسی عورت کے لئے ڈنڈے کا شوق کیا معنی رکھتا ہے ڈنڈا تلاش کرنے لگا تھا۔

"اب ٹہلنے چلیں گے۔" حمید نے کہا۔

"جرور.... جرور.... ڈنڈا لیجئے۔"

"میری گاڑی تک لے چلئے۔" حمید نے کہا اور اُسے کار تک لے آیا۔

تھوڑی دیر بعد کار آرلکچو کی کمپاؤنڈ سے باہر نکل رہی تھی۔

"یہ رات کتنی حسین ہے۔" حمید نے کہا۔

"جج.... جی ہاں.... بہت خبصورت۔"

"میں آپ کو اچھی لگتی ہوں۔"

"غوب .. نوب.... ارے باپ رے.... اُوغ....!" قاسم نے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ دبالیا۔ وہ پھر بُری طرح بوکھلا گیا تھا۔

"کیوں.... کیا بات ہے۔ آپ مجھے پسند نہیں کرتے۔"

"پپ پسند.... بہت.... بہوت....!"

"تو پھر اس طرح منہ کیوں بند کرتے ہیں۔"

"منہ میں درد ہے۔"

"منہ میں.... درد.... واہ.... یہ نئی بات سنی۔"

"درد.... دانت میں ہوگا۔" قاسم نے کہا اور منہ پر سے ہاتھ ہٹا لئے۔

"خیر....!" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "میں بہت عرصہ سے آپ کو دیکھ رہی ہوں۔ اب ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں آپکے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ کیا آپ مجھ سے محبت کریں گے۔"

"الا قسم کروں گا.... کرتے دم تک مروں گا.... ارنے ہش.... مرتے دم تک کروں

گا۔" قاسم کی بوکھلاہٹ شدت اختیار کر گئی۔ چونکہ اب اس بوکھلاہٹ میں مسرت کی آمیزش ہو گئی تھی اس لئے اس سچویشن کا کیا پوچھنا۔ اگر خود قاسم ہی ڈرائیو کر رہا ہوتا تو شاید کار سمیت ان دونوں کے چیتھڑے اڑ گئے ہوتے۔

حمید کار کو ایک سنسان سڑک پر لئے جا رہا تھا اور یہ راہ کمٹالی کے ویران میدان کی طرف جاتی تھی۔ قاسم کو اس کی کیا پرواہ ہو سکتی تھی کہ وہ جنت میں جا رہا ہے یا جہنم میں۔ اس کا خیال ہی فضول تھا کیونکہ لے جانے والی ایک عورت تھی۔ ایسی جو قاسم کے معیار عشق پر پوری اترتی تھی۔

کمٹالی کے میدان میں حمید نے کار روکتے ہوئے کہا۔ "اتر آیئے سرتاج من، عشق لڑانے کے لئے اس سے مناسب اور جگہ کوئی نہ ہوگی۔"

ایسی بے تکلف لڑکی آج تک قاسم کی نظروں سے نہیں گذری تھی اس لئے کار سے اترتے وقت ایک بار پھر اُس پر بدحواسی کا دورہ پڑا اور یہ اتنا شدید تھا کہ وہ منہ کے بل نیچے چلا گیا۔

حمید نے اُس پر چھلانگ لگائی اور دبوچ کر بیٹھ گیا۔

"ارے.... ارے.... یہ کیا اٹھئے اٹھئے۔" حمید نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ قاسم اوندھا پڑا ہولے ہولے کراہ رہا تھا۔

"ارے اٹھئے بھی....!" حمید نے کہا۔

"کیسے اٹھوں....!" قاسم نے مردہ سی آواز میں کہا۔ "آپ تو چڑھی بیٹھی ہیں۔"

"ارے توبہ....!" حمید اُس پر سے اٹھتا ہوا بولا۔ "سچ مچ میں محبت میں بالکل دیوانی ہو جاتی ہوں۔"

"قوئی.... کوئی بات نہیں.... ہی ہی ہی ہی۔" قاسم نے بدقت تمام اٹھ کر کہا۔

تھوڑی دیر تک وہ دونوں ہی خاموش رہے پھر حمید نے کہا۔ "میں ازبکستان کی رہنے والی ہوں۔"

"بڑی خوشی ہوئی۔" قاسم بولا۔

"مجھ سے محبت کرو۔"

"جج.... جی ہاں....!"

"تو کرو نا.... تم تو کسی اداس خچر کی طرح خاموش کھڑے ہو۔"

"ہی ہی ہی ہی.... کیسے کروں محوبت....!" قاسم دانتوں میں انگلی دبا کر ہنسا۔

"ہائیں! تم اتنا بھی نہیں جانتے۔" حمید نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "اچھی بات ہے تو

پھر میں ہی شروع کروں گی۔ مگر ہم ازبکستانیوں کے رسم و رواج بالکل مختلف ہیں۔ مرد کے طریقے الگ ہیں اور عورت دوسری طرح اظہار محبت کرتی ہے۔ اچھا چلو، جو کچھ میں کہتی ہوں اُسے غور سے سنو پھر تمہیں بھی وہی دہرانا پڑے گا۔ اے ستارو تم کہاں جا چھپے ہو باہر آؤ۔ میں تمہیں پکارتا ہوں.... اور یہ کالی گھٹائیں، جو تمہیں ہڑپ کر گئی ہیں، تھوڑی دیر کی مہمان ہیں۔ تم ان میں آنکھ مچولی کھیلتے رہو۔ ابھی کچھ دیر بعد تمہیں گواہی دینا پڑے گی کہ ہم دونوں ایک دوسری پر جان دیتے ہیں۔ چلو اب اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر اُسے دہراؤ۔"

قاسم نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور ہکلانے لگا۔ "اے سس.... ستارو.... باہر نکل کر مجھے .... مجھے .... ہڑپ کر جاؤ.... ارے نہیں.... ہش.... وہ کیا تھا سالا.... گالی کھٹائیں.... ہائیں.... ارے باپ رے.... سب سالا بھول گیا۔ ارے وہ کیا تھا.... مہمان آجائے گا سالا تھوڑی دیر میں گواہی دیتے۔"

"شٹاک....!" ایک زوردار ڈنڈا اُس کے کولہوں پر پڑا۔

"ارے باپ رے۔" وہ بے تحاشہ دہاڑ کر اچھل پڑا۔

"کہتے رہو.... پیارے.... یہ لمحے پھر لوٹ کر نہ آئیں گے۔" حمید نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

"ابے تو مارتی کیوں ہو۔" قاسم جھلا کر بولا۔

"میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ ہم میں سے ایک کو اظہار عشق ضرور کرنا چاہئے۔ محبت کا یہی دستور ہے۔ تم کہتے ہو کہ تمہیں اظہار محبت کرنا نہیں آتا۔ اس لئے میں نے شروع کیا تھا۔ ازبکستان کی عورتیں اسی طرح اظہار عشق کرتی ہیں۔ وہاں کا یہی رواج ہے۔"

"تو کیا ابھی اور کرو گی۔" قاسم نے کراہ کر مردہ سی آواز میں پوچھا۔

"کم از کم تین درجن ڈنڈے....!" حمید نے اطمینان سے کہا۔

قاسم کے دیوتا کوچ کر گئے۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے.... نہ تو وہ اُسے اظہار عشق سے روک سکتا تھا اور نہ یہی چاہتا تھا کہ اُس کے کولہوں کی کھال اتر جائے۔ بہر حال جب کچھ بھی نہ بن پڑا تو وہ دل ہی میں ازبکستان والیوں کو گالیاں دینے لگا۔

"ارے تم کیا سوچ رہے ہو پیارے۔ اٹھاؤ ہاتھ اوپر۔" حمید نے قاسم کو جھنجھوڑ ڈالا۔

"اٹھاتا ہوں.... مگر تم جو کچھ بھی کہہ رہی تھیں وہ مجھے زبانی یاد نہیں ہوتا۔"

"پرواہ مت کرو۔" حمید بول پڑا۔ "تم کچھ بھی نہ کہو۔ بس چپ چاپ ہاتھ اٹھائے کھڑے رہو۔ میں خود ہی یہ سب کچھ دہراتے ہوئے تین درجن ڈنڈے پورے کرلوں گی۔"

"مر گئے۔" قاسم کی آواز میں بلا کا درد تھا۔

"میں.... تم پر جان دیتی ہوں.... ایک....!" حمید نے کہہ کر دوسرا ہاتھ رسید کیا۔

"اُوف.... فیہا....!" قاسم پھر کراہا۔

"روتے کیوں ہو.... نحوست کیوں پھیلاتے ہو.... دو....!" تیسرا پڑا۔

"ہائے.... ہاہاہا...." قاسم رونے کے سے انداز سے ہنسا۔

"میں ستاروں کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ ہمیشہ تمہیں پیار کرتی رہوں گی.... تین....!"

"ہاغ.... غٹ.... کھال اتر جائے گی.... پیاری۔" قاسم کا لہجہ حد درجہ دردناک تھا۔

"پرواہ مت کرو.... یہ لمحات زندگی بھر ایک حسین یادگار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایسے خوش نصیب لوگ دنیا میں کہاں ملتے ہیں، جن سے عورتیں اظہار عشق کریں.... ہنسو.... قہقہے لگاؤ.... تم بڑے آدمی ہو.... چار....!"

"اُغ.... بم.... ارے تو ذرا آہستہ مارو نا۔"

"مجبوری ہے.... میں نہیں چاہتی کہ زندگی بھر ہم میں جدائی ہو۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اگر زور سے ڈنڈا نہ جمایا گیا تو شیطان ہم پر حاوی ہو جاتا ہے اور اس کے بعد جدائی لازمی ٹھہری۔ یہ ڈنڈے اس وقت دراصل شیطان ہی پر پڑ رہے ہیں.... پانچ....!"

"ارے جاؤ....!" قاسم جھلاہٹ میں تقریباً ناچ کر بولا۔ "کھال میری اُتری جا رہی ہے اور ڈنڈے شیطان پر پڑ رہے ہیں۔ ٹھینگے پر گئی ایسی محبوبت.... اب مت مارو۔"

دفعتاً حمید سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور سسک سسک کر رونا شروع کر دیا۔

"ارے.... ارے...." قاسم بوکھلا گیا۔

"نہیں مجھے رونے دو۔ میری تقدیر پھوٹ گئی۔ ازبکستان کی کوئی لڑکی اتنی بدنصیب نہ ہوگی کہ جس کے محبوب نے اظہار محبت کرنے سے اُسے روک دیا ہو۔ اب میں کیسے زندہ رہوں گی۔ تم کل صبح کے اخبارات میں دیکھ لینا کہ ازبکستان کی ایک لڑکی جابرہ زہر کھا کر مر گئی۔"

حمید سر پیٹ پیٹ کر بین کرتا رہا۔

"اچھا اچھا.... روؤ نہیں.... چلو مار لو.... تین نہیں دس درجن۔ اب چوپ بھی رہو۔ خدا کے لئے.... میرا کلیجہ الٹ پلٹ ہو رہا ہے۔"

"یا خدا تیرا شکر ہے۔" حمید اٹھتا ہوا دردناک آواز میں بولا۔ "میں تو سمجھی تھی کہ اب مجھے یا تو عمر بھر کنواری رہنا پڑے گا یا خودکشی کرنی پڑے گی۔"

اُس نے پھر ڈنڈا اٹھایا اور دھڑا دھڑ قاسم پر برسانے لگا۔ لیکن اچانک کسی نے پیچھے سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور ساتھ ہی گال پر ایک بھرپور ہاتھ بھی مارا۔ حمید لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم پیچھے ہٹتا چلا گیا اور پھر اس نے فریدی کی آواز سنی، جو کہہ رہا تھا۔ "اب میں کچھ دنوں کے لئے تمہیں کسی پاگل خانے میں بند کراؤں گا۔"

پھر ایسا معلوم ہوا جیسے حمید کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ نہ تو اُسے اس دخل اندازی پر غصہ آیا تھا اور نہ یہ چانٹا ہی گراں گذرا تھا۔ ویسے داہنے گال کی ایسی ہی کیفیت تھی جیسے کھال اتار کر پسی ہوئی مرچیں چھڑک دی گئی ہوں۔

"اے کون ہے.... کھبردار....!" قاسم دہاڑا۔

"بکواس مت کرو.... گدھے کہیں کے۔" فریدی نے کہا۔ "میں ہوں۔"

"کرنل صاحب.... ارے باپ رے.... ہم.... مگر آپ نے مارا کیوں.... کیوں مارا۔"

"میں تمہیں بھی ماروں گا ورنہ خاموش رہو۔"

"خواہ.... جان چلی جائے۔" قاسم دہاڑا۔ "لیکن.... لیکن.... میں بتائے دیتا ہوں کرنل صاحب آپ نے اچھا نہیں کیا۔"

حمید نے ان دونوں کو الجھے دیکھا تو چپکے سے کھسک گیا۔ بہ آہستگی گاڑی میں بیٹھا اور کار حرکت میں آگئی۔

"ٹھہرو....!" فریدی نے پلٹ کر کہا لیکن کون سنتا ہے۔ پھر اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی وہاں کیسے پہنچ گیا۔

کار تیزی سے راستہ طے کرتی رہی۔ ویسے حمید مڑ مڑ کر دیکھتا جا رہا تھا اور اسے کسی دوسری گاڑی کی ہیڈ لائٹ بھی نظر آرہی تھی۔ لیکن ایسا نہیں معلوم ہوتا تھا کہ دوسری گاڑی کا ڈرائیور

اُسے آلینے کے لئے کوشاں ہو۔

پھر اُسے اپنے آگے ایک کچے راستے پر بھی ایک گاڑی نظر آئی۔ یہ کچا راستہ سڑک کو کراس کرتا تھا۔ حمید نے احتیاطاً اپنی کار کی رفتار کم کر دی اور دوسری گاڑی کے سڑک پار کر جانے کا انتظار کرنے لگا۔ مگر اچانک دونوں گاڑیاں ایک دوسرے سے صرف ایک فٹ کے فاصلے پر رک گئیں۔ دونوں کے بریک کڑکڑائے تھے۔ دوسری گاڑی کا ڈرائیور حمید کو بُرا بھلا کہنے لگا اور پھر حمید کو بھی غصہ آگیا اور اس کی بھی زبان چل پڑی، لیکن اُسے اتنا ہوش تو تھا ہی کہ وہ کسی عورت کے میک اپ میں ہے۔ ہوش تو تھا۔ مگر نہ جانے کیوں چیختے چیختے اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ دوسری گاڑی آگے بڑھ گئی لیکن حمید چیختا ہی رہا۔ اب وہ محسوس کر رہا تھا کہ اُسے اپنی آواز پر بھی قابو نہیں رہا.... اور وہ اپنی اصلی حالت میں ظاہر ہونے لگی ہے.... اور پھر اُسے اتنا بھی ہوش نہ رہا کہ وہ بعد کی باتیں یاد رکھ سکتا۔

چھت گری

حمید کو اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ کتنی دیر تک بیہوش رہا تھا۔ البتہ ہوش میں آتے ہی اُس نے محسوس کیا کہ وہ اب بھی اُس کار والے پر گرج برس رہا تھا۔ جس کی ذرا سی لغزش اُسے دوسری دنیا کے سفر پر روانہ کر دیتی۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا لیکن اُسے بہت زیادہ بوکھلاہٹ میں نہیں مبتلا ہونا پڑا۔ کیونکہ وہ اپنی ہی خواب گاہ میں تھا اور زنانہ لباس اب بھی اُس کے جسم پر موجود تھا۔ لیکن مصنوعی بال سر پر نہیں تھے۔ نہ جانے کیوں اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کمرے کی دیواریں اُسے پیس ڈالنے کے لئے اپنی جگہوں سے کھسک رہی ہوں۔ یک بیک وہ پلنگ پر سے اچھل کر بھاگا اور پھر دروازے کے قریب رک کر بستر کو اس طرح گھورنے لگا جیسے کچھ دیر پہلے اُس کے نیچے سانپ کلبلایا ہو۔ شاید اُس نے یہی محسوس کیا تھا۔ وہ پھر دبے پاؤں بستر کی طرف بڑھنے لگا، اور یکلخت بستر کھینچ کر دور پھینک دیا۔

اب وہ ایک کرسی پر کھڑا ہو کر نیچے جھکا ہوا اس طرح بستر کو گھور رہا تھا جیسے سانپ نکل کر بھاگنے ہی والا ہے۔ پھر اچانک اُسے محسوس ہوا جیسے سانپ بلاؤز کے نیچے اس کی پشت پر کلبلایا اور وہ اچھل پڑا اور اُس کی یہ بوکھلاہٹ اُسے کرسی کے نیچے لائی۔ وہ منہ کے بل فرش پر گرا تھا اور اُس

کے حلق سے عجیب قسم کی آوازیں نکل رہی تھیں اور وہ اسی انداز میں اپنے کپڑے نوچ رہا تھا جیسے خود کو سانپ سے بچانا چاہتا ہو۔

اتنے میں دروازہ کھلا اور فریدی اندر داخل ہوا۔ وہ سلیپنگ گاؤن میں لپٹا ہوا تھا لیکن ایسا نہیں معلوم ہو رہا تھا کہ وہ سو تا رہا ہو۔ وہ بڑے سکون سے حمید کو فرش پر تڑپتے دیکھتا رہا۔ لیکن پھر یک بیک اُس کی آنکھوں میں استعجاب کی لہریں نظر آئیں۔

حمید چیخا۔ "ارے سانپ.... سانپ.... بچایئے.... بچایئے۔"

پھر وہ اچھل کر فریدی سے آ ٹکرایا۔ فریدی نے اُسے اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ حمید کی آنکھیں دہشت سے پھیلی ہوئی تھیں۔

"کیوں؟ کیا بات ہے۔" فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے آہستہ سے پوچھا۔

"سس سانپ...!" حمید نے ہلکی سی سسکاری لی اور اسکا سر فریدی کے بائیں بازو میں ڈھلک گیا۔

"کیا تم ہوش میں ہو۔" فریدی نے پھر پوچھا۔

"مم.... میں ہوش میں ہوں۔ میرا دم گھٹ رہا ہے۔ خدا کے لئے چھوڑ دیجئے۔" حمید نے ایسی مضمحل آواز میں کہا جیسے برسوں کا بیمار ہو۔

فریدی نے اُسے آرام کرسی میں ڈال دیا۔ حمید کی آنکھوں کی کیفیت اب کچھ ایسی تھی جیسے ابھی ابھی جاگا ہو۔ فریدی خاموش بیٹھا رہا۔ حمید بھی کچھ نہیں بولا۔

"باتھ روم میں جا کر لباس تبدیل کر لو۔" فریدی نے کچھ دیر بعد کہا۔

حمید کچھ کہے بغیر اٹھ کر باتھ روم میں آیا۔ اب اس کا ذہن کسی حد تک پر سکون تھا۔ لیکن وہ الجھاوے والے خیالات سے دامن بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔

حمید نے زنانہ لباس اتار کر سلیپنگ سوٹ پہنا اور تھوڑی دیر تک آئینے پر نظر جمائے رہا۔ اس کے بعد کمرے میں آ کر اس نے محسوس کیا کہ فریدی بڑے غور سے اس کے حرکات و سکنات کا جائزہ لے رہا ہے۔

کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ "شاید اب تم ہوش میں ہو۔"

لیکن اُس کے لہجے سے غصہ نہیں ظاہر ہو رہا تھا۔ حمید نے تھوک نگل کر جواب دیا۔ "میں بالکل ہوش میں ہوں۔"

"تم گاڑی میں بیہوش پائے گئے تھے۔" فریدی نے کہا۔

"ہاں شاید میں بیہوش ہو گیا تھا.... لیکن بیہوشی کی وجہ نہ بتا سکوں گا۔"

"مگر تم شاید گاڑی روک کر بیہوش ہوئے تھے۔"

حمید نے سڑک کراس کرنے والی کار کے متعلق اُسے بتایا۔

فریدی چند لمحے اُسکی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر بولا۔ "کیا اُس گاڑی سے کوئی غیر ملکی بولا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ لہجہ مشرقی نہیں تھا۔" حمید نے جواب دیا۔

فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے سر کو خفیف سی جنبش دی پھر بولا۔ "تم نے دستانے ابھی تک نہیں اتارے۔ میرا خیال ہے شیری پیتے وقت بھی داہنے ہاتھ کا دستانہ نہ اتارا ہو گا۔"

"وہ.... دد.... دیکھئے.... میں نے سوچا کہ اُن تینوں کو وہیں کیوں نہ روک لوں۔"

"کیونکہ یہ ایک شاندار کارنامہ ہوتا۔" فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "تم انہیں وہاں روک لیتے اور نتیجے کے طور پر زمین کی گردش رک جاتی۔ نہ صبح ہوتی نہ شام ہوتی۔"

"دیکھئے آپ سمجھے نہیں۔"

"ہاں.... آں....!" فریدی اٹھ کر ٹہلتا ہوا بولا۔ "تمہیں ہمیشہ یہ شکایت رہی ہے کہ میں تمہارے محیر العقول کارناموں کو سمجھنے ہی کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ داد کیا دوں گا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ اٹھ کر تمباکو کی پاؤچ اور پائپ تلاش کر رہا تھا۔

"جانتے ہو.... تمہاری اس حرکت سے مجھے کیا نقصان پہنچا ہے۔"

"فائدہ ہی کب پہنچا ہے آپ کو میری ذات سے۔" حمید جھلا گیا۔

"بکواس مت کرو۔ تم نے میرے لئے سارے راستے بند کر دیئے ہیں۔"

"جب میں پوری طرح حالات سے آگاہ نہ رکھا جاؤں گا تو یہی ہو گا۔"

"تمہیں حالات سے کیا سروکار۔ میں نے جو کام تمہارے سپرد کیا تھا وہ کچھ ایسا پیچیدہ نہیں تھا کہ تمہارے لئے مسائل پیدا کرتا۔ صرف تین آدمیوں کی نگرانی کرنی تھی۔"

"اگر وہ تین مختلف راہیں اختیار کرتے تو۔"

"یہ بھی بکواس ہے.... میں نے تمہیں پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ اس وقت ان کی راہیں مختلف نہ ہوں گی۔"

"جب اتنا کچھ جانتے تھے تو نگرانی کی ضرورت ہی کیا تھی۔ یہ کام ایک سادہ لباس والا بھی کر سکتا تھا۔"

"لیکن تم اُس سے بھی بدتر ثابت ہوئے ہو۔"

حمید الماری سے تمباکو کا نیا ڈبہ نکال رہا تھا۔ اچانک اچھل کر پیچھے ہٹ گیا اور اس طرح کپڑے جھاڑنے لگا جیسے کوئی تیز رفتار کیڑا آستین کے راستے اوپر چڑھ آیا ہو۔

پھر اُس نے قمیض اتار ڈالی اور اُسے جھٹکنے لگا۔

فریدی تشویش کن نظروں سے اُس کی یہ حرکت دیکھ رہا تھا۔

"کیا مصیبت ہے۔" حمید بڑبڑایا۔ "پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے۔"

"کیوں....!"

"کچھ دیر پہلے مجھے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے میرے بستر میں سانپ گھس آیا ہو۔ پھر وہ سانپ قمیض کے نیچے پشت پر کلبلایا تھا۔ پھر اب.... کیڑے سے رینگتے ہیں۔"

"چلو بیٹھ جاؤ...." فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔ "تم قاسم کو وہاں کیوں لے گئے تھے اور یہ کیا حرکت تھی۔"

"صرف تفریح کے موڈ میں تھا۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

"اگر میں اُسے بتادوں کہ وہ تم تھے تو کیسی رہے گی۔"

"کیا ابھی نہیں بتایا۔"

فریدی نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"تو اب بتایئے گا بھی نہیں، ورنہ وہ مجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔ میں نے سوچا تھا کہ آج اس کی کھال گرادوں گا۔"

"اور میں تمہارے ساتھ اس سے بھی بُرا برتاؤ کرنے والا ہوں۔"

حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "دیکھئے سب کچھ آپ کی مرضی کے مطابق ہوتا لیکن میں آج کل ہلدا کی فکر میں ہوں۔ میں نے دراصل وہ میک اپ پہلے کیا تھا۔ بعد میں آپ کی کال آئی تھی۔ میں نے سوچا چلو ایک ساتھ دو کام ہو جائیں گے۔ انہیں نپٹا کر ہلدا کی فکر کروں گا ورنہ اس سے پہلے بھی کبھی میں نے زنانہ میک اپ کیا تھا....؟ اور پھر وہ شراب پلانے والا واقعہ

بھی یونہی سا تھا اگر مجھے غصہ نہ آجاتا تو میں انہیں ہرگز شراب نہ پلاتا۔ میں سے ایک نے مجھے آنکھ ماری تھی، بس مجھے تاؤ آگیا اور میں نے انہیں اتنی پلادی کہ وہ آپس میں لڑ مرے۔"

حمید نے واقعات کو توڑ مروڑ کر کسی حد تک غلط انداز میں پیش کیا تھا۔ لیکن اُسے ڈر تھا کہ زبان رکتے ہی فریدی کاٹ کرنا شروع کر دے گا۔

مگر ایسا نہیں ہوا۔ فریدی نے اس پر کچھ نہیں کہا۔ اُس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اب وہ کوئی دوسری بات سوچنے لگا ہو۔

کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ "اب مجھے براہِ راست ناگر ہی پر نظر رکھنی پڑے گی۔"

"آخر قصہ کیا ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"کوئی نامعلوم آدمی یہاں کے بعض تھکے ہوئے جرائم پیشہ لوگوں کو دوبارہ میدان عمل میں لانے کی کوشش کر رہا ہے۔ طریقہ وہ اختیار کیا ہے کہ جرائم پیشہ لوگ بھی چکرا کر رہ گئے ہیں۔ کام تو کر رہے ہیں وہ اُس کے لئے لیکن کام کی نوعیت اُن کے لئے حیرت انگیز ہے۔ کبھی اُن سے کہا جاتا ہے کہ وہ کسی کتے کی لاش اٹھا کر کسی کنوئیں میں پھینک دیں اور کبھی ہدایت کی جاتی ہے کہ فلاں جگہ ایک کچھوا دفن ہے اُسے کھود نکالو اور شہر کے واٹر سپلائی ٹینک میں ڈال آؤ۔ بہر حال ایسی ہی کئی لایعنی حرکتیں وہ اُن سے کرا چکا ہے۔"

"جب آپ اتنا جانتے ہیں تو اُس آدمی کو نامعلوم کیوں کہتے ہیں۔"

"ایسا ہی قصہ ہے۔" فریدی مسکرایا۔ "ناگر کو یہ احکامات ایک لڑکی کے ذریعہ ملتے ہیں۔"

"لل.... لڑکی....!" حمید ہونٹوں پر زبان پھیر کر ہکلایا۔

"ہاں.... لیکن تمہیں اس کا پتہ نہیں بتایا جاسکتا۔"

"مجھے ضرورت بھی نہیں ہے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ پھر یک بیک اچھل پڑا۔

اب وہ پھر بوکھلائے ہوئے انداز میں پاجامے کے پائینچے جھاڑ رہا تھا اور ساتھ ہی اچھلتا کودتا بھی جا رہا تھا۔

"یہ کیا کر رہے ہو تم...." فریدی بھی جھلا کر کھڑا ہو گیا۔

"چھپکلی.... شش.... شاید چھپکلی چڑھ گئی ہے۔"

فریدی اُسے غصیلی نظروں سے گھورتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ حمید کی آنکھوں سے خوف

جھانک رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ نڈھال ہو کر آرام کرسی میں گر گیا۔

❁

مونا کرسٹی چھوٹے سے ٹرانسمیٹر کے سامنے کھڑی کسی خوفزدہ بچے کی طرح پلکیں جھپکا رہی تھی۔ شاید دوسری طرف سے بولنے والا سانس لینے کے لئے رکا تھا۔

چند لمحوں کے بعد پھر آواز آئی۔

"موتا.... ناگر بالکل ناکارہ ثابت ہو رہا ہے۔ اُس نے گدھے قسم کے آدمیوں کا انتخاب کیا تھا تمہیں ہوشیار رہنا چاہئے۔ یہاں کا محکمہ سراغ رسانی ناگر اور اس کے ساتھیوں میں اس حد تک دلچسپی لے رہا ہے کہ اس کے ساتھی اس وقت حوالات میں ہیں۔ تم ہوشیار رہو۔ ناگر کو آگاہ کر دو کہ وہ تم سے ملنے کی کوشش نہ کرے، تم اس سے صرف فون پر گفتگو کر سکتی ہو۔ اور ہاں تم یہاں دوست بنانے کی کوشش نہ کرو۔ مجھے علم ہے کہ تم نے کئی لڑکیوں سے دوستی کی ہے۔"

"میں کیا کروں باس.... یہاں کی لڑکیاں عجیب ہیں، زبردستی دوست بن جاتی ہیں۔" مونا نے کہا۔

"اُن سے بے رخی سے پیش آؤ۔ پھر نوٹ کرو کہ اُن میں سے کون اس کے باوجود بھی تم سے ملنے کی کوشش کرتی ہے۔"

"اس سے کیا ہوگا باس۔"

"بحث مت کرو۔" دوسری طرف سے بولنے والا غرایا۔

مونا سہم کر خاموش ہو گئی۔

دوسری طرف سے پھر آواز آئی۔ "میرا خیال ہے کہ اس ملک کا سب سے بڑا سراغ رساں کرنل فریدی ہمارے معاملات میں دلچسپی لینے لگا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ناگر ہی کے ذریعہ ان معاملات سے آگاہ ہوا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی پہنچ تم تک ہو گئی ہو۔ اس لئے بہت محتاط رہو۔ اس ٹرانسمیٹر کی حفاظت کا خاص طور پر خیال رکھو۔"

"بہت بہتر جناب۔"

"اوور.... اینڈ آل....!" آواز آنی بند ہو گئی۔

مونا نے بہت بُرا سا منہ بنایا۔ اب اُس کی آنکھوں میں خوف کی بجائے نفرت کی لہریں

تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس نامعلوم آدمی کے خلاف کچھ کر کے رہے گی۔ لیکن پھر تھوڑی ہی دیر بعد اس کے چہرے سے تھکن سی ظاہر ہونے لگی۔ اس نے الماری کھول کر پورٹ کی بوتل نکالی اور گلاس میں چار انگل ناپ کر انڈیلی چند لمحے رنگین شراب کی سطح پر روشنی کا عکس دیکھتی رہی پھر اسے ایک گھونٹ میں حلق سے اتار گئی۔

سورج غروب ہو چکا تھا لیکن باہر ابھی اتنا اجالا تھا کہ بجلی کی روشنی پھیلاؤ نہیں اختیار کر سکی تھی۔ وہ کمرے سے بالکنی پر آ گئی۔

نیچے سڑک پر آدمیوں کا سیل عظیم رواں دواں تھا۔ اُس نے اپنے فلیٹ کے برابر والی بالکنی پر نظر ڈالی اور بے اختیار مسکرا پڑی۔ وہاں ایک نوجوان بڑے بے نیازانہ انداز میں کھڑا یہ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت اس کے ذہن میں کسی مقبول ترین فلمی ہیرو کا تصور رہا ہو۔ اس کی وضع قطع بھی "فلمیوں" ہی کی سی تھی۔

مونا دل ہی دل میں گھٹ کر رہ گئی۔ اگر وہ آزاد ہوتی تو اُس نوجوان کو بیوقوف بنا کر تھوڑی سی تفریح ضرور کرتی۔ پہلے اسے یہ ہدایت ملی تھی کہ وہ اجنبی مردوں سے ربط و ضبط بڑھائے لیکن اب لڑکیوں سے ملنے پر بھی پابندی عائد کر دی گئی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ آخر وہ کس عنوان سے بے رخی اختیار کرے گی۔ کیونکہ وہ تو انہیں پہلے ہی یقین دلا چکی تھی کہ وہ بہت گاڑھی محبت کرنے والی ہے۔ ہزاروں میل کے فاصلے پر بھی اپنے پرانے ملنے والوں کو نہیں بھولتی۔

وہ یک بیک چونک پڑی۔ باہر کوئی کال بل کا بٹن دبا رہا تھا اور اندر گھنٹی متواتر چیخے جا رہی تھی۔

"کون ہے....!" اُس نے قریب آ کر دروازہ کھولے بغیر پوچھا۔

"میں روزی ہوں۔" باہر سے ایک نسوانی آواز آئی۔

"جاؤ.... چلی جاؤ۔" مونا حلق پھاڑ کر چیخی۔ "میں اس وقت نشے میں ہوں، تمہیں پھاڑ کھاؤں گی۔ پھر تمہاری دادی اپنی قبر سے اٹھ کر بھاگی آئیں گی۔"

وہ خاموش ہو گئی لیکن اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ باہر بھی سناٹا ہی تھا۔ پھر اُس نے لوٹتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنیں اور دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔

❁

"تم آخر بیہوش کیسے ہو گئے تھے۔ یہ تو بتاؤ۔" کرنل فریدی حمید سے پوچھ رہا تھا۔

"بخدا میں بیہوش ہو گیا تھا۔ آپ اسے مکر نہ سمجھئے۔ غالباً آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ مجھ سے چونکہ ایک بڑی غلطی سرزد ہو چکی ہے اس لئے میں نے بیہوشی کا ڈھونگ رچایا تھا۔ میں کیا بتاؤں مجھے خود بھی نہیں معلوم کہ میں کیسے بیہوش ہو گیا تھا۔ مگر ٹھہریئے دیکھئے۔"

حمید داہنے ہاتھ کی آستین الٹنے لگا۔ بازو ننگا ہو جانے پر اُس نے ایک جگہ انگلی رکھی اور اُسے ہولے ہولے دباتا ہوا بولا۔ "یہ دیکھئے یہاں ایک چھوٹی سی گلٹی ہے اور اس میں ہلکا سا درد بھی ہوتا ہے۔"

فریدی اس کا بازو پکڑ کر دیکھنے لگا اور پھر اُس پر سے نظر ہٹائے بغیر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "یہ تو انجکشن کا نشان ہے۔ سو فیصدی یہی بات ہو سکتی ہے۔"

"کیا مجھے یہاں لا کر انجکشن دیا گیا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں.... میں یہی سمجھتا رہا تھا کہ تم نے مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش کی ہے اور یہ حرکتیں تم سے اسی لئے سرزد ہو رہی ہیں کہ ان میں الجھ کر میں اپنا غصہ بھول جاؤں۔"

"تو پھر.... اگر یہ انجکشن کا نشان ہے۔"

"ٹھہرو....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "کیا تم اس کار والے کی شکل دیکھ سکے تھے جس نے سڑک کراس کرنا چاہا تھا۔"

"نہیں میں اسمیں کامیاب نہیں ہو سکا۔ ہاں اب آپ یہ بتایئے کہ میرے پیچھے کس کی کار تھی۔"

"مجھے علم نہیں.... کیا حقیقتاً تمہارے پیچھے بھی کوئی کار تھی۔"

"قطعی تھی، لیکن میں اُسے آپ کی گاڑی سمجھا تھا۔"

"مگر میں تو اس وقت کمٹالی کے میدان میں قاسم کو ہموار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دراصل اُسے ندامت نے ہموار کیا تھا۔ وہ اس طرح ایک عورت کے ہاتھوں پٹنے پر بے حد شرمندہ تھا۔ بہر حال ایک گھنٹے سے پہلے میری روانگی نہیں ہوئی تھی۔ واپسی پر مجھے تمہاری گاڑی ملی تھی جس کی اگلی سیٹ پر تم بیہوش پڑے تھے۔"

"اُوہ.... تب تو پھر میری نادانستگی میں میرے گرد ایک بہت بڑا جال پھیلایا گیا تھا۔ بیہوش ہو جانے کے بعد کسی نے کوئی چیز میرے بازو میں انجکٹ کی ہو گی.... اوہ.... اُف فوہ.... تو کیا میری...." حمید خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"حمید....!" فریدی نے تھوڑی دیر بعد اُسے مخاطب کیا۔ "اگر تمہارا بیان صحیح ہے تو پھر ہمیں بہت زیادہ محتاط ہو جانا چاہئے۔ ان واقعات کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ وہ نامعلوم آدمی شہر کے چند بُرے آدمیوں کو کسی مقصد کے لئے استعمال کر رہا ہے۔ لیکن خود بھی ان کی طرف سے مطمئن نہیں ہے۔ وہ کوئی کام ان کے سپرد کر کے سو نہیں رہتا بلکہ کچھ دوسرے لوگ بھی مقامی بدمعاشوں کی نگرانی اُن کی لاعلمی میں کرتے رہتے ہیں۔ اب میں سوچ رہا ہوں کہ اُن تینوں کا حوالات میں پہنچ جانا ہی بہتر ہوا، ورنہ کسی دن کم از کم اس آدمی کی شامت ضرور آجاتی، جو مجھے اطلاعات بہم پہنچاتا رہا ہے۔"

"ہمیشہ یہی ہوتا ہے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "میں اگر اپنی بڑائی ظاہر کرنے کی کوشش نہ کروں تو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ میں بالکل گدھا ہی ہوں۔"

فریدی بے اختیار مسکرا پڑا اور دفعتاً حمید چیخ مار کر اچھل پڑا۔ "ارے چھت گری۔"

دوسری ہی لمحے بعد وہ برآمدے سے صحن میں تھا اور حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہا تھا۔ "باہر نکلئے.... باہر نکلئے.... چھت گر رہی ہے۔"

جھگڑا اور فائر

حمید کا مرض عجیب تھا۔ شہر کے بہترین ڈاکٹروں نے اُسے دیکھا لیکن مرض کے متعلق کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے۔ یہ بات دوسری تھی کہ وہ اسے مالیخولیا ہی قسم کی کوئی ذہنی بیماری قرار دے رہے تھے۔ علامات کی بناء پر ایک معمولی آدمی بھی یہی رائے قائم کرتا۔ مگر وہ سارے ڈاکٹر اس بات پر بھی متفق تھے کہ ذہن پر مالیخولیا کے اثرات نہیں ہیں۔

اب فریدی بھی اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور کرنے لگا، ورنہ پہلے تو وہ یہی سمجھا تھا کہ حمید کسی دوسری شرارت کا پلاٹ مرتب کر رہا ہے۔ اُسے اس پر سنجیدگی سے غور کرنے پر مجبور ہو جانا پڑا۔ کیونکہ حمید نے اس قسم کی بوکھلاہٹ کا مظاہرہ ایک بھری پُری سڑک پر کیا تھا۔ پچھلی شام وہ صدر کے ایک فٹ پاتھ پر چل رہے تھے۔ غالباً فریدی شاپنگ کرنے نکلا تھا۔ اچانک حمید بھڑک کر بھاگا اور ٹریفک کی پرواہ کئے بغیر سڑک کے وسط میں بھاگتا چلا گیا۔

استفسار پر اُس نے بتایا تھا کہ ایک بس فٹ پاتھ پر چڑھ آئی تھی اگر وہ ذرا سا بھی چوکتا تو کچل کر رہ جاتا۔

پھر دو تین دن بعد ٹریفک کے کچھ ایسے حادثات ہوئے جن سے سارے شہر میں سنسنی پھیل گئی۔ اس طرح کچھ لوگ فٹ پاتھوں پر چلتے چلتے بھڑک کر بھاگے تھے اور بدحواسی میں بسوں، ٹراموں اور کاروں کی زد میں آکر ختم ہوگئے تھے۔

پھر پرانے شہر سے اطلاع ملی کہ وہاں کی تقریباً نصف آبادی وہم اور مالیخولیا کا شکار ہوگئی ہے۔ لوگ رات گئے گھروں سے نکل کر بھاگتے ہیں اور جدھر سینگ سمائے بھاگتے ہی چلے جاتے ہیں۔ اکثر دیواروں اور درختوں کے تنوں سے ٹکرا کر زخمی بھی ہوئے تھے۔

مکانوں کی اوپری منزلوں پر رہنے والے بے تحاشہ دوڑتے ہوئے زینوں پر آئے اور اُن کی بوکھلاہٹ پیروں کو تکلیف دیئے بغیر ہی نیچے لے آئی۔ اس طرح کئی آدمی زندگی ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔

اس وبائی ہیجان نے سارے شہر کو سراسیمہ کر کے رکھ دیا۔ ویسے یہ وباء ابھی نئے شہر میں نہیں داخل ہوئی تھی۔ نئے شہر میں شاید حمید ہی اس کا شکار ہوا تھا یا ہو سکتا ہے، دو چار اور بھی رہے ہوں۔ شہر کے جدید حصے میں، جو حادثے ہوئے تھے ان میں کام آنے والے بھی پرانے ہی شہر کے باشندے ثابت ہوئے تھے۔

حمید عام حالات میں بالکل نارمل نظر آتا تھا۔ مالیخولیائی دورے کسی کسی وقت اچانک پڑتے تھے۔ اس سے پہلے یہ بات اسکے وہم و گمان میں بھی نہ ہوتی کہ تھوڑی ہی دیر بعد دورہ پڑ جائے گا۔

اس وقت وہ باہر جانے کی تیاری کر رہا تھا لیکن آج کل وہ خود ڈرائیو نہیں کر رہا تھا۔ فریدی نے اُسے سختی سے منع کیا تھا کہ وہ ڈرائیو نہ کیا کرے ویسے بھی حمید اپنی ذمہ داری پر مرنا تو ہرگز پسند نہ کرتا۔

کار کمپاؤنڈ سے باہر نکلی ہی تھی کہ ایک اجنبی نے راستہ روک لیا۔ ڈرائیور نے بریک لگائے اور حمید اس آدمی پر برس پڑا۔

"مجھے آپ کو ایک خط دینا ہے جناب۔" اجنبی نے مودبانہ انداز میں کہا۔

"لاؤ....!" حمید کھڑکی سے باہر ہاتھ نکال کر غرایا۔

لفافہ لے کر اُسے کھولے بغیر اُس نے ڈرائیور سے کہا۔ "چلو۔"

کار آگے بڑھ گئی۔ اب حمید نے لفافے کو الٹ پلٹ کر دیکھا جس پر کوئی تحریر نہیں تھی۔ پھر اُس نے اُسے چاک کر کے خط نکالا۔ پہلی ہی نظر میں اس نے تحریر پہچان لی۔ یہ فریدی کا خط تھا۔ اُس نے لکھا تھا۔

"حمید.... خدشہ ہے کہ یہ حیرت انگیز وبا شہر کے جدید حصے میں بھی پھیل جائے گی۔ تم تو اس کے شکار ہو کر بیکار ہو ہی چکے ہو۔ لہٰذا اب میں اپنے لئے بہت زیادہ محتاط رہنا چاہتا ہوں۔ میرا ارادہ ہے کہ میں کچھ دنوں کے لئے شہر ہی چھوڑ دوں۔ اس دوران میں تمہیں چاہئے کہ ناگر کے متعلق چھان بین کرتے رہو۔ اس کیلئے تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ گھر بیٹھے اُسے طلب کر سکتے ہو۔ اُس سے اس قسم کے سوالات کرتے رہو جیسے تم اُس سے اس وباء کے متعلق کچھ معلوم کرنا چاہتے ہو۔ اُسے صرف دھمکیاں دیتے رہو۔ حراست میں لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ زیادہ باہر مت نکلو۔ وقتاً فوقتاً میری طرف سے تمہیں ہدایات ملتی رہیں گی۔ اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ اس وباء کا ذمہ دار کوئی آدمی ہے۔"

حمید نے خط ختم کر کے ایک طویل سانس لی اور کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔ جب سے اُس پر اس قسم کے دورے پڑنے لگے تھے اُسے زندگی کی ہما ہمی ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ دورے کی حالت میں بھی یہ احساس اس کے ذہن کے کسی نہ کسی گوشے میں ضرور موجود ہوتا تھا کہ اُس سے حماقت سرزد ہو رہی ہے لیکن دورے کی شکل میں جو اضطراری افعال اس سے سرزد ہوتے تھے اُن پر وہ قابو بھی نہیں پا سکتا تھا بس ایک لہر سی اٹھتی تھی اور وہ اسی لہر میں بہتا چلا جاتا تھا۔ بیٹھے بٹھائے اُسے ایسا محسوس ہوتا رہتا جیسے چھت یقینی طور پر گر گئی ہو گی۔ پھر جب وہ اس ذہنی کیفیت کے دور سے گذر جاتا اور خیالات کی رو پھر شعور سے قریب ہو جاتی تو اُسے اپنی کچھ دیر پہلے والی حماقت پر بے تحاشہ ہنسی آنے لگتی۔ غرضیکہ اس ذہنی کیفیت کو زیادہ سے زیادہ نیم شعوری کیفیت کہا جا سکتا تھا۔ بیہوشی ہرگز نہیں۔

دورے کے اختتام پر تھوڑی دیر بعد اس کے ذہن میں بیزاری سر ابھارتی اور زندگی کی ساری رنگینیاں اس کی نظروں میں خاک و خون سے زیادہ وقعت نہ رکھتیں۔

اس نے خط کے پرزے پرزے کر کے کھڑکی سے باہر پھینک دیا اور ڈرائیور سے بولا۔ "واپس چلو۔"

ڈرائیور سمجھا شاید دورہ پڑنے والا ہے۔ لہٰذا اُس نے اتنی بدحواسی کے ساتھ ٹرن لیا کہ ایک حادثہ ہوتے ہوتے بچا۔

❁

فریدی کا خیال درست نکلا۔ یہ وبا شہر کے جدید حصے میں بھی پھیلنے لگی اور پھر سڑکیں ویران ہو گئیں، نہ جانے کتنے حادثات ہو چکے تھے۔ لوگ چلتے چلتے گاڑیوں سے جا ٹکراتے اور وہ انہیں کچل کر رکھ دیتیں۔ لوگ شہر سے مضافات کی طرف بھاگنے لگے۔

ایک ہفتے کے اندر ہی اندر ایسا معلوم ہونے لگا جیسے اساطیری عفریتوں نے کسی قدیم شہر کو تاراج کر دیا ہو۔ حکومت کی ذمہ دار شخصیتیں بھی شہر سے ہٹ گئی تھیں اور سارے دفاتر ہٹا دیئے گئے تھے۔ اس حیرت انگیز وبا نے ساری دنیا کو چکرا کر رکھ دیا۔ مختلف ممالک سے طبی مشن آنے لگے لیکن خود ان مشنوں کے بیشتر افراد بھی اسی وبا کا شکار ہو گئے۔

ابھی تک حالات پر قابو نہیں پایا جا سکا تھا۔ بڑی بڑی طبی تجربہ گاہیں دن رات کھلی رہتیں۔ اس مرض کے متعلق چھان بین ہوتی لیکن اسے ختم کرنے کا کوئی مستقل ذریعہ ہاتھ نہ آتا اور نہ اس کے اسباب ہی سمجھ میں آتے۔

اچانک ایک دن شہر کی سڑکوں پر ایک چھوٹی سی کار دیکھی گئی جس پر لاؤڈ سپیکر کے ہارن فٹ تھے اور کوئی شخص متواتر اعلان کرتا پھر رہا تھا۔

"بھائیو! میں نے اس وبائی ہیجان کا علاج دریافت کر لیا ہے۔ آپ مجھے آج سے نہیں، بہت عرصہ سے جانتے ہیں۔ میں ڈاکٹر گوہن ہوں۔ میں خود بھی اس وبا کا شکار ہوا تھا لیکن اتفاقاً اس کا علاج دریافت کر لیا ہے۔ آپ بھی سنئے اور اس سے فائدہ اٹھایئے۔ جب اس وبا کا زور نہ ٹوٹے تو اسی علاج کو بار بار دہراتے رہیئے۔ علاج یہ ہے کہ تین اونس چائے کے پانی میں کم از کم ڈیڑھ اونس نمک حل کر کے پی جایئے۔ دن میں کم از کم دو بار تین اونس چائے کے پانی میں ڈیڑھ اونس نمک....!"

لوگ سراسیمہ تو تھے ہی۔ انہوں نے یہ نسخہ بھی آزمایا اور پھر شام ہوتے ہوتے ڈاکٹر گوہن زندہ باد کے نعرے گلی کوچوں میں گونجنے لگے۔

دوسرے دن کے اخبارات صرف ڈاکٹر گوہن کی تصاویر اور اس کے حالات سے بھرے

پڑے تھے۔ وہ ایک مغربی ملک کا باشندہ تھا اور چند سال پہلے اُس نے یہیں کی شہریت اختیار کر لی تھی۔ ایک اچھے معالج کی حیثیت سے وہ پہلے ہی سے کافی شہرت رکھتا تھا۔

اخبارات میں وہ واقعہ بھی درج تھا جس کی بناء پر اچانک وہ علاج دریافت ہو گیا تھا، ہوا یہ کہ ڈاکٹر گوہن چائے پینے جا رہا تھا۔ اُس نے ایک کپ تیار کیا اور خیالات میں ڈوبا ہوا اس کا گھونٹ حلق سے اتار گیا۔ گھونٹ حلق سے بس بوکھلاہٹ ہی میں اتر گیا تھا ورنہ وہ گھونٹ تو ایسا تھا کہ زبان ہی اسے نہ برداشت کر سکتی۔ ڈاکٹر نے غلطی سے شکر کی بجائے نمک کے دو چمچے چائے میں ڈال لئے تھے۔ اس کا موڈ اس واقعہ سے اتنا خراب ہو گیا کہ اس نے پھر چائے نہیں پی۔ لیکن اس کے بعد کئی گھنٹے تک اس پر مالیخولیائی دورہ بھی نہیں پڑا۔ ویسے پہلے دو دو گھنٹے کے وقفے سے اُس پر ہلکے قسم کے دورے پڑتے رہے تھے۔ پھر جب پورا ایک دن گذر گیا اور اس پر دورے نہ پڑے تو اس نے سوچنا شروع کیا کہ یہ کس دوا کا ردعمل ہو سکتا ہے۔ اس نے وہ ساری دوائیں دوسرے مریضوں پر آزما ڈالیں، لیکن اس سے مرض میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ آخر کار اُسے وہ نمکین چائے یاد آئی اور اس نے اسے آزمانا شروع کیا.... نتائج حیرت انگیز تھے۔ مریض روبصحت نظر آنے لگے۔ اُن پر دن بھر دورے نہیں پڑے تھے۔

یہ کہانی لکھ کر اخبارات نے رائے ظاہر کی تھی۔ ڈاکٹر گوہن ایک سچا وطن پرست آدمی ہے، حالانکہ اس کی موجودہ وطنیت زیادہ پرانی نہیں ہے، لیکن پھر بھی وہ اپنے دل کی گہرائیوں میں وطن کے لئے گہری محبت رکھتا ہے۔ اس کی جگہ اگر کوئی دوسرا آدمی ہوتا تو اسی نسخے کی بدولت کروڑ پتی ہو جاتا، مگر وہ سڑکوں پر اس نسخے کا اعلان کرتا پھر رہا ہے۔

کئی دن تک ڈاکٹر گوہن کی کار سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ لوگ اس کا نسخہ استعمال کرتے رہے۔ وبا کا زور کم ہو گیا۔ اب سرکاری طور پر بھی اس نسخے کا علاج کیا جانے لگا تھا۔

کیپٹن حمید بھی یہی نسخہ استعمال کر رہا تھا اور اُسے یقین تھا کہ اب اُس پر دورے نہ پڑیں گے۔ اب اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ذہنی یا جسمانی طور پر کبھی بیمار ہی نہ رہا ہو۔

اس دوران میں فریدی اکثر اُس سے فون پر گفتگو کرتا رہا تھا لیکن اس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کہاں ہے۔

حمید ڈاکٹر گوہن کے متعلق بھی سوچ رہا تھا۔ اُس نے واقعی ملک و قوم پر بڑا احسان کیا تھا....

مگر اس طرح اچانک کوئی علاج دریافت ہو جانا سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ ایک ہفتے کے اندر ہی اندر علاج بھی دریافت ہوا، اس پر تجربات بھی ہوئے اور اعلیٰ پیمانے پر مریضوں کو شفا بھی ہونے لگی۔

مگر چونکہ اُسے فریدی کی طرف سے اس کے متعلق کوئی ہدایات نہیں ملی تھیں، اس لئے وہ خاموش تھا۔ ناگر تو شہر سے ایسا غائب ہوا تھا جیسے کبھی وہاں وہاں رہا ہی نہ ہو۔ حمید نے اُسے تلاش کرنے کے لئے سادہ لباس والوں کی ایک بہت بڑی ٹولی تعینات کی تھی۔

البتہ ڈاکٹر گوہن کا معاملہ اس کے لئے ایک مستقل ذہنی خلش بن کر رہ گیا تھا۔ آخر کار اُس نے اس کی بھی نگرانی شروع کرادی۔ نگرانی کرنے والوں کا انچارج سارجنٹ رمیش تھا۔

رمیش اُسے ہر تین گھنٹے بعد اُس کے متعلق اطلاعات دیتا تھا۔ مگر حمید کی دانست میں ابھی تک صرف ایک ہی کام کی بات معلوم ہوئی تھی وہ یہ کہ ڈاکٹر گوہن کے ساتھ دو لڑکیاں بھی تھیں۔ دونوں بے حد حسین تھیں۔ سفید فام تھیں۔ ان میں سے ایک روزا سیکریٹری تھی اور دوسری مونا کرسٹی نرس۔

حمید نے ایک دن تو کسی نہ کسی طرح صبر کیا اور اس کے بعد ڈاکٹر گوہن پر چڑھ دوڑا۔ یہ ماڈل ٹاؤن کی ایک بڑی عمارت میں رہتا تھا۔ ماڈل ٹاؤن شہر کی جدید ترین بستی تھی اور یہاں بہت زیادہ مالدار طبقے کے لگ آباد تھے۔

عمارت جس میں گوہن رہتا تھا بڑی شاندار تھی۔ اس کے ایک حصے میں اس کی رہائش تھی اور دوسرے میں ہسپتال تھا۔

آج کل تو اس نے کمپاؤنڈ میں ایک بڑا شامیانہ لگا رکھا تھا اور باہر ہی بیٹھ کر مریضوں کو دیکھتا تھا۔ پھاٹک کے قریب نمکین چائے کی دیگیں چڑھی رہتی تھیں۔

حمید سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے وہاں پہنچا۔ ڈاکٹر گوہن شامیانے کے نیچے ہی موجود تھا۔ یہ ایک دراز قد اور مضبوط جسم کا آدمی تھا۔ عمر پچاس اور ساٹھ کے درمیان رہی ہوگی کیونکہ اس کے بال بالکل سفید تھے۔ مگر جسم کی بناوٹ اتنی شاندار تھی کہ خضاب استعمال کرنے پر تیس اور چالیس کے درمیان معلوم ہوتا تھا۔ چہرے پر گھنی ڈاڑھی اور مونچھیں تھیں۔ حمید اُسے اس سے پہلے بھی اکثر دیکھ چکا تھا۔

مگر اس وقت ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے شامیانے کے نیچے ہنگامہ برپا ہو۔ کئی لوگ چیخ چیخ کر

گفتگو کر رہے تھے اور ڈاکٹر گوہن بھی اچھے موڈ میں نہیں معلوم ہوتا تھا۔

حمید کے قدم تیزی سے شامیانے کی طرف اٹھنے لگے۔ ڈاکٹر گوہن کے سامنے تین غیر ملکی تھے۔ یہ بھی کسی مغربی ملک سے تعلق رکھتے تھے۔ ان میں سے ایک بہت زیادہ غصے میں معلوم ہوتا تھا۔ وہ ڈاکٹر گوہن کی طرف ہاتھ ہلا ہلا کر اپنے دونوں ساتھیوں سے کہہ رہا تھا۔ "میں دیکھوں گا کہ یہ چائے والا فراڈ کب تک چلتا ہے۔ میں کہتا ہوں...."

"میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔" ڈاکٹر گوہن حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

"تمہیں سننا پڑے گا.... تمہیں ثابت کرنا پڑے گا کہ تمہاری یہ نمکین چائے اتنی ہی زود اثر ہے۔"

"آنکھیں کھول کر دیکھو.... یہ ثابت ہو چکا ہے۔" گوہن غرایا۔ "پورا شہر تمہیں بتائے گا۔"

"یہ ہماری تقسیم کردہ ٹکیوں کا اثر ہے۔" غیر ملکی نے کہا۔

"تمہاری ٹکیاں میں خود بھی استعمال کر چکا ہوں۔ مجھے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ میں خود بھی اس وبا کا شکار ہو چکا ہوں۔"

"عنقریب تمہاری پول کھل جائے گی۔" غیر ملکی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"جاؤ.... جاؤ.... اگر تم میرے ملک میں مہمان نہ ہوتے تو بتاتا تمہیں۔" ڈاکٹر گوہن نے انتہائی غصے کے عالم میں ہاتھ ہلا کر کہا۔

حمید کو اس قضیئے سے ذرہ برابر بھی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ تو اس خوبصورت لڑکی کو دیکھ رہا تھا، جو ڈاکٹر گوہن کے پیچھے کھڑی تھی۔

حمید چکر کاٹ کر اس کے قریب پہنچا۔

"سنئے محترمہ....!" اُس نے آہستہ سے کہا۔

لڑکی اس کی طرف مڑی اور پھر بیساختہ چونک پڑی۔ لیکن فوراً ہی سنبھل بھی گئی۔ ہلکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر نظر آئی تھی۔

"فرمایئے۔"

"ذرا.... ادھر.... الگ آیئے۔"

وہ اس کے ساتھ کچھ دور ہٹ آئی۔

"یہ کون بدتمیز ہے۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "جو ڈاکٹر جیسے فرشتہ خصلت آدمی سے

الجھ رہا ہے۔ کیا میں اسے کچا چبا جاؤں۔"

"نہیں.... ابال کر کھائیے۔ کیا آپ اس کی کچھوے جیسی کھال نہیں دیکھ رہے ہیں۔" لڑکی مسکرائی۔

"نہیں.... بتائیے تو آخر یہ کون بیہودہ ہے۔"

"کسی بیرونی مشن کا کوئی ڈاکٹر ہوگا۔" لڑکی نے لاپروائی سے کہا۔

"اور یہ نمکین چائے کو لغو قرار دے رہا ہے، جسے میں بھی استعمال کر کے فائدہ اٹھا چکا ہوں۔"

"اوہ.... تو پھر آپ کہتے کیوں نہیں اُس سے۔ کیا آپ کسی بیرونی طبی مشن کی دوائیں بھی استعمال کر چکے ہیں۔"

"ہرگز نہیں.... ایک بھی نہیں۔ میں نے تو نمکین چائے کے علاوہ سرے سے اور کوئی دوا استعمال نہیں کی۔"

لڑکی حمید کو جواب دیئے بغیر تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ اس نے ڈاکٹر گوہن سے آہستہ آہستہ کچھ کہا اور ڈاکٹر گوہن جھلائی ہوئی بلند آواز میں بولا۔ "جہنم میں جائے مجھے گواہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے کس کی پرواہ ہے۔"

پھر اُس نے دوسرے غیر ملکی سے کہا۔ "میرے پاس فضول باتوں کے لئے وقت نہیں ہے۔ میں فراڈ رہا ہوں تو میرے خلاف قانونی کارروائی کی جاسکتی ہے۔"

اب وہ ان کے جواب کا انتظار کئے بغیر عمارت کی طرف مڑ گیا۔ اس کی رفتار بڑی تیز تھی۔ مگر حمید کو اس کی رفتار سے زیادہ اُس کی پتلون کی داہنی جیب سے دلچسپی تھی، جس میں رفتار کی تیزی کی وجہ سے کوئی وزنی چیز زور زور سے ہل رہی تھی اور یہ چیز ریوالور کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتی تھی۔

ایک ڈاکٹر کی جیب میں ریوالور کا کیا کام....؟ حمید سوچنے پر مجبور ہو گیا اور پھر وہ اپنے مکان کی کمپاؤنڈ ہی میں تھا۔ کیا کوئی ڈاکٹر مریضوں کو دیکھتے وقت بھی اپنے جیب میں ریوالور رکھ سکتا ہے۔

وہ تینوں غیر ملکی قہر آلود نظروں سے عمارت کی طرف دیکھتے رہے اور پھر پھاٹک کی طرف مڑ گئے جہاں ایک بڑی سی سیاہ رنگ کی سیڈان کھڑی تھی۔

حمید نے سیڈان کے قریب ایک مقامی ڈاکٹر کیپٹن سانگلو کو بھی دیکھا۔ یہ شاید انہیں غیر ملکیوں

کے ساتھ یہاں آیا تھا۔ وہ چاروں سیڈان میں بیٹھ گئے۔

اب حمید پھر لڑکی کی طرف مڑا اور اس کی آنکھیں جھپک گئیں کیونکہ اب وہاں ایک کی بجائے دو لڑکیاں تھیں۔

"کیا مجھ پر دورہ پڑنے والا ہے۔" حمید بڑبڑایا اور وحشت خیز نظروں سے لڑکیوں کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیوں؟ کیوں....؟" پہلی لڑکی نے پوچھا۔

"ایک کی دو نظر آنے لگتی ہیں.... دورے سے پہلے۔" حمید کی آواز خوفزدہ سی تھی۔

دونوں ہنس پڑیں۔ لیکن یہ ہنسی طویل نہ ہو سکی کیونکہ یک بیک عمارت سے پے در پے کئی فائروں کی آوازیں آئی تھیں۔ حمید عمارت کی طرف دوڑا۔

ناچ

فریدی موٹر سائیکل پر شاذ و نادر ہی بیٹھتا تھا۔ مگر جب بیٹھتا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ طوفان پر سوار ہو۔

اس وقت بھی بالکل یہی کیفیت تھی۔ پرنسٹن کے چوراہے پر سرخ روشنی نے ٹریفک روک رکھا تھا لیکن اس کی موٹر سائیکل نکل ہی گئی۔ اس پر ٹریفک سارجنٹ نے جھلا کر سیٹی بجائی۔ فریدی نے بایاں ہاتھ اٹھا کر اُسے کسی قسم کا اشارہ کیا لیکن سارجنٹ نے اپنی موٹر سائیکل اس کے پیچھے چھوڑ ہی دی۔ شاید اس نے اُسے اچھی طرح دیکھا نہیں تھا۔ بہر حال تھوڑی ہی دیر بعد اس نے فریدی کو جالیا۔

"دفع ہو جاؤ۔" فریدی غرایا۔ "میں ٹریفک کے اصولوں کا اس وقت پابند نہیں ہوتا جب کوئی اہم معاملہ درپیش ہو۔"

دونوں موٹر سائیکلیں برابر سے دوڑ رہی تھیں۔

"معاف کیجئے گا جناب.... کرنل صاحب۔ میں نے پہچانا نہیں تھا۔" سارجنٹ نے کہہ کر رفتار کم کر دی۔ فریدی کی موٹر سائیکل بدستور فراٹے بھرتی رہی۔

کچھ دیر بعد آبادیاں بہت پیچھے رہ گئیں اور جنگلوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ سڑک سنسان پڑی تھی اور آہستہ آہستہ دھند لکا پھیل رہا تھا۔

فریدی نے موٹر سائیکل روک کر ایک گڑھے میں اتارا اور اس کچے راستے کے سرے پر چلا آیا، جو بائیں جانب والے جنگل سے نکل کر سڑک سے آملا تھا۔

اس نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر نظر ڈالی اور کچے راستے کے قریب والی جھاڑیوں میں گھس گیا۔

شاید دس ہی منٹ بعد بائیں جانب والا جنگل موٹر سائیکل کی کرخت آواز سے گونجنے لگا۔ موٹر سائیکل اسی کچے راستے پر آرہی تھی۔ جھاڑیوں کے قریب آکر اس کی رفتار برائے نام رہ گئی کیونکہ کچے راستے کا سرا جو سڑک کی طرف تھا کافی اونچائی پر تھا۔

"رک جاؤ دوست....!" دفعتاً فریدی نے جھاڑیوں سے نکل کر کہا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ پھر بائیں ہاتھ سے اس نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔

موٹر سائیکل والا بوکھلا گیا کیونکہ یہ حادثہ اس کے لئے قطعی غیر متوقع تھا۔

موٹر سائیکل رک گئی۔ فریدی نے اس کے گریبان کو جھٹکا دیا۔ موٹر سائیکل دوسری طرف لڑھک گئی کیونکہ سوار تو اس جھٹکے کے ساتھ ہی اس پر سے اکھڑ گیا تھا۔

"ڈاکٹر گوہن ختم ہو گیا ہوگا.... ناگر....!" فریدی نے ریوالور کی نال سے اُسے زمین سے اٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ناگر اٹھا۔ پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

"میں اس کے علاوہ اور کیا چاہتا کرنل۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تو تم اقبال جرم کرتے ہو۔"

"ہاں.... میں پھانسی کے تختے پر بھی اقبال جرم کروں گا۔ بشرطیکہ اس کے بعد مجھے ایک محب وطن کہا جائے۔"

"خوب.... تو تم وطن کی خدمت انجام دے کر آرہے ہو۔"

"یقیناً.... کرنل.... وہ پورے ملک کو تباہ کر کے رکھ دیتا۔"

"وہ کیسے....!"

"اس طرح....!" یک بیک ناگر نے فریدی پر چھلانگ لگائی لیکن فریدی جو خود کو غافل ظاہر کر رہا تھا حقیقتاً غافل نہیں تھا۔ ایک طرف ہٹ کر اس نے جو ناگر کی پسلی پر ٹھوکر رسید کی ہے تو ناگر کی متواتر کئی چیخیں نکل گئیں۔

"اس طرح بھی ہو سکتا ہے مسٹر ناگر۔" فریدی طنزیہ انداز میں مسکرایا۔ اس کے انداز سے بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ شطرنج کی بساط پر کوئی اچھی سی چال چل کر مطمئن ہو گیا ہو۔ اب اس نے ریوالور جیب میں رکھ لیا اور ناگر کو گریبان سے پکڑ کر اٹھاتا ہوا بولا۔ "اگر تمہاری وطن پرستی کی مناسب داد نہ دوں تو یہ بڑی بُری بات ہوگی۔ کیونکہ تمہارے جوئے خانے بھی بند ہو چکے ہیں۔"

ناگر نے فریدی کے گریبان پر ہاتھ ڈالنا چاہا لیکن اس سے قبل ہی اُس کی ٹھوڑی پر گھونسہ پڑا اور وہ ایک بار پھر زمین پر نظر آیا۔

"اب یہ بتاؤ کہ ہلدا کہاں ہے۔ تمہارے علاوہ اور کون اُسے غائب کر سکے گا۔" فریدی نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

اس بار ناگر زمین ہی پر پڑا رہا لیکن وہ ہوش میں تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس طرح مزید مرمت سے بچنا چاہتا رہا ہو۔

"میں اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا.... قطعی نہیں جانتا۔ میں اس وقت تم پر حملہ نہ کرتا مگر تمہاری طرف سے میرے دل میں بہت غبار ہے۔"

"نکال بھی ڈالو۔" فریدی مسکرایا۔

"ابھی نہیں.... آج کل میرے ستارے گردش میں ہیں۔" ناگر نے جواب دیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "مگر تم اس وقت یہاں کیسے!"

"یہ کیسے ممکن تھا کہ تم میری آنکھوں کے سامنے اُسے قتل کر کے نکل آتے۔"

"ہاہا....!" ناگر نے قہقہہ لگایا۔ "میں تو اُسے قتل کر بھی چکا۔ میری سب سے بڑی خواہش پوری ہو گئی۔"

"تم جھک مارتے ہو.... وہ زندہ ہے۔" فریدی نے کہا۔ "تمہارے بھاگنے کے بعد میں نے اُسے کھڑکی میں دیکھا تھا اور پھر مجھے یہ تو معلوم ہی تھا کہ تم اس کے بعد کہاں جاؤ گے، لہٰذا میں

اطمینان سے روانہ ہوا تھا اور تم سے دس منٹ پہلے یہاں پہنچ گیا۔"

"ہوں تو تم نے پوری طرح مجھ پر اور میرے ساتھیوں پر نظر رکھی ہے۔" ناگر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا، پھر سنبھل کر بولا۔ "لہٰذا تم یہ بھی جانتے ہو گے کہ میں کس کے لئے کس طرح کام کرتا رہا ہوں۔"

"ہاں.... میں یہ بھی جانتا ہوں۔"

"کس کے لئے۔"

"یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔" فریدی نے جواب دیا۔

"ہاہا.... اگر تم جھوٹ نہیں بول رہے ہو تو میں نے اُسے مار ڈالا۔"

"ڈاکٹر گوہن....!"

"ہاں ڈاکٹر گوہن۔"

"یقین نہیں آتا۔"

"کیوں کیا تم اُس لڑکی سے واقف نہیں، جو مجھ سے اس کے لئے کام لیتی تھی۔"

"شاید میں اُسے نہیں جانتا۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"مونا کرسٹی.... جو آج کل اس کی نرس کی حیثیت سے کام کر رہی ہے۔"

"اوہ....!"

"ہاں کرنل.... اس لڑکی نے مجھے اپنی درد بھری کہانی بھی سنائی تھی۔ اب سوچتا ہوں کہ وہ سب کچھ فراڈ تھا۔"

"تو تمہارا خیال ہے کہ اس وبا کا ذمہ دار وہی ہے۔"

"ہاں کرنل.... اُس نے مجھ سے درجنوں مردہ کتے شہر کے کنوؤں اور واٹر سپلائی کے تالابوں میں پھینکوائے ہیں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"میرا دعویٰ ہے کہ انہیں کتوں سے پیدا ہونے والے جراثیم نے یہ وبا پھیلائی ہے۔"

"اور اب اُس نے ایک سہل سا نسخہ بھی دریافت کر لیا ہے۔" فریدی مسکرایا۔

"کوئی چال ہے۔" ناگر بولا۔ "کیا ممکن نہیں ہے کہ ملک گیر شہرت کے حصول کے لئے اس

نے ایسا کیا ہو۔ ظاہر ہے کسی ڈاکٹر کی شہرت اس کے لئے دولت ہی لاتی ہے۔ میرے جوئے خانے دولت ہی کے لئے چلتے تھے۔ دولت ہی کے لئے دنیا کا بڑے سے بڑا جرم کیا جاتا ہے اور محکمہ سراغ رسانی کے قیام کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر گوہن اگر ڈاکٹر نہ ہوتا تو میری طرح ایسا آدمی ہوتا جسے سب لٹیرا اور بدمعاش کہتے۔"

"لڑکی کی کہانی کیا تھی۔"

"کیا میں بیٹھ سکتا ہوں۔"

"بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے کہا۔ ناگر اٹھ کر بیٹھ گیا اور مونا کرسٹی کی داستان دہرانے لگا۔

جب یہ کہانی ختم ہو گئی تو فریدی نے پوچھا۔ "آخر تم نے اس پر حملہ کیوں کیا جبکہ اس سے خاصی اچھی رقم مل جاتی تھی۔"

"وہ خود ہی مجھے ختم کرا دینے کے چکر میں تھا۔ اس دوران میں مجھ پر تین بار حملہ کرا چکا ہے، جب سے اسے علم ہوا ہے کہ سرکاری سراغ رساں میرے پیچھے ہیں وہ مجھے زندہ دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا۔"

"خیر....!" فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "فی الحال تمہیں میرے ساتھ کوتوالی چلنا ہے۔"

"میں تیار ہوں۔"

❁

حمید کے پیچھے دونوں لڑکیاں بھی دوڑ رہی تھیں اور ان میں سے ایک اُسے بتاتی جا رہی تھی کہ اسے کدھر چلنا ہے۔ وہ ایک ایسے کمرے میں آئے جس کی ایک جانب کی کھڑکیاں کمپاؤنڈ کے بائیں بازو میں کھلتی تھیں۔

یہاں حمید کو ڈاکٹر گوہن نظر آیا، جو ایک میز پر دونوں ہاتھ ٹیکے ویران ویران آنکھوں سے کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا۔

اُن کی آہٹ پر وہ چونک کر ان کی طرف مڑا اور حمید پر نظر پڑتے ہی بُری طرح جھلا گیا۔

"تم کون ہو.... میری اجازت کے بغیر یہاں کیوں گھس آئے۔ جاؤ.... دفع ہو جاؤ۔"

"میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم زندہ تو نہیں ہو۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ لیکن قبل اس کے ڈاکٹر کا ہاتھ اس کی جیب تک پہنچتا حمید نے اپنا ریوالور نکال لیا۔

لیکن پھر یک بیک اس کو عقل آگئی اور اس نے جلدی سے کہا۔ "یہ تو صرف اس لئے ہے۔ ڈاکٹر کہ کہیں تم اپنا ریوالور نہ نکال لو۔ تمہاری اس حرکت سے مجھے گہرا صدمہ پہنچتا لہٰذا میں نے سوچا کہ میں ہی پہل کیوں نہ کروں۔"

"تم کون ہو۔"

"کیپٹن حمید.... فرام سنٹرل انٹیلی جنس بیورو۔"

"اوہ....!" ڈاکٹر کا منہ حیرت سے کھل گیا اور حمید ریوالور جیب میں ڈالتا ہوا بولا۔ "میونسپل حدود میں جہاں بھی مجھے فائرنگ کی آواز سنائی دے۔ میں صاحب خانہ کی اجازت حاصل کئے بغیر بھی مکان میں داخل ہو سکتا ہوں۔"

"بالکل بالکل ....!" ڈاکٹر سر ہلا کر بولا۔ "اوہ.... کیپٹن میں اس وقت ختم ہی ہو گیا ہوتا.... یہ دیکھئے۔"

اُس نے سامنے والی دیوار کی طرف اشارہ کیا جہاں گولیوں سے کئی جگہ کا پلاسٹر اُدھڑ گیا تھا۔ حمید نے ریوالور کے سامنے والی کھڑکی کی طرف دیکھا۔

باہر شور ہو رہا تھا۔ دوسروں نے بھی فائروں کی آوازیں سنی تھیں اور شاید وہ بھی عمارت کے اندر داخل ہونا چاہتے تھے۔

"انہیں روکو....!" ڈاکٹر نے ایک لڑکی سے کہا۔ "یہاں سب ٹھیک ہے۔"

طویل قامت لڑکی چلی گئی۔ حمید کنکھیوں سے دوسری لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔

"فائر کس نے کئے تھے۔" حمید نے ڈاکٹر سے پوچھا۔

"کاش میں اس کی شکل دیکھ سکا ہوتا۔"

"اس سے پہلے بھی کبھی آپ پر حملہ ہوا تھا۔"

"نہیں کبھی نہیں۔"

"شامیانے کے نیچے کن لوگوں سے آپ کا جھگڑا ہو رہا تھا۔"

"اوہ.... وہ کینہ توز ڈاکٹر سانگلو انہیں مجھ پر چڑھا لایا تھا۔ خود قریب نہیں آیا مگر میں جانتا ہوں۔ وہ میرا حریف ہے۔ مجھ سے پہلے اس شہر میں اس کا طوطی بولتا تھا مگر اب اُلو بھی نہیں بولتا۔"

"مگر وہ لوگ تھے کون۔"

"ڈاکٹر برونو.... ایک بیرونی طبی مشن کا قائد.... اس کا دعویٰ ہے کہ وبا کا زور اس کی ادویات سے کم ہوا ہے۔"

"مگر اس اتنی سی بات کے لئے وہ لوگ آپ پر فائر تو نہیں کر سکتے۔" حمید بولا۔

"میں نے کب کہا ہے کہ فائروں کا تعلق اُن سے ہے۔" ڈاکٹر گوہن جھلا گیا۔

حمید نے کھڑکی کے قریب جا کر باہر دیکھا۔ یہاں سے چہار دیواری کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ بیس فٹ رہا ہوگا اور چہار دیواری چار فٹ سے زیادہ اونچی نہیں تھی۔ اس کے نیچے سلاد کی کیاریاں تھیں۔ حمید کھڑکی سے نیچے کود گیا۔

چہار دیواری پھلانگ کر کمپاؤنڈ میں آنا اور دوبارہ پھلانگ کر واپس جانا مشکل نہیں تھا۔ حمید نے ایک کیاری میں سلاد کے کچلے ہوئے پودے بھی دیکھے۔ اس کے سامنے ہی دیوار پر گیلی مٹی کے نشانات ملے، جو غالباً حملہ آور کے جوتوں کے نشانات تھے۔

ڈاکٹر کھڑکی ہی میں کھڑا تھا۔ حمید نے ایک بار مڑ کر اس کی طرف دیکھا اور پھر سلاد کی کیاری پر نظریں جما دیں۔

وہ سوچ رہا تھا کہ ڈاکٹر گوہن کم از کم اس وقت اس پر فائر کرنے کی ہمت نہیں کرے گا۔ یہ اس کے لئے کوئی نیا واقعہ نہیں تھا۔ اس سے پہلے بھی کئی ایسے مجرم اس کی نظروں سے گزرے تھے جنہوں نے پولیس کو دھوکے میں ڈالنے کے لئے اس قسم کی حرکتیں کی تھیں۔ خود ہی اپنے اوپر حملے کرائے تھے اور پھر اس کام کے لئے یہ موقع تو بے حد مناسب تھا کیونکہ محکمہ سراغ رسانی کا ایک آفیسر یہاں موجود تھا۔ اس نے سوچا کہ یہ لوگ یقینی طور پر اُس سے واقف تھے، ورنہ وہ لڑکی اُسے دیکھ کر چونکی کیوں تھی۔

"اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔" حمید نے ڈاکٹر گوہن کی بھرائی ہوئی سی آواز سنی۔

حمید اس طرح چونک کر اُس کی طرف مڑا جیسے حقیقتاً اس سے بے خبر رہا ہو۔

"باقاعدہ رپورٹ درج کرائیے۔" اس نے جواب دیا۔

"آپ کس نتیجے پر پہنچے ہیں۔"

"یقیناً کسی نے آپ پر گولی چلائی تھی۔" حمید مسکرایا۔ "لیکن آپ بھی کافی مشاق معلوم ہوتے ہیں۔ شاید اندر دیوار پر چار نشانات ہیں لیکن ایک بھی گولی آپ کے نہیں لگی مجھے حیرت ہے۔"

"تو کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں مر جاتا۔" ڈاکٹر گوہن جھلا کر بولا۔

"میں تو یقیناً مر جاتا اگر مجھ پر چار فائر ہوتے۔"

"آپ محکمہ سراغ رسانی کے آفیسر ہیں یا کسی کالج کے پروفیسر۔" گوہن کے لہجے میں طنز تھا۔

حمید آگے بڑھا اور کھڑکی پر دونوں ہاتھ ٹیک کر اوپر اٹھ گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ کمرے کے اندر تھا۔ ڈاکٹر گوہن پیچھے ہٹ کر اُسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ ہر وقت جیب میں ریوالور کیوں لئے پھرتے ہیں۔" حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میرے پاس لائسنس ہے۔"

"لیکن اس کے باوجود بھی لوگ ہر وقت جیب میں نہیں ڈالے رہتے۔"

"میری عادت ہے۔"

"ڈاکٹروں میں اگر ایسی عادتیں پائی جائیں تو ہم انہیں حیرت انگیز کہیں گے۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"تم اس طرح مسکراتے کیوں ہو۔ کیا میں گدھا ہوں۔" ڈاکٹر دہاڑا۔

"گدھوں کو دیکھ کر میں ہمیشہ سنجیدہ ہو جاتا ہوں۔ آپ غلط سمجھے۔"

دونوں لڑکیاں منہ پھیر کر مسکرائیں لیکن ڈاکٹر نے دیکھ لیا۔ اس کے بعد وہ اور زیادہ جھلایا ہوا نظر آنے لگا۔

"آپ تشریف لے جائیے۔ میں رپورٹ نہیں درج کراؤں گا۔" اس نے کہا۔

"وہ تو درج بھی ہو چکی۔ میری موجودگی کا یہی مطلب ہے۔ اب آپ کو مجھے مطمئن کرنا پڑے گا کہ آپ رپورٹ کیوں نہیں درج کرانا چاہتے۔"

دفعتاً ڈاکٹر کی آنکھوں میں ایک چمک سی لہرائی اور اس نے لڑکیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "روزا انہیں مطمئن کر دو۔"

"چلئے۔" روزا نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی دلآویز مسکراہٹ تھی۔ پھر وہ خود ہی آگے بڑھی اور حمید کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف چلنے لگی۔

حمید بوکھلا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اسے اس کی توقع نہیں تھی۔ دروازے کے باہر قدم رکھتے

وقت وہ یہ بھی بھول گیا کہ ابھی کس مسئلے پر گفتگو ہو رہی تھی۔

لڑکی اُسے کھینچتی ہوئی ایک کمرے میں لائی اور مسکرا کر بولی۔ "ناچو گے....؟"

حمید خاموش کھڑا پلکیں جھپکاتا رہا۔ لڑکی نے گراموفون پر رقص کی موسیقی کا ریکارڈ چڑھا دیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر ناچنے لگی۔

"ارے.... ارے....؟" حمید کو بھی بالآخر شرارت سوجھی۔

"کیوں.... ناچو نا....!"

"ارے بچاؤ...." دفعتاً حمید حلق پھاڑ کر دہاڑا اور لڑکی بوکھلا کر پیچھے ہٹ گئی۔ پھر یک بیک سنبھل کر بولی۔

"بڑے ڈرپوک ہو۔ حالانکہ تمہاری جیب میں ریوالور بھی موجود ہے۔"

حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا چکر ہے۔ کچھ دیر پہلے جس عمارت میں فائروں کی آوازیں گونجی تھیں، وہاں اب رمبا بج رہا ہے اور جس پر فائر ہوئے تھے خود اسی نے لڑکی کو اس حرکت کے لئے اس کے ساتھ بھیجا تھا۔

وہ دوبارہ بڑھتی ہوئی لڑکی کو دھکیل کر کمرے سے باہر نکل آیا۔

"بری بات ہے۔" اس نے ڈاکٹر گوہن کی آواز سنی اور پلٹ پڑا۔ ڈاکٹر کہہ رہا تھا۔ "لڑکیوں سے اس طرح نہیں پیش آیا کرتے۔"

"میں تو لڑکیوں کو تل کر کھاتا ہوں۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"اسی لئے صورت پر اتنی نحوست برس رہی ہے۔" گوہن بولا۔ "ہضم نہیں ہوئیں شائد۔"

"میں تمہیں دیکھ لوں گا۔" حمید اُسے مکا دکھا کر بولا اور اسی میں عافیت سمجھی کہ جلد از جلد عمارت سے باہر نکلنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ گوہن کا رویہ ناقابل فہم تھا۔

اس نے اپنی پشت پر اُن دونوں کے قہقہے سنے۔ اس کے قدم تیزی سے اٹھ رہے تھے۔

رنگین جراثیم

اسی رات کو حمید نے فون پر فریدی کی کال ریسیو کی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"حمید! بے تکی حماقتوں سے یہی بہتر ہے کہ تم اپنی تفریحات میں مصروف رہو۔ مجھے کوئی

اعتراض نہ ہوگا۔ تم سے کس گدھے نے کہا تھا کہ ڈاکٹر گوہن تک جا پہنچو۔"

"ارے جناب! یہ رمیش بڑا واہیات آدمی ہے؟" حمید چہک کر بولا۔

"کیوں؟"

"آخر مجھ سے ان دونوں لڑکیوں کا تذکرہ کرنے کی کیا ضرورت تھی جو ڈاکٹر گوہن کے یہاں پائی جاتی ہیں۔"

"کیا بکواس ہے۔"

"یقین کیجئے اُس نے نہ صرف تذکرہ کیا تھا بلکہ اُن کے حسن کے اتنی شدت سے تعریف کی تھی کہ بس شاید آپ بھی بے قابو ہو جاتے اگر سن لیتے.... کہئے تو بیان کروں۔"

"میں کہتا ہوں بکواس بند کرو.... اور اب سنو! تم اس وقت تک گھر سے باہر قدم نہ نکالو گے، جب تک کہ میں نہ کہوں۔"

"میں ہلدا کی تلاش میں ہوں۔"

"حمید میں تمہارے ہاتھ پیر توڑ کر بٹھا دوں گا.... ہلدا کا کیس دوسروں کے پاس ہے تم جھک نہ مارو۔"

حمید نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ اسے اس پر غصہ نہیں آیا تھا بلکہ وہ بور ہو گیا تھا۔

بہت عرصہ سے فریدی نے شہر میں سادہ لباس والوں کا جال سا بچھا رکھا تھا۔ کوئی ایسا ہوٹل کوئی ایسی تفریح گاہ نہیں تھی کہ جہاں دو چار ہر وقت نہ موجود رہتے ہوں۔ اس رات جب حمید نے عورت کے میک اپ میں ہنگامہ برپا کیا تھا۔ فریدی کی معلومات کا باعث یہی سادہ لباس والے بنے تھے۔ پھر حمید کی دانست میں ڈاکٹر گوہن پر تو خصوصیت سے اس کی نظر رہی ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ پہلے ہی سے اس کی تاک میں رہا ہو۔ بہر حال حمید جو گوہن اور اس کی لڑکیوں کو ایک اچھا سبق دینا چاہتا تھا فریدی کی اس سرزنش پر ٹھنڈا پڑ گیا اور پھر ہلدا کو بھی جہنم میں جھونک کر اُس نے سوچا کہ اب کچھ دن سچ مچ آرام کرے گا یعنی گھر سے باہر ہی نہ نکلے گا۔

کھانا ہضم کرنے کے لئے اچھی صورتیں بھی ضروری تھیں اس لئے اس نے سوچا کہ باتصویر رسائل ہی سے کام چلائے گا۔

لیکن دوسرے ہی دن اس کا دم گھٹنے لگا مگر فریدی کی کوئی کال نہ آئی۔ یہ مسئلہ بڑا تکلیف

تھا۔ ایسی بھی کیا پابندی.... اسے خود پر غصہ آنے لگا۔ مگر غنیمت یہی تھا کہ اس غصے کے ساتھ ہی ساتھ سر پر وہ پرانی چھپکلی نہیں سوار ہوئی جس نے اکثر اسے اندیکھے جہانوں تک کی سیر کرا ڈالی تھی۔

تیسرے دن اچانک فریدی کی کال آئی۔

"ہیلو....!" وہ ریسیور اٹھا کر ایسی کمزور آواز میں بولا جیسے دم نکل رہا ہو اور پھر یک بیک اسے شرارت سوجھی اور وہ ماؤتھ پیس میں گھوڑے کی طرح ہنہنایا۔

"او حمید کے بچے.... تم....!"

"ذرا ایک منٹ...." حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "گھوڑوں اور آدمیوں میں تمیز مشکل ہو گئی ہے اس لئے مجھے کم از کم ایک ہفتے کی قید اور برداشت کرنی پڑے گی۔"

"اوہ.... تو کیا سچ مچ تم گھر ہی تک محدود رہے ہو۔"

"نہیں.... اڑن کھٹولے اترتے تھے آسمان سے میرے لئے۔" حمید جھلا کر بولا۔ "اور کل کا گھوڑا روئے زمین کی سیر کراتا تھا اور قاف کی پریاں.... ہاہا....!"

"بات سنو....!" فریدی جھلا گیا۔ "تمہیں ڈاکٹر سانگلو سے مل کر ڈاکٹر گوہن کے متعلق معلومات حاصل کرنی ہیں۔"

"ڈاکٹر جانگلو نہیں ہوتے۔"

"سانگلو.... گدھے.... سانگلو....!"

"سانگلو گدھے۔" حمید نے حیرت سے دہرایا۔ "ارے بابا میں نے گدھوں کی اقسام کے متعلق آج تک چھان بین نہیں کی۔ میں نہیں جانتا کہ یہ سانگلو گدھے کس قسم کے ہوتے ہیں۔"

فریدی نے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا اور حمید نے بھی ریسیور کریڈل میں ڈال کر ایک طویل انگڑائی لی۔ ان دنوں وہ ڈاکٹر گوہن اور اس کی دونوں لڑکیوں ہی کے متعلق سوچتا رہا تھا لہٰذا ڈاکٹر سانگلو سے اس کے متعلق گفتگو کرنے میں ذرا بھی بوریت محسوس نہ کرتا۔ ویسے یہی کیا کم تھا کہ گھر سے باہر قدم نکالنے کی اجازت مل چکی تھی۔

وہ ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر ڈاکٹر سانگلو کی قیام گاہ پر جا پہنچا۔ اس کی کمپاؤنڈ میں بھی ویسا ہی ایک بہت بڑا شامیانہ نظر آیا جیسا وہ تین چار دن پہلے ڈاکٹر گوہن کی کمپاؤنڈ میں دیکھ چکا تھا۔ یہ ایک غیر ملکی طبی مشن کی ادویات کی تقسیم کا مرکز تھا۔

حمید نے کمپاؤنڈ میں اُن غیر ملکیوں کو بھی دیکھا جن سے ڈاکٹر گوہن کو جھگڑتے دیکھا تھا۔

وہ سیدھا ڈاکٹر سانگلو کی طرف بڑھ گیا جو اس وقت ایک مریض کے بازو میں انجکشن دے رہا تھا۔

سانگلو نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی اور پھر مریض کے بازو سے سوئی نکال کر اُسے روئی کے ٹکڑے سے صاف کرتا ہوا بولا۔ "میرا خیال ہے کہ میں آپ کو پہچانتا ہوں جناب۔"

"یہ میری خوش قسمتی ہے۔" حمید مسکرایا۔ "ویسے کیا آپ مجھے تھوڑا سا وقت دینا پسند کریں گے۔"

"ضرور.... ضرور.... لیکن دس منٹ کے لئے مجھے معاف کیجئے۔ مجھے تین انجکشن اور دینے ہیں۔"

حمید سر ہلا کر رہ گیا۔

سانگلو کا شمار شہر کے اچھے ڈاکٹروں میں تھا۔ لوگ اس کی خوش اخلاقی اور خوش مزاجی کے بھی مداح تھے۔ اکثر کو کہتے سنا گیا تھا کہ آدھا مرض تو اس کی دلچسپ گفتگو ہی ختم کر دیتی ہے۔

اُس نے دس منٹ سے زیادہ وقت نہیں لیا۔

"فرمایئے.... میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"چند بہت ضروری باتیں کرنی ہیں آپ سے۔" حمید نے کہا۔

"یہیں.... یا کہیں الگ چلیں۔" ڈاکٹر سانگلو نے کہا۔

"کہیں اطمینان سے۔" حمید نے کہا۔ "یہاں اس بھیڑ بھاڑ میں تو....!"

"اوہ.... تو آیئے میرے ساتھ۔"

وہ دونوں عمارت کے بیرونی برآمدے میں آئے اور پھر ڈاکٹر سانگلو نے ایک الگ تھلگ کمرے تک حمید کی رہنمائی کی۔

"تشریف رکھئے جناب۔" اس نے جھک کر کہا۔

حمید ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

"اس دن....!" حمید کچھ دیر بعد بولا۔ "میں نے آپ کو ڈاکٹر گوہن کی کمپاؤنڈ میں دیکھا تھا۔"

"کس دن....!"

"جب وہ آپ کے غیر ملکی دوستوں سے جھگڑا کر رہا تھا۔ میرا خیال ہے کہ آپ ڈاکٹر برونو ہی کے وفد کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔"

"جی ہاں....!"

"میں دراصل اس آدمی ڈاکٹر گوہن کے متعلق الجھن میں ہوں۔"

"کیوں؟ کیسی الجھن جناب۔"

"وہ پھر بتاؤں گا.... پہلے آپ یہ بتایئے کہ اس حیرت انگیز وبا کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔"

"اوہ.... میرے خدا.... تو کیا.... محکمہ سراغ رسانی بھی اسی راہ پر دوڑ رہا ہے جس پر ہم چل نکلے ہیں۔" ڈاکٹر سانگلو نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

"میں نہیں سمجھا....!"

"کچھ نہیں کیپٹن....!" ڈاکٹر سانگلو مضطربانہ انداز میں ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ "کچھ نہیں! ہم جب تک اپنے تجربات مکمل نہ کر لیں اس مسئلے پر روشنی ڈالنے سے معذور ہیں۔"

"آخر محکمہ سراغ رسانی کس راہ پر دوڑ رہا ہے۔" حمید نے اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں کیپٹن میں اپنی اس بے تکی بکواس پر شرمندہ ہوں۔ بعض اوقات خیالات زبان کا ساتھ نہیں دیتے۔ آدمی کہنا کچھ چاہتا ہے زبان سے، نکلتا کچھ ہے۔"

"ہاں ہو سکتا ہے.... خیر.... ہاں.... تو میں آپ سے ڈاکٹر گوہن کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں بھلا اس کے بارے میں کیا بتا سکوں گا۔ مگر نہیں.... جو آپ مجھ سے پوچھنا چاہتے ہیں ممکن ہے میرے علم میں ہو۔"

"یہ اس شہر میں کب سے مقیم ہے۔"

"اندازاً چار سال سے۔"

"کیا وہ بکٹیریالوجسٹ بھی ہے۔"

"اوہ.... یقیناً.... میرا اندازہ یہی ہے۔ وہ ایک خاصی بڑی تجربہ گاہ بھی رکھتا ہے۔"

"اس علاج کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے، جو اس نے دریافت کیا ہے۔"

"آہا.... اُس دن وہاں اس کا طریق علاج ہی زیرِ بحث تھا۔ میرا خیال ہے کہ میں نے وہاں آپ کو بھی دیکھا تھا۔ میں کیا بتاؤں کیپٹن.... آج تک کی رپورٹ یہ ہے کہ اس مرض کی وجہ ابھی تک دریافت نہیں ہو سکی۔ قاعدہ یہ ہے کہ پہلے عموماً مرض کا سبب دریافت کیا جاتا ہے اس

کے بعد ہی طریق علاج کا تعین ہو سکتا ہے۔"

"سامنے کی بات ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"پھر! آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ مرض کے اسباب سے واقف ہو چکا ہے یا پھر اسے تسلیم کیجئے کہ وہ جھوٹا ہے اور اس میں سچائی نہیں ہے کہ وہ علاج اتفاقاً دریافت ہوا تھا۔"

"ٹھیک ہے.... میں آپ سے متفق ہوں۔"

"اچھا! اب اگر اس نے مرض کا سبب دریافت کر لیا ہے تو اسے تسلیم کیوں نہیں کرتا طریق علاج کی دریافت کو اتفاقات پر کیوں ٹال رہا ہے۔"

"بہت عمدہ نکتہ ہے۔ یقیناً اس پر غور کرنا پڑے گا۔" حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ "مگر مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس دن آپ کے غیر ملکی ساتھی اس طریق علاج کو ڈھونگ قرار دینے کی کوشش کر رہے تھے، جس پر وہ آپے سے باہر ہو گیا تھا۔"

"جی ہاں.... لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس کا دریافت کردہ علاج سو فیصدی کامیاب رہا ہے۔"

"مگر آپ کے ساتھی تو اپنی دواؤں کا تذکرہ کر رہے تھے۔"

"کیپٹن! وہ بکواس کر رہے تھے مگر ضرورتاً ہم ڈاکٹر گوہن سے حقیقت اگلوانا چاہتے ہیں۔ اُسے مرض کے اسباب معلوم ہیں۔ اُسے تسلیم کرنا پڑے گا۔"

"وہ تو شاید آپ لوگ اُسے خواہ مخواہ غصہ دلا رہے تھے تاکہ سچی بات اس کی زبان سے نکل جائے۔"

"جی ہاں.... ہماری یہی خواہش تھی۔"

"مگر آپ آج تک کامیاب نہیں ہو سکے۔"

"ابھی تک تو نہیں۔"

"مگر ایک بات سمجھ میں نہیں آتی ڈاکٹر صاحب۔" حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "آخر وہ اسے کیوں چھپانا چاہتا ہے کہ اس نے مرض کے اسباب معلوم کر لئے ہیں اور آپ لوگ اس پر کیوں مصر ہیں کہ وہ اس کا اعتراف کر لے؟"

"خدا کی پناہ۔" ڈاکٹر سانگلو مسکرایا۔ "کیا آپ تہیہ کر کے آئے ہیں....!"

وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گیا اور حمید کو تحسین آمیز نظروں سے دیکھتا رہا۔

"اس سوال کا جواب بہت ضروری ہے ڈاکٹر۔" حمید نے پائپ سلگا کر کہا۔

"آپ نے مجھے مشکل میں ڈال دیا ہے۔"

"آخر بات کیا ہے۔"

"دیکھئے ہم کوئی ایسی بات قبل از وقت نہیں کہنا چاہتے جس پر بعد میں ہمیں شرمندہ ہونا پڑے۔ بعض اوقات آدمی دھوکا بھی کھا جاتا ہے۔ مثلاً میں نے آپ کے متعلق ایک نظریہ قائم کر لیا ہے کہ آپ فلاں شخص کے قاتل ہیں۔ چونکہ یہ خیال اچھی طرح ذہن میں جم گیا ہے اس لئے آپ کا ہر فعل ہمارے لئے اشتباہ انگیز ہوگا اور ہمارا یہ نظریہ پختہ ہوتا جائے گا کہ آپ قاتل ہیں لیکن ضروری نہیں ہے کہ حقیقت بھی یہی ہو۔"

"کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر گوہن ہی اس وباء کا ذمہ دار ہے۔" حمید نے ضرورت سے زیادہ سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے پوچھا۔ لہجہ بھی بیحد خشک تھا۔

"جی ہاں.... میرا یہی خیال ہے لیکن خدارا باور کیجئے کہ یہ ابھی شبہے کی حدود سے باہر نہیں ہوا۔ آپ نے چونکہ رگ پکڑ لی ہے اس لئے آپ کے سامنے یہ خیال الفاظ کا جامہ پہن سکا ہے ورنہ یہ بات ایسی نہیں ہے کہ ثبوت مہیا کئے بغیر کہی جائے۔"

حمید اس وقت اپنے خالص پیشہ ورانہ انداز پر اتر آیا تھا۔ اس نے ڈاکٹر سانگلو پر کچھ اس طرح نظر ڈالی جیسے وہ اپنا جرم ڈاکٹر گوہن کے سر تھوپنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"کیوں....؟" اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ "اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ڈاکٹر گوہن کو اتنا بڑا ہنگامہ کھڑا کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی اور پھر اب وہ اس کا ایک سہل سا نسخہ کیوں بتاتا پھر رہا ہے۔"

"سہل کہاں کیپٹن....!" ڈاکٹر کے لہجے میں طنز تھا۔ "وہ سادہ پانی میں بھی نمک کا محلول بتا سکتا تھا۔ آخر چائے ہی کیوں۔"

"چائے نسخے کا ایک جزو ہے۔"

"قطعی نہیں کیپٹن! میں صرف سادہ پانی میں بہتیرے مریضوں کو نمک استعمال کرا چکا ہوں مگر نتیجہ وہی نکلا ہے جو چائے کے محلول سے نکلتا رہا ہے۔"

"تب تو آپ کی معلومات اس سے بہر حال زیادہ ہوئیں۔"

"یقیناً.... لیکن یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اُسے صرف پانی کے محلول کا علم نہ ہوگا۔"

"اگر ہوتا تو وہ چائے کا کھڑاگ کیوں کرتا۔"

اس پر ڈاکٹر سانگلو نے قہقہہ لگایا۔ کچھ دیر ہنستا رہا پھر بولا۔ "اگر وہ سادہ پانی ہی کے محلول کا اعلان کرتا تو پھر یہ بات کیسے بنتی کہ علاج اتفاقیہ طور پر دریافت ہوا تھا۔ کوئی دھوکے سے بھی سادہ پانی میں نمک ملا کر نہیں پیتا۔ چائے کے ساتھ یہ فقرہ چل گیا تھا کہ شکر کے بجائے غلطی سے نمک کے چمچے چل گئے تھے۔"

"یہ بات بھی پکی ہے ڈاکٹر۔" حمید اُسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"لیکن یہ مسلمہ ہے کہ اگر ہم طبیبوں کو کوئی خاص بات اتفاقاً معلوم ہو جائے تو ہم ہر زاویئے سے اس کا تجربہ کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر چائے اور نمک ہی کو لے لیجئے۔ اگر یہ واقعہ مجھے پیش آیا ہوتا تو میں یہ معلوم کرنے کی کوشش ضرور کرتا کہ چائے اور نمک دونوں میں سے کون زیادہ اہم ہے۔ چائے کی اہمیت یوں ختم ہو جاتی کہ مریض دن بھر میں سیروں چائے پی جاتے ہیں لیکن اس سے ان کے مرض میں نہ کمی ہوتی ہے اور نہ زیادتی۔ لامحالہ نمک ہی اہم جزو قرار پایا.... یہ تو ہوئی ذہنی دلیل.... اور عملی دلیل یہ ہوتی کہ نمک صرف سادہ پانی میں حل کر کے مریضوں کو پلایا جاتا۔ میں نے یہی کیا تھا۔ نتیجہ وہی نکلا یعنی چائے قطعی غیر ضروری ثابت ہوئی۔"

حمید نے تعریف کرنے کے سے انداز میں سر ہلایا۔

ڈاکٹر سانگلو پھر بولا۔ "کیپٹن! ہم مسئلے پر بہت محنت کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر گوہن کے اس نسخے ہی کی بدولت ہم مرض کے اسباب تک پہنچ گئے ہیں۔"

"وہ کس طرح....!" حمید نے اشتیاق ظاہر کیا۔

"دیکھئے! وبائی امراض کے جراثیم مختلف ذرائع سے ہمارے سسٹم پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یا تو وہ فضا میں موجود ہوتے ہیں اور ہوا کے ساتھ ہمارے جسم میں پہنچتے ہیں یا اس پانی میں ان کا وجود ہوتا ہے جسے ہم پیتے ہیں یا پھر کیڑوں مکوڑوں کے ذریعے وہ ہمارے جسم میں داخل ہوتے ہیں۔ ہم نے سارے ذرائع چھان مارے لیکن ہمیں نئے قسم کے جراثیم کہیں بھی نہ ملے۔ ایک دن میں تجربہ گاہ میں سلائیڈ پر مشتبہ پانی کی چند بوندیں ڈال کر خوردبین سے ان کا جائزہ لے رہا تھا کہ کسی نے مذاقاً اس پر ایک چٹکی نمک ڈال دیا۔ شاید اُس نے ایسا کرتے وقت ڈاکٹر گوہن پر پھبتی بھی کہی تھی لیکن کیپٹن مجھے تو خدا کی قدرت کا تماشہ نظر آگیا۔ نمک کی چٹکی پڑتے ہی پانی میں لاتعداد

نارنجی رنگ کے ذرات سے نظر آنے لگے لیکن یہ غیر متحرک تھے۔ بس پھر یہیں سے ہمارے کام کا آغاز ہوا۔ نمک نہ صرف ان کے لئے سم قاتل ہے بلکہ ان کی رنگت بھی تبدیل کر دیتا ہے۔ رنگت تبدیل ہونے سے قبل انہیں خوردبین سے بھی نہیں دیکھا جا سکتا۔ یعنی آپ انہیں صرف مردہ حالت میں دیکھ سکتے ہیں۔ اگر یہ زندہ ہوں تو دنیا کی طاقتور ترین خوردبین سے بھی نہیں دیکھے جا سکتے۔ میرا دعویٰ ہے کہ اگر آپ دیکھنا چاہتے ہوں تو میرے ساتھ میری تجربہ گاہ تک چلئے، حالانکہ یہ تجربہ گاہ بڑی حقیر سی ہے اتنی بڑی نہیں ہے، جتنی بڑی ڈاکٹر گوہن رکھتا ہے میرا خیال ہے شہر میں شاید ہی کوئی بیکٹیریالوجسٹ اتنی بڑی تجربہ گاہ رکھتا ہو۔"

حمید اس کے ساتھ اس کی تجربہ گاہ میں آیا اور ڈاکٹر سانگلو نے اُسے وہ سب کچھ دکھا دیا جس کے متعلق دعوے کرتا رہا تھا۔

"واقعی ڈاکٹر....!" حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "یہ سارے معاملات چکرا دینے والے ہیں۔ ڈاکٹر گوہن اتنا بدھو نہیں معلوم ہوتا کہ چائے ہی پر اڑا رہتا۔ آخر وہ کیا چیز ہو سکتی ہے جس نے اسے ایک جھوٹا افسانہ تراشنے پر مجبور کیا۔"

ڈاکٹر سانگلو کچھ نہ بولا۔ اس کی آنکھیں گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ بڑبڑایا۔ "کاش میں صرف ایک ہی بار اس کی تجربہ گاہ میں پہنچ سکتا۔"

"اس سے کیا ہوتا.... ڈاکٹر....!" حمید نے پوچھا۔

"اوہ.... کیپٹن ابھی کچھ نہ پوچھئے.... یہ غدار.... کمینہ جو وطن پرستی کا دعویٰ کرتا رہتا ہے کتنا نیچ ہے۔ یہ میں دنیا کو دکھا دوں گا۔"

"بڑی مصیبت تو یہ ہے کہ میں اس لیبارٹری کی تلاشی کا وارنٹ بھی نہیں حاصل کر سکتا کیونکہ آج کل وہ شہر بھر کی آنکھوں کا تارا بنا ہوا ہے، حکام اس کی بے حد عزت کرتے ہیں۔ وزیراعظم اور صدر مملکت نے اُسے بڑے شاندار پیغامات بھیجے ہیں۔ لیکن مجھے اس پر شبہ ہے۔ کرنل بھی اس کی تاک میں ہیں۔ کاش اس کے خلاف کچھ ثابت ہو سکے کوئی واضح ثبوت مل سکے۔ اچھا ڈاکٹر! میں کوشش کروں گا کہ آپ اس کی لیبارٹری تک پہنچ سکیں، حالانکہ وہ اُس دن کے جھگڑے کا قصہ شاید ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ تک پہنچا چکا ہوگا۔ دیکھئے اگر کوئی قانونی صورت نہ نکلی تو غیر قانونی ہی سہی.... مگر ہاں وہ ڈاکٹر کون تھا جس نے سلائیڈ پر نمک ڈالا تھا۔"

"یہی تو یاد نہیں پڑتا۔ مگر وہ کسی غیر ملکی طبی وفد ہی کا کوئی آدمی تھا۔ اُس دن میری لیبارٹری میں کئی ممالک کے لوگ تھے۔"

حمید تھوڑی دیر بعد وہاں سے روانہ ہو گیا۔ اس کے بعد کہاں جاتا۔ وہ ڈاکٹر گوہن کے خلاف دل ہی دل میں کھولتا ہوا واپس آ گیا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد پھر فریدی کی کال آئی اس نے یہی معلوم کرنے کے لئے اُسے رنگ کیا تھا کہ اس نے گوہن کے متعلق معلومات فراہم کیں یا نہیں۔

حمید کو اپنی اور ڈاکٹر سانگلو کی گفتگو کا ایک ایک لفظ دہرانا پڑا۔

"یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔" فریدی نے پوری روداد سن کر کہا۔ "مگر ڈاکٹر سانگلو اپنے نام سے کامیاب نہیں ہو سکتا کیونکہ ڈاکٹر گوہن اُس سے بُری طرح خار کھاتا ہے اس کے لئے اسے کسی غیر ملکی وفد کے آدمی سے کام لینا پڑے گا۔ غیر ملکی.... ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے استدعا کرے کہ وہ اپنے چند ساتھیوں سمیت ڈاکٹر گوہن کی تجربہ گاہ میں کچھ تجربات کرنا چاہتا ہے کیونکہ شہر میں صرف وہی ایک ڈھنگ کی تجربہ گاہ ہے۔"

انسانیت کے محسن

ایک غیر ملکی وفد کے قائد ڈاکٹر برونو نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کا اجازت نامہ حاصل کر ہی لیا اور ڈاکٹر سانگلو نے اسکی اطلاع حمید کو دیتے ہوئے استدعا کی تھی کہ ان کیساتھ وہ چلے تو بہتر ہے۔

آج بھی حمید کو ڈاکٹر گوہن کی تجربہ گاہ سے اتنی دلچسپی نہیں تھی جتنی اس کی دونوں لڑکیوں سے تھی۔ اُس نے سوچا اسی بہانے سہی ایک بار اور ان سے قریب ہونے کا موقع مل جائے گا اور اگر بن پڑا تو ہو سکتا ہے کہ وہ اس لڑکی روزا سے اس دن کی حرکتوں کا بدلہ بھی لے ڈالے، جب ڈاکٹر گوہن نے خود پر کسی کے حملے کا ڈھونگ رچایا تھا۔

شاید ڈاکٹر گوہن کو براہِ راست ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے اس کی اطلاع ملی تھی کہ کچھ لوگ اس کی تجربہ گاہ استعمال کرنا چاہتے ہیں کیونکہ جب یہ لوگ وہاں پہنچے تھے تو ان دونوں لڑکیوں نے کچھ ایسے ہی انداز میں ان کا استقبال کیا تھا جیسے انہیں اُن کی آمد کی اطلاع پہلے ہی سے رہی ہو۔

لیکن ڈاکٹر گوہن موجود نہیں تھا۔ حمید کو اس کے اس بے پروائی کے مظاہرے پر بڑا تاؤ آیا

مگر وہ اس کو لڑکیوں کے شربت دیدار میں گھوٹ گھاٹ کر پی ہی گیا۔

ڈاکٹر گوہن کے دوسرے ساتھی شامیانے کے نیچے مریضوں کو دیکھ رہے تھے۔ حمید، ڈاکٹر برونو اور ڈاکٹر سانگلو دونوں لڑکیوں کے ساتھ لیبارٹری میں آئے۔

ڈاکٹر برونو ایک آلے کے قریب بیٹھ گیا اور ڈاکٹر سانگلو بالکل کسی چھوٹے سے بچے کی طرح لیبارٹری کا جائزہ لینے لگا۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے اپنی زندگی میں پہلی بار کوئی ایسی تجربہ گاہ دیکھی ہو جس میں اندیکھی چیزیں موجود ہوں۔ حمید لڑکیوں سے غپ لڑانے لگا۔

روزا کہہ رہی تھی۔ "پتہ نہیں کیوں اُس دن آپ بھاگ نکلے تھے۔ میں بڑے اچھے موڈ میں تھی اور میرا ارادہ تھا کہ آپ کو شام تک نچاتی رہوں گی۔ ڈاکٹر بڑا خوش مزاج آدمی ہے۔ نوجوان جوڑوں کو ہنستے کھیلتے دیکھ کر اس کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔"

"بس بہت ہو چکا۔" اچانک ڈاکٹر گوہن کی غراہٹ سنائی دی۔

حمید چونک کر مڑا۔ ڈاکٹر گوہن ایک دروازے کا پردہ ہٹا کر اندر داخل ہو رہا تھا۔

"اوہ.... ڈاکٹر...." برونو اٹھتا ہوا بولا۔ "ہم بغیر اجازت آپکی لیبارٹری میں نہیں داخل ہوئے۔"

"لیکن تمہارے ساتھ ایک پولیس آفیسر کیوں آیا ہے۔"

"یہ مجھ سے پوچھو ڈاکٹر....!" حمید نے مسکرا کر کہا۔ "میں نے سنا ہے کہ تم نوجوان جوڑوں کو ناچتے دیکھ کر بیحد خوش ہوتے ہو۔ اگر اجازت دو تو ہم لوگ یہیں تمہارے خوش ہونے کا انتظام کر دیں۔"

"میں کہتا ہوں تم نے کس کی اجازت سے میری تجربہ گاہ میں قدم رکھا۔ میں نے صرف ڈاکٹروں کے داخلے کی اجازت دی تھی۔"

"میں حسن کا ڈاکٹر ہوں.... ڈیئر.... کیا اس تجربہ گاہ میں حسن بھی موجود نہیں ہے۔ جب حسن نزلے زکام میں مبتلا ہو جاتا ہے تو لوگ عموماً اسی خاکسار کو یاد کرتے ہیں کیونکہ حسن کی چھینکیں اس شہر میں صرف میں ہی برداشت کر سکتا ہوں۔"

"اے ڈاکٹر....!" گوہن نے دفعتاً ڈاکٹر سانگلو کو للکارا۔ "تم میری الماریوں میں کیوں جھانکتے پھر رہے ہو۔"

"مجھے ان جراثیم کی تلاش ہے جو مردہ ہونے پر ہی نظر آ سکتے ہیں۔" ڈاکٹر سانگلو نے لاپروائی

سے جواب دیا۔

"کیا مطلب.....!"

"میرا یہ جملہ بجائے خود مطلب ہے۔" ڈاکٹر سانگلو کا جواب تھا۔

حمید کی نظر ڈاکٹر گوہن کے داہنے ہاتھ پر تھی کہ کب وہ جیب کی طرف جائے اور کب حمید اپنا ریوالور نکال لے لیکن ڈاکٹر گوہن کا ہاتھ جیب کی طرف نہیں گیا۔ البتہ اس کی آنکھیں ضرور چنگاریاں برسانے لگی تھیں۔

"ہاں ڈاکٹر.....!" سانگلو پھر بولا۔ "اس جملے کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرو۔ تم تو ایک بہت سمجھدار آدمی ہو۔ چائے کے ساتھ نمک پلاتے ہو کیونکہ سادہ پانی چائے سے زیادہ مہنگا ملتا ہے.... اور.... اور کیا کہوں۔ تم تو سمجھتے ہی ہو۔"

"اوہ.... تو یہ کہو۔" ڈاکٹر گوہن حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "مجھے کسی چکر میں پھانسنے کے لئے کوئی پلاٹ مرتب کیا جا رہا ہے۔"

وہ چند لمحے خاموش رہا پھر بے تحاشہ قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

"اس ہنسی کی وجہ.....؟" حمید اُسے گھور کر بولا۔

"کیا یہاں.... میری تجربہ گاہ میں کسی قسم کی سازش کامیاب ہو سکتی ہے۔ ابھی تک تو ایسا نہیں ہوا کہ مجھ سے ٹکرانے والے پاش پاش نہ ہو گئے ہوں۔"

بڑی پھرتی سے حمید کا ہاتھ جیب میں گیا لیکن پھر دفعتاً اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ ریوالور جیب میں نہیں تھا۔ پھر اس نے اپنی ساری جیبیں ٹٹول کر رکھ دیں۔

ڈاکٹر گوہن کا قہقہہ پھر گونجا اور اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "یہ میری تجربہ گاہ ہے۔ یہاں ریوالور کے پر لگ جاتے ہیں۔ یہ دیکھو تمہارا ریوالور میری جیب میں اڑا آیا ہے۔"

ڈاکٹر گوہن نے ہاتھی دانت کے دستے والا ریوالور جیب سے نکال کر حمید کو دکھایا اور بولا۔ "اس کے سارے چیمبر بھرے ہوئے ہیں.... اور تم صرف تین ہو۔ کیا سمجھے.... چلو کیپٹن.... تم بھی ان دونوں کے قریب پہنچ جاؤ۔"

"کیا تم پاگل ہو گئے ہو۔" ڈاکٹر برونو غرایا۔

"ہاں میں پاگل ہو گیا ہوں کیونکہ تم لوگ بے حد ذلیل ہوتے جا رہے ہو۔ میں صرف

تمہاری نہیں بلکہ تمہارے ملک کی بات کر رہا ہوں۔"

"اور تم اب اس ملک کے باشندے بن کر اسے تباہ کر رہے ہو۔" ڈاکٹر سانگلو غصیلے لہجے میں بولا۔

"میں دوغلے دیسی کتوں سے بات نہیں کرنا چاہتا۔" ڈاکٹر گوہن بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"خاموش رہو۔" حمید گرجا۔

"حلق پھاڑتے رہو۔ پاگلوں کی طرح۔" ڈاکٹر گوہن نے لاپروائی سے کہا۔ پھر مونا کرسٹی کی طرف مڑ کر بولا۔ "وہ جو دیسی ڈاکٹر اُدھر کھڑا ہے.... جا کر اس کے گالوں پر طمانچے لگاؤ۔"

"کیا مطلب.....!" یک بیک ڈاکٹر سانگلو چونک پڑا۔

"مطلب یہ کہ تم اس لڑکی کو برما سے ورغلا کر انگلینڈ لے گئے تھے اور انگلینڈ سے پھر برما واپس لائے تھے اس کے بعد پھر یہاں لائے.... اور وکیل کے بجائے اس کے باس بن بیٹھے۔"

حمید نے دیکھا کہ مونا کا چہرہ سفید پڑ گیا ہے اور وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ڈاکٹر گوہن کو گھور رہی تھی۔

"کیپٹن یہ پتہ نہیں کیا بکواس کر رہا ہے۔" ڈاکٹر سانگلو نے حمید کو للکارا۔ "آپ کی موجودگی میں یہ ہمیں مار ڈالنے کی دھمکیاں دے رہا ہے اور آپ کھڑے منہ دیکھ رہے ہیں۔"

"ڈاکٹر گوہن میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ ریوالور زمین پر ڈال دو۔" حمید نے گرج کر کہا۔

"میں تمہارا پابند نہیں ہوں۔" ڈاکٹر گوہن نے لاپروائی سے کہا اور مونا کرسٹی سے بولا۔ "کیا تم نے سنا نہیں۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ ڈاکٹر سانگلو کے منہ پر تھپڑ لگاؤ کیونکہ اس نے تمہیں بڑی اذیتیں دی ہیں اور یہ ابھی ابھی اپنے ساتھ دو ایسے خطرناک ٹیوب لایا ہے جو مجھے پھانسی دلوا سکتے ہیں۔"

"کیا بک رہے ہو تم.....!" ڈاکٹر برونو دہاڑا۔

"شیشے کے دو ٹیوب جن میں اختلاجی وبا کے جراثیم ہیں اور یہ ابھی میری لیبارٹری کے ایک حصے میں چھپائے گئے ہیں۔ ڈاکٹر سانگلو نے ہاتھ کی صفائی دکھائی ہے۔"

"کیپٹن یہ جھوٹا ہے.... اسے ڈر ہے کہ کہیں تم لیبارٹری کی تلاشی نہ لے بیٹھو۔" ڈاکٹر سانگلو پرسکون لہجے میں بولا۔

"تلاشی.....!" ڈاکٹر گوہن نے قہقہہ لگایا۔ "کیا تم میرے ہاتھ میں ریوالور نہیں دیکھ رہے ہو۔ ایسے میں تلاشی لینے کی ہمت کون کر سکتا ہے۔ روزالیبارٹری کے سارے دروازے مقفل کر دو۔"

روزا آگے بڑھی اور جلدی جلدی دروازے بند کرنے لگی۔ پھر جب ڈاکٹر گوہن کے پاس واپس آگئی تو وہ بولا۔

"ہاں ڈاکٹر برونو.... اور ڈاکٹر سانگلو اب معاملے کی بات کرو۔ کیا میں بھی ایک بڑی رقم کا حقدار نہیں ہوں۔"

"کیا مطلب....!" دونوں بیک وقت بولے۔

"مجھے سب کچھ معلوم ہے اور تم لوگوں کے خلاف ثبوت بھی رکھتا ہوں۔" ڈاکٹر گوہن نے کہا۔ "مونا کرسٹی کے ٹرانسمیٹر سے سانگلو کی آواز اس وقت ریکارڈ کی گئی تھی جب وہ اُسے ایک پیغام دے رہا تھا.... کیوں مونا اس وقت تمہارے پاس تمہاری دوست پیکسی بھی موجود تھی؟ جب تمہارے نامعلوم باس نے تمہیں ہدایت دی تھی کہ اس رات کو بھی تین کتے واٹر سپلائی ٹینک میں پھینکے جائیں گے۔"

"میں پاگل ہو جاؤں گی۔" مونا اپنی پیشانی رگڑنے لگی۔

"نہیں پاگل ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہاں اس وقت پیکسی موجود تھی اور اس کے پاس ایک ٹیپ ریکارڈر بھی تھا جسے تم نہیں دیکھ سکی تھی۔ لیکن اس وقت تم اس آدمی کی آواز تو پہچان ہی سکتی ہو، جو فرانسیسیوں کی طرح ڈال کو دال اور رٹ کو وت بولتا ہے۔ یہ اس کی کمزوری ہے، لیکن ٹرانسمیٹر پر بولتے وقت یہ سچ مچ فرانسیسیوں ہی کا سا لہجہ اختیار کرنے کی کوشش کرتا تھا کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔"

مونا نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ڈاکٹر گوہن کہتا رہا۔ "سانگلو تم منظر عام پر آئے بغیر ہی ایک بہت بڑی سازش کر رہے تھے، جن لوگوں سے تم کام لے رہے تھے وہ بھی نہیں جانتے تھے کہ ان کا سرگروہ کون ہے۔ اس کام کے لئے تم نے مونا کو پھانسا تھا اور مونا نے گروہ ترتیب دیا تھا بس تم جو کہتے تھے وہ کرتی رہتی تھی۔ اس نے تمہارے لئے ناگر کو ملازم رکھا اور ناگر نے کچھ اور آدمی بھی کئے۔ تم خود تو مردہ کتے گھسیٹ نہیں سکتے تھے اس لئے تمہیں ایسے آدمیوں کی بھی ضرورت تھی.... اور میری طرف دیکھو.... ڈاکٹر سانگلو.... کیپٹن کی طرف دیکھنے سے کیا فائدہ.... اگر تم نے مجھ سے سودا کر لیا تو یہ بیچارا آسمان بھی نہ دیکھ سکے گا۔ اس کی قبر یہیں بنے گی اور یہ نہیں ثابت ہو سکے گا کہ کیپٹن حمید نے کبھی یہاں قدم بھی رکھا تھا۔ ظاہر ہے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ بھی

اتنا ہی جانتا ہے کہ صرف تم اور برونو یہاں آئے ہو۔"

"تمہارا باپ کرنل فریدی بھی جانتا ہے۔" حمید غرایا۔

"کرنل فریدی جیسے لونڈے میری جیب میں پڑے رہتے ہیں۔" گوہن نے لاپروائی سے کہا۔

"اس کا بھی انتظام کر چکا ہوں۔ ہاں ڈاکٹر سانگلو.... جب وبا پھیلنے لگی تو مونا کرسٹی نے تم سے اس کا تذکرہ کیا کہ وہ بھی اس وبا کا شکار ہو گئی ہے۔ تم نے اُسے نمک اور پانی والا نسخہ بتایا کیونکہ ابھی تک برونو صاحب جادو کی ٹکیاں لے کر نہیں تشریف لائے تھے۔ اس نے نسخہ استعمال کیا اور ٹھیک ہو گئی۔ اس کی سہیلی پیکسی بھی اسی مرض میں مبتلا تھی۔ بھلا وہ اُسے کیوں نہ یہ نسخہ بتا دیتی۔ پیکسی نے یہ نسخہ مجھ تک پہنچایا۔ میرے تجربات نے یہ بتایا کہ نمک کی زیادہ مقدار خواہ کسی سیال میں استعمال کی جائے، خواہ اپنی اصلی شکل میں اثر بہر حال ہو گا.... اس لئے میں نے چائے والا اسٹنٹ تیار کیا۔ مقصد یہ تھا کہ تم لوگ میری طرف متوجہ ہو کر مجھ سے ٹکرانے کی کوشش کرو اور میں تمہیں بلیک میل کروں.... آخر میں نے کیا قصور کیا ہے۔ مجھے بھی میرا حصہ ملنا چاہئے۔ اگر نہ ملا تو میں تمہاری آواز کا ریکارڈ اور دونوں ٹیوب جن پر صرف تمہاری انگلیوں کے نشانات ہیں، پولیس کے حوالے کر دوں گا۔"

"تم کیا چاہتے ہو۔" ڈاکٹر برونو بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"خاموش رہو ڈاکٹر.... یہ بکواس کر رہا ہے۔" ڈاکٹر سانگلو غرایا۔

"اچھا اگر میں بکواس کر رہا ہوں تو مونا کرسٹی میرے پیچھے کیوں لگائی گئی تھی۔ پہلے وہ رضاکارانہ طور پر میرے ساتھ کام کرتی رہی تھی، پھر اس نے درخواست کی تھی کہ میں اپنے مکان کے کسی حصے میں اس کی رہائش کا بھی انتظام کر دوں۔ میں تو واقف ہی تھا کہ وہ یہاں یوں آئی ہے لہٰذا مجھے کوئی اعتراض نہ ہوا کیوں مونا کیا تمہیں اس کے لئے ٹرانسمیٹر پر ہدایت نہیں ملی تھی۔"

مونا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میں نہیں جانتا یہ کون ہے۔ تم فراڈ کر رہے ہو۔" سانگلو دہاڑا۔

حمید خاموش کھڑا دیکھتا رہا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ ڈاکٹر گوہن کی نظریں ہر طرف ہوتی ہیں۔ اب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ اصل مجرم بھی اُس کے سامنے ہی تھے

اور ایک بلیک میلر بھی۔ ظاہر ہے کہ وہ اُن دونوں کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ اس لئے اس ایک نکتے پر دونوں ہی متفق ہو سکتے تھے کہ حمید کو مار ڈالا جائے۔

ڈاکٹر گوہن نے سانگلو کی بات کا جواب دیئے بغیر کہا۔ "ڈاکٹر برونو تم سمجھدار آدمی ہو۔ تمہارے مقابلے میں سانگلو جاہل ہے۔ اس لئے کم از کم تمہیں تو اس کا خیال رکھنا ہی چاہئے کہ بات زیادہ آگے تو نہیں بڑھ رہی ہے۔"

"ڈاکٹر سانگلو.... ختم کرو....!" برونو نے کہا پھر حمید کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اسکا کیا ہوگا"

"پانچ لاکھ.... کم سے کم مطالبہ ہے میرا۔" ڈاکٹر گوہن مسکرایا۔

"مجھے منظور ہے...." برونو نے کہا۔ "یہ رقم تمہیں آج ہی مل سکتی ہے۔ مگر یہ جاسوس۔"

"اسے تم دونوں قتل کردو۔ میری طرف سے اجازت ہے۔"

برونو چند لمحے خاموش رہا پھر آہستہ آہستہ حمید کی طرف بڑھنے لگا۔ ڈاکٹر سانگلو اب بھی خاموش کھڑا پلکیں جھپکا رہا تھا۔ لیکن پھر بیک بیک بول اٹھا۔

"ٹھہرو ڈاکٹر برونو.... جلد بازی اچھی نہیں ہے۔"

"کیا ٹھہروں....!" برونو غرایا۔ "تم اتنے گدھے ہو کہ تمہاری ہی وجہ سے اس کی نوبت آئی۔ ہم مطمئن تھے کہ تم ذہین آدمی ہو۔"

"اس کی ذہانت میں کوئی شبہ نہیں ہے ڈاکٹر برونو....!" گوہن نے کہا۔

"اب یہی دیکھو کہ اس نے کتنے پاپڑ بیل ڈالے محض اس کی خاطر کہ گروہ کے دوسرے آدمیوں کی نظروں سے پوشیدہ رہے۔ مونا کرسٹی کو نہ جانے کہاں کہاں نچاتا پھرا۔ پھر جعلی پاسپورٹ پر برما سے یہاں لایا۔ اُسے قابو میں رکھنے کے لئے یہی دھمکی کیا کم تھی کہ وہ یہاں جعلی پاسپورٹ پر آئی ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ بیچاری اپنے خلاف قانونی کاروائی سے بھی ڈرتی تھی۔"

"ارے چھوڑو....!" برونو ہاتھ ہلا کر بولا۔ "اس سے کچھ بھی نہ ہو سکا۔ جاسوس کا انتظام کرو۔"

"تم ہی لوگ مرواسے۔ میں تو بدھسٹ ہو گیا ہوں۔ کسی پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔"

دفعتاً برونو نے حمید پر چھلانگ لگائی اور حمید جھکائی دے کر ایک طرف ہٹ گیا۔ پھر وہ گوہن کے ریوالور کی زد سے بچنا ہی چاہتا تھا کہ گوہن نے اردو میں کہا۔ "ہاں بیٹے حمید اب تم سمجھ بوجھ لو۔ میرا کام تو ختم ہو گیا۔"

حمید کی کھوپڑی ہوا میں اڑ گئی کیونکہ یہ آواز سو فیصدی فریدی کی تھی۔

بس پھر کیا تھا۔ اس نے اچھل کر ایک بھرپور لات ڈاکٹر برونو کے سینے پر رسید کی اور وہ کراہ کر دوسری طرف الٹ گیا اور اٹھتے اٹھتے اس نے ڈاکٹر گوہن سے کہا۔ "تم کھڑے دیکھ رہے ہو ڈاکٹر۔ یہ ہم دونوں کا یکساں دشمن ثابت ہوگا۔"

اس بار حمید کا مکا اس کے جبڑے پر پڑا اور برونو نے ڈاکٹر گوہن کو ایک گندی سی گالی دی، جو ریوالور لئے ہونے کے باوجود بھی حمید پر فائر نہیں کر رہا تھا۔ پھر اس نے ڈاکٹر سانگلو کو غیرت دلائی لیکن ڈاکٹر سانگلو جو بہت زیادہ پرسکون نظر آرہا تھا بولا۔ "تم ہی پٹتے رہو۔ مجھے لڑائی بھڑائی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ یہ تمہاری حماقت تھی کہ تم کرنل فریدی کے فقرے میں آگئے۔"

"کہاں ہے کرنل فریدی۔" برونو حلق پھاڑ کر چیخا۔

"جس سے تم اتنی دیر سے بکواس کرتے رہے ہو حالانکہ میں تمہیں منع کر رہا تھا۔" ڈاکٹر سانگلو نے پرسکون لہجے میں کہا۔

حمید کے پانچویں گھونسے پر ڈاکٹر برونو ڈھیر ہو گیا۔ مونا کرسٹی بے حد خوفزدہ تھی۔ روزا البتہ بُری طرح ہنس رہی تھی۔

دفعتاً حمید نے ڈاکٹر سانگلو کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھی اور جھلا کر اس کی طرف بڑھا۔

"نہیں کیپٹن! شریف آدمی مار دھاڑ سے دور ہی رہتے ہیں۔" ڈاکٹر سانگلو ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"اچھی بات ہے حمید۔" فریدی نے بھی مسکرا کر کہا۔ "اس شریف آدمی کو ہاتھ مت لگاؤ۔"

"دروازہ کھلواؤ.... میں باہر جانا چاہتا ہوں۔" ڈاکٹر سانگلو نے کہا۔

"سسرال جانا چاہتے ہو تو میں کوشش کروں۔" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"وقت نہ برباد کرو حمید دونوں کے ہتھکڑیاں لگادو۔" فریدی نے کہا۔

"مر گئے ہتھکڑیاں لگانے والے۔" سانگلو چلتے چلتے رک کر انہیں گھورنے لگا۔ حمید آنکھیں نکال کر اس کی طرف جھپٹا تھا لیکن فریدی نے اُسے روکتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "کیوں کیا باقی رہا ہے۔"

"میرے خلاف کچھ بھی نہیں ثابت کیا جا سکتا۔ تم نے جو آواز ٹیپ کی ہے وہ تمہاری ہی ہوگی کیونکہ تم آوازوں کے ایک کامیاب نقال ہو۔ جس طرح گوہن کا بہروپ بنا سکتے ہو اسی

طرح.... اور پھر بھلا میں بیچارہ کس شمار میں ہوں۔ رہے وہ ٹیوب جن کا ابھی تذکرہ ہوا تھا چونکہ نئی وضع کے ہیں اس لئے میں نے انہیں اٹھا کر دیکھا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ان پر میری انگلیوں کے نشانات ضرور ملیں گے۔ نہیں تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کرنل.... اور پھر یہ سب کچھ کرنے ہی کیوں لگا۔ آخر مجھے خواہ مخواہ کیا پڑی ہے کہ وبائیں پھیلاؤں گا۔"

"مگر ابھی کچھ دیر پہلے تم نے ایک بلیک میلر سے بہت سی باتیں کی تھیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"یقیناً کی تھیں.... ابھی گھنٹوں کر سکتا ہوں لیکن عدالت میں تمہاری ہوا بگڑ جائے گی۔"

دفعتاً فریدی نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر الٹا ہاتھ رسید کر دیا۔ وہ لڑکھڑا کر ایک بڑی میز سے جا ٹکرا اور بس پھر لیبارٹری تباہ ہونے لگی۔ وہ شیشے کے مختلف آلات اٹھا اٹھا کر فریدی پر پھینک رہا تھا۔ حمید ایک ہی سپاٹے میں اس تک پہنچا اور لپٹ پڑا۔

ٹھیک اسی وقت ایک دروازے پر دستک ہوئی اور روزا نے آگے بڑھ کر قفل کھول دیا۔ بہت سے مسلح کانسٹیبل اندر گھس آئے۔ سب سے آگے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ تھا۔

"شکریہ.... کرنل۔" اس نے کہا۔ "آپ نے واقعی بڑی چالاکی سے کام لیا تھا ورنہ یہ بدبخت عدالت میں ہم سبھوں کے لئے مستقل دردِ سر بن جاتا۔ یہاں کی پوری گفتگو ریکارڈ کر لی گئی ہے شروع سے آخر تک۔"

"گفتگو ریکارڈ کر لی گئی ہے۔" سانگلو حلق پھاڑ کر چیخا۔

"ہاں....!" فریدی کی گرجدار آواز لیبارٹری میں گونجی۔ "یہاں لیبارٹری میں ایک بہت زیادہ قوت والا ڈکٹافون تمہارے داخلے سے پہلے ہی رکھ دیا گیا تھا۔ شروع سے اب تک کی ساری گفتگو برابر والے کمرے میں ریکارڈ ہوتی رہی تھی۔"

ڈاکٹر سانگلو پاگلوں کے سے انداز میں گالیاں بکنے لگا۔ ڈاکٹر برونو ابھی تک فرش پر بیہوش ہوا تھا۔

سب کچھ ہوا مگر حمید کو وجہ جرم نہ معلوم ہو سکی۔ کسی کو بھی نہیں معلوم تھی۔ اخبارات میں اس پکڑ دھکڑ کا کہیں ذکر تک نہیں آیا تھا۔ لوگ بدستور ڈاکٹر گوہن کو دعائیں دیتے رہے اور وباء کا زور ٹوٹتا رہا۔ شہر پھر پہلے کی طرح پررونق نظر آنے لگا تھا۔ اب لوگوں کے بھڑک کر بھاگنے

کی خبریں نہیں سنی جاتی تھیں۔

فریدی کو حمید نے بہت ہلایا جلایا لیکن اس نے کچھ ایسے انداز میں خاموشی اختیار کر لی تھی جیسے ابھی یہ کیس نامکمل ہی ہو۔

"کیا بتاؤں....!" آخر ایک دن فریدی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "یہ آدمی کے چھچھورے پن کی کہانی ہے۔ آدمی کتنا گر سکتا ہے اس کا اندازہ کرنا بہت مشکل ہے اس کیس میں جرم کی وجہ ایسی ہے کہ شاید ہی کسی کو اس پر یقین آئے۔ مگر دنیا کی وہ بڑی طاقتیں جو اپنے اقتدار کے لئے آپس میں رسہ کشی کر رہی ہیں۔ اس سے بھی زیادہ گر سکتی ہیں۔ ان کے بلند بانگ نعرے جو انسانیت کا بول بالا کرنے والے کہلاتے ہیں کتنے زہر آلود ہیں اس کا اندازہ مشکل ہے۔ یہ ایسے ہی ایک ملک کی کہانی ہے، جو اپنے حریف سے نپٹنے کے لئے ایشیاء کی لاش پر کھڑے ہونے کی کوشش کر رہا ہے مگر کم از کم ہمارے ملک کے عوام اس سے بیزار ہی رہے ہیں، لہٰذا ان کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری سمجھا گیا کہ یہاں ایک ناقابل فہم قسم کی وبا پھیلا کر اس کا علاج کیا جائے.... وبا پھیلی اور غیر ملکی طبی مشن آنے لگے۔ اس ملک کا وفد بھی آیا جس کے ایجنٹوں نے یہ وبا پھیلائی تھی، لیکن ظاہر ہے کہ وہ اتنے اعلیٰ پیمانے پر ادویات نہیں تقسیم کر سکتا تھا کہ سارا شہر بیک وقت مستفید ہو سکتا اس لئے اس ملک کا طبی وفد جلد ہی شہرت نہیں حاصل کر سکتا تھا۔ اسی دوران میں اچانک ڈاکٹر گوہن نمک اور چائے والے نسخے کا اعلان کر کے ان کی ساری اسکیموں پر پانی پھیر دیا۔ وہ جھلا گئے اور انہوں نے سوچا کہ اب ڈاکٹر گوہن ہی کی گردن پھنسا دینی چاہئے۔ وہ کامیاب بھی ہو جاتے لیکن گوہن تو وہی کر رہا تھا جو میں نے چاہا تھا۔ میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ ناگر کے ایک آدمی نے کسی پُراسرار آدمی کی ملازمت کے بارے میں مجھے بتایا تھا۔ میں ناگر کی نگرانی کرتا رہا۔ مونا کرسٹی بھی میری نظروں میں تھی، لیکن دشواری یہ تھی کہ وہ مردوں سے کتراتی تھی، لہٰذا اب ایک لڑکی کی ضرورت پیش آئی، جو مونا سے دوستی کر سکے۔ نظرِ انتخاب ہلدا پر پڑی اور میں نے اسے فن آئی لینڈ سے غائب کرا دیا۔ ہلدا کو علم تھا کہ ایسا ہوگا کیونکہ میں نے اسے پہلے ہی سمجھا دیا تھا اور اس طرح غائب کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ناگر صرف میری طرف سے محتاط ہو جائے اور یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ جو مجرم جتنی زیادہ احتیاط برتتے گا اتنی ہی جلدی گرفت میں بھی آ جائے گا۔ ناگر کے ساتھ یہی ہوا۔ وہ احتیاط برتنے کے سلسلے میں

بے شمار غلطیاں کرتا چلا گیا۔ ویسے خود اُسے بھی فکر تھی کہ کسی طرح اس نامعلوم باس کا پردہ فاش کر دے، جو اسے انگلیوں پر نچا رہا ہے دوسری طرف ہلدا نے پکسی کے روپ میں مونا سے دوستی بڑھالی۔ میں نے اُسے اسی لئے منتخب کیا تھا۔ وہ بہت جلد دوستی پیدا کر لیتی ہے۔ ڈاکٹر سانگلو نے مونا کو ہدایت دی تھی کہ وہ اپنی دوست لڑکیوں سے بداخلاقی سے پیش آئے اور پھر دیکھے کہ اس کے بعد بھی کوئی لڑکی اس سے قریب ہونے کی کوشش کرتی ہے یا نہیں۔ لیکن مونا نے اسے یہ نہیں بتایا کیونکہ وہ پکسی جیسی پیاری لڑکی کا دل نہیں توڑ سکتی تھی وہ اس سے نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ اس سے نہ ملا کرے.... اسی دوران میں وباء اچھی طرح پھیل گئی اور پکسی یا ہلدا بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکی۔ مگر مونا نے اُسے نمک کے پانی والا نسخہ بتا دیا۔ پھر وہ نسخہ میرے توسط سے ڈاکٹر گوہن تک پہنچ گیا اور ہم دونوں نے گھنٹوں غور و خوض کرنے کے بعد یہ طے کیا کہ سادہ پانی کی بجائے چائے کا اعلان کیا جائے اور وہ اتفاقات بھی عوام کی نظروں میں لائے جائیں جن کے تحت وہ نسخہ اچانک دریافت ہو گیا تھا۔ غرضیکہ پھر سانگلو نے مونا کو بھی ڈاکٹر گوہن کے پیچھے لگا دیا۔ ادھر ناگر نے جو اُسے ڈاکٹر گوہن کے ساتھ دیکھا تو یہی سمجھا کہ ڈاکٹر گوہن ہی ان کا پُراسرار باس ہے کیونکہ اس دوران میں ناگر پر کچھ حملے بھی ہو چکے تھے۔ اس نے جھلاہٹ میں ڈاکٹر گوہن پر کئی فائر جھونک مارے۔ بڈھا پھرتیلا ہے اس لئے بچ گیا۔ جب مونا ادھر آ گئی تو ہلدا کو دوسرے میک اپ میں پیش کیا گیا۔ یہ ڈاکٹر گوہن کی سیکریٹری روزا تھی.... میں نے تمہیں سانگلو کے پاس اسی لئے بھیجا تھا کہ اس کے آئندہ کے ارادوں کا اندازہ کر سکوں۔ تم نے جو کچھ مجھے بتایا اس سے یہی ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کوئی چیز ڈاکٹر گوہن کی لیبارٹری تک پہنچانا چاہتا ہے۔ یہ گرفت میں لینے کے لئے بہترین موقع تھا۔ بس اسی دن ڈاکٹر گوہن کے میک اپ میں میں آ گیا۔ نتیجے کے طور پر تم نے ان لوگوں کی شکست دیکھ لی۔"

"مگر ان کا ہوا کیا....!"

"بند کمرے میں ان کا مقدمہ چل رہا ہے۔ مونا سرکاری گواہ بنالی گئی ہے۔ چونکہ اس معاملے میں کچھ بین الاقوامی قسم کی پیچیدگیاں پیدا ہو گئی ہیں اس لئے منظر عام پر نہیں لایا جا سکتا۔ البتہ اس ملکی غدار سانگلو پر کچھ دوسرے سنگین الزامات عائد کر کے کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے گا۔ اُسے سزا تو بہر حال ملنی چاہئے۔"

"مگر اتنی ذرا سی بات کے لئے اتنا ہنگامہ۔"

"اوہ.... یہ ذرا سی بات نہیں تھی، حمید صاحب! تم خود سوچو کہ اگر درمیان میں ڈاکٹر گوہن والا نسخہ نہ نکل پڑتا تو برونو ہی کا وفد کامیاب ہوتا۔ اپنی کوششوں میں اور ہمارے عوام میں جو اس کے ملک کے خلاف بُرے خیالات پائے جاتے تھے۔ کیا وہ برقرار رہتے.... ارے یہ بڑی طاقتیں اسی طرح تو ایشیا پر سکہ جما رہی ہیں۔ کہیں غلہ تقسیم ہو رہا ہے کہیں کپڑے بانٹے جا رہے ہیں اور کہیں کسی وباء کا خاتمہ کرنے کے لئے مفت دوائیں بھاری مقدار میں تقسیم کی جا رہی ہیں، جہاں ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہوتی، وہاں بھی ضرورت پیدا کر لی جاتی ہے۔ طریقہ یہی ہوتا ہے جو ہمارے یہاں اختیار کیا گیا تھا۔ مصنوعی قحط پیدا کئے جاتے ہیں۔ مصنوعی وبائیں پوری پوری بستیوں پر دھاوا بول دیتی ہیں اور پھر یہ فرشتے آ کر ہمارے آنسو بھی پونچھتے ہیں، اور ہماری دعائیں بھی لے جاتے ہیں۔ کتنا کمینہ ہے آدمی.... ذرا سوچو تو.... کیا وہ کتوں کے ساتھ بھی باندھے جانے کے لائق ہے؟"

فریدی خاموش ہو کر سگار سلگانے لگا۔

"اس وباء کے متعلق دنیا کا جو کچھ بھی خیال رہا ہو مگر قاسم بہت دور کی کوڑی لایا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ایک طلسمی لڑکی نے شہر بھر پر ڈنڈے برسائے۔ پہلے سب کا دماغ ٹھنڈا ہوا اور پھر گرم ہو گیا۔ بس دورے پڑنے لگے۔ قاسم پر تو پٹنے کے دوسرے دن ہی دورہ پڑا تھا۔"

جب اس کے باپ پر بھی دورہ پڑا تو اس نے بسور کر کہا۔ "ہائے.... کم بخت نے بابا جان کو بھی نہ چھوڑا۔ ان کے بڑھاپے پر بھی رحم نہ کیا۔" پھر خود ہی لپک کر بولا تھا۔ "ارے واہ.... یہ بڑھاپے میں کیا سوجھی تھی.... اظہار محبوبت کر بیٹھے.... ہی ہی ہی ہی۔"

وہ منہ بنا کر دیر تک ہنستا رہا تھا۔ کسی طرح اس کے باپ کے کان میں بھی اس کی بھنک پڑ گئی اور پھر جو اسی اختلاج کے عالم میں قاسم کی پٹائی شروع ہوئی ہے تو ساری کوٹھی ہل کر رہ گئی اور قاسم ہفتوں بستر ہی سے ہلنے کو ترستا رہا۔ لیکن لڑکی کا راز اسے آج تک نہ معلوم ہو سکا۔

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 77

اونچا شکار

(مکمل ناول)

پیشرس

اب جاسوسی دنیا کا سترواں ناول "اونچا شکار" ملاحظہ فرمایئے.... اسے آپ ایسا ہی پائیں گے، جیسے ناول کی خواہش آپ عرصہ سے ظاہر کررہے تھے۔ حمید اور فریدی دونوں ہی خاصے Active نظر آئیں گے۔ اس بار فریدی نے مجرم کو ٹھکانے لگانے کے لئے ایسا طریق کار اختیار کیا ہے کہ آپ کچھ دیر تک یہی سوچتے رہ جائیں گے کہ اس کا وہ اقدام صحیح تھا یا غلط.... لیکن اس کا اعتراف آپ کو بھی ہوگا کہ بہتیرے چالاک مجرم بڑے سے بڑے جرم کے مرتکب ہونے کے باوجود بھی قانون کی دسترس سے باہر ہی رہتے ہیں۔ ان کا طریق کار انوکھا ہوتا ہے۔ وہ قانون کے محافظوں ہی سے قانون شکنیاں کراتے ہیں۔ اس طرح کہ قانون کے محافظوں کو اس کا احساس تک نہیں ہونے پاتا کہ ان سے قانون شکنی سرزد ہورہی ہے اور وہ مجرم کو انتہائی معصوم سمجھ کر اس کی قدر بھی کرتے رہتے ہیں۔

ایسے مجرم کو اس کی منزل تک پہنچانے کے سلسلے میں کتنی دشواریاں پیش آسکتی ہیں، اس کا اندازہ آپ کو اس کہانی کے اختتام ہی پر ہو سکے گا۔

دولت کی ہوس آدمی کو اندھا کر دیتی ہے۔ لیکن اسے سوچنا چاہئے کہ چیونٹیاں بھی اندھی ہوتی ہیں اور ان میں بھی ذخیرہ اندوزی کی جبلت پائی جاتی ہے۔ پھر کیا آدمی کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ چیونٹیوں کی صف میں آ کھڑا ہو۔ دولت مند بننے کی خواہش گناہ نہیں ہے لیکن حصول دولت کے لئے قانون کی حدود سے گذر جانا یقینی طور پر اندھی چیونٹیوں ہی کی طرح حقیر ہو جانا ہے۔

نقالوں کے سلسلے میں یہ عرض ہے کہ آپ اصلی اور نقلی گھی کی طرح میری کتابوں کو بھی پرکھنا سیکھئے۔ یہ ایک مصنف کی خوش نصیبی بھی ہے اور بد قسمتی بھی کہ لوگ اس کے نام پر پڑھنے والوں کو دھوکا دیں.... دنیا کی کسی زبان کو ایسا مصنف نصیب نہ ہوا ہوگا۔

ابن صفی

۳۰ر جولائی ۱۹۵۸ء

لفافہ

کرنل فریدی نیاگرہ ہوٹل کی ایک نیچی سی دیوار پر دونوں ہاتھ ٹیکے جھکا ہوا نیچے دیکھ رہا تھا۔ یہ نیاگرہ کی تیسری منزل تھی.... اور اس تیسری منزل کو بھی گلزار بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ چاروں طرف چار چار فٹ اونچی دیواریں تھیں اور فرش پر تقریباً ایک فٹ اونچی مٹی ڈال کر گھاس اگائی گئی تھی۔ دیواروں سے ملی ہوئی پھولوں کی کیاریاں تھیں۔ بعض جگہ لکڑی کے بڑے بڑے گملوں میں پام بھی نظر آ رہے تھے۔ سورج غروب ہو جانے پر ہوٹل کا یہ حصہ بے حد پررونق نظر آنے لگتا۔ ذرا ہی سی دیر میں ساری میزیں بھر جاتیں اور آرکسٹرا موسیقی بکھیرنے لگتا۔ میزوں کے درمیان کوئی شوخ سی رقاصہ تھرکتی نظر آتی۔ اس حصہ کی میزیں عموماً پہلے ہی سے مخصوص کرالی جاتی تھیں۔

یہی وجہ تھی کہ فریدی کو دیوار پر ہاتھ ٹیک کر کھڑا ہونا پڑا تھا۔ اکیلے وہی نہیں، اس جیسے اور بھی تھے۔ میز مخصوص کرائے بغیر تیسری منزل پر آنا حماقت تھی۔ اس کے باوجود بھی لوگ آتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ پہلے پہل کچھ لوگوں کو ہچکچاہٹ محسوس ہوئی ہو۔ مگر اب تو عام رواج ہو گیا تھا لوگ دیوار کے قریب کھڑے ہو کر کھانے پینے میں ذرہ برابر بھی جھجک نہیں محسوس کرتے تھے۔ لیکن کیا فریدی بھی انہیں لوگوں میں سے تھا، جو یہاں کسی نیم عریاں تھرکنے والی کے لئے کھڑے ہی کھڑے چائے کافی یا دوسرے مشروبات پیا کرتے تھے؟

کیپٹن حمید اگر اسے اس حال میں دیکھ لیتا تو اس کے قہقہے رکنے کا نام ہی نہ لیتے۔

یک بیک فریدی چونک کر مڑا۔ کسی نے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر بڑے بے تکلفانہ انداز میں "ہلو" کہی تھی۔ یہ ایک دراز قد اور سیاہ فام آدمی تھا۔

"اوہ....!" اس نے خجالت آمیز لہجے میں کہا۔ "معاف فرمایئے گا۔ جناب مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔"

"کوئی بات نہیں۔" فریدی مسکرایا۔

"آپ کا ڈیل ڈول میرے ایک دوست کا سا ہے۔ میں پھر معافی چاہتا ہوں۔"

"میں پھر عرض کرتا ہوں کہ کوئی بات نہیں۔" فریدی بدستور مسکراتا رہا۔

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ سیاہ فام آدمی کچھ سٹپٹایا ہوا سا تھا۔

یک بیک وہ اس طرح دوسری طرف مڑ گیا جیسے کسی نے جھٹکا دے کر زبردستی موڑ دیا ہو۔

فریدی نے ایک طویل سانس لی اور جیب سے سگار نکال کر اس کا گوشہ توڑنے لگا۔ بظاہر ان تین آدمیوں سے بے خبر تھا جو تھوڑے ہی فاصلہ پر بیٹھے شراب پی رہے تھے لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس نے انہیں اسی وقت تاڑ لیا تھا جب سیاہ فام آدمی نے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر اسے مڑنے پر مجبور کیا تھا۔ ممکن ہے یہ واقعہ عام آدمی کے لئے "چلتے کی چیز" ہوتا۔ لیکن فریدی اسے غیر معمولی ہی سمجھا تھا۔ نیاگرہ میں عموماً بہت ہی پولشڈ قسم کے لوگ آتے تھے اور کسی پولشڈ قسم کے آدمی سے توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ اپنے ملنے والوں سے کسی پبلک مقام پر اس قسم کی بے تکلفی کا مظاہرہ کرے گا۔ اس لئے فریدی نے ان تینوں آدمیوں کو فوراً ہی بھانپ لیا، جو اسے اڑتی انداز سے دیکھ رہے تھے جیسے اس کا حلیہ ذہن نشین کرنا چاہتے ہوں۔

اس نے سگار سلگا کر دانتوں سے دبالیا اور اب اس کی توجہ کا مرکز وہ نیم عریاں لڑکی تھی، جو آرکسٹرا کی دھن پر میزوں کے درمیان تھرکتی پھر رہی تھی۔

اس نے سیاہ فام آدمی کو بھی اس وقت تک نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا تھا جب تک کہ وہ زینوں کی طرف نہیں مڑ گیا تھا۔

"کافی....!" اس نے ویٹر سے کہا جو قریب ہی سے گذر رہا تھا۔

ویٹر مؤدبانہ انداز میں سر کو جنبش دے کر آگے بڑھ گیا۔

فریدی سگار کے ہلکے ہلکے کش لیتا ہوا سوچ رہا تھا کہ یہ احمق کون ہو سکتے ہیں۔ تینوں آدمی اب بھی اسی میز پر تھے۔ لیکن صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پینے سے زیادہ پینے کی ایکٹنگ کر رہے

ہیں۔ ان کے گلاس دیر سے بھرے رکھے تھے لیکن وہ انہیں اٹھا کر ہونٹوں کی طرف لے جانے کی بجائے کچھ سوچے جا رہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی کا سوگ منانے کے لئے وہاں اکٹھے ہوئے ہوں۔

تھوڑی دیر بعد ویٹر نے کافی کی ٹرے لا کر دیوار پر رکھ دی۔

"بل بھی لیتے آؤ شاید میں جلد ہی چلا جاؤں۔" فریدی نے کہا۔

"بہت بہتر جناب۔" ویٹر احتراماً جھکا اور واپس چلا گیا۔

فریدی نے کافی ختم کرنے میں جلدی نہیں کی۔ ویسے اس نے بل تو ادا ہی کر دیا تھا۔ کافی ختم کر کے وہ دیوار سے ٹک گیا اور دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لئے۔

اسے تیسری منزل پر اتنی دیر نہیں ٹھہرنا تھا وہ تو پورے ہوٹل کا سرسری جائزہ لینے آیا تھا۔

ان دنوں شہر میں کوکین کا کاروبار بہت ہی اعلیٰ پیمانے پر ہو رہا تھا اور اول درجہ کے ہوٹلوں کے متعلق خیال کیا جاتا تھا کہ وہی فروختگی کے اڈے ہیں لیکن کاروبار اتنے سائنٹیفک طریقے پر ہو رہا تھا کہ ابھی تک ایک آدمی بھی نہیں پکڑا جاسکا تھا۔

تھوڑی دیر تک وہ اسی طرح کھڑا رہا پھر زینوں کی طرف چل پڑا۔ اس کی رفتار سے عجلت نہیں ظاہر ہو رہی تھی۔

دوسری منزل پر رہائشی کمرے تھے۔ وہاں کی ایک راہداری سے وہ ان زینوں کی طرف مڑ گیا، جو پہلی منزل پر ڈائننگ ہال تک لے جاتے تھے۔

نیچے ڈائننگ ہال میں بھی کافی چہل پہل تھی۔ وہ یہاں بھی نہیں رکا۔ حالانکہ اس کے کئی شناسا یہاں موجود تھے اور انہوں نے اسے اپنی طرف متوجہ بھی کرنے کی کوشش کی تھی۔

وہ باہر نکل آیا مگر اس کا رخ اس حصے کی طرف نہیں تھا جہاں اس نے لنکن پارک کی تھی۔ بلکہ وہ سوئمنگ پول والے ویران حصے کی طرف جا رہا تھا.... اور اس سے بھی بے خبر نہیں تھا کہ وہ تینوں آدمی بھی اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر آ رہے ہیں، جنہیں وہ کچھ دیر پہلے شبہ کی نظر سے دیکھ چکا تھا۔

وہ اطمینان سے چلتا رہا۔ شائد اسے اس کی بھی پرواہ نہیں تھی کہ کہیں ان میں سے کوئی فائر نہ کر بیٹھے۔

یہ حصہ نیم روشن تھا۔ دور دور پر دو ایک آہنی ستونوں سے برقی قمقمے لٹک رہے تھے، جن کی روشنی اتنی محدود تھی کہ بعض گوشے تو بالکل ہی تاریک ہو کر رہ گئے تھے۔

"اے.... جناب.... یہ ڈائری شائد.... آپ کی ہے۔" پشت سے آواز آئی۔

اور فریدی رک گیا.... اس کا دل چاہا کہ زور سے قہقہہ لگائے۔ یہ تینوں اس شہر کے باشندے تو نہیں معلوم ہوتے۔ اس نے سوچا۔

وہ تینوں قریب آ گئے۔ ایک نے کوئی چیز اس کی طرف بڑھائی.... فریدی نے بایاں ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے داہنے ہاتھ سے دوسرے کا جبڑا سہلا دیا جس نے دھوکے میں رکھ کر اس پر جھپٹنے کی کوشش کی تھی۔

پھر بایاں ہاتھ اس کی ناک پر پڑا جس نے کوئی چیز اس کی طرف بڑھائی تھی۔

تیسرا تیر کی طرح اس پر آیا.... لیکن اس کے پیٹ کے لئے داہنا گھٹنا تیار تھا۔

یہ سب کچھ تو افتتاحیہ تھا اس کے بعد سچ مچ بہت ہی خونریز قسم کی جدوجہد شروع ہو گئی۔ گو یہ تینوں بُری طرح چیخ رہے تھے۔ فریدی کے منہ سے ابھی تک ہلکی سی آواز بھی نہیں نکلی تھی۔

دفعتاً اس نے محسوس کیا کہ اب حملہ آور صرف پٹ ہی رہے ہیں اور گدھوں کی طرح چیخ رہے ہیں۔

"کون ہے.... کون ہے۔" تھوڑے ہی فاصلے پر سے آوازیں آئیں جن میں بھاگتے ہوئے قدموں کی بھی آوازیں شامل تھیں۔

یک بیک تینوں حملہ آور بھاگ کھڑے ہوئے۔ لیکن فریدی نے ان کا تعاقب نہیں کیا۔ سامنے سے کئی ٹارچوں کی روشنیاں اس پر پڑ رہی تھیں۔

وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ آنے والے قریب آ گئے۔ یہ تعداد میں پانچ تھے۔ چار ہوٹل کے چوکیدار تھے اور ایک ذی حیثیت آدمی معلوم ہوتا تھا۔

"کیا قصہ ہے جناب۔" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"کچھ نہیں، چند آدمیوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ آپ لوگوں کی آوازیں سن کر بھاگ گئے۔" فریدی نے مسکرا کر جواب دیا۔

"حملہ....!" اس نے حیرت سے دہرایا اور ٹارچ کی روشنی فریدی کے جسم پر ڈالی جس کے

شفاف اور ستھرے لباس پر کہیں ہلکی سی شکن بھی نہیں تھی۔

"حملہ آور کس طرف گئے ہیں۔" اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"پتہ نہیں! میں نے غور نہیں کیا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ پھر بولا۔ "اس تکلیف کے لئے شکریہ۔" وہ عمارت کی طرف جانے کے لئے آگے بڑھ گیا۔

وہ آدمی اس کے ساتھ چلنے لگا ہوٹل کے چوکیدار پیچھے تھے۔

"میں ابھی ابھی اپنی گاڑی سے اترا تھا۔" اس آدمی نے کہا۔ "اچانک شور سنائی دیا۔ فدیلی مجھے روک رہی تھی۔ لیکن میں چوکیداروں کو ساتھ لے کر دوڑ ہی پڑا۔ فدیلی بہت ڈرپوک ہے۔ وہ سوچ رہی ہو گی کہ پتہ نہیں کیا ہوا ہو۔ حملہ آور کتنے تھے جناب۔"

"تین....!"

"مجھے حیرت ہے۔" اس نے کہا۔

فریدی نے اس سے حیرت کی وجہ نہیں پوچھی، خاموشی سے چلتا رہا۔

پھر وہ اجالے میں آ گئے۔ اب فریدی نے اس آدمی کی شکل دیکھی۔ تھا تو وہ ادھیڑ عمر کا آدمی لیکن آنکھوں سے بچکانہ پن ٹپکتا تھا۔ صحت اچھی تھی اور یہی معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے بال قبل از وقت سفید ہو گئے ہوں۔

"مجھے اس پر حیرت ہے جناب کہ حملہ آور تین تھے لیکن آپ کا لباس تک شکن آلود نہیں ہوا....!" اس نے کہا۔

"اللہ کی مرضی....!" فریدی کے لہجے میں لاپروائی مترشح تھی۔

"مجھے کہنے دیجئے کہ آپ مجھے پہلے آدمی ملے ہیں۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔" فریدی مسکرایا۔ "اس بھری پُری دنیا میں آپ کو آدمی نہیں ملے۔"

"آپ نہیں سمجھے۔ میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ آپ عجیب آدمی ہیں۔" اس نے کہا۔ "مگر آپ اس وقت اندھیرے میں وہاں کیوں گئے تھے۔"

"اب یہ بھی بتانا پڑے گا۔" فریدی نے معنی خیز تبسم کے ساتھ کہا۔

"اوہ معاف کیجئے گا۔ میرا یہ سوال بڑا احمقانہ تھا۔" وہ بھی اسی انداز میں مسکرایا۔ پھر سنجیدگی سے بولا۔ "یہاں تو زندگی کا لطف ہی جاتا رہا ہے۔ ہوٹلوں باروں اور کلبوں نے زندگی کی ساری

لذتیں چھین لی ہیں.... جو مزا چھپ چھپ کے ملنے میں ہے.... ہائے....!"

فریدی بے اختیار مسکرا پڑا مگر کچھ بولا نہیں۔

وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں کاریں پارک کی جاتی تھیں.... یہاں گیراج بھی موجود تھے اور انتظام بہت ہی اعلیٰ قسم کا تھا۔ لیکن گرمیوں میں کوئی بھی گیراج تک گاڑیاں لے جانا پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ کھلے ہی میں پارک کی جاتی تھیں۔

ایک سیاہ رنگ کی بیوک کے قریب وہ رک گئے۔ یہاں ایک نو عمر یورپین عورت بھی موجود تھی۔ اس کے خدوخال خاصے دلکش تھے۔

"اوہ.... ڈکی.... کیا ہوا.... کیا تھا....؟" وہ مضطربانہ انداز میں بولی اور پھر فریدی کی طرف دیکھنے لگی۔

"یہ بیچارے تین آدمیوں میں گھر گئے تھے۔" جواب ملا۔

"اوہ.... چوٹ تو نہیں آئی۔" اس نے ہمدردانہ لہجے میں فریدی سے پوچھا۔

"جی نہیں....!"

"ارے.... فدیلی.... تم چوٹ کی باتیں کر رہی ہو۔ ذرا دیکھو ادھر دیکھو....!" اس نے کہا اور یک بیک چوکیداروں کی طرف مڑ کر بولا۔ "تم لوگ جا سکتے ہو۔"

ان کے چلے جانے پر اس نے کہا۔ "تین آدمیوں نے ان پر حملہ کیا تھا اور یہ شائد کافی دیر تک ان سے الجھے رہتے لیکن ذرا ان کا لباس دیکھو.... کون کہے گا کہ یہ لڑ کر آ رہے ہیں۔"

"قطعی نہیں....!" لڑکی نے نیچے سے اوپر تک فریدی کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ رپورٹ نہیں درج کرائیں گے۔" ڈکی نے فریدی سے پوچھا۔

"میں خود ہی درج کر لوں گا۔" فریدی مسکرایا۔

"کیا مطلب....!"

فریدی نے اپنا کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"او.... ہو....!" اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں.... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے سکتہ ہو گیا ہو۔ کارڈ اب بھی اس کی چٹکی میں دبا ہوا تھا۔ لڑکی جھک کر اسے دیکھنے لگی۔

"گڈ گاڈ....!" وہ قریب قریب اچھل سی پڑی۔

ڈکی کے ہونٹ ہلے اور اس قسم کی بڑبڑاہٹ سنائی دی، جیسے وہ خود سے مخاطب ہو۔ "مقدر کے علاوہ.... اور کیا....!" اور پھر وہ لڑکی کی طرف دیکھ کر بولا۔ "فدی ڈیئر.... کیا یہ ایک دلچسپ اتفاق نہیں ہے۔ اب میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ میرا ستارہ پھر عروج کی طرف جا رہا ہے۔"

"ڈکی.... یہ خدا کی مہربانی ہے.... کیوں اب تو تمہیں اس پر حیرت نہیں ہے کہ ان کے لباس پر شکنیں تک نہیں پائی جاتیں۔"

فریدی خاموش کھڑا ان کی گفتگو سنتا رہا۔

دفعتاً اس آدمی نے اپنا کارڈ نکال کر فریدی کی طرف بڑھا دیا۔ کارڈ پر ڈکسن ہارویل تحریر تھا۔ دوسری لائن اس کے پتے کی تھی۔

"ڈکسن ہارویل....!" فریدی آہستہ سے بولا۔ "اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو آپ مل اونرز ایسوسی ایشن کے صدر ہیں۔"

"جی ہاں آپ کا خیال درست ہے کرنل۔" ڈکسن بولا۔ "اس موقعہ پر اگر میں آپ کا وقت برباد کروں تو یہ بڑی زیادتی ہوگی۔ پھر کیا آپ میرے لئے کبھی تھوڑا سا وقت نکال سکیں گے۔"

"مجھے اس قت بھی فرصت ہی ہے۔"

"مطلب یہ کہ ہو سکتا ہے.... آپ تھکن محسوس کر رہے ہوں۔"

"یہ اتنی ہی معمولی سی ورزش تھی کہ خون کی روانی میں ہلکی سی تیزی آ جائے۔" فریدی مسکرایا۔ "آیئے.... شائد آپ اندر جا رہے تھے۔"

"جی ہاں.... میں بہت مشکور ہوں گا کرنل.... چلئے۔"

وہ عمارت کی طرف چل پڑے....!

"تیسری منزل پر ہماری میز مخصوص ہے....!" فدیلی نے کہا۔

"میں ڈائننگ ہال ہی کو ترجیح دوں گا محترمہ....!" فریدی بولا۔

"ٹھیک ہے.... ٹھیک ہے.... اوپر ہم گفتگو نہیں کر سکیں گے۔ وہاں تو طوفان بدتمیزی برپا ہوتا ہے۔"

"ڈائننگ ہال میں بھی ہمارے لئے ایک بڑا کیبن مخصوص ہے۔" فدیلی نے کہا۔

"ہاں یہ مناسب ہے۔"

وہ مغربی گوشے والے کیبن میں آئے.... یہ اتنا کشادہ تھا کہ یہاں بڑی میز کے علاوہ ایک مسہری بھی بچھائی جاسکتی تھی اور اسی کی مناسبت سے تھوڑے بہت سامان کا بھی اضافہ کیا جاسکتا تھا۔ وہ بیٹھ گئے۔ فدیلی فریدی کو برابر گھورے جارہی تھی۔ لیکن فریدی اس کی طرف ایک بار بھی متوجہ نہیں ہوا تھا۔

"میری کتنی بڑی خوش نصیبی ہے۔" ڈکسن نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "میں کئی دنوں سے سوچ رہا تھا کہ آپ سے ملوں۔ فدیلی سے بھی اس کا تذکرہ آیا تھا اور آج اس طرح.... میرے خدا.... میں اسے کیا سمجھوں۔"

"ایسے اتفاقات کم ہی پیش آتے ہیں۔" فدیلی نے کہا۔

"اوہ.... میں بھی کتنا احمق ہوں کرنل.... خواہ مخواہ باتوں میں وقت برباد کررہا ہوں.... ہاں آپ کیا پئیں گے۔ تکلف کی ضرورت نہیں۔"

"ٹھنڈا پانی میرا پسندیدہ مشروب ہے۔" فریدی نے کہا۔

"میں نے سنا ہے کرنل شراب نہیں پیتے۔" فدیلی نے کچھ ایسے پر محبت لہجے میں کہا جیسے کرنل یا تو اس کے بطن سے پیدا ہوئے ہوں یا پھر انہیں اس کا شوہر ہونے کا فخر حاصل ہو۔

"آپ نے غلط نہیں سنا محترمہ....!" فریدی بولا۔

"بڑی عجیب بات ہے۔" ڈکسن نے کہا۔ "دماغی کام کرنے والے عموماً پیتے ہیں۔"

"کمزور دماغ کے لوگ ہوتے ہوں گے۔ یہاں تو صرف ایک قہقہہ جو دل کی گہرائیوں سے نکلا ہو، ساری ذہنی تھکن دور کردیتا ہے۔"

"آپ کی باتیں بھی عجیب ہوتی ہیں کرنل.... پھر بتایئے میں آپ کی کیا خاطر کروں۔"

"کیا آپ محض خاطر کرنے کے لئے مجھے یہاں لائے تھے۔" فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرا کر پوچھا۔

"نہیں کرنل.... لیکن ہم ایسے موقعہ پر ملے ہیں کہ مجھے اس سلسلہ میں کچھ کہتے ہوئے ہچکچاہٹ محسوس ہورہی ہے۔ میں ایک بہت بڑے جنجال میں پھنس گیا ہوں۔ لیکن یقین کیجئے مجھے اس کا بھی علم نہیں ہے کہ اس چکر میں کیونکر پڑا ہوں۔ میری عقل کام نہیں کرتی۔"

"میرا خیال ہے تم اس وقت کرنل کو بور نہ کرو ڈکی.... کرنل اگر اپنے گھر پر ہمیں دعوت

دے سکیں تو بہتر ہے۔" فدیلی نے کہا۔ جو شائد اس گفتگو سے اکتا گئی تھی۔

"اچھا.... اچھا....!" ڈکسن نے کہا اور ویٹر کو طلب کرنے کے لئے گھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔

ویٹر شائد کیبن کے دروازے ہی پر موجود تھا۔ وہ پردہ ہٹا کر اندر داخل ہوا۔

"لائم جوس.... اور وہسکی...." ڈکسن نے کہا۔

ویٹر قدرے جھک کر الٹے پاؤں واپس چلا گیا۔

فدیلی فریدی کو بڑی پیاسی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"میں اندر آسکتا ہوں جناب۔"

وہ چونک کر کیبن کے دروازے کی طرف مڑے.... ہوٹل کا بل کیپٹن ہاتھ میں ایک لفافہ لئے کھڑا تھا۔

"مجھے افسوس ہے جناب۔" اس نے ندامت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن مجھ سے کہا گیا تھا کہ یہ خط بہت ضروری ہے۔"

"لاؤ....!" ڈکسن نے اُسے گھورتے ہوئے ہاتھ بڑھادیا۔ خط دے کر بل کیپٹن واپس چلا گیا۔

"میں معافی چاہتا ہوں۔" ڈکسن نے لفافہ چاک کرتے ہوئے فریدی سے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔" فریدی نے کہا اور فدیلی سے اجازت لے کر سگار سلگانے لگا اور فدیلی نے کہا کہ وہ دنیا کا مہذب ترین آدمی ہے.... پھر اچانک وہ دونوں ہی چونک پڑے۔ لفافہ ڈکسن کے ہاتھ سے گر گیا تھا.... اور وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اس طرح کرسی کی پشت سے جا ٹکا تھا، جیسے کسی نظر نہ آنے والی قوت نے اسے پیچھے دھکیل دیا ہو۔ لفافے کے پاس ہی میز پر ایک کارڈ پڑا ہوا تھا جس پر جنگلی سور کی تصویر تھی۔

چور یا آرٹسٹ

رات کے سناٹے سے اکتا کر کیپٹن حمید نے بڑبڑانا شروع کردیا اور پھر یہ بڑبڑاہٹ باقاعدہ قسم کے مکالموں میں تبدیل ہوگئی۔ ایک بار اس کے حلق سے مرد کی سی آواز نکلی اور دوسری بار

عورت کی سی۔

"میں بہت اداس ہوں ڈارلنگ....!" مرد کی آواز۔

"پھر کیا میں تمہارے لئے پالک کی بھجیا تلوں۔" عورت کی آواز۔

"بڑی غیر شاعرانہ باتیں کر رہی ہو۔" مرد کی آواز۔

"ستیاناس شاعروں کا۔ میرا بس چلے تو سبھوں کو فوج میں بھرتی کرادوں.... جہاں ایک ہی لفٹ رائٹ کرنا پڑا فعولن فعولن کا بخار اتر جائے گا۔"

"خدا کے لئے بور نہ کرو ڈارلنگ، میں بہت اداس ہوں۔" مرد کی آواز۔

"کھلی ہوا میں دوڑ لگاؤ۔ طبیعت صاف ہو جائے گی۔"

"آخر آج تم کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو۔" مرد کی آواز۔

"شاعرانہ باتوں سے طبیعت بیزار ہو گئی ہے.... اب میں بچوں کی چیاؤں میاؤں سننا چاہتی ہوں۔"

"یہ بہت بُری علامت ہے ڈیئر.... مجھے تشویش ہے۔" مرد کی آواز۔ "میری زندگی کا سب سے بڑا مشن یہی ہے کہ میں باپ نہ بننے پاؤں۔"

"میں تمہارا ساتھ دینے سے قاصر ہوں۔" عورت کی آواز۔

"کیا تمہارے کانوں تک بڑے آدمیوں کی آوازیں نہیں پہنچتیں۔" مرد کی آواز۔

"میں نے ان آواز کی طرف سے کان بند کر لئے ہیں.... یہ خود غرض ہیں۔ یہ فصلوں کو نقصان پہنچانے والے کیڑوں مکوڑوں کی طرح آدمی کی پیدائش بھی روکنا چاہتے ہیں۔ یہ اس قابل ہیں کہ سب سے پہلے یہی کھیتوں کی کھاد بنائے جائیں۔"

"اوہ.... ڈارلنگ بور مت کرو....!" مرد کی آواز۔

پھر یک بیک حمید نے اپنی آواز میں چیخ کر کہا۔ "ابے اور حمید کے بچے آخر اس طرح کیسے کام چلے گا۔"

اور ایک بار پھر وہ اپنی کار کے انجن پر جھک پڑا۔

جنگل کی اندھیری رات تھی۔ سڑک کی دونوں جانب گھنیرے درختوں کی قطاریں تھیں اس لئے وہ تاروں کی چھاؤں سے بھی محروم ہو گیا تھا۔

اسے اس کا اندازہ لگانا بھی دشوار معلوم ہو رہا تھا کہ اس نے اب تک کتنی مسافت طے کی ہو گی اور یہاں سے تار جام کتنے فاصلے پر ہے۔

وینس اس نے بڑے چاؤ سے خریدی تھی۔ لیکن ڈرائیور کون رکھتا.... ڈرائیور ہوتا یا نہ ہوتا اس وقت تو دراصل اسکریو ڈرائیور کا مسئلہ درپیش تھا۔ اگر اسکریو ڈرائیور اس وقت موجود ہوتا تو نہ اسے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر فلمی گیت گانے پڑتے اور نہ وہ دیوانوں کی طرح عورت اور مرد کے مکالمے ادا کرتا۔ بس اسے دو ایک پرزے نکالنے پڑتے.... انہیں صاف کرتا اور کار پھر اپنی راہ لگتی۔ اوزاروں کا تھیلا ڈکے میں ہونا چاہئے تھا۔ لیکن وہ اتنا عاقبت اندیش کب تھا۔

اس وقت وہ تفریحاً تار جام کے لئے نہیں روانہ ہوا تھا۔ بلکہ وہاں اسے ایک ایسے آدمی کو چیک کرنا تھا جس کے متعلق شبہ کیا جا رہا تھا کہ وہ منشیات کی ناجائز تجارت کرنے والے گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔

ان دنوں ذرا سکون نصیب ہوا تھا کہ یہ نئی مصیبت نازل ہو گئی.... شہر میں ایک ایسے پراسرار گروہ کی سرگرمیوں کا پتہ چلا تھا، جو منشیات کی اعلیٰ پیمانے پر تجارت کر رہا تھا اور اس گروہ کا ایک آدمی بھی ابھی تک پولیس کے ہاتھ نہیں لگ سکا تھا.... اکثر لوگوں پر شبہ کیا جاتا، پولیس انہیں سختی سے چیک کرتی مگر قریب سے دیکھنے پر ان کے ہاتھ صاف نظر آتے تھے.... آج جس آدمی کے چکر میں حمید تار جام کے لئے روانہ ہوا تھا اس کے متعلق بھی پولیس کے پاس کوئی واضح ثبوت نہیں تھا کہ وہ کاروبار میں شریک ہی ہو گا۔ محض اس کے پچھلے ریکارڈ کی بناء پر یہ قیاس کر لیا گیا تھا کہ وہ کسی ایسے گروہ کا ممبر ہو سکتا ہے۔

انجن پر جھکتے ہوئے حمید نے ٹارچ روشن کی اور بے بسی سے روشنی کے دائرے کو چکر دینے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ اس کی جیب میں تو اس وقت قلم تراش چاقو بھی نہیں تھا کہ اسی سے کوشش کرتا۔

پھر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ گاڑی کو اپنی دم میں باندھ کر تار جام تک سرپٹ دوڑتا چلا جائے....!

"ارے باپ رے....!" وہ اچانک اچھل کر پیچھے ہٹا۔ کوئی اس سے ٹکرایا تھا اور پھر کسی نے اس کی گردن اپنے بازوؤں میں جکڑ لی۔

قدرتی طور پر اس کا گھٹنا اس کے پیٹ پر پڑنا چاہئے تھا لیکن وہ اس سے پہلے ہی بوکھلا
کیونکہ اس کی گردن جکڑنے والی کوئی عورت تھی۔ اس نے یہی اندازہ لگایا تھا۔ پھر اس کے
اس کے سر پر پڑے اور اُسے یقین ہو گیا.... وہ عورت ہی تھی۔

"یہ کیا مذاق ہے۔" وہ غرایا۔

"خدا کے لئے خاموش رہو۔" وہ آہستہ سے بولی۔ "میں ان جھاڑیوں سے تمہیں دیر
دیکھ رہی ہوں۔"

"چونکہ آپ دیر سے مجھے دیکھ رہی تھیں اس لئے میں خاموش رہوں.... اور آپ
گھونٹ کر مجھے ختم کر دیں کیوں؟"

"اوہ.... معاف کیجئے گا....!" وہ اسے چھوڑ کر ہٹ گئی۔ حمید جھک کر ٹارچ ڈھونڈنے لگا
اور پھر جب ٹارچ کی روشنی میں اس نے اس کا جائزہ لیا تو غیر ارادی طور پر اس کی زبا
آہستہ آہستہ نچلے ہونٹ پر رینگنے لگی۔

وہ مرمر کا مجسمہ تھی.... متناسب الاعضاء، صحت مند.... جسم پر ہلکے نارنجی رنگ کے جارج
کی ساری تھی اور اسی رنگ کا بلاؤز.... بال سیاہ اور گھونگھریالے تھے.... ساری پر کئی چھرے
تھے، جیسے وہ چلتے وقت کانٹوں سے الجھی ہو۔ بازوؤں پر لمبی اور باریک خراشیں بھی تھیں۔

"اگر جھاڑیوں میں سانپ نہ ہوتا تو میں اسطرح اچھل کر کبھی نہ بھاگتی۔ کیا میں خوفزدہ ہوں

"قطعی نہیں۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "آپ تو بھوکی شیرنی معلوم ہو رہی ہیں.... مجھے
ملائم گوشت والا بچھڑا نہیں پائیں گے۔"

"وہ تو آپ کی شکل ہی سے ظاہر ہے.... کیا آپ ابھی تک انجن کی خرابی نہیں دور کر سکے

"میں نے دانتوں سے اسکریو ڈھیلے کرنے کی کوشش کی تھی لیکن.... پکڑ میں نہیں آئے

"اسکریو ڈرائیور نہیں ہے۔"

"اگر ہوتا تو ایک ڈنٹسٹ کی بھی ضرورت کیوں محسوس کرتا۔"

"چاقو سے کام چلے گا؟"

"چاقو....!" حمید خوش ہو کر بولا۔ "ضرور چلے گا.... مگر اس کے لئے مجھے کتنی بار مر
سر نو پیدا ہونا پڑے گا۔"

"اوں.... ہوں.... صرف اتنا سا معاوضہ کہ میں لفٹ چاہتی ہوں.... مگر جلدی۔" اس
نے شاید اپنے ہینڈ بیگ سے قلم تراش چاقو نکالا تھا۔

حمید اس کے ہاتھ سے چاقو لے کر جھک پڑا.... پھر دس منٹ کے اندر ہی اندر وہ دوبارہ
انجن بند کر رہا تھا۔ لڑکی پہلے ہی پچھلی سیٹ پر بیٹھ چکی تھی۔

اچانک قریب کی جھاڑیاں کھڑکھڑائیں اور کئی ٹارچوں کے روشن دائرے فضا میں گردش
کرنے لگے۔

"وہ.... رہی.... کار میں۔" کسی نے چیخ کر کہا اور تین چار آدمی چھلانگیں لگاتے ہوئے
سڑک پر آ گئے۔

"ارے کھڑے کیا ہو.... بھاگو....!" لڑکی دانت کچکچا کر بولی۔

لیکن دوسرے ہی لمحے حمید کار یو الور نکل آیا۔ اس نے کار کی اوٹ لیتے ہوئے آگے بڑھنے
والوں کو للکارا۔

"پیچھے ہٹو ورنہ فائر کر دوں گا۔"

"وہ جہاں تھے وہیں تھم گئے۔"

"اس لڑکی کا تعاقب کیوں کر رہے ہو؟" حمید نے گرج کر پوچھا۔

"تم سے مطلب....!" دوسری طرف سے کوئی غرایا۔

"اچھا احمقو! آؤ اور اسے گاڑی سے نکال لے جاؤ۔" حمید کا لہجہ بہت سرد تھا۔

دوسری طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ انہوں نے اپنی ٹارچیں بجھا دی تھیں۔

دفعتاً حمید نے اپنی گاڑی کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی اور اس کے دیوتا کوچ کر گئے۔ وہ
تو گاڑی ہی لئے جا رہی تھی۔ اس نے بڑی تیزی سے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور اچھل کر نہ
صرف اندر بیٹھ گیا بلکہ دوسری طرف کی کھڑکی سے ان لوگوں پر ایک ہوائی فائر بھی جھونک مارا۔

کار نے چکنی سڑک پر سپاٹا بھرا اور تیر کی طرح تارجام کی طرف ہولی۔ یہی سیدھی سڑک
تارجام تک جاتی تھی۔

"کریش.... کریش....!" دو گولیاں کار کے عقبی حصے سے ٹکرائیں۔

"چاقو کے لئے شکر گذار ہوں محترمہ....!" حمید کا لہجہ تلخ تھا۔

جواب میں اس نے ایک کھنکتا ہوا سا قہقہہ سنا.... اور پھر وہ بولی۔ "میرے ستارے اچھے ہیں کہ آپ مل گئے ورنہ وہ کئی دنوں سے کوشاں ہیں کہ میری کھوپڑی میں سوراخ کر دیں۔"

"میں اس ڈرامہ کا مقصد ہرگز نہ پوچھوں گا۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "اگر تم تارجام پر چلنا چاہو تو میں بآسانی ایک مختصر سی نیند لے سکوں گا۔"

لڑکی کچھ نہ بولی، حمید بھی پشت گاہ سے ٹکا رہا۔ البتہ اس کا داہنا ہاتھ اب بھی جیب میں پڑے ہوئے ریوالور کے دستہ پر تھا۔

دفعتاً لڑکی بولی۔ "دیکھو فیٹ ہیڈ! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تم لوگوں کو خود پر ہاتھ ڈالنے کا موقعہ دوں گی۔ کار اس وقت میرے کنٹرول میں ہے.... میں اسے کسی درخت سے بھی ٹکرا سکتی ہوں۔ شاید تمہیں معلوم نہیں کہ میں نے خودکشی کا ارادہ ملتوی کر کے تم سے ٹکرا جانے کا فیصلہ کیا تھا.... لہٰذا یہی سمجھو کہ خودکشی کی نیت اب بھی برقرار ہے۔ ویسے تم لوگوں سے ٹکرانا بھی خودکشی ہی کے مترادف ہے۔"

مگر اس نے جواب میں حمید کے ہلکے ہلکے خراٹوں کے علاوہ اور کچھ نہیں سنا۔

کار اسی رفتار سے سڑک پر دوڑ رہی تھی۔

"کیا تم نہیں سن رہے ہو۔" لڑکی زور سے چیخی اور حمید اچھل پڑا۔

"کیا ہوا.... کیا ہوا....!" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"میں یہ کہہ رہی تھی کہ تم مجھے دھوکا نہ دے سکو گے۔ حالانکہ تمہاری جیب میں ریوالور بھی موجود ہے۔"

"ریوالور سے دھوکا نہیں دیا جاتا ہنی.... کھوپڑی میں سوراخ کیا جاتا ہے۔" حمید نے اسی انداز میں کہا جیسے کسی بچے کی غلطی کی اصلاح کر رہا ہو۔ پھر وہ آگے جھکا اور چپ چاپ اس کا ہینڈ بیگ اٹھا لیا۔

کار بدستور دوڑتی رہی۔ سڑک سنسان پڑی تھی۔

اس کے بعد شائد لڑکی نے بائیں ہاتھ سے اپنا ہینڈ بیگ ٹٹولنے کی کوشش کی تھی۔ کیونکہ اس کے بعد ہی اس نے کار روک دی اور مڑ کر غرائی۔

"میرا ہینڈ بیگ....!"

"میں اس میں تمہارا چاقو رکھ رہا تھا.... یہ لو۔" اس نے ہینڈ بیگ اس کی طرف بڑھا دیا اور وہ چھوٹا سا پستول اس سے پہلے ہی اس کی جیب میں پہنچ چکا تھا۔

لڑکی تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔ "کیا تمہیں مجھ پر رحم نہیں آتا۔ صورت سے تم شریف معلوم ہوتے تھے ورنہ میں تم سے دور ہی رہتی دیکھو اچھے دوست کیا فائدہ؟"

"میری صورت اب بھی شریفوں کی سی ہے، اگر ہو تو تمہارے حسن کی بھی تھوڑی سی تعریف کر دوں حالانکہ میں اسے قطعی غیر ضروری سمجھتا ہوں۔ میرا نظریہ ہے کہ ہر عورت خوبصورت ہوتی ہے، خواہ وہ افریقہ میں پیدا ہوئی ہو، خواہ فرانس میں۔"

"تم میری نہیں سنو گے۔" لڑکی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"سناؤ! اتنی دیر سے تو سن رہا ہوں.... تم خود ہی جواب طلب کرتی ہو۔ ورنہ میرا دل تو یہ چاہتا ہے کہ چیمبرز ڈکشنری تھما کر استدعا کروں کہ اے سے زیڈ تک سنا جاؤ۔"

"تم پڑھے لکھے اور شائستہ آدمی معلوم ہوتے ہو کیوں ان لوگوں کے ساتھ اپنی زندگی برباد کر رہے ہو۔"

"پتہ نہیں تم کن لوگوں کا تذکرہ کر رہی ہو۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

"کیا تمہارا تعلق جنگلی سور سے نہیں ہے۔" لڑکی نے کہا۔

"میں خود ہی ہر قسم کا سور ہوں.... کسی ایک قسم کے سور سے میرا تعلق کیوں ہونے لگا۔"

لڑکی چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔ "میں یہیں اتروں گی۔"

"پیچھا بھی چھوڑو کسی صورت سے۔ خواہ مخواہ میری بھی راہ کھوٹی کرتی ہو۔"

"میرا پستول واپس کر دو۔"

حمید دروازہ کھول کر کار سے اتر آیا اور پھر اگلی نشست کا دروازہ کھول کر لڑکی کو بھی نیچے کھینچ لیا۔

"یہ لو اپنا پستول اور دفع ہو جاؤ۔" اس نے اس کی طرف پستول بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تم جیسی درجنوں اسمارٹ لڑکیاں میری جیب میں پڑی رہتی ہیں جاؤ۔"

اس نے اسے بازو سے پکڑ کر ایک طرف دھکیل دیا.... اور پھر کار میں بیٹھ کر.... اسٹیئرنگ سنبھالتے ہوئے مڑ کر دیکھا بھی نہیں کہ لڑکی کس حال میں ہے۔

"ٹھہرو.... ٹھہرو...." وہ چیختی ہوئی کار کے پیچھے دوڑی.... "خدا کے لئے ٹھہر جاؤ....

ٹھہر جاؤ۔"

اس کی آواز میں رو دینے کا سا انداز پیدا ہو گیا تھا۔ کار کی رفتار بھی تیز نہیں ہوئی تھی۔ حمید نے کار روکی اور پھر اتر آیا۔

"د.....د.....دیکھو.....میں کہتی ہوں آخر ہم جھگڑا کیوں کریں۔"

"میری ایک تجویز ہے۔" حمید اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "میں سامنے لیٹا جاتا ہوں تم مجھ پر سے گاڑی گذار دو۔"

"کیوں.....؟"

"بیوقوف قسم کی لڑکیاں جی کا جنجال ہو جاتی ہیں..... تمہیں کیا پتہ کہ میں کتنی مشکل میں ہوں اور دیر ہو جانے پر مجھے کتنے خسارے سے دوچار ہونا پڑے گا۔"

"اچھا تو میں بیٹھ جاؤں گاڑی میں۔"

"تمہیں جانا کہاں ہے؟"

"جہاں تم لے جاؤ۔"

حمید نے اس کے بال پکڑ کر جھٹکا دیا اور اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔

"کمینے کہیں کے۔"

"چلو بیٹھ جاؤ..... لیکن میرے کان نہ کھانا۔"

وہ اگلی سیٹ پر اس کے برابر ہی بیٹھ گئی۔ حمید نے کار کے اندر روشنی کر دی اور گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "تمہیں خدا غارت کرے۔ اس وقت مجھے دس ہزار کا خسارہ ہوا ہے۔ اب پندرہ منٹ میں تار جام ہرگز نہیں پہنچ سکوں گا اور مجھے یہ رات کسی ہوٹل میں بسر کرنی پڑے گی۔"

"میں تمہارے کان نہیں کھاؤں گی..... بالکل خاموش ہوں۔"

کار پھر چل پڑی۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ وہ اسے برابر گھورے جا رہی ہے۔ لیکن حمید کی نظر ونڈ شیلڈ پر تھی اس نے کنکھیوں سے بھی اس کی طرف نہیں دیکھا۔

لڑکی اپنا ہینڈ بیگ کھول رہی تھی، اس نے اس میں سے ایک چپٹی سی شیشی نکالی اور اس کا کاک نکال کر آدھا سیال اپنے حلق میں انڈیل لیا۔ پھر بُرا سا منہ بناتے ہوئے بولی۔ "لو گے گھونٹ مین.....!"

"میں شراب سے نفرت کرتا ہوں۔" حمید نے اس سے بھی بُرا منہ بنا کر کہا۔

"ارے جاؤ..... مجھے بیوقوف نہ بناؤ، کیا تم کوئی نیک اور پارسا آدمی ہو۔"

"عورت اور شراب کی حد تک یقیناً بڑا پارسا آدمی ہوں..... لیکن اگر تمہارے ہینڈ بیگ میں کوئی بڑی رقم ہوتی تو تم دیکھتیں۔"

"چور.....!"

"نہیں تم مجھے آرٹسٹ ہی کہو..... کیونکہ تم بھی مجھے کسی مولوی یا پنڈت کی صاحبزادی نہیں معلوم ہوتیں۔"

"کیا مطلب.....؟"

"کیا تم ایسی ہی پاک وصاف ہو کہ مجھے چور کہہ سکو۔"

"میں نے کب کہا ہے کہ میں پاک وصاف ہوں۔"

"لیکن مجھے چور تو کہا تھا۔"

"بھئی چور کو کیا کہیں گے۔"

"ایک چور دوسرے چور کو آرٹسٹ کہتا ہے..... چور نہیں۔"

"اوہ..... اب سمجھی۔"

"سمجھنے کی رفتار سست ہے..... میرا خیال ہے کہ تم بقیہ آدھی شیشی بھی خالی کر دو۔"

"تم کون ہو.....؟"

"یہ دوسری ہوئی! اب میں اتنا اُلو کا پٹھا ہوں کہ تمہیں اپنے متعلق کچھ بتا دوں! ویسے اگر تم چاہو تو جنگلی سور کے متعلق مجھے بتاتی رہو..... میں دل لگا کر سنوں گا۔"

"میں ابھی تک فیصلہ نہیں کر پائی کہ تم پر اعتماد کروں یا نہ کروں۔"

"کیا تم قارون کا خزانہ میری تحویل میں دینے والی ہو۔"

"کیا مطلب.....!"

"تم مجھ پر اعتماد کرو تو کیا اور نہ کرو تو کیا! کچھ دیر بعد میں تمہیں تار جام کی کسی سڑک پر چھوڑ دوں گا۔"

لڑکی تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔ "تم نے ابھی تک میرے متعلق کچھ نہیں معلوم

کرنا چاہا۔"

"اگر میں نے تمہارے کروڑ پتی ہونے کا اندازہ کر لیا ہوتا تو یقیناً کوشش کرتا۔"

یک بیک حمید کی بھنویں تن گئیں اور پیشانی پر سلوٹیں نظر آنے لگیں۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی نیا خیال اس تبدیلی کی وجہ بنا ہو۔ لڑکی اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

اچانک حمید نے ایک بار پھر اس کا بیگ چھین کر اپنی داہنی ران کے نیچے دبا لیا اور ایک تلخ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"گندی بلی.... میں سمجھ گیا۔"

"کیا سمجھ گئے۔"

"محکمہ سراغ رسانی کی لڑکیاں بہت تیز ہیں۔"

"تم غلط سمجھے۔" لڑکی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"غلط ہو یا سہی لیکن اب میں تمہیں اس وقت تک نہیں چھوڑ سکتا جب تک کہ اپنا اطمینان کر لوں۔"

"کیسے ہوگا.... اطمینان....!"

"میرے پاس ایسی تمام لڑکیوں کے فوٹو ہیں، جو محکمہ سراغ رسانی کے لئے کام کرتی ہیں۔"

"تب تو بڑی اچھی بات ہے۔ مگر کیا یہاں بھی تمہارے پاس فوٹو موجود ہی ہیں۔"

"قطعی ہیں....!"

حمید کو یاد آ گیا تھا کہ لڑکیوں کی تصویروں کا البم گاڑی ہی میں موجود ہے۔ یہ وہ لڑکیاں تھیں جن سے کبھی حمید کی دوستی رہ چکی تھی.... اس لڑکی کے متعلق اس کا خیال تھا کہ وہ یا تو کسی بڑے گروہ سے تعلق رکھتی ہے یا ابھی حال ہی میں کسی بڑے گروہ سے کٹ گئی ہے اور وہ لوگ اس کے پیچھے ہیں۔

تکیے میں خنجر

فریدی نے ناشتے کی میز پر بیٹھتے ہی اخبار اٹھایا۔ تھوڑی دیر تک سرخیاں دیکھتا رہا پھر نصف

آواز دے کر کہا کہ وہی اس کے لئے کافی کا ایک کپ تیار کر دے۔ وہ کچھ کھائے گا نہیں.... پھر اخبار بھی ایک طرف ڈال دیا گیا۔

ڈکسن.... ڈکسن کے متعلق وہ پچھلی رات سے اب تک سوچتا رہا تھا۔ ڈکسن اس سے ملنا چاہتا تھا۔ ان حالات میں ملا.... لیکن کیوں ملنا چاہتا تھا۔ یہ نہ معلوم ہو سکا۔

کیا اس جنگلی سور کی تصویر نے اسے کچھ کہنے سے باز رکھا تھا۔ جو اچانک اس تک پہنچی تھی.... تصویر دیکھتے ہی وہ اس طرح خاموش ہو گیا تھا جیسے بولنے کی سکت ہی نہ رہ گئی ہو۔

مگر یہ سچویشن ایسی ہی تھی۔ جیسے کسی جاسوسی ناول میں سسپنس پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہو.... ویسے فریدی اسے مضحکہ خیز سمجھ کر نظر انداز کر دینے کے لئے بھی تیار نہیں تھا.... کیونکہ بارہا ایسے ہی "جاسوسی ناول" قسم کے اتفاقات اسے مہینوں سرگرداں رکھ چکے تھے۔ پہلے اس نے یہی سمجھا تھا کہ وہ حرکتیں پولیس کو غلط راستے پر ڈالنے اور سنسنی پھیلانے کے لئے کی گئی تھیں لیکن پھر اسے جیتے جاگتے حقائق سے دوچار ہونا پڑا تھا۔

پچھلی رات جنگلی سور کی تصویر دیکھنے کے بعد ڈکسن کی حالت ایسی دگرگوں ہوئی تھی کہ فدیلی نے کہا تھا "شائد ان پر ہارٹ اٹیک ہونے والا ہے۔ کرنل میں معافی چاہتی ہوں انہیں فوراً گھر لے جاؤں گی۔"

اور تب اسے معلوم ہوا تھا کہ فدیلی اس کی بیوی ہے۔ پہلے وہ اسے یوریشین سمجھا تھا لیکن بعد میں اس نے جب اس کے انداز گفتگو اور لہجے پر غور کیا تھا تو وہ فرانسیسی ثابت ہوئی تھی۔ ڈکسن دیسی عیسائی تھا اور شہر کے معززین میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ اس کی خاصی شہرت تھی، لیکن فریدی کو اس سے پہلے کبھی ملنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا.... شہر میں اس کی کئی فیکٹریاں اور ملیں تھیں۔

لیکن وہ اس سے کیوں ملنا چاہتا تھا.... کیا اسی جنگلی سور کے لئے؟

پھر اسے وہ حملہ آور یاد آئے.... وہ سیاہ فام آدمی یاد آیا جس نے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا؟.... اور وہ تو طے شدہ بات تھی کہ اس نے دراصل اس طرح ان تینوں کو اس کی شکل دکھائی تھی۔

اور پھر اس کے بعد حملہ....

یہ حملہ اس کی سمجھ سے باہر تھا؟.... وہ ایک بار پھر اس پر غور کرنے ہی والا تھا کہ فون کی

گھنٹی بجی۔

وہ اٹھ کر کمرے میں آیا۔ دوسری طرف سے حمید بول رہا تھا۔

"مجھے ایک ہفتہ کی چھٹی دلوا دیجئے۔" اس نے کہا۔

"دماغ تو نہیں خراب ہو گیا.... تم کہاں ہو؟"

"تار جام میں! لیکن بہت بُری حالت میں۔"

"کیا مطلب....!"

"یہاں اچانک چچی جان مل گئیں.... ڈاکٹر منڈل سے بچے کی آنکھ کا علاج کرانے آئی ہیں۔ مجھ سے مل کر بے حد خوش ہوئیں.... کہنے لگیں اللہ مہربان تھا کہ تم مل گئے ورنہ میں بہت پریشان ہوتی۔ بچے کی آنکھوں کی حالت مخدوش ہے.... ڈاکٹر منڈل کا کہنا ہے کہ کم از کم ایک ہفتے تک تو ساتھ رہنا ہی پڑے گا.... اب بتایئے میں کیا کروں۔"

"کام کی بات کرو...." فریدی غرایا۔

"او.... ہاں دیکھئے.... پار کر یہاں سرے سے ہے ہی نہیں۔ ابھی تک اس کا ثبوت نہیں مل سکا۔ وہ تین ماہ سے تار جام میں دکھائی دیا ہو.... مگر دیکھئے.... یہ چچی جان.... خاندانی معاملہ ہے اگر مجھے ایک ہفتے کی چھٹی نہ ملی تو سمجھ لیجئے کہ بالکل کباڑا ہو جائے گا۔"

"تم کہاں مقیم ہو۔"

"پہلے تو وہ ہوٹل میں مقیم تھیں، لیکن پھر میں نے سوچا جب اپنا گرین ہٹ خالی پڑا ہوا ہے تو....!"

"چلو.... خیر.... ٹھیک ہے.... مگر تمہیں تین دن سے زیادہ کی چھٹی نہیں مل سکتی۔"

"دیکھئے اس معاملہ میں میری ہی بات رکھ لیجئے ورنہ چچی جان۔"

فریدی کی پیشانی پر ایک بل کے لئے شکنیں نظر آئیں اور پھر غائب ہو گئیں۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ "اچھی بات ہے.... ویسے پچھلی رات میں نے بھی تمہارے لئے ایک چچی ڈسکور (Discover) کی تھی.... خیر فی الحال تم اسی چچی سے دل بہلاؤ....!"

"دیکھئے میں اپنے بزرگوں کے معاملہ میں مذاق نہیں پسند کرتا۔"

فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ لیکن جیسے ہی میز کے پاس سے ہٹا گھنٹی پھر بجنے لگی۔

"ہلو....!" فریدی ریسیور اٹھا کر دہاڑا.... وہ سمجھا تھا کہ شاید حمید نے پھر رنگ کر دیا۔

"ہیلو....!" دوسری طرف سے نسوانی آواز آئی۔ "کون صاحب ہیں۔"

"آپ کسے چاہتی ہیں۔"

"کرنل فریدی۔" فریدی نے آواز پہچان لی۔ یہ فدیلی ہی تھی۔

"میں فدیلی ہوں کرنل.... غالباً آپ بھولے نہ ہوں گے.... پچھلی رات....!"

"جی ہاں.... مسٹر ڈکسن اب کیسے ہیں۔"

"میں انہیں کے بارے میں آپ سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں کہئے تو وہیں آ جاؤں.... خدا کے لئے کرنل تھوڑا وقت ضرور نکالئے۔"

"ابھی آ جایئے.... میں دو گھنٹے بعد آفس جاؤں گا۔"

"شکریہ کرنل.... میں ابھی آ رہی ہوں۔"

اور پھر تقریباً بیس منٹ بعد کرنل اسے ڈرائنگ روم میں ریسیو کر رہا تھا۔ فدیلی اس وقت سفید اسکرٹ میں بہار کی نکھری ہوئی صبح کی طرح دلکش نظر آ رہی تھی، لیکن اس کی آنکھیں مغموم تھیں۔

"آپ پچھلی رات کے رویے پر یقیناً الجھن میں ہوں گے۔" اس نے مردہ سی آواز میں کہا۔

"قدرتی بات ہے.... تشریف رکھئے.... آپ غالباً اس وقت پورٹ پسند کریں گی۔"

"نہیں.... اس کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ تو پیتے ہی نہیں۔"

"مہمانوں کے لئے رکھتا ہوں...." فریدی مسکرایا اور اس نے گھنٹی کا بٹن دبایا۔ ایک ملازم اندر آ کر مؤدبانہ کھڑا ہو گیا۔

"پورٹ اور ایک گلاس....!"

"آپ خواہ مخواہ تکلیف کر رہے ہیں۔"

"قطعی نہیں تکلیف کی کیا بات ہے۔"

ملازم چلا گیا۔ فریدی استفہامیہ نظروں سے فدیلی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"انہیں ہارٹ اٹیک نہیں ہوا تھا کرنل۔"

"مجھے اندازہ ہے! یہی چیز میری الجھن کا باعث بنی ہوئی تھی۔"

"ان کی حالت میں تغیر کا باعث وہ لفافہ بنا تھا۔ آپ کو یاد ہوگا اس میں سے ایک کارڈ
ہوا تھا جس پر جنگلی سور کی تصویر تھی.... وہ جنگلی سور!"

فدیلی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔ پھر بولی۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا تذکرہ کہاں
شروع کروں۔"

"میرا خیال ہے کہ پورٹ سے آپ کو کافی مدد ملے گی۔"

"اف فوہ....!" وہ بے اختیار مسکرا پڑی۔ "کتنے معاملہ فہم ہیں آپ.... مجھے آپ
صلاحیتوں پر رشک آتا ہے۔"

"بہتیرے انہیں صلاحیتوں کی بناء پر مجھے زندہ نہیں دیکھنا چاہئے۔" فریدی مسکرایا۔

"یہ تو حقیقت ہے! جرائم پیشہ لوگوں پر عرصہ حیات تنگ ہو گیا ہے۔ وہ موقع پر بھلا
چوکتے ہوں گے۔ پچھلی ہی رات۔"

"جی ہاں....!" فریدی سر ہلا کر اس ملازم کی طرف متوجہ ہو گیا، جو تپائی پر شراب کی
رکھ رہا تھا۔

فدیلی نے تھوڑی سی شراب گلاس میں انڈیلی اور دو چار چسکیاں لے کر بولی۔ "میں نے
لوگ بھی دیکھے ہیں جو پینے والوں سے دور بھاگتے ہیں۔ مگر آپ مہمانوں کے لئے رکھتے
ہیں۔ آپ واقعی عجیب ہیں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس نے ملازم سے کافی کے لئے کہا کیونکہ ناشتے کی میز پر اس نے
نہیں پی تھی۔ حمید کی کال آ گئی تھی اور اس کے بعد پھر شائد بھول ہی گیا کہ ابھی تک اس
ناشتہ نہیں کیا۔

فدیلی نے گلاس خالی کر کے رکھ دیا اور رومال سے ہونٹ خشک کر کے بولی۔ "آج سے
ماہ پہلے کی بات ہے کہ انہیں اس کا علم ہوا تھا.... ان کے دفتر میں ان کی لاعلمی میں ایک
بزنس ہو رہا تھا.... وہاں سے کوکین اور دوسری منشیات غیر قانونی طور پر تقسیم ہوتی تھیں۔
انہیں یہ نہ معلوم ہو سکا کہ ان کا کون ذمہ دار تھا۔ ویسے ان کا شبہ جنرل منیجر لاسپر پر ہے۔"

"جی ہاں یہ ایک اسپینی ہے۔ میں بھی اسے اچھا نہیں سمجھتی۔ لیکن اس کے خلاف
پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں۔ ڈکی نے اس سے پوچھ گچھ کی تھی۔ اس نے سارا آفس سر پر

اور اس سے لاعلمی ظاہر کی کہ اس قسم کی کوئی حرکت آفس کے ذریعہ ہو رہی ہے۔"

"ہاں....!" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "اسے ثابت کرنے میں یقیناً دشواریاں آئیں گی۔ لیکن
مسٹر ڈکسن کو شبہ کیسے ہوا تھا۔"

"انہوں نے ایک دن آفس میں ایک جگہ تین پیکٹ رکھے دیکھے تھے۔ انہوں نے ان کو اٹھا
کر دیکھا تھا اور پھر وہیں رکھ دیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر وہاں سے گذرے لیکن پیکٹ وہاں نہیں
تھے۔ البتہ لکڑی کی شلف پر تھوڑا سا سفید رنگ کا سفوف بکھرا ہوا نظر آیا۔ انہوں نے اسے سمیٹ
کر محفوظ کر لیا.... اور پھر اس کا تجزیہ کرانے کے لئے ایک ایکسپرٹ کے پاس بھیج دیا۔ رپورٹ
آئی تو وہ کوکین نکلی....!"

"مگر انہوں نے اسے ایکسپرٹ کے پاس کیسے بھیج دیا تھا۔ اگر انہیں پہلے ہی سے شبہ نہیں
تھا۔ دن بھر میری نظروں سے مختلف قسم کے سفوف گذرتے ہیں۔ لیکن میں انہیں ایکسپرٹ کے
پاس نہیں بھیجتا۔ آپ میرا مطلب سمجھ رہی ہیں نا! یعنی ان پیکٹوں پر نظر پڑنے سے پہلے ہی انہیں
شبہ رہا ہوگا۔ دراصل میں اسی شبہ کی وجہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"خدا بہتر جانتا ہے اس کے بارے میں انہوں نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔ جہاں تک میرے علم
میں ہے آپ کو ضرور بتاؤں گی، حالانکہ ڈکی کو معلوم ہو جائے کہ میں یہاں ہوں اور آپ سے اس
مسئلہ پر گفتگو کر رہی ہوں تو یہیں آ کر مجھے گولی مار دے گا۔"

"آخر کیوں؟ پھر وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے۔"

"اسی مسئلہ پر گفتگو کرنے کے لئے۔ مگر پچھلی رات وہ جنگلی سور کی تصویر تین ماہ بعد پھر
اچانک ان کے سامنے آئی تھی اور انہوں نے خوفزدہ ہو کر ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔ اوہ کرنل میں کیا
بتاؤں یہ جنگلی سور ڈکی کے اعصاب پر چھا کر رہ گیا ہے۔ جن دنوں ایکسپرٹ کی رپورٹ آئی تھی
ڈکی نے سارا آفس سر پر اٹھا لیا تھا۔ لیکن ایک صبح جب وہ سو کر اٹھے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے
تکیے میں ایک بڑا خنجر پیوست ہے اور اس کے قریب ہی ایک لفافہ ملا، جس پر جنگلی سور کی تصویر
بنی ہوئی تھی۔ لفافہ چاک کر کے انہوں نے تحریر نکالی اور اسی تحریر نے انہیں اس معاملہ میں بے
حد ڈرپوک بنا دیا۔ کسی نامعلوم آدمی نے لکھا تھا کہ ڈکی کوکین کے معاملہ میں اپنی زبان بند رکھے۔
وہ آفس میں کسی پر بھی جرم ثابت نہیں کر سکے گا۔ اگر اس نے زبان بند نہ کی تو اتنی ہی آسانی سے

قتل کر دیا جائے گا جتنی آسانی سے اس کے تکیئے میں خنجر پیوست کیا گیا ہے۔ یہ بھی لکھا گیا تھا کہ وہی خنجر اس کے سینے میں اتار دینے میں کون سی دشواری پیش آتی.... اس کے بعد ڈکی نے بڑی خاموشی اختیار کر لی.... مگر وہ شدت سے بور رہتا تھا کیونکہ اس کی دانست میں وہ گندا بزنس ابھی بھی جاری ہے۔ اسے اپنی بدنامی کا بڑا خیال رہتا ہے کرنل۔ وہ کہتا ہے اگر کبھی پولیس اس راہ پر آ گئی تو کیا ہو گا۔ کون یقین کرے گا کہ اس کے آفس سے ایک بزنس ہو رہا ہے اور اسے خبر نہیں ہے۔ دنیا یہی سمجھے گی کہ وہ خود ہی اس کا ذمہ دار ہے۔"

"قدرتی بات ہے مسز ڈکسن۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "غالباً انہوں نے قتل کر دیئے جانے کے خوف سے پولیس کو اس کی اطلاع نہیں دی تھی۔"

"جی ہاں....!"

"پورٹ اور لیجئے.... تکلف کی ضرورت نہیں۔"

"شکریہ....!" فدیلی نے دوبارہ شراب انڈیلتے ہوئے کہا۔ "اب میں ان کی لاعلمی میں یہاں آئی ہوں۔"

"میں ہر امکانی کوشش کروں گا مسٹر ڈکسن....!"

"کسی طرح سے خوف ان کے دل سے نکال دیجئے۔ ان کی صحت بہت گرتی جا رہی ہے۔"

"ایسے حالات پیدا کئے جائیں گے کہ وہ خوفزدہ ہونا چھوڑ دیں۔"

"اچھا تو پھر اب اجازت دیجئے۔ میں زیادہ دیر تک ان کے پاس سے غیر حاضر نہیں رہ سکتی۔ آج کل وہ ہر وقت مجھے اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔"

"بہتیرے سوالات مجھے اس سلسلہ میں کرنے تھے۔ خیر پھر سہی۔"

فدیلی.... گلاس خالی کر کے اٹھتی ہوئی بولی۔ "لیکن اس سوال کا جواب وہی دے سکیں گے کہ انہیں پہلے پہل کس بناء پر شبہ ہوا تھا۔"

"خیر میں اسے بھی دیکھوں گا....!" فریدی نے کہا اور اسے رخصت کرنے پورچ تک آیا۔

پھر اندر آ کر اس نے اس ملازم کو طلب کیا جس سے کافی کے لئے کہا تھا اور جو فدیلی کے لئے شراب لایا تھا۔

"کیوں بھئی....!" اس نے ہنس کر کہا۔ "کیا آج تم لوگوں نے طے کر لیا ہے کہ مجھے بھوکا

مار ڈالو.... میں نے تم سے کافی کے لئے کہا تھا۔"

ملازم کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور وہ خوفزدہ سی آواز میں بولا۔ "بھول گیا تھا۔"

"ارے.... تو اس طرح کانپنے کی کیا ضرورت ہے.... بھاگو.... جلدی سے لاؤ۔"

کچن میں دوسرے ملازم اس پر برس پڑے۔ فریدی کے سارے ملازمین اس پر جان دیتے تھے اور اگر کبھی کسی سے اس کے معاملے میں کوئی غلطی سرزد ہو جاتی تھی۔ تو خود ہی رو پڑتا تھا.... کیونکہ فریدی نے آج تک کسی ملازم سے تیز لہجے میں بھی گفتگو نہیں کی تھی.... ان کے آرام و آسائش کا خیال رکھتا تھا اگر ان میں سے کبھی کوئی بیمار پڑ جاتا تو خود ہی اس کی دیکھ بھال کرنے کی کوشش کرتا.... اگر کبھی رات گئے کافی کی خواہش ہوتی تو انہیں تکلیف دینے کی بجائے خود ہی کچن میں بھی جاگھستا۔

وہ برآمدہ میں بیٹھا کافی پیتا اور ڈکسن کے معاملات کے متعلق سوچتا رہا۔ کافی ختم کر کے وہ اٹھا.... اور فون پر سارجنٹ رمیش کے نمبر ڈائیل کئے۔

"یس سر....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"میں پیٹر ڈکسن لمیٹڈ کے جنرل منیجر لابر کے متعلق معلومات چاہتا ہوں۔"

"بہت بہتر جناب.... گیارہ بجے تک میں آپ کو اطلاع دوں گا.... مگر کہاں؟"

"گھر اور آفس دونوں دیکھ لینا۔ اگر یہاں نہ ملوں تو تھری سکس ڈائیل کر کے رپورٹ ڈکٹیٹ کر دینا۔"

تھری سکس دراصل آواز ریکارڈ کرنے کی ایک مشین تھی جس میں فریدی نے اپنی طرف سے کچھ اضافے کر کے اس قابل بنا دیا تھا کہ وہ خود بخود فون کے پیغامات ریکارڈ کر سکے۔

آپ شہر کے کسی گوشے سے کسی فون پر تھری سکس ڈائیل کیجئے، سلسلہ اس ریکارڈنگ مشین سے آملے گا.... یہ مشین اس نے ابھی حال ہی میں لگائی تھی۔

تھوڑی دیر بعد پھر فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی آفس جانے کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ اس نے ریسیور اٹھایا.... دوسری طرف سے فدیلی بول رہی تھی اور بہت خوفزدہ معلوم ہوتی تھی۔

"اوہ.... کرنل وہ لوگ بھوت ہیں.... خدا کے لئے کچھ کیجئے.... لیکن یہاں نہ آیئے گا۔"

"میں نہیں سمجھا.... کیا بات ہے۔"

"میں جب واپس آئی تو وہ اپنی خواب گاہ میں اوندھے پڑے ہوئے تھے۔ ان کی پیٹھ ننگی تھی اور جگہ جگہ لمبے لمبے نیلے رنگ کے نشانات تھے۔ ایسا لگتا ہے جیسے کسی ظالم نے ان پر چابک برسائے ہوں۔ وہ بیہوش ہیں اور ان کے داہنے ہاتھ کے نیچے سے ایک کارڈ برآمد ہوا ہے جس پر وہی منحوس تصویر ہے اور پشت پر تحریر ہے۔ 'فدیلی کے لئے تنبیہہ' اب بتایئے.... میں کیا کروں.... مگر آپ خدا کے لئے یہاں نہ آیئے گا۔ ورنہ پتہ نہیں کیا ہو۔"

"اچھا اچھا.... میں کوئی دوسرا انتظام کرتا ہوں۔ آپ مطمئن رہئے۔" فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر لیڈی انسپکٹر ریکھا کے نمبر ڈائیل کئے۔

"اوہ.... آپ....!" دوسری طرف پُر اشتیاق آواز آئی۔ "کہئے آج میں کیسے یاد آئی۔"

"کام....!" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"فرمایئے....!"

"پیٹر ڈکسن لمیٹڈ والے ڈکسن کو جانتی ہو۔"

"جی ہاں....!"

"تمہیں اس کی بیوی فدیلی سے ملنا ہے۔ لیکن ملازموں پر یہ نہیں ظاہر کرو گی کہ تم کون ہو۔ خود فدیلی سے بتانا کہ تمہیں میں نے بھیجا ہے۔"

"پھر کیا کرنا ہوگا....!"

"صرف اس کے شوہر ڈکسن کی پیٹھ پر چابک کے نیلے نشانات دیکھنے ہوں گے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"مجھے حیرت ہے کہ تم نیلے نشانات نہیں سمجھتیں۔ جلدی کرو۔ میں آدھے گھنٹے تک تمہارے اس جواب کا انتظار کروں گا کہ نشانات ہیں یا نہیں ہیں۔"

فریدی نے دفتر جانا کچھ دیر کے لئے ملتوی کر دیا تھا۔ وہ یہیں ریکھا کے جواب کا انتظار کرنا چاہتا تھا۔

ٹھیک آدھے گھنٹے بعد فون کی گھنٹی بجی.... دوسری طرف سے ریکھا بول رہی تھی۔

"میں نے بہت کوشش کی کہ فدیلی تک پہنچ جاؤں.... مگر نہیں پہنچ سکی۔ وہ برابر بہانے کہلواتی رہی کوئی بھی ہو میں اس وقت نہیں مل سکتی۔ البتہ ایک نوکر سے یہ معلوم ہوا تھا کہ ڈکسن

کی طبیعت بہت خراب ہو گئی ہے اور اس کی خواب گاہ میں شہر کے چھ بڑے ڈاکٹر موجود ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔" فریدی نے ایک طویل سانس لے کر کہا "شکریہ"

اور سلسلہ منقطع کر دیا اس کی پیشانی پر شکنیں نظر آ رہی تھیں۔

چچی کی کہانی

ایگل بیچ.... تار جام سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر سمندر کے کنارے ایک مشہور تفریح گاہ تھی۔ یہاں پانی زمین کو اس طرح کاٹ کر اندر تک چلا آیا تھا کہ ایک اڑتے ہوئے عقاب کی شکل بن گئی تھی.... اسے عقاب کی شکل بنانے میں اس چٹان کا بڑا حصہ تھا، جو خشکی سے الگ پانی میں ایک جگہ ابھری ہوئی تھی۔ یہی چٹان اس آبی اور خاکی عقاب کا سر معلوم ہوتی تھی۔ بہر حال عقاب سے مشابہت رکھنے ہی کی بناء پر اس حصہ کا نام ایگل بیچ پڑ گیا تھا۔

یہاں دور دور تک چھوٹی چھوٹی عمارتوں کی ایک قطار تھی، جن میں شہر سے آنے والے دو چار دن قیام کر کے یہاں کی تفریحات میں حصہ لیا کرتے تھے۔ انہیں عمارتوں میں گرین ہٹ بھی تھا۔ یہ کرنل فریدی کی ملکیت تھی لیکن یہاں عموماً قفل ہی لٹکتا ہوا دیکھا جاتا تھا.... شائد آس پاس والوں کو بھی اس کا علم نہیں تھا کہ یہ عمارت کس کی ہے۔ ویسے یہاں ایک چوکیدار ہمیشہ رہا کرتا تھا جسے ماہ بماہ تنخواہ ملتی تھی اور اکثر وہ چھپے اس عمارت کو کرائے پر بھی اٹھا دیا کرتا تھا۔

حمید پچھلی رات اس لڑکی کو یہیں لایا تھا اور وہ دونوں الگ الگ کمروں میں سوئے تھے۔ نہ حمید نے اسے اپنے بارے میں کچھ بتایا تھا اور نہ وہی کھلی تھی۔

صبح کو حمید نے ایگل بیچ کے پوسٹ آفس سے فریدی کو فون کیا تھا اور پھر گرین ہٹ میں واپس آ گیا تھا۔ ناشتہ بیچ کے ایک ریستوران سے ہٹ ہی میں منگوا لیا گیا۔

اور ناشتے کے دوران میں وہ لڑکی پھٹ پڑی۔

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ تم کس قسم کے آدمی ہو۔"

"کیوں....؟" حمید نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"نہ تم نے ابھی تک اپنے متعلق بتایا ہے اور نہ میرے بارے میں کچھ پوچھا ہے۔ حتیٰ کہ میرا

نام تک جاننے کی کوشش نہیں کی۔"

"کیوں پڑوں اس چکر میں جب کہ تم میرے احساسات کی پرواہ نہیں کرتیں۔"

"کیا مطلب! میں نہیں سمجھی۔"

"اگر اپنے پیٹ پر کپڑا لپیٹے رہا کرو تو کیا حرج ہے۔"

لڑکی کا منہ بگڑ گیا۔ ساری پر اس نے وہی ڈیڑھ بالشت کا بلاؤز پہن رکھا تھا جس میں پیٹ کمر ڈھانپنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔

"دیکھو ہنی....!" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر تم اپنے اس کھلے ہوئے پیٹ پر کھرا اور گیروسے پھول پتیاں بنالو یا آڑی ترچھی لکیریں کھینچ لو تو میں تمہیں زدلو نسل کی کوئی عو سمجھ کر برداشت کرلوں گا.... مگر ایسی صورت میں....!"

"خاموش رہو۔" وہ جھلا گئی۔

"اب تم اپنا صحیح نام نہ بتا سکو گی کیونکہ غصہ میں ہو! ورنہ معمولی حالات میں مجھے رام رکھا دئی سے دوچار ہونا پڑتا.... غصے میں آدمی ہمیشہ سچ ہی بولتا ہے۔"

لڑکی نے ناشتے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

"اب میں تمہیں جان سے مار دوں گی یا خودکشی کرلوں گی۔" وہ غرائی۔

"پہلے خودکشی کرلو.... پھر مجھے بھی مار دینا تاکہ تمہیں مرتے ہوئے بھی دیکھ لوں۔ تمہا زندگی نے تو کافی سبق دیا ہے.... دس ہزار کی سل چھاتی پر رکھنی پڑی ہے۔"

"بکواس ہے.... میں اسے نہیں تسلیم کرسکتی۔"

"میں دس بج کر بیس منٹ پر ہڈسن بینک میں ڈاکہ ڈالنے والا تھا.... وہاں کل ہی ایک بڑی رقم اسٹرونگ روم میں رکھی گئی تھی! کم از کم دس ہزار میرے حصے کے ہوتے۔ میرے دوسرے ساتھی میرا انتظار کرکے واپس گئے ہوں گے۔"

"کیوں کیا تم ان میں کوئی خاص اہمیت رکھتے ہو۔"

"کیوں نہیں، میں سیف توڑنے کا ماہر ہوں.... کیا تم نے ڈائنٹرزیٹو کا نام بھی نہیں سنا"

"نہیں....!" لڑکی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"تب تم معمولی ہی قسم کے چوریوں چماریوں میں رہی ہو گی۔ ڈاکٹر زیٹو ان لوگوں میں

جاتا ہے جن کی انگلیاں ٹریگر پر پہنچ کر رکنا نہیں جانتیں۔"

"تم مجھے خواہ مخواہ مرعوب کرنے کی کوشش کررہے ہو۔"

"اگر چاہتا تو رات سے اب تک تمہیں تل کر کھا گیا ہوتا.... مرعوب کرنے سے میرے مونچھیں اگ آئیں گی کیوں؟"

"اب تم میرے کان کھا رہے ہو۔"

"اٹھو شہزادی صاحبہ اور یہاں سے نکل جاؤ.... گھٹیا قسم کی سوسائٹی مجھے پسند نہیں ہے۔ رات سے اب تک نہ جانے کس طرح تمہیں برداشت کیا ہے۔ اب کہو کہ میرا نام دردانہ ہے اور میرا سلسلہ نسب ٹرکی کے کسی سلطان سے ملتا ہے۔"

"تم کمینے ہو.... سور ہو۔" وہ رو دینے والی آواز میں چیختی ہوئی اٹھی اور دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

حمید نہایت اطمینان سے کافی پیتا رہا۔ کافی ختم کرکے اس نے پائپ سلگا لیا اور ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ اسی گروہ سے تو نہیں کٹی جو آج کل اعلیٰ پیمانے پر منشیات کی غیر قانونی تجارت کررہا تھا.... پھر.... اگر ایسا ہے تو یہ لڑکی کام کی ثابت ہوسکتی ہے۔ مگر وہ تو چاہتا تھا کہ وہ خود ہی اپنی کہانی بیان کردے اور یہ اسی صورت میں ممکن تھا جب وہ اس پر اعتماد کرلیتی۔ اگر وہ اسے اس پر مجبور کرتا تو بے اعتمادی بڑھنے ہی کے امکانات پیدا ہو جاتے کیونکہ اُسے رات ہی سے شبہ تھا کہ وہ اسی گروہ سے تعلق رکھتی ہے جس گروہ کے چند آدمیوں نے اسے پکڑنا چاہا تھا۔

حمید یہ بھی سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ اسی کے لئے کسی قسم کا جال نہ بچھایا گیا ہو.... یہ بھی ممکن تھا کیونکہ اس سے پہلے بھی کئی بار وہ ایسے واقعات سے دوچار ہو چکا تھا۔

"تم مجھے بھگانا چاہتے ہو۔" دوسرے کمرے سے آواز آئی۔ "میں ہرگز نہیں جاؤں گی۔"

"تو پھر میرے چچا سے شادی کرلو تاکہ میں تمہیں ہمیشہ چچی کہہ سکوں۔"

"خاموش رہو۔" وہ حلق کے بل چیخی اور کھڑکی کے پاٹ بڑی تیز آواز کے ساتھ بند ہوگئے۔

حمید بیٹھا مسکراتا رہا۔ اس کی تدبیر کارگر ہو رہی تھی۔ لڑکی کے ٹائپ کا اندازہ اس نے بخوبی کرلیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا ذہن جھلاہٹ اور بے بسی کا شکار ہوئے بغیر اسے سچ نہیں بولنے دے گا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر باہر نکلی۔ چند لمحے اسے غصیلی نظروں سے گھورتی رہی اور پھر بولی۔ "کیا تم مجھے جاہل سمجھتے ہو.... میں گریجویٹ ہوں۔"

"میں بھی میٹرک فیل نہیں ہوں سوئٹی! تمہیں گھنٹوں میتھو آرنالڈ اور ملٹن کی شاعری کا فرق سمجھا سکتا ہوں اور یہ ثابت کر سکتا ہوں کہ اردو کے میرحسن انگریزی میں چاسر تخلص کرتے تھے۔"

"تم مجھے پاگل کر دو گے۔" وہ بید کی کرسی میں گرتی ہوئی تھکی تھکی سی آواز میں بولی۔ "کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم سمجھوتہ کر لیں.... میں محسوس کر رہی ہوں کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے مفید ہو سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "مگر سمجھوتے سے پہلے تمہیں وعدہ کرنا پڑے گا کہ اب تم اپنا پیٹ بند ہی رکھو گی....!"

بند رہے گا....!" وہ آنکھیں نکال کر اور دانت پیس کر چیخی۔

"اوہ.... تم بُرا مان گئیں....!" حمید اٹھتا ہوا بولا.... اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی گہری سوچ میں ہو پھر وہ اس کے قریب رکا اور اس کے شانوں پر دونوں ہاتھ ٹیک کر جھکتا ہوا آہستہ سے بولا۔ "تمہارا چہرہ مجھے یونان کی اس قدیم شاعرہ کی یاد دلاتا ہے جس نے ایک لڑکی کے عشق میں مبتلا ہو کر خودکشی کر لی تھی.... تم بہت حسین ہو.... مگر میری نظریں چ ے سے نیچے سفر کرنے سے ڈرتی ہیں۔"

"ہٹو اُدھر....!" لڑکی نے اسے پرے جھٹک دیا۔ "میرے پاس یہاں کوئی ایسا لباس نہیں ہے جس سے میں تمہاری آنکھیں پھوڑ سکوں۔ مجھے تار جام لے چلو میں وہاں فراکیں اور شلواریں خریدوں گی۔"

"جیو.... عرصہ تک جیتی رہو.... لمبا فراک اور شلوار میرے پسندیدہ ترین لباس ہیں۔"

"اس کے باوجود بھی تم پتلون اور قمیض میں نظر آتے ہو۔" لڑکی بے تحاشہ ہنس پڑی۔

"مزید جیو! یہ جملہ تھا جی خوش کرنے والا.... اب اپنا نام بھی بتا دو۔"

"راحیلہ....!"

"نہیں.... تم سچ نہیں بول رہیں۔"

"ہاں یہ نام میں نے خود ہی اختیار کیا ہے۔ اس نام کی توہین کرنا نہیں چاہتی جو میرے

والدین نے رکھا تھا۔"

"چلو فکر نہ کرو.... یہ نام بھی بُرا نہیں ہے۔"

"مجھے ایک ایسے ساتھی کی ضرورت ہے جو میری مدد کر سکے۔"

"کوئی لمبا شکار ہے۔" حمید نے اپنی بائیں آنکھ دبائی۔

"نہیں یہ ایک انتقامی کاروائی ہے۔ ویسے ہو سکتا ہے کہ کسی بڑی رقم پر بھی ہم ہاتھ مار سکیں، مگر یہ حالات پر منحصر ہے۔ وہ شکاری کتوں کی طرح چاروں طرف میری بو سونگھتے پھر رہے ہیں۔ پچھلی رات میں نے ان کی ایک اسکیم خاک میں ملانے کی کوشش کی تھی، لیکن کامیاب نہ ہوئی اور پھر مجھے بھاگنا پڑا۔"

"کیا یہ کوئی گروہ ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ایک بہت بڑا اور منظم گروہ.... جو منشیات کی ناجائز تجارت کرتا ہے۔"

"اچھا تو پھر.... تم اس سے کیوں انتقام لینا چاہتی ہو۔"

"کیونکہ میں اپنی خوشی سے اس گروہ کے چکر میں نہیں پھنسی تھی۔ مجھے زبردستی گھسیٹا گیا تھا۔ کیا تم شروع سے میری کہانی سننا پسند کرو گے۔"

"یقیناً....!" حمید نے پائپ سلگاتے ہوئے کہا۔

وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہی اور پھر بولی۔ "میں یہاں فلم آرٹسٹ بننے کے لئے آئی تھی.... ایک ڈائرکٹر صاحب سے ملاقات ہو گئی انہوں نے مجھے خوب چکر دیئے۔ جب تک مجھ میں ان کے لئے دلکشی رہی میری کفالت بھی کرتے رہے، اس کے بعد انہوں نے اپنا راستہ لیا.... پھر مجھے پیٹ پالنے کے لئے ایک اسٹوڈیو میں اکسٹرا کی حیثیت سے رہنا پڑا.... میرے خدا وہ کتنی گھناؤنی زندگی تھی۔ کہنے کو آکسٹرا لڑکیاں اسٹوڈیو سے تنخواہ پاتی ہیں اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا اس کے علاوہ اور کوئی مصرف نہیں ہے کہ فلم بنانے والے انہیں کرائے پر حاصل کریں لیکن کیا تم یقین کرو گے کہ وہ فلموں میں کام کرنے کے علاوہ یوں بھی کرایہ پر چلائی جاتی ہیں اور اس کی ساری آمدنی بھی اسٹوڈیو والے کی جیب میں جاتی ہے.... جب کسی پروڈیوسر کو فائننسر نہیں ملتا تو وہ بہترین قسم کی اکسٹرا لڑکیاں ساتھ لیکر سیٹھوں کے دفتروں کے چکر کاٹنا شروع کر دیتا ہے۔"

"میں سب جانتا ہوں۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "مجھے یہ بتاؤ کہ تم اس گروہ کے چکر میں کیسے

آئی تھیں۔"

"میں اکسٹرا والی زندگی سے تنگ آگئی تھی.... اسی دوران میں مجھے ایک فرشتہ مل
بالکل ایسا ہی جیسے تم ہو۔"

"کیوں.... تم نے میری مثال کیوں دی۔"

"وہ بھی تمہاری ہی طرح خود کو عورتوں سے لاپرواہ ظاہر کرتا تھا اور میری مدد کرنا چاہتا
بے غرض ہو کر....!"

"میں نے ابھی تک تم سے یہ تو نہیں کہا کہ میں بے غرض ہو کر تمہاری مدد کروں گا۔" ا
نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"لیکن مجھ سے لاپرواہی تو ظاہر کرتے ہو۔"

"وہم ہے تمہارا.... نہ میں نے لاپرواہی ظاہر کی ہے اور نہ یہی سوچا ہے کہ تمہارے
زندہ رہنے کا ارادہ ترک کردوں.... قصور تمہارا نہیں! بلکہ اس ماحول کا ہے جس میں تم اب
رہی ہو۔ جہاں عورت سیب کا مربہ سمجھی جاتی ہے.... اور اس کا مصرف یہی ہوتا ہے....!"

"بس بس.... تم لٹیرے ہو پیارے.... لیڈر نہیں.... کوئی تقریر نہ چھیڑو میں نے وہ
بس یونہی کہہ دی تھی۔ میرا خود ہی دل چاہتا ہے کہ تم پر اعتماد کرلوں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ بُرا سا منہ بنائے ہوئے دوسری طرف دیکھ رہا تھا۔

"پھر میں اس آدمی کے ساتھ اسٹوڈیو سے نکل گئی! اب میں تفصیل میں نہیں جانا چاہتی
کتنا شریف آدمی ثابت ہوا تھا۔ اس کے ذریعہ میں اس گروہ تک پہنچی۔ کچھ دنوں تک بے دل
ان کے لئے کام کرتی رہی۔ پھر میں نے ایک فیصلہ کیا.... کام تو کرنا ہی پڑتا تھا۔ انہوں نے
شکنجوں میں جکڑا تھا مجھے کہ میں انہیں چھوڑ ہی نہیں سکتی تھی.... میں یہ بھی سوچ رہی تھی
موجودہ زندگی پچھلی زندگی سے کہیں زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کبھی
مخالفت پر ہی اتر آئے تو پھر اس صورت میں کیا ہوگا.... شائد گروہ پاتال میں بھی سر نہ چھپا
راحیلہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی تھی۔ حمید دوبارہ پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا کچھ دیر
اس نے پوچھا۔ "وہ کون سی مجبوریاں تھیں، جنہوں نے تمہیں ان کے چکر میں جکڑ رکھا تھا۔"

"وہی بتانے جا رہی ہوں.... یعنی میں ان سے پیچھا چھڑانے کے لئے پولیس سے بھی

نہیں کر سکتی تھی کیونکہ صرف مجھے ہی جیل کی ہوا کھانی پڑتی.... اس سے پہلے بھی بارہا کئی آدمیوں نے ان سے ٹوٹ کر پولیس سے ملنے کی کوشش کی تھی لیکن صرف وہی جیلوں میں نظر آئے تھے مگر وہ بدستور کام کرتا رہا تھا۔"

"گویا.... پولیس بھی اس گروہ سے ملی ہوئی ہے۔"

"پھر اس کے علاوہ اور کیا کہو گے۔"

"تمہیں کسی بڑے آفیسر کے پاس جانا چاہئے تھا۔"

جواب میں راحیلہ نے ایک ہذیانی سا قہقہہ لگایا اور دیر تک ہنستی رہی۔ پھر بولی۔ "کئی بار بڑے بڑے آفیسروں کے پاس جا چکی ہوں اور پوری پوری راتیں گذاری ہیں۔"

"کیا مطلب....!"

"اب تم اتنے ننھے نہیں ہو کہ تمہیں مطلب بھی سمجھایا جائے۔" وہ ناخوشگوار لہجے میں بولی۔

حمید سنبھل گیا شائد اس سے بے خبری میں آفیسر پن کا اظہار ہونے لگا تھا.... وہ سر ہلا کر خاموش ہو گیا۔

"ایک میں ہی نہیں ان کے پاس درجنوں پڑھی لکھی اور حسین لڑکیاں ہیں جنہیں وہ خود ہی آفیسروں کے پاس بھیج دیتے ہیں.... اب بتاؤ.... کیا پھر میں اللہ میاں سے فریاد کرتی۔"

"حمید اس کے اس طنز پر کٹ کر رہ گیا لیکن زبان سے کچھ نہیں نکلنے دیا۔

دفعتاً وہ بہت زیادہ غصے میں نظر آنے لگی اور اس نے دانت پیس کر کہا۔

"چیونٹی بھی ایک دن خطرناک ہو سکتی ہے اب میں تنہا ان کے مقابلہ پر آگئی ہوں۔ خود ہی کچھ بوجھ لوں گی۔ اب تک ان کی لاکھوں روپے کی کوکین نالی میں بہا چکی ہوں.... ابھی تک یہ سب کچھ چوری کرتی رہی ہوں۔ مگر پچھلی رات انہوں نے مجھے دیکھ ہی لیا۔ ظاہر ہے کہ اب میں ان میں واپس نہیں جا سکتی.... ہاں تو لطیفہ دراصل یہ ہوا ہے کہ اب محکمہ سراغ رسانی کو بھی اس گروہ کا علم ہو گیا ہے اور اس کی وجہ میں ہی بنی ہوں۔ کئی دنوں سے میں وہ سارا اسٹاک تباہ کرتی رہی تھی، جو شہر میں تقسیم کے لئے لایا جاتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تین چار دن تک نشہ بازوں کا نشہ اکھڑا رہا.... یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ کوکین بڑے ہی آدمیوں کا نشہ ہے۔ لہٰذا کوئی بڑا آدمی تین چار دن کوکین نہ ملنے پر جھلا گیا اور محکمہ سراغ رسانی کو کھڑکھڑا کر رکھ دیا کہ اس کی موجودگی میں

شہر میں کوکین کی اعلیٰ پیمانے پر تجارت ہو رہی ہے اور محکمے نے آنکھوں پر پٹیاں باندھ رکھی ہیں۔"

"آہا....!" حمید حیرت سے بولا۔ "بڑی خطرناک معلوم ہوتی ہو۔"

"خدا کی قسم بڑی معصوم اور بیوقوف لڑکی تھی۔ صرف فلم آرٹسٹ بننے کا شوق تھا۔ ان لوگوں نے مجھے جہنم کی رقاصہ بننے پر مجبور کر دیا۔ میں تہیہ کر چکی ہوں کہ اس گروہ کو خاک میں ملا دوں گی۔ اس سلسلہ میں رقومات جتنی بھی وصول ہوں سب تمہاری۔ اگر ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھوں تو گولی مار دینا۔ آج کل ویسے بھی گروہ کی ہوا بگڑی ہوئی ہے۔ ہم اس ہیجان میں بڑا شکار کریں گے۔"

"کیوں؟ گروہ کی ہوا کیوں بگڑی ہوئی ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"وہ صرف محکمے کے بلڈانگ سے ہمیشہ خائف رہے ہیں انہیں ہمیشہ ہیڈ کوارٹر سے اس کی ہدایت بھی ملتی رہتی تھی کہ وہ صرف بلڈانگ کی نظروں میں آنے سے بچیں۔"

"بلڈانگ کون....!"

"کرنل فریدی....!"

"ارے باپ رے۔" حمید یک بیک اچھل پڑا اور وہ بے تحاشہ ہنسنے لگی۔

"کیوں کیا ہوا....!"

"کرنل.... فریدی....!" حمید گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔ "اس سے تو میں ہمیشہ چار میل کے فاصلے پر رہتا ہوں۔"

"ارے تم ڈر گئے۔"

"دیکھو.... اگر کرنل فریدی بھی ان لوگوں کے چکر میں ہے تو پھر شائد میں تمہارا ساتھ نہ دے سکوں۔"

"ارے جاؤ بس دھری رہ گئی ساری طراری۔"

"ٹھیک ہے، مگر میں احمق نہیں ہوں...." حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اچھا ایک شرط ہے مجھے مشورے ضرور دو گی لیکن میں تمہارا پابند نہیں ہوں گا۔"

"کیا مطلب....!"

"میں گروہ کا قلع قمع کرنے کے سلسلہ میں وہی کروں گا جو میرا دل چاہے گا۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے تم انہیں بلیک میل کرنے لگو.... مگر میں اس پر تیار نہیں۔ میں تو انہیں جہنم رسید کرنا چاہتی ہوں۔"

"بلیک میلنگ چور اور نکمے کرتے ہوں گے میں ڈاکو ہوں.... سوئٹی.... چھین کر کھانے والا.... میں ان کے ذخیروں پر ڈاکے ڈالوں گا.... مثال کے طور پر اگر تم مجھے ان کے ہیڈ کوارٹر کا پتہ بتا دو۔"

"یہی تو آج تک نہیں معلوم ہو سکا۔ تقسیم کاروں میں سے کوئی بھی نہیں جانتا کہ ہیڈ کوارٹر کہاں ہے۔"

"تب تو تھوڑی محنت بھی کرنی پڑے گی۔" حمید نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

"جس حلقہ میں.... میں تھی.... وہاں کے سارے تقسیم کاروں سے میں واقف ہوں اور اس حلقے کا ذخیرہ بھی میرے علم میں ہے۔"

"چلو تو پھر پہلے وہیں ہاتھ ماریں گے۔" حمید نے کہا۔ "اس کے بعد ہیڈ کوارٹر کی تلاش تو جاری ہی رہے گی۔ میں کہتا ہوں رقومات وہیں جمع ہوتی ہوں گی۔ ارے ہاں.... پچھلی رات تم نے کسی جنگلی سور کا تذکرہ بھی تو کیا تھا۔"

"جنگلی سور گروہ کا نشان ہے۔" لڑکی بولی۔

"اب میرے ذہن میں ایک تجویز ہے۔ ہم لوگ شہر واپس چلیں.... میں تار جام جا رہا ہوں.... وہاں سے تمہارے لئے کچھ ریڈی میڈ کپڑے اور ایک برقعہ لاؤں گا۔ تاکہ تم گروہ کی نظروں سے محفوظ رہ سکو۔ پھر شہر پہنچ کر میں تمہیں بتاؤں گا کہ کتنی شاندار اسکیم ہے میرے ذہن میں.... کھلے عام نکلو گی تم باہر، لیکن کوئی تمہیں پہچان نہ سکے گا۔"

لڑکی نے اس اسکیم کی نوعیت معلوم کرنی چاہی.... لیکن حمید اسے کوئی جواب دیئے بغیر تار جام چلا گیا۔

پٹنے والے

کرنل فریدی آفس پہنچ کر کوٹ اتار رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کیپٹن

حمید کی کال ریسیور کی۔

"کہو.... تمہاری چچی اب کیسی ہیں۔" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"چچی.... کالڑکا....!" حمید نے تصحیح کی اور تھوڑے توقف کے ساتھ بولا۔

"آنکھیں ابھی تک ویسی ہی ہیں.... ویسے آپ یہ نہ سمجھئے گا کہ میں کام سے غافل ہوں، کام تو ایسے سرانجام دیئے ہیں میں نے کہ بڑے بڑوں کو پسینہ آجائے۔"

"خوب.... کیا یہ چچی تمہیں پٹرول پلا رہی ہیں۔"

"آپ مذاق سمجھتے ہیں۔ اچھا بتایئے.... اس گروہ نے شہر کو کتنے حلقوں میں بانٹ رکھا ہے۔"

"مجھے حلقوں کی پرواہ نہیں.... میں سرغنہ کی فکر میں ہوں۔"

"آپ کو فکر نہ ہو، مجھے تو ہے.... خیر.... اچھا! گروہ کا امتیازی نشان کیا ہے۔"

"تمہاری تصویر استعمال کر رہے ہیں وہ لوگ۔"

"کیا مطلب....!"

"وہی جو تم مجھے بتانا چاہتے ہو۔"

"جنگلی سور....!"

"میں نے غلط تو نہیں کہا تھا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اچھا تو میں نے، جو معلومات حاصل کی ہیں وہ سب فضول ہیں۔"

"میں یہ کب کہتا ہوں.... ویسے تم اپنی چچی کے متعلق زیادہ سے زیادہ گفتگو کرو۔"

"کیا مطلب....!"

"میرا خیال ہے کہ آج کل پھر تمہارے سر پر چھپکلی کا سایہ ہو گیا ہے۔ ہوشیار رہنا ہاں تو تمہاری چچی۔"

"چچی کی ایسی کی تیسی آخر آپ کھل کر گفتگو کیوں نہیں کرتے۔"

"چچی کے ساتھ ایک ہفتہ گذار کر واپس آجاؤ پھر میں بہت زیادہ کھل کر گفتگو کروں گا.... ہاں آتے وقت انکے لڑکے کو سمندر ہی میں پھینکتے آنا.... ورنہ وہ تم دونوں کی زندگی تلخ کر دے گا۔"

"آہا سمجھا...." حمید کا لہجہ ناخوشگوار تھا۔ "آپ اب میری بھی نگرانی کرانے لگے ہیں۔"

"خود ہی تم نے اگل دی سچی بات.... نہیں میرے پاس اتنے فالتو آدمی نہیں ہیں کہ تم جیسے

مردھوں کی نگرانی کراتا پھروں.... وہ لڑکی کون ہے۔"

"آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہیں۔ اب کیا مجھے اتنا بھی حق نہیں ہے کہ میں ایک آدھ ہفتے کی چھٹی لے سکوں۔ میری کئی ماہ کی چھٹیاں ڈیو....!"

"تمہاری کوئی چھٹی ڈیو نہیں ہے۔ ساری چھٹیاں تاریک وادی کے سفر میں کام آگئی تھیں۔"

"شام تک تمہاری واپسی ضروری ہے۔ مگر تمہیں جنگلی سور کے متعلق کیسے علم ہوا۔"

"چچی....!"

"میرا خیال غلط نہیں تھا۔ اسی گروہ کی کوئی لڑکی تم سے آٹکرائی ہے.... یا پھر ہو سکتا ہے وہ تمہاری چھپکلی کا کوئی دوسرا روپ ہو.... بہر حال تمہیں شام تک یہاں پہنچنا ہے۔"

"کوشش کروں گا....!"

فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ ابھی اسے رمیش کی کال کا بھی انتظار تھا۔ لیکن جب دس منٹ تک فون خاموش ہی رہا تو اس نے آج کا کام سمیٹ لیا۔

امر سنگھ اپنی ڈسک پر بیٹھا سر جھکائے چمڑے کے تھیلوں میں کاغذات رکھ کر انہیں سیل کرتا جا رہا تھا۔

دفعتاً فریدی کی میز پر رکھے ہوئے ایک انسٹرومنٹ کا بزر چیخ پڑا۔

اس نے ریسیور اٹھا کر کہا۔ "یس سر۔"

اس انسٹرومنٹ پر صرف ڈی۔ آئی۔ جی اس سے گفتگو کرتا تھا۔

"کیوں بھئی منشیات والے کیس میں کیا ہو رہا ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"یہ کیس ایسا نہیں ہے.... جیسا سمجھا جا رہا ہے جناب۔"

"یعنی....!"

"ہر اسٹیشن کا انچارج جانتا ہے کہ اس کے حلقے میں کہاں اور کن لوگوں کے ذریعہ کاروبار ہو رہا ہے۔"

"تمہیں یقین ہے....!"

"جی ہاں آپ کو بھی یقین ہی ہونا چاہئے۔ اس قسم کے کاروبار ہمارے ہی سائے میں پھولتے پھلتے ہیں۔ یہ معاملہ خواہ مخواہ ہمیں ریفر کیا گیا ہے.... ویسے کیا میں یہ پوچھنے کی جرأت کر سکتا

ہوں کہ اس کی شکایت کس نے کی تھی۔"

"یہ کونفیڈنشل ہے.... لیکن تم اسے عام شکایت بھی سمجھ سکتے ہو۔"

"تو کیا میں اس کے لئے کام کرتا رہوں۔" فریدی نے پوچھا۔

"قطعی....!" ڈی آئی جی نے کہا۔ "اور مجھے حالات سے آگاہ کرتے رہو۔"

"اس کے لئے میں معافی چاہتا ہوں کیونکہ فی الحال خود ہماری ہی نگرانی کی جارہی ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"جب سے یہ کیس ہمارے پاس آیا ہے۔ وہ لوگ بہت زیادہ محتاط ہوگئے ہیں اور کیوں نہ ہو جائیں جب کہ وہ ہمارے ہی سائے میں پلتے رہے ہیں۔ میرے کتے بھی میری ہی طرح بے حد سنجیدہ واقع ہوتے ہیں جناب۔"

"تم ہمیشہ سنسنی خیز خبریں سناتے ہو۔"

"کیا کروں جناب.... میرا مقدر ہی ایسا ہے۔"

"خیر اس کے لئے جلد ہی کچھ کرنا ہے۔"

"کوشش کر رہا ہوں۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہوگیا۔ فریدی نے پھر فائل پر نظریں جمادیں۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد پھر فون کی گھنٹی بجی۔

دوسری طرف سے رمیش بول رہا تھا۔

"لائبر ایک اسپینی ہے۔ ڈکسن والوں سے پہلے وہ جیمسن اینڈ بارٹلے میں کام کرتا تھا۔ اس کا ریکارڈ اچھا نہیں ہے جناب! جیمس اینڈ بارٹلے سے اس کا اخراج غبن کے سلسلہ میں ہوا تھا وہ وہاں اسسٹنٹ منیجر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں اس کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کی گئی تھی.... بس اتنا ہی ہوا تھا کہ اسے ملازمت سے سبکدوش کر دیا گیا تھا جس کی خواہش خود اسی نے کی تھی۔ ورنہ شائد وہ اس کے باوجود بھی وہیں کام کرتا رہتا۔"

"اور کوئی خاص بات۔"

"اور تو کچھ نہیں ہے۔"

"موجودہ فرم کے مالکان کا رویہ اس کے ساتھ کیسا ہے اور اس کا اسٹاف اس کے بارے میں

کیسی رائے رکھتا ہے۔"

"اس کے بارے میں تو میں نے کچھ نہیں معلوم کیا۔"

"تمہاری رپورٹ نامکمل ہے رمیش....!" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "دوبارہ کوشش کرو۔"

سلسلہ منقطع کر کے اس نے امر سنگھ سے کہا۔ "ذرا ٹیلی فون ڈائریکٹری میں جیمس اینڈ بارٹلے کے نمبر تلاش کرو۔"

امر سنگھ ڈائریکٹری کے اوراق الٹنے لگا اور فریدی نے کوتوالی کے نمبر ڈائیل کئے۔ وہ کوتوالی انچارج انسپکٹر جگدیش سے رابطہ قائم کرنا چاہتا تھا۔

"ہیلو....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"انسپکٹر جگدیش پلیز....!"

"ہولڈ آن کیجئے۔"

تقریباً ایک منٹ کے بعد اس نے جگدیش کی آواز سنی۔

"فریدی اسپیکنگ! رمیش کیا تم پیٹر ڈکسن کے جنرل منیجر لائبر کو جانتے ہو۔"

"اسے کوئی نہیں جانتا کرنل صاحب۔ وہ تو ہمارے لئے مستقل دردسر بن کر رہ گیا ہے۔"

"کیوں....؟"

"آئی جی صاحب سے اس کے دوستانہ تعلقات ہیں۔ اس لئے وہ کوتوالی کو اپنی سسرال سمجھتا ہے۔ ایسی ایسی حرکتیں کرتا ہے کہ بس....!"

"مثلاً....!"

"ابھی دو تین ماہ پہلے کی بات ہے کہ یک بیک اسے شہر بھر کے بدمعاشوں کو پٹوانے کا خبط ہوگیا تھا۔ وہ کوتوالی میں پکڑ لائے جاتے تھے۔ دو تین دن ان کی مرمت ہوتی تھی اور پھر خود ہی انہیں چھڑوا بھی دیتا تھا۔"

"ان بدمعاشوں میں سے ایک آدھ کا نام اور پتہ ضرور بتاؤ۔"

"ذرا دو منٹ توقف فرمایئے۔" جگدیش نے کہا اور دوسری طرف سے آواز آنی بند ہوگئی۔

فریدی ریسیور کان سے لگائے بیٹھا بائیں ہاتھ سے فائل کے اوراق الٹتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد جگدیش نے اسے دو چار نام نوٹ کرائے اور فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

پھر امر سنگھ نے اسے جیمس اینڈ بار ٹلے کے نمبر بتائے۔

لیکن فریدی نے اس کے نمبر ڈائیل نہیں کیے۔ وہ اٹھ کر کوٹ پہن رہا تھا۔

"میری ساری کالیں احتیاط سے نوٹ کرنا۔" اس نے کمرے سے نکلتے وقت امر سنگھ سے کہا۔

تھوڑی دیر بعد اس کی کار پارکنگ شڈ سے نکل رہی تھی.... گیارہ بج چکے تھے اور گرمی بہت شدید تھی۔ مگر ایئر کنڈیشنڈ لنکن جنت کا نمونہ بنی ہوئی تھی۔ اس گاڑی کے متعلق حمید کا خیال تھا کہ یہ قیلولہ کے لئے بہترین ہے۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد اس کی کار بندرگاہ کے علاقہ میں داخل ہوئی۔ سنگ سنگ بار کی طرف بڑھتی رہی۔ سنگ سنگ بار ایک زمانے میں کسی غیر ملکی کی ملکیت تھا۔ لیکن چونکہ یہ علاقہ اچھا نہیں تھا۔ اس لئے وہ اسے چلا نہیں سکا تھا۔ یہاں زیادہ تر بدمعاش قسم کے لوگ آباد تھے۔ لہٰذا اسے ہر ماہ ہزاروں کی ادھار شراب دینی پڑتی تھی، لیکن پھر وہ چوتھائی رقم بھی نہیں وصول کر پاتا تھا۔ اس لئے کچھ دنوں بعد اس نے اسے ایک مقامی بدمعاش کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا اور آج کل وہ اس کی ملکیت تھی.... فریدی اس سے اچھی طرح واقف تھا اور ہو سکتا ہے وہ بھی فریدی کو جانتا رہا ہو.... اس کا نام ڈگبی تھا۔

فریدی نے سنگ سنگ بار کے سامنے گاڑی روک دی اور اتر کر اندر آیا.... کاؤنٹر پر ڈگبی موجود تھا۔ مگر فریدی کو اس کے رویہ پر بڑی حیرت ہوئی۔ کوئی دوسرا موقعہ ہوتا تو فریدی کو دیکھ کر شائد ڈگبی کے ہاتھ سے وہ بوتل چھوٹ پڑتی جسے وہ کاؤنٹر سے اٹھا کر ریک میں رکھ رہا تھا.... مگر اس وقت ایسا نہیں ہوا.... اس وقت وہ فریدی کو ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے اس سے اپنی بار میں قدم رکھنے کی وجہ بڑے سخت الفاظ میں پوچھے گا۔

"مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔" فریدی نے کاؤنٹر پر پہنچ کر کہا۔

"مجھے اس وقت فرصت نہیں ہے.... پھر کبھی آیئے گا۔" ڈگبی کے لہجے میں بڑی لاپروائی تھی۔

"لیکن مجھے صرف اسی وقت فرصت ہے۔"

"وہ زمانے لد گئے کرنل صاحب.... اگر آپ زبردستی کریں گے تو بات بڑھ جائے گی۔"

فریدی نے پلٹ کر دیکھا.... ہال خالی پڑا تھا.... اس چلچلاتی دھوپ میں کون پینے آتا۔ ڈگبی خود ہی سرو کر رہا تھا۔ بیرے بھی نہیں تھے۔

"ادھر آؤ....!" فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"آپ پچھتائیں گے۔"

فریدی نے اس کا گریبان پکڑ کر جھٹکا دیا اور وہ منہ کے بل کاؤنٹر پر چلا آیا۔ پھر اس کی پشت پر پڑنے والا گھونسہ ایسا ہی تھا کہ وہ بلبلا کر رہ گیا۔

فریدی نے اسے کاؤنٹر سے کھینچ کر ایک گھونسہ اس کی ٹھوڑی پر بھی رسید کر دیا اور وہ ایک بھاری بھرکم جسم رکھنے کے باوجود بھی سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا۔

"اب اگر تم یہاں بھیڑ ہی اکٹھا کرانا چاہتے ہو تو دوسری بات ہے۔" فریدی کا لہجہ پرسکون تھا۔

"پچھتانا پڑے گا.... پچھتانا پڑے گا۔" ڈگبی ہانپتا ہوا بولا۔

"سنو بیٹے! تم جس کیلئے کوکین کی ناجائز تجارت کر رہے ہو وہ کم از کم فریدی کو نہیں خرید سکتا۔"

"یہ غلط ہے.... میں کوکین کی تجارت نہیں کرتا۔" وہ ہانپتا ہوا بولا۔

"دروازہ بند کر دو۔" فریدی نے صدر دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"آپ مجھے مجبور نہیں کر سکتے۔"

"لیکن تمہیں یہیں دفن ضرور کر سکتا ہوں۔"

دفعتاً کاؤنٹر پر رکھی ہوئے فون کی گھنٹی بجی۔ ڈگبی نے آگے بڑھنا چاہا.... "وہیں ٹھہرو...." فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور خود کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔

"آپ حد سے بڑھتے جا رہے ہیں۔" ڈگبی دانت پیس کر بولا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی کا ریوالور بھی نکل آیا جس کا رخ ڈگبی کی طرف تھا۔

پھر اس نے ریسیور اٹھا لیا اور ایسی بھرائی ہوئی آواز میں "ہیلو" کہی جیسے شدید ترین کام کی وجہ سے گلا پڑ گیا ہو۔

"کون ہے؟" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ڈگبی....!"

"تمہاری آواز کو کیا ہوا ہے۔"

"میں بیمار ہوں جناب۔"

"خیر.... دیکھو.... کیا تمہارے پاس کچھ اسٹاک ہے؟"

"ہے تو جناب۔"

"اسے فوراً کسی گٹر میں بہادو... ہوسکتا ہے کہ فریدی تمہارے بار میں پہنچ کر تلاشی لے بیٹھے۔"

"میں اتنا گدھا نہیں ہوں جناب کہ بار میں کچھ رکھوں۔"

"ٹھیک ہے۔ اگر فریدی آ ہی جائے تو اس کی گیدڑ بھبکیوں میں ہرگز نہ آنا۔"

"نہیں! آپ جو ہیں.... مجھے بالکل اطمینان ہے۔"

"دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہوگیا اور فریدی نے ریوالور جیب میں ڈال لیا۔"

"کیوں ڈگبی.... اسٹاک کہاں ہے۔"

"کیسا اسٹاک....!"

"کوکین کا....!"

"آپ خواہ مخواہ وہم میں مبتلا ہوگئے ہیں۔"

"سنو جب تمہیں سڑے گلے آدمی کو توالی میں پٹوا کر کوکین کی ناجائز تجارت پر مجبور کرسکتے ہیں تو پھر تم مجھے تو جانتے ہی ہو۔"

ڈگبی اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

پھر فریدی نے اسے صدر دروازے کی طرف جاتے دیکھا۔ لیکن اس کے انداز سے ایسا نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ بھاگنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

اس نے صدر دروازہ بند کیا اور پھر فریدی کی طرف پلٹ آیا۔

"بیٹھئے....!" اس نے مضمحل آواز میں کہا۔

"تم بیٹھ جاؤ۔ میں یونہی ٹھیک ہوں....!" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ کوتوالی میں مجھے کس نے پٹوایا تھا۔"

"کیا تم نہیں جانتے؟"

"کاش جانتا ہوتا۔"

"لیکن میں تمہیں جانتا ہوں۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔ "اور یہ بھی مانتا ہوں کہ اگر تم اس کی شخصیت سے واقف ہوگئے تو اسے قتل کئے بغیر نہیں مانو گے۔"

ڈگبی کچھ نہ بولا۔ خاموش کھڑا اپنا نچلا ہونٹ چباتا رہا۔

"کیا تم مجھے بتاؤ گے کہ اس نے تمہیں اس گندے بزنس پر کیسے آمادہ کیا تھا۔"

"میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔ صرف فون پر گفتگو کرتا ہے۔ آج سے دو ماہ پہلے اس نے مجھے فون پر مخاطب کیا تھا۔ کہا تھا کہ اگر وہ چاہے تو مجھے دو چار دن حوالات میں رکھوا کر میری اچھی خاصی مرمت کروا سکتا ہے۔ میں نے اسے گندی گندی گالیاں سنائی تھیں اور پھر سچ مچ دوسرے ہی دن مجھے کوتوالی میں پکڑ بلوایا گیا۔ تین چار دن حوالات میں بند رہا۔ برابر مار پڑتی رہی پھر چھوڑ دیا گیا۔ اسی شام کو پھر فون پر اس نامعلوم آدمی نے مجھے مخاطب کر کے کوکین کے کاروبار کی تجویز پیش کی اور کہا اگر میں نے اس کے مشورے پر عمل نہ کیا تو اسی طرح آئے دن پٹتا رہوں گا۔ جس کی نہ داد ہوگی اور نہ فریاد۔ میں نے چپ چاپ اس کی تجویز مان لی۔"

"تمہیں اسٹاک کیسے ملتا ہے۔"

"کٹالی کے میدان میں ایک جگہ ہے جہاں پیکٹ رکھے ہوئے ملتے ہیں اور وہیں میں پچھلے اسٹاک کی قیمت اپنا کمیشن کاٹ کر رکھ دیتا ہوں۔"

"وہاں کوئی موجود نہیں ہوتا۔"

"جی نہیں....!"

"کاروبار جاری رکھو! خبردار اس سے یہ نہ بتانا کہ میں یہاں آیا تھا۔"

"بہت بہتر جناب.... لیکن خدارا مجھے اس کا نام بتا دیجئے۔ خواہ مخواہ سالے نے مجھے جنجال میں پھنسا دیا ہے۔ آپ صرف اس کا نام اور پتہ تا دیجئے پھر میں آپ کو ایک تاریخ دے دوں گا۔ اسی تاریخ کو وہاں آکر اس کی لاش اٹھوا لیجئے گا اور میں بھی وہیں موجود رہوں گا۔ اگر بھاگ جاؤں تو اپنے باپ کے نطفے سے نہیں۔"

"جلد بازی کی ضرورت نہیں....!" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"کیا میں اسٹاک آپ کے حوالے کردوں۔"

"نہیں.... اسے گٹر ہی میں بہادو.... دوسرا اسٹاک ہرگز نہ اٹھانا.... اس سے یہی کہتے رہو کہ فریدی کے آدمی میرے پیچھے ہیں۔"

"بہت بہتر جناب۔"

تفتیش و تفریح

ماڈل ٹاؤن کی گھنی آبادی سے دور ایک چھوٹی سی عمارت تھی جس کا نام شاٹو تھا۔ یہ عمو
ہی پڑی رہا کرتی تھی۔ اس کی دیکھ بھال کے لئے کوئی چوکیدار بھی نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی کبھی
اس کی کھڑکیاں اندھیری راتوں میں روشن نظر آیا کرتی تھیں۔

• یہ وہی مواقع ہوتے تھے جب کرنل فریدی کو کسی پیچیدہ کیس کے سلسلہ میں میک اپ
سہارا لینا پڑتا تھا.... اس کی ایک کنجی کیپٹن حمید کے پرس میں بھی ہمیشہ پڑی رہتی تھی۔

ماڈل ٹاؤن شہری بستی سے الگ تھلگ آباد تھا اور یہاں اونچے ہی طبقے کے لوگ آباد
اس لئے کسی کو پرواہ بھی نہیں ہوتی تھی کہ شاٹو میں کون آیا اور کون گیا۔ ہو سکتا ہے پڑوی
سمجھتے رہے ہوں کہ وہ کسی عیاش طبع رئیس کی آرام گاہ رہی ہو، جہاں وہ دو چار دن گذارنے
لئے کبھی کبھی آجاتا ہو۔

حمید راحیلہ کو شاٹو میں لایا۔ وہ برقعے میں تھی.... اور کار کے پچھلے حصے پر ایک بہت بڑا
سے لکھا ہوا پوسٹر چپکا ہوا تھا۔ جس پر تحریر تھا۔

آپ کے ووٹ کے مستحق!

الحاج شیخ نتھو مدظلہ العالی!

جنہوں نے چالیس سال برگد کے درخت سے الٹے لٹک کر عبادت کی ہے۔

ان دنوں میونسپل الیکشن کے سلسلہ میں کنوینگ کا بڑا زور تھا.... پولنگ ہونے میں
ہفتہ باقی تھا۔ اس لئے حمید نے سوچا کہ اس قسم کا کوئی پوسٹر یقینی طور پر چلے گا۔

پوسٹر چپکانے کی ضرورت یوں پیش آئی تھی کہ گاڑی کے پچھلے حصے میں گولیوں نے سور
کر دیئے تھے۔ لہٰذا وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی کو ذرہ برابر بھی شبہ کرنے کا موقع مل سکے۔ فی الحال
سوراخوں کو چھپانے کا بہترین طریقہ یہی ہو سکتا تھا کہ وہ وہاں ایک بڑا سا پوسٹر چپکا دیتا.... راحیلہ
پوسٹر دیکھ کر بہت ہنسی تھی اور کہا تھا "واقعی تم بہت چالاک آدمی معلوم ہوتے ہو۔"

شاٹو میں پہنچ کر راحیلہ بے حد مطمئن نظر آنے لگی تھی۔

"یہ مکان تمہارا ہی ہے۔" اس نے حمید سے پوچھا۔

"یاد نہیں! اتنے مکان ہیں اس شہر میں کہ بعض اوقات ایک کی کنجی دوسرے کے قفل میں لگانے کی کوشش میں بڑا وقت برباد ہو جاتا ہے۔"

"تو تمہارا کاروبار شاندار چل رہا ہے.... مگر کیا یہ زندگی تمہیں سچی خوشی دے سکی ہے۔"

"اگر نہیں دے سکی، تب بھی میرا کیا بگڑا ہے۔"

"کیا تمہیں کبھی سچی خوشی کی خواہش نہیں ہوتی۔"

"میں سچی اور جھوٹی خوشی میں امتیاز نہیں کر سکتا اس لئے یہ بات یہیں ختم کرو۔"

"تمہارا ضمیر مردہ ہو چکا ہے۔"

"میں تمہیں اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دوں گا۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "کیا تم اس لئے میرے ساتھ آئی ہو کہ مجھے فرشتہ بنانے کی کوشش کرو۔"

"میں کوشش کروں گی۔" راحیلہ مسکرائی۔

حمید چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر بولا۔ شرافت اور انسانیت پر میں بھی گھنٹوں دوسروں کو بور کر سکتا ہوں کیونکہ آرام کرسی پر لیٹ کر بکواس کرنے میں ذرہ برابر بھی محنت نہیں صرف ہوتی.... مگر میں اسے بہتر سمجھتا ہوں کہ شرافت اور انسانیت پر لکچر دینے کی بجائے کسی کا گلا گھونٹ کہ اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنی بکواس سے نجات دلا دوں.... یہ واقعی ایک اچھا اور ثواب کا کام ہوگا....!

"خیر.... خیر.... ختم کرو.... اب ہمیں کیا کرنا ہے....!" راحیلہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔

"فی الحال تو میں صبر کرنے کا مشورہ دوں گا کیونکہ تھوڑی دیر آرام کرنا چاہتا ہوں اس کے بعد.... پھر تم خود کو نہ پہچان سکو گی۔"

"کیا مطلب....!"

"میک اپ.... یہی ایک صورت رہ جاتی ہے! ورنہ تمہیں برقعہ ہی میں بسر کرنی پڑے گی۔"

"تمہیں میک اپ کرنا آتا ہے۔" راحیلہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یقیناً.... میں خود کو اس کا ماہر سمجھتا ہوں۔"

"تم کتنی چیزوں کے ماہر ہو۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ آئندہ کے لئے پروگرام پر غور کر رہا تھا۔

فریدی اپنے محکمہ کے ڈی۔ آئی۔ جی کو آج کی رپورٹ دے رہا تھا اور ڈی آئی جی ایسے انداز میں بیٹھا سن رہا تھا جیسے اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آرہا ہو۔ فریدی سمجھا وہ پیش آنے والے واقعات پر متحیر ہے، لیکن جب وہ خاموش ہوا تو ڈی۔ آئی۔ جی نے طویل سانس لے کر کہا۔ "مجھے حیرت ہے کہ آخر تم رپورٹ کیوں دے رہے ہو۔ آج یہ تم سے ایسی غلطی کیوں سرزد ہو رہی ہے۔"

"مجبوری ہے جناب! جب مجرموں کو میرے ہر اقدام کی اطلاع ہو جاتی ہے تو پھر میں اپنے آفیسروں ہی کو کیوں ناخوش کروں۔ اب یہی دیکھ لیجئے کہ میں جگدیش سے لائبر کے متعلق تھوڑی سی پوچھ گچھ کی تھی۔ اس کا بھی علم انہیں ہو گیا۔"

"مجھے حیرت ہے کہ لائبر آئی۔ جی۔ پی کا دوست ہے۔"

"حیرت کی کیا بات ہے جناب! میں اس کے بارے میں چھان بین کر چکا ہوں۔ آئی۔ جی صاحب کو شائد علم ہی نہ ہو کہ لائبر ان کی دوستی کی آڑ میں کیا کرتا پھر رہا ہے۔ یہ سب کچھ تو دراصل چھوٹے آفیسروں کے ذریعہ ہو رہا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ لائبر آئی۔ جی کے گہرے دوستوں میں سے ہے۔ اس لئے وہ اس کی کوئی فرمائش نہیں ٹالتے.... اور دوسری طرف لائبر ان کے لئے بہت کچھ کرتا رہتا ہے۔ کسی کو چھٹی کی ضرورت ہے لائبر اس کی سفارش کر رہا ہے۔ کسی کی ترقی رکی ہوئی ہے، لائبر کوشش کر رہا ہے کہ اس کی ترقی ہو جائے۔ کوئی تبادلے کا خواہشمند ہے اور لائبر ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے کہ اس کا تبادلہ ہو جائے۔ خود ڈی۔ ایس۔ پی سٹی اس کا مرہون منت ہے۔ کیونکہ لائبر ہی کی سفارش کی بناء پر اسے ڈی۔ ایس۔ پی سٹی بنایا گیا تھا۔ اب اگر وہ اس سے کہتا کہ شہر کے فلاں فلاں بدمعاشوں کو بلا کر پٹوا دو تو بھلا اسے کیونکر انکار ہو سکتا ہے.... لیکن ڈی۔ ایس۔ پی سٹی اصل مقصد سے ناواقف ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ لائبر انہیں کیوں پٹوا رہا ہے۔"

"کمال ہے....!" ڈی۔ آئی۔ جی گردن ہلا کر رہ گیا۔

"اس تنظیم کی پشت پر کوئی ماسٹر مائنڈ ہے۔"

"تو تمہارا خیال ہے کہ لائبر ہی آخری آدمی نہیں ہے۔"

"جی ہاں.... میں یہی سوچ رہا ہوں۔"

"آخر کس بناء پر....!"

"آخری آدمی اس طرح کھل کر سامنے نہیں آسکتا۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "بہت ہی معمولی سی تفتیش لائبر کی گردن پھنسانے کے لئے کافی ہو سکتی ہے، مثال کے طور پر میں نے جگدیش سے معلوم کیا کہ کچھ دنوں پہلے لائبر نے شہر کے بعض بدمعاشوں کی مرمت کرائی تھی۔ میں نے ان میں سے ایک کو جالیا حالانکہ اسے معلوم نہیں تھا کہ لائبر نے اسے پٹوایا تھا لیکن جب اس نے اپنی روداد دہرائی تو میں بہ آسانی اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ لائبر ہی اس غیر قانونی تجارت کی پشت پر ہو سکتا ہے۔"

ڈی۔ آئی۔ جی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر سر ہلا کر بولا۔ "ٹھیک کہتے ہو۔"

"اب مجھے لائبر سے بھی اس مسئلے پر گفتگو کرنی پڑے گی۔" فریدی نے کہا۔

"اس سے کیا فائدہ ہوگا؟ میرا خیال ہے کہ تم اسے اس کے حال ہی پر چھوڑ دو۔ اگر تم یکلخت لائبر تک جا پہنچے تو تمہیں اصل ملزم تک پہنچنے میں دشواری ہوگی۔"

"یہ بھی درست ہی ہو سکتا ہے۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"مگر یہ لائبر پہلے جیمس اینڈ بارٹلے میں کام کرتا تھا۔" ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔ وہاں سے غبن کے سلسلہ میں الگ کر دیا گیا تھا۔ رقم بھی شائد لمبی تھی لیکن فرم نے اس کے خلاف کوئی قانونی کاروائی نہیں کی تھی اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔"

"یہ بھی میرے لئے ایک اہم سوال ہے۔" فریدی نے کہا۔

"میرا خیال تو یہی ہے کہ تم اپنی تفتیش کا آغاز جیمس اینڈ بارٹلے کی فرم ہی سے کرو۔"

"جی ہاں.... یہ بھی میرے پروگرام میں شامل ہے۔"

تقریباً تین بجے فریدی جیمس اینڈ بارٹلے کے دفتر پہنچا.... جنرل منیجر نے متحیرانہ انداز میں اس کا استقبال کیا۔ کسی بھی تجارتی ادارے میں کرنل فریدی کی آمد ایسی نہیں ہوتی تھی جسے نظر انداز کیا جا سکتا۔ کیونکہ یہ اس دور کی کہانی ہے جب بلیک مارکیٹنگ اور غیر ملکی زرمبادلہ کی اسمگلنگ بہت زوروں پر ہو رہی تھی۔

"فرمایئے.... جناب.... میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔" جنرل منیجر نے مضطربانہ

انداز میں ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"لائبر.... آپ کی فرم سے کب اور کن حالات میں علیحدہ ہوا تھا۔"

"اوہ....!" جنرل منیجر نے ایک طویل سانس لی اور اس کے چہرے پر اطمینان کی لہریں سی آئیں۔ "لائبر...." اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ایک لمبی رقم اور کچھ زیورات کے غبن کے سلسلے میں علیحدہ ہو گیا تھا۔"

اور پھر وہ استفہامیہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"لائبر کے خلاف کوئی قانونی کاروائی کی گئی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی نہیں.... بات دراصل یہ ہے صاحب کہ اس فرم کی بدنامی کا اندیشہ تھا، ہماری زیر جائیداد اور زیورات رہن رکھ کر قرض بھی دیتی ہے۔ ہمارے اس بزنس پر بُرا اثر پڑنے کا اندیشہ تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر اس کے خلاف قانونی کاروائی کی جاتی تو اس واقعہ کی شہرت ہونی لازمی تھی۔ ہمارے یہاں رہن کے زیورات اور جواہرات زیادہ آتے ہیں۔ آپ خود خیال فرمائیے کہ بزنس پر کتنا بُرا اثر پڑتا۔"

"اس نے کچھ واپس بھی کیا تھا یا نہیں۔"

"نہیں جناب! وہ تو اخیر تک لاعلمی ظاہر کرتا رہا تھا۔"

"مگر یہ غبن کس نوعیت کا تھا اور کیسے ہوا تھا۔"

"لائبر اسی سکشن کا انچارج تھا جس کے ذمہ رہن اور قرض کا کاروبار ہے۔ اکثر قرض خواہ نقدی کی شکل میں بھی ادائیگی کرتے ہیں، یعنی چیک نہیں دیتے وہ روپیہ لائبر ہی کی تحویل میں رہتا تھا اور زیورات بھی وہی اسٹرونگ روم میں پہنچاتا تھا۔ جو رہن کے لئے آتے تھے۔ اس دن کچھ زیورات بھی آئے تھے۔ اس کا بیان ہے کہ وہ رقم اور زیورات کو سیف میں بند کر کے لنچ کے لئے اٹھ گیا تھا جب لنچ کر کے واپس آیا تو سیف کھلا ہوا ملا۔ زیورات اور نقدی غائب تھی۔"

"تب پھر آپ کو چوری کی رپورٹ درج کرانی چاہئے تھی۔"

"ذرا سوچئے تو جناب! کیا اس کا اور زیادہ بُرا اثر ہمارے بزنس پر نہ پڑتا۔ یہ ہماری فرم میں اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ تھا۔ کسی ایسی فرم سے معاملات کرنے پر کون تیار ہوگا جس کی سیف کے تالے ٹوٹ جاتے ہوں.... جہاں چیزیں غیر محفوظ ہوں۔"

"لیکن.... آپ نے اسے کس طرح بہلایا جس کے زیورات تھے۔"

"میرے خدا....!" منیجر نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "فرم کو ایک بہت بڑے خسارے کا سامنا کرنا پڑا تھا جناب.... ہم عموماً زیورات کی قیمت کا اندازہ کر کے اس کی نصف رقم بطور قرض دیتے ہیں اور جب وہ رقم مع سود ادا کر دی جاتی ہے تو زیورات واپس کر دیئے جاتے ہیں اور رہن رکھنے والے لوگ رکھتے ہیں، جو زیورات کو فروخت نہیں کرنا چاہتے۔ لیکن اگر کسی چیز کی دوگنی قیمت آپ لگا دیں تو میں اسے حماقت ہی سمجھوں گا اگر وہ چیز آپ کے ہاتھ فروخت نہ کر دوں....!"

"میں نہیں سمجھا....!"

"زیورات کی قیمت سے دوگنی رقم دے کر رہن رکھنے والے کو خاموش کر دیا گیا تھا۔ کسی جھوٹ کو نبھانے کے لئے مزید جھوٹ بولنے پڑتے ہیں اس کا اندازہ اسی وقت ہوا تھا.... ظاہر ہے کہ اگر اسے اس غبن یا چوری کا حال معلوم ہو جاتا تو وہ دس گنی قیمت لینے پر بھی تیار نہ ہوتا۔"

"پھر آپ نے اس سے کیا کہا تھا۔" فریدی نے دلچسپی ظاہر کی۔

"اف فوہ! کیا عرض کروں جناب۔" وہ جھینپے ہوئے انداز میں بولا۔ "آج بھی سوچ کر شرم آتی ہے۔ میں اس شریف آدمی کے سامنے گڑگڑایا کہ اس کے زیورات میری محبوبہ کو پسند آگئے ہیں اور میں انہیں دوگنی قیمت پر بھی خرید سکتا ہوں۔ وہ تیار ہو گیا تھا.... مگر.... میرا خیال ہے کہ لائبر نے اب پیٹرڈکسن والوں سے بھی کوئی فراڈ کیا ہے۔"

فریدی نے اس کے اس خیال کی تائید یا تردید نہیں کی۔ اس نے کہا۔ "کیا لائبر اپنے ماتحتوں کے لئے سخت گیر آدمی تھا۔"

"یقیناً تھا جناب! آئے دن اس سلسلہ میں اس کی شکایات آتی رہتی تھیں۔"

"اچھا شکریہ۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا اور جنرل منیجر کو متحیر ہی چھوڑ گیا۔

❁

"زیبو! تم مجھے یہاں تنہا چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔" راحیلہ نے حمید سے کہا۔

"کیوں؟" حمید غصیلے انداز میں اس کی طرف مڑا۔

"مجھے خوف ہے۔"

"مجھے اُلو بنانے کی کوشش نہ کرو۔" حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ "میں ویسے ہی آج کل خود کو بالکل

چغد محسوس کر رہا ہوں۔ جن لڑکیوں کو خوف محسوس ہوتا ہے وہ پرس میں پستول نہیں رکھا کرتیں اور پھر ایسا پستول جس کا لائسنس نہ ہو۔"

"تم مجھے تنہا چھوڑ کر کیوں جا رہے ہو....!"

"نوکری کرنے جان من....!" حمید جلے کٹے لہجے میں بولا۔ "پردیس سے کما کر بھیجوں نہیں تو تم کھاؤ گی کیا۔"

"بے تکی بکواس مت کرو! میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "اچھا چلو! لیکن ٹھہرو.... پہلے تمہارے چہرے کی مرمت کرنی پڑے گی۔"

حمید اسے میک اپ کے بغیر باہر نہیں نکالنا چاہتا تھا۔ میک اپ ہو جانے کے بعد اس نے آئینہ میں اپنی شکل دیکھی اور خوشی کے مارے چیخ پڑی۔

"ارے اب تو میں ہی خود کو نہیں پہچان سکتی۔ زیٹو ڈیئر.... واقعی تم بڑے شاندار آدمی ہو۔"

"صرف زیٹو! ڈیئر نہیں۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ "مجھے صرف وہی لڑکی ڈیئر کہہ سکتی ہے جسے کبھی چھینکیں نہ آتی ہوں۔"

"کیا مطلب....!"

"تم چھینکوں کا مطلب نہیں سمجھتیں! یہ بہت اچھا ہوا کہ تمہیں پچھلی رات سے اب تک چھینک نہیں آئی۔ ورنہ میں تمہیں ایک سیکنڈ کے لئے بھی برداشت نہ کر سکتا۔"

"تم سنکی اور جھکی ہو...." راحیلہ جھلا گئی۔

"تم مجھے فاتر العقل اور دیوانہ بھی کہہ سکتی ہو۔ میں بُرا نہ مانوں گا۔ لیکن میرے سامنے چھینک کر دیکھو، میں تمہاری شکل تک دیکھنا گوارا نہ کروں گا۔ مجھے شوق سے گالیاں دو! میں کان بند کر سنوں گا.... لیکن اگر تم کبھی چھینکیں میرے سامنے....!"

"بیکار کان نہ کھاؤ.... میں یونہی بہت پریشان ہوں۔"

"یہ بہت ہی سنجیدہ مسئلہ ہے.... میں نے تمہیں ایک خطرے سے آگاہ کر دیا۔ اگر میں تمہیں چھوڑ کر بھاگ جاؤں تو پھر یہ نہ کہنا کہ میں نے تمہیں دھوکہ دیا.... کسی لڑکی کی چھینک میں بہت بڑی کمزوری اور پیدائشی بدنصیبی ہے اسی نے مجھے اس خطرناک راستے پر ڈالا ہے۔"

"تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔"

حمید اس کے جملے پر دھیان دیئے بغیر کہتا رہا۔ "جب میں نے یہ اندازہ کر لیا کہ دنیا کی ہر لڑکی چھینکتی ضرور ہو گی تو مایوسی نے میرے ذہن پر قبضہ جما لیا۔ اب میں کبھی شادی نہ کر سکوں گا۔ جب شادی نہیں کرنی تو کلرکی کرنے سے کیا فائدہ.... بس پھر میں ڈاکو بن گیا۔ ذرا سوچو تو فطرت کتنی ستم ظریف ہے۔ چھینک سے ڈاکہ زنی تک.... بعض اوقات میں سوچتا ہوں کہ کہیں پاگل نہ ہو جاؤں۔ ریوالور ہر وقت جیب میں رکھتا ہوں، مگر وہ خالی ہی رہتا ہے۔ اس خوف سے کہ کہیں راہ چلتے کسی لڑکی کو چھینکتے دیکھ کر اس پر فائر نہ کر دوں۔"

"کیا تم خود نہیں چھینکتے؟"

"افسوس کہ میں بھی اکثر یہی سوچتا ہوں! مگر لڑکیوں کی چھینکیں گراں گذرتی ہیں۔ میں چھینکتا ہوں لیکن.... تمہاری چھینکیں مجھے زہر لگیں گی.... ارے.... اتنی خوبصورت اور چاندسی لڑکی آق چھیں کر رہی ہے....!"

حمید دیوانوں کی طرح اپنا سر پیٹنے لگا اور راحیلہ سچ مچ بوکھلا گئی۔ جب حمید کے ہاتھ رکے تو اس نے کہا۔ "چھینکیں تو بہر حال آتی ہیں.... پھر کیا کروں۔"

"اس طرح چھینکو کہ آق چھیں کے بجائے کسی دوسری قسم کی آواز نکلے.... مثلاً آخاں.... اچھاں.... آہنک.... وغیرہ وغیرہ۔"

"کیا تم واقعی سنجیدہ ہو۔" راحیلہ کا لہجہ حیرت انگیز تھا۔

"میرے پاس مغز خالی کرنے کے لئے وقت نہیں ہے۔ تم چھینک کر بھی تو دیکھو یا میں یہاں نہ ہوں گا یا تم یہاں نہ ہو گی۔"

"اچھا ہم ابھی کچھ دیر بعد چلیں گے۔" راحیلہ نے کہا اور ایک کمرے میں گھس کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد اسی کمرے سے طرح طرح کی آوازیں آنے لگیں۔ حمید نے قفل کے سوراخ سے جھانک کر دیکھا۔ راحیلہ ناک میں بتی کر کے چھینک رہی تھی۔ لیکن کوشش اس بات کی تھی کہ آق چھیں کی بجائے دوسری قسم کی آوازیں نکلیں۔

حمید منہ اور پیٹ دبائے ہوئے دوسرے کمرے میں جا گھسا.... اب وہ فرش پر بُری طرح لوٹ رہا تھا اور کوشش کر رہا تھا کہ اس کے قہقہے بند ہونے پائیں۔

تین نقاب پوش

رات تاریک تھی! فریدی نے لنکن کی رفتار کم کردی۔ وہ شہر کے ایک گنجان آباد حصے دولت آباد میں سفر کر رہا تھا۔ حمید نے پچھلی نشست سے کہا۔ "کیا آپ اونگھ رہے ہیں۔"

"نہیں تو....!"

"میرا خیال ہے کہ اونٹ کچھ آہستہ چل رہا ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ کار اسی رفتار سے چلتی رہی.... اس نے حمید کو ایک کیفے سے پکڑا تھا اتفاقاً ہی اس پر نظر پڑ گئی تھی.... ہوا یہ کہ حمید راحیلہ کو ساتھ لے کر شاٹو سے باہر نکلا اور ایک ٹیکسی کر کے شہر کے لئے روانہ ہو گیا.... دس بجے تک حمید آر لکچو میں اسے رمبا سکھاتا رہا اور راحیلہ دل ہی دل میں گڑگڑا کر دعائیں مانگتی رہی کہ اسے چھینک نہ آجائے کیونکہ اپنے خیال کے مطابق وہ حمید سے بہت زیادہ مانوس ہو گئی تھی.... اور کچھ دن اس کے ساتھ گذارنے کی خواہش بھی رکھتی تھی۔

دس بجے کے قریب حمید کو اچانک تلے ہوئے جھینگے یاد آئے تھے اور اس نے سوچا تھا کہ جھینگے تو فرائی فش ریستوران ہی میں ملیں گے۔ لہٰذا وہ آر لکچو سے نکل کر فرائی فش کی طرف روانہ ہو گئے۔

حمید اپنی گاڑی شاٹو ہی میں چھوڑ آیا تھا کیونکہ وہ اب اسے اس پوسٹر سمیت باہر نہیں نکالنا چاہتا تھا۔

فریدی نے اسے اس شام کو گھر پر طلب کیا تھا۔ لیکن وہ گھر جانے کی بجائے راحیلہ کے ساتھ تفریح کرتا رہا.... فرائی فش میں وہ کھڑکی کے قریب ہی بیٹھا تھا۔

راحیلہ نے جھینگے نہیں کھائے۔ اس نے کہا کہ اس کی قیام گاہ فرائی فش سے نزدیک ہی ہے وہ تھوڑی دیر کے لئے وہاں جانا چاہتی ہے اور پھر وہیں واپس آجائے گی، چونکہ وہ میک اپ میں تھی اس لئے حمید نے اسے ایسا کرنے سے نہیں روکا۔

وہ اس کی واپسی کا منتظر ہی تھا کہ اچانک کسی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ حمید چونک کر مڑا اور فریدی کی شعلہ بار آنکھوں کے سامنے اس کے حواس جھلس کر رہ گئے وہ نروس ہو گیا تھا۔

"اٹھو....!" فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا تھا اور حمید کو آدھی پلیٹ جھینگے میز ہی پر چھوڑ کر اٹھ جانا پڑا تھا۔ اس نے کاؤنٹر پر جا کر جھینگوں کی قیمت ادا کی تھی اور حسب چاپ ریستوران سے باہر نکل آیا تھا.... سچ مچ وہ بُری طرح بوکھلا گیا تھا اسے توقع نہیں تھی کہ فریدی اچانک اس طرح آ لے گا! اس بوکھلاہٹ میں اسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ اسے یہیں ٹھہر کر راحیلہ کا انتظار کرنا تھا۔

فریدی نے اسے پچھلی سیٹ پر دھکیل کر دروازہ بند کر دیا اور لنکن چل پڑی۔ پھر کچھ دیر بعد اسے راحیلہ یاد آئی.... وہ اور شدت سے بور ہونے لگا۔ مگر خاموش ہی رہا۔ دولت آباد میں جب کار کی رفتار کم ہو گئی تو اس نے موقع مناسب دیکھ کر کچھ کہنا چاہا تھا پھر جب فریدی کے رویہ سے غصہ کا اظہار نہ ہوا تو اس کی زبان چل ہی پڑی۔

"آپ نے اس وقت میری ساری اسکیموں پر پانی پھیر دیا۔ میں کچھ سمجھ ہی کر چار بجے گھر نہیں پہنچا تھا۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں آپ کا کہنا ماننے سے گریز کرتا ہوں۔"

"نہیں تم تو بڑے سعادت مند فرزند دلبند ہو۔" فریدی نے کہا۔ لیکن حمید لہجے سے اندازہ نہ کر سکا کہ وہ استہزائیہ تھا یا اس میں تلخی تھی۔

"آپ تو سمجھتے نہیں ہیں۔" اس نے اندھیرے ہی میں تیر پھینکا۔ "ایک ایسی لڑکی ہاتھ لگی ہے جو ان سے انتقام لینا چاہتی ہے۔ لیکن پولیس سے رابطہ نہیں قائم کر سکتی۔ کیونکہ اس کا اثر الٹا ہی ہوگا۔ یعنی وہ خود کسی مصیبت میں پڑ جائے گی اس کا بیان ہے کہ وہ لوگ پولیس کی پرواہ نہیں کرتے کیونکہ ان کے ہیڈ کوارٹر سے پولیس کی خاطر خواہ خدمت کی جاتی ہے۔"

"کیا وہ تمہیں ان لوگوں کے ہیڈ کوارٹر تک پہنچا سکے گی۔" فریدی نے پوچھا۔

"یہی تو اصل دشواری ہے کہ وہ ہیڈ کوارٹر کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔"

"پھر تم اپنا وقت کیوں برباد کر رہے ہو۔"

"وہ ان مقامات سے واقف ہے جہاں سے کوکین تقسیم ہوتی ہے۔"

"ان مقامات سے تو میں بھی واقف ہوں.... پھر....؟"

"پھر یہ کہ مجھے سر کے بل کھڑے ہو کر گانا چاہئے....

بالم آن بسور مورے من میں"

حمید جھلا گیا.... تو گویا اس کی اتنی محنت برباد ہی ہوئی تھی۔

"لڑکی کہاں ہے۔" فریدی نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"اب تو شائد جہنم ہی میں ہوگی۔ میں فرائی فش میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ آپ اس طرح گھسیٹ لائے.... اگر ان لوگوں کے ہاتھ لگ گئی تو وہ اسے ختم ہی کر دیں گے۔"

"کیوں....؟"

اب حمید کو راحیلہ کی کہانی شروع سے دہرانی پڑی۔ فریدی خاموشی سے سنتا رہا۔ لیکن کار کی رفتار اب پھر تیز ہو گئی تھی۔ دفعتاً حمید کو احساس ہوا کہ کار تو یونہی بے مقصد شہر کی سڑکوں پر چکر لگاتی پھر رہی ہے، لیکن اس نے اپنی داستان جاری رکھی۔

پھر کہانی ختم ہو گئی۔ لیکن فریدی نے اس پر رائے زنی نہیں کی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے چڑیا چڑے کی کہانی سنائی گئی ہو۔

"کیا آپ کو یقین نہیں آیا۔" حمید نے جھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"تم نے یہ کیسے سمجھ لیا۔"

"آپ کی خاموشی....!"

"اف فوہ.... تو کیا اب میں تمہیں جوتے سے پیٹنا شروع کر دوں.... میں عموماً تمہاری غلطیوں پر خاموش ہی رہ جاتا ہوں۔"

"میں نے کون سی غلطی کی ہے۔"

"تمہیں اسے شاٹو میں نہ لے جانا چاہئے تھا۔ وہ عمارت بہت ہی خاص مواقع کے لئے ویسے تمہاری اس کہانی میں صرف ایک ہی کام کی بات نظر آ رہی ہے۔"

"چلئے کچھ ہوا تو...." حمید نے تلخ لہجے میں کہا۔ "کیا میں اسے معلوم کر سکوں گا۔"

"یہی کہ یہ کیس ہمارے محکمہ تک کسی ایسے ہی بڑے آدمی کے ذریعہ پہنچا ہوگا جسے دو ایک دن کو کین نہ ملی ہوگی اور اس کا نشہ اکھڑ رہا ہوگا.... یہ کام اس لڑکی نے کیا تھا اگر تمہیں دھوکہ دینے کی کوشش نہیں کر رہی....!"

"دھوکہ.... یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔"

"میں تمہیں سمجھا سکتا ہوں.... اس سے پہلے بھی اکثر بعض جرائم پیشہ لوگوں نے ہمیں خواہ مخواہ دعوت دی ہے۔ حالانکہ ہم ان کے وجود سے بھی بے خبر تھے! لیکن خود انہیں ہماری طرف

سے خدشہ تھا۔ لہٰذا اس خدشے کو دور کرنے کے لئے انہوں نے خود ہی ہماری توجہ اپنی طرف مبذول کرائی تھی اور پھر ویسی ہی حرکتیں شروع کر دی تھیں جیسے کوئی کمزور پہلوان کسی طاقتور پہلوان کو زور کرنے کی دعوت دے کر اپنی قوت بڑھانے کی کوشش کرتا ہے۔"

"اوہ.... تو یہ لڑکی....!"

"ممکن ہے.... میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ ان لوگوں کے پاس ایسے ہی ذرائع ہیں جن کی بناء پر وہ میری اسکیموں سے قبل از وقت واقف ہو جاتے ہیں۔ میں ابھی تک ان کے خلاف جو کچھ بھی کرتا رہا ہوں انہیں اس کی اطلاع ہوتی رہی ہے، حتیٰ کہ وہ گفتگو طشت از بام ہو جاتی ہے، جو میں اپنے آفیسروں سے کرتا ہوں۔ تم اس سے کس نتیجے پر پہنچو گے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی نے کہا۔ "کیا وہ یہ نہیں چاہتا کہ میں اس کے مقابلے میں احساس کمتری کا شکار ہو جاؤں۔ خود کو بے بس محسوس کرنے لگوں۔ اس نے ایک خالص نفسیاتی طریقہ اختیار کیا ہے۔"

"ممکن ہے آپ کا اندازہ درست ہو....!" حمید نے کہا۔

"وہ سارے لوگ جن کے ذریعہ بزنس ہو رہا ہے میری نظروں میں آ گئے ہیں، اگر میں انہیں گرفتار کر لوں تو یہ اس کی سب سے بڑی فتح ہوگی اور وہ دوسرا گروہ تیار کر کے بزنس جاری رکھے گا.... فی الحال جو شخص بزنس کو کنٹرول کر رہا ہے اسے بھی میں جانتا ہوں۔"

فریدی نے اسے لائبریر کے متعلق بتاتے ہوئے کہا۔ "وہ بھی محض آلہ کار ہے اگر نہ ہوتا تو اتنی آسانی سے میری نظروں میں نہ آ جاتا۔"

"پھر آپ اس وقت کیا کرتے پھر رہے ہیں۔"

"اپنی بے بسی کا اظہار۔"

حمید کو فریدی کا یہ جملہ بہت گراں گذرا لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔ وہ راحیلہ کے متعلق بھی سوچ رہا تھا۔ کیا اس کے معاملہ میں اس نے دھوکا کھایا تھا۔ کیا وہ اسی لئے اس گروہ کی کہانی لے کر اس کے پاس آئی تھی کہ اس کی ہمدردیاں حاصل کر سکے اور پھر.... مگر وہ تو اسے جنگل میں ملی تھی۔ کیا یہ ممکن تھا کہ اسے پہلے ہی سے معلوم ہو گیا ہو کہ اس کی کار جنگل میں کسی مقام پر ناکارہ ہو کر رہ جائے گی اور اسے وہاں رکنا پڑے گا.... یہ خیال مضحکہ خیز تھا۔ البتہ ہو سکتا تھا کہ وہ پہلے

ہی سے اس کی تاک میں رہی ہو اور تار جام جاتے وقت اس کا تعاقب کیا گیا ہو۔ پھر جب کار بند توان لوگوں نے اپنی اسکیم بدل کر وہیں کھیل شروع کر دیا۔

"تو کیا اس لڑکی کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔" حمید نے پوچھا۔

"کیا تمہاری دانست میں وہ شاٹو واپس چلی گئی ہو گی۔" فریدی نے پوچھا۔

"وہاں مجھے نہ پا کر یقیناً واپس گئی ہو گی! شاٹو کی کنجی اسی کے پرس میں تھی۔"

"کنجی بھی اسے دے دی۔" فریدی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"اگر اس کی ٹھوڑی پر تل ہوتا تو جان تک دے دیتا۔" حمید نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"مت بکو....!"

"ٹھہریئے! میں کسی ٹیلی فون بوتھ سے معلوم کروں گا کہ وہ وہاں پہنچی یا نہیں یا پھر واپس چلئے! آپ بھی ایک نظر دیکھ لیجئے گا۔"

"لیکن اگر مجھے اس کی ٹھوڑی پر تل نظر آ گیا تو میں تمہاری گردن اڑا دوں گا۔"

"اس کے چھینکنے کا انداز بڑے غضب کا ہے۔ یہ تو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اسے چھینک آئی ہے۔ بس ایسا لگتا ہے جیسے کسی کتھکھنے کتے نے "بف" کی ہو۔"

"تم اپنی ساری زندگی انہیں لغویات میں بسر کر دو گے۔"

"ستارے.... کرنل صاحب۔ میں مجبور ہوں۔"

فریدی نے کار ایک جگہ روک دی۔

"کیوں....؟" حمید نے پوچھا۔

"بائیں جانب ٹیلی فون بوتھ ہے۔" فریدی نے بیزاری سے کہا۔ لیکن حمید کو اس کی یہ فرمائش دلی بڑی حیرت انگیز معلوم ہوئی تھی۔ وہ چپ چاپ گاڑی سے اتر کر بوتھ میں آیا اور انسٹرومنٹ میں سکہ ڈال کر شاٹو کے نمبر رنگ کئے.... آٹھ یا دس سیکنڈ بعد دوسری طرف سے ریسیور اٹھایا گیا۔

"ہیلو....!" کسی مرد کی بھرائی ہوئی سی آواز آئی اور حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں لیکن فوراً ہی سنبھل کر کسی لڑکی کی سی نہایت سریلی آواز میں بولا۔ "کیا ڈاکٹر زیٹو تشریف رکھتے ہیں۔"

"میں زیٹو بول رہا ہوں۔"

"مگر تمہاری آواز کو کیا ہوا ہے۔" حمید نے کہا۔

"اوہ.... میں بیمار ہوں.... بہت شدید زکام ہوا ہے۔"

"کیا تم نے مجھے نہیں پہچانا ڈیئر....!" حمید نے کہا۔ "میں سلویا ہوں۔"

"اوہ.... سلویا.... تم.... کیوں کیا بات ہے۔"

"میں آ رہی ہوں.... ڈارلنگ.... تم بیمار ہو تو تم نے مجھے کیوں اطلاع نہیں دی تھی۔"

"کوئی بات نہیں ہے.... میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔"

"نہیں میں آ رہی ہوں...." حمید نے کہا۔ "میں تمہاری دیکھ بھال کروں گی۔"

"نہیں تم مت آنا.... موقع نہیں ہے۔"

"آہا.... میں سمجھی کوئی اور ہو گی۔" حمید نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔ "اچھا تو تم جہنم میں جاؤ۔"

اور پھر وہ سلسلہ منقطع کر کے بوتھ سے باہر آ گیا۔

اس نے فریدی سے بھی اس کا تذکرہ کیا۔ لیکن فریدی کا جواب غیر متوقع تھا۔ وہ سمجھا تھا کہ اس کی بات ختم ہوتے ہی فریدی گاڑی کا رخ ماڈل ٹاؤن کی طرف پھیر دے گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔

"کیا تم وہاں جانا چاہتے ہو....!" فریدی نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"اور آپ....!"

"میرے پاس برباد کرنے کیلئے بالکل وقت نہیں ہوا کرتا۔" فریدی کا لہجہ بے حد خشک تھا۔

"گویا آپ اسے کوئی اہمیت نہیں دیتے"

"نہیں.... مجھے صرف ہیڈ کوارٹر کی فکر ہے.... اگر اس کا پتہ نہ چلا تو یہ بزنس حشر تک جاری رہے گا۔ گروہ ٹوٹتے اور بنتے رہیں گے.... آج رات میں پھر مختلف اڈوں پر چھان بین کروں گا اور وہ نامعلوم آدمی میری اس بھاگ دوڑ پر بے حد مسرور ہو گا۔ میری بے بسی پر قہقہے لگائے گا.... میں تمہیں کہاں اتاروں۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دفعتاً ڈیش بورڈ کے بائیں گوشے سے آواز آئی۔ "ہیلو.... ہارڈ اسٹون سر.... ہیلو ہیلو....!"

آواز کسی غیر ملکی کی معلوم ہوتی تھی.... فریدی نے کہا۔ "یس .... ہارڈ اسٹون.... اوور....!"

"اہل.... اپنے فلیٹ میں نہیں ہے۔ لیکن اسے باہر جاتے بھی نہیں دیکھا گیا.... اوور۔"

"فکر مت کرو.... فلیٹ کی نگرانی جاری رہے گی.... اوور....!"

"اوور اینڈ آل....!" دوسری طرف سے آواز آئی اور پھر سناٹا چھا گیا۔

"بلیک فورس....!" حمید آہستہ سے بولا۔

"قطعی....!" فریدی نے کہا اور پھر اپنا وہی سوال دہرایا کہ حمید کو کہاں اتار دیا جائے۔ ہ نے جھلا کر کہا۔

"تو پھر آپ نے مجھے اس طرح گھسیٹا کیوں تھا۔"

"صرف اپنا طریق کار تم پر واضح کرنا چاہتا تھا کہ تم کہیں کوئی ٹھوکر نہ کھاؤ۔"

"پھر میرا طریق کار کیا ہوگا۔"

"نہایت اطمینان سے چچی کی انگلیوں پر ناچتے رہو۔ جو کچھ وہ کہے آنکھیں بند کر کے کرو۔ وہ کہے کہ وہ انڈے دینا چاہتی ہے تو ہرگز نہ کہو کہ وہ مرغیوں کا حق چھین رہی ہے.... کہا اتار دوں۔"

"موڈل کالونی میں.....!" حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

اور پھر دس منٹ بعد اسے موڈل کالونی کے قریب اتار دیا گیا۔ حمید نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ کار زائیں سے چکنی سڑک پر پھیلتی چلی گئی۔ اس نے دونوں مٹھیاں بھینچ کر اپنے سر پر دو تین گھونسے لگائے اور شاٹو کی طرف چل پڑا۔

اس کی رفتار تیز نہیں تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہاں سے بولنے والے مرد سے وہ کس طرح پیش آئے گا۔ لیکن کیا راحیلہ ہی اسے اپنے ساتھ لے گئی ہوگی۔ اگر فریدی کا خیال صحیح تھا تو اسے بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ وہ پندرہ منٹ بعد شاٹو کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو گیا۔ پھاٹک کھلا ہوا تھا۔ اسے کمپاؤنڈ میں ایک کار بھی نظر آئی.... وہ احتیاطاً زمین پر گر کر سینے کے بل پورچ کی طرف رینگنے لگا.... صدر دروازہ بھی اسے کھلا ہوا ملا۔ لیکن راہداری تاریک پڑی تھی.... جیسے ہی وہ پورچ میں داخل ہوا اور برآمدے میں داخل ہونے کے لئے تین سیڑھیاں طے کر جانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اچانک پورچ کے سامنے والی محراب میں ایک سایہ نظر آیا، جو غالباً ستون کی آڑ سے نکلا تھا۔ حمید زمین سے چپک کر رہ گیا اس نے اپنی سانسیں روک لیں! سائے کی پشت اس کی طرف تھی اور چہرہ پھاٹک کی جانب۔

دفعتاً حمید نے اپنا وزنی ریوالور نکالا اور اسے نال سے پکڑ کر کسی قسم کی آواز پیدا کئے بغیر.... سائے کی طرف رینگنے لگا۔ رات سائیں سائیں کر رہی تھی اور وہ سایہ ایسے ماحول میں مصر کے ابوالہول سے کسی طرح کم نہیں معلوم ہو رہا تھا۔

حمید اس کے قریب پہنچ کر اس بُری طرح جھنجھلا گیا جیسے بجلی سی چمک گئی ہو۔ ساتھ ہی ریوالور کا دستہ بھرپور قوت سے سر کے پچھلے حصہ پر پڑا تھا.... وہ نامعلوم آدمی دھم سے زمین پر چلا آیا اس کے حلق سے ہلکی سی بھی آواز نہیں نکلی تھی.... حمید نے اپنے کارنامے کو زیادہ جاندار بنانے کے لئے دو تین ضربیں اور رسید کر دیں۔ سایہ بے حس و حرکت ہو چکا تھا اور کم از کم حمید کو اپنی قوت پر اتنا اعتماد تو تھا ہی کہ وہ اس کے آدھے گھنٹے تک ہوش میں نہ آجانے کی پیشین گوئی بہ آسانی کر سکتا تھا.... اب وہ صدر دروازے کی طرف متوجہ ہوا۔

راہداری میں پہنچ کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد کمرہ ہی تھا اور دروازہ کی درمیانی جھری میں روشنی نظر آ رہی تھی۔ اس جھری سے حمید نے اندازہ کر لیا کہ دروازہ اندر سے بولٹ نہیں ہے۔ دفعتاً اندر سے کسی مرد کی آواز آئی۔ "تو تم نہیں بتاؤ گی۔"

"جو کچھ میں نہیں جانتی کیسے بتاؤں گی۔" راحیلہ کی کپکپاتی ہوئی سی آواز آئی۔

یک بیک حمید نے دروازے پر ٹھوکر ماری۔ دونوں پاٹ کھل گئے۔ اس نے دو نقاب پوشوں کو اچھل کر پیچھے ہٹتے دیکھا۔ ریوالور تو تھا ہی اس کے ہاتھ میں۔ ایک ہاتھ جیب کی طرف جا ہی رہا تھا کہ حمید نے گرج کر کہا۔ "اپنے ہاتھ اٹھاؤ۔"

دونوں کے ہاتھ اٹھ گئے۔ راحیلہ فرش پر پڑی ہانپ رہی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر حمید کی طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ پھیل گئی جیسے اب بچوں کی طرح قلقاریاں بھی مارنے لگے گی۔

"تم اٹھو سوئٹی۔" حمید نے ان دونوں پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔ "کچن میں پتلی ڈوری کا ایک لچھا ہے اسے اٹھا لاؤ۔ جلدی کرو۔"

راحیلہ چپ چاپ اٹھ کر باہر نکل گئی.... اور حمید انہیں ریوالور کی زد میں لئے کھڑا رہا۔

ایک نے پھر اپنا ایک ہاتھ نیچے گرانے کی کوشش کی ہی تھی کہ حمید کسی سانپ کی طرح پھنکارا۔ "یہ ریوالور بے آواز ہے ہٹو.... مجھے فائر کر دینے میں ذرہ برابر بھی ہچکچاہٹ نہیں

محسوس ہو گی۔ کیا تم مجھے نہیں جانتے۔"

"نہیں....!" ایک آدمی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"ڈاکٹر زیٹو نام ہے۔ بڑے بدنصیب ہو اگر پہلے کبھی تم نے یہ نام نہ سنا ہو۔"

"بیکار بات بڑھ گئی ہے مسٹر....!" ایک نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "یہ محترمہ ایک ایسی عورت کے بارے میں پوچھ گچھ کرتی پھر رہی تھیں جس کی ہمیں تلاش تھی۔ ہم ان سے صرف یہ پوچھنا چاہتے تھے کہ وہ اسے کیسے جانتی ہیں اور وہ اپنے گھر کے علاوہ اور کہاں مل سکے گی۔ لیکن انہوں نے نہیں بتایا۔"

حمید نے پلکیں جھپکائیں.... بات اس کے پلے نہیں پڑی تھی۔

دولاکھ

راحیلہ ڈور کا لچھا لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔

حمید نے اس سے پوچھا۔ "یہ شریف آدمی تم سے کس عورت کا پتہ پوچھ رہے تھے جس کا پتہ تم نے نہیں بتایا۔"

"میری ایک سہیلی ہے راحیلہ....!" راحیلہ نے کہا۔ "میں اس کے گھر گئی تھی۔ فلیٹ مقفل تھا۔ میں نے اس کے پڑوسیوں سے اس کے بارے میں پوچھا تھا۔ میں نہیں جانتی کہ یہ لوگ کون ہیں اور اس کا پتہ مجھ سے کیوں معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

راحیلہ کی آواز حیرت انگیز طور پر بدلی ہوئی تھی۔ حمید نے اندازہ کر لیا کہ وہ میک اپ میں نہیں پہچانی جا سکی۔

"لیکن تم نے تو آج تک کسی ایسی سہیلی کا تذکرہ مجھ سے نہیں کیا جس کا نام راحیلہ ہو۔"

"تم میری ساری سہیلیوں کو کب جانتے ہو۔"

"مجھ سے سنئے جناب۔" ایک نقاب پوش چہک کر بولا۔ "یہ راحیلہ وہ عورت ہے جس نے درجنوں شریف عورتوں کو برباد کر دیا ہے.... ظاہر ہے کہ وہ شریف عورتیں اپنے شوہروں سے اس کا تذکرہ کیوں کرنے لگیں.... انہیں اس کی بدولت روزانہ نئے نئے مرد ملتے ہیں۔"

حمید کے سینے میں ایک زبردست قسم کے قہقہے کا خون ہو گیا۔ وہ اسے گھسنے کی کوشش کر رہے تھے۔ بہر حال اس سے حمید کو اندازہ لگانے میں دشواری نہیں ہوئی کہ وہ ان دونوں کے لئے اجنبی ہے۔ یعنی وہ اسے ایک پولیس آفیسر کی حیثیت سے نہیں جانتے۔

"کیوں....!" حمید راحیلہ کو مخاطب کر کے غرایا۔

"یہ جھوٹے ہیں۔" راحیلہ مسکرا کر بولی۔ "کیوں ڈیئر.... کیا تم مجھ پر اعتماد نہیں کرتے۔"

"بالکل کرتا ہوں.... تم فکر نہ کرو۔" حمید نے کہا اور پھر ریوالور کو جنبش دے کر ایک نقاب پوش سے بولا۔ "اپنے ساتھی کے ہاتھ پشت پر باندھ دو۔ دیر نہیں ہونی چاہئے۔"

"ایسا کر کے تم پچھتاؤ گے دوست۔" نقاب پوش نے مضحکہ اڑانے کے سے انداز میں کہا۔

"پچھتاتے وقت تم مجھے ضرور یاد آؤ گے اطمینان رکھو۔ لیکن فی الحال میرا حکم ٹالنے کی کوشش نہ کرو۔ ڈاکٹر زیٹو خطرناک آدمی ہے۔ اس کا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا۔ اندھیرے میں مجھے آواز دے کر کسی سمت بھی بھاگ نکلو۔ میرے ریوالور کی گولی تمہاری کنپٹی ضرور سہلائے گی۔ چلو.... اسے باندھ دو۔"

"تم آخر ہو کون....!" دوسرے نقاب پوش کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

"ڈاکٹر زیٹو.... جس کی مدد کے بغیر راحیلہ ایک قدم بھی نہیں چل سکتی۔ جس کی پشت پر ایک بہت بڑا گروہ ہے، جو تمہارے تابوت کے لئے آخری کیل ثابت ہو گا اور اگر تم مجھ سے سمجھوتا کرنا چاہو تو اس کے لئے دوسری صورت ہے۔ بولو تیار ہو۔"

"کیسا سمجھوتہ۔"

"میرے گروہ میں آملو.... دوہرا فائدہ.... میں لاسبر کی طرح کنجوس نہیں ہوں۔"

"کون لاسبر....!" دونوں نے بیک وقت کہا۔

"تم نہیں جانتے.... میں جانتا ہوں.... تمہارے ہیڈ کوارٹر کی بات کر رہا ہوں، جسے عنقریب بمبارڈ کروں گا۔"

"سمجھوتے کی کیا صورت ہو گی۔" ایک نے پوچھا۔

حمید نے جیب سے ایک نوٹ بک نکال کر اس کے سامنے فرش پر ڈالتے ہوئے کہا۔ "اسے دیکھو" دونوں بیک وقت اس پر جھک پڑے اور حمید نے ان پر چھلانگ لگائی ایک کے سر پر ریوالور کا

دستہ پوری قوت سے پڑا اور دوسرے کی گردن پر بایاں ہاتھ.... دونوں ہی منہ کے بل فرش پر گرے.... جس کے سر پر ریوالور کا دستہ پڑا تھا وہ تو اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکا۔ لیکن دوسرے نے حمید کی ٹانگ پکڑ لی اور وہ دھم سے اسی پر آرہا پھر گرتے گرتے اس نے اس پر بھی ریوالور کے دستے سے قوت آزمائی کی.... لیکن وہ کچھ سخت جان تھا.... دونوں ہاتھ ٹیک کر اٹھنے کی کوشش کرنے لگا.... اس بار حمید کی ٹھوکر نے اسے بھی بے حس و حرکت کر دیا۔

راحیلہ دروازے میں کھڑی ہانپ رہی تھی بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے یہ ساری دوڑ چوکڑی اسی نے مچائی ہو اور اب تھک جانے کے بعد اپنی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کر رہی ہو۔

حمید اس کی طرف دھیان دیئے بغیر ان دونوں بے ہوش نقاب پوشوں پر جھک پڑا۔ وہ بڑی تیزی سے ان کے ہاتھ اور پیر باندھ رہا تھا۔ ان سے فرصت پالینے کے بعد اسے وہ آدمی یاد آیا جسے وہ پورچ میں ڈال آیا تھا۔

"یہیں ٹھہرو....!" حمید راحیلہ سے کہتا ہوا باہر نکل گیا۔ راحیلہ کے ہونٹ تو ہلے لیکن آواز نہ نکل سکی۔ کیونکہ اتنی دیر میں حمید راہداری پار کر چکا تھا۔

پھر وہ تیسرے بیہوش آدمی کو بھی وہیں کھینچ لایا اس کے چہرے پر بھی نقاب تھی۔

"یہ کہاں تھا۔" راحیلہ نے حیرت سے کہا۔

حمید کوئی جواب دیئے بغیر اسے بھی باندھنے لگا اور جب باندھ چکا تو راحیلہ کے دونوں ہاتھ پکڑ کر بولا۔ "آؤ۔"

اور پھر اس نے حلق سے بینڈ کی دھنیں نکالتے ہوئے رمبا ناچنا شروع کر دیا۔

"ارے... کیا کرتے ہو... ٹھہرو... ٹھہرو۔" راحیلہ ہانپتی ہوئی بولی۔ "تم آدمی ہو... یا...!"

"ناچو.... اس وقت اسی طرح میرا خون ٹھنڈا ہو سکتا ہے...." حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "ورنہ میں تمہیں بھی پھاڑ کھاؤں گا.... ناچو.... ناچتی رہو.... تارا.... رم.... تارم.... تارا.... رم....!"

راحیلہ کی آنکھوں میں بے بسی نظر آنے لگی۔ لیکن اس کے ہونٹوں پر جھینپی ہوئی سی مسکراہٹ تھی۔ پھر اچانک وہ بے حد سنجیدہ نظر آنے لگی۔ لیکن اس وقت حمید کی حیرت کی انتہا نہ رہی، جب اس نے بڑی تیزی سے اپنے ہاتھ چھڑائے اور دیوار سے جا لگی۔ اس کی آنکھیں خوف

سے پھیلی ہوئی تھیں۔ ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے خدشہ ہو کہ کہیں حمید کتوں کی طرح غراتا ہوا اسے کاٹنا اور بھنبھوڑنا نہ شروع کر دے۔

پھر اس کے ہونٹ ہلے اور وہ مضمحل سی آواز میں بولی۔ "خدا کے لئے مجھ سے دور رہو۔ تمہاری آنکھوں سے دیوانگی ٹپک رہی ہے۔ تم نے فرائی فش میں میرا انتظار کیوں نہیں کیا تھا اور اب تک کہاں تھے۔"

حمید اسے کوئی جواب دیئے بغیر اپنی نوٹ بک اٹھانے کے لئے جھکا۔

اور پھر اسے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ کر تمباکو کی پاؤچ اور پائپ نکالے۔ "میری طرف دیکھو.... میری بات کا جواب دو۔"

"کیا تم ان کی نقاب کشائی نہیں کرو گی.... جان فادر۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

"تم ہی دیکھو.... میں تو نہیں ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گی۔"

"ڈرتی ہو! کہیں کوئی جان پہچان والا نہ نکل آئے۔"

"سنو.... میری طرف دیکھو۔ میں ڈرتی ہوں کہ کہیں دوسرے جال میں تو نہیں پھنس گئی۔"

"یقیناً....!" حمید مسکرایا۔ "کیا تم نے ابھی نہیں سنا کہ میرا گروہ بھی کوکین کا کاروبار کرتا ہے لہٰذا میں نے ان سے یہ سمجھوتہ کیا ہے۔"

اس نے بیہوش نقاب پوشوں کی طرف اشارہ کیا پھر تیز لہجے میں پوچھا۔ "تم اپنے فلیٹ کی طرف کیوں گئی تھیں۔"

"دیوانگی.... پاگل پن.... خبط جو چاہو کہہ لو۔ میں تو بس اس کا اندازہ کرنے گئی تھی کہ دیکھوں میرے پڑوسی بھی مجھے پہچان سکتے ہیں یا نہیں۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ میں انہیں کچھ دیر روک کر ان سے گفتگو کرتی۔ ظاہر ہے کہ موضوع گفتگو بھی میں خود ہی کو بنا سکتی تھی۔ میں ان سے اپنے متعلق سوالات کرتی رہی یہ لوگ بھی میری ہی تاک میں تھے لیکن مجھے میک اپ میں نہ پہچان سکے۔ پھر شاید انہوں نے سوچا کہ مجھ سے ہی وہ راحیلہ کے متعلق کچھ معلوم کر سکیں اس لئے پیچھے لگ گئے.... بس میں ایک لڑکی کی کال کا جواب ہی دے رہی تھی کہ وہ اندر گھس آئے اور مجھ سے راحیلہ کے بارے میں پوچھ گچھ کرنے لگے۔"

"تم نے یہاں کسی لڑکی کی کال ریسیور کی تھی۔" حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔

"ہاں! وہ تمہارے متعلق پوچھ رہی تھی.... میں نے مردانی آواز بنا کر اس سے گفتگو کی تھی۔"

حمید نے ایک طویل سانس لی اور ہونٹ بھینچ کر کرسی پر اکڑوں بیٹھ گیا۔

"آواز بڑے مزے سے بدل سکتی ہو۔" اس نے کچھ دیر بعد اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "اپنی اسی حماقت کی بناء پر تم اس وقت بچ گئیں ورنہ یہ لوگ تمہاری جیلی بنا کر رکھ دیتے۔"

"کیا مطلب....!"

"میں نے جب تمہیں فون کیا تو جواب میں ایک مرد کی آواز سنائی دی۔ میں نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ سر پر دوپٹہ ڈال لوں۔"

"تو وہ تم تھے۔" راحیلہ نے حیرت سے کہا۔

"نہیں وہ میں تھی۔" حمید نے ناک پر انگلی رکھ کر زنانی آواز کی نقل اتاری اور راحیلہ ہنس پڑی لیکن پھر فوراً ہی سنجیدہ بھی ہو گئی۔

"ان کا کیا ہو گا....!" اس نے نقاب پوشوں کی طرف اشارہ کیا۔

"ان کا تیل نکال کر سوا ڈھائی آنے فی تولہ کے حساب سے فروخت کروں گا اور اس کی آمدنی سے ایک یتیم خانہ چلے گا اور یتیم خانہ کی آمدنی سے۔"

"مجھ.... خر.... غاؤں....!" وہ منہ پر دونوں ہاتھ رکھ کر دوہری ہو گئی۔

پہلے تو حمید نے اسے بوکھلائی ہوئی نظروں سے دیکھا.... پھر جلد ہی سمجھ گیا کہ اسے چھینک آئی تھی۔

"خدا غارت کرے تمہیں۔" وہ سیدھی ہو کر نتھنے پھڑکاتی ہوئی بولی۔ "تم مجھے قاعدے سے چھینکیں بھی نہیں لینے دیتے۔" پھر اسے خود ہی اپنے جملے پر ہنسی آ گئی۔

حمید اٹھ کر ان تینوں کے چہروں سے نقاب ہٹانے لگا....

پھر اس نے راحیلہ کی طرف غور سے دیکھا۔

"نہیں.... میں انہیں نہیں جانتی۔ اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ہیڈ کوارٹر کے آدمی ہوں یا کسی ایسے حلقے سے تعلق رکھتے ہوں جس کا علم مجھے نہ ہو۔"

"یا پھر یہ بات ہو سکتی ہے کہ اپنے بیان میں مزید زور پیدا کرنے کے لئے یہ ڈرامہ بھی ضروری تھا۔"

"کیا مطلب....!"

"تم مجھے دھوکا نہیں دے سکتیں۔" حمید اس کی طرف تیزی سے بڑھا اور وہ سہم کر ایک طرف ہٹ گئی۔

"تم پتہ نہیں کیا کہہ رہے ہو۔"

"ڈاکٹر زیٹو کو مشکل سے اُلو بنایا جا سکتا ہے۔"

"خدا کے لئے مجھے بتاؤ کہ تمہارے دل میں کیا ہے۔" وہ رو دینے والے انداز میں بولی۔ "تم سے بڑا خوف معلوم ہوتا ہے۔"

"تم ڈاکٹر زیٹو کے کسی دشمن کی جاسوسہ ہو۔"

"اے زیٹو! ایسی باتیں نہ کرو۔ ورنہ میں ابھی یہاں سے چلی جاؤں گی۔ میک اپ ختم کر دوں گی اور تم صبح تک میرے قتل کی خبر سن لینا۔ میں نے پتہ نہیں اب تک کس طرح خود کو بچایا ہے۔"

دفعتاً کسی نے باہر سے گھنٹی بجائی اور حمید نے اسے کہا۔ "تم کچن میں جا کر دروازہ اندر سے بولٹ کر لو.... جاؤ....!"

"نہیں.... میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑ سکتی۔"

"جاؤ.... ہو سکتا ہے کہ بعد میں مجھے تمہاری مدد کی ضرورت پیش آئے۔ تمہارے پاس پستول موجود ہے نا.... جاؤ۔"

گھنٹی پھر بجی اور وہ دوڑتی ہوئی کچن کی طرف چلی گئی۔ پھر حمید نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔

وہ راہداری سے گذر کر صدر دروازے کی طرف آیا۔ گھنٹی تیسری بار بجی۔

"کون ہے۔" اس نے گرجدار آواز میں پوچھا۔

"باہر آؤ فرزند....!" یہ فریدی کی آواز تھی۔

حمید دروازہ کھول کر باہر آ گیا اور فریدی نے کہا۔ "لڑکی ٹھیک معلوم ہوتی ہے اسے بور نہ کرو۔"

"آپ کیا جانیں۔"

"چند منٹ پہلے میں چھت پر تھا اور روشندان سے میں نے سب کچھ دیکھا ہے ان تینوں کو تم فی الحال یہیں بند رکھو۔ تمہاری عدم موجودگی میں بھی ان کی نگرانی ہوتی رہے گی اور اب تمہیں بھی میک اپ میں ہی رہنا چاہئے.... یہ فہرست رکھو۔ اس میں وہ اڈے درج ہیں، جہاں سے

کو کین کا کاروبار ہوتا ہے.... وہاں ہیجان برپا کرنے کی کوشش کرو۔ فائرنگ بھی ہو تو بہتر ہے
ایک خیال رکھو کہ کوئی مرنے نہ پائے.... مگر تم یہ سب کچھ میک اپ ہی میں رہ کر کرو گے، تم
اس عمارت میں رہے گا لیکن یہاں بھی تم اب میک اپ ہی میں نظر آؤ گے۔ اڈوں پر تم جو کچھ بھی
کر سکتے ہو کرو لیکن نام اسی لڑکی کا استعمال کیا جائے۔ اچھا اب میں چلا.... ان لوگوں کی کار یہاں
کمپاؤنڈ میں موجود ہے، اسے لے جا رہا ہوں۔ شہر کے کسی دوسرے حصہ میں چھوڑ دی جائے گی۔"

"شکریہ.... آپ نے مجھے بڑی دردسری سے بچالیا۔" حمید نے طویل سانس لی۔

❁

دوسری صبح فریدی پھر اچانک سنگ سنگ بار میں داخل ہوا۔ ڈگبی کاؤنٹر پر موجود تھا۔ فریدی کی شکل دیکھتے ہی اس کا چہرہ زرد ہو گیا۔

لیکن آج اس میں اس سے آنکھیں ملانے کی بھی ہمت نہیں تھی۔

فریدی نے اسے دوسرے کمرے میں چلنے کا اشارہ کیا اور اس نے چپ چاپ تعمیل کی۔

فریدی اس کے بعد کمرے میں داخل ہوا۔

"میں آج کیش لے جاؤں گا کرنل....!"

"کہاں....؟"

"فی الحال تو کھالی.... لیکن.... جاتے جاتے وہ کم از کم دس جگہیں بدلے گا.... مگر کرنل کیا آپ ٹیلی فون ایکسچینج سے اس کا پتہ نہیں لگا سکتے کہ وہ کس نمبر سے بولتا ہے۔"

"نہیں.... میرا خیال ہے کہ وہ اپنا ذاتی ایکسچینج رکھتا ہے اور اس کا محکمہ کے ایکسچینج سے کوئی تعلق نہیں۔ محکمے کے ایکسچینج پر میں کوشش کر چکا ہوں۔"

"پھر بتایئے میں آپ کو کس طرح اطلاع دوں گا کہ مجھے کیش لے کر کہاں جانا ہے۔"

"کتنی رقم ہے۔"

"دو لاکھ.... سو سو کے نوٹوں کی شکل میں۔"

"کتنے دنوں کی آمدنی ہے۔"

"صرف چار دن کی.... وہ ہر چوتھے دن قیمت لے لیتا ہے۔"

"تمہارا کیش کتنا ہے۔"

"دس ہزار....!"

"ہوں، نہیں ہیں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"لیکن آخر آپ مجھے کب گرفتار کریں گے۔"

"تمہیں گرفتار کرنے سے کیا فائدہ.... ڈگبی! تم نہ ہو گے تو کوئی دوسرا تمہاری جگہ سنبھالے گا۔"

"مگر آپکی اس دن کی گفتگو سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ آپ ہمارے باس سے واقف ہیں۔"

"ہاں میں ایک آدمی سے واقف ہوں، جو صرف تمہارا منیجر ہو سکتا ہے باس نہیں۔"

ڈگبی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "میں آپ کو کس طرح اطلاع دوں۔"

"تھری زیرو پر رنگ کر لینا۔"

"کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ چلنے سے آدھ گھنٹہ پہلے مجھے آخری جگہ معلوم ہوئی ہے اور جب اس آخری جگہ پر پہنچا ہوں تو وہاں اس کا خط ملا ہے جس میں کسی دوسری جگہ پہنچنے کی ہدایت ہوتی ہے۔"

"بہت چالاک ہے۔" فریدی بڑبڑایا.... پھر بولا۔ "تم تھری زیرو پر فون کر کے وہاں چلے جانا.... اس کے بعد میں دیکھوں گا۔"

"آپ یقین کیجئے کہ میں آپ کو دھوکہ دینے کی کوشش نہیں کر رہا۔" ڈگبی نے اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے یقین ہے ڈگبی، میں تم پر اعتماد کرتا ہوں۔"

فریدی کے چلے جانے پر ڈگبی پھر کاؤنٹر پر آگیا! تھوڑی دیر بعد ایک آدمی ایک میز سے اٹھ کر کاؤنٹر پر آیا۔

"اس نے تو بس مجھے ہی تاک لیا ہے۔" ڈگبی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"کیوں.... کیا کہہ رہا تھا۔" دوسرے آدمی نے پوچھا۔

"کچھ نہیں.... وہ شائد اسی چکر میں ہے کہ یہاں سے کچھ برآمد کرے۔"

"کچھ کہہ رہا تھا۔"

"بس آتا ہے، خواہ مخواہ کی دھونس دے کر چلا جاتا ہے۔ ابھی تک کھل کر کوئی بات نہیں کی۔"

"غالباً.... وہ کچھ برآمد ہی کر لینے کے چکر میں ہے۔ اسکے بغیر تو وہ ہمیں ہاتھ بھی نہ لگا سکے گا۔"

"مجھے ڈر ہے کہ کہیں میں کسی دن اس سے جھگڑا نہ کر بیٹھوں۔" ڈگبی نے کہا۔ "خون اس ہے آنکھوں میں اسے دیکھ کر۔"

"نہیں اس قسم کی کوئی حرکت نہ کرنا اس سے فائدہ ہی کیا۔ ہیڈ کوارٹر سے بھی ہدایت چکی ہے کہ اس سے جھگڑا نہ کیا جائے۔"

"مگر میرا خون تو کھولنے لگتا ہے! اور پھر بھئی! میں اسے بھی پسند نہیں کرتا کہ اس کی آمد ورفت کی وجہ سے میری بار بدنام ہو۔ یہ کوکین کے دھندے آج ہیں کل نہ ہوں گے۔ زندگی تو اسی بسر کرنی ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔ پہلے تو مجھ سے کہا گیا تھا کہ میں بے خوف وخ بزنس کر سکتا ہوں۔ پولیس کے کان پر جوں تک نہ رینگے گی، مگر اب یہ کیا ہو گیا۔"

"اوہ.... بزدلے پن کی بات نہ کرو ڈگبی۔" دوسرے آدمی نے اس کے شانے پر ہاتھ مار کہا۔ "کیا ہم نے کبھی چوروں کی سی زندگی بسر کی ہے۔ ہمیشہ شہباز کی طرح جھپٹتے رہے ہیں۔"

"کھٹاک....!" ایک چمچماتا ہوا خنجر ان کے قریب ہی لکڑی کے کاؤنٹر میں پیوست ہو اور وہ اچھل کر پیچھے ہٹ گئے۔

بہتیرے لوگ جو ہال میں بیٹھے پی رہے تھے چونک کر کاؤنٹر کی طرف دیکھنے لگے لیکن شاید واقعہ ان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

ڈگبی نے خنجر کے دستے سے بندھا ہوا کاغذ کھول لیا اور اسے جلدی جلدی پڑھنے لگا۔

"ڈگبی! مجھے دو ہزار کی سخت ضرورت ہے۔ اپنے کسی ایسے آدمی سے
ٹھیک پانچ بجے شام کو آر لکچو میں بھجوا دو.... جسے میں پہچانتی ہوں۔ ورنہ
نو بجے رات تک سنگ سنگ بار کو جہنم کا نمونہ بنا دوں گی۔

راحیلہ۔"

"یہ حرام زادی اور جان کو آ گئی ہے۔" ڈگبی کاؤنٹر پر گھونسہ مار کر بولا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر کس کے بل بوتے پر یہ سب کچھ کرتی پھر رہی ہے" دوسرے آدمی نے کہا۔

"تین چار دن ہوئے اس نے کیفے بلیارک میں دھوئیں کا بم پھینکا تھا۔ لوگ بوکھلا کر باہر نکا

آئے۔ انہیں میں وہ آدمی بھی تھا جس کے پاس پیکٹ تھا اور وہ بھری پری سڑک پر اس کے ہاتھ سے پیکٹ چھین لے گئی تھی۔"

بڑا آدمی

تھری زیرو سے فریدی کو ٹرانسمیٹر پر اطلاع ملی کہ ڈگبی کو میونسپل گارڈن میں سفید ریچھ کے کٹہرے کے پاس پہنچنا ہے۔ فریدی جو میک اپ میں تھا میونسپل گارڈن کے لئے روانہ ہو گیا۔

ریچھوں کے کٹہرے کے پاس اسے ڈگبی نظر آیا تھا، جو ٹارچ کی روشنی میں کوئی چیز تلاش کر رہا تھا.... باغ پر اس وقت سناٹے کی حکمرانی تھی۔ کبھی کبھی کوئی جانور ہلکی آوازیں نکالتا اور خاموش ہو جاتا۔

مطلع بھی ابر آلود تھا اس لئے ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دے رہا تھا۔

فریدی نے دیکھا کہ ڈگبی نے ایک جگہ سے کاغذ کا ٹکڑا اٹھایا ہے۔ ٹارچ کی روشنی کاغذ پر پڑ رہی تھی۔ پھر اس نے وہ کاغذ وہیں موڑ توڑ کر ڈال دیا اور الٹے پیروں پھاٹک کی طرف واپس آیا۔

فریدی کافی فاصلے سے اس کا تعاقب کر رہا تھا۔

فریدی کو یقین تھا کہ رقومات صرف وہی شخص وصول کرتا ہوگا، جو حقیقتاً اس تجارت کا ذمہ دار ہے اور وہ یقینی طور پر تنہا ہوتا ہوگا۔ کسی دوسرے کو ساتھ رکھنے میں راز داری کہاں رہ جائے گی۔ خود اس کا طریق کار بھی یہی ظاہر کر رہا تھا۔ وصولیابی کے لئے دن بھر میں پچیس جگہیں بدلتا تھا اور آخری جگہ بھی آخری نہیں ثابت ہوتی تھی.... وہاں اسے کسی تحریر کے ذریعہ کوئی دوسری جگہ بتائی جاتی تھی.... اور پھر بتائی ہوئی جگہ پر ڈگبی چمڑے کا سوٹ کیس رکھ کر وہاں سے بھاگ لیا کرتا تھا۔

ڈگبی کا بیان تھا کہ اسے فون پر دو مختلف آدمیوں سے احکامات ملا کرتے تھے وہ دونوں کی آوازوں میں بخوبی فرق کر سکتا تھا.... رقومات کی وصولیابی کے سلسلہ میں جو شخص گفتگو کرتا تھا اس کی آواز صرف وصولیابی ہی کے سلسلے میں سنی جاتی تھی.... کوکین کی فروخت کے بارے میں جو شخص احکامات صادر کرتا تھا اس کی آواز وصولیابی کی گفتگو کے سلسلہ میں کبھی نہیں سنی گئی تھی۔

ڈگبی کا یہ بیان فریدی کی توقعات ہی کے مطابق تھا۔

چونکہ اسے یقین تھا کہ اس وقت کوئی بھی اس کی نگرانی نہ کر رہا ہوگا اس لئے وہ بڑی لاپر
سے ڈگبی کا تعاقب کر رہا تھا۔

وہ نامعلوم آدمی اتنا احمق نہیں ہو سکتا تھا کہ وصولیابی کے وقت ڈگبی کی نگرانی کرا کے اپنا
بھی ظاہر کرا دیتا۔ ڈگبی ہی نے فریدی کو بتایا تھا کہ وصولیابی کے متعلق ہر اڈے کے سرغنہ
علاوہ اور کسی کو علم نہیں ہونے پاتا کہ کون سا دن یا مقام مقرر کیا گیا ہے، اور یہ ڈگبی کا خیال تھا
کسی اڈے کے سرغنہ کو بھی یہ نہ معلوم ہونے دیا جاتا ہوگا کہ کسی دوسرے اڈے کی ادائیگی
اوقات معلوم کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی اتنا بدھو نہیں تھا
دوسروں پر اپنی ادائیگی کا وقت یا مقام ظاہر کر دیتا۔

وہ اچھے لوگوں کی جماعت تو تھی نہیں کہ انہیں ایک دوسرے کا پاس و لحاظ ہوتا۔ اگر وہ ایک
دوسرے کی ادائیگی کے وقت اور مقام سے واقف ہو جاتے تو روز ہی شہر کے کسی نہ کسی گوشے
ایک لاش ملتی، جو کسی اڈے کے سرغنہ ہی کی ہوتی اور گروہ کے سربراہ کو آئے دن لے
خساروں کا سامنا کرنا پڑتا اس لئے اس کی سخت ترین تنبیہہ تھی کہ سرغنے ادائیگی کے وقت اور
سے کسی کو بھی آگاہ نہ کریں۔

کسی میں بھی ہمت نہیں تھی کہ وہ ایک پائی کی بھی "بے ایمانی" کر سکتا! ڈگ کا بیان تھا
آج تک اس کے اور باس کے حساب میں ایک آنے کا بھی فرق نہیں پڑا تھا۔ جتنی رقم وہ خود
فون پر بتاتا اتنی ہی رقم سرغنوں کے حساب سے بھی بنتی تھی۔ ڈگبی دوسروں کے متعلق وثوق
نہیں کہہ سکتا تھا مگر خود اس کے حساب میں آج تک ذرہ برابر بھی فرق نہیں پڑا تھا....

ڈگبی نے میونسپل گارڈن سے نکل کر ایک ٹیکسی لی اور فریدی نے اسے ڈرائیور سے
آواز میں کہتے سنا۔ "ریلوے اسٹیشن"

اب فریدی کو جلدی نہیں تھی۔ وہ اس سے پہلے بھی ریلوے اسٹیشن پہنچ سکتا تھا۔ جب
نظروں سے اوجھل ہو گئی تو اس نے بے آواز موٹر سائیکل سنبھالی اور مختصر ترین راستہ اختیار
کرنے کے سلسلہ میں تنگ و تاریک گلیاں ناپنی شروع کر دیں۔

چونکہ اسے یقین تھا کہ مجرم تنہا ہی ہوگا اس لئے اس نے بھی تنہا ہی کام کرنا مناسب

تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے کسی آدمی کی لغزش کی بناء پر اسے نکل جانے کا موقع مل جائے۔

تھوڑی دیر بعد وہ ریلوے اسٹیشن پہنچ گیا اور پھر اسے تقریباً دس منٹ تک ڈگبی کی ٹیکسی کا
انتظار کرنا پڑا.... ڈگبی سوٹ کیس سنبھالے ہوئے اس کے قریب ہی سے گذر گیا لیکن اسے نہیں
پہچان سکا کیونکہ وہ ایک بوڑھے آدمی کے میک اپ میں تھا۔

پھر اس نے ڈگبی کو ونڈو پر ٹکٹ خریدتے دیکھا ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سفر کا ارادہ رکھتا ہو۔

فریدی اس کے پیچھے تھوڑے فاصلے سے چلتا رہا۔

ڈگبی نے اندر پہنچ کر اس دور دراز پلیٹ فارم کا رخ کیا، جو عموماً ویران پڑا رہتا تھا۔ جہاں
صرف مال گاڑیوں سے سامان اتارا جاتا تھا، لیکن کبھی کبھی دوسرے پلیٹ فارم خالی نہ ہونے کی بناء
پر یہاں سواری گاڑیاں بھی رکا کرتی تھیں اور قلیوں کو یہاں سے سامان لاد کر گیٹ تک پہنچنے کے
لئے ایک لمبا راستہ طے کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے انہوں نے اس پلیٹ فارم کا نام گدھا لائن رکھ دیا
تھا۔ پھر یہ نام اتنا مشہور ہوا کہ ریلوے کے رجسٹروں اور کاغذات میں بھی اس کا اندراج گدھا لائن
ہی کے نام سے ہونے لگا۔

پلیٹ فارم کا کچھ حصہ بالکل ہی تاریک تھا اس وقت یہاں ایک مال گاڑی بھی موجود تھی
جس سے سامان اتار کر پلیٹ فارم پر جگہ جگہ ڈھیر کر دیا گیا تھا اور تین چار قلی اب بھی مختلف ڈبوں
سے سامان نکال رہے تھے۔

ڈگبی پلیٹ فارم کے تاریک حصے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ پھر فریدی نے اسے بائیں جانب
لائن پر اترتے دیکھا.... اسی طرف مال گاڑی بھی کھڑی ہوئی تھی۔ فریدی بھی دو ڈبوں کی
درمیانی خلاء سے دوسری طرف اتر گیا۔

تھوڑے ہی فاصلہ پر ڈگبی کا سایہ جھکا ہوا آ رہا تھا۔ فریدی نے جگہ کا اندازہ کر لیا! یہاں دو
لائنوں کے درمیان ایک پرانی قبر تھی جسے آج تک برقرار رکھا گیا تھا اس کے متعلق طرح طرح
کی روائتیں مشہور تھیں۔ ہر سال اس قبر پر عرس کے سلسلہ میں ایک چھوٹا موٹا سا میلہ لگتا تھا اور
انگریزوں کے دور میں یہ ضروری تھا کہ حلقے کا سب سے بڑا ریلوے آفیسر بھی اس عرس میں
شرکت کرے۔ سنا جاتا تھا کہ جب یہاں سے ریلوے لائن نکالی جا رہی تھی، کھدائی کے دوران
ایک ایسی لاش نکلی تھی، جس کا کفن تک میلا نہیں ہوا تھا۔ لاش دوسری جگہ دفن کر دی گئی، لیکن

اسی رات کو انجینئر پر سوتے وقت خون کی بارش ہوئی اور اس کی خواب گاہ میں انسانی سر اور ہ
کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ دوسری صبح انجینئر کو رائے دی گئی کہ وہ اس لاش کو پھر وہیں دفن کرا
جہاں سے وہ نکلی تھی اور ریلوے لائن قبر سے الگ ہٹا کر بچھوائے.... اس نے یہی کیا تب کہ
جا کر اس کی جان چھوٹی.... قبر نامعلوم تھی اس لئے یہ ریلوے بابا کی قبر کے نام سے مشہور ہو
.... اور یہاں چڑھاوے وغیرہ چڑھنے لگے.... لیکن اس وقت وہ دو لاکھ چڑھاوے کی رقم نہ
تھی۔ پھر بھی "ریلوے بابا" کو اسے تھوڑی دیر تک برداشت کرنا ہی تھا.... فریدی نے ادھر ادھ
دیکھا۔ گاڑی سے انجن الگ نہیں تھا اور نہ قریب و دور سے کسی شنٹنگ کرنے والے انجن کی آوا
آ رہی تھی۔ وہ چپ چاپ دوبارہ ڈبوں کی درمیانی خلاء میں رینگ آیا.... لیکن ٹھیک اسی وقت
سناٹے میں ایک تیز قسم کی چیخ گونجی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کوئی آدمی کسی ذبح ہونے والے
بھینسے کی طرح ڈکرایا ہو۔ پھر اور بھی کئی آوازیں ابھریں، جن میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آوا
بھی شامل تھیں اور یہ ساری ہی آوازیں پلیٹ فارم کی طرف سے آئی تھیں.... دوسری طرف
ڈگی بھی اچھل کر بھاگا اور دوڑتا ہی چلا گیا حتیٰ کہ گہری تاریکی نے اسے اپنے دامن میں چھپا لیا۔

لیکن فریدی اب بھی وہیں کھڑا تھا نہ تو اس نے پلیٹ فارم کی طرف مڑ کر دیکھا اور نہ وہاں
سے ہلا۔ اس کی نظریں تو "ریلوے بابا" کی قبر کی طرف تھیں۔

دفعتاً اسے ایسا محسوس ہوا جیسے چوپایہ زمین سے چپکا ہو آہستہ آہستہ قبر کی طرف بڑھ رہا ہو
پلیٹ فارم کی طرف سے اب بھی چیخوں کی آوازیں چلی آ رہی تھیں۔ "ارے مار ڈالا...
بچاؤ.... بچاؤ.... مجھے اٹھاؤ.... ہسپتال ہسپتال....!"

دوسرے ہی لمحے میں فریدی بھی سینے کے بل رینگتا ہوا مزار کی جانب بڑھ رہا تھا.... اس کی
رفتار خاصی تیز تھی لیکن کیا مجال کہ ذرا سی سرسراہٹ کی آواز بھی پیدا ہو جاتی، ویسے وہ تھوڑے
ہی فاصلے پر سرسراہٹ کی آواز سن رہا تھا.... یک بیک آگے والا آدمی رک گیا۔ شائد سوٹ کیس
اس کے ہاتھ لگ گیا تھا۔

اچانک فریدی نے اس پر چھلانگ لگائی اور دبوچ بیٹھا۔ سب سے پہلے اس کا ہاتھ اس کی جیب
پر پڑا اور اس نے اس کا ریوالور نکال لیا.... نیچے دبا ہوا آدمی کسی زخمی سانپ کی طرح پلٹا لیکن
فریدی کی گرفت سے نکل جانا آسان کام نہیں تھا۔

"سیدھے ہو جاؤ دوست۔" فریدی نے آواز بدل کر کہا۔ "میں راحیلہ کے گروہ کا آدمی
ہوں۔ راحیلہ کو روپے کی اشد ضرورت تھی۔ فی الحال یہ دو لاکھ روپے اس کی ضرورت پوری
کر دیں گے۔"

"اوہو.... تو اس کی کیا ضرورت تھی۔" وہ آدمی نیچے سے بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔
"روپے تم لے جاؤ.... ہاں میں نے سنا تھا کہ راحیلہ نامی کوئی لڑکی گروہ سے برگشتہ ہو گئی ہے....
آخر اس کی کیا ضرورت تھی وہ اپنی شکایات بیان کر سکتی تھی.... کیا تم بھی گروہ سے کٹ گئے ہو۔"

"نہیں ہم نے نیا گروہ بنایا ہے۔"

"اس سے کسی کو بھی فائدہ نہ ہوگا....! دونوں ہی گروہ مفت میں اپنا وقت برباد کریں
گے.... اگر تم چاہو تو میں سمجھوتہ کر سکتا ہوں۔"

فریدی اس پر سے اٹھ گیا اور آہستہ سے بولا۔ "چپ چاپ نکل چلو.... تم شائد پلیٹ فارم
پر کسی کے چھرا مار آئے ہو۔"

"چلو....!" وہ سوٹ کیس اٹھائے ہوئے ایک طرف دوڑ پڑا.... فریدی بھی اس کے برابر
ہی دوڑ رہا تھا۔

نشیب میں اترتے وقت فریدی نے کہا۔ "اب ہم خطرے سے دور ہیں۔ اس باغ میں گھس چلو۔"

یہ ایک ویران باغ تھا۔ وہ دونوں وہاں آئے۔

فریدی غافل نہیں تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ سوٹ کیس والا دھوکے میں رکھ کر حملہ
ضرور کرے گا۔

"سمجھوتے کی باتیں بعد میں ہوں گی۔ پہلے یہ سوٹ میرے حوالے کر دو۔"

"لو....!" اس نے بائیں ہاتھ سے سوٹ کیس فریدی کی طرف بڑھایا اور داہنے سے اس
کے جبڑے پر بھرپور گھونسہ مارنے کی کوشش کی۔ فریدی ذرا سا بھی چوکتا تو اس گھونسہ کی منزل
اس کا جبڑا ہی بنتا لیکن وہ تو پہلے ہی سے ہوشیار تھا۔ اس نے اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر جھٹکا دیا اور وہ منہ
کے بل نیچے چلا آیا۔ دوسرے ہی لمحے میں فریدی اس پر سوار تھا۔ اس نے اس کے دونوں ہاتھ سر
کے اوپر کھینچ کر ہتھکڑیاں ڈالنے کی کوشش کی اور وہ بُری طرح مچلا لیکن فریدی نے اُسے ٹانگوں
سے گھ لیا تھا.... کافی جد و جہد کے بعد وہ اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال سکا۔

"اب سیدھے کھڑے ہو جاؤ پیارے۔" فریدی اسے چھوڑ کر ہٹتا ہوا بولا۔ "میں نے جنگلی سور کو پکڑ لیا ہے جس کے لئے فدیلی بہت مضطرب تھی اور میں اپنے دوست مسٹر ڈکسن کے لئے اس جنگلی سور کو پھانسی کے تختے تک لے جاؤں گا.... ریلوے بابا! تم گواہ رہنا۔"

مگر وہ آدمی زمین ہی پر پڑا رہا.... فریدی نے اس کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ یہ ایک معمر آدمی تھا۔ اس کے چہرے پر سفید گھنی ڈاڑھی تھی اور فی الحال آنکھیں بند تھیں۔

"ہے ہے.... کیا انداز ہے! غضب کرتے ہو یار....!" فریدی مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔

"ایک موقعہ کا شعر سن لو.... کیا بتاؤں میرا فرزند یہاں موجود نہیں ہے ورنہ وہی سناتا۔ مجھے تو شعر و شاعری سے دلچسپی نہیں ہے.... تو تم آنکھیں نہیں کھولو گے پیارے.... خیر سنو۔

سنی جو پیروں کی میرے آہٹ تو کیا ہی بن ٹھن کے سو گئے وہ
جو میں نے تلوؤں میں گدگدایا ہٹا دیا مسکرا کے آنچل

میں بڑا خشک آدمی ہوں۔ پتہ نہیں یہ رنگین سا شعر میرے ذہن کے کسی گوشے میں کہاں سے آ چپکا تھا۔ لیکن موقع تو دیکھو دوست....!"

پھر یک بیک اس کا موڈ بگڑ گیا اور وہ اسے گریبان سے پکڑ کر سیدھا کھڑا کرتا ہوا غرایا۔ "تم نے شائد ابھی کسی کو قتل کیا ہے۔"

بوڑھا سیدھا کھڑا ہو گیا تھا اور اس کی آنکھیں سرخ تھیں انہیں خونخوار ہی کہا جا سکتا تھا۔

"تم کون ہو....؟" اس نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"وہی پرانا خادم! مسٹر ڈکسن جسے تم نے جنگلی سور کی کہانی سنائی تھی۔" فریدی نے کہا۔ "مگر تم اتنے گھٹیا قسم کے میک اپ سے یہ توقع رکھتے ہو کہ وہ تمہاری شخصیت پر پردہ ڈال دے گا۔"

"تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کرنل فریدی۔" ڈکسن پر سکون لہجے میں بولا۔ "تم یہ نہ سمجھو ڈکسن کہ پہلے ہی سے میری نظر تم پر نہیں تھی اور میں تمہاری یا فدیلی کی باتوں میں آ گیا تھا۔ مجھے ان حملہ آوروں کے لڑنے کا انداز پہلے ہی شبہہ میں ڈال چکا تھا۔ جنہوں نے نیاگرا میں مجھ پر حملہ کیا تھا اور میں نے ہی انہیں موقع دیا تھا کہ وہ کسی ویران گوشہ میں مجھے تنہا پا کر حملہ کریں! مگر تم بالکل اناڑی ہو ڈکسن! تم اتنی لمبی چوڑی اسکیم بنا تو بیٹھے تھے لیکن اتنا سلیقہ بھی نہیں رکھتے کہ

انسانی فطرت کو نظر میں رکھتے ہوئے کسی فرد کے افعال کا جائزہ لے سکو۔ اگر تم نے اس رات میرے رویے پر غور کیا ہوتا تو مطمئن نہ ہو جاتے کہ فریدی پھندے میں پھنس گیا ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"جب وہ حملہ آور بھاگ نکلے تھے اور مجھ میں نبرد آزمائی کہ اتنی صلاحیت تھی کہ میرے کپڑے تک شکن آلود نہیں ہوئے تو میں نے ان بھاگنے والوں میں سے کسی ایک کا تعاقب کر کے اسے پکڑا کیوں نہیں تھا۔ یہ میرے لئے بڑا آسان کام ہوتا.... مسٹر ڈکسن۔"

ڈکسن کچھ نہ بولا۔ فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "تم پہلے احمق نہیں ہو۔ اس سے پہلے بھی کئی احمق مجھ سے ایسی زور آزمائی کر چکے ہیں۔ مجھے احساس بے بسی میں مبتلا کرنے کے خواب دیکھ چکے ہیں۔ میں جب بھی چاہتا تمہیں پکڑ لیتا.... مگر میں تو ایسی ہی کوئی سچویشن پیدا کرنا چاہتا تھا.... اب اس وقت تم پوری طرح میرے قبضے میں ہو۔ اس سوٹ کیس میں دو لاکھ کے نوٹ ہیں اور دو پیکٹ کوکین۔ میں نے ڈگبی کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ سوٹ کیس میں دو تین پیکٹ کوکین کے بھی رکھ دے۔"

"تم میرا کچھ نہیں کر سکتے۔" ڈکسن غرایا۔ "میں ٹیکم گڈھ جا رہا تھا۔ میرے جیب میں ٹکٹ موجود ہے۔ ریزرویشن بھی ہے۔ جس کا اندراج بکنگ آفس کی کتابوں میں ہو چکا ہے۔ دو لاکھ کیا میں دو کروڑ کی کرنسی کا گٹھر اپنے سر پر لاد کر چل سکتا ہوں۔ کون روکے گا مجھے.... اور کوکین تم نے میرے سوٹ کیس میں رکھی ہے۔ تم میرے بہت پرانے دشمن ہو، ایک بار میں نے ایک معاملہ میں تمہیں بڑی رشوت نہیں دی تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ تم میرے دشمن ہو۔ میں نے تم سے ان کوکین فروشوں کے سلسلہ میں مدد طلب کی تھی، جو میرے آفس کو کوکین فروشی کا اڈا بنائے ہوئے ہیں۔ آفس والے جانتے ہیں کہ میں کئی بار وہاں اس سلسلہ میں ہنگامہ بھی برپا کر چکا ہوں۔ وہ شہادت دیں گے کہ مجھے اس مسئلہ پر بڑی تشویش تھی کہ میرے آفس سے کوکین کا کاروبار ہو رہا تھا۔ جو بھی اس کا ذمہ دار تھا اس نے تمہیں رشوت دی اور الٹا مجھے ہی پھنسا دیا۔"

فریدی اس کی بکواس کا جواب دیئے بغیر اسے ایک جانب دھکیلتا رہا۔ وہ باغ سے باہر آ گئے۔ اب ڈکسن خود ہی چل رہا تھا لیکن چال میں لڑکھڑاہٹ نہیں تھی۔ ہر قدم جچا تلا معلوم ہو رہا تھا۔ آنکھیں اب بھی سرخ تھیں۔ فریدی نے موٹر سائیکل وہیں چھوڑ دی اور ٹیکسی کر کے کوتوالی پہنچا

لیکن اس سے اب زبردست غلطی ہوئی تھی۔ اسے چاہئے تھا کہ ٹیکسی میں بیٹھ جانے کے بعد ڈکسن پر نظر رکھتا یا اس کے ہاتھ پکڑے رہتا.... اب جو کوتوالی پہنچ کر دیکھا تو ڈکسن کے چہرے سے ڈاڑھی غائب تھی۔ اس نے سارے بال نوچ کر ٹیکسی ہی میں پھینک دیئے تھے۔

کوتوالی میں بہتیرے آفیسر ڈکسن کو پہچانتے تھے اس لئے وہاں خاصی ہلچل مچ گئی۔ ڈی۔ ایس۔ پی نے فریدی سے کہا کہ وہ آئی۔ جی سے مشورہ لئے بغیر کچھ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ معاملہ ایک بہت بڑے آدمی کا تھا۔ آئی۔ جی سے فون پر رابطہ قائم کیا گیا تو اس نے بھی کانوں پر ہاتھ رکھے اور وزیر داخلہ کا حوالہ دیا۔ وزیر داخلہ تک یہ بات پہنچی تو وہ خود ہی کھڑے آئے۔ کیونکہ ڈکسن ان کے دیرینہ دوستوں میں سے تھا۔ وزراء ہی پر منحصر نہیں وزیر اعظم سے اس کے تعلقات تھے۔

مگر فریدی کی شخصیت بھی معمولی نہیں تھی۔ وزیر داخلہ کو تھوڑی دیر کے لئے دم بخود ہو جانا پڑا لیکن پھر انہوں نے کہا۔ "کرنل.... تم ملک و قوم کے سچے خادم ہو.... مجھے اعتراف ہے لیکن تم سے غلطی ہو سکتی ہے۔"

فریدی نے انہیں یقین دلانے کی کوشش کی کہ اس سے غلطی نہیں ہوئی۔ ثبوت کے طور اس نے سوٹ کیس کو پیش کرنا چاہا لیکن وزیر خزانہ سمجھدار آدمی تھے۔ انہوں نے سب کے سامنے مزید گفتگو کرنے سے انکار کر دیا۔ سب سے پہلے ڈکسن کی ہتھکڑیاں کھلوائیں پھر ان دونوں کو ساتھ لے کر ایک خالی کمرے میں چلے آئے۔ یہاں ان تینوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ ڈکسن برابر یہی کہے جا رہا تھا کہ "پہلے فریدی کو سب کچھ کہہ لینے دیجئے پھر میں بولوں گا۔"

فریدی نے یہاں سوٹ کیس کھول ڈالا.... لیکن دوسرے ہی لمحے میں اسے اپنے پیر تلے سے زمین نکلتی معلوم ہونے لگی.... سوٹ کیس میں نہ تو کوکین کے پیکٹ تھے اور نہ دوا کے نوٹ.... ان کی بجائے.... ردی کاغذ کے بنڈل برآمد ہوئے۔

ڈکسن نے قہقہہ لگایا اور بولا۔ "یہ سوٹ کیس اس نے زبردستی میرے ہاتھوں میں پکڑا دیا تھا۔"

"تم اس وقت ٹھیک گڈھ جانے والے تھے۔" فریدی بھی خوشدلی سے مسکرایا۔

"تمہاری جیب میں ایئر کنڈیشنڈ کاریزرویشن موجود ہے۔ لیکن کیا تم لگیج کے بغیر اتنا لمبا سفر کرنے جا رہے تھے۔"

"مجھے بغیر لگیج سفر کرنے سے کون روک سکتا ہے۔" ڈکسن غرایا۔

وزیر داخلہ کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔ انہوں نے کہا۔ "بھئی کرنل! ختم بھی کرو۔ میرا دعویٰ ہے کہ تم سے غلطی سرزد ہوئی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ بات آگے بڑھے۔"

"میں ہتک عزت کا دعویٰ کروں گا۔" ڈکسن نے کہا۔

"نہیں.... یہ سب کچھ نہیں ہوگا.... تم اپنے گھر جاؤ.... اور کرنل اپنے گھر جائیں گے۔" وزیر داخلہ نے سخت لہجے میں کہا۔ "میں دیکھوں گا کہ یہ خبر پریس سے نہ آؤٹ ہونے پائے۔"

فریدی سوچ رہا تھا کہ ڈگمی اپنا کام کر گیا.... اس نے سوچا ہوگا کہ اب سرغنہ تو پکڑ ہی لیا جائے گا۔ پھر دو لاکھ وہ خود ہی کیوں نہ ہتھیا لے۔ اگر سوٹ کیس سرغنہ تک پہنچ بھی گیا اور وہ نہ پکڑا جا سکا تو بعد میں اسے پولیس کی کہانی سنا دے گا۔ کہے گا پولیس اس کے پیچھے تھی۔ لہٰذا اس نے سوٹ کیس میں نوٹوں کی بجائے ردی کاغذ بھر لیا تھا۔

شکار

دوسرے دن بارہ بجے فریدی نے سارے شہر کے اڈوں پر چھاپے مار کر کوکین بھی برآمد کی اور لوگوں کو بھی گرفتار کیا۔ شائد رات ہی کو ڈکسن نے انہیں کسی خطرے سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ ڈگمی بھی گرفتار کر لیا گیا۔ وہ شائد بھاگنے ہی کی فکر میں تھا لیکن فریدی کی بلیک فورس سے بچ کر کہاں جاتا.... حد یہ ہو گئی کہ ڈکسن نے اپنے آفس سے بھی کوکین کی کافی مقدار برآمد ہو جانے دی۔ کرتا بھی کیا اس کی اسکیم تو خاک ہی میں مل چکی تھی.... اب تو ضروری ہو گیا تھا کہ وہ اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے لائبریر تک کو ہتھکڑیاں لگ جانے دیتا۔ بہر حال ان گرفتار شدگان کے خلاف راحیلہ بہترین گواہ تھی۔ جب اسے ڈاکٹر زیٹو کی شخصیت کا علم ہوا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ اب بھی شاٹو ہی میں مقیم تھی۔ وہاں کے قیدی بھی سرکاری حوالات میں منتقل کر دیئے گئے تھے۔

لائبریر نے اپنی جو داستان بیان کی وہ بھی ان لوگوں کے بیانات سے مختلف نہیں تھی، جو اس گروہ کی قسم کا بھی تعلق رکھتے تھے! یعنی لائبریر کو بھی زبردستی اس پیشے میں لایا گیا تھا، جب

جیمس بارٹلے کی فرم میں اس کی تحویل سے زیورات چوری ہوئے تو اس کے خلاف کوئی قانونی کاروائی نہیں کی گئی تھی۔ صرف ملازمت سے سبکدوش کر دیا گیا تھا۔ لیکن تیسرے ہی دن اسے پولیس نے دھر لیا اور اپنا شبہ ظاہر کیا کہ وہ چوروں کے کسی بہت بڑے گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔ دو دن تک وہ بند رہا پھر اچانک اس سے کہا گیا کہ اس نے جیمس اینڈ بارٹلے کی تحویل سے خود ہی زیورات غائب کئے تھے۔ لائبر یہ نہیں بتا سکا کہ پولیس کو کن ذرائع سے جیمس اینڈ بارٹلے والے کیس کا علم ہوا تھا۔ خود فرم کی طرف سے تو کسی قسم کی بھی کاروائی نہیں کی گئی تھی۔ پھر تیسرے دن لائبر کو معلوم ہوا کہ وہ کسی کی تصدیق اور سفارش پر چھوڑا جا رہا ہے۔ وہ بھی چھوڑ دیا گیا لیکن اسے اس کا علم نہ ہو سکا کہ سفارش کرنے والا کون تھا۔ پھر لائبر نے بھی پولیس کو یہی کہانی سنائی کہ کسی نے اسے فون پر دھمکیاں دے کر منشیات کی ناجائز تجارت پر آمادہ کیا تھا اور بتایا تھا کہ اس نے اسے گرفتار کرایا تھا اور وہی اس کی رہائی کا باعث بنا ہے۔ اگر اس نے اس کے احکام کی تعمیل نہ کی تو اسے آئے دن پولیس سے دوچار ہونا پڑے گا جس کے خلاف کہیں بھی شنوائی نہ ہو سکے گی۔ پھر کچھ دنوں بعد اس نے ڈکسن کے آفس میں ملازمت بھی کر لی تھی تاکہ اس کا شمار معززین میں ہوتا رہے اور کوئی اس پر انگلی نہ اٹھا سکے۔ فریدی کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے اس نے بتایا کہ وہ صرف کوکین کی تقسیم کا ذمہ دار تھا۔ کیش اس کے پاس کبھی نہیں آیا۔ خود اس کا خرچ محنت اسے بیس ہزار روپے ماہوار کی شکل میں مل جایا کرتا تھا اور اسے اپنے فلیٹ کی میز کی دراز میں یہ رقم ملا کرتی تھی۔ یہ تو نہیں بتا سکا کہ رقم اس کے فلیٹ میں کون پہنچایا کرتا تھا۔ دن بھر آفس میں رہتا تھا اور فلیٹ اس دوران میں خالی ہوتا.... کوئی بھی تھوڑی سی ہاتھ کی صفائی دکھا کر فلیٹ میں داخلی ہو سکتا تھا۔ فریدی کے سوال کے جواب میں اس نے بتایا کہ اسے مسٹر ڈکسن کبھی شبہ نہیں ہوا تھا۔ اس نے فریدی کے اس خیال کو مضحکہ خیز قرار دیا کہ ڈکسن خود ہی اس گروہ کا سربراہ ہو سکتا ہے۔ چونکہ ڈکسن کا معاملہ سختی سے دبا دیا گیا تھا اس لئے عوام کے کانوں میں اس کی بھنک بھی نہیں پڑنے پائی تھی۔ لہٰذا لائبر بھی پچھلی رات والے واقعہ سے لاعلم تھا۔ بہرحال اس کے اس بیان سے فریدی نے اندازہ کر لیا کہ اس کے ملازمین عام طور پر اس سے ناخوش نہیں رہتے تھے اور اس کے بارے میں ایسی اچھی رائے رکھتے تھے کہ انہیں اس کے کسی گروہ کے سرغنہ ہونے کا یقین کبھی نہ آتا.... تو پھر یہ ڈکسن کچھوے کی طرح محفوظ اور سخت تھا۔

عام آدمیوں کو پچھلی رات کے کیس کا علم ہوا ہو یا نہ ہوا ہو لیکن کم از کم فریدی کے آفس میں تو یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی تھی۔

جنہیں فریدی کی موجودگی میں ابھرنے کا موقع نہیں ملا تھا وہ اس پر فقرے چست کر رہے تھے۔ پھبتیاں کہہ رہے تھے۔ مگر فریدی نے اس طوفان کا مقابلہ بڑی خندہ پیشانی سے کیا۔ البتہ حمید تو اپنا استعفیٰ جیب ہی میں لئے پھر رہا تھا۔ منتظر تھا کہ کب فریدی استعفیٰ دے اور وہ بھی اپنا استعفیٰ پھینک دے.... لیکن تین دن تک تو ایسا نہیں ہوا.... آخر حمید پر جھلاہٹ کا دورہ پڑا۔

"کہاں سو گئی ہے آپ کی حمیت۔" اس نے دانت پیس کر کہا۔

"خیریت....!" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"آپ استعفیٰ کب دیں گے۔"

"عقل چرنے گئی ہے کیا....؟ استعفیٰ کیوں دوں۔"

"خیر خدا کا شکر ہے کہ آپ احساس بے بسی کا شکار تو ہوئے۔" حمید نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"تم غلط فہمی میں مبتلا ہو فرزند! ایسی کوئی بات نہیں ہوئی جس کی بناء پر استعفیٰ دینا پڑے۔"

"تو پھر واقعی آپ نے غلط قدم اٹھایا تھا۔"

"نہیں.... میرا قدم جچا تلا تھا۔ مجھ سے اندازے کی بھی غلطی نہیں ہوئی تھی۔"

"تو پھر یہی کہنا چاہئے کہ آپ نے اپنی شکست تسلیم کر لی ہے۔"

"شکست جسے کہتے ہیں حمید صاحب۔ وہ صرف میری لاش ہی پر سے گذر سکتی ہے۔"

فریدی اٹھ کر ٹہلنے لگا.... حمید اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا.... جب خاموشی کا وقفہ طویل ہونے لگا تو حمید نے کہا۔ "اب آپ دعا مانگئے کہ اللہ کرے ڈکسن مر جائے۔"

"مرنا تو اسے پڑے گا حمید صاحب۔" وہ ٹہلتے ٹہلتے رک کر بولا۔ "اس نے درجنوں قتل کئے ہیں.... اسٹیشن پر جس قلی کے اس نے چھری ماری تھی وہ بھی ہسپتال میں مر چکا ہے۔ شائد اسے شبہ ہو گیا تھا کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ لہٰذا اس نے تعاقب کرنے والے پر اپنی ہیبت بٹھانے اور اسے چیخوں کی طرف متوجہ کر لینے کے لئے اس قلی کو چھری ماری تھی۔ میں تم سے کیا بیان کروں کہ اس کی چیخ کتنی بھیانک اور دلدوز تھی۔ میں نے بڑی مشکل سے خود کو چیک کیا تھا۔ میری جگہ کوئی بھی ہوتا آواز کی طرف دوڑتا چلا جاتا اور ڈکسن دوسری طرف سوٹ کیس سنبھال کر اپنی

راہ لگتا۔ قلی پر حملہ کرنے کا مقصد قتل سے زیادہ صرف زخمی کر دینا تھا تاکہ وہ وہیں گر کر چیخنے اور کراہتا رہے اور اس کی تاک میں اِدھر اُدھر چھپے ہوئے لوگ اس کی طرف دوڑ جائیں۔"

"میں تو سچ مچ دوڑ گیا ہوتا۔" حمید نے کہا۔

"مگر میرے افعال صرف قوت ارادی کے پابند ہیں۔ دوسری تحریکات کم ہی میرے جسم پر اثرانداز ہوتی ہیں۔"

• "ختم کیجئے۔ میں ہم چشموں کی بھبتیاں سنتے سنتے تنگ آگیا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں فوراً استعفیٰ دے دینا چاہئے۔"

"بہت ہی بچکانہ اور احمقانہ خیال ہے۔ ارے بھئی یہ وزراء صاحبان آج ہیں کل نہ ہوں گے اور پھر ہو سکتا ہے کہ وزیر داخلہ کی دانست میں وہ حقیقتاً کوئی شریف اور نیک آدمی ہو۔ اس کا ظاہر ایسا ہی ہے کہ کوئی اس پر انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ وزیر داخلہ کو یہی غلط فہمی ہوئی ہو کہ میں نے ڈکسن کو سمجھنے میں غلطی کی ہے اور انہوں نے اپنی دانست میں مجھ پر بھی رحم فرمایا ہو کہ معاملہ کو آگے نہیں بڑھنے دیا کیونکہ بھئی بہرحال میں بھی کچھ ٹوٹی پھوٹی سی حیثیت تو رکھتا ہی ہوں۔"

"اب اور بھی ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو گئی ہے۔" حمید نے سر ہلا کر کہا اور فریدی صرف مسکرا کر رہ گیا۔

پھر بولا۔ "ڈی۔ ایس۔ پی سٹی اور آئی جی کی نظروں میں لائبر ایک شریف اور نیک آدمی تھا۔ انہیں اس کا علم نہیں تھا کہ وہ ان بدمعاشوں کو کیوں پٹوا رہتا ہے.... ان کے علم میں جو وجہ لائی گئی تھی وہ قطعی مناسب اور جائز تھی.... مثلاً ڈگبی کو پٹوانے کے سلسلہ میں اس کی شکایت کی تھی کہ ڈگبی اس کے دفتر کے ایک چپڑاسی کو دھمکاتا رہتا ہے.... لیکن ڈگبی کو پیٹتے وقت کسی خاص آدمی کا حوالہ دیئے بغیر صرف اتنا ہی کہا جاتا تھا کہ اس نے لوگوں کو دھمکیاں دینا چھوڑا تو اس کی ہڈیاں توڑ دی جائیں گی.... خود ڈی۔ ایس۔ پی صاحب تو پیٹنے سے رہے۔ یہ کام معمولی کانسٹیبل سرانجام دیتے تھے ان کی جیبوں میں دس دس کے نوٹ ڈالے گئے اور جس طرح جی چاہا پٹوالیا۔"

"ارے چھوڑیئے ان قصوں کو.... آپ کہہ رہے تھے کہ ڈکسن نے کچھ قتل بھی کئے تھے۔"

"ہاں! گروہ کے مختلف لوگوں نے بتایا ہے کہ اکثر ان کے ساتھی یک بیک غائب بھی ہو

رہے ہیں، جو پھر کبھی نہیں دکھائی دیتے۔ ان سے کوئی غلطی سرزد ہوتی تھی اور وہ ختم کر دیئے جاتے تھے اور انہیں ان کے مکان کے قریب ہی کہیں دفن کرا دیا جاتا تھا۔"

"اس کا پتہ.... کیسے چل گیا کہ وہ دفن کرا دیئے جاتے تھے۔"

"میں نے بعض جگہوں کی کھدائی کرا کے کچھ پنجر برآمد کئے ہیں۔"

"مگر جگہوں کا علم آپ کو کیسے ہوا۔"

"لائبر نے بہت کچھ بتایا ہے.... مثلاً ایک رات اس نامعلوم آدمی کی طرف سے فون پر حکم ملا کہ وہ ایک آدمی کے مکان کی کمپاؤنڈ میں ایک قد آدم گڑھا کھدوائے۔ یہ کام راتوں رات ہونا تھا۔ لائبر نے گڑھا کھدوا دیا۔ مکان مقفل تھا اور لائبر جانتا تھا کہ مالک مکان بھی گروہ ہی سے تعلق رکھتا تھا۔ دوسری صبح اس نے دیکھا کہ گڑھا برابر ہو گیا ہے اور اس دن سے پھر وہ آدمی بھی نظر نہیں آیا۔ مکان مقفل ہی پڑا رہا۔"

"تو وہ قاتل ہونے کے باوجود بھی اپنی گردن صاف بچا لے گیا.... کیوں؟" حمید نے کہا۔

"یار دماغ نہ کھاؤ.... تم نے یہ کیسے سمجھ لیا ہے کہ وہ گردن بچا لے گیا۔ میں کہتا ہوں کہ اسے مرنا پڑے گا۔"

"اچھی بات ہے۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "میں جا کر کوشش کرتا ہوں۔"

"کیا کرو گے.... تم....!"

"جا کر آنکھ ماروں گا شائد اللہ کی مہربانی ہو.... مر ہی جائے۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"موقع ہو جاؤ.... مگر خبردار.... اس سے کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ مت کرنا۔"

"کیوں...." حمید چلتے چلتے رک کر مڑا۔

"اسے جب غصہ آتا ہے تو اس پر دیوانگی سی طاری ہو جاتی ہے۔ یہ اس کی ایک بہت بڑی کمزوری ہے۔"

"ارے آپ مجھے ڈرا رہے ہیں اس سے۔" حمید نے اکڑ کر کہا۔

"جاؤ.... میں نے تمہیں ایک بات بتائی ہے۔"

❁

تقریباً پندرہ دن بعد جشن جمہوریہ کے سلسلے میں کیپٹن حمید اور کرنل فریدی کی ڈیوٹی قصر

صدر میں لگائی گئی۔ شہر کے عمائدین وہاں مدعو تھے۔

چونکہ بارش کے آثار تھے اور اس سے پہلے بھی اتنی بارش ہو چکی تھی کہ لان بیکار ہو کر رہ گئے تھے اس لئے دعوت کا انتظام ایک بہت بڑے ہال میں کیا گیا تھا۔

حمید ہال ہی میں تھا اور اس کی روح تازہ ہوئی جا رہی تھی.... کیونکہ وہاں حسن ہر رنگ میں نظر آ رہا تھا۔

اچانک اس نے فائر کی آواز سنی لیکن اندازہ نہ کر سکا کہ آواز کدھر سے آئی تھی۔ لیکن پھر اس نے شور بھی سنا اور ہال میں کھلبلی مچ گئی۔ ایک فائر پھر ہوا اور اب اس نے فریدی کو چیختے سنا جو کہہ رہا تھا۔ "ڈکسن تم پاگل ہو گئے ہو۔ میں کہتا ہوں ریوالور پھینک دو۔"

اور پھر فریدی بھاگتا ہوا ہال میں آ گیا۔ اس کے پیچھے ڈکسن تھا جس کے ہاتھ میں ریوالور نظر آ رہا تھا۔ فریدی اس طرف پیچھے ہٹنے لگا جدھر آدمی نہیں تھے۔ ساتھ ہی وہ کہتا جا رہا تھا۔ "تم پاگل ہو گئے ہو ڈکسن ریوالور پھینک دو۔ یہ قصر صدر ہے۔ ریوالور پھینک دو۔ ورنہ کسی کے گولی لگ جائے گی۔"

ڈکسن نے پھر فائر کیا اور فریدی خود کو بچاتا ہوا چیخا۔ "کوئی اس کے قریب نہ آئے یہ پاگل ہو گیا ہے۔"

ریوالور سے پھر شعلہ نکلا۔ فریدی نے پھر جھکائی دے کر خود کو بچایا۔ مگر ٹھیک اسی وقت دو فائر پھر ہوئے.... اور ڈکسن دھم سے فرش پر چلا آیا۔

صدر کے دو باڈی گارڈز کے ریوالوروں سے دھوئیں کی لکیریں نکل رہی تھیں، اب کہیں تک حمید کو عقل آنے لگی تھی۔ اس نے سوچا کہ اچھا ہی ہوا اس نے ڈکسن پر فائر نہیں کیا ورنہ ریوالور تو اس کے ہولسٹر میں موجود ہی تھا۔

سب سے پہلے اس کے محکمہ کا ڈی۔ آئی۔ جی فریدی کے پاس پہنچا۔

"یہ کیا ہوا.... کیسے ہوا۔" وہ اس کا بازو جھنجھوڑ کر بولا۔

"کچھ نہیں جناب۔" فریدی بلند آواز میں بولا۔ "میں احکامات کے مطابق مہمانوں کی تلاشی لے کر اندر بھیج رہا تھا کہ یہ حضرت تشریف لائے۔ جب میں جھک کر ان کی جیبوں پر ہاتھ لگا رہا تھا انہوں نے میری ہولسٹر سے ریوالور کھینچ لیا.... میں اچھل کر پیچھے ہٹا اور انہوں نے فائر جھونک مارا.... جناب....!"

حمید کانپ کر رہ گیا۔ فریدی اس وقت بڑے بھولے پن کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ لیکن حمید کو وہ کتنا ڈراؤنا لگ رہا تھا اس کا دل ہی جانتا تھا.... کچھ ہی دن پہلے اس نے کہا تھا۔ "جسے شکست کہتے ہیں حمید صاحب وہ صرف میری لاش ہی پر سے گذر سکتی ہے اور ڈکسن قاتل ہے اس لئے اسے مرنا ہی پڑے گا۔"

مگر اس وقت یہ سب کچھ کیسے ہوا ہو گا؟.... اس کے فرشتے بھی اس کا اندازہ کرنے سے قاصر تھے۔

وہ صدر مملکت کی آنکھوں کے سامنے مرا تھا.... اس پر صدر مملکت کے باڈی گارڈ نے گولی چلائی تھی.... فریدی خالی ہاتھ تھا اور فریدی ہی کے ریوالور سے ڈکسن فریدی پر گولیاں برساتا ہوا باڈی گارڈ کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔

حمید ایک بار پھر کانپ گیا.... فریدی پھر فریدی ہے۔ شکست کو لازمی طور پر اس کی لاش ہی پر سے گذرنا پڑے گا۔

لاش کے قریب سے بھیڑ ہٹائی جانے لگی.... فریدی کو کچھ آفیسر دوسری طرف لے کر چلے گئے ان میں صدر مملکت کا پرسنل سیکریٹری بھی تھا جسے صدر نے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ ڈکسن کا ذہنی توازن درست نہیں تھا۔ بلاوجہ اس نے یہ خونی کھیل شروع کر دیا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "ویسے کچھ ہی دنوں پہلے کی بات ہے...."

اس کے محکمہ کے ڈی۔ آئی۔ جی نے اسے گھور کر دیکھا اور فریدی نے جلدی سے کہا۔ "ہماری ملاقات نیاگرہ میں ہوئی تھی، تب تو بالکل ٹھیک تھا اور اس کے ساتھ اس کی بیوی فدیلی بھی تھی۔"

ڈی۔ آئی۔ جی دوسری طرف دیکھنے لگا.... فریدی نے اس حادثہ کے متعلق صدر کے پرسنل سیکریٹری کو وہی بتایا جو پہلے بتا چکا تھا۔

❁

اسی رات کو فدیلی نے ایک پریس رپورٹر کو بیان دیا کہ ادھر کچھ دنوں سے ڈکسن کی ذہنی

حالت درست نہیں تھی۔ اس نے اس دوران میں فدیلی کو چمڑے کے چابک سے مارا بھی تھا۔ فدیلی نے پریس رپورٹر کو اپنے بازوؤں اور شانوں پر نیلے نشانات دکھائے اور بتایا کہ ڈکسن نے اسے قید کر دیا تھا۔ ایک کمرے میں بند رکھتا تھا اور ملازموں سے کہتا تھا کہ مادام کی ذہنی حالت خراب ہو گئی ہے اس لئے اسے کسی وقت بھی کمرے سے نہ نکلنے دیا جائے۔

کئی پریس رپورٹر ڈکسن کی کوٹھی کے گرد منڈلا رہے تھے۔ لیکن صرف وہی ایک رپورٹر فدیلی تک پہنچنے میں کامیاب ہو سکا تھا.... یہ اسٹار کا کرائم رپورٹر انور تھا۔

جب وہ باہر نکلا تو دوسرے رپورٹروں نے اسے گھیرنا چاہا لیکن وہ ان سے پیچھا چھڑا کر سیدھا فریدی کے پاس آیا اور اسے فدیلی کے بیان سے آگاہ کیا۔

"ٹھیک ہے اس کا بیان اسٹار میں جانے دو۔" فریدی نے کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا....!" انور تشویش کن لہجے میں بولا۔ "اس کہانی میں کہیں کوئی ایسی چیز ضرور ہے جسے کباب میں ہڈی کہا جا سکے۔"

"ہو گی۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا پھر انور کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا کر بولا۔ "کیوں بیٹے! تم رپورٹروں کا فن مجھ پر آزمانا چاہتے ہو۔ یہاں کچھ بھی نہ مل سکے گا۔"

"ارے.... توبہ توبہ....!" انور اپنے کان پکڑ کر منہ پیٹتا ہوا بولا۔ "میں نے سوچا تھا ممکن ہے کوئی ایسی خاص بات بھی ہو، جو آپ اس خادم سے نہ چھپائیں۔"

"جاؤ یار کان نہ کھاؤ۔" حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ "یہ پریس رپورٹر نہ جانے کیوں مجھے بالکل گدھے معلوم ہوتے ہیں۔ ڈنگر مر گیا چلو نوچیں۔"

کچھ دیر تک حمید اور انور کی چوٹیں چلتی رہیں پھر انور اٹھ گیا۔

فریدی نے فون پر فدیلی کے نمبر ڈائیل کئے۔ دوسری طرف سے فدیلی ہی کی آواز آئی۔

"میں کرنل فریدی ہوں۔"

"اوہ.... کرنل.... تم افسوس نہ کرنا۔ سب تمہاری ہی وجہ سے ہوا ہے۔ اگر میں قید ہوتی تو تمہیں آگاہ کر دیتی کہ اس سے ہوشیار رہو۔"

"کیوں.... کیا بات تھی۔"

"مجھے وزیر داخلہ سے معلوم ہوا تھا سب کچھ۔ آپ نے شاید کوکین کے بزنس کا الزام اسی

پر لگایا تھا۔"

"مگر میں نے غلط تو نہیں لگایا تھا۔ کیا تم بھی نہیں جانتیں کہ جنگلی سور وہ خود ہی تھا اور مجھے اس جال میں محض اس لئے پھانسنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اگر کبھی یہ بات کھل جائے تو کسی کو یقین نہ آ سکے۔ اس کے دفتر سے یقینی طور پر بزنس ہوتا تھا اور وہ خود پورے گروہ کا سرغنہ تھا مگر دفتر والے سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ سرغنہ ڈکسن ہی ہو سکتا ہے۔ اس معاملہ میں تو لائبر بھی دھوکا کھا گیا تھا۔"

"مگر اس نے تمہیں خواہ مخواہ کیوں چھیڑا تھا۔"

"یہ خدشہ دل سے نکالنے کے لئے کہ کبھی فریدی سے نہ مڈبھیڑ ہو جائے۔ وہ فریدی ہی پر چڑھ دوڑا۔ اس طرح کچھ دن دو دو ہاتھ ہونے پر فریدی کا خوف بھی جاتا رہا اور شائد اس نے یہ سوچا تھا کہ اس طرح وہ مجھے احساس بے بسی میں مبتلا کر دے گا۔"

"قسم کھاتی ہوں کرنل کہ میں دیدہ دانستہ اس سازش میں شریک نہیں ہوئی تھی۔ میں کچھ نہیں جانتی تھی۔ مجھ پر تو اس وقت حقیقت واضح ہونے لگی تھی۔ جب وہ تمہارے ہاتھوں پٹ کر گھر واپس آیا تھا اس نے مجھ سے کہا کہ تو سب کچھ جانتی تھی۔ تو نے فریدی کو بتا دیا، تو اس سے ناجائز تعلقات قائم کرنا چاہتی ہے۔ مگر میں تجھے اس عمارت میں سڑا دوں گا۔ پھر اس نے چابک سے مارا تھا۔ بہت بے دردی سے چابک برسائے تھے اور ایک کمرے میں بند کر دیا تھا۔ اس کی ذہنی حالت بہت خراب ہو گئی تھی۔ اگر ان دنوں فون تک میری رسائی ہوتی تو میں نے تمہیں باخبر کر دیا ہوتا۔ اب دیکھو نا.... آخر وہی بات ہوئی جس کا مجھے خدشہ تھا.... خدا نے تمہیں بچا لیا ورنہ تم اس کی دیوانگی کے شکار ہو گئے ہوتے۔ مجھے تو اس سے ذرہ برابر بھی ہمدردی نہیں رہ گئی۔"

"اچھا دیکھو اب کوکین وغیرہ کا تذکرہ نہ آنے پائے ورنہ اگر بات پھیل گئی تو تمہارے مستقبل کیلئے اچھا نہ ہو گا.... غالباً وزیر داخلہ بھی اس سلسلے میں خاموشی ہی اختیار کریں گے۔"

"میں تمہارے مشورے پر عمل کروں گی.... میں نے خود ہی کسی سے تذکرہ نہیں کیا۔"

"کیا حقیقت ہے کہ اس دن تم نے اس کے جسم پر نیل دیکھے تھے جب تم میرے یہاں سے واپس گئی تھیں۔"

"ہاں نیل تھے۔ بالکل ایسے ہی نشانات تھے جیسے چابک سے مرمت کی گئی ہو۔ لیکن یہ بھی فراڈ

تھا۔اس کی حقیقت بھی اس وقت ظاہر ہوئی تھی جب اس نے مجھے چابک سے مارا تھا۔ میں نے کہا میں اس ظلم کے خلاف رپورٹ درج کراؤں گی لیکن وہ اس پر ہنس پڑا تھا اور کہا تھا کہ وہ میرے جسم پائے جانے والے نشانات کو فراڈ ثابت کردے گا۔ پھر اس نے الماری سے ایک شیشی نکالی جس میں کوئی بے رنگ سیال تھا۔ اس نے روئی کی بھریری اس سیال میں ڈبو کر میری کلائی پر ایک لکیر کھینچ دی اور وہ لکیر مجھے آگ کی لکیر معلوم ہونے لگی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اتنی جگہ پر جہاں سیال تھا ایک نیلے رنگ کی لکیر ابھر آئی، جو چابک کی ڈالی ہوئی لکیروں سے مختلف نہیں تھی۔"

پھر فریدی نے دو چار رسمی جملوں کے بعد سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

"میں نے عرض کیا.... وہ کباب میں ہڈی۔" حمید کھنکار کر بولا۔

"انور کا اندازہ غلط نہیں تھا۔" فریدی مسکرایا۔ "ارے بھئی کسی کو بھی میرے بیان پر یقین نہیں ہے۔ لیکن کل کے اخبارات فدیلی کا بیان چھاپ کر میرے بیان کی تائید کردیں گے۔ یہ محض اتفاق ہے کہ اس کی بیوی کی طرف سے میرے بیان کی تائید ہوگئی ورنہ وہ بیچارہ قطعی خبط الدماغ تھا حمید صاحب۔"

"کیا مطلب....!"

"میں نے اسے اسی وقت تازہ تازہ پاگل بنایا تھا۔" فریدی اپنی بائیں آنکھ دبا کر بولا۔ اس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ مچل رہی تھی۔

"اگر میں پاگل ہوگیا تو آپ پر فائر بھی نہ کرسکوں گا۔" حمید جل کر بولا۔ "کیونکہ میرے پاس بیوی بھی نہیں ہے، جو آپ کے بیان کی تائید فرمادے گی۔"

"جھلو نہیں! بتاتا ہوں.... مجھے اس دوران میں اس کی بہتیری کمزوریاں معلوم ہوئی تھیں۔ سب سے بڑی کمزوری تو یہ تھی اس میں کہ وہ شدید غصہ کی حالت میں اپنی عقل کھو بیٹھتا تھا۔ لیکن ضرورت کسی ایسی حرکت کی تھی، جو اسے اتنا ہی غصہ دلا سکے، جتنے غصے کی حالت میں اس کی عقل کا تیاپانچہ ہو جاتا تھا۔ دوسری کمزوری اس میں یہ تھی کہ وہ چرپٹیشین تھا اور اپنی اصلیت کو چھپانے کی کوشش کرتا تھا۔ اس کی ماں دراصل چمارن تھی اور ایک انگریز آفیسر کے یہاں کے فرائض انجام دیتی تھی۔ اس کا تعلق کسی انگریز سے ہوگیا اور ڈکسن صاحب معرض وجود میں آئے.... بس اس وقت اس کی پیدائش کا حادثہ یاد آگیا تھا۔ اس لئے وہ غصہ میں اپنی عقل

بیٹھے۔ ہوا یہ کہ میں ایک کمرے میں بیٹھا ایک مہمان کی تلاشی لے کر اسے ہال میں بھیج رہا تھا۔ چونکہ اسکیم پہلے ہی سے میرے ذہن میں تھی۔ اس لئے میں نے عورتوں کی تلاشی کا انتظام دوسرے کمرے میں کر دیا تھا۔ وہاں ریکھا عورتوں کی تلاشی لے رہی تھی اور ادھر میں مردوں کو دیکھ رہا تھا۔ طریقہ یہ تھا کہ ایک وقت میں ایک ہی مہمان کمرے میں آئے.... کچھ دیر بعد ڈکسن صاحب تشریف لائے اور انہوں نے مجھے دیکھ کر بہت بُرا سا منہ بنایا لیکن کرتے کیا.... میں ان حضرت کی تلاشی لینے لگا اور اسی دوران میں چپکے سے اپنا ریوالور ان کی جیب میں کھسکا دیا۔ کوٹ کی جیب تھی، فوراً ہی وزنی ہوگئی۔ انہیں بھی احساس ہوگیا اور وہ پیچھے ہٹے ہی تھے کہ میں نے گریبان پکڑ لیا اور کہا کہ بیٹے تم یہاں ریوالور لے کر کیوں آئے ہو۔ آخر ہو نا چمارن کی اولاد۔ میں تم پر تھوکتا ہوں۔ یہ کہہ کر تھوک بھی دیا اس کے منہ پر.... بس پھر کیا تھا۔ آگیا غصہ شیر کو اور عقل کھوپڑی سے نکل کر نیویارک پہنچ گئی۔ بس اس نے میرا ریوالور اپنی جیب سے نکال کر مجھ پر جھونک مارا۔ میں نے ہال کا راستہ لیا۔ اسکیم یہی تھی کہ باڈی گارڈ اسے ختم کردیں۔ ویسے میں ڈر رہا تھا کہ کہیں تمہاری عقل بھی نہ اس کی عقل کو للکار بیٹھے اور پہلے تم ہی اس پر فائر جھونک مارو.... مگر خیر خدا کا شکر ہے کہ تمہاری عقل تمہاری کھوپڑی ہی میں رہ گئی تھی۔"

حمید سناٹے میں آگیا۔ وہ فریدی کو سگار سلگاتے دیکھ رہا تھا.... لیکن اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی آتشی عفریت بیٹھا جلتی ہوئی لکڑی چبا رہا ہو۔ اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔

دوسرے دن کے اخبارات میں فدیلی کا بیان آگیا۔ لیکن فریدی کے محکمے کا ہر فرد یہی سوچ رہا تھا کہ کباب میں ہڈی ضرور تھی۔

ویسے حقیقت حمید کے علاوہ اور کسی کو آج تک نہ معلوم ہو سکی۔

راحیلہ کوکین فروشوں کے مقدمے میں سلطانی گواہ بنائی گئی تھی.... وہ جب بھی حمید سے ملتی اس پر چھینکوں کا دورہ پڑ جاتا۔ وہ چھیڑتی رہتی اور حمید اسے بُرا بھلا کہتا رہتا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 78

آوارہ شہزادہ

(مکمل ناول)

پیشرس

آوارہ شہزادہ کی کہانی حاضر ہے.... کہانی میں نیا پن بھی آپ کو مل جائے گا لیکن تھیم نیا نہیں ہے۔ نئے تھیم آئیں بھی کہاں سے.... جو کچھ عام طور پر ہوتا رہتا ہے۔ اسی سے کہانیاں بھی مرتب کی جاتی ہیں.... اور ایک ہی بات ہزار طرح سے کہی جاتی ہے۔ بس کہنے کا اندازہ ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ اگر ایک ہی بات یکساں انداز میں دس بار دہرائی جائے تو آپ بور ہو جائیں گے۔ لیکن اگر کہنے کا انداز بدلتا رہے تو آپ کو پسند بھی آئے گی اور نئی بھی معلوم ہوگی.... مثال کے طور پر اگر کوئی بیمار متواتر کراہ رہا ہو... "ہائے میں مرا.... ہائے میں مرا۔" تو آپ شدت سے بور ہوں گے۔ لیکن اگر اچانک کہہ اٹھے "ہائے تیمار دار بھی مرے۔" تو آپ بیساختہ ہنس پڑیں گے۔ بات تو ایک ہی ہوئی یعنی مریض کی تکلیف جس کا اظہار وہ پہلے سیدھے سادے الفاظ میں کر رہا تھا اور آپ بور ہو رہے تھے تو کہنے کا مطلب یہ کہ بات کہنے کا انداز بدلتا رہنا چاہئے۔

ادھر بہت دنوں سے عمران سیریز کے خاص نمبر کا تقاضہ جاری ہے.... لیکن میرا وہی حال کہ "ہائے میں مرا" نہیں گھبرائیے نہیں نہ میں مریض ہوں اور نہ آپ تیماردار! اس لئے میں خدانخواستہ اس بات میں نیا پن پیدا کرنے کی کوشش نہیں کروں گا.... گذارش یہ ہے کہ عمران سیریز کا خاص نمبر بھی جلد ہی پیش کیا جائے گا۔ مگر جاسوسی دنیا کے خاص نمبر کے بعد....!

آوارہ شہزادہ کے بعد جاسوسی دنیا کا خاص نمبر "چاندنی کا دھواں" پیش کر رہا ہوں۔ کوشش یہی ہے کہ یہ بہتر سے بہتر ہو.... آپ کی خواہش کے مطابق اس میں کچھ تھوڑا سا "طلسم ہوشربائی" عنصر بھی ہوگا، جسے آپ سائنس فکشن کہتے ہیں اور میرا کوئی ایسا ناول پڑھنے کے بعد مجھے یہ ضرور لکھتے ہیں کہ "ہاں.... یہ تھا زوردار"

پچھلا ناول "اونچا شکار" آپ کو پسند آیا۔ اس کے لئے شکریہ قبول فرمائیے۔ جی ہاں بس! ہر کہانی کا اپنا مقدر ہوتا ہے اور وہ مقدر سو فیصدی میرے موڈ سے وابستہ ہے۔ اگر کہانی اچھے موڈ میں شروع کی تو مقدر بن گیا! ورنہ خیر اب ایسا بھی نہیں ہے کہ میری کوئی کہانی بالکل ہی چوپٹ گئی ہو! کچھ نہ کچھ تو ہوتا ہی ہے، اس میں جس کا اعتراف آپ کو بھی ہے۔"

اب کہانی شروع کیجئے....!

ابن صفی

۳۰/اگست ۱۹۵۸ء

خودکشی

بادلوں کی گرج سے شہر کی اونچی عمارتیں تھرا رہی تھیں۔

بارش شام سے اب تک نہیں تھمی تھی۔ کبھی کبھی زور ضرور کم ہو جاتا تھا لیکن پھر یک بیک بجلیاں کوندتیں بادل گرجتے اور پھر وہی موسلا دھار۔

لیڈی داؤد نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ ایسے موسم میں بھی اس کا حسین چہرہ کملایا ہوا تھا اور وہ اپنی عمر سے دس سال زیادہ کی معلوم ہو رہی تھی۔ بائیس تیئیس سال کی عمر ایسی نہیں ہوتی کہ آنکھیں ویران ہو کر رہ جائیں۔ ان میں جوانی کی ہلکی سی پرچھائیں بھی نہ نظر آئے۔

پھر وہ میز کی طرف پلٹ آئی.... اور اس چھوٹی سی مشین کو گھورنے لگی جس کے لیبل پر سرخ حروف میں "زہر" لکھا ہوا تھا۔

وہ دو گھنٹے سے سر داؤد کی منتظر تھی اور یہ دو گھنٹے اس نے اسی طرح گذارے تھے۔ کبھی بالکنی پر چلی جاتی اور کبھی میز کی طرف واپس آکر اس شیشی کو گھورنے لگتی.... یہ دو گھنٹے اسے ایسے ہی لگے تھے جیسے بیس سال گذر گئے ہوں.... اس کے چہرے پر بھی کم از کم بیس ہی سال کی تھکن نظر آرہی تھی۔

اسے آج کی رات ہر حال میں مر جانا تھا۔ وہ دوسری صبح نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ لیکن اس
خواہش تھی کہ مرنے سے پہلے سر داؤد سے ضرور گفتگو کرے اور یہ گفتگو اس کی ایک سالہ
ناہید کے علاوہ اور کسی کے متعلق نہ ہوتی، جو برابر والے کمرے میں سو رہی تھی۔

لیڈی داؤد کے ذہن میں اس وقت ناہید اور زہر کی شیشی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔
ایک کے مستقبل کی اسے فکر تھی اور دوسری خود اس پر مستقبل کے دروازے بند کرنے والی تھی۔
دونوں ہی اہم تھیں۔

اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ گیارہ بج رہے تھے۔ سر داؤد کی واپسی عموماً کافی رات گئے
کرتی تھی۔ وہ پچاس سے تجاوز کر چکا تھا لیکن شادی کو صرف تین سال ہوئے تھے۔ یعنی یہ پہلی
لیڈی داؤد تھی۔ گھر سے اتنی رات گئے تک باہر رہنے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اسے لیڈی داؤد
دلچسپی نہیں تھی۔ اس پر تو وہ جان دیتا تھا۔ حقیقتاً یہ کاروبار کا معاملہ تھا۔ شہر میں اس کے تین بہ
بہت بڑے ہوٹل تھے جس کے روزانہ کے حسابات کی جانچ پڑتال میں اسے کافی دیر ہو جاتی تھ
.... ویسے ان ہوٹلوں کے علاوہ بھی مختلف قسم کے کاروبار تھے۔ لیکن وہ ان ہوٹلوں میں ذاتی طو
پر دلچسپی لیتا تھا۔

لیڈی داؤد کی ذہنی رو، اب سر داؤد کی طرف مڑ گئی تھی۔ وہ کیا سوچے گا.... وہ کیا کر
گا.... اس کا کیا حشر ہوگا! اس بڑھاپے میں بھی وہ کسی ننھے سے بچے کی طرح اس کی نظر التفات
منتظر رہتا تھا۔ کچھ بھی ہو.... کچھ بھی ہو۔ اسے مرنا ہی پڑے گا۔

اچانک برابر والے کمرے میں ناہید چیخ کر روئی.... پہلے تو لیڈی داؤد بیتابانہ انداز میں
دروازے کی طرف جھپٹی، مگر پھر یک بیک ٹھٹک گئی۔ وہ اس وقت بچی کے قریب نہیں جانا چاہتی
تھی.... اگر وہ اپنے ننھے منے ہاتھ اس کی طرف پھیلا دے تو کیا ہوگا.... ہو سکتا ہے کہ اس کے
قدم ڈگمگا جائیں.... نہیں نہیں وہ اس کمرے میں سر داؤد کا انتظار کرے گی۔

ناہید کی آواز کے ساتھ ہی اس کی نرس میریا کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ شائد وہ اسے
تھپک رہی تھی جب وہ روتی ہے.... جب وہ روتی ہے.... لیڈی داؤد کے ذہن میں ناہید کے ننھے
ننھے ہونٹ ابھر آئے۔ رونے کے لئے مخصوص انداز میں سکڑے ہوئے ہونٹ.... اس کا دل
ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگا اور وہ خود بھی پھوٹ پڑی.... پھر وہ اس طرح دھاڑیں مار مار کر روئی تھی

کہ میریا بچی کو چھوڑ کر اس کے کمرے میں چلی آئی تھی۔



دوسری صبح کرنل فریدی ناشتے کی میز پر پہنچا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے حمید کو کال
ریسیو کرنے کا اشارہ کیا.... حمید اٹھا تو تھا مگر حلوے کی پلیٹ بھی اس کے ساتھ ہی فون والے
کمرے میں چلی گئی۔

اور پھر جب وہ وہاں سے واپس آیا تو اس کا منہ کھلا ہوا تھا اور حلوے سے دونوں ہونٹوں کی
درمیانی خلاء پر نظر آ رہی تھی۔

پلیٹ میز پر رکھ کر اس نے سارا حلوہ ایک ہی بار حلق سے اتارنے کی کوشش کرتے ہوئے
کہا۔ "ڈڈ.... ڈی۔ آئی۔ جی صاحب۔"

فریدی سینڈوچ ہاتھ سے رکھ کر اٹھ گیا۔

دوسری طرف ڈی۔ آئی۔ جی ہی تھا۔

"دیکھو بھئی۔" وہ جلدی جلدی کہہ رہا تھا۔ "تمہیں بذات خود تفتیش کرنی ہے۔ پچھلی رات
لیڈی داؤد نے خودکشی کر لی۔ حالات ایسے ہیں کہ اسے کسی گھریلو جھگڑے کا نتیجہ نہیں کہا جا سکتا۔"

"لیڈی داؤد....!" فریدی نے کہا۔ "میں یہ نام سن چکا ہوں۔ غالباً سر داؤد وہی ہیں جن کا
ہوٹل دی فرانس ہے۔"

"وہی.... وہی....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "پچھلی رات وہ اپنے ایک ہوٹل میں
حسابات کی دیکھ بھال کر رہے تھے.... غالباً ہوٹل دی فرانس ہی کی بات ہے.... ساڑھے گیارہ
بجے کسی نے فون پر انہیں اطلاع دی کہ لیڈی داؤد کچھ دیر پہلے ڈی لکس میڈیکل اسٹور میں زہر
خریدنے آئی تھیں۔ منیجر نے ان سے معذرت طلب کرتے ہوئے انہیں بتایا کہ زہر کے لئے
انہیں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کا اجازت نامہ پیش کرنا پڑے گا۔ پھر منیجر کسی کام سے اندر چلا گیا اور
لیڈی داؤد نے ایک سیلز مین کو پچاس روپے بطور رشوت دے کر زہر حاصل ہی کر لیا۔ یہ بات منیجر
کے علم میں اس وقت آئی جب لیڈی داؤد کی کار حرکت میں آ گئی تھی۔ فون پر گفتگو کرنے والے
نے خود کو میڈیکل اسٹور کا مالک ظاہر کیا تھا اور کہا تھا کہ اگر زہر پوری مقدار میں واپس نہ کیا گیا تو

وہ پولیس کو اس کی اطلاع دیدے گا۔ اس اطلاع پر سر داؤد بڑی بد حواسی کے عالم میں گھر پہنچے لیڈی داؤد سے پہلے نرس میریا سے ملاقات ہوئی اس نے انہیں بتایا کہ لیڈی داؤد اپنی خواب گاہ میں رو رہی ہیں۔ وہ ان کے کمرے میں گئی تھی لیکن انہوں نے ڈانٹ کر بھگا دیا۔ سر داؤد دوڑتے ہوئے اوپری منزل پر پہنچے، جہاں خواب گاہ تھی، جیسے ہی وہ خواب گاہ میں پہنچے لیڈی داؤد کے ہاتھوں سے گلاس چھوٹ گیا۔ لیڈی داؤد کے حلق سے ایک چیخ بھی نکلی تھی اور پھر وہ کچھ کہے بغیر بالکنی کی طرف دوڑی تھیں اور نیچے چھلانگ لگادی تھی۔ پھر وہ دو گھنٹے تک زندہ رہیں لیکن پولیس کو بیان نہیں دے سکی تھیں۔"

"یہ سر داؤد کا بیان ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں سر داؤد کا بیان ہے۔"

"لیکن آپ کو اس کی صحت میں شبہ ہے۔"

"سر داؤد سے میرے دوستانہ تعلقات ہیں۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔ "وہ ایک اچھا آد ہے! بیان میں مجھے کوئی شبہ نہیں ہے، لیکن پولیس کی رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ لیڈی داؤد ڈی۔ لکس میڈیکل ہال میں گئی تھیں اور نہ اس کا منیجر انہیں پہچانتا تھا۔ میڈیکل ہال کے مالک بھی اسے تسلیم نہیں کیا کہ اس نے کسی ایسے واقعہ کی اطلاع سر داؤد کو فون پر دی تھی۔"

فریدی نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی! اس کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئی تھیں۔

"لیڈی داؤد اس وقت زہر ہی پینے جارہی تھیں، جب سر داؤد کمرے میں داخل ہو تھے۔" اس نے پوچھا۔

"ہاں یہی سچویشن تھی۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے جواب دیا۔ "جس کا یہی مطلب ہو سکتا ہے گلاس ہاتھ سے چھوٹ جانے پر بھی وہ خودکشی کا خیال دل سے نہیں نکال سکی تھیں! وہ طے کر تھیں کہ انہیں ہر حال میں مر جانا ہے، اس لئے انہوں نے ایک ذریعہ ختم ہوتے دیکھ کر چھلانگ لگادی۔"

"لاش کہاں ہے۔"

"وہ تو پوسٹمارٹم کے لئے جاچکی ہے۔"

"ہدایت کر دیجئے کہ پوسٹمارٹم کی رپورٹ جلد از جلد میرے پاس بھیج دی جائے۔"

"ایسا ہی ہوگا۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

فریدی نے ناشتے کی میز پر اس کا تذکرہ چھیڑ دیا اور حمید اس طرح منہ بنائے سنتا رہا جیسے ناشتہ میں اسے کچے شلجم چبانے پر مجبور کیا گیا ہو۔

"اس جوڑنے کو کبھی دیکھا آپ نے۔" اس نے فریدی کے خاموش ہو جانے پر پوچھا۔

"بارہا....!"

"سر داؤد کی بکواس ہے کہ کسی نے فون پر اس قسم کی گفتگو کی تھی۔ لیڈی داؤد کی خودکشی کا باعث سر داؤد کا بڑھاپا ہی ہو سکتا ہے۔"

"پھر کہانی میں اس ٹکڑے کا مقصد....!" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"مقصد اسی وقت ظاہر ہو جاتا ہے جب ڈی لکس میڈیکل اسٹور کا مالک سر داؤد کے بیان کی تردید کرتا ہے۔ جب منیجر کہتا ہے کہ اس نے لیڈی داؤد کو کبھی دیکھا ہی نہیں۔"

"ضروری نہیں ہے کہ ہر جوان عورت بوڑھے شوہر کو ناپسند ہی کرتی ہو۔ حمید صاحب بیشتر لڑکیاں تو بوڑھے شوہروں کی خواہش مند رہتی ہیں۔ اپنے ہم عمروں میں ان کے لئے قطعی سکس اپیل نہیں ہوتی۔"

"الٹا فلسفہ....!"

"فلسفہ نہیں ہے۔ نفسیات فرزند.... یہ بھی جنسی کج روی کی ایک قسم ہے۔"

"میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔" حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ "کیونکہ میں اسے جوان کے گرد منڈلاتے دیکھ چکا ہوں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "ابھی پچھلے ہی دنوں میں نے اسے پرنس برونوف کے ساتھ دیکھا تھا۔"

"یہ کون ہے؟"

"زار روس کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ تین چار ماہ ہوئے فرانس سے یہاں آیا تھا۔ بہت مالدار آدمی ہے۔ اس پر لڑکیاں بقول شخصے.... برستی ہیں۔"

حمید کا منہ بگڑ گیا تھا۔

"کیوں تم اس کا تذکرہ اتنے ناخوشگوار لہجے میں کیوں کر رہے ہو۔" فریدی مسکرایا۔ "تمہاری کچھ ملنے والیاں بھی اس کے گرد جمع ہو گئی ہیں۔"

"چھوڑیئے! اس تذکرہ کو.... میں آج ہی اسے ذلیل کرنے والا ہوں۔"

"کیوں؟"

"وہ خود کو ایک اچھا نشانہ باز تصور کرتا ہے۔ اناڑی قسم کی لڑکیوں پر رعب ڈالنے کے رائفل کلب میں اپنے کمالات دکھایا کرتا ہے۔ ایک دن کسی سے شمشیر بازی بھی فرمائی تھی۔"

"پھر تم اسے کیسے ذلیل کرو گے۔"

"میں نے اسے چیلنج کیا ہے۔"

"حماقت سرزد ہوئی ہے تم سے۔"

"کیوں؟"

فریدی کچھ سوچ رہا تھا پیچھا چھڑانے کے لئے بولا۔ "کچھ نہیں۔"

"نہیں بتایئے نا....!"

"ڈفر ہو تم! تمہارا نشانہ.... میرا خیال ہے کہ تم اچھے نشانہ باز تو نہیں ہو! خیر ختم کرو داؤد سے ملنے جا رہا ہوں۔ تمہیں بھی چلنا ہے۔"

"مجھے ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے رائفل کلب پہنچنا ہے۔" حمید نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا لیڈی داؤد بھی رائفل کلب کی ممبر تھی۔"

"میرا خیال ہے کہ تھی۔"

"تب تو آج یہ مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ کلب یقینی طور پر بند رہے گا۔"

"محض خیال ہے کہ وہ رائفل کلب کی ممبر تھی۔ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔"

"خیر چلو پہلے وہیں چلیں گے۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ رائفل کلب کے لئے روانہ ہو گئے۔ پھر جب وہ کلب کی عمارت میں داخل ہوئے تو انہیں معلوم ہوا کہ ہال میں تعزیتی میٹنگ ہو رہی ہے۔

یہ دونوں بھی وہیں چلے گئے۔ حمید تو باقاعدہ طور پر یہاں کا ممبر تھا۔ میٹنگ کے اختتام

کا سیکریٹری سیدھا انہیں کی طرف آیا۔

یہ ایک دراز قد اور مضبوط جسم کا آدمی تھا۔ عمر چالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہو گی، رنگ گہرا گھنی اور ڈھلکی ہوئی مونچھیں تھیں۔ جن کے بال خم کھا کر نچلے ہونٹ پر سایہ کئے ہوئے تھے۔ یہ نسلاً یوریشین تھا۔ شہر کے ذی عزت لوگوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ اس کی نرم دلی اور خوش مزاجی مشہور تھی۔

"کرنل! بڑا افسوس ناک واقعہ ہے۔" وہ فریدی کی طرف مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔

"یقیناً مسٹر گراہم....!" فریدی مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ "لیڈی داؤد کب سے یہاں کی ممبر تھیں۔"

"زیادہ عرصہ نہیں گذرا...." گراہم کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "شائد پچھلے ماہ کی بات ہے کہ وہ ہم میں شریک ہوئی تھیں۔"

"میرا خیال ہے کہ ان کا نشانہ بھی اچھا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"بہت اچھا کہئے جناب۔" اس نے حمید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیپٹن اب یہ مقابلہ کل ہی ہو سکے گا۔"

"کوئی بات نہیں۔" حمید بولا۔

"میں اس وقت اسی لئے آیا تھا کہ اس قسم کا کوئی مقابلہ نہ ہونے دوں۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں....؟" گراہم کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

"پرنس برونوف ہمارے ملک میں مہمان ہے اس لئے ہمیں اس کی دل شکنی نہ کرنی چاہئے۔"

"اوہ.... ارے نہیں۔" گراہم ہاتھ ہلا کر ہنسنے لگا۔ "پرنس کو میں نے بہت قریب سے دیکھا ہے۔ وہ ایک سچا اسپورٹس مین ہے۔ اسے اپنی شکست کی ذرہ برابر بھی پراہ نہ ہو گی، ویسے میں اتنا ضرور کہوں گا کہ کیپٹن سے اندازے کی غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ میں فوجی زندگی کا دس سالہ تجربہ رکھتا ہوں۔ میری نظروں سے ہزاروں نشانہ باز گذرے ہیں، لیکن پرنس برونوف اپنی مثال آپ ہے۔"

"اس کی فکر نہ کرو دوست۔" حمید نے پائپ کی راکھ جھاڑتے ہوئے کہا۔ "میں بھی اسپورٹس مین ہی ہوں اور اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ شکست اندازے کی غلطی ہی کا نتیجہ ہوتی ہے۔"

"اوہ کیا آپ بُرا مان گئے جناب! میرا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا کہ آپ اس سے کسی طرح کم ہیں۔ میں کہنا کچھ چاہتا تھا زبان سے کچھ نکل گیا۔ آپ کیا پئیں گے۔ کرنل صاحب۔ کپتان

صاحب تو پیتے ہی نہیں۔"

"میں بھی نہیں پیتا۔" فریدی مسکرایا۔

"کمال کے آدمی ہیں آپ لوگ بھی.... اچھا جناب۔ میں ابھی حاضر ہوا۔"

سیکریٹری ہال سے چلا گیا۔ حمید بروٹوف کو گھورنے لگا، جو تین چار لڑکیوں کے نرغے میں کھڑا ہنس رہا تھا.... یہ ایک وجیہہ اور تندرست نوجوان تھا۔ جنس مقابل کے لئے اس کی شخصیت حقیقتاً بڑی پرکشش تھی۔ آج کل اس کے بڑے چرچے تھے۔ اونچے طبقے کی عورتیں خصوصیت سے اس کی مداح تھیں۔

یک بیک اس کی اور فریدی کی نظریں چار ہوگئیں اور پھر ایسا معلوم ہونے لگا جیسے وہ فریدی کے چہرے سے نظریں ہٹانے کی کوشش تو کر رہا ہے لیکن کامیابی نہیں ہوتی۔

اس کے گرد نظر آنے والی لڑکیاں بھی فریدی کی طرف متوجہ ہوگئی تھیں۔

"آؤ چلیں۔" فریدی نے حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔ پھر وہ لنکن میں آبیٹھے۔

"کیا یہاں سب تمہیں کیپٹن حمید ہی کی حیثیت سے جانتے ہیں۔" فریدی نے مشین اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں.... گراہم کے علاوہ شائد ہی کوئی میری اصلیت سے واقف ہو۔"

"کیوں....؟"

"جب میں ممبر ہونے لگا تھا تو اس نے خود ہی استدعا کی تھی کہ میں کسی پر اپنی اصلیت ظاہر نہ کروں۔ ممبروں کے رجسٹر میں اس نے میرا نام خاور لکھا تھا۔"

"تم نے وجہ نہیں پوچھی تھی۔"

"وجہ....!" حمید ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوگیا۔ تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر دیکھتا پھر بولا۔ "اس کا خیال تھا کہ اس طرح جرائم پیشہ لوگ کلب سے دور ہی رہیں گے۔"

"کیا بات ہوئی۔"

"وہ کہتا ہے کہ اکثر جرائم پیشہ لوگ بھی یہاں آگھستے ہیں اور شہر کے جرائم پیشہ لوگوں میں شائد ہی کوئی ایسا ہو جو ہمیں نہ پہچانتا ہو، لہٰذا اگر انہوں نے مجھے یہاں نام کی تبدیلی کے ساتھ پا

یقینی طور پر میری موجودگی کو مصلحت آمیز اور خطرناک تصور کریں گے۔ اس طرح اس کا کلب غیر پسندیدہ عناصر سے پاک رہ سکے گا۔"

فریدی نے کار اس سڑک پر موڑ دی جس پر سر داؤد کی کوٹھی تھی۔

یہاں اس وقت بھی پولیس والے موجود تھے! ڈی۔ ایس۔ پی سٹی نے فریدی کو دیکھ کر بُرا سا منہ بنایا۔ لیکن اسے بہر حال اس سے تعاون کرنا ہی تھا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی سر داؤد کا بیان اپنی ٹیکنیک کے مطابق نوٹ کر رہا تھا۔

"ہماری شادی۔" سر داؤد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "کسی قسم کے جبر کا نتیجہ نہیں تھی۔ پہلے ایک دوسرے کے بہترین دوست تھے۔ پھر ہماری شادی ہوئی تھی.... شادی سے قبل ہمارے جنسی تعلقات نہیں رہے تھے۔"

"تو آپ خودکشی کے اسباب پر روشنی نہیں ڈال سکیں گے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں! کاش مجھے کسی ایسی بات کا علم ہوتا۔"

"لیڈی صاحبہ کسی کلب کی ممبر تھیں؟"

"صرف رائفل کلب کی.... انہیں نشانہ بازی سے لگاؤ تھا۔ اس کے علاوہ میری دانست میں تو وہ کسی بھی کلب کی ممبر نہیں تھیں۔"

حمید اکتائی ہوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً ایک پتھر کا ٹکڑا کھڑکی کی راہ سے آکر سامنے والے فریم سے ٹکرایا جس میں سوئیٹزر لینڈ کے ایک منظر کی تصویر تھی.... شیشے کے ٹکڑے چھنچھناتے ہوئے فرش پر گرے۔

توہین

حمید نے کھڑکی کی طرف بڑھنا چاہا۔

"ٹھہرو....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "کھڑکی کے سامنے کوئی نہ جائے۔"

اس نے ادھر اُدھر دیکھ کر ایک گوشے سے ایک چھڑی اٹھائی۔ حمید اور سر داؤد اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے.... اس نے اپنی فلٹ ہیٹ چھڑی پر رکھی اور اسے اس طرح کھڑکی کے قریب

لے گیا کہ اس کا صرف اوپری حصہ باہر سے دیکھا جا سکے۔

"شائیں....!" فلٹ ہیٹ میں سوراخ کرنے والی گولی دوسری طرف کی دیوار میں گھس گئی یہ فائر شائد کسی سائیلنسر لگی ہوئی رائفل سے کیا گیا تھا۔ کیونکہ فائر کی آواز نہیں سنی گئی تھی۔

"دیکھو....!" فریدی نے حمید سے کہا اور حمید دوڑتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

"یہ دنیا بڑی عجیب جگہ ہے سر داؤد۔" فریدی نے فلٹ ہیٹ پر نظریں ڈالتے ہوئے کہا "آپ نہیں کہہ سکتے کہ کس وقت کیا ہو جائے گا.... سب کچھ غیر یقینی ہے۔ محترمہ کی خودکشی آپ کے لئے غیر متوقع تھی اور یہ گولی میرے لئے غیر متوقع تھی جس نے ابھی ابھی میری پسندیدہ فلٹ میں سوراخ کر دیا ہے۔"

"آپ یہیں کھڑے رہیں گے۔" سر داؤد نے حیرت سے کہا۔ "چلئے دیکھیں۔"

"فضول ہے۔" فریدی مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "اتنے دلیرانہ اقدام وہی لوگ کرتے ہیں، جنہیں بہت زیادہ خود اعتمادی ہو.... پارک میں آپ کو کوئی بھی نہ ملے گا.... پارک کیا کہئے، اسے تو آپ نے جنگل بنا رکھا ہے۔ میرا خیال ہے کہ مالتی کی بے ترتیب جھاڑیوں میں کم دس آدمی گھنٹوں چھپے رہ کر تلاش کرنے والوں کو ڈاج دے سکتے ہیں۔"

"یہ جھاڑیاں عمداً اس حالت میں چھوڑ دی گئی تھیں۔ خیال تھا کہ انہیں جنگلی جانوروں کی شکلوں میں ترشواؤں گا۔"

"کسی نے آپ کو غلط مشورہ دیا ہوگا۔ مالتی کی جھاڑیوں میں اس کی صلاحیت نہیں ہوتی کیونکہ اس کی شاخیں لچکیلی ہوتی ہیں.... کرائا.... ڈڈونیا وغیرہ البتہ اس مقصد کیلئے مناسب ہیں۔ خیر ہاں تو میں آپ سے یہ عرض کر رہا تھا جناب کہ یہاں عموماً غیر متوقع باتیں ظہور میں آتی ہیں۔"

"مگر یہ فائر آپ کے لئے تو غیر متوقع نہیں تھا۔" سر داؤد نے پلکیں جھپکائیں۔

"غیر متوقع بھی کہا جا سکتا ہے۔" فریدی بولا۔ "میں نے احتیاطاً یہ طریقہ اختیار کیا تھا۔ ہاں البتہ یہ پتھر، جو فریم سے ٹکرایا تھا۔ یقینی طور پر غیر متوقع کہا جا سکتا ہے، مگر یہ گولی کس کھوپڑی میں سوراخ کرتی۔"

وہ جواب طلب نظروں سے سر داؤد کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں کیسے بتا سکتا ہوں۔" سر داؤد نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔ اس کی آنکھ

دہشت جھانک رہی تھی۔

"لیڈی صاحبہ تہیہ کر چکی تھی کہ وہ ہر حال میں اپنی زندگی کا خاتمہ کر دیں گی۔ زہر آپ کی آمد کی وجہ سے گر گیا تو انہوں نے بالکنی سے چھلانگ لگا دی۔ اگر ایسا نہ کرتیں تو انہیں اقدام خودکشی کی وجہ ظاہر کرنی پڑتی۔ ایسی کون سی وجہ ہو سکتی ہے کہ جس کے اظہار پر انہوں نے موت کو ترجیح دی تھی۔"

"یہی میں سوچ رہا ہوں کرنل....!" سر داؤد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "اگر انہیں مجھ سے کوئی شکایت تھی تو وہ گلاس ہاتھ سے گر جانے پر اس طرح چھلانگ نہ لگا دیتیں.... آخر وہ اس خودکشی کے سلسلہ میں مجھ سے کچھ چھپانا چاہتی تھیں۔"

"ٹھیک ہے.... یہی میں بھی کہنا چاہتا تھا۔ اگر انہوں نے زہر ہی پی لیا ہوتا تو میرے فلٹ میں سوراخ ہرگز نہ ہوتا۔"

"میں نہیں سمجھا....!" سر داؤد نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں اس کمرے میں موجود ہوں.... اور لیڈی صاحبہ کی خودکشی کا مسئلہ زیر بحث ہے۔ اچانک اس کھڑکی سے ایک پتھر اندر آتا ہے.... ظاہر ہے کہ آپ سے پہلے میں بڑھوں گا یہ دیکھنے کے لئے کہ پتھر کہاں سے آیا ہے.... اس لئے نشانہ میں ہی ہو سکتا ہوں۔ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے، جس چیز کے چھپانے کے لئے لیڈی صاحبہ نے بالکنی سے چھلانگ لگائی تھی ہو سکتا ہے کہ میں اس کی تہہ تک پہنچ جاؤں۔"

فریدی تھوڑی دیر تک خاموشی سے سر داؤد کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر بولا۔ "اگر لیڈی صاحبہ کا اختتام زہر ہی پر ہوا ہوتا تو ان کی خودکشی کے ذمہ دار افراد مطمئن ہو گئے ہوتے کیونکہ اس قسم کی خودکشیاں عموماً غیر تشفی بخش گھریلو زندگی کی بناء پر ہوتی ہیں اور شائد میں بھی یہی سمجھتا کہ یہ معاملہ گھریلو حادثوں سے مختلف نہیں ہو سکتا۔"

"اور اب آپ کیا سوچ رہے ہیں۔"

"اس خودکشی کا تعلق آپ سے زیادہ کسی دوسرے سے تھا۔"

"یعنی....!" اس کا لہجہ ناخوشگوار تھا۔

"ختم کیجئے....!" فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"نہیں آپ مرحومہ کو اس قسم کا کوئی الزام نہیں دے سکتے۔" سر داؤد نے غصیلے لہجہ میں کہ

"تب پھر اس سوراخ کے ذمہ دار بھی آپ ہی ہوں گے۔" فریدی نے فلٹ ہیٹ کی طر

اشارہ کیا۔

"میرے خدا میں کیا کروں۔" سر داؤد نے کرسی میں گر کر دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپالیا

"میری مدد کیجئے سر داؤد.... میں محسوس کر رہا ہوں کہ آج کل اس شہر میں بڑی گ

حرکتیں ہو رہی ہیں۔ کیا آپ مجھے لیڈی صاحبہ کے ملنے جلنے والوں سے روشناس کرائیں گے۔"

سر داؤد نے چہرے سے ہاتھ ہٹالئے تھے اور اب فریدی کو ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جن

مطلب خود فریدی بھی نہ سمجھ سکا۔

اتنے میں حمید بھی واپس آگیا۔

"بہت مشکل ہے۔" اس نے فریدی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ان جھاڑیوں میں

ہمیں عرصہ تک ڈاج دے کر محفوظ رہ سکتا ہے۔ پورے پارک کو گھنگالنے کے لئے کم از کم

آدمیوں کی ضرورت پیش آئے گی۔"

"کیا تم تنہا تھے۔"

"جی ہاں۔"

"ٹھیک ہے۔" فریدی نے کہا۔ پھر سر داؤد سے بولا۔ "میں نہیں چاہتا کہ آپ اس واقع

تذکرہ کسی سے بھی کریں۔"

سر داؤد کچھ نہ بولا۔ حمید اسے کینہ توز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

اسکے بعد فریدی نے اس خواب گاہ کو دیکھا جس کی بالکنی سے لیڈی داؤد نے چھلانگ لگائی تھ

حمید اندازہ نہیں کر سکا کہ فریدی وہاں کیا دیکھ رہا تھا۔ یا اسے کس چیز کی تلاش تھی۔ اس

سر داؤد کی اجازت سے پورا کمرہ الٹ پلٹ کر رکھ دیا تھا اور پھر تقریباً آدھے گھنٹے بعد اس سے

رہا تھا۔ "آپ مطمئن رہئے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جائے گا۔"

"میں آپ سے تنہائی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔" سر داؤد نے کہا۔

فریدی نے حمید کو باہر جانے کا اشارہ کیا.... حمید چلا بھی گیا۔ لیکن سر داؤد سر جھکائے

رہا۔ اس کا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا ہوا تھا کچھ دیر بعد اس نے سر اٹھا کر بھرائی ہوئی آواز میں

"خدارا مجھے بدنامی سے بچایئے گا.... اب میری بچی کا مستقبل ہے میری نظروں میں! کوئی چاہتا تھا

کہ وہ خودکشی کر لے....؟ کیوں! وجہ میں نہیں جانتا.... ہو سکتا ہے کہ اس سے کوئی لغزش ہوئی

ہو۔ میں بوڑھا ہوں نا....!"

سر داؤد نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپالیا۔

فریدی اسے ترحم آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"میں سمجھتا ہوں سر داؤد۔" اس نے کہا۔ "آپ مطمئن رہیں! میری تفتیش کی کہانی منظر عام

پر نہیں آنے پائے گی۔"

"میں نے اسے ہمیشہ خوش رکھنے کی کوشش کی تھی۔" سر داؤد رو پڑا۔

"آدمی بے بس ہے سر داؤد.... مقدرات اٹل ہوتے ہیں۔"

سر داؤد کچھ نہ بولا۔ اس کی سسکیاں کمرے میں گونج رہی تھیں۔ فریدی چپ چاپ باہر نکل

آیا۔ حمید راہداری کے سرے پر اس کا منتظر تھا۔

کچھ دیر بعد وہ پھر لنکن میں بیٹھے شہر کی سڑکوں سے گذر رہے تھے۔

"کیا آپ کو بوڑھے کی کہانی پر یقین آگیا ہے۔"

"یقین....!" فریدی مسکرایا۔ "یقین کی منزل بہت دور ہے۔ یقین مجھے اسی وقت آئے گا

جب میری تفتیش اس کی بجائے کوئی دوسری کہانی سنائے۔"

"میرا دعویٰ ہے کہ سر داؤد ہی اس کی موت کا ذمہ دار ہے۔ اس نے اسے بالکنی کے نیچے

پھینکا ہوگا۔ خودکشی کی کہانی میں مزید زور پیدا کرنے کے لئے زہر والا ٹکڑا لگایا گیا ہے۔"

"اور پھر اس کے کسی آدمی نے میری فلٹ برباد کر دی.... کیوں؟"

"آہاں.... یقیناً اس طرح تھوڑا سا الجھاوہ اور پیدا ہو گیا۔ اب پولیس جھک مارتی پھرے۔ اگر

اسے یہی پسند ہو۔"

"تم کافی دور رس نگاہ رکھتے ہو۔" فریدی مسکرایا۔ "اسی طرح مصرعوں کا اضافہ کرتے جاؤ۔

پھر کہیں لگا لگا کر غزل مکمل کر لیں گے۔"

"اچھی بات ہے.... آپ سمجھئے اسے بکواس۔ لیکن آخر کار آپ کو پچھتانا پڑے گا۔"

"ویسے میں بھی دن میں دو چار بار پچھتانا اپنا پیدائشی حق سمجھتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"لیڈی داؤد ایک شریف قسم کی آوارہ عورت تھی۔ شہر میں اس کے مداحوں کی کمی نہ
تھی۔ سر داؤد احساس کمتری کا شکار تھا.... آخر کار پچھلی رات اس نے اسے ٹھکانے لگا ہی دیا۔"

فریدی خاموش ہی رہا۔ لنکن کی رفتار بہت تیز تھی۔

"اب کہاں چل رہے ہیں۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"افق کے اس پار....!" فریدی نے ٹھنڈی سانس لی۔

"مجھے مویشی خانے کے پاس اتار دیجئے گا۔"

فریدی ہنس پڑا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر فریدی نے کہا۔ "میں تمہیں ارجن پورے کی ایک گلی
سامنے اتاروں گا.... مگر ٹھہرو.... پہلے یہ بتاؤ کہ برونوف کا ٹارگٹ کیسا ہوتا ہے۔"

"پنگ پانگ کی گیندیں اچھالی جاتی ہیں اور وہ ان پر نشانے لگاتا ہے۔"

"ایک ہی پر یا ایک ہی بار اچھالی ہوئی کئی گیندوں پر یکے بعد دیگرے۔"

"کم از کم تین گیندیں اچھالی جاتی ہیں اور وہ ان میں سے ایک کو بھی زمین پر نہیں گرنے دیتا

"تمہیں یقین ہے کہ تم مقابلہ کر سکو گے۔"

"یقین نہ ہوتا تو میں اسے چیلنج کیسے کرتا۔ ایک ہفتہ تک مشق کرنے کے بعد چیلنج کیا ہے

"اگر تم نے بھی وہی دہرا دیا، جو وہ کرتا ہے تو مزہ ہی کیا رہے گا، حمید صاحب۔"

"پھر بتایئے میں کیا کروں۔"

"تم سر کے بل کھڑے ہو کر ان گیندوں پر نشانہ لگانا۔"

"میں نے کچھ اور سوچا تھا۔" حمید خشک لہجے میں بولا۔ "شتر مرغ کی دم سے الٹا لٹک کر
زیادہ اچھا نشانہ لگا سکوں گا۔"

"تم مذاق سمجھتے ہو۔ میں اس وقت تمہیں ایک ایسے آدمی کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں جو
سلسلہ میں ایسی گر کی باتیں بتائے گا کہ تم ایک ہی دن میں مشاق ہو جاؤ گے۔"

"کون ہے۔"

"تم نہیں جانتے.... اسے ساتھ لے کر فن آئی لینڈ جانا۔ چار پانچ درجن پنگ پانگ
گیندیں خرید لینا۔ کم از کم دو بوتلیں اسکاچ کی۔"

"یہ آپ کہہ رہے ہیں۔"

"ہاں میں کہہ رہا ہوں فرزند! لیکن اس لئے نہیں کہ تمہیں پنگ پانگ کی گیندیں حلق سے
ارنے کے لئے اسکاچ کے گھونٹ لینے پڑیں گے، وہ جو تمہیں تربیت دے گا، بہت پیکڑ قسم کا
ی ہے اور ہر وقت ڈوبا رہتا ہے۔ اسکاچ کی دو بوتلیں اسے دکھانے کے بعد تم خود اس کی پیٹھ پر
وار ہو کر فن آئی لینڈ تک پہنچ سکو گے۔"

"کوئی ڈھنگ کا آدمی ہے۔"

"ڈھنگ سے کیا مراد ہے تمہاری۔"

"مطلب یہ کہ شریف آدمی....!"

"شریف آدمی ہر وقت نشے میں ڈوبے رہنا نہیں پسند کرتے.... میں تمہیں جانو کے پاس
بھیج رہا ہوں۔ جانو کا نام سنا ہے کبھی....!"

"جانو.... جانو....!" حمید کچھ سوچتا ہوا بڑبڑایا۔ "نام سنا تو ہے۔"

"ایشیا میں اپنے دور کا سب سے بڑا دہشت پسند تھا۔"

"آہا.... وہ جانو.... وہ تو بڑا پڑھا لکھا آدمی تھا۔"

"اب نہیں ہے۔" فریدی بولا۔ "گوشت اور ہڈیوں کے ڈھیر کو حیوان کہتے ہیں۔ آدمی تو اپنی
کھوپڑی میں جنم لیتا ہے اور کھوپڑی ہی میں مر جاتا ہے.... خود جانو ہی نے اسے سلا دیا ہے۔ اب وہ
اس کی بیداری کا خواہاں نہیں ہے۔ اس لئے اسے ہر وقت شراب چاہئے۔ پہلے وہ انگریزوں کے
خلاف صف آرا تھا اب خود اس کے اندر ایک بہت بڑی جنگ جاری ہے۔ وہ اب خود اپنے خلاف
ٹ گیا ہے۔ اس جانو کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سلا دینا چاہتا ہے، جس نے انگریزوں سے جنگ کی تھی
اور آزادی کے خواب دیکھے تھے۔ اس کے لئے اس نے شراب کا سہارا لیا ہے۔"

"آخر کیوں....؟"

"کیا آزادی ہی خواب بن کر نہیں رہ گئی ہے.... ایسا خواب جس کے خواب ہونے کا ہلکا سا
احساس بھی شعور پر اپنا سایہ ڈالتا رہے۔"

"آپ کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔"

"ختم بھی کرو! ہاں میں یہ کہہ رہا تھا، ہو سکتا ہے کہ جانو تم پر چڑھ دوڑے لیکن تم اس سے

بدل نہ ہونا۔"

"میں اتنا کوتاہ قد نہیں ہوں کہ کوئی لب گور آدمی مجھ پر چڑھ دوڑے۔"

"یہ خیال دل سے نکال دو! اس فن کو دیکھنے کے لئے تمہیں اس کی گالیاں بھی برداشت کرنا پڑیں گی.... ارے حمید.... میں نے قدیم فنون سپہ گری ایک ایسے استاد سے سیکھے تھے، جو ان پڑھ اور گنوار تھا.... ضعیف اور کمزور جسم رکھنے والا۔ لیکن میں نے اس کی گالیاں سہی ہیں۔ اس کے کمزور ہاتھوں سے ڈنڈے کھائے ہیں، لیکن ہمیشہ اس کا احترام کرتا رہا ہوں۔ استاد استاد کہتے ہی خشک ہوتا تھا۔"

"میں اس معاملے میں بھی آپ سے نیچا ہی رہنا چاہتا ہوں۔ اس سے تو یہی بہتر ہوگا کہ آپ مجھے سچ مچ مویشی خانے ہی کے قریب اتار دیں۔"

"لیکن تم برونوف سے تو نیچے رہنا پسند نہ کر سکو گے۔" فریدی نے کہا۔ "ویسے مجھے تو یہ نہیں ہے کہ میرا نام سن کر جانو کا چڑچڑاپن برقرار رہ سکے۔ وہ تمہیں ہاتھوں ہاتھ لے گا اور اسکاچ کی دو بوتلیں۔"

حمید خاموشی سے سنتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ اسے جانو کے پاس جانا ہی پڑے گا کیونکہ یہ مشورہ فریدی کی زبان سے نکلا تھا۔

"مجھے حیرت ہے کہ آپ نے ہیٹ میں سوراخ ہو جانے کے باوجود بھی عقبی پارک میں قدم نہیں رکھا۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"وقت کی بربادی سے عموماً بچنے کی کوشش کرتا ہوں۔ تمہیں کیا مل گیا تھا وہاں کہ میں جھک مارتا۔"

"بہرحال یہ تو آپ کو ماننا ہی پڑے گا کہ آپ ہر وقت خطرہ میں ہیں۔"

"یہ آج کی بات نہیں ہے فرزند! میں اسی وقت سے خطرہ میں ہوں جب سے اس زندگی میں قدم رکھا ہے پھر.... آج میں کہاں ہوں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد فریدی نے ایک بار کے سامنے کار روک دی۔

"جاؤ.... دو بوتلیں خرید لاؤ...." اس نے کہا۔

حمید اتر کر بار میں آیا.... لیکن یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ یہاں برونوف سے ملاقات ہو گئی

اس کے ساتھ ایک خوبصورت سی دیسی عورت تھی۔

"ہیلو....!" برونوف سر ہلا کر مسکرایا۔

"ہیلو....!" حمید نے بے توجہی کا اظہار کرتے ہوئے بار مین سے بوتلیں طلب کیں۔

"کیوں موسیو خاور....!" دفعتاً برونوف حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"اگر ہم میں کسی مقابلہ کی ٹھہری ہے تو کیا ہم ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔"

"ہرگز نہیں....!" حمید مسکرایا۔

"میں سمجھا تھا شائد یہاں کا یہی دستور ہے۔ ہم لوگ تو اپنے شکست کے بعد دوسروں کی فتح میں خوشی کا اظہار کرنے کے عادی ہیں۔"

"اوہ.... مگر....!" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "یقیناً رسم رواج کے معاملے میں ہم لوگوں سے مختلف ہیں۔ ہمارے یہاں فاتح شکست خوردہ لوگوں کے سروں اپنے ہاتھ سے استرہ چلاتا ہے اور اس وقتی حجامت کو ہم اسپورٹس مین اسپرٹ میں لیتے ہیں۔"

"آپ پوری قوم کا مضحکہ اڑا رہے ہیں۔" عورت غصیلے لہجہ میں بولی۔

"لفظ 'قوم' میں بچپن ہی سے سنتا آرہا ہوں۔ لیکن آج تک اس کے معنی میری سمجھ میں نہیں آسکے۔ کیا آپ براہِ کرم میرے لئے تھوڑی سی تکلیف گوارہ کریں گی.... مطلب یہ کہ.... قوم کس چڑیا کا نام ہے۔"

"میں آپ سے بات نہیں کرنا چاہتی۔"

"آپ کی مرضی! ویسے بزرگوں کا قول ہے کہ باتوں ہی باتوں میں بہتیری کام کی باتیں بھی معلوم ہو جاتی ہیں۔"

حمید نے برونوف کو آنکھ ماری بوتلیں سنبھالیں اور دروازے کی طرف چل پڑا.... عورت دھیمی آواز میں کچھ بڑبڑا رہی تھی۔

مگر باہر آتے ہی حمید کے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ فریدی کار سمیت غائب تھا۔

"تو اب میں یہ بوتلیں اپنے سر پر توڑوں۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑایا۔

"سنو....!" دفعتاً کسی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

حمید چونک کر مڑا.... برونوف دو تین قدم پیچھے ہٹ گیا تھا اور اس کی ساتھی اس سے شانہ

ملائے کھڑی تھی۔

"تم ان سے معافی مانگو....!" برونوف نے عورت کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"یہ کس خوشی میں....!"

"تم نے ان کی توہین کی تھی۔"

"پچھلے سال کی بات ہوگی۔ ان دنوں میرے بڑے بھائی کی یہی عادت تھی۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"میں بہت بُرا آدمی ہوں.... تمہیں معافی مانگنی پڑے گی۔"

"جاؤ....!" حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ "میرے کان نہ کھاؤ.... میں بہت اچھا آدمی ہوں۔ اتنا اچھا کہ ضرورت پڑنے پر تمہاری بھی توہین کر سکتا ہوں۔"

"آؤ چلیں پرنس....!" عورت برونوف کا بازو پکڑ کر کھینچتی ہوئی بولی۔ "بدتمیزوں کے منہ لگنا اچھا نہیں ہے۔"

"میں تمہیں دیکھوں گا....!" برونوف نے جاتے جاتے کہا۔

حمید تھوڑی دیر تک کھڑا اپنا نچلا ہونٹ چباتا رہا۔ پھر شراب کی دونوں بوتلیں پٹخ کر توڑ دیں۔ اگر وہ ایک ذمہ دار آفیسر نہ ہوتا تو یہی بوتلیں کچھ دیر پہلے برونوف کے سر پر ٹوٹتیں۔

"ذمہ دار آفیسر کی ایسی تیسی۔" اس نے سوچا۔ "میں اس اُلو کے پٹھے سے سمجھ لوں گا۔"

مگر اُلو کا پٹھا تو جا چکا تھا۔

پھر اس نے سوچا کہ وہ برونوف کو بیچ سڑک پر پیٹنے سے پہلے استعفیٰ دے گا۔ برونوف نے زیادہ اس عورت نے اس کی توہین کی تھی۔

دھواں

فریدی ایک بار پھر موت کے منہ میں جاتے جاتے بچا۔

حمید باز میں تھا اور فریدی اس کی واپسی کا منتظر تھا۔ ادھر حمید برونوف سے گفتگو کرنے لگا تھا۔ فریدی نے اس خیال سے کار کا دروازہ کھولا تھا کہ نیچے اتر کر خود بھی بار میں جائے گا۔

داہنا پیر نیچے تھا اور بایاں پیر کار کے اندر کہ کوئی چیز اس کی گردن پر کوٹ کے کالر سے رگڑ کھاتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی۔ سامنے ایک بک سیلر کا شوکیس تھا۔ اس کے شیشے جھنجھنا کر چور چور ہو گئے۔ تب فریدی کو وہ بے آواز رائفل یاد آئی جس نے کچھ دیر پہلے سر داؤد کے یہاں اس کے فلیٹ ہیٹ میں سوراخ کیا تھا۔

وہ تیز رفتار کار بہت آگے جا چکی تھی، جس میں فائر کرنیوالے کی موجودگی کا شبہ کیا جا سکتا تھا۔

فریدی نے بڑی پھرتی سے داہنا پیر اندر کھینچ لیا۔ دروازہ تیز آواز کے ساتھ بند ہوا اور لنکن چکنی سڑک پر پھسلتی چلی گئی۔

اسے یقین تھا کہ فائر اسی تیز رفتار کار سے ہوا تھا اور اس بار بھی شائد کوئی سائیلنسر ہی لگا ہوا ریوالور استعمال کیا گیا تھا۔ کیونکہ فریدی نے فائر کی آواز نہیں سنی تھی۔

اگلی کار کی رفتار بہت تیز تھی۔ شائد ڈرائیو کرنے والے کو ایکسیڈنٹ ہو جانے کا خوف بھی نہیں تھا۔

فریدی نے تعاقب جاری رکھا۔

پھر جیسے ہی اس کی کار شہر سے باہر آئی وہ بہت زیادہ محتاط ہو گیا۔ کیونکہ یہاں اس پر سامنے ی سے فائر ہو سکتے تھے۔ اس نے اپنی کار کی رفتار اتنی کم کر دی کہ ریوالور کی رینج سے باہر ہی رہے۔ مگر یہ بھی خام خیالی ہی تھی۔ ہو سکتا تھا کہ یہاں سناٹے میں رائفل استعمال کی جاتی۔

فریدی کسی دوسری راہ کے امکانات پر غور کر رہا تھا کہ اچانک اگلی کار رک گئی۔ فریدی نے بھی بریک لگائے لیکن کار حرکت ہی میں رہنے دی۔ وہ اب آہستہ آہستہ رینگ رہی تھی۔ اگلی کار کا دروازہ کھلا اور ایک عورت نیچے اتر کر انجن میں کچھ دیکھنے لگی۔

فریدی کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں اور پھر اس نے بھی کار روک دی لیکن نیچے نہیں اترا۔

عورت اب بھی انجن پر جھکی ہوئی تھی۔ اس کی کار سے کوئی مرد نیچے نہیں اترا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ سیدھی کھڑی ہو کر ادھر اُدھر دیکھنے لگی....! فریدی کی کار زیادہ فاصلے پر نہیں تھی۔ وہ اس کی طرف چند قدم بڑھی اور پھر ٹھٹک گئی۔

فریدی بدستور بیٹھا اسے دیکھتا رہا.... لڑکی سفید فام تھی اور اس کے جسم پر ہلکے سبز رنگ کا اسکرٹ تھا۔

فریدی سوچ رہا تھا کہ کہیں اس سے اندازے کی غلطی تو نہیں ہوئی۔

آخر کار لڑکی قریب ہی آ گئی! فریدی نے اس کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار دیکھے۔

"آپ میرا پیچھا کیوں کر رہے ہیں جناب۔" اس نے غصیلی آواز میں کہا۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" فریدی نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ "میں اپنی گاڑی کے انجن کو ہر دس میل کے بعد کم از کم پندرہ منٹ تک بند رکھنے کا عادی ہوں۔"

"میری گاڑی خراب ہو گئی ہے۔" لڑکی تھوڑی دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "میں الجھن میں مبتلا ہوں.... اسی الجھن میں یہ بات کہہ دی تھی۔ معافی چاہتی ہوں۔"

"کیا خرابی ہے۔"

"یہی تو سمجھ میں نہیں آتا.... مجھے صرف ڈرائیونگ سے دلچسپی ہے! مشینری کے معاملے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔"

فریدی اس کی گاڑی کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ یک بیک اس نے ایک طویل سانس لی اور پھر لڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا.... ساتھ ہی اس کی جیب سے ریوالور کی نال بھی جھانکنے لگی تھی جو ہاتھ جیب میں تھا۔

"یہ ادھر داہنی جیب کی طرف دیکھو۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "اور بے حس و حرکت کھڑی رہو۔ ذرا بھی جنبش کرو گی تو.... پھر تم مجھے جانتی ہی ہو۔"

"کیا مطلب....!" لڑکی بوکھلا گئی۔

"تمہاری گاڑی کے ڈکے میں کون ہے۔"

"کک کوئی نہیں۔"

"نہیں ادھر دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "اور دور! گفتگو میں اپنی آواز بھی دبائے رکھو۔"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے.... جناب....!"

"چلو! تم آگے چلو۔ میں پیچھے چل رہا ہوں۔ چل کر ڈکے اٹھاؤ گاڑی کا۔"

"تم ڈاکو ہو.... مگر میرے پاس کیش نہیں ہے۔" لڑکی کو غصہ آ گیا۔

"چلو یہی سہی۔" فریدی نیچے اترتا ہوا مسکرایا۔ "تمہیں گاڑی کا ڈکے ضرور اٹھانا پڑے گا

خاموشی سے مڑ جاؤ۔ اگر تم نے ذرہ برابر بھی بے اطمینانی ظاہر کی تو یہیں ڈھیر کر دوں گا۔ میرا ریوالور تمہیں کور کر رہا ہے.... چلو....!"

لڑکی اپنی گاڑی کیطرف چلنے لگی۔ پھر رک گئی۔ کار صرف آٹھ یا دس گز کے فاصلہ پر رہ گئی تھی۔

فریدی نے جیب سے ریوالور نکال کر اس کی کمر سے لگا دیا۔

وہ پھر چلنے لگی اور اس بار کار کے پچھلے حصے ہی کے قریب رکی۔

"چلو.... اٹھاؤ۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

لڑکی نے جھک کر ڈکے اٹھایا اور.... اور فریدی نے بڑی پھرتی سے اس آدمی کے ریوالور پر ہاتھ ڈال دیا، جو ڈکے میں سمٹا ہوا پڑا تھا.... ایک جھٹکے میں ریوالور فریدی کے ہاتھ میں آ گیا.... یہ سب کچھ اس نے بائیں ہاتھ سے کیا تھا۔

فریدی نے اس کا ریوالور جیب میں ڈال لیا اور تین چار قدم پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ "باہر نکلو.... لڑکی اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔"

"میں نہیں جانتی یہ کون ہے اور میری گاڑی میں کیسے پہنچا! لڑکی ہذیانی انداز میں چیخی۔

وہ آدمی ڈکے سے باہر نکل آیا تھا اور اس طرح کھڑا پلکیں جھپکا رہا تھا جیسے یہ سب کچھ اس کے لئے قطعی غیر متوقع رہا ہو۔

"تم نے آج مجھ پر دو بار فائر کیا ہے۔" فریدی نے اس آدمی کو گھورتے ہوئے کہا۔

یہ دیسی ہی تھا.... ظاہری حالت اچھی نہیں تھی۔ لیکن صورت سے پڑھا لکھا معلوم ہوتا تھا۔ عمر تیس اور چالیس کے درمیان رہی ہو گی۔

"مم.... میں....!" وہ ہکلا کر رہ گیا۔

"تم جانتے ہو.... میں کون ہوں۔"

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"اس لڑکی کو کب سے جانتے ہو۔"

"میں نہیں جانتی اسے۔" لڑکی پھر چیخی۔

"تم جھوٹی ہو۔" وہ آدمی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "مجھے اس دشواری میں ڈال کر خود نکل جانا چاہتی ہو۔ یہ جھوٹی ہے مسٹر! میں اسے ایک ماہ سے جانتا ہوں اور اب اس وقت مجھے معلوم ہوا

ہے کہ آپ اس کے شوہر نہیں ہیں۔"

"اوہ....!" فریدی لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ دھوکے باز ہے.... کوئی بکواس کر رہا ہے۔ میں نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

"آرلکچو کے کئی ویٹر شہادت دیں گے کہ میں پچھلے ایک ماہ سے اس کے ساتھ رات کا کھا
وہیں کھاتا رہا ہوں۔"

"لیکن تم نے مجھ پر فائر کیوں کئے تھے۔"

"آج اچانک یہ مجھ سے ملی تھی اور کہا تھا کہ میرا شوہر تمہاری راہ پر ہے کیوں نہ تم اسے
ٹھکانے لگادو تاکہ اس کے بعد ہم اطمینان سے زندگی بھر کر سکیں۔ میں ایک ریٹائرڈ فوجی ہوں
جناب! میرا نشانہ بہت اچھا ہے.... یہ میں اسے پہلے ہی بتا چکا تھا۔ اس نے مجھے ایک بے آوا
رائفل دی اور ایک بے آواز ریوالور سے...."

کہانی دلچسپ معلوم ہوتی تھی۔ فریدی اس کی طرف متوجہ تھا لیکن لڑکی پر بھی نظر تھی
بس ایک بار ذرا سی غفلت ہوئی تھی اور اسی غفلت کے دوران ایک زوردار دھماکہ ہوا.... فریدی
اور لڑکی کے درمیان گہرے دھوئیں کی ایک دیوار سی حائل ہو گئی۔ فریدی نے پیچھے ہٹنے میں بہ
ی دکھائی تھی لیکن اس کے باوجود بھی وہ کھانسنے لگا تھا۔

دھوئیں کا حجم بہت تیزی سے بڑھ رہا تھا.... فریدی اس سے بچنے کے لئے پیچھے ہٹتا رہا...
ویسے جو تھوڑا بہت دھواں اس کے پھیپھڑوں میں چلا گیا تھا تکلیف دہ ہوتا جا رہا تھا۔ آخر اس
دھوئیں کے مزید اثرات سے بچنے کے لئے باقاعدہ طور پر دوڑنا شروع کر دیا۔

اب وہ اپنی کار بھی بہت پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ لیکن کار اس کی نظروں ہی میں تھی۔ پھ
دھوئیں نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ مگر لڑکی کی کار کا کہیں پتہ نہ تھا.... اور وہ آدم
بھی نہ دکھائی دیا۔

فریدی ٹیلی فون کے پول سے ٹک کر کھڑا ہو گیا۔ سینے حلق اور ناک میں شدید قسم کی سوزش
پیدا ہو گئی تھی۔ وہ تقریباً بیس منٹ تک وہیں کھڑا چہرے کے قریب رومال جھلتا رہا۔ پھر جب
اسے یقین ہو گیا کہ آس پاس دھوئیں کے اثرات باقی نہ رہ گئے ہونگے تو اپنی کار کی طرف چل پڑا
اب فضا پہلے ہی کی طرح صاف تھی۔ دوسری کار کا نشان بھی نہ مل سکا۔ البتہ وہ آدم

تھوڑے ہی فاصلے پر سڑک کے نیچے اوندھا پڑا تھا۔

فریدی نے اسے سیدھا کیا۔ وہ گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ شائد دھوئیں ہی کی وجہ سے
ن پر غشی طاری ہو گئی تھی۔ فریدی نے یہی مناسب سمجھا کہ اسے جلد از جلد طبی امداد بہم پہنچائی
ئے۔ اس لئے وہ اسے کار میں ڈال کر شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

سول ہسپتال کے ڈاکٹروں نے اسے دیکھ کر بیہوشی کی وجہ گھٹن بتائی۔ پھر فریدی نے سول
ہسپتال سے ہی گھر فون کیا۔ لیکن وہاں حمید کی موجودگی کی اطلاع نہیں ملی۔ آفس کے نمبر ڈائیل
کئے مگر وہاں سے بھی یہی جواب ملا کہ حمید موجود نہیں ہے۔

فریدی پھر اسی کمرے میں واپس آ گیا جہاں مریض کو رکھا گیا تھا.... نرس نے اسے بتایا کہ وہ
ہوش میں آ چکا ہے اور حالت بھی تشویش ناک نہیں ہے۔

اس نے فریدی کی آہٹ پر آنکھیں کھول دی تھیں اور اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے
لگا تھا۔

"وہ حرافہ نکل گئی جناب۔" اس نے کمزور آواز میں کہا۔ "ابھی نرس نے بتایا ہے کہ آپ
پولیس آفیسر ہیں۔"

"غلط نہیں بتایا۔" فریدی نے نرس کو باہر جانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

نرس کے چلے جانے پر اس نے پھر مریض کو مخاطب کیا۔

"وہ کہاں رہتی ہے؟"

"اسی عمارت میں رہتی ہے جہاں میں نے آپ پر پہلا فائر کیا تھا۔"

فریدی مسکرا دیا۔ تھوڑی دیر تک مریض کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر بولا۔ "یہ بات تمہیں
کب معلوم ہوئی تھی کہ وہ اسی عمارت میں رہتی ہے۔"

"آج ہی کی بات ہے جناب۔ ورنہ اس سے پہلے کبھی اس نے مجھے اپنے گھر کا پتہ نہیں بتایا
تھا۔ جب بھی پوچھتا تھا یہی کہہ کر ٹال دیتی تھی کہ اس کا شوہر بڑا خونخوار اور شکی قسم کا آدمی ہے۔
ہو سکتا ہے کہ میں کبھی وہاں پہنچ ہی جاؤں اور اسے کسی قسم کا شبہ ہو جائے.... میں کیا بتاؤں
جناب! پہلے پہل وہ خود ہی مجھ سے آ ٹکرائی تھی۔ ایک ماہ پہلے کی ایک رات کی بات ہے.... میں
آرلکچو کے ہال میں کئی لڑکیوں سے رقص کی درخواست کر چکا تھا لیکن سب معذوری ظاہر کر کے

دوسروں کے ساتھ ناچنے لگی تھیں۔ میں ایک گوشے میں کھڑا بور ہوتا رہا۔ اچانک یہ لڑ
آنکھرائی.... اس نے ہنس کر کہا۔ مجھے افسوس ہے کہ تمہیں کسی نے بھی نہ پوچھا۔ لو آؤ میں
سے پارٹنر بننے کی درخواست کرتی ہوں۔ پھر ہم ناچنے لگے تھے.... اس کے بعد بھی ہم ملتے رہے
تھے.... افوہ مجھ سے کتنا بڑا گدھا پن سرزد ہوا تھا۔ جناب! جی ہاں میں اس سے محبت کرنے لگا تھا
بس یہ ہے پوری کہانی....!"

• "آج وہ تمہیں کہاں ملی تھی۔"

"خود میری قیام گاہ پر آئی تھی۔ اکثر آتی رہتی تھی.... اس نے بتایا کہ اگر آج ہی اس
شوہر قتل نہ کر دیا گیا تو خود اس کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ میں نے وجہ پوچھی تو اس
کہا کہ اسے شبہ ہو گیا ہے۔ شائد کسی نے ہمارے تعلقات کے بارے میں اس سے بتا دیا ہے۔
کہنے لگی کہ وہ تمہارا نام لے کر مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ میں تمہیں جانتی ہوں یا نہیں.... پھر بو
میری ہی نہیں بلکہ تمہاری زندگی بھی خطرے میں ہے۔ وہ بہت غصہ ور ہے تمہیں بھی
چھوڑے گا۔"

وہ خاموش ہو گیا۔ لیکن فریدی سوچ رہا تھا کہ اس کے بیان کے کس حصے پر یقین کیا جا
اور کس پر نہ کیا جائے۔

"پھر وہ تمہیں اپنے ساتھ ہی لے گئی تھی؟" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں ساتھ ہی لے گئی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ بے آواز رائفل مہیا کرے گی۔ ایک
بے آواز ریوالور بھی ہو گا۔ بس جس سے بھی کام نکل سکے نکالا جائے۔ پھر وہ مجھے سیدھے ا
عمارت کے عقبی پارک ہی میں لے گئی تھی۔ ریوالور اور پستول بھی وہیں ایک جھاڑی میں رکھے
ہوئے ملے تھے۔ شائد وہ انہیں پہلے ہی وہاں رکھ آئی تھی۔ پھر کچھ دیر بعد اس نے اوپری منزل
کھڑکی میں ایک پتھر پھینکا تھا۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو بولی کہ میرا شوہر اسی کمرے میں موج
ہے۔ وہ جھلا کر سامنے آئے گا۔ بس تم اس پر فائر کر دینا.... تھوڑی دیر بعد مجھے کھڑکی میں گہرے
نیلے رنگ کی فلٹ ہیٹ دکھائی دی اور اس نے کہا کر دو فائر، وہ جھپ کر ہمیں دیکھنے کی کوشش
کر رہا ہے.... میں نے فلٹ ہیٹ پر نشانہ لگایا اور ہیٹ آناً فاناً غائب ہو گئی پھر وہ تو عمارت کے اند
چلی گئی تھی اور میں جھاڑیوں میں چھپتا چھپاتا سڑک پر آیا تھا اور وہاں سے اپنے گھر....!"

"تمہیں یقین ہے کہ وہ عمارت ہی میں گئی تھی۔"

"اس نے یہی کہا تھا جناب! میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا....!"

"پھر دوبارہ تم لوگوں نے میرا تعاقب کیا تھا۔"

"جی ہاں! وہ تھوڑی ہی دیر بعد گھر پہنچی تھی.... اس بار وہ کار پر آئی تھی جسے وہ خود ہی ڈرائیو
کر رہی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ میرے شوہر کو ہر حال میں آج ہی مار ڈالو.... اس نے بڑی چالاکی
سے خود کو بچایا ہے اور اب تو اس کا شبہ یقین میں بدل گیا ہے۔ پھر اس نے مجھے ریوالور دے کر
گاڑی کی ڈکے میں پڑ رہنے کو کہا۔"

"یہاں تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"جی نہیں.... قطعی نہیں.... وہ مجھے میرے گھر سے اسی طرح لے گئی تھی پھر ایک جگہ
مجھے ڈکے سے نکال کر پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کو کہا تھا۔ میں چپ چاپ اس کی ہدایت پر عمل کرتا جا رہا
تھا۔ پھر اس نے گاڑی ایک سڑک پر روکی۔ ادھر ہی سے آپ کی کار گذری تھی جناب! آپ کے
ساتھ ایک صاحب اور تھے۔ بس پھر اس نے اپنی گاڑی آپ کی کار کے پیچھے لگا دی تھی.... ایک
جگہ آپ نے اپنی گاڑی روکی تھی۔ یہ دیکھ کر اس نے رفتار بہت کم کر دی۔ پھر دوسرے صاحب
آپ کی گاڑی سے اتر کر کسی دوکان میں چلے گئے تھے اور اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اس سے بہتر
موقع پھر کبھی ہاتھ نہیں آئے گا۔ لہٰذا آپ کی گاڑی کے قریب سے گذرتے وقت میں نے پھر
آپ پر فائر کیا تھا۔ اس نے کار کی رفتار تیز کر دی۔ لیکن پھر تھوڑی دیر بعد گھبرائے ہوئے انداز
میں بولی تھی، تمہارا نشانہ بہت خراب ہے۔ وہ آ رہا ہے پیچھے، اب خیر نہیں.... میں نروس ہو گیا
تھا۔ میں نے کہا کہ یہ حالات میرے لئے بالکل نئے ہیں۔ مجھے اس چکر سے نکالو.... تب اس نے
مجھے پچھلی سیٹ ہٹانے کو کہا۔ سیٹ ہٹتے ہی ڈکے کی خلاء نظر آئی اور میں نے اس کی ہدایت کے
مطابق ڈکے میں رینگ کر سیٹ پھر برابر کر دی۔ اس کے بعد مجھے نہیں معلوم کہ اس نے گاڑی
کیوں روک دی تھی۔ بہر حال ڈکے میں میرا دم گھٹ رہا تھا۔ میں نے اوپر ہاتھ لگا کر تھوڑی سی
زور آزمائی کی۔ شائد میرے ستارے ہی اچھے تھے کہ ڈکے کو وہ باہر سے مقفل کرنا بھول گئی تھی۔
ڈکے اٹھتے ہی میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس میں اتنا دڑہ تو تھا ہی کہ میں تازہ ہوا اپنے پھیپھڑوں
میں لے سکتا تھا۔ شائد اسی وقت آپ کو شبہ ہو گیا تھا کہ ڈکے میں کوئی موجود ہے۔"

فریدی تھوڑی دیر تک اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ "تمہیں ہر حال میں پولیس حراست میں رہنا پڑے گا۔ تمہارے لئے یہی مناسب ہے۔"

"خدارا مجھے بچایئے جناب! جس طرح دل چاہے تحقیق کر لیجئے۔ میرے بیان میں ذرہ برابر بھی جھوٹ نہیں ہے.... اگر اسے میری ذرہ برابر بھی پرواہ ہوتی تو وہ مجھے وہاں چھوڑ کر نہ جاتی خود تو نکل ہی گئی تھی۔"

"قتل کی نیت تم بہر حال رکھتے تھے۔"

"مم.... میں.... کیا بتاؤں....!" اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔

"اس کا نام....!" فریدی نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"ماریا....!"

"میریا....!"

"جی نہیں.... ماریا....!"

دفعتاً فریدی کے ذہن میں ایک خیال نے سر ابھارا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر سر داؤد کی طرف جا رہا تھا.... اس سے ملنے میں کوئی دشواری نہیں پیش آئی کیونکہ وہ آج تو پولیس والوں کے لئے وقف ہی ہو چکا تھا۔

سر داؤد ایک صوفے پر بیٹھا پلکیں جھپکائے بغیر خلاء میں گھور رہا تھا۔ بچی اس کے کاندھے سے لگی ہوئی تھی اور اس کے چہرے پر کچھ ایسے ہی تاثرات پائے جا رہے تھے جیسے وہ کوئی بے سہارا عورت ہو۔

"یہ بچی.... سر داؤد...." فریدی نے ہچکچاتے ہوئے ادھورا سوال کیا۔

"کیا بتاؤں کرنل....!" سر داؤد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "آج ہی ساری مصیبتیں مجھ پر ٹوٹیں گی.... اب نرس غائب ہو گئی ہے.... بغیر اطلاع۔"

"غالباً آپ نے میریا نام بتایا تھا۔" فریدی کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اور وہ یوریشین تھی۔"

"جی ہاں....!"

"اس کے اوپری ہونٹ پر چوٹ کا نشان ہے اور ٹھوڑی میں خفیف سا گڑھا بھی۔"

"جی ہاں.... وہی.... وہی.... کیا وہ آپ سے ملی تھی۔"

"آپ کسی دوسری نرس کا انتظام کیجئے سر داؤد....!"

"کیوں.... کیوں....!"

"میری فلٹ ہیٹ اسی نے برباد کرائی تھی۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"بس وہ چلی گئی! اب مجھے دیکھنا ہے کہ اس خودکشی میں اس کا ہاتھ کہاں تک تھا۔"

"خدا کے لئے وضاحت کیجئے۔ میرے خدا کیسی انہونی باتیں ہو رہی ہیں۔ ارے اس خودکشی میں اس کا ہاتھ کیسے ہو سکتا ہے.... میں نے اسے کبھی منہ نہیں لگایا تھا اور پھر خود بیگم ہی اسے یہاں سے اپنے ساتھ لائی تھیں اور ملازم رکھا تھا....!"

"کیس الجھتا جا رہا ہے سر داؤد...." فریدی نے سگار سلگا کر کہا۔

جھگڑا

حمید نے شراب کی بوتلیں توڑ دی تھیں اور اب شہر میں چکراتا پھر رہا تھا۔ اسے حیرت تھی کہ فریدی اسے وہاں اس طرح کیوں چھوڑ گیا تھا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد وہ فریدی اور اس واقعے کو بھول گیا کیونکہ اب اس کے ذہن میں پرنس برونوف کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا.... اور وہ عورت جو کسی دوسرے موقعہ پر اس کے بوٹ چاٹتی ہوئی نظر آتی.... برونوف.... برونوف.... برونوف....!

اس کے ذہن میں لاوا سا ابل رہا تھا۔

اسی الجھن کے دوران میں وہ کیفے کاسینو کی طرف جا نکلا! ارادۃً ادھر نہیں آیا تھا لیکن بورڈ پر نظر پڑتے ہی اسے کنول یاد آئی، جو اسی کیفے میں کاؤنٹر کلرک کے فرائض انجام دیتی تھی۔ کنول وہی لڑکی تھی جس نے مسٹر کیو والے کیس میں اس کی بڑی مدد کی تھی! خود مسٹر کیو کے گروہ سے کٹ کر اس سے آملی تھی.... اور مجرموں کی گرفتاری کے بعد وعدہ معاف گواہ بن گئی تھی۔

وہ سیدھا کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ کنول رجسٹر پر جھکی ہوئی تھی اور اس کے ہونٹ آہستہ آہستہ ہل رہے تھے۔

اس داستان کے لئے جاسوسی دنیا کا خاص نمبر "لاشوں کا آبشار" جلد نمبر 9 ملاحظہ فرمائیں۔

حمید جیسے ہی اس کے قریب رکا اس نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے ہاتھ سے پنسل رکھ دی۔

"آہا.... کدھر چاند نکلا....!" وہ مسکرائی۔

حمید بھی مسکرایا لیکن اس کی مسکراہٹ کچھ تفکر آمیز سی تھی جسے کنول نے بھی محسوس کر لیا۔ وہ خاصی ذہین لڑکی تھی۔

"میں سمجھی تمہیں کوئی ضرورت ہی یہاں تک لائی ہے۔" اس نے کہا۔

"ضرورت.... ہو سکتا ہے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا پھر بولا۔ "ادھر سے گذر رہا تھا کہ یاد آیا میں نے ابھی تک شام کی چائے نہیں پی۔"

"یہیں پیو گے یا کسی ٹیبل پر بھجواؤں۔"

"یہیں.... اسی جگہ....!"

"مگر تم کچھ متفکر سے نظر آ رہے ہو۔"

"ہاں آج کل میں راتوں کو سو نہیں سکتا۔"

"کوئی نیا عشق....!" کنول مسکرائی۔

"پرانے ہی وبال جان ہو رہے ہیں نئے کی ہمت کس میں ہے۔"

"پھر یہ اداسی کیوں؟"

"اداسی ہی تو میری زندگی ہے۔"

"آج کوئی نہیں ملی۔" کنول نے افسوس ظاہر کرنے کے سے لہجے میں پوچھا۔

"تم نے مجھے ہمیشہ غلط سمجھا ہے کنول....!" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "فی الحال چائے۔"

کنول نے ایک ویٹر سے چائے کے لئے کہا اور پھر بولی۔ "اوہ کیپٹن میں نے اس دوران تمہیں بہت یاد کیا ہے۔"

"کیوں....؟"

"کیا تم پرنس برونوف کو جانتے ہو۔"

"پرنس برونوف....!" حمید کو ایسا لگا جیسے اس کی پیشانی پر بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

"تم جانتے ہو شائد....!" کنول اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

"ہاں شائد! میں اسے جانتا ہوں۔ مگر تم یہ کیوں پوچھ رہی ہو۔"

"اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔"

"میں نوفوں، شیفوں اور نسکیوں وغیرہ کے متعلق اچھے خیالات نہیں رکھتا۔"

"میں اس ایک آدمی کے متعلق پوچھتی ہوں۔"

"ظاہر ہے کہ اس کے متعلق تو خصوصیت سے اچھی رائے نہ رکھتا ہوں گا۔"

"مجھے تو یہ کوئی بہت بڑا فراڈ معلوم ہوتا ہے۔"

"اس خیال کی وجہ۔"

"میری چھٹی حس یہی کہتی ہے۔"

"مگر چھٹی حس کو دلیل کے طور پر تو نہیں استعمال کیا جا سکتا۔"

"میرا دعویٰ ہے کہ تم اس کے چکر میں ہو۔" کنول حمید کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی ہنسی۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ تم اس میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہی ہو۔"

"محض اس لئے کہ اونچے طبقہ کی عورتیں اسے گھیرے رہتی ہیں۔"

"لیکن تمہیں اس تک پہنچنے کا موقع نہیں نصیب ہوتا۔" حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "مرچیں چبا کر آئے ہو شائد۔"

"اسی لئے چائے کی جلدی تھی مجھے! خیر.... ہاں تو اب کھل جاؤ.... برونوف میں تم کیوں دلچسپی لے رہی ہو۔ ظاہر ہے کہ تم پھسلنے والی لڑکیوں میں سے نہیں ہو۔"

"اس اچھے خیال کا شکریہ۔" کنول مسکرائی۔ "میں پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ میرا یہ خیال کسی دلیل پر مبنی نہیں ہے۔ بس یونہی! جرائم کے سلسلہ میں میری چھٹی حس کافی تیز ہے۔"

"چلو تسلیم ہے! لیکن برونوف کے سلسلہ میں جرم کی نوعیت کیا ہو گی۔"

"اسی لئے تو مجھے تمہاری تلاش تھی! جرم کی نوعیت کا اندازہ کرنا تمہارا کام ہے۔"

"یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ اس شریف آدمی کی پگڑی میرے ہاتھوں اچھل جائے۔"

"شریف تو میں اسے لاکھ برس نہیں تسلیم کر سکتی۔"

"پتہ نہیں کیوں! تم اس سے بدگمان ہو گئی ہو۔"

"وہ کوشش کرتا ہے کہ اس کے گرد زیادہ سے زیادہ عورتیں ہوں۔ اس کے لئے وہ مختلف طریقے اختیار کرتا ہے۔ مثلاً آج ہی وہ ہائی سرکل نائٹ کلب میں خنجر پھینکنے کا مظاہرہ کرے گا۔ یونہی تفریحاً کوئی تک بھی ہے آخر....؟"

"مگر وہ تو صرف رائفل کلب میں اس قسم کے مظاہرے کرتا ہے۔"

"بہت پرانی بات ہے! اب وہ جگہ جگہ اپنے کمالات دکھاتا پھرتا ہے۔ بالکل پیشہ وروں کے سے انداز میں! میں کہتی ہوں کیا کوئی شریف آدمی اسے پسند کرے گا۔"

"تمہیں یقین ہے کہ وہ آج رات کو ہائی سرکل نائٹ کلب میں کچھ کرے گا۔"

"مجھے یہی اطلاع ملی ہے۔"

"اس حد تک دلچسپی لے رہی ہو اس میں کہ تمہیں اس کے متعلق باقاعدہ طور پر اطلاعات ملتی رہتی ہیں۔"

"یقیناً....!" کنول مسکرائی۔ "چور اور ہیرا پھیری والی مثل تو تم نے سنی ہی ہوگی۔ میں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ ان لوگوں کے ساتھ گذارا ہے جنہوں نے قانون شکنی کو بطور فن اختیار کیا تھا۔"

"مقصد....!"

"اوہ.... ڈیئر کیا تم پئے ہوئے ہو۔ ہیرا پھیری میں مقصد کہاں ہوتا ہے۔"

"ختم کرو....!" حمید ایک کرسی کھینچ کر بیٹھتا ہوا بولا۔ "چائے کہاں رہ گئی۔"

اتنے میں ویٹر نے چائے بھی لاکر کاؤنٹر پر رکھ دی۔

حمید سوچ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ کیا ہائی سرکل کلب ہی میں برونوف سے نپٹ لے! مگر کیوں؟ خود اس کی پوزیشن کیا تھی۔ وہ ایک ذمہ دار آفیسر تھا! برونوف کے رویہ سے اس کی انا کو ٹھیس ضرور لگی تھی، مگر اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ سرعام اسے للکارتا پھرتا۔

پھر پیالی کی چائے کے ساتھ ہی گویا اس کا غصہ بھی پگھل کر معدے ہی میں جا پڑا۔ وہ پھر پرسکون تھا۔

پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے اس نے کہا۔ "پرسوں رائفل کلب میں ضرور آنا.... میں نے برونوف کا چیلنج قبول کرلیا ہے۔"

"تم نے.... اوہ.... دیکھو.... تم اتنی دیر سے مجھے خواہ مخواہ زچ کر رہے تھے۔"

"نہیں! میں صرف یہ چاہتا تھا کہ تم مجھے پرنس برونوف کے متعلق کیا بتا سکو گی۔"

"وہ تو پھر بتاؤں گی۔ پہلے تم بتاؤ کہ اب کیا وہ لوگوں کو چیلنج بھی کرنے لگا ہے۔"

"ہاں آں.... اکثر لاف وگزاف کرتا ہے۔ مقابلہ آج ہی ہو جاتا۔ مگر لیڈی داؤد کی خودکشی۔"

"کیا....؟" کنول کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ہاں پچھلی رات لیڈی داؤد نے خودکشی کرلی اس لئے آج رائفل کلب بند رہے گا۔ وہ کلب کی ممبر تھی نا۔"

"خودکشی کی وجہ....!" کنول کے لہجے میں اب بھی تحیر باقی تھا۔

"وجہ ابھی نہیں معلوم ہو سکی۔ مگر کیا تم لیڈی داؤد کو ذاتی طور پر جانتی تھیں۔"

"نہیں.... صورت آشنا کہہ سکتے ہو۔ ویسے میں ان ساری عورتوں کو پہچانتی ہوں جو برونوف کے گرد منڈلاتی رہی ہیں۔"

"اور لیڈی داؤد بھی انہیں میں سے تھی.... کیوں؟"

"یقیناً تھی....!"

"پھر کیا تم خودکشی کے اسباب پر روشنی ڈال سکو گی۔"

"خودکشی کے اسباب پر جب تم ہی روشنی نہیں ڈال سکے ہو تو پھر میں کیا کہوں؟ ویسے مجھے یقین ہے کہ وہ بھی اس کی پرستاروں میں سے تھی.... دیکھو کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ برونوف نے اس کا دل توڑ دیا ہو۔ پہلے محبت کی پینگیں بڑھی ہوں اور پھر ایک دن لیڈی داؤد کو اطلاع ملی ہو کہ وہ تو ہر جائی ہے۔ آج کل کوئی دوسری اس کا پہلو گرما رہی ہے.... بس پھر اس نے خودکشی کرلی ہو.... سر داؤد تو شائد بوڑھا آدمی ہے۔"

حمید اس کے خیال پر رائے زنی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ابھی اسے کنول سے بہت سی باتیں معلوم کرنی تھیں۔ اسلئے گفتگو کو آگے بڑھانے کیلئے ضروری تھا کہ وہ مختلف قسم کی بحثوں میں نہ پڑے۔

اس موقعہ پر حمید کو وہ عورت یاد آئی جس نے آج اس کی توہین کرنے کی کوشش کی تھی۔

"کیا تم اس عورت کو بھی جانتی ہو جس کے نچلے ہونٹ کے نیچے بائیں جانب ایک چھوٹا سا ابھرا ہوا تل ہے....!" حمید نے پوچھا۔

"میرے خدا.... تم کتنے غور سے دیکھتے ہو۔ ہاں میں اسے جانتی ہوں۔ وہ بھی برونوف میں

دلچسپی لے رہی ہے۔"

"کون ہے....!"

"رائے بہادر شنکر سرن کی بیوی.... شیلا درپن.... وہ ایک اچھی آرٹسٹ بھی ہے۔ پچھلے سال اس کی چند تصاویر نیشنل آرٹ گیلری میں لگائی گئی تھیں۔"

"ہم....!" حمید اپنا بایاں گال کھجانے لگا۔ پھر آنکھیں بند کر کے مسکراتا ہوا بولا۔ "اس عورت نے میری نیندیں چھین لی ہیں.... اور میں آج کل زیادہ سے زیادہ کھانے لگا ہوں۔"

"آدم خور.... نہیں تم جھوٹے ہو.... کوئی اور چکر ہے۔"

"کچھ نہیں.... میں بس اتنا ہی چاہتا ہوں کہ وہ کبھی کبھی میری طرف دیکھ کر مسکرا دیا کرے۔"

"بکواس.... اب میں تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گی۔ بیوقوف بنا کر معلومات حاصل کر رہے ہو۔"

"مت بتاؤ.... مگر چائے کے پیسے تو بتا ہی دو.... ظاہر ہے تم اتنی شریف بھی نہیں ہو کہ خود سے کبھی چائے آفر کرو۔"

کچھ دیر تک حمید اسے زچ کرتا رہا پھر اٹھ گیا۔ اس سے کچھ زیادہ کام کی باتیں نہیں معلوم ہو سکی تھیں۔

اب وہ سوچ رہا تھا کہ اسے ہائی سرکل کلب ضرور جانا چاہئے۔

تقریباً آٹھ بجے وہ وہاں پہنچ گیا اور عادت کے مطابق سب سے پہلے منیجر کے کمرے کا رخ کیا۔ وہ جب بھی یہاں آتا تھا اسے کچھ دیر پریشان کئے بغیر ہال میں قدم نہیں رکھتا تھا۔

جیسے ہی وہ دروازے کے قریب پہنچا اندر سے منیجر کے گھگھیانے کی آواز آئی۔

"کبھی کبھی میرا بھی کہنا مان لیا کرو۔" اس نے انگریزی میں کہا تھا۔

"نہیں.... نہیں.... نہیں....!" یہ کسی عورت کی آواز تھی۔

حمید مسکرایا۔ اسے اطلاع ملی تھی کہ ہائی سرکل کے ننھے منے منیجر نے جو بے حد عاشق مزاج اور رنگین طبع تھا حال ہی میں ایک موٹی سی یوریشین عورت سے شادی کر لی تھی، لیکن ابھی تک حمید نے اس کی بیوی کو دیکھا نہیں تھا۔

"اف فوہ.... میں تمہیں کیسے سمجھاؤں ڈیئر....!" پھر منیجر کی آواز آئی۔ یہ جملہ اس نے انگریزی میں کہا تھا اور پھر اردو میں "بقول شاعر" کہہ کر خاموش ہو گیا تھا۔ کیونکہ ٹھیک اسی وقت

حمید نے دروازے پر دستک دی تھی اور پھر منیجر نے کھنکار کر کہا تھا "کم ان.... پلیز....!"

حمید دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا.... ایک موٹی سی جوان العمر یوریشین عورت میز پر دونوں ہاتھ ٹیکے کھڑی تھی۔

منیجر کی آنکھوں میں پہلے تو الجھن کے آثار نظر آئے لیکن پھر یک بیک اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

"آیئے.... آیئے جناب کپتان صاحب آپ تو بقول شاعر وہاں وکمر کی طرح معدوم ہو رہے ہیں آج کل۔" منیجر اُٹھ کر حمید کا استقبال کرتا ہوا بولا اور اسی وقت یوریشین عورت نے میز پر گھونسہ مار کر کہا۔ "پروگرام میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔"

پھر وہ کمرے سے باہر چلی گئی۔ حمید نے محسوس کیا کہ منیجر کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔

اس نے دانت پیس کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "خدا غارت کرے تمہیں۔"

"کیا مطلب....!" حمید غرایا۔

"اوہ.... جی!" منیجر چونک پڑا.... پھر خفت آمیز لہجے میں بولا۔ "تخاطب آپ سے نہیں تھا جناب.... تشریف رکھئے نا۔ آپ سے بڑی شکایت ہے۔ اب آپ بہت کم تشریف لاتے ہیں۔"

"اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا۔" حمید بولا۔

"اوہ.... بھول جایئے پچھلی باتوں کو جناب۔"

"کیا یہ محترمہ تھیں۔"

"جی ہاں....!" منیجر نے ٹھنڈی سانس لی۔

"تم کچھ غیر مطمئن سے معلوم ہوتے ہو۔"

"آ.... ہا...." منیجر نے پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "کیا پوچھتے ہیں کپتان صاحب! ہر چمکدار چیز سونا نہیں ہوتی۔"

"مگر یہ چیز تو وزن دار بھی معلوم ہوتی ہے۔"

"آپ بھی اڑا لیجئے مضحکہ....!" منیجر نے دردناک آواز میں کہا۔ "بقول شاعر اے دیکھنے والو مجھے ہنس ہنس کے نہ دیکھو، تم کو بھی مقدر کہیں مجھ سا نہ بنا دے۔"

"میرا مقدر اتنا فربہ نہیں ہے کہ مجھے تم سا بنا سکے۔" حمید بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔

"ختم کیجئے۔" منیجر بیزاری سے بولا۔ "آپ ہمیشہ دوستی کا دم بھرتے رہے ہیں اب میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ آپ میرے لئے کیا کر سکتے ہیں۔"

"خیریت....!" حمید نے متحیرانہ لہجے میں سوال کیا۔

"خیریت ہی ہے.... لیکن میں اپنے کلب کے مستقبل سے مایوس ہوتا جارہا ہوں۔ بعض مستقل ممبروں کی ضدیں اکثر میرے لئے بڑی پریشان کن بن جاتی ہیں۔"

"مثلاً....!"

"آپ پرنس برونوف کو جانتے ہیں؟"

پھر وہی پرنس برونوف! حمید نے ہونٹ بھینچ کر ایک طویل سانس لی۔

"ہاں نام تو سنا ہے۔"

"یہ بھی سنا ہوگا کہ شہر کی ساری عورتیں ان دنوں پاگل ہو رہی ہیں۔"

"اگر یہی خبر سنانے والے ہو تو یقیناً تم کافی پریشان ہو گے۔"

"سمجھنے کی کوشش کیجئے کپتان صاحب۔" منیجر نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔

"کوشش کر رہا ہوں۔"

"کلب کے کنوارے ممبر بضد ہیں کہ برونوف خنجر پھینکنے کے کمالات دکھائے لیکن شادی شدہ ممبر اُسے پسند نہیں کرتے.... مجھ سے زبردست غلطی ہوئی تھی۔"

"تم سے کیا غلطی ہوئی تھی۔"

"میں نے برونوف کو ممبر کیوں بنایا تھا۔"

"تم روک سکتے ہو اس مظاہرے کو۔"

"یہی تو مصیبت ہے کہ نہیں روک سکتا۔"

"غالباً محترمہ نے اسی پروگرام کے لئے کہا تھا....!" حمید مسکرایا۔

"جی ہاں....!" منیجر نے آہستہ سے کہا اور سر جھکا کر میز کی سطح پر ناخن سے خراشیں ڈالنے لگا۔

"پھر تم کیا چاہتے ہو.... میں کس طرح دوستی کا حق ادا کر دوں۔"

"کچھ کیجئے.... ایسا کچھ کہ وہ یہاں آنا ہی چھوڑ دے۔"

"ماروں....!"

"ارے نہیں! مطلب یہ کہ آپ اسے کسی طرح نیچا دکھائیں اور وہ ادھر کا رخ کرنا چھوڑ دے۔ آپ بھی تو بڑے نشانہ باز ہیں۔ میں نے انور اور رشیدہ کی زبانی سنا ہے.... خنجر پھینکنے میں بھی آپ اپنا جواب نہیں رکھتے۔"

"پھر کیا تم مقابلہ کرانا چاہتے ہو۔"

"یہی سمجھ لیجئے....! اگر کچھ لوگ اس پر مصر ہیں کہ برونوف اپنے کمالات دکھائے تو کچھ لوگ آپ کے نام کا بھی اعلان کر سکتے ہیں۔"

"میں ایک ذمہ دار آفیسر بھی ہوں اس کا خیال رکھو۔"

"ارے آپ ایسا کہہ رہے ہیں کپتان صاحب۔ جب آپ اپنے رفیق حیات بکرے صاحب کو کار میں لے کر نکلتے ہیں اس وقت کہاں چلی جاتی ہے آفیسری۔"

"اس وقت میں ڈیوٹی پر نہیں ہوتا۔"

"تو کیا آپ یہاں اس وقت کسی سرکاری کام سے آئے ہیں۔"

"ہاں یقیناً! مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ شنکر سرن کی بیوی شیلا درپن بھی تمہارے کلب کی ممبر ہے یا نہیں۔"

"کیوں....؟"

"یہ نہیں بتایا جا سکتا۔"

منیجر کچھ سوچنے لگا پھر آہستہ سے بولا۔ "آپ لیڈی داؤد کی خودکشی کے سلسلہ میں تفتیش تو نہیں کر رہے۔"

"کیوں؟ تم نے شیلا درپن کے ذکر پر اس کا حوالہ کیوں دیا۔"

"میرے خدا.... تو آپ سچ مچ میرا دماغ ہی خراب کرنے آئے ہیں۔"

"یہی سمجھ لو.... لیکن جلدی سے زبان کھولو! ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد میں تمہاری مدد نہ کر سکوں۔"

"ایک ہفتہ پہلے کی بات ہے.... اسی کمرے میں بڑی شدید جنگ ہوئی تھی۔ دونوں کے درمیان اور لیڈی داؤد نے شیلا درپن کے گال پر تھپڑ مارا تھا اور پھر دونوں بھوکی شیرنیوں کی طرح ایک دوسرے پر جھپٹ پڑی تھیں۔ شیلا درپن لیڈی داؤد سے کمزور پڑتی تھی۔ اس لئے اس نے

اسے رگڑ ڈالا تھا۔ میں نے یہی مناسب سمجھا تھا کہ کمرہ اندر سے بند کردوں تاکہ اس فری اسٹائل سے دوسرے محظوظ نہ ہو سکیں۔" منیجر خاموش ہو کر پلکیں جھپکانے لگا۔

لاش

حمید نے پائپ سلگا کر دو تین گہرے کش لئے اور کرسی کی پشت سے ٹک گیا وہ نیم وا آنکھوں سے منیجر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"یہ جھگڑا کس بات پر ہوا تھا ڈیئر مسٹر منیجر!"

"میں نہیں جانتا۔"

"اوہ تو وہ بس یونہی ایک دوسرے پر جھپٹ پڑی تھیں۔"

"نہیں دیکھئے میں بتاتا ہوں۔ شیلا درپن یہاں پہلے ہی سے موجود تھیں وہ یہاں کسی کا انتظار کر رہی تھیں۔"

"کس کا انتظار کر رہی تھیں۔"

"یہ نہیں بتایا تھا۔ بس اتنا کہا تھا کہ میں یہاں کچھ دیر بیٹھ کر ایک آدمی کا انتظار کروں گی شائد دس منٹ بعد لیڈی داؤد کمرے میں داخل ہوئی تھیں.... اور انہوں نے ان کے منہ پر مار کر کہا تھا یہ ہے جواب.... اور بس پھر جنگ شروع ہو گئی تھی۔ ایسی جنگ زندگی میں پہلی بار دیکھی تھی۔ دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کو نوچ کھسوٹ رہی تھیں۔"

"لیکن تم نے ان دونوں کو الگ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔"

"میں نروس ہو گیا تھا۔"

"پھر وہ الگ کیسے ہوئی تھیں۔"

"جب شیلا درپن بے ہوش ہو گئی تھی تو لیڈی داؤد نے ان پر تھوکا تھا اور باہر نکل گئی تھیں"

حمید پھر سوچ میں پڑ گیا۔ آخر اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"آج کل برونوف کے ساتھ زیادہ تر کون عورت دیکھی جاتی ہے۔"

"زیادہ تر عورتیں ہی دیکھی جاتی ہیں.... اس کے گرد تو بھیڑ رہتی ہے کپتان صاحب!"

"کبھی یہ شیلا درپن بھی اس بھیڑ میں نظر آئی تھی۔"

"نہیں! میرا خیال ہے کہ میں نے انہیں بھیڑ میں کبھی نہیں دیکھا۔"

"اور لیڈی داؤد....!"

"جی نہیں! مگر آپ انہیں برونوف سے کیوں نتھی کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"کچھ نہیں.... ہاں تو کیا یہاں کلب میں پھینکے جانے والے خنجروں کا کچھ اسٹاک موجود ہے۔"

"نہیں.... وہ لوگ مہیا کریں گے۔"

"کیا تم نے باقاعدہ طور پر اجازت نامہ حاصل کیا ہے۔"

"کیسا اجازت نامہ....!"

"بغیر لائسنس یا اسپیشل پرمٹ خنجر نہیں استعمال کئے جا سکتے۔"

"ارے باپ رے.... پھر کیا ہو گا۔"

"اگر برونوف نے یہاں مظاہرہ کیا تو کل تم حوالات میں نظر آؤ گے۔"

"پھر بتایئے میں کیا کروں۔"

"کیا بتاؤں! اگر تم بھی زد میں نہ آئے ہوتے تو میں عین وقت پر برونوف اور اس کے حواریوں کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگا دیتا۔"

"واقعی یہ بات بڑی بے تکی رہے گی۔" منیجر نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بقول شاعر....!" حمید مسکرایا۔

پھر اس نے فون پر گھر کے نمبر رنگ کئے۔ اسے توقع تھی کہ فریدی گھر ہی پر ہو گا۔ لیکن وہ موجود نہیں تھا۔ وہ دراصل فریدی سے اس مسئلہ پر مشورہ لینا چاہتا تھا کہ برونوف کا یہ مظاہرہ گوارا دے یا نہیں۔ رائفل کلب کی اور بات تھی۔ اس کے پاس اس قسم کے مظاہروں کے لئے باقاعدہ طور پر لائسنس تھا.... لیکن دوسری تفریح گاہوں میں خنجروں یا ریوالوروں کا کھیل قانون شکنی کی حدود میں داخل ہو جاتا تھا۔

فریدی گھر پر موجود نہیں تھا لیکن ملازم کے بیان کے مطابق وہ کئی بار حمید کے لئے گھر پر رنگ کر چکا تھا۔ حمید نے ملازم کو تاکید کر دی تھی کہ اب اگر فریدی کی کال آئے تو وہ اسے ہائی رائل کلب کے لئے ڈائرکٹ کر دے۔

اب بہر حال اسے کچھ دیر وہیں ٹھہر کر فریدی کی کال کا انتظار کرنا تھا۔

"میں تو یہ چاہتا تھا جناب کہ آپ اس کا منہ پھیر دیتے۔" منیجر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "تاکہ ان عورتوں کی دیوانگی دور ہو.... یہ برونوف کو دوسری دنیا کا آدمی سمجھتی ہیں۔"

"تم مطمئن رہو! وہ تمہاری بیوی کو لفٹ نہیں دے گا۔"

"آپ الٹی سیدھی باتیں کرنے لگتے ہیں۔" منیجر نے غصیلی آواز میں کہا۔ "میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"

حمید خاموشی سے پائپ کے کش لیتا رہا.... وہ لیڈی داؤد اور شیلا درپن کے متعلق سوچ رہا تھا۔ کیا کنول ہی کا خیال درست تھا۔ لیڈی داؤد کی جگہ شیلا نے لی ہو۔ دونوں کے جھگڑے کا مقصد یہی رہا ہو.... اور پھر انتہائی مایوسی کے عالم میں عاشق مزاجوں کو خودکشی ہی کی سوجھتی ہے۔ لیکن پھر فریدی کے فلٹ ہیٹ میں سوراخ کا کیا مطلب تھا.... اگر یہ معاملہ صرف رقابت تک محدود ہوتا تو فریدی پر فائر کیوں کیا جاتا۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جس کے لئے قانون پھانسی کے پھندے تیار کرتا۔ الف کو بے سے محبت تھی۔ درمیان میں جیم آ کودی۔ "بے" جیم کی طرف مائل ہو گیا۔ الف نے خودکشی کر لی.... پھر! کیا قانون اس کے لئے بے یا جیم کو سزا دے سکتا ہے.... اگر نہیں تو.... ان میں سے کسی کو اس خودکشی کی تفتیش سے خلجان کیوں ہو کہ وہ چھ کی ٹریگر پر اتر آئے؟

حمید سوچتا رہا.... اور پائپ کی تمباکو راکھ ہوتی رہی۔

دفعتاً فون گنگنا اٹھا۔ منیجر نے ریسیور اٹھا کر کسی کی کال ریسیو کی اور پھر ریسیور حمید کی طرف بڑھا دیا۔

"ہیلو....!"

"حمید....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "تمہیں گھر پر موجود ہونا چاہئے تھا۔"

"مجھے تو اسی بار کے سامنے موجود ہونا چاہئے تھا جہاں چھوڑا گیا تھا۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"حالات ایسے تھے کہ مجھے فوراً ہی ایکشن لینا تھا۔ تم کیا کرتے پھر رہے ہو۔"

حمید نے اسے برونوف کے بارے میں بتایا کہ وہ آج رات کو ہائی سرکل میں خنجر پھینک مظاہرہ کرے گا۔

"اوہ.... اسے چھوڑو! وقت برباد نہ کرو.... بیس منٹ کے اندر اندر آفس پہنچ جاؤ۔"

"رات کو آفس....!"

"میرا سیکشن آج اس وقت بھی کام کر رہا ہے۔"

"کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ میرا تبادلہ کسی دوسرے سیکشن میں ہو جائے۔"

"نہیں بکواس مت کرو....!"

"اچھی بات ہے۔" حمید نے ریسیور رکھتے ہوئے ایک طویل سانس لی۔ پھر منیجر سے بولا۔ "بقول شاعر سکھی ری ڈولی میں ہو جا سوار.... اب چلدئے! اگر وہ لوگ برونوف کے مظاہرے پر جائیں تو مجھے فون کر دینا۔ لیکن اس کا علم کسی کو نہ ہونے پائے کہ میں تم سے برونوف یا شیلا کے متعلق کسی قسم کی گفتگو کر چکا ہوں۔"

"بہت بہتر جناب.... مگر میں تو یہ چاہتا تھا۔"

"پرسوں رات رائفل کلب میں یہ بھی دیکھ لینا۔ میں نے برونوف کا چیلنج قبول کر لیا ہے۔ رائفل کلب میں ہر قسم کے مظاہرے میں حصہ لے سکتا ہوں کیونکہ رائفل کلب ایسے مظاہروں کے لئے خصوصی پرمٹ رکھتا ہے۔"

"میں بس یہی چاہتا تھا کہ اس کی بقول شاعر ہوا بگڑ جائے۔"

"اچھا....!" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "بقول شاعر.... میں تو چلی پیا کے دیس میکے سے ناطہ توڑ کے۔"

پھر بیس منٹ کے اندر ہی اندر وہ آفس پہنچ گیا۔ لیکن اسے یہ دیکھ کر بے حد غصہ آیا کہ فریدی اپنی میز پر بیکار بیٹھا ہوا ہے۔

وہ چپ چاپ اپنی میز پر بیٹھ کر طبلہ بجانے لگا۔ فریدی اسے گھور رہا تھا۔

"کوئی خاص خبر....!" اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"خاص الخاص....!" حمید ہاتھ روکتا ہوا بولا۔ "میں اپنا بستر بھی یہیں منگوا رہا ہوں۔ بارات یہیں سے جائے گی۔"

"ہائی سرکل میں برونوف کے متعلق اور کیا معلوم کیا۔"

"آپ بتائیے.... وہ جانور کہاں ہے۔ جھلاہٹ میں میں نے ایک سو اسی روپیوں کا خون کر دیا۔"

"کیوں....؟"

"دو بوتلیں بہترین اسکاچ کی خریدی تھیں.... باہر آکر توڑ دیں۔ کہاں لٹکائے پھرتا۔"

"گھر واپس جاسکتے تھے۔"

"موقعہ نہیں تھا.... آج میں بے حد اداس ہوں۔"

"کب نہیں ہوتے۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"مگر اب آپ سے ایسی غلطیاں سرزد ہونے لگی ہیں، جو پہلے کبھی نہیں ہوئیں۔"

"مثلاً....!"

"آپ نے سر داؤد سے یہ نہیں پوچھا کہ لیڈی داؤد مزاج کی کیسی تھی۔"

"کیوں....؟"

"کیونکہ میں جانتا ہوں.... وہ ایک جھگڑالو عورت تھی اور پچھلے ہفتے اس نے رائے
شنکر سرن کی بیوی کو مار مار کر بیہوش کر دیا تھا۔"

"کہاں....؟"

"ہائی سرکل کے آفس میں....!"

"وجہ....!"

"وجہ نہیں معلوم ہو سکی! شیلا منیجر کے آفس میں کسی کا انتظار کر رہی تھی کہ لیڈی داؤ
داخل ہوئی اور شیلا کے گال پر ایک ہاتھ چھوڑ دیا! پھر دونوں لپٹ پڑیں! منیجر کا بیان ہے کہ
سے ایک لفظ بھی نکالے بغیر ایک دوسری کو نوچ کھسوٹ رہی تھیں۔ پھر شیلا بے ہوش
گر گئی اور لیڈی داؤد نے اس پر تھوکا تھا.... اس کے بعد پھر وہ وہاں نہیں ٹھہری تھی.... شیلا
بھی ہوش میں آنے کے بعد منیجر کو اس جھگڑے کی وجہ نہیں بتائی تھی۔"

"منیجر سے یہ تو ضرور کہا ہوگا کہ وہ اس کا تذکرہ کسی سے نہ کرے۔" فریدی نے پوچھا۔

"اوہ! مجھے اس کے متعلق منیجر سے سوال کرنا چاہئے تھا۔" حمید نے متاسفانہ لہجہ میں کہا۔

فریدی تھوڑی دیر تک خاموشی سے حمید کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ "مگر تمہیں اس
میں کون سی خاص بات نظر آئی ہے، جو موجودہ کیس کے سلسلہ میں مفید ثابت ہو سکے۔"

"آج میں نے برونوف اور شیلا درپن کو ساتھ دیکھا تھا۔" حمید نے کہا اور بار کا واقعہ دہر

"کبھی کسی تفریح گاہ میں بھی دونوں ساتھ نظر آئے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں.... کبھی نہیں۔ تفریح گاہوں میں تو برونوف کے ساتھ لڑکیوں کی بھیڑ ہوتی ہے۔"

"گڈ....!" فریدی کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں.... پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر فون کا
سیور اٹھایا۔ کسی کے نمبر ڈائیل کئے اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ "ہیلو.... تھرٹین.... تھرٹین!
ں از ہارڈ اسٹون.... معلوم کرو کہ رائے بہادر شنکر سرن کی بیوی شیلا درپن نے ابھی حال ہی
ں کسی عورت کو ملازم رکھا ہے.... نہیں عورت یا مرد کی تخصیص نہیں ہے.... مطلب یہ کہ
ر اس نے کسی کو ملازم رکھا ہو.... شنکر سرن نے نہیں۔ کیا سمجھے.... ہاں کتنی دیر انتظار کیا
ئے۔ آں.... اچھا ٹھیک ہے۔"

فریدی نے ریسیور کریڈل میں ڈال دیا اور حمید کھڑا پلکیں جھپکاتا رہا۔

"یہ نوکر رکھنا کہاں سے نکل پڑا۔" اس نے حیرت سے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ یہی چیز تمہاری دلچسپی کا باعث بن سکے۔" فریدی مسکرایا۔

"میں پوچھتا ہوں آپ غائب کہاں ہو گئے تھے۔"

فریدی نے اب اپنی روداد مختصر الفاظ میں دہرائی.... حمید تحیر آمیز انداز میں سنتا رہا۔ پھر
ہانی ختم ہو جانے کے بعد تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔

"تو.... وہ میریا ہی تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"ہاں.... سر داؤد کا بیان کردہ حلیہ اس لڑکی سے مطابقت رکھتا ہے۔"

"پھر اب ہم کدھر جا رہے ہیں۔"

"تھرٹین سے جواب مل جانے پر کچھ کہہ سکوں گا۔"

"یہ تھرٹین کیا بلا ہے۔"

"نمبر....!"

"ایسے کتنے نمبر ہیں۔"

"لاتعداد....!"

"تب پھر میں آج سے آپ کو کرنل کی بجائے نمبر دار کہوں گا۔"

"ابھی شروع کر دو....!" فریدی مسکرایا۔

"یہ آپ کی بلیک فورس کب میری سمجھ میں آئے گی۔"

"کبھی نہیں.... اس کے چکر میں نہ پڑو۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔"

"اگر تم نے اس سلسلہ میں چھان بین شروع کی تو تمہیں افسوس ہوگا۔ وقت کی بربادی۔"

"مجھے اتنی فرصت کہاں ہے کہ خواہ مخواہ دردسری مول لیتا پھروں۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

دفعتاً سارجنٹ رمیش کمرے میں داخل ہوا۔

"کیا خبر ہے؟" فریدی نے اس کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

"اس نمبر کی کوئی کار ٹریفک پولیس کے رجسٹر ہی میں درج نہیں ہے۔" رمیش نے جواب دیا۔

"مجھے یقین تھا کہ ایسا ہی ہوگا۔"

"کیسی کار....!" حمید نے پوچھا۔

"یہ اسی کار کا تذکرہ ہے جس پر وہ لڑکی فرار ہوئی تھی۔ میں نے اس کے نمبر قریب سے دیکھے اور ذہن نشین کئے تھے۔"

"بے حد چالاک لوگ معلوم ہوتے ہیں جناب۔" رمیش نے کہا۔

"گاؤدی قسم کے لوگوں میں مجرمانہ رجحانات شاذونادر ہی پائے جاتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ پھر تھوڑے توقف کے ساتھ بولا۔ "اچھا رمیش اب تم جا سکتے ہو۔ شکریہ۔"

رمیش چلا گیا۔

حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

"لیکن آخر یہاں بیٹھے رہنے سے کیا فائدہ۔" کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

"کیا تم سچ مچ میری کھوپڑی میں سوراخ دیکھنا چاہتے ہو۔" فریدی مسکرایا۔

حمید خاموش ہی رہا۔

"رمیش کے خیال کے مطابق یہ لوگ واقعی بہت چالاک ہیں۔" فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "یہی دیکھ لو کہ میں نے حملہ آور کو پکڑ لیا ہے، لیکن اس کے باوجود بھی اصل مجرموں کے متعلق اندھیرے میں ہوں۔"

"اوہ.... تو کیا آپ کو اس ریٹائرڈ فوجی کے بیان پر یقین آگیا ہے۔"

"بے یقینی کی کوئی وجہ نہیں.... اگر اس آدمی کے توسط سے اصل مجرموں تک پہنچنا ممکن ہوتا تو وہ لڑکی اسے وہاں کبھی نہ چھوڑ جاتی۔ اگر چھوڑتی بھی تو زندہ ہرگز نہ چھوڑتی۔"

"اچھا تو.... میریا کو خود لیڈی داؤد ہی نے ملازم رکھا تھا۔"

"سر داؤد کا یہی بیان ہے۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ ہمارا رخ کدھر ہے۔"

"رخ فی الحال کسی طرف بھی نہیں ہے۔ ابھی تو اتنا مواد بھی نہیں ملا کہ کوئی ایک نظریہ ہی قائم کیا جا سکے۔"

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی.... فریدی نے ریسیور اٹھا لیا۔

"یس اٹ از ہارڈ اسٹون....!" اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

تھوڑی دیر تک کچھ سنتا رہا پھر بولا۔ "تمہیں یقین ہے.... اچھا.... ہاں.... ہاں.... ٹھیک ہے آں.... اچھا اچھا.... بہرحال میں مطمئن رہوں کہ اس کا انتخاب شیلا ہی نے کیا تھا.... اچھا.... بس....!"

فریدی نے ریسیور رکھ کر ایک طویل سانس لی اور تھوڑی دیر بعد بولا۔ "ابھی حال ہی میں شیلا نے ایک لڑکی بطور پرائیویٹ سیکریٹری رکھی ہے۔"

"لڑکی بطور پرائیویٹ سیکریٹری....!" حمید نے حیرت سے کہا۔

"کیوں....؟"

"عورتیں عموماً لڑکے رکھتی ہیں۔"

فریدی پھر خاموش ہو گیا۔ غالباً وہ اس بے تکی بحث میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔

"اب آپ کیا سوچ رہے ہیں۔" حمید نے اسے پھر چھیڑا۔

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اس پرائیویٹ سیکریٹری کی باقاعدہ طور پر نگرانی کی جائے۔"

"ہاں.... یقیناً۔ لیکن میں اس کی عمر معلوم کئے بغیر اس کا ذمہ ہرگز نہ لوں گا۔"

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی پھر بجی۔

"یس....!" فریدی نے ریسیور اٹھا کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "کون ہے! اوہ.... ہیلو.... کیا بات ہے۔ کیا کہا لاش.... میرے خدا کیا آج لاشوں کا چرخہ ختم ہی نہ ہوگا.... اچھا

ٹھہرو.... میں آرہا ہوں۔"

فریدی نے پھر سلسلہ منقطع کردیا۔

"کون تھا....!" حمید نے پوچھا۔

"جگدیش! کوتوالی میں ایک یوریشین لڑکی کی لاش موجود ہے۔"

"کیا مطلب.... میریا....!" حمید چونک پڑا۔

"ہوسکتا ہے کہ وہی ہو.... اگر یہ اس کی لاش ہوئی تو یہ سمجھ لو کہ ہم نے ایک بہترین گواہ سے ہاتھ دھولئے۔"

"میں نہیں سمجھا....!"

"لاش کی بائیں کنپٹی پر زخم ہے۔ گولی وہیں لگی تھی۔ اگر اس نے بھی خودکشی نہیں کی تو یقین رکھو کہ وہ اصل مجرموں سے واقف تھی۔"

فریدی کی کار کچھ دیر بعد کمپاؤنڈ سے باہر نکل رہی تھی۔ کوتوالی تک کا راستہ بہت تھوڑے وقت میں طے ہوگیا۔ کیونکہ فریدی نے خاصی رفتار سے ڈرائیونگ کی تھی۔

دونوں ہی نے مردہ خانے میں میریا کی لاش دیکھی۔ فریدی نے تصدیق کی کہ یہ وہی لڑکی تھی جس نے آج دوپہر کو اسے قتل کرادینے کی کوشش کی تھی۔"

پھر سرداؤد کو بھی کوتوالی تک آنے کی زحمت گوارا کرنی پڑی۔ اس نے بھی میریا کی لاش شناخت کرلی۔ سرداؤد کی حالت بہت ابتر تھی اسے فوراً ہی واپس کردیا گیا۔

"تو پھر اب کہیں شیلا درپن کی بھی شامت نہ آجائے۔" حمید نے کہا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کسی گہری سوچ میں تھا۔

درخواست

دوسرے دن حمید فن آئی لینڈ کے ایک ویران حصے میں جانو سے نشانہ بازی کی ٹریننگ لے رہا تھا۔

اسے اس بوڑھے کی صلاحیتوں پر رشک آنے لگا تھا۔ اس کی آنکھیں اس عمر میں بھی بے

خطا تھیں۔ شراب ان میں دھندلاپن پیدا کرنے کی بجائے اور زیادہ چمکا دیتی تھی اور جانو کے ہلکے ہوئے جسم میں ایسی تیزی آجاتی تھی جیسے وہ ربر کا ہو اور کسی قسم کا میکنزم اسے متحرک رکھنے میں مدد دیتا ہو۔ وہ اس وقت حمید کے لئے پنگ پانگ کی گیندیں اچھال رہا تھا۔

"ہاتھ سیدھا رکھو لڑکے.... ورنہ ساری انگلیاں توڑ دوں گا۔" یک بیک وہ غرایا۔

تیسری گیند پر حمید کا ہاتھ بہک گیا تھا اور وہ زمین پر گری تھی۔

"تم سیدھے کھڑے ہو کر ہی نہیں سنبھال سکتے۔ سر کے بل کھڑے ہو کر کیا کرو گے۔" جانو نے کہا۔

"وہ بہت آسانی سے کرسکوں گا۔ میں الٹا پیدا ہوا تھا۔ اوندھی کھوپڑی رکھتا ہوں۔" حمید جھلا گیا۔

جانو نے زمین سے بوتل اٹھا کر تین چار گھونٹ لئے اور پھر کاک لگا کر اسے ایک طرف لڑھکا دیا۔ وہ سوڈا ملائے بغیر پی رہا تھا۔ ایک بوتل صاف کرچکا تھا اور ابھی کچھ دیر پہلے دوسری کھولی تھی۔

حمید گھاس پر بیٹھ گیا۔ جانو سرخ سرخ آنکھوں سے اسے گھور رہا تھا۔

"تم دونوں مفت میں اپنی زندگی برباد کررہے ہو۔" اس نے کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "آج کا گریٹ آدمی کل میری ہی طرح مایوس اور پست ہوجائے گا۔"

"ہوسکتا ہے ہم آج بھر کے ہوں۔" حمید بولا۔

"کہنے کی باتیں ہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ اسے کب تک جینا پڑے گا.... میں....!" اس نے اپنے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔ "جانو ہر لحظہ اپنی جان ہتھیلی پر لئے پھرتا تھا۔ میری زندگی کا ہر دوسرا لمحہ میرے لئے موت کا پیغام رہا ہے۔ لیکن میں آج بھی زندہ ہوں اور حقیر کیڑوں کی طرح گلیوں میں رینگتا پھر رہا ہوں۔ ایک دن آدمی کا دل ضرور ٹوٹتا ہے کیپٹن! میں وہی جانو ہوں جس نے اپنا گھر جلتے دیکھا تھا۔ میں وہی جانو ہوں جس کا سارا کنبہ جل کر راکھ کا ڈھیر ہوگیا تھا۔ میں نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا لیکن میرا دل نہیں ٹوٹا تھا.... اس وقت تو میرے سینے کی آگ اور بھڑکی تھی.... انگریز تو یہی سمجھا تھا کہ اس کے بعد میرے حوصلے پست ہوجائیں گے۔ یا تو میں گڑگڑاتا ہوا ان کے قدموں پر جا رہوں گا یا پھر روپوش ہوجاؤں گا۔ کبھی میرا نام نہ سنا جاسکے گا.... مگر جانتے ہو اس کے بعد کیا ہوا تھا۔ اس کے بعد میں نے ایک ظالم کمشنر میجر برٹرام کو جنت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور پھر اس کے بعد میری سرگرمیاں بڑھتی ہی رہی تھیں۔ لیکن وہ مجھ

پر ہاتھ نہ ڈال سکے۔ پھر جب آزادی آئی انگریز چلے گئے میں نے خود کو ظاہر کیا اور پُر امن شہریوں کی زندگی بسر کرنے لگا۔ میں نے کبھی حکومت پر اپنا حق نہیں جتایا۔ کبھی یہ نہیں چاہا کہ حکومت میری امداد کرے.... میں مزدوروں کی طرح اپنا پیٹ پالتا تھا اور خوش تھا۔ لیکن پھر میرا دل ٹوٹ گیا.... میں مر گیا....!"

"کیوں....؟" حمید نے اسے ٹوکا۔

"پہلے ہم صرف ایک کے غلام تھے اور اب ہمارا گذارہ در در کی بھیک پر ہے۔ ہم ہر ایک کے آگے ہاتھ پھیلانے کے لئے آزاد ہیں.... ہاہاہا.... آزاد ہیں.... یہ آزادی ہے.... زندہ باد!"

"یار جانو صاحب! اب تم سیاست پر بور کرو گے۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "مجھ میں اور کرنل میں بڑا فرق ہے۔ یہاں تو زندگی چاندی عورت کے سوا کچھ بھی نہیں! یہ جو اس وقت میں یہاں جھک مار رہا ہوں یہ بھی عورتوں ہی کے لئے ہے.... میں نہیں چاہتا کہ یہاں کے نگاران خوبرو کسی غیر ملکی کے گرد بھیڑ لگائیں۔"

"میں نہیں سمجھا....!" جانو بولا۔

حمید نے اسے روسی شہزادے برونوف کے متعلق بتایا۔

"پرنس برونوف.... پرنس برونوف...." جانو نے اس طرح آہستہ آہستہ دہرایا جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر بولا۔ "پتہ نہیں میں نے یہ نام کہاں سنا تھا.... کان آشنا معلوم ہوتے ہیں۔ ہاں تو کیا یہ پنگ پانگ ہی کے گیندوں پر نشانے لگاتا ہے۔"

"بالکل اسی انداز میں جیسے میں مشق کر رہا ہوں۔"

"کیا تم چاہتے ہو کہ وہ اس میں کامیاب نہ ہو۔"

"اگر ایسا ہو تو کیا کہنا۔"

"کسی گوشے میں ایک آدمی آئینہ دے کر بٹھا دینا۔ جیسے ہی گیندیں اچھالی جائیں وہ ان پر قریبی بلب کی روشنی کا عکس ڈال دے.... ہاتھ بہک جائے گا۔"

"لیکن یہ ٹرک تو صرف اس پر بلکہ تماشائیوں پر بھی ظاہر ہو جائے گا۔"

"ہاں یہ بات تو ہے۔" بوڑھا کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "بھئی میرا خیال تو یہ ہے کہ تم اسے ایمانداری سے شکست دینے کی کوشش کرو۔ تمہاری یہ تجویز بھی ٹھیک ہی ہے کہ تم سر کے

بل کھڑے ہو کر نشانہ لگاؤ.... اوہو.... ٹھہرو.... یہ برونوف مجھے کچھ کچھ یاد آ رہا ہے.... چار سال ہوئے میں مغربی جرمنی میں تھا۔"

"تم.... مغربی جرمنی میں۔" حمید نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں.... آں.... کیا ہوا.... میرے جسم پر جھولتے ہوئے چیتھڑوں پر نہ جاؤ کیپٹن! جب یہاں کے کسی بڑے سرمایہ دار کو مشینیں خریدنی ہوتی ہیں تو وہ جانو کو ضرور تلاش کرتا ہے۔ چار سال ہوئے مجھے ایک آدمی اپنے ساتھ مغربی جرمنی لے گیا تھا۔ کچھ مشینیں خریدنی تھیں.... ٹھہرو.... پہلے مجھے بتاؤ کیا پرنس برونوف سنہرے اور گھونگھریالے بالوں والا ہے.... کیا اس کا بال نقشہ یونانیوں کا سا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ تم اس کا صحیح حلیہ بیان کر رہے ہو۔" حمید نے کہا۔

"پرنس برونوف....!" جانو کے ماتھے پر پھر شکنیں ابھر آئیں اور اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ "مغربی جرمنی کی پولیس کو اس تلاش تھی۔"

"کس سلسلہ میں....!"

"یہ میں نہ بتا سکوں گا.... لیکن میں نے وہاں اس کا نام بہت سنا تھا۔ اخبارات میں روزانہ اس کا حلیہ جاری کیا جاتا تھا.... دن میں کئی بار ریڈیو پر اس کا حلیہ دہرایا جاتا تھا۔ پولیس اسے زندہ یا مردہ حالت میں چاہتی تھی۔ کچھ انعام بھی تھا۔ اس کی بعض خصوصیات بھی نشر کی جاتی تھیں۔ اس کی ایک خصوصیت نشانہ بازی میں مہارت بھی تھی۔"

"تمہیں جرمن آتی ہے۔"

اس سوال پر وہ بڑی حقارت سے ہنس کر بولا۔ دہشت پسند جانو دنیا کی سات زبانوں کا ماہر ہے۔"

❁

رات اندھیری تھی۔ پرنس برونوف نے کھڑکی کھول کر باہر جھانکا! عمارت کی پشت پر سناٹا تھا اور اندھیرا تو تھا ہی۔ وہ کھڑکی بند کر کے پھر فون والی میز کی طرف پلٹ آیا۔ ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کئے اور دوسری طرف سے جواب مل جانے پر بولا۔ "صدر دروازہ سے تو نکلنا ممکن نہیں ہے کیونکہ دو آدمی نگرانی کر رہے ہیں۔ ہاں مجھے یقین ہے کہ میری نگرانی ہو رہی ہے۔"

"تب پھر تمہیں ہر حال میں پہنچنا ہے۔ بس.... میں فون پر زیادہ گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔ مجھ تک پہنچو اس کی پرواہ کئے بغیر کہ کوئی تمہارا تعاقب کر رہا ہے۔"

"اچھا....!" برونوف نے ریسیور رکھ دیا۔

پھر تھوڑی ہی دیر بعد وہ اوپری منزل کی ایک کھڑکی سے کارنس پر اتر آیا۔ گندے پانی کا موٹا پائپ اسے نیچے پہنچا دینے کے لئے کافی تھا۔

تھوڑی دیر تک وہ دیوار سے لگا کھڑا اندھیرے میں آنکھیں پھاڑتا رہا پھر دبے پاؤں آگے بڑھنے لگا۔ اسے یقین تھا کہ ادھر اس پر نظر رکھنے والوں میں سے کوئی نہ ہوگا۔

وہ کھیتوں سے گذرتا ہوا ریلوے اسٹیشن کی طرف چلنے لگا۔ کچھ دور چلنے کے بعد رک کر ادھر اُدھر نظریں بھی ڈالتا جا رہا تھا۔

ریلوے اسٹیشن تک پہنچنے کے لئے اسے ایک میل کی مسافت طے کرنی پڑی۔ وہاں سے اس نے ایک ٹیکسی لی۔ لیکن اس سے پہلے اطمینان کر لیا کوئی تعاقب تو نہیں کر رہا تھا۔

"ایگل اسکوائر....!" اس نے ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے ڈرائیور سے کہا۔

ٹیکسی چل پڑی.... رات زیادہ نہیں ہوئی تھی۔ سڑکیں ابھی پررونق تھیں۔ پندرہ منٹ بعد ٹیکسی ایگل اسکوائر کی ایک عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔

برونوف نے اتر کر کرایہ ادا کیا اور پورچ کی طرف بڑھ گیا۔

برآمدے میں دو باوردی ملازموں نے اس کا استقبال کیا اور پھر وہ اسے ایک کمرے میں لے گئے۔ یہاں برونوف نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے اور ان میں سے ایک ملازم اس کی جیبیں ٹٹولنے لگا۔

"ریوالور کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔" برونوف نے کہا اور جامہ تلاشی لینے والے نے ریوالور جیب سے نکال کر میز پر ڈال دیا۔

یہ کاروائی ختم ہو جانے کے بعد ایک نے نہایت ادب سے کہا۔ "اب آپ اندر تشریف لے جا سکتے ہیں جناب....!"

برونوف ریوالور وہیں چھوڑ کر راہداری میں آ گیا۔ اب اس کے قدم نپے تلے انداز میں اٹھ رہے تھے اور نوکروں میں سے کوئی بھی اس کے پیچھے نہیں چل رہا تھا۔

آخر کار وہ عمارت کے وسط میں پہنچ گیا۔ یہاں ایک بہت بڑا ہال تھا۔ جسے جدید طرز پر سجایا گیا تھا۔ برونوف نے چاروں طرف نظر دوڑائی اور پھر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

دفعتاً ایک دروازہ کھلا اور سرخ رنگ کی روشنی کا ایک بڑا سا دھبہ ہال میں رینگ آیا۔

برونوف کھڑا ہو گیا روشنی کا دھبہ ہال کے فرش پر ایک طویل و عریض مستطیل بنا رہا تھا۔ پھر ہال کے سارے بلب بجھ گئے۔ لیکن سرخ رنگ کی روشنی کا مستطیل بدستور فرش پر قائم رہا۔

اندھیرے میں یہ روشنی پہلے سے کچھ زیادہ تیز معلوم ہونے لگی تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے اس روشن مستطیل میں کسی آدمی کی گہری سیاہ پرچھائیں نظر آئی۔

"برونوف....!" جیسے ہال کا اندھیرا بول پڑا۔

"ہاں میں موجود ہوں۔" برونوف کی آواز اس کے مقابلہ میں کمزور سی تھی۔

"تم سے کس نے کہا تھا کہ تم شیلا کو ادھر اُدھر لئے پھرو۔"

"کسی نے بھی نہیں....!" برونوف نے جواب دیا۔

"تمہاری اس حرکت سے کھیل بگڑ گیا ہے۔"

"پھر میں کیا کروں۔"

"صرف ہوش میں رہو! کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھی میریا ہی کا سا حادثہ پیش آ جائے۔"

"میریا کا کیا ہوا۔"

"اس نے احتیاط نہیں برتی تھی! لہٰذا اس کا کھیل ختم کرنا پڑا۔"

"پھر اب کیا ارادہ ہے۔"

"شیلا سے دور رہو۔ کچھ دنوں کے لئے گوشہ نشین ہو جاؤ۔"

"وہ خود ہی میری قیام گاہ پر آ پہنچے گی۔"

"وہاں سے ہٹ جاؤ.... دوسری قیام گاہ کا انتظام ہو جائے گا۔ تم نہیں سمجھ سکتے کہ وہ دونوں کتنے چالاک ہیں۔ کیپٹن حمید اس وقت مے پول میں اس لڑکی کے ساتھ ناچ رہا ہے جسے شیلا نے پرائیویٹ سیکریٹری کی حیثیت سے رکھا ہے۔"

"یہ کیسے ممکن ہے۔"

"ان لوگوں کے لئے سب کچھ ممکن ہے۔ تم نہیں جانتے۔"

"تو کیا یہ لڑکی بھی میریا ہی کی طرح ختم ہو جائے گی۔"

"ضروری نہیں ہے۔" آواز آئی۔ "زیادہ کشت و خون مناسب نہیں ہے۔ کچھ دنوں کے لئے ہمیں اپنی سرگرمیاں ترک کرنی پڑیں گی۔"

برونوف تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "دیکھو دوست یہ طریقہ مناسب نہیں ہے۔ تم سامنے آؤ.... ہم کھل کر گفتگو کریں۔ تمہارے طریقے مخدوش ہیں۔ گھماؤ پھراؤ اختیار کرنے سے ہمیشہ دشواریاں ہی پیدا ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر یہ لڑکیاں ادھر اُدھر والوں کو پھانس کر کام لینے کی کوشش کرتی ہیں، جس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا۔ اب اس ریٹائرڈ فوجی ہی کا معاملہ لے لو جس نے کرنل پر فائر کئے تھے.... وہ پکڑا گیا اور میریا کی پوزیشن خطرے میں پڑ گئی۔ لہٰذا ٹھکانے لگانا پڑا۔ اگر وہ اپنا ہی کوئی خاص آدمی ہوتا تو میریا اسے سڑک پر ہی چھوڑ جانے کی حماقت کبھی نہ کرتی۔"

"تم اس کی پرواہ نہ کرو۔"

"آخر تم خود کو ظاہر کیوں نہیں کرتے۔"

"برونوف.... زیادہ سوچنے کی کوشش نہ کرو۔ میرے متعلق زیادہ سوچنے کا نتیجہ موت ہی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔"

"تم مجھے دھمکی دے رہے ہو...." برونوف غرایا۔

"یقیناً....!" آواز آئی۔ "دھمکیوں ہی پر تو میرا سارا کاروبار چل رہا ہے.... کیوں کیا تم مجھ سے جھگڑا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو۔"

"نہیں دوست....!" برونوف نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "تمہارا وجود تو میرے لئے بڑا پرکشش ہے۔ ہاں ٹھہرو! تم نے مجھے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ اس مقابلے میں میں حصہ لوں یا نہ لوں۔"

"جانتے ہو.... خاور کون ہے؟" آواز آئی۔

"میں نہیں جانتا....!"

"کرنل فریدی کا اسسٹنٹ کیپٹن حمید....!"

"اوہ.... تو وہ....!"

"ہاں.... رائفل کلب کا سیکریٹری گراہم جانتا ہے کہ وہ کیپٹن حمید ہے لیکن اس کے باوجود بھی وہ وہاں خاور کے نام سے مشہور ہے۔"

"پھر مجھے، کیا کرنا چاہئے۔"

"مقابلہ ....!" آواز آئی۔ "اگر تم تھوڑے محتاط رہو تو وہ لوگ تمہارے خلاف کچھ بھی ثابت نہیں کر سکیں گے۔ تم فرانس سے آئے ہو۔ وہ زیادہ سے زیادہ وہاں کی حکومت سے تمہارا پاسپورٹ مانگیں گے۔ ظاہر ہے کہ فرانس کی پولیس کے لئے تم ایک اچھے شہری تھے اور وہاں بھی بلاد وطن شہزادے سمجھے جاتے تھے۔ تم کیپٹن حمید سے ضرور مقابلہ کرو۔ مگر صرف نشانہ بازی سے کام نہیں چلے گا۔ تم اسے شمشیر زنی کی دعوت دو! تمہاری تلوار زہریلی ہونی چاہئے بس ایک معمولی سا زخم اس کے لئے کافی ہوگا۔ وہ ایک ہفتے سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکے گا۔"

"مگر ابھی تو تم نے کہا تھا کہ گوشہ نشین ہو جاؤ۔"

"صرف شیلا کی حد تک.... اگر تمہارے ساتھ کئی لڑکیاں ہوں تو مضائقہ نہیں اکیلی وہ نہ ہونی چاہئے۔"

"اور وہ لڑکی جو اس کی پرائیویٹ سیکریٹری ہے۔"

"اسے بدستور وہیں رہنے دو۔"

"تم نے کہا تھا نا کہ وہ کیپٹن حمید کے ساتھ ناچ رہی ہے۔"

"پرواہ مت کرو۔"

❁

کرنل فریدی مے پول کے بال روم میں داخل ہوا۔ ابھی ابھی رقص کا کوئی دور ختم ہوا تھا اور لوگ ادھر اُدھر کھڑے قہقہے لگا رہے تھے.... کتنی ہی آنکھیں فریدی کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ ایسا ہی شاندار لگ رہا تھا۔ فریدی کے انداز سے یہ قطعی نہیں معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کسی کی تلاش میں ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ اسے کسی کی تلاش تھی۔

حمید پر اس کی نظر پڑی، جو ایک دلکش سی یورپین لڑکی کے ساتھ کافی پی رہا تھا۔ لیکن وہ اس پر مزید توجہ دیئے بغیر آگے بڑھ گیا اور پھر وہ اسے مل ہی گئی جس کی اسے تلاش تھی۔

یہ شیلا درپن تھی اور اپنی میز پر تنہا تھی۔ فریدی اس کے قریب جا کر رک گیا۔ شیلا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور دیکھتی ہی رہ گئی۔

"کیا میں آپ کا تھوڑا سا وقت لے سکتا ہوں محترمہ....!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"جج.... جی ہاں.... تت.... تشریف رکھئے۔" شیلا ہکلائی۔ اسے یاد نہیں آرہا تھا کہ دوسرا آدمی کو پہلے کہاں دیکھ چکی ہے۔

"میرا کارڈ...." فریدی نے بیٹھتے ہوئے اپنا وزیٹنگ کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا۔

شیلا نے اسے دیکھا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"آپ....!" اس نے تحیر آمیز لہجے میں کہا۔ "مگر.... جی ہاں.... فرمایئے۔"

"میں لیڈی داؤد کے سلسلہ میں تھوڑی سی گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیوں! مجھے لیڈی داؤد سے کیا سروکار۔" شیلا کی آواز کانپ رہی تھی۔

"میں دراصل ان کی خودکشی کے اسباب معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اب تک ان کے متعدد دوستوں سے مل چکا ہوں۔ اسی دوران میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ آپ سے بھی قریبی تعلقات رکھتی تھی۔"

"قریبی نہیں.... بلکہ وہ تو قطعی رسمی تھے۔" شیلا نے خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ.... تو کیا آپ ان کے اور سر داؤد کے تعلقات پر بھی روشنی نہ ڈال سکیں گی! مطلب یہ کہ دونوں کے تعلقات خوشگوار ہی تھے یا....!"

"افسوس کہ میں اس کے بارے میں کچھ بھی نہ بتا سکوں گی۔ یہ تو آپ کسی ایسے ہی آدمی سے معلوم کریں، جو دونوں کے بہت قریب رہا ہو۔"

"کیا آپ ایسے کسی آدمی کا نام بتا سکیں گی۔"

"نہیں میں کیا جانوں....!" اس بار فریدی نے اس کے لہجے میں جھنجھلاہٹ محسوس کی۔

"مجھے افسوس ہے محترمہ کہ میری وجہ سے آپ کو بڑی تکلیف پہنچی۔ مگر میں کیا کروں میرا کام ہی ایسا ہے۔ کوئی اچھا نہیں سمجھتا مجھے.... سب نفرت کرتے ہیں۔ لیکن کیا آپ اس حقیقت سے انکار کر سکتی ہیں کہ سوسائٹی کے لئے میرے محکمے کا وجود بہت ضروری ہے۔"

"اوہ! دیکھئے آپ غلط سمجھے! میں اپنی بساط بھر آپ سے ضرور تعاون کروں گی۔ مگر جن چیزوں کا مجھے علم نہیں ہے ان کے بارے میں آپ کو کیا بتا سکتی ہوں۔"

"میں اتنی ہی باتیں آپ سے معلوم کرنا چاہتا ہوں، جتنی آپ کے علم میں ہیں۔"

"پوچھئے! میں ضرور بتاؤں گی۔" شیلا مسکرائی۔

"کچھ دن پہلے ہائی سرکل کے آفس میں....!" فریدی نے جملہ پورا نہیں کیا۔ وہ براہِ راست شیلا کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ شیلا کی پلکیں جھک گئیں اور اس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

"لیڈی داؤد سے کس بات پر آپ کا جھگڑا ہوا تھا۔" فریدی نے جملہ پورا کر دیا۔

شیلا کرسی کی پشت سے ٹک گئی۔ شائد اب اس میں سکت نہیں رہ گئی تھی کہ فریدی سے آنکھیں ملا سکتی.... فریدی جواب طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ لیکن شیلا کے ہونٹوں میں جنبش تک نہ ہوئی۔ وہ کسی ایسے ننھے سے پرندے کی طرح ہانپ رہی تھی جسے باز دبوچ بیٹھا ہو۔ اتنے میں رقص کے لئے موسیقی شروع ہو گئی۔

"کیا میں آپ سے رقص کی درخواست کر سکتا ہوں۔" دفعتاً فریدی نے کہا۔

"فض.... ضرور.... ضرور....!" غیر ارادی طور پر شیلا کی زبان سے نکلا اور وہ کھڑی ہو گئی۔ اس میں بھی شائد اس کے ارادے کو دخل نہیں تھا۔

رقص

حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ جب اس نے فریدی کو شیلا درپن کے ساتھ رقص کرتے دیکھا۔ ادھر اس کی ہم رقص کی نظر بھی شیلا پر پڑ گئی اور اس نے حمید کو ایک طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ "چلو.... اُدھر بیٹھیں.... میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"کیسے ٹھیک ہو سکے گی۔" حمید نے پوچھا۔

"بحث نہ کرو چلو....!"

وہ اسے گیلری میں لے آئی اور رقص کرنے والوں کی طرف پشت کر کے بیٹھ گئی۔

"کیا بات ہو گئی۔" حمید نے پوچھا۔

"میں اسے اچھا نہیں سمجھتی کہ مالک اور نوکر ایک ہی تفریح گاہ میں نظر آئیں۔"

"ہائیں کیا مطلب.... تم مجھے اپنا مالک سمجھتی ہو یا نوکر....!" حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"تم بالکل احمق ہو.... میں اپنی مالکہ کی بات کر رہی تھی۔ وہ بھی یہاں موجود ہیں۔"

"لعنت ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑایا۔ "میں ان کا نوکر بھی کیسے ہو سکتا ہوں.... یا ہو سکتا ہوں؟"

"تم نہیں میں....!" وہ جھلا کر بولی۔

"اوہ.... تو یہ کہو نا۔" حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "تمہاری باتیں سمجھ میں کم آتی ہیں میں پچھلے سال سے تمہاری بہتیری باتوں پر غور کر رہا ہوں۔"

"کیا بک رہے ہو میرا خیال ہے کہ ابھی ہماری ملاقات کو تین گھنٹے بھی نہیں گذرے۔"

"اُف فوہ....!" حمید بیک بیک چونک کر بولا۔ "یہ بھول کی بیماری بہت بُری ہوتی ہے۔ میں تمہیں ڈورو تھی سمجھ رہا تھا۔"

"میرا نام گلوریا ہے.... مگر کیا تمہارا مرض اتنا ہی شدید ہے کہ تم آن کی آن میں برسوں پیچھے چلے جاؤ۔"

"یقیناً.... بعض اوقات تو میں اپنا نام تک بھول جاتا ہوں۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "پھر میں راہگیروں سے پوچھنا شروع کر دیتا ہوں کہ میرا نام کیا ہے اور میں کہاں رہتا ہوں۔"

وہ ہنس پڑی اور پھر بولی۔ "شائد تم نے حال ہی میں کوئی ایسا فلم دیکھا ہے جس کا ہیرو کسی وجہ سے اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہو۔"

"تم میرا مذاق اڑا رہی ہو۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "تم پر ہی کیا منحصر ہے! ساری عورتیں مجھے اسی طرح اُلو سمجھتی اور بناتی ہیں۔"

"ارے تم تو بُرا مان گئے۔ بڑی جلدی بگڑ جاتے ہو۔"

"کیوں نہ بگڑوں! کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں اپنا پاگل پن تسلیم کر لوں....!"

"میں نے تم میں ابھی تک کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جسے پاگل پن سے تعبیر کیا جائے۔"

"تم بہت اچھی ہو۔"

"اوہو.... کیا کل پھر ملنے کا ارادہ ہے۔"

"یقیناً.... کیوں نہیں۔"

"نہیں۔ میں اس کی عادی نہیں ہوں۔ ہم اتفاقاً اس وقت ہمرقص بنے تھے کیا یہ ضروری ہے کہ میں تمہیں یاد رکھوں۔"

"میں تمہیں اچھا آدمی نہیں سمجھتی۔" اس نے کہا اور پھر یک بیک چونک پڑی وہ اس کھڑکی کی طرف دیکھ رہی تھی، جو ڈائننگ ہال میں کھلتی تھی۔

حمید نے کنکھیوں سے ادھر دیکھا.... ایک آدمی ڈائننگ ہال میں کھڑا اسے اشارہ کر رہا تھا۔ پھر حمید کی طرف مڑی اور حمید نے نظریں جھکا لیں۔ انداز بالکل ایسا ہی تھا جیسے وہ دیر سے ان کے سینڈلوں سے جھانکنے والے شفاف اور سبک پنجوں کو دیکھتا رہا تھا۔

"میں اب جاؤں گی۔" وہ اٹھتی ہوئی بولی۔

"خدا حافظ۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "میں صبح تک تمہیں بھول جاؤں گا۔"

گلوریا ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑاتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھ گئی پھر حمید نے اسی لڑکی سے یہ بھی دیکھا کہ وہ ڈائننگ ہال سے گذر کر باہر جا رہی ہے۔ وہی آدمی جس نے اسے اشارہ کیا تھا اس کے پیچھے چل رہا تھا۔

حمید بھی اٹھ گیا.... اسے بہر حال دیکھنا تھا کہ اب وہ کہاں جاتی ہے اور وہ آدمی کون تھا۔

❁

شیلا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں ہے اور کیا کر رہی ہے۔ اس کے پیر مشینی انداز میں موسیقی کا ساتھ دے رہے تھے۔ لیکن اس کا ذہن قابو میں نہیں تھا۔

کچھ دیر قبل فریدی نے ایک ایسا مسئلہ چھیڑا تھا جس پر اسے اپنی عمر گھٹتی ہوئی سی معلوم ہوئی تھی۔ لیکن اب وہ اس طرح اس کے ساتھ رقص کر رہا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔ جیسے اسے اس سوال کے جواب کی ضرورت ہی نہیں تھی جس نے کچھ دیر پہلے شیلا کو نڈھال کر دیا تھا.... اور اب شیلا کا ذہن صرف ایک ہی سوال کی تکرار کئے جا رہا تھا۔ "یہ آدمی کیا چاہتا ہے.... یہ آدمی کیا چاہتا ہے۔"

دفعتاً فریدی نے بڑی خوابناک آواز میں کہا۔ "آپ بہت اچھا ناچتی ہیں۔"

"آپ کس سے کم ہیں۔" شیلا زبردستی مسکرائی تھی اور اسے اپنی آواز ایسی لگی تھی جیسے بہت دور سے آئی ہو یا کسی اندھے کنوئیں کی بازگشت رہی ہو۔

"نہیں آپ کی ساری باتیں آرٹسٹک ہیں۔" فریدی بولا۔ "اور شائد آپ ایک اچھی مصور

بھی ہیں۔"

"ہاں کچھ یونہی سا لیپ پوت لیتی ہوں۔"

"آپ انکساری سے کام لے رہی ہیں۔" فریدی مسکرایا۔

وہ اسی قسم کی گفتگو کرتا رہا اور شیلا کا ذہنی ہیجان اس کی دلچسپ گفتگو کی نذر ہو گیا۔ وہ سب کچھ بھول گئی۔ اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے وہ اسے برسوں سے جانتی ہو۔ اس کے ساتھ بارہا رقص کرنے کا اتفاق ہو چکا ہو۔

پھر وہ کھلتی گئی۔ زبان کی لکنت دور ہو گئی تھی اور خیالات زبان کا ساتھ بخوبی دینے لگے تھے۔

اچانک فریدی پھر اصل موضوع پر آ گیا۔ "میں نے سنا ہے کہ اس بدنصیب عورت نے بڑی درندگی برتی تھی آپ کے ساتھ۔"

"کتیا تھی.... وہ....!" شیلا نے غیر ارادی طور پر کہا۔

شیلا کو ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ایک موم کی گڑیا کی طرح پگھلی جا رہی ہو۔ مگر یہ کیفیت بڑی نشہ آگیں اور لذت آمیز تھی.... ذہن و جسم قوت ارادی کے تابع نہیں رہے تھے۔

"وہ.... واقعی بُری تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"بہت بُری.... بہت کمینی.... اس نے مجھے درندوں کی طرح نوچ کر رکھ دیا تھا.... ذلیل کہیں کی۔"

"مگر بات کیا ہوئی تھی۔"

"میں نے سر داؤد کو ایک خط لکھا تھا۔ وہ اس سے پہلے اسے مل گیا۔ میں نے سر داؤد کو لکھا تھا کہ لیڈی داؤد آوارگی کی طرف مائل ہے۔ عنقریب تمہارے منہ میں کالک لگ جائے گی۔ اسے سنبھالو.... میں نے خط میں اپنا نام نہیں ڈالا تھا۔ تیسرے یا چوتھے دن مجھے لیڈی داؤد کا خط ملا جس نے بہت عاجزی سے لکھا تھا کہ میں اس سے ہائی سرکل کلب کے منیجر کے کمرے میں ملوں.... میں نے سوچا کوئی اور بات ہو گی۔ میں اس کے لکھے ہوئے وقت کے مطابق وہاں پہنچ گئی تھی۔"

"اور وہ آتے ہی آپ پر جھپٹ پڑی تھی۔"

"جی ہاں! بالکل دیوانوں کی طرح۔"

"مگر اسے کیا معلوم کہ وہ خط آپ نے اسے لکھا تھا۔"

"پتہ نہیں.... یہی تو میں بھی سوچ رہی ہوں۔"

"خط بھی آپ نے ٹائپ کیا ہو گا۔"

"جی ہاں....!"

"تب پھر وہ جادوگرنی تھی۔"

"پتہ نہیں۔"

"مگر آپ نے خط لکھا ہی کیوں تھا۔"

"سر داؤد کو ایک خطرے سے آگاہ کرنے کے لئے۔"

"آپ کو اس سے اتنی ہی ہمدردی تھی۔"

"اوہ.... میرا فرض تھا کہ اسے آگاہ کر دیتی۔"

"اگر آپ مجھے سچی بات بتا دیں تو میں ایک بہت بڑی الجھن سے نجات پا جاؤں گا۔"

ٹھیک اسی وقت مائیک خراب ہو گیا۔ موسیقی کی آواز محدود ہو کر رہ گئی اور رقاصوں کے پیر رکنے لگے۔ آرکسٹرا کی جانب سے رقص بند کر دینے کا اشارہ ملا اور لوگ اپنی میزوں کی طرف جانے لگے۔

شیلا سچ مچ اسی طرح لڑکھڑا رہی تھی جیسے بہت زیادہ پی گئی ہو۔ فریدی اسے سہارا دیئے ہوئے بڑ کی طرف لایا وہ بیٹھ گئی۔ وینٹی بیگ سے رومال اور آئینہ نکالا اور چہرے کی دیکھ بھال کرنے کے بعد بولی۔ "میں پیاسی ہوں۔"

"کیا پئیں گی۔"

"پورٹ....!"

فریدی نے ویٹر کو اشارے سے بلا کر پورٹ کے لئے کہا۔

"آپ نہیں پئیں گے۔" شیلا نے پوچھا۔

"نہیں.... شکریہ۔ میں ضرورت نہیں محسوس کر رہا ہوں۔"

"آپ ہائی لی پولشڈ اور کلچرڈ آدمی ہیں۔" شیلا مسکرائی۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ پھر یک بیک ایسا معلوم ہوا جیسے شیلا جاگ سی پڑی ہو۔ اس کے چہرے سے ایک نقاب سی سرک گئی تھی۔ اب وہ پھر مضطرب اور پریشان نظر آنے لگی۔

تاوقتیکہ شراب نہیں آ گئی۔ فریدی نے کچھ نہیں پوچھا۔

اور شیلا شراب پر اس بُری طرح ٹوٹی تھی جیسے برسوں کی پیاس ادھار رہی ہو۔ تھوڑی دیر بعد اس کی دھندلائی ہوئی آنکھیں پھر چمکنے لگیں اور اس نے سنبھالا لے کر فریدی سے کہا۔

"آپ کو کوئی حق نہیں ہے کہ آپ مجھے بور کریں۔"

"مجھے اس کا اعتراف ہے اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ لیڈی داؤد کی خودکشی کی ذمہ دار سراسر آپ ہی ہیں۔"

"میں اس مسئلہ پر گفتگو نہیں کرنا چاہتی۔"

"اچھی بات ہے۔" فریدی نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "دو چار دن بعد مجھے ہائی سرکل کے منیجر کے کمرے میں مل لیجئے گا۔"

"کیوں....؟"

"مجھے نوچنے اور کھسوٹنے کے لئے....!"

"کیا مطلب....!"

"میں بھی ویسا ہی خط رائے سرن کو لکھوں گا جیسا آپ نے سر داؤد کو لکھا تھا۔"

"آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔"

"میں نے تو نہیں پی محترمہ....!" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

شیلا ڈرپن اتنی دیر میں نصف سے زائد بوتل صاف کر چکی تھی۔ وہ پورٹ ہی سہی لیکن اس انداز میں پینے سے ذہن پر اثر ہوتا ہی ہے۔ اس کا دماغ پھر تاریک خلاؤں میں چکرانے لگا تھا۔

"کیا لکھیں گے۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"میں تو صاف صاف لکھ دوں گا کہ پرنس برونوف....!"

شیلا کے ہاتھ سے گلاس چھوٹ پڑا.... اس کے ٹوٹنے کی آواز سے آس پاس کے لوگ چونک پڑے۔ فریدی نے ویٹر کو دوسرا گلاس لانے اور فرش صاف کرنے کا اشارہ کیا۔

شیلا کرسی کی پشت سے ٹک کر اسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

"اچھا اب اجازت دیجئے۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں....!" وہ ہذیانی انداز میں بولی۔ "بیٹھئے.... آپ کو ثابت کرنا پڑے گا۔"

"اپنی حالت سنبھالئے محترمہ.... لوگ آپ کو گھور رہے ہیں۔"

"وہ چونک کر ادھر اُدھر دیکھنے لگی پھر جھک کر گلاس کے ٹکڑوں پر نظر ڈالی اور ہنسنے لگی، ہنسنے کے انداز میں کھوکھلا پن تھا۔"

پھر آہستہ سے بولی۔ "آپ اس طرح نہیں جا سکتے۔"

"میں ساری رات بیٹھ سکتا ہوں۔" فریدی مسکرایا۔

اتنے میں ویٹر گلاس لے آیا۔ شیلا دوسری کرسی پر بیٹھ گئی اور ویٹر فرش صاف کرنے لگا۔

فریدی شیلا کے لئے شراب انڈیل رہا تھا۔

"شکریہ....!" شیلا نے بُرا سا منہ بنا کر کہا اور پھر ویٹر کے چلے جانے پر بولی۔

"آپ نے پرنس برونوف کا نام کیوں لیا تھا۔"

"کیونکہ آپ کے خط کے متعلق اسی نے لیڈی داؤد کو بتایا تھا۔"

"نہیں....!" شیلا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں.... اور پھر وہ یک بیک اس طرح اچھل پڑی جیسے فوری طور پر اپنی کسی حماقت کا احساس ہوا ہو۔

"نہیں.... نہیں.... یہ فضول باتیں میرے سامنے نہ چھیڑیئے!" اس نے سنبھل کر کہا۔

"پتہ نہیں آپ کے ذہن میں کیا ہے۔"

"اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ آپ کے لئے بھی خودکشی تقدیر ہو چکی ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"مطلب آپ مجھ سے بہتر سمجھ سکیں گی، اگر آپ کو شبہ ہو گیا ہے کہ لیڈی داؤد کو آپ کے خط کے متعلق کس نے بتایا تھا۔"

"مگر آپ برونوف کا نام کیوں لے رہے ہیں۔ اسے اس خط کے بارے میں کیسے معلوم ہوا ہوگا جب کہ میں اسے یونہی رسمی طور پر جانتی ہوں۔"

"یہی قطعی غلط ہے کہ آپ اس سے قریبی تعلقات نہیں رکھتیں۔"

"آپ میری توہین کر رہے ہیں اور مجھ پر اتہام لگا رہے ہیں۔ میں عدالتی چارہ جوئی کروں گی۔"

"اور وہ شریف آدمی آپ کے خلاف چارہ جوئی کرنے جا رہا ہے، جس کی توہین آپ نے پرسوں کریسنٹ بار میں کی تھی۔"

شیلا ایک بار پر بوکھلائے ہوئے انداز میں کرسی کی پشت سے جا لگی۔

"وہ شریف آدمی میرا اسسٹنٹ کیپٹن حمید تھا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اب شیلا نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپالیا۔ فریدی پھر اس کے گلاس میں شراب انڈیل رہا تھا۔"

"میں کیا کروں.... میں کیا کروں۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بڑبڑائی۔

"دماغ کو قابو میں رکھئے تاکہ وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہ کھونے پائے! اب بھی کچھ نہیں بگڑا....!"

"کیوں.... کیا میں کسی خطرہ میں ہوں۔"

"اسی خطرے میں جس سے دوچار ہو کر لیڈی داؤد ہمیشہ کے لئے سو گئی۔"

"صاف صاف کہئے نا....!" شیلا میز پر ہاتھ مار کر بولی۔

"میرے بہترین مشوروں کی قیمت یہی ہوگی کہ آپ خود ہی کھل جائیے۔ آپ برونوف کو مجھ سے زیادہ نہیں جانتیں۔"

"برونوف کو آپ کیوں کھینچ لاتے ہیں۔"

"محض اس لئے کہ لیڈی داؤد کی خودکشی کسی تفریح پر مبنی نہیں تھی۔"

"یہ خودکشی مجھے پاگل کردے گی۔"

"کیا وہ برونوف کو اتنا ہی چاہتی تھی کہ خودکشی کر لیتی۔"

"میں کچھ نہیں جانتی! میں نے صرف خط لکھا تھا سر داؤد کو۔ اسے خودکشی کا مشورہ نہیں دیا تھا۔"

"خط گھر کے پتہ پر روانہ کیا تھا یا آفس کے پتہ پر۔"

"گھر کے پتہ پر....!"

"برونوف نے یہی مشورہ دیا ہوگا۔"

"ہاں.... اف.... کتنا شدید درد ہو رہا ہے سر میں۔ آپ نے کیا پوچھا تھا۔"

"مجھے جواب مل چکا محترمہ! اسی برونوف نے آپ سے گھر کے پتہ پر خط لکھوایا تھا اور ادھر لیڈی داؤد کو بھی آگاہ کر دیا تھا تاکہ وہ سر داؤد کی ڈاک پر کڑی نظر رکھے۔"

"اگر ایسا تھا تو اس کا مقصد....!" شیلا میز پر ہاتھ مار کر بولی۔

"ایک سے پیچھا چھڑا کر دوسری پر ہاتھ پھیرا جائے.... یا پھر....!"

"یہی کیا ہے.... آپ سب کچھ جانتے ہیں۔ پھر مجھے بور کرنے سے کیا فائدہ.... جائیے! میں کسی کی پرواہ نہیں ہے۔ میں شنکر سرن کو کل چھوڑ سکتی ہوں۔"

"لیکن جب اس خودکشی کا کیس عدالت میں پیش ہوگا اس وقت آپ کہاں ہوں گی۔"

شیلا پھر خاموش ہو گئی۔ اس کی آنکھوں سے شدید ترین الجھن ظاہر ہو رہی تھی۔ آخر کار اس نے مضمحل آواز میں کہا۔

"ہاں.... بہتیرے معاملات میری سمجھ سے بھی باہر ہیں۔"

"میں سمجھا سکتا ہوں.... مثال کے طور پر کچھ....!"

"اس خط کا علم برونوف کے علاوہ اور کسی کو نہیں تھا۔ لیکن وہ خود ہی لیڈی داؤد سے دور جانا تھا۔ وہ زبردستی اس کے گلے پڑ رہی تھی۔ میں نے ہی یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ سر داؤد کو اس کے متعلق ایک خط لکھا جائے، ورنہ دفتر میں ہو سکتا ہے کہ کاروباری ڈاک میں مل کر ادھر اُدھر ہو جائے.... اب بتائیے آخر وہ اس کی اطلاع اسے کیوں دینے لگا۔"

"محض اس لئے کہ آپ بھی خواہ مخواہ اس کے گلے پڑ گئی تھیں اور لیڈی داؤد کی دانست میں آپ سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا اور کوشش کر رہا تھا کہ لیڈی داؤد آپ کے شر سے محفوظ رہے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"آپ دونوں کو ایک دوسرے کے بارے میں علم تھا کہ برونوف سے تعلقات ہیں۔ لیکن برونوف آپ میں سے ہر ایک پر یہی جتانے کی کوشش کرتا تھا کہ وہ دوسری کو منہ لگانا بھی نہیں پسند کرتا اور وہ زبردستی گلے پڑ رہی ہے۔ اس طرح اسنے آپ دونوں کی ہمدردیاں حاصل تھیں اور اب اس سے آگے کیا کہوں۔"

"کیا ابھی تک آپ نے خودکشی کے متعلق نہیں سوچا۔"

"میں کیوں سوچوں....!"

"سوچیں گی آپ.... ایک دن سوچنا پڑے گا۔"

"میں اتنے کمزور دماغ کی نہیں ہوں کہ کسی قسم کی ناکامی مجھے خودکشی کی طرف لے جائے.... ہونہہ....!"

"کیا آپ یہ سمجھتی ہیں کہ اس نے ایک ناکام محبت کی حیثیت سے خودکشی کی تھی۔"

"پھر کیا کہا جائے گا۔"

"یہ اسی وقت سوچئے گا، جب آپ پر ایسی ہی کچھ بیتے! اس وقت ذہن کو ٹٹولئے گا کہ خودکشی کی وجہ کیا چیز بننے والی ہے۔"

"بیٹھئے.... میری بھی سن لیجئے۔" شیلا نے فریدی کو اٹھتے دیکھ کر کہا۔

دیوانگی

حمید نے اپنی گاڑی کے ہیڈ لیمپ بجھا دیئے تھے.... کیونکہ اب وہ اس کار کا تعاقب کرتا ہوا شہر سے باہر نکل آیا تھا۔ سڑک سنسان تھی اس لئے اگلی کار والے بہ آسانی اندازہ کر سکتے تھے کہ ان کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔

حمید نے ہیڈ لیمپ بجھا دیئے اور اگلی کار کی عقبی روشنی کے سہارے تعاقب کرتا رہا۔ کار کی رفتار تیز تھی۔ اتنا تو وہ جانتا تھا کہ گلوریا اسی کار میں موجود تھی مگر اس کے علاوہ اور کتنے آدمی تھے اس کا اندازہ نہیں کر سکا تھا۔ تعاقب جاری رہا۔

حمید کے ذہن میں فریدی اور شیلا درپن کا رقص بھی تھا اور رقص کا انداز اسے بالکل ایسا معلوم ہوا تھا جیسے دونوں سالہا سال سے ایک دوسرے سے واقف ہوں۔ آخر فریدی کیا کر رہا تھا۔

دفعتاً حمید نے محسوس کیا جیسے اگلی کار کی رفتار سست ہو گئی ہو.... اس نے بھی رفتار کم کر دی۔ لیکن ٹھیک اسی وقت اسے نسوانی چیخیں سنائی دیں۔ جو کار ہی کی سمت سے آئی تھیں اور اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اگلی کار پہلے سے بھی زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھ گئی ہو۔

چیخیں برابر سنائی دے رہی تھیں.... لیکن وہ دور ہونے کے بجائے قریب ہی ہوتی گئیں جس کا مطلب یہی تھا کہ اگلی کار سے ان کا تعلق نہیں ہے۔ حمید نے ہیڈ لیمپ روشن کر لئے جن کی روشنی سڑک کے کنارے پڑے ہوئے ایک متحرک بنڈل پر پڑی۔

حمید نے پورے بریک لگائے اور گاڑی ایک زوردار جھٹکے کے ساتھ رک گئی۔ وہ تیزی سے نیچے اترا....!

لڑکی اب بھی چیخ رہی تھی۔ لیکن آواز میں پہلی سی تیزی نہیں رہ گئی تھی۔

حمید اس کی طرف جھپٹا! ہیڈ لیمپ کی روشنی میں اس نے اس کے چہرے کی ہلکی سی جھلک بھی تھی اور اسے پہچان گیا تھا۔ وہ گلوریا ہی تھی۔ کیا اسے کار سے نیچے پھینک دیا گیا تھا؟

اس نے اسے زمین سے اٹھانے کی کوشش کی۔ اس پر وہ اور زیادہ چیخنے لگی۔

"گلوریا.... گلوریا....!" حمید نے اسے جھنجھوڑ کر آوازیں دیں۔ "یہ میں ہوں! جو کچھ دیر پہلے تمہارے ساتھ مے پول میں ناچ رہا تھا۔"

اچانک گلوریا نے قہقہہ لگایا اور سیدھی کھڑی ہو گئی۔ پھر اس کا قہقہہ طویل ہی ہوتا گیا۔

"مجھے انجکشن ہو گیا ہے.... ہاہاہا....!" وہ پھر چیخی۔ حمید دوڑ کر کار سے ٹارچ نکال لایا اور پھر اس کی روشنی میں گلوریا کا چہرہ بڑا خوفناک نظر آیا۔ ہونٹوں کی سرخی دونوں جانب گالوں پر دور تک پھیل گئی تھی۔ آنکھیں حلقوں سے نکلی پڑ رہی تھیں اور اس کے منہ سے سبز رنگ کی رطوبت بہہ بہہ کر اسکرٹ پر ٹپک رہی تھی۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے۔" اس نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"انجکشن....!" وہ پھر دہاڑی اور پہلے کی طرح وحشیانہ انداز میں ہنسنے لگی۔

"تمہارے منہ سے کیا بہہ رہا ہے۔"

"انجکشن....!"

"نہیں آپریشن....!" حمید جھلا کر بولا۔

دفعتاً وہ قہقہے لگاتی ہوئی حمید پر جھپٹ پڑی۔ حمید اس کے لئے تیار نہیں تھا۔ لہٰذا نہ تو وہ سنبھل سکا اور نہ اسی کا اندازہ کر سکا کہ مقصد کیا تھا۔

وہ دھڑام سے نیچے گرا اور گلوریا اس پر چڑھ بیٹھی۔

"اے خبیث.....!"

"ہٹو.... ارے.... ارے.... تم ہوش میں ہو یا نہیں۔" حمید اسے نیچے گرانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ مگر جواب میں اس نے قہقہوں کے علاوہ اور کچھ نہیں سنا۔ وہ اسے بُری طرح نوچ کھسوٹ رہی تھی۔

بدقت تمام وہ اس کی گرفت سے آزاد ہو سکا اور پھر اس نے اس کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لئے۔

"خاموش رہو.... خاموش رہو! ورنہ گلا گھونٹ کر مار ڈالوں گا۔" حمید نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔ وہ بُری طرح نروس ہو گیا تھا۔

لیکن لڑکی کے قہقہے کسی طرح نہ رکے، اب وہ اچھل اچھل کر حمید کی ٹھوڑی میں سر مارنے کی کوشش کر رہی تھی۔ دو ایک بار اس کے سینے پر منہ بھی مارا تھا۔ لیکن صرف قمیض ہی پھاڑ سکی تھی۔ گوشت تک اس کے دانت نہیں پہنچے تھے۔

دفعتاً حمید کو خیال آیا کہ کہیں وہ پاگل ہی نہ ہو گئی ہو.... کچھ دیر پہلے وہ "انجکشن انجکشن" رٹتی رہی تھی! اور اس نے اس کے منہ سے سبز رنگ کی رطوبت بھی بہتی دیکھی تھی، ہو سکتا ہے کہ اسے لے جانے والوں نے کوئی زہریلا مادہ اس کے جسم میں انجکٹ کر دیا ہو اور وہ زہریلا مادہ اپنا ہی ہو کہ پل بھر میں دماغ الٹ دے۔ اس سے پہلے بھی ایسے حیرت انگیز قسم کے زہر حمید کے سامنے میں آئے تھے۔

وہ مے پول ہوٹل سے ایک آدمی کے اشارے پر اٹھی تھی اور وہی آدمی اسے اس کار میں لے اڑا تھا۔ اگر وہ اسے پہچانتی نہ ہوتی یا اس کے متعلق مطمئن نہ ہوتی تو جاتی ہی کیوں اس کے ساتھ تو پھر وہ اسی گروہ کا کوئی آدمی تھا اور گروہ والے اس سے آگاہ ہو چکے ہیں کہ محکمہ سراغ رسانی ان کی فکر میں ہے۔ لہٰذا گلوریا کو اس کے ساتھ دیکھ کر انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ گلوریا کو قابل ہی نہ رہنے دیا جائے۔

گلوریا کے قہقہے آہستہ آہستہ سست ہوتے جا رہے تھے.... پھر کچھ دیر بعد اس کے حلق سے اس قسم کی آوازیں نکلنے لگیں جیسے کسی ذبح کئے ہوئے جانور کے کٹے ہوئے حلق سے نکلتی ہیں۔

دو تین منٹ اور گذر گئے اب وہ حمید کے بازوؤں میں جھول رہی تھی.... حمید نے اسے کار کی پچھلی نشست پر ڈال دیا۔ وہ بیہوش ہو چکی تھی۔

❁

"اب آپ کیا کہیں گی۔" فریدی شیلا کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"برونوف کیا کرنا چاہتا ہے۔" شیلا نے مردہ سی آواز میں پوچھا۔

"میں کیا جانوں۔" فریدی نے شانوں کو جنبش دی۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "دیکھئے کہ

آپ کو اس کا بھی علم نہیں ہے کہ سر داؤد کی بچی کی نرس میریا بھی قتل کر دی گئی ہے۔"

"ہاں میں نے سنا ہے۔" شیلا نے لاپروائی سے کہا۔ لیکن فریدی بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

اتنے میں بال روم کا منتظم لاؤڈ سپیکر خراب ہو جانے کے سلسلہ میں معذرت طلب کرنے لگا... لاؤڈ سپیکر اب پھر کام کرنے لگا تھا۔ منتظم کی تقرر ختم ہوتے ہی رقص کیلئے موسیقی شروع ہو گئی۔

لوگ گیلریوں سے اٹھ کر چوبی فرش پر جانے لگے.... لیکن اس بار فریدی نے شیلا سے درخواست نہیں کی۔ ویسے شیلا اسے ایسے ہی انداز میں دیکھ رہی تھی جیسے درخواست قبول کر لینے کا تہیہ کئے بیٹھی ہو۔

"کیا آپ کو علم ہے کہ میریا کی سفارش برونوف نے کی تھی۔" فریدی نے کچھ اونچی آواز میں پوچھا کیونکہ موسیقی کی لہروں سے سارا ہال گونج رہا تھا۔

"میں نہیں جانتی....!" شیلا نے بیزاری سے کہا۔ مگر پھر یک بیک چونک پڑی اور متحیرانہ انداز میں پوچھا۔ "اس واقعہ سے مجھے کیا سروکار ہو سکتا ہے۔"

"بہت بڑا سروکار ہے محترمہ.... کیا یہ آپ کی سیکریٹری گلوریا....!"

"ہاں گلوریا.... کیا....؟"

"کیا برونوف نے اس کی سفارش نہیں کی تھی۔"

"ہاں.... کی تو تھی۔"

"آپ خطرہ میں ہیں محترمہ.... بہت بڑے خطرہ میں۔"

"کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں الجھنوں میں مبتلا ہو کر مر جاؤں۔" شیلا جھلا کر چیخی۔

"نہیں.... میں فی الحال اتنا ہی چاہتا ہوں کہ آپ برونوف سے ملنا جلنا ترک کر دیں۔"

"کیوں.... آخر کیوں۔"

"میں ابھی یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن اگر آپ اس دوران میں اپنی خودکشی کے امکانات پر سوچ چکی ہیں تو میں آپ سے کچھ مزید سوالات کرنے کے بعد اس مسئلہ پر بھی روشنی ڈال سکوں گا۔"

"آخر میں کیوں سوچوں خودکشی کے متعلق! میرا کیا بگڑا ہے۔ میں ایک آرٹسٹ ہوں، حسن

کی پرستار، حسن کے مظاہر بنتے بگڑتے رہتے ہیں! ان کے بننے بگڑنے سے مجھے کوئی سروکار نہیں.... ایک مورتی ٹوٹی.... اور اسی حسن کا جلوہ مجھے کسی دوسری مورتی میں نظر آگیا۔"

"ٹھیک ہے.... لیکن اس کے باوجود بھی اگر کبھی خودکشی کا خیال پیدا ہو تو جلد بازی سے کام نہ لیجئے گا۔ خواہ وہ مسئلہ کتنی ہی پیچیدگی کیوں نہ رکھتا ہو۔ مجھے اس سے ضرور آگاہ کیجئے گا۔"

فریدی کے انداز سے پھر یہی معلوم ہوا جیسے اٹھ جائے گا۔

"ٹھہریئے.... ٹھہریئے.... اب میری بات سنئے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ برونوف مجھے بڑا عجیب سا آدمی لگتا ہے۔ ہاں اس نے ہی مجھ سے کہا تھا کہ میں اپنے یہاں گلوریا کو ملازمت دے دوں۔ دیکھئے ہے نا عجیب بات.... اس نے مجھ سے ایک خوبصورت لڑکی کی سفارش کی تھی اور کہا تھا کہ اسے اس سے صرف ہمدردی ہے.... چونکہ وہ بیکار ہے اور مفلسی کی زندگی بسر کر رہی ہے اس لئے وہ چاہتا ہے کہ اس کی مدد کرے۔ کتنی عجیب بات ہے کرنل.... میں نشے میں نہیں ہوں۔ میرا ذہن میرے قابو میں ہے۔ آپ اسے نشے کی بڑ نہ سمجھئے گا.... بتایئے ہے نا عجیب بات.... فرض کیجئے میں آپ کو چاہتی ہوں.... اوہو.... مثال کے طور پر.... اور آپ کو سب کچھ معلوم ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں برونوف کو چاہتی ہوں.... آپ سے کیا پردہ.... کیا آپ ایسی صورت میں کسی حسین لڑکی کی سفارش مجھ سے کر سکیں گے۔"

"ہرگز نہیں.... قطعی نہیں۔ اگر کروں گا تو آپ یہی سمجھیں گی کہ میں اس کے جواز کے سلسلہ میں آپ کو بہلانے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"سچی بات۔" وہ انگلی اٹھا کر آگے پیچھے جھومتی ہوئی بولی۔ "لیکن میں اسے کتنا چاہتی ہوں کہ میں نے اس کی سفارش منظور کر لی تھی اور اس کی نیت پر شبہ نہیں ظاہر کیا تھا۔"

"کمال کیا تھا آپ نے....!" فریدی نے خواہ مخواہ حیرت ظاہر کی۔

"اب مجھے بتایئے کہ وہ برونوف میرے لئے کس طرح خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ کیا وہ گلوریا کے ذریعہ کوئی بڑا فراڈ کرائے گا۔"

"مجھے ڈر ہے کہ کہیں گلوریا بھی اب تک میریا ہی کی طرح ہمیشہ کیلئے خاموش نہ ہو گئی ہو۔"

"کیوں....؟"

"کچھ دیر پہلے وہ یہیں میرے اسسٹنٹ کے ساتھ ناچ رہی تھی۔ لیکن اب وہ دونوں نظر

ہیں آتے۔"

"آپ مجھے الجھن میں ڈال رہے ہیں۔ آخر گلوریا کا بھی وہی حشر کیوں ہوگا۔"

"الجھن کی بات نہیں.... آپ خود ہی اس پر غور کیجئے کہ میریا کی سفارش بھی برونوف ہی نے کی تھی اور آپ یہ بھی جانتی ہیں کہ برونوف اور لیڈی داؤد کے تعلقات کیسے تھے۔"

"وہ زبردستی اس کے سر پڑی تھی۔"

"لیکن اس کے باوجود بھی برونوف نے اس سے میریا کی سفارش کی تھی۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا....!" شیلا نے میز پر پیشانی رکھ دی۔

"سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ لیکن مشورے پر ضرور عمل کیجئے گا۔ جب تک میری طرف سے [illegible] گھر سے باہر نہ نکلئے اور اگر گلوریا کل صحیح و سالم آپ تک پہنچ جائے تو اسے بھی ملازمت سے برطرف [illegible] لیکن خیال رہے کہ جب بھی برونوف آپ کے لئے ایک بہت بڑی الجھن بنتا ہوا نظر آئے تو مجھے ضرور مطلع کیجئے گا۔ ہو سکتا ہے میں آپ کو خودکشی سے بچا سکوں۔ بس.... اب نہیں بیٹھوں گا۔"

فریدی اٹھ گیا۔ شیلا بھی اس بار کچھ نہیں بولی تھی۔ وہ خاموشی سے اسے جاتے دیکھتی رہی۔

❁

فریدی جیسے ہی کمپاؤنڈ کے پھاٹک کے قریب پہنچا اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ کمپاؤنڈ بقعہ نور بنا ہوا تھا اور حمید سارے نوکروں کے ساتھ ادھر اُدھر اچھلتا پھر رہا تھا۔ اگر کمپاؤنڈ میں کافی روشنی نہ ہوتی تو اب تک ان میں سے ایک آدھ کا سر ضرور پھوٹ چکا ہوتا۔ کیونکہ یہ اچھل کود تفریحاً نہیں تھی بلکہ وہ خود کو پتھروں سے بچا رہے تھے۔

فریدی کمپاؤنڈ میں ایک فوارہ تعمیر کرنے والا تھا اس کے لئے پتھر کی گٹیاں آئی تھیں اور کمپاؤنڈ میں ایک طرف ڈھیر تھیں، فریدی کو اسی ویٹر کے قریب ایک شکستہ حال سفید فام عورت نظر آئی جس کے ہاتھ بہت تیزی سے چل رہے تھے۔

پتھر برس رہے تھے، حمید اور ملازمین پر بدحواسی طاری تھی اور کتاخانے میں شائد ایک پلا بھی ایسا نہ رہا ہو جس نے اس دلچسپ کھیل کی داد دینے میں کوتاہی کی ہو۔ وہ تو سبھی یکساں رفتار

سے بھونکے جا رہے تھے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" فریدی پھاٹک ہی پر کھڑے کھڑے دہاڑا۔

"مشاعرہ ہو رہا ہے اور داد چل رہی ہے.... آپ بھی آیئے۔" جواب میں حمید چیخا تھا۔

"کیا بیہودگی ہے.... یہ کون ہے۔"

"بیہودگی نہیں بلکہ اس کا نام شامت ہے۔" حمید نے چیخ کر کہا۔ "جب ہو جاتی ہے تو قیامت کہلاتی ہے۔ ذرا اور آگے آجایئے.... پوری غزل سمجھ میں آجائے گی.... ارے باپ رے۔"

پتہ نہیں کوئی پتھر لگ ہی گیا تھا یا صرف بچتے ہوئے۔ "ارے باپ رے۔" اس کے منہ سے نکلا تھا۔

فریدی پھر گاڑی میں آبیٹھا اور اسے موڑ کر پھاٹک میں لیتا چلا گیا۔ رفتار کافی تیز تھی۔ گاڑی پتھروں سے محفوظ ہی رہی.... وہ اسے سیدھا پورچ میں لایا اور اتر کر عمارت میں داخل ہو گیا۔ اس کا رخ اوپری منزل کی طرف تھا۔

لیبارٹری سے اس نے سرچ لائٹ اٹھائی اور اس کمرے میں آیا جس کی کھڑکی سے وہ بآسانی اس پتھر چلانے والی لڑکی کو دیکھ سکتا تھا۔

اس نے سرچ لائٹ کا پلگ سوئچ بورڈ کے ایک ساکٹ میں لگا دیا.... اور پھر کھڑکی کھولی۔

عورت اسی جوش و خروش کے ساتھ پتھر چلا رہی تھی۔

دفعتاً فریدی نے سرچ لائٹ کا سوئچ آن کر دیا.... آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی روشنی کا دائرہ لڑکی کے چہرے پر پڑا اور وہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر پیچھے ہٹ گئی۔

بس اتنا ہی کافی تھا۔ حمید نے آن کی آن میں اسے جالیا۔ اس کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لئے۔ فریدی سرچ لائٹ کا سوئچ آف کر کے زینوں کی طرف چل پڑا۔

حمید پتھر چلانے والی کو عمارت کی طرف کھینچ رہا تھا اور وہ بیٹھی جا رہی تھی۔

"اوہ.... ارے.... یہ تو گلوریا ہے۔" فریدی ان کے قریب پہنچ کر بولا۔

"یہ پاگل ہو گئی ہے۔" حمید ہانپتا ہوا بولا۔

"اس کا یہاں کیا کام....!"

"او بابا.... پہلے اسے قابو میں کیجئے.... پھر بتاؤں گا۔"

"پڑوسیوں کو بلاؤ۔" فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "ایک مینڈکی قابو میں نہیں آتی.... ٹھالو....!"

"مر گئے اٹھانے والے.... اس وقت یہ رستم سے بھی نہ اٹھے گی۔"

"اچھی بات ہے جھک مارتے رہو۔" فریدی نے کہا اور واپس جانے کے لئے مڑ گیا۔

"ارے.... ارے.... یعنی کہ.... آپ جا رہے ہیں۔ ٹھہریئے ورنہ میں اس کے ہاتھ چھوڑ دوں گی۔" حمید نے کہا اور پھر نوکروں کو آوازیں دینے لگا۔

❁

شیلا درپن جب مے پول سے اٹھی تو اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔

فریدی کے جانے کے بعد اس نے تیز قسم کی شرابیں بھی آزمائی تھیں۔ مقصد غالباً یہی تھا کہ فریدی کی گفتگو سے پیدا ہو جانے والی الجھنوں سے چھٹکارہ مل جائے۔

وہ دراصل یہاں پرنس برونوف کا انتظار کر رہی تھی لیکن اس کی بجائے فریدی آٹکرایا تھا۔

اور اب اسے برونوف پر شدت سے غصہ آرہا تھا کہ اگر وہ سامنے ہوتا تو بے دریغ اس پر جھپٹ پڑتی۔

مے پول سے باہر آکر اس نے ٹیکسی کی اور ڈرائیور کو پرنس برونوف کا پتہ بتایا۔

راستے بھر وہ کھولتی رہی۔ برونوف.... برونوف.... مکار.... گلوریا سے عشق کرتا ہے.... اور مجھے لوٹنے کے لئے یہ جال بچھایا ہے.... ورنہ اس سراغ رساں کو کیا پڑی تھی کہ اتنی باتیں کرتا.... اور وہ سراغ رساں.... وہ تو.... برونوف سے بھی زیادہ پرکشش ہے.... حسن جہاں بھی نظر آئے اسے پوجنا ہی چاہئے۔ خواہ وہ کتے کے پلے ہی میں کیوں نہ نظر آئے.... میں بھی تو کتے کی پلی ہی ہوں اور بیچارہ سرن آخر مجھے اس میں حسن کیوں نظر نہیں آتا.... لیکن وہ مجھے پوجتا ہے.... کہتا ہے میں تمہاری یاد میں قطب مینار بنواؤں گا.... قطب مینار.... نہیں.... وہ کون سا محل ہے.... تاج محل.... تاج محل.... ہاہا.... تاج محل۔

ٹیکسی میں ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اس کا نشہ بڑھائے دے رہے تھے۔ ایک بار اس نے تاج محل کے متعلق بلند آواز میں بھی ہوچ ڈالا اور پھر برونوف کو ایک گندی سی گالی دی۔

"جی صاحب....!" ٹیکسی ڈرائیور چونک کر بولا۔

"تمہارا سر....!" وہ جھلا کر بولی۔ "میں نے تم سے کچھ نہیں کہا۔ اپنے صاحب کو گالی دی تھی، ہی از اے باسٹرڈ.... اینڈ آئی ایم اے ڈرٹی بچ.... ہل وویو....!"

"اچھا شاب....!" ڈرائیور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

برونوف کی قیام گاہ پر پہنچ کر وہ اتر گئی۔ بیگ سے کچھ نوٹ کھینچے اور ڈرائیور کے ہاتھ پر رکھ کر آگے بڑھ گئی۔

پھر چند ہی لمحوں بعد وہ برآمدے میں کھڑی کال بل کا بٹن دبا رہی تھی اور دروازہ خود برونوف ہی نے کھولا اور شیلا کو دیکھ کر چونک پڑا۔

"تم .... اس وقت....!" اس نے حیرت سے کہا۔

"ہاں.... میں اس وقت....!" وہ تن کر غصیلی آواز میں بولی۔ "اندر کون ہے۔ ہوگا کون وہی سور کی بچی۔"

"تم نشے میں معلوم ہوتی ہو۔ جاؤ گھر جاؤ۔"

"نہیں میں دیکھوں گی کہ اندر کون ہے.... تم نے لیڈی داؤد کو بتایا تھا کہ میں نے خط لکھا تھا .. میریا بھی مر گئی.... اب میں گلوریا کو جان سے مار دوں گی۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے.... جاؤ اس وقت جاؤ...." برونوف نے کہا اور اسے پیچھے دھکیں کر دروازہ بند کر لیا۔

شیلا کھڑی دانت ہی پیستی رہ گئی۔ پھر آگے بڑھ گئی اور دونوں ہاتھوں سے دروازہ پیٹ پیٹ کر چیخنے لگی۔

"تم سور ہو ذلیل ہو.... کتے ہو۔ کرنل فریدی تم سے زیادہ حسین ہے وہ بہت جلد تمہاری وٹیاں اڑا دے گا.... نکالو اس حرام زادی گلوریا کو.... تم مجھے لوٹنا چاہتے تھے۔"

جب اس سے بھی دل نہیں بھرا تو برآمدے سے نیچے اتر آئی اور پتھر اٹھا اٹھا کر دروازوں اور کھڑکیوں کے شیشے توڑنے لگی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ پاگل ہو گئی ہو۔

شیشے جھنجھنا جھنجھنا کر ٹوٹ رہے تھے.... اور وہ وحشیانہ انداز میں چیخ رہی تھی، گالیاں بک رہی تھی۔

تفتیش

گلوریا ہسپتال میں تھی۔ پچھلی رات دراصل یہ ہوا تھا کہ حمید اسے گھر لایا۔ وہ اس وقت بھی بیہوش تھی۔ کار سے اتارنے کے لئے وہ اسے ہاتھوں پر اٹھانے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ اسے یک بیک ہوش آگیا اور مچل کر اس کی گرفت سے نکل گئی۔ پھر اس وقت حمید کو نوکروں کو بھی آواز دینی پڑی تھی، جب گلوریا نے پتھر پھینکنا شروع کر دیا تھا۔

پھر کچھ دیر بعد فریدی بھی آگیا تھا اور اس نے سرچ لائٹ سے اس کی آنکھوں میں خیرگی پیدا کر کے اسے بے بس کر دیا تھا اس کے بعد ہی حمید نوکروں کی مدد سے اسے اندر لے جا سکا تھا۔

پھر فریدی نے اس کی زبانی گلوریا کے پاگل پن کی داستان سنی اور کچھ دیر غور کر کے یہی مشورہ دیا کہ گلوریا کو پولیس ہسپتال میں داخل کرا دیا جائے۔ وہ اسے گھر میں نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ حمید نے سوچا یہ بھی اچھا ہی ہوا۔ بھلا کسی پاگل لڑکی سے اس کی روح کیوں نہ فنا ہوتی۔ پاگل عورتیں تو اسے ملک الموت معلوم ہوتی تھیں۔

شام ہوتے ہوتے اس نے سب کچھ اپنے ذہن سے جھٹک دیا کیونکہ آج ہی اسے رائفل کلب میں برونوف سے نپٹنا تھا۔

کلب کے سیکریٹری گراہم نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور پھر کچھ دیر بعد وہاں ہائی سرکل کلب کا منیجر بھی نظر آیا۔

"میں تو جناب بقول شاعر اس کی شکست کا منظر دیکھنے آیا ہوں۔" اس نے حمید سے کہا۔

حمید اس پر صرف مسکرا کر رہ گیا۔ منیجر نے اسے بتایا کہ اس رات ہائی سرکل میں برونوف اپنے کمالات کا مظاہرہ نہیں کر سکا تھا۔

"پولیس کا نام سنتے ہی سب ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔" اس نے کہا۔

حمید اس وقت اسے چھیڑنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اسے برونوف کا انتظار تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ لڑکیاں اسے کینہ توز نظروں سے دیکھ رہی ہیں۔ شائد حمید کا چیلنج انہیں بہت گراں

گذرا تھا۔ وہ برونوف کے لئے اسی طرح پاگل ہو رہی تھیں۔

آٹھ بج گئے لیکن برونوف نہ آیا۔ حالانکہ مقابلہ کے لئے یہی وقت طے پایا تھا۔ کلب کے ہال میں تماشائیوں کی بھیڑ بڑھتی جا رہی تھی۔

آدھا گھنٹہ اور گذر گیا۔ لیکن اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ فون کیا گیا مگر جواب ندارد۔ آخر تھک ہار کر لوگوں نے فرمائش کی کہ حمید اکیلے ہی کچھ پیش کرے۔

حمید کو یقین تھا کہ برونوف ضرور آئے گا اس لئے اس نے صرف خنجر ہی پھینکنے کے مظاہرے پر اکتفا کی۔ لیکن یہ بھی ایسا ہی تھا کہ حمید برونوف کے قائم کردہ ریکارڈ سے آگے ہی نکل گیا۔

تماشائیوں کو چونکنا پڑا.... خصوصیت سے لڑکیوں نے تو اس طرح آنکھیں مل مل کر اس مظاہرے کو دیکھا تھا جیسے یقین کرنا چاہتی ہوں کہ وہ جاگ ہی رہی ہیں اور وہ عالم خواب نہیں ہے۔

پھر نو بج گئے۔ لیکن برونوف نہ آیا۔ اس دوران میں کلب کا سیکریٹری گراہم کئی بار فون کر چکا تھا۔ لیکن برونوف کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔

سوا نو بجے سیکریٹری نے اپنے اسسٹنٹ کو اس کے گھر بھیجا۔ ادھر لوگوں کا اصرار بہت بڑھا تو حمید کو ریوالور کے ہاتھ بھی دکھانے پڑے.... پنگ پانگ کی تین گیندوں کی بجائے پانچ گیندیں اچھالی گئیں۔ لیکن حمید نے ان میں سے ایک کو بھی زمین پر نہیں گرنے دیا۔ برونوف ابھی تک تین گیندوں سے آگے نہیں بڑھا تھا۔

"آپ تو شائد اس کے منہ میں بقول شاعر کالک ہی لگا دیں گے کپتان صاحب۔" ہائی سرکل کے منیجر نے کہا۔

"بیگم صاحبہ کو نہیں لائے۔" حمید نے ہنس کر پوچھا۔

"وہ کسی ایسے منحوس آدمی کی شکل دیکھنا نہیں پسند کریں گی جس نے برونوف کو للکارا ہو.... اوہو.... غلط نہ سمجھئے۔ اس میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جس کا اضافہ میں نے کیا ہو۔ یہ محترمہ ہی کے الفاظ ہیں۔"

"بقول شاعر....!" حمید نے کہا اور ہونٹ بھینچ لئے۔

لوگوں نے پھر شور مچانا شروع کر دیا۔ "کچھ اور.... کچھ اور....!"

حمید نے ہاتھ اٹھا کر انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پھر اونچی آواز میں بولا۔ "دوسرے [illegible] کا مظاہرہ یہاں ممکن نہیں ہے نہ آپ ہاتھی مہیا کر سکتے ہیں اور نہ توپ....!"

"کیا بات ہوئی۔" مجمع سے آوازیں آئیں۔

"ہاتھی پر بیٹھ کر توپ چباتا ہوں.... نمبر ایک.... نمبر دو یہ کہ میں ہاتھی کے سینے پر پیر [illegible] کر کھڑا ہو جاتا ہوں اور ہاتھی کا بال بھی بیکا نہیں ہوتا۔ نمبر تین.... یہ کہ توپ میری دم [illegible] باندھ کر اڑا دی جاتی ہے اور میں کھڑا قہقہے لگاتا رہتا ہوں۔ نمبر چار توپ کا گولا میں خود نگل [illegible] ہوں اور توپ آہیں بھرتی رہ جاتی ہے.... آپ نے اکثر مداریوں کو صرف ریزر بلیڈ چباتے [illegible] ہوگا لیکن میں شیونگ اسٹک سیفٹی ریزر اور شیونگ برش تک ہضم کر جاتا ہوں۔ ہیئر آئل پی [illegible] ہوں اور ہیئر کریم ٹوسٹ پر لگا کر کھاتا ہوں۔"

حمید بکواس کرتا رہا اور قہقہے بلند ہوتے رہے....!

دفعتاً سیکریٹری گراہم بڑی بدحواسی کے عالم میں اس کے قریب آیا اور اس کے ہاتھ سے [illegible] لے کر کہنے لگا۔

"خواتین و حضرات.... ایک منحوس خبر سننے کے لئے تیار ہو جایئے۔ ابھی ابھی اطلاع ملی [illegible] ہے کہ پرنس برونوف قتل کر دیئے گئے ہیں.... ان کی لاش ان کی قیام گاہ میں پڑی ہوئی ہے۔"

"تم جھوٹے ہو.... تم جھوٹے ہو۔" کئی عورتیں ہسٹریائی انداز میں چیخیں۔

"نہیں.... یہ صحیح ہے۔ میرے اسسٹنٹ نے لاش خود دیکھی ہے۔"

مجمع میں ہراس پھیل گیا۔ حمید گراہم کا ہاتھ پکڑے اسے اسکے آفس کی طرف کھینچ رہا تھا۔

"تمہیں کیسے اطلاع ملی۔" حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔

"اوہ.... کیپٹن.... میرا دماغ قابو میں نہیں ہے۔ میں نے کئی بار برونوف کو رنگ کیا تھا [illegible] جواب نہ ملا۔ پھر میں نے اپنے اسسٹنٹ کو وہاں بھیجا.... اسسٹنٹ نے وہیں سے اطلاع دی [illegible] ہے کہ اس کی لاش مکان میں پڑی ہوئی ہے۔ اس نے پولیس کو بھی اطلاع دی ہے۔ آفیسر نے [illegible] وہیں ٹھہرنے کو کہا ہے.... اب اسسٹنٹ مصیبت میں پڑ جائے گا۔ کیا حماقت ہوئی ہے مجھ [illegible] میں نے اسی غریب کو کیوں بھیجا تھا.... مگر وہ بھی تو پرلے سرے کا احمق ہے آخر مکان کے [illegible] اندر داخل ہونے کی کیا ضرورت تھی۔"

"کیا برونوف کے مکان میں ملازم نہیں رہتے۔"

"وہ رکھتا ہی نہیں تھا.... نہ جانے کیوں؟ ویسے کہتا یہی تھا کہ وہ صرف یوروپین ملازمین کا عادی ہے۔ دیسی ملازم اس کے لئے دردِ سر بن کر رہ جائیں گے۔"

حمید تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ پھر آفس سے باہر نکل گیا۔

❁

برونوف کی قیام گاہ کے گرد پولیس نے گھیرا ڈال دیا تھا اور اندر آفیسر تلاشی لے رہے تھے۔ ایک کمرے میں فریدی رائفل کلب کے اسسٹنٹ سیکریٹری کا بیان لے رہا تھا۔

"میں نے متواتر دس منٹ تک گھنٹی بجائی تھی جناب!" سیکریٹری کہہ رہا تھا۔ "لیکن جواب نہ ملا۔"

"ہو سکتا ہے! گھنٹی میں نقص واقع ہو گیا ہو۔"

"جی نہیں! اندر سے گھنٹی کی آواز برابر آتی رہی تھی۔"

"پھر تم اندر داخل ہو گئے۔"

"جی ہاں! مجھے حیرت تھی کہ آخر دروازہ کیوں کھلا ہوا ہے۔ اگر کوئی اندر موجود ہے تو جواب کیوں نہیں دیتا۔"

"کسی ملازم نے بھی تمہیں نہیں ٹوکا تھا۔"

"اس لاش کے علاوہ اور کوئی تھا ہی نہیں جناب۔"

"مگر تم اندر داخل ہی کیوں ہوئے تھے۔"

"خیال ہوا تھا کہ کہیں پرنس سو نہ رہے ہوں۔"

"آہا.... تو تمہیں معلوم تھا کہ پرنس کے ساتھ کوئی ملازم بھی نہیں رہتا۔"

"جی ہاں مجھے علم تھا۔"

"تم اس کی کھوج میں رہتے تھے۔"

"ہر ایک رہتا تھا۔ وہ ایسا ہی حیرت انگیز آدمی تھا اور اس سے تعلق رکھنے والی عجیب و غریب باتیں بہت جلد مشہور ہو جاتی تھیں۔ مثال کے طور پر یہی بات کہ اتنا دولت مند آدمی کوئی ملازم نہیں رکھتا۔"

"تو یہ بات عام طور پر مشہور تھی کہ وہ ملازم نہیں رکھتا۔"

"جی ہاں! جسے اس سے ذرہ برابر بھی دلچسپی تھی اس سے تو وہ واقف ہی تھا۔"

"کیا اس کی نیند ایسی ہی تھی کہ وہ گھنٹیوں کی آواز سے نہ اٹھ سکتا۔"

"اس کے متعلق تو میں کچھ نہیں جانتا۔ لیکن اگر کوئی بہت زیادہ پی کر سویا ہو تو یہی کیفیت ہو گی۔"

"تو تمہیں شبہ تھا کہ وہ پی کر سو گیا ہے۔"

"جی ہاں....!"

"کیا وہ ایسا ہی لاپرواہ آدمی تھا کہ آج کے مقابلہ کو نظر انداز کر دیتا۔"

"اس کے متعلق میں کچھ نہیں عرض کر سکتا۔"

"تو پھر تمہیں کیسے خیال آیا تھا کہ وہ پی کر سو گیا ہو گا۔"

"اوہ....!" اسسٹنٹ اپنی پیشانی رگڑنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں خوف اور الجھن کے آثار نمایاں محسوس کئے جا سکتے تھے۔

"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"میں کیا عرض کروں جناب۔ میری شامت ہی تھی کہ اندر داخل ہو گیا تھا اب میں نہیں جانتا کہ میرا کیا حشر ہو گا۔ جب میں نے مسٹر گراہم کو فون پر ان کی اطلاع دی تھی تو انہوں نے مجھے ڈانٹا تھا۔ کہا تھا کہ مجھ سے حماقت سرزد ہوئی تھی، مکان میں داخل نہ ہونا چاہئے تھا۔ اب پولیس والے مجھ پر بھی شبہ کریں گے۔"

"بہتر ہے کہ تم کسی ضمانت دینے والے کو تلاش کرو۔" فریدی نے کہا۔

"گراہم صاحب کے علاوہ اور کون ضمانت دے گا۔"

اس کے بعد فریدی پاس پڑوس والوں سے پوچھ گچھ کرنے لگا تھا۔

برونوف کی لاش خواب گاہ میں بستر ہی پر ملی تھی۔ اس کی بائیں کنپٹی میں سوراخ تھا اور بستر خون سے ڈوبا ہوا تھا۔ زخم کی حالت بتا رہی تھی کہ فائر بہت قریب سے کیا گیا تھا۔ ہو سکتا ہے ریوالور کی نال کنپٹی ہی پر رکھ دی گئی ہو۔

❁

دوسری صبح ناشتے کی میز پر حمید موجود نہیں تھا۔ فریدی نے اس کے متعلق پوچھا لیکن

معلوم ہوا کہ وہ پچھلی رات ہی سے غائب ہے۔ بات تشویش کن تھی۔ فریدی نے اُٹھ کر اپنے بعض ماتحتوں کو فون کیا اور انہیں ہدایت کی کہ وہ آدھے گھنٹے کے اندر اندر حمید کو تلاش کریں۔

پچھلی رات فریدی دیر سے واپس آیا تھا اور آتے ہی سو گیا تھا۔ اگر اسے معلوم ہوتا کہ حمید گھر پر موجود نہیں ہے تو حمید کے بارے میں اسی وقت فکر لاحق ہو جاتی کیونکہ برونوف کی موت ایسی ہی چونکا دینے والی تھی۔

وہ ریسیور رکھ کر میز کے پاس سے ہٹنے ہی والا تھا کہ گھنٹی بجی۔

"ہیلو.....!" فریدی نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"ہیلو! کون صاحب ہیں۔" دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز آئی۔

"فریدی.....!"

"اوہ..... کرنل صاحب! میں شیلا درپن ہوں۔"

"ہاں کہیے۔"

"میں بہت شدت سے بور ہو رہی ہوں۔ بتایئے کیا کروں۔"

"کیوں کیا بات ہے۔"

"پرسوں رات آپ سے گفتگو ہوئی تھی اور آپ کے اٹھ جانے کے بعد میں نے ذرا تیز قسم کی شرابیں پی لی تھیں۔ نشہ ہو گیا تھا۔ اسی حالت میں پرنس برونوف کے گھر گئی تھی۔ لیکن اس نے مجھے عمارت میں نہیں داخل ہونے دیا تھا۔ میری توہین کی تھی۔ دھکیل کر دروازہ بند کر لیا تھا۔ میں نشے میں تو تھی ہی، دروازوں اور کھڑکیوں پر پتھر پھینکنے شروع کر دیئے تھے۔ میرا خیال ہے کہ سڑک پر کچھ لوگ اکٹھا ہو گئے تھے اور ان میں سے کوئی مجھے پہچانتا بھی تھا۔ اب پولیس والے مجھے بور کر رہے ہیں۔ بھلا میں اتنی سی بات پر دوسری رات اسے قتل کیوں کرنے لگی۔ پرسوں رات تو نشے میں تھی! اگر وہ پرسوں ہی قتل کیا گیا ہوتا تو پھر یقیناً میرے لئے پریشانی کی بات تھی۔"

"لہٰذا اب آپ کو پریشان نہ ہونا چاہئے! قاعدے کی بات ہے۔"

"لیکن یہ لوگ بور کر رہے ہیں۔ آج کل اتفاق سے رائے سرن شہر میں موجود نہیں ہیں، ورنہ میرے لئے اور زیادہ الجھنیں پیدا ہو جاتیں۔"

"کیا ان کی عدم موجودگی میں آپ مطمئن ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"عارضی طور پر..... کیونکہ اس کی اطلاع انہیں ضرور ملے گی۔"

"تب تو آپ کی پوزیشن بڑی خراب ہو جائے گی۔"

"ارے..... نہیں ہم دونوں ایک دوسرے کو معاف کر دیتے ہیں۔" شیلا ہنس پڑی۔ "ابھی پچھلے دنوں کی بات ہے کہ رائے سرن کو چماروں نے پیٹا تھا۔ لیکن میں نے انہیں معاف کر دیا تھا۔ یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ آپ کا دل ایک چمار کی لونڈیا پر آ گیا تھا۔ وہ بھی کچھ مائل تھی۔ ایک رات گاڑی لے کر پہنچ گئے اور بستی کے باہر اس کا انتظار کرنے لگے..... اس نے آنے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر شاید چماروں کو اطلاع مل گئی تھی..... انہوں نے گاڑی کو گھیر لیا۔ خوب پٹائی ہوئی۔"

"خوب.....!" فریدی مسکرایا۔

"میں بہت صاف گو ہوں کرنل..... ایک کھلی ہوئی کتاب۔ جس کا دل چاہے پڑھ لے۔ میری اچھائیاں اور برائیاں میرے دوستوں پر ظاہر ہیں۔"

"لیکن آپ مجھے کیوں دوست بنانے پر تل گئی ہیں۔"

"یہ نہ پوچھئے۔" فریدی کو فون پر ٹھنڈی سانس کی آواز صاف سنائی دی! اور وہ بُرا سا منہ بنا کر رہ گیا۔

"اور کیا کہنا ہے آپ کو۔"

"یہی کہ ابھی تک خودکشی کا خیال نہیں آیا مجھے۔"

"اور شائد کبھی نہ آئے کیونکہ آپ دونوں ایک دوسرے کو معاف کر دیتے ہیں اور آپ ایک کھلی ہوئی کتاب ہیں۔" فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔ "آپ کے معاملہ میں برونوف سے غلطی ہوئی تھی۔"

"کیا مطلب.....!"

لیکن فریدی نے کوئی جواب دیئے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔

❁

گیارہ بجے حمید آفس پہنچا۔ فریدی آفس میں موجود تھا..... لیکن اس سے پہلے محکمہ کے کسی آدمی سے حمید کے متعلق کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔

"تم کہاں تھے؟" فریدی نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"یہ نہ پوچھئے۔" حمید نے رومال سے چہرہ کا پسینہ خشک کرتے ہوئے کہا۔ "رات سے اب تک اچار نکل گیا۔"

"تم تھے کہاں۔"

"ایک دو جگہ رہا ہوں تو بتاؤں.... برونوف کے قتل کی اطلاع ملتے ہی میں اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ برونوف ہی آخری آدمی نہیں تھا بلکہ اس گروہ کا کرتا دھرتا کوئی اور ہی ہے۔"

"غالباً تم اسے پکڑ کر بند کر آئے ہو گے۔" فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"آپ تو خفا ہونے لگے ہیں۔" حمید بچکانہ لہجے میں بولا۔ "آپ کو کیا پتہ کہ میں کتنا بڑا تیر مار کر آیا ہوں۔ ہتھکڑیاں تیار رکھئے۔"

"کس کے لئے۔"

حمید نے چاروں طرف دیکھا اس وقت کمرے میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

"سر داؤد کے لئے....!" اس نے آہستہ سے کہا۔

"حمید....!" فریدی کا لہجہ پُر مسرت تھا۔ اس نے اٹھ کر اس کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے کہا۔ "تم پر میری محنت برباد نہیں ہوئی۔"

"اور اس پر سے میری ذاتی صلاحتیں۔" حمید اکڑ کر بولا۔

"یقیناً.... یقیناً....!" فریدی نے سر ہلا کر کہا۔ "اس سے کسے انکار ہو سکتا ہے۔ مگر برخوردار مجھے یہ تو سمجھا دو کہ ہم اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں کیسے ڈالیں گے۔"

"لیڈی داؤد کی زندگی کے بیموں کی رقم کروڑوں تک جا پہنچتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اب سر داؤد ہی وصول کرے گا۔"

"ٹھیک ہے.... جواز ہو سکتا ہے.... یعنی اس نے یہ رقومات وصول کرنے کے لئے اسے بالکنی سے نیچے پھینک دیا تھا لیکن ہمیں میریا سے گفتگو کرنے کا موقعہ ہی نہ مل سکتا تھا کہ سر داؤد کے اس بیان کی تصدیق ہو سکتی کہ میریا نے اسے لیڈی داؤد کے رونے کی اطلاع دی تھی اور پھر جیسے ہی وہ کمرے میں پہنچا تھا لیڈی داؤد نے بالکنی سے چھلانگ لگا دی تھی۔"

"جی ہاں.... اور پھر پہلے تو اس نے آپ کو ٹھکانے لگانے کی کوشش کی اور جب میریا ظاہر

گئی تو اسے بھی ختم کر دیا۔"

"مگر تم ابھی برونوف اور کسی گروہ کی باتیں کر رہے تھے۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"ہاں.... ہاں.... کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں کوئی بات دلیل کے بغیر کہوں گا۔ آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ گلوریا ہوش میں آ گئی ہے۔"

"اوہ....!" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"وہ بہت خائف ہے۔"

"پہلے یہ بتاؤ کہ ڈاکٹروں کا کیا خیال ہے۔"

"ڈاکٹر کہتے ہیں کہ کوئی خطرناک چیز اس کے جسم میں انجکٹ کی گئی تھی جس نے اس کے ذہن پر بُرا اثر ڈالا ہے، لیکن وہ اس کا اندازہ نہیں کر سکے کہ وہ اس کے سسٹم پر مستقلاً اثر انداز ہوئی ہے یا نہیں۔"

"ہوں.... اچھا اب اس کی یادداشت کا کیا عالم ہے۔"

"وہی.... جو اس حادثہ سے پہلے تھا۔ اسے سب کچھ یاد ہے۔ اس نے بتایا تھا کہ وہ اسے ہیڈ کوارٹر لے جا رہے تھے۔"

"ہیڈ کوارٹر....!" فریدی نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں، وہ اسے ہیڈ کوارٹر ہی کہتی ہے جہاں سے احکامات صادر ہوتے ہیں۔ لیکن سربراہ کی شخصیت سے کوئی بھی واقف نہیں ہے، صرف ایک سایہ نظر آتا ہے اور آواز آتی ہے.... وہ سربراہ ہی کی آواز ہوتی ہے اور ہیڈ کوارٹر آئے دن تبدیل بھی ہوتا رہتا ہے۔ آج اس عمارت میں کل اس عمارت میں.... برونوف کے متعلق وہ اس سے زیادہ نہیں بتا سکتی کہ اسی نے اس کی سفارش رائے سرن کی بیوی سے کی تھی۔ گلوریا کو ہیڈ کوارٹر سے اطلاع ملی تھی کہ وہ برونوف سے ملے! اس کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ شیلا کی نقل و حرکت کی خبر ہیڈ کوارٹر تک پہنچاتی رہے.... اس نے بتایا کہ کار میں تین آدمی تھے.... ایک نے اسے پکڑ لیا تھا دوسرے نے اسے بازو میں کوئی چیز انجکٹ کی تھی اور پھر کار کی رفتار کم کر کے اس کے نیچے دھکیل دیا گیا تھا۔ اب اگر وہ نامعلوم آدمی سر داؤد ہی نکلا تو....!"

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "ڈاکٹروں کو معلوم ہو گیا کہ اب اس کی ذہنی

حالت ٹھیک ہے۔"

"وہ اتنی احمق نہیں ہے کہ اپنی موت کا سامان خود ہی کرے۔" حمید نے کہا۔ "وہ میری اصلیت سے واقف تھی۔ اس لئے اس نے مجھ پر یہ راز ظاہر کر دیا۔ ویسے تو وہ اب بھی پاگل بنی ہوئی ہے اور میں نے بھی اسے یہی مشورہ دیا ہے۔"

تلاش

گلوریا اسی شب کو پھر فریدی کی کوٹھی میں نظر آئی.... آتے وقت کمپاؤنڈ میں اس نے بڑا غل غپاڑہ مچایا تھا اور سارے نوکر غیر معمولی حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ ویسے تو حمید کی موجودگی میں ہر وقت ہی وہ غیر معمولی حالات کا مقابلہ کرنے کو تیار رہتے تھے۔

بدقت تمام حمید اسے اندر لے جانے میں کامیاب ہوا تھا۔ ایکٹنگ تو اسے بہر حال کرنی ہی تھی۔ وہ اسے اوپری منزل پر تجربہ گاہ میں لایا۔

فریدی چند لمحے گلوریا کو گھورتا رہا پھر بولا۔ "بیٹھ جاؤ۔"

گلوریا بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے پر اطمینان ہی اطمینان دکھائی دے رہا تھا۔

"تم کیپٹن حمید کو کب سے جانتی ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"کل سے....!"

"جب تم.... مے پول میں اس کے ساتھ ناچ رہی تھی.... اس وقت تمہارا کیا خیال تھا۔"

"میں انہیں کوئی فلرٹ سمجھی تھی۔"

"پھر تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ کیپٹن حمید ہے۔"

"کل ہسپتال میں گروہ کا ایک آدمی آیا تھا۔ ڈاکٹر سے اس نے بتایا تھا کہ وہ مجھے جانتا ہے اور وہ شیلا درپن کا ملازم ہے اور ڈاکٹر سے پوچھا تھا کہ میں ہسپتال کیسے پہنچی تھی۔ تب ڈاکٹر نے میرے سامنے ہی اسے بتایا تھا کہ میرا ذہنی توازن بگڑ گیا تھا اور وہاں مجھے کیپٹن حمید نے پہنچایا تھا۔"

"تم بدستور پاگل بنی رہی تھیں یا تم نے اس آدمی پر ظاہر کر دیا تھا کہ اب تمہاری ذہنی حالت قابل اعتماد ہے۔"

"بھلا میں یہ کیسے کر سکتی تھی۔ کیونکہ مجھے کار والا واقعہ یاد تھا۔ انہوں نے بڑی بے دردی سے کوئی چیز میرے بازو میں انجکٹ کی تھی اور مجھے نیچے پھینک دیا تھا.... اُف فوہ.... مجھے اس وقت ایسا ہی لگا تھا جیسے انہوں نے پگھلی ہوئی آگ میرے جسم میں داخل کر دی ہو۔ مجھے اتنا تو یاد ہے کہ گاڑی سے نیچے دھکیل دی گئی تھی۔ لیکن اس کے بعد کے واقعات ذہن سے اتر چکے ہیں۔"

"ہوں....!" فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "انہیں اس زہر پر بڑا اعتماد تھا۔ لیکن وہ بیکار ہو گیا۔ اب اگر انہیں اس کا علم ہو جائے تو وہ تمہیں زندہ نہ چھوڑیں گے۔ تم نے بڑی عقلمندی سے کام لیا۔ ہاں کیا تمہارے گروہ میں کوئی لڑکی میریا بھی تھی۔"

"نہیں یہ نام میرے لئے بالکل نیا ہے۔" گلوریا نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔

فریدی میریا کا حلیہ بیان کرنے لگا۔

"نہیں جناب اس شکل و صورت کی کوئی لڑکی ابھی تک میری نظروں سے نہیں گذری۔"

"اس گروہ کا خاص مشغلہ کیا ہے۔"

"یقین کیجئے کہ مجھے اس کا علم آج تک نہیں ہو سکا۔"

"تمہارے ذمہ کیا کام تھا۔"

"شیلا کی ملازمت میں آنے سے پہلے میں گولڈن سلک ملز کے مالک کی اسٹینو تھی اور مجھے اس پر نظر رکھنے کی ہدایت دی گئی تھی.... پھر شیلا کی ملازمت میں آنے سے ایک ہفتہ قبل وہاں سے ہٹنا پڑا تھا۔ شائد وہاں کا کام پورا ہو چکا تھا.... لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ انہوں نے میرے ساتھ ایسا برتاؤ کیوں کیا۔"

"سیدھی سی بات ہے ضرور سمجھ میں آنی چاہئے۔" فریدی مسکرایا۔

"کیا اسلئے کہ میں پرسوں رات کیپٹن کی ہمرقص تھی۔" گلوریا نے تشویش کن لہجے میں کہا۔

"ظاہر ہے! وہ نہیں چاہتے کہ ان کا کوئی آدمی پولیس کی نظروں میں آئے۔ تمہیں حمید کے ساتھ دیکھ کر انہیں شبہ ہوا ہوگا۔ انہوں نے سوچا اس پودے کو جڑیں مضبوط ہونے سے پہلے ہی کیوں نہ اکھاڑ پھینکا جائے۔"

"پھر اب بتایئے مجھے کیا کرنا چاہئے۔"

"اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ انہیں عدالت تک پہنچانے کی کوشش کرو۔"

"میری دانست میں جتنی بھی عمارتوں کا ان سے تعلق ہے آپ کے علم میں لائی جائیں گی۔ وہ عمارتیں مختلف اوقات میں ہیڈ کوارٹر کی حیثیت سے استعمال کی جاتی رہی ہیں۔"

❁

تین دن تک فریدی اور حمید گلوریا کی بتائی ہوئی عمارتوں پر چھاپے مارتے رہے لیکن نہ تو کوئی گرفتاری عمل میں آئی اور نہ کوئی ایسی چیز ہی ہاتھ لگ سکی، جو اس گروہ کا قلع قمع کرنے میں مدد دے سکتی۔

ہر عمارت ہی خالی ملتی اور اس میں فرنیچر کے علاوہ اور کسی قسم کا سامان نہ ملتا۔ آس پاس والوں سے پوچھ گچھ کرنے پر معلوم ہوتا کہ دو چار دن پہلے تو وہ عمارت آباد ہی تھی۔

چوتھے دن گلوریا نے فریدی سے اس سلسلہ میں گفتگو کرتے ہوئے کہا۔ "اگر میرا باہر نکلنا خطرناک نہ ہوتا تو میں انہیں ڈھونڈ نکالتی۔"

"کیا تم باہر جانا چاہتی ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"اس کے بغیر کام نہیں چلے گا۔ مگر میں مرنا بھی نہیں چاہتی۔"

"تمہیں کوئی پہچان ہی نہ سکے گا۔"

"یہ کیسے ممکن ہے۔"

"میک اپ.... ایسا میک اپ کہ تمہیں تمہاری ماں بھی نہ پہچان سکے۔"

"اوہ.... تب تو بہت کچھ ہو سکے گا۔" لڑکی خوش ہو کر بولی۔

جس وقت یہ گفتگو ہوئی تھی، حمید بھی موجود تھا۔ فریدی نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ "دراصل ہم ایک بہت بڑی غلطی کے مرتکب ہوتے رہے ہیں۔ پولیس کی جمعیت کے ساتھ چھاپہ مارنا سرے سے حماقت تھی، وہ ہوشیار ہو جاتے تھے۔"

"میرا خیال ہے کہ ناکامی کی یہی وجہ ہو سکتی ہے۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں جناب۔"

"اور اب میں نے سوچا ہے کہ ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی نہ ہوگا۔ چھاپے رات ہی کو مارے جائیں گے، دن کو نہیں۔"

"بڑی معقول تجویز ہے۔" حمید خوش ہو کر بولا۔

"لیکن آپ دو آدمی کیا کر سکیں گے۔" گلوریا نے کہا۔

"تم اس کی پرواہ نہ کرو۔ ہم لوگ زیادہ بھیڑ بھاڑ کے عادی نہیں ہیں۔" فریدی بولا۔

بات طے ہو گئی۔ گلوریا یوریشین تھی، لیکن فریدی نے اسے سو فیصدی دیسی بنا دیا کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس میں سفید نسل کا شائبہ بھی ہوگا۔

وہ سارا دن باہر رہی اور حمید فریدی پر تاؤ کھاتا رہا۔ کیونکہ فریدی نے اسے گلوریا سے دور رہنے کی ہدایت کی تھی۔

شام کو واپس آئی اور اس نے ایک ایسی عمارت کا پتہ بتایا جو ایگل اسکوائر میں واقع تھی۔

"میں نے ایک ایسے آدمی کا تعاقب کیا تھا، جو ہیڈ کوارٹر میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ سربراہ کے احکامات اسی کے ذریعہ کام کرنے والوں تک پہنچتے ہیں۔"

"تمہیں یقین ہے کہ آج کل وہی عمارت ہیڈ کوارٹر کی حیثیت سے استعمال کی جا رہی ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں یقین ہے! پہلے یہ عمارت میرے علم میں نہیں تھی۔ آج ہی آئی ہے۔"

"اچھی بات ہے۔" فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ہم دونوں بھی میک اپ ہی میں چلیں گے۔"

پھر لڑکی سے بولا۔ "اگر تمہیں ایڈونچر کا شوق ہو تو تم بھی چل سکتی ہو۔"

"مجھے لڑائی بھڑائی سے خوف معلوم ہوتا ہے۔" گلوریا کانپ کر بولی۔

❁

حمید دیر سے فریدی کا منتظر تھا۔ اس نے اس کا میک اپ کر کے اسے تو روانہ کر دیا تھا اور خود تھوڑی دیر بعد آنے کا وعدہ کیا تھا.... وہ میونسپل ٹاور کے قریب اس کا انتظار کرتا رہا۔

ساڑھے نو بجے.... ایک خوفناک شکل کا آدمی آ کر اس کے قریب کھڑا ہو گیا۔ قد و قامت سے یہ فریدی ہی معلوم ہوتا تھا لیکن لاکھ آنکھیں پھاڑنے کے باوجود بھی اس کے چہرے میں فریدی کی جھلکیاں نظر نہ آئیں، اس نے اشارے سے اسے چلنے کو کہا۔

"کمال کر دیا آپ نے.... آج رات کو مجھے بڑے ڈراؤنے خواب آئیں گے۔" حمید نے کہا۔

اس نے جیب سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکالا اور حمید کے ہاتھوں میں پکڑا دیا۔ جس پر تحریر تھا۔

"یہ کچھ اس قسم کا میک اپ ہے کہ ہونٹ ہلانے سے خراب ہو جائے گا۔ لہٰذا مجھے بولنے پر مجبور نہ کرو۔ خاموشی سے چلو! میرے کسی کام میں دخل نہ دو۔"

"مار ڈالا....!" حمید روہانسی آواز میں بولا۔ "آپ نہ بولئے گا مگر مجھے تو رونے دیجئے ادھر کچھ دنوں سے آپ میرے لئے فلاں معمہ نمبر ۴۲۰ کا کوئی چلیپائی اشارہ بن کر رہ گئے ہیں کہ خواہ قلندر بھرو خواہ چقندر بھرو، ہر حال میں ساڑھے سات غلطیاں آئیں گی اور پہلا انعام ساڑھے باون ہزار خوش نصیبوں میں برابر برابر بحساب ایک آنہ تین پائی فی کس پوری پوری ایمانداری کے ساتھ تقسیم ہو جائے گا۔"

لیکن اسے حقیقتاً کوئی جواب نہ ملا اور پھر وہ بھی خاموشی سے چلنے لگا۔ مگر کچھ دور چلنے کے بعد اس نے بوکھلا کر پوچھا۔ "کیا پیدل ہی چلیں گے۔"

جواب اثبات میں ملا اور حمید کے دیوتا کوچ کر گئے۔ یہاں سے ایگل اسکوائر کا فاصلہ ڈھائی میل سے کسی طرح کم نہ رہا ہوگا۔

مگر اسے ہر حال میں چلنا ہی تھا۔

ایگل اسکوائر والی عمارت کی کمپاؤنڈ تاریک اور ویران تھی۔ حمید نے سوچا کہ کہیں یہاں کتے نہ ہوں۔ لیکن پھر ان عمارات کا خیال آیا جہاں وہ اپنے تین دن برباد کرنے کے باوجود بھی کچھ نہ معلوم کر سکے تھے۔ اس کی دانست میں اس وقت کی بھاگ دوڑ کا بھی یہی انجام ہونے والا تھا۔

عمارت کی صرف ایک کھڑکی میں روشنی نظر آ رہی تھی۔

حمید نے ایک پتھر اٹھا کر کمپاؤنڈ میں پھینکا اور ایک طرف ہو گیا۔ پتھر گرنے کی آواز آئی اور اسکے بعد پھر وہی پہلے کا سا سکوت طاری ہو گیا۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ کمپاؤنڈ میں کتے نہیں تھے۔

پھاٹک سلاخوں دار تھا۔ اس لئے اسے کھول لینے میں دشواری نہیں پیش آئی، دوسری طرف قفل بھی نہیں تھا۔

کمپاؤنڈ سے گذر کر وہ پورچ میں پہنچے اور وہاں سے برآمدے میں۔ برآمدے میں اندھیرا اور زیادہ گہرا ہو گیا تھا۔

حمید دروازے ٹٹولنے لگا۔ لیکن اچانک اسے اپنی بائیں کنپٹی پر کسی ٹھنڈی سی چیز کا دباؤ

محسوس ہوا اور ساتھ ہی سرگوشی سنائی دی۔ "خبردار.... آواز نہ نکلے۔"

اس نے سوچا ظاہر ہے کہ فریدی کا بھی یہی حشر ہوا ہوگا۔ یا ممکن ہے وہ نکل ہی گیا ہو۔ وہ اپنے دل کی دھڑکنوں کے علاوہ اور کسی قسم کی آواز نہیں سن رہا تھا۔ یہ دل کی دھڑکنیں بھی اس وقت آوازیں ہی معلوم ہو رہی تھیں۔

پھر ایک دروازہ کھلا اور ریوالور کی نال اس کی کنپٹی سے ہٹ کر کمر سے جا لگی۔

"چلو....!" غرائی ہوئی سی آواز میں کہا گیا۔ سامنے راہداری میں خاصی روشنی تھی۔ فریدی آگے تھا اور ایک آدمی اس کی کمر سے بھی ریوالور لگائے ہوئے چل رہا تھا۔

پھر وہ ایک بڑے سے ہال میں پہنچے.... جہاں ایک نقاب پوش پہلے سے موجود تھا۔ وہ دونوں آدمی جو انہیں یہاں تک لائے تھے پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن ان کے ریوالوروں کا رخ انہیں کی طرف رہا۔

"ارے مار ڈالا....!" دفعتاً حمید کے منہ سے نکلا۔ "مُرے پھنسے۔"

اسے ایک دروازے میں گلوریا نظر آئی تھی، جواب میک اپ میں نہیں تھی۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ لیکن اس مسکراہٹ کو زہر آلود ہی کہا جا سکتا تھا۔

اچانک نقاب پوش نے قہقہہ لگایا اور پھر بولا۔ "دیکھا تم لوگوں نے۔ میک اپ کر کے آئے تھے۔ تم لوگ بھی ایکٹر ہو۔ لیکن گلوریا تم سے بھی زیادہ کامیاب ایکٹرس ہے۔ کیسا اُلو بنایا تمہیں.... کرنل فریدی.... کیپٹن حمید.... ہنہہ یہ وہی جوڑا ہے جس سے بڑے بڑے کانپتے ہیں لیکن میں آج تمہیں چیونٹیوں کی طرح مسل کر رکھ دوں گا۔"

"کرنل....!" گلوریا کی آواز ہال میں گونجی۔ "اب میں یہاں تمہارے ایک سوال کا جواب دے سکتی ہوں۔ تم نے مجھ سے میریا کے متعلق پوچھا تھا۔ ہاں وہ میری ایک بہت پیاری دوست تھی، لیکن محض تمہاری بدولت اسے اپنے ہی ہاتھوں سے ہمیشہ کے لئے سلانا پڑا تھا۔ میں نے اسے مارا تھا۔"

"سن رہے ہیں۔" حمید نے فریدی کو گھور کر کہا۔ "کچھ تو بولئے۔ یا یہاں بھی ہونٹ ہلانے سے میک اپ تباہ ہو جائے گا۔"

وہ کچھ نہ بولا۔

"ان دونوں کو ختم کر دو۔" دفعتاً نقاب پوش نے کہا اور بڑی تیزی سے دو فائر ہوئے۔ دو

چیخیں ہال میں گونجیں.... حمید فرش پر گر کر تڑپ رہا تھا۔

لیکن پھر اسے سچ مچ اپنی بوکھلاہٹ پر رونا آگیا۔ کیونکہ نہ تو وہ اس کی چیخ تھی اور نہ اس کے گولی ہی لگی تھی۔ البتہ اس نے ان دونوں آدمیوں کو تڑپتے دیکھا جو انہیں برآمدے سے ہال میں لائے تھے۔

اور فریدی نقاب پوش سے گتھا ہوا تھا.... حمید نے دوڑ کر گلوریا کو پکڑ لیا، جو شائد بھاگنے ہی کی تیاری کر رہی تھی۔

حمید کا اندازہ تھا کہ عمارت میں ان دونوں آدمیوں کے علاوہ اور کوئی بھی موجود نہیں ہے، ورنہ فائروں کی آواز پر کوئی نہ کوئی ضرور آتا۔ مگر فائر کس نے کئے تھے؟

گلوریا اس کی گرفت سے نکل جانے کے لئے زور کر رہی تھی۔

"ارے.... ارے.... تم اتنی بور کیوں ہو رہی ہو ڈارلنگ.... آؤ رمبا ناچیں۔"

"چھوڑ.... دو.... مجھے چھوڑ دو....!"

"بھلا چھوڑ دینے سے مجھے کیا فائدہ ہوگا۔" حمید نے مایوسی سے کہا اور ناچنے کے سے انداز میں سے جھنجھوڑنے لگا۔ پھر بولا۔ "گاتی بھی رہو....!" اور ساتھ ہی اس کے بال پکڑ کر ایک زور دار جھٹکا دیا۔ وہ بے ساختہ چیخ پڑی اور حمید بولا۔ "ہاں یہ تان خاصی تھی.... چلو اب دوسری۔"

دفعتاً اس نے دیکھا کہ نقاب پوش نے فریدی کو گرا لیا ہے۔

اس نے ریوالور نکالنے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ بائیں جانب سے آواز آئی۔

"بہت خوب.... بہت اچھے جا رہے ہو۔"

حمید بے ساختہ اچھل پڑا.... یہ فریدی کی آواز تھی اور فریدی تو ایک دروازہ میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔ پھر یہ کون تھا، جو یہاں تک اسکے ساتھ آیا تھا اور اب نقاب پوش اسے رگڑے دے رہا تھا۔

نقاب پوش نے بھی مڑ کر دروازے کی طرف دیکھا اور پھر اسے چھوڑ کر گلوریا کو گالیاں دیتا ہوا فریدی کی جانب دوڑا۔

لیکن فریدی کا ایک ہی گھونسہ اسے ہال کے وسط میں لے آیا اور حمید گلوریا کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر گانے لگا۔

"کر کے بدنام میری نیندیں حرام کہاں چلا گیا۔

ابے کہاں چلا گیا۔"

پھر نقاب پوش کو دوبارہ اٹھنا نصیب نہیں ہوا.... فریدی کی ٹھوکریں برابر اس کے سر پر پڑ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ لمبا لمبا لیٹ گیا۔

"نقاب ہٹاؤ۔" فریدی نے حمید سے کہا اور دوسرے آدمی سے بولا۔ "وحید تم لڑکی کو سنبھالو۔"

تو یہ وحید تھا۔ حمید کے محکمے کا ایک معمولی کانسٹیبل! لیکن ڈیل ڈول فریدی ہی کا سا رکھتا تھا۔ اس لئے حمید دھوکا کھا گیا تھا۔

وحید نے گلوریا کی کلائیاں پکڑ لیں، اور حمید دل ہی دل میں "سر داؤد.... سر داؤد" رٹتا ہوا بیہوش نقاب پوش کی طرف بڑھا۔ لیکن خدا کی پناہ۔ نقاب ہٹاتے ہی وہ اس بُری طرح اچھلا جیسے سر پر خنجر آگ آئے ہوں۔ کیونکہ بے بیہوش نقاب پوش سر داؤد کی بجائے رائفل کلب کا بیریٹری گرا ہم نکلا تھا۔

❁

دوسری صبح حمید کے لئے خوشگوار نہیں تھی۔ کیونکہ اسے پچھلی رات جاگ کر ہی گذارنی پڑی تھی.... اور پھر صبح ہی سے فریدی کیساتھ لگ جانا پڑا تھا۔

فریدی نے گلوریا کی نشاندہی پر کئی عمارتوں پر چھاپہ مارا اور کام کی بہتیری چیزیں برآمد کیں۔ ان کے ساتھ ہی کچھ گرفتاریاں بھی عمل میں لائی گئیں۔ لیکن حمید کو فریدی سے تفصیلی گفتگو کا موقعہ نہ مل سکا۔ اس دوران میں کئی بار ایسا بھی ہوا تھا کہ فریدی ایک آدھ گھنٹہ کے لئے اس سے علیحدہ ہو گیا تھا.... اور اس وقت بھی حمید اس توقع پر گھر کی طرف چل پڑا تھا کہ اب اس سے گھر ہی پر ملاقات ہوگی.... لیکن گھر پہنچ کر بھی نو بجے تک اسے اس کا انتظار کرنا پڑا.... پلکیں نیند کے مارے جھکی پڑ رہی تھیں۔ لیکن اس کیس کی تفصیل سننے کیلئے وہ اپنے ذہن سے لڑتا ہی رہا تھا۔

نو بجے فریدی واپس آیا اور وہ سارا کام نپٹا کر ہی آیا تھا۔

"یہ بات ہمیشہ یاد رہے گی کہ آپ نے مجھے اس طرح اُلو بنایا تھا۔" حمید نے کہا۔

"غالباً تمہارا اشارہ وحید والے معاملہ کی طرف ہے۔"

"آخر اس کی کیا ضرورت تھی۔ اگر ضرورت تھی بھی تو مجھے بتا دینے میں کیا حرج تھا۔"

"بیک وقت دو سوال؟ خیر سنو! میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ اس لڑکی کے فقرے پر

آجاتا.... جو لوگ میریا اور برونوف کو قتل کر سکتے تھے وہ بھلا انجکشن وغیرہ کا کھڑاگ کیوں پھیلاتے! میریا اور برونوف سے انہیں خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ ان کے ذریعہ راز افشاء ہو سکتا ہے۔ لہٰذا انہوں نے ان کو ختم کر دیا۔ یہی چیز اس لڑکی کے لئے بھی ہو سکتی تھی۔ پھر وہ تو شروع ہی سے مجھے ٹھکانے لگا دینے کی فکر میں تھے پھر میں کیوں نہ محتاط ہو جاتا۔"

"قصہ کیا تھا....!"

"بلیک میلنگ.... گراہم بہت عرصہ سے یہ کاروبار کر رہا تھا.... لیکن کوئی ایسا کیس میرے سامنے نہیں آیا تھا، جس کے ذریعہ اس تک پہنچنے کے امکانات ہوتے۔ اتفاق سے لیڈی داؤد کی خودکشی نے اس کا ایک کھیل بگاڑ دیا اور جب اس نے دیکھا کہ اس کی تفتیش میرے سپرد کر دی گئی ہے تو اس نے مجھے ہی راستے سے ہٹا دینے کی کوشش شروع کر دی۔ حالانکہ اگر وہ اس چکر میں نہ پڑتا تو شائد مجھے اس تک پہنچنے کے لئے مثال کے طور پر دو چار جنم لینے پڑتے.... مگر وہ مجھے اپنی راہ پر دیکھ کر بوکھلا گیا تھا اور اسی بوکھلاہٹ میں اس سے گلوریا والی حماقت بھی سرزد ہو گئی اور میرا ہاتھ اس کے گریبان تک پہنچ ہی گیا۔ اس نے برونوف کو بھی بلیک میل کر کے قابو میں کیا تھا۔ ٹھہرو لگے ہاتھوں تمہیں برونوف کے متعلق بھی بتاتا چلوں.... برونوف روس کا ایک باغی جاسوس تھا جس کے سر کی قیمت لگا دی گئی تھی۔ دنیا کی کئی حکومتیں اسے زندہ یا مردہ اپنے قبضہ میں دیکھنا چاہتی تھیں۔ پچھلی جنگ میں وہ روس کے لئے کام کرتا رہا تھا۔ پھر نازیوں سے جا ملا تھا۔ پھر نازیوں کو بھی دھوکا دے کر انگریزوں کے پاس چلا آیا تھا۔ پھر اس کے پاس سے جاپان کی طرف نکل بھاگا اور بہت دنوں تک جنرل ٹوجو کے لئے کام کرتا رہا۔ جنگ ختم ہونے پر اس نے دوسرا ذریعہ معاش تلاش کر لیا۔ یہ تھا مالدار عورتوں کو پھانس کر ان کی دولت پر ہاتھ صاف کرنا۔ مغربی جرمنی میں اس نے کئی خاندان تباہ کر دیئے تھے لیکن فرانس میں قلعی کھلنے سے پہلے ہی یہاں چلا آیا تھا۔ گراہم شاید اس کی ہسٹری سے واقف تھا۔ لہٰذا اس نے اسے بلیک میل کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ گراہم کے لئے امیر گھرانوں کی عورتوں سے دوستی کرتا اور پھر وہ عورتیں بلیک میل کی جاتی تھیں.... مگر برونوف ہی گراہم کا کفن ثابت ہوا۔ اس نے اس دوران میں دو عورتوں کو شکار کیا تھا۔ لیڈی داؤد اور شیلا درپن۔ لیکن دونوں ہی کا انتخاب غلط ہوا تھا۔ لیڈی داؤد کے پاس اس کی اپنی کوئی نجی رقم نہیں تھی کہ وہ ان لوگوں کے مطالبات پورے کر سکتی۔ سر داؤد سے اسے جو بھی

رقومات ملتی تھیں ان کا وہ باقاعدہ طور پر حساب رکھتا تھا اور لیڈی داؤد بھی اسے حساب دیتے رہنے کی عادی تھی۔ گراہم نے اس کی اور برونوف کی کچھ قابل اعتراض تصاویر حاصل کر لی تھیں اور اسے ہر ایک کا نمونہ بھیج کر دھمکی دی تھی اگر اس نے ایک ہفتے تک نصف لاکھ روپیہ نہ فراہم کیا تو وہ تصاویر چھپوا کر شہر میں تقسیم کرا دی جائیں گی۔ لیڈی داؤد نے غالباً سوچا ہو گا کہ وہ ایک مستقل عذاب میں پڑ گئی ہے جس سے پیچھا چھڑانے کا واحد ذریعہ خودکشی ہی ہو سکتی ہے۔ میریا اس لئے رکھی گئی تھی کہ وہ لیڈی داؤد پر نظر رکھے اور اسے پولیس سے سلسلہ جنبانی نہ کرنے دے۔ گراہم کو توقع نہ رہی ہو گی کہ وہ خودکشی ہی کر لے گی۔ ورنہ وہ کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرتا۔ کوئی نئی راہ نکالتا۔ لیڈی داؤد کے پاس زہر کی شیشی میریا نے بھی دیکھی ہو گی اور اس کی اطلاع گراہم کو دی ہو گی، اس پر گراہم نے بوکھلا کر سر داؤد کو ڈی لکس میڈیکل اسٹور کے مالک کی حیثیت سے فون کیا ہو گا تاکہ یہ خودکشی ہر حال میں رک جائے.... رہی شیلا تو وہ ابھی اس اسٹیج پر نہیں پہنچی تھی جس سے لیڈی داؤد گذر چکی تھی۔ اگر پہنچتی بھی تو کیا ہوتا۔ گراہم ہی کو منہ کی کھانی پڑتی۔ کیونکہ وہ دوسری قسم کی عورت ہے۔ اگر ضرورت پڑ جائے تو سر عام برہنہ رقص شروع کر دے گی۔ اسے کوئی کیا بلیک میل کرے گا۔ شائد وہ گراہم کو ناکوں چنے چبوا دیتی۔ بہر حال اس کا معاملہ جہاں تھا وہیں رہ گیا۔!"

"ان دونوں کے علاوہ اور بھی تھیں۔" حمید نے پوچھا۔

"نہ جانے کتنی ہوں گی حمید صاحب۔ گراہم کے پاس نہ جانے کتنے ذرائع تھے جن سے ان کا بزنس چلتا تھا۔ مثال کے طور پر کچھ ایسے نوجوان اور خوش شکل آدمی تھے جن کا کام محض خط و کتابت کرنا تھا۔ یہ مالدار گھرانوں کی لڑکیوں سے قلمی دوستی کرتے تھے۔ اس قلمی دوستی میں ایک ایسا وقت بھی آتا ہے جب تحریری معاشقے چلنے لگتے ہیں۔ گراہم معاشقہ والے خطوط کو بہت احتیاط سے رکھتا تھا اور جب ان لڑکیوں کی شادی ہو جاتی تھی تو انہیں بلیک میل کیا جانے لگتا تھا۔ انہیں دھمکی دی جاتی تھی کہ اگر انہوں نے گراہم کے مطالبات پورے نہ کئے تو وہ قابل اعتراض خطوط ان کے شوہروں تک پہنچا دیئے جائیں گے۔"

"ریٹائرڈ ہونے کے بعد میں بھی یہی کروں گا۔ میرے پاس بھی سینکڑوں عشقیہ خطوط ہیں۔" حمید نے کہا۔

"نہیں حمید اتنی بے دردی سے نہ ہنسو.... یہ مسئلہ بڑا دردناک ہے۔ پچیس سال سے پہلے لڑکیوں کو عقل نہیں آتی اور والدین کا یہ عالم ہے کہ وہ ان کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ یا پھر ان کے اذہان پر غلط قسم کی مغربیت طاری ہوتی ہے یا پھر وہ اس کے قائل ہوتے ہیں کہ پودوں کے پھیلنے اور بڑھنے کے لئے کھلی ہوا اور روشنی ضروری ہے، مگر مثال برائے مثال ہی ہونی چاہئے! آدمی پودا نہیں ہے۔ پابندیوں ہی میں اس کی نشوونما بہتر طور پر ہو سکتی ہے۔ کیونکہ پابندیوں ہی نے اسے ادنیٰ حیوان سے آدمی بنایا تھا اور پابندیاں ہی اس میں سلامت روی برقرار رکھ سکتی ہیں۔"

"کیا میں پچیس سال سے کم کی لڑکی ہوں۔" حمید نے جھلا کر پوچھا۔ "یا والدین ہوں.... جایئے سو جایئے! اور اسے لکھ لیجئے کہ نہ آپ کبھی والد ہو سکیں گے اور نہ.... بھلا لڑکی کیوں ہونے لگے.... اچھا ٹاٹا.... مجھے نیند آ رہی ہے۔"

ختم شد

ابن صفی

26

جاسوسی دنیا

79- چاندنی کا دھواں

80- سینکڑوں ہمشکل

81- لڑاکوں کی بستی



پیشرس

چاندنی کا دھواں تھوڑی تاخیر سے حاضر ہے! تاخیر کی وجہ نہ پوچھئے ورنہ آپ کہیں گے کہ اسے "علالت" کے علاوہ آتا ہی کیا ہے۔ اور وہ بھی خصوصیت سے خاص نمبر پیش کرنے کے مواقع پر! مگر میں خود اسے کیا کہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا.... پیر کی ایک معمولی سی خراش سپٹک بن گئی۔ بخار ہوا تو ذہن ہی ناکارہ ہو کر رہ گیا۔ غرضیکہ خاص نمبر لیٹ....!

مگر خیر مجھے خوشی ہے کہ اس بار کی کہانی آپ کے بڑھتے ہوئے انتظار اور اضطراب کے شایان شان بھی ہے۔ آپ اسے ہر اعتبار سے پسند کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ کیپٹن حمید کو انسپکٹر آصف کے ماتحت کی حیثیت سے دیکھ کر آپ متحیر بھی ہوں گے اور آپ کو ہنسی بھی آئے گی۔ یہ خود کرنل فریدی کی تجویز تھی کہ حمید انسپکٹر آصف کے ماتحت کی حیثیت سے کام کرے لیکن اس افسری اور ماتحتی نے جو گل کھلائے ہیں ان کی مہک آپ اپنے قہقہوں میں ہی محسوس کر سکیں گے.... جی ہاں۔ قاسم صاحب بھی تشریف رکھتے ہیں ان کا تو چلن ہی اور ہے۔ سدا کے سادہ لوح ہیں۔ ان پر گزرنے والے حادثات بھی انہی کی طرح انوکھے ہوتے ہیں۔

فریدی ایک ایسی پُر اسرار عورت کے تعاقب میں نظر آئے گا جسے ایک مصور نے کبھی دیکھا نہیں تھا لیکن جس کے برش کے جنبش ہمیشہ اُسی کی شکل بناتی تھیں۔

مصور اُسے آسیب سمجھتا ہے! لیکن پھر بھی مصور کی تصویر بین الاقوامی مقابلے میں اول آتی ہے اور یہیں سے کرنل فریدی کی مصروفیات بڑھ جاتی ہیں۔

وادیٔ کاجیک میں چمکدار دھوئیں کا منارہ زمین سے آسمان تک بلند ہوتا چلا جاتا ہے.... مگر وہ ایک مجبوری تھی۔ اگر وہ مجبوری نہ ہوتی تو شاید کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوتی کہ وادی کاجیک میں کیا ہو رہا ہے۔ بڑی عجیب بات تھی.... مصور نے اس کی تصویر بنائی اور اُسے ایک آسیب سمجھتا رہا۔ کیپٹن حمید اُسے ایک بھٹکی ہوئی روح سمجھتا ہے اور کیوں نہ سمجھتا جبکہ اُس نے اُسے چھو کر دیکھا تھا۔ پھر فریدی کو کیا ہو گیا تھا۔ وہ اس کے لئے ہتھکڑیاں لئے کیوں پھرتا ہے۔

روح اسے شکست دینا چاہتی تھی۔ اُسے احساس بے بسی میں مبتلا کرنا چاہتی تھی۔ لیکن فریدی نے کسی طرح اُسے خود اُسی کی نظروں سے گرا دیا۔ آپ دیکھیں گے اور فریدی کی ذہانت کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکیں گے! خون کا ایک قطرہ گرائے بغیر وہ اس مغرور کو احساس بے بسی میں مبتلا کر دیتا ہے۔

ابن صفی

آسیب

جیلانی نے برش رکھ دیا۔ تھوڑی دیر تک اپنی بنائی ہوئی تصویر کو خوفزدہ نظروں سے دیکھتا رہا پھر دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر آرام کرسی میں گر گیا۔

اس کا سر چکرا رہا تھا۔ آنکھوں میں دھند سی چھا رہی تھی۔ اُس دھند میں چنگاریاں بھی تھیں جو لاتعداد جگنوؤں کی طرح ٹمٹماتی پھر رہی تھیں.... پھر یہ دھند آہستہ آہستہ گہری تاریکی میں تبدیل ہوتی گئی اور کچھ دیر بعد اس تاریکی میں رہ رہ کر تیز روشنی کے جھماکے ہونے لگے۔

ان جھماکوں میں پل بھر کے لئے کبھی گرجوں کی چوٹیاں کبھی مسجدوں کے منارے اور کبھی اونچی اونچی عمارتوں کی چھتیں نظر آتیں اور پھر تاریکی میں کھو جاتیں! یہ روشنی کے جھماکے اس کے ذہن پر ٹھوکریں سی مارتے اور اس کا سارا جسم جھنجھنا اٹھتا۔

یہ کیفیت نئی نہیں تھی۔ جب بھی اس کے برش سے وہ مخصوص چہرہ ابھرتا تھا اُس کے ذہن کی یہی حالت ہو جاتی تھی۔ وہ ایک اچھا مصور تھا اب تک کئی قومی مقابلوں میں حصہ لے چکا تھا۔ نیشنل آرٹ گیلری میں اس کی بنائی ہوئی تصاویر کو بھی جگہ ملا کرتی تھی.... لیکن پچھلے تین سال سے اس نے انسانی تصاویر بنانا چھوڑ دیا تھا.... اب صرف جانوروں پرندوں اور مناظر کی تصویر کشی کرتا تھا۔ ایسا کیوں ہوا تھا؟ اس کی وجہ وہ تصویر تھی جو اس وقت بھی ایزل پر موجود تھی اور جس کے خوف سے اس نے اپنا چہرہ چھپا لیا تھا۔

مگر یہ تو کسی دلکش عورت کی تصویر تھی۔ ایسی کہ ایک بار دیکھنے کے بعد اس پر سے نظر ہٹانے ہی کو دل نہ چاہے۔ آدھ کھلی خوابناک آنکھیں۔ خفیف سے کھلے ہوئے بھرے بھرے سے ہونٹ جن کے درمیان چمکدار دانتوں کی ہلکی سی جھلک بھی دکھائی دیتی تھی۔

مگر وہ اُس سے خائف تھا۔ کیونکہ وہ جب بھی کوئی انسانی چہرہ بناتا تھا بالکل یہی خط و خال اُس کے برش سے نکلتے تھے۔ یہی صورت ہوتی تھی۔ وہ کوشش کرتا کہ کوئی دوسری شکل بنائے لیکن اس مخصوص چہرے سے پیچھا نہ چھڑا سکتا۔ شروع شروع میں یہ چہرہ اُسے بے حد پیارا لگا تھا۔ لیکن جب یہ کسی بھوت کی طرح اُس کے برشوں سے چمٹ گیا تو اسے الجھن ہونے لگی۔ اُس کے تصور ہی سے اختلاج ہونے لگا اور اس نے تھک ہار کر انسانی تصاویر بنانا ہی ترک کر دیا۔

اس کے خطوط میں بڑی زندگی تھی۔ وہ جہاں بھی وہ رنگ لگا دیتا بس بول ہی پڑتا تھا۔ اس کے ہم عصر پختہ کار اور عمر رسیدہ مصور بھی اُسے رشک کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ جیلانی کی عمر اٹھائیس سے زیادہ نہیں تھی۔ لیکن اُس کے بارے میں کہنہ مشق اور تجربہ کار مصوروں کا خیال تھا کہ وہ ماں کے پیٹ ہی سے ہاتھ میں برش دبائے آیا ہوگا۔

اُس کی شناسا عورتیں سوچتی تھیں کہ وہ خود بھی آرٹسٹک ہے۔ قدیم یونانی کے کسی ماہر فنکار کا تراشا ہوا مجسمہ۔ نزاکت اور قوت کا حسین ترین امتزاج! آج سے تین سال قبل دولت مند گھرانوں کی رنگین مزاج عورتیں محض اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے اُسے پوز دیا کرتی تھیں۔ گھنٹوں اُس کے قریب بیٹھی رہتیں اور وہ اُن کی تصاویر میں رنگ بھرا کرتا۔

انہیں دنوں کی بات ہے وہ ایک بار ایک اچھے گھرانے کی عورت کی تصویر بنا رہا تھا.... عورت پوز دے رہی تھی جب وہ اس دن کا کام ختم کر چکا تو عورت اٹھ کر ایزل کے قریب آئی۔ تصویر کو نزدیک سے دیکھا اور اس پر برس پڑی کہ خواہ مخواہ اس کا اتنا وقت برباد ہوا۔ عورت کھرے مزاج کی تھی۔ جیلانی کو اس کے خیال دلانے پر ہوش سا آگیا اور اب اس نے بھی غور سے دیکھا تو وہ اس عورت کی تصویر ہرگز نہیں تھی۔ اُس نے عورت سے معذرت طلب کی اور اب تک کی محنت پر سفیدہ پھیر دیا۔ تصویر از سر نو شروع ہوئی.... لیکن پھر وہی خط و خال ابھر آئے جو اس سے پہلے عورت کی برفروختگی کا باعث بنے تھے اس بار وہ خفا ہو کر اسٹوڈیو سے چلی ہی گئی تھی۔

پھر جیلانی کو سکون نہ مل سکا۔ وہ چہرہ کسی بھوت کی طرح اُس سے چمٹ کر رہ گیا تھا۔ جب بھی کوئی تصویر بنانے بیٹھتا برش کی جنبش وہی خط و خال ابھار کر رکھ دیتیں اور اس کا سر چکرانے لگتا آخر تھک ہار کر اُس نے انسانی تصاویر بنانی ہی چھوڑ دیں۔

مگر چونکہ مشاق فنکار تھا اس لئے دوسری راہوں میں بھی اُس نے اپنی انفرادیت کے

جھنڈے گاڑ دیئے اب بھی اس کی شہرت کا وہی عالم تھا۔ لیکن اب ان عورتوں کی بھیڑ اس کے گرد نہیں رہتی تھی جو تصویر بنوانے کے بہانے ہی اُس سے قریب ہونا چاہتی تھیں۔ اس سے اس کی مالی حالت پر بڑا اثر پڑا تھا اور ایک سال کے اندر ہی اندر اُسے وہ خوبصورت بنگلہ چھوڑ دینا پڑا تھا جس میں وہ کافی سازو سامان کے ساتھ رہتا تھا۔ کیونکہ اب وہ اتنا مالدار نہیں رہا تھا کہ ڈھائی صد روپے ماہوار کرایہ ادا کر سکتا۔

اُسے ایک چھوٹے موٹے مکان کی تلاش تھی۔ لیکن اکیلے آدمیوں کو چھوٹے موٹے مکاں کہاں ملنے لگے۔ وہ دن رات اُن محلوں کے چکر لگاتا رہتا جہاں متوسط طبقہ کے لوگ آباد تھے کئی مکان خالی ملے بھی لیکن شرط تھی پورے خاندان کی یعنی "گھر والی" کے بغیر مکان ملنا ناممکن تھا۔

"میری گھر والی کا نام شامت ہے۔" وہ مسکرا کر مالک مکان سے کہتا اور آگے بڑھ جاتا۔

ایک دن وہ ایک بستی میں پہنچا جہاں کے متعلق اُسے معلوم ہوا تھا کہ مکان مل ہی جائے گا! کیونکہ وہاں زیادہ تر آزاد خیال قسم کے متوسط گھرانے آباد تھے۔ وہاں ایک دو منزلہ مکان ایسا مل بھی گیا جن میں اوپری منزل پر خود مالک مکان رہتا تھا اور نچلی منزل کرائے کے لئے خالی تھی۔

مالک مکان نے اُسے اپنے ڈرائینگ روم میں ریسیور کیا۔

وہاں کچھ اور لوگ پہلے ہی سے موجود تھے۔ چند خواتین بھی تھیں۔

مالک مکان نے سب سے پہلے اُس سے سوال کیا کہ اُس کے پاس کار بھی ہے یا نہیں! کبھی ہوا کرتی تھی کار بھی لیکن.... مالی بدحالی کی وجہ سے اُسے بھی فروخت کر دینا پڑا تھا۔ اس لئے جیلانی نے نفی میں جواب پا کر اُس نے کہا نچلی منزل میں گیراج بھی ہے اس لئے وہ کسی کار والے ہی کے لئے مناسب رہے گا اور اس طرح کرائے میں اضافہ بھی کیا جا سکے گا۔

جیلانی کو بڑی مایوسی ہوئی۔ اتنے میں ایک صاحبہ نے اس سے سوال کیا کہ کیا وہ خود اپنے لئے مکان تلاش کر رہا ہے۔ جیلانی سے اثبات میں جواب سن کر ان کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آئے تھے۔ مگر وہ کچھ بولی نہیں تھیں۔ پھر جب جیلانی چلنے لگا تھا تو دفعتاً انہوں نے اپنا وزیٹنگ کارڈ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔ "کل شام کو اس پتہ پر تشریف لائیے میرا خیال ہے کہ میں آپ کو ایک مکان دلوا سکوں گی۔"

جیلانی اُن کا شکریہ ادا کر کے اٹھ آیا تھا۔ یہ ادھیڑ عمر کی ایک پُر وقار اور سنجیدہ خاتون تھیں۔

بیگم تنویر۔ ایک مقامی گرلز کالج میں پرنسپل تھیں۔ جیلانی دوسرے دن اُن کے یہاں پہنچ گیا تھا۔

"میں آپ سے بخوبی واقف ہوں۔" بیگم تنویر نے کہا۔ "آپ جیلانی صاحب ہیں۔ لیکن مجھے حیرت ہے کہ آپ چھوٹے موٹے مکان کی تلاش میں کیوں ہیں۔ جب کہ آپ کے پاس اتنا شاندار بنگلہ ہے اور آپ کی یہ بات بھی درست نہیں آپ کے پاس کار نہیں ہے۔"

"میرے پاس بنگلہ بھی تھا.... اور کار بھی۔ لیکن محترمہ اب کچھ بھی نہیں ہے اب مجھے ایک معمولی سا مکان چاہئے۔ جس کا کرایہ میری قلیل آمدنی برداشت کر سکے۔"

"مجھے حیرت ہے....!"

"جب تک زمین گردش کر رہی ہے سب کچھ ممکن ہے محترمہ....!"

"خیر....!" بیگم تنویر نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "میرے مکان کی اوپری منزل خالی ہے۔ اگر آپ کے کسی کام آسکے۔"

"میں بے حد مشکور ہوں گا محترمہ.... میں صرف ایک کمرے سے بھی کام چلا سکتا ہوں۔"

بس پھر وہ دوسرے ہی دن تنویر منزل میں اٹھ آیا تھا۔ بیگم تنویر بیوہ تھیں اور اس عمارت میں تنہا ہی رہتی تھیں۔ بہر حال یہاں کا ماحول بہت پُر سکون تھا اور یہی چیز جیلانی کے لئے سب سے زیادہ اہم تھی۔ کیونکہ وہ ایسی ہی فضا میں جم کر کام کر سکتا تھا۔

لیکن اس کا یہ سکون زیادہ دنوں تک برقرار نہ رہ سکا۔ تنویر منزل میں وہ لڑکی نہیں آئی تھی بلکہ زلزلہ آگیا تھا۔ وہ طوفان بدتمیزی برپا رہتا کہ خدا کی پناہ۔ صوفیہ بیگم تنویر کی کوئی عزیز تھی کسی دوسرے شہر سے اس نے میٹرک پاس کیا اور اب اعلیٰ تعلیم کے لئے بیگم تنویر کے پاس چلی آئی تھی۔ عمر اٹھارہ سے زیادہ نہ ہی ہوگی۔ سنجیدگی شاید اُس کے قریب سے بھی نہیں گذری تھی۔ ہر وقت ہنستے ہنساتے رہنا اس کا محبوب ترین مشغلہ تھا اور جیلانی کو تو وہ "شامت" ہی کی طرح گھیرے رہتی تھی۔

جیلانی اس سے بھاگنا چاہتا تھا لیکن بھاگنے کی صورت میں سر سے چھت کا سایہ بھی جاتا۔ مجبوراً اب اسی ہنگامہ پرور ماحول ہی میں بسر کرنی پڑتی۔

موجودہ الجھن کا باعث بھی یہی لڑکی بنی تھی۔ اُس نے اُسے مجبور کر دیا تھا کہ وہ انٹرنیشنل آرٹ ایگزیبیشن کے لئے کوئی انسانی تصویر بنائے ورنہ وہ تو ایگزیبیشن کے لئے ایک منظر پینٹ

کر رہا تھا.... یہ شفق کی چھاؤں میں ساحل کی ریت پر پڑے ہوئے تین گھونگھے تھے۔ صوفیہ نے یہ تصویر دیکھ کر ایک چھت شگاف قہقہہ لگایا تھا اور بولی تھی۔ "جیلانی صاحب اگر اس منظر میں چوتھے آپ بھی شامل ہو جائیں تو تصویر بڑی جاندار ہو جائے گی۔"

اس دلچسپ جملے پر وہ بھی دل کھول کر ہنسا تھا۔ مگر پھر تو وہ سر ہی ہو گئی۔ اس منظر پر سفیدے کا برش پھروا کر ہی دم لیا۔

آخر جیلانی نے جھلا کر کہا تھا۔ "بیٹھو میں تمہاری ہی تصویر بناؤں گا۔"

اُس نے سوچا تھا کہ سر اس کا اور دھڑ بندر کا بنا کر لمبی سی دم کھینچ دے گا۔ وہ بھی تاؤ میں آکر بیٹھ گئی تھی۔ اور وہ اس کے چہرے کا اسکیچ لینے لگا تھا۔ تین سال بعد انسانی خط و خال پر اس کی پنسل دوڑی تھی۔ وہ بڑے انہماک کے ساتھ اپنے کام میں لگا رہا۔ اُسے یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ صوفیہ کب اپنی جگہ سے اٹھ کر اُس کے پیچھے آکھڑی ہوئی تھی۔

دفعتاً وہ اس کے قہقہے پر چونک کر مڑا۔

"اب اتنے مشاق بھی نہیں معلوم ہوتے کہ کھڑے گھاٹ کسی کی تصویر بنا ڈالو۔" اس کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"واہ.... کیا خوب۔ یہ میری تصویر ہے۔ ابھی آپ کو مشق کی ضرورت ہے جیلانی صاحب۔"

جیلانی نے تصویر پر دوبارہ نظر ڈالی تھی اور اس کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئی تھیں۔ کیونکہ یہ تو وہی تصویر تھی.... وہی آسیب تھا جس نے تین سال پہلے نہ صرف اُسے بلکہ اُس کے فن کو بھی دوسری راہوں پر ڈال دیا تھا۔

وہی آدھ کھلی آنکھیں وہی خفیف سے کھلے ہوئے ہونٹوں سے جھانکنے والے تین دانت۔

"مگر تصویر ہے.... بڑی پیاری....!" صوفیہ نے کہا تھا۔

"جاؤ....!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "مجھے تنہا چھوڑ دو۔ میرا سر چکرا رہا ہے.... میں شاید بیمار ہو جاؤں....!" پھر وہ نڈھال سا ہو کر آرام کرسی میں گر گیا تھا۔

صوفیہ اُس کے کمرے سے چلی گئی تھی۔

اس دن سے جیلانی پر جنون سا طاری ہو گیا تھا۔ وہ چہرے بنا بنا کر بگاڑتا رہتا ان چہروں میں بال برابر بھی فرق نہ ہوتا۔ بعض اوقات وہ تہیہ کر کے بیٹھتا کہ اُس چہرے کا کارٹون ہی بنا کر رکھ

دے گا۔ لیکن برش کی پہلی ہی جنبش کے ساتھ اُس کا ذہن ہاتھ سے دور بھاگنے لگتا اور نتیجہ وہی ہوتا.... یعنی وہ تصویر....

صوفیہ تو آج ہی اُس سے اس کے چہرے کے متعلق پوچھ بیٹھی تھی۔ لیکن اُس نے اسے تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا کہ وہ تصویر محض تخیلی ہے۔

"اچھا چلو یہی سہی کہ میں اس عورت کو جانتا ہوں.... پھر....!"

"وہ بہت بُری طرح تمہارے ذہن پر چھائی ہوئی ہے۔"

"چلو.... یہ بھی تسلیم ہے پھر....!"

"پھر کیا! کچھ بھی نہیں۔" صوفیہ کی آواز میں اضمحلال تھا۔

پھر وہ اس کے کمرے سے چلی گئی تھی۔

آج اس نے آخری بار برش اٹھایا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ کوئی دوسرا چہرہ نکالنے کی کوشش کی جائے۔ اگر نکل سکا تو ٹھیک ہی ہوگا اور اگر وہی چہرہ بنا تو پھر اب وہی تصاویر کی بین الاقوامی نمائش میں بھیجا جائے گا۔

مگر وہ کسی طرح بھی دوسرا چہرہ نکالنے میں کامیاب نہ ہو سکا.... ویسے ایک عجیب سی بات یہ تھی کہ برش ہاتھ میں لیتے ہی اس کا ذہن قابو میں نہیں رہ جاتا تھا۔ اگر انسانی تصویر بنانے کا ارادہ ہوتا۔ بہر حال اس کا یہ آخری فیصلہ بھی برش کی مخصوص جنبشوں میں کوئی تبدیلی نہ کر سکا۔ پھر وہی چہرہ تیار تھا۔

کچھ دیر تک اُس کے ذہن پر ہیجانی کیفیت طاری رہی پھر آہستہ آہستہ پر سکون ہوتا گیا۔

"اب یہی تصویر جائے گی.... اب یہی تصویر جائے گی....!" وہ دفعتاً مضطربانہ انداز میں بڑبڑایا اور کینوس پر بنے ہوئے چہرے کو گھورتا ہوا بولا۔ تم مجھے خوفزدہ نہیں کر سکتیں میں اب تمہیں بازار میں لاؤں گا.... بازار میں لاؤں گا۔ سمجھیں! میں جانتا ہوں تم کوئی بُری روح ہو۔ میرے ہاتھوں سے چمٹ کر رہ گئی ہو.... لیکن اب میں تم سے نہیں ڈروں گا، تمہیں بھی سکون نہیں لینے دوں گا.... سور کی بچی تم نے مجھے تباہ کر کے رکھ دیا۔"

وہ خاموش ہو گیا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ اس چہرے کو کسی منظر میں کھپانا چاہئے.... اوہ ٹھیک ہے چرواہی.... ایک چیتھڑے لگائے ہوئے.... چرواہی.... مفلوک الحال.... بیابانوں کی خاک

چھاننے والی.... بھوک اور پیاس سے نڈھال....!

یہ تو کچھ بھی نہیں ہے.... ہاہاہا.... اُس نے قہقہہ لگایا۔ "میں تمہیں کتوں سے نچواؤں گا.... جتنا ذلیل کر سکتا ہوں کروں گا.... دیکھوں گا کہ تم میرا کیا بگاڑ لیتی ہو۔"

خاموش ہو کر اس نے برش اٹھائے اور رنگوں کی ٹرے پر نظر دوڑانے لگا۔

اتنے میں صوفیہ آ گئی اس کی نظر کینواس پر تھی۔

"اوہ.... پھر وہی۔" اس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"ہاں پھر وہی....!" جیلانی مسکرا کر بولا۔ اُس کی آنکھیں سرخ اور خوفناک تھیں۔

"تم اس کے علاوہ اور کسی قسم کا چہرہ بنا ہی نہیں سکتے۔" صوفیہ نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔ "بہتیرے مصوروں میں یہ کمزوری ہوتی ہے.... پتہ نہیں تمہیں بین الاقوامی نمائش کے لئے کیسے دعوت مل گئی۔"

"ہاں میں بالکل گدھا ہوں.... پھر تم سے کیا.... جاؤ یہاں سے۔"

"نہیں جاؤں گی...." وہ اطمینان سے ایک آرام کرسی میں نیم دراز ہوتی ہوئی بولی۔ "تم ایک اچھے کمرشل آرٹسٹ بن سکتے ہو۔ کیوں خواہ مخواہ اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔"

کمرشل آرٹ جیلانی کے لئے گالی تھی۔ وہ تلملا کر رہ گیا۔ لیکن زبان سے کچھ نہیں کہا۔

کل کی چھوکری جسے مصوری کی اے۔ بی۔ سی سے بھی واقفیت نہیں تھی اُسے مشورہ دینے چلی تھی جو اپنا نچلا ہونٹ چباتا ہوا تصویر پر کام کرنے لگا۔

"میرے ایک کزن آرٹسٹ ہیں....!" وہ کچھ دیر بعد بولی۔ "واہ.... کیا تصویریں بناتے ہیں۔ بس دیکھتے ہی رہ جاؤ۔ تصویریں بول پڑتی ہیں۔ ایک دن انہوں نے اپنی بوڑھی ماما سے کہا چل تجھے ملکہ بنا دوں۔ بس اس کی تصویر بنا کر ملکہ وکٹوریہ کے کپڑے پہنا دیئے۔"

"میں نے کئی جگلر ایسے بھی دیکھے ہیں جو اپنے پیٹ سے درجنوں لوہے کے گولے نکال پھینکتے ہیں۔" جیلانی نے اُس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"مگر افسوس تمہارے جھولے میں صرف یہی ایک تماشہ ہے۔" وہ کینواس کی طرف انگلی اٹھا کر بولی۔

"میں کہتا ہوں تم جاؤ یہاں سے۔ مجھے کام کرنے دو۔" جیلانی دانت پیس کر بولا۔

"نہ میں تمہارے کاندھے پر سوار ہوں اور نہ میں نے تمہارے کان پکڑ رکھے ہیں۔ سچے آرٹسٹ کی یہ بھی پہچان ہے کہ کام کرتے وقت اُسے گردو پیش کی خبر نہ ہو.... وہ تو اپنے آرٹ میں ڈوبا رہتا ہے۔ اُسے کیا پتہ کہ آس پاس کیا ہو رہا ہے۔"

"دیکھو! مجھے پریشان مت کرو۔" جیلانی نے بے بسی سے کہا۔

"خدا کی پناہ.... کتنی دور بیٹھی ہوں تم سے۔"

"میں بیگم تنویر سے شکایت کروں گا۔"

"اوں.... ہوں....!" وہ سر ہلا کر سنجیدگی سے بولی۔ "ان کے قریب بھی مت جانا ورنہ وہ چیخ مار کر بھاگیں گی۔"

"کیوں....؟"

"ان کا خیال ہے کہ تمہارا دماغ الٹ گیا ہے۔"

"کیا بکواس ہے۔"

"میں کیا جانوں.... وہ خود ہی کہہ رہی تھیں۔"

"کیا کہہ رہی تھیں۔"

"ارے بھئی انہوں نے کئی بار تمہیں تصویروں سے گفتگو کرتے اپنے بال نوچتے اور سر پر گھونسے مارتے دیکھا ہے۔"

"سب تمہاری شرارت ہے صوفیہ.... آخر تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو۔ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔"

"میں کب کہتی ہوں کہ تم نے بگاڑا ہے۔ مگر میں کیوں تمہارے پیچھے پڑنے لگی۔"

"پتہ نہیں یہ تم ہی جانتی ہو گی....!" جیلانی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر تھوڑی دیر بعد وہ بولی۔ "میں کچھ پوچھ سکتی ہوں۔"

"اس چہرے کے علاوہ.... میں کتنی بار کہوں کہ میں نے آج تک ایسی کوئی عورت نہیں دیکھی۔"

"یہ ناممکن ہے۔ میں اسے بھی تسلیم نہ کروں گی! یہ اس بُری طرح تمہارے ذہن پر چھا گئی ہے کہ اب تمہارے ہاتھوں سے کوئی دوسرا چہرہ بن ہی نہیں سکتا۔"

"کچھ بھی ہو! میری یادداشت میں ایسی کوئی عورت نہیں ہے! کبھی نہیں تھی۔ یہ ایک

آسیب ہے جس نے میری زندگی برباد کر دی۔ مجھے تباہ کر دیا۔ اسی کی بدولت جیلانی اس حال کو پہنچا ہے اب اُسے ڈر ہے کہ کہیں وہ اس چھت کے سائے سے بھی محروم نہ ہو جائے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"میں بھی نہیں سمجھا۔ اتنا نہیں سمجھا کہ تمہیں بھی سمجھا سکوں۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو! صوفیہ مجھ پر رحم کرو۔"

"یہ اکثر تمہیں خواب میں بھی نظر آتی ہو گی۔ اگر آسیب ہے۔"

"اکثر....! وہ.... میں کیا کروں۔" جیلانی نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔

"یوسف زلیخا.... میں نے بھی پڑھی ہے۔" وہ ہنس پڑی۔

"جاؤ....!" وہ گھونسہ اٹھا کر اس کی طرف دوڑا اور وہ آرام کرسی سے اٹھ کر دروازے کی جانب بھاگی۔

پھر دروازہ بند ہونے کی تیز آواز کمرے میں گونج کر رہ گئی۔

جیلانی دیوار سے لگا کھڑا ہانپ رہا تھا اور اس کی آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔

انوکھی ٹیم

محکمہ سراغ رسانی کے کمرہ مشاورت میں وادیٔ کاجیک کا مسئلہ زیر بحث تھا۔ وادیٔ کاجیک کے اوپر والے سرحدی علاقے میں ایک حیرت انگیز اطلاع ملی تھی! چونکہ یہ اطلاع ایک سرحدی حفاظتی چوکی سے آئی تھی اس لئے اس پر سنجیدگی سے غور کیا جا رہا تھا۔

"وادیٔ کاجیک کا محل وقوع....!" سپرنٹنڈنٹ دوسرے آفیسروں سے کہہ رہا تھا۔ "ایسا ہے کہ وادی دشوار گذار بن کر رہ گئی ہے۔ کیا آپ لوگوں میں سے کسی صاحب کو اُدھر جانے کا اتفاق ہوا ہے۔"

کسی نے بھی اس سوال کا جواب نہ دیا۔

"بہرحال....!" سپرنٹنڈنٹ کچھ سوچتا ہوا اپنا بایاں گال کھجا کر بولا۔

"ہیلی کوپٹر کے علاوہ اور کوئی چیز نیچے نہیں لے جا سکتی۔ ہزاروں فٹ کی گہرائی میں یہ وادی

واقع ہے۔ اور نیچے بڑے گھنے جنگل پھیلے ہوئے ہیں۔"

وہ پھر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"تو یہ دھوئیں کا مینار.....!" اُس کے ایک نائب نے ٹوکا۔

"میری دانست میں یہ بڑی مضحکہ خیز بات ہے۔ دیکھنے والا اُس وقت تنہا تھا۔ چاندنی رات تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ نشے میں رہا ہو۔"

کئی لوگوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نظر آئی.... حمید بھی مسکرایا تھا۔ مگر کرنل فریدی کی سنجیدگی میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا تھا۔

"کچھ بھی ہو۔" سپرنٹنڈنٹ پھر بولا۔ "ہمیں بہر حال دیکھنا ہی پڑے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ کوئی مناسب آدمی یا ٹیم اس سلسلے میں چھان بین کرے۔"

"لال بجھکڑ آصف کے علاوہ اور کون مناسب ہوگا۔" انسپکٹر صاحب نے آہستہ سے کہا۔ مخاطب کوئی بھی نہیں تھا۔

وہ سبھی جانتے تھے کہ کرنل فریدی کے علاوہ اور کوئی نہیں بھیجا جائے گا۔

دفعتاً سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔ "ہاں کرنل فریدی آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"اگر آپ مناسب سمجھیں تو ٹیم میں منتخب کر دوں۔" فریدی نے اٹھ کر کہا۔

"آپ مجھے ایک الجھن سے بچالیں گے۔" سوپر مسکرایا۔

"انسپکٹر آصف اور کیپٹن حمید۔" کرنل فریدی نے کہا اور حاضرین کے چہروں پر حیرت کے آثار صاف نظر آنے لگے۔ آصف تو خصوصیت سے کچھ اس انداز میں فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے کسی نے اچانک فریدی کے پاگل ہو جانے کی اطلاع دی ہو۔ حمید نے اپنے ہونٹ بھینچ لئے تھے، اس کی آنکھوں میں شرارت آمیز چمک لہرا رہی تھی۔

"اس انتخاب کی وجہ.....!" سوپر بھی مسکرایا۔

"آصف صاحب تجربہ کار ہیں اور حمید کسی چیتے کی طرح پھرتیلا ہے۔"

آصف کی ٹھوڑی کے نیچے کا گوشت لٹک آیا۔ کیونکہ اُس نے بڑی سختی سے گردن اکڑائی تھی۔

سوپر کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد سر ہلا کر بولا۔ "ٹھیک ہے کیپٹن حمید مسٹر آصف کو اسسٹ کریں گے۔"

"بہت مناسب ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور حمید کی کھوپڑی بھک سے اڑ گئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فریدی اُسے گدھوں کا اسسٹنٹ بننے پر بھی مجبور کرے گا۔ دوسری طرف آصف اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فریدی کو دیکھ رہا تھا جیسے اُسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا ہو۔ یہ مسئلہ اس طرح طے ہو گیا۔"

میٹنگ برخواست ہونے پر وہ سب کامن روم میں اکٹھا ہوئے اور یہ انتخاب موضوع بحث بن گیا۔ آصف بہت خوش نظر آرہا تھا اس نے کرنل سے کہا۔

"یار تم نے خواہ مخواہ مجھے پھنسا دیا۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ ہم سب سے سینئر ہیں۔" فریدی نے جواب دیا۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر اب مجھ سے دوڑ دھوپ نہیں ہوتی۔"

"حمید آپ کو غیر ضروری دوڑ دھوپ سے بچائے گا۔"

"مگر میں بیہودگیاں نہیں پسند کرتا۔"

"اس میں ہمت نہیں ہے کہ اپنے آفیسروں کے سامنے بیہودگیاں پھیلا سکے۔"

"وہ مجھے آفیسر کب سمجھتا ہے.....!"

"لیکن اس مخصوص موقعہ پر وہ آپ کو اسسٹ کرے گا وہ سوپر کی طرف سے آپ کی ماتحتی میں دیا گیا ہے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے اس افواہ کے متعلق۔"

"ہو سکتا ہے کہ افواہ حقیقت ہی ثابت ہو۔"

"بات کیا بنے گی۔" آصف نے سوچتے ہوئے کہا۔ "دھوئیں کا مینار میری سمجھ میں تو نہیں آتا۔"

"کیا کبھی کسی فلم میں بھی راکٹ کی اڑان دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"ارے راکٹ تو ترچھے اڑتے ہیں۔"

"ضروری نہیں ہے کسی خاص نشانے پر پھینکے جانے والے راکٹ ترچھے اڑتے ہیں۔ لیکن اُن راکٹوں کی اڑان سیدھی ہی تھی جو مصنوعی سیارے لے کر فضائے بسیط میں گئے تھے۔"

"تو تمہارا خیال ہے کہ وہ چمکدار منارہ کسی راکٹ سے خارج ہونے والی گیس ہوگی۔"

"اس کا امکان ہے۔ فی الحال اس سلسلے میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔"

حمید ایک گوشے میں خاموش بیٹھا پائپ پی رہا تھا۔ ان دونوں کو یکجا دیکھ کر وہ سانپ کی طرح پھپھکارتا ہوا اٹھا۔ نہ جانے کیوں آصف نے اسے آتا دیکھ کر کھسک جانا ہی مناسب سمجھا تھا۔

"ہاں تو میں کسی چیتے کی طرح پھر تیلا ہوں۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر دردناک لہجے میں کہا۔ "اور وہ کسی سالخوردہ گدھے کی طرح اداس.... ار.... مطلب یہ کہ تجربہ کار ہے۔"

"پھر تم کہنا کیا چاہتے ہو۔" فریدی نے خشک لہجہ میں پوچھا۔

"اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ کہیں آصف کے کفن دفن کا بار آپ ہی پر نہ آپڑے۔"

"میں کہتا ہوں تمہیں اُسے اسسٹ کرنا ہی پڑے گا۔"

"میں نے انکار تو نہیں کیا۔ البتہ آپ کو ایک خطرے سے ضرور آگاہ کیا ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ تمہیں کل صبح ٹرین سے روانہ ہونا ہے۔"

"میں پوچھتا ہوں آخر اس جدت کی ضرورت ہی کیا تھی۔"

"وقتی ضرورت.... اگر میں یہ تجویز پیش نہ کرتا تو تان مجھ پر ہی ٹوٹتی، لیکن میں آج کل شہر نہیں چھوڑ سکتا۔"

"کیوں....؟"

"کچھ لوگوں کی خواہش ہے کہ میں یہاں سے چلا جاؤں۔"

"آپ ہمیشہ سنسنی خیز خبریں سناتے ہیں۔ خیر میں تفصیل نہیں پوچھوں گا۔ فی الحال تو آپ اس معاملے کی گفتگو کیجئے۔"

"سنو! ہو سکتا ہے کہ یہ محض افواہ ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ صداقت پر مبنی ہو۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تم آصف کو اسسٹ کرو۔ بات بھی بن جائے گی اور میں شہر ہی میں رہوں گا۔"

"آخر کون آپ کو یہاں سے ہٹانا چاہتا ہے۔"

"ہے ایک آدمی۔ وہ مجھے اپنے ایک نجی کام سے جنوبی امریکہ بھیجنا چاہتا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ مجھے چھ ماہ کی چھٹی بھی دلوادے گا۔"

"اوہ....!" حمید کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "کیا آپ نے انکار کر دیا ہے۔"

"قطعی طور پر....!"

"تب تو یہ افواہ بھی ہو سکتی ہے.... مگر مجھے تو پوری بات بھی نہیں معلوم.... کیا قصہ تھا۔

میں ذرا دیر سے پہنچا تھا۔"

"دادی کا جیک میں اِدھر کئی دنوں سے چمکدار دھوئیں کا منارہ سا دیکھا جا رہا ہے جو زمین کی سطح سے نامعلوم بلندیوں تک اٹھتا چلا جاتا ہے۔ کچھ دیر تک دھوئیں کا حجم جامد سا رہتا ہے پھر بڑھنے لگتا ہے اور آہستہ آہستہ اس کا پھیلاؤ تاریکی میں مدغم ہو جاتا ہے"

"راکٹ....!"

"ہو سکتا ہے۔"

"چاندنی وغیرہ کی بات تھی۔"

"بتانے والے نے تھوڑی سی شاعری کر ڈالی تھی۔ اُسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے چاندنی سمٹ کر دھوئیں کی شکل میں تبدیل ہو گئی ہو۔"

"چاندنی کا دھواں.... واقعی بڑا شاعرانہ خیال ہے۔ کسی حیرت انگیز کہانی کا عنوان بھی بن سکتا ہے۔"

"بس تو تم آصف کے ساتھ جاؤ گے۔"

"لیکن یاد وہ مجھے واپس لائے گا یا میں اُسے واپس لاؤں گا۔"

"بے تکی باتیں نہ کرو۔"

"وہ ویسے ہی مجھ پر اپنی سنیارٹی جتانے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔"

"میں تمہیں خالص گدھا سمجھوں گا اگر تم اُسے ہینڈل نہ کر سکو۔"

"یہ بات ہے۔" حمید آستین چڑھاتا ہوا بولا۔

"قطعی! تمہاری صلاحیتوں کا امتحان بھی مقصود ہے۔ میں دیکھوں گا کہ میری محنت کس حد تک بار آور ہوتی ہے۔"

"بار ہی بار.... آور ہی آور.... دیکھ لیجئے گا۔"

اس غیر متوقع ٹیم پر دن بھر چہ میگوئیاں ہوتی رہیں۔

انسپکٹر مزمدار نے آصف کو کینٹین میں جا پکڑا.... آصف دوسرے چند انسپکٹروں کو انٹرٹین کر رہا تھا۔ اور لیفٹیننٹ سعید کا خیال تھا کہ آج وہ لوگ پتھر میں جونک لگانے میں کامیاب ہو گئے ہیں! ورنہ آصف اور کینٹین! اس کی کنجوسی دور دور تک مشہور تھی۔

"یار یہ کیسے ہو گیا۔" مزومدار نے آصف سے پوچھا۔

"ارے.... واہ آؤ آؤ.... تم کہاں رہ گئے تھے۔" آصف نے ہنس کر کہا۔ "آج یہ صاحبزادے سعید صاحب چائے پلا رہے ہیں۔"

"چچاؤں کی موجودگی میں بھتیجے ایسی جسارت نہیں کر سکتے۔" سعید بولا۔

"خیر.... خیر.... دیکھا جائے گا۔" آصف بے ڈھنگے پن سے ہنسنے لگا۔

"مگر سنو تو سہی۔" مزومدار بولا۔ "کیا یہ حمید تمہاری سنے گا۔"

"اُس کے فرشتے بھی سنیں گے۔" آصف کی آنکھیں نکل پڑیں۔

"مجھے تو کچھ گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔" مزومدار نے معنی خیز انداز میں اپنی آنکھوں کو گردش دی۔ "آخر فریدی ہی نے یہ تجویز کیوں پیش کی تھی۔ تم اکثر اسے جلی کٹی سناتے رہتے ہو۔ کہیں وہ تمہیں سبق نہ دینا چاہتا ہو۔"

"مر گئے سبق دینے والے۔" آصف ہاتھ ہلا کر بولا۔ "کل کے لونڈے مجھے سبق دیں گے۔"

"سبق تو وہ پورے محکمے کو دیتا رہتا ہے۔" مزومدار نے کہا۔

"چھوڑو یار! خواہ مخواہ موڈ نہ خراب کرو۔ میں بھی اتنا سمجھتا ہوں۔" آصف نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"میں صرف اتنا ہی چاہتا ہوں کہ ہوشیار رہنا۔ کہیں سارے ہی سینئر آفیسروں کی بے عزتی نہ کرا بیٹھو۔"

"یار بس ختم۔" آصف جھلا گیا۔ "ویسے اگر میرا یہاں بیٹھنا گراں گزر رہا ہو تو اٹھ جاؤں۔"

"ارے نہیں.... ارے نہیں....!" سبھوں نے بیک وقت کہا۔ مگر آصف کا موڈ خراب ہو چکا تھا۔

وہ لوگ چائے پیتے رہے۔ لیکن پھر کسی نے اس مسئلے کو نہیں چھیڑا! دوسری صبح کیپٹن حمید ریلوے اسٹیشن پر آصف کا منتظر تھا۔ آصف آیا اور حمید سے معمولی اور رسمی گفتگو کے بعد ٹرین کا انتظار کرنے لگا۔

حمید اس کی حماقت آمیز سنجیدگی پر دل ہی دل میں ہنس رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ آصف خواہ مخواہ بن رہا ہے۔ زبردستی خود پر آفیسرانہ رعب دلانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کی شکل اس وقت

حمید کو بڑی مضحکہ خیز لگ رہی تھی۔ مگر وہ خاموش ہی رہا۔ اس طرح دم دبائے اُس کے پیچھے پھرتا رہا جیسے یہ وقتی ماتحتی کی بجائے پشتینی غلامی ہو۔

اچانک اُسے قاسم دکھائی دیا جس کے ساتھ سامان بھی تھا اور اب حمید کو اپنی غلطی کا احساس ہوا.... بات یہ تھی کہ ٹیکم گڈھ جانے کا یہ سرکاری پروگرام اچانک بنا تھا اور اُس نے حمید کے نجی پروگراموں پر خاک ڈال دی تھی۔ آج کے لئے قاسم سے وعدہ تھا کہ دونوں ایگل بیچ جائیں گے اور دو دن وہاں گرین ہٹ میں گزاریں گے۔ لیکن پچھلی ہی شام اُسے قاسم کو فون پر اطلاع دینی پڑی کہ وہ ایگل بیچ نہ جا سکے گا۔ قاسم نے وجہ پوچھی تو غیر ارادی طور پر زبان سے نکل گیا کہ ایک سرکاری کام سے ٹیکم گڈھ جانا ہے۔ اُدھر قاسم کا ایمان تھا کہ اگر دنیا ہی میں جنت کے "مجے" لوٹنے ہوں تو "حمید بھائی" کے ساتھ سفر کرو۔ لہٰذا یہ معلوم کر کے کہ حمید ٹیکم گڈھ جانے والا ہے اس کی کھوپڑی کی برف کا پگھلنا ضروری تھا۔

حمید نے اُسے دیکھا اور ٹھٹک گیا۔ آصف تو ہواؤں میں اڑ رہا تھا۔ اس کی شان کے خلاف تھا کہ حمید کو رکتے دیکھ کر وہ بھی رک جاتا۔ وہ پلیٹ فارم کے دوسرے سرے کی طرف جا رہا تھا۔

"پیچھا نہیں چھوڑوں گا پیارے۔" قاسم انگلی اٹھا کر ہنسا۔ "یا ایگل بیچ یا ٹیکم گڈھ۔"

"میں سرکاری کام سے جا رہا ہوں...." حمید کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

"میں غیر سرکاری کام سے جا رہا ہوں.... ہی ہی ہی۔"

"تم میرے ساتھ نہیں رہ سکو گے۔"

"اماں.... کیا میں تمہاری گود میں بیٹھا جا رہا ہوں۔" قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔

"کچھ بھی ہو! تم مجھ سے دور ہی رہو گے۔"

"کتنے میل کے فاصلے پر....!" قاسم نے احمقانہ انداز میں پوچھا۔

"بیکار باتیں نہ کرو۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس کے خلاف نہ کرنا۔"

"اماں قہو جلدی سے۔"

"کسی دوسرے کمپارٹمنٹ میں بیٹھنا ورنہ میرے ساتھی کو اعتراض ہو گا۔"

"اے جاؤ کرنل صاحب تم سے زیادہ خیال کرتے ہیں میرا۔"

"ساتھی سے مراد کرنل نہیں ہیں۔"

"پھر قون سالا ہے۔"

"ایک دوسرا آفیسر.....!"

"مجھے اُلو نہ بناؤ..... پیارے..... میں سب سمجھتا ہوں۔" قاسم آنکھ مارنے کی کوشش کرتا ہوا مسکرایا اور اس کی شکل بے حد مضحکہ خیز ہو گئی۔

"میری بات سنو۔"

"سناؤنا۔"

"ہمارا سفر ایک ہی کمپارٹمنٹ میں نہیں ہوگا۔ ٹیکم گڈھ کی بات وہیں چل کر طے ہو گی۔"

"اے کوئی مجھے لڑکی کی شادی کرنا ہے کہ نواب صاحب بات طے کرنے بیٹھیں گے۔" قاسم جل کر بولا۔

"میرے پاس وقت نہیں ہے۔" اس نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

قاسم وہیں کھڑا طرح طرح کے منہ بناتا رہا..... حمید اسی سمت جا رہا تھا جدھر آصف گیا تھا۔ تھوڑی دیر چل کر ہی اس نے جا لیا۔

"یہ کون تھا جس سے تم گفتگو کر رہے تھے۔" آصف نے پوچھا۔

"میرا ایک دوست! کیوں کیا اس میں بھی کوئی حرج.....!"

"کیپٹن حمید تم سے جو کچھ پوچھا جائے صرف اسی کا جواب دیا کرو۔"

"بہت بہتر.....!" حمید نے اظہار سعادت مندی کے سابقہ ریکارڈ توڑ دیئے۔

اس کے رویہ پر کبھی کبھی آصف متحیر بھی رہ جاتا۔

ٹرین آئی اور وہ ایک کمپارٹمنٹ میں جم گئے۔ قاسم نے بھی حمید کے مشورے سے اختلاف نہیں کیا تھا۔ کسی دوسرے ہی کمپارٹمنٹ کو ترجیح دی تھی۔

ٹرین روانہ ہو گئی..... حمید کا رویہ سعادتمندانہ ہی رہا۔ آصف بار بار اُسے گھورنے لگتا تھا۔ یہ آصف بھی عجیب ہی آدمی تھا۔ اب حمید کی سنجیدگی اُسے کھلنے لگی تھی۔ دراصل وہ فطرتاً "تم تو مجھے چھیڑو گے!" قسم کا آدمی سمجھا جا سکتا تھا۔

وہ چاہتا تھا کہ کوئی اُسے چھیڑے اور وہ ہاتھوں میں پتھر لئے اُسے دوڑاتا پھرے۔

آخر کچھ دیر بعد جب اُسے چین نہ پڑا تو اس نے حمید کو مخاطب کیا۔

"کیوں..... تمہارا چہرہ کیوں اترا ہوا ہے۔"

"بہت دیر سے پائپ نہیں پیا۔" حمید نے مضمحل آواز میں جواب دیا۔

"کیوں..... کیا تمباکو ختم ہو گیا۔"

"تمباکو ہے۔"

"پھر پیتے کیوں نہیں۔"

"میں نے سوچا ممکن ہے آپ کو ناگوار گزرے..... بہتیرے آفیسر اپنے ماتحتوں کی تمباکو نوشی پسند نہیں کرتے۔"

"ارے کیا چرخہ نکال بیٹھے ہو آفیسری ماتحتی کا....." آصف ہاتھ ہلا کر بولا۔ "پیو.....!"

"شکریہ.....!" حمید نے سعادتمندانہ انداز میں کہہ کر پائپ نکالا اور اس میں تمباکو بھرنے لگا۔

"تم کئی بار پہلے بھی ٹیکم گڈھ جا چکے ہو۔" آصف نے کہا۔

"کئی بار۔ بڑی پُر فضا جگہ ہے۔ آج کل تو جنت کا نمونہ بنا ہوا ہوگا۔"

"وہاں سے وادیٔ کاغان کا جیک والی سرحدی چوکی کتنی دور ہو گی۔"

"زیادہ سے زیادہ دس میل۔ لیکن پہاڑی علاقوں کے دس میل ہزار میل معلوم ہوتے ہیں۔ مگر ہم قیام کہاں کریں گے۔"

"بھئی! میں کیا جانوں۔ میں تو پہلی بار اُس علاقے کی طرف جا رہا ہوں۔"

"مناسب یہی ہوگا کہ ہم ٹیکم گڈھ میں قیام کریں..... فزارو وہاں کا سب سے زیادہ شاندار ہوٹل ہے۔ وہیں قیام کریں گے..... آپ کو یہ سن کر حیرت ہو گی کہ منیجر تو مرد ملے گا ورنہ سارے کام عورتیں انجام دیتی ہیں۔ پکانے والی عورتیں..... سرو کرنے والی عورتیں۔"

"عورتیں یا لڑکیاں.....!" آصف نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔

"آپ نے تو مجھے پریشانی میں مبتلا کر دیا۔"

"کیوں.....؟"

"قسم لے لیجئے جو آج تک عورت اور لڑکی کا فرق میری سمجھ میں آیا ہو۔"

"بس انہیں ساری شیطنتوں کی وجہ سے تم سے دور ہی دور رہنے کو دل چاہتا ہے۔"

"اگر یہ فرق سمجھ میں نہ آئے تو اسے شیطنت کہیں گے۔" حمید نے بھولے پن سے پوچھا۔

"چلو ختم کرو....!" آصف نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

شاہکار

"چھن.... چھن.... چھن....!"

برابر والے کمرے میں گھنگھروؤں کی جھنکار گونج رہی تھی۔ جیلانی نے بہت بُرا سا منہ بنا کر دروازے کی طرف دیکھا لیکن چپ چاپ بیٹھا ہی رہا۔

"ایک دو.... تین چار.... پانچ.... چھن چھن.... چھن چھن.... چھن....!"

دوسرے کمرے میں صوفیہ ناچ رہی تھی۔ ناچ کیا رہی تھی اُسے تاؤ دلا رہی تھی۔ جیلانی نے کہا تھا نا کہ وہ آج کل سکون چاہتا ہے۔ اس کی ذہنی حالت اس قابل نہیں ہے کہ وہ کسی قسم کا ہیجان برداشت کر سکے۔ لیکن نہ جانے کیوں وہ اسے چھیڑتی ہی رہتی تھی۔

اس وقت بھی صرف اُسے تاؤ لانے کے لئے گھونگرو باندھ کر برابر والے کمرے میں اچھلنا کودنا شروع کر دیا تھا جیلانی تھوڑی دیر تک دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا رہا۔ پھر اٹھا اور دیوانوں کی طرح دروازہ پیٹنے لگا۔

گھونگھروؤں کی جھنکار تھم گئی۔ دروازہ جھٹکے کے ساتھ کھلا اور صوفیہ صرف ہونٹ کھول کر رہ گئی۔ اُسے جیلانی کی آنکھوں سے خوف معلوم ہو رہا تھا۔

"تم نہیں مانو گی....!" جیلانی غرایا۔

"بڑی مصیبت ہے۔" اس نے خود پر قابو پا کر کہا۔ "نیچے آنٹی جان کو آجاتی ہیں اور اوپر تم موجود ہو۔ پھر میں کہاں مشق کروں۔"

"تم مجھے پریشان کرنا چاہتی ہو۔" جیلانی آنکھیں نکال کر بولا۔

"نہیں قسم لے لو.... میں کیا جانتی تھی کہ تمہیں میرا ناچنا اتنا گراں گزرے گا۔ ورنہ میں کبھی ادھر نہ آتی۔"

"ہوں....!" جیلانی چند لمحے.... کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "آؤ.... یہاں آؤ میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں.... میرا دماغ پک رہا ہے۔"

وہ چھن چھن کرتی ہوئی اس کے کمرے میں چلی آئی۔

"بیٹھ جاؤ....!" جیلانی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"لو بیٹھ گئی۔" صوفیہ بیٹھتی ہوئی مسکرائی۔

"تم مجھے کیا سمجھتی ہو۔"

"ایک مغرور مگر اناڑی مصور....!"

"تمہارے دونوں ہی خیال لغو ہیں۔"

"یہ بھی محض خیال ہے....!"

"میں مغرور نہیں ہوں.... میں اناڑی نہیں ہوں۔"

"اگر آدمی کو خود ہی اپنی خامیوں کا احساس ہو جائے تو وہ اُن خامیوں کو باقی ہی کیوں رہنے دے۔"

"تم نہیں سمجھ سکتیں۔ میں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔" جیلانی نے بے بسی سے کہا۔

"کیا سمجھانا چاہتے ہو۔" دفعتاً صوفیہ کی آنکھوں میں چمک سی لہرائی۔ جیلانی کچھ سوچنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔

"کیا تمہارے ذہن میں کبھی دھماکے ہوتے ہیں۔"

"ذہن میں دھماکے.... میں نہیں سمجھی۔"

"تم دھماکے بھی نہیں سمجھتیں....!" جیلانی جھنجھلا گیا۔

"دھماکے تو سمجھتی ہوں لیکن ذہنی دھماکہ میرے لئے ایک بالکل نئی چیز ہے۔"

"اچھا کبھی تمہارے ذہن میں بجلی سی کوندتی ہے۔"

"جب میں حلق تک کھانا ٹھونس لیتی ہوں تو آنکھیں بند ہونے لگتیں ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ذہن میں بجلیاں سی کوندتی پھر رہی ہوں۔"

"میرا مذاق نہ اڑاؤ۔" جیلانی نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"خدایا میں بیچارے آرٹسٹ کو کیسے سمجھاؤں....!"

"بس اب جاؤ۔ میں جانتا ہوں کہ تم لوگ مجھے مکان سے نکالنا چاہتے ہو۔"

"بے تکی باتیں نہ کرو۔"

"میری وجہ سے سب کو تکلیف ہوتی ہے۔"

"خیر یہ مسئلہ تو آنٹی کی ذات سے تعلق رکھتا ہے۔"

"ان سے کہو کہ میرا سامان سڑک پر پھینکوا دیں۔"

"آخر کیوں۔"

"میں شاید کچھ دنوں بعد اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھوں! پھر تکلیف دہ ہو جاؤں گا تم لوگوں کیلئے۔"

"لیکن ذہنی توازن کیوں کھو بیٹھو گے۔ آخر کسی ڈاکٹر سے مشورہ کیوں نہیں لیتے۔"

"وہ بھی میرا مضحکہ اڑائے گا۔ جب میں اُسے بتاؤں گا کہ میرے ذہن میں دھماکے سے ہوتے ہیں اور بجلیاں سی کوندتی ہیں۔"

"آنٹی کہہ رہی تھیں کہ تمہیں کچھ دنوں تک مکمل آرام کرنا چاہئے....!"

"آرام.... نہیں مجھے صرف ذہنی سکون چاہئے۔ کوئی ایسی جگہ چاہئے جہاں ہوا کی سرسراہٹ بھی میرے کانوں سے نہ ٹکرا سکے۔ مگر تمہیں مشق کرنی ہے تمہیں حلق پھاڑنا ہے.... خیر صبح تم مجھے یہاں نہیں دیکھو گی۔ شام تک اپنا سامان لے جاؤں گا۔"

"یعنی صرف اس لئے جاؤ گے کہ میں....!"

"اوہ....!" صوفیہ کے چہرے سے اضمحلال ظاہر ہونے لگا۔ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ "اگر یہ بات ہے تو اب میں تمہیں پریشان نہیں کروں گی.... مجھے افسوس ہے۔ مجھے افسوس ہے۔"

وہ تھوڑی دیر تک خاموش کھڑی رہی پھر جانے کے لئے مڑی ہی تھی کہ کسی نے دروازے پر دستک دی.... یہ بیگم تنویر کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔

"آجایئے....!" جیلانی نے کہا۔

دروازہ کھول کر مسز تنویر اندر آئیں.... اُن کے ہاتھ میں کوئی اخبار تھا اور وہ بے حد خوش نظر آرہی تھیں۔

"ارے.... جیلانی تم کیسے آدمی ہو۔ یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو۔ کچھ باہر کی بھی خبر ہے....!" انہوں نے صوفیہ کی طرف دھیان دیئے بغیر کہا۔

"باہر کیا ہو رہا ہے....!" جیلانی نے حیرت سے کہا۔

"ذرا بالکنی پر جا کر دیکھو۔" ان کے لہجے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔

"کیا دیکھوں....!" بیگم تنویر نے اخبار اس کے سامنے پھیلا دیا۔ ایک مقامی اخبار کا ضمیمہ

تھا۔ پہلے ہی صفحے پر جلی حرفوں میں تحریر تھا۔

"عظیم فنکار جیلانی کو سلام"

صوفیہ بھی اخبار پر جھک پڑی تھی وہ بلند آواز میں آگے کی تحریر پڑھنے لگی۔

"بین الاقوامی مصوری کی نمائش کی شاہکار تصویر "چرواہی" ججوں کی مجلس کا متفقہ فیصلہ.... چرواہی اس سال کی بہترین تصویر ہے۔ یہ فیصلہ مسٹر جیلانی کی عدم موجودگی میں سنایا گیا.... ہمیں اطلاع ملی ہے کہ مسٹر جیلانی اس دوران میں ایک بار بھی نیشنل آرٹ گیلری میں نہیں دیکھے گئے۔ پچھلی رات جب مختلف اقوام کے بڑے مصور گیلری میں تصاویر کا انتخاب کر رہے تھے اُس وقت بھی جیلانی صاحب اپنی تصویر کے قریب موجود نہیں تھے۔ نمائش کے پہلے ہی دن ہمارے نمائندے کو اُن سے گفتگو کرنے کا اتفاق ہوا تھا.... انہوں نے اُسے بتایا تھا کہ وہ اُس مقابلے میں بہت بے دلی سے شریک ہوئے تھے۔ بس انہیں زبردستی گھسیٹا گیا تھا۔ اپنی تصویر کے بارے میں انہوں نے خیال ظاہر کیا تھا وہ بھی یوں ہی سی ہے۔ انہوں نے اس پر خاص توجہ نہیں دی.... یہ جیلانی صاحب کی کسر نفسی تھی.... ورنہ پہلے ہی دن سے ان کی تصویر کے قریب اژدھام نظر آتا رہا ہے.... واضح رہے کہ جیلانی صاحب نے تین سال میں صرف یہی ایک انسانی تصویر بنائی ہے۔" صوفیہ خاموش ہو کر سیدھی کھڑی ہو گئی۔ وہ متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکا رہی تھی۔

"اب تم مجھے بتاؤ کہ میں لوگوں کو کہاں بٹھاؤں....!" بیگم تنویر نے پوچھا۔

"کن لوگوں کو....!"

"پریس رپورٹروں اور آٹوگراف لینے والوں کا ایک جم غفیر باہر موجود ہے۔"

"میرے خدا....!" جیلانی نے خوفزدہ آواز میں کہا۔ "مگر میں تو بیمار ہوں۔ مجھے بھیڑ بھاڑ سے وحشت ہوتی ہے۔ خدا کے لئے انہیں کسی طرح ٹال دیجئے۔"

"میرے بس سے باہر ہے۔" بیگم تنویر اُسے متحیرانہ نظروں سے گھورتی ہوئی بولیں۔ "میں دیکھتی ہوں کہ تم پر اس خبر کا ذرہ برابر بھی اثر نہیں ہوا.... کیا تمہیں پہلے ہی سے معلوم تھا۔"

"نہیں....!" جیلانی کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ نظر آئی۔ "یہ فیصلہ کسی قسم کی جانبداری کا نتیجہ نہیں ہے۔"

"ارے.... یہ مطلب نہیں تھا.... میرا۔"

"بس انہیں کسی طرح ٹال دیجئے۔ میرا سر چکرا رہا ہے....!"

بیگم تنویر کی آنکھوں میں تشویش صاف پڑھی جاسکتی تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہیں پھر واپس چلی گئیں۔ صوفیہ اب بھی وہیں کھڑی تھی۔

"جاؤ.... تم بھی بیگم صاحبہ کی مدد کرو۔" جیلانی نے اس سے کہا۔

"تم ساری دنیا کو بیوقوف بنا رہے ہو۔" صوفیہ کا لہجہ زہریلا تھا۔

"میں نہیں سمجھا تم کیا کہنا چاہتی ہو۔" جیلانی نے حیرت سے کہا۔

"تم اب تک ہزاروں آدمیوں سے یہی کہہ چکے ہو کہ وہ تصویر تخیلی ہے۔"

"میں جانتی ہوں کہ تمہارے سامنے کوئی ماڈل موجود نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی میں اُسے تخیلی نہیں تصور کر سکتی۔"

"مت کرو! جاؤ میرے کان نہ کھاؤ۔ ہاں میں دنیا کو دھوکا دے رہا ہوں۔ پھر.... میرا کیا بگڑے گا.... اگر وہ اس سال کی شاہکار تصویر نہ قرار پاتی تو کیا ہوتا۔ کیا میں جیلانی کی بجائے گیلانی ہو جاتا۔"

"تم مغرور اور چڑچڑے ہو۔ تم میں آرٹسٹوں کی سی کوئی بات نہیں ملتی۔"

"میں لکڑہارا ہوں۔ جاؤ بور نہ کرو۔"

"میں تمہیں اتنا بور کروں گی کہ تم دیوار سے سر ٹکراتے پھرو گے۔"

"سچ کہتا ہوں۔ تمہیں مایوسی ہوگی۔" جیلانی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی۔ "میں تمہاری عدم موجودگی میں اپنے ہی ہاتھوں اپنا گلا گھونٹ سکتا ہوں۔ لیکن تمہیں اس سے لطف اندوز ہونے کا موقع نہیں دے سکتا۔"

"میری ضد میں.... کیوں؟"

"ہاں تمہاری ضد میں۔" جیلانی کی مسکراہٹ برقرار رہی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس مسکراہٹ کے لئے اپنے ذہن سے جنگ کرنی پڑ رہی ہو۔

"آخر تمہیں مجھ سے کیوں ضد ہے؟" صوفیہ نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"پتہ نہیں کیوں مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے تم نے پچھلے جنم میں میری مرغیاں چرائی ہوں....!" صوفیہ کو جیلانی کی سنجیدگی پر ہنسی آگئی۔

"تم تو اداگون کے بھی قائل معلوم ہوتے ہو۔" اس نے کچھ دیر بعد ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"کیوں نہ قائل ہوں۔ مجھے اس سے کون روک سکتا ہے۔"

"اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ تم ایسے اعتقادات رکھتے ہو تو....!"

"آج ہی سے اس کی پبلسٹی بھی شروع کر دو۔ ہو سکتا ہے کہ اس طرح میں جیلانی سے گیلانی بن جاؤں۔ لیکن نہ تو میری شکل تبدیل ہوگی اور نہ میں چھوٹا آرٹسٹ کہلاؤں گا۔"

"اور یہ سب کچھ میری ضد میں ہوگا.... کیوں؟" صوفیہ آنکھیں نکال کر بولی۔

"بالکل....!"

"تو تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمہارے سامنے نہ آیا کروں۔"

"ہاں میں یہی چاہتا ہوں۔ حتیٰ کہ میری خواہش تو یہ ہے کہ تمہاری آواز بھی میرے کانوں میں نہ پڑنے پائے....!"

"تم میری توہین کر رہے ہو۔" صوفیہ نے جھینپے ہوئے لہجے میں کہا۔

ٹھیک اسی وقت بیگم تنویر.... دوبارہ کمرے میں داخل ہوئیں۔ ان کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس بار کوئی بہت بُری خبر لائی ہو۔

ان دونوں نے استفہامیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔ ادھر بیگم تنویر جیلانی کو ایسی نظروں سے دیکھ رہی تھیں جیسے وہ ان کے لئے کوئی اجنبی ہو!

"کیا بات ہے آنٹی؟" صوفیہ نے سکوت توڑا۔

"اوں....!" بیگم تنویر اس طرح چونک پڑیں جیسے اونگھتی رہی ہوں۔ پھر انہوں نے جیلانی سے کہا۔ "سب لوگ جا چکے ہیں لیکن ایک آدمی اب بھی نشست کے کمرے میں موجود ہے۔"

"کون ہے؟"

"محکمہ سراغ رسانی کا ایک آفیسر کرنل فریدی۔"

"کرنل فریدی۔" صوفیہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ پھر وہ مضطربانہ انداز میں ہاتھ ملتی ہوئی بولی۔ "اوہ آنٹی یقین نہیں آتا کہ کرنل فریدی ہمارے مکان میں.... میں انہیں دیکھنا چاہتی ہوں.... مگر آنٹی اُن کا یہاں کیا کام....!"

"یہی میں جیلانی سے پوچھنا چاہتی ہوں۔"

"میں کیا جانوں۔" جیلانی نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

"میں نے اس سے بھی یہی کہا تھا کہ تم بیمار ہو۔ نیچے نہیں آسکتے۔ اس پر اس نے کہا کہ میں اُن سے بستر مرگ پر بھی چند سوالات کے جواب حاصل کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

"وہ مجھ سے کیا پوچھے گا۔"

"یہ تو وہی بتا سکے گا۔ یا تم جانتے ہو گے۔" بیگم تنویر کے لہجے میں بے اعتباری تھی۔

"میں.... میں کیا جانوں کہ وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتا ہے۔ بھلا محکمہ سراغ رسانی کے کسی آفیسر کو مجھ سے کیا سروکار.... خیر چلئے میں دیکھتا ہوں۔"

"تم جاؤ گے....!" بیگم تنویر نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"جی ہاں! اب تو جانا ہی پڑے گا۔ پتہ نہیں وہ مجھ سے کیا پوچھنا چاہتا ہے۔"

"تم ہوش میں ہو یا نہیں۔ جیلانی.... مجھے پریشان نہ کرو۔ ارے میں اُس سے کہہ چکی ہوں کہ آج کل تم پر ہارٹ اٹیک ہو رہے ہیں اور تم بستر سے نہیں اٹھ سکتے۔"

"اونہہ! میں کہہ دوں گا کہ میں نے پریس رپورٹروں سے جان چھڑانے کیلئے کہلوا دیا تھا۔"

"نہیں! تم ایسا نہیں کر سکتے۔ تمہیں بستر پر لیٹنا پڑے گا اور میں اُسے یہیں لاؤں گی۔"

"میں پولیس والوں کو دھوکے میں رکھنا اچھا نہیں سمجھتا۔"

"لیکن میں سرکاری ملازم ہوں....!" بیگم تنویر بولیں۔ "پولیس سے میری غلط بیانی میرے لئے مضر ثابت ہو گی۔"

"اگر یہ بات ہے تو میں مردہ تک بن سکتا ہوں۔ جایئے اُسے یہیں لایئے۔"

"مگر جیلانی بیٹے۔ آخر وہ تم سے کیوں ملنا چاہتا ہے۔"

"میں کیا بتا سکتا ہوں۔ مجھے خود ہی اس پر حیرت ہے۔"

"دیکھو! اگر تم نے کوئی غیر قانونی حرکت کی ہے تو اس کا اثر مجھ پر بھی پڑ سکتا ہے۔"

"اپنی دانست میں تو میں نے آج تک کوئی غیر قانونی حرکت نہیں کی۔"

"خیر میں اُسے لا رہی ہوں.... خدا میرے حال پر رحم کرے۔"

بیگم تنویر چلی گئیں اور جیلانی بستر پر آلیٹا۔ سینے تک چادر کھینچ لی۔

"مجھ سے بتا دو۔" صوفیہ نے آہستہ سے کہا اور جیلانی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں قاتل ہوں....!" اُس نے کہا۔

"نہیں....؟" صوفیہ دو چار قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"یقین کرو....!"

"تم جھوٹے ہو۔" اُس نے زبردستی ہنس کر کہا۔

"ابھی تم دیکھ ہی لو گی.... وہ ہتھکڑیاں لگا کر مجھے یہاں سے لے جائے گا۔"

"خدا کے لئے بے تکی باتیں نہ کرو....!" وہ خوفزدہ آواز میں بولی۔

"کیوں تمہیں کیا۔"

"بحث نہ کرو.... تم جھوٹے ہو....!"

"اسی لئے میرے پیر مجھے پھانسی کے تختے کی طرف لے جائیں گے۔ اتنے دنوں میں بہت بچا رہا۔" جیلانی مسکرایا۔

"نہیں.... نہیں.... نہیں....!" وہ بے تحاشہ اس پر جھک پڑی اور اس کے شانے پکڑ کر جھنجھوڑتی ہوئی روہانسی آواز میں بولی۔ تم جھوٹے ہو.... تم جھوٹے ہو.... تم سب کچھ ہو سکتے ہو لیکن قاتل.... ہرگز نہیں۔"

"خاموش رہو۔ شاید وہ آرہا ہے...." جیلانی نے کہا اور خاموش ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔ صوفیہ میز پر جا ٹکی.... اُس کا دل دھڑک رہا تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ کہیں خود اسی پر دل کے دورے نہ پڑنے لگیں۔

تھوڑی دیر بعد بیگم تنویر اور ایک ایسا آدمی کمرے میں داخل ہوئے جس کے چہرے پر کم از کم صوفیہ کی نظریں تو نہیں ٹھہر سکتیں تھیں۔ صرف ایک ہی بار دونوں کی نظریں غیر ارادی طور پر ملی تھیں اور صوفیہ کو ایسا معلوم ہوا تھا جیسے اس کا سارا جسم جھنجھنا اٹھا ہو۔ بہت دنوں پہلے ایک بار اُسے ہلکا سا الیکٹرک شاک لگا تھا۔ جسم کی جو کیفیت اس وقت ہوئی تھی موجودہ سچویشن نے اس کی یاد تازہ کر دی.... جیلانی نے اٹھنا چاہا۔

"نہیں! آپ لیٹے رہئے۔" کرنل فریدی نے کہا اور صوفیہ کو ایسا لگا جیسے کوئی انہونی بات ہوئی ہو۔ فریدی کا لہجہ اس کے لئے غیر متوقع تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ایسے خونخوار آدمی کا لہجہ اتنی نرمی اور اتنی شائستگی رکھتا ہو گا۔ اس نے کرنل کے بہتیرے دل ہلا دینے والے

کارنامے سن رکھے تھے۔

"اپنی شاہکار تصویر پر مبارک باد قبول فرمایئے۔" فریدی بیٹھتا ہوا بولا۔

"شکریہ.... جناب....؟" جیلانی کی آواز میں اضمحلال تھا۔

"غالباً یہ کوئی موڈل تھا۔" فریدی نے کہا۔

"جی نہیں! وہ سو فیصدی تخیلی تصویر ہے۔" جیلانی بولا۔

صوفیہ نے فریدی کی آنکھوں میں بے اعتباری کی جھلک دیکھی۔

"میں کیسے یقین کرلوں مسٹر جیلانی.... جب کہ....!" فریدی کچھ کہتے کہتے خاموش ہوگیا۔

"جب کہ....؟" جیلانی استفہامیہ انداز میں مسکرایا۔

"جب کہ میں اس عورت کو اچھی طرح جانتا ہوں۔" فریدی نے اخبار کی طرف اشارہ کیا۔ اس اخبار میں جیلانی کی شاہکار تصویر "چرواہی" کا عکس شائع ہوا تھا۔ دن بھر کی تھکی ہوئی چرواہی زمین پر کہنی ٹیکے نیم دراز تھی۔ قریب ہی چند بھیڑیں چر رہی تھیں اور سورج دور کی دو پہاڑیوں میں جھک رہا تھا۔ پتہ نہیں نیم باز آنکھیں اس منظر سے ہم آہنگ تھیں یا پھر آدھ کھلے ہونٹوں سے جھانکنے والے شفاف دانتوں میں اس منظر سے ہم آہنگ ہونے کی صلاحیت موجود تھی۔

کان میں سگریٹ

ٹیکم گڈھ کا موسم ان دنوں بہت اچھا تھا۔ پہاڑی نالے پانی اچھالتے ہوئے بہہ رہے تھے۔ خود رو پھولوں سے چٹانیں ڈھکی ہوئی تھیں اور اُس سے بھی زیادہ اچھی بات یہ تھی کہ اس بار حمید کو فزارو میں قریب قریب سبھی ملازم لڑکیاں نئی نظر آئی تھیں۔ سارا عملہ بدلا ہوا تھا۔ اس لئے اب اس کی بھی پرواہ نہیں رہ گئی تھی کہ وہ وہاں پہچان لیا جائے گا۔ البتہ اُسے قاسم کی ذات سے خدشہ لاحق تھا۔ وہ تو فزارو کے گاہکوں کو بھی یاد ہوگا۔ اگر کسی پرانے گاہک کی نظر پڑ گئی تو خود وہ بھی پہچان لیا جائے گا۔ اسی خیال کے تحت حمید نے قاسم کو مشورہ دیا تھا کہ وہ فزارو میں ٹھہرنے کی بجائے کسی دوسرے ہوٹل میں ٹھہرے....

قاسم پر چونکہ تفریح کا بھوت سوار تھا اس لئے اس نے یہی مناسب سمجھا کہ حمید کے

مشوروں پر کان دبا کر عمل کرے۔

حمید اور آصف فزارو ہی میں مقیم تھے۔ یہاں آصف کا نام رجسٹر میں سیٹھ ہاشم درج کیا گیا تھا اور حمید اُس کے سیکریٹری کی حیثیت رکھتا تھا۔ اگر وہ ذرا سا بھی چوکتے تو انہیں کسی دوسرے ہوٹل کا رخ کرنا پڑتا کیونکہ اتفاق سے بس ایک کمرہ خالی رہ گیا تھا! ورنہ موسم بہار میں فزارو کا کوئی کمرہ صرف ان لوگوں کو نصیب ہوتا ہے جو تین یا چار ماہ پہلے ہی بکنگ کرا لیتے ہیں۔ ضروری نہیں تھا کہ ان کا قیام سیزن بھر کے لئے ہوتا لیکن پھر بھی حمید نے کمرہ پورے سیزن کے لئے بک کرالیا تھا! اس کے لئے بھی اُسے کلرک کو رشوت دینی پڑی تھی۔

اس وقت وہ دونوں ڈائننگ ہال میں بیٹھے کافی پی رہے تھے۔ آصف سرو کرنے والی لڑکیوں کو گھور رہا تھا۔ دفعتاً حمید نے اپنی میز پر ویٹ کرنے والی یوریشین لڑکی سے کہا۔ "سیٹھ صاحب کے لئے.... وہ چاہئے۔"

"کیا جناب....!"

"وہ جس سے دانتوں کے ریشے نکالتے ہیں۔"

"خلال جناب....!"

"وہی.... وہی....!" حمید اُسے آنکھ مار کر مسکرایا۔

"ہوں.... ہوں....!" آصف بدبدایا۔ لڑکی جا چکی تھی۔

"اے تم عجیب آدمی ہو۔" آصف آنکھیں نکال کر بولا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"تم نے اسے آنکھ ماری تھی....!"

"ہاں کچھ کچھ یاد تو پڑتا ہے....!" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "یہ فرض شاید میں نے آپ کے لئے انجام دیا تھا۔"

"کیا مطلب....!"

"میں نہیں چاہتا کہ یہ لوگ ہمیں بد دماغ سمجھیں۔"

"کیا بات ہوئی۔"

"یہاں اسی طرح اپنائیت اور بے تکلفی کا اظہار کیا جاتا ہے.... یہاں کی ملازم لڑکیوں کا

کیریئر ہی اسی طرح بنتا ہے۔ جس لڑکی کو جتنی زیادہ آنکھیں ماری جاتی ہیں وہ اتنی ہی مقبول سمجھی جاتی ہے اور منیجر اُس کا خاص طور سے خیال رکھتا ہے۔"

"بکواس ہے۔" آصف ہنستا ہوا بولا۔

"ملاقات ہونے پر کرنل سے پوچھ لیجئے گا.... جب ہم پہلے پہل یہاں آئے تھے تو بیچارے کو بڑی دشواریاں پیش آئی تھیں۔ روز صبح اٹھ کر مجھ سے پوچھتے تھے کہ آنکھ مارنے کی شروعات کس لڑکی سے کریں....! رات بھر انہیں فکر رہتی تھی کہ کسی لڑکی کو شکایت کا موقع نہ مل سکے۔"

"بے تکی ہانکتے جاؤ گے۔ تم فریدی کو بھی نہیں چھوڑتے۔"

اتنے میں لڑکی خلال لے آئی۔ حمید پھر اُسے آنکھ مار کر بولا۔ "آج موسم بڑا خوشگوار ہے۔"

"مگر مجھے افسوس ہے جناب۔" وہ مسکرائی۔ "آپ تنہا ہیں۔"

"تنہا کیوں....!" حمید نے حیرت سے کہا۔ "سیٹھ صاحب بھی تو ہیں۔"

"اچھا....!" وہ کھنکھناتی ہوئی ہنسی کے ساتھ رخصت ہو گئی۔

"تم بہت بے باک ہو۔" آصف مسکرا کر بولا۔ "مجھے یقین ہے کہ تم لڑکیوں کے ہاتھ سے پٹے بھی ہو گے۔"

"کئی بار....!" حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"شرم نہیں آتی....!"

"اگر کسی مونچھ والے کے ہاتھوں پٹا ہو تو ضرور آتی۔"

آصف کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دفعتاً مائیکروفون سے آواز آئی۔

"خواتین و حضرات! آپ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ سیتل گھاٹی کی طرف نہ جائیے۔ حالانکہ وہ ایک پُر فضا جگہ ہے.... اکثر سیاح وہاں کے غاروں میں کئی کئی دن گزارتے ہیں.... لیکن آج کل گھاٹی مخدوش ہو گئی ہے.... پہلا موقع ہے جب موسم بہار میں وہاں تین لاشیں ملی ہیں۔ یہ غیر ملکی سیاحوں کی لاشیں ہیں جنہیں شائد لوٹا گیا تھا۔ آپ کو بار بار آگاہ کیا جا رہا ہے کہ سیتل گھاٹی میں قدم نہ رکھئے۔"

حمید اور آصف متحیرانہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ مائیکروفون خاموش ہو گیا۔

"سیتل گھاٹی کہاں ہے....!" آصف نے پوچھا۔

"یہ وہی گھاٹی ہے جہاں کبھی برف کے بھوت دیکھے گئے تھے۔" حمید نے جواب دیا۔ "اور شائد وادیٔ کاجیک کا راستہ بھی اُدھر ہی سے گزرتا ہے۔"

"وہاں تین لاشیں۔"

"پرواہ نہ کیجئے۔ ہمارا اور لاشوں کا تو چولی دامن کا ساتھ ہے تین ہوں یا تین ہزار کیا فرق پڑتا ہے۔"

"پھر وادیٔ کاجیک کی طرف ہماری روانگی کب ہو گی۔"

"تین دن تو تھکن اتارنے ہی میں گزر جائیں گے۔ کیا خیال ہے۔" حمید نے پائپ سلگاتے ہوئے کہا۔ "اوہ دیکھئے.... وہ لڑکی بہت غور سے آپ کی طرف دیکھ رہی ہے.... ماریئے آنکھ.... ماریئے۔"

"لاحول ولا قوۃ.... کیا بے تکی باتیں کرتے ہو۔" آصف نے جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ کہا ویسے تو وہ کنکھیوں سے اس لڑکی کی طرف دیکھے ہی جا رہا تھا۔ جس کے متعلق حمید نے اُسے نیک مشورہ دیا تھا۔ یہ بھی فزارو کی ایک ویٹریس ہی تھی.... یہ خوش شکل بھی تھی اور شوخ بھی معلوم ہوتی تھی۔ دفعتاً حمید نے اُسے بھی آنکھ ماری۔ پہلے تو اُس نے بُرا سا منہ بنایا پھر تیر کی طرح اُن کی طرف آئی۔

"فرمایئے....!" اُس نے قریب پہنچ کر تیز لہجے میں کہا۔

"سیٹھ صاحب سے پوچھو۔" حمید نے آصف کی طرف اشارہ کر کے اردو میں کہا کیونکہ یہ لڑکی دیسی ہی تھی۔

"فرمایئے جناب....!"

"مم.... مم.... میں....!" آصف ہکلایا.... پھر وہ حمید پر اکھڑ گیا۔ "تم گدھے ہو بالکل.... کیا لغویت پھیلائی ہے۔"

حمید اسکی پرواہ کئے بغیر بولا۔ "میں یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ سیتل گھاٹی یہاں سے کتنی دور ہے۔!"

"ڈائریکٹری میں دیکھ لیجئے۔ فزارو اپنی الگ ڈائریکٹری رکھتا ہے۔" اُس نے کہا اور بڑی شان سے دوسری طرف مڑ گئی۔

"کر دیا نا آخر ذلیل....!" آصف غصے سے کانپتا ہوا بولا۔ "میں تو پہلے ہی سمجھا تھا کہ تم

دونوں نے میرے خلاف کوئی سازش کی ہے۔"

"ارے....!" حمید نے متحیرانہ انداز میں کہا۔ "میں نے آپ کے لئے آنکھ ماری تھی۔"

آصف جھلاہٹ میں اٹھ کھڑا ہوا.... وہ تیزی سے اپنے کمرے کی طرف جارہا تھا۔ پھر بھلا حمید کیسے بیٹھا رہتا۔ وہ بھی اُس کے پیچھے لپکا اور کمرے تک پہنچنے سے پہلے ہی اُسے جالیا۔

"میں تم سے تحریری طور پر جواب طلب کروں گا۔" وہ ہانپتا ہوا بولا۔ وہ دونوں وہیں رک گئے تھے۔ کمرہ بھی نزدیک ہی تھا لیکن غصے کی زیادتی نے آصف کو اس طرح کھوپڑی سے باہر کردیا تھا کہ اس نے وہیں برسنا شروع کردیا۔

"دیکھئے سنئے تو سہی! میں آپ کو ہر معاملے میں اسسٹ کرنے کا تہیہ کرچکا ہوں۔ جو کام آپ سے نہیں بنے گا آپ کے لئے میں کروں گا.... بات دراصل یہ ہے کہ.... میں۔"

"لونڈے پن کی باتیں نہ کرو۔"

"اچھا خیر اب اس بار معاف کردیجئے۔" حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "مجھے اب اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہ ہوگی کہ آپ کو آنکھ مارنا آتا ہے یا نہیں.... چلئے کمرے میں ورنہ آپ یہاں مجمع اکٹھا کرلیں گے۔"

آصف دانت پیستا ہوا آگے بڑھ گیا۔

کمرے میں پہنچ کر حمید نے دروازہ کھلا ہی رہنے دیا تھا۔

"اس بیہودگی کا جواب نہیں ہوسکتا۔" آصف میز پر گھونسہ مار کر بولا۔ "تم نے میرے لئے آنکھ ماری تھی۔"

"یقیناً جناب۔ میں یہ سمجھا تھا کہ آپ کو آنکھ مارنا نہیں آتا۔"

"مجھے آنکھ مارنا نہیں آتا۔"

"انہونی بات نہیں ہے۔ شاید آپ کو وہ دیوزاد یاد ہو جو روانگی کے وقت اسٹیشن پر ملا تھا۔ یاد ہے نا۔ اُسے بھی آنکھ مارنا نہیں آتا.... کوشش کرتا ہے تو دونوں آنکھیں بند ہوجاتی ہیں۔"

"تم مجھے احمق کیوں سمجھتے ہو۔" آصف دہاڑا۔

"ہر اسسٹنٹ کا فرض ہے کہ وہ اپنے آفیسر کو احمق سمجھے۔ اگر ایسا نہ ہو تو آفیسر ایک دن بھی زندہ نہ رہ سکیں احمق ہی سمجھ کر اسسٹنٹ اپنے آفیسر کے کاموں پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ اگر

نہ رکھیں تو آفیسر دو ہی دن میں نالائق قرار دے کر نکال دیئے جائیں۔"

"تم براہِ راست میری توہین کررہے ہو۔"

"میں ایک عام بات کہہ رہا ہوں۔ جو مجھے نہ کہنی چاہئے۔ میں معافی چاہتا ہوں جناب۔"

آصف جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ وہی لڑکی دندناتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی جسے کچھ دیر پہلے حمید نے بقول خود "آصف کے لئے آنکھ ماری تھی۔"

"آپ لوگوں نے سمجھا کیا ہے آخر....!" وہ انہیں گھورتی ہوئی تیز لہجے میں بولی۔ "وہاں میں کچھ نہیں بولی تھی۔"

"میں سمجھتا تھا کہ تم بولنے کے لئے کوئی مناسب مقام منتخب کروگی....!" حمید مسکرایا۔

"میں مذاقاً بھی اسے برداشت نہیں کرسکتی۔"

"یہ لڑکا نادان ہے.... آپ اسے معاف کردیجئے۔" آصف گڑگڑایا۔

"میں صرف اپنی خدمات بیچتی ہوں۔ عزت کا سودا نہیں کرتی۔ سمجھے۔" لڑکی آپے سے باہر ہوتی جارہی تھی۔

"سمجھ گیا....!" حمید نے سر ہلا کر کہا۔ "اور کچھ۔"

"میں اس کا بدلہ ضرور لوں گی خواہ موجودہ ملازمت رہے یا جائے....!"

"تم پچھلے سال تو یہاں نہیں تھیں۔"

"یہاں ہر سیزن کی شروعات پر ہی پرانا اسٹاف بدل دیا جاتا ہے۔ یہاں کچھ بھی ہوتا ہو مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ لیکن میں ان آوارہ لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جو ایسی ذلیل حرکتیں کرنے والوں کی ہمت افزائی کرتی ہیں۔ میں آپ سے سمجھ لوں گی۔" لڑکی نے ایک بار پھر انہیں کڑی نظروں سے دیکھا اور باہر چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد آصف دروازے کے قریب آکر باہر جھانکنے لگا۔ پھر بڑی احتیاط سے دروازہ بند کرکے حمید کی طرف پلٹ آیا۔

"سن لیا تم نے.... اب دیکھو کیسی بے عزتی ہوتی ہے۔" وہ آنکھیں نکال کر بولا۔

"دس پانچ جوتوں میں عزت نہیں جاتی۔ ہزار بارہ سو مارنے کون آتا ہے۔" حمید نے بڑی ڈھٹائی سے جواب دیا۔

"تم جیسے بے حیاؤں سے خدا سمجھے۔"

حمید کچھ سوچنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر وہ بول پڑا۔ "واقعی مجھ سے زبردست غلطی ہوئی ہے۔ ٹھہریئے میں جاکر اُسے مناتا ہوں۔ ورنہ اگر کہیں اس کا کوئی عاشق واشق چڑھ دوڑا تو ہم اس غریب الوطنی میں یتیموں کی طرح بلبلاتے پھریں گے۔"

آصف کچھ نہ بولا۔ حمید کمرے سے نکل کر ڈائننگ ہال کی طرف ہولیا تھا۔

ہال میں اب زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔ بہتیری میزیں خالی نظر آرہی تھیں۔ وہ لڑکی بھی اُسے جلد ہی نظر آگئی۔ حمید اس کی طرف بڑھا۔

"کیا تم مجھے تھوڑا سا وقت دوگی۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"میں کہتی ہوں.... آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔" وہ چڑھ کر بولی۔

"میرے دل میں پہلے بھی بدی نہیں تھی اور اب بھی میں اُس سے پاک ہی ہوں۔"

"پھر کیوں میرے پیچھے پڑگئے ہیں۔"

"وجہ ہے.... لیکن اُس میں بھی تمہارا ہی فائدہ مد نظر ہے۔ کیا تم تھوڑی دیر کے لئے باہر نہیں چل سکتیں۔"

"ضرور چلوں گی۔ تاکہ آپ یہ بھی دیکھ لیں کہ میں کوئی ڈرپوک لڑکی نہیں ہوں۔ بیس منٹ انتظار کیجئے۔"

حمید اُس کے فرصت پانے کا منتظر رہا۔ پھر اکیسواں منٹ ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ وہ اس کے پاس پہنچ کر بولی۔ "چلئے کہاں چلتے ہیں۔"

"صرف باغ تک.... اوہو آج تو یہاں زندگی رقص کررہی ہے۔" حمید نے کھڑکی سے باہر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"آپ نے یہیں سے شاعری شروع کردی۔"

"تم غلط سمجھی ہو۔ میں عشق کرنے کے لئے نہیں لے جارہا تمہیں....!"

"چلئے بھی.... میں بہت عدیم الفرصت رہتی ہوں۔"

وہ دونوں باہر نکل آئے۔

"کہئے کیا کہنا چاہتے ہیں آپ....!"

"تمہارے لئے ایک بزنس ہے۔!"

"بزنس.... نہایت آسان۔ ویسے تم مجھے شریف لڑکی معلوم ہوتی ہو۔ اس لئے میرا اندازہ ہے کہ تم صرف بزنس ہی کرسکو گی۔"

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"میرا سیٹھ بڑا کنجوس ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ کوئی اس سے فضول خرچی نہیں کرا سکتا۔"

"ہوں تو پھر....!"

"وہ کہتا ہے کہ مجھ پر عورت کا جادو نہیں چل سکتا۔"

"پھر میں کیا کروں۔"

"اُسے دکھادو....!"

"نہیں! مجھے ان چیزوں سے دلچسپی نہیں ہے۔ میں محنت سے اپنی روزی کمانا چاہتی ہوں۔ غلط طریقوں سے حاصل کی ہوئی دولت مجھے کانٹوں کی سیج معلوم ہوگی۔"

"تمہارا نام کیا ہے....!"

"زیبا....!"

"میں ساجد ہوں.... تو تم یہ کام نہیں کرسکو گی۔"

"کیوں کروں....؟"

"تجربے کے طور پر اپنی پاکبازی کے امتحان کے لئے مجبوریوں کے عالم میں بھی اپنے ہی طور پر زندگی بسر کرنا بڑا مشکل کام ہے.... اگر اس کی بھی مشق ہوتی رہے تو کیا ہرج ہے۔ ویسے میں اس کا ذمہ لیتا ہوں کہ تمہارا بال بھی بیکا نہ ہوگا۔"

"بس سیٹھ سے گھل مل جاؤ....!"

"دیکھئے یہاں اور بھی لڑکیاں ہیں جن کا پیشہ بھی یہی ہے۔ وہ فرصت کے اوقات میں نجی طور پر مسافروں کے ساتھ رہتی ہیں۔ ہوٹل کے ذمہ داروں کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔"

"اُن سے مقصد نہیں حل ہوسکتا۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "سیٹھ اُن پر روپیہ خرچ کرے گا اور اُسے اس کا بدل بھی ملتا رہے گا.... میں تو یہ چاہتا ہوں کہ وہ روپیہ بھی خرچ کرے اور غم بھی کرے۔ اس کے لئے کوئی شریف اور چالاک ہی لڑکی یہ کام کرسکے گی۔"

وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر کچھ کہے بغیر جانے کے لئے مڑ گئی۔ "ٹھہرو! سنو۔" حمید نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

وہ پھر رک گئی۔

"یہ سنیل گھاٹی میں لاشیں کب ملی ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"تین دن پہلے کی بات ہے....!"

"کس کی تھیں....!"

"یہ نہیں معلوم ہو سکا کیونکہ اُن کے چہرے بگاڑ دیئے گئے تھے۔"

"لباس....!"

"ان کے جسموں پر ایک تار بھی نہیں تھا۔"

"اس کا کیا مطلب تھا کہ موسم بہار میں وہاں پہلی بار لاشیں ملی ہیں۔"

"سردیوں میں تو اکثر شکاریوں کی لاشیں ملتی رہتی ہیں۔ یہ سمور کے شکار کے لئے یہاں آتے ہیں اور اکثر آپس میں لڑ جاتے ہیں۔ زخمی ہوتے ہیں مرتے ہیں.... اور ان کی لاشیں برف میں دبی رہ جاتی ہیں۔"

پھر جب برف پگھلتی ہے تب کہیں جا کر پتہ چلتا ہے کہ کچھ ہوا تھا۔ لیکن اس بار اس موسم میں وہاں تین لاشوں کا پایا جانا بالکل ہی نئی بات ہے۔

"سنیل گھاٹی میں ہے کیا! وہاں لوگ کیوں جاتے ہیں۔"

"موسم بہار میں بڑی پُر فضا جگہ ہوتی ہے۔ وہاں قدیم زمانوں کے غار ہیں جنہیں آدمیوں نے بنایا تھا۔"

"تو تم اس بزنس کے لئے تیار ہو یا نہیں۔"

"سوچوں گی۔" لڑکی نے کہا اور مڑ گئی۔ حمید اُسے جاتے دیکھتا رہا۔ لڑکی خوبصورت بھی تھی اور اسمارٹ بھی، تعلیم یافتہ بھی معلوم ہوتی تھی۔ کچھ بھی نہ رہی ہو لیکن اتنی صلاحیت تو ضرور رکھتی ہو گی کہ حمید کی اسکیم کے مطابق آصف کو ہینڈل کر سکے۔

حمید چند لمحے وہیں کھڑا رہا پھر ڈائننگ ہال کی طرف بڑھ گیا۔ لڑکی ہال میں موجود نہیں تھی۔ لیکن دفعتاً آصف آ ٹکرایا.... اس کے چہرے سے بدحواسی ظاہر ہو رہی تھی۔

"چلو.... چلو.... کمرے میں چلو....!" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک جانب کھینچتا ہوا بولا۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُسے کس طرح بریک لگائے کیونکہ اُس نے تو اس کا ہاتھ پکڑ کر باقاعدہ طور پر دوڑنا شروع کر دیا تھا۔

"ارے.... ارے.... سنئے تو سہی۔" حمید بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ اسے احساس تھا کہ آس پاس والے انہیں حیرت سے دیکھ رہے ہوں گے۔

آصف نے کمرے ہی میں پہنچ کر دم لیا۔ ویسے دم تو اکھڑا ہوا تھا۔ سانسوں کی تیزی نے شائد حلق بند کر دیا تھا۔ بڑی دیر میں آواز نکل سکی۔

"یہ.... کک.... کمرہ....!" وہ ہانپتا ہوا بولا۔ "آسیب زدہ ہے۔"

"کیوں....!"

"ابھی کچھ دیر پہلے میں کان سے سگریٹ پینے کی کوشش کر رہا تھا۔" آصف نے خوفزدہ لہجے میں کہا اور حمید بے ساختہ ہنس پڑا۔ لیکن آصف کا چہرہ اتنا زرد تھا جیسے وہ یرقان کے کسی بہت پرانے مریض کا چہرہ ہو۔

تصویر کی قیمت

فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے ریسیور اٹھا لیا۔

"یس....!"

"یہاں حالات دوسرے ہیں جناب۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"تفصیل....!" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"تصویر کے بہت سے گاہک پیدا ہو گئے ہیں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "اس لئے اب یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ تصویر کو نیلام کیا جائے....!"

"ہوں....! اندازاً کتنے گاہک ہوں گے۔"

"دس گیارہ سے تو کسی طرح کم نہ ہوں گے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"کیا اس وقت جیلانی گیلری میں موجود ہے۔"

"جی نہیں! حالانکہ زیادہ تر لوگ اُسے ہی دیکھنے آئے ہیں۔"

"خیر.... ہاں تو.... اگر نیلام شروع ہو چکا ہو تو تم بھی وہیں پہنچ جاؤ اور نہایت اطمینان سے بولیاں بڑھانا شروع کر دو۔"

"بولیاں بڑھانا شروع کر دوں۔" دوسرے نے تحیر زدہ سی آواز میں پوچھا۔

"ہاں.... بس تم اتنا بڑھ جاؤ کہ یا تو بولی ہی ختم ہو جائے یا نئے سرے سے شروع کی جائے۔"

"بہت بہتر جناب۔"

"اس شخص پر نظر رکھو جو تمہارے مقابلے پر جم جائے.... پھر جب کچھ دیر دیکھ لو کہ اب اُس آدمی کے علاوہ اور کوئی بولی نہیں بڑھا رہا تو ایک بار خاموش ہی ہو جاؤ۔"

"یعنی اس کی بولی ختم ہو جانے دوں۔"

"قطعی طور پر اور پھر مجھے اُس آدمی کا نام اور پتہ بتاؤ جس نے آخری بولی پر تصویر خریدی ہو!"

"بہت بہتر جناب۔"

فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

اب وہ پھر سامنے پھیلے ہوئے کاغذات میں کھو گیا تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد پھر فون کی گھنٹی بجی۔

"ہیلو....!"

"بولی ختم ہو گئی۔ آخری بولی اکیس ہزار تھی۔ آپ کے فرمانے کے مطابق صرف ایک ہی آدمی اڑ گیا تھا۔"

"کون تھا۔"

"کوئی کرنل وارڈ ہے....!"

"یورپین....؟" فریدی نے پوچھا۔

"یور یشین جناب۔" جواب ملا۔

"پتہ....!"

"اکیاسی.... گرین اسٹریٹ۔"

"عمارت کرائے کی ہے.... یا ذاتی۔"

"تفصیلات کا علم ہوتے ہی میں آپ کو آگاہ کروں گا۔"

فریدی نے سلسلہ منقطع کر کے کسی کے نمبر ڈائیل کئے اور ماؤتھ پیس میں کہا۔ "اِٹ از ہارڈ اسٹون۔"

"دیکھو! معلوم کرو کہ آج لڑکی کالج گئی ہے یا نہیں۔ فوراً اطلاع دو۔ بیس منٹ کے اندر اندر۔" اس نے پھر ریسیور کریڈل میں ڈال دیا اور سگار سلگانے لگا۔

وہ کسی خیال میں غرق تھا.... ایسے اوقات میں وقت کا اندازہ کرنا اس کے بس سے باہر ہو جاتا تھا۔ استغراق کا خاتمہ قدموں کی آہٹ پر ہوا.... آنے والی لیڈی انسپکٹر ریکھا تھی۔

"کیا میں مخل ہوئی ہوں۔" اُس نے فریدی کو چونکتے دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں تو.... آؤ....!" فریدی نے خوش اخلاقی ظاہر کی۔ ویسے اُس کی آمد اس وقت اُسے گراں ضرور گزری تھی۔

"یہ جیلانی کی تصویر کا کیا قصہ ہے۔" ریکھا سامنے والی کرسی پر بیٹھتی ہوئی بولی۔

"کیوں....؟ تمہیں کیسے علم ہوا۔"

"بس ہو گیا۔" ریکھا مسکرائی۔ "مجھے اطلاع ملی تھی کہ آپ اُس تصویر میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہے ہیں اور جیلانی کے گھر پر بھی گئے تھے۔"

"وہ فن کا ایک بہترین نمونہ ہے۔" فریدی مسکرایا۔

"اور جیلانی کے لئے ایک آسیب۔" ریکھا بھی مسکرائی۔ "لیکن وہ بیچارا اُس وقت سے بہت زیادہ پریشان ہے جب سے آپ نے اُسے اپنی ایک شناسا کی تصویر ظاہر کیا ہے۔"

"تمہیں یہ سب کچھ معلوم کیسے ہوا۔" فریدی جھنجھلا گیا۔ "کیا تم نے ان لوگوں سے پوچھ گچھ کی تھی۔"

"نہیں میں نے کوشش نہیں کی تھی بس کسی طرح معلوم ہو گیا۔"

فریدی نے پھر کچھ نہیں پوچھا۔ لیکن ریکھا تھوڑی دیر بعد بولی۔ "اور ابھی کچھ دیر پہلے آپ کے آدمی تصویر کے نیلام میں بولیاں بڑھا رہے تھے۔"

"اپنے کام سے کام رکھا کرو۔" فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا اور ایک رجسٹر کے اوراق الٹنے لگا۔ جس کا مطلب یہی تھا کہ اب وہ اس مسئلے پر مزید گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔

"کیا آپ خفا ہوگئے۔" ریکھا نے کہا۔

"ضروری نہیں کہ تمہارے سارے سوالات کے جواب دیئے جائیں۔"

"بس دیکھئے مجھے یہ ساری باتیں اتفاقیہ طور پر معلوم ہوگئی ہیں۔ میں نے کوشش نہیں کی تھی۔"

"اب ایسے اتفاقات بھی نہ ہونے چاہئیں۔ ورنہ نتیجے کی تم خود ذمہ دار ہوگی۔"

"اوہ.... آپ سچ مچ خفا ہوگئے ہیں۔"

فریدی نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی اور دوسرے ہی لمحہ میں اردلی اندر آیا۔

کرنل نے اس کی طرف ایک فائیل بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اس میں کچھ ایسے کاغذات بھی ہیں جن کے اوپر صرف "پی" لکھا ہوا ہے.... انہیں چھانٹ کر الگ کر ڈالو.... یہیں بیٹھ جاؤ۔"

فریدی نے رمیش کی خالی ڈسک کی طرف اشارہ کیا۔

"اچھا اب مجھے اجازت دیجئے۔" ریکھا نے جھینپے ہوئے لہجے میں کہا اور اٹھ گئی۔ نہ فریدی نے رسماً ہی اُسے روکنے کے لئے کچھ کہا اور نہ اپنے چہرے سے یہی کچھ ظاہر ہونے دیا کہ اس نے ریکھا کی گفتگو سے کوئی اثر لیا ہے۔

تھوڑی دیر بعد فون کی گھنٹی بجی۔ اس بار کسی لڑکی کے متعلق خبر آئی تھی کہ وہ کالج میں موجود ہے۔ فریدی نے سلسلہ منقطع کر کے گھڑی پر نظر ڈالی اور پھر اس اردلی کی طرف دیکھنے لگا جو فائل سے کاغذات نکال رہا تھا۔

"کتنی دیر لگے گی۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"جی ہوگئے....!" اردلی نے کاغذات سمیٹ کر اس کی میز پر رکھ دیئے اور فریدی کی اجازت سے باہر چلا گیا۔

کچھ دیر بعد فریدی لان پر تھا۔ شیڈ سے اس نے لنکن نکالی اور کمپاؤنڈ سے باہر نکل کر تقریباً دس منٹ گزر جانے پر اُس نے دوبارہ انجن اسٹارٹ کیا.... گھڑی پونے چار بجا رہی تھی۔

کچھ دیر بعد اس نے کار پھر روکی اور سامنے والی عمارت کے بورڈ پر نظر جمادی جس پر "گورنمنٹ گرلز کالج" تحریر تھا۔

وہ اس انداز میں دوسری جانب والی دوکان کی طرف دیکھنے لگا۔ جیسے وہاں جانے والے کسی آدمی کا منتظر ہو۔

کالج میں ابھی ابھی چھٹی کا گھنٹہ بجا تھا اور طالبات غول در غول پھاٹک سے برآمد ہو رہی تھیں۔ فریدی نے عقب نما آئینے کی پوزیشن تبدیل کر دی تھی اور پیچھے کی جانب مڑے بغیر ہی انہیں بخوبی دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اسے بیگم تنویر کی بھتیجی صوفیہ نظر آئی اور وہ مشین اسٹارٹ کر کے گاڑی کو آگے بڑھا لے گیا۔

کچھ فاصلے پر ایک گلی میں لنکن مڑ گئی۔ گلی مختصر سی تھی۔ اس کے آخری سرے پر چیتھم روڈ کا بورڈ نصب تھا.... اُس نے دائیں جناب گاڑی موڑ لی۔ رفتار بہت معمولی تھی۔ بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے وہ رفتار سست کر کے دو رویہ دکانوں کے سائین بورڈ پڑھ رہا ہو اُسے کسی مخصوص دوکان کی تلاش ہو۔

فریدی کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ صوفیہ اُسے چیتھم روڈ کے ایک بس اسٹاپ ہی پر ملی۔ وہ تنہا تھی اور اپنی روٹ کی بس کا انتظار کر رہی تھی۔

فریدی نے کار اُس کے قریب ہی روک دی اور کھڑکی سے سر نکال کر بولا۔ "اوہ.... میں تو آپ کے گھر ہی جا رہا تھا۔"

صوفیہ بوکھلا گئی۔ اس کے ہونٹوں کے گوشے پھڑکنے لگے اور اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس میں کوئی کمی رہ گئی ہو۔ اس کے چہرے میں کوئی ایسی مضحکہ خیز تبدیلی ہوئی ہے کہ آس پاس کے لوگ بے ساختہ ہنس پڑیں گے۔

"آیئے.... کیا حرج ہے۔" فریدی نے پھر کہا اور صوفیہ قطعی غیر ارادی طور پر آگے بڑھ آئی.... فریدی نے اگلی ہی سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔

وہ چپ چاپ آکر بیٹھ گئی۔ اُسے شکریہ ادا کرنے تک کا ہوش نہیں تھا۔ لنکن پھر چل پڑی لیکن اب بھی اس کی رفتار معمولی ہی تھی۔

"آپ نے سنا۔ مسٹر جیلانی کی تصویر اکیس ہزار میں فروخت ہوئی ہے۔"

"نن.... نہیں.... میں نے نہیں سنا۔"

"اتنے خریدار ہوگئے تھے کہ تصویر کی نیلامی کروانی پڑی۔"

"اوہ....!"

"واقعی جیلانی بہت اچھے فنکار ہیں۔" فریدی نے کہا۔

صوفیہ اپنے ذہن و جسم پر کسی حد تک قابو پا چکی تھی۔

"جیلانی.... فراڈ ہے۔" ایک بار پھر اُس کی زبان سے غیر ارادی حرکت سرزد ہو گئی۔

"فراڈ....!" فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اوہ.... دیکھئے....!" صوفیہ سنبھل کر ہکلائی۔ "میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو دھوکا دیتا ہے.... اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کو کیسے سمجھاؤں کہ میں کیا کہنا چاہتی ہوں۔"

"آپ غالباً اُسے جھوٹا کہنا چاہتی ہیں۔"

"جی ہاں.... جی ہاں.... یہی بات ہے۔" صوفیہ جلدی سے بولی اور پھر اُس نے ایک طویل سانس لی جیسے اپنے بیان پر مطمئن ہو گئی ہو۔

"آپ اس کی آسیب والی کہانی پر یقین نہیں رکھتیں....!"

"کل سے پہلے مجھے یقین تھا۔" صوفیہ کا لہجہ مغموم تھا۔ "میں نے اُس کے بیان کی تصدیق کے لئے چھان بین کی تھی۔ ان عورتوں سے ملی تھی جن کا پتہ اس نے بتایا تھا۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"اوہ.... وہ کہتا ہے کہ آج سے تین سال پہلے اس نے کچھ عورتوں کی تصاویر بنانے کی کوشش کی تھی لیکن ان کی بجائے اسی نامعلوم عورت کی تصویر بن گئی تھی.... میں نے اُن عورتوں سے پوچھ گچھ کی تب انہیں یاد آیا کہ نمائش والی تصویر "چرواہی" کا چہرہ انہیں جانا پہچانا سا کیوں معلوم ہوا تھا.... انہوں نے اعتراف کیا کہ جیلانی نے ان کی تصویر کی بجائے وہی چہرہ بنا کر رکھ دیا تھا اور انہیں اُس پر بہت غصہ آیا تھا...."

"تب پھر آپ انہیں جھوٹا کیوں کہیں گی۔"

"کیا آپ بھی یہی سمجھتے ہیں کہ وہ کوئی آسیب ہے۔"

"غالباً آپ کی موجودگی ہی میں، میں نے یہ کہا تھا کہ وہ میری ایک شناسا کی بھی تصویر ہو سکتی ہے۔"

"جی ہاں.... مجھے یاد ہے اور اب مجھے اس پر یقین آ گیا ہے۔"

"پہلے نہیں آیا تھا۔"

"جی نہیں۔ پہلے تو مجھے جیلانی ہی کے بیان پر یقین تھا۔"

"مگر اب آپ نے اپنی رائے کیوں بدل دی ہے۔"

"آپ کی وہ شناسا اسی شہر میں ہیں۔" صوفیہ نے پوچھا۔ آہستہ آہستہ وہ بھولتی جا رہی تھی کہ کرنل سے یہ اس کی صرف دوسری ملاقات ہے۔

"میں نے شاید یہ بھی عرض کیا تھا کہ وہ مجھے پچھلے پانچ سال سے نہیں دکھائی دی۔"

"اوہ.... تب تو شاید آپ کو اس اطلاع پر بے حد خوشی ہو۔"

"کس اطلاع پر بے حد خوشی ہو گی۔"

"کیا آپ اپنی اس شناسا کے لاپتہ ہو جانے پر پریشان تھے؟"

"ہو سکتا ہے آپ کا اندازہ درست ہو۔" فریدی نے ٹھنڈی سانس لے کر مغموم لہجے میں کہا۔

"تو پھر خوش ہو جائیے۔ وہ محترمہ اسی شہر میں موجود ہیں۔"

فریدی کی نظر سامنے سڑک پر تھی۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ "شاید آپ میری بے چینی سے محظوظ ہونا چاہتی ہیں۔"

"اوہ نہیں! یقین کیجئے کہ میں نے انہیں کل ہی دیکھا ہے۔ وہ ہمارے گھر آئی تھیں۔ مگر اس وقت نہ تو جیلانی صاحب ہی موجود تھے اور نہ آنٹی۔"

"میں کیسے یقین کر لوں۔" فریدی نے اپنے چہرے پر ذہنی الجھنوں کے آثار پیدا کر کے کہا۔

"کیوں....؟ یقین کر لینے میں کیا دشواری ہے۔"

"بہت بڑی! اگر وہ اس شہر میں ہوتی تو سب سے پہلے مجھ سے ملتی۔"

"اب میں اس کے بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ ویسے وہ جیلانی پر بے حد خفا ہو رہی تھیں۔ بلکہ ان کی گفتگو کے انداز سے تو یہ بھی ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ جیلانی کو ذاتی طور پر نہ جانتی ہوں۔"

"کیا گفتگو ہوئی تھی۔" فریدی نے ہنس کر پوچھا پھر سنجیدگی سے بولا۔ "ہاں وہ ذرا تیکھے مزاج کی ہے۔"

"ذرا نہیں بہت زیادہ کہئے۔ میرا خیال ہے کہ اگر جیلانی صاحب اُن کے قریب موجود ہوتے تو کم از کم انہیں اتنا تو معلوم ہی ہو جاتا کہ کسیرو چھیلنا زیادہ آسان ہے یا آدمی کی کھال اتارنا۔"

"خوب.... تو وہ اتنی ہی برافروختہ تھی۔"

"جی ہاں....!"

"مگر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ جیلانی اس کے لئے اجنبی ہوگا۔"

"اس نے خود ہی کہا تھا کہ وہ نہیں جانتی یہ جیلانی ویلانی کون ہے اور اس نے ایسی حرکت کی ہے۔ میرے ذہن میں تو خلش موجود تھی۔ میں نے اُسے جیلانی کا فوٹو گراف دکھایا لیکن اُس نے اُسے بھی پہچاننے سے انکار کر دیا۔"

"اس نے جیلانی کا انتظار نہیں کیا تھا۔"

"جی نہیں! وہ بہت جلدی میں تھیں اور وہ تو صرف اس آدمی کی شکل دیکھنا چاہتی تھیں جس نے انہیں اس طرح رسوا کیا تھا۔"

"آج سے پانچ سال پہلے وہ کتنی اچھی تھی۔" فریدی ٹھنڈی سانس لے کر بڑبڑایا۔ "اُس کے جسم پر مغربی طرز کا لباس کتنا کھلتا تھا۔"

"آہ کیا وہ اب بھی نارنجی رنگ کے سکرٹ پر سفید بلاؤز پہنتی ہے۔"

"بلاؤز.... اسکرٹ....!" صوفیہ نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں.... جی ہاں۔"

"مگر کل تو وہ برقعے میں تھیں اور مجھے اُن کے لباس میں بھی کوئی جدت نہیں دکھائی دی تھی۔ البتہ اُن کی نیلی آنکھیں اپنا جواب نہیں رکھتیں۔"

تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر فریدی نے کہا۔ "جیلانی صاحب پر اس اطلاع کا کیا ردعمل ہوا تھا۔"

"ردعمل کیا ہونا تھا۔ پہلے تو اُسے میرے بیان پر یقین ہی نہیں آیا تھا۔ پھر جب میں تھوڑی دیر بعد گرم ہوگئی تو اُسے یقین پھر بھی نہیں آیا۔ وہ خواہ مخواہ مجھ سے لڑتا اور میرے بیان کی تردید کرتا رہا تھا۔ پھر بیہوش ہو کر گر پڑا تھا۔ میں سمجھتی ہوں کہ جب وہ بحث میں شکست کھانے لگتا ہے اُس پر غشی طاری ہو جاتی ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔" فریدی خواہ مخواہ ہنس پڑا۔

"لیکن وہ کہتا یہی ہے کہ جب بھی اس کو آسیب کے متعلق کوئی الجھن آپڑتی ہے تو اس پر غشی کے دورے پڑنے لگتے ہیں۔"

"یہ جیلانی صاحب پہلے کہاں رہتے تھے۔ ان کے خاندان کے دوسرے افراد کہاں مل سکیں گے۔" فریدی نے کچھ دیر خاموش رہ کر پوچھا۔

"اس نے یہ سب کچھ ہمیں آج تک نہیں بتایا۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔"

"ایک بات پوچھوں۔ آپ خفا تو نہیں ہوں گے۔"

"ضرور پوچھئے....!" فریدی مسکرایا۔

"کیا آپ صرف اسی تصویر کی وجہ سے اس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔"

"جی ہاں.... قطعی طور پر۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "لیکن مجھے افسوس ہے کہ آپ نے میری استدعا کو کوئی وقعت نہیں دی تھی۔"

"جی....!" صوفیہ چونک پڑی۔ "میں نہیں سمجھی۔"

"میں نے آپ لوگوں سے درخواست کی تھی کہ میری اس دلچسپی کا تذکرہ کسی سے نہ کریں.... لیکن آپ نے....!"

"میں نے تو کسی سے بھی تذکرہ نہیں کیا.... مگر نہیں ٹھہریئے.... آپ ہی کے محکمے کی ایک عورت.... غالباً وہ انسپکٹریس تھیں.... انہوں نے مجھ سے اس کے متعلق پوچھا تھا۔ ہم میں بہت دیر تک گفتگو ہوتی رہی تھی اور میں نے انہیں بتایا تھا کہ جیلانی اس تصویر کو آسیب کہتا ہے اس پر انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ میں کرنل وارڈ سے مشورہ کرلوں۔ وہ ایک ماہر روحانیت ہے۔ اکثر روحوں سے گفتگو کرا دیتا ہے۔"

"تو پھر آپ کرنل وارڈ سے ملی تھیں۔"

"ارے نہیں.... مجھے کیا پڑی ہے۔"

"کیا آپ سنجیدگی سے کہہ رہی تھیں کہ کل کوئی عورت جیلانی کو پوچھتی ہوئی آئی تھی۔"

"کوئی عورت نہیں بلکہ وہی عورت جس کی تصویر جیلانی نے بنائی ہے۔ یقین کیجئے۔ بھلا میں جھوٹ کیوں بولوں گی۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ کا مکان چوراہے سے تھوڑی ہی دور ہے۔"

"جی ہاں۔"

فریدی نے کار سڑک کے کنارے لگا کر کھڑی کر دی اور آہستہ سے بولا۔ "مجھے افسوس ہے کہ ایک ضروری کام یاد آگیا ہے۔ اس لئے مجھے فوراً ہی واپس جانا ہے۔ براہِ کرم جیلانی صاحب کو

میری طرف سے مبارک باد دے دیجئے گا۔"

صوفیہ نے کار سے اتر کر فریدی کا شکریہ ادا کیا اور آگے بڑھ گئی۔

قریب ہی ایک ٹیلی فون بوتھ تھا.... فریدی بھی کار سے اتر کر اُس میں داخل ہوا اور لیڈی انسپکٹر ریکھا کے نمبر ڈائیل کر کے بے حد خشک لہجے میں بولا۔ "مجھے تم سے صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ تم بعض اوقات اپنی حدود سے تجاوز کرنے لگتی ہو.... جیلانی اور اس کی تصویر کو اپنے ذہن سے نکال پھینکو ورنہ بڑے خسارے میں رہو گی۔ یہ میری آخری وارننگ ہے....!"

ٹرنک کال

حمید کو پہلے تو ہنسی آئی مگر پھر آصف کے چہرے پر قبرستانی آثار دیکھ کر اُسے سوچنا پڑا کہ یا تو اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے یا پھر وہ اُسے اُلو بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔

"کان سے سگریٹ پینے کا آئیڈیا ہے بہت حسین سیٹھ صاحب۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں جانتا تھا کہ تم میرا مذاق اڑاؤ گے....!" آصف نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"میں کب کہتا ہوں کہ آپ نہیں جانتے تھے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ چند لمحے آصف کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر بولا۔ "لیکن کان سے سگریٹ پینے کی کوشش آسیبی خلل کا نتیجہ کیوں ہونے لگی.... اس کے لئے اپنا دماغ ہی کیا کم ہے۔"

"ہائیں.... تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ تم مجھے صحیح الدماغ نہیں سمجھتے۔"

"شادی شدہ لوگ دماغ سمیت کبھی سفر نہیں کرتے۔"

"تم حد سے بڑھتے جا رہے ہو۔" آصف اکھڑ گیا۔

"سیٹھ صاحب! سگریٹ والا معاملہ صاف ہو جانا چاہئے ورنہ یہ ٹیکم گڈھ ہے۔" حمید آرام کرسی کی پشت سے ٹکتا ہوا بولا۔

"تم احمق ہو۔" دفعتاً کسی عورت نے آہستہ سے اس کے کان میں کہا اور حمید کسی وحشی گھوڑے کی طرح بھڑک گیا۔ کیونکہ کمرے میں آصف کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں تھا۔

"آپ نے ابھی کچھ سنا۔" اُس نے آصف سے سوال کیا۔

"کیا سنا....!"

"کسی کی آواز.... مطلب یہ کہ کسی عورت کی آواز جس نے ابھی میری قابلیت کی تعریف کی تھی۔"

"نہیں میں نے تو کسی کی آواز نہیں سنی۔"

حمید بوکھلائے ہوئے انداز میں اپنا سر سہلانے لگا۔

"کیوں کیا تم نے کسی عورت کی آواز سنی ہے۔" آصف نے پوچھا۔

"شاید میں نے سنی ہے....!"

آصف کا منہ حیرت سے کھل گیا اور کچھ دیر بعد وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "وہ بھی کسی عورت ہی کی آواز تھی جس نے مجھے کان سے سگریٹ پینے پر مجبور کیا تھا۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ مجبور کیسے کیا تھا۔"

"یار سمجھنے کی کوشش کرو۔" آصف نے زچ ہو کر کہا۔ "فرض کرو کہ تم کسی خیال میں ڈوبے ہوئے کان کھجا رہے ہو اور اسی ہاتھ کی انگلیوں میں سگریٹ بھی دبا ہوا ہے اچانک کسی عورت کی آواز کان میں آئے جو کہہ رہی ہو ہاں شاباش یہی ہے منہ سگریٹ لگا کر لمبا کش لو.... تو پھر حمید صاحب سگریٹ کیا اگر ہاتھ میں ڈنڈا ہو تو بوکھلاہٹ میں وہ بھی کان ہی میں اُتر جائے گا۔"

"یہی واقعہ پیش آیا تھا آپ کو....!" حمید نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

"بالکل یہی.... اور ابھی تم نے بھی کسی عورت کی آواز سنی ہے۔"

"ہاں....!" حمید نے طویل سانس لی اور پھر بولا۔ "میری زندگی بجائے خود کسی عورت کی آواز ہے، جو ہولے ہولے مدھم سروں میں گا رہی ہو.... ارے باپ رے۔"

اس بار حمید کرسی سمیت دوسری طرف الٹ گیا۔ کیونکہ کوئی عورت ہولے ہولے مدھم سروں میں گا رہی تھی۔

وہ بوکھلا کر اٹھا اور خوفزدہ آواز میں چیخا۔ "سنا آپ نے آصف صاحب۔"

"نن.... نن تو....!" آصف اس سے بھی زیادہ خوفزدہ نظر آ رہا تھا۔

"وہ گیت سنا رہی تھی۔"

"نہیں....!" آصف تھوک نگل کر ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ حمید پلکیں جھپکاتا ہوا اس

کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اچانک اس نے اُسے کسی خوفزدہ بچے کی طرح منہ پھاڑتے دیکھا۔ حلق سے ایک چیخ آزاد ہوئی اور آصف گرتا پڑتا کمرے سے بھاگا۔

"ارے.... ارے....!" حمید نے اس کے پیچھے چھلانگ لگائی اور دونوں ہی تلے اوپر راہداری میں ڈھیر ہوگئے۔ اس بار اس نے بھی عورت کا قہقہہ سنا۔ غالباً آصف بھی سن رہا تھا اور حمید کے نیچے سے نکل بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ہٹو.... ہٹو....!" وہ بُری طرح مچلا۔ حمید ایک جانب لڑھک گیا اور آصف پھر اٹھ کر بھاگا۔ چوبی فرش پر اس کے قدموں کی آواز کافی تیز تھی۔

حمید بھی اٹھا مگر اب راہداری سنسان پڑی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے.... کچھ بھی ہو وہ اتنا بدحواس تو نہیں ہوا تھا جتنا آصف ہو گیا تھا۔

اس نے اپنا لباس درست کیا۔ ٹائی کی گرہ سنبھالی اور ڈائننگ ہال کی طرف چل پڑا۔ کمرے میں داخل ہونے کی ہمت تو اس میں بھی نہیں تھی۔

اس کی دانست میں وہ کوئی آسیبی ہی خلل تھا ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ ایک آدمی اس نامعلوم عورت کی آواز سنتا اور دوسرا اس سے لاعلم رہتا۔

ڈائننگ ہال میں اُسے آصف نظر آیا جو ایک کرسی کی پشت سے لٹکا ہوا بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

"پرواہ مت کیجئے۔" حمید اس کے قریب پہنچ کر بولا۔ "میں اس کلرک کی خبر لیتا ہوں جس نے ہم سے نذرانہ بھی وصول کر لیا تھا۔"

آصف کچھ بولا نہیں۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ حمید کاؤنٹر کی طرف مڑ گیا۔

کلرک قیام کرنے والوں کے رجسٹر پر جھکا ہوا تھا۔

"ادھر دیکھو....!" حمید اس کے سر پر پہنچ کر غرایا۔

"فرمائیے.... جناب....!" وہ چونک کر بولا۔

"تم نے مجھے اس کمرے کے متعلق بتایا کیوں نہیں تھا۔"

"میں کیوں بتاتا.... میں سمجھتا ہوں کہ لوگ وہم میں مبتلا ہیں۔"

"اور تم نے دو روپے بھی ہضم کر لئے....!"

"میں نے آپ سے کسی رقم کا مطالبہ تو نہیں کیا تھا۔ آپ نے خوشی سے دیئے تھے۔ میں نے رکھ لئے تھے۔ انکار کیوں کرتا۔"

"اگر تم مجھے بتا دیتے کہ وہ کمرہ آسیب زدہ ہے....!"

"آپ کبھی یقین نہ کرتے۔" کلرک درمیان ہی میں بول پڑا۔ "یہی سمجھتے میں نے کسی دوسرے سے رشوت لے رکھی ہے۔ کوئی بھی نہیں یقین کرتا اس لئے میں انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہوں۔"

"یہ کب سے آسیب زدہ ہے۔"

"اس کے متعلق آپ کو سپروائزر ہی بتا سکے گا۔"

حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر سپروائزر کے کمرے کی طرف مڑ گیا۔ یہ ایک دبلا پتلا اور یرقان زدہ سا آدمی تھا۔

اس نے حمید کو غور سے دیکھا اور ایک طویل سانس لی۔ پھر بولا۔ "تشریف رکھئے جناب۔"

حمید نے بیٹھتے وقت اس کی میز پر ایک زوردار گھونسہ رسید کیا۔

"نہیں... نہیں... جناب۔ میں بہت کمزور دل کا آدمی ہوں... یہ دیکھئے... دھڑکن....!"

سپروائزر اپنی نبض ٹٹولتا ہوا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں تھا کہ وہ کمرہ آسیب زدہ ہے۔" حمید دہاڑا۔

"آہستہ جناب آہستہ....!" سپروائزر گھگھیایا۔ "خدا کے لئے.... آہستہ بولئے.... ورنہ میرا ہارٹ فیل بھی ہو سکتا ہے۔ میں آپ کو ڈاکٹر کا سرٹیفکیٹ بھی دکھا سکتا ہوں.... یہ دیکھئے۔"

اس نے میز کی دراز کھینچی۔

"نہیں....!" حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ "مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں پوچھتا ہوں تم نے مجھے اس کمرے کے متعلق بتایا کیوں نہیں تھا۔"

"کوئی یقین نہیں کرتا.... ویسے آپ خود سوچئے۔ کیا یہ معجزہ نہیں ہے کہ اس سیزن میں آپ کو فرار و کا کوئی کمرہ خالی نہیں ملے گا۔ شروع شروع میں ہم نے لوگوں سے بتایا تھا کہ وہ کمرہ آسیب زدہ ہے لیکن لوگ یہی سمجھتے تھے کہ ہم اسے کسی مقصد کے تحت خالی رکھنا چاہتے ہیں۔ اس

پر اکثر جھگڑا بھی ہو گیا ہے پھر ہم نے یہ کہنا بھی چھوڑ دیا کہ وہ آسیب زدہ ہے.... لوگ آتے ہیں اور خود ہی بوکھلا کر چلے جاتے ہیں۔ کسی بات کا تذکرہ تک نہیں کرتے۔ آپ پہلے آدمی ہیں جس نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔"

"یہ کب سے آسیب زدہ ہے۔"

"پچھلے ایک سال سے۔ اس کا لطیفہ بھی دلچسپ ہے جناب۔" سپروائزر مسکرایا۔ "پچھلے سال ایک صاحب تشریف لائے تھے.... کیا نام.... ہاں.... کرنل وارڈ صاحب۔ بھلا یہ نام کیسے بھلایا جا سکتا ہے۔ میرے ذہن سے چپک کر رہ گیا ہے۔ عجیب و غریب شخصیت تھی۔ ہاں تو وہ تشریف لائے تھے۔ وہ کمرہ خالی تھا۔ مگر اس کی بکنگ ایک سرکاری آفیسر کے لئے ہو چکی تھی۔ کلرک سے غلطی یہ ہوئی کہ اس نے ریزرویشن کا رجسٹر دیکھے بغیر ہی اسے کرنل وارڈ کو دے دیا۔ تین دن بعد اس سرکاری آفیسر کا تار ملا کہ وہ آرہا ہے۔ تب ہم سبھوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ بقیہ سارے کمرے بہت دنوں سے بھرے ہوئے تھے ہم کس سے کہتے کہ وہ اپنا کمرہ خالی کر دے.... آخر کار ہم کرنل وارڈ ہی کے پاس پہنچے۔ اس نے سنا تو آپے سے باہر ہو گیا۔ کہنے لگا۔ "تم کسی آفیسر کی بات کر رہے ہو۔ یہاں تو میرے علاوہ وزیر اعظم بھی نہیں رہ سکتا۔"

ہم نے لاکھ سر پٹخا لیکن وہ نہ مانا۔ پھر میں ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا کیونکہ منیجر کا نزلہ مجھ پر ہی گرا تھا۔ ذمہ داری میری تھی۔ میری ہی غفلت کی بناء پر وہ کمرہ کرنل وارڈ کو دے دیا گیا تھا۔ میرا حلیہ شاید اسے مضحکہ خیز معلوم ہوا تھا۔ وہ بے ساختہ ہنس پڑا اور بولا۔ "اچھا بھئی تمہاری خاطر میں فی الحال یہ کمرہ چھوڑ رہا ہوں.... لیکن اسے لکھ لو کہ اس میں میرے علاوہ اور کوئی نہ رہ سکے گا۔ ہزاروں روحیں میرے قبضے میں ہیں اور میں کرنل وارڈ ہوں۔ یہ نام ہمیشہ یاد رکھنا.... بس جناب کرنل وارڈ چلا گیا۔ وہ آفیسر صاحب تشریف لائے۔ لیکن اسی رات کو انہوں نے وہ چیخم دھاڑ مچائی کہ خدا کی پناہ۔ دو بجے رات کو انہوں نے کمرہ خالی کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ کمرے میں کوئی بُری روح گھس آئی ہے وہ اسی وقت کسی دوسرے ہوٹل میں چلے گئے تھے۔ دوسرے دن ہی کرنل وارڈ پھر موجود نظر آیا اور وہ کمرہ اسی کے استعمال میں رہا.... بس اب تو یہ سمجھ لیجئے کہ یہ کمرہ اس کے باپ کی جاگیر بن کر رہ گیا ہے۔ وہ جب بھی آتا ہے اُسے یہ کمرہ خالی ہی ملتا ہے۔"

"وہ کہاں سے آتا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"دارالحکومت سے۔"

"ہوں.... تو وہ کوئی بُری روح ہے۔"

"خدا بہتر جانتا ہے جناب۔ ہم نے تو آج تک نہ کچھ دیکھا نہ سنا۔"

"خیر اب یہ بتاؤ کہ کیا اب ہم تمہارے ہی کمرے میں بستر لگائیں۔"

"میں کیا عرض کر سکتا ہوں جناب۔ اگر منیجر صاحب فرمائیں تو آپ میری کھوپڑی پر بھی استراحت فرما سکتے ہیں۔" سپروائزر نے خوشگوار لہجے میں کہا۔ "میں اگر منیجر صاحب کی جگہ ہوتا تو بتاتا اس کرنل وارڈ کو.... مگر ان کی تو اس کے نام ہی سے روح فنا ہوتی ہے.... میں کمزور دل کا آدمی ضرور ہوں جناب مگر یہ جن بھوت پری وغیرہ.... ان سے میں نہیں ڈرتا۔ بس میرے سامنے چیخ کر نہ بولئے.... میز پر زور سے گھونسہ نہ ماریئے۔ میرا دل فولاد کا ٹکڑا بنا رہے گا.... جی ہاں.... جناب....!"

حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "میرے لئے کسی دوسرے ہوٹل میں انتظام کرو۔ ورنہ فزارو کو جہنم کا نمونہ بنا دوں گا۔ کرنل وارڈ کی ایسی کی تیسی۔ اُسے بھی دیکھوں گا۔"

"وہ آج کل میں تشریف لانے ہی والے ہیں۔" سپروائزر مسکرا کر بولا۔

"میرا خیال ہے کہ ان کی روحوں نے اسی لئے آپ کو اس کمرے میں نہیں ٹکنے دیا۔"

حمید نے سوچا کہ اب منیجر سے جا ٹکرائے۔ لیکن پھر ارادہ بدل دیا۔ وہ فی الحال یہاں سے چلا ہی جانا چاہتا تھا کیونکہ ابھی وادیٔ کاجیک کا مسئلہ باقی تھا۔

وہ آصف کے پاس واپس آگیا۔ آصف اب بھی اسی طرح کرسی کی پشت سے ٹکا ہوا تھا.... اب اس کا سینہ تو لوہار کی دھونکنی نہیں معلوم ہوتا تھا لیکن پھٹی پھٹی آنکھوں سے اب بھی خوف جھانک رہا تھا۔

"ہم یہاں نہیں رہیں گے۔" حمید نے کہا۔

اور آصف نے چونک کر پلکیں جھپکائیں۔ تھوڑی دیر تک خالی الذہنی کے سے انداز میں حمید کی طرف دیکھتا رہا پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہی بہتر ہے۔"

"مگر....!" آج کل یہاں کسی ہوٹل میں بھی گنجائش نہیں نکل سکے گی۔"

"پھر ہم واپس چلیں گے۔" آصف جو بہت کچھ سنبھل چکا تھا میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

"واپس چلیں گے۔" حمید نے حیرت سے دہرادیا۔

"نہیں تو پھر کیا سڑکوں پر ڈیرے ڈالتے پھریں گے۔"

"سیٹھ جی۔ آپ اپنے خادم کی توہین کررہے ہیں۔" حمید نے اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"یار مت پریشان کرو۔ میں تنگ آگیا ہوں۔ بہت جلد پنشن لے لوں گا۔!"

"اس مہم کے بعد میں بھی کسی یتیم خانے کی منیجری کا ارادہ رکھتا ہوں!" حمید سر ہلا کر بولا۔

"مگر اس وقت مسئلہ ہے سر چھپانے کا۔ ایک تجویز ہے میرے ذہن میں لیکن ہمیں ایک غیر سرکاری آدمی کے ساتھ قیام کرنا پڑے گا.... میرا دعویٰ ہے کہ اس نے کم از کم دو کمرے ضرور انگیج کیے ہوں گے۔ یا کم از کم اتنا بڑا کمرہ ضرور حاصل کیا ہوگا جہاں خود سما سکے۔"

"اوہ.... وہ دیو تو نہیں جو....!"

"ہاں.... وہی قاسم! شاید آپ اُسے جانتے ہیں۔"

"تمہارے ہی سلسلہ میں اکثر اس کا نام بھی سننے میں آیا ہے۔"

"ہاں تو پھر کیا آپ اس کے ساتھ رہ سکیں گے۔"

"میں گدھوں کے ٹھیکیدار کے ساتھ بھی رہ سکتا ہوں مگر یہاں اُس کمرے میں۔"

"ٹھہریئے میں اُسے فون کرتا ہوں۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ اتنے میں وہی لڑکی زیبا تیزی سے ان کی طرف آتی دکھائی دی جس سے کچھ دیر قبل اس نے گفتگو کی تھی۔

"آپ لوگ وہ کمرہ چھوڑ رہے ہیں۔" اُس نے آصف سے پوچھا۔

"جی.... جی ہاں....!" آصف نے بوکھلا کر جواب دیا۔

"پھر اب کہاں جائیں گے۔ میرا خیال ہے کہ شاید آپ کو کہیں بھی کوئی کمرہ خالی نہ ملے۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ ہم کمرہ چھوڑ رہے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"میں آپ سے بات نہیں کررہی۔" زیبا جھنجھلا کر بولی۔ "سیٹھ صاحب سے مخاطب ہوں۔"

"ایک ہی بات ہے۔" آصف نے خوش ہو کر کہا۔ "یہ میرے سیکریٹری ہیں۔"

"ہوں گے۔ مجھے بالکل پسند نہیں ہیں.... ابھی سپروائزر نے بتایا کہ آپ کو بھی وہم نے گھیرا ہے اور آپ کمرہ چھوڑ رہے ہیں۔"

"ارے یہ بات نہیں ہے۔" آصف اکڑ کر بولا۔ "مجھے تو ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں ہے۔ لیکن

میں سیکریٹری کے بغیر کیسے رہوں گا۔ یہ حضرت بھاگ نکلیں گے۔"

"انہوں نے کسی عورت کو گاتے سنا تھا۔ یوں تو میں نے بھی کسی عورت کی آواز سنی تھی مگر کیا میں ڈرتا ہوں۔"

"میرا تو دم نکلا جارہا ہے۔" حمید کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔

آصف آنکھوں ہی آنکھوں میں اُس کا شکریہ ادا کررہا تھا۔ غالباً اُسے ڈر تھا کہ کہیں حمید اپنا اصلی روپ نہ دکھانا شروع کردے۔

"رہائش کا انتظام تو ہو سکتا ہے۔" زیبا نے سوچتے ہوئے کہا۔ "لیکن اخراجات زیادہ ہوں گے۔"

"اخراجات کی پرواہ مت کرو۔ ہمیں اخراجات کی پرواہ کبھی نہیں ہوئی۔" آصف اکڑ کر بولا۔

"کیا سمجھیں....!" حمید نے زیبا کو آنکھ ماری۔

"دیکھئے.... یہ دیکھئے۔" زیبا اچھل پڑی۔

"کیا بات ہے۔"

"انہوں نے ابھی مجھے آنکھ ماری تھی.... صبح سے میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔"

"سیکریٹری....!" آصف کو سچ مچ غصہ آگیا۔

"اب نہیں ماروں گا۔" حمید نے مردہ سی آواز میں کہا۔ "ویسے اسے خوشی تھی کہ لڑکی رنگ پر آگئی ہے اور اب وہ آصف کے پچھلے حساب بے باک کرسکے گا۔"

لڑکی پھر آصف کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"چھوری پیک پر میری بیوہ چچی کا ایک ہٹ ہے۔ میں انہیں اپنے گھر لے جاؤں گی۔ لیکن آپ کو کم از کم پندرہ روپے رومیہ کرایہ ادا کرنا پڑے گا۔ اور سیزن ختم ہونے سے پہلے آپ ہٹ نہیں چھوڑیں گے.... میری خدمات مفت! فرصت کے اوقات میں آپ کے کام کردیا کروں گی بات دراصل یہ ہے کہ چچی کی مالی حالت خراب ہے۔ اس طرح ان کی مدد بھی ہو جائے گی۔"

"بالکل بالکل....!" آصف نے سر ہلا کر کہا۔ "کیوں سیکریٹری۔"

"کئی بار بالکل سیٹھ صاحب۔" حمید بولا۔

"دیکھا آپ نے....!" زیبا بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "آپ کے سیکریٹری کو گفتگو کرنے کا سلیقہ بھی نہیں ہے۔"

"سر چڑھا ہے۔ تم اس کی بھی فکر نہ کرو۔" آصف نے شاہانہ انداز میں کہا اور حمید نے دل ہی دل میں اُسے ایک گندی سی گالی دی۔

"آپ اپنا سامان سمیٹئے۔ میں گاڑی کا انتظام کرتی ہوں....!" زیبا نے کہا اور باہر چلی گئی۔

حمید اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

"یہ لڑکی مجھے الجھن میں مبتلا کر رہی ہے۔" اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"اپنے پاس رکھو اپنی الجھنیں۔" آصف نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اور محتاط رہو۔ ہم یہاں سڑکوں پر پڑے رہنے کے لئے نہیں آئے۔ ہزار روپیہ یومیہ بھی مچکے کو ادا کرنے پڑیں گے۔ اس قسم کے کام ہنسی کھیل نہیں ہوتے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "لیکن اس لڑکی کو دیکھ کر میرے دل میں نہ جانے کیا ہونے لگتا ہے۔"

"حمید صاحب۔ میں فریدی نہیں ہوں۔ آپ کو میرا پابند رہنا پڑے گا سمجھے۔"

"سمجھ گیا۔" حمید نے مردہ سی آواز میں کہا۔

"آپ اس لڑکی سے چھیڑ چھاڑ نہیں کریں گے۔"

"ہرگز نہیں.... آپ کہیں گے تو ڈاڑھی چھوڑ کر گھیر دار شلوار پہننا شروع کر دوں گا۔ قتل کر دوں گا اس دل نامراد کو.... ڈیوٹی از آفٹر آل ڈیوٹی۔"

اتنے میں ایک ویٹر لیس نے آکر حمید سے کہا۔ "آپ کی ٹرنک کال ہے مسٹر ساجد۔"

حمید کاؤنٹر کی طرف مڑ گیا۔ ٹرنک کال فریدی کے علاوہ اور کس کی ہو سکتی تھی۔ حمید نے ریسیور کاؤنٹر کلرک کے ہاتھ سے لے لیا۔

"ہیلو....!" وہ ماؤتھ پیس میں چیخا۔

"کیپٹن حمید....!" دوسری طرف سے آواز آئی اور یہ آواز سو فیصدی نسوانی تھی۔ حمید اچھل پڑا.... یہ تو وہی آواز تھی۔ قطعی وہی آواز جو اس نے کچھ دیر پہلے آسیب زدہ کمرے میں سنی تھی۔

"کون ہے۔" حمید پھٹی پھٹی آواز میں بولا۔ "میں ساجد ہوں۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"نہیں تم کیپٹن حمید ہو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "میں انٹرنیشنل آرٹ ایگزیبیشن

سے چرواہی بول رہی ہوں.... کمرہ چھوڑ کر کیوں بھاگے جا رہے ہو پیارے.... میں تم سے عشق کروں گی.... تمہیں بھی مصور بناؤں گی۔"

خوفزدہ لڑکی

حمید کے سارے جسم میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے۔ انٹرنیشنل آرٹ ایگزیبیشن تو خیر اس کے ذہن کی دسترس سے باہر نہیں تھی۔ اسے علم تھا کہ دارالحکومت میں مصوری کی بین الاقوامی نمائش ہو رہی ہے۔ لیکن یہ چرواہی کیا بلا تھی اور اُسے مصوری سکھانے کا کیا مطلب تھا۔

"یہ کیا بکواس ہے۔" حمید نے جی کڑا کر کے کہا۔ "یہ کس کمرے کا تذکرہ ہے۔!"

"ارے....!" کھنکتی ہوئی سی ہنسی کی آواز دوسری طرف سے آئی۔ پھر کہا گیا۔ "کیا تم میرے خوف سے کمرہ چھوڑ کر نہیں بھاگے جا رہے۔"

"پتہ نہیں تم کیا اوٹ پٹانگ بکواس کر رہی ہو۔ خدا جانے تمہارا مخاطب کون ہے.... میں ساجد ہوں۔ تم نے جو نام لیا ہے غلط ہے.... میں بیچارہ سیٹھ ہاشم بھائی کا سیکریٹری ہوں۔"

"آصف سے بڑا گدھا بھی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا....!" دوسری طرف سے آواز آئی اور حمید نے جھلا کر ریسیور کریڈل میں پٹخ دیا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ اگر وہ کوئی بُری روح ہے تو ان سے کیا چاہتی ہے۔ وہ پھر آصف کی طرف پلٹ آیا جو اُسے اکتائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"کون تھا فون پر....!" آصف نے پوچھا۔

"میری چچی جان۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ "ان کے شوہر کے سالے کی طبیعت بہت خراب ہو گئی ہے۔"

"پھر بیکار باتیں کرنے لگے۔"

"یہ میرا نجی معاملہ ہے سیٹھ صاحب۔ میں اپنی چچی جان کے شوہر کے سالے کے بہنوئی کے ہمزلف کے خسر کی بھی علالت کی اطلاع وصول کر سکتا ہوں۔ کوئی مجھے اس سے روک نہیں سکتا۔"

"یار ختم کرو۔ لڑکی نے ابھی اطلاع بھجوائی ہے کہ اس نے سواری کا انتظام کر لیا ہے۔ اب چلو سامان سمیٹیں۔"

حمید چپ چاپ اُس کے ساتھ کمرے میں چلا آیا۔

"اچھا بیٹا سیٹھ جی۔" حمید بڑبڑایا۔ "تم بھی کیا یاد کرو گے۔ بڑی ڈینگیں مار رہے تھے لونڈیا کے سامنے اب میں تمہیں دیکھوں گا۔"

پھر وہ بھی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا۔ پائپ میں تمباکو بھر کر اُسے سلگایا اور ہلکے ہلکے کش لیتا ہوا آرام کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

تھوڑی دیر بعد باہر سے قدموں کی آواز آئی لیکن حمید نے مڑ کر دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہ کی۔

"اور یہ حضرت یہیں تشریف فرما ہیں۔" اس نے زیبا کی آواز سنی۔ لیکن اس کی پوزیشن تبدیل نہ ہوئی۔ اُسی طرح آرام کرسی کی پشت سے ٹکا ہوا پائپ کے کش لیتا رہا۔

"یہ خود بھی.... خود بھی بھوت ہی ہے....!" آصف کی بھرائی ہوئی سی آواز کمرے میں گونجی۔

حمید نے ہونٹوں سے پائپ نکالا اور ہونٹ سکوڑ کر ان کی طرف مڑے بغیر بولا۔ "میں ہر حال میں عورت کا غلام ہوں۔ سیٹھ صاحب! چاہے وہ چڑیل ہی کیوں نہ ہو۔ وہ اس وقت بھی مجھے ایک فلمی گیت سنا رہی ہے۔"

"یہ حقیقت بھی تھی.... کوئی عورت ہولے ہولے اس کے کانوں میں مسلسل گا رہی تھی۔"

"اجی چلے آؤ.... اجی چلے آؤ....!"

"میں تو کچھ بھی نہیں سن رہی۔" زیبا نے کہا۔

"اس وقت تو میں بھی کچھ نہیں سن رہا۔" آصف بولا۔

"لیکن اگر اس وقت کوئی مجھ سے میرا نام پوچھے تو میں ہر حال میں میگافون بتاؤں گا۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"ارے اب اٹھو گے بھی۔" آصف جھلا کر بولا۔

"پورا گیت سننے کے بعد.... فلم ہلاکو کا ایک طربیہ گیت ہے جس نے ہلاکو کو ہلا کو بنایا تھا.... ورنہ آئندہ نسلیں اُسے شیخ چلی کہتیں....!"

"تم جھوٹے ہو....!" زیبا نے کہا۔

"آؤ.... میرے قریب آ کر بیٹھ جاؤ۔ تمہاری مقدر میں ہوگا تو تم بھی سن لو....!" حمید بولا۔

زیبا آگے بڑھی اور آرام کرسی کے قریب فرش پر اکڑوں بیٹھ گئی۔

حمید نے اس کے چہرے کا رنگ اڑتے دیکھ کر اندازہ کر لیا کہ وہ بھی اُس گیت سے محروم نہیں رہی۔

"میرے خدا....!" زیبا یک بیک اچھل کر دروازے کی طرف بھاگی۔

آصف جو پہلے ہی سے "پادر ہوا" تھا اس سے اُس بُری طرح ٹکرایا کہ دو چیخیں بیک وقت کمرے میں گونج اٹھیں۔

"خدا غارت کرے۔" حمید جھلا کر کھڑا ہو گیا۔ "سیٹھ! آپ کبھی آدمی نہیں بن سکتے۔ آرٹ سے محظوظ ہونے کا سلیقہ آپ میں کبھی نہیں پیدا ہو سکتا۔ اتنے حسین گیت کا بیڑا غرق کرا دیا۔"

پھر وہ ہاتھ ہلا ہلا کر بڑے دردناک لہجے میں کہنے لگا۔

"گاؤ.... گاؤ.... اے روح بہار گاتی رہو.... تمہارے نغمے روح کی جڑوں میں اترتے چلے جاتے ہیں۔ خدارا میرے کانوں میں شربت گھولتی رہو۔"

آصف اور زیبا راہداری میں کھڑے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُسے دیکھ رہے تھے۔

"ارے نکلو یہاں سے....!" آصف دونوں ہاتھ ہلا کر چیخا۔ "کیا تم پاگل ہو گئے ہو۔"

"آپ خود نکل جائیے۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔ "میں روح بہار کو نہیں چھوڑ سکتا.... مانا کہ آپ میرے والد ہیں.... پھر اس سے کیا.... وہ زمانے لد گئے جب اولادیں اپنی محبوباؤں کا تذکرہ باپوں کے سامنے نہیں لاتی تھیں۔ یہ بیسویں صدی ہے ابا جان.... کیا آپ نے کبھی عشق نہیں کیا۔"

آصف بوکھلا کر سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ دفعتاً اس کے کانوں میں آواز آئی۔

"دفع ہو جاؤ تم لوگ پندرہ منٹ کے اندر ہی اندر کمرہ چھوڑ دو۔ ورنہ بڑے خسارے میں رہو گے.... نکلو....!"

آصف کانپتا ہوا سامنے والی دیوار سے جا لگا۔

"کیا ہوا.... سیٹھ صاحب۔" زیبا نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ خدا کے لئے اسے کسی طرح کمرے سے نکالو.... اس کا دماغ الٹ گیا ہے شاید۔

آسیب کا سایہ ہو گیا ہے۔"

"خبردار اگر کسی نے کمرے میں قدم بھی رکھا۔" حمید دھاڑا۔ "جلا کر خاک کر دوں گا۔ ا
وقت چاند سورج میری مٹھی میں ہیں اور روح بہار میرے گرد رقص کر رہی ہے۔ چلے جاؤ۔
چلے جاؤ۔"

وہ چیختا رہا "چلے جاؤ.... چلے جاؤ۔" پھر چکرا کر گر پڑا.... دانت پر دانت جما لئے اور جسم
طرح اکڑا لیا کہ اٹھائے جانے پر شاید کسی پتھر کے بت کی طرح سیدھا اٹھتا چلا جاتا۔

"اوہ.... یہ کیا ہو.... کیا ہوا....!" اس نے آصف کی گلوگیر آواز سنی۔

"شاید بیہوش ہو گیا ہے۔" زیبا کی آواز آئی "ٹھہریئے۔ میں آدمیوں کو بلاتی ہوں۔ آ
بالکل نہ گھبرایئے۔"

پھر سناٹا چھا گیا اور وہ اسی طرح چاروں شانے چت پڑا رہا۔

کچھ دیر بعد اُسے اپنے جسم کی اکڑن کے کمالات دکھانے پڑے۔ یہ اس وقت کی بات
جب اسے فرش سے اٹھانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔

"میرے خدا.... جسم بالکل پتھر ہو کر رہ گیا ہے...." کسی نے کہا تھا اور پھر حمید کو تھو
دیر تک دوسروں کے ہاتھوں پر سفر کرنا پڑا تھا۔ ڈائننگ ہال کے فرش پر ایک کمبل بچھایا گیا اور
کو اس پر ڈال دیا گیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر ہی کی باری تھی۔ تقریباً ایک گھنٹے تک یہی سب کچھ ہو
رہا۔ ڈاکٹر نے پے در پے اُسے تین انجکشن دیئے جس کے اثر سے اُسے اپنے اندر انگارے بھر
ہوئے معلوم ہونے لگے تھے۔ لیکن اس کی پیشانی پر شکن تک نہیں آئی تھی۔ غرضیکہ بڑی مشک
سے اُسے ہوش آیا تھا۔ شاید وہ آصف کو بور کرنے کیلئے بیہوشی کی مدت کچھ اور طویل کر دیتا
اب وہ خود بھی بور ہونے لگا تھا۔

پھر آدھ گھنٹہ طبیعت سنبھالنے میں لگ گیا۔ اس کے بعد وہ ایک بڑی سی وین میں بیٹ
چھوری پیک کی طرف روانہ ہو گئے۔ حمید بالکل خاموش تھا.... آصف اور زیبا اُسے پھٹی پھٹی
نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

چھوری پیک کا سفر زیادہ طویل نہیں تھا آدھے گھنٹے میں وہاں پہنچ گئے۔ چھوری پیک
پُر فضا جگہ تھی۔ یہاں جگہ جگہ لکڑی کے رنگین ہٹ نظر آتے تھے.... حمید سوچ رہا تھا کہ زی

بیوہ چچی بھی بڑی گریٹ عورت معلوم ہوتی ہے جس نے چھوری پیک پر ہٹ بنوا رکھا ہے۔

یہ ہٹ تین آرام دہ کمروں پر مشتمل تھا۔ یہاں حمید کو ایک بوڑھی عورت نظر آئی جو اس عمر میں بھی خاصی وجیہہ تھی۔ خدوخال چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ وہ اپنا حکم منوانے کی عادی ہے۔ شاذونادر مسکراتی بھی ہو گی۔

اس نے ان کا استقبال خندہ پیشانی سے کیا اور کافی دیر تک اپنے ہٹ کے متعلق خاکسارانہ انداز میں گفتگو کرتی رہی جس کا لب لباب یہی تھا کہ انہیں یہاں آرام ضرور ملے گا۔ خواہ اس ہٹ میں دنیا بھر کی بلائیں ہی کیوں نہ موجود ہوں۔ پھر حمید کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "انہیں کیا ہوا ہے۔ کیا یہ بیمار ہیں۔"

"اوہ.... ہاں آنٹی۔" زیبا نے کہا۔ "ان پر اختلاج قلب کے دورے پڑتے ہیں۔"

"چچ چچ....!" آنٹی نے چہرے پر اداسی طاری کر کے کہا۔ "بڑا نامراد مرض ہے.... خدا محفوظ رکھے۔"

"ارے بھئی کیا ہوا۔" آصف جھنجھلا کر بولا۔

"جب سے.... جب سے۔" حمید ہچکیاں لیتا ہوا ہکلانے لگا۔

"جب سے میری ماں کا انتقال ہوا ہے میں بوڑھی.... عورتوں کو دیکھ کر.... اسی.... اسی طرح رو پڑتا ہوں۔"

"کیا بات ہوئی....!" آصف آنکھیں نکال کر بولا۔

"ہائے.... میں سوچتا ہوں کہ یہ بھی جلد ہی مر جائیں گی۔" حمید ہچکیاں لیتا ہوا بولا۔ زیبا بے ساختہ ہنس پڑی۔

"کیوں دانت نکالتی ہے لڑکی....!" آنٹی نے چیخ کر کہا۔ شاید حمید کی بیباکی گراں گزری تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ سب اپنے ٹھکانوں پر پہنچ گئے.... حمید اور آصف الگ الگ کمروں میں تھے اور زیبا کی آنٹی نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ اگر تیسرے کمرے کو یہ خود استعمال کرتی رہے تو کیا حرج ہے.... اس طرح ان دونوں کی دیکھ بھال بھی ہو سکے گی۔

کوئی حرج نہیں ہے۔" آصف نے زیبا سے کہا۔ "یہ بڑی اچھی بات ہے۔"

اتنے میں حمید بھی آصف کے کمرے میں پہنچ گیا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"اس سے پریشان کن اور کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی۔"

"کیا مطلب....!" آصف بھنا گیا۔

"میں صبح سے شام تک زار و قطار روتا ہی رہوں گا۔"

"یار.... ہمپ.... سیکریٹری.... تم اپنے کمرے میں جاؤ۔"

"نہیں میں وہاں جا رہا ہوں...." حمید نے کھڑکی سے افق کی طرف اشارہ کیا۔ "روح بہار گا رہی ہے.... اجی چلے آؤ.... اجی چلے آؤ.... میں جاؤں گا مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔"

دفعتاً آصف کے چہرے پر تشویش کے آثار نظر آنے لگے۔ زیبا بھی متحیر سی دکھائی دیتی تھی۔

"بڑی مصیبت ہے۔" آصف بڑبڑایا۔ "میں تو سمجھا تھا کہ اب ٹھیک ہو گیا ہو گا۔"

"اور میں سوچتی ہوں کہ اگر آنٹی کو اس کا علم ہوا کہ ان پر آسیب کا سایہ ہے تو وہ آپ لوگوں کو یہاں ٹکنے ہی نہ دیں گی۔"

اور حمید یہی چاہتا بھی تھا۔ پہلے اس نے سوچا تھا کہ قاسم کا ساتھ ہو جائے گا۔ پھر مزے ہی مزے ہوں گے۔ مگر یہ زیبا غیر متوقع طور پر درمیان میں آ کودی تھی۔

"دیکھو بھئی۔" آصف نے حمید سے کہا۔ "تم اپنی روح بہار کے متعلق دل ہی دل میں سوچتے رہو۔ زبان سے کچھ نہ کہو۔ ورنہ ہم اس سے بھی نکالے جائیں گے۔"

"میں زبان سے کیسے نہ کہوں.... چاند سے کہئے کہ وہ چمکتا رہے۔ چاندنی نہ پھیلائے۔ پانی سے کہئے کہ وہ بہتا رہے۔ لیکن پیاس نہ بجھائے۔ بارہ سنگھے سے کہئے.... بارہ سنگھے.... لے.... لے....!"

حمید ٹھوڑی کھجاتا ہوا کچھ سوچنے لگا اور پھر چونک کر بولا۔ "ہاں تو میں ابھی کیا کہہ رہا تھا۔"

"تم صرف بکواس کر رہے تھے مگر میں کہہ رہا ہوں کہ کہیں تمہیں سرکاری طور پر پاگل خانے میں نہ بھجوا دیا جائے۔"

"اس نے یہی کہا تھا کہ میں تمہیں پاگل خانے میں ملوں گی.... مجھے وہیں بھجوا دیجئے جان۔ میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔"

"ابا جان۔" اس نے کچھ ایسے انداز میں کہا تھا کہ زیبا ہنس پڑی۔ ظاہر ہے کہ اس پر آصف نے انگارے ہی چبائے ہوں گے۔

"جاؤ.... جاؤ تم اپنے کمرے میں...." وہ اُسے دروازے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔

حمید نے مزاحمت نہیں کی۔ چپ چاپ اپنے کمرے میں واپس چلا آیا.... وہ بے تحاشہ قہقہے لگانا چاہتا تھا کیونکہ آصف کو بکرا بنانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

یہ سب کچھ تھا! مگر وہ آواز مستقل طور پر الجھن کا باعث بن گئی تھی اس نے فون پر اُسے صاف پہچانا تھا۔ وہ آسیب زدہ کمرے والی آواز سے مختلف نہیں تھی مگر نیشنل آرٹ گیلری اور چرواہی کا کیا مطلب ہوا۔

اُسے اس سلسلے میں فریدی سے فون پر گفتگو کرنی چاہئے مگر کس وقت اور کہاں سے۔ یہاں اسی ہٹ میں فون نہیں تھا وہ سوچتا رہا کچھ دیر بعد خیالات کی رو پراسرار کرنل وارڈ کی طرف مڑی۔ وہ کون تھا اور اکثر و بیشتر ٹیکم گڈھ کیوں آیا تھا۔ اپنی کسی سیاہ روح سے فزارو کا ایک کمرہ کیوں بیکار کر دیا تھا۔ فزارو کا عملہ اس سے خائف بھی رہتا تھا۔

اب حمید نے سوچا کہ ان سوالوں کے جوابات مستقل طور پر پاگل بنے رہنے سے نہ مل سکیں گے۔ اس لئے کبھی کبھی ہوش کی باتیں بھی کرنی چاہئیں۔

لہٰذا دوسری صبح جب وہ سو کر اٹھا تو آصف نے اس میں کوئی غیر معمولی بات نہیں دیکھی سوائے اس کے وہ اُس ہٹ میں اپنی موجودگی پر اظہار حیرت کر رہا تھا.... ناشتے کی میز پر زیبا کی آنٹی بھی موجود تھی۔ حمید نے آصف سے اس کے متعلق کچھ نہیں پوچھا لیکن چہرے کے اتار چڑھاؤ نے اسے سمجھا دیا کہ وہ اُس بوڑھی عورت کو بھی حیرت سے دیکھ رہا ہے۔

"اب آپ کی طبیعت کیسی ہے جناب۔" بوڑھی نے پوچھا۔

"جی.... ٹھیک ہوں محترمہ۔" حمید نے ایسے انداز میں کہا جیسے اپنے جواب سے مطمئن نہ ہوا ہو یا یہ جواب یونہی سمجھے بوجھے بغیر دیا گیا ہو۔

ناشتے کے بعد بوڑھی چلی گئی اور آصف نے حمید سے پوچھا۔

"یار اب تم ٹھیک ہو نا۔"

"مجھے کیا ہوا ہے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "لیکن ہم یہاں کب اور کیسے آئے! یہ غالباً چھوری پیک ہے۔ مگر زیبا کہاں ہے۔"

آصف نے اُسے بتایا کہ اس آسیب زدہ کمرے میں اس پر کیا گزری تھی۔

"مجھے تو کچھ بھی یاد نہیں۔" حمید اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بڑبڑایا۔ "یہ سب کیا ہو رہا ہے۔"

پھر وہ کافی دیر تک اُس آسیب زدہ کمرے کے متعلق گفتگو کرتے رہے۔ اس دوران میں وادی کاجیک کا تذکرہ بھی نکلا تھا۔ لیکن حمید نے اُسے آگے نہیں بڑھنے دیا تھا۔

گیارہ بجے زیبا آئی۔ حمید نے سوچا کہ اس سے کرنل وارڈ کے متعلق معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں کیونکہ وہ بھی بہت دنوں سے فزارو میں کام کرتی ہے۔

"میں معافی چاہتا ہوں محترمہ زیبا....!" اس نے اس سے کہا۔ "سیٹھ سے معلوم ہوا ہے کہ کل میں کچھ بہک گیا تھا۔"

"اوہ تو کیا اب یہ ٹھیک ہیں۔" اس نے آصف سے پوچھا اور آصف نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہوئی۔" زیبا خوش ہو کر بولی۔ "ورنہ آنٹی! مجھے بھی چھیل کر رکھ دیتیں۔"

"کیا کرنل وارڈ آگیا۔" حمید نے پوچھا۔

"کرنل وارڈ.... نہیں تو....!"

"کیا یہ حقیقت ہے کہ اس کمرے کی آسیب زدگی میں اسی کا ہاتھ ہے۔"

"خدا جانے مشہور تو یہی ہے۔ ارے وہ بھی تو دارالحکومت ہی میں رہتا ہے۔ کیا آپ اُسے نہیں جانتے۔"

"نہیں! میں نے پہلی بار اس کا نام سنا ہے۔ کیوں سیٹھ صاحب۔"

"ہاں بھئی....!" آصف نے کہا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

"کیا فزارو والے اس سے خائف رہتے ہیں۔"

"بہت زیادہ....! اس کی صورت ہی سے معلوم ہوتا ہے جیسے وہ ٹوٹی پھوٹی قبروں میں راتیں گزارتا ہو۔"

"یہاں اکثر وہ پہاڑوں پر ہڈیاں اور کھوپڑیاں تلاش کرتا پھرتا ہے۔"

"فزارو کا منیجر اس کی زبردستیوں کے خلاف رپورٹ کیوں نہیں کرتا۔"

"ارے اس کی تو روح فنا ہوتی ہے اُس سے۔ حالانکہ کرنل کی وجہ سے فزارو کی شہرت کو بھی نقصان پہنچا ہے۔"

"ٹیکم گڈھ واقعی بڑی عجیب جگہ ہے۔" حمید نے طویل سانس لے کر کہا۔

"کبھی کہیں ننگی لاشیں ملتی ہیں! کبھی فزارو کے کمرے میں روحیں ناچتی ہیں کبھی وادیٔ کاجیک میں دھوئیں کا منارہ تیار ہو جاتا ہے۔"

"دھوئیں کا منارہ۔" زیبا بڑبڑائی۔ "یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"سنا ہے تم نے اس کے متعلق؟" حمید نے سوال کیا۔

"ٹیکم گڈھ ایسی حیرت انگیز خبروں کے لئے مشہور ہے۔" زیبا مسکرائی۔

"ایسی ہوائیاں عموماً یہیں سے چھوٹتی ہیں۔"

"تو تمہیں اس پر یقین نہیں آیا۔"

"میں اس وقت تک کسی چیز پر یقین نہیں کرتی جب تک کہ اسے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں۔"

یک بیک آصف اچھل پڑا.... حمید نے استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پلکیں جھپکائیں۔

"اس نے تو یہاں بھی پیچھا نہیں چھوڑا۔" آصف بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔ "وہ ہنس رہی ہے۔ قہقہے لگا رہی ہے۔"

"اب سیٹھ صاحب۔" زیبا دانت پیس کر بولی۔ "خدا کے لئے یہاں یہ سب کچھ نہ پھیلاؤ۔ ورنہ آنٹی۔"

اس نے جملہ نہیں پورا کیا۔ وہ ایک صوتی جھٹکے کے ساتھ خاموش ہو گئی۔ اس کی نظریں کھڑکی سے باہر تھیں.... اور چہرے سے خوف ظاہر ہو رہا تھا۔

"کیا بات ہے۔" حمید نے کرسی سے اٹھے بغیر پوچھا۔

"کرنل وارڈ....!" زیبا کی آواز حلق میں پھنس رہی تھی۔ آصف اور حمید دونوں ہی جھپٹ کر کھڑکی کے پاس پہنچ گئے۔

ٹوکنے والے

تین چار سو گز کے فاصلے پر سیاحوں کا ایک قافلہ گزر رہا تھا۔ یہ سب خچروں پر سوار تھے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں اور مرد بھی۔

"کہاں ہے کرنل وارڈ....!" حمید نے پوچھا۔

"وہ سب سے پیچھے سیاہ خچر پر.... اُس کے سر پر سفید سمور کی ٹوپی ہے۔"

حمید اتنے فاصلے سے خط و خال کا صحیح اندازہ نہ کر سکا لیکن تن و توش تو بہر حال نظر آ رہا تھا۔ اس کے جسم پر تبت کے بھکشوؤں کا سا لبادہ تھا اور اس پر سفید سمور کی ٹوپی کچھ عجیب سی لگ رہی تھی.... اور وہ کوئی قدیم تاتاری معلوم ہو رہا تھا۔

"یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں....!" حمید نے پوچھا۔

"میری دانست میں تو وہی افواہ انہیں وادیٔ کاجیک کی طرف لے جا رہی ہے۔"

"اوہ.... سیٹھ جی۔" حمید آصف کی طرف مڑا۔ "کیوں نہ ہم بھی چلیں۔"

"ارے بیکار ہے....!" زیبا بولی۔ "میں انہیں احمق سمجھتی ہوں جو محض افواہوں پر اپنی انرجی اور دولت برباد کرتے پھریں۔"

"سیٹھ صاحب احمق ہی ہیں.... ارر.... مم.... مطلب یہ کہ.... انہیں۔"

"کیا بکواس ہے....!" آصف آنکھیں نکال کر بولا۔

"زز.... زبان.... لڑکھڑا گئی تھی سیٹھ جی۔"

زیبا ہنسنے لگی اور آصف نے بلند آواز میں کہا۔ "ہاں ہم وادیٔ کاجیک ضرور چلیں گے ذرا دیکھیں تو.... کیا بلا ہے وہ۔"

"خیر ویسے تو وہ ایک خاصی اچھی تفریح گاہ ہے۔ موسم بہار میں وہاں کئی مقامی فرمیں بڑی اچھی کمائی کر لیتی ہیں۔" زیبا بولی۔

"وہ کیسے....!"

"بس جنگل میں منگل! سرحدی حفاظتی چوکی سے ایک ڈیڑھ میل کے فاصلے پر خیمے لگائے جاتے ہیں۔ جو سیاحوں کو کرائے پر دیئے جاتے ہیں۔ دو تین گشتی قسم کے ہوٹل ہوتے ہیں، جو سیاحوں کے لئے ان کی ضروریات مہیا کرتے ہیں۔"

"تب تو بڑا لطف رہے گا سیٹھ جی۔" حمید خوش ہو کر بولا۔ پھر اُس نے زیبا سے کہا۔ "تم بھی چلو۔"

"تم کون ہوتے ہو مجھ سے کہنے والے۔" زیبا آنکھیں نکال کر بولی اور پھر آصف کی طرف دیکھنے لگی۔ آصف صاحب بڑے پیار بھرے لہجے میں بولے۔ "چلو نا....!"

"اچھی بات ہے....!" زیبا نے آہستہ سے کہا اور سر جھکا لیا۔

آصف فاتحانہ نظروں سے حمید کی طرف دیکھ رہا تھا اور حمید نے اپنے چہرے پر ندامت طاری کر لی تھی۔

اسی شام کو وہ ایک قافلے کے ساتھ وادیٔ کاجیک کی طرف روانہ ہو گئے۔ حمید نے فون پر فریدی سے رابطہ قائم کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اُسے فریدی کی طرف سے اس قسم کی کوئی ہدایت نہیں ملی تھی اور اُسے یہ بھی یاد آ گیا تھا کہ انہیں یہاں بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ فریدی کی دانست میں کوئی دھوکے میں رہے۔

اُس نے یہ بھی تو کہا تھا کہ آج کل کوئی اُسے شہر میں نہیں دیکھنا چاہتا۔ کسی نے اُسے جنوبی امریکہ میں کسی کام کا آفر بھی دیا تھا۔

بہر حال وہ فریدی کو موجودہ حالات سے آگاہ کئے بغیر وادیٔ کاجیک کی طرف روانہ ہو گیا۔

موسم بہار میں رات کا سفر بھی وہاں تفریح ہی میں داخل ہوتا تھا۔ مگر آج کل اندھیری راتیں تھیں پھر بھی سفر تو ہوتے ہی تھے۔

یہ سفر یہاں سے زیادہ لمبا بھی نہیں تھا۔ وہ چار بجے روانہ ہوئے تھے اور انہیں توقع تھی کہ آٹھ بجے تک حفاظتی چوکی کے قریب پہنچ جائیں گے۔

یہ جگہ ان اطراف کی بہت پرانی تفریح گاہ تھی۔ لیکن آج کل تو دھوئیں کا منارہ ہی وہاں کے سفر کا محرک ہوا کرتا تھا۔

سینکڑوں فٹ گہری وادیٔ کاجیک سیاحوں کے لئے بڑی کشش رکھتی تھی اوپر خیمے لگائے جاتے تھے۔ خوب رنگ رلیاں ہوتی تھیں اور نیچے اترنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ مگر بہت کم ایسے ہوتے جنہیں کامیابی ہوتی۔ یہ عموماً مضبوط جسم اور آہنی اعصاب رکھنے والے لوگ ہوتے تھے۔ کیونکہ نیچے پہنچ کر پھر اوپر آنا معمولی قوت کے لوگوں کے بس کا روگ نہیں تھا۔

ویسے وادیٔ کاجیک کی دلکشی تو اوپر سے بھی محسوس کی جا سکتی تھی۔ اس پر گیت لکھے جا سکتے تھے۔ اُسے کہانیوں کا پس منظر بنایا جا سکتا تھا۔ رنگوں اور برش کی مدد سے اُسے کینوس پر محفوظ کیا جا سکتا تھا۔

آٹھ بجے وہ حفاظتی چوکی کے قریب پہنچ گئے۔ چوکی یہاں سے ایک یا ڈیڑھ میل کے فاصلے پر

تھی۔ زیبا نے روانگی سے پہلے ہی خدشہ ظاہر کیا تھا کہ شائد انہیں کوئی خیمہ کرائے پر نہ مل سکے کیونکہ زیادہ تر لوگ پہلے ہی سے بکنگ کرائے رکھتے تھے۔ حمید نے اس کی پرواہ نہیں کی تھی کیونکہ وہ کسی چٹان پر کمبل تان کر چین سے سو سکتا تھا۔ البتہ آصف کو جب یہ معلوم ہوا کہ زیبا کی پیشین گوئی کے مطابق سچ مچ انہیں کسی کھلی چٹان ہی پر رات بسر کرنی پڑے گی تو اُسے حمید پر بے تحاشہ تاؤ آ گیا۔

"یار تم ہمیشہ ایسی ہی حرکتیں کرتے رہتے ہو۔" اس نے لال پیلی آنکھیں نکالیں۔

"خاموش رہو.... سیٹھ....!" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "میں اس وقت پھر روح بہار کے گیت سن رہا ہوں۔"

"جہنم میں جاؤ.... میں چٹان پر بھی پڑا رہ سکتا ہوں۔ مگر یہ زیبا۔"

"زیبا کو پلکوں میں جگہ دیجئے آنکھوں پر بٹھایئے اور اندھے ہو جایئے۔"

"تم ہوش میں ہو یا نہیں....!"

"میں جسے بھی چاہوں یہیں اسی جگہ غارت کر سکتا ہوں۔ روح بہار اس وقت میرے پاس موجود ہے.... کہہ رہی ہے کہو تو اس بوڑھے کو اٹھا کر نیچے وادی میں پھینک دوں....!"

"اوہ....! سیٹھ خدا کے لئے خاموش رہو۔ بات نہ بڑھاؤ۔" زیبا جلدی سے بولی۔ انہوں نے ایک شفاف سی چٹان پر بستر ڈال دیئے تھے۔ وہ اکیلے بھی نہیں تھے۔ انہی جیسے نہ جانے کتنوں نے کھلی چٹانوں پر ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ آج کل کھلے میں بھی ایک یا دو کمبل سے زیادہ سردی نہیں ہوتی تھی۔

حمید انہیں وہیں چھوڑ کر مٹر گشتی کے لئے نکل گیا۔ خیموں کے آس پاس پیٹرومیکس لیمپوں کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

ایک جگہ ایک بڑا شامیانہ نظر آیا جسے چھ فٹ اونچی قناتوں سے احاطہ کیا گیا تھا.... آمد و رفت کے راستے پر "کیف شبانہ" کا بورڈ آویزاں تھا۔ حمید اس ہوٹل کے نام ہی پر جھوم اٹھا۔ اندر پہنچا تو ساری ہی میزیں بھری ہوئی نظر آئیں۔ مگر وہ سوچ رہا تھا کہ واپس جانے کا نتیجہ بے خوابی کی صورت میں ظاہر ہوگا اور وہاں رکنے کی صورت میں بیٹھنے کی جگہ تو مشکل ہی سے ملتی۔ شائد کھڑا ہی رہنا پڑتا۔

پھر اچانک نہ صرف یہ مشکل آسان ہو گئی بلکہ وہ خوشی کے مارے اچھل بھی پڑا.... قاسم ایسا تو نہیں تھا کہ ہزاروں کا مجمع بھی اُسے چھپا سکتا۔ وہ اپنی میز پر تنہا نہیں تھا بلکہ کئی مرغ مسلم اور دو ایک مسلم رانیں بھی تھیں اور آس پاس کے لوگ اُسے اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے وہ میز کی صفائی کے بعد انہیں بھی کھا جائے گا۔

حمید اس کی جانب بڑھا ہی تھا کہ اس کی نظر بھی اُس پر پڑ گئی.... اور وہ گرد و پیش کی پرواہ کئے بغیر کھڑا ہو کر چیخا۔ "آمین.... ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گیا۔ ٹھینگے کی نہیں تو!"

حمید بوکھلا گیا وہ جانتا تھا کہ اُس کی اس حرکت کی بناء پر اُسے بھی لوگ گھورنے لگے ہوں گے۔ لیکن وہ کسی کی طرف دیکھے بغیر قاسم کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

"بیٹھو.... پیارے.... باٹھو....!" قاسم کی باچھیں کھلی پڑ رہی تھیں۔ "فرار ہو گیا تو معلوم ہوا کہ تم شائد ادھر آئے ہو۔ یہاں دوپہر سے جھک مارتا پھر رہا ہوں۔ تمہارا پتہ نہیں۔"

"خیمہ ہے تمہارے پاس۔" حمید نے پوچھا۔ وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ چکا تھا۔

"ہے قیوں نہیں! ڈبل دام پر لیا ہے۔ حمید بھائی.... کوئی سالا کھالی ہی نہیں تھا۔ ایک آدمی مل گیا جو یہاں سے جانا چاہتا تھا۔ مگر یہ سالے ہفتے بھر کے پیسے پیشگی لے لیتے ہیں چاہے تم ایک دن رہو چاہے ایک ہفتہ وہ جانا چاہتا تھا۔ اس لئے مجھے ڈبل دام پر دے گیا۔"

"مزے کرو۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ "ہم تو کھلی چٹان پر رات گزاریں گے۔"

"قیوں....!"

"ہمیں کوئی خیمہ نہیں مل سکا حالانکہ ہمارے ساتھ ایک لڑکی بھی ہے۔"

"لل لڑکی....!" قاسم نے نچلے ہونٹ پر زبان پھیر کر کہا۔ "کک.... کون لڑکی۔"

"خاصی تگڑی ہے...." حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"امیں حمید بھائی۔ تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔" قاسم غصیلے لہجے میں بولا۔

"کیوں....؟" حمید نے پوچھا۔

"امیں کیا وہ سالا خیمہ اپنی قبر میں لے جاؤں گا۔ وہیں آؤ.... چٹان پر مت لیٹو۔ یہ بھی قوئی بات ہوئی۔ کمال کر دیا.... حمید بھائی.... جیتے رہو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ پھر قاسم ہی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "تمہارے ساتھ وہ پلپلے خاں بھی

ہیں.... ابے یہ وہی تو نہیں ہے جس سے ایک بار تمہارا جھگڑا ہوا تھا ہائی سرکل میں.... ابے تم اس سالے کو اپنا آفیسر کہتے ہو۔ کرنل صاحب کہاں رہ گئے۔"

"قاسم بھائی کیا بتاؤں۔" حمید مسمسی صورت بنا کر بولا۔ "میں تو بڑی مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ اب تم ہی جو کچھ کرنا چاہو کرو....!"

"قیا قرنا ہے.... کرنا ہے.... غوک....!" وہ نوالہ حلق سے اتارتا ہوا بولا۔

"وہ لڑکی دراصل میں نے تمہارے لئے منتخب کی تھی مگر وہ اُلو کا داماد....!"

"اُلو کا دماد....!" قاسم حیرت سے آنکھیں نکال کر بولا۔ "امے نہیں.... ہاہاما....!"

"یعنی کہ وہی پلپلے خاں جھٹک لے گیا اس لڑکی کو.... پتہ نہیں کیوں وہ بھی اسی پر لٹو ہو رہی ہے۔"

"ٹٹو.... ہو رہی ہے۔" قاسم نے پھر حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔

"لٹو.... لٹو....!"

"لٹو کیا ہوتا ہے حمید بھائی....!" قسم نے بے بسی سے پوچھا۔

"ابے لٹو ہونا محاورہ ہے۔"

"اچھا تو وہ سالی محاورہ ہو گئی ہے۔" قسم سمجھ جانے والے انداز میں سر ہلا کر بولا۔ پھر اچانک سر اٹھا کر کہا۔ "یار.... کیا بات ہوئی.... وہ محاورہ کیسے ہو سکتی ہے.... محاورہ کیا چیز ہے.... اُسے تو شائد قاملہ کہتے ہیں۔"

"ہائیں یہ قاملہ کیا بلا ہے....!" حمید اُسے گھورنے لگا۔

قاسم دونوں آنکھیں مار کر مسکرایا اور آہستہ سے بولا۔ "ابے وہ پیٹ میں بچہ وچہ....!"

"اُلو کے پٹھے....!" حمید کی زبان سے نکلا اور ساتھ ہی قہقہے کی دھار بھی۔

قاسم بھی اس کے ساتھ ہی یونہی خواہ مخواہ ہنستا رہا پھر یک بیک چونک کر خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی نظر آ رہی تھی۔

"کیا کہا تھا تم نے۔" دفعتاً اُس نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

"میں نے کچھ بھی تو نہیں.... تمہیں غلط فہمی....!"

"غلط کی ایسی کی تیسی.... فہمی کی دم میں نمدہ.... تم نے مجھے اُلو کا پٹھا کہا تھا۔"

"ارے.... وہ تو میں نے آصف کو کہا تھا.... کمال کرتے ہو یار۔"

قاسم کی آنکھیں اس کے باوجود بھی نکلی ہی رہیں۔ لیکن پھر اچانک وہ مسکرا کر بولا۔ "کھیر توئی بات نہیں۔"

"میں دراصل یہ چاہتا ہوں کہ تم خود ہی اس لڑکی کو راہ پر لاؤ....!"

"قیسے لاؤں....!" قاسم نے آہستہ سے پوچھا اور جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں۔ پھر بولا۔ "امے کھاؤ تا حمید بھائی، منہ باندھے کیوں بیٹھے ہو۔"

"کچھ نہیں! بس اب میں چلوں گا۔ مگر نہیں تم پہلے مجھے اپنا خیمہ دکھاؤ۔ تاکہ میں ان دونوں کو وہیں لاؤں۔"

"وہ بوڑھا بھی آئے گا۔" قاسم نے بُرا سا منہ بنا کر پوچھا۔

"وہ نہ آئے گا تو لڑکی بھی نہیں آئے گی۔"

"پھر لاؤ.... سالے کو۔" قاسم نے مردہ سی آواز میں کہا اور کسی سوچ میں پڑ گیا۔

میز کی اچھی طرح صفائی ہو جانے کے بعد قاسم اٹھا حمید کو ساتھ لے کر باہر آیا۔ یہاں سے اس کا خیمہ زیادہ دور نہیں تھا۔

حمید اُسے خیمے میں چھوڑ کر خود اس چٹان کی طرف روانہ ہو گیا جہاں آصف اور زیبا ممکن ہے کہ اس کے منتظر رہے ہوں۔

دفعتاً حمید کو شرارت سوجھی۔ اس نے سوچا کہ دونوں کی گفتگو چھپ کر سننی چاہئے۔ آخر وہ تنہائی میں کس قسم کی گفتگو کرتے ہوں گے۔ کیا حقیقتاً زیبا اس کی بنائی ہوئی اسکیم ہی کے مطابق چل رہی تھی یا اس کا یہ رویہ محض ہمدردی کی بناء پر تھا۔

وہ ڈھلوانی راستے پر اترتا چلا گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد زاویہ تبدیل کر کے مشرق کی جانب چل پڑا اس کا خیال تھا کہ وہ دوسری طرف سے بھی اس چٹان کے محل وقوع کا اندازہ کر سکے گا۔ اس لئے وہ بڑی لاپروائی سے راستہ طے کر رہا تھا۔

لیکن پھر اچانک اس کے قدم رک گئے اور آواز ایسی ہی تھی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا تھا کہ وہ کسی بہت بڑے اژدھے کی پھنکار رہی ہو۔

دفعتاً اس کی نگاہ نیچے وادی میں رینگ گئی۔ سینکڑوں فٹ کی گہرائی میں چاندنی کا چمکدار چشمہ پھوٹ رہا تھا۔

پھر یک بیک اس کی دھار اوپر اٹھی۔ اٹھتی چلی گئی.... اور اندھیرے میں اس نے ایک چمکدار منارے کی شکل اختیار کرلی جو زمین و آسمان کو ملا رہا تھا۔ نیچے پھیلی ہوئی تاریکی میں اس چمکدار منارے کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھا جاسکتا تھا۔

"میرے خدا....!" حمید بڑبڑایا۔ "یہ چاندنی کا دھواں ہے یا اندھیرے کی ڈاڑھی۔"

ساتھ ہی وہ سوچ رہا تھا کہ یہ تو سو فیصدی راکٹ ہے ایسا راکٹ جو عموداً پرواز کرتا ہے....

اس نے جیب سے ٹارچ نکالی اور پھر اس کی روشنی نشیب میں کچھ دور تک پھیلتی چلی گئی۔

حمید نے ایک طویل سانس لی اور سوچا کہ راستہ دشوار گذار تو نہیں معلوم ہوتا پھر کیوں نہ نیچے پہنچنے کی کوشش کی جائے۔ وہ خیالات میں اس طرح کھو گیا تھا کہ قاسم سے کیا ہوا وعدہ بھی یاد نہ رہا۔

ٹارچ کی روشنی کا دائرہ گھٹتا ہوا اس کی رہنمائی کر رہا تھا اور پیر غیر ارادی طور پر نشیب میں لے جا رہے تھے۔ اس کی نظریں گہرائی میں پھیلنے والے چمکدار چشمے پر جمی ہوئی تھیں.... مگر اس چمکدار چشمے کا ہر لحظہ بڑھتا ہوا پھیلاؤ اُسے بتدریج دھندلاہٹ میں تبدیل کرتا جا رہا تھا۔

حمید کے ذہن میں اس وقت صرف یہی ایک خیال تھا کہ بس اب وہ اس چمکدار چشمے کے قریب پہنچنے ہی والا ہے۔ نہ اُسے وقت کا احساس رہ گیا تھا اور نہ فاصلے کا.... بس وہ مشینی طور پر اترتا چلا جا رہا تھا۔

اچانک کسی نے قریب ہی سے کہا۔ "ہالٹ.... ہو کمس دیئر۔"

"فرینڈ....!" حمید کی زبان سے نکلا اور ساتھ ہی روشنی کا دائرہ بھی آواز کی سمت رینگ گیا۔ دو فوجی رائفلیں چھتیائے ہوئے ایک چٹان پر کھڑے نظر آئے۔

"وہیں ٹھہرو! ٹارچ مت بجھانا ورنہ فائر کر دیا جائے گا۔" اُن میں سے ایک نے چیلنج کیا۔

حمید وہیں رک گیا۔ وہ دونوں چھوٹی چھوٹی رکاوٹیں پھلانگتے ہوئے اسکے قریب پہنچ گئے۔

"کون ہو تم....!" ان میں سے ایک نے گرج کر پوچھا۔

حمید کی دانست میں وہ سرحد کی حفاظتی چوکی ہی کے جوان ہو سکتے تھے۔

"میں کون ہوں! یہ میں تمہارے کمانڈر ہی کو بتا سکوں گا۔" حمید نے جواب دیا۔

"اچھی بات ہے۔ ہم تمہیں گولی مار دیتے ہیں۔ مرنے کی وجہ بھی کمانڈر ہی کو بتا دینا۔"

"ٹھہرو۔" دوسرے نے اپنے ساتھی کو خاموش کراتے ہوئے حمید سے نرم لہجے میں کہا۔ "یہ ممنوعہ علاقہ ہے۔"

"ہم یہاں کسی کو بھی گولی مار سکتے ہیں۔ ویسے اگر تم کمانڈر کے پاس چلنا چاہتے ہو تو ہم تمہیں وہیں لے چلیں گے۔"

"ارے ختم کرو....!" دوسرا بولا۔

"نہیں کمانڈر کا حکم ہے کہ اگر کوئی ان کا حوالہ دے تو اُسے ان کے پاس پہنچا دیا جائے۔"

"تو پھر آخر یہ حکم میری یادداشت میں کیوں نہیں ہے۔" دوسرا آدمی جھلا کر بولا۔

"چلو....!" پہلے نے رائفل کو جنبش دی اور پھر حمید نشیب میں اترنے لگا۔

"ٹھہرو....!" دوسرا بولا۔ "اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔"

حمید نے چپ چاپ تعمیل کی۔ دوسرا آدمی اس کی جامہ تلاشی لینے لگا۔ ریوالور تو حمید کی جیب میں موجود تھا۔

"دیکھا....!" دوسرے نے فاتحانہ انداز میں کہا۔ پھر حمید سے بولا۔ "کیا اس کا لائسنس ہے تمہارے پاس۔"

"میں تمہیں تھانے دار نہیں سمجھتا کہ اس سوال کا جواب دوں۔"

"چلو....!" پہلا غرایا اور حمید پھر چل پڑا.... کچھ دور چل کر وہ اُسے ایک غار میں لے گئے جو زیادہ کشادہ نہیں تھا۔

اب حمید کو سوچنا پڑا کہ وہ اُسے یہاں کیوں لائے ہیں۔ کیونکہ یہاں تو کوئی بھی نہیں تھا۔

"بائیں جانب مڑ جاؤ۔" تحکمانہ لہجے میں کہا گیا۔ حمید بائیں جانب مڑا۔ یہ ایک تنگ سا در تھا جس سے ایک وقت میں صرف ایک ہی آدمی گزر سکتا تھا۔

حمید کی ٹارچ تو پہلے ہی سے روشن تھی اب ان دونوں نے بھی اپنی ٹارچیں روشن کر لیں اور وہ تینوں یکے بعد دیگرے اس درے میں داخل ہوئے۔ حمید گھٹن سی محسوس کر رہا تھا۔ لیکن جلد ہی پھر اُس نے اطمینان کی سانس لی کیونکہ اب وہ ایک بہت ہی کشادہ غار میں پہنچ گئے تھے۔

"رک جاؤ.... اور ٹارچ بجھا دو۔" اس سے کہا گیا اور ساتھ ہی رائفل کی نال اس کی کمر سے آلگی۔ غار میں اندھیرا ہو گیا اور اس نے دور ہوتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنیں۔ شاید ان میں

سے ایک کہیں جارہا تھا.... حمید چپ کھڑا رہا اور رائفل کی نال اس کی کمر سے چبھتی رہی کچھ دیر بعد پھر قدموں کی آہٹیں ہوئیں۔ غالباً دو آدمی تھے اور پھر یک بیک پورے غار میں روشنی پھیل گئی۔ یہ ایک چھوٹی سی فوجی سرچ لائٹ کی روشنی تھی۔ حمید کو فوجی جوان کے ساتھ ایک معمر آفیسر نظر آیا جس کے شانوں پر لگے ہوئے ستارے بتا رہے تھے کہ وہ کپتان کا عہدہ رکھتا ہے۔

دفعتاً اس آفیسر نے غرا کر کہا۔ "یہاں کیوں لائے ہو وہیں ڈھیر کر دیا ہوتا۔" اب تو حمید کو سچ مچ تاؤ آگیا۔

اجنبی کی آمد

حمید کو تاؤ آنے کا مطلب یہی ہوتا تھا کہ جو کچھ نہ ہو جائے تھوڑا ہے وہ چند لمحے اس کیپٹن کو خونخوار نظروں سے گھورتا رہا پھر بولا۔ "تم کیپٹن حمید آف سنٹرل انٹیلی جنس بیورو سے ہمکلام ہو۔"

"اوہ....!" آفیسر نے سیٹی بجانے والے انداز میں اپنے ہونٹ سکوڑے اور پھر یک بیک اپنے ماتحتوں کو دیکھ کر غرایا۔ "اس کے ہاتھ پیر باندھ دو۔"

"تم ہوش میں ہو یا نہیں۔"

"میں بالکل ہوش میں ہوں دوست....!" آفیسر مسکرایا۔ "مجھے اطلاع مل چکی ہے کہ اس نام کا ایک فراڈ یہاں آرہا ہے۔"

"تب تم بالکل ہوش میں نہیں ہو۔" حمید بے ساختہ ہنس پڑا۔ "اچھا چلو یہی بتا دو کہ یہ اطلاع تمہیں کہاں سے ملی تھی۔"

"اسی محکمے کے ایک آفیسر کرنل فریدی کی طرف سے۔"

حمید نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔ آفیسر سنجیدہ تھا اور اس نے یہ بات پوری سنجیدگی سے کہی تھی۔

اس کے دونوں ماتحتوں نے جھپٹ کر حمید کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ اس کا خیال تھا کہ ممکن ہے یہ بھی فریدی کی کسی اسکیم کا کوئی خاص مرحلہ ہو۔ اگر وہ جھنجھلاہٹ میں ضرور مبتلا ہو گیا تھا۔ آخر اُسے پہلے سے آگاہ کیوں نہیں کیا گیا

تھا۔ اب اگر وہ یہاں کسی قسم کی حماقت شروع کر دے تو فریدی صاحب کی وہ اسکیم کہاں ہو گی۔ اس کا دل تو چاہا ٹکرا جائے ان فوجیوں سے لیکن پھر کچھ سوچ کر خاموش ہی رہ گیا۔ انہوں نے نہایت اطمینان سے اس کے ہاتھ پشت پر باندھ کر اُسے ایک بڑے پتھر پر دھکیل دیا.... بڑا وحشیانہ انداز تھا۔ حمید بال بال بچا ورنہ اس کا سر اسی پتھر سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتا۔ وہ پتھر سے لڑھکتا ہوا اپنے بازو کے بل زمین پر آگرا۔

"اب تم دونوں اپنی جگہوں پر جاؤ....!" آفیسر نے ماتحتوں سے کہا اور وہ ایڑیوں پر گھوم کر غار سے نکل گئے۔

آفیسر ٹہلتا ہوا حمید کے قریب آیا۔ چند لمحے کھڑا اُسے گھورتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ "کرنل فریدی کہاں ہے۔"

"جہاں سے اُس نے تمہیں اطلاع دی تھی۔" حمید غرایا۔

"وہ خود کیوں نہیں آیا۔"

"کھیل کود سے نفرت ہے انہیں....!" حمید بولا۔

"میں تمہاری کھال اتار دوں گا ورنہ اُس کے نہ آنے کی وجہ بتاؤ۔"

"ضرور اتار دو۔" دفعتاً کسی گوشے سے آواز آئی اور آفیسر اچھل کر آواز کی طرف متوجہ ہو گیا۔ پھر یہی جملہ کسی دوسرے گوشے سے کہا گیا اور آفیسر مڑ کر ادھر دیکھنے لگا۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ یہی آواز متعدد اطراف سے آرہی ہے۔ لیکن آواز ایک ہی آدمی کی تھی۔

"تم کون ہو۔ سامنے آؤ....!" آفیسر گرجا۔

"تمہاری یہ آرزو بھی پوری کی جائے گی....!" آواز آئی اور پھر اسی پتھر کی اوٹ سے ایک آدمی چھلانگ لگا کر سامنے آگیا جس پر حمید کو دھکیلا گیا تھا۔

بالکل ایسا ہی لگا تھا جیسے وہ اڑتا ہوا اس آفیسر پر جا پڑا ہو۔ دونوں ہی زمین پر ڈھیر ہو گئے۔

لیکن نووارد جلد ہی نہ صرف خود اٹھ گیا بلکہ گریبان سے پکڑ کر اُسے بھی اپنے ہی ساتھ کھینچتا چلا آیا۔ پھر آفیسر سنبھل بھی نہیں پایا تھا کہ اس کے جبڑے پر نووارد کا گھونسہ پڑا وہ لڑکھڑا کر دور جا گرا.... لیکن پھر اٹھ کر نووارد پر جھپٹا۔

اس بار نووارد نے جھکائی دے کر اسے اپنی پشت پر لاد کر جو پٹخا ہے تو پھر وہ بیچارہ صرف ہاتھ

پیر ہی مار تا رہ گیا۔ غالباً یہ اٹھنے کی کوشش تھی۔ چونکہ ذہن قابو میں نہیں رہ گیا تھا اس لئے ارادے کی انرجی لایعنی قسم کی جسمانی حرکتوں میں صرف ہو رہی تھی۔ پھر آہستہ آہستہ وہ ساکن ہی ہو گیا۔

حمید نے بھی اپنے ہاتھوں کو آزاد کرنے کی جدوجہد شروع کر دی۔ اسی دوران میں وہ اجنبی بھی بیہوش آفیسر کو وہیں چھوڑ کر کسی طرف غائب ہو گیا۔

"کیا وہ فریدی تھا..؟" حمید نے سوچا۔ "لیکن اگر فریدی ہوتا تو اُسے وہیں کیوں چھوڑ گیا ہوتا۔"

کچھ دیر بعد اس نے قدموں کی آہٹ سنی اور پھر وہی اجنبی ایک گوشے میں کھڑا دکھائی دیا۔ مگر وہ حمید کی طرف سے بالکل بے پرواہ نظر آ رہا تھا۔

دفعتاً حمید نے کہا۔ "ارے یار ذرا دو چار ہاتھ مجھے بھی جھاڑتے جاؤ کافی عرصے تک احسان مند رہوں گا۔"

وہ مسکرایا اور بولا۔ "میں تمہیں آزاد کر سکتا ہوں بشرطیکہ تم اس بیہوش آدمی کو کچھ دور تک اپنی پشت پر لادے چلنے کا وعدہ کرو۔"

"اس کے پورے خاندان کو...." حمید سر ہلا کر بولا۔ "پہلے تم میرے ہاتھ تو کھولو۔"

"اس نے آگے بڑھ کر حمید کے ہاتھ کھول دیئے۔"

"کہاں لے چلوں۔" اس نے بیہوش آفیسر کے قریب پہنچ کر کہا۔

"اٹھاؤ تو....!"

حمید نے اُسے اپنی پشت پر لاد لیا اور اجنبی کے پیچھے چلنے لگا۔ وہ اپنے ہاتھوں پر سرچ لائٹ سنبھالے ہوئے تھا۔ ایک بار پھر حمید کو ویسے ہی تنگ درے سے گزرنا پڑا جیسے درے سے گزر کر وہ اس غار میں پہنچا تھا۔

مگر منزل زیادہ دور ثابت نہیں ہوئی۔ وہ جلد ہی ایک ایسے غار میں پہنچ گئے جہاں مختلف قسم کا سامان بکھرا پڑا تھا۔

"اسے یہیں کہیں ڈال دو۔" اجنبی نے کہا "اور سعادتمند گدھوں کی طرح ایک طرف بیٹھ جاؤ۔"

"سبحان اللہ....!" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے آپ کو پہچانا ہی نہیں تھا۔"

"اگر میں اب بھی اپنی آواز کو قابو ہی میں رکھتا تو تمہارے فرشتے بھی نہ پہچان سکتے۔ زیادہ اڑنے کی کوشش مت کیا کرو۔"

تو یہ فریدی ہی تھا.... حمید سوچ میں پڑ گیا۔ وہ اس کے علاوہ اور سوچتا بھی کیا۔ اُسے اور آصف کو قربانی کے بکروں کی شکل میں بطور ہراول پہلے ہی روانہ کر دیا گیا تھا۔ فریدی بیہوش آدمی کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"یہ کون ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"چوکی کے آفیسروں کے بھیس میں کوئی....؟" فریدی نے کہا۔

"اور آپ اچانک یہاں کیسے پہنچ گئے۔"

"یہ بھی ایک قسم کا آسیبی خلل ہے۔" فریدی اپنی بائیں آنکھ دبا کر بولا۔

"ہوں! تو آپ کو سب کچھ معلوم ہے۔"

"صرف اتنا ہی کہ وہ کمرہ آسیب زدہ تھا جس میں تم لوگوں نے قدم جمالیا تھا وہاں تمہیں آوازیں سنائی دیتی تھیں۔"

"بس اتنا ہی یا اور کچھ بھی؟"

"اور کیا بتانا چاہتے ہو۔" فریدی مسکرایا۔

"کیا آپ کی لسٹ پر کبھی کوئی کرنل وارڈ بھی رہا ہے۔"

"تھا تو نہیں مگر اب آ گیا ہے۔ لیکن تم اس کے بارے میں کیا سوچ رہے ہو۔"

"کیا آپ کو علم ہے کہ اس کے قبضے میں روحیں ہیں۔"

"ہاں سنا ہے۔"

"میں اور آصف اس کمرے میں کسی عورت کی آواز سنتے رہے تھے۔ پھر ایک دن مجھے معلوم ہوا کہ فون پر میری ٹرنک کال ہے۔ میں سمجھا آپ ہوں گے لیکن فون میں بھی اسی عورت کی آواز سنائی دی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی میں چرواہی ہوں اور انٹرنیشنل آرٹ ایگزیبشن سے بول رہی ہوں؟"

"اوہ....!" فریدی نے ہونٹ سکوڑے اور حمید کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ پھر مسکرا کر بولا۔ "یہ ایک بڑا دلچسپ لطیفہ ہے۔ کسی وقت اطمینان سے بتاؤں گا۔ اسی چرواہی کی بدولت ہم اتنی تیز رفتاری سے کسی خاص سمت بڑھ رہے ہیں ورنہ بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا۔"

"کیا مطلب....!"

"اوہ.... تم نہیں مانو گے۔ خیر ٹھہرو! پہلے مجھے کچھ معلوم کرنے دو۔ یہ بیہوش آدمی کے میک اپ میں ہے اور شاید یہ جگہ ایسے ہی کاموں کے لئے مخصوص ہے۔ لہٰذا یہاں میک اپ کا سامان ضرور ہونا چاہئے۔"

حمید چپ چاپ کھڑا رہا اور فریدی اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے سامان میں کچھ تلاش کرنے لگا۔ آخر کار اُسے لکڑی کا وہ صندوق مل ہی گیا جس کی اُسے تلاش تھی۔ اس صندوق میں میک اپ کا سامان موجود تھا۔

بس پھر آدھے گھنٹے کے اندر ہی اندر بیہوش آدمی کی نقل تیار ہو گئی اس کے بعد فریدی ایک نیلے رنگ کی بوتل سنبھالے ہوئے بیہوش آدمی کی طرف متوجہ ہوا.... اس میں کوئی سیال چیز تھی۔ غالباً وہ بیہوش آدمی کا میک اپ ختم کرنے جا رہا تھا۔

ذرا ہی دیر میں حمید نے بیہوش آدمی کی شکل دیکھ لی.... یہ ایک وجیہہ نوجوان تھا۔ بڑھاپے کے سارے مصنوعی آثار لکوئیڈ ایمونیا سے دھل گئے تھے۔

"یہ کون ہو سکتا ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

"چرواہی کی کوئی بھیڑ۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "شائد حفاظتی چوکی کا کمانڈر مار ڈالا گیا۔ اچھا دیکھو تم اس درے سے نکلتے ہی بائیں جانب مڑ جانا۔ اس طرح تم پھر ایک درے میں داخل ہو گے وہ درہ تمہیں ایک کھلی جگہ پر لے جائے گا وہاں پہنچ کر تم تین بار اشارہ دینا اور پھر چپ چاپ واپس آ جانا۔"

"کون سا اشارہ....!"

"الو.... والا....!"

حمید درے کی طرف مڑ گیا۔ ایک منٹ کے اندر اندر وہ کھلی فضا میں پہنچ گیا۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اس کے جسم سے ٹکرائے اور اس کی آنکھوں میں نیند انگڑائیاں لینے لگی۔ کچھ عجیب سا مسحور کن فضا تھی۔ سر پر تاروں بھرا آسمان تھا اور نیچے تاریک گہرائیاں۔

اس نے تین بار اُلو کی آوازیں نکالیں اور پھر درے میں مڑ گیا۔

اتنی دیر میں فریدی اس بیہوش آدمی کی وردی بھی پہن چکا تھا۔

حمید چند لمحے خاموش کھڑا رہا.... پھر بولا۔ "کیا وہ دونوں سپاہی اس وقت وہاں میرے ہی منتظر تھے۔"

"نہیں.... وہ وہاں ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ کیونکہ وہی ایک راستہ ایسا ہے جس کے ذریعہ وادی تک پہنچنا ممکن ہے۔"

"تو یہ بھی محض اتفاق ہی تھا کہ میں وہاں پہنچ کر خواہ مخواہ نیچے اترنے لگا تھا۔"

"یہ اتفاق تمہیں دوسری دنیا میں بھی پہنچا سکتا تھا۔ مگر خیر.... میں تو سمجھا تھا شائد تمہارے ذہن میں وہی پرانی چھپکلی کلبلائی ہے۔ بہر حال میں تم سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔"

"اگر چھپکلی نہ کلبلاتی تو آپ اس وقت یہاں نہ ہوتے.... اور یہ....!" حمید بیہوش آدمی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ اور پھر چونک پڑا کیونکہ اس نے قدموں کی آہٹیں سنیں تھیں۔

"پرواہ نہ کرو۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اگر یہ وردی میں ہوں گے تب بھی میرے ہی آدمی ہوں گے اور اگر نقابوں میں ہوئے تو پھر تم جانتے ہی ہو۔"

"بلیک فورس....!" حمید نے بُرا سا منہ بنایا۔

غار میں داخل ہونے والے تین نقاب پوش ہی تھے۔ انہوں نے پہاڑی مہماتی استعمال کے لباس پہن رکھے تھے اور ان کی پیٹیوں سے چھوٹی کدالیں اور دوسرے اوزار لٹک رہے تھے۔ کاندھوں پر کئی قسم کے تھیلے بار تھے!

"شکار۔" فریدی نے اپنی اصل آواز میں کہتے ہوئے بیہوش آدمی کی طرف اشارہ کیا۔

ان میں سے ایک نے ایک بڑا تھیلا اپنے کاندھے سے اتارا اور دو آدمیوں نے اُسے اٹھا کر اس میں ٹھونس دیا۔ تھیلے کا منہ باندھ لینے کے بعد بھی وہ تینوں وہیں رکے رہے۔ غالباً انہیں اجازت کا انتظار تھا۔

"تم جا سکتے ہو۔" فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ان میں سے دو نے وزنی تھیلا سنبھالا اور تیسرا ان کے آگے ٹارچ لئے ہوئے چلنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد قدموں کی آوازیں سناٹے میں تحلیل ہو گئیں اور فریدی ایک پتھر پر بیٹھ کر سگار سلگانے لگا۔

"آپ سگار پینے جا رہے ہیں۔ اگر فوجیوں میں سے کوئی آ جائے تو۔"

"گڈ! بہت اچھے.... تم اب سوچنے لگے ہو۔ لیکن یہ سگار اسی وردی کی جیب سے برآمد ہوا ہے گو کہ برانڈ میرا نہیں ہے.... لیکن پھر بھی چلے گا۔"

"ہاں.... آپ اس چرواہی کے متعلق کچھ بتانے جا رہے تھے۔"

"اس کے متعلق کیا بتاؤں۔ اس کے متعلق میری معلومات بھی فی الحال آسیب کی حدود سے آگے نہیں بڑھیں۔" فریدی نے اُسے جیلانی اور اس کی تصویر کے متعلق بتایا۔

"لیکن آپ نے اس تصویر میں اتنی دلچسپی کیوں لی تھی۔"

"ٹھہرو! تم نے کرنل وارڈ کے متعلق پوچھا تھا.... اُسی شخص نے جیلانی کی یہ تصویر خریدی ہے اور میں اسی کا تعاقب کرتا ہوا یہاں آیا ہوں۔"

"وہ کہاں ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"اوپر کسی خیمے میں....!"

"بڑی عجیب بات ہے۔"

"بڑی عجیب بات ہے.... جیلانی اس تصویر کو آسیب سمجھتا ہے اور وہی آسیب مجھ سے فون پر گفتگو کرتا ہے.... اور اسی آسیب کی آوازیں ہمیں فزارو کے ایک کمرے میں سنائی دیتی ہیں۔ وہ کمرہ کرنل وارڈ سے نسبت رکھتا ہے اور یہی کرنل وارڈ جیلانی کی تصویر خریدتا ہے....!"

"ہاں خریدتا ہے.... تو پھر....!" اچانک وہ دونوں ہی اچھل پڑے.... پورا غار کسی نسوانی آواز سے گونج اٹھا تھا اور وہ دونوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔

آواز پھر آئی.... اس بار وہ ایک کھنکتا ہوا قہقہہ تھا۔ حمید نے آواز صاف پہچان لی۔ یہ وہی آواز تھی جو وہ فزارو کے کمرے میں سنتا رہا تھا۔ یہی آواز اس نے فون پر بھی سنی تھی۔

یک بیک حمید سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر جھکا اور سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ "میرے لئے کیا حکم ہے جانِ بہار! کیا میں اس آدمی کی گردن اڑا دوں....!"

"کیپٹن حمید! تم جھوٹے ہو۔ تم اس آدمی کے لئے ساری دنیا میں آگ لگا سکتے ہو۔"

"روح بہار! تمہارے نغموں نے مجھے اس سے متنفر کر دیا ہے۔"

"احمق کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ مجھے تمہاری اس ایکٹنگ پر یقین آ گیا تھا۔"

"تمہاری آواز میں کتنا رس ہے....!" حمید نے کہا۔

اس نے دیکھا کہ فریدی دبے پاؤں درے کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس نے اُسے وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کیا تھا۔

"بکواس مت کرو....!" نسوانی آواز آئی۔

"کاش میں تمہیں دیکھ سکتا۔"

"کرنل فریدی سے پوچھو کہ میں کتنی دلکش ہوں۔"

"مگر جیلانی تو کہتا ہے کہ اس نے تمہیں کبھی دیکھا ہی نہیں۔"

"نہیں.... لیکن روحانی طور پر وہ مجھ سے متاثر ہوا ہے کیا تمہیں یقین ہے کہ میں ایک روح ہوں۔"

"مجھے یقین ہے روح بہار.... کاش میں.... کاش میں.... بعض اوقات دل چاہتا ہے کہ تم ملو تو تمہیں اپنے دل میں چھپا لوں.... اس وقت کوئی اچھا سا فلمی گیت سناؤ.... وہی.... ٹھمک ٹھمک ناچوں گی ہولے ہولے گاؤں گی.... ہائے!"

"کرنل کیوں خاموش ہے۔"

"وہ روح وغیرہ کا قائل نہیں ہے۔" حمید نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ فریدی غار میں موجود نہیں تھا۔

"شاید وہ یہاں کسی ٹرانسمیٹر کی موجودگی کے امکان پر غور کر رہا ہے۔"

"ہو سکتا ہے.... روح بہار!.... مگر میں تو قائل ہوں تمہارا.... اگر مجھے تمہاری روح ہونے میں شبہ ہوتا تو فزارو کو الٹ کر رکھ دیتا مگر یہ تو بتاؤ کہ ابھی میں کس چکر میں پھنس گیا تھا۔"

"روحوں پر سب کچھ عیاں ہوتا ہے۔ لیکن انہیں کائنات کے راز بتانے کی اجازت نہیں ہے اس لئے میں تمہاری یہ آرزو نہیں پوری کر سکوں گی۔ ویسے میں اپنے دل میں تمہارے لئے کافی جگہ پاتی ہوں۔"

"روحیں بھی دل والی ہوتی ہیں...." حمید نے حیرت سے پوچھا۔

"مجسم دل.. مگر نہیں تمہیں مجھ پر یقین کب ہے.... چلو تم یہاں کوئی ٹرانسمیٹر تلاش کرو۔"

"مجھے یقین ہے....!"

"نہیں اطمینان کر لو....!"

حمید نے چیزوں کو الٹنا پلٹنا شروع کر دیا۔ مگر کہیں بھی اسے کوئی ایسی چیز نظر نہ آئی جس پر ٹرانسمیٹر ہونے کا شبہ بھی کیا جا سکتا۔

"میں خواہ مخواہ تھکنا نہیں چاہتا روحِ بہار....!" حمید نے کہا۔ لیکن اب اس کی آواز نہ آئی۔

"روحِ بہار میں تم سے مخاطب ہوں۔" حمید نے چیخ کر کہا۔

لیکن جوب پھر ندارد.... خود اس کی آواز غار کی وسعتوں میں گونج کر رہ گئی۔

"ہینڈز اپ....!" دفعتاً پشت سے ایک گرجدار آواز آئی اور حمید چونک کر مڑا۔ وہی دونوں فوجی رائفلیں سیدھی کئے کھڑے تھے جو اُسے یہاں لائے تھے۔

"کمانڈر کہاں ہیں۔" ایک نے گرج کر پوچھا۔

"پتہ نہیں! مجھ سے تو یہ کہہ کر گئے ہیں کہ میں ذرا اپنی محبوبہ تک ایک پیغام پہنچا کر آتا ہوں۔"

"گھیرو.... مارو....!" ایک نے دوسرے سے کہا اور وہ دونوں رائفلوں کے کندے اٹھائے ہوئے اس کی طرف جھپٹے ہی تھے کہ درے سے فریدی برآمد ہوا۔

"ٹھہرو....!" اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ وہ مڑے اور پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہاں زلزلہ سا آ گیا ہو۔ چار نقاب پوش کسی طرف سے نکل کر فریدی پر ٹوٹ پڑے۔ فوجی دم بخود کھڑے رہ گئے۔

"اور تم کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ کمانڈر کو بچاؤ۔" حمید نے انہیں للکارا.... لیکن قبل اس کے کہ وہ دونوں فوجی کوئی قدم اٹھاتے دو فائر ہوئے اور وہ دونوں وہیں ڈھیر ہو گئے۔

تو یہ جال بچھایا گیا تھا فریدی کو پکڑنے کے لئے۔ حمید نے سوچا اور اُن نقاب پوشوں پر پل پڑا جو فریدی کو بے بس کر دینے کی کوشش کر رہے تھے مگر وہ ان فائروں کے متعلق سوچ رہا تھا آخر وہ کدھر سے ہوئے تھے۔ کس نے کئے تھے۔

نقاب پوش فریدی سے چمٹنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ دفعتاً حمید نے محسوس کیا کہ نقاب پوش اس میں دلچسپی نہیں لے رہے بلکہ وہ خواہ مخواہ ان سے بھڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔

دفعتاً فریدی کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی اور حمید بیساختہ چونک پڑا۔ یہ ایک قسم کا اشارہ تھا جس کا مطلب وہ بخوبی سمجھتا تھا.... وہ چپ چاپ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹا اور لہرا کر فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ پھر لیٹے ہی لیٹے ایک پتھر اٹھایا اور سرچ لائٹ پر کھینچ مارا....

دوسرے ہی لمحے میں اندھیرا گھپ....!

اس نے بیک وقت کئی چیخیں سنیں۔ پھر بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں اور اب پھر پہلے ہی جیسا سناٹا تھا.... حمید سینے کے بل رینگتا ہوا درے کی طرف بڑھا۔

روح کے چکمے

قاسم نے بڑی دیر تک حمید کا انتظار کیا.... جب اس کی واپسی ہوئی تو وہ خود ہی اٹھا اور اس کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔

مگر یہ ایک مشکل کام تھا کیونکہ چٹانیں تو دور دور تک آباد تھیں! اس نے سوچا کہ حمید کو آوازیں دینا شروع کر دے.... مگر پھر عقل آ گئی کہ یہاں تو درجنوں حمید ہوں گے! پتہ نہیں کتنے دوڑے آئیں اور اُسے خواہ مخواہ ہر ایک سے معافی مانگنی پڑے۔ پھر کیا صورت اختیار کی جائے۔

فریدی والے حمید بھائی.... کیوں نہ پکارا جائے.... بس خیال آیا ہی تھا ذہن میں کہ اس نے ہانک لگائی۔ "ابے فریدی والے حمید بھائی۔"

لیکن پھر بھی کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔

ویسے کسی نے قریب ہی سے ضرور کہا تھا کہ دیکھنا ذرا ایسے ڈیل ڈول والوں کو بھی شراب بالآخر پٹخ ہی دیتی ہے۔

یہ الفاظ قاسم کے کانوں میں پڑے اور وہ بھنا کر رہ گیا۔ جی تو چاہا کہ سالے کو اٹھائے اور کسی چٹان پر اس طرح پٹخ دے کہ بھیجا بکھر جائے۔ مگر پھر اس لڑکی کا خیال آ گیا جو حمید کے ساتھ تھی اور وہ تیزی سے آگے بڑھتا چلا گیا۔

ٹارچ کی روشنی چاروں طرف ڈالتا جا رہا تھا۔ اچانک خود اس کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی پڑی اور اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

"ابے قون ہے بے۔" وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر دہاڑا۔

"حمید کو دیکھا ہے کہیں۔" آنے والے نے قریب پہنچ کر پوچھا۔

"میں خود ہی ڈھونڈ رہا ہوں۔"

"آپ مسٹر قاسم ہیں شائد۔"

"جی ہاں.... جی ہاں.... پھر فرمایئے۔"

"حمید میرے ساتھ آیا تھا۔ بڑی دیر سے غائب ہے۔"

"آپ.... آفس صاحب ہیں نا....!" قاسم نے پوچھا۔

"آصف....!" آنے والے نے تصحیح کی۔

"جی ہاں.... جی ہاں.... میں آپ کو پہچانتا ہوں.... ابھی حمید بھائی ملے تھے کہا تھا کہ سب کو لے کر آتا ہوں۔ پھر غائب ہو گئے.... جی ہاں.... میرے پاس بہت بڑا خیمہ ہے.... میں نے کہا کہ میں اکیلا ہوں.... پھر آپ لوگ چٹان پر کیوں.... جی ہاں.... پڑے رہیں۔"

"یہ تو بڑی اچھی بات ہو گی جناب۔" آصف نے خوش ہو کر کہا۔ "مگر آپ کو ہماری وجہ سے تکلیف ہو گی۔"

"اجی واہ.... قوئی نہیں.... میں تو آپ کا کھادم.... خادم ہوں.... جناب، واہ آپ میرے بزرگ ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ....!"

"اچھا چلئے.... آپ کا سامان وامان کہاں ہے۔" قاسم نے بے چینی سے کہا۔

حمید درے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اچانک اس نے اسی پُراسرار عورت کی آواز سنی۔

"تم نے بہت بُرا کیا کیپٹن حمید....! دشمنوں نے فریدی کو قتل کر دیا۔ لیکن تم مجھے ہی دشمن سمجھتے رہے.... اب عقل کے ناخن لو.... ٹھہرو.... یہیں ٹھہرو....!"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ جہاں تھا وہیں رک گیا۔

"بولو.... تم خاموش کیوں ہو.... کیا چلے گئے۔ بولو.... تم مجھے قریب سے دیکھ سکو گے! میں آرہی ہوں وہیں ٹھہرو۔"

حمید نے سوچا کہ وہ ابھی دھوکا کھا چکا ہے۔ اسی کی گفتگو نے انہیں وہاں الجھائے رکھا تھا ورنہ وہ غار سے نکل گئے ہوتے۔ وہ پلٹ کر ان دونوں لاشوں کے قریب آیا اور ان کی کمریں ٹٹولنے لگا۔ ان کے ہولسٹروں میں ریوالور موجود تھے اور بھرے ہوئے تھے۔ حمید نے دونوں ریوالور نکال

لئے اور پھر بڑی تیزی سے درے میں رینگ گیا۔ اپنی سانسوں کے علاوہ اور کسی قسم کی آواز اُسے نہیں سنائی دے رہی تھی اور دل کی دھڑکنیں کھوپڑی میں دھمک پیدا کر رہی تھیں۔

دوسرے غار میں پہنچ کر وہ بھول گیا کہ اس کا دہانہ کس سمت تھا۔ اس کی ٹارچ تو اب اس کے پاس رہی نہیں تھی.... جیب میں دیا سلائی کی ڈبیہ البتہ موجود تھی لیکن اس نے اُسے بھی کام میں لانا مناسب نہ سمجھا۔ بس ٹٹول کر آگے بڑھتا رہا۔

اچانک اس کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی.... کیونکہ وہ لڑھکتا ہوا نہ جانے کن گہرائیوں کی طرف جا رہا تھا۔ اندھیرے میں جبکہ وہ گھٹنوں کے بل رینگ رہا تھا اُسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے اس کے ہاتھوں کے نیچے زمین نکل گئی ہو اور وہ منہ کے بل کسی نامعلوم ڈھلان پر جا پڑا تھا۔ بس پھر وہ لڑھکتا ہی چلا گیا اُسے ہوش تھا اور اسکے حلق سے ڈری ڈری سی آوازیں نکل رہی تھیں۔

"چھپاک....!" وہ اچانک پانی میں جا پڑا جو بے حد سرد تھا۔ لیکن جب اس کے پیر تہہ سے لگے تو جان میں جان آئی کیونکہ وہ سیدھا ہو کر سانس لے سکتا تھا۔ پانی کمر سے اونچا نہیں تھا۔ بہاؤ میں بھی تیزی نہیں تھی۔

اس "لڑھکاؤ" میں اُسے کتنی چوٹیں آئی تھیں اس کا ہوش اسے نہیں تھا۔ وہ تو دراصل یہ باور کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ زندہ ہی ہے۔

دفعتاً پھر اس کے حلق سے ایک بے ساختہ قسم کی چیخ نکلی.... مگر وہ تو روشنی تھی۔ تیز قسم کی روشنی جو اچانک اس کے آس پاس پھیل گئی تھی.... نہ اس روشنی نے اسے کاٹا تھا اور نہ مارنے دوڑی تھی! پھر وہ چیخا کیوں تھا؟ حمید کو اپنی اس کمزوری پر غصہ آگیا۔ پھر اُسے احساس ہوا کہ وہ دونوں ریوالور اب بھی اس کے ہاتھوں میں دبے ہوئے ہیں۔

اُس نے اس روشنی میں چاروں طرف ایک اچٹتی ہوئی سی نظر ڈالی لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ روشنی کہاں سے آرہی ہے۔

یہ ایک آٹھ یا دس فٹ چوڑا درہ تھا جس کی پوری چوڑائی میں شفاف پانی بہہ رہا تھا۔

چند لمحے گذر جانے کے بعد حمید کو سچ مچ چونکنا پڑا۔ کیونکہ اب یہ بات اچھی طرح اس کی سمجھ میں آگئی تھی کہ وہ روشنی پانی کی سطح سے پھوٹ کر فضا میں منتشر ہو رہی تھی۔

یہ کیسی روشنی تھی؟ حمید کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"ارے باپ رے....!" یک بیک وہ بھڑک کر پیچھے ہٹا۔ اس کے بازوؤں کو کسی چیز نے جکڑ لیا تھا اس طرح کہ وہ انہیں جنبش تک نہیں دے سکتا تھا۔

پھر ایک جھٹکے کے ساتھ اس کے پیر پانی کی تہہ سے اکھڑ گئے اور وہ اوپر اٹھتا چلا گیا۔ اس کی بازوؤں کی ہڈیاں گویا ٹوٹی جا رہی تھیں وہ رسی کا پھندا ہی تھا جس نے بے خبری میں اُسے جکڑ لیا تھا اور اب اُسے اوپر کھینچا جا رہا تھا۔

وہ خلاء میں جھول رہا تھا اور اوپر اٹھ رہا تھا۔ کئی بار ایسا بھی ہوا کہ وہ چٹان سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔ ہاتھ تو ہل ہی نہیں سکتے تھے ورنہ وہ ایسے مواقع پر انہیں روک بنانے کی کوشش کرتا.... جب بھی وہ جھکولا لیتا اس کی روح لرز اٹھتی کہ بس اب ٹکرائی کھوپڑی چٹان سے.... پیروں کو روک بنانے سے ڈرتا تھا۔ ایسا کرنے کے لئے اُسے سیدھا ہونے کی کوشش کرنی پڑتی۔ لیکن اس سے خدشہ تھا کہ رسی کا پھندا بازوؤں میں پھسل کر گردن میں نہ آ لگے۔

✿

حمید کی بروقت عقلمندی کی بناء پر فریدی ان نقاب پوشوں کو ڈاج دینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ درے سے نکل کر وہ کھلی فضا میں آ گیا اور اب مشکل ہی تھا کہ وہ کسی کے ہاتھ آ سکتا۔

نقاب پوش بھی نہ جانے کہاں غائب ہو گئے تھے۔ فریدی دیر تک اندھیرے میں آنکھیں پھاڑتا رہا۔ لیکن کوئی ہلکا سا سایہ بھی دکھائی نہ دیا۔

اب وہ حمید کے متعلق سوچ رہا تھا.... لیکن جس طرح ان دونوں فوجیوں کو گولی کا نشانہ بنایا گیا تھا اسی طرح ان دونوں کو بھی کیوں نہ ٹھکانے لگا دیا گیا؟

وہ آخر انہیں زندہ کیوں پکڑنا چاہتے تھے؟.... کیا حمید ان کی گرفت میں آ گیا ہو گا۔

اب وہ اُسے دانشمندی سے بعید سمجھتا تھا کہ دوبارہ اُس درے میں قدم رکھے۔ اُن لوگوں نے درے سے باہر اُس کا تعاقب کیوں نہیں کیا حالانکہ تاروں کی چھاؤں میں وہ اُسے بہ آسانی دیکھ سکتے تھے اس طرح غائب ہو جانے کا یہی مطلب تھا کہ وہ غار میں اُس کی واپسی کی توقع رکھتے تھے.... لیکن کس بناء پر....؟ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا تھا کہ انہوں نے حمید کو پکڑ لیا ہو! اور سوچ رہے ہوں کہ وہ اُسے تلاش کرنے ضرور آئے گا۔

وہ حمید کو قتل نہ کریں گے.... اس نے سوچا! اگر قتل ہی کرنا ہوتا تو دھوکے سے بھی

سکتے تھے۔ ان کے فرشتے بھی بچاؤ نہ کر سکتے۔ اس ہڑبونگ کا مقصد زندہ پکڑنا تھا اور اس مقصد کا جو کچھ بھی مقصد رہا ہو۔

وہ پھر اوپر چڑھنے لگا۔ راستہ دشوار گذار تھا اور معمولی ہی سی لغزش اُسے نیچے لے جا سکتی تھی.... دفعتاً اُسے اس نقلی کمانڈر کا خیال آیا۔ جسے بلیک فورس کے آدمی لے گئے تھے۔ پتہ نہیں ان پر کیا گذری ہو۔ وہ آدمی اب بھی ان کے قبضے میں ہو گا یا نہیں۔ فریدی یہ سوچ کر چلتے چلتے رک گیا اور کوئی ایسی جگہ تلاش کرنے لگا جہاں بیٹھ کر سفری ٹرانسمیٹر پر اُن لوگوں سے رابطہ قائم کر سکے۔

وہ ایک ایسی جگہ پانے میں کامیاب ہو گیا۔

پھر اس نے کوٹ کی جیب سے سفری ٹرانسمیٹر نکالا جو ایک سو بیس سائز کے فولڈنگ کیمرے سے بڑا نہیں تھا۔

"ہیلو.... ہیلو.... بلیک.... ہارڈاسٹون اسپیکنگ ہیلو.... بلیک....!"

دفعتاً ٹرانسمیٹر سے نسوانی قہقہے کی آواز آئی جو غار والی آواز سے مختلف نہیں تھی۔

"کرنل.... کس چکر میں پڑے.... ہو....!"

"کیوں....!" فریدی غرایا۔

"تم خواہ مخواہ میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔"

"اوہو.... تو کیا میں نے ایسا کر کے غلطی کی ہے....؟"

"یقیناً! تم غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ میں صرف ایک روح ہوں اور اس وقت تمہیں چند اسمگلروں نے نچا کر رکھ دیا ہے۔ جسے تمہارے آدمی لے گئے ہیں وہ ایک اسمگلر تھا کمانڈر کو قتل کر کے اس کے بھیس میں چوکی کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا.... سارے سپاہی اُسے اپنا کمانڈر ہی سمجھتے تھے۔ اس وقت محض افشائے راز کے ڈر سے انہوں نے ان دونوں سپاہیوں کو گولی مار دی.... سنو کرنل.... انہیں یقین ہو گیا ہے کہ تم اُن کے پیچھے ہو۔ لہٰذا وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ محتاط رہو۔"

"لیکن وہ ہیں کہاں....!"

"مجھ سے خوفزدہ ہو کر کسی طرف نکل بھاگے۔ ورنہ شائد اب تک تمہاری دھجیاں اڑ چکی

ہوتیں۔"

"کیا وہ حمید کو بھی لے گئے۔"

"نہیں وہ درے والے چشمے میں جاگرا تھا۔ میں نے اُسے اوپر اٹھالیا ہے۔ اس وقت وہ درے والی چٹان پر بیہوش پڑا ہوا ہے۔"

"تم آخر کیا بلا ہو....!"

"ایک روح جس نے جیلانی پر اپنا سایہ ڈال دیا تھا۔ کیا اس نے یہ نہیں بتایا کہ تین سال سے وہ صرف میری تصویر بنا رہا ہے۔"

"میں روحوں کا قائل نہیں ہوں....!"

"میں جانتی ہوں...." اُس نے کہا اور ایک زور دار قہقہہ لگا کر بولی۔ "اسی لئے میں نے تمہیں اس چکر میں ڈالا ہے تاکہ تم قائل ہو سکو! جب میں نے دیکھا کہ میری تصویر میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہے ہو تو میں نے ایک ماہر روحانیات کو مجبور کیا کہ اس تصویر کو ہر قیمت پر خریدے۔ تم کرنل وارڈ کے پیچھے لگ گئے۔ یہی میں بھی چاہتی تھی۔"

"کیوں....؟"

"تمہیں روحوں کو قائل کرنے کے لئے.... اب تم دیکھو گے کہ تمہیں یقین و تشکیک کے کتنے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اور تم روحوں کے قائل کیسے نہیں ہوتے۔"

"تمہیں ان سمگلروں کے مقابلے میں ہم سے کیوں ہمدردی ہے۔"

"میں تم دونوں کو بے حد پسند کرتی ہوں! تم بہادر ذہین اور عالی ہمت ہو!"

"تم اس چمکدار اور متحرک منارے کو راکٹ کی گیس سمجھتے ہو۔" عورت کی آواز آئی۔

"تم دلوں کی باتیں بھی جانتی ہو۔" فریدی کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"یقیناً....!"

"پھر وہ منارہ.... کیا بلا ہے۔"

"وہ میری بے تابی ہے.... میری بے چینی ہے.... جو زمین کا سینہ توڑتی ہوئی آسمان تک جاتی ہے۔"

"اور ایک رومانی نظم تیار ہو جاتی ہے۔" فریدی نے زہریلی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"خیر بھگتو گے اپنی بے یقینی کو.... میں نے تمہیں آگاہ کر دیا۔"

"آخر تم چاہتی کیا ہو؟ روحوں کو ہم سے کیا سروکار....!"

"میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ تم میرے سکون میں خلل انداز نہ ہو۔"

"میں ایک روح کا کیا بگاڑ سکتا ہوں۔"

"یہاں سے چلے جاؤ۔"

"یہ بھی لایعنی اور فضول سی بات ہے! آخر میں کیوں چلا جاؤں۔ مجھے دیکھنے دو کہ کرنل وارڈ نے تمہاری تصویر کیوں خریدی تھی۔"

"تمہاری بے یقینی برقرار ہی رہے گی کیوں؟"

"آہا! وہ تو تم ابھی بتا ہی چکی ہو کہ مجھے سبق دینے اور میری بے یقینی دور کرنے کے لئے تم نے وہ تصویر اُس سے خریدوائی تھی۔"

"تمہیں مجھ پر یقین کرنا ہی پڑے گا.... ختم کرو! اب تم اپنے آدمیوں سے گفتگو کر سکتے ہو۔"

"ٹھہرو....!" فریدی نے کہا۔ "تم ایک روح ہو۔ تمہیں دل کی باتیں بھی معلوم ہو جاتی ہیں۔ ذرا یہی بتاؤ کہ اس اسمگلر پر کیا گزری جسے میرے آدمی لے گئے ہیں۔"

"وہ تھیلے میں گھٹ کر مر گیا۔ تمہیں اپنے ساتھیوں کے نام اور پتے نہیں بتا سکے گا۔"

"تمہیں یقین ہے....!" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"جاؤ.... حمید کی خبر لو.... وہ چشمے والے درے کی چٹان پر پڑا ہے۔ اس نے سرد پانی کے غوطے کھائے تھے۔ کہیں اُسے نمونیہ نہ ہو جائے۔ اچھا اب میں تمہارے ٹرانسمیٹر پر سے اپنا سایہ ہٹا رہی ہوں۔ اب تم اپنے بلیکیز سے گفتگو کر سکتے ہو۔"

ہلکی سی کھر کھراہٹ کی آواز آئی اور پھر بلیک فورس کا کوئی آدمی بولا۔

"ہیلو.... ہیلو.... ہارڈ اسٹون پلیز.... ہارڈ اسٹون پلیز....!"

"اسٹون اسپیکنگ....!" فریدی نے کہا۔

"دیکھئے! تھیلے سے اس کی لاش برآمد ہوئی ہے اور اس کا سارا جسم نیلا پڑ گیا۔ حتیٰ کہ دانت بھی نیلے ہو گئے ہیں۔"

فریدی نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "اس کا پوسٹ مارٹم ضرور ہونا چاہئے۔ طریقہ یہ

ہو گا کہ لاش کو اسی وقت ٹیکم گڈھ لے جاؤ اور کسی شاہراہ پر ڈال دو۔ لیکن اس کی ذمہ داری بھی تم پر ہی ہو گی کہ اُسے پولیس کے علاوہ اور کوئی نہ اٹھانے پائے۔"

"مطمئن رہئے.... ایسا ہی ہو گا۔"

"اوور.... اینڈ آل....!" فریدی نے کہا اور سوئچ آف کرنے ہی جا رہا تھا کہ نسوانی قہقہہ سنائی دیا۔

"اب تم زہر کے امکانات پر غور کرو گے کرنل فریدی۔"

"غور کرنے کی بُری عادت سے بھی نالاں ہوں۔"

"اُسے سانپ نے ڈس لیا ہے.... ان پہاڑیوں میں کئی رنگوں والا سانپ پایا جاتا ہے جسے شفق کہتے ہیں۔ وہ اتنا ہی زہریلا ہوتا ہے کہ دانت تک نیلے پڑ جاتے ہیں۔ تمہارے آدمی تھیلا ایک جگہ ڈال کر کمین گاہ کا راستہ تلاش کرنے لگے تھے۔ سانپ نے تھیلے کے اوپر ہی سے اُسے ڈس لیا لاش کا پوسٹ مارٹم ضرور کراؤ۔ میں خود اس کی نگرانی کروں گی کہ اُسے پولیس کے علاوہ اور کوئی ہاتھ نہ لگانے.... پائے.... اوہ کرنل کیا تم حمید کی خبر نہیں لو گے.... اُسے تمہاری مدد کی ضرورت ہے، ورنہ ہو سکتا ہے کہ اس کے پھیپھڑے سردی سے متاثر ہو جائیں۔"

آواز آنی بند ہو گئی اور فریدی نے سوئچ آف کر دیا۔

اس نے آج دن ہی میں وہ درہ دیکھا تھا جس کی تہہ میں ایک سست رفتار چشمہ بہتا تھا۔ تقریباً بیس یا پچیس منٹ کی جدوجہد کے بعد وہ اس کی اوپری چٹان تک پہنچا سکا اور پھر سچ مچ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں کیونکہ حمید ایک کمبل میں لپٹا ہوا خراٹے لے رہا تھا اور اس کے نیچے ایک آرام دہ گدا بچھا ہوا تھا۔

"حمید.... حمید!" فریدی نے اس کا شانہ ہلا کر آواز دیتے ہوئے ٹارچ بجھا دی۔

"سونے دیجئے۔" حمید نے منمنا کر کروٹ لی۔

فریدی نے کمبل کا گوشہ ہٹا کر دیکھا۔ حمید کے جسم پر وہ ایوننگ سوٹ نہیں تھا جس میں اس نے اُسے کچھ دیر پہلے دیکھا تھا۔ اس کی بجائے سلکن سلیپنگ سوٹ تھا.... اس نے پھر حمید کو جھنجھوڑا اور حمید بڑبڑاتا ہوا اٹھ بیٹھا پھر جھلا کر بولا۔ "کھا جائیے مجھے.... سونے بھی نہیں دیتے.... ارے باپ رے۔"

وہ یک بیک اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ فریدی نے پھر ٹارچ روشن کی اور حمید اپنے بستر کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ پھر فریدی کے ہاتھ سے ٹارچ لے کر درے کی طرف جھپٹا۔ نیچے روشنی ڈالی تقریباً چالیس فٹ کی گہرائی میں پانی بہہ رہا تھا۔

"کیا میں بیہوش ہو جاؤں۔" اس نے پلٹ کر فریدی سے پوچھا۔

"کیا قصہ ہے۔"

"ارے یہ بستر.... میرا اپنا ہے.... اور یہ سلیپنگ سوٹ بھی! بھگا ہوا ایوننگ سوٹ نہ جانے کہاں گیا.... میرے خدا.... میں غار سے پھسل کر اس درے کے چشمے میں جا پڑا تھا۔ پھر کسی نے رسی کے پھندے میں پھانس کر مجھے اوپر کھینچ لیا۔ اس کے بعد کا ہوش مجھے نہیں.... اف فوہ دونوں بازو! پھوڑے کی طرح دکھ رہے ہیں۔ کیا میں یقین کر لوں کہ وہ سچ مچ کوئی روح ہے۔"

"فی الحال یقین کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

"وہ بیہوشی کے عالم میں میرا گلا گھونٹ سکتی تھی....! لیکن یہ دیکھئے وہ دونوں ریوالور بھی تکیے کے نیچے موجود ہیں، جو میرے ہاتھوں میں تھے! میرا بستر.... میرا تکیہ.... یہ سب کچھ یہاں کیسے آیا.... میرا بھگا ہوا سوٹ کہاں گیا۔ یہ سلیپنگ سوٹ تو میرے سوٹ کیس میں تھا۔"

فریدی پیشانی پر شکنیں ڈالے کچھ سوچ رہا تھا۔

بھیگا ہوا سوٹ

وہ ایک بہت ہی تیز چیخ تھی جس سے بیگم تنویر کی نیند اچٹ گئی تھی۔ اُن کی آنکھیں پوری طرح کھلی ہوئی تھیں اور دل بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ کانوں میں سیٹیاں سی بج رہی تھیں اور پسینے کی چپچپاہٹ سارے جسم میں محسوس ہو رہی تھی۔

کمرہ تاریک تھا۔ وہ روشنی بند کر کے سونے کی عادی تھی۔

بدقت تمام وہ اٹھیں اور ٹٹولتی ہوئی سوئچ بورڈ تک پہنچیں! دوسرے ہی لمحہ میں کمرہ روشن ہو گیا۔ مگر پھر وہ سوچ میں پڑ گئیں.... ہو سکتا ہے وہ محض واہمہ رہا ہو۔ انہوں نے وہ آواز خواب میں سنی ہو۔ کیونکہ اب تو چاروں طرف سناٹا ہی سناٹا تھا۔

پھر بھی وہ احتیاطاً باہر نکل ہی آئیں۔ برآمدے میں روشنی تھی۔ دل دھک سے رہ گیا کیونکہ صدر دروازہ کے دونوں پاٹ کھلے ہوئے تھے۔

جلد ہی انہوں نے اپنی حالت پر قابو پالیا کیونکہ وہ ایک مضبوط دل کی عورت تھیں۔ یہ اور بات ہے کہ بیرونی برآمدے میں صوفیہ کو بیہوش دیکھ کر انہیں چکر آگئے ہوں۔

انہوں نے اُسے ہلایا جلایا لیکن اس نے آنکھیں نہ کھولیں....! اُن کے یہاں کوئی ملازم نہیں تھا۔ مجبوراً وہ خود ہی اندر آئیں اور پہلے تو انہوں نے نچلی منزل کے سارے کمرے دیکھ ڈالے اور یہ اطمینان ہو جانے پر کہ ساری چیزیں اپنی جگہ ہی پر موجود ہیں انہوں نے گلاس میں پانی انڈیلا اور پھر وہیں پہنچ گئیں جہاں صوفیہ بیہوش پڑی تھی۔

انہوں نے اُس کے منہ پر چھینٹے دیئے اور ایک پرانا اخبار جھلتی رہیں۔ کچھ دیر بعد صوفیہ نے آنکھیں کھولیں۔ چند لمحے پلکیں جھپکاتی رہی اور پھر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

"آنٹی....!" اُس کے حلق سے گھٹی گھٹی سی آواز نکلی اور پھر وہ بیگم تنویر سے چمٹی ہوئی کسی ننھے سے بچے کی طرح کانپ رہی تھی۔

"کیا ہوا ہے.... کیا بات ہے! کیونکر میرا دم نکالے دے رہی ہو۔" بیگم تنویر بولیں۔

"وہ.... وہ اُسے لے گئے آنٹی....!"

"کون کسے لے گئے۔"

"جیلانی کو۔"

"جیلانی کو....!" بیگم تنویر نے حیرت سے کہا! "کون لے گئے۔"

"چار آدمی تھے جن کے چہروں پر نقابیں تھیں۔"

"کہاں لے گئے.... کیوں لے گئے.... کیسے لے گئے۔" بیگم تنویر بوکھلا گئیں۔

"زبردستی لے گئے۔ یہاں صحن میں جیلانی ان سے لڑ گیا تھا۔ انہیں میں سے کسی نے اس کے سر پر کوئی وزنی چیز ماری اور وہ بیہوش ہو کر گر گیا۔ میں اُسی کی آواز پر جاگی تھی۔ دروازہ کھلا ہی تھا میں یہاں برآمدے میں آگئی۔ جیلانی ان کی گرفت سے آزاد ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک آدمی میری طرف بھی بڑھا اور پھر اس نے مجھے حلق سے آواز نکالنے کی بھی مہلت نہیں دی! وہ میرا اگلا گھونٹ رہا تھا۔ اسی دوران میں میں نے جیلانی کو بھی گرتے دیکھا اس کے بعد کا مجھے

یاد نہیں....!"

"جیلانی...." وہ آہستہ سے بڑبڑائیں اور اپنی پیشانی رگڑنے لگیں۔ پھر بولیں۔ "چلو اٹھو اندر چلیں.... میری تو آئی گئی عقل خبط ہو رہی ہے! سمجھ میں نہیں آتا کہ جیلانی کے لئے کیا کروں....!"

"وہ اُسے کیوں لے گئے ہیں آنٹی....!"

"میں کیا بتا سکتی ہوں۔" انہوں نے تشویش کن لہجے میں کہا۔

صوفیہ کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس طرح گھر کے اندر نہیں جانا چاہتی۔ لیکن پھر وہ بیگم تنویر کا حکم نہ ٹال سکی اور اندر آکر بیگم تنویر نے دوبارہ دروازہ بولٹ کر دیا۔

"چلو اوپر چلیں....!" انہوں نے صوفیہ سے کہا۔

"وہاں کیا رکھا ہے! وہ تو اُسے لے گئے....!" صوفیہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

کچھ دیر بعد بیگم تنویر اوپر جانے کے لئے زینے طے کر رہی تھیں اور صوفیہ ان کے پیچھے تھی جیلانی کے کمروں میں سے ایک کے علاوہ اُسے کہیں بھی کسی قسم کی ابتری نہ دکھائی دی۔

ابتری صرف اس کمرے میں تھی جہاں جیلانی تصویریں بنایا کرتا تھا۔ یہاں کا سارا سامان الٹ پلٹ کر رکھ دیا گیا تھا۔ فرش پر چاروں طرف تصویریں بکھری پڑی تھیں۔

"تصویریں کیوں الٹی گئی ہیں۔" صوفیہ نے حیرت سے کہا۔

"خدا بہتر جانتا ہے۔" بیگم تنویر نے طویل سانس لے کر کہا۔ اُن کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔ تھوڑی دیر خاموش رہ کر وہ پھر بولیں "جیلانی بے حد پُراسرار آدمی ہے۔ مگر کرنل فریدی اس کی تصویر میں کیوں دلچسپی لے رہا ہے۔ تصویر بجائے خود پُراسرار تھی۔ جیلانی کو اس وقت یہاں سے اس طرح لے جانے والے کون تھے۔ وہ اُسے کہاں لے گئے ہوں گے۔"

"میں کیا کروں....!" صوفیہ بڑبڑائی۔

"کیوں؟" بیگم تنویر چونک کر اُسے گھورنے لگیں! "میں کیا کروں کا کیا مطلب....!"

"جج.... جی کچھ مطلب نہیں.... بس.... یعنی کہ....!" صوفیہ ہکلا کر رہ گئی۔ لیکن بیگم تنویر اُسے گھورتی ہی رہیں۔

"کیوں؟ کیا تم کوئی حماقت کر بیٹھی ہو۔"

"جی نہیں تو.... مگر کیا مطلب! میں نہیں سمجھی آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔"

"کچھ نہیں....!" بیگم تنویر نے خشک لہجے میں کہا۔ "کوئی نہیں جانتا کہ جیلانی کون ہے اس کے والدین کون تھے کہاں تھے۔"

"وہ تو خود کو سر دانش کا بیٹا کہتا ہے۔" صوفیہ بولی۔

"نہیں تم نہیں جانتیں۔ اس کی اصلیت سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ وہ تو کل ایک آرٹسٹ لیڈی شیلا درپن سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے مجھے جیلانی کے متعلق بہت کچھ بتایا ہے سر دانش ایک اچھے مصور اور لاولد رئیس تھے۔ انہوں نے شادی ہی نہیں کی تھی۔ اپنی دولت عمو فنکاروں اور فن پر صرف کرتے تھے۔ جیلانی ایک دن انہیں شہر کے کسی فٹ پاتھ پر ملا تھا کوئلے سے فٹ پاتھ پر تصویریں بنا رہا تھا۔ اس وقت اس کی عمر پندرہ سال تھی وہ اسی طرح پیٹ پالتا تھا۔ فٹ پاتھوں پر کوئلے سے اوٹ پٹانگ تصویریں بنا کر لوگوں کو خوش کرتا تھا اور وہ اُسے پیسے دیتے تھے۔ گویا اس نے بھیک مانگنے کا ایک نیا طریقہ ایجاد کیا تھا۔ سر دانش اُسے اپنے گھر لائے اور اُسے تعلیم و تربیت دینے لگے بچوں کی طرح پالا اور مرتے وقت جائیداد اسی کے نام لکھ گئے۔"

"اس کے باوجود بھی وہ کرائے کے مکان میں زندگی بسر کرتا ہے۔" صوفیہ نے حیرت سے پوچھا۔

"ہوں! جیلانی جیسا شریف آدمی ہونا بہت مشکل کام ہے.... آج تک میری نظروں سے ایسا کوئی دوسرا آدمی نہیں گزرا.... سر دانش لاولد ضرور تھے لیکن اس کے بعض قریبی اعزہ تھے ہی جو اُن کے بعد ان کی جائیداد کے وارث ہوتے! لیکن سر دانش ان سے سخت متنفر تھے۔ اس لئے انہوں نے ان کو اپنی جائیداد سے ایک حبہ بھی نہیں دیا....! ان کے وہ عزیز مفلس تھے ان کے پاس اتنا سرمایہ نہیں تھا کہ جیلانی سے مقدمہ بازی کر کے جائیداد نکال لیتے۔ سر دانش کی ایک بیوہ عم زاد بھی تھی زیادہ تر حق اسی کو پہنچتا تھا۔ وہ بڑی تنگدستی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ ایک جھلاہٹ میں جیلانی پر چڑھ دوڑی۔ جیلانی کو جب یہ معلوم ہوا کہ سر دانش نے اُسے جائیداد دے کر اپنے اعزہ کی حق تلفی کی ہے تو اُسے بڑا دکھ ہوا.... اور وہ چپ چاپ ساری جائیداد سے دستبردار ہوگیا.... دانش کی عم زاد نے بہت چاہا کہ وہ اپنی رہائش کیلئے سر دانش ہی کا کوئی بنگلہ منتخب کرلے یا اسی کوٹھی میں مقیم رہے جس میں اب تک رہتا آیا تھا۔ لیکن جیلانی اس پر تیار

ہوا.... اسی دن کوٹھی خالی کر دی۔ کرائے کے مکان میں رہنے لگا۔ ہے کوئی بیسویں صدی میں بھی ایسا.... مجھے تو نہیں دکھائی دیتا۔"

بیگم تنویر خاموش ہوگئیں اور صوفیہ چونک کر بوکھلائے ہوئے انداز میں اپنے آنسو پونچھنے لگی۔

"تم رو رہی ہو....!" بیگم تنویر نے حیرت سے کہا۔

"جی.... وہ نہیں.... دیکھئے نیک آدمیوں کے قصے سن کر میرا دل بھر آتا ہے۔"

"مجھے کچھ کرنا چاہئے.... کرنل فریدی کو فون کروں.... کیا کروں۔"

"کرنل فریدی کہیں باہر گئے ہوئے ہیں! کل جیلانی نے انہیں فون کیا تھا گھر سے یہی جواب ملا تھا۔"

"پھر پولیس اسٹیشن فون کروں.... ہاں.... میرے خدا.... میں کتنی پریشان ہوں.... وہ کتنا اچھا تھا.... ایسا دل کڑھ رہا ہے جیسے اپنا ہی بچہ کھو گیا ہو۔"

❁

اتنی سردی تو تھی ہی کہ صرف سلکن سلیپنگ سوٹ میں رہنا ناممکن ہو جاتا۔ حمید نے کمبل اوڑھ لیا اور گدا تہہ کر کے کاندھے پر ڈال لیا۔ اُسے یہ دیکھ کر اور بھی حیرت ہوئی کہ اس کے پیروں میں بھیگے ہوئے جوتے بھی نہیں ہیں! خشک سلیپر پیروں کے پاس پڑے ہوئے تھے۔ یہ بھی اس کے اپنے ہی تھے۔

وہ درے والی چٹان سے اترنے لگے۔

"آخر آپ کو اس آسیب پر کس عورت کا شبہ ہوا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"آسیب.... آسیب ہے اس پر کسی کا شبہ کیسے کیا جاسکتا ہے۔ ہم نے ابھی تک اُسے دیکھا تو نہیں ہے کہ اس پر کسی کا شبہ کیا جاسکے۔"

"وہ تصویر کس کی تھی۔"

دفعتاً.... فریدی نے اس کا بازو پکڑ کر روکتے ہوئے کہا۔ "نیچے دیکھ کر چلو ابھی ہڈیاں چور ہو جاتیں۔" حمید نے نیچے دیکھا۔ ایک بڑا سا غار تھا پھر وہ اس سے کترا کر نیچے اترنے لگے۔

نیچے پہنچ کر کچھ دور مسطح زمین پر چلنا پڑتا اور پھر اس کے بعد چڑھائی شروع ہو جاتی جس سے گزر کر وہ سیاحوں کے خیموں تک پہنچتے۔

فریدی اب بھی سرحدی چوکی کے کمانڈر ہی کے میک اپ میں تھا۔

"اب تم کہاں جاؤ گے۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔ پھر ٹارچ کی روشنی میں گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "اف.... فوہ تین بج گئے۔"

"میرا خیال ہے کہ قاسم خود ہی تلاش کر کے ان دونوں کو خیمے میں لے گیا ہوگا۔"

"مگر یہ لڑکی کیوں ہے تمہارے ساتھ۔!"

"ملے اسی بیچاری نے تو سہارا دیا تھا۔ ورنہ پتہ نہیں کہاں کہاں بھٹکتے پھرتے چھوری پیک پر زلزلہ آگیا۔ وہ بُری طرح ہل رہا تھا۔ کیوں نہ ہلتا جبکہ قاسم خود ہی پردے کی رسیاں کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

پردہ کھلا اور ساتھ ہی قاسم کا منہ بھی کھل گیا کیونکہ حمید کمبل اوڑھے ہوئے تھا اور اس کے کاندھے پر گدا بار تھا اور جسم پر شب خوابی کا لباس۔ آصف اور زیبا بھی اُسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

"یہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو۔" دفعتاً آصف نے غصیلے لہجے میں کہا۔

حمید نے کوئی جواب دیئے بغیر گدا زمین پر پھیلا دیا اور اس پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "میرا خیال ہے کہ ساڑھے تین بج رہے ہیں۔"

"میں تم سے کیا پوچھ رہا ہوں۔" آصف نے للکارا۔

"اے تو آہستہ بولو نا بڑے بھائی.... چنگھاڑنے کی کیا ضرورت ہے۔" قاسم نے سر ہلا کر کہا۔ "حمید بھائی ہیں۔ کوئی نئی سوجھی ہوگی۔"

"میرا سامان کہاں ہے۔"

"وہ اُدھر....!" قاسم نے ایک گوشے میں اشارہ کیا۔

حمید اٹھ کر اپنے سوٹ کیس کے قریب آیا۔ بھیگا ہوا سوٹ اس پر موجود تھا اور قریب ہی جوتے رکھے ہوئے تھے۔

"سامان یہاں پہنچانے کے بعد آپ لوگ کہیں گئے تھے؟" حمید نے آصف سے پوچھا۔

"بیکار بکواس نہ کرو۔" آصف نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اگر نہ گئے ہوتے تو تم چپ چاپ یہ سارا سامان کیسے نکال لے جاتے.... کہاں تھے اب تک۔"

"یہ میرا نہیں بلکہ روح بہار کا کرشمہ ہے۔"

"کیا مطلب....!"

قاسم شاید انہیں کوئی کہانی سنا رہا تھا۔

"پردہ کھولو....!" حمید نے باہر سے ہانک لگائی اور قاسم یک بیک خاموش ہو گیا اور پھر تھوڑی دیر بعد اس نے پوچھا! "قون....!"

"تمہارا چچا فرعون.... پردہ کھولو....!"

"اَغے... حمید بھائی....!" قاسم نے نعرہ لگایا۔ پھر ایسا معلوم ہونے لگا جیسے خیمے میں زلزلہ آگیا۔ وہ بُری طرح ہل رہا تھا۔ کیوں نہ ہلتا جبکہ قاسم خود ہی پردے کی رسیاں کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

پردہ کھلا اور ساتھ ہی قاسم کا منہ بھی کھل گیا کیونکہ حمید کمبل اوڑھے ہوئے تھا اور اس کے کاندھے پر گدا بار تھا اور جسم پر شب خوابی کا لباس۔ آصف اور زیبا بھی اُسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

"یہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو۔" دفعتاً آصف نے غصیلے لہجے میں کہا۔

حمید نے کوئی جواب دیئے بغیر گدا زمین پر پھیلا دیا اور اس پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "میرا خیال ہے کہ ساڑھے تین بج رہے ہیں۔"

"میں تم سے کیا پوچھ رہا ہوں۔" آصف نے للکارا۔

"اے تو آہستہ بولو نا بڑے بھائی.... چنگھاڑنے کی کیا ضرورت ہے۔" قاسم نے سر ہلا کر کہا۔ "حمید بھائی ہیں۔ کوئی نئی سوجھی ہوگی۔"

"میرا سامان کہاں ہے۔"

"وہ اُدھر....!" قاسم نے ایک گوشے میں اشارہ کیا۔

حمید اٹھ کر اپنے سوٹ کیس کے قریب آیا۔ بھیگا ہوا سوٹ اس پر موجود تھا اور قریب ہی جوتے رکھے ہوئے تھے۔

"سامان یہاں پہنچانے کے بعد آپ لوگ کہیں گئے تھے؟" حمید نے آصف سے پوچھا۔

"بیکار بکواس نہ کرو۔" آصف نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اگر نہ گئے ہوتے تو تم چپ چاپ یہ سارا سامان کیسے نکال لے جاتے.... کہاں تھے اب تک۔"

"یہ میرا نہیں بلکہ روح بہار کا کرشمہ ہے۔"

"کیا مطلب....!"

زیادہ دور نہیں چلنا پڑا.... خیموں کی بستی میں کہیں کہیں اس وقت بھی روشنی نظر آرہی تھی۔ حمید قاسم کے خیمے کے پاس رک گیا۔

اندر روشنی تھی لیکن در کا پردہ گرا کر باندھ دیا گیا تھا۔

اندر سے قاسم کی بھرائی ہوئی سی آواز آرہی تھی۔ ساتھ ہی وہ زیبا کی ہنسی بھی سن رہا تھا۔

"میں اس منارے کو دیکھ کر نیچے اترنے لگا تھا۔ دفعتاً پیر پھسلا اور میں ایک چشمے میں جا
اب جو ٹارچ روشن کی اور اوپر دیکھا تو دم نکل گیا کیونکہ یہ پانی ایک گہرے درے میں بہہ رہا
دونوں طرف چٹانیں کھڑی تھیں۔ میرا سر چکرا گیا کیونکہ اب اوپر پہنچنے کا کوئی ذریعہ نظر
آرہا تھا کچھ ہوش آیا تو محسوس کیا کہ جسم پر بھیگے ہوئے کپڑے بھی نہیں ہیں۔ بستر بھی میرا
تھا اور سلیپنگ سوٹ بھی۔"

"لونڈوں کو ایسی غپ سناتا....!" آصف بے اعتباری سے بولا۔

اور حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "بھیگا ہوا سوٹ اور جوتے یہاں موجود ہیں۔"

زیبا آگے بڑھ کر دیکھنے لگی۔ قاسم اس طرح پلکیں جھپکا رہا تھا جیسے وہ کچھ سمجھا ہی نہ ہو۔

"قیا.... قصہ ہے حمید بھائی....!" اس نے پوچھا۔

"مجھ پر آسیب کا سایہ ہو گیا ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"ارے باپ رے۔" قاسم کا منہ پھیل گیا۔

"تمہیں نیند کب آئے گی۔" آصف نے زیبا سے کہا۔ "خود بھی جاگ رہی ہو اور دوسر
کو بھی جگا رہی ہو۔"

پھر وہ سب چپ چاپ لیٹ گئے۔ قاسم بھی خاموش ہو گیا تھا۔ پتہ نہیں ذہنی رو بہک
تھی یا آسیب کے نام پر اس کا دم ہی نکل گیا تھا۔

حمید تفریح کے موڈ میں نہیں تھا۔ نیند بھی غائب ہو گئی تھی اور اس وقت وہ صرف سو
چاہتا تھا۔ آخر فریدی نے اس آواز کے متعلق کیا نظریہ قائم کیا تھا؟ کیا وہ بھی اُسے آسیب
سمجھتا تھا۔ مگر نہیں! آسیب کیوں!.... اگر یہی بات ہوتی تو پہلے ہی سے اس تصویر کے پیچھے
پڑتا۔ اس وقت تک اس آسیب کا وہم و گمان بھی نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے جیلانی کو
سال سے پریشان کر رکھا ہو۔ لیکن فریدی کو اس کا علم کب تھا.... وہ تصویر تو اچانک اس
سامنے آئی تھی اور وہ اس میں دلچسپی لینے لگا تھا.... اگر اُسے آسیب نہ سمجھا جائے تو پھر اس آ
مسئلہ کیسے حل ہو سکتا ہے، جو ہر جگہ سنی جا سکتی ہے۔

حمید نے اس غار میں ٹرانسمیٹر تلاش کیا تھا۔ لیکن وہاں تو کوئی ایسی چیز بھی نہیں ملی تھی
پر ٹرانسمیٹر کا شبہ ہی کیا جاتا۔ "اوہ.... مگر....!" وہ بڑبڑایا.... اُسے تاریک وادی کی وہ

اسفنج نما کائی یاد آگئی جسے زیرو لینڈ والے ٹرانسمیٹر کی بجائے استعمال کرتے تھے۔ اگر ویسا ہی کوئی سنہرہ ڈھیر کہیں چھپا دیا جائے تو اس سے بھی ویسی ہی آواز نکلے گی.... "اوہ.... اوہ....!" وہ مضطربانہ انداز میں اٹھ بیٹھا مگر فزارو کا کمرہ.... اس کے ذہن میں کانٹے سے چبھنے لگے.... فزارو والا کمرہ.... وہ اور آصف دونوں ہی اُسی کمرے میں موجود تھے! لیکن الگ الگ اُس پُراسرار عورت کی آوازیں سن رہے تھے۔ جب وہ آصف سے مخاطب ہوتی تھی تو حمید اس کی آواز نہیں سن سکتا تھا اور جب وہ حمید سے کچھ کہتی تھی تو آصف نہیں سن سکتا تھا.... پھر اسے کیا کہا جائے گا.... ہو سکتا ہے اس بار فریدی کے نظریات شکست ہو جائیں.... مگر وہ چمکدار دھوئیں کا منارہ.... اس نے کہا تھا کہ وہ اس کی بے چینی تھی۔ فریدی نے تو یہی بتایا تھا۔ وہ اس کی بے چینی تھی جو زمین و آسمان کو ایک کر دیتی تھی۔ کتنا شاعرانہ خیال تھا.... وہ کیسی ہو گی.... کیسی ہو گی.... اس کی آواز کتنی رسیلی ہے.... کتنی پُراسرار ہے.... حمید بستر سے اٹھ گیا.... وہ لوگ خراٹے لینے لگے تھے مگر خیمے میں ٹہلنے کی جگہ کہاں تھی.... پھر وہ کیا کرتا.... دفعتاً باہر سے آواز آئی۔

"کیپٹن حمید.... براہِ کرم باہر تشریف لائیے۔"

آواز مردانہ تھی اور حمید کے لئے بالکل نئی! ذہن پر زور دینے کے باوجود بھی وہ اس آواز کی شناخت نہ کر سکا۔

"کون ہے....!" حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"کرنل وارڈ....!" پرسکون لہجے میں جواب دیا گیا اور حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔ سونے والے سوتے رہے۔ حمید نے خیمے کے پردے کی رسیاں کھولیں پردہ ہٹاتے ہی پیٹرومیکس کی روشنی کرنل وارڈ پر پڑی۔ وہ سفید سمور کی ٹوپی اور سیاہ لبادے میں ملبوس تھا۔

"شاید ہم پہلے کبھی نہیں ملے۔" حمید نے کہا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیا آپ میرے خیمے تک چل سکیں گے....!" کرنل نے جھکیوں کے سے انداز میں کہا۔

"ضرور چلوں گا....!" حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

کھوپڑی کھا گئی

کرنل وارڈ کا خیمہ کیا تھا اچھا خاصا بھوت خانہ تھا۔ خیمے کے وسط میں ایک ایسا قالین بچھا ہوا تھا جس پر انسانی ہڈیوں کے ڈھانچوں سے ترتیب دیئے ہوئے ڈیزائن تھے۔ اسی قالین پر ایک جگہ انسانی کھوپڑی رکھی ہوئی تھی۔

حمید نے خیمے کی فضا میں عجیب سی بو محسوس کی۔ لیکن وہ اُسے کوئی معنی نہ پہنا سکا۔ ویسے اس کا مبہم سا احساس ضرور تھا کہ وہ خوشبو کسی حد تک جانی پہچانی ہوئی سی ہے۔ پھر یک بیک اُسے یاد آگیا کہ وہ خوشبو کیسی ہے۔ ایسے خوشبو تو کفن سے آتی ہے۔ کافور صندل اور عطر کی ملی جلی خوشبو!

کرنل وارڈ خیمے کے وسط میں کھڑا کچھ سوچ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں ویران ہوتی جارہی تھیں.... دفعتاً اس نے کہا۔ "کیپٹن یہ میری زندگی کا حیرت انگیز ترین دن ہے۔"

"کیوں....؟" حمید چونک پڑا۔

"اب تک میرے پاس ایسے ہی آدمی آتے رہے ہیں جنہیں کسی روح کو طلب کرنا ہوتا ہے لیکن آج ایک ایسا آدمی آیا ہے جسے ایک روح نے طلب کیا ہے۔ میرے سارے کیریئر میں ایک دن بھی ایسا نہیں آیا۔"

"مجھے کس روح نے طلب کیا ہے۔" حمید نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

"تم کون ہو۔"

"کرنل وارڈ ماہر روحانیات کا نام شائد آپ نے پہلے بھی کبھی سنا ہو۔"

"مجھے یاد نہیں پڑتا۔"

"خیر ہوگا۔ تو ہاں آپ نے اس روح کے متعلق پوچھا تھا۔ وہ ایک قدیم روح ہے۔ بہت دنوں سے بے چین ہے۔ میں اس بے چینی کی وجہ نہیں جانتا۔ لیکن میرا علم ہی خبر دیتا ہے کہ عنقریب وہ روح سکون پا جائے گی۔"

"آپ جانتے ہیں میں کون ہوں۔" حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "اور میرا وقت برباد کرانے کی سزا کیا ہو سکتی ہے۔"

"میں جانتا ہوں کہ آپ محکمہ سراغ رسانی کے ایک ذمہ دار آفیسر ہیں اور مجھے پھانسی تک

دلوا سکتے ہیں۔"

"یہ زبان جو قینچی کی طرح چل رہی ہے منہ سے کھینچی بھی جا سکتی ہے۔" حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

دفعتاً زمین پر رکھی ہوئی کھوپڑی سے قہقہے کی آواز آئی اور یہ آواز اس آسیب کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی تھی۔ پھر اس نے حمید کو مخاطب کیا۔

"تم بڑے احسان فراموش معلوم ہوتے ہو۔ ابھی کچھ ہی دیر پہلے میں نے تمہاری جان بچائی تھی اور اب تم میرے پجاری کو آنکھیں دکھا رہے ہو....!"

"ہیں.... یہ تمہارے پجاری ہیں.... روح بہار....!"

"میرا پجاری....!" بڑی شان سے جواب دیا گیا۔

حمید کرنل وارڈ کی طرف مڑا اور اس سے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ "مجھے افسوس ہے مائی ڈیئر مسٹر پجاری۔ میں نہیں جانتا تھا کہ تمہارا تعلق جان سے پیاری روح بہار سے ہے.... ڈارلنگ روح بہار.... اس غلطی پر تم جو سزا مجھے چاہو دے سکتی ہو۔ کہو تو مرغا بن جاؤں۔"

"مکاری کی باتیں نہیں کیپٹن حمید! میں نے تم سے بھی بڑے مکار دیکھے ہیں۔"

"جانِ آرزو! تم میرے خلوص کو پھانسی دے رہی ہو۔ میری دل آزاری نہ کرو۔ میں تمہارے لئے جان بھی دے سکتا ہوں۔"

"خیر اسی وقت اس کا بھی امتحان ہو جائے گا۔" کھوپڑی سے آواز آئی۔ "فی الحال میں تمہاری ایک آرزو پوری کرنا چاہتی ہوں۔ تم نے کہا تھا نا کہ تم مجھے دیکھنا چاہتے ہو۔"

"اوہ.... اوہ....!" حمید دونوں ہاتھوں سے کلیجہ تھام کر دوزانو بیٹھ گیا اور بولا۔ "تم میری خواہش پوری کرو گی.... مگر کہاں۔"

"یہیں.... اسی جگہ....!" کھوپڑی سے آواز آئی۔

"میں بہت مضطرب ہوں.... روح بہار.... اب باتوں میں وقت نہ برباد کرو۔"

"اچھا تو دیکھو....!" کھوپڑی سے آواز آئی اور یکایک خیمے میں اندھیرا گھپ ہو گیا! پٹرومیکس لیمپ بجھ گیا تھا۔

پھر اس اندھیرے میں ایک جگہ روشنی کا دھبہ سا نظر آیا۔ کچھ دیر بعد جب آنکھیں

اندھیرے کی عادی ہو گئیں تو وہی دھبہ پہلے ہی سے بھی زیادہ واضح ہو گیا۔ یہ قالین کے وسط میں رکھی ہوئی کھوپڑی تھی۔ آنکھوں کے سوراخ پہلے ہی کی طرح تاریک تھے.... کھوپڑی ہی کی سطح چمک رہی تھی۔ اچانک آنکھوں کے سوراخوں سے دو باریک چمکدار سی لکیریں نکلیں اور انہوں نے کھوپڑی کے گرد تقریباً پانچ فٹ قطر کا دائرہ بنایا.... آہستہ آہستہ یہ دائرہ بلند ہونے لگا.... چمکیلا غبار دائرے کی شکل میں اوپر اٹھ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ خیمے کی چھت سے جالگا۔ وہ غبار اتنا روشن تھا کہ خیمے کی ایک ایک چیز صاف دیکھی جاسکتی تھی۔ حمید کے قریب ہی کرنل وارڈ کھڑا اس غبار کو گھور رہا تھا۔ سفید سمور کی ٹوپی کے نیچے اس کا نیم تاریک چہرہ اس وقت بڑا بھیانک لگ رہا تھا.... حمید کی آنکھیں اس کے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔

پھر وہ چونکا شہنائیوں اور ڈھول کی مدھم آواز چمکدار غبار کے بگولے سے نکل کر خیمے میں منتشر ہو رہی تھی.... ایک عجیب سا نغمہ تھا.... جس نے چند ہی لمحات میں ہزاروں سال پہلے کی دنیا کا ماحول پیدا کر دیا۔ عود و عنبر کی لپٹوں سے سارا خیمہ مہک رہا تھا۔ آہستہ آہستہ شہنائیوں کی آوازیں سکوت میں گم ہوتی چلی گئیں پھر گھنٹے بجنے لگے.... بالکل ایسے ہی جیسے پوجا کے وقت بجتے ہیں۔ اس کے بعد مکھیوں کی سی بھنبھناہٹ سنائی دی جو بتدریج بلند ہوتی گئی اور اب حمید کی سمجھ میں آیا کہ یہ ہزاروں آدمیوں کا کورس تھا۔ ہزاروں آدمی بیک وقت گا رہے تھے.... یہ حمید کی سمجھ میں نہ آسکا.... موسیقی بھی غیر مانوس تھی۔ مگر اس سے عظمت اور جلال و جبروت کا اظہار ہو رہا تھا۔

پھر یک بیک اس روشن غبار کے بگولے کے اندر ایک دھندلا سا انسانی مجسمہ نظر آیا جس کے خدوخال واضح نہیں تھے۔ آہستہ آہستہ مجسمہ واضح ہوتا گیا۔ یہ ایک بے حد حسین عورت تھی۔ اس کے جسم پر قدیم یونانی وضع کا سفید لبادہ تھا اور وہ یونان ہی کی کوئی اساطیری دیوی معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے ہونٹ ہلے اور آواز نکلی۔ یہی آواز حمید بہت دنوں سے سنتا آرہا تھا۔ مگر وہ اس وقت جو کچھ بھی کہہ رہی تھی حمید کے فرشتے بھی اس کا مفہوم نہیں سمجھ سکتے تھے۔ پتہ نہیں وہ کون سی زبان تھی۔

پھر اچانک وہ ہنس پڑی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے چینی کی پلیٹ میں ننھے ننھے ٹھوس موتیوں کی لڑی ٹوٹ گئی ہو۔

"ہاہا.... تم نہیں سمجھے کیپٹن حمید۔" اس نے کہا۔ "میں نے ابھی تمہیں دیوتاؤں کی زبان میں مخاطب کیا تھا۔ میں یونان کی وینس ہوں.... اگر تم نے میرا بت دیکھا ہو تو پہچاننے کی کوشش کرو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اس کے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ چھوٹ رہا تھا۔

"میں ہزار ہا سال سے بیکراں خلاؤں میں موجود ہوں....!" مجسمے نے کہا۔ "ہر دور میں مجھے چند لوگ پسند آتے ہیں۔ مجھے کرنل فریدی کی جرأت اور ذہانت پسند ہے.... اور تم.... تمہاری باغ و بہار طبیعت مجھے بھائی ہے.... بلاؤ کرنل کہاں ہے وہ روحوں پر یقین نہیں رکھتا.... تم ہی بتاؤ.... تم جو ابھی سوچ رہے تھے کہ اس کھوپڑی میں کوئی چھوٹا سا ٹرانسمیٹر موجود ہے.... تم جو تاریک وادی میں سنہری کائی دیکھ چکے ہو! مجھے بھی سائنس کا کوئی شعبدہ سمجھتے ہو.... بولو.... جواب دو! کیا میں جھوٹ کہہ رہی ہوں۔"

حمید دم بخود تھا۔ وہ روشن غبار کے بگولے کے درمیان اُس عورت کو دیکھ رہا تھا جس کا جسم حرکت کر سکتا تھا۔ جس کے متحرک ہونٹوں سے منتشر ہونے والے الفاظ اس کے کانوں تک پہنچ رہے تھے۔ وہ ایک روح تھی.... کیا حقیقتاً وہ ایک روح تھی.... حمید خائف نہیں تھا۔ لیکن اس کے اعصاب کو کیا ہو گیا تھا۔ اس کی زبان کیوں گنگ ہو گئی تھی۔

"تم اب بھی شبہے میں مبتلا ہو کیپٹن حمید۔ اچھا اٹھو اور میرے قریب آؤ.... آؤ.... ڈرتے کیوں ہو.... کیا میں تمہیں کوئی گزند پہنچاؤں گی.... ہرگز نہیں.... ہرگز نہیں کیپٹن حمید.... اگر یہی چاہتی تو تم اس چشمے سے نکل کر بستر میں آرام کرتے ہوئے نہ پائے گئے ہوتے.... آؤ قریب آؤ۔"

حمید ابھی تک دو زانو ہی بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے سوچا کہ یہ بہت بڑی بزدلی ہو گی اگر وہ اٹھ کر اس کے پاس نہ جائے۔ وہ اٹھا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا روشن غبار کے بگولے کے قریب پہنچ گیا جو ایک ہی جگہ پر بڑی تیزی سے گردش کر رہا تھا۔

"تم واقعی بہت دلیر ہو کیپٹن حمید۔" روح مسکرائی۔ "تم جیسے لوگ بھی کم ہی دیکھنے میں آئے ہیں۔ ادھر دیکھو ذرا کرنل وارڈ کی حالت دیکھو۔"

حمید کرنل وارڈ کی طرف مڑا جو زمین پر اوندھا پڑا ہوا تھا اور اس میں زندگی کے آثار نہیں پائے جاتے تھے۔

...اندر آجاؤ.... ڈرو نہیں....!" روح نے بڑے پیار سے کہا۔

...کڑا کر کے غبار کے بگولے میں داخل ہو گیا.... روح اب اس سے صرف ایک ...کے ...تھی!

میرا ہاتھ پکڑ لو.... دیکھو کتنا سرد ہے.... شائد تمہارا زندگی سے بھرپور ہاتھ ...کچھ ...ے سکے۔" اس نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

...سین تھی.... کتنی دلکش تھی.... حمید پر بے خودی سی طاری ہوتی جا رہی ...اس ...ب سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ لیکن پھر اس کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چ... گئی ...نہ اس کی مٹھی بند ہو گئی تھی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے وہ دھوئیں کا ہاتھ ...روح اب بھی وہیں موجود تھی اس کا ہاتھ بھی اسی پوزیشن میں تھا۔ حمید نے سنبھالا لیا.... ...کڑا کر کے اُس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا.... لیکن ہاتھ اس طرح اس کی کمر سے گزر گیا جیسے دھ... سے گزرا ہو۔

روح نے قہقہہ لگایا اور حمید لڑکھڑاتا ہوا.... روشن غبار کے بگولے سے نکل آیا۔ اس... شدت سے چکرا رہا تھا اور ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اب وہ اپنی قوت سے کھڑا نہ رہ سکے گا۔

"دیکھا تم نے.... اب اپنا وقت برباد نہ کرو....!" روح نے کہا اور آہستہ آہستہ اُسی ... غبار میں تحلیل ہو گئی۔

پھر غبار بھی تاریکی میں مدغم ہو گیا۔ حمید وہیں کھڑا رہا۔ لیکن اب اس کی حالت اور زیا... ہوتی جا رہی تھی۔

وہ کیا کرے.... وہ کیا کرے.... اتنی سی بات بھی اس کی سمجھ میں نہ آ سکی کہ اُسے بیٹھ جانا چا...

وہ آگے پیچھے جھول رہا تھا.... دفعتاً کرنل وارڈ اٹھ کر اس کی طرف جھپٹا اور داہنے ... سہارا دیتا ہوا بولا۔ "سنبھلو کیپٹن.... سنبھلو.... میں تمہارا بے حد شکر گزار ہوں کہ آج تم ... بدولت اس کا دیدار نصیب ہوا.... ورنہ بیس برس سے اس کی پرستش کرتا آ رہا تھا۔ مگر ... میرے سامنے نہیں آئی.... صرف اس کی آواز ہی سنتا رہا تھا.... اوہ.... کیپٹن اوہ.... ... کتنے خوش نصیب ہو!.... اس نے تمہیں اپنے قریب بلایا تھا اپنا ہاتھ پیش کیا تھا۔ بیٹھ جاؤ ... جاؤ.... تم واقعی بڑے ہمت والے ہو۔ اگر وہ مجھے اپنے قریب بلاتی تو.... میرا تو دم ہی نکل ...

اس نے حمید کو قالین پر بٹھا دیا۔

دوسری صبح فریدی حمید کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ حفاظتی چوکی سے ٹرانس میٹر کے ذریعہ اس نے ہیڈ کوارٹر کو حالات سے آگاہ کیا تھا اور اسے ہیڈ کوارٹر سے اختیار ملا تھا کہ وہ سیکنڈ آفیسر کو وقتی طور پر انچارج بنا کر اپنا کام دیکھے۔ وادیٔ کاجیک کا پُراسرار دخانی منارہ ہیڈ کوارٹر کے لئے بھی الجھن کا باعث بن گیا تھا۔ لہٰذا فریدی کو یہ بھی بتایا کہ ایک فوجی تحقیقاتی کمیشن وادیٔ کاجیک کی طرف روانہ ہو چکا ہے۔ فریدی اس اطلاع پر کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔

پھر وہ حمید کی تلاش میں نکلا۔ پچھلی رات کے تجربات نے اس پر واضح کر دیا تھا کہ حریف کی نظر اس پر ہر وقت رہتی ہے۔ لہٰذا میک اپ بھی فضول ہی ثابت ہو گا۔ اسی لئے اس نے حفاظتی چوکی کے کمانڈر کا میک اپ ختم کر دیا تھا۔

قاسم کا خیمہ تلاش کرنے میں اُسے کوئی دشواری نہیں پیش آئی۔ کیونکہ وہاں کسی دیو قامت آدمی کو تلاش کر لینا کچھ مشکل نہیں تھا۔ مشکل کیوں ہوتا جب کہ قاسم پہلے ہی سے آس پاس والوں کے لئے موضوع گفتگو بنا رہا تھا۔ لیکن اس وقت اس کا خیمہ خالی ملا۔ فریدی نے سوچا ممکن ہے وہ لوگ "کیفِ شبانہ" میں ناشتہ کرنے گئے ہوں۔ اس لئے وہ آگے بڑھتا چلا گیا۔

راہ میں کرنل وارڈ کے خیمے کے قریب اُسے رک جانا پڑا۔ کیونکہ اندر سے حمید کے گانے کی آواز آ رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی تال اور سر میں لکڑی بجائی جا رہی تھی۔ پھر کوئی دوسرا بھی حمید کی آواز میں آواز ملانے لگا۔ حمید گا رہا تھا۔

زہرہ ہفت افلاک کی نذر ہیں! عشرتیں راحتیں، زندگی اور دل
دل جو معمور ہے زہرہ ہفت افلاک کے عشق سے زہرہ ہفت افلاک کا عشق ہے حاصل زندگی

فریدی بغیر اجازت پردہ ہٹا کر اندر داخل ہو گیا۔ لیکن آج کل اُسے کسی بات پر حیرت نہیں ہوتی تھی۔ پھر وہ حمید کو اس حال میں دیکھ کر حیرت کیوں ظاہر کرتا۔

حمید کا حلیہ عجیب تھا۔ اس کے سر پر بھی سمور کی ٹوپی تھی اور جسم پر لبادہ.... وہ قالین پر دو زانو بیٹھا ہوا گا رہا تھا اور اس کے سامنے اسی پوزیشن میں کرنل وارڈ بیٹھا گانے کی تال اور سر کے ساتھ دو بڑی بڑی ہڈیاں بجا رہا تھا۔ کبھی وہ بھی گانے لگتا۔ دونوں کی آنکھیں بند تھیں اور ان کے درمیان ایک انسانی کھوپڑی رکھی ہوئی تھی۔

قریب ہی زیبا قاسم اور آصف کھڑے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکا رہے تھے۔ آصف فریدی کو دیکھ کر چونک پڑا اور زیبا پر کچھ اس قسم کی نظر ڈالی جیسے وہاں اس وقت اس کی موجودگی اس کے لئے کوئی بڑی آفت لائے گی۔

"یہ دیکھئے اپنے شاگرد رشید کے کرتوت....!" آصف نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

اس کی آواز پر ان دونوں نے اس طرح خاموش ہو کر آنکھیں کھول دیں جیسے ان کی موجودگی سے بے خبر رہے ہوں۔ دونوں ہی کی آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں۔

"جائیے....!" حمید ہاتھ ہلا کر فریدی سے بولا۔ "میں اب آپ کے کام کا نہیں رہا۔ جائیے اپنی عقل کو چگاتے پھریئے۔ مجھے تو نیا گیان ہوا ہے۔ میں زہرہ کا پجاری ہوں.... جائیے.... میری واپسی نہ ممکن ہے۔"

"سن لیا....!" آصف بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "یہ تم سے بھی بڑھ جائے گا۔"

"یہ تم نے کیا کیا۔" فریدی نے حمید کی طرف اشارہ کر کے کرنل وارڈ سے کہا۔

"آپ کون ہیں اور بغیر اجازت میرے خیمے میں کیوں گھس آئے۔" کرنل وارڈ اٹھتا ہوا بولا۔

"تم کرنل وارڈ ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں میرے نام کے سلسلے میں تم غلطی پر نہیں ہو۔" کرنل وارڈ نے پُر سکون لہجہ میں کہا۔ "اور اب براہِ کرم باہر چلے جاؤ.... ہماری عبادت میں خلل نہ ڈالو۔"

حمید نے پھر زہرہ ہفت افلاک کا بھجن شروع کر دیا اور کرنل وارڈ پہلے ہی کی طرح ہڈیاں بجاتا رہا۔

"کرنل وارڈ....!" دفعتاً فریدی گرجا۔ "میں تم سے پوچھتا ہوں کہ یہ خیمہ کب سے تمہارے پاس ہے۔"

"میں کیوں بتاؤں! تم کون ہو۔"

فریدی نے جیب سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر اس کے آگے ڈالا۔

"اوہ.... تو.... مگر مجھے پولیس سے کیا سروکار۔" کرنل وارڈ نے کارڈ دیکھ کر متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

"میری بات کا جواب دو۔"

"سیزن کے شروع ہی میں میں نے یہ خیمہ اپنے لئے بک کرا لیا تھا۔"

"مگر تم زیادہ تر دارالحکومت میں نظر آتے ہو۔"

"کیوں نہ آؤں! کیا میری نقل و حرکت پر کسی قسم کی پابندی لگا دی گئی ہے۔"

"کیا تم آدمیوں کی طرح گفتگو کرنے پر مجبور نہیں کئے جا سکتے۔" فریدی غرایا۔

"آپ کیوں ہمیں بور کر رہے ہیں۔" حمید بول پڑا۔

"تم....!" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔ "اٹھو اور چپ چاپ باہر نکل جاؤ۔"

"میں زہرہ ہفت افلاک کا دامن نہیں چھوڑ سکتا۔"

"کیا بک رہا ہے....!"

"آصف سے پوچھ لیجئے....!" حمید نے سر اٹھائے بغیر کہا۔ اس کی نگاہ وسط میں رکھی ہوئی ٹھوپڑی پر تھی۔

آصف نے فریدی کو باہر چلنے کا اشارہ کیا۔

اور وہ سب باہر نکل آئے.... آصف نے فریدی سے پوچھا۔ "تم کب آئے....!"

لیکن فریدی نے اس کے سوال کا جواب دیئے بغیر خود اس سے پوچھا۔

"آپ لوگ یہاں کیا کر رہے تھے۔"

آصف نے فرزارو کے آسیب زدہ کمرے کی داستان چھیڑ دی.... حمید اور کرنل وارڈ کی آوازیں اب بھی خیمے سے آ رہی تھیں زہرہ ہفت افلاک کا بھجن جاری تھا، فریدی حالانکہ اس آسیب کی کہانی حمید سے بھی سن چکا تھا۔ لیکن آصف کی زبان سے نہایت صبر و سکون کے ساتھ معلومات حاصل کرتا رہا جیسے یہ حیرت انگیز واقعات پہلی بار اس کے سامنے آئے ہوں۔

"حمید رات ہی سے عجیب و غریب حرکتیں کرتا رہا ہے۔" آصف نے کہا اور بھیگے ہوئے سوٹ کی کہانی دہراتا ہوا بولا۔ "اس کے بعد ہم جب صبح سو کر اٹھے تو وہ بستر سے غائب تھا۔ اچانک میں نے اسی آسیب کی آواز سنی جو ہمیں کرنل وارڈ کے خیمے میں جانے کی ہدایت کر رہی تھی۔ یہاں پہنچے تو حمید صاحب کو اس حال میں دیکھا۔ دیکھو میری سنو۔ کسی اچھے عامل سے رجوع کرو۔ حمید پر سایہ ہو گیا ہے۔"

یہ حیرت انگیز کہانی پہلی بار قاسم کی سمجھ میں آئی تھی اس لئے اس کا حلیہ دیکھنے سے تعلق

رکھتا تھا۔

"تم نے بھی آواز سنی تھی۔" فریدی نے قاسم سے پوچھا۔

"نن.... نہیں.... میں نے تو نہیں سنی۔" قاسم نے کہا۔ فریدی نے زیبا کی طرف دیکھا اس نے بھی سر ہلا دیا ویسے وہ فریدی کو اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے وہ اسے خواب میں نظر آیا ہو شروع سے اب تک ایک پل کے لئے بھی اس کی نظریں فریدی سے نہیں ہٹی تھیں۔

"ہوں....!" فریدی آصف کو ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اس کی نگاہ اس کے داہنے ہاتھ پر رک گئی۔

"دیکھو....!" آصف نے بزرگانہ انداز میں کہا۔ "تم روحانیت کے قائل نہیں ہو۔"

"یہ کس گدھے نے کہہ دیا آپ سے.... ہاں میں بھٹکنے والی روحوں کا قائل نہیں ہوں۔ سو فیصدی فراڈ ہوتا ہے یا کسی ذی روح کی شیطانی قوت ارادی کا کرشمہ....!"

"کچھ بھی سہی! یہ شیطانی قوت تمہیں نقصان بھی پہنچا سکتی ہے۔"

فریدی تحقیر آمیز انداز میں ہنسا اور بولا۔ "میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتی۔"

خیمے میں وہ دونوں اب بھی اسی سرگرمی کے ساتھ ہڈیوں کی تال پر بھجن گا رہے تھے۔

فریدی اندر جانے کے لئے مڑا.... وہ لوگ پھر اس کے پیچھے لگ گئے۔ قاسم سے شاید حرکت غیر ارادی ہی طور پر سرزد ہوئی تھی ورنہ وہ بیچارہ آسیب کا شدت سے قائل تھا اور باتوں سے تو اس کا دم نکلتا تھا۔

لیکن خیمے میں داخل ہوتے ہی ایک بار تو فریدی بھی چکرا گیا۔ کیونکہ وہ دونوں غائب تھے مگر آوازیں.... آوازیں تو قالین پر رکھی ہوئی کھوپڑی سے آ رہی تھیں۔

"ارے.... بب.... بب.... بب.... ہاں....!" قاسم بھینسوں کی طرح ڈکراتا ہوا بھاگا اور زیبا آصف سے چمٹ گئی۔ آصف کو اتنا ہوش کہاں تھا کہ وہ اپنی جگہ سے بھی ہلتا فریدی کھوپڑی کی طرف بڑھا اور یک بیک کھوپڑی سے آواز آئی۔ "خبردار کرنل آگے بڑھنا.... پچھتاؤ گے....!" یہ اسی پُر اسرار عورت کی آواز تھی.... جس وقت وہ بولی تھی اس کی آواز ہلکی ہو کر بیک گراؤنڈ میں چلی گئی تھی۔ آصف اور زیبا ایک دوسرے سے چمٹے ہوئے بری طرح کانپ رہے تھے۔

انگوٹھی

فریدی نے اس کھوپڑی پر ٹھوکر رسید کی.... وہ اچھل کر خیمے کی قنات سے جا ٹکرائی اور پھر ایک زوردار دھماکہ ہوا.... اور خیمہ دھڑا دھڑ جلنے لگا.... آصف چیختا اور زیبا کو کھینچتا ہوا باہر نکل گیا۔ پھر وہ ہلڑ ہوا کہ خدا کی پناہ.... دوسرے خیموں کی رسیاں کاٹ کاٹ کر انہیں گرایا جانے لگا کیونکہ آس پاس کے دو ایک خیمے اور بھی آگ کی لپیٹ میں آ گئے تھے۔

"یہ کیا ہوا.... یہ آدمی کون تھا۔" زیبا آصف سے پوچھ رہی تھی۔ آصف پر اب بھی لرزہ طاری تھا۔ وہ لوگوں کو خیمے گراتے اور آگ بجھاتے دیکھ رہا تھا۔

"وہ ایک ناعاقبت اندیش حیوان تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ خیمے ہی میں بھسم ہو گیا ہوگا۔" آصف نے بدقت تمام کہا۔ اسے فریدی پر غصہ بھی آ رہا تھا۔

بمشکل تمام آگ پر قابو پایا جا سکا.... اس بھیڑ میں آصف کو قاسم بھی نظر آیا جو آگ بجھانے والوں کو مدد دے رہا تھا۔ جلتے ہوئے خیموں سے اس نے دو تین آدمیوں کو باہر نکالا تھا۔

پھر اس نے دیکھا کہ وہ ان کی طرف آ رہا ہے۔

"فق.... کرنل صاحب کہاں ہیں۔" اس نے قریب پہنچ کر آصف سے پوچھا۔

"پتہ نہیں....!"

"پتہ نہیں....!" قاسم ہاتھ نچا کر جھلائے ہوئے لہجہ میں بولا۔ "بس تم ان سے چپکے کھڑے رہو۔ شرم نہیں آتی۔"

"کیا بکواس ہے۔" آصف آنکھیں نکال کر غرایا۔

"اے جاؤ.... بڈھے ہو گئے تمہارے برابر میرے لڑکے ہوں گے.... نن نہیں.... میرے برابر تمہارے لڑکے ہوں گے۔"

"تم ہوش میں ہو یا نہیں....!"

"میرے پہلو میں بھی ہوتی تو میں ہوش میں نہ ہوتا۔" قاسم نے کہا شاید اس کی ذہنی رو بہک گئی تھی۔ یا پھر وہ پچھلی رات دل ہی دل میں آصف پر تاؤ کھاتا رہا تھا کہ اس وقت ابل ہی پڑا.... اُسے یہ چیز پہلے گراں گزری تھی کہ اتنا بوڑھا آدمی کسی اتنی جوان لڑکی سے "محبت" کرے۔

"میں تمہارے ہتھکڑیاں لگوادوں گا۔" آصف غصے سے کانپتا ہوا بولا۔

"ابے جاؤ مر گئے.... ہتھکڑیاں لگوانے والے.... چلو.... تم ادھر آؤ۔"

قاسم نے زیبا کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ پتہ نہیں قاسم کو کیا ہو گیا تھا۔ اس سے جرأت کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ ارے یہ وہی قاسم تو تھا جو عورتوں کی موجودگی میں ہکلا لگتا تھا۔ وہ لوگ جن سے بے تکلفی نہ ہو ان کے سامنے عورت کے مسئلے پر گفتگو کرنے سے زبان نہیں کھلتی تھی۔

"میں تمہیں گولی مار دوں گا۔" آصف نے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ اتنے میں فر نہ جانے کدھر سے آنکلا اس کے ساتھ دو فوجی بھی تھے۔

"ٹھہرو....!" آصف نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "اسے سمجھاؤ.... ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔"

فریدی نے قاسم کو گھور کر دیکھا.... اور قاسم جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "میں بھی کہوں گا۔ میری بھی سنئے۔" وہ ابھی تک زیبا کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا اور زیبا دم بخود تھی۔ معلوم ہوتا تھا جیسے کہانیوں والے کسی آدم خور دیو سے سابقہ پڑ گیا ہو۔

فریدی نے فوجیوں سے کہا۔ میں نے اس خیمے کی جگہ چاک سے نشان لگا دیا ہے وہاں چو گھنٹے دو آدمیوں کی ڈیوٹی رہے گی۔

فوجی اُسے سلیوٹ کر کے خیموں کی طرف چلے گئے۔

"ہاں.... کیا بات ہے۔" فریدی نے انہیں باری باری سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اسی سے پوچھو....!" آصف نے قاسم کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"جبان سنبھال کر تم خود اسی.... اُسی....!" قاسم دھاڑا۔

"خاموش رہو۔" فریدی نے ڈانٹا اور قاسم ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑاتا ہوا خاموش ہو گیا۔ پھر فریدی نے اس سے کہا۔ "اس کا ہاتھ کیوں پکڑ رکھا ہے۔"

قاسم بُری طرح چونکا اور اس کا ہاتھ چھوڑ کر لڑکھڑاتا ہوا دو چار قدم پیچھے ہٹ گیا۔ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔

"کیا تمہارا خیمہ جل گیا۔" فریدی نے قاسم سے پوچھا۔

"نہیں.... جی نہیں.... وہ رہا!" قاسم نے خیمے کی طرف اشارہ کیا۔

"چلو....!" فریدی ہاتھ سے اشارہ کرتا ہوا خیمے کی طرف بڑھ گیا۔ زیبا متحیرانہ انداز میں فریدی کو دیکھ رہی تھی اور شاید یہ چیز آصف کو گراں گزری تھی۔

وہ طوعاً کرہاً فریدی کے پیچھے چل پڑا۔ قاسم اور زیبا بھی چل رہے تھے۔

خیمے میں پہنچ کر فریدی قالین پر بیٹھ گیا اور آصف سے بولا۔ "اب بتائیے کیا قصہ ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس قصے سے پہلے حمید کو تلاش کرنا چاہئے۔"

"اُسے تو آسیب ہضم کر گیا۔" فریدی مسکرایا۔ "اس کی واپسی اب ناممکن ہے۔ ہاں خیر.... اب بھی آپ لوگوں کے ساتھ اس لڑکی کی موجودگی کی وجہ پوچھ سکتا ہوں۔"

"آپ ہوتے کون ہیں پوچھنے والے۔" آصف نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"آپ کو شاید میرے اختیارات کا علم نہیں ہے۔ میں انسپکٹر جنرل کے کاموں میں بھی مداخلت کر سکتا ہوں۔ اگر ضرورت پڑے.... ویسے یہ اور بات ہے کہ میں اس مداخلت کو مشورے کا رنگ دے دوں۔"

"آپ خواہ مخواہ.... مجھ پر دھونس جمانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہاں نہیں چلے گی۔"

دفعتاً فریدی لڑکی کی طرف مڑا۔

"لڑکی تم کون ہو۔"

"ان لوگوں نے مجھے پاگل بنا کر رکھ دیا ہے جناب! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔"

"تم کوئی غیر ذمہ دارانہ گفتگو نہیں کرو گی۔" آصف نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"لڑکی تمہیں جو کچھ بھی کہنا ہے نڈر ہو کر کہو۔ آصف صاحب باہر جاسکتے ہیں۔ ورنہ مجھے مجبوراً کوئی غیر سرکاری قدم اٹھانا پڑے گا۔"

آصف نے فریدی کے چہرے کی طرف دیکھا اور دم بخود رہ گیا۔

"ان کے سیکریٹری نے مجھ سے کہا تھا کہ میں انہیں بیوقوف بنا کر ان سے رقومات وصول کروں۔ یہ ایک بہت بڑے سیٹھ ہیں۔ میں فزارو میں ویٹریس ہوں جناب۔"

"دیکھا.... دیکھ لیا۔" آصف آنکھیں نکال کر بولا۔ "سیکریٹری سے مراد حمید ہے۔"

"دیکھ لیا، مگر آپ اس کے آفیسر تھے.... آپ نے اس لڑکی کو اپنے اوپر مسلط ہی کیوں ہونے دیا تھا۔"

"تم بے تکے الزامات لگا رہے ہو۔ اس بیچاری نے ہمارے لئے ایک پناہ گاہ تلاش کی تھی.... اس لئے جب ہم یہاں آنے لگے تو اسے بھی ساتھ لیتے آئے۔"

"نہیں جناب.... یہ غلط ہے۔" زیبا بولی۔ "میں کوئی رئیس زادی نہیں ہوں کہ اس طرح سیر و تفریح کرتی پھروں....!"

"مجھے دو ماہ کے لئے ملازم رکھا گیا تھا۔ واہ یہ اچھی رہی۔"

"کس نے ملازم رکھا تھا۔" آصف آنکھیں نکال کر بولا۔

"آپ کے سیکریٹری نے....!"

"تو.... وہی تنخواہ بھی ادا کرے گا....!"

"میں ادا کروں گا۔" قاسم چھاتی ٹھونک کر بولا۔ "ابے ایسے حمید بھائی پر ہزاروں نثار کر سکتا ہوں تم کیا سمجھتے ہو.... ہاں جی بتاؤ کتنی تنخواہ طے ہوئی تھی۔"

"ڈھائی سو۔" زیبا نے جواب دیا۔

"بس.... پھس....!" قاسم نے آصف کی طرف دیکھ کر دانت نکالے اور پھر لڑکی سے بولا۔ "میں پانچ سو دوں گا میرا پیارا حمید بھائی....!"

یک بیک قاسم کی آواز گلوگیر ہو گئی.... ذہنی رو بہک گئی تھی۔ آنکھیں ڈبڈبا آئی تھیں اور باقاعدہ طور پر آنسو بہنے لگے.... "اب وہ کبھی واپس نہ آئے گا۔ کھوپڑی میں گھس گیا.... منع کرتا تھا.... دیکھو حمید بھائی لونڈیوں کا چکر بُرا ہوتا ہے اب وہ کبھی نہیں آئے گا.... ہائے میں کیا کروں کرنل صاحب! اس سالی زہرہ سخت اخلاق قاپتہ لگائیے۔"

"اس کا پتہ کہاں لگاؤں.... ہوا سے کون لڑے گا۔ صبر کرو....!"

"ہائے کیسے صبر کروں۔" قاسم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ "کلیجے کو منہ آرہا ہے۔ اب ایسا پیارا بھائی کہاں سے ملے گا۔ ہائے سب کچھ یاد آرہا ہے.... کہتا تھا.... دیکھو پیارے.... یہ دوگیاں.... فل فلوٹیاں.... یلا یلیاں.... مجھے جینے نہیں دیں گی.... ہائے وہی ہوا.... آسیب کو لونڈیا سمجھ کر کھوپڑی میں سما گیا.... ارے باپ رے۔"

قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ گریہ زاری میں اچانک بریک لگ گیا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے کوئی بات یاد آگئی ہو۔

"ہائیں....!" اس نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ "کل رات کوئی عورت میرے کان میں بھی چلیں چلیں کر رہی تھی شاید۔"

"یعنی....!" فریدی کی نظریں اس کے چہرے پر گڑ گئیں۔

میں یہاں لیٹا ہوا سونے کی کوشش کر رہا تھا کہ بس چلیں چلیں کی آواز آئی پھر غور کیا تو معلوم ہوا کہ کوئی عورت گا رہی تھی۔ "مل کے بچھڑ گئیں انکھیاں.... میں نے کہا ٹھینگے سے اور سو گیا....!"

"تم کہاں لیٹے تھے....!"

"ادھر.....!"

"آصف صاحب کہاں تھے۔" فریدی نے پوچھا اس کی نظر آصف کے داہنے ہاتھ پر جمی ہوئی تھی۔

❁

"بس ہم دونوں ایک ہی تکیے پر سر رکھے ہوئے تھے۔ مگر ان کی ٹانگیں اُتر کی طرف اور میری ٹانگیں دکھن کی طرف۔ یعنی کہ یوں" قاسم بتاتے بتاتے لیٹ گیا اور پھر بولا۔ "بس یہ ادھر لیٹے تھے اور ہم دونوں کی کھوپڑیاں ملی ہوئی تھیں.... اے آؤ تم بھی لیٹ کے دکھا دو۔"

آصف نے کچھ اور زیادہ بُرا منہ بنا لیا۔

"اٹھ بیٹھو.... میری سمجھ میں آگیا۔" فریدی نے کہا اور آصف کو باہر چلنے کا اشارہ کیا۔ ان دونوں کو باہر جاتے دیکھ کر قاسم خوش ہو گیا۔ مگر زیبا کچھ بدحواس سی نظر آرہی تھی۔

"کیا میں بھی چلوں....!" اس نے پوچھا۔

فریدی نے اس کی طرف مڑے بغیر کہا "نہیں" اور باہر نکل گیا۔

زیبا چپ چاپ بیٹھی رہی۔ قاسم کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کس قسم کی گفتگو چھیڑے۔ پہلے تو اسے خوشی ہوئی تھی کہ یہ لوگ جا رہے ہیں اب وہ جی بھر کے اس سے باتیں کرے گا.... مگر اب عقل ہی خبط ہو کر رہ گئی تھی۔ بدقت تمام اس نے کہا۔ "آپ کا نام زیبا ہی ہے۔"

یہ بھی اس نے کچھ ایسے ہچکچائے ہوئے اور شرمیلے انداز میں پوچھا جیسے کہا ہو۔ "جی.... کیا آپ مجھے پانچ روپے ادھار دے سکیں گی۔"

"مم.... گر.... مگر.... میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کو رس بھری بیگم کہوں.... قاسم نے

سر جھکا کر داہنے ہاتھ سے بایاں ہاتھ مڑورتے ہوئے کہا۔ "زیبا تو ایسا لگتا ہے جیسے کسی نے کسی چھت سے الٹا لٹکا دیا ہو۔"

"جو دل چاہے کہئے۔" زیبا مسکرائی۔ "اب تو میں آپ کی ملازم ہوں۔ آپ پانچ سو دیں گے۔"

"پانچ سو کیا میں پانچ ہزار بھی دے سکتا ہوں۔"

"خالی خولی باتیں....!"

"نہیں.... میں اَلا قسم.... میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں.... یقین نہ آئے تو کرنل صاحب سے پوچھ لو۔" قاسم نے کہا وہ ابھی تک داہنے ہاتھ سے بایاں ہاتھ مروڑے جا رہا تھا۔

"یہ کرنل صاحب کون ہیں۔"

"ارے.... آپ کرنل صاحب کو نہیں جانتیں.... کرنل فریدی صاحب سی آئی ڈی والے۔"

"اوہ.... تو یہ کرنل فریدی تھے۔" زیبا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"اور وہ حمید بھائی تھے جنہیں وہ کھوپڑی چٹ کر گئی۔"

"میرے خدا تو آپ وہی ہیں جس کا تذکرہ میں فزارو میں پہلے بھی سن چکی ہوں۔ بہت دنوں کی بات ہے جب ٹیکم گڈھ میں برف کے بھوتوں والا قصہ ہوا تھا۔"

"ہاں.... ہاں.... اور کیا۔" قاسم خوش ہو کر بولا۔ "ہاں میں وہی ہوں.... ارے باپ رے۔" وہ بڑی تیزی سے چیخ کر بے تحاشہ جھک پڑا اور اس کا سر زمین سے جا ٹکرایا۔

اس بار بے خیالی میں اس نے اپنا بایاں ہاتھ ذرا زیادہ زور سے مروڑ لیا تھا۔

"ارے کیا ہوا....!" زیبا اس کی طرف جھپٹی۔

"قق.... قچھ.... نہیں....!" قاسم سیدھا ہو کر جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "ایسا ہو جاتا ہے۔"

"کیا ہو جاتا ہے۔" زیبا نے جلدی سے پلکیں جھپکائیں۔

"ارے.... بس وہ یونہی.... ذرا زیادہ زور لگ جاتا ہے....!"

"آپکی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔" زیبا نے ٹھنڈی سانس لی۔ "جب آپ سے محبت....."

"ہائیں....!" قاسم یک بیک اچھل پڑا اور زیبا نے شرما کر سر جھکا لیا۔ پہلے تو قاسم کی شکل بارہ بجتے رہے پھر یک بیک اس کی "ہی ہی" اسٹارٹ ہو گئی۔

❁

فریدی آصف کو ساتھ لئے نشیب میں اترتا چلا گیا۔ کچھ دور چلنے کے بعد بائیں جانب مڑا۔ وہ دراصل حفاظتی چوکی کی طرف جا رہا تھا کیونکہ کچھ دیر پہلے اس نے ہیلی کوپٹروں کی آواز سنی تھی۔ اسے یقین تھا کہ آنے والے فوجی تحقیقاتی کمیشن ہی کے ممبر ہوں گے جن کی روانگی کی اطلاع اُسے پہلے ہی مل چکی تھی۔

"بھئی کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم حمید کے معاملے میں اتنے مطمئن کیوں ہو۔" آصف نے کہا۔

"پھر کیا ہو سکتا ہے.... اگر آپ کی دانست میں وہ کوئی آسیبی ہی معاملہ ہے تو میرے فرشتے بھی بے بس ہو جائیں گے!"

"مگر تم اُسے آسیبی معاملہ سمجھتے کب ہو۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کسی گہری سوچ میں تھا۔ دونوں خاموشی سے راستہ طے کر رہے تھے۔ پھر فریدی نے کہا۔ "کیا میں وہ انگوٹھی دیکھ سکتا ہوں جو آپ کے داہنے ہاتھ میں ہے۔"

"اوہ.... یقیناً.... اس کا نگینہ عجیب ہے۔"

"ہاں نگینے ہی پر میں بھی غور کر رہا تھا.... واقعی عجیب ہے۔ جیسے چاندی اور لوہا ملا کر بنایا گیا ہو۔ اس کی سطح کتنی چمکدار ہے....!"

آصف نے انگوٹھی انگلی سے اتار کر اسکی طرف بڑھا دی۔ فریدی اُسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

"پوری ہی حیرت انگیز ہے۔" اس نے کہا۔ "نہ تو نگینہ ہی پتھر کا معلوم ہوتا ہے اور نہ یہ دھات.... نہیں یہ دھات نہیں یہ تو پلاسٹک یا سخت قسم کا ربڑ معلوم ہوتا ہے جس پر سنہرا پالش چڑھایا گیا ہے.... یہ انگوٹھی کتنے میں خریدی تھی آصف صاحب۔"

"بھئی.... یہ تو پڑی پائی تھی...." آصف کھسیانی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"کہاں....؟" فریدی چلتے چلتے رک گیا۔

"فزارو کے اسی کمرے میں جہاں ہم پہلے ٹھہرے تھے.... ہاں.... یار دیکھو یہ حمید نے خواہ مخواہ.... بڑھاپے میں میری مٹی پلید کی ہے۔ اس لڑکی کو خواہ مخواہ میرے پیچھے لگا دیا۔"

"آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔ اگر وہ مل گیا تو میں اس سے سمجھوں گا۔ ہاں کیا ایسی کوئی انگوٹھی حمید کے ہاتھ میں بھی تھی۔"

"میں نے دھیان نہیں دیا.... کیوں....؟"

"بس یونہی.... شاید آپ تھک گئے ہیں۔ آیئے کچھ دیر کہیں بیٹھ لیں۔" وہ ایک چٹان پر بیٹھ گئے.... آج صبح ہی سے مطلع ابر آلود تھا۔ اس لئے خنکی کچھ بڑھی ہوئی سی معلوم ہو رہی تھی۔ مگر اتنی بھی نہیں کہ ناخوشگوار ہو جاتی۔ اس وقت تو پورا آسمان بھورے رنگ کے بادلوں سے ڈھک گیا تھا.... یہاں اس قسم کے بادل صرف ہلکی قسم کی پھواروں کا پیش خیمہ سمجھے جاتے تھے۔

فریدی اس انگوٹھی کو الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔

"کیوں! کیا اس میں کوئی خاص بات ہے۔"

"وہ خاص باتیں تو بتا چکا ہوں۔ جو عام انگشتریوں میں نہیں پائی جاتیں! ویسے پلاسٹک کی انگشتریاں ہوتی تو ہیں مگر یہ نگینہ.... کتنا وزنی ہے۔" فریدی نے اسے اپنی چھنگلیا میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "کیا میں کچھ دیر اسے پہن سکتا ہوں۔"

"ضرور.... ضرور....!" آصف نے سر ہلا کر کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

"فزارو والے کمرے میں کتنی آرام کرسیاں تھیں....!" فریدی نے پوچھا۔

"کیا مطلب....!" آصف چونک پڑا.... پھر بولا۔ "پتہ نہیں.... آہاں.... ایک تھی شاید۔ ہاں ایک ہی تھی۔"

"اور اس کی پشت گاہ کے اوپری حصے میں باریک باریک سوراخوں سے ایک پیٹرن بنا ہوا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"اتنا تو مجھے یاد نہیں مگر تم یہ بات کیوں نکال بیٹھے ہو۔"

"کچھ نہیں۔" فریدی مسکرایا۔ "میرے آدمیوں نے وہ کرسی توڑ ڈالی ہے اور اس حصے سے ایک چھوٹا سا خودکار ٹرانسمیٹر برآمد کیا ہے جس میں سوراخوں والا پیٹرن تھا۔"

"نہیں....!" آصف نے حیرت سے کہا۔ "مگر میں نے تو چلتے پھرتے ہوئے اس کی آواز سنی ہے۔"

"آپ اپنی انگلی میں ایک ننھا سا ٹرانسمیٹر ڈالے پھرتے رہے ہیں۔" فریدی مسکرایا۔

"یہ انگوٹھی۔" آصف اچھل پڑا.... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس پر بم گرا ہو۔ وہ چند لمحے ایسی حالت میں رہا جیسے سکتہ ہو گیا ہو۔ پھر چونک کر بولا۔ "یار تم پتہ نہیں کہاں کی اڑا رہے ہو۔"

"یہ انتہائی ذرا سا ٹرانسمیٹر.... کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہے۔"

"جس دور میں انفراریڈ کیمرے بنائے جا رہے ہیں اس دور میں سب کچھ ممکن ہے آصف صاحب۔"

"یہ کیا ہوتا ہے....!"

"ماضی کی تصویریں لیتا ہے۔"

آصف بے اعتباری سے ہنسا۔

"ابھی حال ہی میں ایک بڑے ملک نے اس کا تجربہ کیا ہے۔ ٹیکسیوں کے ایک اڈے کی تصویر اس وقت لی گئی جب وہ پانچ منٹ پہلے بالکل خالی ہو چکا تھا۔ لیکن فلم پر ان تمام گاڑیوں کی تصاویر آ گئیں جو پانچ یا دس منٹ پہلے اُس اڈے پر موجود تھیں۔"

"اچھا وہ.... ہاں! میں نے بھی سنا تھا۔ نام ذہن سے اُتر گیا تھا۔ مگر یہ انگوٹھی.... یہ اتنا ننھا ٹرانسمیٹر میری سمجھ میں نہیں آتا....!"

فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ ساتھ ہی وہ اپنے سر پر ہاتھ بھی پھیرتا جا رہا تھا کہ اچانک چونک پڑا۔ اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے آصف سے پوچھا۔ "کچھ سنا۔"

"کیا سنا....!" آصف نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ "میں تو کچھ نہیں سن رہا۔"

"اب سنئے....!" فریدی نے اپنا داہنا ہاتھ آصف کے چہرے کے قریب کر دیا اور آصف کے کانوں میں یہ قلمی گیت کسی ٹڈے کی طرح پھدکنے لگا۔

"مار کٹاری مر جانا پہ انکھیاں نہ لڑانا.... جی"

"میرے خدا.... مم.... مگر.... یہ اب بھی نہیں معلوم ہوتا کہ یہ آواز اسی انگوٹھی سے آ رہی ہے۔" آصف نے کہا۔

"یہی تو کمال ہے.... اگر انہیں معلوم ہو جانے کا خدشہ ہوتا تو یہ اس طرح استعمال نہ کی جاتیں۔ اب یہی دیکھ لیجئے کہ آپ اسے اتنے دنوں تک انگلی میں ڈالے رہے مجھے اس انگوٹھی کا خیال کبھی نہ آتا اگر قاسم نے یہ نہ بتایا ہوتا کہ کوئی عورت اس کے کانوں میں گا رہی تھی تو شاید میں اس انگوٹھی کو دیکھ کر نہ چونکتا۔ قاسم آپ کے قریب ہی لیٹا تھا ہو سکتا ہے آپ کا ہاتھ اس کے کان کے قریب رہا ہو۔"

آصف کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں اور وہ فریدی کو اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے وہ

کسی دوسری دنیا کا آدمی ہو۔

جنت و جہنم

حمید جھوم جھوم کر بھجن گا رہا تھا کہ اچانک کرنل وارڈ نے ایک ہی ہاتھ سے اس کی سوری ٹوپی گرائی اور پھر دونوں ہڈیاں اس کے سر پر بجا کر رکھ دیں۔ چوٹ اتنی شدید تھی کہ حمید کو اس کی وجہ پوچھنے کی بھی مہلت نہ مل سکی.... اور وہ بصد خلوص نیت انٹا غفیل ہو گیا۔ انٹا غفیل ہی کہنا چاہئے کیونکہ اس لفظ کی سوتی کیفیت ہی اس سچویشن کا نقشہ کھینچ سکتی تھی۔

بہر حال انٹا غفیل ہونے کے بعد پھر اس کا ہوش کب رہتا ہے کہ مردہ جنت کی طرف جا رہا ہے یا جہنم کی طرف۔ پھر جب اسے ہوش آیا تو کافی دیر تک آنکھوں کے سامنے سے دھند ہی نہ چھٹ سکی۔ آہستہ آہستہ ذہن بھی صاف ہوا اور نظر بھی ٹھیک ہوئی مگر سر بڑی شدت سے دکھ رہا تھا۔

"ہائیں....!" اور پھر وہ اچھل کر بیٹھ گیا۔ اس کے چاروں طرف مومی شمعیں روشن تھیں اور وہ خود کفن میں لپٹا ہوا تھا۔ بوکھلاہٹ میں وہ آیت الکرسی پڑھنے لگا۔ اس کی آواز بلند ہوتی گئی۔ جب آیت الکرسی ختم کر چکا تو کلمہ پڑھنے لگا۔ پھر چیخا۔ "ارے بھائی میں مسلمان ہوں.... زہرہ ہفت افلاک پر ہزار بار لعنت.... میں تو مذاق کر رہا تھا.... گھس رہا تھا سالے کرنل وارڈ کو.... ارے کوئی ہے....!"

پھر اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اپنے جسم پر درجنوں چٹکیاں لے ڈالیں۔ تب اُسے یقین ہوا کہ وہ عالم ارواح میں نہیں ہے بلکہ باقاعدہ طور پر چوٹ کھا کر بلبلانے والا جسم بھی رکھتا ہے۔ مگر یہ کفن.... اوہ.... کرنل وارڈ نے فریدی وغیرہ کے باہر چلے جانے کے بعد اس کے سر پر ہڈیاں ماری تھیں اور وہ چکرا کر گر پڑا تھا.... مگر وہ اس مقبرے میں کیسے پہنچا۔ وہ مقبرہ ہی تو تھا جس کی دیواروں پر قدیم اصنام کے نمونے موجود تھے۔

لیکن یہاں نہ تو گھٹن تھی اور نہ کسی قسم کی ناخوشگوار بو.... دفعتاً اس نے کسی کو حلق پھاڑتے سنا جس کے گانے کی آواز قریب آتی جا رہی تھی۔

زاہد نہ کہہ بُری کہ یہ مستانے آدمی ہیں

تجھ سے لپٹ پڑیں گے دیوانے آدمی ہیں

آواز بھی ایسی ہی تھی جیسے اس نے بہت زیادہ چڑھا رکھی ہو۔ اچانک گانے والا ایک تاریک دریچے سے اندر داخل ہوا.... اس کے دونوں ہاتھوں میں بوتلیں تھیں.... اچھا خاصا تندرست اور وجیہہ نوجوان تھا جسم پر سیاہ پتلون اور سفید قمیض تھی بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔

حمید اسے دیکھ کر کفن سمیت کھڑا ہو گیا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اب اس کفن کو تہمد کی طرح باندھ لے ورنہ زندوں کا کفن برہنگی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا۔

"ہائیں.... تم الٹے ہو یا سیدھے۔" شرابی نے جھک کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم آدمی ہو یا گدھے....!" حمید نے پُر سکون لہجے میں پوچھا۔

"اے.... یو شٹ اپ....!" وہ سیدھا ہو کر تن گیا۔ "میں جیلانی ہوں.... جیلانی.... دنیا کا سب سے بڑا آرٹسٹ.... مجھ سے بڑا آرٹسٹ آج تک نہیں پیدا ہوا۔"

"تم پرلے سرے کے گدھے ہو۔ کیونکہ تمہیں بات کرنے کا بھی سلیقہ نہیں ہے۔"

"آرٹسٹ کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ بات کرنے کا بھی سلیقہ رکھتا پھرے۔ ہم اپنے فن ہی سے پہچانے جاتے ہیں۔ پوجے جاتے ہیں۔"

"کچھ بھی ہو میں تمہیں گدھا کہہ چکا ہوں.... اور تم گدھے ہو چکے ہو۔ تمہاری شکل اس وقت گدھوں کی سی ہے۔ یقین نہ ہو تو جا کر آئینہ دیکھ لو۔"

شرابی نے بوکھلاہٹ میں دونوں بوتلیں فرش پر رکھ دیں اور اپنا چہرہ ٹٹولنے لگا۔

"جھوٹے کہیں کے۔" بالآخر اس نے روہانسی شکل بنا کر کہا۔

"ٹٹولنے سے پتہ نہیں چلے گا...." حمید نے کہا۔

"دیکھو....!" شرابی انگلی اٹھا کر جھومتا ہوا بولا۔ "دیکھو.... مجھ سے دشمنی نہ مول لو۔ زہرہ ہفت افلاک میری محبوبہ ہے۔ میں نے اُسے دیکھے بغیر اس کی تصویر بنائی تھی۔ تب سے مجھ پر عاشق ہو گئی ہے۔ مجھ پر مرتی ہے.... جان دیتی ہے.... ہائے وہ چاند کا ٹکڑا ہے.... زہرہ ہفت افلاک۔"

اس نے دونوں ہاتھوں سے سینہ تھام لیا۔

"وہ تمہاری محبوبہ ہے تو تم نے اُسے قریب سے دیکھا ہو گا۔"

"قریب سے۔" اس نے جھومتے ہوئے قہقہہ لگایا۔ "ارے تم قریب سے کہتے ہو ہا ہا....

ہاہا.... یہ فخر میرے علاوہ آج تک کسی کو نہیں حاصل ہو سکا.... ہاہا....!" گاتا ہے۔

نیند اس کی ہے دماغ اس کا ہے راتیں اس کی ہیں
جس کے شانوں پر تیری زلفیں پریشان ہو گئیں

"اچھا....!" حمید نے پلکیں جھپکائیں پھر آہستہ سے پوچھا۔ "وہ گوشت کا جسم رکھتی ہے۔ یا روحوں کی طرح صرف دھوئیں کے مجسمے کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔"

"میرے لئے تو وہ گوشت ہی گوشت ہے.... دہکتا ہوا گوشت.... ہڈیوں کو پگھلا دینے والا.... مگر مندر میں وہ دھوئیں کے مجسمے کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ ارے مجھے تو وہ بے تحاشہ پلاتی ہے۔ خود بھی پیتی ہے۔ اس سے پہلے خدا کی قسم کبھی چکھی بھی نہیں تھی مگر اب.... تم بتاؤ پیارے جب زہرہ ہفت افلاک اپنے ہاتھوں سے پلائے.... کون کافر انکار کر سکتا ہے۔"

دفعتاً حمید نے "یا شہنشاہِ مریخ" کا نعرہ لگایا.... چند لمحے ساکت کھڑا رہا پھر آنکھیں کھول کر جیلانی سے بولا۔ "جاؤ.... یہاں سے جاؤ.... ورنہ تمہیں یہیں بھسم کر دوں گا.... تم مریخ کے بھتیجے کے سامنے زہرہ ہفت افلاک کا نام لیتے ہو.... جاؤ آرٹسٹ سمجھ کر چھوڑ دیا۔"

"تم.... تم....!" جیلانی انگلی اٹھا کر بولا۔ "مریخ کے بھتیجے ہو....!"

"میرا درجہ بہت بلند ہے۔ میں مریخ کا بھتیجہ ہوں۔ عطارد کا بہنوئی اور مشتری کا خالو ہوں۔ کیا سمجھے۔ زہرہ ہفت افلاک.... شو.... ہینہ.... اب یہ نام میرے سامنے زبان پر نہ لانا۔"

دفعتاً اس مقبرہ نما عمارت میں ایک نسوانی قہقہہ گونجا۔ آواز اُسی پُراسرار عورت کی تھی۔

"کیپٹن حمید یہ نہ سمجھو کہ تم مجھے بیوقوف بنانے میں کامیاب ہو گئے ہو۔ مجھے تمہاری فرار والی بیہوشی بھی یاد ہے۔ کیا اس میں صداقت تھی اور آج جو تم نے سوانگ رچایا تھا اس میں کتنی سچائی تھی۔"

"ہائیں" شرابی آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "تم زہرہ ہفت افلاک سے فراڈ کرتے ہو۔ اے ملکہ افلاک.... یہ کہتا ہے کہ میں.... مشتری کا سالا ہوں۔"

"جیلانی.... تم اپنی خواب گاہ میں آؤ.... میں یہاں تمہاری منتظر ہوں۔"

"نہیں....!" حمید جیلانی کا ہاتھ پکڑتا ہوا بولا۔ "میں اسے نہیں جانے دوں گا کیونکہ قید تنہائی مجھے پسند نہیں ہے۔"

"قید....!" آواز میں تحیر تھا۔ "تم یہ کیا کہہ رہے ہو کیپٹن! تم قیدی نہیں ہو۔ ارے میں تو تمہیں اپنی جنت کی سیر کرانا چاہتی تھی۔ کچھ دن عیش کرو.... چلے جانا جیلانی.... تم انہیں جوانوں کی جنت میں چھوڑ کر اپنی خواب گاہ میں چلے آؤ۔"

"مگر مجھے کفن کیوں پہنایا گیا ہے۔"

"کفن سے گزرے بغیر جنت کا دیدار کیسے کرو گے۔ کیپٹن! بس جاؤ.... تمہیں مایوسی نہیں ہو گی۔"

"چلو....!" جیلانی جھومتا ہوا بولا۔

"ٹھہرو....!" اس نے کفن کو تہمد کی طرح باندھتے ہوئے کہا.... اور پھر اس کے ساتھ چل پڑا.... ایک لمبی راہداری سے گزر کر جیلانی ایک بڑے دریچے کے سامنے رک گیا۔ جس سے ایک دبیز پردہ لٹک رہا تھا۔

"جاؤ.... پیارے خدا حافظ.... مگر یہ ضرور لیتے جاؤ۔" اس نے ایک بوتل حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "جاؤ راوی عیش لکھتا ہے جاؤ.... تم پر ملکہ افلاک کا سایہ رہے۔"

حمید نے غیر ارادی طور پر بوتل اس سے لے لی اور جیلانی نے اُسے دھکا دیا اگر وہ سنبھل نہ گیا ہوتا تو پردے سے الجھ کر گر جانا یقینی تھا۔ لیکن سنبھلنے کے باوجود بھی جب گر ہی جانے کو دل چاہے تو....؟

اندر پہنچ کر اس کی یہی کیفیت ہوئی! یہاں تو.... راوی عیش ہی نہیں بلکہ "عیش کا چچا" لکھتا تھا۔ درجنوں لڑکیاں.... پن اَپ گرلز.... ایک فوارے کے گرد پڑی ہوئی تھیں.... بالکل ہالی ووڈ کے کسی رنگین فلم کی حرم سرا کا منظر تھا۔

حمید کو دیکھتے ہی وہ کھڑی ہو گئیں؟ پھر جھک کر کورنش بجا لائیں۔ ان میں سے ایک بے حد خوبصورت لڑکی آگے بڑھی اور بلند آواز میں بولی۔ "جہاں پناہ کا ملبوس مبارک لایا جائے.... جہاں پناہ حمام سے برآمد ہوئے ہیں۔"

فوراً ہی ایک خوان لایا گیا جس میں کپڑے تھے اور ان پر نیام میں کی ہوئی ایک جڑاؤ تلوار رکھی تھی۔ خوان حمید کے سامنے رکھ دیا گیا اور دو لڑکیاں اُسے کپڑے پہننے میں مدد دینے لگیں۔ پھر جب وہ سب کچھ پہن لینے کے بعد کمر سے پٹکا باندھ کر اس میں تلوار ٹھونس رہا تھا اسے بیساختہ ہنسی آگئی.... پھر جب سر پر تاج رکھا جانے لگا تو اس نے تلوار کھینچ لی اور لال پیلی آنکھیں نکال کر

بولا۔ "جاؤ.... دفع ہو جاؤ...." وہ سب سریلی سیٹیوں میں چیختی ہوئی پیچھے ہٹ گئیں۔

"رحم.... جہاں پناہ.... رحم.... ہمارا قصور...." سب سے حسین لڑکی دوزانو ہو کر بولی۔

اور پھر حمید نے اُسی پُر اسرار عورت کی آواز سنی جو چاروں طرف سے آتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

"کیوں کیپٹن یہ کیا بدحواسی ہے.... ان بیچاریوں کو کیوں سہار رہے ہو۔"

"انہیں لمبے فراک اور شلواریں پہنا کر بھیجو....!" حمید تلوار ہلا کر دھاڑا۔ "مجھے دم کٹی چھپکلیاں بالکل اچھی نہیں لگتیں....!"

"تمہارے اندر ہزاروں برس پرانی روح معلوم ہوتی ہے۔" جواب ملا۔

"اچھا لڑکیوں.... اپنا پورا جسم ڈھانک کر اس مسخرے کے سامنے آؤ.... ورنہ یہ سچ مچ قتل عام شروع کر دے گا۔"

لڑکیاں دوڑتی ہوئی ایک دریچے سے نکل گئیں۔

❁

وہ ہیلی کوپٹر کے ذریعے وادی میں اُتر گئے تھے۔ ان میں آصف اور کرنل فریدی ہی تھے۔ فوجی تحقیقاتی کمیشن دس ممبروں پر مشتمل تھا۔ جس کی قیادت کرنل داراب کر رہا تھا۔ یہ ایک تجربہ کار آفیسر تھا اور ان دنوں ملٹری کی سیکرٹ سروس کا سربراہ تھا۔ وہ اپنے ساتھ ضروری اور جدید ترین اسلحہ جات اور بڑی طاقت والی سرچ لائٹ لائے تھے۔ آصف نے اس جگہ کی نشاندہی کی جہاں اس نے پچھلی رات چمکدار غبار دیکھا تھا۔

بڑی عجیب وادی تھی۔ ایک جانب ٹیکم گڈھ والے سلسلے کی خشک اور بے آب گیاہ بھوری چٹانیں تھیں اور دوسری جانب گھنا سرسبز جنگل اور دونوں کے درمیان میں پتھریلی جگہ مسطح زمین تھی۔ اسی مسطح حصے میں ایک جگہ پچھلی رات کو وہ چمکدار غبار نظر آیا تھا جس نے بعد کو اوپر اٹھنے والے منارے کی شکل اختیار کر لی تھی۔

چونکہ اس وقت بھی آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا اس لئے انہیں کسی سایہ دار جگہ کی ضرورت نہیں تھی۔ انہوں نے کھلے میدان ہی میں ڈیرہ ڈال دیا۔

کرنل داراب اور فریدی حفاظتی چوکی کے کمانڈر کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔

"پتہ نہیں اس بیچارے کا کیا حشر ہوا ہو۔" کرنل داراب کہہ رہا تھا۔ "غالباً اسے غائب کرتے

اس کی جگہ لینے کا مقصد یہی تھا کہ کسی کو وادی میں نہ اترنے دیا جائے.... نقلی کمانڈر ادھر بھی دو چار آدمی ہر وقت لگائے رہتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اسی کی وجہ سے معاملہ اتنے دنوں تک تھما رہا۔ ورنہ جانے کتنے سر پھرے سیاح اب تک نیچے اتر چکے ہوتے۔"

"آپ کا خیال قطعی درست ہے۔ میں بھی اسی نتیجے پر پہنچا تھا....!" فریدی نے سر ہلا کر جواب دیا۔ وہ کسی گہری سوچ میں تھا۔

کچھ دیر آرام کرنے کے بعد وہ جنگل کی طرف روانہ ہو گئے.... تقریباً چار فرلانگ کے فاصلے پر زمین کی سطح کچھ اونچی تھی اور یہیں سے جنگلوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

"یہ جنگل ایسے کاموں کیلئے بہت مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔" کرنل داراب نے کہا۔ فریدی کچھ نہ بولا۔ داراب کی اس بات کا جواب اس کے کسی ساتھی نے دیا تھا۔

پھر فریدی اور آصف اس پارٹی سے کچھ پیچھے رہ گئے.... آصف اب سیدھا ہو گیا تھا۔ فریدی جو کچھ بھی کہتا کان دبا کر کرتا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہ انگوٹھی ہر وقت گیت ہی کیوں سناتی رہتی ہے۔" اس نے فریدی سے پوچھا۔

"اس کا مصرف ہی یہی ہے۔" فریدی نے جواب دیا۔ "اسی نوعیت کے کسی ٹرانسمشن سسٹم سے کوئی ریکارڈ اٹیچ ہو گا اور یہ ریکارڈ کئے ہوئے گیت اسی کے ذریعہ اس مخصوص ریسیور کے لئے نشر ہوتے ہوں گے ورنہ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہر وقت گاتی ہی رہتی ہو گی۔"

"کیا اس وقت بھی یہی آواز آ رہی ہو گی۔"

"یقیناً....!" فریدی مسکرایا۔ "کیا سنواؤں؟ اچھا ٹھہریئے۔"

وہ اپنا داہنا ہاتھ سر پر پھیرنے لگا۔

دفعتاً آواز آئی۔ "ورنہ پچھتاؤ گے.... آصف کرنل فریدی کو سمجھاؤ.... یہاں سے چلے جاؤ.... ورنہ پچھتاؤ گے۔ آصف کرنل فریدی کو سمجھاؤ.... یہاں سے چلے جاؤ.... ورنہ پچھتاؤ گے.... آصف کرنل....!"

فریدی نے اپنا ہاتھ آصف کے کان کے قریب کر دیا۔ آصف تھوڑی دیر تک سنتا رہا پھر بولا۔ "تمہارا یہ خیال بھی درست ہی نکلا کہ دوسری طرف ریکارڈ ہے دیکھو نا یہی ایک جملہ بار بار

دہرایا جارہا ہے۔"

"اور مجھے صرف اس کی خوشی ہے کہ ایک بات تو اس آسیب سے پوشیدہ رہ سکی۔" فریدی نے کہا۔

"کیا....؟"

"یہی کہ وہ انگوٹھی اب میرے پاس ہے۔ آپ کے پاس نہیں.... دیکھئے نا وہ آپ ہی کو مخاطب کررہی ہے۔"

"گڈ....!" آصف خوش ہو کر بولا۔ "ہاں یہ بات تو ہے.... مگر تم نے ابھی اپنے سر پر ہاتھ کیوں پھیرا تھا۔"

"اس کے بغیر آواز ہی نہیں نکل سکتی۔ بالوں کی رگڑ سے اس میں ہلکی سی برقی رو پیدا ہوتی ہے اور یہی برقی رو اس آواز کو کیچ کر کے ہمارے کانوں تک پہنچاتی ہے۔ جب تک اس میں روانی رہتی ہے ہم آواز بھی سنتے رہتے ہیں جہاں ختم ہوئی آواز غائب! ورنہ یہ ریکارڈنگ ہمیں ہر وقت سنائی دیتی رہے۔"

"یار مانتا ہوں.... تم ہر فن مولا ہو۔"

"اوہ ہم بہت پیچھے رہ گئے۔" فریدی نے کہا اور رفتار تیز کردی۔

وہ کئی گھنٹوں تک اس جنگل میں بھٹکتے پھرے جب شام ہونے لگی، تو انہوں نے واپسی کا ارادہ کیا مگر تھوڑی ہی دیر بعد انہوں نے محسوس کیا کہ وہ نہ صرف راستہ بھول گئے ہیں بلکہ اب سمتوں کا تعین کرنا بھی محال ہو گیا ہے۔ اگر مطلع صاف ہوتا تو غروب ہوتا ہوا سورج ہی ان کی رہنمائی کر سکتا۔

مگر قدرت مہربان تھی۔ کچھ دیر بعد فریدی اس سرے تک پہنچنے میں کامیاب ہو ہی گیا جدھر سے وہ لوگ جنگل میں داخل ہوئے تھے۔ لیکن اپنے مستقر پر پہنچنے کے لئے انہیں چار فرلانگ کی بجائے تقریباً تین میل چلنا پڑا۔ اور اس دوران میں اندھیرا پھیل گیا۔ یہ اندھیرا ہی انہیں بھٹکا دیتا۔ اگر فریدی نے چلتے وقت احتیاطاً ایک ٹارچ نہ رکھ لی ہوتی۔ ٹھیک آٹھ بجے وہ اپنے مستقر پر پہنچے تھے۔

انہوں نے ٹھنڈا کھانا کھایا اور بیٹھ رہے.... دراصل وہ اس منارے کو قریب سے دیکھنا

چاہتے تھے اور صحیح اندازہ کرنا چاہتے تھے کہ وہ کس جگہ سے نمودار ہوتا ہے۔

فریدی ان لوگوں سے کچھ دور ہٹ کر بیٹھا تھا اور آصف تو اب اس کے پیچھے لگا ہی رہتا تھا۔ اس وقت وہ بھی کھسکتا ہوا ان لوگوں سے دور نکل آیا تھا اور فریدی کے سر پر مسلط تھا۔

"یاد ذرا پھر گھسو انگوٹھی۔" آصف نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"شاید اب کی کوئی جن برآمد ہو کر ہماری مشکل آسان کردے۔"

"ڈرائی جن....!" فریدی مسکرایا۔

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں نے آج تک نہیں پی۔" آصف بول پڑا۔

وہ ادھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے اور اس کا سلسلہ دس بجے تک جاری رہا۔ پھر اچانک انہیں تقریباً سو گز کے فاصلے پر کوئی چمکدار چیز دکھائی دی۔ جو ان اطراف و جوانب میں ہلکی سی روشنی پھیلا رہی تھی۔ لیکن زمین کی سطح سے اونچی نہیں تھی۔ رفتہ رفتہ اس کی چمک اتنی بڑھ گئی وہ ایک دوسرے کے خدوخال تک بخوبی دیکھ سکتے تھے لیکن دفعتاً انہوں نے ایک آنچ سی بھی محسوس کی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کسی بہت بڑی بھٹی کا کوئی در کھل گیا ہوا ہو۔ اور وہ اس سے قریب ہی ہوں۔ یہ آنچ بھی اسی طرح بڑھ رہی تھی جیسے آہستہ آہستہ اس روشن دھبے کی روشنی تیز ہوتی گئی تھی بالآخر انہیں بڑی بدحواسی کے عالم میں وہاں سے بھاگنا پڑا۔ وہ جلد از جلد اس حدت کے حیطہ اثر سے نکل جانا چاہتے تھے انہیں اس کا بھی ہوش نہیں تھا کہ مڑ کر دیکھتے.... کافی دیر تک تیز دوڑتے رہنے کے بعد انہیں اس آنچ میں کمی محسوس ہوئی۔ پھر رفتہ رفتہ انہیں محسوس ہوا جیسے وہ جہنم سے دوبارہ جنت کی طرف پلٹ آئے ہوں۔

وہ رک گئے اور اب انہوں نے مڑ کر دیکھا.... بہت دور روشن منارہ بڑی تیزی سے فضا میں بلند ہو رہا تھا۔

"سو فیصد راکٹ....!" کرنل داراب بڑبڑایا۔ "افسوس سب کچھ وہیں رہ گیا۔" فریدی کچھ نہ بولا۔

"میں کل وہاں بڑی شدید بمباری کراؤں گا۔ اتنی شدید کہ وہاں غار ہی غار نظر آئیں گے۔" داراب پھر بولا۔

"میری دانست میں وہ بھی وقت کی بربادی ہی ہوگی۔" فریدی نے طویل سانس لے کر کہا۔ "انہوں نے اسکے امکانات پر بھی نظر رکھی ہوگی اور اس کے خلاف بھی کچھ انتظام کرلیا ہوگا۔"

"کیا راکٹ زمین توڑ کر نکلا ہوگا۔" کسی نے کہا۔

لیکن اس کا جواب فی الحال فریدی کے پاس بھی نہیں تھا۔

تقریباً دو گھنٹے بعد جب دوبارہ مکمل تاریکی پھیل گئی تو وہ مستقر پر پہنچے یہاں پر ہر چیز جوں توں تھی.... پھر ہیلی کوپٹر چنگھاڑنے لگے اور انہیں بے نیل و مرام واپس ہونا پڑا۔

حالانکہ فریدی نے بمباری والی اسکیم کی مخالفت کی تھی لیکن کرنل داراب نے دھیان نہ دیا۔ دوسرے دن ایک بمبار گرجتا ہوا وادی کی فضا میں تیر ہی گیا لیکن ایک چھوٹا سا راکٹ جہاز کے کسی گوشے سے پرواز کرتا ہوا آیا اور جہاز سے ٹکرا کر اس کے پرخچے اڑا دیئے۔

"میرے خدا۔" کرنل داراب کی پیشانی سے پسینہ پھوٹ چلا۔

"میں نے پہلے ہی آپ کو روکا تھا...." فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "مفت میں ایک بمبار کی جان گئی۔ ایک جہاز تباہ ہوا.... وہ ہمارے ہیلی کوپٹرز کو بھی فنا کر سکتے تھے۔ لیکن انہیں یہ پتہ تھا کہ اس طرح ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے میں یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ وہ غیر ضروری کشت و خون سے احتراز کرتے ہیں۔"

"مگر یہ ہیں کون اور یہاں کیا کر رہے ہیں۔" کرنل داراب نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"کوئی بھی ہوں.... لیکن ہمیں یہ ضرور دیکھنا پڑے گا کہ ہمیں زیادہ نقصان نہ پہنچے۔ اس بمبار کے حادثے نے بتا دیا ہے کہ ہم اپنے حربوں سے ان پر قابو نہیں پا سکتے کیونکہ ان کے پاس ایسے جدید ترین ہتھیار ہیں جن کی ہوا بھی ہمیں ابھی نہیں لگی۔" ان پر موت کی سی خاموشی مسلط ہو گئی۔

وہ کون تھی

حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کروٹ بدلی۔ منڈولین کا نغمہ اس کے نیم خوابیدہ ذہن کو جھنجھوڑ رہا تھا۔ وہ اٹھ بیٹھا.... مسہری جس کے چاروں طرف ریشمی جالی لٹک رہی تھی کمرے کے ایک گوشے سے نظر آئی.... اور پھر اسے ایک دوسری مسہری بھی دکھائی دی جو پہلے وہاں نہیں تھی غالباً اسی کے لئے اس طرح جگہ نکالی گئی تھی۔

صبح کو وہ اسی طرح جگایا جاتا تھا! منڈولین پر کوئی دھن بجائی جاتی تھی اور وہ بیدار ہو جاتا تھا۔ بالکل شاہانہ ٹھاٹ تھے۔

منڈولین کا گیت ختم ہوتے ہی اس نے خراٹے سنے جو کبھی ہلکے ہو جاتے تھے اور کبھی بھاری.... ریشمی جالی کی مچھر دانی ہٹا کر وہ نیچے اُتر آیا.... زرکار چپلیں سلیقہ سے رکھی ہوئی تھیں ان میں پیر ڈال کر وہ دوسری مسہری کی طرف بڑھا۔

"ارے....!" اس کی زبان سے بیساختہ نکلا۔ وہ تو قاسم تھا۔ یہ یہاں کیسے پہنچا....؟ کیا کرنل بھی پکڑ لئے گئے؟ بیک وقت کئی سوال اس کے ذہن میں چکرانے لگے۔ اس نے مچھر دانی اٹھائی اور قاسم پر ٹوٹ پڑا۔

"اُغے باپ رے....!" وہ آنکھیں بند کئے ہوئے چیخا۔ پھر اسی طرح حمید کو ٹٹولنے لگا۔ آنکھیں کھولیں پھر بولا۔ "ہائے جیپا ڈارلنگ آخر تمہیں مجھ پر رحم آ ہی گیا۔ اور پھر آنکھیں بند کئے ہی ہوئے حمید کے سر پر بڑے پیار سے ہاتھ پھیرنے لگا۔ نہ جانے وہ آنکھیں کیوں نہیں کھول رہا تھا۔

"ہائیں.... ارے باپ رے....!" وہ پھر دہاڑا۔ "میری آنکھیں کیوں نہیں کھلتیں.... جیپا ڈارلنگ۔" حمید جو اس پر لدا ہوا تھا چونک کر اس کی آنکھوں کی طرف دیکھنے لگا.... دو باریک جھلیاں سی اس کی دونوں آنکھوں پر چپکی ہوئی تھیں۔

حمید نے انہیں ادھیڑنے کی کوشش کی اور وہ نکلتی چلی آئیں۔

"اب خول دوں۔" قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"ہاں گدھے ڈارلنگ....!" حمید نے جواب دیا۔

"ارے.... ارے.... توں.... اُف.... فون.... ارے تم....!" قاسم کی آنکھیں نہ صرف کھل گئی تھیں بلکہ ان کا پھیلاؤ دیکھنے کے قابل تھا۔ حمید نے سوچا کہ اب یہ دیو اچھلے گا لہٰذا چپ چاپ ہٹ جاؤ.... اس کا خیال غلط نہیں نکلا۔ اس کے ہٹتے ہی قاسم نے ایک چنگھاڑ ماری اور مسہری سے اچھل کر دھپ سے فرش پر آ رہا اور اس نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا تھا۔ بُری طرح کانپ رہا تھا اور زبان سے بے تکے الفاظ نکل رہے تھے۔

"مم.... مم.... مم.... بب.... بب.... بچاؤ.... میں.... کھوپڑی میں گھس گیا ہوں۔" پھر حلق پھاڑ کر دہاڑا۔ "ارے بچاؤ.... نکالو.... کھوپڑی سے۔"

اب حمید کو یاد آگیا کہ جس وقت وہ کرنل وارڈ کے خیمے میں بھجن گا رہا تھا فریدی کے ساتھ قاسم بھی آیا تھا۔ مگر کھوپڑی.... یہ کھوپڑی میں گھسنا کیا بلا تھا۔

"ابے.... اولمڈھیگ خاموش ہو جاؤ.... ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔"

"ارے حمید بھائی مجھے بچاؤ.... میں بھی کھوپڑی میں گھس گیا ہوں۔"

"کیسی کھوپڑی۔"

"جس میں تم گھس گئے تھے.... یہ کھوپڑی ہی تو ہے۔"

"ابے اُلو.... یہ ہمارا محل ہے۔ ہم یہاں کے شہنشاہ ہیں۔ سیدھے کھڑے ہو۔ کورنش بجالاؤ۔"

قاسم بوکھلا کر اٹھ بیٹھا.... اور پھر بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "ہائیں.... حمید بھائی.... یہ تمہارا لباس کیسا ہے؟"۔

حمید کے جسم پر "ہالی وڈ مارکہ بغدادی سلطان" کا لباس تھا۔

"لباس شاہانہ.... کھڑے ہو جاؤ.... اور کورنش بجالاؤ....!"

"کورنش.... کورنش تو نہیں ہے میرے پاس۔ منگوادو۔ بجا کر رکھ دوں گا کورنش کیا ہوتی ہے حمید بھائی!"

"جھک کر سلام کرنے کو کورنش کہتے ہیں۔ موٹی عقل والے.... ہمیں جہاں پناہ کہو۔"

"اے کیوں مذاق کرتے ہو۔" قاسم بے ڈھنگے پن سے ہنسا۔

حمید نے تین بار تالی بجائی اور دو نیم عریاں لڑکیاں اندر داخل ہو کر آداب بجالائیں۔ "حمام تیار کیا جائے۔" حمید نے اکڑ کر کہا۔

وہ پھر جھکیں اور الٹے قدموں واپس چلی گئیں۔

قاسم کھڑا حیرت سے پلکیں جھپکاتا رہا۔ پھر ہونٹ چاٹتا ہوا بولا۔ "ارے واہ پیارے حمید بھائی یعنی کہ ہی ہی ہی.... اُف فوہ۔"

"حمید بھائی نہیں جہاں پناہ....!"

"اچھا بے جہاں پناہ.... ٹھینگے کی نہیں تو....!" قاسم جھلا گیا۔ "چار دن سے سالے جہاں پناہ ہو گئے ہیں تو مجاز ہی نہیں ملتے.... ارے ہاں۔"

وہ دونوں ضروریات سے فارغ ہوئے غسل کیا.... پھر ناشتے پر جم گئے۔ چاروں طرف لڑکیاں ہی لڑکیاں موجود تھیں اور قاسم دل کھول کر کھا رہا تھا۔

ناشتے کے بعد در و دیوار سے سازوں کی آوازیں آنے لگیں اور لڑکیوں نے رقص کرنا شروع کر دیا۔

"واہ پیارے جہاں پناہ.... بھائی! ارے باپ رے میں کیا کروں۔" قاسم بے چینی سے پہلو بدلتا ہوا بڑبڑایا۔

"ان میں سے کسی ایک کو پسند کر لو...." حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"اچھا اچھا.... وہ.... نہیں وہ.... اونہوں.... وہ بھی نہیں.... وہ جو ادھر ناچ رہی ہے.... ارے باپ رے یہ تو اس سے بڑی زیادہ حسین ہے نہیں یار حمید بھائی.... اوغ اوغ.... جہاں پناہ میری سمجھ میں نہیں آتا.... ارے سبھی تو تگڑی ہیں.... ارے پیارے۔" وہ یک بیک حمید سے لپٹ گیا اور حمید کو اپنی ہڈیاں کڑکڑاتی محسوس ہونے لگیں۔

"اُغے.... اُغے.... حمید بھائی۔" وہ دانت پر دانت جمائے کہہ رہا تھا۔

"میں قیا قروں.... میں مر جاؤں غا! ہائے پیارے جہاں پناہ مری جان!"

ساتھ ہی قاسم کی گرفت بھی تنگ ہوتی جا رہی تھی اور حمید کا دم گھٹ رہا تھا۔

"ابے چھوڑ! او ہاتھی کے بچے.... چھوڑ!" اس نے قاسم کی کھوپڑی پر دو ہتھڑ چلائے۔ "ابے ہٹ ورنہ میں ابھی انہیں حکم دیتا ہوں یہ اپنے سینڈل اتار کر تجھ پر پل پڑیں گی۔"

قاسم نے بوکھلا کر اُسے چھوڑ دیا اور کھسیانی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "ماف کرنا حمید بھائی سالا دماغ الٹ پلٹ جاتا ہے۔"

❁

آصف نے رات حفاظتی چوکی پر بسر کی تھی۔

صبح اٹھ کر وہ قاسم کے خیمے کی طرف روانہ ہو گیا۔ تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ اس نے زیبا کو دیکھا جو بڑی بدحواسی سے اسی طرف بھاگی آ رہی تھی۔

"اوہ.... سیٹھ جی.... سیٹھ جی۔" وہ دور ہی سے چلائی۔

آصف بھی تیزی سے قدم اٹھانے لگا تھا۔

"سیٹھ.... موٹے صاحب غائب ہیں۔" زیبا نے چیخ کر کہا۔

"جہنم میں جائے۔" آصف بڑبڑایا۔

"ارے سنئے تو سہی! میں صبح سو کر اٹھی تو وہ غائب تھے۔ کچھ دیر انتظار کرتی رہی جب نہ آئے میں انہیں شبانہ میں دیکھنے گئی۔ لیکن وہ وہاں بھی نہیں ملے۔ واپسی میں خیمے کی پشت پر سے آئی۔ یہاں ایک چھوٹے سے غار میں ان کے جوتے پڑے دیکھے۔"

"تو پھر میں کیا کروں۔" آصف جھنجھلا کر بولا۔ "میرے کان نہ کھاؤ! مجھے اب تم سے یا ان سے کیا سروکار۔"

"میرے خدا اب میں کیا کروں؟"

"تم نے ایسی ہی مکاری کی باتیں مجھ سے بھی کی تھیں۔ تم فراڈ ہو میں تمہیں جیل بھجواؤں گا۔"

"نہیں.... نہیں۔" وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "میں ایک غریب لڑکی ہوں۔ آپ ہی لوگوں سے میری روزی چلتی ہے۔ آپ نے کیوں کہہ دیا تھا کہ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔"

"ختم کرو!" آصف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "جاؤ یہاں سے اور اس خیمے سے اپنا سامان اٹھالے جاؤ۔"

یک بیک زیبا بھی بگڑ گئی "خیمہ موٹے صاحب کا ہے اور میں ان کی سیکریٹری ہوں، ان کی عدم موجودگی میں کوئی ان کے خیمے میں قدم بھی نہیں رکھ سکتا۔ آپ جیل وغیرہ کی دھونس کسی جاہل کو دیجئے گا سمجھے۔"

"ہٹو سامنے سے۔" آصف دہاڑا۔ لیکن ٹھیک اسی وقت اُس نے قہقہے کی آواز سنی اور یہ آواز اُسی پُراسرار عورت کی تھی۔

"آصف صاحب.... میری بھی سنئے۔ آواز کی طرف چلے آیئے۔ ڈریئے نہیں۔ میں صرف چند باتیں کروں گی جو آپ کے لئے بھی مفید ہوں گی۔ آیئے ڈریئے نہیں۔"

آصف کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔ لیکن پھر زیبا کی موجودگی کا خیال آتے ہی تن گیا اور زبردستی آواز میں بھاری پن پیدا کر کے بولا۔ "میں ڈروں گا کیوں؟ آرہا ہوں۔"

یہ آواز ایک سوراخ سے آرہی تھی۔

"ہاں! کہو کیا کہنا چاہتی ہو۔" آصف نے کہا۔

"کرنل کو سمجھاؤ۔ میں پچھلی رات بھی تمہیں پیغام دیتی رہی ہوں۔ دیکھو میں کسی کو بھی

کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتی ایک کام کر رہی ہوں۔ اس کے اختتام پر یہاں سے چلی جاؤں گی کیا تم مجھے جانتے ہو۔"

"نہیں....! میں نہیں جانتا۔"

"کرنل جانتا ہے کیونکہ وہ بھی میری ہی طرح کوئی معمولی آدمی نہیں ہے....! وہ کہاں مل سکے گا۔ آصف صاحب۔"

"مجھے علم نہیں ہے۔ بہرحال پچھلی رات وہ کمیشن کے چند ممبروں کے ساتھ کہیں گیا ہے۔"

"خیر.... مجھے صرف اتنا ہی کہنا تھا کہ وقت نہ برباد کرو۔ میں آسیب نہ سہی! پھر بھی تم لوگوں کے لئے آسیب ہی ثابت ہو سکتی ہوں.... پتہ نہیں کتنی بار میں تمہیں ختم کر سکتی تھی۔"

"پھر کیوں نہیں ختم کر دیا۔"

"اس امید پر کہ ہو سکتا ہے کبھی تم میرے کام آسکو....!"

"یا دوسرے الفاظ میں ملک و قوم سے غداری کر سکوں۔"

"ہر چیز سے متعلق نظریات بدلتے رہتے ہیں۔ کل ایک ہی چیز کے متعلق تمہارا کچھ خیال تھا آج کچھ ہے اور کل دونوں ہی سے مختلف ہوگا۔"

"مگر تم نے مجھے روکا کیوں ہے۔"

"محض یہ بتانے کے لئے میرے خلاف تمہاری کوئی بھی حرکت بہت بڑی تباہی لا سکتی ہے اور تمہارے ڈیڑھ ہزار آدمیوں کا خون خود تمہاری گردن پر ہو سکتا ہے حمید اور قاسم کو بھی انہیں میں شامل سمجھو۔ کل اپنے بمبار کا حشر دیکھ چکے ہو! ہمارے ایک معمولی سے خودکار راکٹ نے اُسے تباہ کر دیا تھا۔ مفت میں ایک آدمی کی جان ضائع ہوئی.... یا اس پر دو ہوا باز تھے۔"

"مجھے علم نہیں ہے۔ مگر پھر تمہارے آدمیوں نے دو فوجیوں کو کیوں مار ڈالا تھا۔"

"وہ مجبوری تھی۔ اگر انہوں نے ریوالور نہ نکالے ہوتے تو وہ بھی معاف کر دیئے جاتے۔"

"تم یہاں کیا کر رہی ہو۔"

"یہ شائد تمہیں کبھی نہ معلوم ہو سکے۔"

"مگر اسے بھی یاد رکھو کہ فریدی صرف ایک آنکھ سے پوری نیند لے سکتا ہے۔"

"میں جانتی ہوں کہ وہ دنیا کا چالاک ترین آدمی ہے لیکن.... خیر ہٹاؤ۔ تم نہیں سمجھ سکو گے

میں اب کچھ نہیں کہنا چاہتی۔ میری باتوں میں اگر کچھ وزن نظر آئے تو ان پر عمل کرنے کی کوشش ضرور کرنا.... بس.... پھر کبھی....!"

آواز آنی بند ہو گئی۔ آصف زیبا کی طرف مڑا۔ جو قریب ہی کھڑی بُری طرح کانپ رہی تھی۔

"سنا تم نے....!" قاسم بھی وہیں پہنچ گیا ہے۔ "اب تم چپ چاپ چھوری پیک کا راستہ لو۔"

"ناممکن ہے۔ جناب میں ان کا سامان ان کے سپرد کر کے ہی جاسکوں گی۔"

"جہنم میں جاؤ....!" آصف نے کہا اور پھر چوکی کی طرف پلٹ گیا۔ نہ جانے کیوں اب وہ زیبا سے دور ہی رہنا چاہتا تھا۔ عشق کا بھوت تو اُسی دن اُتر گیا تھا جب فریدی نے "ازراہِ خودری" اُسے چند نصیحتیں کی تھیں۔

زہرۂ ہفت افلاک.... اس وقت گوشت پوست میں حمید کے سامنے کھڑی تھی۔ لیکن اس کے گرد فرش پر ایک چمکدار حصار تھا۔ اتنا چمکیلا کہ پٹرومیکس لیمپوں کی روشنی میں بھی اس کی چمک الگ ہی نظر آرہی تھی.... وہ دونوں اس کمرے میں تنہا تھے۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ ایک ہی جست میں اس تک پہنچے اور اس کا گلا گھونٹ کر پھر اپنی جگہ پر واپس آجائے لیکن وہ حصار کیسا تھا۔

"کیوں کیپٹن خاموش کیوں ہو۔" اس نے مسکرا کر پوچھا۔

"میں اس وقت سوچ رہا ہوں کہ ابابیل انڈے دیتی ہے یا بچے۔"

"نہیں تم بھول رہے ہو۔" وہ مسکرائی۔ "تمہارے لاشعور میں دراصل چمگادڑ ہے اور ساتھ ہی تم یہ بھی سوچ رہے ہو کہ میرا خاتمہ کر دو.... لیکن اچھے دوست اس حصار میں داخل ہونا موت ہی کو دعوت دینا ہوگا۔ یہ دیکھو۔"

اس کے ہاتھ میں لوہے کا ایک رول تھا اس نے اُسے حصار کے باہر پھینکا لیکن وہ حصار سے گزرنے کی بجائے چمکدار لکیر پر آتے ہی ریزہ ریزہ ہو کر چاروں طرف بکھر گیا۔

"یہ تو لوہا تھا کیپٹن حمید.... آدمی اگر گزر جانا چاہے تو اُسے قیمہ کہیں گے۔"

"مگر تم نے اس وقت مجھے شربت دیدار پلایا ہے.... ویسے اگر فالودہ ہوتا تو اس سے بھی اچھا تھا۔"

"فضول باتیں چھوڑو! یہ بتاؤ کہ میں کون ہوں۔"

"جیلانی کی محبوبہ۔" حمید نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"بکواس! یہ جیلانی ہی تو میرے لئے مصیبت کا باعث بنا ہے۔ ورنہ فریدی کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوتی کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔ واضح رہے ہم یہاں تین سال سے کام کر رہے ہیں۔"

"کیا کام کر رہی ہو۔"

"یہ نہیں بتایا جاسکتا۔ ہاں تو جب اس جیلانی کی بنائی ہوئی تصویر آرٹ گیلری میں لگائی گئی تو مجھے بھی اس کی اطلاع ہوئی۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ تصویر کے ساتھ ہی ساتھ اس کی آسیب والی کہانی بھی شہرت پا رہی تھی۔ مجھ سے اور کرنل وارڈ دونوں ہی سے حماقتیں سرزد ہوئیں۔ میں جیلانی کو دیکھنے اس کے گھر دوڑی گئی میں دیکھنا چاہتی تھی کہ آخر وہ ہے کون وہ نہیں ملا تھا لیکن میں نے اس کے گھر پر اس کی تصویر دیکھی تھی۔ لیکن میری یادداشت میں ایسا کوئی آدمی نہیں تھا پھر اس تصویر کا کیا چکر تھا نہ کبھی میں نے اُسے دیکھا اور نہ اس نے مجھے دیکھا۔ پھر وہ تین سال تک صرف میری ہی تصویر کیسے بناتا رہا۔ کرنل وارڈ سے یہ حماقت سرزد ہوئی کہ اس نے اس تصویر کے نیلام میں حصہ لے لیا اور بولی بڑھاتا گیا۔ اُسے علم نہیں تھا کہ کرنل فریدی بھی وہ تصویر دیکھ کر چونک پڑا ہے اور میں ابھی اس سے بے خبر تھی کہ اس تصویر کے گرد کرنل فریدی کا جاگتا ہوا ذہن کوئی جال بن رہا ہے۔ تصویر کا نیلام اس کے اشارے پر ہوا تھا۔"

"کچھ بھی ہو۔" حمید بولا۔ "تصویر ہوتی یا نہ ہوتی لیکن چمکدار دھوئیں کا منارہ ہمیں لامحالہ اپنی طرف متوجہ کر لیتا۔"

"کچھ بھی نہ ہوتا.... لاکھ متوجہ ہوتے.... کل رات کیا ہوا آپ کے فریدی صاحب اترے تھے وادی میں لیکن منارہ بننے سے پہلے وہ جگہ جہنم بن گئی اور انہیں میلوں دور بھاگ کر دم لینا پڑا.... پھر فوجی تحقیقاتی کمیشن کے ایک کرنل صاحب کے مشورہ سے وادی پر وزنی بم گرانے کا پروگرام طے پایا۔ لہٰذا آیا ایک بمبار گرجتا ہوا آیا۔ لیکن جنگل سے چلنے والے ایک خود کار راکٹ نے اس کے پرخچے اڑا دیئے۔ نہیں کیپٹن تم کبھی کامیاب نہ ہوتے۔ لیکن کرنل فریدی کو نانوتہ کے طریق کار کا علم ہے۔"

"تم نانوتہ ہو....!" حمید یک بیک اچھل پڑا۔ "تھریسیا بمبل بی آف بوہیمیا کی ساتھی۔"

"دنیا میں اس وقت دو ہی عورتیں تو ہیں۔" وہ مسکرائی۔

"تم کس ملک کے لئے کام کر رہی ہو۔"

"اب کیا یہ بھی بتانے کی ضرورت رہ جاتی ہے۔ زیرولینڈ کا نام تو کم از کم تم لوگوں کے لئے راز نہیں رہا۔ تم نے تاریک وادی میں بھی ہمیں بڑا نقصان پہنچایا تھا۔ ہم جب چاہیں تم لوگوں کا خاتمہ کر دیں لیکن ہم سوچتے ہیں کہ ایک دن تمہیں بھی زیرولینڈ کا شہری بننا ہے۔ پھر ہم کیوں اتنے ذہین آدمیوں کا خون بہائیں۔ تمہیں یہاں اس لئے نہیں لایا گیا کہ میں تم پر عاشق ہو گئی ہوں۔ نہیں ہو سکتا ہے کہ تم یہی سوچ رہے ہو۔ تم اس لئے لائے گئے ہو کہ میں تمہیں اپنے ساتھ زیرولینڈ لے جاؤں فریدی بھی آج ہی کل میں بندھا چلا آئے گا اور ہم جلد ہی یہاں سے کوچ کر دیں گے کیونکہ ہمارا کام قریب قریب ختم ہو چکا ہے۔"

"وہاں شادی ہو سکے گی میری۔" حمید نے خوش ہو کر پوچھا۔

"خواہ مخواہ مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش نہ کرو۔" نانوتہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ اچانک دو آدمی داخل ہوئے جو کرنل وارڈ کو گھسیٹتے ہوئے لا رہے تھے۔ کرنل وارڈ کا لباس تار تار تھا اور جسم پر کئی جگہ گہری خراشیں تھیں جن سے خون بہہ رہا تھا۔

"کیوں کرنل وارڈ! تم یہاں کیسے۔" نانوتہ نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"پھر کیا میں خود کو فریدی کے شکاری کتوں سے نچوا ڈالتا۔" کرنل وارڈ نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"وہ مجھے پاتال میں بھی نہ چھوڑے گا۔ میں نے پہلے ہی آپ کو مشورہ دیا تھا کہ ابھی کیپٹن حمید کو آزاد ہی رہنے دیجئے۔"

"میں پوچھتی ہوں تمہیں راستہ کیسے معلوم ہوا۔" اس نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"اوہ.... مادام! کیا اب میں اتنا بھی نہ جانوں گا جب کہ ہزاروں میرے ہی توسط سے یہاں تک پہنچے ہیں۔"

"تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم اپنے کام سے کام رکھنے کی بجائے میری ٹوہ.... میں رہتے تھے۔ جانتے ہو اس کی سزا کیا ہو سکتی ہے۔"

"رحم.... رحم.... مادام....!" وہ گھٹنوں کے بل گر کر گڑگڑایا۔ نانوتہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر اپنے دو آدمیوں سے نرم لہجے میں کہا۔ "یہ بھی مہمان خصوصی ہیں۔ نمبر آٹھ میں ان کے لئے انتظام کرو۔"

وہ دونوں زخمی کرنل وارڈ کو وہیں چھوڑ کر چلے گئے۔

"فریدی کہاں ہے۔" نانوتہ نے اس سے پوچھا۔

"کل رات وہ ٹیکم گڈھ گیا تھا مادام اور آج پھر واپس آ گیا اور اس وقت اس کے شکاری کتے چاروں طرف میری بو سونگھتے پھر رہے ہوں گے۔"

"تم کہاں تھے کل سے اب تک۔" نانوتہ نے سوال کیا۔

"یہ نہ پوچھئے نہ جانے کہاں کہاں چھپتا پھرا ہوں۔"

"گدھے.... اگر تمہارے پیچھے وہ بھی لگا چلا آیا ہو تو۔" نانوتہ نے کہا اور کچھ سوچنے لگی۔

لیکن کرنل وارڈ دم بخود ہی رہا۔

آخری حادثے

"ہائے.... جیبا ڈارلنگ....!" قاسم اوندھا پڑا ہوا سسکیاں لے رہا تھا۔ "تمہیں کہاں ڈھونڈوں.... تم نے کہا تھا کہ آنکھیں بند کر لو.... تب ہی دل کی آنکھیں کھلیں گی.... میں نے آنکھیں بند کر لیں.... اور تم غائب ہو گئیں۔ اب میں تمہیں کہاں تلاش کروں.... تم کتنی اچھی ہو.... میرا سر دکھ رہا تھا.... تم نے ہولے ہولے میرا سر دبا دیا تھا.... ہائے آج تک کسی ماں نے میرا سر نہیں سہلایا۔ اُس اُلو کی پٹھی نے بھی نہیں جسے لوگ.... میری جورو کہتے ہیں۔"

یک بیک قاسم اچھل کر بیٹھ گیا اور سامنے والی دیوار کو گھونسہ دکھا کر کہنے لگا۔ "ایسی جورو کو تڑپ تڑپ کر مرنا چاہئے.... مر مر کر تڑپنا چاہئے، اُلو اُلو کی پٹھی میری چھاتی پر چڑھی بیٹھی ہے.... اُتر.... اُتر.... میں جیبا سے شادی کروں گا.... تجھے تلاخ دوں گا.... ہائے وہ ناجک ناجک ہاتھ.... ہائے وہ لمبی لمبی انگلیاں.... جیبا.... میں مر جاؤں گا.... آؤ۔"

حمید کو ہنسی آ گئی وہ دیر سے دریچے میں کھڑا اس کی حرکتیں دیکھ رہا تھا۔

قاسم جھلا کر مڑا اور غصیلے انداز میں اس نے بھی دانت نکال دیئے۔!

"ہی ہی ہی!.... بس ہنسا کرو اور کیا آتا ہے تمہیں.... دوسرے سالے اُلو کے پٹھے ہنسا.... وہ رونا چاہیں تو تم انہیں رونے بھی نہ دو۔"

"گھبراؤ نہیں...." حمید سنجیدگی سے بولا۔ "اتنی لڑکیاں ہیں یہاں کسی کو پسند کرلو۔"

"نہیں قرتا۔" قاسم حلق پھاڑ کر دہاڑا۔ "وہ سالیاں مجھ پر ہنستی ہیں میرا مذاق اڑاتی ہیں ٹھینگے پر ہیں.... ہاں.... میں بھی لعنت بھیجتا ہوں.... جیبا فرشتہ ہے.... جب میں نے اُسے اپنی دکھ بھری کہانی سنائی تھی تو اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے.... ہائے.... جیبا.... پر نہیں اس سالی جہرۂ ہفت افلاک نے اُسے کہاں پھینکا۔"

"بیٹا پہلے تم یہ بتاؤ کہ تمہارے دل کی آنکھیں کیسے کھلی تھیں! یہ تم نے آج تک نہیں بتایا حالانکہ آج تمہیں یہاں آئے ہوئے ایک ہفتہ ہو چکا ہے۔"

"نہیں بتاؤں گا.... ورنہ تم جیباڈارلنگ پر شک کرو گے! میں جانتا ہوں سالے جہاں پناہ حمید بھائی تم اور کرنل صاحب بہت شکی ہو.... جرائم اسی بات پر شک.... ایسی کی تیسی!"

قاسم بُرا سا منہ بنا کر خاموش ہو گیا۔

"تم سمجھے نہیں پیارے....!" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "دل کی آنکھیں صرف وہی لڑکی کھولتی ہے جو واقعی محبت کرتی ہے۔"

"کرتی ہے نا....!" قاسم خوش ہو کر بولا اور خوشی کا مظاہرہ کرتا ہی رہا "ہی.... ہی.... ہی.... ہی۔"

"مگر حمید۔" ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ہر لڑکی کا طریقہ الگ ہوتا ہے! میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ زیبا نے کون سا طریقہ اختیار کیا تھا۔"

"ہائے جہاں پناہ بھائی کیا بتاؤں.... میں نے اس سے کہا تھا کہ مجھ سے محبت کرو ورنہ میں مر جاؤں گا.... اس نے کہا تم خود ہی کرو نا مجھے کیا پڑی ہے میں نے رو کر کہا تھا کہ مجھے محبت کرنا نہیں آتا۔ اس نے کہا میں سکھاؤں گی.... دل کی آنکھوں خولو.... محبت ہو جائے گی۔ میں کہا کیسے خولوں مجھے یہ بھی نہیں آتا۔"

اس نے کہا ایک گھنٹے تک آنکھیں بند رکھو۔ میں نے کوشش کی مگر یہ سالی آنکھیں بار بار کھل جاتی تھیں۔ آخر اس نے کوئی چیز اوپر چپکا دی۔ پھر سالیاں کھل ہی نہ سکیں۔ اس نے کہا اب چلو چل کر ٹھنڈی ہوا میں بیٹھیں خیمے کے پیچھے.... اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور خیمے کے پیچھے لائی.... وہاں بیٹھ کر ہولے ہولے میرا سر سہلانے لگی.... ہائے حمید بھائی.... کتنا پیار تھا....

کتنا پیار تھا.... ہائے میں کیا کروں۔"

قاسم کی آواز بھرا گئی اور آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

حمید نے بڑے پیار سے دو چار بار اس کا سر سہلایا اور آنسو گالوں پر ڈھلک آئے۔

"میں اُسے تلاش کروں گا۔" حمید نے کہا۔ "ہاں تو پھر کیا ہوا تھا۔"

قاسم نے جلدی سے آنسو پونچھ ڈالے اور غصیلی آواز میں بولا۔ "پھر سالے مچھر میرے کانوں میں بھنبھنانے لگے۔ میں نے انہیں تھپڑ مارنے شروع کر دیئے.... اور حمید بھائی بس میں غائب ہو گیا.... ہائے جیباڈارلنگ میں تمہیں کہاں ڈھونڈوں۔"

"غائب ہو گئے.... میں نہیں سمجھا۔"

"ٹھینگے سے نہیں سمجھے....!" قاسم جھلا کر بولا۔ "اَے تم بھیجا چاٹ ڈالتے.... جاؤ نا اپنی لونڈیوں سے دل بہلاؤ جا کر....!"

"بس اتنا بتا دو کہ غائب کیسے ہو گئے تھے۔"

"مجھے یاد نہیں! میں نہیں جانتا.... آنکھ یہاں کھلی تھی.... تم نے کھولی تھی۔ بھاگ جاؤ.... میں اس وقت جیبا کو یاد کر رہا ہوں۔"

"زیبا بھی یہیں کہیں قید ہو گی۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر تم اس کی رہائی چاہتے ہو تو سنجیدگی سے میرا ساتھ دو.... جو کچھ میں کہوں وہی کرو۔ یہ تہہ خانے ہیں ان سے نکلنا آسان کام نہ ہو گا۔ تمہیں پہاڑوں کی وہ گپھائیں یاد ہی ہوں گی جن سے ہم برف کے بھوتوں والے کیس میں دوچار ہوئے تھے یہ بھی اسی قسم کی قدیم گپھائیں ہیں جنہیں اس خطرناک عورت نے دریافت کیا ہے۔"

"پھر بتاؤ میں کیا کروں۔"

"دماغ ٹھنڈا رکھو اور میرا ساتھ دینے کے لئے تیار رہو۔"

دفعتاً نانوتہ کے قہقہے کی آواز گونجی اور وہ دونوں چونک کر خاموش ہو گئے۔

"جہاں پناہ۔" نانوتہ کا لہجہ طنزیہ تھا۔ "اگر سازشوں سے فرصت مل گئی ہو تو ذرا حرم سرا تک آنے کی زحمت گوارا فرمایئے۔ آپ کیلئے ایک تحفہ حاضر ہے۔ آپ دیکھ کر خوش ہو جائیں گے۔"

"ارے باپ رے....!" قاسم بوکھلا کر بولا۔ "سن لیا سالی نے.... ارے بب۔" اس نے

دونوں ہاتھوں سے منہ دبالیا۔

"میں آرہا ہوں۔" حمید نے سخت لہجہ میں کہا اور قاسم کو وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کرتا ہو دریچے سے گزر گیا۔

حرم سرا والے حصے تک پہنچنے میں اُسے دو منٹ سے زیادہ نہیں لگے! وہ ان تہہ خانوں میں آزادانہ چل پھر سکتا تھا۔ لیکن آج تک باہر نکلنے کا راستہ نہیں ڈھونڈ سکا تھا۔ حالانکہ اس نے کوشش کی تھی۔ آج اُسے یہاں آئے ہوئے آٹھواں دن تھا۔ اس کا اندازہ اس نے اپنی گھڑی سے لگایا تھا۔ ورنہ یہاں سورج تو دکھائی نہیں دیتا تھا کہ دن اور رات کا اندازہ کیا جاسکتا۔ یہاں تو ہر وقت مومی شمعیں یا پٹرومیکس روشن رہتے تھے۔ نانوتہ نے حمید کو بتایا تھا کہ وہ باقاعدہ برقی روشنی کا انتظام بھی کرسکتی تھی لیکن چونکہ قیام عارضی ہے اس لئے زیادہ پھیلاؤ پسند نہیں کرتی۔ وہ دبیز پردہ ہٹا کر حرام سرا میں داخل ہوا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں ایسا محسوس ہوا جیسے سر پر بجلی گر پڑی ہو۔ وہ ایک جھٹکے کے ساتھ رک گیا۔

سامنے ہی فریدی سر جھکائے کھڑا تھا اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں اور پیروں میں بیڑیاں لباس تار تار تھا۔ خشک بال گرد سے اٹے ہوئے تھے اور آنکھوں کے گرد حلقے نظر آرہے تھے۔ شیو بڑھا ہوا تھا۔

دوسری طرف نانوتہ کھڑی فاتحانہ انداز میں مسکرا رہی تھی۔ اس کے گرد چمکدار حلقہ تھا اور اس کے قریب ہی حلقہ سے باہر کرنل وارڈ تنا ہوا کھڑا تھا۔

"کیپٹن حمید....!" نانوتہ نے کہا۔ "میں اس شاعر کا کلام سننا چاہتی ہوں لیکن اس نے چپ رہنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ اب تم بھی کوشش کرو۔"

"نانوتہ....!" دفعتاً حمید پھٹ پڑا۔ "اس حصار سے باہر آؤ۔ پھر میں دیکھوں۔"

اس سے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکا۔ غصے سے بُری طرح کانپ رہا تھا اور حلق میں سانسیں گھٹتی ہوئی سی محسوس ہو رہی تھیں۔ نانوتہ نے قہقہہ لگایا اور بولی۔ "نہیں کیپٹن حمید.... میں بڑی نازک ہوں۔ تم دیکھ رہے ہو! یعنی کہ عورت ہوں.... چوڑیاں پہنتی ہوں.... مجھے تاؤ نہیں آئے گا میں حصار کے اندر رہوں گی کیونکہ مجھے اپنے آدمیوں پر بھی اعتماد نہیں ہے۔ جب میں سوتی ہوں تب یہ حصار میری مسہری کے گرد قائم رہتا ہے، اسے دنیا کی کوئی چیز عبور نہیں کرسکتی۔ اس کا

یہاں میرے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا.... کرنل وارڈ.... کیپٹن حمید کو ریوالور دو تاکہ یہ مجھ پر فائر کرسکے۔"

"مادام آپ حصار کے اندر ہیں.... لیکن میں...." کرنل وارڈ نے کچھ اور بھی کہنا چاہا لیکن نانوتہ جلدی سے بولی۔ "خیر جانے دو! میں تو اسے یہ دکھانا چاہتی تھی کہ ریوالور کی گولی بھی اسے نہیں کراس کرسکتی اس کے قریب آتے ہی پگھل کر نیچے گر جائے گی۔ ہاں تو کیپٹن حمید اب میرا کام مکمل ہوگیا ہے۔ میں تم لوگوں کو زیرولینڈ لے جاؤں گی۔ کرنل فریدی کو کسی چوہے کی طرح پکڑ لیا ہے.... مگر کتنی دقتوں سے۔ پانچ دن تک میرے آدمی اس کے لئے سرگرداں رہے ہیں۔ یہ میرا کتنا بڑا کارنامہ ہے کہ خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر میں کرنل فریدی کو پکڑنے میں کامیاب ہوگئی اور تمہارے ملک کی ایک بڑی دولت اپنے ساتھ لے جارہی ہوں ساری دنیا پر ہم زیرولینڈ والوں کا حق ہے۔ کیونکہ ہم ساری دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ موٹا خصویت سے میرے کام آئے گا۔ زیرولینڈ کے بہترین سائنس داں اس کی ذہنی حالت ٹھیک کرنے کی کوشش کریں گے.... اور پھر یہ زہرہ ہفت افلاک کے جلاد کا رول ادا کرنے کے لئے بہت مناسب ہوگا۔ اکثر دنیا کے گھنے جنگلوں میں مجھے کام کرنا پڑتا ہے۔ وہاں جنگلیوں کو ڈرانے کے لئے میں اسے دیو بناؤں گی۔ یہ خاص الخاص تحفہ میرے ہاتھ لگا ہے۔ اس کے لئے میں تم لوگوں کی شکر گزار ہوں۔"

حمید نے فریدی کی طرف دیکھا جواب بھی اس طرح سر جھکائے کھڑا تھا۔ حمید کا دل چاہا کہ اپنا سر دیوار سے ٹکرادے۔ اس نے کبھی فریدی کی آنکھوں میں مایوسی کی دھندلاہٹ نہیں دیکھی تھی۔ وہ سر ہی نہیں اٹھا رہا تھا۔ کسی سے نظر نہیں ملا رہا تھا۔ ایک عورت کے ہاتھوں اس کی خودی مجروح ہوئی تھی۔ حمید کا دل رو پڑا.... اس نے سوچا کہ نانوتہ تک تو رسائی ناممکن ہے کیوں نہ کرنل وارڈ ہی پر ٹوٹ پڑے۔ لیکن اس کا انجام کیا ہوتا۔

"مگر نانوتہ....!" حمید نے کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم نے کرنل کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں کیوں ڈال رکھی ہیں۔ میں نے اتنے دنوں میں تمہارا کیا بگاڑ لیا جو یہ آزادرہ کر بگاڑ لیں گے۔"

"تم ایک آسیب کو یہ مشورہ دے رہے ہو کہ وہ قابو میں آئے ہوئے دوسرے آسیب کو آزاد کردے.... نہیں کیپٹن حمید میں اتنی احمق نہیں ہوں۔ مجھے ایسا مشورہ نہ دو۔"

"تم نے مجھے یہاں کیوں بلایا ہے۔" حمید نے دانت پیس کر پوچھا۔

"محض یہ دکھانے کے لئے.... کہ تم نانوتہ کی قوت دیکھ لو۔"

"ختم کرو نانوتہ....!" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ہم چوہوں والی جنگ کا تجربہ نہیں رکھتے۔ ہمیں زیرولینڈ ضرور لے چلو.... میں کرنل کی طرف سے بھی تمہارا مشکور ہوں گا مگر خدارا، موٹے کا بھی خیال رکھنا۔ اُسے تم سے عشق ہو گیا ہے۔"

"خاموش رہو بدتمیز....!" کرنل وارڈ گھونسہ دکھا کر بولا۔ "اگر تم پر مادام کی نظر عنایت ہوتی تو میں ابھی تمہارے جبڑے توڑ دیتا۔"

"آؤ....!" حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ "مادام کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔" کرنل وارڈ نے مڑ کر نانو کی طرف دیکھا۔

"نہیں....!" نانوتہ کا لہجہ سخت تھا۔ "میں ان لوگوں کو یہاں سے صحیح وسالم لے جانا چاہتی ہوں۔"

"خیر مادام....!" کرنل وارڈ نے کہا۔ "اب مجھے اجازت دیجئے کرنل فریدی پکڑا جا چکا ہے۔ میں باہر جا کر اپنا کام دیکھوں۔"

"نہیں.... اب تم بھی براہِ راست یہیں سے زیرولینڈ ہی جاؤ گے۔ پرسوں ہمارے لئے گراز یہاں پہنچ جائیں گے۔"

"میں.... زیرولینڈ...." کرنل وارڈ ہکلایا۔

"کیوں؟ کیا کبھی تمہارے دل میں خواہش نہیں پیدا ہوئی کہ جس ملک کے لئے تم کام کر رہے ہو اُسے دیکھو بھی۔"

"ہوئی ہے.... ہوئی ہے....!" وہ جلدی سے سر ہلا کر بولا۔ "مگر مادام اگر میں یہاں نہ ہوا گا تو اوپر والوں کو کنٹرول کون کرے گا۔"

"تم اس کی پرواہ نہ کرو کرنل وارڈ.... کوئی دوسرا تمہاری جگہ لے گا۔"

"مم.... مگر....!"

"صاف صاف کہو کہ تم زیرولینڈ نہیں جانا چاہتے۔" نانوتہ کو غصہ آ گیا۔

"یہ بات نہیں مادام.... یہ بات نہیں مادام....!" وہ دونوں ہاتھ ہلاتا ہوا خوفزدہ آواز میں چیخا۔ "مم.... میں تو اتنی مہلت مانگ رہا تھا کہ اپنے بینک بیلنس کو سونے کی شکل میں تبدیل کرلوں۔"

"کیا تم بینک تک جانے کی ہمت کر سکو گے۔ جب کہ فریدی کے شکاری کتے تمہاری تلاش میں تھے۔"

"اوہ.... میں اتنا بیوقوف نہیں ہوں مادام....!" کرنل وارڈ مسکرایا۔ "میرے حسابات میرے نام سے نہیں ہیں.... بلکہ ایک مقامی سرمایہ دار کے نام سے ہیں اور اسے میرے اور اس کے علاوہ کوئی تیسرا نہیں جانتا۔"

"خیر تو تم اُسے سونے میں تبدیل کرو گے۔"

"ہاں مادام....!"

"لیکن تمہیں یہ سن کر افسوس ہوگا کہ زیرولینڈ میں سونے کو سب سے گھٹیا دھات سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس سے تو چھریاں اور چاقو بھی نہیں بنائے جا سکتے۔ البتہ اگر تم اپنی رقومات کو اری ڈیم۔ ریڈیم۔ یا پورے نیم میں تبدیل کر سکو تو یقیناً امیر آدمی سمجھے جاؤ گے۔ ان دھاتوں کے عیوض تم وہاں زندگیاں تک خرید سکو گے۔"

"یعنی تو پھر.... وہ اتنی بڑی رقم یہیں رہ جائے گی۔"

"خاموش رہو! میرے پاس بکواس سننے کے لئے وقت نہیں ہے۔ کیپٹن حمید تم اپنی خواب گاہ میں جا سکتے ہو۔" حمید چپ چاپ "حرم سرا" سے نکل آیا۔

اُسے اس کا غم نہیں تھا کہ خود اس کا کیا انجام ہوگا۔ وہ تو صرف فریدی کے متعلق سوچ رہا تھا کیونکہ اس نے اُسے آج تک اتنا مضمحل اور صورتاً اتنا شکست خوردہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔

❁

دوسری صبح کسی تیز قسم کی آواز ہی نے نہ صرف حمید بلکہ قاسم کو بھی جگایا تھا۔ آج منڈولین کے نغموں نے خوابیدہ سماعت کو نہیں گدگدایا تھا بلکہ وہ کوئی ایسی آواز تھی کہ بیداری کے بعد دل کی بڑھتی ہوئی دھڑکن پر قابو پانا محال معلوم ہو رہا تھا۔ وہ اور قاسم اپنی اپنی مسہریوں سے سر نکالے ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔

دفعتاً انہوں نے کرنل وارڈ کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا۔ "کیپٹن حمید۔ موٹے سمیت تین منٹ کے اندر اندر حرم سرا میں پہنچ جاؤ ورنہ چوتھا منٹ تمہارے لئے موت کا پیغام ہوگا! وہ دونوں ہی کھڑکیوں سے کود پڑے!"

"اب قیا چکر ہے! حمید بھائی....!" قاسم نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"مطمئن رہو....! اب کوئی لمبا سفر درپیش ہوگا۔ میں نے رات ہی تمہیں سب کچھ بتادیا تھا"

"خدا کرے جیپ اور ڈارلنگ کو بھی ساتھ لے چلیں۔ اَبے میں تو خوشی سے جاؤں گا سالے حمید بھائی"

"چلو....!" حمید غرایا۔

وہ دونوں حرم سرا میں آئے لیکن یہاں کا منظر دیکھ کر ان کے دل بلیوں اچھلنے لگے۔ [illegible] گئے دس خاص آدمی جوان تہہ خانوں میں رہتے تھے اور جنہیں وہ براہِ راست زیرولینڈ سے [illegible] تھی بندھے پڑے تھے۔ اس کی کنیزیں بھی اسی حال میں مبتلا نظر آئیں ان کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور وہ فرش پر دوزانو بیٹھی ہوئی تھیں۔ کرنل وارڈ کے ہاتھوں میں ٹامی گن تھی۔

"چلو....!" وہ ٹامی گن کو جنبش دے کر غرایا۔ "تم دونوں بھی عورتوں کے پاس اسی [illegible] بیٹھ جاؤ۔ جلدی کرو۔"

"کیوں....!" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

"چلو.... ورنہ ٹریگر دب جائے گا.... کل تم نے اس سور کی بچی کے سامنے میرا گڑگڑانا دیکھا تھا۔ آج مرنے سے پہلے اس کی ذلت بھی دیکھ لو....!"

"کیا تم نے اپنی توہین کا بدلہ لے لیا۔" حمید خوش ہو کر بولا۔

"ہاں.... چلو بیٹھ جاؤ....!"

"اب تو میں ضرور بیٹھوں گا۔ پیارے کرنل وارڈ! تم واقعی شاندار ہو پروانہ کرو۔ تمہیں [illegible] لینے کا ذمہ میں لیتا ہوں۔"

"خاموش رہو حقیر کیڑے تم تینوں بھی سورج کی روشنی نہ دیکھ سکو گے۔ میں اتنا گدھا [illegible] ہوں کہ تمہیں چھوڑ دوں.... اس تہہ خانے سے صرف پانچ آدمی باہر جائیں گے میں اور [illegible] چار خاص آدمی ہیں۔"

اتنے میں زنجیروں کی جھنکار سنائی دی اور کرنل فریدی بیڑیاں پہنے ہوئے کسی زخمی [illegible] طرح جھومتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچھے نانوتہ تھی۔ اس کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے اور وہ اپنا نچلا ہونٹ چبا رہی تھی۔ نانوتہ کے بعد کوئی عورت آئی اس کے بھی ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور وہ بُری طرح چیخ رہی تھی۔

"ارے.... یہ پٹیاں کھولو.... ارے میرے چہرے پر آگ لگی ہوئی ہے.... پٹیاں کھولو.... ارے میں مری.... یہ کون ہے کس نے اس کی ہمت کی ہے....!"

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ گھٹنوں سے چیخ رہی ہو.... کیونکہ اس کا گلا رندھا ہوا تھا اور آواز نہیں پہچانی جاسکتی تھی۔ شکل اس لئے نہیں پہچانی جاسکتی تھی کہ اس کا سارا چہرہ پٹیوں سے ڈھکا ہوا تھا۔

"خاموش رہو کتیا۔" کرنل وارڈ دہاڑا۔ "میرے ہاتھ میں ٹامی گن ہے! اگر اب ایک لفظ بھی تمہاری زبان سے نکلا تو ایک درجن گولیاں تمہارے جسم میں اتر جائیں گی۔"

عورت خاموش ہوگئی۔ لیکن اس کے جسم کی لرزشیں بتا رہی تھیں کہ وہ کسی بہت بڑی اذیت میں مبتلا ہے۔

نانوتہ کھڑی خونخوار نظروں سے کرنل وارڈ کو گھور رہی تھی۔ دفعتاً اس نے کہا۔ "غدار نمک حرام.... تجھے اس کی سزا ضرور ملے گی۔"

"یہ کون عورت بول رہی ہے۔ یہ کون ہے۔" وہ عورت چیخی جس کے چہرے پر پٹیاں چڑھی ہوئی تھیں۔

"خاموش...." کرنل وارڈ چیخا اور ساتھ ہی دس بارہ گولیاں ٹامی گن سے نکلیں۔ مگر نشانہ وہ عورت نہیں تھی۔ دریچے کے دبیز پردے میں البتہ کئی سوراخ ہوگئے تھے۔

عورت خاموش ہوگئی۔ شاید وہ سہم گئی تھی۔

"تم" کرنل وارڈ نے نانوتہ کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "اب لے جاؤ مجھے زیرولینڈ! یہ دولت میں نے اسی لئے پیدا کی تھی کہ اس سے دست بردار ہو جاؤں۔ کیوں؟ جس دولت کے حصول کے لئے میں نے اپنے ملک سے غداری کی تھی اُسے چھوڑ کر زیرولینڈ میں جاؤں جہاں گدھے بستے ہیں۔ جہاں سونے کی کوئی وقعت اس لئے نہیں ہے کہ اس سے چاقو اور چھرے بھی نہیں بنائے جاسکتے.... ہاہاہا.... تم پاگل ہوگئی ہو.... نانوتہ.... سونا اور وقعت.... ہاہاہا.... سونے کے لئے نیند حرام ہو جاتی ہے۔ نانوتہ مگر یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی.... تم پاگل ہوگئی ہو نانوتہ.... اس لئے تمہیں مر جانا چاہئے۔"

نانوتہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "مار ڈال مجھے۔ میں موت سے نہیں ڈرتی۔ لیکن تیرا انجام بھی بڑا دردناک ہوگا.... غدار کتے۔"

اچانک وہ عورت پھر چیخی جس کے چہرے پر پٹیاں چڑھی ہوئی تھیں۔ "یہ کون ہا
ہے.... یہ کیا فراڈ ہے.... نانوتہ تو میں ہوں.... میں نانوتہ ہوں.... یہ کوئی مکار عور
ہے.... کرنل وارڈ.... میرے چہرے کی پٹیاں کھولو.... میں گمنامی میں نہیں مرنا چاہتی
کوئی عورت تجھے دھوکا دے رہی ہے۔"

"خاموش رہ رومیلا تو بیمار ہے۔ اس لئے مجھے تجھ پر رحم آتا ہے۔" کرنل وارڈ نے کہا۔

تو یہ رومیلا ہے حمید نے سوچا۔ مگر اس کے چہرے پر پٹیاں کیسی چڑھی ہوئی ہیں.... رومیلا
نانوتہ کی مخصوص خادمہ تھی۔

"میں رومیلا نہیں نانوتہ ہوں.... پٹیاں کھولو.... ارے کیا رومیلا نے کوئی فراڈ کیا ہے
او حرافہ تو میری آواز کی نقل اتار سکتی ہے.... مجھے علم نہیں تھا.... وارڈ پٹیاں کھول دے
.... ارے میرا چہرہ بھنا جا رہا ہے۔"

"پٹیاں کھول دو۔" کرنل وارڈ نے اپنے ایک آدمی سے کہا۔

حمید نے فریدی کی طرف دیکھا جو متحیرانہ انداز میں ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ لیکن اس
حمید سے ایک بار بھی نظر نہیں ملائی۔

یک بیک ساری عورتیں چیخ پڑیں اور حمید بوکھلا کر مڑا اور پھر اس کے حلق سے بھی چیخ
نکلتے رہ گئی۔ کتنا بھیانک تھا اس عورت کا چہرہ.... ساری پٹیاں کھول دی گئی تھیں ایسا معلوم
تھا جیسے اس کے چہرے کو تیزاب میں غوطہ دے دیا گیا ہو۔

"تم نانوتہ ہو....!" کرنل وارڈ نے مضحکہ اڑانے والے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں.... میں نانوتہ ہوں.... اس کتیا نے میرا بھیس بدلا ہے۔ پتہ نہیں کیا ہے اس
دل میں۔ میں مرنے سے نہیں ڈرتی.... اپنی ٹامی گن میرے سینے میں خالی کر دے۔ مگر میں
ہوں.... ارے کیا تو خود نہیں دیکھتا اندھا ہو گیا ہے۔"

کرنل وارڈ نے قہقہہ لگایا اور اپنے ایک آدمی سے بولا۔ "نانوتہ کی خواب گاہ سے آئینہ
وہ چلا گیا۔

"کیوں...." وہ چیخی۔ "تو نے کیا کیا ہے ظالم.... ارے بتاتا کیوں نہیں۔ میرے
میں آگ کیوں لگی ہوئی ہے۔"

"میں کیا جانوں۔" کرنل وارڈ نے لاپروائی سے کہا۔ "لیکن تم نانوتہ ہرگز نہیں ہو یہاں کسی
سے پوچھ لو۔" اتنے میں آئینہ بھی آ گیا۔ لیکن جیسے وہ اس کے سامنے لایا گیا اس کے حلق سے ایک
کریہہ سی چیخ نکلی۔ اگر کرنل وارڈ کے ایک آدمی نے اُسے سنبھال نہ لیا ہوتا تو زمین پر چاروں
خانے چت گری ہوتی۔

پھر وہ اس کے بازوؤں میں پڑی ہوئی چیختی رہی۔ "ظالم.... تو نے تیزاب ڈال کر میرا چہرہ
بگاڑ دیا۔ میرا چہرہ بگاڑ دیا کمینے کتے۔"

چیختے چیختے اچانک وہ کسی ننھی سی بچی کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"ہاہا....!" کرنل وارڈ نے قہقہہ لگایا۔ "یہ وہ رو رہی ہے جو کل تک لاف وگزاف کرتی رہی تھی۔"

"ابے چوپ۔ سالے اُلو کے پٹھے۔" دفعتاً قاسم دہاڑا اور جھومتا ہوا اٹھا شائد اس کی ذہنی رو
بہک گئی تھی۔ اس نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "سالے تم نے اتنی چمونی عورت کا چہرہ بگاڑ دیا ابے
میں تجھے یہیں ختم کر دوں گا۔"

"قاسم.... قاسم....!" حمید اس کا ہاتھ پکڑتا ہوا بولا۔

"ٹھینگے پر گئے قاسم واسم.... ہاتھ چھوڑو میرا۔" قاسم اُس کا ہاتھ جھٹک کر آگے بڑھنا ہی
چاہتا تھا کہ ٹامی گن کی دس پانچ گولیاں اس کے شانے پر سے گزر گئیں۔

"ارے باپ رے!" وہ دھپ سے زمین پر بیٹھ گیا اور ذہنی رو پھر اپنے صحیح راستے پر آ گئی۔

کرنل وارڈ پھر اس عورت کی طرف مڑ گیا وہ اب بھی اسی طرح بلک بلک کر روئے جا رہی تھی....
دفعتاً کرنل وارڈ نے اپنے آدمیوں سے کہا۔ "اس کے چہرے پر اور تیزاب ڈالو.... ابھی اسے
اندھی بھی تو ہونا ہے۔"

"نانوتہ.... ہاں تم نانوتہ ہی ہو۔ دیکھ لیا تم نے کرنل وارڈ کا انتقام.... یہ نانوتہ ہے۔ ہاہاہا....
اور تیزاب لاؤ.... جلدی کرو۔"

ایک آدمی پھر دوڑا گیا لیکن اس نے واپسی میں دیر نہیں لگائی اس کے ہاتھ میں بوتل تھی
اور دوسرے میں روئی۔

"نہیں نہیں! مجھے اندھی نہ بنا بلکہ مار ڈال.... میں تجھ سے استدعا کرتی ہوں۔ کرنل وارڈ
مجھے مار ڈال۔"

"گرا دو زمین پر" کرنل وارڈ گر جا۔ "اس کا چہرہ اور بھیانک بناؤ.... اسے اندھی بھی چاہئے۔" اُسے زمین پر گرا کر بے بس کر دیا گیا۔ لیکن وہ اب بھی چیخ رہی تھی رو رہی تھی آنکھیں بھینچ لی تھیں اس کے چہرے پر مزید تیزاب لگایا جانے لگا۔ تیزاب ڈال کر اُسے روئی سے چا طرف پھیلایا جا رہا تھا۔

"حمید بھائی.... یہ ظلم ہے۔" قاسم آہستہ سے بولا۔

"خاموش بیٹھو بیٹا.... مجھے مانس گزر رہ آرہی ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"ابے.... چوپ....!" حمید نے اسی کے لہجے میں کہا۔

اتنے میں کرنل وارڈ نے اپنے ایک آدمی کو ٹامی گن دیتے ہوئے کہا۔ "انہیں کور کئے رکھ میں ابھی آرہا ہوں۔ پھر وہ باہر چلا گیا۔"

حمید اس عورت کو صاف دیکھ سکتا تھا جس کے چہرے پر مزید تیزاب لگایا جا رہا تھا۔ مگر کیا؟ وہ اچھل پڑا.... اور پنجوں کے بل اوپر اٹھ کر دیکھنے لگا۔ وہ برابر چیخے جا رہی تھی اس آنکھیں بھنچی ہوئی تھیں۔ مگر چہرہ تو صاف ہوتا جا رہا تھا۔ سرخ و سفید جلد ظاہر ہوتی جا رہی تھی ذرا ہی سی دیر میں چہرہ صاف ہو گیا۔ یہ سو فیصدی نانوتہ ہی تھی۔ اس کی رنگت تو اب پہلے سے زیادہ نکھر آئی تھی۔ مگر وہ چیختی ہی رہی تھی اور پہلے ہی کی طرح زمین پر پیر پٹختی رہی آنکھیں بھی بھنچی ہوئی تھیں۔

"ابے.... حمید بھائی۔" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہ کیا دودھ نانوتہ.... ارے رے بھوت۔" وہ حلق پھاڑ کر چیخا تھا۔

نانوتہ کھڑی کر دی گئی تھی اور اس سے آنکھیں کھولنے کو کہا جا رہا تھا۔

دفعتاً قاسم نے پھر بھوت کا نعرہ لگایا کیونکہ ایک کرنل فریدی تو پا بجولاں کھڑا ہوا تھا اور دو دریچے سے اندر داخل ہو رہا تھا۔ اس بار تو سبھی چیخے تھے اور نانوتہ نے بوکھلا کر آنکھیں کھول تھیں۔ کرنل فریدی اس کے قریب کھڑا مسکرا رہا تھا۔ لیکن اس کے جسم پر وہی لباس تھا جو وارڈ پہنے ہوئے تھا۔ حمید بھی اٹھ کر آہستہ آہستہ ان کے قریب آ گیا۔

"نانوتہ.... اب کیا خیال ہے.... تم کتنی عظیم ہو۔" حمید نے طنزیہ لہجہ میں پوچھا۔

"میں شاید پاگل ہو جاؤں گی۔" نانوتہ آہستہ سے بڑبڑائی۔ پھر یک بیک چونک کر بولی۔ "تم نے میرا چہرہ کیوں بگاڑ دیا۔ میں تمہیں اتنا درندہ نہیں سمجھتی تھی۔ یہ بتاؤ کیا میں تم لوگوں کو قتل نہیں کر سکتی تھی۔ تم ہزار بار میری زد پر آئے تھے۔"

"یہ اسی کا جواب ہے نانوتہ....!" فریدی نے مسکرا کر نرم لہجے میں کہا۔

"یہ اس کا جواب ہے کہ تم نے میرا چہرہ بگاڑ دیا۔" وہ چیخ کر بولی۔

"مجھے افسوس ہے کہ تم اندھی نہیں ہو سکیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "مگر نہیں تم پھر آئینہ دیکھو کہ اندھی ہو یا نہیں۔"

جیسے ہی آئینہ اس کے سامنے لایا گیا ایک بار پھر اس کے حلق سے چیخ نکلی۔ آنکھیں پھیل گئیں اور منہ حیرت سے کھل گیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے سکتہ ہو گیا ہو۔

پھر یک بیک اس نے ہنسنا شروع کر دیا۔ دیوانوں کی طرح ہنستی رہی۔ ہسٹریائی انداز میں قہقہے لگاتی رہی۔

"ختم کرو۔" فریدی اس کا شانہ دباتا ہوا بولا اور وہ چونک کر خاموش ہو گئی۔ چند لمحے فریدی کی طرف دیکھتی رہی پھر مضمحل سی آواز میں بولی۔ "یہ سب کیا تھا۔"

"کل شام والی لاف و گزاف کا جواب۔" فریدی مسکرایا۔ "تمہیں اس پر ناز ہے کہ سارا یورپ تمہارے نام سے تھراتا ہے۔ تمہارے اور تھریسیا کے نام پر یورپ کے ملکوں میں زلزلہ آجاتا ہے۔ لیکن میں اگر چاہوں تو تمہیں رلا دوں تم ننھی بچیوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر روتی رہو اور اسی وقت چاہوں تو تم احمقوں کی طرح ہنسنا شروع کر دو.... کہو تو اب تمہیں کچھ دیر کے لئے پاگل ہی بنا دوں اور تم دوڑ دوڑ کر لوگوں کو کاٹتی بھنبھوڑتی پھرو۔ وہ حصار کہاں گیا جو تم نے پچھلی رات اپنی مسہری کے گرد قائم کیا تھا۔ وہ ڈیڑھ ہزار آدمی کہاں گئے جن سے تم کام لیتی تھیں۔ میں نے انہیں باہر نکال دیا تھا۔ تم تو اس وقت بیہوش پڑی تھیں اور دیکھو میں نے یہ سب کچھ خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر کیا ہے۔ تمہاری گردن پر تو ہمارے تین فوجیوں اور خود اپنے ایک آدمی کا خون ہے میں اس وقت بھی چاہوں تو تمہارا گلا گھونٹ کر تمہیں ختم کر سکتا ہوں.... بولو.... خاموش کیوں ہو۔"

"وہ کون ہے.... اور یہ....!" اس نے نقلی فریدی اور نقلی نانوتہ کی طرف ہاتھ اٹھا کر پوچھا۔

"دونوں میرے ماتحت ہیں۔"

"میک اپ کرنے میں تمہیں کمال حاصل ہے۔ میرے چہرے کی مٹی کیسے پلید کی تھی۔"

"وہ بھی میک اپ ہی تھا۔ ایک ایسا سیال تمہارے چہرے پر لگایا تھا کہ جلن ہوتی رہے۔"

"اور تم نے یہ نفسیاتی طریقے اختیار کر کے مجھے رلایا بھی اور ہنسایا بھی۔" وہ مسکرا کر بولی۔ "واقعی تم عظیم ہو تمہارے آگے سر جھکاتی ہوں مگر تم سے رحم کی بھیک نہیں مانگوں گی۔"

"مانگو بھی تو یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ مجھے تو تمہیں قانون ہی کے حوالے کرنا پڑے گا۔ وہ اس پر کچھ بھی نہ بولی۔ بلکہ اس کے انداز سے تو یہ ظاہر ہو رہا تھا جیسے اپنی گرفتاری پر ذرہ برابر بھی تردد نہ ہو!.... چند لمحے ٹھہر اکر اس نے پوچھا۔ "کیا سچ مچ کرنل وارڈ نے غداری کی ہے۔"

"اس غریب نے اس غار کی شکل ہی کہاں دیکھی ہے۔ میں نے تو اُس رات تم لوگوں کو ڈوج دیا تھا۔ میرا یہی ماتحت میرے میک اپ میں ٹیکم گڈھ چلا گیا اور میں یہاں کرنل وارڈ کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ پھر وہ مجھے مل ہی گیا۔ لیکن تہہ خانوں کا راستہ اس گدھے کو بھی نہیں معلوم تھا وہ اس وقت سے اب تک میری قید میں ہے لیکن اس سے میں نے یہ ضرور معلوم کر لیا تھا کہ زیبا بھی اس کی کار پرداز ہے اور اس کا کام ہے نوجوانوں کو پھانس کر اس کے پاس لانا۔ تم سے اس رات یہ حماقت ہوئی کہ تم نے زیبا کو قاسم کے لئے پیغام بھیجا کہ وہ اسے خیمے کی پشت پر لائے۔ تم سے یہ حماقت محض اس لئے سرزد ہوئی تھی کہ تمہیں میرے یہاں سے چلے جانے کی اطلاع مل چکی تھی۔ چونکہ اس دن راکٹ اور جہاز کا معرکہ ہو چکا تھا اس لئے بھی تم مطمئن تھیں کہ کوئی اُدھر آنے کی ہمت نہ کر سکے گا۔ بہر حال زیبا پر میں نے گہری نظر رکھی تھی۔ اُدھر وہ اُسے بتائے ہوئے مقام پر چھوڑ گئی اور ادھر میں الرٹ ہو گیا۔ وہاں سے تمہارا خاص آدمی اُسے اس غار کے دہانے پر لے گیا تھا جس سے تہہ خانوں کا راستہ شروع ہوتا ہے۔ میں نے راستہ پیدا کرنے کا طریقہ دیکھ لیا تھا اور یہ سب کچھ تمہارے آدمیوں کی غفلت کا نتیجہ تھا۔ پھر میں نے سوچا کہ مجھے تنہا ہی اندر جانا چاہئے۔ کیوں خواہ مخواہ دوسری جانیں ضائع کراؤں۔ بس پھر یہی تدبیر سمجھ میں آئی کہ کرنل وارڈ کا سہارا لیا جائے ویسے یہ تو مجھے معلوم ہی تھا کہ تہہ خانوں تک اس کی رسائی نہیں ہوئی یہاں آیا تو تم نے اس پر غصے اور حیرت کا اظہار کیا اس سے پہلے تمہارے پہرے دار گولی تک مار دینے پر تیار تھے۔ لیکن میں نے تمہاری دہائی دے کر انہیں اپنا نام بتایا تھا اور کہا تھا کہ

تم نے ٹرانسمیٹر کے ذریعہ مجھے تہہ خانوں میں طلب کیا ہے۔ تب وہ مجھے کھینچتے ہوئے یہاں لائے تھے۔ میں نے یہاں رہ کر اچھی طرح سے جائزہ لیا۔ تمہارے یہی دس آدمی مزاحمت کر سکتے تھے وہ ڈیڑھ ہزار مزدور تو موم کی ناک تھے، جو یہاں کی قید سے بُری طرح اکتا گئے تھے۔ پچھلی ہی رات میں نے انہیں یہاں سے نکالا تھا اور باہر سے اپنے پانچ آدمی بلائے تھے۔ یہ لڑکی جسے تم نانوتہ کی شکل میں دیکھ رہی ہو اور یہ چاروں مگر اب اتنا تو بتا ہی دو کہ تم نے ان تین خالی کنوؤں سے کیا نکالا ہے۔ غالباً یہی کام تم یہاں کر رہی تھیں اور اب اس کا اختتام ہو چکا ہے۔"

"قطعی طور پر اختتام....!" وہ مسکرا کر بولی۔ "اب اس علاقے میں ایک بوند بھی نہیں ملے گی۔ وہ ایک نایاب ترین ایندھن ہے کرنل فریدی جسے ہم لمبی پرواز میں استعمال کریں گے یہ بھی زیرولینڈ ہی کی دریافت ہے۔ یہ پٹرولیم سے کئی ہزار گنا ہلکا اور سریع الاثر ہوتا ہے۔ لمبی پرواز سے کہیں تم یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ ہم اسے بین براعظمی راکٹوں میں استعمال کریں گے۔ نہیں.... یہ سیاروں کے سفر کے لئے بہت موزوں ہوگا۔ ہم بہت جلد چاند میں اپنا پرچم نصب کریں گے۔"

"میرے بکرے کو بھی ساتھ لیتی جانا۔" حمید نے کہا۔ "تاکہ وہ واپسی پر چاند کا سفر نامہ باتصویر معہ پرائیویٹ حالات کھول کھول کر لکھ سکے۔"

نانوتہ ہنس کر پھر کرنل کی طرف متوجہ ہو گئی اور کرنل نے کہا۔ "تو وہ تمہارا راکٹ ایندھن ہی لے کر اڑا کرتا ہے۔"

"ہاں.... اب وہ واپس نہیں آئے گا کیونکہ آخری کھیپ جا چکی ہے۔"

"مگر اس کی واپسی کبھی کسی نے نہیں دیکھی۔"

"واپسی ادھر سے نہیں ہوتی۔ واپسی پر وہ یہاں سے دس میل کے فاصلے پر ایک سرنگ میں داخل ہو کر ایندھن کے کنوؤں تک پہنچتا تھا.... واپسی پر اس سے جو گیس خارج ہوتی ہے دیکھی نہیں جا سکتی۔ روانگی کے وقت ایک مجبوری کی بناء پر وہ گیس نظر آنے لگتی تھی۔ ورنہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔ دراصل اُسے باہر نکلنے کے لئے راستہ بنانا پڑتا تھا۔ اس لئے اس کے آگے اور پیچھے ایک ایسا آلہ لگایا گیا تھا جس سے حرارت پیدا ہو کر پتھر کو پگھلا دے وہ باہر نکل کر اتنی دیر تک فضا میں معلق رہتا تھا جب تک کہ نچلے آلے سے خارج ہونے والی حرارت اس خلاء کو پُر نہیں کر دیتی تھی۔ آس پاس کے پتھر پگھل کر اُسی خلاء میں سما جاتے تھے تم لوگ جس حرارت سے

پریشان ہو کر میلوں دوڑتے چلے گئے تھے وہی پتھر کو پگھلا دینے والی حرارت تھی۔ نچلے حصے میں حرارت کا آلہ اُس نلکے سے ملحق ہوتا ہے جس سے گیس خارج ہوتی ہے۔ نتیجے کے طور پر وہ نلکا بھی گرم ہو جاتا ہے اور اسی حرارت کی وجہ سے اُس سے خارج ہونے والی گیس چمکیلا پن اختیار کر لیتی ہے، جب تک یہ نلکا گرم رہتا ہے یہی کیفیت برقرار رہتی ہے جہاں ٹھنڈا ہوا گیس کی چمک غائب ہو گئی.... بہر حال یہ ایک مجبوری ہی تھی جس کی بناء پر لوگ اس کے وجود سے واقف ہو سکے ورنہ تم تک بات ہی نہ پہنچتی۔ خیر اگر پہنچتی بھی تو میرا دعویٰ ہے کہ تم بھٹکتے ہی رہ جاتے۔ ستم تو جیلانی کی تصویر ہو گئی تھی وہ تصویر نمائش میں رکھی گئی اور مجھ سے حماقتیں سرزد ہونے لگیں، نہ کرنل وارڈ اس میں بہت زیادہ دلچسپی لیتا اور نہ تم اس کے پیچھے لگتے۔ اوہ.... اب تم یہ بتاؤ کہ تم نے میرا حصار کیسے توڑا تھا۔"

"پانی سے....!" فریدی مسکرایا۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا.... تم کیا جانو....!" نانوتہ بوکھلا کر بولی۔

"مشاہدہ....! جب بھی تم حصار میں نظر آئی ہو میں نے تمہارے شانے سے ایک کیمرہ لٹکتا دیکھا ہے اور ہاتھ میں یا حصار کے اندر ہی کہیں شراب کی بوتل بھی دیکھی ہے لیکن کیا اس میں شراب ہوتی تھی....؟ پھر جب خواب گاہ کی مسہری کے گرد حصار نظر آیا تو وہاں بھی پانی موجود تھا اور بڑے اہتمام کے ساتھ حصار کے اندر ہی رکھا گیا تھا۔ پچھلی رات میں نے کافی غور و فکر کے بعد تھوڑا سا پانی حصار کی طرف ڈھلکایا تھا۔ تم بے خبر سو رہی تھیں۔

"ہائے یہ سوتے میں کیسی لگتی ہو گی حمید بھائی۔" قاسم آہستہ سے بڑبڑایا۔

"چپ رہو....!" حمید اُسے جھڑک کر ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ فریدی کہہ رہا تھا۔ "ہاں تو میں نے پانی ڈھلکایا مقدار کم ہی تھی۔ بہر حال تجربہ تسلی بخش ثابت ہوا جتنی جگہ سے پانی کی لکیر گزری تھی اتنی جگہ میں حصار کی چمکدار لکیر کٹ گئی، اتنی کٹی ہوئی جگہ میں میں نے پتلی سی چھڑی ڈال دی! جو پڑی رہی.... بس اس کے بعد ہی دو گیلن پانی نے پورے حصار کا صفایا کر دیا تھا اور تم میرے قبضے میں تھیں۔ تمہیں گہری قسم کی بیہوشی کی دوا دی تھی جس کے زیر اثر تم آج صبح تک رہیں۔ یہ بھی معلوم ہو چکا ہے تم وہ حصار بناتی کس طرح ہو! وہ کیمرہ بھی اب میرے قبضہ میں ہے اس میں وہی گیس بھری ہوئی ہے اور اس کے نوزل سے جو بادی النظر میں نہیں معلوم

ہوتا ہے گیس کی باریک سی لکیر نکل کر وہی شکل اختیار کر لیتی ہے جس کے لئے تم ہاتھ کو حرکت دو۔"

"وہ میری طرف سے تحفے کے طور پر رکھو۔" نانوتہ مسکرائی۔ "میں تمہیں کبھی نہیں بھلا سکتی عرصہ سے خواہش تھی کہ تمہیں قریب سے دیکھوں۔ بہت شاندار ہو کرنل.... عظیم.... لیکن اسے لکھ لو کہ میں ہی ایک نہ ایک دن تمہیں زیرو لینڈ لے جاؤں گی۔"

"جیلانی کہاں ہے....!" حمید نے پوچھا۔ "میں نے کئی دنوں سے اُسے دیکھا نہیں۔"

"بیٹھو! تم سب بیٹھ جاؤ۔ میں تھکن محسوس کر رہی ہوں۔ کچھ دیر اور تمہیں دیکھنا چاہتی ہوں کرنل میری یہ خواہش بھی پوری کر دو۔"

"کوئی چال....!" حمید مسکرایا۔

"میں نانوتہ ہوں...." وہ غصیلی آواز میں بولی۔ "کرنل کے سامنے سر جھکا چکی ہوں لہٰذا اس کی موجودگی میں میرا سر نیچا ہی رہے گا۔ ذرا یہ صرف دس منٹ کے لئے یہاں سے ہٹ کر دیکھیں کیا ہوتا ہے۔"

"میں نے پوچھا جیلانی کہاں ہے۔" حمید نے اُسے پھر ٹوکا۔

"جیلانی کو دارالحکومت واپس بھجوا دیا۔ اس کی ذہنی حالت خراب ہو رہی تھی۔ اُسے تو میں نے صرف اس لئے دیکھنا چاہا تھا کہ شاید میں اُسے پہچان سکوں۔ لیکن میں نہیں جانتی کہ وہ کون ہے۔ میں نے اُسے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس سے پوچھنا چاہتی تھی کہ اس نے مجھے کہاں دیکھا تھا۔ لیکن وہ بھی اس کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکا تھا۔ اس تصویر کا مسئلہ میرے لئے ہمیشہ الجھن کا باعث بنا رہے گا۔"

"تم دھوئیں کے مجسمے کی شکل میں درشن دیتی تھیں۔ وہ کیا بلا تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"ہمارا ٹیلی ویژن جو ابھی تجرباتی دور میں ہے اس کے لئے کسی ریسیونگ سیٹ کی ضرورت نہیں ہم جہاں چاہیں مناظر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے صرف ایک سال میں ہم اس قابل ہو جائیں کہ تم میرا مجسمہ اپنے گھر میں دیکھ سکو۔"

"میرے گھر میں بھی.... جرور.... جرور.... اچھا۔" قاسم جلدی سے بولا۔ کچھ دیر بعد وہ اٹھ گئے۔ پورا قافلہ اس تنگ سے درے سے گزرنے لگا جس کا اختتام اس پتھریلے میدان میں ہوا جہاں ایک رات فریدی اور اس کے ساتھیوں نے جہنم کی آنچ محسوس کی تھی۔ اس درے

میں داخل ہونے سے پہلے وہ ایک ایسے سوراخ سے گزرے تھے جس کا قطر تقریباً پانچ فٹ تھا جسے بند کرنے کے لئے ایک بہت بڑی سل میکنزم پر حرکت کرتی تھی۔ روانگی سے قبل فریدی اور نقلی نانوتہ کو آزاد کر دیا گیا اور اب وہ دونوں ان شکلوں میں بھی نہیں تھے۔ چہرے کے لئے بالکل نئے تھے۔ اس لئے وہ اس کے علاوہ اور کیا سمجھ سکتا تھا کہ وہ بلیک فورس ہی کے ہوں گے۔ نانوتہ کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے.... جیسے ہی وہ سب درے سے باہر آئے نانوتہ نے فریدی سے کہا۔ "اب تم سب جتنی تیزی سے دوڑ سکتے ہو دوڑو.... اگر ہم پندرہ منٹ کے اندر اندر اس سبز نشان تک نہ پہنچے تو ہماری ہڈیوں کا بھی پتہ نہ چلے گا۔"

"کیوں....؟"

"میں اپنے ملک سے غداری نہیں کر سکتی۔ جب ہم اس سوراخ سے گزر رہے تھے میں نے اپنے بائیں شانے سے ایک سوئچ آن کر دیا تھا جو سوراخ کے سرے ہی پر لگا ہوا ہے۔ پچیس منٹ بعد خود بخود اس سوئچ بورڈ سے ایک تحریک ہو گی جو خاص خاص مقامات کے ڈائینامائیٹس تک پہنچے گی اور وہ سب بیک وقت پھٹ جائیں گے۔ دوڑو میں سنجیدگی سے کہہ رہی ہوں دس گیارہ منٹ گزر چکے ہیں وہ سبز نشان میں نے بنایا تھا تاکہ اس قسم کے مواقع پر سب کچھ تباہ کر دوں اور ہمارے آلات غیروں کے ہاتھ نہ آ سکیں۔ وہاں سب کچھ ہے کرنل اور یہ بھی سن لو کہ تم اس سوئچ کو تلاش نہیں کر سکو گے۔ اگر خودکشی کرنا چاہتے ہو تو ضرور واپس جاؤ.... نانوتہ نے بے تحاشہ دوڑنا شروع کر دیا۔

پھر سب ہی بھڑک کر بھاگے! مگر فریدی تو بیچارے قاسم کو دیکھ رہا تھا جس کے فرشتے بھی نہیں دوڑ سکتے تھے۔

"ارے.... ارے.... میں.... ارے ارے.... میں" وہ چیختا ہوا دوڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔

دفعتاً فریدی اس کی طرف جھپٹا اور اسے اتنی پھرتی سے اپنی کمر پر لاد لیا کہ خود قاسم نے بوکھلا کر اوٹ پٹانگ بکواس شروع کر دی۔ "ارے.... ارے.... واہ.... کیا مذاق ہے.... ارے گرو گے کون ہو تم.... کون ہو تم...."

قاسم کو کمر پر کوئی دیو ہی لاد سکتا تھا.... اور پھر لاد کر دوڑنا.... خدا کی پناہ.... مگر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی چیتا کسی بکرے کو پشت پر لاد کر بھاگا ہو۔

ذرا ہی سی دیر میں فریدی ان دوڑنے والوں کے برابر پہنچ گیا جو اس سے بہت پہلے دوڑے تھے۔ قاسم برابر چیخے جا رہا تھا۔ "ارے تم کون ہو.... ارے گروں غا تو ہاتھ پاؤں ٹوٹ جائیں گے.... ارے بچاؤ.... بچاؤ....!"

حمید نے دیکھا تو بے تحاشہ ہنس پڑا.... فریدی اب سب سے آگے جا رہا تھا اس کی رفتار میں ابھی تک فرق نہیں آیا تھا۔

کسی نہ کسی طرح وہ سبز نشان تک پہنچ گئے۔ یہ ایک بڑی سی چٹان تھی جسے سبز رنگ دیا گیا تھا۔

"کرنل تم واقعی آسیب ہو۔" نانوتہ ہانپتی ہوئی بولی۔ کبھی وہ زمین پر پڑے ہوئے قاسم کو دیکھتی تھی اور کبھی فریدی کی طرف جو بڑے بے تعلقانہ انداز میں کھڑا درے کی جانب دیکھ رہا تھا۔ نہ تو اس کے نتھنے پھول پچک رہے تھے اور نہ سینہ ہی لوہار کی دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔

نانوتہ آگے بڑھی اور اس کے بائیں شانے سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ حمید بڑی تیزی سے اپنی کھوپڑی سہلا رہا تھا۔

"ارے باپ رے...." قاسم بڑبڑایا اور منہ پھیر کر دانت نکال دیئے۔

دفعتاً اسی وقت ایک زوردار گڑگڑاہٹ سنائی دی اور درے کے بعد کا حصہ دھوئیں اور غبار میں چھپ گیا۔ بڑے بڑے پتھر کافی بلندی تک اڑتے چلے گئے تھے۔

❁

تیسرے دن وہ دارالحکومت میں تھے۔ نانوتہ کو جیل بھیج دیا گیا تھا۔ اس کے سارے ساتھی بھی تھے۔ زیبا اور کرنل وارڈ بھی سلاخوں کے پیچھے ہی تھے۔

اخبارات نے نت نئی کہانیاں چھاپی تھیں۔ ہر طرف نانوتہ اور فریدی کے چرچے تھے۔ جیلانی بھی موضوع بحث بنا ہوا تھا۔ لیکن جیلانی تھا کہاں؟

فریدی اور حمید بیگم تنویر کے گھر پہنچے۔ وہ گھر ہی پر موجود ملیں۔

"جیلانی تین دن سے ہسپتال میں بیہوش پڑا ہوا ہے۔ کبھی ذرا سی دیر کے لئے ہوش آتا ہے۔ لیکن کسی کو پہچانتا نہیں۔ اس نے صوفیہ کو بھی نہیں پہچانا۔ چار دن پہلے کی بات ہے کہ صبح کو اچانک بیرونی برآمدے میں پڑا ہوا ملا۔ وہ بیہوش تھا۔ کچھ لوگ اسے ایک رات اس کے کمرے سے اٹھا کر لے گئے تھے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور وہ پاگل لڑکی رو رو کر جان دیئے دیتی ہے۔ تصویر کی

آسیبی کہانی بُری طرح مشہور ہوئی ہے۔ کئی ماہرین نفسیات اس کے لئے چکر لگاتے رہے تھے۔ ایک صاحب وہاں ہسپتال میں اس کے سر پر مسلط ہیں۔"

یہ دونوں بیگم تنویر کے ساتھ ہسپتال پہنچے اور ویٹنگ روم میں بیٹھ کر صوفیہ کو اطلاع بھجوائی۔ صرف صوفیہ کو مریض کے ساتھ رہنے کی اجازت ملی تھی۔ ملاقاتیوں کو جانے سے روک دیا گیا تھا۔

دفعتاً صوفیہ دوڑتی ہوئی آئی۔ وہ خوش نظر آرہی تھی۔ "اوہ آنٹی.... وہ آج پہلی بار بولے ہیں.... پروفیسر تاج نے کہا تھا کہ ہوش میں آنے کے بعد جو کچھ بھی ان کی زبان سے نکلے نوٹ کر لینا۔ میں نے.... لکھ تو لیا ہے.... لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ ان الفاظ کا مطلب کیا ہے۔"

"لائیے.... دیکھوں۔" فریدی نے ہاتھ بڑھایا.... اس نے کاغذ کا ٹکڑا اُسے دے دیا۔ حمید بھی دیکھنے کے لئے جھکا۔ اس پر تحریر تھا۔

"چنڈو بے یوک نے وَلے.... پیسے پیسے کے دَمُو با۔"

فریدی تھوڑی دیر تک اُسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "یہ تو برمی زبان کے الفاظ ہیں.... دو الگ الگ جملے دونوں کا محل استعمال مختلف ہے۔ پہلے کا مطلب ہے میں کہاں ہوں.... اور دوسرے کا مطلب.... بھاگو بھاگو بچاؤ۔"

صوفیہ بے اعتباری سے فریدی کی طرف دیکھنے لگی۔ فریدی نے پوچھا۔ "کیفیت کیا ہے۔"

"بس اتنا ہی بول کر خاموش ہو گئے ہیں اور پھٹی پھٹی سی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھ رہے ہیں۔ اچھا میں اب جا رہی ہوں.... کہیں وہ پریشان نہ ہوں۔"

وہ چلی گئی اور بیگم تنویر بُرا سا منہ بنائے اُسے جاتے دیکھتی رہیں۔

"یہ لڑکیاں؟" انہوں نے ٹھنڈی سانس لی۔ "پاگل ہوتی ہیں پاگل.... پہلے یہ اس سے تنگ تھی.... دونوں میں روزانہ جھگڑا ہوتا تھا۔ پھر جب اُسے کچھ لوگ اٹھا لے گئے تو پاگل ہو گئی۔ رو رو کر آنکھیں سجالیں اور اب رات دن ایک کر رہی ہے، دیوانی....!"

"آپ بہتر سمجھ سکتی ہیں۔" فریدی مسکرایا اور حمید ایک دلدوز آہ بھر کر اٹھ گیا تھا۔

❁

تین دن تک وہ اس کیس کے نشیب و فراز میں الجھے رہے۔ حمید صبح سے کرنل وارڈ کے

اہر مزید چھان بین کر رہا تھا اور فریدی کہیں اور تھا۔ شام کو جب دونوں ملے تو حمید کے لئے دو حیرت انگیز چیزیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ نانوتہ مر گئی اور اس کی لاش مردہ خانے سے غائب ہو گئی اور دوسری یہ کہ جیلانی برمی اور انگریزی کے علاوہ اور کوئی زبان نہیں بول سکتا۔ اس نے بیگم تنویر اور صوفیہ کو بھی پہچاننے سے انکار کر دیا ہے۔ اب صوفیہ کو غش پر غش آرہے ہیں اور بیگم تنویر پھاڑیں کھا رہی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ جیلانی کو اپنا بیٹا سمجھتی تھیں.... جیلانی سے جب یہ کہا گیا کہ وہ ایک بہت بڑا مصور ہے تو وہ دیر تک ہنستا رہا کہنے لگا کہ شاید میں ایک سیدھی لکیر بھی نہ کھینچ سکوں آپ مجھے مصور کہتے ہیں اور جب اُسے اس کی بنائی ہوئی تصویر چرواہی دکھائی گئی تو بیساختہ چیخ اٹھا۔ ارے یہ تو نانوتہ ہے.... وہ اکثر فوجیوں کے کیمپ میں ننگی ہو کر ناچتی تھی اور پھر وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور تھوڑی دیر بعد بتایا کہ وہ ان دنوں کی بات ہے جب جاپان برما پر بم باری کر رہا تھا۔ جیلانی جواب نام نوما بتاتا ہے ایک بڑے فوجی افسر کا ملازم تھا۔ نانوتہ اس رات فوجی افسروں کی ایک محفل میں نیم عریاں حالت میں رقص کر رہی تھی۔ اس کا بیان ہے کہ وہ اس وقت بہت اچھی لگ رہی تھی۔ دفعتاً وہ ناچتے ناچتے ایک گوشے میں پہنچی اور وہاں سے اُن افسروں پر ٹامی گن سے فائرنگ کرنے لگی۔ جیلانی نکل بھاگا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ آٹھ دس آفیسر تو اس کے سامنے ہی ڈھیر ہو گئے تھے۔ باہر نکلا تو اوپر جاپانی طیارے گرج رہے تھے۔ انہوں نے بمباری شروع کر دی۔ اس کے بعد کے حالات اسے یاد نہیں اور اب جیلانی کو بڑی حیرت ہے کہ وہ اتنا بڑا کیسے ہو گیا۔ مونچھیں داڑھی کیسے نکل آئیں.... کیا وہ سولہ سال کی عمر سے اب تک سوتا رہا ہے۔

"تو وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"مکمل طور پر.... اُسے وہ زمانہ قطعی یاد نہیں ہے جب سر دانش نے اُسے فٹ پاتھ سے اٹھا کر آسمان پر پہنچایا۔ حد یہ ہے وہ کہتا ہے کہ اس بم باری والی رات کے بعد سے اس نے پھر کسی نانوتہ کو نہیں دیکھا۔"

"حالانکہ ابھی حال ہی میں عیش کرتا رہا ہے۔" حمید ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔

"جب اس سے کہا گیا کہ نانوتہ کی تصویر اس نے بنائی تھی تو وہ بگڑ گیا ہے۔ کہنے لگا کہ آپ مجھے ایک ایسے آدمی کا مضحکہ کیوں اڑاتے ہیں جس کا دنیا میں کوئی نہ ہو۔"

"کہیں اُلو تو نہیں بنا رہا۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ اسی موقع پر یادداشت بھی واپس آ گئی۔"

"ایسے ہی مواقع تو ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے تو نانوتہ کی تصویر لاشعور سے شعور میں آئی تھی۔ یہ واقعہ بھی اسی طرح پیش آیا ہوگا وہ پچھلے تجربات جن کا تعلق نانوتہ سے ہوگا، کھو بیٹھنے کے بعد کی کسی سچویشن سے اچانک آ ٹکرائے ہوں اور صرف نانوتہ اس کے شعور میں پھسل آئی ہو۔ لیکن پوری سچویشن یاد نہ آئی ہو۔ پھر جیتی جاگتی نانوتہ سامنے آئی۔ اس کی موجودگی میں بہتیرے پچھلے تجربات لاشعور میں کلبلا کلبلا کر رہ گئے ہوں گے۔ اس نے ان ادھوری ڈوریوں جھلکیوں کو مربوط کرنا چاہا ہوگا.... لیکن کامیابی نہ ہونے پر بیہوشی کے دورے پڑنے لگے ہوں گے۔ پھر نانوتہ نے اُسے گھر بھجوادیا ہوگا۔ دوسری چیز شراب بھی تو تھی۔ تم نے ہی بتایا تھا۔ سوچو کتنی اذیت ناک ہوگی واپس آتی ہوئی یادداشت کی ادھوری غیر مربوط اور ہیجان انگیز جھلکیاں جنہیں وہ کوئی معنی نہیں پہنا سکتا تھا۔"

"ہوگا...." حمید کان جھاڑ کر بولا۔ "آخر ہم کب تک اپنی یادداشت کھو بیٹھنے کے قابل ہوں گے۔ آئے دن تو بھانت بھانت کے حادثات سے دوچار ہوتے رہتے ہیں۔ یہی ہو جائے کچھ دنوں تک موج میں سارنگی بجاتے پھریں.... اور آئی جی صاحب سے کہیں معاف کیجئے گا۔ ہم نے آپ کو پہچانا نہیں.... خیر سارنگی پر والدین کا خیال سنئے۔ طبلے پر فریدی صاحب سنگت کر رہے ہیں۔ آہم یہ تو آپ نے ابھی تک بتایا ہی نہیں کہ انگوٹھی کا کیا قصہ تھا۔"

فریدی نے آصف والا واقعہ دہراتے ہوئے کہا۔ دراصل وہ انگوٹھیاں نانوتہ کے لئے مہیا کرنے کا باعث بنتی تھیں۔ اچھے پڑھے لکھے اور تندرست نوجوان کو راہ چلتے پڑی ہوئی ملتیں۔ انہیں اٹھا کر انگلیوں میں ڈال لیتے اور پھر انہیں گیت سنائی دیتے وہ اسے آسیبی عمل سمجھ کر پریشان ہوتے لیکن انگوٹھی کی طرف دھیان نہ جاتا۔ پھر کرنل وارڈ کے ایجنٹ انہیں کرنل وارڈ جیسے روحانیات تک پہنچادیتے اور پھر انہیں نانوتہ کا دھوئیں والا مجسمہ دکھایا جاتا اور وہ اس کے عشق میں پاگل ہو کر خود ہی وادی میں اتر جاتے تھے۔ وہ ان سے کہتی تھی وادی کا جیک میں آؤ.... میں تمہیں وہیں ملوں گی.... اس طرح اس نے ڈیڑھ ہزار تندرست مزدور مہیا کئے تھے اور ان سے کام لے رہی تھی۔ بہرحال اسے جو کچھ یہاں سے لے جانا تھا وہ تو پہلے ہی زیرولینڈ پہنچا چکی تھی اب بھی نکل گئی۔"

"آپ تو کہہ رہے تھے کہ مر گئی۔"

"ہاں مر ہی گئی مگر مجھے اس کی اطلاع نہ دی گئی۔ پوسٹ مارٹم کے لئے لاش ہسپتال میں پہنچا دی گئی اور وہ مردہ خانے سے صاف نکل گئی۔"

"صاف نہیں نکل گئی لاش نکل گئی۔ آپ کے سننے میں فرق آیا ہے۔" حمید جھلا گیا۔

"تھریسیا اور نانوتہ دونوں ہی حبس دم کے ماہر ہیں۔ اسی طرح تھریسیا بھی ایک بار عمران کو ڈوج دے کر نکل گئی تھی۔ وہی حربہ نانوتہ نے یہاں آزمایا۔ پہلے مجھے خیال نہیں آیا تھا ورنہ حکام کو اس خطرے سے بھی آگاہ کر دیتا۔"

"اب پہنچے آپ زیرولینڈ! ہاہا....!" حمید نے منہ پر ہاتھ رکھ کر قہقہہ لگایا۔

"میں نے تو پکڑ کر ان کے حوالے کر دیا تھا۔ میری ذمہ داری ختم۔" فریدی کا لہجہ ناخوشگوار تھا۔

"اب کیا ارادہ ہے حکام کو آگاہ کیجئے گا۔"

"اس سلسلے میں آپ کی زبان بند رہنی چاہئے۔ حمید صاحب میں چاہتا ہوں یہی مشہور ہو کہ لاش غائب ہو گئی۔"

دوسرے دن حمید، بیگم تنویر کے یہاں جا پہنچا وہ موجود نہیں تھیں صوفیہ نے نشست کے کمرے میں اس کا خیر مقدم کیا۔ وہ ننگے پیر تھی اور پنجوں کے بل آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر حمید کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

"وہ برابر کے کمرے میں آرام کر رہے ہیں۔" اس نے لجاجت سے کہا تھا۔ "ذرا آہستہ سے بولئے گا۔ میں بڑا خیال رکھتی ہوں کہ شور نہ ہونے پائے وہ بہت تھکے ہوئے ہیں۔ دیکھئے آپ خود سوچئے۔ انہیں آرام کی کتنی ضرورت ہے۔ میں رات رات بھر جاگتی رہتی ہوں کہ کہیں بلی آکر کوئی چیز نہ گرادے اور ان کی نیند میں خلل نہ پڑے۔ وہ مجھ سے کہتے ہیں صوفی اب سو جاؤ۔ تم بھی تو کتنی تھکتی رہتی ہو۔ میں کہتی ہوں آپ پرواہ نہ کیجئے.... میں ٹھیک ہوں۔ آپ کو آرام کی ضرورت ہے.... اب آپ ہی بتایئے جناب کتنی محبت کرتے ہیں.... راتوں کو جاگ کر کام کرتے رہتے ہیں.... دن کو فرصت نہیں ملتی۔ آج کوئی امریکہ سے ملنے چلا آرہا ہے.... پرسوں جرمنی سے.... سارا دن اسی میں ختم ہو جاتا ہے.... پھر رات کو آرام کیسے کریں.... رات کو کام کرتے ہیں.... وہ دیکھئے اس تصویر کی وجہ سے وہ دنیا کے سب سے بڑے مصور ہو گئے ہیں نا! لیجئے آپ نے تو مجھے مبارک باد بھی نہیں دی۔" وہ روٹھے ہوئے انداز میں ہنسی اور پھر سنجیدہ ہو کر

کچھ سوچتی ہوئی دانتوں سے ناخن کترنے لگی۔ اتنے میں بیگم تنویر آگئیں وہ انہیں دیکھ کر
سے اٹھی اور اندر چلی گئی۔ "کہئے جناب کیسے تکلیف فرمائی۔" انہوں نے پھیکی سی مسکرا
ساتھ کہا۔

"جی بس جیلانی صاحب کی خیریت دریافت کرنے آیا تھا۔"

"جیلانی یہاں کہاں ہے۔" وہ مغموم لہجے میں بولیں۔ "اسے تو ہماری شکلوں سے
ہوتی ہے۔ وہ برمی سفیر کی کوٹھی میں مقیم ہے۔ آج کل میں رنگون چلا جائے گا۔ مگر صو
گئی ہے۔ اللہ اس پر رحم کرے آپ سے کیا کہہ رہی تھی۔"

"جی.... کچھ نہیں.... وہ تو.... آپ کے بارے میں گفتگو کر رہی ہیں۔" حمید نے
پھٹی پھٹی آنکھوں سے کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا.... اس کا سارا جسم جھنجھنا اٹھا تھا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 80

سینکڑوں ہمشکل

(مکمل ناول)

پیشرس

ہر ماہ یہ پیشرس کا چرخہ گراں گزرنے لگا ہے! مگر ہونا تو چاہئے، کچھ نہ کچھ کسی کتاب کے متعلق مصنف کا کچھ لکھنا لغوبات ہے۔ کیونکہ وہ تو پہلے ہی سب کچھ لکھ چکا ہوتا ہے، پھر اس لکھے پر مزید کچھ لکھنا اسی صورت میں جائز ہو سکتا ہے جب کسی دوسرے کے کاندھے پر رکھ کر بندوق داغنے کا خیال ہو.... یعنی یہ ہمچمدان یعنی ابن صفی پیش رس کے لئے دوسرا نام اختیار کرے اور کتاب کے متعلق اپنے ہی قلم سے زمین و آسمان کے قلابے ملا کر رکھ دے.... اخیر میں نعرہ لگائے "عظیم ابن صفی زندہ باد".... اور اس کے نیچے "فقط تفضل حسین ایم۔اے۔ ڈی۔لٹ بقلم خود" لکھ کر بھاگ کھڑا ہو.... بعد میں آپ بھگتا کیجئے! کہتے پھریئے کہ ابن صفی واقعی عظیم ہوتا ہے۔ اس لئے اب اُسے ابن صفی کی بجائے عظیم الدین، عظیم اللہ یا عظیم ڈیری فارم جیسا کوئی نام اختیار کرنا چاہئے۔

اچھا چلئے میں اس بار پیشرس میں اپنے نام آئے ہوئے ایک خط کا جائزہ لے ڈالوں.... ایک صاحب رقم طراز ہیں کہ ابن صفی صاحب اب آپ کی کتابوں میں سراغ رسی کم اور بکواس زیادہ ہوتی ہے۔ آپ فن کا خیال نہیں رکھتے! اصل موضوع سے ہٹ کر یا تو مزاح ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہیں یا معاشرہ کی اصلاح کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ آپ صرف جاسوسی ناول لکھئے! خالص فنی نقطہ نظر سے!

ان صاحب کے پورے خط کے مضمون سے میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ

فنِ سراغ نویسی پر بحث کرتے وقت لازمی طور پر ان کے ذہن میں انگریزی کے جاسوسی ناول تھے! لیکن میں ان سے صرف اتنا پوچھنا چاہتا ہوں کہ آج کل اردو میں انگریزی جاسوسی ناولوں کے ترجمے ردی کے بھاؤ کیوں بکتے ہیں۔ کوئی پبلشر اب ترجمے چھاپنے کی ہمت کیوں نہیں کرتا۔ ظاہر ہے کہ ترجمے عموماً بہترین اور نامور مصنفین ہی کے پیش کئے جاتے ہیں۔ لیکن اردو میں ان کا حشر دیکھ لیجئے۔ ہر قوم کا مزاج جداگانہ ہوتا ہے۔ ضروری نہیں ہے ہم بھی وہی پسند کریں جو دوسری قومیں پسند کرتی ہیں.... اور پھر بھئی میں فن برائے فن کا قائل بھی نہیں ہوں۔ انگریزی کے جاسوسی ادب میں جسے آپ خالص فن کا آئینہ دار سمجھتے ہیں بعض چیزیں معاشرہ کے لئے تباہ کن بھی ہیں۔ مثلاً ہیرو پرستی کے جوش میں جرائم پیشہ افراد کی طرفداری.... یہاں مثال کے لئے انگریزی کے صرف دو مشہور کرداروں کا تذکرہ کروں گا، جو اردو میں بھی "لکھنوی پاجامہ" پہن کر مقبول ہونے کی کوشش کر چکے ہیں! یہ کردار ہیں سائمن ٹمپلر سینٹ اور آرسین لوپن....! یہ ایسے قانون شکن کردار ہیں جو صریحی مجرم ہونے کے باوجود بھی قانون کی زد پر نہیں آتے اور پڑھنے والے پولیس کی بے بسی سے لطف اندوز ہوتے ہیں....! ساتھ ہی مصنفین کا اندازِ تحریر ایسا ہوتا ہے جیسے وہ خود ہی پولیس کا وقار خاک میں ملانے کی کوشش کر رہے ہوں.... بہرحال مجموعی تاثر یہ ہوتا ہے کہ قانون اور قانون کے محافظ قاری کے لئے مضحکہ بن کر رہ جاتے ہیں۔

مجھ سے اس کی توقع نہ رکھئے۔ میرے شروع سے اب تک کے ناول دیکھ لیجئے آپ کو قانون کے احترام ہی کی ترغیب نظر آئے گی۔ میرے پڑھنے والوں کی ہمدردیاں قانون اور قانون کے تحفظ ہی کے لئے ہوتی ہیں۔

اور پھر میں انگریزی والوں کی پیروی کیوں کروں.... میں نے اپنے لئے الگ راہیں نکالی ہیں.... میرے زیادہ تر پڑھنے والے مجھے پسند کرتے ہیں! بس اتنا ہی کافی ہے میرے لئے۔

یہ ضرور ہے کہ میں نے انگریزی ہی سے سیکھا ہے۔ لیکن انگریز تو نہیں ہوں۔ پاکستانی ہوں۔

بعض خطوط میں ایک شکائت اور بھی اکثر نظر آجاتی ہے وہ یہ کہ اب میرے ناولوں میں پچھلا سا "زور" باقی نہیں رہا.... ان خطوط کا تجزیہ کرنے پر جو نتیجہ میں نے اخذ کیا ہے وہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے کہ اُن پڑھنے والوں کو اب میری کہانیوں میں دھول دھپا برائے نام ملتا ہے.... اس سلسلے میں گذارش ہے کہ پچھلے ایک سال سے دانستہ طور پر "دھول دھپے" سے گریز کر رہا ہوں۔ کوشش ہے کہ آپ کا "دھول دھپہ پسندی" والا رجحان ختم ہو جائے اور آپ صرف کہانی کی دلچسپی سے لطف اندوز ہونا سیکھیں! جس طرح دھول دھپہ بجائے خود ایک بُری چیز ہے، اسی طرح اس سے لطف انداز ہونا بھی ایک ایسی خواہش ہے جس کا ختم ہونا بھی انسانیت کی سربلندی کا باعث بن سکتا ہے.... ویسے یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ یہ خواہش ایک حیوانی جبلت سے تعلق رکھتی ہے، جس کی تہذیب آج تک نہیں ہو سکی۔ میں نے بہت ہی سنجیدہ آدمیوں کو بھی جھگڑے کی آوازوں میں لپکتے دیکھا ہے اور "معاملہ" آگے نہ بڑھتے دیکھ کر ان کی آنکھوں میں مایوسی بھی پڑھی ہے!

"دھول دھپہ پسندی" فطری چیز ہے، لیکن اس حیوانی جبلت کی تہذیب ہونی ہی چاہئے اور ہم سب کو مل کر اس کے لئے کام کرنا ہے!

ابنِ صفی

۲۵ نومبر ۱۹۵۸ء

سیکریٹری کی تلاش

یہ خیال قاسم کے ذہن میں بُری طرح جڑ پکڑ گیا تھا کہ ہر بڑے آدمی کو ایک لیڈی سیکریٹری ضرور رکھنی چاہئے۔ مگر مشکل یہ آپڑی تھی کہ رکھتا کہاں؟ آج کل اس کے والد عاصم صاحب اسے بڑی پابندیوں میں رکھتے تھے اور دیکھ بھال کے فرائض تو اس کی بیوی کے سپرد پہلے ہی سے تھے! وہ اس پر کڑی نظر رکھتی تھی اور قاسم کو اس قدغن پر بے حد تاؤ آتا تھا۔ لیکن دم بخود رہنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا کیونکہ اپنے باپ کے غصے کے تصور ہی سے اس کی روح فنا ہوتی تھی۔ بیوی کا منہ اسے دیکھنا ہی پڑتا تھا کہ کہیں پیشانی پر شکن تو نہیں ہے وہ دراصل اس کے باپ سے اس کی شکائتیں کرتی رہتی تھی اور کبھی کبھی ان شکائتوں کے جھگڑ میں سچ مچ قاسم کی ٹانگ الجھ جاتی!

عاصم صاحب بوڑھے سہی لیکن قاسم ہی کے باپ تھے۔ اب بڑھاپے نے ان کا حجم قدرے کم کر دیا تھا لیکن پھر بھی ان کا سامنا ہوتے ہی قاسم محسوس کرنے لگتا تھا جیسے ابھی کسی بات پر خفا ہوں گے اور اس کے ہاتھ پیر توڑ کر رکھ دیں گے۔

بیوی بھی جانتی تھی کہ قاسم بس انہیں کے حوالے سے اس کے کنٹرول میں رہ سکتا ہے، لہٰذا اٹھتے بیٹھتے اسے دہلاتی رہتی تھی۔

قاسم سہما رہتا لیکن کبھی کبھی ذہنی رو بہک ہی جاتی اور وہ سوچنے لگتا کہ یہ بالشت بھر کی منحنی سی عورت خواہ مخواہ اس کی چھاتی پر سوار ہے اور پھر وہ کوئی ایسی اوٹ پٹانگ حرکت کر بیٹھتا کہ پوری کوٹھی میں بھونچال آجاتا! لیکن شکست بہر حال اسی کی ہوتی۔ جہاں اس کی بیوی فون کی طرف جھپٹی! بس ہوش آگیا۔ گڑگڑاتا ہوا دوڑا اس کے اور فون کے درمیان حائل ہو گیا۔

مگر لیڈی سیکریٹری والا مسئلہ کیسے حل ہوتا۔ سالی ہرگز نہ مانے گی۔ قاسم سوچتا اگر ہی رہ جاتا۔ قصہ حقیقتاً یہ تھا کہ نانوتہ[1] کے کیس والی زیبا جیل میں تھی اور قاسم کئی ضمانت کی کوشش کر چکا تھا لیکن اسے ناکامی ہی ہوئی تھی.... وہ چونکہ ملک دشمن سرگرمیوں الزام میں گرفتار کی گئی تھی اس لئے اس کی رہائی کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔ لیکن قاسم سمجھاتا! بہرحال جب کرنل فریدی نے اسے ڈانٹ پلائی تو اس نے زیبا کا خیال تو ترک کر لیڈی سیکریٹری کا خیال بدستور اس کے ذہن کے نیم تاریک گوشوں میں مضطرب رہا۔ وہ کہ ہمدردانہ انداز میں باس کے سر پر ہاتھ پھیرنا بھی لیڈی سیکریٹری کے فرائض میں داخل ہے۔ زیبا نے اُسے کچھ اسی طرح ٹریٹ کیا تھا کہ اسے مامتا اور "محبوبت" دونوں کا مزہ آگیا یہ ذہنی لذت اس کے لئے بالکل نئی چیز تھی۔ ماں بچپن ہی میں مر گئی تھی۔ بیوی ملی تو بے اس سے دور ہی دور رہتی تھی اور یہ بھی چاہتی تھی کہ وہ اس کے کنٹرول میں رہے۔ لہٰذا برتاؤ اسے ایک ایسی ذہنی زندگی میں لے گیا تھا، جو اس کے لئے بالکل نئی انوکھی اور لذت تھی.... بس پھر وہ یہی سمجھنے لگا تھا کہ اب وہ کسی لیڈی سیکریٹری کے بغیر زندہ نہ رہ سکے گا۔

لہٰذا آج کھانے کی میز پر وہ ایک طرف تو بکرے کی مسلم ران ادھیڑتا جا رہا تھا اور دوسری طرف ذہنی طور پر اپنی بیوی کی سات پشتوں کی بھی تکا بوٹی کر رہا تھا۔ ذہنی ہیجان دانتوں کے عمل سے ہم آہنگ ہو گیا تھا۔ یعنی وہ کسی غصہ میں بھرے ہوئے شیر کی طرح بکرے کی ران پر حملہ آور تھا۔ طرح طرح کے منہ بن رہے تھے۔ کبھی آنکھیں پھیلتیں اور کبھی سکڑ جاتیں.... بھنویں آڑھی ترچھی ہو جاتیں.... کبھی ناک پر شکنیں آجاتی اور کبھی پیشانی پر۔

اچانک اس کی بیوی ہنس پڑی! وہ دیر سے ہنسی ضبط کئے نوالے چبا رہی تھی۔ لیکن اب حلیہ اتنا مضحکہ خیز ہو گیا تھا کہ سینے میں دیر سے چکرانے والا قہقہہ آزاد ہو گیا۔

"قیوں؟" قاسم کی آنکھیں نکل پڑیں۔ ران کو دانتوں سے چھڑکارا ملا اور اس کے مو... موٹے ہونٹوں نے دائرے کی شکل اختیار کر لی۔

بیوی کی ہنسی تیز ہو گئی اور قاسم نے اس کو طشت میں پٹختے ہوئے خود بھی "ہی ہی ہی" شروع کر دی۔ مگر یہ ہنسی نہیں تھی بلکہ جلے کٹے انداز میں بیوی کی ہنسی کی نقل تھی۔

پھر وہ یکلخت اپنی "ہی ہی" میں بریک لگا کر دہاڑا۔ "قیوں ہنستی ہو۔ کیا میرے....

[1] اس دلچسپ کہانی کے لئے جاسوسی دنیا کا ناول "چاندنی کا دھواں" ملاحظہ فرمائیے۔

دم نکل آئی ہے۔"

بیوی نے سوچا ہنسی پر تو زور نہیں تھا۔ مگر اب کھایا پیا حرام ہو جائے گا۔ لہٰذا اس نے بڑی چالاکی سے چوئیشن ہینڈل کی۔

"جب میں خوش ہوتی ہوں تو مجھے ہنسی آجاتی ہے۔"

"آئے.... ہائے.... کیسی خوشی.... بڑی آئیں خوشی والی۔" قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔

"میں تمہیں دیکھ کر خوش ہوتی ہوں۔"

"قیوں....!"

"اس وقت تم بڑے اچھے لگ رہے تھے.... میں نے کسی فلم میں تمہارا ہی جیسا ایک بادشاہ دیکھا تھا جو بالکل تمہارے ہی جیسے انداز میں اونٹ کی ران چبا رہا تھا۔"

"اونٹ کی ران....!" قاسم نے حیرت سے کہا۔ پھر تھوڑی سی حقیقی قسم کی "ہی ہی ہی" کے بعد "اے کیوں مجاخ کرتی ہو.... اونٹ کی ران.... غوب غوب.... ہی ہی ہی۔"

بیوی کو خوش دیکھ کر اس کا موڈ اچانک بالکل ٹھیک ہو گیا۔ بس بھٹکنے والی ذہنی رو ٹھہری۔

"ہاں.... ہاں اونٹ کی ران.... کیونکہ وہ بہت بڑا بادشاہ تھا۔ یہ یاد نہیں کہ چنگیز خان تھا یا ہلاکو۔"

"یار تم بہت اکلمند ہو گئی ہو۔ مجھ سے بھی ایک بار ایک فلم ڈائریکٹر نے یہی کہا تھا وہ چاہتا تھا میں اس کے فلم میں چنگیز خان بن جاؤں.... مگر ابا جان.... ارے باپ رے.... کیا ہوتا اگر اس سالے کی بات مان لیتا۔"

بیوی کو خوش دیکھ کر اچانک قاسم کے ذہن نے پھر قلابازی کھائی اور اسے لیڈی سیکریٹری یاد آگئی۔ مگر وہ سوچنے لگا کہ بات کس طرح شروع کی جائے۔ آخر کھسیانی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"مغز.... میں بڑا آدمی نہیں ہوں۔"

"ارے.... یہ آج تم کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔ تم ہر اعتبار سے بڑے آدمی ہو۔ شہر میں کوئی تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

"نہیں.... میں بالکل گھٹیا معلوم ہوتا ہوں۔"

"کیوں....؟" اس کی بیوی کو شاید سچ مچ حیرت ہوئی تھی۔

"ارے اور کیا....!" قاسم مردہ سی آواز میں بولا۔ "میرے سیڈی لکریٹری کہاں ہے۔"

"کیا....؟" بیوی نے استفہامیہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

"لیڈی سیکریٹری.... یہ سالی زبان کھڑ لڑاتی.... لڑ کھڑاتی ہے۔"

"اوہ....!" بیوی نے ایک طویل سانس لی اور کسی سوچ میں پڑ گئی۔ پھر یک بیک بولی۔ "یہ کونسی بڑی بات ہے.... رکھ لو ایک لیڈی سیکریٹری۔"

"قیا....!" قاسم بھاڑ سا منہ پھاڑ کر رہ گیا اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔

"ہاں.... ہاں.... مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اگر تم لیڈی سیکریٹری رکھنے کے بعد خود آدمی سمجھ سکو.... تو ضرور رکھ لو.... تمہاری خوشی میں میری بھی خوشی ہے۔"

"اَے.... اے کہیں تم مجاخ تو نہیں کر رہیں۔" قاسم کسی جھینپی ہوئی عورت کے انداز میں مسکرایا۔

"نہیں سچ مچ میں سنجیدگی سے کہہ رہی ہوں۔"

"مم.... مغر.... ابا جان۔"

"ارے ہٹو بھی.... انہیں پتہ ہی کیسے چلے گا۔"

"کبھی کبھی آتے تو رہتے ہیں.... اگر نجر پڑ گئی تو۔"

"وہ مجھے فون پر اطلاع دیئے بغیر کبھی نہیں آتے۔ جب وہ آئیں گے اگر تم گھر پر ہوئی میں اسے کہیں چھپا دوں گی۔"

قاسم نے ایک بار پھر اسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا لیکن وہ بدستور سنجیدہ رہی اور قاسم کو آنکھوں میں خلوص کے علاوہ اور کچھ نہ نظر آیا۔

اور پھر اسے مکاری کی سوجھی۔ اِدھر اُدھر کی غمناک باتیں سوچ سوچ کر ننھنے پھلانے ناک میں سرسراہٹ تو ہونے لگی تھی لیکن آنسو کم بخت تھے کہ نکلنے کا نام ہی نہ لیتے تھے بہزار دقت دو موٹے موٹے قطرے اس کی پلکوں میں لرز کر گالوں پر بہہ چلے۔

"ارے ہائیں.... یہ کیا.... تم رونے کیوں لگے۔" بیوی نے گھبراہٹ کی ایکٹنگ کی۔

"قق.... قچھ.... نہیں....!" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"ارے.... واہ.... روئیں تمہارے دشمن۔ کیا میری ذات سے تمہیں کوئی تکلیف پہنچی ہے"

لہجہ ایسا ہمدردانہ تھا کہ سچ مچ قاسم کا دل بھر آیا اور وہ پھوٹ پڑا۔

"ارے.... ارے۔" بیوی جھپاک سے کھڑی ہو گئی۔ مگر اس بار اس نے ہنسی روکنے میں کمال ہی کر دیا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ دیدۂ دانستہ اس کے چہرے سے نظر ہٹائے ہوئے تھی ورنہ.... ہنسی! بھلا وہ کیسے رکتی اگر چہرے پر نظر پڑ جاتی۔

"نہیں....!" قاسم ہچکیاں لیتا ہوا بولا۔ "تم سے کیا تکلیف پہنچ.... ہچ.... چے گی.... تم تو....!" یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گیا اور سوچنے لگا کہ اب اسے کیا کہنا چاہئے۔ لیکن اس نے اپنے آخری الفاظ "تم تو" ذہن میں ہی رکھے کہ کہیں جملہ بے ربط نہ ہو جائے.... تم تو فرشتہ ہو.... قاسم نے سوچا.... مگر فرشتہ تو مرد ہوتا ہے.... یہ سالی ٹھہری عورت۔ پھر کیا کہا جائے.... اوہ.... واہ.... خوب.... وہ جلدی سے بولا۔

"تم سے کیا تکلیف پہنچے گی.... تم تو فرشتے کی جورو ہو پ۔"

بیوی کے پیٹ میں قہقہوں نے بھونچال مچا دیا اور وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔ "اوہ.... اب چپ بھی رہو.... مت روؤ.... ٹھہرو میں پانی لاؤں،" وہ جھپٹتی ہوئی ڈائنگ روم سے باہر آگئی اور غڑاپ سے دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

پھر جو اس نے پیٹ دبائے ہوئے فرش پر مچل مچل کر ہنسنا شروع کیا ہے تو آواز بلند نہ ہونے کی کوشش ہی کے سلسلے میں اس کا دھیان دوسری طرف بٹ سکا اور پیٹ کے درد سے بھی نجات ملی۔ اس کے بعد وہ اٹھ ہی رہی تھی کہ قاسم کی آواز آئی۔

"ارے پانی تو یہیں ہے.... میں پیئے لیتا ہوں.... آجاؤ۔"

وہ پھر بہت زیادہ سنجیدہ بن کر ڈائنگ ہال میں داخل ہوئی۔ یہاں قاسم ایک طرف منہ لٹکائے چہرے پر پانی کے چھینٹے دے رہا تھا۔

وہ خاموش بیٹھی رہی اور قاسم پھر ران ادھیڑنے میں مشغول ہو گیا۔ لیکن اب اسے تاؤ آنے لگا تھا اپنے رونے پر کہ اس کی وجہ سے خواہ مخواہ اُس گفتگو کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

بیوی کچھ دیر خاموش رہی پھر بولی۔ "تم اپنا دل تھوڑا نہ کرو۔ کسی اچھے اخبار میں لیڈی سیکریٹری کے لئے اشتہار دے دو۔"

"اشتہار.... ارے باپ رے۔" قاسم اچھل پڑا۔

"کیوں....!"

"ارے.... ابا جان نے دیکھ لیا تو۔"

"ہش.... تم بھی یونہی رہے۔ ارے ابا جان کو پتہ ہی کیسے چلے گا سنو میں نے ایک ترکیب سوچی ہے۔ اسلم بھائی جان آج کل باہر گئے ہوئے ہیں۔ انہیں کے پتہ پر اشتہار دے دیتے ہیں۔ بھابی کو میں سمجھالوں گی اور ہم دونوں وہیں چل کر انٹرویو دیں گے۔"

"اُلا قسم.... بڑی گریٹ ہو! واہ.... وا.... ایسی بیوی کی میں قدر نہیں کرتا۔ لانت ہے مجھ پر۔"

قاسم نے جھک کر پیروں سے دونوں چپلیں نکالیں اور ان سے اپنا سر پیٹنے لگا۔

"ارے ارے.... یہ کیا۔" بیوی کو بیساختہ ہنسی آگئی۔

"میں اسی قابل ہوں۔" قاسم نے کہا اور چپلوں سے بدستور سر پیٹتا رہا۔

یہ سلسلہ شاید گھنٹوں ختم نہ ہوتا مگر بیوی نے ہاتھ پکڑ لئے۔ چپلیں چھینیں، جو بے عذر چھوڑ دی گئیں۔ قاسم اس وقت "قربان جاؤں" کی تصویر بنا ہوا تھا۔

"تو پھر میں مضمون بناؤں۔" بیوی نے پوچھا۔

"ہائے جرور.... جرور.... یا اللہ ان کا سایہ میرے سر پر ہمیشہ کائم رکھیو۔" قاسم نے ہاتھ پھیلا کر دعا دی۔

وہ پھر منہ دبا کر کمرے سے نکل بھاگی اور تقریباً دس منٹ بعد دوبارہ آئی اور کاغذ کا ایک ٹکڑا قاسم کے ہاتھ میں تھما دیا۔

وہ مزے لے لے کر پڑھنے لگا۔

"ضرورت ہے ایک ذہین اور چست و چالاک لیڈی سیکریٹری کی۔ عمر بیس اور تیس کے درمیان ہونی چاہئے۔ یوریشین کو ترجیح دی جائے گی۔ تنخواہ کا مسئلہ بالمشافہ طے کیا جاسکتا ہے۔ مندرجہ ذیل پتہ پر کل شام کو چار بجے ملئے۔"

اس نے پرچہ میز پر رکھ دیا اور متحیرانہ نظروں سے بیوی کی طرف دیکھنے لگا۔

"تو پھر میں اسے چھپنے کے لئے بھیج دوں۔" بیوی نے پوچھا۔

"جرور.... جرور.... ہائے.... میں تمہاری کیسے پوجا کروں۔ تم کتنی اچھی ہو۔ یوریشین سیکریٹری ارے۔ میں بہت بڑا آدمی ہو جاؤں گا۔"

"اور میں دیکھ کر کتنی خوش ہوں گی۔" بیوی نے خوش ہو کر کہا۔

پھر قاسم کو سکتہ سا ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ان غیر متوقع عنایات کو کیا سمجھے۔ یہ سب کیا ہو رہا تھا۔ اس کی بیوی اتنی رحم دل کیوں ثابت ہو رہی تھی۔

"اچھا میں اسے اخبار کے دفتر میں بھجوانے جارہی ہوں۔" اس نے پرچہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

لیکن قاسم بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ اس کی پلکیں تک نہیں جھپک رہی تھیں۔

وہ سیدھی اپنے کمرے میں آئی اور دوسرا اشتہار لکھنے لگی۔

"ضرورت ہے ایک انتہائی درجہ تجربہ کار لیڈی سیکریٹری کی۔ عمر پچاس سال سے ہرگز کم نہ ہونی چاہئے۔ دیسی عیسائی خاتون کو ترجیح دی جائے گی۔ تنخواہ معقول.... مندرجہ ذیل پتہ پر کل شام چار بجے بالمشافہ گفتگو کی جائے۔"

لکھ چکنے کے بعد ایک بار پھر اس پر ہنسی کا دورہ پڑا۔

دوسرے دن اشتہار شہر کے سب سے زیادہ مقبول روزنامے میں شائع ہو گیا۔ لیکن بیوی نے قاسم کو اس کی ہوا بھی نہ لگنے دی بلکہ اسے گھر سے باہر قدم ہی نہیں نکالنے دیا تھا اور کچھ اتنی زیادہ مہربان ہو گئی تھی کہ قاسم الجھن میں پڑ گیا.... الجھن بھی اس کی تھی کہ اب لیڈی سیکریٹری رکھے یا نہ رکھے۔ جب بیوی ہی اتنا خیال کرنے لگے تو لیڈی سیکریٹری کی کیا ضرورت ہے۔ پھر سوچا چلو پڑی ہی رہے گی کیا بُرا ہے۔ پتہ نہیں پھر کب اس گلہری کا دماغ سنک جائے۔

شام کو وہ اسے ساتھ لیکر اپنے اسلم بھائی جان کے بنگلے میں جا پہنچی۔ اس نے اس کا انتظام پہلے ہی کر لیا تھا کہ امیدوار کسی ایسی جگہ بٹھائی جائیں جہاں ان پر قاسم کی نظر نہ پڑ سکے۔

وہ اسے ایک کمرے میں لائی۔ یہاں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

"دیکھو تم بالکل نہ بولنا۔" بیوی نے اس سے کہا۔ "بس جو پسند آجائے اسے دیکھ کر اثبات میں سر ہلا دینا۔ میں سب معاملات طے کر لوں گی۔"

"ہائے.... میں تم پر.... کربان.... اب میں کبھی تمہارا جی نہیں جلاؤں گا۔ الا قسم.... یا اللہ سب کو ایسی ہی فسٹ کلاس بیگم صاحب عطا کر.... میں تیرا سو کر یہ ادا کرتا ہوں۔" قاسم نے چھت کی طرف ہاتھ جوڑے۔

ایک ملازمہ امیدواروں کی فہرست لائی یہ تعداد میں چھ تھیں! قاسم نے ان کے نام دیکھے اور اسامنہ بنایا۔

"ارے.... یہ تو سبھی.... مسز ہیں۔ مگر نہیں ایک ہے.... مس بھو.... یا کیا دیکھو لکھا ہے۔"

"مس ڈھو....!"

قاسم نے اس طرح اپنا سینہ تھام لیا جیسے کسی بل ڈوزر نے ٹکر ماری ہو۔

"مسز سلیمہ.... خان۔" بیوی نے امیدوار کے نام کا اعلان کیا اور ملازمہ باہر چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد ایک معمر عورت داخل ہوئی اور قاسم بہت زور سے نفی میں سر ہلا لیکن اس کی بیوی نے اس سے کچھ سوالات پوچھے اور باہر جا کر انتظار کرنے کو کہا۔

سبھی بوڑھی عورتیں آئی تھیں۔ اعلان ہی پچاس سال کی عورتوں کے لئے کیا گیا تھا۔ عورت کے باہر جاتے ہی قاسم بیوی کو پانچویں نام کا اعلان کرنے سے روکتا ہوا بولا.... بیگم یہ کیا قصہ ہے.... اے سبھی بوڑھی آ رہی ہیں۔"

"میں کیا بتاؤں.... مجھے خود بھی الجھن ہو رہی ہے۔ مگر نہیں دیکھو، ان میں سے ایک بھی ہے۔"

"اے تم نے تو صاف لکھ دیا تھا کہ بیس سال کی ہونی چاہئے۔" قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

"یہی تو غلطی ہوئی تھی کہ عمر کے متعلق کچھ لکھنا بھول گئی تھی۔"

"مجھے یاد ہے.... تم نے لکھا تھا۔"

"غلط یاد ہے...." بیوی نے جھنجھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

"تو پھر گلت ہی ہو گا۔" قاسم نے مردہ سی آواز میں کہا کیونکہ ابھی ایک "مس" کی توقع تھی۔ ڈھو، بھو یا ٹھو سے اسے کوئی سروکار نہ تھا۔ اس نے سوچا اگر نام بُرا ہو گا تو وہ اسے پیار، رسیلی یا کٹیلی وغیرہ کچھ کہہ لیا کرے گا۔

پانچویں امیدوار آئی اور وہ بھی واپس گئی.... اب باری تھی مس ڈھو کی۔ قاسم سنبھل کر بیٹھ گیا۔

بیوی نے کہا۔ "اگر یہ بھی خراب نکلی تو سبھوں کا بھگا دوں گی۔ دوسرا اشتہار دیا جائے گا۔ تم خاموش ہی رہنا۔"

مس ڈھو اندر داخل ہوئی اور قاسم غصے کے مارے اچھل پڑا۔ اس کی کھوپڑی اختیاج شدت سے ہل رہی تھی کہ اس کا پہاڑ سا جسم متزلزل نظر آنے لگا تھا۔ یہ مس ڈھو پنہ قد

اندام اور سوفیصد کوئلہ فام تھی۔ عمر اس کی بھی چالیس یا پینتالیس سال سے کسی طرح کم نہ تھی۔ بھینگی بھی تھی لیکن آواز ایسی تھی جیسے کسی اجاڑ ویرانے میں کوئل کوک رہی ہو۔

بیوی اس سے گفتگو کرتی رہی اور قاسم انگاروں کے بستر پر لوٹتا رہا اُسے اس عورت کی ویران سی مسکراہٹ زہر لگ رہی تھی۔ مسکراہٹ کی ویرانی غالباً بھینگے پن کی وجہ سے تھی۔

دفعتاً قاسم بول پڑا۔ "اے.... پہلے یہ تو بتاؤ تم میری طرف دیکھ رہی ہو یا ان کی طرف" اس نے بیوی کی طرف اشارہ کیا۔

"میں تو.... میں تو.... اس خوبصورت گلدان کی طرف دیکھ رہی تھی جناب کتنا حسین ہے۔"

"ٹھینگے سے حسین ہے.... تم جاؤ۔" قاسم کھڑا ہو کر دہاڑا۔

مس ڈھو بوکھلا کر دو چار قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"اچھا.... اچھا! باہر ٹھہرو.... صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" بیوی جلدی سے بولی۔ "میں ابھی آ کر فیصلہ سناتی ہوں۔"

مس ڈھو جلدی سے باہر نکل گئی۔

"یہ تم نے کیا کیا۔" بیوی اس کی طرف مڑی۔

"آئے.... ہائے۔" قاسم دانت نکال کر اور ناک پر شکنیں ڈال کر ہاتھ نچاتا ہوا بولا۔ "تو پھر کیا یہ کہتا.... آؤ.... آؤ.... کھش آمدید.... میری کھوپڑی پر بیٹھ جاؤ۔"

"خدا کے لئے آہستہ بولئے۔" بیوی نے کہا۔ میں ان لوگوں کو سمجھا بجھا کر واپس کر دوں گی۔ تم یہیں بیٹھو ورنہ اگر تمہارے منہ سے کوئی الٹی سیدھی بات نکل گئی تو اسلم بھائی جان کی بدنامی ہو گی۔ یہ تمام میں کہتی پھریں گی۔ اس کا تو خیال رکھو کہ ہم نے اس انٹرویو کے لئے دوسرے کا گھر استعمال کیا ہے۔"

"اچھا.... اچھا.... جاؤ بھگاؤ۔" قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "معلوم نہیں صبح کس صورت حرام کا چہرہ دیکھا تھا۔"

"آئینہ تو نہیں دیکھا تھا۔" بیوی نے گھبرا کر پوچھا۔

"نہیں.... نہیں جاؤ کھسکاؤ سالیوں کو میرا دل گھبرا رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے.... بہت سے کچے کریلے چبا لئے ہوں.... اوح۔"

اسے ایک زوردار ابکائی ہوئی.... اور اس کے بعد وہ کھانسنے لگا۔ بیوی باہر جا چکی تھی۔

"قیوں....؟" قاسم ہمہ تن سوالیہ نشان بن گیا۔

"ارے کیا بتاؤں.... بڑا.... گڑبڑ ہو گیا۔" وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

"کیا ہوا....!"

"سب چلی گئیں.... مگر وہ اڑ گئی ہے.... مس ڈھو۔"

"مس ڈھو....!" قاسم نے آنکھیں نکالیں اور پھر اٹھتا ہوا بولا۔ "مار ڈالوں گا سالی کو۔ اڑ کیوں گئی ہے۔ کیا میں اس کے باپ کا نوکر ہوں.... آئے ہائے.... مجاز ہی نہیں ملتے۔ ذرا سا حسین ہوتیں تو نہ جانے کیا ہوتا.... یوں.... یوں.... یوں.... مسکراتی ہے۔"

قاسم نے جلے کٹے انداز میں اس کی مسکراہٹ کی نقل اتارنے کی کوشش کی اور خود کارٹون بن کر رہ گیا۔ بیوی ایسے مواقع پر ہمیشہ ادھر اُدھر دیکھنے لگتی تھی، ورنہ اس کی ہنسی کو موت بھی نہ روک سکتی۔ مرنے کے بعد بھی دانت ہی نظر آتے۔

"تم سمجھے نہیں۔ اس سے تو اب خوف معلوم ہونے لگا ہے۔ میں کہتی ہوں چپ چاپ اسے ایک آدھ ماہ کے لئے رکھ لیتے ہیں۔ پھر کوئی الزام لگا کر پتہ کاٹ دیں گے۔" بیوی نے کہا۔

"مگر قیوں رکھ لیں.... اس کی تو ایسی کی تیسی.... آخر تم ڈرتی کیوں ہو۔ ایک گھونسے پر اٹھا ہو کر رہ جائے گی۔"

"اف فوہ! ارے وہ چچا جان کو جانتی ہے۔ تمہیں بھی پہچانتی ہے۔ دھمکیاں دیتی ہے کہتی ہے میں عاصم صاحب کو بتاؤں گی کہ صاحب زادے اسی طرح لڑکیوں کو بلایا کرتے ہیں۔"

"ارے باپ رے...." قاسم بے سدھ سا ہو کر کرسی میں گر گیا۔ وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

"پھر بولو کیا کہتے ہو.... رکھ لوں ایک ماہ کے لئے۔"

"راخ.... لوغ....!" قاسم نے پھنسی ہوئی سی آواز میں کہا اور دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر ہانپنے لگا۔

پُراسرار عورت

کرنل فریدی اور کیپٹن حمید ڈائننگ روم میں شام کی چائے پی رہے تھے۔ حمید خاموش تھا۔

بس یونہی کوئی خاص وجہ نہیں تھی۔

دفعتاً ایک ملازم اندر آیا اور ایک وزیٹنگ کارڈ میز پر فریدی کے سامنے رکھ دیا۔

حمید نے سر اٹھا کر نام پڑھا اور بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑایا۔

"پھر وہی مس ڈھو.... اگر یہ ڈھو کے آگے پیچھے بھی کچھ لگا لے تو کیا حرج ہوگا۔ مس ڈھولک.... میرے.... خدا.... آخر یہ کیوں آتی ہے آپ کے پاس۔"

"معلوم کرنے کی کوشش کرو۔"

"آپ نہیں بتائیں گے۔"

"ہرگز نہیں.... ویسے تمہیں اجازت ہے کہ ہماری گفتگو سن سکو۔"

"اس کی مسکراہٹ سے مجھے اختلاج ہوتا ہے۔ ضرورت ہو یا نہ ہو مسکرائے گی ضرور بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ وہ تنہائی میں بھی مسکراتی رہتی ہوگی۔"

ملازم پہلے ہی جا چکا تھا۔ فریدی نے خالی کپ آگے کھسکا کر سگار سلگایا۔

"تو کیا اب مجھے آپ کی سراغ رسی کرنی پڑے گی۔" حمید نے کہا۔

"ہاں اب تمہاری ٹریننگ کے لئے صرف یہی ایک طریقہ رہ گیا ہے۔ بس یہ سمجھ لو کہ آج سے میرا طریق کار قطعی بدل گیا ہے۔ میں جانتا ہوں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ تمہاری صلاحیتیں اسی طرح بروئے کار لائی جا سکتی ہیں۔"

"مثلاً....!"

"معلوم کرو کہ مس ڈھو کیا چاہتی ہے۔"

"آپ کو تو معلوم ہی ہے.... پھر میں کیوں جھک ماروں۔"

"خیر چلو.... تم ہماری گفتگو سن کر اندازہ لگانے کی کوشش کرنا۔"

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ کہیں اب اندازہ مجھے ہی نہ لگا بیٹھے! ابھی تک تو میں آپ کو اسسٹ کرتا رہا ہوں اور یہ میرا دل ہی جانتا ہے کہ اس اسسٹنس میں مجھ پر کیا گذری ہے۔ لیکن اب یہ طریق کار کم از کم ایک ہفتہ تو لیٹ کر غور کرنے دیجئے کہ طریق کار بدلنے کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔"

"مقصد یہ کہ میں کچھ دن دوسرے کام دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"کاموں کی نوعیت کیا ہوگی۔"

"بکواس مت کرو.... اٹھو....!"

حمید نے پائپ سلگاتے ہوئے اٹھنے کا ارادہ کیا۔ فریدی کمرے سے جا چکا تھا۔ پائپ سلگا کر وہ بھی ڈرائنگ روم کی طرف روانہ ہو گیا۔

مس ڈھو صوفے پر براجمان تھی اور فریدی شاید حمید کا منتظر تھا۔

حمید کے پہنچتے ہی اس نے مس ڈھو کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ہاں تو آپ انٹرویو میں گئی تھیں۔"

پہلے مس ڈھو کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی پھر اس نے کہا۔ "جی ہاں اور وہ میرے لئے یک بالکل نیا تجربہ تھا۔ ویسے میں درجنوں انٹرویوز سے دوچار ہو چکی ہوں لیکن یہ اپنی نوعیت کا وکھا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس مصیبت میں گرفتار ہو گئی ہوں۔"

"خیر مصیبت کا اندازہ بھی نہیں ہو سکتا۔ آپ فی الحال اس انٹرویو کے متعلق بتایئے۔"

"غالباً وہ میاں بیوی تھے۔ بیوی چوہیا سی پھرتیلی پستہ قد اور نازک اندام تھی۔ اس کے رخلاف شوہر صاحب پہاڑ تھے پہاڑ۔ صورت سے پرلے سرے کے احمق اور کاہل معلوم ہوتے تھے۔ جب میں انٹرویو لے رہی تھی اس وقت نہ جانے کیوں انہیں یک بیک غصہ آ گیا.... اور وہ چھئے جناب میں دہل کر رہ گئی تھی۔ بس خواہ مخواہ اٹھے اور ڈانٹ کر کہا باہر نکل جاؤ.... اس کے حد بیگم صاحبہ تشریف لائیں۔ دوسری پانچ عورتوں کو تو رخصت کر دیا اور مجھ سے فرمانے لگیں معقول تنخواہ ملے گی۔ ہر طرح کا آرام رہے گا لیکن صاحب تمہیں الگ کرنا چاہیں گے۔ ہو سکتا ہے بھی باہر نکلیں اور گرجنے برسنے لگیں۔ لیکن تم گھبرانا مت فوراً کہہ دینا میں آپ کو بھی پہچانتی وں اور آپ کے باپ کو بھی۔ خان بہادر عاصم صاحب سے کہوں گی کہ صاحبزادے اس طرح شتہار دے کر لڑکیوں کا انتخاب فرمایا کرتے ہیں۔ بیگم صاحبہ کی اس حرکت نے مجھے چکر میں ڈال یا۔ مگر مجھے فوراً ہی آپ کا خیال آ گیا جناب اور دل کو بڑی تقویت پہنچی۔ میں نے چپ چاپ بیگم صاحبہ سے اتفاق کیا۔ وہ اندر تشریف لے گئیں اور تھوڑی دیر بعد واپس آ کر اطلاع دی کہ صاحب نے اپائنٹمنٹ کر دیا ہے اور مجھے کل سے کوٹھی پر حاضری دینی ہو گی۔"

وہ خاموش ہو کر اپنا ہینڈ بیگ کھولنے لگی۔ حمید آنکھیں نکالے ہوئے اپنی کھوپڑی سہلا رہا تھا۔ تذکرہ سو فیصدی قاسم اور اس کی بیوی کا تھا۔ مگر ان دونوں سے یا ان کی حماقتوں سے فریدی کو کیا سروکار۔

مس ڈھو نے ہینڈ بیگ سے ایک تعارفی کارڈ نکال کر فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "کوٹھی کا پتہ۔"

فریدی نے کارڈ لے کر تحریر پڑھی اور حمید کی طرف دیکھا۔

"کیا قصہ ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ایک انٹرویو.... یہ لو.... دیکھو قاسم ہی کا پتہ ہے۔" فریدی نے کارڈ اس کی طرف بڑھایا۔

یہ قاسم ہی کا پتہ تھا۔ اس لئے حمید کی آنکھوں میں متحیرانہ استفہام اب بھی باقی تھا۔

"اس انٹرویو کا حال تم سن ہی چکے ہو۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "اب وہ اشتہار بھی دیکھ لو جو اس انٹرویو کے لئے شائع ہوا تھا۔"

اس نے ایک الماری کھول کر اخبار نکالا اور دو تین صفحات الٹ کر اسے حمید کی طرف بڑھا دیا۔ حمید نے اشتہار بھی دیکھا اور فریدی کی طرف دیکھ کر پلکیں جھپکائیں۔

"یہ.... محمد اسلم ایڈووکیٹ.... اس کی بیوی کا کوئی رشتے دار ہے۔" اس نے کہا۔

"خیر.... تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ اپنی کوٹھی پر امیدواروں کو نہیں بلانا چاہتے تھے۔"

"مم.... مگر....!"

"اور کچھ مت کہو۔ کوئی غلطی ہوئی ہے۔ میرا یہی خیال ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

تھوڑی دیر خاموش رہا پھر کہا۔ "ایک گھنٹے کے اندر اندر میں اس انٹرویو کی وجہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"لیکن یہ واقعہ آپ کے علم میں کیوں لایا گیا ہے۔"

"جاؤ.... سات بج رہے ہیں۔" فریدی نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ آج انہوں نے شام کی چائے دیر سے پی تھی۔

حمید چپ چاپ اٹھ گیا۔ اپنے بیڈ روم میں آیا اور قاسم کے فون نمبر رنگ کئے۔ دوسری طرف سے قاسم ہی نے جواب دیا لیکن وہ اس مسئلے پر اس سے گفتگو نہیں کرنا چاہتا تھا لہٰذا اس نے بڑی پھرتی سے آواز بدل دی اور یہ آواز کسی عورت کی انتہائی شیریں آواز تھی۔ قاسم کے کانوں میں اسی کے قول کے مطابق شربت کی بوندیں ٹپک گئی ہوں گی۔

"ذرا آپا جان کو بلا دیجئے۔" حمید نے کہا۔

"قیوں.... ہی ہی.... اچھا اچھا۔" دوسری طرف سے قاسم کی بوکھلائی ہوئی سی آواز آئی۔

"جی ہاں دیکھئے بلاتا ہوں.... اے آپا جان۔"

اس نے غالباً ماؤتھ پیس بند کئے بغیر ہانک لگائی تھی اور پھر شاید اسے احساس ہو گیا تھا کہ اسے آپا جان نہ کہنا چاہئے۔ اس لئے فوراً ہی آواز آئی۔ "ارے.... لاحول.... ولا کوۃ بیگم.... اے بیگم.... یہ فون پر وہ بلا رہی ہیں.... جی.... جی ہاں.... کیا کہہ دوں کون بلا رہی ہے

"رقیہ....!"

"آہائیں.... تم روقیا ہو.... ارے اب تم آتی کیوں نہیں ہو۔ اے بیگم.... روقیا ہیں روقیا...." وہ پھر دہاڑا۔

رقیہ دراصل قاسم کی رشتے میں سالی ہوتی تھی۔ خاصی قبول صورت تھی۔ حمید اسے جا اس لئے اسی کی آڑ لے بیٹھا۔

"ہاں بھائی صاحب۔" اس نے کہا۔ "میں آج کل بہت مشغول ہوں۔ ہاں دیکھئے آپ ر آپا جان کو دے کر چپ چاپ کمرے سے چلے جایئے۔ کچھ پرائیویٹ باتیں ہیں۔"

"پرائیویٹ.... ہی ہی ہی.... غچھا غچھا.... میں چلا جاؤں غا.... لا قسم بالکل نہیں غا.... ہی ہی ہی ہی....!"

حمید جانتا تھا کہ قاسم سالیوں کے معاملے میں بے حد "نیاز مند" واقع ہوا ہے۔ لہٰذا وہ کمرے سے چلا جائے گا۔

حمید نے جلد ہی اس کی بیوی کی آواز سنی اور بولا۔ "ہیلو.... میں حمید بول رہا ہوں۔"

"کیا مطلب....!"

"کیا آپ کسی مس ڈھو کو جانتی ہیں۔"

"اوہ.... تو اب آپ ذرا ذرا سی بات کی ٹوہ میں رہنے لگے۔" قاسم کی بیوی کا لہجہ زہریلا

"ہام.... تو آپ اسے جانتی ہیں۔"

"آپ چاہتے کیا ہیں....!"

"ٹھہریئے.... بتاتا ہوں۔ لیکن وہ خبر آپ دونوں کے لئے منحوس ہی ہو گی۔"

"جلدی بات ختم کیجئے۔ مجھے دوسرے کام بھی ہیں۔"

"ہمیں ابھی تھوڑی دیر گذری ایک پستہ قد، فربہ اندام اور قطعی سیاہ فام عورت کی لاش ملی ہے

"لاش.... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں حمید بھائی۔"

"ہاں لاش اور اس کے پاس سے قاسم کا وزیٹنگ کارڈ برآمد ہوا ہے اور کاغذات سے پتہ چلتا ہے کہ مرنے والی کا نام مس ڈھو تھا۔"

"یقیناً تھا.... میں اسے جانتی ہوں.... اوہ.... حمید بھائی خدا کے لئے یہاں آجایئے۔"

"تنہا آؤں.... یا دس پندرہ کانسٹیبل ساتھ لانے پڑیں گے۔"

"اف.... فوہ.... کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ہم لوگ اس کی موت کے ذمہ دار ہیں۔ آپ آیئے تو خدا کے لئے۔"

"کہاں آؤں۔"

"گھر آیئے۔"

"قاسم کو کہیں کھسکا دیجئے۔"

"میں یہی کروں گی.... جلدی سے آجایئے.... حمید بھائی۔ خدا کے لئے۔"

حمید نے بائیں آنکھ دبا کر ریسیور رکھ دیا۔

کچھ دیر بعد اس کی وینس قاسم کی کوٹھی کی طرف جا رہی تھی۔

قاسم کو سچ مچ اس کی بیوی نے کوٹھی سے کہیں اور بھیج دیا تھا۔ حمید نے اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑتی دیکھیں۔

"کیا کہنا چاہتی ہیں آپ۔" حمید نے خالص آفیسرانہ انداز میں پوچھا۔

"حمید بھائی.... دیکھئے۔ اگر وہ مر گئی ہے تو اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں۔"

"آپ نے اسے کب دیکھا تھا۔"

"دو گھنٹہ پہلے وہ ہم سے گفتگو کر رہی تھی۔"

"کہاں....!"

"دیکھئے.... ٹھہریئے.... مجھے شروع سے بتانا پڑے گا۔"

"ضرور بتایئے۔"

"آج کل قاسم صاحب پر لیڈی سیکریٹری کا بھوت سوار ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"وہ ایک لیڈی سیکریٹری رکھنا چاہتے ہیں تاکہ بڑے آدمی معلوم ہو سکیں۔"

"ہوں.... تو پھر....!"

"میں نے سوچا کہ یہ بھوت اتر جائے تو بہتر ہے۔" اس نے کہا اور اشتہار بازی سے لے کر سیکریٹری کے اپائنٹمنٹ تک سب کچھ بتا گئی۔ اس کے بعد کہنے لگی۔ "بھلا بتایئے۔ میں اس کی موت کی خواہاں کیوں ہونے لگی۔"

"ہو سکتا ہے قاسم نے اس سے چھٹکارہ پانے ہی کے لئے....!"

"نہیں نہیں۔" وہ ہذیانی انداز میں بولی۔ "ہرگز نہیں۔ وہ اسے رخصت کر دینے کے بعد بھی میری نظروں کے سامنے ہی رہے ہیں۔"

حمید کچھ سوچنے لگا۔ پھر کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "ٹھہریئے.... میں کرنل سے گفتگو کئے بغیر کوئی فیصلہ نہ کر سکوں گا۔ کیا میں آپ کا فون استعمال کر سکتا ہوں۔"

"کچھ کیجئے.... جلدی کیجئے ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گی۔ حمید بھائی جان.... خدا کی پناہ مذاق کتنی مصیبتیں لائے گا.... ہائے چچا جان تو زندہ ہی دفن کر دیں گے۔"

"پرواہ مت کیجئے.... میں پتہ لگا کر انہیں بھی وہیں پہنچا دوں گا۔"

"اس وقت تو مذاق نہ کیجئے۔" وہ جھنجھلا گئی۔

حمید اس کمرے میں آیا جہاں فون تھا۔ قاسم کی بیوی کو وہ ہدایت کر آیا تھا کہ وہ وہاں نہ آئے۔ حمید نے کوٹھی کے نمبر رنگ کئے۔ دوسری طرف سے فریدی ہی نے ریسیور اٹھایا تھا۔ حمید نے قاسم کی بیوی کا بیان دہرایا۔

دوسری طرف سے ہلکے سے قہقہے کی آواز آئی اور پھر فریدی نے کہا۔ "میرا پہلے ہی خیال تھا کہ ضرور کچھ غلطی ہوئی ہے۔ خیر اگر یہ مذاق ہی ہے تو اسے جاری رہنا چاہئے۔ یعنی اسے قاسم کی سیکریٹری کی حیثیت سے کام کرنا چاہئے۔"

"خاصی تفریح رہے گی۔ کیوں؟" حمید نے ہنس کر کہا۔

"بہت زیادہ.... اور شاید اسی تفریح کے سہارے تم بھی کچھ کر سکو۔"

"دعا کرتا رہوں گا آپ کے لئے۔" حمید نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

اس نے فریدی کو یہ نہیں بتایا کہ قاسم کی بیوی سے یہ بات اگلوائی کیسے تھی۔ اب سوال تھا

"معاملہ برابر" کرنے کا۔ وہ چند لمحے دروازے میں کھڑا رہا۔ پھر ایک زور دار قہقہہ لگا کر دہاڑا۔ "آپا جان۔"

"جی بھائی جان۔" قاسم کی بیوی دوڑی چلی آئی۔ اس کا چہرہ زرد تھا اور وہ بُری طرح ہانپ رہی تھی۔ حمید کو قہقہے لگاتے دیکھ کر بوکھلا گئی۔

"ارے سب ٹھیک ہو گیا۔" حمید نے پُر مسرت لہجے میں کہا وہ اب بھی ہنسے جا رہا تھا۔

"سچ....!" وہ بھی ہنس پڑی۔ "کیا ہوا۔"

"ارے اسے سکتہ ہو گیا تھا۔ کرنل نے ابھی بتایا ہے کہ اب ہوش میں آ گئی ہے اور آپ لوگوں کے وزیٹنگ کارڈ کے متعلق وہی بتایا ہے جو آپ ابھی بتا چکی ہیں۔ یعنی وہ قاسم کی سیکریٹری ہے۔"

"شکر ہے.... خدا کا.... آپ نے تو جان ہی نکال لی تھی حمید بھائی جان۔"

"اور اب پھر ڈال دی.... ہاہا.... ہے نا۔" حمید نے کہا اور پھر یک بیک سنجیدہ ہو کر بولا۔ "آخر اسے سکتہ کیوں ہو گیا تھا۔"

"ہو سکتا ہے کہ اعصابی اختلال کی مریضہ ہو۔" قاسم کی بیوی نے کہا۔

"خدا جانے....!" حمید بولا۔

اور قاسم کی بیوی اس کی مدارات کے لئے انتظامات کرنے لگی۔ قاسم غائب تھا۔

ایک بار پھر حمید چائے کی میز پر نظر آیا۔ جہاں چائے کے ساتھ اس کی دوسری مرغوب چیزیں بھی تھیں۔ وہ قاسم اور اس کی سیکریٹری کے مستقبل کے بارے میں سوچ سوچ کر ہنستے رہے۔ لیکن ساتھ ہی مس ڈھوا ایک موٹے سے سوالیہ نشان کی شکل میں اس کے ذہن پر مسلط ہو گئی تھی۔ وہ آخر تھی کیا بلا....؟ کیا چاہتی تھی۔ اس کی اور کرنل کی گفتگو سے تو حمید نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ فریدی نے اسے اس انٹرویو میں حصہ لینے پر مجبور کیا تھا....؟ کیوں آخر کیوں؟.... اس مذاق کی اسکیم نے تو قاسم کی بیوی کے ذہن میں جنم لیا تھا؟ پھر فریدی کو اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی؟

اس کی کہانی

آج حمید نے تہیہ کر لیا تھا کہ فریدی کو "اڑنے" نہیں دے گا۔ کیونکہ مس ڈھوا اس کے لئے

سوہان روح بن کر رہ گئی تھی۔ ادھر فریدی کا یہ عالم تھا کہ ہر شام اس سے مس ڈھو کے متعلق رپورٹ ضرور طلب کرتا تھا۔ لیکن رپورٹ؟ اس کے علاوہ اور کوئی رپورٹ نہیں ہوتی تھی کہ قاسم آج کل کس کس انداز سے قلابازیاں کھا رہا ہے اور مس ڈھو اس کے لئے بھی وبالِ جان بن کر رہ گئی تھی۔ قاسم کی بیوی بے حد خوش نظر آتی ہے۔ اس کا بیان ہے کہ ان دنوں اس کا وزن کئی پونڈ بڑھ گیا ہے۔

آج آفس سے واپسی پر حمید الجھ ہی گیا اور فریدی نے کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد کہا۔

"آخر تم اس سلسلے میں کیا معلوم کرنا چاہتے ہو۔"

"یہی کہ مس ڈھو آپ سے کیا چاہتی ہے اور آپ نے اسے قاسم والے انٹرویو کے لئے کیوں بھیجا تھا۔"

"یہ سب کچھ مضحکہ خیز ہے۔" فریدی مسکرایا۔ "اسی لئے میں یہ کیس کلی طور پر تمہارے سپرد کرنا چاہتا ہوں۔"

"یعنی مضحکہ خیز کیس اب میرے ہی سپرد کئے جایا کریں گے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"تم سمجھے نہیں۔ مطلب یہ کہ تمہاری ذہانت اسی وقت پر پرزے نکالتی ہے جب تم مضحکہ خیز حالات سے دوچار ہوتے ہو۔ اس لئے.... یہ کیس تم بہتر طور پر نپٹا سکو گے۔"

"مجھے آپ کی صحت کی فکر ہے جناب...." حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

"کیا مطلب....!"

"اگر آپ نے کیس کلی طور پر میرے سپرد کرنا شروع کر دیا تو پھر آپ کی صحت کا کیا بنے گا.... میں آج کل آپ کو اداس بھی دیکھتا ہوں.... اکثر تنہائی میں ٹھنڈی آہیں بھرتے ہیں.... اور وہ تو میں جانتا ہی ہوں کہ ایک دن یہ پتھر موم ضرور ہو گا اور آپ کو کسی ایسی عورت سے محبت ہو گی جس کی طرف کوئی آنکھ اٹھانے کی ہمت بھی نہ کر سکے گا۔ مگر آخر بیچارے قاسم کی شامت کیوں آئی ہے۔ وہ مجھ سے رو رو کر کہتا ہے حمید بھائی خدا کے لئے اس سیکریٹری سے پیچھا چھڑا دو.... اس سالی نے مجھ سے کوئی پرانی دشمنی نکالی ہے۔ بہلا پھسلا کر اسے سیکریٹری کرا دیا۔"

فریدی ہنستا رہا۔ پھر سنجیدہ ہو کر بولا۔

"کیا تم اسے مضحکہ خیز نہیں سمجھو گے کہ ایک بہت خوبصورت آدمی مس ڈھو سے شادی

کرنا چاہتا ہے۔"

"خیر آپ اتنے خوبصورت تو نہیں ہیں۔" حمید نے بسور کر خشک لہجے میں کہا۔

فریدی کے تیور بدلے لیکن پھر نہ جانے کیوں وہ حمید کے اس ریمارک پر دل کھول کر ہنسا۔

"گدھے.... وہ پریشان ہے۔"

"کون....!"

"مس ڈھو.... اور اس لئے پریشان ہے کہ ایک بہت خوبصورت آدمی کو اس سے محبت ہو گئی ہے اور وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

"کیا یہ مس ڈھو کوئی کروڑ پتی عورت ہے۔"

"ایک ریٹائرڈ نرس ہے! شاید بدقت تمام بسر اوقات کر سکتی ہو۔"

"آہا.... تب تو اس کی کوئی مالدار چچی یا خالہ افریقہ کے جنگلوں میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گئی ہو گی اور اب یہ مس ڈھو اس کا ترکہ حاصل کر کے لیڈی ڈھولک کہلائے گی۔"

"فی الحال ایسی کوئی بات میرے سامنے نہیں آئی۔"

"میں کہتا ہوں آخر آپ کیوں دلچسپی لینے لگے ہیں۔ اس معاملے میں۔"

"اس لئے کہ دلچسپ ہے یہ معاملہ.... وہ اکثر بڑے عجیب و غریب حالات سے دوچار ہوتی رہی ہے۔ ان دنوں پھر اچانک اس کی زندگی میں ناقابل یقین واقعات رونما ہونے لگے ہیں۔"

"مثال کے طور پر۔"

"میرا خیال ہے کہ تم سب کچھ اسی کی زبانی سنو" فریدی نے کہا اور اس ملازم کی طرف متوجہ ہو گیا جو میز پر چائے لگا رہا تھا۔

حمید نے پھر کچھ نہیں پوچھا۔ اس نے تو ویسے بھی تہیہ کر لیا تھا کہ آج مس ڈھو سے ضرور ملے گا۔ قاسم کی بیوی نے آج اسے رات کے کھانے پر مدعو کیا تھا۔ مقصد غالباً یہی تھا کہ حمید بھی قاسم اور اس سیکریٹری کی تفریحات میں شریک ہو سکے۔

سات بجے قاسم کی بیوی نے اسے فون پر پھر یاد دلایا کہ شام اسے ان کے ساتھ گزارنی ہے۔

پھر وہ بیس منٹ کے اندر ہی اندر قاسم کی کوٹھی میں پہنچ گیا۔

یہاں اچھا خاصہ ہنگامہ برپا تھا۔ قاسم حلق پھاڑ رہا تھا اور اس کی بیوی دور کھڑی ہنس رہی

تھی۔ لیکن مس ڈھو موجود نہیں تھی۔ حمید کو دیکھ کر قاسم پر گویا "ڈبل" قسم کے دورے پڑنے لگے۔

"کیوں آپا جان.... کیا بات ہے۔" حمید نے اس کی بیوی کو مخاطب کیا۔

"ابے پھر جان کہا۔" قاسم دہاڑا.... "صرف آپا کہو۔"

"کیا بکواس ہے۔" قاسم کی بیوی نے کھسیاہٹ اور جھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

"ہائے تو یہ تمہیں جان کہیں۔" قاسم ناک پر انگلی رکھ کر لچکا۔

"میں کرسی پھینک دوں گی تم پر اگر بکواس کی۔"

"نہیں بلکہ خان بہادر صاحب کو فون کیجئے۔" حمید نے کہا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" اس نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھی۔

"اے.... اے.... سنو ٹھہرو۔" قاسم نے اس کے پیچھے دوڑنے کی کوشش کی مگر وہ تو ویسے بھی رک ہی گئی تھی۔

"کیا ہے۔"

"مم.... مطلب یہ کہ.... سنو تو.... کیا پھائیدہ....!"

"فائدہ ہو یا نہ ہو.... میں یہ چاہتی ہوں کہ تمہیں ایک آدھ ماہ کے لئے چپ لگ جائے۔"

"لگ جائے گی۔ لگ جائے گی۔ انشاءاللہ۔" قاسم نے بڑے خلوص سے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔ وہ بُری طرح بوکھلا گیا تھا۔ شاید اس کے اس رویہ کا محرک یہ نکتہ بھی ہوا تھا کہ وہی اسے اس جان لیوا سیکریٹری سے بھی نجات دلائے گی۔

کچھ دیر کے لئے کمرے کی فضا پر سکوت طاری ہو گیا۔ لیکن قاسم کی بیوی کے چہرے پر اب بھی غصے کے آثار باقی تھے۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر آپ لوگ ہر وقت لڑتے کیوں رہتے ہیں۔" حمید نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"اے.... میں تو مجاخ کر رہا تھا۔" قاسم نے دانت نکال دیئے۔

"اور کیا....!" حمید نے اس کی بیوی کی طرف دیکھ کر ایسے انداز میں کہا جیسے اس کے لئے سفارش کر رہا ہو۔

"نہیں میں تو فون کروں گی۔"

"حمید بھائی سمجھاؤ...." قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

بہر حال حمید نے اس کی بیوی کو سمجھانے کی ایکٹنگ میں کئی منٹ ضائع کئے اور جب وہ فون نہ کرنے پر آمادہ ہو گئی تو اس نے مس ڈھو کے متعلق پوچھا۔

"ارے.... تو میری جان جلانے آئے ہو۔" قاسم آنکھیں نکال کر دہاڑا۔ "کیا یہ چاہتے ہو کہ وہ ہر وقت میری چھاتی پر سوار رہا کرے۔ میں نہیں جانتا کہاں گئی ہے۔ خدا کرے اسے ہیضہ ہو جائے.... جہاں گئی ہو وہیں رہ جائے۔"

"تم چپ رہو۔ میں نے تم سے نہیں پوچھا۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا اور اس کی بیوی کی طرف دیکھنے لگا۔

"وہ اپنے کمرے میں ہو گی.... اب رات کو بھی یہیں رہتی ہے۔" قاسم کی بیوی نے بتایا۔

"نہیں.... تم اب اسے میری کھوپڑی پر باندھ دو.... ہر وقت اٹھائے پھرا کروں گا۔" قاسم جلے کٹے لہجے میں بولا۔

"پھر بہک رہے ہو۔ اٹھاؤں فون۔" اس کی بیوی نے دھمکی دی۔

"نہیں.... اب جنا جا.... اٹھاؤ میرا.... ایسی کی تیسی اس فون کی۔ سالا سمجھ میں نہیں آتا قیا قروں.... ابے ابا جان کب مرو گے تم....!" وہ ہاتھ اٹھا کر چیخا.... مگر شاید یہ جملہ بدحواسی ہی میں زبان سے نکلا تھا۔ کیونکہ اس کے بعد ہی ایسا معلوم ہوا جیسے فرشتہ موت نے اس کی روح قبض کر لی ہو۔ چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ آنکھیں ویران ہو گئیں۔

"کیا کہا تم نے....!" بیوی آنکھیں نکال کر غرائی۔

"ارے باپ رے۔" قاسم نے سہم کر آنکھیں بند کر لیں اور کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ "گلتی ہو گئی۔ یہ سالی زبان پھسل جاتی ہے۔" پھر ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "خدا کے لئے ماپھ کر دو.... میں جبان کاٹ کر پھینک دوں گا۔ خدا کرے میں مر جاؤں.... ابا جان پر کربان ہو جاؤں۔"

اس کی بیوی منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔ دراصل وہ ہنسی ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تم ہی سمجھاؤ.... حمید بھائی۔" قاسم نے بسور کر اس سے کہا۔

حمید نے سوچا کہ اس وقت وہ قاسم کو ہزاروں گالیاں دے سکتا ہے اس کی پیشانی پر شکن تک نہ آئے گی۔ لہٰذا کچھ کہنے سے پہلے اسے پوری طرح ہنسی ضبط کرنے کی کوشش کرنی پڑی۔

"آپا جان....!" وہ آخر کار لمبی لمبی سانسیں لے کر بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ قاسم سور، چمار ہے، مردود ہے، گدھا ہے اور پتہ نہیں کیا کیا ہے۔ لیکن اس بار معاف کردو۔ خان بہ صاحب سے شکایت نہ کرو۔"

"اور کیا....!" قاسم نے سر ہلا کر کہا۔ "میں خود ہی کہتا ہوں کہ میں بالکل گدھا ہوں۔"

"آپ کو اعتراف ہے۔" بیوی نے تیزی سے اس کی طرف مڑ کر پوچھا۔

"ارے.... ہاں.... ہاں اور کتا بھی ہوں۔" قاسم نے بڑے خلوص سے کہا۔

بیوی بڑی تیزی سے کمرے سے نکل گئی اور حمید پھوٹ پڑا۔

"ہنس لو.... ہنس لو" قاسم نے دانت نکال کر زہریلے لہجے میں کہا۔ "اللہ نے چاہا تو کبھی پر بھی گجب نازل ہوگا۔"

"ابے میں نے کیا کیا....!" حمید نے ہنستے ہوئے آنکھیں نکالیں۔

"تم قیوں آئے ہو.... قس نے بلایا ہے۔"

"مجھے مس ڈھو نے بلایا تھا۔"

"قیوں....؟"

"پتہ نہیں.... شاید وہ مجھ سے عشق کرے گی۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"ابے.... تم ہوش میں ہو یا نہیں.... یہاں عشق کرو گے۔ میرے گھر میں۔"

"ہاں....!"

"ذرا کر کے تو دیکھو.... میں تمہیں چیلنج کرتا ہوں.... لاٹ صاحب ہو گے اپنے گھر کے۔"

"تمیز سے بات کرو بیٹا۔ میرے کانوں نے سنا ہے تم نے اپنے باپ کو کوسا تھا۔"

"اچھا قیا تھا۔" قسم اکڑ گیا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم دل سے چاہتے ہو ان کی موت.... نہیں مریں گے تو زہر دلوا دو گے.... میں ابھی انہیں فون پر ہوشیار کئے دیتا ہوں۔"

قاسم ایک بار پھر سناٹے میں آگیا۔ ذہنی رو پھر خوف کے راستے پر آگئی اور اس نے کھسیانی ہنسی کے ساتھ کہا۔ "کیا واکئی وہ تم سے عی شق کرنے لگی ہے۔"

"میرا یہی خیال ہے۔"

"ارے پیارے بھائی لے جاؤ اسے یہاں سے۔" قاسم گھگھیایا۔

"پھر تم کیا کرو گے.... تمہیں لیڈی سیکریٹری کی ضرورت ہے۔"

"پیچھا چھڑاؤ میرا نہیں تو میں مر جاؤں گا.... ہائے اس گلہری کی بچی نے نہ جانے کیا گھپلا ردیا۔"

"اچھی بات ہے.... مجھے مس ڈھو کے کمرے تک لے چلو میں اسے یہاں سے کھسکانے کی شش کروں گا۔"

"چلو....!" قاسم خوش ہو گیا۔

"مگر ہماری گفتگو چھپ کر سننے کی کوشش مت کرنا۔"

"الا قسم اگر کروں تو رانڈ ہو جاؤں.... رانڈ.... ارے نہیں.... وہ کیا کہتے ہیں.... ٹھینگے ے کہتے ہوں گے کچھ.... نہیں حمید بھائی نہیں میں بہت دور چلا جاؤں گا کمرے سے۔"

"اور بیوی کو بھی ادھر مت آنے دینا۔"

"ٹانگیں چیر کر پھینک دوں گا.... جا کر تو دیکھے.... اور نہیں تو کیا۔ میں نہیں ڈرتا ور تا کسی ے۔" قاسم حمید کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف کھینچنے لگا۔

مس ڈھو کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ قاسم اسے وہیں چھوڑ کر واپس آگیا۔ حمید کو یقین تھا ، قاسم چھپ کر ان کی گفتگو سننے کی کوشش نہیں کرے گا۔

حمید نے دروازے پر دستک دی اور دروازہ کھلنے میں دیر نہیں لگی۔

"اوہ.... آپ....!" مس ڈھو نے غالباً حیرت سے کہا اس کے سپاٹ چہرے سے تو جذباتی غیر کا اندازہ کرنا قطعی ناممکن تھا۔ لہجے ہی کی بناء پر البتہ کبھی کبھی یہ سوچا جاسکتا تھا کہ وہ بھی جذبات سے عاری نہیں ہے۔

حمید نے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ کھلا ہی رہنے دیا تاکہ کسی کے چھپ کر سننے کا امکان ٹا نہ رہ جائے۔

"تمہارا کیس اب میرے پاس ہے۔" حمید نے کہا۔

"جی ہاں! مجھے کرنل صاحب نے مطلع کیا تھا۔"

"تفصیل میں تمہاری ہی زبان سے سننا چاہتا ہوں۔"

مس ڈھو کسی سوچ میں پڑ گئی۔ پھر بولی۔ "بار بار دہرانے سے بھی الجھن ہوتی ہے کیا کرنل صاحب نے آپ کو نہیں بتایا۔"

"میں نے کہا تھا کہ میں تفصیل تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں۔"

"ایک ایسا آدمی مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے جو بہت خوبصورت ہے۔ مالدار ہے اور عمر میں مجھ سے چھوٹا ہے۔"

"ابھی اس کی نوبت تو نہیں آئی کہ محکمہ سراغ رسانی شادی بیاہ کرانے کے ادارہ میں تبدیل ہو جائے۔" حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"آپ نہیں سمجھے۔" مس ڈھو مسکرائی اور حمید نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹالیں۔ مس ڈھو نے کچھ دیر بعد کہا۔ "آج سے پچیس برس پہلے بھی میں ایسے ہی ایک واقعہ سے دوچار ہو کر جانے کیا کیا بھگت چکی ہوں۔ ان دنوں میں سرکاری ہسپتال میں نرس تھی۔"

وہ پھر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی اور حمید کو تاؤ آگیا اور اس نے کہا۔

"کیا سرکاری ہسپتال میں نرس ہونے کیلئے بھی کسی پُر اسرار مرحلے سے گذرنا پڑتا ہے۔"

"ٹھہریئے! میں بتاتی ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں سے شروع کروں، مگر کرنل صاحب خدارا طنزیہ لہجہ نہ اختیار کیجئے۔ میرے حالات مضحکہ خیز مگر بھیانک ہیں۔ کرنل صاحب کا رویہ تو بے حد ہمدردانہ رہا ہے۔ ایسا شریف پولیس آفیسر آج تک میری نظروں سے نہیں گذرا۔ مجھے بالکل ایسا معلوم ہوا تھا جیسے باپ یا ہمدرد بڑے بھائی سے اپنا رونا رو رہی ہوں.... میں ڈرتے ڈرتے ان کے پاس گئی تھی.... میں سمجھتی تھی بڑے خونخوار آدمی ہوں گے مگر میرے خدا.... وہ تو خدا کی رحمت ہیں.... ان کے قریب رہ کر ایسا ہی محسوس ہوتا ہے جیسے چلچلاتی ہوئی دھوپ کے مسافر کو کسی تناور اور گھنے درخت کی چھاؤں نصیب ہو گئی ہو۔"

"مس ڈھو پلیز.... غیر متعلق باتیں نہ چھیڑو تو بہتر ہے۔" حمید نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے لہجے میں نرمی پیدا کرنے کی کوشش کی۔

"ہسپتال میں ایک ڈاکٹر تھا جوان العمر تھا صحت مند تھا لیکن اتنی خوفناک شکل والا کہ لوگ مریض بچوں کو اس کے پاس نہیں لے جاتے تھے۔ میں بیان نہیں کر سکتی کہ وہ کتنا بدصورت ڈراؤنا تھا۔ شاید اس کا باکمال ہی ہونا وہاں اس کی موجودگی کا باعث بنا تھا۔ ورنہ میڈیکل بورڈ اسے

ایسے آدمی کو رکھنا کب پسند کرتا ہے جسے دیکھ کر ہی مریضوں کی حالت غیر ہو جاتی تھی۔ وہ سرجری کا ماہر تھا۔ نازک سے نازک آپریشن اتنی صفائی سے کرتا کہ عقل دنگ رہ جاتی۔ مجھے تو یاد نہیں پڑتا کہ کبھی اس کا کوئی کیس ناکام رہا ہو۔ مگر وہ چہرے پر نقاب لگائے بغیر آپریشن تھیٹر میں نہیں داخل ہوتا تھا۔ شروع شروع میں ایک بار جب وہ نقاب آپریشن کرتے ہی وقت لگایا کرتا تھا ایک مریضہ اس کی شکل ہی دیکھ کر چیخ مار کر بیہوش ہو گئی تھی تب سے وہ احتیاط برتنے لگا تھا۔ نقاب لگائے بغیر آپریشن تھیٹر میں نہیں داخل ہوتا تھا۔"

مس ڈھو پھر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔

"تب تو وہ ڈاکٹر آپریشن کرنے سے پہلے کلورو فارم وغیرہ کا جھگڑا نہ پالتا رہا ہوگا۔" حمید نے کہا۔

"میں نہیں سمجھی جناب۔" وہ چونک پڑی۔

"مطلب یہ کہ ادھر مریض نے جلوہ دیکھا اور ادھر بیہوش۔ پھر کلورو فارم کی ضرورت کہاں باقی رہی۔"

"جی ہاں۔" وہ ہنس پڑی۔ "ہونا تو یہی چاہئے تھا۔ مگر اس واقعہ کے بعد سے اس نے یہ کوشش کی تھی کہ آئندہ اس کا کوئی ایسا مریض جس کا آپریشن ہونا ہو اس کا چہرہ نہ دیکھ سکے۔ ہاں وہ بے حد چڑچڑا تھا۔ سب اس سے نفرت کرتے تھے۔ اسے کوئی بھی دوست بنانا پسند نہیں کرتا تھا۔ عورتیں اس سے دور بھاگتی تھیں۔ میں نے کبھی اس کے ساتھ کوئی عورت نہیں دیکھی۔ نرسیں اس کے قریب جاتے ہوئے ڈرتی تھیں۔ میں نے کبھی کسی نرس کو نہیں دیکھا کہ اس سے کام کی باتوں کے علاوہ اور کسی قسم کی باتیں کی ہوں وہ عموماً خاموش ہی رہا کرتا تھا۔ کبھی کسی سے غیر ضروری گفتگو کرتا ہوا نہیں دیکھا گیا تھا۔"

"مگر....!"

"ٹھہریئے کیپٹن.... اب میں اصل معاملہ کی طرف آرہی ہوں۔ مجھے آپ دیکھ ہی رہے ہیں مجھے بھی کبھی کسی نے منہ نہیں لگایا۔ لوگ میرے منہ پر میری ہنسی اڑاتے ہیں اس لئے مجھے ڈاکٹر ڈوبے سے ہمدردی تھی لیکن مجھے اس سے خوف معلوم ہوتا تھا۔ میں اس سے ڈرتی تھی۔ اس کے سامنے پہنچتے ہی کانپنے لگتی تھی لیکن اس نے مجھے کبھی اپنے غصے کا شکار نہیں بنایا۔ کبھی میرے لئے چڑچڑاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا۔ خوبصورت نرسوں کو وہ اکثر گالیاں بھی دے بیٹھتا تھا۔ مار نے

دوڑتا تھا لیکن مجھ سے کبھی تلخ کلامی نہیں کی۔ مجھ سے گفتگو کرتے وقت اکثر مسکرایا بھی کرتا تھا۔ یہ ایک قطعی غیر معمولی حرکت تھی۔ کیونکہ عام طور پر اس کی معمولی گفتگو بھی غضب ناک ہی لہجے میں ہوتی تھی۔"

حمید نے دیکھا کہ وہ مسکرا رہی ہے۔ نہ جانے کیوں اس کی ہڈیاں سلگ کر رہ گئیں اسے اس کی مسکراہٹ ایسی ہی زہر لگتی تھی۔ اس نے فوراً ہی اس کے چہرے سے نظر ہٹالی اور بیان سنتا رہا۔

وہ کہہ رہی تھی "ایک شام میں تھیٹر دیکھنے گئی تھی۔ آغا حشر کا کوئی ڈرامہ اسٹیج کیا جانے والا تھا۔ میں تنہا تھی۔ وہاں ڈاکٹر دوبے سے ملاقات ہوگئی۔ وہ بھی ڈرامہ دیکھنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس نے مجھے مدعو کیا میں انکار نہ کر سکی۔ لیکن مجھے بڑی کوفت ہو رہی تھی۔ بھلا سوچئے تو بدصورت تو کے اس جوڑے نے کیا قیامت ڈھائی ہوگی۔"

مس ڈھو بیساختہ ہنس پڑی۔ حمید صرف مسکرایا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ پھر بولی۔ "ہاں تو جناب لوگ ہمیں دیکھ دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ پھر میں نے ڈاکٹر کو اداس ہوتے دیکھا۔ وہ بے حد مضمحل ہو گیا تھا۔ ہم نے بڑے بد دلی سے ڈرامہ دیکھا۔ لیکن ساتھ ہی میں اپنے خیالات پر خود کو بُرا بھ کہتی رہی اور سوچتی رہی کہ مجھے ہر حال میں ان کا دل رکھنا چاہئے سب اس سے نفرت کرتے ہیں شاید وہ اسی توقع پر میری طرف جھک رہا ہے کہ میں بدصورت ہوں مجھے بھی کوئی نہیں پوچھتا شاید اسے قبول کرلوں۔"

وہ خاموش ہوگئی۔ حمید کو بھی چونکنا پڑا کیونکہ کوٹھی کے کسی حصہ میں شور ہو رہا تھا۔ حمید اسے خاموش رہنے کا اشارہ کر کے باہر نکل گیا۔

حمید کی گرفتاری

دروازے سے نکلتے ہی وہ کسی سے ٹکرایا اور اس کی چیخ سنی۔ یہ قاسم کی بیوی تھی۔

"حمید بھائی.... خدا کے لئے جلدی چلئے۔ پتہ نہیں وہ کون ہے۔ اس نے ایک ملازم کو زخمی اور اب باہر کھڑا للکار رہا ہے۔ دوسرے ملازم ڈر کر اندر بھاگ آئے ہیں۔"

حمید ہال کی طرف جھپٹا۔ ادھر ہی سے باہر جانے کا راستہ تھا۔

ہال والی راہداری میں اس نے قاسم کی آواز سنی۔ شاید وہ کسی کمرے سے چیخ رہا تھا۔ "ارے خولو.... میں بتاؤں سالے کو.... خولو.... نہیں تو دروازہ توڑ دوں غا.... اے بیغم.... میں تمہاری بھی گردن مروڑ دوں گا۔"

حمید نے چلتے چلتے رک کر اس کی بیوی کی طرف دیکھا۔

"کیا بات ہے۔"

"ارے میں نے انہیں کمرے میں بند کر دیا ہے۔ پتہ نہیں کیا ہو جائے۔ ادھر باہر کے دروازے بند کرا دیئے ہیں مگر وہ آدمی بھی دروازے توڑ ڈالنے کی دھمکی دے رہا ہے۔"

حمید بڑھتا چلا گیا۔ اس کے پیچھے مس ڈھو، قاسم کی بیوی اور تین ملازم بھی تھے۔ نشست کے کمرے کے ایک دروازے پر باہر سے کوئی زور آزمائی کر رہا تھا۔ پاٹ چرچرا رہے تھے۔

"کون ہے....؟" حمید نے گرج کر پوچھا۔

"مس ڈھو کو باہر نکالو....!" بھرائی ہوئی سی بھاری آواز آئی۔

حمید مسکرا کر قاسم کی بیوی کی طرف مڑا۔

"آپ قاسم کو احمق سمجھتی ہیں محترمہ....!" اس نے کہا۔ "وہ اس وقت کتنی شاندار ایکٹنگ کر رہا ہے۔"

"اوہ.... تو کیا....!"

"مس ڈھو باہر آؤ۔" باہر سے پھر آواز آئی۔ "ورنہ ایک ایک کو چن چن کر قتل کر دوں گا۔"

حمید نے ان دونوں کو اشارہ کیا کہ وہ اندر جائیں۔ دونوں چپ چاپ مڑ گئیں۔ ملازمین وہیں موجود رہے۔ حمید نے ملازمین سے چپکے سے کہا۔ "تم لوگ دروازے کے قریب دیوار سے چپک کر کھڑے ہو جاؤ۔ جیسے ہی دروازہ کھلے اُس پر ٹوٹ پڑنا۔"

ملازموں کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"نہیں صاحب۔" ایک نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "ہم نے رجب کا حال دیکھا ہے۔ پتہ نہیں مرا ہے یا مر گیا۔"

"کیا مطلب....!"

"ہم نے اسے کمپاؤنڈ میں روکنے کی کوشش کی تھی، چاروں لپٹ گئے تھے۔ لیکن اس نے

رجب کو اپنے سر سے اونچا اٹھا کر پٹخ دیا تھا جناب۔"

"مس ڈھو....!" باہر سے پھر آواز آئی۔

"دروازہ کھول دو.... میں دیکھوں گا یہ کون ہے۔" حمید نے گرج کر کہا۔

"بہتری اسی میں ہے کہ دروازہ کھول دو۔ ورنہ پوری عمارت کھنڈر ہو جائے گی۔"

ایک ملازم ڈرتے ڈرتے دروازے کی طرف بڑھا اور چٹخنی گرا کر تیزی سے پیچھے ہٹ آیا۔

کمرے میں داخل ہونے والا اتنا دراز قد تھا کہ اسے سات فٹ اونچے دروازے سے گزرتے وقت جھکنا بھی پڑا تھا۔

اس کا چہرہ اتنا بھیانک تھا کہ اس کے بیان کے لئے الفاظ تلاش کرنے میں بھی دشواری ہوتی۔ ڈیل ڈول کے معاملہ میں قاسم سے بیس ہی تھا۔ لباس بے حد عجیب.... جو تن پوش تھا اور عریانی کا مظہر بھی.... جو چیز اس نے جسم کے نچلے حصے پر پہن رکھی تھی ٹانگوں سے چپک کر رہ گئی تھی اور اوپری حصے پر چمڑے کی جیکٹ تھی۔ سر پر بڑے بالوں والی سفید ٹوپی تھی۔ جسے سنبھالے رکھنے کے لئے ایک چرمی تسمہ ٹھوڑی سے کنپٹیوں تک کسا ہوا تھا۔

"مس ڈھو کو میرے حوالے کر دو۔" وہ حمید کو گھورتا ہوا بولا۔

حمید کی پلکیں جھپک گئیں۔ اس کی آنکھیں بے حد چمکیلی تھیں۔ حمید نے محسوس کیا کہ وہ سے آنکھیں نہیں ملا سکتا۔ اور پھر اب اسے احساس ہوا کہ نوکر بھی وہاں سے کھسک چکے ہیں۔

"تم کون ہو۔" اس نے اپنی آواز میں گرج پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔ صرف کانپ کر رہ گئی۔

"میں کوئی بھی نہیں ہوں.... مس ڈھو کو بلاؤ۔"

"تم چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ! ورنہ بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔" حمید نے محسوس کیا کہ اس کا لہجہ کچھ خوفزدہ سا ہے اور اسے اپنی کمزوری پر تاؤ آ گیا۔

"سامنے سے ہٹ جاؤ۔" خوفناک اجنبی غرایا۔ حمید نے اس کی آنکھوں کی وحشت ہوئی سی محسوس کی۔ وہ بآسانی کشت و خون کر سکے گا۔ حمید نے اس کے تیور دیکھ کر دوسرے ہی لمحے میں اس کا ریوالور کوٹ کی جیب سے باہر آ گیا۔

"یہ کیا ہے۔" خوفناک اجنبی نے پوچھا۔

"پیچھے ہٹو ورنہ گولی مار دوں گا۔"

"مار کر دیکھو....!" وہ حمید کی طرف جھپٹا اور حمید نے اس کے پیروں پر فائر جھونک ...اور پھر اتنا زوردار دھماکہ ہوا کہ فائر کی آواز اس میں دب کر رہ گئی۔ حمید کو دھچکا سا لگا اور ...بھی پچھلی دیوار سے ٹکرا کر ڈھیر ہو گیا۔ لیکن سوچنے سمجھنے کی صلاحیت باقی تھی۔ کانوں میں ...یٹیاں سی بج رہی تھیں، شاید یہ دھماکے کا اثر تھا۔ وہ بڑی تیزی سے دروازے کی طرف رینگا ...کیونکہ کمرہ دھوئیں سے بھر گیا تھا اور اب وہ وہاں ٹھہر کر سانس نہیں لے سکتا تھا۔

راہداری میں بھی وہ گھٹنوں ہی کے بل چلتا رہا۔ دھماکہ اس کے اعصاب پر بُری طرح اثر انداز ہوا تھا کہ وہ فی الحال سیدھا نہ کھڑا ہو سکتا پھر راہداری میں بھی کمرے کا دھواں گھس آیا مگر وہ ...ناگہرا نہیں تھا کہ سانس لینے میں بہت زیادہ دشواری ہوتی۔

وہ گھٹنوں کے بل رینگتا رہا۔

راہداری کے سرے پر کوٹھی کے افراد کھڑے اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ پھر کسی کو ...یک دھوئیں کا احساس ہوا اور اس نے "آگ آگ" چیخنا شروع کر دیا۔

"ارے.... انہیں کمرے سے نکالو۔" قاسم کی بیوی چیخی اور اس کے بعد حمید کی طرف دوڑ پڑی۔

"کیا ہوا حمید بھائی.... اٹھئے.... کیا آگ لگ گئی ہے۔"

"میں نہیں جانتا۔" حمید نے کہہ کر اٹھنے کی کوشش کی۔

"پھر.... پھر.... یہ دھواں.... یہ دھماکہ....!"

"میں کچھ نہیں جانتا۔"

وہ بالآخر دیوار کا سہارا لے کر اٹھنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ لیکن اس کے پیر کانپ رہے تھے۔

"وہ.... چلا گیا جناب۔" ایک نوکر نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

"میں نے اسے گولی مار دی۔"

"میرے.... خدا....!" قاسم کی بیوی چیخ پڑی۔ اب وہ اور زیادہ سہم گئی تھی۔

اتنے میں قاسم شور مچاتا ہوا راہداری میں داخل ہوا۔

"ارے.... آغ.... آغ.... بھاگو.... سالو.... یہاں کیوں مر رہے ہو۔ ارے او گلہری ...ل کر مر جائے گی.... نقلو یہاں سے کتنا دھواں ہے۔"

"آگ نہیں ہے صاحب.... صرف دھواں۔" پشت سے کسی نے کہا اور قاسم الٹ پڑا۔

"میں دوسری طرف جا کر دیکھ آیا ہوں۔ آگ نہیں ہے۔" ایک ملازم ہانپتا ہوا کہہ رہا تھا۔

"مگر ڈرائنگ روم میں خون ہی خون ہے۔ صرف دھواں ہے لاش ہے.... ارے باپ رے۔"

"ارے باپ رے۔" قاسم نے اچھل کر اس کا آخری جملہ دہرایا اور حمید کی طرف جھپٹا۔ بولا۔ "اے تم کھڑے کیا دیکھ رہے ہو۔ میری کوٹھی میں لاش کیسی۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ آہستہ سے ڈرائنگ روم کی طرف مڑ گیا۔ اب وہ اپنے پیروں میں سکت محسوس کرنے لگا تھا کہ کچھ دور چل سکے۔

دھوئیں کا حجم بڑھنے سے کثافت کم ہو گئی تھی.... وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ یہ ابھی ہلکا سا دھواں باقی تھا.... لیکن وہ لاش؟

حمید اسے گھورنے لگا۔ وہ کسی چھت سے گرے ہوئے شہتیر کی طرح کمرے کے وسط میں پڑی تھی اور اس پر ایک گول میز الٹی پڑی تھی۔

"اوہ....!" حمید کی آنکھیں یک بیک حیرت سے پھیل گئیں۔ لاش کا سر کہاں تھا؟

شانوں سے سر گردن سمیت غائب تھا اور شانوں کے درمیانی غار سے گاڑھا گاڑھا خون بہہ رہا تھا۔

"ارے.... یہ تو بالکل مر گیا۔ ارے باپ رے۔" اس نے قاسم کی آواز سنی اور چونک کر مڑا۔

"تم قہقہہ رہے تھے تو تم نے اسے غولی ماڑی ہے۔"

حمید نے اثبات میں سر ہلا دیا اور قاسم نے اس سے بھی زیادہ زور زور سے گردن ہلائی۔ وہ اس جواب پر جھلا گیا تھا۔

"ابے.... تو باہر لے جا کر مارلی ہوتی۔ سارے کمرے کا ستیاناس کر دیا۔" قاسم دہاڑا۔

"خاموش رہو۔" حمید نے سخت لہجے میں کہا۔ "جاؤ یہاں سے۔ کوئی ادھر نہ آئے۔ سرکاری حکم ہے۔"

"ہائے رے سرکاری حوکم۔" قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ "ابے تم نکل جاؤ میری کوٹھی سے۔ اچھا نہیں ہوگا۔ تم سالے منحوس ہو۔ جہاں جاتے ہو وہاں آسمان سے لاشیں ٹپکتی ہیں۔"

"بیہودگی مت کرو.... میرے ساتھ آؤ۔ پتہ نہیں رجا زندہ ہے یا مر گیا۔"

جلد نمبر 26

"کیوں....؟"

"اس نے اسے اٹھا کر پٹخ دیا تھا۔"

"ارے تو وہ بے حیا.... کپڑے جھاڑ کر کھڑا ہو گیا ہوگا۔"

"چلو آؤ....!" حمید دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

کمپاؤنڈ سنسان پڑی تھی۔ وہ پھاٹک کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ کیونکہ رجا چوکیدار تھا اور پھاٹک سے ملحقہ کوٹھری میں رہتا تھا۔

اس نے اسے ایک ڈھیر کی شکل میں زمین پر پڑا دیکھا۔ سانس چل رہی تھی۔ لیکن وہ بیہوش تھا۔ ظاہری چوٹ کہیں نظر نہ آئی۔ زمین پر خون کا ہلکا سا دھبہ بھی نہیں تھا۔

اتنے میں قاسم بھی وہاں پہنچ گیا۔

"اسے اٹھا کر اندر لاؤ قاسم۔ میں فون کرنے جا رہا ہوں۔"

"اٹھاؤں۔" قاسم نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں! یہ زندہ ہے! جلدی کرو۔ ورنہ سردی سے اکڑ کر مر ہی جائے گا۔"

حمید دوڑتا ہوا پھر اندر آیا اور دوسروں کی باتوں کا جواب دیئے بغیر سیدھا اس کمرے میں چلا آیا جہاں فون تھا۔ بڑی تیزی سے گھر کے نمبر ڈائیل کئے۔

فریدی دوسری طرف موجود تھا۔

"قاسم کی کوٹھی میں فوراً پہنچئے.... یہاں ایک لاش ہے۔"

"کس کی....!"

"آپ آئیے.... فون پر میں کچھ نہ بتا سکوں گا۔ مطلب یہ کہ میں کوشش بھی کروں تو واقعات کو ٹھیک سے بیان نہ کر سکوں گا۔ جلد آئیے۔"

"اچھا....!" دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔

اب حمید کو پھر قاسم کی بیوی اور مس ڈھونے کا سامنا کرنا پڑا۔

"وہ کون تھا جناب۔" مس ڈھونے کانپتی ہوئی سی آواز میں پوچھا۔

"یہ تم ہی بتا سکو گی۔" حمید آنکھیں نکال کر غرایا۔

"میں کیا جانوں جناب۔"

"تمہیں یہاں سے لے جانے کا مطالبہ کرنے والا تمہارے لئے اجنبی تو نہیں ہو سکتا۔"

"میں نے اسے دیکھا کب تھا جناب۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"پھر بھی آپ کا دل چاہے سمجھئے۔ میں تو نہیں جانتی کہ وہ کون تھا اور مجھے کیوں لے جانا چاہتا تھا۔ اوہ ٹھہریئے.... کیا وہ بہت خوبصورت آدمی تھا۔"

"بے حد....!" حمید کی مسکراہٹ زہریلی تھی۔

"اور آپ نے اسے مار ڈالا۔" وہ متحیرانہ انداز میں چیخی۔

"شور مت مچاؤ.... ابھی تمہیں اس ڈرامہ کا مطلب بھی سمجھانا پڑے گا۔"

"میرے خدا۔"

"ابے حمید بھائی.... قہاں ہو۔" عمارت کے کسی گوشے سے قاسم کی آواز آئی اور ساتھ ہی ایک ملازم دروازے میں دکھائی دیا۔

"ادھر.... آؤ۔" حمید نے آواز دی۔ "اس عورت کے ساتھ رہو۔ یہ بھاگنے نہ پائے۔"

دوسرے ہی لمحے میں ملازم مس ڈھو کے سر پر مسلط تھا۔

حمید کمرے سے راہداری میں آیا۔ یہاں قاسم سے مڈبھیڑ ہو گئی۔

"ارے حمید بھائی۔ میرا کھیال ہے کہ اس کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئی ہیں۔" قاسم نے کہا۔

"اوہ....! اسے تو بھول ہی گیا تھا۔" حمید پھر فون والے کمرے کی طرف پلٹ گیا قاسم اس کے پیچھے تھا۔

اس بار حمید نے سول ہسپتال کے نمبر رنگ کر کے ایک ایمبولینس گاڑی طلب کی اور پھر قاسم کے ساتھ اس کمرے میں آیا جہاں بے ہوش رجبا ایک مسہری پر پڑا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

"اوہ.... ہاں.... یہ دونوں پنڈلیاں متورم ہیں۔" حمید نے کہا۔ "یقیناً پیر بیکار ہو گئے ہیں۔"

"یہ سب قیا ہو گیا حمید بھائی۔"

"ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر فساد کی جڑ تمہاری سیکریٹری ہے۔"

"ارے وہ تو موت کی جڑ ہے موت قی! تم فساد کی کہہ رہے ہو۔ جیل بھجواؤ سالی کو جلدی سے۔"

"میں کچھ نہیں کر سکتا۔ کرنل صاحب کو فون کیا ہے۔"

"ارے تو وہی قیا قرلیں گے۔" قاسم جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ وہ شاید پھر سنک گیا تھا۔

"خاموش رہو۔"

"ابے واہ میرے ہی گھر میں مجھ پر دھونس گانٹھتے ہو۔"

"قاسم چلے جاؤ یہاں سے ورنہ کچھ ہو جائے گا۔"

"اب اور قیا ہو جائے گا.... میرے دم نکل آئے گی۔"

اتنے میں فریدی کی آمد کی اطلاع ملی اور حمید دوڑتا ہوا ڈرائنگ روم کی طرف چلا گیا۔ فریدی تنہا تھا اور متحیرانہ نظروں سے لاش کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"یہ واقعہ شائد تمہاری موجودگی ہی میں ہوا ہے۔"

"میں نے ہی اس پر گولی چلائی تھی۔"

"تم نے....!"

"جی ہاں....!" حمید نے کہا اور جلدی جلدی اسے سب کچھ بتانے لگا۔ فریدی درمیان میں اسے ٹوکتا بھی جا رہا تھا۔ بہر حال جب حمید خاموش ہوا تو اسے احساس تھا کہ بیان تشفی بخش ہوا ہے۔ اپنی دانست میں اس نے کوئی تفصیل نہیں چھوڑی تھی۔

فریدی ایک بار پھر لاش پر جھک پڑا اور تھوڑی دیر بعد اس نے حمید سے پوچھا۔

"تم نے کس جگہ گولی ماری تھی۔"

"ران میں.... غالباً داہنی ران تھی۔" حمید نے جواب دیا۔

"مگر اس کا سارا جسم بے داغ ہے۔"

"میرا دعویٰ ہے کہ گولی اس کی ران پر پڑی تھی۔ مگر وہ دھماکہ۔"

فریدی براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں تمہیں حراست میں لے رہا ہوں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"کیا مطلب....!"

"تم اس وقت تک حراست میں رہو گے جب تک کہ اس کا معاملہ صاف نہ ہو جائے۔"

"کیا آپ سنجیدہ ہیں۔"

"قطعی....!" فریدی نے کسی قسم کی کمزوری ظاہر کئے بغیر کہا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا۔" حمید کے لہجے میں جھلاہٹ تھی لیکن اس نے جملہ پورا کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

"تم اعتراف کر رہے ہو کہ تم نے اس پر گولی چلائی تھی اور ساتھ ہی کسی دھماکے کی کہانی بھی سناتے ہو۔ اس کا سر گردن سمیت غائب ہے۔ میں دیواروں پر چھیچھڑے لپٹے ہوئے دیکھ رہا ہوں جن میں شاید سر کا گودا بھی شامل ہے۔ ایسی صورت میں اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں کہ تم پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ملنے تک حراست میں رہو۔ یہ معاملہ کافی الجھاوے رکھتا ہے.... اس لئے میں مجبور ہوں۔"

"تو اب مجھے سلاخیں نصیب ہوں گی کیوں؟" حمید کا موڈ بالکل خراب ہو گیا تھا۔

"حمید میں مجبور ہوں۔ کیا تم میری بدنامی کے خواہاں ہو۔"

حمید چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر مسکرایا۔ غالباً اسے فریدی کی دشواریوں کا احساس ہو گیا تھا۔ آج کل محکمے میں اس کے دشمنوں کی تعداد بڑھ گئی تھی۔

"مگر اس عورت مس ڈھو کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"تاوقتیکہ وہ اپنی پوزیشن صاف نہ کر دے وہ بھی حراست میں رہے گی۔ اس کے لئے میں طویل مدت کا ریمانڈ لوں گا تاکہ ضمانت کا سوال ہی نہ پیدا ہو۔ بس اب فی الحال تم سرکاری معاملات میں مجھ سے کسی قسم کی گفتگو نہیں کرو گے۔ کیونکہ اب تمہاری حیثیت دوسری ہے۔"

"تو کیا معمولی حوالات....!"

"میں اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ابھی تمہارا معاملہ ڈی۔ آئی۔ جی صاحب کے سامنے پیش کر رہا ہوں، جیسا وہ مناسب سمجھیں گے کریں گے۔ میں اپنی ذمہ داری پر تمہیں کسی قسم کی چھوٹ نہیں دے سکوں گا۔"

"چلئے یہ تجربہ بھی سہی۔" حمید نے قہقہہ لگایا۔ "آج آپ مجھے حراست میں لے رہے ہیں۔"

فریدی بے حد متفکر نظر آ رہا تھا۔ ذرا ہی سی دیر میں قاسم کو بھی اس کا علم ہو گیا کہ حمید حراست میں ہے۔ پہلے تو اسے حیرت ہوئی لیکن پھر اس نے بیوی کو آنکھ مارنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "اے قوی چال ہو گی.... یہ دونوں بڑے کھنڑ ناخ ہیں۔"

تحیر خیز اطلاع

دوسری شام حمید کو حوالات سے رہائی نصیب ہوئی اور اس کے دل میں سجدۂ شکر بجالانے کا خیال تک نہ آیا۔ وہ حوالات ہی کچھ اس قسم کی تھی۔

وہ دن بھر ڈی۔ آئی۔ جی صاحب کی کوٹھی کے ایک کمرے میں بیٹھا وائلن بجاتا رہا تھا۔ تقریباً پانچ بجے فریدی پہنچا اور اس نے اطلاع دی کہ اب اس پر سے ساری پابندیاں ہٹالی گئی ہیں اور وہ پھر بدستور اس کیس میں کام کرے گا۔

"یہ بڑا عجیب معاملہ ہے۔" فریدی نے واپسی پر کہا۔ "بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔"

"مگر میری گردن کیسے چھوٹی۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر پوچھا۔

"اس کمرے میں تمہارے ریوالور کی گولی مل گئی ہے وہ مخالف سمت کی دیوار سے ٹکرا کر واپس رہ گئی تھی۔"

"مخالف سمت کی دیوار سے.... کیا مطلب۔" حمید کا لہجہ متحیرانہ تھا۔

"میرا خیال ہے کہ گولی نشانے ہی پر لگی تھی لیکن اس کی ران سے اچٹ کر سامنے والی دیوار سے جا ٹکرائی تھی۔ دیوار پر نشان موجود ہے۔"

"یا خدا....!" حمید نے پھر بُرا سا منہ بنایا۔ "کیا آپ میری گرفتاری پر اتنے ہی مغموم تھے کہ اب شادی مرگ قسم کی کوئی حرکت ہو گئی ہے۔ اور آپ اس مسرت انگیز ذہنی ہیجان کی وجہ سے اپنے خیالات کو صحیح ترتیب دینے سے قاصر ہیں۔"

"کیا مطلب....!"

"یہی مطلب کہ گولی دیوار سے اچٹ کر اس کی ران پر لگی تھی یا ران سے اچٹ کر دیوار پر۔"

فریدی مسکرایا اور آہستہ سے بولا۔ "کیا تم سمجھتے ہو کہ میرا دماغ الٹ گیا ہے۔"

"اگر گولی ران سے اچٹ کر دیوار پر لگ سکتی ہے تو سب کچھ ممکن ہے۔"

"تم یقین کرو یا نہ کرو لیکن حقیقت یہی ہے۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کسی جسم پر گولی پڑ کر اچٹ جانا بیسویں صدی میں ناممکنات میں سے نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے لباس کے نیچے بلٹ پروف موجود رہے ہوں۔

فریدی نے کچھ دیر بعد کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ تم اب بلٹ پروف کے متعلق سوچ رہے ہو لیکن اس کے جسم پر بلٹ پروف نہیں پائے گئے۔"

"میں ایسی فضول باتیں کیسے سوچ سکتا ہوں جبکہ ہمارے لٹریچر میں داستان امیر حمزہ جیسی سائنٹیفک کتابیں بھی موجود ہیں۔"

"ہوں....!" فریدی نے ہونٹ بھینچ لئے۔ لیکن حمید بدستور الجھن میں رہا۔

کچھ دیر بعد لنکن پولیس ہسپتال کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔

"یہاں.... کیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ڈاکٹر خان سے تھوڑی سی گفتگو کروں گا۔"

حمید نے پھر کچھ نہیں پوچھا۔ ویسے پوچھنے کو تو ابھی بہت کچھ تھا۔ ابھی تک اسے مس ڈھو کے متعلق نہیں معلوم ہو سکا تھا اور پچھلی رات اس کی کہانی بھی ادھوری رہ گئی تھی۔

پولیس ہسپتال کے انچارج ڈاکٹر خان نے ان کا استقبال بڑی گرم جوشی سے کیا۔

"کیا آپ کو اطلاع مل گئی تھی۔" اس نے فریدی سے پوچھا۔

"کیسی اطلاع....!"

"دوسری لاش کی۔"

"دوسری لاش.... میں نہیں سمجھا۔"

"ویسی ہی بے سر کی دوسری لاش۔"

"اوہ.... تو کیا.... دوسری کوئی لاش بھی۔"

"جی ہاں۔ مردہ خانے میں موجود ہے۔ پہلی اور دوسری میں آپ ذرہ برابر بھی فرق نہ پائیں گے۔ جسامت، لباس اور موت کی نوعیت کے اعتبار سے دونوں یکساں ہیں۔"

فریدی کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں۔ ڈاکٹر خان انہیں مردہ خانے کی طرف لے جا رہا تھا۔

یہاں حمید نے دوسری لاش دیکھی۔ پچھلی لاش کا ناخوشگوار تصور اب بھی اس کے ذہن میں محفوظ تھا۔ دونوں میں اسے کوئی واضح فرق نہ محسوس ہوا۔

"یہ دوسری لاش کہاں ملی ہے ڈاکٹر۔" فریدی نے پوچھا۔

"تفصیل سے میں ابھی تک آگاہ نہیں ہو سکا۔ ویسے اس لاش کے سلسلے میں کسی سرجوزف کا

نام سنا ہے۔"

"یعنی....!"

"یہ لاش اسی کی وساطت سے پولیس تک پہنچی تھی۔"

"خیر....!" فریدی واپسی کے لئے مڑتا ہوا بولا۔ "میں اس لاش کے متعلق گفتگو کرنا چاہتا ہوں جس کا آپ پوسٹ مارٹم کر چکے ہیں۔"

"دفتر تک تکلیف کیجئے.... مجھے بعض حیرت انگیز چیزوں سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ مجھے بیحد خوشی ہوگی کہ اگر ان کے متعلق آپ سے گفتگو کرنے کا موقع نصیب ہو سکے۔" ڈاکٹر خان نے کہا۔

وہ اس کے آفس میں آئے۔

ڈاکٹر خان فکر مند نظر آ رہا تھا۔ جب وہ اطمینان سے بیٹھ گئے تو اس نے کہا۔

"کرنل میں اب تک سینکڑوں لاشوں کا پوسٹ مارٹم کر چکا ہوں اور اپنے اٹھائیس سالہ تجربے کی بناء پر کہہ رہا ہوں کہ یہ میرے لئے پہلی لاش تھی۔"

"پہلی لاش سے کیا مراد ہے۔"

"وہ غیر معمولی اعصاب کا آدمی تھا۔"

"اکثر اس قسم کے لوگ ملے ہیں۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"آپ میرا مطلب نہیں سمجھے۔ جی ہاں۔ اکثر مجھے بھی غیر معمولی اعصاب رکھنے والے افراد کی لاشیں ملی ہیں۔ لیکن یہ لاش ان سے بھی بہت مختلف تھی۔ میرا خیال ہے کہ اس کے اعصاب کی نشوونما غیر فطری طور پر ہوئی تھی۔"

"اوہ....!" فریدی متفکرانہ انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"کاش مجھے اس کا سر بھی مل سکتا۔" ڈاکٹر خان بڑبڑایا۔

"کیوں....؟"

"اس سے.... شاید اسے سمجھنے میں مدد مل سکتی۔ برین بڑی اہمیت رکھتا ہے۔"

"ہاں میں جانتا ہوں۔ کیا اعصاب پر کسی قسم کے دھماکے کے اثرات بھی ملے ہیں۔"

"یقیناً.... میں آپ کو یہی بتانا چاہتا تھا کسی غیر متوقع دھماکے کا جو ردعمل اعصاب پر ہو سکتا ہے اس قسم کے اثرات بھی ملے ہیں۔ لیکن اس کا سر.... ایسا معلوم ہوتا جیسے اس کا سر کسی

دھماکے ہی کی وجہ سے غائب ہوا ہو۔ شانوں پر بارود کی کھرنڈ بھی ملی ہے۔"

"گڈ.....!" حمید نے فریدی کی آنکھوں میں ہلکی سی چمک دیکھی اور پھر وہ اٹھتا ہوا بولا۔ "اچھا ڈاکٹر میں دو ایک دن میں اس مسئلے پر آپ سے بالتفصیل گفتگو کر سکوں گا۔"

"مجھے بے حد خوشی ہوگی کرنل۔" ڈاکٹر خان نے اٹھ کر اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ پھر لنگن میں آ بیٹھے۔

"میں آج رات بھر ناچنا چاہتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"میں تمہیں اس سے روکوں گا نہیں۔" فریدی مسکرایا۔ "کیونکہ آج تم دن بھر وائلن بجاتے رہے ہو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔ دفعتاً اسے مس ڈھویا د آ گئی اور اس نے اس کے متعلق پوچھا۔

"وہ قاسم ہی کی کوٹھی میں نظر بند ہے۔"

"یہ کیوں.....؟"

"مصلحتاً.....!"

"لیکن اگر اس کی وجہ سے قاسم یا اس کے خاندان والوں پر کوئی مصیبت نازل ہوئی تو۔"

"اس کی سو فیصدی ذمہ داری مجھ پر ہوگی۔" فریدی نے کہا۔

"کیا آپ اس معاملہ کو عاصم صاحب کے علم میں بھی لائے ہیں۔"

"لانا ہی پڑتا۔ عاصم صاحب کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن وہ تم سے ضرور شاکی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ قاسم کو تم ہی خراب کئے رہتے ہو۔"

"میں اسے تباہی سے بچائے رکھتا ہوں۔" حمید نے کہا۔ لیکن فریدی خاموش ہو گیا تھا۔

کچھ دیر بعد لنگن کوتوالی کی حدود میں داخل ہوئی۔

غالباً فریدی دوسری لاش کے متعلق پوچھ گچھ کرنا چاہتا تھا۔ کوتوالی انچارج ان دنوں مجید محمود تھا۔ یہ ایک معمر اور سنجیدہ آدمی تھا اور کرنل فریدی کے مداحوں میں اس کا بھی شمار تھا۔ اس نے بالکل اسی انداز میں ان کا استقبال کیا جیسے ان کی آمد کا منتظر ہی رہا ہو۔

"میجر..... میں دوسری لاش کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں آپ ہی کا منتظر تھا کرنل.....!" میجر محمود نے اسے سگار پیش کرتے ہوئے کہا۔

"شکریہ.....!" فریدی نے سگار لیتے ہوئے کہا۔ "مجھے معلوم ہے کہ یہ لاش سر جوزف کے توسط سے یہاں پہنچی تھی۔"

"جی ہاں اور سر جوزف اس وقت سول ہسپتال میں ہے اور اس پر تھوڑے تھوڑے وقفے سے قلب کے دورے پڑ رہے ہیں۔"

"زخمی بھی ہے۔"

"جی نہیں..... اس کی کہانی بھی کیپٹن حمید کی کہانی سے مختلف نہیں ہے۔ اس نے خوفزدہ ہو کر اس پر فائر کیا تھا لیکن گولی پڑتے ہی ایک دھماکہ ہوا اور بے سر کی لاش پڑی تڑپ رہی تھی۔ دوسری لاش غالباً آپ دیکھ چکے ہوں گے اور دونوں میں سر مو فرق نہ پایا ہوگا۔"

فریدی نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔

"گولی لگی تھی اس کے جسم پر.....!" حمید نے پوچھا۔

"نہیں..... ہمیں تو کوئی ایسا نشان نہیں ملا۔"

"اس نے جسم کے کس حصے پر فائر کیا تھا۔"

"سینے پر.....! وہ اسے مار ہی ڈالنا چاہتا تھا اس نے اعتراف کیا ہے اور بتایا ہے کہ وہ اسے ذرا سا بھی موقع نہیں دینا چاہتا تھا کیونکہ اسے خود اپنی زندگی خطرے میں نظر آئی تھی۔ اس کے خیال کے مطابق وہ اسے زندہ نہ چھوڑتا کیونکہ وہ پہلے ہی سے اس کے خون کا پیاسا تھا۔ اب سے پچیس سال پہلے بھی اس نے اس پر ایک بار قاتلانہ حملہ کیا تھا۔"

"اوہ.....!" فریدی میز پر جھک گیا۔ "کیا وہ اسے پہچانتا تھا۔"

"جی ہاں..... اس نے کسی ڈاکٹر دوبے کا نام لیا تھا۔"

"کیا.....؟" فریدی پھر سیدھا ہو بیٹھا۔

"اب سے بیس سال پہلے یہاں سول ہسپتال میں کوئی ڈاکٹر دوبے تھا۔ مگر سر جوزف کا بیان ہے کہ وہ اتنا جسیم اور لمبا تڑنگا ہرگز نہیں تھا۔"

"پھر اسے ڈاکٹر دوبے کا خیال کیسے آیا تھا۔"

"اس کی شکل.....!" میجر محمود بولا۔ "اس کی شکل ہی دیکھ کر اس پر خوف طاری ہو گیا تھا اور

فائر کرتے وقت بھی اس کے ذہن میں یہ سوال نہیں تھا کہ وہ اتنا لمبا چوڑا اور جسیم کیسے ہو گیا اور اسے یہی یاد آسکا کہ ڈاکٹر دوبے تو بیس سال پہلے ہی مر چکا تھا۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ اس نے خوفزدہ ہو جانے کے بعد اضطراری طور پر فائر کر دیا تھا۔"

حمید آہستہ آہستہ اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔

"مجھے سر جوزف سے فوراً ملنا چاہئے۔" فریدی یک بیک اٹھتا ہوا بولا۔ "میجر محمود بھی اٹھ گیا لیکن اس نے کچھ کہا نہیں۔"

• وہ دونوں پھر لنکن میں آبیٹھے۔ جیسے ہی گاڑی حرکت میں آئی حمید نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یہ کیا چکر ہے۔ پچھلی رات مس ڈھو نے مجھے کسی ڈراؤنی شکل والے ڈاکٹر دوبے کی کہانی سنانی شروع کی تھی لیکن وہ ادھوری ہی رہ گئی تھی۔"

"شدید ترین الجھاوے ہیں حمید صاحب۔ سر جوزف سے گفتگو کئے بغیر میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"تو کیا یہ ڈاکٹر دوبے مر گیا تھا۔"

"ہاں.... تم نے کہاں تک وہ کہانی سنی تھی۔"

"بس یونہی.... کسی ڈاکٹر دوبے کا نام آیا تھا اور مس ڈھو کو اس سے ہمدردی ہو گئی تھی۔ اس کے بعد رات والا ہنگامہ شروع ہو گیا تھا۔ کہانی ادھوری رہی۔"

"مس ڈھو پھر اسی ڈاکٹر کے ساتھ رہنے لگی تھی۔ وہ بہت ہی ستم رسیدہ آدمی تھا۔ بے حد مغموم۔ وہ چاہتا تھا کہ مس ڈھو اس سے ہمدردی کی بجائے محبت کرے لیکن وہ کسی طرح بھی اس سے محبت نہ کر سکی۔ ہمدردی ظاہر کرنے کے لئے بھی اسے اپنی نفرت سے جھگڑنا پڑتا تھا۔ آخر ایک دن تنگ آکر مس ڈھو نے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ اس کی تنہائی کی رفیق تو بن سکتی ہے لیکن اسے اس سے محبت ہرگز نہ ہو سکے گی۔ اس پر برافروختہ ہو کر اس نے اسے دھمکی دی کہ وہ اسے مار ڈالے گا اور خود بھی مر جائے گا۔ وہ غصے میں تھا۔ مس ڈھو سہم کر رونے لگی تھی۔ پھر کچھ دیر بعد وہ بھی رو پڑا تھا اور اس نے اس سے معافی مانگی تھی اور کہا تھا کہ اس کی ہمدردیاں ہی اس کے لئے بہت ہیں اب وہ اس سے محبت قسم کا کوئی غلط مطالبہ نہیں کرے گا۔ لیکن اچانک اسی رات کو مس ڈھو کی آنکھ کھلی تو اس نے پوری عمارت کو شعلوں میں گھرا ہوا پایا۔ دونوں الگ الگ کمروں

سوتے تھے۔ وہ چیخنے لگی۔ ساتھ ہی اسے برابر والے کمرے میں ڈاکٹر دوبے کا قہقہہ سنائی دیا۔ وہ پاگلوں کی طرح چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ "مس ڈھو! ہم دونوں مر رہے ہیں۔ تمہاری صاف گوئی ہماری موت کا باعث بنی ہے۔ میرا دل رکھنے ہی کے لئے محبت کا اعتراف کر لیا ہوتا۔ آج میں اپنا نفرت انگیز وجود ختم کر رہا ہوں لیکن تمہیں ساتھ لئے جا رہا ہوں تاکہ تم دوسری دنیا میں بھی مجھ سے نہ بھاگ سکو۔ میں تمہیں وہاں بھی ساتھ رکھوں گا۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہاں بھی نہ میرے اوپر نفرت سے تھوکا جائے۔ چلو ہو سکتا ہے اس صورت میں پھر مجھے تمہاری ہمدردیوں کی ضرورت محسوس ہو۔ پھر وہ کسی نہ کسی طرح اس جلتے ہوئے مکان سے بچ نکلی تھی، لیکن اس کا خیال ہے کہ ڈاکٹر دوبے وہیں جل مرا تھا۔ کیونکہ ملبے سے ایک مسخ شدہ لاش بھی برآمد ہوئی تھی جس کا کچھ حصہ تو بالکل ہی راکھ ہو چکا تھا۔ بہرحال میں سرکاری کاغذات سے ڈاکٹر کی موت کی تصدیق پہلے ہی کر چکا ہوں.... لیکن اب پھر ڈاکٹر دوبے۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "اسی چیز نے مس ڈھو کو مجبور کیا تھا کہ وہ مجھ سے ملے۔ جب ایک خوبصورت آدمی نے اس سے شادی کی درخواست کی تو اسے پچھلا واقعہ یاد آگیا اور وہ میرے پاس دوڑی آئی۔"

"قدرتی بات ہے۔" حمید نے سر ہلا کر کہا۔ "اگر وہ ادھر متوجہ نہ ہوتی تو.... اس صورت میں حالات کا کیا رخ ہوتا۔"

"سوچو.... اور کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کرو۔" فریدی مسکرایا "اور یہ تو تمہارا کیس ہے۔"

"میرا دل تو چاہتا ہے کہ اب میں ابابیل کے انڈے بیچنا شروع کر دوں۔"

فریدی خاموش ہی رہا۔ وہ بہت زیادہ متفکر تھا۔ پھر حمید نے بھی چپ سادھ لی اور پائپ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا۔ وہ بھی اب سر جوزف کی گفتگو سنے بغیر اس کیس کے متعلق کچھ سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

تقریباً بیس منٹ بعد کار سول ہسپتال کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ یہاں سر جوزف جیسے مشہور آدمی تک پہنچنے میں کیا دشواری پیش آسکتی تھی۔ وہ شہر کا ایک متمول تاجر تھا اور سماجی بھلائی کے کاموں کے سلسلے میں اکثر و بیشتر اس کا نام سنا جاتا رہتا تھا۔

یہ ایک دبلا پتلا مگر اچھی صحت والا بوڑھا تھا۔ آنکھیں چھوٹی اور اندر کو دھنسی ہوئی

تھیں.... سر انڈے کے چھلکے کی طرح شفاف تھا۔ جیسے ہی فریدی نے اس سے اپنا تعارف
اس نے لیٹے سے اٹھنے کی کوشش کی۔

"اوہ.... آپ لیٹے رہئے سر جوزف.... آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔" فریدی نے کہا

"اوہ.... کرنل میں بے حد خوش ہوں کہ آپ تشریف لائے ہیں۔ میرے دل میں آپ
بڑی عزت ہے۔"

"آپ اٹھنے کی زحمت نہ کیجئے میں آپ کو تھوڑی سی تکلیف دینے آیا ہوں۔"

"میں حتی المقدور آپ سے تعاون کروں گا کرنل۔" سر جوزف کی آواز کانپ رہی تھی۔

"آپ کو یقین ہے کہ وہ ڈاکٹر دوبے ہی تھا۔"

"جس وقت میں نے اضطراری طور پر فائر جھونک مارا تھا مجھے یقین تھا کہ وہ ڈاکٹر دوبے
ہے۔ لیکن پھر جب مجھے ہوش آیا تھا اور میں نے بے سر کی وہ لمبی تڑنگی لاش دیکھی تو مجھے یک
خیال آیا کہ ڈاکٹر دوبے تو اپنے مکان میں جل مرا تھا۔ پھر میں کیسے یقین کر لیتا کہ وہ ڈاکٹر دوبے
رہا ہوگا۔"

"کیوں....؟"

"فرض کیجئے اگر وہ اپنی عمارت ہی میں سوخت نہیں بھی ہوا تھا تو.... اتنا لحیم شحیم کیسے ہو
دیکھئے بات دراصل یہ ہے کہ میں کسی ایسی دوا پر یقین نہیں رکھتا جو جسامت کے ساتھ ہی سا
آدمی کا قد بھی بڑھا سکے۔ ڈاکٹر دوبے اوسط درجے کا قد رکھتا تھا۔ مگر یہ لاش.... آٹھ فٹ۔
کسی طرح کم نہیں تھی۔"

"شکل....!"

"ارے شکل ہی کی بناء پر تو میں اسے ڈاکٹر دوبے سمجھا تھا اور وہ مشابہت ایسی ہی تھی
اضطراری طور پر میں نے اس پر فائر کر دیا تھا۔"

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ کبھی پہلے بھی ڈاکٹر دوبے سے آپ کا جھگڑا ہوا تھا۔"

سر جوزف نے آنکھیں بند کر لیں، اس کے چہرے پر یک بیک زردی چھا گئی تھی۔

"یہ ایک بڑی بھیانک داستان ہے۔ کرنل.... بڑی بھیانک.... جسے دہراتے ہوئے
مجھے خوف محسوس ہوگا۔ مگر میں کیا کرتا.... میں کیا کرتا.... مجھے اس داستان کا ایک کردار بننا

پڑا تھا.... مقدرات.... اس میں نہ میرا قصور ہے اور نہ ڈاکٹر کا.... میں آج بھی اس کے لئے
ہمدردی محسوس کرتا ہوں مگر....!"

وہ خاموش ہو گیا۔

وہی تھا

سر جوزف نے اب آنکھیں کھول دی تھیں اور پلکیں جھپکائے بغیر چھت کی طرف دیکھے
جا رہا تھا۔

دو منٹ گذر گئے لیکن اس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ تب فریدی نے کہا۔

"سر جوزف میں منتظر ہوں۔"

سر جوزف چونک پڑا اور اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا جیسے اب وہاں
اپنی موجودگی کا احساس ہوا ہو۔

"اوہ.... کرنل معاف کیجئے گا۔ میں ماضی کی تکلیف دہ یادوں میں کھو گیا تھا۔ اب مجھے بیٹھ
جانے دیجئے.... لیٹے لیٹے میں وہ کہانی نہ دہرا سکوں کہیں پھر مجھ پر دورہ نہ پڑ جائے۔"

"ٹھہریئے سر جوزف.... اگر دورہ پڑنے کا امکان ہو تو میں فی الحال آپ کی کہانی نہیں
سنوں گا۔"

"نہیں.... میں دل کو سنبھالوں گا۔"

"ہرگز نہیں....!" فریدی مسکرایا۔ "میں اس قسم کے Risks کبھی نہیں لیتا۔ آپ مجھے
صرف اتنا بتا دیجئے کہ اس نے آپ پر کہاں حملہ کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"میں آج دو بجے اپنی کوٹھی کے عقبی پارک میں ایک مختصر سی ریس کورس کے امکانات کا
جائزہ لے رہا تھا کہ اچانک جھاڑیوں سے اس نے مجھے للکارا۔"

"غالباً آپ اپنی دیہی کوٹھی کی بات کر رہے ہیں۔"

"جی ہاں.... میں وہاں تھا.... زیادہ تر وہیں رہتا ہوں۔ مجھے سکون کی ضرورت ہے۔ قلب
کے مریض عموماً تنہائی چاہتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے سر جوزف۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "میں آپ سے پھر ملوں گا بلکہ بہتر تو یہ

ہو گا کہ آپ مجھے خود ہی فون پر آگاہ کر دیجئے گا کہ اب آپ کی صحت بہتر ہے۔"

"اچھا.... کرنل.... بہت بہت شکریہ۔ آپ سے زیادہ شریف آفیسر آج تک میری نظر سے نہیں گذرا۔"

فریدی اس سے مصافحہ کر کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

باہر نکلتے ہی حمید نے کہا۔ "اور مجھ سے زیادہ کمینہ احمق آج تک روئے زمین پر پیدا ہی نہیں ہو

"میں اسی لئے آپ کی بڑی قدر کرتا ہوں کیپٹن حمید کہ آپ اپنے متعلق بڑی صحیح رکھتے ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے گاڑی میں جا بیٹھا۔ لنکن پھر چل پڑی۔

"کیوں....؟" فریدی نے اسے چھیڑا۔ "تمہارا چہرہ جیومیٹری کی کتاب کیوں بن گیا ہے

"ہے نا کتابی چہرہ....!" حمید نے خوش ہو کر پوچھا۔

"بہت زیادہ.... مگر تم بور کیوں ہو رہے ہو۔"

"پتہ نہیں وہ کتنی سنسنی خیز کہانی سناتا۔ لیکن آپ نے اسے خواہ مخواہ بخش دیا۔"

"فی الحال کوئی کہانی میرے کام نہیں آسکتی۔ میں تو صرف یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ ڈاکٹر واقعی جل مرا تھا۔"

"پھر بھی آپ نے سر جوزف کو مہلت کیوں دی۔"

"سنو! وہ دل کا مریض ہے۔ بہت زیادہ ناخوشگوار اثرات اسے ختم بھی کر سکتے ہیں۔"

حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ اندھیرا پھیل چکا تھا اور شہر کی سڑکیں جگمگانے لگی تھ

حمید نے پائپ سلگایا اور پشت گاہ سے ٹک گیا۔ سردی بڑھ گئی تھی اور وہ گرما گرم کافی کی ضرو بڑی شدت سے محسوس کر رہا تھا۔

"اب ہم کہاں چل رہے ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"ارے.... کیا تمہیں علم نہیں ہے کہ قاسم نے آج ہم دونوں کو رات کے کھانے پ کیا ہے۔"

"ہام....!" حمید نے دھوئیں سے سینہ صاف کر کے ایک طویل سانس لی اور بولا۔ "تو شائد مس ڈھو کا چکر ہے۔"

"ارے ہاں.... سنو! پچھلی رات اس واقعہ کا اس پر کیا ردعمل ہوا تھا۔"

"میں نہیں محسوس کر سکا۔ ویسے وہ بعد میں بڑی دیر تک بحث کرتی رہی تھی میں اس سے کہہ تھا کہ وہ اس لاش کے بارے میں کچھ بتائے مگر اس نے اس کی شخصیت سے لاعلمی ظاہر کی تھی۔"

"اسے زندہ دیکھا تھا اس نے۔"

"میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ ٹھہریئے.... مجھے سوچنے دیجئے.... نہیں کمرے میں وقت میرے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا۔ جب میں نے اس پر فائر کیا تھا دونوں عورتوں کو رے سے ہٹا دینے کے بعد دروازہ کھلوایا تھا اور پھر اس کے اندر داخل ہوتے ہی نوکر بھی کھسک ئے تھے۔ نہیں مجھے یقین ہے کہ اس نے اس کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ مگر آپ نے یہ سوال یوں اٹھایا ہے۔"

"کچھ نہیں یونہی! یہ مس ڈھو بھی ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آسکی۔"

"اور سارا قصور اس کی آنکھوں کا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے داہنی آنکھ سے سمجھنے کی شش کی جائے یا بائیں آنکھ سے.... دونوں کو یک بیک سمجھنے کی کوشش کیجئے تو درمیان میں کھڑاہٹ کود پڑتی ہے.... خدا قاسم پر رحم کرے.... وہ تو بہت خوش ہو گا کہ چلو پاپ کٹا.... حضرت یہ وہی کوٹھری تو ہے جہاں شیطان قید کیا جاتا ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔

کچھ دیر بعد وہ قاسم کی کوٹھی کی حدود میں داخل ہو رہے تھے۔ آج حمید کو پھاٹک پر چوکیدار ں دکھائی دیا۔ کمپاؤنڈ بھی سنسان تھی۔ لیکن خلاف معمول ہر طرف روشنی نظر آرہی تھی۔ یط کچھ زائد بلب بھی لگائے گئے تھے۔

برآمدے میں صرف قاسم نے ان کا استقبال کیا۔ لیکن وہ بہت زیادہ غصے میں معلوم ہوتا تھا۔ یری سے ہاتھ ملاتے وقت اس نے مسکرانے کی کوشش میں کسی چڑچڑے بندر کی طرح دانت سلے تھے لیکن جب حمید سے مصافحہ کرنے لگا تھا تو اس کا چہرہ کسی توپ کے دہانے کی طرح فناک ہو گیا تھا اور حمید کو ایسا محسوس ہوا تھا جیسے اس کے نیچے کی ہڈیاں کڑکڑا کر ٹوٹ جائیں گی۔

قاسم انہیں اندر لایا.... ڈرائنگ روم میں اس کی بیوی اور مس ڈھو موجود تھیں۔ مس ڈھو ہوا چکا چہرہ ستا ہوا سا نظر آرہا تھا اور آنکھیں یرقان زدہ سی معلوم ہو رہی تھیں۔ ہونٹ خشک

تھے مگر ایسی حالت میں بھی اس نے انہیں دیکھ کر مسکرانے کی ناکام کوشش کی تھی۔

قاسم منہ پھلائے ہوئے ایک صوفے میں ڈھیر ہو گیا۔

حمید نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔ "میں صبح سے دھکے کھا رہا ہوں لیکن پینے کو کچھ نہیں ملا۔"

"خون پیو.... خون میرا۔" قاسم چھاتی پیٹتا ہوا دہاڑا۔ "اب یہ آپھت سرکاری طور میری کھوپڑی پر چڑھا دی گئی ہے۔"

"پھر بیکار باتیں شروع کر دیں۔" قاسم کی بیوی نے آنکھیں دکھائیں۔

"تو م.... چوپ رہو.... جی۔" قاسم ران پر ہاتھ مار کر چیخا۔

"میں پہلے کافی پیوں گا.... آپا جان۔" حمید نے اس کی بیوی سے کہا۔

"آپ مدد کے لئے قاسم کو بھی ساتھ لے جا سکتی ہیں.... یہ شکر بڑے سلیقے سے ملاتا ہے۔ پچھلے سال ایک بار مجھے حلوہ پکا کر کھلایا تھا.... واہ.... کیا بات تھی.... کیا حلوہ تھا۔"

قاسم منہ چلانے لگا۔ شائد حلوے کے نام پر منہ میں پانی آ گیا تھا۔ پھر اس نے ایک طر گردن ٹیڑھی کر کے قالین ہی پر "پچ" سے تھوک کی پچکاری مار دی۔

"ارے ارے.... یہ کیا۔" اس کی بیوی اچھل کر کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔ "قالین پ تھوک مارا۔"

"ٹھینگے سے.... قالین والین.... تم مت دلخ.... دلخ.... دخل دیا کرو میری باتوں میں

"میں کافی پینا چاہتا ہوں کتنی بار کہوں۔" حمید نے پھر فرمائش کی۔

وہ قاسم کو غصیلی نظروں سے گھورتی ہوئی چلی گئی۔

"میں ذرا اوپری منزل پر جانا چاہتا ہوں قاسم۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ.... جرور.... جرور.... خوشی سے.... قرنل صاحب۔"

"اور مس ڈھو بھی میرے ساتھ جائیں گی.... ہم دونوں کا کھانا اوپر ہی بھجوا دینا۔"

قاسم پوہڑ پن سے مسکرایا اور حمید کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر جلدی سے بولا۔ "جی ب اچھا.... بہوت اچھا۔"

فریدی کے اٹھتے ہی مس ڈھو بھی اٹھ گئی اور جب وہ ڈرائنگ روم سے چلے گئے تو قاسم ایک چھت شگاف قہقہہ لگایا۔ دیر تک ہنستے رہنے کے بعد "واہ.... واقیا عورت ہے۔ پہلے تم

اور.... اب.... قرنل صاحب.... ہی ہی ہی۔"

"ہاں.... بار بھلا دیکھو تو.... مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ انہوں نے اسے یہاں کیوں چھوڑا ہے۔" حمید نے قاسم سے ہمدردی جتانے کی کوشش کی۔

"سب تمہاری حرکت ہے۔ میں کھوپ سمجھتا ہوں۔"

"ابے میں نے کیا.... کیا ہے.... مگر ٹھہرو۔ آج تم ہماری دعوت کیوں کر بیٹھے ہو۔ کیا کل دعوت سے جی نہیں بھرا تھا۔"

"ابے.... حمید بھائی کل تو ساری رات بھوکوں مر گیا تھا۔" قاسم کراہ کر بولا۔ "وہ سالا.... ئیں ٹھائیں والا گھپلا ہو گیا تھا نا! بیغم سالی کہنے لگی.... مجھے کھانے پینے کا ہوش نہیں ہے.... ے مگر حمید بھائی مجھے تو تھا سالا ہوش وہوش۔ مغر خانا نہیں ملا.... ارے باپ رے.... رات بھر ب میں.... غوں.... غوں.... ہوتی رہی۔"

"میں پوچھ رہا تھا کہ آج تم نے ہمیں دعوت کیوں دی ہے۔"

"قسم کھاتا ہوں میں نے نہیں دی دعوت وعوت.... قرنل صاحب نے خود ہی لی ہے۔ قہنے ئے فون پر کہ آج تمہارے گھر ہماری دعوت ہے.... بھلا بتاؤ میں قیا قہتا.... بے حیائی لاد کر کہہ یا۔ اچھا صاحب ہے دعوت۔"

"کیا آج کسی نے یہاں مس ڈھو سے ملنے کی کوشش کی تھی۔"

"پھر وہی.... مس ڈھو۔ ابے میں کہتا ہوں مجھے بھول جانے دو۔"

پھر بات آگے نہ بڑھ سکی۔ کیونکہ قاسم کی بیوی نے کافی تیار کرانے میں بڑی پھرتی دکھائی تھی۔ اس نے کافی میں شکر ملاتے ہوئے حمید سے کہا۔ "مجھے تو اب خوف معلوم ہونے لگا ہے مس ڈ سے۔"

"اللہ کرے وہ تمہیں کھا جائے.... چبا جائے۔" قاسم چڑانے کے سے انداز میں بولا۔

"مجھ سے بے تکی باتیں نہ کیا کرو۔" بیوی انڈوں پر بیٹھی ہوئی مرغی کی طرح پھول گئی۔

"پھر قس سے قروں.... بے تکی باتیں۔"

وہ کچھ نہ بولی اور قاسم حمید کی طرف اس طرح دیکھنے لگا جیسے اسے کافی کی چسکیاں لیتے دیکھ دل ہی دل میں کباب ہو رہا ہو۔

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد اس کی بیوی نے حمید سے کہا۔ "پتہ نہیں کرنل صاحب اوپر کیا کر رہے ہیں۔ ابھی نیچے اترے تھے کسی کو فون کیا۔ شاید یہاں کچھ سامان منگوا رہے ہیں۔"

"سامان....!"

"جی ہاں! میں نے پوری بات نہیں سنی تھی۔ بہر حال انہوں نے یہاں کچھ منگوایا ضرور ہے۔"

"ہا.... ہا.... حمید بھائی۔" دفعتاً قاسم اس طرح چہکا جیسے کچھ یاد آ گیا ہو۔ "ابے میں شام کرنے لگا تھا۔ کتنا غضب کا کہا ہے.... تم بھی دیکھو.... ٹھیک ہے یا نہیں۔"

وہ بھدی اور بے ہنگم آواز میں گانے لگا۔

ہو غنیں قلیچے قے پار..... ہو ہو ہو

تم اس طرح قیوں مسکراتی ہو.. بہار کی اماں جان

"بہار کی اماں جان۔" حمید نے قہقہہ لگایا اور قاسم کی بیوی بھی بے تحاشہ ہنس پڑی۔

"قیوں....!" قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ "کیا گلت ہے۔"

"شاید تمہارے ذہن میں "جان بہار" تھا کیوں؟"

"ٹھینگہ بہار تھا...." قاسم دانت پیس کر بولا۔ "ابے تم اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہو۔"

"اے حمید بھائی۔" قاسم کی بیوی بولی۔ "میں نے بھی کچھ بلینک دورس میں کہا ہے۔"

"آہا.... آپ تو ضرور سنائیے۔"

نظم کا عنوان ہے "توند" قاسم کی بیوی نے کہا اور نظم شروع کر دی۔

توند کی ساخت کے اسرار بہت ہیں ہمدم
طب بھی خاموش ہے اس عقدۂ لاینحل
خود بخود ہو نہیں سکتا شکم میں یہ تناؤ
پیٹ بے وجہ کبھی بن نہیں سکتا گنبد!
اک طرف دیکھ کھڑے ہیں وہ جناب ڈنلپ
پینٹ کھسکا ہی چلا جاتا ہے گھٹنوں کی طرف
کوٹ کے کاج بھی منتِ کشِ بوتام نہیں
دوسری سمت ہے درزی سے کوئی تیز کلام!

شیروانی بھی تو کم بخت کبھی فٹ نہ ہوئی
بند لگتے ہی نہیں جھول ہیں دامن پہ پڑے

"اے.... بس کھاموش۔" یک بیک قاسم دہاڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"قیوں....؟" اس کی بیوی نے اس کے انداز میں آنکھیں نکالیں۔

"تم میرا مزاخ اڑا رہی ہو.... تمہاری ایسی کی تیسی۔"

"کیا کر لو گے.... میرا۔" وہ بھی کھڑی ہو گئی۔ "تم اپنے باپ کو گالیاں دیتے ہو۔ انہیں کوستے ہو۔ شرم نہیں آتی۔ میرا مذاق اڑانا اتنا گراں گزرتا ہے۔"

قاسم کے غصے پر پھر برف پڑ گئی۔ وہ چند لمحے بُرا سا منہ بنائے کچھ سوچتا رہا پھر حمید کی طرف ہاتھ ہلا کر بولا۔

"سالے تم جب بھی آتے ہو یہاں یہی سب قوچھ ہونے لگتا ہے۔"

"خیر آپا جان کی خاطر میں سالا ہی سہی۔ مگر میری وجہ سے کیا ہوتا ہے۔"

قاسم کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی اور مس ڈھو پھر کمرے میں داخل ہوئے۔ مس ڈھو اب پہلے سے بھی زیادہ متفکر نظر آ رہی تھی۔ حمید یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین تھا کہ دونوں کے درمیان کیا گفتگو ہوئی تھی۔ دفعتاً اسے اس آدمی کا بھی خیال آ گیا جو آج کل مس ڈھو سے شادی کرنے کا خواہاں تھا۔ کیا وہ آدمی اس کیس کے سلسلے میں کار آمد ثابت ہو سکتا ہے؟.... یہ بھی ممکن تھا کہ وہ سرے ہی سے غیر متعلق ہوتا۔ مگر.... کیا فریدی نے اس کے امکانات پر غور نہ کیا ہوگا؟ تو پھر اس نے اس سلسلے میں کیا کیا۔ حمید کو اس کا علم نہیں تھا۔

وہ دونوں کو گھورتا رہا لیکن وہ خاموش ہی رہے۔

"کیا اب آپ کھانا کھائیں گے۔" قاسم کی بیوی نے پوچھا۔

"ضرور....!" فریدی مسکرایا اور قاسم کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "کیا خیال....!"

"جی ہاں.... جرور.... جرور.... بالکل جرور.... ہی ہی ہی۔"

لیکن ٹھیک اسی وقت انہوں نے شور سنا اور فریدی اٹھ کر دروازے کی طرف جھپٹا۔

پھر چنگھاڑتی ہوئی سی آواز آئی۔ "مس ڈھو.... باہر آؤ۔"

فریدی اور حمید برآمدے میں پہنچ چکے تھے اور حمید نے دیکھا کہ پچھلی رات والا بھوت اس

وقت پھر کمپاؤنڈ میں موجود ہے۔ وہی صورت شکل۔ ویسا ہی لباس۔ ویسی ہی بڑے بالوں والی ٹوپی۔ قد بھی وہی تھا۔ جسامت بھی ہو بہو وہی تھی۔ وہ روشنی میں نہایا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ یہ روشنی دو سرچ لائٹس کی تھی، جو دو مختلف سمتوں سے اس پر پڑ رہی تھی۔ شاید سرچ لائٹ استعمال کرنے والے فریدی ہی کے آدمی تھے۔ پھر حمید نے دیکھا کہ مہندی کی باڑھ کی اوٹ سے تین چار آدمی نکلے جن کے ہاتھوں میں رسیوں کے لچھے تھے۔ دراز قد بھوت کو چاروں طرف سے گھیر کر اس پر پھندوں والی رسیاں پھینکی جانے لگیں۔

دفعتاً حمید نے پشت پر مس ڈھو کی چیخ سنی۔ "وہی ہے.... وہی ہے.... وہی۔"

وہ تیزی سے مڑا اور پھر اگر جھپٹ کر اسے ہاتھوں پر نہ سنبھالا ہوتا تو وہ پچھلی دیوار سے ٹکرا کر فرش پر ڈھیر ہو گئی ہوتی۔

وہ بیہوش ہو گئی تھی۔ حمید نے بہ آہستگی اسے فرش پر ڈال دیا اور پھر فریدی کے قریب آ کھڑا ہوا۔ فریدی کی نظریں اسی "بھوت" پر جمی ہوئی تھیں اس نے ایک بار بھی مڑ کر ڈھو کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

"مجھے جانے دیجئے۔" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "میں دیکھوں گا سالے کو۔"

"ٹھہرو.... تم برآمدے سے نیچے قدم نہیں اتارو گے۔" فریدی نے اسے ڈانٹا اور قاسم کچھ بدبدا کر رہ گیا۔

دوسری طرف وہ دیو پیکر بھوت رسیوں کے الجھیڑوں سے خود کو بچانے کے لئے اچھل کود رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ رسی پھینکنے والوں پر بھی چڑھ دوڑتا۔ لیکن وہ لوگ بھی بلا کے پھرتیلے تھے۔ حمید ان میں سے کسی کو بھی نہ پہچان سکا۔ ممکن ہے کہ وہ فریدی کی پُراسرار بلیک فورس کے آدمی رہے ہوں۔

یک بیک وہ دیو پیکر بھوت گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا کیونکہ وہ بیک وقت دو رسیوں کے پھندوں سے جکڑ گیا تھا اور رسیاں دو مخالف سمتوں سے کھینچی جا رہی تھیں۔ اب وہ کسی جال میں پھنسے ہوئے وحشی درندے کی طرح شور مچا رہا تھا۔ حلق سے طرح طرح کی آوازیں نکل رہی تھیں۔

دیکھتے دیکھتے اس نے اپنا سر زمین پر دے مارا.... اور پھر ایسا زوردار دھماکہ ہوا کہ پوری عمارت جھنجھنا اٹھی.... دھماکے کے ساتھ ہی روشنی کا تیز جھماکا ہوا اور اب گہرا دھواں اس لمبی

زنگی لاش پر ہلکورے لے رہا تھا۔ لاش.... جس کا سر غائب تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ سب لاش کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ فریدی اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے جیب سے محدب شیشہ نکالا اور شانوں کے درمیان سرخ رنگ کے اس غار کو دیکھنے لگا جہاں تھوڑی دیر قبل ایک بھیانک چہرہ گردن سمیت موجود تھا۔

بیس منٹ کے اندر ہی اندر کمپاؤنڈ میں لاتعداد سرخ ٹوپیاں نظر آنے لگیں۔ کانسٹیبلوں سے بھری ہوئی کئی گاڑیاں پہنچ گئی تھیں۔ کچھ بڑے آفیسر بھی آئے تھے۔

دوسری طرف مس ڈھو کو ہوش آ چکا تھا مگر اس کی حالت سے ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ چند گھنٹوں سے زیادہ نہ زندہ رہ سکے گی۔

"آہ.... کرنل.... وہ بلاشبہ ڈاکٹر دوبے تھا۔ میرے خدا۔" وہ نحیف آواز میں کہہ رہی تھی۔ "مگر وہ اتنا لحیم شحیم کب تھا۔ وہ متوسط قد رکھتا تھا۔ پانچ فٹ کچھ انچ کا! میں پاگل ہو جاؤں گی.... کرنل.... خدا کے لئے مجھے بچائیے۔"

"تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "اس فکر میں نہ پڑو۔"

چوہا یا کتا

وہ ساری رات حمید نے الجھنوں میں گذار دی۔ اسے قاسم کی کوٹھی ہی میں ٹھہرنا پڑا تھا اور فریدی تو لاش کے ساتھ ہی وہاں سے چلا گیا تھا۔ بہرحال یہ اسی کی ہدایت تھی کہ حمید رات وہیں گذارے۔ مس ڈھو کی حالت ابتر تھی۔ ساری رات دو ڈاکٹر اس کے قریب موجود رہے تھے۔

قاسم شدت سے بور ہوتا رہا تھا۔ لیکن اس نے بیوی کی یہ بات نہیں مانی تھی کہ ایسے میں کھانے کا ہوش کسے ہو سکتا ہے۔

وہ چھاتی ٹھونک کر بیوی سے بولا تھا۔ "ارے مرغئی ہو گی تمہاری بھوک! میری تو زندہ ہے.... خانا لگواؤ میز پر ورنہ میں تمہاری بوٹیاں تل کر کھاؤں گا! میرے ٹھینگے پر لاش واش.... کیا میں اس سالے کو بلانے غیا تھا۔ کل بھی آقر مر گیا.... آج بھی آقر مر غیا.... واہ.... ایسی کی تیسی.... کوئی کب تک بھوکا رہے۔"

حمید کو رات بھر نیند نہیں آئی تھی۔ قاسم کی بیوی بھی نہیں سوئی تھی۔ لیکن قاسم کے

خرانٹے اس کی خواب گاہ کے آس پاس متواتر گونجتے رہے تھے۔

حمید ڈاکٹر دوبے کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اب تک دو ہمشکل خود اس کی نظروں سے گذرے تھے۔ تیسرے کو سر جوزف نے دیکھا تھا۔ مس ڈھو اور سر جوزف کے بیان کے مطابق وہ تینوں ہی ڈاکٹر دوبے کی سی شکل رکھتے تھے۔

دوسری صبح اس نے فریدی کی کال ریسیور کی۔ وہ گھر ہی سے بول رہا تھا اور حمید کو فوراً طلب کیا تھا۔

حمید نے قاسم کی گاڑی سنبھالی اور گھر پہنچ گیا۔ نیند سے بدحال ہو رہا تھا۔ ہوا کی سرسراہٹ بھی گراں گذر رہی تھی۔ مزاج میں چڑچڑاہٹ پیدا ہو گئی تھی مگر وہ ڈاکٹر دوبے کے متعلق اپنی الجھن ہر حال میں رفع کرنا چاہتا تھا۔

"کیا تم سوئے نہیں۔" فریدی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ مجھے سونے کے لئے وہاں چھوڑ آئے تھے۔"

"واہ.... واقعی.... تم بہت گریٹ ہو۔" فریدی مسکرایا۔ "مجھے احساس ہے کہ بعض اوقات میں تم پر زیادتیاں بھی کر جاتا ہوں۔ مجھے تم سے کہہ دینا چاہئے تھا کہ تم سو سکتے ہو۔ محض احتیاطاً تمہیں وہاں چھوڑا گیا تھا۔ باہر کافی انتظام کر دیا تھا میں نے۔ تم دیکھ ہی چکے ہو۔"

حمید چونکہ جلد از جلد ڈاکٹر دوبے کے متعلق گفتگو شروع کر دینا چاہتا تھا لہٰذا اس کی سنجیدگی میں کوئی فرق نہ آیا۔

"کیا آپ کو علم تھا کہ کوئی دوسری بار بھی مس ڈھو کے لئے وہاں آئے گا۔" اس نے پوچھا۔

"علم نہیں بلکہ خدشہ تھا۔ سر جوزف کی ادھوری کہانی ہی نے یہ خدشہ پیدا کیا تھا۔ میری دانست میں کوئی ڈاکٹر دوبے کے نام پر ہراس پھیلانے کی کوشش کر رہا ہے اور اس کے لئے اس نے ان لوگوں کو منتخب کیا ہے جو ماضی میں کسی نہ کسی طرح ڈاکٹر دوبے سے متعلق رہ چکے ہیں۔ ایسا سمجھنے کی وجہ وہ دھماکے ہیں جو ان پراسرار عفریتوں کی کھوپڑیاں غائب کر دیتے ہیں۔"

"چلئے میں اسے تسلیم کئے لیتا ہوں.... مگر دھماکے.... میں نے اس کی ران پر گولی ماری تھی لیکن سر اڑ گیا۔ سر جوزف نے سینے پر فائر کیا لیکن سر ہی پر آفت آئی اور پھر پچھلی رات اس وقت دھماکہ ہوا تھا جب اس نے اپنا سر زمین پر دے مارا تھا۔"

"ٹھیک ہے! دھماکوں کا مقصد یہی ہے کہ سر اڑ جائے۔ یعنی یہ نہ معلوم ہو سکے کہ ڈاکٹر دوبے کے اتنے ہم شکل کیسے پیدا ہو گئے۔ اس کے لئے ہر پہلو پر غور کیا گیا ہو گا۔ اس کا ثبوت اسی سے ملتا ہے کہ گولی خواہ جسم کے کسی حصے پر پڑے سر ضرور اڑ جاتا ہے۔ اگر اسے زندہ پکڑنے کی کوشش کی جائے تو وہ خود ہی اپنا خاتمہ کر لے گا۔ زمین پر سر دے مارنا اسی پر دلالت کرتا ہے۔ آؤ میں تمہیں وہ لباس دکھاؤں جو ایک لاش سے الگ کیا گیا ہے.... شائد تم کسی حد تک سمجھ سکو۔"

وہ دونوں تجربہ گاہ میں آئے۔ یہاں ایک میز پر حمید کو اسی قسم کے جیکٹ اور چست پاجامے نظر آئے جیسے اس نے دونوں پراسرار عفریتوں کے جسموں پر دیکھے تھے۔

حمید نے انہیں اٹھا کر دیکھا اور وہ اسے اندازے سے کہیں زیادہ وزنی معلوم ہوئے۔ یہ کینواس سے بنائے گئے تھے اور ان کا استر پتلے ربر کا تھا اندرونی سطح اس استر سے پوری طرح ڈھکی ہوئی تھی۔

"بہت وزنی ہیں....!" حمید نے فریدی کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"وجہ ہے....!" فریدی مسکرایا۔ "ادھر دیکھو۔"

اس نے ایک گوشے سے ربر کا استر ہٹایا جو شائد پہلے ہی ادھیڑا گیا تھا۔

حمید نے استر اور کینواس کے درمیان باریک تاروں کا ایک جال سا دیکھا اور پھر فریدی کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھنے لگا۔ فریدی کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے جواب کی توقع حمید ہی سے رکھتا ہو۔

"ہوں.... کیا خیال ہے۔" اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ تاروں کا جال۔"

"اسی سے اندازہ کرو۔"

"ہو سکتا ہے کہ کوئی برقی نظام.... مگر ٹھہریئے.... وہ تو گوشت و پوست کے آدمی تھے۔"

"میں کب کہتا ہوں کہ وہ کسی برقی نظام کے تحت متحرک تھے۔" فریدی نے کہا۔

"پھر....!"

"کیا ریوالور کی گولی اس کینواس تاروں کے جال اور ربر کے استر سے گذر کر جسم میں نہیں داخل ہو سکتی۔" فریدی نے سوال کیا۔

"یقیناً ہو سکتی ہے۔"

"لیکن ایسا نہیں ہو سکا تھا۔"

"کیوں نہیں ہو سکا تھا۔"

"معلوم کرنے کی کوشش کرو.....!" فریدی مسکرایا۔

"بھئی میں ابھی قلندری کی ان منزلوں پر نہیں پہنچا۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"آنکھیں کھلی نہیں رکھتے۔"

"خیر وہ کچھ سہی! فی الحال میں سننا چاہتا ہوں۔ شب بیداری کی وجہ سے ذہن معطل سا ہو رہا ہے

"قاسم کے اس کمرے ہی میں تمہیں بہت کچھ معلوم ہو سکتا تھا جہاں تم نے اس پر فائر کیا تھا۔

"مجھے اس کی مہلت ہی کہاں ملی تھی۔ اس وقت تو پھانسی لگا دی تھی آپ نے۔"

"خیر..... میں نے بھی اس چیز کا اندازہ کل ہی لگایا تھا۔ گولی اس کے جسم سے ٹکرا کر سا والی دیوار سے جا ٹکرائی تھی اور اس نے نہ صرف پلاسٹر ادھیڑا تھا بلکہ اینٹوں پر بھی اثر انداز تھی۔ اب تم خود ہی غور کرو کہ یہ کتنی حیرت انگیز چیز تھی۔ مجھے دیوار کا سوراخ کچھ عجیب سا لگا میں نے کچھ دیر غور کرنے کے بعد اسی جگہ کھڑے ہو کر جہاں تمہارے بیان کے مطابق وہ کھڑ سامنے والی دیوار پر فائر کیا اور پھر ساری حقیقت واضح ہو گئی۔ براہِ راست فائر کرنے سے بھی میں اتنا ہی گہرا سوراخ ہوا تھا جتنا اس گولی سے ہوا تھا جو اس کے جسم سے ٹکرا کر دیوار پر لگی تھی

فریدی خاموش ہو کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"کیا کہا آپ نے اتنا ہی گہرا سوراخ ہوا تھا۔" حمید نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

"ہاں اتنا ہی گہرا۔"

"اوہ..... تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ اس کے جسم سے ٹکرا کر بھی گولی اتنی ہی فورس اچٹتی تھی جتنی فورس سے ریوالور سے نکلتی ہے..... مگر یہ ناممکن ہے۔"

"گڈ.....!" فریدی مسکرایا۔ "اسی خیال نے مجھے تاروں کے اس جال کے متعلق سوچنے مجبور کیا تھا۔ اب دیکھو..... جس چیز میں گولی کو واپس کرنے کی اتنی قوت موجود ہو وہ اسے جسم کیسے پیوست ہونے دے گی۔"

"اوہ..... تو یہ تار کیسے ہیں۔"

"تار تو بالکل معمولی ہیں..... یہ دیکھو۔" فریدی نے جیکٹ کا ایک حصہ اسے دکھایا جس میں بڑا سا سوراخ تھا اور پھر بولا۔ "میں نے اس پر فائر کیا تھا لیکن گولی اس سے گذر گئی۔"

"پھر آپ کس نتیجے پر پہنچے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ ان کی ٹوپیوں ہی میں سب کچھ تھا۔ ایک ایسی بیٹری جس سے ان تاروں میں مخصوص قسم کے برقی رو دوڑتی رہتی ہو گی اور بیٹری ہی کے کسی حصے میں یا اس سے الگ کوئی پھٹ جانے والا مادہ بھی ہو گا۔"

"اس کے علاوہ اور کچھ سوچا بھی نہیں جا سکتا۔" حمید نے کہا اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "سر جوزف کا ایک خط آیا ہے اس کی حالت بگڑتی ہی جا رہی ہے۔ وہ مجھے اپنی کہانی سنانے پر مصر ہے اس سے پہلے نہیں مرنا چاہتا..... یہ خط دیکھو۔"

اس نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر حمید کی طرف بڑھا دیا۔ خط کا مضمون تھا۔

"مائی ڈیئر کرنل فریدی!

میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری تکلیف پر نظر رکھی تھی مگر میں آپ کو بتانا ہی چاہتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ میں اب زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہ سکوں گا۔ ہو سکتا ہے ہسپتال سے گھر جانے کی نوبت ہی نہ آئے لہٰذا آپ مجھ سے مل لیجئے۔ مجھے کبھی یقین نہیں آیا تھا کہ ڈاکٹر جل مرا ہو گا۔ وہ اب مرا ہے۔ میرے ہاتھوں۔ وہ دیو پیکر آدمی ڈاکٹر دوبے ہی تھا۔ مجھے یقین ہے۔ آپ آئیے! میں آپ کو اپنے اس یقین کی وجہ بھی بتانا چاہتا ہوں۔ مجھے اس سے ہمیشہ ہمدردی رہی ہے کرنل۔ مگر میں اس سے متنفر تھا۔ میں آپ کا منتظر ہوں۔ جتنی جلدی ممکن ہو مل لیجئے۔"

حمید نے خط کو تہہ کر کے ایک طرف میز پر رکھ دیا اور پائپ سلگا کر دو تین کش لئے پھر بڑبڑایا۔ "اس بیچارے کو کیا پتہ کہ اب تک تین ڈاکٹر دوبے ختم ہو چکے ہیں۔"

"ہوں.....!" فریدی نے متفکرانہ انداز میں کہا۔ "میں کچھ اور بھی سوچ رہا ہوں۔ مگر ٹھہرو کیا تم میرے ساتھ چلو گے۔ لیکن یہ ضروری بھی نہیں ہے۔ تم رات بھر جاگے ہو۔"

"میں سر جوزف کی کہانی سننا چاہتا ہوں۔"

"اچھا تو چلو..... تیاری کے لئے صرف بیس منٹ دے سکتا ہوں۔" فریدی نے کلائی کی

گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

پینتالیس منٹ بعد وہ سول ہسپتال میں نظر آئے۔ سر جوزف کے کمرے میں دو نرسیں موجود تھیں۔ جوزف نے ہاتھ ہلا کر انہیں باہر جانے کا اشارہ کیا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک بے جان سی مسکراہٹ نظر آ رہی تھی۔ چہرہ حیرت انگیز طور پر دبلا ہو گیا تھا۔ حمید نے صرف دو دن پہلے اسے دیکھا تھا اور اب ان دو دنوں میں اس کے ڈھانچے میں جو تبدیلیاں ہوئی تھیں ان کے متعلق مشکل ہی سے یقین کیا جا سکتا تھا کہ اس بدحالی میں دو دن سے زیادہ نہیں لگے۔

"بہت اچھا ہوا کرنل آپ آ گئے۔" اس نے مضمحل سی آواز میں کہا۔ "مجھے ڈر تھا کہ کہیں آپ مصروف نہ ہوں۔"

وہ دونوں بیٹھ گئے۔ فریدی نے اس کی خیریت دریافت کی۔

"میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ دل کی دھڑکنیں کتنی دیر بعد بند ہو جائیں گی لیکن انہیں بند ہی ہونا ہے کرنل۔ میں بہت تھک گیا ہوں اب سونا چاہتا ہوں۔ مگر خدا کی قسم! میرا ضمیر مجھے ملامت نہیں کر رہا۔ میرے دل پر کسی قسم کا بار نہیں ہے۔ ابھی آپ خود ہی اندازہ کر سکیں گے کہ میں کتنا بے بس تھا۔ ڈاکٹر دوبے بدقسمت تھا۔ قدرت ہم دونوں کو..... میرے خدا..... مجھے اظہار خیال کیلئے الفاظ نہیں ملتے۔" اس نے خاموش ہو کر دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔

حمید نے فریدی کی طرف دیکھا جو بڑی توجہ اور دلچسپی سے سر جوزف کو دیکھ رہا تھا۔

سر جوزف تھوڑی دیر تک گہری گہری سانسیں لیتا رہا پھر منہ پر سے ہاتھ ہٹائے بغیر بولا۔

"یہ میری زندگی کی سب سے بڑی ٹریجڈی ہے کرنل۔"

"سر جوزف! میں پھر کہہ رہا ہوں کہ اگر آپ تکان محسوس کرتے ہیں تو کوئی غمناک واقعہ نہ دہرائیے۔ ہو سکتا ہے مجھے اس ٹریجڈی کا علم ہو چکا ہو۔"

"آپ جانتے ہیں۔" سر جوزف نے یکلخت اپنے چہرے سے ہاتھ ہٹا لئے۔

"ظاہر ہے کہ آپ سے ڈاکٹر دوبے کا تعلق معلوم ہو جانے کے بعد میں نے اس سلسلے میں چھان بین ضرور کی ہو گی۔"

"اوہ..... تو پھر آپ ہی انصاف کیجئے۔ کیا میں غلطی پر تھا۔ مجھے میرا قصور بتا دیجئے۔"

"کچھ نہیں! سر جوزف۔ صرف مقدرات! ڈاکٹر دوبے ایک بدنصیب آدمی تھا۔ ویسے میں

نے سنا ہے کہ عام حالات میں وہ خداترس بھی تھا۔"

"یقیناً تھا کرنل..... لیکن مزاج میں جھلاہٹ بہت زیادہ تھی۔"

"خیر..... میں دراصل اس وقت اس لئے آیا تھا کہ آپ سے اس دیو پیکر لاش کے متعلق گفتگو کروں۔ آخر آپ کس بناء پر کہہ سکتے ہیں کہ وہ ڈاکٹر دوبے ہی تھا۔"

"اوہ..... کرنل..... یہ بات بتانے کے لئے بھی مجھے ماضی ہی میں جھانکنا پڑے گا۔ سیلی نے مجھے وہ بات بتائی تھی لیکن میں نے اس وقت اسے ہنسی میں اڑا دیا تھا۔ کہا تھا کہ وہ خواہ مخواہ ڈاکٹر کو بدنام کر رہی ہے۔ ڈاکٹر دوبے اتنا حیرت انگیز آدمی نہیں ہو سکتا۔ لیکن آج میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔"

"محترمہ سیلی نے آپ کو کیا بتایا تھا۔"

"ڈاکٹر دوبے کی ایک تجربہ گاہ تھی، جہاں کوئی بھی نہیں جانے پاتا تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ ڈاکٹر راتوں کو جاگ کر وہاں کیا کیا کرتا ہے۔ لیکن ایک دن اتفاق سے شاید وہ تجربہ گاہ کا صدر دروازہ مقفل کرنا بھول گیا تھا۔ سیلی گھر میں تھی اور ڈاکٹر ہسپتال چلا گیا تھا۔ سیلی اس کی تجربہ گاہ میں داخل ہونے کے لئے بیچین رہا کرتی تھی۔ دروازہ کھلا دیکھ کر وہ بے تحاشہ اندر گھس گئی۔ اس کا بیان ہے کہ اس نے ایک میز پر ایک مردہ چوہا دیکھا تھا جو جسامت کے اعتبار سے کسی معمولی کتے کے برابر تھا۔ خوف سے اس کی بُری حالت ہوئی تھی اور گھبرا کر تجربہ گاہ سے نکل آئی تھی۔ شاید واپسی پر ڈاکٹر دوبے کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا کیونکہ اس نے کچھ اس قسم کی باتیں شروع کر دی تھیں جن کے جواب میں سیلی تجربہ گاہ میں اپنے داخلے کا اعتراف کر لیتی۔ لیکن سیلی نے محتاط ہو کر جوابات دیئے تھے اس لئے ڈاکٹر مطمئن ہو گیا تھا کہ سیلی تجربہ گاہ سے دور ہی دور رہی ہے۔"

سر جوزف خاموش ہو گیا..... فریدی نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدلا تھا۔ جب سر جوزف کا سکوت کسی طرح نہ ٹوٹا تو فریدی نے کہا۔ "میں اس کے آگے بھی سننا چاہتا ہوں سر جوزف۔"

"اوہ..... اب آپ خود ہی اندازہ کیجئے جس شخص کی میز پر کتے کے برابر چوہا پایا جا سکتا ہے کیا وہ اپنی جسامت نہیں بڑھا سکتا۔"

"ہاں..... آں..... لیکن ہو سکتا ہے محترمہ سیلی کو دھوکا ہوا ہو۔ وہ کسی دوسرے جانور کو اتنا بڑا چوہا سمجھ بیٹھی ہوں۔"

"خدا جانے! اس کے بعد مجھے اور کچھ نہیں معلوم ہوا تھا۔ میں نے اس وقت اس کی کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ یہی سمجھا تھا کہ اسے کسی دوسرے جانور پر چوہے کا دھوکا ہوا ہوگا۔ کیا یہ فطری بات نہیں ہے کہ ڈاکٹر دوبے کو اس حیرت انگیز جسامت میں دیکھ کر مجھے سیلی کا یاد آجائے۔"

"قطعی.... قطعی فطری بات ہے سر جوزف....!"

"خاک ڈالئے.... وہ تو اب ختم ہی ہو گیا۔ وہ مگر دیکھئے میں کب تک اس آگ میں جلتا رہتا۔ میرا زخم مندمل ہو چکا تھا کرنل۔ لیکن اس نے یک بیک سامنے آکر ایک بار پھر مجھے زندگی سے بیزار ہو جانے پر مجبور کر دیا۔"

فریدی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر پوچھا۔ "کیا آپ کسی مس ڈھو کو بھی جانتے ہیں جو کبھی ڈاکٹر دوبے کے ساتھ رہی ہو۔"

"یقیناً.... کیوں نہیں۔ سیلی والے واقعہ کے بعد ہی وہ ایک بدشکل نرس کو گھر لے گیا تھا وہ اس کے ساتھ ہی رہنے لگی تھی۔ وہ بیچاری اس رات بھی عمارت ہی میں تھی۔ جب آتشزدگی کا حادثہ ہوا تھا۔ لیکن وہ کسی طرح بچ نکلی تھی اور اب کہنا پڑتا ہے کہ ڈاکٹر دوبے بھی بچ گیا تھا۔ دونوں تک کہیں چھپا رہا۔ میرے خلاف اپنے غصے کی آگ دبائے رہا.... لیکن پر.... برداشت کر سکا.... اوہ.... اوہ....!"

"کیا یہاں اس شہر میں.... یا دنیا کے کسی گوشے میں کوئی اور آدمی بھی ایسا مل سکتا۔ ڈاکٹر دوبے کے حالات پر روشنی ڈال سکے۔" فریدی نے پوچھا۔

سر جوزف کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "مس ڈھو کو تلاش کیجئے اگر وہ زندہ ہو شاید وہی آپ کو ایسی باتیں بتا سکے جو میرے علم میں بھی نہ ہوں۔"

"شکریہ سر جوزف۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "آپ پریشان نہ ہوں۔ ڈاکٹروں نے آپ کی صحت کے بارے میں تشویش نہیں ظاہر کی۔"

"میں پریشان نہیں ہوں کرنل۔" سر جوزف غالباً زبردستی مسکرایا۔ "یہ حقیقت ہے کہ میں زندہ رہنے کی خواہش نہیں رکھتا۔"

سر جوزف کے کمرے سے باہر آتے ہی حمید نے کہا۔

"کیا اس ڈفر نے ہمارا وقت نہیں برباد کرایا۔"

"اگر تم اس سوال کی موافقت میں کچھ سوچ رہے ہو تو مجھے کہنے دو کہ تم غلطی پر ہو۔" فریدی اسٹیئرنگ سنبھال کر مسکرایا تھا۔

"کیوں....؟"

"ممکن ہے کہ سیلی سے اندازے کی غلطی نہ ہوئی ہو۔" فریدی نے کہا اور پھر کسی سوچ میں گم ہو گیا۔

کہانی اور تصویر

اب وہ قاسم کی کوٹھی کی طرف جا رہے تھے اور حمید کی نیند غائب ہو چکی تھی گو ذہن مضمحل لیکن وہ کسی قسم کی جسمانی تھکاوٹ نہیں محسوس کر رہا تھا۔

"سر جوزف کی کہانی تو رہ ہی گئی۔" اس نے کہا۔

"مجھے افسوس ہے۔" فریدی مسکرایا۔ "اس کی کہانی تو ان دونوں کے متعلق چھان بین کرنے کے دوران ہی میں مجھے معلوم ہو گئی تھی۔ اس لئے میں نے ضروری نہیں سمجھا تھا کہ اس کی زبان سے دوبارہ سنوں۔"

"یہ سیلی کون تھی۔"

"ڈاکٹر دوبے کی پروردہ ایک لڑکی۔ پروردہ نہ کہنا چاہئے کیونکہ وہ نوجوان ہی تھی، ڈاکٹر دوبے نے صرف اس کی ذمہ داری اپنے سر لی تھی۔ وہ ایک نادار اور اپاہج بیوہ کی لڑکی تھی۔ ڈاکٹر دوبے اس کا علاج کر رہا تھا۔ لیکن اسے بچانے میں کامیاب نہ ہو سکا تھا۔ مرتے وقت اس نے اپنی بیٹی کے متعلق اس کے بارے میں بڑی پریشانی ظاہر کی تھی۔ ڈاکٹر دوبے نے اسے اطمینان دلایا کہ وہ بے فکر رہے کیونکہ وہ اسے اپنی سرپرستی لے رہا ہے۔ بڑھیا کی موت کے بعد ڈاکٹر دوبے سیلی کو اپنے گھر لے گیا تھا۔ اس نے اس کے ساتھ تین سال گذارے۔ ڈاکٹر اس پر بے حد مہربان تھا۔ دوسری طرف ڈاکٹر دوبے اور سر جوزف گہرے دوست تھے۔ گو سر جوزف اس سے متنفر تھا۔ لیکن چونکہ کئی بار ڈاکٹر دوبے نے اسے ایک مہلک مرض سے نجات دلائی تھی اس لئے وہ اس کا بے حد زیادہ ہو گیا تھا۔ سر جوزف کو سیلی سے انس ہو گیا پھر یہ چیز بڑھتے بڑھتے اس جنون میں تبدیل ہو گئی جسے تم عشق کہتے ہو اور قاسم محبوبت کہتا ہے۔ سر جوزف نے اس سے شادی کی خواہش ظاہر

کی۔ اس لئے ڈاکٹر دوبے اس سے جھگڑا کر بیٹھا۔ دھکے مار کر گھر سے نکال دیا سر جوزف کو بقول کسے دونوں طرف تھی آگ برابر لگی ہوئی یعنی سیلی میں بھی اس جنون کے جراثیم پیدا ہو تھے۔ اس موقع پر ڈاکٹر دوبے نے اپنی ڈھکی چھپی خواہش ظاہر کی۔ وہ بھی اس کے لئے اس میں مبتلا تھا۔ سیلی کو جب یہ معلوم ہوا تو اس کی حالت غیر ہو گئی کیونکہ وہ تو اسے اس وقت مربی اور سرپرست سمجھتی رہی تھی۔ ایک طرف وہ اس کے احسانات کے بار سے دبی ہوئی تھی دوسری طرف اسے سر جوزف کا خیال تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس کی صحت گرنے لگی۔ دوسری طرف سر جوزف بُری طرح بے تاب تھا۔ وہ چھپ چھپ کر اس سے ملتا رہتا اور اسے ترغیب دیتا کہ اس کے ساتھ نکل چلے۔ سیلی پہلے تو انکار کرتی رہی پھر رضامند ہو گئی۔ مگر وہ شہر سے باہر نہ گئے۔ گو سر جوزف اس وقت خطاب یافتہ نہیں تھا۔ لیکن شہر کے ذی عزت لوگوں میں شمار کیا تھا۔ دولت مند بھی تھا۔ سیلی سنِ بلوغ کو پہنچ چکی تھی اس لئے کسی قانونی کاروائی کا ڈر بھی نہ تھا۔ دونوں نے سول میرج کر لی پھر ڈاکٹر دوبے سر جوزف کے خون کا پیاسا ہو گیا۔ ایک زبردستی اس کے گھر میں گھس کر اس پر فائر کیا لیکن وہاں کئی ملازم بھی موجود تھے۔ فائر خالی گ اور انہوں نے اسے بے بس کر کے ریوالور چھین لیا۔ ڈاکٹر دوبے کو ناکام واپس ہونا پڑا تھا۔ سر جوزف نے اس کی اطلاع پولیس کو نہیں دی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہی احساس بنا تھا کہ سیلی اس کے احسانات ہیں۔ سیلی اس غم میں گھلتی گئی کہ وہ دو دوستوں کے درمیان نفاق کا بیج بن ہے۔ بالآخر وہ ٹی بی میں مبتلا ہوئی اور پانچ سال سے زیادہ زندہ نہ رہ سکی۔ پھر سر جوزف کے میں بھی سر دوبے سے دشمنی کی آگ بھڑک اٹھی۔ لوگوں کا خیال ہے کہ سیلی کے غم میں پھ نے دوسری شادی نہیں کی۔ بہر حال وہ دونوں ہی ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔"

حمید نے ہونٹ سکوڑے اور پھر آہستہ سے بولا۔ "مگر یہ کہانی ہمارے لئے فضول ہے طرف بھی رہنمائی نہیں کرتی۔"

"ہاں.... کہانی فضول ہی سہی مگر وہ مردہ چوہا۔"

"ارے چھوڑیئے۔" حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔

"فی الحال یہی سہی۔ لیکن یہ واقعہ ہمیں کسی نہ کسی سمت ضرور لے جائے گا۔ اچھا چلو دیو پیکر ہم شکلوں کے متعلق کیا خیال رکھتے ہو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ ان کے متعلق سوچ بھی کیا سکتا تھا۔ سوائے اس کے کہ ان کی نشو و نما طری طور پر نہیں ہوئی تھی۔

"میں ان کے متعلق کیا کہوں۔" اس نے کہا۔ "اگر یہ کہا جائے کہ ان کی نشو و نما فطرت سے یادہ کسی سائنسی عمل کی رہین منت ہے تو پھر شکل کا سوال پیدا ہو جائے گا۔ تینوں ہم شکل تھے۔"

"میک اپ۔"

"مگر کیا وہ آپ کو میک اپ معلوم ہوا تھا۔" حمید نے سوال کیا۔ "میری دانست میں تو وہ یک اپ نہیں تھا۔"

"میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔" فریدی بولا۔ "کیونکہ مجھے اسے قریب سے دیکھنے کا وقع نہیں ملا تھا۔"

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد حمید نے کہا۔ "ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ دونوں اسم کی کوٹھی تک کیسے آئے ہوں گے۔ جہاں سے بھی آئے ہوں انہیں چلتی ہوئی شاہراہوں سے ضرور گذرنا پڑا ہو گا۔"

"قاسم کی کوٹھی کا محل وقوع تو ایسا ہی ہے لیکن وہاں تک انہیں چھپا کر بھی لایا جا سکتا ہے کسی ندگاڑی میں۔ پھر پائیں باغ میں ان کا داخلہ مشکل تو نہیں ہو سکتا۔"

"اچھا کیا آپ کو یقین ہے کہ ڈاکٹر دوبے مر ہی گیا ہو گا۔"

"شائد میں نے یقین کے ساتھ کبھی نہ کہا ہو کہ وہ بھی وہیں جل مرا تھا۔ آخر مس ڈھو کیسے بچ نکلی تھی۔"

"میں بھی یہی سوچتا رہا ہوں؟" حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ "اگر وہ حقیقتاً اسے جلا کر ہی مارنا چاہتا تھا اور خود بھی فنا ہو جانے کا ارادہ رکھتا تھا تو اس نے بچ نکلنے کے امکانات کا بھی جائزہ پہلے ہی لیا ہو گا۔ اس قسم کی اسکیمیں بڑے غور و خوض کے بعد مرتب کی جاتی ہیں، خواہ ان کا تعلق خودکشی ہی سے کیوں نہ ہو۔"

"ہُنہ.... اب تم راہ پر آ رہے ہو۔"

"تو پھر میں یہ سمجھ لوں کہ ڈاکٹر دوبے زندہ ہے۔"

"فی الحال میں نے یہی فرض کر لیا ہے۔"

"مگر یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی دوسرا ہی ڈاکٹر دوبے کے پردے میں شکار کھیل رہا ہو۔" حمید بولا۔ "چند آدمیوں کو صاف کرنے کے لئے ڈاکٹر دوبے کے بعض حریفوں دشمنوں یا محبوں سے بھی تھوڑی سی چھیڑ چھاڑ کرلی ہو۔ تاکہ پولیس غلط راستے پر پڑ جائے اور وہ اپنی مقصد براری کے بعد بھی قانون کی زد سے محفوظ رہ سکے۔"

"اوہ.... اسی لئے تو ابھی میرا پہلا نظریہ محض ایک مفروضہ ہے اور تم دوسرے خیال کو بھی یقین کے سانچے میں نہیں ڈھال سکے۔"

"ٹھیک ہے.... مگر اصل مجرم تک رسائی کیسے ہوگی۔ مجھے تو ابھی تک کوئی صورت نہیں نظر آتی۔"

"بس دیکھتے جاؤ.... فی الحال میں اس آدمی کے چکر میں ہوں جس نے ابھی حال ہی میں مس ڈھو سے شادی کی درخواست کی تھی۔"

"وہی آپ کو کہاں مل جائے گا۔"

"اس کے لئے میں کام کر تا رہا ہوں حمید صاحب۔ اگر آپ پر نیند نہ سوار رہی تو آپ بہت کچھ دیکھیں گے.... آہا میں غلط جارہا ہوں۔ نہیں اب ہم قاسم کے گھر نہیں جائیں گے۔"

"پھر....!"

"بس دیکھتے جاؤ۔" فریدی مسکرایا۔

تھوڑی دیر بعد حمید نے محسوس کیا کہ گاڑی بندرگاہ کے علاقے کی طرف جارہی ہے۔

اور پھر وہ ایک ہوٹل کے سامنے رک گئی، جو غیر معروف اور متوسط درجہ کا تھا۔

حمید نے ادھر سے گذرتے وقت اسے بارہا دیکھا تھا لیکن کبھی اندر جانے کی خواہش نہیں ہوئی تھی۔

وہ دونوں کار سے اترے لیکن حمید نے اسے ٹوکا نہیں.... وہ ہوٹل میں داخل ہو کر کاؤنٹر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا بھاری بھرکم آدمی انہیں دور ہی سے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ قریب پہنچنے پر اس نے فریدی کو سلام کیا۔

"آپ بیٹھئے۔" فریدی نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ "کیا منقار صاحب موجود ہیں۔"

"جی ہاں.... وہ اپنے کمرے ہی میں ہیں جناب.... کیا ملواؤں۔"

"نہیں.... نہیں.... میں خود ہی مل لوں گا۔" فریدی زینوں کی طرف مڑ گیا۔

ہال ہی کے ایک گوشے سے کچھ زینے اوپری منزل تک لے جاتے تھے۔ حمید چپ چاپ زینے طے کرتا رہا۔ منقار قسم کا نام آج تک اس کے سننے میں نہیں آیا تھا۔ یہ منقار صاحب کون بزرگوار ہوں گے۔ اگر سچ مچ منقار ہی ثابت ہوئے تو بہت گراں گذریں گے۔ حمید نے سوچا اور بور ہوتا رہا۔ اب پھر اس کا ذہن نیند سے بوجھل ہونے لگا تھا۔

فریدی نے اوپر پہنچ کر ایک دروازے پر دستک دی۔

"آجاؤ....!" اندر سے بھرائی ہوئی سی آواز آئی اور فریدی نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا۔ سامنے ہی کھڑکی کے قریب ایک ادھیڑ عمر کا آدمی آرام کرسی پر نیم دراز تھا انہیں دیکھتے ہی بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

"اوہ.... آپ ہیں.... تشریف رکھئے جناب.... تشریف رکھئے۔"

کمرے میں ایک ہی آرام کرسی تھی۔ فریدی پلنگ ہی پر بیٹھ گیا۔

"ادھر تشریف لائیے.... یہاں کرسی پر جناب۔"

"نہیں میں ٹھیک ہوں....!" فریدی مسکرایا۔ "فنکاروں کے یہاں تکلفات کو دخل نہ ہونا چاہئے۔"

حمید بوکھلا کر اس کو گھورنے لگا کہ یہ منقار سے یک بیک فنکار کیسے ہو گیا۔

"حمید ان سے ملو۔ یہ ایک مایہ ناز کارٹونسٹ ہیں۔" فریدی نے اس کا تعارف کرایا۔ "انہیں بہت مشہور ہونا چاہئے تھا لیکن جانبداریوں نے انہیں ابھرنے نہ دیا۔"

حمید نے طوعاً و کرہاً اس سے ہاتھ ملایا اور دل ہی دل میں جھلستا رہا کہ آخر اس سلسلے میں کوئی کارٹونسٹ کہاں سے آٹپکا۔

"میں نے آپ کا کام مکمل کرلیا ہے جناب۔" اس نے کہا اور میز پر رکھا ہوا فائیل اٹھنے لگا۔ پھر اس سے ایک دفتی کا ٹکڑا نکالا جس پر بنی ہوئی تصویر کی ہلکی سی جھلک حمید نے بھی دیکھی تھی۔ لیکن جب وہ تصویر فریدی کے ہاتھوں میں آئی تو حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

ان میں سے ایک تصویر تو سوفیصدی مس ڈھو کی تھی اور دوسری کسی مرد کی۔ دونوں قریب قریب بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے سامنے ایک چھوٹی سی میز تھی۔

"کمال ہے۔" فریدی کارٹونسٹ کو تحسین آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"ارے آپ تو ایک بلند پایہ مصور بھی ہیں۔ آپ کو کارٹونسٹ کون کہتا ہے۔"

"میں خود ہی کہتا ہوں جناب۔" آرٹسٹ مسکرایا۔ "لوگ عموماً یہ سمجھتے ہیں کہ جیسے بگڑا شاعر مرثیہ گوئی اختیار کرتا ہے اسی طرح نااہل مصور کارٹونسٹ بن جاتے ہیں، حالانکہ یہ غلط ہے۔ اچھے کارٹونسٹ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کا مصور بھی ہو، ورنہ اچھا کارٹونسٹ ہو نہیں سکتا۔ بالکل اسی طرح جیسے گھٹیا قسم کے انشا پرداز مزاح نگار نہیں ہو سکتے۔"

"بات پتے کی ہے۔" فریدی مسکرایا۔ "میرا خیال ہے کہ اس مرد کی تصویر بھی اصل کے مطابق ہی ہو گی۔"

"دونوں میں سرمو فرق نہیں ہو سکتا۔" اس نے ایک دوسرا شیٹ فائیل سے کھینچتے ہوئے اور اسے بھی فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

یہ اسی تصویر کا کارٹون تھا جو حمید نے پہلے دیکھی تھی۔

فریدی نے جیب سے سو سو کے تین نوٹ نکالے اور اس آرٹسٹ کی طرف بڑھاتے ہو بولا۔ "اسے قبول کیجئے۔"

"ارے نہیں جناب۔ ہرگز نہیں.... پولیس کی مدد کرنا میرا فرض ہے۔"

"یہ تصاویر میری ذاتی ملکیت ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ ایک مقدمے میں ان سے مدد مل جائے گی۔ کیا یہ آدمی پھر کبھی یہاں نظر آیا تھا۔"

"جی نہیں.... میں نے تو نہیں دیکھا۔"

"اچھا شکریہ....!" فریدی اٹھ گیا۔

حمید کی نیند پھر غائب ہو گئی تھی۔ ڈائننگ ہال میں پہنچے ہی حمید تصاویر کے متعلق استفسار کر بیٹھا

"ٹھہرو.... ابھی بتاتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور ہال سے نکلتا چلا گیا۔

وہ پھر لنکن میں آ بیٹھے اور فریدی نے مشین اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا "غالباً تم سمجھ ہی گئے ہو گے کہ مس ڈھو کے ساتھ جو مرد ہے، وہی ہو سکتا ہے جس کی مجھے تلاش ہے۔"

"غالباً میں یہی سمجھتا ہوں۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ "لیکن یہ حیرت انگیز واقعہ اب تک میری سمجھ میں نہیں آ سکا۔"

"کون سا....!"

"یہی کہ آپ کو کسی منقار کی تلاش تھی۔ مگر وہ فنکار نکلا۔"

فریدی ہنسنے لگا۔ مگر پھر وہ بولا۔ "حمید صاحب وہ حیرت انگیز صلاحیتوں کا مالک ہے۔ بہر حال نہیں اس پر حیرت ہو گی کہ یک بیک میں نے اسے کہاں سے کھود نکالا۔ میں دراصل ان جگہوں پر چھپ چھپ کر تارہا ہوں۔ جہاں مس ڈھو نے اس نامعلوم آدمی کے ساتھ کبھی کبھی تھوڑا سا وقت بھی گذارا ہے۔ یہ ہوٹل تو ان کی نشست کے لئے مخصوص تھا۔ وہ دونوں اکثر یہیں رات کا کھانا کھاتے تھے۔ جوڑا چونکہ اپنی نوعیت کا ایک ہی تھا اس لئے جس نے ایک بار بھی انہیں ساتھ دیکھا پھر نہ بھلا سکا۔ یہاں کے مالک سے میں نے اس جوڑے کے متعلق پوچھا تھا اس نے اعتراف کیا کہ ایک ایسا مضحکہ خیز جوڑا وہاں اکثر آتا رہتا ہے اور پھر اس نے اپنے ایک کارٹونسٹ دوست کا تذکرہ کیا جو ہوٹل ہی میں رہتا تھا۔ اس نے کاؤنٹر ہی پر بیٹھے بیٹھے اس مضحکہ خیز جوڑے کا کارٹون بنایا تھا۔ میں نے کارٹون دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ وہ مجھے منقار کے پاس لے گیا۔ کارٹون دیکھا تو عورت کی تصویر میں مس ڈھو کی مضحکہ خیز جھلکیاں نظر آئیں۔ اس لئے میں نے سوچا کہ مرد کی تصویر بھی اصل سے کچھ نہ کچھ مطابقت ضرور رکھتی ہو گی۔ جب منقار کو یہ معلوم ہوا کہ میں ان دونوں کے خلاف کسی مقدمے کے سلسلے میں تفتیش کر رہا ہوں تو وہ ان کی سیدھی سادی تصاویر بنانے پر آمادہ ہو گیا۔ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ محض یادداشت کے سہارے قریب قریب ساری تفاصیل واضح کر سکتا ہے اور میری دانست میں اس کا دعویٰ غلط بھی نہیں ہے۔ کیا مس ڈھو کے سلسلے میں کوئی تفصیل نظر انداز ہوئی ہے۔"

"میں خود بھی متحیر ہوں۔" حمید نے کہا۔ "محض یادداشت کے سہارے ایسی تصویر پینٹ کرنا یقیناً معجزہ کہلائے گا۔"

حمید نے ایک بار پھر تصویر پر نظر ڈالی۔ یہ سفیدہ اور سیاہی سے پینٹ کی گئی تھی۔ اسے یقین تھا کہ دور سے دیکھے جانے پر یہ فوٹوگراف ہی معلوم ہو گی۔

قاسم کے گھر پہنچ کر فریدی نے مس ڈھو کے متعلق پوچھا۔ اس وقت قاسم اور اس کی بیوی موجود نہیں تھے۔ مس ڈھو اپنے کمرے میں آرام کر رہی تھی۔

وہ دونوں ڈرائنگ روم میں اس کا انتظار کرنے لگے۔

کچھ دیر بعد وہ دیوار کا سہارا لیتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ برسوں کی بیمار معلوم ہو رہی تھی۔

"اوہ.... بیٹھئے.... بیٹھئے۔" فریدی نے جلدی سے اٹھ کر اسے سہارا دیا اور ایک صوفے پر بٹھاتا ہوا بولا۔ "مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ کی صحت اس قدر گر گئی ہے ورنہ میں آپ کے گھر ہی میں پہنچنے کی کوشش کرتا۔"

"کوئی بات نہیں جناب۔" وہ کمزور آواز میں بولی اور اس نے حسب عادت مسکرانے کی بھی کوشش کی تھی۔ پھر اس نے کہا۔ "کیا یہاں میرا ٹھہرنا ضروری ہے۔ دیکھئے اور کچھ نہ سمجھئے گا مگر دراصل یہ نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے کسی کو تکلیف پہنچے.... صاحب اور بیگم دن رات لڑتے رہتے ہیں۔ بیگم صاحب کو مجھ سے ہمدردی ہے۔"

"میں آپ کو اپنے گھر لے چلوں گا۔ آپ فکر نہ کیجئے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن اس وقت کچھ آپ کو تکلیف ہی دینے آیا ہوں.... کیا آپ مجھے ڈاکٹر دوبے کی نجی مصروفیات کے متعلق بھی کچھ بتا سکیں گی۔"

"نجی مصروفیات....!" وہ کسی سوچ میں پڑ گئی پھر یک بیک چونک کر متحیرانہ انداز میں بولی۔ "یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"اس لئے کہ اب تک تین ڈاکٹر دوبے مارے جا چکے ہیں۔"

"مم.... میں بھی سوچ میں تھی۔ نوکروں نے بتایا کہ جس پر کپتان صاحب نے فائر کیا تھا وہ بھی ویسا ہی تھا جیسا میری نظروں سے گذرا تھا۔ اوہ کرنل میں کیا بتاؤں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ میں بڑی الجھن میں ہوں.... اس کی جسامت.... میرے خدا.... مگر وہ اب اس دنیا میں کہاں ہے۔ شائد کوئی اور اسی کے نام پر اس کے تجربات سے غلط فائدہ اٹھا رہا ہے۔"

"تجربات.... کیا مطلب۔"

"اوہ.... وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ آج مجھ سے جو نفرت کرتے ہیں کل مجھ پر فخر کریں گے۔ دنیا کی حسین ترین لڑکیاں مجھ سے منسوب ہونے کے لئے زمین و آسمان ایک کر دیں گی۔ مغرب کے زیادہ تر بڑے آدمی بدصورت ہیں۔ لیکن ان کے پیچھے عورتوں کی فوج کی فوج نظر آتی ہے۔ ایک دن یہی حالت میری بھی ہو گی۔ میں نے اس سے پوچھا تھا کہ آخر وہ کس بناء پر ایسا کہہ رہا ہے اس پر وہ مجھے پہلی بار اپنی تجربہ گاہ میں لے گیا اور میں نے وہاں ایسی چیزیں دیکھی تھیں کہ آج بھی یاد کر کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔"

"کیا دیکھا تھا۔"

"کتوں کے برابر چوہے.... ایک خرگوش جو معمولی قد کے بکرے کے برابر اونچا تھا۔ تین فٹ لمبے کیچوے جنہیں میں پہلے سانپ سمجھی تھی۔ لیکن ڈاکٹر نے مجھے تاکید کر دی تھی کہ میں کسی سے بھی ان کا تذکرہ نہ کروں۔"

"مگر مس ڈھو کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ ہی کی طرح ڈاکٹر بھی بچ نکلا ہو۔"

"میں نے بھی اس پر غور کیا ہے مگر پھر وہ جلی ہوئی لاش کس کی تھی جو ملبے سے برآمد ہوئی تھی۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ کسی ملازم کی لاش رہی ہو۔"

"نہیں جناب ہم دونوں کے علاوہ ایک متنفس بھی گھر میں موجود نہیں تھا۔ ڈاکٹر نے کبھی کوئی گھریلو ملازم رکھا ہی نہیں۔ اپنے کام خود ہی کرتا تھا۔ مجھ سے پہلے ایک لڑکی سیلی وہاں رہتی تھی اس کے جانے کے تین سال بعد میں وہاں پہنچی تھی۔"

فریدی نے سیلی یا سر جوزف کے متعلق اس سے کسی قسم کے سوالات نہیں کئے۔ حالانکہ وہ سر جوزف کے متعلق بھی پوچھ گچھ کرنا چاہتا تھا۔

اب فریدی نے منقار کی بنائی ہوئی تصویر نکال کر اس کے سامنے رکھ دی۔

"اوہ....!" وہ یک بیک اچھل پڑی۔ "یہ.... یہ کس نے بنائی ہے جناب.... مجھے نہیں یاد پڑتا کہ میں نے کبھی کسی آرٹسٹ کو پوز دیا ہو۔ یا اس پراسرار آدمی کے ساتھ کبھی کوئی تصویر کھنچوائی ہو۔"

"یہ وہی آدمی ہے نا۔"

"سو فیصدی وہی جناب۔ ذرہ برابر بھی فرق نہیں ہے۔"

"اچھا مس ڈھو۔ اب اجازت دیجئے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "کل آپ یہاں سے میرے گھر میں منتقل ہو رہی ہیں۔"

خوفزدہ اجنبی

اسی شام کو آفس میں فریدی کی میز پر منقار کی بنائی ہوئی تصویر کے لاتعداد فوٹو پرنٹس بکھرے ہوئے تھے۔ تصویر صرف اس پراسرار ڈمی کی تھی۔ مس ڈھو کی تصویر اس سے علیحدہ کر لی

گئی تھی۔

حمید بہتر پرنٹ چھانٹ چھانٹ کر الگ کرتا جارہا تھا اور فریدی کرسی کی پشت سے ٹکا ہوا پ کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا۔

"تو آپ کا یہ نظریہ بھی ختم ہی ہو گیا کہ ڈاکٹر دوبے زندہ ہے۔" حمید نے سر اٹھائے بغیر کہا

"اس کے متعلق میں اب بھی الجھن میں ہوں۔ پہلے میں نے سوچا تھا کہ ممکن ہے وہ جلی ہوئی لاش کسی ملازم کی رہی ہو لیکن مس ڈھونے اس خیال کی سختی سے تردید کر دی۔"

"اور وہ نظریہ ختم ہو گیا۔"

"نن.... نہیں....!" فریدی نے متفکرانہ انداز میں سر کو جنبش دی۔ "اس نظریہ کا ایک جواز اب بھی میرے پاس ہے۔ ہو سکتا ہے مس ڈھو کو وہاں اس آدمی کی موجودگی کا علم ہی نہ رہا ہو۔"

"یہ کیسے ممکن ہے۔ وہ دن رات وہیں رہتی تھی۔"

"لیکن اس کے باوجود بھی اسے علم نہیں تھا کہ وہ کس قسم کی تجربہ گاہ ہے اور اس وقت تک علم نہیں ہو سکا جب تک ڈاکٹر دوبے نے خود نہیں چاہا۔"

"پھر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"یہی کہ جانوروں کے بعد آدمی ہی کی باری آتی ہے۔ اس قسم کے سارے تجربات مختلف قسم کے جانوروں سے گذر کر آدمی ہی تک پہنچتے ہیں کیا سمجھے۔"

"میں اب بھی کچھ نہیں سمجھا۔"

"شائد تم پوری نیند نہیں لے سکے۔" فریدی مسکرایا۔

"صرف تین گھنٹے سویا ہوں۔"

"خیر.... کیا یہ ممکن ہے کہ اس نے لاتعداد جانوروں کی طرح کوئی آدمی بھی پال رکھا ہو جس کا علم اس کے علاوہ اور کسی کو کبھی ہو ہی نہ سکا ہو۔ کیونکہ کسی آدمی پر اس قسم کے تجربات اس وقت جائز ہیں جب قانون اُن کی توثیق کر دے، ورنہ وہ جرائم ہی کے تحت آئیں گے۔ مجھے پچھلے پچاس سال کے ریکارڈ میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ کسی کو اس قسم کے تجربات کی اجازت دی گئی ہو۔"

"آپ دوسرے امکانات پر بھی کیوں نہیں غور کرتے۔"

"تم غور کر کے کسی نتیجے پر پہنچ چکے ہو تو مجھے بتاؤ۔"

"سر جوزف....!"

"اوہ.... تم نے ابھی تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔"

"وہ ڈاکٹر دوبے کا دوست تھا۔ ممکن ہے اسے ان تجربات کا علم رہا ہو۔ آج وہ ان سے کام لے رہا ہو۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ کوئی دوسرا آدمی ڈاکٹر دوبے کی آڑ لے کر اپنے دشمنوں اصفایا اس طرح کر سکتا ہے کہ پہلے ڈاکٹر دوبے کے بعض شناساؤں سے چھیڑ چھاڑ کر بیٹھے پھر اپنے دشمنوں پر ہاتھ صف کرنا شروع کر دے اور پولیس چکر ہی کھاتی رہ جائے۔"

"تو صرف سر جوزف ہی کیوں حمید صاحب۔ یہی دلائل آپ مس ڈھو پر بھی لاد سکتے ہیں۔"

"آہا تو میں اس کی طرف سے مطمئن کب ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ سب کچھ دونوں کی ملی بھگت سے ہو رہا ہو۔"

"اسی طرح کوئی تیسرا آدمی بھی ہو سکتا ہے جس کا علم ان دونوں کو بھی نہ ہو۔" فریدی مسکرایا۔

"میں یہ دلائل اپنے پچھلے تجربات کی بناء پر پیش کر رہا ہوں۔ ہمیں بارہا ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑا ہے.... کئی کیس ہماری یادداشت میں ایسے محفوظ ہیں جن سے متعلق رکھنے والے انتہائی مظلوم آدمی ہی اصل مجرم ثابت ہوئے۔"

"اور حمید صاحب ایسے مظلوم آدمی بھی آپ کی یادداشت میں یقینی طور پر محفوظ ہوں گے جو آپ کے مظالم کے بھی شکار ہوئے تھے اور نتیجہ وہی ٹائیں ٹائیں فش یعنی مجرم کوئی دوسرا ہی تھا۔ بعض اوقات تو ایسا ہی ہوا ہے کہ مجرم کوئی قطعی بے تعلق آدمی ثابت ہوا تھا جس پر پہلے ہماری نظر ہی نہیں پڑی تھی۔"

"اب تو قاسم ہی کے انداز میں کہنے کو جی چاہتا ہے کہ ٹھینگے سے۔" حمید جھلا گیا۔

"میں تو آج رات کو نیاگرا میں بیلے دیکھوں گا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس نے حمید کی منتخب کی ہوئی تصاویر سمیٹیں اور انہیں ایک چرمی تھیلے میں چند کاغذات سمیت رکھ کر تھیلے کو سیل کرنے لگا۔

"یہ تصاویر بلیک فورس کے لئے ہیں.... یا محکمے کے آدمیوں کے لئے۔" حمید نے پوچھا۔

"تم جانتے ہی ہو کہ ایسے عجلت کے کام میری بلیک فورس ہی سرانجام دیتی ہے۔"

اس کے بعد پھر ان میں کسی قسم کی گفتگو نہیں ہوئی۔ آفس کا وقت دیر ہوئی ختم ہو چکا تھا اور

آفیسروں میں ان کے علاوہ صرف رات کی ڈیوٹی والے ہی اس عمارت میں نظر آرہے تھے۔

حمید کو تنہا گھر آنا پڑا کیونکہ فریدی اسے بتائے بغیر کہیں اور چلا گیا تھا۔

گھر پہنچ کر اس نے کافی پی اور ایک صوفے میں ڈھیر ہو گیا۔ نیند پوری نہ ہونے کی بناء پر طبیعت کسلمند تھی۔ اس لئے اس نے کہیں باہر جانے کا ارادہ قطعی ترک کر دیا۔

آج سردی بھی گذشتہ دنوں کی نسبت کچھ زیادہ ہی تھی۔ اس لئے تھکن کے عالم میں "لحاف" سے زیادہ کسی دوسری عیاشی میں کوئی چارم نظر نہ آیا۔ مگر کھانے سے پہلے وہ اس عیاشی سے دور ہی رہنا چاہتا تھا۔ ورنہ شاید دوسرے ہی دن کھانا نصیب ہوتا، پتہ نہیں کیوں آج کل اس کی بھوک بھی قاسم ہی کی طرح کچھ "خُل" سی گئی تھی۔

ساڑھے سات بجے اس نے رات کا کھانا تنہا کھایا۔ کیونکہ فریدی ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔

آٹھ بجے تک وہ کافی اور پائپ سے شغل کرتا رہا اس کے بعد خواب گاہ کا رخ کرنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ یک بیک فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے جھلا کر ریسیور اٹھالیا۔ فریدی کے علاوہ اور کون ہوگا۔ اس نے سوچا اور ابھی نادر شاہی حکم ملے گا کہ فلاں جگہ پہنچ جاؤ.... گاڑی ٹھیک نہ ہو تو دم ہی کے بل پھدکتے چلے آؤ۔ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن کال ریسیو کرتے ہی جان میں جان آئی کیونکہ دوسری طرف سے قاسم کی آواز آئی تھی۔

"ابے .... بھاگو....!" وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "جلدی آؤ.... ہجاروں آگئے ہیں ہجاروں ٹھائیں ٹھائیں اور دھائیں دھوئیں ہو رہی.... ابے جلدی.... سالے سور حمید بھائی ابے تم لوغوں نے مجھے برباد کر دیا۔"

وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہا تھا۔

"کیا ہے.... کون آگئے ہیں.... آہستہ بولو کیا بات ہے۔"

"ابے وہی لمبے تڑنگے.... مس اُلو کی پٹھی کے آشیق.... جلدی آؤ سالے سور ورنہ میں اپنے گولی مار لوں گا.... پھر اس گلہری کی بچی کو بھی مار ڈالوں گا جس کی وجہ سے یہ سالی مس ڈھو.... اس کی تو ایسی کی تیسی.... ارے باپ رے حمید بھائی کھدا کے لئے جلد آؤ.... ارے.... ہجاروں ہیں۔"

"ویسے ہی جیسا آدمی پچھلی رات تمہاری کمپاؤنڈ میں مرا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"ابے ہاں ہاں.... بل قل وہی.... مس ڈھوقہتی ہے سالی کو سب ڈاکٹر دوبے ہیں۔ میں کہتا ہوں ڈاکٹر ٹھینگے ہیں.... ایسی کمینی اور جھوٹی عورت میں نے آج تک نہیں دیکھی.... سب سالے ڈاکٹر دوبے قسے ہو سکتے ہیں۔"

"اچھا.... اچھا میں فوراً آرہا ہوں.... کیا کمپاؤنڈ میں روشنی ہے۔"

"ہے.... بہت تیز روشنی....!"

حمید سمجھ گیا کہ فریدی کے آدمی اب بھی کوٹھی کی نگرانی کرتے رہے ہیں۔ اس وقت بھی انہوں نے سرچ لائٹس استعمال کی ہوں گی اور ان پر فائر بھی کر رہے ہوں گے کیونکہ قاسم کی ٹھائیں ٹھوئیں اور دھائیں دھوئیں کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ ان پر فائر بھی ہو رہے ہیں اور ہوا کے ان کی کھوپڑیاں بھی اڑا رہے ہیں۔

"اچھا تم سارے دروازے بند رکھو۔" اس نے ماؤتھ پیس میں کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔ اب وہ ان مقامات کے نمبر ڈائیل کرنے لگا جہاں سے کسی جگہ فریدی کی موجودگی کی اطلاع مل سکتی تھی۔

بہزار دقت ایک جگہ خود فریدی فون پر مل ہی گیا۔ حمید نے اسے قاسم کے بتائے ہوئے واقعہ سے مطلع کیا اور سلسلہ منقطع کر کے گیراج کی طرف بھاگا۔ ریوالور اس کی جیب ہی میں موجود تھا۔ کیونکہ آفس سے واپسی پر اس نے اب تک لباس نہیں تبدیل کیا تھا۔

بڑی جلدی میں اس نے اپنی کار گیراج سے نکالی اور قاسم کی کوٹھی کی طرف چل پڑا۔ لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ جلد از جلد وہاں پہنچ ہی جاتا۔ یہ شہر کی رونق کا وقت تھا۔ سڑکوں پر ٹریفک کی بھیڑ بھاڑ تھی۔ جگہ جگہ خود کار سگنل راستہ روکے کھڑے نظر آئے۔ بہر حال وہ آدھے گھنٹے سے پہلے قاسم کے گھر تک نہ پہنچ سکا۔

لیکن یہاں تو اب سناٹا تھا ویسے لاتعداد سرخ ٹوپیاں کمپاؤنڈ میں نظر آرہی تھیں اور تین سرچ لائٹس کے علاوہ کمپاؤنڈ کے بلب بھی روشن تھے۔

متعدد لاشیں.... حمید پہلی نظر میں شمار نہ کر سکا۔ پھر جیسے ہی وہ کمپاؤنڈ میں داخل ہوا فریدی پر نظر پڑی جو بے سر کی لاشوں کے درمیان کھڑا ایس۔ پی سٹی سے گفتگو کر رہا تھا۔

پھاٹک کے باہر شائد پورا علاقہ امنڈ آیا ہوتا اگر پولیس نے پٹرول کاروں میں لگے ہوئے لاؤڈ سپیکروں کے ذریعہ سارے علاقے میں کرفیو کے نفاذ کا اعلان نہ کر دیا ہوتا۔ حمید کو ایک لاش بھی

ایسی نہ دکھائی دی جس کے شانوں پر سر موجود ہوتا۔ لباس وہی تھا، جو پچھلے دنوں وہ دوسری لاشوں پر دیکھ چکا تھا۔ حمید کا سر چکرا کر رہ گیا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ وہ یہاں کیوں آیا ہے۔

فریدی نے اسے دیکھا اور اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

اس نے اسے ہدایت دی کہ وہ اندر جائے اور مس ڈھو کے کمرے میں موجود رہے، لیکن وقت اتنی لاشیں دیکھ کر حمید بوکھلا گیا تھا اس لئے وہ بے چوں وچرا کوٹھی کی طرف مڑ گیا۔

اور پھر دوسری صبح اسے پچھلی رات کے سارے واقعات کسی بھیانک خواب کی طرح یاد آرہے تھے۔ وہ مس ڈھو کے کمرے میں تھا اور اس کی بگڑی ہوئی حالت اس کی نظروں میں تھی۔ اس کے علاوہ کمرے میں ایک نرس اور ایک ڈاکٹر بھی تھا۔ قاسم اور اس کی بیوی سے تو ملاقات ہی نہیں ہوئی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ خود انہوں نے اس سے ملنا پسند نہ کیا ہو۔ پھر رات ہی کو مس ڈھو فریدی کی کوٹھی میں لائی گئی تھی اور حمید نے گھر پہنچ کر اس کے چہرے پر بحالی دیکھی تھی۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے اب اسے کسی بات کا خوف نہ رہ گیا ہو۔ مگر حمید اسے کینہ توز نظروں سے دیکھ رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کس بلا کی اداکاری کرتی ہے۔ قاسم کی کوٹھی میں تو ایسا لگ رہا تھا جیسے صرف چند گھنٹوں کی مہمان ہو۔ لیکن اب.... سوچنا پڑتا ہے کہ اسے ہوا کیا تھا۔

دو بجے دن تک وہ بور ہوتا رہا کیونکہ آج فریدی اسے مس ڈھو کی نگہداشت کے لئے گھر پر چھوڑ گیا تھا۔ تاکید تھی کہ مس ڈھو کو تنہا نہ چھوڑا جائے۔ ویسے حمید ابھی تک اس کا اندازہ نہیں کر سکا تھا کہ فریدی کا رویہ اس عورت کے ساتھ حقیقتاً ہمدردانہ ہے یا وہ سب کچھ مصلحت کے تحت ہو رہا ہے.... کبھی کبھی خیال ضرور گذرتا تھا کہ فریدی اپنے ہمدردانہ برتاؤ میں مخلص نہیں ہے.... بلکہ اس نے بعض شبہات کی بناء پر اسے ابھار رکھا ہے۔"

دو بجے فون کی گھنٹی بجی.... دوسری طرف سے فریدی بول رہا تھا۔ اس نے حمید کو اطلاع دی کہ وہ آدمی مل گیا ہے جس کی انہیں تلاش تھی۔

"اس کا نام صولت مرزا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور وہ ہوٹل ڈی فرانس کے کمرہ نمبر ستائیس میں مقیم ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اسے چیک کرو۔ اپنی شخصیت چھپانے کی ضرورت نہیں۔"

"مگر پھر.... ان محترمہ کی چوکیداری کون کرے گا۔" حمید نے جھلنے کے سے انداز میں

پوچھا تھا۔

"فکر مت کرو.... اُن چاروں افغان ہاؤنڈ کو کمپاؤنڈ میں کھلا چھوڑ کر چلے جاؤ جو ہمیشہ بندھے رہتے ہیں۔ مگر پھاٹک کھلا نہ رہنے پائے ورنہ وہ سارا شہر الٹ پلٹ کر رکھ دیں گے۔"

"کیا اس صولت مرزا کو حراست میں لے لوں۔"

"نہیں.... تم صرف مس ڈھو کے بارے میں اس سے پوچھ گچھ کرو گے۔ اسے تم یہ بتا سکتے ہو کہ مس ڈھو نے اس کے خلاف رپورٹ درج کرائی ہے کہ وہ اس سے خائف ہے۔"

گفتگو یہیں ختم ہو گئی تھی اور حمید سارے انتظامات مکمل کر کے ہوٹل ڈی فرانس کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے کمرہ نمبر ستائیس کے دروازے پر دستک دی۔

دروازہ کھلا اور اس کے سامنے وہی آدمی موجود تھا جس کی تصویر منقار نے بنائی تھی۔ وہ یقیناً ایک وجیہہ اور دلکش آدمی تھا۔ اس میں صنفِ مقابل کیلئے یقینی طور پر بڑی سکس اپیل رہی ہو گی۔

"فرمایئے جناب....!" اس کا لہجہ بے حد شریفانہ تھا اور آواز نرم تھی۔

حمید نے سوچا کہ وہ کسی بُرے آدمی کا ایجنٹ تو ہو سکتا ہے لیکن خود بُرا نہیں ہو سکتا۔

اس نے اپنا تعارفی کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا اس نے اس پر نظر ڈالی اور حیرت سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا جناب کہ مجھے پولیس سے کیا سروکار ہو سکتا ہے۔"

"کیا آپ اندر چل کر بیٹھیں گے نہیں۔" حمید مسکرایا۔

"اوہ.... معاف کیجئے گا۔ میں اکثر خالی الذہن ہو جاتا ہوں۔" اس نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

حمید نے کمرے میں داخل ہو کر ایک کرسی سنبھال لی۔ اس کا رویہ کسی رنگروٹ آفیسر کا سا تھا.... اس نے دیدہ و دانستہ اس قسم کا رویہ اختیار کیا تھا۔

"ہاں.... تو فرمایئے.... جناب.... مجھے اس الجھن سے نجات دلایئے۔ میں ذرا ڈرپوک قسم کا آدمی ہوں.... بچپن ہی سے پولیس میرے لئے ہوا رہی ہے۔" اس نے میز کے ایک کونے سے ٹکتے ہوئے کہا۔

"میں ایک عورت کی شکایت پر یہاں آیا ہوں۔" حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے

کہا۔ "اس کا کہنا ہے کہ آپ اسے پریشان کر رہے ہیں۔"

صولت مرزا نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔ پھر یک بیک غصیلے لہجے میں بولا۔ "آپ تشریف لے جائیں ورنہ پولیس کو فون کرتا ہوں۔ کیا آپ مجھے بالکل احمق سمجھتے ہیں۔ آپ جعلی پولیس آفیسر ہیں۔ میں آئے دن ایسے ٹھگوں کے متعلق اخبارات میں پڑھتا رہتا ہوں۔ آپ مجھ سے ایک پائی بھی نہیں وصول کر سکتے۔ اگر ہاتھاپائی کا ارادہ ہو تو اس سے بھی پیچھے نہیں ہٹوں گا۔"

"میں مس ڈھو کے متعلق گفتگو کر رہا ہوں۔ کہئے تو کسی باوردی آفیسر کو بھی طلب کر لوں۔"

"مس ڈھو۔" صولت مرزا کا لہجہ پھر نرم پڑ گیا۔ لیکن اس بار اس میں استعجاب بھی شامل تھا۔ وہ چند لمحے متفکرانہ انداز میں حمید کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ "مگر مس ڈھو کو مجھ سے کیا شکایت ہو سکتی ہے جس کے لئے اسے پولیس کی مدد حاصل کرنی پڑے۔"

"اسے شکایت ہے کہ آپ اس سے شادی کرنے پر مصر ہیں۔"

"میرے خدا....!" اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "کیا یہ بھی کوئی جرم ہے یعنی کہ شادی کی درخواست کرنا.... کہیں میں حیرت کی زیادتی کی وجہ سے پاگل نہ ہو جاؤں جناب۔"

"وہ ایک بوڑھی اور انتہائی درجہ بدشکل عورت ہے مرزا صاحب! آپ اس کے مقابلے میں بہت کم عمر ہیں گو آپ کی آنکھیں کسی معمر آدمی کی آنکھوں کی سی گہرائی رکھتی ہیں لیکن مس ڈھو اور آپ میں زمین و آسمان کے فرق سے بھی کچھ زیادہ فرق ہے۔"

"یہ میرا قطعی نجی معاملہ ہے جناب۔ دنیا کی کسی بھی عدالت میں میرا مقدمہ پیش کیجئے اگر مجھے ایک دن کی بھی سزا مل سکی تو میں جج سے استدعا کروں گا کہ وہ مجھے پھانسی پر لٹکا دے۔ غضب خدا کا اب شادی کی درخواست کرنا بھی جرم قرار پا گیا ہے۔"

"واقعی یہ کوئی ایسی بات نہ تھی جس کے لئے حمید دوڑا آیا۔ اس کی عقل چکرا کر رہ گئی۔ لیکن اس نے جلد ہی سنبھالا لے کر کہا۔ "ایسی بے جوڑ ٹیم آج تک میری نظروں سے نہیں گذری۔"

"معاف کیجئے گا آپ حد سے بڑھ رہے ہیں کیپٹن.... دنیا میں کوئی بھی مجھے اپنی پسند پر ٹوکنے کا حق نہیں رکھتا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے میرے دوست۔ مگر اس شادی کا انجام کیا ہوگا۔" حمید کو خواہ مخواہ مذاق کی سوجھی۔

"خدا کے لئے بس خاموش رہئے۔ آپ مجھے چڑچڑا بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میری

بات خراب نہ کیجئے۔ میں دائمی خوش دلی کا قائل ہوں۔" صولت مرزا نے بے بسی سے ہنستے ہوئے کہا۔

"مرزا صاحب آپ واقعی انتہائی حیرت انگیز آدمی ہیں۔ دل چاہتا ہے کہ آپ کو دوست بناؤں۔"

"چلئے بن گیا دوست....!" صولت مرزا نے ہنس کر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ ان کا مصافحہ گرم جوش اور طویل تھا۔

"اب ہم دوستانہ فضا میں گفتگو کریں گے۔" حمید نے کہا۔ "یہ حقیقت ہے کہ مس ڈھو آپ سے خائف ہے۔ میں نہیں جانتا کیوں؟ اسے تو خوش ہونا چاہئے کہ ایک دی بونئر قسم کا آدمی اس پر عاشق ہو گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ جوانی میں بھی اسے کسی نے نہ پوچھا ہوگا۔"

"کیا وہ سچ مچ خائف ہے کیپٹن....!" صولت مرزا نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"ہاں دوست! اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں یہاں کیوں نظر آتا اور پھر آپ کو ڈھونڈھ نکالنا آسان کام بھی تو نہیں تھا۔ وہ اتنی ہی خوفزدہ ہے کہ ہمیں تشویش ہوئی اور ہم اتنی دردسری مول لینے پر آمادہ ہو سکے۔"

صولت مرزا خاموش ہو گیا اس کا چہرہ تو سپاٹ تھا۔ لیکن آنکھوں سے الجھن کا اظہار ہو رہا تھا۔ پتہ نہیں کیوں خدوخال آنکھوں سے ہم آہنگ نہیں معلوم ہوتے تھے۔

"شاید میں کسی مصیبت میں پھنسنے والا ہوں۔" وہ کچھ دیر بعد آہستہ سے بڑبڑایا اور حمید کے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔

"کیوں؟ کیا بات ہے۔"

"میں کہتا ہوں! آخر وہ خائف کیوں ہے۔ اب مجھے بھی سوچنا پڑا ہے۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں کہ اسے تو خوش ہونا چاہئے۔"

"مگر آپ مصیبت میں کیوں پھنسنے والے ہیں۔"

وہ پھر خاموش ہو گیا۔ حمید اس کی آنکھوں میں ذہنی کشمکش کی جھلکیاں دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اب یہ آدمی کوئی ایسی بات اگلنے والا ہے جو صحیح معنوں میں اس کے نظریات کی تائید کرے گی۔

اس نے تھوڑی دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "ہم دوست ہو چکے ہیں نا کیپٹن....!"

"اس میں کسی شبہے کی گنجائش نہ ہونی چاہئے۔" حمید نے بے حد خلوص کا اظہار کیا۔

"میں حقیقتاً مصیبت میں پڑ گیا ہوں آج سے چھ ماہ پہلے میں ایک شاطر چور اور گرہ کٹ تو مجھے اپنی گرفتاری کی کبھی فکر نہیں ہوئی تھی۔ میں بے خوف ہو کر کام کرتا تھا۔ لیکن آج میرا دل کانپ رہا ہے۔ میں کبھی گرفتار نہیں ہوا۔ لیکن آج ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے میں کسی بہت بڑے جرم میں ماخوذ کیا جانے والا ہوں۔ جس کے سامنے چوری اور گرہ کٹی کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔"

"دل کا بوجھ ہلکا کر ڈالو.... دوست.... میں تمہیں دوست کہہ چکا ہوں۔ بہر حال میں خیال رکھوں گا۔" حمید نے بڑی گرم جوشی سے کہا۔

وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "آج سے چھ ماہ پہلے کی بات ہے کہ میں تیز گام کے ایک ایئر کنڈیشنڈ کمپارٹمنٹ میں سفر کر رہا تھا۔ اس سفر کی وجہ ایک مالدار آدمی بنا تھا جس کے پاس بڑے نوٹوں کی کئی موٹی موٹی گڈیاں تھیں۔ کمپارٹمنٹ میں صرف ہم دو ہی آدمی تھے۔ سفر لمبا تھا۔ ہمیں یہیں آنا تھا۔ اس لئے ہم ایک دوسرے سے بے تکلف ہو گئے اور پھر مجھے تو بے تکلف ہو جانے میں ملکہ حاصل ہے۔ لیکن رات کو میں نے اس کے سوٹ کیس پر ہاتھ صاف کر دیا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ گہری نیند سو رہا ہے۔ جیسے ہی میں گڈیاں سمیٹ کر مڑا میرا سر ہوا میں اڑ گیا۔ کیونکہ وہ تھوڑے ہی فاصلے پر ریوالور تانے کھڑا تھا اور اس کے ہونٹوں پر ایک سفاک سی مسکراہٹ تھی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں نوٹوں کی گڈیاں سوٹ کیس میں رکھ کر وہاں سے ہٹ جاؤں۔ میں صرف چور تھا کپتان صاحب دھول دھپے سے گھبراتا تھا۔ میں نے چپ چاپ اس کے حکم کی تعمیل کی۔ اب اس نے مجھے اپنی جگہ بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ میں نے پھر تعمیل ہی کرنے میں عافیت سمجھی۔ وہ ریوالور کا رخ میری طرف کئے ہوئے سوٹ کیس کی طرف گیا اور اس میں سے دو گڈیاں نکال کر میری طرف اچھال دیں اور بولا انہیں رکھو۔ تمہیں روپیوں کی ضرورت ہے۔ میں بوکھلا گیا کیپٹن کیا یہ حیرت انگیز واقعہ نہیں تھا۔ غرضیکہ اس نے کچھ اس انداز میں اصرار کیا کہ مجھے دو پانچ ہزار روپے رکھنے ہی پڑے۔ بڑی رقم ہوتی ہے جناب۔ پھر اس نے معاملہ کی گفتگو شروع کر دی۔ وہ مجھے دو ہزار ماہوار پر ملازم رکھنا چاہتا تھا۔ میں تیار ہو گیا۔ کیونکہ کام کی نوعیت بتانے کے علاوہ اور کچھ نہیں تھی۔ مجھے ہوٹل ڈی فرانس میں قیام کرنا تھا اور کہا گیا تھا کہ کام کے وقت کام بتا دیا جائے گا۔ پانچ ماہ تک میں صرف عیش کرتا رہا۔ پھر مجھ سے کہا گیا کہ میں مس ڈھو سے عشق کروں اور شادی کی خواہش ظاہر کروں۔ مس ڈھو کو میں نے دیکھا اور میری روح لرز

لیکن دو ہزار روپیوں کا خیال تھا اور کرنا بھی تھا محض عیش۔ آپ مجھے صرف سو روپے دیجئے کسی بھینس سے عشق شروع کر دوں گا۔"

وہ ہنسنے لگا۔ حمید بھی اس جملے پر مسکرایا تھا۔ مگر اس کے اضطراب کا کیا پوچھنا جبکہ خود اس کا ایک نظریہ بار آور ہوتا نظر آ رہا تھا۔

"وہ کون تھا.... نام اور پتہ بتاؤ۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ اسی شہر میں رہتا ہے۔ لیکن میرا دعویٰ ہے کہ اس نے کبھی اپنا نام اور مجھے صحیح نہیں بتایا۔ صرف سر نیم سے واقف ہوں۔ وہ خود کو چنگیزی کہتا ہے۔ تنخواہ دینے کے فون پر کسی جگہ کا تعین کرتا ہے اور تنخواہ مجھے مل جاتی ہے۔ وہ خود ہی آتا ہے جب مجھے روپے جاتے ہیں تو پھر میں کیوں اس چکر میں پڑوں کہ وہ کون ہے اور کہاں رہتا ہے۔ ویسے یہ اس کی ممکی بھی ہے کہ اگر کبھی میرے متعلق چھان کرنے کی کوشش کی اور مجھے معلوم ہو گیا تو اس زمت کو ختم سمجھنا۔ تنخواہ بند ہو جائے گی پھر بتائیے.... مجھے کیا پڑی ہے کہ اپنے پیروں پر ہاڑی ماروں.... شہزادوں کی طرح عیش کر رہا ہوں۔ قدرتی بات ہے نا کیپٹن.... یا میں غلط کہہ ہا ہوں اور پھر ابھی تک اس نے مجھ سے کوئی غیر قانونی کام بھی نہیں لیا.... ایک بوڑھی اور صورت عورت سے عشق.... ارے میں اس کی دادی سے بھی عشق کر سکتا ہوں۔ بشرطیکہ وہ ہزار میں کچھ اور اضافہ کرنے پر تیار ہو جائے۔ مگر اب میں الجھن میں ہوں، وہ ڈرتی کیوں ہے! نی خائف کیوں ہے کہ پولیس کی مدد حاصل کرنے کے لئے دوڑی گئی۔ یقیناً یہ کوئی بڑا چکر ہے.... اور اخیر میں مجھے ہی پھانسی ہو جائے گی۔ وہ تو پردے میں ہے میں اسے کہاں ڈھونڈتا پھروں گا۔"

یک بیک صولت مرزا بہت زیادہ خوفزدہ نظر آنے لگا۔

"وہ ایک دبلا پتلا بوڑھا آدمی ہے۔" صولت مرزا نے تھوڑی دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "صحت عمر کے لحاظ سے بہت اچھی ہے۔ سر بالکل شفاف ہے۔ آنکھیں چھوٹی اور اندر کو دھنسی ہوئی ہیں۔ مگر ان میں وہ دھندلاہٹ نہیں ملتی جو معمر آدمی کی آنکھوں میں نظر آتی ہے۔"

حمید کو ایسا معلوم ہونے لگا جیسے اس کے ذہن میں کسی موٹر سائیکل کا انجن کھل گیا ہو۔ یہ نظریہ سو فیصدی سر جوزف کا تھا۔ اس کا اضطراب بڑھ گیا اور اس نے اپنے جوش پر قابو پانے کی

کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔ "اب وہ تمہیں کب اور کہاں ملے گا۔"

"فی الحال تو کوئی پروگرام نہیں ہے۔ لیکن وہ غیر متوقع طور پر ہی فون کرتا ہے۔ اگر کوئی پروگرام بنا تو .... میں آپ کو ضرور مطلع کروں گا.... خدارا مجھے اس جنجال سے نجات دلایئے.... میں اپنے جرائم کی سزا بھگتنے کو تیار ہوں.... لیکن حبس دوام.... خدا کی پناہ۔"

"تم فکر مت کرو۔ یہاں اب چار آدمی ہر وقت تمہاری نگرانی کریں گے۔ اگر تم نے ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کی تو نتیجہ کی ذمہ داری خود تم پر ہوگی۔ ہم پولیس والے بہت جلد کسی بات پر یقین کر لینے کے عادی نہیں ہوتے۔ جب تک کہ میں اس آدمی کو حقیقتاً نہ پکڑ لوں تمہاری طرف سے مطمئن نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ایسی کہانیاں تو ہم دن رات سنتے رہتے ہیں۔"

"آپ مجھے ثابت قدم پائیں گے جناب۔ چار نہیں چار ہزار آدمیوں سے نگرانی کرایئے۔"

حمید نے اُسے گھر اور آفس کے فون نمبر لکھوائے اور نیچے ڈائننگ ہال میں آیا یہاں سے اپنے چار ماتحتوں کو فون کئے جنہیں صولت مرزا کی نگرانی کرنی تھی اور اس وقت تک وہیں ٹھہرا رہا جب تک کہ ان چاروں نے وہاں پہنچ کر اپنی اپنی پوزیشن نہیں لے لی۔

اور اب وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی کے قول کے مطابق اب یہ کیس خود اسی کا ثابت ہونے والا ہے۔ کیونکہ سر جوزف والے نظریہ سے فریدی متفق تو ضرور تھا لیکن اُسے محض مفروضہ قرار دیتا تھا۔

چراغ

"ہمیں کتنی دور جانا ہوگا مسٹر صولت مرزا...." فریدی نے پوچھا۔

"دیکھئے....!" صولت مرزا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اس جگہ اس نے مجھے پہلی بار طلب کیا ہے۔ بس نشان چراغ ہے.... پیپل کے درخت کے پاس ہی کہیں نہ کہیں روشنی نظر آئے گی۔ روشنی نظر آنے کے ٹھیک آدھے گھنٹے بعد وہ وہاں پہنچے گا۔"

"اس علاقے میں شاید کوئی بہت بڑا پیپل کا درخت ہے.... اسی کے ساتھ پختہ کنواں بھی ہے.... کیوں؟" فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہاں شاید ہے تو...." حمید نے جواب دیا۔

"مگر مسٹر صولت مرزا.... اگر وہ آدمی بہت زیادہ محتاط نکلا تو کیا ہوگا۔ مثلاً ہو سکتا ہے کہ"

آپ کی نگرانی بھی کرا رہا ہو۔ اگر وہ کسی بڑے چکر میں ہوا تو یقین رکھئے کہ اس نے آپ پر بالکل ہی اعتماد نہ کر لیا ہوگا۔"

"پھر بتایئے میں کیا کروں۔ میں چاہتا ہوں کہ جلد از جلد یہ مسئلہ صاف ہو جائے۔ میں زیادہ پیچیدگی الجھنوں میں رہنے کی سکت نہیں رکھتا۔"

"ہوں.... اوں.... سوچنا پڑے گا.... اچھا....!" فریدی نے متفکرانہ انداز میں کہا اور گھڑی کی طرف دیکھ کر بولا۔ "ابھی تو کافی وقت ہے۔"

پھر اس نے ایک سگار سلگایا اور کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ اس وقت رات کے سات بج رہے تھے۔

پچھلے دن سے اس وقت تک حمید نے صولت مرزا کی نگرانی کرائی تھی اور آج شام کو چار بجے صولت مرزا نے اسے فون پر اطلاع دی تھی کہ آج ہی پروگرام بن گیا ہے۔ اس لئے وہ چھ بجے تک ہوٹل ڈی فرانس پہنچ جائے.... لہٰذا آج حمید اکیلے نہیں آیا تھا۔ اس کے ساتھ فریدی بھی تھا۔

فریدی نے صولت مرزا کے متعلق حمید کی رپورٹ سن کر اتنا کہا تھا۔ "چلو میرا نظریہ غلط ثابت ہو گیا۔ مگر مجھے اس کا غم نہیں ہے کیونکہ یہ کیس میں پہلے ہی تمہارے سپرد کر چکا تھا۔"

حمید نے اس خبر پر بغلیں تو کیا بجائی تھیں البتہ سر ضرور پیٹا تھا یہ سوچ کر اب اگر اسی طرح کیس سپرد کرنے کا سلسلہ ہی چل پڑا تو کیا ہوگا۔ وہ تو کہیں کا نہ رہے گا۔

مس ڈھو آج بھی نارمل رہی تھی اور کوئی خاص واقعہ بھی پیش نہ آیا تھا۔

اب اس وقت صولت مرزا اور وہ دونوں بیٹھے سوچ رہے تھے کہ مجرم پر کس طرح ہاتھ ڈالا جائے۔

تھوڑی دیر بعد فریدی نے کہا۔ "میری دانست میں اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں رہ جاتی مسٹر صولت مرزا کہ ہم ہی رسک لیں۔ میں دراصل مجرم کو موقع ہی پر پکڑنا چاہتا ہوں۔ ورنہ وہ تو میری جیب میں رکھا ہوا ہے۔ اگر اس وقت وہ ہاتھ نہ آیا تو کل میں خود ہی اسے پکڑ کر آپ کے سامنے لاؤں گا اور آپ اسے شناخت کریں گے۔"

"تو پھر آپ یہی کیوں نہیں کرتے۔" صولت مرزا نے خوش ہو کر کہا۔ "خواہ مخواہ خطرات میں پڑنے سے کیا فائدہ.... وہ مجھے بے حد خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"میں تو اسے آپ سے گفتگو کرتے ہوئے پکڑنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہہ کر سگار کا ایک طویل کش لیا اور پھر اسے ایش ٹرے میں رگڑتا ہوا بولا۔ "اب اٹھنا چاہئے۔"

وہ دونوں بھی کھڑے ہو گئے اور فریدی نے کہا۔ "تو پھر ہم لوگ لینڈ کسٹمز پورٹ تک گاڑی سے چلیں اور گاڑی وہیں چھوڑ دی جائے۔ وہاں سے پیدل چلنا ہی مناسب ہوگا۔ مسٹر مرزا کیا خیال ہے۔ اس طرح ہمیں اس کا بھی اندازہ ہو سکے گا کہ ہمارا تعاقب تو نہیں کیا جا رہا۔"

"بہت مناسب تجویز ہے جناب۔" صولت مرزا پھر خوش ہو گیا۔ اس کی آنکھوں سے فکر مندی کے بادل چھٹ گئے تھے۔

لینڈ کسٹمز پوسٹ تک وہ لوگ جیپ سے آئے اور فریدی نے جیپ پوسٹ کے احاطے میں کھڑی کر دی۔ یہاں کے سارے ہی چوکیدار کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کو بخوبی پہچانتے تھے اس لئے جیپ وہاں چھوڑی جا سکتی تھی۔

اس عمارت کے بعد پھر دور دور تک کسی عمارت کا پتہ نہیں تھا۔ سڑک کے دونوں جانب جنگل بکھرے ہوئے تھے۔ تقریباً نصف میل پیدل چلنے کے وہ بائیں جانب ایک پگڈنڈی پر اتر گئے۔

"مجھے یقین ہے جناب۔" دفعتاً صولت مرزا بولا۔ "کہ ہمارا تعاقب نہیں کیا جا رہا۔"

"ہاں مجھے بھی اطمینان ہو گیا ہے۔" فریدی نے جواب دیا اور پھر وہ خاموشی سے راستہ طے کرنے لگے۔ بالآخر وہ اس جگہ پہنچ ہی گئے جہاں ایک پرانا اور پختہ کنواں بھی تھا اور پیپل کا ایک جڑ دھاری اور کہن سال درخت بھی۔

"اوہ.... میرے خدا میں تو اس اندھیرے میں سمتوں کا تعین نہیں کر سکتا۔ اس نے کہا تھا کہ وہاں پہنچ کر شمال کی جانب نظر رکھی جائے۔ ادھر ہی کہیں روشنی نظر آئے گی اور روشنی نظر آنے کے ٹھیک آدھے گھنٹے بعد مجھے وہیں پہنچ جانا چاہئے جہاں روشنی نظر آئے۔" صولت مرزا نے ایک ہی سانس میں کہہ ڈالا۔

"یہ رہا شمال۔" فریدی نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر ایک جانب سر گھما دیا اور صولت مرزا خوفزدہ سے انداز میں ہنسنے لگا۔ سردی مزاج پوچھ رہی تھی۔ فریدی اور حمید نے سیاحوں کا سا اونی اور چرمی لباس پہن رکھا تھا۔ لیکن صولت مرزا معمولی سے سوٹ ہی میں تھا۔

تھوڑی دیر بعد سچ مچ انہیں شمال میں کچھ فاصلے پر ہلکی سی روشنی نظر آئی جو حمید کی دانست

زمین کی سطح سے زیادہ اونچی نہیں تھی۔

"اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔" صولت مرزا بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"آدھے گھنٹے بعد وہاں پہنچ جائیے گا.... اور ہم تو اب چلے۔" فریدی نے کہا۔

"ک.... کہاں...." صولت مرزا ہکلایا۔ لیکن فریدی کوئی جواب دیئے بغیر حمید کو اندھیرے میں ایک جانب کھینچتا لیتا چلا گیا۔

شاید پندرہ منٹ تک وہ اندھیرے میں بھٹکتے رہے۔ حمید کو اب وہ روشنی بھی نہیں نظر آ رہی تھی۔ ایک جگہ فریدی نے اسے زمین پر سینے کے بل لیٹ جانے کو کہا اور حمید نے بُرا سا منہ بنائے تعمیل کی۔ یہاں غنیمت یہی تھی کہ جھاڑیاں نہیں تھیں، نسبتاً صاف ستھری زمین تھی ورنہ سانپوں کے خوف سے حمید کی گھگھی بندھ جاتی۔ اندھیرے میں سانپ کا خوف اس کی ایک بہت بڑی کمزوری تھی اور وہ بچپن سے اب تک اس سے پیچھا نہیں چھڑا سکا تھا۔

اب وہ سینے کے بل کھسکتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ دفعتاً وہ روشنی حمید کو پھر نظر آئی جو زیادہ دور نہیں تھی۔ معمولی سی جدوجہد اس تک پہنچا سکتی تھی۔ یہ روشنی ایک دائرے کی شکل میں نظر آ رہی تھی۔ حمید کو تو ایسا لگا تھا جیسے کسی گڑھے میں چراغ روشن ہو۔ اس نے گھڑی کے اندھیرے میں چمکنے والے ڈائیل پر نظریں جما دیں۔ وہ بیس منٹ کے اندر اندر اس روشنی تک پہنچ گئے تھے۔

حقیقتاً ایک چھوٹے سے گڑھے ہی میں چراغ روشن تھا! وہ گڑھے کے قریب پہنچ گئے تھے۔ روشنی کی لو.... ایک نلکی سے نکل رہی تھی اور وہ کاربائیڈ کا چراغ معلوم ہوتا تھا لیکن اس سے خارج ہونے والی بو ناخوشگوار تھی۔ حمید کا سر چکرانے لگا۔

"یہ بدبو کیسی ہے...." اس نے آہستہ سے کہا اور فریدی کی طرف دیکھا۔

مگر فریدی.... وہ کہاں تھا۔ حمید بوکھلا کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ مگر اس معمولی سی روشنی کے علاوہ میں تو وہ کہیں نہ دکھائی دیا۔ حمید نے اٹھنا چاہا.... لیکن سارا جسم کانپ کر رہ گیا.... سر شدت سے چکرایا تھا.... پھر پتہ نہیں کیا ہوا کہ اسے ہوش ہی نہ رہ گیا.... اندھیرے میں گرنے کا احساس بھی تحلیل ہو کر رہ گیا تھا۔

اور جب ہوش آیا تو.... بقول حاتم طائی نہ وہ صحرا تھا اور نہ وہ چراغ زیر زمین بلکہ یہاں تو چھت سے الٹے لٹک رہے تھے۔ اس لئے چراغوں تلے اجالا بھی تھا جو کم از کم حاتم طائی کے

زمانے میں تو کسی طرح بھی ممکن نہ ہوتا۔

ہاں تو وہ ایک روشن کمرے میں چت پڑا ہوا تھا اور فریدی گھٹنوں کے بل بیٹھا نظر آیا۔ پوزیشن میں کہ اس کے دونوں ہاتھ اوپر اٹھے ہوئے تھے۔ ذرا اور گردن گھمائی تو دیکھا کہ صولت مرزا ایک ریوالور سنبھالے کھڑا مسکرا رہا ہے۔ ریوالور کا رخ فریدی کے سینے کی طرف تھا۔ صولت مرزا کے پیچھے دو آدمی مؤدب کھڑے تھے۔ یہ سفید فام تھے لیکن صورت ہی سے خطرناک معلوم ہو رہے تھے۔ حمید بھی اٹھ بیٹھا۔

"تم بھی اسی پوزیشن میں آجاؤ دوست....!" صولت مرزا نے نرم لہجے میں کہا۔

"تو تم نے دھوکا دیا۔" حمید دانت پیس کر بولا۔

"کیوں برخوردار....!" فریدی نے تلخ سی ہنسی کے ساتھ کہا۔ "میں نہ کہتا تھا کہ تمہارا نظریہ غلط ہے! سر جوزف جیسے بدھو عاشق اتنے ذہین نہیں ہو سکتے۔ دیکھو! میرا نظریہ ہی بار آور ہوا ہے۔"

"تمہارا نظریہ کیا تھا کرنل فریدی۔" اس بار بھی صولت کا لہجہ نرم ہی تھا۔

"یہی کہ ڈاکٹر دوبے زندہ ہے اور وہ خود ہی اتنی موتوں کا ذمہ دار ہے۔ کیا میں اتنی عقل نہیں رکھتا کہ دھماکے ان کی کھوپڑیاں کیوں اڑا دیتے تھے۔"

"اگر زندہ ہے تو بتاؤ وہ کہاں ہے۔" صولت مرزا مسکرایا۔ "اس دوران میں تو نہ جانے کتنی بار ڈاکٹر دوبے پیدا ہوئے اور فنا ہو گئے۔"

"ڈاکٹر دوبے.... میرے سامنے موجود ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کا ریوالور ہمیں آسانی سے دیکھنے دے گا۔"

"خوب....!" صولت مرزا مسکرایا۔ "کیا ڈاکٹر دوبے اتنا ہی حسین تھا۔"

"گھٹیا بات ڈاکٹر دوبے۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "کوئی اور تذکرہ چھیڑو ایسی گھٹیا قسم کی سنسنی خیزیاں میرے لئے کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔"

"کیا مطلب....!"

"تمہارا موجودہ حسن پلاسٹک سرجری کا نتیجہ ہے.... ذرا اپنے بھدے ہاتھ پیر اور بے ڈھب جسم بھی دیکھو۔"

"خاموش....!" دفعتاً صولت مرزا گرجا۔ "میں انہیں بھدے اور بدشکل ہاتھوں سے تجھے کمزور دوبے بنا کر مرنے کے لئے شہر میں چھوڑ دوں گا۔"

فریدی نے قہقہہ لگایا اور بولا۔ "تم اپنی بدصورتی کے تذکرے پر بپھر جاتے ہو۔ ہونا آخر کمزور دوبے۔"

"ہاں.... میں ساری دنیا کو تباہ کرنے کا منصوبہ تیار کر چکا ہوں۔ میں ایک ہفتے میں تمہیں دیو بنا سکتا ہوں۔ تمہارے چہرے پر عمل جراحی کر کے تمہیں دنیا کا بدصورت ترین آدمی بنا سکتا ہوں۔ تم بہت دلکش ہو.... عورتیں تمہارے پیچھے دوڑتی ہوں گی۔ میں تمہارا چہرہ ضرور تباہ کر دوں گا۔"

"تم ایسے ہی درندے ہو! میں جانتا ہوں۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "مگر تم نے مس ڈھو کو کیوں چھیڑا تھا۔ اسی کی وجہ سے تم بالآخر روشنی میں آگئے۔"

"وہ.... وہ.... میں اسے چاہتا ہوں۔ کبھی اس پر اتنا غصہ آیا تھا کہ اسے زندہ جلا دینے سے گریز نہیں کیا تھا۔ لیکن یہاں واپس آنے پر جب مجھے معلوم ہوا کہ وہ زندہ ہے تو میں بے چین ہو گیا کیونکہ مجھے اپنی زندگی میں وہ پہلی مخلص عورت ملی تھی۔ اسے مجھ سے خلوص تھا لیکن میری بدصورتی سے متنفر تھی۔ حالانکہ خود بھی بدصورت تھی۔ وہ مجھے بحیثیت شوہر نہیں پسند کر سکتی تھی۔ میں نے اسے اپنی دانست میں زندہ جلا دیا۔ لیکن پھر اس کی یاد میں برسوں رویا ہوں۔ پہلے وہ مجھ سے اس لئے بھاگی تھی کہ میں بدصورت تھا اب اس لئے خائف ہو گئی کہ میں بہت خوبصورت ہوں.... میرے خدا میں کیا کروں.... میں کیا کروں.... یہ کتنی بڑی بدنصیبی ہے.... میں دنیا کے سارے چہرے تباہ کر دوں گا.... میں قدرت سے انتقام لے رہا ہوں سمجھے۔ دنیا کے ایک ایک خوبصورت کو ڈاکٹر دوبے بنا دوں گا.... کرو مجھ سے نفرت.... مجھے حقیر.... سمجھو.... ایک دن تم مجھے سجدہ کرو گے.... ابن مقنع یاد ہے تمہیں یا نہیں۔ جس نے ماہ نخشب بنایا تھا۔ وہی لوگ جو اس کی بدصورتی کی وجہ سے اس سے نفرت کرتے تھے اسے سجدہ کرنے لگے تھے۔ اس نے اپنے چہرے پر نقاب ڈالی تھی اپنے پرستاروں سے کہا کرتا تھا کہ وہ اس کے حسن کی تاب نہ لا سکیں گے۔ اس لئے وہ انہیں اپنا چہرہ نہیں دکھاتا تھا.... ہاہا.... میں نے تم سب سے انتقام لینے کے لئے بڑی محنت کی ہے سمجھے اور تم مجھے ضرور سجدہ کرو گے.... میں یہاں سے بھاگ کر جرمنی گیا تھا.... وہاں میں نے

پلاسٹک سرجری میں کمال حاصل کیا۔ جس سے یہ فن سیکھا تھا اسی نے میرے چہرے پر
جراحی کر کے مجھے حسین بنایا۔ مجھے جرمنی کی شہریت دلوائی۔ میں نے جنگ میں نازیوں کی
خدمات انجام دیں اور ان کی شکست کے بعد بھی بُری حالت میں نہیں رہا۔ آج میں مغربی جر
کے بہت بڑے ڈاکٹروں میں شمار کیا جاتا ہوں۔ آج سے چھ ماہ پہلے میں ان ڈاکٹروں کے
یہاں آیا تھا جو مغربی جرمنی سے سرکاری طور پر یہاں طب یونانی اور آئیورویدک میں ریسر
کرنے آئے ہیں.... میں نے یہاں ایک خفیہ تجربہ گاہ بنا ڈالی کیونکہ یہاں سرجوزف جیسے
موجود تھے جن سے مجھے انتقام لینا تھا۔ سالہا سال بعد ایک بار پھر میں نے حیوانات کی جسامت
بڑھانے والے تجربات شروع کر دیئے۔ سڑکوں سے اپاہج فقیر اٹھائے اور انہیں دیو بنا دیا۔ پلاسٹک
سرجری کے ذریعہ انہیں ڈاکٹر بنایا.... اور ڈاکٹر دوبے کو اذیتیں دینے والے سور کا مکھ لگے
سرجوزف جیسے لوگوں کا انجام بڑا بھیانک ہوگا کرنل فریدی.... میں انہیں ان کے ہی ہاتھوں زہر
پینے پر مجبور کر دوں گا.... میں مس ڈھو کو چاہتا بھی ہوں اور اس لئے بھی اسے حاصل کرنا چاہتا
تھا کہ وہ میرے اس حیرت انگیز تجربے سے واقف تھی، لہٰذا یہ ضروری تھا کہ ان دیوؤں کو منظر
عام پر لانے سے پہلے اسے قابو میں کر لوں۔ میں چاہتا تو اسے قتل بھی کر سکتا تھا۔ مگر میں
اسے پسند نہیں کیا۔ میں نے چاہا تھا کہ وہ دم دلاسے سے میرے قابو میں آجائے گی اور یہ جانے
بغیر کہ میں ڈاکٹر دوبے ہی ہوں اپنی زبان بند رکھے۔ مگر جب وہ تمہارے پاس دوڑی گئی تو مجھے
غصہ آگیا۔ ویسا ہی غصہ جیسا ایک بار پہلے بھی اس پر آچکا ہے۔ جس کے نتیجے میں خود مجھے
جل مرنا پڑا تھا۔ بہرحال غصے کا انجام یہ ہوا کہ میرے دیو قبل از وقت ہی منظر عام پر آگئے جس
اب افسوس ہے۔"

"مگر وہ جو ایک آدھ جلی لاش برآمد ہوئی تھی۔" حمید نے اسے ٹوکا۔

"وہ میری تجربہ گاہ کا ایک آدمی تھا جس پر میں جانوروں کے بعد تجربہ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔"

"کیوں.... میں نے کیا کہا تھا۔" فریدی حمید کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"مگر کرنل تم اس طرح مطمئن نظر آرہے ہو جیسے میں تمہیں معاف کر دوں گا۔" ڈاکٹر نے
طنزیہ لہجے میں کہا۔

"تم اس کی پرواہ مت کرو۔ تمہاری کہانی بہت دلچسپ ہے۔ مگر تمہارا جرمن نام کیا ہے۔"

"میں نے اپنے لئے روسی نام پسند کیا تھا۔ مایو کونوف.... اور اسی نام سے یہاں بھی آیا
ہوں۔ یہ دونوں جرمن میرے بہترین رفیق اور راز دار ہیں یہ ابھی تم دونوں کو دو انجکشن دیں
گے جن کے اثر سے تم یہ محسوس کرو گے جیسے تمہارے جسم میں جان ہی نہ رہ گئی ہو۔ تم زندہ رہو
گے لیکن اپنے جسم کو جنبش دینے کے لئے ترسو گے۔ لیکن ساتھ ہی تم یہ بھی بھولتے جاؤ گے کہ
تم کرنل فریدی یا کیپٹن حمید ہو۔ اس کے بعد میں پلاسٹک سرجری کے ذریعہ تمہارا چہرہ بدل کر
تمہیں ڈاکٹر دوبے بنا دوں گا اور تم میرے اشاروں پر ناچنے لگو گے۔ میں تمہیں حکم دوں گا کہ
فلاں جگہ جاؤ فلاں کو ڈراؤ.... جب لوگوں میں گھر جاؤ اور پکڑ لئے جانے کا ڈر ہو تو اپنا سر زمین پر
دے مارو.... تم اس کے خلاف نہیں کرو گے.... پھر زمین پر سر دے مارنے کا انجام تو تم دیکھ ہی
چکے ہو.... ان پر گولی چلنے کے انجام سے بھی ناواقف نہیں ہو۔ دھماکے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ
سر غائب ہو جائے اور کسی کو یہ نہ معلوم ہو سکے کہ وہ پلاسٹک سرجری کا کمال تھا.... کیا سمجھے۔"

فریدی نے پھر حمید کی طرف دیکھا۔ لیکن وہ دم بخود تھا۔

"مگر ڈاکٹر.... وہ برقی رو کیسی تھی، جو ریوالور کی گولی کا رخ بھی پھیر دیتی تھی۔"

"اسے ابھی ہم کوئی نام نہیں دے سکے۔ اس قوت کا استعمال ابھی ابتدائی تجرباتی دور میں
ہے۔ میں نے اس سے یہ کام لے ڈالا۔ اس کی طرف جتنی قوت سے کوئی چیز پھینکی جاتی ہے وہ
اسے اتنی قوت سے واپس کر دیتی ہے۔ میں نے اسی رد عمل سے کام لیا ہے۔ رد عمل کے اثرات
ایک چھوٹے سے محدود طاقت والے بم تک پہنچتے ہیں اور اسے پھاڑ کر صرف کھوپڑی کا صفایا
کر دیتے ہیں۔ برقی قوت پیدا کرنے والی مشین اور بم ایک ہی ڈھانچے میں فٹ ہوتے ہیں اور وہ
چھوٹا سا ڈھانچہ بڑے بالوں والی ٹوپی کے اندر ہوتا ہے کیا سمجھے.... کرنل.... جرمنی ایک بار پھر
جنگ کے میدان میں آئے گا اور اس جنگ میں میرے دیوؤں اور اس حیرت انگیز برقی قوت سے
کام لیا جائے گا.... کیا سمجھے۔"

یہ دونوں کچھ نہ بولے.... ڈاکٹر دوبے نے اپنے دونوں ساتھیوں سے جرمن میں کچھ کہا اور
دونوں آگے بڑھے۔ ایک کے ہاتھ میں دو انجکٹ کرنے کی سرنجیں تھیں اور دوسرا خالی ہاتھ تھا۔
سرنج والا حمید کی طرف متوجہ ہوا ہی تھا کہ فریدی نے دوسرے آدمی پر چھلانگ لگائی.... ساتھ
ہی ایک فائر ہوا اور ایک چیخ بلند ہوئی۔ لیکن یہ چیخ ڈاکٹر کے جرمن ساتھی کی تھی۔

حمید نے دوسرے کو ڈھال بنانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ خطرناک ثابت ہوا۔ اس نے سر پر تو پھینک دی اور حمید سے لپٹ پڑا۔ دوسری طرف ایک فائر پھٹ ہوا۔ اب حمید نے دیکھا کہ فریدی ڈاکٹر دوبے سے گتھا ہوا ہے اور کوشش کر رہا ہے کہ ریوالور اس کے ہاتھ سے چھین لے۔

ادھر ڈاکٹر کا ساتھی اسے رگڑے ڈال رہا تھا.... قصہ دراصل یہ تھا کہ حمید نے ہوش میں آنے کے بعد سے اب تک بے تحاشہ کمزوری محسوس کی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ یہ چراغ سے خارج ہونے والی نشیلی گیس ہی کا اثر رہا ہو۔ بہر حال حریف سے لپٹ پڑنے کا فعل قطعی اضطراری تھا جس کے لئے وہ اب بھگت ہی رہا تھا۔

اچانک ایک فائر پھر ہوا.... اس بار چیخ بڑی کریہہ تھی.... حمید بوکھلا گیا۔ کیونکہ اس کی پشت ان دونوں کی طرف تھی اور وہ آواز نہیں پہچان سکا تھا۔ وہ دیکھنے کے لئے مڑا ہی تھا کہ اس کے طاقت ور حریف نے اسے سر سے اونچا اٹھا لیا.... پھر دوسرے ہی لمحے میں وہ فریدی کے بازوؤں میں تھا۔ اگر فریدی بروقت ہوشیار نہ ہو گیا ہوتا تو حمید کی ہڈیاں پسلیاں ایک ہو جاتیں۔ وہ اسے ایک طرف ڈال کر جرمن پر ٹوٹ پڑا۔ حمید اٹھا اور دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ ڈاکٹر دوبے کی لاش ابھی پھڑک ہی رہی تھی۔ وہ اس طرح ہاتھ پھیلا پھیلا کر نیچے سکوڑ رہا تھا جیسے فرش کو نوچ ڈالنا چاہتا ہو۔

اب وہ تیسری چیخ سن کر پھر فریدی کی طرف متوجہ ہوا جو حریف کے سینے پر سوار اس کی گردن دبا رہا تھا.... اس طویل چیخ کے بعد کمرے کی فضا پر بوجھل سا سکوت طاری ہو گیا۔ بیہوش جرمن کا سینہ کسی چمڑے کی دھونکنی کی طرح پھول پچک رہا تھا اور وہ دونوں تو کبھی کے ختم ہو چکے تھے۔

فریدی خاموش کھڑا ڈاکٹر کی لاش کو گھور تا رہا۔

"مجھے اس کے انجام پر بے حد افسوس ہے حمید۔" اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ "آدمی کی حیوانیت ہی اس انجام کا باعث بنی ہے۔ کاش اسے پاگل نہ بنایا گیا ہوتا۔ اس سے نوع انسانی کی درخشاں مستقبل وابستہ تھا۔ لیکن آدمی نے خود ہی اپنا مستقبل تاریک کر لیا۔ اوہ.... حمید دیکھو تو.... کیا یہ دنیا کا بہترین دماغ نہیں تھا۔ اگر یہ پاگل نہ ہو گیا ہوتا تو.... آدمی کی مشکلیں آسان کرنے کے لئے کتنی راہیں نکالتا.. لوگ اس سے محض اس لئے نفرت کرتے رہے کہ یہ بدصورت تھا.... چلو نفرت کر لیتے مگر کیا اس کا اظہار کرنا ضروری تھا.... اور پھر تمہیں کب حق پہنچتا ہے

خدا کی بنائی ہوئی شکلوں سے نفرت ظاہر کرو۔ جب کہ تم ان سے بدترین بھی بنانے پر قادر ہیں ہو۔ آدمی نے خود ہی اپنی زندگی میں زہر بھرا ہے اور خود ہی تریاق کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ وہ خدا تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے لیکن اپنے پڑوسی تک بھی اس کی پہنچ نہیں ہے۔ پڑوسی سے اس لئے متنفر ہے کہ وہ بدشکل ہے۔ حسنِ ازل سے آنکھیں سینکنا چاہتا ہے.... لیکن وہ اندھا ہے.... اگر اسے بدصورتی ہی میں وہ جلوہ نہیں نظر آتا جس کی اسے تلاش ہے.... یا خدا.. . اسے ہی کو عقل دے.... انسانیت کا مستقبل محفوظ کر۔"

❁

دوسرے دن ماہرین نے تصدیق کر دی کہ صولت مرزا کا چہرہ پلاسٹک سرجری ہی کا کارنامہ تھا.... اس کے جرمن ساتھیوں میں سے جو زندہ بچا تھا اس نے خفیہ تجربہ گاہ کا پتہ بتایا لیکن وہاں سے مختلف قسم کی ادویات چھوٹے چھوٹے بموں اور باریک تاروں کے ذخیرہ کے علاوہ اور کچھ بھی برآمد ہو سکا۔ جن آدمیوں پر تجربات کئے گئے تھے.... انہیں پہلے ہی ختم کرا دیا گیا تھا۔

حمید کے استفسار پر فریدی نے بتایا کہ وہ پچھلی رات اس چراغ کے پاس سے اسی لئے کھسک گیا تھا کہ اسے اس کی بو خطرناک معلوم ہوئی تھی لیکن وہ پھر واپس ہوا تھا اور اسے بیہوش پا کر خود بھی سانس روک کر وہیں پڑ رہا تھا۔ اس طرح وہ بیہوش ہونے سے محفوظ رہ سکا تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد انہیں وہاں سے اٹھا کر ایک بند گاڑی میں ڈال دیا گیا تھا۔ یہاں چونکہ بیہوش ہونے کا خدشہ باقی نہیں رہا تھا اس لئے اس نے سانسیں بھی لینی شروع کر دی تھیں لیکن بیہوش تب بھی بنا رہا تھا۔ بہر حال سانس روکنے کا فن ہی آڑے آیا تھا، ورنہ شاید ڈاکٹر دوبے ہی کی اسکیم بار آور ہوتی اور وہ دونوں بحالت دیوانگی فنا ہو جاتے۔

فریدی نے یہ بھی بتایا کہ ڈاکٹر خود اپنی ہی گولی کا شکار ہوا تھا۔

مس ڈھوا اور سر جوزف آج بھی زندہ ہیں یہ اور بات ہے کہ مردوں سے بھی بدتر ہوں۔

قاسم نے پھر کبھی لیڈی سیکریٹری کی تمنا نہیں کی۔!

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 81

لڑاکوں کی بستی

(مکمل ناول)

پیشرس

موجودہ دور کی سب سے بڑی ٹریجڈی غالباً یہی ہے کہ مادی اعتبار سے ہت زیادہ ترقی کرنے کے باوجود بھی یہ دور مادی اعتبار سے بہت پیچھے اور پست ہے۔ بظاہر یہ جملے پہیلی معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن تھوڑے سے غور و فکر کے بعد مداقت سامنے آجاتی ہے۔

موجودہ دور اس لئے ترقی یافتہ ہے کہ انسان نے اپنی ضروریات کی تکمیل ا خاطر ہزاروں ذرائع تلاش کر لیے ہیں۔ مشینوں اور مصنوعات نے ہر طرح ے انسان کی ضرورت پوری کرنے کا بیڑہ اٹھالیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ٹیلی یژن سے لے کر اسپوٹنگ تک انسان کی ترقیوں کی کہانی پھیلی ہوئی ہے۔

لیکن یہ تصویر کا ایک ہی رخ ہے۔ ان سب ترقیوں کے باوجود انسان آج تک اپنی بنیادی ضروریات کے بارے میں خود کفیل نہیں ہو سکا ہے۔ غلہ کی رانی اور کپڑے کی قیمتوں کا زیادہ ہونا کسی ایک ملک میں نہیں بلکہ ساری دنیا میں ہے۔ عام لوگوں کی اقتصادی حالت گرتی جاتی ہے۔ لوگوں کے چہروں سے وہ بشاشت، خوش دلی اور اطمینان جیسے ہمیشہ کیلئے رخصت ہو گیا ہے جو انسانیت کا جزو سمجھا جاتا ہے۔

زندگی کا یہ عجیب و غریب تضاد موجودہ دور کی یقیناً ٹریجڈی ہے۔ چاند

تک پہنچنے کی بلندی کے باوجود یہ پستی انسان کی خود غرضی کی عبرت ناک کہانی ہے۔

یہ کہانی "لڑاکوں کی بستی" بہت ہی دلچسپ اور حیرت انگیز ہے۔ خصوصیت سے حمید کا رول بے حد شاندار ہے۔ قاسم اور بوشن کی فری اسٹائل کشتی غالباً بہت دنوں تک یاد گار رہے گی۔ ساتھ ہی ساتھ گریٹا کا کردار ابن صفی کے لازوال قلم کی اُن ادنیٰ سی جنبشوں کا مظہر ہے جو نفسیاتی گہرائیوں کی تشریح کرتا ہے اور آخر میں جو کسک اور رومانی دور وہ کردار چھوڑ جاتا ہے اُس کا تاثر یقیناً معرکے کی چیز ہے۔

پبلشر

طاقت کا سرمہ

روستمبا پہلوانوں کا شہر تھا۔ اگر اکبر آباد بگڑ کر آگرہ ہو سکتا ہے تو یہ کیسے ممکن تھا کہ رستم آباد بھی کثرت استعمال سے گھس کر "روستمبا" نہ رہ جاتا۔

لیکن اس کہانی کا تعلق شہر کے نام سے نہیں ہے۔ اگر اُس کا نام روستمبا نہ ہوتا تب بھی وہ پہلوانوں ہی کا شہر ہوتا کیونکہ یہاں پہلوان بکثرت پائے جاتے تھے اور سردیوں کا موسم جیسے ہماری بستیوں میں مشاعروں کی وبا لے آتا ہے اسی طرح وہاں موسم بہار سارا کا سارا اکھاڑوں کی نظر ہو جاتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ قدیم زمانے سے ہی وہاں پہلوانوں کی بہتات رہی ہو اور یہی چیز اُس شہر کی وجہ تسمیہ بنی ہو۔ بہر حال روستمبا کے نام کے ساتھ پہلوانوں اور اکھاڑوں کا تصور ذہن کی سطح پر ضرور ابھر آتا ہے۔

لیکن اب پرانے زمانے والی کشتیوں اور نرم مٹی کے اکھاڑوں کا رواج باقی نہیں رہا تھا۔ گدیلوں پر فری اسٹائل کشتیاں ہوتیں اور جدید ترین اکھاڑوں میں مکابازی کے مظاہرے ہوتے۔ موسم بہار میں روستمبا کی آبادی بہت بڑھ جاتی تھی اور پورا موسم بہار پہلوانوں کے میلے کا سینرن بن کر رہ جاتا تھا۔ اندرون ملک سے کشتی اور باکسنگ کے شوقین بہت بڑی تعداد میں آتے تھے اور روستمبا کے ہوٹلوں میں تل رکھنے کی بھی جگہ نہ رہتی تھی۔

شہر اس سینرن میں گوناگوں دلچسپیوں کا مرقع نظر آتا۔ سڑکوں اور فٹ پاتھوں پر ہجوم نظر آتے جن کے درمیان کوئی نجومی ہوتا، کوئی گشتی دوافروش نجومی اور گشتی دوافروش اس سینرن میں بڑا اچھی کمائی کر لیتے تھے کیونکہ دوافروش پہلوان بنانے کی دوائیں بیچتے تھے اور نجومی مقابلوں کا حصہ لینے والے پہلوانوں کی قسمت کا فیصلہ کرتے تھے۔

دوافروش جہاں بیٹھتے بڑا کاٹھ کباڑ پھیلا کر بیٹھتے۔ بڑے بڑے فریموں میں نامی پہلوانوں کی

تصویریں ہوتیں اور لاتعداد مٹی کی ہانڈیوں میں چھوٹے بڑے سانپ شیشے کے چھوٹے بڑے مرتبان جن میں نقرئی اور طلائی گولیاں بھری ہوتیں۔ پہلوانوں کی تصویریں ہانڈیوں کے سہارے اس انداز میں رکھی جاتیں جیسے اُن کی پہلوانی انہیں نقرئی اور طلائی گولیوں کی مرہون منت ہو۔

مگر آج کئی دنوں سے یہاں ایک ایسا دوافروش بھی دیکھا جارہا تھا جس کے پاس پہلوانوں کی تصاویر کے بجائے ایک دیو نما پہلوان تھا اور پہلوان کی شخصیت بجائے خود اشتہار تھی۔ یعنی دوا فروش کو مجمع اکٹھا کرنے کی ضرورت نہیں پیش آتی تھی۔ وہاں تو دکان جمانے کے وقت سے اختتام تک مجمع لگا ہی رہتا تھا۔

وہ اشتہاری پہلوان سچ مچ دیو ہی تھا۔ جب بھی گریٹا کی نظر اُس پر پڑتی ایک انجانا سا خوف اُس کے ذہن پر مسلط ہو جاتا۔

اور گریٹا تو اُسے ہر وقت دیکھ سکتی تھی۔ جب بھی چاہتی اپنے چھوٹے سے ہوٹل کے باورچی خانے کی کھڑکی میں آ کھڑی ہوتی۔ کھڑکی سے تھوڑے ہی فاصلے پر الیکٹرک پول کے قریب وہ دوا فروش مجمع لگاتا تھا۔

مگر دوافروش کی شخصیت بڑی جاذب توجہ اور دلکش تھی۔ نوجوان آدمی تھا۔ خدوخال دلکش تھے اور صحت بہت اچھی تھی۔ وہ کوئی دقیانوسی حکیم بھی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ بعض اوقات تو اُس کی پیشہ ورانہ بکواس سے علمیت بھی جھلکنے لگتی تھی۔ پیشہ ورانہ بکواس کچھ اس قسم کی ہوتی۔

"حضرات!

نہ میں کوئی اشتہاری حکیم ہوں نہ ڈاکٹر لیکن مجھے بچپن ہی سے جڑی بوٹیوں کا شوق رہا ہے۔ اب میں دنیا کے بڑے سے بڑے ماہر کو للکار سکتا ہوں۔ اُس سے پوچھ سکتا ہوں کہ اُسے جڑی بوٹیوں میں کیا ملا۔ کسی ایک چیز کا نام لے جو دنیا کی ساری جڑی بوٹیوں میں پائی جاتی ہو۔ ہے یہاں کوئی جو بتا سکے اُس جوہر کا نام جو آب حیات کا حکم رکھتا ہے۔ ایک چیز.... ایک چیز.... صرف ایک جوہر جو ساری جڑی بوٹیوں میں پایا جاتا ہے۔ میں بتاتا ہوں۔"

وہ مجمع کا چکر لگا کر پہلوان کی طرف رخ کرتا۔

"پہلوان....؟"

"ہاں.... اُستاد....!" اونگھتا ہوا پہلوان چونک کر کہتا۔

"کتنے طاقت ور ہو؟"

"ہوہا....!" وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر اور سینہ تان کر نعرہ لگاتا۔ "ٹکر ماروں تو پہاڑ...

...سالا بھس ہو جائے.... چیونٹی.... اررر.... اوغ ہاتھی تو مسل کر رکھ دوں۔" پھر وہ ...سے گریٹا کی کھڑکی کی طرف دیکھتا اور گریٹا سہم جاتی۔

"ثبوت....؟" دوافروش کہتا۔

"ٹھینگے پر ہے ثبوت....!" پہلوان جھلا کر دانت نکالتا۔

دوافروش مجمع کی طرف دیکھ کر ہنس دیتا اور کہتا۔ "پہلوان کو غصہ بھی جلد آجاتا ہے مگر یہ نہ ...ئے کہ یہ اُسی جوہر کا اثر ہے صرف ایک چیز کا جو ساری جڑی بوٹیوں میں پایا جاتا ہے جسم میں ...ی آتی ہے۔ جوش پیدا ہوتا ہے اور کبھی کبھی آدمی غصہ ور بھی ہو جاتا ہے۔ اچھا تو ...ئیے.... میں ثبوت پیش کرتا ہوں پہلوان کی طاقت کا۔"

وہ خاموش ہو جاتا اور پہلوان پھر سینہ تان کر کنکھیوں سے گریٹا کی کھڑکی کی طرف دیکھتا۔

دوافروش مجمع کی نگاہوں کا مرکز بنا ہوا لکڑی کے ایک صندوق سے ایک موٹی سی زنجیر نکالتا ...ے مجمع میں دکھاتا پھرتا۔

"یہ دیکھئے.... نہیں اچھی طرح کھینچ کھینچ کر دیکھئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ بعد میں اسے ...بتانے لگیں.... خوب کھینچ کھینچ کر دیکھئے.... نہیں بھئی.... یوں نہیں.... تین آدمی ایک ...کڑیں اور تین آدمی دوسرا سرا اور اچھی طرح اطمینان کر لیں۔"

مجمع سے چھ آدمی نکل کر حصار میں داخل ہوتے اور زنجیر پر زور ہونے لگتا پھر وہ تھک ہار کر ...دوافروش کے حوالے کر دیتے اور اپنی جگہوں پر واپس چلے جاتے۔

"حضرات....!" دوافروش پھر ہانک لگاتا۔ "قسم ہے اُس کی جس کے دادا کو سیمرغ نے ...پالا تھا۔"

"سیمرغ بکواس ہے۔" مجمع سے آواز آئی۔

"اچھا....!" دوافروش ہنس کر کہتا۔ "آپ اُسے قصہ کہانیوں کی بات سمجھتے ہیں۔ کیا یہاں ...یالوجی کا طالب علم موجود ہے۔ اگر ہے تو سامنے آئے۔ اوہ اچھا نہیں ہے خیر میں آپ کو بتاتا ...کل تک بے شک سیمرغ کہانیوں کی چیز تھی مگر آج کی دنیا اسے تسلیم کر چکی ہے کہ قدیم ...میں کئی کئی فرلانگ لمبی چھپکلیاں پائی جاتی تھیں جن کے ڈھانچے آج بھی زمین سے برآمد ...ہیں۔ اتنے بڑے بڑے پرندے پائے جاتے جو بیک وقت چار ہاتھیوں کو لے اڑیں۔ آج کل ...ممالک میں ٹیرو ڈیکٹیل کا بڑا چرچا ہو رہا ہے۔ یہ ایک ایسی ہی چڑیا ہوتی تھی جو سیمرغ کے ...پنجے پر پوری اترتی ہے۔"

"ارے.... مگر سیمرغ کا دودھ؟" مجمع سے کوئی اعتراض کرتا۔ "پرندے دودھ کب دیتے ہیں؟"

اس پر دوا فروش ایک حقارت آمیز قہقہہ لگا کر للکارتا۔ "کیا چمگادڑ چوپایہ ہے۔ کیا پرند انڈے دیتی ہے۔ بتائے کوئی مجھے بتائے؟"

گریٹا اس کی اس دلیل پر ہنس پڑی تھی اور مجمع پر سناٹا چھا گیا تھا اور دوا فروش نے ہنس کر کہا تھا۔ "اچھا بھائی! یہ سیمرغ نہ میرا کوئی لگتا ہے اور نہ آپ سے اُس کی کوئی رشتہ داری ہے۔ اس لئے یہ بات یہیں ختم کر دیجئے۔ ہاں تو دیکھئے اب اُس جوہر کا کمال دیکھئے۔"

وہ آگے بڑھ کر پہلوان کے جسم پر زنجیر لپیٹنے لگتا۔

اس کے بعد کچھ دور ہٹ کر کہتا۔ "پہلوان! ثبوت پیش کرو۔"

"غاں.... دیکھو....!" پہلوان ہنس کر کہتا اور سینے میں سانس بھر کر جسم پر لپٹی ہوئی زنجیر پر زور صرف کرنے لگتا۔ اس عالم میں کبھی کبھی اُس کے حلق سے عجیب عجیب قسم کی آوازیں نکلتیں اور پھر زنجیر کی کوئی ایک کڑی منہ پھیلا دیتی۔ کڑاکے کی آواز کے ساتھ ہی مجمع کی آنکھیں حیرت سے اُبل پڑتیں اور پہلوان دھاڑیں مارتا اور جھومتا ہوا دو چار قدم آگے بڑھ جاتا اور پھر تکھیوں سے گریٹا کی کھڑکی کی طرف دیکھ کر دانت نکال دیتا۔ مگر گریٹا کو آج تک اُس پر غصہ نہیں آیا تھا۔ وہ بھی جواباً مسکراتی ضرور تھی اور اُس کی طاقت پر عش عش کرتی رہ جاتی۔ اکثر سوچتی کہ آخر روستمبا جیسے شہر میں ایک دوا فروش کے ساتھ کیوں جھک مارتا پھر رہا ہے۔ یہاں تو اُسے سینکڑوں قدر داں ملیں گے۔ کئی فرمیں جو دنگل کراتی ہیں اُسے ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔ وہ سوچتی اور پھر دوا فروش کی آواز کی طرف متوجہ ہو جاتی۔ جو کہتا ہوتا۔ "ہاں تو حضرات یہ ہے میرا پہلوان جو دنیا کے بڑے سے بڑے پہلوان کو چیلنج کر سکتا ہے۔ یہ اُس جوہر کو استعمال کرتا ہے اور وہ جوہر.... اگر میں اُس کا نام لوں تو آپ حقارت سے منہ بنائیں گے۔ لہٰذا میں اُس کا نام آپ کو نہیں بتاؤں گا۔"

"نہیں نہیں ضرور بتاؤ۔" مجمع سے آوازیں آئیں۔

"آپ ہنسیں گے۔"

"نہیں.... نہیں.... نہیں بتاؤ۔"

"اچھا تو سنئے.... وہ ہے.... سرسوں....!"

مجمع ہنس پڑتا ہے اور دوا فروش دونوں ہاتھ اٹھا کر دھاڑتا۔ "بس خاموش۔ میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔"

"ارے بھائی۔ جڑی بوٹیوں میں سرسوں کہاں پائی جاتی ہے۔" کوئی کہتا۔

"عقل کا قصور ہے۔" دوا فروش کہتا۔ "سرسوں نہیں بلکہ سرسوں کا مخصوص جوہر دنیا کی ہر جڑی بوٹی میں پایا جاتا ہے اور وہی جوہر اُسے فائدہ مند بناتا ہے۔ اس لئے دنیا کی ہر بیماری کا واحد علاج صرف سرسوں کا تیل ہے۔ دیکھئے ذرا میرے پہلوان کی طرف دیکھئے۔ یہ سر میں سرسوں کے تیل کی مالش کرتا ہے اس لئے اس کے بال کبھی سفید نہ ہوں گے۔ یہ سرسوں کے تیل سے دانت صاف کرتا ہے اس لئے اس کے دانت کبھی نہ گریں گے۔ یہ تیل میں سلائی ڈبو کا آنکھوں میں لگاتا ہے اس لئے یہ کبھی اندھا نہیں ہو سکتا۔ یہ سرسوں کا تیل کھاتا ہے۔ سرسوں کا تیل پیتا ہے۔ پان میں چھالیا کے بجائے ثابت سرسوں ڈال کر چباتا ہے۔ سرسوں کے ساگ کی ترکاری کھاتا ہے۔ ہے کوئی جو کسی معاملے میں اس کا مقابلہ کر سکے۔"

وہ خاموش ہو کر لوگوں کا جائزہ لیتا۔ ان میں سے کچھ ہنستے ہوئے نظر آتے۔ کچھ کھسر پھسر کرتے دکھائی دیتے اور بعض اُسے ایسے انداز میں گھورتے جیسے اُسے پاگل سمجھتے ہوں۔

"ارے.... تو کیا سرسوں کا تیل بیچو گے؟" کوئی چیخ کر کہتا۔

اس پر دوا فروش بھی جی کھول کر ہنستا اور پھر للکار کر کہتا۔ "ہے کوئی مائی کا لال جو اس زمانے میں خالص سرسوں کا تیل لا کر دکھائے؟"

"پہلوان کو کہاں سے ملتا ہے؟" کوئی سوال کرتا۔

"یہی بتاؤں گا۔ لیکن تم سب ایک بار پھر ہنسو گے اور بڑی حقارت سے ہنسو گے۔ لیکن حقیقت سورج کی طرح روشن ہے۔ اُسے کون جھٹلا سکتا ہے۔ یہ دیکھو.... یہ کیا لکھتا ہے۔" وہ بلیک بورڈ کی طرف اشارہ کرتا جس پر "پہلوانی سرمہ" تحریر تھا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔" کوئی اُسے ٹوکتا۔

"یہی تو ساری بات ہے.... سنو! ناسمجھ انسان! سائنس نے بہت ترقی کر لی ہے۔ پہلے بادل کی طاقت سے ہوائی جہاز اڑتے تھے اب ایٹمی قوت انہیں اڑائے گی۔ ایٹم کیا ہے۔ ایک حقیر ذرہ.... اور میرا پہلوانی سرمہ.... بھائیو! اس سرمے میں سرسوں کی قوت موجود ہے۔ چالیس دن برابر آنکھوں میں لگاؤ اور گھوڑے کو پچھاڑ دو۔"

لوگ پھر ہنسنے لگتے اور وہ غصیلے لہجے میں کہتا۔ "جاؤ.... مجمع ختم.... یہ صرف قدر دانوں کے لئے ہے۔ چلتے پھرتے نظر آؤ۔ ابھی اندھے ہی رہو۔ کیونکہ سائنس کی قوت سے ناواقف ہو۔"

"مگر سرمہ لگانے سے جسم میں کیسے طاقت آسکتی ہے؟" کوئی پوچھتا۔

"یہی سائنٹیفک نکتہ تو تم سمجھ نہیں سکتے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ ہومیوپیتھی کی دوا کھانے سے آشوب

چشم کیسے رفع ہو جاتا ہے۔ بھلا بتاؤ دوا کھانے سے آنکھیں کیسے ٹھیک ہو جاتی ہیں۔ یہ سرمہ کا جل نہ آنجن۔ تم نہیں سمجھ سکتے۔ میرا سرمہ ہر مرض کی دوا بھی ہے۔ نزلہ، کھانسی، زکام، بخار، توندھی، پھولا، لکڑا، پیچش، بواسیر، درد کمر، درد گردہ وغیرہ وغیرہ اگر کسی کے سر میں درد ہوتا سامنے آئے۔ ایک ایک سلائی دونوں آنکھوں میں لگاؤں گا۔ اگر تین منٹ میں درد نہ جائے تو میں ہزار روپے یہیں گن دوں گا.... ہے کوئی.... باہر آئے۔"

اسی طرح روز ہی وہ مجمع لگا کر یکساں قسم کی تقریریں کیا کرتا تھا۔ مگر تھا بڑا چرب زبان۔ گریٹا نے کبھی یہ نہیں دیکھا تھا کہ کوئی مجمع سرمہ خریدے بغیر برخواست ہوا ہو۔ جب وہ کسی سر درد والے کو پکارتا تو مجمع سے اُسی کا کوئی ایجنٹ برآمد ہوتا اور اُس کی آنکھوں میں سرمے کی سلائیاں پھیری جاتیں اور وہ دو ہی منٹ بعد خوش ہو کر مجمع کو اطلاع دیتا کہ اُس کے سر کا درد کافور ہو چکا ہے۔ بس پھر دھڑا دھڑ سرمے کی شیشیاں فروخت ہونے لگتیں۔

آج بھی یہی ہو رہا تھا اور گریٹا کھڑکی میں کھڑی پہلوان کے کرتب دیکھ رہی تھی۔ اردو اُس کی مادری زبان نہیں تھی لیکن وہ مقامی باشندوں کی طرح اردو بول اور سمجھ سکتی تھی۔ وہ اینگلو برمیز تھی۔ اُس کا باپ شارٹی یہ ہوٹل چلا رہا تھا اور وہ باورچیوں کے ساتھ لگی رہتی تھی۔ شارٹی فطرتاً کنجوس آدمی تھا۔ اس لئے جب گاہک زیادہ ہوتے تھے تو گریٹا کو سروس بھی کرنی پڑتی تھی۔ کیونکہ اُن کے پاس صرف ایک ہی بیرا تھا۔ مگر باورچنیں دو تھیں۔ حالانکہ ایک سے بھی کام چل سکتا تھا۔ اس کی وجہ آج تک گریٹا کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔ وہ سست اور کاہل تھیں۔ اس لئے اُسے اُن کا بھی ہاتھ بٹانا پڑتا تھا۔

اس وقت بھی وہ اسی غرض سے یہاں آئی تھی اور کام سے نپٹنے کے بعد کھڑکی میں آکھڑی ہوئی تھی۔

دوا فروش کی تفریحی تقریر اُسے دلچسپ معلوم ہوئی تھی اور اکثر وہ بھی بے خیالی میں ہنس پڑا کرتی تھی۔ پھر اس وقت اُس کا ساتھی پہلوان بھی کسی قسم کی مسخرگی پر اُتر آیا تھا۔ لیکن گریٹا کا ذہن جلد ہی دوسری طرف منتقل ہو گیا اور یہ منتقلی خوشگوار نہیں تھی۔ کھڑکی کے قریب اُسے ایک ایسا آدمی نظر آیا جسے وہ متنفر ہو جانے کی حد تک ناپسند کرتی تھی۔ یہ ایک مقامی پیشہ ور پہلوان بوشن تھا۔ ہوٹل کے مستقل گاہکوں میں سے تھا اور محض گریٹا سے چھیڑ چھاڑ کرنے کے لئے دن میں ایک بار ضرور آیا کرتا تھا۔ وہ جب بھی گریٹا کو ہوٹل میں چھیڑتا اُس کے باپ کی بائیں آنکھ سے پانی بہنے لگتا اور وہ اُسے خشک کرنے کے بہانے اپنا منہ پھیر لیا کرتا تھا۔ شارٹی کی عمر ساٹھ

سے کم نہ رہی ہوگی۔ وہ پستہ قد اور منحنی سا آدمی تھا۔ چہرے پر بے شمار جھریاں تھیں جن کے درمیان کیچڑ اور نمی سے بھری ہوئی بائیں آنکھ بڑی قابل رحم نظر آتی تھی۔ بہر حال وہ مجسم بیچارگی کی تصویر تھا اور بوشن جیسے خطرناک آدمیوں سے اُس کی روح فنا ہوتی تھی۔

بوشن اس وقت گریٹا ہی کو دیکھ کر کھڑکی کے قریب آیا تھا۔

"ہلو.... تتلی....!" اُس کے بائیں آنکھ دبا کر کہا۔ "تم اس مسخرے کو کیا دیکھ رہی ہو۔ یہ تو نرا گوشت کا پہاڑ ہے۔" اُس کا اشارہ دوا فروش کے ساتھی پہلوان کی طرف تھا۔

"ہٹو.... سامنے سے۔" گریٹا کو غصہ آگیا۔ وہ اپنے باپ کی طرح بوشن سے خائف نہیں تھی۔

"ہاہا...." بوشن نے قہقہہ لگا کر اُس کا بازو پکڑ لیا۔ کھڑکی میں سلاخیں نہیں تھیں۔

"اوہ.... چھوڑو.... ذلیل.... یہ ہمت۔" وہ داہنے ہاتھ سے اُس کے ہاتھ پر گھونسے مارتی ہوئی چیخی اور بوشن نے اُس کا دوسرا ہاتھ بھی پکڑ لیا اور ہنستا رہا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں بوشن کو اُس کے ہاتھ چھوڑ دینے پڑے۔ دوا فروش کے پہلوان نے اُس کے شانے پر ہاتھ مارا تھا۔

"ابے.... یہ قیا ہو رہا ہے۔" اُس نے آنکھیں نکال کر بوشن سے پوچھا۔ بوشن کا ہاتھ گھوم کر اپنا۔ وہ قد میں دوا فروش کے پہلوان سے چھوٹا تھا۔ اس لئے اُس کا گھونسا اُس کے سینے پر پڑا۔ لیکن اُسے سچ مچ ایسا ہی معلوم ہوا جیسے وہ ہڈیاں اور گوشت کا پہاڑ ہی ہو۔ کیونکہ پہاڑ بھی تو نہیں ہلا کرتے اپنی جگہ سے۔ ویسے وہ بوشن کا ایسا ہاتھ تھا جس سے اُسکے مقابل ہمیشہ بچتے رہتے تھے۔

"ابے واہ....!" دیو نما پہلوان ہاتھ نچا کر بولا۔ "کیا لونڈیوں کی طرح ٹھسے بازی کر رہا ہے۔"

"ارے ہائیں ہائیں....!" دوا فروش ہاتھ ہلاتا ہوا اُن کے درمیان آگیا اور بوشن نے جھلاہٹ میں اُسی پر حملہ کر دیا۔ مگر دوا فروش بھی غضب کا پھرتیلا تھا۔ اُس نے اتنی تیزی سے پینترا بدلا کہ بوشن اپنے زور ہی میں فٹ پاتھ پر منہ کے بل گر پڑا۔

گریٹا کا قہقہہ دل کی گہرائیوں ہی سے نکلا تھا۔ بوشن پاگل ہو گیا۔ اب وہ پھر پہلوان پر حملہ آور ہوا تھا۔ پہلوان نے اُس کے دو تین گھونسے کھائے اور اسی طرح اپنی جگہ پر جما رہا۔ جیسے اُن گھونسوں نے اُس کا جسم ہی سہلایا ہو۔ پھر یک بیک اُس نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے اور اس زور کا دو ہتھڑ بوشن کے سر پر رسید کیا کہ اُس کی آنکھوں میں تارے ہی ناچ کر رہ گئے۔ وہ لڑکھڑایا اور دوا فروش نے اپنے پہلوان کو للکارا۔ "شاباش.... بایاں مار.... واہ۔"

"بائیں جبڑے پر ہاتھ پڑتے ہی بوشن ڈھیر ہو گیا۔ پھر نہ اٹھ سکا۔"

"گنتی گنو....!" پہلوان دوا فروش کی طرف ہاتھ اٹھا کر دہاڑا۔ "اٹھاؤ سالے کو۔ پرا اٹھا بناؤں

گا۔ معزز خواتین تو چھیڑتا ہے.... سالا۔"

"دوافروش بوشن پر جھک کر گنتی گننے لگا اور دفعتاً گریٹا چلائی۔ "اوہ بھاگو اندر آجاؤ۔ اُس کے گرگے آرہے ہیں۔ اندر آجاؤ.... چلو۔"

سودا

• بوشن کے آدمیوں نے ہوٹل کا صدر دروازہ پیٹنا شروع کر دیا تھا۔ پہلوان اور دوافروش کو گریٹا زبردستی اندر لے گئی تھی اور صدر دروازہ بند کر دیا تھا۔ جب دروازہ نہ کھلا تو اُن لوگوں نے دوافروش کے سامان ہی پر غصہ اتار کر رکھ دیا اور بوشن کو اٹھا لے گئے۔ ہو سکتا ہے کہ بوشن ہوش ہی میں رہا ہو لیکن شرمندگی کی وجہ سے آنکھیں نہ کھولی ہوں۔ وہ روستمبا کے نامور پہلوانوں میں سے تھا۔ باکسنگ میں کم ہی اس کے سامنے ٹھہر سکتے تھے۔

دوافروش اپنے پہلوان پر بگڑ رہا تھا۔

"ابے او رستم کے چچا۔ تم ٹھیکے دار ہو سارے زمانے کے۔ یہ تم نے کیا کیا؟"

"ٹھینگے سے۔" پہلوان بولا۔ "میں کسی سے قمر ور ہوں؟"

"واقعی میری وجہ سے تم لوگ زحمت میں پڑ گئے۔" گریٹا نے کہا۔ "پردیسی معلوم ہوتے ہو۔ یہ بُرا شہر ہے۔ بوشن سے یہاں سب ڈرتے ہیں۔ وہ غنڈہ بھی ہے۔"

"میں سالے کی ٹانگیں چیر دوں گا۔" پہلوان نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"نہیں! تم نہیں جانتے۔ شاید پہلی بار یہاں آئے ہو۔ کہاں ٹھہرے ہو۔"

"سرائے میں۔" دوافروش بولا۔

اتنے میں شارٹی لپکتا ہوا اُن کے قریب پہنچا اور گھونسہ ہلا کر بولا۔ "اب یہ ہوگا کہ ہم سب قتل کر دیئے جائیں گے۔ میرے ہوٹل کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے گی۔"

"ہونے دو۔ سب کچھ ہونے دو۔" گریٹا دانت پیس کر بولی۔ "کمزور ہونے کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ ہم اپنی عزت بیچ دیں۔"

"اور کیا۔" پہلوان آنکھیں نکال کر بولا۔ "میں دیکھوں گا سالے روستمبا کو۔"

دوافروش اس کا شانہ تھپکنے لگا اور بولا۔ "تم اپنی زبان کو قابو میں رکھو پیارے۔"

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور شارٹی اُدھر دوڑا چلا گیا۔

"یہ تمہارے باپ ہیں؟" دوافروش نے گریٹا سے پوچھا۔

"ہاں یہ میرے باپ ہیں۔ کاش یہ بھی پہلوان ہوتے۔"

"میں تمہارا باپ۔" پہلوان چھاتی ٹھونک کر بولا۔ پھر فوراً گڑبڑا گیا۔

"مم مطلب یہ کہ.... میں تمہارے باپ کی اُدھار.... ارے ہاں.... حفاظت.... اف کر سکتا ہوں۔"

شارٹی فون پر کسی سے گفتگو کر رہا تھا لیکن اُس کے لہجے میں خوشی کی قلقاریاں بھی شامل تھیں۔ گفتگو ختم کر کے وہ دوڑتا ہوا پھر اُن کی طرف آیا۔ اُس کے دانت نکلے پڑ رہے تھے۔

"دروازہ کھول دو۔" وہ ہانپتا ہوا بولا۔ "مسٹر ٹیوی کا فون تھا۔ وہ خود آرہے ہیں۔ اس پہلوان سے ملاقات کریں گے۔ انہوں نے کہا ہے کہ تمہارے ہوٹل میں کوئی قدم بھی نہیں رکھ سکتا جب میرے آدمی وہاں پہنچیں فوراً دروازہ کھلوا دینا۔ اب کوئی پرواہ نہیں ہے۔ اوہو! پہلوان اپنی خوش نصیبی پر رشک کرو۔ ٹیوی صاحب تم سے ملنے آرہے ہیں۔ اب تم سڑکوں پر ٹھوکریں نہیں کھاتے پھرو گے۔ وہ پہلوانوں کے قدرداں ہیں۔ اُن کی فرم میں کئی نامی پہلوان ملازم ہیں۔"

"اَے.... بوڑھے....!" دفعتاً دوافروش آنکھیں نکال کر بولا۔ "کیا میں فاقے کروں گا۔"

"اَے.... تو م چوپ راؤ۔" پہلوان ہاتھ ہلا کر بولا۔ وہ غالباً گریٹا کو مرعوب کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم دنیا کو دھوکا دیتے ہو۔" شارٹی نے کہا۔

"اے تمہیں کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ اس قسم کی باتیں کرو۔" دوافروش جھلا کر بولا۔

"پاپا.... تم جاؤ اپنا کام دیکھو۔" گریٹا بولی۔ پھر اس نے دوافروش سے کہا۔ "معاف کرنا بوڑھے آدمی ہیں۔ اکثر بہک جاتے ہیں۔ یہاں اس دنیا میں کون ہے جو کسی نہ کسی طرح دوسروں کو دھوکا نہیں دیتا۔ بیٹھ جاؤ۔ میں تم لوگوں کے لئے کچھ کھانے پینے کو لاؤں۔"

وہ چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد صدر دروازے پر دستک ہوئی اور شارٹی دروازے کی طرف لپکا لیکن دروازہ کھلتے ہی اُس کے منہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ کیونکہ وہ ٹیوی یا اس کے آدمی نہیں تھے، پولیس تھی۔

"یہاں کیا ہنگامہ ہو رہا ہے۔" انسپکٹر غرایا۔

"لک.... کچھ نہیں.... جج.... جناب والا۔" شارٹی ہکلایا۔

"سرمے والا کہاں ہے؟"

"اندر.... اندر جناب۔"

"ہٹو.... راستہ دو....!"

انسپکٹر کے پیچھے دو کانسٹیبل بھی تھے۔ وہ ہوٹل میں داخل ہوئے اور دوا فروش اچھل پڑا۔

"ہوں بدمعاش۔" انسپکٹر سر ہلا کر بولا۔ "وہیں ٹھہرو۔ تم لوگ یہاں ہنگامہ برپا کرتے ہو؟"

"نہیں سرکار۔" دوا فروش بولا۔ "بوشن نے میرے پہلوان کو گالیاں دی تھیں۔"

"جہنم میں جھونکو بوشن کو۔ تم نے کیسی چار سو بیس پھیلا رکھی ہے۔ طاقت کا سرمہ بیچتے ہو۔ نہ معجون نہ گولیاں۔ سرمہ.... دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہو۔"

"نہیں سرکار.... سرمہ۔" دوا فروش ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "جی ہاں میں طاقت کا سرمہ بیچتا ہوں۔ مجھے پھانسی پر چڑھا دیجئے لیکن میری سائنس کی توہین نہ کیجئے۔ آپ سرمہ کہتے ہیں میں تو عنقریب ایک ایسا منجن بھی پیش کرنے والا ہوں جو ہر مرض کی دوا ثابت ہو۔"

"مجھ سے بھی چرب زبانی کرتا ہے۔" انسپکٹر دھاڑا۔

"میں ثابت کر سکتا ہوں انسپکٹر صاحب صرف منجن دانتوں میں ملئے۔ درد سر غائب۔ بدہضمی کافور۔ بخار ختم۔"

"کیا بکواس ہے۔" انسپکٹر غصیلے انداز میں مسکرایا۔

"میں اپنی تھیوری رکھتا ہوں سرکار۔"

"اخاہ.... افلاطون ہیں آپ۔ اسی لئے سڑکیں ناپتے پھر رہے ہیں۔"

"یہ میری بدنصیبی ہے۔ انگلینڈ یا امریکہ میں پیدا ہوا ہوتا تو قدر بھی ہوتی۔"

"اور.... قیا....!" پہلوان سر ہلا کر بولا۔

"تم نے بوشن کو مارا کیوں تھا؟" انسپکٹر اُس پر الٹ پڑا۔

"ان سے پوچھو....!" اُس نے دوا فروش کی طرف اشارہ کیا۔

اتنے میں گریٹا کافی کی ٹرے لائی اور انسپکٹر اُسے دیکھ کر مسکرانے لگا۔ گریٹا نے اُسے خوش آمدید کہی تھی۔

اُس نے ٹرے میز پر رکھ دی اور باور چن کو آواز دے کر مزید تین کپ لانے کو کہا۔

"ارے نہیں۔ اس کی تکلیف نہ کرو۔" انسپکٹر مسکرایا۔

اتنی دیر میں دوا فروش نے ایک کڑکڑاتا ہوا بڑا نوٹ لفافے میں رکھ لیا تھا۔ لب لگا کر لفافے کو بند کیا اور وہ لفافہ انسپکٹر کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔

"منجن اور سرمے کا فارمولا۔"

انسپکٹر نے لفافہ لے کر جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تمہارا مجمع بہت ہ جاتا ہے ایسا کرو کہ وہ سڑک کے نیچے ہی رہا کرے۔"

"اب ایسا ہی ہوگا سرکار۔"

"مگر تم نے بوشن کو کیوں مارا تھا؟" انسپکٹر نے پہلوان سے پوچھا۔

"ارے.... یہ۔" دوا فروش بول پڑا۔ "اس کے پاس فارمولے نہیں ہیں۔ یہ تو خود ہی ے لئے پرابلم بنا ہوا ہے سرکار۔"

"دیکھئے...." گریٹا بولی۔ "بوشن نے مجھ سے بدتمیزی کی تھی اس پر انہوں نے اُسے روکا۔ ں وہ لڑ پڑا۔"

"ارے مار ڈالا ہوتا سالے کو۔ تم سے بدتمیزی کی تھی؟" انسپکٹر آنکھیں نکال کر بولا۔

"جی ہاں۔"

"بہت اچھا کیا۔ مگر بوشن کی بڑی کرکری ہوئی ہے۔ لوگ اُس پر ہنس رہے ہیں۔ وہ ان ونوں کے خون کا پیاسا ہو گیا ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ اب تم دونوں فی الحال باہر مت نکلنا۔"

ٹھیک اُسی وقت ایک لمبا تڑنگا خوشرو آدمی ہوٹل میں داخل ہوا۔ اُس کی مونچھیں باریک ئی ہوئی تھیں اور سوٹ بے داغ تھا۔ انگلیوں میں وزنی اور قیمتی انگوٹھیاں نظر آ رہی تھیں۔

ارٹی اس کی طرف لپکتا ہوا بولا۔ "اوہ مسٹر ٹیوی جناب۔"

پھر انسپکٹر کو اٹھتے دیکھ کر وہ دونوں بھی اٹھ گئے۔ انسپکٹر نے بڑی گرم جوشی سے ٹیوی کا ستقبال کیا تھا۔

"اوہ.... انسپکٹر! شاید بوشن کا قصہ آپ کو یہاں لایا ہے۔" ٹیوی نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں تو مسٹر ٹیوی۔ بس یونہی آنکلا تھا۔ مگر یہ بوشن بڑا بے ہودہ آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اُس نے مس گریٹا کو چھیڑا تھا۔"

"بڑا افسوس ہوا۔" ٹیوی نے لہجے میں خشکی پیدا کر کے کہا۔ "ہاں! وہ بہت بدتمیز آدمی ہے۔"

پھر وہ دوا فروش اور پہلوان کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ "آپ سب صاحبان تشریف رکھئے۔ وشن کی کہانی جنگل کی آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی ہے۔"

"کیا مصیبت ہے۔" دوا فروش پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔ "اب شاید میں اپنے دھندے سے بھی جاؤں گا۔"

"کیا یہ ظلم نہیں ہے دوست!" ٹیوی نے مسکرا کر کہا۔ "کہ تم ایک اتنے اچھے پہلوان کو در
کی خاک چھنواتے پھر رہے ہو۔ ذرا باہر نکل کر دیکھو۔ شہر کے سارے اخبارات کے اسپورٹ
رپورٹرز اور کیمرہ مین اس کے لئے فٹ پاتھ پر کھڑے ہیں۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔ میں اپنی جان دے دوں گا۔" دوا فروش میز پر ہاتھ مار کر دھاڑا۔

"اے خاموش رہو۔" انسپکٹر گرجنے لگا۔ "تم مسٹر ٹیوی کی توہین کر رہے ہو۔ ہوش میں آؤ
ہو گا وہی جو مسٹر ٹیوی چاہیں گے۔"

• "نہیں دوست....!" ٹیوی نے مسکرا کر کہا۔ "تمہیں اس کی پرواہ نہ ہونی چاہئے کہ تم
بھوکے مرو گے۔ یہ پہلوان بدستور تمہارے ساتھ رہے گا تمہاری کفالت کرے گا لیکن اب تم
اسے سرمہ فروشی کا ذریعہ نہیں بنا سکو گے۔"

"یہ صرف طاقت ور ہے۔" دوا فروش بولا۔ "کشتی یا باکسنگ کے داؤں پیچ سے واقف نہیں ہے۔"

"یہ سب کچھ کرنا ہمارا کام ہے۔" ٹیوی نے کہا۔

"لیکن یہ مجھ سے ایک سال کا ایگریمنٹ کر چکا ہے۔ میں اسے عدالت میں کھینچ لوں گا۔" دوا
فروش نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"اُسے پھاڑ کر پھینک دو۔" ٹیوی نے نرم لہجے میں کہا۔ "کل یہاں کے سارے اخبارات میں
بوشن کی کہانی اور تمہارے پہلوان کی تصویریں شائع ہوں گی۔ اس کے بعد بھی کیا یہ مناسب ہو گا
کہ یہ سڑک کے کنارے کھڑا ہو کر راہ گیروں کا دل بہلائے؟"

دوا فروش کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "اچھا میں ایگریمنٹ پھاڑ دوں گا لیکن اس کی قیمت پانچ
ہزار ہو گی۔"

"بیٹھ جاؤ۔" ٹیوی خود بھی ایک کرسی سنبھالتا ہوا بولا۔ اور پھر جیب سے چیک بک نکالی اور
فاؤنٹین پن کی نب اُس پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"کراس یا بیئرر؟"

شارٹی نے جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں اور اُس کی داہنی آنکھ سے بھی پانی بہنے لگا۔ دوا فروش
نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "بیئرر۔"

ٹیوی کا قلم تیزی سے چل رہا تھا۔ اُس نے چیک کاٹ کر اُس کی طرف بڑھا دیا۔ دوا فروش
نے اچھی طرح چیک کا جائزہ لے کر اُسے تہہ کیا اور جیب میں رکھ لیا۔ اس دوران میں شارٹی اس
کے شانے پر جھکا ہوا آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔ "ٹھیک ہے آسانی سے کیش ہو جائے گا۔ اسی بینک

میرا اکاؤنٹ بھی ہے۔"

"اچھا.... میرا اور اس کا ایگریمنٹ ختم ہو گیا۔" دوا فروش نے کہا۔ "لیکن میں اسے
ے ساتھ جانے پر مجبور نہیں کر سکوں گا۔ یعنی اگر یہ خود ہی تمہارے ساتھ جانے سے انکار
ے تو اس کی ذمہ داری مجھ پر نہ ہو گی۔"

"پرواہ مت کرو.... میں نے تمہارا حساب صاف کر دیا۔" ٹیوی نے مسکرا کر کہا۔ پھر پہلوان
بولا۔ "کیوں دوست تم چلو گے نا میرے ساتھ؟ زندگی بن جائے گی۔"

پہلوان دوا فروش کی طرف دیکھنے لگا اور پھر بولا۔ "میرے اُستاد بھی میرے ساتھ چلیں گے۔"

"استاد.... کیا مطلب....؟" ٹیوی دوا فروش کو گھورنے لگا۔

"سرمہ لگا لگا کر مجھے تگڑا کیا ہے۔ داؤں پیچ سکھائے ہیں۔" پہلوان ٹھنڈی سانس لے کر
ا۔ "میں ان کا ساتھ کیسے چھوڑ دوں۔"

"دیکھو....! میں نے تمہارے لئے پانچ ہزار خرچ کئے ہیں۔" ٹیوی نے نرم لہجے میں کہا۔

"ان سے اجازت دلوا دو.... میں چلوں گا۔" پہلوان بولا۔

"کیوں بھئی.... دے دو اجازت....!" ٹیوی نے دوا فروش سے کہا۔

"اجازت کا سودا الگ سے ہو گا۔" دوا فروش بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔

"اے تم لٹیرے ہو کیا....؟" انسپکٹر نے آنکھیں نکالیں۔

"اس کا بھی فار مولا ہے میرے پاس.... حضور عالی!" دوا فروش نے آہستہ سے کہا اور
پکڑ دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"چلو اجازت کی قیمت بھی بتاؤ۔" ٹیوی نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

"صرف تین ہزار جناب... آٹھ ہزار روپے دو سرا پیشہ اختیار کرنے کیلئے کافی ہوں گے۔"

ٹیوی نے دوسرا چیک بھی اُس کی طرف بڑھا دیا۔

بات ختم ہو گئی۔ پہلوان ٹیوی کے ساتھ چلا گیا تھا اور ٹیوی نے شارٹی سے کہا تھا کہ وہ دوا
وش کو اپنے ہی ساتھ رکھے۔ دوا فروش کا سامان سرائے سے شارٹی کے ہوٹل میں منگوا لیا گیا۔

دوسرے دن دوا فروش نے گریٹا سے کہا۔

"میں تمہارے نام سے آٹھ ہزار روپے کا اکاؤنٹ کھول دوں؟"

"میرے نام سے کیوں؟" گریٹا متحیر رہ گئی۔

"اکثر مجھ پر دیوانگی کے دورے پڑتے ہیں اور میں غائب ہو جاتا ہوں۔ پہلے وہ پہلوان ڈھونڈ

نکالا کرتا تھا۔ مگر اب کیا ہوگا۔ اس لئے چاہتا ہوں کہ کم از کم یہ روپے تو محفوظ رہیں۔"

"میں پاپا سے پوچھے بغیر ایسا نہیں کر سکتی۔"

"پوچھ لو.... میں اُس سے بھی گفتگو کر چکا ہوں۔ وہ تیار ہے۔"

گریٹا خاموش ہو گئی۔ اُس دن اخبارات میں بوشن اور اشتہاری پہلوان کی تصاویر آ گئیں۔ اُن کی کہانی بھی دہرائی گئی تھی اور پھر ایک خبر تھی کہ بوشن نے اُسے چیلنج کیا ہے۔ چیلنج منظور بھی کر لیا گیا ہے اور عنقریب دونوں کے درمیان باکسنگ کا مقابلہ ہوگا۔

"دیکھا۔" گریٹا نے دوا فروش سے کہا۔ "بوشن پاگل ہو گیا ہے۔ شہر کے غنڈے اُس کے نام سے کانپتے تھے اُس کی بڑی توہین ہوئی ہے۔ مگر اب شاید اُس کی موت بھی آ گئی ہے.... کیا خیال ہے تمہارا؟"

"جہنم میں جائے۔" دوا فروش نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "بوشن کے لئے تو میں ہی کافی ہوں۔" وہ ہوٹل کی اوپری منزل کے ایک کمرے میں کھڑا کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ اس وقت اُس کے جسم پر چمڑے کی جیکٹ اور خاکی گیبر ڈین کی پتلون تھی اور وہ اس وقت نہ جانے کیوں گریٹا کو بڑا دلکش لگ رہا تھا۔ وہ خواب دیکھنے والی لڑکیوں میں سے تھی اور اُس کا ہیرو کچھ کاؤ بوائے ٹائپ کی چیز تھا۔

وہ بار بار اُس کے کمرے میں آتی تھی۔ لیکن وہ بہت کم اُس کی طرف متوجہ ہوتا۔ اس وقت بھی وہ اُس کی طرف پشت کیے کھڑکی کے قریب کھڑا تھا لیکن اس کے سوالات کا جواب دیتے وقت بھی اُس کی طرف نہیں مڑا تھا۔ گریٹا کو اُس کی ان حرکتوں پر بڑا تاؤ آتا۔ لیکن وہ کرتی بھی کیا.... کہنے کی بات ہی نہیں تھی۔ مگر اس وقت اُس نے جھلا کر اتنا ضرور کہا۔ "کیا تم پر دیوانگی کا دورہ پڑا ہے؟"

"ابھی تک تو نہیں پڑ سکا۔" جواب ملا لیکن اس بار بھی وہ اس کی جانب نہیں مڑا تھا۔ گریٹا کچھ اور آگے بڑھ آئی اور دوسرے ہی لمحے میں اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ باہر سڑک کے اُس پار ایک آدمی کھڑا دوا فروش کو کسی قسم کے اشارے کر رہا تھا۔ اُس کی شکل بے حد ڈراؤنی تھی.... پھر شاید اُس نے بھی گریٹا کو دیکھ لیا اور برابر والی گلی میں تیزی سے داخل ہو کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ ٹھیک اُسی وقت دوا فروش بھی گریٹا کی طرف مڑا۔

"یہ کون تھا....؟" گریٹا نے بھرائی ہوئی سی آواز میں پوچھا۔

"اب منجن کا کاروبار شروع کر دوں گا۔" دوا فروش نے مسکرا کر کہا۔ "اُس کے لئے یہ آدمی

مناسب رہے گا۔ کیا خیال ہے تمہارا؟"

گریٹا کچھ نہ بولی۔ اُسے دوا فروش کی بات پر یقین نہیں آیا تھا اور پھر وہ اُس خوفناک شکل والے آدمی کے متعلق الجھن میں پڑ گئی۔

دیوانگی

گریٹا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ وہ دوا فروش کو بھی کوئی اچھا آدمی نہیں سمجھتی تھی پھر کیسے گوارا کر لیتی کہ وہ آٹھ ہزار روپے اُس کے نام سے کسی بینک میں جمع کر دے۔ اس کے برخلاف شارٹی نہ صرف خوش نظر آ رہا تھا بلکہ دوا فروش کی خاطر و مدارات کے لیے میں زمین و آسمان ایک کیے دے رہا تھا۔

گریٹا نے شارٹی سے کہا کہ وہ اسے مناسب نہیں سمجھتی پتہ نہیں دوا فروش کیسا آدمی ثابت ہو۔

"اوہ.... پاگل....!" شارٹی نے ناک سے شوں شوں کرتے ہوئے جواب دیا۔ "ایک بے سہارا آدمی کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔ وہ یہاں اجنبی ہے۔"

"تو وہ اپنے ہی نام سے اکاؤنٹ کیوں نہیں کھولتا۔"

"اوہ.... اُس پر دیوانگی کے دورے پڑتے ہیں۔ وہ جڑی بوٹیاں سب سے پہلے خود استعمال کرتا ہے۔ ایک بار کسی تجربے کے سلسلے میں اُس پر دیوانگی کا دورہ پڑ گیا تھا جو اب بھی اکثر پڑ جاتا ہے۔ دیوانگی کے دوران وہ اپنی پچھلی زندگی کے متعلق سب کچھ بھول جاتا ہے۔"

"اچھی بات ہے۔ اگر میں بے ایمانی پر اُتر آؤں تو؟" گریٹا نے مسکرا کر کہا۔

"خاموش.... خاموش۔" وہ چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "کیا بکواس کر رہی ہو۔ اگر وہ سُن گیا تو.... تم کیسی ناسمجھ ہو۔"

"ہوں.... تو تم یہ چاہتے ہو پاپا کہ اُسے بے وقوف بناؤ؟"

"لڑکی تم پاگل ہو گئی ہو۔ آہستہ بولو۔" شارٹی نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

گریٹا چپ ہو رہی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کہیں خود شارٹی ہی اس کام کے لئے اپنا نام پیش نہ کر بیٹھے۔ اس صورت میں دوا فروش کے روپے یقینی طور پر ڈوب جاتے۔ وہ اپنے باپ کے عادات و اطوار سے بخوبی واقف تھی۔ شارٹی گو جسمانی طور پر ناکارہ تھا لیکن اُس کا ذہن ہر وقت سازشوں کے تاروں پیچ میں لگا رہتا تھا۔ لوگ اُس کے حلیہ سے دھوکا کھا جاتے تھے۔ بظاہر وہ ایک مظلوم اور

خارش زدہ کتے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا تھا لیکن اُس کی چالیں بڑی تباہ کن ہوتی تھیں۔

اس کے برعکس گریٹا کو مکاری سے نفرت تھی۔ وہ کسی کو دھوکا نہیں دے سکتی تھی۔ لہٰذا اُس نے یہی مناسب سمجھا کہ اکاؤنٹ اپنے ہی نام سے کھلوائے ورنہ ہو سکتا ہے کہ دوا فروش کے زیادہ چالاک ثابت ہونے پر انہیں حقیقتاً کسی بڑے نقصان کا سامنا کرنا پڑے۔ بہر حال اُس نے شارٹی کو اطمینان دلا دیا کہ اب وہ اُس کی مخالفت نہیں کرے گی۔

ساگر نے اُس کے نام سے اُسی بینک میں اکاؤنٹ کھول دیا جس کے چیک تھے۔ اُسی وقت گریٹا کو اُس کا نام بھی معلوم ہوا ورنہ وہ اُسے سرمہ والا ہی کہہ کر مخاطب کرتی تھی۔ وہ اُس کے متعلق الجھن میں مبتلا تھی کہ آخر وہ کس قسم کا آدمی ہے۔ اُسے اچھا سمجھے یا بہت بُرا۔ کیونکہ وہ خاصا تعلیم یافتہ معلوم ہوتا تھا لیکن اُس نے کسی تعلیم یافتہ آدمی کو سڑک کے کنارے مجمع لگا کر سرمہ بیچتے بھی نہیں دیکھا تھا۔

بینک سے واپس آکر وہ پھر اوپری منزل پر چلا گیا تھا اور یہ چیز تو ابھی تک گریٹا محسوس ہی نہیں کر سکی تھی کہ وہ اُس کی ذات میں کسی قسم کی دلچسپی لے رہا ہے۔

دوپہر کا کھانا وہ خود ہی اوپری منزل پر لے گئی۔ شارٹی کی تاکید تھی کہ اب وہ کھانا اُسی کے ساتھ کھایا کرے۔

کھانے کی میز پر گریٹا نے پھر ساگر کی آئندہ زندگی کے متعلق گفتگو چھیڑ دی۔

"منجن....!" ساگر نے ٹھنڈی سانس لی۔ "منجن ہی زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ اس طرح میں اپنی تھیوری کو زیادہ کار آمد بنا سکوں گا۔ تم نے کہاں تک تعلیم حاصل کی ہے؟"

"جونیئر کیمبرج سے آگے نہیں پڑھ سکی۔ پڑھنے لکھنے میں میرا دل نہیں لگتا۔"

"ہوں.... بہر حال تم میری تھیوری کو کسی حد تک سمجھ سکو گی۔"

"نہیں.... میں تھیوری نہیں سنوں گی۔ اس لفظ ہی سے مجھے الجھن ہوتی ہے۔ میں تو صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ تم یا تو کوئی بہت بڑے فراڈ ہو یا بالکل احمق۔"

"بالکل احمق ہی سمجھو۔ فراڈ کا سلیقہ مجھ میں نہیں ہے۔"

"مجھے تم سے خوف معلوم ہوتا ہے۔" گریٹا نے کہا۔

"ہونا بھی چاہئے۔" ساگر نے کہا اور ہاتھ روک کر کرسی پیچھے کھسکائی۔

"ارے.... کھاؤ....!" گریٹا ہنس پڑی۔ "کیا خفا ہو گئے؟"

"ہاں میں جا رہا ہوں یہاں نہیں رہوں گا۔"

"کیوں....؟"

"تم لوگوں کو مجھ سے خوف معلوم ہوتا ہے۔"

"لیکن اسے بھی یاد رکھو کہ تم صرف اسی چھت کے نیچے محفوظ ہو۔"

"کیا مطلب....؟"

"کھاؤ.... کھاتے رہو.... یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ مسٹر ٹیوی نے تمہیں پناہ دی ہے۔"

"تو پھر اس سے کیا؟"

"جب تک تم یہاں ہو.... لوگ یہی سمجھیں گے کہ تم مسٹر ٹیوی کی پناہ میں ہو۔ یہاں کے علاوہ کہیں اور قیام کرنے کا مطلب یہی ہوگا کہ مسٹر ٹیوی نے تم پر سے ہاتھ اٹھا لیا ہے۔"

"پھر کیا ہوگا....؟"

"بوشن کے آدمی تمہیں بڑی بے دردی سے قتل کر دیں گے۔ وہ ایسے پاگل کتے ہیں جنہیں بھوک ہو یا نہ ہو مگر بھنبھوڑ کھائیں گے۔"

"کیا وہ ٹیوی سے ڈرتے ہیں؟"

"نہیں.... یہ ایک معاہدہ کے تحت ہوتا ہے۔ کیا تم یہاں کے پہلوانوں اور اُن کی فرموں کے متعلق کچھ نہیں جانتے؟"

"کچھ بھی نہیں۔"

"ارے تو کھانا کھاؤ.... میں تمہیں بتاؤں گی۔"

ساگر نے پھر کھانا شروع کر دیا اور گریٹا بولی۔ "یہاں دو بڑی فرمیں سب سے زیادہ بزنس کرتی ہیں۔ ایک ٹیویز ہے اور دوسری بلنگرز۔ دونوں ایک دوسری کی حریف ہیں۔ ٹیوی اور بلنگر ایک دوسرے کے جانی دشمن ہیں بوشن بلنگرز کا پہلوان ہے اور ٹیوی تمہارے پہلوان کو لے گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ دونوں کا مقابلہ ہوگا۔ بوشن کے پٹنے کی خبر پر وہ اسی لئے دوڑا آیا تھا۔ جب اُس نے یہ دیکھا کہ وہ ٹیوی کے قبضے میں آگیا ہے تو اُس نے اُسے باقاعدہ طور پر چیلنج کر دیا۔ اب ٹیوی کتنے زور و شور کے ساتھ بوشن کے پٹ جانے کی پبلسٹی کراتا ہے۔"

"اس سے کیا ہوگا....؟"

"دونوں کے مقابلہ کے لئے میدان ہموار ہوگا۔ پھر مقابلے میں تمہارا پہلوان بوشن کو یقینی طور پر پیٹ دے گا۔ مجھے یقین ہے کہ اس سیزن کا سب سے بڑا مقابلہ ہوگا۔"

"مگر.... تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ بوشن کے آدمی مجھے ٹیوی کی پناہ میں دیکھ کر بخش کیوں دیں گے؟"

"ٹیوی اور بلنگر کے درمیان معاہدہ ہوا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے کسی ایسے آدمی کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے جس کی ملازمت کی مدت ایک سال سے کم ہو۔ اب ایک سال تک بلنگر کے آدمی تمہیں یا تمہارے پہلوان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔"

"یہ تو بڑا عجیب معاہدہ ہے۔"

"صرف عجیب ہی نہیں بلکہ دانش مندانہ بھی ہے۔"

"کیوں....؟"

"شروع شروع میں دونوں طرف کے کچھ نئے پہلوان بیکار ہو گئے تھے۔ یعنی مثال کے طور پر ٹیومی نے کوئی پہلوان ملازم رکھا اور بلنگر کو اُس کی طرف سے خدشہ محسوس ہوا کہ اُس کے پہلوان اُس کے سامنے نہ ٹھہر سکیں گے تو وہ کسی نہ کسی بہانے اُسے اس طرح پٹوا دے گا کہ وہ مقابلے کے قابل ہی نہ رہ جائے۔ اس طرح دونوں ہی کو نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ پھر دونوں نے آپس میں طے کیا کہ ایک سال سے کم مدت کے ملازم پہلوانوں کی دونوں حفاظت کریں گے۔ انہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ ویسے پرانے ملازموں کے درمیان اکثر جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں اور دونوں آئے دن عدالت میں کھڑے رہتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ پولیس انسپکٹر بھی ٹیوی سے مرعوب نظر آرہا تھا۔"

"وہ پولیس کمشنر کے گہرے دوستوں میں سے ہے۔ اس لئے انسپکٹر تو اُسے سلام کیا کرتے ہیں۔"

"اور.... بلنگر....؟"

"ہونہہ! پولیس والے تو کسی کے بھی دشمن نہیں ہوتے۔" گریٹا ہنس کر بولی۔ "وہ بلنگر کا بھی اتنا ہی احترام کرتے ہیں۔"

"یہ بات مجھے قطعی پسند نہیں آئی۔" ساگر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"تمہاری پسند یا ناپسند سے کیا ہوتا ہے۔ جب تمہیں مرنا ہوگا.... چپ چاپ مر جاؤ گے۔"

"خیر میں اتنی آسانی سے مرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔" ساگر بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "بوشن کے آدمیوں سے کہاں مڈبھیڑ ہو سکتی ہے۔"

"کیا مطلب....؟"

"میں اُن سے ٹکرانا چاہتا ہوں۔"

"شاید تم پر دیوانگی کا دورہ پڑنے والا ہے۔" گریٹا ہنس پڑی۔

"سنو۔ ایک تدبیر ہے میرے ذہن میں۔" ساگر نے آہستہ سے کہا۔

"کیا....؟"

"وہ جیسے فلموں میں نقاب لگاتے ہیں نا.... بس ویسے ہی نقاب لگا کر جاؤں۔"

"کیا تم بالکل گدھے ہو مائی ڈیئر مسٹر ساگر....؟"

"نہیں.... دیکھو.... ہو سکتا ہے کہ تم غلطی پر ہو۔ مس شارٹی بھلا میں ٹیوی کا ملازم کیسے لگا۔ ملازم تو پہلوان ہے۔ وہ بوشن یا اُس کے آدمیوں کے حملے سے محفوظ رہ سکتا ہے مگر....؟ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی اور پھر ٹیوی کو مجھ سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے جب کہ میں اسے آٹھ ہزار بھی وصول کر چکا ہوں۔"

"یہی تو میں سوچتی ہوں.... مگر....؟"

"مگر کیا....؟"

"پاپا کہتے ہیں کہ ٹیوی ساگر کا بھی حلیف ہے۔"

"لیکن ساگر کی سمجھ میں تو نہیں آئی یہ بات۔" ساگر نے تشویش کن لہجے میں کہا۔

"پھر تم کیا سوچ رہے ہو....؟"

"وہ مجھے دھوکے میں رکھ کر اپنے آٹھ ہزار وصول کرنا چاہتا ہے۔"

"اوہ.... تو.... تم نے اسی لئے میرے نام سے اکاؤنٹ کھولا ہے؟"

"بالکل....!" ساگر نے قہقہہ لگایا۔

"اچھا اگر میں تمہیں وہ رقم نہ دوں تو.... ظاہر ہے کہ اب وہ میرے قبضے میں ہے۔ تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ....!"

"ختم کرو۔" ساگر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے کہ وہ رقم میری ہے۔"

"پھر....؟"

"پھر کچھ بھی نہیں۔ تم مجھے اتنی چھوٹی طبیعت کا آدمی کیوں سمجھتی ہو؟ اور تمہارا یہ خیال کہ غلط ہے کہ میں تم پر عاشق ہو گیا ہوں۔"

"کیا بکواس ہے۔" گریٹا جھلا گئی اور ساگر ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔ "کیا یہ غلط ہے کہ شارٹی مجھے اچھا سمجھتا ہے۔"

"میں کچھ نہیں جانتی۔ پتہ نہیں تم کون ہو اور کس چکر میں ہو۔"

"میں کسی چکر میں نہیں ہوں۔ بس لوگوں کو متحیر کر دینا میری ہوبی ہے۔"

دفعتاً ایک باور چن چیختی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔

"ارے مار ڈال رہے ہیں.... صاحب کو.... بچاؤ۔"

وہ دونوں اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

"کیوں کیا بات ہے۔" دونوں کی زبانوں سے بیک وقت نکلا۔

"پانچ ہیں۔" باور چن ہانپتی ہوئی بولی۔ "صاحب کو مارا ہے۔ دروازہ بند کر لیا۔ اب سارا سامان توڑے پھینکے دے رہے ہیں۔"

وہ تینوں تیزی سے زینوں کی طرف جھپٹے۔

ڈائننگ ہال سے فرنیچر ٹوٹنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کرسیاں اور میزیں اٹھا اٹھا کر پٹخی جا رہی ہوں۔

ہال میں پہنچ کر گریٹا کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی۔ تین آدمی فرنیچر اور کراکری توڑ رہے تھے ایک نے شارٹی کے دونوں ہاتھ پکڑ رکھے تھے اور دوسرا اُس کے گالوں پر تھپڑ مار رہا تھا۔ ویٹر ایک گوشے میں سہما کھڑا تھا اور باور چنیں حلق پھاڑ رہی تھیں۔

"اے....!" ساگر نے گریٹا کا شانہ دبا کر کہا۔ "تم ویٹر سے کہو کہ وہ صدر دروازے پر جم جائے۔ میں ان میں سے کسی کو بھی باہر نہیں جانے دوں گا۔"

"آ.... ہا....!" فرنیچر توڑنے والوں میں سے ایک ہاتھ اٹھا کر چیخا۔ "یہ رہا سرے والا۔"

دوسرے ہی لمحے میں ساگر ہال کے وسط میں تھا اور وہ پانچوں اُس پر ٹوٹ پڑے تھے گریٹا دوڑ کر شارٹی کے پاس پہنچی جو اپنی جگہ پر کھڑا کانپ رہا تھا اور انہیں گالیاں دے رہا تھا۔

"فون پاپا.... فون۔" گریٹا اُسے جھنجھوڑ کر بولی۔

"حرامیوں نے تار پہلے ہی کاٹ دیئے تھے۔" شارٹی نے سسکی لے کر کہا۔

"پھر.... پھر....!" گریٹا بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔ "یہ تو اُسے مار ڈالیں گے۔"

"جہنم میں جائے۔" شارٹی دانت پیس کر بولا۔ "اسی کی بدولت یہ مصیبت نازل ہوئی ہے۔"

مگر وہ پانچوں بھی اُسے جہنم میں نہ بھیج سکے۔ بلکہ انہیں تو خود اپنی عافیت خطرے میں نظر آ رہی تھی کیونکہ سرے والا تو سخت چمڑے اور فولادی ہڈیوں والا ثابت ہو رہا تھا۔ یہی نہیں بلکہ وہ اس قسم کی بے ہنگم لڑائیوں کے اصولوں سے بھی واقف معلوم ہوتا تھا۔ اتنی ہی سی دیر میں اُس نے دو آدمیوں کو قطعی بیکار کر دیا اور اب اُن تینوں کے جبڑے بھی سہلا رہا تھا۔

گریٹا حیرت سے آنکھیں پھاڑے اس ہنگامے کو دیکھتی رہی۔ وہ یہ بھی محسوس کر رہی تھی کہ دروازے کے لئے بھی دیوار بن کر رہ گیا ہے۔ ایک آدمی کئی بار کوشش کر چکا تھا کہ نکل لیکن اُس نے اُسے ایسا نہ کرنے دیا۔

وہ تینوں بے حد شور مچا رہے تھے مگر ساگر کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔

"پاپا.... میں کہتی ہوں۔"

"کچھ مت کہو۔ اگر ہم نے ذرہ برابر بھی مداخلت کی تو ہم کہیں کے نہ ہوں گے۔ خاموشی دیکھتی رہو۔"

"میں تو اوپر جا کر شور مچاؤں گی۔"

"میں تمہیں گولی مار دوں گا۔" شارٹی نے آنکھیں نکالیں۔

گریٹا مضطربانہ انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ساگر کی کس طرح کرے.... لیکن.... لیکن اُسے کسی کی مدد کی ضرورت ہی کیا تھی۔ گریٹا کے دیکھتے دیکھتے ایک آدمی اور ڈھیر ہو گیا۔ اب صرف دو ہی رہ گئے تھے اور اُن کی کوشش یہی تھی کہ نکلیں لیکن ساگر سے چھٹکارا مشکل ہی معلوم ہو رہا تھا۔

"یہ تو بھوت معلوم ہوتا ہے۔" شارٹی نے بھرائی ہوئی سی آواز میں کہا۔ "مگر اب کیا ہو گا۔ یہ لوگ یہاں بے ہوش پائے گئے.... ارے کہیں کوئی مر نہ گیا ہو؟"

وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر اکڑوں بیٹھ گیا۔

دونوں آدمی اب شرابیوں کی طرح لڑکھڑا رہے تھے۔ اُن کی ناکوں اور منہ سے خون جاری اور آنکھیں انگارے معلوم ہو رہی تھیں۔

یک بیک ساگر نے دونوں کی گردنیں دبوچ کر سر ٹکرائے اور وہ بھی بے ہوش ہو کر گر گئے۔

وہ شارٹی اور گریٹا کی طرف متوجہ ہوا۔ گریٹا اُس سے پوچھنے لگی کہ کہیں چوٹ تو نہیں آئی لیکن اُس کی بات کا جواب دیئے بغیر شارٹی کی طرف جھپٹا اور اُسے گود میں اٹھا کر باورچی خانے میں جا گھسا.... پھر گریٹا نے شارٹی کی چیخیں سنیں۔ "ارے بچاؤ.... بچاؤ.... یہ پپ.... پاگل کتا ہے.... بچاؤ۔"

گریٹا باورچی خانے کی طرف جھپٹی لیکن یہاں کا منظر بھی کم متحیر کن نہیں تھا۔ ساگر نے باورچی کے کپڑے پھاڑ ڈالے تھے اور اب شوربے کی دیگچیاں اُس پر الٹ رہا تھا۔

"ارے.... ارے....!" گریٹا چیخی۔

"بھاگ جاؤ۔" وہ اُسے بھی مارنے دوڑا۔ دونوں باور چنوں کی چوٹیاں کھینچیں اور کچن کا عقبی دروازہ کھول کر گلی میں بھاگ گیا۔

شارٹی اپنی آنکھیں ملتا اور چیختا ہوا شور بے میں لوٹ رہا تھا۔

خوفناک آدمی

ٹیوی اپنے آفس میں تنہا بیٹھا پیشنس کھیل رہا تھا۔ آفس میں آج تک کسی نے بھی اُسے ایسی حالت میں نہیں دیکھا تھا جب اُس کی میز پر تاش کے پتے موجود نہ رہے ہوں۔

وہ اپنی لاپروائی اور سرد مہری کے لئے دور دور تک مشہور تھا۔ لیکن اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے سطح سے گر جانا بھی اُس کے لئے کوئی بڑی بات نہ تھی۔ یہی چیز اُسے اپنے ٹائپ کے لوگوں سے کچھ مختلف بنا کر پیش کرتی تھی۔ ورنہ ایسے لوگ تو چٹان ہوتے ہیں۔ اُن کے اپنی جگہ سے ہلنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا۔

کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ وہ تنہائی میں پیشنس نہیں کھیلتا بلکہ تاش کے پتوں کے سہارے بڑی بڑی اسکیمیں مرتب کیا کرتا ہے۔ ویسے اس خیال میں کسی حد تک شاید صداقت بھی تھی کیونکہ پیشنس کھیلتے وقت اگر کوئی اس مشغلے میں حارج ہوتا تھا تو ٹیوی کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار ضرور دکھائی دیتے تھے۔

اس وقت بھی جیسے ہی کسی نے باہر سے گھنٹی بجائی وہ بھوکے شیر کی طرح غرانے لگا اور پھر غراہٹ ہی سے ملتے جلتے لہجے میں گھنٹی بجانے والے کو اندر آنے کی اجازت دی۔

"اوہ....!" وہ یک بیک اچھل پڑا اور اُس کی آنکھیں متحیرانہ انداز میں پھیل کر رہ گئیں۔ کیونکہ شارٹی عجیب حلئے میں اُس کے سامنے کھڑا تھا۔

اُس کے جسم پر چیتھڑے جھول رہے تھے اور وہ شور بے میں نہایا ہوا تھا۔

"کیوں.... کیا بات ہے؟" ٹیوی نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"میں ایک بند گاڑی میں یہاں تک آیا ہوں تاکہ آپ کو اپنی حالت دکھا سکوں۔ آپ کو یقین آجائے کہ میں آپ کا کتنا فرمانبردار ہوں مسٹر ٹیوی۔"

"کیا ہوا کیا بات ہے؟"

"سرمہ فروش کو آپ نے میرے سپرد کیا تھا۔ آج بوشن کے پانچ آدمی میرے ہوٹل میں

آئے۔ گاہکوں کو باہر نکال دیا۔ پھر صدر دروازہ بند کر کے توڑ پھوڑ مچادی۔ مجھے خوب پیٹا۔ فون کے تار کاٹ دیئے۔ اتنے میں اُدھر سے ساگر آگیا اور اُس نے اُن پانچوں کی اچھی خاصی مت کردی کسی کو بھی نہیں بھاگنے دیا۔ پانچوں کو مار مار کر وہیں گرادیا۔"

"نہیں.... جھوٹ....!"

"یقین کیجئے جناب.... آپ سے جھوٹ بول کر میں کہاں رہوں گا۔"

"اُس نے تنہا انہیں مارا تھا؟" ٹیوی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں جناب.... اور وہ پانچوں آدھے گھنٹے تک بے ہوش پڑے رہے تھے۔"

"کمال ہے.... اچھا پھر کیا ہوا....؟"

"اس کے بعد وہ دیوانہ مجھ پر ٹوٹ پڑا.... اور میں اپنی خستہ حالی سمیت آپ کے سامنے موجود ہوں۔ میرے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ مجھ پر شوربہ انڈیلا.... اور بھاگ گیا۔"

"بھاگ گیا....؟"

"ہاں.... جناب لیکن آپ کے آٹھ ہزار روپے محفوظ ہیں۔ میں نے اُن کا نقصان نہیں ہونے دیا۔"

"وہ کیسے؟" ٹیوی نے لاپرواہی سے پوچھا۔

"میں نے پھسلا کر گریٹا کے نام سے اکاؤنٹ کھلوادیا تھا۔"

"پھسلا کر....؟" ٹیوی نے قہقہہ لگایا۔ "تم گھاس تو نہیں کھا گئے شارٹی وہ بہت چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"لفظ پھسلانا غلط استعمال کیا ہے میں نے۔" شارٹی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "میں نے دراصل اُسے ڈرایا تھا اس سلسلے میں مجھے تھوڑا سا جھوٹ بھی بولنا پڑا تھا۔ مقصد یہی تھا کہ میں آپ کی وہ رقم ضائع نہ ہونے دوں۔ آپ کچھ اور نہ سمجھئے گا۔ میں نے اُس سے کہا تھا کہ آپ اُس سے وہ رقم کسی نہ کسی طرح وصول کرلیں گے۔ اس لئے وہ اکاؤنٹ بھی اپنے نام سے نہ کھولے۔"

ٹیوی چند لمحے سر جھکائے کچھ سوچتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔ "اب اُسے تلاش کرو۔ اگر تم مجھے اُس کا صحیح پتہ بتا سکے تو میں تم سے وہ آٹھ ہزار واپس نہیں لوں گا۔ وہ گریٹا ہی کے ہوں گے۔"

"اوہ.... جناب آپ کتنے اچھے ہیں۔" شارٹی کی آواز کانپ رہی تھی۔

"ہاں.... اُن پانچوں کا کیا ہوا؟"

"میں نے انہیں پولیس کے حوالے کردیا ہے اور اپنی رپورٹ درج کرادی ہے۔ لیکن اب

بوشن مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"تم گدھے ہو۔ بوشن کبھی اعتراف نہ کرے گا کہ وہ اُس کے آدمی تھے۔ ویسے میں تم لوگوں کی حفاظت کے لئے کچھ آدمی مقرر کردوں گا۔ لیکن اُسے ضرور تلاش کرو۔ یہ کام گریٹا بخوبی انجام دے سکے گی.... کیوں؟"

"جی ہاں.... جی ہاں.... میں اُسے مجبور کروں گا۔ بھلا وہ آپ ہی کا کام نہ کرے گی جناب۔"

"بس جاؤ۔" ٹیوی نے کہا اور پھر پتے پھینٹنے لگا۔

❁

گریٹا نے محسوس کیا کہ وہ ساگر کے لئے بے چینی محسوس کر رہی ہے۔ وہ اُس کے لئے عجیب و غریب آدمی ثابت ہوا تھا بلکہ بعض اوقات تو وہ یہ بھی سوچنے لگتی تھی کہ کہیں وہ کسی دوسری دنیا کی مخلوق تو نہیں تھا۔ آخر اُس نے بعد میں شارٹی پر کیوں حملہ کر دیا تھا؟ اور وہ حملہ اتنا عجیب کیوں تھا؟ اُس نے اُسے مارا پیٹا کیوں نہیں تھا؟ صرف کپڑے پھاڑے اور شور بے سے نہلا دینے کا کیا مطلب ہو سکتا تھا؟

اور شارٹی کی بعض حرکتیں تو اُس کے لئے یوں بھی متنفر کن ہوا کرتی تھیں۔ مثال کے طور پر یہی ڈبل رول۔ ایک طرف اُس نے آٹھ ہزار ہتھیانے کی کوشش کی تھی اور پھر بعد میں ٹیوی کے پاس بھی یہ بتانے کے لئے دوڑا گیا تھا کہ وہ روپے اُس نے اُسی کے حق میں محفوظ کئے ہیں۔

آخر ساگر کس قسم کا آدمی تھا۔ زبان کے ساتھ ہی اُس کے ہاتھ بھی چلنا جانتے تھے۔ بوشن کے بدمعاشوں سے تنہا نپٹ لینا آسان کام نہیں تھا۔ وہ سوچتی رہی اور متحیر ہوتی رہی۔ شارٹی نے اُسے اپنی اور ٹیوی کی ملاقات کے متعلق بھی بتایا تھا لیکن وہ سوچ رہی تھی کہ اسے تلاش کہاں کرے گی۔ کیا وہ ایسا ہی احمق ہے کہ بوشن سے بگاڑ کرنے کے بعد روستمبا کی سڑکوں پر مارا مارا پھرے گا۔ پھر بھی اُس نے ارادہ کیا کہ وہ شام کو اُس کی تلاش میں ضرور نکلے گی۔ ہو سکتا ہے کسی تفریح گاہ ہی میں نظر آجائے۔ مگر شام کو جب وہ لباس تبدیل کر کے باہر جانے کے لئے تیار تھی اُسے ڈائننگ ہال ہی میں رک جانا پڑا۔ کیونکہ اُسے وہاں وہی خوفناک شکل والا آدمی نظر آیا تھا جسے پچھلے دن اُس نے ساگر کو اشارے کرتے دیکھا تھا۔ وہ بڑے وحشیانہ انداز میں اسٹیک کھا رہا تھا۔

وہ جہاں تھی وہیں رک گئی۔ آج سے پہلے وہ اس ہوٹل میں کبھی نہیں دکھائی دیا تھا۔

شارٹی حسب معمول کاؤنٹر کے پیچھے کھاتے پر جھکا ہوا دن بھر کے اخراجات لکھ رہا تھا۔ گریٹا کاؤنٹر کے پیچھے چلی گئی۔

"کیوں....؟" شارٹی نے سر اٹھا کر کہا۔

"میں اُس کی تلاش میں جانے کا ارادہ کر رہی ہوں۔"

"تو جاؤ نا۔" شارٹی نے کہا اور پھر رجسٹر کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ہاں.... جاؤں گی.... آج یہاں ایک نیا گاہک نظر آرہا ہے۔"

"آتے ہی جاتے رہتے ہیں۔" شارٹی نے لاپروائی سے کہا۔ پھر چونک کر بولا۔ "کون.... ہاں؟" وہ گردن اٹھا کر میزوں پر نظر دوڑانے لگا۔

"اوہ.... یہ کون ہے؟" اُس نے مڑ کر خوفزدہ آواز میں گریٹا سے کہا اور تھوک نگل کر رہ گیا۔

"پتہ نہیں کتنا ڈراؤنا آدمی ہے۔"

"ارے تو تم کیوں کھڑی ہو یہاں.... جاؤ....!"

"چلی جاؤں گی۔ کون سی آفت آئی ہوئی ہے۔" گریٹا نے کہا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کہیں یہ آدمی ساگر ہی کی تلاش میں یہاں نہ آیا ہو لیکن اُس نے شارٹی کو اُس کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔

خوفناک صورت والا آدمی سر جھکائے ہوئے اسٹیک کھانے میں مشغول تھا۔ یک بیک اُس نے کسی وحشی درندے کی طرح گردن اونچی کی.... اور گردوپیش کا جائزہ لینے لگا۔

غالباً اسٹیک ختم ہو چکے تھے۔ گریٹا نے اُسے اٹھتے دیکھا.... وہ بڑی تیزی سے کاؤنٹر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ گریٹا سہم گئی اور شارٹی بھی ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

وہ کاؤنٹر پر دونوں کہنیاں ٹیک کر جھکا اور شارٹی اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ اجنبی کی آنکھوں میں اُسے خون کی پیاس نظر آئی تھی۔

گریٹا کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔

"مجھے مسٹر ساگر کی تلاش ہے؟" اجنبی سانپ کی طرح پھپکارا۔

کئی سیکنڈ تک انہیں کوئی جواب نہ سوجھا۔ اجنبی براہِ راست شارٹی کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"وہ مجھے مار پیٹ کر بھاگ گیا۔" شارٹی نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اوہ.... خدا کی پناہ۔" اجنبی نے نرم لہجے میں کہا۔ "وہ کہاں ملے گا؟"

"آپ اُسے کیا جانیں۔" گریٹا نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"اوہ.... وہ میرے بھائی کو پھسلا کر بھگا لایا ہے۔" اجنبی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"کون بھائی.... وہی پہلوان....؟"

"ہاں.... وہی.... وہ کہاں ہے؟"

"وہ تو ٹیوز کی فرم میں پہنچ گیا۔" شارٹی نے کہا۔ "کیا تم اخبار نہیں دیکھتے؟"

"نہیں! مگر وہ وہاں کیسے پہنچا۔"

شارٹی نے اُسے بوشن کے جھگڑے کے متعلق بتایا۔ اجنبی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر غصیلے لہجے میں بولا۔ "میں اُس ساگر کے بچے کی گردن توڑ دوں گا اور ٹیوز کے خلاف مقدمہ دائر کروں گا۔ میرا بھائی بیوقوف آدمی ہے۔ موٹی عقل والا۔"

"مگر اُس نے ساگر سے ایک سال کا معاہدہ کیا تھا۔" شارٹی نے کہا۔

"سب بکواس ہے۔"

"ارے اُس نے اُس معاہدے کی قیمت آٹھ ہزار روپے مسٹر ٹیوی سے وصول کی ہے۔"

"تب پھر یہ مسٹر ٹیوی کوئی پرلے سرے کا گدھا معلوم ہوتا ہے۔"

"کیوں....؟"

"میں اپنے بھائی کو واپس لے جاؤں گا اور وہ اپنی رقم کو روئے گا۔"

"ساگر اپنا سامان یہیں چھوڑ گیا ہے۔" شارٹی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"کیوں بے تکی بات کرتے ہو پاپا۔" گریٹا جھلا گئی۔ "وہ کیسا ہی آدمی کیوں نہ ہو۔ اُس کے سامان کی حفاظت کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔"

"اے لڑکی تم شور کیوں مچاتی ہو۔" اجنبی نے آنکھیں نکال کر کہا۔ "کیا میں اُس کا سامان اٹھائے لیے جا رہا ہوں۔"

"نہیں نہیں.... مسٹر.... کوئی بات نہیں۔" شارٹی بوکھلا کر بولا.... یہ ناسمجھ ہے۔ جاؤ گریٹا تم اپنا کام دیکھو۔"

"میں ہرگز نہیں جاؤں گی۔"

"کیوں....؟" شارٹی کو غصہ آ گیا۔

"میری مرضی۔"

شارٹی دانت پیسنے لگا اور اجنبی مسکرا کر بولا۔ "ناسمجھ ہے نا۔ میری لڑکی ہوتی تو قیمہ کر کے رکھ دیتا۔"

گریٹا کا دل چاہا کہ اُس کے سر پر اسٹول دے مارے۔

"چلی جاؤ.... جاؤ یہاں سے۔" شارٹی مٹھیاں بھینچ کر بولا۔

مگر گریٹا اسٹول کھینچ کر نہایت اطمینان سے بیٹھ گئی۔ اجنبی مسکرا رہا تھا۔ لیکن شارٹی تلخ ہے

جا رہا تھا۔ دفعتاً اجنبی نے اُس سے کہا۔

"میں تم سے کیا بات کروں۔ میں کیا کر سکتا ہوں میں تو بڑی مصیبتوں میں پھنس گیا ہوں۔ ٹیوی نے ساگر کو میرے سپرد کیا تھا۔ بوشن میرا دشمن ہو گیا۔ اب تمہارے تیور بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ تم بھی کسی نیک ارادے سے نہیں آئے۔"

"مجھے غلط نہ سمجھو۔" اجنبی نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن میں اپنے بھائی کو پیشہ ور پہلوانوں کی زندگی بسر کرتے نہیں دیکھ سکتا اور نہ مجھے یہی پسند ہے کہ وہ سرمہ یا منجن بیچتا پھرے۔"

"مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔" شارٹی نے مایوسانہ انداز میں کہا۔ "مسٹر ٹیوی بہت بڑے آدمی ہیں۔ پولیس کمشنر سے اُن کی دوستی ہے اور جسٹس بوڈائی اُن کا بڑا خیال کرتے ہیں۔"

"مجھے کسی کی بھی پرواہ نہیں ہے۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔ اگر مجھ سے کوئی الجھا تو روستمبا جہنم کا نمونہ بن کر رہ جائے گا۔"

"اسی لئے ایک سرمہ فروش تمہارے بھائی کو نچاتا پھر رہا تھا۔" گریٹا جل کر بولی۔

"تمہاری لڑکی مجھے غصہ دلانے کی کوشش کر رہی ہے۔" اجنبی نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں....!" گریٹا بھی مسکرائی۔ "میں نہیں چاہتی کہ روستمبا جہنم کا نمونہ بن جائے اس لئے میں چاہتی ہوں کہ تم اپنے بھائی کا خیال دل سے نکال دو۔ ٹیوی اُسے اس سیزن میں ضرور کھائے گا۔ کیونکہ اُس پر کافی روپیہ خرچ کر چکا ہے۔"

"میں اُس کا سارا روپیہ واپس کر سکتا ہوں۔"

"کیا میں مسٹر ٹیوی سے فون پر گفتگو کروں؟"

"نہیں.... میں خود ہی سمجھ لوں گا اُس سے۔ فی الحال مجھے ساگر کا پتہ بتاؤ۔"

"میں کیا جانوں۔"

"تم ضرور جانتی ہو گی۔" اجنبی نے گریٹا سے کہا۔

"فرض کرو جانتی ہوں پھر؟ میرا خیال ہے کہ میں تمہیں تو ہرگز نہ بتاؤں گی۔"

اجنبی شارٹی کی طرف مڑا اور آہستہ سے بولا۔ "کیا تم نے اپنی لڑکی کو صرف نفرت کرنا سکھایا ہے؟"

"میں بُرے آدمیوں سے نفرت کرنے پر مجبور ہوں۔" گریٹا بولی۔

"تب پھر تمہیں اپنے باپ سے بھی یقینی طور پر نفرت ہو گی۔"

"کیوں مجھ سے کیوں؟ تم بڑے واہیات آدمی معلوم ہوتے ہو۔" شارٹی غصیلے لہجے میں بولا۔

"وہ آٹھ ہزار کیا ہوئے جو ساگر نے ٹیوی سے وصول کیے تھے۔"

"تت.... تم سے.... مطلب....؟" شارٹی ہکلایا اور اجنبی ہنسنے لگا۔

"کچھ دیر کے لئے وہ خاموش ہو گئے اور پھر شارٹی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "اگر تم ٹیوی سے الجھنا چاہتے ہو تو بلنگر ز کی ملازمت کر لو۔"

"ہونہہ!" اجنبی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "بلنگر اور ٹیوی جیسے میری جیبوں میں پڑے رہتے ہیں۔"

یک بیک شارٹی بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کی نظریں صدر دروازے کی طرف تھیں۔ گریٹا بھی اُدھر متوجہ ہو گئی اور پھر اُس کا حلق خشک ہونے لگا۔ کیونکہ صدر دروازے میں اُسے بوشن نظر آیا تھا۔ جیسے ہی وہ صدر دروازے سے آگے بڑھا۔ گاہک بھی ایک ایک کر کے کھسکنے لگے۔ سبھی جانتے تھے کہ بوشن کے وہاں نظر آنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ بوشن والے معاملے کی پبلسٹی اخبارات کے ذریعہ ہوئی تھی اور اس سلسلے میں شارٹی کے ہوٹل نے بھی خاصی شہرت حاصل کی تھی۔

بہر حال شارٹی بوشن کو وہاں دیکھ کر اس طرح بوکھلا گیا تھا کہ اُسے اُن گاہکوں کی بھی فکر نہیں رہ گئی تھی جو دام ادا کیے بغیر ہی کھسکے جا رہے تھے۔

بوشن ہال کے وسط میں رک گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہال خالی ہو گیا۔ اب بوشن پھر صدر دروازے کی طرف بڑھا اور اُسے بند کر کے بولٹ کر دیا۔ اجنبی کاؤنٹر سے ٹکا کھڑا اُسے بغور دیکھ رہا تھا۔

"جاؤ.... تم بھی جاؤ۔" شارٹی نے ہذیانی انداز میں کہا۔ "ورنہ یہ تمہاری ہڈیاں توڑ ڈالے گا اور ہم تو مار کھانے کے لئے ہی پیدا ہوئے ہیں۔ خدا کو مجھے آدمی بناتے ہوئے شرم بھی نہیں آئی تھی۔ یہی جثہ دینا تھا تو مچھر کیوں نہیں بنایا۔"

"پرواہ مت کرو۔" اجنبی نے کہا۔ "تم جیسوں کی حفاظت کے لئے اُس نے ہمیں بنایا ہے۔"

"ارے تم ہی کیا کر لو گے.... اور گریٹا کی بچی تم اوپر جاؤ۔"

"تم.... تم دونوں یہیں ٹھہرو۔" اجنبی نے آہستہ سے کہا۔ بوشن اب کاؤنٹر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ پھر وہ کاؤنٹر سے دو گز کے فاصلے پر رک گیا۔ گریٹا کی طرف دیکھ کر بائیں آنکھ دبائی شارٹی کو دیکھ کر مسکرایا.... اور اجنبی سے بولا۔ "تم یہاں کیوں کھڑے ہو.... دفع ہو جاؤ۔"

اجنبی جو نیچے سے اوپر تک اُس کا جائزہ لے رہا تھا شارٹی سے بولا۔ "یہ بھی چلے گا.... پہلوان ہی معلوم ہوتا ہے۔"

پھر بوشن سے مسکرا کر کہا۔ "مجھے بھی ایک پہلوان کی ضرورت ہے۔ میں منجن بیچتا ہوں۔"

بوشن نے حلق پھاڑ کر اُسے گندی سی گالی دی اور ٹوٹ پڑا۔ گریٹا چیخنے لگی۔ وہ جانتی تھی کہ اب پھر فرنیچر ٹوٹے گا اور کچھ تعجب نہیں کہ خود اُس کی بھی شامت آ جائے کیونکہ بوشن بھوکا بھیڑیا ہو رہا تھا۔ لیکن اُس نے دیکھا کہ اجنبی نے بوشن کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے ہیں اور بوشن ہاتھ چھڑا لینے کے لئے انتہائی زور صرف کر رہا ہے۔

آخر اُس نے لات چلائی اور اجنبی بڑی پھرتی سے پیچھے ہٹ گیا۔ بوشن کے ہاتھ چھوٹ گئے۔ اب وہ کسی لڑاکے مرغ کی طرح جھک کر حملہ کرنے کی گھات میں تھا۔ اجنبی اُس کی ہیئت کذائی پر ہنس پڑا.... اور ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ٹھہرو.... ایک بات ہے پہلوان.... اگر تم مجھے ایک ہاتھ بھی مار سکے تو میں اپنے کان پکڑ کر مرغا بن جاؤں گا اور پھر کبھی روستمبا میں نہ دکھائی دوں گا لیکن اگر نہ مار سکے تو....!"

بوشن نے جھپٹ کر حملہ کر ہی دیا۔

پُراسرار ہمدرد

لیکن اس حملے کا نتیجہ دیکھ کر گریٹا کی باچھیں کھل گئیں۔ کیونکہ بوشن اپنے ہی زور میں ایک میز پر ڈھیر ہو گیا تھا اور اجنبی ایک طرف کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"اس حرامی کے ستارے ہی گردش میں ہیں۔" شارٹی مضطربانہ انداز میں بڑبڑایا۔ "جسے دیکھو پیٹ رہا ہے۔"

بوشن دہاڑتا ہوا اٹھا۔ اُس کے چہرے پر شوربے کے دھبے نظر آ رہے تھے اور کپڑے بھی داغدار ہو گئے تھے۔ اُس نے پھر حملہ کیا۔ لیکن اس بار بھی وار خالی گیا۔ اجنبی کسی پھرتیلے چیتے کی طرح جست و خیز کر رہا تھا۔ بوشن نے اب طے کیا تھا کہ پے در پے حملوں سے اُسے بوکھلا دے۔ مگر اجنبی اُسے سارے ہال میں نچاتا پھر رہا تھا۔ دس پندرہ منٹ اسی طرح گذر گئے۔ اس دوران میں کسی نے دروازہ بھی نہیں کھٹکھٹایا۔ ویسے گریٹا کو یقین تھا کہ باہر بھیڑ ضرور لگ گئی ہوگی۔ کیونکہ یہاں سے اٹھنے والے وہ گاہک جو نادہندہ نہ ہوں گے باہر ہی ٹھہر گئے ہوں گے اور انہوں نے دوسروں کو بھی بتایا ہوگا کہ بوشن نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا ہے۔

تھوڑی دیر بعد بوشن دیوار سے لگا کھڑا ہانپ رہا تھا اور اجنبی تھوڑی ہی فاصلے پر کھڑا کہہ رہا

تھا۔ ”ہاں ہاں دم لے لو.... اگر تم چاہو تو میں رات بھر تم سے ورزش کرا سکتا ہوں۔ بھاگ دوڑ سے ہاتھ پیروں میں جان آتی ہے۔“

بوشن نے دانت پیس کر پھر اُس پر چھلانگ لگائی۔ اس پر اجنبی نے نہ صرف خود کو بچایا بلکہ بوشن کے جبڑے پر ایک ہاتھ بھی جھاڑ دیا۔ بوشن لڑکھڑاتا ہوا کاؤنٹر سے آٹکا اور اجنبی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اگر تم راہِ راست پر آجاؤ تو یہ کہانی اس چہار دیواری سے باہر نہ جانے پائے گی۔“

بوشن کے ہونٹ سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ کھڑا ہانپتا رہا۔ شاید اُس کو ہاتھ ہی سے اندازہ ہو گیا تھا کہ اجنبی سے بھڑنا موت ہی کو دعوت دینا ہو گا۔ اُس نے ابھی تک اُسے صرف یہی ایک ہاتھ مارا تھا اور خود اُسکے دل میں تو حسرت ہی رہ گئی تھی کہ کوئی چھچھلتا ہی ہوا سا ہاتھ اجنبی پر پڑ گیا ہوتا۔

”کمزور آدمیوں پر ظلم کرنا اچھی بات نہیں ہے۔“ اجنبی نے کہا۔ ”مجھے حیرت ہے کہ تم اتنے اچھے پہلوان ہو کر شارٹی جیسے کمزور آدمیوں پر کیوں ٹوٹ پڑتے ہو۔“

”یہ انتہائی سور آدمی ہے۔ تم اسے نہیں جانتے۔ سازشی کتا۔“ بوشن ہانپتا ہوا دہاڑا۔

”ٹھیک ہے.... مگر اس پر ہاتھ اٹھانا تمہارے شایانِ شان نہیں ہے اور یہ بے چاری لڑکی اس نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ تم اس کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔ تم ایک اچھی چیز کو برباد کرنے پر کیوں تلے ہو جب کہ اعلیٰ درجہ کی برباد چیزوں سے بازار بھرا پڑا ہے۔ یہ کتنی بُری بات ہے بوشن۔ کسی پہلوان کو ایسا نہ کرنا چاہئے۔ تم پہلوانی کی تقدیس پر گندگی اچھال رہے ہو۔“

بوشن نے سر جھکا لیا۔ پتہ نہیں کیوں۔ وہ اُس سے آنکھیں نہیں ملا رہا تھا۔

دفعتاً اجنبی نے گریٹا اور شارٹی کی طرف مڑ کر کہا۔ ”تم لوگ اس کا تذکرہ کسی سے بھی نہیں کرو گے۔“

”نہیں نہیں۔ ہرگز نہیں۔“ دونوں نے بیک وقت کہا۔

گریٹا کی عجیب حالت تھی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اجنبی کے قدموں پر سجدے کرے یا اُس کے گرد ناچنا شروع کر دے۔

”میری خواہش ہے کہ تم دونوں صلح کر لو۔“ اجنبی نے کہا اور شارٹی کاؤنٹر کو پھلانگتا ہوا سامنے آگیا۔ اُس کا ہاتھ مصافحے کے لئے بوشن کی طرف بڑھا ہوا تھا۔ بوشن نے بُرا سا منہ بنائے ہوئے اُس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا اور اجنبی سے بولا۔ ”تم روستمبا کے تو نہیں معلوم ہوتے۔“

”ہاں.... میں پردیسی ہوں.... اور کچھ نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ میری عدم موجودگی میں شارٹی میرے متعلق کچھ بتا سکے۔ اچھا شب بخیر.... نئے ایک پہلوان پر اعتماد کرنا ہی چاہئے کہ وہ اپنی بات سے نہیں ہٹے گا۔“

”ٹھہرو.... دوست....!“ بوشن ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”تم مجھے بہت مشاق لڑاکے معلوم ہتے ہو۔ تمہارے مقابلے میں میری مشق کچھ بھی نہیں ہے۔“

”میں پہلوانوں کو ٹریننگ دیتا ہوں۔ جس پہلوان سے تمہارا جھگڑا ہوا تھا وہ میرا چھوٹا بھائی ہے۔“

”اوہ....!“ بوشن کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

”میں نے اُس پر بڑی محنت کی ہے۔“ اجنبی نے کہا۔ ”لیکن اُسے ایک چالاک دوا فروش بہکا نکال لایا۔ مگر بوشن دیکھو۔ وہ بھی تم سے اسی بات پر الجھا تھا کہ....!“

”ہاں.... ہاں.... مگر اب وہ بہت بُرے ہاتھوں میں پہنچ گیا ہے۔“

”مجھے مشورہ دو کہ میں کیا کروں۔ میں نے سنا ہے کہ دوا فروش نے اُس سے اس کے لئے ٹھ ہزار روپے وصول کئے ہیں۔“

”ٹیوی کسی صورت سے بھی اُسے نہیں چھوڑے گا۔“ بوشن نے کہا۔

”اور تم اُس سے مقابلہ کرو گے؟“

”مجبوری ہے۔ میں چیلنج کر چکا ہوں ہزاروں آدمیوں کی موجودگی میں اُس نے میری توہین ی تھی.... اور اسی لئے ٹیوی اُسے جھپٹ لے گیا۔“

”تم اُس سے جیت نہیں سکو گے۔“

”اب کچھ بھی ہو۔“

”خیر میں کوئی ایسی صورت نکالوں گا کہ تمہاری مزید توہین نہ ہو سکے۔“

شارٹی اور گریٹا کھڑے پلکیں جھپکاتے رہے۔

اجنبی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”اچھا اب میں چلا۔ بوشن اگر تم چاہو تو کل دوپہر کو مجھ سے یہیں ل سکتے ہو۔“

بوشن کچھ نہ بولا۔ وہ جیب سے رومال نکال کر اپنا چہرہ صاف کرنے لگا تھا۔ اجنبی ہاتھ ہلاتا ہوا مدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ لیکن پھر پلٹ آیا کیونکہ اُس نے بل نہیں ادا کیا تھا۔

❁

ٹیوی حسب معمول تاش کے پتے ترتیب دے رہا تھا لیکن اس وقت وہ تنہا نہیں تھا۔ ایک نول صورت عورت بھی اُس کے شانوں پر کہنیاں ٹیکے جھکی ہوئی پتوں کا جائزہ لے رہی تھی۔

”کاش کبھی تم اس یکسانیت سے اکتا سکو۔“ عورت نے کہا۔

”چالیس سال سے میری شکل میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی لیکن مجھے یہ یکسانیت بہت پسند

ہے.... کیوں....؟"

"تم فلسفہ شروع کر دیتے ہو۔"

"نہیں.... یکسانیت سے اکتا کر آدمی جائے گا کہاں۔ ہاں اگر وہ اپنی کھال چھوڑ کر بھاگ سکے یا اپنی ہڈیوں کے پنجرے سے نکل سکے تو میں یہ کہوں گا کہ وہ یکسانیت سے نجات پا سکا ہے۔"

"ٹیوی.... تم پتہ نہیں کیسے آدمی ہو۔ اٹھو باہر چلیں۔" عورت نے ٹھنک کر کہا۔

"باہر اس سے بھی زیادہ یکسانیت ملے گی اور تم یکسانیتوں کے ہجوم میں پاگل ہو کر رہ جاؤ گی۔"

"نہیں اٹھو۔"

اچانک فون کی گھنٹی بجی اور ٹیوی نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو....!"

"ٹیوی.... دوست....!" دوسری طرف سے آواز آئی اور ٹیوی کی بھنوئیں تن گئیں۔

"تمہارا نیا پہلوان ہاتھ سے جانے والا ہے۔" پھر آواز آئی۔ "اُس کا بھائی اُس کی تلاش میں ہے اور وہ خود بھی ایک ماہر فن آدمی ہے۔ لاجواب ٹریننگ.... اُس نے پچھلی رات بوشن کو ایک اچھا سبق دیا ہے اور بوشن اُس سے بہت مرعوب ہو گیا ہے۔"

"پھر وہ میرا کیا بگاڑ لے گا۔"

"اُس کا کہنا ہے کہ دوا فروش اُس کے بھائی کو بہکا کر نکال لایا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس سلسلے میں قانونی چارہ جوئی کرے۔"

"مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ میں ہر قیمت پر اُسے بوشن سے لڑاؤں گا۔ کیا میں اُس کا منہ نہیں بند کر سکتا؟"

"مشکل ہے ٹیوی۔ وہ عجیب قسم کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"پھر میں کیا کروں؟" ٹیوی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "تم نے ہمیشہ مشکلات میں میری مدد کی ہے۔"

"ہاں! دیکھو میں سوچ رہا ہوں کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا کیونکہ میں بھی اس مقابلے کے لئے بہت بے چین ہوں۔"

"تو پھر میں مطمئن رہوں؟"

"بالکل! تم ہمیشہ کی طرح اب بھی مجھ پر اعتماد کر سکتے ہو۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا اور ٹیوی نے ریسیور رکھتے ہوئے طویل سانس لی۔

"کیا بات ہوئی؟" عورت نے پوچھا۔

"اب داور کا کوئی بھائی بھی نکل آیا ہے۔"

"تم گفتگو کس سے کر رہے تھے؟"

"وہی جو اب میرے لئے مستقل دردِ سر بن گیا ہے۔"

"اوہ.... کیا وہی نامعلوم آدمی؟"

"ہاں سونیا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر وہ چاہتا کیا ہے۔ ٹھیک اُسی دن سے وہ میرے پیچھے لگا ہے جس دن میری فرم کا پہلا پہلوان بلنگر کے پہلوان کے مقابلے پر اترا تھا۔ بس وہ کہتا ہے کہ میں تمہارا بھی خواہ ہوں۔"

"اُس کی ذات سے تمہیں آج تک کوئی نقصان تو نہیں پہنچا؟"

"ہرگز نہیں سونیا۔ بس وہ میرے خلاف ہونے والی سازشوں سے مجھے باخبر رکھتا ہے۔ کتنی ہی بار اُس نے مجھے بلنگر کے حملوں سے بچایا ہے۔ پچھلے سال تو میں ڈوب ہی گیا ہوتا۔ تمہیں تن اور پکھیرو کا مقابلہ تو یاد ہی ہوگا۔ پکھیرو میرا پہلوان تھا اور تن لین کو بلنگر نے کرائے پر حاصل کیا تھا۔ تن لین بڑا اچھا ریسلر تھا۔ ادھر میرے پہلوان پکھیرو نے بھی اُن دنوں خاصی شہرت حاصل کی تھی۔ ایک رات اچانک مجھے اسی پُراسرار آدمی نے اطلاع دی کہ پکھیرو کی خواب گاہ میں دودھ کا جگ رکھا گیا ہے وہ زہر آلود ہے۔ پکھیرو سوتے وقت دودھ پینے کا عادی تھا.... بس وہ خواب گاہ میں داخل ہو کر شب خوابی کا لباس پہن ہی رہا تھا کہ میں نے بڑے بھدے طریقے سے دروازے پر دستک دی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ اس دستک پر بُرا فروختہ ہو کر خود ہی دوڑا آئے گا۔ کیونکہ دروازے کی چوکھٹ پر کال بل کا بٹن بھی موجود تھا۔ اس لئے ہاتھ سے دروازہ پیٹنے پر غصہ کا نفسیاتی چیز تھی۔ میرے خیال کے مطابق اُس نے خود ہی دروازہ کھولا لیکن مجھے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ وہاں اُس وقت میری موجودگی اُس کے لئے یقیناً باعث حیرت تھی۔ میں نے اُس سے پوچھتے ہی پوچھا تھا کہ اُس نے دودھ تو نہیں پیا۔ اس پر وہ اور بھی بوکھلا گیا.... بہر حال وہ دودھ یقیناً زہر آلود ثابت ہوا تھا۔

"مگر تم نے مجھ سے کبھی اس کا تذکرہ نہیں کیا؟" سونیا نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

"ضروری نہیں سمجھا تھا۔ میں اس قسم کی بوریتیں اپنی ہی ذات تک محدود رکھنے کا عادی ہوں.... بہر حال اب یہ بلنگر کوئی نیا فتنہ کھڑا کرنے والا ہے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"اُس نے داور کا کوئی بھائی پیدا کیا ہے۔"

"تو اس سے کیا ہوگا؟"

"الجھنیں بڑھ سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر اُس کا بھائی کہتا پھر رہا ہے کہ سرمہ فروش داور کو نکال لایا تھا۔"

"تو اس سے کیا ہوگا۔ داور بچہ تو نہیں ہے۔ وہ اپنی خوشی سے تمہارے پاس آیا ہے۔"

"آٹھ ہزار صرف ہوئے ہیں۔"

"وہ مجھے کوئی خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ وہ میری نظروں ہی میں رہے۔"

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور ٹیوی نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو.... ٹیوی....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اٹ از ٹیوی۔"

"دیکھو داور کے بھائی کا نام خاور ہے۔ ابھی ابھی بوشن اُسے شارٹی کے ہوٹل سے گوڈوین کارنر لے گیا ہے۔ غالباً اب وہ دونوں وہاں بلنگر کا انتظار کر رہے ہیں۔ میں تمہیں آگاہ کر رہا ہوں کہ وہ بلنگر کے قبضے میں نہ آنے پائے ورنہ تم بڑے خسارے میں رہو گے۔"

"پھر مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

"سونیا تمہاری مدد کر سکتی ہے۔"

"اوہ.... تم تو سبھی کو جانتے ہو۔ دوست۔" ٹیوی نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔

"مگر کیسے؟"

"وہ بلنگر پر سبقت لے جا سکتی ہے بلنگر سے اُس کی گفتگو ہو جانے کے بعد بھی وہ کام کر سکے گی۔ میں اُس کی صلاحیتوں سے بخوبی واقف ہوں۔ اگر بلنگر کے پاس سونیا ہی جیسی کوئی دلکش محبوبہ ہوتی تو وہ تمہیں کبھی کا تباہ کر چکا ہوتا۔"

ٹیوی نے پہلے تو بُرا سا منہ بنایا پھر ہنس کر بولا۔ "اچھی بات ہے۔ خاور کا حلیہ کیا ہے؟"

"بڑی خوفناک شکل کا آدمی ہے، سونیا کو بس اتنا ہی بتا دو وہ اُسے ہزاروں میں بھی پہچان لے گی۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

❁

گوڈوین کارنر میں بوشن اور خاور بلنگر کے منتظر تھے اور اُن دونوں میں روستمبا کے قدیم

پہلوانوں کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔

"کچھ بھی ہو مسٹر بوشن....!" خاور نے کہا۔ "روستمبا کے خاندانی پہلوانوں نے خود کو بہت رسوا کرا دیا ہے۔ بھلا یہ بات کتنی مضحکہ خیز ہے کہ وہ لڑانے والی فرموں میں ملازمت کرتے پھریں۔"

"مجبوری ہے۔ پھر ہم کیا کریں۔ ان مقابلوں کی وجہ سے سال بھر روٹی تو نصیب ہوتی رہتی ہے۔ ورنہ پہلے تو ہمیں پیٹ پالنے کے لئے نہ جانے کیا کیا کرنا پڑتا تھا۔"

"مجھے بے حد افسوس ہے۔"

"اوہ.... مسٹر بلنگر آ گئے۔" بوشن نے دروازے کی طرف دیکھ کر کہا۔ ایک لمبا تڑنگا پریشین ہال میں داخل ہو رہا تھا۔ اُس کے جبڑے بھاری تھے اور پیشانی تنگ تھی اور اُسے کوتاہ گردن ہی کہا جا سکتا تھا بس ایسا لگ رہا تھا جیسے چوڑے چکلے شانوں کے درمیان صرف سر رکھ دیا گیا ہو۔

جیسے ہی وہ قریب پہنچا یہ دونوں کھڑے ہو گئے۔ بلنگر بڑی توجہ اور دلچسپی سے خاور کا جائزہ لے رہا تھا۔

"بیٹھئے بیٹھئے۔" وہ سر ہلاتا ہوا مسکرایا۔ "مسٹر خاور یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی ہے کہ آپ ایک ماہر فن ٹرینر ہیں۔"

دونوں نے بالکل ایسے ہی انداز میں مصافحہ کیا تھا جیسے ایک دوسرے کی قوت کا اندازہ کرنا چاہتے ہوں۔

"گڈ!" بلنگر بیٹھتا ہوا بولا۔ "یہ ہاتھ خود ہی کہہ رہے ہیں کہ بوشن کا بیان مبالغے پر مبنی نہیں تھا۔"

"شکریہ۔" خاور نے لاپرواہی سے کہا۔

"مگر آپ داور کی طرح دیو نہیں ہیں۔"

"مجھے اُس کا جثہ پسند نہیں ہے۔" خاور نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"کچھ بھی ہو لوگ اُسے دیکھ کر مرعوب تو ہو ہی جاتے ہیں۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ وہ اچھے ہاتھوں میں نہیں پڑا۔"

"میں اسے بھی پسند نہیں کرتا.... کہ اس فن کو ذریعہ معاش بنایا جائے۔ ہماری آبائی جائیداد ہماری کفالت بخوبی کر سکتی ہے۔ داور تھوڑا سا کریک ہے اس لئے بھٹکتا پھرتا ہے۔"

"اوہ.... تو پھر مجھے مایوس ہو جانا چاہئے۔" بلنگر نے کہا۔

"اب میں کیا بتاؤں؟"

"مگر داور کو تو اس معاملے میں حصہ لینا ہی پڑے گا۔"

"میں یہی سوچ رہا ہوں کہ ایسا نہ ہونے پائے۔"

"بہت مشکل ہے مسٹر خاور.... ٹیوی بہت ہی چالاک اور بیدار مغز آدمی ہے۔ آپ اُسے ایسا کرنے سے باز نہیں رکھ سکیں گے۔"

"کیوں.... کیا میں اُس کے خلاف کوئی قانونی کاروائی نہیں کر سکتا؟"

"ہرگز نہیں مسٹر خاور۔" بلنگر نے کہا۔ "یہ تو اب اُسی صورت میں ممکن ہوگا جب خود داور ہی اُسے چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لے۔ ویسے دیکھئے.... شاید وہ اُس کی ہمت بھی نہ کر سکے۔"

"کیوں....؟"

"قانون ہر حال میں ٹیوی کا ساتھ دے گا۔ وہ کوئی نہ کوئی نکتہ نکال کر اُسے باندھ ہی لے گا۔ پولیس کمشنر سے اُس کے گہرے مراسم ہیں اور مقامی منصف اُس کی عزت کرتا ہے۔"

خاور سر جھکا کر کچھ سوچنے لگا۔

ایک خبر

سونیا نے خوفناک شکل والے آدمی کو ہوٹل سے نکلتے دیکھا اور بک سٹال سے ہٹ کر فٹ پاتھ کے سرے پر آ گئی۔ بلنگر اور بوشن پہلے ہی جا چکے تھے۔ اُس نے اُن تینوں کو ایک ہی میز پر بیٹھے دیکھا تھا اور بلنگر کی نظروں سے بچنے کی کوشش کی تھی۔

وہ خاور کو دیکھ کر سچ مچ کانپ گئی تھی۔ کتنا خوفناک آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے سوچا کہ ممکن ہے وہ خونی بھی ہو۔ پھر وہ اپنے ذہن کو ٹٹولنے لگی۔ اندازہ کرنے لگی کہ وہ اُس سے گفتگو کرنے کی ہمت بھی رکھتی ہے یا نہیں۔

خاور نے ایک ٹیکسی رکوائی اور دروازہ کھول کر اندر بیٹھنے ہی جا رہا تھا کہ سونیا تیزی سے اُس کی طرف جھپٹی۔

"ذرا سنئے گا۔"

"ہاں....!" وہ بڑے بھدے انداز میں اُس کی طرف مڑا۔

"میں آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں.... بیٹھئے.... میں بھی بیٹھوں گی۔"

وہ مسکرایا اور پچھلی نشست پر بیٹھ کر پرے سرک گیا۔ سونیا بھی بیٹھ گئی۔

"گرین پارک....!" خاور نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا اور ٹیکسی حرکت میں آ گئی.... پھر اُس

سونیا سے کہا۔ "تم نے غلط آدمی کا انتخاب کیا ہے۔ مجھے عورتوں سے دلچسپی نہیں ہے۔"

سونیا کو اُس کی اس بدتہذیبی پر بڑا تاؤ آیا۔ مگر وہ جلدی سے مسکرا کر بولی۔ "آپ بھی قطعی سمجھے ہیں۔ میں کوئی فلرٹ نہیں ہوں۔"

"تم کوئی بھی ہو۔ مجھے اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔"

"نہیں۔ آپ کو دلچسپی ہو سکتی ہے کیونکہ آپ ایک غلط آدمی کے ہاتھ میں پڑنے والے ہیں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"بلنگر بُرا آدمی ہے۔ بے ایمان اور کنجوس۔"

"میں بھی زیادہ اچھا آدمی نہیں ہوں۔ پھر تمہیں ان باتوں سے کیا سروکار۔ تم ان معاملات کو کیا جانو۔"

"اُس کے اور ٹیوی کے تعلقات کے متعلق یہاں کون نہیں جانتا۔"

"تم کیا جانتی ہو؟"

"میں تو یہاں تک جانتی ہوں کہ آپ داور کے بھائی ہیں۔"

"اوہو....!" خاور سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"بلنگر.... کیا چاہتا ہے.... میں اچھی طرح جانتی ہوں۔"

"یہ بہت اچھا ہوا کہ تم بلنگر کے متعلق کچھ جانتی ہو.... مگر میں اُس سے وعدہ کر چکا ہوں کہ مایہ مقابلہ ہرگز نہ ہونے دوں گا۔"

"اگر وہ ایسا ہی بدحواس ہے تو بوشن نے کچھ سوچے سمجھے بغیر داور کو چیلنج کیوں کر دیا تھا؟" سونیا نے کہا۔

"وہ کہتا ہے کہ بوشن نے اُس سے مشورہ کیے بغیر ایسا کیا تھا....؟"

خاور کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اب اگر بوشن پیچھے ہٹتا ہے تو یہ نہ صرف بوشن بلکہ بلنگر کی فرم کی بدنامی کا باعث ہوگا۔ اس لئے وہ چاہتا ہے کہ داور ہی کسی طرح پیچھے ہٹ جائے.... اور بھئی یہاں کے مقابلے میری سمجھ سے باہر ہیں.... آخر ان فرموں کو ان سے کیا فائدہ پہنچتا ہے۔"

"کافی آمدنی ہوتی ہے۔" سونیا نے کہا۔ "کیا آپ پہلی بار یہاں آئے ہیں؟"

"بالکل پہلی بار اور شاید آتا کبھی نہ ہوتا مگر وہ دوا فروش کم بخت داور کو ورغلا کر نکال لایا اور اُس سے ایسا ذلیل پیشہ کراتا رہا۔"

"آپ کو کبھی ریس کھیلنے کا اتفاق ہوا ہے؟"

"نہیں.... لیکن میں اُس کے متعلق جانتا ہوں۔"

"بس یہ مقابلے بھی اُس سے ملتے جلتے ہوتے ہیں۔"

"کیا.... یہ پہلوان دوڑ لگاتے ہیں؟" خاور نے حیرت سے کہا۔

سونیا ہنس پڑی اور پھر بولی۔ "نہیں.... مقابلہ تو فری اسٹائل ریسلنگ یا باکسنگ ہی کا ہوتا ہے۔ مگر تماشائی مقابلہ گاہ میں ٹکٹ لے کر داخل ہوتے ہیں۔"

"ارے تو اس کے لئے فرمیں بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس طرح یہ لوگ خواہ مخواہ اخراجات بڑھا لیتے ہیں۔"

"اوہ.... آپ کچھ بھی نہیں جانتے۔ وہ تو صرف داخلے کا ٹکٹ ہوتا ہے اور اُس کی آمدنی سے فرموں کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ داخلے کے ٹکٹوں کی آمدنی تو مقابلے کا انتظام کرنے والی کارپوریشن کو جاتی ہے اس کے علاوہ مقابلے میں حصہ لینے والی فرمیں اپنے ٹکٹ فروخت کرتی ہیں۔"

"اپنے ٹکٹ؟"

"ہاں مثال کے طور پر اگر بوشن اور داور کا مقابلہ ہوا تو بلنگر کی فرم بوشن کے ٹکٹ فروخت کرے گی اور ٹیوی کی فرم داور کے۔ یہ ٹکٹ ایک ہی قیمت کے ہوتے ہیں۔ یعنی فی ٹکٹ دو روپے۔ ایک آدمی ایک سے زیادہ ٹکٹ بھی خرید سکتا ہے۔ اب فرض کرو کہ بوشن ہار گیا تو بلنگ داور کے ٹکٹوں کے دوگنے دام واپس کرنے پڑیں گے۔ یعنی ہر ٹکٹ چار روپے۔"

"ارے.... یہ تو جوا ہے۔"

"ہاں.... آں.... لیکن یہ جوا غیر قانونی طور پر نہیں ہوتا۔ دونوں فرمیں اس کے لئے لائسنس رکھتی ہیں۔"

"خیر.... مگر ہارنے والی فرم کا دیوالہ نکل جاتا ہے۔"

"ہاں اکثر ایسا بھی ہوتا ہوگا.... مگر مجموعی طور پر وہ نقصان میں نہیں رہتے۔ ورنہ یہ کاروبار ہی بند کر دیتے۔"

خاور تھوڑی دیر خاموش رہا پھر اُس نے پوچھا۔ "تم کیا چاہتی ہو۔"

"میں چاہتی ہوں کہ یہ مقابلہ ضرور ہو۔"

"میں اپنے بھائی کو پیشہ ور پہلوان نہیں بننے دوں گا۔ میری توہین ہے اس میں اور سنو! لڑکی مجھے یقین ہے کہ تمہیں ٹیوی نے بھیجا ہے۔"

"میں پھر کہتی ہوں کہ ٹیوی بُرا آدمی نہیں ہے۔ اُس سے تعاون کر کے آپ فائدے ہی

رہیں گے۔"

"اچھا اگر میں نے تعاون نہ کیا تو کیا ہوگا؟"

"ٹیوی خود کو بے بس نہیں سمجھتا۔" سونیا جھنجھلا گئی اور خاور مسکرا کر بولا۔

"ٹھیک ہے۔ داور بے وقوف ہے۔ کمزور دماغ رکھتا ہے۔ ٹیوی اُسے ہر بات پر آمادہ کر لے ہو سکتا ہے داور خود ہی پھیل جائے اور میرا کہنا نہ مانے۔ یا ہو سکتا ہے مجھے اپنا بھائی ہی تسلیم نے سے انکار کر دے۔"

"بات سمجھ میں آگئی نا؟" سونیا معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

"اچھی طرح مگر میں جانتا ہوں کہ وہ کتنے پانی میں ہے اور کس طرح ہار سکتا ہے۔"

"یعنی....؟"

"وہ میرے ہی ہاتھ کا سکھایا ہوا ہے۔"

سونیا خاموش ہو گئی۔ اُس کی آنکھوں میں گہری تشویش صاف پڑھی جا سکتی تھی۔

"کچھ اور کہنا ہے تمہیں....؟"

"نہیں! اب میں کچھ نہیں کہنا چاہتی۔ کیا آپ براہِ کرم گاڑی رکوائیں گے؟"

خاور نے ڈرائیور سے گاڑی روکنے کو کہا اور پھر سونیا مزید کچھ کہے بغیر نیچے اُتر گئی۔

❁

کیپٹن حمید اور کرنل فریدی اسٹار ہوٹل کے ایک کمرے میں مصروف گفتگو تھے۔ حمید کہہ رہا ا "مجھے ڈر ہے کہ کہیں قاسم بھانڈا نہ پھوڑ دے۔"

"ناممکن ہے۔ اگر اسکیم تمہاری ہوتی تو البتہ ایسا ہو سکتا تھا۔"

"مگر آپ نے یہ سارا کھڑاگ پھیلایا ہی کیوں ہے جب کہ اس جوئے کو قانوناً جائز قرار دیا گیا ہے۔"

"فضول بحثوں میں نہ الجھو۔ تمہیں ٹیوی کی محبوبہ سونیا سے دوستی بڑھانی ہے۔"

"اور گریٹا کا کیا ہوگا؟" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

"وہ اپنا پارٹ ادا کر چکی اب تم ادھر کا رخ بھی نہیں کرو گے۔"

"بڑی مصیبت ہے۔ کبھی یہ کبھی وہ۔ نہیں بس ٹھیک ہے۔ گریٹا ہی مجھے پسند ہے۔"

"بکواس مت کرو۔"

"اچھا ایک مسئلہ صاف کر دیجئے۔ سرمہ فروش کی اسکیم آپ نے یہیں پہنچ کر بنائی تھی کیا پ کو یقین تھا کہ بوشن سے اس صورت میں ضرور ٹکراؤ ہوگا....؟"

"ہاں مجھے یقین تھا۔"

"آخر کیوں....؟"

"میں نے معلوم کیا کہ بوشن گریٹا کے چکر میں ہے۔ ظاہر ہے کہ گریٹا ہر حال میں قاسم کی طرف ضرور متوجہ ہوتی۔ گویہ متوجہ ہونا محض دلچسپی کی خاطر ہوتا۔ لیکن اگر بوشن کی نظر اُس پر پڑ جاتی تو اُس کی پہلوانیت مجروح ہوئے بغیر نہ رہتی اور وہ قاسم پر بھی اپنی برتری جتانے کے لئے اُس سے ضرور ٹکرا جاتا.... اور دیکھو یہی ہوا۔"

"گویا آپ کو اس کا بھی اندازہ تھا کہ اگر قاسم نے بوشن کو سر راہ پیٹ دیا تو ٹیوی اُس میں ضرور دلچسپی لے گا۔"

"کھلی ہوئی بات ہے اور پھر جب کہ معاملہ کسی پہلوان کا ہو۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ کیس اتنا اہم ہو سکتا ہے جس کے لئے آپ قاسم کے ساتھ تین ماہ تک محنت کرتے رہے ہیں۔"

"بہت اہم ہے۔ ایسا کہ مقامی پولیس اس کے لئے ابھی تک کچھ نہیں کر سکی۔"

"سلسلہ جوئے ہی کا ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ اس کا تعلق اس جوئے سے ضرور ہے۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اچھا ٹھہرو۔ ابھی سونیا سے دور ہی رہنا۔"

"دور ہوں.... آپ مطمئن رہئے۔" حمید نے اس طرح ہاتھ ہلا کر کہا جیسے سونیا قریب ہی کہیں موجود ہو۔

"اُوں....!" فریدی چونک کر مسکرانے لگا۔ لیکن انداز ایسا تھا جیسے اُس نے حمید کا جملہ سنا ہی نہ ہو۔ پھر اُس نے میز پر انگلی سے کچھ لکھتے ہوئے کہا۔ "آرام کرو.... ہمیں فی الحال صرف اندھیروں میں بھٹکنا ہے۔"

❁

رات کے ڈیڑھ بج رہے تھے۔ سونیا ٹیوی کی اقامتی عمارت کے سامنے رک گئی۔ اُس کی سانس پھول رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ یہاں تک دوڑتی ہوئی آئی ہو۔

ٹیوی کا آفس اور رہائشی کمرے ایک ہی عمارت میں تھے۔ سونیا نے کال بل کا بٹن دبایا.... اور مڑ کر اندھیرے میں گھورنے لگی۔

کچھ دیر ٹھہر کر اُس نے پھر دو تین بار بٹن دبایا اور اندر سے قدموں کی آوازیں آئیں۔

دروازہ کھلا اور سونیا ٹیوی کو پیچھے دھکیلتی ہوئی اندر گھس پڑی۔

ٹیوی کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں اور وہ اُسے دروازہ بند کرتے دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ اس کی طرف مڑی۔ تھوڑی دیر تک اُسے گھورتی رہی پھر سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔ "یہ تم نے کیا کیا؟"

"کیا بات ہے؟" ٹیوی کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ نظر آئی۔ "کیا زیادہ پی گئی ہو؟"

یک بیک سونیا ہسٹریائی انداز میں اُس پر جھپٹ پڑی اور گریبان پکڑ کر جھنجھوڑتی ہوئی چیخی۔ "یہ تم نے کیا.... کیا....؟"

ٹیوی نے اُس کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لئے اور اُسے صوفے کی طرف کھینچتا ہوا بولا۔ "یہ بہت بُری بات ہے کہ اب تم اتنی زیادہ پینے لگی ہو۔ میں اسے پسند نہیں کرتا اور اسی حالت میں تم نے ڈرائیونگ بھی کی ہوگی۔"

اُس نے اُسے صوفے پر دھکیل دیا اور سونیا چیخ چیخ کر رونے لگی۔

"اوہ.... شور مت مچاؤ.... لوگ کیا سمجھیں گے۔" ٹیوی دانت پیس کر بولا۔ مگر وہ ہسٹریائی انداز میں روتی ہی رہی۔

"کیا مصیبت ہے۔"

دفعتاً سونیا نے سر اٹھا کر کہا۔ "تم نے مجھے دھوکا دیا تم.... میں تمہیں ایسا نہیں سمجھتی تھی۔"

"بالکل.... میں خود کہتا ہوں کہ میں بہت بُرا آدمی ہوں۔" ٹیوی نے جھک کر اُس کا شانہ ہلاتے ہوئے کہا۔ "میں کب کہتا ہوں کہ میں نے تمہیں دھوکے نہیں دیئے مگر اب تم سو جاؤ تو بہتر ہے۔"

وہ اچھل کر بیٹھ گئی اور حلق پھاڑ کر چیخی۔ "کیا میں پاگل ہوں؟"

"نن.... نہیں.... پاگل تو میں ہوں۔" ٹیوی نے آہستہ سے کہا اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتا ہوا بولا۔ "چلو اپنی خواب گاہ میں چلو۔ میں نے تم سے کتنی بار کہا ہے کہ صرف میرے ہی ساتھ پیا کرو۔ خود تمہیں اندازہ نہیں ہوتا کہ تم کتنی پی رہی ہو۔"

"چھوڑو.... مجھے۔" سونیا نے جھٹکے کے ساتھ اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

پھر ٹیوی کو غصہ آگیا اور اُس نے سخت لہجے میں کہا۔ "کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں تم پر ٹھنڈے پانی کی بالٹی الٹ دوں؟"

"نہیں.... مجھے بھی گولی مار دو۔ میرے خدا.... کتنا ڈراؤنا منظر تھا۔ ٹیوی مجھے تم سے

نفرت ہو گئی ہے۔ میں تمہیں قاتل نہیں سمجھی تھی۔"

"کیا مطلب.....؟" ٹیوی بوکھلا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"تم خونی ہو..... اس سے انکار نہیں کر سکتے۔" سونیا نے اُس کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔

"کیا بک رہی ہو..... میں نے کسے قتل کیا ہے؟"

"تمہارے آدمیوں نے آخر کار خاور کو موت کے گھاٹ اتار ہی دیا اور نادانستگی میں میں نے بھی اس میں حصہ لیا۔"

"خدا کے لئے پوری بات بتاؤ۔ کیا کہہ رہی ہو تم.....؟" ٹیوی مضطربانہ انداز میں بولا۔

"مجھے بے وقوف مت بناؤ۔ میں تمہارے سیاہ کارناموں میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتی۔"

"سونیا.....!" ٹیوی کے چہرے پر سختی کے آثار نظر آئے۔ اُس کے پتلے پتلے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور آنکھیں ساکت ہو گئی تھیں۔ سونیا جانتی تھی کہ اب وہ زبان سے کچھ بھی نہ کہے گا لیکن خود اُسے وہی کرنا پڑے گا جو وہ چاہے گا۔ ٹیوی کا یہ موڈ ایسا ہی ہوتا تھا اور وہ اُس سے خائف رہتی تھی۔

وہ خاموش ہو گئی۔ اُس کے ذہن کو جھٹکا سا لگا تھا۔ وہ سسکیاں لیتی ہوئی بولی۔ "تم مجھے گولی مار دو۔ مگر میں ایسے کاموں میں تمہارا ہاتھ نہیں بٹا سکتی۔ تم نے خاور کو دھوکے سے قتل کرا دیا۔"

"یہ غلط ہے۔ میں اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔" ٹیوی کا لہجہ بے حد سرد تھا۔

"تب پھر یہ کس کی حرکت تھی؟"

"پورا واقعہ بتاؤ.....؟"

"وہ میری گاڑی میں تھا۔ ہم دونوں نے رین بو میں ساتھ کھانا کھایا تھا۔ میں آج دراصل اُس کی قیام گاہ دیکھنا چاہتی تھی۔ اس لئے جب وہ باہر نکل کر ٹیکسی تلاش کرنے لگا..... تو میں نے کہا کہ میں اُسے اپنی گاڑی میں پہنچا دوں گی۔ اُس نے ندی پار کی ایک عمارت کا نام لیا تھا لیکن وہ میری گاڑی میں بیٹھتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ میں نے اُس سے کہا کہ میں ٹیوی ہی کی کار پر دار سہی لیکن ٹیوی بلنگر کی طرح کمینہ نہیں ہے۔ وہ کوئی نامناسب قدم نہیں اٹھائے گا۔ تب وہ یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ وہ ڈرپوک نہیں ہے میری گاڑی میں بیٹھ گیا۔ بہر حال میں اُس کے بتائے ہوئے رُخ پر چل پڑی تھی۔ ندی کا پل سنسان پڑا تھا۔ جیسے ہی میری گاڑی پل کے وسط میں پہنچی پیچھے سے ایک کار آگے بڑھ کر ہماری راہ میں حائل ہو گئی۔ اگر میں نے ذرا بھی اوسان کھوئے ہوتے تو ٹکر یقینی تھی۔ پھر یکایک اس گاڑی سے تین آدمی کود ے جن کے ہاتھوں میں ریوالور تھے۔ انہوں نے

ے باہر نکلنے کو کہا۔ خاور اترنے لگا تو میں نے اُس کا بازو پکڑ لیا۔ مگر اُس شریف آدمی نے کہا۔ "میں تمہاری گاڑی میں نہیں مرنا چاہتا۔" اتنے میں ایک ریوالور کی نال میری کنپٹی سے آلگی اور میں نے خاور کا بازو چھوڑ دیا۔ وہ نیچے اُترا اور وہ تینوں اُسے کور کیے ہوئے رینگ تک لے گئے۔ پھر یک دم تین فائر ہوئے اور خاور ندی میں گر گیا اور وہ تینوں گاڑی میں بیٹھ کر فرار ہو گئے..... ھر دیکھو ٹیوی۔ مجھے جواب دو..... آخر وہ مجھے کیوں نظر انداز کر گئے تھے؟"

"ہوں.....!" ٹیوی معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ "محض اس لئے کہ تم اس حادثے کی اطلاع پلیس کو ہرگز نہ دو گی۔ ظاہر ہے کہ خاور کو راستے سے ہٹانے والا ٹیوی ہی ہو سکتا ہے۔"

"اوہ..... تو تم ہی تھے؟" سونیا نے سسکی لی۔

"ہرگز نہیں..... میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہے۔ میں اس حد تک نہیں جا سکتا۔ میں صرف خرید و فروخت کا قائل ہوں۔ بس اس سلسلے میں یہ میرے آخری الفاظ ہیں۔ تم اب مجھ سے کچھ نہ پوچھو گی..... جاؤ..... سو جاؤ۔"

سونیا بے بس نظر آنے لگی۔ ٹیوی اپنی خواب گاہ کی طرف مڑ گیا۔

الزام

سونیا ساری رات سو نہ سکی۔ ذہنی اذیت سے بچنے کے لئے اُسے شراب کا سہارا لینا پڑا تھا اور پھر اُس نے اتنی پی لی تھی کہ ہوش نہیں رہا تھا۔ صبح جب دیر تک اُس کی خواب گاہ کا دروازہ نہ کھلا ٹیوی کو تشویش ہوئی۔

پھر دروازہ توڑنا ہی پڑا تھا اور ٹیوی نے اطمینان کی سانس لی تھی۔ وہ تو سمجھا تھا کہ شاید سونیا نے خودکشی کر لی۔

سونیا بارہ بجے تک بے سدھ پڑی رہی تھی۔ پھر جب شراب کے اثرات زائل ہوئے تو ہوش آنے پر اُس نے طبیعت پر بہت زیادہ گرانی محسوس کی۔ اس کے لئے پھر اُسے شراب ہی کا سہارا لینا پڑا۔ لیکن اتنا زیادہ نہیں کہ ذہن پھر ماؤف ہو کر رہ جاتا۔

خاور والا حادثہ پھر اس کے ذہن میں چبھنے لگا۔ ٹیوی نے اعتراف نہیں کیا تھا مگر پھر یہ کس کی حرکت ہو سکتی تھی۔ بلنگر کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا کیونکہ خاور کا وجود تو اُس کے لئے فائدہ مند ثابت ہونے والا تھا اور پھر اگر وہ بلنگر ہی کے آدمی تھے تو انہوں نے خود سونیا کو بھی کیوں نہ

ٹھکانے لگادیا۔ ظاہر ہے کہ اس طرح تو خاور کی کہانی وہیں اُسی جگہ ختم ہو جاتی۔ بہر حال اس طرح بلنگر تو الگ کیا جاسکتا تھا اس معاملے سے۔ ٹیوی اس کا اعتراف نہیں کر رہا تھا کہ اس حادثے میں اُس کا ہاتھ ہے.... پھر؟

یک بیک اُسے ٹیوی کا وہ پُر اسرار ہمدرد یاد آگیا جو اکثر معاملات میں اُس کا مددگار ہونے کا دعویدار تھا۔ سونیا کی کنپٹیاں چیخنے لگیں۔ کیا وہ نامعلوم مددگار بھی اس حد تک جاسکتا ہے؟ ٹیوی کے بیان کے مطابق اُس کا دعویٰ تھا کہ وہ بے غرض ہو کر اُس کی مدد کرتا ہے۔ مقصد اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے کہ وہ ٹیوی کے پہلوان کی کامیابی کا متمنی رہتا ہے۔ لیکن کیا وہ اتنی ذرا سی بات کے لئے کسی کو قتل بھی کر سکتا ہے۔ اگر قتل کر سکتا ہے تو یہ ہمدردی محض رسمی نہیں ہو سکتی۔ کوئی بہت بڑا ذاتی مفاد ہی ایسے افعال پر آمادہ کر سکتا ہے؟ مگر وہ ذاتی مفاد....؟ جس کا علم ٹیوی کو بھی نہ ہو.... کیا ہو سکتا ہے؟ اس کی نوعیت کیا ہو گی؟

سونیا سوچتی رہی اور اُس کا سر چکراتا رہا۔ "آہا"..... وہ یک بیک اچھل پڑی۔ ایک آدمی اور بھی تو ہے؟ وہ جس کی تلاش خاور کو تھی اور جسے پاجانے پر وہ کچا ہی چبا جاتا۔ وہی جو اُس کے بھائی کو ورغلا کر نکال لایا تھا۔ سرمہ فروش.... وہ اُس کا نام یاد کرنے کی کوشش کرنے لگی لیکن یاد نہ آیا۔

اب کسی حد تک اُس کی ذہنی خلش رفع ہو گئی تھی۔ ٹیوی کو وہ اچھی طرح جانتی تھی۔ اُسے اُس کی اس بات پر اتفاق تھا کہ وہ "خرید و فروخت" سے آگے بڑھنے کا عادی نہیں ہے۔ اُس نے داور کو حاصل کرنے کے لئے آٹھ ہزار صرف کیے تھے۔ اسی طرح وہ خاور کو بھی خریدنے کی کوشش کرتا۔ اس معاملے میں وہ بلنگر پر ہمیشہ بھاری رہتا تھا۔ ٹیوی اس وقت رہائشی کمروں میں موجود نہیں تھا۔ اس لئے سونیا لباس تبدیل کر کے آفس والے حصے کی طرف روانہ ہو گئی۔ ٹیوی اپنے کمرے میں تنہا نہیں تھا۔ وہاں دیو پیکر پہلوان داور بھی موجود تھا۔

ٹیوی نے سونیا کی طرف دھیان نہیں دیا۔ وہ داور سے گفتگو کر رہا تھا۔

"تم ساگر کے ساتھ کیوں چلے آئے تھے۔ اگر ایسے ہی بڑے رئیس ہو۔" اُس نے داور سے پوچھا۔

"اوہ.... ساگر....!" سونیا کو اُس کا نام یاد آگیا۔

"قیا بتاؤں....!" داور نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "سالے نے کہا تھا.... کہا تھا.... ہی ہی ہی۔"

وہ سونیا کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگا تھا۔

"میری بات کا جواب دو۔" ٹیوی نے کہا۔

"اُس نے کہا تھا.... ہی ہی ہی.... میں تمہاری شادی کرا دوں گا.... ہی ہی۔" داور کہہ

شرما گیا اور سونیا کو بے ساختہ ہنسی آگئی اور ٹیوی مسکرا پڑا۔

"تم کیسے پہلوان ہو؟" ٹیوی نے کہا۔

"قیوں....؟" داور نے آنکھیں نکالیں۔

"پہلوانوں کو شادی وادی کی فکر نہیں ہوتی۔"

"امے جاؤ.... ٹھینگے پر گئی.... ایسی پہلوانی.... واہ اب کوئی شادی بھی نہ کرے۔ جاؤ میں نہیں کرتا تمہاری نوکری۔"

"کیا تمہاری شادی آسانی سے نہیں ہو سکتی تھی کہ ایک بدمعاش آدمی تمہیں اُلو بنانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔"

"اے زبان سنبھال لے.... تم مجھے اُلو کہہ رہے ہو۔"

"تمہیں نہیں کہہ رہا ہوں۔" ٹیوی مسکرایا۔ "خیر اگر شادی ہی کی بات ہے تو یہاں روستمبا میں دس شادیاں ہو جائیں گی یہاں کی لڑکیاں پہلوانوں پر جان دیتی ہیں۔"

"کیا بے تکی باتیں کر رہے ہو۔" سونیا نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"اوہ....!" ٹیوی چونک کر سونیا کو گھورنے لگا۔ "تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

"کچھ نہیں۔" وہ ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی اور ٹیوی مضطرب سا نظر آنے لگا۔

"تم کسی بات میں دخل نہیں دو گی۔" ٹیوی نے سخت لہجے میں کہا۔

"نہیں مجھے عقل آگئی ہے۔ میں ساگر کے امکانات پر غور کر رہی ہوں۔"

ٹیوی نے ایک طویل سانس لی اور داور کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"خاور سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟"

"قیوں! تم انہیں کیا جانو۔"

"میری بات کا جواب دو۔ وہ میرے دوست ہیں۔"

"ارے باپ رے۔" داور پلکیں جھپکانے لگا۔

"کیوں....؟"

"انہیں میرے بارے میں کچھ نہ لکھنا۔"

"کیوں! تم گھبرا کیوں گئے؟"

"اگر انہیں معلوم ہو گیا کہ میں یہاں ہوں تو آکر میری ہڈیاں توڑ دیں گے۔ وہ میرے بڑے بھائی ہیں۔"

"تم اتنے لحیم شحیم ہو۔ خاور تمہارا آدھا بھی نہیں ہے۔"

"مم.... مگر.... وہ مجھ سے زیادہ طاقت ور ہیں۔ انہوں نے مجھے پہلوان بنایا ہے۔ اگر ایک گھونسہ مار دیں تو میں تین دن بے ہوش پڑا رہوں گا۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر ٹیوی نے کہا۔ "مقابلے کے دن قریب آ رہے ہیں۔ تمہاری تیاری کیسی ہے؟"

"بس بوشن کو مار مار کر بھس بھر دوں گا۔"

"اچھا.... جاؤ.... اس مقابلے کے بعد ہی تمہارے گرد اتنی لڑکیاں ہوں گی کہ انتخاب مشکل ہو جائے گا۔"

داور کی "ہی ہی ہی" چل پڑی اور وہ اسی طرح ہنستا ہوا رخصت ہو گیا۔

اب ٹیوی پھر ایک طویل سانس لے کر سونیا کی طرف پلٹ پڑا۔

"تو تمہیں عقل آ گئی ہے؟" وہ مسکرایا۔

"ہاں....! وہ ساگر بھی تو ہو سکتا ہے۔ یقیناً خاور اُس سے اتنا ہی خفا تھا کہ اگر پا جاتا تو اُس کی بوٹیاں نوچ ڈالتا۔"

"اوہ.... یہ ساگر....؟ میرے لئے مستقل درد سر بن کر رہ گیا ہے۔ پتہ نہیں وہ کیا چاہتا ہے۔ کس چکر میں ہے۔ آخر شارٹی جیسا گدھا اُسے بے وقوف بنانے میں کیسے کامیاب ہو گیا۔ اُس نے وہ آٹھ ہزار روپے گریٹا کے نام سے جمع کرا دیئے ہیں۔"

"میری دانست میں۔" سونیا آنکھیں بند کر کے مسکرائی۔ "گریٹا ہی کے گرد یہ کہانی گھوم رہی ہے۔ وہ کتنی دلکش ہے۔"

اُس نے آنکھیں کھول دیں اور ٹیوی کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔ ٹیوی نے خشک سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "بوشن اُسے حاصل کئے بغیر نہیں رہے گا۔"

"ہوں!" کچھ سوچتی ہوئی سونیا بولی۔ "تمہارے پُر اسرار ہمدرد سے بھی یہ حرکت سرزد ہو سکتی ہے۔"

"میں نے بھی سوچا تھا لیکن یہ خیال مضحکہ خیز ہے۔ وہ مجھے فائدہ پہنچانے کے لئے قتل کیوں کرنے لگا.... مم.... مگر....!"

وہ اُس کی آنکھوں میں ذہنی کش مکش کی کیفیت صاف پڑھ سکتی تھی۔ ٹیوی نے تاش کے پتے پھینٹنے شروع کر دیئے۔ وہ کسی گہرے خیال میں ڈوب گیا تھا۔

"کیوں! تم نے جواب نہیں دیا؟" سونیا نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"کیا جواب دوں" ٹیوی نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "یہ نامعلوم آدمی میرے لئے رصہ سے سوہان روح بنا ہوا ہے۔ اکثر مجھے غیر متوقع طور پر نقصانات بھی پہنچے ہیں اور میں نے ن کے متعلق بہت سوچا ہے.... لیکن.... لیکن.... ختم کرو۔ مجھے الجھن ہو رہی ہے۔"

❁

سونیا اور گریٹا ساگر کی تلاش میں نکلی تھیں۔ گو یقین نہیں تھا کہ وہ مل ہی جائے گا۔ مگر پھر ہی سونیا نے گریٹا کو آمادہ کر لیا تھا۔ اُس نے محسوس کیا تھا کہ گریٹا کو ساگر سے ہمدردی ہے۔ سونیا اخیال تھا کہ اگر ساگر ہی نے خاور کو ٹھکانے لگایا ہے تو اب وہ سامنے آ جائے گا۔ وہ ایسا آدمی نہیں معلوم ہوتا کہ بلنگریا اُس کے آدمیوں سے خائف ہو جائے جب کہ وہ اُن کی مرمت بھی کر چکا تھا ور پھر اگر وہی خاور کا قاتل بھی تھا تو تنہا نہیں ہو سکتا کیونکہ تین آدمیوں نے خاور کو موت کے اٹ اتارا تھا۔ سونیا نے گریٹا کو اس بات پر مطمئن کر دیا تھا کہ ٹیوی تو کسی بُرے ارادے کے تحت ساگر کی تلاش میں نہیں ہے بلکہ وہ کسی معاملے میں اُس کی مدد چاہتا ہے۔

اچانک ایک جگہ گریٹا نے اُسے کار روکنے کو کہا۔ وہ نشاط سینما کے ایک بڑے پوسٹر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جس پر تحریر تھا۔

"جادو کے عظیم الشان کارنامے.... ملایا کے پروفیسر پنکو جلیل پیش کرتے ہیں۔ ایسے کھیل جنہیں آپ کی چشم تصور بھی نہ دیکھ سکی ہو گی۔

آج ملاحظہ فرمایئے تین گھنٹے کا پروگرام....!"

تحریر کے نیچے ایک بہت بڑی تصویر تھی۔ وہ کوئی بڑی مونچھوں والا آدمی تھا۔

"اگر یہی پروفیسر پنکو جلیل ہے....!" وہ بڑبڑائی۔

"کیا....؟" سونیا بورڈ کی طرف متوجہ ہو گئی۔ "ہاں تم کیا کہہ رہی تھیں؟"

"اگر ساگر اپنے چہرے میں صرف گھنی مونچھوں کا اضافہ کر لے تو بالکل ایسا ہی لگے گا.... ا.... اُس کی آنکھیں بھلائی نہیں جا سکتیں۔"

"اگر یہ بات ہے تو اسے بھی دیکھ ہی لیں۔ تم نے اُسے بہت قریب سے دیکھا ہو گا۔"

گریٹا نے کوئی جواب نہ دیا۔

کھیل شروع ہونے میں ابھی کئی گھنٹوں کی دیر تھی۔ اس لئے وہ اِدھر اُدھر گھومتی پھریں۔ ونیا نے پھر ساگر کا تذکرہ نہیں چھیڑا تھا۔ وہ مختلف موضوعات پر گفتگو کرتی رہی تھیں۔

چھ بجے وہ آرکسٹرا کا ٹکٹ لے کر ہال میں داخل ہوئیں۔ اُن کی کرسیاں اسٹیج سے قریب ترین قطار میں تھیں۔

ملایا کا جادوگر بڑے مضحکہ خیز لباس میں اسٹیج پر آیا۔ اس لباس نے اُسے اچھا خاصا بڑے کیس والا مرغ بنا کر رکھ دیا تھا۔

گریٹا نے سونیا کا ہاتھ دبا کر آہستہ سے کہا۔ "وہی ہے.... وہ صرف مونچھوں کا اضافہ۔ مگر یہ اضافہ بڑی صفائی سے کیا گیا ہے۔ مونچھیں نقلی نہیں معلوم ہوتیں۔"

"اوہ.... تو پھر.... خیر دیکھو۔ کیا گل کھلتے ہیں۔ بڑا چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

تین گھنٹوں کے پروگرام میں رقص و سرور بھی شامل تھے۔ دراصل.... خاص پروگرام رقص و سرور ہی کا تھا۔ تیاری کے وقفے میں ملایا کا جادوگر اپنے کرتب دکھانے لگتا تھا تاکہ تماشائی بور نہ ہوں۔ جادو کیا سوفی صدی مسخرہ پن تھا۔ جگلری کی پیروڈی۔ مثال کے طور پر اُس نے تماشائیوں کو ایک ابلا ہوا انڈا دکھاتے ہوئے کہا۔ "خواتین و حضرات! اب میں اس صدی کا سب سے حیرت انگیز کمال آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ یہ ایک ابلا ہوا انڈا ہے۔ اسے میں کھائے لیتا ہوں۔"

وہ انڈا کھا کر ایک گلاس پانی پیتا ہے اور پھر کسی آسودہ حال بنیئے کی طرح پیٹ پر ہاتھ پھیر کر ڈکاریں لیتا ہوا کہتا ہے۔ "اب یہ انڈا ہال میں بیٹھے ہوئے کسی صاحب کی جیب سے برآمد ہوگا۔ براہ کرم اپنی جیبیں ٹٹولئے.... جن صاحب کی جیب میں موجود ہو براہِ کرم ہاتھ اٹھا دیں۔ ہاں میں انڈا صرف سب سے بڑے بے ایمان آدمی کی جیب میں جاتا ہے۔"

آس پاس بعض لوگ اپنی جیبیں ٹٹولتے ہوئے نظر آتے ہیں.... لیکن ہال میں کسی کا ہاتھ اٹھا ہوا نہیں دکھائی دیتا۔ جیبیں ٹٹولنے والے جھینپے ہوئے انداز میں ہنستے ہیں۔

"ہاتھ اٹھاؤ.... ہاتھ اٹھاؤ.... کس کے پاس ہے؟" کئی آوازیں ابھرتی ہیں اور پھر قہقہے بلند ہوتے ہیں۔

"خدا کے لئے ہاتھ اٹھائیے صاحب۔ میرے علم پر حرف آتا ہے۔" ملایا کے جادوگر نے گھگھیا کر کہا۔ لیکن صرف قہقہوں کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔

"دیکھا تم نے؟" گریٹا نے ہنس کر کہا۔ "یہاں بھی وہ الو بنا رہا ہے۔ بھلا کون ہاتھ اٹھا کر خود کو سب سے بڑا بے ایمان ثابت کرے گا۔"

"سوال یہ ہے کہ ہم اُس سے ملیں گے کس طرح؟" سونیا نے کہا۔

"نہایت آسانی سے۔" گریٹا بولی۔ "اُس تک پہنچنا مشکل کام نہ ہوگا۔ بھلا اُس سے ملنے کون جائے گا۔ زیادہ بھیڑ تو رقاصوں اور گانے والیوں کے گرد ہوگی۔ ہم اُس سے ملیں گے۔ یقین کرو اُس کے قریب بس ہم دونوں ہی ہوں گے۔"

"تمہیں یقین ہے نا کہ یہ ساگر ہی ہے؟"

"آواز سن لینے کے بعد تو لاکھوں کی شرط لگا سکتی ہوں۔" گریٹا نے جواب دیا۔

❁

ٹیوی دیر سے سونے کا عادی تھا۔ لیکن آج ٹھیک سات بجے خواب گاہ میں داخل ہو گیا تھا۔ طبیعت بھاری تھی اور وہ سوچتے سوچتے تھک گیا تھا۔ لیکن پندرہ منٹ بھی سکون کے ساتھ نہ لیٹ سکا کیونکہ فوراً ہی گھنٹی بجنے لگی تھی۔

اُس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا لیکن اُس کی پیشانی پر شکنیں تھیں۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ دوسری طرف سے بولنے والے کی آواز سن کر وہ شکنیں یکلخت غائب ہو گئی ہوں۔ یہ اُسی پراسرار آدمی کی آواز تھی جس کے نام تک سے وہ واقف نہیں تھا۔

"کیا خبر ہے ٹیوی؟"

"تمہیں مجھ سے زیادہ خبریں معلوم ہوتی رہتی ہیں۔" ٹیوی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"خاور کا کیا رہا؟ میں نے سونیا کو اُس کے ساتھ دیکھا تھا۔"

"اور سونیا نے اُسے مرکر ندی میں گرتے دیکھا تھا۔"

"کیا مطلب....؟"

"مطلب تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔ مگر دوست میں نے یہ کبھی نہیں چاہا تھا کہ تم اس حد تک بڑھ جاؤ۔"

"میں بالکل نہیں سمجھا۔"

"کیوں بن رہے ہو۔ میں پوچھتا ہوں آخر تم کیوں میرے معاملات میں اس حد تک دلچسپی لیتے ہو؟"

"میں جانتا تھا کہ ایک دن یہ سوال تمہارے ذہن میں ضرور ابھرے گا۔"

"اور میں اس کا ایسا جواب چاہتا ہوں جو مجھے مطمئن کر سکے۔"

"ہوں ٹھہرو.... پہلے مجھے وہ واقعہ بتاؤ جس کے سلسلے میں تم نے سونیا خاور اور ندی کا حوالہ دیا تھا۔"

ٹیوی نے کچھ سوچتے ہوئے خاور کے متعلق سونیا کا بیان دہرا دیا۔

"میرے لئے ایک دلچسپ اطلاع ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "واقعی تم بہت سمجھ دار آدمی ہو ٹیوی۔"

"کیا مطلب.....؟" ٹیوی چونک پڑا۔

"بہر حال مجھے خوشی ہے کہ تم مجھ پر اعتماد کرتے ہو۔ ورنہ مجھے اس کے متعلق کیوں بتاتے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"آہا.....!" ٹیوی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "تو تم..... اپنا یہ جرم میرے سر تھوپنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"واہ..... دوست.....!" دوسری طرف سے قہقہے کی آواز آئی۔ "تم نے تو کمال ہی کر دیا۔ مگر تم مجھے پاؤ گے کہاں پھانسی دلوانے کے لئے؟"

"ہوں.....!" ٹیوی کی بھنویں تن گئیں۔ "میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم میرے پیچھے کیوں لگے ہو۔ تمہیں مجھ سے اتنی ہمدردی کیوں ہے کہ میرے لئے قتل کرتے پھرو۔"

"میں کسی کے لئے بھی قتل نہیں کر سکتا۔ ٹیوی تم پتہ نہیں کیا بکواس کر رہے ہو۔"

"کاش میں تم سے واقف ہوتا۔" ٹیوی نے کہا۔

"کیا تم مجھ سے ملنا چاہتے ہو؟"

"یقیناً!"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ ہماری بعض غلط فہمیاں رفع ہو جائیں۔ میں تمہارے ذہن سے یہ بات نکالنا چاہتا ہوں کہ میں اپنے کسی مفاد کے تحت تمہارے کام آتا ہوں۔ اچھا ساڑھے آٹھ بجے مجھے پیلس ہوٹل والی گلی میں ملو۔ میں منتظر رہوں گا۔ آؤ گے نا؟"

"آؤں گا۔" ٹیوی نے کہا اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

کنور سعید

ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے ٹیوی پیلس ہوٹل والی گلی میں داخل ہوا۔ یہ گلی ایک شاندار ہوٹل سے منسوب کی جاتی تھی لیکن سورج غروب ہونے کے بعد یہاں قدم رکھنا صرف وہی لوگ پسند کرتے تھے جن کی رہائش یہاں تھی کیونکہ یہ ایک تاریک اور متعفن گلی تھی۔ زمین ناہموار تھی

اس لئے اجنبی قسم کے راہگیر اکثر ہاتھ منہ توڑ بیٹھتے تھے۔ ایک فرلانگ لمبی گلی میں صرف ایک جگہ ایک کیروسین لیمپ پول تھا جس کی روشنی تھوڑے سے حصے میں پھیل کر رہ گئی تھی۔

ٹیوی اسی پول کے قریب رک گیا چونکہ اُس کے دل میں کئی طرح کے خدشات بھی موجود تھے۔ اس لئے وہ اپنے گرد و پیش سے باخبر رہنا چاہتا تھا۔

دفعتاً اُس نے اپنی پشت پر کسی قسم کی آواز سنی اور چونک کر مڑا۔ ایک طویل قامت آدمی تھوڑی ہی فاصلے پر کھڑا تھا۔ لیکن ٹیوی اُس کی شکل نہ دیکھ سکا کیونکہ اوور کوٹ کا کالر کانوں تک اٹھا ہوا تھا اور فلٹ ہیٹ کا گوشہ پیشانی پر جھک آیا تھا۔

"مسٹر ٹیوی پلیز..... میرے پیچھے آیئے۔" اُس نے آہستہ سے کہا اور بڑی لاپرواہی سے دوسری طرف مڑ گیا۔ اُس کی چال سے بے اطمینانی نہیں ظاہر ہو رہی تھی۔ ٹیوی اُس کے پیچھے چلنے لگا۔ پھر وہ کیروسین لیمپ کی روشنی کی حدود سے باہر ہو گئے اور ٹیوی کو اُس کا دھندلا سایہ نظر آتا رہا۔

"ٹھہرو دوست.....!" دفعتاً اُس نے اُسے آہستہ سے پکارا۔ "کہاں چلنا ہے؟"

لیکن یک بیک کسی کا ہاتھ اُس کی داہنی جیب پر پڑا اور کوئی سخت چیز کمر سے آ لگی۔ ساتھ ہی کسی نے آہستہ سے کہا۔ "ٹھہر جاؤ۔ ہلے اور ڈھیر کر دیئے گئے۔"

ٹیوی کی داہنی جیب سے اعشاریہ دو پانچ کا پستول پہلے ہی نکالا جا چکا تھا اور کمر سے چبھنے والی سخت چیز غالباً کسی ریوالور کی نال ہی تھی۔

ٹیوی کے قدم رک گئے تو اس کا مطلب تھا کشمکش؟ اگلا لمبا آدمی اندھیرے میں غائب ہو چکا تھا۔

"آہستہ آہستہ چلو۔" ریوالور والے نے کہا اور ٹیوی چلنے لگا۔ اُس کے اوسان بحال تھے اور وہ محسوس کر رہا تھا اُسے ریوالور کی نال سے دھکیلنے والا بے آواز چل رہا ہے۔ پتہ نہیں کتنی دور سے وہ اُس کا تعاقب کرتا رہا ہو گا۔

"بائیں طرف مڑ جاؤ۔" کہا گیا۔

ٹیوی کھلے ہوئے دروازے کے سامنے رک گیا۔ اندر ایک دھندلا سا کیروسین لیمپ روشن تھا۔ سامنے والی گندی دیوار کھنگی اور بدحالی کی کہانیاں سنا رہی تھی۔

"اندر چلو.....!" کہا گیا۔

"میری نیت میں فتور نہیں ہے۔" ٹیوی مسکرایا۔ "ضرور چلوں گا۔"

وہ دروازے سے گذر کر ایک تنگ سے کمرے میں داخل ہوا جس کے آگے ایک طویل

راہداری نظر آئی۔ اُس سے پھر چلتے رہنے کو کہا گیا۔

راہداری کا اختتام بھی ایک دروازے ہی پر ہوا تھا۔ ٹیوی رک گیا۔ کیونکہ دروازہ بند تھا۔

"دروازے کو دھکا دو۔" حکم ملا۔

دروازہ کھلتے ہی ٹیوی روشنی میں نہا گیا۔ کیونکہ اس بڑے کمرے میں دو پٹرومیکس لیمپ روشن تھے۔ سامنے آرام کرسی میں ایک مجہول سا آدمی نیم دراز تھا جس کا سارا جسم سیاہ رنگ کے کمبل سے ڈھکا ہوا تھا۔ سر کے بڑے بڑے بال پریشان تھے اور گھنی داڑھی شاید سالہا سال سے بے مرمت ہی رہی تھی.... آنکھیں سرخ اور وحشت انگیز تھیں۔ اُس کے علاوہ کمرے میں تین آدمی اور بھی تھے لیکن اُن کے چہروں پر سیاہ نقابیں تھیں اور وہ مؤدبانہ انداز میں کھڑے تھے۔

ٹیوی کو یہاں تک لانے والا بھی نقاب پوش ہی ثابت ہوا۔ ٹیوی اپنی یادداشت پر زور دینے لگا کہ اُس نے اُس مجہول آدمی کو پہلے بھی کبھی دیکھا تھا یا نہیں۔

"مجھے دیکھ لو ٹیوی۔" دفعتاً اُس آدمی نے کہا اور ٹیوی اچھل پڑا کیونکہ آواز تو ویسی ہی تھی جیسی وہ اب تک فون پر سنتا رہا تھا لیکن اس کا وہم بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ اس قسم کا کوئی مجہول آدمی ہوگا۔

"دیکھ لیا....!" ٹیوی نے خود کو پرسکون رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"تمہیں اس وقت کئی سوالات کے جواب دینے پڑیں گے۔"

"لیکن میرا صرف ایک ہی سوال ہے۔" ٹیوی بولا۔ "تم میرے ہمدرد کیوں ہو؟"

"ہمیشہ رہوں گا۔" جواب ملا۔ "لیکن اگر کبھی تم نے میرے متعلق چھان بین کرنے کی کوشش کی تو تمہاری کھوپڑی میں سوراخ ہو جائے گا.... یہ مکان تمہیں تھوڑی دیر بعد خالی ملے گا اور تم اتنا بھی نہ معلوم کر سکو گے کہ اس کا مالک کون ہے۔"

"مجھے معلوم کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔" ٹیوی نے لاپروائی سے کہا۔

"خیر اب مجھے بتاؤ کہ تم نے ساگر، خاور اور داور کو کس لئے اکٹھا کیا ہے؟"

"میں نے اکٹھا کیا ہے؟" ٹیوی کا لہجہ متحیرانہ تھا۔

"ہاں.... اور اب تم مجھے دوسری کہانی سنا رہے ہو۔ مجھ پر تہمت رکھ رہے ہو کہ میں نے خاور کو قتل کر دیا۔"

"میرا خیال تھا میں نے حتمی طور پر تو نہیں کہا۔ تم بُرا کیوں مان گئے۔"

"کیوں کیا بلنگر اُس کا خاتمہ نہیں کر سکتا؟"

"قطعی نہیں۔" ٹیوی نے سر ہلا کر کہا۔ "اُس کے لئے تو خاور ایک بہترین مہرہ ثابت ہوا۔"

وہ کوشش ہی کر رہا تھا کہ کسی طرح خاور اُس کا ہم خیال ہو جائے اور داور میرا ساتھ چھوڑ دے۔"

"ٹیوی....!" مجہول آدمی کا لہجہ سخت تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک اُسے اپنی خوفناک آنکھوں سے گھورتا رہا پھر بولا۔ "تم مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔ مجھے خاور اور ساگر کا پتہ بتاؤ ورنہ نتیجے کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔"

"کیوں بکواس کر کے میرا وقت برباد کر رہے ہو۔" ٹیوی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "میں جا رہا ہوں۔" لیکن وہ دروازے کی طرف مڑا ہی تھا کہ اُس کی ٹھوڑی پر ایک زوردار گھونسہ پڑا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ پھر اُسے سنبھالا لینا ہی پڑا کیونکہ وہ نہ تو کمزور تھا اور نہ بزدل۔ یہ اور بات ہے کہ چھیڑ چھیڑ کر لڑنا اُس کی عادت نہ رہی ہو۔

وہ کافی دیر تک پٹتا اور پیٹتا رہا لیکن تابکے۔ وہ چار تھے اور ٹیوی تنہا۔ پھر وہ لڑائی بھڑائی کے گر سے بھی ناواقف تھا۔ انہوں نے اُسے گرا ہی لیا اور جب تک اُسے ہوش آیا برابر اُسے مجبور کیا جاتا رہا کہ وہ ساگر اور خاور کے متعلق زبان کھولے۔ مگر اُس کی زبان سے تو صرف گالیاں نکل رہی تھیں اور پھر کسی گالی کو ادھوری ہی چھوڑ کر وہ تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا تھا۔

❁

سونیا بے خبر سو رہی تھی کہ کسی نے دروازے پر زور زور سے دستک دی۔ آنکھ کھلتے ہی اُسے سخت غصہ آیا۔ ایسی بدتمیزی کی توقع اُسے ٹیوی سے نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن ٹیوی کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔ ملازموں میں اتنی جرأت کہاں کہ اس انداز میں دستک دیں گے۔

"کون ہے؟" وہ جھلا کر چیخی۔

"ہجور.... میم صاحب۔" اُس نے چوکیدار کی آواز پہچانی اور اٹھ کر شب خوابی کا لبادہ لپیٹتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی۔

اور پھر چوکیدار نے اُسے ایک بوکھلا دینے والی خبر سنائی۔ اُس نے بتایا کہ ٹیوی اس وقت کولوین ہاسپٹل میں ہے۔ پچھلی رات وہ گھر نہیں واپس آیا تھا۔ خود سونیا جب دس بجے گھر آئی تھی تو اُس نے اُسے موجود نہیں پایا تھا۔ پھر ساڑھے بارہ بجے تک وہ اُس کا انتظار کرنے کے بعد سو گئی تھی۔

اور اب اس وقت چوکیدار کہہ رہا تھا۔ "وہ بہت جلھم میں میم صاحب بے ہوش پڑے تھے سڑک پر۔ اب کالن ہسپتال سے کھبر آئی ہے۔"

"کیسے خبر آئی ہے؟"

"ٹیلی پھون پر ہجور۔"

"صاحب کی آواز تھی؟"

"ڈاگڈر صاحب کی۔"

"اوہ.... اچھا....!"

• پھر وہ بڑی بدحواسی کے عالم میں گھر سے رخصت ہوئی۔ ٹیوی پرائیویٹ وارڈ کے بستر پر پڑا کراہ رہا تھا اور دو پولیس انسپکٹرس شاید اُس کا بیان لے چکے تھے اور اب اٹھنے ہی والے تھے۔ ٹیوی کا چہرہ قریب قریب ناقابل شناخت ہو کر رہ گیا تھا۔ جگہ جگہ سیاہ اور نیلے نشانات تھے۔ ہونٹوں پر بدنما ساورم تھا۔ پیشانی بھی متورم تھی۔ بس وہ ٹیوی کا کارٹون معلوم ہو رہا تھا۔

سب انسپکٹروں کے باہر جاتے ہی سونیا بے اختیارانہ انداز میں اُس کے بستر کے قریب دوزانو ہو گئی۔

"یہ کیسے ہوا ٹیوی؟ یہ کیا ہے.... میرے خدا" وہ مضطربانہ اُس کے گالوں پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"اُس نے دوستی کا حق ادا کر دیا۔" ٹیوی نے مسکرانے کی کوشش کی۔ "مگر نہیں.... ہو سکتا ہے وہ.... وہی خطرناک آدمی ساگر رہا ہو۔"

پھر اُس نے کراہ کراہ کر ساری داستان دہرائی.... اور سونیا نے جلدی سے کہا۔ "مم.... مگر.... وہ.... ساگر تو نہیں ہو سکتا اور پھر تم جو وقت بتا رہے ہو اس دوران میں تو میں اُسے برابر دیکھتی رہی تھی اور ساڑھے نو بجے میں نے اُس سے گفتگو بھی کی تھی۔"

"کیا کہہ رہی ہو؟" ٹیوی کے لہجے میں تحیر تھا۔

سونیا نے اُسے جادوگر کے متعلق بتاتے ہوئے کہا۔ "اور وہ سچ مچ ساگر ہی نکلا۔ گریٹا اُسے الگ لے آئی تھی۔ ہم نے کچھ دیر تک تو اِدھر اُدھر کی باتیں کی تھیں پھر میں اصل موضوع کی طرف آ گئی تھی۔ میں نے اُس سے کہا تھا کہ ٹیوی کی فرم اُسے ہر حال میں خوش آمدید کہے گی اور ملازمت میں آ جانے کے بعد ہی وہ کم از کم ایک سال تک تو بلنگر کے آدمیوں کے حملے سے محفوظ ہی رہ سکے گا۔ اس پر اُس نے ہنس کر کہا تھا میں تو اس وقت بھی محفوظ ہوں۔ میں نے خاور کا حوالہ دیا تو بولا خاور جیسے بھی میری جیب میں پڑے رہتے ہیں۔"

"تو اُس نے کیا کہا؟"

"ملازم کی حیثیت سے وہ نہیں رہ سکتا۔ اُس کے حوصلے بہت بلند ہیں۔ اُس نے تمہارے بزنس کا حصہ دار بننے کی خواہش ظاہر کی تھی اس لئے میں نے اُس پر لعنت بھیج دی۔"

"اوہ.... تم نے بُرا کیا سونی ڈارلنگ.... وہ جس قیمت پر بھی آئے اسے لاؤ۔ مجھے ایک

تہائی چالاک اور سازشی آدمی کی ضرورت ہے۔ وہ کتنے کا حصہ چاہتا ہے۔"

"صرف دس فیصد....!"

"میں اُسے بیس دوں گا۔ تم معاملات طے کر لو۔"

"مگر.... کرو گے کیا۔ وہ تمہارے کس کام آ سکے گا....؟"

"اوہ.... وہ بڑا شاطر آدمی معلوم ہوتا ہے۔" ٹیوی نے کراہ کر کہا۔ "میں اُسے اس مردود کے پیچھے لگاؤں گا۔"

"مگر وہ اُسے ملے گا کہاں؟ ہاں پولیس نے اُس مکان کی تلاشی تو لی ہی ہو گی جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔"

"کچھ بھی نہیں ملا وہاں اور ابھی تک یہی نہیں معلوم ہو سکا کہ اُس کا مالک کون ہے۔"

"اسے اچھی طرح سوچ لو۔ ساگر بہت چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے کہیں وہ تمہیں کسی نئی مصیبت میں نہ پھنسا دے۔"

"میں اُس مردود کو فنا کر دینے کے سلسلے میں ڈوب جانا بھی پسند کروں گا۔ آخر وہ ہے کون؟ مجھ سے کیا چاہتا ہے.... یا.... یا.... دیکھو سونی میں سوچتا ہوں کہ کہیں وہ اب تک میری آڑ میں کوئی حرکت نہ کر رہا ہو۔"

❁

ایک ہفتے میں ٹیوی چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا۔ اس دوران میں سونیا نے ساگر سے نہ صرف سارے معاملات طے کر لئے تھے بلکہ خود بھی طے ہو کر رہ گئی تھی۔ یعنی کہ وہ نہ جانے کیوں یہ محسوس کرنے لگی تھی کہ جیسے ابھی تک اُس کی زندگی میں صرف ساگر ہی کی کمی رہی ہو۔ وہ ایک کھلنڈرا اور ہنس مکھ آدمی ثابت ہوا تھا.... یہی نہیں بلکہ اُس کے کئی جوہر بھی کھلے تھے۔ وہ بہترین میک اپ کر سکتا تھا آواز بدل سکتا تھا.... اور نہ جانے کس کس اَلا بَلا کا ماہر تھا۔ اُس نے ٹیوی کو اُس کی ساری خصوصیات بتائیں اور ٹیوی کی باچھیں کھل گئیں لیکن ابھی دونوں کا سامنا نہیں ہوا تھا۔

یک بیک ایک دن روستمبا کے اخبارات میں ایک اعلان دیکھا گیا۔ ٹیوی کے کاروبار کا ایک حصہ دار بھی پیدا ہو گیا تھا۔ کنور سعید.... جس کے ہاتھوں کسی رقم کے عوض ٹیوی نے اپنا آدھا کاروبار فروخت کر دیا تھا۔

اسی شام کو سونیا کنور سعید کے ساتھ روستمبا کی سب سے بڑی تفریح گاہ بلیو مون کلب میں

دیکھی گئی۔ وہ اُس سے کہہ رہی تھی۔ "ساگر! اس وقت تم سچ مچ شہزادے ہی لگ رہے ہو۔"

"شہزادے گدھے تو نہیں لگتے۔" ساگر نے جواب دیا۔

"ٹیوی سے تمہاری کیا گفتگو ہوئی تھی؟"

"کچھ بھی نہیں۔ تم نے بیس فیصد کی تھی اُس نے پچاس فیصد کا حصہ دار بنادیا۔"

"میں جان نہیں سکتی کہ یہ معاملہ رواروی میں طے ہو گیا ہو۔"

"کیا ٹیوی نے تمہیں کچھ نہیں بتایا؟"

"نہیں....!"

"اوہ.... شاید وہ تم پر اعتماد نہیں کرتا۔" ساگر نے تشویش کن لہجے میں کہا۔

"خیر یہ میرا نجی معاملہ ہے کہ وہ مجھ پر اعتماد کرتا ہے یا نہیں۔ تم مجھے وہ بات بتاؤ جو اُس نے مجھ سے چھپائی ہو۔"

"تاکہ وہ مجھ پر بھی اعتماد کرنا چھوڑ دے۔" ساگر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اوہ.... شاید تم نے اُس کے ساتھ کوئی فراڈ کیا ہے۔"

"بھئی اگر غلطی سے کوئی فراڈ ہو گیا ہو تو نہیں کہہ سکتا۔ ویسے دیدہ دانستہ میں نے کوئی فراڈ نہیں کیا۔ بات دراصل یہ ہے کہ اکثر....!"

"ہاں.... خاموش کیوں ہو گئے؟"

"کچھ نہیں.... کوئی بات نہیں.... وہ دیکھو.... گریٹا.... شاید وہ مجھے تلاش کر رہی ہے۔ مگر افسوس اب وہ مجھے نہ پہچان سکے گی۔"

گریٹا سیدھی اُن کی میز کی طرف آئی۔ سونیا کو اُس کی آمد گراں گذری تھی۔ لیکن پھر بھی اس نے مسکرا کر اُسے ساتھ بیٹھنے کی دعوت دی۔

"وہ اب وہاں بھی نہیں ہے۔" گریٹا نے کہا۔

"میں نے تو اب اُس کا خیال ہی ترک کر دیا ہے۔" سونیا بولی۔

گریٹا نے ایک اچٹتی سی نظر ساگر پر ڈالی جو اس وقت کنور سعید کے روپ میں تھا اور اُس کا دعویٰ تھا کہ اس میک اپ میں اُسے بحیثیت ساگر کوئی بھی نہیں پہچان سکتا۔

"مگر تم اس طرف کیسے آنکلی تھیں؟" سونیا نے گریٹا سے پوچھا۔

"مجھے معلوم ہوا تھا کہ تم ادھر ہی آئی ہو.... میں نے سوچا ممکن ہے تمہیں اُس کے موجودہ پتہ کا علم ہو۔"

"میں کہتی ہوں کہ تم بھی اُس کے چکر میں نہ پڑو۔ خطرناک آدمی ہے۔ اُس نے ٹیوی کی ملازمت کا مضحکہ اڑایا تھا۔ پتہ نہیں وہ روستمبا میں کیا کرنا چاہتا ہے۔"

"خیال ہے اپنا اپنا۔" گریٹا نے کہا۔ "میں اُسے بُرا آدمی نہیں سمجھتی۔ پھر ہم میں سے کون اچھا ہے۔"

"معاف کرنا.... میں اب چلوں گی۔"

شاید گریٹا کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ وہ اٹھی اور صدر دروازے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

"یہ لڑکی تم پر بُری طرح ریجھی ہے۔" سونیا ساگر کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

"فہرست بہت طویل ہے۔" ساگر نے ٹھنڈی سانس لی۔ "لیکن جس دن بھی مجھے کسی کے عشق پر یقین آیا وہی میری زندگی کا آخری دن ہو گا۔"

"اونہہ....!" سونیا نے بُرا سا منہ بنایا۔ "تمہیں اپنے متعلق غلط فہمی ہوئی ہے۔ خیر ہٹاؤ! ہاں تم نے یہ آٹھ ہزار روپے اُس کے نام سے کیوں جمع کرائے ہیں....؟"

"وہ ایک شریف لڑکی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اُس کے پاس کم از کم آٹھ ہزار روپے تو ہونے ہی چاہئیں۔"

"ہوں.... یہ کیوں نہیں کہتے کہ وہ تمہیں پسند آئی ہے۔"

"میں بہت بُرا آدمی ہوں لیکن اچھے لوگ مجھے پسند آتے ہیں۔"

"تم عجیب ہو۔"

"عجیب ترین کہو۔ کیونکہ میں تفریحاً فراڈ کرتا ہوں۔"

"ٹیوی بھی کوئی بھولا بچہ نہیں ہے۔ اسے ہمیشہ یاد رکھنا۔ اُس نے صرف اُس نامعلوم آدمی سے نپٹنے کے لئے تم سے تعاون کیا ہے۔"

"اور اُسے تعاون پر افسوس نہیں ہو گا۔ چھوڑو کہاں کی باتیں لے بیٹھی ہو۔ اب میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ تمہاری آنکھیں کتنی حسین ہیں۔"

"ہشت۔" سونیا نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "مجھے اپنے حسن سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"آہا.... تو کیا میں اسے خوش فہمی سمجھوں گا۔" ساگر نے قہقہہ لگایا اور پھر یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔

"کیوں کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں۔" ساگر صدر دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

سونیا کو وہاں بوشن نظر آیا۔ اس نے گریٹا کی کلائی پکڑ رکھی تھی لیکن انداز سے ایسا معلوم

ہو رہا تھا جیسے اُس کی وہ حرکت غیر معمولی نہ ہو۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ گریٹا کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہوں۔ آنکھوں میں احتجاج رہا ہو۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اُسے زبردستی کھینچ لایا ہو۔

"اس کا مطلب ہے ہنگامہ۔" ساگر نے دانت پیس کر آہستہ سے کہا۔

بے ہوش آدمی

سونیا کا دل دھڑکنے لگا اور اُس نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "نہیں دیکھو تم کنور سعید ہو۔ اس وقت تمہاری حیثیت دوسری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کھیل بگڑ جائے۔"

"مجھے یاد ہے کہ میں کنور سعید ہوں۔ مگر ہنگامہ ضرور ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں یہ بھی بلنگر کے آدمیوں کی ایک چال ہے۔ انہوں نے اب میرے لئے گریٹا کا تعاقب شروع کر دیا ہے۔ شاید اس وقت انہیں شبہہ ہو گیا ہے کہ میں یہیں موجود ہوں۔ اسی لئے بوشن اُسے اس طرح یہاں کھینچ لایا ہے.... ہاہا.... بلنگر کنور سعید کی حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہے۔ واہ....!"

"دیکھو.... تم اپنی جگہ سے ہلنا بھی مت۔"

"اوہ.... لڑکی بے حد پریشان نظر آ رہی ہے۔ کتنی بے بسی ہے اُس کی آنکھوں میں۔"

"میں کہتی ہوں تم اس وقت کچھ نہیں کر سکتے۔ کھیل بگڑ جائے گا۔"

"میں یہیں بیٹھا رہوں گا اسی طرح.... لیکن بوشن اپنی جگہ سے ہٹ جائے گا۔ تم کیا سمجھتی ہو۔ کیا یہ خیال ہے کہ میں تنہا ہوں۔ ارے میرے آدمیوں کو اشارہ مل چکا ہے۔ ابھی تم دیکھ ہی لوگی۔"

بوشن ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ یک بیک اُس نے گریٹا کا ہاتھ چھوڑ دیا اور وہ تیزی سے صدر دروازے کی طرف مڑ گئی۔ سونیا نے اُسے باہر جاتے دیکھا لیکن بوشن اُس سے لاپرواہ نظر آ رہا تھا کہ وہ موجود بھی ہے یا چلی گئی۔ اس کی نظریں سونیا کی میز پر رک گئی تھیں اور اب وہ کنور سعید کو گھور رہا تھا۔ سونیا نے کنکھیوں سے ساگر کی طرف دیکھا جو بے تعلقانہ انداز میں پائپ کے کش لے رہا تھا۔

بوشن اُن کی میز کی طرف بڑھا لیکن اُس کے ہونٹوں پر ایسی ہی مسکراہٹ تھی جیسے وہ سونیا کا بے حد احترام کرتا ہو۔

"کیا میں یہاں بیٹھنے کی جرأت کر سکتا ہوں مس صاحبہ؟"

"کیوں نہیں....!" سونیا کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔

"میں شکریہ ادا کرتا ہوں محترمہ....!" بوشن بیٹھتا ہوا بولا۔

اب ساگر نے اُس پر اس طرح نظر ڈالی جیسے اُسے بے حد حقیر سمجھتا ہو اور اُس کا قریب بیٹھنا سے گراں گزرا ہو۔

"میں ٹیوی صاحب کی خیریت دریافت کرنا چاہتا ہوں۔" بوشن نے سونیا سے کہا۔

"وہ اب ٹھیک ہے۔"

"مگر آج تک اس حادثے کے متعلق کسی کو کچھ بھی نہ معلوم ہو سکا۔"

"اگر تم اس مسئلے پر گفتگو کرنا چاہتے ہو تو میں معذوری ہی ظاہر کروں گی کیونکہ اُس نے مجھے بھی کچھ نہیں بتایا۔ ویسے کیا تم لوگوں کو اُس رپورٹ پر یقین نہیں ہے جو اُس نے پولیس کو دی تھی۔"

"ٹیوی صاحب کے بیان کے مطابق حملہ آور نامعلوم تھے۔ وہ کسی کو بھی نہیں پہچان سکے تھے.... مگر کیا یہی حقیقت بھی تھی؟"

"تم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو اور میں کیوں جواب دوں اس بات کا؟"

"یہ بہت ضروری ہے محترمہ کیونکہ پولیس ہمیں پریشان کر رہی ہے.... آپ جانتی ہیں کہ ہمارے درمیان کاروباری مناقشوں کے علاوہ اور کوئی چیز کبھی نہیں رہی۔ معاہدوں کا پاس ہم اس حد تک کرتے ہیں کہ داور سر راہ میری توہین کرنے کے باوجود بھی آج تک زندہ ہے۔"

"آہا.... تو کیا تم اُسے مار ڈالتے؟" سونیا مضحکہ اڑانے والے انداز میں ہنسی۔

"یقیناً محترمہ....!"

"اچھی بات ہے تو اب مقابلے کے دوران میں اُسے مار ہی ڈالنے کی کوشش کرنا۔"

"میری گذارش صرف اتنی ہے کہ ٹیوی صاحب کو بلنگر صاحب کی پوزیشن صاف کر دینی چاہئے۔"

"تو ٹیوی سے براہِ راست گفتگو کرو۔ میں اس سلسلے میں کیا کر سکتی ہوں۔"

"آپ بہت کچھ کر سکتی ہیں۔ غالباً ٹیوی صاحب کے لئے کوئی حصہ دار پیدا کرنے کی مہم بھی آپ ہی نے سر انجام دی تھی۔"

"تم جا سکتے ہو۔" یک بیک سونیا کو غصہ آ گیا۔

"میں یہاں بیٹھنے کے لئے نہیں آیا۔" بوشن ڈھٹائی سے ہنسنے لگا۔

"لہٰذا مناسب یہی ہے کہ اب اٹھ ہی جاؤ۔" دفعتاً ساگر غرایا۔

"اوہ.... آپ کی تعریف....؟"

"میں کہتا ہوں اٹھ جاؤ۔"

"کنور.... پلیز....!" سونیا نے اُس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

بوشن بے حیائی کی ہنسی ہنستا ہوا اٹھ گیا۔ لیکن سونیا اس ہنسی میں ایک قسم کا چیلنج محسوس کیے بغیر نہ رہ سکی۔

ساگر اُس کے جانے کے بعد پُر سکون نظر آرہا تھا۔ جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ پھر کچھ دیر بعد اُس نے سونیا سے کہا۔ "کیا یہ ممکن نہیں ہے.... کہ بلنگر ہی نے ٹیوی کو پٹوایا ہو؟"

"بظاہر کوئی مقصد نظر نہیں آتا۔ بوشن نے غلط نہیں کہا تھا کہ ہمارے درمیان کاروباری چپقلش کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے جس کے سلسلے میں صرف پہلوان ہی پٹ سکتے ہیں۔ ٹیوی کا پٹ جانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔"

"کیوں! کیا ٹیوی اس طرح خوفزدہ ہو کر خود ہی داور کو بوشن کے مقابلے سے نہیں ہٹا سکتا۔ بلنگر دراصل یہی چاہتا ہے کہ یہ مقابلہ نہ ہو۔ لیکن اگر بوشن پیچھے ہٹتا ہے تو فرم کی ساکھ بگڑتی ہے۔ البتہ داور خود ہی بیٹھ جائے تو کوئی مضائقہ نہ ہوگا۔"

سونیا کسی سوچ میں پڑ گئی پھر بولی۔ "ہاں.... یہ ممکن ہے۔ لیکن بلنگر یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ مقابلہ داور یا ٹیوی کی موت ہی کی صورت میں رک سکتا ہے لیکن وہ دونوں زندہ ہیں۔ یہ بھی سوچا جاسکتا ہے کہ ٹیوی کو حراساں کرنے کے لئے یہ حرکت کی گئی ہو۔ مگر وہ نامعلوم آدمی بلنگر تو ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اکثر ٹیوی کے حق میں بلنگر کو چوٹیں بھی دیتا رہا ہے۔"

"مثال کے طور پر....؟"

سونیا کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "ابھی پچھلے ہی سال کی بات ہے ایک بڑی اچھی جوڑی کا مقابلہ ٹھہرا تھا۔ دونوں طرف کے پہلوان اپنی مثال آپ تھے۔ دونوں طرف بے تحاشہ ٹکٹ بکے.... ٹیوی کا خیال تھا کہ اُس کا پہلوان ہر حال میں کامیاب رہے گا۔ لیکن جب مقابلہ شروع ہوا تو اُس کا پہلوان کچھ دبتا ہوا سا نظر آنے لگا۔ تیسرے راؤنڈ میں تو یقین کر لیا گیا کہ وہ اسی راؤنڈ یا چوتھے راؤنڈ میں لازمی طور پر ختم ہو جائے گا۔ مگر تیسرا راؤنڈ بخیر و خوبی ختم ہو گیا۔ البتہ ٹیوی کے پہلوان کی حالت ابتر تھی۔ اُس کے مخالفین چوتھے راؤنڈ میں اُس کے ناک آؤٹ ہو جانے کے خیال میں مگن تھے۔ دفعتاً راؤنڈ کے درمیانی وقفے میں اُسی پُر اسرار آدمی نے ٹیوی کو فون پر مخاطب کیا اور کہا کہ وہ فوری طور پر بلنگر کے پہلوان کی شکست کا سامان مہیا کر سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ٹیوی نے اُس سے اس کی استدعا ہی کی ہوگی کیونکہ اپنے پہلوان کی شکست کی صورت میں اُسے بہت بڑے

خسارے کا سامنا کرنا پڑتا۔ بس تو پھر یقین جانو کہ چوتھے ہی راؤنڈ میں بلنگر کے پہلوان کا قلع قمع ہو گیا اور بے چارا بلنگر اتنا بد حواس نظر آنے لگا جیسے بس اب اُس کا ہارٹ فیل ہی ہو جائے گا.... چونہ ہوا البتہ اُسی رات جو اُسے بخار ہوا تھا تو ایک ہفتے تک پلنگ ہی پر پڑا رہ گیا تھا۔"

"لیکن یہ کایا پلٹ ہوئی کیسے ہوگی؟" ساگر نے پوچھا۔

"خدا ہی بہتر جانتا ہے۔" سونیا بولی۔ "خود ٹیوی کی سمجھ میں نہیں آسکا کہ کایا پلٹ کیسے ہوئی تھی۔ میرے خدا اس مقابلے سے کتنی بھیانک یادیں وابستہ ہیں۔"

"یعنی....؟ میں نہیں سمجھا.... بھیانک یادیں۔"

"اوہ.... بلنگر کے پہلوان کی شکست کا اعلان ہوتے ہی تماشائیوں میں سے ایک نے وہیں اسی جگہ خودکشی کر لی تھی۔ اُس کے پاس ریوالور تھا۔"

"بہت بڑی ہار میں رہا ہوگا۔" ساگر نے پلکیں جھپکائیں۔

"خدا جانے۔ مگر اُس کے جیب میں صرف تین ٹکٹ برآمد ہوئے تھے اور ایک صرف دو روپے کا ہوتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے اُس نے اور ٹکٹ بھی لیے ہوں۔"

"کتنے لیے ہوں گے۔ یہ ایک تفریحی جوا ہے۔ اس پر کوئی اتنا زیادہ روپیہ نہیں لگاتا کہ ہار جانے پر خودکشی کی نوبت آجائے۔ یہ آج تک کا ریکارڈ ہے کہ ایک آدمی نے پچاس سے زیادہ ٹکٹ کبھی نہیں خریدے اور پھر خودکشی کرنے والا کوئی گرا پڑا آدمی بھی نہیں تھا۔ روستمبا کی ایک بڑی تحصیل کا تحصیلدار تھا۔"

"اوہ....!" ساگر نے پھر پلکیں جھپکائیں اور کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

❁

کرنل فریدی اور کیپٹن حمید روستمبا کے باہر ایک کھلے میدان میں ملے تھے۔ یہ احتیاط اس لئے برتی گئی تھی کہ وہ نادانستگی میں ممکنہ تعاقب سے بچ سکیں۔ یہ ملاقات روز روشن میں ہوئی تھی اور انہیں اطمینان تھا کہ اُن کا تعاقب نہیں کیا گیا۔

حمید نے چھوٹتے ہی کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اتنے گھماؤ پھراؤ کی کیا ضرورت تھی۔"

"ہوں.... تو کچھ کرتے رہو۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

"ایک تحصیل دار کی خودکشی کا کیس اتنا چکرا دینے والا نہیں ہو سکتا کہ اُس کے لئے سال بھر پہلے سے تیاریاں کی جائیں۔"

"مقامی پولیس آج تک سراغ نہیں پا سکی حمید صاحب۔"

"کیا اس طریقے کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں تھی جو آپ نے اختیار کیا ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ نہیں۔"

"اور آپ اسے بھی غالباً تسلیم ہی کرتے ہوں گے کہ خودکشی کی وجہ کسی پہلوان کی شکست نہیں بنی تھی۔"

"میں یہ کیوں تسلیم کروں؟"

"تحصیل دار کی جیب سے صرف تین ٹکٹ برآمد ہوئے۔ سونیا کے بیان کے مطابق ابھی تک کا ریکارڈ فی کس صرف پچاس ٹکٹ ہیں۔ ریس کی طرح لمبے جوئے کا معاملہ نہیں ہے۔ پچاس ٹکٹ صرف سو روپے کے ہوئے۔"

"خودکشی کے لئے تماشہ گاہ مناسب نہیں تھی حمید صاحب اور پھر ہار جیت کا فیصلہ ہونے سے پہلے ہی اُس نے خودکشی کیوں نہیں کی تھی.... وہ اپنی قیام گاہ پر بھی اطمینان سے کر سکتا تھا۔"

"اللہ کی یہی مرضی تھی.... آپ خدائی فوج دار ہیں۔" حمید جھنجھلا گیا اور فریدی مسکرا پڑا۔

"یہ بھی اللہ ہی کی مرضی ہے کہ ہم اس طرح جھک مارتے پھر رہے ہیں۔ تمہیں متفکر نہ ہونا چاہئے۔ ویسے تمہاری اطلاع کے لئے ایک سنسنی خیز خبر اور بھی ہے۔"

"سنائیے....!" حمید نے مردہ سی آواز میں کہا۔

"کیوں؟" فریدی کے لہجے میں تحیر تھا۔ "تم بہت ڈھیلے ڈھالے نظر آ رہے ہو۔ کیا سونیا بہت بور ثابت ہوئی ہے۔"

"مجھے اب کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ جب سے عورتوں کی پیدائش بند ہوئی ہے میرا جی نہیں لگتا۔ دنیا سے اب تو خدا اٹھا ہی لیتا تو اچھا تھا۔"

"کیا مطلب.... پیدائش بند ہوئی ہے؟"

"ارے یہ عورتیں ہیں؟ جن میں نسائیت نام کو بھی نہیں ہے۔ اُن کی ہم جلیسی میں ذرہ برابر بھی احساس نہیں ہوتا کہ واسطہ جنس مقابل سے ہے۔"

"خیر.... ہاں.... تو میں تمہیں یہ بتانے والا تھا اُس تحصیل دار کی تحویل میں ڈیڑھ لاکھ روپے تھے جن کا پتہ آج تک نہیں چل سکا۔"

"مجھے یقین ہے کہ اگر اُس نے وہ ڈیڑھ لاکھ روپے بلنگر کے پہلوان پر لگائے ہوتے تو.... مگر نہیں....!"

"کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"کچھ نہیں! سوال ہی نہیں پیدا ہوتا جب کہ ریکارڈ پچاس ٹکٹوں سے زیادہ کا نہیں رہا اور پھر ون ایسا گدھا ہے جو دو روپے ٹکٹ والے جوئے پر ڈیڑھ لاکھ لگا بیٹھے۔"

"یہی تو دیکھنا ہے۔"

"دیکھتے جائیے۔" حمید نے بیزاری سے کہا۔ "قاسم الگ بور ہو رہا ہے۔ وہ کہتا ہے ٹھینگے پر گئی پہلوانی کہ کوئی کسی عورت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے۔ اُسے آج کل سونیا سے عشق ہو گیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں اُس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا.... یوں مسکراتی ہے.... یوں.... یوں"

"اُسے قابو میں رکھو۔ اتفاقات نے تمہیں اُس تک پہنچا دیا ہے۔ تمہارا ٹیوی تک پہنچنا میری اسکیم میں نہیں تھا۔ معمولی میک اپ میں تمہیں جگر اس لئے بنایا گیا تھا کہ بوشن یا اُس کے آدمی تمہیں پہچان لیں اور پھر میں اس کا ردعمل نوٹ کر سکوں۔ مگر اس کی بجائے تمہیں ٹیوی نے ڈھونڈ نکالا۔"

"آخر آپ چاہتے کیا تھے۔ خاور اور خاور کا قتل کیا معنی رکھتا تھا؟"

فریدی مسکرایا۔ سگار کے دو تین ہلکے ہلکے کش لیے اور بولا۔ "اس کا مقصد صرف اتنا تھا کہ ٹیوی تک خاور کے قتل کی اطلاع پہنچ جائے۔"

"اس سے آپ کس نتیجے پر پہنچنے کے متوقع تھے؟"

"بس صرف ردعمل دیکھنا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "مگر وہ اس شکل میں ظاہر ہوا کہ تم مجھے اس وقت ایک ایسے آدمی کی کہانی سنا رہے ہو جس کی شخصیت کا علم خود ٹیوی کو بھی نہیں ہے اور جس کی کسی حرکت کی بناء پر بلنگر کا جیتا ہوا پہلوان ہار گیا تھا۔"

"میں نے ابھی تک تو نہیں بتایا آپ کو۔" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ٹیوی نے تمہیں محض اسی لئے پارٹنر بنایا ہے کہ تم اُسے اُس نامعلوم آدمی کے حملوں سے محفوظ رکھ سکو۔"

"مگر آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

"یہاں روستمبا میں اکیلے تم ہی تو نہیں ہو میرے ساتھ۔ اُس رات ایک طرف سونیا تم پر ڈورے ڈال رہی تھی اور دوسری طرف ٹیوی پٹ رہا تھا۔"

"اوہ.... تب تو آپ کو اُس آدمی کی شخصیت کا علم ہو گیا ہو گا۔"

"وہ میری نظروں میں آ چکا ہے۔"

"ہوں.... تو پھر اب کیا باقی بچا ہے؟"

"اُس آدمی کا طریق کار.... اور ان حرکات کا مقصد معلوم کرنا ہے اور اسی پر اس کیس کی کامیابی یا ناکامی کا دارومدار ہوگا۔ میری دانست میں اس کے لئے قاسم اور بوشن کا مقابلہ ناگزیر ہے۔ مجھے دیکھنا ہے کہ اس سلسلے میں وہ نامعلوم آدمی کون سا قدم اٹھاتا ہے۔"

"وہ قدم ٹیوی کے خلاف تو نہیں ہو سکتا۔ میری دانست میں اُس نے ابھی تک جو کچھ بھی کیا ہے ٹیوی کے حق ہی میں کیا ہے۔"

"تو پھر ٹیوی کی مرمت کیا معنی رکھتی ہے؟" فریدی نے کہا۔

"وہ خاور کی وجہ سے ہوئی تھی۔"

"یعنی....؟"

اب حمید نے پوری داستان دہراتے ہوئے کہا۔ "وہ ٹیوی سے خاور کے متعلق کچھ معلوم کرنا چاہتا تھا۔ ٹیوی نے خاور کے قتل کا الزام اُس پر رکھ دیا اور وہ ٹیوی کو قاتل سمجھتا رہا۔ پھر جب یہ بات صاف نہ ہو سکی تو اُس نے ٹیوی کی مرمت کرادی۔ ظاہر ہے ٹیوی کو اُس کے بارے میں کچھ معلوم ہی نہیں تھا.... بتاتا کیا۔"

"خاور اُس کے لئے الجھن کا باعث بن گیا ہے۔" فریدی مسکرایا۔

"نہ صرف خاور بلکہ.... ساگر اور داور بھی۔" حمید نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ ہم سے بے شمار غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔"

"کیا مطلب....؟"

"ٹیوی کے بیان سے میں نے اندازہ کیا ہے جیسے وہ نامعلوم آدمی ہم تینوں کو کسی سازش کا بانی سمجھتا ہو یعنی ہم میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کا دشمن نہیں ہے بلکہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے ہماری ملی بھگت سے ہو رہا ہے۔ اگر وہی ہمارا شکار ہے تو یہ سمجھ لیجئے کہ اب وہ بہت زیادہ محتاط ہو جائے گا۔"

"تم اس فکر میں نہ پڑو۔ یہ تو میں جانتا ہوں کہ وہ کتنا محتاط ہو گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی اچھا خاصا ڈفر ہے۔ تم بس قاسم کو سنبھالے رکھو۔ یہ مقابلہ ہر حال میں ہوگا۔"

"اگر بلنگر کی طرف سے کوئی حرکت نہ ہوئی تو....؟"

"بلنگر کے لئے دو آدمی ہیں۔" فریدی بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔ "ایک میں اور دوسرا وہ نامعلوم آدمی.... تم صرف قاسم کو سنبھالو۔"

❁

داور کو سنبھالنا آسان کام نہیں تھا۔ مقابلے شروع ہو گئے تھے۔ لیکن ابھی بوشن اور داور کی

ٹی نہیں آئی تھی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ ایک جوڑی کے مقابلے کا تصفیہ ایک ہی رات میں ہو جاتا اور ڑا ایسا بھی ہوتا کہ ایک ہی جوڑی تین تین دن تک لڑتی رہتی لیکن آخر کار ان میں سے ایک کو ہی پڑتا۔

ایک رات جب داور، کنور سعید اور سونیا ایک جوڑی کا مقابلہ دیکھ رہے تھے داور، کنور سعید پر ڑ گیا اور کنور سعید کو وہاں سے اٹھ جانا پڑا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ داور کی ذہنی رو بہک گئی ہے۔ وہ ٹکل ہی سے قابو میں آسکے گا۔ لہٰذا ایک تماشہ گاہ میں اُس کا قرب کنور سعید کی پوزیشن گرا دیتا۔ پھر سونیا ہی داور کے ساتھ رہ گئی۔ اُس نے کہا۔ "دیکھو خاموش رہو۔ تم ایک پبلک مقام پر ہو۔"

"پبلک کی ایسی کی تیسی۔ پھر وہ سالا مجھے غصہ کیوں دلاتا ہے۔"

"چلو اٹھو یہاں سے۔"

"میں کیوں اٹھوں" داور نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ آس پاس کئی لڑکیاں بیٹھی سے گھور رہی تھیں۔ اس سے پہلے وہ بھی انہیں گھور تا رہا تھا اور یہی چیز جھگڑے کا باعث بنی تھی۔ کنور سعید نے اُسے ٹوکا تھا اور وہ ہتھے سے اکھڑ گیا تھا۔

"میرا کہنا نہیں مانو گے؟" سونیا بولی۔

"تو پھر تم ہی مجھ سے محبت کرو۔" داور کی زبان سے شاید بے اختیارانہ طور پر نکلا تھا۔

"کیا بکواس ہے۔" سونیا جھلا گئی اور پھر داور کو ہوش آیا کہ اُس سے گدھا پن سرزد ہوا ہے۔

"مم.... میں.... یعنی کہ.... ہی ہی.... خفا نہ ہو جانا.... میں تو یہ کہہ رہا تھا.... یہ کہہ رہا تھا کہ ای ای امی.... ٹھینگے سے.... میں جا رہا ہوں۔"

وہ اٹھا اور کرسیوں کے درمیان سے گزرتا ہوا تماشائیوں کے احتجاج کی پرواہ کئے بغیر آگے بڑھتا چلا گیا۔

❁

آج داور اور بوشن کے مقابلہ کا دن تھا۔ اس دوران میں اس مقابلے کی اتنی پبلسٹی ہوئی تھی کہ لوگ اچھے خاصے ذہنی ہیجان میں مبتلا ہو کر رہ گئے تھے۔ بہت کم آدمیوں کو بوشن سے ہمدردی تھی۔ بلنگر اپنے انداز میں پبلسٹی کرا رہا تھا اور ٹیوی اپنے انداز میں۔ ایک "لاف وگزاف" خود بوشن کی طرف سے شائع ہوئی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ جھگڑے میں اُس کا پٹ جانا محض ایک اتفاق تھا اور وہ نشے میں بھی تھا اب وہ دیکھے گا کہ داور کتنے پانی میں ہے۔

دوسری طرف ایک کہنہ مشق فائٹر کا سرٹیفکیٹ بطور اشتہار اخبارات میں شائع ہو رہا تھا جس

کی رو سے داور ایک ماہر مکا باز تھا اور کسی ہاتھی کی طرح طاقت ور.... یہ سرٹیفکیٹ ٹیوی نے سینکڑوں روپے صرف کر کے حاصل کیا تھا۔

شام تک ہیجان کافی بڑھ گیا، تماشہ گاہ کے باہر تل رکھنے کی جگہ نہ رہ گئی تھی۔ پہلوانوں کے ٹکٹ تو دن بھر شہر کے مختلف حصوں میں فروخت ہوتے رہے تھے لیکن اس وقت تماشہ گاہ میں داخلے کے ٹکٹ حاصل کرنے میں لوگوں کو دشواری پیش آرہی تھی۔

لوگوں کا خیال تھا کہ اس جوڑی کا مقابلہ اس سیزن کا سب سے بڑا مقابلہ ہوگا۔ کیونکہ بوشن نے آج تک کسی سے شکست نہیں کھائی تھی۔

گریٹا بھی تھی اس بھیڑ میں اور سوچ رہی تھی کہ شاید داخلے کا ٹکٹ حاصل کرنے میں اُسے کامیابی نہ ہو۔ جوئے سے اُسے دلچسپی نہیں تھی۔ وہ تو ساگر کی تلاش میں یہاں آئی تھی۔ اُس کا خیال تھا کہ ساگر یہ مقابلہ دیکھنے ضرور آئے گا۔ اس لئے جو بھی اُس کے سامنے پڑ جاتا اُس کا جائزہ بغور لیتی تھی۔ اچانک سونیا سے ملاقات ہوگئی اور اُس نے اُسے تماشہ گاہ میں چلنے کی دعوت دی۔ ٹیوی اور بلنگر کی فرموں کے کارکنان کسی کو بھی اپنے ساتھ تماشہ گاہ میں لے جاسکتے تھے۔ پتہ نہیں گریٹا کو سونیا سے الجھن ہونے لگی تھی۔ اُس کا قرب اُسے عجیب قسم کی بے چینی میں مبتلا کر دیتا تھا۔

رنگ میں ابھی سناٹا تھا اور چاروں طرف کرسیاں پُر ہونی شروع ہوگئی تھیں۔

"وہ تمہارے کنور سعید کہاں ہیں؟" گریٹا نے سونیا سے پوچھا۔

"کیوں؟"

"تم آج کل اُس کے ساتھ زیادہ دیکھی جاتی ہو؟"

"ہاں....!" سونیا نے لاپروائی سے جواب دیا۔ اور پھر اُس کے بعد گریٹا نے ساگر کا تذکرہ چھیڑ دیا تھا۔ سونیا نے اُسے بتایا کہ ساگر اُسے پھر کبھی نہیں دکھائی دیا تھا۔ گریٹا چپ ہو رہی۔

"ارے تمہیں اس کی فکر کیوں ہے۔ اُسے جہنم میں جھونکو۔ آٹھ ہزار تو ہتھیا ہی لئے۔"

"میں اُس کے روپے واپس کرنا چاہتی ہوں۔"

"پاگل ہوئی ہو؟" سونیا کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "واپس ہی کرنا ہے تو ٹیوی کو واپس کرو۔"

"ٹیوی سے مجھے نہیں ملے تھے۔" گریٹا کے لہجے میں بیزاری تھی۔

پھر مقابلے شروع ہونے کی گھنٹی بجنے لگی.... چاروں طرف سناٹا چھا گیا تھا۔ گریٹا اب بھی ساگر کو تلاش کر رہی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ وہ اس مقابلے کو چھوڑے گا نہیں۔

دفعتاً بوشن رنگ میں دکھائی دیا۔ اُس کے ساتھ بلنگر کی فرم کا اناؤنسر بھی تھا۔ اُس نے بوشن کا ہاتھ پکڑ کر اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"خواتین و حضرات۔ یہ بوشن ہے۔ روستم باہی نہیں بلکہ پورے ملک کا مانا ہوا جیالا۔ اس نے آج تک کسی سے بھی شکست نہیں کھائی۔ اب تک اٹھارہ بہت بڑے مقابلوں میں حصہ لے چکا ہے۔ آج اس کا دیو سے مقابلہ دیکھئے۔"

بہت کم تماشائیوں نے تالیاں بجائیں۔ زیادہ تر لوگ داور کو دیکھنے کے لئے بے چین تھے جس نے بیچ بازار میں بوشن کو پیٹ دیا تھا۔



داور سرخ رنگ کی ڈریسنگ گاؤن میں ملبوس تھا۔ جیسے ہی وہ رنگ میں داخل ہوا شور سے کان پھٹنے لگے۔ ٹیوی کی فرم کے ایک آدمی نے جو اونچائی میں اُس کے سینے تک تھا اُس کا ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ آخر داور ہی نے اُسے گود میں اٹھالیا اور بائیں ہاتھ پر سنبھالے رہا۔ جب اُس آدمی نے اُس کا داہنا ہاتھ اٹھایا اور تماشائی بے تحاشہ ہنس پڑے۔ داور شاید بڑی موج میں تھا اور کیوں نہ ہوتا جب کہ اُسے تماشائیوں میں صرف عورتیں ہی نظر آرہی تھیں حالانکہ وہ مردوں کی چوتھائی کے برابر تعداد میں بھی نہیں تھیں۔

ٹیوی کے اناؤنسر نے تماشائیوں کو مخاطب کیا۔ "خواتین و حضرات۔ میں صرف اتنا کہوں گا کہ یہ داور دیوزاد ہے۔"

"نہیں بے.... داور زندہ باد۔" داور بدبدایا۔ لیکن اس وقت اُس کی کھوپڑی ہوا سے باتیں کر رہی تھی کیونکہ عورتیں ہاتھ ہلا ہلا کر اُسے پکار رہی تھیں۔ کیوں نہ پکارتیں جب کہ انہوں نے ٹکٹ کے پچاس پچاس ٹکٹ خریدے تھے اور انہیں توقع تھی کہ ذرا ہی سی دیر میں اُن کی رقومات دگنی ہو جائیں گی۔

اس نے بوکھلاہٹ میں اناؤنسر کو چھوڑ دیا جو دھپ سے نیچے گرا اور جلدی سے اٹھ کر بھاگ گیا۔ ایک بار پھر قہقہے بلند ہوئے۔ ادھر ریفری نے مقابلے کی سیٹی بجائی۔

داور اور بوشن اپنے گاؤن اتارتے ہوئے ایک دوسرے کے سامنے آگئے۔ بوشن حملہ کرنے کے لئے پینترے بدلنے لگا تھا۔

"ہائیں.... یہ کیا کر رہے ہو بیٹا۔" داور نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔ وہ خود کو لاپرواہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اتنی عورتیں تو اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ لہٰذا اس وقت اُسے یہی

مناسب معلوم ہوا کہ وہ کسی فلمی ہیرو کی نقل اتارنے کی کوشش کرے۔ وہ ایکٹنگ ہی کے چکر میں رہ گیا اور بوشن نے دو چار ہاتھ جڑ دیئے۔

"مارے جاؤ.... سالے۔" داور دہاڑا اور مجمع پر سناٹا چھا گیا۔ ایسا مقابلہ شاید ہی کبھی نظر سے گذرا ہو۔ پھر یک بیک بوشن نے ایک ہاتھ اُس کی توند پر بھی رسید کر دیا اور داور بلبلاتا ہوا دہرا ہوا ہی تھا کہ بوشن نے کھوپڑی پر دوہتھڑ مارا۔

"ابے پیٹ کی نہیں ہوتی۔" داور دھاڑتا ہوا منہ کے بل نیچے چلا آیا۔

صرف بوشن کے ٹکٹ خریدنے والوں نے قہقہے لگائے اور بقیہ لوگوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔ پھر کسی گوشے سے آواز ابھری.... "بے ایمانی.... بے ایمانی... دونوں مل گئے ہیں۔"

"ٹھینگے سے مل گئے ہیں۔" داور زمین سے اٹھتا ہوا دہاڑا اور دونوں ہاتھوں کو تیزی سے گردش دی۔ جھلاہٹ میں چلتے ہوئے ہاتھ بوشن کے بائیں شانے پر پڑے اور وہ زمین سے اکھڑ کر رنگ کے گرد تنی ہوئی رسی سے جا ٹکرایا۔ پھر توازن برقرار نہ رکھنے کی بناء پر رنگ کے باہر الٹ گیا۔

اس پر اتنا شور بلند ہوا کہ کانوں میں سیٹیاں سی بج اٹھیں۔

"دونوں ملے ہوئے ہیں۔" داور کسی دل جلی بڑھیا کی طرح لپک کر طنزیہ لہجے میں چیخا۔

بلنگر کے آدمی بوشن کو اٹھنے میں مدد دے رہے تھے۔ اُس کے جسم پر کئی جگہ خراشیں آگئی تھیں۔ وہ پھر رنگ میں آیا۔ بہت زیادہ جھلایا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ لیکن اس بار داور کی زد سے بچتا رہا۔ اب وہ بھاگ کر حملے کر رہا تھا۔ داور بے چارے میں دوڑنے کی سکت کہاں؟ اگر پہاڑوں سے متحرک ہو جانے کی توقع کی جا سکتی ہو تو اُسے بھی دوڑنے میں تکلف ہو سکتا تھا۔

بہر حال نتیجہ یہ ہوا کہ بوشن بھاگ بھاگ کر اُسے پیٹنے لگا۔ یہ چلت پھرت والے حملے اتنے بھرپور نہیں ہو سکتے تھے کہ داور گر جاتا۔ بس وہ بھی پلٹتا ہی رہا۔ اُس کے بہی خواہ اُس کے نام کے نعرے لگا لگا کر دل بڑھا رہے تھے۔ مگر اُس کے کانوں سے صرف عورتوں کی آوازیں ٹکرا رہی تھیں۔

"داور.... شاباش.... مارو بڑھ کر....!"

"اے کاسے مارے داور....!" وہ جھنجھلاہٹ میں ناک پر انگلی رکھ کر لپکا اور بوشن بھی ہنس پڑا۔ اتنے میں ریفری نے راؤنڈ ختم ہونے کی سیٹی بجائی۔

وہ دونوں اپنے اپنے مرمت خانوں کی طرف لے جائے گئے۔

دوسرے راؤنڈ میں اتفاق سے ایک بار پھر وہ داور کی زد پر آگیا اور اُس نے اُس کی کنپٹی پر اس

زور کا گھونسا رسید کیا کہ وہ بلبلاتا ہوا زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

ریفری اُس پر جھکا ہوا گنتی گن رہا تھا اور مجمع سسپنس میں مبتلا تھا۔ لیکن جیسے وہ "آٹھ" پر اٹھنے لگا امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ بوشن کھڑا ہو کر آگے پیچھے جھول رہا تھا۔

"مارو.... داور.... مارو داور مارو.... ختم کرو۔" تماشائیوں نے آوازیں دیں۔

"نہیں.... خواتین و لیڈیز.... اُو.... غ.... خواتین و حضرات.... میں کسی مردے کو نہیں مارتا۔ اسے ہوش میں آنے دیجئے۔" داور ہاتھ ہلا کر چیخا۔

اس حماقت پر لوگ اُسے بُرا بھلا کہنے لگے۔ وہ تو چاہتے ہی تھے کہ ہار جیت کا فیصلہ جلد از جلد ہو جائے کیونکہ داور جیسے پہاڑ کی جیت اتفاق ہی پر مبنی ہو سکتی تھی۔

بوشن سنبھل گیا تھا۔ اُس نے پھر اچھل کود کر حملے کرنا شروع کر دیا۔ اس بار وہ اور زیادہ محتاط نظر آرہا تھا۔

یہ راؤنڈ بھی ختم ہو گیا۔ لوگوں کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ داور کو گالیاں دے رہے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ وہ پرلے سرے کا گدھا معلوم ہوتا ہے اور وہ محض اپنی اکڑفوں کی وجہ سے ہار جائے گا۔ بوشن پھرتیلا ہے اسی طرح بھاگ دوڑ کر اُسے پیٹتا رہے گا اور آخر کار داور تھک کر ایسا گرے گا کہ پھر نہ اٹھ سکے گا۔

سونیا کا دل دھڑک رہا تھا۔ حلق خشک ہو گیا تھا۔ اُس کے خیالات بھی عام تماشائیوں کے خیالات سے مختلف نہیں تھے۔

"یہ تو بالکل بھینس ہو کر رہ گیا ہے۔" گریٹا نے کہا۔

"کاش اتنا بے وقوف نہ ہوتا.... کاش!" سونیا مضطربانہ انداز میں بولی۔ "اگر یہ ہار گیا تو ٹیوی بہت بڑے خسارے میں رہے گا۔"

"بوشن اُس کی یہ کمزوری اچھی طرح سمجھ گیا ہے۔ اب وہ اُس کی زد پر نہیں آئے گا۔ جس وقت وہ اٹھ کر سنبھلنے کی کوشش کر رہا تھا اُسی وقت اگر یہ گدھا ایک ہی ہاتھ اور مار دیتا تو بوشن کی صبح ہو جاتی۔"

تیسرا راؤنڈ شروع ہوا۔ اس بار بوشن پہلے سے بھی زیادہ شیر نظر آرہا تھا اور داور بھی قدرے سنبھلا ہوا نظر آیا۔ یعنی اس بار وہ مدافعت کے لئے ہاتھ پیر بھی ہلا رہا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بوشن اُسے پیٹ نہ سکا۔ شاید اس پر ٹیوی کے ٹرینر نے داور کو کچھ خاص قسم کی ہدایات دی تھیں۔

"مگر دیکھو....!" سونیا نے کہا۔ "ایک ہی جگہ جم کر بھگوڑوں کے وار روکنا مشکل کام ہے

لیکن وہ کتنی صفائی سے ہاتھوں پر اُس کے ہاتھ ...ک رہا ہے۔"

"بڑھ کر مار تا کیوں نہیں کم بخت۔" گریٹا نے کہا۔

سونیا نے کوئی جواب نہ دیا اور گریٹا کچھ اور سوچنے لگی۔ وہ ...رہی تھی کہ کہیں یہ ٹیوی اور بلنگر مل کر دنیا کی آنکھوں میں دھول تو نہیں جھونک رہے ہیں۔ ان کے جھگڑے محض ظاہری ہوں۔ دنیا کو دکھانے کے لئے اور ان کا بزنس حقیقتاً ایک ہی ہو۔ ٹیوی اور بلنگر پارٹنر ہوں۔ نرم دو مختلف ناموں سے ایک دوسرے کی حریف بن کر سامنے آئی ہو تاکہ زیادہ سے زیادہ روپیہ بٹور جاسکے۔ اور یہ لوگ ہمیشہ اپنا ہی فائدہ دیکھتے ہیں۔ داور کے ٹکٹ بے تحاشہ بکے ہیں.... اور داور ہار جائے.... بوشن کے ٹکٹوں کی بکری برائے نام ہوئی ہے داور کے ہارنے پر ٹیوی کو صرف چند سو روپے بوشن کے ٹکٹوں پر تقسیم کرنے پڑیں گے اور اس کے بعد بلنگر اور ٹیوی ساری آمدنی نصف نصف تقسیم کرلیں گے.... اوہ یہی ہوا ہے۔ اُف فوہ کتنا طاقت ور ہے۔ اُس کے ایک گھونسے نے بوشن کو رنگ سے باہر اچھال دیا تھا اور اب وہ اتنی بے بسی سے اُسی کے ہاتھوں پٹ رہا ہے۔ نہیں یہ ڈاکو ہیں۔ لٹیرے ہیں۔ آپس میں ملے ہوئے ہیں۔ داور یقیناً ہار جائے گا۔ ہارے گا.... ضرور ہارے گا۔

پھر وہ چونک پڑی۔ داور کچھ کہہ رہا تھا کہ تماشائی قہقہے لگا رہے تھے۔ بوشن ناچ ناچ کر اُس پر حملے کر رہا تھا۔ اس راؤنڈ کا وقت بھی یونہی گذر گیا۔ دونوں پہلوان رنگ سے چلے گئے اور تماشائی اِدھر اُدھر آنے جانے لگے۔ اس بار وقفہ لمبا تھا۔

دفعتاً گریٹا کو کنور سعید دکھائی دیا جو اُسی طرف آرہا تھا۔ یہ دونوں ایک صوفے پر تھیں جہاں تیسرے آدمی کی بھی گنجائش نکل سکتی تھی.... گریٹا کھسک کر سونیا سے جا ملی۔

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔" کنور سعید نے پوچھا۔

"ضرور.... ضرور....!" سونیا مسکرائی۔ "مگر تم تھے کہاں؟"

"ٹیوی کا سر پیٹ رہا تھا۔"

"کیا مطلب....؟"

"مجھ سے مطلب پوچھتی ہو؟" کنور سعید نے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ تم سب مل کر فراڈ کر رہے ہو۔"

"یہ کیا بکواس شروع کردی تم نے؟"

"یہ داور اس طرح پٹ کیوں رہا ہے؟"

"میں کیا جانوں۔" سونیا جھلا گئی۔ "تم مجھ سے بہتر جانتے ہو گے۔"

"کیا یہ ملی ہوئی جوڑی نہیں ہے؟"

"اگر ہے تو میں یہی سمجھوں گی کہ بلنگر تمہیں پہلے ہی خرید چکا تھا اور تم ٹیوی کی فرم میں اُسی کے لئے کام کر رہے ہو۔"

"بڑے آئے حصے دار۔ تم ہمیں تباہ کردو گے۔ مگر یہ مت سمجھنا کہ تم بچ جاؤ گے۔"

"کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں رنگ میں کھڑا ہو کر تم لوگوں کی بے ایمانیوں کا اعلان کردوں۔ مجھ سے زیادہ داور کو اور کون جانتا ہے۔"

"میں سمجھی۔" سونیا کا غصہ تیز ہوتا جارہا تھا۔ "تم شاید ہمیں بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہے ہو مگر اتنا یاد رکھو کہ تم بھی۔"

"بس ختم کرو۔" کنور سعید ہنس پڑا۔ "تمہیں واقعی بہت جلد غصہ آجاتا ہے۔ ابھی میں اور ٹیوی اسی بات پر بحث کر رہے تھے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ سونیا کو غصہ نہیں آتا.... اوہ آپ کی تعریف۔"

"ہوں....!" گریٹا غرائی۔ "اب یہ فضول باتیں رہنے دو۔ میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔"

"یہ بھی بُرا نہیں ہوا۔ تم نے بھی اُس دن سڑک پر داور کے ہاتھ دیکھے تھے۔ اب دیکھو اُسے کیا ہو گیا ہے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم لوگ کیا کرتے پھر رہے ہو۔" گریٹا نے نڈھال سی آواز میں کہا۔

"دولت پیدا کر رہا ہوں۔ ٹیوی کی فرم کا آدھے کا حصے دار ہوں۔"

"اس خیال میں نہ رہنا۔ ٹیوی بھی کم نہیں ہے۔" سونیا جل کر بولی۔

"میں بھی کوئی بے ایمان آدمی نہیں ہوں۔ ویسے ہاتھ کی صفائی میری عادت ہے۔"

سونیا نے اپنے ہونٹ مضبوطی سے بند کرلئے۔ اُس کا غصہ انتہائی منزلیں طے کر رہا تھا۔ گریٹا نے سا گر سے کہا۔ "تم نے کنور سعید کا ڈھونگ کیوں رچایا ہے؟"

"کیونکہ پولیس والے بھی میری خیر و عافیت معلوم کرنے کے متمنی رہا کرتے ہیں۔ مگر میں کبھی اُن کے پیار بھرے خطوط کے جواب نہیں لکھتا۔"

"ساری شیخی نکل جائے گی۔" سونیا دانت پیس کر بولی۔ "ذرا یہ مقابلہ ختم ہو لے پھر دیکھوں گی۔"

"پھر کیا دیکھوں گی جو کچھ بھی دیکھنا ہے ابھی دیکھ لو.... یہ میں بھی جانتا ہوں جو کچھ نتیجہ ہونے والا ہے اس مقابلے کا۔"

"کیا نتیجہ ہو گا....؟"

"ختم کرو۔ ابھی خود ہی دیکھ لیں گے۔" ساگر نے بیزاری سے کہا۔

سونیا پھر خاموش ہو گئی۔

راؤنڈ شروع ہونے والا تھا۔ ریفری نے لمبی سیٹی بجائی داور اور بوشن رنگ میں داخل ہوئے۔

اس بار داور بڑے غصے میں معلوم ہو رہا تھا۔ اُس نے آتے ہی بوشن پر جھپٹنا شروع کر دیا اور اب بوشن کی بدحواسی دیکھنے کے قابل تھی۔ وہ بُری طرح بھاگتا پھر رہا تھا.... اب اُس کی کوشش یہی تھی کہ کسی طرح خود کو داور کی زد سے بچائے۔ اس کے لئے اُسے کبھی جھکنا پڑتا تھا.... کبھی زمین پر لوٹیں لگانی پڑتی تھیں اور ساری تماشہ گاہ تالیوں کے شور سے گونجی ہوئی تھی۔

"داور.... داور.... شاباش.... ہیر ہیر.... ونڈر فل.... ختم کرو۔" لوگ چیخ رہے تھے۔

ساگر نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔ "اب دیکھو وہ احمق خود کو تھکا رہا ہے۔ آخری بار جدوجہد کر رہا ہے تاکہ تماشائی اُس کی ہار کو محض اتفاق سمجھیں۔"

"اور یہ اسکیم تمہاری بنائی ہوئی ہے؟" سونیا نے کہا۔

"نہیں ٹیوی سے اس قسم کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا۔" ساگر نے مسکرا کر کہا۔ "اب اس وقت میں ٹیوی اور بلنگر کے کاروبار کو کچھ کچھ سمجھ رہا ہوں۔"

"جہنم میں جاؤ۔" سونیا نے کہا اور اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ وہ تماشہ گاہ سے باہر جا رہی تھی۔

"یہ تم نے کیا کیا؟" گریٹا بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "یہ ساری باتیں اُس سے کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ بہت بُرا ہوا ٹیوی اور بلنگر تمہیں یہاں سے زندہ نہ جانے دیں گے۔"

"کیوں....؟"

"میری دانست میں تمہارا خیال صحیح ہے کہ ٹیوی اور بلنگر کا کاروبار الگ الگ نہیں ہے۔ وہ دنیا کو دھوکا دے رہے ہیں۔ عوام میں دونوں کی کاروباری دشمنی کی شہرت ہے۔ اس لئے تماشائیوں میں بھی مقابلے کی اسپرٹ پیدا ہو جاتی ہے اور وہ حریفانہ جذبے کے تحت ٹکٹ خریدتے ہیں اور اندھا دھند خریدتے ہیں۔ اگر کسی کا کوئی پہلوان غیر متوقع طور پر ہار جاتا ہے تو اُسے محض اتفاق سمجھ لیا جاتا ہے۔ لیکن انہوں نے آپس میں طے کر رکھا ہے کہ جس پہلوان کے ٹکٹ بہت زیادہ بکیں وہ لازمی طور پر ہار جائے.... کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟"

"ہاں.... آں....!" ساگر نے انگڑائی لے کر کہا اور پیچھے بیٹھے ہوئے کسی آدمی نے کہا۔

"اے صاحب ہاتھ نیچے کیجئے۔"

اس وقت تماشائیوں میں اضطراب پایا جا رہا تھا کیونکہ داور سست پڑنے لگا تھا۔ اس بار اُس نے اُس

رح جھپٹ جھپٹ کر حملے کئے تھے کہ ذرا ہی سی دیر میں تھکے ہوئے بھینسے کی طرح ہانپنے لگا تھا۔

بوشن کو شاید اسی کی توقع تھی جیسے ہی اُس نے اُسے سست ہوتے دیکھا بڑھ بڑھ کر حملے رنے لگا۔

مگر یہ کیا؟ کیا اب داور میں مدافعت کی بھی سکت نہیں رہ گئی تھی۔ وہ آگے پیچھے جھول رہا ا۔ اس طرح رہ رہ کر آنکھیں پھاڑتا جیسے اُسے کچھ سجھائی ہی نہ دے رہا ہو اور بوشن صرف اُس کے بائیں شانے پر گھونسے مار رہا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے داور کسی تناور درخت کی طرح زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اب ایک طرف ریفری نتی گن رہا تھا اور دوسری طرف تماشائی چیخ رہے تھے "اٹھو.... داور.... اٹھو.... خانہ خراب.... مردود.... اٹھو.... اٹھ جاؤ۔"

اور پھر جیسے ہی ریفری کی زبان سے دس نکلا بلنگر کے اناؤنسر نے بوشن کا ہاتھ اوپر اٹھا دیا۔

داور بے ہوش پڑا تھا۔ چاروں طرف سے گالیوں کا شور ابھرنے لگا تھا۔ لوگ داور کو گالیاں دے رہے تھے۔ ٹیوی کو گالیاں دے رہے تھے۔ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔

❁

تماشائی اس طرح رخصت ہونے لگے جیسے وہ مہمان ہوں جن کی میزبان نے اس طرح توہین کی ہو کہ وہ دوبارہ اُس کے در پر پیشاب بھی نہ کرنے کی دھمکی دے کر واپس جا رہے ہوں۔

گریٹا بھی ساگر کا ہاتھ پکڑے چلتی رہی۔ اُسے خوف تھا کہ کہیں وہ تماشائیوں کے کسی ریلے میں الجھ کر کچل نہ جائے۔

یک بیک ایک جگہ ساگر رک گیا۔ وہاں تماشائیوں نے مجمع لگا لیا تھا۔

"کیا ہوا.... کیا ہے؟" چاروں طرف سے آوازیں آنے لگیں۔

ہجوم کے درمیان ایک آدمی چت پڑا تھا اور تین چار آدمی اُسے اس طرح اٹھا رہے تھے جیسے وہ یا تو کوئی لاش ہو یا بے ہوش ہو گیا ہو۔

وہ اُسے کارپوریشن کے اُس بڑے خیمے میں لے جا رہے تھے جہاں مقابلے کے دوران میں ٹیوی اور بلنگر بیٹھا کرتے تھے۔ اس وقت یہ خیمہ خالی پڑا تھا کیونکہ وہ دونوں تو رنگ کی طرف دوڑے گئے تھے۔

ساگر نے اپنے آدمیوں کو پہچان لیا تھا۔ بے ہوش آدمی کو اٹھانے والے وہی تھے۔ گریٹا اب بھی اُس کے ساتھ ہی تھی۔

"یہ کیا ہوا....؟" گریٹا نے پوچھا۔

"خدا جانے۔" ساگر نے جواب دیا اور خاموشی سے چلتا رہا۔

خیمے کے اندر کچھ اور لوگوں نے بھی داخل ہونا چاہا لیکن ساگر دروازے پر جم گیا تھا۔ اُس نے کسی کو بھی اندر نہ جانے دیا۔ اس پر ایک آدمی اُس سے جھگڑ بیٹھا۔

"میں سیٹھ کے ساتھ تھا۔ مجھے اندر جانے دو۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"کیا رشتہ ہے سیٹھ سے؟" ساگر نے پوچھا۔

"تم کون ہوتے ہو پوچھنے والے۔" وہ اکڑ گیا۔ "میں تو جاؤں گا اندر۔"

اتنے میں ٹیوی اور بلنگر بھی تیزی سے اُسی طرف آتے دکھائی دیئے۔ وہ اونچی آواز میں گفتگو کر رہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ایک دوسرے کو گالیاں دے رہے ہوں۔

دروازے پر وہ رک گئے اور ٹیوی نے جھلا کر ساگر سے کہا۔ "کیا ہے؟"

"تم لوگ اندر نہیں جا سکتے۔" ساگر نے لاپروائی سے کہا۔

"دماغ تو نہیں خراب ہو گیا؟"

"آنے دو....!" اندر سے کسی نے کہا۔

"کون ہے؟" ٹیوی نے پلکیں جھپکائیں اور ساگر نے سوچا کہیں یہ دونوں کھسک ہی نہ جائیں لہٰذا اُس نے جلدی سے کہا۔ "اندر سونیا بے ہوش ہو گئی ہے۔"

"اوہ تو ہٹو....!" ٹیوی اُسے ایک طرف دھکیلتا ہوا بولا۔ اُس کے ساتھ ہی بلنگر بھی داخل ہوا۔ ساگر اور گریٹا پیچھے تھے۔ بے ہوش آدمی کا ساتھی بھی خیمے میں داخل ہوا۔

"اوہ.... یہ تو سیٹھ عبداللہ ہے۔" ٹیوی جھلا کر ساگر کی طرف مڑا۔

"مجھے علم نہیں تھا کہ تمہاری محبوبہ ایسے کرتب بھی دکھا سکتی ہے۔" ساگر نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

"میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔" ٹیوی غرا کر اُس کی طرف جھپٹا۔

"ٹھہرو۔" ساگر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "پہلے میرا حصہ نکالو۔ اُس کے بعد سر بھی توڑ دینا۔ مجھے پرواہ نہ ہو گی۔"

"کیسا حصہ....؟"

"اوہ.... کیا بزنس میں ففٹی ففٹی نہیں کہا تھا پارٹنر....؟"

"تم دغا باز ہو۔ بلنگر سے مل گئے ہو۔ تمہاری ہی وجہ سے داور نے شکست کھائی۔"

"تم غلط سمجھے.... مسٹر ٹیوی۔" ایک گوشے سے آواز آئی اور ایک آدمی یک بیک روشنی میں آ گیا۔ یہ ایک دراز قد، قوی الجثہ اور وجیہہ آدمی تھا۔

گریٹا نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ اتنا شاندار آدمی آج تک اُس کی نظروں سے نہیں گزرا تھا۔

"کیا مطلب....؟" ٹیوی اُسے گھورنے لگا۔ "تم کون ہو؟"

"داور نے میری وجہ سے شکست کھائی ہے۔" اُس نے مسکرا کر کہا اور بلنگر بھی اُسے گھورنے لگا۔

"میں پوچھتا ہوں تم کون ہو اور تمہیں اس خیمے میں داخل ہونے کی جرأت کیسے ہوئی؟"

"خاموش رہو۔" اجنبی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ پھر بلنگر کی طرف مڑا جو بے ہوش سیٹھ عبداللہ کو سنبھال رہا تھا۔

"تم کیا کر رہے ہو؟" اُس نے بلنگر کو مخاطب کیا۔

"کیوں....؟" بلنگر جھلا کر بولا۔ "تم کون ہو۔ کیوں مداخلت کر رہے ہو۔ سیٹھ میرا دوست ہے۔"

"اُس کے پاس سے ہٹ جاؤ۔" اجنبی نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

"ارے تم ہو کون؟ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" ٹیوی نے آنکھیں نکالیں.... "کیا میں پولیس کو طلب کروں۔" اور پھر اُس نے جھپٹ کر ساگر کا ہاتھ پکڑ لیا۔ لیکن ساگر نے مزاحمت نہیں کی۔ وہ بالکل بے حس و حرکت کھڑا تھا۔

"پولیس کو ضرور طلب کرو۔" اجنبی مسکرایا۔ بلنگر پھر سیٹھ عبداللہ کو ٹٹولنے لگا۔

دفعتاً اجنبی نے اُن آدمیوں کو مخاطب کیا جو سیٹھ عبداللہ کو اٹھا کر یہاں تک لائے تھے۔

"بلنگر کو اُس کے پاس سے ہٹا دو۔"

"کیا مطلب....؟" بلنگر غرایا۔

پھر جیسے ہی دو آدمی اُس کی طرف بڑھے بلنگر نے پستول نکال لیا۔ "تم لوگوں کا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔ تم آخر ہو کون؟"

پستول دیکھ کر گریٹا ساگر کے بائیں بازو سے چمٹ گئی۔ وہ کانپ رہی تھی۔

ٹیوی نے ساگر کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ بلنگر کے پستول نکال لینے پر وہ خود بھی بوکھلا گیا تھا۔

دفعتاً باہر سے سونیا کی آواز آئی۔ "اندر کیا ہو رہا ہے؟ یہ لوگ مجھے اندر نہیں آنے دیتے۔"

"گھر جاؤ۔" ٹیوی نے چیخ کر کہا۔

"بلنگر پستول زمین پر ڈال دو۔" اجنبی تحکمانہ لہجے میں بولا۔

"تم بلنگر سے واقف نہیں ہو۔" بلنگر غرایا۔

"ہاں.... میں اتنا جانتا ہوں کہ اس پستول میں صرف چھ گولیاں ہیں۔" اجنبی مسکرا کر بولا۔ "اور تمہیں دوبارہ لوڈ کرنے کا موقع نہیں ملے گا ارے نہیں سر پر نہ مارنا۔"

وہ اچانک چیخا تھا۔ انداز ایسا تھا جیسے اُس نے کسی ایسے آدمی سے کہا ہو جس نے بلنگر کے سر پر مارنے کے لئے کوئی چیز اٹھائی ہو۔ بلنگر بوکھلا کر مڑا ہی تھا کہ اُس کے ہاتھ سے پستول نکل گیا۔ وہ اجنبی کی طرف جھپٹا لیکن اجنبی کا گھونسہ اُسے کئی قدم پیچھے کھسکا لایا اور اجنبی نے ہنس کر کہا۔

"واہ.... یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ میں اور بلنگر جیسے گدھوں سے واقف نہ ہوں۔"

"یہ کون ہے.... ساگر.... یہ کون ہے؟" گریٹا نے آہستہ سے پوچھا۔

"یہ میرے باپ کے بھی والد صاحب قبلہ ہیں۔" ساگر نے ٹھنڈی سانس لی۔ "کیوں کیا یہ آدمی مجھ سے بھی زیادہ شاندار ہے؟"

"بیکار باتیں نہ کرو.... مگر یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"بلیک میلنگ....!" ساگر نے بلند آواز میں کہا۔ "ہم لوگ بلنگر کو بلیک میل کریں گے۔"

"بلنگر یہ ساگر ہے۔ مجھے افسوس ہے۔" ٹیوی کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔

"بس تو پھر مزہ کرو۔" بلنگر غرایا۔ "یہ لوگ بلیک میلر ہیں۔"

"ہوں گے۔" ٹیوی نے گردن جھٹک کر کہا۔ "میرا کیا بگڑے گا.... مجھے بلیک میلنگ کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے.... میرا کاروبار صاف ہے۔"

اتنے میں سیٹھ عبداللہ بھی بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔

ساگر ٹیوی اور بلنگر سے کہہ رہا تھا۔ "کیا تم دونوں اس سے انکار کر سکتے ہو کہ بلیک کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اپنا اُلو سیدھا کر رہے ہو؟"

"بکواس ہے۔"

"داور کے ٹکٹ بہت زیادہ بکے تھے.... اسی لئے وہ ہار گیا۔ رقم تم دونوں آدھی آدھی بانٹ لو گے۔" ساگر نے کہا۔

ٹیوی نے چیخ کر کہا۔ "یہ بکواس ہے۔ ہمارے کاروبار بالکل الگ ہیں۔ جاؤ مجھے بلیک میل کرو باقاعدہ تفتیش کرو۔ اس قسم کی کوئی چیز نہیں ثابت ہو سکے گی۔"

بلنگر نے بھی ایک طویل قہقہہ لگایا اور بولا۔ "یہ بے چارے اسی چکر میں ہیں کہ ہمیں بلیک

میل کر لیں گے۔"

"کیوں سیٹھ عبداللہ تم بے ہوش کیوں ہو گئے تھے؟" اجنبی نے اُس سے پوچھا۔

"ٹھیک ہے بابا.... ٹھیک ہے.... اللہ کا شکر ہے۔" سیٹھ عبداللہ اپنا سارا جسم ٹٹولتا ہوا بکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"میں پوچھ رہا تھا تم بے ہوش کیوں ہوئے تھے؟"

"بس ہو گیا تھا.... اللہ کی مرضی.... سالا چکر آ گیا تھا۔"

"ابھی اور آئے گا۔" اجنبی مسکرایا اور ٹیوی جھلا کر بولا۔ "تم لوگ کیوں ہمارا وقت برباد کر رہے ہو۔"

"میرا پستول واپس کرو۔" بلنگر نے نتھنے پھلائے۔

"مجھے علم ہے کہ تم اس کا لائسنس رکھتے ہو۔" اجنبی نے مسکرا کر کہا۔ "اور نہیں سیٹھ عبداللہ تم اپنی جگہ سے ہلو گے بھی نہیں.... یہ پستول بھرا ہوا ہے اور میں نے سیفٹی کیچ بھی ہٹا دیا ہے.... ہاں تو بلنگر تمہیں بلیک میل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ تمہارا کاروبار بالکل صاف ہے اور اس پستول کا لائسنس بھی رکھتے ہو۔"

"ہاں.... تم مجھے بلیک میل نہیں کر سکتے۔ میں ابھی پولیس کو اطلاع دوں گا۔"

"کیوں سیٹھ عبداللہ....؟" اجنبی اُس کی طرف مڑا۔

"ہم.... کک.... کیا.... ب.... بولے بابا۔" سیٹھ عبداللہ کی آنکھیں نکلی پڑ رہی تھیں کیونکہ اجنبی کے ہاتھ میں پستول تھا۔

"میں بلنگر کو بلیک میل کر سکتا ہوں.... یا نہیں؟"

"ارے.... ہم کیا جانے گا.... بھائی.... حضور.... میں گھر جاؤں گا.... بال بچہ لوگ پریشان ہوئیں گا۔"

"وہ کیا بتائے گا۔" بلنگر غرایا۔ "تم آخر چاہتے کیا ہو؟"

"ٹھہرو.... بلنگر میں پولیس کو فون کرتا ہوں۔" ٹیوی نے جلدی سے کہا اور دروازے کی طرف مڑنے لگا۔

"میں بے دریغ فائر کر دوں گا۔ اگر تم اپنی جگہ سے ہلے۔" اجنبی نے وارننگ دی۔

"یار ٹیوی چپ چاپ کھڑے رہو۔" ساگر نے کہا۔ "کیوں خواہ مخواہ بور کر رہے ہو۔"

"ہوں.... مجھے بتاؤ نا کہ آخر تم لوگ کیا چاہتے ہو؟" ٹیوی اُس پر الٹ پڑا۔

"بس بلیک میل کرنا چاہتے ہیں۔"

"تم نہیں کر سکتے۔ میرا اور بلنگر کا کاروبار قطعی الگ ہے۔"

"اوہو.... ہمیں تو صرف فارچون ٹریڈرز کی تلاش ہے۔" اجنبی نے مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب....؟" بلنگر کی بھنوئیں تن گئیں۔

"فارچون ٹریڈرز کی تلاش ہے مجھے۔"

"پتہ نہیں کیا بک رہے ہو۔" بلنگر نے منہ ٹیڑھا کر کے کہا۔

"سیٹھ عبداللہ فارچون ٹریڈرز کے متعلق زیادہ بہتر بتا سکیں گے کیوں سیٹھ؟" اجنبی اُس کی طرف مڑا۔

"اُو.... بابا.... خدا کے لئے.... میرے کو جانے دو۔" سیٹھ عبداللہ گڑگڑایا۔

"کیا فارچون ٹریڈرز کا ٹکٹ اس وقت بھی تمہاری جیب میں موجود ہے؟"

"کھڈے میں گیا ٹکٹ وکٹ.... سالے نے کباڑا کر دیا۔"

"کر دیا نا....؟"

"جانے دو بابا.... ہم بالکل اُلو کا پٹھا ہے۔" سیٹھ عبداللہ نے بے زاری سے کہا۔

"کیا پچھلے سال تم جیت میں رہے تھے؟"

"ہاں.... بھائی.... مغز نہ کھاؤ.... کیا کرے۔"

"آج والا ٹکٹ کتنے کا تھا؟"

"کیوں بتائے بابا.... تم کون ہے؟" سیٹھ عبداللہ نے آنکھیں نکال کر کہا۔ اُس کا خوف کسی حد تک دور ہو گیا تھا۔

"کیا تم اپنے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں دیکھنا پسند کرو گے؟" دفعتاً اجنبی کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ کچھ دیر قبل اونگھتی ہوئی سی نظر آنے والی آنکھوں میں شعلے سے رقص کرنے لگے تھے۔

"دو.... دو.... لاکھ....!" سیٹھ عبداللہ ہکلایا۔

"ہاں.... اب تم بتاؤ بلنگر....!" اجنبی اُس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "داور کی شکست کی وجہ جاننا چاہتا ہوں۔"

"داور کی شکست کی وجہ تم لوگ ہو۔ ساگر نے کسی قسم کا فراڈ کیا تھا۔" بلنگر نے کہا۔ "خود ٹیوی بھی اسے نہیں سمجھ سکا اس لئے پھنس گیا.... ٹیوی.... داور کو پولیس کے حوالے کر دو۔"

"ہاں میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" ٹیوی سر ہلا کر بولا۔

خیمے کے ایک گوشے میں اسٹول پر فون رکھا ہوا تھا۔ اجنبی نے اُس کی طرف اشارہ کرتے ئے کہا۔ "تمہیں اجازت ہے تم جسے بھی چاہو فون کر سکتے ہو۔"

ٹیوی فون کی طرف بڑھا مگر پھر رک گیا اور بے بسی کی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "تم نے لے ہی تار کاٹ دیئے ہوں گے مجھے بے وقوف نہ بناؤ۔"

"اگر تم یہ ثابت کر سکے تو تمہیں اتنے ہی روپے میری طرف سے ملیں گے جتنے تم نے آج ئے ہیں۔"

ٹیوی بُرا سا منہ بنائے ہوئے فون کی طرف بڑھا۔ گریٹا مضطربانہ انداز میں بولی۔ "یہ کیا نے جا رہا ہے ساگر....؟"

"کیا تم جانا چاہتی ہو....؟" ساگر نے پوچھا۔

"نن.... نہیں.... مگر یہ کیا....؟"

"فکر مت کرو۔ مطمئن رہو۔ تم بہت اچھی لڑکی ہو۔ میرا مطلب ہے ہمدرد اور نیک دل۔"

اُدھر ٹیوی نے کسی کو فون پر مخاطب کیا تھا۔ مگر پھر یک بیک اُس کے ہاتھ سے ریسیور وٹ گیا اور اس طرح پیچھے ہٹ آیا جیسے فون نے کاٹ کھایا ہو۔ اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ئی تھیں اور اجنبی اور اُس کے ساتھیوں کو گھور رہا تھا۔

اور بلنگر خود اُسے گھور رہا تھا۔

"کیوں....؟ کیا ہوا....؟" بلنگر نے اُس سے پوچھا اور ٹیوی اس طرح چونک پڑا جیسے وہیں ڑے کھڑے اونگھ گیا ہو۔ اُس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور لاپروائی سے شانوں کو نبش دے کر بولا۔ "میری بلا سے میرے ہاتھ صاف ہیں۔ میں مطمئن ہوں۔"

"کیا بک رہے ہو....؟" بلنگر نے پھر اُسے ٹوکا۔

"میں کچھ نہیں جانتا۔" ٹیوی مضطربانہ انداز میں ہاتھ ہلا کر بولا۔ "تم سب جہنم میں جاؤ۔"

"ہاں جہنم ایسے ہی لوگوں کے لئے بنائی گئی ہے۔" اجنبی نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ "ر تم اُدھر بیٹھ جاؤ اور ہم سب کے جہنم میں جانے کا تماشہ دیکھو۔"

پھر اُس نے بلنگر سے پوچھا۔ "داور کیوں ہار گیا۔ کتنی عجیب بات ہے کہ بوشن نے صرف ا کے بائیں شانے پر دو تین ہاتھ مارے تھے۔ تم بوشن کو بلاؤ.... وہ میرے بائیں شانے پر دس پچیس تیس ہاتھ مارے لیکن اگر میں بے ہوش نہ ہوا تو تمہارا سر ٹھوکروں سے اڑا دوں گا۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"وہی جو کچھ تم نے کیا ہے۔"

"میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ تم کسی بات کا ثبوت نہیں مہیا کر سکتے اور پھر تم ہو کون پوچھنے والے۔ میں جا رہا ہوں۔ تم شوق سے مجھ پر فائر کر دو۔"

بلنگر بڑی لاپروائی سے دروازے کی طرف مڑ گیا۔ اجنبی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اُس نے پستول اپنی جیب میں ڈال لیا۔ سیٹھ عبداللہ بھی اٹھ کر بلنگر کے پیچھے بڑھا لیکن اُسے بھی نہیں روکا گیا۔ البتہ ٹیوی اب بھی وہیں اُسی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔

"کیا تم نہیں جاؤ گے؟" اجنبی نے ٹیوی سے پوچھا۔ لیکن ٹیوی کے جواب دینے سے قبل ہی بلنگر دہاڑا۔ "یہ کیا مذاق ہے۔ مجھے باہر جانے سے کیوں روکا جا رہا ہے؟"

وہ ایک بار پھر اجنبی کو آنکھیں پھاڑے گھور رہا تھا۔

"کس نے روکا ہے تمہارا راستہ؟" اجنبی نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں پوچھا۔

"باہر پولیس کیوں موجود ہے؟" بلنگر کی آواز میں بھرپور جھنجھلاہٹ تھی۔

"میں تو اسی طرح بلیک میل کرتا ہوں۔" اجنبی نے اُس کے قریب آکر آہستہ سے کہا۔ "یا تو سودا کرو یا فارچون ٹریڈرز کے ڈائریکٹر جنرل کو ابھی پولیس کے حوالے کر دوں گا۔ سارے ثبوت میرے پاس موجود ہیں۔ ٹیوی کا ڈاکٹر جس نے تم سے لمبی رشوت لی ہے۔ وہ بھی اس وقت میرے ہی آدمیوں کے قبضے میں ہوگا۔ تمہارے تین دلالوں پر بھی قابو پا لیا گیا ہے اور یہ بے چارے سیٹھ عبداللہ جس نے داور پر دو لاکھ لگائے تھے.... اور بہرحال کہاں تک گنواؤں....؟"

"تم کیا چاہتے ہو؟"

"سودا....!"

"بولو....!"

"ڈھائی لاکھ سالانہ....!"

"بہت ہے.... بہت زیادہ۔"

"تو پھر ہتھکڑیاں پہن لو۔"

"کیا بکواس ہے.... جاؤ.... جو کچھ کہنا ہے.... کہہ دو پولیس سے.... میرے خلاف کچھ بھی نہ ثابت ہو سکے گا۔"

"ساگر میرے بیگ میں ہتھکڑیاں ہیں۔"

"کیا مطلب....؟" بلنگر بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا اور ساگر اُس کے بیگ سے ہتھکڑیاں نکالنے

گا جو قریب ہی زمین پر پڑا ہوا تھا۔

ٹیوی اچھل کر کھڑا ہو گیا اور اس طرح ہاتھ مل رہا تھا جیسے موجودہ سچویشن کے سسپنس نے اسے اختلاج قلب میں مبتلا کر دیا ہو۔

دفعتاً بلنگر حلق پھاڑ کر دہاڑا۔ "پولیس کی موجودگی میں سب کچھ ہو رہا ہے ایک بلیک میلر مجھے دھمکیاں دے رہا ہے۔"

"ڈی۔ایس۔پی سٹی پلیز۔" اجنبی نے آواز دی اور ایک باوردی پولیس آفیسر اندر داخل ہوا۔ بلنگر نے اُس کی طرف مڑ کر کہا۔ "مسٹر خان آپ کی موجودگی میں مجھ پر ظلم ہو رہا ہے۔ یہ بلیک میلر....!"

"بہت زیادہ بکواس نہ کرو۔" ڈی۔ایس۔پی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "تم اچھی طرح روشنی میں آ چکے ہو۔"

ساگر نے ہتھکڑیاں ڈی۔ایس۔پی کی طرف بڑھا دیں۔

"یہ کیا مسخرہ پن ہے۔" بلنگر نے جھنجھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

"مسخرہ پن تو اب شروع ہوگا۔ چپ چاپ ہتھکڑیاں پہن لو۔" ڈی۔ایس۔پی نے خشک لہجے میں کہا۔

"ایک بلیک میلر.... کے کہنے میں آ کر....؟"

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔" ڈی۔ایس۔پی نے کہا۔ "آپ مرکزی محکمے کے ایک آفیسر کرنل فریدی ہیں۔"

بلنگر بوکھلا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"کک.... کون....!" گریٹا ہکلائی اور اُس نے ساگر کا بازو چھوڑ دیا۔ اب وہ اُسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھی۔

"میرے ہاتھ صاف ہیں بالکل صاف ہیں۔" ٹیوی ہذیانی انداز میں کہہ رہا تھا۔ "خدا کی پناہ میں کسی فارچون ٹریڈرز کے وجود سے واقف نہیں ہوں۔"

"میرا خیال ہے کہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو اور ابھی تک کی تفتیش یہی کہتی ہے کہ تمہارے ہاتھ صاف ہیں۔" کرنل فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "سیٹھ عبداللہ تم بھی حراست میں ہو۔ ٹھہرو.... اس کے بھی ہتھکڑیاں ہی لگیں گی.... نہیں! تم ایک غیر قانونی جوئے میں حصہ لیتے رہے ہو۔ تمہاری پوزیشن صاف نہیں۔ اوہ ٹیوی میں نے تمہیں اس آدمی سے تو ملایا ہی نہیں جو

تمہارا ہمدرد بن کر تم سے بہت بڑے بڑے فائدے اٹھاتا رہا ہے۔ پچھلے سال جب اُس نے عین وقت پر اپنی کسی حرکت سے بلنگر کے کسی پہلوان کو شکست دلوادی تھی تو تم بہت خوش ہوئے تھے اور اُسی پہلوان کی شکست نے تحصیلدار کو خودکشی پر مجبور کر دیا تھا۔"

"جی ہاں.... وہ منحوس گھڑی مجھے یاد ہے۔" ٹیوی نے کہا۔

"وہ پُراسرار آدمی یہی بلنگر ہے۔"

ٹیوی اچھل پڑا اور پھر بلنگر کو گھونسہ دکھا کر بولا۔ "وہ رات مجھے اچھی طرح یاد ہے جب تم نے ساگر اور خاور کے لئے مجھے پٹوایا تھا۔"

بلنگر اور سیٹھ عبداللہ کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑ چکی تھیں۔

"تت.... تم.... کون ہو؟" گریٹا ساگر کی طرف دیکھ کر ہکلائی۔

"لوگ مجھے کیپٹن حمید کہتے ہیں۔" ساگر مسکرایا۔

"اوہ.... مم.... مجھے معاف کر دیجئے جناب.... میں نے کیا کیا ہے۔" گریٹا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"ارے نہیں.... تم بہت نیک لڑکی ہو۔ میں تمہیں بہت دنوں تک یاد رکھوں گا۔"

وہ تیزی سے دروازے کیطرف مڑ گئی اور حمید کے اشارے پر پولیس والوں نے اُسے جانے دیا۔

❁

دوسرے دن کیپٹن حمید کی ساری الجھنیں رفع ہو سکیں۔ پورا کیس طے ہو چکا تھا لیکن نہ جانے کتنے نکتے اُس کے ذہن میں واضح نہیں تھے۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ فارچون ٹریڈرز کیا بلا ہے؟ قاسم کیسے ہارا؟ کیا ان دو چار مکوں نے اُسے بے ہوش کر دیا تھا جو بوشن نے اُس کے بائیں شانے پر مارے تھے۔ یہ چیز قطعی ناممکن تھی۔ قاسم کو بے ہوش کرنے کے لئے سر پر پہاڑ دے مارنا پڑتا۔

فریدی دو بجے سے پہلے فرصت نہیں پا سکا تھا کیونکہ بلنگر کے سلسلے میں متعدد گرفتاریاں ہوئی تھیں۔

"ارے بھئی.... بس بلنگر کی ذرا سی حماقت نے مجھے بہت سہارا دیا تھا۔" اُس نے حمید کے سوالات کے جواب میں کہا۔ "یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ ٹیوی اور بلنگر دونوں ہی کی نگرانی ہو رہی تھی۔ لیکن میں کسی ایسے تیسرے آدمی کے وجود سے واقف نہیں تھا جس کے لئے ٹیوی بھی الجھن میں مبتلا رہا ہو۔ بلنگر سے حماقت یہ سرزد ہوئی کہ اُس نے ٹیوی کو پٹوا دیا۔ ورنہ ٹیوی بھی تمہیں اُس پُراسرار آدمی کے متعلق کچھ نہ بتاتا۔ کیونکہ اُس کی دانست میں وہ اُسے اکثر فائدہ پہنچا

تا تھا چونکہ بلنگر اور ٹیوی کی ہر وقت نگرانی کی جاتی تھی۔ اس لئے تم سے اس پُراسرار آدمی کے ملق سن کر مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ پُراسرار آدمی کون ہو سکتا ہے۔ کیونکہ مجھے پہلے ہی رپورٹ چکی تھی کہ بلنگر اُس گندی گلی کے اُس مکان میں داخل ہوا ہے غالباً اندر پہنچ کر اُس نے میک پ کر لیا تھا اور ٹیوی نے اُسے میک اپ ہی میں دیکھا تھا اور پھر ٹیوی یہ سوچ بھی تو نہیں سکتا تھا وہ پُراسرار آدمی اُس کا کاروباری حریف بلنگر ہی ہو گا۔ اگر اُس کے تخیل کی اڑان اتنی ہی اونچی تی تو وہ اُسے اپنے کاروباری راز کیسے بتاتا رہتا۔ بس پھر یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ بلنگر ڈبل ل ادا کر رہا ہے اُس کی نگرانی اور زیادہ احتیاط سے کی جانے لگی۔ نہ صرف اُس کی بلکہ اُس کے ملنے لے والوں کی بھی نگرانی کرنی پڑی۔ اس طرح میں فارچون ٹریڈرز نام کے بزنس تک پہنچ سکا۔ یہ الوں کے ذریعہ ہوتا تھا۔ لمبا جوا.... چائنا بینک میں بلنگر نے فارچون ٹریڈرز کے نام سے ایک ونٹ کھول رکھا تھا۔ دلال جواریوں سے اُسی اکاؤنٹ میں روپے جمع کرا کے ٹکٹ دے دیا کرتے ہ۔ پہلے بلنگر خسارہ اٹھا کر انہیں جیت میں رکھتا تھا پھر جب وہ فتح کے نشہ میں دوسرے پہلوانوں بہت بڑی رقمیں لگا بیٹھتے تھے تو وہ انہیں لوٹ لیتا تھا۔ یعنی غیر متوقع طور پر وہ پہلوان ہار نے تے تھے۔ دلالوں نے بتایا ہے کہ خودکشی کرنے والا تحصیلدار تین بار جیت میں رہا تھا لیکن چوتھی ر اُسے خودکشی کرنی پڑی کیونکہ وہ سرکاری تحویل کا سارا روپیہ ہار گیا تھا اور اتنی بڑی رقم فراہم نا اُس کے بس سے باہر تھا۔ اس لئے ذہنی ہیجان کے دوران اُسے خودکشی ہی سوجھی۔"

"اچھا تو یہ جواری یہ بھی جانتے تھے کہ فارچون ٹریڈرز کا مالک بلنگر ہی ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں.... وہ صرف اُن دلالوں ہی کو جانتے تھے مگر چونکہ چھوٹی اور بڑی ہر طرح کی قمات میں اُن کی جیت بھی ہوتی رہتی تھی اس لئے انہیں اس کی پرواہ نہیں تھی کہ مالک کون ... اور چونکہ انہیں اس کا بھی احساس تھا کہ وہ غیر قانونی قسم کا جوا ہے اس لئے وہ کبھی کسی سے کا تذکرہ بھی نہیں کرتے تھے۔"

"اوہو... تو یہ ٹیوی بالکل گدھا تھا کہ دو ہی روپے کے ٹکٹوں میں مگن رہ جاتا تھا اور بلنگ... !"

"بلنگر کے لئے وہ ایک مہرے سے زیادہ نہیں تھا۔ اُس کے فرشتوں کو بھی کبھی علم نہ ہو سکا کہ بلنگر حقیقتاً کیا کر رہا ہے۔ دوسرے قسم کے جواری بھی اُن دونوں کو حریف ہی سمجھتے تھے اور کا خیال تھا کہ شاید فارچون ٹریڈرز والا جوا مقابلہ کرانے والی کارپوریشن کراتی ہے۔"

"کیا اس مقابلے کے جوئے میں صرف سیٹھ عبداللہ ہی نے حصہ لیا تھا..؟" حمید نے پوچھا۔

"نہیں.... صرف وہی بے ہوش ہوا تھا اور کلیجہ تھام کر رہ جانے والے تو کئی تھے۔ جانتے ہو

کل رات بلنگر نے کتنے کا بزنس کیا تھا۔ بارہ لاکھ کا۔"

"اوہ....!" حمید متحیر رہ گیا پھر پوچھا۔ "اچھا قاسم ہارا کیسے تھا....؟"

"بڑی عجیب چیز ہے حمید صاحب۔ پچھلی رات تو وہ محض عقلی گدا تھا کہ ٹیوی کے ڈاکٹر نے بلنگر سے رشوت لے کر اُسے کوئی نشہ آور دوا دے دی ہو گی.... مگر آج حقیقت کھل کر سامنے آئی ہے۔ ذریعہ ٹیوی کا ڈاکٹر ہی تھا.... جسے زیادہ بڑی آمدنیاں بلنگر سے ہوتی تھیں مگر اُس نے قاسم کو نہ کوئی چیز پلائی تھی اور نہ انجکٹ کی تھی.... بلکہ وہ ایک حیرت انگیز عرق تھا جس کی مالش قاسم کے بائیں شانے پر کی گئی تھی۔ اس کی خاصیت یہ ہے کہ جسم کے کسی حصے پر اُس کی مالش کر دو پھر اُسی جگہ ایک ہلکی سی ضرب لگاؤ.... آدمی فوراً بے ہوش ہو جائے گا۔ قاسم تو اعصاب کی مضبوطی کے اعتبار سے ہاتھی ہے۔ اس لئے بوشن کو اُس کے شانے پر کئی ہاتھ مارنے پڑے تھے۔ خود بوشن ایک ہی گھونسے میں بے ہوش ہو جاتا.... بہر حال قاسم ابھی ہسپتال ہی میں ہے۔ اُس بیہوشی کی وجہ سے جو نقاہت پیدا ہوئی ہے اُس کے دور ہونے میں وقت لگے گا۔"

❁

گریٹا بہت اداس تھی۔ اس اُداسی کی وجہ خود اُس کی سمجھ میں بھی نہ آسکی۔ آٹھ ہزار روپے نہ تو ٹیوی ہی نے واپس مانگے اور نہ اُس کا مطالبہ اُن دونوں پولیس آفیسروں ہی کی طرف سے ہوا.... شارٹی تو اس پر بہت خوش تھا.... لیکن گریٹا محسوس کر رہی تھی جیسے وہ رقم زندگی بھر اُس کے ذہن میں چبھتی رہے گی۔

وہ اب بھی اکثر سوچتی ہے۔ کاش ساگر صرف ایک لفنگا ہوتا۔

ختم شد

ابنِ صفی

لد نمبر
27

جاسوسی دنیا

82- الٹی تصویر

83- چمکیلا غبار

84- انوکھی رہزنی



پیشرس

"الٹی تصویر" حاضر ہے۔ کہانی آپ خود ہی پڑھ لیں گے اس لئے اس کے سلسلے میں کچھ کہنا فضول ہے۔ البتہ کاغذ کے متعلق اتنی گذارش ضرور ہے کہ آپ فی الحال کاغذ کی اچھائی بُرائی دیکھنا چھوڑ دیجئے۔ اس بار اچھا کاغذ مل گیا حاضر ہے۔ آئندہ بھی اگر اچھا ہی ملا تو بجل سے ہرگز کام نہ لیا جائے گا۔ خدانخواستہ ہمارے یہاں نہ کاغذ کا قحط ہے اور نہ اس کی پیداوار ہی میں کمی ہوئی ہے۔ لیکن زیادہ تر کاغذ اہم ترین قومی ضروریات پر صرف ہو رہا ہے اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم قناعت کریں۔

میں اپنے پڑھنے والوں کا بے حد مشکور ہوں کہ وہ مجھے میری خامیوں سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ لیکن اُن کے خطوط کے فرداً فرداً جوابات لکھنا پہلے بھی میرے بس سے باہر تھا اور اب بھی ہے۔ ویسے بعض خطوط کے جوابات اتنے ہی ضروری ہوتے ہیں کہ ان کا تذکرہ پیش لفظ میں کرنا پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک صاحب نے میرے ناول "خون کا دریا" کے متعلق پوچھا ہے کہ وہ بھی اوریجنل ہے یا نہیں کیونکہ ویسی ہی ایک کہانی گجراتی میں بھی ان کی نظروں سے گذری ہے.... گذارش ہے کہ "خون کا دریا" کی کہانی سو فیصدی میری ہی تخلیق ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کسی گجراتی لکھنے والے بھائی نے میری گردن پر چھری پھیر دی ہو۔ اردو میں جو چھریاں پھیری جا رہی ہیں وہ تو آپ کی نظروں کے سامنے ہی ہیں۔ بعض اوقات تو ایسا بھی ہوا ہے کہ میری کتابوں کا ہندی میں ترجمہ ہوا، اور ہندی سے وہ پھر اردو میں منتقل ہوئیں لیکن اس تیسری جون میں مصنف کا نام تک ایک صاحب نے پوچھا ہے! "ربڑ کی عورت" میرے ناول "بے گناہ مجرم" کا ہندی ترجمہ ہے۔ کسی صاحب نے اردو میں اس کا دوبارہ ترجمہ کر ڈالا۔ میرے ساتھ ایسے لطیفے ہوتے ہی رہتے ہیں اور میں ان سے کافی محظوظ ہوتا ہوں، دیکھئے نا میرے پُر اسرار کرداروں ہی کی طرح بعض اوقات یہ کم بخت کتابیں بھی بھیس بدل کر آ کھڑی ہوتی ہیں اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں شرلاک ہومز کی طرح کوکین کا انجکشن لے لوں یا عمران کی طرح چیونگم سے شغل فرماؤں۔

ابن صفی

۲۱/مارچ ۱۹۵۹ء

انٹرویو

نعیم نے عمارت کے سامنے رک کر ایک بار پھر انٹرویو کارڈ پر نظر ڈالی اور عمارت کے پھاٹک پر لگی ہوئی نیم پلیٹ کی طرف دیکھا جس پر تحریر تھا۔ "ڈاکٹر سعیدہ ایم۔اے ڈی۔لٹ پی۔ایچ۔ڈی۔ آکسن۔"

اس نے سر کو خفیف سی جنبش دی۔ اسے یہیں پہنچنا تھا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا، وہ سوچ رہا تھا کہ اور بھی امیدوار ہوں گے۔ پھر اگر اسے ناکامی ہوئی تو کیا ہوگا۔ آج تین ماہ سے تو ملازمتوں کے پیچھے دوڑ رہا تھا اور اسے اس عام کہاوت پر یقین کر لینا پڑتا کہ ملازمتوں کے اشتہارات تو دراصل جگہیں پُر ہو جانے کے بعد دیئے جاتے ہیں تاکہ کسی کو شکایت کا موقع نہ ملے! انٹرویو محض ڈھکوسلا ہوتا ہے۔

وہ دل ہی دل میں وہی سب دُعائیں دہرانے لگا جن کے سہارے پہلے بھی کئی مقابلوں میں حصہ لے چکا تھا۔

پھاٹک میں داخل ہونے سے پہلے ایک بار پھر اس نے نیم پلیٹ کو بغور پڑھا اور وہیں کھڑے کھڑے بیرونی برآمدے پر نظر ڈالی جس کا فاصلہ پھاٹک سے تقریباً ڈیڑھ سو گز ضرور رہا ہوگا۔

"اوہو....!" اس نے سوچا۔ وہاں تو سناٹا ہے۔ کیا اس کے علاوہ اور کوئی نہیں بلایا گیا۔

پھر سوچا ممکن ہے اس سے غلطی ہی ہوئی ہو۔ بھلا سنی سنائی باتوں کا کیا اعتبار.... مگر پھر یہ انٹرویو کارڈ کہاں سے آ گیا۔ اس نے جو کچھ بھی سنا تھا صحیح سنا تھا اور عرضی بھی بھیجی تھی.... عرضی قابل اعتبار نہ ہوتی تو انٹرویو کارڈ کیسے آتا۔

بہر حال وہ مطمئن بھی تھا اور ذہن کے کسی گوشے میں بے اطمینانی بھی لہریں لے رہی تھی۔

اس الجھن کا باعث یہ تھا کہ یہ کوئی اشتہاری ملازمت نہیں تھی بلکہ اس کا علم اسے اتفاقاً ہی ہوا تھا۔ ایک دن ملازمت کی تلاش میں کئی گھنٹے جوتیاں چٹخانے کے بعد ایک چائے خانے میں جا بیٹھا تھا۔ تھوڑی دیر بعد قریب ہی کی ایک میز پر دو آدمی آ بیٹھے۔ ان میں سے ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا۔ "بھئی ملازمت ہنسی کھیل تو ہے نہیں کہ گھر بیٹھے مل جائے گی، کچھ جدوجہد کرو۔ لوگوں کے پاس بیٹھو اٹھو! ملو ملاؤ، گھر پڑے رہنے سے کہیں کام چلا کرتا ہے۔ ملازمت تھوڑا ہی تمہیں تلاش کرتی پھر رہی ہے، اچھا دیکھو.... ایلکن روڈ پر ایک ڈاکٹر سعیدہ ہیں.... نہیں پہلے تم یہ بتاؤ کہ اچھی اردو نثر لکھ سکتے ہو یا نہیں۔"

"کیوں نہیں....؟" دوسرے نے جواب دیا۔

"ادب سے بھی کچھ دلچسپی ہے۔"

"بہت زیادہ...." جواب ملا۔

"تب تو تم کام چلا لے جاؤ گے! خیر یہ ڈاکٹر سعیدہ اردو میں کچھ تحقیقی کام کر رہی ہیں اور انہیں ایک اچھی اردو نثر لکھنے والے کی ضرورت ہے۔ تم ایک عرضی روانہ کر دو، ورنہ اگر کہیں انہوں نے کسی اخبار میں اشتہار دے دیا تو درجنوں پہنچ جائیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔" میں آج ہی عرضی روانہ کر دوں گا۔ دوسرے نے جیب سے نوٹ بک نکالتے ہوئے کہا۔ "مجھے ان کا پتہ لکھوا دو۔"

اس نے پتہ ڈکٹیٹ کیا۔ جسے نعیم ذہن نشین کرتا جا رہا تھا.... تھوڑی دیر بعد اس نے بھی اپنی نوٹ بک میں وہی پتہ درج کر لیا اور اسی دن عرضی بھی روانہ کر دی۔ طالب علمی کے زمانے میں اسے صحافت سے بھی لگاؤ رہ چکا تھا۔ اردو نثر نگاری پر اُسے قدرت حاصل تھی اور وہ خود کو صاحب طرز بھی سمجھتا تھا۔

تین دن بعد عرضی کے جواب میں اسے بذریعہ ڈاک ایک انٹرویو کارڈ ملا جس پر انٹرویو کی تاریخ درج تھی۔

اور آج وہی انٹرویو کارڈ اسے یہاں تک لے آیا تھا۔ ڈیڑھ سو گز لمبی روش طے کر کے وہ برآمدے میں آیا۔ لیکن یہاں قطعی طور پر سناٹا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے عمارت کا ہر حصہ

ویران ہو۔

دفعتاً بائیں جانب نظر اٹھی۔ ایک کمرے کا دروزہ کھلا ہوا تھا۔ چوکھٹ کے اوپر ایک تختی آویزاں تھی جس پر تحریر تھا۔

"براہِ کرم گھنٹی کا بٹن دبا کر اندر تشریف رکھئے اور پانچ منٹ انتظار کی زحمت گوارا فرمایئے۔"

گھنٹی کا سوئچ بائیں طرف دروازے کے فریم میں لگا ہوا تھا۔ وہ بٹن دبا کر کمرے میں داخل ہو گیا۔

یہ ڈرائنگ روم ہی تھا۔ صاف ستھرا اور سادہ طور پر سجا ہوا۔ صوفہ سیٹ نفیس اور آرام دہ تھا۔

پورے کمرے میں صرف ایک ہی بڑی سی تصویر تھی، مگر دیوار پر الٹی لٹکی ہوئی تھی۔ یعنی صاحب تصویر کا سر نیچے تھا اور ٹانگیں اوپر۔

یہ کسی معمر لیکن وجیہہ آدمی کی تصویر تھی، مگر اس کا الٹا لٹکا ہونا نعیم کی سمجھ میں نہ آسکا۔ کیا اتفاقاً ایسا ہوا تھا؟ لیکن فریم الٹ کیسے سکتا ہے؟ صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے اُسے جان بوجھ کر الٹا لٹکایا گیا ہو۔ مگر کیوں؟

کیا یہاں کوئی پاگل آدمی رہتا ہے۔ یا اتنا لاپرواہ ہے کہ ایک تصویر بھی سیدھی نہیں کر سکتا۔

تصویر نے اسے الجھن میں ڈال دیا اور انتظار کے پانچ منٹ اس طرح گذر گئے کہ انتظار کا احساس ہی نہ ہو سکا۔

پھر ایک خوبصورت سی عورت کمرے میں داخل ہوئی جس نے میک اپ پر بہت زیادہ سرخی اور پاؤڈر صرف کیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ ظاہری دلکشی میک اپ ہی کی رہین منت رہی ہو، ورنہ ہاتھ پیروں سے تو خاصی معمر معلوم ہوتی تھی۔

نعیم اسے دیکھ کر احتراماً اٹھ گیا لیکن وہ تو دروازے ہی میں رک کر اسے اس طرح دیکھنے لگی تھی جیسے کوئی عجوبہ اس کے سامنے آگیا ہو۔

"بیٹھے بیٹھے۔" وہ یک بیک آگے بڑھ کر بولی۔ "یہ آپ کا ایک کان چھوٹا اور ایک بڑا کیوں ہے؟"

"جی....!" نعیم اس بے تکے سوال پر بوکھلا کر اپنے دونوں کان ٹٹولنے لگا۔ پھر جلدی سے ہاتھ نیچے گرا لئے۔ یہ بھی حماقت ہی تو تھی کہ وہ ایک بے تکی بات پر اپنے کان ٹٹولنے لگا تھا۔ پھر اسے اس سوال پر غصہ بھی آیا اور اس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "کان صرف سننے کے لئے ہوتے ہیں.... میں نے آج تک کسی کے کانوں کی ساخت پر غور نہیں کیا۔"

آپ تو بڑے چڑچڑے معلوم ہوتے ہیں۔ اے میں نے کیا کہہ دیا جو اس طرح لال پیلے ہو رہے ہیں۔" عورت نے ہاتھ نچا کر کہا۔

"کچھ نہیں! میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں...." نعیم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ وہ ملازمت کی تلاش میں نکلا تھا، اس لئے اسے ضبط و تحمل سے کام لینا چاہئے اس نے سوچا کہ اب وہ خود کو قابو میں رکھے گا۔ ویسے اگر ڈاکٹر سعیدہ یہی عورت ہے تو کسی حد تک زندگی ضرور تلخ کر دے گی۔

"ارے تو خاموش کیوں ہو گئے۔ میں آپ کے الفاظ واپس دیتی ہوں۔" اس نے اس طرح ہاتھ بڑھا کر مٹھی کھول دی جیسے اس کے الفاظ مٹھی ہی میں دبائے رہی ہو۔

نعیم نے بوکھلا کر اسے گھورا لیکن چہرے پر غیر سنجیدگی کی ہلکی سی جھلک بھی نظر نہ آئی۔ وہ سوچنے لگا کیا وہ کسی پاگل ہی کے چکر میں آپھنسا ہے۔ ایک بار پھر اس کی نظریں الٹی تصویر پر جم گئیں۔

پھر اس نے کنکھیوں سے عورت کی طرف دیکھا۔

"ہائیں.... اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو...." اس نے حیرت سے کہا۔ "اوہ ٹھہرو! کیا یہی ترچھی نظر کہلاتی ہے؟"

"میں.... نن.... نہیں جانتا...." نعیم بہت زیادہ نروس ہو گیا۔

"آپ نہیں جانتے....؟" عورت نے حیرت سے کہا۔

"مجھے ڈاکٹر سعیدہ سے ملنا ہے محترمہ....!"

"تو پھر کیا میں ڈاکٹر چٹرجی ہوں...." عورت نے بُرا مان جانے کے سے انداز میں پوچھا۔

"اوہو.... میں ملازمت کے لئے حاضر ہوا تھا محترمہ....!"

"ٹھیک ہے! مگر آپ ترچھی نظر نہیں جانتے۔"

"خدا کی پناہ.... کیا چھوٹے بڑے کانوں ہی پر معاملہ رفع دفع نہیں ہو سکتا۔" نعیم نے لمبی سانس لے کر پوچھا۔ وہ سوچ رہا تھا چلو تھوڑی دیر کی تفریح ہی سہی۔ یقیناً یہ عورت سنک گئی ہے۔

"ہوں.... اوں! ٹھہریئے۔" نعیم اس طرح چھت کی طرف دیکھنے لگا جیسے کوئی شعر یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر جلد ہی شعر بھی اس کے ہونٹوں سے پھسلنے لگا۔

اے تیر نظر، تیر نظر دیکھ
یہ دل ہے یہ گردے یہ کلیجی یہ جگر دیکھ

"ہاں.... آں.... شعر ہی معلوم ہوتا ہے.... مطلب بتایئے۔"

"مطلب تو شاید میرے والد صاحب بھی نہ بتا سکیں..!" نعیم کی جھلاہٹ پھر بڑھنے لگی تھی۔

"تب پھر کیسے کام چلے گا۔"

"مگر مجھے تو بتایا گیا تھا کہ آپ کو نثر لکھنے والے کی ضرورت ہے۔" نعیم نے کہا۔

"اچھا تو کیا اشعار کا مطلب نظم میں بیان کیا جاتا ہے۔"

"اگر میں شاعر ہوتا تو میرے لئے یہ بھی کوئی مشکل بات نہ ہوتی۔"

"ہوں....؟" وہ کچھ سوچنے لگی۔ پھر پوچھا۔ "اردو کے جدید ترین ادباء میں سب سے ممتاز کون ہے۔"

"وہی جو سال بھر میں ساڑھے تین افسانے لکھ لیتا ہے۔ ڈیڑھ عدد غزلیں کہہ لیتا ہو اور ایک آدھ تنقیدی مضمون بھی لکھنے کی کوشش تو کرے۔ لیکن زندگی بھر کامیاب نہ ہو سکے۔"

"میں نام پوچھ رہی ہوں۔"

"کیا ایسے کسی آدمی کا نام یاد رکھا جا سکتا ہے.... محترمہ....!"

"میرے متعلق آپ کا کیا خیال ہے....!" عورت نے پوچھا۔

"آپ ڈی لٹ بھی ہیں اور پی ایچ ڈی بھی۔"

"میں اپنی ادبی خدمات کے بارے میں پوچھ رہی ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ آج تک آپ کی کوئی ادبی کاوش میری نظروں سے نہیں گذری۔"

"اوہ.... آپ نے میری کتاب "ادب اور شتر مرغ" نہیں پڑھی! اس پر تو مجھے حکومت کی طرف سے انعام بھی ملا تھا۔"

"ادبی شتر مرغ تو بہت دیکھے ہیں میں نے لیکن ادب اور شتر مرغ....!"

"خیر....! اچھا بتایئے.... شتر گربہ کسے کہتے ہیں۔"

"ایسی بلی جو اونٹ کے برابر ہو....!"

"بکواس....!" عورت نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"تو پھر شتر مرغ بھی بکواس ہی ہوگا۔ کیونکہ اس کے متعلق بھی میں نے یہی سنا ہے کہ وہ اونٹ کی سی گردن رکھتا ہے اور اسی کی طرح قد آور ہوتا ہے۔"

"واہ کیا منطق ہے۔"

"غلط ہو تو گردن اڑا دیجئے....!" نعیم بولا۔ وہ بالکل تفریح کے موڈ میں آ گیا تھا۔ ملازمت گئی جہنم میں۔

"آپ سنجیدگی سے کام نہیں کر سکیں گے۔" عورت نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "اسی لئے میں نے پوچھا تھا کہ آپ کے کان چھوٹے بڑے کیوں ہیں۔"

"آپ نے پھر کانوں کی بات چھیڑ دی...." اس بار نعیم کو سچ مچ غصہ آ گیا۔

"میں کسی ایسے آدمی پر اعتماد نہیں کر سکتی جس کے کان چھوٹے بڑے ہوں۔ آپ جا سکتے ہیں....!"

اس کی نظر ایک بار پھر الٹی تصویر کی طرف اٹھ گئی، لیکن عورت اس کی طرف سے بالکل لاپرواہ نظر آ رہی تھی جیسے وہ کوئی غیر معمولی بات ہی نہ ہو، قطعی پاگل ہے۔ اس نے سوچا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

❁

نعیم پر اگر اس کے خاندان کی ذمہ داریاں بھی ہوتیں تو شاید اسے خودکشی ہی کرنی پڑتی! آج جیب کا آخری پانچ کا نوٹ بھی ٹکڑوں میں تبدیل ہو گیا تھا۔ لیکن آج کے انٹرویو نے اس کے ذہن پر کوئی بُرا اثر نہیں ڈالا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس نے بڑی جلد بازی سے کام لیا۔ اسے تو چاہئے تھا کہ اس نامعقول عورت کو سر پیٹنے اور کتیوں کی طرح حلق پھاڑنے پر مجبور کر دیتا۔ ڈاکٹر سعیدہ ایم۔اے ڈی لٹ پی۔ایچ۔ڈی؟ اتنا پڑھ لکھ جانے کے بعد بھی یہ عورتیں خود میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتیں.... مگر وہ تو پاگل تھی.... پھر وہ دونوں گدھے کون تھے؟ جن کی گفتگو سن کر وہ ملازمت کے لئے اپلائی کر بیٹھا تھا۔

وہ آئینے پر تیکھی نظریں جمائے سگریٹ کے کش لیتا رہا۔ اچانک ایک نیا خیال اس کے ذہن میں کلبلایا.... وہ اس کی مالی حالت بہتر بنا سکتی ہے۔ یقیناً مال دار ہوگی۔ اوہ ٹھیک ہے.... وہ اس سے عشق شروع کر دے.... اس کی عمر چالیس سال سے کسی طرح کم نہیں معلوم ہوتی اور خود اس نے تو اب چوبیسویں سال میں قدم رکھا ہے.... اگر وہ بالکل ہی پاگل نہیں ہے تو متحیر ضرور رہ جائے گی۔ اور پھر جب تحیر زدگی کا وقفہ ختم ہوگا تو.... پھر.... اوہ تجربہ تو کرنا ہی چاہئے۔

دوسرے دن خود بخود اس کے قدم اسی عمارت کی طرف اٹھ گئے۔

لیکن آج پھاٹک بند نظر آیا۔ جس میں بڑا سا قفل بھی لٹک رہا تھا۔

اسے اپنی اس حماقت پر جھنجھلاہٹ سی محسوس ہونے لگی۔ حماقت ہی تو تھی۔ خواہ مخواہ دوڑا تھا۔ گویا جیب میں پڑی ہوئی ایک روپیہ گیارہ آنے کی رقم اتنی ہی تشفی بخش تھی کہ وہ تفریحی قسم عشق بازیوں کے لئے دوڑتا رہتا.... مگر وہ تو.... مالی حالت مستحکم کرنے ہی کا معاملہ تھا۔

بہر حال وہ ہاتھ جھلاتا ہوا واپس ہو ہی رہا تھا کہ ایک آدمی جھپٹتا ہوا اس کی طرف آیا۔

"کہئے.... جناب....!" اس نے دانت نکالے.... یہ ایک پستہ قد اور کمزور جسم کا آد تھا۔ آنکھوں کے پپوٹے بھاری تھے اور پلکیں متورم سی معلوم ہوتیں تھیں۔

"کیوں....؟" نعیم نے نیچے سے اوپر تک اس کا جائزہ لیا۔

"آپ یہاں کھڑے تھے.... میں نے کہا شاید۔" وہ اپنا سر کھجانے لگا۔

"ہاں ہاں.... میں یہاں کھڑا تھا.... تو پھر....!"

"میں نے کل بھی آپ کو یہاں دیکھا تھا.... مطلب یہ کہ اس کی کنجی شاید آپ ہی پاس ہے۔ میں دراصل مکانوں کی دلالی کرتا ہوں۔"

"میرے پاس کیوں ہونے لگی اس کی کنجی۔" نعیم آنکھیں نکال کر بولا۔

"اوہ.... تو پھر آپ خرید رہے ہیں اسے۔ کل میں نے آپ کو کمپاؤنڈ میں دیکھا تھا۔ سو نہیں ہوا شاید کیوں؟"

"کیا ڈاکٹر سعیدہ اسے فروخت کرنے والی ہیں۔"

"ڈاکٹر سعیدہ....!" دلال نے متحیرانہ انداز میں دہرایا۔

"ہاں کیوں....؟" نعیم اس کی حیرت پر خود بھی متحیر نظر آنے لگا تھا۔

"ارے.... ڈاکٹر سعیدہ کہاں؟ اسے مرے ہوئے تو ایک سال گذرا.... یہ بھی اس کے وارثوں کی سنک ہی ہے کہ اس کے نام کی تختی آج بھی پھاٹک پر لگا رکھی ہے۔"

"ڈاکٹر سعیدہ مر چکی ہے۔" نعیم نے حیرت سے دہرایا۔

"ایک سال پہلے کی بات ہے۔ موت پراسرار طور پر ہوئی تھی۔ بس کھڑے کھڑے گر تھی اور مر گئی تھی.... یہیں اسی عمارت میں۔ تب سے یہ عمارت خالی پڑی ہوئی ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہو یار... ابھی کل ہی تو میں نے ڈاکٹر سعیدہ سے گفتگو کی تھی۔" نعیم ہنس پڑا۔

اس آدمی نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے دل ہی دل میں کوئی بڑی گندی سی گالی دی ہو۔

"کیوں مذاق کرتے ہو۔" اس نے بیزاری اور جھلاہٹ کے ساتھ کہا اور ایک طرف مڑ گیا۔

"ذرا سنئے تو سہی مسٹر۔" نعیم نے اسے روکا۔

"ہوں...." وہ رک کر مڑا مگر بیزاری سے ہونٹ سکوڑے ہوئے تھا۔

"یقین کرو! ڈاکٹر سعیدہ نے مجھے خط لکھ کر بلایا تھا۔ ملی تھی تم نے تو کل مجھے یہاں دیکھا ہی تھا۔"

"کیا کہہ رہے ہو دوست....!" اجنبی بھرائی ہوئی سی آواز میں بولا، جس میں شاید خوف کی بھی ہلکی سی آمیزش تھی۔

"اسے ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی، جو تحقیقاتی کاموں میں مدد دے سکے۔"

"میرے خدا....!" اجنبی حیرت سے منہ پھاڑ کر رہ گیا۔ پھر خوفزدہ سی آواز میں بولا۔ "پچھلے سال اس نے اسی طرح ایک آدمی کو بلایا تھا، غالباً ملازمت کے لئے اور اسی کے سامنے مر گئی تھی۔ اوہ مجھے دیر ہو رہی ہے.... معاف کیجئے گا۔"

وہ تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

لاش اور تصویر

کرنل فریدی اپنے آفس میں ایک فائل پر جھکا ہوا پنسل سے نشانات لگا رہا تھا، اتنے میں فون کی گھنٹی بجی اور اس نے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو.... یس فریدی اسپیکنگ! اوہ آپ ہیں.... آداب.... ارے کب.... ہاں ہاں میں سروحید کو جانتا ہوں.... آپ وہیں ہیں! .... کیا فرمایا.... ارے.... آخر یہ کیوں؟.... اوہ.... سوراخ.... ہوں.... عجیب بات ہے۔" اس نے حمید کی طرف دیکھا اور دوسری طرف سے بولنے والے کی بات سنتا رہا.... حمید اپنی ڈیسک پر بیٹھا کسی کے سلسلے میں آئے ہوئے فنگر پرنٹس ترتیب دے رہا تھا۔

فریدی نے ریسیور رکھ کر ایک طویل سانس لی اور حمید پر سے نظر ہٹائے بغیر کہا۔

"تم نے سر پیٹنے کی عادت ترک کر دی ہے شاید۔"

حمید بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

"کوئی کیس؟" اس نے پلکیں جھپکائیں۔

"میرا خیال ہے کہ تمہارا اندازہ غلط نہیں ہے.... کیس اور ایسا ہی کہ شاید موجودہ ذہنی رفع ہو جائے۔"

"یا خدا ادھر کے جسمانی جمود کی خیر ہو...." حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور پھر بولا۔ وحید کا کیا قصہ ہے۔ کیا اس کی بلیوں کو صبح سے چھینکیں آ رہی ہیں۔ میں شاید اس آدمی کے بارے میں کچھ جانتا ہوں۔"

"کیا جانتے ہو؟"

"پہلے آپ بتایئے کیا بات ہے!"

"سر وحید مر گیا۔"

"گفتگو کے انداز ہی سے مترشح ہو رہا تھا۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"اور وہ شرفیوں کی طرح ہر گز نہ مرا ہو گا! ورنہ ہمیں کیوں اطلاع ملتی۔"

"ابھی تمہیں اس پر اور زیادہ غصہ آئے گا۔" فریدی مسکرایا۔ "کیونکہ وہ صحیح الدماغ آدمی کی طرح بھی نہیں مرا.... ڈی۔ آئی۔ جی صاحب تھے فون پر۔ وہ وہیں ہیں۔"

"مگر یہ مرنے کا کون سا وقت ہے۔" حمید گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "سوا چار بج رہے ہیں اسے چائے کا وقت کہتے ہیں۔"

"اٹھو....!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

"میں کہتا ہوں تشریف رکھئے۔" حمید نے ڈیسک پر ہاتھ مار کر کہا۔ "یہیں کچھ زہر مار کر لیں۔"

پھر اس نے گھنٹی کی طرف ہاتھ بڑھایا....

"تم زہر مار کرتے رہو۔" فریدی گھڑی پر نظر ڈالتا ہوا بولا۔ "لیکن ٹھیک پونے پانچ بجے وینشن پہنچ جانا۔"

ادھر وہ آفس سے نکلا اور ادھر حمید نے چپراسی کو طلب کر کے کینٹین سے چائے منگوائی۔

وہ سر وحید کے متعلق سوچ رہا تھا۔

چائے اس لئے منگوائی تھی کہ فریدی کے ساتھ جائے واردات پر پہنچ کر رات کا کھانا بھی گول ہو سکتا تھا اور سر وحید کے متعلق سوچنا اس لئے ضروری تھا کہ ابھی حال ہی میں اس سے ہائی سرکل نائٹ کلب میں مڈبھیڑ ہوئی تھی۔

تعارف ایک ایسے آدمی نے کرایا تھا، جو دونوں کا مشترکہ دوست تھا۔ اس نے سر وحید کو بتایا تھا کہ کیپٹن حمید کو بکروں سے عشق ہے۔

"آہا.... بہت اچھے۔" سر وحید نے اسے شرارت آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے مصافحہ کیا تھا۔ اس پچھتر سالہ بوڑھے کی آنکھوں میں حمید کو ایسی ہی شوخیاں نظر آئی تھیں جیسی شریر بچوں کی آنکھوں سے جھلکتی ہیں اور پھر وہ بالکل بچوں ہی کے سے انداز میں بکروں کے متعلق گفتگو کرنے لگا تھا اور حمید نے سوچا تھا کہ وہ یا تو پاگل ہے یا اسے گھس رہا ہے۔

کسی بات پر اُس نے چڑ کر حمید پر زبان بھی نکالی تھی۔ پھر لڑکیوں کی گفتگو شروع ہو گئی تھی اور حمید کا دل چاہا تھا کہ اپنا سر پیٹ ڈالے.... کیونکہ گفتگو کا ماحصل یہی تھا کہ لڑکیاں اب بھی اس پر عاشق ہو جایا کرتی ہیں۔ ایک نہیں کئی ایسے واقعات بتائے تھے کہ حمید کو اپنی جوانی دو کوڑی کی معلوم ہونے لگی تھی۔

پھر وہ اس کی میز سے اٹھ گیا تھا اور تعارف کرانے والے نے حمید کو اس کے متعلق حیرت انگیز قسم کی باتیں بتائی تھیں۔ مثال کے طور پر ایک تو یہی کہ وہ روزانہ ٹھیک تین بجے سر کے بل کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس معمول میں کبھی فرق نہیں آیا خواہ اس وقت وہ اجنبیوں کے درمیان ہی کیوں نہ بیٹھا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تین اور چار کے درمیان کبھی گھر سے باہر نہیں دیکھا گیا۔

بہر حال حمید نے اس کے متعلق یہی رائے قائم کی تھی کہ اس کا ایک آدھ اسکریو ضرور ڈھیلا ہے۔

اور اب اس وقت فریدی نے اس کی موت کی خبر سنائی.... گو وہ تفصیل میں نہیں گیا تھا، لیکن موت کی اطلاع کا اس کے لہجے تک پہنچنا ہی اس پر دلالت کرتا تھا کہ موت غیر معمولی حالات میں ہوئی ہے۔

اس نے جلدی جلدی دو تین پائیاں حلق سے اتاریں اور چائے ختم کر کے اٹھ گیا۔

وحید مینشن ایک بڑی اور شاندار عمارت تھی۔ شہر میں مشہور بھی تھی.... اور سر وحید کا شمار بڑے سرمایہ داروں میں ہوتا تھا۔

خیال کیا جاتا تھا کہ وہ خود عملی طور پر کاروبار سے الگ ہو چکا ہے اور اس کے بیٹے پوتے ہی بزنس میں ہیں۔

لوگوں کو اس کی زندگی سے دلچسپی رہی ہو یا نہ رہی ہو لیکن اس وقت کیپٹن حمید نے وحید مینشن کے قریب ایک جم غفیر دیکھا۔ جس میں خال خال سرخ ٹوپیاں بھی نظر آ رہی تھیں... ایک کانسٹیبل اس کے لئے راستہ بنا رہا تھا۔

بالآخر وہ فریدی تک پہنچ ہی گیا.... واردات وحید مینشن کی تیسری چھت پر ہوئی تھی جس کے گرد صرف سات فٹ اونچی چہار دیواری تھی۔ بس اسے کھلی چھت ہی کہنا چاہئے۔

یوں تو اس وقت وحید مینشن میں کئی آفیسر موجود تھے۔ لیکن تیسری چھت پر فریدی اور محکمے کے ڈی۔ آئی۔ جی کے علاوہ اور کوئی نظر نہ آیا۔

لاش اب بھی وہیں موجود تھی اور اُسے ایک چادر سے ڈھانک دیا گیا تھا۔

حمید ڈی۔ آئی۔ جی کو سلام کر کے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

فریدی کہہ رہا تھا۔ "دیواریں سات فٹ اونچی ہیں اور مرنے والے کا قد پانچ فٹ چھ انچ سے زیادہ نہیں ہے۔"

وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"گھر والوں کا بیان ہے کہ چھت پر اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔

"حادثے کی اطلاع انہیں کیسے ہوئی تھی۔"

"اس کی چیخ سن کر.... اس کی بڑی لڑکی اوپر آئی تھی۔ اتنی دیر میں وہ ساکت ہو چکا تھا۔"

"لاش کو کسی نے اصل جگہ سے ہٹایا تو نہیں۔"

"نہیں اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا گیا۔"

"تب پھر لاش کی پوزیشن یہی بتاتی ہے کہ وہ دیوار پر نہ چڑھا ہوگا۔ ایسی صورت میں تو لاش کو دیوار سے کئی گز کے فاصلے پر ہونا چاہئے تھا۔"

حمید نے لاش کا پھر سے جائزہ لیا۔ اس کا سر دیوار ہی کی طرف تھا اور وہ دیوار سے زاویہ قائمہ

رہی تھی۔ سر اور دیوار کا فاصلہ ایک فٹ سے زیادہ نہ رہا ہوگا۔

دفعتاً فریدی نے مڑ کر کہا۔ "فنگر پرنٹ والوں کو بلا لو۔"

حمید انہیں دوسری منزل پر دیکھتا ہوا آیا تھا۔ اس لئے تلاش کرنے میں دیر نہیں لگی....!

لیکن خلاف توقع فریدی نے جلد ہی کام ختم کرا دیا۔ نہ تو وہاں اس نے کسی مسئلے پر کسی سے ث کی تھی اور نہ معاملہ کو طول دیا تھا۔ حتیٰ کہ حمید اس کی گفتگو سے حادثے کی نوعیت کا اندازہ ی نہ کر سکا۔

اور واپسی پر بھی فریدی خاموش ہی رہا۔ حمید نے چاہا کہ اس حادثے کے متعلق گفتگو چھیڑے، لیکن فریدی نے سر ہلا کر اسے خاموش ہی رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

❁

نعیم کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں اور نظر اخبار کے پہلے ہی صفحے پر چھپی ہوئی تصویر پر تھی۔

کچھ دیر بعد اس نے آنکھیں ملیں اور پھر تصویر کو گھورنے لگا۔ اس کا سر چکرا رہا تھا اور آنکھوں پر دھند سی چھا رہی تھی۔

یہ تصویر وہی تو تھی جسے اس نے تین دن پہلے ڈاکٹر سعیدہ کی کوٹھی میں الٹی لٹکی ہوئی دیکھا تھا اور اب اسے معلوم ہوا کہ وہ کون تھا؟ شہر کا ایک بڑا سرمایہ دار سر وحید جس کی کئی فیکٹریاں اور ٹیکسٹائل ملیں ملک کے مختلف حصوں میں قائم تھیں۔

خبر کے مطابق وہ پچھلی شام اپنی چھت پر سر کے بل کھڑا ہوا تھا کہ اچانک اس کی پیشانی میں سوراخ ہو گیا جس سے خون ابل رہا تھا۔ پھر اسکی چیخ سن کر اوپر پہنچنے والوں نے اسے مردہ ہی پایا تھا۔

مگر وہ سر کے بل کیوں کھڑا ہوا تھا؟ نعیم خبر ادھوری ہی چھوڑ کر سوچنے لگا۔ تصویر الٹی لٹکی ہوئی تھی.... اور وہ سر کے بل کھڑا ہوا تھا.... مگر کیوں؟

خبر میں آگے کہا گیا تھا کہ پوسٹ مارٹم کرنے والوں نے اس کی کھوپڑی سے رائفل کی گولی نکالی ہے.... اوہ.... قتل؟.... مگر سر کے بل کھڑا ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔

وہ سوچتا رہا اور پھر اکتا کر اس واقعہ کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کرنے لگا.... ہوگا کچھ؟ اسے فلیٹ کے کرائے کی ادائیگی کی فکر کرنی چاہئے۔

تین ماہ سے چڑھے ہوئے کرائے کا خیال آتے ہی پٹھان چوکیدار کا خونخوار چہرہ بھی آنکھوں میں پھر گیا۔

اس ماہ اس نے سات دن کی مہلت دیتے ہوئے دھمکی دی تھی کہ اگر تین ماہ کا کرایہ مدت گذرنے کے بعد نہ ملا تو وہ اس کا سامان نکال کر سڑک پر پھینک دے گا۔ مدت ختم ہونے میں تین دن اور رہ گئے تھے۔ اگر ان تین دنوں میں اسے کہیں ملازمت مل بھی جاتی تو تین ماہ کا کرایہ ادا کرنے کا انتظام کہاں سے ہو سکتا تھا۔

تو پھر کیا کرے۔ اس بدتمیز آدمی کا پیٹ پھاڑ دے، جو کرایہ وصول کرنے کے سلسلے میں دھمکیاں دیتے وقت اس کی سفید پوشی کا بھی خیال نہیں رکھتا۔

سوچتے سوچتے اس کا ذہن پھر ڈاکٹر سعیدہ، الٹی تصویر اور سروحید کی طرف بھٹک گیا۔ آخر وہ کیا چکر تھا؟

اس نے ڈاکٹر سعیدہ کے ورثاء کا پتہ لگانے کی کوشش کی اور اس دوران میں اس اجنبی کے بیان کی تصدیق بھی ہو گئی تھی جس سے کوٹھی کے قریب گفتگو کرنے کا اتفاق ہوا تھا۔

ڈاکٹر سعیدہ کی موت حیرت انگیز طور پر ہوئی تھی۔ نعیم ہی کی طرح پچھلے سال بھی کسی ضرورت مند نے کہیں ڈاکٹر سعیدہ کی ملازمت کا تذکرہ سن کر عرضی دی تھی اور اسی کوٹھی میں انٹرویو کے لئے اسے طلب کیا گیا تھا.... اور ڈاکٹر سعیدہ اس سے گفتگو کرتے وقت ختم ہو گئی تھی۔

پھر کیا.... پھر کیا.... وہ ڈاکٹر سعیدہ کی روح تھی؟

وہ روحوں کا قائل تھا نہیں۔

بھوت پریت کی کہانیاں اسے مضحکہ خیز معلوم ہوتی تھیں۔

لیکن پھر یہ سب کیا تھا....؟

کچھ دیر بعد الجھن اتنی بڑھی کہ اس نے لباس تبدیل کیا اور ایک بار پھر ڈاکٹر سعیدہ کی کوٹھی کی طرف چل پڑا۔

کچھ دور چلنے کے بعد اس کی رفتار سست پڑنے لگی۔ آخر وہاں کیا ملے گا؟ اس نے سوچا! وہاں کیوں جا رہا ہے.... لیکن دوبارہ وہاں جانے کا خیال ہی کیوں پیدا ہوا تھا؟ کیا یہ بھی حماقت ہی نہیں

تھی؟ اخبار میں وہ تصویر دیکھ لینے کے بعد، جو اس عمارت میں الٹی لٹکی نظر آئی تھی ادھر کا رخ کرنا انش مندی تو نہیں....!

ڈاکٹر سعیدہ کے بھوت بن جانے سے کسی کو دلچسپی ہو یا نہ ہو لیکن اس سرمایہ دار کی موت بن تو پولیس بھی دلچسپی لے رہی ہے۔ پتہ نہیں آئندہ حالات کا رخ کیا ہو۔ اگر کسی طرح وہ اس معاملے میں ملوث ہو گیا تو کیا ہو گا۔

دفعتاً وہ غیر ارادی طور پر ایک گلی میں مڑ گیا....

"او میاں.... او بھائی صاحب ذرا ٹھہریئے گا...." کسی نے آواز دی۔ ضرور نہیں تھا کہ آواز اسے ہی دی گئی ہو.... لیکن وہ رک کر مڑا تھا۔

اور پھر اسے وہی آدمی نظر آیا جس سے اس کوٹھی کے قریب ملاقات ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ایک آدمی اور بھی تھا۔ نعیم بوکھلاہٹ میں اس کے ساتھی کا تفصیلی جائزہ نہ لے سکا۔

"اوہ.... بڑے بھائی...." مکانوں کا دلال ہانپتا ہوا بولا۔ "ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گیا۔"

نعیم کا دل شدت سے دھڑکنے لگا۔ حالانکہ پچھلے دن اس نے اس سے الٹی تصویر کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔

"کیوں....؟" نعیم جی کڑا کر کے اسے گھورنے لگا۔

"خفا کیوں ہوتے ہیں جناب! کیا میں نے کوئی گستاخی کی ہے۔"

"میں سڑکوں پر اس طرح پکارا جانا پسند نہیں کرتا۔" نعیم کا لہجہ غصیلا تھا

"معاف کیجئے گا جناب۔" دلال کے ساتھی نے مؤدبانہ لہجے میں کہا "واقعی یہ بڑی بدتمیزی ہے کہ کسی شریف آدمی کو اس طرح گلی کوچوں میں آواز دی جائے.... لیکن مجبوری۔"

اب نعیم نے اسے غور سے دیکھا۔ یہ ایک بھاری بھرکم اور شاندار آدمی تھا۔ قیمتی لباس اور انگلیوں میں پڑی ہوئی انگشتریوں سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کوئی خوشحال آدمی ہے۔

نعیم نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں اور آہستہ سے بولا۔ "میں نہیں سمجھا؟"

"میں آپ کے قدموں پر سجدہ کرنا چاہتا ہوں...." بھاری بھرکم آدمی نے گلوگیر آواز میں کہا۔ "اگر ان کا بیان صحیح تھا" اس کا اشارہ مکانوں کے دلال کی طرف تھا۔

"کیا مطلب....!"

نعیم اور زیادہ بوکھلا گیا۔

"یہاں نہیں! کیا ہم بیٹھ نہیں سکتے۔" شاندار آدمی بولا۔

"ارے ہاں.... آیئے آیئے جناب۔ نارویز میں بیٹھیں گے۔" دلال جلدی سے بولا۔

وہ گلی سے پھر سڑک پر آ گئے۔

نعیم کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا شروع ہونے والا ہے۔ اس نے اس کے قدموں پر سجدہ کرنے کی خواہش کیوں ظاہر کی تھی۔

نارویز ایک اوسط درجے کا ریستوران تھا.... دلال نے ایک میز منتخب کی، جس کے قریب کی میزیں خالی پڑ تھیں۔ وہ بیٹھ گئے۔

نعیم نے کہا۔ "آپ لوگ مجھے الجھن میں کیوں مبتلا کر رہے ہیں۔"

"اچھا تو میں اب چلوں جناب۔" دلال یک بیک اٹھتا ہوا بولا۔

"نہیں! بیٹھو بیٹھو۔" اس کے ساتھی نے کہا۔

مگر دلال نے کچھ ایسے عذر پیش کئے کہ ساتھی زیادہ زور نہ دے سکا۔ اس کے چلے جانے پر اس نے نعیم سے کہا۔

"آپ نے میری سعیدہ کو دیکھا ہے؟"

"آپ کی سعیدہ....؟" نعیم نے متحیرانہ لہجے میں دہرایا۔

"ہاں میری سعیدہ....!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

نعیم نے اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی لرزش دیکھی.... اور متحیر رہ گیا۔

کچھ دیر خاموش رہ کر اس نے پوچھا۔

"کیا یہ صحیح ہے کہ آپ کو اس کوٹھی میں انٹرویو کے لئے طلب کیا گیا تھا۔"

"جی ہاں....!"

"آپ کو معلوم کیسے ہوا تھا کہ ڈاکٹر سعیدہ کو کسی آدمی کی ضرورت ہے۔"

"کسی چائے خانے میں دو آدمیوں کے درمیان گفتگو سن کر۔"

"اوہ.... بالکل وہی.... بالکل وہی۔" وہ آدمی بڑبڑایا۔

"کیا مطلب....!"

"اس کی روح بے چین ہے.... اس کی روح بے چین ہے۔"

"میرے خدا میں کیا کروں۔"

اس آدمی نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا.... نعیم کی الجھن اور بڑھ گئی۔

دفعتاً اس نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "ایک مجبور آدمی کا مضحکہ اڑانا اچھی بات تو نہیں مسٹر۔ پہلے مجھے اس عمارت میں بلا کر بے وقوف بنایا گیا، اب آپ پتہ نہیں کس مقصد کے تحت مجھے یہاں لائے ہیں۔"

"مجھے معاف کر دو میرے دوست.... میں بھی ایک مجبور آدمی ہوں۔" اجنبی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "ایک بدنصیب آدمی۔ یہ رہا میرا کارڈ....!"

"پرنس ایچ توقیر سی۔ بی۔ ای۔"

"کیا....؟" نعیم بوکھلا کر کھڑا ہو گیا.... یہ تو بہت مشہور آدمی تھا۔ پولو کا نامور کھلاڑی اور شہر کا ایک بڑا دولت مند۔

"بیٹھو دوست....!" میں تمہیں دوست کہہ رہا ہوں۔ کیونکہ میری سعیدہ کی روح نے تمہیں منتخب کیا تھا۔

نعیم بیٹھ گیا اور کانپتی ہوئی آواز میں بولا.... "آپ کیا چاہتے ہیں۔"

"میں چاہتا ہوں کہ تم.... وہ عمارت خرید لو۔"

نعیم ہکا بکا رہ گیا۔

وہ اس عمارت کو خرید لے....!

اس کا دل چاہا کہ وہ پاگلوں کی طرح قہقہے لگائے۔

دولت مند چوکیدار

کرنل فریدی کے سامنے جائے واردات کی تصویریں بکھری ہوئی تھیں اور حمید دور بیٹھا اس انداز میں پائپ کے کش لے رہا تھا۔ جیسے بالکل ہی فارغ البال ہو کر بیٹھا ہو۔

"سنو....!" دفعتاً فریدی سر اٹھائے بغیر بولا۔

"میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔" حمید کسی ضدی بچے کی طرح سر ہلا کر بولا۔

"میں ایسے گدھوں کے متعلق کچھ نہیں سننا چاہتا جنہیں شریفوں کی طرح مرنا بھی نہ آتا ہو۔ میں کہتا ہوں سر کے بل کھڑے ہونے کی ضرورت ہی کیا تھی۔"

"تمہیں چین سے بیٹھے نہیں دیکھنا چاہتے۔" فریدی مسکرایا۔

"میں کہتا ہوں پاگل تھا۔"

"لیکن کسی پاگل کی کھوپڑی سے رائفل کی گولی کا نکلنا پاگل پن نہیں ہو سکتا جب کہ خودکشی بھی نہ ثابت کی جا سکی ہو۔"

"اس کی کھوپڑی نیچے تھی۔" حمید جھلا کر بولا۔ "اور دیواریں سات فٹ اونچی ہیں پھر گولی کہاں سے آئی تھی۔ کسی نے فائر کی آواز بھی نہیں سنی تھی۔"

"اور دیواروں میں بھی کہیں کوئی سوراخ نہیں ہے۔" فریدی مسکرایا۔

"تو اس میں خوش ہونے کی کیا بات ہے۔"

فریدی پھر تصاویر کی طرف متوجہ ہو گیا اور حمید چھت کی طرف دیکھ کر بڑبڑانے لگا۔

"یا خدا اگر وہ کوئی غیبی گولی رہی ہو تو.... تو ہی بتا دے۔"

"کیوں بکواس کر رہے ہو۔"

"پھر کیا کروں.... میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔"

"ٹھہرو....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "وحید مینشن کی پشت پر ایک ٹوٹی پھوٹی عمارت ہے، جس کا کچھ حصہ استعمال کے قابل ہے اسی قابل استعمال حصے میں ایک بوڑھا آدمی رہتا ہے۔"

"اور وہ بوڑھا آدمی سروحید کا قاتل ہو سکتا ہے۔" حمید بول پڑا۔

"پھر بکواس کی۔" فریدی جھنجلا گیا۔ "اس بوڑھے آدمی سے جان پہچان پیدا کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے۔ وہ یہ کہ تم ایئر گن لے کر اس کے بے ترتیب باغ میں شکار کھیلنا شروع کر دو۔"

"لیکن اس سے جان پہچان پیدا کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے.... وہ ہے کون؟"

"ایک جھکی! ریٹائرڈ ماہر آثار قدیمہ.... کسی زمانے میں شعبہ آثار قدیمہ کا ایک آفیسر تھا۔"

"اور اب خود بھی دیکھنے کی چیز بن کر رہ گیا ہو گا۔" حمید نے تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"جاؤ....!" فریدی نے کہا اور پھر تصاویر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ ایک کاغذ پر ہندسے بھی

لکھ کر کاٹتا جا رہا تھا۔

"ایک بات اور...." حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "کیا اس سے کسی مسئلہ پر شریفوں کی طرح گفتگو نہیں کی جا سکتی کہ یہ طریقہ اختیار کیا جائے۔"

"میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ وہ جھکی ہے۔ میری خواہش ہے کہ تم اس سے کسی طرح دوستی پیدا کرو۔ ایسی دوستی کہ تمہارے وقت کا کچھ حصہ اس کے ساتھ بھی گذرنے لگے۔"

"بھئی بہتر تو یہ ہو گا کہ آپ مجھے چڑیا گھر کے کسی ایسے کٹہرے میں بند کرا دیں، جہاں آس پاس دو چار سال خوردہ بندر بھی ہوں.... میں نہیں سمجھ سکتا کہ آخر آپ براہِ راست تفتیش کرنے کی بجائے آڑے ترچھے راستے کیوں اختیار کرتے ہیں۔"

"وقتی ضرورت...." فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "دفع ہو جاؤ...." پھر دفعتاً مسکرا کر بولا۔ "تمہیں افسوس نہیں ہو گا۔ لیکن ٹھہرو! مقصد بوڑھے کا اعتماد حاصل کرنا ہو گا۔ اور ہاں.... وہ خود کو ایک کہنہ مشق شاعر بھی سمجھتا ہے۔"

"مرا بے موت....!" حمید کی آواز بھرا گئی۔

"بیٹھ جاؤ....!" فریدی نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ "حالات ہی ایسے ہیں کہ مجھے یہ طریقہ اختیار کرنا پڑا.... براہِ راست پوچھ گچھ سے کوئی نتیجہ نہیں برآمد ہو سکتا۔ اس پر یقین رکھو کہ گولی اسی ٹوٹی پھوٹی عمارت کی طرف سے آئی تھی۔"

"کیسے ممکن ہے.... کیا دیوار توڑ کر آئی ہو گی.... آپ یہ بھی کہتے ہیں کہ کہیں ایسے نشانات نہیں ملے جن سے یہ ثابت ہو سکے کہ وہ دیوار پر چڑھا ہو گا۔"

"ہوں.... اچھا یہی بتا دو کہ سر کے بل کیوں کھڑا ہوا کرتا تھا۔"

"پیروں کے بل کھڑے ہونے سے سر میں درد ہو جایا کرتا تھا۔" حمید جھنجھلا گیا۔ "آخر آپ اس کے اس پاگل پن کو اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہیں۔ کیا سر کے بل کھڑے ہونے سے کھوپڑی میں سوراخ ہو گیا ہو گا۔"

"میں یہی سوچ رہا ہوں۔"

"پتہ نہیں کیوں سوچ رہے ہیں! میں کہتا ہوں کسی نے اس کے پاگل پن سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے خاندان ہی کے کسی فرد نے ایسا کیا ہو۔ اسے اس وقت گولی

اردی ہو، جب وہ عادت کے مطابق سر کے بل کھڑا ہونے تیسری چھت پر گیا ہو۔ نشانات بتا دیئے ہوں.... اور....؟"

"تیسری چھت کی کنجی اسی کے پاس رہتی تھی۔"

"قفل کی دوسری کنجی بھی بنوائی جاسکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ کوئی پہلے ہی سے وہاں چھپا رہا ہوگا۔"

"اس کے لئے دو آدمیوں کی ضرورت پیش آئے گی۔ ایک وہ جو وہاں پہلے جاکر چھپ جائے اور دوسرا، جو اس کے وہاں پہنچ جانے پر دوبارہ دروازہ مقفل کردے۔"

"چلئے دو ہی سہی....!"

"اور.... وہ گھر ہی کے لوگ ہو سکتے ہیں۔"

"ہونے دیجئے.... اس میں ہمارا کیا نقصان ہے۔"

"ہوں! لیکن میں فی الحال صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ سروحید کو اس ٹوٹی پھوٹی عمارت سے کیوں اتنی دلچسپی تھی۔"

"اوہ.... تو آپ کو اس کے اس طرح مر جانے کی پرواہ نہیں ہے۔"

"بے تکی باتیں نہ کرو.... جہاں وہ سر کے بل کھڑا ہوتا تھا وہیں دیوار میں ایک سوراخ بھی موجود ہے۔"

"مجھے تو نہیں نظر آیا تھا۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"سر کے بل کھڑے ہو کر دیکھو! نظر نہ آئے تو مجھے گولی مار دینا۔" فریدی نے کہا۔

"میں سچ مچ کھڑا ہو جاؤں گا...." حمید نے دھمکی دی۔

"وہ ایک مخصوص جگہ سر کے بل کھڑا ہوتا تھا، اور دیوار کا سوراخ اس کی آنکھوں سے صرف چھ انچ کے فاصلے پر ہوتا تھا۔"

"میں کہتا ہوں مجھے کہیں بھی کوئی سوراخ نہیں دکھائی دیا تھا۔"

"اگر تم اسی جگہ سر کے بل کھڑے ہو جاؤ، جہاں وہ کھڑا ہوتا تھا تو سوراخ ضرور نظر آئے گا۔"

"اوہ...." حمید نے پلکیں جھپکائیں۔ "کوئی میکنزم....!"

"خیر.... عقل تو آئی! دیر ہی سے سہی۔" فریدی کرسی کی پشت سے ٹکتا ہوا بولا۔

"ہاں میکنزم! اس جگہ دباؤ پڑنے سے دیوار میں چھت کی سطح سے ایک تین انچ اونچی اور چار انچ چوڑی خلاء پیدا ہو جاتی ہے۔ اب کہو۔ وہ سر کے بل کھڑا ہونا بے مقصد تو نہیں ہو سکتا۔"

"اب تو بہت کچھ سوچنا پڑے گا۔ یعنی کہ وہ پچھلے دس سال سے وہاں بلاناغہ سر کے بل کھڑا ہوتا آیا تھا۔"

حمید کسی سوچ میں پڑ گیا۔

"فی الحال اس چکر میں نہ پڑو....!"

"اچھا تو وہ ماہر آثارِ قدیمہ....!"

"اس کا نام نصرت ہے.... سروحید کے قتل سے ایک دن پہلے اس نے ہمارے محکمے کو مطلع کیا تھا کہ اس کی زندگی خطرے میں ہے۔"

"یعنی نصرت کی زندگی....!"

"ہاں....!"

"آخر کس بناء پر اسے یہ خیال پیدا ہوا تھا۔"

"کچھ نامعلوم آدمی اکثر خواہ مخواہ اس سے جھگڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کا خیال ہے کہ وہ دراصل اسے قتل کر دینے کا بہانہ تلاش کر رہے ہیں۔"

"کہیں وہ مجھے بھی ان لوگوں میں سے نہ سمجھ لے.... ظاہر ہے کہ میں اس کے باغ میں ایئر گن چلاؤں گا، اس کی اجازت حاصل کئے بغیر۔"

"یہی تو معلوم کرنا ہے کہ اس کی اس شکایت میں کہاں تک صداقت ہے جب کہ اس کی بجائے سروحید قتل کر دیا گیا۔"

"مگر فائر کی آواز کسی نے بھی نہیں سنی تھی۔"

"فائر نصرت کی عمارت ہی سے کیا جاسکا ہوگا اور اس کے لئے ایک مخصوص جگہ استعمال کی گئی ہوگی! ورنہ اس چھوٹے سے سوراخ سے گولی کا گذر کر ٹھیک پیشانی پر بیٹھنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ فائر کی آواز ضروری نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ رائفل سے سائیلنسر اٹیچ رہا ہو۔"

حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر سر ہلاتا ہوا اٹھ گیا۔

"میں.... وہ.... عمارت خرید لوں۔"

نعیم آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر ہنس پڑا۔ ہنستا رہا اور بولا۔ "آپ جانتے ہیں جناب! میں وہا ملازمت کے لئے گیا تھا۔"

"تو اس سے کیا....؟"

"اگر میں اس عمارت کو خریدنے کی حیثیت رکھتا....!"

"اوہ تم غلط سمجھے دوست.... میں تمہیں کیسے سمجھاؤں! یہ ایک لمبی کہانی ہے.... سعیدہ روح بے چین ہے۔ میں اُسے کیسے سکون بخشوں.... میرے خدا۔" وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھ کر خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا۔ پھر طویل سانس لے کر بولا۔

"سعیدہ کے ورثاء وہ عمارت میرے ہاتھ کبھی فروخت نہ کریں گے۔ وہ مجھ سے خار کھا ہیں۔ میرا نام درمیان میں آتے ہی بھڑک اٹھیں گے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اسے تمہار نام سے خریدا جائے.... تم ہی سودا کرو۔"

"آپ میری بجائے کسی دوسرے سے بھی یہ کام لے سکتے ہیں۔"

"اوہ.... مگر پھر سعیدہ کی روح نے تمہیں ہی کیوں منتخب کیا تھا۔ ارے حالات میں کہ مشابہت ہے.... اس آدمی نے بھی یہی بتایا تھا کہ کسی چائے خانے ہی میں اس نے بھی ا ملازمت کا تذکرہ سن کر عرضی دی تھی۔ میری مراد اس آدمی سے ہے، جس کی موجودگی میں سعیدہ کا ہارٹ فیل ہوا تھا۔ سنو دوست سعیدہ بھی مجھے بے حد چاہتی تھی.... ایک بڑی جائیداد تنہا مالک تھی اس لئے اس کے اعزہ نے چاہا کہ وہ خاندان ہی میں شادی کرے، لیکن سعیدہ کو اس آمادہ نہ کر سکے! وہ مجھ سے وعدہ کر چکی تھی.... پھر شادی سے ایک ہفتہ پہلے مجھے بدنصیبی نے آ دی.... ایک ہفتہ پہلے۔" اس کی آواز پھر اگئی، اور اس نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپالیا۔

نعیم خاموش بیٹھا رہا۔

کنور توقیر نے نہ تو چہرے سے ہاتھ ہی ہٹایا اور نہ کچھ بولا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ا حالت میں سو گیا ہو۔

کچھ دیر بعد نعیم خواہ مخواہ کھانسنے لگا۔ شاید اس طرح وہ اسے متوجہ کرنا چاہتا تھا۔

کھانسی کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ کنور نے چونک کر اسی طرح آنکھیں ملیں جیسے سچ مچ سوتا رہا ہو۔

"اوہ.... معاف کرنا....!" اس کے ہونٹوں پر شرمندہ سی مسکراہٹ تھی۔ "میں اسی طرح بھول جاتا ہوں۔ اسی طرح خالی الذہن ہو جاتا ہوں۔ کتنی اذیتوں میں مبتلا ہوں۔ خدا مجھ پر رحم کرے۔ ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا۔"

"شادی سے ایک ہفتہ پہلے...." نعیم نے اس کا ادھورا جملہ یاد دلایا۔

"شادی سے ایک ہفتہ پہلے وہ مر گئی! اور میں آج بھی اسے تسلیم کرنے پر تیار نہیں کہ اس کی موت قدرتی تھی۔ کیا ڈاکٹروں کو رشوت دے کر اسے ہارٹ فیلیور کا کیس نہیں بنایا جا سکتا تھا۔ میں کبھی نہ تسلیم کروں گا۔ آہ پھر کیا بتاؤں کہ اس وقت سے میرے دن اور رات کیسے گذر رہے ہیں۔ میں خود بھی کوئی مفلس آدمی نہیں ہوں کہ مجھے سعیدہ کی جائیداد کی خواہش ہوتی۔ اس کی جائیداد میری دولت کا پچاسواں حصہ بھی نہیں تھی۔ مگر اس کے خاندان والے۔" وہ پھر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ ڈاکٹر سعیدہ کے اعزہ وہ عمارت فروخت ہی کر دیں۔"

"تیار ہیں بیچنے پر مگر.... میرے ہاتھ نہیں فروخت کریں گے۔ سعیدہ کے سوتیلے چچا کو اس کا ترکہ پہنچا ہے.... وہی مالک ہے۔ اس عمارت کے تیس ہزار تک دام لگ چکے ہیں۔ لیکن وہ چالیس مانگ رہا ہے.... میں چاہتا ہوں کہ تم اسے پورے چالیس ہزار ادا کر کے ملکیت کے کاغذات پر اپنا نام چڑھوالو۔"

نعیم سوچ میں پڑ گیا کہ صبح تک اسے خدشہ تھا کہ وہ اپنے فلیٹ سے نکال پھینکا جائے گا، لیکن اس وقت چالیس ہزار کی عمارت کے سودے کی بات ہو رہی تھی۔

"اچھا تو پھر کیا مجھے.... وہاں رہنا بھی پڑے گا۔" اس نے پوچھا۔

"ملکیت ہی تمہاری ہو گی۔" پرنس توقیر مسکرایا۔

"مگر آپ کو اس سے کیا فائدہ....!"

"جب چاہوں گا اس کے در و دیوار سے لپٹ کر رو سکوں گا۔" توقیر کی آواز گلوگیر ہو گئی۔

نعیم کا دل چاہا کہ بے تحاشہ ہنس پڑے، لیکن اس نے بڑی خوبصورتی سے اپنے قہقہے کا گلا گھونٹ دیا۔ ویسے یہ سودا برا نہیں تھا مگر فلیٹ کا کرایہ ادا کئے بغیر جان کیسے بچتی۔ وہ اپنا سامان وہاں

سے کیسے لا سکتا.... اپنی بہتیری چیزیں اُسے بے حد عزیز تھیں۔

"خیر تو پھر.... مجھے وہاں چوکیدار کی حیثیت سے رہنا پڑے گا۔" نعیم نے کچھ دیر بعد پوچھا

"اوہ.... چوکیدار کیوں؟"

"آپ وہ عمارت میرے نام سے خریدیں گے۔ لیکن ظاہر ہے کہ میں اس کا مالک تو ہو نہیں جاؤں گا۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"تو میں اس عمارت میں مالک کی حیثیت سے رہوں گا۔"

"بلاشبہ....!"

"اور کلرکی کروں گا.... کتنی مضحکہ خیز بات ہے۔" نعیم مسکرایا۔

"قطعی مضحکہ خیز بات ہے.... مگر تم کلرکی کیوں کرو گے؟"

"پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ نہ میں کوئی پرنس ہوں اور نہ ساہوکار۔"

پرنس توقیر کچھ سوچنے لگا۔ پھر مسکرا کر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "اچھی بات ہے چوکیدار کی حیثیت سے رہنا لیکن تمہاری تنخواہ کم از کم ایک ہزار روپے ماہانہ ہوگی تاکہ تم کم باحیثیت چوکیدار کی طرح زندگی بسر کر سکو۔"

نعیم کا دل دھڑکنے لگا۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ مگر کیوں؟

اس نے سوچا کیا صرف اتنی سی بات کیلئے کہ وہ اس کی آنجہانی قسم کی محبوبہ کا مکان تھا اتنی ذ سی بات کے لئے چالیس ہزار یک مشت اور ہزار روپے ماہانہ.... وہ لیلیٰ مجنوں کے دور کا آدمی نہیں تھا۔ اس نے بیسویں صدی میں جنم لیا تھا اس لئے اس قسم کا عشق اس کے حلق سے نہ اتر سکا۔

دفعتاً اسے اس عورت کی گفتگو یاد آگئی اور اس نے مسکرا کر کہا۔ "کیا یہ ڈاکٹر سعیدہ زندگی میں بھی بہکی بہکی باتیں کرتی تھیں....؟"

"کیوں میں نہیں سمجھا....!"

"مجھ سے انٹرویو میں سب سے پہلے پوچھا گیا تھا کہ میرے کان چھوٹے بڑے کیوں ہیں۔"

پرنس توقیر ہنس پڑا۔

"اوہ.... خدا کی پناہ بالکل وہی۔" اس نے کہا۔ "وہ بڑی ستم ظریف تھی۔ بے حد! ارے؛

یک کو انگلیوں پر نچاتی تھی.... مگر کیا مرجانے کے بعد آدمی کی روح پر جسمانی زندگی کی پرچھائیاں پڑتی رہتی ہیں۔"

پوچھنے کا انداز بالکل بچکانہ تھا۔ جیسے کسی ننھے سے بچے نے اپنے دادا جان سے سوال کیا ہو۔

نعیم کچھ نہ بولا۔ لیکن وہ اسی عورت کے متعلق سوچے جارہا تھا تو کیا وہ سچ مچ کوئی روح تھی.... روح؟ کیسے یقین کر لیا جائے.... اوہ.... وہ الٹی تصویر.... اس کا دل چاہا کہ وہ پرنس سے اس کا بھی تذکرہ کرے.... لیکن پھر ہمت نہ پڑی۔ کیونکہ پولیس کسی قاتل کی تلاش میں تھی اور پولیس کی "تلاش" اسی طرح کامیاب ہوتی ہے کہ وہ متعلقہ یا مشتبہ آدمیوں کی پرچھائیوں پر بھی نظر رکھے۔

"ہاں تو پھر میں یہ سمجھوں کہ آپ تیار ہیں۔"

"ب.... بالکل.... مم.... مگر.... یعنی کہ....!"

"فی الحال یہ تین سو رکھئے۔" پرنس نے دس دس کے تیس نوٹ میز پر رکھ دیئے اور کرسی کی پشت سے ٹک کر چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے سے ایسی ہی تھکن ظاہر ہو رہی تھی جیسے گھنٹوں پولو کھیلنے کے بعد ابھی ابھی گھوڑے کی زین چھوڑی ہو!

نوٹ میز ہی پر پڑے رہے کیونکہ الٹی تصویر نعیم کے ذہن میں بڑی تیزی سے گردش کر رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ اپنی گردن تو نہیں پھنسا رہا۔

کہیں یہ کسی قسم کی سازش نہ ہو....!

لیکن.... لیکن.... فلیٹ کا کرایہ.... پٹھان چوکیدار.... اونہہ دیکھا جائے گا؟ اس نے لاپروائی سے گردن جھٹک دی۔

دفعتاً پرنس ندامت آمیز انداز میں ہنسنے لگا۔

"دیکھو دوست! تم مجھے پرلے سرے کا احمق سمجھ رہے ہوگے.... کیا میں بالکل گدھا نہیں معلوم ہوتا۔"

"ارے.... ہو ہو ہو...." نعیم ہونٹ سکوڑ کر ہنسا۔ "آپ کیا فرما رہے ہیں جناب۔"

"نہیں یہ سو فیصدی حماقت ہی ہے، لیکن میں اپنے دل کو کیا کروں۔ کاش تم میری جگہ ہوتے اور میری بے بسی کا اندازہ اسی طرح لگا سکتے! ذہن کہتا ہے کہ تم گدھے ہو۔"

"لیکن دل.... ہائے دل کو کیا کہوں! یہ بعض اوقات آدمی کو دو کوڑی کا بھی نہیں رکھتا۔"

"آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہیں جناب۔" نعیم نے جلدی سے کہا۔ اس کا ذہن الٹی تصویر سے ہٹ کر دس دس کے تیس نوٹوں پر جم گیا۔ اور وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں پرنس اپنا ارادہ نہ بدل دے۔

"اچھا تو یہ رہا.... سعیدہ کے سوتیلے چچا کا پتہ۔" پرنس اس کے آگے ایک وزیٹنگ کارڈ پھینکتا ہوا اٹھ گیا۔

شکاری شاگرد

وحید مینشن کی پشت پر آبادی نہیں تھی۔ صرف دو چار عمارتوں کے کھنڈر اپنے شاندار ماضی کی یاد میں بسورتے نظر آتے تھے اور پھر ان کے قریب ہی سے ہرے بھرے کھیتوں کا سلسلہ پھیلتا چلا گیا تھا۔

کیپٹن حمید اس عمارت کے قریب رک گیا جس کا پتہ فریدی نے دیا تھا۔ کار اس نے بستی ہی میں چھوڑ دی تھی اور یہاں تک پیدل آیا تھا۔

اس عمارت کا رہائشی حصہ کھیتوں کی جانب تھا اور کھنڈر وحید مینشن کی پشت پر تھے۔ رہائشی حصے کے سامنے ایک بے ترتیب باغ تھا جس میں آم، جامن اور شہتوت کے متعدد درخت تھے۔ بعض پھولدار خودرو جھاڑیاں بھی تھیں، جن کی اگر سلیقے سے مرمت کی جاتی تو بدنما نہ معلوم ہوتیں۔

حمید کاندھے سے ایئر گن اتارتا ہوا باغ میں گھستا چلا گیا۔

پرندے تو بکثرت تھے لیکن مقصد انہیں ٹھکانے لگانا تو نہیں تھا۔ وہ زرد رنگ کی پتیوں پر نشانہ لگانے لگا۔ ساتھ ہی کنکھیوں سے برآمدے کی طرف بھی دیکھتا جاتا تھا کہ کب کوئی کنکھنا بوڑھا نکلتا ہے اور کب اسے اپنی اداکاری کے جوہر دکھانے پڑتے ہیں۔

لیکن تھوڑی ہی دیر بعد اسے ایسا محسوس ہوا جیسے بوکھلاہٹ میں وہ بندوق کی نال ہی چبا جائے گا۔ کیونکہ برآمدے سے تو چاند طلوع ہو رہا تھا۔ یعنی وہ کسی جھکی بوڑھے کی شفاف چندیا کی بجائے ایک چاند سا چہرہ تھا۔

بڑی دلکش عورت تھی۔ عمر پچیس اور تیس کے درمیان رہی ہوگی۔ پہلے تو اس کے ہونٹ تحیرانہ انداز میں کھلے اور پھر جب حمید اس سے لاپرواہ ہو کر فائر پر فائر کرتا ہی چلا گیا تو وہ بڑے غصیلے انداز میں برآمدے سے نیچے اتری۔

"اے مسٹر....!" کانپتی ہوئی سی سریلی آواز حمید کے کانوں سے ٹکرائی اور وہ خواہ مخواہ اسی طرح اچھل پڑا، جیسے "اے مسٹر" کی صدا اس کے سر پر ہتھوڑے کی طرح پڑی ہو۔

"آپ کیا کر رہے ہیں....!"

"گلہریاں مار رہا ہوں۔"

"شرم نہیں آتی....!"

"گلہریاں ایسی شرمناک تو نہیں ہوتیں۔"

"دماغ ٹھیک ہے یا نہیں۔"

"میرا دماغ تو ٹھیک ہی ہے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور پھر درختوں پر نظر دوڑانے لگا۔

"ارے...." عورت زیادہ غضب ناک ہو کر بولی۔ 'کیا دھکے دلوا کر نکلوانا پڑے گا۔"

"تو آپ خفا کیوں ہوتی ہیں! صرف تین گلہریاں ماروں گا۔"

عورت نچلا ہونٹ دانتوں دبائے ہوئے اسے گھور رہی تھی۔ پھر دفعتاً حمید نے اس کے چہرے پر نرمی کے آثار پائے۔

"مگر یہ طریقہ کتنا بھونڈا ہے کہ آپ اجازت حاصل کئے بغیر دوسروں کے باغوں میں نشانہ بازی کرتے ہیں...." اس نے کہا۔ "اور پھر گلہریاں....!"

"ہو سکتا ہے کہ میں نے غلطی کی ہو۔ لیکن آپ گلہریوں کی طرف سے برا کیوں مان رہی ہیں۔" حمید نے بھی چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا اور عورت کو ہنسی آ گئی۔ اس نے ایک بار پھر اسے نیچے سے اوپر تک گھور کر دیکھا اور بولی۔

"بڑے نکچڑھے معلوم ہوتے ہو۔"

"میں نہیں جانتا کہ نکچڑھا کسے کہتے ہیں اس لئے نہ اس پر خوشی ظاہر کر سکتا ہوں اور نہ برا مان سکتا ہوں۔"

"دلچسپ....!" عورت نے چاروں طرف دیکھ کر ٹھنڈی سانس بھری۔ "دلچسپ بھی

معلوم ہوتے ہو! ادھر آنے کا اصل مقصد بتاؤ۔"

"گلہریوں کا شکار۔" حمید نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

"آخر گلہریوں کا شکار کر کے کیا کرو گے.... کس کام آئیں گی۔"

"کباب....!"

"توبہ....!" عورت نے بُرا سا منہ بنایا۔ "چھی.... اُوع....!" اسے اوبکائی سی آئی تھی۔

حمید پھر درختوں پر گلہریاں تلاش کرنے لگا۔

"تم گلہریوں کے کباب کھاتے ہو....!"

"میں نہیں کھاتا! دھوکے سے اپنے پاپا کو کھلاؤں گا...." حمید نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"کیوں....؟"

"پہلے اُلو کا گوشت کھلایا تھا، مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ اب ایک آدمی نے بتایا ہے کہ گلہری کباب کھلاؤ۔"

"تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔"

"ارے.... اوہ.... آپ سے تم پر آ گئیں۔ کمال ہے! میرا خیال ہے کہ ہماری ملاقات مدت اتنی بے تکلفی کی اجازت نہیں دیتی۔"

"اور یہ شرافت ہے کہ آپ بغیر اجازت ہمارے باغ میں گھس آئے ہیں۔"

"اس کے لئے میں معافی مانگ لوں گا....!"

"تو میں بھی بے تکلفی کے لئے معافی مانگ لوں گی۔"

"آپ کیوں میرے پیچھے پڑ گئی ہیں....!"

"ارے واہ....!" عورت منہ کھول کر رہ گئی پھر ہنس پڑی۔

حمید ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑاتا ہوا واپسی کے لئے مڑا۔

"ارے نہیں! ماریئے گلہریاں مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ مگر ٹھہریئے۔ خیر کچھ نہیں۔ لیکن....!"

حمید آنکھیں نکالے ہوئے اس کی طرف مڑا۔

"آخر آپ نے اپنے پاپا کو اُلو کا گوشت کیوں کھلایا تھا۔"

"تاکہ وہ پاگل ہو جائیں.... آپ سے مطلب....!"

عورت گھاس پر بیٹھ گئی.... وہ متحیر نظر آ رہی تھی اور شاید اندازہ کرنا چاہتی تھی کہ حمید غیر سنجیدہ تو نہیں ہے۔

"مگر کیوں....؟" اس نے پوچھا۔

"میں آپ کو اپنے نجی معاملات میں کیوں شریک کروں۔"

"کیا حرج ہے....!" شاید وہ حمید کو بدھو سمجھی تھی۔

"اچھی بات ہے.... اگر کوئی حرج نہیں تو آپ ہی کوئی آسان سی تدبیر بتایئے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "گھر والے مجھے احمق سمجھتے ہیں! بات دراصل یہ ہے کہ ان کے باپ بھی پاگل ہی ہو کر مرے تھے، لیکن وہ کسی طرح پاگل ہونے کا نام ہی نہیں لیتے۔"

"ارے.... تو آپ چاہتے ہیں کہ وہ مر جائیں...." عورت کا منہ پھر کھل گیا۔

"کیوں نہ چاہوں۔ وہ مجھے بکریاں نہیں پالنے دیتے۔"

عورت پھر ہنس پڑی....!

"آپ میرا مضحکہ اڑا رہی ہیں۔" حمید نے کسی چڑچڑے بچے کی طرح پیر پٹخے۔

"صرف اتنی سی بات پر کہ وہ آپ کو بکریاں نہیں پالنے دیتے.... آپ چاہتے ہیں کہ وہ پاگل ہو جائیں مر جائیں.... کتنی عجیب بات ہے.... کیا آپ سنجیدہ ہیں۔"

"قطعی رنجیدہ نہیں ہوں....!"

"رنجیدہ نہیں سنجیدہ...." عورت نے تصحیح کی۔

"میں قطعی سنجیدہ ہوں! آپ مجھے شکار بھی کرنے دیں گی یا باتوں ہی میں الجھائے رکھیں گی۔"

"گلہریوں کے کباب سے کوئی پاگل نہیں ہو سکتا۔" عورت بولی۔ "وہ تو دمہ کے مریضوں کو بھی کھلائے جاتے ہیں۔ میں نے سنا ہے۔"

"اوہ.... تو کیا گلہری کے کباب بیکار ثابت ہوں گے۔"

"میں نے تو نہیں سنا کہ وہ اس قسم کی چیزوں کیلئے استعمال ہوتے ہوں! البتہ اُلو کا گوشت۔"

"وہ تو بالکل ہی بکواس ثابت ہوا تھا۔ البتہ اسے کھلا کر میں خود کو بالکل اُلو محسوس کرتا رہا ہوں.... سنا ہے کہ اُلو کی روح ذبح کرنے والے کے گرد ہمیشہ منڈلاتی رہتی ہے۔"

"آپ شاعر تو نہیں ہیں! خدانخواستہ....!"

"خدانخواستہ کیوں؟" حمید نے حیرت ظاہر کی۔

"کچھ نہیں بس یونہی.... اور.... جلدی.... جلدی.... فوراً اس جھاڑی میں چھپ جایئے.... فوراً....!"

وہ اٹھ کر اسے ایک طرف دھکیلتی ہوئی بولی۔ ویسے حمید نے بھی قدموں کی آہٹ سنی تھی۔

"کک.... کیوں....!" اس نے بوکھلاہٹ کی ایکٹنگ کی۔

"چلو...." عورت نے اسے جھاڑیوں میں دھکیلتے ہوئے کہا۔

"چھپے رہنا....!"

حمید اپنی کھوپڑی سہلا رہا تھا۔ پھر اس نے وہاں چھپے ہوئے آنے والے کو دیکھا۔ یہ ایک بوڑھا اور پستہ قد آدمی تھا۔ شیروانی کے بٹن کھلے ہوئے تھے اور دہانے کے گوشے سے پان کی سرخ دونوں جانب کی جھریوں میں پھسل آئی تھی۔ بال بے ترتیب تھے۔

"اوہ ڈیئر....!" عورت کہتی ہوئی اس کی طرف بڑھی۔

وہ اسے دیکھ کر رک گیا تھا اور چاروں طرف مشتبہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو۔"

"ارے واہ.... غزل کہہ رہی تھی۔"

"تم اور غزل.... چلو اندر چلو.... تمہیں ایک خوشخبری سناؤں گا۔"

"دیکھو ٹھہرو! میں اس مصرعے پر غزل کہہ رہی ہوں....!" اس نے بلند آواز میں کہا "میں سفر پہ جا رہی ہوں مرا انتظار کرنا۔"

مصرعہ سن کر حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور بوڑھا بولا۔ "بکواس....!"

پھر وہ دونوں برآمدے کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

حمید سوچ رہا تھا کہ یہ کیا چکر ہے۔ کیا وہ اس کی بیوی تھی۔

واہ کیا مصرعہ عنایت کر گئی ہے۔ مگر کتنی دلکش ہے۔ یہ شادی کس طرح ہوئی ہوگی۔

وہ نہایت اطمینان سے ان کی ازدواجی زندگی کے متعلق سوچنے لگا۔ حالانکہ سوچنا یہ چاہئے کہ بوڑھے تک پہنچنے کی کیا صورت ہو۔

کچھ دیر بعد وہ چونک پڑا کیونکہ عمارت سے کسی کے چیخنے کی آوازیں آئی تھیں۔ اس نے جھانک کر دیکھا عورت برآمدے میں کھڑی چیخ رہی تھی اور بوڑھا اس کی راہ روکے کھڑا تھا۔

"نہیں مجھے جانے دو! اب میں ایک منٹ بھی اس کھنڈر میں نہیں رہ سکتی۔ سمجھے، مکھی چوس کہیں کے۔ کنجوس....!" عورت کہہ رہی تھی۔

"ارے سنو تو سہی! دیکھو میں دوسری عمارت خرید دوں گا۔"

"تو تم نے اب تک مجھے دھوکے میں کیوں رکھا تھا۔ یہ کیوں کہتے تھے کہ اس کوٹھی میں رہنے میں کچھ قانونی دشواریاں ہیں۔ اگر قانونی دشواریاں تھیں تو تم نے اسے فروخت کیسے کر دیا۔"

"میری بات بھی تو سنو! وہ منحوس تھی۔" بوڑھا ہانپتا ہوا بولا۔ "میں تمہیں وہاں کیسے رکھتا۔ اب دیکھو.... اسی رقم سے کتنی شاندار کوٹھی خریدتا ہوں۔"

"تم کبھی کچھ نہیں کر سکتے.... کچھ نہیں کر سکتے.... بس غزلیں کہا کرو۔"

"بس ختم بھی کرو! میں وعدہ کرتا ہوں کہ ایک ماہ کے اندر اندر کوٹھی ضرور خرید لوں گا۔ چلو اندر چلو۔"

"میں نہیں جاؤں گی...." عورت چیخ کر بولی۔ "میرا دماغ خراب ہو رہا ہے۔ میں کچھ دیر کھلی ہوا میں ٹہلنا چاہتی ہوں۔"

"کیا میں بھی ٹہلوں....!" بوڑھے نے پوچھا۔

"پھر فائدہ ہی کیا ہوگا! مطلب یہ ہے کہ میں کچھ دیر تک تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتی، چلے جاؤ۔"

"تم بعض اوقات مجھ پر زیادتی کرنے لگتی ہو۔"

"جاؤ اندر، ورنہ قسم کھا کر کہتی ہوں کنویں میں چھلانگ لگا دوں گی۔"

بوڑھا چپ چاپ اندر چلا گیا اور عورت نے باہر سے دروازہ بولٹ کرتے ہوئے کہا۔ "ایک گھنٹے سے پہلے میں تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتی!"

بے ڈھب معلوم ہوتی ہے۔ حمید نے سوچا.... وہ اسی طرف آ رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے جھاڑیوں میں گھس آئی۔ حمید سنبھل کر بیٹھ گیا۔

وہ منہ دبائے ہوئے بُری طرح ہنس رہی تھی۔ حمید اپنے چہرے پر جھلاہٹ سے بھرپور سنجیدگی

طاری کر کے بولا۔ "میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ نے مجھے اس طرح کیوں روک رکھا ہے۔"

"میں تمہیں پولیس کے حوالے کردوں گی۔" وہ یک بیک سنجیدہ ہو کر بولی۔

"کیوں....؟" حمید نے بوکھلاہٹ ظاہر کی۔

"تم کوئی چور ہو۔ اسی طرح پائیں باغوں میں گھستے پھرتے ہو۔ موقعہ ملا تو کوئی چیز بھاگے۔"

"اچھی بات ہے! میں تیار ہوں۔ بلاؤ پولیس کو۔"

"تم کہاں رہتے ہو....!"

"پرنس کالج کے ہوسٹل میں....!"

"ہوں....!" عورت آنکھیں نکال کر بولی۔ "ادھر کیوں آئے ہو۔"

"وہ.... وہ.... دیکھئے....!" حمید کا چہرہ اتر گیا اور وہ اپنی پیشانی رگڑنے لگا۔

"ہوں.... بولو....!" عورت نے آنکھیں نکالیں۔

"میں بتادوں.... آپ مخ.... خفا تو نہ ہوں گی۔" وہ ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

"کہو.... جلدی سے مجھے دیر ہو رہی ہے۔"

"میں آپ کو دیکھنے آیا تھا۔ اکثر دور سے دیکھا ہے۔ یعنی کہ.... یعنی کہ۔"

"تم جھوٹے ہو! اپنی غزل پر اصلاح لینے آئے تھے۔" عورت جھلائے ہوئے لہجے میں ہا کر بولی۔ "مگر نصرت صاحب شاگرد نہیں بناتے۔ جاؤ چلے جاؤ یہاں سے۔"

"اوہ.... حمید نے دل ہی دل میں قہقہہ لگا کر سوچا.... واہ محترمہ واہ.... اس طرر مجھے خود ہی دوسرا راستہ دکھا رہی ہو.... ذہین بھی ہو اور حیلہ جو بھی۔"

"کیا آپ روشن ضمیر ہیں...." حمید نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

"ہوں ہے نا.... کیسا پہچانا.... اچھا چلو کرو میری خوشامد.... شاگرد بنوادوں گی۔ کے سب سے بڑے شاعر ہیں۔ تم جیسے نہ جانے کتنے آتے ہیں اور جھک مار کر چلے جاتے ہیں تم پر احسان کروں گی۔ کچھ غزلیں زبانی بھی یاد ہیں یا نہیں۔"

"کئی....!"

"اچھا تو یہ بندوق یہیں چھوڑ دو۔"

حمید بندوق زمین پر ڈال کر اٹھ گیا۔ بوڑھے کی بیوی ہی ساری مشکلات کا حل بن گئی تھی، ں لئے وہ اسے سو فیصدی اپنا کارنامہ سمجھنے پر تیار نہیں تھا۔

وہ عورت تو خود ہی اس سے دوستی پیدا کرنے کی خواہش مند معلوم ہوتی تھی۔

"تمہارا نام کیا ہے.... مطلب کہ تخلص....!"

"پرواز فاختی....!"

"خوب.... تو آؤ....!"

"آپ کے والد ہیں۔" حمید نے چھیڑنے کے لئے پوچھا۔

"نہیں میں ان کی والد ہوں۔"

حمید کو سچ مچ ہنسی آگئی اور اس نے سوچا زندہ دل بھی ہو محترمہ! زندہ رہنے کے لئے اپنی کھال کتنی تہیں چڑھانی پڑتی ہیں یہ اور بات ہے کہ روح کی کراہ قہقہوں سے بھی جھانکتی رہے....!

وہ اس کے ساتھ چلنے لگا۔ برآمدے میں پہنچ کر وہ پھر رک گئی اور مڑ کر آہستہ سے بولی۔

"نروس نہ ہو جانا.... میں انہیں ہینڈل کر سکتی ہوں۔"

حمید نے سختی سے ہونٹ بند کر کے تفہیمی انداز میں سر کو جنبش دی۔

وہ آگے بڑھ کر دروازہ کھولنے لگی تھی۔

لیکن اندر پہنچتے ہی بھونچال سا آگیا۔ حمید کو دیکھ کر پہلے تو بوڑھے کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں اور پھر وہ یک بیک اپنی بیوی پر برس پڑا تھا۔ "حد ہو گئی! میری خاموشی کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ تم، جو کچھ بھی چاہو کرتی پھرو۔"

"میں کیا کرتی پھر رہی ہوں۔" بیوی نے اُسے گھورتے ہوئے سخت لہجے میں پوچھا اور اچانک ایسا معلوم ہوا جیسے کسی الیکٹرک شاک ہی نے بوڑھے کو ساکت کر دیا ہو۔ اب اس کی پلکوں کے جھپکنے میں بے بسی ہی کا سا انداز پایا جاتا تھا۔

"یہ کک کون ہیں.!" اس نے نحیف سی آواز میں پوچھا۔

"میری شامت ہیں۔" بیوی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولی۔

"میں نہیں سمجھا....!"

"شاعر ہیں! شاگرد بننے آئے ہیں۔ بڑی دیر سے میری کھوپڑی چبا رہے ہیں کہ سفارش

کر دیجئے۔"

"اوہ.... کس نے بھیجا ہے آپ کو....؟" بوڑھے نے حمید کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"بس جناب بہتوں سے تعریف سنی تھی! کئی لوگوں نے کہا تھا کہ آپ سے بہتر استاد اس میں دوسرا نہیں ملے گا۔"

"مگر میں شاگرد نہیں بناتا۔"

"مجھے علم ہے جناب مگر میری درخواست نہ ٹھکرائیے!"

"میں اپنا اصول تو نہیں توڑ سکتا۔"

حمید کو اب اس گفتگو میں کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی کیونکہ وہ کنکھیوں سے دیوار پر لٹکتی ہو رائفل کو دیکھ رہا تھا.... رائفل.... جس میں یقینی طور پر سائیلنسر بھی موجود تھا۔

"مگر میں وعدہ کر چکی ہوں۔" اس نے بیوی کی آواز سنی اور پھر بوڑھے کی طرف پور طرح متوجہ ہو گیا، جو اپنا نچلا ہونٹ کچھ ایسے انداز میں چوس رہا تھا جیسے اُسے نگل ہی جانا چاہتا ہو لیکن حمید اندازہ نہ کر سکا کہ وہ غصے کی علامت تھی یا ذہنی الجھاوے کی۔

"خیر....!" وہ بھرائی ہوئی سی آواز میں بولا۔ "اگر وعدہ کر چکی ہو تو.... ہُم ٹھیک ہے۔"

حمید نے طویل سانس لی۔

نذر پور ہاؤز

نعیم بوکھلایا ہوا تھا اس لئے نہیں، کہ پٹھان چوکیدار نے اس کا سامان فلیٹ سے نکال کر پھینک دیا تھا بلکہ بوکھلاہٹ کی وجہ یہ تھی کہ اس نے نہ صرف فلیٹ کا کرایہ اس کے منہ پر پھینک مارا تھا بلکہ آج ایک ایسی عمارت میں رات گذارنے والا تھا، جو شاید کبھی خواب میں بھی اسے نہ دکھائی دیتی۔ اور وہ عمارت اُسی کے نام سے خریدی گئی تھی.... لیکن.... کیا وہ عمارت آسیب زدہ تھی.... کیا وہ حقیقتاً ڈاکٹر سعیدہ کا بھوت تھا؟ اگر یہی بات تھی تو کیا وہ سکون سے رات بسر کر سکے گا۔

پھر وہ پرنس توقیر کے متعلق سوچنے لگا۔ پوری عمارت سنسان پڑی تھی۔

کیا پرنس توقیر پاگل نہیں ہے؟ ایک مردہ عورت کے لئے چالیس ہزار روپے خرچ کر دینے

اور اسے محض اس لئے ایک ہزار روپے ماہانہ دے گا کہ وہ اس عمارت میں رئیسانہ ٹھاٹ کے ساتھ قیام کرے؟

کیا چکر ہے؟ اس کا اصل مقصد کیا ہو سکتا ہے؟ اس کا دل نہیں چاہتا تھا کہ کنور توقیر کی کہانی پر یقین کرے.... اگر وہ بے کار نہ ہوتا تو ان الجھنوں میں کبھی نہ پھنستا۔

پھر یک بیک اسے الٹی تصویر یاد آ گئی۔ اس آدمی کی تصویر جو پُر اسرار حالات میں قتل کر دیا گیا تھا۔

تصویر کا خیال آتے ہی اس کے ذہن پر انجانا سا خوف مسلط ہو گیا۔ نہ جانے کیوں یہ خوف سعیدہ کے بھوت کے خوف سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہو رہا تھا۔

ایک دن پہلے جس آدمی کی الٹی تصویر دیکھی تھی، وہی دوسرے دن مردہ پایا گیا۔ لیکن وہ سر کے بل کیوں کھڑا ہوا تھا.... ظاہر ہے کہ اس کی موت سے اس کی الٹی تصویر کا کچھ نہ کچھ تعلق ضرور تھا۔ ورنہ وہ وہاں نظر ہی کیوں آتی....؟ پھر کیا یہ عمارت بھی کسی طرح اس کی موت کے سلسلے میں زیرِ بحث آ سکتی ہے؟

نعیم کا ذہن الجھتا ہی گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ بعض قاتل اپنا جرم دوسروں کے سر تھوپنے کے لئے بہت کچھ کر گذرتے! لیکن اسے پہلے ہی یہ خیال کیوں نہیں آیا تھا، حالانکہ اس جنجال میں پھنسنے سے پہلے ہی اس نے مرنے والے کی تصویر اخبارات میں بھی دیکھ لی تھی۔ پھر کیوں پھنس گیا.... کیا مقدر.... کیا مقدر اسے کسی جہنم میں جھونکنے والا ہے۔

کلاک نے رات کے بارہ بجائے اور اس کے خیالات منتشر ہو گئے۔ وہ اٹھا اور خواب گاہ کی طرف چل پڑا۔

اچانک راہداری کی گھنٹی بجنے لگی اور اس کے قدم راہداری کی طرف اٹھ گئے۔ اس وقت کون ہو سکتا ہے؟

اوہ پرنس توقیر کے علاوہ اور کون ہو گا۔

اس نے دروازہ کھول دیا۔ مگر وہاں اسے پرنس توقیر کی بجائے وہی بوڑھا آدمی نصرت نظر آیا جس سے اس نے عمارت خریدی تھی۔

"فرمائیے جناب....!"

"کیا آپ مجھے تھوڑا سا وقت دیں گے....!" بوڑھے نے کہا۔

"اوہ.... کیوں نہیں اندر تشریف لے چلئے جناب۔" نعیم پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

وہ اسے نشست کے کمرے میں لایا۔ بوڑھے کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ جو بھی کہنا چاہتا ہے، ہچکچاہٹ کے بغیر نہیں کہہ سکتا۔

"میں بڑی الجھن میں پڑ گیا ہوں جناب۔" آخر کار اس نے کہا۔

"بے تکلفی سے فرمایئے۔"

"میری بیوی اس سودے کے حق میں نہیں ہے۔"

"مگر اب کیا ہو سکتا ہے...." نعیم نے حیرت سے کہا۔

"اوہ.... میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ عمارت خالی کر دیجئے۔ میں تو کسی طرح اسے باور کرانا چاہتا ہوں کہ بعض قانونی دشواریوں کی بناء پر یہ سودا ہو ہی نہیں سکا۔"

"لیکن اس سے کیا فائدہ ہوگا۔"

"یہ نہ پوچھئے تو بہتر ہے۔ میں نہیں بتا سکوں گا۔"

"اچھا چلئے! آپ نے انہیں باور کرا دیا کہ سودا نہیں ہو سکا! پھر؟ میں تو ہر حال میں یہیں رہوں گا۔"

"اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کہہ دیا جائے گا کہ آپ کرائے پر رہتے ہیں۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا۔" نعیم نے اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھا۔

"اوہ.... یہ قطعی گھریلو حالات ہیں.... تو پھر کل آپ تشریف لا رہے ہیں۔"

"کہاں....!"

"میرے گھر پر....!"

"وہاں.... آخر میں کیا کروں گا۔"

بوڑھا کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔ "اوہ دوسری تدبیر بھی ہے۔ میں اس سے یہ تو بتا ہی ہوں کہ سودا کر رہا تھا لیکن بعض قانونی دشواریاں آپڑی ہیں.... لیکن شاید خریدنے والا کرایہ کی حیثیت سے وہاں رہ سکے.... آپ آکر صرف اتنا کہہ دیجئے گا کہ عمارت آسیب زدہ ہے ہوتی ہے۔ آپ رات بھر سو نہیں سکے....!"

بوڑھا خاموش ہو کر معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "میں آپ کا انتظار کروں گا۔"

"مگر جناب میں یہ سب کچھ کیوں کروں! میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"آپ کا نقصان کیا ہے! بھئی دیکھئے۔ اگر آپ کہیں گے کہ عمارت آسیب زدہ ہے تو وہ ضدی عورت اسے فروخت ہی کر دینے میں عافیت سمجھے گی اور میں اس کی بک بک جھک جھک سننے سے بھی بچ جاؤں گا۔"

"یہ عمارت تو ویسے بھی سیب زدہ مشہور ہے۔"

"بکواس ہے! کون کہتا ہے؟" بوڑھے نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"لوگ کہتے ہیں کہ اکثر راتوں کو انہوں نے ڈاکٹر سعیدہ کی ہم شکل ایک عورت یہاں دیکھی ہے....!"

"میرے کسی دشمن نے اڑائی ہوگی۔ یہ سراسر بکواس ہے۔"

نعیم پھر کچھ سوچنے لگا.... تھوڑی دیر بعد اس نے اس کا پتہ پوچھا۔ وہ ابھی تک بوڑھے کے صحیح پتہ سے واقف نہیں ہوا تھا گو اس نے کئی بار سنا اور دیکھا تھا لیکن اس قدر دھیان دینے کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی کہ وہ ذہن نشین ہو جاتا۔ سودا ایک دلال کے ذریعے ہوا تھا، جو نصرت کو شہر کے ایک ہوٹل میں لایا تھا اور وہیں دونوں کی ملاقات ہوئی تھی۔ خود نعیم اس کے گھر نہیں گیا تھا۔

"آپ بہت آسانی سے پہنچ جائیں گے! میرا مکان ٹھیک وحید مینشن کی پشت پر واقع ہے.... دولت گنج میں کسی سے بھی وحید مینشن کے بارے میں پوچھ لیجئے گا۔ بہت مشہور عمارت ہے۔" بوڑھے نے کہا۔

"وحید مینشن.... دولت گنج....!" نعیم نے متحیرانہ انداز میں دہرایا۔ "اوہ.... وہی تو نہیں.... جہاں سر وحید....!"

"جی ہاں.... جی ہاں! اس حادثے کے بعد تو وہ عمارت اور بھی زیادہ مشہور ہو گئی ہے۔" بوڑھے نے سر ہلا کر کہا۔

"لیکن.... لیکن.... اوہ کچھ نہیں۔" نعیم خاموش ہو گیا۔

بوڑھا بھی خاموش ہو گیا تھا۔ نعیم سوچ رہا تھا کہ الٹی تصویر کا تذکرہ کس طرح چھیڑے۔ اب تو معاملہ اور بھی زیادہ پُراسرار بنتا جا رہا تھا۔

"سر وحید آپ کے کوئی عزیز تھے۔" آخر کار اس نے پوچھا۔

"لاحول ولا قوۃ....!" بوڑھا بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "وہ کیوں میرا عزیز ہونے لگا۔"

"ڈاکٹر سعیدہ سے کوئی تعلق تھا۔"

"نہیں صاحب۔" بوڑھے نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "آخر آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔ بھلا ہمیں اس سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔"

"اوہ.... میں نے یونہی پوچھا تھا۔ بہر حال وہ آپ کا پڑوسی تو تھا ہی۔"

"پھر اس سے کیا....!" بوڑھا نعیم کو گھور رہا تھا۔

"اوہ.... کچھ نہیں! بس.... میرا خیال ہے کہ آپ کو اس کا تذکرہ ناگوار گذرا ہے۔"

"عجیب آدمی ہیں آپ بھی۔" اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "بھئی مجھے کیوں گراں گذرنے لگا اس کا تذکرہ.... جہنم میں جائے۔"

"اف فوہ! آپ پھر غلط سمجھے۔ سارا شہر یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین ہے کہ وہ سر کے بل کیوں کھڑا ہوتا تھا۔ قدرتی بات ہے اگر میں آپ سے اس کے بارے میں کچھ معلوم کرنا چاہوں! کیونکہ وہ آپ کا پڑوسی تھا۔"

"ہوں تو دیکھئے۔" بوڑھا غصیلے انداز میں انگلی اٹھا کر بولا۔ "سارے شہر کو بتا دیجئے کہ وہ شہر کے ہر فرد کو گدھا سمجھتا تھا۔ اگر وہ سر کے بل کھڑا ہوتا تھا تو مت سمجھو کہ اس کا دماغ چل گیا ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ سر کے بل کھڑے ہونے میں اسے ایک کے چار نظر آتے رہے ہوں۔"

بوڑھا اٹھا اور الوداعی سلام کے بغیر ہی کمرے سے نکل گیا۔

❁

"رپورٹ....!" کرنل فریدی نے حمید کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ وہ اپنی تجربہ گاہ کی ایک میز پر جھکا ہوا خون کے کچھ نمونے ٹسٹ کر رہا تھا۔

حمید کی نگاہ دیوار کی گھڑی پر جمی ہوئی تھی۔ جس نے ابھی ابھی ساڑھے بارہ بجائے تھے۔

"رپورٹ صرف دہرائی نہیں جاتی بلکہ سنی بھی جاتی ہے۔" حمید اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"میں سن رہا ہوں۔"

"گلہری کے کباب حاضر ہیں! اور آپ کے علاوہ دنیا میں ایسا اور کون ہے جسے میں باپ کہہ سکوں۔"

"کیا بکواس شروع کر دی۔"

جواب میں بکواس نے تفصیل اختیار کر لی اور بالآخر حمید نے اسے بتایا کہ نصرت نے اسے اپنا ناگہ دبنا لیا ہے اور اس نے استاد ذوق کی ایک غزل اصلاح کے لئے پیش کی ہے جس کے پورے رے مصرعے نصرت نے بدل دیئے ہیں۔

"ہوں تو گویا اب تم وہاں اپنا کچھ وقت گذار سکو گے۔"

"ساری زندگی وہیں گذر سکتی ہے۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"ٹھیک ہے.... اور کچھ۔"

"بہت کچھ.... بڑی دلکش عورت ہے۔ بوڑھے کے جھکی پن سے تنگ آ کر اس نے اسے ناگرودں کے حوالے کر دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ مجھ سے کہہ رہی تھی، دو چار اور لاؤ۔ دونوں کے رمیان بڑی دلچسپ جنگ ہوتی ہے۔"

"ہوں.... کیا تمہاری موجودگی میں بھی جنگ ہوئی تھی۔"

"قطعی ہوئی تھی اور اسی جنگ کے دوران مجھے معلوم ہوا کہ وہ کوئی مفلس آدمی نہیں ہے۔"

"اچھا....!" فریدی ٹسٹ ٹیوب میز پر ڈال کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"وہ ایسی عمارتوں کا مالک ہے جن کے دام چالیس ہزار تک لگ سکیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر وہ اس کھنڈر میں کیوں پڑا ہوا ہے۔"

"کام کی بات نمبر ایک....؟" فریدی مسکرایا۔

"ہے نا کام کی بات! چلئے کچھ تو ہوا۔ اچھا اب دوسری کام کی بات ہے اس کی بیوی۔"

"بکو....!"

"وہ بے حد ترقی یافتہ معلوم ہوتی ہے۔ عمر زیادہ سے زیادہ اٹھائیس سال ہو گی، لیکن نصرت ہوسٹ ہے.... اگر وہ کوئی قدامت پسند عورت ہوتی تو میں یہ سمجھ لیتا کہ اُن کی شادی کسی بوری کے تحت ہوئی ہو گی۔ یعنی اس میں والدین کی زبردستیوں کو بھی دخل ہو سکتا ہے لیکن وہ تو

الٹرا موڈرن قسم کی چیز ہے۔ جو والدین کو ڈفر کہہ کر معاملہ ختم کر دیتی۔ پھر عمروں کا یہ تفاوت کیا معنی رکھتا ہے۔"

"اس فکر میں نہ پڑو! ذہنی صحت کے اعتبار سے دنیا میں متعدد اقسام کے لوگ پائے جاتے ہیں، جن کے متعلق تم یقین کے ساتھ کچھ بھی نہیں کہہ سکتے! لہٰذا عمروں کے تفاوت پر غور کرنے کی بجائے اس معاملے میں کام کا سوال یہ ہو سکتا ہے کہ اس الٹرا موڈرن عورت نے اس کھنڈر میں رہنا کیسے منظور کر لیا ہے، جب کہ کوئی ایسی عمارت بھی موجود تھی جسے وہ اتنی قیمت پر بیچ سکے۔"

"ہاں.... ٹھہریئے! میں اسی سوال کی طرف آ رہا تھا۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"لیکن آپ.... خیر جانے دیجئے۔ میں اب ان کی عمروں کے فرق کا تذکرہ نہیں چھیڑوں گا۔ شاید آپ کو اپنا مستقبل نظر آنے لگتا ہے.... میں کہتا ہوں جب شادی کئے بغیر گذارہ نہیں تو بڑھاپے میں کیوں کی جائے۔"

"غیر متعلق باتیں نہ کرو۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"خیر.... ہاں تو ان دونوں کے درمیان جھگڑا اسی بات پر ہوا تھا۔ اس نے اسے اطلاع دی تھی کہ کسی عمارت کا سودا چالیس ہزار میں ہو گیا ہے۔ اس سے پہلے شاید وہ اس سے کہتا رہا تھا کہ کسی قانونی دشواری کی بناء پر نہ تو وہ اس میں رہ سکتے ہیں اور نہ اسے فروخت کر سکتے ہیں۔ لہٰذا اسی لئے بات بڑھ گئی، جب اس نے سودے کی خبر سنائی اور میرا خیال ہے کہ میں اس کا شاگرد بھی اسی جھگڑے کے سلسلے میں بن گیا تھا۔ ورنہ وہ ایسا آدمی نہیں معلوم ہوتا کہ اپنے گھر میں اجنبیوں کا داخلہ پسند کرے۔"

"کیا وہ عمارت کی فروختگی کی مخالف تھی۔"

"صرف اس حد تک کہ وہ اس کھنڈر میں نہیں رہنا چاہتی۔ لہٰذا جب نصرت نے اُسے اطمینان دلایا تھا کہ وہ ان چالیس ہزار روپوں سے کوئی دوسری عمارت خرید لے گا تو وہ خاموش ہو گئی تھی۔"

"ہوں.... لیکن اس نے اس حماقت پر اعتراض تو ضرور کیا ہو گا کہ ایک عمارت بیچ کر دوسری خریدی جائے.... کیا وہ اسی عمارت میں نہیں رہ سکتے تھے۔"

"اوہ.... یاد آیا۔ بوڑھے نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ عمارت منحوس ہے اس لئے اسے فروخت کرنا ہی مناسب ہے۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "مگر تم اتنی دیر تک ہال میں رہے۔"

"استاد اور استانی کی کشمکش میں پھنس کر رہ گیا تھا۔"

"کیوں؟.... کیا بات تھی۔"

"استاد چاہتے تھے کہ اب میں جہنم میں جاؤں۔ لیکن استانی کا قول تھا کہ نہیں ابھی بیٹھو میں کھنڈر ہی کو جنت بنا دوں گی....!"

"سیدھے سادھے الفاظ میں گفتگو کرو۔"

"ارے صاحب استاد چاہتے تھے کہ میں دفع ہو جاؤں لیکن جب بھی میں اٹھنا چاہتا، استانی کہتیں، ارے ایسا بھی کیا ابھی بیٹھئے۔ استاد جز بز ہو کر کہتے جانے دو، ممکن ہے کوئی کام ہو.... پھر استانی مجھ سے پوچھتیں کوئی کام ہے.... ظاہر ہے کہ میں استانی سے کیسے جھوٹ بول سکتا تھا۔ یہی کہتا رہا کہ مجھے کوئی ایسا خاص کام نہیں ہے جس کے نہ ہونے پر نقصان کا احتمال ہو۔ آخر انہوں نے جھلا کر کہا تھا کہ آپ کتنے بیکار آدمی ہیں۔ ظاہر ہے کہ میں اس کے علاوہ اور کیا عرض کر سکتا تھا کہ بیکار لوگ آدمی تو ہو سکتے ہیں لیکن شاعر نہیں ہو سکتے۔ وہ زیادہ بگڑے تو استانی پھر ان کا جھگڑا نکال بیٹھیں اور خود انہیں ہی بور ہو کر بھاگنا پڑا.... جب وہ چلے گئے تو اس نامعقول نے مجھے بھی گھر سے باہر نکال دیا۔"

"وہ کیسے....؟" فریدی نے دلچسپی ظاہر کی۔

"ارے اتنا بُرا منہ بنا کر کہا تھا کہ آپ بھی تشریف لے جا سکتے ہیں کہ بس مجھے ایسا ہی محسوس ہوا تھا، جیسے دو چار چپلیں جھاڑ کر تشریف لے جانے کی استدعا کی ہو۔"

"خوب....!"

"اصل کہانی اس کے بعد شروع ہوتی ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"اوہ تو کیا واقعی دو چار چپلیں....!" فریدی مسکرایا۔

"ایسی قسمت کہاں ہے کہ عورتوں کے ہاتھ کی مار ہی سہی.... نصیب تو ہو سکے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "دوسری بات تھی.... میں کٹے ہوئے پتنگ کی طرح ڈگمگاتا اس جگہ

پہنچا تھا جہاں گاڑی چھوڑی تھی۔ نصرت نظر آیا جو ایک ٹیکسی میں بیٹھ رہا تھا۔ میں نے خواہ مخواہ اپنی گاڑی اس کے پیچھے لگا دی۔ چلتا رہا۔ آخر وہ ایک عمارت کے سامنے اترا اور اندر چلا گیا۔ عمارت شاندار تھی! پائیں باغ کی چہار دیواری زیادہ اونچی نہیں ہے! میں گاڑی میں بیٹھے بیٹھے ہی بیرونی برآمدے تک کا نظارہ کر سکتا تھا۔ بوڑھے کے گھنٹی بجانے پر ایک آدمی نے دروازہ کھولا تھا، اور اسے اندر لے گیا تھا۔ پھر تقریباً بیس منٹ بعد بوڑھا باہر آیا، جو بہت زیادہ غصے میں معلوم ہو رہا تھا۔ ٹیکسی اس نے رکوائے رکھی تھی۔ ٹیکسی چل پڑی، لیکن میں اس آدمی کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے بوڑھا اسے گالیاں دے کر بھاگا ہو۔ میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے وہیں ٹھہرنا چاہئے۔ معلوم کرنا چاہئے کہ اس عمارت میں کون رہتا ہے۔"

فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سر کو خفیف سی جنبش دی اور حمید نے کہا۔ "شاید دس منٹ بعد وہ آدمی پھر باہر نکلا اور پھاٹک کو مقفل کر کے سڑک پر آیا۔ پھاٹک کو مقفل کرنے کا مطلب یہی تو ہو سکتا ہے کہ وہ اس عمارت میں تنہا ہی تھا۔ بہر حال وہ پیدل ہی ایک طرف چل پڑا۔ مجھے بھی گاڑی وہیں چھوڑ دینی پڑی۔ بس اسٹاپ تک وہ پیدل آیا، اور روٹ نمبر کی ایک بس پر بیٹھ گیا.... سفر زیادہ طویل نہیں تھا۔ ہم کیتنگ روڈ کی کراسنگ پر اتر گئے اور پھر کچھ دور پیدل چلنے کے بعد وہ نذر پور ہاؤز کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو گیا۔"

"نذر پور ہاؤز....!" فریدی یک بیک چونک پڑا۔

"کیوں....؟" حمید نے اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھا۔

"کچھ نہیں.... کہتے رہو....!"

"کیا کہوں؟.... ظاہر ہے کہ وہ اندر چلا گیا تھا۔ کمپاؤنڈ کے اندر میں کیسے داخل ہوتا۔"

"یہی بہت ہے....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا مضطربانہ انداز میں بڑبڑایا۔ "نذر پور ہاؤز... سروحید.... سروحید.... اوہ....!" پھر حمید کی طرف دیکھ کر دروازے کی جانب بڑھتا ہوا بولا "رے ساتھ آؤ۔"

دوسری واردات

گھڑی اب ایک بجا رہی تھی۔ حمید کا دل چاہا کہ اچھل کر دیوار کی گھڑی ہی سے سر ٹکرا دے

سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کی رپورٹ یک بیک اتنی عافیت سوز ہو جائے گی۔ وہ جانتا تھا کہ ریدی نے اپنے ساتھ آنے کو اس لئے نہیں کہا تھا کہ وہ باورچی خانے میں اس کا ہاتھ بٹائے! یقینی در پر باہر جانا تھا۔

"میں نے رات کا کھانا نہیں کھایا۔" حمید منمنایا۔

"اب رات کہاں دھری ہے! ایک بج رہا ہے فرزند.... دوسرا دن شروع ہو گیا!" فریدی نے زینے طے کرتے ہوئے کہا۔ وہ نیچے آئے اور فریدی نے کہا۔ "فکر مت کرو.... ہم کسی ایسی ہلہ ہرگز نہیں جائیں گے، جہاں تمہاری بھوک تم پر ادھار رہے....!"

اس نے فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کئے اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ "ہیلو.... ازاٹ منیجر.... ہ.... پلیز.... ذرا معلوم کیجئے۔ کیا مسٹر لکھن اپنی میز پر موجود ہیں.... اوہ.... بہتر....!"

وہ کچھ دیر تک خاموش رہا پھر یک بیک بولا۔ "ہیلو.... موجود ہیں۔"

"اوہ.... شکریہ.... جی نہیں! بس یہی معلوم کرنا تھا، انہیں تکلیف نہ دیجئے۔"

وہ ریسیور رکھ کر مڑا.... اور حمید کو آنے کا اشارہ کرتا ہوا راہداری کی طرف بڑھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد لنکن کمپاؤنڈ سے باہر نکل رہی تھی۔

"ہم جنت کے باورچی خانے کی طرف تو پرواز نہیں کر رہے ہیں....؟" حمید نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"صرف ہائی سرکل کلب تک....!"

"لکھن کون ہے؟"

"لکھن.... لکھن ہے۔"

"نذر پور ہاؤز...." حمید دانت پر دانت جما کر بولا۔ "آپ صرف اس کے نام پر دوڑے آ رہے ہیں۔ لیکن میری بات پوری کب ہوئی تھی۔"

"کیوں....؟"

"میں نے نذر پور ہاؤز کے پھاٹک پر دو آدمیوں کی گفتگو بھی سنی تھی۔ لیکن ان میں سے ایک کا چہرہ نہیں دیکھ سکا تھا اور دوسرا تو وہی تھا جس کا تعاقب کرتا ہوا وہاں تک پہنچا تھا۔ اس کے اندر چلے جانے پر سوچ رہا تھا کہ اس کی واپسی ضروری نہیں ہو سکتی! ممکن ہے یہیں رہ جائے۔ پھر مجھے

کیا کرنا چاہئے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد روش سے قدموں کی آوازیں آئیں۔ آنے والے پھاٹک ہی کی طرف آرہے تھے۔ میں دیوار سے چپکا ہوا پیچھے کھسک گیا۔ پھاٹک پر بھی اندھیرا ہی تھا۔ آنے والے آپس میں گفتگو کرتے ہوئے آئے تھے اور پھاٹک پر رک گئے تھے اور اب میں ان کی گفتگو صاف سن سکتا تھا۔ ان میں سے ایک کو کہتے سنا! دیکھو دوست! تم پریشان کیوں ہو! پرواہ مت کرو۔ اگر تم اس بوڑھے کے گھر گئے تو تمہاری تنہائی بھی رفع ہو جائے گی۔ ضرور جاؤ۔ اگر تم اس کی بیوی کو اس سے جدا کر سکے تو بہت بڑے انعام کے مستحق ہو گے.... ہو سکتا ہے کہ میں اس عمارت سے تمہارے حق میں ہمیشہ کے لئے دستبردار ہو جاؤں.... پھر دوسری آواز نے پوچھا آخر کیوں.... میں اس کی بیوی سے اسے جدا کیوں کر دوں.... پہلی آواز کا جواب تھا۔ آہ میرے سینے میں آگ لگی ہوئی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی زندگی بھی اسی طرح ویران ہو جائے جیسی میری ہوئی ہے۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ فریدی نے اس کے بیان پر رائے زنی نہیں کی۔ اچانک تھوڑی دیر بعد حمید نے پوچھا۔ "کیا یہ نصرت اور اس کی بیوی ہی کا تذکرہ ہو سکتا ہے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے۔"

"ایسی صورت میں جب کہ نصرت کو رخصت کر کے وہ سیدھا نذر پور ہاؤز پہنچا تھا، میں اس کے علاوہ اور کیا سوچ سکتا ہوں۔"

"تمہیں یقین ہے کہ دوسرا آدمی وہی تھا، جس کا تعاقب تم نے کیا تھا۔"

"جی ہاں! جب وہ روشنی میں آیا تھا تو میں نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا تھا، ارے یہی کیوں میں نے پھر اس کا تعاقب اسی عمارت تک کیا تھا، جہاں نصرت گیا تھا۔"

"کیا وہ وہی عمارت تو نہیں تھی، جس کا سودا نصرت نے کیا تھا۔" فریدی بڑبڑایا۔

"خدا جانے....!"

وہ پھر خاموش ہو گئے اور لنکن سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ آخر کار کچھ دیر بعد وہ ہائی سرکل نائٹ کلب کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئے۔

ہال زیادہ گھنا آباد نہیں تھا۔ متعدد میزیں بالکل خالی نظر آرہی تھیں! ایک بجے کے بعد عموماً وہ لوگ جمتے تھے جنہیں دوسرے دن کوئی کام نہیں ہوتا تھا۔ یا پھر سنیچر کی راتیں ایک بھی

خالی دیکھنا گوارا نہیں کرتی تھیں۔

فریدی دروازے کے قریب ہی رک کر میزوں کا جائزہ لینے لگا۔ پھر ایک جانب بڑھتا ہوا آہستہ سے بولا۔ "چلے آؤ....!"

حمید نے اسے ایک میز کے قریب رکتے دیکھا جہاں ایک مرد و دو یوریشین لڑکیوں کے ساتھ بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ لڑکیاں قبول صورت تھیں لیکن مرد جسمانی اعتبار سے بھدا اور بدشکل تھا۔

وہ اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے فریدی کو گھورنے لگا۔ جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ لڑکیوں کے منہ بھی کھل گئے تھے۔

"اوہ.... کک.... کیا.... مطلب....!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بڑبڑایا۔

"غالباً.... تم نے مجھے پہچان لیا ہے مسٹر لکھن پال....!"

"ہوں.... مگر کیوں....!" لکھن غرایا۔ انداز بالکل کسی کٹکھنے کتے ہی کا سا تھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" فریدی کرسی کھینچ کر بیٹھتا ہوا بولا۔ "صرف اپنی معلومات میں کسی قدر اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔"

حمید اس کی پشت پر کھڑا رہا۔

فریدی نے بھی اس سے بیٹھنے کو نہیں کہا تھا۔ اگر کہتا بھی تو اسے کھل جاتا کیونکہ پیچھے کھڑے رہ کر وہ بآسانی ان دونوں لڑکیوں کو اشارے کر سکتا تھا۔

"آمد کا مطلب....!" لکھن اس طرح بولا جیسے فریدی کے الفاظ اس کے کانوں تک پہنچے ہی نہ ہوں۔

"میری آمد کا مطلب ہمیشہ آمد ہی ہوتا ہے.... رفت نہیں۔" فریدی مسکرایا۔

"مگر کیوں.... لکھن نے مضطربانہ انداز میں لڑکیوں کی طرف دیکھا اور پھر حمید کو گھورتے ہوئے دوبارہ فریدی کے چہرے پر نظر جما دی.... حمید نے خوش اخلاقی کے مظاہرے کے طور پر اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی تھی اور دانت بھی دکھائے تھے۔ ویسے انداز چڑانے ہی کا سا تھا۔"

"کہئے.... میں تنہا بیٹھنا زیادہ پسند کرتا ہوں۔"

لکھن نے پلکیں جھپکائیں۔

"میں سر وحید والے کیس کی تفتیش کر رہا ہوں۔"

"پھر میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"شاید آپ مجھے تھوڑی بہت اطلاعات دے سکیں۔"

"کتنی فضول بات ہے کرنل! بھلا مجھے سروحید سے کیا سروکار۔"

"میں آج کی بات نہیں کر رہا.... یہ اُس زمانے کا ذکر ہے جب آپ اور سروحید دونوں ٹھیکیداری کیا کرتے تھے۔"

"میرے خدا.... اتنی پرانی بات! کرنل اسے چالیس سال کا عرصہ ہوا، جوانی کی بات ہے ہم دونوں کے تعلقات خراب ہوگئے تھے۔ اسے بھی تقریباً تیس سال ہونے کو آئے۔"

"سروحید کو آپ نے ان دنوں کیسا آدمی پایا تھا۔"

"پرلے سرے کا بے ایمان....!" لکھن بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "ہم نے شرکت میں کاروبار تھا اور وہ بے ایمان ثابت ہوا تھا۔"

"اس زمانے میں اس کی ذہنی حالت کیسی تھی۔"

"اوہ.... ذہنی حالت...." یک بیک لکھن ہنس پڑا۔ دیر تک ہنستا رہا پھر بولا۔ "اوہ.. آپ لوگ ذہنی حالت کی خرابی کے امکانات پر غور کر رہے ہیں۔"

"سر کے بل کھڑے ہونا ذہنی صحت مندی کی علامت اسی صورت میں ہو سکتی ہے، جب اسے ورزش کے طور پر اختیار کیا جائے.... لیکن کیا سروحید ورزشوں کا اتنا ہی شائق تھا۔ ورزش شوق بھی جوانی ہی سے ہوتا ہے.... کیا سروحید کو اس زمانے میں ورزش کا شوق بھی تھا جب آپ دونوں ساتھ کام کرتے تھے۔"

"ہونہہ.... کبھی نہیں۔"

لکھن کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "نہ وہ پاگل تھا اور نہ اسے ورزش کا شوق تھا۔ لیکن سر کے بل کھڑے ہونے کی مشق اس نے بہر حال بہم پہنچائی تھی اور بڑھاپے میں جوانی میں نہیں! جوانی میں وہ بے حد سنجیدہ تھا۔ بڑھاپے میں مسخرہ ہو گیا۔ عجیب عجیب حرکتیں کرنے لگا۔ اس کا کیا مقصد ہو سکتا ہے کرنل....!" وہ اپنی بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔

فریدی ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑایا جسے حمید نہ سن سکا۔ شاید لکھن نے بھی نہیں تھا، اس لئے وہ آگے جھک کر بولا۔ "جی....!"

"مجھے ایک آدمی اور بھی یاد آرہا ہے، جو آپ دونوں کا مشترکہ دوست تھا....؟"

"کون....؟"

"پرنس توقیر....!"

"ہاں اس کا کیا! وہ اب بھی میرا دوست ہے۔"

"ان دنوں سروحید سے ان کے تعلقات کیسے تھے۔"

"ہمارے درمیان اس مسئلے پر کبھی کسی قسم کی گفتگو نہیں ہوئی۔" لکھن بولا۔

فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔ دونوں لڑکیاں اسے گھور رہی تھیں اور شاید یہ چیز لکھن کو گراں گزر رہی تھی۔ اس لئے وہ مضطربانہ انداز میں ہاتھ ہلا کر بولا۔ "اور کچھ کرنل....!"

"بہت کچھ مسٹر لکھن....!" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"یعنی....!" وہ پھر فریدی کو گھورنے لگا۔

"ابھی وقت نہیں آیا۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "اچھا شب بخیر۔"

لکھن کا منہ کھلا رہ گیا۔ فریدی اور حمید تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ حمید آمدے سے نیچے اترتے ہوئے بڑبڑایا۔ "کیا بات ہوئی۔"

"چلے آؤ چپ چاپ....!" فریدی ادھر اُدھر دیکھے بغیر آگے بڑھتا رہا۔

پھر حمید کو سوچنا پڑا کہ کہیں خود فریدی کا دماغ تو نہیں الٹ گیا۔ وہ لکھن کی طرف جانے کی بجائے کمپاؤنڈ کے ایک تاریک اور ویران حصے کی طرف جا رہا تھا۔

"یہیں ٹھہر جاؤ....!" وہ آہستہ سے بولا۔

وہ چپ چاپ رک گیا۔ کہتا بھی کیا۔ فریدی کا طریق کار کچھ ایسا ہی تھا۔

"وہ دیکھو...." دفعتاً فریدی بولا اور حمید کی نظر عمارت کے بیرونی برآمدے کی طرف اٹھ گئی۔ لکھن ایک دروازے میں تنہا کھڑا تھا اور اس پر پوری طرح روشنی پڑ رہی تھی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس حصے کی طرف بڑھ رہا تھا، جہاں کاریں پارک کی جاتی تھیں۔ چند ہی منٹ بعد وہ ایک کار میں نظر آیا اور کار پھاٹک سے گذر رہی تھی۔ حمید نے اسے بائیں جانب مڑتے دیکھا۔ وہ بھی تیزی سے لنکن میں بیٹھے اور لکھن کی گاڑی کا تعاقب شروع ہو گیا۔ "کیا اس رات کو صبر ہی کر لوں۔" حمید بڑبڑایا۔

"ہو سکتا ہے.... غلطی تم سے ہوئی تھی۔"

"کیسی غلطی....؟"

"نہ تم نصرت کا تعاقب کرتے ہوئے نذر پور ہاؤز تک پہنچتے اور نہ اسی وقت مجھے بھی دوپ کرنی پڑتی....!"

"نصرت سے ان لوگوں کا کیا تعلق....!"

"نصرت کی بیوی.... خیر اس کی بیوی کے متعلق تو تم ہی کوئی خاص بات معلوم کرنے کوشش کرو۔"

"اگر استاد کی اصلاح نے اجازت دی تو...." حمید ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا، وہ تھوڑی تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"آپ کی دانست میں دس سال سے سر کے بل کھڑے ہوتے رہنے کا مقصد کیا ہو سکتا ہے

"تم نے لکھن کی گفتگو سے اندازہ کیا ہو گا کہ وہ پاگل نہیں تھا۔"

"ضروری ہے کہ لکھن کا بیان صحیح ہو؟" حمید نے پوچھا۔

"ضروری تو یہ بھی نہیں ہے کہ ہماری موجودہ بھاگ دوڑ بھی فیصلہ کن ہی ثابت ہو۔"

"نذر پور ہاؤز میں تو پرنس تو قیر ہی رہتا ہے نا....!"

"ہاں....!" فریدی نے اگلی کار پر نظریں جمادیں جس کی رفتار اب کم ہو گئی تھی، فریدی۔ بھی لنکن کی رفتار کم کر دی۔

"اوہ.... وہ نذر پور ہاؤز کے پھاٹک ہی پر رکی ہے۔" حمید بڑبڑایا۔ لنکن بھی رک چکی تھی لیکن وہ اندھیرے میں تھے، فریدی نے اپنی گاڑی سڑک کے کنارے اتار دی۔

شاید لکھن چوکیدار سے پھاٹک کھولنے کو کہہ رہا تھا۔ پھاٹک کھلتے ہی وہ اپنی گاڑی کو اندر لے چلا گیا۔

"اب دوسری اطلاع سنو....!" فریدی نے طویل سانس لی۔

"کیا....!"

"ہمارا بھی تعاقب ہو تا رہا ہے۔"

"نہیں....!" حمید اچھل پڑا۔

"کیا تم لکھن پال کو احمق سمجھتے ہو۔" فریدی مسکرایا۔ "وہ بے حد چالاک آدمی ہے۔ اس کے بیرے دشمن ہیں، اسلئے وہ اپنے ساتھ دو چار نگراں بھی رکھتا ہے، جو دوسروں کی نظروں میں آئے بغیر اس کی دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں! اس وقت کلب میں بھی کوئی نہ کوئی ضرور موجود رہا ہو گا۔"

"تو دوسروں گاڑی کہاں ہے۔"

"ہم سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہے۔ لیکن وہ بھی اسی طرح اندھیرے ہی میں روکی گئی ہے۔"

"اب کیا ارادہ ہے....!"

"ظاہر ہے کہ واپس چلیں گے! جو کچھ مجھے معلوم کرنا تھا، معلوم کر چکا۔ گفتگو ادھوری چھوڑ اسی لئے اٹھا تھا کہ اس کا ردعمل دیکھ سکوں؟ تم نے دیکھ ہی لیا کہ وہ اسے اسی وقت آگاہ کرنے دڑا آیا ہے۔"

"تو گویا آپ نے خود ہی انہیں ہوشیار کر دیا ہے۔"

فریدی نے کوئی جواب دیئے بغیر گاڑی اسٹارٹ کر دی اور لمبا چکر لے کر اُسے مخالف سمت ں موڑتے ہوئے کہا۔ "ان لوگوں کے خلاف اسی طرح ثبوت مہیا کئے جاتے ہیں جو اپنے کئے پر طمئن ہوتے ہیں، جنہیں یقین ہو کہ پولیس کو ان کے خلاف کوئی ثبوت نہیں مل سکے گا۔ کیا تم یہ بجھتے ہو کہ لکھن اور تو قیر جیسے معززین شہر معمولی مجرموں کی طرح پولیس سے بھاگیں گے۔ ان کے لئے تو یہی تدبیر بہتر ہوتی ہے کہ ڈھکے چھپے انداز میں ان پر شبہے کا اظہار کر کے بظاہر ان کی رف سے لاپروائی برتی جائے۔ بس پھر یہ شبہے سے بالاتر ہونے کے لئے ایسی حرکتیں شروع دیں گے کہ ان کا جرم صبح کی طرح روشن ہو جائے گا۔"

"لیکن اتنی دیر میں تو اپنا بھی قیمہ ہو سکتا ہے۔"

"صبر کرو.... اور دیکھو....!"

کچھ دور چلنے کے بعد حمید نے مڑ کر دیکھا۔ کسی گاڑی کی ہیڈ لائیٹس نظر آ رہی تھیں۔ "میرا یال ہے کہ ہمارا تعاقب اب بھی کیا جا رہا ہے۔" اس نے کہا۔

"لیکن اس بار یہ محض تعاقب کی حد تک نہیں رہے گا۔ سنبھل کر بیٹھنا۔ بلکہ کھڑکیوں پر اسٹیل یلڈ چڑھا دو تو بہتر ہے۔ اس بار تعاقب کرنے والے کسی مقصد کے تحت تعاقب کریں گے۔"

"کیوں....؟"

"پہلے شاید انہیں علم نہ رہا ہو کہ وہ کس کا تعاقب کر رہے ہیں۔"

"اوہ تو کیا وہ اتنے دلیر بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم پر فائر کریں۔"

"لکھن اور توقیر جیسے لوگوں کا معاملہ ہے، جو قانون کو کھلونا سمجھتے ہیں۔"

"کیا آپ ان سے مرعوب ہو گئے ہیں۔"

"میں صرف ان لوگوں سے مرعوب ہوتا ہوں، جو میرا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔" فریدی نے ہا قہقہہ لگایا۔

حمید کھڑکیوں پر اسٹیل شیلڈ چڑھانے لگا۔ یہ فریدی ہی کی اپج تھی کہ اس نے لنکن کو ک طور پر بلٹ پروف بنا دیا تھا۔

لیکن وہ صرف ایک خدشہ ہی ثابت ہوا، گاڑی پر فائر نہیں ہوئے اور صحیح و سلامت گھر پہنچ گئے تھے۔

حمید سوچ رہا تھا کہ شاید وہ بھی محض شبہ ہی رہا ہو کہ دوبارہ تعاقب کیا جا رہا ہے۔ ہو سکتا کہ وہ کسی غیر متعلق آدمی کی گاڑی رہی ہو۔

بقیہ رات سکون کے ساتھ گذری۔ حمید دن چڑھے تک سوتا رہا تھا اور آنکھ کھلنے کے بھی کافی دیر تک مسہری ہی پر پڑا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آج کس طرح استاد نصرت تک پہنچ ہو سکتا ہے کہ وہ ایک غزل یومیہ کے حساب سے اصلاح دینے پر رضامند نہ ہو۔ لیکن اس کی بیو تو بہر حال حمید ہی کی طرفداری کرتی رہی تھی۔ ممکن ہے اس مرحلے پر بھی وہی کام آئے۔ لیک پچھلی رات کا رویہ اس کی سمجھ میں ابھی نہیں آیا تھا.... یعنی نصرت کی موجودگی میں تو وہ ا رو کے ہی رکھنے پر مصر تھی، لیکن نصرت کے باہر جاتے ہی اتنی بے مروتی اور رکھائی سے جانے کو کہا تھا جیسے وہ اتنی دیر سے کسی یتیم خانے کا چندہ طلب کرتا رہا ہو۔

وہ کراہتا ہوا مسہری سے اٹھا اور باتھ روم میں گھس گیا۔ پھر تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہی ناشتے کی میز پر پہنچ سکا۔ لیکن وہاں ناشتے کی بجائے موت کا گماشتہ موجود تھا۔

پیپر ویٹ کے نیچے ایک کاغذ نظر آیا جس پر تحریر تھا۔

"حمید.... پچھلی رات پرنس توقیر بھی قتل کر دیا گیا۔ میں نذر پور ہاؤز جا رہا ہوں۔ اٹھ کر سیدھے وہیں آؤ....!"

حمید نے اپنی پیشانی پر دو ہتھڑ مارتے ہوئے باورچی کو آواز دی۔ "ابے او اُلو کے پٹھے کیا میں دودھ کو ابال کر پی جاؤں.... چائے لاؤ۔"

دوسری عورت

پرنس توقیر نذر پور ہاؤز میں تنہا نہیں رہتا تھا۔ نوکروں کی فوج بھی تھی۔ لیکن صبح تک کسی کو بھی نہ معلوم ہو سکا کہ پرنس توقیر اپنی خواب گاہ میں قتل کر دیا گیا ہے، اسے روزانہ چھ بجے اس کا ایک ملازم جگایا کرتا تھا۔ آج وہ حسب معمول جگانے ہی آیا تھا۔ لیکن اس نے خواب گاہ کے دروازے کھلے پائے۔ فرش پر خون پھیلا ہوا تھا اور لاش بستر پر پڑی تھی۔

حمید اس وقت پہنچا جب فریدی ملازموں سے سوالات کر رہا تھا۔

"پچھلی رات کتنے آدمی یہاں آئے تھے؟"

"دو.... جناب...." چوکیدار نے جواب دیا۔

"دونوں کو تم پہچانتے ہو۔"

"جی نہیں پہلے صاحب کو پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ کوئی دس بجے آئے تھے اور صاحب انہیں پھاٹک تک پہنچانے آئے تھے۔"

"دوسرا آدمی کون تھا۔"

"لکھن صاحب! وہ جن کا موٹروں کا کارخانہ ہے۔"

"ہوں.... وہ کس وقت واپس گئے تھے۔"

"بس آکر تھوڑی دیر بعد واپس چلے گئے تھے۔"

"وقت....!"

"صاحب گھڑی تو نہیں تھی پاس... پتہ نہیں ایک بجا تھا کہ ڈیڑھ... کہ دو... پتہ نہیں صاحب۔"

"تو انہیں بھی پرنس پھاٹک تک چھوڑنے آئے تھے۔"

"نہیں صاحب....!"

حمید وہاں سے ہٹ کر جائے واردات پر آیا۔ یہاں محکمہ سراغرسانی کے دو آفیسر بھی موجود

تھے۔ چونکہ وہ پرنس توقیر جیسے معزز آدمی کے قتل کا معاملہ تھا اس لئے ایسا معلوم ہو رہا تھا پورا دفتر ہی اٹھ کر یہیں چلا آیا ہو.... اس وقت فنگر پرنٹ سیکشن کے فوٹو گرافر خواب گاہ نشانات کی تصاویر لے رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ بڑے آفیسروں کی بھیڑ میں وہ کہاں گھستا پھر اس لئے وہ عمارت سے لان پر نکل آیا۔

یہاں ایک جگہ وہ سارے ملازمین اکٹھا تھے، جن سے فریدی پوچھ گچھ کر چکا تھا۔ اس کا ا تھا کہ وہ اپنے طور پر ان سے سوالات کرے گا لیکن دفعتاً اُسے فریدی نظر آیا، جو برآمدے میں اسے اشارے سے بلا رہا تھا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو۔" اس نے قریب پہنچنے پر پوچھا۔

"میں یہاں مستقبل کی خیریت دریافت کر رہا ہوں۔ کیا آپ کا شبہ لکھن پر ہے۔"

"لکھن کے جانے کے بعد بھی وہ زندہ دیکھا گیا تھا۔"

"خیر.... تو آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔"

"اس آدمی کو دیکھو! جو لکھن سے پہلے یہاں آیا تھا۔"

"صرف نگرانی یا اس سے پوچھ گچھ بھی کر سکتا ہوں۔"

"بہتر ہے کہ اسے نگرانی میں رکھو، میں بعد میں چیک کر لوں گا.... لیکن ادھر آؤ..." ایک طرف بڑھتا ہوا بولا۔ پھر کمپاؤنڈ کے ایک ایسے گوشے میں رکا جہاں آس پاس کوئی بھی م نہیں تھا۔

"قریب آؤ....!" اس نے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا اور دو تصو نکالیں۔

"ایک ہی عورت کے دو مختلف پوز....!"

"اوہ.... یعنی....!" حمید نے متحیرانہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھا۔

"پہچانتے ہو....!"

"کیوں نہیں.... یہ نصرت کی بیوی ہے۔" حمید کی آنکھوں میں اب بھی حیرت باقی تھی

"ان میں سے ایک تو سروحید کے البم سے برآمد ہوئی تھی، اور دوسری آج یہاں تو خواب گاہ میں ملی ہے۔"

"اوہ.... تو یہ عورت....!"

"رائے زنی کی ضرورت نہیں ہے۔" فریدی نے تصویروں کو دوبارہ جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "اب تم جا سکتے ہو۔ جگدیش اور امر سے کہو کہ وہ اس آدمی کی نگرانی کریں جس نے سعیدہ کی کوٹھی خریدی ہے۔"

"سعیدہ کی کوٹھی....!"

"ہاں تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ وہ نصرت کی سوتیلی بھتیجی تھی۔"

"پتہ نہیں کیا چکر ہے۔ خیر میں کیا کروں گا....!"

"نصرت کی بیوی۔" فریدی نے کہا اور پھر عمارت کی طرف بڑھ گیا۔

"نصرت کی بیوی....!" حمید کچھ سوچتا ہوا بڑبڑایا اور پھاٹک کی طرف چلنے لگا۔ اس نے اپنی کار پھاٹک کے باہر ہی چھوڑی تھی۔

مگر نصرت کی بیوی! وہ تو اسے پچھلی رات بھی بے حد پُراسرار معلوم ہوئی تھی۔ اس وقت جب اس نے بڑی بے رخی سے اس کو رخصت کیا تھا۔ حالانکہ کچھ دیر پہلے روکے رکھنے کے اصرار میں کافی گرم جوشی تھی۔ لیکن اگر وہ کوئی ایسی ویسی عورت تھی تو شوہر کی موجودگی میں اس سے لاپروائی برتنی چاہئے تھی، چہ جائیکہ زبردستی روکے رکھنا اور شوہر کے جاتے ہی معنوی اعتبار سے گویا دھکے دے کر ہی نکال دینا ٹھہرا تھا۔ یہ بڑا حیرت انگیز جوڑا تھا.... ہر اعتبار سے.... پچھلی رات اس نے وہ کوٹھی دیکھی ہی تھی جس کے متعلق اس وقت یقین ہو گیا تھا کہ وہ نصرت ہی کی ملکیت تھی.... پھر وہ اس شاندار کوٹھی کی موجودگی میں اس کھنڈر میں کیوں پڑا ہوا تھا۔

وہ سوچتا رہا اور اس کی کار اس علاقے میں پہنچ گئی جہاں نصرت رہتا تھا۔ اس نے کار بستی میں ہی چھوڑ دی اور وحید مینشن کی طرف پیدل ہی روانہ ہو گیا۔ ویسے وہ سوچ رہا تھا کہ آج کی ملاقات کے لئے کون سا بہانہ تراشے گا۔ نہ تو اصلاح کے لئے کوئی غزل ہی تھی اور نہ کاندھے پر ایئر گن۔

آج پھر سب سے پہلے نصرت کی بیوی ہی سے مڈبھیڑ ہوئی اور وہ اسے اس طرح دیکھنے لگی جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔ حمید نے سوچا اگر اس نے پہچاننے ہی سے انکار کر دیا تو کیا صورت ہو گی۔

"آپ کا خادم.... پرواز فاختی...." وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر تھوڑا سا جھکا۔

"نصرت صاحب آرام کر رہے ہیں۔" عورت نے سرد لہجے میں کہا اور دوسری طرف مڑ گ

"مطلع عرض کیا ہے....!" حمید نے کھنکار کر اسٹارٹ لینے کا ارادہ کیا۔

"تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا.... جاؤ یہاں سے۔" وہ جھلا کر مڑی۔

"کل تو آپ نے بڑا سہارا دیا تھا۔" حمید ڈھٹائی سے بولا۔

"کیا مطلب....!"

"اگر آپ مدد نہ کرتیں تو میں اتنے بڑے شاعر کا شاگرد کبھی نہ بن سکتا۔"

"کبھی کبھی میرا ذہن بہک جاتا ہے۔" عورت خشک لہجے میں بولی۔ "میں ہمیشہ تفریح موڈ میں نہیں ہوتی۔"

"تو میں آپ کے ساتھ بیٹھ کر رو بھی سکتا ہوں محترمہ.... آزمائش کر کے دیکھ لیجئے۔ صرف قہقہوں کا ساتھی نہیں ہوں۔"

"ہوں....!" وہ اسے گھورتی ہوئی بولی۔ "مرد واقعی بالکل اُلو کے پٹھے ہوتے ہیں۔"

"اور ان کے عالم وجود میں آنے کے لئے اُلوؤں کا پورا جوڑا درکار ہوتا ہے اور یہ چیز یقینی پر تیسری جنگ عظیم کی طرف لے جائے گی۔" حمید کا لہجہ تشویش کن تھا۔

وہ اسے غصیلے انداز میں دیکھتی رہی پھر یک بیک اس کے چہرے پر نرمی کے آثار آنے اور اس نے کہا۔ "مگر کل تم شاگرد بننے کیلئے تو نہیں آئے تھے اس کا خیال تو میں نے ہی دلایا تھا۔"

"مگر آپ نے خیال دلایا ہی کیوں تھا۔"

"محض یہ دیکھنے کے لئے کہ تم کس قسم کے گدھے ہو۔ مگر سارے مرد ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں۔ تم سمجھے تھے شاید میں تم پر ریجھ گئی ہوں۔"

"ذرا ریجھ کر دیکھئے بھی تو کیسی درگت بناتا ہوں۔" حمید نے بھی غصیلے لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب....!" اس بار عورت کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

"ایک بار ایک لڑکی مجھ پر عاشق ہوئی تھی، آج تک روتی ہے سر پر ہاتھ رکھ کر۔"

عورت نے پلکیں جھپکائیں اور حمید نے کہا۔ "میں نے اپنے بڑے بھائی سے اس کی شادی کرادی، جو کانے ہیں اور ڈاڑھی بھی رکھتے ہیں۔"

"کیا بکواس شروع کی ہے تم نے جاؤ، یہاں سے ورنہ میں نصرت صاحب کو آواز دیتی ہوں۔"

"غزل میرے پاس موجود ہے۔"

وہ بڑی تیزی سے برآمدے کی طرف روانہ ہو گئی.... لیکن اندر نہیں بلکہ برآمدے ہی میں رک کر اس طرح حمید کی طرف دیکھنے لگی، جیسے دفعتاً کوئی چیز اس پر کھینچ مارے گی۔

حمید آہستہ آہستہ برآمدے کی طرف بڑھا۔ لیکن وہ جہاں تھی وہیں کھڑی رہی، البتہ اب اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ ضرور نظر آ رہی تھی۔

"پتہ نہیں کیوں.... آپ مجھے....!" حمید نے کچھ کہنا چاہا لیکن جملہ پورا نہ کر سکا۔ کیونکہ وہ پاگلوں کی طرح کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

دفعتاً حمید کو یاد آ گیا کہ وہ خیالات کی رو میں بہکا ہوا ادھر چلا آیا ہے، حالانکہ یہاں آنے سے پہلے ہی اسے رمیش اور امر کو اس آدمی کی نگرانی پر لگانا چاہئے تھا پھر اگر یہاں پھنس گیا تو وہ اشد ضروری کام رہ ہی جائے گا۔

"آپ مجھے خوفزدہ کر رہی ہیں محترمہ! اس طرح نہ ہنسئے۔" اس نے ڈری ڈری سی آواز میں کہا۔

لیکن اس کے قہقہے طویل ہی ہوتے گئے اور حمید سہمے ہوئے انداز میں پیچھے ہٹنے لگا، پھر یک بیک بھڑک کر بھاگا۔

"ارے.... ٹھہرو.... ٹھہرو....!" عورت ہنسی پر قابو پانے کی کوشش کرتی ہوئی چیخی۔

لیکن حمید کو ٹھہرنا کب تھا۔ وہ باغ سے نکل آیا اور تیزی سے بستی کی طرف روانہ ہو گیا۔

اب ضروری ہو گیا تھا کہ وہ خود ہی اس عمارت کی طرف جاتا، جہاں پچھلی رات نصرت کو دیکھا تھا۔ کیونکہ اتنی دیر میں کچھ تبدیلیاں بھی ہو سکتی تھیں۔ اس لئے وہ خود ہی دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ آدمی اب بھی اس عمارت میں موجود ہے یا نہیں۔

سعیدہ کی کوٹھی کے پھاٹک سے اس نے ایک ٹیکسی نکلتے دیکھی.... اور اپنی گاڑی سڑک کے نیچے اتار کر کھڑی کر دی۔ پھاٹک سے نکل کر گاڑی پھر رک گئی اور وہ آدمی نیچے اتر کر پھاٹک کو مقفل کرنے لگا۔ لیکن اتنی دیر میں حمید اس کے قریب پہنچ چکا تھا اور اس نے ٹیکسی کے ڈکے میں سوٹ کیس اور ہولڈال بھی دیکھ لئے تھے۔

وہ سیدھا کھڑا ہو کر حمید کی طرف مڑا۔

"کہاں دوست....!" حمید مسکرایا۔

"کک.... کیوں....!" وہ بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔

"تمہیں چند سوالات کے جواب دینے ہیں۔"

"کیوں.... آپ کون ہیں؟"

"پولیس....!"

"اوہ....!" وہ پھاٹک کی سلاخوں سے ٹک گیا۔

"تم پچھلی رات پرنس توقیر سے کس وقت ملے تھے۔"

"مم.... میں.... ساڑھے نو بجے.... شاید ساڑھے دس بجے.... مگر کیوں؟" وہ انداز میں آنکھیں پھاڑے حمید کو دیکھ رہا تھا۔

"واپسی کب ہوئی تھی۔"

"وقت کا اندازہ مجھے نہیں ہے۔"

"تم اس وقت کہاں جا رہے ہو۔"

"کیوں....؟"

"سوال کا جواب دو۔" حمید نے آنکھیں نکالیں۔

"نصیر آباد....!"

"کیوں....؟ کیا نصرت کی بیوی سے عشق لڑانے کی اسکیم ختم کر دی۔"

"کیا....؟" وہ پھر بوکھلا کر حمید کو گھورنے لگا.... لیکن یہ کیفیت دیر تک قائم نہیں تھی۔ شاید وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"پتہ نہیں، آپ کیسی بے تکی باتیں کر رہے ہیں۔" اس نے تھوک نگل کر کہا۔ "ہٹ سامنے سے۔"

"پھاٹک کھولو....! ٹیکسی سے سامان نکالو اور اندر چلو۔" حمید نے سرد لہجے میں اسے حکم

"آخر کیوں....!"

"پرنس توقیر قتل کر دیا گیا۔ اس لئے ہم ہر اس آدمی کو چیک کر رہے ہیں جو پچھلی رات سے ملا تھا۔"

ایک بار پھر وہ پھاٹک کی سلاخوں سے جا لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کھڑے رہنے کی

جواب دے رہی ہو۔

حمید نے اس کا سامان ٹیکسی سے اتروالیا اور پھر آدھے گھنٹے کے اندر ہی اندر اس کے پاس اتنا مواد تھا کہ وہ اپنی دانست میں کرنل فریدی کو بھی متحیر کر سکتا۔

اس کی کہانی سن لینے کے بعد اس نے اسے قطعی طور پر حراست میں لے لیا۔ اس کی دانست میں اب چھوٹ دے کر نگرانی کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی تھی۔

شام کو فریدی سے گھر پر ہی ملاقات ہوئی اور وہ اپنے کارناموں کا دفتر لے بیٹھا۔ فریدی نے نعیم کی کہانی سنی اور کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "مگر میں نے تو تم سے نگرانی کے لئے کہا تھا۔"

"کیا میں ان کی نگرانی کرتا ہوا نصیر آباد تک چلا جاتا۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"نہیں بس اسے روک لینا ہی کافی تھا۔ حوالات میں ڈالنے کی ضرورت نہیں تھی۔"

حمید کچھ کہنے کی بجائے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ جھلاہٹ کے باوجود وہ اس گفتگو کو آگے بڑھانا چاہتا تھا۔ کیونکہ نعیم کی کہانی خواہ ڈاکٹر سعیدہ کے بھوت کی وجہ سے بکواس ہی کیوں نہ رہی ہو لیکن سروحید کی الٹی تصویر کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یا اگر نعیم کی کہانی من گھڑت ہی تھی تو اسے کسی ایسی تصویر کا تذکرہ کرنے کی کیا ضرورت تھی، جس کی وجہ سے اس کے خلاف شبہات کو مزید تقویت پہنچ سکے۔ ظاہر ہے اس کے بیان پر ہی پولیس اسے ٹوک سکتی تھی کہ ایسی ایک چیز سامنے آنے کے باوجود بھی اس نے پولیس سے رابطہ کیوں نہیں قائم کیا۔ لہٰذا وہ کہانی ایسی نہیں ہو سکتی، جسے نعیم نے اپنے چھٹکارے کے لئے گھڑا ہو۔"

"اس کہانی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔" اس نے کچھ دیر بعد فریدی سے پوچھا۔

"دوسری بار سنی ہے...." فریدی نے لاپرائی سے جواب دیا۔

"کیا مطلب.... یعنی کہ آپ.... اسے پہلے ہی چیک کر چکے تھے۔"

"قطعی نہیں.... میں نے تو ابھی تک نعیم کی شکل بھی نہیں دیکھی۔"

"پھر کیسے معلوم ہوا آپ کو۔"

فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا، پھر چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ سعیدہ کی روح تھی۔"

"میں نے یہ کب کہا ہے۔"

"تو پھر کسی عورت ہی نے اس کی روح کا رول ادا کیا ہوگا اور اس طرح نعیم کی کہانی عورت بھی سنا سکتی ہے۔"

"اوہ....!" حمید نے پلکیں جھپکائیں، چند لمحے فریدی کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

"کون تھی۔"

شاید وہ مسز نصرت کے امکانات پر غور کر رہا تھا کیونکہ اس سے پہلے بھی کئی چکرا دینے وا کیس اس کے سامنے آئے تھے۔ یہ بھی یقینی طور پر ان سے مختلف نہیں سمجھا جا سکتا تھا۔

"ایک عورت جو خود بخود سامنے آئی ہے جس کی وجہ غالباً خوف ہی ہو سکتا ہے۔"

"کیسا خوف....!"

"اسے پرنس توقیر نے ڈاکٹر سعیدہ کا رول ادا کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ یہاں کیس الجھ جاتا ہے فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ پھر بولا۔ "وہ ایک ایسی عورت ہے جسے سر وحید سے دشمنی تھ پرنس توقیر اس سے دوستی رکھتا تھا۔ اس نے اس سے کہا تھا کہ سر وحید نے اسے بھی چند نقصانا پہنچائے تھے، لہٰذا وہ اس سے بدلہ لینا چاہتا ہے۔ یہی چیز اسے آمادہ بھی کر سکی ورنہ ایسے ڈرامے میں حصہ لینے پر تیار نہ ہوتی۔ غالباً سر وحید کی تصویر کی موجودگی کا بھی یہی مطلب تھ اسے پرنس توقیر کے بیان پر یقین آجائے۔ لیکن تصویر الٹی لٹکائی گئی تھی جس کی وجہ پرنس اسے نہ بتا کر عقلمندی سے کام لیا تھا۔ یعنی اس طرح اس عورت کو یقین دلا دیا تھا کہ سر وحید کو بڑے جال میں پھنسانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ لیکن وہ ابھی ہر معاملے کی وضاحت نہ کر سکتا۔ یہ نہیں بتا سکتا کہ الٹی تصویر کا کیا مطلب ہے۔ نعیم کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ سر وح ایجنٹ ہے، جسے اس نے محض اسے نقصان پہنچانے کے لئے انگیج کیا ہے۔"

"حالانکہ وہ اپنے متعلق دوسری کہانی سناتا ہے۔"

"کہانیوں کو بھلا دو اور صرف مقصد پر غور کرو۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "ا عورت نے دو دن بعد سر وحید کی موت کی خبر سنی اور بوکھلا گئی۔ لیکن اس میں اتنی ہمت نہیں کہ پولیس کو مطلع کر سکتی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس ڈرامے کا مقصد سر وحید کی مو ہوگا۔ پرنس توقیر نے تو اسے یہی بتایا تھا کہ وہ سر وحید کو صرف مالی نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ ا

اسے اس انجام کا شبہ بھی ہو جاتا تو وہ کبھی توقیر کی باتوں میں نہ آتی.... آج وہ پرنس توقیر سے ملنے آئی تھی۔ جب اس کے قتل کا علم ہوا تو بدحواس ہو گئی۔ اس طرح اتفاقاً وہ سامنے آئی ورنہ اسے تلاش کر لینا تو بہت ہی مشکل ہو جاتا۔ وہ کوئی اہم شخصیت نہیں ہے۔ ہوٹلوں کی نشستیں ہی اس کا ذریعہ معاش ہیں۔"

"تو پھر الٹی تصویر کا مقصد صرف اتنا ہی تھا کہ اس عورت کو اس ڈرامے میں حصہ لینے کی ترغیب دی جائے۔"

"فی الحال میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سوچ سکتا۔" فریدی نے کہا۔

حمید سوچنے لگا کہ پھر نصرت اور نصرت کی بیوی کو کس خانے میں فٹ کیا جائے۔ پرنس توقیر ڈاکٹر سعیدہ کی کوٹھی کیوں خریدنا چاہتا تھا۔ ظاہر ہے کہ واقعات کی روشنی میں اس ڈرامے کا مقصد صرف اتنا ہی تھا کہ وہ خود نصرت کے سامنے آئے بغیر نعیم کے ذریعہ کوٹھی خرید لے۔

چڑچڑا شاعر

حمید کا ذہن الجھتا ہی گیا۔ کیا حقیقتاً مقصد صرف اس کوٹھی کی خریداری تھی؟ پھر پرنس توقیر نے نعیم کو نصرت کی بیوی پر ڈورے ڈالنے کی ہدایت کیوں دی تھی اور اس کی خواب گاہ سے نصرت کی بیوی کی تصویر برآمد ہونے کا کیا مطلب تھا؟ سر وحید کے یہاں بھی اس کی تصویر ملی تھی.... لیکن ان دونوں کا قاتل کون تھا.... کون تھا؟.... اوہ.... وہ یک بیک اچھل پڑا۔

"ہوں....؟" فریدی نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"نصرت....!"

"میں یہی سوچ رہا تھا کہ تم نصرت ہی پر ٹوٹ پڑو گے.... کیونکہ ان دونوں کے پاس اس کی بیوی کی تصویریں تھیں....!"

"کیا میرا خیال غلط ہے۔"

"ابھی صحیح اور غلط کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ کیونکہ بعض دوسرے پہلوؤں پر بھی غور کرنا باقی ہے۔"

"کون سے پہلو.....!"

"چلو! فی الحال اسے تسلیم کئے لیتے ہیں کہ وہ دونوں ہی اس کی بیوی پر نظر رکھتے تھے۔ اس لئے اس نے انہیں قتل کر دیا۔ لیکن وہ کوئی پردہ نشین عورت نہیں ہے جسے دیکھنے کے لئے سر دھڑ سر کے بل کھڑے ہو کر جھانکنے کی زحمت مول لیتا۔ اگر محض دیکھنے ہی کی بات تھی تو وہ اسے آسانی دیکھ سکتا تھا۔"

• "میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ نصرت کے پاس ایک بے آواز رائفل بھی ہے۔"

"ہاں..... آں..... رائفل بھی ہے میرے ذہن میں۔ لیکن پہلے مجھے دیکھنے دو کہ توقیر نے وہ عمارت کیوں خریدی تھی اور نصرت کیوں نہیں چاہتا تھا کہ اس کی بیوی کو عمارت کی فروختگی کا علم ہو سکے۔ تمہاری کہانی کے مطابق اس نے نعیم کو اس پر تو آمادہ کرنا چاہا تھا کہ وہ اس کی بیوی کو اپنے کرایہ دار ہونے کا یقین دلا دے..... کہہ دے کہ وہ خریدنا تو چاہتا تھا لیکن بعض قانونی دشواریوں کی بناء پر وہ عمارت فی الحال بیچی نہیں جا سکتی۔ اس سے پہلے نصرت نے اپنی بیوی سے تمہارے سامنے ہی کہا تھا کہ وہ عمارت منحوس تھی۔ اس لئے فروخت کر دی گئی۔ جب بیوی نے بہت زیادہ اودھم مچایا تو اسے کہنا پڑا کہ وہ اسی رقم سے دوسری کوئی عمارت خرید لے گا..... لیکن حقیقتاً ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس وقت صرف جھگڑا ختم کرنے کے لئے یہ خیال ظاہر کیا تھا۔ اگر یہی نیت ہوتی تو پھر نعیم کو یہ سمجھانے کیوں دوڑا جاتا کہ وہ اس کے گھر آ کر بیوی کو یقین دلا دے کہ عمارت فروخت نہیں ہو سکی۔ اس لئے وہ بحیثیت کرایہ دار ہی اس میں مقیم رہنا چاہتا ہے۔ اور پھر نعیم اس کی اطلاع پر نسں توقیر کو دینے کے لئے دوڑا جاتا ہے..... اور پرنس توقیر اس سے کہتا ہے کہ وہ ضرور نصرت کے گھر جائے اور اس کی بیوی پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کرے۔ اگر یہ عشق کا چکر ہے تو بتایئے حمید صاحب کیا آپ نے کبھی کسی دوسرے کی معرفت عشق فرمانے کی کوشش کی ہے۔"

"میں اتنا عدیم الفرصت نہیں رہتا۔" حمید بولا۔ "لیکن..... لیکن..... اب کیا کہوں! آپ کا خیال یہ ہے کہ کوئی تیسرا آدمی بھی اس سے عشق کرتا تھا جس نے ان دونوں کو ختم کر دیا۔"

"ارے تو یہ عشق کیوں سوار ہو گیا ہے تم پر..... ڈفر کہیں کے..... اگر کوئی تیسرا آدمی تھا

کے چکر میں ہوتا تو سب سے پہلے وہ نصرت کو ختم کرتا نہ کہ ان دونوں کو۔"

• "ختم کیجئے۔" حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ "اب شاید سر کے بل ہی کھڑے ہو کر سوچنا پڑے گا۔"

فریدی جو بجھا ہوا سگار سلگا چکا تھا آہستہ آہستہ دھواں نکالتا ہوا حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"اوہ..... مگر..... لکھن پال۔ آپ نے اسے چیک کیا۔" حمید نے پوچھا۔

"چوکیدار نے اسے تنہا واپس جاتے ہوئے دیکھا تھا اور اس کے جانے کے بعد بھی توقیر زندہ دیکھا گیا تھا۔ اس لئے فوری طور پر اس کے بیان پر یقین کیا جا سکتا ہے۔"

"کس کے بیان پر.....!"

"لکھن کے بیان پر..... اس نے خود ہی مجھے بتایا ہے کہ وہ توقیر کو اس کی اطلاع دینے گیا تھا کہ پولیس سروحید کے سلسلے میں اس پر بھی نظر رکھتی ہے۔ جس کا جواب توقیر نے یہ دیا تھا کہ اس کے ہاتھ صاف ہیں۔ اس لئے اسے اس کی پرواہ نہیں ہے۔"

"لیکن کسی نے اسے بھی قتل کر دیا۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اچھا چلئے لکھن کو واپس جاتے ہوئے دیکھا گیا تھا اور کسی ملازم نے اس کے جانے کے بعد بھی توقیر کو زندہ دیکھا تھا۔ لیکن کیا یہ ناممکن ہے کہ وہ یا تو دوبارہ واپس آیا ہو یا اس کے کسی آدمی ہی نے اسے قتل کر دیا ہو۔"

"ممکن ہے! لیکن اسی صورت میں جب اسے ثابت کر دیا جائے۔ عدالت محض امکانات پر غور نہیں کرتی۔"

"جہنم میں جائے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر عورتیں اٹھ گیا۔

مگر کسی مسئلے سے لاپروائی ظاہر کرنے سے اُسی وقت کام چلتا ہے جب ذہن بھی اس پر آمادہ ہو..... حمید اس مسئلے کو اپنے ذہن سے نہ نکال سکا۔ آخر نصرت اور اس کی بیوی کا ان معاملات سے کیا تعلق تھا۔ نصرت نے سروحید کے قتل سے پہلے اس کے محکمے کو اطلاع دی تھی کہ وہ خود کو خطرات میں گھرا ہوا محسوس کرتا ہے..... کچھ لوگ چھیڑ چھیڑ کر اس سے جھگڑا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کیا یہ پیش بندی نہیں تھی۔ ہو سکتا ہے کہ توقیر نے بھی اس عمارت کی خریداری ہی کے سہارے اسے کسی قسم کا نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہو اور اسے اس کا علم ہو گیا ہو..... اور اس نے اسے قتل.....!

"ٹھہرو....!" فریدی نے کہا اور حمید دروازے میں رک کر مڑا۔

"نصرت اور اس کی بیوی پر نظر رکھو.... ویسے میں نے اور بھی انتظامات کر دیئے ہیں کہ اس طرح قتل نہ ہونے پائیں۔ لیکن تمہیں خاص طور پر ہدایت دی جاتی ہے۔"

"خدا کی پناہ.... اب وہ بھی قتل کر دیئے جائیں گے۔"

"غالباً قاتل نے بھنگ پی لی ہے۔" حمید مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ "یا پھر میں ہی یہ سوچتے سوچتے عنقریب پاگل ہو جاؤں گا کہ ہم دونوں اب تک کیوں زندہ ہیں۔"

فریدی مسکرایا اور سگار کو ایش ٹرے پر رکھتا ہوا بولا۔ "تم نے یہ یقین کر لیا ہے کہ نصرت ان دونوں کا قاتل ہے۔ اس لئے اب تمہارا ذہن کسی اور طرف متوجہ ہو ہی نہیں سکتا۔ ابھی کچھ ہی دیر پہلے تم نے نعیم سے اپنی گفتگو کے متعلق بتایا تھا لیکن خود اس پر غور کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی....!"

"کس پہلو پر میں نے غور نہیں کیا۔"

"نصرت نعیم سے کہتا ہے کہ تم میرے گھر آؤ.... اور میری بیوی کو یقین دلا دو کہ تم صرف کرایہ دار ہو، کسی دشواری کی بناء پر عمارت کو خرید نہیں سکے۔ نعیم اس کی یہ انوکھی تجویز پر توقیر کے سامنے دہراتا ہے.... پھر پرنس کیا کہتا ہے اس سے۔"

"یہی کہ نعیم وہاں ضرور جائے اور اس کی بیوی پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کرے۔ نروس ہو جاتا ہے۔ پھر پرنس توقیر اس سے کہتا ہے کہ وہ نصرت کی موجودگی میں تو اس سے کہے کہ وہ صرف کرایہ دار کی حیثیت سے اس عمارت کے لئے دو قیم ہے۔ لیکن نصرت کی عدم موجودگی میں کسی نہ کسی طرح اسے بتا دے کہ اس نے پوری رقم ادا کر کے عمارت خرید لی ہے۔ مگر نصرت نہیں چاہتا کہ بیوی کو اس کا علم ہو۔ اس لئے اس نے اسے جھوٹ بولنے پر مجبور کیا ہے۔"

"ہوں تو.... تم اس سے کس نتیجے پر پہنچے ہو۔"

"میں ڈر رہا ہوں کہ کہیں نتیجہ مجھ پر ہی نہ پہنچ جائے۔"

"بیٹھ جاؤ.... میں سمجھتا ہوں کہ تم بہت زیادہ الجھ گئے ہو۔ وہ صرف اس کا کھنڈر والا مکان خالی کرانا چاہتے ہیں۔"

"کیوں خالی کرانا چاہتے ہیں۔ یہ ابھی کیسے کہا جا سکتا ہے....؟" حمید دوبارہ بیٹھتا ہوا بولا۔

"...ے میں پائپ خالی کرنے لگا۔

"اگر یہ عشق کی کہانی ہے تو....!"

"ایک منٹ ٹھہریئے۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اس سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ مقصد ...ندر والا مکان خالی کرانا ہے۔ کیا صرف اتنا ہی مقصد نہیں ہو سکتا کہ دونوں کے درمیان ناچاقی ...وجائے اور اس ناچاقی کا اختتام علیحدگی پر ہو۔"

"ہوں.... اوں.... ٹھیک ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا مسکرایا۔ "اس طرح تو عشق کی کہانی ...بت ہو جاتی ہے۔ واہ بھئی دور کی کوڑی لائے ہو۔ یعنی دوسری عمارت میں منتقل ہونے کا قضیہ ...نا بڑھ سکتا ہے کہ نوبت طلاق کی آجائے۔"

"کیا یہ ممکن نہیں ہے۔"

"ہو سکتا ہے....؟ لیکن توقیر کو کس نے قتل کر دیا۔"

"نصرت نے.... یا کسی تیسرے عاشق نے۔"

"کیا ہی اچھا ہوتا اگر تم عاشقوں کی ایک فہرست مرتب کر لیتے.... مگر حمید صاحب یہ نہ بھولئے کہ اتنے عاشق رکھنے والی ایک ایسے بوڑھے کو پسند کرتی ہے، جو اس کی خواہشات بھی نہیں ...ری کر سکتا۔ اسے فریب دیتا رہتا ہے، اور وہ کوئی ایسی عورت بھی نہیں ہے جو شادی کے معاملے ...ں والدین کی مرضی کی پابند رہ سکے۔ ظاہر ہے کہ وہ ایک الٹرا موڈرن قسم کی عورت ہے۔"

"مگر پہلے تو آپ نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ آپ نے فرمایا تھا کہ یہ غیر صحت مند ...فی رجحان کا نتیجہ بھی ہو سکتا ہے۔ بہتیری عورتیں بوڑھے مردوں کو پسند کرتی ہیں۔"

"خیالات حالات کے پابند ہیں۔ کسی بھی معاملے میں جیسے جیسے اس سے متعلق نئے حالات ...منے آتے ہیں خیالات میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ ابھی میرا ایک خیال کسی لاعلمی پر مبنی ہے ...یکن کچھ دیر بعد کسی چیز کا علم ہو جانے پر اسی خیال کی نوعیت بدل بھی سکتی ہے۔ ذرا یہ تو سوچو کہ ...رد حمید بھی بوڑھا ہی تھا۔ اس سے عشق کرتا تھا اگر چاہتا تو اسے شہر میں اس کے لئے دس شاندار ...ارتیں خرید لیتا۔ پھر اس نے نصرت ہی کو کیوں منتخب کیا، جو ایک کھنڈر نما عمارت میں رہتا تھا۔ ...ہ بظاہر دولت مند بھی نہیں ہے....!"

"ارے تو پھر میں کس کی گردن کے لئے پھندا تیار کروں۔" حمید نے زچ ہو کر کہا۔

"ابھی نہیں! پھندا بعد کی چیز ہے۔ پہلے کسی طرح نصرت سے وہ مکان خالی کرانا چاہئے۔"

"ہم مکان خالی کرائیں گے...." حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر چیخا۔

"ہاں اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا۔ وہ آخر اس کھنڈر سے کیوں چمٹا ہوا ہے۔"

"اس کی وجہ کنجوسی بھی ہو سکتی ہے جناب۔"

"چلو بھئی! فی الحال ایک تجربہ کرنا ہے۔ ذہن کو زیادہ نہ الجھاؤ، ورنہ پھر عشق پر آکر گاڑی ٹھپ ہو جائے گی۔"

"ایک تدبیر سمجھ میں آرہی ہے۔" حمید کی آنکھوں میں شرارت آمیز چمک لہرائی۔

"کیا....؟"

"اب میں بھی اس کی تصویر رکھنا شروع کر دوں؟"

"لیکن شاید تمہیں قتل ہونے کی سعادت نہ نصیب ہو سکے۔"

"ٹھہریئے.... آپ نے لکھن سے بھی تو گفتگو کی تھی۔" حمید ہاتھ اٹھا کر کچھ سوچتا ہوا بولا، "جس کا ماحصل یہ تھا کہ سر وحید، لکھن اور پرنس تو قیر کبھی دوست بھی تھے۔"

"ہاں.... تھے! چوتھا بھی تھا۔" فریدی مسکرایا۔ "جس کا تذکرہ میں نے مصلحتاً نہیں کیا تھا لیکن لکھن کو وہ ضرور یاد آیا ہوگا۔ البتہ اگر میں تمہارے سامنے اس کا نام دہرا دوں تو تم پر پھر عشق اور رقابت کی کہانی سوار ہو جائے گی۔"

"کون.... نصرت....؟" حمید اچھل پڑا۔

"ہاں.... لیکن یہ ان دنوں کی بات ہے جب شاید نصرت کی بیوی پیدا بھی نہ ہوئی ہو۔"

"ہت تیری کی....!" حمید پھر مضمحل ہو کر بیٹھ گیا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد بولا۔

"آپ کو اتنی پرانی بات کیسے معلوم ہو گئی۔"

"سر وحید کے قتل کے بعد اس کی پچھلی زندگی کے متعلق چھان بین کرنی ہی پڑی تھی۔ ان چاروں کی دوستی کے دور کا ایک اہم واقعہ سامنے آیا۔ ایک رات کا واقعہ جب چاروں نے جی کھول کر فائرنگ کی تھی اور سر وحید زخمی ہو گیا تھا۔"

"کیا آپس ہی میں گولیاں چلی تھیں۔"

"ہاں.... اور پولیس کو رپورٹ دی گئی تھی کہ وہ محض غلط فہمی کا نتیجہ تھا۔ وہ سمجھے تھے شاید

ن پر لٹیروں نے حملہ کر دیا ہے۔ تار جام والی سڑک بن رہی تھی اس زمانے میں سر وحید کے پاس سی کا ٹھیکہ تھا اور یہ چاروں جنگل میں خیمے لگا کر رہتے تھے۔"

"تو کیا آپ کا خیال ہے کہ انہوں نے غلط رپورٹ درج کرائی تھی۔"

"ممکن ہے ایسا ہی ہوا ہو... کیا تم یہ سمجھ رہے ہو کہ چاروں کو بیک وقت فرنجک ہو گئی ہو گی۔"

"خدا جانے.... اب کھوپڑی کام نہیں کرتی۔ میں آج جلد ہی سو جاؤں گا۔" حمید نے کہا اور راسامنہ بنائے ہوئے کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔

پھر بات آگے نہیں بڑھی تھی۔ حمید اپنے کمرے میں جانے سے پہلے لائبریری میں آیا اور یلی فون ڈائریکٹری میں لکھن پال کا پتہ تلاش کرنے لگا۔ اسے یقین تھا کہ فریدی نے ابھی تک سے اس کیس کی تفصیل سے آگاہ نہیں کیا۔ یہ کوئی نئی بات تو تھی نہیں۔

فریدی عموماً اسے اتنے ہی حالات سے باخبر رکھتا تھا جتنے کی ضرورت ہوتی تھی۔ اس کی اس ادت کی بناء پر بعض اوقات حمید یہاں تک سوچنے پر مجبور ہو جاتا تھا کہ شاید وہ اس پر بھی پوری رح اعتماد نہیں کرتا۔

اس نے لکھن کا پتہ ڈائریکٹری میں تلاش کر لیا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اپنے طور پر اس سے گفتگو رے گا۔ ظاہر ہے کہ فریدی نے اسے اسکے متعلق احتیاط برتنے کی ہدایت بھی نہیں دی تھی۔

لائبریری سے نکلا ہی تھا کہ راہداری کے قریب فریدی نظر آیا۔

"ہوں.... تو آؤ...." اس نے اس انداز میں کہا جیسے اس کا منتظر ہی رہا ہو۔

"کہاں آؤں....!"

"نصرت سے بھی دو دو باتیں ہو جائیں....!"

"مگر.... میں تو....!"

"فکر مت کرو.... وہ تم سے غزل سنانے کی فرمائش نہیں کرے گا۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں رے ساتھ دیکھ کر متحیر رہ جائے.... خیر آؤ۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کیا کرتے پھر رہے ہیں۔" حمید جھلاہٹ میں پیر پٹخ کر بولا۔ بھی ایئر گن لے کر جاؤ کبھی جھنجھنا بجاتے دوڑے جاؤ۔ کبھی میرے ساتھ چلو۔"

"ہاں ہاں.... آؤ.... آؤ...." وہ اس کا شانہ تھپتھپا کر راہداری میں مڑتا ہوا بولا۔

"ہو سکتا ہے کہ دیر کرنے سے کوئی تیسرا حادثہ ہو جائے۔"

حمید نے سوچا تھا کہ کچھ دیر دن بھر کی تھکن اتارے گا۔ پھر ہو سکتا تھا کہ ہائی سرکل کا میں لکھن سے ملاقات ہو جاتی۔ لیکن "مرگ مفاجات" سے کہاں چھٹکارہ۔ گھسٹنا ہی پڑا۔ جھلا میں وہ فریدی کے پاس بیٹھنے کی بجائے کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا۔

راستے بھر ان کے درمیان کسی قسم کی بھی گفتگو نہیں ہوئی۔

نصرت کے بے ترتیب پائیں باغ پر گہری تاریکی مسلط تھی۔ کار سے اتر کر باغ میں دا ہوتے وقت فریدی کو ٹارچ روشن کرنی پڑی۔ شکستہ عمارت کا بیرونی برآمدہ بھی تاریک تھا۔ کھڑکیوں اور دروازوں سے روشنی پھوٹ رہی تھی۔

فریدی نے صدر دروازے پر دستک دی۔ اندر سے شاید نصرت کی بیوی ہی نے جواب تھا۔ پھر قدموں کی چاپ سنائی دی اور کوئی دروازے کے قریب پہنچ کر رک گیا تھا۔

"کون ہے....؟" آواز آئی.... حمید نے سوچا کہ یہ عورت چوبیسوں گھنٹے اسی کھنڈر گذارتی ہے۔

فریدی نے اسے اپنا نام اور عہدہ بتایا اور دروازہ فوراً ہی کھل گیا۔ لیکن جیسے ہی حمید چہرے پر روشنی پڑی مسز نصرت کی آنکھوں سے جھنجھلاہٹ جھانکنے لگی۔

"اس کا کیا مطلب....!" اس نے غصیلی آواز میں کہا۔ "کیا اب سچ مچ مجھے پولیس ہ طلب کرنا پڑے گا۔"

"اس تو یوں بھی آپکی خادم ہی ہے محترمہ...!" حمید بولا۔ "بغیر طلب کئے ہی پہنچ گئی

"میں مسٹر نصرت سے ملنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ براہِ کرم میرا کارڈ ان تک پہنچائیں گی فریدی نے کہا اور اب وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی اور اس طرح متوجہ ہوئی کہ حمید کباب ہو گیا۔ با سا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی پتھر کے بت کی طرح ساکت اور بے جان ہو کر رہ گئی ہ

"ڈ محترمہ....!" فریدی کی آواز برآمدے میں گونجی اور وہ اس کے ہاتھ سے کارڈ لے کچھ کہے بغیر واپسی کے لئے مڑ گئی۔

حمید بھی خاموش کھڑا رہا۔ تھوڑی دیر بعد عورت کی بجائے نصرت راہداری میں نظر آ تیزی سے دروازے کی طرف آ رہا تھا۔

"تشریف رکھئے....!" نصرت بے دلی سے بولا۔

"آپ تو وحید مینشن کے پچھواڑے ہی رہتے ہیں۔" فریدی بیٹھتا ہوا بولا۔

"ابھی کچھ دن ہی پہلے میں یہاں آیا تھا.... عجیب کیس ہے یہ بھی.... بے سروپا۔"

"آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔ یہ میرا سونے کا وقت ہے۔"

"میں صرف یہ بتانے کے لئے حاضر ہوا ہوں کہ سر وحید کے سر کے بل کھڑے ہو کر آپ کے گھر میں جھانکا کرتا تھا۔"

"کیا بکواس ہے۔" نصرت نے آنکھیں نکالیں۔

"اور میرا خیال ہے کہ ٹھیک باورچی خانے میں جھانکا کرتا تھا۔"

"کیا میں اُلو ہوں۔" نصرت حلق پھاڑ کر چیخا۔

"جی ہاں اور میں آپ کا شاگرد ہوں۔" حمید جلدی سے بول پڑا۔

"آپ جا سکتے ہیں۔" وہ کھڑا ہو کر دہاڑا۔

"اوہ.... آپ پتہ نہیں کیا سمجھے۔" فریدی پر سکون لہجے میں بولا۔ "ایک بات اور بھی ہے اس وقت مجھے وہ چاروں دوست یاد آ رہے ہیں جنہوں نے رات کے اندھیرے میں ایک دوسرے پر گولیاں برسائی تھیں۔"

نصرت دھب سے کرسی پر بیٹھ گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ جلدی میں اپنے رویے کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

کھڑکی میں

حمید نے سوچا کہ بس اب سنسنی خیزی کا دور شروع ہونے والا ہے۔ شاید ہلکی ہتھکڑیوں کا جوڑا فریدی کی جیب ہی میں موجود ہو۔ بارہا ایسے واقعات پیش آئے تھے، جب حمید یہ سمجھا تھا کہ وہ صرف ایک معمولی سی تفتیش میں حصہ لے رہا ہے۔ لیکن دیکھتے ہی دیکھتے فریدی نے اصل مجرم کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی تھیں۔

اس نے پھر نصرت کی طرف دیکھا جو کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ جھگڑا کس بات پر ہوا تھا۔" فریدی نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے لاپروائی سے پوچھا۔

"میں نہیں سمجھا کہ آپ کا اشارہ کس واقعہ کی طرف ہے۔"

"یہ اس زمانے کی بات ہے جب تار جام والی سڑک بن رہی تھی۔"

"اوہو.... اچھا....!" بوڑھا ہنس پڑا۔ "بڑی پرانی بات یاد کی ہے آپ نے.... ہاں ایک رات ہم چار آدمیوں نے محض غلط فہمی کی بناء پر ایک دوسرے پر فائرنگ کی تھی اور ان میں سے ایک زخمی ہو گیا تھا۔ ہم سمجھے تھے شاید ہم پر ڈاکوؤں نے حملہ کیا ہے۔"

"پھر بھی شروعات کے لئے تو کوئی واقعہ ہی ذمہ دار ہو گا.... کیا ہوا تھا۔"

"ذرا ٹھہریئے....!" بوڑھا آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر فریدی کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کس نتیجے پر پہنچ رہے ہیں ابھی آپ نے ایک مضحکہ خیز بات کہی تھی کہ سر وحید کے سر کے بل کھڑے ہو کر میرے باورچی خانے میں جھانکا کرتا تھا۔ کیا آپ نے یہ بات سنجیدگی سے کہی تھی۔"

"میں پوچھ رہا ہوں کہ چار آدمیوں کی وہ جنگ کس طرح شروع ہوئی تھی۔"

"مجھے تفصیل یاد نہیں۔ بہت پرانی بات ہے۔ البتہ یہ بتا سکتا ہوں کہ سر وحید زخمی ہو گیا تھا۔"

"آپ کی گولی سے....!"

"میں سمجھا.... شاید آپ اس کا قتل میرے سر منڈھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"میری بات کا جواب دیجئے۔"

"کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کس کی گولی سے زخمی ہوا تھا۔ کیا خود سر وحید نے کسی کے خلاف شبہ بھی ظاہر کیا تھا؟"

"یہی تو دشواری ہے۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔ پھر بولا۔ "روزانہ تین بجے آپ کہاں ہوتے ہیں۔"

"میں اس سوال کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"بس یہ صرف ایک سوال ہے۔"

"میں گھر پر ہی ہوتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ ریٹائرڈ ہو چکا ہوں بلا ضرورت گھر سے باہر نہیں جاتا۔"

"باورچی خانے میں اس وقت کون ہوتا ہے۔"

"آپ حد سے بڑھ رہے ہیں۔" نصرت غرا کر کھڑا ہو گیا۔

"ایک موقعہ کا شعر یاد آ رہا ہے استاد۔" حمید بولا۔

"میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔ آپ لوگ جا سکتے ہیں۔"

"مگر بعض باتیں موقعے کے شعر سے بھی زیادہ اہم ہیں استاد۔" حمید نے کہا اور نصرت اسے قہر آلود نظروں سے گھورنے لگا۔

"بیٹھ جایئے مسٹر نصرت آپ مشکلات میں پھنس گئے ہیں۔ آپ کو اپنی پوزیشن صاف کرنی پڑے گی، اب تک دو آدمی مر چکے ہیں۔"

"کون دو آدمی....؟ کیا مطلب....!"

"پہلا سرحید اور دوسرا وہ جو آپ کے ساتھ کسی قسم کا فراڈ کر رہا تھا۔"

"میں کچھ بھی نہیں سمجھا کرنل....!"

"یا دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ ان چاروں میں سے دو آدمی ختم ہو چکے ہ جنہوں نے ایک دوسرے پر فائرنگ کی تھی۔"

"دوسرا کون ہے....؟" نصرت کے لہجے میں حیرت تھی۔

"پرنس تو قیر....!"

"اوہ.... میرے خدا....؟ تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں....؟"

"میں فی الحال کچھ بھی نہیں سمجھتا۔ لیکن سمجھنے کی کوشش ضرور کر رہا ہوں۔ کیا آپ میر مدد کریں گے؟"

"میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"ڈاکٹر سعیدہ کی کوٹھی کس نے خریدی ہے؟"

"کک.... کیوں....؟"

"آپ الٹا مجھ ہی سے سوال کر بیٹھتے ہیں۔ یہ بُری عادت ہے۔"

"نعیم نامی ایک صاحب نے خریدی ہے۔"

"آپ کو یقین ہے کہ وہ عمارت آپ فروخت کر چکے ہیں۔"

"کیسی الٹی سیدھی باتیں کر رہے ہیں آپ! مجھے یقین کیوں نہ ہوگا جب کہ میں نے ہی....!"

"کیا آپ یہی بات محترمہ کے سامنے دہرا سکیں گے۔"

"میں نے سمجھ سکتا۔" نصرت میز پر ہاتھ مار کر دہاڑا۔

"آپ صرف مطلع اور سطح سمجھ سکتے ہیں استاد۔" حمید نے کہا۔ "درمیانی اشعار سمجھنے کی کوشش نہ کیجئے تو بہتر ہے.... یہ ہمارا کام ہے۔"

"میں گذارش کروں گا کہ آپ لوگ تشریف لے جائیے! ورنہ میں ابھی کمشنر کو فون کر ہوں۔" نصرت پھر بھڑک اٹھا۔ فریدی مسکرا رہا تھا وہ اپنی بائیں آنکھ دبا کر بولا۔

"اچھا چلئے میں تسلیم کئے لیتا ہوں کہ نعیم صرف کرایہ دار ہے۔ مگر میرے تسلیم کر لینے سے کیا ہوگا۔ مطمئن تو مسز نصرت کو کرنا ہے۔ اوہ.... بات خواہ مخواہ لمبی ہوتی جا رہی ہے، میں تو آپ صرف یہ اطلاع دینے آیا تھا کہ اب نعیم کوئی گڑبڑ نہ کر سکے گا۔ کیونکہ ہم نے اسے حوالات میں ال دیا ہے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔"

حمید بھی اس کے ساتھ ہی اٹھا تھا۔ دفعتاً نصرت نے مضطربانہ انداز میں ہاتھ ہلا کر کہا۔ ٹھہریئے۔ نعیم کو آپ نے کیوں گرفتار کیا ہے اور کس گڑبڑ کی طرف آپ کا اشارہ ہے۔"

"کچھ نہیں! شکر کیجئے کہ اسے موقع ہی نہ مل سکا! ورنہ آپ اس وقت اتنے پرسکون نظر نہ آتے اور محترمہ کا غصہ تو شاید آتش فشانوں کے منہ بھی پھیر دیتا۔"

"کیا آپ مجھے پاگل بنا دینے کا تہیہ کر کے آئے ہیں۔" نصرت اپنی پیشانی مسلتا ہوا بولا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کھڑکی سے باہر اندھیرے میں گھورتا ہوا سگار سلگا رہا تھا۔

"ہم تہیہ کر کے آئے ہیں کہ صرف غیر طرحی سنائیں گے۔" حمید نے کہا۔

"یا تو آپ لوگ صاف صاف گفتگو کیجئے یا میرا پیچھا چھوڑ دیجئے۔ میں سسپنس میں رہنے کا عادی نہیں ہوں.... اس سے مجھ پر ہارٹ اٹیک بھی ہو سکتا ہے۔"

"آپ تو صرف اس کھنڈر میں رہنے کے عادی ہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن آپ کو کسی قسم کے بھی اٹیک کا خدشہ نہیں ہے۔"

نصرت کے ہونٹ پھیل گئے۔ لیکن یہ مسکراہٹ نہیں تھی بلکہ وہ دانت پیس رہا تھا۔

"خیر ختم کیجئے۔" فریدی نے سر کو خفیف سی جنبش دے کر کہا۔ "فروخت سے کچھ دن قبل ڈاکٹر سعیدہ کی کوٹھی کی کنجی کس کے پاس تھی۔"

نصرت نے فوراً ہی جواب نہیں دیا لیکن انداز سے یہ بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس سوال کا جواب دینے پر آمادہ نہیں ہے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "مکانوں کے ایک دلال کے پاس۔"

"تو آپ پہلے ہی سے اسے فروخت کر دینے کی فکر میں تھے۔"

"ہاں! لیکن کوئی گاہک نہیں مل رہا تھا کیونکہ وہ کوٹھی منحوس مشہور ہے۔"

"پھر گاہک مل گیا۔ آپ نے بیگم صاحبہ کو بتایا.... لیکن پھر نہ جانے کیوں آپ نے گاہک سے یہ خواہش ظاہر کی کہ بیگم صاحبہ کو فروختگی کا علم نہ ہونے پائے اس سے کہا کہ وہ بیگم صاحبہ کو

اپنے کرایہ دار ہونے کا یقین دلائے....؟"

"میں کہتا ہوں.... یہ قطعی نجی معاملات ہیں، ان سے آپ کو کوئی سروکار نہ ہونا چاہ بوڑھے نے جھنجھلا کر کہا۔

"قطعی نہ ہونا چاہئے۔" فریدی نے سر ہلا کر کہا۔ "مگر بعض اوقات آدمی حالات سے ہو جاتا ہے۔ مجھے کہنے دیجئے کہ آپ کا یہ قطعی نجی معاملہ مجھے دلچسپی لینے پر مجبور کر رہا ہے۔ نعیم کے آقا نے اسے یہ ہدایت دی تھی کہ وہ آپ کی موجودگی میں تو آپ کے بیان کی کردے لیکن علیحدگی میں بیگم صاحبہ کو یہ باور کرانے کی کوشش کرے کہ آپ جھوٹے ہیں۔

"نہیں...." نصرت کے لہجے میں حیرت تھی۔ "اس کا آقا.... اس کا آقا! میں نہیں

"اوہ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ عمارت نعیم نے خریدی تھی۔"

"پھر کس نے خریدی تھی....!"

"پرنس توقیر نے....!"

حمید نے محسوس کیا جیسے یک بیک بوڑھے کا چہرہ سرخ ہو گیا ہو۔ اس نے اسے غور سے مگر اب وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ پھر معمول پر آ گیا تھا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ توقیر کی اس حرکت کا کیا مطلب تھا۔" وہ بڑبڑایا۔

"مجھے پہلے ہی علم تھا کہ آپ نہیں سمجھ سکیں گے۔" فریدی نے اس کی آنکھوں میں ہوئے مسکرا کر کہا۔

اور ٹھیک اسی وقت ایک نسوانی چیخ سنائی دی۔ جو عمارت ہی کے کسی گوشے سے ابھری وہ چونک پڑے اور بوڑھا دروازے کی طرف جھپٹتا ہوا بولا۔ "اوہ سلیمہ کو کیا ہوا۔"

حمید نے فریدی کی طرف دیکھا جس کے اطمینان میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا تھا۔ چہرے پر حیرت کے آثار تھے اور نہ یہی معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اٹھ کر بوڑھے کے پیچھے جائے گا

دفعتاً کھنڈر کی جانب کھلنے والی کھڑکی سے آواز آئی۔ "سنئے۔"

آواز کسی عورت کی تھی۔ "سنایئے!" فریدی نے اپنی جگہ سے ہلے بغیر کہا۔

"میں سلیمہ ہوں! نصرت کی بیوی۔ خدارا کسی طرح اس کھنڈر سے نجات دلایئے، ورنہ یہیں سسک سسک کر مر جاؤں گی۔"

"کوشش کر رہا ہوں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ حمید باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں آنکھیں اڑ رہا تھا۔ سایہ کھڑکی کے پاس سے غائب ہو گیا۔ وہ پھر فریدی کی طرف مڑا جس کے ہونٹوں پر یلی سی مسکراہٹ تھی۔ اسی وقت نصرت پھر کمرے میں داخل ہوا وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

"وہ پتہ.... نہیں.... کہاں ہے.... میری مدد کیجئے۔" وہ رک رک کر بولا۔

فریدی اور حمید کھڑے ہو گئے۔ لیکن حمید جھنجھلاہٹ میں مبتلا ہو چکا تھا۔ اس کی سمجھ میں ں آ رہا تھا کہ فریدی یہاں وقت کیوں ضائع کر رہا ہے۔

اچانک قدموں کی آہٹ سنائی دی اور نصرت کی بیوی گھبرائی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

"یہ کیسی چیخ تھی۔" اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "میں باتھ روم میں تھی۔ کون تھی وہ۔"

"تم نہیں تھیں۔" بوڑھے نے حیرت سے کہا۔

"میں کیوں ہوتی۔"

"مگر آواز تو تمہاری ہی جیسی تھی۔"

"خدا کی پناہ.... میں اب یہاں نہیں رہ سکتی۔ ہرگز نہیں رہوں گی۔"

"خاموش رہو۔" نصرت بپھر گیا۔

"ارے نہیں استاد میں رجز سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔" حمید نے کہا۔

"آپ خاموش رہئے۔" نصرت اس پر الٹ پڑا۔

"وقت نہ ضائع کیجئے۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "ہمیں دیکھنا چاہئے کہ یہ چیخ کیسی تھی۔"

"میں کچھ نہیں دیکھنا چاہتا۔ مجھے کسی بات کی بھی پرواہ نہیں ہے۔" نصرت نے ہاتھ ہلا کر کہا، بیوی سے بولا۔ "اگر تم یہاں نہیں رہنا چاہتیں تو کہیں اور انتظام کر لو۔ میں یہیں رہوں گا۔"

"یہ کتنی بے تکی بات ہے۔ آپ مجھ سے کہہ رہے ہیں۔" نصرت کی بیوی نے آنکھیں لیں۔ "ہاں تم سے کہہ رہا ہوں؟ کان کھول کر سن لو۔ یا مجھے قطعی طور پر چھوڑ دو۔ یا میری مرضی ے مطابق رہو۔"

"آپ سب کے سامنے میری توہین کر رہے ہیں۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"نہیں میں صاف طور پر گفتگو کر رہا ہوں۔ مجھے اپنے اجداد کے اس کھنڈر سے پیار ہے۔ میں یہیں مرنا چاہتا ہوں۔"

وہ ایک کرسی کی پشت گاہ پر سر رکھ کر سسکیاں لینے لگی۔

"آپ کو کچھ اور پوچھنا ہے؟" نصرت نے فریدی اور حمید کی طرف دیکھ کر ناخوشگوار

ں کہا۔

"نہیں جناب شکریہ۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "اب ہمیں مجبوراً خود ہی آپ کے و

ھونڈھ نکالنا پڑے گا تاکہ سالانہ یاد دہانیوں کا مسئلہ حل ہو سکے۔"

"آپ ایسا نہیں کر سکیں گے۔"

"مجھے کون روکے گا۔" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

"آپ از روئے قانون میرے وکیل کو مجبور نہیں کر سکتے۔" نصرت آنکھیں نکال کر بو

"جو میں کرتا ہوں وہی قانون ہے اور اگر نہیں بھی ہے تو قانون مجھ سے شکوہ نہیں کر

"خیر میں بھی دیکھوں گا۔" نصرت کے لہجے میں چیلنج تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ کیا معاملہ ہے۔ کیسی سالانہ یاد دہانی کیسا وکیل۔" مسز نصرت نے

سے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا۔

"میں کہتا ہوں تم اپنے کمرے میں جاؤ۔" نصرت پھر اس پر الٹ پڑا۔

چلو بھئی فریدی نے حمید سے کہا۔ "ہماری وجہ سے خواہ مخواہ کہیں یہ دونوں آپس میں

بیٹھیں۔"

وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ پھر رک کر مڑا اور آہستہ سے بولا۔ "مجھے شبہ ہے کہ

کی بیگم صاحبہ سروحید کے قاتل سے واقف ہیں۔"

"کیا کہا....!" مسز نصرت اچھل پڑی۔

"بالکل بالکل...." نصرت کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ بچوں کی سی ہنسی تھی۔ حمید نے اس کی

آنکھوں میں شوخی بھی دیکھی تھی۔

"نہیں مسٹر نصرت۔" فریدی نے کہا۔ "آپ اس مسئلے کو غیر سنجیدگی سے نہیں ٹال

وہ اپنی کلائی کی گھڑی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیا تم تہیہ کر کے آئے ہو کہ مجھے پاگلوں کی طرح چیخنے پر مجبور کر دو گے۔"

"آپ ایک بار پہلے بھی کہہ چکے ہیں لیکن ان الفاظ پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔" فریدی

ر نصرت کی بیوی کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ تڑ سے بولی۔ "میں خوب سمجھتی ہوں۔ پہلے آپ نے

پنے اسسٹنٹ کو بھیجا تھا اب خود تشریف لائے ہیں۔"

"تم کیا سمجھتی ہو؟" نصرت نے پوچھا۔

"ایک بار ان حضرت نے آر لکچو میں مجھ سے چھیڑ چھاڑ کی تھی۔"

حمید چکرا گیا اور اس طرح بوکھلا کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا جیسے اس نے ہونٹوں کی بجائے

ں سے سگار پینا شروع کر دیا ہو۔

"مگر یہ ان دنوں کی بات ہے محترمہ جب آپ کی شادی نہیں ہوئی تھی۔" فریدی مسکرا کر

لا۔ "اس لئے یہ مسئلہ نصرت کی ذات سے تعلق نہیں رکھ سکتا۔ ویسے مجھے آپ کی یادداشت کی

ریف ہی کرنی چاہئے۔"

"خدا کی قسم برداشت سے باہر ہے۔" نصرت ناچ کر رہ گیا۔

"ایسے حالات واقعی تکلیف دہ ہوتے ہیں۔" فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے کہا۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کہنا چاہئے۔ وہ خاموش ہی رہا۔ یہ رات بھی اس کی

لئے عجیب ہی تھی۔ ابھی کچھ ہی دیر پہلے اس عورت نے نصرت کو ڈاج دے کر فریدی تک اپنا یہ

یغام پہنچایا تھا کہ وہ اس کو کسی طرح اس ٹوٹی پھوٹی عمارت سے نجات دلائے اور اب اس پر الزام لگا

ہی تھی کہ اس نے کبھی اس سے چھیڑ چھاڑ کی تھی اور تو اور فریدی نے اس کا اعتراف بھی کر لیا تھا۔

نصرت آنکھیں پھاڑے اپنی بیوی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"مگر آپ قاتل کو جانتی ہیں۔" فریدی نے اس کی بیوی سے کہا۔ "میرا دعویٰ ہے کہ

روحید پر فائر آپ کے باورچی خانے ہی سے کیا گیا تھا۔"

دفعتاً مسز نصرت کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور حمید نے اسکی آنکھوں میں خوف کی جھلکیاں دیکھیں۔

"کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔"

"م.... نن.... میں کچھ نہیں جانتی۔" اس نے کہا اور تیزی سے فریدی کے قریب ہی

سے گذرتی ہوئی باہر چلی گئی۔ نصرت کسی بت کی طرح ساکت تھا لیکن اس کا چہرہ ہر قسم کے

ذبات سے عاری نظر آ رہا تھا۔

"مگر یہ کیسے ممکن ہے....!" اس نے کچھ دیر بعد آہستہ سے کہا۔

"میں اس کا مظاہرہ کر سکتا ہوں.... اگر آپ اجازت دیں۔"

"کیسے! کیا دیوار پر فائر کیا گیا ہوگا۔ کیا گولی دیوار سے گزر کر اس کے لگی ہوگی۔"

"نہیں! میں دکھاؤں گا۔ کیا آپ مجھے اپنے باورچی خانے تک لے جا سکیں گے اور کیا اجازت دیں گے کہ میں آپ کی بے آواز رائفل استعمال کر سکوں۔"

"اوہ....!" نصرت اچھل پڑا۔ اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں لیکن حمید اندازہ نہ کر سکا خوف تھا یا اظہار حیرت۔

"تو آپ اس کے قتل کا الزام میرے سر رکھ دیں گے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"ضروری نہیں ہے۔ اس پر تو آپکی بیگم صاحبہ ہی روشنی ڈال سکیں گی کہ قاتل کون تھا۔"

"تو اس نے مجھ سے بھی چھپایا ہے۔ لیکن وہ چلی کیوں گئی۔"

"اس کا جواب بھی وہی دے سکیں گی۔ میرے خیال سے اب آپ کو دیر نہ کرنی چاہئے۔"

"آیئے... میرے خدا... یہ رات کتنی عجیب ہے۔" نصرت دروازے کی طرف بڑھتا ہوا! دوسرے کمرے میں اس کی بیوی ملی وہ برسوں کی بیمار معلوم ہو رہی تھی۔

نصرت نے دیوار سے رائفل اتاری اور فریدی کی طرف بڑھا دی۔ پھر بیوی سے بولا۔

"کیا یہ حقیقت ہے کہ تم سر وحید کے قاتل کو جانتی ہو۔"

"مم.... میں کچھ نہیں جانتی۔"

"تم جانتی ہو۔ چھیڑ چھاڑ کے تذکرے پر تمہاری آواز میں بڑی زندگی تھی۔" نصرت گر

"لیکن اس الزام پر تمہارا دم کیوں نکل رہا ہے۔ اگر یہ جھوٹا ہے اپنے کمرے میں چلو۔ جواب دینا پڑے گا اگر اسے ثابت نہ کیا جا سکا۔"

وہ اسے گھسیٹتا ہوا ایک کمرے کے دروازے پر لایا اور اندر دھکیل کر زنجیر چڑھا دی۔

"کھولو.... کھولو.... یہ کیا کرتے ہو۔ کیا دیوانگی ہے۔" وہ اندر سے دروازہ پیٹنے لگی۔

اور حمید اپنی پیشانی رگڑنے لگا۔

نشانہ

باورچی خانے کی پچھلی دیوار شکستہ تھی اور اس سے تاروں بھرا آسمان صاف دکھائی د

تھا۔ یہ شگاف اتنا کشادہ تو ضرور تھا جس سے ایک آدمی بہ آسانی گذر سکے۔ بہر حال باورچی خانہ قطعی غیر محفوظ تھا۔ اگر اسے مقفل نہ رکھا جاتا تو سارے ہی رہائشی حصے غیر محفوظ ہو کر رہ جاتے۔ اس وقت بھی وہ قفل ہی کھول کر اندر داخل ہوئے تھے۔

فریدی کے ہاتھ میں رائفل تھی۔ وہ دروازے کی طرف مڑا۔ یہاں سے وحید مینشن کی تیسری منزل کی دیوار صاف نظر آ رہی تھی۔

"آپ کیا دکھانا چاہتے ہیں مجھے۔" نصرت نے پوچھا۔

"ٹھہریئے....!" فریدی بولا اور شکستہ دیوار کی طرف بڑھا۔ لیکن راہ میں ایک ٹوٹی ہوئی دیوار اور بھی حائل تھی۔ یہ فرش سے تقریباً چار فٹ ضرور اونچی ہوگی۔ دونوں دیواروں کے درمیان ایندھن کے ڈھیر تھے۔

"کوئی آدمی اس شگاف سے اندر داخل ہو کر یہاں بہ آسانی چھپ سکتا ہے۔" فریدی بولا۔

"اس طرح کہ یہاں بیٹھ کر کھانا پکانے والے کو خبر ہی نہ ہو سکے۔"

"خدا کی پناہ۔" نصرت پھر جھنجھلا گیا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہاں سے گولی چلائی گئی تھی تو وہ پہلے آسمان کی طرف گئی ہوگی اور پھر وہاں سے اس طرح ٹپکی ہوگی کہ سر وحید کی پیشانی میں سوراخ ہو گیا ہوگا۔

"بے صبر ہونے کی ضرورت نہیں مسٹر نصرت۔" فریدی دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا اور صحن میں رک کر اس نے تین بار سیٹی بجائی۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرنے جا رہا ہے۔

دفعتاً فریدی نے نصرت سے کہا۔ "اب دیوار کی طرف دیکھئے مسٹر نصرت۔"

حمید کی نظر وحید مینشن کی طرف اٹھ گئی۔ تیسری منزل کی دیوار پر ایک جگہ ایک چھوٹا سا روشن مستطیل نظر آ رہا تھا۔

"اوہ.... یہ کیا....!" نصرت بڑبڑایا۔ خدا کی قسم میری نظر آج تک اس پر نہیں پڑی تھی۔

"اب آیئے باورچی خانے میں۔"

وہ پھر باورچی خانے میں واپس آ گئے۔ فریدی چار فٹ اونچی دیوار تک چلا گیا۔

"ذرا جھک کر یہاں سے دیکھئے اور زیادہ صاف نظر آ رہا ہے۔"

حمید بھی قریب پہنچ گیا۔ اب یہاں اس روشن مستطیل کی اصلیت واضح ہوئی۔ یہ ایک

چھوٹی سی مستطیل نما خلاء تھی جس میں ایک موم بتی روشن تھی اور موم بتی کی لو یہاں سے
نظر آ رہی تھی۔

"یہ نالی میں تو کبھی نہیں دیکھی۔" نصرت بڑبڑایا۔

"تھوڑی دیر بعد یہ پھر نظروں سے غائب ہو جائے گی۔" فریدی نے کہا اور دیوار کی دو
جانب اترتا ہوا بولا۔ "اب دیکھئے کہ سر وحید کا کیا حشر ہوا۔ جب وہ اسی خلاء سے آنکھیں لگا
کے بل کھڑا تھا مگر ٹھہریئے۔ کیا آپ ایک کار توس دینے کی بھی زحمت گوارہ کریں گے۔"

"میگزین بھرا ہوا ہے۔" نصرت بولا۔ حمید نے اس کی آنکھوں میں طفلانہ چمک دیکھی۔

"شکریہ۔" فریدی نے میگزین کا جائزہ لیتے ہوئے کہا اور شست لے کر فائر کر دیا۔ را
بے آواز تھی اس لئے ایک ہلکی سی "کلک" باورچی خانے میں گونج کر رہ گئی۔

دوسری طرف مستطیل نما خلاء کی موم بتی گل ہو چکی تھی۔

"بڑا شاندار نشانہ ہے....!" نصرت بڑبڑایا۔

"تو اس طرح سر وحید کا خاتمہ ہوا تھا۔ میرا دعویٰ ہے کہ اس جگہ کے علاوہ اور کہیں سے صحیح نشانہ نہیں لیا جا سکتا۔" فریدی سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر نصرت ہی بولا۔ "مگر کون! یہاں سے کس نے فائر کیا ہو
کون آیا ہو گا یہاں۔"

"آپ کہاں تھے جس دن یہ حادثہ ہوا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں گھر پر نہیں تھا۔ رات گئے واپس آیا تھا۔ تب مجھے معلوم ہوا تھا کہ سر وحید مر گیا۔"

"کیا بیگم صاحبہ تین بجے عموماً باورچی خانے ہی میں ہوتی ہیں؟"

"ہاں.... مگر اس سے کیا....؟"

"کچھ نہیں.... سوال یہ ہے کہ وہ آپ کے باورچی خانے میں اس طرح کیوں جھانکا کرتا تھا۔

"یقین کیجئے مسٹر آفیسر.... اگر مجھے اس کا علم ہو جاتا تو شائد وہ میرے ہی ہاتھوں مرتا
نصرت نے مسکرا کر کہا "اور یہ سوال میرے لئے بھی تشویش کن ہے کہ وہ میرے باورچی خا
میں کیوں جھانکا کرتا تھا۔ لیکن میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ آیئے اب میں ا
نامعقول عورت سے پوچھوں گا۔"

وہ باورچی خانے سے پھر اس کمرے کی طرف آئے جہاں نصرت نے اپنی بیوی کو بند کیا تھا۔
ت نے کنڈی گرائی اور دروازے کو دھکا دیا۔ وہ مسہری پر منہ کے بل پڑی بُری طرح کانپ
تھی۔

"اٹھو....!" نصرت نے اسے جھنجھوڑ کر اٹھایا۔ وہ اٹھ تو گئی لیکن کسی سے نظر نہیں ملائی اس
جھکا ہوا تھا اور وہ اب بھی کانپ رہی تھی۔

"کس نے فائر کیا تھا باورچی خانے سے۔" نصرت دہاڑا۔

"میں نہیں جانتی تھی.... مجھے نہیں معلوم تھا۔ میں نے کھٹکے کی آواز سنی تھی اور چونک پڑی
۔ وہ دیوار کے شگاف سے باہر جا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں رائفل تھی۔ میں چیخی تھی اور وہ
گیا تھا۔"

"کون تھا....؟"

"پرنس تو قیر....؟"

"ہائیں....!" نصرت آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔ "لیکن تم نے مجھ سے تذکرہ کیوں نہیں کیا۔ تم
تھیں کہ سر وحید باورچی خانے میں جھانکا کرتا ہے۔"

"نہیں.... یہ جھوٹ ہے۔ میں نے اسے کبھی جھانکتے نہیں دیکھا۔"

"لیکن تم نے مجھ سے تذکرہ کیوں نہیں کیا تھا۔"

"میری سمجھ میں ہی کچھ نہیں آیا تھا۔ میں نے سوچا کہیں تم میرے کیرکٹر پر شبہ نہ کرنے
ں کچھ نہیں جانتی۔ کچھ نہیں جانتی۔" وہ رونے لگی۔

حمید نے فریدی کی طرف دیکھا۔ نصرت اپنی بیوی کو تنفر آمیز نظروں سے دیکھ کر رہا تھا۔
نے فریدی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ دیکھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس نے اس وقت جو کچھ
یا ہے بہت ہی منظم طریقے پر کیا ہے۔ شاید وحید مینشن کی تیسری منزل پر اس کے آدمی پہلے
موجود تھے جنہوں نے سیٹی کی آواز پر دیوار کی پوشیدہ خلاء میں موم بتی روشن کر دی تھی۔

"تم نے آخر مجھے کیوں نہیں بتایا تھا۔" نصرت نے اپنی بیوی کو پھر جھنجھوڑ ڈالا۔ "اور تم پرنس
کو کیا جانو۔"

اس کی بیوی نے سر اٹھایا گو اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ لیکن پھر ان میں حمید کو غصے کی

لہر نظر آئی۔ دفعتاً اس نے غرا کر کہا۔ "کیوں نہ جانوں۔ کیا میں کوئی پردہ نشین عورت ہوں ہزاروں کو جانتی ہوں۔"

"بس کیجئے۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر مسکرایا۔ "آپ دونوں ہی بہترین اداکار ہیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں۔"

"کیا مطلب....!" بوڑھا چونک پڑا اور عورت بھی فریدی کو گھورنے لگی۔

"زیادہ لمبی اڑان اکثر بڑی تیزی سے نیچے لاتی ہے۔" فریدی کا لہجہ خشک تھا۔

"پتہ نہیں اب آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"آپ کا وارنٹ گرفتاری میری جیب میں موجود ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"مطلب کہاں تک سمجھاؤں۔" فریدی نے جیب سے ہتھکڑیوں کا جوڑا نکالتے ہوئے

"یہ کیا کرنے جا رہے ہیں آپ۔" بوڑھا جھلائی ہوئی آواز میں چیخا۔

"وارنٹ دکھایئے۔"

فریدی نے کوٹ کی اندرونی جیب سے وارنٹ بھی نکالا۔

"مگر یہ زیادتی ہے۔ ظلم ہے۔ آخر میں کس بناء پر گرفتار کیا جا رہا ہوں۔" نصرت بھی غصے ہی کا مظاہرہ کیا۔

"سر وحید اور پرنس توقیر کے قتل کے الزام میں۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور تیزی سے اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔

"بکواس ہے۔" نصرت حلق پھاڑ کر چیخا۔

"اس پر غور کرنا عدالت کا کام ہے.... میرا نہیں۔"

"یہ سراسر زیادتی ہے۔ آپ کو ثابت کرنا پڑے گا۔" نصرت کی بیوی بولی۔

"عدالت میں ثابت کروں گا۔ ویسے جس طرح میری یہ بات صحیح نکلی ہے کہ آپ سے واقف تھیں، اسی طرح یہ بھی صحیح ہے کہ آپ نے رائفل پرنس توقیر کے ہاتھ سے بلکہ نصرت کے ہاتھ میں دیکھی تھی۔ اس کے بعد نصرت نے پرنس توقیر کو بھی ختم کر بھی فرمایئے کہ میں نے آپ کو کبھی آلکچو میں چھیڑا تھا۔ توقیر اس بیان کی تصدیق کرنے

ندہ نہیں ہے کہ آپ نے اس کے ہاتھ میں رائفل دیکھی تھی۔"

"تم کیا چاہتے ہو۔" نصرت اس طرح بولا جیسے اپنی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کا اثر دیکھنا چاہتا ہو۔

"ظاہر ہے کہ ہتھکڑیاں نکال لینے کے بعد میں کیا چاہوں گا۔"

"یہ ناممکن ہے۔ ناممکن ہے۔ تم مجھے یہاں سے نہیں لے جا سکتے۔" حمید نے بوڑھے کی آنکھوں میں دیوانگی کی جھلک دیکھی۔ اس نے رائفل سیدھی کر لی تھی۔ رائفل اس دوران اسی کے پاس ہی رہی تھی۔

"نکل جاؤ یہاں سے.... جاؤ۔" وہ فائر کر دینے کی دھمکی دیتا ہوا بولا۔

"کیا کر رہے ہو تم....!" عورت چیخی۔ لیکن بوڑھا سیفٹی کیچ ہٹا چکا تھا۔

فریدی نے بڑے اطمینان سے کہا۔ "آپ مطلق پریشان نہ ہوں محترمہ! وہ ایک ایسے آدمی کو گولی مارنے جا رہا ہے جس نے آپ کو کبھی چھیڑا تھا۔"

"اے بوڑھے۔" حمید بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "آس پاس ہمارے آدمی بھی موجود ہیں۔"

"اس لئے تم اس وقت بھی اس کو عزل پر اصلاح دے سکتے ہو۔" فریدی نے نصرت سے کہا اور ہتھکڑیاں لے کر اس کی طرف بڑھا۔ نصرت نے ٹریگر دبا دیا اور حمید دیوانہ وار اس پر ٹوٹ پڑا۔ عورت بھی چیخی تھی لیکن فریدی اپنے ہی پیروں پر کھڑا مسکرا رہا تھا۔

حمید اور نصرت گتھے ہوئے فرش پر ڈھیر ہو گئے۔

"تم بیکار الجھ رہے ہو حمید۔" فریدی نے کہا۔ "میں احمق نہیں ہوں کہ میگزین خالی کئے بغیر رائفل اسے دے دیتا۔"

"ہات تیری کی۔" حمید بڑبڑاتا ہوا نصرت پر سے اٹھ گیا۔ ویسے اس نے اس سے رائفل تو چھین ہی لی تھی۔

نصرت دیوار سے لگا کھڑا ہانپ رہا تھا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ بازی کیسے پلٹ گئی۔ پہلے تو فریدی اس خیال کی تردید کرتا رہا تھا کہ نصرت ہی قاتل ہے۔

"ایسا ظلم نہ دیکھا نہ سنا۔" عورت بڑبڑائی۔

"میں آپ کو اس کھنڈر سے نجات دلا رہا ہوں محترمہ۔ آپ نے کچھ دیر پہلے خواہش کی تھی۔"

"خواہش ظاہر کی تھی تم سے کب....؟" نصرت نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"جب آپ ان کی چیخ سن کر باہر تشریف لے گئے تھے اور انہوں نے کھنڈر کی طرف کھڑکی سے کہا تھا۔ خدا کے لئے مجھے اس کھنڈر سے نجات دلایئے۔"

"اوہ.... کتیا.... اتنی چالاکی....!" نصرت نے دانت پیس کر کہا۔

"خاموش رہو سؤر.... تم میری توہین نہیں کر سکتے۔"

"زبان کو لگام دے سؤر کی بچی۔"

"چپ رہو سؤر....!" عورت نے جھلاہٹ میں نصرت پر تکیہ کھینچ مارا۔

"یہ رباعی عرض ہوئی ہے۔" حمید نے ہونٹ بھینچ لئے۔

فریدی نے آگے بڑھ کر اس بار نصرت کے ہتھکڑیاں لگا ہی دیں۔

وہ چیختا رہا۔ مرنے مارنے پر آمادہ رہا۔ لیکن اسے اور اس کی بیوی کو کار تک پہنچا ہی دیا گیا۔

پھر دوسری صبح کے اخبارات نے سر وحید کی موت کا معمہ حل کر دیا۔ اس کی چھت میکنزم کے متعلق تفصیل آئی تھی جس پر دباؤ پڑتے ہی دیوار میں خلاء پیدا ہو جایا کرتی تھی وحید سر کے بل کھڑا ہو کر نصرت کی بیوی کے سلسلے میں تاک جھانک کیا کرتا تھا۔ ایک دن نے اسے جھانکتے دیکھ کر اپنی بے آواز رائفل سے ٹھکانے لگا دیا اور پھر اپنی بیوی کے عاشق پرنس توقیر کی طرف متوجہ ہوا۔ اسے بھی مار ڈالا۔ پولیس نے دونوں مقتولین کے سے اس کی بیوی کے فوٹو برآمد کئے ہیں۔

سارے شہر میں سنسنی پھیل گئی۔ لیکن حمید مضطرب تھا۔ اس کیس کے کئی الجھاؤ تک اس کے لئے الجھاوے ہی بنے ہوئے تھے۔

اس نے فریدی سے بھی ان کے متعلق گفتگو کرنی چاہی بس یہی جواب ملا۔ "ختم کر اپنے ذہن کو زیادہ نہیں الجھانا چاہتا۔ نصرت اعتراف کرے یا نہ کرے لیکن اس کی بیوی کے جرم کا اعتراف کر ہی لیا ہے۔"

"تو وہ جانتی تھی کہ سر وحید وہاں سے جھانکا کرتا ہے۔"

"اس کا اعتراف اس نے نہیں کیا۔ مگر میرا خیال ہے کہ وہ جانتی تھی۔ اگر اعتراف کر لیتی تو نصرت ہی کب اسے زندہ چھوڑتا۔"

اسی دن رات کے کھانے پر فریدی نے فون پر ایک کال ریسیو کی اور کھانا چھوڑ کر نہ صرف خود اٹھ گیا بلکہ حمید کو بھی اپنی ہی تقلید پر مجبور کیا۔

"کیا مصیبت آ گئی ہے۔" حمید پیر پٹخ کر بولا۔

"جاؤ سیاہ جیکٹ اور سیاہ پتلون پہن لو۔ نقاب ساتھ لینا مت بھولنا۔" فریدی نے کہا۔

"جلدی کرو۔"

"کیا ہو گا....!"

"طوفان میل کا بیٹا۔ اسٹیج کریں گے۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارے لئے کسی ہنٹر والی کی بیٹی کا ابھی انتظام ہو جائے۔ جلدی کرو ڈفر۔ ریوالور بھی لینا۔ کچھ راؤنڈ فالتو بھی۔"

"فی الحال میں خود کو کسی پالتو سے زیادہ نہیں سمجھ رہا۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"جاؤ....!" فریدی نے اسے دروازے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔ "آج کی تفریح بھی تمہیں عرصہ تک یاد رہے گی۔"

"اگر فاقہ مستی تفریح ہے.... تو....!"

"دفع ہو جاؤ۔" فریدی بڑے اچھے موڈ میں تھا۔

تھوڑی دیر بعد حمید نے اسے بھی سیاہ جیکٹ اور سیاہ پتلون ہی میں دیکھا۔

پھر گیراج سے چھوٹی آسٹن نکالی گئی جس کا رنگ آئے دن تبدیل ہوتا رہتا تھا اور نمبر کی پلیٹیں بھی حسب ضرورت بدلی جا سکتی تھیں۔ یہ گاڑی بہت ہی مخصوص مواقع پر استعمال ہوتی تھی۔

دفعتاً حمید کے ذہن میں ایک شبہے نے سر ابھارا لیکن وہ خاموش ہی رہا۔

کار انہوں نے دولت گنج کی ایک تاریک گلی میں چھوڑی اور گلیوں ہی سے پیدل گذرتے رہے، حمید بالکل خاموش تھا۔ بولنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ ایسی ہی جھلاہٹ ذہن پر مسلط تھی۔

تھوڑی ہی دیر بعد حمید نے محسوس کیا کہ وہ وحید مینشن کی پشت پر آ نکلے ہیں۔ نصرت کی ٹوٹی پھوٹی عمارت ہی تو سامنے تھی۔

"نقاب....!" فریدی نے آہستہ سے کہا اور کھنڈر میں داخل ہو گیا۔ حمید نے نقاب چہرے

پر لگالی اور اب پھر یک بیک وہ اپنے جسم میں ویسا ہی پھر تیلا پن محسوس کرنے لگا جیسا خاص مہم کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ سارے حواس پوری طرح بیدار ہو گئے تھے۔

کھنڈر پر اندھیرا مسلط تھا اور وہ دونوں چوپایوں کی طرح زمین پر ٹکے ہوئے آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہے تھے۔

اندر داخل ہونے کے لئے فریدی نے وہی شگاف منتخب کیا جو باورچی خانے کی دیوار میں تھا۔ لیکن حمید سوچ رہا تھا کہ اگر باورچی خانے کا دروازہ صحن کی طرف سے مقفل ہوا تو کیا ہوگا کس طرح دوسری طرف پہنچ سکیں گے۔ صدر دروازہ تو ان دونوں کی گرفتاری کے بعد ہی مقفل کر کے سیل کر دیا گیا تھا۔

باورچی خانے میں پہنچ کر دروازے کے برابر ہی انہیں ایک اتنا بڑا سوراخ نظر آیا جس سے ایک آدمی بہ آسانی گذر سکتا تھا۔ فریدی نے محدود روشنی والی چھوٹی سی ٹارچ روشن کی سوراخ شاید کچھ دیر قبل ہی بنایا گیا تھا۔ کیونکہ اس کے قریب ہی اینٹوں کا ایک چھوٹا سا ڈھیر پلاسٹر کے ٹکڑے نظر آرہے تھے۔ پچھلی رات حمید نے یہاں ایسا کوئی سوراخ نہیں دیکھا تھا۔

سوراخ کے قریب رک کر فریدی نے آہٹ لی اور پھر اپنے پیر سوراخ سے گذار دیئے۔ طرح وہ کھسکتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ اب حمید کے لئے اتنی احتیاط کی ضرورت نہیں تھی بھی بہ آسانی سوراخ سے گذر کر صحن میں پہنچ گیا۔ ہر طرف گہرا سناٹا تھا۔ دفعتاً ایک کھڑکی روشنی نظر آئی۔

فریدی اسی دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا... روشنی پھر غائب ہو گئی تھی۔ شاید وہ کسی ٹارچ روشنی تھی۔ جسے حسب ضرورت جلایا اور بجھایا جا رہا تھا۔

پھر انہوں نے اندر کسی کے قدموں کی آواز سنی۔ روشنی دوبارہ نظر آئی اور اس بار دیر تک رہی

فریدی آہستہ آہستہ کھسکتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اچانک دروازہ کھلا اور کوئی نکلا۔ دوسرے ہی لمحے میں فریدی کے ریوالور کی نال اس کی بائیں پسلی سے جا لگی۔

"ہاتھ اوپر اٹھاؤ دوست....!" اس نے آہستہ سے کہا۔

اور اجنبی کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔

"اب تم سوئچ آن کر دو.... کمرے کا۔" فریدی نے حمید سے کہا تھا لیکن حمید کو اس کی

پانے میں دشواری محسوس ہوئی۔

بہر حال اس نے سوئچ آن کر کے کمرے میں روشنی کر دی۔ ان کا شکار بھی نقاب پوش ہی نکلا۔

فریدی اسے ریوالور سے دھکیلتا ہوا پھر کمرے میں واپس لا رہا تھا۔

کمرے کے وسط میں رک کر حمید نے ایک بار پھر اسے نیچے سے اوپر تک گھورا۔

ہوس کی کہانی

یہ ایک طویل قامت اور چوڑے شانوں والا آدمی تھا۔ سر سے پیر تک سیاہ لباس میں ملبوس۔ آنکھوں کے علاوہ چہرے کا کوئی حصہ نقاب سے ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔ ہاتھوں میں سفید دستانے تھے۔ بائیں شانے سے ایک چرمی تھیلا لٹک رہا تھا جس سے لوہے کے کچھ اوزاروں کے سرے جھانک رہے تھے۔

فریدی نے ریوالور کی نال سے حمید کو کچھ اشارہ کیا اور وہ آگے بڑھ کر نقاب پوش کی جامہ تلاشی لینے لگا۔ ایک چاقو اور ایک آٹومیٹک پستول اس کے پاس سے برآمد ہوا جس کی میگزین پُر تھی۔ پھر اس نے اس کے کاندھے سے چرمی تھیلا بھی اتار کر فرش پر الٹ دیا۔ مختلف قسم کے اوزار بکھر گئے۔

"اب تم اپنا کام اطمینان سے جاری رکھ سکتے ہو دوست۔" فریدی نے بدلی ہوئی آواز میں کہا۔

"تم کون ہو۔" نقاب پوش نے پوچھا۔ حمید کا اندازہ تھا کہ وہ بھی اپنی اصل آواز میں نہیں بولا۔ اس نے حلق کے بل بولنے کی کوشش کی تھی۔

"میں کوئی بھی ہوں تمہیں اس سے سروکار نہ ہونا چاہئے۔ اپنا کام جاری رکھو۔"

"تم یہاں کیوں آئے ہو۔" نقاب پوش نے پوچھا۔

"یہی سوال میں تم سے بھی کر سکتا ہوں۔"

"لیکن جواب دینے پر مجبور نہیں کر سکتے۔" نقاب پوش ہنس پڑا۔

اور جواب میں حمید نے دیکھا کہ فریدی نے اپنا ریوالور جیب میں ڈال لیا ہے۔ لیکن خود اس نے اپنی جیب میں پڑے ہوئے ریوالور کے دستے کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ فریدی کے اس طرح

ریوالور جیب میں ڈال لینے کا مطلب یہی تھا کہ وہ اس نقاب پوش کو جواب دہی پر مجبور نہیں مانے گا۔ نقاب پوش بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ غالباً وہ نہیں سمجھ سکا تھا کہ اس کا مقا چاہتا ہے۔

"تم جواب دینے پر مجبور ہو۔" دفعتاً فریدی بولا۔

"اوہ....!" نقاب پوش نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر اس پر چھلانگ لگائی۔ فریدی بے خ نہیں کہ اس کی زد میں آجاتا۔ بڑی پھرتی سے وہ ایک طرف ہٹا اور پھر قبل اس کے کہ نقاب دوسری بار اس کی طرف پلٹتا اس نے اس کی کمر پر ایک زور دار لات رسید کی۔ نقاب پوش کراہ کے ساتھ دیوار سے جا ٹکرایا۔

اس کا دوسرا حملہ یہی ثابت کر رہا تھا کہ وہ مر جانے یا مار ڈالنے کا تہیہ کر کے جھپٹا ہے۔

حمید کی حیثیت ایک خاموش تماشائی کی سی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی ایسے حالات م قسم کی بھی دخل اندازی پسند نہیں کرتا۔ اس لئے اس کی شامت تو آئی نہیں تھی کہ وہ اس میں خود بھی حصہ لے بیٹھتا۔ ایسے مواقع پر فریدی دخل اندازی کرنے والوں کو بھی دو چا ضرور جھاڑ دیتا تھا۔ خواہ اس کے اپنے ہی آدمی کیوں نہ ہوں۔ ہاں اگر مقابلہ کرنے والے دو تو حمید کو یقینی طور پر ہاتھ پیر ہلانے کا خیال آتا۔

دوسرے حملے میں فریدی کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ لیکن اس بار بھی اس نے بڑی صفائی سے اس خالی دیا تھا۔

تیسری بار حملہ کرنے کی بجائے نقاب پوش دیوار سے ٹک کر کھڑا ہو گیا اور ہانپتا ہوا بولا جو کوئی بھی ہو۔ ایک سرکاری فرض کی ادائیگی میں حارج ہو رہے ہو۔"

"ارے دوست! یہ کہانی بھی میرے لئے دلچسپی سے خالی نہ ہو گی۔" فریدی نے کہ حیرت کا اظہار کر کے کہا۔

"اس مکان کا مالک ایک غیر ملکی جاسوس تھا۔" نقاب پوش بولا۔ "میں اس کے کا تلاش کر رہا ہوں۔"

"تمہیں یہ حق کہاں سے ملا ہے دوست۔" فریدی کا لہجہ پر سکون اور باوقار تھا۔

"میں سیکرٹ سروس سے متعلق ہوں۔"

"خوب! حالانکہ سیکرٹ سروس کا کوئی آدمی پھانسی کے تختے پر بھی یہ ظاہر نہیں کرتا کہ وہ ون ہے کیونکہ اس کے بیان کی تصدیق کرنے کے لئے کوئی بھی آگے نہیں آسکتا۔ شاید تم نے ی جاسوسی ناول میں سیکرٹ سروس والوں کے بارے میں کچھ پڑھا ہے۔"

یک بیک نقاب پوش پھر فریدی پر ٹوٹ پڑا.... اور فریدی اس بار جم کر مقابلہ کرتا ہوا بولا۔ ابھی میں دیکھے ہی لیتا ہوں کہ تم کون ہو۔"

نقاب پوش اس کی گرفت سے آزاد ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک بار اس نے فریدی کو گرا ی دیا لیکن خود کو اس کی گرفت سے نہ چھڑا سکا۔

"کیا میں تمہیں جواب دینے پر مجبور نہیں کر سکوں گا۔" فریدی اس کی گردن پر اپنی گرفت ضبوط کرتا ہوا بولا۔ "بولو.... اگر تم جواب دینے پر آمادہ ہو تو میں تمہاری گردن چھوڑ دوں۔"

"بتاؤں گا...." وہ گھٹی گھٹی آواز میں بولا اور فریدی اسے چھوڑ کر ہٹ گیا۔

"تم کون ہو....؟" نقاب پوش نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔

"نہ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم کون ہو اور نہ اس کا جواب دے سکتا ہوں۔ میں نے تم سے رف یہ پوچھا تھا کہ یہاں کیوں آئے ہو؟ اور اسی کا جواب چاہتا ہوں۔"

"اگر تم یہ بتا دو کہ تم کون ہو تو شاید بڑے فائدے میں رہو گے۔"

"اور تم سیدھے پھانسی کے تختے کا رخ کرو گے کیونکہ میں تمہیں پہچانتا ہوں۔ تم نے پرنس زیر کو دھوکا دے کر ختم کر دیا۔"

حمید نے دیکھا کہ اس بار نقاب پوش نے جھک کر لوہے کا ایک اوزار اٹھا لیا ہے اور فریدی پر ر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔

حمید نے جھلا کر ریوالور نکال ہی لیا اور گرج کر بولا۔ "اوزار زمین پر گرا دو۔ ورنہ کھوپڑی میں وراخ ہو جائے گا۔"

"ریوالور جیب میں رکھ لو۔" فریدی نے کہا۔ "یہ بیچارہ اس وقت تنہا ہے۔ کہیں سہم کر مر ہی جائے، یہ معاملہ ہی ایسا تھا کہ اس بیچارے کو اپنے گارڈ سے بھی چھپ کر آنا پڑا ہے۔"

"اوہ تو یہ لکھن پال ہے۔" حمید نے سوچا اور چپ چاپ ریوالور جیب میں ڈال لیا۔

دوسری جانب نقاب پوش کی بوکھلاہٹ ہی اس کی شکست کا باعث بن گئی۔ حملہ تو اس نے

زور دار کیا تھا لیکن کھوپڑی سے باہر ہو کر نتیجہ یہ ہوا کہ لوہے کا وزنی اوزار خود اسی کے سر
وہ چکرا کر فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

اور پھر سنبھلنے سے پہلے ہی فریدی اس پر چھا گیا تھا اس نے اس کی نقاب کھینچ کر الگ
تھکا ہوا لکھن پال بے بسی سے پلکیں جھپکا رہا تھا۔

"اس کے ہاتھ پکڑ لو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔ "میں سر وحید اور پرنس توقیر
کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالنے جا رہا ہوں....!"

لکھن پھر جدوجہد کرنے لگا۔ لیکن اس بار فریدی نے اس کے منہ پر ہاتھ رسید کیا
اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں نظر آئیں۔

فریدی نے بھی اپنا نقاب ہٹا دیا تھا اور لکھن سے کہہ رہا تھا۔ "تم سمجھے تھے شاید اس
مدد سے اپنا جرم نصرت کے سر منڈھنے میں کامیاب ہو گئے ہو۔"

اب حمید کو فریدی کی پچھلی رات والی گفتگو یاد آ رہی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ نصرت
کی بیوی کو اس کھنڈر سے ہٹانا ضروری ہے اور پرنس توقیر بھی یہی چاہتا تھا کہ اس کی بیوی
طرح وہاں سے ہٹا لے جائے۔ لیکن سوال تو یہ تھا کہ پرنس توقیر اور سر وحید کا قتل کس
ہوا تھا۔ اگر یہی ان دونوں کا قاتل تھا اور کسی وجہ سے نہیں چاہتا تھا کہ نصرت یہاں
اسے بھی تو بڑی آسانی سے ٹھکانے لگا سکتا تھا۔ اتنی زحمت کیوں مول لی کہ اس کی بیو
سازش میں شریک کر کے اسے جیل بھجوانا پڑا۔ اس طرح یہ مقصد پورا کیا کہ وہ اس عمارت میں

یہ سوالات چکرا دینے والے تھے لیکن فریدی سے دوسرے دن تک کچھ نہ معلوم ہو
وہ اب بھی بے حد مشغول نظر آ رہا تھا۔

یہی وہ مراحل ہوتے تھے، جب حمید کا پیمانہ صبر لبریز ہو جاتا تھا! لیکن کیا ہوتا
فریدی چاہتا تھا۔ ویسے حمید کو اس کا بھی علم تھا کہ ایسے حالات اسی وقت پیدا ہوتے
فریدی کو واضح ترین ثبوت مہیا کرنے کی فکر ہوتی تھی۔ اس کیس میں اتنی تاخیر کا مطلب
کہ فریدی جو کچھ بھی کر چکا ہے اسے صحیح ثابت کر دینے کیلئے ابھی تک کافی مواد نہیں فراہم

شام کو اسے معلوم ہوا کہ فریدی جیل کی طرف گیا ہے۔ اس نے بھی کار نکالی اور
چل پڑا، لیکن اس وقت وہاں پہنچا جب فریدی واپس آنے کے لئے اپنی گاڑی پر بیٹھ رہا تھا۔

"چلو.... وہیں چل رہے ہیں۔ نصرت کے مکان پر۔" وہ ہاتھ ہلا کر بولا اور حمید کو پھر گاڑی
وڑنی پڑی۔

راستے بھر وہ بار بار اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دباتا رہا۔ یہ بھی اپنی نوعیت کا ایک ہی کیس تھا۔

نصرت کے مکان میں اسے اپنے ہی محکمے کے کچھ آدمی نظر آئے، جو مختلف جگہوں پر کھڑے
ئے تھے۔ ایک آدمی اسے اور فریدی کو ایک کمرے میں لایا جہاں کا فرش کھودا گیا تھا۔

ایک جانب ایک زنگ خوردہ آہنی صندوق دکھائی دیا جس کا ڈھکن علیحدہ ہو گیا تھا اور جس
ں بھری ہوئی اشرفیاں دور سے بھی دیکھی جا سکتی تھیں۔ حمید نے ایک طویل سانس لی۔ تو یہ چکر
ا۔ اس نے سوچا۔

"وہی پرانی کہانی۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔ "ساری دنیا سمیٹ لینے کی
وس! خواہ اس میں سے اپنی ذات پر ایک پائی بھی نہ صرف ہو سکے۔ یہ اشرفیاں سالہا سال سے
صرت کے لئے سوہانِ روح بنی رہی ہوں گی۔ اب یہی دیکھو نا کہ چار آدمی بیک وقت اپنا ذہنی
ازن کھو بیٹھے تھے۔ خیر پھر بتاؤں گا۔"

وہ مجسٹریٹ کی طرف متوجہ ہو گیا، جو اپنی نگرانی میں اس صندوق کو سر بمہر کرانے کی تیاری
رہا تھا۔

"تو یہ نصرت کوئی خزانہ دبائے بیٹھا تھا جس کے لئے دو قتل ہو گئے تھے لیکن قاتل نے خود
صرت ہی کو ٹھکانے کیوں نہ لگا دیا۔" حمید پھر سوچ میں پڑ گیا۔

اس کے بعد رات کے کھانے ہی پر اطمینان سے گفتگو کرنے کا موقع نصیب ہو سکا۔

"اس کیس کے دوران میں کئی ادھورے واقعات تمہارے علم میں بھی آ چکے ہیں۔" فریدی
نے کہا۔ "اور اس وقت تک میری معلومات بھی زیادہ نہیں تھیں مگر کہانی تو اب مکمل ہوئی ہے۔
صرت اس کی بیوی اور لکھن تینوں ہی بالآخر زبان کھولنے پر مجبور ہو گئے۔ یہ خزانہ بہت عرصے
سے نصرت کے پاس ہے۔ لکھن، توقیر، نصرت اور سر وحید اپنے ابتدائی زمانے میں بڑے اچھے
دوست تھے۔ لکھن اور سر وحید سڑکوں کی ٹھیکیداری کرتے تھے۔ نصرت آثار قدیمہ کے محکمے میں
یک آفیسر تھا اور پرنس توقیر اس لئے ان کے ساتھ رہا کرتا تھا کہ ان زندہ دلوں کے ساتھ سیر و
شکار میں اچھا وقت کٹ جاتا تھا۔ اس زمانے میں بھی یہ چاروں ساتھ ہی تھے، جب تارجام والی

سڑک بن رہی تھی۔ انہیں دنوں نصرت ٹھیکیداروں کے کیمپ سے تھوڑے ہی فاصلے
گڑھ میں آثار قدیمہ کے سلسلے میں کھدائی کر رہا تھا.... جس وقت یہ صندوق ہاتھ لگا وہ تی
نصرت کے پاس ہی موجود تھے۔ نصرت نے وہاں سے مزدوروں کو دوسری طرف ہٹاد
طرح کہ انہیں کوئی شبہ نہ ہونے پائے لیکن اس وقت اسے وہاں سے ہٹالانا بھی آسان کا
کیونکہ چاروں طرف کام ہو رہا تھا۔ طے یہ پایا کہ فی الحال وہ اسے ڈھک دیں اور بعد میں
سے وہاں سے لے جائیں، دراصل ہوا یہ تھا کہ جیسے ہی ایک مزدور کی کدال نے کسی دھار
سے ٹکرا کر آواز پیدا کی تھی نصرت نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید کھودنے سے روک دیا تھا اور
خود ہی مٹی ہٹانے پر صندوق نظر آیا تھا۔ ان چاروں کے علاوہ اور کوئی بھی اسے نہیں دیکھ
رات کو کیمپ میں وہ اس کے بٹوارے کے متعلق گفتگو کرتے رہے۔ نصرت اکیلے ہڑپ
تھا۔ اس نے بظاہر تو ان سے اتفاق کیا تھا لیکن دل ہی دل میں بُری طرح کھول رہا تھا کہ
تینوں کم بخت کیسے حصے دار بن بیٹھے ضرورت ہی کیا تھی کہ وہ بھی اس وقت وہیں موجود
رات کو نصرت اٹھا اور راج گڑھ کی طرف چل پڑا۔ وہ تینوں بھی بے اطمینانی ہی میں تھے
بھی نیند نہیں آئی تھی اور وہ بھی ایک دوسرے سے مطمئن نہیں تھے۔ یہیں سے جھگڑ
ہوا۔ یا شاید یہ بات رہی ہو کہ وہ چاروں ہی انفرادی حیثیت سے اسے صرف اپنے ہی
کرنے کے لئے کوشاں رہے ہوں۔ نصرت بے خبر تھا کہ وہ لوگ بھی چل پڑے ہیں۔
جیسے ہی وہ اس جگہ پہنچا کسی نے اس پر فائر جھونک مارا۔ اس نے بھی ریوالور نکال لیا
سمتوں میں فائر بھی کرتا رہا اور اس بکس کو نکال لینے کی کوشش بھی جاری رہی۔ فائروں کی
قریب کے دیہاتوں کے لوگ دوڑ پڑے۔ لیکن نصرت کسی نہ کسی طرح اس صندوق
کھسکا لے گیا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ اس نے اسے وہاں سے تقریباً ایک فرلانگ دور ہٹا کر
اور پھر نہایت اطمینان سے کیمپ میں واپس آ گیا تھا۔ کچھ دیر بعد لوگ زخمی سروحید کو وہ
تھے اور اب ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے نصرت بھی انہیں کے ساتھ آیا ہو۔ توقیر اور لکھن
سے بھی یہی ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ بھی فائر کی آوازوں ہی پر ادھر گئے ہوں۔ سروحید ان
الزام لگا رہا تھا۔ پھر انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ پولیس کو یہی بیان دیں کہ یہ فائرنگ محض
نتیجہ تھی۔ اس وقت تو انہوں نے اسے مان لیا اور پولیس کو بھی یہی رپورٹ دی۔ لیکن جب

معلوم ہوا کہ صندوق وہاں نہیں ہے جہاں اسے ہونا چاہئے تھا تو پھر ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہنے
لگے۔ ہر آدمی دوسرے کو بے ایمانی کا الزام دے رہا تھا۔ اس دن سے وہ چاروں دشمن ہو گئے۔ کچھ
دنوں بعد انہیں علم ہوا کہ خزانہ نصرت ہی کے قبضے میں ہے اور انہوں نے اسے حاصل کرنے کے
لئے تگ و دو شروع کر دی۔ لیکن نصرت نے اس دوران میں چالاکی سے کام لیا تھا۔ اس نے ایک
مربہر لفافہ اپنے وکیل کے سپرد کر دیا اور اسے تاکید کر دی کہ اگر اس کی موت غیر قدرتی حالات
میں واقع ہو تو وہ لفافہ پولیس کے حوالے کر دیا جائے اور یہ چیز ان تینوں پر بھی واضح کر دی گئی کہ
اگر اسے کچھ ہوا تو وہ تینوں ضرور پکڑے جائیں گے۔ ادھر وہ ہر سال پولیس کو یاد دہانی بھی کرا دیتا
تھا کہ اگر وہ غیر قدرتی حالات میں مرا تو اس کا وکیل قاتلوں کے نام پولیس تک پہنچا دے گا۔ لیکن
یہ تو پولیس اس کے وکیل سے واقف تھی اور نہ وہ تینوں۔ ورنہ وکیل کا انتظام بھی کر لیا جاتا۔ ادھر
ان لوگوں نے اس خزانے کی تلاش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔ پھر انہیں یقین ہو گیا کہ
نصرت نے اسے اپنے ٹوٹے پھوٹے مکان میں ہی چھپایا ہو گا۔ جہاں خود رہتا ہے۔

اس شبہے کو اس بات سے اور تقویت پہنچی کہ نصرت ڈاکٹر سعیدہ کی کوٹھی ہاتھ آجانے کے
وجود بھی اسی کھنڈر میں پڑا رہا ہے.... کچھ دنوں بعد سروحید کے تعلقات لکھن اور توقیر سے
خراب ہو گئے۔ لیکن وہ بھی ابھی تک خزانے کے حصول کے لئے کوشاں تھا۔ ویسے اب اس کی
کوشش انفرادی تھی۔ لکھن اور توقیر مل کر کام کر رہے تھے۔ سروحید نے نصرت پر ایک عورت
مسلط کر دی۔ یعنی نصرت کی بیوی۔ وہ اس سے بس یونہی مل بیٹھی تھی۔ رفتہ رفتہ شادی کی نوبت
آ گئی۔ سروحید اس عورت کے ذریعہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ خزانہ کہاں ہے۔ لیکن وہ بھی اس میں
کامیاب نہ ہو سکی۔ ویسے سروحید کو روزانہ اپنے باورچی خانے سے اشارے کیا کرتی تھی اور نصرت
اس سے لاعلم تھا۔ سروحید کو وہاں سے جھانکنے کا گویا خبط ہو کر رہ گیا تھا۔ جب ڈاکٹر سعیدہ کی کوٹھی
بھی نصرت کے ہاتھ آ گئی تو عورت نے سروحید کے اشارے پر اسے بور کرنا شروع کر دیا کہ اب
وہ اس میں اٹھ جائے۔ لیکن نصرت نے کوئی وجہ بتائے بغیر انکار کر دیا۔ ظاہر ہے کہ کوئی معقول
وجہ معلوم کئے بغیر اس کی بیوی کیسے چپ ہوتی۔ تھک ہار کر نصرت نے اسے سمجھایا کہ سعیدہ کی
کوٹھی منحوس تھی۔ وہ اسے فروخت کر کے کوئی دوسری عمارت خریدے گا۔ لیکن یہ حقیقت ہے
کہ کوٹھی کے لئے کوئی گاہک نہ مل سکا کیونکہ خود نصرت ہی نے اسے بدنام کیا تھا۔ دوسری طرف

کسی طرح توقیر اور لکھن کو اس جھگڑے کا علم ہو گیا اور توقیر نے ایک پروگرام بنایا۔ ان دنو
نصرت کو روپیوں کی ضرورت تھی اسے گاہک مل گیا۔ یہ گاہک خود توقیر ہی تھا لیکن نعیم
پر.... اس سے پہلے ہی لکھن یہ معلوم کر چکا تھا کہ نصرت کی بیوی سروحید سے ملی ہوئی ہے
اس نے یہ بات توقیر پر نہیں ظاہر ہونے دی اور اندر ہی اندر نصرت کی بیوی پر ڈورے ڈا
بالآخر وہ سروحید سے کٹ کر لکھن سے آملی۔ چونکہ سروحید نے اسے خزانے کے راز میں
کر لیا تھا لہٰذا وہ جلد از جلد اپنی کوششوں کا بہتر انجام دیکھنا چاہتی تھی۔ سروحید اس کی دا
ایک ناکارہ آدمی تھا جس نے خزانے کی تلاش کا بار اس کے کاندھوں پر ڈال دیا تھا۔ لک
ذہین بھی معلوم ہوا اور کام کرنے والا بھی، اس لئے اس نے اسی کے ہاتھوں سروحید جیسے
ہی دیا۔ لکھن نے باورچی خانے ہی سے اس پر فائر کیا تھا اور رائفل بھی نصرت ہی کی
تھی۔ لکھن نے توقیر کو یہ سب کچھ نہیں بتایا ویسے وہ بظاہر اس سے تعاون ہی کر رہا تھا او
اس کی نعیم والی اسکیم کو بھی بے حد سراہا تھا۔ توقیر نے سعیدہ کی کوٹھی کی کنجی مکانوں
سے حاصل کی تھی اور دلال بھی نعیم کو پھانسنے کی سازش میں برابر کا شریک تھا۔ ادھر
کو معلوم ہوا کہ سعیدہ کا رول ادا کرنے کے لئے وہاں سروحید کی الٹی تصویر لٹکائی گئی ہے
باچھیں کھل گئیں اور اس نے دو دن بعد ہی سروحید کو ٹھکانے لگا دیا لہٰذا الٹی تصویر اور الٹ
معاملہ بے حد سنسنی خیز ثابت ہوا۔ اس طرح لکھن نے یہ سوچا تھا کہ جلد یا دیر سے تو
کے قتل کے سلسلے میں ماخوذ کر لیا جائے گا۔ یہی ہوتا.... لیکن اس سے پہلے ہی میں نے
پوچھ گچھ کر ڈالی، پچھلے واقعات کا حوالہ دے بیٹھا۔ لہٰذا لکھن نے سوچا کہ کہیں توقیر بھا
دے.... خزانے کا ایک رازدار سروحید تو ختم ہی ہو چکا تھا۔ رہا نصرت تو بھلا وہ کب کسی
دیتا۔ توقیر ہی سے خدشہ ہو سکتا تھا۔ لہٰذا لکھن نے اسی رات کو اس کا بھی خاتمہ کر
موت پر وہ عورت بوکھلا گئی جس نے نعیم والے ڈرامے میں حصہ لیا تھا اور اس طرح
سامنے خود ہی آ گئی، اب لکھن نے سوچا کہ ان دونوں کا قتل کسی طرح نصرت کے
جائے تو میدان بالکل ہی صاف ہو جائے گا۔ پھر تم نے دیکھا ہی ہے کہ میں نے کس طر
نصرت کی بیوی کو اس کا موقعہ دیا تھا۔ مگر کتنی چالاک عورت ہے.... تمہیں اس کی د
نا.... اور پھر دوسری طرف سے کھڑکی میں آنا.... اس طرح وہ خود ہی ظاہر کرنا چا

ہاں سے اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام لیا جا رہا ہے۔ اگر میں اصل معاملے کی طرف آنے میں
کچھ دیر لگاتا تو وہ یقینی طور پر کوئی ایسی حرکت کرتی جس کی بناء پر مجھے نصرت پر شبہ کرنا ہی پڑتا۔
ویسے میں تو یہ سوچ کر ہی گیا تھا کہ نصرت کو اسی وقت وہاں سے ہٹانا ہے اور اس کے لئے اس سے
بہتر تدبیر دوسری نہیں ہو سکتی تھی کہ میں اس کے خلاف قتل کا شبہ ظاہر کر کے ہاتھوں میں
ہتھکڑیاں ڈال دیتا۔ پرسوں رات ان کی گرفتاری کے بعد ہی میرے آدمی کھنڈر میں پھیل گئے تھے
جنہوں نے دن کو بھی نگرانی کی.... اور کل رات کو مجھے اطلاع ملی کہ کوئی اس کے مکان میں
داخل ہوا ہے۔ بس پھر اس کے بعد کے واقعات سے تو تم واقف ہی ہو....!"

حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "سروحید سر کے بل کھڑے ہونے میں وقت کا اتنا
پابند کیوں تھا اکثر وہ مہمانوں کو ڈرائنگ روم میں چھوڑ کر چھت پر بھاگا چلا جاتا تھا۔ لیکن ٹھیک
تین ہی بجے....!"

"خود کو جھکی ثابت کرنے کے لئے۔ اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ نہ وہ عورت کہیں
بھاگی جاتی تھی اور نہ خزانہ۔ بس وہ چاہتا تھا کہ اس کی یہ جھک گھر کی چہار دیواری سے نکل کر باہر
بھی مشہور ہو جائے کیونکہ اگر وہ چوری چھپے اس قسم کی کوئی حرکت کرتا تو طرح طرح کی قیاس
آرائیاں ہوتیں۔ ویسے میرا خیال ہے کہ وہ دیوار کی مشینی ساخت پرانی ہے۔ سروحید سالہا سال
سے نصرت کے گھر میں جھانکتا آیا تھا۔ غالباً اس لئے کہ شاید اس طرح کبھی خزانے کے متعلق
معلوم ہو جائے کہ وہ اسی مکان میں کہیں دفن ہے یا نہیں.... ہوس کی کہانی ہے حمید صاحب یہ
تینوں کم دولت مند نہیں تھے.... لیکن مفت کا مال اور ہوس....!"

"اب نصرت کا کیا ہوگا۔" حمید نے پوچھا۔

"سزا تو اسے یقینی طور پر ہوگی کیونکہ اس نے غیر قانونی طور پر وہ خزانہ اپنے قبضے میں رکھا
تھا۔ حالانکہ اسے سرکاری تحویل میں دیا جانا چاہئے تھا۔ اشرفیاں محمد تغلق کے دور کی ہیں آج کے
زمانے میں لاکھوں کی مالیت.... مگر حالات کی ستم ظریفی تو دیکھو کہ نصرت آج تک اپنی ذات پر
آدھی اشرفی بھی نہیں صرف کر سکا۔ بس ایک چوکیدار کی حیثیت سے خطرات کا سامنا کرتا رہا۔
آدمی بھی کتنا عجیب جانور ہے.... جو صرف بچانے کے لئے بچاتا ہے....!"

"مگر نصرت ہے بڑا چالاک! اگر وہ وکیل والا اسٹنٹ نہ بناتا تو یہ لوگ اسے کبھی کا ختم کر چکے

ہوتے۔" حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اچھا نعیم اور اس عورت کا کیا ہوگا جس نے ڈاکٹر سعید کا رول ادا کیا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ سرکاری گواہ بنائے جائیں گے۔"

"ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ نصرت نے اپنی بیوی کو بتایا ہی کیوں تھا کہ ڈاکٹر سعید کو ٹھی کے لئے ایک گاہک مل گیا ہے جب کہ یہ اس کے مفاد کے خلاف تھا۔ ظاہر ہے کہ بعد میں اسے اپنی اسی غلطی کی تلافی کے لئے کافی پاپڑ بیلنے پڑے تھے۔ نعیم کو اس پر آمادہ کرنا پڑا تھا کہ وہ صرف کرایہ داری کی بات کرے۔"

"اس کا جواب تو نصرت ہی دے سکے گا۔ ویسے ہو سکتا ہے کہ اس نے کسی وقت الجھن سے بچنے کے لئے ایسا کیا ہو۔ اس عورت کا ٹائپ دماغ چاٹنے والا ہی معلوم ہوتا ہے۔"

"ٹائپ....!" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ "اپنے مقدر میں تو شائد کسی ٹائپ کی بھی عورت نہیں ہے.... اور ہم زندگی بھر ٹائپ رائٹر ہی بنے رہیں گے۔"

"ٹائپ رائٹر.... کیا بات.... زیادہ بکواس کا نتیجہ مہملیات ہی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔"

"لنڈورے کو ٹائپ رائٹر ہی کہتے ہیں۔" حمید نے پھر ٹھنڈی سانس لی۔ "اکیلا.... ادا ٹائپ رائٹر.... جو مرمریں اور مخروطی انگلیوں کی راہ تکتے تکتے.... بالآخر.... بالآخر.... کچھ نہیں.... ابے او نصیرا.... ایک گلاس ٹھنڈا پانی....!"

فریدی نے جگ سے پانی انڈیل کر اس کی طرف کھسکا دیا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 83

چمکیلا غبار

(مکمل ناول)

پیشرس

کہانی تو کبھی ختم نہیں ہوتی۔ کہانی لکھنے والا کہانی کو اُسی جگہ روک ضرور
ہے، جہاں سے بوریت شروع ہو جانے کا امکان ہو۔ اسی کو کہانی کا اختتام
لیجئے۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ آپ بعض کہانیوں کے متعلق سوچتے ہیں کہ کا
یہ ابھی نہ ختم ہوئی ہوتیں لیکن یقین کیجئے کہ اُن کا وہیں ختم ہو جانا بہتر ہوتا
ورنہ ہیرو ہیروئن "بال بچے دار" بننے لگتے ہیں۔ اِسی طرح کسی کہانی میں ہ
ہیروئن کو "بال بچے دار" بنتے دیکھ کر آپ نہ صرف کتاب اپنے سر پر مار لیں
بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی لات مصنف کے پیٹ پر پڑے۔ یہ بات تو
رومانی کہانیوں کے لئے۔ اب آیئے اسرار و سراغ کی کہانیوں کی طرف۔ کہانی
ہو گئی لیکن آپ بیٹھے سوچ رہے ہیں کہ پھر کیا ہوا ہو گا؟ کچھ صرف سوچتے ہ
جاتے ہیں اور کچھ.... مجھے لکھ مارتے ہیں "آپ نے یہ تو دکھایا ہی نہیں
مجرموں کا کیا ہوا!"

بھیا! دیکھو گرفتار تو ہو گئے اب اور کیا چاہئے۔ لیکن نہیں چند حضرا
عدالتی کاروائیاں بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔ میں انہیں کیسے سمجھاؤں کہ کہانیوں
انداز الگ ہوتے ہیں جس قسم کی کہانیاں میں لکھتا ہوں اُن میں عدالتی کاروائ
قطعی غیر ضروری ہیں۔ اگر لکھنے لگوں تو وہی حضرات کچھ دنوں کے بعد
اٹھیں گے۔ "آپ خواہ مخواہ صفحات بھرا کرتے ہیں۔ اس سے بہتر تو یہی تھ
آپ جج صاحب کے بچے کا عقیقہ یا ختنہ کرا دیتے۔"

بہر حال اگر آپ عدالتی کاروائیاں پڑھنے کے ایسے ہی شائق ہیں تو ا
اسٹینلے گارڈنر کے ناول پڑھا کیجئے۔ اُن کی کہانیاں مقدمات ہی کی شکل میں شر
ہوتی ہیں اور ان کا مخصوص کردار پیری میسن وکیل ہے۔ میری کہانی
سراغرسانوں کے گرد گھومتی ہیں جن کا کام محض اتنا ہوتا ہے کہ وہ مجرم کو پکڑ کر
قانون کے حوالے کر دیں۔ لہٰذا اس حوالگی کے ساتھ ہی میری کہانیاں بھی ختم
ہو جاتی ہیں۔

لیکن اسے کیا کہا جائے کہ بعض حضرات تو کوئی لطیفہ سننے کے بعد بھی
پوچھ بیٹھتے ہیں "پھر کیا ہوا؟" اور لطیفہ سنانے والے کو دانت پیس کر کہنا پڑتا
ہے۔ "پھر یہ ہوا کہ میں نے کنوئیں میں چھلانگ لگا دی۔"

مگر آپ مطمئن رہئے۔ میں اس قسم کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا اور اگر رکھتا بھی
ہوں تو آپ کو کیوں بتانے لگا۔ کیا ٹھیک ہے۔ کنویں میں بھی آپ کے خطوط
پہنچیں۔ کچھ نہیں تو یہی سہی کہ "بھئی اب کتنے پانی میں ہو۔"

آمدم بر سر مطلب! یہ اتنی لمبی "لکھواس" میں نے اسی لئے کی ہے کہ آپ
اس کہانی "چمکیلا غبار" کے مجرموں کے لئے شائد یہی پوچھیں کہ پھر کیا ہوا؟ کم
از کم ایک کردار تو ایسا ضرور ہے جس کے متعلق آپ الجھن میں پڑ جائیں گے۔
پھر مجھ پر جھلائیں گے کہ آخر اسی جگہ کہانی کیوں ختم کر دی گئی۔ کہانی اپنی جگہ
مکمل ہے۔ لیکن اگر آپ کے دل میں کسی کردار کے متعلق مزید معلومات حاصل
کرنے کی خواہش پیدا ہو تو یہی سمجھئے کہ اس سے دوبارہ بھی ملاقات ہو سکتی ہے یار
زندہ صحبت باقی۔

اس کہانی میں میں نے کوشش کی ہے کہ میرے ہر قسم کے پڑھنے والوں
کی تشفی ہو جائے۔ ہو سکتا ہے کہ "قاسم پسندوں" کو اُس کی "کم نمائی" کی شکایت
پیدا ہو۔ لیکن اس سلسلے میں گذارش ہے کہ کسی تیز رفتار کہانی میں قاسم جیسے
"سست رو" کرداروں کے لئے گنجائش کم ہی نکل سکتی ہے۔ بہر حال وہ جتنا بھی آیا
ہے خوب آیا ہے۔ اس کہانی میں "حمید پسندوں" کی شکایت بھی رفع ہو جائے گی
کہ وہ صرف ایک درباری قسم کا مسخرہ بن کر رہ گیا ہے۔

ابن صفی

اُلو اور اقلیدس

ان دنوں محکمے میں فریدی کی مخالفت کا بڑا زور تھا۔ پرانے حکام کے تبادلے ہو گئے تھے۔ حکام کو نئی جگہ بھرم بنائے رکھنے کا خیال ہوتا ہے اس لئے وہ کیسے گوارہ کر لیتے کہ ایک ماتحت آ کا تفوق اُن پر بھی برقرار رہے۔ یہاں آنے سے پہلے وہ جانتے ہی تھے کہ مرکزی محکمہ کرنل فریدی کا نام ہے۔ دوسری طرف یہ بات بھی کسی سے پوشیدہ نہیں تھی کہ فریدی اپ مرضی سے اس معمولی سے عہدے پر ٹکا ہوا ہے ورنہ کبھی کا پتہ نہیں کہاں پہنچا ہوتا۔ اس سے عہدے پر جمے رہنے کی وجہ بھی سب کو معلوم تھی۔ وجہ یہی تھی کہ وہ کام کرنا چاہتا تھا۔ سراغ رسانی سے عشق تھا اسے اور یہی عشق محکمے تک لایا تھا۔ ملازمت برائے ملازمت کا یوں نہیں پیدا ہوتا تھا کہ اُس کی مالی حیثیت بہت بلند تھی۔

لیکن ان دنوں اُسے صرف دفتری اُمور تک محدود کر دیا گیا تھا۔ اُس نے خاموشی تبدیلی گوارہ کر لی۔ اپنے افعال سے ذرہ برابر بھی احتجاج نہ ظاہر ہونے دیا۔ البتہ حمید بے تھا۔ بور ہونے کی بات بھی تھی کیونکہ اُسے تو اٹھتے بیٹھتے انگارے چبانے پڑتے تھے۔

اب اسی وقت جیسے ہی وہ کینٹین تک جانے کے لئے اپنے کمرے سے نکلا۔ انسپکٹر آصف دور ہی سے للکار کر کہا۔ "جناب کپتان صاحب.... ذرا سنئے گا۔"

وہ اپنے کمرے سے نکل رہا تھا۔ برآمدے کے وسط میں دونوں رک گئے۔

"ارے تم لوگ ابھی یہیں ہو۔" آصف نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

"ہاں! ابھی تو یہیں ہیں۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "کسی دن جیل میں ہوں گے اور کچھ حضرات ہسپتال میں۔"

"غلط سمجھے۔" آصف مضحکہ اڑانے والے انداز میں ہنسا۔ "سوال یہ ہے کہ ایسے اہم کیس میں جائے واردات پر سعید اور حامد کیوں بھیجے گئے ہیں۔"

"کس اہم کیس میں....!"

"ملک کا مشہور ریاضی دان ڈاکٹر داؤد قتل کر دیا گیا۔ اُف فوہ۔ کہاں ہو آج کل تم لوگ کہ تازہ ترین حالات سے بھی بے خبر رہتے ہو۔"

"آپ جانتے ہی ہیں مسٹر آصف کہ ہمارے پاس کس قسم کے کیس آتے ہیں۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا اور برآمدے سے اتر کر کینٹین کی طرف چل پڑا۔

آج کل دفتر میں قدم رکھنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ اس نے تو فریدی کے سامنے لمبی تعطیل کی تجویز پیش کی تھی لیکن فریدی نے ہنس کر ٹال دیا تھا اور اب حالات کم از کم حمید کے لئے تو ناقابل برداشت ہی ہو کر رہ گئے تھے۔

وہ کینٹین کے چھوٹے سے صاف ستھرے ڈائننگ ہال میں داخل ہوا۔

اُسے اس حادثے کا علم تھا۔ کیونکہ اُس کی موجودگی ہی میں نئے ڈی۔ایس۔پی نے انسپکٹر سعید اور سب انسپکٹر حامد کو جائے واردات پر بھیجا تھا۔ لیکن اس نے حادثے کی تفصیل معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی اور نہ فریدی ہی سے اس کا تذکرہ کیا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ فریدی کو بھی اس واردات کا علم تھا یا نہیں۔

ڈائننگ ہال میں سارجنٹ توفیق پر نظر پڑی جو بسکٹوں کے ٹکڑے جلدی جلدی حلق سے اتارتا ہوا چائے کے گھونٹ لے رہا تھا۔ اُس نے حمید کو دیکھ کر ہاتھ اٹھایا اور حمید کے قدم غیر ارادی طور پر اُس کی میز کی جانب اٹھ گئے۔

سارجنٹ توفیق بھی دونوں انسپکٹروں کے ساتھ جائے واردات پر گیا تھا۔

"گوٹ پھنس گئی ہے استاد۔" اُس نے منہ چلاتے ہوئے بائیں آنکھ دبا کر کہا۔

"کیا ہوا....!" حمید نے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"میں ڈپٹی صاحب کو اطلاع دینے آیا تھا۔"

"کیسی اطلاع....!"

"ڈاکٹر داؤد قتل کر دیا گیا۔ جانتے ہی ہو گے۔"

"ہاں معلوم ہے مجھے۔ تم سعید اور حامد کے ساتھ گئے تھے۔"

"وہ بڑی بے تکی حرکتیں کر کے مرا ہے۔" توفیق نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"کیا...؟"

"اُس نے کوتوالی فون کیا تھا کہ اس کی زندگی خطرے میں ہے۔ شائد وہ ڈی۔ ایس۔ پی رشتے دار بھی تھا۔ ڈی۔ ایس۔ پی خود ہی دوڑا گیا اور جب وہ وہاں پہنچا تو ڈاکٹر داؤد کو فرش پر ا رگڑتے دیکھا۔ اُس کا بایاں ہاتھ سینے کے زخم پر تھا اور وہ کہنیوں کے بل اٹھنے کی کوشش کر ر ڈی۔ ایس۔ پی نے چھوٹتے ہی پوچھا کہ حملہ آور کون تھا! داؤد نے چیخ کر کہا اُلو اُلو.... پھر وہ رٹتا رہا اور فرش پر پھیلے ہوئے خون میں انگلی ڈبو کر اس نے ایک مثلث اور دائرہ بنایا... پھر.... مر گیا۔"

"خوب....!" حمید کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ نظر آئی۔

"اب.... یہ مثلث.... یہ دائرہ.... اور اُلو.... حامد صاحب اور سعید صاحب کو چکر رہے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر داؤد نے اپنی زندگی میں کبھی کسی اُلو کو دائرہ یا مثلث ثابت کر کوشش کی ہو۔ ریاضی دان ہی ٹھہرا۔"

"نہیں.... پیارے۔" توفیق ہنس کر بولا۔ "اب دیکھنا ہے کہ کرنل صاحب کے بغیر کام چلتا ہے۔"

حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور مڑ کر ویٹر سے چائے لانے کو کہا۔

توفیق کو شائد اس کی بے توجہی اور لاپروائی پر حیرت ہوئی تھی۔ وہ چند لمحے اُس کی دیکھتا رہا پھر اٹھتا ہوا بولا۔ "اب پھر وہیں جانا ہے۔"

حمید نے سر کو خفیف سی جنبش دی اور میز پر انگلیوں سے ہلکی ہلکی ضربیں لگانے لگا۔

پتہ نہیں توفیق کے بیان میں کہاں تک صداقت تھی۔ اُس نے سوچا اگر دائرے مثلث کی کہانی درست تھی تو فریدی (نجی ہی طور پر سہی) اس کیس میں دلچسپی لینے سے باز نہ آئے گا

آفس بند ہونے میں تھوڑی ہی دیر تھی اس لئے اس نے بقیہ وقت ڈائننگ ہال میں گذار دیا۔

لیکن اُس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی کہ فریدی کی آنکھ بچا کر کسی طرف نکل جاتا۔ کیونکہ ادھر وہ کینٹین سے باہر آیا اور اُدھر فریدی اپنے آفس سے برآمد ہوا اور اُس نے اُسے اپنے ساتھ چلنے کا ہی اشارہ کیا تھا۔ حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور آہستہ آہستہ اُس شیڈ کی طرف چلنے لگا جہاں کاریں پارک کی جاتی تھیں۔ آج حمید اپنی گاڑی سے نہیں آیا تھا۔

فریدی کے ساتھ لنکن میں بیٹھتے وقت وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑایا بھی تھا۔

"کیوں! جانکنی میں کیوں مبتلا ہو۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" حمید نے خشک لہجے میں جواب دیا اور گاڑی کا انجن ہلکی سی آواز کے ساتھ اسٹارٹ ہوا۔

حمید پھر ڈاکٹر داؤد کے متعلق سوچنے لگا تھا۔ لیکن اُس نے اس کا تذکرہ چھیڑنا مناسب نہ سمجھا کچھ دیر بعد اُس نے فریدی سے کہا۔ "آخر ہم کب تک کلرکی کرتے رہیں گے۔"

"اوہ.... تو یہ بات ہے۔"

"قطعی! میری دانست میں تو لمبی چھٹی ہی مناسب رہے گی۔" حمید بولا۔

"پھر اس کے بعد....!"

"دیکھا جائے گا۔" حمید نے کہا۔ "مگر شائد ہم گھر کی طرف تو نہیں جا رہے۔ پھر کہاں۔"

لنکن ہیویشام روڈ پر مڑ رہی تھی۔

"کوتوالی....!" فریدی نے ونڈ شیلڈ پر نظر جمائے ہوئے جواب دیا۔

"اوہ.... ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کا فون آیا ہو گا۔" حمید نے کہا۔ "ڈاکٹر داؤد اس کا رشتے دار تھا شائد۔"

"تمہارے پاس بھی کافی اطلاعات معلوم ہوتی ہیں۔ ہاں ڈی۔ ایس۔ پی نے پوچھا تھا کہ کیا میں اس کے لئے تھوڑا وقت نکال سکوں گا۔"

"اور آپ خود ہی کوتوالی کی طرف دوڑے جا رہے ہیں۔"

"کیا حرج ہے۔"

"میں اسے آپ کی شان کے خلاف سمجھتا ہوں۔"

"بہت اچھے۔" فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "ابھی تک ہوش نہیں آیا حالانکہ کلرکی کرتے

کرتے انگلیاں گھسی جا رہی ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی محض معلومات حاصل کرنے کو توالی جا رہا ہے شائد اُس نے گھر ہی پر ڈی۔ایس۔پی کا انتظار کیا ہوتا۔

شائد ڈی۔ایس۔پی کو بھی توقع نہیں تھی کہ فریدی خود ہی چلا آئے گا۔ اسی لئے استقبال بڑے پرتپاک انداز میں ہوا تھا۔

"کرنل! میں بے حد مشکور ہوں۔" ڈی۔ایس۔پی نے گرمجوش مصافحہ کے ساتھ کہا۔

اصل گفتگو شروع کرنے سے پہلے اس نے اس بات پر حیرت ظاہر کی کہ فریدی واردات پر نہیں آیا تھا۔

"آج کل میں زیادہ تر آفس ورک کر رہا ہوں۔" فریدی بولا۔

دفعتاً میز پر رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجی اور ڈی۔ایس۔پی نے ریسیور اٹھا لیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ ماؤتھ پیس میں چیخا۔ "کیا؟"

اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ وہ چند لمحے اسی حالت میں کچھ سنتا رہا پھر کریڈل پر پٹختا ہوا بولا۔ "ڈاکٹر صاحب کی کوٹھی میں آگ لگ گئی۔"

"کس نے اطلاع دی ہے۔"

"ایک ایس آئی نے جو وہاں موجود تھا لاش اٹھوانے کے بعد وہاں سامان کی فہرست کرنے کا کام ہو رہا تھا۔"

"کیا وہ مکان میں تنہا رہتے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"اور تب تو ہمیں دیر نہ کرنی چاہئے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "ورنہ ہو سکتا ہے کہ بہترین شہادتیں ضائع ہو جائیں۔"

پھر تھوڑی دیر بعد ایک پٹرول کار کوتوالی کے پھاٹک سے باہر نکلی جس کے پیچھے فر لنکن تھی۔

فریدی بڑبڑا رہا تھا۔ یقیناً کوئی اہم ترین شہادت ضائع ہو گئی۔

"قبل از وقت کیسے کہا جا سکتا ہے۔" حمید بولا۔

"پھر آگ لگانے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ میرا دعویٰ ہے کہ جائے واردات کا معائنہ کرنے ں نے کسی خاص چیز پر دھیان نہیں دیا تھا۔ وہ ضائع کر دی گئی۔"

ڈاکٹر داؤد کی کوٹھی موڈل کالونی کے ایک دور افتادہ حصے میں واقع تھی۔ آس پاس اور کوئی ت نہیں تھی۔ ہو سکتا ہے یہاں عمارت بنوانے میں ریاضی داں کی سکون پسندی ہی کو دخل رہا ہو۔

پوری عمارت سے شعلے بلند ہو رہے تھے اور آس پاس آدمیوں کا جم غفیر نظر آ رہا تھا لیکن ں بھی کوئی آگ بجھانے والی گاڑی نہ دکھائی دی۔

"آگ بجھانے کا بھی کوئی انتظام نہیں ہے۔" فریدی گاڑی روک کر نیچے اترتا ہوا بولا۔

ایک پولیس کانسٹیبل مجمع سے گذرنے کے لئے جگہ بنانے لگا اور وہ عمارت سے تھوڑے ہی لے پر رکے۔ یہاں وہ ایس آئی موجود تھا جس نے ڈی۔ایس۔پی کو فون پر اطلاع دی تھی۔

ڈی۔ایس۔پی اُس پر برس پڑا۔ "تم کھڑے دیکھتے ہی رہے اور پوری عمارت میں آگ لگ گئی۔"

"فائر اسٹیشن کو فون کئے گئے ہیں جناب۔" ایس آئی نے کہا۔ "لیکن اس وقت اُن کے پاس بھی گاڑی نہیں ہے۔ سب گاڑیاں پہلے ہی سے کہیں جا چکی ہیں۔ اس وقت شہر کی کئی عمارتیں ا رہی ہیں۔"

"اوہ....!" فریدی کے ہونٹ دائرے کی شکل میں سمٹ گئے اور ڈی۔ایس۔پی اُس کی ف مڑا۔

"اُسے بھی بے بسی ہی کہنا چاہئے۔" فریدی بولا۔

"آپ کا خیال درست معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شہادت ضائع کی گئی ہے۔ ورنہ ایک ہی شہر ایک وقت آتشزدگی کی اتنی وارداتوں کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ مقصد یہی ہے کہ مدد لینے میں دیر اور پوری عمارت خاک کا ڈھیر ہو جائے۔"

فریدی ایس آئی سے سوالات کرنے لگا۔

"آپ اس وقت کہاں تھے جب آگ لگی تھی۔"

"ڈرائنگ روم میں جناب۔"

"کیسے علم ہوا تھا....؟"

"کسی کانسٹیبل نے کہا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ کون تھا۔ آگ عمارت کے پچھلے حصے

سے شروع ہوئی تھی۔"

"کچن سے.....!"

"جی نہیں! کچن تو اُس وقت محفوظ تھا۔ ہم عمارت سے نکل آئے تھے۔ پھر کالونی آفس سے فائر اسٹیشن فون کیا گیا تھا۔"

پھر فریدی نے اس کانسٹیبل کے لئے پوچھ گچھ شروع کی جس نے ایس آئی کو اطلا وہاں چھ سات کانسٹیبل تھے جن میں سے ایک نے اعتراف کیا کہ اُسی نے آگ کے متعلق کو بتایا تھا۔

"تم کہاں تھے؟ اور تمہیں کیسے معلوم ہوا تھا؟"

"میں پھاٹک پر تھا حضور! ایک راہ گیر نے اطلاع دی تھی۔ وہ دوڑتا ہوا عمارت کی آیا تھا۔ میں نے بھی اُس کے ساتھ جا کر دیکھا۔ پچھلے حصے میں آگ لگی تھی۔ پھر میں کو اطلاع دی۔"

"کیا تم نہیں جانتے کہ آگ لگنے کی اطلاع دینے والے کو روکے رکھنا چاہئے۔" فریدی

"مجھے نہیں معلوم تھا حضور۔" کانسٹیبل گھگھیایا۔

"اگر اُسے دوبارہ کہیں دیکھو تو پہچان لو گے۔"

"ضرور پہچان لوں گا..... جناب عالی۔"

فریدی حمید کی طرف مڑا جو ابھی ابھی موڈل کالونی کے پوسٹ آفس سے واپس

"اب بھی اسٹیشن پر کوئی گاڑی موجود نہیں ہے۔" اُس نے کہا۔

"تب پھر کوئی صورت نہیں رہ گئی۔" فریدی نے شانوں کو جنبش دی۔ آگ ہو چکی ہے۔

عمارت جلتی رہی اور وہ کھڑے دیکھتے رہے۔ دروازے اور کھڑکیاں تڑخ تڑخ کر اور گہرا دھواں جس میں بہت اونچائی تک آگ کی لپٹیں بھی شامل ہوتی تھیں، آسما کر رہا تھا۔ لوگ چیخ رہے تھے اور کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی!

"کیا کوئی ملازم بھی ساتھ نہیں رہتا تھا۔" فریدی نے ڈی۔ایس۔پی سے پوچھا۔

"نہیں وہ تنہا رہتے تھے۔ ادھر اُن کی مالی حالت بہتر نہیں رہی تھی۔" ڈی۔ا

نظرانہ انداز میں کہا۔ "ابھی میں نے قریب ہی کہیں کوئی فائر ہائیڈرنٹ تلاش کرانے کی کوشش تھی۔ لیکن آس پاس ایک بھی نہیں ہے ورنہ اُسی سے ہم خود ہی کچھ کام لے سکتے!"

"آپ اُسے خاک کا ڈھیر ہو جانے سے نہیں بچا سکیں گے۔" فریدی نے کہا۔ "کیونکہ سب ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ہوا ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر داؤد بہت سلجھی ہوئی یت کے آدمی تھے۔"

"یہی تو مصیبت ہے کہ ایسا نہیں تھا۔" ڈی۔ایس۔پی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "وہ لڑاکو بھی تھے اور دوسروں کے معاملات میں دخل اندازی کی بھی عادت تھی۔"

"آپ اُن کے مرنے سے پہلے یہاں پہنچ گئے تھے۔"

"ہاں انہوں نے مجھے فون کیا تھا کہ وہ خطرے میں ہیں لیکن انہوں نے فون پر تفصیل نہیں ئی تھی۔ بس ہذیانی انداز میں یہی چیختے رہے تھے فوراً پہنچو.... فوراً پہنچو.....!"

"بہت زیادہ خائف تھے؟" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں! آواز سے تو یہی ظاہر ہو رہا تھا۔" ڈی۔ایس۔پی بولا۔ "اور جب میں یہاں پہنچا تو وہ ب کمرے میں زمین پر لوٹ رہے تھے۔ گولی سینے پر لگی تھی اور خون فرش پر پھیل رہا تھا۔ میرا یال تھا کہ وہ اس وقت ہوش ہی میں تھے۔ لیکن قاتل کے متعلق استفسار کرنے پر معلوم ہوا کہ ن کی ذہنی حالت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔"

"کیوں....؟"

"قاتل کے متعلق پوچھنے پر ان کی زبان سے الو نکلا تھا۔ اور پھر وہ اُلو ہی اُلو رٹتے رہے تھے۔ ر ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔ بعض لوگوں کو اپنے مشاغل سے جنون کی حد تک عشق ہوتا ہے لن میں اسے جنون سے بھی زیادہ کوئی اور چیز سمجھوں گا اگر مرتے وقت بھی اُن مشاغل کا دھیان ہے یا مرتے مرتے بھی انہیں مشاغل ہی سے متعلق کوئی حرکت سرزد ہو جائے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"جب میں نے اُن سے قاتل کے متعلق پوچھا تھا تو وہ ایک طرف تو اُلو اُلو رٹتے رہے تھے ر دوسری طرف اپنے خون میں انگلی ڈبو ڈبو کر فرش پر ایک مثلث اور ایک دائرہ بھی بنایا تھا۔"

"خوب.....!"

"اور اسی حالت میں اُن کا جسم سرد پڑ گیا تھا۔"

فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا اور اسی وقت آگ بجھانے والی گاڑیوں کی گھنٹیاں سنائی دیں

"اب کیا باقی بچا ہے۔" حمید نے جلتی ہوئی عمارت کی طرف دیکھ کر کہا۔

آگ بجھانے والی گاڑیاں اپنے کام میں لگ گئیں اور وہ لوگ مجمع سے باہر آ گئے! کانسٹیبل ہٹانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"میرا خیال ہے کہ وہ بہت زیادہ سوشل آدمی بھی نہ رہے ہوں گے۔" فریدی۔ایس۔پی سے کہا۔

"بہت زیادہ سوشل تھے۔ میں انہیں عجیب ہی کہوں گا۔ ریاضی داں عموماً خشک طبیعت ہیں لیکن ڈاکٹر صاحب اُن سے بہت مختلف تھے۔ گانے بجانے کا شوق بھی تھا۔ اچھی خا موڈلنگ بھی کر لیتے تھے.... اُوہ....!"

یک بیک ڈی۔ایس۔پی خاموش ہو گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے کوئی بات یاد آ حمید نے اُس کی آنکھوں میں اضطراب کہ لہریں بھی محسوس کیں۔

دفعتاً ڈی۔ایس۔پی نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔"مجھے اُن کا بنایا ہوا ایک بت یاد آر وہ کسی سوچ میں پڑ گیا پھر اس طرح بولا جیسے خود سے مخاطب ہو۔"اُلو.... اُلو.... اس سے بھی کوئی تعلق تھا۔"

فریدی اُسے استفہامیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔"جی ہاں....!" ایس۔پی پھر اس کی دیکھ کر بولا۔"مٹی اور پلاسٹر آف پیرس کا بت۔ جس کا چہرہ آدمیوں کا سا تھا لیکن با پرندے کا۔ بس وہ اُلو ہی معلوم ہوتا تھا۔ گول چہرہ عجیب سی بھنویں اور اُلو کی چونچ کی سی نا

"آپ نے اُسکے متعلق ضرور پوچھا ہوگا۔"

"ہاں.... پوچھا تھا۔ وہ ہنسے تھے اور صرف "ایک کارٹون" کہہ کر خاموش ہو گئے تھے

تعاقب

آگ بجھانے والی گاڑیوں کی ٹنکیاں خالی ہو گئیں لیکن آگ پوری طرح نہ بجھ سکی

اب بھی کثیف دھوئیں کے مرغولے اُبھر رہے تھے اور لپٹیں بھی اٹھتی دکھائی دیتی تھیں۔ فائر فائٹرز وہاں فائر ہائیڈرنٹ تلاش کرتے پھر رہے تھے تاکہ مزید پانی حاصل کر کے کام چلایا سکے۔

"آپ نے یہ تو یقیناً معلوم کرنے کی کوشش کی ہوگی کہ وہ کس کا کارٹون تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"قدرتی بات ہے۔ لیکن مجھے سوال کا جواب نہیں ملا تھا۔"

"ان کے احباب کے بارے میں کچھ بتا سکیں گے۔ چند ایک کے نام اور پتے بھی دے سکیں تر ہوگا۔"

"حلقہ احباب نہ مخصوص تھا اور نہ محدود۔ روز ہی نئے نئے احباب بنا کرتے تھے۔ اور ساری ی احباب نوازیوں کی نذر ہو جاتی تھی اور وہ ہمیشہ مالی تباہ حالی کا رونا روتے رہتے تھے۔ ویسے میں کو چند نام اور پتے بھجوا دوں گا۔"

"شکریہ....!" فریدی نے تشویس کن لہجے میں کہا۔"لیکن مجھے نجی طور پر کام کرنا پڑے گا۔ سے شاید ہی اجازت ملے۔"

"کچھ کیجئے کرنل! میں بے حد پریشان ہوں وہ دراصل بیگم صاحبہ کے ماموں تھے۔ جب سے نے سنا ہے بُرا حال ہے۔"

چند لمحے خاموشی سے گذرے پھر فریدی نے پوچھا۔"دائرہ اور مثلث الگ الگ بنائے تھے یا ث دائرے کے اندر تھا یا پھر اس کے برعکس۔"

"دونوں الگ الگ تھے۔ مگر میری سمجھ میں نہیں آتا....!"

"ایسے وقت میں ذہنی حالت پر شبہ کیا جا سکتا ہے۔" فریدی بولا۔"خیر میں دیکھوں گا۔"

رات گئے وہ دونوں واپس ہوئے۔ فریدی کی جیب میں ڈاکٹر داؤد کے چند دوستوں کے نام پتے موجود تھے۔

"بڑی شدت سے مخالفت ہوگی اگر آپ نے اس کیس میں ہاتھ لگایا۔" حمید نے کہا۔

"میں جانتا ہوں۔" فریدی نے جواب دیا۔

"لیکن آپ نجی طور پر تفتیش ضرور کریں گے۔"

"بھئی کلرکوں کو بھی حق حاصل ہے کہ فرصت کے اوقات میں تفریح کریں۔"

"مگر یہ کلرک بیمار پڑ جانا چاہتا ہے۔" حمید نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم بیمار نہ پڑے تو میں تمہاری ٹانگ ہی توڑ کر بٹھا دوں گا۔"

"کیا آپ کی دانست میں اُلو مثلث اور دائرہ کلیو بھی ہو سکتے ہیں۔"

"قطعی ہو سکتے ہیں۔"

"اگر وہ ہوش میں نہ رہا ہو تو۔"

"تب ہی تو کلیو ہو سکتے ہیں! ورنہ ہم اُسے سیدھا سادھا سا بیان تسلیم کر لیتے۔ یقیناً ذہنی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ لیکن جو کچھ بھی اس کی زبان سے نکلا تھا یا جو کچھ بھی اس خاص فعل کا نتیجہ تھا اُسے کیا تم ذہن ہی سے متعلق نہ سمجھو گے؟"

"یقیناً سمجھوں گا لیکن اُلو یا اقلیدس آپ کو کدھر لے جائیں۔ ڈی۔ ایس۔ پی نے قا متعلق استفسار کیا تھا۔ اُس نے کہا اُلو پھر مثلث اور دائرہ بنا کر رکھ دیا۔ کیا یہ ضروری ہے سے قاتل پر روشنی پڑ ہی سکے۔ اُس کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں تو وہ یا تو قاتل کا نام بتاتا ظاہر کرتا۔ جب آپ تسلیم کرتے ہیں کہ اس کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں تھی تو ہو سکتا۔ اور مثلث ڈی۔ ایس۔ پی کے سوال کا جواب ہی نہ رہے ہوں۔"

"لیکن اُن کا کچھ نہ کچھ تعلق اُس اذیت سے ضرور ہونا چاہئے جس کی بناء پر اس حالت متوازن ہی نہ رہی تھی۔"

"تو پھر پیدا کیجئے تعلق۔" حمید نے اکتا کر کہا۔ پھر یک بیک چونک کر بولا۔ "ڈی۔ نے کسی مجسمے کا تذکرہ بھی تو کیا تھا۔"

"ہاں! لیکن افسوس ہے کہ ہم اُسے نہ دیکھ سکے۔"

حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ وہ جلتی ہوئی عمارت کے متعلق سوچ رہا تھا جسے راکھ کا ڈھیر ہوتے بھی دیکھا تھا۔ وہاں اب کیا باقی بچا ہوگا۔ سبھی کچھ تو ضائع ہو گیا۔ لیکن نے اُس پر فائر کرنے کے بعد ہی آگ کیوں نہیں لگا دی تھی اگر اُسے کچھ شہادتیں تھیں۔ آخر پولیس کی موجودگی میں اس کا خطرہ کیوں مول لیا؟ یہ ایک ضروری سوال تھا۔

اس سوال پر فریدی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نظر آئی اور اس نے کہا۔ نے مجھے اُلو، مثلث اور دائرے کو اہمیت دینے پر مجبور کیا ہے۔ عمارت میں اُس وقت آگ

پولیس وہاں موجود تھی بڑے دل گردے کا کام تھا۔ اس قسم کے خطرات اُسی حالت میں مول لئے جاتے ہیں جب بچاؤ کے لئے کوئی دوسری راہ نہ ملے۔ جائے واردات کا معائنہ کرنے والوں کی پروائی کی بناء پر اُلو مثلث اور دائرے والی بات قبل از وقت عمارت کے باہر آ گئی تھی۔ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ یہی آتشزنی کا موجب بنی ہو۔"

"ہوں.... اس کے امکانات قوی ہیں۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "اب بات سمجھ میں آئی ہے۔ پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُلو کا مجسمہ ہی وہ اہم شہادت رہی ہو جس کی بناء پر مجرم کی شخصیت روشنی میں آ جاتی۔"

"فی الحال یقین کے ساتھ کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔"

"اب ہم کہاں جا رہے ہیں۔" حمید نے پوچھا کیونکہ فریدی نے لنکن گرینگ روڈ پر موڑی تھی۔

"میرے پاس ایک پیشہ ور مجسمہ ساز کا پتہ بھی ہے۔ اُس سے ڈاکٹر کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ اُس کا شوروم اسی سڑک پر ہے۔"

کچھ دور چل کر لنکن بائیں جانب والے فٹ پاتھ سے جا لگی۔ فریدی نے انجن بند کر دیا اور نیچے اتر آیا۔

اب وہ مجسموں کی ایک بڑی دوکان میں داخل ہو رہے تھے۔ ایک پستہ قد اور معمر آدمی نے ان کا استقبال کیا۔

فریدی اس طرح شوکیس میں رکھے ہوئے مجسموں کا جائزہ لے رہا تھا جیسے کسی خاص مجسمے کی تلاش ہو۔ یہاں زیادہ تر ملک کے بڑے آدمیوں کے مجسمے نظر آ رہے تھے۔ شعراء فلسفیوں اور سیاست دانوں کے مجسمے۔

"فرمائیے جناب۔" بوڑھے آدمی نے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔

"مجھے نصیری صاحب سے ملنا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"فرمائیے! جناب یہی خادم ہے۔ کیا آپ اپنا مجسمہ بنوائیں گے۔"

"نہیں.... مجھے ایک ایسا مجسمہ چاہئے جو دلچسپ ہو۔"

"میں نہیں سمجھا جناب۔"

"مطلب یہ کہ جسے دیکھ کر ہنسی آئے۔ جس نے مجھے آپ کا پتہ دیا تھا اُسی کے ہاں میں نے

ایسا ہی ایک مجسمہ دیکھا تھا۔"

"کس کے ہاں۔" بوڑھے کی پیشانی پر شکنیں اُبھر آئیں۔

"ڈاکٹر داؤد کے یہاں....!"

"اوہ.... مگر وہ مجسمہ کیسا تھا۔"

"سر آدمی کا اور دھڑ پرندے کا۔ لیکن چہرے کی بناوٹ بالکل اُلو کی سی تھی۔"

حمید بغور اُسے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے اندازہ لگایا کہ ابھی اُسے ڈاکٹر داؤد کے قتل کی اطلا نہیں ملی۔ ورنہ وہ اُس کے تذکرے پر اتنا پرسکون نہ دکھائی دیتا۔ لیکن جیسے ہی فریدی نے مجسمے متعلق تفصیل ظاہر کی اُس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

"مم.... میں.... ایسے بت کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ ڈاکٹر داؤد خود ہی کلے موڈلنگ کرتے تھے۔ اچھے آرٹسٹ تھے۔ انہوں نے خود ہی بنایا ہوگا۔"

"جی ہاں.... انہوں نے خود ہی بنایا تھا اور مجھے مشورہ دیا تھا کہ میں ویسا ہی دوسرا آپ بنوالوں۔"

"بھلا میں کیسے بنا سکتا ہوں جناب۔ مم.... میں نے تو اُسے دیکھا ہی نہیں تھا۔"

"اگر میں غلطی پر نہیں تو آپ کچھ خائف سے نظر آرہے ہیں۔" فریدی نے کہا اور پھر بیک اچھل کر پیچھے ہٹ آیا۔ بائیں جانب والی کھڑکی سے ایک فائر ہوا تھا۔ بوڑھے کی چیخ دوکان محدود فضا میں گونجی۔

"دیکھو....!" فریدی نے بوڑھے کی طرف ہاتھ اٹھا کر حمید سے کہا اور دروازے سے پاتھ پر چھلانگ لگائی۔

حمید بوڑھے کی طرف جھپٹا جو فرش پر پڑا ایڑیاں رگڑ رہا تھا۔ گولی اس کی داہنی کنپٹی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اُس نے دم توڑ دیا۔ گولی لگنے کے بعد اُس کی زبان سے ایک لفظ بھی نکل سکا تھا۔

فٹ پاتھ پر بھیڑ لگ گئی۔ حمید نے مجمع ہٹانے کے لئے ایک ڈیوٹی کانسٹیبل کو بلالیا۔ فر گلی میں تھا۔ کچھ دیر بعد دوکان میں واپس آکر اُس نے کوتوالی فون کیا۔

گلی میں تین ڈیوٹی کانسٹیبل موجود تھے، جنہوں نے گلی سے آمد و رفت روک دی تھی۔

اسے ایک کھڑکی کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔

"دیکھو....!" فریدی نے آہستہ سے حمید کو مخاطب کیا۔ "ہم یہاں بس یونہی چلے آئے ڈاکٹر داؤد کے سلسلے میں نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید نے تشویش کن انداز میں سر کو جنبش دی۔

ذرا ہی سی دیر میں کئی پولیس کاریں وہاں پہنچ گئیں۔ ڈی۔ایس۔پی سٹی بھی آیا تھا۔

فریدی نے اُسے علیحدہ لے جاکر کہا۔ "یہ کوئی گہری سازش ہے۔ میں اُس سے اسی مجسمے کے ق پوچھ گچھ کر رہا تھا۔"

"اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ قاتل وہیں سے آپ کا تعاقب کرتا ہوا آیا تھا۔" ایس۔پی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکے گا۔ لیکن سنئے۔ اب اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ لئے اس کیس کی تفتیش کروں تو اس کا تذکرہ کسی سے بھی نہ کیجئے گا کہ میں آپ سے اس کا پتہ م کر کے یہاں آیا تھا۔"

"تو گویا آپ یہ چاہتے ہیں کہ اس کا تعلق ڈاکٹر کے کیس سے نہ ظاہر کیا جائے۔"

"جی ہاں.... میں یہی چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے.... اس طرح شائد نصیری کا کیس باضابطہ طور پر آپ کو مل جائے۔" ایس۔پی نے کہا۔

"ہرگز نہیں۔" فریدی مسکرایا۔ "اس کا خیال ہی فضول ہے، چونکہ قتل میری موجودگی میں ہے اس لئے شاید میرے ہی خلاف تفتیش شروع کر دی جائے۔"

"نہیں....!" ڈی۔ایس۔پی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں.... اور اپنی صفائی پیش کرنے کے لئے میں جو کچھ بھی کروں گا اس کا مقصد صل ڈاکٹر داؤد کے قاتل ہی پر ہاتھ ڈالنا ہوگا۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ محکمے میں آپ کی مخالفت کیوں ہو رہی ہے۔ میں نے اس کے بارے بھی کچھ سنا تھا۔"

"اکثر ایسا بھی ہوتا ہے۔" فریدی مسکرایا۔ پھر بولا۔ "آپ فنگر پرنٹ سیکشن والوں کو طلب

کر کے کھڑکی پر نشانات تلاش کرائیے اور دوکان کی تلاشی لیجئے۔ مگر یہ تلاشی آپ کی ذمہ
ہوگی۔ میں صرف ساتھ رہوں گا۔"

"ٹھیک ہے.... میں سمجھتا ہوں۔" ڈی۔ایس۔پی نے تشویش کن انداز میں سر ہلا کر
لیکن فریدی اُس تلاشی میں شریک نہ ہو سکا کیونکہ اُس کے محکمے کا نیا ایس۔پی بھی
گیا تھا اور شاید وہ اسی اطلاع پر آیا تھا کہ واردات فریدی کی موجودگی میں ہوئی تھی۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔" ایس۔پی نے پوچھا۔

"بس یوں ہی۔ ایک پاپولر مجسمے کی تلاش تھی۔"

"آپ ڈاکٹر داؤد کی کوٹھی پر بھی موجود تھے۔ میرا مطلب ہے آگ لگنے کے بعد۔"

"جی ہاں۔ صرف ایک تماشائی کی حیثیت سے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"آپ کو معلوم ہے کہ اوپر کے آرڈر کتنے سخت ہیں۔"

"جی ہاں مجھے علم ہے۔ مگر میں نے کوئی بے ضابطہ مداخلت تو نہیں کی۔"

"ڈی۔ایس۔پی سٹی نے آپ کا تحریری بیان لیا یا نہیں۔"

"غالباً مجھے اسی لئے روکا گیا ہے۔"

فریدی نے لاکھ چاہا کہ کسی طرح اُس سے پیچھا چھڑائے لیکن وہ اُسے باتوں میں الجھ
رہا اور اس دوران میں ڈی۔ایس۔پی سٹی تلاشی لے کر باہر بھی آ گیا۔

اپنے محکمے کے ایس۔پی کی موجودگی ہی میں فریدی کو وہاں سے رخصت
ڈی۔ایس۔پی سے گفتگو کرنے کا موقع کہاں تھا۔

"اب فرمایئے۔" حمید نے لنکن میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

"دیکھتے جاؤ۔" فریدی انجن اسٹارٹ کرتا ہوا بولا۔ "میں خود کو بے بس سمجھنے کا عادی نہیں

"بے بس تو وہ مرنے والا بھی نہیں تھا۔" حمید نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

اور فریدی صرف ہنس کر خاموش ہو گیا پھر بولا۔ "کیا خیال ہے تمہارا.... نصیر
پہچانتا تھا یا نہیں۔"

"اس کے متعلق کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"قطعی پہچانتا تھا۔ لیکن شاید اُسے ڈاکٹر داؤد کے قتل کے بارے میں نہیں معلوم تھا

"تو کیا وہ اس بناء پر مارا گیا کہ آپ کو پہچانتا تھا۔"

"نہیں صرف اس لئے کہ میں اس کے ذریعے کسی کو پہچان لوں گا۔ نصیری بہت دنوں سے
ی لسٹ پر تھا فرزند۔"

"کیا مطلب....!"

"غیر پسندیدہ اور مشتبہ عناصر کی لسٹ پر۔ لیکن ڈاکٹر داؤد کے متعلق میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔"

"تو کیا آپ اُسے بھی اُس لسٹ میں شامل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ مجھے ایسا ہی کرنا پڑے گا۔"

"اُلو کے تذکرے سے نصیری خائف نظر آنے لگا تھا۔" حمید نے کہا۔

"شائد وہ ہمیں بہت کچھ بتا سکتا۔"

"میں تو صاحب اب کلرکی ہی میں خوش ہوں۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ "وہ تو آپ کا
دیکھ کر مجھے ان پابندیوں پر غصہ آ جاتا ہے۔"

"اوہو! تو تم نے حسب عادت بھاگ دوڑ پہلے ہی سے سونگھ لی۔"

"دیکھئے!" حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"ہوں کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"جو لوگ پولیس کی موجودگی میں کسی عمارت میں آگ لگا سکتے ہوں یا ہماری نظروں کے
نے نصیری کو قتل کر سکتے ہوں کیا وہ ہم پر بھی ہاتھ صاف کرنے کی کوشش نہ کریں گے؟"

"یقیناً کریں گے۔ میں یہی دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"لیکن میں اپنے سہرے کے علاوہ اب اور کچھ نہیں دیکھنا چاہتا۔"

"موت سے ڈرتے ہو۔" فریدی مسکرایا۔

"شادی سے پہلے یقیناً ڈرتا ہوں۔ پھر شادی کے بعد بھلا موت کہاں آتی ہے۔ ارے ارے
یہ آپ کدھر جا رہے ہیں۔"

"کسی ایسی جگہ جہاں اندازہ کر سکوں کہ تعاقب اب بھی ہو رہا ہے یا نہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی کو کسی کام سے باز رکھنا ناممکنات میں سے ہے۔ فریدی
قول تھا کہ موت کی تلاش میں رہنے والوں سے موت ہمیشہ دور بھاگتی ہے۔ یا کم از کم ویسی موت

تو انہیں کبھی نہیں نصیب ہوتی جیسی وہ چاہتے ہیں۔ تو پھر موت کے معاملے میں جواریوں کا رویہ کیوں نہ اختیار کیا جائے۔

ایک نہیں ہزاروں اس پر متحیر رہا کرتے تھے کہ آخر وہ اب تک زندہ کیوں ہے۔ تو لاتعداد دشمن تھے اور آئے دن اس کی تعداد میں اضافہ ہی ہوتا رہتا تھا۔

خود حمید ہی نے اُسے سینکڑوں بار موت کے جبڑوں سے صحیح و سلامت بچ نکلتے لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ حمید بھی جان بوجھ کر اندھے کنویں میں چھلانگ لگا دینے کا ہو، نہ وہ حقیقتاً بزدل تھا اور نہ کام چور۔ لیکن خواہ مخواہ کسی الجھن میں پڑنے سے گریز کر اس وقت وہ تنہا ہوتا تو گاڑی کو کسی ویرانے کی طرف موڑنے کی بجائے بھری پُری سڑکوں ہی

لیکن اب لنکن ایک سنسان سڑک پر دوڑ رہی تھی جس کے دونوں کناروں پر اد درختوں کی قطاریں تھیں اور اُن کے بعد پھر شائد کھیتوں اور جنگلوں ہی کے سلسلے پھیلے ہوں۔ حمید نے مڑ کر دیکھا۔ یقینی طور پر تعاقب ہو رہا تھا۔

"ہے نا....!" فریدی نے عقب نما آئینے پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"یقین کے ساتھ کیسے کہا جا سکتا ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "ہو سکتا ہے وہ بھ ہی طرح غلط فہمی کا شکار ہوا ہو۔ یعنی کوئی نامراد عاشق جو سمجھا ہو کہ اُس کی محبوبہ ہماری سفر کر رہی ہے۔"

دفعتاً فریدی نے لنکن کی رفتار تیز کر دی اور تھوڑی ہی دیر میں دونوں کاروں کا طویل ہو گیا۔

"دیکھتے رہو! جیسے ہی پچھلی گاڑی کسی نشیب میں جائے فوراً بتانا۔" فریدی نے کہا۔

حمید پھر مڑا۔ پچھلی گاڑی شائد نشیب ہی میں جا رہی تھی۔ کیونکہ اب اُس کے نہیں دکھائی دے رہے تھے۔

"نشیب ہی میں ہے۔" حمید جلدی سے بولا اور فریدی نے گیئر بدلے۔ رفتار ساتھ ہی گاڑی کی روشنیاں بھی گل ہو گئیں۔

"بائیں جانب اتر جاؤ۔" فریدی نے انجن بند کرتے ہوئے کہا۔ یہ سب کچھ اتنی جلا حمید کو کچھ سوچنے کی مہلت نہ مل سکی۔

اس نے دروازہ کھول کر بائیں جانب چھلانگ لگائی اور لڑھکتا ہوا نشیب میں چلا گیا۔ پھر بمشکل تمام سنبھلنے میں کامیاب ہو سکا۔ یقین تھا کہ جسم پر خراشیں آئی ہی ہوں گی۔ لیکن ان کی سوزش محسوس کرنے کا ہوش کسے تھا۔

مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے اتنی گہری تاریکی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا تھا۔ یہاں سے سڑک کی بلندی تقریباً پندرہ فٹ ضرور رہی ہو گی۔ لیکن حمید کسی کار کی صرف آواز ہی سن سکا۔ کار نہیں دکھائی دی تھی۔ البتہ ہیڈ لیمپس کی روشنی درختوں پر جھلکیاں مارتی نکل گئی تھی۔

تو وہ گاڑی کے بغیر رکے ہی گذر گئی۔ حمید نے سوچا اور اُسے فریدی کی بوکھلاہٹ پر تاؤ آنے لگا۔ خواہ مخواہ چوٹیں بھی کھائیں اور کپڑے بھی تباہ کئے۔

یک بیک قریب ہی اُسے سرسراہٹ سنائی دی اور وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُس نے فریدی کی آواز سنی۔ "کہاں ہو۔"

"آغوشِ مادر میں۔" حمید جھلا کر بولا اور پھر پہلی سی خاموشی چھا گئی۔ مگر یہ خاموشی بے وجہ نہیں تھی۔ وہ ضرورتاً خاموش ہوئے تھے۔ کیونکہ اب پھر کسی کار کی آواز سنائی دی تھی اور روشنی بھی نظر آئی تھی۔ آنے والی کار وہیں رکی جہاں انہوں نے اپنی کار چھوڑی تھی۔

"نہیں یہ گاڑی نہیں ہے۔" انہوں نے کسی کو کہتے سنا۔ "اوہ... اسمیں تو کوئی بھی نہیں ہے۔"

"یقیناً یہ وہ گاڑی نہیں ہے۔" یہ دوسری آواز تھی۔

"کہیں ہم پھنس تو نہیں گئے۔" تیسری آواز آئی جس کے جواب میں انہوں نے کچھ بھی نہ سنا۔

اُلو کا خوف

فریدی نے حمید کا شانہ دبایا اور پھر وہ دونوں آہستہ آہستہ چڑھائی پر رینگنے لگے۔ جلد ہی انہیں ایک ایسی جگہ مل گئی جہاں سے وہ سڑک پر بہ آسانی نظر رکھ سکتے تھے۔

آنے والی کار کی روشنیاں بھی گل کر دی گئی تھیں اور سڑک پر تین دھندلے سائے نظر آ رہے تھے۔

"تمہیں خواہ مخواہ وہم ہو رہا ہے۔" کوئی بولا۔ "ہو سکتا ہے یہ گاڑی قطعی غیر متعلق ہو۔"

"اتنی قیمتی گاڑی یہاں ویرانے میں اس طرح چھوڑ دی گئی ہے۔" دوسری آواز آئی۔

"وقت نہ برباد کرو.... یا آگے چلو یا واپس۔"

"وہ تو ہاتھ سے گیا.... واپسی ہی مناسب ہے۔"

وہ شاید گاڑی میں بیٹھ گئے تھے۔ گاڑی بیک ہوئی اور پھر شہر کی طرف مڑ گئی۔

جب وہ کچھ دور نکل گئی تو فریدی بھی اٹھا اور دونوں لنکن کی طرف آئے۔ تھوڑی دور بھی شہر کی طرف مڑ رہے تھے۔ لنکن کے ہیڈ لیمپس بجھے ہوئے تھے لیکن عقبی سرے اندیکھے خطرات کے لئے جاگ رہی تھی۔

لنکن کی رفتار خاصی تیز تھی۔ حمید نے اس پر اعتراض کیا کیونکہ اندھیرے میں رفتاری خطرناک ہی تھی۔ لیکن فریدی نے جواب نہ دیا۔ رفتار اُسی وقت کم ہوئی تھی جب والی کار کی عقبی سرخ روشنی نظر آنے لگی تھی۔

"ان لوگوں کے متعلق کیا خیال ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"کچھ کہا نہیں جاسکتا۔" فریدی نے تشویش کن لہجے میں جواب دیا۔ "ہو سکتا ہے کہ قطعی غیر متعلق رہی ہو جسے ہم اپنے تعاقب میں سمجھے تھے۔"

"لیکن خود اُس گاڑی کا تعاقب کیا گیا تھا۔"

"بس اب یہی دیکھنا ہے کہ یہ لوگ کون ہیں۔ اُن کے اندازِ گفتگو سے تو یہی معلوم کہ جس کا انہوں نے تعاقب کیا تھا وہ اتفاقاً ہی کہیں انہیں نظر آ گیا تھا۔"

"تو پھر ہو سکتا ہے کہ ہمارا تعاقب کرنے والے کا بھی تعاقب کیا گیا ہو۔ ہم کیسے ہیں کہ وہ کار ہمارے تعاقب میں نہیں تھی۔ اور اگر نہیں تھی تو خدا ہمیں معاف کرے نے رات صرف آرام کے لئے بنائی ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس بھاگ دوڑ میں حمید کی بھوک چمک اٹھی تھی وہ تھوڑی کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "کیوں جناب کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اس کار میں ہمارے ہی آدمی رہا ہو۔"

"سبھی کچھ ہو سکتا ہے۔ تھوڑی دیر خاموش رہو۔"

دونوں کاروں کے درمیانی فاصلے میں ابھی تک کوئی خاص فرق نہیں واقع ہوا تھا۔

سوچ رہا تھا کہ اگر شہر پہنچ کر انہوں نے یہی کار اپنے پیچھے دیکھی تو ہوشیار ہو جائیں گے۔ کیونکہ انہوں نے ٹارچ روشن کر کے اُسے اچھی طرح دیکھا بھالا تھا۔

"اوہو....!" وہ یک بیک اچھل پڑا۔

پچھلی کھڑکی سے تیز قسم کی روشنی کار میں داخل ہوئی تھی۔ اُس نے مڑ کر دیکھا آنکھیں چندھیا گئیں۔ گو روشنی کا فاصلہ زیادہ تھا لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی تیز شعاعیں آنکھوں سے گذر کر گدی سے دوسری طرف نکل جائیں گی۔ اور پھر گھنٹیوں کی آوازیں جنگل کی پرسکون فضا میں ارتعاش پیدا کرنے لگیں۔

"فائر بریگیڈ....!" فریدی نے کار کی رفتار کم کر کے اُسے ایک طرف کر لیا۔ مگر پھر پورے بریک لگائے اور پھرتی سے انجن بند کر دیا۔

"اترو....!" اُس نے حمید کو دھکیلتے ہوئے کہا۔

اس بار وہ دونوں ایک دوسرے پر گرے اور ٹھیک اسی وقت گاڑی کا پچھلا شیشہ چور چور ہو گیا۔ بیک وقت کئی فائر ہوئے تھے۔

"چلو....!" فریدی نے سڑک کے نشیب میں اندھا دھند چھلانگ لگائی۔ اس بار پھر حمید نے پیروں کو تکلیف دیئے بغیر نیچے پہنچ گیا۔ اس کی چیخیں سسکاریوں ہی میں تبدیل ہوتی رہی تھیں۔ جانے کتنے کانٹے جسم میں چبھے ہوئے تھے اور نیچے پہنچ کر سر ایک بڑے پتھر سے ٹکرایا تھا۔

آگ بجھانے والی گاڑی گھنٹیوں کا شور بکھیرتی ہوئی سڑک پر سے گذر گئی۔ فائر یقینی طور پر کی گاڑی سے کئے گئے تھے۔ لیکن وہ وہاں رکی نہیں تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے محض راستہ بنانے کے لئے فائر کئے گئے تھے۔

حمید نے بڑی قوت سے دانت پر دانت جمائے۔ پتہ نہیں یہ جھلاہٹ تھی یا سر کی دکھتی ہوئی چوٹ جس نے دانت بھینچنے پر مجبور کیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ تم زندہ ہی ہو گے۔" قریب ہی فریدی کی آواز آئی۔

"ایسے واہیات خیال پر مجھے غصہ بھی آسکتا ہے۔" حمید بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ وہ اپنی خوش طبعی برقرار رکھنا چاہتا تھا۔

دفعتاً ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ دھماکے کے ساتھ ہی اتنی روشنی ہوئی تھی کہ سارا جنگل ایک

پل کے لئے جاگ سا پڑا تھا۔

"گئی.... ختم ہوئی وہ کار۔" فریدی بڑبڑاتا ہوا سڑک کی طرف جھپٹا۔ حمید میں اتنی کہاں تھی کہ وہ بھی ویسی ہی تیزی دکھا سکتا۔ سر کی چوٹ نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔

فریدی انجن اسٹارٹ کر چکا تھا۔ لیکن حمید کا انتظار کرنا ہی تھا۔ جیسے ہی وہ پچھلی سیٹ کار چل پڑی۔ آگ بجھانے والی گاڑی کی گھنٹیاں اب نہیں سنائی دے رہی تھیں۔

"کیا کر رہے ہیں آپ....!" حمید بھنا کر بولا۔

"یہ دیکھنا ہے کہ ان میں سے کوئی زندہ بھی بچا یا نہیں۔"

"کس کی بات کر رہے ہیں۔"

"اس کار کی جو کچھ دیر پہلے ہماری گاڑی کے قریب رکی تھی۔"

"تو یہ آگ بجھانے والی گاڑی۔"

"آگ بجھانے والی گاڑی کے علاوہ اور سب کچھ ہو سکتی ہے اس کی ساخت میرے لئے نئی تھی۔"

"اوہ....!" حمید کھڑکی پر جھکتا ہوا بولا۔ "وہ رہے شعلے.... بائیں جانب.... نیچے۔"

فریدی نے کار روک دی۔ بائیں جانب نشیب میں ایک کار الٹی پڑی دھڑا دھڑ جل رہی تھی۔

فریدی گاڑی سے اترا تو.... لیکن وہیں رک گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کار والوں میں سے ایک بھی زندہ نہ بچا ہو۔ اُن میں سے کسی کو چیخنے تک کا موقع نہ مل سکا ہو۔

"مگر یہ کیسے ہوا ہوگا۔" حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ٹکراؤ.... اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا۔ یا پھر گاڑی ہی ڈرائیور کے قابو سے باہر ہو گئی ہو۔ سنو وہ گاڑی جیسی بھی رہی ہو۔ شہر کی طرف نہ جا سکے گی۔ ہو سکتا ہے کہ اس خاموشی سے واپس آئے لہٰذا مناسب یہی ہے کہ تم اپنی گاڑی تار جام کی طرف نکال لے جا پر انہوں نے صرف گولیاں چلائی تھیں اور نظر انداز کرتے ہوئے آگے نکل گئے تھے۔"

"میں آپ کو یہاں تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔"

"جاؤ....!" فریدی نے اسے کار کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔ "فی الحال میں گاڑی چلانے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

مزید بحث کا موقع نہیں تھا۔ حمید چپ چاپ اگلی سیٹ پر جا بیٹھا اور گاڑی بیک کر کے مخالف سمت میں موڑ لی اور خود مڑ کر یہ بھی نہیں دیکھا کہ فریدی وہیں کھڑا ہے یا نیچے اتر گیا ہے۔

اس نے بڑی جھلاہٹ کے عالم میں اسٹیئرنگ سنبھالا تھا۔ گاڑی سنسان سڑک پر فراٹے بھرنے لگی۔ مگر ساتھ ہی وہ سوچ رہا تھا کہ تار جام کے کسی ہوٹل میں چین سے سو تو سکے گا۔ ظاہر ہے کہ اسی وقت تو واپسی ہونے سے رہی۔

تار جام کا فاصلہ اُس کے اندازے کے مطابق یہاں سے کم از کم چالیس میل ضرور رہا ہوگا۔ گاڑی کی رفتار تیز ہی کرتا رہا.... لیکن اس کا ذہن اب پھر اُلو دائرے اور مثلث میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ یہ کیا چکر تھا جس کیلئے اتنی ہنگامہ خیزی ہوئی تھی اور وہ لوگ کون تھے جنہوں نے کسی کا تعاقب کیا اور پھر موت کی آغوش میں جا سوئے تھے۔ پتہ نہیں اُن میں سے کوئی زندہ بھی بچا تھا یا نہیں۔

یک بیک اُس کے کانوں میں ایک سریلی سی آواز گونجی۔ "آپ کے پاس ماچس تو نہ ہوگی۔"

آواز گاڑی کی پچھلی نشست سے آئی تھی۔ اس کے ہاتھ اسٹیئرنگ پر کانپ گئے اور وہ گاڑی کو قابو ہونے سے بمشکل بچا سکا۔

آواز نسوانی تھی اور سوال انگریزی میں کیا گیا تھا۔ لہجہ غیر ملکیوں کا سا تھا۔ لیکن وہ انگریز نہیں لگتی تھی۔ حمید کو پہلے تو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا لیکن یہی جملہ پھر دہرایا گیا۔ اس نے ایک لمبا سانس لے کر اسٹیئرنگ کو صرف داہنے ہاتھ سے سنبھالا اور بائیں سے ماچس نکال کر مڑے فرمائش پوری کر دی۔ وہ ونڈ شیلڈ پر سے نظر نہیں ہٹانا چاہتا تھا۔

"شکریہ....!" آواز آئی۔ پھر اُس نے دیا سلائی کے جلنے کی آواز سنی۔ غالباً سگریٹ ہی جلائی گئی تھی۔

حمید سوچ رہا تھا کاش روانگی سے پہلے گاڑی کے اندر بھی ایک نظر ڈال لی ہوتی۔ مگر کیا وہ تنہا ہوگی۔

یک بیک اس نے گیئر بدلے اور گاڑی کی رفتار کم ہو گئی۔

"یہ مناسب نہیں ہوگا جناب۔" نہایت شریفانہ لہجے میں کہا گیا۔ لیکن اس بار بھی آواز نسوانی ہی تھی۔

"مناسب تو یہ بھی نہ ہوگا کہ آپ میرے ساتھ اکیلی سفر کریں۔" حمید نے پر سکون لہجے

میں کہا۔ "ویسے میری گاڑی پہلے بھی کئی بار لڑکیاں جن چکی ہے۔"

"اوہ.... تب تو آپ ایک تجربہ کار مڈوائف بن چکے ہوں گے۔"

"مڈ ہنر بینڈ....!" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "لیکن آج تو میں خودکشی کے موڈ میں ہوں۔ اس لئے مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔ خدارا ایسی باتیں نہ کیجئے جنہیں سن کر ہنسی آئے۔"

"خوب! تو آپ اسے مذاق سمجھ رہے ہیں۔"

"قطعی.... کیونکہ لڑکیوں سے اس سے زیادہ کی توقع رکھنا فضول ہے۔ اچھا تو کس طرح مرنا پسند کریں گی۔ گاڑی کو سڑک کے نیچے گراؤں یا کسی درخت سے ٹکرادوں۔"

"تم ایسا نہیں کر سکتے۔ میرے ہاتھ میں پستول ہے۔"

"فائر کرو.... اچھا ہے۔ مجھے خود ہی گاڑی نہیں گرانی پڑے گی۔"

"اچھی بات ہے۔ جو دل چاہے کرو۔" اس بار لہجے میں لاپروائی ظاہر ہو رہی تھی۔

"تب تو میں تمہیں ہائینے کی نظم سناؤں گا.... جرمن ہو نا تم....!"

"اوہ.... کیا ہائینے پسند ہے تمہیں۔" لڑکی نے پراشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"بہت زیادہ....!"

"اور.... رلکے....!"

"وہ تو مجھے بالکل چغد معلوم ہوتا ہے۔"

"بکواس ہے۔ اُسے سمجھنے کی کوشش کرو۔"

حمید نے محسوس کیا کہ وہ اُسے باتوں میں الجھائے رکھنا چاہتی ہے۔ یک بیک اُس نے بریک روک کر اندر کا بلب روشن کر دیا۔

"کیوں....؟" لڑکی کا منہ کھل گیا۔ وہ خاصی قبول صورت تھی۔ عمر بیس اور پچیس کے درمیان رہی ہو گی۔

"تم نے ابھی پستول کی دھمکی دی تھی۔" حمید مسکرایا۔

"وہ تو میں نے یونہی....!" لڑکی ہنس پڑی۔

"میں اپنی گاڑی میں تمہاری موجودگی کی وجہ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"لفٹ.... تارجام تک۔ آج رات میں نے بڑے ڈراؤنے مناظر دیکھے ہیں۔"

"وہ میں نہیں ہے۔"

"یہاں اتنی رات گئے تمہارا کیا کام....!"

"میں پیدل ہوا خوری کی عادی ہوں۔ آج راستہ بھول گئی۔"

"جہاں سے تم بیٹھی ہو گی وہاں سے شہر بیس میل کے فاصلے پر ہے اور تارجام چالیس میل ہے۔ اچھا تو یہ ہوا خوری کہاں سے شروع ہوئی ہو گی۔"

"نہ میں سمجھا سکتی ہوں اور نہ تم سمجھ سکو گے۔ لہٰذا ہمیں دوسری باتیں کرنی چاہئیں۔ مثلاً ت کی باتیں۔ اگر تھوڑی بہت سوجھ بوجھ نہ بھی رکھتے ہو تو انٹرنیشنل پولیٹکس کی باتوں میں کوئی ائقہ نہیں۔"

"مضائقہ تو اس میں بھی نہ ہو گا کہ میں تمہارا گلا گھونٹ دوں۔" حمید نے کار سے اترتے ئے کہا اور پچھلی نشست کا دروازہ کھول کر تحکمانہ لہجے میں بولا۔ "نیچے آؤ۔"

"یہ تو ناممکن ہے۔ تم خواہ مخواہ بات بڑھا رہے ہو۔ میں اسے قطعی پسند نہیں کروں گی کہ تنہا چھوڑ کر اپنی راہ لو۔ یہی کرنا تھا تو شہر سے کیوں ساتھ لائے تھے۔"

"اوہ....!" حمید نے دانت پیستے ہوئے اس کا بازو پکڑ کر اُسے نیچے کھینچ لیا۔

"درندے.... وحشی۔" وہ غصیلے انداز میں بسور کر بولی۔ "عورتوں سے ایسا ہی برتاؤ کرتے ہیں۔"

"میرے ڈیڈی کے گرانڈ فادر تو چانٹے اڑا دیا کرتے تھے۔" حمید نہایت اطمینان سے بولا۔ وہ پچھلی نشست کا دروازہ بند کر کے لڑکی کو ایک طرف دھکیلتا ہوا اگلی نشست پر جا بیٹھا۔ انجن سٹارٹ کیا اور کار حرکت میں آ گئی۔ لیکن لڑکی نے اس سے بھی زیادہ پھرتیلے پن کا مظاہرہ کیا۔ وہ کار کے آگے اس طرح دوڑ رہی تھی کہ حمید کو اُسے پیچھے چھوڑ جانے کا موقعہ ہی نہیں مل سکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسے میں کار کی رفتار ہی کیا رہی ہو گی۔

"میں تمہیں کچل دوں گا۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"ضرور کچل دو۔" اس نے اسی طرح دوڑتے ہوئے جواب دیا۔

وہ اتنے پھرتیلے پن سے گاڑی کا راستہ بار بار روک رہی تھی جیسے سر کے پچھلے حصے پر بھی دو آنکھیں رکھتی ہو؟

"ارے کیا واقعی مرنا چاہتی ہو۔" حمید حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

وہ جواب دیئے بغیر دوڑتی رہی۔ حمید کو خطرہ سر پر منڈلاتا محسوس ہو رہا تھا۔ اُس
کیوں نہ فی الحال کسی کچے راستے پر مڑ جائے یا شہر ہی کی طرف واپس چلے۔ اس طرف
مقصد محض گاڑی کی حفاظت تھا۔ ہو سکتا ہے کہ فریدی کا یہ خیال کہ وہ خطرناک گاڑی پھر واپ
گی صرف ایک لایعنی سا اندیشہ رہا ہو۔ مگر یہ لڑکی وہاں کیسے رہ گئی تھی۔ یہ اُسی گاڑی
ہو گی جس پر آگ بجھانے والی گاڑیوں کی سی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔

یک بیک اس نے رفتار بہت کم کر دی۔ مگر لڑکی اپنی پہلی ہی سی رفتار سے دوڑتی چلی
تھی۔ رفتار کم کر کے حمید نے بریک لگائے اور پھر گاڑی کو بیک کر کے شہر کی طرف مو
والا تھا کہ لڑکی پلٹ پڑی اور ہاتھ ہلا کر زور سے بولی۔ "احمق نہ بنو۔ موت کے منہ میں نہ
حمید نے دیکھا کہ اب وہ پھر دوڑتی ہوئی اس کی طرف آ رہی ہے۔ اُس نے ہیڈ لیم
دیئے۔ تیزی سے دروازہ کھولا اور باہر آ گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ گاڑی کے پیچھے تھا۔
ارادہ تھا کہ اب وہ اس کے ہاتھ پیر باندھ کر گاڑی میں ڈالے گا اور تار جام کی بجائے
رخ کرے گا ورنہ ہو سکتا تھا کہ آگے چل کر اُسے کسی جال میں پھنسنا پڑتا۔ کیونکہ وہ اسے
ہی کی طرف لے جانا چاہتی تھی۔

لڑکی بھی احمق نہیں معلوم ہوتی تھی اس نے حمید تک پہنچنے سے پہلے ہی گاڑی
روشنی کر دی۔ پھر بولی۔ "اچھا تو یہ بات ہے۔ اب تم جھگڑا کرنا چاہتے ہو۔ اچھا تو آؤ...
سے کمزور نہیں پڑوں گی۔"

حمید پھر دانت پیس کر رہ گیا۔

"خود بھی تھک رہے ہو اور مجھے بھی تھکا رہے ہو۔" لڑکی ہنس پڑی۔

"تم آخر چاہتی کیا ہو۔"

"آہ.... یہ نہ پوچھو۔" وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ "جب سے تمہیں دیکھا ہے
قابو میں نہیں ہے۔"

"ذہن کو قابو میں رکھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ گاڑی کے سامنے لیٹ جاؤ۔" حمید
ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"سنو....!" لڑکی سنی ان سنی کر کے بولی۔ "یہ رات بڑی بھیانک ہے۔ ابھی ابھی

آدمیوں کا خون اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اُن کی کار اسی طرح اچھل کر کھڈ میں جا پڑی تھی
وہ کوئی کھلونا ہو اور کسی شریر بچے نے ایک معمولی سی ٹھوکر سے اُسے دور پھینک دیا ہو۔"

"وہ کون تھے۔"

"خدا جانے.... ایک آگ بجھانے والی گاڑی اس سے ٹکرائی تھی لیکن نہ تو آگ بجھانے والی
کی رفتار میں کوئی فرق آیا تھا اور نہ اُسے کوئی نقصان ہی پہنچا تھا۔ میں نے ایسا حادثہ آج تک
دیکھا۔"

"مگر تم وہاں کیا کر رہی تھیں۔"

"یہی سوال میں تم سے بھی کر سکتی ہوں۔"

"لڑکی.... تم مجھے اُلو بنانے کی کوشش کر رہی ہو۔"

"اُلو...." وہ یک بیک اچھل پڑی اور اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ "میرے خدا"
رائی ہوئی آواز میں بولی۔ "آج اس وقت تک گیارہویں بار اُلو کا نام سنا ہے۔ تم کون ہو۔"

"اُلو....!" حمید جھلا کر بولا اور پھر یک بیک اچھل کر پیچھے ہٹ آیا۔ سامنے کسی گاڑی کے
لیمپس چمک رہے تھے۔ اُس نے جیب سے ریوالور نکالا اور اُس کا رخ لڑکی کی طرف کئے
ئے نشیب میں اترتا چلا گیا۔ سر کی تکلیف بدستور موجود تھی۔ اسی نے ذہن کو کسی قابل نہیں
اتھا اور نہ وہ اتنے احمقانہ انداز میں وقت برباد کرنے کی بجائے اب تک کوئی ڈھنگ کا کام کر چکا ہوتا۔

"ارے.... ارے....!" لڑکی کی آواز سے خوف ظاہر ہو رہا تھا۔ تھوڑی ہی دور چل کر حمید
یسا ایسی جگہ مل گئی جہاں چھپ کر وہ نہ صرف اپنی حفاظت کر سکتا تھا بلکہ سڑک پر بھی نظر رکھ
تھا۔ یہ پتھروں کے کچھ ڈھیر تھے جن کے رخنوں سے لمبی لمبی گھاس اُگ آئی تھی۔

آنے والی کار لنکن کے قریب ہی رکی اور کسی نے انگریزی میں پوچھا۔ "کیا ہوا۔"

"ادھر نکل گیا۔" حمید نے لڑکی کی آواز سنی۔

پھر خاموشی چھا گئی۔ لیکن حمید کی چھٹی حس کہہ رہی تھی جیسے وہ آہستہ آہستہ گفتگو کر رہے
ہیں۔ اچانک لڑکی چیخنے لگی۔ "ارے.... ارے.... تو مجھے مارتے کیوں ہو۔ کیوں مارتے ہو۔"

"تم نے اُسے نکل کیوں جانے دیا۔" کسی مرد نے کہا۔

"ارے.... وہ اُلو تھا.... اُلو....!" لڑکی رونی سی آواز میں چیخی۔

"کیا... اُلو... نہیں۔" حمید نے محسوس کیا کہ مرد کی آواز سے بھی خوف ظاہر ہونے لگا

"ہاں.... ہاں اُلو تھا....!"

"چلو.... بھاگو جلدی....!" یہ کسی دوسرے مرد کی آواز تھی۔

پھر کچھ ایسی آوازیں آئیں جیسے وہ ایک دوسرے پر گرے پڑ رہے ہوں۔

کار پھر اُسی طرف مڑتی دکھائی دی جدھر سے آئی تھی۔

"اُلو....!" حمید آہستہ سے بڑبڑایا اور دکھتے ہوئے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

امتیازی تمغہ

کرنل فریدی نے سگار ایش ٹرے میں رکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "تو وہ لڑکی تمہیں اُلو خائف ہو گئی تھی۔"

"ہاں ہو سکتا ہے جرمنی میں ہٹلر جیسے آدمی اُلو سمجھے جاتے ہوں۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر

"اوہو....! تمہیں اس پر بھی یقین ہے کہ وہ جرمن ہی تھی۔"

"یہ اندازہ ہے۔"

"بہر حال اُلو نے انہیں خائف کر دیا تھا۔ ہاں تم نے رات کہاں گذاری۔"

"تار جام کے علاوہ اور کہاں گذارتا۔ واپسی تو آپ کے قول کے مطابق موت کے ہی میں لے جاتی۔"

"مجھے وہم ہوا تھا۔" فریدی مسکرایا۔ "میں سمجھا تھا کہ شائد وہ گاڑی پھر واپس آئے گ

"آپ وہیں رکے رہے تھے۔"

"ہاں لیکن وہ گاڑی واپس نہیں آئی تھی۔ کار کے حادثے میں ختم ہونے والوں صرف ایک کی شکل قابل شناخت رہ گئی تھی۔ دو آدمیوں کے چہرے جل کر مسخ ہو قابل شناخت لاش کی جیب سے صرف یہ چیز برآمد ہوئی تھی۔"

فریدی نے کاغذ کا ایک ٹکڑا حمید کی طرف بڑھا دیا۔

"صرف.... یہ....!" حمید نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

کاغذ کے ٹکڑے پر پنسل سے ایک طرف اُلو تحریر تھا اور دوسری طرف ایک دائرہ تھا اور یک مثلث۔ یہ بھی پنسل ہی سے بنائے گئے تھے۔

"یہ کیا حماقتیں شروع ہو گئی ہیں۔" حمید بڑبڑایا۔

"سوال یہ ہے کہ وہ لڑکی وہاں کیا کر رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی وہاں وجود ہو گی۔ تبھی تو گاڑی میں داخل ہو سکی تھی۔"

"یقیناً اُس نے باقاعدہ طور پر اُس کار کی تباہی کی داستان سنائی تھی۔ بس آنکھوں دیکھا حال بھ لیجئے۔"

"جو بھی ہوں! پرلے سرے کے گدھے معلوم ہوتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں....؟"

"کچھ نہیں! تم خود سوچو جو لوگ تم جیسے اُلو سے خائف ہو جائیں انہیں پھر اور کیا کہا جائے گا۔"

"ہوں..!" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔ "میری چھٹی کی درخواست اب منظور ہی ہونی چاہئے۔"

"ضرور ہو گی۔" فریدی نے بجھا ہوا سگار ایش ٹرے سے اٹھا کر سلگاتے ہوئے کہا۔

حمید چند لمحے خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "آپ گھر تک کس طرح پہنچے تھے۔"

"تین چار میل پیدل چلنے کے بعد اتفاقاً ایک ٹرک مل گیا ورنہ صبح ہو جاتی۔"

"حادثے کی اطلاع آپ ہی نے دی ہو گی۔"

"نہیں! اس ٹرک کا ڈرائیور بھی جلتی ہوئی کار دیکھتا اُدھر ہی سے گذرا تھا۔ اس بحث میں نہ د۔ حکام کو بہر حال اس حادثے کی خبر ہو چکی ہے۔ لیکن تم اپنی زبان بند رکھو گے۔"

"زبان میں لگام دینا محاورہ ہے۔" حمید خواہ مخواہ بڑبڑایا۔ پھر بولا۔ "آج دفتر میں کیا رہی۔"

"کاغذات اور فائیلوں کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے۔"

"اُلو اور جیومیٹری زیادہ زیر بحث رہے ہوں گے۔"

"میں نے اس مسئلے پر کسی کو گفتگو کا موقعہ ہی نہیں دیا۔"

"آپ خود کسی نتیجے پر پہنچے ہیں یا نہیں۔"

"ابھی تک نہیں۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ پھر چند لمحے خاموش رہنے کے بعد اُس نے کہا۔ پچھلے چوبیس گھنٹوں میں پے در پے کتنے حادثے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر داؤد کے بعد مجسمہ ساز نصیری

کا قتل پھر ایک کار کی تباہی جس میں تین آدمی ہمیشہ کے لئے سو گئے۔"

"نصیری پر آپ کی نظر کس سلسلے میں تھی۔"

"ایک غیر ملکی سفارت خانہ اُس کے مجھے غیر ضروری طور پر خرید تا ہے۔"

"ہوں! اچھا لیکن ضروری نہیں ہے کہ اس معاملہ کا تعلق بھی اُسی ملک سے ہو۔"

"میں یہ کب کہتا ہوں۔ کسی آدمی کی زندگی کے ایک پہلو پر نظر ڈالنے سے بعض پہلو خود بخود سامنے آجاتے ہیں۔"

"نصیری کے خلاف آپ کیا چارج لگاتے۔"

"اگر کبھی کچھ ثابت کر سکا ہوتا تو بہتیرے چارج لگ جاتے۔" فریدی نے ہاتھ ہا "ختم کرو۔ میں اس کیس میں بہر حال دلچسپی لے رہا ہوں۔"

"آپ جانئے.... مجھے ڈر ہے کہ کہیں ہمیں کسی بہت بڑی توہین کا سامنا نہ کرنا پڑ۔

"تم اس کی فکر نہ کرو۔"

"اب فکر بھی نہ کروں! بالکل ہی کاہل ہو جاؤں۔" حمید نے آنکھیں نکال کر کہا او مسکرا پڑا۔

"ضرور کرو.... لیکن یہاں نہیں۔ کیا تمہیں کہیں باہر جانا ہے۔"

"اگر جاسکوں تو۔"

"ضرور جاؤ.... ورنہ کسی وفا شعار بیوی کی طرح دماغ چاٹتے رہو گے۔"

جانا کہاں تھا؟ صرف قاسم کے گھر تک کیونکہ آج کل وہ اُسے عشقیہ خطوط لکھنے کرا رہا تھا اور آج تو اسی سلسلے میں اپنی ایک شرارت کا رد عمل بھی دیکھنا تھا۔

کچھ دنوں پہلے اس نے قاسم کو پے در پے کئی عشقیہ خطوط لکھے تھے۔ کسی گمنام لڑکی سے، جن میں ظاہر کیا تھا کہ وہ قاسم کے اوپر مرمٹی ہے لیکن ابھی اپنے متعلق کچھ چاہتی۔ ایک نہ ایک دن اُس سے اس طرح ملے گی کہ وہ متحیر رہ جائے گا۔

قاسم نے دو خطوط کسی نہ کسی طرح ہضم کر لئے لیکن تیسرے خط پر حمید ہی کے آیا۔ اسے کسی طرح یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ کوئی لڑکی اس طرح خواہ مخواہ اُس پر عاشق ہے۔ اس پر حمید بڑی دیر تک اس کے حلق میں فلسفہ عشق ٹھونستا رہا تھا اور پھر بولا تھا

نہیں جانتے راجہ بکرماجیت کے زمانے میں ایک گلہری کسی بھینسے پر عاشق ہو کر روزانہ ساڑھے تین سیر دودھ دینے لگی تھی۔

"سالے مجاخ اڑاتے ہو۔" قاسم بگڑ گیا تھا۔

لیکن حمید نے کسی نہ کسی طرح اُسے یقین دلا ہی دیا تھا کہ وہ بھی عاشق ہو جانے کی چیز ہے۔ بہر حال اس توقع پر کہ وہ کبھی نہ کبھی اپنا پتہ بھی لکھ ہی دے گی قاسم حمید سے عشقیہ خطوط لکھنے کی ٹریننگ لینے لگا تھا۔

پچھلے دنوں حمید نے اُس کا ایک محبت نامہ پار کر کے لفافے میں بند کیا اور اُس پر اس کے آپ کا پتہ ٹائپ کر کے لیٹر بکس میں ڈال دیا۔ اس طرح کہ قاسم کو اُس کی ہوا بھی نہ لگنے پائی۔

آج وہ اسی لئے قاسم کے گھر جانا چاہتا تھا کہ اپنی اس شرارت کے انجام سے لطف اندوز ہو سکے۔ فرصت کے اوقات میں قاسم سے الجھنا اس کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔

اس نے گیراج سے کار نکالی اور دل ہی دل میں اپنی شرارت کے متوقع نتائج پر ہنستا ہوا کمپاؤنڈ سے سڑک پر نکل آیا۔ شام خاصی خوشگوار تھی اس لئے اُسے توقع نہیں تھی کہ واپسی جلد ہو سکے پھر خیال آیا کہ اگر شرارت واقعی کامیاب رہی ہو گی تو اس وقت قاسم کے یہاں چائے ملنے کا سوال ہی پیدا ہو سکے گا۔ اس لئے اُس نے راہ میں ایک جگہ گاڑی روکی۔ اتر کر ایک صاف ستھرے کیفے میں آیا۔ گھر پر چائے بھی نہیں پی تھی۔ محض اس خیال سے کہ کہیں چائے کے دوران کوئی ایسی ملاقاتی نہ پڑے کہ گھر سے نکلنا ہی نہ ہو سکے۔ یا کسی سلسلے میں دوڑ دھوپ ہی کرنی پڑ جائے۔

کیفے کی فضا پر سکون تھی۔ بمشکل تمام دو تین میزیں آباد رہی ہوں گی۔ حمید نے چائے طلب کی اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

ان دنوں اس کی ذہنی حالت عجیب تھی۔ نہ کسی کام میں دل لگتا تھا اور نہ تفریحات میں۔ خصوصیت سے ہوٹلوں اور نائٹ کلبوں کی تفریحات تو اس کے لئے بالکل بے جان ہو کر رہ گئی تھیں۔ دوست لڑکیوں کے تصور سے دل کی جو کیفیت ہوتی تھی اُسے وہ اس ننھے طالب علم کی حالت سے تشبیہ دیتا تھا جسے استاد نے کسی بات پر خفا ہو کر مرغا بنا دیا ہو۔

البتہ قاسم کی بات دوسری تھی۔ اس کے ساتھ تو کافی ہنسنا ہنسانا ہو جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آج کل اُس کی دوڑ عموماً قاسم ہی کے گھر تک ہوا کرتی تھی۔

چائے ختم کر کے وہ باہر آیا۔ لیکن اُسے حیرت ہوئی جب اُس نے اپنی کار کے گرد لوگوں کا غفیر دیکھا۔

اس کے قدم تیزی سے اٹھنے لگے۔

"کیا بات ہے۔" اس نے دو آدمیوں کو ادھر اُدھر ہٹا کر راستہ بناتے ہوئے پوچھا۔

"اُلو....!" قہقہوں کے ساتھ جواب ملا اور اس کی کھوپڑی ناچ کر رہ گئی۔ دل چاہا کہ کے سر ٹکرا دے۔ لیکن پھر طبیعت کو قابو میں رکھنا پڑا۔

"پتہ نہیں کس شوقین کی کار ہے۔" کسی نے کہا۔

اور جب حمید کسی نہ کسی طرح قریب پہنچا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ طرف کھڑکیوں کے شیشے چڑھے ہوئے تھے اور اندر ایک بڑا سا اُلو پر پھڑپھڑا کر ادھر اُدھ پھر رہا تھا۔

"ہری ہری سوجھتی ہے یار لوگوں کو۔" مجمع میں کسی نے کہا۔

"چلو.... چلو.... بھیڑ ہٹاؤ۔" حمید جھلا کر بولا۔ "ہٹو.... اے کانسٹیبل.... ادھر۔ ہٹاؤ۔" اس نے ڈیوٹی کانسٹیبل کو مخاطب کیا۔ جو خود بھی ایک تماشائی کی حیثیت سے اس؟ موجود تھا۔ ذرا ہی سی دیر میں بھیڑ صاف ہو گئی۔

پہلے تو حمید نے سوچا کہ کھڑکیاں کھول کر اُسے اڑا دے۔ لیکن پھر ارادہ ترک مناسب یہی معلوم ہوا کہ وہ اپنی گاڑی جوں کی توں اُلو سمیت وہیں کھڑی رہنے دے اور خو میں گھر واپس جائے۔ ہو سکتا ہے کہ فریدی اس کی گاڑی اُسی حال میں دیکھنا پسند کرتا۔

❁

نیاگرہ ہوٹل کے بڑے رہائشی کمرے میں تین آدمی بیٹھے تاش کھیل رہے تھے۔ ملبوسات اعلیٰ درجہ کے تھے۔ لیکن ان کی آنکھیں شریف آدمیوں کی سی ہرگز نہیں تھ حرکات و سکنات سے بھی یہ نہیں ظاہر ہوتا تھا کہ ان میں ذرا برابر بھی انسانیت پائی ج تاش کے پتے اس طرح میز پر پٹختے تھے جیسے اس کی ضرب سے میز کے ٹکڑے ہی اڑا دیں

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور ان میں سے ایک نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔ دوسر سے بولنے والے کی گفتگو سنتا رہا۔ پھر بُرا سا منہ بنا کر ریسیور کریڈل میں پٹختا ہوا بولا۔ "

مثلث کا چکر چین سے نہیں بیٹھنے دے گا۔"

"کیا ہوا دوسرے نے پوچھا۔"

"میں کہتا ہوں۔ اگر مثلث اور دائرے کی کوئی اہمیت ہے تو اُلو کو کیوں نظر انداز کیا جا رہا ہے۔"

"میں پوچھ رہا ہوں.... فون پر کون تھا۔"

"باس....!"

"اچھا تو پھر؟ کیا تم نے اُلو کا حوالہ دیا تھا۔"

"ہاں! لیکن وہ کہتے ہیں کہ اُلو کی زیادہ اہمیت نہیں ہے۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر وہ ہر معاملے میں اپنی ٹانگ کیوں اڑا دیتا ہے۔ بھلا ڈاکٹر داؤد کے سے یا قتل کی پشت پر جو حالات ہوں اُن سے اس کا کیا تعلق....!"

"اس بحث میں پڑنا ہی فضول ہے۔ ہمیں تو صرف اتنا ہی کرنا ہے جتنا ہم سے کہا جائے۔"

"ہاں.... آں....!" تیسرے نے انگڑائی لی۔ وہ ابھی تک کچھ بھی نہ بولا تھا۔ انگڑائی لے کر نے میز پر طبلہ بجانا شروع کر دیا۔

"ٹھیک ہے۔" دوسرا بولا۔ "مگر کیا تمہارے دل میں خواہش نہ پیدا ہو گی کہ تم ڈاکٹر داؤد کے کے متعلق بھی کچھ معلوم کرو۔ کس نے قتل کیا تھا؟ کیوں کیا تھا؟ اس کے بعد کہیں اُلو مثلث دائرے پر غور کرنے کا سوال پیدا ہو گا۔"

"ارے یار چھوڑو! اس وقت اس نے کیا کہا ہے۔" تیسرے نے ہاتھ روک کر پوچھا۔

"یہی کہ ڈاکٹر کے ملنے جلنے والوں سے مثلث اور دائرے کا تذکرہ کرتے پھرو۔ ہو سکتا ہے کہ میں سے کوئی اُن کے متعلق کچھ بتا سکے۔ لیکن اُلو کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آخر کو کیوں اہمیت نہیں دی جا رہی۔"

"اُلو کو اُلو ہی اہمیت دے سکتے ہیں۔" تیسرے نے کہا اور پھر میز پر طبلہ بجانے لگا۔

"اُلو اور دائرے وغیرہ کی کہانی سارے شہر میں پھیل گئی ہے۔"

"پھیل جانے دو۔" میز پر طبلہ بجانے والے نے ہاتھ روک کر کہا۔ "مجھے تو باس کے علاوہ رکسی کی فکر نہیں رہتی۔"

"باس کی فکر....!"

"ہاں.... وہ کون ہے۔ کہاں رہتا ہے۔ کیا کرتا ہے۔ اُس کی اصل صورت کیسی ہے۔"

"اصل صورت....؟" پہلے کا لہجہ تحیر زدہ تھا۔

"اوہو.... کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ جس شکل میں ہمارے سامنے آتا ہے وہ اس کی اصل ہے۔ آنکھوں پر بڑی سی تاریک شیشوں والی عینک چڑھائے رہتا ہے اور گھنی مونچھیں قطعی نقلی ہیں۔"

"بکواس ہے۔" پہلا بولا۔

"مت یقین کرو۔" تیسرے نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور پھر میز پر طبلہ بجانے تاش کی گڈی ایک طرف رکھ دی گئی تھی اور اُن میں سے اب کوئی بھی کھیلنے کے موڈ نہیں معلوم ہوتا تھا۔

"سوال یہ ہے۔" پہلا آدمی تھوڑی دیر بعد بولا۔ "کیا ڈاکٹر داؤد کی ذہنی حالت اُس ٹھیک تھی جب اُس نے اپنے ہی خون سے مثلث اور دائرہ بنایا تھا۔"

"اگر ذہنی حالت ٹھیک نہیں تھی تو اپنا باس بھی پاگل ہی معلوم ہوتا ہے۔" تیسرا ہاتھ رو بولا۔ پھر ہنسنے لگا۔ دونوں نے ہنسی کی وجہ پوچھی تو بولا۔ "سب سے بڑا سوال ہے کرنل فریدی پھر وہ سب اس طرح خاموش ہوگئے جیسے دفعتاً روحیں قبض کرلی گئی ہوں۔

تھوڑی دیر بعد پہلے نے کہا۔ "ہم نے ابھی تک کوئی غیر قانونی کام تو نہیں کیا۔"

"واہ....!" تیسرا ہاتھ ہلا کر بولا۔ "اُلو مثلث اور دائرے کی فکر کسے ہونی چاہئے۔ کرنل فریدی کو! اور یہ کیا کہہ رہے ہو کہ ہم نے ابھی تک غیر قانونی کام نہیں کیا۔"

"فضول باتیں مت کرو۔" پہلا جھلا گیا۔

"ہائیں.... مجھے آنکھیں دکھاتے ہو.... تم....!"

"ہاں.... میں تمہارا انچارج ہوں۔"

"اے.... چوکر کے پیشکار صاحب! کیا تم مجھے جانتے نہیں۔"

"خاموش رہو....!" پہلا مٹھیاں بھینچ کر کھڑا ہوگیا۔

"ارے.... ارے....!" دوسرا دونوں کے درمیان آتا ہوا بولا۔ "پاگل ہوگئے ہو۔ اگر اس کا علم ہوگیا تو....!"

"میں بھی کچھ کام ہی کی باتیں کر رہا تھا۔ بھائی کو خواہ مخواہ غصہ آگیا۔"

"بیٹھو.... یار.... بیٹھو بھی۔" دوسرے نے پہلے کو زبردستی بٹھاتے ہوئے کہا۔ "تمہیں بہت جلد غصہ آجاتا ہے ایسا بھی کیا۔"

"تم دونوں کو ملازمت کس نے دلائی تھی۔"

"تم نے.... بھئی....!" دوسرے نے کہا۔

"اور محض اس لئے کہ میں تم پر اعتماد کرتا تھا اور تم مجھ پر....!"

"ہاں ہاں! اس سے کس کو انکار ہے۔"

"کیا تم یقین کرو گے کہ تمہاری کوئی لغزش مجھے موت کے منہ میں لے جائے گی۔"

"وہ کیسے....!"

"تم سبھوں کا بار مجھ پر ہے۔ ساری ذمہ داری میری ہے۔ اگر تم سے کوئی لغزش ہوئی تو وہ گولی مار دے گا.... سمجھے۔"

"ہونہہ.... یہ بھی ایک ہی رہی!" میز پر طبلہ بجانے والا بے اختیاری سے مسکرایا۔

"کیا تم سچ مچ میری زندگی کے گاہک بنو گے۔"

"کیا تم سنجیدہ ہو۔" دوسرے نے پوچھا۔

"اُسے پتھر کی لکیر سمجھو! میں غلط نہیں کہہ رہا۔"

"دیکھو پیارے۔" وہ پھر مضطربانہ انداز میں میز پر طبلہ بجا کر بولا۔ "یہ آدمی جسے ہم صرف ۱۱۲ کے نام سے یاد کر سکتے ہیں میرے لئے ایک مستقل ذہنی خلش بن کر رہ گیا ہے۔ کیوں نہ میں کا صفایا....!"

"خاموش....!" پہلے نے خوفزدہ انداز میں ادھر اُدھر دیکھ کر کہا۔ "بہت آگے نہ بڑھو۔ ہوش رہو۔ اگر تم ذہنی طور پر اتنے ہی الجھ چکے ہو تو کسی گوشے میں چھپ کر آرام کرو۔ اس مت سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہو تو میں کچھ نہ کچھ کروں گا۔ لیکن کسی قسم کی غیر ذمہ دارانہ گفتگو میری موجودگی میں نہیں کر سکتے۔"

"اتنے خائف ہو۔" تیسرے نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ "تم یعنی.... جیری دی گریٹ۔"

"میرا اپنا میدان الگ ہے۔ وہاں میں کسی سے بھی پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔ سمجھے۔ لیکن اُس

آدمی کا مقابلہ تم کیسے کرو گے جس کا پیار بھی موت کا باعث بن سکتا ہو۔"

"کیا مطلب....!"

"یقین کرو.... میں نے ایک بار ایک ایسے آدمی کو مرتے دیکھا ہے جس سے وہ بڑی سے پیش آیا تھا۔"

"کیا بات ہوئی۔" تیسرا ہنس پڑا۔

"تم نہیں سمجھ سکتے۔" پہلا جھنجھلا گیا۔ "تم نے باس کو قریب سے نہیں دیکھا۔"

"اب دیکھوں گا تو دوبارہ دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔" طبلہ بجانے والے نے ہنس کر کہا۔

"جاؤ....!" پہلا آدمی دہاڑا۔ "فوراً چلے جاؤ یہاں سے۔ اٹھو! جب تک تمہاری ذہنی اعتدال پر نہ آجائے میرے سامنے مت آنا۔"

"نہیں....!" دفعتاً دروازے کی طرف سے آواز آئی اور وہ اچھل پڑے۔ ایک طویل آدمی دروازہ بند کر کے چٹخنی چڑھا رہا تھا۔ وہ نہایت اطمینان سے ان کی طرف مڑا۔ اس کی آ پر تاریک شیشوں کی عینک تھی اور مونچھیں اتنی گھنی تھیں کہ دونوں ہونٹ چھپ کر رہ گئے تینوں کے چہرے زرد پڑ گئے۔

"تمہارا ساتھی دلچسپ ہے جیری۔" آنے والے کے لہجے میں تمسخر تھا۔ "میں ایسے آدمیوں کو پسند کرتا ہوں۔ اب تم دونوں اسی کے چارج میں رہو گے۔ جیری کیا تمہیں اعتراض ہے۔"

"نہیں باس....!" جیری تھوک نگل کر بولا۔

"میں اس کے سینے پر تمغہ امتیاز اپنے ہاتھوں سے لگاؤں گا۔" اُس نے کہا اور جیب سے چمکدار تمغہ نکالا جو سرخ فیتے سے لٹک رہا تھا۔ پھر وہ آگے بڑھا اور میز پر طبلہ بجانے والے سینے پر اُسے پن کرنے لگا۔

"سس.... سی۔" اُس کے منہ سے ہلکی سی آواز نکلی اور آنے والا جلدی سے

"اوہ.... پن چبھ گئی کیا! معاف کرنا۔"

تمغہ لگا کر وہ پیچھے ہٹ آیا اور جیری کو مخاطب کر کے بولا۔ "اب یہ تمہارا انچارج ہے؛ خیال رکھنا اور تم سب اُس وقت تک اس کمرے میں ٹھہرو گے جب تک کہ دوسرے اکٹھا

پنچ جائیں۔"

وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ جیری نے آگے بڑھ کر دروازے کو بولٹ کیا اور پھر میز کی رف لوٹ آیا۔

دوسرا آدمی کہہ رہا تھا۔ "لو بھئی.... کیا کایا پلٹ ہوئی ہے۔"

لیکن دفعتاً جیری کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی۔ کیونکہ تمغہ حاصل کرنے والا ڑے کھڑے زمین پر ڈھیر ہو گیا تھا۔

"دیکھا تم نے دیکھا۔" جیری کانپتا ہوا بولا۔ "یہ زندہ نہیں ہے.... دیکھا.... تم نے...."

وہ اس طرح گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا جیسے پیروں کی قوت جواب دے گئی ہو۔

جال

فریدی حمید کو بیرونی برآمدے ہی میں بیٹھا ہوا مل گیا۔ اُس کی بدحواسی پر وہ چونک پڑا تھا۔

یوں کیا ہوا.... تمہاری گاڑی کہاں ہے۔"

"اُلو....!"

"کیا بکواس ہے۔"

حمید نے پوری داستان ایک ہی سانس میں دہرانے کی کوشش کی۔ فریدی بڑی سنجیدگی سے ا رہا تھا۔

"اور دوسری بات۔" حمید سانس لینے کے لئے رک کر بولا۔ "اُس کے پنجے سے لوہے کا سا دائرہ بندھا ہوا ہے اور دوسرے سے مثلث۔"

"خوب....!" فریدی مسکرایا۔ "اُلو.... دائرہ اور مثلث سبھی موجود ہیں۔ اگر تم اُس اُلو کو نا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ چوہیا اور بکرے پر تو بہتیرے تجربے کر چکے ہو۔ اس بار اُلو ا سہی۔ حالانکہ میں نے سنا ہے کہ اُلو کو پالنا آسان کام نہیں ہے۔"

"آپ میرا مضحکہ اڑا رہے ہیں۔ تو میں خواہ مخواہ دوڑ آیا تھا۔"

"قطعی! اگر اُلو کی بجائے تمہیں اپنی گاڑی میں ٹائم بم نظر آیا ہو تو دوسری بات تھی۔ میں بھی

دوڑا جاتا تمہارے ساتھ .... لیکن اُلو .... حمید تم بالکل اُلو ہو۔"

"اچھی بات ہے۔ اب میں بھی دیکھوں گا۔"

"اوہو .... ذرا کھوپڑی استعمال کرو۔ بھلا کار میں اُلو چھوڑنے کا کیا مقصد ہو سکتا ....!"

"ایک لایعنی سی بات! زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہمیں غلط راہ پر ڈالنے کیلئے ایسا کیا گیا ہو"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک دوسری گاڑی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ اُس پر سے اترنے

قاسم کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

وہ چند لمحے گاڑی کے قریب کھڑا حمید کو گھورتا رہا پھر بولا۔ "میں آج تمہاری اور اپنی

ایق کر دوں گا۔"

"یہ کیوں آیا ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔

"دیکھئے جناب۔" قاسم آگے بڑھ کر بولا۔ "میں پاگل ہوا جا رہا ہوں۔"

"ڈاکٹر کو فون کروں۔" حمید اندر جانے کے لئے مڑا مگر قاسم نے جھپٹ کر اُس کا

پکڑ لیا۔

"ڈاکٹر کی ایسی کی تیسی۔" وہ اُسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔ "وہ خط ابا

کے پاس قیسے پہنچا تھا۔"

"کیسا خط ....!" حمید بھی آنکھیں نکال کر بولا۔ "ارے دفع ہو جاؤ۔ میں اس وقت

دوسرا خط نہیں لکھوا سکتا۔ جتنے لکھوا دیئے ہیں انہیں زبانی یاد کر لو۔"

"اے .... اے سیدھی طرح بات کرو۔ تم نے وہ خط ابا جان کو بھیجا تھا۔"

"کون سا خط۔"

"کون سا خط۔ ابے وہی جس میں لکھوایا تھا .... نورِ چشمی جان بہار سلمہا السلام علیکم اور قون سا

"نورِ چشمی جان بہار سلمہا۔" فریدی ہنس پڑا۔

"ہے نا بے قوفی کی بات۔" قاسم سر ہلا کر بولا۔ "قیوں حمید صاحب۔ جب میں نے کہ

نور چشمی قیوں لکھواتے ہو تو پھر مایا تھا ممکن ہے چشمہ لگاتی ہو۔ میں نے کہا تھا نہیں یہ تو لڑ

لکھتے ہیں۔"

"ابے تو کیا تم کسی بوڑھیا کو لکھ رہے تھے۔" حمید نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"اچھا بیٹا! سلمہا کسے کہتے ہیں۔" قاسم نے لپک کر پوچھا۔

"ہاں یہاں ضرور غلطی ہو گئی تھی۔ دراصل شلجمہا لکھوانا چاہئے تھا۔"

"ٹھینگا لکھوانا چاہئے تھا۔ میں کہتا ہوں تم نے میرے باپ کو وہ خط کیوں بھیج دیا۔"

"باپ کو .... وہ خط .... کیا کہہ رہے ہو۔" حمید نے حیرت ظاہر کی۔ "اُف فوہ۔ تو کیا ایسا

ط تمہارے باپ کے پاس بھی پہنچا ہے میں سمجھ گیا۔"

"قیا سمجھ گئے۔"

"گھپلا .... یہ یقیناً تمہاری کسی سالی کی حرکت ہے۔"

"نہیں تم سالے کی حرکت ہے .... اللہ قرے مر جاؤ۔"

"اگر میری ہی حرکت ہو تو اللہ کرے ضرور مر جاؤ .... ہاں۔"

"کیا قصہ ہے۔" فریدی نے پھر دخل دیا۔

قاسم نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ کوئی پھاٹک سے گذر کر نیم تاریک کمپاؤنڈ میں

ہوا اور کتے بھونکنے لگے۔ شائد رکھوائی کا ایک السیشین کھلا ہوا تھا۔ وہ غرا کر جھپٹا۔

"ارے بچاؤ۔" چیخ کسی عورت کی تھی۔

"ٹیری .... ٹیری۔" فریدی نے کتے کو آواز دی اور خود بھی آگے بڑھا۔

"اے بچاؤ۔" قاسم حمید کے شانے پر ہاتھ مار کر بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

لیکن حمید جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ کچھ دیر بعد جب وہ روشنی کی حد میں داخل ہوئے تو حمید کو

ا کے ساتھ ایک برقعہ پوش عورت نظر آئی۔

"تم جا کر اپنی گاڑی دیکھو۔" فریدی نے حمید کو مخاطب کیا۔ عورت کا چہرہ نقاب میں چھپا ہوا

وہ حمید کے قریب ہی سے گذرتی ہوئی اندر چلی گئی تھی۔ فریدی اُس کے ساتھ تھا۔

قاسم نے حمید کی طرف دیکھ کر متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں اور آہستہ سے بولا۔ "اسے

ا کر اندر لے گئے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی پر تاؤ کھانے کا یہی وقت تھا۔

"بڑے پارسا بنتے ہیں۔" قاسم بڑبڑایا۔ "کیا یہ کھالا جان تھیں۔"

"مت بکواس کرو۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"قروں غا..!" قاسم ہاتھ پر ہاتھ مار کر بولا۔ "اپنی آنکھ میں شمشیر دوسرے کی ڈاڑھی
حمید کو ہنسی آگئی۔ کیونکہ قاسم کے ذہن میں کئی کہاوتیں گڈمڈ ہو گئی تھیں غالباً وہ کہ
کہ اپنی آنکھ میں شہتیر نہیں نظر آتا اور دوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آجاتا ہے۔ شہتیر کی
اور تنکے کے تصور کے ساتھ ہی چور کی ڈاڑھی یاد آگئی۔

"اے تو کھفا ہونے کی کیا بات ہے۔" حمید اُس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "چا
کرالاؤں۔"

"نہیں قرتے تفریح! تم بتاؤ.... میرے باپ تو....!"

حمید اس وقت قاسم سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ اپنی گاڑی وہ ایک ڈیوٹی کانسٹیبل کی نگ
چھوڑ آیا تھا۔ اُسے جلد ہی واپس آنا تھا اور اب تو جلد واپسی اشد ضروری ہو گئی تھی کیونکہ
دانست میں فریدی نے اس وقت اُسے ٹالنے ہی کی کوشش کی تھی۔

وہ تیزی سے پھاٹک کی طرف بڑھا۔ ٹیکسی اُس نے پھاٹک کے باہر ہی رکوائی تھی۔

"اے میں جہنم میں بھی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔" قاسم ہاتھ ملا کر چیخا۔

تھوڑی دیر بعد وہ حمید کی ٹیکسی کا تعاقب کر رہا تھا۔ حمید نے مڑ کر دیکھا اور ہونٹوں
کچھ بڑبڑا کر رہ گیا۔ اس وقت قاسم اُسے بہت شدت سے کھل رہا تھا کیونکہ اُس کے ذہن
پوش عورت کے تصور کے علاوہ اس وقت اور کسی چیز کی گنجائش نہیں رہ گئی تھی۔

وہ کون تھی! ہچکیوں اور سسکیوں کے درمیان فریدی سے کیا کہہ رہی تھی۔ وہ سوچ
ہوتا رہا۔ آخر فریدی نے اُسے اس طرح کیوں ٹال دیا تھا؟

اس نے پھر مڑ کر دیکھا قاسم کی کار بدستور تعاقب کر رہی تھی۔ آخر اُس نے ڈرائیو
کا ایک نوٹ دیتے ہوئے ہدایت دی کہ وہ ٹیکسی کسی گلی میں موڑ کر رفتار بہت کم کر دے۔

قاسم کو ڈاج دیئے بغیر چھٹکارا ناممکن تھا۔ گلی اس جگہ سے قریب ہی تھی جہاں حمید
گاڑی چھوڑی تھی۔

"میں اتر جاؤں گا اور تم سیدھے نکلے جانا۔ سمجھے۔" اُس نے ڈرائیور سے کہا۔

"بہت اچھا جناب۔" ڈرائیور نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "یہ چینج واپس لیجئے

"رکھو.... رکھو....!" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ لیکن ڈرائیور بدستور پشت گاہ سے ٹکا

ہاتھ سر سے اونچا کر کے پچھلی سیٹ کی طرف بڑھا دیا۔ دفعتاً کوئی لجلجی سی چیز حمید کی پیشانی پر
پھٹی اور اس کی آنکھوں میں بڑی شدید قسم کی جلن ہونے لگی۔

"ہرے.... یہ.... یہ....!" اُس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کچھ کہنا چاہا۔ منہ کھلا اور ایسا
ں ہوا جیسے حلق میں مرچوں کی دھانس سما گئی ہو اور پھر اُس کا سارا وجود محض مرچوں کی
ں بن کر رہ گیا.... جلن.... جلن.... تپش.... آگ۔

پھر اُسے ہوش ہی نہ رہا کہ کچھ یاد رکھ سکتا۔

❁

مردوں سے شرط باندھ کر سونے والی بیہوشی تو تھی نہیں کہ میدان حشر ہی میں ہوش آتا۔
آیا اور اس طرح آیا جیسے سوتے سوتے جاگا ہو۔ نہ تو ذہن پر کسی قسم کا بار تھا اور نہ آنکھوں
امنے دھندلاہٹ ہی تھی۔ تازگی کا یہ عالم تھا جیسے جی بھر کے سویا ہو۔ ہوش آنے کے بعد
خوشگوار منظر پر بھی نگاہ نہیں پڑی تھی۔

وہ ایک سجی سجائی خواب گاہ تھی جس کی مسہری پر اُسے ہوش آیا تھا۔

سب سے پہلے اُس کا ہاتھ کوٹ کی جیب پر پڑا۔ ریوالور غائب تھا۔ وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا اور
پہن کر تیزی سے بند باندھنے لگا۔

"ارے ایسی بھی کیا جلدی۔" پشت سے آواز آئی اور حمید اچھل پڑا۔

ڈریسنگ الماری کے قریب ایک دراز قد آدمی نظر آیا جس کی آنکھوں پر تاریک اور معمول
وہ بڑے شیشوں کی عینک تھی اور مونچھیں اتنی گھنی تھیں کہ دونوں ہونٹ چھپ کر رہ گئے تھے۔

حمید اُسے ایسی نظروں سے گھور رہا تھا جیسے موقعہ ملتے ہی جھپٹ پڑے گا۔

"میں یہاں کیوں لایا گیا ہوں۔" بالآخر اس نے غرا کر پوچھا۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں تم سے تمہارے باس ہی کی موجودگی میں گفتگو
گا۔" جواب ملا۔

"کیا تمہارا اشارہ کرنل کی طرف ہے۔"

"ہاں! میں نے اُن سے استدعا کی ہے کہ وہ تشریف لا کر مجھے شکریہ کا موقع دیں۔"

"کیا مطلب....!"

"وہ ضرور تشریف لائیں گے۔ میں بیک وقت کئی جانب سے حملہ کرنے کا ا
تاکہ اگر ایک ناکام ہو تو دوسرا ہی بار آور ہو سکے۔ وہ بھی نہیں تو تیسرا.... لیکن میرا
دوسری طرف سے کیا ہوا حملہ یقیناً کامیاب ہوگا۔"

"کیا بکواس ہے۔"

"پہلا حملہ تو وہ تھا کہ تم نے اپنی کار میں اُلو دیکھا اور تمہیں پچھلے پڑھے ہوئے سار
ناول بیک وقت یاد آگئے۔" گھنی مونچھوں والے نے قہقہہ لگایا۔ "سنسنی.... کس
وہی حرکت سرزد ہوئی جس کی توقع تھی۔ تم نے اپنی گاڑی وہیں کھڑی رہنے دی اور ک
کو اطلاع دینے دوڑے چلے گئے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں تم وہی ٹیکسی استعمال کر
پہلے ہی سے تمہاری منتظر تھی اگر کرنل بھی اسی ٹیکسی پر تمہارے ساتھ ہی آجاتا تو
میں نے سوچا کہ کرنل بہت بڑا آدمی ہے۔ بین الاقوامی شہرت کا مالک۔ اس لئے اس
سے بھی حملہ کرانا چاہئے۔ وہ تمہارے ساتھ نہیں آیا لیکن وہ لڑکی اُسے ضرور لائے گی

"پہلے بھی کبھی کرنل سے سابقہ پڑ چکا ہے۔" حمید نے مضحکہ اڑانے والے انداز
پہلی بار یہ سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کسی قدر جھکتا

"اچھی بات ہے۔ تو منتظر رہو۔" حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

"تم تو اس طرح کہہ رہے ہو جیسے تمہیں یقین ہی نہ ہو کہ میرا دوسرا حملہ کامیاب

"اگر تم نے پہلی بار یہ سعادت حاصل کی ہے تو کچھ ہی دیر سہی خوش فہمی میں ضرور

"خیر.... ختم کرو۔" دراز قد آدمی نے کہا۔ "ہم کھانے کی میز پر کرنل کا انتظار
آؤ میرے ساتھ۔"

"اچھی بات ہے تو پھر میں بھی یہیں ٹھہر کر فریدی کا انتظار کروں گا۔ تم تو
معلوم ہوتے ہو۔ کرنل میری دعوت کبھی نہ ٹھکراتا۔"

"سنجیدگی سے گفتگو کرو۔" حمید نے اُسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔
اور کیا چاہتے ہو۔"

"مثلث اور دائرے کے چکر میں بہتیرے ہیں۔ مجھے بھی اُن میں سے ایک سمجھ لو

"اوہ.... تو پھر....!"

"کچھ نہیں! اس گفتگو کے لئے کرنل کی موجودگی ضروری ہے۔" اس نے کہا۔

"لیکن تم نے دائرے اور مثلث کے ساتھ اُلو کا حوالہ نہیں دیا۔"

"مجھے اُلوؤں سے دلچسپی نہیں ہے۔" اُس نے لاپروائی سے کہا اور خاموش ہو گیا۔

حمید پھر اس نقاب پوش عورت کے متعلق سوچنے لگا جسے فریدی کوٹھی میں لے گیا تھا۔ کیا
وہ وہی عورت تھی جس کا حوالہ ابھی ابھی اس آدمی نے دیا تھا؟ تو کیا فریدی سچ مچ کسی جال میں
پھنس گیا ہوگا؟

"کیا سوچنے لگے۔" دراز قد آدمی نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں پوچھا۔

"یہی کہ تمہیں.... خیر.... ہٹاؤ جانے دو! تم خفا ہو جاؤ گے۔ بات یہ ہے کہ میں اُس برقعہ
پوش لڑکی کی شکل نہیں دیکھ سکا تھا۔ ویسے آواز تو بڑی دلکش تھی۔"

"وہ خود بھی بڑی دلکش ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ کوئی مقامی لڑکی ہے۔"

"لڑکیوں کا کوئی مقام نہیں ہوتا۔ وہ تو کائناتی ہوتی ہیں۔ کبھی بادلوں سے جھانکتی ہیں۔ کبھی
چاند اور ستاروں میں بیٹھ کر ستار بجاتی ہیں۔ مگر آج کل ناخن بڑھانے لگی ہیں اس لئے روٹیاں
نہیں پکا سکتیں۔"

"شاعر بھی ہو اور مسخرے بھی۔ لیکن کیا یہ بے حیائی کی زندگی نہیں ہے۔"

"اتنی بڑی بڑی مونچھیں رکھ کر لڑکیوں سے حملہ کرانا یقیناً بے حیائی کی زندگی ہے۔"

"تمہاری زبان گھونسے کی طرح چلتی ہے۔"

"مگر افسوس کسی کا سر نہیں توڑ سکتی۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "ویسے تم نے بے
حیائی کی زندگی کا حوالہ کن معنوں میں دیا تھا۔"

"تم دونوں کی موجودہ پوزیشن۔ کیا تم اپنے محکمے میں حقیر ہو کر نہیں رہ گئے۔ اب اعلیٰ حکام کو
تمہاری پرواہ نہیں ہوتی۔"

"ہوں....!" حمید سر ہلا کر بولا۔ "تو تم محض ایک مجرم ہی نہیں بلکہ غدار بھی معلوم ہوتے ہو۔"

وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"آجاؤ....!" دراز قد آدمی غرایا۔

"کام ہو گیا باس۔" ایک آدمی نے دروازہ کھول کر کہا۔

"ٹھیک....!" وہ اٹھتا ہوا بولا۔ "آؤ کیپٹن! ہم دوستانہ ماحول میں گفتگو کریں گے۔"

حمید الجھن میں پڑ گیا۔ کیا وہ فریدی کو بھی پھانس لینے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ کیا وہ دھوکا کھا گیا ہوگا۔ وہ سوچتا ہوا غیر ارادی طور پر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

دراز قد آدمی خاموشی سے چل رہا تھا۔ اس وقت حمید چاہتا تو بہ آسانی اس پر حملہ کر لیکن یہ دیکھے بغیر کہ فریدی کس حال میں آیا ہے وہ کوئی غیر ذمہ دارانہ اقدام نہیں کرنا چاہتا

ہال میں پہنچ کر دراز قد آدمی رک گیا۔ یہاں چار آدمی پہلے ہی سے موجود تھے اور ایک جگہ ایک بڑا سا بنڈل پڑا ہوا تھا۔

حمید بوکھلا گیا کیونکہ اُسے اس بنڈل پر کئی جگہ تازہ خون کے دھبے نظر آئے تھے۔

"او گدھو! تم نے ابھی تک اُسے اس تھیلے سے نکالا بھی نہیں۔" دفعتاً دراز قد آدمی ہوئے لہجے میں بولا۔ "اگر گھٹن کی وجہ سے مر گیا ہو تو۔"

پانچوں آدمیوں نے بڑی تیزی سے بنڈل کھول ڈالا۔ لیکن بنڈل سے برآمد ہونے و نظر پڑتے ہی دراز قد آدمی کسی زخمی شیر کی طرح دہاڑا۔ "یہ کون ہے۔"

حمید نے طویل سانس لی۔ یہ فریدی نہیں تھا۔ پانچوں آدمیوں کے چہروں پر ہوائیاں لگی تھیں۔

"یہی.... تت.... تو.... میں سوچ رہا تھا۔" ایک آدمی ہکلایا۔ "سوچ رہا تھا کہ ڈر رہ گیا۔"

"گدھو! تم اپنے ہی ایک آدمی کو زخمی کر کے تھیلے میں ٹھونس لائے ہو۔" دراز قد آدمی پھر

"اندھیرا.... باس.... اندھیرا.... ہمارا قصور نہیں ہے۔"

"اندھیرے کے بچے میں کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ وہ کتیا کہاں ہے؟"

حمید اب ہر قسم کے خطرات کا سامنا کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ اس نے سوچا کہ کچھ کر گزر کے لئے اس سے بہتر موقع پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ اُس نے چپ چاپ ایک کرسی اٹھا کر اس زور دراز قد آدمی کی کمر پر رسید کی کہ وہ توازن کھو بیٹھا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ اپنے دو آدمیو بھی سمیٹتا ہوا فرش پر ڈھیر نظر آیا۔ حمید نے دروازے کی طرف چھلانگ لگائی اگر وہ نہتا نہ اس طرح کبھی نہ بھاگتا۔ بہر حال وہ ابھی دوسرے ہی کمرے میں پہنچا تھا کہ پوری عمارت

گئی اور بیک وقت کئی چیخیں سنائی دیں۔ ان میں شاید ایک فائر کی آواز بھی شامل تھی۔

حمید ایک گوشے میں رک گیا۔ اُسے یقین تھا کہ اگر فریدی نے دھوکا نہیں کھایا تو یہاں تک پہنچنا بھی اُس کے لئے مشکل نہ ہوگا۔

ویسے وہ دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں صاف سن رہا تھا۔ لیکن اُس کمرے سے کوئی بھی میں گذرا جس میں حمید تھا۔ اس سے اس نے اندازہ لگایا کہ شائد وہ اس کمرے سے گذر کر باہر نہ پہنچ سکے۔

اس نے پھر آوازوں کی طرف کان لگا دیئے۔ لیکن اب وہاں سناٹا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ ٹٹولتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ پوری عمارت تاریک ہو جانے کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ مین سوئچ آف کر دیا گیا ہے۔ مین سوئچ کہاں ہوگا؟ لیکن مین سوئچ کے چکر میں پڑنا فضول ہی تھا۔ ہو سکتا تھا کہ اس طرح کسی دوسرے خطرے کا سامنا کرنا پڑتا۔

دروازے سے گذرتے وقت اُس نے ایک ہلکی سی آواز سنی اور دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اندھیرے کی وجہ سے اندازہ کرنا دشوار تھا کہ اب بھی وہ کسی کمرے ہی میں ہے یا کسی راہداری میں۔ وہ دوبارہ آہٹ لینے لگا۔ پہلی بار اندازہ نہیں کر سکا تھا کہ آواز کس قسم کی تھی۔

آواز پھر آئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی فرش پر آہستہ آہستہ کھسک رہا ہو۔ پھر اُس نے ہلکی سی کراہ سنی جو غالباً شدت تکلیف ہی کا نتیجہ تھی۔ فرش سے لباس کی رگڑ کی آواز قریب آتی جا رہی تھی۔

حمید نے سانس روک لی۔ یقینی طور پر کھسکنے والا قریب ہی تھا۔ ہو سکتا تھا کہ وہ دم لینے کے لئے رکا ہو۔

ٹھیک اُسی وقت ٹارچ کی روشنی کا بڑا سا دائرہ کمرے میں رینگ آیا اور حمید اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ یہ کسی لڑکی ہی کی چیخ تھی جس نے اُس کے کان پھاڑ دیئے تھے ٹارچ کی روشنی کا دائرہ فرش پر پڑی ہوئی لڑکی پر ٹھہر گیا تھا۔ حمید نے دوسرے دروازے میں چھلانگ لگائی۔

"ٹھہرو.... میں ہوں۔" یہ فریدی کی آواز تھی۔ حمید بے تحاشہ پلٹ پڑا۔

زخمی لڑکی

فریدی کے بائیں ہاتھ میں ٹارچ تھی اور داہنے میں ریوالور۔

حمید احمقوں کی طرح منہ کھولے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔ لڑکی گھسٹتی ہوئی دیوار گئی تھی اور اب شائد کوشش کر رہی تھی کہ دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ سکے۔

روشنی کا دائرہ اب بھی اسی پر تھا۔ اور وہ بُری طرح ہانپ رہی تھی۔ شائد وہ جوار ہوئے ذہن ہی کو قابو میں رکھنے کے لئے بار بار آنکھیں پھاڑ رہی تھی۔ اس کے خدوخا تھے۔ حالانکہ وہ خوفزدہ نظر آ رہی تھی۔ لیکن خوف بھی اُس کے چہرے کی دلکشی پر کو نہیں ڈال سکا تھا۔

"کیا وہ نکل گئے۔" حمید نے پوچھا۔

"تم یہاں کیسے؟"

"پھر بتاؤں گا۔ بہر حال میں قیدی تھا۔" حمید نے کہا اور پھر لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔

"اٹھو....!" فریدی نے لڑکی سے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"میں اپنے پیروں پر کھڑی نہیں ہو سکتی۔" اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب د یوریشین معلوم ہوتی تھی۔ اُس کے دائیں بازو پر زخم تھا جس سے خون بہہ رہا تھا۔

"وہ لوگ کہاں گئے؟"

"میں نہیں جانتی جناب۔ قطعی نہیں جانتی یقین کیجئے۔ مجھے گرفتار کر لیجئے۔ میں نے دھوکا دیا تھا۔"

"تمہاری گرفتاری سے کیا فائدہ۔ نہیں تمہیں یہیں چھوڑ جاؤں گا۔"

"نہیں نہیں۔" وہ ہذیانی انداز میں چیخی۔ "مجھے گرفتار کر لو۔"

"کیوں.... کیا وہ تمہیں مار ڈالیں گے۔"

"چلئے! نکلئے یہاں سے۔ ورنہ وہ واپس بھی آ سکتے ہیں۔"

"اس کی فکر نہ کرو۔" فریدی نے کہا اور ٹھیک اُسی وقت کمرے میں روشنی بھی ہو گئی۔

"دیکھئے....!" حمید چیخا۔

"پرواہ مت کرو۔" فریدی مسکرایا۔ چند لمحے لڑکی کی طرف دیکھتا رہا پھر حمید سے بولا۔

"ہاں تم یہاں کیسے آ پھنسے تھے۔"

"میں کہتا ہوں اتنے اطمینان سے یہیں رک کے رہنے میں کون سی مصلحت ہے۔"

"پھر کہوں گا کہ اپنے ذہن کو ان اُلجھنوں میں نہ ڈالو۔ جو کچھ کہہ رہا ہوں کرو۔"

حمید نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اپنی بیتی دہرائی اور فریدی ہنسنے لگا۔

"بھلا اس میں ہنسنے کی بات ہے۔" حمید جھلا گیا۔

"کچھ نہیں! خواہ مخواہ انگارے نہ چباؤ۔ ذرا اس بیچاری کو دیکھو۔ اس کا بازو زخمی ہے۔"

"دیکھ رہا ہوں.... پھر کیا چاہتے ہیں آپ۔"

"وہی جو یہ چاہتی ہے۔"

"اُس درندے نے مجھ پر فائر کیا تھا۔" لڑکی کراہی۔

"اوہ.... تو کیا یہ گولی لگی ہے۔" فریدی نے حیرت سے کہا۔

"پتہ نہیں! مجھے یاد نہیں کہ گولی لگی تھی.... یا کچھ اور.... اندھیرا ہو گیا تھا۔"

"اندھیرا کیسے ہوا تھا۔"

"وہ.... وہ....!" لڑکی رہ رہ کر آنکھیں پھاڑتی ہوئی بولی۔ "میرا.... سس.... سر.... رہا ہے.... مم.... مم.... میں....!"

اس کی گردن بائیں شانے پر جھول گئی۔ آنکھیں قطعی طور پر بند ہو چکی تھیں اور وہ گہری ری سانسیں لے رہی تھی۔

"غالباً بیہوش ہو گئی۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اسے ٹاؤ۔"

"کمال ہے.... یعنی کہ میں.... یعنی کہ اتنی خوبصورت لڑکی۔"

"اٹھاؤ.... اور میرے ساتھ چلو۔" فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔

طوعاً و کرہاً حمید نے یہ خوشگوار فرض ادا کیا۔ فریدی ہی کی رہنمائی میں وہ عمارت کے باہری ے تک پہنچا۔ یہ ایک مختصر سا پائیں باغ تھا۔

"ارے تو آپ نے تلاشی بھی نہیں لی۔" اُس نے فریدی سے کہا۔

"سب کچھ ہو رہا ہے فکر مت کرو۔"

جیپ کار سڑک پر کھڑی تھی۔ حمید نے لڑکی کو پچھلی نشست پر ڈال دیا۔

"اسے کہاں لے چلیں۔" اُس نے فریدی سے پوچھا۔

"پولیس ہسپتال....!"

"غلطی کریں گے آپ! نہیں میری دانست میں تو یہ مناسب نہیں ہے۔"

"فکر مت کرو۔ تم خواہ مخواہ ان الجھنوں میں پڑتے ہو۔"

"آپ وہاں بتائیں گے کیا۔"

"یہی کہ ہمیں سڑک پر بیہوش پڑی ملی تھی۔"

"کیا عقلمندی ہے اس میں۔"

"سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہ لڑکی ہمارے لئے کام کی ثابت ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر متعلق صحیح بیان دے دیا گیا تو یہ حوالات میں ہو گی۔"

"اوہ.... تو اسے آپ ساتھ رکھنا چاہتے ہیں۔" حمید نے طویل سانس لی۔

"بہت دیر میں سمجھنے لگے ہو۔ کیا ہو گیا ہے تمہاری عقل کو۔" فریدی نے متحیرانہ لہجے

بھوک کے مارے حمید کا دم نکلا جا رہا تھا۔ اس لئے اُس نے بحث وہیں ختم کر دی

بھوک کے عالم میں بکواس کرنے سے سارا زور خالی معدے پر پڑتا ہے اور قلب الٹنے لگتا

پولیس ہسپتال پہنچ کر وہ باہر جیپ ہی میں بیٹھا رہا تھا اور فریدی بیہوش لڑکی کو اسٹر

کر اندر لے گیا تھا۔ تقریباً بیس منٹ بعد اُس کی واپسی ہوئی اور اُس نے بتایا کہ لڑکی کو

ہوش نہیں آیا۔

"تو پھر آپ نے بیان بھی نہ دیا ہو گا۔" حمید نے کہا۔

"کیوں بیان دینے میں کون سی دشواری تھی۔"

"دیکھئے بھوک کی حالت میں مجھے زبان پر قابو پانا دشوار ہو جاتا ہے۔" حمید نے جھلا

"اس جھلاہٹ کی وجہ.... فرزند....!"

"وہ ہوش میں نہیں تھی۔ آپ یہ فرما کر چلے آئے کہ کسی سڑک پر بیہوش ملی تھی

اُس نے ہوش میں آ کر کوئی دوسری بکواس کر ڈالی تو کیا ہو گا۔"

"مجھے پھانسی ہو جائے گی اور وہ ستار بجائے گی۔ اس کی بھی پرواہ نہ کرو۔ آہا تم نے ابھی تک

نہیں پوچھا کہ میں اچانک وہاں کیسے آ پہنچا تھا۔!"

"مجھے علم ہے کہ وہ برقعہ پوش عورت....!"

"ٹھیک! وہ بہت زیادہ خوفزدہ تھی اور اُس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ آرٹسٹ نصیری کی سیکریٹری

ہے۔ پچھلی رات وہ اپنے فلیٹ میں سو رہی تھی کہ کھڑکی توڑ کر تین چار نقاب پوش اندر گھس

ئے۔ انہوں نے اُسے اٹھا لے جانا چاہا۔ لیکن ٹھیک اُسی وقت دو تین نقاب پوش اور پہنچے اور اُن

درمیان اچھی خاصی جنگ چھڑ گئی۔ اسی دوران میں اُسے اپنے فلیٹ سے نکل بھاگنے کا موقع

گیا۔ اُس کا خیال تھا کہ وہ کسی بہت بڑے خطرے سے دوچار ہونے والی ہے۔ پھر اس نے

ری کے متعلق کچھ ایسی باتیں بتائیں کہ ذوق تجسس جھنجھوڑے بغیر ہی جاگ اٹھا۔ مثال کے

پر اُس نے بتایا کہ وہ نصیری کو مجسمہ ساز کی حیثیت سے نہیں جانتی تھی وہ اُسے کوئی اسکالر

تی تھی۔ اُس نے ایک عمارت کا نام لیا تھا کہ وہ اس میں نصیری کے کتب خانے کی دیکھ بھال

تی تھی اور اس کی ڈاک وصول کرتی تھی۔ تیسرے چوتھے دن نصیری بھی وہاں جاتا تھا اور وہ

ے ڈاک دیکھنے میں مدد دیتی تھی۔ عمارت کی کنجیاں اس کے پاس ہی تھیں۔ جو اُس نے بے چوں و

میرے حوالے کر دیں۔ مگر میں اُسے بھی ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ حالانکہ وہ بہت زیادہ خائف

ا۔ لیکن پھر ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گئی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ اس تاریک عمارت میں پہنچ کر

تنہا رہ گیا ہوں۔ وہ اندھیرے میں کسی دوسری طرف کھسک گئی تھی۔ پھر چند آدمی مجھ پر ٹوٹ

ے۔ اندھیرے کی وجہ سے میں انہیں ڈاج دینے میں کامیاب ہو گیا اور انہوں نے میرے

وکے میں اپنے ہی ایک آدمی کو مار لیا۔ شاید اندھیرے ہی میں اُسے تھیلے میں بھی ٹھونسا گیا تھا۔

ہرہے کہ اُس کے بعد میں نے ان لوگوں کا تعاقب ضرور کیا ہو گا۔ لیکن بالآخر وہ نکل ہی گئے۔ گھر

ے چلتے وقت میں نے جن لوگوں کو فون کیا تھا وہ ذرا دیر سے پہنچے تھے ورنہ وہ لوگ نکل نہ سکتے۔"

"محکمے کے آدمی تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں....!"

"بلیک فورس....!"

"ظاہر ہے۔"

"کب میری سمجھ میں آئے گی یہ بلیک فورس۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید بھی خاموش ہو گیا۔ جیپ کار اب کوٹھی ہی کی طرف جا رہی تھی۔

"دوسری بات۔" فریدی نے کچھ دیر بعد کہا۔ "جانتے ہو وہ لڑکی کون تھی۔"

"بلجیم کی شہزادی۔"

"بُری طرح جھلائے ہوئے ہو۔" فریدی ہنس پڑا۔ "وہ لڑکی وہی ہے جسے ابھی ہم ہسپتال میں چھوڑ کر آئے ہیں۔"

"نہیں....!" حمید نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

"ہاں.... وہی ہے۔"

"اور آپ نے اُسے اس طرح....!"

"ہاں.... آں۔" فریدی نے بات کاٹ دی۔ "میں دراصل اس وقت کے ڈرامے سے مطمئن نہیں ہوں۔ یہ سب کچھ مجھے ایسا ہی لگا ہے جیسے میں نے کسی ڈرامے کے ریہرسل کا حصہ لیا ہو۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"میرا خیال ہے کہ کل تک سمجھ جاؤ گے۔" فریدی نے کہا۔ "اوہ ابھی تمہاری گاڑی کا ہو گی جہاں تم نے چھوڑی تھی اور میرا خیال ہے کہ تمہارا اُلو اب تک کافی مشہور ہو چکا ہو گا تعجب نہیں کہ بات ہمارے ایس پی صاحب تک بھی پہنچ گئی ہو اور ہمیں اس سلسلے میں باقاعدہ پرجواب دہی کرنی پڑے۔"

فریدی کا خیال غلط نہیں تھا۔ حمید تقریباً آٹھ بجے اپنی گاڑی کانسٹیبل کی تحویل میں دے فریدی کے پاس پہنچا تھا اور اب ڈھائی بج رہے تھے۔ کانسٹیبل نے دو گھنٹے بعد ہی قریبی تھانے اس کی اطلاع بھجوا دی تھی۔ وہاں سے بات محکمہ سراغ رسانی کے ایس۔پی تک پہنچی تھی۔

مگر کار جہاں چھوڑی تھی وہیں ملی۔ البتہ اب کوئی دوسرا کانسٹیبل اس کی نگرانی کر رہا سا ری باتیں اُسی سے معلوم ہوئی تھیں اس نے بتایا کہ ایس۔پی نے بذات خود آ کر حمید کی گا جائزہ لیا تھا اور اُسے ایک تحریر دے گیا تھا جو حمید کے نام تھی اور جس میں کہا گیا تھا کہ جس وقت بھی کار کانسٹیبل کی تحویل سے واپس لینے وہاں پہنچے اُسے چاہئے کہ وہ ایس۔پی سے ل

کر نہ جائے۔ واپسی خواہ کسی وقت ہو۔

"کیا خیال ہے....؟" فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"کیا مجھے تنہا جانا پڑے گا۔"

"ظاہر ہے۔"

"مگر میں کہوں گا کیا۔"

"اب یہ بھی میں ہی بتاؤں۔ یوں بکواس کر کے دوسروں کی کھوپڑیاں بھی خالی کر دیتے ہو۔"

"خیر میں سمجھ بوجھ لوں گا۔" حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

"اُلو اب بھی کار ہی میں موجود تھا۔" حمید نے اس کے متعلق پوچھا۔

"غیرت کا تقاضا تو یہ ہونا چاہئے کہ تم آج ہی سے اُلو پروری شروع کر دو۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"آخر ہم لوگوں کو پھانسنے کی کوشش کیوں کی گئی۔" حمید نے بات اڑا دی۔

"غالباً وہ یہی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ہم لوگ نصیری تک کیوں جا پہنچے تھے، ظاہر ہے کہ کسی کو ی خاص بات کے ظاہر ہو جانے کا خدشہ تھا اسی لئے نصیری قتل کر دیا گیا تھا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ یک بیک اُس کے قدم کیفے شبانہ کی طرف اٹھ گئے۔ وہ اسی سڑک پر تھا اور رات بھر کھلا رہتا تھا۔

"ٹھہرو بھئی! میں چل رہا ہوں۔" فریدی نے کہا اور اُس کے ساتھ ہو لیا۔ لیکن کیفے میں پہنچ کر اُس کا رخ کسی میز کی بجائے کاؤنٹر کی طرف تھا۔

کاؤنٹر پر رکھے ہوئے فون پر اُس نے پولیس ہسپتال کے نمبر ڈائیل کئے۔ حمید ایک میز پر جم کر بیٹھا اور اس انداز میں ویٹر کو ہدایات دے رہا تھا جیسے آج کیفے کی بچی کھچی ساری چیزیں اس کے ہی بیٹ کا ایندھن بنیں گی۔ فریدی تقریباً تین منٹ تک فون پر گفتگو کرتا رہا پھر وہ بھی میز پر چلا آیا۔

"ہوش آیا اُسے۔" حمید نے پوچھا۔

"آ چکا ہے۔" فریدی مسکرایا۔ "اور تمہیں حیرت ہو گی کہ میرے اور اُس کے بیان میں سرمو فرق نہیں ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"اُس نے یہی بتایا ہے کہ وہ ریگل اسٹریٹ سے گذر رہی تھی کہ ایک تیز رفتار موٹر اُس کے قریب سے گذری۔ دھکا لگا اور وہ دور جا گری۔ اس کے بعد اُسے ہوش ہی نہیں رہا۔"

"بازو کے زخم کے متعلق کیا بتایا۔"

"وہ تو کچھ بھی نہیں بتا سکی۔ لیکن ڈاکٹر کا خیال ہے کہ زخم کسی دھار دار آلے کا ہے۔"

"آپ نے بھی ریگل اسٹریٹ ہی کا نام لیا تھا۔"

"ہاں۔ دیکھو۔ میں نہ کہتا تھا کہ اس کی فکر نہ کرو۔ عموماً وہی ہوتا ہے، جو میں چاہتا ہوں۔"

"میں اس وقت زیادہ اونچی باتیں نہیں سمجھ سکتا۔ کیونکہ فی الحال میرا ذہن معدے میں ہے۔" اُس نے ویٹر کی لائی ہوئی چیزوں کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے ہال میں نظریں دوڑائیں اور پھر سیدھا ہو کر کرسی سے ٹکتا ہوا بولا۔ "پچھلی رات اُس پراسرار گاڑی سے ہم پر فائر ہوئے تھے لیکن ایک بھی تک نہیں پہنچ سکی تھی۔ حالانکہ ہم پوری طرح روشنی میں تھے۔ ہماری گاڑی کا بھی وہی حشر نہیں ہوا جو دوسری کا ہوا تھا اور وہ لڑکی جو گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ملی تھی ہو سکتا ہے کہ ذہن میں کوئی دوسری اسکیم رہی ہو۔ لیکن تمہاری زبان سے لفظ اُلو سن کر وہ بوکھلا گئی تھی کے ساتھی بھی اتنے ہی خوفزدہ ہو گئے تھے کہ پھر اُن سے وہاں نہیں ٹھہرا گیا تھا۔ کار کے میں کام آنے والوں میں سے ایک کی جیب سے صرف کاغذ کا ایک ٹکڑا برآمد ہوا تھا جس مثلث اور دائرے کے کھڑاگ کے علاوہ اور کچھ نہیں دکھائی دیا تھا۔"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔" حمید منہ چلاتا ہوا بولا۔

"کہانی بڑے ڈرامیٹک انداز میں سیٹ کی گئی ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"دو پارٹیاں ہیں حمید صاحب۔ اُن میں سے ایک ڈاکٹر داؤد کی قاتل ہو سکتی ہے۔"

"اتنا تو میری سمجھ میں آ گیا ہے ظاہر ہے کہ اُس کار کی تباہی اسی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔"

"ایک پارٹی سے اس وقت بھی ہماری مڈبھیڑ ہو چکی ہے۔"

"چلئے یہ بھی تسلیم ہے۔"

"لیکن یہ پارٹی حقیقتاً ہمیں کوئی گزند نہیں پہنچانا چاہتی ہے۔"

"یہ کیسے کہہ سکتے ہیں آپ۔"

"اگر یہ بات نہ ہوتی تو تمہاری گاڑی میں اُلو کی بجائے ٹائم بم رکھا جاتا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو مجھ پر اندھیرے میں حملہ کر کے اپنا ہی ایک آدمی نہ مار گرایا جاتا۔ تم کہتے ہو کہ وہ تھیلا تمہاری موجودگی میں ہی کھولا گیا تھا اور لمبے آدمی کو اچانک اپنے ساتھیوں کی حماقت کا علم ہوا تھا۔ اگر اس میں ذرہ برابر بھی حقیقت ہوتی تو وہ مجھ سے بچ کر نہیں جا سکتے تھے۔ اتنی فاش غلطی کا احساس ہوتے ہی انہیں بوکھلا جانا چاہئے تھا لیکن تمہیں یہ سن کر حیرت ہو گی کہ وہ بہت اطمینان سے فرار ہوئے تھے۔ یعنی اپنے بیہوش ساتھی سمیت نکل گئے تھے۔ یقین کرو کہ اگر وہ فرار بھی اُن کی اسکیم میں پہلے ہی سے شامل نہ ہوتا تو وہ بچ کر نہیں جا سکتے تھے۔ میں نے بہت احتیاط سے کام لیا تھا۔"

فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "تمہارا بیان ہے کہ تم نے فائر کی آواز بھی سنی تھی۔ لیکن لڑکی کا زخم گولی کی بجائے کسی دھار دار آلے کی کہانی سناتا ہے۔ پھر فائر کا مقصد کیا تھا۔"

"ہو سکتا ہے کہ انہوں نے لڑکی ہی پر فائر کیا ہو۔" حمید نے کہا۔ "ضروری تو نہیں تھا کہ گولی لگ ہی جاتی۔"

"ہاں ضروری نہیں تھا لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ وہ بھی میرا ہی بیان دہرا دے اور اتنی صفائی کے ساتھ کہ ایک لفظ کا بھی فرق نہ پڑنے پائے۔"

"اس پر البتہ غور کیا جا سکتا ہے۔" حمید نے کپ میں چائے انڈیلتے ہوئے کہا۔

"اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ جیل میں رہنے کی بجائے ہماری نگرانی میں رہنے کو ترجیح دیتی ہے۔"

"اور وہ حقیقتاً بیہوش بھی نہیں تھی.... کیوں؟"

"اگر ہوتی تو میرا بیان من و عن کیسے دہرا سکتی۔"

"حالانکہ پہلے اُس نے یہ ظاہر کیا تھا کہ بس وہ کسی طرح بچ ہی گئی اور اب صرف جیل ہی میں رہنا چاہتی ہے جہاں وہ اُن لوگوں کے انتقام کا شکار نہ ہو سکے۔" حمید نے کہا۔

فریدی پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔

"حالات کسی سمت بھی نہیں لے جاتے۔" کچھ دیر بعد حمید بڑبڑایا۔

"نہ لے جاتے ہوں۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور بجھا ہوا سگار سلگا کر بولا۔ "بہر حال

اس وقت جو کچھ بھی ہوا ہے محض اسی لئے اسٹیج کیا گیا تھا کہ لڑکی ہمارا اعتماد حاصل کر سکے پارٹی یہ کیوں چاہتی ہے۔ اسے البتہ دیکھنا پڑے گا۔"

"کیا یہی پارٹی داؤد اور نصیری کی قاتل بھی ہو سکتی ہے۔"

"ممکن ہے۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

یک بیک حمید نے بوکھلا کر چائے کی پیالی میز پر رکھ دی۔ کیونکہ اُن کے محکمے کا ایس۔ میں داخل ہوا تھا۔ وہ اچھے موڈ میں نہیں معلوم ہوتا تھا۔

وہ دونوں اٹھ گئے۔

سرخ روشنی

فریدی نے اس کی آمد پر حیرت ظاہر کی اور پھر جلدی سے بولا۔ "تشریف رکھئے جناب"

"نہیں! میں باہر ہی انتظار کروں گا۔" ایس۔ پی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"ہم چل رہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔ وہ دونوں دروازے کی طرف بڑھ گئے.... او کاؤنٹر پر پیسے ادا کرنے لگا۔ اُسے بہت زور سے غصہ آیا تھا۔ لیکن یہاں تو اپنی ہی بوٹیاں نو بھی موقع نہیں تھا۔

فریدی اور ایس پی فٹ پاتھ ہی پر ملے۔ ایس پی کہہ رہا تھا۔

"یہ کیسا ہنگامہ برپا کر رکھا ہے آپ لوگوں نے۔"

"ہنگامہ....!" فریدی مسکرایا۔ "ہم تو ہمیشہ ہنگاموں سے دور رہنے کی کوشش کرتے لیکن ہنگامے ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اگر آپ کا اشارہ حمید کی کار میں پائے جانے والے طرف ہے تو یہ ایک مجبوری تھی اس بیچارے کو اپنی گاڑی میں ایک سنسنی خیز چیز نظر آئی اور اطلاع دینے چلا گیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں گاڑی کسی نہ کسی کی نگرانی ہی میں چھ پڑتی.... بہر حال میں نے اُسے کوئی اہمیت نہیں دی اور حمید کو واپس جانا پڑا۔ اُس کے دوسرے واقعات پیش آئے۔"

فریدی حمید کی گرفتاری کے واقعات دہراتا رہا۔ حمید متحیر تھا کہ آخر یک بیک فریدی

اسکیم بدل کیوں دی۔

حمید کی کہانی بیان کر کے وہ اپنی داستان بھی دہرانے لگا۔ جس میں لڑکی کا تذکرہ ضروری تھا۔ بھی ہو۔ لیکن اُس نے یہ نہیں بتایا کہ وہ لڑکی پولیس ہسپتال میں زیر علاج ہے۔ بس کہانی اُسی ختم ہو گئی تھی جہاں سے وہ نامعلوم افراد فرار ہوئے تھے۔

"تو کیا اس کا تعلق نصیری کے قتل سے بھی ہو سکتا ہے۔" ایس۔ پی نے پوچھا۔

"ہو سکتا ہے نصیری غلطی سے قتل ہو گیا ہو۔"

"کیا مطلب....!"

"گولی مجھ پر چلائی گئی ہو۔ نشانہ خطا کرنے کی بناء پر نصیری زد میں آگیا ہو اور حملہ آور نے ہونے پر اب میرے لئے باقاعدہ طور پر کوئی جال بچھایا ہو۔"

ایس۔ پی اُسے اشتباہ آمیز نظروں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "مجھے علم ہے کہ ڈاکٹر داؤد اور ری گہری دوست تھے اور ڈاکٹر داؤد بھی ایک اچھا مجسمہ ساز تھا۔"

"ممکن ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

دفعتاً ایس۔ پی کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس نے فریدی کو خونخوار نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ آپ نے مجھے پورے واقعات بتائے ہیں۔"

حمید نے فریدی کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ لیکن اسے فریدی کی آنکھوں میں سکون ہی نا نظر آیا۔ غصے کی ہلکی سی جھلک بھی نہ دکھائی دی۔ اُس نے مسکرا کر کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ میں نے کچھ نہ کچھ صرف اپنی ہی ذات تک محدود رکھنا مناسب سمجھا ہو۔"

"کیا مطلب....!" ایس۔ پی کا پارہ مزید چڑھ گیا۔

"ہاں ہاں! اکثر مجبوراً اس کی نوبت بھی آجاتی ہے۔"

"آپ ہوش میں ہیں یا نہیں؟"

"یہ میرے لئے ایک افسوس ناک اطلاع ہو گی کہ اب میری ہوشمندی پر بھی شبہ کیا جانے ہے۔"

"بہت زیادہ اڑنے کی ضرورت نہیں۔ میں نہیں جانتا کہ آپ کا کیا انجام ہو گا۔"

"میں بالکل نہیں سمجھا جناب۔"

"پولیس ہسپتال میں آپ نے جس لڑکی کو داخل کیا تھا اب اس نے اپنا بیان تبدیل کر

"اوہ....!" حمید نے طویل سانس لے کر پلکیں جھپکائیں۔

لیکن فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "مجھے علم تھا کہ ایسا ہی ہوگا۔"

"اور غالباً یہ بھی جانتے ہوں گے کہ صبح آپ کو معطلی کا پروانہ مل جائے گا۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس نے اپنے بیان میں کس قسم کی تبدیلی کی ہوگی۔"

"آپ نے اُسے غلط بیان دینے پر مجبور کیا تھا۔ اُس نے آپ سے درخواست کی تھی گرفتار کر کے جیل بھیج دیا جائے ورنہ وہ خود بھی قتل کر دی جائے گی۔ کیا کہنا چاہتے ہیں سلسلے میں۔"

"ظاہر ہے کہ اب میں کیا کہہ سکوں گا۔"

"آخر آپ نے ایسا کیوں کیا تھا؟"

"مجھے افسوس ہے کہ میں ابھی کچھ نہیں بتا سکوں گا۔"

"بہتر ہے۔" ایس۔پی غرایا اور اپنی کار کی طرف بڑھ گیا۔

فریدی اور حمید وہیں کھڑے رہے۔ جب ایس۔پی کی گاڑی چلی گئی تو حمید نے اپنی ہاتھ مار کر کہا۔ "معطلی کی نوبت آگئی۔"

"پرواہ مت کرو۔ اب تم مجھے اُس آدمی کے متعلق بتاؤ جو اس ہنگامے کا ذمہ دار ہے۔"

"اس کے بارے میں کیا بتاؤں۔ سب کچھ تو بتا چکا ہوں۔"

"کیا اس کی مونچھیں مصنوعی تھیں۔"

"شبہ ہوا تھا۔"

"اوپری ہونٹ کی بناوٹ کے متعلق کچھ بتا سکو گے۔"

"نچلا تو دکھائی نہیں دیا تھا۔ آپ اوپری ہونٹ کی بات کر رہے ہیں۔"

"اتنی گھنی اور لٹکی ہوئی مونچھیں تھیں؟"

"جی ہاں....!"

"تم نے کہا تھا کہ عینک کے شیشے معمول سے بڑے تھے۔ آخر کتنے بڑے ہوں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ پیشانی کے وسط تک پہنچتے تھے۔"

"ہوں.... اچھا۔" فریدی ادھر اُدھر دیکھتا ہوا بولا۔ "ہم کب تک یہاں کھڑے رہیں گے۔"

وہ اپنی گاڑیوں کی طرف واپس آئے اور حمید نے اُلو کو پکڑ کر سڑک پر دے پٹخا۔

گھر پہنچ کر حمید نے محسوس کیا کہ یہ رات یونہی گذر جائے گی۔ کیونکہ فریدی خواب گاہ کی ں جانے کی بجائے لائبریری ہی میں جم گیا تھا اور اب اُس الماری کا قفل کھول رہا تھا جس میں ی کو نفیڈنشل کے ریکارڈ رکھے جاتے تھے۔ اتنے کو نفیڈنشل کہ جن کی آج تک حمید کو ہوا بھی ں لگی تھی۔

"کیا یہ صبر کی رات ہے۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر پوچھا۔

فریدی چونک کر اس کی طرف مڑا لیکن دیکھنے کا انداز ایسا تھا جیسے اُس نے صرف اُس کی آواز ہو۔ الفاظ پر دھیان نہ دیا ہو۔

"تم نے اس آدمی کے متعلق مجھے سب کچھ بتا دیا ہے؟" اُس نے سوالیہ انداز میں کہا۔ "ذہن دوبارہ زور دو۔"

"ذہن پر زور دوں۔" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "ذہن کا تقاضہ تو اس وقت یہ ہے کہ تکیہ نہ رہو تو پتھر ہی پر دے پٹخو۔ کاش میرا باپ بھی میری ہی طرح کنوارا ہوتا۔"

"جھنجوڑو ذہن کو میری خاطر۔ میری نہیں بلکہ اپنی خاطر ورنہ صبح کسی کو منہ دکھانے کے ا بھی نہ رہ جاؤ۔"

"ارے تو اب کیا بتاؤں۔"

"اس کی چال پر غور کیا تھا۔"

"او.... ہاں.... چال میں ہلکی سی لنگراہٹ تھی۔"

"گڈ....!" یک بیک فریدی کی آنکھوں میں عجیب قسم کی چمک لہرائی اور اس نے اپنی پیشانی ستے ہوئے پوچھا۔ "ناک کی بناوٹ"

"گدھے کی دم سے مشابہ تھی۔" حمید پھر جھلا گیا۔

"بکواس نہیں۔"

"میں نے دھیان نہیں دیا۔"

فریدی نے الماری سے ایک فائل نکالا اور اس کے اوراق الٹنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد سر

اٹھائے بغیر بولا۔ "ادھر آؤ۔"

حمید نے اونگھتے اونگھتے چونک کر کہا۔ "سوا روپے سیر۔"

"ادھر آؤ.... ورنہ کل سے ترکاریاں ہی بیچنی پڑیں گی۔"

حمید اٹھ کر لڑکھڑاتا ہوا میز کی طرف آیا۔ لیکن فائل کے صفحے پر چپکی ہوئی تو پڑتے ہی نیند رفو چکر ہو گئی۔ وہ آنکھیں پھاڑے تصویر کو گھور رہا تھا۔ تھوڑی دیر بو ہونٹ ملے اور ہلکی سی آواز نکلی۔ "اُلو....!"

فریدی نے انگلیوں سے تصویر کی پیشانی اور ٹھوڑی ڈھانکتے ہوئے کہا۔ "اب ناک پ

"میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس کی ناک ایسی ہی تھی۔ یہ کون ہے۔"

"میجر والٹن! پچھلی جنگ کے دوران اتحادیوں سے کٹ کر دشمنوں سے جاملا تھا۔"

حمید بے اعتباری سے ہنسا۔ پھر بولا۔ "خدارا کہیں کسی شیخ نتھو کو میجر والٹن نہ بنا دیجے

"کیا مطلب....!"

"ارے اس نے خالص لکھنوی اردو میں مجھ سے گفتگو کی تھی۔"

"اور تم سے عربی۔ فارسی اور پشتو میں بھی بالکل اہل زبان ہی کی طرح گفتگو کر سکا صاحب۔"

حمید کی نیند بالکل غائب ہو چکی تھی۔ اچانک فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے ریسیو دوسری طرف سے محکمے کے ایس۔ پی کی آواز آئی۔

"اُس عمارت میں جہاں تمہیں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔" ایس۔ پی نے پوچھا۔ "تم دو علاوہ اور کون کون تھا۔"

"ظاہر ہے کہ آپ کو اس لڑکی کے متعلق علم ہو ہی چکا ہے۔" فریدی نے جواب دیا

"وہاں کچھ ایسے آدمی بھی دیکھے گئے تھے جو انگلیوں کے نشانات تلاش کر کے اُن لے رہے تھے۔"

"یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ میرے ہی آدمی ہو سکتے ہیں۔"

"تمہارے آدمی۔" ایس پی غرایا۔

"جی ہاں۔ لیکن ان کا تعلق آپ کے محکمے سے نہیں ہے۔"

"کیا یہ ہوش کی باتیں ہیں۔" ایس۔ پی کی آواز بے حد غصیلی تھی۔

"اس وقت میرا تعلق بھی آپ کے محکمے سے منقطع ہو چکا ہے۔"

"شائد بہت زیادہ پی گئے ہو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"میں آپ کو یہی مفید مشورہ دوں گا کہ خاموشی اختیار کیجئے۔ میں اپنے آفیسروں کا بے حد زام کرتا ہوں۔ لہٰذا مجھے اس پر مجبور نہ کیجئے کہ میرا کوئی قدم مجھے ڈسپلن کی حدود سے باہر لے ئے۔ بہتر ہوگا اگر آپ اس سلسلے میں وزارت داخلہ کے سیکریٹری سے گفتگو کریں۔ وہ آپ کو یں گی کہ بین الاقوامی معاملات میں میں صرف ایک ہی ذمہ دار ہستی کو جوابدہ ہوں۔ لیکن شائد ذمہ دار ہستی کی نشاندہی وہ بھی نہ کر سکیں۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

"ایس۔ پی صاحب۔" حمید نے پوچھا۔

"ہاں.... وہی تھے۔ بیچارے نئے آدمی ہیں۔ کسی نے انہیں ہمارے خلاف بھڑکا دیا ہے۔ خیر تو میں کہہ رہا تھا کہ میجر والٹن اتحادی سیکرٹ سروس سے تعلق رکھتا ہے۔"

یک بیک وہ پھر کسی سوچ میں پڑ گیا اور حمید بولا۔ "آخر لڑکی نے اپنا بیان کیوں بدل دیا۔"

"ہو سکتا ہے کہ میرا ہی بیان من و عن دہرا دینے کے بعد اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا ہو۔ ابیان تبدیل کرنے کی کوئی معقول وجہ بھی ظاہر کرنی پڑتی ہے۔ اُسے یہی سوجھی ہو گی کہ مجھ پر رکھ دے۔ کہہ دے کہ میں نے ہی اُسے بیان دینے پر مجبور کیا تھا۔"

"مگر اس طرح وہ ہمارا اعتماد حاصل کر سکے گی۔"

"دیکھو بھئی! وہ بھی محض قیاس ہی تھا کہ لڑکی ہمارا اعتماد حاصل کرنا چاہتی ہے۔ ہو سکتا ہے کے بیان میں صداقت ہی ہو۔ لیکن یہ بات بالکل اٹل ہے کہ میجر والٹن ہم سے کسی قسم کا ا اٹھانا چاہتا ہے۔ ورنہ اُس کے آدمی ہمیں اب تک ختم کر چکے ہوتے۔ اگر وہ ہمیں کوئی اہمیت نہ دیتا تو یہ چھیڑ چھاڑ بھی بے مقصد نہیں ہو سکتی۔"

"وہ ہم سے کیا فائدہ اٹھالے گا۔"

"تم اس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے۔ حالانکہ سنگاپور میں تم بھی جاپانیوں کے خلاف ہے ہو۔ سیکرٹ سروس سے بھی تمہارا تعلق رہ چکا ہے اور میرا دعویٰ ہے کہ جن دنوں تم

سیکرٹ سروس میں تھے تمہارا ایک اعلیٰ آفیسر میجر والٹن بھی تھا۔ مشرق بعید ہی میں وہ اتحا
سے علیحدہ ہوا تھا۔"

"آپ تو میرے ذہن پر ہتھوڑے چلا رہے ہیں۔"

"میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ اگر تم نے پہلے کبھی اُس کا نام نہیں سنا تو تمہیں اس پر حی
بھی نہ ہونی چاہئے۔ کیونکہ تم اپنے امیڈیٹ آفیسر کے علاوہ اور کسی کو جان بھی کیسے سکتے۔ دو
جنگ میں محکماتی نظام کچھ اسی قسم کا ہوتا ہے۔"

"چلئے مان لیا۔ لیکن میں نے پوچھا تھا کہ وہ ہم سے کس قسم کا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔"

"فائدہ....!" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ڈاکٹر داؤد کا قتل بے مقصد نہیں ہو
اُس سے قاتل کے متعلق سوال کیا گیا تھا تو اُس کی زبان سے "اُلو" نکلا تھا۔ جس طرح لفظ اُ
مقصد نہیں تھا اُسی طرح مثلث اور دائرہ بھی کچھ نہ کچھ مفہوم رکھتے ہی ہوں گے۔ اُلو کے
بجائے وہ قاتل کا نام بھی لے سکتا تھا۔ اگر قاتل پہلی ہی بار اچانک سامنے آیا تھا تو پھر داؤد
فون کال بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے جس کے ذریعہ اُس نے ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کو اپنی زندگی خط
میں ہونے کی اطلاع دی تھی۔ اس لئے یقینی طور پر وہ قاتل سے اچھی طرح واقف تھا۔ چلو یہ
تسلیم ہے کہ وہ میجر والٹن کو اس کے اصل نام سے نہ جانتا رہا ہو لیکن کسی نہ کسی نام سے ج
ضروری ہے۔ اُلو کے مجسمے کے حوالے پر نصیری بھی خائف نظر آیا تھا اور ٹھیک اسی وقت و
موت کی آغوش میں جا سویا تھا۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ "اُلو" اُن کے لئے اجنبی نہیں تھا
اجنبی نہیں تھا تو اس کا کچھ نہ کچھ نام بھی ہونا چاہئے۔ لیکن داؤد نام لینے کی بجائے شخصیہ
تصوراتی تشکیل کا حوالہ دیتا ہے۔"

"تصوراتی" حمید نے پلکیں جھپکائیں۔

"ہاں! اس تصویر کو غور سے دیکھو۔ کیا دیکھتے ہی بے اختیار اُلو کہنے کو دل نہیں چاہتا۔ بھ
کی مخصوص بناوٹ اور آنکھوں کے نیچے کی ہڈیوں کا مخصوص اُبھار۔ کیا یہ کسی اُلو کی آنکھیں
معلوم ہوتیں۔ ناک اُلو کی چونچ ہی سے مشابہ نہیں ہے۔ بہر حال داؤد نے مرتے وقت قا
تصوراتی تشکیل ہی کا حوالہ دیا تھا۔ اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ اُس وقت اس کی ذہنی رو نہ
تجربات کی سطح پر بہہ رہی تھی۔ یعنی تصوراتی تشکیل کے تجربات کی سطح پر۔ لہٰذا ہو سکتا ہے

لد نمبر 27
ر دائرہ بھی کسی چیز کی تصوراتی تشکیل ہوں۔ اور بہت ممکن ہے کہ وہ چیز قتل کی وجہ سے تعلق
تی ہو۔ تم نے شائد مجھے بتایا تھا کہ میجر والٹن نے تم سے کہا تھا کہ وہ اُلو کو کوئی اہمیت نہیں دیتا
ن مثلث اور دائرے کی فکر میں ہے۔"

"ہاں غالباً اُس نے یہی کہا تھا۔"

"بس تو پھر سمجھ لو کہ وہ صرف ہماری معلومات سے فائدہ اٹھانے کے چکر میں ہے حالات کو
ورت سے زیادہ پُر اسرار بنا کر ہماری زیادہ تر توجہ اُن کی طرف منعطف کرانا چاہتا ہے۔"

"بالکل سمجھ میں نہیں آ رہا۔" حمید نے بے بسی سے سر ہلا کر کہا۔

"انتظار کرو۔ بہت جلد سمجھ میں آ جائے گا۔ میجر والٹن دوسروں کی محنت سے فائدہ اٹھانے کا
ہے۔ شائد نصیری سے ہمیں بہت کچھ معلوم ہو سکتا۔"

"آپ نے دو پارٹیوں کا حوالہ دیا تھا۔"

"ہاں اس معاملے میں دوسری اہم چیز یہی ہے۔ اگر دو پارٹیوں کا معاملہ نہیں تھا تو حادثے
تباہ ہو جانے والی کار کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔ اُس کار میں کچھ ایسے لوگ تھے، جنہوں نے ہمارا
قب کرنے والے کا تعاقب کیا۔ ظاہر ہے کہ ان کی موت کا باعث بھی وہی بنا ہوگا جس نے
تعاقب کیا تھا اور چونکہ کار کے حادثے میں ہلاک ہونے والوں میں سے ایک کی جیب سے
ز کا ایک ٹکڑا برآمد ہوا تھا جس پر اُلو مثلث اور دائرے کا حوالہ تھا اس لئے یہی سوچا جا سکتا ہے کہ
سری پارٹی بھی اس معاملے سے کچھ نہ کچھ تعلق ضرور رکھتی ہے۔"

"اوہ.... آپ نے یہ نہیں بتایا کہ ابھی ایس۔ پی صاحب سے کس مسئلے پر گفتگو ہوئی تھی۔"

"انہوں نے اُس عمارت کی نگرانی شروع کرا دی ہے جہاں تم لے جائے گئے تھے۔ وہاں شائد
کچھ ایسے آدمی نظر آئے تھے جو انگلیوں کے نشانات تلاش کر کے اُن کی تصویریں لے رہے
۔ ظاہر ہے کہ وہ ہاتھ نہ آ سکے ہوں گے اس لئے اُن کے متعلق مجھ سے پوچھا گیا تھا۔"

"وہ کون تھے۔"

"بلیک فورس کے فنگر پرنٹ سکشن کے کچھ ماہرین۔"

"اوہ تو اس فورس میں مختلف قسم کے ماہرین بھی موجود ہیں۔"

"کیوں نہیں۔"

"میں اس پر عش عش کئے بغیر نہ رہتا۔ مگر اب بہت زور سے نیند آ رہی ہے۔" حمید نے کر جمائی لی۔

"اگر اُس کی انگلیوں کے نشانات مل گئے تو یہ کیس سو فیصدی ہمارا ہوگا۔" فریدی نے کہا

"جہنم میں گیا کیس۔ آپ تو اس انداز میں کہہ رہے ہیں جیسے یہ دو لاکھ کی رقم ہمار ہو گی۔"

"نقطہ نظر کا فرق ہے۔ کسی کیس کا بہتر اختتام میرے لئے دو ہزار لاکھ کی رقم سے بھی دلکش اور تشفی بخش ہوتا ہے۔"

"میں تو چلا۔" حمید اٹھ گیا۔ "فریدی نے اُسے روکا نہیں.... اور اُس کے انداز سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ خود بھی اٹھنے کا ارادہ رکھتا ہو۔"

دوسری صبح حمید دیر سے بیدار ہوا۔ فریدی آفس جا چکا تھا۔ پتہ نہیں وہ پچھلی رات سو تھا یا نہیں کیونکہ لائبریری میں تو ایسے ہی آثار نظر آئے تھے جیسے وہ رات بھر بیٹھا رہا ہو۔ ٹرے سگار کی راکھ اور متعدد مسلے ہوئے ٹکڑوں سے بھرا ہوا نظر آیا تھا۔

تقریباً ساڑھے گیارہ بجے حمید نے بھی آفس کی راہ لی۔ لیکن یہاں کا نقشہ ہی بدلا ہو آیا۔ فریدی کے آفس کے دروازے کے اوپر سرخ بلب روشن تھا اور دو مسلح سنتری باہر پہر رہے تھے۔ لیکن یہ فوجی تھے حمید کے محکمے سے اُن کا تعلق نہیں تھا۔ وہ چکرا گیا۔ فریدی کے کے دروازے پر سرخ بلب ہی چکرا دینے کے لئے کم نہیں تھا۔ پھر یہ مسلح فوجیوں کی موجودگی۔

اُسے آفس کے اندر جانے سے روک دیا گیا اور اُس نے جھلاہٹ میں کینٹین کی راہ لی۔

یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ اس برآمدے میں داخلہ ممنوع تھا جس میں فریدی کا آفس کیونکہ اُسی برآمدے کے دوسرے کمروں کا عملہ بھی یہیں موجود تھا۔

لیڈی انسپکٹر ریکھا نے اُس سے پوچھا۔ "کیا تم بھی اندر نہیں جا سکتے۔"

"میں آج کل آؤٹ ڈور ڈیوٹی پر ہوں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور پائپ نکال کر اُس تمباکو بھرتا ہوا ایک خالی میز کے قریب بیٹھ گیا۔ ریکھا بھی وہیں جم گئی۔

"کیا قصہ ہے۔" اس نے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔ "میں نے آج تک آئی۔جی صاحب دفتر کے علاوہ اور کہیں بھی سرخ بلب نہیں دیکھا۔"

"میں ابھی ابھی آیا ہوں۔ میں کیا بتا سکوں گا۔ تم بتاؤ کہ اندر کون ہے۔"

"تین ملٹری آفیسر۔ میرا خیال ہے کہ تینوں کرنل ہیں۔ وہ ایک آرمڈ کار میں آئے تھے۔ ان کے داخلے کے بعد کرنل نے ہولڈر میں سرخ بلب لگوا دیا۔ سنتریوں نے ایس۔پی صاحب تک کو اندر نہیں جانے دیا۔ اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔"

حمید نے اس شدت سے دل کھول کر پائپ کا کش لیا کہ پہلے ہی جھٹکے میں کھانسیوں کا دورہ پڑ گیا۔

دلچسپ اطلاع

کچھ دیر تک وہ کینٹین میں ٹھہرا اور پھر اس ارادے سے اٹھ گیا کہ اگر اب بھی داخلہ ممکن نہ ہوا تو یہاں مکھیاں مارنے کے لئے ہرگز نہ ٹھہرے گا۔

اب بھی سرخ بلب روشن تھا اور دفتر کے دروازے پر دونوں سنتری سنگینیں لگی ہوئی رائفلیں جائے ایٹ ایز تھے۔

حمید نے اپنی گاڑی سنبھالی اور نکل بھاگا۔ شہر آ کر ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ سے فریدی کے رڑائل کئے۔ دوسری طرف فوراً ہی کال ریسیور کی گئی۔ بولنے والا خود فریدی تھا۔

"وہاں تو لال بتی نظر آ رہی ہے۔" حمید نے کہا۔ "کہئے تو اب میں گلے میں گھنٹی لٹکا کر کسی رکار ریلوے لائن پر دوڑنا شروع کر دوں۔"

"جہاں بھی رہو مجھے باخبر رکھنا۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"فی الحال.... میں قاسم تک جا رہا ہوں.... اُس کے نمبر نوٹ کیجئے۔" حمید نے قاسم کے نمبر دہرائے اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

وہ سوچ میں ڈوبا ہوا پھر گاڑی میں آ بیٹھا۔ یک بیک اُسے وہ زخمی لڑکی یاد آئی جسے انہوں نے ٹکارات پولیس ہسپتال میں داخل کرا لیا تھا۔ کیا وہ اب بھی وہیں ہوگی یا بیان کی تبدیلی کے بعد ے حوالات میں بھیج دیا گیا ہوگا۔ کیوں نہ اُس کے متعلق بھی معلومات حاصل ہی کر لی جائیں۔

"پولیس ہسپتال پہنچ کر سیدھا انچارج کے کمرے میں چلا گیا۔

"وہ یہیں ہے کیپٹن....!" انچارج نے کہا۔ "رپورٹ کے مطابق پچھلی رات آپ کے ایس۔پی صاحب نے اُسے حوالات میں منتقل کرنے کے احکامات صادر کئے تھے اُ دوسرا حکم آیا کہ اُسے ابھی ہسپتال ہی میں رکھا جائے۔ وہ روم نمبر نائین میں ہے، آپ اُ سکیں گے۔"

"شکریہ....!" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"روم نمبر نائین میں لڑکی تنہا نہیں تھی۔ دو نرسیں بھی موجود تھیں اور وہ شائد کیپٹ پہچانتی بھی تھیں کیونکہ ایک دوسرے کو دیکھ کر وہ اس انداز میں مسکرائی تھیں جیسے وہاں آمد اُن کے لئے کوئی خاص معنی رکھتی ہو۔

پھر وہ کمرے میں چلی گئی تھیں۔ لڑکی اٹھ کر تکیئے کے سہارے بیٹھتی ہوئی بولی۔ "ا ہوتا ہے جیسے میں نے پہلے بھی کہیں آپ کو دیکھا ہو۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" حمید کرسی کھینچ کر بستر کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"اوہ....!" یک بیک لڑکی کی آنکھوں میں خوف کی جھلکیاں نظر آئیں اور وہ بھ آواز میں بولی۔ "یاد آیا پچھلی رات آپ ہی کرنل فریدی کے ساتھ تھے۔"

"ٹھیک یاد آیا۔" حمید نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے کب تک یہاں ٹھہرنا پڑے گا۔"

"کیا تم باہر جانا چاہتی ہو۔"

"نہیں.... ہرگز نہیں۔ میں اس کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتی۔"

"تو پھر کیا ہم تمہیں اُبال کر کھائیں گے۔"

"وہ مجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔"

"لیکن وہ ہے کون؟"

"کوئی نہیں جانتا۔ نام سے بھی کوئی واقف نہیں ہے۔ وہ صرف باس کہلاتا ہے۔"

"اب کہاں مل سکے گا۔"

"کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کب اور کہاں ملے گا۔ حسب ضرورت وہ خود ہی اپنے ملا کال کرتا ہے۔"

"تم اس کی ملازمت میں کیسے آئی تھیں۔"

"بس ستارے خراب تھے۔" لڑکی نے ٹھنڈی سانس لی۔ "مجھے وہم بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ میں نادانستہ طور پر کسی بُرے آدمی کی ملازمت اختیار کر رہی ہوں۔"

"صرف واقعات بیان کرو۔" حمید نے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"میں بے روزگار تھی اور اُس دن اسی غرض سے "دفتر روزگار" کی طرف گئی تھی کہ شائد ہیں کوئی مناسب ملازمت مل جائے لیکن مایوسی ہی ہوئی۔ میں واپسی کے لئے تیار ہی تھی کہ ایک ریف آدمی نے مجھے آفر دیا۔ وہ مجھ سے کسی نجی لائبریری کی دیکھ بھال کرانا چاہتا تھا۔ معقول عاوضے پر میں تیار ہو گئی اور یہ حقیقت ہے کہ وہ لائبریری اسی عمارت میں ہے جہاں میں کرنل کو لے گئی تھی۔ لیکن یہ بات قطعی غلط تھی کہ اس کا تعلق نصیری نام کے کسی آدمی سے تھا۔"

"پھر وہ عمارت کس کی تھی۔"

"خدا ہی جانے۔ وہیں ایک کمرے میں میری رہائش کا انتظام بھی تھا۔ کبھی کبھی کچھ لوگ وہاں آیا کرتے تھے جن کے ناموں سے میں واقف تھی۔ لیکن وہ کسی باس کا تذکرہ بڑی شد و مد سے کیا کرتے تھے اور مجھے اندازہ لگانے میں دشواری نہیں ہوتی تھی کہ میں بھی اسی باس کی ملازمہ ہوں۔ آہستہ آہستہ مجھے احساس ہونے لگا کہ میں اچھے ہاتھوں میں نہیں پڑی ہوں۔ پھر دو چار بار باس کے ساتھ ڈرشن ہوئے اور پچھلے دن اُس نے مجھے اس کام پر اکسایا۔ میں کسی نصیری سے کبھی واقف نہیں تھی۔ میں نے کرنل سے جو کچھ بھی کہا تھا اُسی نے کہلوایا تھا اور مجھے یقین دلایا تھا کہ وہ کرنل سے صرف مذاق کرنا چاہتا ہے۔ اُس نے یہ بھی بتایا تھا کہ کرنل اس کے دیرینہ دوستوں میں سے ہیں۔"

"چلو میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن تم اتنی زیادہ خائف کیوں تھیں۔ تمہیں کیسے خیال ہوا کہ وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"میں نے خود اُسے کہتے سنا تھا۔ اُس نے اپنے آدمیوں میں سے کسی کو حکم دیا تھا کہ وہ مجھے کہیں بھی دیکھے شوٹ کر دے۔"

"اوہ.... پچھلی رات میں چھپ کر اُس عمارت میں پہنچی تھی۔ جب میں نے دیکھا کہ انہوں نے کرنل کو شکار کر کے ایک تھیلے میں ٹھونس دیا ہے اور انہیں کہیں لے جا رہے ہیں تو میں نے ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر اُن کا تعاقب شروع کر دیا تھا اور خود بھی اُسی عمارت میں جا پہنچی۔ لیکن ان

لوگوں کی نظروں سے بچتی ہی رہی تھی۔ ایک کمرے میں چھپ کر میں نے اُس کی مایوسی تھی جب تھیلے سے کرنل کی بجائے اُسی کا ایک آدمی برآمد ہوا تھا۔ پھر تم نے اُس پر گولی ماری تھی اور اُس کے کسی آدمی نے مین سوئچ آف کر کے اندھیرا کر دیا تھا۔ اُسی وقت اُس نے کو حکم دیا تھا کہ مجھے جہاں بھی دیکھے گولی مار دے۔"

"لیکن بازو کا یہ زخم۔" حمید نے اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اندھیرے میں ٹھوکر کھا کر گری تھی۔ پتہ نہیں کیا چیز لگی۔ مجھے اندازہ نہیں ہو نہیں تھا۔"

"ہوش تو تمہیں کبھی نہیں رہا۔" حمید مسکرایا۔ "مثال کے طور پر تم نے اپنا پہلا بیان بیہوشی ہی کی حالت میں دیا تھا۔ اسی لئے ہوش آنے پر بیان بدلنا پڑا۔"

"یقیناً میں اسی حد تک نروس تھی کہ مجھ سے بے تکی حرکتیں سرزد ہوں۔"

"ابھی تم نے جو کچھ مجھے بتایا ہے یہی لکھوایا بھی ہوگا۔"

"پھر کیا کرتی۔"

"تو تم اُس وقت حقیقتاً بیہوش نہیں تھیں جب ہم تمہارے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔"

"میں بیہوش نہیں تھی لیکن اتنی خوفزدہ تھی کہ آنکھیں کھولنے کی ہمت نہیں پڑی تھی۔"

"لیکن تم نے بیان تبدیل کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی۔ جب کہ کرنل غلط بیان چکے تھے۔ ظاہر ہے اس سے اُن کی منشا یہی تھی کہ تم جیل کی چہار دیواری سے دور رہو۔"

"میں مرنا نہیں چاہتی۔"

"کیا تم نے یہ نہیں سنا تھا کہ انہوں نے تمہیں اپنے ساتھ رکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔"

"ضروری نہیں کہ وہ میری حفاظت بھی کر سکتے۔"

"تو تم جیل جانے کے لئے تیار ہو۔"

"اسی لئے میں نے بیان تبدیل کیا ہے۔"

"سات سال سے کم کے لئے نہیں جاؤ گی۔"

"اب جو کچھ بھی ہو۔"

"بیوقوف بنانے کی کوشش نہ کرو۔ کسی قسم کا زہر اب بھی تمہارے دہن میں موجود

"ناگن ہر حال میں زہریلی ہوتی ہے۔ عورت ناگن ہی کہلاتی ہے نا۔"

"وہ صرف بدھوؤں کے لئے ہی ناگن ہو سکتی ہے ہمارے لئے نہیں۔"

"میں زیادہ دیر تک گفتگو نہیں کر سکتی۔ میرا سر درد سے پھٹا جا رہا ہے۔"

حمید کچھ کہے بغیر اٹھ گیا۔ لیکن جیسے ہی دروازے کے قریب پہنچا لڑکی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "سنئے تو سہی۔"

"وقت نہیں ہے۔" حمید نے مڑ کر اُس کی طرف دیکھے بغیر کہا اور نکلا چلا آیا۔

یہاں کافی وقت صرف ہو گیا تھا۔ اُس نے سوچا ممکن ہے اس دوران میں فریدی نے قاسم کے فون پر اُس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی ہو۔ پولیس ہسپتال تو وہ بلا قصد آیا تھا۔

انچارج کے کمرے سے اس نے فریدی کو فون کیا۔

"تم کہاں سے بول رہے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"سول ہسپتال سے۔"

"لیکن تم نے مجھے قاسم کے نمبر دیئے تھے۔" فریدی کی آواز غصیلی تھی۔

"بس ادھر بھی چلا آیا تھا۔"

"خواہ مخواہ وقت برباد کرتے پھر رہے ہو۔ اب فوراً گھر پہنچو۔ میں آ رہا ہوں۔"

حمید خود بھی چاہتا تھا کہ فریدی سے جلد مل سکے۔ کیونکہ وہ ملٹری آفیسروں کی آمد کے غلط الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا۔ ویسے ان کی آمد یقینی طور پر کسی کار خاص ہی کے تحت ہوئی تھی۔ نہ دروازے پر سرخ بلب کیوں روشن کیا جاتا۔ سرخ بلب کا مطلب یہی تھا کہ اندر کوئی بہت ہی نفیڈنشل قسم کا کام ہو رہا ہے۔ اس لئے اس طرف کسی کو بھی نہ آنے دیا جائے۔

لیکن کیا وہ کونفیڈنشل کام اسی قسم کا تھا کہ محکمے کا ایس۔ پی بھی فریدی کے آفس میں نہ داخل ہو سکے۔ حمید جانتا تھا کہ فریدی بعض اُمور میں اپنے محکمے کے اعلیٰ افسروں کو بھی جوابدہ نہیں تھا۔ بالا بین الاقوامی ہی قسم کا کوئی امر تھا جس کیلئے اس کے آفس کے دروازے پر سرخ بلب لگایا گیا تھا؟

گھر پہنچ کر اُس نے فریدی کو اپنا منتظر پایا۔

"تم پولیس ہسپتال کیوں گئے تھے۔" اُس نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"کیا آپ بھی بچکانہ کرتے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"قطعی نہیں۔ اگر مجھے اپنے آفیسر سے اس کے متعلق کوئی ہدایت نہ ملی ہوتی۔"

"وہ دن بھی دور نہیں جب میرا اپنا الگ آفس ہوگا اور اُس کے دروازے پر آپ کے لال جھنڈی لٹکی ہوگی۔"

"اوہ.....!" فریدی نے سگار کیس نکال کر اُس کا گوشہ توڑتے ہوئے کہا۔ "مجھے افسو کہ ایس۔ پی صاحب کو خفت اٹھانی پڑی۔ میں نے انہیں پچھلی رات ہی آگاہ کر دیا تھا۔"

"کیا یہ سرخ بلب اسی لئے لگایا گیا تھا۔"

"ہاں! معاملات الجھ رہے ہیں۔ اُس عمارت سے کچھ ایسے نشانات ملے ہیں جو میجر وال انگلیوں کے نشانات سے مطابقت رکھتے ہیں۔"

"تب پھر معاملات سلجھ رہے ہیں یا الجھ رہے ہیں۔"

"الجھ رہے ہیں۔" فریدی نے سگار سلگا کر کہا۔ "آج صبح میں نے میجر والٹن کے سلسلے میں ا کی سیکرٹ سروس سے رابطہ قائم کیا تھا۔ لہٰذا تین آفیسر اس کا نام سنتے ہی یہاں دوڑے آئے۔

"کیوں؟ کیا انہیں بھی یہاں اُس کی موجودگی کا علم ہے۔"

"ہاں! لیکن وہ اُس کے متعلق شبہے میں مبتلا تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ انہیں دھوکا ہوا ہے۔"

"آخر کس بناء پر۔"

"ایک جگہ سے انہیں کچھ نشانات ملے تھے، جو اُس کی انگلیوں کے نشانات سے مطابقت ر تھے۔ ابھی وہ ماہرین کے مشاہدے میں ہی تھے کہ میرا پیغام پہنچا۔"

"کیا یہ مجھے نہیں بتایا جائے گا کہ نشانات کہاں ملے تھے۔"

"خود مجھے ہی نہیں بتایا گیا میں تمہیں کیا بتاؤں۔"

"لیکن وہ آئے کیوں تھے۔"

"اُن میں سے ایک فنگر پرنٹس کا ماہر تھا اور مجھ سے اس مسئلے پر بحث کرنا چاہتا تھا میں اُسے مطمئن کر دیا کہ وہ میجر والٹن ہی کی انگلیوں کے نشانات ہیں۔"

"اوہ تو کیا اب وہ اُس لڑکی سے بھی سوالات کریں گے۔"

"یقینی طور پر! وہ اُسے لے جائیں گے۔ ہر ایک کا طریق کار الگ ہوتا ہے۔ میں نے چاہا والٹن کا حربہ خود اُسی پر آزماتا لیکن لڑکی نے بیان تبدیل کر کے کھیل بگاڑ دیا۔"

"والٹن بہت خطرناک آدمی ہے۔ میں اُس کے متعلق بہت کچھ سن چکا ہوں۔ اب یاد آرہا ہے۔" حمید نے کہا۔ "دوران جنگ کی بہتیری باتیں میرے ذہن سے محو ہو چکی ہیں خواہ وہ کتنی ہی ہم کیوں نہ رہی ہوں۔ محاذ جنگ ایسی ہی چیز ہوتی ہے۔"

"مجھے علم ہے کہ وہ انتہائی بے رحم اور سفاک آدمی ہے۔" فریدی مسکرایا۔ "زندگی اور موت دنوں ہی کو کھلونوں سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔"

"لیکن پچھلی رات وہ کیا چاہتا تھا۔"

"صرف سنسنی پھیلانا چاہتا تھا اور کچھ نہیں۔ اُسے لکھ لو کہ وہ میری معلومات سے فائدہ اٹھانا ہتا ہے۔ ایسے حالات پیدا کر رہا ہے کہ میں تیزی سے کام شروع کر دوں۔ کاش مجھے معلوم ہو سکا تا کہ ملٹری سیکرٹ سروس والوں نے اُس کی انگلیوں کے نشانات کہاں پائے تھے یقیناً وہ کوئی ت ہی اہم جگہ ہوگی۔"

"تو پھر اب یہ کیس گیا آپ کے ہاتھ سے۔"

"اب ہی تو میرے ہاتھوں میں باقاعدہ طور پر آیا ہے۔"

"پھر انہوں نے آپ کو یہ کیوں نہیں بتایا کہ والٹن کی انگلیوں کے نشانات کہاں ملے تھے۔"

"میں ڈاکٹر داؤد والے کیس کی بات کر رہا ہوں۔ چونکہ خیال ہے کہ اُس کے قتل کا ذمہ دار لٹن ہی ہو۔ اس لئے اس کی تفتیش صرف میں ہی کروں گا۔"

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے ریسیور اٹھایا۔ "ہیلو۔"

"کون ہے؟" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"فریدی۔"

"مبارک باد قبول کرو کرنل۔"

"کس سلسلے میں؟ تم کون ہو۔"

"میجر والٹن۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "میں یہی چاہتا تھا کہ ڈاکٹر داؤد والا کیس باقاعدہ طور پر تمہیں سونپ دیا جائے۔"

"شکریہ۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا اور فون سے لگے ہوئے ایک آلے کا بٹن دباتا ہوا لا۔ "لیکن میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ تم ایسا کیوں چاہتے تھے۔"

"وجہ بھی تمہیں معلوم ہے۔" دوسری طرف سے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ کہا گیا۔

"لیکن سنو! میرا نام بھی فریدی ہے۔"

"یہی دیکھنا ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

فریدی ریسیور رکھ کر دروازے کی طرف جھپٹا۔ لیکن حمید کو اس پر نہ تو حیرت ہوئی اُس کی تقلید ہی کی۔ جہاں تھا اطمینان سے وہیں بیٹھا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی تہہ خانے میں نجی آٹو میٹک ایکس چینج پر وہ نمبر معلوم کرنے گیا تھا جس سے کسی نے اُسے مخاطب کیا تھا۔ سے لگے ہوئے آلے کا بٹن دبانے کا مقصد یہی تھا کہ تہہ خانے کا ایکس چینج دوسری طرف نمبر ظاہر کر دے۔"

کچھ دیر بعد واپس آ گیا۔ لیکن حمید نے اس کے چہرے پر مایوسی کے آثار دیکھے۔

"کیوں؟ کیا بات ہے۔" اُس نے پوچھا۔

"فون کا تعلق سرکاری ایکس چینج سے نہیں معلوم ہوتا۔" فریدی نے جھلائے ہوئے میں کہا۔

"تھا کون....؟"

"میجر والٹن۔"

"نہیں....!" حمید اچھل پڑا۔

"ہاں اُس نے مجھے مبارک باد دی تھی۔" فریدی مسکرایا۔ "اس خوشی میں کہ ڈاکٹر دا کیس باضابطہ طور پر مجھے مل گیا ہے۔"

"کمال ہے! کس دل گردے کا آدمی ہے۔"

"وہ ایسا ہی ہے اور یہی اس کا مخصوص حربہ ہے جس سے وہ دوسروں کو نروس کر دیتا ہے۔"

"تو پھر اُسے اس کا بھی علم ہو گا کہ سیکرٹ سروس والے آپ کے پاس کیوں آئے تھے۔"

"اگر نہیں ہے تو پھر یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ کیس باضابطہ طور پر میرے پاس آ گیا؟"

"تب تو لوہے لگ جائیں گے جناب۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کسی گہری سوچ میں تھا اور اس کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں۔

یک بیک فون کی گھنٹی پھر بجی اور فریدی نے حمید کو کال ریسیور کرنے کا اشارہ کیا۔ حمید

کچھ سنتا رہا پھر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "جو کوئی بھی ہے صرف آپ ہی سے گفتگو کرنا ہے۔"

فریدی نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور لے لیا۔

"ہیلو.... فریدی اسپیکنگ....!"

وہ تھوڑی دیر تک کچھ سنتا رہا پھر بیساختہ ہنس پڑا.... ویسے حمید نے اس کی آنکھوں میں تحیر ہلکی سی لہر دیکھی۔

مگر بھئی! میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔ کہو تو یونہی تفریحاً چلا آؤں۔ میں تو سمجھتا وہ پاگل ہے اور کسی نے اس سے یہ دلچسپ مذاق کیا ہے.... اچھا.... اچھا....!"

س نے سلسلہ منقطع کر کے حمید کی طرف دیکھا۔ آنکھوں میں مسکراہٹیں رقص کر رہی تھیں۔

کہو تو یہ کیس تمہیں دلوا دیا جائے۔" اس نے کہا۔

کون سا کیس....!"

پروفیسر غوری نے شتر مرغ کی بجائے آدمی کا بچہ دیا ہے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔

میں نہیں سمجھا۔"

پروفیسر غوری کا نام سنا ہے کبھی۔"

ہاں سنا تو ہے شائد۔" حمید ذہن پر زور دیتا ہوا بولا۔ "وہی تو نہیں جو کہتا ہے کہ جراثیم کی ے حیوانات بھی پیدا کئے جا سکتے ہیں۔"

ہاں وہی!" اُس نے اس بار اعلان کیا تھا کہ وہ عنقریب ایک مصنوعی انڈے سے شتر مرغ کا رے گا۔ آج انڈہ شکست ہونے کا دن تھا۔ اُس نے اپنے بہتیرے دوست حکام کو تجربہ گاہ و کیا تھا۔ لیکن انڈہ سینے والی مشین سے آدمی کا بچہ نکل پڑا اور وہ بھی اس دل گردے کا کہ تے ہی اپنے خالق کی کھوپڑی پر ایک چپت رسید کر دی۔ فون پر کوتوالی کا انچارج تھا اور یہ اس ل دیکھا حال تھا۔

ننھا فتنہ

پروفیسر غوری کی تجربہ گاہ شہر سے پندرہ میل دور جھریالی کے علاقے میں واقع ہ صرف یہی ایک تجربہ گاہ تھی۔ بیس میل کے رقبے میں متعدد تجربہ گاہوں کی مخت عمارتیں کھڑی تھیں۔ ایک آدھ کی حیثیت فوجی اور سرکاری بھی تھی جہاں فوجی نو تجربات ہوتے تھے۔ اس حصے میں داخلہ ممنوع تھا۔

تقریباً چھ بجے کیپٹن حمید کی کار ڈاکٹر غوری کی تجربہ گاہ کے سامنے رکی۔ وہ تنہا آیا تھ پھاٹک بند نظر آیا۔ دوسری طرف ایک خونخوار قسم کا چوکیدار موجود تھا۔ وہ ہاتھ ہا

"جاؤ بابا.... صاحب الٹا پڑا ہے.... نہیں ملیں گا۔"

"پولیس....!" حمید نے آنکھیں نکالیں۔

"جاؤ۔ تم اخبار والا ہے۔ ہم سمجھتا۔ صاحب بولا اخبار والوں کو گولی مارو۔"

حمید نے اپنا کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھایا لیکن چوکیدار نے دوسری طرف دیکھ لاپروائی سے کہا۔ "نہیں چلیں گا۔"

"اے بدتمیز....!" اچانک کمپاؤنڈ کے گوشے سے ایک بڑی سریلی آواز آئی۔ کیا کھولتا پھاٹک۔ بڑے آدمیوں کو پہچاننا سیکھ۔"

"اخبار والا.... بی بی جی۔" چوکیدار بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

اتنے میں بولنے والی بھی حمید کو نظر آگئی۔ نظر کیا آئی نظروں میں سما کر سیدھی دل چلی گئی۔ عمر اٹھارہ یا انیس سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ وہ پتلون اور جیکٹ میں ملبوس تھی۔ اف رنگت کے گھونگھریالے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ خدوخال کا اندازہ تو اُس وقت تفصیلی جائزے کے لئے ایک بار بھی نظر اُس کے چہرے پر ٹھہر سکی ہوتی۔

وہ پھاٹک کے قریب آگئی تھی۔ حمید نے پلکیں جھپکائیں کچھ کہنے کے لئے ہونٹ لیکن پھر خاموش ہی رہا۔

"پھاٹک کھولو....!" لڑکی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"آپ جانو بی بی جی۔" چوکیدار پھاٹک کھولتا ہوا بڑبڑایا۔ "صاحب بڑا خار کھاتا پڑا۔

ا ہے۔"

"تشریف لائیے جناب۔" وہ پھاٹک کھل جانے پر ایک طرف ہٹتی ہوئی بولی۔

"اوہ.... میں تو سمجھتا تھا کہ یہاں بہت بھیڑ ہوگی۔" حمید نے پائیں باغ میں داخل ہو کر ں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں تھی! اب نہیں ہے۔ آئیے تشریف لائیے۔ کیا یہ باغ آپ کو پسند آیا۔ ہم نے یہاں ک کی بنچیں ڈلوائی ہیں۔ اُن پر بیٹھئے تو بس ایسا ہی لگتا ہے جیسے سبزے پر بیٹھے ہوں۔"

"یقیناً.... یقیناً...." حمید سر ہلا کر بولا۔

"آئیے تو پھر بیٹھیں۔" اُس نے کچھ دور چل کر لان پر پڑی ہوئی ایک بنچ کی طرف اشارہ

"جی ہاں.... جی ہاں.... مگر....!"

"مگر.... اور لیکن ہمیشہ الجھن ہی کی طرف لے جاتے ہیں۔ اس لئے مجھے ایسے فضول الفاظ پسند نہیں ہے۔ بیٹھئے۔"

حمید بوکھلائے ہوئے انداز میں بیٹھ گیا۔ لڑکی نے بہرحال اُسے متاثر کیا تھا۔ اُس نے ایک بار روں طرف نظر دوڑائی بڑا پرسکون ماحول تھا۔ عمارت زیادہ بڑی نہیں تھی۔ لیکن اس کے ا اطراف میں باغ کا پھیلاؤ اُسے پرشکوہ بنائے ہوئے تھا۔ غالباً اسی عمارت کے کسی گوشے وفیسر کی رہائش بھی تھی کیونکہ ایک جگہ ایک مختصر سی چمنی سے دھواں نکل رہا تھا اور یہ چمنی اسے متعلق معلوم ہوتی تھی۔

"مجھے پروفیسر سے ملنا ہے۔" حمید نے کہا۔

"مجھ سے ملئے۔ پروفیسر میں کیا رکھا ہے۔" لڑکی نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"میں نہیں سمجھا۔ آپ کون ہیں؟"

"یہی سوال میں آپ سے بھی کر سکتی ہوں۔"

"میں محکمہ سراغ رسانی کا ایک آفیسر ہوں۔" حمید نے اپنا کارڈ نکال کر اس کی طرف تے ہوئے کہا۔

لڑکی چند لمحے حیرت سے اُسے دیکھتی رہی پھر مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولی۔ "میں تو آپ

کو کوئی شریف آدمی سمجھی تھی۔ مگر خیر.... ٹھہریئے۔"

اس نے اپنا پرس کھول کر ایک کاپی نکالی اور اس کے اوراق الٹ کر ایک صفحے لکھتی ہوئی بولی۔ "میں آپ کو اس کا موقع ضرور دوں گی کہ آپ خود کو ایک شریف کر سکیں۔"

یہ کسی قسم کی رسید بک تھی۔ نام لکھ کر رقم کے خانے میں اُس نے مبلغ پچاس اور ورق پھاڑ کر حمید کی طرف بڑھاتی ہوئی بولی۔ "شرافت کا ثبوت دیجئے۔"

حمید نے بھنویں سکوڑیں اور آہستہ سے بولا۔ "اوہ.... انجمن ترقیٔ خواتین کا چندہ

"جی ہاں۔ مردوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ خواتین ترقی کریں۔" لڑکی تڑ سے بولی

"آپ نے میری توہین کی ہے پچاس کی رقم لکھ کر۔" حمید نے بُرا سا منہ بنایا۔

"پھر فرمایئے۔"

"کم از کم ایک سو پچاس۔" حمید نے کہا۔ اس وقت وہ بالکل گاؤدی نظر آنے لگا تھا۔

"اوہ.... آپ تو شریف الشرفاء ثابت ہو رہے ہیں لایئے۔"

لڑکی نے رسید پر پچاس کے ایک سو پچاس بنائے۔ حمید نے پرس سے نوٹ نکال دیئے اور بولا۔ "اب پروفیسر سے ملاد یجئے۔"

"آپ بور ہو کر مر جائیں گے اگر انہوں نے ابابیل کے انڈے سے بھینس کا بچہ پیدا کر دیا۔"

"اُن سے آپ کا کیا رشتہ ہے۔"

"باپ کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہیں۔ اوہو....!" وہ یک بیک کھڑی ہو گئی۔ "او سرپرست صاحب بھی آ گئے۔" اور پھر زور سے چیخی۔ "چوکیدار پھاٹک کھول دو۔"

لیکن سرپرست پر نظر پڑتے ہی حمید کی کھوپڑی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ وہ کبھی کی جانب دیکھتا تھا اور کبھی لڑکی کی طرف۔ لیکن یہ سمجھ میں نہ آ سکا کہ وہ سرپرستی کس قسم سرپرست کار سے اتر کر کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہا تھا۔ جیسے ہی اس کی نظر حمید پر پڑی جہاں رک گیا۔ بھاڑ سا منہ کھلا اور پھر بند ہو گیا۔ یہ قاسم تھا۔

"آیئے.... آیئے جناب۔" لڑکی نے آگے بڑھ کر پراشتیاق لہجے میں کہا۔ حمید بے

نہایت اطمینان سے پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا اور انداز ایسا تھا جیسے قاسم اُس کے لئے اجنبی ہی ہو۔

لڑکی اُسے بھی ساتھ لے کر اسی بنچ کی طرف پلٹ آئی۔

"ان سے ملئے۔" اُس نے کہا۔

"مل چکا ہوں۔" قاسم کی آواز غصیلی تھی۔

"تو پھر شائد آپ دونوں کے تعلقات بہتر نہیں۔"

"کھدا جانے۔" اس بار قاسم مردہ سی آواز میں بولا تھا۔

"مجھے پروفیسر سے ملنا ہے محترمہ۔" حمید نے کہا۔

"آپ انجمن کے محسن ہیں اس لئے میں نہیں چاہتی کہ آپ مر جانے کی حد تک بور ہو جائیں۔"

"انجمن کے محسن۔" قاسم نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

"جی ہاں! انہوں نے ایک سو پچاس روپے عنایت فرمائے ہیں۔"

"واپس....!" قاسم تھوک نگل کر بولا۔ "واپس قرد یجئے۔"

"کیوں؟" لڑکی نے اسی کے سے انداز میں پوچھا۔

"انجمن سالی کا کباڑا ہو جائے گا۔"

"کیا مجھے بغیر اجازت ہی عمارت میں گھسنا پڑے گا۔" حمید نے سخت لہجے میں کہا۔

لڑکی جواب میں کچھ کہنے ہی والی تھی کہ عمارت کے اندر سے پے در پے چیخوں کی آوازیں یں اور ایک آدمی دوڑتا ہوا باہر نکلا۔ پھر برآمدے کے زینوں پر گر کر لڑھکتا ہوا نیچے آ گرا۔

"ڈیڈی۔" لڑکی چیختی ہوئی اس کی طرف جھپٹی۔

وہ لحیم شحیم آدمی منہ کے بل گرا تھا۔ جسامت میں قاسم جیسے دیو پیکر سے کچھ ہی کم رہا ہو گا۔ لئے دوبارہ اٹھنے میں شائد اُسے دشواری محسوس ہو رہی تھی۔ یک بیک وہ سر اٹھا کر دہاڑا۔ "وہ موجود ہے۔"

"کون.... ڈیڈی.... کون۔" لڑکی جھک کر اُسے اٹھانے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔

"وہی.... وہی لڑکا....!" اُس کا ڈیڈی بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ قاسم اور حمید بمشکل اُسے نا سے اٹھانے میں کامیاب ہو سکے۔

"اوہ ڈیڈی.... وہم ہے آپ کا.... اُسے بھول جایئے۔ خدا نے چاہا تو ابھی آپ شتر مرغ

کے انڈے سے بکری کا بچہ نکال سکیں گے۔" لڑکی نے اس کے کپڑے جھاڑتے ہوئے کہا۔

"کیا کہا.... وہم ہے۔" وہ ہانپتا ہوا بولا۔ "ارے نصف درجن آدمیوں نے اُسے دیکھ میں ابھی ابھی دوبارہ دیکھ کر آرہا ہوں۔"

"افسوس میں کیوں نہ دیکھ سکی۔"

"تم اس وقت تھیں کہاں۔"

"کیا قصہ ہے جناب۔" حمید نے پوچھا۔

اب پروفیسر غوری نے اُسے گھور کر دیکھا۔ ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے پہلی بار اُس کی دھیان دیا ہو۔

"تم کون ہو.... پریس رپورٹر۔" اس نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"جی نہیں! میرا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے ہے۔"

"کیپٹن حمید....!" قاسم نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"اوہ.... اچھا اچھا۔" پروفیسر سر ہلا کر بولا۔ "مگر آپ کیا کر سکیں گے۔ وہ تو چھ بھوت ہے! پتہ نہیں کیا ہوا شتر مرغ کی بجائے۔"

"آپ بھی تو ایک دم سے شتر مرغ لے دوڑے تھے ڈیڈی۔" لڑکی نے اُسے جملہ کرنے دیا۔ "پہلے مرغی کے چوزے نکالے ہوتے۔"

"ہاں! بس غلطی ہو گئی۔"

"کتنا.... بڑا بچہ تھا۔" حمید نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"اُف فوہ....!" پروفیسر پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کیا بتاؤں! وہ آٹھ سال کے بچے کے برابر ہوگا۔ جیسے ہی میں نے جھک کر مشین کا ڈھکن اٹھایا وہ بجلی کی طرح پھر میری پیٹھ پر سوار ہو کر سر پر ہاتھ مارا۔ پیٹھ سے اچھل کر میز پر پہنچا اور وہاں سے جو لگائی تو روشندان سے باہر تھا۔ چھ آدمیوں نے دیکھا ہے۔ چھ آدمیوں نے.... وہ سب اعلیٰ عہدیدار ہیں۔ میرے لئے جھوٹ نہیں بولیں گے اُن سے ضرور پوچھئے۔"

"تو وہ پھر نظر آیا ہے۔"

"ہاں! میری خواب گاہ میں۔ میں بدقت تمام بھاگ سکا تھا۔"

"چلئے! میں چلتا ہوں۔"

"مم.... میں۔" پروفیسر غوری خوفزدہ انداز میں ہکلایا۔ "میں اب وہاں نہیں جاؤں گا۔"

"چلئے میں چلتی ہوں۔" لڑکی آگے بڑھتی ہوئی بولی۔

"ارے نہیں.... تم نہیں.... سائرہ.... میری بات سنو۔"

لیکن لڑکی حمید کا ہاتھ پکڑے زینوں پر چڑھتی چلی گئی۔

"میں بھی جاؤں....!" قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

لیکن لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا۔

"پروفیسر بہت زیادہ خائف ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"خدا جانے! میں نے دیکھا نہیں! صرف سنا ہے۔ لیکن انہیں جھوٹا بھی نہیں سمجھ سکتی۔"

"خواب گاہ کدھر ہے۔"

وہ عمارت میں داخل ہو چکے تھے۔ لڑکی نے ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا جس کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ وہ اندر داخل ہوئے۔ سامنے ہی مسہری پر کوئی چادر اوڑھے پڑا تھا۔ لڑکی دروازے ہی پر ٹھٹک گئی اور مڑ کر حمید کی طرف دیکھا۔

حمید نے آگے بڑھ کر چادر اٹھائی اور پھر چھوڑ دی جو سونے والے کے سینے پر گری۔ چہرہ لاش کی طرح سفید تھا اور وہ حقیقتاً لاش ہی معلوم ہو رہی تھی۔ کسی بچے کی لاش۔

"یہ تو مر چکا ہے۔" حمید نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

"مر گیا.... اوہ.... میرے خدا.... کتنا سفید ہے۔"

دفعتاً لاش کے ہونٹ ہلے اور ریلوے انجن کی سیٹی کی سی آواز کمرے میں گونج اٹھی۔ حمید اچھل کر پیچھے ہٹ آیا لیکن اس کے باوجود بھی اس برہنہ بچے کی لات اس کے سینے ہی پر پڑی۔ حمید لڑکھڑا کر دیوار سے جا ٹکرایا۔ بس ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے بجلی سی چمک گئی ہو! پھر لڑکی بھی یقین کے ساتھ نہ بتا سکی کہ وہ چھلانگ لگا کر روشندان سے نکل گیا تھا یا دروازے سے گذرا تھا۔

حمید جھلاہٹ میں ریوالور نکال کر دروازے کی طرف جھپٹا۔ لڑکی اُس کے پیچھے دوڑ رہی تھی۔ پھر انہوں نے عمارت کا گوشہ گوشہ چھان مارا لیکن اس کی پرچھائیں تک نہ دکھائی دی۔

کچھ دیر بعد حمید نے قاسم کی آواز سنی جو دہاڑتا ہوا کہہ رہا تھا۔ "ابے میں سب سمجھتا ہوں۔

اتنی دیر لگادی۔ سالے مجھے کہیں بھی چین نہ لینے دو گے۔"

ایک راہداری میں اُس سے مڈبھیڑ ہو ہی گئی اور وہ آنکھیں نکال کر بولا۔ "یہ قاسم ڈھونڈا جارہا ہے.... چیونٹی کا.... قیوں؟"

"مت بکواس کرو...." حمید کا موڈ بہت خراب ہو گیا تھا۔

"اچھا جی.... یہ بات ہے۔"

حمید اُسے دھکا دیتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ قاسم کسی کھٹکھنے کتے کی طرح غرایا تھا۔ لیکن ا کی پیٹھ تھپکتی ہوئی بولی تھی۔ "خفا ہونے کی بات نہیں ہے جناب! ہم لوگ بہت پریشان ہیں

"ہائے الا! پہلی ہی ملاقات میں ہم لوغ بھی ہو گئے۔"

"مسٹر قاسم بور نہ کیجئے! آیئے باہر چلیں۔"

وہ پھر لان پر نکل آئے۔ اندھیرا پھیل چکا تھا۔ پروفیسر دونوں ہاتھوں سے سر تھامے اکڑوں بیٹھا ہوا تھا۔

"ڈیڈی.... اٹھئے۔" لڑکی نے اس کا شانہ ہلا کر کہا۔

"نہیں اٹھا جاتا۔" پروفیسر اپنی شفاف کھوپڑی پر ہاتھ پھیرتا ہوا بھرائی ہوئی آواز

"درد سے سر پھٹا جارہا ہے۔ کم بخت پھر ایک ہاتھ مار گیا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں

"ام کو بندوق دیو ساب! ام گولی مارے گا۔" چوکیدار نے کہا جو قریب ہی کھڑا تھا۔

"تو کیا وہ ابھی ادھر سے گذرا تھا؟" حمید نے پوچھا۔

"گذرا نہیں تھا بلکہ اڑا تھا۔" پروفیسر نے کراہ کر کہا۔ "سر پر سے اڑتا اور ہاتھ جھاڑتا ہوا

"ام نہیں دیکھا ساب۔ اڑتا پڑا تھا؟" چوکیدار نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

"یہ رات کیسے گذرے گی سائرہ۔" پروفیسر پھر کراہا۔

"آپ فکر نہ کیجئے۔ میں یہیں ٹھہروں گا۔" حمید نے کہا۔

"قیا کصہ ہے۔ قیا بات ہے۔ قیسا بچہ۔ قس کا بچہ۔" قاسم نے اکتائے ہوئے لہجے میں

"میری بد نصیبی کا بچہ مسٹر۔" پروفیسر نے گلوگیر آواز میں کہا۔ "مگر سمجھ میں نہیں اتنا بڑا بچہ کیسے نکل آیا۔"

"ارے.... بد نصیبی میں بہت بڑے بڑے بچے نکل آتے ہیں۔" قاسم ٹھنڈی

"ایک بار میرے چچا جان کی بھی بد نصیبی ہو گئی تھی۔ ایک ساتھ پانچ بچے۔ چچی جان بالکل ی نہیں۔"

"کیوں بکواس کر رہے ہو۔" حمید نے اُسے ڈانٹا۔

"ارے.... تو م چوپ راؤ۔" قاسم بھی غرایا۔ "قیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں۔"

"آپ نہیں سمجھے۔" پروفیسر رو میں کہتا گیا۔ "میں دراصل شتر مرغ کا بچہ نکالنا چاہتا تھا ی انڈے سے۔"

"تو پھر قاہے کی پریشانی ہے۔ شتر مرغ کا بچہ اڑے گا نہیں تو کیا پیدل چلے گا۔" قاسم نے ے لہجے میں کہا۔

"اوہ.... میری بات سمجھنے کی کوشش کیجئے۔" پروفیسر جھنجھلا کر بولا۔ "شتر مرغ کی بجائے آدمی نکل آیا۔"

"ارے باپ رے۔" قاسم بوکھلا کر اپنی کھوپڑی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

حمید نے کچھ دیر بعد وہیں سے فریدی کو فون کیا اور اُسے حالات سے آگاہ کیا اور پوچھا کہ رات بسر کر سکتا ہے یا نہیں۔

اجازت مل گئی۔ سائرہ مطمئن نظر آنے لگی تھی۔ دس بجے تک قاسم بھی وہیں رہا۔ سائرہ نے اُسے بتایا کہ قاسم اتفاقاً ان کی انجمن کا سرپرست بن گیا تھا۔

"ہم لوگ اکثر بڑے ہوٹلوں میں انجمن کے لئے چندہ اکٹھا کرتے ہیں۔ بس یونہی لوگوں کی ل پر چلے گئے اور وصول کر لیا۔" سائرہ نے کہا۔ "ایک دن آر لکچو میں مسٹر قاسم سے ملاقات ئی۔ انہوں نے تین ہزار کا چیک دیا۔ اس سے پہلے کبھی یکمشت اتنی بڑی رقم نہیں ملی تھی۔ ان رت سے گفتگو کرنے پر معلوم ہوا کہ بالکل ہی کودن ہیں۔ دوسری لڑکیوں کی رائے ہوئی کہ ل مستقل طور پر انجمن کا سرپرست بنالیا جائے۔ اب ہم انہیں لیڈر بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

وہ ہنسنے لگی اور حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "خیر اسے جانے دیجئے۔ اب آپ مجھے پروفیسر اور اُن تجربات کے متعلق کچھ بتایئے۔"

"ڈیڈی کریک ہیں۔" اُس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "بس اپنے کچھ سائنسدان دوستوں خود میں یہ سب کچھ کاٹھ کباڑ پھیلا لیا ہے۔ مفت میں پیسے برباد کر رہے ہیں۔ اُوٹ پٹانگ کتابیں

پڑھ کر الٹے سیدھے تجربات کیا کرتے ہیں۔ بھلا سوچئے تو سہی! مصنوعی انڈے سے شتر
بچہ نکالنا۔"

"مگر کچھ نہ کچھ تو نکلا ہی ہے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"آپ تو دیکھ چکی ہیں اُس بچے کو۔"

"اس کے باوجود بھی میری سمجھ میں نہیں آتا! ابھی پچھلے ہی دنوں عربی زبان میں ایک
نسخہ پڑھ رہے تھے اُس میں کہیں دو چار اوٹ پٹانگ باتیں نظر آگئیں۔ بس شروع کر دیئے تم
مثلاً دہی اور گوبر ملا کر مٹی کی ہانڈی میں رکھ دیا اور فرمانے لگے کہ دس دن بعد اس میں بچے
ہو جائیں گے۔ یا باغ میں جگہ جگہ کے سینگ دفن کر دیئے اور کہنے لگے کہ یہاں سرکنڈے
پودے اُگیں گے۔ اب صبح شام اپنے ہاتھوں سے پانی دے رہے ہیں۔"

"لیکن آج تک کوئی تجربہ کامیاب نہیں ہوا۔"

"میری دانست میں تو کبھی نہیں ہوا۔"

"مگر یہ آدمی کا بچہ۔"

"مجھے خوف ہے کہ ڈیڈی کسی مصیبت میں پھنسنے والے ہیں۔"

"اس خیال کی وجہ۔"

وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ دوسرے کمرے سے پروفیسر کی چیخ سنائی دی۔ حمید ریوالور
کر جھپٹا۔

پروفیسر فرش پر اوندھا پڑا تھا اور اُس کی ایک ٹانگ میں رسی کا پھندا تھا جس کا دو
روشندان سے کھینچا جا رہا تھا۔ لیکن کھینچنے والا شائد اتنا طاقتور نہیں تھا کہ پروفیسر کو اُس کی جگ
جنبش بھی دے سکتا۔

سرکلر ٹرنیگل

حمید نے رسی کو پکڑ کر جھٹکا دیا اور خود عقب والی دیوار سے جا ٹکرایا۔ وہ سمجھا تھا کہ اُ

کے ساتھ ہی وہ بھی کھنچتا چلا آئے گا جس نے روشندان کے پیچھے رسی کا دوسرا سرا پکڑ رکھا
لیکن وہ شائد اتنا ہی چالاک تھا کہ اُس نے رسی چھوڑ ہی دی اور حمید اپنے ہی زور میں دیوار
ٹکرایا۔

"زندگی اجیرن کر دی اس ابلیس کے بچے نے۔" پروفیسر ہانپتا ہوا اٹھ رہا تھا۔

"کیا اس بار بھی وہی تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"پھر کون ہو گا۔" پروفیسر بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"آپ نے دیکھا نہیں تھا۔"

"کیا فرق پڑتا ہے دیکھنے نہ دیکھنے سے! اُس کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔"

"معاف کیجئے گا پروفیسر۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ "اگر شتر مرغ کے انڈے سے کوئی
دبھی نکل پڑے تو رسی کے استعمال سے اتنی جلدی واقف نہیں ہو سکتا! کتنے گھنٹے گذرنے
گے اُس کی پیدائش کو۔"

"وہ کوئی آسیب ہے! کوئی بُری روح ہے۔"

"بس تو پھر اب اس تجربہ گاہ کو کسی خانقاہ میں تبدیل کر دیجئے۔ قوالی کرائیے! اللہ رحم
ے گا۔"

"میرا مذاق مت اڑاؤ لڑکے۔ میں بہت پریشان ہوں۔"

حمید نے سائرہ کی طرف دیکھا، جو خود بھی بہت بُرا سا منہ بنائے کھڑی تھی۔

"یہ کیا بوریت پھیلائی ہے ڈیڈی آپ نے! میں کل صبح ہی یہاں کا سارا سامان نیلام
وں گی۔"

"گولی مارو نا مجھے! میں تو پرلے سرے کا گدھا ہوں۔" پروفیسر جھنجھلا گیا۔

"مجھے حیرت ہے کہ آپ کو اس کے متعلق ذرہ برابر بھی تشویش نہیں ہے۔" حمید نے
روسے کہا۔

"میں صرف اس غم میں دُبلی ہو رہی ہوں کہ ہر سال ہزاروں ٹن اناج چوہے کھا جاتے ہیں۔
ڈیڈی شتر مرغ پیدا کرنے کی بجائے چوہوں کی پیدائش روکنے کا کوئی مؤثر طریقہ ایجاد کرتے
...!"

"گھٹیا باتیں مت کیا کرو۔" پروفیسر غرایا۔

"کیپٹن! ہائے آج تو دہی بڑے کھانے کا موڈ تھا۔ دہی میں اچھی طرح ڈوبے ہوئے سرخ مرچیں پودینہ اور پیاز کے قتلے.... اور اوپر سے لیموں کا رس۔" سائرہ نے کہا اور پروفیسر کی طرف دیکھنے لگی جو کسی ندیدے بچے کی طرح منہ چلا رہا تھا۔

"منہ میں پانی آرہا ہے ڈیڈی۔" وہ ہنس پڑی اور پھر سنجیدگی سے بولی۔ "کتنی گھٹیا بات۔ بڑا سائنٹسٹ اور.... ہاہا.... ہاہا.... ہاہا....!" وہ پھر ہنسنے لگی۔

"بہت بکواس کرنے لگی ہو۔" پروفیسر نے جھینپے ہوئے ہوئے سے غصیلے انداز میں کمرے سے باہر چلا گیا۔

حمید چند لمحے سائرہ کو دیکھتا رہا پھر بولا۔ "بہت رحم دل آدمی ہیں۔ میں ہوتا تو کھال گراد

"پتہ نہیں کس نے آپ کو تھانیدار بنا دیا ہے۔ آپ تو مویشی خانے کی محرری کے قابل نہیں ہیں۔"

"میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں محترمہ کہ یہ آپ کی شرارت ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"یہی بچہ....!"

"میں نے غلط نہیں کہا تھا کہ آپ سے مویشی خانے کی محرری بھی نہیں سنبھل سکے گی

دفعتاً عمارت کے کسی گوشے سے گھنٹی بجنے کی آواز آئی۔

"کوئی آیا ہے شائد۔" سائرہ کہتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی۔ حمید وہاں ٹھہر کرتا۔ وہ بھی اُس کے پیچھے ہی برآمدے میں پہنچا تھا۔

"بی بی جی.... اب دوسرا پولیس ہے۔" چوکیدار آگے بڑھتا ہوا بولا۔ "کارڈ دیا ہے۔"

سائرہ نے کارڈ لے کر نام بلند آواز میں پڑھا۔ "کرنل اے۔ کے فریدی۔" اور اس انداز میں حمید کی طرف دیکھنے لگی۔

"مائی باس....!" حمید بولا۔

"خدا کی پناہ.... آپ ہی کیا کم تھے کہ اب باس بھی تشریف لائے ہیں.... خیر۔" وہ سانس لے کر چوکیدار کی طرف مڑی۔

"آنے دو....!" اُس نے کہا۔

کچھ دیر بعد فریدی برآمدے میں تھا اور سائرہ اُسے اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے وہ کسی دوسری دنیا کی مخلوق ہو۔ لیکن وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ وہ حمید سے واقعات معلوم کر رہا تھا۔

"آپ پروفیسر کی صاحبزادی ہیں۔" حمید نے سائرہ کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ....!" فریدی اب اس کی طرف متوجہ ہوا لیکن سائرہ نے بوکھلا کر اُس کے چہرے سے نظر ہٹالی۔ وہ کچھ نروس سی نظر آنے لگی تھی۔

"میں پروفیسر سے ملنا چاہتا ہوں محترمہ....!" فریدی نے کہا۔

"جی اچھا....!" اُس نے جلدی سے کہا اور صدر دروازے میں مڑ گئی۔ اس وقت اس کی چال گھوڑے کی "سرپٹ" کا گمان ہو رہا تھا۔

حمید کباب ہو گیا۔ یہی لڑکی کچھ دیر پہلے اُسے کسی طرح گھستی رہی تھی اور اب؟ فریدی کو کچھ کرنہ تو اُس نے انجمن ترقیٔ خواتین کے چندے کی رسید بک نکالی تھی اور نہ زبانی طراریاں ہی کھائی تھیں۔

"یہ لڑکی بہت خطرناک معلوم ہوتی ہے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"کیوں....؟"

"یہ بچہ شتر مرغ کے مصنوعی انڈے کی بجائے اس کی کھوپڑی سے نکلا ہے۔"

"مگر تم تو اُسے دیکھ چکے ہو۔"

"ہاں دیکھ چکا ہوں۔ مطلب یہ کہ اس نے کہیں سے کوئی شریر بچہ پکڑ کر پروفیسر کی مشین میں بند کر دیا ہوگا۔"

"مقصد....!"

"ایک سو پچاس روپے تو مجھ سے ہی وصول کر چکی ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"جہاں کسی نے کمپاؤنڈ میں قدم رکھا اس نے انجمن ترقیٔ خواتین کے چندے کی رسید بک نکالی۔ کل شائد یہ بڑا شاندار بزنس کرے کیونکہ صبح کے اخبارات میں یہ حیرت انگیز خبر ضرور آئے گی۔"

قدموں کی آہٹ پر حمید خاموش ہو گیا۔

پروفیسر خود ہی چلا آیا تھا۔ سائرہ اُس کے پیچھے تھی۔

"اوہ کرنل آپ نے بھی تکلیف فرمائی۔ میں بے حد مشکور ہوں۔" پروفیسر نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے ناوقت تکلیف دی۔"

"اوہ کچھ نہیں آیئے! اندر چلیں۔"

فریدی نے حمید کو وہیں ٹھہرنے اور لڑکی کو بھی روکے رکھنے کا اشارہ کیا۔ اُن دونوں کے مڑتے ہی سائرہ بھی دروازے کی طرف بڑھی ہی تھی کہ حمید نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "ٹھہریئے۔"

وہ رک گئی اور اُسے اس طرح گھورنے لگی جیسے روکا جانا گراں گذرا ہو۔

"کیا یہ حقیقت ہے کہ آپ کو اس پر ذرا سی بھی تشویش نہیں ہے۔" حمید نے یونہی گفتگو کے لئے کہا۔

"کیوں تشویش ہو۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔ پھر مسکرائی اور بھنویں سکوڑ کر بولی۔ "اگر کسی نے شتر مرغ کا انڈہ دیا ہوتا تو میں یقیناً پاگل ہو کر سر پیٹنے لگتی۔"

"مگر یہ شتر مرغ کا پٹھا آپ کی انجمن کے لئے بہت سود مند ثابت ہوگا۔" حمید نے کہا۔

"وہ کیسے....!" سائرہ نے پلکیں جھپکائیں۔ "میں نہیں سمجھی۔"

"یہ خبر کل صبح کے اخبارات میں یقینی طور پر آئے گی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہاں شر اور نجیب الطرفین لوگوں کا جم غفیر نظر آئے گا۔ ہو سکتا ہے آپ اکیلے کام نہ کر سکیں اس انجمن کی کم از کم ایک یا ڈیڑھ درجن کارکنوں کو اسی وقت آگاہ کر دیجئے تاکہ وہ رسید بکیں لے صبح ہی صبح یہاں پہنچ جائیں۔"

"گڈ....!" وہ چٹکی بجا کر پُر مسرت لہجے میں بولی۔ "اس مشورے کا بہت بہت شکریہ۔ ابھی جوائنٹ سیکریٹری کو فون کرتی ہوں۔"

"لیکن ٹھہریئے۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "لوگ کہیں یہ نہ سمجھیں کہ آپ لوگوں نے یہ محض اسی لئے کیا ہے۔"

"ہوں! سمجھی۔" وہ آنکھیں نکال کر بولی۔ "آپ یہی سمجھتے ہیں۔"

"نہیں دوسروں کے بارے میں کہہ رہا تھا۔"

"آپ کی ذاتی رائے کیا ہے؟"

"میں نہایت بدذات آدمی ہوں! اس لئے میری ذاتی رائے محفوظ ہی رہنے دیجئے۔"

دفعتاً پھاٹک کی طرف سے آواز آئی۔ "ابے اب تک یہیں مر رہے ہو۔"

"اوہو....!" سائرہ چونک کر بولی۔ "یہ حضرت پھر واپس آ گئے۔ غالباً مخاطب آپ ہی ہیں نا بے تکلفی ہے آپ دونوں کے درمیان۔"

"پھاٹک نہ کھلنے دیجئے گا۔" حمید نے کہا۔

"واہ.... اس بوریت میں اس سے بہتر تفریح اور کیا ہو سکتی ہے۔" اُس نے کہا اور پھر دار کو آواز دی۔ "گل خان پھاٹک کھول دو۔"

پھاٹک کے قرب و جوار میں اندھیرا تھا اس لئے انہوں نے پھاٹک کھلنے کی آواز تو سنی لیکن م اُس وقت تک نہیں دکھائی دیا جب تک برآمدے کے قریب روشنی میں نہیں آ گیا۔

"آیئے.... آیئے۔ خرپرست صاحب۔" حمید نے خوشی ظاہر کرتے ہوئے اُس کا استقبال کیا۔ لیکن قاسم نے بُرا سا منہ بنا کر ضرورت سے زیادہ بیزاری ظاہر کی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے س کی صورت دیکھنے کا روادار نہ ہو۔

لیکن پھر یک بیک چونکا اور آنکھیں نکال کر بولا۔ "قیا.... قہا! خرپرست۔"

"نہیں تو.... بھلا خرپرست کے کیا معنی ہوئے۔" حمید نے کہا۔

"نہیں مسٹر قاسم! یہ جھوٹے ہیں۔" سائرہ بولی۔ "انہوں نے خرپرست ہی کہا تھا۔"

"اے میں تمہارا کھون پی جاؤں غا سمجھے۔"

"اور پیتے ہی مر جاؤ گے! کیونکہ میرا خون بالکل سفید ہو چکا ہے۔" حمید نے کہا۔

"لیجئے! اب خون بھی سفید ہو گیا۔" سائرہ نے مغموم لہجے میں کہا۔ "کیسی کیسی گالیاں دے ہے ہیں۔"

قاسم کا چہرہ سرخ ہوتا جا رہا تھا۔ آنکھیں نکلی پڑ رہی تھیں۔ حمید نے سوچا کہیں بالکل ہی پڑی سے باہر نہ ہو جائے! ظاہر ہے کہ اس صورت میں وہ سب کچھ ہو جاتا جسے حمید ایک لڑکی موجودگی میں ہرگز پسند نہ کرتا۔

دفعتاً اُس نے قاسم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "کوئی پہاڑ یہ کہتا تھا! گلہری سے۔"

پہلے تو قاسم کے چہرے پر بدحواسی کے آثار نظر آئے اور پھر یک بیک ہنس پڑا۔ "ہم پہاڑ.... ہی ہی ہی.... گلہری.... ہاہا.... ہاہا.... واہ.... حمید بھائی.... واہ....!"

"کیا بات ہوئی۔" سائرہ نے متحیرانہ انداز میں باری باری سے دونوں کی طرف دیکھا۔

"کچھ نہیں۔" قاسم بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "حمید بھائی بڑے دلچسپ آدمی ہیں! پہاڑ کہتے ہیں.... اور آپ گلہری ہیں.... ہی ہی ہی....!"

سائرہ مایوسانہ انداز میں کچھ بڑبڑائی جیسے کہہ رہی ہو۔ "یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔"

لیکن حقیقتاً دوسری طرف بہت کچھ ہو گیا تھا۔ قاسم اسے پسند نہیں کرتا تھا کہ کسی لڑکی کے سامنے اُس کی بیوی یا شادی شدہ زندگی کا حوالہ دیا جائے۔ اس وقت حمید نے اُس کو قابو میں رکھنے ہی کے لئے پہاڑ اور گلہری کی گویا دھمکی دی تھی۔

دفعتاً راہداری سے قدموں کی آوازیں آئیں اور فریدی برآمدے میں داخل ہوا۔ اُس کے ساتھ پروفیسر بھی تھا لیکن حمید کو اُس کا چہرہ اترا ہوا سا نظر آیا۔

"تم نے رسی والے معاملے کے متعلق پوری طرح چھان بین نہیں کی تھی۔" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"نن.... نہیں۔"

"اوپر.... قدموں کے جو نشان ملے ہیں وہ کسی بچے کے نہیں ہو سکتے.... اوہ۔" فریدی یک بیک قاسم کی طرف مڑا۔ "آپ یہاں کیسے۔"

"جج.... جی.... مم.... میں سرپرست ہوں۔" قاسم نے بوکھلا کر جواب دیا۔

"کیا مطلب....!"

"آپ انجمن ترقیٔ خواتین کے سرپرست ہیں۔" حمید بولا۔

"بے بی۔" پروفیسر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم شہر جاؤ۔ کچھ دن آنٹی کے ساتھ۔"

"کیوں؟ کیا بات ہے ڈیڈی۔" سائرہ چونک سی پڑی۔

"میرا خیال ہے کہ میں کسی سازش کا شکار ہو گیا ہوں۔"

"تو میں آنٹی کے یہاں کیوں جاؤں نہیں نہیں میں یہیں رہوں گی۔"

"اچھا تو اپنے کمرے میں جاؤ۔"

"کیوں! کیا مصیبت ہے۔" وہ پیر پٹخ کر بولی۔

"سائرہ! میری الجھنوں میں اضافہ نہ کرو۔ جاؤ۔"

دفعتاً فریدی چونک کر لڑکی کی طرف دیکھنے لگا اور سائرہ اتنی تیزی سے راہداری کی طرف مڑی تھی کہ حمید سمجھا شائد دیوار سے ٹکرا جائے گی۔ وہ سیدھی اندر چلی گئی۔

"اب آپ بھی تشریف لے جایئے۔" فریدی نے قاسم سے کہا۔ "رات زیادہ گذر چکی ہے۔"

قاسم بُرا سا منہ بنائے ہوئے برآمدے کے زینوں سے نیچے اترتا چلا گیا۔ چند لمحے خاموشی کے گذرے۔

"میں آپ سے چند ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے پروفیسر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"فرمایئے.... فرمایئے۔"

"اندر چلئے۔" فریدی نے کہا اور پروفیسر راہداری میں مڑ گیا۔

وہ ایک کمرے میں آئے۔ پروفیسر کی آنکھوں سے الجھن جھانک رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اب وہ کسی قسم کی بھی گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔

فریدی نے ایک کرسی پر ٹکتے ہوئے کہا۔ "آپ نے صاحبزادی سے فرمایا تھا کہ اپنے خیال کے مطابق آپ کسی سازش کا شکار ہو گئے ہیں؟"

"جی ہاں.... میں نے کہا تھا۔"

"میں آپ کے اس خیال کی وجہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"کھلی ہوئی چیز ہے۔ آخر آدمی کا بچہ کیسے نکل آیا۔"

"تو شتر مرغ ہی کا بچہ نکل آتا۔" فریدی نے اُسے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے وہ کسی پاگل سے گفتگو کر رہا ہو۔

"اٹھارہ سو تراسی عیسوی میں برٹن کارلوس نے بھی یہی تجربہ کیا تھا لیکن بعض خامیوں کی بناء پر وہ کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ میں نے ان خامیوں کو دور کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"برٹن کارلوس کون تھا۔" فریدی نے پوچھا۔ "میں نے یہ نام پہلی بار سنا ہے۔"

"وہ برٹن کارلوس ہی تھا۔ اُسے ہم کسی دوسرے نام سے نہیں یاد کر سکتے۔"

"تڑاخ....!" پروفیسر کی شفاف کھوپڑی پر ایک ہاتھ پڑا اور وہ کرسی سمیت فریدی
ہوتا ہوا چیخا۔ "دیکھا! دیکھا.... خدا غارت کرے۔"

ننھا چھلاوہ حمید کی ٹانگوں کے درمیان سے نکل کر پھر پلٹا اور پروفیسر کی کھوپڑی پر دو
جھاڑ دیا۔ فریدی پروفیسر کے نیچے تھا۔ حمید انہیں اسی حال میں چھوڑ کر چھلاوے کے پیچھے
لیکن اس بار وہ سیدھا صدر دروازے کی طرف گیا تھا۔ حمید نے اُسے پائیں باغ کے اندھیر
گم ہوتے دیکھا۔

"کدھر گیا۔" فریدی نے پوچھا۔ حمید اس کی آواز سن کر مڑا لیکن اُس کے ہو
مسکراہٹ دیکھ کر نہ جانے کیوں جھنجھلا گیا۔ پروفیسر بھی لنگڑاتا ہوا ادھر ہی آرہا تھا۔

حمید نے پائیں باغ کے تاریک گوشے کی طرف ہاتھ اٹھا دیا۔

"مشکل ہے۔ وہ اس طرح ہاتھ نہیں آسکتا۔" فریدی نے کہا۔ "پروفیسر اچھا فرنیکس
کیا ہے آپ نے؟"

"ڈاکٹر ڈوہرنگ نے مجھے تباہ کر دیا۔" پروفیسر ہانپتا ہوا بولا۔ "اس تجربے کا مشورہ اُسی نے
"یہ کون بزرگوار ہیں۔"

"میرا ایک جرمن ملاقاتی.... آج کل یہیں مقیم ہے۔"

"اُس کی کیا کوالیفیکیشن ہے۔"

"خدا جانے۔ میں اُس کے متعلق زیادہ نہیں جانتا۔ مجھے تو اُس کی صورت ہی سے
ہوتی ہے۔ بس زبردستی دوست بن بیٹھا تھا۔"

"بہت بدصورت آدمی ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"اُس کی کوئی صورت ہی نہیں ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ فاختہ کے انڈے سے برآمد ہوا ہو۔" حمید بول پڑا۔

"واہ....!" پروفیسر کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی اور وہ بولا۔ "اُس کے
پر مونچھوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں نظر آتا۔"

"اوہ....!" فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"آنکھیں تو آج تک دیکھی ہی نہیں۔ عینک اتنے بڑے شیشوں کی لگاتا ہے کہ آدھی پیشانی
لوں کی ہڈیاں ڈھک جاتی ہیں۔"

"اور غالباً چال میں ہلکی سی لنگراہٹ بھی پائی جاتی ہوگی۔" فریدی نے پوچھا۔

"اوہ تو آپ اُسے جانتے ہیں۔"

"وہ کہاں رہتا ہے۔"

"اس سوال کا جواب مشکل ہے۔" پروفیسر کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کیونکہ وہ اپنے بتائے ہوئے
بھی نہیں ملا! جب بھی ملاقات ہوئی اس سے کہا گیا کہ وہ فلاں جگہ نہیں ملا تھا فوراً ہی کہے گا
آپ کو بتانا بھول گیا تھا کہ میں فلاں ہوٹل میں رہتا ہوں۔"

"کسی نے اُسے آپ سے ملایا تھا یا وہ خود ہی ملنے آیا تھا....؟"

"بس خود ہی آیا تھا۔" پروفیسر نے لاپروائی سے کہا جیسے اس کے مقابلے میں خود کو زیادہ
دیتا ہو۔

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "ڈاکٹر داؤد سے بھی آپ کی جان پہچان تھی۔"

"ڈاکٹر داؤد۔" پروفیسر نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔ "کیا آپ اُس ڈاکٹر داؤد کے
میں پوچھ رہے ہیں جو پچھلے دنوں قتل کر دیا گیا تھا۔"

"جی ہاں.... وہی....!"

"بس یونہی رسمی سے تعلقات تھے۔" پروفیسر نے کہا اور بیک بیک ہنس پڑا۔ ہنستا ہی چلا گیا۔ پھر
بعد بولا۔ "یقینی طور پر پولیس چکر میں پڑ گئی ہوگی کہ آخر یہ اُلو مثلث اور دائرہ کیا بلا ہیں۔"

"ظاہر ہے۔" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"اُسے پچھلے کچھ دنوں سے خبط ہو گیا تھا کہ وہ سرکلر ٹرینگل بنا سکتا ہے۔ حالانکہ یہ ناممکن ہے
ہے مرتے وقت اُس نے اپنی حماقت تسلیم کرتے ہوئے اپنے اُلو ہونے کا اعلان کیا ہو اور
کیا ہو کہ سرکل اور ٹرینگل کبھی ملی جلی شکل نہیں اختیار کر سکتے۔ الگ ہی الگ رہیں گے یا
رکل کے اندر ٹرینگل یا ٹرینگل کے اندر سرکل.... لیکن نہ وہ ٹرینگل سرکل کہلائے گا اور نہ
ٹرینگل....!"

قاسم کی شامت

فریدی ہنس پڑا۔ لیکن پروفیسر اُسے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے اس طرح ہنس کر نے اُس کی توہین کی ہو۔

"ہم لوگ خواہ مخواہ اتنے دنوں سے سر مار رہے ہیں۔" فریدی بولا۔ "آپ نے چٹکی بجا مسئلہ بھی حل کر دیا۔"

"اسکے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہو سکتی! میرا دعویٰ ہے۔" پروفیسر نے غصیلے لہجے میں کہا

"اُس سے قاتل کے متعلق استفسار کیا گیا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"تو پھر کسی اُلو ہی نے اُسے قتل کیا ہوگا۔" پروفیسر نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی پھر اس طرح فریدی کی طرف دیکھنے لگا جیسے کوئی بہت ہی پر مذاق جملہ کہہ کر داد کا طالب ہو۔

"ڈاکٹر ڈوہرنگ سے ڈاکٹر داؤد کے کیسے تعلقات تھے؟"

"میں کیا بتا سکوں گا اس سلسلے میں۔"

"کبھی آپ نے انہیں ساتھ بھی دیکھا تھا....؟"

"نہیں؟"

"لیکن یہ بات آپ نے پھر بھی نہیں بتائی کہ آپ کو کسی سازش کا خیال کیوں پیدا ہوا۔"

"شتر مرغ کے انڈے سے آدمی کا بچہ کیوں نکلا! اور پھر اتنا بڑا بچہ کہ دس انڈوں میں سما سکے۔"

"چلئے! تسلیم کر لیا۔ لیکن اس تجربے کا انجام دیکھنے کیلئے شہری حکام کو کیوں مدعو کیا گیا تھا"

"وہ میرے احباب تھے! انہیں ایسے تجربات سے دلچسپی ہے۔"

"کیا پہلے بھی آپ کا کوئی تجربہ کامیاب ہو چکا ہے۔"

"ہاں میں نے بچھو پیدا کئے تھے! ایسے چوہے پیدا کئے تھے جو چتکبرے یعنی سفید اور سیاہ

"بچھو اکثر شریر بچے بھی پیدا کر لیا کرتے ہیں اور چت کبرے چوہے! دو مختلف اقسام چوہوں کی کراس بریڈنگ کا نتیجہ ہوتے ہیں۔"

"آپ خواہ مخواہ سائنس میں اپنی ٹانگ کیوں اڑا رہے ہیں۔" پروفیسر غصیلی آواز میں بولا

"یہ سائنس ہے یا مسخرہ پن! مجھے حیرت ہے کہ آج تک کسی نے آپ کی طرف دھیان یوں نہیں دیا۔"

"کیا مطلب....!"

"آپ تین دن کے اندر اندر اپنے ذرائع آمدن کے متعلق تفصیلات میرے دفتر میں پہنچایئے!"

"بہت ہو چکا۔" پروفیسر غرا کر کھڑا ہو گیا۔ "بہت ہو چکا! براہِ کرم تشریف لے جایئے۔"

"ڈیڈی۔" سائرہ کی آواز پر وہ چونک پڑے۔ وہ بائیں جانب والے دروازے میں کھڑی ڈیفسر کو گھور رہی تھی۔ پھر اُس نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ہمارے ذرائع آمدنی کی تفصیلات آپ کو انکم ٹیکس آفس سے مل جائے گی! یہاں کسے اتنی فرصت ہے کہ چارٹ بناتا پھرے!"

فریدی کی نظر پروفیسر کے چہرے پر تھی۔ اُس نے ایک بار بھی لڑکی کی طرف نہیں دیکھا ۔اُس کے اس رویے سے یہی ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ بات اُسے مخاطب کر کے نہ کہی گئی ہو۔

یک بیک وہ پھر پروفیسر سے بولی۔ "ڈیڈی.... تم نے پہلے کبھی کسی ڈاکٹر ڈوہرنگ کا تذکرہ ں کیا؟"

"کیا یہ ضروری ہے کہ تم سے ہر ایک کا تذکرہ کیا جائے۔" پروفیسر جھلا کر بولا۔

"ڈیڈی....!" سائرہ نے پھر آنکھیں نکالیں اور حمید آنکھیں مل مل کر اُسے دیکھنے لگا۔

"اچھا تو تم ہی مغز کھپاؤ ان لوگوں سے.... میں جہنم میں جا رہا ہوں۔" پروفیسر اٹھا اور کمرے سے نکلا چلا گیا۔ حمید نے سائرہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھی اور غیر ارادی طور پر اپنے ہونٹ کاٹنے لگا۔

"پور اولڈ تھنگ (Poor Old Thing)۔" سائرہ نے ٹھنڈی سانس لی۔

"کیا واقعی جہنم میں گئے ہیں۔" حمید نے تشویش کن لہجے میں پوچھا۔

"دیکھئے میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ ڈیڈی کریک ہیں! بعض لوگوں کی ضد میں ٹکٹ بن بیٹھے ہیں اور ہزاروں روپے مفت میں برباد کر رہے ہیں۔ بس سنک ہی تو ہے۔ لیکن پتہ نہیں کچھ! یا تو یہ کسی شرارت کا نتیجہ ہے یا ڈیڈی سچ مچ کسی سازش کا شکار ہو گئے ہیں۔"

"کچھ بھی ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "آپ اپنے ڈیڈی کی طرف سے غیر مطمئن ہی رہتی ہیں۔"

"میں نہیں سمجھی آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" اس نے فریدی کی آنکھوں سے بچتے ہوئے کہا۔ نہ

جانے کیوں وہ اس سے آنکھیں ملا کر گفتگو نہیں کر رہی تھی۔

"اگر آپ غیر مطمئن نہیں تو پھر چھپ کر ہماری گفتگو سننے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔"

"اگر نہ سنتی تو آپ نہیں معلوم کتنا غلط اثر لے کر یہاں سے جاتے۔"

"بہر حال آپ غیر مطمئن ہیں اور شائد آپ نے اُن پر کئی طرح کی پابندیاں بھی لگا رکھی ہیں۔"

"آپ سچ مچ اچھے بھلے آدمی کو غصہ دلا سکتے ہیں۔" سائرہ نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "ہم ہمارے نجی معاملات میں آپ کیوں دخل اندازی کر رہے ہیں۔"

"لیکن اگر کل یہ مشینی بچہ شہری نظم و نسق میں دخل انداز ہوا تو پروفیسر کہاں ہوں گے۔"

"میں کچھ نہیں جانتی! کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ وہ ڈیڈی ہی کا کیا حشر کر رہا ہے۔"

"اچھا محترمہ.....!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "مجھے یقین ہے کہ ہمیں یہاں پھر آنا پڑے گا۔"

سائرہ برآمدے تک اُنکے ساتھ آئی تھی۔ لیکن شائد اُس کا موڈ بہت زیادہ خراب ہو گیا تھا کیونکہ جس زندہ دلی کے ساتھ اُس نے حمید کا استقبال کیا تھا اتنی ہی بے دلی سے "الوداع" کہی تھی!

پھاٹک کے قریب پہنچ کر حمید نے کہا۔ "پتہ نہیں وہ کہاں چھپا بیٹھا تھا۔ بس اسی طرح سامنے آیا تھا جیسے اچانک بجلی سی چمک گئی ہو۔"

"اس کے صوفے کے پیچھے تھا۔" فریدی بولا۔ "لیکن پہلے میری نظر بھی نہیں پڑی تھی۔ باپ بیٹی میرے لئے ایک نئی الجھن بن گئے ہیں۔ اب پروفیسر غوری کے متعلق بھی چھان بین کرنی پڑے گی۔"

"اس نے ڈاکٹر ڈوہرنگ کا جو حلیہ بتایا تھا میجر والٹن کے حلیے سے مختلف نہیں معلوم ہوتا اور تجربے کا مشورہ بھی اُسی نے دیا تھا۔"

"سبھی کچھ سوچنا پڑے گا۔"

چوکیدار نے پھاٹک کھولا۔ لیکن اپنی گاڑی پر نظر پڑتے ہی حمید بوکھلا گیا۔ پچھلے دونوں پہیے ہوا ندارد تھی۔ فریدی کی لنکن صحیح و سلامت ملی! حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "یہ قاسم کی حرکت ہو سکتی ہے۔ مجھے یہاں دیکھ کر غصے سے پاگل ہو گیا تھا۔"

چوکیدار کو بتا کر حمید کی کار وہیں چھوڑ دی گئی اور وہ لنکن میں بیٹھ گیا۔

جیری اپنے باس کے متعلق الجھن میں تھا۔ اُسے یقین تھا کہ وہ بھی نیاگرہ ہی میں رہتا ہے۔ لیکن اُس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوتا تھا کہ دوسرے لمحے میں اُس سے کہاں ملاقات ہو گی! مثال کے طور پر اگر اُسے فون کال کے ذریعہ کمرہ نمبر دس میں طلب کیا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ وہ کمرہ نمبر دس ہی میں رہتا ہو گا ایک گھنٹہ بعد اسی کمرے میں اُسے کوئی دوسرا آدمی نظر آتا۔ پھر بھلا جیری میں اتنی ہمت کہاں کہ وہ اُس دوسرے آدمی سے اسکے متعلق کچھ پوچھ سکتا۔

باس کے تصور ہی سے اُس کا دم نکلتا تھا۔ پتہ نہیں خود اُسے ہی کب امتیازی تمغہ نصیب ہو جائے! اپنے اس ساتھی کی موت اسے ابھی تک نہیں بھولی تھی جسے باس نے امتیازی تمغہ عطا کیا تھا اور پھر اُسے اپنے دو ساتھیوں سمیت اس کی لاش ٹھکانے لگانی پڑی تھی۔ وہ کتنا خطرناک کام تھا لاش کو توڑ مروڑ کر صندوق میں بھرنا اور بھرے پُرے ہوٹل سے نکال لے جانا۔

اس وقت بھی وہ اسی کے متعلق سوچ رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ ظاہر تھا کہ یہاں باس کے علاوہ اور کون اُسے فون کرتا۔ اُس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ریسیور اٹھایا۔

"کمرہ نمبر آٹھ میں ملو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اوکے..... باس.....!" اُس نے ریسیور رکھ دیا۔

کچھ دیر بعد وہ کمرہ نمبر آٹھ کے دروازے پر ہولے ہولے دستک دے رہا تھا۔

"آجاؤ.....!" اندر سے آواز آئی۔

حالانکہ کمرے میں دھوپ کا گذر بھی نہیں تھا لیکن باس کی آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک بدستور موجود تھی۔ پتہ نہیں کیوں اس غیر معمولی عینک کو دیکھ کر اُسے بڑی شدت سے گھٹن محسوس ہونے لگتی تھی۔

"بیٹھ جاؤ۔" باس نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ خلاف معمول اس کا لہجہ نرم تھا۔ جیری کانپ گیا کیونکہ اس کا نرم لہجہ عموماً موت ہی کی آواز ثابت ہوتا تھا۔

"رپورٹ.....!" باس نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"کل رات میں اس وقت تک وہاں رہا جب تک کہ کرنل فریدی اور کیپٹن حمید وہاں سے

چلے نہیں گئے تھے۔ پروفیسر غوری نے انہیں بتادیا ہے کہ اس تجربے کا مشورہ ڈاکٹر ڈوہرنگ نے دیا تھا اور اُس نے انہیں آپ کا حلیہ بھی بتایا تھا۔"

"یہ خاصی نامعقولیت ہوئی ہے۔" باس بولا۔

"بچے نے ایک بار فریدی کی موجودگی میں بھی پروفیسر کی مرمت کی تھی۔"

"اوہ یہ بچہ! پتہ نہیں کم بخت کیا بلا ہے۔"

"وہ اُسی انڈے سے نکلا ہے باس....!"

"بکواس ہے۔ وہ تجربہ ہی بکواس تھا۔"

"اوہ.... تو پھر.... میں تو سمجھا تھا۔" جیری کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"میں نہیں جانتا۔ وہ کیا بلا ہے۔"

"اور ہاں جناب! اُلو مثلث اور دائرے کے متعلق ایک نئی بات معلوم ہوئی ہے۔"

"وہ کیا....!" باس چونک پڑا۔

"آپ کے تذکرے کے بعد ڈاکٹر داؤد کا تذکرہ نکل آیا تھا۔ فریدی نے پروفیسر سے پوچھا کیا اُس نے کبھی آپ کو اور داؤد کو ساتھ بھی دیکھا تھا۔ پروفیسر نے نفی میں جواب دیا۔ پھر مثلث اور دائرے کی بات چھڑ گئی۔ پروفیسر نے بتایا کہ ڈاکٹر داؤد اُن دنوں کسی سرکلر ٹریننگ کا وجود ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جو قطعی ناممکن ہے لہٰذا پروفیسر کی دانست میں اُس نے مرتے وقت اپنے اُلو ہونے کے اعتراف کے ساتھ ہی ساتھ اس کا بھی اعلان کیا تھا کہ مثلث اور دائرہ دو مختلف النوع اشکال ہیں۔ وہ ایک دوسرے میں ضم ہو کر کبھی کوئی تیسری شکل نہیں اختیار کر سکتیں۔"

"بکواس ہے۔" باس نے بُرا سا منہ بنایا پھر بولا۔ "فریدی نے اس خیال پر رائے زنی کی تھی نہیں۔"

"اس نے بھی اس کا مضحکہ اڑایا تھا۔"

"مجھے یقین ہے کہ وہ اس کی تہہ تک ضرور پہنچے گا۔"

"باس ایک بات کہوں۔" جیری خوفزدہ آواز میں بولا۔ "یوں تو میں سمجھتا ہوں کہ میری موت بھی آپ ہی کے ہاتھوں آئے گی۔"

"یہ بھی بکواس ہے۔ میں اسی وقت زندگیوں سے کھیلتا ہوں جب مجھے یقین ہو جائے کہ"

رے لئے نقصان دہ ہیں۔ تمہارے متعلق میں نے ابھی تک ایسی کوئی بات نہیں سوچی۔"

"میں کہنا چاہتا ہوں باس کہ فریدی ایک خوشرنگ سانپ ہے لیکن انتہائی زہریلا۔"

"ہو سکتا ہے؟" باس نے لاپروائی سے کہا۔ "تو پھر....!"

"اُسے راستے سے ہٹا دینا چاہئے۔"

"پتہ نہیں تم لوگ اُس سے کیوں خائف ہو۔"

"اس شہر میں کامیابی کی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ فریدی کو ہماری راہ میں حائل ہونے کا فع نہ ملے۔"

"اوہ۔ ختم کرو۔ میں اُسے ایسا سبق دوں گا کہ پچھلے سارے کارناموں پر خاک پڑ جائے گی۔ ابھی تک گدھے ہی ملتے رہے ہیں۔"

"باس کی مرضی۔"

"پروفیسر غوری پر کڑی نظر رکھو۔ وہ خطرناک ثابت ہو رہا ہے۔ میں اُسے پرلے سرے کا ی سمجھتا تھا۔"

"مجھے بھی وہ احمق ہی معلوم ہوتا ہے.... البتہ اُس کی لڑکی....!"

"اپنی موت کو آواز نہ دینا۔" باس ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں اسے پسند نہیں کرتا کہ میرا کوئی ا عورتوں کے چکر میں پڑ کر میرے لئے کسی قسم کا مسئلہ بن جائے۔"

"میں تو صرف یہ کہہ رہا تھا باس کہ وہ بہت زیادہ چالاک معلوم ہوتی ہے۔ اُس نے پروفیسر پوچھا تھا کہ اُس نے اُسے کسی ڈاکٹر ڈوہرنگ کے متعلق کیوں نہیں بتایا! پروفیسر شائد اُس سے بھی ہے ایسے باپ بیٹی آج تک میری نظروں سے نہیں گذرے۔"

"اُس کی لڑکی کے متعلق بہت زیادہ نہ سوچو۔ اس سے بیماری جڑ پکڑ سکتی ہے۔"

"نہیں باس مجھے لڑکیوں سے کبھی دلچسپی نہیں رہی۔"

"لیکن سوال تو یہ ہے کہ پروفیسر نے انڈے کی آڑ میں یہ فراڈ کیا ہی کیوں؟" باس کچھ سوچتا ہوا

"اگر آپ بھی اُسے فراڈ ہی تصور کرتے ہیں تو مجھے بھی پروفیسر کے بارے میں اپنی رائے یل کرنی پڑے گی۔"

"یہ معلوم ہونا بہت ضروری ہے کہ یہ بچہ کیا بلا ہے۔"

❁

حمید کو بھی انجمن ترقیٔ خواتین کی طرف سے جلسے میں شرکت کا دعوت نامہ ملا تھا۔ اس کی نوعیت اُس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ یعنی وہ تھا تو خواتین کا جلسہ لیکن اُس میں مرد بھی کئے گئے تھے۔ کارڈ پر تحریر تھا کہ جلسے کی صدارت مسٹر قاسم آف عاصم ملٹی انڈسٹریز فرمائیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ جلسہ بھی فنڈ ہی بٹورنے کے لئے منعقد کیا جا رہا ہو۔ حمید نے سوچا ہو اُسے تو شرکت کرنی ہی تھی کیونکہ جلسے کی صدارت قاسم کرنے والا تھا۔

اُسے پروفیسر غوری کی تجربہ گاہ کی وہ رات نہیں بھولی تھی جب اُس کی گاڑی کے پچھلے ہوا سے محروم ہو گئے تھے۔ لہٰذا ہر صورت میں قاسم سے بدلہ لینا تھا۔ جلسہ گاہ میں پہنچنے سے گھنٹے قبل وہ قاسم کی کوٹھی پر جا دھمکا۔ لیکن قاسم سے وہاں ملاقات نہ ہو سکی۔ باتوں ہی باتوں اس کی بیوی سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس بیچاری کو کیا پتہ کہ اس کا عورتوں کی کسی انجمن کا سرپرست بھی ہو سکتا ہے اور اُس کے کسی جلسے کی صدارت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ حمید کی زبانی کسی ایسی بدعت کی اطلاع پا کر وہ سناٹے میں آ گئی۔ پھر ہنسنے خیال ظاہر کیا کہ حمید اُسے اُلو بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن پھر اُس صورت میں یقین آتا جب حمید نے جیب سے دعوت نامہ ہی نکال کر اُس کے سامنے پٹخ دیا۔ وہ بہت ہنسی پھر کہ وہ بھی کیوں نہ اُس جلسے میں شرکت کرے۔ دعوت نامہ کیپٹن حمید اینڈ مسز حمید کے تھا۔ اس لئے ایک عورت کی گنجائش بہر حال نکل سکتی تھی۔ "مسز حمید" پر اُس نے بُرا سا منہ

"اوہ.... بہن یا بیٹی بن کر تو چل ہی سکو گی۔" حمید نے کہا اور "مسز" کو "مس" بنا دیا طرح کیپٹن اور مس حمید جلسہ گاہ میں پہنچے۔ نشستوں کا انتظام بڑے سلیقے سے کیا گیا تھا۔ اس وہ اپنی مخصوص کرسیوں پر پہنچا دیئے گئے۔ جلسے کی کاروائی شروع ہو چکی تھی۔ مگر جناب ابھی تک تشریف نہیں لائے تھے۔ اُن کے پہنچنے کے پانچ یا چھ منٹ بعد صدر کی آمد کا غلغلہ حاضرین اٹھ اٹھ کر دیکھنے لگے۔ عجیب سا ہنگامہ برپا ہو گیا اور کسی لڑکی نے بلند آواز میں جملہ کیا۔ "یہ صدر ہیں یا غدر....!"

لیکن قاسم اس وقت غدر سے بھی کوئی اونچی چیز معلوم ہو رہا تھا۔ خود اُس کی بیوی نے

حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر اُسے دیکھا۔ شیروانی میں وہ ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے کسی منارہ پر غلاف چڑھا دیا گیا ہو۔ حمید نے اُسے آج تک شیروانی اور شلوار میں نہیں دیکھا تھا۔ مگر وہ پگڑی! قاسم کی بیوی کا ہنسی کے مارے بُرا حال تھا کیونکہ پگڑی نے اُسے بالکل ہی کارٹون بنا کر رکھ دیا تھا۔ لیکن تھوڑی ہی سی دیر میں وہ بہت زیادہ بور نظر آنے لگی۔ کیونکہ پھبتیوں اور فقروں کی بھرمار بڑھتی جا رہی تھی۔ کچھ بھی ہو وہ اُس کا شوہر ہی تھا۔

"آپ مجھے اسی لئے لائے تھے حمید بھائی۔" اُس نے بسور کر کہا۔ "خدا انہیں عقل دے۔"

"میں صرف یہ دکھانے کے لئے لایا تھا کہ یہ کتنا عقلمند ہے۔ اگر احمق ہوتا تو گھر ہی سے پگڑی باندھ کر آتا۔"

"گھر سے تو اچھے بھلے گئے تھے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ان کے پاس اس قسم کا بھی لباس ہوگا۔ آخر یہ پگڑی کیوں باندھی گئی ہے۔"

"قوم کی لیڈری ہی ٹھہری۔ اس میں بہر حال حقہ بننا پڑتا ہے۔"

کسی نہ کسی طرح شور کم ہوا۔ دو چار نظمیں پڑھی گئیں۔ سیکریٹری (سائرہ) نے انجمن کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی۔ صدر کا تعارف ہوا۔ سائرہ نے بتایا کہ کس طرح چندے کی معمولی اپیل پر جناب صدر نے یکمشت تین ہزار کا عطیہ دیا تھا۔

"خدا کی پناہ۔" قاسم کی بیوی بڑبڑائی۔ "باہر اس طرح روپے اڑائے جاتے ہیں اور مجھ سے کہا جاتا ہے کہ کھپائت شعار بنو۔"

خدا خدا کر کے خطبہ صدارت کی باری آئی اور قاسم کی بیوی الجھ کر بولی۔ "میں تو جا رہی ہوں حمید بھائی۔"

"واہ.... اصل کہانی تو اب شروع ہوگی۔"

قاسم کھڑا ہوا۔ مگر وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ کبھی ہنسنے کے سے انداز میں دانت نکل پڑتے اور کبھی ہونٹ مضبوطی سے بند کر لئے جاتے۔ مائیک کا اسٹینڈ اس انداز میں پکڑ رکھا تھا جیسے اُسے بجایا جائے گا۔

پھر بمشکل تمام اس کے حلق سے آواز نکلی۔ "خواتین و خواتان۔"

"ہیر ہیر....!" مجمع نے تالیاں پیٹیں۔

غالباً قاسم اس وقت خود شناس بننے کی کوشش کر رہا تھا اس لئے اور زیادہ بوکھلاہٹیں ہو رہی تھیں۔ "خواتین خواتان" غالباً اُسے غلط معلوم ہوا تھا لہٰذا اُس نے دوسری بار "حاضر حاضرات" کی ہانک لگائی۔ قہقہوں سے پنڈال اڑا جا رہا تھا۔ قاسم نے نروس ہو کر بولنا شروع کر "جی ہاں میں صدر بننے کے لائیک نہیں تھا۔ آپ کی مہربانی ہے کہ آپ نے مجھے صدر اَلا قسم.... میں بالکل.... بالکل.... اُلو کا پٹھا.... ارے باپ رے۔" اس نے دونوں ہا سے منہ دبالیا۔ پھر بہت زیادہ زور سے بولنے لگا۔ "جی تین ہزار کیا آپ پر تو تین لاکھ نثار ہیں قسم اتنا جی چاہتا ہے کہ کھوا تین ترقی کریں جی ہاں۔ آپ لوگ کرکٹ بھی کھیلا کیجئے۔ بڑی جاز ہے بدن میں! اور قیاقہوں! میں اب کھوب جی خول کر چندہ دوں گا۔ ٹھینگے سے کوئی کچھ کہا کر۔

"ہپیئر ہپیئر.... قاسم صاحب زندہ باد۔"

قاسم نے کسی پرجوش مرغ کی طرح گردن اونچی کی اور بولا۔ "نہیں ابھی جندہ باد نہ ابھی مجھے خدمت کرنے دیجئے۔ میں آپ سب کے لئے پاگل ہو جانا چاہتا ہوں.... مطلب .... مطلب یہ کہ.... جی ہاں! کھوب ترقی کیجئے۔ اگر قوئی آپ کو ترقی نہ کرنے دے تو بتایئے۔ سالے کا سر پھاڑ دوں گا۔"

"دھوبی ہے۔" مجمع سے کسی نے ہانک لگائی۔

اس ریمارک پر قاسم کا منہ ذرا سا نکل آیا اور پھر یک بیک اُس کی آنکھیں چنگاریاں بر لگیں۔ چہرہ چقندر ہو گیا اور وہ میز پر ہاتھ مار کر دہاڑا۔ "کون ہو بیٹا! جرا سامنے تو آنا۔"

ٹھیک اُسی وقت ڈائس کے پیچھے سے ایک چھوٹی سی کھوپڑی ابھری! پھر کوئی اچھل کر قا آیا اور اُس کے دونوں ہاتھ اس کی "سربند" کھوپڑی پر پڑے۔ دوسرے ہی لمحے میں قاسم سمیت ڈائس کے نیچے تھا۔

حمید اچھل کر ڈائس کی طرف جھپٹا کیونکہ یہ تو وہی لڑکا تھا جس کی پیدائش پروفیسر غور بیان کے مطابق مشینی طور پر ہوئی تھی۔

اس لڑکے کی کہانی پچھلے دو دنوں میں اس بُری طرح مشہور ہوئی تھی کہ شہر کا بچہ بچہ سے واقف تھا۔ لیکن اس وقت کسی کی بھی سمجھ میں نہ آسکا کہ یہ وہی ہوگا۔ لوگ عموماً یہی تھے کہ وہ کوئی شریر بچہ ہی تھا جو قاسم کی کھوپڑی پر دوہتڑ رسید کر کے ڈائس کے پیچھے والی

چھلانگ گیا تھا۔

حمید نے بھی بڑے پھرتیلے پن کا مظاہرہ کیا تھا۔ لیکن قنات کی دوسری طرف پہنچ کر اس نے میدان صاف پایا۔ بعض لوگوں سے اتنا ضرور معلوم ہوا کہ انہوں نے کسی لڑکے کو قنات چھلانگتے دیکھا لیکن اُن میں سے کوئی بھی اس کی راہِ فرار کے متعلق کچھ نہ بتا سکا۔

جلسہ درہم برہم ہو چکا تھا۔

بلڈ ہاؤنڈ

بالآخر پروفیسر غوری کی شامت آ ہی گئی کیونکہ وہ مشینی بچہ شہر والوں کے لئے مستقل دردِ سر کر رہ گیا تھا۔ راہ چلتے لوگوں کے ہاتھوں سے چیزیں چھیننا اور یہ جا.... وہ جا نظروں سے غائب! کسی لاگو بندر کا رول ادا کر رہا تھا۔ لیکن اسی دوران میں کچھ بڑی وارداتیں بھی ہو گئیں۔ مثلاً ب فرم کا خزانچی ایک بڑی رقم بینک میں جمع کرنے جا رہا تھا۔ جیسے ہی وہ بنک کی کمپاؤنڈ میں کار ے اترا۔ مالتی کی جھاڑیوں سے اُسی بچے نے اس پر چھلانگ لگائی اور نوٹوں کا تھیلا چھین کر نو دو راہ ہو گیا۔ اسی طرح ایک بڑے صراف کو بھی کچھ بہت ہی قیمتی زیورات سے ہاتھ دھونے ے تھے۔

ظاہر ہے ایسی صورت میں پروفیسر غوری کی جان کیسے چھوٹتی۔ اُسے کوتوالی طلب کر لیا گیا۔ ن پروفیسر کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی جواب نہیں تھا کہ اُس نے یہ سمجھ کر تجربہ نہیں کیا کہ اُس کے نتائج آدمی کے بچے کی شکل میں ظاہر ہوں گے۔ فریدی نے اس سے کوئی سوال نہ کیا اُس کی دانست میں بھی وہ ایک نیم خبطی آدمی تھا۔ سائرہ بھی اس کے ساتھ آئی تھی۔ ن اُس کے چہرے سے ذرہ برابر بھی پریشانی نہیں ظاہر ہو رہی تھی۔ پروفیسر کا بیان تحریر کیا گیا کے اختتام پر پروفیسر نے اپنے دستخط کئے۔ پھر فریدی نے کئی سادہ کاغذات پر بھی اُس کے خط لئے۔ سائرہ نے اس پر احتجاج کیا۔

"آپ مطمئن رہیں۔" فریدی نے کہا۔ "یہ دستخط غلط طور پر استعمال نہیں کئے جائیں گے۔ ما آپ کو لکھ کر دے سکتا ہوں کہ میں نے پروفیسر کے کچھ دستخط سادہ کاغذات پر لئے ہیں۔"

اُس نے اس قسم کی ایک تحریر سائرہ کو دے بھی دی۔

نہ جانے کیوں حمید کی خواہش تھی کہ سائرہ اور پروفیسر کسی الجھن میں نہ پڑنے پائیں۔ سے اُس نے سائرہ کو دیکھا تھا وہ ایک پل کے لئے بھی اُس کے ذہن سے محو نہیں ہوئی تھی۔ طرف وہ اُن دونوں کو فراڈ بھی سمجھتا تھا اور دوسری طرف یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ وہ مجرموں کٹہرے میں کھڑے ہوں۔

کچھ بھی ہو۔ پروفیسر کا شمار معززین شہر میں ہوتا تھا۔ اس لئے یہی طے کیا گیا کہ اُسے ا شہری اقامت گاہ میں وقتی طور پر نظر بند کر دیا جائے اور تجربہ گاہ پولیس کی نگرانی میں دے دی جا

سائرہ تجربہ گاہ ہی میں مقیم رہنے پر مصر تھی۔ فریدی نے کچھ دیر اس مسئلہ پر غور ا اُسے اس کی اجازت دلوادی۔ کوتوالی سے فریدی سیدھا اپنے دفتر آیا۔ حمید بھی ساتھ تھا۔ آفس میں جانے کی بجائے کینٹین ہی میں رک گیا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ فریدی کسی ضرورت ہی کے تحت آفس آیا ہے۔ ورنہ اسکیم تو یہ تھی کہ اب وہ اُن تمام لوگوں سے ملے اُس تجربے کے وقت پروفیسر غوری کی تجربہ گاہ میں موجود تھے۔ فریدی نے آفس کے اند منٹ سے زیادہ وقت نہیں لیا۔ اُس کے آفس کے دروازے پر آج کل ہر وقت دو سنتری رہتے تھے اور جب بھی وہ آفس میں موجود ہوتا سرخ بلب ضرور روشن نظر آتا۔ کیپٹن حمید علاوہ اور ہر ایک کا داخلہ ممنوع تھا۔ محکمے کے ایس۔پی صاحب تو اُس کے دوسرے ہی دن آ کی رخصت پر چلے گئے تھے جب پہلی بار فریدی کے آفس پر سرخ بلب دکھائی دیا تھا اور ا آفس کے اندر داخل ہونے سے روکا گیا تھا۔ آج کل حالت یہ تھی کہ فریدی کے ہمدرد بھی سے کترائے پھرتے تھے اور حمید سوچتا تھا کہ کہیں فریدی کو خفت نہ اٹھانی پڑے کیونکہ وہ ابھی میجر والٹن کا سراغ نہیں پا سکا تھا اور نہ ڈاکٹر داؤد ہی کے کیس میں کچھ ہو سکا تھا۔ پروفیسر والے کیس میں بھی کسی حد تک میجر والٹن کی پرچھائیں نظر آئی تھی۔

کار میں بیٹھتے وقت حمید نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔ "کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کو کیا کرنا چاہئے۔"

"عیش....!" فریدی کا جواب تھا۔

"بہت خوش نظر آ رہے ہیں۔"

"خوشی کی بات ہی ہے کہ پروفیسر غوری مثلث اور دائرے سے بھی بڑا معمہ بن کر رہ گیا ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"اُس کے جو دستخط میں نے اس وقت حاصل کئے ہیں وہ اُن دستخطوں سے نہیں ملتے جن کے بنک سے رقومات نکلوائی جاتی ہیں۔"

"تو پھر....!" حمید چونک کر بولا۔ "میں نہیں سمجھا۔"

"انداز تحریر ہی مختلف ہے۔"

"مگر اُس کا ذریعہ معاش کیا ہے۔ آپ نے اس کی تفصیل طلب کی تھی۔"

"لاکھوں کا آدمی ہے۔ ملک میں شیشے کے سائنسی آلات ڈھالنے کا واحد کارخانہ اُس کی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سلسلے میں مزید چھان بین فضول ہے۔ البتہ یہ دستخطوں کا معاملہ۔"

"یہ بھی نہایت آسان ہے۔ اُس سے ایک چیک پر اپنے سامنے دستخط لیجئے اور اُسے کیش کے لئے بھیج دیجئے۔ اس کے بعد اُسے یقینی طور پر وضاحت کرنی پڑے گی۔"

"اس اسٹیج پر میں ایسا کوئی اقدام نہیں کرنا چاہتا۔"

"خواہ وہ مشین کا پٹھا سارے شہر میں آگ ہی کیوں نہ لگا دے۔"

"اُس کا بھی انتظام ہو جائے گا۔"

"آپ کا خیال ہے کہ یہ غوری کوئی بیوقوف آدمی ہے۔"

"ہاں! میرا اندازہ یہی ہے۔"

"تو پھر میجر والٹن ہی کی آڑ میں اس بچے کی پیدائش کا ذمہ دار ہے۔"

"ایسی صورت میں یہی کہا جا سکتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر "کیا میجر والٹن نے ڈاکٹر داؤد کی کوٹھی میں صرف اس لئے آگ لگوائی ہو گی کہ اُلو کا مجسمہ ہو جائے۔ کیا نصیری اس لئے قتل کر دیا گیا تھا کہ اُسے اُلو کے متعلق کچھ معلوم تھا؟"

"ظاہر ہے۔"

"ہرگز نہیں۔ اگر یہ بات ہوتی تو وہ نہ تو تمہیں اس طرح پکڑواتا نہ مجھ پر حملہ کراتا اور نہ بعد مجھ سے فون پر گفتگو کر کے میرے شبہات کو مزید تقویت دیتا۔ اُسے اس کی پرواہ ہرگز نہیں کہ اس کی شخصیت روشنی میں آ گئی ہے۔ جب اُسے اس کی پرواہ نہیں ہے تو اُلو کے مجسمے کو

تلف کرنے کے لئے عمارت میں آگ لگوانا بھی مہمل ہو جاتا ہے اور یہ کہنا بھی فضول ہے کہ نصیری چونکہ اُلو کی شخصیت سے واقف تھا اس لئے قتل کر دیا گیا۔"

"ارے کچھ کہنا عقلمندی بھی ہے یا سب مہمل اور فضول ہی ہے۔"

"سائرہ کو میٹھی نظروں سے دیکھنا ہی سب سے بڑی عقلمندی ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "عشق کرو اور موٹے ہو جاؤ۔ اپنی لائن میں تو دماغ سوزی اور خونِ جگر پینے کے علاوہ اور کچھ نہیں رکھا۔"

"مذاق میں نہ ٹالئے۔ میری الجھن بڑھتی جا رہی ہے۔"

"غالباً اختلاج قلب کی بھی شکایت ہو گی۔ اٹھا بیٹھا بھی نہ جاتا ہو گا۔ شروع میں متلی کی شکایت بھی رہی ہو گی۔ املی کا شربت چاٹو۔ ڈفر کہیں کے۔ فرماتے ہیں الجھن بڑھتی جا رہی ہے اپنی کھوپڑی کیوں نہیں استعمال کرتے۔"

"اگر میں آپ کو کسی قابل نہ سمجھوں تو یقیناً مجھے بھی اپنی کھوپڑی استعمال کرنی پڑے۔ لیکن جب مجھے آپ پر اعتماد ہے تو اس کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ میں تو بعض اوقات آپ پر اتنے زور سے فخر کرتا ہوں کہ میری آنکھیں نکل پڑتی ہیں۔"

"کاش زبان کیساتھ ہی کھوپڑی بھی کسی کام کی ہوتی۔" فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"ابھی کل ہی ایک لڑکی میرے گھونگھریالے بالوں کی تعریف کر رہی تھی۔ کہہ رہی تھی کہ کیا محراب دار پیشانی ہے، دیکھ کر ہمایوں کا مقبرہ یاد آتا ہے۔"

فریدی بُرا سا منہ بنائے ہوئے وِنڈ اسکرین پر نظر جمائے رہا۔

تقریباً تین گھنٹے تک وہ شہر کے اُن حکام سے ملتے پھرے جن کی موجودگی میں پروفیسر نے اپنے تجربے کا حیرت انگیز نتیجہ دیکھا تھا۔ لیکن کسی نے بھی کوئی ایسی بات نہ بتائی جسے فریدی اپنی معلومات میں اضافہ سمجھ سکتا۔ سبھی اس پر متفق تھے کہ پروفیسر بیوقوف مگر یار باش آدمی ہے۔ شہر میں صرف آٹھ سال سے مقیم ہے۔ اس سے پہلے ملک کے مشرقی حصے میں رہتا تھا۔ سائنٹفک آلات کا کارخانہ اُس کے باپ نے قائم کیا تھا، جو خود بھی ایک اچھا سائنسدان تھا۔ پروفیسر غوری محض مسخرہ ہے۔ خواہ مخواہ خود کو سائنٹسٹ پوز کرتا ہے اور وہ لوگ تو تفریحاً اُس کی تجربہ گاہ میں گئے تھے۔ پروفیسر کو اُلو بنا کر محظوظ ہونا ہی وہاں ان کی موجودگی کا مقصد تھا۔ ان میں دو ایسے

ان حاکم بھی تھے جنہیں صرف سائرہ سے دلچسپی تھی۔ چونکہ فریدی سے بھی ان کے تعلقات اس لئے انہوں نے بڑی بے تکلفی سے اس کا اظہار کر دیا تھا۔"

کچھ بھی ہو لیکن اُن میں سے کوئی بھی یہ بات ماننے پر تیار نہیں تھا کہ پروفیسر نے کسی بُری سے یہ ڈھونگ رچایا ہو گا اُن کا خیال تھا کہ کسی دوسرے نے پروفیسر کی حماقتوں سے فائدہ نے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے اس پر افسوس ظاہر کیا کہ اُسے اس کی شہری قیامگاہ میں نظر دیا گیا ہے۔

"کیا نتیجہ نکلا ہے اس بھاگ دوڑ کا۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

"اب کیا تم یہ چاہتے ہو کہ پروفیسر کے تجربے ہی کا سا کوئی نتیجہ نکل آئے۔" فریدی جھنجھلا لا۔ "اگر جلدی ہی ہے تو تم مرغی کے انڈوں پر بیٹھنا شروع کر دو۔"

"شائد اسی کی نوبت آنے والی ہے۔ کیونکہ ایک اُلو ہمیں اس طرح نچا رہا ہے۔"

"اُسے تو جب کہو پکڑ کر کسی درخت سے الٹا لٹکا دوں۔ میں نے ابھی تک اُس کی طرف ن ہی نہیں دیا۔"

"ہائیں تو پھر ہم کیوں جھک مارتے پھر رہے ہیں۔"

"صرف اس لئے کہ ڈاکٹر داؤد کے قتل کی وجہ معلوم ہو سکے! ہو سکتا ہے مثلث اور دائرے قتل کی وجہ ہی پوشیدہ ہو۔"

"سبحان اللہ! تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ خود قاتل ہی قتل کی وجہ سے ناواقف تھا۔"

"سمجھنے کی کوشش کرو۔ مثال کے طور پر وہ ڈاکٹر داؤد سے کچھ معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ڈاکٹر نے نہیں بتایا۔ ساتھ ہی ڈاکٹر کو اس کا بھی احساس ہوا کہ اگر وہ نہیں بتائے گا تو قتل کر دیا ے گا۔ لیکن وہ کوئی ایسی ہی اہم بات تھی کہ ڈاکٹر اُسے نہ بتا سکا اور اپنی حفاظت کے لئے اُسے ں کی مدد حاصل کرنے کا خیال پیدا ہو۔ مگر پولیس کے پہنچنے سے پہلے ہی قاتل حملہ کر بیٹھا۔"

"دائرے اور مثلث کی بات کیجئے۔"

"دائرے اور مثلث ہی میں وہ سب کچھ پوشیدہ ہو سکتا ہے جو والٹن ڈاکٹر داؤد سے معلوم کرنا تا تھا اور یہ بھی واضح رہے کہ اُس نے ڈاکٹر سے یہ نہ معلوم کرنا چاہا ہو گا کہ منار کا مرغی سال مارکنے اٹھے دیتی ہے۔ والٹن کا قدم جس سرزمین پر پڑے اُس کے متعلق یہی سمجھنا چاہئے کہ

وہاں کوئی بین الاقوامی سازش جنم لے رہی ہے۔"

"اچھا نصیری کا قتل.....!"

"ہو سکتا ہے کہ وہ کسی راز میں ڈاکٹر داؤد کا شریک رہا ہو۔ لیکن قاتل نہیں چاہتا تھا کہ وہ پولیس تک پہنچ سکے اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ ڈاکٹر داؤد کو بھی اُس نے اسی لئے مار ڈالا ہو کہیں اُس نے وہ راز ظاہر کر دینے ہی کے لئے پولیس کو نہ طلب کیا ہو۔"

"اب سمجھ میں آ رہی ہے بات۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"میں نے تمہیں بتایا تھا کہ ایک غیر ملکی سفارت خانہ نصیری کے بنائے ہوئے مجسمو بہت زیادہ دلچسپی لیتا ہے۔"

"جی ہاں! مجھے یاد ہے۔"

"وہاں کی ایک ذمہ دار عورت قابو میں آ گئی ہے۔ اس کے ذریعہ مجھے ایک تحریر ملی ہے قتل سے دو دن قبل نصیری نے اس غیر ملکی سفیر کے فوجی اتاشی تک پہنچائی تھی۔" فریدی۔ اور داہنے ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھال کر بائیں ہاتھ سے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک لفافہ ہوا بولا۔ "اُس میں سے زرد رنگ کا کاغذ نکالو۔"

حمید نے تہہ کیا ہوا کاغذ لفافے سے نکالا۔ لیکن تحریر پر نظر پڑتے ہی ایسا بُرا منہ بنایا حلق میں کسی نے زبردستی کونین کی ٹکیہ ٹھونس دی ہو۔

اُس پر صرف تین لفظ لکھے ہوئے تھے۔ "چوہا محفوظ ہے۔"

"بہت مشہور بات ہے کہ اُلو مردہ چاہے کھاتا ہے۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ "پتہ نہیں نحوست سوار ہے کہ اب اُلوؤں اور چوہوں کے کیس ہمارے مقدر میں لکھے جانے لگے ہیں۔"

"تحریر سو فیصدی نصیری ہی کی ہے۔ میں اطمینان کر چکا ہوں۔" فریدی بولا۔

"مگر یہ ہے کیا بلا۔"

"ہو سکتا ہے کہ کسی طویل سلسلے کی کوئی اہم کڑی ہو۔" فریدی نے کہا۔ "ویسے تمہیں گاڑی تو یاد ہی ہو گی جس نے ایک کار کے پرخچے اڑا دیئے تھے۔ تین آدمیوں میں سے صرف ہی اس قابل رہ گیا تھا کہ اس کی شناخت ہو سکے۔ لیکن اس کے باوجود بھی آج تک نہ معلوم کہ وہ آدمی کون تھا۔ حالانکہ کار کا سراغ مل گیا ہے۔ اُس کی نمبر پلیٹ ضائع نہیں ہوئی تھی۔

صاف پڑھے جا سکتے تھے۔"

"ہاں کس کی تھی۔"

"اسی سفارت خانے کی جس کا تذکرہ میں ابھی کر چکا ہوں۔ حادثے کی دوسری صبح سفارت نے کے ایک آفیسر نے کار کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی تھی۔ لیکن سفارتخانے کا کوئی بھی اُس لاش کی شناخت نہیں کر سکا تھا۔ ظاہر ہے کہ چوروں کو وہ کیا پہچانتے۔"

"تو آپ کا خیال ہے کہ وہ کار چرائی گئی ہو گی۔"

"میرا خیال۔" فریدی نے طویل سانس لی۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "میرا ہے کہ سفارتخانہ کے کچھ نامعلوم ایجنٹ ڈاکٹر داؤد کے قتل کے بعد سے پولیس کے گرد لاتے رہے تھے۔ نصیری کے قتل کے بعد انہوں نے کسی ایسے آدمی کا تعاقب کیا جو میری کار تعاقب کر رہا تھا۔ اُن لوگوں کی گفتگو تم نے سنی ہی تھی۔ لیکن وہ کون تھا۔ یہ ہمیں نہیں معلوم کا تھا۔ جس کا تعاقب انہوں نے کیا تھا وہ نہ صرف اس تعاقب سے واقف تھا۔ بلکہ یہ بھی جانتا ہ تعاقب کرنیوالے کون ہیں اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ تینوں ایسے انجام سے کیوں دوچار ہوتے۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میجر والٹن کی مخالف پارٹی کا تعلق اُسی سفارتخانے سے ہے۔"

"فی الحال میں یہی سوچنے پر مجبور ہوں۔"

"اور یہ سب مثلث اور دائرے کے چکر میں ہیں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر مسکرا کر بائیں آنکھ دبائی اور آہستہ بولا۔ "ہو سکتا ہے ہم سب ہی اُلو ہی بن کر رہ گئے ہوں۔"

"کیوں.....!"

"ڈاکٹر داؤد ایک میتھ میٹیشن تھا۔ اُس کی ساری عمر قوسوں، دائروں اور مثلثوں کے چکر ہی گذری ہو گی۔ ہو سکتا ہے مرتے وقت سچ مچ اُس نے اپنے ہی اُلو ہونے کا اعلان کیا ہو اور مالص فلسفیانہ انداز میں بتایا ہو کہ اس کی موت کا باعث دائرے اور مثلث ہی بنے ہیں۔ اگر ان کما سر کھپانے کی بجائے اُس نے ٹارزن بننے کی کوشش کی ہوتی تو یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ ظاہر ہے کہ اُس صورت میں قاتل کار یو اور نکلنے سے پہلے ہی اُس کا گھونسہ اسکے جبڑے پر پڑا ہوتا۔"

"بس اب تم اسی پر ایک فلمی کہانی لکھ ڈالو۔ بڑا رش لے گی۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"اوہ.... ہاں۔ اُس لڑکی کا کیا ہوا جسے ہم نے پولیس ہسپتال میں داخل کیا تھا۔"

"ملٹری ہیڈ کوارٹر میں اُس نے پوچھ گچھ کی جا رہی ہے لیکن وہ میجر والٹن کی قیام گاہ سے ا نہیں ہے۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ ہماری معلومات سے کیسے فائدہ اٹھائے گا۔ وہ ہماری معلومات آگاہ کیسے ہو سکے گا۔"

"یہ مسئلہ بھی غور طلب ہے۔ میں خود بھی نہیں سمجھ سکتا کہ وہ میری معلومات سے آگاہ کے لئے کون سے ذرائع اختیار کرے گا۔"

وہ پھر خاموش ہو گئے۔ کار جھریالی کی سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ حمید غالباً فریدی سے پوچھنے والا تھا کہ اب کہاں چلنا ہے لیکن جھریالی کی سڑک پر مڑتے ہی اس کی ضرورت باقی نہ اور وہ بے حد خوش نظر آنے لگا تھا۔ بہت عرصے کے بعد کسی لڑکی نے اُسے اتنا متاثر کیا تھا اپنا زیادہ تر وقت اُسی کے متعلق سوچنے میں صرف کر سکتا۔

"کیا آپ اُس سے دستخطوں کے اختلاف کے متعلق پوچھیں گے۔" حمید بولا۔

"نہیں.... اسے خود ہی دیکھنا پڑے گا۔ تم بھی اس کا تذکرہ مت کرنا۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ ایسے حالات میں یہاں تنہا رہ کر کیا کرے گی۔" حمید نے کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "ایسی صورت میں یہی سوچنا پڑتا ہے کہ وہ بچہ اسی کی شرارت کا ہے۔"

"لیکن حمید صاحب! ایسا پھرتیلا بچہ آج تک میری نظروں سے نہیں گذرا۔ اگر تم کبھی ا ہاتھ بھی لگا سکو تو مجھ سے دس ہزار روپے نقد وصول کر لینا۔"

"ہائیں! تو کیا آپ بھی یہی سمجھتے ہیں کہ وہ شتر مرغ کے انڈے سے برآمد ہوا ہے۔"

"فی الحال شتر مرغ کے انڈے ہی سے برآمد ہوا ہے۔"

"جہنم میں جائے۔" حمید جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "میں خواہ مخواہ جھک مار رہا ہوں۔"

دفعتاً فریدی نے گاڑی ایک کچے راستے پر اتار دی اور حمید چونک کر بولا۔ "ادھر کہاں؟"

"بس چلتے رہو۔" فریدی نے کہا اور پھر خاموش ہو گیا۔

حمید کا منہ بگڑ گیا۔ ظاہر تھا کہ وہ راہ پروفیسر غوری کی تجربہ گاہ کی طرف ہرگز نہ لے جائے

تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر جھنجھلائے ہوئے انداز میں بولا۔ "اس کچے راستے پر کیوں لنکن کو ہا کر رہے ہیں۔"

"بعض چیزیں لنکن سے بھی زیادہ اہم ہوتی ہیں۔"

کچھ دور چلنے کے بعد فریدی نے گاڑی روک دی اور نیچے اتر گیا۔ لیکن حمید کی دانست میں یہ لہ ایسی نہیں تھی جہاں تفریحاً گاڑی روکی جا سکتی۔ کچے راستے کی دونوں جانب اونچی اونچی جھاڑیاں یں اور زمین بھی ہموار نہیں تھی۔ حمید نے تہیہ کر لیا تھا کہ اب کچھ نہیں پوچھے گا۔

دفعتاً فریدی نے اُسی انداز میں سیٹی بجائی جیسے کتوں کو متوجہ کرنے کے لئے بجایا کرتا تھا اور بد بوکھلا کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ ظاہر ہے کہ اُس وقت تو بوکھلاہٹ اور زیادہ بڑھ گئی ہو گی ب ایک بڑا سا بلڈ ہاؤنڈ بائیں جانب سے جھاڑیاں پھلانگتا ہوا کچے راستے پر آ کودا ہو گا۔

فریدی نے اُس کے پٹے پر ہاتھ ڈال دیا۔ حمید آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھ رہا تھا۔ ایسا ہرگز ں معلوم ہوتا تھا کہ وہ کتا فریدی سے غیر مانوس رہا ہو لیکن یہ اُن کتوں میں سے بھی نہیں تھا ں کی جھول کی جھول گھر پر موجود تھی۔

فریدی نے پچھلی نشست کا دروازہ کھول کر کتے کو اندر چھوڑ دیا اور پھر دروازہ بند کر کے اگلی ست پر آ بیٹھا۔ انجن اسٹارٹ کیا اور لنکن پھر چل پڑی۔

"آپ کی تعریف....!" حمید نے پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔ کتا بڑی سی سرخ زبان نکالے پ رہا تھا۔

"اسپشر....!"

"اس نام کا کوئی کتا ہمارے پاس کبھی نہیں تھا۔" حمید نے کہا۔

"ایسے نہ جانے اور کتنے ہیں۔ جن سے پہلے کبھی تمہاری ملاقات نہیں ہوئی۔" فریدی مسکرایا۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں۔" حمید نے جھلا کر پوچھا۔

"شائد اس وقت کوئی ڈھنگ کا شکار ہو ہی جائے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ پھر کھلے میدان میں آ گئے اور اب لنکن کا رخ ڈیہور کی پہاڑیوں کی طرف حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ ڈیہور کی پہاڑیاں جھریالی سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر تھیں۔ جنگلوں سے ڈھکی ہوئی یہ پہاڑیاں درندوں کے شکار کے لئے خاصی مشہور تھیں۔ لیکن حمید

سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فریدی خواہ مخواہ درندوں کے شکار کے لئے چل پڑا ہوگا۔

ڈیہور کے علاقے میں پہنچ کر فریدی نے ایک جگہ کار روکی اور حمید سے اترنے کو کہا۔ کتے کو بھی اتارا۔ اور پھر یک بیک حمید نے محسوس کیا کہ وہ کسی آدمی ہی کا شکار ہو سکتا ہے کیونکہ فرید نے ایک پھٹی ہوئی جراب سیٹ کے نیچے سے نکال کر کتے کے سامنے ڈال دی اور وہ اُسے سونگھ رہا تھا

یہ لوگ ایسے ہی راستے پر رکے تھے جہاں سے جنگل میں داخلہ ممکن تھا۔ عام طور پر شکا اسی راستے سے گذرا کرتے تھے۔

کتے نے سر اٹھا کر چاروں طرف دیکھا اور ہلکی سی غراہٹ کے ساتھ ساتھ ایک طر دوڑنے لگا۔

ہنگامہ اور حیرت

راستہ اس قابل تھا کہ کار جا سکے۔ لیکن فریدی کے انداز سے نہیں معلوم ہوتا تھا کہ استعمال کرے گا۔ وہ وہیں کھڑا کتے پر نظریں جمائے رہا۔ کتا کچھ دور جا کر رک گیا تھا۔ تھوڑ قرب وجوار کی زمین سونگھتا رہا پھر اُن کی طرف پلٹ آیا۔

اب وہ فریدی کے پیروں سے اپنا جسم رگڑتا ہوا حلق سے ہلکی ہلکی آوازیں نکال ر فریدی نے مڑ کر آہستہ سے کہا۔ "ریوالور ہے نا تمہارے پاس۔"

"ہے لیکن صرف چھ راؤنڈ میں۔" حمید نے جواب دیا۔

"اگلی سیٹ کے نیچے سے دو پیٹیاں نکال لو۔"

"کیوں! کوئی لمبا معاملہ۔"

"احتیاطاً! توقع نہیں ہے کہ بات زیادہ بڑھ سکے۔ ویسے وہ آدمی جس کی تلاش ہے راستے سے گذرتا رہا ہے۔"

حمید نے کار توسوں کی دو پیٹیاں نکالیں۔ اُسے پہلی بار معلوم ہوا تھا کہ لنکن کی سیٹ نیچے اچھا خاصا اسلحہ خانہ موجود تھا۔ وہ فریدی ہی کیا جس کے متعلق روزانہ نئے نئے انکشا ہوں۔ اب یہ کتا ہی حمید کے لئے نئی چیز تھا۔ یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ وہ عاریتاً

جلد نمبر 27

حاصل کیا گیا ہے۔ اگر یہی بات ہوتی تو وہ فریدی سے اس قدر مانوس نہ دکھائی دیتا تو پھر وہ یقیناً فریدی ہی کا کتا تھا اور اگر فریدی ہی کا کتا تھا تو اب تک حمید اُس کے وجود سے کیوں ناواقف رہا تھا۔ پھر سب سے بڑی بات تو یہ کہ وہ سرکنڈوں کی جھاڑیوں میں کہاں سے آیا۔

"اگر میں الجھن کے عالم میں مارا گیا تو آپ کو میری قبر دوبارہ کھدوانی پڑے گی۔" حمید نے کہا۔

"کیا بات ہے۔"

"یہ کتا! اگر یہ آپ ہی کا ہے تو اُن جھاڑیوں میں کہاں سے آیا۔"

"میں نے ایک آدمی کو وقت دیا تھا کہ وہ کتے سمیت وہاں موجود رہے۔" فریدی مسکرایا۔ "ابھی تم اس چکر میں نہ پڑا کرو۔ بہتیری ایسی باتیں ہیں جو میں تمہیں بھی نہیں بتا سکتا۔"

"یہ پھٹی ہوئی جراب کس کی لے بھاگے تھے۔" حمید نے جل کر کہا۔

"چلو وقت نہ برباد کرو۔ کتا پاگل ہوا جا رہا ہے۔"

"مگر میری یہ حالت ہے کہ اگر میں اس وقت اسے کاٹ لوں تو یہ اٹھ کر پانی بھی نہ پی سکے گا۔"

"چلو....!" فریدی نے اُسے بائیں ہاتھ سے دھکیلا۔ اُس نے کتے کا پٹہ چھوڑ دیا تھا۔ کتا اتنی تیز رفتاری سے نہیں چل رہا تھا کہ انہیں اس کے پیچھے دوڑنا پڑتا۔ اُن سے اُس کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ دس فٹ رہا ہوگا۔ وہ پھر اُسی جگہ رک گیا جہاں پہلے رکا تھا۔ راستے کے دونوں جانب کہیں کہیں پتھریلے ٹیلے تھے اور کہیں گہری گہری دراڑیں تھیں جن پر مختلف قسم کی گھنی جھاڑیاں سایہ کئے تھیں۔

اچانک کتا ایک دراڑ میں اترتا چلا گیا۔

"یہ کیا....!" فریدی چونک کر بولا۔ وہ اُسی دراڑ میں جھانک رہا تھا۔ حمید بھی جھک پڑا۔

یہ نیلے رنگ کی کسی کار کی چھت تھی جسے غالباً اسی دراڑ ہی کے ذریعہ نیچے اتارا گیا تھا۔ لیکن راہ چلتے آدمیوں کی نظر اُس پر نہیں پڑ سکتی تھی تاوقتیکہ وہ خاص طور سے اُسے تلاش کرنے کی کوشش نہ کرتے۔ دراڑ کے اوپر جھکی ہوئی جھاڑیاں بہت گھنیری تھیں۔

فریدی دراڑ میں اترتا چلا گیا۔ حمید کو اس تک پہنچنے میں خاصی دشواری پیش آئی۔ کار کو قریب سے دیکھ کر وہ متحیر رہ گیا۔ فریدی بھی اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ کتا اُس کے ہاتھ سے نکل نہ گیا ہوتا اگر اُس نے اُس کا پٹہ مضبوطی سے نہ پکڑ رکھا ہوتا کیونکہ وہ ایک طرف نکل جانے کے لئے زور کر رہا تھا اور ساتھ ہی اُس کے حلق سے عجیب قسم کی آوازیں نکل رہی تھیں۔

"یہ یہ.... کار تو سائرہ کی معلوم ہوتی ہے۔" حمید ہکلایا۔

"ہاں اسی گاڑی پر وہ کوتوالی سے روانہ ہوئی تھی۔ میں اپنی یادداشت پر شبہ نہیں کر سکتا یہی تھے۔ اوہ.... یہ کیا۔"

کتے نے بھی یکلخت اپنی اچھل کود ختم کر کے کان کھڑے کئے۔ فائر کی آواز حمید نے بھی تھا۔ لیکن وہ قریب سے نہیں آئی تھی۔ پھر پے در پے کئی آوازیں آئیں اور یہ بھی عجیب اتفاق کہ کتے نے پہلے ہی اُسی سمت جانے کے لئے زور کیا تھا جدھر سے آوازیں آرہی تھیں۔

"کریپ....!" فریدی نے کتے کا سر زمین پر جھکاتے ہوئے کہا۔ کتا زمین سے لگ کر اس طرف مڑا۔

"گو.... کریپ....!" فریدی نے آہستہ سے کہا اور خود بھی رینگنے ہی کی پوزیشن میں آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے وہ آواز کی سمت بڑھنے لگے۔ حمید کو کتے پر حیرت ہو رہی تھی کیونکہ وہ بھی اُسی طرح رینگ رہا تھا اور اُن کے آگے تھا اور یقینی طور پر آواز ہی کی جانب رہنمائی کر رہا تھا۔

رہ رہ کر فائر ہو رہے تھے اور بتدریج آوازیں قریب ہوتی جا رہی تھیں۔ کتے کی رفتار پہلے جیسی تھی۔ کبھی کبھی وہ مڑ کر اس انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگتا تھا جیسے دوسرے حکم کا منتظر ہو۔

"دیکھو....!" یک بیک فریدی نے زمین سے چپک کر رہ گیا۔ شائد دوسری گولی اس کا ہی کر دیتی اگر اُس نے ایسا نہ کیا ہوتا۔ حمید بھی جہاں تھا وہیں رک گیا۔

دونوں گولیاں بائیں جانب سے آئی تھیں۔ پھر یک بیک داہنی طرف سے بھی تین ہوئے لیکن اب وہ گولیوں کی زد پر نہیں تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دو مخالف یہاں آپس ٹکرا گئے ہوں۔

"کیا خیال ہے۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"ہم نشیب میں ہیں اور کسی وقت بھی نشانہ بن سکتے ہیں۔ غالباً انہوں نے ابھی ہمیں نہیں ہے۔"

"پھر کیا کیا جائے۔"

"تم دائیں جانب والوں کی پشت پر پہنچنے کی کوشش کرو۔ میں بائیں طرف دیکھتا ہوا

ہر کو اسی طرف جانے دیا جائے جدھر وہ جانا چاہتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ جراب والے کی راہ
ل چکا ہے۔"

"اگر یہ مار ڈالا گیا تو۔"

"یہ اب خود ہی اپنی حفاظت کر سکے گا۔ ایسے حالات میں آدمی کا کام نہیں ہے کہ اپنے کتے کو
بچا سکے۔ پرواہ نہ کرو۔ اسے جانے دو۔"

پھر اُس نے کتے کو مخاطب کیا۔ "گو نیک اسپشر.... گو نیک۔" اور کتا تیر کی طرح سامنے
ے نشیب میں اترتا چلا گیا۔

فریدی اور حمید راستہ کاٹ کر مخالف سمتوں میں رینگنے لگے۔ حمید کو بڑی دشواریوں کا سامنا
پڑ رہا تھا۔ جابجا کانٹوں دار جھاڑیاں تھیں۔ چٹانوں پر سبز رنگ کی کائی کی پھسلن پیر نہیں
نے دیتی تھی۔ کچھ دور چل کر وہ رکا۔ بائیں جانب وہ چٹان نظر آرہی تھی جس پر پہنچ کر وہ اپنے
ازے کے مطابق فائرنگ کرنے والوں سے دوچار ہو سکتا۔ لیکن اس چٹان پر چڑھنا آسان کام
تھا۔ کیونکہ یہ بھی کائی سے ڈھکی ہوئی تھی۔ وہ پھر آگے بڑھ گیا۔ ممکن تھا کہ کوئی معقول سا
نہ نظر ہی آجاتا۔ چٹان کی بلندی زیادہ نہیں تھی۔ لیکن پھر بھی احتیاط تو برتنی ہی تھی! وہ چاہتا
کہ فائرنگ کرنے والوں کی غفلت سے فائدہ اٹھائے۔ لیکن اچانک کسی نے اُس پر چھلانگ لگائی
وہ خود اپنی ہی غفلت کا شکار ہو گیا اور حمید اندازہ نہ کر سکا کہ وہ چٹان کے اوپر سے کود اتھا یا نیچے
کہیں چھپا بیٹھا تھا۔

حملہ شدید تھا لیکن حمید نے اپنے اوسان بحال رکھے۔ اسی جدوجہد کے دوران یہ بھی سوچا
گولیاں تو چل ہی رہی ہیں حملہ آور اُس پر فائر بھی کر سکتا تھا۔

وہ جلد ہی اس کی گرفت سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن حملہ آور کو بھی اتنی مہلت مل گئی
وہ ایک بڑا سا چاقو کھول لیتا۔ حمید کا ریوالور تو ہاتھ سے نکل کر نہ جانے کہاں جا پڑا تھا۔ شائد وہ
اُسے کھول سکتا۔ اب اُسے خالی ہاتھ اس کا مقابلہ کرنا تھا۔ لیکن کم بخت کائی۔ اُس کا پیر ایک بار
پھسل گیا۔ ٹھیک اُسی وقت حملہ آور نے بھی اُس پر چھلانگ لگائی تھی۔ لیکن حمید نے گرتے
گرتے اس کا چاقو والا ہاتھ پکڑ لیا۔ اب وہ نیچے تھا اور حملہ آور اُس کے سینے پر چڑھا بیٹھا چاقو گھونپ
دینے کے لئے زور کر رہا تھا۔ حمید نے دونوں ہاتھوں سے چاقو والا ہاتھ پکڑ کر ایک زوردار جھٹکے

کے ساتھ کروٹ لی اور حملہ آور نیچے چلا گیا۔ چاقو والا ہاتھ دوسری طرف زمین سے جا لگا۔ نے بائیں کلائی اُس کی گردن پر رکھ دی۔

پھر حملہ آور کو اٹھنا نصیب نہ ہو سکا۔ اس کی گردن پر حمید کی کلائی کا دباؤ لحظہ بہ لحظہ جا رہا تھا۔ چاقو پر اُس کی گرفت ڈھیلی ہو گئی۔ حمید نے داہنے ہاتھ کو جھٹکا دیا اور چاقو دور جا گر

"کون ہو تم.....!" حمید آنکھیں نکال کر غرایا۔

لیکن اچانک اوپر سے فائر ہوا اور گولی سامنے والے درخت کے تنے سے ٹکرائی۔ چٹان کی طرف چھلانگ لگانی پڑی۔ اسی طرح وہ اوپر سے آنے والی گولیوں سے بچ سکتا تو حملہ آور کے لئے بھی یہی مسئلہ تھا۔ ورنہ وہ بھی کیوں حمید کی تقلید کرتا۔ لیکن شائد ستارے گردش ہی میں آ گئے تھے۔ جیسے ہی اُس نے چٹان کی طرف رخ کیا اوپر سے آنے اُسے چاٹ ہی گئی۔

حمید خود تو گولیوں سے محفوظ ہو گیا تھا لیکن حملہ آور کی موت نے اُسے نئی الجھن دیا تھا۔ اس کا مطلب تو یہی تھا کہ وہ فائرنگ کرنے والوں میں سے نہیں تھا مگر نہیں۔ وہاں دو پارٹیاں برسرِ پیکار تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا تعلق مخالف پارٹی سے رہا ہو اور وہ بھی حمید طرح اپنے مخالفوں پر پشت سے حملہ کرنے کی کوشش میں ادھر نکل آیا ہو۔

اب حمید چٹان کے نیچے ہی نیچے رینگ رہا تھا۔ کچھ دور چل کر اُسے اپنا ریوالور پڑا دکھ لیکن فاصلہ اتنا زیادہ تھا کہ اُسے لازمی طور پر گولیوں کی زد پر آنا پڑتا۔ ویسے اب اوپر سے فا ہو رہے تھے۔ لیکن پھر بھی خطرہ تو باقی ہی تھا۔ ہو سکتا تھا کہ فائر کرنے والا بھلاوا دے کر منتظر ہو۔

یک بیک اگلے موڑ سے ہلکی سی سرسراہٹ کی آواز آئی اور حمید تیزی سے ادھر ہی گیا۔ اُس کا اندازہ غلط نہیں نکلا۔ ایک آدمی چٹان کی طرف منہ کئے اُبھرے ہوئے پتھر رکھتا نیچے اتر رہا تھا۔

حمید نے نہایت اطمینان سے ہاتھ بڑھا کر اُس کی ٹانگ پکڑ لی اور پھر پہلا ہی جھٹکا لے آیا۔ لیکن گرتے گرتے بھی اُس نے فائر جھونک ہی مارا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسے میں نشا کرتا۔ حمید کا ہاتھ اس کے ریوالور والے ہاتھ پر پڑا۔ لیکن گرنے والا اتنے بے تکے پن-

انکہ جان بچانے کے لئے جدوجہد بھی نہ کر سکتا۔ ریوالور اُس کے ہاتھ سے ضرور نکل گیا تھا ن وہ نہ تو خائف نظر آ رہا تھا اور نہ یہی معلوم ہوتا تھا کہ جان چھڑا کر نکل بھاگنا چاہتا ہے۔ کائی پھسلن اب بھی حمید کے لئے مصیبت بنی ہوئی تھی۔

یک بیک اوپر سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں آئیں اور اُس آدمی نے حمید سے نکارا پانے کیلئے جدوجہد تیز کر دی۔ اس وقت وہ دونوں ہی خطرناک پوزیشن میں تھے۔ بس ذرا ہی غفلت کسی کو بڑی گہری ڈھلان میں لے جاتی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ دونوں کا یکساں حشر ہوتا۔

جیسے ہی چٹان کے سرے پر کچھ لوگ نظر آئے حمید نے اُسے ڈھلان میں دھکیلنا چاہا لیکن وہ راوکائی اُسے بھی اُس کے ساتھ ہی نیچے لیتی چلی گئی۔ دوسرا آدمی اس کی گرفت سے نکل چکا تھا اُسے اتنا ہوش کہاں تھا کہ اسکے متعلق سوچتا یا اُس کا انجام ہی معلوم کرنے کی خواہش پیدا ہوتی۔ تو اب اس فکر میں تھا کہ کسی طرح اپنی ہی جان بچ جائے۔ کئی بار اُبھرے ہوئے پتھر اُس کے ہاتھوں آئے لیکن وہ انہیں اتنی مضبوطی سے نہ پکڑ سکا کہ لڑھکنے کی رفتار میں کمی ہی واقع ہوتی۔

پھر یک بیک ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کمر ہی ٹوٹ کر رہ جائے گی۔ وہ کس چیز سے اٹک کر کمان طرح جھول گیا تھا اُس کے ہاتھ اضطراری طور پر اُس چیز پر جا پڑے۔ یہ ڈھلان پر اُگے ہوئے ادرخت کا پتلا سا تنا تھا۔ اُس نے اُسے مضبوطی سے پکڑ لیا۔ پھر بمشکل تمام سیدھا ہوا۔ ایک دہ منٹ تک تو اسی کا احساس نہیں ہو سکا کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے یا اگر وہ کمزور سا رخت بھی جڑ سے اکھڑ گیا تو کیا ہو گا جس سے وہ چمٹا ہوا تھا۔

وہ اُس وقت چونکا جب اُس نے کتے کے بھونکنے کی آواز سنی۔ سب سے پہلے اُس نے سر اٹھا راس بلندی پر نظر دوڑائی جس سے لڑھکتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا۔ لیکن وہاں اُسے کچھ بھی دکھائی دیا۔ اب نیچے نظر دوڑائی اور اطمینان کی سانس لی۔ وہ سطحِ زمین سے صرف پانچ یا چھ فٹ کی بلندی پر تھا۔ کتا قریب ہی کہیں متواتر بھونکے جا رہا تھا۔ لیکن وہ آدمی حمید کو کہیں نظر نہ آیا جس سے لڑتا ہوا وہ ڈھلان سے پھسلا تھا۔ اُس نے سوچا ہو سکتا ہے کہ اُس کے آدمیوں نے اُسے اوپر ہی سنبھال لیا ہو۔

وہ کراہتا ہوا نیچے اترا۔ سارے جسم میں سوزش ہو رہی تھی۔ اب کتے کی آواز کی طرف بھی توجہ ہونا پڑا۔ لیکن اب وہ بہت زیادہ محتاط ہو گیا تھا کیونکہ ریوالور بھی پاس نہیں رہا تھا۔

کچھ دور چل کر وہ ایک تنگ سے درے میں داخل ہوا کتے کی آواز اُدھر ہی سے آ رہی تھی۔ اب اتنی قریب تھی کہ درے میں اس کی گونج کی جھنکاریں بھی محسوس ہونے لگی تھیں۔

پھر وہ اُسے نظر بھی آ گیا۔ شائد کسی غار کے دہانے میں گھسنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن کسی رائفل کا کندہ باہر نکل کر اُس کے سینے سے ٹکراتا اور وہ پھر اچھل کر پیچھے ہٹ آتا۔

حمید رک گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جو کوئی بھی ہے صرف رائفل ہی رکھتا ہے۔ کارتوس ہو چکے ہیں ورنہ اب تک اُس نے کتے کو زندہ کیوں چھوڑا ہوتا اور پھر ہو سکتا ہے یہ وہی آدمی ہو جس کے لئے کتا یہاں لایا گیا تھا۔ ورنہ یہاں تو فائرنگ ہو رہی تھی۔ درجنوں آدمی مختلف اطراف میں بکھرے رہے ہوں گے۔ پھر وہ خصوصیت سے کسی ایسے آدمی کے پیچھے کیوں پڑ گیا تھا کے پاس اب اپنی جان بچانے کے لئے بھی کارتوس باقی نہیں بچے!

وہ پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ کتے نے اُسے دیکھ کر اور زیادہ جوش سے حملہ کر دیا تھا۔ یک بیک کوئی چیز اُس کی پشت پر لگی اور وہ چونک کر مڑا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ہاتھ اٹھائے کھڑا تھا۔ حمید پھر واپس ہوا۔

"تم درے کے دہانے پر ٹھہرو۔ ریوالور کیا ہوا۔ اوہ.... یہ کیا حالت ہے تمہاری۔" اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھا۔

"میں خالی ہاتھ ہوں۔" حمید نے جواب دیا۔

"یہ لو.... وہیں ٹھہرو۔" فریدی نے اپنا ریوالور اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

حمید بھنا کر رہ گیا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ چپ چاپ ریوالور لے کر درے کے دہانے کی طرف چل پڑا۔ پتہ نہیں وہ سب فائرنگ کرنے والے کہاں غائب ہو گئے تھے اب تو چاروں طرف سناٹا ہی سناٹا تھا۔

درے کے دہانے تک پہنچتے پہنچتے کتے کی آوازیں آنی بھی بند ہو گئیں۔

وہ ایک پتھر سے ٹک کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس تھوڑے سے وقت میں اُس پر جو کچھ گذرا ایک عمر کی کہانی معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن فریدی تو بالکل ہی تر و تازہ نظر آیا تھا۔ کیا اُس کی بھی مڈبھیڑ نہیں ہوئی تھی؟ پھر یہ سارا ہنگامہ خود بخود کیسے فرو ہو گیا؟ چٹان کے اوپر سے فائر کرنے والے کیوں بھاگ گئے تھے!

تھوڑی دیر بعد اُس نے پھر کتے کی غراہٹ سنی اور چونک کر مڑا۔

"اوہ....!" آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی کیونکہ سب سے پہلے اُس کی نظر سائرہ ہی پر پڑی تھی۔ اس کے پیچھے ایک آدمی تھا جس کے ہاتھوں میں ہتھ کڑیاں پڑی ہوئی تھیں اور فریدی سب سے پیچھے تھا۔

سائرہ حمید کے قریب پہنچ کر رک گئی۔

"اوہو!.... بڑی چوٹیں آئی ہیں آپ کے۔" اُس نے کہا۔

"اور میرا پرس بھی کہیں گر گیا ہے۔" حمید نے تشویش کن لہجے میں کہا۔ "کیا آپ کے پاس بیدبک موجود ہو گی۔"

"چلتے رہو۔" فریدی نے کہا۔ لیکن قیدی بھی رک گیا تھا۔ اُس نے کہا۔ "مجھ پر زیادتی کر رہی ہے۔ یہ لڑکی جھوٹی ہے۔ میں یہاں شکار کھیل رہا تھا۔ یہ دوڑتی ہوئی میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میں اُس کی مدد کروں کچھ آدمیوں نے اُسے گھیرا ہے۔ میں اس کے لئے سینہ سپر ہو گیا تھا۔"

"یہاں نہیں۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "جو کچھ بھی کہنا ہو ہیڈ کوارٹر میں کہنا۔"

"میں تو نہیں جاؤں گا۔"

"مجھے اس پر مجبور نہ کرو کہ میں تمہیں اسی کتے کے حوالے کر دوں۔"

"نہیں۔" اُس نے خوفزدہ نظروں سے کتے کی طرف دیکھا اور چپ چاپ چلنے لگا۔ اور وہ درے سے نکل کر اونچی چٹانوں کے درمیان آ گئے تھے۔ لیکن اس حصہ سے نکلنے کے لئے انہیں بہرحال ایک بڑی چڑھائی طے کرنی پڑتی۔

یک بیک کتا حلق پھاڑنے لگا اور سامنے سے ایک فائر ہوا دوسرے ہی لمحے میں قیدی زمین پر پڑا ایڑیاں رگڑ رہا تھا۔

فریدی نے بڑی پھرتی سے سائرہ اور حمید کو ایک چٹان کے پیچھے دھکیل دیا اور پھر حمید نے محسوس کیا کہ فریدی بھی فائر کر رہا ہے۔ اُس نے شائد کتے سے بھی کچھ کہا تھا۔

"اب کیا ہو گا۔" سائرہ نے کانپتے ہوئے کہا۔ "پھر وہی مصیبت.... ارے.... وہ دیکھئے۔"

حمید نے سر اُبھار کر دیکھا۔ بلڈ ہاؤنڈ شائد حملہ آور تک پہنچ گیا تھا۔ کیونکہ ایک چٹان کے

پیچھے بار بار رائفل کا کندہ بلند ہو رہا تھا اور کتے کی غراہٹ بھی سنائی دے رہی تھی۔ اس سے اندا
کیا جاسکتا تھا کہ حملہ آور تنہا ہی ہے۔ حمید پھر خالی ہاتھ ہو گیا تھا۔ کیونکہ اُسے چٹان کے پیچ
دھکیلتے وقت فریدی نے اُس کے ہاتھ سے ریوالور بھی لے لیا تھا۔

"آپ کچھ نہیں کر رہے۔" سائرہ نے کہا۔

"میں صبر کر رہا ہوں۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ "اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

پھر یک بیک فریدی بھی اُسی چٹان کے پیچھے نظر آیا۔ حملہ آور رائفل کو لٹھ کی طرح گھما
تھا بلڈ ہاؤنڈ نے کئی بار اس پر چھلانگ لگائی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

حملہ آور غالباً مایوس ہو چکا تھا۔ اُس نے وہیں سے ایک گہری کھڈ میں چھلانگ لگادی اور اُس
کی کریہہ چیخ سے جنگل میں سناٹا لرز اٹھا۔ اتنی اونچائی سے گر کر بچ جانے کا سوال ہی نہیں پیدا
ہو سکتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی کہہ رہا تھا "کتنا واہیات دن ہے دونوں میں سے ایک بھی نہیں مر
سکا۔ اب پھر اندھیرے میں ہاتھ پیر مارتے پھرو۔"

وہ چڑھائی پر چل رہے تھے لیکن حمید کو توقع نہیں تھی کہ صحیح راستے پر لگ سکیں۔ خود ان کو
قطعی اندازہ نہیں تھا کہ وہ کس راستے سے آئے تھے اب شائد وہ اُس چٹان کی بھی نشان دہی نہ
کر سکتا جس کے نیچے اُس نے دو آدمیوں کا مقابلہ کیا تھا۔

"کیا ہم وہاں تک پہنچ سکیں گے جہاں سائرہ کی کار دیکھی تھی۔" حمید نے کہا۔

"فکر مت کرو۔ ہم وہیں پہنچیں گے۔" فریدی نے جواب دیا۔

"آج کا دن مجھے زندگی بھر یاد رہے گا۔" سائرہ بڑبڑائی۔

"انہوں نے تمہیں کیوں پکڑا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"اُسی کم بخت بچے کے متعلق پوچھ رہے تھے کہ وہ کون ہے؟"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ تم سچ بول رہی ہو۔"

"کیوں؟ بھلا میں جھوٹ کیوں بولنے لگی۔ پھر ایسی صورت میں.....!"

"عادت ہی ٹھہری! جھوٹ بولنے کے لئے صرف زبان ہی ہلانی پڑتی ہے۔"

"میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں۔"

"اپنے اور پروفیسر کے لئے مشکلات پیدا کر رہی ہو تم۔ تمہارے لئے اس وقت دو پارٹیوں
کے درمیان بڑی خوں آشام جنگ ہوئی ہے۔"

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"ڈاکٹر داؤد سے تم لوگوں کے کیسے تعلقات تھے۔"

"بس یونہی رسمی سے۔ مگر آپ نے ڈاکٹر داؤد کا تذکرہ کیوں چھیڑا ہے۔"

"کچھ نہیں! میں اب اس سلسلے میں تم سے کسی قسم کی گفتگو نہیں کروں گا۔ لیکن اسے یاد رکھنا
کہ تم ہر وقت خطرے میں ہو۔"

"بڑی مصیبت ہے۔"

"چلتی رہو! مجھے اس پر بھی یقین نہیں ہے کہ پروفیسر غوری وہی شخص ہے جسے تم ڈیڈی کہتی ہو۔"

"ہائیں.....!" سائرہ کسی بت کی طرح ساکت ہو گئی اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

ڈیڈی تنخواہ دار

حمید کو اس کا ہوش نہیں تھا کہ شہر پہنچنے کے بعد دن کا بقیہ حصہ کیسے گذرا تھا۔ پولیس
ہال میں اُس کے زخموں اور خراشوں کی ڈریسنگ ہوئی تھی اور وہ اب وہیں آرام کر رہا تھا۔
رہ کو بھی پولیس ہسپتال میں ہی روکا گیا تھا۔ گو وہ بالکل محفوظ رہی تھی لیکن فریدی کے اس
سے ڈاکٹر کو بھی متفق ہونا پڑا تھا کہ غیر متوقع ذہنی جھٹکوں نے اُس کے اعصاب پر بھی بُرا
الا ہے اس لئے اُسے بھی آرام کرنا چاہئے۔ سائرہ نے اس پر شدت سے احتجاج کیا تھا لیکن اُس
یک نہ سنی گئی۔

فریدی نے حمید کو اس کے متعلق کچھ ہدایات دی تھیں جن پر وہ شام سے پہلے عمل نہ کر سکا!
کیونکہ اُس کا خیال تھا کہ لڑائی بھڑائی سے زیادہ تر ہاضمے پر بُرا اثر پڑتا ہے اور معدے کے انجرات
کی صورت میں عموماً دماغ ہی کی طرف ہوتے ہیں اس لئے ذہنی پراگندگی پر بے ہوشی کا اطلاق
بھی ہو سکتا ہے اور اُسے بیہوشی ہی کہیں گے کہ آدمی کوئی ڈھنگ کی بات سوچنے کے قابل نہ رہ جائے۔

تقریباً چھ بجے سائرہ حمید کے کمرے میں آئی۔ حمید نے اندازہ کر لیا کہ وہ بہت زیادہ بوریت

محسوس کر رہی ہے۔ ویسے خوف و ہراس کی پرچھائیں تک اُسکے چہرے پر نہیں دکھائی دی تھی۔

"میں پاگل ہو جاؤں گی۔" اُس نے کہا۔

"اوہو! یہ تو بڑی اچھی خبر ہے۔ میری نظروں میں ترقی کی معراج یہی ہے۔"

"میرا مذاق نہ اڑائیے۔" سائرہ جھلا گئی۔ خواہ مخواہ مجھے بھی مریض بنا کر رکھ دیا ہے۔ کیا ہے مجھے! ڈاکٹر کہتا ہے اعصاب پر بُرا اثر پڑا ہے! میں تو کچھ بھی نہیں محسوس کرتی۔"

"محسوس نہ کرنے کی وجہ ہے۔" حمید مسکرایا۔ "اگر ہم لوگ ٹھیک وقت پر نہ پہنچے ہوتے

"تو کیا ہوتا! بس موت ہی آتی نا۔"

"مگر وہ تمہیں وہاں لے کیسے گئے تھے۔"

"کرنل کو بتا چکی ہوں۔" سائرہ نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "بس حماقت ہی تھی کہ اس چکر پھنس گئی۔ جھریالی والی سڑک عموماً سنسان پڑی رہتی ہے۔ وہ سڑک پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔ میں بوکھلا کر نہ صرف گاڑی روک دی بلکہ خود بھی اُتر آئی۔ وہ یک بیک اٹھا۔ اُس کے ہاتھ میں پ تھا۔ میں ڈر گئی۔ اُس نے مجھ سے کہا کہ میں چپ چاپ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ جاؤں۔ میں ایسا ہی کیا۔ چاروں طرف سناٹا تھا۔ جیسے ہی میں اندر بیٹھنے لگی۔ اُس نے پستول کا دستہ میرے رسید کر دیا۔ چوٹ اتنی شدید تھی کہ میں چکرا کر پچھلی سیٹ پر ڈھیر ہو گئی۔ پھر ہوش نہیں ر کہاں اور کس حال میں ہوں۔ ہوش تو اُسی غار میں آیا تھا۔"

"مگر وہ تہوڑ کی پہاڑیوں میں تنہا تو نہیں تھا۔ درجنوں آدمی تھے۔"

"رہے ہوں گے۔ میں کیا جانوں! اوہ.... میری سمجھ میں نہیں آتا آخر کرنل نے یہ کہا تھا کہ انہیں ڈیڈی کے وجود پر شبہ ہے۔"

"وہ بعض اوقات اپنے وجود پر بھی شبہ کرنے لگتے ہیں۔ گاہ کہتے ہیں کہ ہیں گاہ یہ کہتے نہیں۔ ابھی پچھلے ہی دنوں کھانے کی میز پر لطیفہ ہوا تھا۔ پلیٹ اٹھا کر کرسی پر رکھ دی اور پلیٹ جگہ خود بیٹھ گئے۔ پھر اُسی وقت انہیں اپنے وجود کا احساس ہوا تھا جب میں نے ان کی ران فورک چبھا کر چھری چلانی چاہی تھی۔"

"آپ اس طرح مضحکہ اڑاتے ہیں کرنل کا آپ کو اُن سے خوف نہیں معلوم ہوتا۔"

"خوف... کمال کر دیا آپ نے ارے خوبصورت لوگوں سے کہیں خوف بھی کھایا جاتا ہے

"میرا خیال ہے کہ کرنل سے زیادہ بھیانک آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گذرا۔ ہوں نے اُس آدمی کو گردن سے پکڑ کر اسی طرح لٹکا لیا تھا جیسے کسی خرگوش کو کوئی شریر بچہ اٹھا جھولے دینے لگے۔"

"آپ کو یہ حرکت مطلقاً پسند نہ آئی ہو گی؟" حمید نے سوال کیا۔

"اوہ.... مزہ آگیا تھا۔ ہاہا۔" وہ ہنس پڑی۔ "کچھ دیر پہلے وہ کم بخت کہہ رہا تھا کہ اگر میں نے اُس بچے کی اصلیت نہ بتائی تو مجھے مار ڈالے گا۔"

"چلو مجھے بھی بتا دو۔" حمید نے مسکرا کر آہستہ سے کہا۔

"جس غریب نے تجربہ کیا تھا وہ تو بتا ہی نہ سکا۔ میں کیا بتاؤں گی۔"

دفعتاً فریدی کمرے میں داخل ہوا اور وہ دونوں کھڑے ہو گئے۔

"خدارا مجھے اس الجھن سے نجات دلائیے جناب۔" سائرہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"بیٹھئے بیٹھئے۔" فریدی ہاتھ ہلا کر بولا اور خود بھی ایک کرسی کھینچ کر بیٹھتا ہوا حمید کی خیریت فت کرنے لگا۔

"بس بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں یعنی کہ اب آپ مجھے....!"

"خیر.... خیر....!" فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور حمید کا جملہ ادھورا ہی رہ گیا۔ اب وہ سائرہ طرف دیکھ رہا تھا۔

"اپنے ڈیڈی کے غیر متوقع بچے کے متعلق ایک نئی خبر سنو۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"میں کچھ نہیں سننا چاہتی! براہِ کرم مجھے یہاں سے نجات دلائیے۔ میں تجربہ گاہ میں واپس ل گی۔"

"حالانکہ وہاں آپ کے لئے خطرات ہی خطرات ہیں۔"

"ہر قسم کی بلائیں آپ ہی کے لئے ہیں۔ پھر اُن سے ڈرنا کیا معنی رکھتا ہے۔"

"بات معقول ہے۔ لیکن اگر کوئی آدمی ہی کسی ایسی بلا کی پیدائش کا ذمہ دار ہو جو سوسائٹی کے وبال جان بن جائے تو تم اُس آدمی کے لئے کون سی سزا تجویز کرو گی۔"

"میں کہتی ہوں ڈیڈی پاگل نہیں تھے کہ اپنا نفع نقصان نہ سمجھ سکتے۔" سائرہ نے کہا پھر دفعتاً لمحہ کر تحیرانہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھا۔ "ہاں ذرا یہ تو بتائیے آپ نے کس بناء پر یہ کہا تھا

کہ وہ میرے ڈیڈی نہیں ہیں۔"

"ہوں یا نہ ہوں اس سے بحث نہیں ہے۔ لیکن وہ شخص یقینی طور پر پھانسی کے تختے جائے گا جو اُس بچے کی پیدائش کا ذمہ دار ہے۔"

"ہاں! وہی شخص جس نے ڈیڈی سے فراڈ کیا ہے۔"

"کیا آپ کسی ایسے آدمی کا نام لے سکتی ہیں۔"

"میں کیا جانوں! لیکن مجھے یقین ہے کہ ڈیڈی بے گناہ ہیں۔ آپ کسی ڈاکٹر ڈوہرنگ کو بھول جاتے ہیں جس نے ڈیڈی کو اس تجربے پر اکسایا تھا۔"

"یہ آپ کے ڈیڈی کا بیان ہے اور کسی نے اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ خود آپ بھی اس وقت تک ڈاکٹر ڈوہرنگ کے وجود سے لاعلم تھیں جب تک آپ کے ڈیڈی نے اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ اچھا آپ جرمنی ہی میں پیدا ہوئی تھیں نا۔"

"جج جی.... ہاں....!" سائرہ نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"پروفیسر غوری کی آدھی عمر وہیں گذری ہے۔"

"جی ہاں.... یہ بھی صحیح ہے۔"

"آپ کے دادا سورنگ پور میں رہتے تھے۔"

"شائد یہ بھی درست ہے۔"

"اور پروفیسر اپنے باپ کی موت کے بعد ہی جرمنی سے واپس آئے تھے۔"

"جی ہاں! مجھے گہرا صدمہ ہے کہ میں اپنے دادا کو نہ دیکھ سکی۔ سنا ہے وہ بہت بڑے سائنس دان تھے۔"

"لیکن سورنگ پور میں پروفیسر غوری کو کوئی بھی نہیں پہچانتا۔"

"ظاہر ہے کہ وہ بچپن ہی میں بغرض تعلیم جرمنی بھجوا دیئے گئے تھے۔"

"جی ہاں! لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب کوئی یہاں انہیں پہچانتا ہی نہیں تھا تو اپنے باپ کا ترکہ کیسے مل سکا۔"

"اُن کے بعض احباب نے شہادت دی تھی، جو اُن کے ساتھ جرمنی میں رہ چکے تھے۔"

"بعض سے یہی مراد ہے نا آپ کی کہ ایک سے زیادہ احباب نے شہادت دی تھی۔"

"جج.... جی ہاں۔"

"بعض سرکاری ریکارڈز سے صرف ایک ہی آدمی کا وجود ثابت ہوتا ہے جس نے شہادت دی تھی۔"

"ہو سکتا ہے میری معلومات غلط ہوں۔" سائرہ نے لاپروائی سے کہا۔

"کیا آپ نہیں جانتیں کہ وہ آدمی ڈاکٹر داؤد تھا۔"

"ممکن ہے.... وہی رہے ہوں۔"

"لیکن پروفیسر غوری کا بیان ہے کہ ڈاکٹر داؤد سے ان کی یونہی رسمی جان پہچان تھی۔"

"پھر بتایئے میں کیا کروں۔ میں تو آپ کو پہلے بھی بتا چکی ہوں کہ ڈیڈی کریک ہیں۔"

"اللہ میاں۔" حمید نے چھت کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اگر تم نے مجھے ایسی بیٹی کا باپ بنایا تو دوسری شادی کرلوں گا۔"

"آپ ڈفر ہیں۔" سائرہ جھلا گئی۔

"پھر بیٹی کیوں نہ کریک سمجھے گی۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

"میں احتجاج کرتی ہوں۔" سائرہ نے سرخ ہو کر کہا۔ "ان سے کہئے اپنی زبان بند رکھیں۔"

"خاموش رہو۔" فریدی حمید کو گھورنے لگا۔

"آہ...!" حمید کراہا۔ "میں یہ تو بھول ہی گیا تھا کہ زخمی ہوں اور مجھے آرام کی ضرورت ہے۔"

وہ بستر پر دراز ہو گیا۔ فریدی پھر سائرہ کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"پروفیسر کا پورا نام مقدس غوری ہے نا۔"

"جی ہاں۔"

"مقدس....!" حمید یک بیک اچھل پڑا۔ "مقدس.... وہ مارا۔"

"کیا بکواس؟"

"مقدس.... مثلث.... سائرہ.... دائرہ۔" حمید نے ہانک لگائی۔

"اور آپ اُلو ہیں.... ہاہا۔" سائرہ نے قہقہہ لگایا۔ "چلئے ڈاکٹر داؤد کی موت کا معمہ بھی حل ہو گیا۔ واقعی آپ بڑے زندہ دل ہیں۔"

"شائد اب تمہاری زبان کی بھی ڈریسنگ کرانی پڑے گی۔" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"میں اس وقت ڈیوٹی پر نہیں ہوں۔" حمید بڑبڑا کر خاموش ہو گیا۔ ویسے وہ نہایت سنجیدگی سے "مقدس سائرہ" پر غور کر رہا تھا۔ فریدی کے خیال کے مطابق اگر اُلو کسی شخصیت کی تشکیل تھا تو مقدس اور سائرہ بھی صوتی اعتبار سے ڈاکٹر کو مثلث اور دائرہ یاد دلا سکتے تھے۔ یا اُسی طرح جیسے لفظ چقندر سن کو بندر کا خیال آتا ہے اور نمرود کے نام پر زبان امرود کا ذائقہ محسوس کرنے لگتی ہے۔

وہ پھر اُن دونوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ سائرہ فریدی سے کہہ رہی تھی۔ "آخر آپ کے متعلق کون سی نئی خبر سنانے والے تھے۔"

"بہت بُری۔ پروفیسر کے ہاتھوں میں باقاعدہ طور پر ہتھکڑیاں پڑ جائیں گی۔"

"آپ خواہ مخواہ مجھے نروس کر رہے ہیں۔"

"اُس نے آج ایک بینک کو لوٹ لیا۔"

"میرے خدا....؟" سائرہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"اور پھر جس وقت اُس پر فائر کئے گئے تو وہ جم کر ایک جگہ کھڑا ہو گیا۔"

"مرا نہیں....؟" سائرہ کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔

"اُس کے گرد چمکدار غبار سا گردش کر رہا تھا۔ سر سے پیر تک.... گولیاں اُس سے کترا کر نکل جاتی تھیں۔ پھر جب وہ بھاگا تو غبار بھی اُس کے گرد چکراتا ہوا ساتھ ہی متحرک ہو گیا حتیٰ کہ جب وہ چھلانگیں لگاتا تھا تو غبار اُس کے ساتھ اوپر بھی اٹھ جاتا تھا۔"

"ڈیڈی....!" سائرہ پاگلوں کی طرح چیخی اور پھر اٹھ کر دروازے کی طرف بھاگی۔

فریدی نے جھپٹ کر اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"چھوڑیئے.... مجھے چھوڑ دیجئے۔" وہ برابر چیخے جا رہی تھی۔

حمید بھی بوکھلا کر نیچے کود پڑا۔

"آپ کہاں جا رہی ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"ڈیڈی کے پاس.... ڈیڈی۔" وہ کسی ننھی سی بچی کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"خدا کے لئے مجھے جانے دیجئے۔ ڈیڈی کی زندگی میں تو یہ ناممکن تھا۔"

"وہ محفوظ ہیں۔ اپنی کوٹھی میں ہیں۔ وہاں پولیس کا پہرہ ہے۔"

"نہیں.... نہیں.... مجھے فوج کے سائنٹیفک ریسرچ کے ادارے میں لے چلئے۔ خدا کے لئے دیر نہ کیجئے۔ ڈیڈی خطرے میں ہیں۔"

"لیکن آپ وہاں کیوں جانا چاہتی ہیں کوٹھی چلئے میں آپ کو دکھاؤں کہ پروفیسر محفوظ ہیں۔"

"وہ ڈیڈی نہیں ہیں.... وہ ڈیڈی نہیں ہیں۔"

حمید کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"تو پھر مجھے وہاں لے چلئے جہاں آپ کے ڈیڈی تھے۔" فریدی نے کہا۔

"چلئے.... جلدی کیجئے۔ یا خدا وہ زندہ ہوں.... یا خدا۔"

وہ دونوں چلے گئے تھے۔ حمید بیٹھا ہی رہ گیا۔ فریدی نے اُس سے کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ دونوں کہاں گئے ہوں گے۔

حمید اب اُس کے متعلق سوچ رہا تھا جسے سائرہ نے اپنا "ڈیڈی" تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن کچھ دیر پہلے اُسے نہ صرف "ڈیڈی" بلکہ کریک بھی ثابت کرتی رہی تھی۔ پھر کریک بیک کا دوسرے ڈیڈی کے لئے سر پیٹنے لگی۔ لیکن یہ تبدیلی اُسی وقت ہوئی تھی جب فریدی نے اُس کی بچی بچے کے متعلق ایک نئی خبر سنائی تھی۔ گویا اس سلسلے میں وہ بچہ اتنا ہی اہم نہیں تھا جتنا کہ اُس کے گرد چکرانے والا چمکیلا غبار ہو سکتا تھا۔ کیونکہ بچے کے تذکرے تو وہ پہلے بھی سنتی رہی تھی۔

بہرحال ان لوگوں اور ڈاکٹر داؤد کے درمیان کوئی گہرا تعلق تھا۔ اُس نے سوچا ممکن ہے کہ اُس کا قتل بھی کسی نہ کسی طرح انہیں لوگوں سے متعلق ہو۔

اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ اتنا زخمی بھی نہیں تھا کہ تجسس کی اُس لہر کو دبانے کی ضرورت پیش آتی جو غیر متوقع حالات میں اچانک پیدا ہوئی تھی۔

ہسپتال میں مریض کی حیثیت سے تو داخلہ ہوا نہیں تھا کہ باہر نکلنے میں کوئی دشواری پیش آتی۔ بس ڈریسنگ کرانے کے بعد وہ ایک کمرے میں جا لیٹا تھا۔

باہر آتے وقت کوئی آدمی بھی نہیں ملا جو رسماً ہی اُسے مزید آرام کی اہمیت سمجھا سکتا۔ ٹیکسی بھی مل گئی۔ اُس نے ڈرائیور کو پروفیسر غوری کی کوٹھی کا پتہ دیا۔

اندھیرا پھیل چکا تھا۔ شہر کی بھری پُری سڑکیں جگمگا اٹھی تھیں۔

حمید کو یقین تھا کہ سائرہ فریدی کو اُس کی کوٹھی کی بجائے کہیں اور لے گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ

جب اس کوٹھی میں قیام کرنے والا اُس کا "ڈیڈی" تھا ہی نہیں تو وہ وہاں کیوں گئی ہو گی! وہ تو اپنے ڈیڈی کے لئے پریشان تھی۔ لہٰذا حمید نے سوچا کہ کیوں نہ اُسی آدمی سے پوچھ گچھ کی جائے جسے وہ ابھی تک اپنا باپ ظاہر کرتی رہی تھی۔ جب وہ اپنی ذمہ داری پر کسی کام میں ہاتھ لگاتا تھا تو اُس کی کھوپڑی عموماً کارآمد ہی ثابت ہوتی تھی۔ پہلے تو اس کا خیال تھا کہ کمپاؤنڈ کے پھاٹک ہی پر رکے گا لیکن پھر سوچا کہ کیوں نہ لگے ہاتھوں اُن لوگوں کی کارکردگی کا امتحان بھی کر لیا جائے جو کوٹھی کی نگرانی کر رہے تھے۔

پروفیسر غوری پولیس کی نگرانی میں تھا۔ یہ فریدی ہی کی تجویز تھی کہ اُسے معمولی حالات کی بجائے اس کی کوٹھی ہی میں مقید کر دیا جائے۔ لہٰذا کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں کچھ پولیس کانسٹیبل ایک اے۔ایس۔آئی کے ساتھ موجود تھے۔

حمید نے ٹیکسی کوٹھی سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر رکوائی اور پھاٹک کی طرف جانے کی بجائے کوٹھی کی پشت پر آیا۔ کمپاؤنڈ وال پانچ یا چھ فٹ سے زیادہ اونچی نہیں تھی۔ بہ آسانی پار کی جا سکتی تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ کمپاؤنڈ میں تھا۔ کمپاؤنڈ کا یہ حصہ تاریک اور سنسان نظر آیا۔ اُس کا یہ اندازہ غلط نہیں نکلا تھا کہ نگرانی کرنے والے پھاٹک ہی کی طرف ہوں گے۔

اب اُس نے سوچا کہ کسی طرح ان کی لاعلمی میں عمارت کے اندر بھی پہنچنا ہی چاہئے تاکہ جواب طلب کرنے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ بھی باقی نہ رہے۔

اس میں کوئی دشواری نہ ہوئی کیونکہ ایک چھوٹا سا عقبی دروازہ اسے کھلا ہوا ملا لیکن اُسے بھی نہ سوچنا پڑا کہ کہیں پروفیسر نگرانی کرنے والوں کو دھوکے میں رکھ کر اسی طرف سے فرار ہو گیا ہو۔ وہ دبے پاؤں چلتا رہا۔ پھر دفعتاً اُسے ایک جگہ رک جانا پڑا۔ سامنے والے کمرے کا دروازہ بند تھا لیکن روشندان کے شیشے تھے اور اندر کوئی دبی ہوئی آواز میں گھگھیا رہا تھا۔

"دیکھو.... مجھے مارنا مت۔ نہیں نہیں۔ کچھ نہیں جانتا۔ میں سائنٹسٹ نہیں ہوں میں بالکل گدھا ہوں۔ مجھے کچھ بھی نہیں آتا۔ وہ لڑکی کم بخت مجھ سے الٹے سیدھے تجربات کرایا کرتی تھی۔ ہاں سائرہ.... پھر ڈاکٹر ڈوہرنگ نے شتر مرغ کا بچہ نکالنے کا مشورہ دیا۔ میں نہیں جانتا آدمی کا بچہ کیسے نکل آیا تھا۔ خدا کے لئے یہ پستول جیب میں رکھ لو۔ میری سنو۔ یہ بچہ.... یہ سائرہ کی شرارت ہے۔ اُس نے میری زندگی تلخ کر دی ہے۔ میں کچھ نہیں جانتا۔ میں تو آٹھ

سے پانچ سو روپے ماہوار کا ملازم ہوں۔"

"کس نے ملازم رکھا تھا۔" دوسری آواز آئی۔

"ڈاکٹر داؤد نے۔ اُس نے مجھے مکرم علی سے پروفیسر غوری بنا دیا تھا۔ سائرہ مجھے ڈیڈی کہتی ہے لیکن بالکل اُلو کا پٹھا سمجھتی ہے.... میں کیا کروں۔ پہلے بچہ نکلا اور چانٹے مار مار کر میری کھوپڑی خالی کر دی اور اب یہ مصیبت۔ پستول.... جج:... جیب میں رکھ لو پیارے بھائی۔ یہ دیکھو میں تمہارے حکم سے کتنی آہستگی سے گفتگو کر رہا ہوں۔ میری آواز باہر نہیں جا سکتی۔ اب تم بھی رحم کرو۔"

"تو تم نہیں جانتے کہ پروفیسر غوری کون ہے۔"

"نہیں پیارے بھائی بالکل نہیں۔ میں نے تو آج تک اس کی شکل بھی نہیں دیکھی۔ مجھ سے کہا گیا تھا کہ میں کسی قسم کی چھان بین نہ کروں ورنہ مجھے اس ملازمت سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔ میں ابھی پھر واپس آؤں گا۔ لیکن اگر تم نے میرے بارے میں کسی سے تذکرہ کیا تو تمہاری کھوپڑی میں کئی سوراخ ہو جائیں گے۔"

"ارے نہیں! بالکل نہیں۔ یقین کیجئے کسی سے بھی نہیں کہوں گا۔"

حمید ایک طرف ہٹ گیا۔ دروازہ کھلا اور باہر سر نکالنے والے کی ناک پر اُس کا بھرپور ہاتھ پڑا۔ وہ اچھل کر کمرے کے فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ پھر شائد وہ پستول ہی کے لئے جیب میں ہاتھ ڈال رہا تھا کہ حمید نے اُس پر چھلانگ لگائی۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ اس کے سینے پر سوار تھا۔ مغلوب اُسے گرا دینے کے لئے زور کرنے لگا اتنی دیر میں حمید اس کی جیب سے ریوالور بھی نکال چکا تھا۔

"نہیں جیری! مشکل ہے۔" حمید نے اُسے رگڑتے ہوئے کہا۔ "تم پہلے بھی کئی بار میرے ہاتھوں پٹ چکے ہو۔"

"میں تمہیں مار ڈالوں گا۔" جیری ہانپتا ہوا بولا۔ حمید نے اس کی پیشانی پر ریوالور کا دستہ رسید کر دیا۔ ناک سے تو خون بہہ ہی رہا تھا پیشانی کی کھال بھی پھٹ گئی۔

"ہاں اب بتاؤ! تم کسی سفارتخانے کے لئے کام کر رہے ہو یا مونچھوں والی عینک کے لئے۔"

"خاتمہ ہو گیا۔" جیری بھرائی ہوئی آواز میں بولا اور اُس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے۔ حمید نے پھر دو تین رگڑے دیئے اور جیری کو زبان کھولنی ہی پڑی۔

"وہ کہاں ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ.... وہ اس وقت پروفیسر کی تجربہ گاہ میں ہوگا۔ کیپٹن مجھے چھوڑ دو۔ میں اُسے گرفتار کرادوں گا۔"

حمید نے اُس کی بات پر دھیان دیئے بغیر احمق پروفیسر سے کہا کہ وہ باہر نکل کر نگرانی کرنے والوں کو اندر بلائے۔

آخری معرکہ

فریدی کی کار بڑی تیز رفتاری سے یہاں تک آئی تھی لیکن اس کے باوجود بھی سائرہ کہہ رہی تھی۔ "ایسی رفتار سے تو ہم کبھی نہ پہنچ سکیں گے۔"

گاڑی تجربہ گاہ سے کچھ فاصلے پر ہی روک دی گئی۔

"کیوں یہاں کیوں؟" سائرہ بڑبڑائی۔

"احتیاطاً! میرا خیال ہے کہ یہاں کچھ نہ کچھ تبدیلیاں ضرور ہوئی ہوں گی۔"

"آپ تو کہہ رہے تھے کہ وہاں پہرا لگادیا گیا ہے۔"

"ہاں کہا تو تھا۔ مگر سابقہ ایسے لوگوں سے ہے جن کی نظروں میں مٹھی بھر مسلح آدمیوں کی کوئی وقعت نہیں ہوسکتی۔"

"لیکن آپ تنہا آئے ہیں۔"

"میں تنہا ہی کام کرنے کا عادی ہوں۔"

وہ کمپاؤنڈ کے پھاٹک تک پیدل آئے۔ فریدی کا شبہ بے بنیاد نہیں تھا۔ دو باوردی کانسٹیبل پھاٹک کے قریب لمبے لمبے لیٹے ہوئے نظر آئے۔

"اوہ.... میرے خدا۔" سائرہ کی آواز کانپ رہی تھی۔

فریدی نے انہیں ہلا جلا کر دیکھنے کے بعد کہا۔ "صرف بیہوش ہیں! اچھا تم مجھے وہ جگہ بتادو خود یہیں ٹھہرو۔"

"نہیں.... نہیں! یہ نہیں ہوسکتا۔ میں ساتھ چلوں گی۔"

"تو پھر ڈرو بھی مت۔"

"نہیں میں خائف نہیں ہوں۔ مجھے بہر حال کسی نہ کسی بدنصیبی کا سامنا کرنا ہی پڑے گا۔"

"ضروری نہیں ہے۔"

"مگر ڈیڈی کی زندگی میں یہ ناممکن تھا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کمپاؤنڈ میں داخل ہوئے۔ کچھ دور چل کر اُن کا نجی چوکیدار بیہوش پڑا برآمدے میں بھی تین کانسٹیبل ڈھیر نظر آئے۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی خواب آور گیس سے کام لیا گیا ہو۔" فریدی بڑبڑایا۔

وہ اندر داخل ہوئے۔ فریدی نے محدود روشنی والی ٹارچ روشن کرلی تھی۔ عمارت کے کسی حصے میں روشنی نہیں نظر آرہی تھی۔

جیسے ہی وہ راہداری کے سرے پر پہنچے فریدی کے شانے پر کوئی سخت سی چیز لگی لیکن دوسرے ہی لمحے میں حملہ آور کا ہاتھ اُس کی گرفت میں تھا۔ پھر اتنی پھرتی سے اُس نے اُسے زمین پر لاد کر پٹخا ہے کہ اس کی آنکھوں میں تارے ہی ناچ گئے ہوں گے۔ ٹارچ گر گئی تھی۔ سائرہ نے جھپٹ کر اُسے اٹھایا۔

فریدی حملہ آور کے سینے پر سوار اُس کی کنپٹیاں دبا رہا تھا اور وہ اس طرح کراہ رہا تھا جیسے دم آہستہ اس کی کھوپڑی کی ہڈیاں اپنی جگہوں سے کھسک رہی ہوں۔

سائرہ متحیرانہ انداز میں منہ پھاڑے دیکھتی رہی۔ ٹارچ کی روشنی مغلوب حملہ آور کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ اُسکے چہرے پر ایسی تکلیف کے آثار موجود تھے جیسے وہ اعصابی تشنج میں مبتلا ہو گیا ہو۔

فریدی نے اُس کی جیبوں کی تلاشی لے کر ریوالور اور چاقو برآمد کیا۔

یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ وہ لوہے کی وزنی سلاخ فریدی کے شانے پر پڑی تھی۔ حالانکہ نشانہ سر کا رہا ہوگا۔ اگر وہ صحیح نشانے پر بیٹھتی تو خود فریدی ہی حملہ آور کی جگہ لیٹا نظر آتا۔

حملہ آور بے حس و حرکت ہو چکا تھا۔ فریدی اُسے کھینچ کر ایک کمرے میں لے گیا۔

"اب جلدی بھی کیجئے۔" سائرہ بڑبڑائی۔ "میرے خدا میں کیا کروں۔"

"میں پھر مشورہ دوں گا کہ مجھے وہ جگہ بتادو اور خود یہیں ٹھہرو۔"

"کیا آپ کو مجھ پر کسی قسم کا شبہ ہے۔ کیا آپ نے میرے بیان پر یقین نہیں کیا۔"

"ذاتی تجربات ہی مجھے کسی امر کا یقین دلاتے ہیں.... چلو....!"

سائرہ پھر آگے بڑھی۔ اس بار فریدی نے ٹارچ اُسی کے ہاتھ میں رہنے دی تھی۔ گلی کر
سے گزرتے ہوئے وہ ایک ایسے حصے میں آئے جس پر کسی لوہار کی دوکان کا دھوکا ہو سکتا تھا۔
طرف مختلف قسم کے اوزار بکھرے پڑے تھے۔ سائرہ رک گئی۔ ٹارچ کی روشنی کی لکیر ایک
ہوئے دروازے میں رینگ گئی تھی۔

"کوئی اندر ہے۔" وہ کانپتی ہوئی بولی۔ "یہ دروازہ مقفل رہتا ہے اور کنجی صرف میرے ہی
رہتی ہے۔"

"ظاہر ہے کہ کوئی نہ کوئی اندر ضرور ہوگا۔" فریدی بولا۔ "ورنہ پہرے دار بیہوش
پائے جاتے اور مجھے ایک آدمی کو کیوں بیہوش کرنا پڑتا۔"

وہ اُس کوٹھری میں داخل ہوئے سامنے دیوار پر ایک ننھا سا سرخ رنگ کا بلب روشن تھا۔

"کوئی اندر گیا ہے۔ لیکن پھر اُس کی واپسی نہیں ہوئی۔" سائرہ بھرائی ہوئی آواز میں
"ورنہ یہ سرخ بلب روشن نہ ہوتا۔"

"باتوں میں وقت برباد نہ کرو۔" فریدی کا لہجہ کسی قدر درشت تھا۔ سائرہ دیوار کی طر
بڑھی اور فرش پر اکڑوں بیٹھ کر کچھ تلاش کرنے لگی۔ پھر یک بیک ہلکی سی آواز ہوئی اور کو
کے ایک گوشے میں فرش پر اتنی خلا نمودار ہوئی جس سے ایک آدمی بہ آسانی گذر سکتا تھا۔

"ٹھہرو.... پیچھے ہٹ آؤ۔" فریدی نے اُس سے کہا۔ چند لمحے خاموش کھڑا رہا پھر
"تمہارے بیان پر یقین کر لینے کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

سائرہ نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ لیکن فریدی اُس کی چڑھتی ہوئی سانسوں کی آواز
سن رہا تھا۔ دفعتاً وہ بولی۔ "اس پر بھی غور کیجئے جناب کہ میں اس بیان کے ساتھ آپ سے
طالب نہیں ہوئی تھی۔ آپ خود ہی تشریف لائے ہیں۔ میں نیچے جا رہی ہوں۔"

"ٹھہرو....!" فریدی اُس کا ہاتھ دبا کر آہستہ سے بولا۔ "ادھر ہٹ آؤ۔"

اس نے اُس کے ہاتھ سے ٹارچ لے کر بجھا دی۔ فرش کی خلاء سے ایسی آوازیں آ رہی
جیسے زینوں پر کوئی چڑھ رہا ہو۔ وہ دونوں کھسک کر دیوار سے جا لگے۔ پھر وہ سرخ بلب بجھ
کچھ دیر پہلے دیوار پر روشن نظر آ رہا تھا۔ فریدی نے کوٹھری میں کسی تیسرے آدمی کی مو
محسوس کی۔ لیکن گہری تاریکی کی بناء پر وہ اُسے نہ دیکھ سکا۔ ہو سکتا ہے تہہ خانے سے برآمد

بھی اسی قسم کے کسی احساس میں مبتلا رہا ہو۔ کیونکہ اوپر آنے کے بعد سے پھر اُس کے قدموں
ہٹ نہیں سنائی دی تھی۔

فریدی نے اندازہ لگایا کہ وہ کس جگہ ہو سکتا ہے۔ پھر یک بیک اُس نے بائیں ہاتھ سے ٹارچ
ن کی جس کی روشنی ٹھیک اُسی آدمی کے چہرے پر پڑی۔ یہ کوئی نقاب پوش تھا۔ وہ شائد اس
لئے تیار نہیں تھا اس لئے سنبھلنے سے پہلے ہی فریدی کا ہاتھ اُس کے جبڑے پر پڑا۔ ساتھ ہی
ی نے ٹارچ زمین پر ڈال کر اُس پر چھلانگ بھی لگائی۔

"ٹارچ اٹھاؤ.... سائرہ۔" اُس نے نقاب پوش کی گردن دبوچتے ہوئے کہا۔ سائرہ نے
لائے ہوئے انداز میں ٹارچ اٹھائی۔ فریدی اتنی دیر میں اُسے بے بس کر کے اس کے چہرے
نقاب ہٹا چکا تھا۔ روشنی پڑتے ہی اُس نے ہنس کر انگریزی میں کہا۔ "اوہ.... آپ ہیں۔ بڑے
نے سے ہاتھ لگے ورنہ آپ پر ہاتھ ڈالنے میں ذرا دشواری ہوتی۔"

"تم کون ہو۔" مغلوب نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اوہ.... تم ابھی تک میری شکل نہیں دیکھ سکے۔ سائرہ ذرا اسے میری شکل دکھاؤ۔"

محدود روشنی والی ٹارچ کا روشن دائرہ فریدی کے چہرے پر رینگ آیا۔

"اوہ....!" مغلوب کراہا اور پھر فریدی کو نیچے گرا دینے کے لئے شائد اپنا انتہائی زور صرف
نے لگا۔

"یہ کون ہے۔" سائرہ نے کپکپاتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"اوہ.... ایک بڑے ملک کے معزز سفیر کے فوجی اتاشی۔" اُس نے طنزیہ لہجے میں کہا پھر
ما کے منہ پر الٹا ہاتھ رسید کرتا ہوا بولا۔ "تہہ خانے میں کون ہے۔"

"کک.... کوئی نہیں.... کوئی بھی نہیں.... میجر وال....!"

"ہاں.... ہاں.... کہو خاموش کیوں ہو گئے۔ میں جانتا ہوں کہ میجر والٹن بھی اس معاملے
ں دلچسپی لے رہا ہے اور تم دونوں ایک دوسرے کو ختم بھی کر دینا چاہتے ہو۔ میں یہ بھی جانتا
ں کہ نصیری تمہارے لئے کیا کر رہا تھا۔ مجھے علم ہے کہ ڈاکٹر داؤد کو میجر والٹن ہی نے قتل کیا تھا۔"

"مم.... میجر والٹن یہاں موجود تھا۔" مغلوب ہانپتا ہوا بولا۔ "میں نے اُسے تہہ خانے میں
داخل ہوتے بھی دیکھا تھا۔ لیکن پھر نہ تو وہ واپس آیا اور نہ تہہ خانے ہی میں ملا۔"

"پہرے داروں کو کس نے بیہوش کیا تھا۔"

"ہم نے انہیں بیہوش ہی پایا تھا۔"

"اوہ تو میجر والٹن ہی پہلے پہنچا تھا۔" فریدی بڑبڑایا۔

اُس نے سائرہ کی مدد سے مغلوب کے ہاتھ اُس کی پشت پر باندھے اور اُسے بھی دھکیلتا تہہ خانے میں لایا۔

"ڈیڈی.... ڈیڈی.... ڈیڈی۔" سائرہ پاگلوں کی طرح چیختی ہوئی چاروں طرف دوڑ رہی تھی۔

تہہ خانہ بہت وسیع تھا جس کی تعمیر پر کثیر رقم خرچ کی گئی ہوگی۔ چاروں طرف مختلف سائنسی آلات نظر آرہے تھے اور یہ یقینی طور پر کسی سائنسدان کی تجربہ گاہ معلوم ہوتی تھی۔

سائرہ پر پھر دورہ سا پڑ گیا تھا۔ اس لئے کچھ وقت اُسے خاموش کرانے میں بھی صرف ہو بہت زیادہ نروس نظر آرہی تھی۔ فریدی نے قیدی سے پوچھا۔ "تمہیں یقین ہے کہ تم نے والٹن کو واپس ہوتے نہیں دیکھا تھا۔"

"مجھے یقین ہے! دیکھو کرنل کیا تم اس معاملے کو یہیں ختم نہ کر سکو گے۔"

"کیا مطلب....!"

"جتنی رقم چاہو.... مجھ سے طلب کر سکتے ہو۔"

"تم جتنی رقم کہو میں تمہارے ساتھ دفن کر دوں۔" فریدی نے اُس کی آنکھوں میں د ہوئے کہا۔ "ہر آدمی بکنے کے لئے نہیں ہوتا کرنل سلانن....!"

"میرا کچھ بھی نہیں بگڑے گا۔" قیدی سینہ تان کر غرایا۔ "تمہیں پچھتانا پڑے گا۔"

"اتنی عمر پچھتانے ہی میں گذری ہے۔" فریدی مسکرایا۔ "ایک یہ بھی سہی۔"

"کرنل خدا کے لئے کچھ کیجئے۔ میرے ڈیڈی۔" سائرہ پھر بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔

"تمہیں یقین ہے کہ یہاں سے نکلنے کا اور کوئی راستہ نہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"راستہ؟" وہ چونک پڑی پھر کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "ہے تو میں نے اکثر ڈیڈی سے سنا لیکن انہوں نے مجھے کبھی نہیں بتایا کہ وہ کہاں ہے۔"

"میں دیکھتا ہوں۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "نہیں تم یہیں ٹھہرو۔ مگر میرا دعویٰ ہے کہ اب یہاں نہیں مل سکیں گے۔"

"اوہ.... تو آپ کا خیال ہے کہ وہ مار ڈالے گئے۔" سائرہ سسکی لے کر بولی۔

"نہیں.... قتل کرنے والا لاش کیوں اٹھائے پھرتا۔ وہ یہیں ہوتی۔ میرا خیال ہے کہ وہ یا تو فرار نکل گئے ہوں گے یا انہیں کوئی یہاں سے لے گیا ہوگا۔ لے جانے والا اگر قتل کرنا چاہتا تو یہیں قتل کر دیتا کہیں اور لے جا کر قتل کرنا قطعی غیر منطقی اور قاتل کے لئے غیر محفوظ حرکت ہوگی۔"

"پھر اب میں کہاں جاؤں انہیں کہاں ڈھونڈوں۔"

"صبر سے کام لو۔ میں یہاں تھوڑا سا کام کرنا چاہتا ہوں۔" اُس نے کہا اور پھر قیدی کی طرف مڑا ہی تھا کہ سامنے والی دیوار سے لگا ہوا ایک بلب جلدی جلدی جلنے اور بجھنے لگا اس پر سائرہ اس طرح اچھل پڑی جیسے اب کسی نئے خطرے سے دوچار ہونے کا اندیشہ ہو۔

"کوئی آرہا ہے.... کسی نے داخلے کا راستہ کھولا ہے۔" اُس نے کہا اور فریدی نے قیدی کی طرف مڑ کر پوچھا۔ "اوپر راہداری میں تمہارا ہی کوئی آدمی تھا۔"

"ہاں....!" قیدی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ وہ بھی بار بار جلنے اور بجھنے والے بلب کو دیکھ رہا تھا۔ لیکن شاید اس کا مقصد اُس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کیونکہ فریدی اور سائرہ کے درمیان اردو میں گفتگو ہوتی رہتی تھی۔

فریدی جھپٹ کر زینوں کے قریب پہنچا اور دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا اس طرح کہ آنے والے کی نظر اُس پر نہ پڑ سکے۔ لیکن نہ تو زینوں سے قدموں کی آوازیں آئیں اور نہ بلب ہی کی بار جلنے اور بجھنے والی کیفیت میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی۔

"بہت اچھے۔" دفعتاً تہہ خانے کے کسی گوشے سے آواز آئی اور فریدی کا ہاتھ سیدھا جیب کی طرف چلا گیا اور پھر آواز کی طرف مڑتے ہوئے وہ خالی ہاتھ نہیں تھا۔ اعشاریہ تین آٹھ کے ریوالور کے دستے پر اُس کی گرفت خاصی مضبوط تھی اور انگلی ٹریگر پر رکھی ہوئی تھی۔

"ریوالور زمین پر گرا دو کرنل فریدی۔ میرا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا۔" میجر والٹن نے کہا۔ وہ اس وقت اپنے اصل روپ میں تھا۔ یعنی نہ تو اُس کی آنکھوں پر غیر معمولی ساخت کی تاریک شیشوں والی عینک تھی اور نہ ہی ہونٹوں کو ڈھک لینے والی مصنوعی مونچھیں۔ بہر حال وہ سو فیصدی والٹن معلوم ہو رہا تھا۔

وہ شائد اُسی راستے سے تہہ خانے میں داخل ہوا تھا جس کا علم سائرہ کو بھی نہیں تھا۔

سائرہ اُسے خوفزدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اُس کی شکل ہی ایسی ڈراؤنی تھی۔

"مجھے علم ہے کہ تم بہت اچھے نشانہ باز ہو۔" فریدی مسکرایا۔

"اس لئے جہالت سے کام لینے کی بجائے عقلمند کہلاؤ۔ یعنی ریوالور زمین پر ڈال دو۔ ہم ویسے بھی کسی قسم کا جھگڑا نہیں کرنا چاہتا۔ اوہ.... کرنل سلانن تم بھی موجود ہو۔ خوب۔ ارے کیا تمہارے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ یہ زیادتی کس نے کی ہے۔ شاید آج میرے ستارے بہت اچھے ہیں۔ دو چالاک دشمن ایک ہی جگہ ہاتھ آگئے۔ فریدی تم نے ابھی تک ریوالور زمین پر نہیں گرایا۔"

"مجھے بھی کچھ اسی قسم کی غلط فہمی ہوگئی ہے کہ میرا نشانہ بہت اچھا ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اس لئے ریوالور ہاتھ ہی میں اچھا لگتا ہے.... ویسے زمین پر گرا دینے سے اس کے دم تو نکل نہ آئے گی۔"

"اچھا تو سنبھلو....!" میجر والٹن نے فائر جھونک مارا لیکن گولی سامنے والی دیوار سے ٹکرا کر پھر اُس کی طرف پلٹ گئی۔ پھر فریدی نے اُسے دوسرے فائر کا موقع نہیں دیا۔ اُس کے ریوالور سے بھی شعلہ نکلا اور میجر والٹن کا ریوالور اُس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا۔ وہ اُسے دوبارہ اٹھا لینے کے لئے جھپٹا ہی تھا کہ فریدی نے للکارا۔

"اپنی جگہ سے جنبش نہ کرو تو بہتر ہے والٹن! ویسے مجھے یقین ہے کہ تمہارے ہاتھ میں خراش تک نہ آئی ہوگی۔ اس اسٹائل کی گولی ہمیشہ نال ہی پر پڑتی ہے۔"

میجر والٹن دم بخود رہ گیا۔ غالباً وہ سوچ رہا تھا اگر اس وقت اس کی پوزیشن ذرا سی بھی تبدیل ہوئی ہوتی تو فریدی کی گولی اُس کے ریوالور پر پڑنے کی بجائے سینے ہی میں اُترتی چلی جاتی۔

"پروفیسر غوری کہاں ہے۔" فریدی نے اُس سے پوچھا۔

"اوہ.... کیا وہ اپنی کوٹھی میں نہیں ہے۔ میں نے سنا تھا کہ وہ وہاں نظر بند کر دیا گیا ہے۔" والٹن کے لہجے میں حیرت تھی۔

"تم یہاں کیوں آئے تھے۔"

"اُس بچے کا راز معلوم کرنے جس نے ڈاکہ زنی بھی شروع کر دی ہے۔"

"کیا مطلب! کیا وہ تمہاری حرکت نہیں تھی۔"

"صرف اسی حد تک کہ میں نے شتر مرغ کا بچہ نکالنے کے امکانات پر پروفیسر سے بحث کی تھی۔"

"تو پھر.... یہ سلانن۔"

"میں بھی اس سے یہی پوچھنا چاہتا تھا۔" والٹن نے کہا۔

"میں کیا جانوں۔" سلانن غرایا۔

"تو پھر پروفیسر ہی نے اپنی اسکیم تبدیل کر دی ہوگی اور اس چمکیلے غبار کو ڈاکہ زنی کا ذریعہ بنانا پڑا ہوگا۔ ٹھیک ہے اگر یہ سلانن کی حرکت ہوتی تو یہ اس وقت یہاں کیوں دکھائی دیتا۔"

"کیا تمہیں علم ہے کہ وہ پروفیسر غوری نہیں تھا جسے تم نے انڈے بچے والا تجربہ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں....!" والٹن کے لہجے میں حیرت تھی۔ "یہ کیسے ممکن ہے۔"

"پھر تم یہاں تہہ خانے میں کیسے آپہنچے۔"

اچانک سلانن نے جو ابھی تک چپ چاپ کھڑا ہوا تھا فریدی پر چھلانگ لگائی۔ فریدی اس کی طرف سے غافل تھا۔ اس لئے لڑکھڑا گیا۔ والٹن کے لئے یہی لمحہ کچھ کر گزرنے کے لئے مناسب تھا۔ لہٰذا وہ بھی جھپٹ پڑا۔ وہ دونوں بیک وقت فریدی پر گرے تھے۔

گو سلانن کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور میجر والٹن اس کا بھی دشمن تھا لیکن شاید اس وقت اس کے ذہن میں فریدی کی ممکنہ موت کے علاوہ اور کسی چیز کا تصور نہیں تھا۔ فریدی کی موت ہی اس کی بچت کا ذریعہ بن سکتی تھی۔ دوسری صورت میں وہ خود بھی ذلیل و خوار ہوتا اور اُس کے اس کے بین الاقوامی وقار کو شدید دھکا لگتا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے فریدی پر میجر والٹن کو ترجیح دی تھی۔

فریدی کے ہاتھ سے ریوالور بھی نکل گیا تھا۔ اُس نے اٹھنے کی کوشش شروع کی لیکن کچھ اتنا بے تکا گرا تھا کہ وہ دونوں اُسے رگڑے ڈال رہے تھے۔

اچانک سائرہ نے لوہے کی ایک کرسی اٹھائی اور سلانن کے سر پر دے ماری۔ وہ بلبلا کر پلٹا ہی تھا کہ دوسری بار بھی اس کا سر ہی نشانہ ہوا۔ وہ دوسری طرف الٹ گیا۔ ہاتھ اب بھی بندھے تھے۔ چت گرا تھا اس لئے بس فرش پر پیر ہی مار تا رہ گیا۔ اٹھ نہ سکا۔

دوسری طرف فریدی اس طرح اٹھا کہ میجر والٹن بھی اُس کے ہاتھوں پر اٹھتا چلا گیا۔ اُس

نے اُسے سر سے بلند کیا اور زمین پر دے مارا۔

"ہیئر.... ہیئر....!" سائرہ بچوں کی طرح تالی بجا کر چیخی۔ "آپ آدمی ہیں یا الف کے کوئی دیو! خدا کی پناہ۔"

میجر والٹن اٹھ کر بھاگا۔ فریدی اس کے پیچھے لپکا۔ لیکن والٹن اسی طرح جی چھوڑ کر دوڑا جیسے ملک الموت سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہو۔

جس راستے سے وہ باہر نکلا غالباً وہی تھا جس کا تذکرہ سائرہ نے کیا تھا۔ لیکن خود اُس واقف نہیں تھی۔ یہ راستہ عمارت کی پشت پر لے جاتا تھا۔ اختتام چند ٹیلوں کے درمیان ایک کے دہانے پر ہوا تھا جو کسی جانور کا بھٹ معلوم ہوتا تھا اور اسے گھنی جھاڑیوں نے گھیر رکھا تھا۔

کچھ دیر بعد فریدی اُس جیپ کار کے پیچھے دوڑ رہا تھا جس میں بیٹھ کر میجر والٹن نے طرف نکل جانے کی کوشش کی تھی۔ غالباً وہ جیپ اُسی کی تھی۔

فریدی کا اندازہ تھا کہ وہ سڑک تک پہنچنے سے پہلے ہی اُس جیپ کو جالے گا۔ شائد وہ اُس پچھلی سیٹ پر بھی پہنچ جاتا کیونکہ راستہ ناہموار ہونے کی وجہ سے جیپ کی رفتار بھی کم تھی اور اُ کاہڈ بھی گرا ہوا تھا۔

جیپ اب سڑک کے قریب ہی تھی لیکن فریدی ابھی تک چھلانگ لگا کر اُس تک پہنچنے کامیاب نہیں ہوا تھا۔

دفعتاً سڑک پر اُسے کسی موٹر سائیکل کی ہیڈ لائٹ نظر آئی اور وہ اُسی کی طرف دوڑا۔ جیپ جدھر مڑی تھی موٹر سائیکل اُسی کی مخالف سمت سے آرہی تھی۔ فریدی دونوں ہاتھ اٹھا کر سڑک پر کھڑا ہو گیا اور موٹر سائیکل اُس سے صرف تین فٹ کے فاصلے پر رک گئی۔

"ارے آپ....!" سائیکل سوار نے بیساختہ کہا۔

"کون حمید.... جیوا زندہ باد.... ہٹو! گاڑی چھوڑو.... والٹن نکلا جارہا ہے۔"

حمید بوکھلائے ہوئے انداز میں اتر آیا.... اور موٹر سائیکل تیر کی طرح جیپ کے پیچھے لپکی چلی گئی۔

❁

حمید اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ تا رہ گیا اور موٹر سائیکل کی عقبی سرخ روشنی بھی کچھ دیر اندھیرے میں گم ہو گئی۔

وہ جیری کو اے۔ ایس۔ آئی کے حوالے کر کے خود پروفیسر کی کوٹھی سے باہر آیا تھا۔ مگر اس سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ جھریالی کس طرح پہنچے۔ دیر بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ جیری سے معلوم ہوا تھا کہ میجر والٹن پروفیسر کی تجربہ گاہ کی طرف گیا ہوگا۔ ٹیکسی اُس نے پہلے ہی روڑی تھی اور یہاں دوسری ٹیکسی کا ملنا محض اتفاقات ہی پر مبنی ہو سکتا تھا۔

دفعتاً اُسے ایک ٹریفک سارجنٹ نظر آیا جو موٹر سائیکل پر ادھر ہی آرہا تھا۔ اُس نے جھپٹ ے روکا۔ سارجنٹ اُسے پہچانتا تھا اس لئے اُس سے موٹر بائیک حاصل کرنے میں دشواری نہ ی۔ پھر حمید نے اُس کی ٹنکی بھروائی تھی اور جھریالی کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

یہاں پہنچنے پر یہ غیر متوقع حادثہ پیش آیا۔ اسے حادثہ ہی کہنا چاہئے۔ کیونکہ حمید تو یہ سمجھ کر ا کہ اگر کسی طرح میجر والٹن پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہو گیا تو ہفتوں فریدی سے اکڑ کر گفتگو ے گا۔ پہلے اُس نے ضرور سوچا تھا کہ فریدی سائرہ کے ساتھ یہیں آیا ہوگا لیکن پھر خود ہی یال کی تردید کر دی تھی۔ بھلا ایک ہی عمارت میں دو عدد "ڈیڈی" کس طرح سما سکتے جب کہ "ممیوں" کا ایک ہی چھت کے نیچے صرف چند ہی گھنٹے بسر کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔

"لاحول ولا قوۃ....! کیا مصیبت ہے۔ سر پیر کا پتہ ہی نہیں چلتا۔"

یک بیک بائیں جانب سے کسی نے "کرنل" کو پکارا اور متواتر آوازیں دیتی ہی چلی گئی۔ وہ ہی ہو سکتی تھی۔ حمید نے آواز پہچان لی اور آواز کی جانب بڑھا۔ شاید فریدی بھی اسی جانب ڑک پر آیا تھا۔

"کرنل صاحب۔" سائرہ نے تھوڑے وقفہ سے پھر آواز دی۔ شائد اُس نے حمید کو دیکھ لیا ا اندھیرا ہونے کی بناء پر پہچان نہیں سکی تھی۔ حمید کو بھی اس کی دھندلی پرچھائیں نظر آئی ہیں رک گیا۔

"کون ہے۔" سائرہ نے قریب آکر خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

"ہاتھی....!" حمید نے جواب دیا۔

"میرے ہاتھ میں پستول ہے سمجھے؟"

"لاحول ولا قوۃ.... میں ڈوئی یا دست پناہ سمجھا تھا۔" حمید نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"اوہ.... کک.... کون.... حمید صاحب۔"

"نہیں صرف حمید.... صاحب تو وہ تھے جو مجھے پیدل بنا کر خود پیا کے دیس چلے گئے! م یہاں کیا کر رہی ہو۔"

"وہ کدھر گئے ہیں۔"

حمید نے داہنی جانب ہاتھ اٹھادیا۔

"اوہ.... بڑا خوفناک آدمی تھا۔ دھوکے سے حملہ کرتا ہے.... چلئے.... مگر کیسے.... اپنی گاڑی پر گئے ہیں۔"

"میں نے کہا تھا کہ مجھے اس وقت پیدل کہتے ہیں۔"

"اوہ.... تو آپ کی گاڑی میں گئے ہیں.... اُن کی گاڑی موجود ہے۔ چلئے دیر نہ کیجئے۔"

"آپ کے ڈیڈی۔"

"وہ نہیں ملے۔ خدا کے لئے جلدی کیجئے جلدی۔" وہ ایک طرف دوڑتی ہوئی بولی۔ ح بہر حال اس کا ساتھ دینا پڑا تھا۔

فریدی نے اپنی گاڑی لیبارٹری ہی سے کافی فاصلے پر چھوڑی تھی پھر یہاں سے فاصلہ کی بڑھ جاتا۔ دوڑتے دوڑتے حمید پر جھلاہٹ سوار ہو گئی اور اُس کا دل چاہنے لگا کہ اس تیز رفتار کو چھلتی مار کر گرادے۔

گاڑی تک پہنچنے کے لئے انہیں تقریباً تین فرلانگ لمبی دوڑ لگانی پڑی تھی۔

"چلئے.... چلئے.... میرے خدا آپ دیر کیوں کر رہے ہیں۔" اس نے اُسے گاڑی دھکیلتے ہوئے کہا اور خود بھی اُس کے برابر بیٹھ گئی۔

دفعتاً حمید کے ذہن میں ایک شبہے نے سر ابھارا۔ یہ لڑکی شروع ہی سے اس کے لئے م رہی تھی اور حالات بھی کچھ اس قسم کے پیش آئے تھے کہ وہ اب اُس پر اعتماد نہیں کر سکتا پروفیسر کو سب اُس کا باپ سمجھتے رہے تھے اور وہ خود بھی اگر سمجھتی نہیں تو دوسروں کو یہی سمجھا رہی تھی۔ پھر یک بیک دوسرا باپ کیسے پیدا کر بیٹھی یا ایسا کہ بیٹھنے کی ضرورت کیوں محسوس کی اس لئے نہیں کہ فریدی کوئی غیر متوقع اور سنسنی خیز بات سن کر اُس کے ساتھ دوڑا جائے کیس کے دوران میں ایک بار پہلے بھی انہیں اسی قسم کے ایک واقعہ سے دوچار ہونا پڑا تھا۔

"ارے بھئی چلئے نا۔" سائرہ نے جھلائے ہوئے انداز میں اُسے ٹہوکا دیا۔

"ہاں.... آں۔ اوہ پستول تھا تمہارے پاس! لاؤ مجھے دو۔"

سائرہ نے ریوالور اُس کی طرف بڑھادیا۔ یہ غالباً میجر والٹن کا تھا جسے وہ تہہ خانے ہی میں ڑبھا گا تھا۔ حمید نے اُسے جیب میں ڈال کر انجن اسٹارٹ کیا اور اُسی سمت گاڑی موڑ دی جدھر ی گیا تھا۔

"تیز چلئے.... آپ کو کیا ہو گیا ہے کیپٹن! آپ کیا سوچ رہے ہیں۔" سائرہ بولی۔

"میں آپ کے ڈیڈیوں کی کہانی سننا چاہتا ہوں۔ بھلا اس چھوٹی سی عمر میں آپ نے کتنے ا انگیج کئے ہوں گے۔"

"میرا مضحکہ نہ اڑائیے۔" وہ بھرائی ہوئی سی آواز میں بولی۔ "کرنل جتنے شریف ہیں آپ ہی....!"

"اُس سے بھی کہیں زیادہ کمینہ۔" حمید نے سر ہلا کر کہا۔ "عورتوں کے معاملے میں وہ ت کرنل بدھو کہلاتے ہیں پھر عورتیں انہیں شریف کیوں نہ سمجھیں۔"

"اوہ تو آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں آپ لوگوں کے ساتھ کسی قسم کا فراڈ کر رہی ہوں۔"

"ہرگز نہیں! فراڈ تو میں کر رہا ہوں۔"

"کیا مطلب....!"

"یہی کہ آپ میرے ساتھ سفر کر رہی ہیں۔ ویسے ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ میں آپ کو چلتی اسے نیچے پھینک دیتا۔"

"کاش آپ کو میری مظلومیت کا احساس ہو سکتا۔ وہ دردناک لہجے میں بولی۔ آپ خود سوچئے پ کو آٹھ سال تک کسی گدھے کو ڈیڈی کہنا پڑتا تو آپ کا کیا حال ہو جاتا۔"

"لوگ مجھے گدھے کا بچہ سمجھ کر میری عزت کرتے! میری دم پر پھولوں کے ہار لپیٹتے.... ں مجھے رشک چمن کہتیں۔ اوہ کہیں آپ بطخ کے انڈے سے تو نہیں برآمد ہوئی تھیں۔"

"لعنت ہے مجھ پر۔" سائرہ بڑبڑائی۔ "جن حالات کا میں شکار ہوں وہ میرے لئے دوسروں انی ہمدردیاں بھی نہیں حاصل کر سکتے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے سنجیدگی سے پوچھا۔ "ڈاکٹر داؤد سے آپ لوگوں کا

کیا تعلق تھا۔"

"اوہ.... وہی تو اس بربادی کا باعث بنا ہے۔ آپ نے ہسپتال میں مثلث اور دائرہ کے حو
ایک مضحکہ خیز بات کہی تھی۔ میں نہیں جانتی کہ اس میں کہاں تک صداقت ہے.... مگر
اوہ.... میرے خدا۔" وہ یک بیک اچھل پڑی۔

"کیوں....؟"

"بھئی کرنل جس کے پیچھے گئے ہیں.... وہ.... وہ بالکل اُلو معلوم ہو رہا تھا۔"

"اُلو تو میں بھی معلوم ہو رہا ہوں گا۔"

"یقین کیجئے! بالکل اُلو معلوم ہو رہا تھا۔ میں آپ کو کس طرح سمجھاؤں کہ اُلو کیوں م
ہو رہا تھا۔ عجیب سا چہرہ تھا۔"

"خیر چھوڑیئے.... ہاں تو آپ ڈاکٹر داؤد کے بارے میں کیا بتانا چاہتی تھیں۔"

"میں نے اخبارات میں پڑھا تھا کہ قاتل کے متعلق استفسار پر اُس کی زبان سے لفظ اُلو
تھا جسے وہ مرتے وقت تک رٹتا رہا تھا۔"

"لہٰذا یہی اُلو تو اُس کا قاتل ہو سکتا ہے۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "لیکن میں
اُس کے قاتل کے متعلق نہیں پوچھا تھا۔"

"میں کرنل کو سب کچھ بتا چکی ہوں۔ ذرا رفتار اور تیز کیجئے۔"

"میں بھی آپ ہی کی زبانی سننا چاہتا ہوں۔"

"مجھ میں اب سکت نہیں ہے۔" وہ مردہ سی آواز میں بولی۔

"یہ سفر جہنم کے دہانے پر تو نہ ختم ہوگا۔" حمید نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"آپ کا ذہن ابھی تک میرے متعلق الجھا ہی ہوا ہے۔" سائرہ نے کہا اور پھر چونک کر
"اوہ.... وہ روشنی ہی تو ہے۔ اُدھر دیکھئے دائیں جانب۔"

یقیناً روشنی ہی تھی لیکن فاصلے کا اندازہ کرنا مشکل تھا۔ کار تیزی سے راستہ طے کرتی ر
ایک موڑ پر وہی روشنی کسی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی ثابت ہوئی۔ لیکن وہ دوسری گا
متحرک نہیں معلوم ہوتی تھی۔

ڈیہور کی پہاڑیوں کی دیو آسا پرچھائیاں قریب ہوتی جا رہی تھیں۔

"وہ گاڑی جنگل کے قریب ہی معلوم ہوتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ کہیں وہ آپ کی ہی گاڑی نہ ہو۔"

"میں موٹر سائیکل سے آیا تھا۔ مگر دوسرا آدمی.... کیا وہ کوئی گاڑی لے بھاگا تھا۔"

"پتہ نہیں! میں بہت دیر سے پہنچی تھی۔"

"تو پھر اسی گاڑی کو دیکھنا چاہئے۔" حمید نے کہا اور گاڑی کچے راستے پر اتار دی۔ اب اُس کا
ڈیہور کے جنگل ہی کی طرف تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ اُس گاڑی تک پہنچ گئے۔ یہ ایک ایسی جیپ کار تھی جس کا ہڈ ندارد تھا۔
ئی کوئی اُسے اتنی جلدی میں چھوڑ کر گیا تھا کہ نہ تو اس نے ہیڈ لیمپس بجھانے کی زحمت گوارا کی
اور نہ اس کی پرواہ کی تھی کہ انجن چلتے رہنے سے خواہ مخواہ ایندھن ضائع ہوگا۔ حمید نے گاڑی
ٹارچ نکالی اور قرب و جوار کا جائزہ لینے لگا۔

"اوہو....!" وہ ٹھٹک گیا۔ ٹارچ کی روشنی کا دائرہ زمین پر پڑی ہوئی ایک موٹر سائیکل پر
گیا تھا۔

"کیا بات ہے۔ کیا یہ آپ کی بائیک ہے۔" سائرہ نے پوچھا۔ حمید نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔

"خدا کی پناہ پھر یہی منحوس پہاڑیاں۔" سائرہ نے ٹھنڈی سانس لی اور حمید نے اُسے گھور کر دیکھا۔
ان پہاڑیوں میں اُسے آج ہی کئی دل ہلا دینے والے تجربات ہوئے تھے جن کی ذمہ داری کسی
تک شائد اس لڑکی پر بھی تھی۔

"تم واپس جاؤ۔" اُس نے کہا۔ "وہ یقینی طور پر جنگل ہی میں داخل ہوئے ہیں۔"

"یہ ناممکن ہے۔ ہو سکتا ہے ڈیڈی بھی یہیں ہوں۔"

"یہ کس بناء پر کہہ رہی ہو۔" حمید نے پھر کان کھڑے کئے!

"محض قیاس ہے۔"

حمید نے جیپ کا انجن بھی بند کر دیا اور ہیڈ لیمپس بھی بجھا دیئے۔ اب وہ ٹارچ کی روشنی میں
وں کے نشانات تلاش کرنے لگا۔ یقینی طور پر کچھ آدمی اُس جگہ سے چل کر جنگل میں داخل
ئے تھے۔

"کیوں نہ ہم یہیں رک کر کرنل کی واپسی کے منتظر رہیں۔" سائرہ نے کہا۔

"انتظار تو تمہاری تجربہ گاہ میں بھی ہو سکتا تھا۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا اور جنگل کی طرف چل پڑا۔

بہر حال وہ جنگل میں گھس پڑا لیکن کوشش یہی تھی کہ سائرہ سے ایک قدم بھی پیچھے نہ رہ پائے! کیونکہ اُس کی طرف سے مطمئن ہو جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے تک ادھر اُدھر بھٹکنے کے بعد حمید کو اپنی حماقت کا احساس ہوا کیونکہ وہ راہ کا تعین کئے بغیر جنگل میں داخل ہوا تھا۔

"میرے خدا....!" سائرہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔ "یہ کیسی بھیانک آوازیں ہیں۔"

"مختلف قسم کے جانوروں کی ملی جلی آوازیں ہیں اور کچھ بھی نہیں۔ مگر کیا تم ڈر رہی ہو۔"

"نن.... نہیں تو۔"

بس حمید سے اتنی ہی عقلمندی "سرزد" ہوئی تھی کہ وہ لنگن کی اگلی سیٹ کے نیچے سے ا ٹامی گن اور اُس کا کچھ میگزین نکال لایا تھا۔

وہ بھٹکتے رہے لیکن جنگل سے نکلنا ممکن نہ ہوا۔ حمید خصوصیت سے اُن حصوں کی طرف رخ نہیں کرتا تھا جہاں اُسے کائی نظر آتی تھی۔ آج ہی اس کائی کی پھسلن نے کچھ نئے سبق دیئے تھے۔

سائرہ کی وجہ سے اکثر اُسے دم لینے کے لئے رکنا بھی پڑتا۔ غنیمت یہی تھا کہ ابھی تک جنگلی درندے سے مڈبھیڑ نہیں ہوئی تھی ورنہ سائرہ کو سنبھالنا بہت مشکل ہو جاتا۔

وہ بھٹکتے رہے اور افق میں اُجالا پھیلنے لگا۔ حمید کے ذہن پر نیند کے ساتھ ہی جھلاہٹ مسلط ہوتی جا رہی تھی۔ اُس نے سائرہ سے کہا۔ "تمہارا نام سائرہ ہی ہے نا۔"

"کیوں! کیا آپ ابھی تک خواب دیکھ رہے تھے۔" سائرہ نے چڑچڑاہٹ ظاہر کی۔

"نہیں میں تمہیں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تمہارا ستارہ زحل ہے۔ زحل جو نحوس ستارہ کہلاتا ہے۔"

آہستہ آہستہ اجالا پھیلتا رہا۔ حمید ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے بیٹھا خالی معدہ ناچتی ہوئی کھوپڑی کے درمیان سمجھوتہ کر رہا تھا۔ اسی دوران میں نزید شامت نے گھیرا تو بھی سلگا بیٹھا۔ لیکن تین ہی چار کشوں نے تارے دکھا دیئے۔ کھانستے کھانستے پھیپھڑے د بن گئے۔ شب بیداری، تھکن اور بھوک نے تمباکو کے دھوئیں میں لپیٹ کر اُسے ایسی ایسی

دیں کہ عقل ٹھکانے آ گئی۔

اچھی طرح اُجالا پھیل جانے کے بعد وہ پھر ایک جانب چل پڑے۔ سائرہ بہت شدت سے بور نظر آ رہی تھی۔ اُس نے ایک بار جھلاہٹ میں حمید سے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ وہ اُسے ایک لاپرواہ اور نکما آدمی سمجھتی ہے جس کے جواب میں حمید نے کہا تھا۔ "کچے کریلے مت چباؤ۔ میں نے تم سے کب خواہش ظاہر کی تھی کہ ساتھ بھ مارتی پھرو۔"

اس کا کوئی جواب نہیں تھا سائرہ کے پاس۔ خاموش رہ جانے کے علاوہ اور کیا کرتی۔

تب وہ ایک چٹان سے اتر کر نشیب میں جا رہے تھے کہ اچانک انہیں کسی کے پیر نظر آئے جو ایک پتھر پر ٹکے ہوئے تھے اور جسم کا بقیہ حصہ پتھر کے نیچے تھا۔

اس لئے قریب پہنچے بغیر چہرہ نظر آنا مشکل ہی تھا۔ سائرہ نے تو اُس تک پہنچنے میں اتنی عجلت کی کہ ایک بار گر ہی پڑی تھی۔

"ارے.... یہ تو.... وہی ہے۔" اُس نے چیخ کر کہا۔

حمید نے پہلی ہی نظر میں اُسے پہچان لیا۔ یہ میجر والٹن ہی تھا۔ جس کی تصویر اُس نے فریدی کی کونفیڈنشل فائل میں دیکھی تھی۔ لیکن وہ مر چکا تھا۔ جسم پر کہیں بھی کوئی ایسا زخم نظر نہ آیا جسے گولی لگنے کا نتیجہ سمجھا جا سکتا۔ البتہ سر کا پچھلا حصہ پاش پاش ہو چکا تھا۔

"اوہ.... اوہ...." سائرہ مضطربانہ انداز میں بولی۔ "کرنل نے اسے بالکل اُسی طرح اٹھا کر پٹخا ہوگا جیسے تہہ خانے میں پٹخا تھا۔ خدا کی پناہ۔ ایسے لحیم شحیم آدمی کو سر سے اونچا اٹھا کر پٹخ دینا مجھے تو کسی جن ہی کا کام معلوم ہوتا ہے۔"

"مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ جن تمہارے سر پر نہ آ جائے۔ لیکن اسے یاد رکھنا کہ یہ جن سو فیصدی عورت پروف ہے۔ خوبصورت سے خوبصورت لڑکیاں اس کے لئے شلجم کی ترکاری سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں جسے وہ اپنے دستر خوان پر برداشت تو کر لیتا ہے لیکن اس کی طرف دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کرتا۔"

"بکواس کیوں شروع کر دی آپ نے۔" سائرہ نے آنکھیں نکالیں۔ "میں نہیں سمجھ سکتی کہ آپ کے خیالات اتنے گندے کیوں ہیں۔"

"محض اس لئے کہ میں تو اکثر کچے شلجم بھی نگل جاتا ہوں۔" حمید نے کہا اور پھر میجر والٹن

کی لاش کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی نے اُسے مار کیوں ڈالا۔ اسے تو زند
ہی گرفتار کرنا چاہئے تھا۔ مگر پھر سوچا ہو سکتا ہے کہ والٹن خود ہی جان دینے پر تل گیا ہو۔ فریدا
خواہ مخواہ خون بہانا پسند نہیں کرتا۔ لیکن کیا اب وہ یہاں سے جا چکا ہے؟ حمید کی دانست میں یہ بھ
ممکن نہیں تھا۔ وہ کسی ایسے مجرم کی لاش یہیں چھوڑ جانا پسند نہ کرتا جس کی حیثیت بین الاقوا
رہی ہو۔ وہ اسے اٹھا کر اُسی جیپ کار میں شہر لے جاتا جو انہوں نے جنگل کے باہر دیکھی تھی۔ یہ
یہاں اس لاش کی موجودگی ظاہر کر رہی تھی کہ وہ بھی ابھی جنگل سے باہر نہیں نکلا۔

حمید سوچ ہی رہا تھا اب اُسے کیا کرنا چاہئے کہ اچانک چٹان کی پشت سے کسی ریلوے انجن
سیٹی کی سی آواز آئی اور حمید بوکھلا کر ایک طرف ہٹ گیا۔ کیونکہ یہ آواز وہ پہلے بھی سن چکا تھ
یہ آواز اُسی فتین کی ہو سکتی تھی جو شتر مرغ کے انڈے سے برآمد ہوا تھا۔ حمید کا اندازہ غلط نہ
نکلا دوسرے ہی لمحے میں اُس نے چٹان سے نیچے چھلانگ لگائی اور حمید پر دولتی جھاڑتا ہوا دوسر
طرف نکل گیا۔ پھر دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز آئی۔ حمید نے اس کی پرواہ نہیں کی کہ بعد
آنے والا کون تھا۔ بس وہ تو اُس کے پیچھے دوڑ پڑا تھا۔ وہ پھر ایک اونچی سی چٹان پر جا چڑھا۔

اُس کے گرد سر سے پیر تک چمکدار غبار سا گردش کر رہا تھا۔

حمید نے ٹامی گن سیدھی کی اور اس پر گولیاں برسنے لگیں۔ لیکن وہ تو نہایت اطمینان۔
کھڑا ٹامی گن ہی کی سی آوازیں اپنے حلق سے نکال رہا تھا۔ گویا چڑا رہا تھا ٹامی گن کو۔

حمید نے جھلا کر یہ سلسلہ بھی ختم کر دیا اور اُس نابنجار شتر مرغ زادے نے قلقاری مار کر حم
کو چونچ دکھائی۔

"رہنے دو....!" وہ فریدی کی آواز سن کر مڑا.... فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں کئی گھنٹو
سے زچ ہو رہا ہوں۔ ٹامی گن اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔"

بچے نے پھر ریلوے انجن کی سی سیٹی بجائی اور جھک جھک کر فریدی کو سلام کرنے لگا
فریدی ہنس پڑا۔ پھر بولا۔ "یہ کم بخت سال ہا سال سے میرے ذہن پر بار بنا ہوا ہے۔"

"سالہا سال سے کیا مطلب۔" حمید نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"کیا تم اسے نہیں پہچان سکے۔"

"نن.... نہیں....!" حمید نے کچھ سوچتے ہوئے سر کو جنبش دی۔

"یہ فنچ ہے....!"

"نہیں....!" حمید اچھل پڑا۔

"یہ فنچ ہے اور اس کا تعلق کسی بھی پارٹی سے نہیں رہا۔ جس کے لئے یہ سب اتنے دنوں سے
رہے تھے وہ اُس نے معمولی سی ذہانت صرف کر کے حاصل کر لی۔ اب تم دیکھ رہے ہو کوئی
کا کیا بگاڑے گا۔ بس اگر یہ ہاتھ آ جائے تو پکڑا ضرور جا سکتا ہے۔ لیکن گولی کبھی نہیں لگ سکتی
بار سے کترا کر نکل جائے گی۔"

"ارے کرنل دی گریٹ رک کیوں گئے! پکڑو مجھے۔" فنچ نے اوپر سے للکارا۔ "میں تمہیں
طرح دوڑاتا رہوں گا اور جب تھک کر گر جاؤ گے تو میں سب سے پہلے تمہاری ناک کاٹوں گا۔
ان صاف کروں گا۔ لیکن گردن نہیں کاٹوں گا تاکہ تم لوگوں کو اپنا سپاٹ چہرہ دکھانے کے
کچھ دن تو زندہ رہو۔"

"پتھراؤ کروں۔" حمید جھلا کر بولا۔

"وہ بھی فضول ثابت ہو گا۔" فریدی نے کہا۔ "قوت سے پھینکی ہوئی کوئی بھی ثقیل چیز غبار
نہیں گذر سکے گی۔ البتہ تم اس غبار میں ہاتھ ڈال کر اُس کی گردن ضرور دبا سکو گے۔"

"یہ سب کیسے معلوم ہوا آپ کو۔" سائرہ نے پوچھا۔

"آپ کے ڈیڈی کی عنایت ہے۔"

"اوہ.... ڈیڈی.... وہ کہاں ہیں۔"

"اس وقت شہر کے راستے میں ہوں گے۔ میں نے انہیں والٹن کی جیپ میں بیٹھا دیا تھا۔ وہ فنچ
کے قیدی تھے۔ یہیں ایک غار میں! غالباً فنچ انہیں یہاں اس لئے لایا تھا کہ اُن سے اس غبار کے
مکمل معلومات حاصل کر سکے۔"

"کیا تم نے ہمت ہار دی ہے کرنل فریدی۔" فنچ نے اُسے پھر للکارا۔

"نہیں بیٹے۔" فریدی نے ہنس کر کہا۔ "میں نے قسم کھائی ہے کہ آج تمہاری آزادی کا
کا دن ہو گا۔"

"آؤ تو پھر وقت کیوں برباد کر رہے ہو۔"

ہ کے کارناموں کے لئے "ڈاکٹر ڈریڈ" کے سلسلے کی کتابیں جلد نمبر 19 ملاحظہ فرمائیں۔

"ایک نہیں دس پتھر مارو۔" فنچ نے اوپر سے جواب دیا۔ چمکیلا غبار اب بھی اُس کے گر
رہا تھا۔

فریدی نے جھک کر پتھر اٹھاتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "تم لوگ جتنا تیز دوڑ سکتے ہو
سامنے والی چٹان پر رک کر میرا انتظار کرنا۔"

جیسے ہی انہوں نے مڑ کر دوڑنا شروع کیا فنچ قہقہہ لگا کر بولا۔ "کوئی چال کارگر نہیں ہ
کرنل فریدی تم مجھے بیوقوف نہیں بنا سکو گے۔"

"پتھر سنبھالو.....!" فریدی سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

"آنے دو۔" فنچ نے کسی بوڑھے بندر کی طرح گردن اکڑائی۔

فریدی نے درخت پر پتھر چلایا اور خود بھی مڑ کر بے تحاشا اُس طرف بھاگا جدھر جو
سائرہ گئے تھے۔ یک بیک انہوں نے فنچ کی چیخیں سنیں۔ حمید نے مڑنا چاہا لیکن فریدی بولا۔
دار دوڑتے رہو۔"

بالآخر وہ اُسی چٹان پر پہنچ کر رکے۔ فنچ درخت سے گر کر زمین پر لوٹ رہا تھا اور چیخ
چیخے جا رہا تھا۔ "بچاؤ.... بچاؤ.... بچاؤ۔"

کبھی اٹھ کر پاگلوں کی طرح ناچنے اور اچھلنے کودنے لگتا اور کبھی گر کر زمین پر ایڑیاں رگڑ

"بہت اچھے۔" فریدی منہ پر ہاتھ لگا کر چیخا۔ "یہ تھا آخری پتھر بیٹے۔ اب پروفیسر
بچائے تمہاری جان۔"

"کیا کیا تھا آپ نے۔" حمید نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاتھی پر کتے کا پلا کھینچ مارا ہے۔" فریدی مسکرایا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"بچاؤ.... بچاؤ.... کرنل.... بچاؤ!" فنچ زمین پر لوٹتا اور چیختا رہا۔

"شہد کی مکھیاں۔" فریدی بولا۔ "ایک بڑا سا چھتا اوپری شاخوں کے درمیان لٹکا ہوا تھا
فنچ کی نظر نہیں پڑی تھی۔ میں نے اُسی پر پتھر کھینچ مارا تھا۔ مکھیاں جھلا کر اڑیں اور اُس کے
گئیں۔ میں نے اسی لئے تم کو بھاگنے کو کہا تھا۔"

"خدا کی پناہ۔" سائرہ منہ کھول کر رہ گئی۔

کچھ دیر بعد آوازیں آنی بند ہو گئیں۔ فنچ بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔

❁

میجر والٹن آخری جدوجہد کے دوران میں فریدی کے ہاتھوں مارا گیا تھا اور فنچ بیہوشی کے
میں جنگل سے اٹھایا گیا تھا۔ کرنل سلانن پروفیسر غوری کی تجربہ گاہ میں گرفتار ہوا۔ چونکہ میجر
ن کا ایک خاص آدمی جیری پہلے ہی ہاتھ آچکا تھا اس لئے پورا گروہ بہ آسانی کھود نکالا گیا۔ والٹن
ہا سال سے یہاں براجمان تھا اور اُس کے ایجنٹ ایک غیر ملک کے لئے جاسوسی کیا کرتے تھے۔
بجانے والی گاڑی جس سے ٹکرا کر ایک کار فنا ہو گئی تھی، والٹن ہی کی ملکیت تھی۔ وہ بھی شہر
یک ورکشاپ سے برآمد کر لی گئی۔ وہ بظاہر ایک معمولی سی بڑی گاڑی تھی لیکن جب اس کے
ھے سے ایک بڑا سا بفر اٹیچ کر دیا جاتا تھا تو وہ بے حد خطرناک ہو جاتی تھی اور یہی بفر ٹکرانے
چیزوں کے پرخچے اڑا دیتا تھا۔

حمید کو ابھی تک تفصیلات کا علم نہیں تھا۔ حالانکہ اس قصے کو ختم ہوئے تین دن گذر چکے
۔ فریدی اس دوران میں زیادہ تر ملٹری ہیڈ کوارٹر میں رہا تھا۔

چوتھے دن کہیں حمید کی باری آئی۔ پروفیسر مقدس غوری والا معاملہ تو اُسے ابھی تک بے و
ہی معلوم ہوتا رہا تھا۔ لیکن فریدی نے اُسے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ "مقدس غوری بچپن
ں بغرض حصول تعلیم جرمنی بھیج دیا گیا تھا۔ بچپن سے چالیس سال کی عمر تک وہ وہیں رہا اور
نے وہاں بعض اعلیٰ درجہ کے سائنٹفک تحقیقی کارنامے انجام دیئے۔ جنگ کے بعد بھی وہ
ا جرمنی ہی میں مقیم رہا۔ ڈاکٹر داؤد بھی ان دنوں جرمنی ہی میں تھا۔ لیکن جنگ کے دوران
لاپتہ ہو گیا تھا۔ ایک رات وہ اچانک پروفیسر غوری کے مکان پر پہنچا اور اُسے بتایا کہ وہ خطرے
ہے اُس نے اُس کے پاس ایک موٹا پیکٹ امانتاً رکھوایا اور پھر غائب ہو گیا۔ تقریباً دو سال بعد
لا۔ پروفیسر غوری اُن دنوں وطن آنے کی تیاری کر رہا تھا اُس کے باپ کا انتقال ہو چکا تھا اور
اب یہاں اپنا کاروبار دیکھنا تھا۔ پروفیسر نے ڈاکٹر داؤد کو وہ پیکٹ دینا چاہا۔ تب ڈاکٹر داؤد نے
پیکٹ کی کہانی سنائی! اُس میں ایک بڑے سائنسدان کے ایک حیرت انگیز تجربے کے کاغذات
جو جنگ کے دوران میں اُس نے مرتے وقت ڈاکٹر داؤد کے سپرد کئے تھے! اور اس سے استدعا
کی کہ خواہ وہ انہیں تلف کر دے لیکن مخالف قوتوں کے ہاتھ انہیں نہ لگنے دے۔ پروفیسر

غوری نے اُن کاغذات کا مطالعہ کر کے ڈاکٹر کو بتایا کہ وہ تو بڑے کام کی چیز ہے۔ ایک ایسی ایجاد جو لڑاکا طیاروں کو دشمن کے حملوں سے سو فیصد محفوظ رکھے گی۔ ڈاکٹر نے اُس کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ وطن پہنچ کر اس تجربے کو مکمل کرے، جو مرنے والے سائنسدان کے بیان کے مطابق کسی حد تک ادھورا رہ گیا تھا۔ اُس نے اُسے یہ بھی بتایا کہ کچھ نامعلوم لوگ ان کاغذات کے چکر میں ہیں جو ہو سکتا ہے کہ وطن تک اُس کا تعاقب کریں اس لئے بڑی راز داری سے کام لینا پڑے گا۔ لہٰذا انہوں نے اسکیم بنائی کہ ایک نقلی پروفیسر غوری پیدا کیا جائے اور خود پروفیسر غوری سکون کے ساتھ کسی گوشے میں وہ تجربہ مکمل کرے۔ سائرہ بڑی ذہین اور محتاط لڑکی تھی اس لئے اُسے بھی راز دار بنایا گیا۔ کیونکہ اُس کے بغیر تو کام چل ہی نہ سکتا۔ وطن پہنچ کر ایک تجربہ گاہ بنائی گئی جو زمین کے نیچے بھی تجربہ گاہ تھی۔ پروفیسر غوری تہہ خانے ہی والی تجربہ گاہ میں رہتا تھا۔ چونکہ کسی نے اُسے پہلے کبھی دیکھا نہیں تھا اس لئے نقلی پروفیسر غوری جو اُس سے کسی حد تک مشابہ بھی تھا بخوبی چل گیا۔ پہلے پروفیسر غوری نے اس اسکیم کی مخالفت کی تھی اور کہا تھا کہ وہ ملٹری یا سائنسی تحقیقاتی ادارے کے تحت تکمیل کرے گا لیکن ڈاکٹر داؤد نے اُسے سمجھایا کہ مغربی ممالک کے جاسوس بڑے خطرناک ہوتے ہیں وہ وہیں سے اس کا راز اڑا لیں گے۔ لہٰذا کیوں نہ پہلے تجربہ خاموشی سے مکمل کیا جائے پھر اُس کے بعد اُسے ملٹری کے تحقیقاتی ادارے کے سپرد کر دیا جائے۔ اس طرح سکون کے ساتھ کام بھی ہو جائے گا اور غیر ملکی جاسوسوں سے بھی جان بچی رہے گی۔ حالانکہ ڈاکٹر کا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا کہ اُس سے ملک و قوم کو فائدہ پہنچے وہ تو بس پروفیسر سے تجربہ مکمل کرانے کے بعد خود زیادہ سے زیادہ مالی منفعت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ تجربہ مکمل ہونے سے پہلے ہی میجر والٹن اُس سے آ ٹکرایا۔ شائد اُسے علم تھا کہ کاغذات ڈاکٹر کے پاس ہیں۔ وہ اُسے غالباً شیشے میں اتار تا رہا ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ڈاکٹر نے اُس سے کہا ہو کہ تجربہ مکمل ہو جانے کے بعد وہ فارمولا اُس کے ہاتھ فروخت کر دے گا اور "اُلو" کا حوالہ ظاہر کرتا ہو کہ وہ ڈاکٹر سے اپنی اصلی ہی شکل و صورت میں ملا ہوگا۔ بہر حال دوسری طرف ڈاکٹر نے نصیری کو راز دار بنا کر اُس غیر ملکی سفارتخانے سے بھی گفت و شنید کرائی تھی۔ سفارت خانے کی آفر کی ہوئی رقم شائد والٹن کی رقم سے زیادہ تھی۔ والٹن کو شائد اس کی اطلاع ہو گئی۔ اُس نے پہلے تو ڈاکٹر کو دھمکایا ہی ہوگا اور پھر جھلا کر ختم کر دیا ہوگا۔ اگر پہلے دھمکی نہ دی ہوتی تو ڈاکٹر کو تو والٹن

ے اطلاع دیتا۔ بہر حال اُسے گولی مار دی۔ ڈاکٹر نے اس دھمکی کا تذکرہ نصیری سے بھی کیا ہوگا۔ لئے وہ اُلو کے حوالے پر خائف ہو گیا تھا۔ والٹن نے سوچا کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کاغذات کے لق پولیس کو بھی کچھ معلوم ہو جائے لہٰذا اس نے نصیری کو بھی ختم کر دیا۔ واضح رہے کہ ف کاغذات کے لئے اس لئے نہیں کہ اُلو کی شخصیت ظاہر ہو جاتی۔ اُس نے ڈاکٹر کی زندگی بھی اس کی لاعلمی میں اُس کے مکان کی تلاشیاں ضرور لی ہوں گی۔ لیکن وہاں اُسے کیا ملتا ے اُسے یقین رہا ہوگا کہ کاغذات کوٹھی ہی میں موجود ہیں اس لئے اُس نے کوٹھی میں آگ ی کہ کاغذات پولیس کے ہاتھ نہ لگ سکیں۔ اس لئے نہیں کہ وہاں اُس کا کارٹون موجود تھا۔ ں سے فنچ کو بھی اس تجربے کے متعلق علم ہو گیا تھا۔ لہٰذا وہ اپنی گھات میں تھا۔ دراصل فنچ ہی جہ سے ہم پروفیسر کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ اگر وہ شتر مرغ کے انڈے سے برآمد نہ ہوتا تو م غوری کے متعلق اس قسم کی کوئی چیز سوچ ہی نہ سکتے۔ فنچ کو علم تھا کہ میجر والٹن بھی انہیں ات کے چکر میں ہے۔ لہٰذا اس نے سوچا کہ کیوں نہ اسی طرح سنسنی پھیلا کر ان لوگوں کو ں کر دے جو کاغذات کی تلاش میں ہیں۔ میجر والٹن جو یہاں کے تمام سائنسدانوں سے ڈاکٹر رنگ کے بھیس میں ملتا پھر رہا تھا۔ دراصل اس چکر میں تھا کہ اس تجربہ گاہ کا پتہ لگائے۔ وہاں زداؤد والے کاغذات کے مطابق تجربات ہو رہے تھے۔ اسی سلسلے میں غوری کی وہ تجربہ گاہ بھی کی لسٹ پر آئی جو نقلی غوری کے چارج میں تھی۔ اُس کے متعلق اُسے یہی معلوم ہوا ہوگا کہ ئی احمق رئیس ہے جو اس طرح اپنی دولت برباد کر رہا ہے۔ اس نے سوچا ہوگا کہ اس علاقے پیر جمانے کے لئے یہی مناسب ہوگا کہ وہ کسی تجربہ گاہ کے سربراہ سے دوستی بھی گانٹھ لے۔ ی ہی اُسے مناسب معلوم ہوا ہوگا کیونکہ والٹن خود بھی کوئی سائنسدان تو تھا نہیں! کہیں اور اجماتا تو ہر وقت ہی بھرم کھل جانے کا دھڑکا لگا رہتا۔ فنچ نے اپنے کام کی شروعات کے لئے موقع مناسب سمجھا جب نقلی غوری والٹن کے بنائے ہوئے انڈے پر تجربہ کرنے جا رہا تھا۔ وہ غائب کر کے خود ہی مشین سے برآمد ہو گیا۔ عمدہ قسم کے میک اپ میں تھا اس لئے تم بھی نہ نا سکے!"

"آپ نے پہچان لیا تھا....؟" حمید نے پوچھا۔

"قطعی طور پر! اسی لئے مجھے فکر ہوئی تھی کہ پروفیسر غوری کے ذرائع آمدنی معلوم کروں۔"

"ٹھیک یاد آیا۔ آپ کو یہ خیال کیسے پیدا ہوا تھا کہ وہ حقیقتاً پروفیسر غوری نہیں ہے۔ آپ نے دستخطوں کا مسئلہ کس بناء پر اٹھایا تھا۔"

"انکم ٹیکس آفس میں اُس کے ذرائع آمدنی کے متعلق کاغذات دیکھ رہا تھا کہ ایک تاجر نے بر سبیل تذکرہ اُس کے جھکی پن سے متعلق ایک واقعہ سنایا۔ کسی دن سنٹرل بینک میں دونوں کی ملاقات ہو گئی۔ تاجر کا کچھ روپیہ پروفیسر کے ذمے تھا۔ اُسے روپیوں کی شدید ضرورت تھی۔ پروفیسر کے پاس اُس وقت اکاؤنٹس کے متعلق ضروری کاغذات بھی تھے اور چیک بک بھی موجود تھی۔ تاجر نے اُس سے کہا کہ اگر وہ اُسے چیک ہی دے سکے تو اُس کی بعض وقتی پریشانیاں رفع ہو جائیں گی۔ اس پر پروفیسر بہت بگڑا تھا اور کہا تھا کہ وہ راہ چلتے چیک لکھنے کا عادی نہیں ہے۔ دوسرے دن کیش بھجوا دے گا۔ اس نے اُسے اُسی دن اُس کی مطلوبہ رقم بھجوا دی تھی۔ لیکن چیک نہیں دیا تھا۔ میں نے مزید پوچھ گچھ کی تو معلوم ہوا کہ اُسے اکثر چیک بھی ملتے رہے ہیں مگر جب بھی ملے ہیں سائرہ ہی کے ہاتھوں ملے ہیں۔ بہر حال اس چیز نے مجھے اُس کے دستخطوں کا مسئلہ چھیڑنے پر مجبور کیا تھا۔ ہاں تو بہر حال جب تک فنچ یونہی اُدھم مچاتا رہا ان دونوں پارٹیوں میں سے کسی نے بھی اس کی طرف زیادہ دھیان نہ دیا۔ لیکن جیسے ہی وہ چمکیلے غبار سمیت ظاہر ہوا وہ سب پروفیسر کی تجربہ گاہ کی طرف دوڑ پڑے۔ لیکن فنچ تو پروفیسر مقدس غوری کو پہلے ہی نکال لے گیا تھا۔"

"ذرا ٹھہریئے۔" حمید نے کہا۔ "ڈیہور کی پہاڑیوں میں سائرہ اُس سے پہلے ہی لے جائی گئی تھی۔ یعنی اُس وقت چمکیلے غبار کا ظہور نہیں ہوا تھا۔ لیکن لے جانے والے نے اس سے بچے کی اصلیت معلوم کرنی چاہی تھی۔"

"چمکیلے غبار کا ظہور ہو چکا تھا۔ مجھے دیر سے اطلاع ملی تھی۔"

"پتہ نہیں ابھی اور کتنے پوائنٹس ہیں جو میری سمجھ میں نہیں آ سکے۔ مثال کے طور پر وہ پھٹی ہوئی جراب جس کے ذریعہ بلڈ ہاؤنڈ اس آدمی تک پہنچا تھا۔"

"میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ سفارت خانے کی ایک عورت میرے لئے بھی کام کرتی ہے۔ اُس نے مجھے بتایا تھا کہ کرنل سلانن کے کچھ بے ضابطہ ملازم ڈیہور کی پہاڑیوں میں مقیم ہیں۔ لیکن وہ اُن کی صحیح نشاندہی نہیں کر سکی تھی۔ میں نے اُس سے ان لوگوں میں سے کسی کی

ذاتی استعمال کردہ چیز مانگی۔ یہ کام اُس کے لئے بہت دشوار تھا۔ لیکن کسی نہ کسی طرح اس نے اُن کے لیڈر کی ایک پھٹی ہوئی جراب حاصل ہی کر لی۔ بعد میں پتہ چلا کہ والٹن کے کچھ آدمی بھی ڈیہور کی پہاڑیوں میں رہتے تھے اور اُس دن وہ جنگ انہیں دونوں پارٹیوں کے درمیان ہوئی تھی۔ سلانن کے آدمیوں نے سائرہ کو پکڑا تھا اور والٹن کے آدمی اُسے اُن سے چھین لے جانا چاہتے تھے۔"

"مگر آپ نے وہ جھگڑا کیسے فرو کیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ دونوں طرف کے آدمی بھاگ نکلے تھے۔"

"وہ اسمیشر کو دیکھ کر بھاگے تھے۔ کسی نے "پولیس ڈاگ" کا نعرہ لگایا تھا اور پھر وہ سبھی فرار ہو گئے تھے۔ حالانکہ اسمیشر نے اُن کی طرف توجہ بھی نہیں دی تھی۔ وہ تو جس کی تلاش میں تھا اسی راہ پر لگا رہا تھا۔"

حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "نصیری کے اس نوٹ کا کیا مطلب تھا چوہا.... محفوظ ہے۔"

"اوہ.... وہ نوٹ۔ وہ اُسی تجربے کے متعلق تھا۔ پروفیسر نے ایک چوہے پر میگنٹ بلٹ چڑھا کر اُس پر فائر کئے تھے لیکن وہ محفوظ رہا تھا۔ ڈاکٹر داؤد نصیری کے ذریعہ روزانہ کی خبریں کرنل سلانن تک پہنچاتا رہتا تھا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اس نے نصیری کو بھی یہ نہیں بتایا تھا کہ تجربہ کہاں مکمل کیا جا رہا ہے اور اُس کی تکمیل کرنے والا کون ہے۔ ورنہ ان دونوں کے قتل کے بعد ہی سلانن کے آدمی تجربہ گاہ پر چڑھ دوڑے ہوتے۔ یہ ایجاد حقیقتاً حیرت انگیز ہے۔ چمکیلے ذرات ایک مقناطیسی نظام کے گرد مخصوص فاصلے سے چکراتے رہتے ہیں۔ یہ فاصلہ گھٹایا بڑھایا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر جو ذرات فنچ کے گرد چکراتے رہے تھے یہی ایک طیارے کی حفاظت بھی کر سکتے ہیں۔ بس اُس مقناطیسی نظام میں تھوڑی تبدیلی کرنی پڑے گی۔ اتنے ہی ذرات بڑے سے بڑے طیارے کی لمبائی اور چوڑائی کو ڈھک لیں گے۔ تم نے صرف گولیوں کا تجربہ کیا ہے۔ پروفیسر کا دعویٰ ہے کہ کسی ایسے طیارے پر مزائل کا حملہ بھی ناکام ہو جائے گا جس کے گرد یہ ذرات موجود ہوں اور یہ دونوں بد بخت ایسی چیز غیروں کے حوالے کرنے جا رہے تھے۔"

"پروفیسر کو سکتہ ہو گیا تھا جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ ڈاکٹر داؤد اُسے کسی غیر ملکی سفارت خانے کے ہاتھ فروخت کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ ڈاکٹر داؤد اس کے نام ملٹری کے اعلیٰ حکام کے جعلی

خطوط لاتا رہتا تھا جن میں زیادہ تر یہی ہدایت ہوتی تھی کہ وہ اپنا کام انتہائی خاموشی اور رازداری کے ساتھ جاری رکھے۔ اُس نے وہ سارے خطوط میرے حوالے کر دیئے ہیں۔"

"اب پروفیسر کا کیا ہوگا۔"

"میرا خیال ہے کہ اب وہ اس کی تکمیل فوجی ادارہ تحقیقات کے تحت کرے گا۔ اُس کا بیان ہے کہ ابھی اس میں کچھ خامیاں ہیں جنہیں دور کرنے کی ضرورت ہے۔"

"مگر اس کم بخت فنچ نے اس کا دوسرا ہی مصرف پیدا کر لیا تھا۔" حمید نے کہا۔

"میری دانست میں تو اگر اُسے تین چار دن کی مہلت اور ملتی تو وہ سارے شہر کا صفا کر دیتا۔"

"اس میں کیا شک ہے۔ یقین کرو۔ میں اُس دن اتنا زچ ہوا تھا کہ بس اسی کی کسر رہ گئی تھی کہ ایک بڑا سا پتھر اٹھاؤں اور اپنے ہی سر پر مار لوں۔ یہ ننھا سا کیڑا مجھے سارے جنگل میں نچائے پھر رہا تھا۔"

"مگر خدا کی قسم آپ کو سوجھی بھی خوب تھی۔ مجھے تو وہ تاریک[1] وادی میں سنگ ہی کی اُس وقت کی بے بسی یاد آگئی تھی جب آپ نے اپنے کوٹ میں آگ لگا کر اُسے گیس اگلنے والے غار کی طرف پھینکا تھا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ سگار سلگا رہا تھا۔ پھر حمید نے پوچھا کہ آخر فنچ پروفیسر کو وہاں سے لے کیسے گیا ہوگا۔

"ریوالور کی نال پر.....!" فریدی نے جواب دیا۔ "اُسے تہہ خانے سے نکال کر گیراج میں لایا تھا اور اُسی سے کار بھی ڈرائیو کرائی تھی۔ ڈیہور کی پہاڑیوں میں لے گیا اور ایک غار میں بیٹھا اس سے میگنٹ بلٹ کے متعلق مکمل معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ میں نے جا لیا۔ میں دراصل والٹن کی تلاش کرتا پھر رہا تھا کہ ایک غار کے قریب سے گذرتے وقت میں نے فائر کی آواز سنی۔ یہ حماقت فنچ ہی سے ہوئی تھی۔ اُس نے پروفیسر کو دھمکاتے دھمکاتے ایک فائر بھی کر دیا تھا لیکن شائد اُس فائر کا مقصد بھی محض دھمکانا ہی تھا۔ کیونکہ پروفیسر محفوظ رہا تھا۔ میں نے اُسے غار ہی میں پکڑ لیا ہوتا لیکن وہ ڈاج دے کر نکل گیا۔ اس طرح پروفیسر بھی اتفاقاً ہی ہاتھ لگ

[1] اس کہانی کے لئے جاسوسی دنیا کا ناول "خونی بگولے" جلد نمبر 15 ملاحظہ فرمایئے۔

گیا تھا۔ ورنہ شائد فنچ اپنا کام کر گیا ہوتا۔ اب وہاں میرے لئے دو تھے ایک والٹن اور دوسرا فنچ۔ دونوں ہی اندھیرے میں گم ہو چکے تھے۔ والٹن مر گیا تھا مجھے اس کا افسوس ہے۔ مگر کیا کروں اُس نے چھپ کر عقب سے حملہ کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اپنے بچاؤ کے لئے اضطراری ہی طور پر پوری قوت صرف ہو جاتی ہے۔ وہ اچھل کر میری پشت پر آیا تھا اور میں نے پوری قوت سے اُسے دوسری طرف الٹ دیا تھا۔ اُس کا سر کسی چٹان سے ٹکرا کر کئی حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ پھر اجالا ہوتے ہی فنچ سے دوبارہ مڈبھیڑ ہو گئی۔ پہلے تو اُس نے اپنا ریوالور مجھ پر خالی کیا پھر پتھراؤ پر اُتر آیا۔"

فریدی خاموش ہو کر سگار کے کش لینے لگا۔ حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔ "اب دائرہ اور مثلث متعلق کیا خیال ہے۔"

"ممکن ہے تمہارا ہی خیال درست ہو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "دائرہ اور مثلث سائرہ اور اس کی تصوراتی تشکیل ہی ہوں۔ ان کے متعلق یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ہر ایک کے ذہنی تجربات مختلف ہوتے ہیں۔ لفظ سائرہ سن کر تمہیں کیا محسوس ہوتا ہے۔"

"کم بختی۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔ "بس یہی محسوس ہوتا ہے جیسے بارہ گھنٹے کے نوٹس پر پھانسی ہو جائیگی۔ مقدس.. ایسا لگتا ہے جیسے دونوں کے درمیان ایک بڑا سا سلیم شاہی جوتا حائل ہو۔"

❁

سائرہ بُری طرح حمید کے ذہن سے چپک کر رہ گئی تھی۔ اُسے علم تھا کہ وہ اکثر آرلکچو میں رہتی ہے۔ لہٰذا وہ سر شام ہی گھر سے نکل گیا اور جب حمید ہی اُس کے چکر میں یہاں آیا تھا تو پھر وہ کیوں نہ موجود ہوتا۔ وہ تو روز ہی اسی لئے آتا تھا کہ شائد سائرہ سے ملاقات ہو جائے۔ جب سے پروفیسر غوری کی تجربہ گاہ میں فریدی اور حمید نظر آئے تھے اس نے وہاں جانا چھوڑ دیا تھا اکثر شامیں جھریالی ہی میں گذارا کرتی تھیں۔

"آداب بجالاتا ہوں صدر صاحب۔" حمید اُس کی میز کے قریب رک کر بولا۔

"میں نہیں بجواتا..... دفعہ ہو جاؤ۔" قاسم نے بیزاری سے ہونٹ سکوڑ کر دوسری طرف دیکھ لیا۔

حمید نے خفگی کی وجہ پوچھی تو چمک کر بولا۔ "سالے تم میری جندگی برباد کر دوگے۔ ابے تم ہی اُسے جلسہ گاہ میں لائے تھے۔ قیوں لائے تھے۔ اب وہ سالی کہتی ہے میں بھی ترقی

کروں گی.... کرکٹ کھیلوں گی فٹ بال کھیلوں گی.... ٹھینگا پہنوں گی۔ پتلون چڑھاؤں گی... ہاں نہیں تو....!"

"ارے تو وہ کیوں نہ کرے ترقی۔"

"اچھا....!" قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ "تمہاری باپ ہے سالے! تم کون ہوتے ہو ترچھداری کرنے .... کرنے.... ہی ہی ہی.... آئیں.... آئیں.... ابے بیٹھ جاؤ میرے بھائی.... الاقسم شرپسندوں کی طرح۔"

وہ صدر دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ حمید بھی مڑا.... سائرہ تیزی سے چلتی ہوئی اسی طرف آرہی تھی۔

وہ میز کے قریب ہی آکر رکی لیکن تیور کہہ رہے تھے جیسے قاسم کو کچا ہی چبا جائے گی۔ قاسم نے اس کی طرف دیکھا اور بوکھلا کر نظریں جھکالیں۔

"قاسم صاحب۔" وہ اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولی۔ "آپ گھاس تو نہیں کھا گئے۔"

"جج.... جی نہیں.... الاقسم.... قسم لے لیجئے۔"

"آپ بھینسے ہیں۔ کان کھول کر سنئے۔ مجھے صرف نازک اندام مرد پسند آتے ہیں۔ جن کی کمر چلنے میں ہزاروں بل کھاتی ہو۔ صراحی دار گردن ہو اور بالٹی دار کھوپڑی۔ سمجھے۔ اگر آئندہ آپ نے مجھے اس قسم کا خط لکھا تو کسی چوراہے پر ہی مرمت کروں گی۔ ذرا آپ بھی ملاحظہ فرمائیے گا۔"

اُس نے حمید کی طرف ایک لفافہ پھینکا اور تیزی سے دروازے کی جانب مڑ گئی۔ قاسم کرسی کی پشت سے ٹکا اور بھاڑ سا منہ کھولے کسی تھکے ہوئے گدھے کی طرح ہانپ رہا تھا۔

حمید نے لفافے سے خط نکالا.... تحریر تھی۔

"بلبل محبت سلام قبول ہووے۔

سمجھ میں نہیں آتا کیا لکھوں یا کیا نہ لکھوں۔ میں خیریت سے ہوں اور آپ کی خیریت خداوند کریم سے نیک مطلوب ہے۔ دیگر احوال یہ کہ رات بھر جاگتا رہتا ہوں۔ دل میں نہ جانے کیا ہوتا ہے کبھی درد ہوتا ہے اور کبھی.... بھر بھر بھر ہونے لگتا ہے۔ اللہ کرے میں مر جاؤں۔ جب آپ مجھ کو سرپرست کہتی ہیں تو میرا جی چاہتا

ہے کہ آپ کو کلیجے میں بھرلوں۔ مگر میں بڑا بدنصیب ہوں۔ آپ اتنی بڑی ہیں کیسے کلیجے میں بھرلوں۔ یہ ظالم زمانہ ہمیں ملنے نہیں دے گا۔ میں خودکشی کرلوں گا۔ اللہ قسم دیکھ لیجئے گا۔ کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم دونوں مل کر خواتین کو خوب ترقی کرادیں! جی ہاں آپ سمجھ گئیں نا! بدنصیب کاپٹھا.... قاسم"

حمید نے بڑی سنجیدگی سے خط ختم کیا اور بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "ابے یہ میں نے جو اتنے دنوں محنت کی تھی سب پر سوڈا واٹر پھیر دیا تم نے.... خدا تمہیں غارت کرے۔"

"اب بتاؤ! میں قیا قروں۔" قاسم روہانسی آواز میں بولا۔ "دل کی حالت لکھ دی تھی.... پتہ نہیں کیوں کھفا ہوگئیں۔"

"اول تو تم نے اُسے خط لکھا ہی کیوں؟ اگر لکھنا ہی تھا تو اُن میں سے نقل کر دیتے جو میں نے سنائے تھے۔"

"تب اور بھی بیڑہ غرق ہو جاتا۔" قاسم آنکھیں نکال کر غرایا۔ "تم منحوس ہو۔ چلے جاؤ یہاں سے کس نے کہا تھا کہ میری میز پر بیٹھ کر میری ہی دنیا اُجالی.... نن.... نہیں اندھیری کرو۔ جاؤ یہاں سے ہٹو ورنہ وہ تو مجھے برابر خط لکھتی رہیں۔ میں لکھ دوں تو کھفا ہو جائیں.... قیا ہوئی۔"

"برابر خط لکھتی رہتی ہے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"قیا تم نے نہیں دیکھے۔" قاسم آنکھیں نکال کر نہیں بلکہ نقال کر ہی بولا۔ کیوں کہ اُسے بزور سے غصہ آگیا تھا۔

حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور مسکرا کر بولا۔ "مگر اُن خطوط پر تو کسی کا نام ہی نہیں ہوتا تھا پیارے۔"

"ہونہہ.... میرا دل جو قہتا ہے.... اے تم دیکھ لینا خوشخوشی ہی کرلوں گا۔"

"خودکشی۔"

"ٹھینگے سے.... کچھ بھی ہو۔ کر لینے سے مطلب۔ خودکشی ہو یا تمہارے باپ کی دم۔ وہ ہانپتا کانپتا اور لڑکھڑاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔"

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 84

انوکھی رہزنی

(مکمل ناول)

پیشرس

کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کی نئی کہانی حاضر ہے! اسے بھی آپ پچھلی کہانیوں سے مختلف پائیں گے! جس شخص کے گرد کہانی گھومتی ہے، بے حد پُراسرار تھا کہ اس پر ہاتھ ڈالنا آسان کام نہ ہوگا۔ لیکن مجرم خواہ کتنا ہی چالاک کیوں نہ ہو، ایک دن لازمی طور پر قانون کے شکنجے میں بے بسی سے ہاتھ پیر مارتا ہوا نظر آتا ہے۔

اس بار فریدی نے حمید سے کوئی کام نہیں لیا لیکن اس کے باوجود بھی وہ ایک اہم ترین کام تھا۔ کیونکہ اس کا مقصد تھا مجرم کو دھوکے میں رکھنا۔ اہم ترین کاموں کے لئے غیر معروف آدمی منتخب کئے تھے، یہی وجہ تھی کہ مجرم بے باکانہ اُسے اُلو بنانے کی کوشش کرتا تھا اور یہی کوششیں اُسے بالآخر لے ہی ڈوبیں!

آج کل کہانیوں کے سلسلے میں بڑی عجیب فرمائشات آرہی ہیں، انہیں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ "کیپٹن حمید اور کرنل فریدی کو چاند میں بھیجئے۔" نہیں بھائی! ذرا سوچئے تو اگر میں نے انہیں چاند میں بھیج دیا تو کیا خود

زمین پر رہ کر خاک پھاکوں گا۔ یا پھر ٹھہریئے.... ذرا انہیں دیکھ لیجئے جو چاند میں پہنچنے کے منصوبے بنا رہے ہیں، جب اُن کی خیریت کا خط آجائے گا تو میں بھی ان دونوں کی خیریت خداوند کریم سے نیک چاہتا ہوا انہیں چاند کے لئے روانہ کر دوں گا۔ ویسے فی الحال اگر جی چاہے تو "چندا ماما تا تا" والا گیت سن لیجئے کیونکہ ابھی تک وہ بچہ جسے آدمی کا باپ کہتے ہیں، چاند کے معاملے میں اس گیت سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ پھر آپ خود سو[illegible] حمد کو مرغیوں کے سے چہرے اور گلہریوں کی سی دمیں رکھنے والی لڑکیاں [illegible] اس غریب کا کیا حال ہوگا! کیا اس کی خود کشی آپ کے لئے [illegible] فی الحال ایسے [illegible] پر تو وہ [illegible] زندگی چاند سی [illegible] کچھ بھی نہیں۔"

[illegible] سب خیریت ہے دیگر احوال یہ ہے کہ چاند کا سفر یہ لوگ اُسی وقت اختیار کریں گے جب زمین ان پر تنگ ہو جائے گی۔ فی الحال اس کا کوئی امکان نہیں۔

ابن صفی

۲۶ر جولائی ۱۹۵۹ء

ناخواندہ مہمان

سر سجاد اور اس کی بیٹی رضوانہ ڈائننگ روم میں داخل ہوئے۔ میز پر پلیٹیں لگادی گئی تھیں اور باورچی شاید کچن میں تھا۔ وہ دونوں گفتگو کرتے ہوئے اسی طرف چلے آئے تھے، ورنہ کھانے کی میز پر پہنچنے میں ابھی سات یا آٹھ منٹ کی دیر تھی۔

سر سجاد ایک با اصول اور وقت کا پابند آدمی تھا۔ بعض اوقات تو اس کی اصول پسندی اور وقت کی پابندی رضوانہ کو مضحکہ خیز بھی لگتی تھی۔ لیکن خاموشی کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا کیونکہ سر سجاد جیسے لوگوں پر کسی قسم کی بھی مخالفت کی صورت میں بلڈ پریشر کے دورے پڑنے لگتے ہیں۔

میز پر تیسری پلیٹ دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا۔ پھر رضوانہ کی طرف مڑ کر جواب طلب نظروں سے دیکھا۔

رضوانہ کو بھی اس غیر متوقع تبدیلی پر حیرت ہوئی تھی۔ اُس کے علم میں نہیں تھا کہ کوئی تیسرا آدمی بھی رات کے کھانے پر ہوگا۔

"اس کا کیا مطلب ہے۔" سر سجاد نے تیسری پلیٹ کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔

"میں کیا جانوں! میں نے تو کسی کو مدعو نہیں کیا۔"

سر سجاد نے ایک طویل سانس لی اور سر پکڑ کر ڈائننگ چیئر پر بیٹھ گیا۔

رضوانہ چند لمحے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے اُسے خاموشی سے دیکھتی رہی۔ پھر بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "تو آخر اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ ہو سکتا ہے باورچی نے غلطی سے رکھ دی ہو۔"

"غلطی۔" سر سجاد کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔ "کیا معمولات میں بھی غلطیوں کا امکان

ہو سکتا ہے۔"

"اونہہ ڈیڈی.... ختم بھی کیجئے! میں ہٹائے دیتی ہوں۔"

"نہیں ٹھہرو.... آنے دو، اس سے میں جواب طلب کروں گا۔ ورنہ کل اس میز پر پلیٹوں کے ساتھ کسی خارش زدہ کتے کی لاش بھی نظر آسکتی ہے۔"

رضوانہ خاموش ہو گئی کیونکہ اس سلسلے میں بحث فضول تھی۔ سر سجاد ایسا ہی جھکی تھا۔

اُس نے بھی ایک کرسی کھینچی اور چپ چاپ بیٹھ گئی۔ سر سجاد بڑبڑاتا رہا۔

"اس قسم کی غلطی ذہنی طور پر غیر حاضر ہونے کی دلیل ہے۔ میں اسے قطعی پسند نہیں کرتا کہ کام کی طرف دھیان نہ رکھا جائے۔ کل ڈرائیور بھی گاڑی چلاتے چلاتے ذہنی طور پر غیر حاضر ہو سکتا ہے اور گاڑی سڑک پر جانے کی بجائے کسی مکان کے زینوں پر چڑھ سکتی ہے اور....!"

رضوانہ نے یہی بہتر سمجھا کہ خود بھی ذہنی طور پر غیر حاضر ہو جائے کیونکہ اب چرخہ تو چل ہی پڑا تھا۔ وہ بڑبڑائے جا رہا تھا اور وہ اُن جنگلی خرگوشوں کے متعلق سوچ رہی تھی جن کا شکار اس نے پچھلے دن کیا تھا۔

کچھ دیر بعد باورچی کھانے کی ٹرالی دھکیلتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور رضوانہ اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔ وہ جانتی تھی کہ اب اُس کی شامت آجائے گی۔

جیسے ہی ٹرالی میز کے قریب رکی سر سجاد تیسری پلیٹ کی طرف انگلی اٹھا کر دہاڑا۔

"یہ کیا ہے۔"

باورچی بوکھلا کر اُسے دیکھنے لگا پھر ہکلایا۔ "مم.... میں نے.... تت.... تو.... نہیں رکھی.... حضور.... یہ.... پپ.... پلیٹ۔"

"ہائیں تو کیا آسمان سے ٹپکی ہے۔ کیا تیری موت آئی ہے۔ جھوٹا کمینہ۔"

"ٹھہرو...." دفعتاً ایک گرجدار آواز کمرے میں گونجی اور ایک آدمی سامنے والے دروازے کا پردہ ہٹا کر آگے بڑھا۔ اُس کے ہاتھ میں ریوالور بھی نظر آیا جس کا رخ انہیں تینوں کی طرف تھا۔

سر سجاد کا منہ کھلا اور پھر بند ہو گیا۔

"چلو.... چپ چاپ کھانا میز پر لگاؤ۔" آنے والے نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "اگر کسی کی زبان سے ایک لفظ بھی نکلا تو بیدریغ فائر کر دوں گا۔ تیسری پلیٹ میں نے رکھی تھی۔"

باورچی سر سجاد کی طرف دیکھنے لگا۔

"چلو....! کیا تم نے سنا نہیں۔ کھانا لگاؤ۔"

رضوانہ خوفزدہ نظر آنے لگی تھی۔ لیکن سر سجاد کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں باورچی سے بولا۔ "کھانا لگاؤ۔"

آنے والا میلی سی خاکی پتلون اور سیاہ اونی جیکٹ میں تھا۔ لیکن شیو بڑھے ہونے کے باوجود شکل نہیں معلوم ہوتا تھا۔ عمر پچیس اور تیس کے درمیان رہی ہو گی۔ جسم کی بناوٹ بتا رہی تھی کہ وہ کسی گینڈے کی طرح مضبوط بھی ہے۔

"تم کون ہو۔" سر سجاد نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"اوہ.... کیا ایک وقت کے کھانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ میں تمہیں اپنے حسب نسب سے بھی آگاہ کر دوں۔"

"میں کہتا ہوں تمہیں اس کی جرأت کیسے ہوئی۔" سر سجاد نے آنکھیں نکالیں۔

"میں بھیک مانگنے کا قائل نہیں ہوں.... باورچی اب الگ ہٹ جاؤ۔ لیکن تم اُس وقت تک کمرے سے باہر قدم نہیں نکال سکتے جب تک کہ میں چلا نہ جاؤں۔ ہاں ٹھیک ہے اسی جگہ کھڑے رہو۔"

"تم جانتے ہو کہ تم سے کتنا بڑا جرم ہو رہا ہے۔" سر سجاد نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

وہ اُس کی بات کا کوئی جواب دیئے بغیر آگے بڑھا، کرسی کھسکائی اور بیٹھ کر ریوالور سامنے رکھتا ہوا بولا۔ "بس اب کھانا شروع کرو۔ مگر شریفوں کی طرح۔ میں کھانے کی میز پر ہاتھا پائی کو ناپسند کرتا۔ کھانے کے علاوہ تم سے اور کوئی حرکت سرزد ہوئی تو.... ریوالور میں پورے چھ بلٹ موجود ہیں اور یہ بے آواز بھی ہے۔"

رضوانہ اپنی کرسی سر سجاد کے قریب کھسکا لے گئی۔ لیکن اس پر اجنبی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ وہ تو اس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔

اس نے بڑے اطمینان سے اپنے آگے رکھی ہوئی پلیٹ سیدھی کی اور قاب کا ڈھکن اٹھا کر ہلکے سے شوربہ نکالنے لگا۔ رضوانہ اور سر سجاد بے حس و حرکت بیٹھے رہے۔

"ہائیں....!" اس نے اُن کی طرف دیکھ کر کہا "چلئے شروع کیجئے۔ آپ لوگ تو تکلف برت رہے ہیں۔"

"بکواس بند کرو۔" سر سجاد غرایا۔

"کھانے کی میز پر مجھ سے خاموش نہیں بیٹھا جاتا۔ شروع کرو۔ ابھی میں تمہیں لیٹنے سناؤں گا۔"

"کیا تم پاگل ہو گئے ہو۔"

"پاگل تو تم ہو کہ اگر تمہاری میز پر کوئی تیسرا آدمی آجائے تو تم اپنے ہاتھ روک لو گے شروع کرو، ورنہ گولی مار دوں گا۔ میں دوستانہ فضا میں کھانا کھانے کا عادی ہوں۔ کہو تو موسیقی بھی شروع کر دوں یعنی کہ آہا! آج موسم بے حد خوشگوار ہے.... کل بھی رہے گا اور شاید پرسوں بھی رہے۔"

رضوانہ نے اپنی پلیٹ سیدھی کی اور قاب کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"تم آخر چاہتے کیا ہو۔" سر سجاد کی آواز پھر بھرا گئی۔

"یہی جو کر رہا ہوں...." اجنبی نے کہا۔ اس نے کھانا شروع کر دیا تھا۔

"مگر یہ طریقہ....!"

"ڈیڈی کھانا کھایئے۔" رضوانہ بولی۔ "یہ کوئی بہروپیا ہے! کھانے کے بعد انعام بھی کرے گا۔"

"کیوں؟" سر سجاد نے اجنبی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں میں تم سے تجوری کی کنجی بھی طلب کر سکتا ہوں۔ مگر مجھے اس کی ضرورت ہے۔ کل صبح ہی اس کا سوال پیدا ہو گا کہ ناشتہ کہاں سے کیا جائے۔ لیکن کل شاید میں کسی دوسرے کی میز پر نظر آؤں۔ تمہارا شوربہ مجھے قطعی پسند نہیں آیا.... بس پیٹ بھر رہا ہوں۔"

سر سجاد خاموش بیٹھا رہا۔ رضوانہ کھانے لگی تھی۔

"یار تم بے حد بور آدمی معلوم ہوتے ہو۔" اجنبی نے پھر سر سجاد کو مخاطب کیا۔ "منو کی طرح پھولے بیٹھے ہو۔ کھاؤ نا....!"

"بہت ہو چکا.... زبان بند کرو۔" سر سجاد میز پر ہاتھ مار کر دہاڑا۔

"ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے مسٹر! کھانے کی میز پر تاؤ کھانے سے۔" کہنے کا انداز مضحکانہ

"اگر خاموشی سے زہر مار کرتے رہو تو کیا حرج ہے۔" رضوانہ نے کہا۔ وہ اس بیباک

لہجی لے رہی تھی۔

"کھانے لذیذ ہوں تو بولنے کی مہلت نہیں ملتی! تم لوگ بڑی گھٹیا چیزیں کھاتے ہو۔" اجنبی بولا۔

رضوانہ کباب ہو کر رہ گئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کیوں نہ شوربے کی قاب اس کے منہ پر کھینچ ... لیکن ریوالور؟ جو شخص ریوالور کے زور پر اتنا کچھ کر سکتا ہے وہ اسے استعمال کرنے سے نہیں چوکے گا۔

سر سجاد میز پر دونوں ہاتھ رکھے اُسے گھورے جا رہا تھا۔

"اکثر بڑے عجیب لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے۔" اجنبی نے مرغ مسلم کی ٹانگ کاٹتے ہوئے کہا۔ "مثلاً نام تو ہے خان بہادر فلاں ابن فلاں! اور کھائیں گے مسور کی دال کدو کی .... بیگن کا بھرتہ! پچھلی رات ایک ایسے ہی آدمی کی میز پر میری موت واقع ہوتے ہوتے رہ بین کی موٹی موٹی روٹیاں اڑا رہا تھا کم بخت۔ مجھے بھی وہی زہر مار کرنی پڑیں جس کا نتیجہ یہ ہ ناشتہ اور دوپہر کا کھانا گول....!"

رضوانہ غیر ارادی طور پر ہنس پڑی اور سر سجاد نے اُسے گھور کر دیکھا۔

ادھر ناخواندہ مہمان تڑ سے بولا۔ "ہاں! ہاں کھا جاؤ اسے۔ ہنسی کیوں بیچاری۔ یار بڑے میاں کے ناخن لو۔ کیا آسمان ٹوٹ پڑا ہے تم پر۔ چار چپاتیوں سے زیادہ میری خوراک نہیں ہے۔ کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا۔"

"خاموشی سے کھاتے رہو۔ بدتمیزی نہیں۔" رضوانہ نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "میں سمجھ گئی ہو سکتے ہو۔"

"کون....؟" سر سجاد نے پھر رضوانہ کو گھورا۔

"کیا آپ نے اخبارات میں اُس رہزن کے متعلق نہیں پڑھا، جو راہگیروں کو روک کر ان سے ہزن کرتا ہے۔" رضوانہ بولی۔

"اوہ....!"

اجنبی پر اس ریمارک کا کوئی واضح اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ بدستور کھانے میں مشغول رہا۔ رضوانہ رہی تھی۔ "ابھی کچھ ہی دن پہلے شہر کی ایک گلی میں جس نے میری ایک سہیلی کو روکا تھا اور کا پرس چھین کر اُس میں چوکلیٹ کے پیکٹ تلاش کئے تھے۔ پرس میں تقریباً پندرہ سو روپے

بھی تھے لیکن انہیں ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔"

سر سجاد میز پر جھک کر ناخواندہ مہمان کو ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔

"داؤں.... اور کیا۔" اجنبی منہ چلاتا ہوا بولا۔ "مجھے ایسی لڑکیاں زہر ہی لگتی ہیں، جو وقت خود پر بڑھاپا طاری کرلیں۔ لعنت ہے ایسی لڑکی پر جس کے پرس میں ٹافیاں یا چوکلیٹ نہ ملیں۔"

سر سجاد کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ دکھائی دی۔ لیکن پھر یک بیک اُس نے اپنے ہونٹ سکوڑ لئے جیسے غیر ارادی طور پر مسکرایا ہو۔

"تو تم وہی ہو۔" رضوانہ نے کہا۔

"بالکل.... اوہ میٹھا نہیں ہے تمہاری میز پر۔ نحوست کی نشانی۔"

رضوانہ نے پلکیں جھپکائیں اور پھر سنجیدگی سے بولی۔ "اوہ.... ہاں! ٹھہرو۔ میں تمہارے لئے تھوڑی مٹھائی مہیا کر سکوں گی۔" اُس نے اٹھنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔

اجنبی نے ریوالور پر بایاں ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "نہیں.... ٹھہرو۔ میں اتنا گدھا نہیں کہ تمہیں پولیس کو فون کرنے کا موقع دوں!"

"تمہاری مرضی۔" رضوانہ نے لاپروائی سے کہا اور پھر کھانے میں مشغول ہو گئی۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی۔

"آخر ان حرکتوں کا مقصد....!" سر سجاد نے کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"رگوں میں خون تیزی سے گردش کرنے لگتا ہے اور ساری کاہلی دور ہو جاتی ہے۔"

"بکواس ہے۔ محض اتنی سی بات کے لئے اتنے خطرات نہیں مول لئے جاتے۔"

"پھر تمہارا کیا خیال ہے۔" اجنبی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"اپنا خیال میں اُسی وقت ظاہر کروں گا جب تمہارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہوں گی سر سجاد نے غرا کر کہا۔

"بھول جاؤ....!" اجنبی کے لہجے میں تمسخر تھا۔ "میں آرسین لوپن یا بہرام نہیں ہوں۔"

"ہوں....!" سر سجاد نے ہونٹ بھینچ کر سر کو جنبش دی۔

"اور نہ کسی جاسوسی فلم کا نوجوان تھانے دار ہوں، جو وردی پہن کر گاتا ہے.... آجا"

ہم چلی آ امبوا تلے ہو.... خیر.... تم سگریٹ کون سے پیتے ہو۔ اس سلسلے میں بھی بڑے تلخ رہات ہوئے ہیں۔ کل ہی ایک گدھے کو بڑا قیمتی سوٹ پہنے دیکھ کر جیب میں ہاتھ ڈال دیا تھا۔ ر نکلا کیا.... ڈھائی آنے والا پیکٹ.... جھلا کر اس زور کا تھپڑ رسید کیا تھا کہ گال پر پانچوں لیاں بن گئی ہوں گی۔"

رضوانہ پھر ہنس پڑی۔ لیکن اس بار سر سجاد نے اُسے گھور کر نہیں دیکھا۔ شاید اب وہ بھی ہی لے رہا تھا۔ اس سر پھرے جوان میں۔

"میرا خیال ہے کہ تم پڑھے لکھے آدمی ہو۔" سر سجاد نے کہا۔

"کبھی تھا! اب نہیں ہوں۔"

"کیا بیروزگاری سے تنگ آکر....؟"

"نہیں نہیں! مجھے اتنا ڈرامیٹک بھی نہ سمجھو۔" وہ بایاں ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اگر یہی بات ہوتی ے تجوری کی کنجیاں ضرور طلب کرتا۔"

"پھر اس طرح خود کو خطرات میں ڈالنے سے کیا فائدہ۔"

"میری بے چین طبیعت اسی طرح سکون پاتی ہے۔"

"تو یہ ریوالور محض دھمکانے کے لئے ہے۔"

"میری مرضی کے خلاف کچھ کر کے دیکھو اس کا بھی تجربہ ہو جائے گا۔" اجنبی نے انتہائی تلخ میں کہا۔ "لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ایک سگریٹ کے لئے ایک کارتوس برباد کرنا پسند نہ کروں یہ میرا اصول ہے مسٹر کہ میں ضرورت سے زیادہ نہیں وصول کرتا:... مثلاً اگر اس وقت مجھے روپوں کی ضرورت ہے تو میں تمہارے پرس سے صرف پانچ ہی کا نوٹ نکالوں گا خواہ اس میں ہزار ہی کیوں نہ ہوں۔"

"شاید اسی لئے اب تک بچے بھی رہے ہو۔" رضوانہ بولی۔ "لوگ تمہاری ان حرکتوں کو بجا برداشت کر لیتے ہیں۔"

"اور ہیرو الگ بنتا جا رہا ہوں.... کیوں؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

رضوانہ کچھ نہ بولی۔ سر سجاد بھی خاموش ہو گیا تھا۔ اجنبی نے کھانا ختم کر کے نیپکن سے ہاتھ سکے اور اسے میز پر ڈالتا ہوا بولا۔ "سگریٹ۔"

"میں سگریٹ نہیں پیتا۔" سر سجاد نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"مہمانوں کے لئے بھی نہیں رکھتے۔"

"ظاہر ہے کہ اس کے لئے یہاں سے اٹھنا پڑے گا۔" رضوانہ بولی۔

"اوہ.... اچھا تو پھر کہیں اور سہی۔" وہ اٹھ گیا۔ ریوالور اٹھایا اور الٹے پاؤں دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "میں پردے کے پیچھے دو تین منٹ ٹھہروں گا۔ کوئی کمرے سے باہر نہ جائے۔"

وہ دروازے سے گذر کر پردے کے پیچھے غائب ہو گیا لیکن ریوالور کی نال پردے پر اُبھری ہوئی نظر آ رہی تھی۔ وہ سب ساکت و سامت پردے پر نظریں جمائے رہے۔

پھر سر سجاد چونک کر دیوار سے لگے ہوئے کلاک کی طرف دیکھنے لگا جس کی "ٹک ٹک" انہیں اپنی کھوپڑی سے خارج ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔

پھر شاید تین منٹ سے بھی زیادہ گذر گئے۔ لیکن پردے پر کسی نوکیلی چیز کا ابھار اب بھی دکھائی دے رہا تھا۔

"اوہ.... کم بخت اب کیوں رکا ہوا ہے۔" دفعتاً سر سجاد دانت پیس کر غرایا۔

"ہم کب تک اس طرح بیٹھے رہیں گے۔" رضوانہ نے بلند آواز میں کہا۔ "تم بڑے ناشکرے ہو۔"

پردے میں جنبش تک نہ ہوئی۔ اُبھار بدستور قائم رہا۔ دفعتاً سر سجاد جھلا کر اٹھا اور پردے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

اپنی دانست میں اُس نے ریوالور کی نال ہی پر ہاتھ ڈالا تھا لیکن پھر کوئی لمبی سی چیز اُس کی گرفت میں جھول کر رہ گئی۔ بائیں ہاتھ سے اُس نے پردے کو جھٹکا دیا۔

"اوہ....!" رضوانہ نے متحیرانہ لہجے میں کہا اور پھر ہنس پڑی۔ کیونکہ پردے پر نظر آنے والا ابھار ایک واکنگ اسٹک کے نچلے سرے کا مرہون منت تھا جس کا ہینڈل ایک کرسی کے ہتھے پر ٹکا دیا گیا تھا۔

"خاموش رہو۔" سر سجاد غرایا اور رضوانہ اس طرح خاموش ہو گئی جیسے سر سجاد کے اس کی بناء پر اس کے ذہن کو جھٹکا لگا ہو۔

خانساماں بڑی بدحواسی کے عالم میں وہاں سے رخصت ہوا تھا اور اب کمرے میں صرف دونوں رہ گئے تھے۔

یک بیک سر سجاد سینہ تان کر چلتا ہوا کمرے کے وسط میں آیا اور اس طرح رک کر چاروں طرف دیکھنے لگا جیسے پہلی بار اُس کمرے میں آیا ہو۔ رضوانہ کے لئے اس کا رویہ تحیر انگیز تھا اُس نے متنبہ انہ انداز میں پلکیں جھپکائیں اور ٹھیک اُسی وقت سر سجاد گرجنے لگا۔ "مجھے اس طرح خوفزدہ نہیں کیا جا سکتا۔ میں اپنے سینے میں فولاد کا دل رکھتا ہوں، چھپ کر حملہ کرو گے، کرو۔"

"ڈیڈی....!" رضوانہ کی آواز کانپ رہی تھی۔

"اپنے کمرے میں جاؤ....!" سر سجاد کا لہجہ تحکمانہ تھا۔ "میرے بازوؤں میں اتنی قوت ہے کہ بیک وقت کئی آدمیوں کا گلا گھونٹ سکتا ہوں۔ اپنے کمرے میں جاؤ! کیا تم نے سنا نہیں۔ ڈ.... وہ سمجھتے ہیں شاید میں تمہاری موجودگی میں آگ اور خون کا کھیل پسند نہ کروں۔ جاؤ۔"

رضوانہ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہیں کھڑی رہ سکتی۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے یک بیک سر سجاد کا دماغ ماؤف ہو گیا ہو۔

خون کے دھبے

کیپٹن حمید کی موٹر سائیکل تار جام والی سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی۔ سڑک سنسان نہ ہوتی تو بھی شاید رفتار اتنی ہی تیز ہوتی کیونکہ تقریباً ایک ہفتے کے بعد کرنل فریدی کا سراغ ملا تھا۔

ایک ہفتے سے کرنل فریدی کے متعلق مختلف قسم کی قیاس آرائیاں کی جاتی رہی تھیں۔ کسی کا خیال تھا کہ وہ ان ڈاکوؤں کی گولیوں کا نشانہ بن گیا ہوگا، جو بینک آف کینیڈا میں ڈاکہ ڈال کر بھاگے تھے۔ کوئی کہتا اس کی لاش بینک کی سامنے والی عمارت کے ملبے سے یقینی طور پر نکالی گئی ہوگی، لیکن وہاں سے برآمد ہونے والی کئی لاشیں تو اس قدر مسخ ہو گئی تھیں کہ اُن کی شناخت ہی نہیں ہو سکی تھی۔ ہو سکتا تھا کہ انہیں میں سے کوئی لاش اس کی بھی رہی ہو۔

مگر حمید کیسے یقین کر لیتا۔ یقین نہ کرنے کا کوئی منطقی جواز نہیں تھا۔ بس چھٹی حس کی بات تھی۔ اس کا ایمان تھا کہ ہارڈ اسٹون جیسے لوگ چوہے کی موت نہیں مرا کرتے.... ویسے محکمے کو یہ اطلاع فریدی ہی نے بہم پہنچائی تھی کہ بینک آف کینیڈا پر ڈاکہ پڑنے والا ہے۔ پھر وہ لٹیروں کی

گھات میں نہ رہا ہوگا۔ کیا اُس نے اُن پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش نہ کی ہوگی۔ لیکن اس نے اس ر
میں وقت کا تعین تو نہیں کیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی معلومات اس حد تک نہ رہی ہوں اور
تھیں بھی تو کیا بینک کو لٹنے سے بچایا جا سکتا تھا۔ کیا اس کی حفاظت کرنے والے اُس زبردر
دھماکے سے بوکھلا کر بھاگ نہ کھڑے ہوتے جس نے بینک سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک
عمارت کو آن واحد میں خاک کا ڈھیر بنا دیا تھا۔

بینک کے پہرے داروں میں سے ایک بھی وہاں نہیں ٹھہرا تھا پھر صبح تک کسی کو ہوش آ
آیا کہ بینک پر کیا گذری ہوگی۔ کیونکہ دھماکے نے ساری بستی کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ ڈا
کا علم تو اُسی وقت ہوا تھا جب بینک کے عملے نے دوسرے دن اسٹرونگ روم میں جھاڑو پھ
دیکھی تھی۔

اُسی صبح حمید نے فریدی کا بستر خالی دیکھا تھا اور آج ایک ہفتے کے بعد اُسے فون پر اُس کا پ
ملا تھا کہ وہ اسے تار جام کے ایڈلفی ہوٹل میں مل سکے گا۔ ساتھ ہی تاکید کی گئی تھی کہ وہ ا
تذکرہ کسی سے بھی نہ کرے۔

مگر ایڈلفی ہوٹل میں گھنٹوں کھیاں مارنے کے باوجود بھی اس سے ملاقات نہ ہو سکی اور
اسے سوچنا پڑا کہ کہیں کسی نے دھوکا تو نہیں دیا تھا۔ لیکن آواز سو فیصدی فریدی ہی کی تھی۔
اُسے کیا سمجھا جائے۔ وہ سوچتا رہا.... میز پر دو
تھا اور ایڈلفی کا ڈائننگ ہال کچھ اتنا زیادہ آباد
نہیں تھا۔

اس نے ملازمین سے پوچھ گچھ کرنا مناسب نہ سمجھا اُسے توقع تھی کہ فریدی اگر یہاں ہوگا
میک اپ ہی میں ہوگا۔ ورنہ پھر اس طرح غائب ہو جانے کی کیا ضرورت تھی۔

لیکن پھر جیسے ہی اُس نے وہاں سے اٹھنے کا ارادہ کیا دفعتاً اس کے ذہن کو جھٹکا سا لگا کیو
فریدی ایک دروازے میں کھڑا مسکرا رہا تھا اور حمید کا یہ خیال غلط نکلا کہ وہ میک اپ میں ہوگا۔
آخر اس رازداری کی کیا ضرورت تھی۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا قریب آیا اور ایک کرسی کھینچ کر بیٹھتا ہوا بولا۔ "تمہیں شاید کچھ د
انتظار کرنا پڑا ہے۔"

"اس حد تک کہ شاید میں اسی کرسی پر پیدا ہوا تھا۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"اوہ.... موڈ خراب ہے شاید۔" فریدی مسکرایا۔ وہ خود بڑے اچھے موڈ میں معلوم ہو رہا تھا۔

"میں کہتا ہوں آخر اس طرح بور کرنے سے کیا فائدہ۔"

"بھئی.... بس اچانک اٹھا تھا اور شہر چھوڑ دیا تھا۔"

"وجہ....!"

"میں نہیں جانتا تھا کہ کینیڈا بینک کا قبضہ میرے ہی سپرد کیا جائے گا۔"

"کیا مطلب....!" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ سب بکواس ہے کہ میں نے اس کے متعلق کسی قسم کی اطلاع محکمے کو دی تھی۔ میں نہیں
اس افواہ کا ذمہ دار کون ہے۔"

"تو پھر اس طرح غائب ہو جانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"بتایا تو کہ میں اس قضیئے میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔"

"پہلی بار آپ کی زبان سے اس قسم کی گفتگو سن رہا ہوں۔ آپ تو خواہ مخواہ دخل اندازی
نے والے لوگوں میں سے ہیں۔ بسا اوقات آفیسروں سے بھی اسی بات پر آپ کی ان بن
ہے کہ فلاں کیس آپ کے سپرد کیوں نہیں کیا گیا۔"

"یہ تو کیس کی نوعیت ہی پر منحصر ہے۔"

"اوہ تو یہ کیس اس قابل ہی نہیں تھا۔"

"بھئی! میرے پاس اُس سے بھی زیادہ دلچسپ کیس ہے جسے میں چھوڑنا نہیں چاہتا اور جو
کے ڈاکے سے زیادہ اہم ہے۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔

"کون سا کیس....!"

"اُس آدمی کا جو لڑکیوں کے پرس میں ٹافیاں تلاش کرتا ہے۔"

"لاحول ولا قوۃ...." حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں۔"

"بالکل....!"

"مزید لاحول ولا قوۃ...." حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "بھلا اُس میں کیا رکھا ہے۔ میری
میں تو وہ کوئی ایسا آدمی ہے جو لڑکیوں میں مقبول ہونا چاہتا ہے۔"

"لیکن میں ایسے آدمیوں کو پسند نہیں کرتا، جو ریوالور دکھا کر صرف ٹافیاں وصول کرنے کی

کوشش کریں۔"

"پتہ ہے آپ کو کہ کتنی جانیں ضائع ہوئی ہیں بینک والے کیس میں۔ مگر ٹھہریئے! کہ کو اس کی اطلاع رات ہی کو مل گئی تھی۔"

"نہ ملی ہوتی تو تم صبح کو میرا بستر خالی کیسے دیکھتے۔"

"اور اُسی وقت آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ بینک لٹ چکا ہے۔"

"اندازہ تھا....!"

"آپ خود ہی اپنے بیان کی تردید کر رہے ہیں۔ ایک طرف یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ آ اس قسم کی کوئی اطلاع محکمے کو نہیں دی تھی اور دوسری طرف عمارت کے حادثے کے متعا کر آپ نے اندازہ بھی کر لیا کہ بینک لٹ گیا ہوگا.... کیسے ممکن ہے۔"

"کہاں کی باتیں لے بیٹھے۔ فرض کرو مجھے اس ڈاکے کے متعلق علم بھی تھا تو میں جان لیتا کہ وہ اس کے لئے کوئی عمارت ہی اڑا دیں گے۔"

"تو آپ کو ڈاکے کی اسکیم کا علم تھا؟" حمید نے پلکیں جھپکائیں۔

"سوال یہ ہے کہ یہ بات پھوٹی کیسے؟"

"کون سی بات۔"

"یہی کہ میں نے محکمے کو اس قسم کی کوئی اطلاع دی تھی۔"

"کیا آپ کی رپورٹ تحریری تھی۔"

"وہ رپورٹ کو نفیڈنشل فائل کے لئے تھی اور ایس۔ پی کے علاوہ کسی اور کے علم میں چاہئے تھی۔"

"اوہ.... اب میں سمجھا۔ ایس پی صاحب ان دنوں اسی لئے پریشان نظر آتے رہے ہیں فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ اشارے سے ایک ویٹر کو بلا رہا تھا۔ قریب آنے پر اُس نے اُ کافی کے لئے کہا اور پھر حمید کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "اس مسخرے رہزن کے متعلق ایک اطلاع ملی ہے۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ بینک کی ڈکیتی سے کسی مسخرے رہزن کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔"

"کیا تم کوئی تعلق پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"اگر کوئی تعلق نہیں ہے تو پھر مجھے پاگل ہو جانا چاہئے۔"

فریدی نے سگار کو ایش ٹرے میں رکھ کر ایک طویل سانس لی اور حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"سر سجاد سے واقف ہو۔" اُس نے پوچھا۔

"کیوں....؟" حمید یک بیک چونک پڑا۔

"تم اس طرح چونکے کیوں؟"

"ہم بینک کی ڈکیتی کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ آپ اس وقت جو کچھ بھی ں گے وہ اس سے غیر متعلق نہ ہوگا۔"

"اس مسخرے کا تذکرہ بھی تو تھا۔ پچھلی رات اس نے سر سجاد کی میز پر کھانا کھایا تھا۔"

"ہاں میں اس کے متعلق سن چکا ہوں۔ غالباً کسی نے رپورٹ درج کرائی ہے۔"

"اس کی لڑکی رضوانہ نے....!" فریدی نے کہا کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا لیکن ویٹر کو آتے دیکھ خاموش ہو گیا۔

کافی کی ٹرے میز پر رکھ دی گئی اور ویٹر چلا گیا۔

"وہ انہیں ریوالور دکھا کر کھانے کی میز پر جم گیا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "لڑکی کا بیان ہے کہ نے اس سے زیادہ بے باک آدمی آج تک نہیں دیکھا۔"

"صرف کھانا ہی کھایا تھا اس نے۔"

"صرف.... کسی چیز کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ ویسے اُس نے سر سجاد سے کہا تھا کہ وہ اُس سے اری کی کنجی بھی طلب کر سکتا ہے۔"

"پتہ نہیں وہ کیا چاہتا ہے۔" حمید بولا۔ "میرا خیال ہے کہ اب تک وہ بہتیری حرکتیں کر چکا ہے۔"

"لیکن اس کا ردِ عمل سر سجاد پر کیا ہوگا؟" فریدی نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"ظاہر ہے کہ اُس نے یہی سوچا ہوگا کہ ایسے بیباک آدمی کا کنوارہ رہنا ٹھیک نہیں ہے۔"

"شش.... اُس کا ردِ عمل اُس کے مقابلے میں زیادہ حیرت انگیز ثابت ہوا تھا۔"

"یعنی اُس نے اُس کی طرف سے خود ہی اپنے منہ پر تھپڑ مارنے شروع کر دیئے تھے۔" حمید نجیدگی سے بولا۔

"اس نے اس کے چلے جانے کے بعد کافی شور و غل مچایا تھا۔ اس انداز میں جیسے لڑ
رہا ہے اسے آس پاس ہی چھپے ہوئے کسی آدمی کو سنانا چاہتا ہو۔"

"مجھے تو اس میں ذرہ برابر بھی تحیر نہیں نظر آتا.... آخر کون سی چیز حیرت انگ
ہوئی ہے آپ کو۔"

"تم نے ابھی وہ جملے کہاں سنے ہیں، جو اس کی زبان سے نکلے تھے۔ اس نے کہا تھا
طرح خوفزدہ نہیں کیا جاسکتا میں اپنے سینے میں فولاد کا دل رکھتا ہوں۔ چھپ کر حملہ کرنا
بھی کر کے دیکھ لو۔ میرے بازوؤں میں اتنی قوت ہے کہ بیک وقت کئی آدمیوں کا گلا
سکوں۔ پھر اس نے اپنی بیٹی سے کہا تھا کہ وہ اپنے کمرے میں چلی جائے اور بعض نامعلوم
کے متعلق خیال ظاہر کیا تھا کہ وہ سمجھتے ہیں کہ سر سجاد اپنی بیٹی کی موجودگی میں آگ اور
کھیل کھیلنا پسند نہ کرے گا۔"

"اچھا تو پھر....!"

"جو آدمی اتنا دلیر ہو کہ چھپ کر حملہ کرنے کی دعوت بھی دے سکے وہ اس اجنبی کے
میز پر سکون کے ساتھ کیسے بیٹھا رہا ہوگا۔"

"ہاں یہ غور طلب ہے۔"

"لڑکی کو سختی سے اس بات پر مجبور کیا تھا کہ وہ اپنے کمرے میں چلی جائے اور دروا
سے مقفل کیے بغیر نہ سوئے۔ پھر تینوں ملازمین کو بھی یہی ہدایت دی گئی تھی۔ ملازمین بھی
ہیں اور لڑکی بھی۔"

حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "شاید اسی لئے پچھلی رات مجھے بھی نیند نہیں آئی تھی
تو یہ عالم ہے میرا کہ جیسے ہی چھینک آئی اندازہ کر لیتا ہوں کہ پڑوس کی کوئی لڑکی یقینی طور
میں مبتلا ہے۔"

"کافی اچھی ہے۔" فریدی کافی پاٹ کا ڈھکن اٹھاتا ہوا بولا۔ شاید وہ نہیں چاہتا تھا کہ
لایعنی بکواس کا سلسلہ آگے بڑھے۔ اس نے دونوں پیالیوں میں کافی انڈیلی اور دودھ ڈالتا ہو
"وہ سب ڈھائی بجے تک اپنے اپنے کمروں میں مقفل رہے۔ ہو سکتا ہے کہ ملازمین کو اس
میں نیند آگئی ہو لیکن لڑکی کے بیان کے مطابق وہ خود جاگتی رہی تھی لیکن اس نے ایک بار

کی کوشش نہیں کی۔ ڈھائی بجے اس نے شور کی آوازیں سنیں، جو عمارت ہی کے کسی حصے میں
نہیں۔ پھر یہ شور بڑھتا ہی گیا۔ وہ چیخ چیخ کر ملازموں کو آوازیں دیتی رہی لیکن باہر نکلنے کی
نہ کر سکی۔"

فریدی نے خاموش ہو کر کافی کا گھونٹ لیا۔ حمید کچھ نہ بولا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی نے دوسرا گھونٹ لے کر کہا۔ "ہنگامہ ختم ہو جانے کے بعد بھی وہ کچھ
کمرے ہی میں رہی تھی۔ اس کے بعد نوکروں کی آوازیں سن کر دروازہ کھولا تھا۔ نوکروں
بتایا کہ سر سجاد خوابگاہ میں موجود نہیں ہے اور خواب گاہ کی حالت تو اس نے اپنی آنکھوں
دیکھی تھی۔ سارا سامان ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔ وہاں ایسی ابتری نظر آئی تھی جیسے کچھ دیر تک
لڑائی ہوئی ہو۔ فرش پر جابجا خون کی بوندیں بھی تھیں۔ عمارت کا گوشہ گوشہ چھان مارا گیا
سر سجاد کا سراغ کہیں نہ ملا۔ یہ صرف دوسروں کی زبانی مجھ تک پہنچی ہوئی کہانی ہے۔ ابھی
نے جائے واردات کا معائنہ نہیں کیا۔ بس تمہارا انتظار تھا۔"

"یہاں تار جام میں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "آخر آپ خود ہی شہر کیوں نہیں چلے آئے تھے۔"

"شہر آکر کیا کرتا۔ اوہ تم غلط سمجھے ہو۔ وہ اپنی شہری قیام گاہ میں نہیں تھا۔ یہاں شرفاد کے
وں کے قریب بھی اس کی ایک کوٹھی ہے۔"

"وہ تو بڑی سنسان جگہ ہے۔" حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ کچھ دیر تک
وش رہا پھر یک بیک چونک کر بولا۔ "اوہ.... ٹھہریئے.... آپ کے پاس تو اس سے پہلے بھی
کیس تھا۔ وہ لاش جو کیفے ڈکٹوریہ کے باتھ روم میں پائی گئی تھی۔"

"ٹھیک ہے اس وقت میرے پاس دو کیس ہیں۔ ایک اس نامعلوم آدمی کے قتل کا اور دوسرا
جس کی وجہ سے میں سر سجاد کے معاملے میں بھی دلچسپی لینے پر مجبور ہو گیا ہوں۔"

"یعنی وہی مسخرا.... کس چکر میں پڑے ہیں آپ۔ اگر مجھ سے کبھی مڈبھیڑ ہو گئی تو کان پکڑ
کھینچتا ہوا آپ کے پاس لاؤں گا۔"

"میری دانست میں یہ اتنا آسان کام نہیں ہے۔"

حمید نے اس سلسلے میں مزید کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔

انہوں نے کافی ختم کی اور فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "جانتے ہو.... وہ لاش

کس کی تھی۔"

"میری....!" حمید جھنجھلا گیا۔

"اس آدمی کی جس سے مجھے بینک میں متوقع ڈاکے کی اطلاع ملی تھی۔"

"اوہ.... تو یہ کہئے۔" حمید نے طویل سانس لی۔

"مزید اطلاعات بہم پہنچانے سے پہلے ہی وہ قتل کر دیا گیا تھا۔"

"اگر آپ اسی طرح اس مسخرے کا مسئلہ بھی صاف کر دیں تو بہتر ہے، ورنہ میں ا الجھنوں میں مبتلا رہوں گا۔ یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ آپ کوئی اتنا اہم کیس چھوڑ کر ا کے پیچھے پڑ جائیں گے جو لڑکیوں کو چھیڑتا پھرتا ہے۔"

"پچھلی رات اُس نے ایک لڑکی کے باپ کو بھی چھیڑا تھا۔" فریدی اُس کی آنکھوں ہوا مسکرایا۔ پھر بولا۔ "بس اب اٹھ جاؤ۔ تار جام کا اسٹیشن انچارج وہاں میرا منتظر ہوگا۔"

کوٹھی تک پہنچنے کے لئے وہی موٹر سائیکل استعمال کی گئی جس پر حمید یہاں تک آیا

"یہ تو ویرانہ ہے۔" حمید کوٹھی کے قریب پہنچ کر بڑبڑایا۔

عمارت کافی بڑی تھی۔ اُس کے تین اطراف میں باغات کے سلسلے تھے اور پشت پ جنگل میلوں تک پھیلا ہوا تھا۔ کسی زمانے میں یہاں شرف آباد نام کی چھوٹی سی بستی تھی ہے پہلے کبھی یہ شرف آباد کے جنگل کہلاتے رہے ہوں۔"

باغ سے ایک کشادہ سی روش عمارت تک جاتی تھی۔

عمارت کے قریب پولیس کی کئی گاڑیاں کھڑی دکھائی دیں۔ تار جام اسٹیشن کے انچ ان کا استقبال کیا۔

"کیا سرسجاد مل گیا۔" فریدی نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اس کی لاش گھسیٹ کر یہاں سے لے جائی گئی ہے۔"

"خدا کی پناہ....! آپ نے اتنا بڑا خیال اتنی آسانی سے ظاہر کر دیا۔" فریدی مسکرایا

"خود دیکھ لیجئے چل کر۔"

وہ عمارت کے اندر آئے اور انچارج انہیں سب سے پہلے سرسجاد کی خواب گاہ ہی میز اور کرسیاں شکستہ حالت میں فرش پر ڈھیر تھیں۔ کئی خوبصورت اور بڑے گلدان

ٹوٹے تھے۔ بستر مسہری سے آدھا لٹک آیا تھا اور مسہری بھی ترچھی پڑی تھی۔ قالین پر کئی جگہ دھبے نظر آئے۔ فریدی بڑے انہماک سے کمرے کا جائزہ لے رہا تھا۔

"کسی چیز کو ہاتھ تو نہیں لگایا گیا۔" اس نے پوچھا۔

"جی نہیں۔" انچارج نے جواب دیا۔ "مطلب یہ کہ جب سے میں یہاں آیا ہوں کسی چیز کو ہیں چھوا گیا۔"

"ٹھیک ہے۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "مگر آپ کس بنا پر کہتے ہیں کہ اس لاش یہاں سے گھسیٹ کر لے جائی گئی ہوگی۔"

"ادھر تشریف لائیے۔" وہ ایک آدھ کھلے دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

اُس نے اُس کے دونوں پاٹ پوری طرح کھول دیئے۔ دوسری طرف بھی ایک کمرہ تھا لیکن ں کے فرش پر میٹنگ نہیں تھی۔ ننگا فرش تھا اور شاید پچھلے دن اُسے صاف بھی نہیں کیا گیا تھا۔ ہ گرد کی ہلکی سی تہہ پر وہ نشان ہرگز نہ بن سکتا جس کی بناء پر انچارج کو لاش کے گھسیٹے جانے کا ہ ہوا تھا۔

تقریباً ڈیڑھ یا دو فٹ چوڑا نشان تھا، جو اُس دروازے سے دوسرے دروازے تک پھیلا ہوا اور جس کے درمیان کہیں کہیں خون کی لکیریں بھی نظر آ رہی تھیں۔

"آپ کا خیال درست ہی معلوم ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا اور نشان کے ساتھ آگے بڑھتا ا گیا۔

کہیں کہیں صرف خون کی لکیریں ہی نظر آئیں۔ متعدد کمروں سے گذرتے ہوئے وہ عمارت ے عقبی دروازے سے باہر آئے، جو جنگل کی طرف کھلتا تھا۔ یہاں بھی کچھ دور تک خون کے ثرات ملے لیکن پھر اُس کچے راستے کے قریب اُن کا سلسلہ ختم ہو گیا، جو جنگل کے متوازی مشرق ر مغرب کی طرف پھیلا ہوا تھا۔

"یہاں سے شائد اُسے کسی گاڑی پر لے جایا گیا ہے۔" فریدی نے چاروں طرف دیکھتے ئے کہا۔

"مگر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ لاش ہی تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"قطعی نہیں کہا جا سکتا۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔

"کیوں....!" انچارج کا سوال قدرتی امر تھا کیوں وہ تو شروع سے اب تک اسی کے ا
غور کرتا رہا تھا۔

"یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ لاش ہی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ صرف زخمی ہو
ہو۔ آخر لاش کو گھسیٹتے پھرنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ اگر قتل کرنا مقصد تھا تو لاش کمرے میں
چھوڑی جاسکتی تھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ پولیس کو غلط راستے پر ڈالنے کے لئے ایسا کیا گیا ہو گا تو
سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کیونکہ سرسجاد کا ان حالات میں خواب گاہ سے غائب ہو جانا ہی اس بات
دلیل ہے کہ اسے کسی قسم کا نقصان پہنچایا گیا ہے یہ نہیں سوچا جاسکتا کہ یہاں کرنل فریدی کو
کیا گیا ہو گا۔ البتہ سر سجاد ضرور یہاں سے کسی لاش کو گھسیٹ کر لے جاسکتا ہے تاکہ خود کی
قتل کے الزام سے بچ سکے۔"

"اوہ....!" انچارج آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔

متحرک فرش

فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا رہا تھا۔

پھر اُس نے کہا۔ "لیکن ابھی اس خیال کو قیاسات ہی کی حدود میں رہنا چاہئے۔ دو ہی صو
ہو سکتی ہیں یا تو سرسجاد کو زخمی حالت میں یہاں سے گھسیٹ کر لے جایا گیا یا پھر سرسجاد ہی نے
لاش ٹھکانے لگائی ہے۔"

"مگر دوسری صورت میں تو اسے واپس آجانا چاہئے تھا۔"

"ہم اُسے احمق کہیں گے اگر وہ خود ہی واپس آجائے۔ البتہ اُسے واپس لایا جاسکتا ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"وہ بھی خود کو زخمی کرے گا اور کسی شاہراہ پر بیہوش پڑا پایا جائے گا۔ تاکہ اپنے گھسیٹے جا
کہانی سنا سکے جسے قتل کر کے لاش غائب کی ہو گی اُسی کا نام بہ آسانی لے سکے گا۔ اب پولیس
مارا کرے۔"

"لیکن ٹھہریئے! ملازموں کا بیان ہے کہ وہ کئی آدمی تھے۔"

"کیا کسی نے انہیں دیکھا ہے۔"

"نہیں.... آوازوں سے اتنا اندازہ تو لگایا ہی جاسکتا ہے کہ وہ کئی ہوں گے۔"

"آپ مجھے کسی کمرے میں تنہا بند کر دیجئے۔ لیکن میں آپ کو ایسی آوازیں سنادوں گا جیسے
ت پندرہ آدمی مجھ پر ٹوٹ پڑے ہوں۔"

"پھر ہمیں کیا کرنا چاہئے۔"

"کسی نتیجے پر پہنچنے میں جلدی نہ کی جائے۔" فریدی نے سگار کا ڈبہ جیب سے نکال کر اس کی
بڑھاتے ہوئے کہا۔

"شکریہ جناب....! میں نہیں پیتا۔"

فریدی نے ایک سگار منتخب کیا اور اس کا سرا توڑنے لگا۔ پھر بولا۔ "کیا اس ہنگامے کے دوران
پنے کمرے سے باہر نکلا ہی نہیں تھا۔"

"جی نہیں! ہنگامہ فرو ہونے کے بعد بھی کمروں ہی میں رہے تھے۔ پھر تقریباً آدھے گھنٹے بعد
نے باہر نکلنے کی ہمت کی تھی اور اسی نے بقیہ دو ملازموں کو بھی اُن کے کمروں سے نکالا تھا۔"

"ہوں! میں ذرا سب کے بیانات لینا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"بہتر ہے۔" انچارج نے کہا۔

لیکن ملازم اس سے زیادہ کچھ نہ بتا سکے جتنا فریدی انچارج سے سن چکا تھا باورچی نے اس
ہ مہمان کو بھی دیکھا تھا اس لئے وہ صرف اسی کی داستان کا اضافہ کر سکا۔

یہ بھی کوئی نہ بتا سکا کہ سرسجاد سے کسی کی دشمنی تھی۔

آخر میں اس کی لڑکی رضوانہ کے پاس آئے اس کی حالت ابتر تھی۔ روتے روتے ہچکیں متورم
تھیں، اس نے بھی یہی بتایا تھا کہ وہ سرسجاد کے کسی دشمن کے وجود سے لاعلم تھی اور نہ اُس
پہلے کبھی اس کو ایسے موڈ میں دیکھا ہی تھا جیسا ناخواندہ مہمان کے رخصت ہو جانے کے بعد
طاری ہوا تھا۔

"کیا آپ کسی طرح یہ باور کر سکتی ہیں کہ وہ اس دلیر اجنبی کو پہلے سے جانتے رہے ہوں۔"
انے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں تھا۔ اُن سے کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہوا تھا جس کی بناء پر یہ کہا

جاسکے۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ لوگوں کو اس ویرانے کی رہائش کیوں پسند ہے۔"

"ہم یہاں مستقل طور پر نہیں رہتے۔ کبھی کبھی آتے ہیں۔ ڈیڈی اکثر کام کی زیادتی سے ذہنی تھکن میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ہمیں کچھ دنوں کے لئے یہاں آنا پڑتا ہے تا آرام کر سکیں۔ اوہ میرے خدا کیا میں انہیں پھر دیکھ سکوں گی۔" اس کی آواز بھرا گئی اور سرخ آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں اس وقت آپ کے ذہن پر ناگوار قسم کے سوال و جواب کا بو رہا ہوں۔ مگر کیا کروں اس کے بغیر کام بھی تو نہیں چلے گا۔"

"آپ جو کچھ بھی پوچھنا چاہتے ہوں شوق سے پوچھئے۔"

"میرا خیال ہے کسی بزنس میں کوئی اُن کا شریک بھی ہے۔"

"جی ہاں! میجر سعید صاحب ہیں۔"

"مجھے شاید یاد پڑتا ہے.... خیر تو.... اس دوران میں دونوں کے درمیان کسی قسم کا نہیں ہوا تھا۔"

"میری دانست میں تو نہیں۔"

"کیا پچھلی رات وہ خوفزدہ بھی تھے۔"

"ہرگز نہیں! اتنے غصے میں پہلی بار میں نے انہیں دیکھا تھا۔"

"اور انہوں نے، جو الفاظ دہرائے تھے ان سے یہی ثابت ہوتا ہے جیسے وہ کسی بڑ خطرناک دشمن کے لئے کہے گئے ہوں۔ ایسا دشمن جو عرصہ سے ان کی گھات میں رہا ہو۔"

"تو اب کیا ڈیڈی واپس نہیں آئیں گے۔" وہ پھر رو پڑی۔

"ناامید نہ ہونا چاہئے۔ پولیس ہر ممکن کوشش کرے گی۔"

وہ کچھ دیر تک سسکیاں لیتی رہی پھر بولی۔ "اب ہمیں کیا کرنا چاہئے کیا شہر واپس جائیں"

"میں فی الحال اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔ آپ کی پوری طرح حفاظت کی جائے گی اسسٹنٹ اور دو کانسٹیبل یہیں ٹھہریں گے۔"

حمید آہستہ آہستہ اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔

"ویسے آپ جانا بھی نہ چاہتی ہوں گی۔" فریدی نے پوچھا۔

"ڈیڈی کے بغیر.... آپ خود سوچئے! میں کیا کروں سمجھ میں نہیں آتا۔ باورچی کہہ رہا تھا کہ گھسیٹا گیا ہے اور خون کے دھبے....!"

"اوہ آپ اس کی فکر نہ کیجئے! ضروری نہیں ہے کہ وہ سرسجاد ہی رہے ہوں۔"

"پھر.... پھر کون؟" لڑکی چونک پڑی۔

"وہ سرسجاد کا کوئی دشمن بھی ہو سکتا ہے جسے خود ہی گھسیٹ کر باہر لے گئے ہوں۔"

"لیکن انہیں واپس تو آنا چاہئے تھا۔"

"ممکن ہے کسی احتیاطی تدبیر کے تحت انہوں نے فوراً ہی واپس آنا مناسب نہ سمجھا ہو۔"

"میں نہیں سمجھ سکتی۔ میری عقل کام نہیں کرتی۔ ذہن جواب دے رہا ہے۔"

"صبر سے کام لیجئے۔" فریدی نے کہا اور پھر انچارج سے پوچھا۔ "گھسیٹے جانے کے نشان کے آپ کو کس نے بتایا تھا۔"

"کسی نے بھی نہیں وہ میری ہی دریافت ہے۔"

"آپ یہاں کس وقت پہنچے تھے۔"

"صبح آٹھ بجے۔"

"آپ کو اطلاع کس وقت ہوئی تھی۔"

"سات بجے۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔" فریدی لڑکی کی طرف مڑا۔ "میرا خیال ہے کہ یہاں فون موجود ہے۔"

"جی ہاں۔" رضوانہ نے جواب دیا۔ "میں نے رات ہی رنگ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن خراب تھا۔ اس وقت تک ٹھیک نہیں ہوا۔"

"میں یہ بتانا بھول گیا کہ میں نے فون کے تار کٹے ہوئے پائے تھے۔" انچارج بولا۔

"اُوہ....!" فریدی کچھ سوچنے لگا۔ پھر لڑکی سے پوچھا۔ "باورچی نے آپ کو اس نشان کے متعلق کس وقت بتایا تھا۔"

"زیادہ دیر نہیں گذری۔" لڑکی نے جواب دیا۔ "شائد ایک گھنٹہ پہلے کی بات ہے۔"

"میں اُس سے پھر کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے انچارج کی طرف مڑ کر کہا۔

"ابھی بلواتا ہوں۔" انچارج کہتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

اور پھر باورچی کے آجانے تک خاموشی ہی رہی۔ فریدی کسی گہری سوچ میں تھا اور حمید کی تمام تر توجہ رضوانہ کی طرف تھی، جو کبھی کبھی کنکھیوں سے فریدی کی جانب دیکھنے لگتی تھی۔

"کیا رات تم میں سے کوئی عمارت سے باہر بھی نکلا تھا۔" فریدی نے باورچی سے پوچھا۔

"نن.... نہیں.... حضور! ہمت ہی نہیں پڑی تھی۔"

"تم اپنے کمروں میں کس وقت واپس گئے تھے۔"

"ہم اپنے کمروں میں نہیں گئے تھے جناب۔ یہاں بی بی کے کمرے میں تھے۔"

"اور صبح تک یہیں رہے۔"

"جی ہاں.... جی ہاں.... جب بی بی جی فون کرنے گئی تھیں تو ہم بھی ساتھ گئے تھے۔"

"اُس نشان کا علم تمہیں کس وقت ہوا تھا جس کا تذکرہ تم نے ان سے کیا ہے۔"

"اسپٹر صاحب کے آجانے کے بعد ہم میں سے کسی نے بھی اسے نہیں دیکھا تھا۔ اسپٹر صاحب کو اُس کی بات کرتے سنا تو جا کر دیکھا۔"

"بس جاؤ۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

وہ پھر کچھ سوچنے لگا تھا۔ کچھ دیر بعد اُس نے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالی اور بڑبڑایا۔ "ابھی تک فنگر پرنٹ سیکشن کے لوگ نہیں پہنچے۔"

پھر دن کا بقیہ حصہ ضروری کارروائیوں میں ختم ہو گیا۔ حمید کچھ اکتاہٹ سی محسوس کرنے لگا تھا اور یہ سوچ سوچ کر اُسے الجھن ہو رہی تھی کہ ایک غمزدہ لڑکی کے ساتھ رات یہیں گذارنی پڑے گی، اگر معاملہ صرف لڑکی کا ہوتا تو خیر کوئی بات نہیں تھی مگر وہاں تو غمزدگی کا دم چھلا بھی لگا ہوا تھا۔ یعنی وہ اخلاقاً اس کے سامنے مسکرا بھی نہیں سکتا تھا۔

شام کو فریدی بھی واپسی کے لئے تیار نظر آیا۔

"ارے جناب سنئے تو سہی۔" حمید ہاتھ اٹھا کر اُسے روکتا ہوا بولا۔ "کیا اسی سوٹ میں رات بسر کرنی پڑے گی۔"

"ہمیں آرام نہیں کام کرنا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"مغموم لڑکیاں مجھے ہمیشہ کام چور بنا دیتی ہیں۔"

بواس مت کرو۔ یہ معاملہ بے حد دلچسپ ہوتا جا رہا ہے اس لئے میں کسی بھی احتیاطی پہلو
داز نہیں کر سکتا۔ مجھے شبہ ہے کہ اس عمارت کے نیچے کوئی تہہ خانہ بھی ہے حالانکہ لڑکی
ین نے اس سے لاعلمی ہی ظاہر کی ہے۔"

ارے تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ میں آپ کی کوٹھی میں اس سے بھی زیادہ شاندار
نے بنوا سکتا ہوں لیکن خدارا مجھے یہاں ٹھہرنے پر مجبور نہ کیجئے۔ اُس لڑکی کی شکل دیکھ کر
بسورنا پڑتا ہے۔"

میں تمہاری آٹو سائیکل لے جا رہا ہوں۔ ٹھیک بارہ بجے صدر دروازے کے قریب موجود
آؤں گا۔"

مگر تہہ خانے کی فکر کیوں ہے آپ کو۔ لاش باہر لے جائی گئی تھی۔"

میں اُس نشان سے مطمئن نہیں ہوں۔"

یوں....؟"

وہ ایسی جگہوں سے گذرا ہے جہاں صاف نظر آسکے۔ اگر تم کوئی وزنی چیز گھسیٹ رہے ہو تو
نزل تک پہنچنے کے لئے کم سے کم فاصلے والی راہ کی فکر ہوگی۔ لیکن اس معاملے میں ایسا
ا۔ گھسیٹنے والا خواہ مخواہ کمروں اور راہداروں میں چکراتا پھرا ہے۔ میں نے کم سے کم فاصلے
ا بھی جائزہ لیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وہاں وہ نشان واضح نہ ہو پاتا۔"

اگر ایسا ہی ہے تو اس کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔"

پھر دیکھیں گے! ذرا تم لڑکی کو بہلانے کی کوشش کرو۔"

بن ماں کے بچوں کو دودھ نہ پلاتا پھروں۔" حمید جھلا گیا۔

ریدی ہنستا ہوا رخصت ہو گیا۔

ید کی یہ سب سے بڑی کمزوری تھی کہ وہ غمزہ لوگوں سے ڈھنگ کی گفتگو نہیں کر سکتا تھا۔
چاہتا اور منہ سے کچھ نکلتا۔ خصوصاً تعزیت کے مواقع پر ہمیشہ اس نے خود کو پرلے درجے
وس کیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے سوچا ہو سکتا ہے کہ اس میں بھی کوئی مصلحت ہی ہو ورنہ بھلا ہارڈ سٹون
ل کسی لڑکی کو بہلانے کا مشورہ کیوں دینے لگے اور پھر اسے یعنی کیپٹن حمید کو! تو پھر اس

لڑکی کے دل بہلانے کو بھی سرکاری فرائض ہی میں داخل سمجھنا چاہئے۔

بہر حال اُسے اس کے کمرے میں آنا ہی پڑا.... وہ خاموش بیٹھی تھی۔ پلکوں کا ورم کسی قدر کم ہو گیا تھا۔ لیکن آنکھیں اب بھی خون ہو رہی تھیں۔

"تشریف رکھئے جناب۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"جج.... جی ہاں۔" حمید بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا اور ایک کرسی میں ڈھیر ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔

لڑکی اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھتی رہی۔

"وہ.... دد.... دیکھئے مم.... میرا خیال ہے کہ آپ کو مغموم نہ ہونا چاہئے۔" حمید ہکلایا۔

وہ چند لمحے اُسے دیکھتی رہی پھر بولی۔ "مجھے رسمی گفتگو سے نفرت ہے۔ اتنا بڑا حادثہ ہو گیا ہے اور آپ کہتے ہیں کہ مجھے مغموم نہ ہونا چاہئے۔"

"کوئی ہمیشہ زندہ نہیں رہتا۔"

"کیا کہہ رہے ہیں آپ....!" وہ بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔ "وہ دوسرے صاحب تو کہہ رہے تھے....!"

"اُن کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" حمید نے یونہی رواروی میں کہہ دیا تھا۔

"میرے خدا....!" وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی اور حمید سوچنے لگا کہ کہیں تنہائی میں جا کر اسے اپنے سر پر کم از کم پانچ جوتے رسید کرنے چاہئیں۔ کیونکہ بوکھلاہٹ میں اس نے دل بہلانے کی بجائے دل ہلانے والی باتیں شروع کر دی تھیں۔ وہ کوشش کرنے لگا کہ سنبھالا لے سکے، لیکن بوکھلاہٹ بدستور طاری تھی۔

"آپ نن.... نہیں سمجھیں! میرا مطلب یہ ہے کہ آپ کے ڈیڈی واپس آجائیں گے۔ اکثر غلط فہمی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔"

"لیکن وہ غائب کیوں ہو گئے۔ میں نے بھی وہ نشان دیکھا ہے۔ میرے خدا.... میں کیا کروں۔"

"ایک بار....!" حمید نے اسٹارٹ لینا چاہا۔

"کچھ نہیں جناب! میں تنہائی چاہتی ہوں۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجئے۔"

حمید نے محض اسی ایک جملے کی بناء پر اٹھ جانا شان کے خلاف سمجھ کر موضوع بدلتے ہو

پوچھا۔ "کبھی کبھی یہ عمارت خالی بھی رہتی ہو گی۔"

"جی ہاں! ظاہر ہے۔ جب ہم نہیں ہوتے تو خالی ہی رہتی ہے۔"

"یعنی.... کوئی دیکھ بھال کرنے والا بھی نہیں ہوتا۔"

"یہ کیسے ممکن ہے۔ دو ملازموں میں سے ایک، چوکیدار ہے جو مستقل طور پر یہیں رہتا ہے۔"

"کیا نام ہے۔"

"راجو....!"

حمید کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "کیا آپ کا خیال ہے کہ یہ حرکت اسی کی ہو گی جس نے آپ کے ساتھ کھانا کھایا تھا۔"

"وہ اتنا زیادہ ناشکرا تو نہیں معلوم ہوتا تھا۔" رضوانہ نے بیزاری سے کہا۔ غالباً وہ سچ مچ یہی چاہتی تھی کہ حمید وہاں سے اٹھ جائے۔

"بس مجھے اتنا ہی معلوم کرنا تھا شکریہ۔" وہ اٹھ گیا۔ ایسی بوریت اُس نے شاذ و نادر ہی محسوس کی ہو گی جیسی بوریت سے اس وقت دوچار ہوا تھا۔

راہداری میں باورچی ہاتھوں پر چائے کی ٹرے اٹھائے آتا دکھائی دیا۔

"آپ چائے کہاں پئیں گے جناب۔" اس نے قریب پہنچ کر پوچھا۔

"کچن میں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور آگے بڑھتا چلا گیا۔ فریدی کی وجہ سے یہ لغویت برداشت کرنی پڑی تھی کہ ملازمین اس سے چائے کے لئے پوچھیں۔

کچن کے قریب راجو نظر آیا۔ وقت تو گذارنا ہی تھا اس نے سوچا اس سے ہی تھوڑی بہت پوچھ گچھ کر ڈالے حالانکہ یہ پوچھ گچھ رضوانہ سے آگے نہ بڑھ سکی۔ وہ اُس کے عادات و اطوار پسند اور ناپسند کے بارے میں معلومات بہم پہنچا رہا تھا۔

کچن کی میز پر اُس کے لئے چائے رکھ دی گئی۔ اس نے پیالی اٹھائی ہی تھی کہ رضوانہ بوکھلائی ہوئی کچن میں داخل ہوئی۔

"اوہ.... معاف کیجئے گا جناب۔ مجھے علم نہیں تھا کہ آپ کون ہیں۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "ابھی ایک کانسٹیبل نے دوران گفتگو میں بتایا۔"

"کوئی بات نہیں.... بھلا اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" حمید مسکرایا۔

وہ بھی کرسی کھینچ کر وہیں بیٹھ گئی۔

"میں نے کچھ دیر قبل آپ سے کچھ نامناسب قسم کی گفتگو کی تھی۔ اُس کے لئے معافی چاہتی ہوں۔ میں کیا بتاؤں ڈیڈی آپ لوگوں کے کتنے مداح تھے۔"

"تھے....؟ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ "ہیں" کہئے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔"

"خدا جانے....!" اُس نے ٹھنڈی سانس لی۔

حمید اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ پھر بولی۔ "میں کرنل صاحب کی بے حد مشکور ہوں کہ وہ میری نگہداشت کے لئے آپ کو یہاں چھوڑ گئے ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ چائے ختم کر کے پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔ رضوانہ بھی خاموش بیٹھی رہی لیکن شاید وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ بار بار اُس کے ہونٹ کھلتے اور بند ہو جاتے۔ حمید کو اس کا احساس تھا لیکن اُس نے براہِ راست اس کی طرف نہیں دیکھا! وہ خیالات میں کھوئے ہونے کی بہترین اداکاری کر رہا تھا۔ ویسے حقیقتاً اس وقت ذہن میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ شاید اب وہ فریدی کے حکم کے مطابق اس کا "دل بہلانے" میں کامیاب ہو جائے۔

پھر وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ یک بیک ایک کانسٹیبل کچن میں داخل ہوا۔

"کیا بات ہے۔" حمید اس کی طرف مڑا۔

"جناب.... وہاں ہال میں۔" وہ خاموش ہو گیا۔ رضوانہ کھڑی ہو گئی تھی۔

"ہال میں کیا.... جملہ پورا کرو۔" حمید نے جھلا کر کہا۔

"ہال کا قالین فرش سے اٹھتا ہے اور پھر برابر ہو جاتا ہے۔"

حمید کی نظر تیزی سے رضوانہ کے چہرے پر گئی لیکن وہاں حیرت کے آثار کے علاوہ اور کچھ نہ نظر آیا۔

"کہیں تم بھنگ تو نہیں پی گئے۔" اس نے کانسٹیبل سے کہا۔

"جج.... جی.... یقین کیجئے جناب وہ نظر کا دھوکا نہیں ہو سکتا۔"

حمید نے استفہامیہ نظروں سے رضوانہ کی طرف دیکھا۔

"مجھے حیرت ہے۔" وہ آہستہ سے بڑبڑائی پھر جلدی سے بولی۔ "تو چل کر دیکھئے نا۔"

حمید نے بجھا ہوا پائپ وہیں میز پر ڈال دیا اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔

رضوانہ کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔

تہہ خانہ

کانسٹیبل اور حمید آگے چل رہے تھے۔ رضوانہ کا فاصلہ ان سے کم از کم سات یا آٹھ گز ضرور ہوگا۔ یک بیک وہ اس طرح چونک پڑی جیسے کچھ یاد آ گیا ہو۔ پھر ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

"ٹھہریئے۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور خود بھی رک گئی۔ حمید رک کر مڑا اور رضوانہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھ کر اس کی بھنویں تن گئیں۔

"اب مجھے یاد آیا! وہ کوئی جنگلی بلی ہو گی یا اور کوئی چیز....!"

"قالین کے نیچے....!" حمید نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔

"چلئے.... دیکھتے ہیں۔" رضوانہ آگے بڑھتی ہوئی بولی۔

حمید اسے شبہے کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔

وہ ہال کے دروازے پر رک گئے۔ حمید آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فرش کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر وہ غصیلے انداز میں کانسٹیبل کی طرف مڑا کیونکہ اسے وہاں کوئی غیر معمولی بات نہیں نظر آئی تھی۔

"صص.... صاحب! میں نے دیکھا تھا وہاں۔" اس نے ایک جانب ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" رضوانہ بولی۔ "آیئے میں آپ کو دکھاؤں۔"

اس نے آگے بڑھ کر قالین کا گوشہ الٹ دیا اور سچ مچ ایک بڑی سی جنگلی بلی اچھل کر بھاگی۔ کی پیشانی پر پھر سلوٹیں ابھر آئی تھیں۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ قالین کے ہٹے ہوئے ے کی جگہ ایک چھوٹا سا حوض نظر آیا جس کی گہرائی ڈھائی یا تین فٹ سے زیادہ نہ رہی ہو گی۔

"یہ دیکھئے.... اس میں ایک نالی بھی ہے۔ وہ اسی کے راستے پر یہاں آئی ہو گی۔ اکثر ایسا ہوتا ہے۔" رضوانہ بولی۔

"ہوں.... یہ حوض دھوکے کی ٹٹی ہے گویا۔" حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ا تو ہوتا ہی ہے اس حصے پر بھی اگر بے خبری میں کسی کا پیر پڑ جائے تو کیا حشر ہو گا اس کی

ریڑھ کی ہڈی کا۔"

"یہ ناممکن ہے...." رضوانہ نے کہا۔ پھر چونک کر بولی۔ "اوہ.... بڑی میز کس نے یہاں سے.... وہ دیکھئے۔ وہ بڑی میز ہمیشہ یہاں رہتی ہے۔"

"مگر میں نے آج تک کسی ہال میں حوض نہیں دیکھا۔"

"پتہ نہیں کیوں ڈیڈی نے یہاں کے سارے فرش جوں کے توں رہنے دیئے تھے۔ ج آپ حوض دیکھ رہے ہیں ہو سکتا ہے کہ اس جگہ غسل خانہ رہا ہو۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"یہ ایک پرانی اور ٹوٹی پھوٹی عمارت تھی۔ ڈیڈی نے اسے دوبارہ تعمیر کرایا ہے لیکن ف جوں کے توں رہنے دیئے تھے۔ وہ اپنے کارناموں میں کسی کی بھی دخل اندازی برداشت کر سکتے اور نہ ان پر کوئی کسی قسم کا اعتراض کر سکتا ہے۔ اکثر ہم اُن سے کسی بات کی وجہ بھی پوچھ سکتے۔ ذرا ڈکٹیٹر قسم کے آدمی ہیں۔"

حمید صرف سر ہلا کر رہ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی نے یہاں تہہ خانوں کے امکانات طرف اشارہ کیا تھا۔ ہو سکتا ہے اُس کا خیال درست ہی ہو۔

اس وقت بات وہیں ختم ہو گئی۔ حمید فریدی کے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا تھا۔ لہٰذا وہ اس کا منتظر رہا۔

رات سرد اور تاریک تھی۔ نو بجے ہی عمارت پر قبرستان کا سا سناٹا مسلط ہو گیا۔ رضوانہ، زیادہ خائف تھی وہ اس وقت تک اپنی خواب گاہ میں نہیں گئی جب تک کہ حمید نے اُسے یقین نہیں دلا دیا کہ ایک کانسٹیبل خواب گاہ کے دروازے ہی پر رات بھر موجود رہے گا۔

بارہ بجنے میں ابھی پانچ منٹ باقی تھے۔ لیکن حمید صدر دروازے پر پہنچ چکا تھا۔

ٹھیک بارہ بجے اس نے ہلکی سی دستک سنی اور دروازہ کھول دیا۔

آنے والا فریدی ہی تھا۔ دروازہ بند کر کے وہ وہیں رک گیا۔

"کوئی نئی خبر۔" اُس نے آہستہ سے پوچھا۔

"اب اس کی آنکھیں اتنی زیادہ سرخ نہیں ہیں۔" حمید نے جواب دیا۔

"خوب تو تم صرف اسی کے گرد منڈلاتے رہے ہو۔"

"محض اس لئے کہ اس کی ماں کا پتہ مجھے نہیں معلوم تھا۔"

"بہت جھلائے ہوئے معلوم ہوتے ہو۔"

"اگر آپ نے ایک ستار بھی مہیا کر دیا ہوتا تو اپنی کھوپڑی تو نہ بجانی پڑتی۔"

"چلو ختم بھی کرو۔ بہت کام کرنا ہے۔ ہو سکتا ہے ساری رات گذر جائے۔"

"تہہ خانوں کی تلاش....!"

"آؤ....!" فریدی آگے بڑھتا ہوا بولا۔

"ٹھہریئے! میرے پاس ایک خبر ہے۔ ہو سکتا ہے آپ کے لئے اہمیت رکھتی ہو۔"

"تو بتاؤ نا....!"

"اس نے اُسے اس حوض کے متعلق بتایا جس سے جنگلی بلی برآمد ہوئی تھی۔ فریدی تھوڑی کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "ہمیں وہیں سے ابتدا کرنی چاہئے۔"

حمید نے کچھ پوچھنا چاہا لیکن وہ آگے بڑھ چکا تھا۔ محدود روشنی والی ٹارچ اندھیرے میں ئی کر رہی تھی۔ وہ ہال میں آ پہنچے۔

ملازموں کو حمید نے سختی سے تاکید کی تھی کہ وہ رات میں اپنے کمروں سے قطعی نہ نکلیں۔

بلوں میں سے ایک عمارت کے باہر تھا اور دوسرا رضوانہ کی خوابگاہ کے قریب۔

حمید نے قالین کا گوشہ الٹ دیا۔ ٹارچ کی روشنی حوض میں رینگ گئی۔

"غیر معمولی....!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

حمید نے اس عمارت کے متعلق وہ سب کچھ بتایا، جو رضوانہ سے معلوم ہوا تھا۔

"اوہ ذرا ان نالیوں کو دیکھو جو دونوں جانب اوپر سے نیچے کی طرف گئی ہیں۔ بھلا ان کا کیا ف ہو سکتا ہے.... اور پھر ان کے درمیان لوہے کی ابھری ہوئی پٹریاں۔ کیا تم نے ان پر ان دیا تھا۔"

"قطعی نہیں.... اوہ میں تو انہیں دیکھ ہی نہیں سکا تھا۔"

فریدی نے پھر ٹارچ کی روشنی حوض میں ڈالی اور حمید نے پوچھا "کیا نیچے اتر کر دیکھوں۔"

وہ چونک کر حوض کی تہہ میں دیکھنے لگے، جو آہستہ آہستہ اوپر اٹھ رہی تھی۔ یعنی دہانے سے خانے کا فاصلہ بتدریج کم ہوتا جا رہا تھا۔

"پیچھے ہٹو!" فریدی نے اسے آہستہ سے دھکا دیا۔ ٹارچ بجھا دی اور اس کا بازو پکڑے ہو
تیزی سے پیچھے ہٹ آیا۔

اب وہاں اتنا گہرا اندھیرا تھا کہ وہ صرف سانسوں کی آواز سے ایک دوسرے کا وجود محسو
کر سکتے تھے۔

جیب میں پڑے ہوئے ریوالور کے دستے پر حمید کی گرفت مضبوط ہوتی گئی۔

یک بیک فریدی نے ٹارچ روشن کر دی اور روشنی کی لکیر سامنے کھڑے ہوئے ایک آدمی
پڑی جو اس اچانک تبدیلی پر بوکھلا گیا تھا۔

"سر سجاد....!" دفعتاً فریدی نے کہا۔ "اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کرنا۔"

اس آدمی کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔ روشنی اس کے چہرے ہی پر پڑ رہی تھی، لی
فوکس براہِ راست آنکھوں پر نہیں تھا۔ اس لئے آنکھوں میں جذباتی تغیر بآسانی پڑھا جا سکتا تھا۔

"تم آخر ہو کون! کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔" سر سجاد نے خوفزدہ سی آواز میں کہا۔

"خود کو زیرِ حراست تصور کرو۔" فریدی سپاٹ آواز میں بولا۔

"اوہ....!" سر سجاد نے طویل سانس لی اور حمید نے اس کے چہرے پر اطمینان کی لہر
محسوس کیں۔ وہ چند لمحے پلکیں جھپکاتا رہا پھر بولا۔ "میری پوری بات سنے بغیر کوئی اقدام نہ کیجئے
ورنہ کھیل بگڑ جائے گا۔ میں نے ایک خطرناک آدمی کو پھانسنے کے لئے بڑی محنت کی ہے۔ اوہ۔
مگر میرے خدا کہیں میں اُسی کے جال میں نہ پھنس گیا ہوں۔ تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ
پولیس....!"

"اس کی پرواہ مت کرو سر سجاد۔" فریدی نے کہا۔ "تم مجھے پہچان سکو گے۔"

"آپ کون ہیں۔" سر سجاد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "براہِ کرم میرا نام اتنی بلند آواز
نہ لیجئے۔ ورنہ ساری محنت پر پانی پھر جائے گا۔"

"تم آخر کہنا کیا چاہتے ہو۔"

"اختصار سے کام نہیں چلے گا۔ خدارا بتایئے آپ کون ہیں۔ کیا میں آپ کو پہچانتا ہوں۔"

"پچھلے سال کتوں کی نمائش میں کسی سے تمہارا جھگڑا ہوا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ.... ہو! تب.... کیا.... کرنل فریدی۔" سر سجاد کی آواز کانپ رہی تھی اور حمید

اس کے چہرے پر مسرت کے آثار دیکھے۔

"تمہارا خیال غلط نہیں ہے۔"

"خدا کی قسم اس وقت تہہ خانے سے نکلنے کا یہی مقصد تھا کہ کسی طرح آپ تک پہنچ سکوں۔"

"ہوں....!" فریدی نے طویل سانس لی۔ "ہم کہاں گفتگو کر سکیں گے۔"

"تہہ خانے سے بہتر اور کوئی جگہ نہ ہو سکے گی۔ لیکن پہلے ہمیں اطمینان کر لینا چاہئے کہ کوئی
ہماری ٹوہ میں تو نہیں تھا۔"

"اگر اس وقت کوئی تمہاری ٹوہ میں ہو سکتا ہے تو پھر تم مطمئن کیوں تھے کہ تمہاری محنت
بارآور ہی ہوئی ہو گی۔"

"میں بڑی الجھنوں میں ہوں کرنل! قوتِ فیصلہ جواب دے چکی ہے۔"

"بلب روشن کر دو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"اوہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔" سر سجاد بول پڑا۔

"فکر نہ کرو۔ سارے دروازے اور کھڑکیاں بند ہیں۔"

حمید کو اندازہ تھا کہ سوئچ بورڈ کہاں ہو گا۔ وہ بآسانی اُس تک پہنچ گیا۔ روشن ہونے والا ایک
ہی بلب کافی تھا۔ سر سجاد پوری طرح روشنی میں آ گیا۔ حمید نے اُسے پہلی بار دیکھا تھا۔ پھر اس کی
نظر اس گوشے میں رینگ گئی جہاں حوض تھا۔ اس جگہ اب چار پانچ فٹ اونچا دروازہ نظر آ رہا تھا! وہ
اسی حوض سے ابھرا تھا۔

فریدی اسے توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"کیا آپ تہہ خانے میں چلیں گے۔" سر سجاد نے پوچھا۔

"میں اس وقت تہہ خانے کی فکر میں آیا تھا۔" فریدی مسکرایا۔

"آپ کیا جانیں۔" سر سجاد کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اس فرش پر چلنے سے اندازہ ہو جاتا ہے.... مگر یہ سب کیا تھا سر سجاد۔"

"آپ نے اس نشان سے کیا اندازہ لگایا تھا۔"

"یہی کہ کسی نے خواہ مخواہ پولیس کو بیوقوف بنانے کی کوشش کی ہے۔"

"مگر یہ صرف آپ ہی سوچ سکتے ہیں۔" سر سجاد مسکرایا! "اور کسی کے بس کا روگ نہیں۔"

"خام خالی ہے سر سجاد! پولیس کی کاروائیاں بھی سطحی نہیں ہوتیں۔ خون کے دھبوں کو ٹسٹ کر کے بتایا جاسکتا ہے کہ وہ آدمی کا خون تھا بھی یا نہیں۔"

"اوہ تو کیا دھبے ٹسٹ کر لئے گئے ہیں۔"

"قطعی طور پر.... وہ کسی آدمی کا خون نہیں ہو سکتا اور میں ذاتی طور پر اس حد تک آگے جاسکتا ہوں کہ اسے کبوتر کا خون باور کرلوں۔"

"خدا کی پناہ.... کمال ہے۔"

"باتوں میں وقت نہ ضائع کرو سر سجاد۔ تمہیں بہت سنجیدگی سے جواب دہی کرنی ہے۔ بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"ہماری باتیں یہاں سنی بھی جاسکتی ہیں کرنل۔"

"بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"اوہ....!" یک بیک حمید نے سر سجاد کے چہرے کی رنگت بدلتے دیکھی۔ شاید اسے بھی طیش آگیا تھا۔ وہ چند لمحے فریدی کو گھورتا رہا پھر بولا۔ "یہ بھی ایک بہت بڑی مجبوری ہے، ورنہ کیا میں اس قسم کا لہجہ برداشت کر سکتا۔ کرنل فریدی انسانیت کے دائرے سے باہر نہ نکلو تو بہتر ہے۔"

وہ بُرا سا منہ بنائے ہوئے بیٹھ گیا اور چند لمحے خاموش رہ کر پھر بولا۔

"ان حالات میں میری موت کی تمام تر ذمہ داری آپ پر ہو گی۔ یہ سب کچھ میں نے پولیس کو دھوکا دینے کیلئے نہیں بلکہ ایک نامعلوم دشمن کے اندیکھے حملوں سے محفوظ رہنے کیلئے کیا تھا۔"

"میں وہی سب کچھ سننا چاہتا ہوں۔" فریدی نے پر سکون لہجے میں کہا۔

"خیر جانے دیجئے۔" سر سجاد نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔ "ابھی آپ خود ہی تہہ خانے میں داخل ہونے کی ضرورت محسوس کریں گے۔"

"میں اب کہتا ہوں کہ تہہ خانے میں نہیں جاؤں گا۔ لیکن کہانی تو یہیں سنی جائے گی۔"

"آپ وہاں ذرہ برابر بھی گھٹن محسوس نہیں کریں گے۔ میرا دعویٰ ہے۔"

"حکم کی تعمیل کیجئے.... ورنہ....!" یک بیک حمید نے بھی آنکھیں نکالیں۔

سر سجاد اُسے صرف گھور کر رہ گیا۔

"میں منتظر ہوں سر سجاد۔" فریدی نے کہا۔

سر سجاد نے فوراً ہی زبان نہیں ہلائی۔ تھوڑی دیر تک سوچتے رہنے کے بعد بولا تھا۔ "دس سال گذرے میں نے اس عمارت کے کھنڈر خریدے تھے۔ مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ اسی پر دوسری عمارت تعمیر کراؤں، لیکن دوران تعمیر میں مجھے معلوم ہوا کہ فرش کے نیچے تہہ خانے ہیں۔ اس لئے میں نے سارے فرش جوں کے توں رہنے دیئے۔ تہہ خانوں کی صفائی کرائی اور انہیں استعمال کے قابل بنایا۔ بڑے شاندار تہہ خانے ہیں کرنل۔ گرمیوں میں ایئر کنڈیشنڈ کمروں کا لطف آجاتا ہے بلکہ اُن کمروں کی مصنوعی ٹھنڈک تو بعض اوقات تکلیف دہ بھی ہو جاتی ہے، مگر ان تہہ خانوں کی خوشگوار ٹھنڈک....!"

"سر سجاد! مجھے علم ہے کہ تہہ خانے گرمیوں میں آرام دہ ہوتے ہیں۔" فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا اور سر سجاد اس طرح چونک پڑا جیسے اپنے بہک جانے کا احساس ہو گیا ہو۔ اس کے ہونٹوں پر ایک ندامت آمیز سی مسکراہٹ نظر آئی اور اس نے کہا۔

"اوہ میں بہک گیا تھا شائد! دراصل اس واقعہ میں تہہ خانوں کی کسی نامعلوم اہمیت کے علاوہ آپ کو اور کچھ نہ ملے گا۔ اس لئے شائد آپ میری گفتگو کو بے ربط نہ قرار دے سکیں۔ ہاں تو پچھلے چھ ماہ سے مجھے کسی نامعلوم آدمی کے خطوط موصول ہوتے رہے ہیں کہ میں عمارت فروخت کردوں۔ کس کے ہاتھ فروخت کردوں یہ آج تک نہ معلوم ہو سکا۔ ایک آدھ بار اس نے فون پر بھی گفتگو کی ہے۔ لیکن میں نے سختی سے منع کر دیا کہ آئندہ وہ اس قسم کی گفتگو نہ کرے کیونکہ میں عمارت کو فروخت کر دینے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اس کے بعد مجھے دھمکیاں ملنے لگیں۔ ایک ماہ گذرا اس نے مجھے بلیک میل کرنے کی بھی کوشش کی تھی۔ آپ جانئے ہر آدمی کی زندگی سے کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ ضرور وابستہ ہوتا ہے جس کا منظر عام پر آنا وہ کسی صورت سے بھی پسند نہیں کر سکتا۔ بہر حال میں نے اس کی بھی پرواہ نہیں کی۔ پھر اُس نے قتل کرا دینے کی دھمکی دی۔ یہ ابھی پچھلے ہی ہفتے کی بات ہے۔ پھر اچانک پچھلی رات وہ واقعہ پیش آیا۔ میں نہیں جانتا کہ اس کا کیا مقصد تھا۔ کیا اس آدمی کی آمد بھی کسی قسم کی دھمکی ہی تھی۔ لیکن اس طرح تو میرے ہوشیار ہو جانے کے امکانات تھے۔ ظاہر ہے کہ اس کے چلے جانے کے بعد میں سو نہ سکا ہوں گا۔ میں جاگ ہی رہا تھا کہ کسی نے خواب گاہ کے دروازے پر دستک دی۔ میں سمجھا شائد رضوانہ ہے اور ڈر رہی ہے، ورنہ شائد میں اس طرح بے دھڑک دروازہ بھی نہ کھولتا۔ دروازہ کھولا ہی تھا کہ ایک

آدمی مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ اس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ بس اتفاق ہی تھا کہ میں بچ گیا۔ خنجر اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور میری یہی کوشش تھی کہ وہ دوبارہ اس کی گرفت میں نہ آسکے۔ وہ شاید نروس بھی ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد میں نے اسے پوری طرح زیر کر لیا اور اپنے ملازمین کو تو پہلے ہی سے آوازیں دیتا رہا تھا لیکن کسی کم بخت سے یہ نہ ہو سکا کہ کمرے سے باہر آتا۔"

"مگر انہیں تو تم نے تاکید کر دی تھی کہ وہ اپنے کمروں سے نہ نکلیں۔" فریدی نے ٹوکا۔

"ہاں! میں نے کہا تھا لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ میں اس طرح ذبح کر ڈالا جاؤں اور کسی کے کان پر جوں نہ رینگے۔ پہلے آدمی کی آمد پر دراصل میں الجھن میں پڑ گیا تھا اور اسی الجھن کے دوران میں نے انہیں ان کے کمروں میں بھیج دیا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس آدمی کی آمد سے پہلے مجھے یقین نہیں تھا کہ نامعلوم آدمی کی طرف سے ملنے والی دھمکیوں میں اصلیت بھی ہو گی۔ آپ خود سوچئے وہ اپنی شخصیت ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔ پھر مجھ سے عمارت خریدے گا کون.... کوئی نہ کوئی تو سامنے آئے گا ہی۔ پھر رازداری کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے۔"

"تو آپ کو توقع نہیں تھی کہ معاملات اس حد تک بڑھ جائیں گے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں! ورنہ میں کم از کم رضوانہ کو تو یہاں ہرگز نہ رکھتا۔ میرے خدا وہ کتنی پریشان ہو گی۔ کہاں ہے.... کیا آپ نے اسے شہر بھجوا دیا۔"

"نہیں وہ یہیں ہیں۔" فریدی بولا اور حمید نے محسوس کیا جیسے یک بیک اس کے رویے میں کسی قسم کی تبدیلی واقع ہو گئی ہو۔ ابھی تک تو اس کا لہجہ ایسا ہی رہا تھا جیسے وہ کسی معمولی مجرم سے بیان لے رہا ہو۔ لیکن اب گفتگو کے انداز میں شائستگی کی جھلکیاں سی محسوس ہونے لگی تھیں۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ ہر طرح محفوظ ہیں۔ ہاں تو پھر آپ نے اس حملہ آور کو کہاں چھوڑا۔"

"وہ تہہ خانے میں ہے کرنل.... اس کی کہانی سن کر ہی میں نے سوچا تھا کہ میں کسی بڑے خطرناک آدمی سے ٹکرا گیا ہوں۔ اسی لئے مجھے یہ سب کچھ کرنا پڑا اور اب میں آپ کے مشورے کا منتظر ہوں۔"

آپ کو کیا کرنا پڑا تھا۔"

"دھوکا دینا پڑا تھا۔ میں نے سوچا دوسروں کو شبہات میں مبتلا کر کے لاپتہ ہو جاؤں اور پھر

ں کہ وہ کون ہے اور میرے پیچھے کیوں پڑا ہے؟ نوکروں نے باہر نکلنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ نہ بھی کمرے ہی میں رہی تھی۔ آوازیں سبھوں نے سنی ہوں گی۔ میں نے حملہ آور کے ہاتھ ندھ کر ایک طرف ڈال دیا۔ میلے کپڑوں کی ایک گٹھری بنائی اس میں دو تین وزنی پتھر رکھے وکبوتر کا بک سے نکالے اور انہیں ذبح کر کے گٹھری میں ڈال دیا اور اسے ایسی جگہوں پر ا پھرا جہاں نشان صاف دیکھا جا سکے۔"

"اور پھر اُس کے بعد آپ نے حملہ آور کو مجبور کیا ہو گا کہ وہ اپنے متعلق بتائے۔" فریدی ہا۔

"اس کے بعد۔" سرسجاد نے حیرت سے دہرایا اور پھر مسکرا کر بولا۔ "اس سے پہلے کہئے۔ بھلا ے اس کی حقیقت معلوم کئے بغیر یہ سب کیسے کر گذرتا۔"

فریدی کسی خیال میں گم اُسے گھورے جا رہا تھا۔ یک بیک اس کے ہونٹوں پر خفیف سی اہٹ نظر آئی اور اُس نے کہا۔ "میں اس آدمی کا بیان لینا چاہتا ہوں۔"

"بس کسی طرح اس سے یہ اُگلوائیے کہ اسے کس نے بھیجا تھا۔"

"کیا مطلب....؟" فریدی اسے پھر گھورنے لگا۔

"وہ کہتا ہے کہ اسے سیاہ رنگ کے ایک کتے نے یہاں بھیجا تھا۔" سرسجاد نے ٹھنڈی سانس لر کہا۔

کس کی کہانی

حمید نے قہقہہ لگایا۔ چند لمحے ہنستا رہا پھر یک بیک سنجیدگی اختیار کر کے بولا۔

"میں اس کتے سے واقف ہوں۔ اس کی خالہ شوخ رنگ کی لپ اسٹک استعمال کرتی ہے۔"

"آپ میرا مضحکہ نہیں اڑا سکتے۔" سرسجاد جھلا گیا۔ "کیا یہ میرا ذاتی بیان ہے؟ اُس نے جو گی مجھ سے کہا تھا آپ کے سامنے دہرا رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے.... ٹھیک ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "آپ پر اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔ وہ ہے کہاں!"

"تہہ خانے میں.... پہلے ہی عرض کر چکا ہوں۔"

"تو چلئے اسے بھی دیکھ لیں۔" فریدی بولا۔

"ہرگز نہیں۔" حمید بول پڑا۔ "یہ اسی صورت میں ممکن ہے۔ جب رضوانہ بھی ہمارے ساتھ ہو۔"

"میں پھر کہتا ہوں کہ کھیل بگڑ جائے گا۔ میری ساری محنت برباد ہو جائے گی۔ ٹھہریئے۔ میں خود ہی اُسے اوپر لاتا ہوں۔"

"اب یہ بھی ناممکن ہے۔" حمید نے پیشانی پر بل ڈال کر کہا۔ "آپ یہاں سے ہل بھی نہیں سکتے۔"

سر سجاد نے فریدی کی طرف دیکھا۔ حمید کو بھی اس کی طرف متوجہ ہونا ہی پڑا تھا کیونکہ اس نے سر سجاد سے اس کی بحث بڑے سکون کے ساتھ سن لی تھی۔ اسے اس سے باز رکھنے کی کوشش نہیں کی تھی، حالانکہ اس نے خود ہی اس پر رضامندی ظاہر کی تھی کہ اس کے ساتھ تہہ خانے میں جائے گا۔

"یہ نئی الجھن پیدا کر دی آپ لوگوں نے۔" فریدی تشویش کن لہجے میں بولا۔ پھر بلند آواز میں بولا۔ "خیر.... چلئے یہ جھگڑا بھی ختم کئے دیتا ہوں۔ آپ دونوں یہیں ٹھہریئے۔ میں تہہ خانے میں جاؤں گا۔"

"اس پر مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔" حمید بولا۔

"پھر مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" سر سجاد ہنس پڑا۔ "چلئے یونہی سہی۔"

چند لمحے خاموشی رہی پھر فریدی ٹارچ سنبھالے ہوئے تہہ خانے کے دروازے میں ہو گیا۔

حمید کی نظریں سر سجاد پر تھیں اور ہاتھ جیب میں پڑے ہوئے ریوالور کے دستے پر ضرورت پڑنے پر وہ جیب ہی سے فائر بھی کر سکتا تھا۔

"آپ بڑے شکی معلوم ہوتے ہیں۔" سر سجاد نے مسکرا کر کہا۔

"دنیا کے ہر فلسفے کی ابتداء شک ہی سے ہوتی ہے۔" حمید بھی جواباً مسکرایا۔ "اب یہ جو ہو گیا ہے نا ہماری راتوں کی نیندیں تک ہڑپ کر جائے گا۔"

"آپ اسے فلسفہ کہتے ہیں۔"

"میرے لئے ہر وہ چیز جو کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا کے مصداق ہو، فلسفے کا درجہ رکھتی ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔" سر سجاد نے استفہامیہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

"ہم سمجھے تھے کہ کسی کی لاش گھسیٹی گئی ہوگی، لیکن آپ کبوتروں کی کہانی سنا رہے ہیں اس میں اسے فلسفہ ہی کہوں گا۔"

"اوہ....!" سر سجاد مسکرایا۔ "آپ تو فلسفیوں ہی کی سی باتیں کر رہے ہیں۔"

"ہر وہ شخص فلسفی ہے، جو صرف باتیں ہی کر سکتا ہو۔"

یک بیک سر سجاد چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"شاید میں نے کسی کی آہٹ سنی تھی۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" حمید نے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "اگر کرنل دو منٹ کے اندر برآمد نہ ہوئے تو میں تمہیں گولی مار دوں گا سر سجاد۔"

"آپ کیسی بے تکی باتیں کرتے ہیں۔"

"یہ فلسفہ نہیں! دھماکے اور خون کی باتیں ہیں سر سجاد۔"

سر سجاد نے اوور کوٹ کا کالر کانوں تک اٹھا لیا اور فلٹ ہیٹ کا گوشہ پیشانی پر جھک آیا۔ حمید کی نظریں اس کے ہاتھوں ہی پر تھیں۔

سر سجاد نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور بولا۔ "میرے تہہ خانے بہرام کے تہہ خانے نہیں ہیں اور نہ میں نے پولیس سے کسی قسم کا فراڈ ہی کیا ہے بلکہ ہو سکتا ہے کہ پولیس کو اس کاروائی سے کسی قسم کی مدد ملے اور....!"

وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا کہ ایک آدمی تہہ خانے کے دروازے سے لنگڑاتا ہوا برآمد ہوا۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔

اس کے بعد ہی فریدی بھی دروازے میں نظر آیا۔ سر سجاد حمید کی طرف قہر آلود نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ یک بیک وہ فریدی سے مخاطب ہو کر بولا۔ "یہ صاحب سمجھ رہے تھے کہ شائد میں نے آپ کو موت کے منہ میں بھیج دیا ہے۔"

"تہہ خانے بڑے شاندار ہیں سر سجاد۔" فریدی اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر بولا۔

"جی ہاں! اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تہہ خانے ہی میری پریشانیوں کا باعث ہوں۔"

فریدی قیدی کی طرف مڑا اور بولا۔ "میرا خیال ہے کہ میں تمہیں پہچانتا ہوں۔ تم سورج ڈکیتی کیس کے الزام میں چھ سال کی سزا بھگت کر چھوٹے تھے۔ تقریباً چھ ماہ پہلے کی بات ہے۔"

"جی ہاں! میرا نام نصرت ہے۔ لیکن.... اگر کوئی میرے چیتھڑے بھی اڑا دے تو میں یہ نہ سکوں گا کہ میں کس کے لئے کام کر رہا ہوں۔"

"اتنے سخت جان ہو۔" فریدی مسکرایا۔

"میں جانتا ہی نہیں جناب بتاؤں گا کیا۔"

"تمہیں اعتراف ہے کہ تم نے سر سجاد پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔"

"مجھے اعتراف ہے جناب۔ انکار کی گنجائش ہی نہیں جبکہ سر سجاد بھی یہیں موجود ہیں۔"

"یہ تمہارا بیان ہے کہ تم اپنے باس سے واقف نہیں ہو۔ لیکن اس پر کیسے یقین کیا جا سکتا تمہیں کاموں کی اُجرت کس سے ملتی ہے۔"

"ایک سیاہ رنگ کے کتے سے! وہی اس کا ہرکارہ ہے۔"

"تم اس کی ملازمت میں کیسے آئے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

وہ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "چھ ماہ پہلے کی بات ہے۔ میں جیل سے رہا ہوا تھا ایک وا کی روٹی کا بھی سہارا نہیں تھا۔ میرے لئے نہ کوئی خوش ہونے والا تھا اور نہ کوئی مغموم ہو والا۔ شہر میں میرا کوئی شناسا بھی نہیں تھا جس سے مدد مل سکتی۔ میں نے پہلی بار ایک بڑا جرم تھا۔ لمبی سزا بھگتی تھی اور تہیہ کر لیا تھا کہ اب جرائم سے دور ہی رہوں گا۔ لیکن.... لیکن.... کا میں نے اس پراسرار پرس پر فاقوں کو ترجیح دی ہوتی۔"

"کیسا پرس....؟" فریدی براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"وہ پرس نامعلوم طور پر میری جیب میں پہنچا تھا۔ میں سڑک کے ایک ایسے فٹ پاتھ گذر رہا تھا جہاں کھوئے سے کھوا چھلتا ہے۔ دفعتاً میں نے اپنی داہنی جیب میں کسی قسم کا وز محسوس کیا۔ یہ اسی شام کی بات ہے جس کی صبح میں رہا ہوا تھا۔ جیب خالی تھی اور میری آنت بھوک سے اینٹھ رہی تھیں۔ بہرحال بے اختیارانہ طور پر میرا ہاتھ جیب میں چلا گیا تھا۔ پلاسٹک چکنا پرس میری انگلیوں میں پھسل رہا تھا۔ میں چکرا گیا۔ تھوڑی دیر تک تو کچھ سمجھ ہی میں نہیں تھا اور پھر مجھ پر ایسی وحشت طاری ہوئی تھی جیسے مجھے جیب تراشی کرتے ہوئے دیکھ لیا گیا ہ

ں فٹ پاتھ کی بھیڑ سے نکل کر ایک گلی میں ہو لیا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس پرس کو کیسے چھپاؤں، جیب سے کیسے نکالوں! بالآخر ایک جگہ ایک پبلک پیشاب خانے پر نظر پڑی اور میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہاں میں بآسانی پرس کا جائزہ لے سکتا تھا۔ پرس میں سو روپے کی کرنسی تھی۔ اس کے علاوہ اس میں سے اور کچھ بھی برآمد نہ ہوا۔ پرس میں نے وہیں پھینک دیا اور نوٹ جیب میں ڈالے۔ پھر پانچ دن بڑی شان سے بسر ہوئے اور میں اسی دوران میں کام بھی تلاش کرتا رہا۔ لیکن آپ کو ایمانداری سے بتاؤں کہ اب پھر میری نیت ڈانواڈول ہو گئی تھی۔ چھ سال تک شراب نہ ملنے کی وجہ سے مجھ میں جو ذہنی تبدیلی ہوئی تھی وہ ان سو روپوں کے نوٹوں نے غارت کر دی۔ اگر میں نے محنت مزدوری کر کے دن بھر میں صرف ایک روپیہ کمایا ہوتا تو شراب پینے کا خیال تک نہ آتا مگر مفت کے سو روپے.... انہوں نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ ہر ہفتے مجھے اسی طرح پراسرار طور پر سو روپے ملتے رہے۔ اب میں نے ایک چھوٹا سا فلیٹ بھی کرایہ پر حاصل کر لیا تھا۔ ہر ہفتے کے روپیوں کے ساتھ ایک پرچہ بھی ملا جس پر تحریر تھا۔ "اب اپنی مدد آپ کرو۔ یہ فلیٹ چھوڑ کر تارجام کی گرین بلڈنگ میں فلیٹ لو۔ نچلی منزل میں ایک فلیٹ خالی ہے۔" میں نے اس ہدایت پر عمل کیا۔ یہاں پہنچنے پر سو کی بجائے ڈیڑھ صد روپے فی ہفتہ کے حساب سے ملنے لگے۔ لیکن اب طریق کار بدل گیا تھا جس کے متعلق مجھے پہلے ہی سے آگاہ کیا گیا تھا.... اب ایک سیاہ رنگ کا کتا پیغام رسانی کا کام کرتا ہے۔"

"روپے کس طرح ملتے ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"کتے ہی کے ذریعہ.... میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں سے آتا ہے اور کہاں واپس جاتا ہے اس کا پٹہ پرس کی طرح کئی تہیں رکھتا ہے۔ اسی میں پیغامات اور کرنسی نوٹ ہوتے ہیں۔"

"تم نے کبھی نہ کبھی اس کتے کا تعاقب تو ضرور ہی کیا ہوگا۔" فریدی نے کہا۔ "قدرتی بات ہے تم اُس آدمی کے بارے میں جاننا چاہتے ہو گے۔"

"صرف ایک بار.... لیکن وہ تو چھلاوہ ہے۔ اس تعاقب کے بعد ہی مجھے اس نامعلوم آدمی کی طرف سے تنبیہہ کی گئی تھی کہ اگر میں نے آئندہ ایسی حرکت کی تو قتل کر دیا جاؤں گا۔ میں نے سوچا اگر اس کی نوبت آئی تو کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو گی اور میں دوسری دنیا میں پہنچ جاؤں گا۔ ظاہر ہے، جو لاعلمی میں میری جیب میں پرس ڈال سکتا ہو۔ وہ کیا پسلی میں خنجر نہیں اتار سکتا۔

ایسا دشمن انتہائی خطرناک ہوتا ہے، جو کبھی سامنے نہ آیا ہو۔"

"اس سے پہلے بھی تم اسکے حکم سے دوسروں کو قتل کرتے رہے ہو۔" فریدی نے سوال کیا۔

"نہیں جناب! قطعی نہیں۔ کل پہلی بار مجھ سے کوئی کام لیا گیا تھا۔ وہ بھی اتنے کم وقت میں کہ مجھے کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ پچھلی رات ٹھیک گیارہ بجے وہ کتا میرے پاس پہنچا تھا۔ میں نے پٹے سے پیغام نکالا اور میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ مجھ سے اتنے تھوڑے وقت میں کوئی ایسا خطرناک کام لے گا۔ صرف دو گھنٹے کا وقت تھا۔ لکھا تھا کہ ٹھیک ایک بجے جنگل کے قریب والی کوٹھی میں پہنچ جاؤ۔ کوٹھی کا نقشہ بھی بھیج رہا ہوں۔ کوٹھی کے سارے افراد سہمے ہوئے ہیں۔ شاید کوئی بھی اپنے کمرے سے نکلنے کی ہمت نہ کرے۔ تم سر سجاد کی خواب گاہ کے دروازے پر رک کر دستک دینا۔ اگر دروازہ نہ کھلے تو بھرائی ہوئی نسوانی آواز میں ڈیڈی کہہ کر پکارنا۔ سر سجاد سمجھے گا کہ اس کی بیٹی نیند سے اٹھ کر آئی ہے۔ یقیناً دروازہ کھول دے گا جیسے ہی سامنے آئے اس کے سینے میں خنجر اتار دینا۔ میں اپنی آواز بہ آسانی بدل سکتا ہوں۔ وہ میرے متعلق یہاں تک جانتا ہے کیا نہیں جانتا میرے بارے میں؟"

وہ خاموش ہو گیا۔ حمید نے محسوس کیا کہ سر سجاد کی سانس پھول رہی ہے۔ چہرے کی رنگت میں غالباً ہلکی سی زردی بھی شامل ہو گئی تھی۔ فریدی اس کی طرف مڑا۔

"لیکن آپ نے صرف دستک ہی پر دروازہ کھول دیا تھا۔"

"جی ہاں! میں حقیقتاً یہی سمجھا تھا کہ رضوانہ ہے اور غالباً ڈر رہی ہے۔" سر سجاد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"اگر میں آپ کی جگہ ہوتا تو اس اجنبی کی روانگی کے بعد ہی رضوانہ کو یہاں سے لے کر شہر چلا جاتا۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ.... ہر طرح کے خیالات گھیرے ہوئے تھے مجھے۔" سر سجاد اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔ "میں نے سوچا تھا کہ ممکن ہے اجنبی کی آمد کا مقصد ہی یہی رہا ہو کہ میں بوکھلا کر شہر کی طرف روانہ ہو جاؤں اور راستے میں مجھے گھیرا جائے۔ میں اتنا نروس ہو گیا تھا کہ میں نے اپنے اس اندیکھے دشمن پر برسنا شروع کر دیا تھا۔"

"اجنبی کی زبردستی کی اطلاع آپ کو کم از کم اسی وقت تار جام کے پولیس اسٹیشن کو دینی

یہاں فون بھی موجود ہے۔"

"میں نے کوشش کی تھی لیکن تار کٹے ہوئے پائے تھے۔"

"ہوں تو.... یہ خیال غلط ہے کہ.... خیر خیر....!"

فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے قیدی کو مخاطب کیا۔ "کیا اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ عمارت میں ہونے سے پہلے فون کے تار کاٹ دینا۔"

"جی نہیں! اس قسم کی کوئی ہدایت نہیں تھی۔"

"تار تو میرے خیال سے اسی وقت کاٹے گئے تھے، جب اجنبی یہاں داخل ہوا تھا۔" سر سجاد بولا۔

"ہو سکتا ہے....!"

"تو پھر یہ اجنبی.... حقیقتاً کسی بڑی سازش کا کوئی حصہ معلوم ہوتا ہے۔" فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اگر آپ کو ان لوگوں کے بیان پر یقین ہے تو یہی کہا جا سکے گا۔" حمید نے کہا۔

"یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔" فریدی نے کہا اور پھر قیدی سے بولا۔ "اس کے علاوہ میں انداز اتم جیسے کتنے آدمی ہوں گے۔"

"ہو سکتا ہے کہ اور بھی ہوں۔ لیکن میں ان سے واقف نہیں ہوں۔"

"تم کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہو۔" فریدی کا لہجہ یک بیک سخت ہو گیا۔ وہ اسے گھور رہا تھا۔

"ایسے وقت میں کیا چھپاؤں گا جب کہ مجھے یقین ہے کہ اس بار دس سال سے کم کی نہیں ہے۔"

"آپ نے بڑی عقلمندی سے کام لیا سر سجاد۔" فریدی بولا۔

"مگر.... اب! اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔" سر سجاد نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میری دانست میں تو یہی بہتر ہے کہ آپ خود کو پوشیدہ رکھیں۔ اسی طرح کام کرنے میں آسانی ہوگی.... اور تم....!" فریدی قیدی کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

چند لمحے خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔ "آپ نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے سر سجاد۔ اگر رضوانہ کے ساتھ ہی یہ بھی غائب ہو گیا تو مسئلہ بدستور موجود رہے گا۔ آپ کے نامعلوم دشمن کو رضوانہ کی گمشدگی پر شبہ ہو سکتا ہے کہ آپ محفوظ ہیں لہٰذا وہ اس عمارت کا رخ کرنے کی ہمت نہیں

کرے گا۔ آپ نے غالباً یہ سب کچھ اسی لئے تو کیا تھا کہ اسے بے نقاب کر سکیں۔"

"قطعی! اسی لئے کیا تھا۔ چھپ کر دیکھوں گا کہ وہ کون ہے۔"

"پھر اس کا بھی غائب ہو جانا کہاں تک مناسب ہو گا۔"

"یہی تو سب سے بڑی الجھن تھی اور اسی لئے میں آپ سے ملنا چاہتا تھا۔"

"تو اب آپ اسے الجھن میں مبتلا کر دیجئے۔"

"بھلا وہ کیسے؟"

"اس آدمی کو چھوڑ دیا جائے۔ یہ بدستور اپنے اُسی فلیٹ میں قیام کرے۔"

"لیکن ایک الجھن اور بھی ہے۔ کرنل۔ میں نے اس وقت جو کچھ بھی کیا تھا، بہت جلد میں کیا تھا۔ بس اس ساری اسکیم کا ایک سایہ میرے ذہن میں آیا تھا اور میں یہ سب کچھ کر گزرا تھا۔ لیکن اب کئی الجھنیں سامنے آگئی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس نے لاش کے متعلق اسے کوئی ہدایت نہیں دی تھی، پھر لاش کہاں غائب ہو گئی۔"

"یہی چیز تو اسے الجھن میں ڈالنے والی ہو گی سر سجاد۔" فریدی نے کہا۔ "یہ آدمی اسے بتائے گا کہ اس نے آپ کو قتل کر کے لاش خواب گاہ ہی میں چھوڑ دی تھی۔"

"اوہ.... تو وہ لاش کوئی اور وہاں سے لے گیا.... مگر کیوں؟"

سر سجاد نے تشویش کن لہجے میں کہا۔ پھر یک بیک ہنس پڑا۔ "بالکل ٹھیک وہ یقیناً کئی الجھنوں میں پڑ جائے گا۔"

"تو پھر اب تم جاؤ۔" فریدی نے قیدی سے کہا اور وہ ہکا بکا رہ گیا۔

"جاؤ.... مگر احتیاط سے۔ میرا نام فریدی ہے۔ شاید تم نے سنا ہو۔ تم اب میرے لئے کام کرو گے۔ سمجھے اور اس سے بھی بدستور رابطہ قائم رکھو گے۔ اسے شبہ نہ ہونے پائے کہ تم اس کے احکامات کی تعمیل نہیں کر سکے اور ہاں تمہارے پاس وہ تحریریں تو محفوظ ہی ہوں گی جو تمہیں وقتاً فوقتاً اس سے ملتی رہتی ہیں۔"

"اس کا حکم تھا کہ ہر تحریر پڑھنے کے بعد جلا دی جائے مگر پھر بھی میں نے کچھ بچالی ہیں۔"

"اس عمارت کا وہ نقشہ اس وقت بھی تمہارے پاس ہی ہو گا، جو اس نے بھیجا تھا۔"

"جی ہاں اور تحریر بھی موجود ہے۔ کوٹ کی اندرونی جیب میں۔" قیدی نے کہا۔ لیکن اس

چہرے پر سراسیمگی کے آثار صاف پڑھے جا سکتے تھے۔

حمید نے اس کی جیب سے تہہ کئے ہوئے کاغذات نکالے اور فریدی کی طرف بڑھا دیئے۔ وہ لمحے انہیں بغور دیکھتا رہا پھر جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ "اس کے ہاتھ کھول دو۔"

"سس.... سنئے تو جناب۔" وہ ہکلایا۔ "میں اتنا بڑا خطرہ مول لینے پر ہرگز تیار نہیں، اس سے تو جیل کو ترجیح دوں گا۔"

"کیوں....؟"

"وہ بہت چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اسے یقینی طور پر صحیح حالات کا علم یا تو ہو چکا ہو گا یا ہو جائے گا۔ تو پھر کیا میں زندہ رہ سکوں گا۔"

"تمہاری حفاظت کی جائے گی۔"

"اتنی بڑی سزا نہ دیجئے۔" وہ گھگھیایا۔ جیل میں سکون سے مر تو سکوں گا۔

فریدی نے سر سجاد کی طرف دیکھا اور حمید اپنی پیشانی رگڑنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا آخر فریدی کیا کر رہا ہے۔ وہ ایک ذمہ دار آفیسر تھا نہ کہ ایک فلم ڈائریکٹر۔ سر سجاد سے ملاقات سرزد ہوئی تھی کہ اس نے اس حادثے کو کہانی بنانے کی کوشش کی اور اب مزید حماقت یہ کرنے والی تھی کہ اس کہانی کو رومانی ٹچ دینے کے لئے ایک مجرم کو چھوڑا جا رہا تھا۔ آخر کیوں؟ کیا ضروری تھا کہ سر سجاد کی بیان کردہ کہانی پر یقین ہی کر لیا جاتا۔

"چلو یہی سہی!" فریدی کچھ دیر بعد سر ہلا کر بولا۔ "میں تمہاری خواہش ضرور پوری کروں گا لیکن تم اپنا بیان تبدیل نہیں کرو گے۔"

"کون سا بیان۔"

"یہی کہ تم نے سر سجاد کو قتل کر دیا تھا۔ لیکن لاش تم نے وہاں سے نہیں ہٹائی تھی۔"

"پھچ.... پھانسی....!" قیدی کانپ گیا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم بے داغ بری ہو جاؤ گے۔ میرا وعدہ پتھر کی لکیر کی طرح اٹل ہوتا ہے۔"

"آپ بڑے آدمی ہیں.... مم.... میں جانتا ہوں.... جناب.... مم.... مگر....!"

"پرواہ مت کرو۔" فریدی نے اس کے شانے پر تھپکی دی اور پھر سر سجاد سے بولا۔ "آپ کو

اس وقت تک چھپے رہنا پڑے گا جب تک کہ میں آپ کا ظاہر ہو جانا مناسب نہ سمجھوں۔"

"مجھے منظور ہے۔ لیکن میری حفاظت کی ذمہ داری بھی آپ ہی پر ہو گی۔"

"قطعی....!" فریدی نے سر ہلا کر کہا اور اسی کی ہدایت پر فی الحال وہ دونوں تہہ خانے میں چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی حمید پھوٹ پڑا۔ جتنے بھی شکوک و شبہات اس کے ذہن میں تھے اگل چلا۔ فریدی سکون کے ساتھ سنتا رہا۔

"ہو سکتا ہے کہ مجھ سے حماقت ہی سرزد ہوئی ہو۔" اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ "لیکن سر سے وہی آدمی یہ عمارت خالی کرانا چاہتا ہے، جو بینک آف کینیڈا کی ڈکیتی کا ذمہ دار ہے۔ کیونکہ جس آدمی کے قتل کی تفتیش میں کر رہا تھا اس نے بھی مجھے ایسی ہی کہانی سنائی تھی اُسے بھی اس طرح کسی نے پھانسا تھا اور اسے بھی ایک کالے کتے ہی کے ذریعہ پیغامات ملا کرتے تھے۔"

نکل گیا

حمید کو صرف اس احمق لٹیرے کی فکر تھی جس کی زبردستیوں کی رپورٹیں اب بھی مل رہی تھیں، وہ اُسے احمق ہی سمجھتا تھا کیونکہ اس کا طریق کار خود اسی کے لئے بے حد خطرناک تھا لیکن اُس سے کیا فائدہ اٹھاتا تھا؟ کبھی سگرٹیں، کبھی ٹافیاں اور کبھی وزنی پرسوں سے صرف دس یا پا کا نوٹ کھینچ لیا۔

اب تو یہ عالم تھا کہ شہر کی اکثر خوش مزاج اور اسمارٹ قسم کی لڑکیاں سر شام ہی اُس تلاش میں نکل کھڑی ہوتی تھیں۔ بس وہ ایک اچھا خاصا ہیرو بن کر رہ گیا تھا۔

پہلے پولیس نے اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔ مگر اب سر سجاد والے کیس کے سے باقاعدہ طور پر اس کی تلاش شروع ہو گئی تھی۔

سر سجاد کے قاتل کی گرفتاری اور فریدی کی واپسی کو ایک ہفتہ گذر چکا تھا۔ اس کی خبر زیادہ "کرنل فریدی کی واپسی" کے عنوان سے شائع ہوئی تھی۔ اخبارات کی حاشیہ آرائیوں کا پوچھنا۔ کسی نے کچھ لکھا تھا اور کسی نے کچھ۔ لیکن قیدی کے متعلق فریدی کی رپورٹ میں کوئی افراط تفریط نہیں ہونے پائی تھی۔ رپورٹ کے مطابق اسے سر سجاد کی کوٹھی کے قریب جنگل

گرفتار کیا گیا تھا۔ مجرم نے اقبال جرم کرتے ہوئے بتایا تھا کہ لاش اس نے خواب گاہ ہی میں چھوڑی تھی اُسے وہاں سے کس نے ہٹایا تھا؟ اس پر وہ روشنی نہ ڈال سکا۔ اس کے بیان کے ساتھ اس نامعلوم آدمی کی کہانی بھی شائع ہوئی تھی جس نے اُسے حیرت انگیز طور پر ملازم رکھا تھا۔

رضوانہ شہر واپس آگئی تھی۔ اس نے قاتل کا بیان پڑھا تو ایک بار پھر اس پر پہلی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ ابھی تک تو وہ شبہات میں مبتلا رہی تھی اور کیپٹن حمید فریدی کی ہدایت کے مطابق ان شبہات کو مزید تقویت پہنچاتا رہتا تھا۔ لیکن قاتل کے بیان کے بعد سے اسے سنبھالنا دشوار ہو گیا تھا اور یہ دشواری آج بھی حمید کی تقدیر بنی ہوئی تھی۔ یعنی اس کی دیکھ بھال کے فرائض دشوار اسی کے سر تھے۔

مگر وہ اس توقع پر اُسے ساتھ لے باہر نکلتا تھا کہ شاید کبھی اس احمق لٹیرے سے مڈبھیڑ ہو جائے۔ رضوانہ اُسے دیکھ چکی تھی اور دوبارہ نظر آنے پر بہ آسانی پہچان سکتی تھی۔

آج بھی اس کے ساتھ باہر نکلنے کا مقصد یہی تھا ورنہ اس روتی ہوئی لڑکی سے حمید کو کیا دلچسپی ہو سکتی تھی، ویسے یہ اور بات ہے کہ وہ اب خود ہی حمید کی تلاش میں رہنے لگی تھی اور حمید کو اس کے کئی امیدواروں کی چڑھی ہوئی تیوریاں برداشت کرنی پڑتی تھیں۔ اُس نے اکثر سوچا تھا کہ کہیں انہیں میں سے کوئی وہی نامعلوم آدمی نہ ہو جس نے سر سجاد پر حملہ کرایا تھا۔

"مجھے ان لوگوں سے وحشت ہوتی ہے۔" رضوانہ نے کہا۔ وہ گرین اسکوائر سے گذر رہے تھے اور حمید نے انہیں کا تذکرہ چھیڑ دیا تھا۔

"حالانکہ آپ پہلے بھی ان سے ملتی رہی ہیں۔" حمید نے کہا۔

"ملنا جلنا تو پڑتا ہی ہے۔ آدمی اکیلے تو نہیں رہ سکتا۔"

"تو پھر میں آدمی ہی نہ ہوں گا۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"کیوں....؟ کیوں؟"

"میں تنہا رہنا چاہتا ہوں۔"

"تب تو پھر میری وجہ سے آپ کو تکلیف اٹھانی پڑتی ہو گی۔"

"قطعی نہیں! ہم دونوں تنہا ہی تو ہیں۔" حمید کے لہجے میں بڑی معصومیت تھی۔ اس کے بعد اس نے موضوع سے گریز کرنے کی کوشش کی۔

"میں نے سنا ہے کہ میجر سعید نے کچھ کاروباری الجھنیں پیدا کر دی ہیں۔"

"خدا کے لئے ان کا تذکرہ نہ چھیڑیئے۔ میرے لئے تو الجھنیں ہی الجھنیں ہیں، جنہیں میں اپنے قانونی مشیروں ہی تک محدود رکھنا چاہتی ہوں۔"

حمید نے خاموشی اختیار کرلی اور کار شہر کی مختلف سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ رضوانہ خود ڈرائیو کر رہی تھی۔

حمید نے مرجانے کی حد تک بور ہو کر سوچا کتنی انوکھی ڈیوٹی ہے۔ اس ڈیوٹی سے تو کہیں بہتر یہ تھا کہ اسے کسی مردہ بھینس کے ساتھ دفن کر دیا جاتا.... مگر یہ لڑکی.... خدا کی پناہ! نہ تو اُسے تفریحی گفتگو راس آتی تھی اور نہ اُن مسائل سے دلچسپی تھی، جو اس وقت درپیش تھے۔ بس خاموش رہتی تھی اور شاید یہی چاہتی تھی کہ حمید بھی اپنے ہونٹ بند ہی رکھا کرے۔

پھر آخر وہ اس کا پیچھا ہی کیوں نہیں چھوڑ دیتی۔ عالم یہ تھا کہ جہاں حمید کو اس تک پہنچنے میں دیر ہوتی، کال پر کال آنے لگتی۔ بعض اوقات تو وہ جھنجھلا اٹھتا اور ریسیور کریڈل سے نکال کر ایک طرف پر ڈال دیتا۔ ایسی صورت میں کچھ دیر بعد وہ گھر ہی پر آدھمکتی۔

فریدی نے آج کل دفتر کی حاضری اس کے لئے غیر ضروری قرار دے رکھی تھی۔

ایسی بور لڑکی سے ساتھ باہر نکلنے سے بہتر تو یہ تھا کہ گھر ہی بیٹھ کر افیون سے دل بہلاتا۔ دلبستگی کے لئے دو چار بکریاں پال لیتا.... کبھی کبھی تو یہ سوچنے لگتا کہ آخر اسے اس احمق لیئر ہی کی تلاش کیوں ہے؟ جہنم میں جائے۔ خواہ مخواہ ہر معاملے میں ٹانگ اڑائے پھرنے سے فائدہ! جتنا کہا جائے اتنا ہی کرے۔ رہ گئی اس لڑکی کی نگہداشت تو یہ بھی ممکن ہے کہ اسے مور کا انجکشن دے کر کہیں سلا دیا جائے اور خود سرہانے بیٹھ کر ساڑھے تین کو ڈھائی سے ضرب دے کر حاصل ضرب کو پانچ سے تقسیم دے اور خارج قسمت کا عادِ اعظم مشترک معلوم کرنے کی کوشش کرے پھر پانچ جوتے اپنے سر پر لگائے اور گانا شروع کر دے۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی جو پنہاں ہو گئیں

وہ سوچتا رہا اور دل ہی دل میں کھولتا رہا۔ پھر جب یہ الجھن برداشت سے باہر ہو گئی تو اس نے جھلا کر پوچھا آخر اس طرح بھٹکتے پھرنے کا کیا مقصد ہے۔

"شائد کہیں وہ مل جائے۔" رضوانہ نے آہستہ سے جواب دیا۔

"کون....!"

"وہی لیئر جس نے اُس رات ہمارے ساتھ کھانا کھایا تھا۔"

"اوہ....!" حمید نے آنکھیں نکالیں۔ "تمہیں اس کی تلاش کیوں ہے؟"

"مجھے یقین نہیں آتا کہ ڈیڈی کے حادثے سے حقیقتاً اُس کا کوئی تعلق ہو گا۔"

"تو اس الو کے پٹھے کے لئے مجھے کیوں نچاتی پھر رہی ہو۔"

"ارے تو اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے! کیا وہ آپ کے لئے دلچسپی سے خالی ہو گا۔"

"میری دلچسپی کے لئے آپ ہی کیا کم ہیں محترمہ....!" حمید کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

"ایک مغموم لڑکی سے اس لہجے میں گفتگو نہ کیجئے۔ اچھا چلئے ہم واپس ہو رہے ہیں۔ میری وجہ سے آپ کو یقیناً بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔ ویسے آج کل میرے لئے آپ کا وجود بہت ضروری ہے۔"

"جس طرح صحت کے لئے موبل آئیل اور گریس ضروری ہے۔"

"خدارا ایسی باتیں نہ کیجئے جنہیں سن کر ہنسی آئے۔ بالکل جی نہیں چاہتا ہنسنے کو۔"

"خیر.... ہاں تو آپ میرا وجود اپنے لئے ضروری کیوں سمجھتی ہیں۔"

"آپ کو ساتھ دیکھ کر ہمدردی جتانے والے راستہ کاٹ جاتے ہیں۔ مجھے ہمدردوں سے بڑی نفرت ہے۔"

"لیکن مجھے ساتھ دیکھ کر وہ بھی بھڑکے گا جس سے آپ کو ہمدردی ہے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"وہی گھامڑ لیئر۔"

"آپ غلط سمجھے! مجھے اس سے ہمدردی کیوں ہونے لگی۔ میں تو بس.... ہائیں یہ کیا۔"

حمید چونک پڑا۔ گاڑی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔

"کیوں.... کیا بات ہے۔"

"یہ سرخ بلب کیوں روشن ہے۔"

حمید کو پورچ میں ایک سرخ بلب روشن نظر آیا۔ ابھی شام کے پانچ ہی بجے تھے، چاروں طرف دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔"

"کوئی لائبریری میں موجود ہے! کون؟" اُس نے پورچ کے قریب گاڑی روکتے ہوئے کہا آس پاس کوئی ملازم موجود نہیں تھا۔

"یہ سب کم بخت کہاں مر گئے۔" وہ کار سے اترتی ہوئی بڑبڑائی۔

"ذرا ٹھہریئے۔" حمید بولا۔ "بھلا اس سرخ بلب کا کسی کے لائبریری میں موجود ہو سے کیا تعلق....!"

"ڈیڈی مطالعہ کے اوقات میں کسی قسم کی بھی دخل اندازی پسند نہیں کرتے تھے۔ یہ سر بلب یہاں دراصل اس لئے لگایا گیا تھا کہ ملازمین بھی باخبر رہ سکیں کہ وہ اس وقت لائبریری ہیں، لہٰذا اگر کوئی اُن سے ملنا چاہے تو وہ اُسے یہ کہہ کر ٹال دیں کہ ڈیڈی گھر ہی پر موجود نہ ہیں۔"

"ہو سکتا ہے کسی ملازم کو مطالعہ کا شوق چرایا ہو۔"

"ناممکن! ملازمین میں سے کوئی بھی پڑھا لکھا نہیں! مگر آخر یہ سب گئے کہاں۔"

"ممکن ہے سبھی لائبریری میں موجود ہوں۔ لیکن ان سے سرخ بلب روشن کرنے حماقت کیوں سرزد ہوئی۔" حمید بولا۔

"ڈیڈی کی مخصوص میز کے لیمپ کا سوئچ آن کرنے سے یہ سرخ بلب بھی روشن ہو ہے۔ اگر وہ کوئی نوکر ہی ہے تو بُری طرح خبر لوں گی! بہ آہستگی آیئے۔"

اُس نے نوکروں کو آوازیں نہیں دیں ورنہ پہلے تو ایسا ہی معلوم ہوا تھا۔ جیسے اُن کے نام لے کر پکارنا شروع کر دے گی۔

اندر سناٹا ہی سناٹا تھا۔ کہیں بھی کوئی نہ دکھائی دیا۔ حالانکہ حمید کو وہاں پانچ یا چھ ملازموں موجودگی کا علم تھا۔ وہ بے پاؤں راہداریوں سے گذرتے رہے! آخر وہ ایک جگہ رک گئے! دروازے کے سامنے رکی تھی وہ بند تھا۔ حمید نے آگے بڑھ کر اس پر ٹھوکر لگائی۔ دونوں آواز کے ساتھ کھلے اور سامنے ہی ایک آدمی اچھل پڑا.... وہ ایک میز پر جھکا ہوا تھا۔

"ارے....؟" رضوانہ بھی اس کے ساتھ ہی اچھل پڑی۔

حمید چپ چاپ اس آدمی کو گھورتا رہا، جو اب میز سے ٹک کر کھڑا ہو گیا تھا اور دونوں

ہاتھ پر باندھ لئے تھے، وہ یہاں کے ملازموں میں سے تو ہرگز نہیں تھا۔

"یہ.... یہ تو.... وہی لٹیرا ہے۔" رضوانہ سنبھالا لے کر آہستہ سے بڑبڑائی۔ ساتھ ہی اجنبی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی پھیل گئی۔ شرارت آمیز مسکراہٹ! جیسے وہ انہیں چڑا رہا ہو۔

حمید اس وقت غیر مسلح تھا۔ اس لئے اس فکر میں پڑ گیا کہ کسی نہ کسی طرح اس پر ہاتھ ڈال ہی دے۔ لیکن اگر وہ غیر مسلح نہ ہوا تو؟ اُس کی جیب خالی نہ ہو گی۔ کیونکہ اس نے ایک عمارت میں غیر قانونی طور پر داخل ہونے کی ہمت کی تھی۔ نہتے لوگ اس کی جرأت کم ہی کرتے ہیں۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو۔" دفعتاً رضوانہ نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔ "میرے نوکر کہاں ہیں۔"

"میں مطالعہ کر رہا ہوں۔" پُرسکون لہجے میں جواب دیا گیا۔ "اور وہ باورچی خانے میں سو رہے ہوں گے، شریف بچوں کی طرح! بات یہ ہے کہ میں مطالعہ کے دوران شور و غل برداشت کرنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"تمہارا دماغ صحیح ہے یا نہیں۔ کیا یہ تمہارے باپ کا گھر ہے۔"

"تمہارے ہی باپ کا سہی۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"تم ڈیڈی کے قاتل ہو.... قاتل۔" وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

"کس ڈیڈی کی بات کر رہی ہو.... اوہ شائد میں پہلے بھی کہیں تمہیں دیکھ چکا ہوں۔ یاد نہیں پڑتا کہاں۔"

"سر سجاد کے قتل کی سازش میں تم بھی شریک رہے ہو۔" حمید بولا۔

اس پر لٹیرے نے بڑی فراخدلی سے ایک طویل قہقہہ لگایا اور پھر بولا۔ "سر سجاد! اوہ اب یاد آیا۔ ہاں شاید ایک ہفتہ پہلے کی بات ہے کہ میں نے تار جام میں تم لوگوں کے ساتھ کھانا کھایا تھا۔ مگر سر سجاد کا قاتل تو جیل میں ہے۔"

"اور اُسے تم نے ہی اکسایا تھا۔"

"اس کی ضرورت مسٹر عقلمند۔" وہ تضحیک آمیز لہجے میں بولا۔ "کیا میں اُسے کھانے کی میز پر قتل کر کے فرار نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی محض اتفاق ہی ہے کہ وہ اُسی رات کو قتل کر دیا گیا۔ لیکن لاش کہاں گئی مسٹر عقلمند۔"

"بکواس مت کرو۔ تم زیرِ حراست ہو۔"

"یہ بڑی دلچسپ اطلاع ہے۔ مگر میں شاعر نہیں ہوں مسٹر عقلمند کہ زلفیں مجھے اسیر کرسکیں، ویسے میں جانتا ہوں کہ تمہاری جیب خالی ہے اور میری جیب میں اعشاریہ دو پانچ کا ننھا سا کھلونا موجود ہے۔"

حمید کوشش کر رہا تھا کہ اُسے غصہ نہ آنے پائے، ورنہ یہ آدمی تو شاید اسی فکر میں تھا کہ کسی طرح اُسے جذباتی طور پر غیر متوازن کر کے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو جائے۔ اُس کے لہجے کی شوخی حقیقتاً اُسے غصہ دلا رہی تھی۔

"آج تم بچ کر نہیں جاسکتے۔" حمید زہر خند کے ساتھ بولا۔

"یہ شائد تیر نظر کے بل بوتے پر کہہ رہے ہو۔" اجنبی نے پھر قہقہہ لگایا۔ اس پر حمید نے جھلاہٹ میں اس پر چھلانگ لگائی، لیکن بڑی صفائی سے میز سے جا ٹکرایا۔ جتنی دیر میں مڑتا اجنبی راہداری میں نظر آیا۔ اس نے بڑی بیدردی سے رضوانہ کو بھی دھکا دیا تھا اور وہ ایک طرف لڑھک گئی تھی۔

پھر دونوں کے سنبھلنے سے پہلے ہی دروازہ باہر سے بولٹ کر دیا گیا۔ حمید دوسرے دروازے کی طرف جھپٹا۔ تیزی سے ہینڈل گھما کر اسے کھولنا چاہا لیکن وہ شاید پہلے ہی مقفل تھا۔

دونوں دروازے پیٹے جانے لگے، لیکن کہیں سے بھی جواب نہ ملا۔ اجنبی تو انہیں پہلے ہی اطلاع دے چکا تھا کہ سارے نوکر باورچی خانے میں سو رہے ہوں گے۔

رضوانہ نے بتایا کہ وہ شام کی چائے باورچی خانے ہی میں پیتے تھے۔

"تو پھر کیا اب دروازہ توڑنا پڑے گا۔" حمید نے غصے کو دبانے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔ اس قسم کی ہزیمت اُسے پہلی بار اٹھانی پڑی تھی۔ پتہ نہیں وہ گوشت پوست کا آدمی تھا یا برقی نظام سے متحرک ہونے والی کوئی مشین۔

رضوانہ کچھ نہ بولی۔ وہ خاموشی سے ایک جانب گھورے جا رہی تھی۔

❁

رات تاریک تھی اور جنگل سائیں سائیں کر رہا تھا۔ مطلع غبار آلود ہونے کی وجہ سے ستارے بھی بے جان سے نظر آرہے تھے۔

سر سجاد کی تار جام والی کوٹھی اندھیرے میں نہائی کھڑی تھی۔ شاید اب وہاں کوئی ملازم بھی نہیں تھا۔ ورنہ کسی نہ کسی حصے میں روشنی تو ضرور ہی نظر آتی۔

سردی شباب پر تھی۔ اندھیرا پھیلتے ہی سارجنٹ طاہر اور سارجنٹ زیدی عمارت سے ملحقہ باغ کے دو مختلف گوشوں میں جا چھپے تھے۔ آج ہی ایسا نہیں ہوا تھا۔ ہر رات کوٹھی کی نگرانی کی جاتی تھی۔ اس کا سلسلہ تو اسی رات سے شروع ہو گیا تھا، جب غیر متوقع طور پر سر سجاد اپنی کوٹھی کے تہہ خانے سے زندہ برآمد ہوا تھا۔

طاہر اور زیدی اسمارٹ قسم کے آفیسروں میں سے تھے اور ان کی تربیت زیادہ تر فریدی ہی کے ہاتھوں ہوئی تھی۔

زیدی نے ٹھیک ڈیڑھ بجے کسی کو کمپاؤنڈ میں داخل ہوتے دیکھا۔ وہ ایک متحرک سایہ تھا، جو کبھی کبھی ساکن بھی نظر آنے لگتا۔

زیدی تیزی سے آگے بڑھا۔ وہ جھک کر چل رہا تھا۔ مقصد ایسی پوزیشن میں آجانا تھا کہ وہ اس پر برابر نظر رکھ سکے۔

فریدی سے ملی ہوئی ہدایات کے مطابق انہیں صرف یہ دیکھنا تھا کہ کوئی چھپ کر عمارت میں داخل ہونے کی کوشش تو نہیں کرتا۔ یعنی انہیں صرف اس کی نقل و حرکت ہی پر نظر رکھنی تھی۔

زیدی کو یقین تھا کہ طاہر نے بھی اُسے دیکھ ہی لیا ہوگا۔ سایہ عمارت کی طرف بڑھتا رہا۔ اب اس کا انداز ٹہلنے کا سا تھا۔ زیدی کچھ اور آگے بڑھ آیا۔

یک بیک وہ اچھل پڑا کیونکہ اس نے اپنی پشت پر ہلکی سی غراہٹ سنی تھی۔

پھر کوئی سیاہ سی چیز اچھل کر اُس پر آرہی۔ یہ ایک قد آور کتا تھا۔ زیدی نے اُس کے اگلے پنجے پکڑ لئے تھے۔ لیکن ہر لحظہ خدشہ تھا کہ اب زمین ہی دیکھنی پڑے گی۔ وہ خود کو اس کے دانتوں سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔

کچھ دور پر اُس نے کسی دوسرے کتے کی آواز بھی سنی تھی لیکن اُسے اتنا ہوش کہاں تھا کہ اس کے متعلق بھی کچھ سوچ سکتا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ محض واہمہ رہا ہو۔

اس جدوجہد کے دوران وہ توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ کتے کے پنجے اب بھی اس کی گرفت ہی میں تھے اس لئے گرتے گرتے پوری قوت سے اُسے دوسری طرف اچھال دینے میں کامیاب ہو گیا۔ اگر اس سے ذرا سی بھی غفلت ہوئی ہوتی تو اس کی گردن یقینی طور پر کتے کے جبڑوں میں نظر آتی۔ وہ نہ صرف پھرتی سے اٹھا تھا بلکہ ہولسٹر سے ریوالور کھینچ لینے میں بھی کامیاب ہو گیا تھا۔

یک بیک باغ کے کسی گوشے سے سیٹی کی آواز آئی اور اُسی وقت زیدی نے فائر بھی کر
لیکن کتا شاید سیٹی ہی کی آواز پر پلٹ گیا تھا اس لئے وار خالی گیا۔ پھر وہ دوسرا فائر نہ کر سکا۔ کیونکہ
کتا قریبی جھاڑیوں میں گھس کر نظروں سے غائب ہو چکا تھا۔

چند لمحے وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑتا رہا پھر چونک کر اُس جانب بڑھا جہاں طاہر کے
کی توقع تھی۔

وہ سایہ تو کبھی کا غائب ہو چکا تھا جس کے ساتھ ہی کتا بھی نازل ہوا تھا۔

سناٹے میں وہ اپنے ہی قدموں کی آوازیں سنتا رہا۔

"طاہر....!" اس نے کچھ دور چل کر آہستہ سے آواز دی۔ لیکن جواب نہ ملا۔ اب وہ ٹا
روشن کرنے پر مجبور ہو گیا۔ لیکن یہ محدود روشنی والی ٹارچ تھی۔ اس نے اُن تمام جگہوں کو
ڈالا جہاں وہ پچھلی راتوں میں چھپے رہے تھے۔ لیکن طاہر کا سراغ نہ ملا۔ پھر وہ ان جھاڑیوں
طرف پلٹا جہاں اپنی موٹر سائیکل چھوڑی تھی۔

"زیدی....!" کسی نے اُسے آواز دی اور وہ اچھل پڑا۔ آواز طاہر ہی کی تھی لیکن ایسا معلو
ہو رہا تھا جیسے وہ آواز گھٹتی ہوئی سانس کے ساتھ ایک پل کے لئے آزاد ہوئی ہو۔

خطرے کا احساس ہوتے ہی اس نے ہوا میں فائر کیا اور شور مچاتا ہوا آواز کی طرف دوڑا۔

"ہاں.... میں آرہا ہوں.... جانے نہ پائے۔"

"احمق ٹھہرو....!" اس بار آواز پر سکون تھی۔ زیدی ایک جھٹکے کے ساتھ رک گیا۔ آ
والا قریب پہنچ کر بولا۔ "یہ کیا کرتے پھر رہے ہو۔"

"اُوہ.... جناب۔ وہ نکل گیا۔" زیدی ہانپتا ہوا بولا۔ "طاہر خطرے میں ہے۔ اپنی آ
چھوڑ کر بھاگ گیا اور میں نے غلطی سے اُسی بیچارے کی گردن پکڑ لی تھی۔"

"کیا اُس پر کتے نے حملہ نہیں کیا تھا جناب۔"

"نہیں!" کرنل فریدی نے جواب دیا۔

مدد کی طالب

"اور پھر ہم اُسی وقت کمرے سے نکل سکے تھے، جب نوکروں کو ہوش آیا تھا۔" حمید نے
ی سانس لے کر کہا۔ فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد مسکرا کر بولا۔ "تو تمہیں اس کی
ت نصیب ہو ہی گئی۔ میں تو آج تک بھٹکتا پھر رہا ہوں۔"

"مجھے شبہ ہے کہ لڑکی اسے بہت پہلے سے جانتی ہے۔"

"شبہے کی وجہ۔"

"وہ یا تو اس کے کسی امیدوار کے لئے کام کر رہا ہے یا خود ہی امیدوار ہے۔ سر سجاد اُس کے
مردوں کی بھیڑ دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ خود ہی اس کے لئے شوہر کا
ب کرے گا۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ رضوانہ نے راستہ صاف کرنے کے لئے یہ سب کچھ خود
رڈالا ہو۔ وہ لڑکی میری سمجھ سے باہر ہے۔"

"اس پر منحصر نہیں۔ آج تک کوئی لڑکی تمہاری سمجھ میں نہیں آسکی ورنہ تم بھی ڈیڈی بن گئے ہوتے۔"

"بہر حال اب آپ مجھے ڈیڈی کے طور پر کسی اندھے کنویں میں الٹا لٹکا دیجئے، مجھے کوئی
اض نہ ہوگا۔ لیکن یہ ڈیوٹی میرے بس سے باہر ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اس کی
اشت کی فکر آپ کو کیوں پڑ گئی ہے۔"

"سر سجاد مر تو نہیں گیا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس کا دھیان بٹائے رکھو۔"

"ارے وہ میرا ہی دھیان اس طرح بٹا کر رکھ دے گی کہ میں در و دیوار سے ٹکراتا پھروں گا۔"

یک بیک فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے ریسیور
الیا۔

"ہیلو.... ہاں.... ہاں.... ٹھیک ہے.... گڈ.... فکر نہ کرو۔ میں آرہا ہوں.... اچھا۔"
ریسیور رکھ کر وہ حمید کی طرف مڑا۔ "چلو شائد آج میں تمہیں ایک ایسی لڑکی سے بھی
سکوں جو بہت جلد تمہاری سمجھ میں آجائے گی۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد لنکن کمپاؤنڈ سے باہر نکل رہی تھی۔ فریدی نے یہ نہیں بتایا
کہ جانا کہاں ہوگا۔ حمید نے پوچھا بھی نہیں۔

"پچھلی رات خاصا لطیفہ رہا۔" کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

حمید اب بھی کچھ نہ بولا۔ فریدی نے کہا۔ "کیوں کیا ہو گیا تمہیں۔"

"سر سجاد ہو گیا ہے مجھے۔" حمید غرایا۔

"اگر تمہاری یہ غراہٹ زیدی سن پائے تو شاید یہی سمجھے کہ پھر گردن دبائی کتے نے۔"

"کیا مطلب....!" حمید چونک پڑا۔ وہ جانتا تھا کہ زیدی اور طاہر سر سجاد کی تارجام والی کوٹھی کی نگرانی کرتے ہیں۔

"پچھلی رات ایک کتے نے اس کی گردن دبائی تھی۔ وہ آدمی بہت چالاک ہے۔ یہ اندازہ کرنے کے لئے کہ کوئی باغ میں موجود تو نہیں ہے۔ کتا بھی ساتھ لایا تھا۔ جیسے ہی کتا زیدی پر جھپٹا وہ ہوشیار ہو گیا۔ لیکن طاہر بھی اُسے دیکھ چکا تھا۔ میں دیر سے پہنچا۔ طاہر نے کوشش کی تھی کہ اُسے پکڑ لے، شاید ایک ہاتھ اُس کی گرفت میں آ بھی گیا تھا لیکن پھر آستین ہی گرفت میں رہ گئی اور وہ نکل گیا۔"

"یہ کیسے ہوا۔"

"آستین پر آستین چڑھا رکھی تھی جس کا کپڑا غیر معمولی طور پر چکنا تھا۔ شاید اُسی آستین پر اس کا ہاتھ پڑا تھا۔"

"بس تو اب وہ گیا ہاتھ سے۔ شائد کوٹھی کا رخ بھی نہ کرے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔"

"آپ کی دانست میں وہ کوٹھی کیوں خالی کرانا چاہتا ہے۔"

"کیوں خالی کرانا چاہتا ہے۔" فریدی نے حیرت سے دہرایا۔ پھر بولا۔ "ارے وہ تو زیادہ تر خالی ہی پڑی رہتی ہے۔ خالی نہیں کرانا چاہتا بلکہ اس پر سر سجاد کا مالکانہ قبضہ پسند نہیں کرتا۔"

"گویا.... وہ اُسے خریدنا چاہتا ہے۔ تو کیا اس کے لئے اُسے سامنے نہ آنا پڑے گا۔ سر سجاد اس کی شخصیت سے واقف نہ ہو جائے گا۔"

"کیا اُس کا بیان یاد نہیں۔ سر سجاد کے کچھ ایسے راز بھی اُسے معلوم ہیں جن کی بناء پر" انہیں بلیک میل بھی کر سکتا ہے۔ اس نے یہی اندازہ لگایا ہو گا کہ اس کی شخصیت ظاہر ہو جانے کے باوجود بھی سر سجاد اپنی زبان بند ہی رکھے گا۔ اس کا یہ اندازہ غلط بھی نہیں تھا۔ جب تک سر سجاد

قاتلانہ حملہ نہیں ہوا۔ اس نے زبان نہیں کھولی۔"

"لیکن وہ تو اس کی بلیک میلنگ کی دھمکی سے بھی مرعوب نہیں ہوا تھا۔"

"نہ ہوا ہو۔ مگر کیا اس نے وہ راز ہمیں بھی بتا دیا ہے جس کی بناء پر کوئی اسے بلیک میلنگ کی دھمکی دے سکے۔"

"نہیں....!"

"تو اس کا یہی مطلب تو ہوا نا کہ وہ اس کا ظاہر ہو جانا پسند نہیں کرتا۔ یہ بات وہ آدمی بھی جانتا ہو گا کہ سر سجاد مرعوب ہوا ہو یا نہ ہوا ہو لیکن وہ اس راز کے حوالے سے پولیس کو متوجہ کرنے کی ہمت نہ کر سکے گا۔"

"ہوں! مگر اُسے قتل کرا دینے سے اس مسئلے کا حل نکل سکتا ہے۔"

"کیوں نہیں!.... کیا یہ ضروری ہے کہ یہ عمارت رضوانہ کو بھی پسند ہو اور پھر اس حادثے کے بعد تو وہ اس سے اور زیادہ بیزار ہو گئی ہو گی۔ میرا خیال ہے کہ وہ تو اسے بہت سستے داموں پر منتقل کرنے سے بھی گریز نہیں کرے گی۔ ایک بات اور بھی ذہن نشین کر لو۔ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ یہ قاتلانہ حملہ اسی آدمی کی طرف سے ہوا ہو جو اس عمارت کو اُس سے خریدنا چاہتا تھا۔"

"کیا بات ہوئی۔"

"سر سجاد کے پاس بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے! چونکہ ایک بار اسے کسی نامعلوم آدمی کی طرف سے قتل کر دینے کی دھمکی مل چکی تھی اس لئے اس موقعہ پر اس کی طرف خیال ضرور جائے گا۔"

"تو پھر ہم کس کے پیچھے ہیں۔"

"اس کے.... جو کینیڈا بینک کی ڈکیتی کا ذمہ دار ہے۔ میں پہلے بھی تمہیں بتا چکا ہوں کہ حملہ کرنے ملازم رکھنے کے جس طریقہ کا تذکرہ کیا تھا وہی طریقہ وہ آدمی بھی اختیار کرتا ہے۔"

"اور وہی آدمی بعض نامعلوم وجوہ کی بناء پر اُس عمارت میں بھی دلچسپی لے رہا ہے۔"

"اس کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ سر سجاد کو قتل کرا دینے کی کوئی اور وجہ بھی ہو۔"

"آہا ٹھہریئے.... وہ تو ہوشیار ہو ہی گیا ہو گا۔ ظاہر ہے کہ سر سجاد زندہ ہے۔ وہ سوچے گا کہ

قتل تو اس نے کرایا مگر لاش کس نے غائب کر دی! نہیں جناب وہ اتنا بدھو تو نہیں ہو سکتا۔ معمولی ذہانت کا آدمی بھی ایسے حالات میں یہ ضرور سوچے گا کہ کہیں اس کے لئے جال تو نہیں بچھایا گیا۔ آپ خود سوچئے۔"

"لیکن اس کے باوجود بھی وہ پچھلی رات اس عمارت کے آس پاس پایا گیا تھا۔"

"کمال ہے۔" حمید نے پلکیں جھپکائیں۔ "آپ کسی دوسرے آدمی کے امکانات کی بھی بات کرتے ہیں اور پھر اس کی طرف سے آنکھیں بھی بند کر لیتے ہیں۔ ابھی آپ نے کہا تھا کہ ممکن ہے قاتل وہ نہ رہا ہو جس نے قتل کی دھمکی دی تھی۔ یعنی وہی آدمی جو عمارت خریدنا چاہتا تھا۔ ہو سکتا ہے پچھلی رات وہی رہا ہو۔"

"وہ آدمی بھی اس عمارت میں دلچسپی لے سکتا ہے جس نے سر سجاد پر قاتلانہ حملہ کرایا تھا۔ کیا وہ یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین نہ ہوگا کہ لاش کس نے غائب کرائی.... اور کیوں؟"

"قدرتی بات ہے۔"

"بس تو پھر وہ محتاط ہو جانے کے باوجود بھی غلطیاں کرے گا۔ اگر وہ اُسے کسی قسم کا جال سمجھا ہے تب بھی یہ ضرور معلوم کرنا چاہے گا کہ یہ جال پولیس نے بچھایا ہے یا کسی....!"

فریدی جملہ ادھورا ہی چھوڑ کر خاموش ہو گیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ حمید نے محسوس کیا جیسے وہ اب اس مسئلے پر گفتگو ہی نہیں کرنا چاہتا۔

"آپ نے میجر سعید کو بھی چیک کیا یا نہیں۔"

"ہاں.... آں۔ اور تمہیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ وہ کتوں کا بڑا اچھا ٹرینر بھی ہے۔ اس کے پاس کئی اچھی نسل کے کتے بھی ہیں لیکن تم اس کے یہاں سے کوئی ایسا کتا برآمد نہیں کر سکو گے جس کا رنگ سیاہ ہو۔"

"اُوہ.... تو آپ شبہ کر رہے ہیں اُس پر۔"

"کسی کیس کے دوران میں صرف شبہات ہی حقیقت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور سنو میجر سعید کا ماضی بھی داغدار ہے۔ ابھی تک یہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ سکی کہ اُس نے کبھی فوج میں ملازمت کی ہو۔"

"اور اس غلط بیانی کے باوجود بھی وہ آزادانہ زندگی بسر کر رہا ہے۔"

"کوئی شبہ بھی نہیں کر سکتا کہ اس کا تعلق فوج سے نہ رہا ہوگا۔ یہ تو میری دریافت ہے۔"

"پھر اِدھر اُدھر جھک مارتے پھرنے کی کیا ضرورت ہے، اسی پر نظر رکھی جائے۔"

"اِدھر اُدھر جھک مارے بغیر اُس کے خلاف ثبوت نہیں بہم پہنچائے جا سکتے۔"

"تو خصوصیت سے اُسی پر نظر ہے۔"

"نہیں.... اور بھی ہیں۔ تمہارا یہ مشورہ بھی قبول کر لیا گیا ہے کہ رضوانہ کے امیدواروں پر بھی نظر رکھی جائے۔ لیکن بنیادی چیز ہے کینیڈا بینک کی ڈکیتی۔ سر سجاد کا قتل نہیں۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید نے پوچھا۔ "ہم کہاں جا رہے ہیں۔"

"فی الحال دولت آباد کا ایک ریستوران منزل ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس کے کچھ نہ کچھ آدمی یقینی طور پر آپ کی نظروں میں ہیں۔"

"تمہارا خیال غلط نہیں ہے۔"

"تو پھر وہ بھی اُسی طرح ختم کر دیئے جائیں گے جیسے آپ کو ڈکیتی کی اطلاع دینے والا ختم کیا گیا تھا۔"

"اگر اب تک ختم نہیں کئے گئے تو تم اسے کیا سمجھو گے؟"

"یہی کہ وہ نہیں سمجھتا کہ آپ اُن کے ذریعہ اس تک پہنچ سکیں گے۔"

"پھر اس آدمی کے قتل کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔"

"اوہ.... وہ شاید اُس تک پہنچنے میں مدد دے سکتا؟" حمید بولا۔

"ہو سکتا ہے کہ یہ خیال بھی درست ہی ثابت ہو۔" فریدی نے کہا اور پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔

"سر سجاد کہاں ہے۔" حمید نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"شہر ہی والی کوٹھی میں۔"

"میں نے تو نہیں دیکھا۔"

"ابھی حال ہی میں رضوانہ نے ایک نیا ملازم رکھا ہے۔" فریدی مسکرایا۔ "ظاہر ہے کہ تم ملازمین کو کیوں گھورنے لگے۔"

"ملازم....!" حمید آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔

"ہاں.... آں! اس نے کہا تھا کہ وہ رضوانہ سے قریب ہی رہنا چاہتا ہے، اس لئے مجھے اس کے چہرے پر خاصی محنت کرنی پڑی تھی۔ تم اسے قریب سے دیکھنے پر بھی پہچان نہ سکو گے۔"

"آخر وہ رضوانہ پر خود کو ظاہر کیوں نہیں کر دیتا۔"

"اس صورت میں وہ مغموم نہ رہ سکے گی۔ سر سجاد خود ہی اس پر آمادہ نہیں ہوا تھا۔ ایک بار پھر سن لو کہ میں نے یہ دردِ سر محض اس آدمی کے لئے مول لیا ہے جو بینک آف کینیڈا کی ڈکیتی کا ذمہ دار ہے۔"

"اس سلسلے میں یہ ضرور سوچنا پڑے گا کہ وہ سر سجاد سے کیوں پرخاش رکھتا ہے.... آہا ٹھہریئے.... دیکھئے.... آپ ایسا کیوں نہیں کرتے! سر سجاد تو بظاہر مر ہی چکا ہے، اب اس عمارت کو فروخت کرنے کی کوشش کیوں نہ کی جائے! بلکہ طریق کار کی حیثیت سے نیلام زیادہ سود مند ثابت ہوگا۔ سب سے اونچی بولی لگانے والے پر نظر رکھی جائے۔"

"احمقانہ خیال ہے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ خود ہی بولی لگانے دوڑا آئے گا جب کہ اس کا پورا گروہ اس کام کے لئے موجود ہے۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔ پھر کیا صورت ہو سکے گی۔"

"چھوڑو...." فریدی گاڑی کی رفتار کم کر کے اسے فٹ پاتھ سے لگاتا ہوا بولا۔ "بس اتر جاؤ، وہ سامنے ہے لکی بار اینڈ ریستوران! کاؤنٹر پر تمہیں ایک ایسی ہی لڑکی نظر آئے گی جسے دیکھ کر جی خوش ہو جائے گا۔ اس سے دوستی پیدا کرنے کی کوشش کرو۔"

"اگر اسی طرح ڈیوٹیاں بدلتی رہیں تو پھر مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" حمید خوش ہو کر گاڑی سے اترتا ہوا بولا۔

فریدی نے کچھ کہے بغیر گاڑی آگے بڑھا دی۔ حمید چند لمحے وہیں کھڑا ریستوران کے سائین بورڈ کو گھورتا رہا پھر آہستہ سے آگے بڑھا۔

وہ جیسے ہی ریستوران میں داخل ہوا اس کی کھوپڑی ناچ گئی۔ کیونکہ کاؤنٹر پر اُسے ایک بدشکل بوڑھی عورت کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں دکھائی دیا تھا۔

اُس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر دل ہی دل میں فریدی کو ہزاروں سنائیں اور پھر یک بیک تہہ کیا کہ اب اسے زچ ہی کر ڈالے گا۔ اگر اس بوڑھی عورت سے والہانہ عشق کر کے

ے شہر میں بدنام نہ ہوا تو کچھ بھی نہ کیا۔

لڑکی نے اسے دور سے دیکھا تھا اور پھر اپنی رفتار اتنی تیز کر دی تھی کہ ذرا ہی سی دیر میں کر رہ گئی۔ لیکن بالآخر اس تک پہنچ کر ہی دم لیا۔ وہ ایک چھوٹے سے کیفے میں داخل ہو رہا وہ ایسا ہی معمولی سا کیفے تھا جہاں اُس جیسی ٹپ ٹاپ لڑکیاں جھانکنا بھی پسند نہ کرتیں۔ مگر وہ اندر چلی گئی۔ نہ جانے کتنی تحیر زدہ سی نظریں اس کی طرف اٹھی تھیں۔ لیکن وہ ماحول سے پرواہ اس کے پیچھے بڑھتی رہی۔ اس نے ایک خالی میز منتخب کی اور بیٹھنے بھی نہیں پایا تھا کہ ی طرف پہنچ کر لڑکی نے بھی کرسی کھسکائی اور وہ چونک کر اسے گھورنے لگا۔

لڑکی مسکرائی اور چپ چاپ بیٹھ گئی۔ وہ اُسے دیکھے جا رہا تھا۔

"یہاں میں تمہاری جیب کاٹوں گی۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"اوہ....!" وہ بھی جواباً مسکرا لیا۔

"بلاؤں پولیس کو۔ سامنے ہی ڈیوٹی کانسٹیبل موجود ہے۔"

"بلالو....!" اجنبی نے لاپروائی سے کہا۔ گفتگو اتنی آہستگی سے ہو رہی تھی کہ آس پاس ے آوازیں تو سن سکتے لیکن کچھ سمجھ نہ سکتے۔

"تین چار دن ہوئے تم نے میرے پرس سے ٹافیاں نکالی تھیں۔" لڑکی نے کہا۔

"میں تمہارے جسم سے روح نکال سکتا ہوں۔ لیکن مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"ہوں.... شاید اسی لئے تمہارا نام ایک قتل کے سلسلے میں لیا جا رہا ہے۔" لڑکی کی مسکراہٹ آلود ہوتے ہوئے بھی خاصی دلکش تھی۔

"بکواس ہے۔ میں نے اس کی میز پر کھانا ضرور کھایا لیکن.... قتل! ارے قتل تو میں اُسے وقت بھی کر سکتا تھا جب پیٹ بھر کر رخصت ہو رہا تھا۔"

"مگر نام تو لیا جا رہا ہے۔ پولیس تمہاری تلاش میں ہے۔"

"پولیس میری جیب میں رکھی رہتی ہے۔ چلو چائے منگواؤ میرے پیسے بچے۔"

لڑکی نے بیرے کو اشارے سے بلا کر چائے کے لئے کہا اور بیرے کی طرف دیکھ دیکھ کر راتی رہی۔

"اس مسکراہٹ کا مطلب....!" وہ اسے گھورتا ہوا بولا۔ "اوہ.... سمجھا تم شاید پولیس سے تعلق رکھتی ہو۔ مگر یاد رکھو کہ مجھے زندہ گرفتار کرنے والا آج تک پیدا ہونے کی کوشش تو کر رہا ہے لیکن ہو نہیں چکتا۔"

"بڑے جیالے ہو۔"

"دیکھ ہی رہی ہو کہ اس شہر پر میرا راج ہے۔"

"ہاں دیکھ رہی ہوں! کیا تمہاری پشت پر کوئی قوت ہے۔"

"میں خود ہی ایک بہت بڑی قوت ہوں لڑکی! تم میری توہین کر رہی ہو۔"

"تم آخر خود کو خطرات میں کیوں ڈالتے ہو جبکہ کوئی بڑا فائدہ بھی نہیں اٹھاتے۔"

"کھانا ہضم کرنے کے لئے میں خود کو خطرات میں ڈالنے کا عادی ہو چکا ہوں۔ کھانے کے بعد چہل قدمی کرنے والے تمہاری نظروں سے بھی گذرے ہوں گے۔ مقصد کھانا ہضم کرنا ہوا ہے اسی طرح خطرات میں پڑنا ہی میری تندرستی کا ضامن ہے۔"

"ہاں.... اتنا تندرست تو ہونا ہی چاہئے کہ پھانسی کا پھندا بہ آسانی لگ سکے۔"

"کیا میں تمہیں اٹھا کر باہر پھینک دوں۔" وہ غصیلے لہجے میں بولا۔

"کیا فائدہ ہوگا اس سے؟"

"تیسری بار ملاقات نہ ہو سکے گی۔ میں اسے پسند نہیں کرتا کہ کسی سے دوسری ملاقات بھی ہو۔"

"اگر دوسری یا تیسری بار پرس میں صرف ٹافیاں ہی ٹافیاں ہوں تو۔"

ویٹر چائے لایا اور وہ خاموش ہو گئے۔ لوگ اب بھی اُن دونوں کو گھورے جا رہے تھے۔

لڑکی نے پیالیاں سیدھی کیں اور چائے بنانے لگی۔ لٹیرے نے سگریٹ سلگاتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "میں صرف ایک چمچہ شکر پیتا ہوں۔"

"عادتیں تو شریفوں ہی کی سی ہیں۔" لڑکی بولی۔

"تم میرا مضحکہ اڑا رہی ہو۔ کہیں میں تھپڑ نہ رسید کر دوں۔"

"یہ ہوئی کمینہ پن کی بات! ویسے میں بھی تمہاری ہی طرح کریک ہوں۔ تھپڑ کھانے کے بعد شاید میں تمہارے سر پر چائے دانی توڑ دوں۔"

"اوہو.... کیا واقعی۔" لٹیرے نے اُسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھ کر کہا۔

"شہر کی بہتیری لڑکیاں تمہارے لئے آہیں بھرا کرتی ہیں۔ مگر میں اُن میں سے نہیں ہوں۔"

"میرے لئے آہیں بھرا کرتی ہیں.... لڑکیاں۔" لٹیرے کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں.... ہاں.... وہ لٹنے ہی کے لئے سر شام گھروں سے نکل آتی ہیں اور ان کے ہینڈ بیگ ں اور چوکلیٹ کے پیکٹوں سے پُر ہوتے ہیں۔ لیکن تمہیں میرے پرس میں اعشاریہ دو پانچ کا زل ملے گا۔"

"خوب....! لیکن تم مجھے مرعوب کرنے کی کوشش کیوں کر رہی ہو۔"

"غلط سمجھے۔ میں تمہیں اپنے متعلق بتا رہی تھی جانتی ہوں کہ تم مرعوب ہونے والوں میں نہیں ہو۔ لیکن کیا تم اپنا وقت برباد نہیں کر رہے ہو۔ ان حرکتوں سے کیا فائدہ جو تم کرتے پھر ہے ہو۔"

"اپنے معاملات میں خوب سمجھتا ہوں۔"

"کسی حد تک میں بھی سمجھتی ہوں۔" لڑکی مسکرائی۔ "تمہارا طریق کار سائنٹیفک ہے۔ تم نے ں کی ہمدردیاں بھی حاصل کی ہیں۔ اب اسی معاملے میں دیکھ لو۔ سر سجاد قتل کر دیا گیا۔ تم پر شبہ کیا جا رہا ہے۔ لیکن بہتیرے لوگ تمہاری طرفداری کر رہے ہیں، حتیٰ کہ بعض اخبارات اس مہم میں شریک ہو گئے ہیں۔"

"کیوں کان کھا رہی ہو میرے۔ اگر مجھے گرفتار کرانا چاہتی ہو تو یہیں اسی جگہ کوشش کر کے ہ لو۔"

"مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔" لڑکی آہستہ سے بولی۔

"کوئی جال بچھاؤ گی میرے لئے۔" وہ اسے گھورتا ہوا بولا۔

"پھر غلط سمجھے! حالات ہی ایسے ہیں کہ میں پولیس سے مدد نہیں لے سکتی۔"

"کیا بات ہے۔"

"مجھے ایک بلیک میلر کے پنجے سے رہائی دلاؤ۔"

"ہوں! کون ہے؟"

"یہ میں نہیں جانتی۔ میں نے صرف ایک بار اس کی ہلکی سی جھلک دیکھی تھی۔ سر سے پیر سیاہ تھا۔ چہرے پر صرف آنکھوں کی جگہ کھلی نظر آتی تھی اور اُس کے ساتھ ایک کتا بھی تھا۔

وہ مجھے بلیک میل کر کے مجھ سے بعض غیر قانونی کام کرانا چاہتا ہے۔ ابھی کل ہی مجھے اس کی طرف سے ہدایت ملی ہے کہ میں سر سجاد کی لڑکی رضوانہ سے دوستی پیدا کروں۔"

لئیرے کی انگلیاں میز پر اس طرح چل رہی تھی جیسے ٹائپ رائٹر پر چلتی ہیں۔

ناکامی

لڑکی اُسے غور سے دیکھ رہی تھی اور وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ کچھ دیر بعد اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی اور وہ سر اٹھا کر بولا۔ "کیا تم مجھے اسی آدمی کی کہانی سناؤ گی جس کی سر سجاد کے قاتل نے سنائی تھی۔"

"ہو سکتا ہے! وہی ہو وہ مجھ سے صرف ایک بار ملا ہے۔ یہ پچھلی رات کی بات ہے ورنہ اس سے پہلے تو مجھے اپنے فلیٹ میں کسی نہ کسی جگہ اُس کے خطوط ملتے رہے ہیں۔"

"ارے وہ پیغام رساں کتا کہاں مر گیا تھا۔"

"میں نہیں جانتی! مجھے کسی کتے کے ذریعہ کبھی اس کے خطوط نہیں ملے۔"

"بہر حال وہ خطوط یقینی طور پر ٹائپ میں ہوتے ہوں گے۔"

"نہیں.... ہاتھ کی تحریر۔"

"بڑا گدھا معلوم ہوتا ہے یہ آدمی بھی۔"

"کیوں؟"

"کام کرنے کا طریقہ تو اتنا عقلمندانہ ہے، لیکن وہ احمق بھی ہے کہ اپنی تحریریں تقسیم کر پھرتا ہے تاکہ کبھی نہ کبھی ضرور پکڑا جائے۔"

"ہاں.... یہ بات تو ہے۔ اس نے کبھی مجھے اس پر مجبور نہیں کیا کہ اس کی تحریریں تلف کر دی جائیں۔"

"چائے پی چکیں تم۔" لئیرے نے پوچھا۔

"ہاں.... آں....!"

"تو بس قیمت ادا کرو اور چپ چاپ چلی جاؤ۔ سر سجاد کو قتل کرانے والا مجھے بھی پھانسنا چاہ

ہے اور سنو! تم نے کیسے یقین کر لیا کہ میں بھی اسی کے گرگوں میں سے نہیں ہوں۔"

"میں بھی انہیں لوگوں میں سے ہوں، جو تمہارے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سن سکتے۔"

"یہ اور بات ہے لیکن....!" وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "اچھا تو تم مجھ سے کیا چاہتی ہو۔"

"مجھے اس سے چھٹکارہ پانے میں مدد دو۔ ابھی تک میں اس کے لئے چھوٹے موٹے کام کرتی رہی ہوں۔ مگر یہ قتل کا معاملہ ہے۔ آخر وہ مجھے سر سجاد کی لڑکی سے دوستی کرنے کا مشورہ کیوں دے رہا ہے۔ میں پولیس کی مدد بھی لے سکتی تھی۔ لیکن اس صورت میں مجھے دوسرے معاملات میں بھی الجھا لیا جائے گا۔ مجھ سے پوچھا جائے گا کہ وہ مجھے کس سلسلہ میں بلیک میل کر رہا تھا۔"

"اور میں تم سے یہ پوچھ نہیں سکتا۔ کیوں؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"تمہیں بتا دینے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔"

"میں نہیں معلوم کرنا چاہتا۔"

"پھر بتاؤ.... دو گے سہارا۔"

"سوال یہ ہے کہ میں اسے کہاں تلاش کرتا پھروں گا۔ ایک بار بھی ٹکرا جائے تو پھر دیکھو۔"

"بڑی مصیبت ہے تو پھر میں کیا کروں۔"

"سر سجاد کے قاتل کے بیان کے مطابق وہ کافی باخبر آدمی معلوم ہوتا ہے۔ تو پھر کیا وہ ہمارے حالات سے بے خبر ہو گا۔"

"تبھی تو بلیک میل کر رہا ہے۔"

"احمق! سمجھنے کی کوشش کرو۔ کیا وہ اس سے بے خبر ہی رہے گا کہ تم مجھ سے مل بیٹھی ہو۔"

یک بیک لڑکی خوفزدہ نظر آنے لگی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی نے اُس کے رگوں سے ن کا آخری قطرہ تک نچوڑ لیا ہو۔ لئیرا اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ لڑکی چند لمحے پٹے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی رہی پھر ادھر اُدھر دیکھ کر آہستہ سے بولی۔ "تم ٹھیک کہہ رہے ۔ مجھے تم سے اس طرح نہ ملنا چاہئے تھا.... اُوہ.... اب کیا ہو گا۔"

"لیکن ہمارے درمیان جو گفتگو ہوئی ہے اس کا علم اسے کیسے ہو سکے گا۔" لئیرے نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں کیا جانوں! تم نے ہی یہ سوال اٹھایا تھا۔ تم ہی جواب دو۔"

"چلو کوئی بات نہیں! اگر تم اس دوران میں قتل کر دی گئیں تو جواب مل ہی جائے گا۔"

"قتل.... نہیں۔" لڑکی کانپ گئی۔

"اوہ.... ہو....!" یک بیک لٹیرا ایک جانب جھک گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی سے چھپنے کی کوشش کر رہا ہو۔

لڑکی چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ ایک اسمارٹ قسم کا وجیہہ نوجوان ریستوران میں داخل ہو رہا تھا۔ لڑکی نے پلکیں جھپکائیں اور پھر لٹیرے کی طرف دیکھنے لگی۔

نوجوان نے شاید اس کی طرف دھیان بھی نہیں دیا تھا۔ وہ سیدھا کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ لڑکی نے اس کی آواز سنی۔ وہ پرنس ہنری کی تمبا کو طلب کر رہا تھا۔

لٹیرا تیزی سے اٹھا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔ لڑکی نے پھر کاؤنٹر پر کھڑے ہوئے نوجوان کی طرف دیکھا۔ وہ بھی تیزی سے مڑا تھا۔ اب لڑکی کو احساس ہوا کہ اس دوران میں دوسرا آدمی لٹیرے کی شکل دیکھ لینے میں کامیاب ہوا ہوگا۔ کاؤنٹر کی دونوں جانب لمبے لمبے آئینے لگے ہوئے تھے۔

لڑکی نے ایک طویل سانس لی۔ شائد وہ اس دوسرے آدمی کو پہچانتی تھی، جو لٹیرے کے تعاقب میں گیا تھا۔

اس نے کاؤنٹر ہی پر جا کر بل ادا کیا اور تیزی سے باہر نکلی۔ لیکن یہاں معمول کے خلاف کچھ بھی نہ دکھائی دیا۔ سڑک پر ٹریفک کا نظام بدستور برقرار تھا۔ آس پاس کہیں بھی کسی قسم کی اترا نظر نہ آئی۔ اس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ لٹیرا صاف نکل گیا۔

وہ اس طرف چل پڑی جہاں اپنی ٹوسیٹر چھوڑی تھی۔ لیکن ٹوسیٹر میں بیٹھنے سے پہلے ہی اُسے خطرے کا احساس ہو گیا۔ وہ نوجوان جو لٹیرے کے تعاقب میں گیا تھا، تیزی سے اس کی طرف بڑھتا ہوا نظر آیا۔

لڑکی نے انجن اسٹارٹ کیا اور اس کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی ٹوسیٹر حرکت میں آ گئی۔

پھر تقریباً چار فرلانگ چلنے کے بعد اُسے ایک چوراہے پر رکنا پڑا۔ اس کے پیچھے کاروں اور دوسری گاڑیوں کی ایک لمبی سی قطار تھی۔ اُس نے مڑ کر دیکھا اور اس کے ہاتھ اسٹیئرنگ پر کانپ

گئے، پھر وہ جلدی سے آٹومیٹک سگنل کی طرف دیکھنے لگی۔

کچھ دیر بعد وہ شہر کے باہر ایک ویران سڑک پر تھی۔ ایک بار پھر مڑنا پڑا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ایک ٹیکسی نظر آئی.... اور اس نے داہنے ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالے ہوئے بائیں سے وینٹی بیگ کھول ڈالا۔

وینٹی بیگ سے ایک کیمرہ نما ٹرانسمیٹر نکال کر اُسے منہ کے قریب لے جاتی ہوئی بولی۔

"تھری سکس.... تھری سکس اسپیکنگ.... ہلو ہلو.... ہلو۔" ٹرانسمیٹر کے ڈائیل کے گوشے پر نقطے کی شکل میں ایک سبز روشنی نظر آتے ہی اُس نے اسے ایک کان سے لگا لیا۔ شاید دوسری طرف سے بولنے والے کی آواز سنتی رہی۔ پھر اُسے دوبارہ منہ کے قریب لا کر بولی۔

"کیپٹن حمید میرا تعاقب کر رہا ہے۔ کھیل بگڑ گیا۔ آج وہ مل گیا تھا۔ میں اسے شیشے میں اتار رہی تھی کہ وہ کم بخت آ ٹپکا۔ وہ تو نکل گیا لیکن اب وہ میرے پیچھے ہے۔"

وہ ٹرانسمیٹر کو پھر کان کے قریب لے گئی۔

❁

حمید نے محسوس کیا کہ ٹوسیٹر کی رفتار کم ہو گئی ہے۔ اُس نے ڈرائیور کو بھی رفتار کم کرنے کی ہدایت دی اور مڑ کر دیکھا۔ اس کے پیچھے بھی ایک کار تھی۔ اس کے خیال کے مطابق اس کی رفتار بھی کم کی گئی تھی۔ اس نے ڈرائیور سے کہا کہ وہ پیچھے والی گاڑی کو نکل جانے کا موقع دے۔ ٹیکسی سڑک کے بائیں کنارے سے لگ کر چلنے لگی۔ اس طرح پچھلی گاڑی کے آگے نکل جانے کے لئے کافی جگہ بچ رہی تھی۔

لیکن جیسے ہی وہ گاڑی قریب سے نکلی حمید کی روح فنا ہو گئی کیونکہ پچھلی سیٹ پر اُسے لکی بار کی وہی بڑھیا مالکہ نظر آئی تھی جس سے وہ پچھلے تین دنوں سے عشق کرتا رہا تھا اور بمشکل تمام اُسے یقین دلانے میں کامیاب ہوا تھا کہ اگر وہ بھی جواباً اس سے عشق نہیں کرے گی تو وہ کسی کنوئیں میں چھلانگ لگا کر خودکشی کر لے گا۔

فریدی نے تو صرف اتنا ہی کہا تھا کہ وہ اس سے جان پہچان پیدا کرے۔ لیکن حمید جھلاہٹ میں عشق ہی کر بیٹھا تھا۔ حمید ہی ٹھہرا۔ کھوپڑی یا تو بالکل سیدھی چلے گی یا اتنی الٹی چلے گی کہ کسی صورت سے کھوپڑی ہی نہ معلوم ہو سکے۔

مگر اب اس وقت افتادِ طبع پھانسی کے پھندے کی طرح گردن میں آپڑی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ اس وقت یہ بُری طرح حارج ہوگی۔

گاڑی تیزی سے آگے بڑھ کر اس طرح رکی کہ ٹوسیٹر کی ڈرائیور کو بھی رک ہی جانے میں عافیت نظر آئی۔

"روک دو....!" حمید نے اپنے ڈرائیور سے کہا اگلی دونوں گاڑیاں کچھ اس انداز میں رکی تھیں کہ آگے نکل جانے کا امکان ہی نہیں رہ گیا تھا۔ ورنہ حمید ایسی حماقت نہ کرتا۔

بڑھیا گاڑی سے اتر رہی تھی۔ ٹوسیٹر والی نے اسکے ڈرائیور کو للکارا۔ "گاڑی ہٹاؤ راستے سے۔"

اتنی دیر میں حمید اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔

"میں قانون کے نام پر تم سے اس لٹیرے کا پتہ پوچھتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"کیا مطلب.... آپ کون ہیں۔" لڑکی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"میں کوئی بھی ہوں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہر شہری کا فرض ہے کہ اس لٹیرے کو قانون کے حوالے کرنے میں مدد کرے۔"

"میں نہیں جانتی آپ کس لٹیرے کی بات کر رہے ہیں۔"

"ارے یہ خود لٹیرا ہے۔" بڑھیا قریب آکر دہاڑی۔ "مکار فریبی۔"

لڑکی نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

"جاؤ تم.... یہ اسی طرح لڑکیوں سے جان پہچان پیدا کر کے انہیں پھانستا ہے۔"

"کیوں بکواس کر رہی ہو۔ خاموش رہو۔" حمید کو غصہ آگیا۔

اتنے میں ڈرائیور نے گاڑی کا رخ بدل دیا.... اور لڑکی نے اپنی ٹوسیٹر کا انجن اسٹارٹ کر دیا۔

"میں کہتا ہوں ٹھہرو....!" حمید دہاڑا۔

"اتنے ہی نامعقول معلوم ہوتے ہو کہ والدہ محترمہ ہر وقت پیچھے لگی رہتی ہیں۔ شرم کرو۔" لڑکی نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

پھر ٹوسیٹر تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ حمید کھڑا سر سہلاتا رہ گیا۔ ویسے اس نے گاڑی کے نمبر تو ذہن نشین کر ہی لئے تھے یہ اور بات ہے کہ اب اس لڑکی سے دوبارہ ملاقات ہونے کے امکانات نہ رہ گئے ہوں۔

"اوہ....!" وہ یک بیک چونک پڑا۔ "ناممکن.... وہ اس طرح نہیں جا سکتی۔"

پھر اپنی ٹیکسی کی طرف بڑھا ہی تھا کہ بڑھیا بڑی پھرتی سے جھپٹ کر راہ میں حائل ہو گئی۔

"ہٹو.... سامنے سے۔"

"ارے واہ....!" وہ ہاتھ نچا کر بولی۔ "ہوش ٹھکانے ہیں یا نہیں! تم مجھ سے ایسی باتیں کرتے رہے تھے۔"

"میں زندگی بھر تم سے ویسی ہی باتیں کرتا رہوں گا مگر اس وقت ہٹ جاؤ۔"

"یہ ویدہ دلیری.... تم جاؤ گے اس کے پیچھے۔"

"بڑوں کا کہنا مانتے ہیں صاحب۔" حمید کے ڈرائیور نے ہنس کر کہا۔

"تم مضحکہ اڑا رہی ہو میرا اور اپنا....!" حمید آنکھیں نکال کر آہستہ سے بولا۔

"میں سارے زمانے میں چیختی پھروں گی تم نے ایسی باتیں کیوں کی تھیں۔"

"پھر کروں گا! تم نہیں جانتیں! اوہ.... اب تو پتہ نہیں وہ کہاں پہنچی ہو گی۔"

"ارے پھر اسی کی باتیں! تم جاؤ گے اس کے پیچھے۔"

دونوں گاڑیوں کے ڈرائیور ہنس رہے تھے۔

"بیلی ڈارلنگ سمجھنے کی کوشش کرو۔ وہ کوئی شریف لڑکی نہیں تھی۔"

"شریف ہی ہوتی تو تمہیں گولی کیوں نہ مار دیتی۔ اُف فوہ! یعنی تم مجھ سے یہ کہہ رہے ہو کہ شریف لڑکی نہیں ہے۔ اس لئے میں تمہیں اس کے پیچھے جانے دوں گی۔ یعنی غیر شریف کے ساتھ تم رنگ رلیاں مناتے پھرو گے۔ تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔ اُف فوہ...!"

"اُف فوہ....!" حمید نے جھلاہٹ میں دانت نکالے۔ پھر سنبھل گیا۔ غصہ اس مصیبت سے نہ دلا سکتا بلکہ بات بڑھتی ہی رہتی اور دونوں ڈرائیور ہنستے رہتے۔ اُس کی زبان سے کہیں لفظ نکل گیا تھا اس پر وہ دونوں چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے تھے اور اب ایک گہری دلچسپی کے ساتھ انکی طرف متوجہ تھے۔ ہو سکتا ہے پہلے وہ بھی اسے ماں ہی سمجھے ہوں۔

"اچھا.... چلو.... واپس چلتے ہیں۔" اس نے مردہ سی آواز میں کہا۔ اب اُسے فریدی پر تاؤ

"میں تمہاری ہی گاڑی میں چلوں گی۔ اس گاڑی کا کرایہ ادا کر دو۔"

"اب کرایہ بھی میں ہی ادا کروں۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

وہ تو ادا ہی کرنا پڑا۔ یہی کیا کم تھا کہ اس طرح ہنسنے والوں میں سے ایک ہی رہ جاتا۔

ٹیکسی پھر شہر کی طرف واپس ہوئی۔ لڑکی غالباً تار جام گئی تھی۔ حمید کا یہی اندازہ تھا۔

"اب.... آج میں تمہارے گھر چلوں گی۔" بڑھیا ٹھنک کر بولی۔

"میں تو کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔"

"کیا سوچ رہے تھے۔"

"یہی کہ یہ دنیا بڑی واہیات جگہ ہے۔ کیوں نہ ہم دونوں خودکشی کر لیں۔ اس طرح دوسری دنیا میں پہنچ کر تم ہوٹل کھول لینا اور میں جوتے گانٹھوں گا۔ دونوں کو یہ دنیا ملنے ہی نہیں دیتی.... ہاں۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔ میں تمہارے گھر چلوں گی۔" بڑھا نے جھلا کر کہا۔ "تم نے کہا تھا کہ تمہاری شادی نہیں ہوئی۔ میں دیکھوں گی اب تمہاری باتوں پر یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"میں نے کب کہا ہے کہ یقین کرو.... دیکھو بیلی.... مجھ پر بعض اوقات دورے پڑتے ہیں، پچھلے دنوں میں ایک بھینس خرید لایا تھا اور اُسے بڑے پیار سے دردانہ بیگم کہا کرتا تھا۔"

"کیا مطلب....!"

"بھینس کا مطلب بتاؤں یا دردانہ بیگم کا۔"

"تم میرا مضحکہ اڑا رہے ہو۔" بڑھا پھر گئی۔ "آخر تم نے ایسی باتیں کیوں کی تھیں۔"

"باتیں کرنے ہی کے لئے ہوتی ہیں، خواہ وہ کسی قسم کی ہوں۔ اب کیا بتاؤں! میں نے تو یہ سوچا تھا کہ جلد ہی شادی بھی ہو جائے گی۔ مگر تم نے سنا تھا کیا کہا تھا اس لڑکی نے۔"

"وہ حرافہ کیوں نہ کہتی۔"

"حرافہ....!" حمید اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "اور میرے متعلق کیا خیال ہے۔"

"تم بدمعاش ہو۔" وہ کھسیانی سی ہنسی کے ساتھ بولی۔ "مجھے بتاؤ کہ تم نے مجھ سے ایسی باتیں کیوں کی تھیں۔"

"کیا میں تمہیں اپنے ان پڑوسیوں سے ملا دوں، جو آئے دن مجھے پاگل خانے بھجوا دینے کی دھمکیاں دیتے رہتے ہیں۔"

وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح اب یہ بڑھیا خاموش ہی رہے تو بہتر ہے۔ ورنہ ہو سکتا تھا کہ وہ گاڑی سے باہر ہو کر کوئی اور حماقت کر بیٹھتا۔ آخر اس سے دوستی پیدا کرنے کا مقصد کیا تھا۔ اس کی میں شروع سے اب تک اُسے ایسی ہی الٹی سیدھی ڈیوٹیاں ملتی رہی تھیں۔ کبھی کسی غمزدہ کی کا دل بہلاؤ اور کبھی ہزاروں لڑکیوں کی والدہ محترمہ سے راہ رسم بڑھاؤ۔ دوسری طرف زیدی ظاہر جیسے غیر اہم لوگ اس آدمی سے ٹکراتے پھر رہے تھے جس نے خود فریدی کو چکرا کر رکھ دیا تھا۔ کھیل شروع ہوا تھا بینک کی ڈکیتی سے جس کی اطلاع فریدی کو پہلے ہی مل گئی تھی۔ اطلاع دینے والا ڈکیتی سے پہلے ہی ختم کر دیا گیا تھا۔ لیکن ہزار احتیاط کے باوجود بھی بینک لٹ ہی گیا۔ پھر زیدی غائب۔ موت تک کی قیاس آرائیاں ہو گئیں۔ لیکن وہ حضرت اس غیر اہم آدمی کی فکر میں تھے، جو لڑکیوں کے بٹوؤں سے ٹافیاں جھپٹتا پھرتا تھا۔ پھر سر سجاد کے قتل کا معاملہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس میں اس لٹیرے کا نام بھی شامل تھا؟ اب سر سجاد اپنی ہی کوٹھی میں ملازموں کے فرائض انجام دے رہا ہے۔ اس کی لڑکی دن رات بسورتی رہتی ہے۔ لیکن یہ رونا بسورنا بناوٹ نہیں ہو سکتا۔ حمید ان دنوں اسے بہت قریب سے دیکھتا رہا تھا۔ اس کا مطلب یہی ہوا کہ سر سجاد نے حقیقتاً خود کو پولس پر ظاہر نہیں کیا۔ بیٹی اس کی موت پر آنسو بہاتی رہتی ہے، وہ دیکھتا ہے لیکن اسے حقیقت سے آگاہ نہیں کر سکتا۔ وہ عمارت جسے وہ قتل کی دھمکی کے باوجود بھی فروخت کرنے پر تیار نہیں تھا، اب کیسے چھوڑ دی گئی۔

عمارت کسی قدیم عمارت کے کھنڈروں پر تعمیر کی گئی تھی اس لئے خزانے وغیرہ کا بھی چکر ہو سکتا تھا۔ لیکن اگر اُسے اس کا یقین ہوتا تو وہ کم از کم اُس سے تو چمٹا ہی رہنا چاہتا۔ خود اس نے اس عمارت کی اہمیت پر ذرہ برابر بھی روشنی نہیں ڈالی تھی۔

فریدی نے اس کی دانست میں عمارت کی نگرانی اسی لئے شروع کرائی تھی کہ سر سجاد کے قتل کی خبر شائع ہونے کے بعد سے کوئی وہاں دیکھا جاتا رہا تھا۔ فریدی پر کتے کا حملہ اس نتیجے پر پہنچنے کے لئے کافی تھا کہ وہ آدمی اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا جس نے سر سجاد پر قاتلانہ حملہ کرایا تھا لیکن وہ کوئی ایسا ہی اہم معاملہ تھا کہ اس نے اس کے سلسلے میں اپنے آدمیوں سے کام لینا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

وہ اہم معاملہ کیا ہو سکتا تھا؟ یا تو اسے اس کی فکر تھی کہ سر سجاد کی لاش کس نے غائب کر دی

یا پھر اس عمارت میں کسی اور چیز کی تلاش تھی اور وہی چیز سر سجاد پر قاتلانہ حملہ کرانے کا باعث بھی بنی ہو گی۔

"کیا سوچ رہے ہو۔" یک بیک بڑھیا نے اس کا شانہ جھنجھوڑ کر کہا۔

"بھوں....!" حمید کتے کی طرح بھونکا اور وہ بوکھلا کر دوسری طرف کھسک گئی۔

اس وقت اس کی ذہنی حالت ایسی ہی تھی کہ اپنی اس بچکانہ حرکت پر ذرہ برابر بھی شرمندگی نہیں محسوس ہو سکتی تھی۔

"یہ کیا بیہودگی ہے۔" اس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کہانی میں تمہیں کہاں فٹ کروں؟"

"کیسی کہانی....؟"

"اگر لیلیٰ کی ماں کی شادی.... مجنوں کے ابا سے ہوئی ہوتی تو پھر وہ کہانی کیسے جنم لیتی۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو۔"

حمید ہارن کی آواز سن کر چونک پڑا۔ پیچھے شائد کوئی گاڑی تھی۔ وہ مڑا.... تھوڑے فاصلے پر وہی ٹوسیٹر نظر آئی جس کا تعاقب کرتا ہوا وہ اس طرف آیا تھا۔

"راستہ دو....!" حمید نے ڈرائیور سے کہا۔ ڈرائیور نے گاڑی ایک طرف کر لی۔ ٹوسیٹر ٹیکسی کے ساتھ ہی دوڑ رہی تھی۔

"ذرا ٹھہریئے....!" ڈرائیو کرنے والی لڑکی نے کہا۔

"ارے.... خدا غارت کرے تمہیں حرافہ۔" بڑھیا کلکلائی اور حمید نے ڈرائیور سے گاڑی روکنے کو کہا۔ وہ بھی شاید دوبارہ اس جھگڑے سے لطف اندوز ہونا چاہتا تھا اس لئے بڑھیا کے چنگھاڑنے کے باوجود بھی اس نے گاڑی روک ہی دی۔

حمید بڑی تیزی سے نیچے اتر آیا۔ ٹوسیٹر بھی رک گئی۔ لڑکی نے کھڑکی سے سر نکال کر کہا "معاف کیجئے گا میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا لیکن یہ سوچتی رہی تھی کہ کہاں دیکھا ہے آپ کو آپ کیپٹن حمید ہیں نا! پچھلے سال آپ نے رائفل کلب کے مقابلے میں حصہ لیا تھا۔"

"ہوں! تو اب آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔"

"وہ لٹیرا مجھے اتفاقاً مل گیا تھا۔ میں نہیں جانتی کہ وہ کہاں رہتا ہے۔ یہ میری اُس سے دوسری

ملاقات تھی۔ کچھ دن ہوئے اس نے میرے پرس پر بھی ہاتھ صاف کیا تھا۔"

"لیکن تم شہر سے باہر کیوں نکل بھاگی تھیں۔"

"روز ہی آتی ہوں ادھر ہوا خوری کے لئے۔"

"ارے ہو چکیں باتیں....!" بڑھیا ٹیکسی سے دہاڑی! وہ نیچے نہیں اتری تھی۔

"والدہ صاحبہ بڑی خونخوار معلوم ہوتی ہیں۔" لڑکی نے کہا۔

"یہ میرے پڑوس کی ایک پاگل عورت ہے، اسے وہم ہو گیا ہے کہ میں اس کا شوہر ہوں! ں تمہارا نام اور پتہ۔" حمید نے جیب سے ڈائری نکالتے ہوئے کہا۔ اس نے جلدی سے نام اور پتہ ر کر دیا۔ پھر ٹوسیٹر آگے بڑھ گئی اور حمید نے سڑک کے نشیب میں چھلانگ لگائی۔ وہ پوری قوت ے کچے راستے پر دوڑ رہا تھا.... تین میل.... اس نے سوچا اس جہنمی بلی سے پیچھا چھڑانے کے لئے یہ تین میل بُرے نہیں رہیں گے۔ خواہ شہر پہنچتے پہنچتے دم ہی کیوں نہ نکل جائے۔

لٹیرا

"بس اب آرام کرو۔ تمہارا کام قریب قریب ختم ہو چکا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"تمام ہو چکا ہے! فرمایئے۔" حمید جھلا کر بولا۔ "آخر اس بڑھیا کا کیا چکر تھا۔"

"میں صرف یہ چاہتا تھا کہ تم اس سے دوستی کرنے کی کوشش کرو۔ لیکن تم نے حماقتیں ر وع کر دیں۔"

"میں تو ابھی قبروں سے مردے اکھاڑ اکھاڑ کر اُن سے بھی دوستی پیدا کرتا پھروں گا۔ خدا پ کے اس سائنٹیفک طریق کار کر ترقی دے۔" حمید جل کر بولا۔

"ہاں تو.... وہ لٹیرا تمہیں پھر جھکائی دے گیا۔" فریدی نے اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر پوچھا۔

"جہنم میں گیا وہ لٹیرا.... مجھے اس بڑھیا کا علاج بتایئے۔"

"خطرناک عورت ہے بیچ سڑک پر گریبان پکڑ لینے والی! اچھا ہے بھگتو! شاید اسی طرح بچپنا رخصت ہو سکے۔ میں تو تھک ہار چکا ہوں۔"

"میں پوچھتا ہوں! مقصد کیا تھا وہاں بھیجنے کا۔"

"محض یہ ظاہر کرنا کہ ہم جاگ رہے ہیں۔ تم ریستوران کو کیا سمجھتے ہو! وہ بھی ایک اڈہ ہے اس آدمی کے گرگوں کا۔"

"اس سے فائدہ۔"

"فائدہ تو نتائج ظاہر ہونے کے بعد ہی نظر آئے گا۔ فی الحال اس کی فکر نہ کرو۔"

"تو اب میں وہاں نہ جاؤں۔"

"اگر تم جانا چاہو تو تمہیں روکے گا کون! یہ تمہاری اپنی مرضی پر منحصر ہے۔"

فریدی خاموش ہو کر سگار سلگانے لگا۔

"میجر سعید کے لئے کیا ہو رہا ہے؟"

"تمہاری دانست میں کیا ہونا چاہئے۔"

"میں پوچھ رہا ہوں کوئی ایسی وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ سر سجاد کی موت کا خواہاں ہو جائے۔"

"کئی وجوہات موجود ہیں۔ مشترکہ بزنس کے کاغذات مشتبہ ہیں۔ اُن کی تحریر کچھ اس قسم کی ہے کہ مشترکہ بزنس ایک پارٹنر کی موت کے بعد سارا کا سارا دوسرے پارٹنر کی طرف منتقل ہو جائے گا اور مرنے والے پارٹنر کے ورثاء اس میں سے ایک حبہ کے بھی حقدار نہ ہوں گے۔"

"اس قسم کے معاہدے آج تک سننے میں آئے۔"

"مگر اسے ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ قاتلانہ حملہ اُسی نے کرایا ہو گا۔"

"میرا خیال ہے کہ اس مجرم کے سلسلے میں سراغ رسانی سے زیادہ دعا تعویز مفید رہے گی۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ آرام کرسی کی پشت گاہ سے ٹکا ہوا سگار کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا آدھ کھلی آنکھوں سے گہرے تفکر کے آثار مترشح تھے۔

اتنے میں ملازم شام کے اخبارات لایا اور انہیں میز پر رکھ کر چلا گیا۔ فریدی نے ہاتھ بڑھا ایک اخبار اٹھایا.... اور پھر شائد وہ پہلی ہی سرخی تھی جس پر نظر پڑتے ہی اس کی آدھ کھ آنکھیں پھیلتی چلی گئیں۔

"اوہ....!" اُس نے اخبار چھوڑ کر کرسی کے ہتھے مضبوطی سے جکڑ لئے۔ چہرے پر طیش آثار تھے۔ حمید بوکھلا کر اُسے گھورنے لگا مگر کچھ بولا نہیں۔

دوسرے ہی لمحے میں فریدی فون کی طرف جھپٹا۔

اس نے تیزی سے کسی کے نمبر رنگ کئے اور ماؤتھ پیس میں دہاڑا۔ "ایس۔پی صاحب ہیں۔ نہیں اطلاع دیجئے کہ فون پر فریدی ہے۔"

چند لمحے خاموشی رہی۔ حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہا تھا۔ فریدی پھر بولا۔ جی ہاں! شام کا کرائم رپورٹ دیکھا آپ نے.... لٹیرے کے متعلق ہمارے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی من و عن چھاپ دی گئی ہے.... جی ہاں! دیکھئے اس لئے میں کسی کیس کی تفتیش کے دوران اپنی زبان زیادہ تر بند ہی رکھتا ہوں۔ آپ نے مجھے اس پر مجبور کیا تھا کہ میں آپ کو حالات سے بے خبر نہ رکھا کروں.... آپ دیکھئے تو اس میں پوری تفصیل موجود ہے.... آپ صرف تھیر ہوتے رہیں گے اور مجھے استعفیٰ پیش کر دینا پڑے گا.... سنئے میں ابھی اور اسی وقت آپ کے دفتر کی تلاشی لینا چاہتا ہوں.... جی ہاں! یہ بہت ضروری ہے.... آپ نے اپنے دفتر ہی میں مجھ سے اسکے متعلق گفتگو کی تھی اور وہاں ہم دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا نہیں تھا۔ میں آ رہا ہوں۔"

فریدی نے جھٹکے کے ساتھ ریسیور رکھ دیا۔ اُس کا موڈ بہت خراب نظر آ رہا تھا۔

"کیا قصہ ہے....!"

فریدی نے کرائم رپورٹ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "ایک ایسا راز ظاہر ہو گیا ہے کہ اب مجرم کے ہاتھ آنے کی توقع نہیں رہی۔ اگر کسی طرح گرفت میں آ بھی جائے تو ہم اس کے خلاف کچھ ثابت نہ کر سکیں گے۔ چلو.... جلدی کرو۔ میں ایس۔پی کے آفس کی تلاشی لوں گا آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔"

"میں کچھ بھی نہیں سمجھا۔"

"خاموش رہو! چلو کسے کسے سمجھاتا پھروں۔ بعض اوقات دماغ کی چولیں تک ہل کر رہ جاتی ہیں۔"

حمید حیرت سے پلکیں جھپکاتا رہا۔

بہر حال اُس نے پھر کچھ نہیں پوچھا۔ اتنے شدید غصے میں اس نے اسے شاذ و نادر ہی دیکھا تھا۔

کچھ دیر بعد ان کی کار محکمہ سراغ رسانی کے دفاتر کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ ایس۔پی کا بنگلہ یہاں سے قریب ہی تھا اس لئے وہ پہلے ہی پہنچ گیا تھا۔ لیکن وہ بھی اچھے موڈ میں نہیں معلوم ہوتا تھا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ میرے دفتر کی تلاشی کیوں لیں گے۔" اس نے غضبناک لہجے میں پوچھا۔

"مجھے شبہ ہے کہ آپ کی لاعلمی میں کوئی آپ کے پروگراموں سے واقف ہوتا رہتا ہے۔"

"کیا دیکھیں گے آپ....!"

"ایک بار پہلے بھی انہیں دفاتر سے ڈکٹافون برآمد کر چکا ہوں۔"

"اوہ....!"

ایس۔پی کا آفس کھلوایا گیا۔ فریدی تھوڑی دیر تک مختلف حصوں کا جائزہ لیتا رہا پھر مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔"

"وہم بہت بُری بیماری ہے۔" ایس۔پی کے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ نظر آئی۔

"ہمارے پیشے میں اسے فنی ضرورت بھی کہتے ہیں۔" فریدی بھی جواباً مسکرایا۔

"کرائم رپورٹ کو یہ خبر کن ذرائع سے ملی تھی؟ یہ بھی معلوم کیا؟" ایس پی کے لہجے میں اب بھی اشتعال موجود تھا۔

"سبھی کچھ ہوگا۔ از سر نو محنت کرنی پڑے گی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اب مجرم ہاتھ نہیں آسکے گا۔ آج کل میں اس لٹیرے کی لاش کہیں نہ کہیں مل ہی جائے گی۔"

حمید نے ایک بار پھر آنکھیں پھاڑیں لیکن یہاں وہ تفصیل کا مطالبہ کیسے کر سکتا تھا۔ ویسے اس کی الجھن بڑھتی ہی جارہی تھی۔

"مجرم کیوں نہ ہاتھ آسکے گا۔" ایس۔پی نے پوچھا۔

"چلئے! لان پر.... میں یہاں اس کمرے [illegible] گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔"

وہ باہر آگئے اور فریدی نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "مجرم اگر اس وقت یہاں آجائے اور للکار کر کہے کہ وہی بینک کی ڈکیتی کا ذمہ دار ہے اور ہم اُسے گرفتار بھی کرلیں لیکن وہ عدالت میں مکر جائے تو ہمارے فرشتے بھی اس کے خلاف ثبوت نہ مہیا کر سکیں گے۔"

"آخر مرنے والے کے پاس کس قسم کے ثبوت رہے ہوں گے۔" ایس پی نے پوچھا۔

"خدا جانے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اُس نے مجھے اتنا ہی بتایا تھا کہ اس کے پاس کچھ ایسی چیزیں ہیں، جو سرگروہ تک رہنمائی کر سکتی ہیں۔ لیکن دوسرے ہی دن وہ قتل کر دیا گیا تھا۔"

"مگر یہ کیسے معلوم ہوا کہ اب وہ لٹیرا اُن چیزوں کا مالک ہے۔"

"دیکھئے.... میرا خیال ہے کہ خود مقتول سرگروہ کو بلیک میل کرنے کے چکر میں تھا۔ ممکن ہے اُس نے اُسے کسی قسم کی دھمکی دی ہو اور یہ جتانے کے لئے کہ وہ اسے بلیک میل کر سکتا ہے۔

[illegible] کی اطلاع مجھے قبل از وقت دے دی۔ سرگروہ کے طریق کار کے بارے میں بھی مجھے اُسی سے [illegible] علوم ہوا تھا۔"

"یہ میری بات کا جواب تو نہ ہوا۔ میں نے لٹیرے کے متعلق پوچھا تھا۔"

"مقتول نے مجھے ایک پتہ دیا تھا.... ارجن پور کے ایک مکان کا اور کہا تھا کہ اگر اسے کوئی [illegible] پیش آجائے تو وہ آدمی جو اس مکان میں رہتا ہے میری مدد کرے گا۔"

"اور آپ منتظر رہے ہوں گے کہ اُسے کوئی حادثہ پیش آجائے۔" ایس۔پی نے طنزیہ لہجے [illegible] کہا۔

"جی نہیں! میں نے اُسی وقت سے اس مکان کی نگرانی شروع کرادی تھی۔ لیکن وہ نہیں مل [illegible] تھا۔ پھر اُس آدمی کے قتل کے بعد تو شاید اس نے مکان کا رخ ہی نہیں کیا۔ مجبوراً قفل توڑ کر [illegible] مکان کی تلاشی لینی پڑی۔ ایک سوٹ کیس اور ایک ہولڈال کے علاوہ وہاں کچھ اور نہیں تھا۔ [illegible] کوئی ایسی چیز نہ مل سکی جو اس کی شخصیت پر روشنی ڈال سکتی۔ البتہ چند تصویریں تھیں، ان [illegible] سے ایک خود اسی کی ثابت ہوئی۔ بقیہ تصویریں مختلف لڑکیوں کی تھیں۔"

"کیا بات ہوئی۔ ایک طرف آپ یہ بھی کہتے ہیں کہ کوئی ایسی چیز نہ مل سکی، جو اُس کی [illegible] میت پر روشنی ڈال سکتی اور دوسری طرف اس کی تصویر کا بھی تذکرہ ہے۔"

"ہاں تو پھر.... کیا اس تصویر نے مجھے اس کا نام بتا دیا تھا۔ شخصیت محض ہڈیوں اور گوشت [illegible] کے ڈھیر کو تو نہیں کہتے۔ اُس کے پڑوسی بھی اس کا نام نہیں بتا سکتے تھے، البتہ تصویر دیکھ کر [illegible] تصدیق کردی تھی کہ وہی آدمی اس مکان میں رہتا ہے۔"

"یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ وہی لٹیرا ہے۔ کل ہی آپ کہہ رہے تھے کہ آج تک آپ سے [illegible] بھیڑ نہیں ہوئی۔"

"رضوانہ اُسے دیکھ چکی ہے.... حمید سے بھی ایک بار ٹکراؤ ہوا تھا۔"

حمید کے لئے تو یہ اطلاع ہی نئی تھی کہ فریدی کے پاس اس لٹیرے کی کوئی تصویر بھی ہے۔

"اگر آپ نے وہ تصویر پریس میں دے دی ہوتی تو وہ کبھی کا پکڑ لیا گیا ہوتا۔" ایس۔پی کا لہجہ [illegible] غصیلا ہوگیا۔

"گویا اس طرح میں اُسے اس مجرم کے حوالے کر دیتا جس کے لئے اتنے دنوں سے [illegible] سرگرداں ہوں اور وہی ایک کارڈ ہے میرے ہاتھ میں۔"

ایس۔پی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "آخر وہ اس قسم کی مضحکہ خیز حرکتیں کیوں

کرتا پھر رہا ہے۔"

"غالباً اب وہ خود اس چکر میں ہے کہ مجرم کو بلیک میل کرے۔"

"آپ کا جواب غیر متعلق ہے۔"

"جی نہیں! ایک احمق آدمی نے شائد اسے بلیک میل کرنے کی کوشش کی تھی، وہ مار ڈالا گیا۔ لیکن یہ لٹیرا اُسے اپنی چالاکیوں اور پھرتی کے نمونے دکھاتا پھر رہا ہے۔ جتا رہا ہے کہ اُس نے کھلم کھلا شہر میں ہنگامہ برپا کر رکھا ہے لیکن پولیس اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتی پھر وہ اس کا کیا بگاڑ لے گا۔ وہ اپنی پبلسٹی کرا رہا ہے جناب اور میرا دعویٰ ہے جناب کہ مجرم اُس سے مرعوب ہو گیا ہے لیکن اب وہ اُسے ٹھکانے لگا دینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دے گا، اس خیال کے تحت کہ کہیں وہ پولیس کے ہاتھ نہ لگ جائے۔ اوہ! ٹھہریئے! مجھے سوچنے دیجئے۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ ایس پی کی جواب طلب آنکھوں سے جھلاہٹ بھی جھانک رہی تھی۔

"یہ بھی ممکن ہے کہ کرائم رپورٹ میں یہ خبر اس لٹیرے ہی نے چھپوائی ہو۔ مجرم کو مزید خوفزدہ کرنے کے لئے.... اوہاں ٹھہریئے! آج ہی حمید نے اسے ایک ایسی لڑکی کے ساتھ دیکھا تھا جو اس گروہ سے تعلق رکھتی ہے۔"

حمید اس اطلاع پر بھی چونک پڑا۔ فریدی اب یہاں ایس۔پی کے سامنے کھل رہا تھا۔ اُسے نہیں بتایا تھا کہ وہ لڑکی اس گروہ سے تعلق رکھتی تھی۔

ایس۔پی نے حمید کی طرف دیکھا اور اس نے کہا۔ "جی ہاں! مگر میں آج بھی اسے نہ پکڑ سکا بس ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی جن کی طرح ہوا میں تحلیل ہو گیا ہو۔ ایک گلی میں گھسا اور غائب۔"

"بڑی حیرت انگیز باتیں سناتے ہیں آپ لوگ۔ کیا پورا گروہ آپ کی نظروں میں ہے مسٹر فریدی۔"

"میں اس کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہوں جبکہ سر سجاد کا قاتل میرے لئے اجنبی تھا۔ میرا خیال ہے کہ سر سجاد کا قاتل زیرِ تربیت تھا۔ اسلئے اسے گروہ سے الگ ہی رکھا گیا تھا۔ ممکن ہے اس کے علاوہ بھی کچھ اور آدمی زیرِ تربیت ہوں۔ مجرم بہت چالاک ہے۔ تربیت کے بعد امتحاناً کوئی اہم کام لے کر ہی باقاعدہ گروہ میں شامل کرتا ہو۔ اس آدمی کا امتحان ہی لینے کیلئے سر سجاد پر حملہ کرایا ہو۔"

"ہاں.... آں۔!" ایس۔پی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ممکن ہے! لیکن لاش کس نے غائب کی۔ معمہ بھی آج تک حل نہ ہو سکا۔"

"خدا جانے... بہت دنوں بعد ایسا پیچیدہ کیس ملا ہے۔ دیکھئے کب تک ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں

اب میں چلوں! کرائم رپورٹ کے دفتر میں بھی پوچھ گچھ کرنی ہے لیکن اس سے پہلے....!"

یک بیک فریدی نے مہندی کی قد آدم باڑھ کے پیچھے چھلانگ لگائی اور وہ دونوں بوکھلا کر ل پڑے۔

پھر حمید نے بھی دوسری طرف چھلانگ لگائی تھی۔ اس نے فریدی کو چہار دیواری کے ب دیکھا وہ اس طرح پیچھے کی طرف گرتے گرتے سنبھل رہا تھا جیسے اس نے کسی کو پکڑنے کی ش کی ہو، لیکن بھاگنے والا چہار دیواری پھلانگتے وقت اسے ایک لات بھی رسید کر گیا ہو۔

وہ سنبھل کر پھر اچھلا اور چہار دیواری سے سر ابھار کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ اس کے بعد ر نے اُسے لنکن کی طرف دوڑتے دیکھا۔

"کیا بات.... کیا ہے۔" ایس پی چیخا۔

"لٹیرا.... پھر نکلا جا رہا ہے۔" اس نے دوڑتے ہوئے جواب دیا۔

جب تک حمید پہنچتا لنکن فراٹے بھرتی ہوئی پھاٹک سے گذر چکی تھی۔

پھر ذرا سی دیر میں وہاں جم غفیر نظر آیا۔ رات کی ڈیوٹی والے اپنے اپنے دفاتر سے نکل آئے تھے۔

ایس۔پی حمید سے کہہ رہا تھا۔ "مجھے تو احساس ہی نہیں ہو سکا تھا کہ کوئی چھپ کر ہماری گو سن رہا ہے۔"

"کرنل اپنی چھٹی حس کے لئے خاص طور پر مشہور ہیں جناب۔ وہ کسی بھیڑیئے ہی کی طرح ار کی بو سونگھتے ہیں۔" حمید نے جواب دیا۔

"یہی وجہ ہے کہ ایک معمولی اُچکا زک پر زک دے رہا ہے۔" غالباً فریدی کے کسی حاسد نے ا تھا۔

حمید خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اگر ایس۔پی وہاں موجود نہ ہوتا تو شاید وہ اس آدمی کو کچا ا چبا جاتا جس نے یہ بات کہی تھی۔

ویسے اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ ایس پی کچھ سوچ رہا تھا۔ کچھ یر بعد اُس نے حمید سے کہا۔ "تم کرائم رپورٹ کے دفتر جاؤ اور یہیں کھینچ لاؤ منیجر ایڈیٹر اور اس پورٹر کو جس کی وساطت سے وہ خبر آئی ہو۔ میں فریدی کی واپسی تک آفس ہی میں بیٹھوں گا۔"

ایک گھنٹے کے اندر ہی حمید نے مطلوبہ اشخاص کو ایس۔پی کے سامنے پیش کر دیا اور انہوں نے جو کہانی سنائی دلچسپ بھی تھی اور ایس، پی کو غصہ دلانے والی بھی۔ انہوں نے بتایا کہ آج صبح یک باوردی سب انسپکٹر نے ایڈیٹر کو کرنل فریدی کا خط دیا تھا اور خود کرنل ہی کی ایماء پر وہ خبر

چھاپی گئی تھی۔اس نے فریدی کا وہ خط بھی پیش کیا۔

"ہرگز نہیں جناب۔" حمید نے سر ہلا کر کہا۔ "اگر کوئی اسے کرنل کی تحریر ثابت کردے میں اپنا سر قلم کرادوں گا۔"

"ہاں! رائٹنگ تو فریدی کی نہیں ہے۔" ایس۔پی بولا۔

"اس سال کا پہلا سب سے بڑا فراڈ ہے یہ خط۔" حمید ایڈیٹر کو گھورتا ہوا بولا۔ پھر اُس سر انسپکٹر کا حلیہ پوچھنے لگا جس سے خط ملا تھا۔

ایڈیٹر بیان کررہا تھا اور حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی جارہی تھیں۔ حلیہ سو فیصدی اُ لٹیرے کا تھا۔ ایس۔پی کی نظر حمید کے چہرے ہی پر تھی۔

"کیوں....؟" وہ اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"یہ حلیہ اسی لٹیرے کا ہے۔"

"اوہ....!" ایس۔پی نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدلا۔ اتنے میں فون کی گھنٹی بجی اور اس۔ ریسیور اٹھالیا۔ حمید نے گفتگو سے اندازہ کرلیا کہ دوسری طرف سے فریدی ہی بول رہا ہے۔

ایس۔پی اُس خبر سے متعلق نئی دریافت کا تذکرہ کررہا تھا۔ پھر وہ خاموش ہو کر سننے لگا۔ کچ دیر بعد "اچھا" کہہ کر سلسلہ منقطع کرتا ہوا ایڈیٹر کی طرف مڑا۔

"اس خبر کی بناء پر محکمے کی بدنامی ہوئی ہے۔" اُس نے کہا۔ "آپ کو صبح ہی اپنے اخبار کا ضمیمہ نکال کر اس بات کی تردید کرنی پڑے گی کہ یہ خبر آپ کو براہِ راست کسی ذمہ دار آفیسر سے ا تھی۔ آپ پولیس کے حوالے سے یہ لکھنے کے مجاز ہوں گے کہ سب انسپکٹر کا حلیہ لٹیرے سے مطابقت رکھتا ہے۔"

"ہم ضرور نکالیں گے ضمیمہ۔" ایڈیٹر نے پرمسرت لہجے میں کہا۔ "اگر نہ نکالا تو خسار میں رہیں گے لیکن ایک رعایت چاہوں گا۔ یہ تردیدی خبر صرف ہمارے ہی اخبار کے لئے مخصوص ہونی چاہئے۔ پریس کے لئے اسے عام نہ کیا جائے۔"

"چلئے.... یہی سہی۔" ایس۔پی مسکرایا۔

وہ لوگ رخصت ہوگئے۔ کچھ دیر بعد ایس۔پی نے حمید سے کہا۔ "وہ ہاتھ نہیں آسکا۔"

"اس کا پھرتیلا پن مجھے حیرت میں ڈال دیتا ہے۔" حمید آہستہ سے بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگ وہ خبر اس لٹیرے ہی نے شائع کرائی تھی تو اس کا مقصد کیا تھا؟

خبر کے مطابق ریالٹو میں مردہ پائے جانے والے آدمی اور اس لٹیرے کے درمیان کوئی گہ

ق تھا۔ یہ واقعہ بھی ظاہر کردیا گیا تھا کہ بینک آف کینیڈا کی ڈکیتی کی اطلاع قبل از وقت اُسی ا سے ملی تھی جس کی لاش ریالٹو میں پائی گئی تھی۔ وہ گروہ کے سرغنہ کے متعلق کوئی اہم بات تھا جس کا علم اس لٹیرے کو بھی ہے۔ اگر وہ کسی طرح پولیس کے ہاتھ آجائے تو گروہ کا نہ بہ آسانی پکڑا جاسکے گا اور پھر اس کی شخصیت راز نہ رہ سکے گی۔

غرضیکہ خبر کے تیور ایسے تھے کہ اس پر دھمکی ہی کا گمان ہوتا تھا۔ تو پھر فریدی کا یہ خیال ت ہی ہوسکتا تھا کہ لٹیرا اس گروہ کے نامعلوم سربراہ کو بلیک میل کرنے کی کوشش کررہا ہے۔

"اب تمہیں تلہ جام جانا ہے۔" ایس۔پی کچھ دیر بعد اٹھتا ہوا بولا۔ "فریدی نے فون پر کہا طاہر اور زیدی سے ملو۔ تمہیں طاہر کی جگہ لینی ہے کیونکہ وہ بخار میں مبتلا ہوگیا ہے۔"

حمید اٹھ گیا۔ وہ دروازے سے نکل ہی رہے تھے کہ فون کی گھنٹی پھر بجی اور ایس پی کچھ بڑبڑاتا یز کی طرف پلٹ گیا۔

کال ریسیور کرتے وقت حمید نے اس کے چہرے پر جذباتی ہیجان کے آثار دیکھے۔ وہ سنتا رہا۔ یسیور رکھ کر حمید کی طرف مڑا۔

"چلو.... میرے ساتھ۔" اُس نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "تار جام کے ن انچارج کی کال تھی۔ سر سجاد کی کوٹھی کا محاصرہ کرلیا گیا ہے۔ زیدی نے وہاں کسی کی ودگی کی اطلاع دی تھی۔ انچارج کا خیال ہے کہ زیدی نے غلطی نہیں کی۔"

یہ خبر اور زیادہ ہیجان انگیز ثابت ہوئی۔ تو گویا کھیل ختم ہونے والا ہے۔ حمید نے سوچا وہ اُس ا کے علاوہ اور کون ہوگا، جو پہلے بھی کوٹھی میں داخل ہونے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ ایک بار بدی اور طاہر سے بھی ٹکراؤ ہوگیا تھا۔

کچھ دیر بعد ایس۔پی کی کار تار جام والی سڑک پر تیز رفتاری کے ریکارڈ توڑ رہی تھی۔

گرفتاری

حمید محاصرے کا انداز دیکھ کر بوکھلا گیا۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے یہ سارا انتظام ایک پوری نا کے لئے کیا گیا ہو۔ مسلح پولیس کے جوانوں نے اس طرح پوزیشن لے رکھی تھی جیسے ت کے اندر ہر کھڑکی اور دروازے پر کم از کم ایک آدمی ضرور موجود ہوگا۔

حمید نے اس پر حیرت ظاہر کرنے کا ارادہ ترک کر دیا کیونکہ اسٹیشن انچارج ایس پی سے کہہ رہا تھا۔ اس کے پاس ٹامی گن ہے جناب۔ اس محاصرے کو ڈھائی گھنٹہ گذر چکا ہے۔ ایک بار اس نے راستہ بنانے کے لئے فائرنگ بھی کی تھی۔

"فائرنگ کو کتنا عرصہ گذرا ہے۔" ایس پی نے پوچھا۔

"تقریباً دو گھنٹے۔"

"وہ نکل بھی گیا ہوگا۔" حمید بول پڑا۔

"ناممکن....!" انچارج نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔ "چاروں طرف آدمی موجود ہیں۔"

"تو یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا۔" ایس۔پی نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔ لیکن قبل اس کے انچارج کوئی جواب دیتا حمید بول پڑا۔ "میں ختم کئے دیتا ہوں یہ سلسلہ۔"

"کس طرح....!" ایس۔پی نے حمید کو تیکھی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

"خواہ کوئی صورت اختیار کرنی پڑے۔ ورنہ کچھ دیر بعد اندھیرا پھیل جائے گا۔ پھر اُسے کوئی روک سکے گا۔"

ایس پی کچھ نہ بولا۔ یہ عمارت حمید کی اچھی طرح دیکھی بھالی ہوئی تھی۔ وہ عقبی حصے کی طرف آیا۔ ایس۔پی اور انچارج بھی ساتھ ہی تھے۔

"اتنے دروازے تھے، ان میں سے کوئی بھی توڑا جا سکتا تھا۔" حمید بڑبڑایا۔ وہ اس دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا، جو جنگل کی طرف کھلتا تھا۔

"یہ بھی کر کے دیکھ لیا گیا ہے۔" انچارج بیزاری سے بولا۔ "جس دروازے پر بھی ضربیں پڑتی تھیں اسی کے پیچھے وہ آموجود ہوتا تھا۔ دھمکی یہی ہوتی تھی کہ وہ تو جان دینے پر تل ہی گیا ہے۔ دروازہ توڑنے والوں میں سے ایک بھی زندہ نہ بچے گا۔ اب آپ خود سوچئے ٹامی گن کے سامنے....!"

•

"ختم کرو۔" ایس۔پی غرایا اور حمید سے بولا۔ "ہاں تو تم کیا کرو گے۔"

"اس پائپ کے سہارے چھت پر پہنچنے کی کوشش کروں گا۔" حمید نے اس موٹے سے پائپ کی طرف اشارہ کیا جو چھت سے بارش کے پانی کے اخراج کے لئے لگایا گیا تھا۔

"ٹامی گن ہے اس کے پاس۔" ایس۔پی نے گویا یاد دہانی کرائی۔

"اسے الجھائے رکھا جا سکتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ پہلے بھی یہی تدبیر کیوں نہیں اختیار کی گئی۔ دراصل ہمارے آدمی اس کی کہانیاں سن سن کر مرعوب ہو گئے ہیں۔ ورنہ وہ دو جوان

دروازے پر لگا دیئے جاتے کوئی نہ کوئی تو ٹوٹ ہی جاتا۔ آنسو گیس استعمال کی جا سکتی تھی۔"

"یہاں ہمارے پاس سامان نہیں تھا۔" انچارج کا موڈ بگڑتا جا رہا تھا۔ پھر یک بیک اس نے سنبھالا لے کر کہا۔ "میں اسے زندہ گرفتار کرنا چاہتا تھا۔ اتنا بڑا مجرم....!"

"خیر.... بہر حال.... ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ کچھ آدمی اس دروازے پر ضربیں لگاتے رہیں۔ وہ ادھر متوجہ ہو جائے گا۔ بس اتنی ہی دیر اُسے الجھائے رکھنا ہے کہ میں اوپر پہنچ جاؤں۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ وہ نکل ہی گیا ہوگا۔"

"میں کہہ رہا ہوں نا کہ بندی کی کڑی نگرانی کی گئی ہے۔" انچارج کے لہجے میں پھر جھلاہٹ پیدا ہو گئی۔

حمید کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ اس نے سوچا اگر وہ اس کی سرکردگی میں پکڑ لیا گیا تو کم از کم زیدی کو کبھی کبھی یاد لانے کیلئے تو ہو ہی جائے گا کہ ایک بڑے مجرم پر اس نے بھی ہاتھ ڈالا تھا۔

دو آدمی دروازے کی دونوں جانب کھڑے کر دیئے گئے اور ہدایت کر دی گئی کہ وہ رائفلوں کے کندے دروازے پر مارتے رہیں۔ حمید جوتے اتار کر دیوار کے قریب آ گیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس نے پائپ پکڑ کر اوپر چڑھنا شروع کر دیا اور ساتھ ہی دروازے پر رائفل کے کندے پڑنے لگے۔ اوپر پہنچ جانے کے بعد بھی وہ ضربوں کی آوازیں سنتا رہا۔

❁

کرنل فریدی طوفان کی سی تیز رفتاری سے اپنی گاڑی وہاں تک لایا تھا۔ اُسے اس محاصرے کی اطلاع دیر سے ملی تھی۔ لیکن پھر بھی وہ ٹھیک اُسی وقت وہاں پہنچا تھا جب حمید عمارت کی پشت پر انچارج اور ایس۔پی سے گفتگو کر رہا تھا۔ لیکن وہ ان کی طرف نہیں گیا۔ یہ معلوم ہوتے ہی کہ محاصرے کو ڈھائی گھنٹے گذر چکے ہیں اس نے جنگل کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔

•

تقریباً ڈیڑھ فرلانگ تک دوڑتے رہنے کے بعد اس کی رفتار سست ہو گئی اور پھر وہ آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ یہاں چاروں طرف جھاڑیوں سے ڈھکے ہوئے چھوٹے چھوٹے ٹیلے بکھرے پڑے تھے۔

وہ ایک جانب نشیب میں اترتا چلا گیا۔ لیکن جیسے ہی ایک ٹیلے کے قریب رکا ہلتی ہوئی جھاڑیوں سے آواز آئی۔ "میرے ہاتھ میں ٹامی گن ہے۔"

فریدی نے بے تحاشہ چھلانگ لگائی اور قریب ہی کے دوسرے ٹیلے کی اوٹ میں جا گرا۔

وہ جھاڑیوں کی سرسراہٹ سن رہا تھا۔ لیکن جھاڑیوں پر فائر کرنے کے لئے اسے ٹیلے کی اوٹ

سے نکل آنا پڑتا.... پھر وہ تو پہلے ہی سن چکا تھا کہ مجرم کے پاس ٹامی گن جیسا مہلک حربہ موج ہے۔ ویسے اُس نے ریوالور تو نکال ہی لیا تھا۔

یک بیک اُس نے ریوالور زمین پر ڈال دیا اور بڑے بڑے پتھر اٹھا کر دوسرے ٹیلے کی طرف اچھالنے لگا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس نے غصیلی آواز میں ایک گندی سی گالی سنی لیکن کچھ بو نہیں۔

پھر ٹامی گن کے فائروں سے جنگل گونجنے لگا۔ گولیاں فریدی سے صرف ڈیڑھ گز کے فاصلہ سے گذر رہی تھیں۔ اس نے تیزی سے بائیں جانب بڑھنا شروع کیا۔ اب اُسے اندازہ ہو گیا تھا وہ کس جگہ سے فائر کر رہا ہوگا۔

کچھ دور چل کر وہ پھر رکا اور سینے کے بل رینگتا ہوا اسی ٹیلے پر چڑھنے لگا جس کی اوٹ سے فائرنگ ہو رہی تھی۔ اُسے خدشہ تھا کہ کہیں عمارت کا محاصرہ کرنے والے دستے کے کچھ جوان ادھر بھی نہ دوڑ پڑیں۔ ایسی صورت میں دشواریاں پیدا ہو سکتی تھیں۔ اسے قطعی توقع نہیں تھی کہ اس طرف آنے پر مجرم سے مڈبھیڑ ہو جائے گی۔ وہ تو محض اس لئے آیا تھا کہ جدوجہد کا کوئی پہلو باقی نہ رہ جائے۔ سر سجاد نے اُسے عمارت کے تہہ خانوں سے متعلق سب کچھ بتا دیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اُن سے ایک راستہ سرنگ کی شکل میں جنگل کی طرف بھی گیا ہے وہ اس راستے سے گذر بھی چکا تھا لیکن حمید اس سے لاعلم تھا۔ ورنہ وہ بھی یہاں پہنچنے پر جنگل ہی کا رخ کرتا۔

یک بیک فائرنگ بند ہو گئی۔ فریدی ٹیلے پر پہنچ چکا تھا اُس نے لیٹے ہی لیٹے دوسری جانب جھانکا لیکن ٹھیک اسی وقت پشت سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں بھی آئیں اور اس نے فائرنگ کرنے والے کو انہیں جھاڑیوں کی طرف پلٹتے دیکھا جو سرنگ کے دہانے پر جھکی ہوئی تھیں۔ فریدی نے اس کی پرواہ کئے بغیر کہ اُس کے ہاتھوں میں ٹامی گن ہے اوپر ہی سے چھلانگ لگا دی۔ فائرنگ کرنے والا اس کے نیچے دب کر کراہا۔ ٹامی گن فریدی کے پیروں کے قریب پڑی ہوئی تھی۔

❁

حمید چھت پر پہنچ گیا تھا۔ لیکن نہ تو ابھی تک دروازہ توڑنے والوں کو دھمکی ملی تھی اور نہ فائروں کی آوازیں ہی سنائی دی تھیں۔ پوری عمارت کسی ویران مقبرے کی طرح سنسان تھی۔ وہ نیچے اتر گیا۔ دروازے پر اب بھی رائفل کے کندے بج رہے تھے۔ اس نے بڑی تیزی سے ایک

ایک کمرہ دیکھنا شروع کیا۔ پھر ہال میں آیا۔ تہہ خانے کا راستہ کھلا ہوا تھا۔ تو وہ تہہ خانے ہی میں ہوگا۔ اس نے سوچا، لیکن وہ تنہا تہہ خانے میں اترنے کا خطرہ نہیں مول لینا چاہتا تھا۔

ہال کے سارے دروازے باہر سے بھی بولٹ کئے جا سکتے تھے۔ اس نے بڑی پھرتی سے انہیں بند کیا اور پھر اُسی دروازے کی طرف پلٹ آیا جس پر اب بھی رائفل کے کندے برس رہے تھے۔

"ٹھہر جاؤ۔" اس نے بلند آواز میں کہا اور دروازہ کھولنے لگا۔ دروازہ کھلتے ہی انچارج اور ایس۔پی اس کی طرف جھپٹے۔

"وہ شاید تہہ خانے میں اتر گیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"ایس۔پی نے وہاں کسی تہہ خانے کی موجودگی پر حیرت ظاہر کی۔ فریدی نے سر سجاد والا معاملہ اپنی اور حمید ہی کی ذات تک محدود رکھا تھا۔

پھر وہ کوئی فیصلہ کرنے ہی والے تھے کہ جنگل کی طرف سے ٹامی گن کی فائروں کی آوازیں آئیں۔

"یہ کیا مصیبت۔" انچارج مڑ کر آنکھیں پھاڑنے لگا۔

سورج غروب ہونے والا تھا۔

"تم کچھ جوانوں کو لے کر اُدھر جاؤ۔" ایس پی نے اس سے کہا۔ "ہم ادھر دیکھتے ہیں۔"

"اگر وہ جنگل میں پہنچ گیا تھا تو چپ چاپ نکل ہی کیوں نہیں گیا۔" حمید بڑبڑایا۔

"چلو.... چلو.... غور و فکر کا وقت نہیں ہے۔" ایس۔پی دروازے میں داخل ہوتا ہوا بولا۔ آٹھ دس مسلح کانسٹیبل بھی اُن کے ساتھ تھے۔ وہ ہال میں آئے اور پھر رک گئے۔

غالباً ایس۔پی بھی سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ اندھا دھند فائرنگ نہ شروع کر دے۔ پھر حمید آگے بڑھا۔ ایس۔پی خاموش کھڑا رہا۔ حمید نے تہہ خانے کے دروازے میں ہاتھ ڈال کر ایک فائر کیا۔ پھر کچھ دیر کے لئے خاموشی چھا گئی۔ تہہ خانے سے کسی قسم کی بھی آواز نہیں آئی تھی۔

ایس۔پی اس کے قریب پہنچ کر آہستہ سے بولا۔ "میرا خیال ہے کہ یہاں آنسو گیس ہی کارآمد ہوگی، ورنہ مجھے یقین ہے کہ جیسے ہی اندر اترے وہ فائرنگ شروع کر دے گا۔"

"میں یہ خطرہ مول لے سکتا ہوں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"میری موجودگی میں نہیں۔" ایس۔پی کا لہجہ غصیلا تھا۔

یک بیک حمید نے اندرونی زینوں پر قدموں کی چاپ سنی اور تیزی سے کھسک کر ایک

طرف ہوتا ہوا، ایس پی کی طرف مڑا۔ اس کی انگلی ہونٹوں پر تھی۔ ایس پی نے کانسٹیبلوں کو ہوشیار رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ میزوں اور کرسیوں کی آڑ سے پوزیشن لینے لگے۔ ایس۔پی بھی فرش پر ابھرے ہوئے دروازے کی دوسری جانب کھڑا ہو گیا تھا۔

دفعتاً ایک نقاب پوش دروازے میں نظر آیا۔ وہ خالی ہاتھ تھا۔ حمید نے ریوالور والا ہاتھ آگے بڑھا کر کہا۔ "خبردار۔"

"پرانی بات ہوئی۔" نقاب پوش کے عقب سے آواز آئی۔ "یہ غیر مسلح ہے۔"

حمید بوکھلا گیا۔ کیونکہ آواز فریدی ہی کی تھی۔ ایس۔پی بھی سامنے آ گیا۔ نقاب پوش آگے پیچھے جھول رہا تھا۔ شاید وہ بہت زیادہ زخمی ہو گیا تھا۔ سر سے بہے ہوئے خون کے دھبے تو سارے کپڑوں پر نظر آ رہے تھے۔

فریدی نے اُسے دھکا دیا اور وہ باہر نکل کر فرش پر آ پڑا۔

"آپ کہاں۔" ایس۔پی بھونچکا رہ گیا تھا۔

"ایک منٹ کی بھی دیر ہوتی تو ہم اس کی گرد کو بھی نہ پا سکتے۔" فریدی نے کہا۔

کانسٹیبلوں نے نقاب پوش کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ فریدی نے چند لمحے اس کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد کہا۔ "تہہ خانے سے ایک سرنگ جنگل کی طرف بھی گئی ہے۔ یہاں پہنچنے پر جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ محاصرہ ڈھائی گھنٹے سے جاری ہے تو مجھے یقین ہو گیا تھا کہ وہ نکل گیا ہوگا۔ لیکن پھر بھی میں احتیاطاً وہیں چلا گیا جہاں سرنگ ختم ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے اسے تہہ خانے میں سرنگ کا راستہ تلاش کرنے میں دیر لگی ہو۔ ورنہ یہ اتنا احمق تو نہیں ہو سکتا کہ ڈھائی گھنٹے تک یہاں پڑا اونگھتا رہتا۔"

"یہ ہے کون۔"

"میں نے تو ابھی تک نہیں دیکھا۔" فریدی نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

پھر جیسے ہی ایک کانسٹیبل نے اس کے چہرے سے نقاب ہٹایا، حمید بے ساختہ چیخ پڑا۔ "میجر سعید۔"

میجر سعید غالباً زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے بیہوش ہو گیا تھا۔

فریدی کے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ تھی۔

دوسرے دن صبح کے اخبارات کے لئے بہتیرے لوگ مارے مارے پھر رہے تھے۔ کیونکہ پریس سے باہر آنے کے بعد ہر اخبار کی کاپیاں ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر فروخت ہو گئی تھیں۔

وہ مجرم پکڑ لیا گیا تھا جس کی وجہ سے بینک آف کینیڈا کی ڈکیتی کے بعد شہر میں دہشت پھیل گئی تھی۔ اس کا طریق کار ایسا تھا کہ ان دنوں بینکوں کے آس پاس کی عمارتیں خالی ہونی شروع ہو گئی تھیں اور دولت مند طبقہ تو بُری طرح سہما رہا تھا۔

اخبارات نے کرنل فریدی کے اس کارنامے پر مختلف زاویوں سے روشنی ڈالی تھی۔ لیکن خود کرنل فریدی کی پیشانی پر تفکر کی گہری لکیریں اب بھی موجود تھیں۔

میجر سعید کی کوٹھی سے بہت زیادہ قوت والے تین ڈائنامائیٹ بھی برآمد ہوئے تھے اور مختلف قسم کی منشیات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ بھی ہاتھ لگا تھا اور یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی تھی کہ اس کے بزنس میں منشیات کا ناجائز کاروبار بھی شامل تھا۔

"پھر اب آپ کس فکر میں ہیں۔" حمید نے اس سے پوچھا۔

"میں کیسے ثابت کروں کہ بینک آف کینیڈا کی ڈکیتی میں اسی کا ہاتھ تھا۔ انتہائی تشدد کے باوجود بھی اُس نے اس کا اعتراف نہیں کیا۔"

"اور وہ ڈائنامائیٹ۔"

"ہاں! وہ ٹامی گن۔ وہ ڈائنامائیٹ اور منشیات کا وہ ذخیرہ..... سبھی کچھ ہے لیکن یہ چیزیں اسے پھانسی کے تختے تک نہیں پہنچا سکتیں! ٹامی گن کی فائرنگ سے کوئی زخمی نہیں ہو سکا تھا۔"

"آخر وہ سر سجاد کی کوٹھی میں کیا کر رہا تھا۔"

"اس کا جواب بھی نہیں دیا اُس نے اور نہ یہی تسلیم کرنے پر تیار ہے کہ اس نے سر سجاد کو قتل کرایا تھا۔"

"اوہ.... سر سجاد! مگر اب کیوں وہ سامنے آنے سے گریز کر رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اخبارات بھی اس سلسلے میں خاموش ہی ہیں۔ ظاہر ہے اس کا انحصار تو صرف آپ ہی پر ہے۔"

"تم کب سے نہیں گئے اس کے گھر۔"

"شاید تین دن ہوئے گیا تھا۔"

"وہ بہت بیمار ہے۔ گٹھیا اور نروس بریک ڈاؤن کا حملہ ایک ساتھ ہوا ہے۔ چل پھر نہیں

سکتا۔ اپنی بیٹی کو ہی موت پر روتے دیکھنا کیسی عجیب سچویشن ہو سکتی ہے۔ مضبوط ترین قوت ارادی کے لوگ بھی پاگل ہو سکتے ہیں۔"

"مگر اب کیا دشواری ہے اُسے ظاہر کرنے میں۔"

"رضوانہ کو مجبوراً بتا دیا گیا ہے، لیکن وہ ابھی تک نوکر ہی کے میک اپ میں ہے! میں فی الحال اس کی خرابی صحت کی بناء پر مناسب نہیں سمجھتا کہ اُس کا راز ظاہر کیا جائے۔ بڑی بھیڑ اکٹھا ہو جائے گی اُس کے گرد اور پھر یہ ویسے بھی بڑی غیر دانشمندانہ حرکت ہو گی کیونکہ ابھی تک اس کے سلسلے میں ملزم نے اقبال جرم نہیں کیا۔ میں خود بعض نئی الجھنوں میں پڑ جاؤں گا۔"

"پھر آخر وہ کیسے اقبالِ جرم کرے گا۔"

"جہنم میں جائے۔" فریدی جھنجھلا گیا۔ "تم سے تو اتنا بھی نہیں ہو سکتا کہ اس لٹیرے ہی کو ڈھونڈ نکالو۔"

"اسے بھی آپ ہی ڈھونڈھ نکالیں گے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنایا۔ "میں اگر کبھی کچھ کرنا بھی چاہتا ہوں تو آپ گویا آسمان ہی سے ٹپک پڑتے ہیں۔ اب میجر سعید ہی کے معاملے کو لے لیجئے، میں تو سمجھتا تھا کہ میں ہی ہاتھ ماردوں گا مگر تہہ خانے سے برآمد ہوئے آپ! اگر آپ نے مجھے سرنگ کے متعلق بتا دیا ہوتا تو کیا حرج تھا۔"

"خیال نہیں رہا تھا! ہاں تو اب وہ لٹیرا ہی آخری کارڈ ہے۔"

"پچھلی شام آپ اُس کے پیچھے تھے وہ ہماری گفتگو سن چکا ہے۔ اس لئے شاید ہی ہاتھ آسکے۔ مگر اب وہ بلیک میل کیسے کرے گا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ سگار سلگا رہا تھا۔ لیکن گہرے تفکر کے آثار اب بھی اس کے چہرے پر نظر آرہے تھے۔

"کیا سر سجاد کو میجر سعید کے متعلق معلوم ہو چکا ہے۔"

"ہاں! رضوانہ کی حماقت سے۔ میں نے تو چاہا تھا کہ اسے ابھی نہ بتایا جائے! سنتے ہی غشی کا دورہ پڑ گیا تھا۔"

حمید پھر خاموش ہو کر سوچنے لگا۔ واقعی اس سے بڑی بے بسی اور کیا ہو گی کہ مجرم ہاتھ آگیا ہے لیکن کسی خاص معاملے میں اُس کے خلاف کوئی ثبوت بہم نہیں پہنچایا جا سکتا۔

"تو گویا یہ کیس صحیح معنوں میں آپ کی ذہانت کی کسوٹی ثابت ہو گا۔" اُس نے کچھ دیر بعد کہا۔

"دیکھو....!" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور اٹھ گیا۔

اسی شام کو حمید نے سوچا۔ اب رضوانہ سے ضرور ملنا چاہئے۔ ہو سکتا ہے اب اس کی قنوطیت ختم ہو گئی ہو۔ ممکن ہے اب بسورتے ہوئے ہونٹوں پر مسکراہٹوں کی لرزشیں دکھائی دیں۔

اُس کے خدوخال بڑے دلکش تھے۔ لیکن غم کی پرچھائیاں انہیں بگاڑ کر رکھ دیتی تھیں۔

کوٹھی میں پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ رضوانہ نئے بیمار ملازم کو سر سجاد کی خواب گاہ میں لے گئی ہے۔ اطلاع دینے والے ملازم نے ایسے تشویش کن لہجے میں اس کا تذکرہ کیا تھا جیسے [illegible] کی زیادتی کی وجہ سے اس کی دانست میں رضوانہ کا دماغ ہی خراب ہو گیا ہو۔

بادی النظر میں بات تھی بھی اچنبھے کی۔ بھلا بیمار ملازم کو مالک کی خواب گاہ میں کیا سروکار۔ [illegible] سرونٹس کوارٹر ہی خاصے آرام دہ تھے۔ اتنی انسانیت تو ان بیچاروں نے بڑے بڑے اللہ والوں میں بھی نہیں دیکھی تھی۔

حمید نے اپنی آمد کی اطلاع اندر بھجوائی اور رضوانہ نے اسے وہیں بلوا لیا جہاں وہ سر سجاد کی تیمارداری میں مصروف تھی۔

سر سجاد جاگ رہا تھا۔ اس نے خفیف مسکراہٹ کے ساتھ اسے خوش آمدید کہی۔

رضوانہ نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "مجھے آپ سے شکایت ہے کیپٹن! آپ مجھے روتے دیکھتے رہے لیکن اشارۃً بھی کبھی کچھ نہ بتایا۔"

"یہ سب کچھ تو سر سجاد خود ہی دیکھتے اور برداشت کرتے رہے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"ختم کرو۔" سر سجاد ہاتھ اٹھا کر نحیف سی آواز میں بولا۔ "اس کا تذکرہ بھی میرے لئے تکلیف دہ ہے۔"

حمید نے مسکرا کر رضوانہ کی طرف دیکھا اور پھر سر سجاد سے پوچھا۔ "کبھی آپ کو میجر سعید پر شک بھی ہوا تھا۔"

"ہرگز نہیں! میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔"

"آخر اس نے آپ پر قاتلانہ حملہ کیوں کرایا۔"

"وہ کیا کہتا ہے۔"

"اُس نے آپ کے معاملے میں قطعی طور پر زبان بند کر لی ہے۔"

"اُوہ.... تو پھر مجھے خود ہی دیکھنا پڑے گا کہ ایسا کیوں ہوا تھا۔"

"ڈیڈی خدا کے لئے ابھی خود کو الجھنوں میں نہ ڈالئے۔" رضوانہ نے کہا۔

سر سجاد گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کراہا۔ وہ چت لیٹا ہوا تھا اور پیر سکوڑ رکھے تھے۔

"دیکھو! اب یہ پیر کبھی پھیلتے بھی ہیں یا نہیں۔" سر سجاد پھر کراہا۔ "خدا رحم کرے مجھ پر۔"

"اوہ تو کیا پیر نہیں پھیلا سکتے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"قطعی نہیں! اس سے پہلے کبھی مجھے اس قسم کی کوئی شکایت نہیں ہوئی۔"

"ڈاکٹر کا خیال کیا ہے۔"

"خود اُسے بھی حیرت ہے کہ اچانک اس مرض کا حملہ کیسے ہوا۔ جبکہ پہلے سے علامات بھی موجود نہیں تھیں۔"

"ڈیڈی! بھوک تو نہیں لگی۔" رضوانہ نے پوچھا۔

"ہاں کچھ ہے تو.... مگر صرف شوربہ۔"

رضوانہ کمرے سے چلی گئی۔ حمید خاموش بیٹھا رہا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ جان ہتھیلی پر رکھ کر کوٹھی میں کیوں گھسا تھا جبکہ ایک بار پہلے بھی وہ وہاں میرے محکمے کے دو آفیسروں سے ٹکرا چکا تھا۔"

"کیا اس سے پہلے بھی۔" سر سجاد کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں! کیا کرنل نے آپ کو نہیں بتایا۔"

"جی نہیں....!"

حمید نے طاہر اور زیدی والا واقعہ دہرایا اور سر سجاد کچھ دیر بعد بولا۔ "سعید کتوں کا بڑا اچھا ٹرینر ہے۔"

"حملہ آور کی کہانی سننے کے بعد بھی آپ کا ذہن میجر سعید کی طرف نہیں گیا تھا۔"

"ہرگز نہیں۔ بھلا کیوں جاتا۔ ایسی تو کوئی بات ہی نہیں تھی۔ ہاں ہمارا کچھ بزنس ایسا ضرور ہے جس کے معاہدات کی رو سے ایک دوسرے کے ورثاء حقدار نہیں ہو سکتے۔ مگر یہ تو ایک جوا تھا باہمی سمجھوتہ تھا۔ ہم دونوں ہی جوئے کے شائق ہیں۔ ہم میں تو معمولی معمولی باتوں پر ہار جیت ہوتی رہتی تھی۔"

"اُسے فنون سے تو دلچسپی نہیں تھی۔"

"کیوں؟"

حمید جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دفعتاً رضوانہ دوڑتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔

"وہ.... وہ.... کیپٹن....!" رضوانہ بُری طرح ہانپ رہی تھی۔ وہ پھر لائبریری میں موجو

"کون....!" حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"وہی لٹیرا۔"

"اوہ....!" حمید دروازے کی طرف جھپٹا۔ رضوانہ بھی اُسکے ساتھ تھی۔ سر سجاد اُسے آوازیں دیتا رہ گیا۔ دونوں ساتھ ہی لائبریری میں داخل ہوئے۔ لیکن آج پھر حمید غیر مسلح ہی تھا۔

لٹیرا بڑے خوشنما اسٹائل میں ان کی طرف مڑا۔

"آج آپ غالباً توپ باندھ لائے ہوں گے کپتان صاحب۔" اس نے تضحیک آمیز انداز میں ہنس کر کہا۔

"میں آج بھی نہتا ہوں لیکن تم بچ کر نہیں جا سکو گے۔" حمید دروازہ بند کرتا ہوا بولا۔

"لڑکیوں کی موجودگی میں انتہائی سنجیدہ لوگ بھی شیخیاں بگھارنے لگتے ہیں۔"

"بہتری اسی میں ہے کہ خود کو قانون کے حوالے کر دو۔ ابھی تک تمہارے خلاف کوئی سنگین الزام نہیں ہے۔"

"سر سجاد اُسی رات قتل کر دیئے گئے۔ جب میں نے ان کی میز پر کھانا کھایا تھا اسے آپ کیوں بھول رہے ہیں کپتان صاحب۔"

"میں پھر کہتا ہوں کہ اپنا کھیل ظاہر کر دو۔ تم یہاں کیوں آتے ہو۔"

"اور اسی وقت آتا ہوں جب آپ کی موجودگی کا بھی امکان ہو جناب۔ میرے کھیل عموماً لمبے ہوتے ہیں اس لئے میں نہ خود پتے شوکرتا ہوں اور نہ شوکراتا ہوں۔ اس وہم میں بھی نہ پڑیئے گا.... کہ....!"

"میجر سعید کو بلیک میل کرنے کے امکانات ختم ہو چکے ہیں۔ وہ گرفتار کر لیا گیا ہے۔"

"میرے لئے نئی اطلاع ہے کپتان صاحب۔ پتہ نہیں آپ نے کس گدھے کو میجر سعید کے دھوکے میں پکڑ لیا ہے۔ اس کا ایک سوتیلا بھائی بھی اُسی کا ہمشکل ہے.... میجر سعید نے اُسی کو داؤ پر لگایا تھا۔"

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" یک بیک بائیں جانب سے آواز آئی۔ حمید چونک کر مڑا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ایک آدمی سر تا قدم سیاہ رنگ کے چست لباس میں ملبوس ریوالور تانے کھڑا تھا۔ وہ غالباً بڑی الماری کے پیچھے سے نکلا تھا۔ چہرے پر صرف آنکھوں کی جگہ دو سوراخ نظر آ رہے تھے۔

"تم سب ہاتھ اٹھاؤ۔" اس نے گرجدار آواز میں کہا۔ حمید اور رضوانہ کے ہاتھ بھی اٹھ گئے۔

"تم کون ہو۔" حمید کی زبان سے بیساختہ نکلا۔

"بکو مت! دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔"

"کیا بکتے ہو۔" حمید آنکھیں نکال کر دہاڑا۔

"دھیرج کپتان صاحب۔" لٹیرے نے آہستہ سے کہا اور پھر نامعلوم آدمی سے بولا۔

"تم کیا چاہتے ہو۔"

"تمہاری موت۔"

"اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ جس طرح وہ سارے ثبوت میرے پاس آئے تھے اسی طرح وہ اب ایک تیسرے آدمی کے پاس ہیں! تم مجھے گولی مار دو، کل سے وہ تمہارے پیچھے لگ جائے گا۔ اس لئے عقلمند بننے کی کوشش کرو۔ ورنہ اگر میں نے اس سرکاری جاسوس کا ساتھ دے دیا تو تم جہنم رسید ہو جاؤ گے.... گولی چلا کر بھی دیکھ لو۔ میں یونہی اتنے خطرات نہیں مول لیتا۔ کیا سوچ رہے ہو۔ اس بے چاری لڑکی کو تو جانے دو۔ مگر شاید تمہارے دل پر بھی تمہارے لباس ہی کا سایہ پڑ گیا ہے۔"

نقاب پوش کھسکتا ہوا پھر الماری کے قریب چلا گیا تھا۔ بایاں ہاتھ پیچھے لے جا کر اُس نے کسی میکنزم کو حرکت دی اور کمرے کے وسط میں فرش پر ایک بڑی سی خلاء نظر آنے لگی۔ بس ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے فرش کا ایک ٹکڑا بہت آہستگی سے نیچے دھنستا چلا گیا ہو۔

"چلو....!" نقاب پوش غرایا۔ "چپ چاپ نیچے اتر جاؤ تم تینوں۔"

رضوانہ بُری طرح کانپ رہی تھی۔ آگے بڑھنے میں لٹیرے ہی نے پہل کی۔ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے یہاں اُس تہہ خانے کی موجودگی پر حیرت ہوئی ہو۔

"پرواہ مت کرو۔" حمید نے رضوانہ سے کہا۔ "چلو....!"

وہ خود کو متردد یا پریشان نہیں ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ سامنے ہی زینے دکھائی دیئے، جن پر اچھی خاصی روشنی تھی۔ لٹیرا آگے تھا اس کے پیچھے رضوانہ تھی اور پھر حمید! نقاب پوش کہتا جا رہا تھا۔ "تمہاری ذرا سی لغزش تمہیں موت کے منہ لے جائے گی۔ لہٰذا زیادہ چالاک بننے کی کوشش مت کرنا۔"

نیچے پہنچ کر لٹیرے نے کہا۔ "بس اب جاؤ! اُس تیسرے آدمی کو تلاش کرو۔"

"تمہیں بتانا پڑے گا کہ وہ کہاں ملے گا۔" نقاب پوش غرایا۔ "تم مجھے بلف نہیں کر سکتے۔"

حمید چاروں طرف متجسسانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے لٹیرے کو کہتے سنا۔ "سودا کر لو.... یہی بہتر رہے گا تمہارے لئے! جلدی کرو! یہی بہتر ہے! ورنہ تھوڑی ہی دیر میں کرنل

یہاں ہوگا.... اُوہ.... ہاہا.... آ ہی گیا۔"

اب پوش بوکھلا کر زینوں کی طرف متوجہ ہوا ہی تھا کہ لٹیرے نے اُس کے ریوالور پر ہاتھ ریوالور دور جا گرا اور نقاب پوش اُس سے لپٹ پڑا۔ حمید نے ریوالور پر قبضہ کر لینے میں دیر ئی۔

جاؤ.... رضوانہ.... تم ڈیڈی کے پاس جاؤ۔" حمید نے کہا۔

ہاہا.... ڈیڈی۔" لٹیرے نے قہقہہ لگایا۔ اُس نے نقاب پوش کو فرش پر گرا دیا تھا اور اب کر رہا تھا کہ اس کی نقاب نوچ پھینکے۔

ڈیڈی....!" رضوانہ کی چیخ بڑی دلخراش تھی۔ نقاب چہرے سے الگ ہو چکی تھی اور سر سجاد کے نیچے دبا ہوا بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

ہاں.... ڈیڈی! جو گٹھیا کے مریض تھے! بیچارے.... چلنے پھرنے سے معذور! جو اپنے جرم چھپانے کے لئے شاید تمہیں بھی موت کی نیند سلانے سے گریز نہ کرتے۔"

سس.... سمجھوتہ.... کر لو۔" سر سجاد ہانپتا ہوا بولا۔ "کیپٹن حمید تمہارے لئے بھی ثابت ہوگا۔"

پر حمید نے قہقہہ لگایا اور ریوالور کو جھٹکا دیتا ہوا بولا۔ "اگر کسی نے اپنی جگہ سے جنبش کھوپڑی میں سوراخ ہو جائے گا۔"

کا ذہن گویا ہوا میں اڑا جا رہا تھا۔ اُس نے رضوانہ کو چکرا کر گرتے دیکھا لیکن اُسے ذرہ برابر پرواہ نہ ہوئی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اب عین موقع پر فریدی نہ آ ٹپکے۔ لیکن اُسے سوچنا تھا دونوں کو کیسے قابو میں کیا جائے۔

دیکھا تم نے دیکھا....!" سر سجاد ہانپتا ہوا بولا۔ "احمق نہ بنو! پہلے اس سے نپٹو! پھر ہم مطمئن ہے۔ میں تمہیں.... خوش.... کر دوں گا۔"

اس سے نپٹنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے سجاد کہ اس کی شادی کرا دی جائے۔ یہ بالکل کیچوا بن جائے گا۔" لٹیرا ہنس کر بولا۔ لیکن اس بار حمید کو اپنی آنکھیں حلقوں سے نکلتی محسوس ہوئیں۔

ہی تک وہ جس جذباتی ہیجان میں مبتلا رہا تھا۔ اُس پر تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے برفباری ہو۔ یہ آواز بھلا کرنل فریدی کے علاوہ اور کس کی ہو سکتی تھی۔

سنے وقت کا عظیم جاسوس، آئی۔ جی۔ پی، کرنل فریدی....! آواز بدلنے کا ماہر۔ میک اپ کا ماہر۔ جس

نے کچھ ایسے لوشن ایجاد کئے تھے جن سے وقتی طور پر آنکھوں کی بناوٹ تک بدل جاتی تھی۔

سر سجاد اس کی گرفت میں بے بسی سے ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ آواز کی اچانک تبدیلی اس نے محسوس کر کے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دی تھیں۔

"آپ....!" حمید گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔

"ہاں.... میں۔" وہ سر سجاد کی دہشت زدہ آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"مجھ سے فراڈ کرنے کی کوشش ہمیشہ پھانسی کے تختے ہی کی طرف لے جاتی ہے سر سجاد! خوش تھے کہ مجھے اُلو بنانے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ تم مر گئے تھے لیکن میں شروع ہی سے لیرا رہا تھا۔ تم تک پہنچنے کے لئے اس سے بہتر تدبیر اور کیا ہوتی۔"

"کک.... کرنل.... فریدی۔" سر سجاد ہکلا کر بولا۔

"اس میں شبہے کی گنجائش نہ ہونی چاہئے۔" فریدی مسکرایا۔

ایک بار پھر شہر میں بھونچال سا آگیا۔ بات ہی ایسی تھی۔ مقتول سر سجاد نہ صرف زندہ ہو گیا تھا بلکہ بینک آف کینیڈا کی ڈکیتی کا مجرم بھی وہی ثابت ہوا تھا۔ اس کی شہری کوٹھی کے تہہ خانے سے سونے کی ایسی اینٹیں برآمد ہوئی تھیں جن پر بینک آف کینیڈا کی مہریں تھیں۔ شائد اُسے انہیں پگھلا کر کسی دوسری شکل میں تبدیل کر دینے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ وافر تعداد میں غیر ملکی کرنسی بھی برآمد ہوئی تھی اور یہ بھی بینک آف کینیڈا ہی کی ملکیت تھی۔

دوسرے دن فریدی اپنے محکمے کے ایس۔پی سے کہہ رہا تھا۔ "اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ محض سیدھی سادی تفتیش اس تک کیسے پہنچ سکتی۔"

"تو اُس لٹیرے کا وجود سرے سے تھا ہی نہیں؟" ایس۔پی نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ اس آدمی سے ڈکیتی کے پروگرام کی اطلاع ملتے ہی اور سرغنہ کا طریق کار معلوم ہوتے ہی لٹیرے کا رول ادا کرنا پڑا تھا۔ مقتول اس گروہ کا اہم ترین آدمی تھا۔ اس کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ سربراہ کے لئے معلومات فراہم کرے۔ مثلاً بینک آف کینیڈا کا نقشہ اُسی نے تیار کیا تھا اور نکاسی کے راستوں کا تعین بھی کیا تھا۔ یعنی وہ نقشہ اسی قسم کا تھا کہ اگر بینک کو چاروں طرف سے گھیر لیا جاتا تب بھی ڈاکہ یقینی طور پر پڑتا اور وہ لوگ صحیح و سلامت نکل بھی جاتے اور پھر اُس نے مجھے بتایا کہ وہ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ نقشہ کس لئے تیار کرایا گیا ہے۔ اگر بینک آف

پر ڈاکہ ہی پڑا تو گروہ کے آدمیوں کو اس کا وقت نہیں معلوم ہو سکے گا کیونکہ سربراہ اصل کام کرتا ہے۔ دوسرے صرف باہر کے انتظامات کے لئے ہوتے ہیں، عموماً انہیں یہ بھی نہیں ہوتا کہ ان سے جو کام لیا جا رہا ہے اس کا مقصد کیا ہے۔ وہ تو کچھ ہو جانے کے بعد ہی پتہ چلتا سربراہ کیا کر گزرا۔ بہر حال جب ہمارے ہی محکمے سے یہ بات پھیلی کہ بینک میں ڈاکہ پڑنے ہے تو وہ بیچارہ ٹھکانے لگا دیا گیا۔ اُسی نے مجھے گروہ کے دوسرے آدمیوں کے بارے میں بتایا تھا سب میری نظروں میں تھے۔ لیکن سرگروہ تو اندھیرے ہی میں تھا۔ آپ اُس آدمی کی کہانی ہی چکے ہیں جسے سر سجاد نے میرے حوالے کیا تھا۔ کہانی سو فیصدی سچی تھی۔ یعنی وہ اپنے کام آدمیوں کا اسی طرح انتخاب کرتا تھا، اور مختلف طریقوں سے انہیں الجھائے رکھتا تھا اور ہر کو جو انڈر ٹریننگ ہو عام گروہ سے الگ ہی رکھتا تھا۔ گروہ میں اسی وقت شامل کرتا تھا جب وہ کے کسی امتحان میں پورے اترتے تھے۔ اُسے جس قسم کے آدمیوں کی تلاش رہتی تھی انہیں س لٹیرے کو بھی سمجھ لیجئے جو انوکھے انداز میں اپنی پبلسٹی کرا رہا تھا۔ مقصد یہی تھا کہ اس تک پہ۔ بس ایک بار سلسلہ جنبانی ہوتی اور میرا ہاتھ اس کی گردن تک پہنچ جاتا.... ہاں تو اس کے قتل کے بعد بھی ڈاکہ پڑ ہی گیا۔ میں سمجھتا تھا کہ اب وہ اس کی ہمت نہیں کرے گا۔ اس نے جو طریقہ اختیار کیا وہ شاید اس کے اعصاب پر بھی ناگوار اثر چھوڑ گیا تھا۔ بس اس بعد ہی سے اُس نے حماقتیں شروع کر دیں۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے بعد پولیس تیزی سے ت میں آجائے گی۔ اس لئے اس نے سوچا کہ کسی دوسرے کو پھانس کر خود اس چکر سے آزاد ائے۔ اس کے لئے نظر انتخاب میجر سعید پر پڑی تھی.... ہاں یہ تو بتا دوں کہ میں اُس رات ہی لٹیرے کے روپ میں سر سجاد کی کوٹھی کی طرف جا نکلا تھا، چونکہ اس کے گروہ کے لوگ اتر تار جام ہی میں رہتے تھے اس لئے میں انہیں اطراف میں رہتا تھا۔ کبھی کبھی پبلسٹی کرانے لئے ایک آدھ کیس شہر میں بھی کر جاتا تھا۔ بہر حال اس وقت سر سجاد کی طرف خیال بھی ا جا سکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس لٹیرے کی کہانیاں سر سجاد کے کانوں تک بھی پہنچتی تھیں، مگر وہ ان دنوں نئے گرگے پھانسنے کے سلسلے میں بہت زیادہ محتاط ہو گیا تھا۔ پھر بھی اس نے کی ذات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر ہی ڈالی تھی۔ جب میں کھانا کھا کر رخصت ہو گیا تو اس وہ پلاٹ بنا ڈالا، جو کچھ دیر پہلے آپ کو سنا چکا ہوں، حملہ آور بیچارے کو کیا معلوم تھا کہ اسے اسی آدمی پر حملہ کرنا پڑے گا جس نے اُسے ملازم رکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ سر سجاد پہلے ہی سے تیار تھا اس لئے بڑی آسانی سے حملہ آور کو قابو میں کر کے اس طرح غل غپاڑہ مچایا کہ

ملازموں نے کمروں سے نکلنے کی ہمت نہ کی! وہ پہلے ہی سے سہمے ہوئے تھے کیونکہ لٹیرے کے پکڑے جانے پر سر سجاد نے کسی اندیکھے آدمی کو مخاطب کر کے کچھ اوٹ پٹانگ باتیں کی تھیں... دوسری رات سر سجاد اتفاقاً ہاتھ نہیں لگا تھا بلکہ وہ سچ مچ میری ہی تلاش میں نکلا تھا اُس نے مجھے اپنی کہانی سنائی اور اس وقت کوئی وجہ نہیں تھی کہ میں اس پر یقین نہ کر لیتا۔ اب آیئے میجر سعید کی طرف۔ وہ منشیات کی ناجائز تجارت کرتا تھا اور اس سے کبھی ایک قتل بھی سرزد ہوا تھا۔ سر سجاد کے پاس اس کے خلاف بہتیرے ثبوت تھے اور اس نے اسے بلیک میل ہی کر کے اپنا بزنس پارٹنر بنایا تھا۔ اُسے شروع ہی سے کسی ایسے آدمی کی ضرورت تھی جسے وقت پڑنے پر کسی چکر میں پھنسا کر خود الگ ہو سکتا۔"

"مگر میجر سعید خود کو خطرے میں ڈال کر اس عمارت میں گھسنے کی کوشش کیوں کرتا رہا تھا۔" ایس۔ پی نے پوچھا۔

"وجہ تھی! اگر نہ ہوتی تو سر سجاد اس قسم کا ڈرامہ کیوں اسٹیج کرتا۔ میجر سعید کا بلیک میل کرنے کا مواد کچھ کاغذات اور دستاویزات کی شکل میں تھا جس کے متعلق سر سجاد نے اُسے کہہ رکھا تھا کہ وہ انہیں ہر وقت ساتھ ہی رکھتا ہے۔ لہٰذا جب سر سجاد کے قتل کی خبر مشہور ہوئی تو اُس نے سوچا کہ وہ سب کچھ یقینی طور پر اس کے ساتھ کوٹھی ہی میں رہا ہوگا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ کاغذات پولیس کے ہاتھ نہ لگ جائیں۔ لہٰذا وہ جان پر کھیل کر عمارت میں داخل ہونے کی کوشش کرتا تھا۔ لیکن وہ شخص جس کے کتے نے زیدی اور طاہر پر حملہ کیا تھا میجر سعید ہرگز نہیں تھا۔ خود سر سجاد تھا۔ وہ جانتا تھا کہ میجر سعید کوٹھی میں داخل ہونے کی کوشش ضرور کرے گا اس لئے کوٹھی کی نگرانی ہونی چاہئے۔ اس کا اندازہ درست ہی نکلا تھا کہ وہ طاہر اور سعید سے ٹکرانے کے بعد نکل جانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس کے بعد سعید آپھنسا۔ اس نے محض دھمکانے ہی کے لئے ٹامی گن سنبھال رکھی تھی۔ اگر وہ چاہتا تو مجھے جھاڑیوں میں ختم ہی کر دیتا۔ لیکن اُس نے صرف دھمکا کر نکل جانے کی کوشش کی تھی۔ بہرحال وہ پکڑ لیا گیا۔ گو اُس نے ڈکیتی کا اعتراف نہیں کیا لیکن پھر بھی کیا آپ یہ سوچ سکتے تھے کہ اس کے علاوہ کوئی اور مجرم ہوگا جب کہ اتنی وافر مقدار میں منشیات اس کے یہاں سے برآمد ہوئی تھیں اور وہ ڈائنامائیٹ قطعی طور پر رکھوائے گئے تھے جب کہ بینک کی ڈکیتی کا شبہ قوی تر ہو جائے۔ ادھر میں نے اپنی مہم تیز تر کر دی تھی۔ حمید کو ایسی جگہوں پر بھیجتا رہتا تھا جہاں اس کے گرگے اکٹھا ہوا کرتے تھے، خود بھی فریدی کی حیثیت سے اُن لوگوں کا تعاقب کرتا پھرتا تھا، مگر اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ سرگروہ یہی سمجھے کہ میں

معمولی طریقوں سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ دوسری طرف لٹیرے کی حیثیت سے واقعی کام کر رہا تھا۔ میرے پاس کچھ تحریریں بھی تھیں، جو سرگروہ نے اکثر اپنے گرگوں کو بھیجی تھیں۔ میں ان کی فکر میں تھا۔ سر سجاد نے قریبی تعلق رکھنے والوں کی تحریریں چیک کرتا پھر رہا تھا۔ یہ بتا دوں کہ اس دوران میں سر سجاد کے ڈرامے میں بعض خامیاں نظر آجانے پر میں اس کی طرف سے بھی غیر مطمئن ہو گیا تھا اس لئے اس کی لائبریری میں بھی گھسنا پڑا۔ لیکن وہاں مجھے کچھ نہ مل سکا اور یہ بہت اچھا ہوا تھا کہ میں لٹیرے ہی کے روپ میں وہاں پہنچا تھا بعد میں یہی چیز کام آگئی۔ کرائم رپورٹ کی وہ خبر میں نے ہی دی تھی اور یہاں دفتر میں لٹیرے والی حرکت کی پبلسٹی کا یہی مطلب تھا کہ یہ بات پھیلے۔"

"مگر مجھے تو ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے سچ مچ دو آدمی ٹکرا گئے ہوں۔" ایس۔ پی بولا۔

"ایکٹنگ ہی ٹھہری۔" فریدی مسکرایا۔ کرائم رپورٹ نے اس خبر کی تردید کر دی اور خیال ظاہر کیا کہ ہو سکتا ہے وہ تحریر لٹیرے ہی کی طرف سے بھیجی گئی ہو، اس مقصد کے تحت کہ وہ نامعلوم آدمی مرعوب ہو کر بلیک میل ہو جائے۔ اس سے پہلے بھی میں مختلف طریقوں سے اس کی پبلسٹی کراتا رہا تھا کہ نامعلوم مقتول کے پاس سرگروہ کے خلاف کافی ثبوت تھے، جو اب لٹیرے کے ہاتھ لگ گئے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے گروہ کے لوگوں کے ذریعہ اُسے پھانسنے کی کوشش کرنے لگا۔ ادھر سر سجاد پر اچانک گٹھیا کے حملے نے بھی میرے شبہات کو مزید تقویت دی۔ میجر سعید کی گرفتاری کے بعد تو میدان ہی صاف ہو گیا تھا۔ سر سجاد نے سوچا کہ بس یہ اب آخری کانٹے یعنی لٹیرے سے بھی چھٹکارا مل جاتا تو بہتر تھا۔ ادھر میجر سعید نے تنہائی میں مجھے بیان دیا ہے اسے میں نے کسی کے علم میں نہیں لایا، اور اسے سختی سے منع کر دیا کہ میرے تجویز کردہ بیان کے علاوہ اور ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نہ نکالے۔ ظاہر ہے کہ اب سر سجاد ہی میرا شکار تھا اور دوسری طرف سر سجاد لٹیرے کی تاک میں تھا۔ اُسے یقین ہو گیا تھا کہ لٹیرا اسی کے چکر میں ہے ورنہ اس کی لائبریری میں اس طرح کیوں گھستا۔ پچھلی رات جب اس نے سنا کہ وہ لائبریری میں موجود ہے تو گویا اسے تو منہ مانگی مراد ملی۔ اس عمارت کے نیچے بھی تہہ خانوں کا جال اس طرح بچھا ہوا ہے کہ ایک کمرے سے دوسرے میں بہ آسانی گذر ہو سکتا ہے۔ پھر اس کے بعد جو کچھ ہوا آپ نے دیکھا ہی ہے۔ یہ تہہ خانے ایسے تھے کہ ان کی موجودگی کا شبہ ہو جانے کے باوجود بھی انہیں دریافت نہ کیا جا سکتا۔ یہ بھی محض اتفاق ہے کہ وہیں سے لوٹ کا مال بھی برآمد ہو گیا۔"

"میں کہتا ہوں میجر سعید کے بیان کے بعد اس ڈھونگ کی ضرورت ہی نہیں تھی۔"

ایس۔پی نے کہا۔

"میجر سعید کا بیان کوئی عدالت اسی وقت تسلیم کرے گی، جب وہ دستاویزات پیش کی جائیں جن کے ذریعہ سر سجاد اُسے بلیک میل کرتا رہتا تھا لیکن سر سجاد نے تو انہیں اسی رات کو تلف کر دیا تھا جب میجر سعید کو پھانسنے کی اسکیم بنائی تھی۔ بہت ضروری تھا جناب کہ سر سجاد کو رنگے ہاتھوں پکڑا جاتا ورنہ اس کے خلاف ثبوت کہاں تھے ہمارے پاس۔ یہ کیس صرف وکلاء کی ذہنی جمناسٹک کا شکار بن کر رہ جاتا۔ کیونکہ سر سجاد نے اپنے قتل کے سلسلے میں جو فراڈ کیا تھا اُسے بھی ایک ذمہ دار آفیسر پر ظاہر ہی کر دیا تھا اور خود آفیسر ہی کے مشورے کی بناء پر روپوشی اختیار کی تھی۔ اتنے چالاک مجرم صرف ضابطے کی کاروائیوں سے قابو میں نہیں آیا کرتے ان کے ساتھ فراڈ بھی کرنا پڑتا ہے۔ یہی ہے میرا عام طریق کار جسے آپ لوگ پسند نہیں کرتے۔"

فریدی خاموش ہو گیا.... اور اب سبھی خاموش تھے۔ حمید اس معصوم لڑکی کے لئے مغموم تھا جو اب شاید یہی سوچتی ہو کہ اے کاش اس کا باپ سچ مچ ہی قتل کر دیا گیا ہوتا۔

پھر.... تیسرے دن وہ آدمی بھی پکڑ لیا گیا، جو سراغ رسانی کے دفاتر کی خبریں سر سجاد تک پہنچایا کرتا تھا۔ اس کے لئے اُسے سر سجاد سے بھاری رقوم ملتی تھی۔ مگر وہ بھی اس کی شخصیت سے واقف نہیں تھا۔ بس گروہ کی ایک لڑکی کے چکر میں پھنس کر وہ ضمیر فروشی پر آمادہ ہو گیا تھا۔

حمید ان تحریروں کے متعلق الجھن میں تھا جو گروہ کی طرف سے مختلف لوگوں کو ملا کرتی تھیں۔ کیا وہ سر سجاد کی تحریریں ثابت ہو سکی تھیں؟ کئی دنوں بعد اسے معلوم ہو سکا کہ وہ بائیں ہاتھ سے بھی لکھ سکتا تھا اور بائیں ہاتھ کی تحریر داہنے ہاتھ کی تحریر سے بالکل مختلف ہوتی تھی۔ اسی لئے وہ نڈر ہو کر بائیں ہاتھ کی تحریر کو پیغام رسانی کا ذریعہ بناتا تھا۔

ختم شد

ابنِ صفی

لد نمبر
28

جاسوسی دنیا

85- دھواں اٹھ رہا تھا

86- فرہاد ۵۹

87- زہریلا آدمی



پیشرس

مجھ سے فرمائش کی گئی ہے کہ میں پیشرس میں کتابوں کے متعلق لکھنے کی بجائے پڑھنے والوں سے باتیں کیا کروں! کتابیں تو بہرحال پڑھی جاتی ہیں اور پڑھنے والے خود ہی کتاب کے مواد سے متعلق اچھی یا بُری رائے قائم کرنے کی صلاحیت سے محروم نہیں ہوتے! اس کتاب کے بارے میں مصنف کا نوٹ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

مجھے آپ کی اس دلیل سے متفق ہونا ہی پڑے گا۔ میں جانتا ہوں آپ کیا چاہتے ہیں؟ خطوط پر تبصرے۔ لیکن ان تین صفحات میں اُن سارے خطوط پر تبصرہ مشکل ہے، جو ہر ماہ موصول ہوتے ہیں! کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑتا ہے۔ ایسے خط کا انتخاب جو سب کی دلچسپی کا باعث بن سکے۔

یہ خط چاٹگام سے آیا ہے۔ پورا پتہ تحریر نہیں کیا گیا! موضوع ظلمات کا دیوتا کی ناپسندیدگی ہے۔ حالانکہ یہ کتاب عام طور پر پسند کی گئی ہے! بعض حضرات صرف اسی ناگزیر خامی کے شاکی ہیں جس کا تذکرہ خود میں نے ہی اس کے پیش رس میں کیا تھا۔ زیادہ تر حضرات کا کہنا ہے کہ وہ خامی نہیں بلکہ خوبی ہے! اگر کسی کہانی کا انجام متوقع ہو تو پھر بات ہی کیا رہی!

بہرحال مجھے دونوں قسم کے پڑھنے والوں سے اتفاق ہے۔ لیکن میں ان چاٹگامی بھائی سے کسی طرح متفق نہیں ہوسکتا، جنہوں نے مجھے کتابیں لکھنا ترک کر کے ترکاری بیچنے کا مشورہ دیا ہے۔

میاں میں اتنا بدھو بھی نہیں ہوں کہ تاؤ میں آ کر سچ مچ ترکاریاں ہی بیچنا شروع کردوں۔ میں جانتا ہوں کہ بچی ہوئی ترکاریاں باسی کہلاتی ہیں۔ سڑ جاتی

ہیں اور پھر ان کی کوئی قیمت نہیں ہوتی..... لیکن کتابیں..... ہا..... دس سال تک پڑی رہنے کے باوجود بھی پوری ہی قیمت پر فروخت ہوتی ہیں! مجھے آپ کا یہ مشورہ خلوص پر مبنی نہیں معلوم ہوتا۔ اس لئے میں اس پر عمل بھی نہیں کروں گا۔

پھر آپ نے لکھا ہے ''ساتھ ہی یہ بھی عرض ہے کہ آپ نے میرے مشورے پر عمل شروع کر دیا تو مجھے بہت افسوس ہوگا۔ مگر یہ بھی پسند نہیں کروں گا کہ آئندہ بھی آپ کتاب لکھتے ہی رہیں۔''

عقل خبط کر دی آپ نے تو۔ یعنی مجھے ترکاریاں بیچتے دیکھ کر بھی آپ کو افسوس ہوگا اور آپ یہ بھی نہیں چاہتے کہ میں کتابیں لکھتا رہوں۔ تو پھر کیا خیال ہے میں آپ کی محبت میں فاقے شروع کردوں۔

اپنے بیان کے مطابق آپ مجھے گالیاں بھی نہیں دے سکتے کیونکہ مجھ پر کوئی گالی فٹ نہیں ہوتی! گالی فٹ نہیں ہوتی تو آپ یہ نتیجہ نکال بیٹھے کہ مجھے گالی دینا خود گالی کی توہین ہے۔

لیکن آپ نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ قطعی غیر سائینٹیفک ہے۔ گالی بُری چیز ہے آپ بھی جانتے ہیں۔ اس لئے گالی کی توہین کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ البتہ مجھ سے منسوب کی جانے والی کسی گالی کی عزت افزائی کا تصور آپ کے ذہن کے عقبی حصے میں ضرور موجود ہے، لیکن چونکہ سماجی نقطہ نظر سے گالی کی عزت افزائی کا تصور ہی لغو ہے اسلئے آپ گالی کی توہین کا اندیشہ ظاہر کر کے جان چھڑانا چاہتے ہیں۔

خدا کرے اس جواب سے آپ بالکل ''فٹ'' ہو جائیں..... ورنہ کچھ دنوں کے بعد آپ پر کسی قسم کے ''فٹ'' کا بھی حملہ ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں آپ کو کسی ماہر سائیکوانیلسٹ کی خدمات حاصل کرنی پڑیں گی (سودا مہنگا رہے گا)۔''

بھئی اپنا نام تو صاف لکھا کیجئے۔ پہلی نظر میں ''بدھو دا'' معلوم ہوتا ہے! غور کرو تو ''رولس رائیس'' پڑھا جاتا ہے! ذرا ترچھا کر کے دیکھو تو ''چلو واپس'' گھسیٹا

ہوا معلوم ہوتا ہے!

جی نہیں! قطعی نہیں..... میں نے آپ کی کسی بات کا بُرا نہیں مانا! آپ ایک مصنف کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کرنے کے لئے قطعی آزاد ہیں! کیونکہ وہ آپ ہی کے لئے کتابیں لکھتا ہے۔ اپنے لئے نہیں! مگر بھائی یہ ضروری نہیں ہے کہ اگر ترکاریوں کا بزنس آپ کے لئے منفعت بخش ثابت ہوا ہے تو میں بھی اس میں پھل پھول سکوں گا۔

ویسے میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ خط صرف تبصرے کے شوق میں لکھا گیا ہے اور میں مطمئن ہوں کہ آپ ''ظلمات کا دیوتا'' کے بعد یہ کتاب بھی ضرور پڑھیں گے اور آپ وہ فلم بھی ضرور دیکھیں گے جس کی کہانی پر میں آج کل work کر رہا ہوں۔

آخر میں زیرِ نظر کہانی کے متعلق بھی اتنا کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ صرف اسرار و سراغ کی کہانی ہے۔ اس میں آپ ''دھول دھپہ'' قطعی نہیں پائیں گے۔

میری کتابیں بعض حضرات کو اس لئے بھی پسند نہیں آتیں کہ اکثر اُن میں ''دھول دھپہ'' سرے سے ہوتا ہی نہیں۔ اس کی بجائے دوسرے زاویوں سے کہانی کی دلچسپی برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہوں اور بحمد للہ اس پر مطمئن ہوں کہ اگر آپ میری کسی کتاب پر تالیاں نہیں پیٹ سکے تو اُسے ''بورنگ'' قرار دینا بھی آپ کے بس سے باہر ہوگا۔ تقریباً ایک سو بائیس کہانیاں اب تک لکھ چکا ہوں، لیکن آپ ایسی دو کہانیوں کے نام نہیں لے سکیں گے جن کے پیش کرنے کے انداز میں آپ کو یکسانیت نظر آتی ہو۔!

ابنِ صفی

۱۵/ اکتوبر ۱۹۵۹

چھلاوہ

قاسم بہت شدت سے بور ہو رہا تھا۔ بور ہو رہا تھا اس لئے گھر کا رخ کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوسکتا تھا۔ دن بھر آفس میں سر کھپانے کے بعد گھر کے تصور ہی سے اس کی روح فنا ہو رہی تھی۔

آفس کی افتاد نئی تھی۔ اُن دنوں اچانک اسکے باپ کو خیال آ گیا تھا کہ اس کا اس طرح گھر پڑے رہنا تو ٹھیک نہیں ہے کیوں نہ اُسے اکاؤنٹس ہی کا کام سکھانے کی کوشش کی جائے۔

قاسم.....اور اکاؤنٹس! گویا قاسم کے باپ نے بھی بالکل اسی کے سے انداز میں سوچنے اور کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کی تھی۔ بہرحال انہوں نے اسے اپنے چیف اکاؤنٹنٹ کے سپرد کر کے تاکید کر دی تھی کہ اگر وہ کام سیکھنے میں حیل و حجت کرے تو انہیں فوراً اطلاع دی جائے۔ چیف اکاؤنٹنٹ نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ قاسم شائد اکاؤنٹس کے علاوہ دنیا کا ہر کام کر سکے! لیکن وہ عاصم صاحب کا فیصلہ تھا۔ اس لئے قاسم اور چیف اکاؤنٹنٹ دونوں ہی کی شامتوں نے امداد باہمی کے اصول پر سمجھوتہ کر لیا۔ لیکن دفتر میں تو بہرحال بیٹھنا ہی پڑتا تھا۔ کچھ تھوڑی سی مغز ماری بھی کرنی پڑتی تھی۔ لیکن وہ کچھ اس قسم کی ہوتی۔

''دو اور دو چار اور چھ دس.... آٹھ.... اٹھارہ.... دو بیس.... بیس.... بیس.... ابا جان خبیث.....

ہت تیری کی پھر سالا بھول گیا.... او اکاؤنٹنٹ صاحب.... یہ سالا.... نہیں چلتا معاملہ۔"

"مسٹر قاسم خدا کے لئے میری بے عزتی نہ کرایئے گا۔" چیف اکاؤنٹنٹ کہتا۔

"اے تو پھر کیا کروں۔" قاسم آنکھیں نکالتا۔ "جوڑتے جوڑتے سالا دماغ سے گائب ہوجاتا ہے۔ بتاؤ کوئی ترقیب۔"

بھلا بیچارہ اکاؤنٹنٹ کیا ترکیب بتاتا۔ اس کے ذہن میں قاسم کے لئے صرف اسی ایک شعبے کا تصور تھا کہ وہ گلے میں ایک ڈھولک لٹکائے اور کچھ گا بجا کر فلمی گیتوں کی کتابیں چلتی ہوئی سڑکوں پر بیچ لیا کرے.... بہرحال وہ ترکیب سوچنے لگتا اور قاسم پھر رجسٹر پر جھک پڑتا۔ جوڑتے جوڑتے ذہنی رو بہک جاتی اور وہ بھول جاتا کہ اس کے علاوہ اور کوئی بھی کمرے میں موجود ہے۔ بس پھر آس پاس بیٹھنے والے سنتے!

"آٹھ دو دس.... تین تیرہ.... صفر.... ہائے میری جان صفر.... یار تم بڑے پیارے ہو۔ تمہیں نہیں جوڑنا پڑتا.... ہت تیری کی پھر گائب.... پھر شروع سے.... آٹھ دو دس تین تیرہ.... صفر.... اور نو.... تیرہ اور نو.... نو سالا صورت حرام.... ہونق کھڑا ہے منہ اٹھائے۔ جماؤں ایک لات کمر پر سالے نہیں تو.... ہائے.... پھر گائب۔" وہ جھلا کر پیشانی پر ہاتھ مارتا۔ اکثر ہنسنے والوں کی آوازیں بھی نکل جاتیں.... اور وہ چونک کر صرف چیف اکاؤنٹنٹ کو خونخوار نظروں سے گھورنے لگتا۔

"آپ الگ کمرے میں بیٹھیں گے۔" وہ پوچھتا۔

"کال کوٹھری میں بند کردونا۔" قاسم دہاڑتا اور لوگ ایک ایک کرکے باہر نکل جاتے کیونکہ ہنسی روکنا ان کے لئے مشکل ہوجاتا تھا۔

یہ ایک دن کی مصیبت نہیں تھی، روز ہی یہی ہوتا تھا! آج ہوسکتا ہے کہ اس سے زیادہ کچھ ہوا ہو۔ بہرحال وہ بہت شدت سے بور ہو رہا تھا۔ لہٰذا اس بوریت کے عالم میں وہ اس "گلہری خانم" کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا تھا جس کی بدولت اُسے "تین تیرہ" کے پھیر میں آنا پڑا تھا۔

اُسے یقین تھا کہ اس پر یہ مصیبت اُس کی بیوی ہی لائی ہے اس لئے بہت زیادہ بوریت

کے عالم میں اُس سے مڈبھیڑ ہوجانا کسی دوسری مصیبت کا پیش خیمہ بھی ثابت ہوسکتا تھا کیونکہ وہ تو ہر وقت ہی اُس کے باپ کو فون کردینے پر تلی بیٹھی رہتی تھی! اِدھر اُس نے کسی بات پر نتھنے پھلائے، آنکھیں نکالیں اور اُدھر وہ جھپٹی فون کی طرف۔

یہی وجہ تھی کہ وہ دن بھر کی بوریت رفع کئے بغیر گھر نہیں جانا چاہتا تھا۔

ایسے وقت حمید کے علاوہ اور کس کا خیال آتا! لہٰذا اس نے اپنی لمبی سی کار فریدی کی کوٹھی کی طرف موڑ دی۔ مگر مایوسی ہی کا منہ دیکھنا پڑا۔ حمید گھر پر موجود نہیں تھا۔

اب اس نے سوچنا شروع کیا کہ اس وقت اس سے کہاں ملاقات ہوسکے گی؟ لیکن اس سوال کا کوئی یقینی جواب اُسے نہ سوجھا۔ کچھ بھی ہو، یہ بوریت تو حمید سے مل بیٹھنے ہی کی صورت میں رفع ہوسکتی تھی۔

بس پھر اُس نے شہر کی ساری مشہور تفریح گاہیں چھان مارنے کی سکیم بنا ڈالی۔

کیپٹن حمید کی موٹر سائیکل تارجام والی سڑک پر تیز رفتاری کے ریکارڈ توڑ رہی تھی اور اس کا ذہن "لعنت لعنت لعنت لعنت" کی گردان کر رہا تھا۔

جھلاہٹ کی وجہ یہ تھی کہ تارجام پولیس اسٹیشن پر تقریباً پانچ گھنٹے تک مکھیاں مارنی پڑی تھیں۔ دس بجے سے تین بجے تک ایک ایسے آفیسر کا انتظار کرنا پڑا تھا جس کے پاس کچھ اہم کاغذات تھے اور ان کاغذات کو بحفاظت فریدی تک پہنچانا تھا۔

کاغذات لے کو جو وہ وہاں سے بھاگا تھا تو پھر پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا اور ذہن تو "لعنت لعنت" کی گردان دس ہی بجے سے کرتا رہا تھا۔

اس نے پیچھے مڑ کر دیکھنے کی زحمت نہیں گوارا کی تھی ورنہ یہی سوچتا، کاش کھوپڑی کے

پچھلے حصے پر بھی دو آنکھیں ہوا کرتیں۔

ساری کوفت دور ہو جاتی اور وہ موٹر سائیکل کی رفتار اتنی کم ضرور کر دیتا کہ پچھلی کار آگے نکل جاتی اور پھر وہ اطمینان سے اس کا تعاقب کرتا رہتا۔

کار ڈرائیو کرنے والی بڑی دلکش تھی۔ لیکن ایسا نہیں معلوم ہوتا تھا کہ اسے موٹر سائیکل سے آگے نکل جانے کی فکر رہی ہو۔

حمید کی موٹر سائیکل یکساں رفتار سے دوڑتی رہی۔

جیسے ہی وہ نیاگرہ ہوٹل والی سڑک کی کراسنگ پر پہنچا بائیں جانب سے آنے والی کار اس طرح رکی کہ حمید کو اپنی سات پشتیں یاد آ گئیں۔ اس نے بھی پورے بریک لگائے تھے اور اس کا سر سامنے والی کار کی کھڑکی سے ٹکراتے ٹکراتے بچا تھا۔

ہوش آنے پر قاسم کا ہونق سا چہرہ دو بالشت کے فاصلے پر نظر آیا۔ اس کی آنکھیں خوف سے پھیلی ہوئی تھیں اور بھاڑ سا منہ کسی ویران غار کے دہانے کا منظر پیش کر رہا تھا۔

پچھلی گاڑی بھی قریب ہی آ کر رکی۔ اُس کے بریک بھی کافی بلند آواز سے چڑچڑائے تھے۔ لیکن یہ دونوں تو بس ایک دوسرے کو گھورے جا رہے تھے۔ حمید کے ہونٹ سختی سے ایک دوسرے پر جمے ہوئے تھے اور قاسم کا منہ اب بھی پھیلا ہی ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسی حالت میں اس کی روح قبض کر لی گئی ہو۔ آنکھوں کی پتلیاں تک حرکت نہیں کر رہی تھیں۔

''کوئی مرا بھی یا نہیں۔'' یک بیک مترنم سی آواز فضا میں گونجی اور وہ دونوں ہی چونک پڑے۔ حمید تیزی سے مڑا۔

وہ متوسط قد کی ایک خوبصورت لڑکی تھی۔ نسلاً دیسی ہی ہو سکتی تھی لیکن لباس مغربی طرز کا تھا۔

حمید نے لمبی سانس لی اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''اب تو دونوں ہی کو مردہ سمجھئے۔''

پھ اپنا چرمی بینڈ بیگ اٹھانے کے لئے جھکا۔

'زکی کے چہرے پر جھلاہٹ اور خوف کے ملے جلے آثار نظر آ رہے تھے۔ وہ تیزی ے قاسم کی گاڑی کی پشت پر آئی اور اس کے نمبر دیکھنے لگی۔

''میں رپورٹ درج کراؤں گی۔'' اس کی آواز غصیلی تھی۔ ''اندھے ہو کر ڈرائیو کرتے ہیں آپ نے اس طرح گاڑی کیوں روکی تھی۔''

''غاڑی..... غاڑی..... جی ہاں۔'' قاسم نے خاموش ہو کر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ اس وقت اس کا حلیہ عجیب تھا۔ کبھی تو ایسا لگتا جیسے مسکرانے کی کوشش کر رہا ہو اور کبھی ایسا بُرا منہ بن جاتا جیسے بیچ سڑک پر سینکڑوں جوتے پڑ گئے ہوں۔

''اس جھٹکے نے میرے اعصاب پر بُرا اثر ڈالا ہے۔'' وہ دانت پیس کر بولی۔ ''میں ضرور رپورٹ درج کراؤں گی..... اس طرح آدمی کا ہارٹ فیلیور بھی ہو سکتا ہے۔''

''جج..... جی ہاں..... اور قیا۔'' قاسم سر ہلا کر بولا۔

''جی.....!'' لڑکی آنکھیں نکال کر دہاڑی۔ ''آپ اتنے اطمینان سے اس کا اعتراف بھی کر رہے ہیں۔''

''گلتی کی معافی چاہتا ہوں۔'' قاسم بلبلایا..... پھر دفعتاً حمید کی طرف دیکھ کر جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''اے تم بھی تو کچھ بولو۔''

وہ شدت سے نروس ہو گیا تھا اور اسے توقع تھی کہ حمید ''معاملہ برابر'' کر کے اُسے اس پھاڑ کھانے والی لڑکی سے نبات دلا دے گا۔ مگر حمید نے قطعی طور پر خاموشی اختیار کر لی تھی۔

''تم پرلے سرے کے بے حیا بھی معلوم ہوتے ہو۔'' لڑکی بولی۔ ''اس شخص کو اپنی طرف داری پر آمادہ کر رہے ہو جسے ابھی ختم ہی کر دیا ہوتا۔''

قاسم نے پھر بڑی بے بسی سے حمید کی طرف دیکھا لیکن حمید کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ وہ زندہ ہی ہے یا مر چکا۔

قاسم نے پلکیں جھپکائیں اور سوچا اب عافیت اسی میں ہے کہ خود بھی بیہوش ہی ہو جائے۔ لہٰذا اس نے سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر حلق سے ایسی ہی کراہ نکالی جیسے کسی گدھے نے ریکنے کیلئے اسٹارٹ لیا ہو اور پھر ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑ کر نشست کی پشت گاہ پر گردن ڈال دی۔

ایسا کرتے وقت منہ پھیلا رہ گیا تھا اس لئے اب اُسے بند کرنے کی بھی ہمت نہ پڑی۔

حمید بدقت تمام ہنسی ضبط کر سکا۔ البتہ اب وہ لڑکی کے چہرے پر حیرت کے آثار دیکھ رہا تھا۔

''یہ کیا ہو گیا.....!'' وہ قاسم کو گھورتی ہوئی بولی۔

''شاک..... میرا خیال ہے کہ جھٹکے نے اس کے اعصاب پر بھی بُرا ہی اثر ڈالا تھا۔'' حمید نے تشویش کن لہجے میں کہا۔

''مگر اُس نے ایسی حرکت کی ہی کیوں تھی۔''

''خدا جانے.....!'' حمید نے شانوں کو جنبش دی۔ پھر جلدی سے بولا۔ ''اوہ کچھ کرنا چاہئے۔ کہیں سچ مچ مر ہی نہ جائے۔ موٹے آدمی..... ذرا..... مشکل ہی سے اس قسم کے شاک برداشت کر سکتے ہیں۔''

اُسے یاد آ گیا تھا کہ اس کے ہینڈ بیگ میں کونین مکسچر کی ایک شیشی بھی پڑی ہوئی تھی۔ بہر حال اُسے سوجھی..... اور قیامت کی سوجھی۔

ہینڈ بیگ سے شیشی نکال کر اس کا ڈھکن گھما ہی رہا تھا کہ لڑکی نے پوچھا۔ ''یہ کیا ہے۔''

''کونین مکسچر.....!'' حمید نے اتنی آہستگی سے کہا کہ قاسم نہ سن سکے۔ وہ تو جانتا ہی تھا کہ موقع کی نزاکت ہی نے اُسے بیہوش ہونے پر مجبور کیا ہوگا۔

''بھلا اس سے کیا ہوگا۔'' لڑکی نے حیرت ظاہر کی۔

''مرنے کے بعد کم از کم ملیریا سے تو محفوظ ہی رہے گا۔'' حمید نے کہا اور آگے بڑھ کر پوری شیشی اس کے منہ میں انڈیل دی۔

پھر تو ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کوئی گوریلا سوتے سے چونک کر پاگل ہو گیا ہو۔

پہلے حلق سے ایک طویل ''خرخراہٹ'' بلند ہوئی تھی اور پھر وہ اوبکائیاں لیتا ہوا سیدھا ہو گیا تھا۔

''ابے..... اُوع..... اُوع..... سالے..... سالوع..... غاؤں..... ارے باپ رے..... زوع.....!''

گاڑی کا دروازہ کھول کر اس نے باہر نکلنے کی کوشش کی۔ لیکن بوکھلاہٹ میں منہ کے بل

نیچے چلا آیا۔

لڑکی بے تحاشہ ہنس رہی تھی۔ مگر حمید ایسا منہ بنائے کھڑا تھا جیسے اس سے کوئی بڑی حماقت سرزد ہوئی ہو۔ یک بیک قاسم اٹھ کر اس کی طرف جھپٹا اور حمید اچھل کر بھاگا۔ قاسم کچھ اس درجہ بدحواس ہو گیا تھا کہ اپنے ڈیل ڈول کا بھی احساس نہ رہا اور اس نے باقاعدہ طور پر دوڑ لگانے کی ٹھان لی..... کچھ دور تک دوڑا بھی، لیکن حمید کو پالینا کم از کم اس کے بس کا روگ تو نہیں تھا۔ جھلاہٹ بڑھ گئی اور پھر اُس نے دوڑتے ہی دوڑتے جھک کر پتھر اٹھانے کی کوشش کی اور ایک بار پھر ڈھیر ہو گیا۔

اس کے حلق سے مختلف قسم کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ خالص قسم کی گالیاں ہی رہی ہوں، مگر قاسم کو اتنا ہوش کہاں تھا کہ ذہن میں آئی ہوئی گالیاں زبان کی جنبش کا ساتھ دے سکتیں۔

وہ پھر اٹھا اور اس بار اس نے حمید پر پتھر برسانے شروع کر دیئے۔ حمید بائیں جانب کھیتوں میں اترتا چلا گیا تھا۔ قاسم جھکتا دونوں ہاتھوں سے پتھر سمیٹتا اور جب سیدھا کھڑا ہوتا تو ہاتھ میں صرف ایک ہی پتھر رہ جاتا بقیہ نیچے جا گرتے۔ ایک پتھر پھینک کر وہ پھر جھک پڑتا۔ بالکل پاگلوں کی سی حالت تھی۔

تقریباً دس منٹ تک یہی کچھ ہوتا رہا۔ پھر حمید نے محسوس کیا کہ لڑکی جا چکی ہے۔ کھیل کی دلچسپی ختم ہو گئی۔ اس نے سوچا کہ اب اس ارنے بھینسے کو قابو میں لانا چاہئے ورنہ یہیں صبح بھی ہو جائے گی۔

''بس..... بس..... صاحبزادے۔'' حمید ہاتھ اٹھا کر چیخا۔ ''وہ چلی گئی۔''

''میں تمہیں مار ڈالوں غا۔'' قاسم ہانپتا ہوا بولا۔ وہ بُری طرح تھک گیا تھا اور خود بھی یہی چاہتا تھا کہ معاملہ کسی طرح رفع دفع ہو جائے لیکن خود سے ہاتھ روک لینا بھی شان کے خلاف تھا۔

''ابے سمجھنے کی کوشش کیا کرو۔ بس چڑھ دوڑے بھینسوں کی طرح۔'' حمید آگے بڑھتا ہوا بولا۔

''میں کچھ نہیں سمجھوں غا..... تم سالے دگا باز ہو۔''

''مگر تم نے اس طرح گاڑی روکی ہی کیوں تھی۔''

''اچھا کیا تھا..... پھر روقوں غا..... دیکھتا ہوں قوتی سالا کیا کر لیتا ہے۔''

''سالی.....!'' حمید نے تصحیح کی۔ ''وہ رپورٹ ضرور درج کرائے گی۔ نمبر نوٹ کر کے لے گئی ہے اور تم مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔ شہر ہی کی طرف گئی ہے۔ پرنسٹن کا تھانہ راستے میں پڑے گا۔ سمجھے بیٹا! بس اب نکل چلو۔''

حمید قریب آتا جا رہا تھا۔ ادھر پھر قاسم کا ذہن منہ کی کڑواہٹ کی طرف منتقل ہو گیا تھا اور پھر ''تھو تھو..... اُوع اُوع.....!'' اسٹارٹ ہو گئی تھی۔ اور وہ اُکڑوں بیٹھنے کی کوشش کرتا ہوا ایک بار پھر ڈھیر ہو گیا تھا۔ حمید نے قریب پہنچ کر اُسے اٹھایا۔

''ہائے..... میری تقدیر ہی گوبر ہو گئی ہے۔'' قاسم ہانپتا ہوا کراہا۔ بُرا سا منہ بنا کر اوبکائی لی..... اور پھر دونوں ہاتھوں سے سر پیٹتا ہوا بولا۔ ''نہ گھر میں چین نہ باہر چین..... اور ہائے یہ سالا..... ڈیبٹ کریڈٹ..... سالے ابا جان کب تک زندہ رہو گے۔''

''جب تک میرا دل چاہے گا زندہ رہوں گا۔''

''نہیں جلد ہی مرو گے۔'' قاسم نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ پھر سنبھل کر بولا۔ ''قیا قہا۔''

''کچھ نہیں..... چلو..... تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں معلوم ہوتی۔ واقعی ایسی زندگی سے تو یہی بہتر ہے کہ تم مر ہی جاؤ۔''

''اور قیا..... آں..... قیوں! ابے تم خود مر جاؤ..... چلے ہیں تیل پر پانی چھڑکنے.....!''

''جلتی پر تیل چھڑکنا محاورہ ہے۔'' حمید بولا۔

''تیل پر ٹھینگا چھڑکنا محاورہ ہے..... تمہارے باپ سے مطلب۔'' قاسم حلق پھاڑ کر دہاڑا۔ ''تم نے مجھے قیا پلا دیا تھا..... اُوع..... آخ تھو..... تھوع۔''

''چلو..... گاڑی ہٹاؤ بیٹا! تم نے سڑک روک رکھی ہے.....!'' حمید اس کے شانے پر تھپکی دیتا ہوا بولا۔ ''طاقت کی دوائی پلائی تھی..... ورنہ ہارٹ فیل ہو جاتا۔''

قاسم بُرا سا منہ بنائے بڑبڑاتا ہوا سہ راہے کی طرف چلنے لگا۔ منہ کی کڑواہٹ بڑھتی ہی

جا رہی تھی۔

''ارے.....!'' یک بیک حمید اچھل پڑا۔

''قیا ہوا.....!''

مگر حمید کے تو حواس ہی غائب ہو چکے تھے۔ وہ قاسم کے سوال کا جواب کیا دیتا۔ ہینڈ بیگ غائب تھا۔ وہ اُسے موٹر سائیکل کی ٹنکی ہی پر چھوڑ گیا تھا۔

اُسے اُن کاغذات کا خیال آیا جو اُس نے فریدی کیلئے ایک آفیسر سے حاصل کئے تھے۔

وہ قاسم کو چھوڑ کر تیزی سے سہ راہے کی طرف جھپٹا۔ لیکن مایوسی ہی ہوئی۔ ہینڈ بیگ حقیقتاً غائب تھا۔ قاسم کی گاڑی بھی دیکھ ڈالی..... مگر وہاں کہاں ملتا۔ اُسے اچھی طرح یاد تھا کہ وہ اُسے اپنی آٹو سائیکل کی ٹنکی ہی پر چھوڑ گیا تھا۔

''تو پھر..... وہ لڑکی.....!''

''اے..... قیا ہوا..... بتاتے کیوں نہیں۔'' قاسم نے قریب پہنچ کر پوچھا۔

''میرا ہینڈ بیگ۔''

''میں قیا جانوں۔''

''ابے تو تجھ سے کون پوچھ رہا ہے۔'' حمید جھلا گیا۔

اس نے موٹر سائیکل سنبھال لی۔ اُسے یقین تھا کہ ہینڈ بیگ لڑکی ہی لے گئی ہے۔ اس نے اسے شہر والی سڑک پر گاڑی موڑتے دیکھا تھا۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ بھی شہر کی ہی طرف جا رہا تھا۔ یہ سوچے بغیر کہ اتنی تیز رفتاری کسی حادثے کا باعث بھی بن سکتی ہے۔

گرفتاری

دوسری شامت اور اس شامت کا تعلق بھی قاسم ہی کی ذات سے تھا۔ حمید کی روانگی اس طرح ہوئی تھی کہ قاسم کے فرشتے بھی اس کا تعاقب نہ کر سکتے۔

بہر حال کچھ دیر بعد وہ بھی شہر ہی کی طرف پلٹا اور بہت محتاط ہو کر ڈرائیو کر رہا تھا۔

ضرورت ہی کیا تھی کہ وہ فریدی کی کوٹھی کا رخ کرتا؟ مگر معاملہ تھا ایک خوبصورت لڑکی کا جو حمید کا ہینڈ بیگ لے بھاگی تھی اس لئے آگے کی کہانی بہر حال دلچسپی سے خالی نہ ہوتی اور پھر وہ ایک ایسی لڑکی تھی جس نے قاسم کو بھی تو بے تحاشہ سنائی تھیں۔

اتنی عقل وہ بھی رکھتا تھا کہ ہینڈ بیگ لڑکی ہی لے گئی ہوگی۔ وہاں اور تھا ہی کون! کوئی چوتھا آدمی ہوتا تو یہ جاننے کی کوشش ضرور کرتا کہ کار اور موٹر سائیکل کے مالک کہاں گئے۔

بہر حال وہ اس وقت کوٹھی میں پہنچا، جب فریدی فون کے قریب بیٹھا حمید کے بارے میں کسی اطلاع کا منتظر تھا۔

اس نے اسے اندر ہی بلوالیا۔ قاسم آنے کو تو چلا آیا تھا، کارڈ بھی اندر بھجوا دیا تھا کہ حمید موجود ہے یا نہیں۔ ملازم اُسے اچھی طرح پہچانتا تھا اس لئے کارڈ لیتے وقت اس نے بھی نہیں پوچھا تھا کہ اُسے کس سے ملنا ہے۔

اچانک فریدی کا سامنا ہوا اور قاسم بوکھلا گیا اور چھوٹتے ہی اس کی زبان سے نکلا۔ ''ہینڈ بیگ ملا یا نہیں۔''

''کیسا ہینڈ بیگ۔''

''اُو..... ہی ہی ہی..... حمید بھائی نے نہیں بتایا کیا۔''

''بیٹھ جاؤ۔'' فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

قاسم نروس ہو گیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ پتہ نہیں فریدی کو حالات کا علم تھا یا نہیں۔ بہر حال اس نے کسی قدر سنبھلتے ہوئے پوچھا۔ ''حمید بھائی کہاں ہیں؟''

''کسی ہینڈ بیگ کے متعلق تم نے پوچھا تھا۔'' فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''اوہ..... جی ہاں..... وہ ایک لونڈیا..... اررہپ..... لڑکی لڑکی..... جی ہاں وہ لے بھاگی تھی حمید بھائی کا ہینڈ بیگ۔''

''کب کی بات ہے۔''

''آج کی..... ابھی کی..... حمید بھائی.....!''

''تمہیں کیسے علم ہوا۔''

بدقت تمام اس نے پوری کہانی اگلوائی اور اس کے چہرے پر گہری تشویش کے آثار نظر آنے لگے۔ آخر اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔ ''لڑکی کا حلیہ بتا سکو گے۔''

''جی بڑی خوبصورت تھی!'' قاسم نے جلدی سے کہا اور دانت نکال دیئے۔

''یہ حلیہ ہے۔''

''اللہ قسم بڑی خوبصورت تھی۔ حمید بھائی سے پوچھ لیجئے گا۔ میں جھوٹ قیوں بولنے لگا۔''

''شہر میں ہزاروں خوبصورت لڑکیاں ہوں گی۔ کوئی ایسی خاص بات بتاؤ جس کی بناء پر اسے پہچانا جا سکے۔''

''خاص بات..... خاص بات۔'' قاسم یاد داشت پر زور دیتا ہوا بولا۔ ''جی خاص بات قیا بتاؤں..... بس نیچے سے اوپر تک سب خاص ہی باتیں تھیں۔''

فریدی نے ایک طویل سانس لی اور شدید ترین الجھنوں کے باوجود بھی مسکرا پڑا۔

''اچھا تو اس کی گاڑی ہی کے متعلق بتاؤ کہ کس قسم کی تھی۔'' اس نے کہا۔

''سرخ رنگ کی اسپورٹس کار تھی شائد۔ جی ہاں وہی تھی..... اور لڑکی کا لباس بھی سرخ ہی تھا..... سرخ اسکرٹ۔''

''غیر ملکی تھی۔''

''جی نہیں۔'' اردو میں باتیں کر رہی تھی۔

''میں پوچھ رہا ہوں وہ دیسی تھی یا غیر ملکی۔ بہتیرے غیر ملکی دوسری زبانوں کے لہجوں پر بھی قادر ہوتے ہیں۔''

''بلقل دیسی تھی..... جی ہاں..... دیسی ہی تھی۔''

''حمید تارجام ہی کی طرف واپس گیا تھا یا شہر کی جانب۔''

''شہر ہی کی طرف آئے تھے۔''

''کیا وقت رہا ہوگا۔''

''شام تھی..... سورج غروب نہیں ہوا تھا۔ کیا کوئی گھپلے والی بات ہے قرنل صاحب۔''

''بس اب تم جاؤ..... اس واقعہ کا تذکرہ اگر کسی سے کیا تو نتیجے کے تم خود ذمہ دار ہوگے۔'' فریدی نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ اس وقت آٹھ بج رہے تھے۔

''یعنی کہ..... مم..... مطلب.....!''

''کچھ نہیں۔'' فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''اگر ضرورت پیش آئی تو باقاعدہ طور پر تمہارا بیان لیا جائے گا اس سے پہلے تم ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نہیں نکالو گے۔''

''جی اچھا..... مم..... مگر حمید بھائی کہاں ہیں۔''

''اس فکر میں نہ پڑو..... جاؤ! جو کچھ میں نے کہا ہے اس کے خلاف نہ ہونے پائے۔''

قاسم کے جانے کے بعد اس نے فون پر ایکسچینج سے ''طویل فاصلے'' کی کال کیلئے کہا۔

''تارجام۔''

''او کے سر.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ لائن اتفاق سے خالی ہی مل گئی تھی۔

تارجام پولیس اسٹیشن سے رابطہ قائم کر کے اس نے انچارج کو مخاطب کیا۔ اس سے پہلے بھی ایک بار اس نے پوچھ گچھ کی تھی، لیکن اس بار سوالات کی نوعیت دوسری تھی۔

''کسی نے حمید کو وہاں سے روانہ ہوتے بھی دیکھا تھا۔'' اس نے پوچھا۔

''اُوہ..... جی ہاں۔ میں ہی انہیں گیٹ تک چھوڑنے گیا تھا۔'' دوسری طرف سے جواب ملا۔

''کیا آس پاس سرخ رنگ کی کوئی اسپورٹس کار بھی موجود تھی۔''

''اسپورٹس کار..... کیوں؟ جی ہاں میرا خیال ہے کہ میں نے سرخ رنگ کی ایک اسپورٹس کار دیکھی تھی۔ گیٹ کے سامنے والے پمپنگ اسٹیشن پر..... غالباً وہ لڑکی پٹرول لے رہی تھی۔''

''لڑکی۔''

''اوہ جی ہاں۔'' دوسری طرف سے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا گیا۔ ''دیکھئے بات دراصل یہ ہے کہ شائد میں اس کار کی طرف دھیان بھی نہ دیتا لیکن لڑکی کا اسکرٹ بھی سرخ رنگ کا تھا۔''

''حمید کس وقت روانہ ہوا تھا وہاں سے۔''

''تین بجے۔''

''اچھا پونے تین بجے سے سوا تین بجے تک پٹرول لینے والی گاڑیوں کے نمبر حاصل کیجئے۔ ممکن ہے کسی نمبر کے متعلق یقین کے ساتھ بتایا جا سکے کہ وہ اسی اسپورٹس کار کا ہے۔ میرا خیال ہے کہ جس چیز نے آپ کی توجہ اس کی جانب مبذول کرائی تھی وہی پمپنگ اسٹیشن کے کسی کارندے کی یادداشت کو بھی جھنجھوڑ سکے گی۔''

''مگر وہ لوگ نمبر اور وقت کب نوٹ کرتے ہیں۔''

''کیا؟'' فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔ ''ان کا فرض ہے کہ وہ ایسا کریں۔ نہیں کرتے تو آپ اُن سے جواب طلب کر سکتے ہیں۔ مگر شائد آپ کو بھی اس سرکلر کا علم نہیں جو ساحلی علاقوں کے پمپنگ اسٹیشنوں کے لئے جاری کیا گیا تھا۔''

''مجھے نہیں معلوم جناب۔'' لہجے میں ہچکچاہٹ تھی۔

''یہ لاعلمی افسوس ناک ہے۔ خیر..... ہاں تو سنئے۔ تین ماہ پہلے ایسے تمام پمپنگ اسٹیشنوں کے لئے جو ساحلی علاقوں میں ہیں یہ احکامات جاری کئے گئے تھے کہ وہ گاڑی کے نمبر اور فلنگ کا وقت ضرور نوٹ کریں۔ ایسا نہ کرنا خلاف قانون سمجھا جائے گا۔''

''اوہ..... تب تو نمبر آسانی سے مل سکے گا۔''

''آدھے گھنٹے کے اندر درج کئے جانے والے نمبر کافی ہوں گے۔ اُن میں سے جو نمبر تارجام ٹریفک کے تحت ہوں ان کے متعلق معلومات حاصل کیجئے..... میرا خیال ہے کہ اس کام

کے لئے صرف ایک گھنٹہ کافی ہوگا اور اگر کسی نمبر کے متعلق وثوق کے ساتھ معلوم ہو سکے کہ اسی گاڑی کا ہے تو تار جام کی ٹریفک کے تحت نہ ہونے کی صورت میں فوراً مجھے آگاہ کیجئے۔"

"بہت بہتر۔"

فریدی نے سلسلہ منقطع کر کے قدرے توقف کے ساتھ پر کسی کے نمبر ڈائیل کئے۔

"ہیلو..... فریدی اسپیکنگ..... کیپٹن حمید لاپتہ ہے۔ فی الحال اسے شہر ہی میں تلاش کرو..... ہاں..... ہاں..... نہیں تفریح گاہوں میں پائے جانے کے امکانات نہیں ہیں۔"

سلسلہ منقطع کر کے اس نے سگار سلگایا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر لیڈی انسپکٹر ریکھا کے نمبر ڈائیل کئے۔ دوسری طرف سے فوری طور پر جواب ملا۔

"ہنری گیل کیس کا فائیل اس وقت تمہارے پاس ہے یا آفس میں۔" فریدی نے پوچھا۔

"فف فائیل۔" ریکھا ہکلائی پھر مضطربانہ انداز میں بولی۔ "میں بڑی مصیبت میں پھنس گئی ہوں کرنل۔ وہ فائیل میں نے آج ہی کھو دیا۔ اب میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کروں۔"

"چپ چاپ یہاں چلی آؤ۔ تمہیں پہلے ہی سے اطلاع دینی چاہئے تھی۔" فریدی پرسکون لہجے میں بولا۔



حمید آندھی اور طوفان کی طرح کراسنگ سے روانہ ہوا تھا۔ اس سے ایک غیر ذمہ دارانہ حرکت سرزد ہوئی تھی۔ اُسے ہینڈ بیگ کی طرف سے لاپرواہ نہ ہونا چاہئے تھا۔

کاغذات اہم رہے ہوں یا نہ رہے ہوں۔ بہرصورت اس کی ذمہ داری اُسی وقت ختم ہوتی جب وہ فریدی تک پہنچ جاتے۔

کاغذات کے متعلق اُسے یقین تھا کہ وہ اہم ہی ہوں گے۔ ورنہ اُسے کیوں بھیجا جاتا۔

یہ کام تو محکمے کا ایک معمولی میسنجر بھی کر سکتا تھا۔

بہرحال وہ پاگلوں کی طرح ڈرائیو کرتا رہا اور لعنت بھیجتا رہا اپنے اس رجحان پر جس کی بدولت اس حادثے کا شکار ہوا تھا۔

یکے بعد دیگرے کئی خیالات اُس کے ذہن میں چکراتے رہے۔ اگر لڑکی نے کاغذات ہی کے لئے ہینڈ بیگ پر ہاتھ صاف کیا تھا تو وہ کوئی دوسرا طریقہ بھی اختیار کرتی۔ کچھ نہ کچھ سوچ کر ہی وہ اس کے پیچھے لگی ہوگی اور یہ اتفاق ہی تھا کہ قاسم اس طرح آ کودا..... حالات نے لڑکی کا ساتھ دیا اور وہ کسی کدوکاوش کے بغیر ہی کاغذات پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہوگئی۔

مگر اب اس کا کیا حشر ہوگا۔ یہ بدحواسی کاغذات تک تو نہیں پہنچا سکتی۔ کیا راستے ہی میں کہیں وہ سرخ رنگ کی اس اسپورٹ کار کو پکڑ سکے گا؟ اگر نہیں..... تو..... یہ بھاگ دوڑ اُسے کہاں لے جائے گی۔ گاڑی کا نمبر بھی اس نے نہیں دیکھا تھا۔ شہر میں اسی شناخت اور رنگت کی سینکڑوں گاڑیاں ہوں گی۔

کچھ بھی ہو! وہ خالی ہاتھ فریدی کا سامنا نہیں کر سکتا۔ کس منہ سے اسے اطلاع دیتا کہ ایک لڑکی اُسے بیوقوف بنا گئی تھی۔ یہ ناممکن ہے۔ اس نے سوچا۔ وہ بذات خود فریدی کو اس کی اطلاع نہ دے سکے گا۔

موٹر سائیکل فراٹے بھرتی رہی۔ سڑک سنسان پڑی تھی۔ کہیں کہیں اِکا دُکا پیدل چلنے والے دیہاتی نظر آ جاتے اور حمید رفتار کم کر کے ان سے سرخ رنگ کی کسی گاڑی کے متعلق پوچھتا۔ پھر یک بیک اسے ایک ایسا آدمی نظر آ گیا کہ موٹر سائیکل روک ہی دینی پڑی۔ یہ بھی دیہاتی ہی تھا جس کے کاندھے پر رکھے ہوئے لٹھ کے سرے پر حمید کو اپنا ہینڈ بیگ جھولتا دکھائی دیا۔

ہینڈ بیگ کے حوالے پر وہ بوکھلا گیا اور اس نے بتایا کہ وہ ایک تیز رفتار گاڑی سے اس کے منہ پر کھینچ مارا گیا تھا۔

حمید نے تیزی سے ہینڈ بیگ کا جائزہ لے ڈالا۔ سب کچھ موجود تھا سوائے ان کاغذات کے..... کاغذات نکال لئے گئے تھے۔

وہ پھر چل پڑا..... دیہاتی کے بیان کے مطابق وہ اب بھی اس کی دسترس سے باہر تھی۔ خیال تھا کہ شہر پہنچنے سے پہلے ہی وہ اُسے جالے گا۔

یک بیک اُسے قاسم پر بھی غصہ آنے لگا۔ آخر اس مردود نے اس طرح گاڑی روکی ہی کیوں تھی؟ لیکن وہ مردود بھی فی الحال پہنچ سے باہر ہی تھا۔ ورنہ وہ اس کی حجامت بنا کر رکھ دیتا۔

اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ اس نے ہیڈ لیمپ روشن کر دیا لیکن اسپورٹس کار کا دور دور تک نہیں تھا۔

وہ شہر میں بھی داخل ہو گیا اور پہلی ہی کراسنگ پر رک کر ٹریفک کانسٹیبل سے سرخ اسپورٹس کار کے متعلق پوچھنے لگا۔

''ہاں..... سارجنٹ صاحب اُس کا پیچھا کر رہے ہیں۔'' ٹریفک کانسٹیبل نے گھورتے ہوئے کہا۔ ''کیوں؟''

''کدھر گئی ہے۔''

ٹریفک کانسٹیبل نے بائیں جانب اشارہ کیا۔ مزید پوچھ گچھ کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ غالباً تیز رفتاری کی بناء پر کسی ٹریفک سارجنٹ نے اُسے چیک کر لیا ہو گا۔ روکنے کی کوشش ہو گی لیکن تعمیل نہ ہونے پر اس کا تعاقب کرنا پڑا ہو گا۔

حمید نے اپنی گاڑی بائیں جانب موڑ دی۔ ایک ہی فرلانگ کے بعد سڑک کے کنارے بھیڑ نظر آئی..... سرخ اسپورٹس کار کی جھلکیاں بھیڑ کے اندر سے بھی نظر آ رہی تھیں۔ حمید نے اطمینان کا سانس لیا اور موٹر سائیکل بھیڑ کے قریب ہی روکی۔ ٹریفک سارجنٹ اپنی کاپی پر کچھ لکھ رہا تھا اور ایک بھدی سی وضع کا بے ہنگم آدمی اُس کے قریب کھڑا زیرِ لب بڑبڑا رہا تھا۔

حمید موٹر سائیکل چھوڑ کر گاڑی کی طرف بڑھا۔ لیکن وہ لڑکی تو کہیں بھی نہ دکھائی دی۔

''لڑکی کہاں ہے۔'' حمید نے قریب پہنچ کر پوچھا۔

سارجنٹ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ شائد وہ اسے پہچانتا تھا۔

اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی لیکن پھر وہ سنجیدگی سے بولا۔ ''آپ

لڑکی کے متعلق پوچھ رہے ہیں جناب۔''

''جو گاڑی ڈرائیو کر رہی تھی۔''

''لڑکی.....'' اس نے حیرت سے کہا۔ ''جی نہیں۔ یہ گاڑی تو یہ حضرت ڈرائیو کر رہے تھے۔''

حمید نے قریب کھڑے ہوئے آدمی کو غور سے دیکھا۔ یہ ایک بدشکل یوریشین تھا۔

''یہ گاڑی ایک لڑکی ڈرائیو کر رہی تھی۔'' حمید نے آنکھیں نکال کر سخت لہجے میں کہا۔

یوریشین نے ٹھنڈی سانس لی اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''اب تو اس مصیبت میں پھنس ہی گیا ہوں۔ آپ مجھے لڑکی بھی سمجھ سکتے ہیں جناب۔''

''میں تمہاری کھال بھی کھینچ سکتا ہوں۔ سارجنٹ اسے روکے رکھو۔ میں گاڑی کی تلاشی لوں گا۔''

پچھلی سیٹ پر اُسے پرانے کاغذات میں لپٹی ہوئی کوئی چیز نظر آئی۔ اس نے اُسے اٹھا کر اخبار کی تہہ کھول ڈالی اور دوسرے ہی لمحے میں اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

یہ ایک فائیل تھا جس پر اس کے محکمے کی مہر تھی اور اوپر نیلی روشنائی سے ''ہنری گیل کیس'' تحریر تھا۔ فائیل کھولنے پر دوسرے کاغذات کے درمیان وہ لفافہ بھی مل گیا جو اس کے بیگ سے اڑایا گیا تھا۔ اس نے فائیل کو دوبارہ اخبار میں لپیٹ کر سیٹ ہی پر ڈال دیا اور سارجنٹ سے بولا۔

''یہ آدمی زیرِ حراست ہے۔''

''کیوں جناب؟'' یوریشین کا لہجہ غصیلا تھا۔

''اس کا جواب تمہیں حوالات ہی میں مل سکے گا۔'' حمید نے کہا۔ پھر سارجنٹ سے بولا۔ ''پرنسٹن کے سیکنڈ آفیسر کو دو کانسٹیبلوں سمیت یہاں بھیج دو۔ میرا نام لینا۔''

''میں چالان لکھ چکا ہوں جناب۔'' سارجنٹ بولا۔

''پرواہ مت کرو! وہ تمہارا کیس ہے۔ اس نے اپنا نام کیا لکھوایا ہے۔''

''ہنری گیل.....!''

حمید اچھل پڑا۔ تو یہ ہنری گیل تھا جس کے خلاف اس کا محکمہ ان دنوں گہری تفتیش کر
تھا۔ حمید کو اس کیس کے متعلق تفصیلات کا علم نہیں تھا۔ مگر اتنا تو جانتا ہی تھا کہ اس کے خلا
ابھی تک اس قسم کے ثبوت مہیا نہیں ہو سکے تھے جن کی بناء پر اُسے گرفتار کیا جا سکتا۔

بیس منٹ کے اندر ہی اندر ہنری گیل کو سرخ کار سمیت پرنسٹن اسٹریٹ کے تھانے
پہنچا دیا گیا۔

حمید نے تھانے ہی سے فریدی کو فون کیا اور دوسری طرف سے اُسے لیڈی انسپکٹر ر
کی آواز سنائی دی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ ہولڈ آن کرے۔ فریدی باہر جانے کے لئے لبا
تبدیل کر رہا ہے۔ ریکھا نے اس کی آواز پہچان لی تھی اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہی تھی
وہ کہاں اور کس حال میں ہے۔ حمید نے اُسے کچھ نہ بتایا۔ لیکن اندازہ کر لیا کہ فریدی حالا
سے آگاہ ہو چکا ہے۔ ویسے اس وقت کوٹھی میں ریکھا کی موجودگی اس کیلئے متحیر کن ضرور تھی۔

چند لمحوں کے بعد فریدی کی آواز آئی اور حمید نے چھوٹتے ہی کہا۔ ''میں نے ہنری گیل
حراست میں لے لیا ہے۔''

''کیا بکواس کر رہے ہو۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''جہاں کہیں بھی ہو فوراً واپس
آؤ۔ مجھے حالات کا علم ہو چکا ہے۔''

''اب دوسرے حالات ہیں۔'' حمید بولا۔ ''کیا آپ پرنسٹن کے تھانے تک آنا پسند
کریں گے۔ ہنری گیل کو ایسے مواد سمیت گرفتار کیا ہے کہ اُسے دنیا کی کوئی عدالت بری نہ
کر سکے گی۔ اوہ..... آپ فکر نہ کیجئے۔ شائد آپ کو قاسم سے اطلاع ملی ہو۔ مگر اس وقت وہ
کاغذات بھی میرے ہی قبضے میں ہیں جو میں نے تارجام میں حاصل کئے تھے۔''

''اچھا..... ٹھہرو..... میں آ رہا ہوں۔'' فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

حمید نے ریسیور کریڈل میں ڈال کر ایک طویل سانس لی۔

ہنری گیل حوالات کا سلاخوں دار دروازہ ہلا ہلا کر چیخ رہا تھا۔ ''مجھے کیوں بند کیا گ
ہے..... یہ دھاندلی نہیں چلے گی۔''

دھواں

پرنسٹن کا سیکنڈ آفیسر کئی بار دانت پیس کر اٹھا تھا لیکن حمید نے اسے روک دیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ فریدی کی آمد سے قبل ہنری گیل پر کسی قسم کی سختی کی جائے۔ ویسے اس کا غل غپاڑہ اسے بھی بے حد گراں گذر رہا تھا۔

پھر فریدی کی آمد پر گیل نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ فریدی نے گیل سے گفتگو کرنے سے پہلے سارے حالات سنے تھے اور اب وہ سلاخوں کے قریب کھڑا اُسے گھور رہا تھا۔ گیل کبھی اس کی طرف دیکھتا اور کبھی نظریں چرانے لگتا۔

بالآخر اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''مجھے حراست میں لینے کی وجہ بتائی جائے۔''

''تمہاری گاڑی سے ایک ایسا فائیل برآمد ہوا ہے جو میرے محکمے کے ایک دفتر سے چرایا گیا تھا۔'' فریدی نے آہستہ سے جواب دیا۔

''تو اب یہ چال چلی گئی ہے مجھے پھانسنے کے لئے۔'' گیل غرایا۔

لیکن فریدی نے اس کے لہجے کی پرواہ کئے بغیر اپنی آواز میں نرمی برقرار رکھی۔ اس نے کہا۔ ''کیپٹن حمید نے آج تارجام میں ایک آفیسر سے کچھ ایسے کاغذات حاصل کئے تھے جن کے ذریعہ تمہارے خلاف کافی ثبوت ملنے کے امکانات تھے لیکن ایک لڑکی نے اسے دھوکا دے کر وہ کاغذات اسکے بیگ سے نکال لئے اور وہ کاغذات بھی تمہاری ہی گاڑی سے برآمد ہوئے ہیں۔''

''لڑکی .....!'' گیل آہستہ سے بڑبڑایا۔ اب اس کی آنکھوں میں غصے کی لہروں کی بجائے استعجاب کی جھلکیاں نظر آ رہی تھیں۔

فریدی پھر بولا۔ ''وہ لڑکی اسی گاڑی میں تھی اور اس نے تارجام سے کیپٹن حمید کا تعاقب شروع کیا تھا وہ اسی رنگ کے اسکرٹ میں تھی جس رنگ کی کار ہے۔''

''اوہ.....!'' گیل کی آنکھیں پھیل گئیں اور وہ پلکیں جھپکائے بغیر فریدی کی طرف دیکھتا رہا۔

''تمہیں علم ہے کہ ہم تمہاری سماج دشمن سرگرمیوں کے متعلق تفتیش کر رہے تھے۔ یہ فائیل

بھی اس سے متعلق ہے.....اور یہ بھی چرایا گیا تھا۔"

"مم..... میں اب ڈوب گیا کرنل۔" گیل اس طرح بیٹھتا ہوا بولا جیسے یک بیک سر چکرا گیا ہو۔

"تم غلط نہیں کہہ رہے۔" فریدی مسکرایا۔ "اب ہم تمہاری گرفتاری کے لئے معقول جواز رکھتے ہیں، جن سرگرمیوں کے الزام میں ہم تمہیں گرفتار کرنا چاہتے ہیں ان کے متعلق ابھی تک واضح ثبوت نہیں فراہم کر سکے تھے اب یہ مسئلہ بھی آسان ہو جائے گا۔"

"کاش میں اس سؤر کے بچے سے واقف ہوتا۔" گیل دانت پیس کر بڑبڑایا۔ پھر سنبھل کر بولا۔ "میری کہانی پر یقین نہیں کیا جائے گا۔ میں جانتا ہوں۔ یہ بھی جانتا ہوں کہ اب رہائی ناممکن ہے۔ پھر بھی میں صفائی پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ بُری طرح پھنس گیا ہوں..... خدا..... شائد میرے فرشتے بھی نہ سوچ سکتے کہ زینی اسی سؤر کے بچے کی ایجنٹ ہوگی۔"

"آہا.....تو کوئی کہانی بھی ہے۔" فریدی مسکرایا۔

اتنے میں حمید نے آگے بڑھ کر کہا۔ "مجھے اجازت دیجئے..... مجھے اپنے ذہن کی اُوور ہالنگ کرنی ہے۔ آج کا دن بھی یادگار ہی تھا۔"

"تم جا سکتے ہو۔" فریدی نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ پھر گیل سے بولا۔ "اس کی پرواہ نہ کرو کہ مجھے تمہاری کہانی پر یقین آئے گا یا نہیں۔ شروع ہو جاؤ میں سب کچھ سننے پر تیار ہوں۔"

گیل نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔ اب وہ للچائی ہوئی نظروں سے فریدی کے سگار کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بالآخر اس نے کہا۔ "کیا مجھے ایک سگریٹ مل سکے گی۔"

"اصول کے خلاف ہے۔ سلاخوں کے باہر ضرور مل سکتی۔"

"خیر..... میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہنا چاہتا کہ مجھے پھانسا گیا ہے۔ یا تو تم ہی لوگوں نے پھانسا ہے یا پھر اس سؤر کے بچے نے۔"

"سؤر کا بچہ..... صرف سؤر کا نہیں کہلاتا۔" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔ "پالنے والے اکثر کوئی نام بھی رکھتے ہیں۔"

"میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہے.....!"

"بڑی پرانی کہانی ہے گیل۔" فریدی نے طویل سانس لی۔ "کان پک گئے ہیں سنتے سنتے۔ ابھی کچھ ہی دن ہوئے سر سجاد نے بھی ایسی ہی ایک کہانی سنائی تھی لیکن کیا تم یقین کرو گے کہ اس کے لئے پھانسی کا پھندا تیار کا جا چکا ہے۔"

گیل کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر کچھ دیر بعد بولا۔ "مجھے علم ہے۔ اُس نے آپ کو دھوکا دینے کی کوشش کی تھی۔ اگر ایسا ہی ہوا تو مجھے پھانسی کا پھندا قبول کرتے وقت قطعی افسوس نہ ہوگا..... ہاں ٹھیک ہے میری کہانی سر سجاد کی کہانی سے مختلف نہیں ہے۔"

"میرے پاس وقت کم ہے۔" فریدی نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"وہ ایک بلیک میلر ہے۔"

فریدی نے پھر طویل سانس لی۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ گیل کہتا رہا۔ "وہ ایسے لوگوں کو بلیک میل کرنے کی کوشش کرتا ہے جن کے خلاف پولیس کوئی ثبوت نہیں فراہم کر سکتی۔ تاک میں رہتا ہے کہ کب کسی کے خلاف پولیس تفتیش شروع کرے اور وہ اُسے بلیک میل کرنا شروع کر دے، اسکے پیغامات فون ہی پر ملتے ہیں۔ مجھ سے بھی اس نے کہا تھا کہ پولیس ابھی تک میرے خلاف ثبوت نہیں مہیا کر سکی، لیکن وہ مجھے گرفتار کرا سکتا ہے۔ ایسے ثبوت مہیا کر سکتا ہے کہ پولیس فوراً ہی ہتھکڑیاں لگا دے۔ اس نے مجھ سے پچاس ہزار کا مطالبہ کیا تھا..... میں نے دھتکار دیا۔"

"تم ایسے ہی چالاک ہو۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔

"یقیناً.....!" گیل مسکرایا۔ "میرا دعویٰ ہے کہ جن الزامات کے تحت میرے خلاف تفتیش کی جا رہی ہے وہ قطعی غلط ہیں۔"

"ہاں..... آں۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "فی الحال انہیں تو الگ ہی رکھو۔"

"رکھنا ہی پڑے گا۔ کیونکہ میری کار سے ایسے کاغذات برآمد ہوئے ہیں جو آپ کے محکمے سے چرائے گئے تھے اور کاغذات بھی کیسے..... جن کا تعلق خود میرے ہی کیس سے تھا۔ میں نے اُسے دھتکار دیا تھا۔ اس لئے سلاخوں کے پیچھے نظر آ رہا ہوں۔ اب اس کا بزنس خوب چمکے

گا۔ دوسرے ڈریں گے، اور چپ چاپ بلیک میل ہوتے رہیں گے۔"

"کار تمہاری ہی ہے۔"

"جی ہاں! زینی نے مجھے فریب دیا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ اپنے ایک دوست کو بیوقوف بنانا چاہتی ہے۔ لہٰذا میں نیاگرا والی سڑک پر اُس کا انتظار کروں..... میرے پاس دو گاڑیاں ہیں۔ ایک یہ اسپورٹس کار اور ایک بڑی گاڑی۔ اسپورٹس کار وہ لے گئی تھی..... اسکیم یہ تھی کہ وہ اپنے ایک دوست کا تعاقب کرتی ہوئی اُس جگہ تک آئے گی، جہاں مجھے اس کا انتظار کرنا تھا۔ اس کا دوست موٹر سائیکل پر ہوگا اپنی اسپورٹس کار اُس کے پیچھے دیکھ کر میں سمجھ جاؤں گا کہ اسی آدمی کو روکنا ہے۔ اُس نے یہ بھی کہا تھا کہ خواہ کتنی ہی دیر کیوں نہ ہو جائے میں اس کا انتظار کرتا رہوں۔ مگر یہ نہیں بتایا کہ اس کا مقصد کیا ہے۔ میں اس کے دوست کو کیوں روکوں اور وہ صرف تعاقب ہی پر کیوں اکتفا کرے گی اور وہاں کیوں رکوانا چاہتی ہے۔ بہرحال وہ تقریباً پانچ گھنٹے کے بعد وہاں پہنچی تھی۔ میں سڑک کے کنارے اپنی دوسری گاڑی میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ تنہا تھی اور کچھ پریشان سی نظر آ رہی تھی۔ موٹر سائیکل پر کوئی ایسا آدمی نہیں تھا جسے مجھے روکنا پڑتا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں جلدی سے اسپورٹ کار میں بیٹھ کر شہر کی طرف روانہ ہو جاؤں۔ اس سے ایک ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے..... وہ میری دوسری کار میں پھر تارجام ہی کی طرف واپس جائے گی تاکہ تحویشن کا اندازہ کر سکے۔ اس کی ہیجانی کیفیت دیکھ کر میں بھی نروس ہو گیا تھا۔ میں نے بڑی گاڑی چھوڑ دی اور اسپورٹس کار میں بیٹھ کر شہر کی طرف چل پڑا۔ میں آپ سے کیا بتاؤں..... یہ کتنا بڑا گدھا پن تھا۔ میرے اس فعل میں قوت فیصلہ کو دخل نہیں تھا۔ بس اسے اضطراری حرکت ہی کہوں گا۔ راستے میں مجھے خطرے کا احساس ہوا لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ وہ تارجام کی طرف واپس جا چکی تھی۔ میں نے سوچا کہ بس مارا مار گھر پہنچ جاؤں۔ پتہ نہیں وہ کیا کر کے آئی ہو۔ تیز رفتاری کی بناء پر ایک چوراہے پر مجھے رکنے کا سگنل بھی ملا تھا لیکن میں اتنا نروس ہو چکا تھا کہ اس کی طرف دھیان تو دیا لیکن گاڑی نہ روک سکا۔ بالآخر سارجنٹ نے تعاقب کر کے مجھے روکا۔ اور..... اور یہ مصیبت نازل ہو گئی۔"

فریدی چند لمحے خاموشی سے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ "وہ کس قسم کے لباس میں تھی۔"

"زرد رنگ کی ساری میں۔ کبھی میں نے اس سے کہا تھا کہ وہ زرد رنگ میں بہت اچھی لگتی ہے۔ لہٰذا وہ ہمیشہ زرد ہی ساری میں مجھ سے ملتی ہے۔"

"نہیں..... واپسی پر وہ کس لباس میں تھی۔"

"اُسی ساری میں جناب۔"

"لیکن کیپٹن حمید نے اُسے سرخ اسکرٹ میں دیکھا تھا۔"

"اب تو فراڈ ہی ٹھہرا..... سب کچھ ممکن ہے۔" گیل نے ٹھنڈی سانس لی۔

"تم بہت چالاک آدمی ہو! کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ اس طرح بیوقوف بن گئے ہو۔"

"میری شکل دیکھئے۔ آج تک کسی بدصورت لڑکی نے بھی میری پرواہ نہیں کی۔ وہ مجھ سے مانوس ہو گئی تھی۔ بچوں کی سی حرکتیں کرتی تھی اور مجھے ذہن پر زور دیئے بغیر سب کچھ برداشت کرنا پڑتا تھا۔ اس کی ناز برداری کرنی پڑتی تھی۔ سنا ہے کہ ارسطو جیسے فلسفی کو بھی ایک بار ایک خوبصورت لڑکی نے گھوڑا بنا دیا تھا۔"

"وہ تم سے کب ملی تھی۔"

"چھ ماہ پہلے کی بات ہے۔"

"بلیک میلر کا پہلا پیغام کب ملا تھا۔"

"شائد پندرہ دن گذرے۔"

"بہرحال..... تم دونوں کے تعلقات قریبی تھے۔"

"ایسا نہ ہوتا تو وہ مجھے اُلو کیسے بنا سکتی۔"

"تمہارے ساتھ ہی رہتی تھی۔"

"جی نہیں..... شاپور بلڈنگ کے آٹھویں فلیٹ میں۔ یہ عمارت روکسی اسکوائر میں ہے۔"

فریدی نے پتہ نوٹ کیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "اب تم اپنا یہی بیان لکھوا دو۔"

"میں تیار ہوں۔"

فریدی نے انچارج کو اشارہ کیا اور اپنی موجودگی ہی میں بیان لکھوا کر اُس پر گیل کے دستخط لیے۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ شاپور بلڈنگ کے قریب نظر آیا۔



حمید گھر پہنچتے ہی بستر پر ڈھیر ہوگیا اور سوچ رہا تھا کہ ان الجھنوں سے چھٹکارا پانے کے بعد بڑی شاندار نیند آنی چاہیے۔ اُسے اس کی فکر بھی نہیں تھی کہ ہنری گیل نے کس قسم کا بیان دیا ہوگا کیونکہ وہ تو یہی چیختا رہا تھا کہ اُسے زبردستی پھانسا گیا ہے۔

''جہنم میں جائے۔'' اس نے بڑبڑاتے ہوئے کروٹ بدلی اور ہاتھ بڑھا کر تپائی سے پائپ اٹھایا۔ پھر تمباکو کا ڈبہ بھی اٹھانے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور وہ جھنجھلا کر اٹھ بیٹھا۔

ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں دہاڑا۔ ''ہیلو.....!''

''اوہ.....تو گھر ہی پر ہو۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''لیکن بے خبر سو رہا ہوں۔'' حمید دانت پیس کر بولا۔

''رو کسی اسکوائر میں شاپور بلڈنگ ہے۔ اس کے آٹھویں فلیٹ میں فوراً پہنچو۔''

''پہنچ گیا۔'' اس نے جھلا کر ریسیور پٹخ دیا۔

کال فریدی کی تھی اس لئے اٹھنا ہی پڑا۔ دوسری طرف وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ فریدی پرنسٹن کے تھانے سے یک بیک رو کسی اسکوائر کیسے جا پہنچا۔

تقریباً بیس منٹ بعد وہ بھی رو کسی اسکوائر کی اسی سڑک پر نظر آیا جس پر شاپور بلڈنگ واقع تھی۔

آٹھویں فلیٹ میں داخل ہوتے وقت اس نے دستک دے کر کسی سے اجازت طلب

کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی اندر موجود ہوگا ورنہ فلیٹ ہی میں پہنچنے کے لئے کیوں کہتا۔

فریدی کے علاوہ اُسے وہاں اور کوئی بھی نہ دکھائی دیا۔ وہ ایک سوٹ کیس کھولے ہوئے کپڑوں کی تہیں الٹ رہا تھا۔

''دروازہ بند کر کے بولٹ کر دو۔'' اس نے سر اٹھائے بغیر کہا۔

حمید دروازہ بند کر کے مڑا۔ فریدی سوٹ کیس کو فرش ہی پر چھوڑ کر اٹھ گیا تھا۔

''میرے ساتھ آؤ۔'' اس نے کہا۔

وہ دوسرے کمرے میں پہنچے اور حمید بیساختہ اچھل پڑا.....وہ سنگھار میز پر رکھی ہوئی ایک تصویر کو گھور رہا تھا۔

''ٹھیک ہے۔'' فریدی مسکرایا۔ ''میں نے تمہیں اسی لئے بلایا ہے۔ غالباً یہ اسی لڑکی کی تصویر ہے.....کیوں؟''

''سو فیصدی وہی ہے۔'' حمید نے پلکیں جھپکائیں اور ایک ٹھنڈی سانس لی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ایسی دلکش لڑکیاں شاذ و نادر ہی اس کی نظروں سے گذری تھیں۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کی آنکھیں سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد اس نے پوچھا۔ ''کیا واپسی کے سفر میں جب تم بیگ کے لئے دوڑ لگا رہے تھے سیاہ رنگ کی کوئی لمبی سی گاڑی بھی ملی تھی۔''

''ہاں شائد۔''

''اور کوئی عورت ہی اُسے ڈرائیو کر رہی تھی۔''

''ہاں تھی تو۔'' حمید نے تحیر آمیز لہجے میں کہا۔ ''آپ کو کیسے معلوم ہوا۔''

''کیا وہ.....وہی لڑکی تھی جس نے تمہارا بیگ اڑایا تھا۔''

''ناممکن..... ہرگز نہیں.....وہ تو اسی اسپورٹس کار میں تھی۔''

''تو تم اسے نہیں پہچان سکے تھے۔''

''ناممکن! بوکھلاہٹ کے عالم میں بھی عورتیں مجھے صاف نظر آتی ہیں۔ شائد میں آپ
اس کا پورا حلیہ بتا سکوں۔ آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک تھی، زرد ساری اور سرخ بلاؤز۔''

''گڈ.....!'' فریدی مسکرایا۔ ''اگر اسکرٹ پر ساری لپیٹ لیجائے تو بلاؤز ہی معلوم ہوگا۔''

''مگر یہ کیسے ممکن ہے، گاڑی دوسری تھی۔ اب کیا میں سرخ و سیاہ میں تمیز نہیں کر سکتا۔''

''اس حد تک تو تم کافی باتمیز ہو لیکن وہ تھی وہی لڑکی۔''

فریدی نے مختصراً گیل کا بیان دہرایا۔

حمید نے فوراً ہی کچھ نہیں کہا۔ لیکن وہ بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔ اس کے لئے گیل کی کہا
میں کہیں نہ کہیں کوئی ایسی کمزوری ضرور موجود تھی، جو اس کے جھوٹے ہونے کی دلیل بن سکے
بالآخر اس نے پوچھا۔ ''آپ کو یقین آ گیا ہے اس کہانی پر؟''

''فی الحال یہ سوال ہی فضول ہے۔''

''لڑکی کے لباس کی تبدیلی کا کیا جواز ہو سکتا ہے۔ میرے سامنے وہ سرخ رنگ کے
اسکرٹ میں آئی تھی اور گیل نے دونوں ملاقاتوں پر اسے زرد ساری میں دیکھا تھا۔''

''یہ سوال بھی غیر اہم ہے۔ اس قسم کے سوالات اس وقت کئے جا سکتے ہیں جب ہم اس
کہانی پر یقین کر لیں۔''

''پھر آپ نے سیاہ رنگ کی کار اور کسی لڑکی کا تذکرہ کیوں چھیڑا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی
اسی کے بیان کا ایک حصہ تھا۔''

''لڑکی کے وجود پر شبہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ تمہارا ہینڈ بیگ لے بھاگی تھی۔ البتہ
میں اس کے رول کے متعلق غلط بیانی سے کام ضرور لیا جا سکتا ہے۔''

''پھر آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔''

''خود کو یہ باور کرانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ اگر اب وہ لڑکی کہیں نظر آ جائے تو تمہارے
فرشتے بھی اُسے نہ پہچان سکیں گے۔''

''یہاں اس تصویر کی موجودگی یہی ثابت کرتی ہے۔ گیل کو تمہارے حوالے کرنے

بعد وہ سیدھی یہیں آئی تھی۔ کیونکہ گیل کی بڑی گاڑی باہر موجود ہے۔ اگر اُسے آئندہ اپنے
پہچان لئے جانے کی ذرہ برابر بھی پرواہ ہوتی تو وہ اس تصویر کو یہاں نہ چھوڑ جاتی۔''

''آہا تو کیا وہ میک اپ میں تھی۔''

''میں اسی امکانات پر غور کر رہا تھا۔ یہاں مجھے پلاسٹک میک اپ کا کچھ سامان بھی ملا
ہے۔ لیکن ابھی تک کوئی ایسی چیز نہیں ملی جس سے اس کی اصلیت پر روشنی پڑ سکتی۔ پڑوسی بھی
اُسے زینی ہی کے نام سے جانتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ وہ صرف چھ ماہ پہلے اس فلیٹ میں
آئی تھی، یہی مدت گیل اس سے اپنی دوستی کی بھی بتاتا ہے اور یہ صندوق..... یہ تو رہ ہی گیا۔''

فریدی میلے کپڑوں کے ڈھیر کی طرف بڑھا جس سے کسی صندوق کا ایک گوشہ جھانک رہا
تھا۔ ٹھوکر سے کپڑے ہٹائے۔ صندوق مقفل تھا۔ اس نے جیب سے ایک باریک سا اوزار نکالا
اور اسے قفل کے سوراخ میں ڈال کر خفیف سی جنبش دی۔ کھٹا کا ہوا۔ لیکن یہ قفل کھلنے کی آواز تو
ہرگز نہیں ہو سکتی تھی۔ یک بیک حمید نے صندوق کے رخنوں سے دھواں پھوٹتے دیکھا۔ فریدی
اچھل کر پیچھے ہٹ چکا تھا۔ دفعتاً اس نے نتھنے سکوڑے اور تیزی سے اٹھتا ہوا بولا۔

''نکلو..... یہاں سے..... گیس.....!''

تھیلے کی کہانی

وہ باہر نکل کر طویل برآمدے میں کھڑے ہو گئے۔ برآمدہ سنسان پڑا تھا۔ حمید نے
مضطربانہ انداز میں فریدی سے کہا۔ ''کہیں ہم نے غلطی تو نہیں کی۔''

''اس کا قوی امکان ہے۔'' فریدی بڑبڑایا۔ پھر دروازے میں دوبارہ قدم رکھتے ہوئے
نتھنے سکوڑے اور آگے بڑھتا چلا گیا۔

پھر دوسرے کمرے میں بھی اُس نے کسی قسم کی بو نہیں محسوس کی۔ صندوق سے دھواں نکلتے

وقت گیس کی بو سے اس کا دماغ بھی چکرا گیا تھا۔

دونوں پھر اسی کمرے میں آ پہنچے جہاں وہ صندوق تھا۔ اب یہاں بھی گیس کی بو محسوس کی جا سکی۔ صندوق آنچ کی شدت سے تپ کر سرخ ہو گیا تھا۔ اگر کپڑوں کا ڈھیر فریدی الگ نہ ہٹا دیا ہوتا تو اس میں یقینی طور پر آگ لگ گئی ہوتی۔ وہ دم بخود کھڑے صندوق گھورتے رہے۔

''اچھی بات ہے دوست۔'' فریدی طویل سانس لیکر بڑبڑایا۔ ''وہی ہوگا جو تم چاہتے ہو۔'' کے بیان کی تصدیق ہو گئی۔

''میں.....!'' حمید چونک پڑا۔ ''میں تو آج کل ایک بستر اور ایک پلنگ کے علاوہ اور بھی نہیں چاہتا۔ مگر یہ صندوق.....!''

''یہاں کے تمام صندوقوں میں صرف یہی ایک ہمارے لئے بہت اہم ہو سکتا تھا۔''

''مگر یہ ہوا کیا۔''

''ہمارے لئے بہتر ہی ہوا ہے۔'' فریدی بولا۔ ''ورنہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ صندوق ایکدھماکے کے ساتھ پھٹتا اور ہمارے چیتھڑے اڑ جاتے۔''

''کیا قفل نہیں کھل سکا تھا۔''

''اس دھوئیں کا انحصار قفل کے کھلنے ہی پر تھا۔ صندوق میں کوئی ایسی چیز تھی جسے خطرے کے وقت یہاں سے ہٹا نہ سکنے کی صورت میں تلف کر دینا ہی بہتر ہوتا۔ گیس کی معمولی سی مقدار اس لئے رکھی گئی تھی کہ قفل کھولنے والا بوکھلا کر صندوق کے پاس سے ہٹ جائے یا ڈھکن اٹھانے کی ہمت نہ کر سکے۔ پھر دوبارہ اُسے سنبھلنے میں جو وقت صرف ہوتا اتنی ہی مدت میں صندوق تپ اٹھے اور وہ ساری اشیاء راکھ کا ڈھیر ہو جائیں جنہیں تلف کر دینا ہی بہتر تھا۔''

''مگر یہ ٹھنڈا کیسے ہوگا.....!'' حمید بڑبڑایا۔

''بیٹری ایکزہاسٹ ہونے سے پہلے ناممکن ہے۔''

''بیٹری.....!'' حمید نے حیرت سے کہا۔

''آہا تو پھر کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ جادو کی آگ تھی! صندوق میں تین چیزیں یقینی طور

ں گی۔ ایک بیٹری..... ایک ہیٹر..... اور ایک گیس سلنڈر۔ قفل کا کھٹکا ہی بیٹری کے سوئچ کا کام بھی کرتا ہوگا۔ بیٹری آن ہوئی۔ ہیٹر نے کام شروع کر دیا۔ گیس سلنڈر کا منہ کھل گیا..... ہو سکتا ہے کہ صندوق میں کوئی دوسرا قفل ہو جس کے استعمال سے بیٹری پر اثر نہ پڑتا ہو۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ تقریباً پندرہ منٹ تک انہیں صندوق کے ٹھنڈے ہونے کا انتظار کرنا پڑا۔ پھر فریدی نے اُسے چھو کر دیکھا۔ وہ اب بھی گرم تھا..... بہرحال ڈھکن اٹھتے ہی اس

''یہ دیکھو.....!'' فریدی بولا۔ ''یہ تین فائر پروف خانے۔ ایک میں بیٹری ہے دوسرے میں ہیٹر اور تیسرے میں گیس سلنڈر..... اور یہ راکھ کا ڈھیر۔ مگر یہ کاغذات تو ہرگز نہیں ہو سکتے ورنہ راکھ تہوں کی شکل میں ملتی۔''

حمید اب بھی کچھ نہ بولا۔ وہ بھی یہی سوچ رہا تھا کہ ان کے ساتھ اتنی شرافت کا برتاؤ کیوں کیا گیا۔ اگر کسی چیز کو تلف ہی کرنا تھا تو صندوق کو ہاتھ لگانے والے کے پرخچے اڑ سکتے تھے۔ اس بیٹری کا تعلق کسی بم یا ڈائنامیٹ سے ہوتا۔

''کیا سوچ رہے ہو۔'' فریدی نے پوچھا۔

''یہی کہ اس صندوق میں بم بھی ہو سکتا تھا۔''

''ہاں قطعی ہو سکتا تھا مگر مجرم..... ان واقعات کی پبلسٹی چاہتا ہے۔''

''اوہ تو آپ گیل کے بیان ہی کی روشنی میں سوچ رہے ہیں۔''

''سوچنا ہی پڑے گا۔''

''اگر گیل خود ہی ان حرکات کا ذمہ دار ہو تو.....!''

''تب بھی اس سارے سٹ اپ کا مقصد پبلسٹی ہی ہو سکتا ہے۔ میں مجرم کی یہ خواہش ضرور پوری کروں گا۔ گیل کا بیان اور یہاں کے واقعات من وعن اخبارات میں شائع ہوں گے۔''

''اور گیل کا کیا ہوگا۔''

''وہ حراست ہی میں رہے گا۔ ضمانت نہ ہونے دونگا۔ ریمانڈ کی توسیع کراتا رہوں گا۔''

''تو اس کا یہی مطلب ہوسکتا ہے کہ آپ کو اس کے بیان پر یقین آ گیا ہے اور آ
دوسرے آدمی کے امکانات پر غور کر رہے ہیں۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ کچھ دیر بعد وہ اس کمرے میں آئے جس میں فون تھا۔ فریدی
اپنے محکمے کے ڈنگر پرنٹ سیکشن کے نمبر ڈائیل کئے۔ وہ انچارج سے گفتگو کر رہا تھا۔

حمید اس لڑکی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اگر گیل کا بیان صحیح تسلیم کرلیا جائے تو اس
مطلب ہوگا کہ وہ اس کا اور حمید کا ٹکراؤ کرانا چاہتی تھی۔ وہ اُسے روکتا اور زینی اپنی گاڑی
اتر کر ہینڈ بیگ جھپٹ لے جاتی۔ گیل محکمہ سراغ رسانی سے نپٹنے کے لئے وہیں رہ جاتا
طرح بھی وہ مقصد تو حاصل ہی ہوجاتا جس کے لئے یہ سب کچھ کیا گیا تھا، یعنی گیل ا
میں دھرلیا جاتا کہ اس نے محکمہ سراغ رسانی کے ایک آفیسر سے ایسے کاغذات چھینے
تعلق خود اسی کے کیس سے تھا..... بہرحال لڑکی غیر متوقع طور پر اس سے پہلے ہی کامیاب
تھی۔ اس لئے اس نے اسکیم بدل دی اور گیل دوسری طرح پکڑا گیا..... مگر..... اوہ.....
سے زیادہ اہم سوال تو اب بھی غور طلب ہے۔

اس نے فریدی کی طرف دیکھا، جو ریسیور رکھ کر سگار سلگا رہا تھا۔

''آخر..... وہ کون ہوسکتا ہے۔''

''کون.....!'' فریدی چونک پڑا۔

''جس کے ذریعہ کسی کو میری آج کی مصروفیات کی اطلاع ملی تھی۔''

''اب تم نے ایک ڈھنگ کا سوال اٹھایا ہے؟'' فریدی مسکرایا۔ ''میں نے کل شام
ہی میں تمہیں اس کے متعلق ہدایات دی تھیں۔ ہنری گیل کیس کا فائیل ریکھا کے پاس
وہ بھی آفس ہی سے غائب ہوا تھا اور یہ چوری بھی کل ہی دس بجے سے چار بجے تک کی
ہوئی تھی۔''

''اس سلسلے میں آپ کس پر شبہ کر رہے ہیں۔''

''فی الحال کسی پر بھی نہیں۔''

''مجھ پر شبہ کیجئے اور پھانسی دلوا دیجئے۔ ابھی تک کھانا بھی نصیب نہیں ہوا۔'' حمید بڑبڑایا
اس وقت بہت زیادہ تھکن محسوس کر رہا تھا۔ ذوق تجسس اپنی جگہ پر..... اس کا تعلق خالی
معدے اور تنداسی آنکھوں سے نہیں ہوتا۔

''دس منٹ میں وہ آگ یہاں پہنچ جائیں گے۔'' فریدی نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے
کہا۔ ''بسواس اس وقت ڈیوٹی پر ہے۔ وہ اپنی نگرانی میں یہاں کام کرائے گا اور ہم کسی ایسی جگہ
کھانا کھائیں گے جہاں تمہاری بدذوقی کی بھی تسکین ہوسکے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ اتنی سنسنی خیزیوں سے دوچار ہونے کے باوجود بھی اسکا ذہن اونگھ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد انسپکٹر بسواس اپنے سیکشن کے عملے کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ فریدی نے اُسے
نشانات کی تلاش کے سلسلے میں چند ضروری ہدایات دیں اور وہ صندوق بھی اسی کی تحویل میں
دے کر صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

لنکن ایک بار پھر شہر کی سڑکوں پر دوڑ رہی تھی اور حمید پائپ کے ہلکے ہلکے کش لے رہا
تھا۔ بس یونہی مشغل کے طور پر..... ورنہ دھواں حلق سے نیچے اتارنے کی ہمت کس میں تھی۔

کچھ دیر بعد لنکن ریالٹو کلب کے سامنے رکی اور حمید کو ایسا ہی محسوس ہوا جیسے ایک لمبا کش
براہ راست خالی معدے میں اترتا چلا گیا ہو۔

ریالٹو اور کرنل ہارڈ اسٹون..... حمید کو وہم بھی ہوسکتا تھا کہ وہ کسی ایسی تفریح گاہ میں کھانا
کھائے جہاں تقریباً درجن نیم برہنہ تتلیاں میزوں کے درمیان تھرکتی پھرتی ہوں۔

اس نے اس طرح آنکھیں پھاڑ کر فریدی کی طرف دیکھا جیسے اس کے سر پر سینگ نکل
آئے ہوں۔

ہال کے اسٹیج پر تین لڑکیاں ساؤتھ امریکن ''چاچا'' پیش کر رہی تھیں اور حمید غیر شعوری طور
پر بیٹھے بیٹھے تھرک رہا تھا۔

ابھی انہوں نے کھانا ختم نہیں کیا تھا۔

''کیوں.....!'' دفعتاً فریدی نے سر اٹھا کر کہا۔ ''بدذوقی کی تسکین ہوئی یا نہیں۔''

''بدذوقی.....خدا آپ کو جمالیاتی حس عطا کرے۔ ہائے یہ بجلیاں.....!''

''جو عموماً بھس بھری ہوئی کھوپڑیوں ہی پر گرتی ہیں۔ بیٹے خاں تمہاری یہ روحانی تو ذہنی بے راہروی کا نتیجہ ہے۔ آدمی بنو.....عورت جمالیاتی حس کی تسکین کا باعث نہیں بن

''تب تو آپ کو خدا ہمدرد دواخانہ بھی عطا کرے۔''

''سنجیدگی اختیار کرو۔ یہ جو تم پوربیت کے دورے پڑتے ہیں اسی رجحان کا نتیج

''ختم کیجئے.....!'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''کیا آپ میری بدذوقی کی تسکین ہی یہاں آئے ہیں۔''

''نہیں.....مجھے اپنے ذوق کی تسکین بھی کرنی تھی۔''

''ساؤتھ امریکن چاچا پسند آیا۔''

''وہ تمہارے لئے تھا۔ مجھے تو ایک اینگلو برمیز دادا کی تلاش ہے۔''

''کیا مطلب.....اوہو.....میرا خیال ہے کہ ریالٹو کا منیجر بھی اینگلو برمیز ہی ہے مگر تو نہیں ہے کہ آپ دادا کہہ سکیں۔''

''ایسے شریفوں میں شمار ہے اُس کا جو اوپر سے خوبانی اور اندر سے اخروٹ ہوتے

''ارے ذرا.....یہ دیکھئے کتنا اچھا ناچ رہی ہے۔''

''دیکھے جاؤ.....!'' فریدی نے لاپروائی سے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

کھانا ختم کر کے وہ اٹھے۔ فریدی منیجر کے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ حمید سلگانے کے لئے رک گیا۔ لیکن پھر دونوں ساتھ ہی کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ فریدی دروازے پر ہلکی سی دستک دی تھی اور اندر سے کسی نے گونجیلی آواز میں کہا تھا۔ ''کم اِن''

ڈیکن ایک بھاری بھرکم اینگلو برمیز تھا۔ آواز میں کرختگی تھی، لیکن آنکھیں بچول تھیں اور غالباً یہی وجہ تھی کہ اس کے چہرے پر ہمیشہ معصومیت ہی نظر آتی تھی۔ وہ فریدی

کر بُری طرح چونکا تھا۔ لیکن پھر ایسا بن گیا تھا جیسے اسے پہچانتا ہی نہ ہو۔ حمید نے اس کی حالت میں دونوں قسم کے فوری تغیرات با آسانی مارک کئے تھے۔ ڈیکن نے یونہی رسمی سے انداز میں ان کا خیر مقدم کیا۔

''فرمایئے جناب! میں کیا خدمت کر سکتا ہوں.....اُوہ تشریف رکھئے۔'' اس نے کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔

''خدمات کی پیشکش تو میری طرف سے ہونے والی ہے۔'' فریدی مسکرایا۔

''اوہ.....اچھا.....!'' ڈیکن بیٹھتا ہوا تھکی تھکی سی آواز میں بولا۔ ''مجھے افسوس ہے کہ سپلائی کے سارے آئیٹم مختلف ٹھیکیداروں کو تقسیم کئے جا چکے ہیں۔ آپ نے دیر کر دی.....ویسے مچھلیوں کے آئیٹم میں شائد کچھ گنجائش نکل سکے۔''

حمید کو تاؤ آ گیا اس نے کہا۔ ''ہم گنجی کھوپڑیوں اور انڈوں کی کاشت کرتے ہیں۔''

ڈیکن کا ہاتھ غیر ارادی طور پر شفاف کھوپڑی پر رینگتا ہوا پھر گود میں آ گرا اور اس کے چہرے کی رنگت بدل گئی لیکن قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتا فریدی بول پڑا۔

''میں تم سے یہ قطعی نہیں پوچھوں گا کہ بلیک میلنگ کی وجہ کیا ہے؟''

''جی.....کیا مطلب.....ڈیکن نے آنکھیں نکالیں، میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ لوگ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔''

''چلو میں اس پر بھی یقین کرنے کو تیار ہوں کہ تم ہمیں نہیں پہچانتے۔''

''میں بہت مصروف آدمی ہوں اور گاہکوں کے مذاق سے لطف اندوز ہونا میرے فرائض میں داخل نہیں ہے۔'' اس نے خشک لہجے میں کہا۔

''اگر یہ مذاق ہے تو تم بھی گیل ہی کی طرح گھر پہنچ جاؤ گے۔''

''گیل.....کیا مطلب.....!''

''اگر تم مجھے نہیں پہچانتے.....تو.....!'' فریدی کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالتا ہوا بولا پھر اپنا وزیٹنگ کارڈ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''غالباً اب تم ہمارے مذاق سے

لطف اندوز ہونے کی صلاحیت پیدا کر سکو گے۔"

"اُوہم..... خدا مجھ پر رحم کرے..... فرمایئے جناب! معاف کیجئے گا یہ میری بدنصیبی ہ
کہ میں آپ کا صورت آشنا نہیں تھا۔ ویسے اس شہر میں کون ہے جو آپکے نام سے واقف نہ ہو

"خیر تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہنری گیل اس وقت حوالات میں ہے۔" فریدی نے
کیس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تم یہ بھی جانتے ہو گے کہ وہ ان دنوں بہت پر
تھا۔ حالانکہ پریشانی کی کوئی معقول وجہ نہیں ہو سکتی تھی۔ تم سمجھ رہے ہو نا۔"

"کسی حد تک! ہاں غالباً اس نے مجھ سے تذکرہ کیا تھا کہ اس کے خلاف تفتیش ہ
ہے۔ لیکن وہ پریشان تو نہیں تھا جناب۔"

"اوہ تو پھر اُس نے پریشان نہ ہونے کی وجہ بھی بتائی ہو گی۔"

"آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔" ڈیکن کے لہجے میں حیرت تھی۔

"نہیں ارادہ ہے کہ خود ہی بتا دوں۔ ہمارے پاس اس کے خلاف ایسے ثبوت نہیں
جن کی مضبوطی پر ہم اسے عدالت میں پیش کر سکتے۔"

"تو پھر کیسے حراست میں لیا اُسے۔"

"اُس نے اپنے کیس کا فائیل چوری کرایا تھا۔"

"چوری کرایا تھا۔" ڈیکن کی آنکھیں دوبارہ پھیل گئیں۔ "میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ کیسے ممکن ہ

"اگر یہ ناممکن ہے تو پھر کسی اور نے خود ہی چوری کر کے اس کے قبضے سے برآمد کرا
ہوں گے۔ سارے کاغذات اُسی کے کیس سے تعلق رکھتے تھے۔"

"یہ تو بڑا آسان سا نسخہ ہے۔" ڈیکن مسکرایا۔ "جن کے خلاف ثبوت نہ مل سکیں
اس طرح اندر کر دیا جائے۔"

"تم اس کے متعلق صبح کے اخبارات میں بہت کچھ دیکھو گے..... اُس نے گیل کو
بلیک میل کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن گیل نے اس کی پرواہ نہیں کی تھی۔ اس نے سوچا تھا
جب پولیس ہی اس کے ثبوت فراہم نہیں کر سکتی تو وہ بلیک میلر کیا بگاڑ لے گا۔ بلیک میلر

اُسے وارننگ دی تھی کہ وہ چشم زدن میں اُسے گرفتار کرا دے گا۔ گیل نے ہنس کر ٹال دیا۔ لیکن
اب وہ حقیقتاً حوالات میں ہے۔"

ڈیکن کی پیشانی پر سلوٹیں اُبھر آئیں۔ وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"مگر آپ مجھے یہ کہانی کیوں سنا رہے ہیں۔"

"یہ واقعہ اُن تمام لوگوں کیلئے ایک بہت بڑی دھمکی ہے جو بلیک میلر کی پرواہ نہیں کرتے۔"

"تو آپ کا خیال ہے کہ مجھے بھی کوئی بلیک میل کر رہا ہے۔"

"یقیناً.....!"

"آخر کس بناء پر.....!"

"تمہارے فائیل پر بھی نظر ثانی کی جا رہی ہے۔"

"میرا فائیل.....!" ڈیکن چونک پڑا۔ "اوہ تو کیا میرا شمار بھی گیل ہی جیسے لوگوں میں ہوتا ہے۔"

"تمہارے لئے نئی اطلاع ہو سکتی ہے لیکن ہمارے محکمے میں اتنے بھولے لوگ نہیں
پائے جاتے۔"

ڈیکن پھر خاموش ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔ کچھ دیر بعد بھرائی
ہوئی آواز میں بولا۔ "میرے لئے یہ مصیبت نئی نہیں ہے۔ مجھے پانچ ہزار روپے ماہانہ ادا کرنے
پڑتے ہیں۔"

"گڈ..... سگار لو.....!" فریدی نے ڈبہ پھر آگے کھسکایا۔

"شکریہ! میں تمباکو نہیں پیتا۔" ڈیکن آنکھیں چراتا ہوا بولا۔ "لیکن ابھی آپ نے کہا تھا
کہ میں بلیک میلنگ کی وجہ نہیں پوچھوں گا۔"

"اور اب بھی اسی بات پر قائم ہوں۔"

"پتہ نہیں وہ کون ہے..... ہر ماہ پانچ ہزار وصول کرتا ہے لیکن میں اُسے پکڑنے میں
کامیاب نہیں ہو سکا۔"

"ادائیگی کس طرح ہوتی ہے۔"

"جھریالی کی پہاڑیوں میں ایک چٹان ہے۔ اُسی پر روپے رکھ دیئے جاتے ہیں۔ وہ ہر ماہ ایک مخصوص تاریخ کو پلاسٹک کا ایک تھیلا بھجواتا ہے۔ تاکید ہوتی ہے کہ روپے اسی میں رکھ کر معینہ مقام پر رکھوا دیئے جائیں۔ میں نے پچاس پچاس آدمی چٹان کے آس پاس چھپائے ہیں لیکن تھیلے کو اٹھانے والے کی پرچھائیں تک نہیں نظر آئی۔ تھیلا حیرت انگیز طور پر غائب ہو جاتا ہے۔"

"وقت کا تعین بھی ہوتا ہوگا۔"

"جی ہاں عموماً اندھیری رات ہوتی ہے۔ لیکن چٹان کی پوزیشن ایسی ہے کہ اندھیرے میں بھی کم از کم سایہ تو نظر آ ہی سکتا ہے، خواہ کوئی لیٹ کر رینگتا ہی ہوا کیوں نہ چٹان تک پہنچے۔"

"اس کے پیغامات تم تک کیسے پہنچتے ہیں۔"

"ٹائپ کئے ہوئے خطوط مجھے اسی میز پر ملتے ہیں اور جب ادائیگی کی تاریخ قریب ہوتی ہے تو تھیلا بھی اسی طرح آتا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ یہاں تک پہنچانے والا کون ہے۔ اس بار ابھی تک تھیلا نہیں آیا۔"

"جب آئے تو مجھے ضرور مطلع کرنا..... میں وعدہ کرتا ہوں کہ جس سلسلے میں تمہیں بلیک میل کیا جا رہا ہے اس کے لئے تمہارے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے گی۔"

قاسم کی تصویر

حمید کا خیال تھا کہ اس سے زیادہ شاندار کیس آج تک ان کے پاس نہیں آیا۔ ان دنوں ایسے ہی کیس اُسے پسند آتے تھے جن کی گاڑی کسی طرح آگے نہ بڑھ سکے۔ ایک کڑی کے بعد دوسری کڑی کا ملنا محال ہو جائے۔ گیل حوالات میں تھا۔ اس کی کہانی کی کافی تشہیر ہو چکی تھی۔ لیکن کیس کی گاڑی ریالٹو کے منیجر ڈیکن سے آگے نہ بڑھ سکی۔ پورا ہفتہ گذر گیا مگر اس

نے بلیک میلر کی طرف سے وہ تھیلا وصول ہونے کی اطلاع نہ دی جس کے ذریعہ رقم اس تک پہنچائی جاتی تھی۔ ڈیکن کے بیان کے مطابق یہ تاخیر خلاف معمول تھی۔ گذشتہ مہینوں میں ایک مقررہ تاریخ پر تھیلے اس تک پہنچتے رہے تھے لیکن اس بار اس تاریخ کو بھی گذرے ہوئے یہ چوتھا دن تھا۔

کام تو اُسی وقت شروع ہوتا جب ڈیکن تھیلے کی وصولیابی کی اطلاع دیتا۔ اس لئے حمید کا راوی چین ہی چین لکھتا تھا۔

لیکن وہ اپنی اس سرشت کو کام چوری پر محمول نہیں کر سکتا تھا۔ بھئی کام ہو تو ضرور کرو، لیکن خواہ مخواہ سر کھپاتے رہنے سے کیا فائدہ..... وہ کام ہی کیا کہ اوڑھنا بچھونا ہو کر رہ جائے۔ آفس سے نکل آنے کے بعد بھی اگر فائیلیں ہی سر پر سوار رہیں تو اسے صحیح الدماغی کیسے کہا جائے گا۔

بہرحال وہ فریدی کی طرح کا دیوانہ نہیں ہو سکتا تھا۔ زندگی کو تو وہ بازی طفلانہ ہی سمجھتا تھا لیکن کام کے دیوانوں میں اُسے مردانگی کی جھلک نہیں دکھائی دیتی تھی۔ اُسے تو وہ سچ مچ دیوانگی ہی سمجھتا تھا اس لئے یہ شعر اس کی نظروں میں قطعی لغو تھا۔

زندگی یوں تو فقط بازی طفلانہ ہے
مرد وہ ہے جو کسی کام میں دیوانہ ہے

وہ سوچتا یہ بھی کوئی دیوانگی میں دیوانگی ہے..... دیوانگی تو وہ ہے کہ لیلیٰ کا کتا بھی کہہ اٹھے

کوئی پتھر سے نہ مارے میرے دیوانے کو

مگر وہ تو اس وقت کسی لیلیٰ کے ہاتھی کا منتظر تھا اور سوچ رہا تھا کہ ایک ہفتے کے بعد کونین کمپچر کی تلخی یک بیک رفع کیسے ہو گئی۔ کچھ دیر پہلے اس نے اسے فون کیا تھا کہ وہ آ رہا ہے، حمید منتظر رہے۔

پھر وہ آیا اور بڑے ٹھسے سے آیا..... سلیقے سے پریس کئے ہوئے سوٹ میں ملبوس تھا۔ شوخ رنگوں کی ٹائی تھی اور حمید نے اس کے گالوں پر پاؤڈر کی ہلکی سی تہہ بھی محسوس کی۔ جوش مسرت سے آنکھیں چمک رہی تھیں۔ دانت نکلے پڑ رہے تھے۔

"خیریت.....!" حمید نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"بلقل..... تم اپنی کہو..... بیٹا۔"

"مؤنث ہے اس لئے کبھی رہتی ہے اور کبھی نہیں رہتی۔"

"میں نے قہا..... تم مجھے قیا سمجھتے ہو۔"

"چُغد.....!"

"چُغد بھی "چ" سے ہوتا ہے..... چلو ٹھیک ہے۔" قاسم کے دانت نکل پڑے۔

"کیا ٹھیک ہے۔" حمید نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

"اس کا نام چیری ہے۔" قاسم نے اس بار شرمیلی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "چ سے چیری چ سے چغد.....!"

"کس کا.....!"

"ہائے حمید بھائی ..... کیا بتاؤں..... یکین نہیں آتا..... اچھا یہ بتاؤ کوئی لڑکی ..... تمہیں اس طرح دیکھے..... اور اس طرح مسکرائے یعنی کہ یوں.....!"

اس نے آنکھیں نشیلی بنائیں اور بھونڈے پن سے مسکرا کر بولا۔ "تو تم قیا سمجھو گے۔"

"خود کو اُلو کا پٹھا سمجھوں گا۔" حمید بولا۔

"اے جاؤ..... سالے تم میرے معاملے میں اسی طرح کیڑے نکالنے لگتے ہو۔"

"پوری بات بتاؤ..... مطلب یہ تھا۔"

"ہائے کیا بتاؤں! اس بار میں بلقل مرجاؤں گا! ہائے کیا چال ہے..... پیچھے سے دیکھو تو ایسا لگتا ہے جیسے ڈیبٹ کریڈٹ..... ڈیبٹ کریڈٹ..... کرتی چلی جارہی ہو۔"

"ڈیبٹ کریڈٹ.....!" حمید نے آنکھیں نکالیں۔

"ہات تیری .....!" قاسم نے پیشانی پر ہاتھ مارا۔ "یہ سالا ڈیبٹ کریڈٹ اس طرح کھوپڑی میں گھسا ہے کہ کسی طرح نکلتا ہی نہیں۔ خدا دشمن کو بھی سب کچھ دے مگر باپ نہ دے۔"

"کیا پی رکھی ہے تم نے؟"

"نہیں آج جرور پیوں گا۔ ٹھینگے پر ہے سب کچھ! ہاں نہیں تو! دفتر میں بیٹھ کر دن بھر

اکسٹھ باسٹھ کرو اور گھر واپس آؤ تو وہ گلہری خانم کھڑی ہیں منہ بنائے۔ اِتی دیر کہاں کر دی۔"

"آہا تو کیا تم اب دفتر میں بھی بیٹھنے لگے ہو۔"

"چلو..... پیارے بھائی..... بور نہ کرو..... سالے مجھے اکاؤنٹسی سکھا رہے ہیں۔"

"کہاں چلوں۔"

"مے پول! وہیں تو آتی ہے۔" قاسم لہک کر بولا۔ "میں وہاں سے اٹھتا ہوں تو میرا پیچھا کرتی ہے اور میں الاقسم شرم کے مارے ..... پانی پینے لگتا ہوں۔"

"پانی پانی ہونا محاورہ ہے۔"

"ٹھینگا ٹھینگا ہونا محاورہ ہے۔" قاسم جھلا گیا۔ "چلنا ہے تو چلو..... نہیں تو جہنم میں جاؤ۔"

"اگر وہ تمہارا پیچھا کرتی ہے..... تو ضرور چلوں گا۔"

"اور بتاؤں۔" قاسم چہک کر بولا۔ "پرسوں میں اس سے دور بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ بس اپنی جگہ سے اٹھی میرے پاس آئی اور آ کر کھڑی ہوگئی۔ میرے کاندھوں پر دونوں کہنیاں ٹیک کر جھکی تھی اور آہستہ سے بولی تھی تم بڑے پیارے لگتے..... ہی ہی ہی..... ابے ہاں۔ قیا سمجھتے ہو مجھے! یہ دیکھو۔"

اس نے جیب سے ایک تصویر نکالی اور حمید کی طرف بڑھا دی۔ یہ ایک لڑکی تھی جو قاسم کے کاندھوں پر کہنیاں ٹیکے جھکی کھڑی تھی اور قاسم کے چہرے سے یہی ظاہر ہو رہا تھا جیسے دم نکلا جارہا ہو۔

"بس یہ ایسے ہی کھڑی تھی کہ کسی نے تصویر کھینچ لی!" قاسم بے حد خوشی ظاہر کرتا ہوا بولا۔

"کسی نے..... کیا تم اسے نہیں جانتے۔"

"اے..... میں قیا جانوں ہوگا کوئی سالا۔"

"پھر یہ تمہیں ملی کہاں سے.....!"

"ڈاک سے آئی ہے۔"

"آہا..... ہم۔" حمید نے معنی خیز انداز میں سر کو جنبش دی پھر خاموش ہو کر اُسے گھورنے لگا۔

''اے..... کھا جاؤ گے کیا۔ اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو۔''

''کل وہ ہوٹل میں ملی تھی۔''

''نہیں..... آج جرور ملے گی۔''

''قاسم ہوش میں رہ کر گفتگو کرو۔ اس تصویر کے ساتھ کوئی خط بھی تھا۔''

''رہا ہوگا سالا..... مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ دو ہزار کی تو بات ہے۔ مگر ہائے یہ جالم..... جُراد دیکھو تو پیارے قیسی محبت سے لدی کھڑی ہے۔''

''دو ہزار کی کیا بات تھی۔''

''نہیں بتاؤں گا..... تم سالے گھپلا کر دو گے۔''

حمید اُسے پھسلانے کی کوشش کرنے لگا اور بدقت تمام راہ راست پر لا سکا۔

''قسم کھاؤ گھپلا نہیں کرو گے۔''

''تم بتاؤ تو پیارے..... میں ایسا انتظام کر دوں گا کہ اس سے تمہاری شادی بھی ہو جائے اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو۔ اُسے کہیں اور مکان لے کر رکھنا۔''

''کھت میں لکھا ہوا تھا کہ مجھے ہر ماہ دو ہزار روپے دیا کرو۔ نہیں تو یہ تصویر تمہارے باپ کو بھیج دی جائے گی۔ میں نے کہا ٹھیگے سے۔ لے لو دو ہزار بیٹا۔ مگر یہ تصویر ہائے پھر دیکھو حمید بھائی..... قیسی مسکراہٹ..... جی چاہتا ہے قلیجے میں بھر لوں۔''

''ابے او عقل کے اندھے..... یہ ڈرامہ کھیلا گیا تھا تمہیں بلیک میل کرنے کے لئے۔''

''دیکھا! نکل آئی نہ سالی جاسوسی۔'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ ''ابے تم جل مرے ہو..... آگ لگ گئی ہے..... بس تم اپنے ہی کو گلفام سمجھتے ہو۔ لونڈیاں مریں تو صرف تم پر مریں۔ دوسرے کو دیکھا اور کباب ہو گئے۔''

''خیر دیکھا جائے گا.....!'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''اچھی بات ہے۔ میں کچھ نہ کہوں گا۔ تم شوق سے تصویر بجاتے پھرو۔ ہاں..... پلاسٹک کا کوئی تھیلا بھی آیا ہے۔''

''تم قیا جانو.....!'' قاسم نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔ پھر دانت پیس کر بولا۔

''میری ٹوہ میں رہتے ہو۔ الامیاں نے چاہا تو غارت ہو جاؤ گے..... خدا کہتا ہے کہ دوسروں کی ٹوہ میں نہ رہو۔ تم رہتے ہو سڑ سڑ کر مرو گے..... دیکھ لینا..... میں آیا تھا کہ کچھ رائے مشورہ کریں گے..... سالے جاسوسی لے بیٹھے۔''

''تھیلے میں روپے رکھ کر..... کہاں رکھنے کو کہا گیا ہے۔''

''تمہارے ابا کی قبر پر..... میں جا رہا ہوں..... مرا کرو۔''

لیکن ٹھیک اسی وقت فریدی ڈرائنگ روم میں داخل ہوا اور قاسم جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور وہ بے جان سا ہو کر صوفے کی پشت سے ٹک گیا۔

فریدی نے شائد گفتگو کا کچھ حصہ سن لیا تھا۔ حمید نے قاسم سے کہا۔ ''اس معاملے کو اپنی ہی ذات تک محدود رکھنا تمہارے لئے خطرناک ہوگا۔ فرض کرو کل وہ تم سے دو لاکھ کا مطالبہ کرتا ہے۔''

''بس بس! ختم کرو۔ میرا معاملہ ہے کسی سے مطلب۔'' قاسم جھینپے ہوئے انداز میں ہنسا۔

''کیا قصہ ہے۔'' فریدی نے پوچھا۔ وہ ایک کرسی کے ہتھے سے ٹک کر سگار سلگا رہا تھا۔

''قاسم کے پاس ایک ایسی تصویر ہے.....!''

''ہوغی..... ہوغی..... تم سے مطلب۔ ماف کیجئے گا۔ میں جاسوسی نہیں کرانا چاہتا۔'' اس نے فریدی کی طرف دیکھتے ہوئے جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں۔

''تصویر تو میں یقیناً دیکھوں گا.....!'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''ق..... قیا..... جی نہیں..... معاف کیجئے گا۔''

''کیا حرج ہے۔ شرماؤ نہیں..... یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے۔''

''ہوتا رہتا ہے نا۔'' یک بیک قاسم خوش ہو گیا۔ ''دیکھ لیجئے۔ آپ بھی دیکھ لیجئے۔ کوئی میں نے تھوڑا ہی کہا تھا کہ مجھ پر لد کر کھڑی ہو جائے..... خود ہی آئی تھی۔ اب آئی ہے تو آئے..... دو ہزار خرچ ہوں تو دو لاکھ خرچ ہوں تو..... قسی کا قیا۔''

اس نے حمید کو گھورتے ہوئے جیب سے تصویر نکالی اور فریدی کی طرف بڑھا دی پھر دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر صوفے کی پشت سے ٹک گیا۔

''رکھو.....!'' فریدی نے کچھ دیر بعد تصویر اس کی گود میں ڈالتے ہوئے کہا۔ ''تھیلا خط کے ساتھ ہی آیا ہوگا۔''

''جج.....جی ہاں.....اب روپے تو دینے ہی پڑیں گے۔ ورنہ باوا جان یا اللہ۔'' اس نے ٹھنڈی سانس لی۔

''کہاں رکھو گے۔''

''جھریالی میں کوئی بھوری چٹان ہے.....وہیں۔''

''کب اور کس وقت۔''

''پرسوں.....رات کو آٹھ بجے۔''

''اچھا ہے.....کسی طرح جان بچاؤ۔ ورنہ تمہارے والد۔'' فریدی مسکرایا۔ ''خط تو شاید ٹائپ میں ہوگا۔''

''جی ہاں.....!'' قاسم پھر حمید کو گھورنے لگا۔

حمید نے اس کے ساتھ باہر جانے پر آمادگی ظاہر نہیں کی تھی۔ اس لئے وہ جلد ہی اٹھ گیا۔ ویسے اس نے ایسا ہی بُرا منہ بنا رکھا تھا جیسے حلوے کے دھوکے میں صابون کھا گیا ہو۔

''لڑکی کے متعلق کیا خیال ہے۔'' فریدی نے حمید سے پوچھا۔

''مجھے تو بالکل پسند نہیں آئی۔ ویسے آپ مجبور کریں تو دوسری بات ہے۔''

''کیا بکواس ہے۔'' فریدی جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''اوہو! شائد آپ کا سوال میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔''

''پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ.....نہیں۔''

''دیکھ چکے ہو۔''

''اپنی آنکھوں سے تو دیکھنے کا اتفاق ہرگز نہیں ہوا۔''

''صرف آنکھوں ہی کا معاملہ ہے.....خدوخال میں تبدیلی کی جاسکتی ہے۔ لیکن آنکھوں

کی بناوٹ پر اثر انداز ہونا آسان کام نہیں۔''

''اُوہو.....تو کیا وہی لڑکی ہوسکتی ہے جس نے میرا ہینڈ بیگ اڑایا تھا۔''

''سو فیصدی وہی ہے۔ وہ تصویر جو اس کے فلیٹ سے ملی تھی اُسے سامنے رکھ کر دیکھو تو تمہیں تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔''

''اگر وہی ہے تو پھر اُسے رستم کی بھتیجی ہی سمجھنا چاہئے۔'' حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔

''اب میں باوثوق طور پر کہہ سکتا ہوں کہ گیل ہی کے لئے پھندہ تیار کرنا پڑے گا۔ اس نے اپنا بزنس چمکانے کے لئے یہ حرکت کی ہے۔ اب ایسے حالات پیدا کئے جائیں گے کہ عدالت اُسے شبے کا فائدہ دیتے ہوئے بَری کردے۔''

''حالات کے ساتھ ہی ریمانڈ کی توسیع بھی ہوتی رہے گی خواہ ایک سال گذر جائے گیل کو حوالات میں سڑا دیا جائے گا۔''

''میری دانست میں یہ کوئی بہت بڑا گروہ ہے اور شائد یہ کیس بھی اپنی نوعیت کا ایک ہی ہے۔ پہلے کبھی ہمارا سابقہ کسی ایسے مجرم سے نہیں پڑا تھا جس نے اپنے بزنس کو پبلسٹی پولیس کے ذریعہ کرائی ہو۔''

فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ ''تمہارا خیال صحیح ہے۔ ذرا یہ خط دیکھو جو ڈیکن کو ملا ہے۔''

خط انگریزی ٹائپ میں تھا۔

''ڈیکن! تم جانتے ہی ہوگے کہ پولیس ہنری گیل کے خلاف تفتیش کر رہی تھی۔ لیکن کوئی ایسا واضح ثبوت فراہم نہ کرسکی جس کی بناء پر اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگا سکتی۔ اب تمہیں اس کی اطلاع مل چکی ہوگی کہ وہ گرفتار کرلیا گیا ہے۔ اس کی کہانی بھی تمہاری نظروں سے گذری ہوگی، جو حرف بحرف صحیح ہے۔ مجھ سے سرکشی کا انجام یہی ہوتا ہے۔ گیل نے محض اس بناء پر میرا حکم ماننے سے انکار کردیا تھا کہ پولیس بھی اس کے خلاف کوئی ثبوت فراہم نہ کرسکی تھی۔ مگر اب بتاؤ کہ وہ کہاں ہے..... مجھے اس پر ذرہ برابر بھی اعتراض نہیں ہے کہ تم نے کرنل فریدی کو

حالات سے آگاہ کردیا ہے۔ میرا خرچ مجھ تک پہنچنا چاہئے جس دن یہ بند ہوا وہی تمہاری آزادی کا آخری دن ہوگا۔ یہ خط بھی کرنل فریدی کو ضرور دکھانا۔''

حمید نے خط پڑھ کر طویل سانس لی اور فریدی کیطرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''یہ تو کھلا ہوا چیلنج ہے۔''

''مسخرہ پن۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ ''اس ترقی کے دور میں کم از کم اتنا تو ہونا ہی چاہئے کہ مجرم قانون کو چیلنج کرتے پھریں۔ آدمی نے زندگی کے ہر شعبے میں ترقی کی ہے پھر اس میں کیوں محروم رہتا۔''

''کیا آپ بھی اسے چیلنج ہی سمجھتے ہیں۔''

''نہیں..... آج کا مجرم اتنا احمق نہیں ہوسکتا۔ اس کا مقصد پولیس کو مرعوب کرنا نہیں ہے بلکہ یہاں بھی بزنس ہی کے داؤ پیچ کارفرما ہیں۔ جملوں کی تشکیل پر غور کرو۔ اُسے اس کی پرواہ نہیں ہے کہ فریدی کو راز دار بنالیا گیا ہے۔ اسے تو وہ رقم ہر حال میں ملنی چاہئے جو وہ اس سے وصول کرتا رہتا ہے۔ یعنی اس کی نظروں میں صرف بزنس ہی کی اہمیت ہے۔ جسے پولیس بھی نہ روک سکے گی۔ مقصد ہے ڈیکن کو مرعوب کرنا اور ہر حال میں رقم وصول کرتے رہنا۔''

''اگر وہ لڑکی ہاتھ آجائے تو.....!''

''تم پھر ہاتھ سے جاتے رہو گے۔'' فریدی مسکرایا۔

''آپ نے اب تک کیا..... کیا اس سلسلے میں۔'' حمید چڑ گیا تھا۔

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔

''ہیلو.....!'' اس نے ریسیور اٹھا کر کان کی طرف لے جاتے ہوئے کہا۔ ''یس..... اٹ از فریدی..... کیا کون ڈیکن..... اُوہ..... اچھا..... میں آرہا ہوں۔''

اس نے بڑی تیزی سے ریسیور رکھا اور حمید سے بولا۔ ''گاڑی نکالو۔ جلدی کرو۔''

''آج اتوار ہے۔''

''بکو مت..... ڈیکن خطرے میں ہے۔''

تین منٹ کے اندر ہی اندر انکی گاڑی کمپاؤنڈ کے پھاٹک سے گذر رہی تھی۔ ریالٹو تک پہنچنے

میں سات منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔ گاڑی کی رفتار خاصی تیز تھی اور اتفاق سے انہیں کسی کراسنگ پر رکنا بھی نہیں پڑا تھا۔ ڈیکن کے آفس کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ ہیڈ ویٹر نے بتایا کہ وہ اندر ہی ہوسکتا ہے، لیکن حمید کو وہاں ایسے آثار نہیں نظر آئے جنہیں وہ سراسیمگی کا نتیجہ سمجھ سکتا۔''

فریدی نے بڑھ کر دروازے پر دستک دی اور اندر سے ایسی آواز آئی جیسے کوئی کراہا ہو۔

''ڈیکن.....!'' اس نے آواز دی۔

لیکن اندر سے صرف کراہیں سنائی دیتی رہیں۔ پھر وہاں بھیڑ اکٹھی ہونے لگی اور فریدی نے دروازہ تڑوا دیا۔

سامنے ہی ڈیکن دونوں ہاتھوں سے سینہ دبائے بیٹھا کراہ رہا تھا۔ سر میز پر جھک آیا تھا..... فریدی نے اسے سیدھا کیا۔ کراہیں جاری ہی رہیں۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں، لیکن ان میں ویرانی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے کچھ دکھائی ہی نہ دیتا ہو۔ ہونٹ ہل رہے تھے، مگر کراہوں کے علاوہ اور کچھ نہ سنا جاسکا۔

اس کی بیوی

وہ لوگ جو باہر کھڑے تھے انہوں نے کمرے میں آنا چاہا لیکن فریدی کے اشارے پر حمید نے انہیں اس سے باز رکھا۔ وہ دروازے ہی پر رک گیا تھا۔

ڈیکن چھت کی طرف گھورے جارہا تھا اور حلق سے گھٹی گھٹی سی کراہیں بھی نکل رہی تھیں۔ لیکن چہرہ بالکل سپاٹ تھا اس پر کرب کے آثار نہیں تھے۔

یک بیک اس کی آنکھیں سرخ ہوگئیں اور وہ سیدھا ہوکر فریدی کو اس طرح گھورنے لگا جیسے قتل ہی کردینے کا ارادہ رکھتا ہو اور اب وہ خاموش بھی ہوگیا تھا۔

پھر اس کا داہنا ہاتھ میز کی دراز میں رینگ گیا۔

''تم کرنل فریدی ہی ہو نا۔'' وہ کسی درندے کی طرح غرایا تھا اور دوسرے ہی لمحے م
فریدی پر چھلانگ لگائی تھی۔ اس کے داہنے ہاتھ میں خنجر تھا۔

فریدی کو اس کے تیور پہلے ہی غیر معمولی نظر آئے تھے اس لئے وہ غافل نہیں تھا۔ ای
طرف ہٹتے ہوئے اس نے خنجر پر ہاتھ ڈال دیا اور ساتھ ہی داہنی ٹانگ بھی چلی۔

ڈیکن منہ کے بل فرش پر ڈھیر ہوگیا۔ فریدی اس کی پشت پر پیر رکھے داہنا ہاتھ مروڑ
تھا۔ بالآخر خنجر چھوٹ پڑا۔

ڈیکن کسی بھینسے کی طرح ڈکراتا رہا۔ فریدی اُسے چھوڑ کر الگ ہٹ گیا تھا اور اب جھک
کر خنجر اٹھا رہا تھا۔

دروازے کے سامنے رکے ہوئے لوگ دم بخود تھے۔ ڈیکن اسی طرح چیختا رہا۔ اس نے
اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بس اسی طرح فرش پر ہاتھ پیر مارتا رہا تھا جیسے پانی پر تیر رہا ہو۔

''اس کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے۔'' فریدی نے حمید سے کہا۔ ''پولیس ہسپتال فون
کرو۔ جو ڈاکٹر بھی ڈیوٹی پر ہو، پندرہ منٹ کے اندر اندر یہاں پہنچ جائے۔''

پھر اس نے باہر والوں سے کہا۔ ''براہِ کرم تشریف لے جائیے۔ اچانک ڈیکن کا ذہنی
توازن بگڑ گیا ہے۔ کسی کے کسی سوال کا جواب نہیں دیا جائے گا..... ہیڈ ویٹر..... پردہ کھینچ دو۔''

حمید فون کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ گھنٹی بجی۔ فریدی نے اسے ٹھہرنے کو کہا اور خود بڑھ
کر ریسیور اٹھا لیا۔

''ہیلو.....!'' دوسری طرف سے بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔ ''غالباً کرنل فریدی۔''

''خیال غلط نہیں ہے۔''

''تمہارے لئے بھی تھوڑی سی دردسری مہیا کردی..... نہ کہنا! آخر بیچارے کو اس طرح
مارنے کی کیا ضرورت تھی کہ مر ہی جاتا۔''

''کیا بکواس ہے۔''

''ڈیکن کی چیخیں فون پر بھی سن رہا ہوں۔'' دوسری طرف سے کہا گیا۔ ''بس وہ ذرا

ہی دیر کا مہمان ہے۔ کئی آدمیوں نے تمہیں اس کو پیٹتے دیکھا ہوگا۔ کیا سمجھے۔''

''اوہ.....!'' فریدی نے جلدی سے سلسلہ منقطع کر کے پولیس ہسپتال کے نمبر ڈائیل کئے۔

''ہیلو..... ڈیوٹی پر کون ہے۔ ڈاکٹر رحمٰن..... براہِ کرم فوراً ریالٹو! میں فریدی بول رہا ہوں۔''

''پہلے کون تھا۔'' حمید نے اس سے پوچھا۔

''فی الحال خاموش رہو۔'' فریدی نے کہا اور ڈیکن کی طرف دیکھنے لگا جس کی چیخوں میں
اب پہلی سی کرختگی نہیں رہی تھی۔ آواز آہستہ آہستہ مضمحل ہوتی جا رہی تھی۔

وہ اب بھی سینے کے بل ہی پڑا ہاتھ پیر پھینک رہا تھا۔ دفعتاً فریدی تیزی سے جھک کر اس
کی پشت پر کچھ دیکھنے لگا اور پھر بائیں شانے میں چبھی ہوئی ایک لمبی سی سوئی کھینچتا ہوا سیدھا
ہوگیا۔

ڈیکن کی چیخیں پھر تیز ہوگئیں۔ فریدی سوئی کو چہرے کے برابر لا کر بغور دیکھ رہا تھا۔ حمید
بھی قریب آ گیا۔

پھر اس کی نظر اس چھوٹے سے دروازے پر رکی جو ڈیکن کی کرسی کے پیچھے تھا۔ دیوار کا
فاصلہ کرسی سے زیادہ نہیں تھا۔ کوئی بھی دروازے سے ہاتھ بڑھا کر ڈیکن کا شانہ چھو سکتا تھا۔ وہ
اسی کرسی پر بیٹھا ہوا ملا تھا۔

''کیا یہ یونہی پڑا رہے گا۔'' حمید نے پوچھا۔

''ڈاکٹر کے آنے تک تو میں یہی مناسب سمجھوں گا۔'' فریدی نے کہا اور دروازے کی
طرف متوجہ ہوجانا پڑا۔ فریدی نے اسے حالات سے آگاہ کرتے ہوئے وہ سوئی دکھائی جو
ڈیکن کے شانے سے کھینچی تھی۔

ڈاکٹر نے فوری احتیاطی تدابیر اختیار کرنے میں دیر نہیں لگائی۔ اس کا خیال تھا کہ ڈیکن
کسی ایسے زہر کا شکار ہوا ہے جو براہِ راست ذہن پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس سے موت واقع
ہونے کا خدشہ نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ زہر اس سوئی ہی کے ذریعہ جسم میں داخل کیا گیا ہو۔

ڈاکٹر ایمبولینس ہی میں آیا تھا اس لئے ڈیکن کو وہاں سے لے جانے میں بھی کوئی

دشواری پیش نہیں آئی۔

کمرہ خالی ہونے پر فریدی پھر عقبی دروازے کی طرف متوجہ ہوا ہی تھا کہ ایک عورت تیزی سے اندر داخل ہوئی۔ اس کے چہرے پر اضطراب کی لہریں تھیں۔

''یہ کیا ہوا..... یہ کیا ہو رہا ہے۔'' اس نے ہذیانی انداز میں کہا۔ عورت خوش شکل اور خوش لباس تھی۔ عمر تیس سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔

''آپ کون ہیں.....!'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

''تھیلما ڈیکن! ڈیکن کو کیا ہوا۔ اُسے کہاں لے گئے ہیں۔''

''آپ گاڑی پر ان کے ساتھ جا سکتی تھیں۔''

''گاڑی جا چکی تھی۔ میں ابھی پہنچی ہوں۔ سپروائزر نے مجھے فون کیا تھا کہ اس کے کمرے میں دو پولیس آفیسر موجود ہیں اور انہوں نے اسے مارا ہے۔''

''آپکو غلط اطلاع ملی ہے۔'' فریدی نے کہا اور اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا رہا۔

''میں نہیں سمجھ سکتی کہ وہ مجھ سے جھوٹ کیوں بولیں گے.....!'' تھیلما نے فریدی کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ نہ جانے کیوں وہ اس سے نظریں چرا رہی تھی۔

''ڈیکن کو آپ کب سے جانتی ہیں۔'' فریدی نے پوچھا۔

''اوہ..... یہ شائد مسز ڈیکن ہیں۔'' حمید بول پڑا۔

''جی ہاں..... مگر آپ مجھے اس کے متعلق بتاتے کیوں نہیں۔''

''کچھ دیر پہلے اس نے مجھے فون کیا تھا کہ وہ خود کو خطرے میں محسوس کر رہا ہے۔''

''اب میں آپ سے یہی سوال کروں گی کہ آپ ڈیکن کو کب سے جانتے ہیں۔'' تھیلما نے زہریلے قسم کے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''یہ سوال واقعی چکر دینے والا ہے۔'' فریدی مسکرایا۔

''ڈیکن اور خود کو کسی قسم کے خطرے میں پا کر پولیس سے مدد طلب کرے گا..... ہونہہ''

''سبھی پولیس سے مدد طلب کرتے ہیں ایسے حالات میں۔''

''کیسے حالات میں۔''

''اس پر کسی قسم کا زہر آزمایا گیا ہے جس کے زیر اثر اس کا دماغ ماؤف ہو گیا ہے۔''

''زہر.....!'' تھیلما کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور فریدی نے اسے بتایا کہ وہاں پہنچنے پر انہوں نے اسے کس حال میں پایا تھا..... اور وہ کس انداز میں ان پر حملہ آور ہوا تھا۔ پھر وہ بولا ''ہاں میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ ڈیکن اپنے معاملات خود ہی طے کر لینے کی صلاحیت رکھتا ہے..... لیکن یہ معاملہ۔''

تھیلما نے اس سے جملہ پورا کرنے کی درخواست نہیں کی۔ ایسا معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ اس نے کچھ سنا ہو۔ وہ تو کمرے کے چھوٹے سے عقبی دروازے کو گھورے جا رہی تھی، پھر یک بیک چونک پڑی اب اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے۔

''چلئے..... خدا کے لئے چلئے۔'' وہ ہذیانی انداز میں بولی۔ ''میرے گھر چلئے۔''

فریدی نے پھر اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھا اور حمید کو اشارہ کیا کہ وہ خاموش ہی رہے۔ تھیلما کہتی رہی۔ ''وہ حقیقتاً خطرے میں تھا۔ اس نے کبھی کسی سے کچھ نہیں کہا۔ چلئے میں آپ کو بہت کچھ بتاؤں گی۔''

''آپ میرے ساتھی کو لے جا سکتی ہیں۔''

''اور آپ.....!'' عورت نے بیساختہ پوچھا۔

''میری دانست میں تو آپ یہیں سب کچھ بتا سکیں گی۔ بیٹھ جائیے۔'' فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

''مم..... میں..... یعنی کہ۔''

''ٹھیک ہے آپ یہ معلوم کئے بغیر کہ ڈیکن زندہ ہے یا مر گیا..... اس کے متعلق کچھ بتائیں گی۔''

''کیا مطلب.....!'' وہ اچھل پڑی۔

''ہونا یہ چاہئے تھا کہ آپ پہلے ڈیکن کی خبر لیتیں۔ اس کی حالت قابل اعتماد نہیں تھی۔''

''اوہ.....تب تو مجھے جانا چاہئے۔'' وہ بوکھلا کر دروازے کی طرف بڑھی۔

''ٹھہریئے۔'' فریدی جیب سے نوٹ بک نکالتا ہوا بولا۔ ایک صفحے پر اس نے جلدی جلدی لکھا۔

''ڈاکٹر..... یہ مسز ڈیکن ہیں انہیں اس کے پاس جانے دو۔فریدی۔'' پھر صفحہ پھاڑ کر اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا ''پولیس ہاسپٹل۔''

تھیلما کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ اس نے کاغذ لیا اور تیزی سے باہر نکل گئی۔ فریدی کے ہونٹوں پر حقارت آمیز مسکراہٹ نظر آئی۔

''آپ نے اُسے ٹھہرنے کیوں نہیں دیا۔'' حمید نے پوچھا۔

''میرا فرض تھا اُسے یاد دلانا کہ وہ اپنے شوہر سے بہت محبت کرتی ہے۔''

''اب مشکل ہی ہے کہ آپ سمجھ میں آنے والی باتیں کرسکیں۔'' حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

فریدی پھر دروازے کی طرف بڑھا۔

دروازہ دوسری طرف سے بند تھا۔ دفعتاً اس نے مڑ کر حمید سے کہا۔ ''جلدی کرو، تمہیں اس عورت کا تعاقب کرنا ہے۔ گاڑی لے جاؤ۔ مگر نہیں کوئی ٹیکسی مل جائے تو بہتر ہے..... ہوسکتا ہے گاڑی پر اس کی نظر پڑی ہو۔''

حمید نے وجہ نہیں پوچھی۔ وہ باہر آیا۔ تھیلما ایک چھوٹی سی گاڑی میں بیٹھ رہی تھی۔ وہ اپنی گاڑی کی اوٹ میں ہوگیا۔

آس پاس کوئی ٹیکسی نہیں نظر آرہی تھی۔ تھیلما کی کار حرکت میں آگئی اور حمید کو لنکن تو میں اس کا تعاقب کرنا پڑا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اب وہ بلیک میلر کیا چاہتا ہے۔ اگر یہ اسی کی حرکت تھی تو معاملہ کافی آگے بڑھ چکا تھا اور کسی طرح نہیں کہا جاسکتا تھا کہ ان حرکتوں کو مقصد صرف اپنے شکاروں کو مرعوب کرنا ہے۔ شکاروں کو مرعوب کرنے کے لئے تو گیل ہی والا واقعہ کافی تھا۔ اس وقت

جو کچھ بھی پیش آیا تھا اس کی روشنی میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا کہ اب وہ پولیس کو بھی مرعوب کرنا چاہتا ہے۔ ورنہ پھر اس طرح فریدی پر حملہ کرانے کا کیا مقصد ہوسکتا ہے۔ پہلے اس نے کسی طرح یہ بات ڈیکن پر جتا دی ہوگی کہ وہ کسی فوری خطرے سے دوچار ہونے والا ہے۔ ڈیکن نے بوکھلا کر فریدی کو فون کیا۔ پھر اس اطلاع اور ان کے وہاں پہنچنے کے وقفے میں کسی طرح وہ زہریلی سوئی اس کے شانے میں اتار دی گئی۔ کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ یقینی طور پر اس کے لئے عقبی ہی دروازہ استعمال کیا گیا ہوگا۔

پھر یک بیک وہ چونک پڑا۔ عقبی دروازے کے خیال کے ساتھ ہی اسے وہ سچویشن بھی یاد آگئی جب اس نے تھیلما کو عقبی دروازے کی طرف گھورتے دیکھا تھا۔ پھر وہ چونکی تھی اور نروس نظر آنے لگی تھی۔ اس کے بعد ہی درخواست کی تھی کہ وہ اس کے ساتھ گھر چلیں، جہاں وہ انہیں کچھ بتائے گی۔ لیکن فریدی نے ٹال دیا تھا..... اوہ..... تو کیا وہ اس عقبی دروازے سے ان کی توجہ ہٹانا چاہتی تھی..... نہیں چاہتی تھی کہ اسے کھولا جائے۔ فریدی نے جس انداز میں اسے ٹالا تھا اس سے تو یہی مترشح ہوتا تھا کہ وہ خود وہاں سے نہیں ہٹنا چاہتا..... تو یہ عورت کچھ بتانے پر آمادگی ظاہر کرکے دراصل کچھ چھپانا چاہتی تھی۔

تھیلما کی گاڑی ایک کراسنگ پر رکی..... اس کے پیچھے دو گاڑیاں اور بھی تھیں، پھر لنکن تھی..... حمید نے احتیاطاً اپنی گاڑی دو گاڑیوں کے پیچھے رکھی تھی۔ اس تعاقب کی وجہ یہی ہوسکتی تھی کہ فریدی کو شبہ تھا..... شبہ تھا کہ وہ سیدھی ہسپتال نہیں جائے گی یا پھر سرے سے اُدھر کا رخ ہی نہ کرے۔ شبہ بار آور ہو رہا تھا۔ اس نے ابھی ابھی پولیس ہسپتال کی قریب ترین راہ نظر انداز کی تھی۔

حمید اب قاسم کے متعلق سوچنے لگا تھا۔ پھر ذہنی رو اس بلیک میلر کے طریق کار کی طرف منتقل ہوگئی۔ آخر وہ رقم وصول کرنے کے لئے خصوصیت سے اپنے تھیلے کیوں بھیجتا ہے۔ وہ تھیلے کس قسم کے ہوتے ہوں گے۔ فی الحال ایک تھیلا قاسم کے پاس تھا۔ اگر فریدی چاہتا تو قاسم سے تھیلا حاصل کرکے بلیک میلر کے لئے کسی قسم کا جال بچھا سکتا تھا۔ لیکن اس نے اسے

رواروی میں ٹال دیا تھا۔ آخر کیوں؟ کیا اس لئے کہ ڈیکن یہ معلوم کرنے میں ناکام رہا تھا کہ جھریالی کی بھوری چٹان سے تھیلا کس نے اٹھایا تھا۔ ڈیکن..... ڈیکن.....!

حمید مضطربانہ انداز میں سیٹ پر کسمسایا۔ آٹو سگنل کی روشنی تبدیل ہوئی اور تھیلما کی گاڑی آگے بڑھ گئی۔ تعاقب جاری رہا..... ڈیکن..... ڈیکن..... ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ اس نے ایک کہانی سنائی تھی جس کی تصدیق قاسم کی کہانی سے بھی ہوگئی تھی۔ لیکن کیا خود ڈیکن ہی کہانی کی پشت پر نہیں ہوسکتا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ فریدی اتفاقاً اسی بلیک میلر سے جا ٹکرایا ہو اور بلیک میلر نے پہلے تو اسے اپنے طریقہ کار سے آگاہ کیا اور پھر کہانی میں مزید زور پیدا کرنے کے لئے..... سوئی..... پاگل پن اور حملے کا ڈرامہ پیش کر دیا۔ اس طرح کسی ایسے خطرناک آدمی کا وجود بھی ثابت ہوگیا جو اُسے بلیک میل کر رہا تھا اور دوسری طرف خود اس کی بھی پوزیشن صاف ہوگئی اور تیسرا مقصد بھی حل ہوگیا ہو..... یعنی پولیس کو مرعوب کرنا۔ گویا وہ جب بھی چاہے اپنے خلاف تفتیش کرنے والوں کا صفایا کرسکتا ہے۔ اب اسی وقت اگر فریدی ہوشیار نہ ہوتا تو شاید اُسے بھی ہسپتال ہی کا رخ کرنا پڑتا..... ڈیکن..... ڈیکن.....!

حمید نے پھر مضطربانہ انداز میں پہلو بدلا۔

تھیلما کی گاڑی جھریالی کی سڑک پر مڑ رہی تھی۔ حمید نے سوچا کہ اب یہ تعاقب راز نہ رہ سکے گا کیونکہ جھریالی کی سڑک پر زیادہ ٹریفک نہیں ہوتا تھا۔ تھیلما نے ان کی گاڑی پر دھیان دیا ہو یا نہ دیا ہو لیکن انہیں تو بخوبی دیکھ چکی تھی..... پھر.....؟"

ٹیڑھا سوال تھا۔ کچھ بھی ہو..... اب تو تعاقب جاری رکھنا اشد ضروری تھا۔ آخر وہ ڈیکن کی خیریت معلوم کئے بغیر جھریالی کی طرف کیوں بھاگی جا رہی تھی۔

جھریالی..... جہاں بھوری چٹان نام کی ایک جگہ تھی..... وہ جگہ جہاں بلیک میلر اپنے شکاروں سے رقومات وصول کرتا تھا۔

دفعتاً اسے یاد آیا کہ فریدی اپنی گاڑیوں میں اکثر ریڈی میڈ قسم کے میک اپ بھی رکھتا ہے۔ مثلاً ایسے مصنوعی دانت، جو اصلی دانتوں پر چڑھائے جاسکیں یا پلاسٹک کے ایسے خول

جنہیں ناک پر چڑھا کر حلئے میں کسی حد تک تبدیلی کی جاسکے۔ ایسی ناکوں کے ساتھ گھنی مونچھیں بھی ہوتی تھیں، جن سے کم از کم اوپری ہونٹ تو ڈھک ہی جاتا تھا۔

مگر اُسے اپنے سائز کی کوئی ناک نہ مل سکی۔ پھر مجبوراً وہی کرنا پڑا جس کے خیال ہی سے وحشت ہوتی تھی۔ یعنی مصنوعی دانتوں کے خول استعمال کرنے پڑے۔

اس نے عقب نما آئینے کی پوزیشن بدل کر اپنی شکل دیکھی۔ دو بڑے بڑے دانت نچلے ہونٹ پر سائبان کی طرح چھائے ہوئے تھے۔ شکل میں حیرت انگیز طور پر تبدیلی ہوئی تھی۔ بائیں ہاتھ سے کوٹ بھی اتارا۔ ٹائی کھینچ کر نیچے ڈال دی..... اور سوچنے لگا کہ اگر وہ ان دانتوں سمیت کسی کے خیالوں میں بس رہے تو خیالات کا کیا حشر ہو۔

تھیلما کی گاڑی کی رفتار اس سڑک پر خاصی تیز ہوگئی تھی۔ حمید نے اپنی گاڑی مناسب فاصلے پر رکھی۔

کچھ دیر بعد اس نے خود کو اس علاقے میں پایا جہاں غیر سرکاری سائنسی تجربہ گاہیں تھیں۔ ایک کی کمپاؤنڈ میں تھیلما کی گاڑی داخل ہو رہی تھی۔ حمید اپنی گاڑی آگے نکالتا لئے چلا گیا۔ مگر اب اسے رکنا چاہئے تھا۔ اس نے اپنی گاڑی قریب ہی کی دوسری تجربہ گاہ کے سامنے چھوڑ دی اور اس تجربہ گاہ کی طرف پیدل ہی چل پڑا جہاں تھیلما گئی تھی۔

عمارت زیادہ بڑی نہیں تھی۔ سامنے کا کچھ حصہ صاف کر کے وہاں چھوٹا سا پائیں باغ ترتیب دیا گیا تھا ورنہ چاروں طرف مختلف قسم کی جھاڑیاں بکھری ہوئی تھیں اور کمپاؤنڈ کی حد بندی بھی یہی جھاڑیاں کرتی تھیں۔ چہار دیواری نہیں تھی۔

اس نے کچھ دیر رک کر اندازہ کیا کہ کس طرف کی جھاڑیوں میں گھس کر بہ آسانی عمارت تک پہنچ سکے گا۔ وہ پھر چل پڑا..... آس پاس سناٹا تھا اس لئے اس نے زیادہ احتیاط کی بھی ضرورت نہ محسوس کی۔ عمارت کی پشت پر ساری کھڑکیاں بند نظر آئیں۔ لیکن ان میں شیشے جڑے ہوئے تھے اس لئے اندر کا جائزہ بخوبی لیا جاسکتا تھا۔

اس طرف جھاڑیاں اتنی بلند تھیں کہ دوسری جانب سے دیکھ لئے جانے کا بھی اندیشہ نہیں

تھا..... یک بیک اس نے کسی عورت کی آواز سنی جو کہہ رہی تھی۔

''تم نے بہت بُرا کیا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ اس کی حالت بہتر نہیں ہے۔''

پھر کسی مرد کی آواز آئی۔ ''تمہیں وہم ہوگیا ہے ڈیئر۔ میں صرف محبت کرنا جانتا ہوں۔ رقابت سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور پھر میں تو یہاں سے ہلا بھی نہیں تھا۔''

''تمہارے کسی آدمی نے.....!'' اس بار حمید نے تھیلما کی آواز پہچان لی۔

''مزید حماقت..... ایسے کام دوسروں کے ذریعے نہیں کرائے جاتے۔''

''آفیسر کہہ رہا تھا کہ اس پر کسی قسم کا زہر آزمایا گیا ہے جس کے اثر سے اس کا دماغ مادف ہوگیا ہے۔''

''اور تم یہاں دوڑی آئیں۔'' مرد ہنس پڑا۔ ''کیونکہ زہروں کے متعلق میری معلومات وسیع ہیں۔ جاؤ ڈارلنگ اُسے تمہاری ضرورت ہوگی۔ وقت برباد نہ کرو۔ اگر رقابت ہی کا معاملہ ہوتا تو وہ کبھی کا مر چکا ہوتا۔''

''ابھی کچھ ہی دن ہوئے تم دونوں جھگڑ بیٹھے تھے اور اس نے تمہیں دھمکیاں دی تھیں۔''

''میں نے تو نہیں دی تھیں۔ قریب آؤ۔ پریشانی کے عالم میں تم اور زیادہ حسین نظر آنے لگتی ہو۔ یہ سہمی سہمی سی آنکھیں کن کن جہانوں کی سیر کرا رہی ہیں۔ تھیلما کاش تم غیر فانی ہوتیں۔''

چوہے کا شکار

حمید نے مصنوعی دانتوں کا خول سنبھالتے ہوئے طویل سانس لی۔

وہ اس آدمی کی شکل دیکھنا چاہتا تھا لیکن اوپر اٹھ کر کھڑکی میں جھانکنے کی ہمت نہ کر سکا اس طرح دیکھ لئے جانے کا خدشہ تھا۔ رات ہوتی تو خیر کوئی بات نہ تھی۔

''اونہہ..... تمہیں اس کی بھی پرواہ نہیں ہے کہ میں کتنی پریشان ہوں۔'' کچھ دیر بعد تھیلما

کی آواز آئی۔ مرد کا قہقہہ بھرائی ہوئی سی آواز میں تھا۔ اس نے کہا۔ ''پھانسی کے تختے پر بھی آدمی کو اپنے لئے کوئی کچھ وقت ضرور نکالنا چاہئے۔''

''تم پاگل ہو ڈاکٹر..... میں نے اکثر یہ بھی سوچا ہے۔''

''عام آدمیوں سے مختلف ہوں اس لئے تم مجھے پاگل بھی سمجھ سکتی ہو۔''

''ڈیکن کو ہمارے تعلقات پر شبہ ہے۔'' تھیلما کی آواز آئی۔ ''میرا خیال ہے تم سے وہ اسی بناء پر جھگڑا کر بیٹھا تھا۔ اس لئے تمہاری بے عزتی کی تھی۔ میں کیسے مان لوں کہ تمہارے سینے میں انتقام کی آگ نہ بھڑکی ہوگی۔''

''اگر اُسے تم سے نفرت ہوتی تو میں یقیناً اسے مار ڈالتا۔'' مرد بولا۔ ''لیکن یہ تو سوچو کہ وہ تم سے کتنی محبت کرتا ہے۔ کیا اس کی جاں بخشی کے لئے اتنا ہی کافی نہیں ہے۔ جو لوگ میری پسندیدہ چیزیں پسند کرتے ہیں مجھے ان سے خاص قسم کی اُنسیت ہو جاتی ہے..... خواہ وہ پسندیدہ چیز عورت ہی کیوں نہ ہو۔''

''تم بکواس کر رہے ہو۔''

''یقین کرو..... میں اس معاملے میں عام آدمیوں سے بہت مختلف ہوں۔ دل چاہے پاگل کہہ لو..... لیکن جو کچھ کہہ رہا ہوں اسے جھوٹ سمجھ کر تم مجھ پر ظلم کرو گی۔''

''پھر اس کے پاگل پن میں کس کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔''

''کسی کا بھی نہیں..... اس کا سا مزاج رکھنے والے خود بخود ہی پاگل ہو سکتے ہیں۔''

''آفیسر کہہ رہا تھا کہ ڈیکن نے اُسے فون پر اطلاع دی تھی کہ وہ خطرے میں ہے وہ وہاں پہنچا تو ڈیکن کی حالت غیر تھی۔ وہ کراہ رہا تھا۔ دفعتاً اس نے خنجر نکال کر آفیسر پر حملہ کر دیا..... وہ ہوش میں نہیں تھا..... اس نے اُسے قابو میں کر کے ہسپتال بھجوا دیا۔''

''تمہاری موجودگی میں ہسپتال بھجوا دیا تھا۔''

''نہیں..... میں دیر سے پہنچی تھی۔''

''ہسپتال گئی تھیں۔''

''میں سیدھی ادھر ہی آئی ہوں۔''

''تم نے بہت بُرا کیا کہ اس کی خبر لینے کی بجائے ادھر چلی آئیں..... واپس جاؤ..... جلدی کرو۔ اگر کسی نے تمہارا تعاقب کیا ہوگا تو جانتی ہو میں کتنی الجھنوں میں پھنس جاؤں گا۔''

''اوہ..... مجھے اس کا خیال ہی نہیں آیا تھا..... اُوہ..... اوہ..... یقیناً مجھے پہلے وہیں جانا چاہیئے تھا..... مگر..... سنو! میرا خیال ہے کسی نے میرا تعاقب نہیں کیا۔''

''تم نے اس کی طرف دھیان ہی نہ دیا ہوگا۔ اتنی چالاک نہیں ہو۔ جاؤ جلدی کرو۔''

کچھ دیر بعد قدموں کی آواز سنائی دی۔ حمید جہاں تھا وہیں دبکا رہا۔ اب وہ اس آدمی کے متعلق معلومات فراہم کئے بغیر یہاں سے کیسے جا سکتا تھا۔

تھیلما شائد ذہنی طور پر اتنی الجھی ہوئی تھی کہ اس نے اپنے پیچھے آنے والی گاڑی کی طرف دھیان بھی نہیں دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی اور آہستہ آہستہ رینگتا ہوا بائیں جانب بڑھنے لگا۔

دانتوں کا خول نچلے ہونٹ پر بُری طرح چبھ رہا تھا۔ اس لئے اب اس نے اسے نکال کر جیب میں ڈال لیا۔ ویسے بھی اب اس کا کام تو ختم ہی ہو چکا تھا۔ وہ محض اس لئے استعمال کیا گیا تھا کہ کہیں مسز ڈیکن اسے پہچان کر وہاں کا قصد ہی ترک نہ کر دے جہاں اُسے جانا تھا۔

اب وہ سوچ رہا تھا کہ کم از کم اس آدمی کو تو دیکھنا ہی چاہیئے جس سے وہ ابھی گفتگو کر رہی تھی۔

یک بیک اس نے کسی عورت کے چیخنے کی آوازیں سنیں اور تیزی سے آواز ہی کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

بائیں باغ میں ایک لڑکی بے تحاشہ دوڑتی پھر رہی تھی اور ایک بڑا سا چوہا اس کے پیچھے تھا۔ حمید کے لئے یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے کسی چوہے کو کتے کی طرح آدمی پر جھپٹتے دیکھا ہو۔ لڑکی چیختی ہوئی ادھر اُدھر کودتی پھر رہی تھی۔

پھر حمید یہ بھول گیا کہ وہ کون ہے اور یہاں آنے کا مقصد کیا تھا۔ اگر لڑکی سے محض مخرا

پن سرزد ہو رہا تھا تب بھی وہ بہر حال ایک لڑکی ہی کا معاملہ تھا۔

حمید نے ریوالور نکال کر چوہے کا نشانہ لیا..... فائر ہوا اور چوہا اچھل کر دور جا پڑا۔

''خوب..... خوب..... بہت اچھے۔'' برآمدے کی طرف سے آواز آئی۔

حمید اس جانب مڑا۔ لڑکی کچھ بڑبڑاتی ہوئی عمارت میں داخل ہو رہی تھی۔

حمید کے اس کارنامے کی داد دینے والا ایک طویل قامت آدمی تھا۔ سیاہ فرنچ کٹ ڈاڑھی اور باریک مونچھوں میں خاصا وجیہہ معلوم ہوتا تھا۔ رنگت سرخ و سفید تھی۔ عمر چالیس سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔

''ایسے بہادروں سے مل کر واقعی بڑی خوشی ہوتی ہے۔'' وہ مصافحے کے لئے ہاتھ پھیلاتے ہوئے حمید کی طرف بڑھا۔

''ظاہر ہے ایسے چوہوں سے مل کر میرا کیا حال ہوتا ہوگا۔'' حمید نے بھی اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ مصافحے میں گرم جوشی سے زیادہ طاقت کا اظہار تھا۔ حمید کو وہ فولادی پنجہ معلوم ہوا تھا، لیکن وہ خود بھی کمزور تو نہیں تھا۔ جوابی دباؤ بھی اس فولادی پنجے کے شایان شان ہی تھا۔

''قاضی کے گھر چوہوں کے متعلق آپ نے سنا ہی ہوگا۔'' حمید نے اس کے لہجے میں زہریلا پن محسوس کیا۔

''جی ہاں! یہ چوہا بھی یہی کہتا معلوم ہو رہا تھا..... کہ..... رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن۔'' حمید نے جواب دیا۔

''آس پاس والے بخوبی جانتے ہیں کہ میں اپنی حدود میں بغیر اجازت داخل ہونے والے اجنبیوں سے کیسا برتاؤ کرتا ہوں۔ آپ کو یہاں فائر کرنے کی جرأت کیسے ہوئی۔''

''ابھی تو آپ میرے اس دلیرانہ اقدام کی تعریف کر رہے تھے۔''

''اُوہ..... ٹھیک ہے..... میں بھول گیا تھا۔ اب وہ آپ پر عاشق ہو جائے گی۔ یہ لڑکیاں اسی تاک میں رہتی ہیں کہ کب کوئی ان کیلئے کسی قسم کا دلیرانہ کارنامہ انجام دے اور وہ کھٹاک

سے عاشق ہو جائیں.....!'' اس نے مسکرا کر کہا۔ لیکن لہجے میں زہریلا پن بدستور موجود تھا۔

''تب تو قاضی کے یہاں کی بلیاں بھی کم از کم وکٹوریہ کراس تو حاصل ہی کر چکی ہوں گی۔''

''بکواس بند کرو۔'' اس نے یک بیک غصیلے لہجے میں کہا۔ ''تم نے ایک ایسے جوئے مار ڈالا ہے جس پر میرے تقریباً پانچ ہزار روپے صرف ہوئے تھے۔''

''اس کی رسید تمہیں کسی پاگل خانے سے دلوا دی جائے گی۔''

''کیا مطلب.....؟''

حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور اسے گھورتا ہوا بولا۔

''تھیلما ڈیکن کو تم کب سے جانتے ہو۔'' اور قبل اس کے کہ وہ کوئی جواب دیتا اپنا کارڈ بھی اس کی طرف بڑھا دیا۔

کارڈ پر نظر پڑتے ہی اس نے ایک طویل سانس لی اور پھر اس کے چہرے سے غیض و غضب کے آثار یکسر غائب ہو گئے۔

''شائد پچھلے دو سال سے۔'' وہ حمید کا کارڈ واپس کرتا ہوا مسکرایا۔

''وہ ابھی یہاں کیوں آئی تھی۔''

''سوال ایسا ہے جس کا جواب شائد آپ اپنی رپورٹ میں تحریر کرنا پسند نہ کریں۔''

''فی الحال میں آپ کا یہی جواب درج کروں گا۔'' حمید جیب سے نوٹ بک نکالتا ہوا بولا۔ ''آپ کا نام۔''

''طاہر سعید.....ڈاکٹر طاہر سعید..... ماہر حشرات الارض۔''

یہ نام حمید پہلے بھی سن چکا تھا۔ ڈاکٹر طاہر سعید مشہور شخصیتوں میں سے تھا، لیکن حمید نے اپنے چہرے پر حیرت کے آثار پیدا نہ ہونے دیئے۔ نوٹ بک کے صفحے پر اس کی پنسل چلتی رہی۔ ولدیت اور پتہ نوٹ کرنے کے بعد اس نے دوسرے سوالات شروع کر دیئے لیکن یہ ظاہر ہونے دیا کہ وہ کچھ دیر پہلے ان دونوں کی گفتگو سن چکا تھا۔

اسی طرح وہ اندازہ لگا سکتا کہ ان معاملات میں اس شخص کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے۔

ڈاکٹر طاہر نے غلط بیانی سے کام نہیں لیا۔ تھیلما کی آمد کا اصل مقصد بتاتے ہوئے اس نے کہا۔

''اس عورت نے میری اور اپنی پوزیشن خراب کر لی ہے۔ اندر چلئے میں آپ کو اسی لڑکی کے ہاتھوں کی چائے پلواؤں گا جو اس عرصہ میں آپ پر اچھی طرح عاشق ہو چکی ہو گی۔''

''آپ ایک ذمہ دار آفیسر کو اپنا بیان دے رہے ہیں۔'' حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

''چھوڑو یار..... آفیسر کسی دوسری مشین میں ڈھل کر نہیں آتے ہیں۔ نپولین تم سے بھی زیادہ خونخوار آدمی تھا۔''

حمید نے پلکیں جھپکائیں۔ اپنے ٹائپ کا پہلا ہی آدمی اس وقت اس کے ہاتھ لگا تھا۔ ہو سکتا تھا یہ وہی ہو جس کی انہیں تلاش تھی۔ لیکن تھا دلچسپ۔ اس نے سوچا چلو یہ بھی سہی۔ ہو سکتا ہے اسی وقت اس پر ہاتھ ڈالنے کا موقع نصیب ہو جائے۔

اس نے اس کے ساتھ اندر جانے میں ہچکچاہٹ نہ ظاہر کی۔

وہ اسے ایک کمرے میں لے آیا۔ یہاں معمولی سا فرنیچر تھا۔ ڈاکٹر نے کرسی کی طرف اشارہ کیا اور خود بھی بیٹھتے ہوئے گھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھ دی جو میز کے ایک پائے میں نصب تھا۔ عمارت کے کسی دور افتادہ حصے میں گھنٹی کی آواز گونجی۔ حمید کا داہنا ہاتھ کوٹ کی جیب میں تھا اور ریوالور کے دستے پر گرفت اتنی ہی مضبوط تھی کہ ضرورت پڑنے پر پلک جھپکتے نکالا جا سکے۔

کچھ دیر بعد وہی لڑکی بائیں جانب والے دروازے میں دکھائی دی۔ ڈاکٹر نے ہاتھ اٹھا کر اسے کچھ اشارہ کیا اور وہ الٹے پیروں واپس گئی۔

''ہاں تو میں کہہ رہا تھا.....!'' وہ حمید کی طرف مڑا۔ ''میں اور ڈیکن گہرے دوست تھے، تھیلما مجھے بھی پسند ہے۔ ہو سکتا ہے ہمارے درمیان جھگڑے کا باعث وہی بنی ہو۔ اگر ڈیکن میرا دشمن ہو گیا ہے تو تھیلما نے فرض کر لیا کہ میں بھی اس کے خون کا پیاسا ہوں۔''

''قدرتی بات ہے۔''

''قدرتی بات.....!'' ڈاکٹر نے طویل سانس لی۔ ''جو بات آج قدرتی ہے کل نہ رہے گی۔ کل چوہا آدمی کی آہٹ پر بھاگتا تھا آج تم نے اسے آدمی پر جھپٹتے دیکھا ہے۔ آج ایسے

معاملات میں رقابت قدرتی بات ہے لیکن کل نہ ہوگی۔''

''لیکن یہ چوہا میری سمجھ میں نہیں آسکا۔''

''میں یہاں ایسے تجربات کررہا ہوں جن کے تحت آدمی کو حشرات الارض کی تباہکاری سے نجات دلائی جاسکے۔لیکن جانتے ہو کیا ہورہا ہے۔مثال کے طور پر چوہوں کو لے لو۔ ہر سال ہمیں ہزاروں ٹن اناج سے محروم کردیتے ہیں۔لہٰذا ضرورت ہے کہ نہ صرف انہیں فنا کیا جائے بلکہ ان کی پیدائش ہی روکنے کی کوشش کی جائے۔''

''بڑا نیک کام ہے۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔

''لیکن میں محسوس کررہا ہوں کہ یہ ناممکن ہے۔جو تدابیر اختیار کرتا ہوں وہ موجودہ نسل کسی حد تک کمزور کردیتی ہیں لیکن اس کی دوسری پشت انہیں تدابیر کا جم کر مقابلہ کرتی ہے۔ دراصل ان کے خلاف ویسی ہی قوت دافعہ لے کر پیدا ہوتی ہے پھر ان کے خلاف دوسری تدابیر اپنے پردادا سے کہیں زیادہ ذہین ہیں۔ایسا ہی چوہا ہے جو آدمی پر بھی جھپٹ سکے، جو چوہا تم اختیار کرنی پڑتی ہیں۔لیکن تیسری پشت انہیں بھی بے کار کردیتی ہے۔جس نسل پر میں نے پرنے ابھی دیکھا تھا اسے ختم کرنے کے لئے میں وہی تدابیر اختیار کررہا ہوں جو اس سے پہلے کی تجربہ کیا تھا اس کی آٹھویں پشت کا کارنامہ تم ابھی دیکھ چکے ہو۔یہ اتنی شیر ہے کہ آدمی ہی سات پشتوں کے لئے کرتا رہا تھا۔شروع کی دو پشتیں کسی قدر کمزور ہوگئی تھیں، ان میں کچھ جھپٹ پڑتی ہے۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔''

''عجیب نہیں بلکہ قدرتی بات ہے۔تمہیں اس سمندر میں بھی مچھلیاں ملیں گی جس کی ٹھنڈک سے جم جاتی ہے۔لیکن کسی تالاب کی مچھلی کو برف کی سل پر ڈال دو تو وہ ختم ہوجائے گی، کیونکہ اتنی ٹھنڈک کے خلاف اُس میں قوت دافعہ موجود نہیں ہے۔لیکن اگر تم روزانہ تالاب کی مچھلیوں کو برف کی سل پر ڈالتے رہو.....کم از کم اتنی دیر تک کہ ان کی زندگی خطرے میں جائے پھر انہیں ہٹالو وہ مرنے نہ پائیں۔میرا دعویٰ ہے کہ ان کی تیسری یا چوتھی پشت برف کی سل پر گھنٹوں پھدکتی پھرے گی۔

حمید سوچنے لگا کہ آخر وہ اتنی بکواس کیوں کررہا ہے۔صورت سے تو جھکی نہیں معلوم ہوتا آنکھوں میں ذہانت اور قوت ارادی کی جھلکیاں بھی موجود ہیں۔ایسی آنکھیں رکھنے والے

ٹھوس اور کم گو ہوتے ہیں۔وہ ایسی چہکتی ہوئی شوخ آواز میں گفتگو نہیں کرسکتے۔

آخر اس نے کہا۔''کیا میں چوہوں کے متعلق معلومات حاصل کرنے آیا ہوں۔''

''مطلب یہ ہے کہ ڈیکن جیسے لوگ میری نظروں میں چوہوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔اس نے مجھے پھانسنے کے لئے ایک گھٹیا پلاٹ بنایا ہے اور ہوسکتا ہے کہ اس کا پردادا کسی قانونی شکنجے میں جکڑا جاسکا ہو۔لیکن اسے گرفت میں لینا مشکل ہوگا کیونکہ اسے قانون کی حدود ہی میں رہ کر قانون شکنی کرنا آ گیا ہے۔وہ ان الفاظ سے بخوبی کھیل سکتا ہے جو کسی قانون کی تشکیل کرتے ہیں۔''

''کیا مطلب.....!''

''اس کے پردادا کے وقت سے اب تک تعزیری قوانین میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی لیکن یہ قانون ہی تھے لیکن بعد کی نسلیں جم کر اُن تدابیر کا مقابلہ کرتی رہیں اور اب یہ چوہا..... ہاہا.....تو کیا سمجھے۔ضرورت ہے کہ تعزیری قوانین میں حسب ضرورت وقتاً فوقتاً تبدیلیاں یا ترمیمات کی جاتی رہیں.....ورنہ ایک دن پورا معاشرہ چوہوں کا اکھاڑہ بن کر رہ جائے گا۔''

''میں تعزیرات پر لیکچر اٹنڈ کرنے نہیں آیا.....ڈاکٹر سعید۔''

''آہا.....آہا.....ٹھیک ہے۔'' ڈاکٹر نے ہنس کر گھنٹی کا بٹن دبایا پھر بولا ''میں سمجھتا ہوں تم چائے بھی پیؤ گے اور تھیلما کے متعلق میری شاعری سے بھی لطف اندوز ہونا چاہو گے۔کیڑے مکوڑوں نے مجھے آدمی بنا دیا ہے ورنہ آج سے دس سال پہلے میں بھی ایک حقیر سا کیڑا تھا۔ اُس وقت میں تم سے آنکھیں چار کر کے یہ نہ کہہ سکتا کہ تھیلما مجھے بہت پسند ہے۔ہاہا.....کہیں تم رقابت کے امکانات پر غور نہ کرنے لگو.....نہیں ڈیئر.....قطعی نہیں.....ڈیکن بھی مجھے اسی لئے پسند ہے کہ وہ تھیلما کو بہت چاہتا ہے اور یہ لڑکی شائد اب تنہا ہے۔اسی لئے گھنٹی.....!''

ڈاکٹر نے اٹھنا چاہا لیکن حمید نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''نہیں شکریہ، اتنا ہی کافی ہے کہ میں سوالات کے جواب دیتے رہو۔ میں چائے نہیں پیوں گا۔''

''اچھا.....!'' ڈاکٹر نے انگڑائی کے سے انداز میں اپنا جسم تانتے ہوئے کہا۔ ''چلو تم ہو جاؤ! آج مجھے بھی کام نہیں ہے۔ میں تمہیں چوبیس گھنٹے کا وقت دے سکتا ہوں۔''

''کیا ڈیکن کو کسی معاملے میں بلیک میل بھی کیا جا سکتا ہے۔''

اس سوال پر پہلی بار حمید کو اس کی آنکھوں میں سنجیدگی نظر آئی۔

وہ چند لمحے شائد اس سوال کو تولتا رہا پھر بولا۔ ''میں اس سوال کا جواب کیسے دے سکوں کیونکہ بلیک میل کئے جانے والے معاملات سے اگر ہر شخص آگاہ ہو تو پھر بلیک میلنگ کا ہی نہ پیدا ہوگا۔''

پھر حمید کو بھی احساس ہوا کہ یہ سوال حد درجہ احمقانہ ہے۔ ویسے وہ بھی یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس سے جلد بازی سرزد ہوئی ہے۔ اسے اس طرح اچانک سامنے نہ آ جانا چاہئے تھا۔ یہ چالاک آدمی اُسے باتوں میں اڑانے کی کوشش کر رہا ہے۔

''دوسرا سوال.....!'' ڈاکٹر مسکرایا۔ حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ لڑکی ہاتھوں پر چائے کے ٹرے اٹھائے ہوئے اندر داخل ہوئی۔ خاصی قبول صورت تھی۔ رکھ رکھاؤ سے ملازمہ بھی معلوم ہوتی تھی۔ ہوسکتا ہے ڈاکٹر سے کوئی رشتہ رہا ہو..... لیکن..... حمید نے سوچا اگر رشتہ ہوتا تو ڈاکٹر اس کے متعلق ایسی باتیں نہ کرتا۔

لڑکی نے ٹرے میز پر رکھ دی اور دو قدم پیچھے ہٹ کر کھڑی ہوگئی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

دفعتاً ڈاکٹر دہاڑا۔ ''پھر وہی براؤن شوگر! کتنی بار سمجھایا ہے کہ میرے سامنے بھوری شے نہ آیا کرے۔''

لڑکی نے سر اٹھایا اور خاموشی سے اُسے گھورتی رہی اور ڈاکٹر ہاتھ ہلا ہلا کر اسے کچھ کہتا رہا۔ پھر یک بیک لڑکی کے حلق سے عجیب قسم کی آوازیں نکلنے لگیں، پہلے تو حمید چکرایا۔ یہ کیسی آوازیں تھیں۔ کیا وہ کسی زبان کے الفاظ تھے جو اس کے لئے نئی رہی ہو۔ پھر بات

دیر سے سمجھ میں آئی..... لڑکی گونگی تھی۔ حمید کا دل چاہا کہ اپنے گالوں پر دو تین تھپڑ لگائے اور کسی ریلوے انجن کی طرح چھک چھک پھک پھک کرتا اور سیٹی بجاتا ہوا یہاں سے نکل بھاگے۔

لڑکی اسی طرح چیختی اور دہاڑتی ہوئی باہر نکل گئی۔ جیسے کہہ رہی ہو۔ ''جہنم میں جاؤ..... مزاج ہی نہیں ملتے بیچارے کے..... ہاں..... نہیں تو.....!''

''یہ مجھے پاگل بنا دے گی۔'' ڈاکٹر سر کے بال نوچتا ہوا بڑبڑایا۔ پھر چونک کر حمید سے پوچھا۔ ''آپ کتنی شکر پیتے ہیں جناب۔''

''شکریہ۔'' حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ ''میں ڈیوٹی پر ہوں اس لئے اصولاً اس قسم کی دعوتیں قبول کرنا میرے بس سے باہر ہے۔''

''اُو ہاہا۔'' ڈاکٹر نے قہقہہ لگایا۔ ''اب یہ چائے بھی حلق میں پھنسے گی۔ اسی طرح جیسے گونگی کی آواز پھنسنے لگتی ہے۔ اچھی بات ہے میں مجبور نہیں کروں گا۔''

وہ صرف ایک پیالی میں شکر ڈال کر چائے انڈیلنے لگا۔ حمید کا دل چاہ رہا تھا کہ ایک ہاتھ سے اس کی ڈاڑھی پکڑنے کی کوشش کرے اور دوسرے ہاتھ سے ایسا بھرپور گھونسہ رسید کرے کہ ناک کا زاویہ ہی بدل کر رہ جائے۔

''اوہ..... کیپٹن.....!'' یک بیک ڈاکٹر چونک کر بولا۔ ''ٹھہرو..... شائد تم اس سلسلے میں کوئی مدد کر سکو۔''

حمید نے اُسے تیکھی نظروں سے دیکھا مگر کچھ بولا نہیں۔

ڈاکٹر کہہ رہا تھا۔ ''وہ چوہا میں نے اسی لئے اس کے پیچھے چھوڑا تھا کہ اس کی اصلیت معلوم کر سکوں۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ گونگی نہیں ہے۔ بہرحال تم نے کھیل بگاڑ دیا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح اس کا معمہ حل ہو۔''

''ڈاکٹر.....!'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ''تم آخر آدمیوں کی طرح گفتگو کیوں نہیں کرتے۔''

وہ دراصل ڈاکٹر کو غصہ دلانا چاہتا تھا۔ اس طرح وہ اس سے کچھ نہ کچھ اگلوانا چاہتا تھا۔ لیکن ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا۔ ''یقین کرو..... پیارے دوست..... میں کسی دن ثابت کر دوں گا کہ

لڑکی گونگی نہیں ہے۔''

اعتراف

فریدی نے حمید سے پوچھا۔''تو کیا وہ گھنٹی کی آواز پر آئی تھی۔''

''مجھے خود بھی حیرت ہوئی تھی۔'' حمید بولا۔''لیکن ڈاکٹر سعید نے اس کی وضاحت کر ہوئے بتایا کہ وہاں ایک بوڑھی عورت اور بھی ہے جو اسے گھنٹی کی آواز کی طرف متوجہ کر ہے۔ پھر بھی یہ کہانی میری سمجھ میں تو نہیں آئی۔''

''ہوں تو گونگی کی کہانی کیا ہے۔'' فریدی نے دانتوں سے سگار نکال کر پوچھا۔

''پانچ تاریخ کو جو قیامت خیز بارش ہوئی تھی اس نے جھریالی کے پورے ہی علا جھیل بنا دیا تھا۔ ڈاکٹر کو وہ اسی شام تجربہ گاہ کے قریب ہی بیہوش پڑی ملی تھی۔ ڈاکٹر نے پاس اس کے متعلق پوچھ گچھ کی، لیکن کوئی بھی اسے نہ پہچان سکا۔ دو دن تک وہ اُسے ساتھ سارے شہر میں بھٹکتا پھرا تھا مگر وہ نہ بتا سکی کہ وہ کہاں رہتی تھی۔ اب اس نے اس کا با خانہ سنبھال لیا ہے۔ ڈاکٹر کا خیال ہے کہ وہ ایک تجربہ کار باورچن کی جگہ پُر کر سکتی ہے۔ کبھی سے یہ بھی نہیں کہتی کہ اسے اسکے گھر پہنچا دیا جائے۔ مگر ڈاکٹر کو شبہ ہے کہ وہ گونگی نہیں ہے۔

''ڈاکٹر دلچسپ آدمی معلوم ہوتا ہے۔'' فریدی کچھ دیر بعد بولا۔

''ڈیکن کے دفتر کا عقبی دروازہ کھولا تھا آپ نے۔''

''ہاں..... وہ تنگ سی راہداری ہے..... جس کا دوسرا دروازہ عقبی گلی میں کھلتا ہے۔ کھلا ہی ہوا ملا تھا۔''

''تو آپ کس نتیجے پر پہنچے ہیں۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ سگار کا دھواں کمرے میں منتشر ہوتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد جب

پوچھا۔''کیا خیال ہے تھیلما کے متعلق..... کیا وہ نہیں چاہتی تھی کہ ہم ڈیکن کے آفس کا عقبی دروازہ کھولیں۔''

''اگر نہیں چاہتی تھی تو اس کا یہی مطلب ہوسکتا ہے کہ اس کی دانست میں کوئی آدمی اس وقت بھی راہداری میں موجود رہا ہوگا۔'' فریدی نے کہا۔

''اس کے ساتھ ہی دوسرا سوال بھی پیدا ہوگا۔'' حمید بولا۔''اگر وہاں اسے کسی کی موجودگی کا شبہ تھا تو شبے کی تصدیق کئے بغیر وہ اتنی دور کیوں دوڑی چلی گئی تھی۔''

''کیا شبہ دو مختلف آدمیوں پر نہیں ہوسکتا۔'' فریدی نے سوال کیا۔

''ہوسکتا ہے وہ اسی لئے وہاں گئی ہو کہ دو کی بجائے کسی ایک پر شبہ کر سکے۔ ڈاکٹر جس انداز میں تم سے ملا تھا اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ واردات کے وقت تجربہ گاہ میں اپنی موجودگی ثابت کر سکے گا۔''

''تب پھر تھیلما ڈیکن کے کسی دوسرے دشمن کے وجود پر روشنی ڈال سکے گی۔''

''یہ نہ بھولو کہ وہ کوئی بلیک میلر ہے۔'' فریدی نے کہا اور اس فون کال کے متعلق بتانے لگا جو ڈیکن کے مجنونانہ حملے کے بعد ہی آئی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

''دوسری طرف سے بولنے والے نے مجھے کچھ اس انداز میں دھمکیاں دی تھیں جیسے ڈیکن ابھی تھوڑی ہی دیر میں مرجائے گا اور میں اس وجہ سے کسی دشواری میں پھنس جاؤں گا کہ لوگوں نے مجھے اس سے ہاتھا پائی کرتے دیکھا تھا۔''

''اوہ..... تو اب ڈیکن کس حال میں ہے۔''

''ڈاکٹر کو اس وقت غلط فہمی ہوئی تھی۔ اب اس کا کہنا ہے کہ حالت قابل اطمینان نہیں۔''

''تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے آپ کو بھی بہر حال ایک الجھن میں پھنسا ہی دیا۔'' فریدی نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور سگار کو ہونٹوں میں دبائے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔''وہ کال کسی عورت کی تھی، جس نے مرد

بننے کی ناکام کوشش کی تھی۔"

"کون سی کال.....!" حمید چونک پڑا۔

"وہی جس کے ذریعہ مجھے مجمعے میں دھمکی دی گئی تھی۔"

"اور تھیلما اس کے بعد ہی آئی تھی۔"

"تم تھیلما کے امکانات پر غور کرو گے۔" فریدی مسکرایا۔

"میں اس کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔"

"تھیلما کے متعلق میں اس وقت تک بہتیری معلومات بہم پہنچا چکا ہوں۔ تھیلما سے شا
سے قبل ڈیکن کوڑی کوڑی کو محتاج تھا۔ تھیلما سے شادی ہوتے ہی اس کا شمار دولت مندوں
ہونے لگا۔ تھیلما سر یعقوب مسیح کی مالدار بیوہ تھی۔ ڈیکن نے شادی کے بعد ریالٹو خریدا تھا

اُوہ.....ٹھہرو.....!"

فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر بولا۔ "ڈیکن کے معاملے پر از سر نو غور کرنا پڑ
گا۔ ہوسکتا ہے تھیلما اس سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہو۔ اسے اس کا بھی علم ہو کہ کوئی اسے بلیک
کرتا رہا ہے۔ لہٰذا اس نے اسی کی آڑ میں اس کا خاتمہ کر دینے کی ٹھانی ہو۔ حالات کو سنسنی
بنانے کے لئے مجھے فون پر مخاطب کیا ہو۔ پھر ڈیکن کے آفس میں آ کر ایسی ایکٹنگ شروع
ہو جیسے ہمیں عقبی دروازہ کھولنے سے باز رکھنا چاہتی ہو۔ ظاہر ہے کہ ہمیں اس حرکت پر اس
طرف متوجہ ہونا ہی پڑتا۔ پھر وہ ڈیکن کی خبر لینے کی بجائے ڈاکٹر طاہر کی طرف دوڑی گئی جس
اعتراف تم خود اپنے کانوں سے سن چکے ہو کہ وہ زہروں کا ماہر بھی ہے۔"

"اُوہو.....تو آپ کا یہ خیال ہے کہ وہ اپنا جرم ڈاکٹر طاہر کے سر تھوپنا چاہتی ہے۔"

"ممکن ہے۔"

"تو پھر کسی تیسرے وجود کے امکانات پر بھی غور کرنا پڑے گا جس کے لئے وہ ڈیکن
خاتمہ کرنا چاہتی ہو۔"

"ضروری نہیں ہے کہ کسی تیسرے آدمی کا وجود بھی ہو۔ ممکن ہے اب وہ آزاد ہی

چاہتی ہو۔"

"اس طرح تو دو کیس بنیں گے۔ ایک تھیلما کا اور دوسرا اس بلیک میلر کا جسے اس معاملے میں خواہ مخواہ کھینچ لایا گیا ہے۔" حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"ختم کرو۔ ابھی ہم کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے۔ تھیلما کے متعلق بھی محض قیاس ہے۔"

"اگر قیاس ہے تو کسی تیسرے کے امکانات پر یقینی طور پر غور کرنا پڑے گا۔"

"ہاں اس صورت میں ممکن ہے۔ اگر ڈاکٹر اس وقت تجربہ گاہ میں اپنی موجودگی ثابت کر دیتا ہے تو کسی تیسرے کے امکانات پر غور کرنا پڑے گا جسے تھیلما بھی جانتی ہے۔"

"یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ تھیلما اُسے جانتی ہے۔" حمید نے سوال کیا۔

"اس سے ایک حماقت سرزد ہوئی تھی۔ وہ یہ کہ اس نے عقبی دروازے کی طرف سے ہماری توجہ ہٹانے کی کوشش کی تھی۔ جب اس حماقت کا احساس ہوا تو ہمارا دھیان دوسری طرف ہٹانے کی کوشش کرنے لگی۔ ڈاکٹر طاہر تک جا پہنچنا اسی کوشش کا نتیجہ تھا۔ روز روشن میں کوئی ایسا آدمی اس گلی سے ڈیکن کے آفس میں گھسنے کی کوشش نہیں کرے گا، جو آس پاس والوں کے لئے اجنبی ہو۔ وہ یہیں کا کوئی فرد ہوسکتا ہے۔ وہ گلی ویران تو نہیں رہتی۔ وہاں ہر وقت دوسری بلڈنگ کے لوگ چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ اکثر نے تو اپنی چار پائیاں تک گلی میں ڈال رکھی ہیں۔ وہ دراصل اس آدمی کی طرف سے ہماری توجہ ہٹانے کے لئے جھریالی دوڑی گئی تھی جس پر خود اُسے شبہ تھا۔ وہ کوئی ایسا ہی آدمی ہے جسے وہ مجرموں کے کٹہرے میں دیکھنا پسند نہ کرے گی اور شاید ڈیکن بھی اس آدمی پر شبہ نہ کر سکے۔ تھیلما سے اضطراری طور پر عقبی دروازے والی حماقت سرزد ہوئی تھی ورنہ وہ بیوقوف تو نہیں معلوم ہوتی۔ اُسے بھی فوری طور پر اپنی دو حماقتوں کا احساس ہوا ہوگا۔ ایک تو یہ کہ وہ ڈیکن کی خبر لینے کی بجائے وہاں رک گئی تھی اور دوسرے عقبی دروازے سے ہماری توجہ ہٹا کر کچھ بتانے کے لئے گھر لے جانا چاہتی تھی۔ ان حماقتوں کا احساس ہوتے ہی اُس نے سوچا ہوگا کہ اب اس کی نگرانی یقینی طور پر کی جائے گی۔ لہٰذا وہ کسی کو بچانے کے لئے جھریالی کی طرف جا نکلی۔ اگر تم اس سے اس سلسلے میں سوالات کرو تو وہ یہی

بتائے گی کہ اُسے ڈاکٹر کے علاوہ اور کسی پر شبہ نہیں ہے۔"

"غالباً آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس کے تعلقات ڈاکٹر کے علاوہ بھی کسی اور سے تھے جس کا علم ڈیکن کو نہیں تھا۔ ڈاکٹر کے متعلق شاید وہ جانتا تھا اور ڈاکٹر کے شبہے کے مطابق اُن دونوں کے جھگڑے کا باعث یہی چیز بنی تھی۔"

"ختم کرو! میری دانست میں یہ ساری باتیں غیر اہم ہیں۔ میں فی الحال اس پر غور کر رہا ہوں کہ اس بار ڈیکن کو بلیک میلر کا وہ تھیلا نہیں ملا تھا جس میں وہ رقم وصول کرتا ہے۔ کیا اس کاروبار میں کوئی خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ آخر وہ اپنا ہی تھیلا کیوں بھیجتا ہے۔"

"کیا آپ کسی نتیجے پر پہنچے ہیں۔"

"ڈیکن کو غالباً تھیلا اس لئے نہیں ملا کہ کہیں وہ ہمارے ہاتھ نہ لگ جائے۔"

"لیکن قاسم کے پاس تو موجود ہے۔"

"بلیک میلر جانتا ہے کہ وہ اپنے باپ سے بہت ڈرتا ہے کسی سے بھی اس کا تذکرہ نہیں کرے گا۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ قاسم عورتوں کے معاملے میں بالکل احمق ہے۔ وہ تصویر کم از کم اپنے دوستوں کو فخریہ دکھاتا پھرے گا۔"

"پھر آپ نے اس کے متعلق کیا سوچا ہے۔"

"فی الحال اس سے دور ہی رہو۔ ہم دیکھیں گے کہ بھوری چٹان پر رکھے جانے والے تھیلے کا کیا حشر ہوتا ہے۔"

"ڈیکن نے وہاں پچاسوں آدمی چھپا کر تھیلے کا حشر معلوم کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن کامیاب نہیں ہوا تھا۔" حمید نے کہا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید اب ڈاکٹر طاہر کے متعلق سوچ رہا تھا۔ پتہ نہیں کیوں۔ فریدی نے اسے زیر بحث نہیں لایا تھا۔ حالانکہ اس کی دانست میں وہ ان معاملات سے کچھ نہ کچھ تعلق ضرور رکھتا تھا۔

دوسرے دن ڈیکن کے متعلق ملنے والی اطلاع تشفی بخش تھی۔ وہ خطرے کے دور سے گذر

چکا تھا اور اس حد تک ہوش میں تھا کہ خود ہی فریدی سے ملنے کی خواہش کی تھی۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ وہ فریدی سے جلد از جلد ملنے پر بضد تھا۔

فریدی اس سے تنہا نہیں ملا تھا۔ حمید بھی ساتھ تھا۔

"مجھے اس کے بارے میں کچھ بھی یاد نہیں۔" ڈیکن نے کہا۔ "یہ سن کر حیرت ہوئی ہے کہ میں نے آپ پر حملہ کیا تھا۔ میری میز کی دراز میں خنجر نہیں تھا۔ کسی نے مجھے فون پر مخاطب کر کے کہا تھا، بلاؤ کرنل فریدی کو جس سے مل کر مجھے پھنسوانے کی فکر میں ہو..... بلاؤ اسے آ کر تمہیں بچائے۔ میں بیس منٹ کے اندر اندر تمہارا خاتمہ کر دوں گا..... میں نے پہلے تو بوکھلا کر آفس کا دروازہ اندر سے مقفل کر دیا تھا پھر آپ کو فون پر اطلاع دی تھی۔ مگر افسوس کہ عقبی دروازے سے بے خبر تھا۔ مگر نہیں مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ گلی والا دروازہ مقفل ہے۔ بہر حال مجھے اتنا ہی یاد ہے کہ میں نے اپنے شانے میں تیز قسم کی چبھن محسوس کی تھی اور میرا پورا جسم بیکار ہو کر رہ گیا تھا۔ ایک جھنجھناہٹ سی تھی، جو رگ و پے میں دوڑتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے بعد کے واقعات ذہن سے قطعی محو ہو چکے ہیں۔"

"عقبی دروازے کا مصرف کیا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"خدا جانے! عمارت میں نے نہیں بنوائی تھی۔"

"تم اسے استعمال کرتے رہے ہو۔"

"جی نہیں! گلی والا دروازہ ہمیشہ مقفل رہتا تھا۔ کبھی اسے کھولنے کی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوئی۔"

"کلب کا سپروائزر کیسا آدمی ہے۔"

"کیوں.....!" ڈیکن چونک پڑا۔ پھر بولا۔ "ارے نہیں۔ میں اس کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا۔ بے حد شریف آدمی ہے جناب۔ ہرگز نہیں قطعی نہیں۔"

"میں نے محسوس کیا ہے کہ اس کے گرد عورتوں کی بھیڑ رہتی ہے۔ عورتوں میں خاصا مقبول ہے۔"

''یہ اس کی ایڈیشنل کوالیفکیشن ہے۔'' ڈیکن بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔ ''جو میرے لئے کسی طرح بھی نقصان دہ نہیں..... ہرگز نہیں۔ اس پر شبہ کرنے سے تو بہتر یہی ہے کہ آپ مجھے ہی پھانسی پر چڑھا دیں..... کیونکہ میرا بزنس اسی کے دم سے چل رہا ہے۔''

پھر اس نے فریدی سے ایک عجیب و غریب درخواست کی۔ اس نے کہا کہ اُسے جیل بھیج دیا جائے۔ ورنہ ہوسکتا ہے کہ دوسرا ان دیکھا حملہ اُسے جہنم ہی میں پہنچا دے۔

فریدی نے اُسے اطمینان دلایا کہ وہ ہسپتال میں بھی خود کو محفوظ ہی سمجھے۔''

اور پھر ہسپتال سے واپسی پر وہ ڈیکن کی رہائشی عمارت کی کمپاؤنڈ میں رکے۔ تھیلما اندر موجود تھی۔ کار اندر پہنچتے ہی وہ خود ہی دوڑی چلی آئی۔ اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے۔ وہ انہیں ڈرائنگ روم میں لے گئی۔ پھر اس کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی فریدی نے بتایا۔

''ڈیکن خطرے سے باہر ہے..... تقریباً آدھے گھنٹے تک ہم سے گفتگو کرتا رہا۔''

مگر تھیلما کے چہرے پر اب بھی پریشانی ہی کے آثار تھے۔ اس نے بدقت کہا۔ ''ڈاکٹر طاہر نے مجھے فون پر مطلع کیا تھا۔ اسکا خیال ہے کہ میں نے اسے دشواریوں میں مبتلا کر دیا ہے۔''

''اس کا خیال غلط نہیں ہے۔'' فریدی مسکرایا۔

''لیکن اس کے پاس واضح ثبوت ہیں کہ وہ دن بھر اپنی تجربہ گاہ ہی میں رہا تھا۔''

''کیا میں کوئی کام کسی دوسرے سے نہیں لے سکتا۔'' فریدی بولا۔

''خدا جانے۔ میں تو بڑی الجھنوں میں پھنس گئی ہوں۔''

''ڈاکٹر پر شبہے کی وجہ کیا تھی۔''

''وہ دونوں ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں اور ڈاکٹر زہروں کا ماہر ہے۔''

''کوئی ایسا بھی ہے جس سے آپ نفرت کرتی ہیں۔'' حمید خواہ مخواہ بول پڑا۔

''کم از کم ایک آدمی تو ایسا ضرور ہے۔'' فریدی مسکرایا۔ ''لیکن آپ اسے نہیں جانتیں۔''

تھیلما یک بیک چونک پڑی اور اس کے چہرے پر بے چینی کے آثار نظر آئے، پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہ خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہی ہو۔

''مم..... میں آپ کی بات بھی نہیں سمجھ سکی۔''

''اس بار تھیلا آیا ہے یا نہیں.....!'' فریدی نے اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

پھر ایسا ہی معلوم ہوا جیسے اُسے الیکٹرک شاک لگا ہو۔ جھٹکے کے ساتھ کرسی کی پشت سے ٹک گئی تھی اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے فریدی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ حمید کھوپڑی سہلانے لگا۔

''تھیلا آئے تو مجھے ضرور مطلع کر دیجئے گا۔ میں اپنا کارڈ چھوڑے جا رہا ہوں۔'' فریدی اٹھ گیا۔

تھیلما اتنی نروس ہوگئی تھی کہ انہیں برآمدے تک چھوڑنے کے لئے بھی نہ گئی۔

''یہ آپ کیا کرتے پھر رہے ہیں۔'' حمید نے گاڑی میں بیٹھتے وقت کہا۔

''جال بچھا رہا ہوں۔''

''آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ تھیلما کو بھی بلیک میل کیا جا رہا ہے۔''

''ایک اندازہ تھا جو درست ثابت ہوا۔''

''آخر اندازے کی بھی کوئی نہ کوئی وجہ ہی ہوگی۔''

''تھیلما مالدار عورت ہے۔''

''یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ ضروری نہیں ہے کہ ہر مالدار کوئی ایسی کمزوری بھی رکھتا ہو جس کی بناء پر اُسے بلیک میل کیا جا سکے۔''

''تھیلما کے ساتھ ایک ایسی کمزوری موجود ہے..... وہ آدمی جس کی طرف سے ہماری توجہ ہٹانے کے لئے وہ جھریالی دوڑی گئی تھی۔''

''آپ کا اشارہ ریالٹو کے سپروائزر فیروز کی طرف تو نہیں ہے۔'' حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''ابھی آپ نے اس کا تذکرہ ڈیکن کے سامنے بھی چھیڑا تھا۔''

''تمہارا خیال غلط نہیں ہے۔''

''آخر کس بناء پر۔''

''میں نے کل سے آج تک تھیلما کی کڑی نگرانی کرائی ہے۔ وہ یہ معلوم کر لینے کے لئے

بہت بے چین تھی کہ ڈیکن پر وہ حملہ فیروز کی طرف سے تو نہیں ہوا تھا۔ وہ فیروز ہی کے معاملے میں بلیک میل کی جاسکتی ہے۔ ڈیکن اسے ہرگز پسند نہیں کرے گا کہ وہ اس کے کسی ملازم سے تعلقات استوار کرے۔ دراصل وہ دونوں ہی ایک دوسرے سے خائف ہیں۔ تھیلما جانتی ہے کہ ڈیکن ایک خطرناک آدمی ہے اس لئے وہ اس سے کنارہ کشی اختیار نہیں کر سکے گی۔ ڈیکن کے لئے وہ سونے کی چڑیا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اگر ان کا ازدواجی رشتہ ختم ہوگیا تو اُسے ایک بہت بڑے خسارے سے دوچار ہونا پڑے گا۔''

''اور کوئی آدمی دونوں ہی کو الگ الگ بلیک میل کر رہا ہے۔''

''فی الحال میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں۔''

گھر پہنچے انہیں دس منٹ بھی نہیں گذرے تھے کہ ملازم نے تھیلما کا کارڈ پیش کیا۔

وہ پہلے سے بھی زیادہ خوفزدہ اور نروس نظر آئی۔

''خدا کے لئے مجھ پر رحم کیجئے۔'' وہ گڑگڑانے لگی۔ ''ڈیکن کو کچھ نہ بتایئے گا۔''

''ہمارا کام کسی کو کچھ بتانا نہیں بلکہ معلوم کرنا ہے۔ ڈیکن کو یہ بھی نہیں بتایا گیا کہ تم جھریالی گئی تھیں۔'' فریدی نے جواب دیا۔

''میں بے حد مشکور ہوں جناب۔ جب آپ اتنا جانتے ہیں تو یہ بھی جانتے ہوں گے کہ مجھے کس معاملے میں بلیک میل کیا جارہا ہے۔''

''تم نے ہنری گیل کی کہانی پڑھی تھی؟'' فریدی نے سوال کیا۔

''جی ہاں..... اس نے مجھے بھی مطلع کیا تھا کہ وہ جب چاہے کسی دوسرے طریقے سے بھی مجھے ذلیل کرسکتا ہے اس لئے میں کبھی ادائیگی کے سلسلے میں کوتاہی نہ کروں۔''

بہرحال اس نے بھی وہی کہانی دہرائی جو وہ ڈیکن کی زبانی پہلے سن چکے تھے۔ اس کے پاس بھی مقررہ تاریخوں پر پلاسٹک کے تھیلے آتے تھے۔

اس نے بھی جھریالی کی بھوری چٹان ہی کا حوالہ دیا تھا۔ پھر اس نے دوبارہ اپنا سوال دہرایا۔

''کیا آپ مجھے بلیک میل کرنے کی وجہ بھی جانتے ہیں۔''

''قطعی! لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ اُسے اپنے اسسٹنٹ کی موجودگی میں ظاہر کروں۔ یہ تمہاری آئندہ زندگی کا سوال ہے۔ مطمئن رہو۔ کوئی ایسی بات نہ ہونے پائے گی جو تمہارے لئے نقصان دہ ثابت ہو۔''

تھیلما کی آنکھیں دھندلا گئیں۔ دو موٹے موٹے قطرے ان کی سطح پر پھیل گئے تھے۔

تھیلما چلی گئی اور حمید اپنی کھوپڑی ہی سہلاتا رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ فریدی کس قسم کا جال پھیلانے کی کوشش کر رہا ہے۔ دفعتاً فریدی بولا۔ ''اگر میں نے اسی کے گھر پر ٹھہر کر بلیک میلنگ کے متعلق کچھ معلوم کرنے کی کوشش کی ہوتی تو شائد اس سے ایک لفظ بھی نہ اگلوا سکتا۔ اب دیکھو کہ خود ہی بھاگی چلی آئی..... کام کرنا سیکھو۔''

پُراسرار چور

پھر حمید کام کرنا سیکھنے لگا۔ دفتر سے چلتے وقت اس نے لیڈی انسپکٹر ریکھا سے چند الٹی سیدھی باتیں کیں اور گھر کی طرف بھاگ لیا۔ ذرا دیر بعد ریکھا بھی موجود تھی اور اس کا پارہ چڑھا ہوا تھا۔

فریدی نے حمید کو گھور کر دیکھا اور حمید بڑبڑانے لگا۔ ''کہاں سر دے ماروں۔ کام کرنا سیکھوں تو مصیبت..... نہ سیکھوں تو مصیبت۔''

''کیا بکواس ہے۔''

''کل کیا کہا تھا آپ نے؟'' حمید نے بھی آنکھیں نکالیں۔

''کیا مطلب.....؟''

''عورتوں سے ہمیشہ اس قسم کی گفتگو کرو کہ وہ خود ہی گھر تک دوڑی چلی آئیں۔''

''حمید میں تمہارا سر دیوار سے ٹکرادوں گا۔''

''کچھ بھی کیجئے فی الحال روزانہ ایک عورت ہے زیادہ سیکھنا مشکل ہے۔ کوشش کروں گا کہ تعداد بڑھ سکے۔''

پھر وہ اگر وہاں سے ٹل نہ جاتا تو شائد فریدی اُسے پیٹ ہی دیتا۔

وہ باتھ روم سے واپس آیا تو چائے کی میز پر ریکھا بھی نظر آئی۔ حمید ذرا دور ہٹ کر بیٹھا۔ لیکن اب اس نے سنجیدگی اختیار کرلی تھی۔

ریکھا کے سامنے دو آنکھوں کی تصویر کا لائف سائز انلارجمنٹ رکھا ہوا تھا جسے وہ بہت توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

حمید نے بھی اُسے غور سے دیکھا اور بیگ اس کی یادداشت میں ایک پرچھائیں سی کلبلائی اور وہ اپنے ذہن کو کریدنے لگا۔ یہ آنکھیں..... اُوہ..... یہ آنکھیں تو اسی لڑکی کی تھیں جس کا ہینڈ بیگ لے بھاگی تھی۔ جس نے ہنری گیل کو بیوقوف بنایا تھا..... اور..... اور وہ بیگ اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ پھر میز پر دونوں ہاتھ ٹیک کر تصویر پر جھک پڑا۔

''کیا وحشت ہے۔'' فریدی نے اُسے گھورا۔

''یہ آنکھیں..... میرے خدا..... کیا یہ اسی لڑکی کی نہیں ہیں۔''

''قطعی اسی کی ہیں۔''

''یہ اس گونگی لڑکی کی بھی ہوسکتی ہیں، جسے میں نے ڈاکٹر طاہر سعید کے ہاں دیکھا تھا۔''

''ٹھہریئے.....!'' ریکھا ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''کس کس کی ہوسکتی ہیں یہ آنکھیں..... خیال ہے کہ میں نے انہیں کئی بار دیکھا ہے۔ اکثر دیکھتی رہی ہوں۔ یہ اپنے آپریشن روم ہلدا گارفیلڈ ہی کی آنکھیں ہوسکتی ہیں۔''

''یہ کون ہے..... میں نے اُسے آج تک نہیں دیکھا۔'' فریدی نے کہا۔

''رات کی شفٹ میں ہوتی تھی۔ میرا خیال ہے کہ مدت ملازمت بھی دو ماہ سے زیادہ نہیں تھی۔''

''تو کیا اب نہیں ہے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''پچھلے ہی ہفتے الگ کی گئی ہے۔''

''کس بناء پر.....!''

''شائد کام بہتر طور پر نہیں کر رہی تھی۔''

فریدی حمید کی طرف مڑا چند لمحے گھورتا رہا پھر بولا۔ ''اور اب تمہیں یاد آیا ہے کہ اس گونگی کی آنکھیں ایسی ہی تھیں۔''

''میرا خیال ہے۔''

''اگر وہی تھی تو اب وہاں نہ ہوگی۔ تمہیں وہاں دیکھ لینے کے بعد رک ہی نہیں سکتی۔''

''ڈاکٹر کہاں جائیگا۔'' حمید نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ ''میں ابھی جا کر اُسے دیکھتا ہوں۔''

''بیٹھو.....!'' فریدی ہاتھ ہلا کر بولا۔ ''مجھے علم ہے کہ اب وہ وہاں نہیں ہے۔ اسی رات غائب ہوگئی تھی، جب تم وہاں پہنچے تھے۔ اس کی بھی تصدیق ہوچکی ہے کہ ڈاکٹر اُسے اپنے ساتھ لئے پھرتا رہا تھا اس کے متعلق معلومات فراہم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن کوئی ایسا نہیں ملا تھا جو گونگی کو پہچانتا ہوتا۔''

''میں نہیں سمجھ سکتی کہ یہ کہاں کی کہانیاں ہیں۔'' ریکھا بولی۔ ''یہ تصویر آپ نے مجھے کیوں دکھائی تھی؟''

''یہی تھی جس نے تمہارے بیگ سے ہنری گیل کیس کا فائیل اڑایا تھا اور یہ معلوم کیا تھا کہ حمید اُسی کیس کے کاغذات تارجام سے کب لائے گا۔''

''تو کیا آپ ڈاکٹر سے ملے تھے۔'' حمید نے پوچھا۔

''ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔'' فریدی نے کہا اور کافی کی پیالی کھسکا کر سگار سلگانے لگا۔

''وہ سُور مجھے قانون پڑھا رہا تھا..... دیکھوں گا۔''

''اس سلسلے میں مجھ سے مشورہ لئے بغیر ایک قدم بھی نہ اٹھانا ورنہ نتیجے کے تم خود ذمہ دار ہوگے۔''

حمید بُرا سا منہ بنا کر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

ریکھا نے ایسے انداز میں اس کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہی ہو "گدھے ہو پرلے کے، تمہاری اہمیت ہی کیا ہے۔"

دفعتاً حمید نے اس سے کہا۔ "اب تم بھی کام کرنا سیکھو! کہہ دو کوئی ایسی بات کہ میں ہوا تمہارے گھر پہنچ جاؤں۔"

"بڑے خونخوار کتے پال رکھے ہیں میں نے۔"

"لیکن ابھی اتنے کمسن ہیں کہ ممی بھی نہیں کہہ سکتے۔" حمید مایوسانہ لہجے میں بولا۔

"گدھے ہو۔" ریکھا نے جھینپے ہوئے انداز میں کہا۔

"لیکن ہر گدھا خواہ انگریزی سے نابلد ہی کیوں نہ ہو ڈارلنگ ضرور کہہ سکتا ہے۔"

آخر ریکھا نے جھلا کر فریدی سے کہا۔ "مجھے حیرت ہے کہ یہ حضرت آپ کے ساتھ بکواس کرتے رہتے ہیں۔"

"اس بیچارے کی زندگی کا انحصار ہی بکواس پر ہے۔" فریدی مسکرایا۔

قاسم بھوری چٹان سے نیچے اتر رہا تھا۔ ہاتھ میں ٹارچ نہ ہوتی تو اب تک سر کے ٹکڑے ہو گئے ہوتے۔ ویسے غنیمت یہی تھا کہ یہ چٹان خشک اور کھردری تھی ورنہ جھریالی کی پہاڑ تو عام طور پر سال بھر نم آلود کائی سے ڈھکی رہتی ہیں اور ان پر قدم جمانا بھی دشوار ہوتا ہے۔

"ہوسکتا ہے اسی لئے بھوری چٹان کا انتخاب کیا گیا ہو۔"

یک بیک قاسم کی ذہنی رو بہک گئی اور وہ بڑبڑایا۔ "سالے نہیں تو.....!" پھر اس کے پیر بھی رک گئے۔ وہ مڑا اور دوبارہ اوپر چڑھنے لگا۔ مگر اس بار اس نے ٹارچ نہیں روشن کی تھی۔ اوپر پہنچ کر بھی ٹارچ روشن نہیں کی۔ بس چپ چاپ پالتھی مار کر ایک جگہ بیٹھ گیا۔

پھر ایک منٹ بھی نہیں گذرا تھا کہ کسی جانب سے کوئی اس پر جھپٹ پڑا..... وہ غافل تھا اس لئے اس کی کھوپڑی نے چٹان سے ٹکرا کر زوردار آواز پیدا کی اور وہ حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

"اے بے رکھ تو دیئے ہیں۔"

"لاحول ولا قوۃ.....!" حملہ آور کی زبان سے بیساختہ نکلا اور اس نے اُسے چھوڑ دیا۔

قاسم نے کسی دوسرے آدمی کے قہقہے کی آواز سنی اور بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔ آواز ایسی ہی جانی پہچانی تھی کہ ہنسنے کا انداز پہلے بھی اکثر اُسے زہر لگتا رہا تھا۔

دوسرے ہی لمحے میں ایک ٹارچ روشن ہوئی اور روشنی کا دائرہ تیزی سے چٹان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھسلتا چلا گیا۔

"آپ لوغ میری مٹی پلید کر دیں گے۔" قاسم آپے سے باہر ہو گیا۔

اس نے فریدی اور حمید کو اچھی طرح پہچان لیا تھا۔

"ہائیں..... پیکٹ..... پیکٹ کہاں گیا۔" حمید بولا۔

"اس ڈفر نے کھیل بگاڑ دیا۔" فریدی بڑبڑایا۔

"میں تو کہتا ہوں اس کی کیا جرورت تھی۔" قاسم پھر غرایا۔

"اور میں پوچھتا ہوں کہ تم پھر واپس کیوں آ گئے تھے۔" فریدی کا لہجہ غصیلا تھا۔

وہ دونوں غالباً کہیں قریب ہی چھپے ہوئے تھے۔ قاسم نے چونکہ واپسی میں ٹارچ نہیں روشن کی تھی اور جھکا ہوا اوپر چڑھ رہا تھا اس لئے وہ اندھیرے میں دھوکا کھا گئے۔

"تم یہیں ٹھہرو۔" فریدی نے کہا اور ایک جانب اترتا چلا گیا۔

غصے کی زیادتی کی وجہ سے قاسم کے حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ حمید بھی الجھن میں تھا کہ آخر وہ نیچے اترتے اترتے پلٹ کیوں پڑا تھا۔

بمشکل تمام وہ قاسم کو بولنے پر آمادہ کر سکا۔

"کیوں نہ پلٹ آتا۔" قاسم دہاڑا۔ "سالے نے مجھے اُلو بنایا ہے..... نہیں سالے تمہاری زبان کالی ہے۔ کیا کہتے ہیں اُسے..... تم کل جھے ہو..... تم نے کہا تھا کہ اب وہ نہ آئے گی۔ پھر

کیسے آتی سالی۔نہیں آتی تو کیا میرے دو ہزار حرام کے ہیں۔کہاں وہ سالا سامنے آئے۔"

"اب تو تمہارے باپ ہی کو ساتھ لے کر آئے گا۔"

باپ کے حوالے پر قاسم دم بخود رہ گیا۔ایسا معلوم ہوا جیسے معدے سے کوئی چیز اڑ کر میں آ پھنسی ہو۔پھر آہستہ آہستہ دماغ ٹھنڈا ہوگیا اور اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اب قیا ہوگا؟"

"اگر ہنٹروں نے کچھ چھوڑا تمہارے جسم پر تو اس کی بیلنس شیٹ تیار کی جائے گی۔"

"مت نام لو.....مت بور کرو.....سب کچھ اسی سالی اکاؤنٹنسی کی وجہ سے ہوا ہے۔دماغ خراب ہوجاتا ہے..... پاگل ہوجاتا ہوں.....اور پھر یہ سب کچھ ہونے لگتا ہے.....بلیک مارکیٹنگ میں پھنس جاتا ہوں۔"

"بلیک مارکیٹنگ.....!" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ابے تم ہی نے تو کہا تھا کہ وہ بلیک مارکیٹنگ کررہا ہے.....دو ہزار.....ارے رے رے.....یہ بلیک مارکیٹنگ نہیں تو اور کیا ہے.....مگر پھر بھی آنا بند کردیا ہے اس نے۔"

"ہوں تو تم اس چکر میں تھے۔میں نے بلیک میلنگ کہا تھا فرزند۔"

یک بیک قریب ہی سے فائر کی آواز آئی اور حمید بوکھلا کر چٹان پر لیٹ گیا اور قاسم بھی کہا کہ وہ جلدی سے لیٹ جائے۔

پھر دوسرا فائر ہوا.....پھر تیسرا.....حمید سوچ رہا تھا کیا فریدی کسی سے ٹکرا گیا ہے۔یا مقصد کے تحت ہوائی فائرنگ کررہا ہے۔آخر اُسے وہیں ٹھہرنے کو کیوں کہہ گیا تھا۔

قاسم چپ چاپ پڑا رہا۔کچھ دیر بعد دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔وہ فریدی تو نہیں ہوسکتا تھا۔وہ تو خصوصیت سے ایسے جوتے پہن کر آئے تھے جو سنگلاخ سے ٹکرا کر آواز نہ پیدا کرسکیں۔

حمید تیزی سے کھسکتا ہوا چٹان کے سرے پر چلا گیا۔لیکن نیچے کوئی نہ دکھائی دیا۔آواز بتدریج دور ہوتی چلی گئی۔

حمید سوچ رہا تھا کاش وہ اس وقت ڈاکٹر طاہر کی تجربہ گاہ کے آس پاس ہوتا۔آخر یہیں کون سے تیر مار رہا ہے۔فریدی کو چاہئے تھا اُسے وہیں چھوڑ دیتا۔اس طرح بیک وقت دو کام ہوجاتے۔ڈاکٹر طاہر کو بھی چیک کیا جاسکتا۔پھر وہ سوچنے لگا کہ اتنی جلدی پیکٹ غائب ہوجانا معجزہ ہی ہوسکتا ہے۔وہ ایسی جگہ تھی کہ کوئی لیٹ کر رینگتا ہوا بھی چٹان پر پہنچا ہوتا تو انہیں ضرور دکھائی دیتا۔

دفعتاً قاسم بڑبڑایا۔"قیا مصیبت ہے۔ابے کب تک پڑا رہوں گا۔دو ہزار بھی دو اور دھکے بھی کھاتے پھرو۔"

"پڑے رہو چپ چاپ.....!" حمید غرایا۔

"ارے بیٹا چلو.....دیکھو چل کر.....دھائیں دھائیں بھی تو ہوئی تھی.....کہیں تمہارے ابا جان خلاص نہ ہوگئے ہوں.....بڑے قرنل بنے پھرتے ہیں بیچارے۔"

یک بیک حمید چونک پڑا کوئی رینگتا ہوا چٹان پر آیا تھا۔بیساختہ اس کا ہاتھ ریوالور پر گیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس نے فریدی کی آواز سنی۔

"نکل گیا.....؟"

قاسم کا موڈ بہت خراب ہوگیا تھا۔اس لئے اس نے اُن سے کسی قسم کی گفتگو نہیں کی تھی۔اپنی گاڑی تک انہیں کیسا تھ آیا تھا۔لیکن چلتے وقت رسماً بھی نہیں پوچھا تھا کہ وہ کدھر جائیں گے۔

پھر وہ دونوں اپنی گاڑی کی طرف چل پڑے تھے۔

"کچھ بھی نہ ہوا۔" حمید گاڑی میں بیٹھتا ہوا بڑبڑایا۔

"بہت کچھ ہوا ہے۔" فریدی نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا اور کوئی چیز حمید کی گود

میں ڈال دی۔

''اوہو..... یہ.....تو یہ آپ نے اٹھایا تھا۔'' حمید نے زرد رنگ کے پلاسٹک کا پیکٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''نہیں.....!''

''پھر آپ کے ہاتھ کیسے لگا۔''

''بڑی سنسنی خیز کہانی ہے حمید صاحب۔ایک ہزار آدمی چٹان کے آس پاس چھپا دیئے جائیں تب بھی چور پر ہاتھ ڈالنا مشکل ہی ہوگا۔ شائد اُن کے فرشتے بھی نہ معلوم کرسکیں کہ کب پیکٹ کھسکا لے گیا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''وہ ایک چوہا تھا۔''

''چوہا.....!'' حمید اچھل پڑا۔ اُسے دل کی دھڑکن کھوپڑی میں محسوس ہونے لگی۔ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے کنپٹیاں چٹخ جائیں گی۔

''تو پھر اب کہاں جارہے ہیں.....!'' اس نے بھرائی ہوئی سی آواز میں پوچھا۔

''گھر.....!''

''اس کے باوجود بھی ہم ڈاکٹر طاہر سعید کو چیک نہیں کریں گے۔''

''دیکھا جائے گا۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

''آپ نے فائرنگ کس پر کی تھی۔''

''فائرنگ اسی نے کی تھی۔''

''چوہے نے.....!'' حمید حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

''احمق..... کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ اسے میل دو میل گھسیٹ کر لے جاتا ہوگا۔ چوہے کا بس اتنا ہے کہ وہ پیکٹ کو کھسکا کر ایک مخصوص جگہ تک لے جائے۔ اس کے بعد وہ کسی آدمی کے ہاتھ لگتا ہے۔''

''تو اس نے آپ پر فائرنگ کی تھی.....اور آپ نے اُسے نکل جانے دیا۔''

''یہ پہاڑیاں بڑی واہیات ہیں..... بہرحال یہ مسئلہ تو اب صاف ہی ہوگیا کہ وہ اپنے پیکٹ کیوں بھیجتا ہے۔ مجھے خصوصیت سے اسی کی فکر تھی۔ مجھے فکر تھی اور اُسے شامت ہی نے گھیرا تھا کہ وہ قاسم کا انتخاب کر بیٹھا۔''

''تو آپ کی دانست میں اس پیکٹ میں کوئی خصوصیت ہے جس کی بناء پر چوہے اُسے لے بھاگتے ہیں۔''

''یہی خیال ہے۔ ورنہ چوہوں کو اس حد تک ٹرین نہیں کیا جاسکتا۔ کچھ چوہے یہاں مخصوص جگہوں پر رکھے گئے ہیں جن کے لئے باقاعدہ طور پر خوراک مہیا کی جاتی ہوگی تاکہ وہ ادھر اُدھر بھٹکتے نہ پھریں..... پیکٹ کی بو پر تیر کی طرح اس کی طرف آتے ہوں گے اور اُسے مخصوص ٹھکانوں ہی پر لے جاتے ہوں گے..... جہاں وہ اس نامعلوم آدمی کے ہاتھ لگتا ہوگا۔''

''پیکٹ کی بو پر آتے ہوں گے.....!'' حمید بڑبڑایا۔ ''یہ کیسے ممکن ہے۔''

''بہتیری ایسی چیزیں ہیں جن پر مختلف قسم کے جانور بُری طرح جان دیتے ہیں۔ دور ہی سے اُن کی بو پر بیتاب ہوجاتے ہیں۔ مثال کے طور پر جڑی بوٹیوں میں ایک چیز ہوتی ہے اِلچھڑ..... بلیاں اس کی بو پر پاگل ہوجاتی ہیں۔ کہیں چھپا کر رکھو ہر حال میں نکال لے جائیں گی۔ ہوسکتا ہے اس تھیلے کے اجزائے ترکیبی میں کوئی ایسی چیز شامل ہو جسے چوہے پسند کرتے ہوں۔ ویسے بھی یہ تھیلا مخصوص بناوٹ کا ہے۔ ان تھیلوں سے بہت مختلف جو عام طور پر پیکنگ کے کام میں آتے ہیں، اُسے تم کھردری سے کھردری زمین پر گھسیٹو ہلکی سی آواز بھی پیدا نہ ہوگی۔''

''ممکن ہے.....!'' حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''مگر آپ کی نظر کیسے پڑی تھی اس پر۔''

''پیکٹ چوہے کی گرفت سے نکل کر بلندی سے گرا تھا۔ اگر نہ گرتا تو شائد مجھے پتہ بھی نہ چلتا کہ وہ کب میرے قریب ہی سے گذرا تھا۔ گرنے کی آواز پر میں نے ٹارچ روشن کی تھی، ٹھیک اسی وقت چوہے نے بھی بلندی سے گرے ہوئے پیکٹ پر چھلانگ لگائی تھی اور کسی نے مجھ پر فائر کیا تھا۔ چوہا پیکٹ نہ لے جاسکا۔ وہ میرے ہاتھ لگا۔ فائر کرنے والا شائد نروس ہوگیا

تھا۔ اسی لئے اس سے مزید فائروں کی حماقت سرزد ہوئی تھی، بہرحال میں اس کے باوجود اس پر ہاتھ نہ ڈال سکا۔

''اب کیا خیال ہے۔''

''میں ڈاکٹر سعید کی تجربہ گاہ سے تقریباً ایک فرلانگ ادھر ہی اُتر جاؤں گا تم شہر جا پیکٹ ساتھ لے جاؤ۔ قاسم کے روپے اسے واپس کرنے کی ضرورت نہیں۔ تھیلے کے متع معلومات حاصل کرو کہ وہ کہاں بنایا گیا ہے۔ لیبر کمشنر کے دفتر سے پلاسٹک کے کارخانو لسٹ بہ آسانی مل جائے گی۔''

''اوہ تو کیا وہ کسی کارخانے میں تیار کرائے گئے ہوں گے۔''

''نہیں درختوں کی طرح زمین سے اُگے ہوں گے.....!'' فریدی نے تلخ لہجے میں ک

''جو کچھ کہہ رہا ہوں وہی کرنا۔ معلومات حاصل کرنے کے بعد مجھے فون نمبر تین سو پند اطلاع دینا۔ ضروری نہیں ہے کہ کل میں تمہیں گھر یا آفس میں مل سکوں؟''

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شائد فریدی کسی خاص راہ پر لگ گیا ہے۔ ایسے مو پر وہ تنہا کام کرتا تھا۔

اس نے ایک جگہ گاڑی روکی اور مزید کچھ کہے بغیر نیچے اُتر گیا۔

وہ کون تھا

حمید اپنی رپورٹ مکمل کر چکا تھا اور اس کی میز پر چار رپورٹیں اور بھی تھیں، تھیلما، ڈ ڈاکٹر سعید اور ریالٹو کے سپروائزر فیروز کے متعلق! یہ رپورٹیں اُن لوگوں سے ملی تھیں جو رات ان چاروں کی نگرانی کرتے رہے تھے۔ ڈیکن تو اب بھی پولیس ہسپتال ہی میں تھا نے پچھلی رات اپنے فلیٹ میں گذاری تھی۔ فیروز ریالٹو سے باہر نہیں نکلا تھا اور ڈاکٹر

سرِشام ہی شہر آیا تھا اور رات شہر ہی میں اپنے عزیز کے ہاں گذاری تھی۔

حمید نے سوچا کہ فریدی کی پچھلی رات والی لاپروائی بے وجہ نہیں تھی۔ اس نے پہلے ہی سے انتظام کر رکھا تھا کہ مشتبہ افراد کی نگرانی ہوتی رہے۔ لیکن پھر جھریالی ہی میں کیوں رک گیا تھا..... اوہ..... ڈاکٹر تو شہر میں تھا ممکن ہے اس نے تجربہ گاہ کی تلاشی لی ہو۔

کچھ دیر بعد اس نے فون پر فریدی کے بتائے ہوئے نمبر ڈائیل کئے دوسری طرف سے اجنبی سی آواز آئی۔

''کرنل فریدی کے لئے رپورٹ ہے۔''

''ڈکٹیٹ سر! دوسری طرف سے آواز آئی۔''

''تھیلے ایک سال قبل فیشن مولڈرز نے بنائے تھے۔ تعداد ڈھائی لاکھ تھی۔ یہ ایک ایسی فرم کے لئے بنائے گئے تھے جو خشک کئے ہوئے دودھ کا کاروبار کرتی تھی۔ روکسی فوڈ انڈسٹریز۔ فرم کی طرف سے کچھ کیمیاوی اشیاء مہیا کی گئی تھیں جو پلاسٹک میں حل ہو سکتی تھیں۔ یہ تھیلے اسی محلول سے تیار کئے گئے تھے۔ تھیلوں کی قیمت نقد ادا کی گئی تھی چیک نہیں دیا گیا تھا۔ خود فرم ہی کے ایک آدمی نے کارخانے ہی میں ڈیلیوری لی تھی۔ اس لئے کارخانے والے یہ نہیں بتا سکتے کہ مال کہاں گیا تھا۔ چھان بین کرنے پر پتہ چلا ہے کہ روکسی فوڈ انڈسٹریز کے نام کا کوئی ادارہ اس شہر میں کبھی نہیں تھا..... ٹھیک!''

''یس سر.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی اور حمید نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

دوسری رپورٹوں کے متعلق اُسے کوئی ہدایت نہیں ملی تھی اس لئے اس نے انہیں فائل کر دیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی کا یہ اندازہ کہ نا درست تھا کہ اس پلاسٹک میں کسی چیز کی آمیزش کی گئی تھی جس سے تھیلے بنائے گئے تھے۔

یک بیک وہ چونک پڑا۔ تھیلوں کے متعلق انکوائری کے سلسلے میں ایک اہم بات رہ گئی تھی۔ اس کے متعلق ضرور پوچھنا چاہئے تھا۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر فیشن ہولڈرز کے نمبر ڈائیل کئے۔ دوسری طرف سے فوراً ہی جواب ملا۔

''فرام انٹیلی جنس بیورو.....!''

''یس سر.....!''

''روکسی کے تھیلوں کے متعلق۔''

''یس سر! اِٹ از منیجر۔''

''کیا ان کیمیکلز کے متعلق کچھ خاص ہدایات دی گئی تھیں، جنہیں پلاسٹک میں حل کرنا تھا۔''

''بہت دنوں کی بات ہوئی جناب۔ مگر ٹھہریئے۔ ممکن ہے فورمین کو کچھ یاد ہو۔ اس سلسلے میں جتنی باتیں یاد ہیں ان کی وجہ یہی تھی کہ اس قسم کی ہدایات پر ہم نے کبھی کوئی چیز نہیں تیار کی تھی۔''

حمید نے ریسیور میز پر ڈال دیا۔ پھر دو منٹ بعد دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''ہیلو..... جی ہاں! فورمین کو یاد ہے۔ کیمیکلز کے متعلق ہدایات تھیں کہ انہیں چوہوں سے بچایا جائے۔ فورمین کا کہنا ہے کہ ان دنوں چوہوں کی وجہ سے بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اُن کیمیکلز پر بھی چوہے ٹوٹتے تھے اور بنے ہوئے تھیلوں کو بھی محفوظ رکھنا مشکل ہو گیا تھا۔''

''شکریہ۔'' حمید نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ پھر فریدی کے بتائے ہوئے نمبروں پر ڈکٹیٹ کرائی ہوئی رپورٹ میں بھی بعد کی اطلاع کا اضافہ کرایا۔

اس بار اُس سے کہا گیا کہ اس کے لئے بھی ایک پیغام ہے۔ وہ پیغام فریدی کی طرف سے تھا جس کے مطابق اُسے ٹھیک ساڑھے تین بجے جھریالی پہنچنا تھا۔

فریدی پچھلی رات گھر نہیں آیا تھا اور آج دفتر سے بھی غائب رہا تھا۔ حمید فون پر ملے ہوئے پیغام کے مطابق جھریالی کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس کیس کے تصفیہ میں جتنی دیر لگ رہی تھی اسی کی مناسبت سے حمید کی اکتاہٹ بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ اور اب تو وہ سوچ رہا تھا کہ شاید ابھی یہ چرخہ چلتا ہی رہے۔ کیونکہ پچھلی رات والے واقعہ نے مجرم کی آنکھیں کھول دی ہوں گی اور اب وہ کافی محتاط ہو جائے گا۔ سابقہ

تجربات شاہد تھے کہ محتاط ہو کر قدم اٹھانے والے مجرموں پر ہاتھ ڈالنا کتنا مشکل ہو جاتا تھا۔ اُن کے لئے کتنے داؤں پیچ کرنے پڑتے تھے۔

فریدی وہیں ملا جہاں اُسے پہنچنے کا کہا گیا تھا۔

''تم نے خاصا کام کر لیا ہے۔'' اس نے کہا۔ ''مگر فی الحال مجرم کا ہاتھ آنا مشکل ہی نظر آ رہا ہے۔''

''آپ کل سے اب تک کیا کرتے رہے.....!''

''کچھ نہ کچھ کر گذرنے کی توقع تھی، لیکن کچھ بھی نہ ہو سکا۔'' فریدی نے کہا۔ ''پہلے خیال تھا کہ وہ لڑکی ہی سب کچھ ہے لیکن اب تمہاری رپورٹ سے کسی مرد کا بھی وجود ثابت ہوتا ہے جس نے کارخانے سے تھیلوں کی ڈیلیوری لی تھی۔''

''خدا کی پناہ۔'' حمید نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔ ''تو کیا آپ ابھی تک یہی سوچتے رہے ہیں کہ یہ صرف اسی لڑکی کا کارنامہ ہے۔''

''یقیناً یہی سوچتا رہا تھا کیونکہ اس کے علاوہ ابھی تک کسی اور سے سابقہ نہیں پڑا۔ وہ ہمارے محکمے کے آپریشن روم میں کام کرتی رہی تھی۔ اُسی نے ہنری گیل کیس کا فائیل اڑایا۔ اُسی نے تمہارے ہینڈ بیگ پر ہاتھ صاف کیا تھا۔ اسی نے چھ ماہ تک ہنری گیل کو اُلو بنائے رکھا تھا۔ وہی قاسم کو بھی بلیک میل کرنے کا ذریعہ بنی تھی۔ وہی تمہیں ڈاکٹر طاہر کے یہاں بھی نظر آئی تھی اور اب غائب ہے اور ڈیکن کے آفس میں جس نے مجھے فون پر مخاطب کیا تھا وہ بھی کوئی عورت ہی تھی، لیکن اس نے مردوں کی سی آواز بنانے کی کوشش کی تھی۔''

''اگر ایک اکیلی لڑکی نے اتنی اُدھم مچائی ہے تو پھر ہمیں خودکشی ہی کر لینی چاہئے۔''

''صرف تمہیں..... کیونکہ تمہارے ذہن میں آج بھی عورت کے نام پر اٹھارویں صدی کی عورت کا تصور ہوتا ہے۔''

''تو پھر پچھلی رات بھی وہی رہی ہوگی، جس نے آپ پر فائرنگ کی تھی۔''

''مجھے اس پر بھی حیرت نہ ہوگی کیونکہ میرا سابقہ ناتوتہ جیسی عورتوں سے بھی پڑ چکا ہے اور

میں تھریسیا بمبل آف بوہیما کے بارے میں بھی بہت کچھ جانتا ہوں۔''

وہ پہاڑیوں کے قریب پہنچ گئے تھے۔حمید نے اس وقت یہاں آنے کی وجہ پوچھی۔

''میرا خیال ہے کہ پچھلی رات جس نے مجھ پر فائر کیا تھا وہ اب بھی یہیں موجود ہے۔''

''اس خیال کی وجہ۔''

''فائرنگ کی آواز سن کر کچھ آدمی نکاسی کے راستوں پر جم گئے تھے، جو اس وقت بھی وہیں موجود ہیں۔''

''اوہ.....تو اور لوگ بھی تھے۔''

''قطعی.....ایسی جگہوں پر کافی محتاط رہنا پڑتا ہے۔اُوہ.....ٹھہرو.....وہ کیا.....سامنے نوکیلی چٹان پر.....!'' فریدی نے رک کر جیب سے دوربین نکالی اور اُسے آنکھوں کے برابر لا ہی رہا تھا کہ دفعتاً حمید ارے ارے کہتا ہوا ڈھیر ہوگیا۔فریدی تیزی سے مڑا.....حمید زمین پر دونوں ہاتھ ٹیکے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا اور اس کے پیر گھٹنوں تک زمین میں دھنسے ہوئے تھے۔ پھر فریدی ہی نے اُسے اس مصیبت سے نجات دلائی۔جیسے ہی پیر زمین سے نکلے دو موٹے موٹے چوہے اچھل کر بھاگے۔

''کیا مصیبت ہے.....!'' حمید بڑبڑایا اور جھک کر اُس گڑھے میں جھانکنے لگا جو مٹی دھنسنے کی وجہ سے بن گیا تھا۔

زمین کھوکھلی معلوم ہوتی تھی۔فریدی نے بھی شبہ پر اپنے پیروں کے نیچے مٹی دھنستی محسوس کی تھی۔اس لئے جلدی سے ایک طرف ہٹ گیا تھا۔

''چوہوں کی کارگذاری۔'' وہ پھر اُسی چٹان کی طرف مڑتا ہوا بڑبڑایا۔جہاں کچھ دیکھنے کے لئے دوربین نکالی تھی۔

''میرا دعویٰ ہے کہ یہ سرنگ ڈاکٹر طاہر کی تجربہ گاہ سے جا ملی ہوگی۔'' حمید نے کہا۔

فریدی نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور چٹان کی جانب دوربین اٹھائے رہا۔

حمید جھنجھلا گیا۔اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر اتنے پاپڑ کیوں بیلے جارہے ہیں۔

اگر اس لڑکی کا کوئی مرد ساتھی بھی تھا تو وہ ڈاکٹر کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔جال ہی بچھانا ہے تو ڈاکٹر کے لئے بچھایا جائے۔لڑکی تو خود بخود آ پھنسے گی۔

لیکن وہ صرف سوچتا ہی رہا۔فریدی نے دوربین آنکھوں سے ہٹاتے ہوئے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالی اور ایک جانب بڑھتا ہوا بولا۔''آؤ.....!''

وہ کچھ ہی دور چلے ہوں گے کہ یک بیک چاروں طرف سے دھماکوں کی آوازیں آنے لگیں۔حمید رک گیا۔

''فکر نہ کرو۔'' فریدی بولا۔''وہ صرف دھوئیں کے بم ہیں۔ایسے غاروں میں پھینکے جارہے ہیں جن میں اس کی موجودگی کے امکانات ہوں۔''

''خدا کی پناہ.....ایک لڑکی کے لئے۔'' حمید نے پھر بُرا سا منہ بنایا۔

''ضروری نہیں ہے کہ لڑکی ہی ہو۔میں نے حالات کی بناء پر قیاس کیا تھا بہرحال جو کوئی بھی ہو مسلح ہے۔اس لئے غاروں میں گھسنے کا خطرہ نہیں مول لیا جاسکتا۔''

وہ بڑھتے رہے۔کئی جگہ گہرے دھوئیں کے بڑے بڑے مرغولے چکرا رہے تھے۔ دھماکوں کی آوازیں اب نہیں آرہی تھیں۔

یک بیک کئی آدمیوں کی چیخنے کی آوازیں آئیں۔''وہ ہے۔وہ ہے۔''

''ٹھہرو.....!'' کسی نے چیخ کر کہا۔''ورنہ گولی ماردی جائے گی۔''

پھر دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں.....ایک تیز قسم کی چیخ.....آواز نسوانی ہی تھی۔

''سنبھل کر۔'' فریدی نے اُسے آواز دی۔ان پہاڑیوں میں دوڑنا آسان کام نہیں تھا۔

لیکن حمید دوڑتا ہی رہا۔عورت برابر چیخے جارہی تھی۔

پھر ایک چٹان پر پہنچ کر اس نے ایک دلچسپ منظر دیکھا۔

عورت اُن چھ آدمیوں پر پتھراؤ کر رہی تھی جو اسے گھیرنے کی کوشش کر رہے تھے۔حمید بلندی پر تھا اور عورت کی پشت اُسی کی طرف تھی۔

حمید بآہستگی چٹان سے اُترا اور بہت احتیاط سے اس کی طرف بڑھنے لگا۔وہ جوش میں

بھری ہوئی پتھر اٹھا کر پھینک رہی تھی اور اسکے حلق سے گونگوں ہی کی سی آوازیں نکل رہی تھیں۔

حمید اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔ پھر اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لینے میں اس نے بڑی پھرتی دکھائی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں خود اس کی چیخیں بھی چٹانوں سے ٹکرا کر دور دور تک پھیلنے لگیں کیونکہ عورت نے اس کے داہنے ہاتھ پر منہ مار دیا تھا اور اس کے دانت بڑی بے دردی سے گوشت میں پیوست ہوتے چلے جا رہے تھے۔ اس مصیبت سے گلو خلاصی ایسی مشکل بھی نہیں تھی۔ لیکن معاملہ تھا ایک عورت کا، حمید بائیں ہاتھ سے اس کی گدی پر گھونسہ رسید نہ کر سکا۔ ویسے اتنی دیر میں دوسرے بھی جھپٹ پڑے، انہوں نے حمید کا ہاتھ چھڑایا۔

دانت گوشت میں اچھی طرح پیوست ہوئے تھے۔ انگلیوں سے خون ٹپکنے لگا تھا۔

یہ وہی گونگی لڑکی ثابت ہوئی جسے وہ ڈاکٹر طاہر کی تجربہ گاہ میں دیکھ چکا تھا۔ وہ اب بھی چیخے جا رہی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ رومال سے باندھ دیئے گئے۔

''خاموش رہو۔'' فریدی نے ڈانٹ کر کہا۔ لیکن لڑکی خاموش نہ ہوئی۔ کئی قسم کی کریہہ آوازیں اس کے حلق سے نکل رہی تھیں۔

تجربہ گاہ والی عمارت کا برآمدہ روشن تھا۔ ڈاکٹر طاہر برآمدے ہی میں مل گیا۔ لڑکی آگے چل رہی تھی۔ فریدی اور حمید پیچھے تھے۔

جیسے ہی وہ روشنی میں پہنچے ڈاکٹر کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ ساتھ ہی وہ اس طرح کرسی سے اٹھا تھا جیسے کسی نے اُسے اُچھال دیا ہو۔

''اُوہ..... اوہ.....!'' وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر آگے بڑھا۔ پھر ایک جھٹکے کے ساتھ رک گیا۔ اب اس کے چہرے پر ایسے ہی آثار تھے جیسے آفیسروں کا فعل اُسے گراں گذرا ہو، اس

کی نظر گونگی کے بندھے ہوئے ہاتھوں پر تھی۔

''میں نے یہ تو نہیں کہا تھا جناب کہ یہ یہاں سے کچھ لے کر بھاگی ہے۔ براہِ کرم ہاتھ کھول دیجئے۔'' اس نے تلخ لہجے میں کہا۔

ادھر لڑکی نے ڈاکٹر پر نظر پڑتے ہی دہاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دیا تھا۔ ڈاکٹر پھر تیزی سے آگے بڑھا، غالباً اس کے ہاتھ کھول دینے ہی کا ارادہ رکھتا تھا۔

''نہیں.....!'' فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔ ''محتاط رہئے۔ ہاتھ آپ کی شکایت پر نہیں باندھے گئے۔''

''رحم کرنا سیکھئے۔ یہ نہ بھولئے کہ آپ آدمی بھی ہیں۔'' ڈاکٹر کا لہجہ غصیلا تھا۔

''لیکن مجھے ایسے چوہے پہچان لینے کا سلیقہ ہے، جو آدمیوں پر بھی جھپٹ پڑتے ہوں۔''

''کیا مطلب.....!''

''مجھے بھی شبہ ہے کہ یہ گونگی نہیں ہے۔''

''مجھے یقین ہے کہ میں نے اُسے سمجھنے میں غلطی کی تھی۔'' ڈاکٹر بولا۔

''یہ قطعی گونگی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اسی لئے یہاں سے بھاگ نکلی ہو کہ میں اسکے امتحان کیلئے طرح طرح کی حرکتیں کرتا رہتا تھا۔ ایک بار ایک بے ضرر سانپ بھی اس پر پھینکا تھا..... لیکن۔''

''میں سمجھتا ہوں..... بے اختیاری میں بھی اس نے گونگے پن ہی کا مظاہرہ کیا ہوگا۔''

''جب آپ سمجھتے ہیں تو پھر اس طرح۔''

''ہم کب تک کھڑے رہیں گے ڈاکٹر۔'' فریدی مسکرایا۔ لڑکی خاموش ہو کر سسکیاں لے رہی تھی۔

''اوہ..... آیئے..... جی ہاں! تشریف رکھئے۔ دراصل میں ایسے مناظر کی تاب نہیں لا سکتا۔ خدا کی پناہ۔ دیکھئے اس کی آنکھوں میں کتنی معصوم التجائیں دم توڑ رہی ہیں۔''

فریدی نے حمید کی طرف مڑ کر کہا۔ ''تم جاؤ..... لیکن واپسی جتنی جلدی ممکن ہو اتنا ہی اچھا ہے۔''

حمید جانے کے لئے مڑا.....اور فریدی نے ڈاکٹر سے کہا۔ ''مجھے افسوس ہے کہ میں یہاں ٹھہر کر آپ کی تکلیف کا باعث بنوں گا۔''

''جی نہیں.....جی نہیں۔'' ڈاکٹر بولا۔ ''مگر یہ منظر تکلیف دہ ہے۔ کم از کم اس کے ہاتھ کھول ہی دیجئے۔''

فریدی کرسیوں کی طرف بڑھا۔ اس نے لڑکی کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

کچھ دیر بعد ڈاکٹر نے پوچھا۔ ''یہ ملی کہاں۔''

''پہاڑیوں میں.....اس پر کئی الزامات ہیں۔ بعض معاملات میں شبہات یقین کی حد تک پہنچ چکے ہیں۔''

''مگر میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اس نے یہاں کسی جرم کا ارتکاب نہیں کیا تھا۔''

''ہوں.....اُوں! ہوسکتا ہے۔'' فریدی باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں گھورنے لگا۔

تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر ڈاکٹر بولا۔ ''یہاں اس طرح بیٹھے رہنے کا مقصد میں نہیں سمجھ سکا۔ اسے بداخلاقی نہ سمجھئے۔ ایسے حالات میں اس قسم کی ذہنی خلش پیدا ہوسکتی ہے۔''

''یہاں تین ایسے افراد آنے والے ہیں جو شائد اسے شناخت کرسکیں۔'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''ڈاکٹر کی پلکیں جھپک گئیں۔ وقفہ معمول سے زیادہ تھا۔''

''میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس کام کے لئے یہ جگہ کیوں منتخب کی گئی ہے۔''

''آپ اس لڑکی سے غیر متعلق تو نہیں ہیں ڈاکٹر۔''

ڈاکٹر طاہر سعید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

لڑکی کبھی ڈاکٹر کی طرف دیکھتی تھی اور کبھی فریدی کی طرف۔ اس کے چہرے پر اب بھی سراسیمگی کے آثار تھے۔

کچھ دیر بعد ڈاکٹر نے پوچھا۔ ''کیا میں اُن تینوں افراد کو جانتا ہوں۔''

''اچھی طرح۔'' فریدی نے کہا اور جیب سے سگار نکال کر اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ''ہوسکتا ہے کہ آپ انہیں دیکھ کر متحیر رہ جائیں.....سگار.....!''

''شکریہ! میں پائپ پیتا ہوں۔'' ڈاکٹر نے کہا اور فریدی ایک سگار منتخب کرکے اس کا گوشہ توڑنے لگا۔ ڈاکٹر کی آنکھوں میں اضطراب کی لہریں تھیں۔ اس نے کہا۔ ''کیا پہلے سے اُن کے نام معلوم کرلینا خلاف مصلحت ہوگا۔''

''ہرگز نہیں.....ڈیکن، تھیلما اور فیروز.....!''

''کیا مطلب.....!'' ڈاکٹر اچھل پڑا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

پھر آہستہ آہستہ تحیر زدہ خدوخال میں تیکھا پن پیدا ہونے لگا۔ کچھ دیر بعد اس کی آنکھوں میں نفرت، حقارت اور کینہ توزی کی جھلکیاں نظر آئیں۔ پھر ہونٹوں کی جنبش پر جو آواز نکلی تھی اُسے کسی کٹکھنے کتے کی غراہٹ ہی سے تشبیہہ دی جاسکتی۔

وہ کہہ رہا تھا۔ ''میں سمجھ گیا.....مجھے پھانسنے کے لئے جال بچھایا جارہا ہے۔''

''یہ کس بناء پر کہہ رہے ہو دوست۔'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''میں اسی دن سمجھ گیا تھا جب کیپٹن حمید تھیلما کے پیچھے یہاں آئے تھے۔''

''اوہ.....!'' فریدی نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ ''ہم کافی ثبوت فراہم کئے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتے۔''

''ثبوت! میرے خلاف کیا ثبوت رکھتے ہو۔ میں زہروں کا ماہر ہوں۔ ان کے استعمال کے طریقوں سے بھی واقف ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ سوئیاں کیسے زہر آلود بنائی جاتی ہیں..... پھر! کیا ثبوت ہے تمہارے پاس کہ وہ زہریلی سوئی میں نے ہی ڈیکن پر آزمائی تھی۔''

''ان مسائل پر ابھی بحث کرنا قبل از وقت ہوگا ڈاکٹر۔'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ ''فی الحال اس لڑکی کا مسئلہ درپیش ہے۔ یہ گونگی ہے یا نہیں۔''

''معلوم کرو.....!'' ڈاکٹر نے بیزاری سے کہا اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

فریدی کی اسکیم کے مطابق حمید نے اُن تینوں کو بتا دیا تھا کہ ایک ایسی گونگی لڑکی ہاتھ لگی ہے جس سے کبھی نہ کبھی اُن کا سامنا ضرور پڑا ہوگا۔ انہیں ڈاکٹر طاہر کی تجربہ گاہ تک چلنا پڑے گا

جہاں فریدی لڑکی سمیت موجود ہے۔

انہوں نے کہا تھا کہ وہ شائد ہی کسی گونگی لڑکی کو پہچانتے ہوں۔ کیونکہ سالہا سال انہیں کسی گونگی لڑکی سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

پھر بھی وہ حمید کے ساتھ جھریالی جانے پر رضا مند ہو ہی گئے۔ مگر ڈیکن بار بار اس حیرت ظاہر کررہا تھا کہ آخر فیروز کو کیوں لے جایا جارہا ہے۔ تھیلما کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا بھی جارہا تھا۔ ڈیکن نے دبی زبان سے پوچھا بھی تھا کہ تھیلما کو ان باتوں سے کیا سروکار..... لیکن فریدی نے لاعلمی ظاہر کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ صرف احکامات کی تعمیل کررہا ہے اُسے تفصیل سے آگاہ نہیں کیا گیا۔

''یہ آپ کے ہاتھ میں کیا ہوا ہے۔'' ڈیکن نے پوچھا۔

''سبق ملا ہے۔''

''کیسا سبق.....!''

''یہی کہ لڑکیوں سے ہمیشہ دور رہو۔ پتہ نہیں ان میں سے کون گونگی ہو اور کب کاٹ کھائے۔''

''اوہو..... تو کیا اس لڑکی نے.....!''

''ہاں! بڑی مشکل سے قابو میں آئی ہے۔''

''میں نہیں سمجھ سکتا کہ وہ کس قسم کی لڑکی ہوگی اور مجھے کس سلسلے میں اس کی شناخت کرنے کے لئے ہے۔'' ڈیکن بولا۔

''میرا خیال ہے کہ یہ وہی لڑکی ہے جسکے متعلق تم نے ہنری گیل کی کہانی میں پڑھا ہوگا۔''

''مگر وہ گونگی کب تھی۔ اخبارات میں تو اس کے گونگے پن کا تذکرہ نہیں تھا۔''

''ختم بھی کرو یار! خواہ مخواہ جھک مارنے سے کیا فائدہ۔ ابھی ذرا سی دیر میں تم وہاں جاؤ گے دیکھ لینا۔''

ڈاکٹر فریدی اور گونگی لڑکی انہیں برآمدے ہی میں ملے۔ کئی کرسیاں اب بھی خالی تھیں۔ ڈاکٹر نے انہیں دیکھ کر نفرت سے ہونٹ سکوڑے اور دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

''کیوں مسٹر ڈیکن.....!'' فریدی نے پوچھا۔ ''کیا آپ اس لڑکی کو پہچانتے ہیں۔''

ڈیکن نے نفی میں سر ہلا دیا۔ لیکن وہ لڑکی کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ تھیلما اور فیروز نے اعتراف کیا کہ وہ لڑکی کو نہیں جانتے۔ پہلے کبھی اس سے ملنے کا اتفاق بھی نہیں ہوا تھا۔

ڈاکٹر اب انہیں توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ کبھی کبھی اس کی نظریں لڑکی کے چہرے پر جا رکتیں۔

''ہلدا گر فیلڈ.....!'' فریدی نے لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''تمہیں اب بولنا ہی پڑے گا۔''

لیکن لڑکی کے چہرے پر کسی قسم کا تغیر نہ محسوس کیا جا سکا۔

''ارے..... نام بھی رکھ دیا آپ نے۔'' ڈاکٹر ہنس پڑا۔ ''مگر ہے بڑا پیارا نام۔''

حمید نے محسوس کیا کہ اس نے کنکھیوں سے تھیلما کی طرف بھی دیکھا تھا۔

حمید اُسے گھورنے لگا۔ یک بیک اس نے فریدی کو اٹھتے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک رومال تھا۔

وہ لڑکی کے قریب پہنچا اور اس کے منہ پر اس طرح رومال باندھنے لگا کہ ناک منہ اور ٹھوڑی چھپ گئے۔ صرف آنکھیں اور پیشانی کھلی رہیں۔ لڑکی بُری طرح مچلی تھی اور جھلاہٹ میں اس کے حلق سے طرح طرح کی آوازیں بھی نکلی تھیں اور ڈاکٹر کچھ بڑبڑانے لگا۔ بقیہ لوگوں کے چہروں پر ایسے ہی آثار تھے جیسے وہ فریدی کو پاگل سمجھتے ہوں۔

دفعتاً ڈاکٹر نے کہا۔ ''اسے لکھ لو کرنل..... اگر یہ گونگی نہیں ہے تب بھی کم از کم تمہارے لئے ہمیشہ گونگی رہے گی۔ اگر یہ ایکٹریس ہے تو خدا کی قسم اس کی ٹکر کی دوسری آج تک نہ پیدا ہوئی ہے اور نہ پیدا ہوگی۔ میں نے اسے اس طرح آزمایا ہے..... فولاد کا دل رکھنے والے بھی اپنے آباؤ اجداد کا نام لے کر پکارنے لگتے۔''

''اس طرح تم اس کا دل بڑھا رہے ہو..... کیوں.....؟'' حمید دہاڑا۔

مگر فریدی ان کی طرف دھیان دیئے بغیر ڈیکن، تھیلما اور فیروز کی طرف مڑا۔

''اب ان آنکھوں کو غور سے دیکھو.....!'' اس نے کہا۔

''سب سے اچھا شعر کہنے والے کو ''عین الشعراء'' کا خطاب دیا جائے گا۔'' ڈاکٹر قہقہہ لگایا۔

''خاموش رہو.....!'' حمید نے پھر آنکھیں نکالیں۔

''یار تم بہت چڑ چڑے معلوم ہوتے ہو۔ عورتوں کی موجودگی میں تمہیں تہذیب کا مظ کرنا چاہئے۔'' ڈاکٹر بولا۔

''یہ لڑکی..... مختلف ناموں سے متعدد اشخاص کو دھوکا دے چکی ہے۔'' فریدی

''پلاسٹک میک اپ کے ذریعہ صرف اپنی ناک اور دہانے میں تبدیلیاں کر کے شکلیں بدلتی ہے..... لیکن آنکھیں..... تم تینوں غور کرو۔ کیا کبھی یہ آنکھیں تمہاری نظروں سے گذری ہیں۔''

''تب تو پھر مجھے خود کو خوش قسمت ہی سمجھنا چاہئے۔'' ڈاکٹر نے کہا۔ ''کیونکہ یہ مجھ اپنی اصلی شکل میں ملی تھی۔ کیوں..... کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔''

''نہیں تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' فریدی مسکرایا۔

ڈیکن اس طرح لڑکی کو دیکھ رہا تھا جیسے حافظے پر زور دے کر کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا

''اوہ.....!'' وہ آہستہ سے ایک قدم آگے بڑھتا ہوا بڑبڑایا۔ ''اوہ..... یہ تو وہی ہوتی ہے..... ہاں بالکل وہی۔''

وہ لڑکی کے قریب پہنچ کر دوزانو بیٹھ گیا اور اس طرح جھک کر اس کی آنکھوں میں دی لگا جیسے بس اب پہچان کر کسی نام کا اعلان کرنے والا ہے۔

لیکن ٹھیک اسی وقت فریدی نے اس پر چھلانگ لگائی اور وہاں افراتفری مچ گئی۔

ڈیکن کسی چکنی مچھلی کی طرح اس کی گرفت سے نکل کر حمید سے جا ٹکرایا تھا اور اس نے اس کی پتلون سے ریوالور بھی نکال لیا تھا۔

''خبردار کوئی اپنی جگہ سے جنبش نہ کرے۔'' وہ دیوار سے لگتا ہوا بولا۔

جو جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ حمید اُسے خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا کیونکہ اُس کی وجہ اُسے خفت اٹھانی پڑی تھی۔ ذرا سی بات نہیں تھی کہ کوئی اس کی جیب سے ریوالور نکال لے

اب وہ سوچ رہا تھا کہ ریوالور کے ساتھ اسٹرنگ ضرور استعمال کرنی چاہئے اس طرح وہ اپنی پھرتی سے ریوالور پر ہاتھ نہ ڈال سکتا۔ مگر فریدی نے اس پر چھلانگ کیوں لگائی تھی۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ اسی وقت گونگی لڑکی کی آنکھوں میں دانشمندانہ الجھن کے آثار نظر آئے تھے۔

خود ڈیکن کی یہ حالت تھی کہ اس کے ہونٹ سختی سے بھنچے ہوئے تھے۔ دفعتاً اس نے کہا۔

''تم سب چلے جاؤ..... باہر نکلو..... ورنہ کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

ڈاکٹر، تھیلما اور فیروز برآمدے سے نیچے اُتر گئے۔ فریدی اور حمید نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔

''سن رہی ہو لڑکی۔'' فریدی ریوالور پر نظر جمائے ہوئے بولا۔ ''ابھی تم ہمیشہ ہمیشہ کیلئے پاگل ہو جاتیں۔ پھر بولتیں بھی تو کیا..... بائیں جانب نیچے سرخ رنگ کی ایک سوئی پڑی ہوئی ہے۔''

لڑکی بائیں جانب جھکی۔ بس ایک پل کے لئے ڈیکن کی توجہ اس کی طرف مبذول ہوئی تھی کہ فریدی نے اس پر چھلانگ لگا دی۔

''کمال کا آدمی ہے۔'' ڈاکٹر بڑبڑایا۔ ''خدا کی پناہ۔''

''یہ سب کیا ہو رہا ہے۔'' دفعتاً تھیلما چیخنے لگی۔ ریوالور ڈیکن کے ہاتھ سے نکل کر پھر حمید کے قبضے میں پہنچ چکا تھا اور وہ کوشش کر رہا تھا کہ فریدی کی گرفت سے نکل کر بھاگے۔ اس کے لئے وہ اپنے دانت بھی استعمال کر رہا تھا۔

ادھر لڑکی نے بھی کھسک جانا چاہا مگر حمید نے جھپٹ کر اس کے بال پکڑ لئے اور گھسیٹتا ہوا برآمدے کے نیچے لیتا چلا گیا۔ ڈاکٹر مضطربانہ انداز میں آگے بڑھ کر بولا۔ ''اوہ..... اوہ..... جناب..... یہ ظلم ہے۔ اس طرح نہیں۔''

''پیچھے ہٹو.....!'' حمید دہاڑا اور ٹھیک اُسی وقت لڑکی منمنائی۔ ''میں سب کچھ بتا دوں گی۔''

''میرے خدا.....!'' ڈاکٹر اچھل پڑا۔ ''کمال ہے..... خدا کی قسم کمال ہے۔''

''حمید گاڑی سے ہتھکڑیاں۔'' فریدی نے برآمدے سے آواز دی۔ ''پچھلی سیٹ کے

نیچے.....ڈاکٹر! لڑکی کا خیال رکھو۔ قانون کے نام پر۔''

وہ ڈیکن کے سینے پر سوار تھا اور ڈیکن کسی تھکے ہوئے چوپائے کی طرح ہانپ رہا تھا۔ ہونٹ سختی سے بند تھے۔



کچھ دیر بعد وہ پھر انہیں کرسیوں پر نظر آئے۔ ڈیکن اور لڑکی کے ہاتھوں میں ہتھ تھیں۔ لیکن لڑکی کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ وہ بہت زیادہ غصے میں تھی۔ ڈیکن کی آنکھیں بند اور وہ مُردوں کی طرح آرام کرسی میں پڑا ہوا تھا۔

دفعتاً لڑکی غرائی۔ ''ڈیکن.....تم سے زیادہ خود غرض کتا آج تک میری نظروں سے گذرا۔ میں نے تمہارے لئے اتنی سختیاں جھیلی تھیں لیکن تم مجھے اس کا کیا صلہ دے تھے۔ زہریلی سوئی۔ تم نے سوچا کہیں میں پولیس کی سختیوں سے ڈر کر اپنے گونگے اعتراف کر ہی نہ لوں.....اس لئے تم نے یہ سوئی.....!''

وہ خاموش ہو کر ہانپنے لگی۔ پھر فریدی کی طرف دیکھ کر بولی۔

''یہ اتنا کمینہ اور بے ضمیر آدمی ہے کہ اپنی بیوی کو بھی بلیک میل کرتا رہا تھا۔'' اس نے بھی کہنا چاہا لیکن فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''میں جانتا ہوں۔ تفصیل میں جانے کی ضرورت

تھیلما نے اُسے تشکر آمیز نظروں سے دیکھا۔ فیروز نروس نظر آنے لگا تھا اور ڈا ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ اس نے پہلے فیروز پر نظر ڈالی اور پھر تھیلما کی طرف لگا۔ تھیلما کی پلکیں جھک گئیں اور ڈاکٹر باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں گھورنے لگا۔

''تم ڈاکٹر کے ہاں کیوں آئی تھیں؟'' فریدی نے لڑکی سے پوچھا۔

''آپ اگر ڈیکن تک نہ پہنچتے تو اس کی نوبت ہی نہ آتی۔ ہم بدستور اپنا کا

رہتے۔ ڈیکن ہی اصل چور تھا اس لئے جب آپ نے اس سے پوچھ گچھ شروع کی تو اس نے سوچا شائد آپ کو اس پر شبہ ہو گیا ہے۔ لہٰذا اس نے ایک اسکیم بنائی جس کے تحت آپ کا شبہ بھی رفع کر دے اور بزنس بھی جاری رہے۔ لہٰذا اس نے اسکیم ہی کے تحت آپ کو بلیک میلر کے طریق کار سے بھی آگاہ کر دیا۔ وہ جانتا تھا کہ آپ بھوری چٹان کی نگرانی ضرور کرائیں گے، اس کا خیال تھا کہ ہاتھی کی تلاش میں رہنے والوں کی نظر چیونٹیوں پر نہیں پڑتی۔ آپ کو وہاں کسی آدمی کی تلاش ہوتی، لیکن پیکٹ تو چوہے کھسکاتے! وہ بھی محض اتفاق ہی تھا کہ اس رات پیکٹ چوہے کی گرفت سے نکل کر نیچے گر گیا تھا اور آپ نے آواز پر ٹارچ روشن کر لی تھی۔ اس لئے پیکٹ کا چور ظاہر ہو گیا تھا۔ ڈیکن نے آپ سے تھیلے کا تذکرہ تو کیا تھا لیکن آپ کی ہدایت پر کوئی تھیلا آپ کو دیا نہیں تھا۔ وہ ایسا کر ہی نہیں سکتا تھا۔ اگر کرتا تو تھیلے کی خصوصیت آپ پر ظاہر ہو جاتی، جہاں کسی چوہے تک اس کی بو پہنچتی وہ اُسے حاصل کر لینے کے لئے بیتاب ہو جاتا۔ بہرحال اس نے یہ کہہ کر آپ کو ٹال دیا کہ اس بار ابھی تک بلیک میلر کی طرف سے تھیلا نہیں ملا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا کوئی شکار کبھی آپ تک پہنچ ہی نہ سکے گا اس لئے اس کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ تھیلا کبھی آپ کے ہاتھ لگے۔ ویسے اُن شکاروں کے معاملے میں وہ ذرا محتاط ہو گیا تھا جن پر آپ کی نظر پڑ سکتی۔ بالکل اسی طرح جیسے آپ خود اُسی پر چڑھ دوڑے تھے۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو شبہ تھا کہ ڈیکن کو بھی بلیک میل کیا جا رہا ہوگا کیونکہ وہ بھی ہنری گیل ہی کی طرح کم از کم پولیس کی لسٹ پر پہلے ہی سے تھا۔ بہرحال اس نے جو ڈرامہ کیا تھا اس کے لئے اس نے مجھے باقاعدہ وقت دیا تھا کہ میں اس کے نمبر ڈائیل کر کے بدلی ہوئی آواز میں آپ کو مخاطب کروں، اس طرح آپ کے رہے سہے شبہات بھی رفع ہو جاتے اور آپ یقین کر لیتے گے، وہ حقیقتاً بلیک میل کیا جا رہا ہے۔''

''میں نے پوچھا تھا کہ تم ڈاکٹر کے یہاں کیوں آئی تھیں۔'' فریدی بولا۔

''ڈاکٹر بیچارہ تو بہت پہلے سے غیر شعوری طور پر آلہ کار بنتا رہا تھا۔ زہروں اور ان کے استعمال کے بارے میں ڈیکن کی معلومات اس کی رہین منت ہیں۔ پلے پلائے چوہے بھی

یہیں سے چرائے جاتے تھے۔لیکن ڈاکٹر کو اس کی خبر نہیں تھی۔اسے شائد یہ بھی نہ معلوم ہو ڈیکن نے اسی کی ایک دریافت سے فائدہ اٹھایا تھا..... یہ دریافت تھی وہ مادہ جس پر جان دیتے ہیں۔''

''اس سے کس طرح فائدہ اٹھایا۔'' ڈاکٹر چونک پڑا۔لیکن لڑکی اس کی طرف توجہ بغیر کہتی رہی۔

''میں ڈاکٹر کے یہاں اس لئے آئی تھی کہ پہاڑیوں سے قریب رہ کر ڈیکن کے شکاروں سے رقومات بھی وصول کرتی رہوں اور جب ضرورت پیش آئے چوہے بھی بہم چراسکوں۔گونگی کا رول خاصا کامیاب رہا تھا۔جب بھی مجھے رات کو رقم وصول کرنے پہاڑ میں جانا ہوتا تھا ڈاکٹر کو کافی میں خواب آور دوا دے دیتی تھی اور وہ گھنٹوں اطمینان سے سوتا رہتا۔

پھر فریدی کے استفسار پر اس نے اعتراف کیا کہ ہنری گیل کو اُسی نے بیوقوف بنایا ہلدا گارفیلڈ کے نام سے وہی اس کے محکمے میں ملازم تھی اور ہنری گیل کیس کا فائیل اڑایا تھا اور اس نے حمید کو کہتے سنا تھا کہ فلاں دن تارجام سے کچھ کاغذات لائے گا،بہر ہنری گیل کو پھانسنے اور اُس معاملے کی پبلسٹی پولیس ہی کے ذریعہ کرانے کیلئے وہ سب کچ گیا تھا۔مقصد یہ تھا کہ اسکے شکار ہمیشہ اُس سے مرعوب رہیں۔نہ صرف شکار بلکہ پولیس بھی

''ہاہا.....!'' ڈاکٹر نے قہقہہ لگایا۔پھر حمید سے بولا۔''میں نہیں جانتا کہ پورے واقعات ہیں۔لیکن ڈیکن کے متعلق میرا خیال غلط تو نہیں تھا۔وہ ایسا ہی چوہا ہے،جو آدمی پر جھپٹ سکے

''اوہ چوہے دان بھی دیکھ ہی لیا تم نے۔'' فریدی مسکرایا۔

''ڈیکن پر مجھے اسی وقت شبہ ہوا تھا جب فون پر کسی عورت کی بگڑی ہوئی مردانہ آواز تھی۔اُس نے بلا شبہ کوئی زہر استعمال کیا تھا۔لیکن وہ مہلک نہیں تھا۔میں نے اس وقت لئے اُسے یہاں بلوایا تھا کہ وہ کوئی حرکت کر بیٹھے اور میں اسے رنگے ہاتھوں پکڑلوں۔

حمید یہ ہسپتال سے سیدھا یہاں نہ آیا ہوگا بلکہ پہلے گھر یا آفس گیا ہوگا۔''

''قدرتی بات ہے۔'' حمید نے سر ہلا کر کہا۔''پہلے میں ہسپتال گیا تھا۔اس کے بعد

کو بھی ساتھ لینا تھا۔وہ گھر پر تھی لہٰذا وہ بھی گھر گیا تھا۔''

''ٹھیک ہے۔اس نے وہاں سے ایک زہریلی سوئی لی اور وہ جانتا تھا کہ پولیس یقینی طور پر گونگی کو بولنے پر مجبور کردے گی۔لہٰذا کیوں نہ موقع نکال کر اُسے راستے سے ہٹا دیا جائے۔ اب اس وقت اگر میں ذرا سا بھی چوکتا تو سوئی لڑکی کے بازو میں اتر چکی ہوتی۔ڈیکن نروس ہوگیا تھا۔نہیں جانتا تھا کہ کیا کر رہا ہے۔ظاہر ہے کہ لڑکی سوئی چبھنے پر یقیناً چیخ پڑتی اور وہ پکڑ لیا جاتا۔مگر وہ اتنا ہی نروس تھا کہ اس مسئلے پر غور نہ کرسکا۔ہاں لڑکی..... تمہارے فلیٹ میں ایک غیر معمولی قسم کا صندوق بھی تھا جسے کھولتے وقت اندر سے دھواں نکلا تھا۔کیا تھا اس صندوق میں۔''

''ویسے ہی بہتیرے تھیلے..... جن میں رقومات وصول کی جاتی تھیں۔''

پھر لڑکی نے بتایا کہ اس کے فلیٹ میں پائی جانے والی قابل اعتراض چیزیں عموماً اُسی صندوق میں رکھی جاتی تھیں۔مقصد یہ تھا کہ اگر اس کی عدم موجودگی میں کبھی کوئی فلیٹ کی تلاشی لے اور اس صندوق کو کھولنے کی کوشش کرے تو وہ ساری چیزیں خود بخود ضائع ہوجائیں۔قاسم کے متعلق بتایا کہ اس کے معاملے میں اس نے ڈیکن سے مشورہ نہیں لیا تھا۔بس اس کے متعلق خود ہی معلومات فراہم کر کے کام شروع کردیا تھا۔

''لیکن شائد وہ آپ تک جا پہنچا تھا۔'' لڑکی نے کہا۔''مجھے توقع نہیں تھی کہ وہ ایسا کرے گا۔کیونکہ اپنے باپ سے بہت ڈرتا ہے۔''

ڈیکن نے آنکھیں کھولیں اور لڑکی کو گھورنے لگا لیکن کچھ بولا نہیں۔

یک بیک تھیلما نے کھنکار کر پٹاخ سے ڈیکن کے منہ پر تھوک دیا.....اور فیروز کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتی ہوئی بولی۔''اب مجھے کسی کی پرواہ نہیں ڈارلنگ۔یہ مرد ایسے ہی ذلیل ہوتے ہیں۔مجھے اس کی بھی پرواہ نہیں ہے کہ تم سے بھی اسی قسم کی کوئی ذلالت سرزد ہوگی۔''

''میں تمہیں مبارک باد دیتا ہوں مسٹر فیروز۔'' ڈاکٹر آگے جھکتا ہوا بولا۔''اب میں تم سے بھی بے تحاشہ محبت کروں گا۔''

ڈیکن گالیاں بکنے لگا تھا۔اُس نے چیخ کر کہا۔''یہ کہاں کا قانون ہے کرنل فریدی کہ

تمہاری موجودگی میں میرے منہ پر تھوکا جائے۔''

''تمہارے لئے تو حقیقتاً کوئی نیا قانون وضع کرنا پڑے گا۔ لوگ اپنی بیویوں کی
کمزوریاں معلوم کر کے یا تو اُن سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں یا انہیں قتل ہی کر دیتے ہیں
لیکن تم تھیلما کو بلیک میل کرنے لگے تھے۔ لہٰذا تمہارے لئے جو قانون وضع کیا جا سکتا ہے
کا تعزیری پہلو منہ پر تھوکے جانے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ مگر میں تھیلما سے درخواس
کروں گا کہ وہ خود کو قابو میں رکھیں۔''

ڈاکٹر نے ایک طویل سانس لی اور پھر مسکرا کر بولا۔ ''جسے ہم چاہتے ہیں۔ اس
چاہنے والوں سے بھی ہمیں محبت ہونی چاہئے۔''

''محبت.....!'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''محبت صرف اپنے فرائض
سے ہونی چاہئے۔''

''ایسی چیزوں سے ہرگز محبت نہ ہونی چاہئے جو دانت بھی رکھتی ہوں۔''

حمید نے اپنے زخمی ہاتھ کو ٹٹول کر سسکاری سی لی اور ڈاکٹر نے قہقہہ لگایا۔

پھر فریدی کے استفسار پر لڑکی نے بتایا کہ اس بزنس میں اس کے اور ڈیکن کے علاوہ کو
تیسرا شریک نہیں تھا۔ قاسم کے معاملے میں اس نے وقتی طور پر ایک پیشہ ور اخباری فوٹو گرا
سے مدد لی تھی اور اسے ایک بڑی رقم دے کر اس سے تصویر کا نگیٹو بھی حاصل کر لیا تھا۔

ختم شد

فرہاد ۵۹

(مکمل ناول)

پیشرس

لیجئے آج آپ کی یہ خواہش بھی پوری کی جارہی ہے کہ جاسوسی دنیا میں صرف کیپٹن حمید کا کوئی کارنامہ پیش کیا جائے اور فریدی اس حد تک ''غائب'' ہو کہ حمید اس سے کسی قسم کا مشورہ بھی نہ لے سکے۔

حمید آخر فریدی ہی کا شاگرد ٹھہرا.... پھر کیا وجہ ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری پر کوئی کیس نہ نپٹا سکے۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ ذہین بھی ہے اور پھرتیلا بھی، یہ اور بات ہے کہ فریدی کے ساتھ رہ کر اپنی کھوپڑی سرے سے استعمال نہ کرتا ہو..... یہی چاہتا ہو کہ اس کے سامنے بچہ ہی بنا رہے اس حد تک کہ انگلی پکڑ کر چلنے کی نوبت آجائے۔

اس کہانی میں آپ محسوس کریں گے کہ اُس نے ہر معاملے میں فریدی کی پوری پوری نقل اتارنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ایک سچویشن ایسی بھی آپ کی نظر سے گذرے گی جہاں فریدی کی نقل مہنگی پڑی تھی۔ پھر اگر قاسم کو ڈھال بنا کر ''حمیدیت'' ہی پر نہ اُتر آتا تو شاید وہ اس کی زندگی کا آخری دن ہوتا۔

قاسم نے اس بار بڑے قہقہے بکھیرے ہیں..... اس کی ''جاسوسی'' بھی خاصی رہی۔ لیکن اُسے اسسٹنٹ بنا کر حمید کو کتنی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس نے اسے اسسٹنٹ کیوں بنایا تھا؟ وہ غیر دلچسپ نہیں۔

ہاں بھئی ایک بات اور یاد آئی..... اکثر پڑھنے والوں نے قاسم کی زبان پر اعتراض کیا ہے..... ان کا کہنا ہے کہ کہیں تو ایسا

معلوم ہوتا ہے جیسے اس کے ''ش'' ''ق'' درست ہی نہ ہوں اور کہیں بہت صاف زبان نظر آتی ہے، لکھتے وقت کہیں آپ ہی کی ذہنی رو تو نہیں بہک جاتی۔

نہیں بھئی ایسا نہیں ہوتا۔ اس کے شین قاف قطعی درست ہیں۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ ذہن ہی کی طرح اس کی زبان بھی قابو میں نہیں رہتی۔

اب ایک اشد ضروری بات بھی سنئے۔ کراچی کے کسی ناکام ادارہ نے بک اسٹال ایجنٹوں کو خطوط لکھے ہیں کہ میں اس کے لئے کتابیں لکھ رہا ہوں۔ اس سلسلے میں بعض ایجنٹوں نے بھی مجھ سے استفسار کیا ہے..... نوٹ کیجئے کہ وہ کوئی فراڈ ہے۔ چونکہ یہ سردیوں کا زمانہ ہے اور اس زمانے میں تفریحی کتابوں کی مانگ بڑھ جاتی ہے۔ اس لئے ہمیشہ کی طرح تین چار ماہ تک اس بار بھی آپ کو بھانت بھانت کے ''صفیوں'' کا سامنا کرنا پڑے گا..... کبھی کوئی میرے نام میں ایک آدھ نقطے کا اضافہ کر کے دھوکا دینے کی کوشش کرے گا اور کبھی ''اِبن'' کو مشدد کر کے پڑھنے والے کی آنکھوں میں دھول جھونکے گا۔ لہٰذا آپ خود ہی ہوشیار رہئے۔

یہ چند سطور اُن ایجنٹوں کے استفسار پر لکھی گئی ہیں جن کے پاس ادارہ کے خطوط پہنچے ہیں..... ورنہ مجھے اس کی زیادہ پرواہ نہیں ہوتی کہ میرے خلاف کون کیا کر رہا ہے۔

ابن صفی

۴ ستمبر ۵۹

عوامی زچہ خانہ

پھر قاسم تماشہ بن گیا۔ حمید نے چاہا تھا کہ دوپہر کا کھانا کمرے ہی میں کھائے لیکن قاسم اَڑ گیا کہ ڈائننگ ہال ہی بہتر رہے گا۔ وجہ نہیں بتائی تھی۔ یہ کیسے کہتا کہ یہاں آس پاس کئی شوخ اور چمکیلے رنگ لہریں لے رہے ہیں۔ حمید اسی وعدے پر اُسے اپنے ساتھ رام گڈھ لایا تھا کہ وہ رنگین لہروں کے چکر میں پڑ کر حماقتیں نہیں کرے گا۔ قاسم نے خوب منہ پیٹا تھا اور عہد کیا تھا کہ ایسا ہی ہوگا۔ اس نے کہا تھا۔

''اَے حمید بھائی..... میں کُھد بھی چاہتا ہوں کہ بالکل شریف ہو جاؤں مگر نہ جانے کیوں۔''

بات آگے نہیں بڑھی تھی اور حمید اُسے ساتھ لانے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ فریدی بھی ان دنوں شہر میں موجود نہیں تھا اس لئے حمید کو ایک ماہ کی رخصت حاصل کر لینے میں دشواری نہیں پیش آئی تھی۔ خیال تھا کہ کچھ دن سکون کے ساتھ رام گڈھ میں گذارے جائیں گے۔

پھر شامت ہی تو تھی کہ اس بلا کو ساتھ لایا تھا۔ مگر وہ کیا کرتا۔ یہ بلا ایسی نہیں تھی کہ انکار سے ٹل جاتی۔ حمید اسے پکڑ کر کسی صندوق میں تو بند نہیں کر سکتا تھا۔ اپنے ساتھ نہ لاتا..... لیکن کیا

اس سے گلو خلاصی ہو جاتی۔ پہلے بھی اکثر قاسم اس کا تعاقب کر چکا تھا۔ اس بار پھر کرتا اور ٹھیک اسی ہوٹل میں پہنچ کر دم لیتا جہاں حمید نے قیام کیا تھا۔

غلطی دراصل اسی کی تھی۔ قاسم سے تذکرہ کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی کہ وہ چھٹیاں گذارنے رام گڈھ جا رہا ہے۔

بہر حال ہوئی تھی غلطی تو خمیازہ بھی اُسے ہی بھگتنا پڑا۔ ادھر قاسم نے بکرے کی مسلم ران ادھیڑنی شروع کی اور اُدھر لوگوں کی نظریں اٹھنے لگیں۔ پرانی کہانیوں کا دیوزاد بکرے کی بھنی ہوئی ران سے شغل کر رہا تھا۔ وہ بھی اس انداز سے جیسے کسی ویرانے میں بیٹھا ہو۔ آس پاس کے ماحول سے بے خبر۔ حالانکہ یہاں بیٹھ کر کھانا کھانے کا محرک بھی ماحول ہی ہوا تھا۔ لیکن کھانا آجانے پر کہاں کا ماحول اور کہاں کی رنگین لہریں۔ جس طرح مار کے آگے بھوت بھاگتا ہے اسی طرح قاسم پیٹ کے پیچھے بھاگنے میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ کھاتے وقت اگر اندر کے اکھاڑے کی پری بھی سامنے آ کھڑی ہو تو کیا مجال کہ میاں قاسم آنکھ اٹھا کر دیکھ ہی لیں۔ ساری توجہ کھانے ہی کی طرف ہوتی تھی۔

لوگ اُسے گھورتے رہے اور وہ گرد و پیش سے بے خبر معدے کا وزن بڑھاتا رہا۔ کچھ دیر بعد ران کی ہڈیاں ایک خالی پلیٹ میں رکھتا ہوا بولا۔ ''سالے تین بوٹیوں والی بریانی لائے ہیں۔ اَے بڑا غصہ آتا ہے ایسی بریانی دیکھ کر..... پتہ نہیں گوشت میں چاول ڈالتے ہیں یا چاول میں گوشت.....!''

گوشت میں چاول یا چاول میں گوشت کا مسئلہ وضاحت طلب تھا۔ لیکن حمید نے سنی ان سنی کر دی اور قاسم نے مرغ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

بمشکل کھانا ختم ہوا اور قاسم نے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے چاروں طرف نظر دوڑائی اور ایک بار پھر اس کا ذہن رنگوں کے سیلاب میں ہچکولے لینے لگا۔

کچھ عورتیں اس کی طرف دیکھ دیکھ کر آپس میں سرگوشیاں کر رہی تھیں اور حمید سوچ رہا تھا کہ اب وہ اور زیادہ ڈیوٹ ہو جائے گا۔

''یار میں پاغل ہو جاؤں گا۔'' قاسم کچھ دیر بعد کراہا۔

پھر اُس کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار نظر آئے اور وہ حمید کو گھورنے لگا۔ غالباً جھلاہٹ کا باعث حمید کی خاموشی ہی تھی۔

''اَمے.....قیا منہ میں مینگنیاں بھر کر بیٹھے ہو۔'' اس نے غصیلی آواز میں کہا۔

حمید کو ہنسی آ گئی۔ ''توڑ دی نا محاورے کی ٹانگ۔''

''منہ میں گھونگنیاں بھرنا محاورہ ہے۔'' اس نے کہا۔

''محاورے کی ایسی کی تیسی۔ تم نے مجھ سے یہ قیوں کہا تھا کہ میں یلا یلیوں کے چکر نہ رہوں غا.....قیوں نہ رہوں۔ قون سالا روقے غا مجھے اور بیٹا تم کب سے پارسا ہو گئے ہو۔''

''زیادہ ہنسنے سے آدمی نڈھال ہو جاتا ہے۔''

قاسم چند لمحے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر جھک کر آہستہ سے رازدارانہ انداز میں بولا۔ ''تو رویا کرو نا ان کے سامنے..... میں نے قسی ناول میں پڑھا تھا کہ ہیرو کو ہیروئن کے آنسو بڑے اچھے لگتے ہیں.....اَبے تو ہیروئن کو بھی ہیرو کے آنسو اچھے ہی لگتے ہوں گے اب اسی طرح کریں۔''

''کبھی اپنی گھریلو ہیروئن کے سامنے آزماؤ۔''

قاسم نے ایسا بُرا منہ بنایا جیسے کونین پاؤڈر کا کیپسول زبان پر رکھتے ہی پھٹ گیا ہو۔

پھر یک بیک چونک کر حمید کو گھورنے لگا۔

''قیوں! تم نے اس کا نام قیوں لیا۔''

''کیا اس کا نام ہیروئن ہے۔''

''تمہیں خیال قیسے آیا اس کا۔''

حمید نے سوچا بات بڑھ جائے گی۔ حقیقت تو یہ تھی کہ وہ اچھے موڈ میں تھا ہی نہیں۔ نہ چاہتا تھا۔ جسمانی طور پر نہ سہی ذہنی طور پر سہی۔ لیکن ایسی صورت میں جب کہ کوئی دماغ کھائے اور بولنے پر مجبور کرنے والا بھی موجود ہو، ذہنی تنہائی کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا۔

''تم کسے سمجھے ہو۔'' حمید نے ٹالنے کے لئے بناوٹی حیرت کے ساتھ کہا۔

''تم کس کی بات کر رہے تھے۔''

''وہ تصویر جو تمہاری خواب گاہ میں ہے.....!''

''اَمے جاؤ..... اُلو نہ بناؤ..... چلے ہیں سالے..... بات بنانے..... میں کھوب سمجھتا ہوں.....اسی نے سمجھا دیا ہوگا کہ اسے تفریح نہ قرنے دینا۔ اماں جان ہیں نا تمہاری۔''

حمید خواہ مخواہ مسکرا دیا.....اور قاسم میز پر ہاتھ مار کر بولا۔ ''ہے نا یہی بات! میں سب سمجھتا ہوں۔ مگر دیکھنا ہے کہ وہ بی گلہری خانم میرا یا بگاڑ لیتی ہیں۔ اَمے تمہیں مجھ پر رحم نہیں آتا۔ بس اسی کی ترپھداری کئے جاؤ گے۔''

وہ خاموش ہو کر آنکھیں نکالے ہوئے اُسے گھورتا رہا۔

''میں کسی کی بھی طرفداری نہیں کرتا۔ بس تمہیں ایک ڈھنگ کی بات سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ دیکھو نا.....اکثر کیسی مصیبتوں میں پھنس جاتے ہو۔ ایسے بھاری بھرکم آدمیوں کے لئے لڑکیوں کا چکر ہی فضول ہے۔ جو کسی موقعہ پر جان بچا کر بھاگ بھی نہ سکیں۔''

قاسم کی پھیلی ہوئی آنکھیں آہستہ آہستہ ڈھیلی پڑتی گئیں۔ شاید وہ اس نکتے پر غور کرنے لگا تھا۔

آخر کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''پھر میں قیا کروں.....جی گھبرایا کرتا ہے۔ نہ گھر میں چین نہ باہر چین.....گھر میں بھی بھاری بھرقم اور باہر بھی..... یا اللہ اب اٹھا ہی لے اس سالے بھاری بھرقم کو۔ کصہ پاق ہو جائے۔''

حمید نے اس کی آنکھوں میں آنسو تیرتے دیکھے۔

''دل بہلانے کے بہتیرے طریقے ہیں.....!'' اس نے کہا۔

''میری سمجھ میں قچھ نہیں آتا۔''

پھر حمید بھی کچھ سوچنے لگا۔ ابھی پوری طرح سوچ نہیں چکا تھا کہ قاسم بول پڑا۔

''اَمے تو پھر مجھے جاسوسی ہی سکھاؤ۔ شاید جی بہل جائے۔ اس میں بھی تو بڑا مجا آتا ہوگا۔''

''ہاں اسی وقت جب تم کسی مشتبہ عورت کا تعاقب کر رہے ہو۔''

''اب دیکھو.....اب دیکھو.....سالے تم ہی عورت نکال رہے ہو۔''

حمید چاہتا تھا کہ کسی طرح فی الحال اس سے پیچھا چھوٹ جائے۔ اس لئے اس نے جاسوسی سکھانے کا تہیہ کرلیا۔

''اچھا.....!'' اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''پہلا طریقہ یہ ہے کہ تم تعاقب کرو۔''

''عورت کا۔''

''نہیں مرد کا۔''

''چلو ٹھیک ہے۔'' اس نے سر ہلا کر کہا۔

''وہ دیکھو.....وہ موٹا آدمی اپنی جگہ سے اٹھ رہا ہے.....غالباً باہر جائے گا۔ تعاقب کر کے معلوم کرو وہ کون ہے۔ کہاں رہتا ہے اس کا کیا نام ہے۔ کیا کرتا ہے۔''

''ابے پہلے ہی دن اتنا کام.....اچھا میں صرف گھر دیکھ آؤں گا۔ اتا پتہ لخ لاؤں!''

''چلو یہی سہی.....جلدی کرو۔''

جس آدمی کا تعاقب کرنے کا مشورہ دیا گیا تھا وہ پستہ قد تھا اور قد کی مناسبت سے پھیلاؤ بہت زیادہ تھا۔ اگر قاسم پر گنبد نما مینار کی پھبتی کہی جاسکتی تو وہ صرف گنبد تھا۔

آگے پیچھے ڈائننگ ہال سے نکلے اور حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔

وہ یہاں بہت اچھے موڈ میں نہیں آیا تھا۔

آمد کا مقصد تھا ماحول کی یکسانیت سے پیچھا چھڑانا۔ لیکن عجیب بات ہے کہ اس کے باوجود بھی تنہائی کی تلاش تھی۔

حمید کے بارے میں یہ کہنا قطعی غلط ہوگا کہ وہ ہمیشہ ہی کھلنڈرے پن کے موڈ میں تھا۔ لیکن موڈی تو بہرحال تھا۔ ابھی ہنس رہا ہے.....قہقہے لگا رہا ہے.....دوسروں کی اچھال رہا ہے اور خود بھی تماشہ بن رہا ہے لیکن کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اسی ہنگام سرمستی میں کب کے ذہن کے کسی تاریک گوشے سے اداسی کی ایک ہلکی سی لہر شعور میں رینگ آئے اور

بیک اس طرح خاموش ہوجائے جیسے گھنٹوں سے ہونٹ سیئے بیٹھا رہا ہو۔

اداسی کا دورہ اکثر دیرپا ثابت ہوتا تھا اور اپنے ماحول سے فرار کے باوجود بھی اُسے تنہائی کی تلاش رہتی تھی۔

رام گڈھ پہنچنے پر اس نے پہلے کوئی ایسا مکان ہی تلاش کیا تھا جو کچھ دنوں کے لئے کرایہ پر مل سکتا۔ لیکن کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ حالانکہ یہ اکتوبر کا مہینہ تھا اور یہاں سردی بڑھ گئی تھی لیکن پھر بھی میدانوں سے آنے والے سیاح رام گڈھ ہی سے چمٹے رہنا چاہتے تھے۔ پھر مجبوراً ہوٹل کا رخ نہ کرتا تو جاتا کہاں۔

ڈائننگ ہال سے اٹھ کر وہ اپنے کمرے میں آیا اور کھڑکی میں کھڑا ہوگیا۔ مطلع ابر آلود تھا.....حدِ نظر تک سرسبز پہاڑیاں بکھری ہوئی تھیں جن پر جگہ جگہ رنگین اور متحرک دھبے نظر آرہے تھے۔ یہ سیاحوں کی ٹولیاں تھیں.....کس سے نچلا بیٹھا جاتا ہے یہاں۔ اس نے سوچا! لیکن وہ کیا کرے۔ یہ اداسی۔ یہ بیزاری۔ آخر کیوں؟ کب اس سے نجات ملے گی۔ وہ کیا چاہتا ہے۔ تنہائی.....مگر کیوں؟ وجہ.....؟ کوئی وجہ نہ تھی.....وہ اپنے ذہن کو کریدنے لگا۔ لیکن اداسی کی جڑوں تک نہ پہنچ سکا۔

اس مسئلے سے الجھنا کوئی نئی بات نہ تھی۔ اس پر جب بھی اداسی کا دورہ پڑتا وہ اپنے ذہن کو کریدے بغیر نہ چھوڑتا۔ لیکن آج تک اس اداسی کی وجہ نہیں دریافت کرسکا تھا۔

پھر یک بیک قاسم کا خیال آیا۔ اس کا کمرہ بھی اسی راہداری میں تھا۔ لیکن وہ مقفل نظر آیا۔

شام کی چائے حمید نے ڈائننگ ہال ہی میں پی۔ اب وہ کسی قدر بشاش تھا۔ اب ایسے میں اگر کچھ ساتھی مل جاتے تو شائد ایک بار پھر وہ کسی کھلنڈرے آدمی کے روپ میں نظر آتا۔

ساڑھے چھ بج گئے۔ اندھیرا پھیل گیا۔ لیکن قاسم کا کہیں پتہ نہ تھا۔

دفعتاً اسے خیال آیا کہیں قاسم کوئی حماقت نہ کر بیٹھا ہو۔ پیچھا چھڑانے کے لئے ایسا ناخوش طریقہ اختیار نہ کرنا چاہئے تھا۔ پھر؟ اب کیا کیا جائے۔

قاسم ہی ٹھہرا۔ ہوسکتا ہے تعاقب کا سلسلہ طویل ہوتے دیکھ کر اکتا گیا ہو اور متعاقب کو

راستے ہی میں روک کر خود اسی سے اس کا پتہ پوچھ بیٹھا ہو۔ اس سے تو بڑے مخلصانہ انداز حماقتیں سرزد ہوتی تھیں۔ حمید کو ایک واقعہ یاد آ گیا۔

قاسم کی بیوی کچھ دنوں کے لئے مائیکے چلی گئی تھی اور قاسم نے تہیہ کیا تھا کہ درویشوں کی طرح زندگی بسر کرے گا۔ سارے نوکر نکال باہر کئے..... حتیٰ کہ باورچی بھی رکھا۔ پتہ نہیں کس طرح انہیں دنوں ایک شاعر لا گو ہو گیا تھا۔ چوبیسوں گھنٹے اس کے سر پر رہتا اور غزلیں مار مار کر قاسم کو ادھ مرا کر دیتا۔ آخر اس سے پیچھا چھڑانے کے لئے قاسم نے اپنی عقل بھر ایک تدبیر بھی کر ڈالی۔ صدر دروازے میں قفل ڈال کر اندر بیٹھ رہتا۔ شاعر صاحب آتے اور دروازہ مقفل دیکھ کر واپس چلے جاتے۔ ایک شام حمید بھی جا پہنچا۔ کمپاؤنڈ میں کار دیکھ کر حیرت تو ہوئی لیکن وہ آگے بڑھتا ہی گیا۔ صدر دروازے پر نظر نہیں پڑی تھی۔ ہاتھ گھنٹی کے پش بٹن پر پڑا..... پھر وہ گھنٹی بجاتا ہی چلا گیا۔

آخر اندر سے قاسم کی غصیلی آواز آئی۔ ''ابے اور خبیث..... اندھا ہے کیا..... دیکھتا نہیں سالے دروازے میں تالا لٹک رہا ہے۔''

تو اسی طرح کوئی حماقت اس تعاقب کے سلسلے میں بھی ہو گئی ہو۔ وہ تو اکتا کر یہ تک نہ بیٹھتا۔ ''ابے سالے کہیں گھر بار بھی ہے تمہارا یا بس مٹر گشتی ہی کرتے پھرو گے۔ مر بھی جلدی سے۔''

حمید نے اُس ویٹر سے بھی قاسم کے متعلق پوچھا جو ان کے کمروں میں طلب کی چیزیں پہنچاتا تھا۔ لیکن اس نے بھی لاعلمی ظاہر کی۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ وہ اسی وقت غائب ہے۔ درمیان میں ہوٹل واپس نہیں آیا۔

لیکن حمید اُسے ڈھونڈتا بھی کہاں۔ رام گڈھ چھوٹی سی جگہ تو تھی نہیں۔ وہ ڈائننگ ہال میں بیٹھا پائپ میں تمباکو پھونکتا رہا۔ سیاحوں پر ہاتھ صاف کرنے والی کئی پیشہ ور لڑکیوں نے اُسے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا لیکن اس نے لفٹ نہ دی۔

آخر ٹھیک ساڑھے سات بجے قاسم کی شکل دکھائی دی۔ چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سارا دن چلتے ہی گذرا ہو۔ حمید کو دیکھ کر اسی طرف آیا اور بیٹھ کر کسی ستم رسیدہ بیوہ کی طرح کراہا۔ لیکن حمید اب اس کے چہرے کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ اب تو اس کی نظر پیلے رنگ کے اس بیج پر تھی جو اس کے کوٹ کے کالر سے پن کیا ہوا تھا۔

اس بیج پر سرخ رنگ سے تحریر تھا

''عوامی زچہ خانہ''

قاسم نے اسے جو اس طرح گھورتے دیکھا تو اکڑ کر بیٹھ گیا اور اُس کے ہونٹوں پر ایک ''لمبی سی'' مسکراہٹ نظر آئی۔

حمید اُسے حیرت سے دیکھتا رہا۔ یہ حماقت تو تھی۔ لیکن ''پراسرار'' مگر اسے یہ چھپا ہوا بیج ملا کہاں سے؟

''یہ تم عوامی زچہ خانہ کب سے ہو گئے۔'' اس نے پوچھا۔

''آج ہی سے۔'' بڑی سنجیدگی سے جواب دیا گیا۔ پھر یک بیک اس نے آگے جھک کر آہستہ سے پوچھا۔ ''یہ زچہ کیا چیز ہوتی ہے..... حمید بھائی۔''

حمید نے پھر آنکھیں نکالیں۔

''یہ تمہیں ملا کہاں سے۔''

''ٹھینگے سے۔'' قاسم جھلا گیا۔ ''جو میں پوچھتا ہوں وہ نہیں بتاتے سالے۔''

''اُس عورت کو کہتے ہیں جس کے ہاں ولادت ہوئی ہو۔''

''ولادت۔'' قاسم نے اس انداز میں دہرایا جیسے ولادت کا مطلب سمجھنے کے لئے ذہن پر زور دے رہا ہو۔

''نہیں سمجھا۔'' آخر اس نے کچھ دیر بعد کہا۔

''ابے اُس عورت کو کہتے ہیں جس کی بچہ ہوا ہو۔''

''جھوٹے ہو سالے۔'' قاسم غرایا..... لیکن غیر شعوری طور پر اس کا ہاتھ بیج کی طرف گیا اور اسی پر جم کر رہ گیا۔ پھر چاروں طرف اس طرح دیکھنے لگا جیسے اندازہ کر رہا ہو کہ کسی نے

دیکھا تو نہیں۔

''جس سے دل چاہے پوچھ لو۔''

''ہوں.....!'' اس بار اسکی آواز بھرائی ہوئی سی تھی۔ ''میری سالی تقدیر ہی اوندھی ہے۔''

''آخر ہوا کیا۔''

''میں سمجھا تھا اس یتیم خانہ کو کہتے ہوں گے جس میں بہت چھوٹے چھوٹے بچے رکھے جاتے ہیں۔''

''پھر بھی کیا بات ہوئی۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔

''ابے کچھ بات ہی نہیں ہوئی۔ ساڑھے سات سو جمع کئے تھے۔ یوں سمجھ میں نہیں آئے گا۔ بتاتا ہوں۔ یہ سالا موٹا یہاں سے نکل کر ٹیکسی میں بیٹھا تھا۔ میں دوسری ٹیکسی میں بیٹھ گیا تھا۔ جہاں وہ گیا میں بھی پہنچ گیا۔ بڑا سا پنڈال بنا ہوا تھا لوگ اس میں جا رہے تھے۔ وہ بھی وہاں گیا تھا۔ میں کیوں نہ جاتا۔ کھوب تکریریں ہوئیں..... واہ واہ ہوئی..... تالیاں پٹی گئیں۔ پھر ایک مغلئی بیگم نے کہا جو حضرات چندہ جمع کرنا چاہیں اپنے ہاتھ اٹھا دیں۔ بس کیا بتاؤں۔ اس سالے نے ہاتھ اٹھایا تو میں نے بھی اٹھا دیا۔ اس کے بیچ لگایا گیا..... میرے بھی لگا دیا گیا۔ پھر ہم جھولیاں لے کر باہر نکلے اور چندہ جمع کرنے لگے..... وہ میرے پاس ہی کھڑا تھا۔ اس نے میری طرف دیکھا میں نے بھی اس کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرایا تو میں بھی مسکرایا۔ اس نے دانت نکالے تو میں نے بھی نکال دیئے۔ بس اس طرح جاسوسی کرتا رہا۔ کیوں ٹھیک ہے نا۔''

حمید نے اس آدمی کی طرف دیکھا جو قاسم کی جانب ایسے انداز میں بڑھ رہا تھا جیسے اس کا سر ہی تو پھاڑ دے گا۔

وہ قریب آ کر رک گیا اور اس کے تیور خراب ہی رہے۔ عمر پچیس اور تیس کے درمیان ہی ہوگی۔ قوی مضبوط معلوم ہوتے تھے۔ قبول صورت بھی تھا لیکن لباس کے معاملے میں اسے بدھنگا ہی کہا جا سکتا تھا۔ بال بے ترتیبی سے پیشانی پر جھکے ہوئے تھے۔

''فرمایئے۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔

''آپ ادھر دیکھئے مسٹر۔'' اس نے حمید کی پرواہ کئے بغیر قاسم کو مخاطب کیا۔

''تیا.....!'' قاسم نے سر اٹھا کر بھاڑ سا منہ کھول دیا۔

''اپنی رقم واپس لے کر رسید بھی دے دیجئے۔'' اس نے کہا۔

''تون ہو تم.....!'' قاسم نے آنکھیں نکالیں۔

''بیٹھ جایئے نا۔'' حمید نے کہا۔ ''مجھے بتایئے کیا بات ہے۔''

اب وہ حمید کی طرف متوجہ ہوا اور کرسی کھینچ کر بیٹھتا ہوا بولا۔ ''چچا صاحب احمق ہیں..... سے طے کیا ہوا کوئی معاملہ خاندان کے دوسرے افراد کے لئے قابل قبول نہیں ہو سکتا۔''

''او چچا کے بھتیجے تم ہو تون! میں تمہیں نہیں جانتا۔ تم کہاں کی باتیں کر رہے ہو۔'' قاسم

''اسی مکان کی باتیں جس کا تین ماہ کا کرایہ آپ نے پیشگی ادا کیا ہے۔''

''ہاں تو پھر۔''

''مکان ہم نہیں اٹھانا چاہتے۔''

''ابے جاؤ..... پھر شتے اٹھائیں گے تمہارے..... رسید ہے میرے پاس۔''

حمید کبھی قاسم کی شکل دیکھتا اور کبھی اجنبی کی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس قسم کی گفتگو ہے۔ کیسا مکان..... کہاں کی رسید..... اور یہ چچا بھتیجے۔

''وہ مکان کرائے پر اٹھانے کے لئے نہیں ہے۔'' اجنبی نے پھر سخت لہجے میں کہا۔

''پھر وہ سالا بورڈ کیوں لٹخ رہا ہے..... کہ قرایہ پر دینے کے لئے خالی ہے۔''

''چچا جان کی زبردستی۔''

''ذرا ایک منٹ ٹھہریئے۔'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''قصہ کیا ہے؟ ذرا ٹھنڈے ہو کر کیجئے۔ مجھے بتایئے۔''

اجنبی خاموش ہو گیا۔ کبھی حمید کی طرف دیکھتا اور کبھی قاسم کی طرف۔ قاسم کی آنکھیں اب بھی اُبلی پڑ رہی تھیں اور ''عوامی زچہ خانہ'' کا بیج پھر دوسروں کو دعوت نظارہ دینے لگا۔

''اسے نکالو.....!'' حمید نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اُو..... اُو..... اُوب.....'' قاسم نے چونک کر اُسے پھر ہاتھوں سے چھپا لیا۔

لیکن اب حمید اجنبی کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''چچا صاحب جھکی ہیں۔'' اجنبی نے کہا۔

''مجھے ان سے ملنے کا شرف نہیں ہو سکا۔'' حمید بولا۔ ''میں سرے سے جانتا ہی نہیں کس مکان کا تذکرہ ہے اور یہ حضرت کیا کر کے آئے ہیں۔''

''اَے..... تم خود حضرت۔'' قاسم نے پھر آنکھیں نکالیں۔

لیکن حمید اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔

اجنبی بولا۔ ''چچا صاحب کے مکان کا ایک حصہ آسیب زدہ ہے۔ اس لئے اُسے کر دیا گیا ہے۔ عرصہ سے خالی پڑا ہے..... چچا صاحب کی ضد ہے کہ خالی پڑے رہنے سے فائدہ۔ اپنی ضد کے پکے بھی ہیں اس لئے براہِ راست مخالفت نہیں کی جا سکتی۔ انہوں نے کرایہ پر اٹھانے کا بورڈ بھی لٹکا رکھا ہے..... لوگ آتے ہیں تو انہیں حقیقت سے آگاہ کر دیتا ہے۔ وہ مان جاتے ہیں..... اسی لئے مکان اب تک خالی پڑا ہوا ہے۔ ورنہ اس کے علاوہ گڈھ میں ان دنوں کوئی خالی مکان دکھا دیجئے۔ میں جھک کر سات سلام کروں گا۔''

''کر کے دیکھو۔'' قاسم نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ''میں خوب سمجھتا ہوں سات کا مطلب (بانچھیں پھاڑ کر) سات سلام کریں گے بیچارے۔''

''ذرا کچھ دیر خاموش بھی رہو۔'' حمید نے نرم لہجے میں کہا۔

''اور یہ سات سلام کرتے رہیں۔'' قاسم دہاڑا۔

''تم غلط سمجھے۔ وہ سات سلواتیں ہوتی ہیں..... محاورہ ہے۔''

''چلو آج محاورے ہی کی ایسی تیسی ہو جائے۔ ہاں تم اسی طرح محاورہ نکال کر میری بات کا کباڑہ کر دیتے ہو۔''

''بڑے بھائی۔'' حمید گھگھیایا۔

''چلو کھیر.....!'' قاسم کی آواز ڈھیلی پڑ گئی۔

''ہاں تو جناب۔'' حمید اجنبی کی طرف مڑا..... قاسم کو پھر زچہ خانے والے بیج کا خیال آ گیا تھا اور اب وہ اُسے اپنے کوٹ کے کالر سے نکال رہا تھا۔

''ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا جناب۔'' اجنبی بولا۔ ''چونکہ ایک بار خاندان والے مشکلات کا شکار ہو چکے ہیں اس لئے نہیں چاہتے کہ مکان کرایہ پر اٹھایا جائے۔ انہوں نے تین ماہ کا پیشگی کرایہ ادا کر کے چچا صاحب سے رسید لی تھی۔ کوئی اس وقت اس کی مخالفت نہ کر سکا۔ لیکن ہمارا فرض ہے کہ ہم آپ کو آگاہ کر دیں اور وہاں قیام کرنے سے باز رکھیں..... روپے میں واپس لایا ہوں۔ رسید واپس کر دیجئے۔''

''کیا آپ نے چچا صاحب کو رضامند کر لیا ہے۔''

''ان سے الجھنے کی کس میں ہمت ہے۔ انہیں پتہ ہی نہیں۔ وہ یہی سمجھیں گے کہ آپ کرایہ ادا کرنے کے بعد پروپیگنڈے کا شکار ہو کر خائف ہو گئے ہیں اس لئے آپ کی واپسی نہیں ہوئی۔ کئی بار ایسا ہوا ہے۔ بے خبر لوگ پھنس گئے ہیں اور خاندان والوں نے ان کے روپے واپس کئے ہیں۔ انہیں حالات سے آگاہ کیا ہے۔''

''آخر وہ اُسے کرایہ پر اٹھانے پر ہی کیوں مصر رہتے ہیں۔''

''جھک ہے۔ بالکل سنکی آدمی ہیں۔ ابھی آپ نے زچہ خانے والے بیج کا تذکرہ کیا تھا۔ آج ان کے کوٹ کے کالر پر بھی ایسا ہی ایک بیج دیکھا گیا ہے..... پتہ نہیں کہاں پھنس گئے تھے

اور کس کے لئے چندہ اکٹھا کرتے رہے تھے۔"

قاسم نے پھر کچھ کہنے کے لئے آنکھیں نکالی تھیں اور حمید نے پھر بڑے بھائی والا نسخہ آزمایا تھا۔

"کیا کبھی کسی کرایہ دار کو وہاں رہ کر کوئی نقصان بھی پہنچا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"جی ہاں..... وہ رات کو سو رہا تھا۔ بیک بیک بستر میں آگ لگ گئی تھی اور وہ بمشکل خود کو محفوظ رکھ سکا تھا۔ اس کے پلنگ کے نیچے تازہ خون پھیلا ہوا نظر آیا تھا۔"

"لیکن اس کے باوجود بھی ان کی جھک برقرار ہے۔"

اس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "جی ہاں۔ کہیں سے ایک عامل پکڑ لائے تھے۔ جس نے کچھ پڑھا لکھا تھا اور خاصی بڑی رقم اینٹھ کر انہیں یقین دلا دیا تھا کہ بھوت بھاگ گئے لیکن گھر والے اب بھی راتوں کو وہاں عجیب قسم کی روشنیاں دیکھتے رہتے ہیں۔ آوازیں سنتے رہتے ہیں۔ ویسے خود چچا صاحب مصر ہیں کہ سب بکواس ہے۔ وہم ہے۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔"

"میں کہتا ہوں آپ خود سوچئے کہ اس سیزن میں بھی وہ خالی پڑا رہا ہے۔ جب کہ رام گڈھ میں کہیں تل رکھنے کی جگہ نہیں رہی۔"

"ٹھیکے سے۔" قاسم بول پڑا۔ "ہم دیکھیں گے قیسے بھوت ہیں۔ ارے میاں..... برف کے بھوت۔"

"بڑے بھائی۔" حمید جلدی سے بول پڑا۔

"تم خود بڑے بھائی۔ میں کچھ نہیں سنوں گا۔ ابھی سامان اٹھا کر وہیں لے جاؤں گا۔ رسید ہے میرے پاس..... مر گئے روکنے والے۔ اَجی ہاں۔"

"اگر آپ نے ضد کی تو بھگتیں گے۔"

"آپ کا لہجہ بہت خراب ہے جناب۔" حمید نے کہا۔ "اس قسم کا لہجہ ہم اس وقت اختیار کر سکتے ہیں جب آپ نے ہمیں دھوکہ دے کر ایسا کوئی مکان ہمارے گلے لگایا ہوتا۔"

"آپ ان کا لہجہ بھی تو دیکھئے۔"

"بڑی شرافت سے پیش آ رہا ہوں..... ہاں..... ورنہ میں تو۔" قاسم نے سر ہلا کر کہا۔

"دیکھئے۔" حمید ہاتھ اٹھا کر قاسم کو خاموش کرتا ہوا اجنبی سے بولا۔ "کرایہ ادا کر کے یہ رسید لے چکے ہیں۔ رسید کا مطلب ہے تین ماہ کا معاہدہ۔ رقم پیشگی لی گئی ہے۔ فرض کیجئے ہم کسی مجبوری کی بناء پر مکان میں نہ رہ سکتے..... ٹھہریئے..... بھوتوں والا معاملہ فی الحال الگ ہی رکھئے۔ میں ایک عام بات کہہ رہا ہوں۔ ایسی صورت میں کیا ہمیں پیشگی ادا کی ہوئی رقم واپس مل جاتی۔"

"اُسے چھوڑیئے! وہ دوسری بات ہے۔"

"قطعی دوسری بات نہیں ہے۔ آپ کے چچا صاحب نے تین ماہ کا کرایہ پیشگی اسی لئے وصول کیا ہے کہ ہم ہر حال میں پابند ہو جائیں۔ انہوں نے بھوتوں والی کہانی بتائی تو نہیں تھی۔ رقم پہلے وصول کر لی تاکہ اگر بعد کو بھوتوں والی کہانی سن کر ہم بھاگیں بھی تو اُس رقم کی واپسی کا مطالبہ نہ کر سکیں۔"

"چلئے یونہی سہی۔ مگر میں رقم واپس تو کر رہا ہوں۔"

"کتنی رقم تھی۔" حمید نے قاسم سے پوچھا۔

"نو سو روپے۔" قاسم نے جواب دیا۔

"میں لایا ہوں۔" اجنبی جیب پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"اسے دس سے ضرب دے دیجئے۔" حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"کیا مطلب.....؟"

"حاصل ضرب نو ہزار کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔" حمید کی مسکراہٹ بدستور قائم رہی۔

"اوہ.....!"

"یہ بات ہوئی ہے۔" قاسم نے میز پر ہاتھ مار کر اچھلنے کی کوشش کی لیکن گد بدا کر رہ گیا۔ "اے حمید بھائی۔ آج معلوم ہوا کہ واقعی میرے ہمدرد ہو۔"

''یعنی آپ نو ہزار لے کر رسید واپس کریں گے۔'' اجنبی کا لہجہ پھر سخت ہو گیا۔

''قطعی..... ہم نے تو پیشگی کرایہ اسی لئے ادا کیا ہے کہ مکان میں رہیں گے۔ آپ چاہتے تو نو ہزار۔''

''آپ کے بھلے ہی کو نہیں چاہتا مسٹر..... آپ ضد کر رہے ہیں تو آیئے۔ آس پاس سبھی لوگ جانتے ہیں کہ مکان آسیب زدہ ہے۔ ہم پر کوئی ذمہ داری نہ ہوگی۔''

''بے فکر رہیے۔'' حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ ''ہم اس مکان میں داخل ہونے سے پہلے چیخ چیخ کر اعلان کریں گے کہ مالک مکان نے ہمیں دھوکے میں نہیں رکھا۔ ہم خوشی سے بھوتوں کی ہم جلیسی قبول کر رہے ہیں۔''

''زبانی طراریاں رکھی رہ جائیں گی مسٹر۔ آپ نہیں جانتے۔''

حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔ ''نو ہزار..... یا..... ہمارا قبضہ..... جس ہمیں قانون کی رو سے بھی نہیں روکا جا سکتا۔''

دفعتاً قریب کی کسی میز سے آواز آئی۔ ''فرہاد..... اُو فرہاد۔''

اجنبی چونک کر اُسی طرف دیکھنے لگا۔ پھر ہاتھ اٹھا کر شائد کسی کو منتظر رہنے کا اشارہ کیا۔ فرہاد کے نام پر قاسم اُسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا تھا۔

''خدا بے تکلف دوستوں سے بچائے۔'' اجنبی بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑایا۔ پھر حمید سے بولا۔ ''ہاں تو آپ کیا کہتے ہیں۔''

''کتنی بار کہوں..... کہئے تو اسی جملے کو ریکارڈ کرا کے آپکے حوالے کر دیا جائے۔'' حمید بولا۔

''آپ کی مرضی..... خود ہی اندازہ ہو جائے گا۔'' وہ اٹھتا ہوا بولا اور اسی میز کی طرف گیا جہاں سے آواز آئی تھی۔

''اب بتاؤ بیٹا..... یہ تم نے برف کے بھوتوں کی بات کیوں شروع کی تھی۔''

''بتا رہا تھا سالے کو.....!''

''ہو چکی سراغ رسانی۔''

''کیوں.....!''

''اگر اسی طرح بتاتے پھرے کہ تم سراغ رساں ہو تو کیسے کام چلے گا..... پیارے۔'' حمید نے نرم لہجہ رکھتے ہوئے کہا۔

''ابے ہاں یار..... لو..... میں کتنا اُلو کا پٹھا ہوں..... چچ چچ..... واکئی..... اچھا اب نہیں تھپنے دوں گا جبان سے۔''

''اچھا اب بتاؤ کیا قصہ تھا۔''

''اُے وہی موٹا..... ہم دونوں چندہ جمع کر رہے تھے۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرایا..... میں اُسے دیکھ کر مسکرایا۔ بس جان پہچان ہو گئی۔ میں نے کہا چلو اب اچھا ہے خود اس سے اتہ پتہ پوچھ لیں گے۔ کہنے لگا کاش میں بھی آپ ہی کی طرح لمبا ہوتا۔ میں نے کہا اب ہو جاؤ گے۔ فکر کی بات نہیں..... اللہ تمہیں لمبا کرے گا انشاء اللہ۔ پھر بولا آپ کی طرف بے اختیار دل کھنچتا ہے..... ہی ہی ہی..... بھلا میں قیا کہتا..... ہم ساتھ ہی ساتھ رہے اور پھر سڑک پر آ گئے۔ اس نے پوچھا آپ کہاں رہتے ہیں۔ میں نے کہا ہوٹل میں۔ کہنے لگا ہوٹل کی رہائش بڑی واہیات ہوتی ہے۔ میں نے قہا مکان کہاں ملتے ہیں۔ بولا چلو میرے ساتھ۔ شام کی چائے بھی پینا اور مکان کا انتظام بھی میں قردوں غا۔ میں نے دل میں قہا واہ..... یہ ہو رہی ہے جاسوسی..... پہلے ہی دن اتنی زوردار جاسوسی۔''

وہ خاموش ہو کر داد طلب نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

''تو مکان..... کہاں ملا۔'' حمید نے پوچھا۔

''اُے اسی کا ہے اور کہاں ملتا..... خوب ڈٹ کر چائے پی مٹھائیاں اڑائیں اور..... ہی ہی ہی اخے حمید بھائی بس کیا بتاؤں..... ہی ہی ہی۔''

''کیوں..... اور کیا تھا۔''

''یلا..... یل..... یاں۔'' وہ ایک ایک ٹکڑے پر زور دے کر بولا۔

''ہائیں..... پھر وہی۔'' حمید نے آنکھیں نکالیں۔

''ارے..... توبہ۔'' قاسم نے کان پکڑ کر آنکھیں بند کرلیں اور گال پھلا لے
بولا۔ ''اُمے وہ میں نے خود تھوڑا ہی دیکھا تھا۔ آ گئی تھیں سامنے..... میں نے لاحول پ
پڑھی اور منہ پھیر لیا..... اور قیا۔''

''اس نے تم سے نوسو لے کر رسید دی ہے۔''

''ہاں یہ دیکھو۔'' اس نے جیب سے رسید نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔

حمید اُسے دیکھتا رہا پھر تہہ کر کے جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ ''فکر نہ کرو۔ ہم ہوٹل میں
رہیں گے۔''

''مگر آیا کریں گے کبھی کبھی..... کیوں۔'' قاسم چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ پتہ نہیں
طرح وہ مکان کے چکر میں پھنس گیا تھا ورنہ اس خیال کی مخالفت تو اس نے پہلے بھی کی تھی
رہنے کے لئے کوئی مکان تلاش کیا جائے۔ ہوسکتا ہے کہ اس مکان کی ''یلایلیاں'' ہی اس
محرک ہوئی ہوں۔

انہوں نے رات کا کھانا بھی ڈائننگ ہال ہی میں کھایا۔ حمید اب بھی اس انجمن کے
سوچ رہا تھا لیکن پھر اس نے اس کا تذکرہ نہیں چھیڑا..... ویسے وہ اس موٹے آدمی کے
بھی سوچ رہا تھا۔ کیا وہ بھی قاسم ہی کا بھائی بند ہوسکتا ہے۔ پھر اسے عوامی زچہ خانے والا
یاد آیا۔ حالانکہ قاسم نے تفصیل نہیں بتائی تھی۔ پھر بھی حمید کا اندازہ تھا کہ وہ کسی انجمن کے
میں جا پھنسا ہوگا اور انجمن ہی کے کسی خیراتی زچہ خانے کے لئے رضا کارانہ طور پر چندا
کرنے والی مہم میں بھی شرکت کی ہوگی۔

''قیا سوچ رہے ہو پیارے۔'' قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''یہی کہ اگر تم مرگئے تو میں ولی عہد کسے بناؤں گا۔''

''اُمے تم خود مرجاؤ..... میں تو ہوں پیارے..... اور آپ کو سنے بیٹھ گئے..... لانت ہے

''ہوں..... ذرا یہ تو بتاؤ کہ اگر وہ نو ہزار لے ہی آیا.....!''

''لائے سالا! تم نے کہا تھا میں نے تو نہیں کہا تھا۔ میں جرور دیکھوں گا اُن بھوتوں کو

''جب تم نے اس موٹے آدمی سے مکان کے لئے گفتگو کی تھی کوئی اور بھی تھا وہاں۔''

''بتایا تو کہ دو یلایلیاں تھیں..... فل فلوٹیاں تھیں۔''

''انہوں نے اس پر اعتراض کیا تھا۔''

''ارے اگر وہ اعتراض کر دیتیں تو میں کرایہ دیتا ہی قیوں۔''

''اچھا اگر..... اُن میں سے کوئی آئے اور کرایہ واپس کرے تو۔''

''واپس لے لوں غا۔'' قاسم نے بڑے خلوص سے کہا۔ ''نتھو حلوائی کو ایک بار کہتے سنا تھا
کہ جورو کے علاوہ اور ہر عورت کا کہنا ماننا چاہئے۔ ٹھیک ہی کہتا ہے۔ سالا..... قیوں!''

''ہوں.....!'' حمید کسی سوچ میں پڑ گیا۔

''نکل رہی ہے نا جاسوسی۔'' قاسم ہنسنے لگا۔ ''جرور نکلے گی۔ نہ نکلے گی تو تمہارا کھانا کیسے
ہضم ہوگا۔''

''ہشت! اب تم بھی جاسوس ہو۔ ایسی باتیں نہ کرو۔'' حمید نے کہا۔

''ارے ہاں..... مگر یار یہ خالی خولی جاسوسی۔'' قاسم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''نہ سگار..... نہ پائپ نہ سگریٹ۔''

''ضروری نہیں ہے۔'' حمید نے کہا۔ پھر چونک کر اس آدمی کی طرف مڑا جو اس کی پشت
پر رکا تھا اور مضحکانہ انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''فرمایئے.....!'' حمید نے نتھنے پھلائے۔

''اجازت ہو تو دو منٹ برباد کروں۔'' اس نے کہا۔

''تشریف رکھئے۔''

''فرہاد کی بات مذاق نہ سمجھئے۔'' اس نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''شیریں سے مشورہ کئے بغیر میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

آنے والا ہنسنے لگا پھر بولا۔ ''اوہ شاید آپ..... ظاہر ہے آپ شاید باہر سے آئے ہیں۔
فرہاد سے مراد وہ آدمی ہے جو ابھی کچھ دیر پہلے آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔''

''وہ فرہاد.....لاحول ولاقوۃ.....میں تو انہیں قلوپطرہ کا کزن سمجھتا رہا تھا۔''

''وہ یہاں سے اٹھ کر میری ٹیبل پر گیا تھا۔ آپ غلطی پر ہیں۔ مکان حقیقتاً آسیب ہے۔ آپ اس خاندان کے لوگوں کو بھی مشکلات میں ڈالیں گے۔''

''اَمے جاؤ۔'' قاسم نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ ''چلے ہی آرہے ہیں بھوتوں کے رشتے دار کون ہیں وہ سالے بھوت تمہارے.....تمہیں قیوں تکلیف ہو رہی ہے۔''

''خدا رحم کرے آپ لوگوں کے حال پر مجھے کیا۔'' وہ اٹھتا ہوا بولا اور ایک طرف چلا گیا۔

وہ دونوں خاموش بیٹھے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھتے رہے۔ پھر حمید نے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ وہ نو ہزار ضرور لائے گا۔''

''اب تو نوے ہزار پر بھی نہیں مانوں گا..... ہاں۔'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

غضب ناک چچا

عمارت بڑی اور شاندار تھی۔ کافی کشادہ پائیں باغ تھا۔ عمارت کے ایک حصے پر اب بھی ''کرایہ پر اٹھانے'' والا بورڈ آویزاں تھا۔

ٹیکسی پائیں باغ میں داخل ہو کر رکی۔ حمید اور قاسم اترے۔ ٹیکسی کی ڈکے میں ان کا سامان بھرا ہوا تھا۔

پستہ قد موٹا آدمی برآمدے میں نظر آیا.....اس نے انہیں دیکھ کر پُرجوش انداز میں ہاتھ ہلایا تھا۔

پھر وہ برآمدے سے نیچے اترنے لگا اور ایسا ہی معلوم ہوا جیسے اب گرے گا اور لڑھکتا سیدھا انہیں کی طرف چلا آئے گا۔

وہ آگے بڑھے.....سب سے پہلے اُس نے قاسم کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''اوہ.....آیئے آیئے۔ خوش آمدید۔ میں آپ کے لئے بہت بے چین تھا۔'' اس نے قاسم سے کہا۔ ''رات بھر آپ کو خواب میں دیکھتا رہا۔''

''جی.....جی.....جی جی ہاں.....بلکل یہی حال میرا بھی تھا۔ جی ہاں۔''

''آپ کی تعریف.....!'' موٹا حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

''یہ.....یہ.....حمید بھائی ہیں.....جی ہاں.....صرف حمید بھائی ہیں۔''

''مجھے ساجد حمید کہتے ہیں۔'' حمید جلدی سے بول پڑا۔ ''ہم دونوں گہرے دوست ہیں۔''

''بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔'' اس نے حمید سے ہاتھ ملاتے وقت دانت نکال دیئے اور پھر مڑ کر غالباً ملازموں کو آوازیں دینے لگا۔

''چلئے آپ لوگ تشریف لے چلئے۔ سامان اترتا رہے گا۔ پہلے ادھر آیئے.....کچھ دیر میرے ساتھ بھی بیٹھئے۔ مجھے تعلیم یافتہ آدمیوں سے مل کر بڑی خوشی ہوتی ہے۔''

حمید اور قاسم اس کے ساتھ برآمدے کی جانب بڑھے اور دو ملازم اُسی طرف سے آرہے تھے۔ موٹے نے انہیں سامان کے متعلق ہدایت دی۔

''اوہ.....ٹیکسی کا کرایہ تو ادا ہی نہیں کیا۔'' حمید چونک کر بولا۔

''پرواہ نہ کیجئے۔ ادا کر دیا جائے گا۔'' موٹے نے کہا۔

لیکن حمید پھر پلٹ کر ٹیکسی کی طرف آیا اور کرایہ ادا کر کے ملازموں کو ڈکے سے سامان نکالتے دیکھتا رہا۔ پھر وہ دونوں بھی وہیں واپس آ گئے۔ موٹا قاسم سے کہہ رہا تھا۔ ''میں نے اکثر اپنے لئے جو خواب دیکھے ہیں آپ ان پر بالکل پورے اترتے ہیں۔ میں آپ میں مکمل ترین تفضل حسین دیکھ رہا ہوں۔''

''اجی! میں قس لانک ہوں۔'' قاسم نے شرمیلی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''مم.....مگر.....تفضل حسین۔''

''ٹی.....حسین.....یعنی کہ تفضل حسین۔ میرا نام تفضل حسین ہے۔ کیا میں نے ابھی تک آپ کو نہیں بتایا۔'' موٹے نے کہا۔

قاسم آہستہ سے کچھ بڑبڑایا تھا اور پھر موٹا حمید سے بولا۔ ''اوہ..... بے فکر رہئے۔ ہ
ملازمین پر اعتماد کیجئے۔ سامان احتیاط سے آپ کے کمروں میں پہنچا دیں گے۔''

''اوہ.....!'' حمید چونک کر بولا۔ ''ٹھیک ہے..... چلئے۔''

وہ برآمدے سے گذر کر ایک بڑے کمرے میں داخل ہوئے جو کافی سلیقے سے
تھا۔ دیواروں پر کئی درندوں کی کھالیں ان کے سروں سمیت نظر آ رہی تھیں۔

حمید پہلے اُسے ڈرائنگ روم سمجھا تھا۔ لیکن پھر اندازہ ہوا کہ وہ تو ایک اچھا خاصا اسلح
ہے۔ قدیم و جدید قسم کے متعدد آلات حرب دیواروں سے لگے ہوئے شوکیسوں میں موجود

''میں اپنا زیادہ وقت اسی کمرے میں گذارتا ہوں۔'' موٹے نے کہا۔

''یہ ریچھ ہے شائد۔'' قاسم جو ریچھ کے سر کو بڑے انہماک سے دیکھ رہا تھا بولا۔

''جی ہاں..... میں نے اسے زندہ پکڑا تھا۔'' موٹے نے کہا۔ ''تشریف رکھئے نا۔
چائے پئیں گے یا کافی۔''

''شکریہ! ہم ناشتہ کر چکے ہیں۔'' حمید نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
آپ کا ذخیرہ بڑا شاندار ہے۔

''ارے اب کیا ہے۔ بہتیری چیزیں تو چوری ہوگئیں۔ مثال کے طور پر ایک اژدھا
کا وزن ستائیس من تھا۔ وہ بھی زندہ پکڑا تھا۔''

''جرور پکڑا ہوگا۔'' قاسم سر ہلا کر بولا۔ ''میں بھی بہت سی چیزیں زندہ پکڑ چکا ہوں۔''

''مثال کے طور پر.....!'' موٹے نے سوال کیا۔

''ب..... ب.....!'' قاسم کچھ سوچتا ہوا ہکلایا۔ ''بجو! بجو۔''

''بہت مشکل ہے اُسے پکڑنا۔ تیز ہوتا ہے۔ آپ اس کے پیچھے کیسے دوڑے ہوں گے۔''

''خود ہی دوڑ کر پاس آیا تھا۔ بس پکڑ کر بیٹا کی گردن مروڑ دی۔''

''خوب.....!'' موٹے نے اُسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
وزن تھا۔''

''ساڑھے ستائیس من۔''

''میں نے غلط نہیں کہا تھا کہ میں آپ میں مکمل ترین تفضل حسین دیکھ رہا ہوں۔ مگر میں
نے اتنا ہلکا بجو آج تک نہیں پکڑا۔ میں نے جو پکڑا تھا اس کا وزن اٹھائیس سے بھی زیادہ تھا۔''

''تب میں چالیس من والا پکڑنے کی کوشش کروں گا۔'' قاسم نے اکڑ کر کہا۔

حمید موٹے کے متعلق سوچنے لگا کہ وہ انہیں گھس رہا ہے یا حقیقتاً قاسم سے بھی گیا گذرا ہے۔

دفعتاً اس نے پوچھا۔ ''فرہاد صاحب کہاں ہیں۔''

''فرہاد صاحب؟ کون فرہاد صاحب؟''

''آپ کے بھتیجے۔''

''شائد آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس نام کا کوئی بھتیجا نہیں ہے۔'' اس نے کہا اور پھر
قاسم کی طرف مڑ گیا۔

''یہ بلی تو بہت مشکل سے ہاتھ آئی ہوگی۔'' حمید نے شیر کی کھال کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''بلی..... ارے نہیں صاحب۔ یہ شیر ہے۔''

''لاحول ولا قوۃ..... یہی شیر ہے۔''

''جی ہاں۔'' اس نے حمید کو گھورتے ہوئے کہا۔

''میں بلی کا انلارجمنٹ سمجھا تھا۔''

اس نے حمید کو عجیب نظروں سے دیکھ کر کہا۔ ''ایک بات میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں۔''

''ضرور پوچھئے۔''

''آپ نواب برجیس قدر کے بھانجے تو نہیں ہیں۔''

''اتفاق سے وہ خود ہی میرے بھانجے ہیں۔'' حمید نے جواب دیا۔

''تب پھر مجھے غلط یاد ہوگا۔ بہر حال انہوں نے اپنے بھانجے یا ماموں کا ایک واقعہ بتایا
تھا جو بلی کے دھوکے میں کسی شیر کو چھ ماہ تک دودھ پلاتے رہے تھے۔''

''انہیں سے یہ حماقت سرزد ہوئی ہوگی۔ میں تو بہت عقلمند آدمی ہوں۔''

"جی ہاں..... جی ہاں۔" اس نے حمید کو اس انداز میں دیکھتے ہوئے کہا جیسے باور کرنے کی کوشش کر رہا ہو کہ حقیقتاً وہ بہت عقلمند آدمی ہے۔ پھر یک بیک چونک کر بولا "بے حد خوش نصیب ہوں کہ اس طرح آپ لوگوں سے ملاقات ہوگئی۔ آپ کو دنیا کی بڑی اسکیموں سے بھی دلچسپی ہے یا نہیں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"مطلب یہ کہ چاند کا سفر..... یا خلائی اسٹیشن کا قیام۔"

"ارے واہ..... ارے واہ۔" قاسم جلدی سے بول پڑا۔ "جی ہاں! میری خالا جان اسٹیشن بنوا رہی ہیں۔"

"خالا جان.....!" موٹے نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

"اُوہ..... ارے واہ۔" حمید ہنس پڑا اور قاسم سے بولا۔ "تمہاری خالا جان جو اسٹیشن بنوا رہی ہیں۔"

پھر موٹے کی طرف مڑا۔ "ان کی خالا کا بسوں کا بزنس ہے۔ مسافروں کی آسانی کے لئے انہوں نے اپنی کمپنی کے خرچے سے دارالحکومت میں کئی مسافر خانے بنوائے ہیں۔"

"اچھا اچھا بڑا نیک کام ہے۔ نیک کام ضرور کرنے چاہئیں۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا ہمیں ان بڑی اسکیموں میں ضرور دلچسپی لینی چاہئے..... کیا خیال ہے آپ کا۔"

"وہی جو آپ کا ہے۔"

"ونڈرفل! یہاں بھی ہم خیالی موجود ہے۔" اس نے حمید کیطرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

حمید نے بھی طوعاً و کرہاً ہاتھ بڑھایا..... شائد موٹا بات بات پر ہاتھ ملانے کا عادی تھا۔

حمید کو ایسے آدمیوں سے بڑی چڑھ تھی جو لغو سے لغو بات کہہ کر بھی اس طرح ہاتھ بڑھاتے ہیں جیسے بڑا تیر مارا ہو۔ اب آپ بھی ہاتھ پر ہاتھ نہ ماریئے تو مغرور اور بدتمیز کہلایئے۔ ویسے موٹا ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آسکا تھا۔

یک بیک عمارت کے کسی گوشے سے گانے کی سی آواز آئی۔ غالباً کوئی خوش گلو

لہک لہک کر اشعار پڑھ رہا تھا۔

موٹے نے کان کھڑے کئے..... سنتا رہا اور پھر اسکے چہرے پر غصے کے آثار نظر آئے۔

"ذرا ٹھہریئے گا۔" و اٹھتا ہوا غصیلی آواز میں بولا اور تھلتھلاتا ہوا باہر چلا گیا۔

"پکا جھوٹا ہے سالا۔" قاسم نے آہستہ سے کہا۔ "ستائیس من کا اژدھا پکڑا تھا بیٹا نے۔"

حمید کچھ نہ بولا اور قاسم نے ہنسی روکتے ہوئے کہا۔ "قیا یاد قرے گا..... میں نے ساڑھے ستائیس من کا بجو پکڑا مارا۔"

"بجو دیکھا ہے کبھی۔"

"دیکھ کر نہیں پکڑا تھا۔" قاسم نے شریری مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"بلی سے بھی چھوٹا ہوتا ہے۔"

"اَبے تو پھر میں نے پہاڑی بجو پکڑا ہوگا۔ وہ سالا کیوں ہانک رہا تھا۔ میں نے بھی ہانک دی۔"

دفعتاً برآمدے سے کسی کے چنگھاڑنے کی آواز آئی۔ "میں کہہ چکا ہوں کہ میری چھت کے نیچے شاعری واعری نہیں ہوگی۔ تم کتنے بے حیا ہو۔"

"آپ سنئے بھی تو سہی۔" کسی نے مری مری سی آواز میں کہا۔

"نہیں سنوں گا۔ ابھی چلے جاؤ..... فوراً چلے جاؤ۔"

"سنئے تو..... میں نے شاعری ترک کر دی ہے۔" دوسری آواز۔

"تو کیا یہ ابھی میرا فاتحہ پڑھا جا رہا تھا۔"

"آنٹی نے فرمائش کی تھی۔"

"اب آنٹا کہتا ہے کہ بکواس بند کرو اور بالکل چلے جاؤ۔"

"کیا کر رہے ہیں آپ۔" ایک تیز قسم کی نسوانی آواز آئی۔

"دخل مت دو..... ہائیں..... تم ابھی تک گئے نہیں۔"

"جا رہا ہوں۔" اس بار دوسری آواز بھی غصیلی تھی۔ پھر قدموں کی آواز سنائی دی۔ حمید

تیزی سے دروازے پر آیا۔

''اوہ.....تو یہ حضرت ہیں۔'' وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ فرہاد برآمدے کے زینوں سے اُتر رہا تھا۔ نیچے اُتر کر وہ ایک بار پھر مڑا لیکن ساتھ ہی للکار سنائی دی۔ ''ہائیں..... دوڑتے ہوئے چلے جاؤ۔ بس دفع ہی ہو جاؤ اس وقت ورنہ۔''

فرہاد تیزی سے پھاٹک کی طرف چلا گیا۔

''آپ حد سے بڑھ جاتے ہیں۔'' نسوانی آواز۔

حمید اس کی شکل نہ دیکھ سکا۔ وہ شائد کسی دروازے میں تھی۔ موٹا اب بھی برآمدے کے وسط میں کھڑا فرہاد کو گھورے جا رہا تھا۔ جب وہ پھاٹک سے گذر گیا تو موٹے نے کہا۔

''بیہودہ کہیں کا۔ مجھے چڑاتا ہے۔''

''میں نے فرمائش کی تھی۔'' نسوانی آواز۔

''تو پھر آپ بھی چڑاتی ہیں۔'' موٹا دہاڑا۔

نسوانی آواز اس بار بھی سنائی دی تھی۔ لیکن الفاظ سمجھ میں نہیں آ سکے تھے۔ موٹا جانب بڑھا اور حمید پیچھے ہٹتے وقت قاسم سے ٹکرایا تھا۔

''دیکھ کر پیارے۔'' قاسم بڑبڑایا۔

''دیکھا آپ نے۔'' موٹا کمرے میں داخل ہوتا ہوا غصیلے لہجے میں بولا۔ ''دنیا راکٹ پھینک رہی ہے۔ مصنوعی سیارے خلا میں چکرا رہے ہیں اور صاحب زادے سے بلبل کے پر باندھنے پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں۔''

وہ کچھ نہ بولے۔ موٹا کہتا رہا۔ ''پر تو کیا باندھیں گے خود اُلو ہو کر رہ گئے ہیں۔ خدا اس سائنسی عہد میں بھی ہم شاعروں کے علاوہ اور کچھ نہیں پیدا کر رہے۔ آپ کا کیا خیال ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ آپ نے زیادتی کی۔'' حمید بولا۔

''اوہ.....تو کیا آپ بھی۔'' موٹے نے آنکھیں نکالیں۔

''جی نہیں! ہم میں سے کوئی بھی شاعر نہیں ہے۔ لیکن ہم شاعروں سے کبھی بُرا

برتاؤ کرتے۔ وہ قابل رحم ہیں۔''

''آپ ہی جیسے لوگوں نے ان کی تعداد بڑھائی ہے۔ معاف کیجئے گا۔ یہاں اس نقطے پر ہم مختلف الخیال ہو گئے۔ کیا خیال ہے آپ کا۔''

''مجھے آپ سے پورا پورا اتفاق ہے۔''

''کیا بات ہوئی۔''

''تو آپ کے یہ بھتیجے آپ کے ساتھ نہیں رہتے۔''

''خدا کا شکر ہے کہ نہیں رہتا ورنہ میں کبھی کا قبر میں پہنچ گیا ہوتا۔ خدا کی پناہ یہ بھی کوئی بات ہوئی.....وہ کیا شعر تھا..... پتہ نہیں کیا تھا۔ بہر حال مضمون یہ ہے۔''

''ہاں دیکھئے.....!'' حمید جلدی سے بولا۔ ''اس مکان کی کرایہ داری کے ساتھ کچھ اور بھی شرائط تو نہیں ہیں۔''

''اس کی بات پھر کریں گے۔ پہلے آپ وہ شعر سن لیجئے۔'' موٹے نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''سنایئے صاحب۔'' حمید مردہ سی آواز میں بولا۔ ''حالانکہ ابھی آپ اسی حرکت کی بناء پر اپنے بھتیجے کا چالان کر چکے ہیں۔''

''لاحول ولا قوۃ.....!'' اس نے ہنس کر کہا۔ ''شاید میں بھی سنک گیا تھا۔ مگر میں آپ کے سوال کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''نہیں صاحب آپ سنایئے شعر۔'' قاسم سنک گیا۔ ''بکنے دیجئے انہیں۔ میں کل سے آپ کا ہم خیال ہوں یہ تو ابھی آئے ہیں۔''

موٹا ہنسنے لگا۔ حمید بھی مسکرا دیا پھر بولا۔ ''مطلب یہ تھا کہ ہم پر کسی قسم کی پابندیاں تو نہ ہوں گی۔''

''صرف اتنی کہ آپ آوارہ عورتوں کو یہاں نہ لا سکیں گے جن کی رام گڈھ میں بہتات ہے۔''

''ارے توبہ توبہ۔'' قاسم منہ پیٹنے لگا۔ ''یہ آپ قیا پھر مار رہے ہیں۔ لاحول بلا قوت۔''

''ایسی کوئی بات نہ ہوگی۔'' حمید نے کہا۔

"بس پھر گھر آپ کا ہے۔ جب تک جی چاہے رہئے۔"

"یہ آپ کے بھتیجے کہاں رہتے ہیں۔"

"ٹھینگے پر رہتے ہیں۔" قاسم جھلا گیا۔ "تم خواہ مخواہ مغز کیوں چاٹنے لگے۔"

غالباً اس کی ذہنی رو بہکنے لگی تھی۔ حمید نے اُسے گھور کر دیکھا اور وہ دوسری طرف دیکھنے لگا۔ موٹا ہنس کر بولا۔ "ہم دونوں کس قدر ہم خیال ہیں۔ مجھے بھی اس کا تذکرہ پسند نہیں۔"

"ارے اور کیا۔" قاسم حمید کی طرف دیکھے بغیر بڑبڑایا۔ "کھال کی بال نہیں بال کی کھال کھینچ کر بھس بھریں گے۔"

حمید کو خاموشی ہی میں عافیت نظر آئی کیونکہ قاسم بہکنے لگا تھا۔

"مگر میں آپ کو اس کے متعلق ضرور بتاؤں گا۔" موٹے نے کہا۔ "ہر ایک کو بتاتا ہوں وہ ایک انتہائی نالائق آدمی ہے۔ ناکارہ..... ویسے آج کل کہہ رہا ہے کہ میں نے ٹھیکیداری شروع کر دی ہے۔ سڑکیں بنواتا ہوں۔ مطلب یہ کہ مجھے باور کرانا چاہتا ہے کہ اب وہ کام کا آدمی بن چکا ہے۔ شاعری ترک کر کے ٹھیکیداری شروع کر دی ہے۔ کیا خیال ہے آپ کا۔"

"وہی جو آپ کا ہے۔"

"ہے نا۔" موٹے نے خوش ہو کر کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ اب بھی پرلے سرے کا گدھا ہے۔"

"مگر آپ کو یہ کیوں باور کرانا چاہتا ہے کہ اب وہ کام کا آدمی بن گیا ہے۔"

"اوہ..... نہیں سمجھے۔ مقصد یہ کہ یہاں گھسا رہ سکے۔"

"شاید آپ کو یہاں اس کی آمد و رفت پسند نہیں ہے۔"

"ٹھیک سمجھے! میں نہیں پسند کرتا کہ وہ یہاں آئے۔"

حمید نے وجہ نہیں پوچھی۔ فی الحال زیادہ پوچھ گچھ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے فرہاد کے متعلق پچھلی رات والی ملاقات کا تذکرہ بھی نہیں کیا۔ ویسے اسے ڈر تھا کہ کہیں قاسم ہی نہ ذکر کر دے۔ لیکن پتہ نہیں کیوں وہ بھی اس مسئلے پر خاموش تھا۔

یک بیک قریب ہی کہیں کوئی بھاری آواز والا کتا شور مچانے لگا اور ساتھ ہی آواز

آنے لگیں جیسے کوئی کسی کو پیٹ رہا ہو۔

"ہائے آ گئی شامت بیچارے کی۔" موٹا کراہ کر اٹھا۔

"کیوں کیا بات ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ارے بیگم صاحب کو جب بھی مجھ پر غصہ آتا ہے اسی بیچارے کی شامت آ جاتی ہے۔"

"کتا بلڈ ہاؤنڈ معلوم ہوتا ہے۔"

"کمال ہے۔" موٹے نے حیرت سے کہا۔ "آپ کو کیسے معلوم ہوا۔"

"میں کتوں کی آوازوں سے ان کی نسل کا اندازہ کر لیتا ہوں۔"

"واہ بڑی غضب کی صلاحیت ہے۔ ٹھہریئے میں واپس آ کر مزید تعریف کروں گا۔"

وہ دروازے سے نکل گیا۔

"یہ بیگم صاحب بھی گجب کی معلوم ہوتی ہیں۔" قاسم نے کہا اور بھاڑ سا منہ پھیلا کر جماہی لی۔

"قاسم تم اپنی زبان بند ہی رکھو تو بہتر ہے۔" حمید نے نرم لہجے میں کہا۔ "ورنہ جاسوسی نہ کر سکو گے۔"

"اُے جاؤ..... مجھے کرنے ہی کب دیتے ہو۔ خود ہی کئے جا رہے ہو۔ ٹھینگے پر ہو مجھے کیا پڑی ہے کہ اپنا مغز خراب کروں۔"

پھر یک بیک تین آوازیں سنائی دینے لگیں۔ کتا تو پہلے ہی سے چیخ رہا تھا موٹے کی آواز کے ساتھ ہی ایک تیز قسم کی نسوانی آواز بھی اس صوتی ہیجان میں حصہ لے رہی تھی۔

کتے کی موت

قاسم متحیرانہ انداز میں حمید کی طرف دیکھتا رہا۔ شور بڑھتا ہی گیا۔ آخر اس نے منہ چلا کر

ہونٹوں پر زبان پھیری اور بولا۔ ''اَے واکئی بھوت ہی معلوم ہوتے ہیں۔''

''اُو مسٹر..... اُو..... جناب..... اُو بھائی صاحب۔'' موٹے کی آواز قریب ہوتی گئی۔ وہ دروازے میں داخل ہوتے وقت گرتے گرتے بچا۔ لیکن شائد اُسے اس کی بھی پرواہ نہیں تھی کہ اگر منہ کے بل گر گیا تو کیا حشر ہوگا۔ بدحواسی کے عالم میں وہ ہاتھ پھیلا کر بولا۔ ''چلئے..... دیکھئے تو ٹائیگر کو کیا ہوا..... خدا کے لئے..... ارے پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے۔''

حمید نے غور کیا تو اب کتے کی آواز بھی نہ سنائی دی۔

''چلئے.....!'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

وہ انہیں کمپاؤنڈ کے گوشے میں لایا۔ جہاں ایک دم توڑتا ہوا کتا زمین پر پڑا بار بار پھیلا رہا تھا۔ منہ خون آلود تھا اور قریب ہی زمین پر بھی خون پھیلا ہوا نظر آیا۔

''ارے..... یہ تو ختم ہو رہا ہے۔'' حمید نے نیچے جھک کر دیکھتے ہوئے کہا۔

خون میں لختے بھی شامل تھے۔

''ہائیں..... ختم ہو رہا ہے۔ ارے ظالم نے پتہ نہیں کہاں مار دیا۔'' موٹا رو دینے والی آواز میں بولا۔

کتا قد آور اور کافی تندرست تھا۔ یک بیک حمید نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔ یہ خون..... کسی خارجی ضرب کا نتیجہ تو نہیں ہو سکتا۔ اس نے سوچا۔ اسے یقینی طور پر زہر دیا گیا ہے۔ لیکن اس نے اپنا خیال ظاہر نہیں کیا۔

اتنی دیر میں کتا دم توڑ چکا تھا۔

''ہائے سوس۔'' قاسم پھنسی پھنسی آواز میں بولا۔

موٹا اس طرح نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے کھڑا تھا جیسے آنسو پینے کی کوشش کر رہا ہو۔ آنکھیں جھپکی پڑ رہی تھیں اور بھنویں تن رہی تھیں۔

دفعتاً وہ خاموشی سے مڑا اور عمارت کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ وہیں کھڑے اُسے دیکھتے رہے۔

''اَے..... قسم چکر میں پڑ گئے۔'' قاسم بڑبڑایا۔

حمید کچھ نہ بولا اور پھر کتے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ قاسم اُسے بھی حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

''کیا پاگل ہو گئے ہو حمید بھائی۔'' اس نے کہا۔

''کیوں کیا ہوا.....؟''

''ارے اس سالے میں اتنی دلچسپی لے رہے ہو۔'' وہ کتے کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ''جیسے تمہارا کوئی رشتے دار ہو۔ چلو بڑھو یہاں سے۔ اَے کھسکو بھی۔ میرا جی گھبرا رہا ہے۔''

اس نے اسے وہاں سے دھکیل لے جانے کی کوشش کی۔

اچانک عمارت کی طرف سے پھر اُسی قسم کا شور اُبھرا جیسا وہ کچھ دیر پہلے سن چکے تھے۔ لیکن اس بار اُس میں کتے کی آواز شامل نہیں تھی۔

''اَے میں تو یہاں نہیں رہوں گا۔ ٹھینگے پر ہے سالا مکان وکان! گھر پر اپنی بیگم صاحب کو دیکھ دیکھ کر جلو..... اور باہر دوسرے کی بیگم صاحب۔ مُکدر ہی خراب ہے میرا۔ اے الامیاں اب تو اٹھا ہی لیتے۔''

''کیا بکواس کر رہے ہو۔'' حمید نے کہا۔ ''تم جاسوس ہو۔''

''اَے تو یہاں قون سی جاسوسی دھری ہوئی ہے۔'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

''آہستہ بولو..... یہاں جاسوسی کے لئے خاصا مواد موجود ہے۔''

''مواد کیا خون بھی موجود ہے۔ پھوڑا پھنسی سبھی کچھ موجود ہو جائے گا..... میں کہتا ہوں پاگل ہو جاؤ گے تم۔ جہاں کچھ نہ ہو وہاں بھی جاسوسی کھودنے بیٹھ جاتے ہو۔''

''یہ تو سوچو وہ عورت کتنی تگڑی ہو گی جس نے اس جغادری کتے کو اس طرح مار ڈالا۔''

''تگڑی۔'' قاسم ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔ ''ہاں یار تگڑی تو ضرور ہو گی۔ اَے قہیں وہی نہ ہو۔''

''کون.....؟''

''کل دو تھیں..... ایک بالکل باریک مہین اور میاؤں میاؤں کرنے والی۔ دوسری لمبی ترنگی

کڑکدار آواز والی۔ اب پتہ نہیں اُن میں سے قون تھی بیغم.....!''

''دونوں بوڑھی تھیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''اَمے جاؤ..... بوڑھی ہوتیں تو تم آتے یہاں۔ اب اتنا اُلو نہ سمجھو مجھے۔''

''میں پوچھ رہا ہوں تم سے۔''

''ایسی فجول بات مت پوچھو۔''

شور اب بھی سنائی دے رہا تھا۔ حمید نے عمارت کی طرف قدم بڑھائے۔

ٹھیک اسی وقت ایک عورت اندر سے نکلی۔ برآمدے کی سیڑھیوں تک دوڑتی چلی آئی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی نے اُسے دوڑایا ہو..... لیکن اس کے پیچھے اور کوئی نظر نہ آیا۔ شور اب بھی جاری تھا۔ حمید نے تیزی سے قدم بڑھائے۔

وہ سیڑھیوں ہی پر ٹھٹک گئی تھی۔ قریب پہنچ کر حمید کے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ یہ ایک دبلی پتلی اور بے حد حسین لڑکی تھی۔ عمر اٹھارہ انیس سال سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ خوابناک سی بڑی بڑی آنکھیں تھیں، جو غالباً خوف ہی کی وجہ سے کسی قدر وحشت زدہ نظر آ رہی تھیں۔

''میں نیا کرایہ دار ہوں محترمہ۔'' حمید احتراماً جھکا۔

''اُوہ.....!'' وہ چونک پڑی۔ ''کچھ کیجئے خدا کے لئے کچھ کیجئے۔''

''فرمایئے۔''

''ڈیڈی..... آیئے.....!'' وہ مضطربانہ انداز میں دروازے کی طرف مڑی۔

حمید نے جیسے ہی دروازے میں قدم رکھا آوازیں صاف سنائی دینے لگیں۔ غالباً موٹا چیخ رہا تھا۔ ''مار ڈالو..... مجھے بھی مار ڈالو..... مار ڈالو۔''

نسوانی آواز کے متعلق اندازہ کرنا اب بھی مشکل تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔

مگر وہ منظر بڑا مضحکہ خیز تھا۔ موٹا زمین پر لوٹیں لگاتا ہوا چیخ رہا تھا اور ایک لحیم شحیم عورت قریب ہی کھڑی چنگھاڑ رہی تھی۔ حمید کو دیکھ کر وہ یک بیک خاموش ہوگئی لیکن موٹا اسی طرح لوٹیں لگاتا ہوا چیختا رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی قسم کا دورہ پڑ گیا ہو۔ اس کی آنکھیں بھی بند تھیں۔

''آپ نے اندر آنے کی جرأت کیسے کی۔'' وہ یک بیک دہاڑی۔

''میں خود سے نہیں آیا محترمہ۔'' حمید نے لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''آپ لائی ہیں۔''

موٹے نے خاموش ہو کر آنکھیں کھول دیں اور چپ پڑا پلکیں جھپکاتا رہا۔

''تم لائی ہو۔'' عورت لڑکی کو قہر آلود نظروں سے دیکھتی ہوئی غرائی۔

''ہاں..... میں لائی ہوں۔'' لڑکی بھی حلق پھاڑ کر چلائی۔

''ارے شامت آئی ہے چھپکلی اپنا لہجہ ٹھیک کر۔'' عورت پھر غرائی۔

''آج تم مجھے بھی مار ڈالو۔'' لڑکی اسی انداز میں چیخی۔

پھر ایسا معلوم ہونے لگا جیسے عورت کو بھی سکتہ ہو گیا ہو۔ وہ چند لمحے خاموش کھڑی رہی اور پھر تیزی سے ایک دروازے میں مڑ گئی۔

''اٹھایئے..... خدا کے لئے ڈیڈی کو اٹھایئے۔'' لڑکی گڑگڑائی۔

''شاید میں ناکام رہوں۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''ٹھہریئے..... میں اپنے ساتھی کو بلاتا ہوں۔''

وہ باہر آیا۔ قاسم کمپاؤنڈ کے وسط میں کھڑا صدر دروازے کی طرف ایک ٹک دیکھے جا رہا تھا۔ حمید نے اشارے سے اُسے بلایا۔ لیکن اُس نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔

آخر اُسے خود ہی اُس کے پاس پہنچنا پڑا۔ قاسم یک بیک آنکھیں نکال کر بولا۔

''ہاں ہاں..... گھس جاؤ..... قرو اندر جا کر جاسوسی۔ سالے میں پہلے ہی جانتا تھا۔''

''ارے اب تمہیں کیا ہو گیا۔ میں تمہیں بلانے آیا ہوں۔''

''نہیں کھد ہی مچے کرو۔'' قاسم نے بُرا سا منہ بنا کر خشک لہجے میں کہا۔

بدقت تمام وہ اس روٹھے ہوئے ہاتھی کو منا سکا ورنہ امید نہیں تھی کہ اُن ''فیل مغزوں'' سے جلد ہی نجات مل سکتی۔

اندر آ کر قاسم بھی بوکھلا گیا کیونکہ موٹا اب بھی چت ہی پڑا ہوا تھا اور اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

''ارے..... یہ قیا ہوا انہیں۔'' اُس نے کہا۔

''ٹھیک ہیں..... ٹھیک ہیں۔'' لڑکی بولی۔ ''آپ براہِ کرم انہیں اٹھایئے۔ یہ خود سے اٹھ سکیں گے۔ ملازم نہ جانے کہاں چلے گئے۔''

قاسم نے اسے اٹھایا اور وہ کسی بت ہی کی طرح اکڑا ہوا اٹھتا چلا آیا۔ لیکن ہوش ہی میں تھا۔

''مجھے وہیں لے چلئے..... وہیں۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

پتہ نہیں اس ''وہیں'' سے مراد وہ کمرہ تھا جہاں وہ کچھ دیر قبل بیٹھے رہے تھے یا وہ جہاں کتے کی لاش پڑی تھی۔

بہر حال وہ اُسے سہارا دے کر برآمدے تک لائے اور وہ اسلحہ جات والے کمرے کی طرف مڑ گیا۔

کچھ دیر بعد ایک آرام کرسی میں ڈھیر ہو کر گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ حمید اور قاسم خاموش تھے۔

حمید اس لحیم شحیم عورت کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اُس کی عمر تیس سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ اگر وہی موٹے کی بیگم تھی تو کم از کم اس لڑکی کی ماں تو ہرگز نہیں ہو سکتی جو اپنے ڈیڈی کی مدد کے لئے اسے اندر لے گئی تھی۔ پھر؟ وہ دوسری ہی بیوی ہو سکتی تھی۔

اُس نے موٹے کی طرف دیکھا جو اب بھی آنکھیں بند کئے پڑا تھا۔

''مجھے بے حد افسوس ہے کہ اتنا اچھا کتا مر گیا۔'' اس نے کہا۔

موٹے نے آنکھیں کھول دیں اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''میں تو مر ہی جانا چاہتا ہوں۔''

''کب سے تھا آپ کے پاس۔''

''پچھلے ماہ خریدا تھا۔ رکھوالی کا کتا تھا۔ دن بھر بندھا رہتا تھا اور رات کو کھول دیا جاتا تھا۔ اوہ..... اس عورت کو بھی مجھ پر غصہ آتا تھا اسی بیچارے پر اتار دیتی تھی۔ میرے خدا میرے خدا..... میں کیا کروں۔''

''چچ..... چچ.....!'' قاسم نے ٹھنڈی سانس لی۔

''خدا کے غضب سے نہیں ڈرتی۔'' موٹا کراہا۔ ''ہائے خون کی قے کر کے مرا ہے..... ہائے۔''

''ڈنڈے سے مارا تھا۔'' قاسم نے پوچھا۔

''جی ہاں..... ارے مجھے ہی مار ڈالتی اگر مجھ پر غصہ آیا تھا۔ ہائے وہ بے زبان۔''

پھر وہ قدموں کی آہٹ پر چونک پڑے اور دوسرے ہی لمحے میں موٹے کی بیگم داخل ہوئی۔

''اگر وہ ایسے نہ مرتا تو میں کسی دن اُسے زہر دے دیتی۔'' اس نے تیز لہجے میں کہا۔ قاسم بوکھلا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

حمید کو بھی اٹھنا ہی پڑا۔ لیکن موٹا بدستور پڑا رہا اور اس نے آنکھیں بھی بند کر لیں۔

''تشریف رکھئے۔'' عورت گرجی۔ ''مجھے کتوں سے نفرت ہے۔ اپنے گھر میں اس قسم کی گندگی برداشت نہیں کر سکتی۔''

''جی ہاں..... جی ہاں۔'' قاسم سر ہلا کر بولا۔

''جی.....!'' موٹا اس کی طرف دیکھ کر غرایا اور قاسم بوکھلا کر بولا۔ ''جی نہیں..... جی نہیں۔ مم..... مطلب یہ کہ جی ہاں۔''

''ہم نئے کرایہ دار ہیں محترمہ۔'' حمید نے بڑے ادب سے کہا۔

''مجھے افسوس ہے کہ آپ کو بھی تکلیف اٹھانی پڑی۔'' عورت کا لہجہ غیر متوقع طور پر نرم تھا۔ ''ایک ذرا سا گھریلو جھگڑا اتنا بڑھ گیا۔''

''ارے یہ ذرا سا جھگڑا تھا۔'' موٹا چیخا۔ ''پہلے میرے کانوں میں شاعری کی منحوس آواز پڑی اور پھر میرا کتا مار ڈالا گیا۔ غضب خدا کا۔''

''اگر کوئی دوسرا آیا تو وہ بھی مار ڈالا جائے گا۔'' عورت نے اس کی طرف دیکھے بغیر سنجیدگی سے کہا۔

''میں اپنا گلا گھونٹ لوں گا۔'' موٹا دہاڑا۔

عورت نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور باہر نکل گئی۔ پھر برآمدے میں دور تک ہٹتی چلی گئی لیکن اس طرح کہ حمید کا سامنا ہی رہے۔ وہاں رک کر اس نے حمید کو اشارے سے

بلایا۔ قاسم نے آنکھیں نکالیں اور حمید اٹھتا ہوا موٹے سے بولا۔ ''میں ابھی حاضر ہوا۔''

موٹے نے پھر آنکھیں بند کر لی تھیں، جو بند ہی رہیں۔

قاسم نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔ وہ اس وقت بڑا مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔

جیسے ہی حمید باہر نکلا وہ اُسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کر کے دوسری طرف مڑ گئی۔ اس کے پیچھے چلتا رہا۔

وہ اُسے ایک کمرے میں لائی۔

''تشریف رکھئے۔'' اس کے چہرے پر ایسی دلآویز مسکراہٹ تھی جیسے اس نے ہم زندہ اب تک سارا وقت بڑے خوشگوار ماحول میں گذارا ہو۔

پھر اُس نے کسی ''بے بی'' کو آواز دی اور حمید سے کہنے لگی ''خواہ مخواہ بات کا بتنگڑ گیا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ کم بخت مر ہی جائے گا۔''

''معاف کیجئے گا محترمہ۔ ہم صرف کرایہ دار ہیں آپ کے۔ بھلا ہمیں آپ کے جھگڑوں سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ ویسے کتا تھا شاندار۔''

''مجھے نفرت ہے کتوں سے..... اوہ..... آؤ بے بی..... ادھر آؤ..... بیٹھ جاؤ۔ تم بھی مخواہ پاگل ہو گئی تھیں۔''

حمید کو وہی لڑکی نظر آئی جو اُسے اندر لے گئی تھی۔ اُس کے چہرے پر گہری اداسی بادل تھے۔ آنکھیں مغموم تھیں۔

وہ خاموشی سے ایک کرسی کے ہتھے پر ٹک گئی اور پھر بولی۔ ''میں کیا کرتی۔ کیا آپ سکتیں ڈیڈی کو..... اُن کی وہ حالت مجھ سے نہیں دیکھی گئی تھی۔ مجھے خود بھی شرمندگی ہے کہ اجنبی نے ہمیں اس مضحکہ خیز پوزیشن میں دیکھا۔''

''مجھے اپنی موجودگی پر ندامت ہے۔'' حمید بولا۔

''آپ سے بہت ضروری باتیں کرنی ہیں۔'' وہ حمید کی طرف مڑی۔ ''پچھلی رات نے ارشاد کو واپس کر دیا تھا۔''

''ارشاد..... کون ارشاد۔''

''کوئی صاحب! جنہوں نے آپ کو اس کرایہ داری سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔''

''مگر اُن کا نام تو کسی نے فرہاد بتایا تھا۔''

''ارے..... وہ۔'' عورت ہنس پڑی۔ ''شاعری ترک کر کے ٹھیکیداری کرنے لگا ہے نا۔ اسی لئے اُس کے دوست اُسے فرہاد ۵۹ء کہتے ہیں۔''

''تو آپ بھی یہی کہنا چاہتی ہیں کہ ہم یہاں اس لئے نہ رہیں کہ مکان کا وہ حصہ آسیب زدہ ہے۔''

''جی ہاں..... اگر آپ کو کوئی نقصان پہنچا تو ہم بھی دشواریوں میں پڑ سکتے ہیں۔''

''مگر تفضل صاحب نے ہمیں ایسی کوئی بات نہیں بتائی تھی۔''

''کیا آپ انہیں اب بھی نہیں سمجھ سکے۔''

''خدا کی پناہ..... کیا آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ وہ ذہنی فتور میں مبتلا ہیں۔''

''اس حد تک تو نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن وہ جھکی ضرور ہیں۔ حالانکہ ایک بار ایک کرایہ دار مصیبتوں کا شکار ہو چکا ہے اس کے باوجود اُنہیں واہمہ قرار دیتے ہیں۔''

حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ آپ نے مجھے اُس مکان کے متعلق کچھ بتایا ہے تو۔''

''ایک بار پھر گھر کی فضا خراب ہو سکتی ہے۔'' عورت مسکرائی۔ حمید نے لڑکی کی طرف دیکھا لیکن وہ اس مسئلے سے قطعی بے تعلق نظر آ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی دوسری سوچ میں ہو۔ آنکھیں اب بھی مغموم تھیں۔

''دیکھئے۔'' حمید بولا۔ ''مجھے بھوتوں سے بڑی دلچسپی ہے۔ اُن کی بہتیری کہانیاں سنی ہیں۔ لیکن ذاتی طور پر آج تک کوئی تجربہ نہیں ہوا۔ اس سے پہلے بھی اکثری ایسی عمارتوں میں رہ چکا ہوں..... جو آسیب زدہ مشہور تھیں لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر مجھے کبھی کوئی بھوت کیوں نہ دکھائی دیا۔''

''میں نے آپ کو آگاہ کر دیا۔ ماننا نہ ماننا آپ کے اختیار میں ہے۔ بھوتوں کا میرے لئے اتنا دلچسپ نہیں ہے کہ میں اس پر بحث کر سکوں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ چاہتا تھا کہ اب جلد از جلد عمارت کے اس حصے میں پہنچ جائے انہیں قیام کرنا تھا۔

''یہ دوسرے حضرت عقل سے بالکل ہی خالی معلوم ہوتے ہیں۔'' عورت نے کہا۔

''کیوں.....؟''

''کل اُن کے کوٹ کے کالر پر بھی ''عوامی زچہ خانہ'' کا بیج نظر آیا تھا۔''

''یہ ہے کیا بلا۔''

''ایک خیراتی ادارہ..... بھلا آپ ہی بتایئے..... تفضل صاحب اس کیلئے چندہ اکٹھا کر پھرے تھے اسی سے اندازہ لگا لیجئے کہ وہ کتنے جھکی ہیں۔ مجھے تو سوچ کر ہی شرم آ رہی ہے۔''

اس نے خاموش ہو کر لڑکی کی جانب دیکھا مگر وہ دوسری طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر چونک کر بولی۔

''قدیر ماموں۔'' وہ دروازے سے باہر دیکھ رہی تھی۔

''قدیر ہیں۔'' عورت نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''اچھی بات ہے جناب۔ جو کچھ مجھے کہنا تھا کہہ چکی۔ اب آپ جانیں۔''

اس جملے کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ اب وہاں حمید کی موجودگی ضروری نہیں ہے۔

وہ اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔ سامنے ہی ایک آدمی برآمدے کی سیڑھیاں طے کر کے اوپر آ رہا تھا۔ چوڑے شانوں اور بھاری جبڑوں والا یہ آدمی پہلی ہی نظر میں حمید کو اچھا نہ لگا۔ اس نے اس پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی تھی اور پھر شائد تفضل کی بیگم ہی کو مخاطب تھا۔ حمید ان کی طرف دھیان دیئے بغیر آگے بڑھ گیا۔

ابھی وہ اسلحہ والے کمرے تک نہیں پہنچا تھا کہ کمپاؤنڈ سے دوڑتے ہوئے قدموں آوازیں آئیں اور اُسے رک جانا پڑا۔ وہی ملازمین دوڑتے ہوئے ادھر آ رہے تھے جنہوں

ان کا سامان ٹیکسی سے اتارا تھا۔

''بھوت.....!'' اُن میں سے ایک حلق پھاڑ کر دہاڑا اور لڑکھڑا کر ڈھیر ہو گیا۔

دوسرا بھی جو اس کے پیچھے تھا اور پوری قوت سے دوڑ رہا تھا۔ اس غیر متوقع رکاوٹ کی ٹھوکر پر اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا..... وہ اُس پر گرا تھا۔

پہلا ملازم اب اس انداز میں خاموش ہو گیا تھا جیسے گلگھی بند ہو گئی ہو۔

بھوتوں کے شکاری

پھر سب ہی باہر نکل آئے۔ تفضل کی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے سوتے سے اٹھا ہو۔ حقیقت بھی یہی تھی۔ قاسم نے بعد میں بتایا کہ وہ حمید کے جانے کے بعد گہری نیند سو گیا تھا۔ کرسی ہی میں پڑے پڑے خراٹے لیتا رہا تھا۔

نوکروں کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر ہوشمندوں کی طرح گفتگو کرنے پر آمادہ کیا جا سکا۔

''صاحب!'' ایک بولا۔ ''جیسے ہی میں نے بستر رکھنے کے لئے بیڈ روم کھولا دھوئیں کا بھبکا باہر نکلا..... دھواں بھرا ہوا تھا اندر۔''

''ابے کیوں جھوٹ بولتا ہے۔'' تفضل نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔

''ارے سرکار..... دیکھ لیجئے چل کر۔''

''دروازہ کھول آئے ہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''جی سرکار.....!''

''تو پھر اب وہاں دھواں رکھا ہوگا۔''

وہ کچھ نہ بولا۔ دونوں بُری طرح ہانپ رہے تھے۔ مسز تفضل نے حمید کی طرف دیکھا۔

''آخر اُسے کھولا ہی کیوں جاتا ہے۔'' بھاری جبڑے والے نے کہا۔ تفضل نے اُسے

گھور کر دیکھا لیکن کچھ کہا نہیں۔ اُس کی بیوی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''کرائے پر آپ حضرات کرایہ دار ہیں۔''

''ارے.....اوہ..... یہ کیا غلطی۔''

''قدیر صاحب۔'' موٹے نے آنکھیں نکالیں۔ ''براہِ کرم میرے معاملات میں انداز ہونے کی کوشش نہ کیجئے۔''

''لاحول ولاقوۃ..... میں نے تو۔''

''نہیں کچھ نہیں..... میں دیکھوں گا کہ وہ کیسے بھوت ہیں۔''

''کیوں جناب۔'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''ارے سب بکواس ہے۔ آیئے میرے ساتھ۔''

''قدیر تمہیں کیا پڑی تھی۔ کیوں بولے تھے۔'' بیگم نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ موٹا آگے بڑھ گیا۔ دفعتاً بے بی نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

''نہیں ڈیڈی..... خدا کے لئے وہاں نہ جایئے۔''

''کیا حماقت ہے۔ کیا تم سب مجھے ان دونوں شریف آدمیوں کے سامنے ذلیل چاہتے ہو۔''

اس نے جھٹکے سے ہاتھ چھڑایا اور آگے بڑھتا چلا گیا۔ حمید اور قاسم پیچھے تھے۔

قاسم ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا رہا تھا۔

وہ عمارت کے آسیب زدہ حصے میں آئے۔ لیکن بناوٹ کے اعتبار سے اسے اس کا حصہ تو نہیں قرار دیا جاسکتا تھا۔ یہ پرانے طرز کی عمارت تھی اور اس کی تعمیر بھی دوسری سے پہلے ہی ہوئی ہوگی۔

حمید نے رک کر کہا۔ ''میں نے تو سنا تھا کہ یہ آپکی رہائشی عمارت ہی کا ایک حصہ کرائی تھی۔ یہ میرے والد صاحب نے بنوائی تھی۔ بنوائی کیا تھی۔ مرمت کرائی تھی۔ ورنہ

تو دادا جان کے وقتوں کی ہے۔''

وہ آگے بڑھے اور اس کمرے کے قریب پہنچے جس کا حوالہ نوکروں نے دیا تھا۔ دروازہ کھلا ہوا نظر آیا۔

''ارے..... باپ رے۔'' قاسم بوکھلاہٹ میں پیٹ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

کمرے کے فرش پر تازہ تازہ خون پھیلا ہوا تھا۔ تفضل نے حمید کی طرف دیکھ کر پلکیں جھپکائیں اور تھوک نگل کر رہ گیا۔

''اَے واکئی بھوت۔'' قاسم نے سسکاری سی لی۔

''اور یہ تو سوچو کہ میں بھوتوں کے لئے کتنے دنوں سے تڑپ رہا ہوں۔'' حمید مسکرایا۔

''جی.....!'' تفضل نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔

''جی ہاں۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''یہ میری خوش قسمتی ہے کہ ایک ایسی عمارت بالآخر مل ہی گئی جس میں بھوت رہتے ہیں۔''

''چلئے ٹھیک ہے۔'' تفضل نے طویل سانس لے کر کہا۔ ''مگر میں اس منگل شاہ کے بچے کو سمجھ لوں گا جس نے پانچ سو روپے کے خرچے پر یہاں بھوتوں کو نکالا تھا۔''

''فکر نہ کیجئے۔ پہلے نہیں نکلے تھے تو اب نکل جائیں گے۔''

''جی نہیں..... جی نہیں۔ اب میں آپ کو یہاں نہیں رہنے دوں گا۔ میں اسی غلط فہمی میں تھا کہ منگل شاہ کا عمل کامیاب رہا ہوگا۔''

''میں اپنی ذمہ داری پر رہوں گا۔''

''آپ اُدھر ہی چل کر رہئے..... یہاں نہیں۔''

''خیر اس کے متعلق پھر سوچیں گے۔ مجھے اُس کتے کی موت کا بے حد قلق ہے۔ آیئے کہیں بیٹھیں۔''

''یہاں.....!''

''جی ہاں..... یہیں! ڈریئے مت۔ میرے پاس بھوتوں سے بچاؤ کے لئے بہت تگڑا

تعویز ہے۔ مگر وہ شائد بلڈ ہاؤنڈ..... اُف فوہ..... بار بار اس کی تصویر آنکھوں میں پھرتی

''بس کیا بتاؤں۔ بڑی دردناک موت ہوئی ہے۔ خدا اس عورت پر رحم کرے'' بھرائی ہوئی آواز میں بولا اور حمید نے قاسم سے کہا۔ ''بڑے بھائی تم ذرا دروازے پر کوئی بھوت اندر داخل ہونے کی کوشش کرے تو اٹھا کر باہر پھینک دینا۔''

''جرور..... جرور.....!'' قاسم دونوں آنکھیں مار کر مسکرایا اور صدر دروازے کی بڑھ گیا۔

وہ کمرے میں آئے۔ یہ نشست ہی کا کمرہ ہوسکتا تھا۔ یہاں معمولی قسم کا فرنیچر تھا

''ہاں..... تفضل صاحب کتنے دنوں سے تھا یہ کتا آپ کے پاس۔'' حمید نے پوچھا

''ایک ماہ سے۔''

''اور بیگم صاحبہ غالباً کتوں سے نفرت کرتی ہیں۔ اسی لئے پہلے آپ کے یہاں نہ رہا ہوگا۔''

''جی ہاں..... پہلے کبھی نہیں تھا۔''

''اسے کیوں رکھا تھا آپ نے جب معلوم تھا کہ بیگم صاحبہ اتنی جابر ہیں۔''

''ارے بس کیا بتاؤں۔ میرا خیال ہے کہ کوئی میرے یہاں لمبی چوری کی ہے۔ چوکیدار تو رہتا ہے لیکن اگر کئی آدمی ہوئے تو وہ اکیلا ان کا کیا بگاڑ لے گا۔''

''چوری کا خیال کیسے پیدا ہوا تھا۔''

''ایک رات کچھ آدمی کمپاؤنڈ کی دیوار پر نظر آئے تھے۔ اتفاقاً میری آنکھ کھل چوکیدار نے بھی انہیں نہیں دیکھا تھا۔ میں نے للکارا تو بھاگ نکلے۔''

''اس کے باوجود بھی بیگم صاحبہ نے کتا رکھنے کی مخالفت کی تھی۔ مجھے حیرت ہے

''وہ فرماتی ہیں دس آدمی رکھ لو مگر ایک کتا نہ رکھو۔ میں کہتا ہوں ایک کتا دس سے زیادہ چالاک ہوتا ہے۔ مگر اس عورت کو کون سمجھائے۔ جب بھی مجھ پر غصہ آتا ہے بیچارے کو پیٹ کر رکھ دیتی تھی اور وہ بھی اس کا دشمن ہی ہوگیا تھا۔ اگر ایک بار بھی

چھڑے ہی اڑا کر رکھ دیتا۔ اسی ڈر سے وہ کبھی رات کو باہر نہیں نکلتی تھی۔''

''تب تو مار ڈالنا ہی ضروری ہوا۔''

''ارے تو خواہ مخواہ دشمن بنایا تھ اپنا..... بندھا ہوتا تھا مار لیتی تھی۔ کھلا تو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی ہمت نہ پڑے۔''

''بہرحال مجھے اس کی موت پر بے حد افسوس ہے۔'' حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''دوسری شادی نہ کرنی چاہئے۔''

''یہی تو حماقت ہوئی ہے اپنے سے۔'' وہ ران پر ہاتھ مار کر بولا اور اس طرح حمید نے تصدیق کرلی کہ وہ ''بے بی'' کی ماں نہیں ہے لیکن بے بی سے برتاؤ بُرا نہیں معلوم ہوتا۔ مگر یہ قدیر صاحب۔

''قدیر صاحب خواہ مخواہ آپ کو غصہ دلا رہے تھے۔'' حمید نے کہا۔

''مجھے سخت نفرت ہے اس آدمی سے..... اس سے ہی نہیں بیگم کے سارے کزنوں سے۔ خدا نگا بھائی دے یا نہ دے لیکن کزنوں سے بہرحال محفوظ ہی رکھے۔''

''تعداد زیادہ ہے کیا۔''

''میں آج تک انگلیوں پر تو نہیں گن سکا۔ اوہ معاف کیجئے گا میں نجی باتوں میں الجھ گیا۔ یہ تو میرا مقدر ہے الجھوں گا۔''

''ہاں خیر..... لیکن مجھے آپ سے ہمدردی ہے تفضل صاحب۔''

''میں بھی آپ کی شرافت کا لوہا مانتا ہوں۔ آپ کی جگہ اور کوئی ہوتا تو یہی سمجھتا کہ میں نے اس کے ساتھ فراڈ کیا ہے۔ لیکن یقین کیجئے کہ منگل شاہ نے قسم کھا کر کہا تھا۔''

''پرواہ مت کیجئے۔ میں اس مکان کو بھوتوں سے پاک کردوں گا۔''

''اچھا تو اٹھئے یہاں سے۔''

''کہاں چلوں۔''

''میں آپ لوگوں کو اپنے کمرے میں رکھوں گا۔ جب تک دل چاہے رہئے۔''

''پھر فائدہ ہی کیا ہوا۔نہیں ہم یہیں رہیں گے۔''

''ضد نہ کیجئے۔''

''میں کہتا ہوں آپ قطعی فکر نہ کیجئے ورنہ بھوت میری لنگوٹی ہی کو غنیمت جانیں گے۔''

''بھاگتے بھوت کی لنگوٹی..... ہاہاہاہا'' موٹا ہنس پڑا۔''واہ کیا بات پیدا کی ہے۔''

''تو گذارش یہ ہے کہ ہم ہر حال میں یہیں ٹھہریں گے۔''

''دیکھئے..... یہ ناممکن ہے اور میں اسے پسند نہیں کروں گا کہ آپ اس مسئلے پر میرا خیال نہ ہوں۔''

''کچھ بھی ہو۔ میں تو یہیں رہوں گا۔''

''جواب نہیں ہے آپ کا۔''

''آپ بھی تو لاجواب ہیں تفضل صاحب۔تیس من کا بجو پکڑا تھا آپ نے.....اگر خدانخواستہ ٹانگ مار دیتا تو کیا حشر ہوتا آپ کا۔''

''اُوہ..... میں ایسے خطرات کی پرواہ نہیں کرتا'' موٹے نے فخریہ لہجے میں کہا۔

''اسی طرح بھوت پکڑنا میری ہوبی ہے۔''

''بھوت سامنے نہیں آتے۔''

''اسی لئے میری ہوبی.....آپ کی ہوبی سے زیادہ خطرناک اور دلچسپ ہے۔''

''آپ عجیب آدمی ہیں۔''

''عجیب ترین کہئے مسٹر۔'' حمید بھی فخریہ انداز میں بولا۔''اب تک ساڑھے سات بھوت پکڑ چکا ہوں۔''

''ساڑھے۔''

''ہاں.....ایک بھوت کا بچہ تھا۔خیر ہاں تو ہم ہر حال میں یہیں قیام کریں گے۔ سمجھئے کہ اسی وقت سے جم گئے ہیں۔''

''ناسمجھی نہ کیجئے۔''

''آپ بالکل مطمئن رہئے۔اگر کہئے تو ایک تحریر بھی دے دوں آپ کو.....کہ اگر میں مر جاؤں تو اس کی ذمہ داری کسی دوسرے پر عائد نہ کی جائے۔ میں نے دیدہ و دانستہ اس عمارت میں قیام کیا ہے۔بس اب ختم کیجئے۔ میں ذرا فرش دھوڈالوں بیڈ روم کا۔آپ کے ملازم تو اب یہاں قدم بھی نہ رکھیں گے۔''

''خدا آپ پر رحم کرے۔'' موٹا اٹھتا ہوا بولا۔

اُس کے چلے جانے پر قاسم دروازہ بند کر کے واپس آ گیا۔

''یہ بتاؤ بیٹا۔وہ کبڈی خانم تمہیں کہاں لے گئی تھی۔'' اس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

''تمہارے متعلق پوچھ رہی تھیں۔ کہنے لگیں کہ میں نے اتنا گرانڈیل محبوب آج تک نہیں دیکھا۔''

''ابے نہیں.....الاقسم.....ہی ہی ہی.....سالے جھوٹ۔''

''یقین کرو۔اتنی دیر تک صرف تمہارے ہی متعلق گفتگو کرتی رہی تھی۔ کہنے لگی۔ ہائے رستم کی طرح چلتا ہے.....سہراب کی طرح باتیں کرتا ہے اور ڈمباسٹر کی طرح.....!''

''ڈمباسٹر کیا۔''

''جرمنی کا نامی پہلوان تھا۔''

''اور قیا پوچھا تھا۔'' قاسم ریشہ خطمی ہوا جا رہا تھا۔

''بہت کچھ! اب شائد تم سے براہ راست ہی گفتگو کرے۔لیکن اس کا خیال رکھنا کہ تم جاسوس ہو۔سمجھے.....ہماری اصلیت نہ ظاہر ہونے پائے۔''

''بلقل جاسوس ہوں۔'' قاسم اکڑ کر بولا۔''موٹے کا پتہ میں نے ہی لگایا تھا۔''

حمید نے پوری عمارت کا جائزہ لیا۔اس میں کل پانچ کمرے تھے۔سامنے بڑا سا دالان تھا اور ایک کافی کشادہ صحن بھی۔

بظاہر وہاں کچھ بھی غیر معمولی نہ تھا۔لیکن وہ خون اور دھواں۔

قاسم کو پانی کی کئی بالٹیاں کمرے کے فرش پر ڈھلکانی پڑی تھیں اور اس نے پہلے تو

بھوتوں کو گالیاں دی تھیں اور پھر حمید سے الجھ پڑا تھا۔

''اَمے ٹھینگے پر ہے تمہاری جاسوسی واسوسی۔ بھنگی بھی بننا پڑتا ہے۔ قیوں؟''

''صبر سے کام لو۔ اکثر بھیک بھی مانگنی پڑتی ہے۔''

''اچھا..... جی..... اب مجھ سے بھیک بھی منگواؤ گے۔'' وہ بالٹی ایک طرف پھینکتا ہوا غرایا۔ ''میرا باپ بھی سالا نہیں منگوا سکتا۔ جرا کوشش کر کے تو دیکھو۔''

دفعتاً کسی نے دروازے پر دستک دی۔ حمید نے قاسم کو فارم میں آ جانے کو کہا اور خود دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

تفضل کے گھر کے سارے افراد انہیں سمجھانے آئے تھے۔ بیگم نے یہاں تک کہہ دیا تھا وہ ان کے لئے اپنا ذاتی کمرہ بھی خالی کر سکتی ہے۔ لیکن وہ اس آسیب زدہ مکان میں قیام کریں۔ لڑکی نے روہانسی ہو کر کہا تھا کہ وہ دونوں اُن کے لئے بھی کسی بڑی پریشانی کا باعث بن جائیں گے۔ تفضل تو خیر پہلے ہی زور دیتا رہا تھا کہ وہ وہاں رات بسر نہ کریں۔

بیگم کا کزن قدیر بالآخر جھلا ہی گیا۔

''آپ کو یہاں سے ہٹنا ہی پڑے گا جناب۔'' اس نے کہا۔ ''آپ پورے خاندان کی سلامتی خطرے میں نہیں ڈال سکتے۔''

''اَمے جاؤ۔'' قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ ''مرگئے ہٹانے والے۔ بڑے آئے کہیں کے۔''

''اُوہ..... تو آپ.....!'' قدیر تھنے پھلا کر آگے بڑھا۔

''پلیز.....!'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''اس کی ضرورت نہیں ہے..... قاسم ڈیئر..... قابو میں رکھو۔ کیونکہ ہمیں یہاں پورے تین ماہ گذارنے ہیں۔''

''آپ ایک منٹ بھی نہ رہ سکیں گے۔'' قدیر بولا۔

''بھوتوں کے طرفدار ہیں آپ.....!'' حمید نے تیز لہجے میں پوچھا۔

''رشتے کے وہ لگتے ہیں۔'' قاسم پھوہڑ پنے سے ہنسا تھا۔

''آپ لوگ بات بڑھا رہے ہیں۔'' بیگم تفضل نے کہا۔

''آپ کوشش کیجئے کہ نہ بڑھنے پائے جس کا بہترین طریقہ یہی ہوگا کہ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیجئے۔''

''باہر والے بھی یہاں آ کر خبطی ہو جاتے ہیں۔''

''یہ نہ بھولئے کہ ہم بھوتوں کے زیر اثر ہیں۔'' حمید مسکرایا۔

''چلو ختم کرو۔'' تفضل کی بیوی دوسروں کی طرف مڑی۔ ''احتیاطاً ہم پولیس اسٹیشن بھی فون کر دیں۔''

''آپ کو مایوسی ہوگی محترمہ۔'' حمید بولا۔ ''ہماری تعزیرات میں بھوتوں کے قدر دانوں سے متعلق کوئی دفعہ نہیں ہے۔''

پھر تفضل کے علاوہ اور سب چلے گئے۔ اس نے کہا کہ اگر وہ وہاں سے ہٹنے پر رضامند نہیں ہیں تو وہ انہیں تنہا نہیں رہنے دے گا خود بھی انہیں کے ساتھ رات بسر کرے گا۔

''ظاہر ہے کہ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔'' حمید بولا۔

رات کا کھانا قاسم ہوٹل سے لایا تھا۔ ویسے تفضل نے کوشش کی تھی کہ وہ اُس کے ساتھ ہی کھائیں لیکن حمید نے کہا تھا۔ ''ابھی بیگم صاحبہ صرف کتوں ہی سے متنفر ہیں لیکن اگر انہیں میرے ساتھی کو کھانا کھلانا پڑا تو آدمیوں سے بھی نفرت کرنے لگیں گی۔''

اُس وقت یہ بات تفضل کی سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن جب قاسم کو کھاتے دیکھا تو دیوتا کوچ کر گئے۔ ویسے اتنا ہوش تو تھا ہی کہ حیرت کا اظہار کر سکتا۔

''لمبے ہونا ہے تو میری ہی طرح کھایا کرو تھچلا صاحب۔'' قاسم نے ہنس کر کہا تھا۔

پھر تقریباً دس بجے آرام کی ٹھہری۔ اس وقت تک کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ تفضل کے لئے قاسم کی خوراک ہی ایک بوکھلا دینے والا حادثہ رہی ہو اور اس نے اسی کے بھوت ہونے کے امکانات پر غور کیا ہو۔

ساڑھے گیارہ بجے حمید تفضل اور قاسم کے خراٹوں کی آوازیں سن رہا تھا۔ تینوں بستر ایک ہی کمرے میں لگائے گئے تھے اور پوری عمارت میں روشنی تھی۔

حمید جاگتا رہا۔ قاسم کے متعلق اُسے یقین تھا کہ وہ بے خبر سو رہا تھا۔ لیکن تفضل خراٹے اس کی دانست میں سو فیصدی بناوٹی تھی۔

ٹھیک بارہ بجے یک بیک سارے بلب بجھ گئے اور حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

''کیا ہے؟'' اس نے تفضل کی آواز سنی۔

''اندھیرا۔'' حمید نے جواب دیا اور جیب میں پڑے ہوئے ریوالور کے دستے پر اس کی گرفت مضبوط ہو گئی۔

پھر وہ دروازے کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ دالان کے وسط میں روشنی کا جھما کا سا ہوا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے آگ کی لپٹ فرش سے پھوٹی ہو۔

تفضل کی چیخ سے پوری عمارت گونج اٹھی۔

''ابے قیا ہوا.....!'' قاسم بھی بوکھلا کر اٹھ گیا۔ لیکن اندھیرے میں مسہری چھوڑنے کی ہمت نہ کر سکا۔

اس بار روشنی کا جھما کا صحن میں ہوا اور پھر اندھیرا چھا گیا۔ تفضل پھر چیخا۔ حمید جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔

''حق اللہ۔'' قاسم نے نعرہ لگایا۔ ''ارے باپ رے۔''

آگ اور خون

قاسم نے نعرہ لگایا تھا اور پتہ نہیں کس طرح دھم سے نیچے آ گرا تھا۔ پھر وہ اٹھنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ سارے بلب روشن ہو گئے۔ تفضل اپنی مسہری پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔

حمید صحن کی طرف لپکا۔ دالان میں ٹھیک اسی جگہ تازہ خون پھیلا ہوا نظر آیا جہاں سے شعلہ اٹھا تھا۔ اسی طرح صحن میں بھی خون کا بڑا سا دھبہ دکھائی دیا۔ حمید کے اندازے

مطابق وہاں بھی اُسی جگہ سے شعلہ بلند ہوا تھا۔

حمید صدر دروازے کیطرف بڑھ گیا۔ قاسم کمرے ہی میں تھا۔ اُس نے اُسے آواز دی۔

''اَے قیہاں.....واپس آؤ.....کھبر دار.....!''

لیکن حمید نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ قاسم فرش سے اٹھا اور پھر مسہری پر بیٹھ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ پھر تفضل کو مسہری پر اوندھا پڑا دیکھ کر اُسے ہنسی آ گئی۔

''او بھائی تھجبل.....!'' اس نے ہانک لگائی۔ ''اَے اوندھے سو رہے ہو..... ہی ہی ہی.....ارے کیسے لیٹا جاتا ہے.....میں تو اس طرح نہیں لیٹ سکتا۔''

تفضل کا منہ اسی کی طرف تھا۔ اُس نے آنکھیں کھول دیں۔

''سالے وائی بھوت معلوم ہوتے ہیں۔'' قاسم نے کہا۔

''کک.....کیا ہوا۔'' تفضل نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''اب میں سگار تو پیتا نہیں ہوں کہ سوچ کر بتا دوں۔ پتہ نہیں قیا ہوا۔'' قاسم نے کہا۔ غالباً کرنل فریدی کا سگار اس کے ذہن کے کسی گوشے میں کلبلایا تھا۔

''حمید صاحب کہاں گئے۔''

''بھوت پکڑنے۔''

''اُف فوہ.....کیسی نادانی ہے۔'' تفضل بڑبڑایا۔ پھر قاسم سے بولا۔ ''ذرا اٹھایئے تو مجھے۔''

''اَے اب ایسا بھی کیا۔'' قاسم نے آنکھیں نکالیں۔ ''اگر بھوت چڑھ بیٹھے تو۔''

''خدا کے لئے ایسی باتیں نہ کیجئے۔'' تفضل نے آہستہ سے کہا اور ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا۔

''ارے تو ڈرتے قیوں ہو میاں۔ وہ مچھلی پکڑنے والے جال سے بھوت پکڑتا ہے۔'' قاسم نے کہا اور پھر مزید کچھ کہنے کے لئے زبان ہلانے سے قبل ہی یاد آ گیا کہ وہ حمید کا اسسٹنٹ ہے اور خود بھی ''جاسوسی کرنا'' سیکھ رہا ہے۔ اُس نے دونوں ہاتھوں سے منہ دبا لیا۔ کیا پتہ زبان پھسل ہی جاتی۔''

''کیوں کیا بات ہے۔'' تفضل نے ٹوکا۔

''ارے میں نے کہا..... کہیں یہاں والے بھوت بُرا نہ مان جائیں۔'' قاسم نے ہ
ہوئی آواز میں کہا۔

''وہ حضرت گئے کہاں۔ خدا کے لئے انہیں آواز دیجئے۔ مجھے خوف معلوم ہو رہا ہے۔''
خوف کے نام پر قاسم کو خیال آیا کہ وہ خود بھی شائد خوفزدہ ہے۔ کیا پتہ بھوت
ہوں..... اُسے برف کے بھوت یاد آئے اور سوچا وہ تو آدمی ہی تھے..... لیکن ضروری نہیں کہ
بھوت میں آدمیت پائی جائے۔

''تو پھر میں تمہیں اٹھاؤں۔'' اُس نے کانپتی ہوئی آواز میں تفضل سے پوچھا۔

''کک..... کیوں۔''

''تلاش کرو جا کر۔'' قاسم نے کہا۔

''میں..... نن..... نہیں ہرگز نہیں۔ میں کمرے سے باہر نہیں نکلوں گا۔''

''اچھا جی۔'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ ''تو پھر قیا میں نکلوں غا..... کوئی میری جا
پہچان ہے یہاں کے بھوتوں سے۔ کوئی سالا نام پوچھ بیٹھا تو کیا کروں گا۔ سالا۔''

''ارے باپ رے..... سالا نہیں پیارا..... پیارے بھوت بھائی تمہیں نہیں کہا۔''

وہ بوکھلاہٹ میں اپنا منہ پیٹنے لگا۔ قاسم کچھ اسی قسم کا آدمی تھا۔ آہستہ آہستہ ہی اُسے کسی
خطرے کا احساس ہوتا تھا۔ یا پھر خطرے سے گذر جانے کے بعد خوفزدگی کی باری آتی تھی۔
مثال کے طور پر..... ایک بار کا ذکر ہے کہ دارالحکومت کی ایک بارونق سڑک پر کسی بھٹ
ہوئے سانڈ نے ابتری پھیلا دی تھی۔ لوگ بے تحاشہ آس پاس کی گلیوں میں گھستے پھر رہے
تھے۔ بہتیرے گرے تھے اور اُن کے خاصی چوٹیں آئی تھیں۔ اتفاقاً قاسم کا گذر بھی اُدھر
سے ہوگیا۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ جھٹ گاڑی روک کر نیچے اُترا اور سانڈ کے سینگ پکڑ لئے۔ دونوں
میں زور ہونے لگا۔ کبھی سانڈ اُسے دور دھکیل لے جاتا اور کبھی قاسم اُسے رگید کر رکھ دیتا۔
کچھ فوجیوں نے وہاں پہنچ کر اس کھیل کا خاتمہ کیا تھا اور قاسم کی خوب پیٹھ ٹھونکی گئی تھی۔ اتنا

کانوں میں بے شمار سریلی آوازوں نے رس ٹپکایا تھا۔ لیکن گھر پہنچ کر جب اُسے وہ سچویشن
دوبارہ یاد آئی تو اُس پر لرزہ طاری ہوگیا۔ اس نے سوچا..... اگر سینگ چھڑا کر سالا پیٹ پھاڑ
دیتا تو کیا ہوتا۔

''ہائے..... قیا ہوتا۔'' اُس نے رو دینے والی آواز میں بیوی سے پوچھا۔

''کاہے کا کیا ہوتا۔'' بیوی اُسے گھورنے لگی تھی۔ اُسے کیا پتہ کہ حضرت باہر کیا کر آئے
تھے اور اب ان پر کیا گذر رہی تھی۔ بہرحال قاسم وضاحت کرنے سے پہلے ہی تڑ سے گرا تھا اور
بیہوش ہوگیا تھا۔

بالکل اسی طرح اس وقت بھی بھوتوں کا خوف میدان صاف ہوجانے کے بعد ہی طاری
ہوا۔ گھگھی بندھ گئی اور اس خیال سے کہ اگر اندھیرے میں بھوت گردن دبوچ لیتا تو کیا ہوتا۔

''اَے..... اُو بھائی..... تت..... تت..... تفجل.....'' اُس نے کانپتے ہوئے کہا۔ ''یار مجاخ
نہیں کر رہے۔''

''کیسا مذاق..... جناب۔''

''میں جناب نہیں..... اُلو کا پٹھا ہوں۔ بس اب کھاموش رہو..... ارے باپ رے.....
سردی ہے۔'' اُس کے دانت بھی بجنے لگے۔

اتنے میں قدموں کی آوازیں سنائی دیں، جو رفتہ رفتہ قریب آ رہی تھیں۔

دانت اور تیزی سے بجنے لگے..... لیکن جیسے ہی آنے والے کمرے میں داخل ہوئے اس
نے جھٹکے کے ساتھ دانتوں پر دانت جمانے کی کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زبان بُری طرح
کٹ گئی اور وہ دونوں ہاتھوں سے منہ دبائے ہوئے سیدھا ہوگیا۔

حمید کے ساتھ چوکیدار بھی تھا۔ دونوں نے مل کر تفضل کو سیدھا کیا۔

تفضل اب تک ہانپے جا رہا تھا۔

''آپ کہاں گئے تھے..... کیا ہوا۔'' اُس نے حمید سے پوچھا۔

''ابھی تک کچھ بھی نہیں ہوا۔''

''چلئے خدا کے لئے چلئے یہاں سے۔''

''آپ کو میں یہی مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ آپ اسی وقت یہاں سے چلے جائیے۔'' نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''اور آپ.....!''

''مجھے کہاں جانا ہے۔''

''بھائی تو سیدھے پرستان جائیں گے۔'' قاسم جھلا کر بولا اور ایسی نظروں سے دیکھنے لگا جیسے پھاڑ ہی تو کھائے گا۔

پھر تقریباً تیس منٹ تک تفضل اسی مسئلے پر حمید سے الجھا رہا۔ لیکن اُسے وہاں سے پر آمادہ نہ کر سکا۔

قاسم نے ٹھنڈی سانس لی اور بے بسی سے بولا۔ ''خدا کا شکر ہے کہ میں عورت ہوں۔''

تفضل نے متحیرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

''اَمے اور قیا..... عورت ہوتا..... اور ان حجرت کے ساتھ میرا نکاح ہو گیا ہوتا۔ تو..... پھوٹ گئی تھی نا تقدیر۔'' اس نے کہا اور دانت پیس کر حمید کو گھونسہ دکھاتا ہوا بولا۔ ''ا مرو یہیں پر..... میں تو جا رہا ہوں۔''

''ضرور جاؤ.....!'' حمید مسکرا کر بولا۔ ''میں خود بھی نہیں چاہتا کہ تم ان خطرات میں جن کی مجھے ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں ہوتی۔''

''جرا..... دیکھو تفجل بھائی۔ اب اگر میرا نکاح ہو گیا ہوتا تو یہیں جل جل کر مر جاتا ہے کہ نہیں۔''

تفضل بے ڈھنگے پن سے ہنسنے لگا۔ لیکن اس ہنسی میں خوف بھی شامل تھا اور وہ بار کر صحن کی طرف ضرور دیکھتا تھا..... کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر قاسم آنکھیں نکال کر

''اَمے تو پھر تم نہیں چلو گے۔''

''نہیں۔'' حمید نے جواب دیا اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

''یہ سالا پائپ بھی مجھے زہر ہی لگتا ہے..... کہیں گے نہیں اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگیں گے۔ وہ حضرت کہیں گے۔ ''نہیں'' اور منہ میں سگار گھسیڑ لیں گے۔ چلو کصہ ختم۔ ٹھینگے پر گئی..... ایسی..... وہ..... وہ..... وہ.....!''

غالباً وہ ''جاسوسی'' کہنا چاہتا تھا لیکن دفعتاً حمید کے آنکھیں دکھانے پر ہوش آ گیا اور پھر زبان سے ''وہ..... وہ'' کے علاوہ اور کچھ نہ نکل سکا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ قاسم کا اُس سے الگ ہونا کہیں کوئی دوسرا مسئلہ نہ پیدا کر دے۔ ذہنی رو بہکتی ہے تو پھر اُسے ہوش نہیں رہتا کہ وہ کہاں ہے اور کیا بک رہا ہے۔

لیکن فی الحال کوئی ایسی تدبیر نہ سوجھ سکی جس کے تحت اُسے روکا جا سکتا۔

''چلئے صاحب پھر آپ ہی چلئے۔'' تفضل کراہ کر اٹھتا ہوا بولا۔

''میں.....!'' قاسم نے آہستہ سے کہا۔ پھر پاگلوں کی طرح رانیں پیٹتا ہوا چیخا۔

''ارے..... میں قہاں جا سکتا ہوں۔ مجھے تو اسی افلاطون کے ساتھ یہیں..... مرنا سڑنا گلنا ہے۔ ہائے سالے ابا جان تم نے کہیں کا نہ رکھا..... دھکے کھاتا پھر رہا ہوں۔''

''یہ کیا کہہ رہے ہیں۔'' تفضل نے متحیرانہ لہجے میں حمید سے پوچھا۔

''آپ جا کر آرام کیجئے تفضل صاحب۔'' حمید بولا۔ ''اس پر شامد اثر ہو گیا ہے۔ پھونک جھاڑ کے بغیر نہیں اترے گا۔ بس اب جائیے۔''

تفضل صرف چوکیدار کے ساتھ جانے پر رضامند نہیں ہوا کیونکہ چوکیدار بھی خائف نظر آ رہا تھا۔ آخر حمید اور قاسم بھی اُسے دوسری عمارت کے برآمدے تک چھوڑنے آئے۔

برآمدے میں روشنی تھی۔ جیسے ہی وہ قریب پہنچے مسز تفضل جھپٹتی ہوئی ایک کمرے سے نکلی۔

''کیا ہوا..... کیا ہوا..... میں نے شور سنا تھا۔'' اس نے کہا۔

''اوہ..... یہاں تک آوازیں پہنچی تھیں۔'' حمید نے حیرت ظاہر کی۔

''چوکیدار نے شور سن کر ہمیں جگا دیا تھا۔ میں نے پولیس کو فون کر دیا ہے۔''

''کمال ہے..... پولیس بیچاری کیا کر سکے گی۔'' حمید نے سر ہلا کر کہا۔

''اور سنو۔'' تفضل بولا۔ ''یہ لوگ پھر وہیں جا رہے ہیں۔''

''نہیں..... یہ ناممکن ہے..... قطعی ناممکن ہے۔'' بے بی نے بھلائے ہوئے لہجے

قاسم اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''مگر ہوا کیا۔'' مسز تفضل نے پوچھا۔

تفضل نے ہانپتے ہوئے پوری کہانی سنائی اور حمید کو یقین ہو گیا وہ واقعات رونما

کے وقت تک سوتا نہیں رہا تھا۔ تو پھر اسکے خراٹے قطعی طور پر مصنوعی تھے۔ لیکن اس حرکت کا

مقصد تو ابھی تک کسی بھی حرکت کا سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ تفضل ہی نے یہ مکان

اٹھایا تھا لیکن اس کی بیوی مخالفت کرتی رہی تھی اور پھر کتے کی موت جو یقینی طور پر غیر

تھی۔ کیا اُسے بھی کسی طرح ان واقعات سے نتھی کیا جا سکتا تھا۔ پھر اس کا مقصد بھی

کرنے کی ضرورت پیش آتی۔

مگر بنیادی بات تو تھی اُس مکان کا کرایہ پر دیا جانا۔ تفضل کیا چاہتا تھا۔ کیا صرف

ہی کہ اس مکان کی پبلسٹی آسیب زدہ ہونے کی حیثیت سے ہو جائے یا اس میں کوئی اور مقصد

پوشیدہ تھا۔

دوسروں کے بیان کے مطابق وہ مکان بہت عرصے کے بعد کسی کو کرایہ پر دیا گیا

دوسرے الفاظ میں کوئی کرایہ دار آ ہی دھمکا تھا ورنہ گھر والے تو پہلے ہی کرایہ داروں کو

وہاں تک پہنچنے سے باز رکھتے تھے۔

حمید واپسی کے لئے مڑنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ پھاٹک کے قریب کوئی گاڑی

پھر پھاٹک ہلایا جانے لگا۔ غالباً پولیس آ گئی تھی۔

قریبی تھانے کا سیکنڈ آفیسر دو کانسٹیبلوں کے ساتھ آیا تھا۔ رات کے دو بج رہے

آفیسر نے یہی سوال کیا کہ جب مکان آسیب زدہ سمجھا جاتا تھا تو کرایہ پر دیا ہی کیوں

پھر وہ اُن کے ساتھ اس مکان میں گیا۔ لیکن خون کے دھبے اُسے کہیں نظر نہ آئے۔

اس وقت بھی صحن اور دالان میں موجود تھے جب وہ دونوں تفضل کو پہنچانے کے لئے دوسری

عمارت تک گئے تھے۔

''خواب دیکھا ہوگا آپ لوگوں نے۔'' سیکنڈ آفیسر نے مسکرا کر کہا۔

''یہی میں بھی کہہ رہا تھا آپ سے تفضل صاحب۔'' حمید نے بڑی سادگی سے کہا۔

''جی.....!'' تفضل آنکھیں پھاڑ کر اس کی طرف گھوما۔

''یہی کہ خواب ہی دیکھا ہوگا آپ نے۔''

''ارے..... یہ آپ کہہ رہے ہیں..... یعنی وہ آگ..... وہ خون۔''

''میں نے تو کچھ بھی نہیں دیکھا تفضل صاحب۔ آپ ہی بوکھلا کر اٹھے تھے اور چیخنے لگے تھے۔''

''غضب خدا کا۔'' تفضل نے دہاڑ کر رانوں پر ہاتھ مارے اور قاسم کی طرف گھوما۔

''آپ کیوں چپ ہیں جناب۔''

''دو بجے رات کو میں چپ ہی رہتا ہوں۔'' قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''آپ نے نہیں دیکھا تھا خون..... وہ آگ۔''

''آپ کے خواب میں..... میں کیسے دیکھتا بھائی صاحب۔''

سیکنڈ آفیسر ہنس پڑا اور حمید سے بولا۔ ''کیا آپ نے فون کیا تھا؟''

''جی نہیں بھلا میں کیوں کرتا۔ چین سے سو رہا تھا..... کہ یک بیک تفضل صاحب نے

چیخم دہاڑ مچا دی..... پھر شاید بیگم صاحبہ نے ان کی آوازیں سن کر ہی فون کیا ہوگا۔''

''جی ہاں..... مم..... میں نے ہی فون کیا تھا۔ سمجھی تھی شائد کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔''

''مگر یہ آپ کے کمرے میں یہاں کیوں سوئے تھے۔'' سیکنڈ آفیسر نے حمید کو گھورتے

ہوئے پوچھا۔

''دیکھئے قصہ دراصل یہ ہے کہ ہم سے تین ماہ کا پیشگی کرایہ لے کر انہوں نے مکان ہمیں

دیا تھا۔ صبح جب ہم سامان لے کر یہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ مکان آسیب زدہ ہے۔ دونوکر غل

غپاڑہ مچاتے ہوئے دوڑے آئے کہ کمروں میں دھواں اور خون پھیلا ہوا ہے۔ ٹھیک ہے.....

اُس وقت ہمیں بھی وہ چیزیں دکھائی دے گئی تھیں۔ لیکن ہم نے سوچا ممکن ہے کوئی ایسا
مل گیا ہو جو ہم سے زیادہ کرایہ ادا کر سکے۔ جی ہاں..... پھر ہم ایسی صورت میں
کر لیتے..... بہرحال تفضل صاحب مصر ہو گئے کہ ہم وہاں نہ رہیں۔ لیکن جب ہم
دستبردار ہونے پر آمادہ نہ ہوئے تو انہوں نے تجویز پیش کی کہ ہمارے ہی ساتھ رات
گے۔ ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ سوئے اور پھر یک بیک چنگھاڑنے لگے۔"

"ارے اُو چوکیدار.....!" تفضل پھر دہاڑا۔ "ابے تو نے بھی تو دیکھا تھا خون۔"

"جج..... جی ہاں..... سرکار!"

"بس صرف ہم دو ہی اندھے بستے ہیں یہاں۔" حمید نے جھلائے ہوئے لہجے
اور قاسم بہ آواز بلند جماہی لے کر منہ چلانے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ان معاملات
قطعی بے تعلق ہو۔

سیکنڈ آفیسر نے تفضل کی بیوی سے کہا۔ "بیگم صاحبہ آئندہ احتیاط رکھئے۔ ہمارا
بہت قیمتی ہوتا ہے۔"

بیگم نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ ہلائے مگر پھر خاموش ہی رہی۔

آفیسر اپنے ماتحتوں سمیت رخصت ہو گیا اور تفضل پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔ "میں
بیہوش ہو جاؤں گا۔"

"اور پھر مجھے ہی بور کرو گے۔" قاسم نے ہاتھ نچا کر کہا۔ "کہ اَے اب تم رو
کہ میں بیہوش ہو گیا ہوں یا نہیں۔"

"کیا یہ حقیقت ہے کہ آپ لوگوں نے کچھ نہیں دیکھا تھا۔" مسز تفضل نے حمید سے

"خون بھی دیکھا تھا اور آگ بھی دیکھی تھی۔" حمید مسکرایا۔

"حق اللہ.....!" قاسم نے نعرہ لگایا اور دونوں ہاتھوں سے سر پیٹنے لگا۔ پھر تفضل
بولا۔ "ابے تجمل بھائی اب تم بالکل بیہوش ہو جاؤ۔ میں اپنے سر پر طبلہ بجاؤں گا۔"

تفضل کی بیوی ہنس پڑی۔ بس پھر کیا تھا۔ قاسم کی باچھیں کھل گئیں۔ بالکل سنک

پھر اس طرح ہونٹ سکوڑے جیسے حمید کی ٹھوڑی پر مکا رسید کر دے گا۔

لیکن حمید نے لاپروائی سے جماہی لیتے ہوئے کہا۔ "اگر میں بھی اعتراف کر لیتا تو بات
بڑھ جاتی اور پھر نہ جانے کب سونا نصیب ہوتا۔"

"خدا کی پناہ..... ایسی حالت میں بھی نیند آپ کے لئے بہت اہم ہے۔" مسز تفضل
تقریباً چیخ پڑی۔

"آہستہ بولئے..... محترمہ..... میں دل کا مریض ہوں۔" حمید نے داہنے ہاتھ سے بائیں
کی نبض ٹٹولتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

"یہ لوگ خود بھی بھوت ہیں۔ میں سمجھ گیا۔" تفضل نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"آؤ چلیں۔"

"آپ نے پولیس والوں سے غلط بیانی کیوں کی۔" مسز تفضل نے پھر حمید کو مخاطب کیا۔

"کچی بات سے بھی اُسے کوئی دلچسپی نہ ہوتی۔ البتہ اگر میں یہاں مر جاؤں تو لاش کا
سٹ مارٹم ضرور ہوگا۔ اگر موت خون کی وجہ سے ثابت ہوگی تب کہیں جا کر وہ بھوتوں کے
انات پر غور کریں گے۔ ورنہ پھر انہیں پھانسی کے پھندے کیلئے کسی گردن کی تلاش ہوگی۔"

"سنئے جناب" مسز تفضل ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "ابھی آپ نے آفیسر کے سامنے جیسی باتیں
میں اُن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان واقعات کو ہماری حرکت تصور کر رہے ہیں۔"

"آپ خود ہی سوچئے..... جب تک میں کسی بھوت کو پکڑ نہ لوں اور کیا سوچوں گا۔"

"بتایئے نا..... وہ خون کے دھبے کہاں ہیں۔"

یک بیک باہر سے شور کی آوازیں آئیں اور ایک نوکر دوڑتا ہوا وہاں پہنچا اور گر کر ہانپنے
..... اُس کے ہونٹ آہستہ آہستہ ہل رہے تھے اور آنکھیں اس انداز میں بند ہوتی جا رہی تھیں
دم توڑ رہا ہو۔

حمید بے تحاشہ اس پر جھک پڑا۔

"کیا ہوا..... کیا ہوا۔" وہ سب چیخے۔

حمید کی انگلیاں اس کی نبض پر تھیں..... پھر دوسرا نوکر بھی گرتا پڑتا وہیں آ پہنچا۔

''بے بی۔'' تفضل چیخا۔ ''بے بی کہاں ہے۔ بے بی کہاں ہے۔''

مسہری کے نیچے

دوسرے ملازم کو بمشکل سنبھالا جا سکا۔ ورنہ وہ بھی گرا ہوتا۔ تفضل بدستور ''بے بی بی'' چیخے جا رہا تھا۔

''خاموش رہو۔ وہ یہاں نہیں آئی تھی۔'' اس کی بیوی نے ڈانٹا۔

''بے بی۔'' دوسرا ملازم قاسم کے سہارے کھڑا ہانپتا ہوا بولا۔ ''بے بی چیخ رہی سرکار..... اور کھڑکی میں..... خبیث..... ہم دونوں برآمدے میں تھے۔''

''کیا بک رہا ہے۔'' تفضل چیخا۔ ''جلدی سے کہہ چک۔''

''خبیث نے اندر نہیں جانے دیا۔''

''کون سالا ہے چلو میں دیکھوں۔'' قاسم غرایا۔

''ارے چلو..... چلو..... خدا کے لئے۔'' تفضل دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

دوسرا ملازم بیہوش پڑا تھا۔ حمید نے اس کی طرف دیکھ کر قاسم سے کہا۔

''اسے بھی اٹھائے لیتے چلو..... بیہوش ہے۔''

''اوہ..... خدا.....'' بیگم تفضل کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔ ''ان لوگوں نے کیسی مصیبت میں پھنسا دیا۔ ارے جلدی کرو۔ وہ بہت کمزور دل کی لڑکی ہے۔''

ایک بار پھر یہ قافلہ رہائشی عمارت کی طرف آیا۔ ساری کوٹھی چھان ماری گئی۔

لیکن بے بی؟ اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ عقبی دروازہ جو ویرانے کی طرف کھلتا تھا۔ کھلا اور وہیں ایک سلیپر بھی پڑا نظر آیا۔

''یہ بے بی کا ہے۔'' بیگم تفضل ہانپتی ہوئی بولی۔ ''یا خدا یہ کیا ہو رہا ہے۔''

حمید نے باہر نکل کر ٹارچ روشن کی اور گرد و پیش کا جائزہ لینے لگا۔ پھر اُس ملازم کی طرف مڑا جس نے کسی خبیث کا حوالہ دیا تھا۔

''ہاں کیسا تھا وہ خبیث۔''

''بڑی ڈراؤنی شکل تھی جناب..... بڑے بڑے دو دانت ہاتھی کے دانتوں کی طرح نکلے ہوئے تھے اور آنکھیں انگارہ۔''

''ہوں۔'' حمید نے ٹارچ کی روشنی میں پھر آس پاس کی زمین پر ڈالی۔ زمین پتھریلی تھی اس لئے کسی قسم کے نشانات نہ مل سکے۔

پھر وہ ایک طرف بڑھتا چلا گیا۔

''ٹھہریئے۔'' دفعتاً تفضل ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''یہ آپ کہاں کھسکے جا رہے ہیں۔''

''کہیں نہیں۔'' حمید مڑا۔ ''کیا آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ بے بی کے غائب ہو جانے میں ہمارا ہاتھ ہے۔''

''اس وقت میں سب کچھ سوچ سکتا ہوں۔ بُرا لگا ہو تو معاف کر دیجئے۔ اُوہ بیگم فون..... خدا کے لئے پھر فون کرو۔''

''اب کس منہ سے فون کروں گی۔ تم ہی کوشش کرو۔''

''براہ راست ایس پی واصف کو فون کرو..... میرا دوست ہے..... خدا کے لئے جلدی کرو۔ جب تک اس کی آواز نہ سنو برابر رنگ کرتی رہو..... سو رہا ہوگا..... نمبر تھری فائیو ایٹ زیرو۔ پھر سنو..... تھری فائیو ایٹ ناٹ.....!''

''جا رہی ہوں۔ مگر ان لوگوں سے ہوشیار رہنا۔ اب تو مجھے بھی شبہ ہو رہا ہے۔''

''قیامت رہی ہیں بیگم صاحب۔'' قاسم نے دانت نکالے۔

لیکن وہ کوئی جواب دیئے بغیر اندر چلی گئی اور حمید جو کچھ دور چل کر واپس آ گیا تھا ملازم سے بولا۔ ''چلو بتاؤ وہ کس کھڑکی میں نظر آیا تھا۔''

''جنت کی کھڑکی۔'' قاسم جھلا کر ہاتھ نچاتا ہوا بولا۔ ''اب ڈفلی بجاتے پھر رہے کر رہا تھا۔''

''کیا منع کر رہے تھے۔'' تفضل اُسے گھورنے لگا۔

''صبح کمرے میں خون دیکھ کر یہ بھی بوکھلا گئے تھے۔'' حمید نے کہا اور مجھے مشورہ کہ ہم یہاں سے واپس چلیں۔

''اَے کھوپڑی استعمال کرو۔'' قاسم نے حمید سے قہر آلود لہجے میں کہا۔ ''ان کا یہ ہے کہ ان کی بے بی کو ہم نے ہی گائب کر دیا ہے۔ اے میاں قحبل ..... تم اپنی بے بی سمجھتے ہو۔''

''آپ کے اس سوال کا مطلب۔''

''ایسی آنکھیں بنائے رکھتی ہیں۔'' قاسم نے اپنی آنکھیں نشیلی بناتے ہوئے کہا۔ ''اب مریں اور تب مریں۔''

''کیا بکواس کر رہے ہیں آپ۔'' تفضل آپے سے باہر ہو گیا۔

''قاسم خاموش رہو۔'' حمید نے بھی ڈانٹا۔

''اَے تم چوپ راؤ۔ میں دماگ درست قردوں گا ان کا۔ بیگم صاحبہ گائب ہوئی ہیں میں مان لیتا کہ چلو بھئی ٹھیک ہی ہوگا..... مگر یہ بے بی جو آپ ہی آپ مری جا رہی ہیں..... بلا کوت۔''

''اُووو..... میں پاگل ہو جاؤں گا.....!'' تفضل اپنا سینہ پیٹتا ہوا بولا۔ ''یہ بیہودہ کیا رہا ہے۔''

''لاؤ..... لاؤ..... میں کوٹ دوں سینہ۔ سچی بات پر سب کو غصہ آتا ہے۔ اَے تمہاری بی تو میری گلہری خانم سے بھی جیادہ مریل ہیں۔''

''قاسم.....!'' حمید نے پھر اُسے للکارا۔

''اَے..... یہ الزام لگائے جائیں اور میں کھاموش رہوں تمہاری بھی ایسی کی تیسی..... بلا

اتنے میں تفضل کی بیوی بھی واپس آ گئی اور قاسم یک بیک ساکت ہو گیا۔

تفضل جو کچھ بھی سمجھا ہو لیکن قاسم کی اس بکواس کا مطلب یہی تھا کہ اُسے دبلی پتلی اور دھان پان قسم کی لڑکیوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ البتہ اگر بیگم صاحبہ غائب ہوئی ہوتیں تو وہ ضرور سوچتا کہ کہیں واقعی اسی نے نہ غائب کر دیا ہو۔

''تفضل صاحب۔'' حمید نے کہا۔ ''اگر آپ کو ہم پر کسی قسم کا شبہ ہے تو ہم کہیں بھاگے نہیں جاتے۔ آپ نے ایس۔ پی کو بلوایا ہے۔ یہ بڑی اچھی بات ہے۔ مجھے سچ مچ صاحبزادی کے بارے میں تشویش ہے۔ کیونکہ بھوت کسی جیتے جاگتے آدمی کو غائب کر دینے کی قوت نہیں رکھتے۔''

''میں پوچھتا ہوں..... یہ حضرت کیا بک رہے ہیں۔'' تفضل وحشیانہ انداز میں بولا۔

''میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ یہ ہوش میں نہیں ہے۔''

''ٹھینگے سے۔'' قاسم بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑایا اور دوسری طرف مڑ گیا۔

حمید بدقت تمام سچویشن پر قابو پانے میں کامیاب ہو سکا اور پھر وہ سب اسی کمرے میں آئے جہاں ایک کھڑکی میں ملازم کو خوفناک چہرہ نظر آیا تھا۔

فرش پر قالین تھا اس لئے یہاں بھی حمید کو ناکامی ہی کا منہ دیکھنا پڑا۔ کم از کم قدموں کے نشانات تو یہاں بھی نہ مل سکے۔

یک بیک بیگم تفضل کراہی اور حمید چونک کر اسکی طرف دیکھنے لگا۔ وہ کسی سوچ میں گم تھی۔

''اوہ اب میں سمجھی۔'' اس نے تفضل کو مخاطب کیا۔ ''یہ اس نمک حرام کی حرکت بھی ہو سکتی ہے۔''

''کس کی۔''

''اسی شاعر کے بچے کی بنو بے بی کی طرف دیکھتا ہوا جھوم جھوم کر غزلیں سنایا کرتا تھا۔''

''غزلیں سنایا کرتا تھا۔'' تفضل گرجا۔ ''تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔''

''کیا فرہاد صاحب؟'' حمید نے پوچھا۔

''کر پر ہاتھ رکھ کر روئے گا سالا۔'' قاسم بولا۔ ''ساری فرہادی دھری رہ جائے گی۔''

اس کی طرف کسی نے بھی دھیان نہ دیا۔ لیکن حمید کو بھی اپنے سوال کا جواب نہیں ملا تھا۔

اتنے میں باہر سے کسی نے گھنٹی بجائی۔ تفضل دروازے کی طرف بڑھا۔

پھر تھوڑی ہی دیر بعد حمید کو ایک نئے مسئلے سے دو چار ہونا پڑا۔ اس کے فرشتوں کو بھی نہیں تھا کہ آج کل رام گڈھ میں ایس پی کے فرائض کون انجام دے رہا ہے۔ لہٰذا ٹیکم کو والے ایس پی واصف کو دیکھ کر وہ بوکھلا گیا۔ واصف بھی اُسے دیکھ کر پہلے تو چونکا اور پھر پرمسرت انداز میں اس کی طرف بڑھا۔ ''او ہو آپ ہیں۔'' حمید جلدی سے بولا۔ ''چلئے اچھا ہوا اب آپ تفضل صاحب کو مطمئن کر سکیں گے کہ میں ایک باعزت بزنس مین ہوں۔''

اس جملے نے سچویشن قابو سے باہر نہیں ہونے دی۔ واصف ٹھٹکا اور پھر سنبھل گیا۔ غالباً وہ سمجھ گیا تھا کہ حمید یہاں اپنی اصلیت چھپانا چاہتا ہے۔

''اوہ ضرور ضرور۔'' واصف گرم جوشی سے مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ ''کیا قصہ ہے۔''

''کہئے تفضل صاحب کیا بات ہے۔ بیگم صاحبہ آداب عرض کرتا ہوں..... کیوں؟ آپ لوگ پریشان معلوم ہوتے ہیں۔''

''میں نے فون پر آپ کو حالات سے آگاہ نہیں کیا۔'' بیگم حمید کو گھورتی ہوئی بولی۔ ''مگر یہ لوگ۔''

''دونوں معزز اور شریف ہیں۔ میں بہت دنوں سے جانتا ہوں۔ کیا آپ کو ان سے کوئی شکائت ہے۔''

''کوئی بے بی کو اٹھا لے گیا ہے۔'' اس نے کہا۔

''میرے خیال سے یہ کہانیاں دہرانے کا وقت نہیں ہے۔'' حمید بولا۔ ''واصف صاحب میرے ساتھ آیئے۔''

وہ آصف کو ساتھ لے کر پھر عقبی دروازے کی طرف آیا۔ اس بار دوسروں نے ان کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ حمید نے مختصراً پوری داستان دہرائی اور پھر وہ باہر نکل کر دور تک بڑھتے چلے گئے..... حمید نے ٹارچ روشن کر رکھی تھی۔

دفعتاً وہ رک گیا..... روشنی کا دائرہ لڑکی کے دوسرے سلیپر پر تھم گیا تھا۔ یہاں سے کوٹھی

فاصلہ تقریباً ایک فرلانگ ضرور رہا ہوگا۔

''یہ لڑکی کا دوسرا سلیپر ہے۔'' حمید نے کہا۔

واصف نے جھک کر اسے اٹھایا۔ چند لمحے خاموش رہا اور پھر بولا۔ ''یہاں اس زمین پر اندازہ لگانا بہت مشکل ہے کیپٹن۔''

''اسی لئے میں نے پہلے ہی آگے بڑھنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ آپ کو اس طرف اس لئے لایا ہوں کہ مسٹر اینڈ مسز تفضل کے بارے میں کچھ معلوم کر سکوں۔''

''یہ جوڑا..... میری سمجھ سے باہر ہے۔ حالانکہ پچھلے چھ ماہ سے انہیں جانتا ہوں۔ اکثر قریب سے بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ تفضل احمق اور سادہ لوح ہے۔ اتنا نیک ہے کہ اس کے متعلق سنی سنائی باتوں پر یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ لیکن حقائق سے کیسے انکار ہوگا۔ مثال کے طور پر ایک بار راہ چلتے ایسی جگہ جا پہنچا جہاں مذہبی وعظ ہو رہا تھا۔ بس بیٹھ گئے سننے کے لئے..... واعظ غالباً غرباء کی امداد کے متعلق احکام خداوندی کا تذکرہ کر رہے تھے۔ اس پر تفضل اتنا رویا کہ ہچکیاں لگ گئیں۔ اُس وقت اس کے پرس میں تقریباً پانچ ہزار روپے موجود تھے جو اس نے وہیں تقسیم کر دیئے اور پھر گھر واپس آیا۔ جتنا بھی کیش موجود تھا تجوری سے نکالا اور رات بھر شہر کی غریب بستیوں میں بانٹتا پھرا۔ راہ چلتے لوگوں کے کام آتا ہے..... اکثر یتیم خانوں کے لئے چندہ بھی اکٹھا کرتا ہوا دیکھا گیا ہے۔ کہتا ہے کہ نیک کاموں کے لئے اگر آدمی کو اپنی سطح سے گرنا پڑے تب بھی پرواہ نہ ہونی چاہئے۔''

''جھوٹا بھی ہے۔'' حمید نے کہا۔

''کسی حد تک۔'' واصف مسکرایا۔ ''ایک دلچسپ کردار ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے اپنے کارنامے سنائے ہوں آپ کو۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ وہ آپ کے دوست قاسم سے کچھ ہی کم ہے۔ ہاں تو غالباً اس نے آپ کو اپنے شکار کے قصے سنائے ہیں۔ صرف اسی معاملے میں احمقوں کی طرح ڈینگیں مارتا ہے۔ مثلاً آپ ہاتھیوں کے شکار کا قصہ چھیڑیں تو وہ زندہ ہاتھی پکڑنے کی کوشش کرے گا۔ نئے ملاقاتیوں کو خصوصیت سے اپنے اسلحہ خانہ کی سیر کراتا ہے..... لیکن میر

ادعوٰی ہے کہ شائد ہی کبھی فائر کرنے کا اتفاق ہوا ہو۔"

"اس کا ٹائپ تو میری سمجھ میں آ گیا ہے۔ بیگم تفضل کے متعلق کیا خیال ہے۔"

دفعتاً واصف چونک کر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ ہم وقت برباد کر رہے ہیں۔ لڑکی کے لئے کچھ کرنا چاہئے۔ کیا انہیں کسی پر شبہ بھی ہے۔"

"پہلا شبہ ہم پر ہے..... پھر بیگم تفضل نے شاعر بھتیجے کا حوالہ دیا تھا۔ غالباً وہ تفضل کا بیٹا ہے۔ کیا نام ہے..... جی ہاں..... ارشاد۔"

"اچھا..... وہ..... سمجھ گیا۔ ممکن ہے۔ یہاں اس لڑکی کے سینکڑوں امیدوار ہیں کیونکہ وہ تفضل کی اکلوتی لڑکی ہے۔ تفضل کے بعد کروڑوں کی مالک۔"

"تب پھر بیگم تفضل کے امکانات پر بھی غور کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس کی عدم موجودگی میں وہ خود بھی کروڑوں کی مالک ہو سکتی ہے۔"

"تنہا نہیں..... لڑکی کی عدم موجودگی میں تقریباً نصف درجن مزید حقدار پیدا ہو جائیں گے۔ تفضل کے قریبی عزیز..... نہیں اس کے امکانات نہیں ہیں۔ آیئے چلیں۔"

وہ اندر آئے۔ یہاں قاسم غالباً کسی بات پر الجھ کر آنکھیں نکالے کہہ رہا تھا۔ "اگر میں تمہارا باپ ہوتا تو جانتے ہو کیا ہوتا؟"

"کیا ہوتا.....؟" تفضل نے بھی اسی کے سے انداز میں آنکھیں نکالیں۔

"میں تمہارا نام قبل سے بجائے فضول رکھتا۔"

"حد ہو گئی..... حد ہو گئی۔" تفضل دونوں ہاتھوں سے رانیں پیٹنے لگا۔

"قاسم! خدا کے لئے ہوش میں آؤ..... آدمی بنو۔" حمید نے کہا۔

"تمہارے کہنے سے تو ہرگز نہیں بنوں گا۔" قاسم غرایا۔ "ایس پی صاحب کہہ کر دیکھیں۔"

"پلیز.....!" واصف مسکرایا۔

"اچھی بات ہے۔" قاسم نے کہا اور کھڑکی کے قریب کھسک گیا۔ اب اس کا رخ تاریک لان کی طرف تھا۔

"کسی پر شبہ ہے آپ کو۔" واصف نے مسز تفضل سے پوچھا۔

"اگر آپ ان لوگوں کو قابل اطمینان سمجھتے ہیں تو پھر ہم اپنے بھتیجے ارشاد کی طرف سے بے اطمینانی ظاہر کریں گے۔"

"ٹھہریئے..... فون کہاں ہے۔ ہم اُسے چیک کئے لیتے ہیں۔" واصف نے کہا اور تفضل کے اشارے پر اس کے ساتھ باہر چلا گیا۔

پھر کچھ دیر کیلئے یہاں سناٹا چھا گیا تھا۔ قاسم نے مڑ کر ان کی طرف نہیں دیکھا۔ اس کے چہرے پر بھی تفکر کے آثار تھے۔ لیکن اکثر یہ بھی محسوس ہونے لگتا جیسے اندر ہی اندر کھول رہا ہو۔

دفعتاً مسز تفضل نے حمید سے پوچھا۔ "واصف صاحب آپ کو کب سے جانتے ہیں۔"

"سالہا سال سے..... سردیوں میں ہم دونوں لومڑیوں کا شکار کھیلا کرتے تھے۔ ٹیکم گڈھ میں۔"

"کچھ بھی ہو..... یہ سب ہوا آپ ہی لوگوں کی بدولت۔"

"جی ہاں درست ہے۔ نہ ہم بھوتوں کو چھیڑتے اور نہ وہ ایک زندہ آدمی کو لے بھاگتے۔"

قاسم بے ڈھنگے پن سے ہنس پڑا اور بولا۔ "یار ہو بالکل چغد..... عورت کو آدمی کہتے ہو۔"

"پھر بولے تم۔" حمید جھنجھلا گیا۔

"نہیں..... اب کی عورت کو مولوی صاحب بھی کہہ دینا۔ میں کھاموش ہی رہوں گا۔"

قاسم نے اپنی دانست میں طنزیہ لہجہ اختیار کیا..... اور مسز تفضل بے اختیار مسکرا پڑی۔

قاسم نے پھر منہ پھیر لیا۔ ورنہ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھ کر اس کی تو باچھیں کھل جاتیں اور حمید اُسے قابو میں نہ رکھ سکتا۔

مسز تفضل نے کہا۔ "جہاں تک مکان کے آسیب زدہ ہونے کا سوال ہے اب اس میں شبہ کی گنجائش نہیں رہی۔ لیکن بے بی کے معاملے کو اس نقطہ نظر سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ یہ کوئی اور ہی تھا جس نے اس ہنگامے سے فائدہ اٹھایا۔"

"یعنی ارشاد کا نام یقین کے ساتھ نہیں لیا جا سکتا۔"

"وہ بھی ہو سکتا ہے..... وہی ایسا ہے جس کی آمد و رفت یہاں زیادہ رہی ہے۔"

''قدیر صاحب کے متعلق کیا خیال ہے۔''

''آپ بکواس کررہے ہیں۔'' مسز تفضل حلق پھاڑ کر چیخی۔

''خدا کا شکر ہے کہ میں کھاموش ہوں۔'' قاسم نے مسمسی صورت بنا کر کہا۔

''آپ کو قدیر کا نام لینے کی جرأت کیسے ہوئی..... آپ اسے کیا جانیں..... نسرین ماموں کہتی ہے..... وہ میرا بھائی ہے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ اچانک کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔

کچھ دیر بعد واصف اور تفضل واپس آئے اور واصف نے مسز تفضل کو بتایا کہ اس ارشاد کے لئے قریبی تھانے کے انچارج کو فون کردیا ہے۔

''فضول ہے..... واصف صاحب۔'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''مناسب یہی ہے کہ ہمارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالیں اور زبردستی ہمیں یہاں سے گھسیٹ لے جائیں۔''

''کیوں..... کیوں.....؟'' واصف کے لہجے میں تحیر تھا۔

''بھوت یہی چاہتے ہیں۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''اگر آپ ہمیں اس مکان میں قیام کرنے سے باز رکھیں تو نسرین صاحبہ بھی واپس آجائیں گی۔ یعنی بھوت صاحبان انہیں ریلیز کردیں گے۔''

''اُوہ.....!'' مسز تفضل نے دانت پیس کر بائیں ہتھیلی پر مکا مارا۔ ''پھر وہی باتیں۔ ہم مکان خالی کرانے کے لئے خود ہی بھوت بن گئے ہیں۔''

''ارے نہیں بیگم صاحب۔'' قاسم نے دانت نکال دیئے۔ ''ہی ہی ہی..... آپ بھوت..... لاحول بلاکوت.....!''

''میں نے یہ تو نہیں کہا۔ صرف بھوتوں کی خواہش ظاہر کی ہے۔ ورنہ نسرین صاحبہ تو اب بھی اسی عمارت میں موجود ہیں۔''

''عمارت کا کونا کونا ہم نے دیکھ ڈالا ہے۔'' تفضل نے غصیلی آواز میں کہا۔

''شائد میں انہیں ان کی خواب گاہ ہی سے برآمد کرسکوں۔'' حمید نے مسز تفضل کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے کہا۔ لیکن وہاں حیرت کے اظہار کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔

''بڑی عجیب باتیں کررہے ہیں آپ۔'' واصف مسکرا کر بولا۔ ''خیر آیئے دیکھیں۔''

''یہ حضرت پتہ نہیں کس چکر میں ہیں۔'' بیگم تفضل بڑبڑاتی ہوئی اُنکے پیچھے چل رہی تھی۔

وہ ''بے بی'' کی خواب گاہ میں آئے۔ واصف چاروں طرف دیکھ کر حمید کی جانب مڑا۔ اس کی آنکھوں میں سوال تھا۔ حمید مسز تفضل کو گھور رہا تھا۔ لیکن وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ ویسے چہرہ پرسکون ہی دکھائی دیتا تھا۔

بے بی کی مسہری خالی پڑی تھی۔ بستر شکن آلود تھا۔ دفعتاً حمید نے آگے بڑھ کر مسہری سے فرش تک لٹکی ہوئی چادر اٹھا دی۔

''اُوہ.....!'' واصف جھک کر دیکھنے لگا۔ نسرین مسہری کے نیچے فرش پر چت پڑی ہوئی تھی۔

''کیا ہے..... کیا بات ہے۔'' تفضل نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ کیونکہ اس طرح اچانک جھک پڑنا اس کے بس کا روگ تو نہیں تھا۔

بیگم تفضل بھی جھکی تھی اور قاسم نے تفضل کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا تھا۔ ''اللہ کی مرجی..... ہم دونوں اتنی جلدی جھک بھی تو نہیں سکتے۔''

قاسم کی جاسوسی

فرہاد اپنا نام سن کر آپے سے باہر ہوگیا۔ پہلے اپنی چچی اور چچا کو بُرا بھلا کہتا رہا پھر پوچھا۔ ''یہ کب کی بات ہے؟''

''پچھلی رات کی۔'' واصف نے جواب دیا۔

''اس سے بڑی بیہودگی آج تک میری نظروں سے نہیں گذری۔ آخر مجھ پر کیوں شبہ کیا گیا۔''

''بیگم تفضل کا خیال ہے کہ آپ بھی محترمہ نسرین کے امیدواروں میں سے ہیں۔'' حمید

''مگر میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کو ان معاملات سے کیا سروکار۔'' فرہاد اس پر الٹ

''مطمئن رہئے۔'' حمید مسکرایا۔ ''امیدواروں کی فہرست میں اضافہ نہیں ہوا۔ چونکہ سارا الزام ہم ہی دونوں پر ہے۔ اس لئے اصلیت معلوم کرنے کی فکر ہونی ہی چاہئے۔ جب اپنے ہی پلنگ کے نیچے سے برآمد ہوئیں تو دونوں نے برملا ہمیں ہی الزام دینا شروع کر اتفاق سے دریافت بھی میری ہی تھی۔''

''میں نے آپ کو سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ مکان کے حصول سے باز رہئے۔''

''درست ہے۔ میں نے آپ کی بات نہیں مانی تھی۔ اس لئے.....؟''

''ٹھہریئے! کسی غلط نتیجے پر پہنچنے سے پہلے یہ بھی سوچ لیجئے کہ آپ کے وہاں نہ ہو سے میرا کیا فائدہ ہوتا۔''

''میں یہی معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں مسٹر فرہاد.....ارر.....ارشاد۔''

''کیا اس خاندان میں کوئی مجھے فرہاد کے نام سے یاد کرتا ہے۔''

''آپ بھول رہے ہیں۔ پرسوں رات ہوٹل میں کسی نے آپ کو اسی نام سے آواز دی تھی

''ہاں تو مجھے یہاں کیوں طلب کیا گیا ہے جناب۔'' فرہاد نے واصف سے پوچھ

''ظاہر ہے کہ نسرین گھر سے برآمد ہوگئی تھی۔''

''دراصل مجھے بھی ان بھوتوں سے کچھ دلچسپی سی ہوگئی ہے۔'' واصف مسکرایا۔

''تو آپ کو مایوسی ہی ہوگی۔ آپ کے کسی کام نہیں آسکوں گا۔ میں نہیں جانتا کہ اصل کیا ہے۔ مجھ سے کہا گیا تھا کہ میں انہیں صورت حال سے آگاہ کردوں اور اگر یہ تیار ہو تو ادا کیا ہوا کرایہ انہیں واپس کردوں۔''

''آپ کو کس نے بھیجا تھا۔''

''چچی صاحبہ نے۔''

یہ گفتگو دوسری صبح واصف کے دفتر میں ہو رہی تھی۔ لیکن قاسم یہاں موجود نہیں تھا

ہوتے ہوتے بیگم تفضل اس پر بہت مہربان ہوگئی تھیں اور وہ وہیں رہ گیا تھا۔

حمید نے اُسے اس سے باز رکھنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ البتہ یاد دہانی ضرور کرائی تھی کہ وہ اُسے اسسٹ کر رہا ہے.....خود بھی جاسوس ہے۔

اس پر قاسم نے سر پیٹتے ہوئے کہا تھا۔ ''قیا بتاؤں اس سالے دماگ کا بس بات کرتے کرتے کھٹاک سے آؤٹ ہوجاتا ہے۔ اچھا بیٹا تم میری گردن میں گھنٹہ لٹکادو۔ وہ بجتا رہے غا اور میں یاد کرتا رہوں غا کہ میں بھی سالا جاسوس ہوں۔''

''میں تمہیں مرغا بھی بنا سکتا ہوں کہ ککڑوں کوں کے علاوہ اور کچھ بول ہی نہ سکو.....مگر تم خود ہی ہوش میں رہنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔''

''اَب قروں غا۔'' قاسم نے بڑی سعادت مندی سے جواب دیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ بات کسی طرح ختم ہو اور حمید دفع ہوجائے۔ ورنہ وہ تو اسی پر بحث شروع کردیتا کہ آخر مرغ ''ککڑوں کوں'' کے علاوہ اور کچھ بول ہی کیوں نہیں سکتے۔ کس نے منع کیا ہے انہیں کہ وہ ''ککڑی کیں'' نہ بولیں۔ یا پھر بات مرغ سے مرغ مسلم تک جا پہنچتی۔

بہرحال حمید تنہا واصف کے آفس کے لئے روانہ ہوگیا تھا اور اب سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ قاسم ہی کو اس فرہاد پر مسلط کردیا جائے۔

''آپ بہت اچھا پڑھتے ہیں۔'' حمید نے کہا۔ ''کل میں نے سنا تھا۔''

''شکریہ۔'' فرہاد کا لہجہ ناخوشگوار تھا۔

''لیکن کتا بیچارہ مفت میں مارا گیا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اوہ.....ایک بات مسٹر.....ذرا یہ تو بتایئے.....کیا کل آپ سے سنانے کی فرمائش کی گئی تھی۔'' حمید نے پوچھا۔

''میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کو ان معاملات سے کیا سروکار۔''

''پلیز.....!'' واصف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''ہوسکتا ہے کہ یہ سوال اہم بھی ہو۔ اگر یہ نہ

پوچھتے تو میں بھی یقینی طور پر یہی سوال اٹھاتا۔''

''جی ہاں! مجھ سے فرمائش کی گئی تھی اور یہ فرمائش چچی صاحبہ کی تھی..... پھر!''

''پھر کیا! آپ کے چلے آنے پر تفضل صاحب بہت گرم ہوئے تھے۔'' حمید

''اور بیگم صاحبہ ڈنڈا لے کر کتے پر پل پڑی تھیں اور اُسے ختم ہی کر دیا تھا۔''

''ڈنڈے سے۔'' فرہاد کے لہجے میں تحیر تھا۔

''جی ہاں۔''

''آپ مذاق کر رہے ہیں۔ ناممکن۔ وہ بڑا جاندار کتا ہے..... ڈنڈوں سے نہیں مر

''تصدیق کر لیجئے۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔

''مگر آپ پچھلی رات کہاں تھے۔'' واصف نے پوچھا۔ ''میں نے تین بجے آپ

رابطہ قائم کرنا چاہا تھا۔''

''دیکھئے جناب۔ میں ثابت کر سکتا ہوں کہ نو بجے سے ساڑھے تین بجے تک میں

ڈریم نائٹ کلب سے باہر نہیں نکلا تھا۔ میرے ساتھ پانچ آدمی اور بھی تھے۔''

''مشکور ہوں گا اگر آپ ان کے نام اور پتے نوٹ کرا دیں۔'' واصف نے کہا

بجائی اور اس کا اسٹینو اندر آیا۔ اس نے فرہاد کے بتائے ہوئے نام اور پتے نوٹ کئے۔

فرہاد کے چلے جانے پر واصف نے حمید سے کہا۔ ''آخر آپ کتے والے مسئلے

اہمیت کیوں دے رہے ہیں۔''

''مجھے یقین ہے کہ وہ ڈنڈے کی ضربات سے نہیں مرا۔ اُسے زہر دیا گیا تھا۔''

''اُوہ.....!''

''تفضل نے وہ کتا رکھوالی کے لئے پالا تھا۔ حالانکہ ان کے یہاں چوکیدار بھی

لیکن ایک رات تفضل نے کچھ نامعلوم آدمیوں کو کمپاؤنڈ میں داخل ہوتے دیکھا اور دوسرے

دن کتا خرید لایا۔ بیوی کتا رکھنے کی مخالفت کرتی رہی تھی۔ لہٰذا جب بھی اُسے تفضل پر غصہ

ڈنڈا سنبھالتی اور کتے کی مرمت شروع کر دیتی۔ کیا ممکن نہیں ہے کہ کل اس نے دیدہ

فرہاد سے غزل کی فرمائش کی ہو جبکہ تفضل شاعری سے سخت بیزار ہے اور اُسے پسند نہیں کرتا کہ

اس کی چھت کے نیچے اشعار الاپے جائیں۔ مقصد یہ رہا ہو کہ تفضل کو غصہ آ جائے اور بیوی اپنا

غصہ کتے پر اتارے۔ لیکن یہ بھی اس کے بس کا روگ نہیں تھا کہ محض ڈنڈے کی ضربات سے

کتے کو ہلاک کر دیتی اس لئے کتے کو پہلے ہی سے زہر دے دیا ہو۔ ایسا زہر جو دیر میں اثر

کرے۔ بہرحال جس وقت وہ اُسے ڈنڈے مار رہی تھی زہر نے بھی اپنا کام شروع کر دیا تھا اور

تفضل یہی سمجھا کہ ڈنڈا ہی موت کا باعث بنا تھا۔''

''مگر مقصد.....؟''

''کتے کی موجودگی میں بھوت نہ پیدا کئے جا سکتے۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''بھوتوں کا ڈرامہ گھر کے افراد نے اسٹیج نہ کیا ہوگا۔ اس کیلئے ایسے ہی آدمی رہے ہوں

گے جن پر کتا چڑھ دوڑتا۔ یعنی وہ اس کے لئے اجنبی ہوتے۔''

''قرین قیاس ہے۔'' واصف کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''لیکن پھر تفضل تو نکلا جاتا ہے۔''

''میں تفضل کی بیوی کی بات کر رہا ہوں۔ وہی نہیں چاہتی تھی کہ مکان کرایہ پر دیا جائے۔''

''پھر بھی مقصد دریافت طلب ہی رہے گا۔''

''یہی تو دیکھنا ہے کہ وہ مکان کرایہ پر نہ دینے کے لئے اس حد تک کیوں بڑھ گئی تھی۔''

''بہرحال الجھا دیا معاملے کو۔'' واصف مسکرایا۔ ''کرنل کی صحبت نے آپ کو بھی.....''

''اب دیکھنا ہے کہ فرہاد کس قسم کا رول ادا کر رہا ہے۔ کیا وہ کتے والی سازش میں دیدہ

دانستہ شریک ہوا تھا یا لاعلمی میں آلہ کار بن گیا تھا۔''

''چھوڑیئے..... حمید صاحب۔ کتے کی موت اتنی اہم نہیں ہو سکتی کہ ہم سراغ رسانی

کرنے بیٹھ جائیں۔'' واصف مسکرا کر بولا۔

''اب اس گھر میں کسی آدمی کی موت بھی برحق ہے۔''

''یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔''

''امکانات ہیں۔ اتنے لمبے چوڑے اور خطرناک ڈرامے کسی ذرا سی بات کے اسٹیج کئے جاتے۔''

واصف نے اس جملے کی وضاحت چاہی۔ لیکن حمید نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ اس پر مزید غور کرنا چاہتا ہے۔

حمید واپس آیا تو برآمدے میں قدم رکھتے ہی شور سنائی دیا۔ آوازیں اندر سے تھیں۔ اس نے گھنٹی کا بٹن دبایا۔ یہاں آنے کی ضرورت ہی نہیں تھی پہلے وہ آبی عمارت کی طرف گیا تھا۔ مگر پھر اُسے مقفل دیکھ کر ادھر چلا آیا۔ مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ قاسم کو ساتھ لے جائے۔

ایک ملازم نے دروازہ کھولا اور پھر پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ ''تشریف لائیے جناب۔''

راہداری میں داخل ہوتے وقت اُس نے قاسم کی آواز سنی وہ غالباً کسی پر برس رہا تھا۔ ڈرائنگ روم میں فرہاد بھی دکھائی دیا۔ اس کے چہرے پر وحشت طاری تھی کیونکہ اسی سے مخاطب تھا۔ حمید کو دیکھتے ہی وہ اس کی طرف مڑا۔

''آؤ..... آؤ..... بی جمالو۔'' وہ دہاڑا۔ سالے بھس میں چنگاری ڈال کر الگ بیٹھے ملائی کھا رہے ہو۔ تم نے اس شاعر کے بچے سے کیا کہہ دیا ہے..... کھوا مکھواہ بیگم صاحب سر ہو رہا ہے۔''

''مت بکواس کرو۔'' حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''یہاں کیا کر رہے ہو چلو.....!''

''میں یہیں رہوں گا۔'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ ''تم کو آجاد کر دیا ہے جہاں چاہے رہو میرے ٹھینگے سے۔''

''لیکاؤں گھنٹہ گردن میں۔''

''اوہ..... ہو.....!'' قاسم یک بیک چونک کر سنبھلا۔ چند لمحے خاموشی سے پلکیں جھپکاتا رہا پھر مردہ سی آواز میں بولا۔ ''چلو۔''

''کیا بات ہوئی۔'' بیگم تفضل بول پڑی۔

''بس قیا بتاؤں بیگم صاحب..... بات نہیں موت ہوئی ہے۔'' قاسم گھگھیایا۔ ''اور یہ سالے ابا جان کی وجہ سے ہو رہا ہے۔'' پھر گرج کر بولا۔ ''میں کہتا ہوں ایسا نالائک باپ ہوں پیدا ہوتا ہے۔''

''میں نہیں سمجھ سکتی کہ آپ اپنے ابا جان پر کیوں خفا ہوتے رہتے ہیں۔''

''بس قیا بتاؤں..... تعجیل بھائی کے ابا جان بڑے اکلمند آدمی رہے ہوں گے۔''

''میں کچھ بھی نہیں سمجھی۔''

''ارے..... وہ ہی ہی ہی ..... جانے دیجئے۔ مطلب یہ کہ تعجیل بھائی جتنے تگڑے.....''

''قاسم.....!'' حمید نے پھر للکارا۔

''اچھا بیٹا۔'' قاسم اُسے گھونسہ دکھا کر بولا۔ ''تم سالے دل کا بکھار بھی نہیں نکالنے دیتے۔ تمہارے تو باپ دادا کی بھی کبھی شادی نہیں ہوئی تھی تم قیا جانو۔'' پھر اس نے ٹھنڈی سانس لی ''اللہ.....!''

''بھئی..... خدا کے لئے انہیں لے جائیے۔'' تفضل بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

قاسم نے قہر آلود نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ مگر کچھ بولا نہیں۔ حمید کے مڑتے ہی وہ بھی چپ چاپ دروازے کی طرف مڑ گیا۔

''تم کیا کرتے رہے تھے۔'' حمید نے باہر نکل کر پوچھا۔

''تمہاری ناک کاٹتا رہا تھا۔'' قاسم اکڑ کر بولا۔ ''تمہارے باپ نے بھی کبھی ایسی حرکت نہ کی ہوگی..... بیٹا..... ایسی ایسی باتیں معلوم کی ہیں جو کسی کو بھی نہ معلوم ہوں گی۔''

''ہوں.....اور خود بھی دوسروں کو معلومات بہم پہنچائی ہوں گی۔''

''اتنا چگد نہیں ہوں۔'' قاسم نے دانت نکالے۔ ''سنو..... یہ جو بیگم ہیں نا ان کی خالہ تھیں جو شکر قند بہت کھاتی تھیں۔ ایک دن وہ بیٹھی شکر قند کھا رہی تھیں کہ ان کو آ گئے۔ بہت کھفا ہوئے۔ کھالا کو بھی غصہ آ گیا اور شکر قند ان کے حلق میں پھنس گئی۔ پھر تھا تڑ سے وہیں گریں اور مر گئیں.....اب بتاؤ بیٹا۔''

مطلع ابر آلود تھا۔ کسی قدر خنکی بھی تھی اور وہ لان کے وسط میں گھاس پر جا بیٹھے۔ تک کسی کا پتہ نہیں تھا۔

''ہاں تو بتاؤ نا.....!'' قاسم بولا۔

''یہ جاسوسی کی ہے تم نے۔''

''کرو..... بحث شروع کرو.....ابھی نقل آئے گی جاسوسی بھی تم اور قرنل صاحب بحث مارتے ہو اور نقلنے لگتی ہے.....جاسوسی۔ میں قہتا ہوں شقر کند.....کھاتے دیکھ کر کھفا کی کیا جرورت تھی.....اب تم کچھ قہو۔''

''بہک رہے ہو تم.....اُن کی خالا کا اس کیس سے کیا تعلق.....!''

''ان پر بھی کسی جن کا سایہ تھا.....جب جن آتا تھا تو وہ پانچ سیر شقر قند لے کر بیٹھ تھیں۔ اور تھرنے لگتی تھیں۔ میاں کا دیوالہ نکل رہا تھا۔ روزانہ پانچ دس سیر شقر کند.....جب کند کی فصل نہیں ہوتی تھی تو کچے بینگن.....اُوع.....ارے باپ رے۔ ابے کیسے کھائے رہے ہوں گے۔''

اُسے پھر اوبکائی آ گئی اور وہ دونوں ہاتھوں سے سینہ پیٹنے لگا۔

''نسرین نے کیا بتایا ہے.....پچھلی رات وہ بیہوش کیسے ہوئی تھی۔''

''بس خاموش۔'' قاسم ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''اس کا تو نام ہی مت لو.....ہڈیاں اس کی صورت دیکھ کر.....ایسی آنکھیں بنائے رکھتی ہے جیسے پھونک دو تو اڑ جائے گی میں تو قہتا ہوں کہ رات ہی کیوں نہیں مر گئی۔''

''کیوں بکواس کر رہے ہو۔ تمہارا اُس نے کیا بگاڑا ہے۔''

''میرا نہیں بگاڑا تو کسی دوسرے کا بگاڑے گی۔ اللہ کرے مر جائے..... میں تو قہوں گا دیتا ہوں تم کیا کر لیتے ہو۔ اے چھوڑو.....ہی ہی ہی.....قہاں کی بات نکل آئی۔ اچھا یہ چاؤ قبل کی تلاخ نہیں ہو سکتی کیا.....!''

''کیوں.....!'' حمید نے معنی خیز انداز میں آنکھیں نکالیں۔

''بیگم صاحب اس سے کتنی لمبی ہیں۔ جبھی تو سالے نے کہا تھا۔ ان کو یہاں سے لے جایئے۔''

''یہ جاسوسی کرتے رہے ہو تم حرام خور۔''

''حمید بھائی..... پیارے حمید بھائی۔'' قاسم گھگھیایا۔ ''قچھ کرو.....ابے میں نے ایک جاسوسی ل میں پڑھا تھا کہ سرکاری جاسوس کو ہیروئن سے محوبت ہو گئی تھی۔ پکڑ دھکڑ ہو جانے کے بعد ہیروئن کے ابا میاں بہت خوش ہوئے تھے اور سکینہ بیگم کی شادی انسپکٹر محمد علی سے ہو گئی تھی۔''

''خیر.....خیر.....میں دیکھوں گا۔ کسی سے سنا تو ہو گا کہ نسرین نے کیا بتایا تھا۔''

''نہیں پہلے تم وعدہ کرو کہ کچھ کرو گے۔ اس بار حمید بھائی۔'' وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''اس بار مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے قلیچہ نکل پڑے گا۔ وہ مسکرا کر کہتی ہیں..... قاسم صاحب آپ بڑے بھولے آدمی ہیں..... ہائے میں بھولا ہوں.....دیکھو.....نہیں.....جرا دیکھو میرے چہرے پر بھولا پن ہے کہ نہیں۔''

اس نے خاموش ہو کر بڑی مضحکہ خیز صورت بنائی.....پلکیں جھکی پڑ رہی تھیں۔ ہونٹ شرمیلے انداز میں پھیل رہے تھے اور گال پھڑکنے لگے تھے۔

''اچھا میں کچھ کروں گا.....بتاؤ۔''

''کیا بتاؤں.....میں یہ چاہتا ہوں کہ تلاخ ہو جائے۔''

''ابے میں نسرین کے متعلق پوچھ رہا ہوں۔''

''تمہارے لئے بالکل ٹھیک رہے گی۔ تمہیں پسند ہیں نا ویسی آنکھیں.....مگر مجھے جلن لگتی ہے۔ جب دیکھے گی تو ایسا معلوم ہو گا جیسے پانی مانگ رہی ہو۔''

''وہ کیسے بیہوش ہوئی تھی۔''

''بس خاموش کھڑی تھی کہ کھوپڑی کے چاروں طرف دھواں ناچنے لگا۔ اس نے ماریں اور بیہوش ہوگئی۔''

''کوئی دکھائی نہیں دیا تھا۔''

''قوئی نہیں..... مرنہ جاتی اگر دکھائی دیا ہوتا۔''

''اچھا خاموش رہو۔ فرہاد آرہا ہے۔'' حمید نے کہا اور جیب سے پائپ نکال کر اس میں تمباکو بھرنے لگا۔ فرہاد برآمدے سے اُتر کر انہیں کی طرف آرہا تھا۔

اس نے کچھ کہے بغیر ان کے قریب ہی بیٹھ کر ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔ ''مجھے معلوم ہے کہ ایس۔ پی واصف سے آپ لوگوں کے گہرے مراسم ہیں۔''

''آپ نے غلط نہیں سنا۔''

''اور آپ شاید تہیہ کر چکے ہیں کہ اس سازش سے پردہ اٹھا دیں۔''

''سازش! کمال ہے آپ بھی اسے سازش قرار دے رہے ہیں۔''

اس سے پہلے کبھی مجھے بھوتوں کا تجربہ نہیں ہوا۔ یقین کیجئے میں نے صرف ایک پیغام آپ تک پہنچایا تھا۔ لیکن اب میں اس کا مقصد سمجھنے سے قاصر ہوں۔ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے کار بنانے کی کوشش کیوں کی گئی ہے۔

''بھوت! بھوت ہی ٹھہرے۔ آپ خواہ مخواہ گھر والوں سے بدگمان ہو رہے ہیں۔''

''جی نہیں۔'' اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''میں سب سمجھتا ہوں۔ لیکن بار بار کہہ کہ میں صرف شاعر ہی نہیں ہوں میری انگلیاں ٹریگر پر بھی بہت اچھی چلتی ہیں، خون کی ندیاں بہا دوں گا۔''

''کس کے خلاف.....!''

لیکن فرہاد جواب دینے کی بجائے اٹھا اور تیزی سے پھاٹک کی طرف بڑھ گیا۔

بیگم کی چیخ

رات کے نو بجے تھے اور حمید اس وقت رام گڈھ کے سب سے اونچے نائٹ کلب فیریز ڈریم میں فرہاد کی نگرانی کر رہا تھا۔ قاسم ساتھ نہیں آیا تھا۔ آتا بھی کیسے۔ دن تو کسی طرح جاگ کر گزار دیا تھا..... لیکن شام ہوتے ہی نیند نے چکر دینے شروع کر دیئے اور وہ اسی آسیب زدہ مکان میں جا کر ڈھیر ہوگیا تھا۔ حمید نے وہاں سے ہٹنے پر آمادگی نہیں ظاہر کی تھی اس لئے واصف نے چار مسلح کانسٹیبل بھیج دیئے تھے۔ ورنہ اس کا تو یہی خیال تھا کہ حمید اُن گھریلو قضیوں میں الجھنے کی بجائے تفریح کرے۔

بہرحال حمید قاسم کی طرف سے مطمئن ہو کر فرہاد کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا تھا۔ وہ فیریز ڈریم میں ملا اور یہاں حمید اس کی میز سے اتنے ہی فاصلے پر تھا کہ اس کی آواز بہ آسانی سن سکتا لیکن فرہاد کے فرشتے بھی اُسے نہ پہچان سکتے۔

میک اپ تھا تو ریڈی میڈ ہی قسم کا لیکن حلیہ یکسر بدل کر رہ گیا تھا۔ اس وقت اس کے ہاتھوں میں فریدی کے ایجاد کردہ اسپرنگ تھے جن کے دباؤ سے ناک کی نوک اوپر اٹھ جاتی تھی اور اوپری ہونٹ بھی اس کے ساتھ ہی کسی مدر سکڑ کر اس طرح اوپر اٹھ جاتا تھا کہ دانت نظر آنے لگتے تھے۔

فرہاد اپنی میز پر تنہا نہیں تھا۔ ایک خوش پوش آدمی اور بھی تھا لیکن لب ولہجہ کے اعتبار سے وہ فرہاد ہی کے طبقے سے متعلق نہیں معلوم ہوتا تھا۔

''او..... پیارے۔'' وہ فرہاد سے کہہ رہا تھا۔ ''کبھی کچھ کہہ کر بھی تو دیکھو۔ بڑے بڑے ترم خاں دیکھے ہیں میں نے..... لیکن کسی کی بھی آنتیں پیٹ کے اندر نہیں رہی تھیں۔''

''ابھی نہیں۔'' فرہاد بولا۔ ''پانی سر سے اونچا ہونے کا انتظار تو کرنا ہی پڑے گا۔''

''اَے جاؤ..... میرا معاملہ ہوتا تو اب تک کوئی خون ہو چکے ہوتے۔''

اتنے میں ویٹر کشتی میں بوتلیں اور گلاس لے آیا۔ پیتے وقت بھی دونوں باتیں کرتے لیکن صاف طور پر نہیں کہا جا سکتا تھا کہ موضوع گفتگو کیا ہے اور دوسرے آدمی نے کس سلسلے ڈینگیں ماری تھیں۔

ساڑھے دس بجے کے قریب فرہاد اٹھ گیا۔ اس کے قدموں میں ہلکی سی لڑکھڑاہٹ لیکن حقیقتاً زیادہ نشے میں نہیں معلوم ہوتا تھا۔

دوسرا آدمی بیٹھا ہی رہا۔ جب فرہاد نکاسی کے دروازے کے قریب پہنچا تو حمید بھی اٹھ کمپاؤنڈ میں پھاٹک کے قریب اندھیرا تھا۔ فرہاد پیدل ہی پھاٹک کی طرف بڑھتا یک بیک حمید کو ایک آدمی اور بھی نظر آیا جو بائیں جانب سے روشنی میں آ کر فرہاد پر جھپٹا ایک پل کے لئے کوئی چیز چمکی اور ساتھ ہی فرہاد کی چیخ بھی سناٹے میں تیرتی چلی گئی۔ آدمی چھلانگ مار کر ڈڈو دنیا کی باڑھ پار کر گیا۔

'اُنے باپ رے۔'' قاسم حلق پھاڑ کر دہاڑا..... آنکھیں تو اسی وقت کھل گئی تھیں کوئی وزنی چیز اس پر گری تھی اور پھر وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑنے لگا تھا۔ جسم پر وزن کا اب بھی پڑ رہا تھا۔ کانپتا ہوا وزن..... پھر کوئی چیز اس کی ناک کے بائیں نتھنے میں گھستی چلی

''آق چھیں.....!'' وہ چھینک مار کر چیخا۔ ''اَبے اَبے..... کون ہے۔''

''کک..... کانسٹیبل.....!'' کانپتے ہوئے بوجھ سے آواز آئی۔

''ابے تو میری ناک میں کیوں گھسے جا رہے ہو۔'' اس نے ناک میں گھسنے والی چیز پر جھپٹا

''ارر..... ارر..... اُوف..... مم..... مونچھ ہے..... ارے مونچھ..... ابے چھوڑ۔''

ساتھ ہی قاسم کے سینے پر دھم سے ایک گھونسہ بھی پڑا اور کانسٹیبل کی نوکیلی مونچھ ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اس نے جھلا کر کانسٹیبل کو جھٹک دیا اور وہ پتہ نہیں کتنے فاصلے پر گر کر کراہا۔

اچانک صحن میں روشنی کا جھماکا ہوا۔

''ہوہو..... ہو.....'' کانسٹیبل کے حلق سے عجیب سی آوازیں نکلنے لگیں اور قاسم غیر شعوری طور پر اس کا ساتھ دینے لگا۔

پوری عمارت پر اندھیرا مسلط تھا۔

''خبردار..... خبردار.....!'' غالباً کسی جی دار کانسٹیبل نے ہانک لگائی..... آواز دور کی تھی۔ ہو سکتا ہے یہ وہ کانسٹیبل رہا ہو جو صدر دروازے کی نگرانی کر رہا تھا۔

روشنی کا جھماکا پھر ہوا۔ لیکن اس بار قاسم کی ''ہو ہو'' رک گئی۔ اس کی عجیب سی کیفیت تھی۔ نہ وہ خائف تھا اور نہ کسی قسم کی کمزوری ہی محسوس کر رہا تھا۔ ذہن بالکل سپاٹ تھا۔

پھر اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اچانک سارے بلب روشن ہو گئے تھے۔ وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں اٹھ بیٹھا۔ کانسٹیبل فرش پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔ غالباً اس پر غشی طاری تھی۔

''کیا بات ہے۔'' کسی نے للکار کر پوچھا اور وزنی قدموں کی آوازیں نزدیک آتی گئیں۔

پھر باہر والا کانسٹیبل کمرے میں داخل ہوا۔

''ارے..... یہ کیا ہوا..... وہاں..... باہر خون۔'' اس نے خوفزدہ سی آواز میں کہا۔

''ٹھینگے پر گیا خون وون..... یہ مجھ پر کیوں چڑھ بیٹھے تھے۔''

''آپ پر.....!''

''کس مصیبت میں جان پڑ گئی ہے۔''

''وہ دونوں کہاں ہیں۔''

''ہوں گے قبیں..... میں کیا جانوں۔''

''ارے او ہو..... وہ دونوں تو اس کی کوٹھی میں ہوں گے۔'' کانسٹیبل بیہوش کانسٹیبل پر

جھکتا ہوا بڑبڑایا۔

اس نے اسے سیدھا کیا اور اٹھا کر مسہری پر ڈال دیا۔ پھر قاسم سے پوچھنے لگا کہ اندھیرا کیسے ہوگیا تھا۔ شائد اس نے روشنی کے جھماکے نہیں دیکھے تھے۔

''اے..... مجھ سے کچھ نہ پوچھو..... میں بے کھبر سو رہا تھا۔ پیارے بھوت بھائی سے کچھ کرسکتے ہیں۔ ارے باپ رے..... قہاں ہے خون۔''

''کئی جگہ۔''

اتنے میں کسی نے دونوں کانسٹیبلوں کو باہر سے آواز دی۔

''اندر آجاؤ..... خاں صاحب۔'' کانسٹیبل نے چلا کر جواب دیا۔

''باہر آؤ..... کوٹھی میں گڑبڑ ہے۔'' باہر سے پھر آواز آئی۔

''ارے تو یہیں کون سے لڈو بٹ رہے ہیں۔'' قاسم نے ہانک لگائی۔

کانسٹیبل دروازے کی طرف بڑھا اور قاسم اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

''اے میں بھی چل رہا ہوں۔''

''آپ یہیں ٹھہریئے..... یہ بیچارا بیہوش ہے۔''

''میں بے چارہ بھی کسی سالے سے کم نہیں ہوں۔ بیہوش ہوگیا تو کیا ہوگا۔''

اتنے میں آواز دینے والا خود ہی اندر آ گیا۔ یہ بھی انہیں کانسٹیبلوں میں سے تھا۔ اس نے بتایا کہ تفضل کی رہائشی کوٹھی سے گولی چلنے کی آواز آئی تھی اور عورتیں چیخنے لگی تھیں۔

''چلو ٹھیک ہے'' قاسم سر ہلا کر بولا۔ ''شروع ہوگئی ٹھائیں ٹھوئیں بھی۔ مگر وہ قہاں ہیں لارڈ کرزن کے بھتیجے۔''

''کون.....؟''

''ارے وہی..... جا..... ارر ہپ۔'' اس نے دونوں ہاتھوں سے منہ دبا لیا۔

''آپ کیا کہہ رہے ہیں۔''

''کچھ نہیں..... وہ میرے ساتھی۔''

''ہم نہیں جانتے۔'' کانسٹیبل نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور پھر اس کی نظر صحن میں پھیلے ہوئے خون پر پڑ گئی۔ غالباً پہلے نہیں دکھائی دیا تھا۔

''ارے یہ خون۔''

''بھوت.....!'' قاسم کا مختصر سا جواب تھا۔ کانسٹیبل سناٹے میں آ گیا۔

پہلے کانسٹیبل نے اس سے کہا۔ ''تم یہیں ٹھہرو! میں دیکھتا ہوں۔ سجاد کہاں ہے۔''

''وہیں۔'' دوسرے کانسٹیبل نے جواب دیا اور اب اُسے گھورنے لگا جو وہیں بیہوش پڑا تھا۔

''ان دونوں نے کچھ دیکھا ہے۔ میں باہر تھا۔'' پہلا بولا۔

''اے تو پھر میں یہاں نہیں ٹھہروں گا۔'' دوسرا بولا۔ ''اسے بھی اٹھائے لیتے چلو۔''

''کائدے کی بات ہے۔'' قاسم سر ہلا کر بولا۔

دوسری صبح حمید واصف کے آفس میں نظر آیا..... واصف گہری سوچ میں تھا۔

''آپ کو یقین ہے کہ وہ قدیر ہی تھا۔'' واصف نے پوچھا۔

''بس ایک جھلک نظر آئی تھی لیکن مجھے یقین ہے کہ قدیر ہی تھا۔ مگر میں تعاقب نہ کرسکا۔ ہاں ارشاد نے کوئی بیان دیا۔''

''ہاتھ بہک گیا تھا حملہ آور کا..... ورنہ بیان دینے کے قابل ہی نہ رہتا۔ معمولی زخم ہے۔ جلد ہی ٹھیک ہوجائے گا۔'' واصف بولا۔ ''اسے حملہ آور کو دیکھنے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا۔ لیکن اس نے بھی قدیر ہی کے خلاف شبہ ظاہر کیا ہے کیونکہ اس کی دانست میں قدیر بھی نسرین کے امیدواروں میں سے ہے اور بھئی وہ تو کہتا ہے کہ اس کا اور نسرین کا رومان بہت دنوں سے چل رہا تھا۔ لیکن مسز تفضل اس کی شادی قدیر سے کرنا چاہتی ہے اور اسی مقصد کے تحت وہ بھوتوں

والا ڈرامہ اسٹیج کرا رہی ہے کہ اسے یعنی ارشاد کو کسی چکر میں پھنسا دے۔ لیکن جب پہلی رات والے واقعے کے بعد بھی پولیس نے اس کے خلاف کوئی خاص کارروائی نہ کی تو پھر راست اس پر قاتلانہ حملہ ہی ہو گیا۔ مقصد اُسے کسی نہ کسی طرح راستے سے ہٹانا ہے۔ اب آپ کی بات کچھ کچھ میری سمجھ میں آ رہی ہے۔ مسز تفضل نے بھوتوں والا معاملہ ارشاد ہی کے منڈھنے کی لوشش کی ہے۔ کتے کی موت سے بھی اسی سمت اشارہ ہوتا ہے۔ غالباً وہ یہی کرانا چاہتی تھی کہ کتے کو ارشاد ہی نے زہر دیا تھا اور پھر خود ہی غزل چھیڑی تھی تا کہ تفضل پر خفا ہونا شروع کر دے اور ارشاد کہے کہ اس نے چچی کی فرمائش پر غزل شروع کی تھی۔ ظاہر ہے کہ تفضل بیوی پر بگڑتا اور وہ کتے پر غصہ اتارتی لیکن کتا زہر کا شکار ہو کر مرتا۔''

''مگر یہ کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے کہ کتے کو زہر ہی دیا گیا تھا۔'' حمید نے کہا۔ ''محض ہ خیال تھا۔''

''جی نہیں۔ قطعی طور پر ثابت ہو گیا ہے کہ اُسے زہر دیا گیا ہے۔ مسز تفضل نے خود اس کے منہ سے گرے ہوئے خون کے لختے کیمیاوی تجزیہ کے لئے پرسوں ہی سرکاری لیبارٹری بھجوائے تھے..... آج اس کی رپورٹ میرے پاس آ گئی ہے۔''

''گڈ..... تب تو معاملہ صاف ہے کہ ارشاد کو الجھانے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس کے بعد ارشاد کے مکان میں پہنچا دی جاتی۔ وہ تنہا ہی رہتا ہے اور اُس رات تو میدان صاف تھا کیونکہ اس نے وہ رات فیریز ڈریم میں گذاری تھی۔ لڑکی وہاں پہنچا دی جاتی..... اور پھر وہ سے برآمد بھی کرالی جاتی۔ خیال رکھا جاتا کہ وہ وہاں بھی بیہوش ہی رہے۔ اس طرح اسے پتہ نہ چلتا کہ اسے وہاں کون لے گیا تھا اور وہ خود بھی ارشاد کے متعلق شبہات میں مبتلا ہو اور پھر جیل ہوتی اور میاں فرہاد ہوتے۔ قدیر کے لئے راستہ صاف ہو جاتا۔''

حمید پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر اس نے کہا۔ ''لیکن پچھ رات تفضل پر جو فائر کیا گیا تھا اسے کس خانے میں فٹ کریں گے۔''

''یہ مسئلہ ضرور غور طلب ہے۔'' واصف سر ہلا کر بولا۔

''وہ اپنی خواب گاہ میں سو رہا تھا۔ کسی نے روشندان سے اس پر فائر کیا۔ بس مقدر ہی تھا کہ بچ گیا ورنہ وہ تو بے خبر تھا۔ ہو سکتا ہے کہ گھبراہٹ میں حملہ آور کا ہاتھ بہک گیا ہو۔ ٹھیک اسی وقت آسیب زدہ مکان میں بھوتوں والا ہنگامہ بھی برپا تھا۔ لیکن ارشاد پر اس سے پہلے ہی حملہ ہو چکا تھا۔ اگر ان سب حرکتوں کا الزام اسی پر رکھنا تھا تو اس پر حملہ ہرگز نہ ہونا چاہئے تھا۔''

''بھئی دیکھئے یہ دونوں ہی حملے میری سمجھ میں تو نہیں آئے۔'' واصف بولا۔ ''نہ ارشاد مرسکا اور نہ تفضل۔ چلئے اب تو بساط ہی الٹ گئی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ کو نظر کا دھوکہ ہوا ہو۔ حملہ آور نہ رہا ہو۔''

''خیر میں فرض کئے لیتا ہوں پھر.....!'' حمید نے کہا۔

''پہلے مسز تفضل نے ارشاد کو پھانسنے کی کوشش کی۔ اب ارشاد اُسے پھنسوانا چاہتا ہے۔ اس نے خود ہی اپنے اوپر حملہ کرایا۔ چھچھلتا سا چاقو بائیں بازو پر پڑا ہے۔ اب وہ ہمیں باور کرانا چاہتا ہے کہ نسرین اس سے محبت کرتی ہے اس لئے پرسوں رات والی اسکیم فیل ہو جانے کی بناء پر مسز تفضل یا قدیر نے یہی مناسب سمجھا کہ اب اُسے قتل کر دیا جائے۔ ورنہ کھیل بگڑ جائے گا۔ نسرین اب کھل کر کہہ دے گی کہ وہ ارشاد کے علاوہ اور کسی سے شادی نہیں کرے گی۔''

''ممکن ہے..... لیکن پھر تفضل پر حملے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔''

''ہاں اس پر سوچنا پڑے گا۔'' واصف نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''اہم ترین سوال ہے..... پوائنٹ ..... خاص طور پر نوٹ کیجئے۔'' حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔

''خیر اس پر پھر غور کروں گا۔ یہ بتائیے کہ پرسوں رات آپ نے لڑکی کو اچانک مسہری کے نیچے سے کیسے برآمد کر لیا تھا۔''

''بہت پہلے کی دریافت تھی۔ مصلحتاً خاموش رہا تھا۔ مقصد تھا کہ ان لوگوں کے حرکات و سکنات کا جائزہ لوں لیکن پھر مجھ سے جلد بازی ہی سرزد ہوئی۔ اس مسئلے پر قطعی طور پر خاموش رہا اور چھپ کر دیکھتا کہ اب کیا ہوتا ہے۔ اگر وہ ارشاد کے گھر لے جائی جاتی تو کھیل پرسوں

ہی ختم ہو جاتا۔ رنگے ہاتھوں پکڑا جاتا وہ آدمی جو اُسے وہاں سے لے جاتا اور پولیس سامنے آجاتی۔"

"مگر آپ تو اس طرح چونکے تھے جیسے اسی وقت آپ کو خیال ہو کہ آپ مسہری کی الٹ کر دیکھنا بھول گئے تھے۔"

"سو فیصدی ایکٹنگ تھی۔" حمید مسکرایا۔

"اگر ایکٹنگ تھی تو شروع سے آخیر تک شاندار رہی تھی۔"

"اب قدیر کے متعلق کیا خیال ہے۔ اُسے حراست میں لے رہے ہیں یا نہیں۔" نے پوچھا۔

"فی الحال مشکل ہے۔ اگر آپ نے اُسے پکڑ لیا ہوتا تو خیر کوئی بات نہ تھی۔ بھئی دو پہنچ کا آدمی ہے۔ حملے کے وقت کہیں اور اپنی موجودگی ثابت کرا دینا اس کیلئے مشکل نہ ہوگا۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

آسیب زدہ مکان کے بائیں بازو میں کمپاؤنڈ وال کے قریب مالتی کی بے ز جھاڑیاں تھیں۔ جیسے ہی حمید ان کے قریب سے گذرا ایک بیک ان میں سرسراہٹ ہوئی اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

دوسرے ہی لمحے میں نسرین اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"خدا کے لئے بچایئے..... ڈیڈی کو بچایئے۔" اس نے تیز قسم کی سرگوشی میں کہا۔

"کیا ہوا.....؟"

"آپ ایس پی واصف کے دوست ہیں۔ ڈیڈی خطرے میں ہیں۔ انہیں زبردستی

لے جایئے ورنہ وہ قتل کر دیئے جائیں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ دو کانسٹیبل کوٹھی میں موجود ہیں۔"

"اس سے کچھ نہیں ہوگا۔ کل رات چار تھے لیکن خدا ہی نے بچایا انہیں..... وہ قتل کر دیئے جائیں گے اور الزام ارشاد کے سر آئے گا۔ میرے معاملے میں بھی لوگوں نے اُسے پھنسانے کی کوشش کی تھی..... یہ سازش ہے۔"

"سازش کسے سمجھوں۔"

"اوہ آپ سب سمجھتے ہیں۔ سنئے..... وہ کہتی ہیں کہ ارشاد نے پہلے کتے کو زہر دیا تھا پھر اندر آکر خواہ مخواہ غزل سنانے لگا تھا۔ ڈیڈی آئے اور اس پر برس پڑے۔ وہ کہتی ہیں مجھے غصہ آگیا اور میں نے عادت کے مطابق کتے کو پیٹنا شروع کر دیا۔ اگر کتا نہ مرتا تو کوئی احاطے میں قدم بھی نہ رکھ سکتا۔ کتا اسی لئے مار ڈالا گیا کہ ارشاد بھوتوں کا کھیل پیش کر سکے۔"

"ممکن ہے یہی درست ہو محترمہ۔"

"نہیں..... نہیں..... نہیں۔ وہ مجھے اور ڈیڈی کو زندہ نہیں دیکھنا چاہتیں۔"

"کیوں.....؟"

"ہماری دولت..... تنہا قابض ہونا چاہتی ہیں۔"

"مگر میں نے تو سنا ہے کہ ان کے علاوہ بھی کئی اور حصہ دار ہیں۔"

"جی نہیں۔ اگر ہم مر جائیں اور ارشاد پھانسی پر چڑھا دیا جائے تو وہ تنہا ہی مالک ہوں گی اور کوئی عزیز اتنا قریبی نہیں ہے کہ ان کی موجودگی میں حقدار ہو سکے۔"

"اوہ..... شکریہ۔ یہ نئی اطلاع ہے۔ لیکن سنئے تو سہی۔ وہ پولیس کو کیسے باور کرا سکتی ہیں کہ مسٹر تنفضل پر ارشاد ہی نے حملہ کیا تھا۔"

"ڈیڈی ارشاد کو پسند نہیں کرتے۔ اگر انہیں معلوم ہو جائے تو ہم دونوں کو گولی مار دیں۔ وہ کہیں گی کہ ارشاد نے ڈیڈی کو راستے سے ہٹا دینا ہی مناسب سمجھا۔"

"اوہ..... مگر آپ کا خیال کیا ہے؟"

''ارشاد ایسا ہرگز نہیں کرسکتا..... ہرگز نہیں..... ڈیڈی بھی اسے تسلیم کرنے پر
ہیں۔ جب انہوں نے اس سلسلے میں ارشاد کا نام لیا تھا تو ڈیڈی کو غصہ آ گیا تھا۔ وہ کہتے
ارشاد تمہیں قتل کر کے قتل کا الزام مجھ پر رکھنا چاہتا ہے۔ اسی لئے پچھلی رات بے ہوش
کر کے یہیں ڈال گیا تھا۔ کیا پتہ لے جانے کا موقعہ نہ ملا ہو۔ اس تاک میں رہا ہو کہ
بیہوشی کی حالت میں میرے کسی عزیز کے یہاں ڈال آئے۔''

''بات لگتی ہے دل کو.....!'' حمید سر ہلا کر بولا۔

''ہے نا! میں پھر کہتی ہوں کہ یہ ارشاد کے خلاف ایک بڑی گھناؤنی سازش ہے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ یہ اچھا ہی ہوا تھا کہ اس نے ارشاد پر حملے کی خبر پھیلنے نہیں دی تھی
واصف کو تاکید کر دی تھی کہ وہ ہسپتال کے باہر قدم نہ رکھنے پائے۔

''ارشاد تو کل رات سے غائب ہے۔'' اس نے کہا۔

''کیا.....!'' وہ اس طرح آنکھیں پھاڑ کر بولی جیسے اُسے اُس کے قتل کر دیئے جانے کا
خدشہ رہا ہو۔

''جی ہاں! کل آٹھ بجے رات سے ان کا سراغ نہیں مل سکا۔''

''خدا خیر کرے۔ اب کیا ہوگا۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ اُسے ہی ان لوگوں نے مار ڈالا ہو
لاش غائب کر دی تا کہ پولیس یہی سمجھے کہ ڈیڈی پر حملہ کر کے روپوش ہو گیا ہے۔''

''آپ شائد جاسوسی ناول کثرت سے پڑھتی ہیں۔'' حمید مسکرایا۔

''اوہ..... اب میں کیا کروں۔!'' اس نے کہا اور بے تحاشہ کوٹھی کی طرف بھاگتی چلی گئی
حمید وہیں کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔

''سلام لے قم..... بھائی ساب۔'' پشت سے قاسم کی چہکتی ہوئی سی آواز آئی۔ ''میں
کہا..... سب ٹھیج ٹھاخ ہے نا۔''

وہ دانت نکالے برآمدے میں کھڑا تھا۔ جیسے ہی حمید اس کی طرف مڑا۔ اس نے
آنکھیں ماریں اور ہنستا ہوا نیچے اتر آیا۔ پھر رازدارانہ لہجے میں بولا۔ ''بڑا فس کلاس موقع

''کیا مطلب.....؟''

''دونوں میں بڑی دیر سے دانتا کلکل ہو رہی ہے۔ بس تم جرا ساز ور لگا دو کھٹاک سے
ٹھاخ ہو جائے گی۔ اے حمید بھائی جندگی بھر احسان مانوں گا..... میرے بھائی تو..... لغادے
زور..... ابے اپنے اسسٹنٹ کے لئے اتنا بھی نہیں قر سکتے۔''

''اسسٹنٹ.....!'' حمید نے بُرا سا منہ بنایا۔ ''تم نے اس کیس میں رتی برابر بھی کام نہیں
کیا۔''

''ارے جاؤ بکرا بنا دیا ہے سالے تھجل کو..... دور سے میری صورت دیکھتا ہے اور ہاتھ جوڑ
کر پچھاڑتا ہے خدا کے لئے مجھ سے دور رہئے ورنہ میں تیتر کی بولی بولنا شروع کر دوں گا۔ مگر
پیارے وہ تلاخ والا معاملہ..... ہر ہر طرح سالے کو سمجھانے کی کوشش کر چکا ہوں۔ لیکن سمجھ میں
نہیں آتا۔ یہاں تک کہہ دیا کہ اگر میری بیوی اتنی بدزبان ہوتی تو میں اس کے باپ دادا تک کو
تلاخ دے ڈالتا۔''

''نہیں ہے تمہاری بیوی بدزبان۔''

''ابے تو اُسے کیا معلوم۔'' قاسم کھی کھی ہنستا ہوا آہستہ سے بولا۔ ''میں تو اس سالی کی
شکل بھی نہ دیکھوں گا اگر اس سے ہوگئی۔ ہائے حمید بھائی رات بھر میرے خواب میں چیختی
رہی تھی۔ الاقسم ڈانٹتی ہے تو اور اچھا لگتا ہے۔ جی چاہتا ہے..... بچوں کی طرح ٹھنکنے لگو۔''

''کیا اپنے ابا جان کے امکانات پر بھی غور کر رہے ہو۔''

''کس دایات کا نام لیا ہے تم نے۔'' قاسم آنکھیں نکال کر تیز لہجے میں جلدی جلدی
بولا۔ ''سالے منحوسیت نہ پھیلاؤ۔''

رات کے آٹھ بجے تھے۔ واصف نے آسیب زدہ عمارت کی گھنٹی کا بٹن دبایا ہی تھا کہ
ایک کانسٹیبل نے دروازہ کھول کر اسے سلیوٹ کیا۔

''دونوں موجود ہیں۔'' واصف نے پوچھا۔

''جی حضور.....!'' کانسٹیبل نے کہا اور ایک طرف ہٹ گیا۔

''نہیں..... میں اندر نہیں جاؤں گا۔ حمید صاحب سے کہہ دو کہ میں ہوں۔''

کانسٹیبل ایڑیاں بجا کر واپس چلا گیا۔ حمید نے برآمد ہونے میں دیر نہیں لگائی۔

واصف اس کا ہاتھ پکڑ کر کوٹھی کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ''پتہ نہیں..... یہ محترمہ ا
چاہتی ہیں۔ مجھے فون کیا تھا شائد کوئی اہم بات بتانے کا ارادہ ہے۔''

''کیا میری موجودگی میں بتا سکے گی۔'' حمید نے پوچھا۔

''آخر آپ کب تک اپنی اصلیت چھپائیں گے۔''

''میری دانست میں بھی اب اس اسٹیج پر اصلیت چھپانا سودمند نہ ثابت ہوگا۔''

''بھئی ایک زبردست غلطی ہوئی ہے مجھ سے..... قدیر کی نگرانی نہیں کرائی تھی۔ غائب ہے۔ پچھلی رات سے اسے کسی نے نہیں دیکھا۔ اب میرا خیال ہے کہ ارشاد پر حملہ کیا تھا۔ ہوسکتا ہے بعد میں دہشت زدہ ہوکر روپوش ہوگیا ہو۔ یا اُسے ارشاد کے بچ علم ہونے کے ساتھ ہی شبہ بھی ہوگیا ہو کہ کہیں ارشاد نے اُسے پہچان نہ لیا ہو۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ دفعتاً پشت سے آواز آئی۔ ''اے..... اے اے..... میں چ
کیا..... ٹھہرو..... اقبلے اقبلے۔''

''عذاب جان بن گیا ہے۔'' حمید رک کر بڑبڑایا۔

''آنے دیجئے..... خاصی تفریح ہوجاتی ہے ان حضرت کے ساتھ۔'' واصف ہنس ر

قاسم جھپٹتا ہوا قریب پہنچا اور وہ کوٹھی کے برآمدے میں آئے۔ کال بل کا بٹن دبا

پھر ایک ملازم نے ڈرائنگ روم تک ان کی رہنمائی کی۔

دو منٹ گذر گئے۔ یک بیک حمید کی نظر ایک گوشے میں ٹھہر گئی جہاں قالین پ
سرخ دھبہ نظر آرہا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر تیزی سے آگے بڑھا۔

تازہ خون کا دھبہ تھا جس سے ایک پتلی سی سرخ لکیر پھوٹ کر آگے بڑھ گئی تھی۔

واصف اور قاسم بھی اٹھ آئے۔

''نہیں پیچھا نہیں چھوڑیں گی سالے۔'' قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ اتنے میں تفضل بھی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔

''کیا ہے۔'' تفضل چلتے چلتے لڑکھڑایا۔ پھر سنبھل کر بولا۔ ''یا خدا کب ختم ہوگا یہ سلسلہ۔ بڑی مصیبت میں پھنس گیا۔''

''یہ لکیر آگے ہی بڑھتی چلی گئی ہے۔ وہ دیکھئے..... اس دروازے سے گذر کر نہ جانے کہاں گئی ہو..... حمید نے ایک بند دروازے کی طرف اشارہ کیا جس کے نیچے سے خون کی لکیر اسی طرف نکل گئی تھی۔

مسٹر تفضل تیزی سے آگے بڑھی اور دروازے سے نکل گئی۔ پھر جلدی سے پلٹ آئی۔

''یہ لکیر تو دور تک گئی ہے۔'' اس نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

''کیا ہم دیکھ سکتے ہیں۔'' واصف نے پوچھا۔

''ضرور ضرور..... آیئے۔'' وہ پھر دروازے کی طرف بڑھتی ہوئی بولی اور قاسم ٹھنڈی سانس لے کر کچھ بڑبڑانے لگا۔ حمید کی سمجھ میں صرف اتنا آسکا۔ ''ناولوں میں سالے ماں باپ کا کباڑا کردیتے ہیں اور یہاں یہ بھوت۔ کہیں چین نہیں ہے۔''

وہ راہداری میں داخل ہوئے۔ تفضل تو گویا گھسٹتا ہوا چل رہا تھا۔ لکیر آگے ہی بڑھتی رہی اور اس کا اختتام ایک مقفل کمرے کے دروازے پر ہوا۔

یعنی وہ بند دروازے کے نیچے سے اندر رینگ گئی تھی۔

''ہائیں..... یہاں۔'' تفضل نے ہانپتے ہوئے کہا۔ ''یہ تو میرا کتب خانہ ہے۔''

''بیگم خدا کے لئے کنجی لاؤ..... یا اللہ رحم کر میرے حال پر..... یہاں کیا ہوگا۔''

اس کی بیوی مخالف سمت میں دوڑ گئی۔

''گھبرایئے نہیں۔ دیکھتے ہیں۔''

''ارے یہاں اس عمارت میں کبھی آسیب کا شبہ بھی نہیں ہوا۔ بیگم نے آپ کو اس وقت

اسی لئے بلوایا تھا کہ ہمیں بحفاظت ریلوے اسٹیشن بھجوا دیجئے۔ وہاں سے ہم نصیر
جائیں گے۔"

"جرور..... جرور.....!" قاسم بولا۔ "وہاں میری کوٹھی ہے خالی کرادوں گا۔"

"جی میری بھی ایک کوٹھی ہے وہاں۔"

"کھیر کھیر.....!"

"قدیر صاحب آئے تھے..... آج۔" واصف نے پوچھا۔

"جی نہیں..... پتہ نہیں۔ مجھے ہوش کہاں ہے آئے گئے کا۔" تفضل نے کہا
خاموش ہوکر ہانپنے لگا۔ وہ برسوں کا بیمار معلوم ہوتا تھا۔ چہرہ زرد ہوگیا تھا۔ ہونٹ خشک
پر بار بار زبان پھیرنے لگتا تھا۔

"بیگم جلد ہی واپس آ گئی اور اسی نے قفل کھولا۔ وہ اندر داخل ہوئے۔ الماریو
قریب ایک سیاہ رنگ کی بلی کی لاش پڑی نظر آئی۔"

"اُف فوہ..... میں پاگل ہوجاؤں گا۔" تفضل لڑکھڑا کر دیوار سے ٹکتا ہوا بولا۔ "
صاحب خدا کے لئے ہمیں نکالئے جلدی یہاں سے۔"

"ٹھہریئے..... میں انتظام کرتا ہوں۔" واصف نے کہا اور بیگم سے پوچھا۔ "آپ
کیوں یاد فرمایا تھا مجھے۔"

"براہِ کرم ہمیں نصیر آباد پہنچا دیجئے۔ نصیر آباد تو ہم خود ہی چلے جائیں گے۔ ر
اسٹیشن تک بحفاظت بھجوا دیجئے۔ میں بہت خوف محسوس کر رہی ہوں۔ پچھلی رات ان پر
ہوا تھا اُسے میں بھوتوں کا کارنامہ سمجھنے پر تیار نہیں اور جو کچھ بے بی کو پیش آیا.....!"

پھر یک بیک اس کے حلق سے ایک بیساختہ قسم کی چیخ نکلی اور وہ فرش پر گر کر تڑپنے
وہ تفضل ہی کے قریب کھڑی تھی۔

"کیا ہوا.....!" تفضل چیخا اور خود بھی لڑکھڑا کر ڈھیر ہوگیا۔ بیگم کی پیشانی سے
فوارہ چھوٹ رہا تھا۔

قاتل

"روشندان سے" دفعتاً حمید چیخا اور پھر دروازے کی طرف جھپٹا۔

پھر ایسی ہی آواز باہر سے آئی تھی جیسے کوئی بلندی سے کودا ہو۔ ساتھ ہی ایک چیخ بھی
ئی دی۔ واصف بھی دروازے کی طرف لپکا۔ حمید عقبی دروازے کی طرف بھاگ رہا تھا۔

"سنئے تو..... ٹھہریئے تو سہی۔" واصف نے اُسے آواز دی۔

"سائیلنسر لگے ہوئے ریوالور کا فائر تھا۔" حمید نے دروازے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔
پلٹ کر چیخا..... "ٹارچ..... ٹارچ.....!"

واصف پھر اندر بھاگا۔ بدحواس ملازم سے ایک ٹارچ لی اور حمید کو آوازیں دینے لگا۔

"چلے آیئے..... چلے آیئے۔" حمید کی آواز کانپ رہی تھی۔

واصف نے ٹارچ روشن کی اور آواز کی جانب بڑھتا چلا گیا۔ دیوار کے اختتام کے قریب
سیاہ پوش آدمی اوندھا پڑا نظر آیا۔ حمید اس پر جھکا ہوا تھا۔

"کیا ہے..... کون ہے۔" اس نے پوچھا۔

"قریب آیئے۔"

ٹارچ کی روشنی کا دائرہ زمین پر پڑتے ہی سیاہ پوش پر تھم گیا۔ اس کے قریب ہی ایک
لگا ہوا ریوالور بھی پڑا نظر آیا۔

حمید نے اُسے سیدھا کیا۔ پورا چہرہ نقاب میں چھپا ہوا تھا اور نقاب خون سے تر ہوچکی تھی۔

پھر روشنی کا دائرہ دیوار کے اوپر رینگتا چلا گیا۔

"روشندان.....!" حمید بڑبڑایا۔ "ہم اسی کمرے میں تھے..... اُوہ..... اب کیا اس کم

بخت نے بھی رونا شروع کر دیا۔"

روشندان سے دو آدمیوں کے دہاڑیں مار مار کر رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ان
سے ایک یقینی طور پر قاسم تھا۔

"نقاب تو ہٹایئے۔" واصف نے مضطربانہ انداز میں کہا اور پھر بیساختہ اچھل پڑا۔
حمید نے اس کے چہرے سے نقاب ہٹا دی تھی۔

"قدیر.....!"

حالانکہ اس کا چہرہ خون سے تر تھا لیکن پہلی ہی نظر میں پہچان لیا گیا۔ یہ بیگم تفضل کا
قدیر تھا۔

"چھت سے فائر کیا تھا غالباً....." واصف نے کہا۔ "اور پھر وہیں سے کود پڑا
اوہو.....میرے خدا..... یہ فائر بھی تفضل ہی کے لئے تھا۔ مگر وہ بال بال بچ گیا.....اور بیگم
میرے خدا.....اوہ.....اوہ.....اپنے کھودے ہوئے کنوئیں میں خود ہی غرق ہو گئی۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ قدیر گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

اتنے میں وہ دونوں کانسٹیبل بھی پہنچ گئے جو اس عمارت کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔

"یہ کیسے ہوا.....!" واصف دہاڑا۔

"چلو اٹھاؤ اسے۔" حمید نے کہا اور واصف کا بازو دبا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ
وہ اسے اٹھا کر اندر لائے اور واصف فون والے کمرے کی طرف دوڑا۔ نوکروں
معلوم ہوا کہ تفضل کی گاڑی کئی دنوں سے بیکار پڑی ہے۔ اس لئے اس کے علاوہ اور کوئی
نہیں رہ گیا تھا کہ ایمبولینس کے لئے فون کر کے وہیں انتظار کیا جاتا۔ واصف اپنی گاڑی
نہیں لایا تھا۔

بیگم ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ قاسم اور تفضل ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے دہاڑیں مار رہے
منظر متاثر کن تھا۔ لیکن قاسم کی طرف خیال منتقل ہوتے ہی حمید کو خوف محسوس ہوا کہ
الجھنوں کی دیز تہیں چیرتا ہوا کوئی قہقہہ ہونٹوں تک آ ہی نہ جائے۔ اس لئے وہ کمرے سے

نکل آیا۔

قدیر کا ریوالور اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے اس کی نال سونگھی۔ بارود کی ہلکی
سی بو موجود تھی۔ ایک چیمبر بھی خالی نظر آیا۔

پھر ایمبولینس گاڑی پہنچ گئی۔ قدیر زندہ تھا لیکن بیہوش۔ پتہ نہیں کہاں کہاں چوٹیں آئی
ں.....ویسے پیشانی کی چوٹ تو ظاہر ہی تھی۔

بیگم کی لاش اٹھوا دی گئی اور قدیر کو ہسپتال روانہ کر دیا گیا۔ لیکن تفضل ابھی تک روئے
جا رہا تھا اور قاسم تو اس وقت پتہ نہیں کیا بن کر رہ گیا تھا۔ تفضل کو روتے دیکھ کر خود بھی بسورتا
ا۔ پھر یکایک دہاڑیں مارتا ہوا اس سے لپٹ جاتا۔ تفضل کی آواز کچھ اور بلند ہو جاتی۔ قاسم
ے چھوڑ کر الگ ہٹ جاتا۔ خود اس کی آواز بتدریج کم ہوتے ہوتے بالکل ہی ختم ہو جاتی.....
کچھ دیر بعد وہی حرکت کرتا۔ یعنی یک بیک دہاڑیں مارتا اور پھر تفضل سے لپٹ جاتا۔

نسرین تو روتے روتے بیہوش ہو گئی تھی۔ پتہ نہیں یہ صدمہ تھا یا محض ذہنی جھٹکا۔

واصف لاش کے ساتھ ہی چلا گیا تھا اور حمید سے کہہ گیا تھا کہ وہ اس کے واپس آنے
تک وہیں ٹھہرے۔

"تفضل صاحب صبر کیجئے۔" بالآخر حمید نے کہا۔ "نسرین بیہوش ہیں۔ انہیں ہوش میں
لانے کی فکر کرنی چاہئے۔ میں نے ڈاکٹر کو فون کیا ہے۔"

"ہائے یہ اچانک حادثہ.....اُف مار آستین.....کم بخت قدیر.....بیگم کے کتنے احسانات
تھے اس پر..... ہائے احساس فراموش.....کتا۔"

"ہوش میں آیئے مسٹر.....فائر آپ کے لئے تھا۔"

"میرے لئے۔" تفضل کا منہ کھل گیا۔ آواز بند ہو گئی لیکن قاسم بدستور روتا ہوا دہاڑا۔
"ہائے تو یہ کمبخت غولی.....بیغم کے کیوں لگ غئی.....یہی کیوں نہیں چل بسے ہائے رے
قدر.....!"

"خاموش رہو۔" حمید کو غصہ آ گیا۔

''آپ کیا کہہ رہے ہیں۔'' تفضل اس بار چیخا تھا۔

''پچھلی رات بیگم پر نہیں آپ پر فائر ہوا تھا۔'' حمید نے کہا۔

''اوہ..... تو آخر قدیر..... نہیں..... وہ میرا دشمن کیوں ہو گیا۔ میں اس سے ہمیشہ ڑ سے پیش آیا ہوں۔''

''ڈیڈی.....!'' نسرین کی آواز آئی۔ وہ شائد خود ہی ہوش میں آ گئی تھی۔

''میری بچی..... میری بچی۔'' تفضل چیختا ہوا اس کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

اب رہ گئے میاں قاسم جو ابھی تک سسکیاں لئے جا رہے تھے۔ حمید کے گھور پھوٹے بھی تو یہ کہ ''ٹھینگے پر گئی ایسی جاسوسی..... میری تو جندگی برباد ہو گئی۔''

''تم ہوش میں ہو یا نہیں..... تفضل کو ہوش آ گیا تو تمہاری گردن ہی اڑا دے گا۔ تم کی بیوی کے لئے رو رہے ہو۔'' حمید نے مکا ہلا کر کہا۔

''جب اپنی نہ رونے دے تو دوسرے ہی کی سہی..... جاؤ جاؤ..... اپنا پھلسفہ اپنے ہی رکھو۔ میں تو آج رو رو کر جان دے دوں غا..... دیکھتا ہوں کوئی سالا کیا کر لیتا ہے۔''

دوسری شام ایس پی واصف اپنے دفتر سے اٹھ ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ کال حمید کی تھی اور وہ تفضل کی کوٹھی سے بول رہا تھا۔

''ہاں..... میں نے یہاں تھوڑا سا کام کیا ہے۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''آپ کچھ دیر کے لئے تفضل سمیت آ جایئے..... مسئلہ ذرا کچھ الجھ گیا ہے۔''

''کیا بات ہے۔'' واصف نے پوچھا۔

''بھئی..... قدیر ہوش میں آ جانے کے باوجود بھی ہوش میں نہیں ہے۔ میرا خیال ہے

اس نے ذہنی توازن کھو بیٹھنے کی ایکٹنگ شروع کر دی ہے۔''

''اچھی بات ہے..... میں آدھے گھنٹے کے اندر اندر پہنچ رہا ہوں۔''

سلسلہ منقطع ہو گیا۔

اس حادثے کے بعد واصف نسرین اور تفضل کو اپنے گھر لایا تھا اور وہ فی الحال اس کے ساتھ مقیم تھے۔ تاوقتیکہ رپورٹ مکمل نہ ہو جاتی اور کیس عدالت میں نہ پیش ہو جاتا وہ نصیر آباد کیسے جا سکتے۔ حمید نے بھی واصف کو یہی مشورہ دیا تھا کہ ضابطے کی کارروائی مکمل ہو جانے تک وہ انہیں اپنے ساتھ ہی رکھے۔''

حسب وعدہ وہ تفضل سمیت آدھے گھنٹے کے اندر ہی اندر کوٹھی پہنچ گیا۔ یہاں حمید کے ساتھ مقامی سی آئی ڈی آفس کا ایک سب انسپکٹر بھی موجود تھا۔

''مجھے افسوس ہے مسٹر تفضل کہ آپ کے آرام میں خلل انداز ہوا۔'' حمید نے کہا۔

''ارے میں تو خود ہی آپ سے ملنا چاہتا تھا جناب..... مجھ سے بڑی گستاخیاں ہوئی ہیں۔ آپ کی شان میں..... مگر مجھے کیا علم تھا کہ آپ کون ہیں۔ بہرحال میں تو آپ کو فرشتہ رحمت ہی سمجھتا ہوں۔''

''ایک طبقے میں ہم لوگ جہنم کے فرشتوں کے نام سے بھی یاد کئے جاتے ہیں۔'' حمید مسکرایا۔ ''خیر ہاں تشریف رکھئے۔ بعض بہت اہم مسائل درپیش ہیں۔ ان کے سلسلے میں آپ کی مدد درکار ہو گی۔''

''میں کوشش کروں گا کہ آپکی مدد کر سکوں۔ ویسے میرا دماغ بالکل کسی کام کا نہیں رہا جناب۔''

''قدرتی بات ہے۔ مجھے بے حد افسوس ہے کہ ایسے موقع پر آپ کی الجھنوں میں مزید اضافہ کر رہا ہوں لیکن اس کے بغیر کام بھی تو نہیں چلتا۔''

''خیر..... پوچھئے جو کچھ پوچھنا ہے۔''

''کیا آپ کو علم ہے کہ بیگم صاحبہ نے کتے کے منہ سے گرے ہوئے خون کے لختے کیمیاوی تجزیہ کے لئے سرکاری لیبارٹری میں بھجوائے تھے۔''

''جی.....!'' تفضل کا لہجہ متحیرانہ تھا۔ ''نہیں۔ مجھے اس کا علم نہیں۔ مگر کیوں بھجوائے تھے؟''

''انہیں شبہ تھا کہ کتے کو زہر دیا گیا تھا۔ ان کا شبہ درست نکلا۔''

''خدا کی پناہ..... مگر کس نے زہر دیا تھا۔ یہی تو میں کہوں کہ آخر وہ ڈنڈوں کی ضربات سے کیسے ہلاک ہوگیا۔''

''یہی سوال حل طلب ہے کہ زہر کس نے دیا تھا۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا۔'' تفضل پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔ ''میں پاگل ہو جاؤں گا۔''

''آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ یہ حرکت خود بیگم صاحبہ ہی کی تھی۔''

''بھئی خدا کے لئے مجھے اور پریشان نہ کیجئے۔ بھلا یہ کیا بات ہوئی کہ انہوں نے زہر بھی دیا تھا اور انہیں ہی شبہ بھی تھا کہ کتے کو کسی اور نے زہر دیا ہے۔''

''جی ہاں..... ان کے اس فعل سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ انہوں نے زہر نہیں دیا تھا حالانکہ زہر دینے والی وہی تھیں۔ اس کا مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ وہ اس کا ذمہ دار کسی اور کو ٹھہرانا چاہتی تھیں.....!''

''مگر کیسے.....!''

''وہی جو آپ کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ یا جس کے سر آپ کے قتل کا الزام آنے والا تھا؟''

''مجھے ارشاد کے متعلق معلوم ہو چکا ہے۔ غالباً آپ کا اشارہ اُسی کی طرف ہے۔''

''جی ہاں..... آپ کے قتل کے بعد جب ارشاد نہ ملتا تو خیال اسی کی طرف جاتا۔ اُسے قدیر نے پہلے ہی ٹھکانے لگانے کی کوشش کی تھی۔ اس طرح نسرین صاحبہ بھی اس سے متنفر ہو جاتیں اور قدیر کے لئے بھی راستہ صاف ہو جاتا..... اور آپ کے بعد آپ کی دولت کی مالک نسرین اور بیگم صاحبہ ہوتیں۔ بیگم صاحبہ قدیر سے کوئی ایسا معاہدہ کر لیتیں کہ وہ ہمیشہ ان کے قبضے میں رہتا۔ یعنی نسرین کی شادی اس سے اسی معاہدے کے تحت کرتیں۔ اس طرح پوری دولت کا مالک صحیح معنوں میں کون ہوتا..... بیگم صاحبہ۔''

''اُوہ..... اُوہ.....!'' تفضل دردناک آواز میں کراہا۔

''لیکن تفضل صاحب..... قدیر سے وہ حماقت کیوں سرزد ہوئی تھی۔''

''کون سی۔''

''اس نے ارشاد پر ایسی جگہ حملہ کیا تھا کہ اس کے فرشتے بھی وہاں سے اس کی لاش نہ اٹھا سکتے۔ یہ حملہ فیریز ڈریم کی کمپاؤنڈ میں ہوا تھا۔ وہ بھی عین پھاٹک کے سامنے۔ اس حملے کا مقصد یہی ہونا چاہئے نا کہ ارشاد لاپتہ ہو جائے تب ہی تو اس پر قتل کا الزام آتا اور پولیس اس کے لئے جھک مارتی پھرتی۔''

''ہاں یہ بات تو ہے..... مگر سنئے تو سہی۔ ہوسکتا ہے اس نے ارشاد پر حملہ نہ کیا ہو..... حملہ آور کوئی اور رہا ہو۔''

''میری آنکھیں مشکل سے دھوکا کھاتی ہیں۔ میں نے خود اُسے ارشاد پر حملہ کرتے دیکھا تھا۔''

''تب تو بھئی ٹھیک ہی ہوگا۔'' تفضل کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''مگر اس طرح تو آپ کا خیال غلط ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ میرے قتل کا الزام ارشاد کے سر رکھنا چاہتا تھا۔''

''یہ خیال تو غلط ہو جاتا ہے..... لیکن یہیں پر صحیح خیال کی بنیاد پڑتی ہے۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''میں سمجھاتا ہوں..... دیکھئے مثال کے طور پر آپ کا ایک ہاتھ چھوٹا ہے اور ایک بڑا۔''

''یہ کیسے ممکن ہے۔''

''ناپ کر دیکھ لیجئے۔''

تفضل احمقانہ انداز میں اپنی دونوں ہتھیلیاں میز پر ایک دوسری کے برابر رکھ کر ناپتا ہے۔

''دیکھئے انسپکٹر.....'' حمید نے سب انسپکٹر سے کہا۔ ''اب یہ کتنا آسان ہوگیا۔ آپ نہایت اطمینان سے ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال سکتے ہیں۔ کتنے سلیقے سے میز پر رکھے ہوئے ہیں۔''

''کیا مطلب.....؟'' تفضل اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

''بیٹھ جایئے مسٹر تفضل۔ میں آپ کو تکلیف نہیں دینا چاہتا۔ اگر آپ نے جدوجہد کی تو

خواہ مخواہ ہانپنے لگیں گے۔"

"ارے..... ارے۔" واصف بوکھلا گیا اور اسی بوکھلاہٹ کے عالم میں تیزی سے ا جانے والی میز کی زد میں آ گیا۔

"خبر دار.....!" حمید نے اچھل کر پیچھے ہٹتے ہوئے ریوالور نکال لیا۔ تفضل تھوڑے فاصلے پر تھا۔ اس نے اکڑ کر کہا۔ "کر دو فائر..... میری لاش ہی کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال سکو گے۔ میں نے شکست تسلیم کرنا سیکھا ہی نہیں۔"

"اگر تم جیسے اٹھائیس من کے بجو کو پھانسی کے تختے تک نہ گھسیٹا تو کچھ کیا ہی نہیں تفضل۔" حمید نے ریوالور جیب میں رکھتے ہوئے کہا اور آہستہ آہستہ تفضل کی طرف بڑھنے لگا۔ تفضل کسی ایسے پہلوان کے پوز میں آ گیا تھا جو ہاتھ ملاتے ہی چپراس مار دینے کا ارادہ رکھتا ہو اور حمید بھی ایسے ہی انداز میں آگے بڑھ رہا تھا جیسے زور آزمائی ہی کا ارادہ رکھتا ہو۔ لیکن اچانک غیر متوقع طور پر جھپٹ کر اس کی توند میں ٹکر ماری۔ مقصد غالباً یہی تھا کہ وہ اچانک گر پڑے۔ پھر گر جانے کے بعد کہاں اٹھ سکتا۔ اس کا تجربہ تو حمید کو پہلے ہی ہو چکا تھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کا سر چکرا گیا۔ کیونکہ وہ تو اسی ربڑ کی گڑیا کی طرح اٹھ کھڑا ہوا تھا جس کے پیروں میں وزنی سیسہ بھرا ہوتا ہے اور جو زمین پر لیٹ ہی نہیں سکتی۔ ادھر گراؤ اور ادھر کھڑی ہوئی۔

یہ دیکھتے ہی واصف اور سب انسپکٹر بھی اس پر ٹوٹ پڑے..... لیکن اُن کا دل ہی جانتا ہوگا جس بُری طرح وہ دونوں اِدھر اُدھر کی دیواروں سے جا ٹکرائے تھے۔

وہ تو ہاتھی تھا ہاتھی۔ حمید سوچ میں پڑ گیا۔ ٹھیک اسی وقت اُسے قاسم کی آواز سنائی دی۔ وہ غالباً برآمدے میں دہاڑ رہا تھا۔ "اے قدھر ہو..... کپتان صاحب کے دُشمنے۔"

"آ جاؤ.....!" حمید نے جواباً آواز دی اور پھر تفضل پر ٹوٹ پڑا۔ لیکن اب تفضل کے چہرے پر کسی قدر سراسیمگی کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ وہ غالباً قاسم سے نہیں بھڑنا چاہتا تھا۔ حمید نے دو چار ہاتھ جھاڑے اور اس نے چپ چاپ کھالئے لیکن پھر جیسے ہی ہاتھ پکڑنے

چاہے اُسے بھی اس نے واصف اور انسپکٹر ہی کی طرح جھٹک دیا۔

اتنے میں قاسم کی آواز پھر آئی۔ "ہائیں..... ہائیں..... یہ قیا ہو رہا ہے۔ تفضل بھائی..... کپتان صاحب کو قیوں مار رہے ہو۔ ارے وہ میں سمجھ غیا..... مغر پیارے بھائی..... ان کو ماف کردو..... یہ بالکل چکد ہیں۔ قیوں بیٹا پہلے ہی نہیں سمجھایا تھا کہ پانی مانگنے والی آنکھیں فجول ہوتی ہیں..... ہاہاہاہا..... اب بھگتا کرو..... ٹھینگے سے۔"

تفضل خاموش کھڑا قاسم کو گھورتا رہا۔ غالباً سوچ رہا تھا کہ اس سے کس طرح نپٹا جائے۔

"ہائیں..... پیارے تم تو مجھ سے بھی کھفا معلوم ہوتے ہو۔" قاسم اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ حمید چپکے سے اس کے پیچھے کھسک آیا تھا۔ یک بیک اس نے قاسم کی کمر پر ٹکر ماری اور ہم "اے ابے" کہتا ہوا تفضل پر ڈھیر ہو گیا۔ تفضل نیچے تھا اور قاسم اوپر..... قریب تھا کہ دونوں کا تصادم انہیں الگ کر دیتا۔ حمید نے جھپٹ کر تفضل کی گردن دبوچ لی اور قاسم دوسری طرف لڑھکتا چلا گیا۔ تفضل اکیلے حمید کے بس کا روگ اب بھی نہیں تھا۔ اگر واصف اور انسپکٹر کود نہ دوڑ پڑتے تو وہ پھر اٹھ کھڑا ہوتا۔

اس طرح تفضل کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالی جا سکیں اور قاسم کو حیرت کی زیادتی کی وجہ سے یہ بھی یاد نہ آ سکا کہ اسے حمید کو کم از کم پانچ ہزار گالیاں دینی چاہئیں اور کوشش کرنی چاہئے کہ دو چار دھپ بھی رسید ہو سکیں۔

دو گھنٹے بعد وہ اس کمرے میں نظر آئے جہاں بیگم تفضل کا قتل ہوا تھا۔

تفضل کو یہاں سے مسلح گاڑی میں کوتوالی بھجوانے کے بعد ہی واصف کو ہوش آ سکا تھا کہ وہ حمید سے مزید استفسار کرتا۔ لیکن حمید اس وقت تک خاموش رہا جب تک کہ قتل والے کمرے

میں نہیں پہنچ گیا۔

''اس سوئچ بورڈ کو دیکھئے۔'' اس نے دیوار سے لگے ہوئے سوئچ بورڈ کی طرف کیا۔ ''اس پر سے ایک سوئچ غائب ہے۔ جو کل قتل کے وقت موجود تھا۔ یہ پش بٹن والا اور اسے سوئچ بورڈ پر دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی تھی۔ یہ لائبریری ہے اور پش بٹن والے سوئچ بزر یا گھنٹی کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ لیکن کسی نجی لائبریری میں گھنٹی کا پش بٹن سوئچ پر مشکل ہی سے ملے گا۔ یہاں سوئچ عموماً پڑھنے والی میزوں کے پایوں سے لگائے جاتے تاکہ بیٹھے ہی بیٹھے گھنٹی کا بٹن دبا کر ملازموں کو بلایا جاسکے۔ یہ دیکھئے اس سوئچ بورڈ کا فاصلہ پڑھنے کی میز سے کتنا زیادہ ہے۔ اگر ملازم بلانا ہو تو اٹھ کر یہاں تک آیئے۔ ہے نا بے تکی بات۔ اس سوئچ کو لکھنے والی میز کے پائے ہی پر ہونا چاہئے تھا۔ بس اسی وجہ سے سوئچ پر ذہن میں محفوظ رہا تھا۔ لیکن اس وقت میں نے اسے اہمیت نہیں دی تھی۔ سوچا ضرور تھا اس متعلق..... پھر تفضل بظاہر سنکی تو تھا ہی..... اسلئے اُسے اہمیت دینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

پھر وہ لمحہ بھی آیا جب وہ سوئچ ذہن سے بالکل ہی محو ہوگیا۔ اور وہ لمحہ وہی تھا جب ز اس حال میں تھا۔ سیاہ پوش اور نقاب میں چہرہ چھپائے ہوئے۔ سائیلنسر لگا ہوا ریوالور بھی کے قریب ہی موجود تھا اور ہم نے کسی کے کودنے اور چیخنے کی آوازیں بھی سنی تھیں۔ صاف حالات میں قدیر ہی کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہونی چاہئے تھیں۔ لہٰذا قاتل بھی واحد میں ہمارے ہاتھ آ گیا۔ پھر ہم سب یہاں سے رخصت ہوگئے۔ میں بھی اپنا سامان وقت لیتا گیا تھا کیونکہ کھیل تو بظاہر ختم ہی ہو چکا تھا اس لئے یہاں کیوں ٹھہرتے۔ پھر ہو راہ لی۔ یہاں چار مسلح کانسٹیبل بدستور موجود رہے اور پھر بیچارہ فرہاد..... اس کا مسئلہ پھر ذہن میں چبھنے لگا۔ اگر اُسے ہی بحیثیت قاتل مشہور کرنا تھا تو ایسی غلط جگہ اس پر حملہ کیوں اس الجھن کے ساتھ ہی لائبریری والا پش سوئچ بھی میرے ذہن میں ابھرا اور بُری طرح رہا۔ صبح اٹھ کر میں نے سب سے پہلے کوٹھی ہی کا رخ کیا۔ چاروں مسلح سپاہی بدستور تھے۔ ملازمین بھی شاگرد پیشہ ہی میں ملے۔ ایک نوکر کی حالت بہت ابتر تھی۔ آنکھیں

تھیں اور پلکیں سوجی ہوئی تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی وہ دہاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ اُسے بیگم صاحبہ سے بڑا اُنس تھا۔ میرے ساتھ وہ عمارت میں آیا۔ سسکیاں لیتا جا رہا تھا اور بیگم ہی کے متعلق کچھ کہے جا رہا تھا۔ میں کتب خانے کا دروازہ کھولنے لگا لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ نہ چاہتا ہو کہ دروازہ کھولا جائے۔ میں اندر آیا تو وہ بھی ساتھ ہی چلا آیا۔ میں نے اعتراض نہ کیا۔ مجھے ضرورت تھی کسی ایسے آدمی کی جس سے میں مزید پوچھ گچھ کر سکتا۔ سب سے پہلے میری نظر سوئچ بورڈ ہی پر پڑی۔ وہ سوئچ غائب تھا۔ البتہ دونوں تار بورڈ کے سوراخوں سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ وہ اب بھی آپ دیکھ رہے ہیں۔ میں نے اس سے سوئچ کے متعلق پوچھا اور وہ چونک کر مجھے گھورنے لگا۔ پھر فوراً سنبھل کر لاعلمی ظاہر کی۔ میں نے آگے بڑھ کر دونوں تاروں کو ملا کر دیکھنا چاہا اور وہ بڑے وحشیانہ انداز میں مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ میں چونکہ یہاں داخل ہوتے ہی اس کی طرف سے غیر مطمئن ہوگیا تھا اس لئے غافل بھی نہیں تھا ورنہ شائد دوبارہ آسمان دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے خود مر جائے گا یا مجھے مار ڈالے گا۔ میں نے پانچ یا چھ منٹ کے اندر ہی اندر اُسے بے بس کر دیا۔ تب یہ کہانی میرے سامنے آئی جو پچھلی رات والے نظریات سے بالکل مختلف تھی۔ ٹھہریئے..... دیکھئے آپ لوگ ادھر..... اس گوشے میں آجایئے مکمل خطرناک ہے۔''

حمید نے سوئچ بورڈ کے قریب پہنچ کر کہا۔ ''اب روشندان کے فریم پر بائیں جانب دیکھئے جہاں سیاہ دائرہ سا نظر آ رہا ہے۔ آپ اسے زیادہ سے زیادہ لکڑی کی گانٹھ سمجھیں گے۔ لیکن دیکھئے۔'' جیسے ہی حمید نے سوئچ بورڈ کے تار ملائے سیاہ دائرہ برق جھندہ کی طرح چھوٹے سے میں تبدیل ہوا اور پھر اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔ ادھر سامنے والی دیوار سے کھٹاکے کی آواز آئی اور بہت سا پلاسٹر ادھر گیا۔ حمید نے آگے بڑھ کر فرش سے گولی اٹھائی اور بولا..... یہ گولی ریوالور کے ریوالور میں پائی جانے والی گولیوں سے مختلف نہیں ہے..... پچھلی رات تفضل اسی جگہ دیوار سے لگا کھڑا تھا۔ دفعتاً وہ لڑکھڑایا تھا اور اس کی بیوی اُسے سہارا دینے کے لئے کچھ اور کھسک آئی تھی اس طرح جب وہ نشانے پر آ گئی تھی تو تفضل نے اپنے سر کے پچھلے حصے سے

سوئچ کا بٹن دبا دیا تھا۔ چونکہ گولی بے آواز تھی اس لئے ہم دیر میں سمجھے تھے کہ کیا ہوا
بھی تو یہی تھے کہ کسی نے بے آواز ریوالور روشندان سے چلایا ہے۔ پھر قدرتی بات تھی
باہر دوڑے جاتے۔ باہر قاتل تیار ملا..... چونکہ اس سے پہلے والی رات کو تفضل پر فائر ہو
اس لئے ہم نے فوری طور پر یہی نتیجہ اخذ کیا کہ اس بار بھی قاتل کا ہاتھ بہک گیا اور تفضل
بجائے بیگم تفضل ہی ٹھکانے لگ گئی۔''

''مگر یہ قدیر.....!'' واصف نے ٹوکا۔

''اب شروع ہی سے کہانی سنئے۔ تفضل نے بہت پہلے سے اس قتل کا پروگرام بنا رکھا
لیکن اسے آج کل پر ٹالتا رہا۔ بنائے مخاصمت تھی بیگم کی آوارگی۔ تفضل اس کی حرکتوں
اچھی طرح واقف تھا مگر اس نے کبھی اس پر یہ بات ظاہر نہیں ہونے دی۔ بلکہ اس وقت
قتل کا پروگرام بھی نہیں بنایا جب تک کہ اسی نوکر نے اُسے غیرت نہیں دلائی جس کا تذکرہ
کر چکا ہوں۔ یہ نوکر بھی کوئی معمولی آدمی نہیں، دھام نگر ڈکیتی کیس والے نامی بدمعاش
یاد ہی ہوں گے یہ بھی انہیں میں سے تھا۔ دس سال کا سزا یافتہ اور ایک ماہر مکینک۔
روشندان والا خطرناک میکنزم اسی نے ترتیب دیا تھا۔ ہاں تو جب اس نے تفضل کو غیرت
تو اس کا خون بھی کھول گیا ورنہ پہلے تو وہ یہ سمجھ کر نظر انداز کرتا رہا تھا کہ جب اس کے علاو
کوئی اس کے کرتوت سے واقف نہیں ہے تو خواہ مخواہ بات بڑھا کر اپنی پگڑی بھی کیوں اُ
جائے۔ بیوی کی حرکت یہ تھی کہ اس نے برابر والی عمارت کو آسیب زدہ مشہور کر رکھا تھا۔
ہے کہ آسیب زدگی کے اظہار کے سلسلے میں پہلا واقعہ اس کی جدت طبع کا نتیجہ رہا ہو۔ بہر
اس کے بعد سے اس نے کسی کرایہ دار کو وہاں ٹکنے ہی نہیں دیا۔ اگر تفضل کسی کو کرایہ پر دیتا
تھا تو وہ وہی طریقے اختیار کر کے معاہدہ ختم کرا دیتی تھی جو اس نے میرے ساتھ اختیار کیے
بہر حال مکان خالی رکھنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ رات کی تاریکی میں وہیں اپنے دوستوں سے
رہے۔ تفضل نے اس پر کبھی ظاہر ہی نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ اس کی حرکتوں سے واقف ہے
لیکن جب قتل کا پروگرام بن گیا تو اسکیم کے مطابق تفضل نے کچھ دنوں کے لئے اُس مکان

دوں کی آمد و رفت ملتوی کرانی چاہی۔ اس کے لئے اس نے ایک کتا پال لیا۔ نتیجہ خاطر خواہ
آمد و رفت بند ہو گئی اور بیگم بور ہونے لگیں۔ لہٰذا انہوں نے بھی کتے کے لئے ایک اسکیم
والی۔ یعنی جب بھی انہیں غصہ آتا کتے ہی کو پیٹ کر رکھ دیتیں۔ انہوں نے بھی سوچ رکھا تھا
کسی دن مناسب موقع دیکھ کر کتے کو زہر دے دیں گی اور پھر کریں گی ڈنڈے سے پٹائی اور
مرے گا تو زہر ہی کی وجہ سے مگر سمجھا یہ جائے گا کہ ڈنڈا مہلک ثابت ہوا ہے۔ اتفاق سے وہ
تفضل کو سچ مچ گھامڑ ہی سمجھتی تھی۔ ادھر میاں تفضل پھر ایک کرایہ دار بسانا چاہتے تھے تاکہ
بھی ایک بار بھوتوں کا ہنگامہ برپا کریں اور اسی ہنگامے کے دوران پولیس آفیسروں کی
جوری ہی میں اسے ٹھکانے لگا دیں۔ بیگم صاحبہ نے دیکھا کہ ایک کرایہ دار آ ہی مرا ہے تو
وں نے بھی سوچا کہ کتا تو خیر مر ہی جائے گا لیکن یہ کرایہ دار کیسے کھسکے گا۔ لہٰذا شائد انہوں
ہی ''بھوتیت'' کے مظاہروں کا پروگرام بنا لیا تھا۔ لیکن دوپہر کو جب ہمارا سامان رکھا جانے
تو اُن کے کچھ کر گذرنے سے پہلے ہی بھوتوں نے حرکتیں شروع کر دیں اور وہ چکرا گئیں۔
تفضل کی طرف خیال ہی نہ گیا ہوگا کیونکہ اُسے تو وہ ڈفر سمجھتی تھیں۔ پس نظر ارشاد ہی پر
تھی۔ ادھر تفضل نے کتے کا خون کیمیاوی تجزیہ کے لئے بھیج دیا تھا۔ اپنی بیوی کے نام سے
لیبارٹری کو ہدایت کر دی تھی کہ نتیجہ اُسے ایس پی واصف کے توسط سے بتایا جائے۔ واصف
اُسے اطلاع دی تو وہ ایک بار پھر چکرا گئی اور غالباً یہی سوچا کہ یہ بھی ارشاد ہی کی حرکت
ہے۔ کیونکہ وہ بھی نسرین کا نہ صرف امیدوار تھا بلکہ دعویٰ رکھتا تھا کہ نسرین بھی اُسے
چاہتی ہے۔ ادھر وہ خود اس کی شادی قدیر سے کرنا چاہتی تھی۔ پھر بھوتوں کے ہنگامے کی پہلی
رات شروع ہوئی۔ یہ ہنگامے سو فیصدی تفضل ہی کی طرف سے برپا کرائے گئے تھے اور ان کی
رات اس کا وہی ملازم تھا جسے آج میں نے گرفتار کیا تھا۔''

''مگر یار وہ روشنی کے جھماکے.....وہ خون۔'' واصف نے ٹوکا۔

''ارے اُسے تو میں پہلے ہی مسخرہ پن سمجھا تھا۔ کیا بڑی بات ہے.....اندھیری رات میں
سے کپڑے پہن لیجئے اور کسی سے صرف دس گز کے فاصلے پر جو چاہئے کرتے پھرے اُسے

کانوں کان نہیں بلکہ آنکھوں آنکھ خبر نہ ہوگی۔ روشنی کے جھماکے بجلی غائب ہو جانے کے ہوتے تھے۔ مین سوئچ آف کیا اور حرکتیں شروع کر دیں۔ پوٹاشیم سلفیٹ کی ڈھیری پر ایک سلفیورک ایسڈ ٹپکا دیجئے بھک سے اڑ جائے گا۔ ارے یہ شعبدہ تو جاہل چورن والے گلی کوچوں میں دکھاتے پھرتے ہیں۔ چورن پر ایک چٹکی پوٹاشیم سلفیٹ ڈالی اور ایسڈ کی شیشی سلائی ڈبو کر پوٹاشیم پر لگائی۔ شعلہ نکلا بچے خوش ہوئے اور اکنی پڑیا خرید کر لے گئے۔ چالاکی یہ ہوتی تھی کہ اسی جگہ تازہ تازہ نون بھی ڈال دیا جاتا تھا تاکہ فرش پر پوٹاشیم جلنے پڑنے والا دھبہ چھپ جائے۔ اس نتیجے پر تو میں پہلے ہی پہنچا تھا اسی لئے تو جمارہ گیا۔ پھر غائب کر دی گئی جس کا مقصد یہ تھا کہ پولیس کو فوری طور پر متوجہ کیا جا سکے تاکہ آئندہ پو کی موجودگی میں بیگم کو بھی قتل کیا جا سکے۔ بے بی کے غائب ہونے کا قصہ قدیر کو گرا ہوگا۔ اس نے سوچا ہوگا کہ وہ بیہوشی ہی کی حالت میں اس کے گھر پہنچا دی جاتی اور حالت میں وہاں سے برآمد بھی کر لی جاتی۔ اس طرح امید واروں کی فہرست سے اس خارج کرا دیا جاتا۔ یہ حرکت اس کی دانست میں ارشاد کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی اُسے تاؤ آ گیا اور اس نے ارشاد پر ایک ناکام حملہ بھی کر ڈالا اور ہم خواہ مخواہ اس کے تھیوریاں بناتے رہے۔ حالانکہ وہ قطعی غیر متعلق چیز تھی۔ ارشاد بیچارہ تو ان معاملات سے ہی دور رہا تھا۔ اس نے صرف اتنا کیا تھا کہ بیگم کے کہنے پر اس کا پیغام مجھ تک پہنچا دیا بیگم کا یہی خیال تھا کہ ہنگامہ اسی نے برپا کیا تھا تاکہ قدیر کو بدنام کیا جا سکے۔ ادھر تفضل پچھلی رات قدیر کو پکڑوایا اور بیہوش کر رکھا۔ اسکیم کے مطابق بیہوشی ہی کی حالت میں اُسے پوش بنایا گیا اور وہی نوکر چھت پر اس سمیت موجود رہا ادھر بیگم کی چیخ نکلی تھی اور اُدھر اس بیہوش قدیر کو پستول سمیت عین روشندان کے نیچے پھینک دیا تھا۔ ہم سمجھے کہ اس نے فائر نیچے چھلانگ لگائی تھی اور ہاتھ پیر توڑ بیٹھا تھا۔ نوکر کا بیان ہے کہ اب وہ کبھی صحیح الد ہو سکے گا کیونکہ اس کے جسم میں ایک ایسا زہریلا مادہ انجکٹ کیا گیا تھا جو ہمیشہ کے لئے ماؤف کر دیتا ہے۔ لیکن میڈیکل ٹسٹ سے اس کا سراغ نہیں مل سکتا۔ یہ ہے کہانی...

تفضل جسے آج تک آپ سب ڈیوٹ سمجھتے رہے۔ بلا کا ذہین ہے جناب۔ لیکن ان لوگوں میں ہے جو دراصل ہوتے تو ہیں بھیڑیئے لیکن گیدڑ کی کھال اوڑھے رہتے ہیں۔ کون جانے دولت مندی میں اس کی اسی فطرت کو خلل ہو۔ اس نوکر کے نام اس نے بینک میں ایک لاکھ منتقل کیا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ اپنی وصیت میں بھی اس کا خیال رکھے گا۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ تفضل حقیقتاً بیوی سے خائف بھی رہتا تھا۔ غالباً یہ خوف ہی اس اقدام کا باعث بنا تھا۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ سبھی کچھ نہ کچھ سوچ رہے تھے۔

"اللہ ناٹے کو لمبی اور لمبے کو ناٹی عورت سے بچائے۔" قاسم جماہی لے کر بڑبڑایا۔ "اور مجھ کو تو بالکل گارت ہی کر دے۔"

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 87

زہریلا آدمی

(مکمل ناول)

پیش رس

لیجئے بہت دنوں بعد پھر ایک ایسی کہانی دے رہا ہوں جسے آپ عرصہ تک یاد رکھ سکیں۔

اس کہانی کا مجرم جنسی کجروی (یا شاید گمراہی) کا شاہکار ہے۔ لیکن بھئی نہ تو یہ امریکن فلمیں دیکھ کر مجرم بنا ہے اور نہ جاسوسی ناول پڑھ کر۔ جنسیت کے معاملہ میں اسے مجرمانہ ذہنیت ورثہ میں ملی تھی۔ وہ خود بھی اس کا اعتراف کرتا ہے لیکن اس کے جرائم کی ابتداء جنسی گمراہی سے نہیں ہوتی۔ جو کچھ بھی ہوا تھا غلط فہمی کی بناء پر ہوا تھا۔ اسے اس کی پاداش میں جو سزا ملی وہ بڑی گھناؤنی اور انسانیت سوز تھی.... پھر کیا ہوا....؟

اس کہانی میں تو وہ اس منزل پر ملے گا جہاں پھانسی پانے کا تصور بھی اس کیلئے جنسی استلذاذ کا ذریعہ بن گیا تھا کہ یہ اذیت طلبی (Masochism) کی انتہا نہیں ہے۔ اس نے دوسروں کو مار ڈالنے کے لئے ایک ایسا طریقہ ایجاد کیا تھا کہ خود کو اژدھا تصور کر سکے۔ میری دانست میں اسے بھی (Sadistie) رجحانات کی انتہا ہی سمجھنا چاہئے۔

اذیت پسندی کے علاوہ "استلذاذ" (Incest) بالا قارب کا بھی شاہکار تھا۔

کاش اس کی ایک غلطی فہمی اتنی بڑی سزا کا باعث نہ بنتی۔ کاش پہلی غلطی پر وہ کسی "اصلاح خانے" کے سپرد کر دیا گیا ہوتا۔

بچوں کو سزا دینے کے سلسلے میں بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ ہمیشہ یاد رکھئے۔

"بہتیروں کی ایک پرانی خواہش کے مطابق اس کہانی میں انور اور رشیدہ بھی پیش کئے جا رہے ہیں۔"

ابن صفی

آغاز

کرائم رپورٹر انور نے اپنی جیبیں ٹٹولیں اور ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ گالوں پر ہی ہاتھ پھیر کر بڑھے ہوئے شیو کی چبھن محسوس کر چکا تھا۔ خیر شیو تو اتنا بھی بڑھ سکتا تھا کہ ڈاڑھی کہتے اور انور کچھ دنوں تک پھندنے والی قدیم رومن کیپ پہنے پھرتا اور لوگ یہ کہ شاید خدا نے اُسے نیک توفیق عطا کر ہی دی آخر کار۔

لیکن... سگریٹ کا مسئلہ پیسوں کے بغیر کیسے حل ہوتا۔ ادھر بہت دنوں سے اپنے کو اہم پرائیویٹ کیس بھی نہیں ملا تھا جس میں تین ہی ہندسے والی کسی رقم سے مڈبھیڑ ہوتی لے دے کر اس تنخواہ سے کام تھا جو اسٹار کے دفتر سے ملتی تھی۔ لیکن وہ تو شاید پورے ایک سگرٹوں کی بھی کفالت نہ کر سکتی۔

اس نے آج تک فاقے تو نہیں کئے تھے البتہ اکثر سگرٹوں کو ضرور ترس گیا تھا۔ ہو۔ اس نے سوچا آج یقینی طور پر ردی فروشی کرنی پڑے گی۔ رشیدہ سے بھی کچھ مل جا توقع نہیں تھی جب انور نے اس کے سامنے سگرٹوں کا خالی ڈبہ بجانا شروع کر دیا تھا۔

اس نے ایک بار پھر ان شیلفوں پر نظر ڈالی جن میں اخبارات اور رسائل بھرے تھے۔ ان کا وزن ڈیڑھ یا دو من سے کسی طرح کم نہ رہا ہوگا۔

''ادبی خدمت.... آٹھ آنے سیر۔'' اس نے خوانچہ دانوں کے سے انداز میں آواز لگائی۔

اور پھر ان شیلفوں کو خالی کرنے کے لئے آگے بڑھا ہی تھا کہ رشیدہ کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کا موڈ کچھ خراب معلوم ہوتا تھا۔

''کیا میں تمہارے باپ کی نوکر ہوں۔'' اس نے خواہ مخواہ پھاڑ کھانے والے انداز میں چھا۔

''باپ ہی سے پوچھو۔'' انور نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور شیلف کے خانے میں ہاتھ ڈال کر رسائل کی ایک تہہ نیچے فرش پر گرالی۔

''نہیں تمہارے ملاقاتی یہی سمجھتے ہیں۔''

''میں ان کا لے حد شکر گزار ہوں۔''

''کیا....؟''

انور نے خاموشی سے رسائل کی دوسری تہہ بھی فرش پر گرائی... وہ رشیدہ کی طرف متوجہ نہیں تھا لیکن رشیدہ اُسے بدستور گھورے جا رہی تھی۔

انور نے جماہی لی اور کراہ کر بولا۔ ''یہ کام بھی جلد ہی ہونا چاہئے۔ غالباً اس وقت تمہیں نرمت ہے۔''

''دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔ میں ردی بیچنے جاؤں گی۔''

''اور نہیں تو کیا میں بیچوں گا۔'' انور غصیلے انداز میں اس کی طرف مڑا۔

''بکواس بند کرو۔ وہ بہت غصے میں ہے.... تعجب نہیں کہ بُری طرح پیش آئے۔''

''کون....؟''

''میں نہیں جانتی۔''

''کہاں ہے۔''

''اپنے فلیٹ میں بٹھا آئی ہوں۔''

''کیوں؟ میں تم سے کئی بار کہہ چکا ہوں کہ....!''

''پوری بات سنو۔'' رشیدہ کی جھلاہٹ بڑھ گئی۔ ''وہ کہہ رہا تھا کہ اگر آج تصفیہ نہ ہوا

تو....ایک آدھ قتل بھی ہوسکتا ہے۔''

''اوہ....!'' انور نے سنجیدگی اختیار کرنے میں جلدی کی۔ ''غنڈہ ہے کوئی۔''

''ہوش کی دوا کرو۔ غنڈہ ہوتا تو میں اسے اپنے فلیٹ میں بٹھاتی۔''

''کیا اس نے مجھے قتل کی دھمکی دی ہے۔''

''تم سنتے کیوں نہیں۔ میں کہہ رہی ہوں کہ اس سے گفتگو کر کے جلد از جلد یہاں سے کھسکانے کی کوشش کرو۔''

''سوال یہ ہے کہ تم نے اسے اپنے فلیٹ میں بٹھایا کیوں؟ براہِ راست نکال کیوں نہ بھیج دیا۔''

''او....انور کے بچے.... میں اسے ٹھنڈا کرنا چاہتی تھی.... تیغ بے نیام ہو رہا تھا۔''

''اچھی بات ہے۔ اس کا....کارڈ....!''

''اس نے اپنے متعلق کچھ نہیں بتایا۔ لیکن گفتگو سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ شاید تمہیں بلیک میلر سمجھتا ہے۔''

''تمہاری کیا رائے ہے میرے متعلق۔''

''انور....!'' رشیدہ دانت پیس کر بولی۔ ''کیا یہ ضروری ہے کہ تم اسی وقت میری رائے بھی جاننا چاہو۔ میں کہتی ہوں سے جلد از جلد رخصت کرنے کی کوشش کرو۔''

''یہ کام تم بھی کر سکتی ہو۔'' انور نے لاپروائی سے کہا اور پھر شیلف کی طرف مڑ گیا۔

''تو تم یہ بھی نہیں معلوم کرنا چاہتے کہ وہ ہے کون۔'' رشیدہ نے اپنا دماغ ٹھنڈا رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''اس وقت تو میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ردی کتنے دام دے نکلے گی۔''

''اچھی بات ہے۔'' رشیدہ دروازے کی طرف مڑتی ہوئی بولی۔ ''مگر ہوشیار رہنا....پولیس کی طرح ادھر ہی آئے گا۔''

انور نے اس کی طرف مڑے بغیر بے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

اجنبی دراز قد صحت مند اور وجیہہ تھا۔ عمر تقریباً چالیس سال ہی ہوگی۔ نیلے رنگ کے سوٹ میں تھا۔ سر پر مخصوص وضع کی سفید پگڑی تھی....چپکی ہوئی سی یعنی اتنی مدور نہیں تھی کہ گالوں کی سطح سے ابھری ہوئی معلوم ہوتی۔

رشیدہ کی آمد پر وہ اٹھا نہیں تھا بلکہ اس انداز میں اسے گھورتا رہا تھا جیسے وہ دنیا کی کوئی بدترین مخلوق ہو۔

رشیدہ کو اس کی اس حرکت پر بے حد تاؤ آیا۔ لیکن وہ خاموش ہی رہی۔

''کیوں....؟'' اجنبی کا لہجہ بھی غصہ بڑھانے کے لئے کافی تھا۔

''وہ اتنے سویرے کسی سے بھی ملنا پسند نہیں کرتا۔'' رشیدہ نے کہا۔

''مگر مجھ سے تو ملنا ہی پڑے گا۔'' اجنبی پرسکون لہجے میں بولا۔ طرز گفتگو میں خود اعتمادی کی جھلکیاں تھیں۔ وہ چند لمحے خاموشی سے خلاء میں گھورتا رہا پھر بولا۔ ''تمہارا اس سے کیا رشتہ ہے....مگر تم تو بہت شریف لڑکی معلوم ہوتی ہو۔''

''شکریہ....!'' رشیدہ نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ ''میں اس کی دیکھ بھال کرتی ہوں اور ہم دونوں ایک دوسرے کے سب کچھ ہیں۔''

''اوہ....مسز انور....!''

''جی نہیں۔''

''خیر....خیر....!'' اجنبی کا لہجہ خشک تھا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے لہجے کی اچانک تبدیلی کا باعث کوئی فوری خیال بنا ہو۔

وہ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ''کیا تم لوگوں کی حالت بہتر نہیں ہے۔''

''میں سوال کا مطلب نہیں سمجھی۔'' رشیدہ کو پھر تاؤ آ گیا۔

''ضرورت بھی نہیں ہے۔'' اجنبی کے لہجے کی خشکی بدستور قائم رہی۔ ''بھونکنے والے کتے

پر پتھر چلاؤ تو وہ اور زیادہ شور مچائے گا.... پھر کیوں نہ پتھر کی بجائے کوئی ایسی چیز پھینکی جائے اس کے حلق سے اتر سکے۔"

اجنبی خاموش ہو کر اپنا بریف کیس کھولنے لگا.... رشیدہ کسی بھوکی شیرنی کی طرح اسے گھورے جا رہی تھی۔

بریف کیس سے دس دس کے نوٹوں کی دو گڈیاں نکلیں اور اجنبی نے رشیدہ کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ "بہتر یہی ہے کہ بھونکنے والے منہ چلانے میں مشغول ہو جائیں اور راہی خاموش چاپ آگے بڑھ جائے۔ کیا خیال ہے اچھی لڑکی۔"

"تم ہماری توہین کر رہے ہو مسٹر۔"

"میرا کوئی نام نہیں ہے۔" اجنبی مسکرایا اور نوٹ کی گڈیوں کو میز پر ڈالتا ہوا اٹھ گیا۔ چند لمحے رشیدہ کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر سفاکانہ لہجے میں بولا۔ "اگر وہ منہ چلانے میں مشغول نہ ہو جائیں تو پھر ایسے کتوں کو گولی مار دی جاتی ہے۔ تم اس سلسلے میں رانا پرمود کا حوالہ دے سکو گی۔"

پھر وہ اتنی تیزی سے کمرے سے نکل گیا کہ رشیدہ نوٹوں کی گڈیاں اس کے منہ پر بھی نہ مار سکی۔

سارجنٹ حمید جھوم جھوم کر ماؤتھ آرگن بجا رہا تھا۔ دفعتاً ایک ملازم کمرے میں داخل ہوا اور ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"صاحب.... یہاں سناٹا چاہتے ہیں۔" نوکر گھگھیایا۔ "میری شامت آ جائے گی سرکار۔"

"اچھا....!" حمید اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "تیری یہ مجال....!"

"سرکار.... سرکار۔" نوکر اور شدت سے گڑگڑایا۔

"قبروں پر بھی قوالیاں ہوتی ہیں لیکن یہ زندہ شہید سناٹا پسندی کے مرض میں مبتلا ہے۔ اے خدا.... میں کیا کروں۔"

نوکر چپ چاپ کمرے سے نکل گیا اور حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

ایک ہفتے سے گھر میں سناٹا تھا۔ قبرستان کا سا سناٹا۔ صرف کبھی کبھی کتے بھونکنے لگتے تھے۔ ان کے متعلق حمید کا خیال تھا کہ وہ بھی یہی پوچھتے ہیں آخر سناٹا کیوں؟

ایک ہفتے سے اس نے فریدی کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ لیکن وہ اس وقت بھی اوپری منزل پر اپنی تجربہ گاہ میں موجود تھا۔ ہو سکتا ہے وہ باہر بھی جاتا رہا ہو اس دوران میں۔ لیکن حمید کو علم نہیں ہوتا تھا کیونکہ عقبی پارک کی طرف بھی زینے تھے۔ فریدی بہ آسانی اس طرح باہر جا سکتا تھا کہ کسی کو خبر نہ ہوتی۔

حمید کو علم تھا کہ سپرنٹنڈنٹ مارش اسمتھ نے کوئی کیس اس کے سپرد کیا ہے۔ لیکن ابھی تک اسے کیس کی نوعیت نہیں معلوم ہو سکی تھی۔

بہرحال وہ کوئی ایسا ہی کیس تھا جس کے لئے تجربہ گاہ میں بھی وقت گزارنا ضروری ہوتا۔

"زندگی!" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ چند لمحے کلاک پر نظر جمائے رہا پھر ماؤتھ آرگن کو جیب میں ڈالتا ہوا اٹھ گیا۔

فریدی کی خواب گاہ میں فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ وہ تیزی سے باہر نکلا۔ گھنٹی بند ہو گئی۔ غالباً فریدی نے تجربہ گاہ والے فون کا ریسیور اٹھا لیا تھا۔

حمید چپ چاپ کمرے میں داخل ہوا اور فون کا ریسیور اٹھا کر کان کے قریب لے گیا۔ فریدی کی آواز آئی۔ "ایک منٹ ٹھہرو۔"

"بہت بہتر جناب۔" یہ دوسری آواز تھی۔

پھر فریدی کی آواز آئی۔ "حمید ریسیور رکھ دو۔ نکل جاؤ کمرے سے۔ نکلو۔"

حمید نے پھر ٹھنڈی سانس لی۔ ریسیور رکھ دیا۔ لیکن کمرے ہی میں کھڑا رہا۔ پتہ نہیں دوسری طرف کون تھا۔ فریدی کی یہ جھڑکی اس نے بھی سنی ہو گی۔ حمید نے سوچا اور اسے تاؤ

آ گیا۔

فوراً ہی گھنٹی پھر بجی۔ بجتی ہی رہی.... اس بار شاید یہ فریدی ہی کی کال تھی حمید کے لیے

''فرمایئے۔'' حمید نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

''گھنٹی بند ہو جانے پر تم نے ریسیور کیوں اٹھایا تھا۔'' فریدی کے لہجے کی سختی حمید کو کھل گئی

''میں سمجھا تھا شاید میری ہی طرح وہ بھی بے حیا ہے۔''

''بکواس مت کرو۔ سنو ٹھیک ساڑھے دس بجے پریسیڈنٹ بار میں سارجنٹ ہنری سے ملو۔

''وہ ڈیوٹی کے اوقات میں بھی پیتا ہے۔ اگر مجھے پلا دی تو کیا ہوگا۔''

''جاؤ....!'' فریدی کی غراہٹ کے ساتھ ہی سلسلہ بھی منقطع ہو گیا۔

رشیدہ نے نوٹوں کی گڈیاں انور کے منہ پر کھینچ ماریں۔ لیکن وہ اس کے سر پر سے گذر ہوئی پچھلی دیوار سے جا ٹکرائی تھیں۔

''تھپڑ رسید کر دوں گا۔'' انور سیدھا ہوتا ہوا بولا۔ ''آدمیوں کی طرح بات کرو۔ صبح سے اب تک سگریٹ کا ایک کش بھی نصیب نہیں ہوا۔''

''تم نے بلیک میلنگ شروع کر دی ہے۔'' وہ دانت پیس کر بولی۔

''بکواس مت کرو۔ یہ بتاؤ وہ کون تھا۔''

''اس نے اپنا نام نہیں بتایا تھا۔ لیکن رانا پرمود کا حوالہ دیا تھا۔''

''گڈ....!'' انور کے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ نظر آئی اور اس نے اٹھ کر دونوں گڈیاں اٹھائیں۔ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔ ''میرے اکاؤنٹ میں صرف ساڑھے سات ہزار باقی بچے ہیں۔ اب غالباً دو ہزار ساڑھے سات ہو جائیں گے۔''

''تم رکھو گے انہیں۔'' رشیدہ نے آنکھیں نکالیں۔

''فی الحال۔'' وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ پھر چونک کر مسکرایا۔ ''رشو ڈارلنگ....!'' لہجہ بڑا رسیلا تھا۔

''پہلے میری بات کا جواب دو۔''

''ختم کرو.... میری بات سنو۔''

''میں ان گڈیوں کا....!''

''مت بور کرو۔'' انور کانوں میں انگلیاں ٹھونستا ہوا بولا۔ ''جاؤ اُسے تلاش کرو اور واپس آؤ۔ مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

''میں کہاں تلاش کروں۔''

''پھر انہیں اٹھا کر سڑک پر پھینک دو۔''

رشیدہ کچھ نہ بولی۔

''تو رشو ڈارلنگ.... یہ بینک ہی میں محفوظ رہ سکیں گے۔''

''چلو خیر.... لیکن تم نے بلیک میلنگ....!''

''خدا غارت کرے۔'' انور نے دانت پیس کر میز پر مکا رسید کیا۔ ''ختم کرو میری بات سنو۔''

''بکو....!''

''فرہاد نے شیریں کے لئے پہاڑ کھودا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ چوہا بھی نہ نکلا ہو.... شاہ جہاں نے علاؤ الدین خلجی کے لئے تاج محل بنوایا تھا۔ علاؤ الدین نے قطب مینار کے لئے نیا سلطانہ تعمیر کرا دیا تھا لیکن تم سے اتنا نہیں ہو سکتا کہ صرف ایک پیکٹ....!''

''یہ لو.... زہر مار کرو۔'' رشیدہ نے بلاؤز کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر سگرٹوں کا پیکٹ نکالا اور اُسے اس کی طرف اچھالتی ہوئی بولی۔ ''اُدھار لائی ہوں۔''

''شکریہ تم اسی وقت بہت اچھی ہو۔ اب جاؤ.... ذرہ برابر بھی دلچسپی تم میں نہیں رہ گئی۔''

انور نے پیکٹ سنبھالتے ہوئے غسلخانہ کی راہ لی۔

رشیدہ پہلے تو بُرا سا منہ بنائے کھڑی رہی پھر بیٹھ کر غالباً اس کی واپسی کا انتظار کرنے

لگی۔ پندرہ منٹ بعد انور پھر کمرے میں داخل ہوا۔ مگر انداز ایسا ہی تھا جیسے رشیدہ کی موجو
سے بے خبر ہو۔

''ادھر دیکھو....!'' رشیدہ دہاڑی۔

''دیکھے بغیر بھی تو کام چل ہی جاتا ہے بکے جاؤ۔'' انور ڈریسنگ ٹیبل پر جھکتا ہوا بولا۔

''رانا پرمود کا کیا قصہ ہے۔''

''پہلے تم اس نامعلوم آدمی کا حلیہ بتاؤ جو مجھے دھمکیاں دے گیا ہے۔''

''وہ....!'' رشیدہ کسی سوچ میں پڑ گئی پھر بولی۔ ''کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔''

''کیا سمجھ میں نہیں آتا۔''

''اس کی شخصیت.... پتا نہیں کیا خاص بات تھی۔''

''مگر تھی ضرور.... مطلب یہ کہ خاص بات۔''

''میں نے ایسی پگڑیاں آج تک نہیں دیکھیں۔ لیکن وہ اس کی شخصیت سے ہم آہ
معلوم ہو رہی تھی۔ نیلے سوٹ میں تھا چمکی ہوئی سی پگڑی جو کنپٹیوں سے اتر کر آدھے کانو
ڈھانکتی تھی۔''

''عمر....!''

''شاید چالیس تک رہی ہو۔ میرا خیال ہے کہ کافی طاقتور آدمی تھا۔ بے حد اسمارٹ۔''

''مرعوب ہو گئی تھی تم....!''

''میں کہتی ہوں بکواس بند کرو۔ رانا پرمود کے متعلق بتاؤ۔''

''رانا پرمود.... ریاست ورگوری کا راجہ ہے۔ لیکن زیادہ تر یورپ میں رہتا ہے۔ یہا
اس کا سیکریٹری دیکھ بھال کرتا ہے اور کچھ.... لیکن اُسے دس سال سے کسی نے بھی نہیں دیکھا

''تو تم اُسے بلیک میل کر رہے تھے۔''

''تم اپنا اخبار بہت عرصے سے روزانہ دیکھ رہی ہو۔ کوشش کرو کہ میرے کالموں
بلیک میلنگ کا کچھ مواد بھی دریافت ہو جائے۔'' انور کا لہجہ تلخ تھا۔

''مجھے تمہارے کالموں میں کبھی کوئی خاص بات نہیں ملتی۔''

''اگر ملنے لگے تو مجھے چڑی مار کہیں گے۔''

''ہم بتاؤ گے۔ آخر وہ کس مسئلے پر تمہارا منہ بند کرنا چاہتا ہے۔''

انور شیو کر رہا تھا۔ رشیدہ اس کی خاموشی پر پھر جھنجھلا گئی۔ بات ہی غصہ دلانے والی تھی۔
ب پیکٹ سگریٹ کے لئے رشو ڈارلنگ شیریں فرہاد بھی اکھڑ آئے۔ اور اب....!''

''اوکینے.... اچھا اب میں دیکھوں گی۔'' وہ اٹھتی ہوئی بولی۔ ''تم مجھے نہ بتاؤ لیکن۔!''

''کچھ نہیں....!'' انور نے بات کاٹ دی۔ ''اس آدمی کے متعلق کچھ اور بھی بتاؤ۔''

''وہ تمہیں قتل کر دے گا۔''

''کفن تیار رکھنا۔ میں تو مفلس ہو رہا ہوں۔''

''تم نہیں بتاؤ گے۔'' رشیدہ چیخی۔

''شاید رانا پرمود کے سیکریٹری کو وہم ہو گیا ہے کہ میں اسے بلیک میل کر رہا ہوں۔''

''کس بناء پر.... شبہے کی وجہ۔ وہ خواہ مخواہ کیوں سوچنے لگا ہے بلیک میلنگ کے متعلق۔''

''ہر آدمی کے ساتھ کچھ کمزوریاں ہیں جو اسے زندگی بھر خود کو چور محسوس کرنے پر مجبور
ارہتی ہیں۔''

رشیدہ کسی سوچ میں پڑ گئی پھر بولی۔ ''کتنے دنوں کا فائیل دیکھنا پڑے گا مجھے۔''

''وقت برباد نہ کرو۔ تمہیں اخبار میں کچھ بھی نہ ملے گا۔''

''جہنم میں جاؤ۔'' رشیدہ نے کہا اور پیر پٹختی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

سارجنٹ حمید بار میں داخل ہوا۔ سارجنٹ ہنری فریدی کے خیال کے مطابق وہیں

موجود تھا۔ اس نے حمید کو دیکھ کر سر کو خفیف سی جنبش دی اور اس انداز میں مسکرایا جیسے مراد ملی ہو۔

سارجنٹ ہنری آئر لینڈ کا باشندہ تھا۔ عمر تیس سے زیادہ نہیں تھی مگر عموماً خود پر طاری کر لینے کی فکر میں رہتا تھا۔ چہرے پر بچوں کی سی معصومیت اور لاپروائی تھی۔ لیکن کہ سنجیدہ اور پر رعب معلوم ہو۔ اس لئے کبھی کبھی مضحکہ خیز بھی بن جاتا تھا۔ پوری تنخواہ پر خرچ کر دینے کے باوجود بھی وہ ''بہت کم'' پیتا تھا۔ نشے میں عموماً اُسے چچا یاد آتے کے ہاتھ پیر ایک انگریز نے توڑ دیئے تھے۔

''ہالو.... ڈارلنگ۔'' وہ ڈکرا کر بولا۔ ''آؤ.... آؤ.... آج میں بہت اداس ہوں۔ ابھی.... وہ بھی نہیں آئی۔ ضرور آئے گی۔''

حمید نے بیٹھ کر چاروں طرف اچٹتی سی نظر ڈالی پھر بیئر کی اس بوتل کو گھورنے لگا جو کھولی نہیں گئی تھی۔

''تم یہاں کب سے بیٹھ رہے ہو۔'' حمید نے اس سے پوچھا۔

''جب سے آئر لینڈ زنجیروں میں جکڑا گیا ہے۔'' ہنری نے ٹھنڈی سانس لی۔

''اُو.... ڈفر۔ میں اس وقت سیاست سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ مجھے یہ بتاؤ کہ تم کب سے اور کیوں بیٹھ رہے ہو۔''

''تم کیوں آئے ہو اور کس نے بھیجا ہے۔'' ہنری نے غصیلے انداز میں آنکھیں نکالیں

حمید نے بیئر کی بوتل اٹھائی اور کاگ اڑا کر گلاس میں انڈیلتا ہوا بولا۔ ''لو.... پہلے ٹھنڈا کر لو پھر دیکھیں گے۔''

''فادر کا خیال نہ ہوتا تو دیکھتا تمہیں۔'' ہنری بڑبڑایا۔ وہ فریدی کو فادر ہی کہتا تھا کیونکہ شراب کے علاوہ دوسرے اخراجات بھی تو تھیجو وہ فریدی کی جیب سے پورے ہوتے تھے۔ کی دانست میں ہنری بہت کام کا آدمی تھا۔ لیکن یہ بات حمید کی سمجھ میں تو ابھی تک نہیں تھی۔

اس نے گلاس اٹھا کر ہونٹوں سے لگایا اور ایک ہی سانس میں صاف کر گیا۔

''اب بتاؤ۔'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''وہ ایک ایسی لڑکی ہے جس پر شیلی ضرور عاشق ہو جاتا۔''

''شیلی کے بچے میں کیا پوچھ رہا ہوں۔''

''میں سن رہا ہوں جو کچھ پوچھ رہے ہو۔ لیکن مجھ سے اس کی توقع نہ رکھو کہ فادر کے حکم نہیں کچھ بتا بھی دوں گا۔''

یک بیک حمید چونک پڑا۔ کیونکہ وہ لڑکی بھی اچانک ہی نازل ہوئی تھی اور چیختی ہوئی سی ''ہلو'' کا نعرہ لگایا تھا۔

پھر اس نے بڑی بے تکلفی سے کرسی کھینچی اور بیٹھ گئی۔ غالباً یہ وہی لڑکی تھی جس کا تذکرہ ری نے کیا تھا۔ لیکن اس کی شکل دیکھتے ہی حمید کو بخار چڑھ آیا۔ سیاہ فام اور چیچک رو تھی ی اسکرٹ میں اور ٹامیوں کے سے لہجے میں فراٹے سے انگریزی بھی بول سکتی تھی۔

''ارے تم اس وقت بیئر پی رہے ہو ڈیئر۔'' اس نے ہنری سے کہا۔ ''تمہارا ٹیسٹ روز بیات ہو رہا ہے۔''

ہنری نے جھینپے ہوئے انداز میں کچھ کہا تھا جس پر حمید دھیان نہ دے سکا کیونکہ وہ بھی کے ٹیسٹ پر جل بھن ہی رہا تھا۔

''اوہ.... یہ کون ہے۔'' وہ تیزی سے حمید کی طرف مڑی۔

''میں افغان ہاؤنڈ ہوں اور زیرولینڈ سے آیا ہوں۔'' حمید نے اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا۔

لڑکی نے زوردار قہقہہ لگایا اور ہنری سے بولی۔ ''اوہ ڈیئر.... تمہارے دوست بھی تمہاری رح دلچسپ ہیں۔''

''بہت زیادہ۔'' حمید کا لہجہ اب بھی تلخ تھا۔ ''اگر یہ سر کے بل کھڑا ہو سکتا ہے تو اس کے دست دم کے بل ضرور کھڑے ہو سکیں گے۔''

''خوب خوب۔'' لڑکی نے پھوہڑ پن سے قہقہہ لگایا۔

''اچھا اب تم خاموش رہو۔'' ہنری نے آہستہ سے کہا۔ ''میں اس وقت بہت ہوں۔ اس وقت مجھے انکل ہوپ یاد آرہا ہے جن کی ٹانگیں سرڈگم بگم نے توڑ دی تھیں۔''

''پھر تم نے اپنے چچا کا تذکرہ کیا۔'' لڑکی سنجیدہ ہوگئی۔ ''کتنی بار کہہ دیا ہے کہ مجھے اور چچاؤں کے تذکرے سے وحشت ہوتی ہے۔''

''مگر ڈارلنگ تمہارے باپ تو بہت اچھے ہیں۔''

''ہ ف اس لئے کہ سفید فاموں سے نفرت کرتے ہیں۔'' لڑکی ہنس پڑی۔

''اس کی پرواہ نہیں۔'' ہنری نے گردن جھٹک کر کہا پھر حمید سے بولا۔ ''ان ڈاکٹر ڈف بڑے شاندار آدمی ہیں۔ میری ان سے جان پہچان نہیں ہے۔ لیکن میں انہیں طرح جانتا ہوں.... ریگی ڈارلنگ کبھی ملاؤنا ان سے۔''

''کمال ہے....!'' ریگی نے آنکھیں نکالیں۔ ''مجھے گولی نہ ماردیں گے تمہارے دیکھ کر۔ تم سفید فام ہو۔''

''کہو تو ابھی سیاہ فام بنا کر رکھ دوں۔'' حمید ہنری کو گھورتا ہوا بولا۔

ہنری بیئر کا دوسرا گلاس ختم کر کے رومال سے ہونٹ خشک کر رہا تھا۔

''ہائے میرے مظلوم چچا۔'' اس نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''یہ انگریز واقعی بڑے سُور ہیں مگر میں تو آئرش ہوں ڈارلنگ....!''

ریگی پھر ہنسی دیر تک ہنسی رہی اور بولی۔ ''وہ ہر سفید فام کو انگریز سمجھتے ہیں۔''

''تب تو میری نظر سے آج تک کوئی ایسا انگریز نہیں گزرا جسے سُور کہا جاسکے۔'' مسمسی صورت بنا کر بولا اور ریگی کی ہنسی پھر اسٹارٹ ہوگئی.... وہ ہنسے بغیر ایک جملہ بھی سے ادا نہیں کرسکتی تھی۔ بات ہنسی کی ہو یا نہ ہو۔ بعض اوقات تو ہنسی کی وجہ سے بات بھی سمجھنے دیتی تھی۔

''ہنری ڈارلنگ۔'' دفعتاً حمید بولا۔ ''امید ہے کہ تم بالکل بخیر و عافیت ہوگے اور عرصہ تک رہو.... مگر عنقریب میرا ہارٹ فیل ہونے والا ہے۔''

''کیوں....؟'' ریگی تیوری چڑھا کر اُسے گھورنے لگی۔

''بس یونہی۔ آج صبح ہی سے ستارہ گردش میں ہے۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ ٹھیک وقت صدر دروازے میں سارجنٹ رمیش دکھائی دیا۔ اس نے حمید ہی کو اشارہ کیا تھا اور پھر نکل گیا تھا۔

''میں معذرت چاہتا ہوں محترمہ۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

''جاؤ.... جاؤ.... دفع ہوجاؤ۔ کبھی کبھی تکلیف دہ ہوجاتے ہو۔'' ہنری نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

آگے بڑھ گیا۔ پوری بات سننے کی بھی زحمت نہیں گوارا کی۔

باہر سارجنٹ رمیش ایک پرچہ اس کے حوالے کر کے دوسری سڑک پر مڑ گیا۔ رائٹنگ ہی کی تھی۔

''حمید اس وقت ڈاکٹر ڈف کا بنگلہ خالی ہے۔ پتہ فورٹین ماڈل کالونی۔ بنگلہ بستی سے الگ ہے۔ پشت پر ویرانہ ہے۔ تم بہ آسانی اندر داخل ہوسکو گے۔ وہ ماہر حشرات الارض ہے۔ اس بنگلے میں تمہیں ایسی جگہ تلاش کرنی ہے جہاں انسانی اعضاء رکھے ہوں۔ اگر وہاں پہنچ سکو تو ان اعضاء کی لسٹ مرتب کرنا جو وہاں موجود ہوں۔ بوکھلاہٹ کی ضرورت نہیں۔ ام سے پہلے گھر نہیں پہنچ سکے گا۔ یہ کام تم اطمینان سے کرسکو گے۔ میک اپ میں جاؤ تو ہوگا۔''

حمید نے خط پڑھ کر ایک طویل سانس لی اور متفکرانہ انداز میں سر ہلانے لگا۔ ہوسکتا ہے ابو جس کا تذکرہ فریدی کے خط میں ہے۔ ہنری غالباً یہاں اس بار میں اس لڑکی کے لئے ا رہا ہے۔

حمید نے آج سے پہلے کبھی کسی ڈاکٹر ڈف کا نام نہیں سنا تھا۔ بہرحال ڈاکٹر ڈف اس اپنے بنگلے میں موجود نہیں ہے اور اس کی لڑکی یہاں بار میں ہنری کے ساتھ اونہہ.... حمید کو خفیف سی جنبش دی اور قریب سے گزرنے والی ایک ٹیکسی کے لئے ہاتھ اٹھا دیا۔



کرائم رپورٹر انور نے فون پر انسپکٹر فریدی کے نمبر ڈائیل کئے.... دوسری طرف ریسیور اٹھایا گیا۔

''اِٹ از انور....!''

''یس....!''

انور نے صبح کا واقعہ دہراتے ہوئے رانا پرمود کا حوالہ دیا اور پھر بولا۔ ''اب کیا کرنا

''فی الحال خاموش رہو۔'' دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔ ''اب کچھ ضرورت نہیں۔ ہاں اس کا حلیہ۔''

''رشیدہ کا بیان کیا ہوا حلیہ دہرا سکتا ہوں۔ میں اس سے نہیں ملا۔''

''غلطی کی تھی انور.... خیر.... بتاؤ۔''

انور اس اجنبی کا حلیہ دہرا کر ایک پل کے لئے رکا اور پھر بولا۔ ''ان دو ہزار کا کیا

''مجھے یقین ہے کہ عادت کے مطابق تم آج کل بھی مفلس ہی ہو گے۔'' فریدی کی آواز

''ظاہر ہے جناب۔''

''بس تو پھر.... تم خود ہی ان دو ہزار کا مصرف دریافت کر لو گے۔''

''یعنی مطلب یہ کہ اجازت ہے نا۔''

''قطعی....!''

''شکریہ۔'' انور نے طویل سانس لی۔

''مگر دیکھو۔ تمہیں اب خود کو بلیک میلر ہی پوز کرنا ہے۔'' فریدی بولا۔

''قانون کی اجازت ہے۔'' انور کے لہجے میں حیرت تھی۔

''اس کیس میں قانون کا تحفظ اسی طرح ہو سکے گا۔ ہاں رشیدہ سے کہو کہ اگر وہ آ کہیں دکھائی دے تو اس پر نظر رکھے۔''

''وہ کون ہو سکتا ہے۔''

''پگڑی کی وضع سے تو رانا پرمود کا سیکریٹری ہی معلوم ہوتا ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''اس کی نگرانی تو آپ بھی باقاعدہ طور پر کرا سکتے ہیں۔''

''رانا پرمود ہی کی طرح وہ بھی پُراسرار ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کب اور کہاں قیام کرتا ہے.... دونوں میں صرف اتنا ہی فرق ہے کہ رانا پرمود کو کسی نے نہیں دیکھا اور سیکریٹری اکثر دکھائی دیتا ہے۔''

''کیس کی نوعیت کیا ہے جناب۔'' انور نے پوچھا۔

''فی الحال اس پر روشنی نہیں ڈالی جا سکتی۔'' فریدی نے کہا اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔ انور نے طویل سانس لے کر ریسیور رکھ دیا۔



بنگلے کی پشت پر قد آدم جھاڑیوں کے سلسلے دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ لیکن بنگلے کی پشت سے بہ آسانی داخلے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔ کیونکہ دیواریں سپاٹ تھیں۔ کہیں کوئی روشندان بھی تو نہیں دکھائی دیا تھا۔

حمید نے ایک بار پھر فریدی کا نوٹ جیب سے نکال کر بغور پڑھا۔ لفظ ''بہ آسانی'' ہتھوڑے کی طرح ذہن پر ضربیں لگا رہا تھا۔

گیٹ کی طرف سے داخلہ محال تھا کیونکہ تھوڑے ہی فاصلے پر سڑک تھی اور اس پر کسی قدر ٹریفک بھی رہتا تھا۔ پھر اس کی کیا ضمانت تھی کہ ڈاکٹر ڈف کی عدم موجودگی میں اس کا کوئی ملاقاتی بھی نہ آ دھمکے گا۔

روز روشن کی بات تھی۔ رات ہوتی تو گیٹ ہی کی طرف سے سہی۔ وہ چند لمحے وہیں کھڑا

کچھ سوچتا رہا پھر بائیں جانب چل پڑا کیونکہ اس جانب کے سرے پر دیوار میں کچھ ابھری ہوئی نظر آئی تھیں۔

اس جوڑ سے دوسری کوئی دیوار اٹھانے کا پروگرام شائد آئندہ پر ملتوی کر دیا گیا تھا آدھی آدھی اینٹیں باہر نکلی رہ گئی تھیں۔

حمید نے ایک بار پھر گرد و پیش کا جائزہ لیا.... دور دور تک کسی کا پتہ نہیں تھا۔

دیوار کی اونچائی کم از کم بیس فٹ ضرور ہوگی۔ اس نے سوچا ممکن ہے بلندی پر [illegible] دکھائی ہی دے جائے۔ پھر کیا ہوگا۔

''اونہہ بکواس۔'' وہ گردن جھٹک کر بڑبڑایا۔ ''دیکھا جائے گا۔ میک اپ تو ہے [illegible] چور چور کا شور ہی سہی۔''

پھر تین منٹ کے اندر ہی اندر وہ دیوار کے اوپر تھا۔ چھت دیوار سے تقریباً چار فٹ تھی۔ اس لئے یہاں بھی کوئی دشواری پیش نہ آئی۔

چھت سے وہ ان زینوں تک پہنچا جن کا اختتام نچلی منزل کے ایک سلاخ دروازے پر ہوا تھا۔

یک بیک اس نے ایک خوفناک قسم کی غراہٹ سنی اور اچھل کر دو تین زینے اتر گیا۔ سلاخوں دار دروازے میں ہاتھ لگانے کی بھی نوبت نہیں آئی تھی۔ پھر ایک گورلے پر نظر کیوں نہ پڑتی جو لنگڑاتا ہوا اسی طرف چلا آ رہا تھا۔

سلاخیں پکڑ کر اس نے کھوپڑی ٹیڑھی کی اور حمید کو اس طرح گھورنے لگا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔

''سلام علیکم۔'' حمید الٹے پاؤں چوتھے زینے پر کھسکتا ہوا بولا اور پھر اُسے اپنی عقابی میں نظر آئی کہ یہاں سے لودو گیارہ ہو جائے۔ پتہ نہیں اور کتنی بلائیں عمارت میں اُس کی منتظر ہیں۔

سلاخوں دار دروازہ مقفل نہ ہوتا تو شاید اس وقت اچھی خاصی درگت بنی ہوتی۔

چھت پر پہنچا اور نہایت اطمینان سے واپسی کا سفر شروع کر دیا۔

چونکہ واپسی کا سفر تھا اس لئے کسی قسم کی احتیاط کی بھی ضرورت نہیں محسوس ہوئی تھی۔ حتیٰ کہ ادھر اُدھر دیکھنے کی زحمت بھی نہ گوارا کی گئی۔

پھر جیسے ہی بایاں پیر زمین پر ٹکا پشت سے آواز آئی۔ ''بہت اچھے۔''

حمید بوکھلا کر مڑا۔ ایک مضبوط جسم کا سیاہ فام آدمی جھپٹ پڑنے کے سے انداز میں کھڑا اسے گھور رہا تھا۔ صورت جانی پہچانی سی معلوم ہو رہی تھی کہاں اور کب دیکھا تھا فوری طور پر یاد نہ آ سکا۔

اس نے سوچا بُرے پھنسے۔ اب کسی نہ کسی طرح نکل ہی چلو ورنہ شامت ہی آ جائے گی۔

''کک.... کچھ نہیں چرا سکا.... جج جناب۔'' حمید ہکلایا۔ ''آپ تلاشی لے لیجئے۔''

''چور.... بدمعاش....!'' کالا آدمی دھاڑا۔

''مم.... معاف کر دیجئے۔'' حمید گھگھیایا۔

''میں تمہیں جہنم میں پہنچا دوں گا۔'' وہ مکا تان کر جھپٹا۔ حمید یہی چاہتا تھا کہ کسی طرح کچھ شروع ہو جائے۔ بھاگ نکلنے کے مواقع اسی صورت میں ہاتھ آتے۔

حمید بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹا۔ پھر قبل اس کے وہ دوسرے حملے کے لئے سنبھلتا حمید کا ہاتھ اس کی داہنی کنپٹی پر پڑا۔ یہ ایسا ہی بچا تلا ہاتھ تھا کہ سیاہ فام آدمی لڑکھڑا کر ڈھیر ہو گیا۔

حمید نے اس کے اوپر ہی سے دوسری طرف چھلانگ لگائی اور جھاڑیوں میں گھستا چلا گیا۔

سیاہ فام کی دہاڑیں دور ہوتی جا رہی تھیں۔ شاید وہ وہیں اسی جگہ کھڑا چیخ رہا تھا۔ حمید کا تعاقب کرنے کی ہمت نہیں پڑی تھی۔

حمید دوڑتا رہا۔ جب یقین ہو گیا کہ اس کی پہنچ سے باہر ہے تو ایک جگہ رک کر سانسیں درست کرنے لگا۔ وہ سوچ بھی رہا تھا کہ اس آدمی کو پہلے کہاں دیکھا تھا۔

یک بیک ریگی یاد آئی اور وہ اچھل پڑا۔ دونوں میں بڑی مشابہت تھی۔ اُوہ تو کیا یہی ڈاکٹر ڈف؟

قریب ہی ایک تالاب نظر آیا۔ حمید نے وہیں میک اپ سے بھی پیچھا چھڑانے کے بعد

پھر موڈل کالونی کی راہ لی۔ لیکن ڈاکٹر ڈف کے بنگلے سے دور ہی دور رہا۔

کالونی کے پوسٹ آفس کے قریب پہنچ کر رکا۔ وہ یہیں سے فریدی کو اطلاع دے بقیہ وقت کے لئے غائب ہو جانا چاہتا تھا کیونکہ ان دنوں وہ ایک انتہائی غصہ دار اور نک چڑ لڑکی سے دوستی کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

پبلک کال بوتھ خالی نظر آیا۔ حمید نے اندر داخل ہو کر چٹخنی بھی چڑھا دی تاکہ باہر دروازہ کھولا نہ جا سکے۔ بوتھ ساؤنڈ پروف قسم کا تھا۔ اس لئے اس کا بھی خدشہ نہیں تھا کہ باہر سے سن لی جائے گی۔

فریدی کے نمبر ڈائیل کئے۔ دوسری طرف سے فوری طور پر جواب ملا۔

''یس سر.....!'' حمید اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ ''پہلے چچا جان سے ملاقات ہوئی تھی ان کی آؤ بھگت کی تاب نہ لا کر بھاگنا پڑا۔ چھت پر پہنچا۔ ٹھہریئے سنتے جایئے۔ آخر آپ بھی زندگی کے خواہاں کیوں ہو گئے ہیں۔ ایک بار جی کڑا کر کہہ دیجئے لگا دوں کسی اندھے کنوئیں میں چھلانگ۔ آگے اللہ مالک ہے۔ جی جی وہ چچا جان..... ہو سکتا ہے اُن کا کوئی نام بھی ہو۔ میں صرف گوریلا کہہ سکتا ہوں۔ کم از کم چھ فٹ ضرور اونچا رہا ہوگا۔ رنگت بھوری تھی..... چھت سے زینے جس کمرے میں ختم ہوئے میں وہیں تھا۔ زینوں کا دروازہ لوہے کا ہے۔ سلاخ دار۔ خیریت یہی ہوئی کہ مقفل تھا ورنہ یا تو میں ٹارزن کی شکل میں واپس ہوتا یا اس چیز کی صورت میں جسے تازہ گوشت کا لوتھڑا کہتے ہیں۔''

''تو پھر تم نے عمارت کے دوسرے حصوں میں پہنچنے کی کوشش نہیں کی۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''اب کئے لیتا ہوں۔'' حمید غرایا۔

''کچھ بھی نہ ہوا۔''

''لیکن ڈاکٹر ڈف سے ملاقات ہوئی تھی۔''

''گڈ! تب تو میرا خیال ہے کہ بہت کچھ ہوا ہے۔ صاحب زادے ذرا سنجیدگی سے

رپورٹ دہراؤ۔''

دہرانی ہی پڑی۔ فریدی پوری روداد سن لینے کے بعد بولا۔ ''تمہارا خیال صحیح ہے۔ حلیہ کے مطابق وہ ڈاکٹر ڈف ہی ہو سکتا ہے۔ کام ختم..... عیش کرو۔''

''شکریہ۔ مگر آپ سے اندازے کی غلطی کیسے ہوئی۔ آپ نے تو لکھا تھا کہ وہ گھر پر موجود نہیں ہے۔''

''میں یہی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ موجود نہ ہونے کے باوجود بھی گھر ہی پر ہوتا ہے۔''

''کیا بات ہوئی۔''

''جب وہ گھر پر تنہائی چاہتا ہے تو لڑکی سے کہہ دیتا ہے کہ فلاں وقت سے فلاں وقت تک گھر سے باہر رہے گا۔ اسی کے سامنے رخصت بھی ہو جاتا ہے۔ قفل کی دہری کنجیاں ہیں۔ ایک لڑکی کے پاس رہتی ہے اور دوسری ڈاکٹر کے پاس۔ لڑکی پابندیوں میں رکھی جاتی ہے..... لہٰذا میدان صاف دیکھ کر اس کا بھاگ نکلنا یقینی ہو جاتا ہے۔ لیکن جس وقت ڈاکٹر اپنی واپسی کا تعین کرتا ہے اس سے آدھا گھنٹہ پہلے ہی وہ گھر پہنچ جاتی ہے۔''

''ڈاکٹر مقفل مکان میں کیسے داخل ہوتا ہوگا۔'' حمید نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے کہ وہاں کوئی چور دروازہ بھی ہے جس کا علم ڈاکٹر کے علاوہ اور کسی کو نہیں۔''

''اچھا تو یہ ہنری آپ ہی کی ہدایت پر اپنی مٹی پلید کر رہا ہے۔''

''یہی سمجھ لو۔'' دوسری طرف سے کہا گیا اور پھر حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔ حمید صرف منہ بنا کر رہ گیا۔ کیونکہ اب یہ قصہ اس کیلئے بھی دلچسپ ہو گیا تھا۔ اس نے سوچا کہ پھر رنگ کرے۔ لیکن خیال آیا ممکن ہے فریدی اس بار جھنجھلا کر کوئی ایسی بات کہہ دے جو اس کا اپنا موڈ خراب کرنے کیلئے کافی ہو۔ ویسے وہ دراصل ان انسانی اعضاء کے متعلق معلوم کرنا چاہتا تھا جن کے رکھنے کی جگہ اُسے ڈاکٹر ڈف کے بنگلے میں تلاش کرنی تھی۔

''لاحول ولا قوۃ۔'' وہ بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑایا اور دروازہ کھول کر بوتھ سے باہر آ گیا۔

بھلا کیا بات ہوئی۔ جناب والا یہ کیسے لکھ دیتے کہ خواہ مخواہ کسی کے مکان میں گھسنے کی

کوشش کرو اور حاضری دے کر واپس چلے جاؤ۔ کوئی معقول وجہ بھی تو ہونی چاہئے اور یہ وجہ
حیرت انگیز تھی۔ انسانی اعضاء.... ہونہہ.... یوں اُلو بنا کر کام نکالتے ہیں۔

حمید نے ایک بار پھر بُرا سا منہ بنایا اور وہاں سے چل پڑا۔ کچھ بھی ہو۔ انسانی اعضا
والی بات بہانہ ہی سہی۔ لیکن معاملہ اہم ہی معلوم ہوتا تھا۔ ورنہ فریدی نے پچھلا ایک ہفتہ
لیبارٹری میں کیوں گذارا تھا۔

وہ چلتا رہا۔ پھر ایک جگہ چونک کر ٹیکسی تلاش کرنے لگا۔ وہ نک چڑھی یاد آئی تھی جسے
پچھلے ماہ ہائی سرکل نائٹ کلب میں دیکھا تھا اور اس کے ایک دوست نے بتایا تھا کہ وہ پرمود
ہاؤز میں رہتی ہے۔ غالباً رانا پرمود کی کوئی رشتہ دار ہے۔ بے حد غصہ ور ہے۔ کسی کو منہ نہیں
لگاتی۔ ہر قسم کی تفریحات میں تنہا ہی نظر آتی ہے۔ کبھی کبھی کوئی عورت بھی ساتھ ہوتی ہے۔ لیکن
کسی مرد کے ساتھ کبھی نہیں دیکھی گئی۔ لڑکی حالانکہ دیسی لباس میں رہتی تھی لیکن اس کے
یوریشین ہونے میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ زیادہ تر اردو میں گفتگو کرتی تھی اور گفتگو کے دوران کوشش
کرتی تھی کہ زبان سے انگریزی کا آدھا لفظ بھی نہ نکلنے پائے۔ بڑے دلکش خدوخال والی تھی۔

حمید چلتا رہا کیونکہ ابھی تک کوئی ٹیکسی نہیں مل سکی تھی۔ دفعتاً ایک جگہ اُسے رکنا پڑا۔
حیرت انگیز واقعہ تھا۔ حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑے کھڑا رہا کیونکہ ایسا منظر تو شاید الف لیلیٰ
ہی کی کسی داستان میں نظر آتا۔

اُسے ایک دیو قامت آدمی دکھائی دیا تھا جو ایک موٹر سائیکل کو سوار سمیت اٹھانے کی
کوشش کر رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے اسے پوری طرح اٹھا لیا اور اسی طرح چلتا ہوا سڑک
کے دوسرے کنارے پر پہنچا اور موٹر سائیکل پھر زمین پر ٹکا دی۔ سوار ہکا بکا اُس کا منہ دیکھ رہا تھا۔

حمید تیزی سے آگے بڑھا۔ انکے قریب ہی پہنچ گیا لیکن وہ دونوں ایک دوسرے کو اسطرح
گھورے جا رہے تھے کہ شاید انہیں گردوپیش کا ہوش ہی نہیں تھا۔ دفعتاً دیوزاد بولا۔ ''اب بتاؤ۔''

''میں کیا بتاؤں۔'' دبلے پتلے سوار نے بوکھلا کر کہا۔

''نہیں ضرور بتاؤ.... چڑھا دو یہ سالی غاڑی میری کھوپڑی پر۔''

''ارے صاحب آپ کے دھکا بھی تو نہیں لگا تھا۔''

''میرے کوٹ میں تو دھکا لگا تھا۔ اب قہوہ ہوا سے اڑ کیوں رہا تھا۔ میں قہوں غا....
سالی ہوا کیوں چل رہی تھی.... نہیں بتاؤ۔''

موٹر سائیکل سوار نے بے بسی سے چاروں طرف دیکھا اور پھر دیوزاد کی طرف منہ اٹھا
کر بولا۔ ''اے بولو نا.... میرا وقت بہت کیمتی ہے۔'' دیوزاد نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اب میں کیا بولوں.... اچھا چلئے معاف کر دیجئے۔ غلطی ہوئی تھی۔''

''بعد میں معاف کر دوں گا۔ پہلے تم یہ بتاؤ کہ میرے کوٹ میں دھکا کیوں لگا تھا۔''

حمید اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔ ادھر وہ بے چارا سائیکل سوار بڑی مصیبت میں پھنس گیا
تھا۔ دفعتاً اس نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''مسٹر آپ ہی سمجھائیے۔''

''ابے کھمبردار۔'' دیوزاد بپھر گیا۔ ''کسی دوسرے کو بیچ میں نہ ڈالو۔ چاہے وہ مسٹر ہو
چاہے نشی جی۔''

''ہاں.... یہ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' حمید نے سر ہلا کر کہا اور نظر بچا کر سائیکل سوار کو
آنکھ ماری۔ اب دیوزاد بھی حمید کی طرف پوری طرح متوجہ ہو گیا تھا۔

''ٹھیک ہے نا بھائی صاحب۔'' اس نے دانت نکالے دو تین بار تیزی سے پلکیں جھپکائیں
اور پھر بولا۔ ''اغر میں مر جاتا تو قیا ہوتا۔''

''لاش اٹھوانے میں بڑی دشواری ہوتی۔'' حمید نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

''ہائیں.... لاش.... ارے باپ رے۔'' دیوزاد نے کہا۔ ہونٹوں پر زبان پھیری اور بے
ڈھنگے انداز میں منہ چلانے لگا.... پھر بولا.... ''اُف فوہ.... میرا سر چکرا رہا ہے۔''

سائیکل سوار نے حمید کا اشارہ پا کر مشین اسٹارٹ کر دی۔ لیکن دیوزاد نے مڑ کر اس کی
طرف دیکھا تک نہیں۔ پھر موٹر سائیکل آگے بھی بڑھ گئی۔

''مم.... مجھے میری غاڑی تک پہنچا دیجئے بھائی صاحب۔'' دیوزاد نے بھرائی ہوئی آواز
میں کہا۔ اس کی آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔

''گاڑی کہاں ہے۔''

''وہ....ادھر....اس بلاک کے پیچھے....اُف فوہ....میری آنکھیں بند ہو رہی ہیں۔''

حمید اُسے اس کی گاڑی تک لایا اور گاڑی دیکھ کر خود اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ یہ رولز رائیس تھی۔ تو یہ مینار نما گنبد کوئی متمول آدمی ہے۔ اس نے سوچا۔

''سر چکرا رہا ہے تو ڈرائیو کیسے کرو گے۔'' حمید نے پوچھا۔

''اللہ مالک ہے۔'' زیوزاد نے ٹھنڈی سانس لی۔

''میں پہنچا دوں۔''

''جرور جرور.... بھائی صاحب....الاقسم بڑے اچھے آدمی ہو۔ خدا کھش رکھے۔''

حمید اسٹیئرنگ کے سامنے جا بیٹھا اور دیوزاد بھی اگلی ہی سیٹ پر جم گیا۔

''کہاں چلوں۔'' حمید نے پوچھا۔

''کہیں بھی۔'' دیوزاد نے کراہ کر جواب دیا۔ پھر بولا۔ ''یار واکئی میرا پیٹ پھٹ جاتا تو کیا ہوتا۔''

''آنتیں نکل پڑتیں۔'' حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''ارے باپ رے۔'' دیوزاد نے دونوں ہاتھوں سے پیٹ دبا لیا۔

''تم کیا کرتے ہو۔'' حمید نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

''کچھ نہیں....جی گھبراتا ہے سمجھ میں نہیں آتا کیا قروں....!''

''رہتے کہاں ہو۔''

''عاصم ولا میں۔''

''اُوہ وہ خان بہادر عاصم....!''

''ہاں....وہ میرے والد بجرگوار ہیں۔''

''اچھا....اچھا....مگر یار....خیر کچھ نہیں....ہاں تو تمہیں عاصم ولا پہنچا دوں۔''

''نہیں....میں گھر نہیں جانا چاہتا....جہاں دل چاہے پہنچا دو۔''

''تفریح کی رہے گی۔''

''ارے واہ....!'' دیوزاد اچھل پڑنے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ ''جرور....جرور....!''

''زیادہ تر کہاں بیٹھتے ہو۔'' حمید نے پوچھا۔

''اپنی مسہری پر یا گاڑی میں۔'' بھولے پن سے جواب ملا۔ حمید نے سوچا۔ بدھو دی معلوم ہوتا ہے۔ خاصی تفریح رہے گی۔ ہوسکتا ہے نک چڑھی لڑکی تارا ہی کے سلسلے میں کسی طرح کارآمد ثابت ہو جائے۔

''کلبوں میں نہیں جاتے۔'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں پیارے بھائی۔'' دیوزاد نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''سب میرے باپ کو عاصم صاحب کہتے ہیں۔ لیکن میں ظالم صاحب کہتا ہوں۔ اگر ان کا کوئی آدمی مجھے قسی ہوٹل یا کلب میں دیکھ لے تو جا کر ایسی آگ لگائے گا....ہائے اللہ میں کیا کروں۔''

''جس آدمی پر شبہ ہو کہ یہ جا کر آگ لگائے گا مجھے بتا دینا۔ اُس سے پہلے ہی میں اس کا چٹنی بنا دوں گا۔''

''قیوں....تم کون ہو پیارے بھائی۔'' دیوزاد نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر پلکیں جھپکائیں۔

''میں فلم ڈائریکٹر ہوں۔''

''ہائیں....نہیں۔'' دیوزاد حیرت سے چیخا۔

''ہاں پیارے بھائی۔''

''اے تو وہ تم نے مس مادھوری کو قریب سے دیکھا ہوگا۔''

''ہاں پیارے بھائی....وہ تو مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔''

''اے ہوش میں ہو یا نہیں۔'' دیوزاد نے غصیلے انداز میں آنکھیں نکالیں۔

''کیوں پیارے بھائی۔''

''تم سے قیوں کرنے لگی محوبت....اجی واہ....کھوب رہی۔ میں تو....میں تو....واہ وا۔''

''آخر کیوں؟ کیا تم اسے جانتے ہو۔'' حمید نے پوچھا۔

"یہ دیکھو۔" دیوزاد نے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال کر مادھوری کی تصویر نکالی لیکن یہ تصویر ان تصویروں سے مختلف نہیں تھی جو فٹ پاتھوں پر ایک ایک آنے میں فروخت کرتی ہیں۔

"اچھا تو تم اس سے محبت کرتے ہو۔"

دیوزاد نے ٹھنڈی سانس لی اور مسمسی صورت بنا کر رہ گیا۔

"بولو نا.... شرمانے کی ضرورت نہیں۔ اگر تم کہو تو میں اس سے تمہاری سفارش کر سکتا ہوں۔"

"ہائے پیارے بھائی جندگی بھر احسان مانوں گا۔ مگر وہ تم سے محبت کیوں کرتی ہے۔"

"اب نہیں کرے گی۔ میں تم سے زیادہ خوبصورت تو نہیں ہوں۔"

"ارے ہی ہی ہی.... میں کن لائیک ہوں بھائی صاحب۔ یہ سالا ڈیل ڈول نہ ہوتا شاید ہوتا کسی لائیک....!"

"ارے وہ..... یہی تو ہے.... سب کچھ۔ میں تمہیں کرنل ٹاور کے نام سے ملاؤں لڑکیوں سے۔"

"لڑکیاں.... ارے باپ رے.... ارے نہیں.... ہی ہی ہی۔"

"بس دیکھ لینا.... میرا نام زیٹو ہے.... ڈاکٹر زیٹو.... وہ فلم دیکھی تھی نا تم نے آپ کی بیٹی۔"

"نہیں دیکھی تھی۔"

"میں نے ڈائریکٹ کی تھی۔ پھر کبھی دیکھنا.... ہاں تو یہ مادھوری۔"

تین چار گھنٹے تک پٹرول پھونکا جاتا رہا.... بس شہر گردی ہوتی رہی۔ حمید اسے ہائی کلاس نائٹ کلب لے جانا چاہتا تھا مگر اس وقت جب تارا وہاں موجود ہوتی تھی۔

ابھی پانچ ہی بجے تھے۔ وہ سات سے پہلے نہیں آتی تھی.... اس دوران میں مختلف ہوٹلوں میں چائے پی گئی۔ کہیں کہیں حمید کی جان پہچان والیاں بھی ملیں اور دیوزاد ان سے اپنے مخصوص انداز میں محظوظ بھی ہوا۔ اس کا تعارف کرنل ٹاور ہی کے نام سے ہوتا رہا تھا۔ جانے کیوں اسے اپنا یہ مضحکہ خیز نام بہت پسند آیا تھا۔"

بہر حال دو چار گھنٹوں ہی میں وہ ایک دوسرے کے یارِ غار معلوم ہونے لگے۔

دیوزاد کا نام قاسم تھا۔

تقریباً چھ بجے جب وہ آرلکچو سے اٹھ رہے تھے حمید نے اس سے کہا۔ "اب تو تمہارا چکر فیچ ہو چکا ہوگا۔ اپنے گھر جاؤ۔"

"ارے نہیں پیارے بھائی۔ اب وہاں لے چلو نا جہاں مادھوری آتی ہے۔"

"سات بجنے سے پہلے نہیں آتی۔ مگر وہ آج کل کہاں آتی۔ لیکن دیکھو مجھے اپنی نئی فلم کی ہیروئن مشوتہ عرف قاتل کٹار کے لئے ایک ہیروئن کی تلاش ہے۔ لڑکی میں نے پسند کر لی ہے نہیں بھی دکھانے کا ارادہ ہے۔"

"ارے.... جرور.... جرور.... پیارے بھائی۔"

"اچھا تو بس سات بجے چلیں گے۔"

"اتنا پیارا دوست مجھے آج تک نہیں ملا تھا۔ واہ رے میرے مولا تو بڑا مہربان ہے۔" قاسم نے بے حد سرور کے عالم میں کہا۔

اور حمید سوچ رہا تھا کہ بہترین تفریح ہاتھ آئی ہے۔

ٹھیک سات بجے رولس ہائی سرکل نائٹ کلب کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ سردیوں کی راتیں تھیں اس لئے خاصا اندھیرا پھیل چکا تھا۔

گاڑی پارکنگ شیڈ میں چھوڑ کر وہ عمارت کی طرف روانہ ہوئے۔ قاسم کی بتیسی نکلی پڑ رہی تھی۔ کہنا کچھ چاہتا اور زبان سے کچھ نکلتا۔

کرائم رپورٹر انور اپنی میز پر تنہا تھا۔ کلب کے ڈائننگ ہال کی فضا زندگی سے بھر پور تھی۔ اس نے کافی طلب کی اور کسی خیال میں ڈوبا ہوا ہلکی ہلکی چسکیاں لیتا رہا۔ ان دنوں شامیں عموماً ہائی سرکل کلب ہی میں گزار رہا تھا۔ منیجر سے خاصی جان پہچان تھی اس لئے بھی چل جاتا تھا۔

کافی کی پیالی ختم کرتے ہی اُس نے محسوس کیا جیسے اس کا سر چکرا رہا ہے۔ سا عجیب قسم کے اوٹ پٹانگ خیالات بھی اس کے ذہن میں چکرانے لگے۔ مثلاً اگر اس بھی ہوتی تو پتلون پہننے میں کتنی دشواری پیش آتی۔ دم سمیٹنی پڑتی۔ زیادہ بڑی ہوتی تو بالکل اسی طرح لپیٹنا پڑتا جیسے عورتیں سر پر جوڑا باندھتی ہیں۔ دفعتاً اس نے قریب ہوئے ویٹر سے کہا۔ ''کیوں دوست! بالکل ایسا ہی لگتا ہے نا جیسے پتلون کے نیچے کمر باندھ رکھی ہو۔''

ویٹر ہکا بکا رہ گیا اور پھر بوکھلا کر بولا۔ ''جی صاحب۔''

''نہیں سمجھتے۔'' انور نے احمقانہ انداز میں قہقہہ لگایا۔ ''اچھا قریب آؤ۔''

ویٹر قریب آ گیا اور انور اس کی کمر تھپتھپا کر بولا۔ ''یہاں گٹھری۔''

''میں نہیں سمجھا جناب۔'' ویٹر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''جہنم میں جاؤ۔ اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتے۔ اوگدھے میں دم کی بات کر رہا تھا۔''

''اچھا اچھا صاحب۔'' ویٹر جلدی سے بولا۔ ''میں ابھی حاضر ہوا۔''

پھر اس نے کھسک جانے میں عافیت سمجھی۔ غالباً وہ یہی سمجھا تھا کہ زیادہ چڑھ گئی ہے میز پر کافی کی ٹرے کے علاوہ اور کیا تھا۔

ایسے ہی بے ڈھنگے خیالات انور کے ذہن میں کلبلاتے رہے اور وہ خواہ مخواہ ہنستا آس پاس کے لوگ چونک چونک کر اُسے دیکھتے رہے۔ پھر تو ذہن پر قابو پانا ہی دشوار

وہ بلند آواز میں بڑبڑا رہا تھا۔ واہ.... کیا بات ہوئی۔ شاندار واہ.... عورتوں کی دم کے لئے طرح طرح کے زیورات بننے لگتے۔ اخبارات میں اس قسم کے اشتہارات نظر آتے.... کبھی ہماری دوکان پر بھی تشریف لائیے۔ آپ کی دم کی زینت کے سارے سامان مہیا ہیں۔ یا پھر دم لائیے.... نیل پالش کے ساتھ ہی ساتھ ٹیل پالش بھی ہا ہا۔ فلاں لوشن استعمال کر کے دم کی نفاست کیجئے۔ دموں کے ریشمی غلاف شادی بیاہ کا مسئلہ ہوتا تو طرفین پوچھتے صاحبزادے کی کتنی بڑی ہے.... ہر ایک کے پیچھے تو نہیں ہلاتے پھرتے.... کوئی محترمہ گئی ہیں لڑکی دیکھنے اپنے صاحبزادے کے لئے۔ لڑکی کی دم دیکھتے ہی ناک بھوں چڑھائی۔ کچھ سوچتی رہیں اور ہائے اللہ بس اتنی سی دم.... ڈپٹی فلاں کی بیوی کہہ رہی تھی کہ لڑکی گز سوا گز کی دم ہی رکھتی ہے۔ نہیں بھئی ہمیں ذرا دمدار چاہئے۔ دوسری طرف کوئی ساس صاحبہ بہو کو للکار رہی ہیں اری کمبخت اٹھتے اٹھتے ذرا دم تو ہلا دیا کرو.... دیکھ کتنا کوڑا، کچرا پھیلا رہتا ہے آس پاس.... والد صاحب فرزندانِ حمید کی دم تھامے کر رہے ہیں پٹائی۔ کسی بے تکلف دوست نے راہ چلتے بے دھیانی میں پیچھے سے دم پکڑ لی.... ہاہا.... ہاہا.... ہاہا....!''

''واقعی بُری طرح چڑھ گئی ہے۔'' ایک نے دوسرے سے کہا۔ دوسرا صرف سر ہلا کر رہ گیا۔ ویسے وہ بھی انور کو مضحکانہ انداز میں گھورے جا رہا ہے۔

''ہاں.... بھئی اور سنو.... کوئی فکر مند ماں پڑوسن سے کہہ رہی ہے۔ اے بہن دیکھو نہ جانے کیا روگ لگ گیا ہے میری بیٹی کو.... ماشاء اللہ کیسی گنجان دم تھی۔ اے تم نے تو دیکھا ہی ہے۔ سارے بال جھڑے جا رہے ہیں.... کوئی تیل پھلیل ہی بتاؤ۔''

''یار کہیں کوئی ہنگامہ برپا نہ کرا دینا۔ چلو تمہیں گھر چھوڑ آئیں۔''

''گھر کون جائے گا.... بیٹھو.... واہ.... اور سنو.... دو دوست ملے۔'' انور نے کہا اور یک لخت خاموش ہو گیا۔ پتہ نہیں کیوں اس کا دل چاہتا تھا کہ اب میز پر کھڑا ہو کر زور زور سے چیخنا شروع کر دے۔ سر اب بھی چکرا رہا تھا۔

اس نے میز پر چڑھنے کی کوشش کی لیکن دونوں آدمیوں نے باز رکھا۔ کئی ویٹر ان کی

طرف لپکے....ان میں سپروائزر بھی تھا۔

''ارے بھئی بس لے جا رہے ہیں.... پتہ نہیں کہاں پی آیا تھا۔'' ایک آ
سپروائزر سے کہا اور انور ان کے درمیان لڑکھڑاتا ہوا صدر دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔



حمید قاسم سے کہہ رہا تھا۔ ''یار دیکھو.... پتہ نہیں کیوں آج ابھی تک نہیں آئی۔''

''کھیر....!'' قاسم نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''اپنا مکدر ہی سالا اوندھا سیدھا ہے
مالک ہے۔''

''کیا بتاؤں.... میں نے چاہا تھا کہ آج ہی تمہیں اس سے بھی ملوا دیتا۔''

''جانے دو بڑے بھائی پھر سہی۔ آج میں خوش ہوں.... اُف فوہ۔ اتنا پیارا دوست
آسانی سے مل گیا۔''

''مگر تم نے اُسے موٹر سائیکل سمیت اٹھا کیوں لیا تھا۔''

''ارے بس یونہی.... وہ سالا سمجھا تھا کہ شاید میں اس سے کجور پڑتا ہوں۔''

''خدا کرے کبھی کوئی گدھا تمہیں لات نہ مارے۔''

''مار کر تو دیکھے سالا۔'' قاسم بگڑ گیا۔

''یہی تو میں کہہ رہا ہوں.... ورنہ اُسے اعتراف کرنا پڑے گا کہ اس سے بھی بڑے
دنیا میں موجود ہیں۔''

قاسم نے اکڑ کر چاروں طرف حقارت سے دیکھا اور پھر ایک ایسی لڑکی کو گھورنے
بے حد دبلی پتلی تھی۔

''ہائے....!'' کچھ دیر بعد اس نے لپک کر جلے کٹے لہجے میں کہا۔ ''جرا انہیں تو دیکھ

ہے ایسا لگتا ہے جیسے ابھی ہائے اللہ کہیں گی اور مر جائیں گی۔''

''کس کی بات کر رہے ہو۔''

''وہ جو مہین بیگم بیٹھی ہیں۔''

''اے تو تمہیں کیوں بُری لگ ی ہے۔ تم ایسے لہجے میں اس کے متعلق گفتگو کر رہے ہو
پرانی دشمنی ہو۔''

''جلن لگتی ہے۔ ہڈیاں سلگتی ہیں.... اب دیکھو.... اب دیکھو.... ہا.... نجاکت کی پڑیا۔
اللہ کیتلی بھی نہیں اٹھتی.... کانکھے مارتی ہیں.... شکل تو دیکھو جیسے پہاڑ اٹھا لیا ہو.... ارے مر
بلو جلدی سے.... ہاں نہیں تو۔''

حمید کو ہنسی آ گئی۔ کیا جانور ہاتھ لگا ہے۔ واہ....!

''اوہ....!'' یک بیک وہ سنجیدہ نظر آنے لگا۔ ''انور....!'' وہ آہستہ سے بڑبڑایا اور اس
آنکھیں پھاڑنے لگا جیسے کسی انہونی کا سامنا ہو گیا ہو۔ انور شرابی تو نہیں تھا اُسے شراب
رت تھی.... پھر یہ کیا۔

دونوں آدمی قریب آ گئے جو لڑکھڑاتے ہوئے انور کو سہارا دیئے غالباً لے جا رہے تھے۔

''خدا کے لئے اتنی نہ پیا کرو پیارے۔'' ان میں سے ایک کہہ رہا تھا۔ ''قابو ہی نہیں رہتا
اپنے اوپر۔ کتنی واہیات بات ہے۔''

حمید نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدلا۔ وہ سوچ رہا تھا ضروری نہیں کہ یہ شراب ہی کا
.... انور کے دوست انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے۔ لیکن دشمنوں کا شکار مشکل تھا۔ جیسے ہی وہ
دروازے کے قریب پہنچے حمید بھی اٹھ گیا۔

''تو ں.... پیارے بھائی۔'' قاسم نے ٹوکا۔

''بیٹھو.... میں ابھی آیا۔'' حمید نے کہا اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ وہ لوگ صدر
سے گزر چکے تھے۔

کمپاؤنڈ میں کئی ٹیکسیاں موجود تھیں۔ حمید نے انہیں ایک میں بیٹھتے دیکھا۔ کمپاؤنڈ میں

عموماً واپسی ہی کی ٹیکسیاں رکا کرتی تھیں۔ لہٰذا ان میں سے کسی کا حاصل کر لینا مشکل نہ تھا۔ قاسم کی گاڑی وہ اس طرح استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دفعتاً انور کی موٹر سائیکل دکھائی دی اور اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

بابا خاور

انور بھونچکا رہ گیا۔ کیونکہ اس وقت وہ نہ تو ہائی سرکل نائٹ کلب میں تھا اور نہ اپنے میں.... یہ کسی رہائشی عمارت کا ہال تھا۔ لیکن دروازے بند تھے۔ انور کو اپنے علاوہ آس پا کوئی نہ دکھائی دیا۔

پھر وہ اس آرام کرسی کا جائزہ لینے لگا جس پر پڑا ہوا تھا۔ بھولی بسری باتیں یا لگیں۔ ہائی سرکل کلب کی کافی یاد آئی.... اس کیفیت کی دھندلی سی پرچھائیں یادداشت رینگنے لگی جو کافی پینے کے بعد طاری ہوئی تھی۔ وہ دونوں آدمی اُسے میز سے اٹھا کر باہر تھے۔ صدر دروازے سے گزر جانے تک کے واقعات اب بھی یاد تھے۔ لیکن پھر.... اس اند کو حافظہ بھی نہ کرید سکا۔ اسکے بعد کیا ہوا تھا۔ اسکے بعد تو شاید یہیں ہوش آیا تھا اسی کرسی

پچھلی شام والی کیفیت بھی عجیب تھی۔ اس نے لاکھ کوشش کی تھی کہ خود کو قابو میں لیکن ناکام رہا تھا۔ محسوس کرتا رہا تھا کہ اس سے حماقتیں سرزد ہو رہی ہیں لیکن ذہن میں قوت نہیں رہ گئی تھی کہ وہ منطقی شعور کو دخل دے سکتا۔

یقیناً اُسے کافی میں کوئی ایسی چیز دی گئی تھی جو ذہن و جسم کو بیکار کر دیتی ہے۔

دفعتاً کسی جانب کا دروازہ چرچرایا۔ پھر اس کے بند ہونے کی آواز بھی سنائی دی انور نے مڑ کر دیکھنے کی زحمت نہیں گوارا کی۔

وہ بے حس و حرکت بیٹھا ہوا تھا۔ آنکھیں خلاء میں گھور رہی تھیں۔ پتھرائی ہوئی

تھیں۔ زندگی سے یکسر خالی۔ چہرہ ویران ہو کر رہ گیا تھا۔

آنے والا اس کے قریب ہی رکا۔ لیکن انور کی حالت میں اب بھی کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔

اس نے جھک کر اسکی پتھرائی ہوئی آنکھوں کا جائزہ لیا۔ پھر تیزی سے ایک جانب بڑھ گیا۔

اب وہ دیوار سے لگے ہوئے سوئچ بورڈ کے ایک پش سوئچ کا بٹن دبا رہا تھا۔

چند ہی لمحوں کے بعد کئی قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ تین آدمی اندر داخل ہوئے۔

آنے والے نے کسی کو مخاطب کیا۔

"ذرا دیکھنا تو اُسے کیا ہو گیا ہے۔"

وہ تینوں ہی انور کے قریب چلے آئے۔

"اُوہ.... یہ کیا.... اس کی تو پلکیں تک نہیں جھپک رہیں۔" ایک نے کہا اور دوسرے نے پر انگلیاں رکھ دیں۔

"نبض تو چل رہی ہے۔" اس نے کہا۔ "اور جسم بھی گرم ہے۔"

پھر وہ انور کو جھنجھوڑ کر آوازیں دینے لگا۔ لیکن انور بالکل پتھر کے بت ہی کی طرح ادھر ٹکٹکی کر رہ جاتا۔ نہ ان کی طرف دیکھتا اور نہ پلکیں جھپکاتا۔

"کیا مصیبت ہے۔" ایک بڑبڑایا۔

دیوار کے قریب کھڑے ہوئے آدمی نے کہا۔ "دواؤں کا بکس لاؤ۔"

یہ آواز انور کیلئے جانی پہچانی سی تھی۔ لیکن وہ اپنی پوزیشن میں تبدیلی کر کے اسے دیکھنے کی کوشش نہیں کر سکتا تھا۔ ویسے وہ سوچنے ضرور لگا تھا کہ اس نے یہ آواز کب اور کہاں سنی تھی۔

کچھ دیر خاموشی مسلط رہی.... اس کے بعد پھر وہی جانی پہچانی آواز سنائی دی۔

"تم سب یہیں ٹھہرو.... میں مطمئن نہیں ہوں۔"

انور کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے سچ مچ اب اس کی آنکھیں پتھرا ہی جائیں گی۔ تقریباً منٹ سے اس نے پلکیں نہیں جھپکائی تھیں۔

یکے بعد دیگرے کوئی قریب آیا۔ پھر شاید اسی کے اشارے پر ہی کوئی دوسرا بھی آیا تھا۔

''اسکے بائیں ہاتھ کی آستین اوپر چڑھاؤ۔'' یہ جانی پہچانی آواز تھی۔ لہجے میں تحکم تھا۔

آستین چڑھائی گئی اور انور نے بازو میں سوئی کی چبھن محسوس کی لیکن اب بھی اس نے اپنے جسم کو قابو میں رکھا اور وہ لوگ سوئی کی چبھن کا ردعمل بھی نہ دیکھ سکے۔ مگر انور سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔

''اب اسے ہوش میں آنا چاہئے۔'' اس نے پھر وہی جانی پہچانی سی آواز سنی۔

لیکن انور نے تہیہ کرلیا کہ ہوش میں آنے کے باوجود بھی ہوش کی باتیں نہیں کرے گا۔

کچھ دیر بعد اس کی پتلیوں میں جنبش ہوئی.... پلکیں جھپکیں.... ہونٹ کپکپائے اور حلق سے ایک پھنسی پھنسی سی کراہ آزاد ہوئی۔

اب وہ انہیں بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ پہلے جس آدمی پر نظر پڑی وہی ہوسکتا تھا جس کی آواز اسے جانی پہچانی معلوم ہوتی تھی۔

اسے یاد آ گیا کہ اس نے اُسے کہاں دیکھا تھا.... یہ وہی عجیب وغریب آدمی تھا جو ناقابل نفرت ہونے کے باوجود بھی اونچے طبقے میں بے حد مقبول تھا۔

بابا خاور.... الجھے ہوئے بالوں اور بے ہنگم ڈاڑھی والا بدشکل آدمی۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے اس کے سر اور جسم پر کبھی پانی ہی نہ پڑا ہو۔ البتہ کپڑے بڑے سلیقے سے پہنتا تھا۔ جسم پر اعلیٰ قسم کے سوٹ نظر آتے اور بے داغ سفید قمیض جن میں عموماً سلولائیڈ کے کالر استعمال کئے جاتے تھے۔

اس کے کانوں کی بناوٹ عجیب تھی۔ نہ جانے کیوں انہیں دیکھ کر بے ساختہ ہاتھی کے کان یاد آتے تھے۔

وہ خصوصیت سے عورتوں میں بے حد مقبول تھا۔ کیونکہ وہ انہیں ان کے مستقبل کے بارے میں دلخوش کن اطلاعات دیا کرتا تھا جن میں پچھتر فیصد بالکل درست ثابت ہوتی تھیں۔

''کیوں.... اب کیسی طبیعت ہے۔'' بابا خاور نے نرم لہجے میں پوچھا۔

''بھائیں....!'' انور حلق پھاڑ کر دہاڑا پھر چیل کی سی آواز نکالی.... اور اس طرح متکر

جیسے کسی ناسمجھ آدمی کے سامنے فلسفہ بولا گیا ہو۔

''یا خدا میں اس شریف آدمی کے لئے کیا کروں۔'' بابا خاور نے ٹھنڈی سانس لی۔

سارجنٹ حمید ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ سے فریدی سے گفتگو کر رہا تھا۔

''پھر کیا ہوا....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''ایک جگہ گاڑی رکی تھی اور انور نے چیخنا شروع کر دیا تھا۔ غالباً وہ دونوں آدمیوں کو نوچ کھسوٹ بھی رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ گاڑی سے اتر آیا اور وہ دونوں بھی اتر کر اُسے گھیرنے لگے۔ انور نے ان کے کپڑے پھاڑ دیئے تھے اور بالکل مجنونوں کی طرح اچھل کود رہا تھا۔ پھر ایک دوسری گاڑی قریب ہی آ کر رکی.... اس میں سے تین لڑکیاں اتریں اور وہی اُلو کا پٹھا.... بابا خاور کے نام سے مشہور ہے۔''

''اچھا.... پھر....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''ان دونوں نے اُسے بتایا تھا کہ وہ نشے میں ہے اور وہ اُسے اس کے گھر پہنچانے جا رہے ہیں۔ لیکن خاور نے کہا کہ وہ یقیناً اُسے کوئی نقصان پہنچائیں گے۔ اس نے کہا تھا کہ وہ ان کے چہروں سے ان کی نیتوں کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ بہرحال یہ بات سنتے ہی وہ دونوں وہاں سے بھاگ نکلے تھے اور خاور نے انور کو اپنی گاڑی میں بٹھا لیا تھا۔ لڑکیوں سے کہا تھا کہ وہ ٹیکسی میں بیٹھ کر اپنے گھروں کو جائیں۔ لڑکیوں نے اس پر اعتراض نہ کیا تھا۔''

''تو خاور انور کو اپنے ساتھ لے گیا تھا لیکن کیسے؟'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''مجھے خود بھی حیرت ہے کہ وہ چپ چاپ اس کے ساتھ گاڑی میں کیوں بیٹھ گیا تھا جبکہ وہ آدمی بھی اُسے قابو میں کرنے سے قاصر رہے تھے۔''

''وہ اسے کہاں لے گیا ہے۔''

''تھرٹین.... کنگس لین میں۔''

''اچھی بات ہے.... اب تم اس وقت تک وہیں ٹھہرو گے جب تک کہ میں نہ وہاں جاؤں۔ خیال رکھنا.... ممکن ہے اس دوران میں وہ اُسے وہاں سے بھی ہٹانے کی کوشش کریں۔''

''کیا یہ بھی کوئی اہم مسئلہ ہے۔''

''تم یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے اس واقعہ کی اطلاع کیوں دی ہے۔''

''محض اس لئے کہ انور شرابی نہیں ہے۔ کبھی تفریحاً بھی نہیں پیتا۔''

''میرے لئے یہی کافی ہے۔ اگر اسے کسی نے پلائی تھی تو یقین کرو کہ اس کی زند خطرے میں ہے۔ اس کے ہزاروں دشمن اسی شہر میں ہوں گے۔''

حمید نے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر خود بھی ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

انور نے ہال میں دوڑ لگانی شروع کر دی تھی۔ لیکن کسی کی طرف دھیان دیئے بغیر! معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ان کی موجودگی سے بے خبر ہی ہو۔

خاور ہال کے وسط میں کھڑا متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکاتا رہا۔ بقیہ چاروں آدمی بھی بخود تھے۔

''میرے خیال سے یہ بن رہا ہے بابا۔'' ایک نے کہا۔

''خدا جانے۔''

''اپنے علم کے زور سے پتہ لگایئے۔''

اس پر خاور نے قہقہہ لگایا۔ دیر تک ہنستا رہا پھر بولا۔ ''ہاں یہ سچ مچ بن رہا ہے۔ میرا

ہی کہتا ہے لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں بن رہا ہے۔ اب تو یہ خطرے سے دور ہے مجھے میرے علم ہی نے اطلاع دی تھی کہ وہ دونوں اس کے دشمن ہیں۔''

''اگر یہ بات ہے پیارے۔'' دفعتاً انور رکتا ہوا بولا۔ ''تو مجھے ٹھیک ہی سمجھو۔ اب اور کیا کہتا ہے تمہارا علم۔''

''ہاں....!'' خاور سنجیدہ نظر آنے لگا۔ پھر اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ چند لمحے ساکت کھڑا رہا پھر آنکھیں کھول کر مسکرایا.... گھنی مونچھوں کے درمیان ہونٹ عجیب انداز میں پھیلے نہ جانے کیوں انور کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی سانپ نے پھن کاڑھ لیا ہو۔

''میرا علم۔'' وہ سانپ ہی کی طرح پھپھکارا۔ ''میرا علم کہتا ہے کہ تم مستقبل قریب میں ہی الجھنوں کا شکار ہونے والے ہو۔ زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ مگر ایک ستارہ صرف ایک ستارہ ایسا ہے جس سے تمہیں سہارا مل سکتا ہے۔''

''مجھے ضرور بتاؤ۔''

''کبھی نہیں! میں نظام قدرت میں خلل اندازی کا قائل نہیں ہوں۔ تم اب جا سکتے ہو۔''

''چلو یہی بتا دو کہ وہ لوگ کون تھے جو مجھے اس طرح لے جا رہے تھے۔'' انور نے کہا۔

''یہ بتانا بہت دشوار ہے۔ میں جادوگر تو نہیں ہوں۔''

''اچھا یہی بتا دو کہ مجھے شراب میں کیا دیا گیا تھا۔''

خاور نے پھر آنکھیں بند کرلیں اور یک بیک چونک پڑا۔ اب وہ متحیرانہ انداز میں آنکھیں پھاڑے انور کو گھور رہا تھا۔

''کیا کہا تم نے شراب....!'' وہ آہستہ سے بولا۔ ''مجھ سے بکواس کرنے کی ضرورت نہیں لڑکے۔ تم شراب نہیں پیتے۔ تمہیں شراب سے نفرت ہے۔''

''ہاں.... میں شرابی نہیں ہوں۔ پھر پاگل کیوں ہو گیا تھا۔''

''کسی دوسرے مشروب میں تمہیں کوئی نشہ آور دوا دی گئی تھی۔''

یک بیک سامنے والا دروازہ زبردست جھٹکے کے ساتھ کھلا اور ایک سیاہ پوش اندر داخل

ہوا جس کا چہرہ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔ ہاتھ میں ٹامی گن تھی۔

''تم سب اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔'' نقاب پوش نے انہیں للکارا۔

انور کے ہاتھ بھی اٹھ گئے۔ پھر اس نے دیکھا کہ خاور کے علاوہ سبھی نے اپنے ہاتھ اٹھا دیئے تھے۔

''کیا تم نے سنا نہیں۔'' نقاب پوش نے خاور کو للکارا۔

''میں ایسی باتیں ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دینے کا عادی ہوں۔'' خاور لاپروائی سے کہا۔

''تم میرے شکار کو یہاں کیوں لائے ہو۔''

''محض اس لئے کہ ابھی اس کے ستارے گردش میں نہیں آئے۔''

''اس کے ہاتھ پیر باندھ کر میرے حوالے کردو ورنہ ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

''کس ہوا میں ہو۔'' خاور نے طنزیہ سا قہقہہ لگایا۔ ''ابھی تمہارے ہاتھ کانپیں گے اور آگ اگلنے والی پچکاری تمہارے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر آرہے گی اور تم چیختے ہوئے دیوار سے جا ٹکرو گے۔''

نقاب پوش ایک قدم پیچھے ہٹا اور اس انداز میں ادھر اُدھر دیکھا جیسے خدشہ ہو کہ اس پر دھوکہ سے حملہ کیا جائے گا۔

''تم کون ہو اور اس لڑکے کو کیوں پریشان کررہے ہو۔'' خاور نے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔

''ہاہا....!'' نقاب پوش نے قہقہہ لگایا۔ ''میں تمہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ بہروپئے! اچھا تم ہی بتاؤ کہ مجھے اس سے دشمنی کیوں ہوگئی ہے۔''

''میں تمہاری ہی زبان سے سننا چاہتا ہوں۔''

''بکواس بند کرو۔ اپنے آدمیوں سے کہو کہ اس کی ٹائی سے اس کے ہاتھ باندھ دیں میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔''

''تمہارے فرشتے بھی نہ لے جاسکیں گے مجھے غصہ نہ دلاؤ۔''

''بوڑھے ہوش میں آجا.... میری ٹومپسن شور بالکل نہیں مچاتی۔ باہر کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوسکے گی کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔''

''اچھا تو اپنے ہاتھ دیکھو۔'' خاور نے مسکرا کر کہا۔

انور نے دیکھا کہ نقاب پوش کے ہاتھ کانپ رہے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے ٹامی گن ہاتھوں سے چھوٹ گئی اور وہ چیخ مار کر دیوار سے جا ٹکا۔ خاور کے ساتھیوں نے آگے بڑھنا چاہا لیکن وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''ٹھہرو میں ظالم نہیں ہوں جانے دو۔ میں دنیا میں اس لئے آیا ہوں کہ صرف آنکھیں اور کان کھولتا رہوں۔ مجھے کوئی کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔''

پھر وہ نقاب پوش کی طرف مڑا۔

''اب بتاؤ.... اب کیا خیال ہے۔''

نقاب پوش جو دیوار ہی سے لگا ہوا آہستہ آہستہ دروازے کی طرف کھسک رہا تھا اچھل پڑا۔ انور نے اس کی آنکھوں میں خوف کی جھلکیاں دیکھیں۔

''میری سنو۔'' خاور ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''تم لوگوں نے روپے سے اس کا منہ بند کرنا چاہا تو لیکن پھر اسکیم کیوں بدل دی۔ اب اس پر تشدد کیوں کرنا چاہتے ہو؟''

یک بیک نقاب پوش نے دروازے میں چھلانگ لگائی۔ ساتھ ہی انور بھی جھپٹا تھا لیکن خاور راستہ روک کر کھڑا ہوگیا۔

''نہیں بیٹے! میری موجودگی میں نہیں۔ میرا کام صرف ہدایت کرنا ہے۔ جھگڑے اس چھت کے نیچے نہیں ہوسکتے۔''

انور رک کر اُسے گھورنے لگا.... خاور پھر ہنس پڑا۔ ''کیوں.... اب کیا تم بھی اپنے کرتب دکھانے کا ارادہ رکھتے ہو۔''

''نہیں....!'' انور بڑی سعادت مندی سے پیچھے ہٹ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ وہ دراصل ایک (Sceptic) قسم کا آدمی تھا۔ اس لئے جلد ہی کسی سے مرعوب ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوسکتا تھا۔ اس آدمی کے متعلق پہلے بھی شبہات میں مبتلا

رہ چکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ مالدار طبقے کے لوگوں کو اپنی بناسپتی روحانی قوت سے مرعوب کر کے بڑی بڑی رقومات اینٹھتا ہے اور فیشن ایبل عورتوں کے درمیان راجہ اندر بنے رہنے کا شائق ہے۔ لیکن اس وقت آخر اُسے ان حالات کا علم کیسے ہوا جن کا علم کسی چوتھے آدمی کو نہیں تھا۔ تو پھر یہ نقاب پوش رانا پرمود کے سیکریٹری ہی کا کوئی آدمی رہا ہوگا۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ جو شخص تشدد پر اتر آنے کا ارادہ رکھتا ہو وہ کسی کا منہ بند کرنے کے لئے دو ہزار کیوں خرچ کرنے لگا۔

دفعتاً انور نے ایک طویل انگڑائی لی۔ مسکرایا اور خاور سے بولا۔ ''اچھا تو اب آپ میرے چند الجھنیں رفع کیجئے۔ یہ حقیقت ہے کہ آج مجھے ایک معقول رقم ملی تھی تاکہ میں کسی خاص مسئلہ پر اپنی زبان نہ کھولوں۔ پھر آخر انہی لوگوں نے یہ طریقہ کیوں اختیار کیا۔''

''میں نے بھی اس سے یہی سوال کیا تھا۔'' خاور نے مسکرا کر جواب دیا۔

''لیکن وہ جواب دیئے بغیر ہی نکل بھاگا۔''

''پھر بتاؤ میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔''

''اس کا جواب آپ بخوبی دے سکیں گے۔''

''میں.... بھلا میں کیسے!''

''آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ آپ کو تو اس بات کا علم بھی تھا جس کا علم اخبار کے ایڈیٹر تک کو نہیں رہا۔''

''ہاں تم بہت چالاک ہو۔ مگر اچھے لڑکے بلیک میلنگ بُری چیز ہے۔''

''خدا کی پناہ۔'' انور نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔ ''آپ تو تفصیل سے بھی واقف ہیں۔''

''بالکل....!''

''تو پھر اب بتایئے.... مجھے کیا کرنا چاہئے۔''

''خدا بہتر جانتا ہے۔ میں کیا بتا سکوں گا۔ تم مجرموں کے گروہ کو بلیک میل کر رہے ہو۔ اگر کسی شریف آدمی پر وار کیا ہو تو میں ضرور کہتا کہ ایسا نہ کرو۔ بُری بات ہے۔''

''اچھا تو کیا وہ رقم میرے لئے جائز ہے جو میں نے ان سے وصول کی ہے۔''

''ہرگز نہیں.... میں یہ کہنا چاہتا ہوں۔'' خاور نے کہا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''تم آخر انہیں بے نقاب کر کے پولیس کے حوالے کیوں نہیں کر دیتے۔ تمہارا فرض ہے۔ اچھے لڑکے آدمی بنو۔ بُروں کو ان کی منزل تک پہنچا دو تاکہ دوسروں کو بھی فائدہ پہنچے۔ انہیں بلیک میل کر کے کھلی چھٹی دے رکھنا بھی جرم ہے۔''

دفعتاً عمارت کے کسی گوشے سے ایک کریہہ سی چیخ ابھری اور خاور چونک پڑا۔

گوریلے کی دیوانگی

چند لمحے سکوت میں گزرے پھر خاور نے اپنے آدمیوں سے کہا۔ ''دیکھو یہ کون چیخا تھا۔''

وہ چاروں تیزی سے باہر نکل گئے اور خاور پرسکون انداز میں انور کی طرف مڑا۔

''تم خطرات میں گھرے ہوئے ہو۔'' اس نے کہا۔

''مجھے پوری طرح احساس ہے۔'' انور نے اعترافاً سر کو جنبش دی۔

''میری دانست میں تم اس طرح محفوظ رہ سکو گے کہ ان لوگوں کو بلیک میل کرنے کی بجائے پولیس کی مدد کرو۔''

''آپ بہت کچھ جانتے ہیں۔'' انور مسکرایا۔ ''اس لئے میرا خیال ہے کہ آپ ان کے کاروبار سے بھی بخوبی واقف ہوں گے۔''

''میں کسی چیز سے واقف نہیں ہوں۔ لیکن یہ میرا کام نہیں ہے کہ دوسروں کے راز افشاء کرتا پھروں۔ ورنہ روحانی قوتوں کے مالک تھانے داری کرتے نظر آتے۔'' خاور نے قہقہہ لگایا۔

اتنے میں اس کے چاروں آدمی واپس آ گئے۔

''کیوں کیا بات تھی۔'' خاور نے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔'' ایک بولا۔ ''پوری عمارت میں ہم چھ آدمیوں کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں۔''

''پھر کیا بات تھی۔'' خاور بڑبڑایا۔

دفعتاً ایک بند دروازے کی پشت سے کھڑکھڑاہٹ کی آواز آئی۔ خاور چونک کر ادھر اس کے آدمی بھی متوجہ ہو گئے تھے۔

''اپنی روحانی قوتوں کو بروئے کار لاؤ۔'' دروازے کی پشت سے بھرائی ہوئی سی آ آئی۔ ''پتہ لگاؤ کہ میں کون ہوں اور ابھی تم نے کس کی چیخ سنی تھی۔''

انور نے خاور کی آنکھوں میں سراسیمگی کے آثار دیکھے۔ پھر وہ تیزی سے اپنے آدمی کی طرف مڑا ہی تھا کہ آواز آئی۔ ''خبردار یہاں سے کوئی جنبش بھی نہ کرے۔ ورنہ اس بار شعبدہ کام نہ آئے گا۔ پانچ لاشیں فرش پر تڑپتی نظر آئیں گی۔''

''تم کون ہو؟ سامنے آؤ۔'' خاور غرایا۔

''روحانی قوت کام میں لاؤ۔'' لہجہ مضحکانہ تھا۔

انور کو اس کی آنکھوں میں پھر اضطراب کی لہریں نظر آئیں۔

''اگر میں اپنی روحانی قوت کو کام میں لایا تو تم کوئلے کے مجسمے میں تبدیل ہو جاؤ گے خاور نے یہ جملہ تن کر کہا تھا لیکن آواز کا کھوکھلا پن انور سے نہ چھپ سکا۔

''ٹھہرو.....!'' آواز آئی اور پھر دروازے پر زوردار ٹھوکر پڑی۔ دونوں پاٹ کھل گئے۔

انور بوکھلاہٹ میں لڑکھڑایا۔ سامنے کھڑے ہوئے آدمی نے فلٹ ہیٹ کا گوشہ اٹھا ہوئے کمرے میں قدم رکھا۔ یہ انسپکٹر فریدی تھا۔ اس کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ تھی۔

''تم کون ہو؟ اور میرے مکان میں بغیر اجازت کیوں داخل ہوئے۔'' خاور غرایا۔

''بڑی عجیب بات ہے۔'' فریدی کا لہجہ طنزیہ تھا۔ ''اب بھی تمہاری روحانی قوت پہچاننے سے قاصر رہی۔''

خاور کے آدمیوں نے آگے بڑھنا چاہا۔

''ٹھہرو۔'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''اس متبرک چھت کے نیچے جھگڑا نہیں ہو سکتا کیوں تا کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔ خدا نے تمہیں ایک خاص مشن پر بھیجا ہے۔ یہ بھی مجھے تسلیم ہے۔''

''ہاں..... تم لوگ دخل اندازی سے باز رہو۔'' خاور نے اپنے آدمیوں سے غصیلے لہجے میں کہا۔

''میں نے غلط تو نہیں کہا تھا دوستو۔'' فریدی مسکرایا۔

وہ جہاں تھے وہیں رک گئے۔

خاور نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ فریدی نے انور کی طرف دیکھ کر بائیں آنکھ دبائی اور حقارت آمیز انداز میں مسکراتا رہا۔ انور نے اسے ایسے کھلنڈرے موڈ میں کم ہی دیکھا تھا۔

خاور نے آنکھیں کھولیں اور انور نے محسوس کیا کہ وہ بڑی حد تک خود پر قابو پا چکا ہے۔

''کیا میں ایک سرکاری آفیسر سے پوچھ سکتا ہوں کہ اس سے یہ غیر قانونی حرکت کیوں سرزد ہوئی۔''

''یہاں سے میری روحانی قوت کی کہانی شروع ہوتی ہے۔'' فریدی نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔ ''تم یہی چاہتے تھے نا کہ یہ بلیک میلر راہِ راست پر آ جائے۔''

''ہاں میں یہی چاہتا تھا۔''

''بس تو پھر اب یہ راہ راست پر آ جائے گا۔'' فریدی بولا۔

''خیر خیر..... میں یہ جسارت قابل معافی سمجھتا ہوں۔ محض اس لئے کہ تم ایک لائق آفیسر ہو تم سے ملک و قوم کو بہتیرے فائدے پہنچے ہیں۔''

''اور اس وقت میں نے تمہاری مشکل بھی آسان کر دی ہے۔''

''کیا مطلب.....؟'' خاور چونک پڑا۔

''تم یہی معلوم کرنا چاہتے ہو نا کہ اس بلیک میلر کی پشت پر حقیقتاً کون ہے۔ لو دیکھ لو۔ سنسنے وہ حرکت میرے ہی ایماء پر کی تھی۔''

"مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔" خاور نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔ "ہم یہ کیوں جاننا چاہوں گا۔ کیا مجھے معلوم نہیں تھا۔"

"ٹھیک ہے۔ اسی لئے یہ ڈرامہ اسٹیج کرنے کی ضرورت پیش آئی تھی۔" فریدی مسکرا

"پہلے اسے کافی میں کوئی نشہ آور چیز دی گئی پھر دو آدمی اسے کلب سے نکال راستے میں تم سے مڈبھیڑ ہوگئی اور تمہاری روحانی قوت نے انہیں بھاگنے پر مجبور کردیا۔ پھر تمہاری روحانی قوت نے ایک نقاب پوش پیدا کیا۔"

"ٹھہرو۔" خاور ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "تم شاید کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ تم یہ سمجھتے ہو نے اس کرائم رپورٹر کو مرعوب کرنے کے لئے یہ سب کچھ خود ہی کیا تھا۔"

"لفظ مرعوب پر مجھے اعتراض ہے۔" فریدی مسکرایا۔ "نہیں مرعوب کرنے کے بلکہ اس کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے۔"

"اعتماد.... میں نہیں سمجھا۔"

"اپنی روحانی قوت کو آواز دو سب کچھ سمجھ میں آجائے گا۔ خیر تمہاری آسانی بتادوں گا کہ...." فریدی خاموش ہوکر اُسے گھورنے لگا۔

"تم نے مجھ سے الجھ کر اچھا نہیں کیا انسپکٹر۔" خاور بھی اسے گھورتا ہوا بولا۔

"اس کی فکر تمہیں نہیں ہونی چاہئے۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ تم اس سے معلوم کرنا چاہتے تھے جو اس کی معلومات کا باعث بنے ہیں۔ لیکن تمہیں علم ہے کہ انور بات معلوم کرلینا آسان نہیں۔ خواہ تشدد ہی کیوں نہ بروئے کار لایا جائے۔"

"پھر کہوں گا کہ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔" خاور ہنس پڑا۔

"بکواس بند کرو۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"مجھے غصہ مت دلاؤ لڑکے۔" خاور کا موڈ پھر بگڑ گیا۔

"میں تمہیں اس حد تک غصہ دلانے کا ارادہ رکھتا ہوں کہ تم پاگل ہو جاؤ۔"

"حد ہوگئی.... حد ہوگئی۔" خاور کا ایک ساتھی مٹھیاں بھینچ کر بولا۔ "بابا حکم دیجئے۔"

خاور نے سوالیہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا اگر تم انہیں حکم دے دو۔ میں عرصہ سے بہانہ تلاش کررہا ہوں کی طرح تمہاری کلائیوں میں زیور ڈال سکوں۔"

"اچھا یہ بات ہے۔" خاور نے آنکھیں نکالیں۔ "اب تم دیکھنا حشر اپنا۔ بس جاؤ.... جاؤ۔"

"ظاہر ہے یہاں قیام کرنے کی نیت سے نہیں آیا تھا۔ لیکن مجھے تم سے شکایت ضرور ہے گی۔"

"کیا مطلب....؟"

"تم نے میرا شکریہ بھی ادا نہیں کیا۔"

"کس بات کا۔"

"تمہیں انور پر بہت محنت کرنی پڑتی لیکن اس کے باوجود بھی تم اس سے کچھ نہ معلوم سکتے کیونکہ یہ بھی تھوڑی بہت روحانی قوتوں کا مالک ہے۔ میں نے کہا کیوں نہ تمہیں بتا دوں کہ اس بلیک میلنگ کی پشت پر میں ہی ہوں۔"

"تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔" خاور نے کہا۔ "مجھے اس سے کیا غرض ہوسکتی ہے۔ میں تو خود اسے ہی سمجھا رہا تھا کہ پولیس کو مطلع کردو۔ مجرموں کو بلیک میل کرنے سے نہیں تو فائدہ ہوسکتا ہے لیکن عوام خسارے میں رہتے ہیں۔"

"یہ سمجھاتے وقت تمہاری روحانی قوت کہاں سو رہی تھی۔ تمہیں تو معلوم ہونا چاہئے تھا کہ تم خود ہی اس بلیک میلنگ کی حوصلہ افزائی کررہی ہے۔"

"بس جاؤ.... خدا کے لئے جاؤ۔ تم پر اگر مصیبتیں نازل نہ ہوں تو یہی سمجھنا کہ وقت کو تمہارے کی بہت بُرے دور کا انتظار ہے.... میرا مضحکہ اڑانے والے آج تک خوش نہیں دیکھے گئے۔" خاور خاموش ہوکر ٹہلنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے چنگاریاں سی نکل رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ خود پر قابو پانے کے لئے ٹہل رہا ہو۔ پھر دفعتاً وہ رکا اور فریدی کو چند لمحے

گھورتے رہنے کے بعد بولا۔ ''اس شہر میں بہتیرے ایسے آدمی ملیں گے جو مجھے فر
ہیں....تم بھی انہی میں سے ایک ہو۔''

''میں ان میں سے نہیں ہوں۔'' دفعتاً انور نے غصیلی آواز میں کہا۔ وہ فریدی کو
نظروں سے گھور رہا تھا۔

''ابھی میں نے اس پر غور ہی نہیں کیا کہ تمہارے سلسلے میں مجھے کیا کرنا ہے۔'' فر
نے لاپروائی سے کہا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔ انور نے اس کے ساتھ چلے جانے کی
نہیں کی۔

فریدی نے جیسے ہی دروازے میں قدم رکھا کوئی چیز اوپر سے اس پر گری اور وہ اچ
پیچھے ہٹ آیا۔ سیاہ رنگ کا سانپ اس کے شانوں سے پھسل کر فرش پر آ گرا تھا۔ وہ پھن
اس پر لپکا۔

''بہت اچھے۔'' فریدی نے قہقہہ لگایا۔

''رحم کیجئے خاور صاحب۔'' انور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''میں کچھ نہیں جانتا۔'' خاور نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔ ''خدا ہی میری
نہیں برداشت کر سکتا۔''

سانپ بدستور پھن اٹھا اٹھا کر فریدی پر حملے کر رہا تھا۔ لیکن ابھی تک فریدی محفوظ رہا

''آپ اس سے کیوں الجھ رہے ہیں جلدی سے باہر نکل جایئے۔'' انور نے جھنجھلا کر

''ایسے کھیل مجھے پسند ہیں فرزند۔'' فریدی نے جواب دیا۔ وہ اب گھٹنوں کے بل
ہوا سانپ کے وار خالی دے رہا تھا۔

''خود خاور بھی آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھتا رہا۔ دفعتاً فریدی نے سانپ کی دم
جھٹکا دیا۔ اتنی تیزی سے کہ وہ پلٹ بھی نہ سکا اور اب فریدی سیدھا کھڑا نظر آیا۔ سانپ کی
ضرر کیچوے کی طرح اس کے ہاتھ میں لٹکا ہوا تھا۔ اس کی زبان اب بھی بار بار منہ
آ رہی تھی لیکن وہ اپنے جسم کو جنبش نہیں دے سکتا تھا۔

فریدی نے اُسے فرش پر ڈالتے ہوئے کہا۔ ''اب کسی دوسری بلا کو آواز دو۔ اس کی تو
ہڈیاں جوڑوں سے الگ ہو گئی ہیں۔''

''خدا کی پناہ۔'' خاور متحیرانہ انداز میں بولا۔ ''تم نے یہ فن کہاں سے سیکھا۔''

فریدی کچھ کہے بغیر دروازے کی طرف مڑ گیا۔ انور نے اس کو اسی دروازے سے
تے دیکھا جس سے کچھ دیر پہلے نکلنے کی کوشش کی تھی۔

پھر اس کے قدموں کی آوازیں بھی سناٹے میں گم ہو گئیں۔

''خدا اس کے حال پر رحم کرے۔'' خاور نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''مستقبل بے حد
ک نظر آ رہا ہے۔''

''نہیں بابا....رحم کیجئے۔'' انور گڑگڑایا۔ ''وہ صرف ضدی آدمی ہیں۔ دل کے بُرے نہیں۔''

''چلے جاؤ۔'' خاور حلق پھاڑ کر دھاڑا۔ ''تم سب فراڈ ہو۔ تمہاری نیت بھی مجھ پر روشن
۔ جاؤ ورنہ تم اتنے باکمال نہیں ہو کہ کسی سانپ کی ہڈیاں الگ کر سکو۔''

''یہ بات بھی سو فیصدی درست ہے۔'' انور نے سر ہلا کر کہا۔ ''میری کبھی کسی مداری سے
نہیں رہی۔ لیکن آپ یقین کیجئے کہ میں دل سے آپ کی قدر کرتا ہوں۔ مجھ پر بھی رحم
۔ اگر آپ کا علم مجھے فراڈ قرار دیتا ہے تو میں یہی سمجھوں گا کہ آپ کا علم جھوٹا ہے۔''

خاور نے اس کے چہرے پر نظر جماتے ہوئے پلکیں جھپکائیں۔ انور آہستہ آہستہ آگے
اور اس کے قریب پہنچ کر دوزانو ہوتے ہوئے پیر پکڑ لئے۔

''مجھے ایسے ہی کسی مرد کامل کی تلاش تھی بابا....مجھ پر رحم کیجئے۔'' گڑگڑاہٹ رقت آمیز تھی۔

''اٹھو....کھڑے ہو جاؤ....!'' خاور نے خلاء میں گھورتے ہوئے کہا۔

انور اٹھ کر چار قدم پیچھے ہٹا اور مؤدب کھڑا رہا۔

''کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''مجھے وحیدہ بانو سے عشق ہو گیا ہے۔ لیکن دولت کی دیوار ہمارے درمیان حائل ہے۔''

''وحیدہ بانو کون ہے۔''

''نواب تو قیر الزماں کی لڑکی۔''

''تو پھر تم کیا چاہتے ہو۔''

''شادی مگر میں مفلس ہوں....؟''

خاور نے آنکھیں بند کرلیں۔ اسی طرح کھڑا رہا پھر آنکھیں کھول کر بولا۔''تم ہوگئے ہو۔ اس چکر میں نہ پڑو۔ اس لڑکی کے ستارے تمہارے ستاروں سے مطابقت رکھتے۔ اگر شادی ہوگئی تو تمہیں کتوں کی موت مرنا پڑے گا۔''

''میں سب کچھ بھگتنے کو تیار ہوں۔''

''میں حق تلفیوں کا ذریعہ بننا پسند نہیں کرتا۔'' خاور نے خشک لہجے میں کہا۔

''میں نہیں سمجھا۔''

''میں اس لڑکی کی حلق تلفی کی بات کررہا ہوں جس نے تمہارے لئے خود کو برباد کرلیا جس کی رگوں میں ایک مطلق العنان بادشاہ کا خون دوڑ رہا ہے جو.....!'' خاور خاموش ہوگیا

''وہ صرف میری دوست ہے۔''

''شادیاں بھی دشمنوں سے نہیں ہوتیں۔''

''نہیں یہ ناممکن ہے۔ اس سے شادی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

''پھر تم ساری زندگی کنوارے ہی رہو گے۔ تمہارے ستارے صرف اسی کے ستارے سے ملتے ہیں.... دنیا کی واحد لڑکی یا اسی سے شادی ہوگی یا پھر کسی سے بھی نہیں ہوسکے گی۔''

''میں کیا کروں.....!'' انور بھرائی ہوئی آواز میں بولا اور اپنی پیشانی رگڑنے لگا۔

''بس آدمی بنو۔'' خاور نے خشک لہجے میں کہا۔''اب تم جاسکتے ہو۔''

ڈاکٹر ڈف جاگ پڑا۔ کوئی باہر سے گھنٹی بجا رہا تھا۔ کلاک نے ٹھیک اسی وقت

بجے۔ وہ کمبل پھینک کر اٹھا۔ اتنی رات گئے کون آیا ہے؟ وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا ہوا کمرے سے راہداری میں آ گیا۔ سوئچ آن کر کے بلب روشن کیا۔ جلدی میں سلیپنگ گاؤن پہننا بھی بھول گیا تھا۔

صدر دروازہ کھولتے ہی ایک یونیفارم پر نظر پڑی۔ شاید آنے والے نے خود ہی برآمدے کا بلب روشن کیا تھا۔

ڈاکٹر ڈف نے بُرا سا منہ بنایا۔ لیکن قبل اس کے کہ کچھ کہتا یونیفارم نے اپنا کارڈ اس کی طرف بڑھا گیا۔

''ہنری واگھن.... سی آئی بی۔'' ڈاکٹر نے بلند آواز میں کارڈ پڑھا پھر متحیرانہ لہجے میں بولا۔''ہاں پھر.... میں آپ کے لئے کیا کرسکتا ہوں۔''

''کرنا تو مجھے ہے ڈاکٹر۔'' سارجنٹ ہنری نے کہا۔''آپ نے کوئی رپورٹ درج کرائی تھی۔''

''ہاں.... مگر اب ہوش آیا ہے آپ لوگوں کو۔ دو بجے رات کو.... یہ بھی کوئی وقت ہے۔''

''بہت مناسب وقت ہے ڈاکٹر۔'' ہنری بولا۔

''آیئے.... اندر آیئے....!'' ڈاکٹر ڈف راہداری میں مڑتا ہوا بولا۔ پھر پلٹ کر دہاڑا ''نگیدار....!''

''جی صاحب۔'' قریب ہی سے آواز آئی۔

''دروازہ کھلا ہوا ہے۔ خیال رکھنا۔'' ڈاکٹر غرایا۔

''اچھا صاحب۔'' جواب ملا۔

گھنٹی کی آواز ہی نے شاید ریگی کو بھی جگا دیا تھا۔ ہنری نے اُسے راہداری میں کھڑے اور اس نے بھی یہ محسوس کیا کہ ریگی اسے دیکھ کر کسی قدر بدحواس نظر آنے لگی ہے۔

وہ دونوں ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے اور ڈاکٹر نے پلٹ کر ریگی سے کہا۔''بے بی.... جاؤ.... تم کیوں اٹھ گئی ہو۔'' پھر ہنری سے بولا۔

''بیٹھئے مسٹر....!''

''ہنری کہتے ہیں مجھے۔'' ہنری بیٹھتا ہوا بولا۔

ریگی اندر نہیں آئی تھی۔ ہنری نے اطمینان کا سانس لیا۔ غالباً وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ ایک دوسرے سے اپنی جان پہچان ظاہر کریں۔

''ہاں.... اتنی رات گئے۔'' ڈاکٹر ڈف اُسے گھورتا ہوا بولا۔

''ایک بار پھر معافی چاہتا ہوں ڈاکٹر۔'' ہنری نے لجاجت سے کہا۔ ''لیکن ایک دشواری آ پڑی ہے۔''

''کیسی دشواری۔''

''آپ نے ایک نامعلوم آدمی کے خلاف رپورٹ درج کرائی تھی کہ وہ آپ کے گھر میں گھسا تھا۔ لیکن اس سے پہلے ہی ایک رپورٹ آپ کے خلاف بھی آ گئی تھی۔ یہ ایک اجنبی آدمی کی رپورٹ ہے جو خرگوش پکڑتا ہے اس کا بیان ہے کہ وہ آپ کے مکان کی پشت کی جھاڑیوں میں خرگوش تلاش کر رہا تھا کہ آپ نے اُسے خواہ مخواہ للکار کر مارا پیٹا ہے۔''

''یہ بکواس ہے۔'' ڈاکٹر ڈف میز پر ہاتھ مار کر دھاڑا۔

''ڈاکٹر خدا کے لئے سنجیدگی سے گفتگو کیجئے۔'' ہنری نرم لہجے میں بولا۔ ''وہ بھی کوئی گزرا آدمی نہیں ہے۔ دولت مند ہے۔ خرگوش کی کھالیں ایکسپورٹ کرتا ہے۔ اکثر خود خرگوشوں کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا ہے.... آخر اُسے کیا سوجی تھی کہ وہ آپ کی چھت پر چڑھا۔ سوچئے تو کسے یقین آئے گا اس پر۔''

''تو میں جھوٹا ہوں؟'' ڈاکٹر ڈف نے آنکھیں نکالیں۔

''میں یہ نہیں کہتا ڈاکٹر۔ سوچ بھی نہیں سکتا۔ حالانکہ مجھے علم ہے کہ آپ سفید چمڑی والے سے بے تحاشہ نفرت کرتے ہیں لیکن پھر بھی مجھے آپ سے ہمدردی ہے آپ سے بڑھ کر حشرات الارض یہاں اور کون ہے۔''

''آپ یہ کیا جانیں کہ مجھے سفید چمڑی والوں سے نفرت ہے۔''

''میرا تعلق سی آئی بی سے ہے ڈاکٹر۔''

''آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔'' ڈاکٹر نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور دیوار سے لگے ہوئے کلاک کی طرف دیکھنے لگا جو سوا دو بجا رہا تھا۔

''یہی کہ آپ ذرا اس آدمی کو شناخت کر لیں.... جسے آپ نے مارا پیٹا تھا۔''

''وہ مجھے کہاں ملے گا۔''

''میرے پاس تصویر موجود ہے۔ اگر وہی ہوا تو....!''

''جلدی کیجئے۔ سوا دو بج رہے ہیں۔ میں شب بیداریوں کا عادی نہیں ہوں۔''

ہنری نے حمید کی وہی میک اپ والی تصویر نکالی جس میں اس نے گورلیے سے ملاقات کی تھی۔

''یہی ہے!'' ڈاکٹر بیساختہ بولا۔ ''بلاشبہ یہی ہے۔ میری یادداشت دھوکا نہیں دے سکتی۔''

''تب پھر یہی وہ شخص ہے جس نے آپ کے خلاف رپورٹ درج کرائی تھی۔''

''میری رپورٹ سے پہلے۔''

''جی ہاں۔''

''اس کی تصویر کہاں سے ملی آپ کو۔'' ڈاکٹر کے لہجے سے بے اعتباری مترشح تھی۔

''آپ کی رپورٹ پہنچنے پر اُسے پھر طلب کیا گیا تھا۔ الجھا دینے والی بات تھی۔ اس لئے کہ لاعلمی میں یہ تصویر کھینچی گئی تاکہ اُسے سامنے لائے بغیر ہی شناخت ہو سکے۔''

''میرا خیال ہے کہ میرے خلاف کوئی بڑی سازش کی جا رہی ہے۔''

''کس پر شبہ ہے آپ کو....؟''

''فی الحال میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' ڈاکٹر تصویر کو گھورتا ہوا بولا۔ ''لیکن یہ آدمی میرے لئے قطعی طور پر اجنبی ہے۔ اس واقعہ سے پہلے میں نے اُسے کبھی نہیں دیکھا۔''

''کھل جائیے ڈاکٹر ورنہ....!''

''کیا مطلب....!'' ڈاکٹر پھر اُسے گھورنے لگا۔

''یہ بتائیے کہ اس سے آپ کا جھگڑا کس بات پر ہوا تھا۔''

''کیا آپ میری رپورٹ پڑھ چکے ہیں۔'' ڈاکٹر اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔

''جی ہاں....اچھی طرح۔''

''پھر کیا اس میں جھگڑے کی وجہ درج نہیں ہے۔''

''آپ نہیں سمجھے۔ میرا مطلب آج کے جھگڑے سے نہیں۔''

''ہوں....!'' ڈاکٹر نے کچھ سوچتے ہوئے آنکھیں نکالیں۔ ''میں سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں آپ غالباً یہی کہنا چاہتے ہیں کہ ہماری پرانی جان پہچان تھی۔ اچانک ناچاقی ہوگئی پھر ایک بڑا جھگڑا ہوگیا اور ہم دونوں بالکل اجنبیوں کی طرح ایک دوسرے کے خلاف کیس لے دوڑے۔''

''شکریہ ڈاکٹر....میں یہی کہنا چاہتا تھا۔''

''دو بج کر بیس منٹ ہوگئے۔'' ڈاکٹر اٹھتا ہوا بولا۔ ''اب آپ جاسکتے ہیں۔''

''اگر وہ واقعی آپ کے لئے اجنبی تھا تو....!'' ہنری نے بھی اٹھتے ہوئے تشویش کن لہجے میں کہا۔ ''تو آپ یقیناً بڑی الجھنوں میں مبتلا ہونے والے ہیں۔''

''کیوں؟''

''وہ دولت مند ضرور ہے لیکن.....لیکن ....شاید آپ تصور بھی نہ کرسکیں کہ کتنا خطرناک آدمی ہے۔''

''بیٹھ جایئے۔'' ڈاکٹر ڈف نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ ''مجھے اس کے متعلق بتایئے۔''

''بہت بارسوخ آدمی ہے۔ ایک شریف بدمعاش۔ قانون شکنی کا ماہر۔ ایسا کہ قانون بھی ابھی تک اُسے گرفت میں لینے سے معذور رہا ہے۔''

''لیکن ایسے کسی آدمی کو مجھ سے کیا سروکار ہوسکتا ہے۔''

''اس پر تو آپ ہی روشنی ڈال سکیں گے۔ ذہن پر زور دیجئے۔''

''یقین کرو دوست وہ میرے لئے قطعی اجنبی تھا۔''

''اچھی بات ہے۔ اگر آپ وعدہ کریں ڈاکٹر.....کہ آئندہ یورپیوں سے نفرت نہیں کریں گے تو میں.....!''

''تو تم کیا کرو گے میرے لئے۔''

''بہت غور کر کے کوئی قدم اٹھایا جائے گا۔ بہرحال میں آپ کی ہر ممکن مدد کے لئے حاضر ہوں۔''

''ڈیڈی....ڈیڈی....!'' یک بیک ریگی کی چیخیں سنائی دیں۔

ڈاکٹر ڈف اٹھ کر دروازے کی طرف جھپٹا۔ ریگی کی آواز راہداری ہی سے آئی تھی.... ہنری جہاں تھا وہیں بیٹھا رہا پھر یک بیک کسی گوریلے کی غراہٹ سنائی دی....اور ڈاکٹر بھی چیخنے لگا۔ ''مسٹر....مسٹر آفیسر....پلیز....دوڑو....!''

ہنری بہت اطمینان سے اٹھا۔ انداز میں وحشت یا بیساختگی نہیں تھی۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ سی نظر آئی۔

''آفیسر....آفیسر....!'' ڈاکٹر کی چیخ پھر سنائی دی۔ اس بار ہنری نے بھی خواہ مخواہ اپنے حلق سے متعدد قسم کی آوازیں نکالیں اور آواز کی طرف سرپٹ دوڑتا چلا گیا....غالباً یہ بھی پلاننگ تھی....لیکن کیا مجال کہ بناوٹ کا شبہ بھی ہوجاتا۔

وہ ایک کمرے میں داخل ہوا۔ یہ غالباً ریگی کی خواب گاہ تھی۔ بڑا وحشت ناک منظر تھا وہاں کا۔

بپھرے ہوئے گوریلے نے ایک ہاتھ پر بے ہوش ریگی کو سنبھال رکھا تھا اور دوسرے سے ڈاکٹر کو دھکیلتا جا رہا تھا۔ بڑی خوفناک قسم کی غراہٹیں اس کے حلق سے نکل رہی تھیں۔

''بچاؤ....آفیسر....میری بچی کو بچاؤ۔''

''ہٹو....ہٹ جاؤ پروفیسر۔ سامنے سے ہٹ جاؤ۔'' ہنری ریوالور نکالتا ہوا چیخا۔

''مم....مم....نہیں گولی مت مارنا.... یہ شاید....اوہ....میرے خدا....فیٹم فیٹم....!''

''پاگل ہوئے ہو ڈاکٹر ہٹو....ورنہ میں تمہیں بھی گولی مار دوں گا۔ کیا تمہیں یہ فیٹم اس بچی سے بھی زیادہ عزیز ہے۔''

گوریلے نے ہنری کو دیکھا اور پھر شاید اس کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر ہی ریگی کو پلنگ پر بحال دیا۔

"فینٹم فینٹم.....!" ڈاکٹر ڈف پھر دھاڑا۔ لیکن گوریلا اتنی دیر میں ہنری پر جھپٹ پڑا تھا۔ پے در پے چار فائر ہوئے۔

"آفیسر..... آفیسر..... پاگل کمبخت..... یہ کیا کیا تم نے۔" ڈاکٹر نے دیوانہ وار ایک ہنری کے کاندھے پر رسید کر دیا۔ گوریلا ڈھیر ہو چکا تھا۔ اس کی غراہٹیں سسکیوں میں تبدیل ہوتی جا رہی تھیں اور فرش پر خون پھیل رہا تھا۔

"میں پاگل ہوں یا تم.....!" ہنری ڈاکٹر کو دھکا دیتا ہوا غرایا۔ "ہوش کی دوا کرو۔ ورنہ ہتھکڑیاں ڈال کر گھسیٹتا ہوا لے جاؤں گا۔"

کئی دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں راہداری میں سنائی دیں اور پھر چوکیدار دکھائی دیا۔ دو ملازم بھی اس کے ساتھ تھے جنہیں شاید وہ شاگرد پیشے سے سوتے سے اٹھا لایا تھا۔ ان کی نیند میں ڈوبی ہوئی وحشت زدہ آنکھیں یہی کہہ رہی تھیں۔

ڈاکٹر دیوار سے ٹکا حیرت سے آنکھیں پھاڑے دم توڑتے ہوئے گوریلے کو دیکھ رہا تھا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے سکتہ ہو گیا ہو۔ ریگی جس حال میں پڑی تھی پڑی رہی۔ ڈاکٹر کی توجہ اس کی جانب مبذول نہ ہو سکی۔ نوکر دم بخود کھڑے تھے۔

"مجھے حیرت ہے ڈاکٹر۔" ہنری نے قبرستان کا سناٹا توڑا۔

ڈاکٹر ڈف نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر بے ہوش ریگی کی طرف مڑ گیا۔ چند لمحے اس پر جھکا رہا پھر سیدھا کھڑا ہو کر بولا۔ "اس گوریلے کو میں نے اس وقت پالا تھا جب صرف چھ دن کا تھا۔ تم نے بہت بُرا کیا۔ بہت بُرا۔ مگر میں نہیں سمجھ سکتا کہ خود اُسے کیا ہو گیا تھا..... اس پر دیوانگی کیوں سوار ہو گئی تھی۔ میرے خدا۔"

ڈاکٹر نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔ وہ حقیقتاً بہت پریشان نظر آ رہا تھا۔

کار میں کوبرا

اپنے وقت کا حیرت انگیز ترین آدمی بڑے دلآویز انداز میں مسکرا رہا تھا اور سارجنٹ حمید نے ایسا پوز بنا رکھا تھا جیسے تن من دھن سے قربان ہو جانے کا ارادہ رکھتا ہو۔

سارجنٹ ہنری کی آنکھوں سے صرف عقیدت جھانک رہی تھی۔

"مگر مجھے کیوں اندھیرے میں رکھا جاتا ہے سرکار۔" حمید نے کہا۔

"مصلحت.....!" فریدی کا مختصر سا جواب تھا۔ اس نے سگار سلگایا۔ دو تین ہلکے کش لئے اور پھر بولا۔ "اس تدبیر سے ہنری کے لئے دروازہ بھی کھل گیا اور تمہارے لئے بنگلے کی عقبی دیوار بھی محفوظ ہو گئی۔"

"مگر گوریلا پاگل کیسے ہو گیا تھا۔"

"شکر قند.....!"

"لاحول ولا قوۃ.....!" حمید نے جھلا کر دونوں ہاتھ زانوں پر مارے اور فریدی ہنس پڑا۔ پھر سنجیدگی سے بولا۔ "رات کو گوریلا عموماً چھت ہی پر رہتا تھا۔ بہترین محافظ۔ اس سے تو ہر حال میں پیچھا چھڑانا ہی تھا۔ ایک شکر قند کافی ہوئی تھی اس کے لئے۔"

"اوہ تو آپ نے شکر قند میں کسی قسم کا زہر انجکٹ کیا تھا۔"

"ہاں..... اور پھر وہ چھت پر پھینک دی گئی تھی۔ پھر ہنری اسی وقت عمارت میں داخل ہوا جب مجھے یقین ہو گیا تھا کہ گوریلا شکر قند ہضم کر چکا ہو گا۔ ڈاکٹر کی حیرت حق بجانب تھی۔ کیونکہ وہ گوریلا گھر کے افراد کے لئے بالکل بے ضرر تھا۔"

"تو وہ زہر تھا۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ "میں سمجھا تھا شاید کم بخت کسی فٹ پاتھی نشہ کی نقرئی گولیاں چبا گیا تھا۔ مگر ٹھہریئے..... آخر آپ گوریلے کے پیچھے کیوں پڑ گئے تھے۔"

"اس کی موجودگی میں اپنا کام جاری نہ رکھ سکتا۔"

"کیا سچ مچ وہاں آپ کو انسانی اعضاء کی تلاش ہے۔"

''یہ حقیقت ہے۔''

''لیکن ٹھہریئے تو.... کیا جرم ہے۔''

''بعض حالات میں.... میں جانتا ہوں کہ وہ ایک سائنٹسٹ ہے.... ماہر حشرات الارض ہے۔ اگر اس کے یہاں انسانی اعضاء پائے جاتے....!''

ایک نوکر طشتری میں کسی کا وزیٹنگ کارڈ لئے داخل ہوا اور بات جہاں کی تہاں رہ گئی۔

فریدی نے کارڈ لے کر دیکھا اور جیب میں رکھ لیا۔

''تم دونوں یہیں ٹھہرو۔ اس کمرے سے باہر قدم نکالنے کی ضرورت نہیں۔'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

پھر وہ ڈائینگ روم میں آیا۔ یہاں انور اس کا منتظر تھا۔

''بیٹھو.... بیٹھو....!'' فریدی نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

''میں بڑی الجھن میں ہوں۔''

''کیوں....'' فریدی صوفے کے ہتھے سے ٹکتا ہوا مسکرایا۔

''خاور.... میری سمجھ سے باہر ہے۔''

''فی الحال میں بھی اسے زیادہ نہیں سمجھ سکا۔''

''اس کے علاوہ بھی ایک الجھن ہے۔''

''کہتے چلو۔'' فریدی نے بجھا ہوا سگار سلگا کر کہا۔

''آپ نے رانا پرمود کے متعلق جو کچھ بھی کہا تھا خود کو سامنے لائے بغیر کہا تھا۔ تاکہ اسکے آدمیوں کو متوجہ کرنے کیلئے مجھے بلیک میلر بننا پڑا تھا۔ پھر آپ یک بیک سامنے کیوں آ گئے۔''

''صرف اسی حد تک کہ پس پردہ رہنا مناسب تھا جب تک خاور روشنی میں نہ آ جاتا۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''رانا پرمود سے زیادہ مجھے خاور کی فکر تھی۔ میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ بھی ان معاملات سے دلچسپی لیتا ہے یا نہیں۔ اتفاقاً وہ جلد ہی روشنی میں آ گیا۔ ورنہ میری اسکیم تو طویل

تھی۔ کہیں نہ کہیں اسے سامنے آنا ہی پڑتا۔''

''سمجھ گیا۔ لیکن شاید ابھی تک اس کی پوزیشن آپ کے ذہن میں واضح نہیں ہو سکی۔''

''یہ حقیقت ہے۔''

''کچھ بھی ہو۔ لیکن اب وہ لوگ ہوشیار ہو گئے ہیں۔ آپ نے سامنے آ کر....!''

''پرواہ مت کرو۔'' فریدی نے شانوں کو جنبش دی۔ ''میں جانتا ہوں کہ میں نے اپنے لئے کئی طرح کے خطرات مول لئے ہیں۔ لیکن ان کے بغیر کام بھی تو نہ چلتا۔''

''آپ کے لئے خطرات....!''

''ہاں کسی وقت بھی سپرنٹنڈنٹ مجھے طلب کر کے پھٹکار سکتا ہے۔''

''کیوں؟''

''خاور بہت مقبول آدمی ہے۔ میں نے بھڑوں کے چھتے میں چھیڑا ہے۔ ہمارے ایس پی مسٹر اسمتھ صاحب بھی اس کے عقیدت مندوں میں سے ہیں۔''

''لیکن میری اطلاعات کے مطابق یہ کیس آپ کو اسمتھ ہی سے ملا ہے۔''

''خوب! بہت اچھے جا رہے ہو۔'' فریدی مسکرایا۔ ''اب میرے محکمے کی اطلاعات بھی تم تک اتنی آسانی سے پہنچنے لگی ہیں۔''

''ذرہ نوازی ہے آپ کی۔'' انور ڈھٹائی سے مسکرایا۔

''خیر.... ہاں تو یہ کیس مجھے مسٹر اسمتھ ہی سے ملا تھا۔ لیکن ان کے فرشتوں کو بھی شاید علم نہ ہو کہ ان معاملات سے خاور بھی کسی قدر سروکار رکھتا ہے۔ اب دیکھو نا اس نے خود کو اس معاملے سے الگ رکھنے کے لئے کتنا شاندار ڈرامہ اسٹیج کیا تھا۔ دو ہزار تمہیں مل چکے تھے۔ لیکن اسے اطمینان نہیں تھا کہ تم روپیوں سے سیدھے رہ سکو۔ یہی خیال تشدد کے متعلق بھی رہا ہوگا۔ اسلئے خاور کی اسکیم بروئے کار لائی گئی۔ سچ کہنا کیا تم اسکی حرکات سے متاثر نہیں ہوئے تھے۔''

''بے تحاشہ ہوا تھا۔''

''پھر بتاؤ.... کیا تم آہستہ آہستہ اس کے سامنے سب کچھ اگل نہ دیتے۔ وہ دراصل یہ معلوم

کرنا چاہتا تھا کہ تمہیں اس بلیک میلنگ اسٹف کا علم کن ذرائع سے ہوا تھا۔"

"لیکن آخر یہ رانا پرمود کیا بلا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ اُسے دس سال سے کسی نے دیکھا نہیں۔"

"دس سال۔" فریدی نے متحیرانہ انداز میں کہا۔ "یہاں تمہاری اطلاعات کے ذرائع کہاں آتے ہیں۔ ارے اُسے کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ وہ انگلینڈ میں پیدا ہوا تھا اور وہیں رہ گیا تھا۔"

"اوہ... تو پھر ریاست کا کاروبار کیسے چلتا ہے۔"

"ایک انگریز منتظم ہے اور رانا پرمود کا پراسرار سیکریٹری۔ خود رانا مستقل طور پر یورپ کے کسی ملک میں مقیم ہے۔"

"اتنا معلوم ہو جانے کے باوجود بھی میں کچھ نہیں سمجھا۔"

"فی الحال اتنا ہی کافی ہے۔" فریدی مسکرایا۔

"کیا... پرنسز تارا کی بھی نگرانی ہو رہی ہے۔"

"یہ کون ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"رانا... پرمود کی بھتیجی... پرمود ہاؤز ہی میں رہتی ہے۔ میں نے اکثر حمید کو اس کے پاس منڈلاتے دیکھا ہے۔"

"خوبصورت ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"پرمود کے چھوٹے بھائی نے کسی یورپین عورت سے شادی کی تھی۔ اس کی اولاد خاصی دلکش...!"

"یہ بڑی اچھی خبر سنائی تم نے۔" فریدی نے کہا اور سگار کے دو تین طویل کش لے کر اٹھ

"اب مجھے کیا کرنا ہے۔ ویسے میں خاور کے عقیدت مندوں میں داخل ہو چکا ہوں۔"

"بہت اچھے... وہ کس طرح۔"

"آپ کی واپسی کے بعد میں نے آپ کو بُرا بھلا کہا تھا۔"

"یہ نہ سمجھو کہ وہ اس سے مطمئن ہو گیا ہوگا۔ لیکن وہ تمہارے لئے خطرناک نہیں ہو بظاہر کسی کے لئے بھی نہیں۔ تمہیں وہ صرف ایک مہرہ سمجھتا ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ

نمبر 28

لقہ بگوش میں زبردستی گھسے رہو۔"

"یہی اسکیم ہے میری... لیکن وہ دو ہزار...!"

"پیش کرو... میری طرف سے اجازت ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن بلیک میلنگ کی رقم۔ ضمیر گوارا نہیں کرتا اور آپ یقین کیجئے کہ میں آج تک انسپکٹر آصف کے علاوہ اور کسی کو بھی بلیک میل نہیں کیا۔ وہ بھی ضرورتاً۔ جب اس دماغ میں میرے خلاف کیڑے کلبلاتے ہیں تو انہیں خاموش کرنا ہی پڑتا ہے۔"

"تمہاری مرضی۔"

"لیکن میں آج کل بے حد مفلسی کی زندگی گزار رہا ہوں۔"

"شام تک تمہیں ایک ہزار کا چیک مل جائے گا۔ اوہ ٹھہرو... نہیں خیر... اس وقت نہیں کے ساتھ ہی تمہیں ہدایات بھی مل جائیں گی۔ بس اب جاؤ۔ آج کل بے حد مشغول ہوں۔"

انور بھی اٹھ گیا۔

"بس ایک بات اور..." وہ پھر بول پڑا۔

"اُوں ہونہہ... بولو بھئی۔ تم تو کان کھا جاتے ہو۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"کام ہی بات ہے۔ بتا دیجئے۔ ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

"معلومات حاصل کرنے کے ماہر ہونا کوشش کر ڈالو۔"

"نہیں میرے بس سے باہر ہے۔" انور جلدی سے بولا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر خبر کیسی تھی جو آپ نے میرے کالم کے لئے عطا فرمائی تھی۔ خود اس خبر کی تصدیق ہی کرنے ابھی تک قاصر رہا ہوں۔ پرمود ہاؤز کے آس پاس پائے جانے والے خارش زدہ کتوں تک چھان بین کر ڈالی ہے لیکن...!"

فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور ہاتھ ہلا کر بولا۔ "جاؤ... جاؤ... پھر بتاؤں گا۔ لیکن اب ایک راز کی بات بتا ہی دوں۔ میں پچھلی رات خود کو ہرگز ظاہر نہ کرتا... لیکن اس کا کیا نتیجہ ہوتا؟ تمہارے دھجیاں اڑ جاتیں... بے حد خطرناک لوگ ہیں۔ تمہارا منہ

بند کرنے کے لئے بالآخر بے خبری میں پشت پر خنجر مارتے۔ یہ معاملہ ایسا ہی اہم تھا۔ ا
محفوظ ہو۔ انہیں یقین ہوگیا ہوگا کہ میں نے تمہیں اصل بات ہرگز نہ بتائی ہوگی۔''

انور نے طویل سانس لی اور کھوپڑی سہلاتا ہوا ڈرائنگ روم سے باہر نکل آیا۔

فلیٹ تک پہنچنے میں پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں صرف ہوئے۔ لیکن یہاں دوسری الجھ
موجود تھی۔ رشیدہ.... انور کو اس کے سامنے اسٹار کا فائیل نظر آیا۔ تقریباً پچھلے تین ماہ کے شمار
ڈھیر رہے ہوں گے۔

وہ اُسی کے فلیٹ میں تھی۔ انور نے چاہا کہ اُسے نظر انداز کرتا ہوا دوسرے کمرے میں
جائے۔ لیکن رشیدہ بڑی پھرتی سے اٹھی اور دروازے میں حائل ہوگئی۔

''بدحواسی اچھی نہیں۔'' انور نے آنکھیں دکھائیں۔

''اس سے کام نہیں چلے گا۔'' رشیدہ نے اُسے سامنے والی کرسی میں دھکیل دیا۔

انور بیٹھ تو گیا لیکن ایسے انداز میں اُسے گھورتا رہا جیسے دوسرا مرحلہ تھپڑ ہی تو ہوگا۔ وہ
اتنا زوردار کہ رشیدہ کے گالوں پر پانچوں انگلیاں بن جائیں گی۔

''مجھے ابھی تک ایک ایسی خبر کے علاوہ اور کچھ نہیں مل سکا جس میں پرمود ہاؤز کا تذکرہ
آیا ہو۔ خبر چونکا دینے والی ہے لیکن اہم نہیں۔''

''ہوں.... پڑھنا تو ذرا۔'' یک بیک نہ جانے کیوں انور نرم پڑ گیا۔

رشیدہ نے وہ شمارہ کھینچا جس سے اُسے خبر پڑھنی تھی۔

''دارالحکومت ۱۳ نومبر.... پچھلی رات مشہور عمارت پرمود ہاؤز کے قریب ایک ایسا دل
واقعہ پیش آیا جس کی مثال شاید جرائم کی پوری تاریخ میں نہ مل سکے۔ ہوا یہ کہ ایک سوتیلی
نے کسی بات پر خفا ہوکر اپنے جوان بھائی کے دونوں کان اکھاڑ لئے۔ آس پاس کے علا
میں سنسنی پھیل گئی۔ پولیس مفرور بہن کی تلاش میں ہے۔ اسٹاف رپورٹر۔''

رشیدہ خاموش ہوگئی اور انور بھی خاموشی سے سگریٹ پیتا رہا۔

''یہ کیا بکواس تھی۔'' اس نے کچھ دیر بعد انور کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''پرمود ہاؤز کے

بھی اس قسم کا کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا.... میں نے ابھی فون پر اس علاقے کے تھانے کے
ج سے گفتگو کی تھی۔''

''تم پاگل ہوجاؤ گی۔'' انور نے خشک لہجے میں کہا۔ ''میں بہت پریشان ہوں اس لئے
کہ تم پاگل ہوجاؤ گی بلکہ اس لئے کہ اب کوئی صورت نہیں رہی کامیابی کی۔''

''کیا بکواس کر رہے ہو۔''

''وحیدہ بانو۔'' انور نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''نہیں لاحول ولاقوۃ کیا بک رہا ہوں۔ بھلا
حال دل سنانے سے فائدہ۔ ہوں.... کیا تم پرنسز تارا سے دوستی کرسکو گی۔''

''میں کسی پرنسز تارا سے واقف نہیں ہوں۔''

''رانا پرمود کی بھتیجی.... پرمود ہاؤز میں رہتی ہے۔''

''اچھا.... وہ یورپین لڑکی.... مگر....'' رشیدہ خاموش ہوکر اُسے گھورنے لگی۔

پھر جھلا کر بولی۔ ''اب میں سمجھ گئی۔ یہ چکر ہے۔ اس لڑکی کے لئے یہ سب کچھ ہو رہا
ہاں وہ بہت خوبصورت ہے۔''

''اس کی ماں اس سے بھی زیادہ خوبصورت تھی۔''

''میں چانٹا مار دوں گی۔'' رشیدہ غرائی۔ ''یاد رکھو اگر تم کبھی اس
کے ساتھ دکھائی دیئے تو
سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔''

''اس کے ساتھ نہ دکھائی دوں تب بھی تم سے بُرا کوئی اور آج تک میری نظر سے نہیں
ا۔'' انور نے کہا اور ایش ٹرے میں سگریٹ کا جلتا ہوا سرا رگڑنے لگا۔

پھر یک بیک اس نے رشیدہ کے بال مٹھیوں میں جکڑ لئے۔

''گرفت سخت ہوتی جائے گی۔'' وہ دانت پر دانت جما کر بولا۔ ''اتنی کہ تمہاری کھوپڑی
سکا چھلکا بن جائے۔''

گرفت سچ مچ سخت ہوگئی تھی لیکن رشیدہ نے تکلیف کی پرواہ کئے بغیر دو تین مکے اُس
چہرے پر رسید کر دیئے۔

دفعتاً باہر سے کسی نے گھنٹی بجائی.... انور اچھل کر پیچھے ہٹ گیا اور رشیدہ بُرا سا منہ بناتے ہوئے اپنے بال درست کرنے لگی۔

گھنٹی پھر بجی اور انور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔



شام خوشگوار تھی اور سارجنٹ حمید معمول سے کچھ زیادہ ہی بشاش تھا۔ بشاشت کی وجہ اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ کسی معجزے ہی کے تحت فریدی اس کے ذہن میں جھانکنے میں کامیاب ہو گیا۔ یعنی غیر متوقع طور پر پرنسز تارا کی نگرانی بھی اسی کے سپرد کر دی گئی تھی۔ پہلے تو حمید کو اپنے کانوں پر یقین ہی نہ آیا تھا کیونکہ رانا پرمود کی کہانی سے وہ قطعی طور پر ناواقف تھا۔ لیکن اُسے حیرت ضرور ہوئی تھی کہ آخر ڈاکٹر ڈف کا تارا سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ اس نے معلوم کرنا چاہا تھا لیکن فریدی سے کسی صحیح جواب کی توقع ہی فضول تھی۔ بہرحال وہ بڑے اچھے موڈ میں تھا۔ اچھے موڈ میں تھا اس لئے شام ہوتے ہی ''ہائی سرکل'' کی کیوں نہ سوجھتی۔

لیکن گنبد نما مینار پر نظر پڑتے ہی روح فنا ہو گئی۔ وہ اس کے متعلق سب کچھ بھول چکا تھا۔ پچھلی شام کی بات دوسری تھی۔ اس وقت تو وہ دن بھر کی کوفت دور کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اب اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے یہ بدھو پہاڑ سا جسم رکھنے کے باوجود بھی کسی جونک ہی کا بھائی بند ہو سکتا ہے۔ لیٹ جائے تو پیچھا چھڑانا محال۔

''اُخاہ....'' وہ بھی حمید کو دیکھتے ہی ماحول سے بے پرواہ ہو کر دھاڑا اور بہتیرے لوگ چونک کر اُسے گھورنے لگے۔ لیکن وہ احمقانہ انداز میں مسکرا مسکرا کر ہاتھ ہلاتا ہی رہا۔

حمید کو اس بے ہودگی پر بڑا تاؤ آیا۔ مگر پھر عافیت اسی میں نظر آئی کہ اسی کی میز کا رخ کرے۔ کیا ٹھیک۔ احمق تو احمق۔ اب کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے کہ خود حمید ہی کا رکھ رکھاؤ خاک

میں مل جائے۔

''آؤ.... آؤ.... مری جان پیارے بھائی۔'' وہ پرمسرت لہجے میں بولا۔ ''باٹھو.... باٹھو.... ارے تُو کہاں گائب ہو گئے تھے۔''

''ذرا والد صاحب سے گئے تھے۔'' حمید بیٹھتا ہوا بولا۔

''ہائے....!'' قاسم کراہا۔ ''تمہارے بھی والد صاحب ہوتا ہے۔''

''کیوں... کیا تمہارے نہیں تھا۔'' حمید نے حیرت سے پوچھا۔

''میرے تو بہت جیادہ ہے۔'' قاسم نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''کھیر چھوڑو.. اور کوئی بات قرو۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''تیا نہیں سمجھے۔''

''زیادہ والی بات۔''

''نہ سمجھو.... یہی اچھا ہے۔'' قاسم نے پھر ٹھنڈی سانس لی۔ ''خدا کسی رنڈی کو بھی باپ دے۔''

''ہائیں.... ہائیں۔ کیا تم نشے میں ہو۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔ ''اس وقت تمہاری کوئی بات بھی میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔''

''اے ہٹاؤ۔'' قاسم یک بیک جھلا گیا۔ ''میں قہتا ہوں.... یہ سالا باپ واپ کہاں سے ٹپک آیا۔ ہاں نہیں تو..... نہ گھر چین نہ باہر چین..... ٹھینگے پر ہو تم اور تمہارے والد صاحب ہوں ہاں۔''

''ارے.... ارے۔''

''قچھ نہیں۔'' قاسم ہاتھ ہلا کر بولا۔ ''اور قوئی بات کرو۔''

''تمہاری پیدائش کیسے ہوئی ہوگی۔''

''ارے واہ۔'' قاسم ہنس پڑا۔ ''میری کھائی بناتی ہے کہ میں ٹیاؤں ٹیاؤں روتا تھا۔ ہی ہی ہی.... اے اب سوچ کر شرم آتی ہے۔''

''ضرور آتی ہوگی۔ رم پیو گے۔'' حمید نے کہا۔

''ارے باپ رے۔ نہیں بابا۔ میرے پھرشتے بھی شراب نہیں پی سکتے۔ لاحول ہا کرتے۔''

مگر حمید سوچ رہا تھا کہ ہونی چاہئے۔ نشے میں یہ اور زیادہ دلچسپ ہو جائے گا۔

دفعتاً اس کی نظر تارا پر پڑی اور اس کا سارا جسم جھنجھنا کر رہ گیا۔

بڑی عجیب لڑکی تھی۔ اس دور میں جب کہ کالے صاحب لوگ گھاس پھوس کی طرح کرتے تھے کسی اینگلو انڈین لڑکی کا ہندوستانی بننے کی کوشش کرنا خواب ہی معلوم ہوتا تھا تارا تو پھر چلتی پھرتی حقیقت تھی۔ اس وقت بھی وہ چوڑی دار پاجامے اور لمبے فراک میں حمید نے اُسے کبھی اسکرٹ میں نہیں دیکھا تھا۔ کبھی غرارے میں نظر آتی کبھی شلوار میں او چوڑی دار پاجامے میں۔ ساڑھی میں ابھی تک نہیں دکھائی دی تھی۔''

''ارے باپ رے۔'' قاسم ہانپنے لگا۔

''یہی ہے۔'' حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔

''ہائے.... الا.... اے قیسی لگتی ہے.... ہی ہی ہی ہی.... ابے انگریز لونڈیاں بھی پہننے لگیں.... لاحول بلا کوت۔''

''پسند نہیں آئی....!''

''مبلقل نہیں.... پاجامے سے گھن آتی ہے۔ اور پھر چوڑی دار.... اُوع....!'' قاسم مچ اوبکائی آ گئی۔

''ہوش میں ہو یا نہیں۔''

''ارے واہ۔'' قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ ''پھلم ڈائریکٹر نہ ہوئے تھانے دار ہو گئے۔ دیکھو آئندہ مجھ سے ایسے لہجے میں بات نہ کرنا۔''

''اوہ.... دیکھو! وہ کہیں اور جا رہی ہے۔'' حمید نے قاسم کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا ''گاڑی رولس ہی لائے ہونا۔''

''ہاں.... ہاں.... ارے باپ رے.... اس کے ساتھ یہ دوسری کون ہے۔ ارے

جارجٹ کی ساری.... یہ ٹھیک ہے چلو چلو۔''

وہ دونوں بھی باہر نکلے اور اس کی ساتھی لڑکی ایک کار میں بیٹھ چکی تھیں۔ وہ دونوں رنگ شیڈ میں آئے۔ حمید نے اسٹیئرنگ خود ہی سنبھالا.... تعاقب شروع ہو گیا۔

دونوں غالباً نیا گرہ ہوٹل کی طرف جا رہی تھیں جو شہر سے باہر ایک پرفضا مقام پر واقع تھا۔

''ساری والی جورو۔ ارے بھائی صاحب۔ قیا کھیال ہے۔'' قاسم ''ہی ہی'' کرتا ہوا بولا۔

''خاموش رہو۔ اس وقت میں آرٹ کی دنیا میں کھویا ہوا ہوں۔'' حمید نے کہا اور پھر تیزی سے بریک لگانے پڑے.... ورنہ وہ لڑکیوں کی کار سے ٹکرا ہی گئی ہوتی۔ ان کی گاڑی اچانک ہی رکی تھی۔

لڑکیوں کی چیخیں سنائی دیں۔ اگلی سیٹ کا دروازہ کھلا اور وہ لدالد سڑک پر آ گریں۔

''سانپ.... سانپ....!'' وہ چیخ رہی تھیں۔ حمید نے گاڑی سے چھلانگ لگائی اور آن کی آن میں ان تک جا پہنچا۔

''سانپ سانپ.... بچایئے۔'' دونوں بیک وقت چیخیں۔ ان کی گاڑی میں روشنی تھی۔ اس نے دیکھا کہ ایک کوبرا پچھلی نشست سے اگلی نشست پر پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے۔

کاٹنے والا

ہنری نے جیسے ہی ڈاکٹر ڈف کی نیم تاریک کمپاؤنڈ میں قدم رکھا کسی نے پشت سے اس پر چھلانگ لگائی۔ وہ کسی قدر نشے میں بھی تھا اس لئے بے خبری اور زیادہ خطرناک ثابت ہوئی۔ وہ لڑکھڑایا اور ڈھیر ہو گیا۔ پھر حملہ آور بھی اس پر تھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں عقل اور سنبھل گئی جب حملہ آور نے آہستہ سے کہا۔ ''ارے سنبھلو سنبھلو۔''

پھر حملہ آور ہی نے اُسے کھینچ کھانچ کر اٹھایا اور ہنری کی جان میں جان آئی۔ کیونکہ اب

اس نے حملہ آور کو پہچان لیا تھا۔ یہ ریگی تھا۔

''اُف فوہ....!'' ہنری نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''پہلے سے بتا دیا ہوتا تو میں خود ہی مر بھی گیا ہوتا۔ تم نے کیوں تکلیف اٹھائی۔''

''تم مجھے بھی بھولتے جا رہے ہو۔ میں تمہیں مار ڈالوں گی۔'' ریگی نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اب تم نے ڈیڈی سے دوستی کر لی ہے۔ میری پرواہ نہیں کرتے۔''

''کاش تم سمجھ سکتیں ریگی ڈارلنگ۔ ڈیڈی کی شکل میں بھی مجھے تمہاری ہی جھلکیاں ملتی ہیں۔''

''بکواس مت کرو۔ تم مجھے نظر انداز کرنے کی کوشش کرتے ہو۔''

''اُوہ خدا کے لئے خاموش رہو۔ میں بہت اُداس ہوں۔ اس وقت مجھے وہ مظلوم یاد آ رہا ہے جسے....!''

''میں اس چچا کے متعلق کچھ نہیں سننا چاہتی اگر تم مجھ سے اسی طرح بے توجہی برتتے رہے تو ایک دن تمہارے کسی بھتیجے کو بھی اسی طرح اداس ہونا پڑے....!''

''خدا کی پناہ....تو تم میری ٹانگیں توڑ دو گی۔'' ہنری بوکھلا کر بولا۔

''بس مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکی۔ اب تم ڈیڈی کے پاس جا کر جھک مارو۔''

''مگر تم اس وقت یہاں کیا کر رہی تھیں۔''

''تمہاری ہی تاک میں تھی۔''

''غلط....میں تسلیم نہیں کر سکتا۔ تم کیا جانو کہ میں اس وقت آؤں گا۔''

ریگی کچھ نہ بولی۔ ہنری نے پھر اپنا سوال دہرایا۔

''میں اس آدمی کی تاک میں بیٹھی تھی جو آدمیوں کو کاٹنے دوڑتا ہے۔'' ریگی نے بعد کہا۔

ہائیں تو کیا اب ڈاکٹر نے گوریلا کی بجائے کوئی ایسا آدمی پال لیا ہے۔'' ہنری سے بولا۔

''نہیں....وہ اکثر ہمارے ہاں آتا رہتا ہے۔ لیکن یہ بات تو مجھے آج ہی معلوم

''ڈیڈی کو ڈیڈی....!''

''ٹھہرو....!'' ہنری اس کا بازو پکڑ کر ایک طرف کھینچتا ہوا بولا۔ ''یہاں نہیں۔''

کچھ دور چل کر ہنری رک گیا۔ یہ کمپاؤنڈ کا ایک بالکل ہی ویران گوشہ تھا۔ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ ادھر بھی کوئی آئے گا۔

''ہاں اب بتاؤ۔'' ہنری بولا۔

''جہنم میں جھونکو....ہم کتنے دنوں بعد مل رہے ہیں۔'' ریگی نے ٹھنڈی سانس لی۔

''کسے جہنم میں جھونک رہی ہو۔'' ہنری نے جیب سے ایک چپٹی سی شیشی نکالتے ہوئے کہا۔ پھر ڈھکن اتار کر شیشی کا منہ ریگی کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

''نہیں....!'' ریگی پیچھے ہٹتی ہوئی بولی۔ ''مجھ سے نہیں چلتی یہ رائی کی خالص وہسکی تم ہی اپنا حلق چھیلا کرو۔''

''اُو کے....'' ہنری نے شیشی سے دو گھونٹ لیے اور ڈھکن چڑھا کر اُسے جیب میں ڈالتا ہوا بولا۔ ''یہ رات کتنی سہانی ہے۔ مگر چاند نہ نکلے تو اچھا ہے۔''

''اوہ ختم کرو....میں تمہیں اس آدمی کے متعلق بتانا چاہتی ہوں۔ ہنری ڈیئر میں بہت پریشان ہوں۔''

''چلو وہی بتاؤ۔ میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ تم بولتی رہو۔ میں سنتا رہوں....اُف فوہ کتنی پیاری اور سریلی ہے تمہاری آواز۔''

''آج پاپا کو کہیں جانا تھا۔ ان کے جانے کے بعد میں نے گھر کو مقفل کیا اور خود بھی باہر چلی گئی تھی۔ نوکروں کو میں نے ملا رکھا ہے۔ وہ پاپا کو میری غیر حاضری کے متعلق بتاتے نہیں۔ آج میں خلاف معمول جلد ہی واپس آ گئی۔ قفل کھول کر اندر پہنچی۔ تم نے دیکھا کہ ہمارے بنگلے کے اندر بھی بہت بڑا صحن ہے۔ راہداری میں قدم رکھتے ہی مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے اندرونی صحن میں کسی قسم کی بھاگ دوڑ ہو رہی ہو....پھر ڈیڈی کی آواز سنی جو کہہ رہے تھے۔ ''ہٹو پیچھے ہٹو....ورنہ گولی مار دوں گا۔ تم مجھے نہیں کاٹ سکو گے۔'' پھر ایک فائر ہوا۔ میں صحن کی طرف بھاگی۔

عجیب منظر دیکھا۔ ایک آدمی بھاڑ سا منہ کھولے ڈیڈی کے پیچھے دوڑتا پھر رہا تھا۔ ڈیڈی کے ہاتھ میں پستول تھا لیکن وہ پھر بھی خوفزدہ معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے پھر فائر کیا لیکن دوسرا آدمی ہنستا رہا۔ اس نے بڑی پھرتی سے خود کو گولی سے بچایا تھا۔ میں چیخنے لگی۔ دوسرا آدمی اچھل کر بھاگا اور زینوں والے کمرے میں جا گھسا۔ ڈیڈی اس کے پیچھے دوڑنے کی بجائے زمین پر بیٹھ کر ہانپنے لگے تھے۔"

"اس آدمی کو تم نے اکثر یہاں دیکھا ہے۔"

"ہاں کئی بار پہلے بھی وہ ڈیڈی کے پاس آچکا ہے۔"

"تو تمہیں یقین تھا کہ وہ اس وقت بھی آئے گا۔"

"نہیں.... اب میں سنجیدگی سے گفتگو کر رہی ہوں۔ وہ تو محض مذاق تھا۔ میں وہاں یونہی کھڑی تھی کہ تم نظر آئے میں نے کہا کہ تمہیں ڈرایا جائے۔"

"پھر یہ کٹکھنے آدمی کی کہانی بھی مذاق ہی ہوگی۔"

"خدا کی قسم..... یہ سو فیصدی سچ ہے۔ ڈیڈی نے میری کسی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔ میں نے ان سے پوچھا تھا کہ وہ گھر میں کیسے داخل ہوئے تھے جبکہ باہر کا قفل بھی مجھے کھلا ہوا نہیں ملا تھا۔"

"کمال ہے بھئی۔ آخر وہ داخل کس طرح ہوئے ہوں گے۔" ہنری کچھ سوچتا ہوا بڑبڑایا۔

"میں بڑی الجھن میں ہوں ڈارلنگ۔" ریگی نے کہا۔ "آج کل یہاں حیرت انگیز باتیں دیکھنے میں آرہی ہیں۔ فیتھم اس طرح تمہارے ہی ہاتھوں مارا گیا۔ اس کے مرنے کا دکھ مجھے بھی ہے۔ سچ کہتی ہوں وہ کسی معصوم بچے کی طرح بے ضرر تھا۔ اچانک اس طرح پاگل ہوگیا۔ اسی دالسی بجور کو ڈیڈی نے چھت سے اترتے دیکھا تھا اور پھر اسی چور نے ان کے خلاف رپورٹ بھی درج کرائی تھی اور پھر آج یہ کٹکھنا آدمی جس سے ڈیڈی خائف معلوم ہوتے تھے۔"

"واقعی بڑی عجیب باتیں ہیں۔ مگر سنو تو سہی۔ ڈاکٹر نے کچھ بھی نہیں بتایا۔"

"کچھ بھی نہیں۔ زیادہ اصرار کرتی ہوں تو جھڑک دیتے ہیں۔ مگر وہ خوفزدہ بھی ہیں اور

پریشان بھی۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔ آخر وہ بنگلے میں کس طرح داخل ہوئے ہوں گے جبکہ قفل بھی مجھے کھلا ہوا نہیں ملا تھا۔"

"چلو.... میں پوچھوں گا....!"

"میں تم سے یہی کہنا چاہتی تھی کہ بنگلے سے مجھے وحشت ہونے لگی ہے۔" ریگی بولی۔

وہ دونوں برآمدے میں آئے۔ ہنری ٹھٹھکا ہی تھا کہ ریگی نے ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔ "چلو نا.... تکلفات کی ضرورت نہیں۔ ڈیڈی کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ وہ تمہاری عدم موجودگی میں بھی تمہاری تعریفیں کرتے ہیں۔"

وہ اندر پہنچے اور ریگی نے کہا۔ "ٹھہرو.... میں ڈیڈی کو تمہاری آمد کی اطلاع دے دوں۔"

وہ اُسے ڈرائنگ میں چھوڑ کر چلی گئی۔ ہنری نے بوتل پھر جیب سے نکالی۔

دو تین گھونٹ لے کر رومال ہونٹوں پر پھیرا اور شیشی جیب میں رکھ کر سگریٹ سلگانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ریگی کی چیخ سنائی دی۔ پھر پے در پے چیخیں۔ وہ سگریٹ لائیٹر وہیں پھینک کر بھاگا۔ آوازیں ڈاکٹر کی تجربہ گاہ سے آئی تھیں۔ ہنری کا اندازہ درست نکلا۔

ڈاکٹر فرش پر چت پڑا ہوا نظر آیا اور ریگی دیوار سے لگی دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے کھڑی تھی۔

ہنری تیزی سے ڈاکٹر پر جھکا۔

وہ دم توڑ چکا تھا۔ پتہ نہیں کب مرا ہو.... لیکن جسم میں ابھی گرمی باقی تھی۔ ہنری ریگی کی طرف مڑا.... اور.... وہ دھاڑیں مار مار کر روتی ہوئی اس پر آ گری۔

"اوہ.... دیکھو.... ٹھہرو.... صبر کرو۔ مجھے بتاؤ۔ جب تم باہر گئی تھیں تو...."

"وہ زندہ تھے۔ میں نے کچھ دیر پہلے یہاں ان کیلئے چائے پہنچائی تھی۔" ریگی نے جلدی سے اپنی دہاڑوں پر قابو پالیا۔ لیکن آنسو اب بھی جاری تھے اور سسکیاں بھی لے رہی تھی۔

"فون کہاں ہے؟" اس نے مڑ کر ریگی سے پوچھا۔ وہ بازوؤں میں منہ چھپائے سسکیاں لے رہی تھی۔

''لائبریری میں۔'' اس نے پھنسی پھنسی سی آواز میں کہا۔

ہنری تیزی سے باہر آیا اور لائبریری کی طرف دوڑنے لگا۔ وہ جلد از جلد اس حادثے کی اطلاع فریدی کو دینا چاہتا تھا۔

فون کا ریسیور اٹھا ہی تھا کہ ریگی کی چیخیں پھر سنائی دیں۔

''بچاؤ.... بچاؤ.... ہنری دوڑو۔''

ہنری ریسیور رکھ کر بھاگا۔ وہ برابر چیخے جا رہی تھی۔ اس بار تجربہ گاہ والی راہداری تاریک ملی.... اور شاید تجربہ گاہ میں بھی اندھیرا تھا۔ ورنہ کھلے ہوئے دروازے سے راہداری میں روشنی ضرور آتی۔ راہداری میں قدم رکھتے ہی کوئی اس سے ٹکرایا اور ہنری کی کھوپڑی دیوار سے لڑ گئی.... ریگی اب بھی چیخ رہی تھی۔ ہنری کا سر بڑی شدت سے چکرایا تھا لیکن پھر بھی اس نے اٹھنے میں پھرتی ہی دکھائی اور اس سائے کی طرف جھپٹا جو اس سے ٹکرانے کے بعد تیزی سے صحن کی جانب دوڑا گیا تھا۔ ایک منٹ اس کی تلاش میں ضائع ہو گیا۔ ریگی اب بھی اُسے آوازیں دیئے جا رہی تھی۔ ٹکرانے والا نہ ملا.... اس نے شائد ربر سول کے جوتے پہن رکھے تھے۔ اسی لئے دوڑتے قدموں کی آوازیں بھی نہیں سنائی دی تھیں۔

ہنری پھر تجربہ گاہ کی جانب دوڑ گیا۔ ریگی نے وہاں کا بلب روشن کر لیا تھا اور داہنے ہاتھ سے بایاں بازو دبائے ایک میز پر جھکی کھڑی تھی۔

''کیا ہوا.... کیا ہوا'' ہنری اُسے جھنجھوڑ کر بولی۔

''مم.... مجھے بھی کاٹ لیا۔'' ریگی کراہی۔ ''میرا سر چکرا رہا ہے۔ سہارا دو۔''

اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ ہنری نے اُسے ایک کرسی پر بٹھا دیا۔

اس کے بائیں بازو پر ایک سرخ سا نشان دکھائی دیا۔ یقیناً یہ انسانی دانت ہی تھے جو گوشت میں پیوست ہو کر اپنا سرخ سا نشان چھوڑ گئے تھے۔

''کہاں تھا۔'' ہنری نے بوکھلا کر پوچھا۔

''یہیں....!'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''اس الماری کے پیچھے.... اب اپنی شیشی نکالو۔

پتہ نہیں کیسی حالت ہے میری۔''

''کون تھا.... مجھے بتاؤ۔ شاید وہ کوئی جنسی جنونی تھا۔'' ہنری نے جیب سے شیشی نکالتے ہوئے کہا۔

ریگی نے دو تین گھونٹ لئے اور سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا۔ اس کی آدھ کھلی آنکھوں سے تکلیف کا اظہار ہو رہا تھا۔

''میں اس کا نام نہیں جانتی لیکن وہ کچھ عجیب سا لگتا تھا۔ اوہ.... اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی بائیں پسلی دبائی اور پھر اس طرح حلق پھاڑ کر چیخی جیسے کوشش کے باوجود بھی اس چیخ کو روکی ہو.... آدھ کھلی آنکھیں حیرت انگیز طور پر پھیلتی جا رہی تھیں۔

''ریگی ریگی۔'' ہنری نے اُسے جھنجھوڑا لیکن آنکھیں پھیلتی ہی گئیں اور پھر یک بیک اس کی گردن ایک جھٹکے کے ساتھ بائیں جانب جا پڑی۔ آنکھیں اب بھی پھیلی ہوئی تھیں۔ لیکن ان میں شاید ہمیشہ کے لئے رک چکی تھیں۔

قاسم بھی جھپٹتا ہوا قریب پہنچا۔ وہ دونوں اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

دفعتاً قاسم چیخا۔ ''ارے ہائیں.... ہائیں.... ہاتھ میں پتھر و نے۔''

''نہیں نہیں....!'' لڑکیوں کی زبان سے بیساختہ نکلا۔

''پھر بھلا بتایئے یہ نامعقول مرے گا کیسے۔'' حمید نے مڑ کر بڑے اطمینان سے کہا۔

''کسی اور چیز سے ماریئے۔'' تارا نے کہا۔

''میرے پاس فی الحال ریوالور کے علاوہ اور کچھ نہیں۔'' حمید بولا۔ ''لیکن خدشہ ہے کہ وہ ہماری گاڑی تباہ کر دے گا۔''

''دروازہ کھول دیجئے نیچے چلا آئے گا۔'' دوسری لڑکی بولی۔

''اور قیا....!'' قاسم نے سر ہلا کر کہا۔

''اگر اس نے پھر آپ کی جانب رخ کیا اور میں زیادہ پھرتی بھی نہ دکھا سکا....!''

لڑکیاں خاموش رہیں۔ لیکن قاسم مضطربانہ انداز میں بولا۔ ''ہٹو اُدھر میں دعا پڑھ کر اندھا کردوں غاسالے کو۔''

وہ کھڑکی کے پاس جا کر کچھ بدبدانے لگا۔ پھر گال پھلا کر گاڑی کے اندر پھونک ماری اور ٹھیک اسی وقت سانپ بھی پھپھکارا۔

''ارے باپ رے....'' قاسم بوکھلا کر پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ ''اے یہ سالا بھی پھونکتا ہے... نہیں اندھا ہوگا شاید۔''

لڑکیاں ہنس پڑی تھیں اور انہوں نے قاسم کو مضحکانہ انداز میں دیکھا تھا۔

سانپ اب پھر پچھلی سیٹ پر آ گیا تھا اور کھڑکی سے گزر جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ کھڑکی میں شیشہ نہیں تھا۔

حمید نے جیب سے ریوالور نکالا۔ جیسے ہی سانپ کا سر کھڑکی پر آیا اس نے ریوالور کے دستے سے اس پر ضرب لگائی۔

''ارے....ارے....دیکھئے سنبھل کر۔'' تارا مضطربانہ انداز میں بولی۔

لیکن ضرب اپنا کام کر چکی تھی۔ سانپ پچھلی سیٹ پر پڑا قلابازیاں کھا رہا تھا۔

اب حمید نے گاڑی کا دروازہ کھول دیا تھا۔ لیکن دوسری لڑکی پیچھے کھڑی رولس رائس گاڑی کو دیکھ رہی تھی۔ سانپ اسی طرح تڑپتا ہوا سڑک پر آ گرا۔

اس بار میاں قاسم نے بھی ''دلیر جنگ'' بننے کی کوشش کی۔ یعنی سانپ کے سر پر پیر رکھ دیا اور پھر لگے چنگھارنے... کیونکہ سانپ نے بڑی تیزی سے اپنا جسم انکی پنڈلی کے گرد جکڑ لیا تھا۔

''ارے باپ رے....ابے....پیر ٹوٹا....ابے سالے۔''

''دباؤ....زور سے دباؤ۔'' حمید بوکھلا کر چیخا۔ ''اس کا سر پیر کے نیچے سے نہ نکلنے پائے۔''

''ہوشیار....ٹھہر....دباؤ....دباؤ۔''

سانپ کے بل ڈھیلے پڑنے لگے اور پھر وہ نیچے آ گرا....دوسری طرف قاسم بھی بھد سے بیٹھ گیا۔

''ارے بڑی جلن ہو رہی ہے....ارے باپ رے۔'' وہ پنڈلی مسلتا ہوا بولا۔

''دیکھو کہیں کھال نہ پھٹ گئی ہو۔''

سچ مچ کئی جگہ سے خون رس رہا تھا۔ لڑکیوں نے افسوس ظاہر کیا۔ لیکن قاسم کی حماقت انگیز باتوں پر ہنسی روکنا بھی تو محال تھا۔ تارا جو بہت سنجیدہ مشہور تھی وہ بھی ہنس پڑی تھی۔

''میں آپ کی بے حد شکر گزار ہوں جناب۔'' اس نے حمید سے کہا۔

''میں نے ہاتھی تو نہیں مارا تھا۔ لیکن اس بات پر ضرور تشویش ہے کہ آخر گاڑی میں کوبرا کہاں سے آیا۔''

''میں خود بھی نہیں سمجھ سکتی۔''

''غالباً یہ کسی مقصد کے تحت گاڑی میں ڈالا گیا تھا۔''

''خدا جانے۔'' تارا بولی۔ ''اچھا بہت بہت شکریہ۔''

اس نے دوسری لڑکی کو گاڑی کی طرف دھکیلا۔ وہ اندر بیٹھ گئیں اور گاڑی پھر چل پڑی۔

''ابے....واہ یہ تو چلی گئیں۔'' قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

''اچھا تو....تم کیا سمجھے تھے۔''

''کچھ بھی نہیں....مگر ایسا بھی کیا....واہ....!''

''پنڈلی کی خبر لو برخوردار....!''

''ٹھینگے سے....ہاں شاید کھون نقل رہا تھا۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔ ''جرا تم اپنا رومال بنا کر اب ہو جائے گا۔''

''بڑے حسین ہو۔ میں اپنا رومال برباد کروں۔'' حمید بولا۔ ''اٹھو۔ اب نیا گرہ چلیں گے۔ ''اُوں وہیں گئی ہوں گی۔''

''جرور میری جان پیارے بھائی۔'' قاسم اٹھتا ہوا بولا۔ ''یار تم واقعی بڑے قابل ہو۔''

''میری قابلیت کسی دن تمہیں بہت بڑے مرتبے پر فائز کر کے رکھ دے گی۔ بس دیکھتے جاؤ۔''

''وہ پھر گاڑی میں آ بیٹھے۔''

قاسم بہت مگن تھا۔ اس نے پنڈلی کی بھی پرواہ نہ کی جس سے کئی جگہ خون رس رہا تھا۔ کھال کئی جگہ سے چیخ گئی تھی۔

کچھ دور چلنے کے بعد ایک جگہ پھر تارا کی گاڑی کھڑی نظر آئی۔ لیکن سڑک سے ہٹ کر میدان میں۔

''اے وہی ہیں۔'' قاسم نے کہا۔

لیکن اس بار گاڑی کے اندر روشنی نہ دکھائی دی۔

حمید نے بھی اپنی گاڑی میدان ہی میں اتار دی اور زور سے بولا۔ ''اب کیا ہوا۔ کیا پھر کوئی کوبرا.....!'' گاڑی کی قریب پہنچ کر اس نے بریک لگائے۔

لیکن دوسری گاڑی خالی تھی۔ قاسم اپنی گاڑی سے ٹارچ نکال لایا۔ آس پاس روشنی ڈالی.....انہیں آوازیں بھی دیں۔ لیکن سناٹے میں صرف اپنی ہی آوازوں کی بازگشت سنی۔



دفعتاً قاسم نے ایک جانب اشارہ کر کے کہا۔ ''اے وہ اُدھر دیکھو۔''

ٹارچ کا دائرہ جھاڑیوں کے ایک سلسلے پر تھا۔

''دوپٹہ.....دوپٹہ ہی ہے۔'' حمید تیزی سے آگے بڑھا۔ جھاڑیوں سے ایک دوپٹہ الجھا ہوا دکھائی دیا تھا جسے اس نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔ یہ تارا ہی کا ہو سکتا تھا۔

ٹارچ قاسم کے ہاتھ میں تھی۔ وہ عقب سے حمید کو راستہ دکھاتا رہا۔ پھر دفعتاً ٹارچ بجھ گئی

حمید جھنجھلا کر بولا۔

''روشنی کرو..... بیہودگی ہے۔''

لیکن جواب میں اس نے قاسم کی کراہ سنی۔ ''ارے باپ رے؟''

اور حمید کا دل چاہا کہ وہ بھی دادا جان مرحوم کے نام کے نعرے لگائے۔ کیونکہ اس کی کھوپڑی بھی کسی کے ''دست شفقت'' سے محروم نہیں رہی تھی۔

بھرپور وار تھا۔ پھر حمید کو یاد نہیں کہ دوسری ضرب بھی پڑی تھی یا پہلی ہی نے اسے بے ہوش ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا۔



صبح تک فریدی الجھا رہا۔ ڈاکٹر ڈف کے بنگلے پر خود سپرنٹنڈنٹ اسمتھ بھی کچھ دیر ٹھہرا تھا۔

دس بجے فریدی کو پوسٹ مارٹم کی رپورٹیں مل گئیں۔ پوسٹ مارٹم میں غیر معمولی طور پر کی گئی تھی۔ رپورٹ کے نتائج نے آفیسروں کو چکرا دیا تھا۔

ڈاکٹر ڈف اور اس کی لڑکی کی اموات جسم میں زہر پھیل جانے کی وجہ سے ہوئی تھیں۔ ے میں زہر کا سراغ نہیں مل سکا تھا۔ اس لئے اسے زہر خورانی کا کیس نہیں کہا جا سکتا تھا۔

زدانتوں کے نشانات..... جو لڑکی کے بائیں بازو اور ڈاکٹر کی گردن پر ملے تھے ماہرین کے ا کے مطابق اموات کا باعث قرار دیئے جا سکتے ہیں کیونکہ ان میں کم از کم ایک نشان ایسا ا تھا جس میں زہر کے اثرات پائے گئے ہیں۔

''صرف ایک نشان.....؟'' فریدی نے ایک ماہر سے پوچھا۔

''جی ہاں.....صرف ایک دانت زہریلا تھا۔ دونوں کی اموات کا باعث صرف وہی ایک نشان ہے۔'' ماہر نے جواب دیا اور فریدی کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں۔

گیارہ بجے اسے معلوم ہوا کہ حمید پچھلی رات سے غائب ہے۔ اس کے تھوڑی دیر بعد محکمے کے سپرنٹنڈنٹ کے آفس میں طلبی ہوگئی۔

کیپٹن اسمتھ کا موڈ بہت خراب معلوم ہوتا تھا آج اس نے فریدی سے بیٹھنے کو بھی نہیں کہا۔ فریدی خاموش کھڑا رہا۔ کچھ دیر بعد کیپٹن اسمتھ نے فائیل بند کر کے رکھتے ہوئے کہا۔

''آدمی کو حدود سے تجاوز نہ کرنا چاہئے۔ خاور کا کیا قصہ تھا۔''

''وہ ایک نجی معاملہ تھا جناب۔''

''بیٹھ جایئے۔'' اسمتھ نے ہاتھ اٹھا کر غصیلے لہجے میں کہا۔

''شکریہ جناب۔'' فریدی کرسی کھینچ کر بیٹھتا ہوا بولا۔

''قانون بہرحال قانون ہے.... خواہ آپ کے معاملات نجی ہوں خواہ غیر نجی.... مجھے شکایت کی گئی ہے کہ آپ مسٹر خاور کے مکان میں بغیر اجازت داخل ہوئے تھے۔''

''مجھے افسوس ہے جناب.... لیکن مجھے اس کی سزا وہیں مل گئی تھی۔'' فریدی مسکرایا۔

''کیا مطلب....؟''

''مجھ پر چھت سے ایک سانپ گرا تھا۔''

''نہیں....!'' اسمتھ کے لہجے میں حیرت تھی۔

''یقین فرمایئے! حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ چھت بالکل سپاٹ، بے داغ یعنی دہانہ کوئی رخنہ بھی نہیں دکھائی دیا تھا۔''

''پھر کیا ہوا....؟'' اسمتھ نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

''مجھے اس سانپ کو سزا دینی پڑی۔ وہ زندہ تھا لیکن اپنے جسم کو جنبش نہیں دے سکتا تھا۔''

''وہ کیسے!''

''ہر ہڈی جوڑ سے الگ ہوگئی تھی۔''

اسمتھ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''تمہارا آدمی ڈاکٹر ڈف سے کس سلسلے میں ملا تھا؟''

''ڈاکٹر ڈف نے رپورٹ درج کرائی تھی کہ کچھ نامعلوم آدمی اکثر اس کی عدم موجودگی

میں اس کی کوٹھی میں گھسنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پچھلے دنوں اس نے کسی کو پکڑا بھی تھا۔ لیکن وہ ملازم دھکا دے کر بھاگ گیا۔''

''یہ کوئی خاص وجہ نہیں جس کی بناء پر ہمارے محکمے کو اس کی طرف متوجہ ہونا پڑے۔ اس کے لئے سول پولیس کافی تھی۔''

''ابھی میں نے دوسری وجہ نہیں بیان کی۔ آپ نے مہاراج کمار والا کیس میرے سپرد کیا تھا؟''

''مگر ڈاکٹر ڈف....!''

''مجھے شبہ ہے کہ مہاراج کمار کے مطلوبہ ہاتھ وہیں ہیں۔ لیکن ٹھہریئے یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ اب بھی وہیں ہوں گے۔''

''کس بناء پر شبہ ہوا تھا۔''

''محض اس بناء پر کہ حشرات الارض کی بین الاقوامی نمائش کی تحریک کا روح رواں ڈاکٹر ڈف ہی تھا۔''

''اُف فوہ....!'' اسمتھ جھلا کر بولا۔ ''آپ قطب جنوبی سے قطب شمالی کی طرف چھلانگ لگا رہے ہیں۔ آخر حشرات الارض کی بین الاقوامی نمائش کہاں سے آ کودی۔''

''مہاراج کمار کا خط دوبارہ ملاحظہ فرمایئے۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

کیپٹن اسمتھ نے میز کی دراز کا قفل کھول کر ایک فائیل نکالا اور اس کے کچھ اوراق الٹ پلٹ کر بائیں طرف کھسکاتا ہوا بولا۔ ''کہاں ہے بین الاقوامی نمائش کا تذکرہ۔''

فریدی نے بلند آواز میں پڑھنا شروع کیا۔

''مائی ڈیئر کیپٹن اسمتھ

اب پانی سر سے اونچا ہوگیا ہے۔ بلیک میلر کے سارے خطوط روانہ کر رہا ہوں۔ حالات پہلے ہی زبانی بتائے جا چکے ہیں۔ سرخ رنگ کے کاغذ پر بلیک میلر کی آخری وارننگ ہے۔ وہ بھی دیکھو میری سمجھ میں تو نہیں آتا کہ وہ کونسا طریقہ اختیار کرے گا۔ بہرحال اس کا آخری

مطالبہ پورا کرنا میرے بس سے باہر ہے۔ میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ ان واقعات کی پبلسٹی ہو۔ خدارا کوئی تدبیر کرو۔"

فریدی نے خط ختم کر کے فائیل بند کر دیا۔ اسمتھ اسے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے چھوٹتے ہی نااہلی کا طعنہ دے بیٹھے گا۔

"دیکھئے.... طریقہ کے متعلق مہاراج کمار بھی الجھن میں ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"مگر بین الاقوامی نمائش کہاں؟"

"دیکھئے جناب حقیقت تو یہ ہے کہ جب تک میں پورے حالات سے آگاہ نہ ہو اس معاملے میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اگر کچھ کروں گا تو نفرشیں یقینی طور پر ہوں گی۔"

"مجھے ڈر ہے کہ ان کی احتیاط کہیں ان ہاتھوں کو رسوا ہی نہ کر دے۔ پھر آپ کیا ہیں کہ میں ان واقعات کی پبلسٹی کا ذریعہ بن جاؤں گا۔ شاید میرے آدمیوں کو ان کا ہو سکے۔ آپ نے مجھ سے اتنا ہی کہا تھا کہ کوئی آدمی دو انسانی ہاتھوں کے لئے مہاراج بلیک میل کر رہا ہے۔ مجھے بلیک میلر کو ان ہاتھوں سمیت گرفتار کرنا ہے۔"

"پہلے میری بات کا جواب دو۔" اسمتھ نے جھنجھلا کر کہا۔ "تم نے حشرات الارض کی الاقوامی نمائش کا حوالہ کیوں دیا تھا۔"

"سنئے....!" فریدی نے طویل سانس لے کر کہا۔ "اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ ہو سکتا کہ بلیک میلر بچاؤ کرتے ہوئے ہاتھوں کی پبلسٹی کر ڈالے۔ حشرات الارض کی نمائش ان ہاتھوں کے لئے بھی جگہ نکل سکے گی۔"

"سوچ کر بات کرو۔ نمائش میں ان ہاتھوں کو رکھنے کے بعد وہ اپنا بچاؤ کیسے کر سکے گا۔"

"یہ بھی سن لیجئے! اگر وہ بلیک میلر خود میں ہوتا تو طریقہ سنئے۔ حشرات الارض کی الاقوامی نمائش میں ان ہاتھوں کو اس طرح رکھواتا کہ قانون بھی انگشت بدنداں رہ جاتا۔ مگر کہ پہلے کسی غیر ملکی نمائندہ اسٹال کے کارپرداز سے گٹھ جوڑ کی سوچتا۔ ہاتھ اس کے حوالے کر ایک شوکیس میں رکھوا دیتا۔"

...تھ کہیں بھی ہوتے پولیس ضرور معترض ہوتی۔ میں حشرات الارض کی نمائش کی بات ...ں۔ کسی ایسی نمائش کی بات نہیں جو میڈیکل اسٹوڈنٹس کی طرف سے منعقد کی گئی ہو۔ ...انسانی اعضاء کی موجودگی کا جواز ہو سکتا ہے۔" اسمتھ نے اس انداز میں گردن اکڑائی ...جلہ کہہ کر اس نے فریدی کی ٹانگ پلڑ ہی تو لی ہو۔

فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی اور وہ پہلے ہی کے سے لہجے میں کہتا ...ں ان ہاتھوں کو شوکیس میں رکھواتا اور ان کے ساتھ ہی ان کی ہسٹری بھی ہوتی۔ میں ...انگلینڈ کے ڈاکٹر گوہن ۱۹۳۲ء میں افریقہ کے جنگلوں سے گزر رہے تھے آپ کے ...ہ بار بردار بھی تھے۔ دفعتاً ایک بار بردار نے چیخ ماری۔ سر سے صندوق گرا دیا اور زمین ...گانے لگا۔ ڈاکٹر گوہن اس کی بائیں پنڈلی سے ایک عجیب و غریب کیڑا چمٹا ہوا دیکھ ...جیسے ہی وہ آگے بڑھے کیڑا پنڈلی چھوڑ کر جھاڑیوں میں جا گھسا۔ چونکہ وہ کیڑا اپنی ...اعتبار سے بالکل نیا تھا اس لئے ڈاکٹر گوہن دیر تک اسے تلاش کرتے رہے۔ لیکن پھر ...کیڑا کبھی نہ دکھائی دیا۔ بار بردار بیہوش ہو چکا تھا۔ وہ اسے اٹھوا کر پھر چل پڑے۔ پہلی ...راہ میں ملی تھی وہاں ایک شفا خانہ بھی موجود تھا۔ مگر بار بردار کی جان بچا لینے کی ساری ...بیکار ثابت ہوئیں کیونکہ وہ تو حیرت انگیز طور پر مر رہا تھا۔ جسم کا گوشت اسی طرح بہہ ...دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں انگلیاں سمیت باقی رہیں۔ ان کا گوشت اس طرح پگھل کر ...گیا۔ پھر ڈاکٹر گوہن نے یہ دریافت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ آخر ...کا گوشت کیوں محفوظ رہا تھا لیکن انہیں اس میں کبھی کامیابی نہ ہو سکی۔ ہسٹری کے ساتھ ...آرٹسٹ سے کوئی ایسی اوٹ پٹانگ تصویر بنوا کر رکھ دوں جو پہلی ہی نظر میں کیڑا تو معلوم ...نہ ہو سکے کہ اس نے پہلے کبھی یہ کیڑا دیکھا بھی ہوگا۔ تصویر کے نیچے لکھ دوں کہ ...ڈاکٹر گوہن نے اپنی یادداشت کے سہارے ایک آرٹسٹ سے بنوائی ہے۔ اب بتایئے ...کہانی ہوئی یا کیڑے کی..... حشرات الارض کی نمائش میں ایک ایسے کیڑے کی تصویر ...ہو جو مہذب دنیا کے کسی آدمی کو صرف ایک ہی بار نظر آیا تھا اور اس کے زہر کے

نتائج کے ثبوت کے طور پر وہ ہاتھ بھی یہاں موجود ہیں۔ قانون اس پر کیسے معترض ہو سکتا ہے مجھے بتایئے۔''

اسمتھ نے مضطربانہ انداز میں ہتھیلیاں رگڑیں اور بے بسی سے ہنس کر بولا ''کہیں بلیک میلر آپ خود ہی تو نہیں مسٹر فریدی۔''

''ثبوت جناب۔'' فریدی مسکرایا۔ ''مرنے کے لئے تو میں ہر وقت تیار رہتا ہوں۔''

''مگر دیکھئے تو اس طرح ہاتھ رکھنے سے کیا فائدہ ہوگا۔''

''آخری دھمکی.... مہاراج کمار کو جتانا کہ دیکھو ہاتھ تو منظر عام پر آ چکے ہیں.... بس میرا مطالبہ پورا کر ہی دو.... ورنہ ان ہاتھوں کا راز ظاہر ہو جانے میں دیر نہ لگے گی۔''

''خدا کی قسم ممکن ہے۔'' کیپٹن اسمتھ پرجوش انداز میں میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

''اب کہئے تو یہ بھی بتا دوں کہ وہ ہاتھ کس کے ہو سکتے ہیں حالانکہ آپ نے مجھے نہیں بتایا۔''

''اچھی بات ہے یہ بھی دیکھیں گے۔''

''مہاراج کمار کے باپ نرسنگھ بہادر کے۔''

''اوہ.... اُوہ....!'' اسمتھ مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔ پھر ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑایا فریدی دوسری طرف دیکھنے لگا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اسمتھ نے کہا۔ ''تمہارا اندازہ درست ہے۔ تو پھر تم اس راز سے واقف ہو گے جسے چھپائے رکھنے کے لئے مہاراج کمار یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔''

''اب میں جادوگر تو نہیں ہوں جناب۔''

''لیکن تم اس نتیجے پر کیسے پہنچے کہ وہ اس کے باپ ہی کے ہاتھ ہو سکتے ہیں۔''

''محض یادداشت کے سہارے۔ بات پچیس سال پرانی ہے۔ چھ سال سے زیادہ عمر نہ رہی ہوگی۔ نرسنگھ بہادر کی موت انگلینڈ کے ایک خیراتی ہسپتال میں ہوئی تھی اور لاش کے دونوں ہاتھ غائب تھے۔ ہسپتال کی بدنامی ہوتی اگر اس معاملے کو دبا نہ دیا گیا ہوتا۔ سوال نرسنگھ بہادر کا نہیں تھا بلکہ ایک آدمی کی لاش کا تھا۔ نرسنگھ بہادر کی تو اس وقت کوئی اہمیت نہ تھی۔ کیونکہ

بعض حرکات کی بناء پر معزول کر دیئے جانے کے بعد جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے اور نے مفلسی کے عالم میں دم توڑا تھا۔ عادتیں خراب تھیں اس لئے گزارہ الاؤنس میں پورا پڑتا تھا۔''

''یہ حقیقت ہے کہ اس واقعہ کا علم یہاں کے مہاراج کمار کے علاوہ اور کسی کو بھی نہیں اسمتھ نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

''میرے باپ نے نرسنگھ بہادر کی لاش دیکھی تھی۔'' فریدی بولا۔

وہ پھر خاموش ہو گئے۔ اسمتھ کسی گہری سوچ میں تھا۔ کچھ دیر بعد بولا ''کیوں نہ مہاراج ے تمہاری موجودگی میں گفتگو کی جائے۔ جب تم اتنا جانتے ہو۔''

''جیسی آپ کی مرضی۔''

''میں یہ تجویز رکھوں گا اُس کے سامنے خیر.... ہاں یہ ڈاکٹر ڈف کا معاملہ۔ اگر حشرات کی بین الاقوامی نمائش کا مقصد یہی تھا تو پھر تمہاری دانست میں بلیک میلر بھی ڈاکٹر ڈف

''جی نہیں! میرا خیال ہے کہ وہ صرف آلہ کار تھا اس لئے مار ڈالا گیا کہ کہیں افشائے راز ے۔ لیکن موت کی نوعیت الجھن میں مبتلا کر رہی ہے۔''

''زہریلے دانت....!'' اسمتھ بڑبڑایا۔

''زہریلا آدمی کہئے۔''

''کیوں؟'' اسمتھ چونک کر فریدی کو گھورنے لگا۔ کیونکہ اُسے تفصیل کا علم نہیں تھا تب نے اُسے ہنری کی رپورٹ سنائی۔

''خدا کی پناہ۔'' اسمتھ فریدی کو گھورتا ہوا بولا۔ ''یہ آدمی کون ہو سکتا ہے۔''

''فی الحال ایک زہریلا آدمی جس کا صرف ایک ہی دانت زہریلا ہے۔''

پھر سکوت طاری ہو گیا۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ آخر بابا خاور کا معاملہ آگے کیوں نہیں ا تو سوچ کر آیا تھا کہ آج کیپٹن اسمتھ سے جھڑپ ہو ہی جائے گی۔



پہلے قاسم کو ہوش آیا اور اس نے اپنے نوکروں کو آوازیں دینی شروع کردیں اور پھر دھاڑا۔ ''ابے یہ بتی قمش نے بجھادی۔''

حمید کو پوری طرح ہوش نہیں آیا تھا۔ قاسم کی دھاڑیں ہی اُسے ہوش میں لائیں۔

پھر وہ اٹھا۔ جیب سے سگار لائٹر نکال کر روشنی کی اور اس طرح وہ کمرے کا سوئچ بورڈ تلاش کرسکا۔

تاروں میں کرنٹ موجود تھا۔ کمرہ روشن ہوگیا۔ پھر کچھ دیر بعد یہ بات قاسم کی سمجھ میں آئی کہ وہ اپنی خواب گاہ میں نہیں ہے۔ ذہن پر زور دینے سے یاد آیا کہ وہ تو ایک ویرانے میں پرستان کی پریاں تلاش کررہے تھے۔

''ببباں.....بھق.....!'' اس نے جماہی لی اور منہ چلاتا ہوا حمید کو گھورنے لگا۔

پورے کمرے میں عمدہ قسم کے چھوٹے قالینوں کا فرش تھا۔ فرنیچر کے نام سے ایک اسٹول بھی کہیں نہ دکھائی دیا۔ دروازے سے باہر بولٹ تھے۔

''قیوں بھائی۔ پھلم ڈائریکٹر یہاں قیسے پہنچے۔'' قاسم نے حمید سے کہا۔

''یہ دوسرا سین ہے۔ ہیرو اور کومیڈین پرستان آپہنچے ہیں۔ یہاں تم ایک موٹی سی عورت سے عشق کرنا.....اور میں طبلہ بجاؤں گا۔''

''یہ کیا بک رہے ہو! ارے باپ رے.....وہ جھاڑیاں کہاں گئیں جہاں دوپٹہ اڑے میرا غاڑی کہاں گئی۔''

''اسی سیٹ پر رہ گئی جہاں پہلے شوٹنگ ہورہی تھی۔''

''شوٹنگ.....!''

''اور کیا.....ہم لوگ ایک فلم میں کام کررہے ہیں جس کا نام آجا مورے بالما ہے۔''

''اے کیوں مجاخ کرتے ہو۔ ہی ہی ہی۔''

''پہلے کبھی اور بھی کسی کار میں کو برا دیکھا تھا۔''

''نہیں.....کبھی نہیں۔''

''قبھی اور بھی قسی لڑغی قی مدد قی تھی۔'' حمید نے اسی کے لہجے کی نقل اتاری۔

''قبھی نہیں پیارے بھائی۔''

''فلموں میں دیکھا ہی ہوگا تم نے کہ ایسے مواقع پر لڑکیاں فوراً عاشق ہوجاتی ہیں۔ ہے کسی بیل گدھے یا اونٹ ہی سے مدد کیوں نہ ملی ہو۔ مثال کے طور پر اگر کسی ویرانے میں ی لڑکی کی گاڑی کی بیٹری ڈاؤن ہوجائے اور گاڑی اسٹارٹ نہ ہوتو تم اس گاڑی میں ایک رھا جوت دو۔ جو اس گاڑی کو کھینچ کر گھر تک پہنچا سکے۔ لڑکی راستے ہی میں گدھے پر عاشق ہائے گی اور گھر پہنچ کر اس کا تعارف اپنے ڈیڈی سے کراتی ہوئی کہے گی ''ڈیڈی.....اگر آج پ نہ ہوتے تو اس خوفناک جنگل کے گیدڑ مجھے نوچ کھاتے۔ ڈیڈی گدھے کا شکریہ ادا کرکے ائیں گے کبھی کبھی آیا کرو برخوردار۔''

دفعتاً ایک دروازے پر کھڑکھڑاہٹ ہوئی اور حمید قاسم کا شانہ دبا کر آہستہ سے بولا۔ ''تم خاموش ہی رہنا اب اس سیٹ کی شوٹنگ شروع ہونے جارہی ہے بس تم چپ چاپ کھڑے ہنا ورنہ پوری ریل تباہ ہوجائے گی۔''

''اچھا.....!'' قاسم نے پرخلوص انداز میں وعدہ کیا۔

دروازہ کھلا۔ سب سے پہلے پرنسز تارا نظر آئی اس کے پیچھے ریاست ورگوری کے دو مسلح پاہی تھے۔

قاسم نے پلکیں جھپکائیں۔ شاید اُسے کسی اسٹنٹ فلم ہی کا سا لطف آرہا تھا۔ تارا چند لمحے وہیں کھڑی انہیں گھورتی رہی پھر تیز لہجے میں بولی۔ ''تم لوگوں نے یہ حرکت کیوں کی تھی۔''

''میں نہیں سمجھا کماری صاحبہ۔'' حمید نے بڑی لجاجت سے کہا۔

''تم نے ہی ہائی سرکل کلب کے پارکنگ شیڈ میں یہ حرکت کی تھی۔ یعنی کو برا میری گاڑی ٹھا لے گئے تھے اور خود ہی مدد کرنے دوڑے آئے تھے۔''

''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے محترمہ۔''

''اس کا مقصد بتاؤ ورنہ کھال کھینچوالی جائے گی۔''

''اور اس کھال کے چپل صابر فتار ہوں گے۔'' حمید نے بڑے خلوص سے کہا۔

''بکواس مت کرو۔ میں تم دونوں کے متعلق سب کچھ معلوم کر چکی ہوں۔ تم سارجنٹ حمید اور یہ خان بہادر عاصم کا لڑکا قاسم ہے۔''

''ہائیں....!'' قاسم نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں اور حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ ''کھبر دار یہ شوٹنگ نہیں چلے گی۔ ارے باپ رے.... والد صاحب کا نام آ گیا پھلم میں تو میرے دادا جان بھی اکھڑ آئیں گے اپنی قبر سے اور اتنی پٹائی کریں گے والد صاحب کی۔''

''خاموش رہو۔'' حمید جھنجھلا کر بولا۔

''ارے واہ.... کیوں کھاموش رہوں۔'' قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ ''سالے تم نے مجھ سے پوچھے بغیر شوٹنگ کیوں شروع کرادی۔ والد صاحب میری ہڈیاں توڑ کر رکھ دیں گے اگر میں پھلم میں آیا۔ اَجی واہ یہ بھی قوئی بات ہوئی.... واہ اچھی زبردستی۔''

''مقصد بتاؤ۔'' تارا جھلا کر چیخی۔

''یقین کیجئے محترمہ کہ ہم صرف نیاگرہ تک جا رہے تھے۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے کچھ دور پر آپ کی گاڑی جھاڑیوں کے قریب نظر آئی تھی۔ میں نے سوچا شاید آپ لوگ پھر کسی دشواری میں پڑ گئی ہیں۔''

دروازے پر قہقہے کی آواز آئی اور حمید اس طرف متوجہ ہو گیا۔ آنے والا ایک طویل قامت اور وجیہہ آدمی تھا۔ لیکن سیاہ سوٹ پر کھوپڑی سے چپکی ہوئی سفید پگڑی عجیب سی لگ رہی تھی۔

''اوہ سکتر صاحب۔'' تارا بھی اس کی طرف مڑی۔

''جی.... کماری صاحبہ۔ مجھے ہر ایک پر نظر رکھنی پڑتی ہے۔ رانا صاحب کا حکم ہے کہ میرے سارے جسم پر آنکھیں ہی آنکھیں ہونی چاہئیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ کو اصل واقعہ کا

علم ہی نہ ہو سکتا۔''

''اُوہ.... تو وہ آپ ہی کا آدمی تھا جس نے ہمیں میدان کے قریب روکا تھا۔''

''جی ہاں کماری صاحبہ۔''

''شکریہ سیکریٹری صاحب۔ میں ان سے پوچھ رہی ہوں کہ اس حرکت کا مقصد کیا تھا۔''

''لونڈے ہیں۔'' سیکریٹری نے مضحکانہ انداز میں کہا۔ ''آپ کی شخصیت سے واقف نہ ہوں گے۔ تعارف حاصل کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا۔ مجھے یقین ہے کہ کوبرا بے ضرر رہا ہوگا۔ کسی سپیرے سے خریدا ہوا۔''

''اگر یہ بات ہے تو انہیں سزا ملنی چاہئے۔'' تارا نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ارے واہ....!'' قاسم نے پھر ہاتھ نچایا۔ ''بہت دیکھے ہیں سجا دینے والے۔''

''لڑکے خاموش رہو۔ ادب ملحوظ خاطر رکھو۔'' سیکریٹری نے پروقار لہجے میں کہا۔ ''تم درگوری اسٹیٹ کی ایک راج کماری سے مخاطب ہو۔ ممکن ہے خان بہادر عاصم ارب پتی ہوں لیکن ان کی دولت رانا صاحب کے رتبے سے نہیں ٹکر لے سکتی۔ ہم صاحب اختیار ہیں چاہیں تو تمہیں اسی شہر کی سڑکوں پر گھسٹواتے پھریں.... قانون ہماری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔ کماری صاحبہ سے معافی مانگو۔ میں کوشش کروں گا کہ وہ تمہیں معاف کر دیں اور تم سارجنٹ حمید۔ تمہیں شرم آنی چاہئے تم ایک ذمہ دار آفیسر ہو کر اس قسم کا لونڈا پن کرتے پھرتے ہو۔''

''میں ضرور سزا دوں گی۔'' تارا پیر پٹخ کر بولی۔

''میں استدعا کروں گا کماری صاحبہ کہ انہیں معاف کر دیجئے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ دونوں آپ کی شخصیت سے واقف نہیں تھے۔''

تارا چند لمحے کچھ سوچتی رہی پھر حمید کی طرف اشارہ کر کے بولی۔ ''خیر آپ کے کہنے سے معاف کر دوں گی لیکن اس آدمی کی شکایت آئی جی سے اور اس کی خان بہادر عاصم سے۔''

''اے نہیں.... ارے باپ رے۔'' قاسم نے دونوں ہاتھوں سے پیٹ دباتے ہوئے کہا ''اے تم خود میری بوٹیاں کر ڈالو لیکن شکایت نہ کرنا۔ الاقسم.... ابے بے موت مرجاؤں غا

پیارے بھائی۔ میرا باپ بڑا جالم ہے۔ ہنٹروں سے کھال بھی کھینچ لے گا اور ایک آدھ مہینے کے لئے بند بھی قرد ے غا۔"

تارا دوسری طرف مڑ کر مسکرانے لگی۔

حمید مطمئن تھا کیونکہ خود فریدی ہی نے اُسے تارا کے گرد منڈلانے کا حکم دیا تھا۔ اس نے بڑے پُروقار انداز میں ہاتھ بڑھا کر سیکریٹری سے کہا۔ "میرا ریوالور مجھے واپس کر جاؤ۔"

"وہی تو ثبوت ہوگا تمہارے خلاف۔" سیکریٹری مضحکانہ انداز میں مسکرایا۔ "اب وہ تمہیں آئی جی کے آفس سے ہی واپس ملے گا۔"

حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دے کر کہا۔ "دو چار آئی جی ہر وقت میری جیبوں میں پڑے رہتے ہیں کیونکہ میں انسپکٹر فریدی کا اسسٹنٹ ہوں۔ سمجھے سیکریٹری صاحب۔"

"خیر خیر.....!" سیکریٹری نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "تم لوگ کل بارہ بجے دن سے پہلے نہیں چھوڑے جاؤ گے۔"

عشق

فریدی نے ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔ "کاش مجھے بھی کبھی اس سیکریٹری کے درشن ہوئے ہوتے۔"

"اس کی فکر نہ کیجئے۔ یہ بتایئے کہ آپ نے مجھے تارا کے پیچھے کیوں لگایا تھا۔"

"خاور کے سلسلے میں۔"

"آخر آپ خاور کے متعلق کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

"پرواہ مت کرو۔"

"ارے حجامت بننے والی ہے ریوالور اب تک پہنچ چکا ہوگا آئی جی کے پاس۔"

"تو پھر کیا ہوگا۔" فریدی مسکرایا۔

"میری شادی ہوگی اور آپ سہرا پڑھیں گے۔" حمید جھلا گیا۔

"بوکھلانے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری جیب میں تمہارا سرکاری ریوالور تھا ہی نہیں۔"

"کیا مطلب.....؟"

"تم نے کبھی نمبر دیکھنے کی زحمت گوارہ نہیں کی۔" فریدی مسکرایا۔ "میں اتنا گدھا نہیں ہوں کہ سرکاری ریوالور تمہیں لئے پھرنے دوں گا۔ وہ تو میرے پاس محفوظ ہے۔"

"وہ مارا.....!" حمید اچھل پڑا۔

"تم نہایت صفائی سے کہہ دو گے یہ رہا میرا ریوالور.....!" فریدی نے سگار کے ڈبے سے ایک سگار منتخب کرتے ہوئے کہا۔ "اس ریوالور پر اب شاید تمہاری انگلیوں کے نشانات بھی نہ مل سکیں۔ ضائع ہو گئے ہوں گے اس خوشی میں کہ ریوالور ہی تمہارے خلاف کافی ثبوت ہوگا۔ بکریٹری بے چارہ انگلیوں کے نشانات محفوظ رکھنے کا خیال تک دل میں نہ لایا ہوگا۔"

"ایک بار پھر.....وہ مارا۔" حمید دوسری بار اچھلا۔

"مگر تمہارے ساتھ وہ موٹا کون تھا۔"

"آپ کیا جانیں۔"

"اُوہ.....برخوردار.....کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ پچھلی رات تمہارا بھی تعاقب نہیں کیا گیا تھا۔"

"خدا کی پناہ۔" حمید آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔

"میں نے تمہیں بھڑوں کا چھتہ چھیڑنے کا حکم دیا تھا پھر ایسی صورت میں مطمئن کیسے ہو بُدھو۔" فریدی نے کہا اور سگار سلگا کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

چار بج رہے تھے۔ آفس سے اٹھنا ہی تھا۔ فریدی نے ضروری کاغذات ڈرائر میں منتقل کئے اور اٹھ گیا۔

پھر کچھ دیر بعد کیڈی پارکنگ شیڈ سے نکل کر کمپاؤنڈ کے پھاٹک سے گزر رہی تھی۔

"تم نے موٹے کے متعلق نہیں بتایا۔" فریدی نے کہا۔

''بس گانٹھ کا پورا ہے۔ فرصت کے لمحات خاصے گزر جاتے ہیں۔ خان بہادر عاصم کے سپوت۔''

''اوہ....!'' فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا پھر اس نے ڈاکٹر ڈف والے حادثے کے حمید کو آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ ''ہم اس وقت وہیں چل رہے ہیں۔''

''کٹکھنا آدمی....!'' حمید نے حیرت سے کہا۔

''ساتھ ہی زہریلا بھی....!'' فریدی بولا۔

''اپنے تو کچھ پلے ہی نہیں پڑتا۔ ان دنوں صرف تارا ہی دکھائی دی تھی وہ بھی رانا پرمود کی بھتیجی نکلی۔ اب اگر میں لارڈ لنتھگو کا بھانجا بن سکا تو کام چل جائے گا ورنہ جل ٹھنڈے۔''

''اب اس کی طرف رخ بھی نہ کرنا۔''

''آخر آپ خاور کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔''

''بہت دنوں سے ہوں وہ معاشرے میں بڑی گندگیاں پھیلا رہا ہے۔''

''تو ڈاکٹر ڈف والے کیس سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔''

''بظاہر تو نہیں معلوم ہوتا لیکن ڈاکٹر ڈف بھی تھا اس کے پرستاروں میں۔''

''ڈاکٹر ڈف ہی کے متعلق کچھ بتایئے۔''

''مجھے اس کے گھر میں انسانی ہتھیلیوں کے ایک جوڑے کی تلاش تھی۔''

''میں سمجھ گیا۔''

''کیا سمجھ گئے۔''

''ان ہتھیلیوں کا تعلق براہِ راست افریقہ کے کسی جادوگر سے ہوگا۔''

''ممکن ہے۔''

''جہنم میں جائے۔'' حمید جھلا کر بولا۔ ''اچھا یہی بتا دیجئے کہ اس سیکریٹری کے بچے نے مجھے اس طرح پھانسنے کی کوشش کیوں کی تھی۔''

''تاکہ میری اور تمہاری شکایت کے ڈھیر لگ جائیں اور مجھے سختی سے تنبیہہ کی جائے کہ

خاور کے پیچھے نہ پڑوں۔ اپنے مسٹر اسمتھ کے پاس شکایت آ چکی ہے لیکن میں چونکہ مسٹر اسمتھ ہی کے ایک نجی کیس میں بھی الجھا ہوا ہوں اس لئے انہوں نے زیادہ تیز ہونے کی کوشش نہیں کی ورنہ جانتے ہو کیا ہوتا۔''

''کیا ہوتا....؟''

''یہاں سے ہمارا تبادلہ۔ اپنے مسٹر اسمتھ بھی ہیں اس کے عقیدت مندوں میں۔''

''خدا کی پناہ۔ یہ انگریز بھی ضعیف الاعتقاد ہوتے ہیں۔''

''ہم سے کہیں زیادہ۔'' فریدی نے گاڑی کی رفتار کم کر کے اُسے ڈاکٹر ڈف کی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں موڑتے ہوئے کہا۔

اندر سارجنٹ ہنری سے ملاقات ہوئی جو بے حد مغموم نظر آ رہا تھا اور شاید بہت دیر سے اس نے خالص وہسکی کی ایک چسکی بھی نہیں لی تھی۔

اس نے فریدی کو سلیوٹ کر کے کہا۔ ''میں تو تھک ہار گیا جناب۔ یہاں مجھے کوئی تہہ خانے کا سراغ نہیں ملا۔''

''پرواہ مت کرو۔ دیکھیں گے۔'' فریدی حمید کو ساتھ آنے کا اشارہ کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

رشیدہ خاور کے پیر پکڑے گڑگڑا رہی تھی۔ ''بابا.... بتاؤ میں کیا کروں وحیدہ بانو کا قصہ بگڑتا ہوتا جا رہا ہے۔ اب وہ مجنوں کی سی حرکتیں کرنے لگا ہے۔''

''خدا اس کے حال پر رحم کرے۔ بیٹی اس کے علاوہ میں اور کیا کہہ سکتا ہوں۔ اٹھو.... سنبھالو ہی جاؤ۔ مجھے زیادہ گنہگار نہ کرو۔ تم نے میرے پیر پکڑ رکھے ہیں اور میری روح خداوند کے خوف سے لرز رہی ہے۔''

رشیدہ نے اس کے پیر چھوڑ دیئے اور اٹھ کر پیچھے ہٹتی ہوئی بولی۔ ''میں کیا کروں۔ خدارا میری رہنمائی کیجئے۔ میں نے اس کیلئے اپنی زندگی برباد کردی ہے۔ لیکن اسے میری پرواہ کبھی نہ ہوئی اور اب وہ ایک ایسی لڑکی کیلئے دیوانہ ہو رہا ہے جو اسے کبھی نہ مل سکے گی۔ ایک نواب کی لڑکی۔''

''سچ کہتا ہوں لڑکی۔ اسکے ستارے گردش میں ہیں۔ فی الحال تو اسکی زندگی ہی کی خیر مناؤ۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''وہ ذہین بھی ہے اور احمق بھی۔ اکثر ایسے خطرات بھی مول لیتا ہے جن سے الگ رہنے میں نہ اس کا کوئی فائدہ ہو اور نہ نقصان۔ تم مجھے بتاؤ یہ دیوانگی نہیں تو اور کیا ہے وہ دیوانہ کب نہیں تھا جو تم آج مجھے اس کی دیوانگی کی کہانی سنانے آئی ہو۔ جاؤ.... خود کو ان الجھیڑوں میں نہ ڈالو۔ مقدرات اٹل ہوتے ہیں۔''

''آپ مجھے خوفزدہ بھی کر رہے ہیں بابا.... رحم کیجئے۔''

''اچھا تو جاؤ اسی انسان نما بھیڑیئے کے پاس جاؤ جس کے لئے اس نے ان مصائب کو دعوت دی تھی وہ خود بھی تمہیں بتائے گا کہ انور کی پوزیشن کیا ہے۔''

''میں آپ کا اشارہ نہیں سمجھی۔''

''انسپکٹر فریدی.... جس کے لئے اس نے چند خطرناک آدمیوں کو بلیک میل کرنے کی کوشش کی تھی۔''

''اُوہ.... تو اب سمجھی۔'' رشیدہ دانت پیس کر بولی۔ ''انسپکٹر فریدی۔ خدا سمجھے.... خود غرض آدمی۔ تو کیا فریدی ہی کی ایماء پر اس نے کسی کو بلیک میل کرنے کی کوشش کی تھی۔''

''اُوہ.... بابا.... اب یاد آرہا ہے مجھے۔ وہ پُر اسرار آدمی جس نے انور کی زبان بند رکھنے کے لئے دو ہزار روپے دیئے تھے۔ کہیں وہی قصہ تو نہیں۔''

''خدا جانے.... اب تم جاؤ لڑکی۔ باہر دوسرے بھی منتظر ہیں۔ اتنا زیادہ وقت میں کسی کو بھی نہیں دے سکتا۔ ویسے میں کوشش کروں گا کہ وہ وحیدہ بانو کا خیال دل سے نکال دے۔''

''میں زندگی بھر احسان مند رہوں گی بابا۔'' رشیدہ نے ایک بار پھر اس کے قدم پکڑ لیے

لیکن خاور تیزی سے پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ ''جاؤ.... بس جاؤ۔''

رشیدہ پھر اس کمرے میں آئی جہاں بیٹھ کر معتقدین اپنی باری کا انتظار کیا کرتے تھے۔

''راج کماری تارا پلیز۔'' خاور کے سیکریٹری نے دوسرے ملاقاتی کے نام کا اعلان کیا۔

رشیدہ نے تارا کو دیکھا جس کے ساتھ دو مسلح اور باوردی باڈی گارڈ بھی تھے۔ وہ اس کے پیچھے خاور کے کمرے کے دروازے تک گئے تھے اور پھر تارا نے انہیں وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کیا تھا۔ رشیدہ سوچنے لگی کاش وہ معلوم کرسکتی کہ وہ یہاں کیوں آئی ہے۔

''پرنسز تارا.... خوش آمدید۔'' خاور مسکرایا۔ ''تم کیا چاہتی ہو۔ میری بچی۔''

''میرے پاس اسی ایک موضوع کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔'' تارا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''اچھی بات ہے۔ تو مجھے اس آدمی کا نام بتاؤ۔ پھر میں دیکھوں گا کہ یہ ممکن بھی ہے یا نہیں۔ تم دونوں کے ستارے موافق ہیں یا نہیں۔''

''کاش مجھے نام معلوم ہوسکا ہوتا لیکن کل میں اس کی تصویر لینے میں کامیاب ہوگئی ہوں تصویر صاف ہے۔''

''بے کار ہے میری بچی۔ بھلا تصویر سے کیا ہوسکے گا۔ مجھے تو اس کا نام معلوم ہونا چاہئے۔ تب ہی اس کے ستاروں کے متعلق کچھ معلوم کرسکوں گا۔ خیر تصویر تو دیکھوں یقیناً وہ کوئی بڑا شاندار ہوگا جس کے لئے پرنسز تارا جیسی مشکل پسند لڑکی بھی پریشان ہوسکتی ہے۔''

تارا نے اپنے وینٹی بیگ سے ایک تصویر نکال کر خاور کی طرف بڑھائی۔ خاور نے بھی ہاتھ بڑھایا پھر متحیرانہ انداز میں دو قدم پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ ''لڑکی کہیں تم مذاق تو نہیں

کر رہیں۔''

تارا اس سوال پر ہکا بکا رہ گئی۔ تصویر اب بھی اس کے ہاتھ میں تھی۔

خاور نے پھر سنبھالا لیا۔ تحیر کے آثار چہرے پر غائب ہو گئے اور ان کی جگہ ایک طنزیہ مسکراہٹ نے لے لی۔

''میں نہیں سمجھی آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ کیا آپ اسے پہچانتے ہیں۔''

''اچھی طرح.... یہ وہ شخص ہے جس نے ریاست ورگوری کی اینٹ سے اینٹ بجانے کا تہیہ کر لیا ہے۔''

''نہیں....!'' تارا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ''یہ کون ہے۔''

''انسپکٹر احمد کمال فریدی آف سنٹرل انٹیلی جنس بیورو۔''

''اوہ.... مگر کیوں؟ یہ ہماری ریاست کا دشمن کیوں ہو گیا ہے۔''

''دلوں کی بات صرف خدا ہی جان سکتا ہے بیٹی۔ میں نے تمہیں آگاہ کر دیا اور پھر یہ آدمی یہ ایک ایسے پتھر کی چٹان ہے جس کے رخنوں سے بھی پودے نہیں اگتے۔ ستارے کہتے ہیں کہ آج تک وہ کسی عورت سے متاثر نہیں ہوا۔ اسے بھول جاؤ لڑکی ورنہ پچھتاؤ گی۔''

تارا کے چہرے سے اضطراب ظاہر ہو رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس نے خاور کا جملہ سنا ہی نہ ہو۔ پتہ نہیں کیا سوچ رہی تھی۔

''اچھا....!'' یک بیک وہ چونک کر بولی۔ ''شکریہ بابا۔ اب مجھے اور کچھ نہیں کہنا۔''

وہ تیزی سے دروازے کی طرف مڑ گئی۔ شاید اس کے باڈی گارڈز اس کی تیز رفتاری پر متحیر تھے کیونکہ انہوں نے کبھی اُسے اتنی جلدی میں نہیں دیکھا تھا۔

باہر نکل کر تارا نے گاڑی کا اسٹیئرنگ سنبھالا اور باڈی گارڈز پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ اسے اچھا نہیں سمجھتی تھی کہ اس کے ساتھ باڈی گارڈز بھی ہوا کریں۔ لیکن کار میں کوبرا پائے جانے کے بعد سے مجبوراً اسے ایسا کرنا پڑا تھا۔

پرمود ہاؤز پہنچ کر وہ سب سے پہلے فون کی طرف جھپٹی اور کسی کے نمبر ڈائیل کر

''سکتر صاحب ہیں۔''

غالباً دوسری طرف سے نفی میں جواب ملا تھا۔ اس لئے اس نے فوراً ہی ڈس کنکٹ کر کے نمبر ڈائیل کئے اور بولی۔ ''ہیلو.... اڈلفیا ہوٹل۔ یس پلیز پٹ می آن ٹو تھرٹین۔''

''ہیلو....!'' کچھ دیر بعد دوسری طرف سے آواز آئی۔

''کون سکتر صاحب۔ میں تارا ہوں۔''

''یس یور ہائی نس۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''وہ پولیس آفیسر کون تھا جس کی شکایت کی ہے آپ نے۔'' تارا نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

''سارجنٹ حمید۔''

''کسی دوسرے آفیسر کا نام بھی تو لیا تھا شاید آپ نے۔''

''لیا ہوگا۔ مجھے یاد نہیں یور ہائی نس۔''

''کسی ایسے آفیسر کا نام جسے وہ اسسٹ کرتا ہے یعنی سارجنٹ حمید۔''

''اوہو.... وہ جی ہاں.... وہ انسپکٹر فریدی کو اسسٹ کرتا ہے۔''

''خیر کوئی بھی ہو۔'' تارا نے لہجے میں لاپروہی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ وہ شکایت لے لیجئے۔''

''یور ہائی نس۔ میں اس کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔''

''تمہیں مطلب سمجھنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔'' تارا جھنجھلا گئی۔

''اوکے.... یور ہائی نس.... ابھی شکایت واپس لے لوں گا۔ لیکن اسے ہمیشہ یاد رکھئے کہ رانا صاحب کو جوابدہ ہوں۔ ویسے....!''

''ویسے کیا.... ہاں.... ہاں کہو۔''

''کچھ نہیں یور ہائی نس.... پورے راج محل میں مجھے صرف آپ ہی سے ڈر لگتا ہے۔''

تارا کی آواز گھگھیائی ہوئی سی تھی۔

''بول....!'' تارا نے ہونٹ بھینچ لئے اور بولی۔ ''رپورٹ واپس لی جائے گی۔''

''دیکھئے یور ہائی نس۔ اب رپورٹ واپس لینے سے کوئی فائدہ نہیں۔ مجھے ابھی اطلاع ملی ہے کہ دونوں آفیسرز کو آئی جی نے اپنی کوٹھی پر طلب کیا ہے.... چونکہ فریدی بہت زیادہ معزز آدمی سمجھا جاتا ہے اس لئے شاید وہ ڈپارٹمنٹل قسم کی پھٹکار سے بچ جائیں۔''

''میں نے کبھی نہیں سنا کہ کسی آئی جی نے کسی انسپکٹر کو براہِ راست سزا دی ہو۔ یہ کام اسی شعبے کا ڈی ایس پی بھی انجام دے سکتا ہے۔''

''میں نے عرض کیا نا کہ وہ بہت معزز آدمی ہے۔ نواب عزیز الدین خان کا نام سنا ہے کبھی آپ نے۔''

''اوہ.... کیوں نہیں۔ وہی نا جو زیادہ تر وقت سیر و شکار میں گزارا کرتے تھے۔''

''جی ہاں۔''

''انہیں کیوں نہ جانوں گی۔ میں نے بچپن میں ڈیڈی کی زبانی ان کا نام بہت سنا ہے وہ ڈیڈی کے دوستوں میں سے تھے۔''

''تو یہ فریدی نواب عزیز الدین خان کا لڑکا ہے۔''

''نہیں۔'' تارا فرط حیرت سے اچھل پڑی۔ پھر ہکلائی۔ ''مم.... مگر.... وہ لوگ تو بہت دولت مند ہیں۔ شاید ہماری اسٹیٹ کا نجی خزانہ بھی اتنا نہ ہو جتنی یعنی کہ۔''

''جی ہاں۔ میں سمجھ گیا۔ آپ یہی کہنا چاہتی ہیں نا کہ فریدی انسپکٹری کیوں کر رہا ہے۔''

''قدرتی بات ہے۔'' تارا نے طویل سانس لی۔ ''ہر آدمی جاننا چاہے گا۔''

''وہ کریک ہے یور ہائی نس.... اُسے سراغ رسانی کا شوق ہے۔ اب تک خود ہی ڈی آئی جی تو ہو ہی گیا ہوتا لیکن اُسے عہدے کی پرواہ کب ہے۔ وہ تو صرف کام کرنا چاہتا ہے۔ اسی خود ہی لڑ جھگڑ کر اس نے اپنی ترقی رکوائی ہے۔ یہ پاگل پن نہیں تو اور کیا ہے۔''

''کیا وہ انکل یعنی رانا صاحب کا دشمن ہے۔'' تارا نے پوچھا۔

''کیوں؟ یہ سوال میری سمجھ میں نہیں آیا یور ہائی نس۔''

''مجھے اطلاع ملی ہے۔''

''کیا میں اس اطلاع کا ذریعہ معلوم کر سکوں گا یور ہائی نس۔''

''یہ میں نہیں بتا سکتی۔''

''بہتر ہے۔ لیکن آپ نے مجھے تشویش میں مبتلا کر دیا ہے۔ لیکن ٹھہریئے! اس کے بھی آپ چاہتی ہیں کہ شکایت واپس لی جائے۔''

''ہاں۔ اگر وہ انکل کا دشمن ہے تو اس سے چھیڑ چھاڑ کرنا میری دانست میں مناسب نہ ہوگا۔''

''اس کی فکر نہ کریں یور ہائی نس۔ آخر آپ اپنے خادم کو کیا سمجھتی ہیں۔''

''بھئی کچھ بھی ہو۔ میں نہیں چاہتی کہ ریاست پر کوئی بُرا وقت آئے۔''

دوسری طرف سے ہلکے قہقہے کی آواز آئی پھر سیکریٹری نے کہا۔ ''فریدی بہت چالاک لیکن میں اسے کل کا لونڈا سمجھتا ہوں۔ اس کی عمر تیس سال سے زیادہ نہ ہوگی میں نے اٹھن موسم جھیلے ہیں۔''

''یعنی پچاس سال۔'' تارا کے لہجے میں تمسخر تھا۔

''جی ہاں۔ لوگ مجھے اس وقت سنجیدہ تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہوتے جب میں انہیں اپنی عمر بتاتا ہوں۔ کیونکہ عام اندازہ کے مطابق میں تیس اور چالیس کے درمیان سمجھا جاتا ہوں۔''

''ہمم.... اگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تو مجبوری ہے۔ کیونکہ وہ طلب ہی کر لئے گئے ہیں۔''

''ٹھہریئے۔ آپ نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ آپ کو کس سے معلوم ہوا کہ فریدی اسٹیٹ کا دشمن ہے۔''

''بلا خاور سے۔'' بیساختہ تارا کی زبان سے نکل گیا اور پھر غلطی کا احساس ہوتے ہی اس نے ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔

''مجھے افسوس ہے یور ہائی نس۔'' سیکریٹری کی آواز بھرا گئی۔ ''اس وقت دل کو دھچکا سا لگا۔''

''کیوں.... کیا بات ہے۔''

''میں آپ کو اس شہر کی پاگل عورتوں کی بھیڑ میں نہیں دیکھنا چاہتا۔ آپ ایک اسٹیٹ کی

کماری ہیں۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ ذہین ہیں آپ اس فراڈ کے پاس کس سلسلے میں اور کیسے جا پہنچی۔ اس سے دور رہئے۔ آپ اسٹیٹ کا وقار خاک میں ملا رہی ہیں۔ میں اسے برداشت نہیں کرسکتا۔ صرف رانا صاحب کو جواب دہ ہوں اس معاملے میں۔''

اس کا لہجہ تارا کو گراں گزرا۔ وہ ماؤتھ پیس میں غرائی۔ ''اچھا بکواس بند کرو۔'' اور سلسلہ منقطع کردیا۔

سازش

کیپٹن مارش اسمتھ کو آئی جی کے پی اے سے اطلاع ملی تھی کہ آئی جی کے پاس سارجنٹ حمید کی کوئی شکایت آئی تھی اور آئی جی نے فریدی اور حمید کو براہِ راست اپنے بنگلے طلب کرلیا ہے۔

بہت بڑی بات تھی اور معاملہ بھی کوئی اہم تھا۔ کیونکہ مارش اسمتھ نے جو کیس فریدی کے سپرد کیا تھا اسی کی ذات تک محدود رکھنا چاہتا ہے۔ کیس کی نوعیت سرکاری نہیں تھی۔ مارش اسمتھ کے ایک دوست نے اس سے نجی طور پر مدد طلب کی تھی اور راز داری کا خواہش مند تھا۔

مارش اسمتھ نے سوچا کہیں آئی جی کو اس کی اطلاع نہ مل گئی ہو۔ ان دنوں بے ضابطہ کارروائیاں شاذ و نادر ہی ہوتی تھیں اور اگر ایسی کارروائیوں کا علم اعلیٰ حکام کو ہو جاتا تو اکثر بڑی الجھنیں پیدا ہو جاتی تھیں۔

بہر حال مارش اسمتھ کو اس کی اطلاع ملی اور وہ آئی جی کی کوٹھی کی طرف دوڑ گیا۔

لیکن اندر کیسے جاتا۔ سڑک ہی پر ایک جگہ رک کر ان دونوں کی واپسی کا منتظر رہا۔

اندھیری رات تھی اس لئے اس نے اپنی گاڑی کوٹھی سے زیادہ فاصلے پر نہیں روکی تھی جہاں بھی تھا راہگیروں کی نظر سے ہر حال میں بچا رہتا۔

کچھ دیر بعد فریدی کی کیڈی کوٹھی کی کمپاؤنڈ سے باہر نکلی تھی اور اسمتھ کی گاڑی کا انجن بھی ہوا تھا۔ وہ انہیں اسی جگہ نہیں روکنا چاہتا تھا۔

کچھ دور چل کر دونوں گاڑیاں برابر سے دوڑنے لگیں۔ کیونکہ کشادہ سڑک سنسان پڑی تھی۔

''گڈ ایوننگ سر....!'' فریدی کی آواز کچھ حیرت زدہ سی تھی۔

''ایوننگ.... کیوں ادھر کیسے۔''

''ہم یہیں رک کیوں نہ جائیں۔'' فریدی مسکرایا۔ ''شاید آپ مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔''

مارش اسمتھ نے گاڑی سڑک کے کنارے لگا کر کھڑی کردی۔ اس کے پیچھے ہی فریدی کی گاڑی بھی رکی۔ حمید گاڑی ہی میں بیٹھا رہا۔ فریدی اور اسمتھ نیچے اتر کر ایک طرف بڑھتے گئے۔

''صاحب کے پی اے سے معلوم ہوا تھا کہ آپ لوگوں کی کوئی شکایت آئی ہے۔'' مارش نے پوچھا۔

''جی ہاں.... شکایت تھی لیکن لایعنی۔'' فریدی نے کہا اور شکایت کا موضوع دہراتا ہوا ''ریوالور حمید کا نہیں ہے۔''

''خواہ مخواہ شکایت کی ہے۔''

''خدا جانے۔'' فریدی نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''حمید نے تو الزامات تسلیم نہیں ور گوری اسٹیٹ کے سیکریٹری کا بیان ہے کہ اس کے ساتھ خان بہادر عاصم کا لڑکا بھی ب میں اس سے بھی پوچھ گچھ کرنا چاہتا ہوں۔''

''آئی جی نے حمید کے عذر پر کیا کہا۔''

''ان کے لئے پرمود کا سیکریٹری ہم سے زیادہ معتبر ہے۔'' فریدی نے تلخ لہجے میں کہا ان کا خیال ہے کہ اب ہم اس شہر کے لئے موزوں نہیں رہے۔ لہٰذا تبادلہ۔''

''یہ زیادتی ہے۔ قطعی غلط ہے۔'' مارش اسمتھ نے مضطربانہ لہجے میں کہا۔

''کچھ بھی ہو۔ تبادلہ نہیں رک سکے گا۔'' فریدی نے ٹھنڈی سانس لی۔

''میں پرنسز تارا سے بخوبی واقف ہوں۔ اکثر ہلینا اس کی پارٹیوں میں جاتی رہتی ہے۔ میں ابھی فون پر اس سے گفتگو کرتا ہوں۔''

''بے کار ہے جناب۔ کچھ نہیں ہوسکتا۔ تبادلہ ہوکر رہے گا۔''

''اور تم.....!''

''میری چھوڑیئے۔ میں نے وعدہ کیا ہے کہ آپ کا کام بخوبی سرانجام دوں گا۔ وہ بھی ہوکر ہی رہے گا۔''

''لیکن تبادلہ۔''

''استعفیٰ دے دوں گا۔''

''نہیں۔''

''اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں۔''

''میں دیکھوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کرسکتا ہوں۔'' اسمتھ غصیلے انداز میں بڑبڑایا۔

موجودہ آئی جی سے کوئی بھی خوش نہیں تھا اس کے متعلق بہتیری بُری کہانیاں مشہور تھیں۔

وہ پھر گاڑیوں کی طرف واپس آئے اور اسمتھ نے فریدی کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ وہ معاملات کو آگے نہیں بڑھنے دیں گے۔ خواہ اُسے آئی جی سے بھی آگے کیوں نہ بڑھنا پڑے۔

کچھ دور چل کر ان کی راہیں الگ ہوگئیں۔

حمید نے فریدی سے کہا۔ ''وہ سیکریٹری کا بچہ صورت سے ہی انتہائی سُور معلوم ہوتا تھا۔''

''مجھے ہر قسم کے سُور کے شکار کا تجربہ ہے۔ تم فکر نہ کرو۔''

''نواب خان بہادر عاصم کی طرف جانے کا ارادہ ہے''

''فضول ہی سمجھتا ہوں اسے۔ میری دانست میں تو وہ آدمی اتنا بیوقوف نہیں ہوسکتا کہ اعتراف کرلے۔''

''ارے وہ حماقتوں کا پہاڑ ہے۔''

''دیکھا جائے گا۔'' فریدی نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔



پرمود ہاؤز کا نگران سنگرام بظاہر نہایت شریف آدمی تھا لیکن بہت کم لوگ جانتے تھے کہ وہ فنی بھی تھا۔ کئی بار کا سزایاب۔ مگر ستارے اچھے ہی تھے کہ پھانسی کے تختے کی راہ پر نہیں پہنچا تھا۔ سیکریٹری کے خاص آدمیوں میں سے تھا اور شاید صرف وہی اس کے متعلق بہت کچھ جانتا رہا ہو۔

اس وقت وہ ناشتا سونے کی تیاری کررہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور سنگرام انسٹرومنٹ کو اس طرح گھورنے لگا جیسے وہ اُسے چڑا رہا ہو۔

''ہالو.....!'' وہ ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں دہاڑا۔ پھر یک بیک اس کے چہرے پر ہلاہٹ کے آثار نظر آئے۔ کیونکہ دوسری طرف سے سیکریٹری نے مخاطب کیا تھا۔

''کیا تم نشے میں.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''نن.....نہیں.....جج جناب۔ معافی چاہتا ہوں۔'' سنگرام ہونٹوں پر زبان پھیر کر ہکلایا۔

''خیر دیکھو.....انسپکٹر فریدی پرنسز تارا سے ملنے آرہا ہے۔''

''جی.....!'' سنگرام نے اس طرح پوچھا جیسے اپنی سماعت پر یقین نہ ہو۔

''انسپکٹر فریدی پرنسز تارا سے ملنے آرہا ہے۔ ملاقات کے بعد اس کی واپسی اس کاریڈر سے ہونی چاہئے جس کی نکاسی لفٹ ونگ سے ہوتی ہے۔''

''لفٹ ونگ۔'' سنگرام کی آواز کانپ گئی۔

''اوہو.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''کیا تم خوفزدہ ہو۔''

''نن.....نہیں تو جناب۔'' سنگرام کا سینہ دھونکنی کی طرح چلنے لگا۔

''واپسی لفٹ ونگ سے ہونی چاہئے۔'' ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا گیا۔

پھر سنگرام نے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر خود بھی ریسیور رکھ دیا تھا۔ اس کے چہرے پر زردی سی چھا گئی تھی۔ وہ جانتا تھا کسی کے لفٹ ونگ سے گزرنے کا مطلب۔ پرمود

ہاؤز کے سیکڑوں راز اس کے سینے میں دفن تھے۔ نہ جانے کتنے معزز مہمانوں کو لفٹ ونگ سے گزرتے دیکھ چکا تھا۔ لفٹ ونگ جس کی نکاسی کا دروازہ عدم آباد ہی میں کھلتا تھا۔ لیکن انسپکٹر فریدی! سنگرام اپنی پیشانی رگڑنے لگا۔ وہ فریدی سے اچھی طرح واقف تھا خود بھی فریدی کے لئے اجنبی تو نہیں ہوسکتا تھا۔

اس نے سوچا وہ پرنسز تارا سے کیوں ملنے آرہا ہے؟ اور پھر اس وقت کلاک رات کے دس بجا رہا تھا۔ پرنسز تو خواب گاہ میں چلی گئی ہوں گی۔ ممکن ہے اس وقت وہ اس سے ملنا پسند ہی نہ کریں۔ لیکن شاید انہیں ملنا ہی پڑے گا کیونکہ سکتر صاحب اس کی واپسی لفٹ ونگ سے چاہتے تھے۔

سنگرام کے تحت نصف درجن بُرے آدمی بھی تھے اور یہ سیکریٹری ہی کی ایماء پر ملازم رکھے گئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک اپنی نوعیت کا شاطر ترین آدمی تھا یک بیک ان میں سے ایک نے کمرے میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی۔

''آؤ....!'' سنگرام اُسے گھورتا ہوا بولا۔ کیونکہ اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار نظر آئے تھے۔

''کیوں....؟''

آنے والے نے کسی کا ملاقاتی کارڈ اس کی طرف بڑھایا۔ یہ فریدی ہی کا کارڈ تھا۔

'راج کماری سے ملنا چاہتا ہے۔'' آنے والے نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''ہوں.... اچھا جاؤ اور اپنے آدمیوں سے کہہ دو کہ اس کی واپسی لفٹ ونگ سے ہوگی۔''

''جی....!'' آنے والا متحیرانہ انداز میں اچھل پڑا۔

''لفٹ ونگ.... کیا تم نے سنا نہیں۔'' سنگرام جھلا گیا۔

''جج.... جی ہاں.... سس سن لیا ہے۔''

'دفع ہوجاؤ۔'' سنگرام غرایا۔ اس کے چلے جانے کے بعد پھر اس کے چہرے پر زردی چھا گئی اور وہ بار بار ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جب اُسے لفٹ ونگ سے

گزرنا ہی ہے تو خود راج کماری تارا بھی اس سے ملنے کے لئے تیار ہوگی۔ سکتر صاحب کی ہدایتیں ہر اعتبار سے مکمل ہوتی ہیں۔ لیکن فریدی.... فریدی!

اس نے فون پر پرنسز تارا سے رابطہ قائم کیا۔

''کون.... کیا کہا۔'' دوسری طرف سے حیرت زدہ سی آواز آئی۔

''کیا آپ اس وقت انسپکٹر فریدی سے ملنا پسند فرمائیں گی یور ہائی نس۔''

''اُوہ.... کیا وہ آئے ہیں۔''

''یس یور ہائی نس.... وہ ملاقات کے کمرے میں آپ کے جواب کے منتظر ہیں۔''

''میں ضرور ملوں گی۔''

سنگرام نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے ریسیور رکھ دیا۔

فریدی کو یہاں کئی جانی پہچانی شکلیں نظر آئی تھیں۔ اس نے سوچا معاملات کافی آگے بڑھ چکے ہیں۔ اُسے محتاط رہنا چاہئے۔ شاید اس کے فرشتوں کو بھی خیال نہ آتا کہ پرمود ہاؤز میں اس قسم کے لوگ بھی دکھائی دیں گے۔

کچھ دیر بعد تارا کی سیکریٹری نے آکر اطلاع دی کہ پرنسز آیا ہی چاہتی ہیں۔

پھر تارا آئی تھی۔ نہ جانے کیوں اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ فریدی احتراماً کھڑا ہوگیا۔

''اُوہ.... تشریف رکھئے جناب۔'' تارا کے لہجے میں لجاجت تھی۔

''ناوقت تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔'' فریدی بیٹھتا ہوا بولا۔ ''لیکن معاملہ ایسا ہی تھا۔''

''مجھے بے حد افسوس ہے۔'' تارا نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''مجھے علم نہیں تھا کہ وہ آدمی کون تھے۔''

''اس کی بات نہیں۔ بدتمیزوں کو یقینی طور پر سزا ملنی چاہئے۔ مگر دشواری یہ ہے کہ سارجنٹ حمید نے اس الزام کو تسلیم نہیں کیا۔ ثبوت میں جو ریوالور پیش کیا گیا ہے وہ بھی اس کا نہیں۔''

''دیکھئے نا.... دراصل مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔'' تارا نے چڑھتی ہوئی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''پتہ نہیں میری گاڑی میں کوبرا کس نے ڈالا تھا۔''

فریدی نے سنی ان سنی کر کے کہا۔ ''کیا آپ مجھے رانا صاحب کے سیکریٹری سے ملوا سکیں گی۔''

''کیوں نہیں۔ ضرور ضرور۔ لیکن ان کا ملنا مشکل ہی ہوتا ہے۔''

''آپ صرف پتہ بتا دیجئے۔''

''فون نمبر لکھ لیجئے۔ وہ اڈلفیا کے ایکسٹنشن تھرٹین پر ضرور ملتے ہیں۔''

''شکریہ.... بہرحال میں آئی جی صاحب کو مطمئن نہیں کر سکا۔ حالانکہ.....''

''وہ دیکھئے میں انہیں مطمئن کر دوں گی۔ شکایت واپس لے لوں گی۔ مجھ سے بتایا گیا تھا کہ وہ آپ کا اسسٹنٹ ہے لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ کون ہیں۔ آپ یعنی کہ میں آپ کو فریدی صاحب کی حیثیت سے نہیں جانتی تھی۔ اُوہ۔'' وہ اس طرح خاموش ہو گئی جیسے بے خبری میں کوئی غلط بات زبان سے نکل گئی ہو۔ پھر جلدی سے بولی۔ ''دیکھئے مجھے علم نہیں تھا کہ نواب عزیز الدین خان صاحب۔''

''اوہ.... اُسے بھول جائیے۔ میں بھی بھول گیا ہوں۔ مجھے علم ہے کہ آپ کے والد شمشیر سنگھ بہادر سے اُن کے بڑے اچھے تعلقات تھے۔ بہرحال آپ آئی جی کو مطمئن کر سکیں تو بہتر ہے.... ویسے میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ آپ کی گاڑی میں حمید نے کوبرا نہ ڈالا ہوگا۔ یہ بھی محض اتفاق ہے کہ اس وقت وہی آپ کی گاڑی کے پیچھے تھا۔''

''مجھے یقین ہے۔ میں ابھی اور اسی وقت آئی جی کو رنگ کروں گی۔''

''شکریہ۔'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

''سس سردی.... بہت ہے۔'' تارا ہکلائی۔ ''کیا آپ ایک کپ کافی پینا بھی پسند نہیں کریں گے۔''

''شکریہ پرنسز.... اس وقت جلدی میں ہوں پھر کبھی۔''

''کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ....!'' تارا خاموش ہو گئی۔

''ہاں فرمائیے۔''

''میں یہ کہہ رہی تھی کہ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ پرانے تعلقات پھر استوار ہو جائیں۔''

''اُوہ.... ضرور ضرور۔ شکریہ۔'' فریدی مسکرایا۔ لیکن پھر یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ ایک دروازے میں پھر اُسے ایک چونکا دینے والی شکل نظر آئی تھی۔

یہ سنگرام تھا۔ دروازے سے نکلتے وقت اس نے کہا۔ ''اُدھر سے چلئے جناب۔ کمپاؤنڈ میں رکھوالی کے کتے چھوڑے جا چکے ہیں۔''

''ہاں.... چلو چلو۔''

وہ ایک جانب چل پڑے۔ سنگرام ایسے ہی عادی مجرموں کی لسٹ پر تھا جس سے مخصوص قسم کے جرائم کے سلسلے میں ضرور پوچھ گچھ کی جاتی تھی خواہ وہ شہر کے کسی حصے میں ہوئے ہوں۔ کئی دنوں سے وہ نظر نہیں آیا تھا۔ اس لئے فریدی کا خیال تھا کہ وہ شہر ہی چھوڑ چکا ہے۔

''کک.... کیسے تشریف لائے تھے جناب۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''آہا.... ٹھہرو بھئی۔'' وہ کاریڈر کے موڑ پر رکتا ہوا بولا۔ ''یہیں سے عمارت کے بائیں بازو کا کاریڈر شروع ہوتا تھا۔ سنگرام رک گیا۔ فریدی نے پوچھا ''سارجنٹ حمید کو پہچانتے ہو نا۔''

''کیوں نہیں۔ ضرور پہچانتا ہوں جناب۔''

''وہ یہاں کتنی دیر بند رکھا گیا تھا۔''

''تقریباً پندرہ گھنٹے.... مم.... مگر....!''

''پرواہ مت کرو۔ میں جانتا ہوں کہ ذمہ داری تم پر نہیں ہے۔ میں صرف سیکریٹری سے دو باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ وہ کہاں ملے گا۔''

''یہ بتانا میرے بس سے باہر ہے جناب۔ ان سے اچانک ہی ملاقات ہوتی ہے کوئی نہیں جانتا کہ وہ کب اور کہاں ہوں گے۔''

''فون نمبر۔''

''خود مجھے کبھی ضرورت نہیں پیش آئی فون کرنے کی۔اس لئے اس سلسلے میں بھی میں کوئی مدد نہ کرسکوں گا۔ دیکھئے میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ سارجنٹ حمید یہاں کیوں لائے گئے ہیں۔ مجھے تو اس وقت معلوم ہوا جب ان دونوں کو اسٹریچر پر اٹھا کر اندر لایا جارہا تھا۔ورنہ میں پہلے سے کوئی تدبیر کرلیتا۔''

''یعنی....!'' فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''میں آپ لوگوں کو آگاہ کردیتا کہ آپ کے لئے کوئی جال بچھایا جارہا ہے۔ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ اصلیت کیا تھی۔لیکن میرا خیال ہے کہ جال ہی تھا۔''

''ہوں....اچھا چلو۔''

''ایک منٹ....میں یہاں دھوکے میں آپھنسا تھا۔ورنہ آپ جانتے ہی ہیں کہ جب میں دولت گنج میں رہتا تھا۔''

''ٹھیک ہے۔اسی لئے مجھے تمہیں یہاں دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کیونکہ تم نے مجھ سے ہی وعدہ کیا تھا کہ اب تم باعزت طور پر زندگی بسر کرو گے اور شاید کچھ دنوں کیلئے سچ بھی کردکھایا تھا۔''

''بس پھنس گیا تھا۔ پھر بتاؤں گا۔ وقت کم ہے۔اب آپ کو اس کاریڈر میں مڑنا ہے۔ فرش پر رنگین بلاک لگے ہوئے ہیں۔ پوری راہداری میں سیاہ رنگ کا بلاک صرف ایک ہی ہے۔ اس پر پیر نہ پڑنے پائے۔احتیاط رکھئے گا۔ میں آپ کے ساتھ ہی رہوں گا۔لیکن وہ چھ کمبخت میں انہیں راز دار نہیں بنا سکا۔ وہ آس پاس کے کمروں میں چھپے ہوئے ہوں گے۔ جب دیکھیں گے کہ آپ بلاک پر پیر رکھے بغیر ہی گزر گئے تو وہ آپ پر ٹوٹ پڑیں گے۔ دھکیل کر لے جائیں گے اسی بلاک پر اور آپ....!''

''اور میں تیزی سے کسی تہہ خانے میں پہنچ جاؤں گا۔'' فریدی مسکرایا۔

''جی ہاں....جی ہاں۔'' وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔''میں آپ کے ساتھ ہی ہوں گا۔لمبا قدم رکھ کر سلیپ پار کرتے ہوئے میرے منہ پر ایک زور دار گھونسہ جڑ دیجئے گا اور پھر

ں کے بعد آپ ہی سوچ سکیں گے کہ آپ کو کیا کرنا ہے۔''

''کمپاؤنڈ میں واقعی کتے ہیں۔''

''انتہائی خطرناک.... جو رکھوالے کے علاوہ اور کسی کو نہیں پہچانتے۔ خود سیکریٹری بھی امنے آئے تو اس کی بھی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں۔''

''آؤ.... پرواہ مت کرو۔'' فریدی دوسرے کاریڈر میں مڑتا ہوا بولا۔

پھر کاٹا

حمید نے اپنا ملاقاتی کارڈ نکالا اور اس کی پشت پر قلم سے فلم ڈائریکٹر لکھ کر ملازم کی طرف ھادیا۔

وہ اس وقت قاسم کی ذاتی رہائش گاہ خان ولا کے برآمدے میں کھڑا تھا۔

کچھ دیر بعد ملازم نے واپس آکر کہا۔''چلئے صاحب۔''

وہ ایک وسیع ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔پھر ملازم واپس چلا گیا۔ قاسم سامنے ہی ئے پر نیم دراز تھا اور اس کے دونوں گال بُری طرح پھولے ہوئے تھے۔ اس کے سامنے لے صوفے پر ایک ادھیڑ عمر کی نرس موجود تھی۔

''قق....قوں....قق قوں۔'' قاسم نے ہاتھ ہلا کر ہونٹوں کو جنبش دیئے بغیر آوازیں ئیں۔غالباً اشارہ تھا بیٹھ جاؤ۔

حمید نے حیرت سے نرس کی طرف دیکھا اور وہ صرف مسکرا کر رہ گئی۔ پھر وہ قاسم کی ف دیکھنے لگا۔

دفعتاً قاسم نے عجیب سی آواز نکالی۔''یوما....ہپ....انکا'' بھاڑ سا منہ پھیل گیا اور ں کے درمیان لوہے کا ایک بہت بڑا گولا پھنسا ہوا نظر آیا۔

پھر قاسم نے اسے دانتوں سے کھینچنے کی کوشش کر کے غالباً یہ جتایا کہ گولا پھنس گیا ہے۔ نکل نہیں سکتا۔ بوڑھی نرس ہنس رہی تھی۔

اب قاسم نے ایک چھوٹی سے لکڑی اٹھائی اور اسے اپنے سر کے گرد گھمانے لگا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے گولا بھی دانتوں سے کھینچا اور اسے اچھالتا ہوا بولا۔ ''یہ دیکھو۔''

گولا بھد سے زمین پر گرا۔ نرس بے تحاشہ ہنس رہی تھی۔

''پھنس جاتا ہے سالا.... پھر جادو کی لغزی گھمانی پڑتی ہے۔'' قاسم نے بھی بہت زیادہ خوش ہو کر کہا اور داد طلب نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

''اچھا اب مجھے اجازت دیجئے۔'' نرس اٹھتی ہوئی بولی۔

''بہت اچھا.... بہت اچھا۔'' قاسم نے بھی اٹھتے ہوئے اخلاقاً دانت نکالے۔

نرس کے چلے جانے پر حمید نے قاسم کو گھورتے ہوئے پوچھا۔ ''آپ کی تعریف۔''

قاسم بُرا سا منہ بنا کر آہستہ آہستہ بڑبڑایا۔ ''صورت حرام.... کمینی.... ذلیل۔''

''ہائیں کسے گالیاں دے رہے ہو۔''

''انہیں بیگم صاحب کو۔ خود اکیلے اکیلے۔ دیکھ لیں گی تماشہ.... صاحب جادی کو کبھی ساتھ نہ لائیں گی۔'' قاسم نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔ پھر جھلا کر بولا۔ ''اے قیوں نہ دوں گالی۔ کوئی شرافت ہے۔''

''کیا کہہ رہے ہو پیارے۔ سمجھنے بھی تو دو۔''

''اے خود تو دیکھتی ہیں تماشہ و ماشہ اور وہ بیچاری گھر میں اکیلی پڑی جلا کڑھا کرتی ہے۔''

''کون۔''

''ٹھینگے سے۔'' قاسم پھر جھلا گیا۔ ''بھس میں عقل بھرا ہوا ہے تمہارے۔ اتی سی بات میں نہیں آتی....!''

''سمجھ گیا.... لیکن یہ محترمہ اکیلی ہی سہی آتی کیوں ہیں۔''

''قیوں نہ آئیں۔ روق دو۔ اگر ہمت ہو۔'' قاسم نے مرنے مارنے والے انداز میں

بھیں نکالیں۔

''یہ مطلب نہیں تھا پیارے۔ میں تو اس کی نالائقی پر خفا ہو رہا تھا۔''

''ہے نا نالائک.... واہیات۔''

''خیر یہ بتاؤ شکایت تو نہیں آئی۔''

''غاں.... خوب یاد دلایا۔'' قاسم دہاڑا۔ ''یہ بتاؤ بیٹا چار سو بیس تم نے مجھے اُلو کیوں بنایا اپنے لغے شوٹنگ ہو رہی ہے.... اور ہو رہا تھا سالا کچھ گھپلا.... ابے اس سیکریٹری صاحب کو رحم آگیا تھا.... ورنہ تمہاری وہ کٹوئیگم تو کھال کھینچوا کر بھس بھرا دیتیں۔''

''اچھا تو پھر سانپ تم نے ڈالا ہوگا اس کی گاڑی میں۔''

''میں نے.... ابے کیوں جھوٹ بولتے ہو۔ آنکھیں پھوٹ جائیں تن من کیڑے پڑیں میں نے ڈالا ہو۔ واہ بھئی کھوب رہی۔''

''تو بتاؤ نا.... پھر کس نے ڈالا تھا۔''

''ابے میں قیا جانوں پیارے بھائی۔''

''کسی نے ڈالا تھا بہرحال محض اس لئے کہ ہم پکڑے جائیں.... مگر کیوں؟''

''تم ہی پھر ماؤ.... اپنے تو کچھ پلے پڑتا نہیں۔''

''ہمارے کسی دشمن کی حرکت تھی تاکہ ہم پھنس جائیں۔ سنا ہے تمہارے باپ بہت ظالم ہیں۔''

''بلقل بلقل....!'' قاسم نے کچھ سوچتے ہوئے ٹھنڈی سانس لی پھر گڑبڑا کر پیٹ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ ''ہائے اللہ اب میں کیا قروں۔ اگر شکایت ہوگئی..... ارے باپ رے۔''

اس نے تھوک نگلتے وقت خوفزدہ انداز میں آنکھیں نکالیں اور اس طرح گردن مسلنے لگا جیسے حلق خشک ہو رہا ہو۔

''پوچھا تھا تمہارے باپ نے۔''

''ابھی تو نہیں.... قیا.... پوچھیں گے؟''

''میں کیا جانوں۔''

''نہیں بتا دو پیارے بھائی.... الاقسم پوچھ بیٹھے تو کیا ہوگا۔ ابے وہ زبان سے نہیں پوچھے ہائے باپ رے۔''

''ارے تو کیا واقعی پٹائی ہوتی ہے۔''

''ہاں....!'' قاسم درد ناک آواز میں کراہا۔ ''بس کیا بتاؤں۔ مکدر کی خرابی۔ میں اتنا بڑا ہوگیا ہوں مگر میرے بابا جان ابھی تک نہیں مرے۔ اُوف.... اُوع.... یعنی کہ ارے باپ رے کیا بق رہا ہوں۔'' وہ خاموش ہوکر اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رسید کرنے لگا۔

حمید ہنس پڑا۔ پھر بولا۔ ''اچھا کوہستان سلمہ اب ایک بات یاد رکھو۔ کوئی بھی کچھ پوچھے اس واقعہ کے متعلق صاف انکار کر دینا۔ تم کچھ نہیں جانتے۔ تم نے کسی لڑکی کو کبھی سانپ سے نہیں بچایا تھا۔ سب جھوٹ ہے۔ بکواس ہے۔''

''ہائیں۔ سب جھوٹ تھا۔ سب جھوٹ ہے۔ بکواس ہے۔''

''خیر یہاں تو صرف آنکھیں پھوٹیں گی لیکن تمہارا بھرتا بن جائے گا۔ بس اب میں جارہا ہوں۔ یہی کہنے آیا تھا۔''

''اَمے.... اَمے.... اے.... ارے.... ٹھہرو نا۔ میری بھی تو سنتے جاؤ۔''

حمید رک کر مڑا اور قاسم مسمسی سی صورت بنا کر بولا۔ ''یوں کھفا ہوکر نہ جاؤ۔ پیارے نہ جانے قیا بات ہے جب سے تمہیں دیکھا ہے ہر وقت تمہارے لئے بے قرار رہتا ہوں۔ ہی ہی ہی.... الاقسم.... یکین کرو۔ تم میں پتہ نہیں کدھر سے جادو بھرا ہوا ہے۔ ایسا دوست آج تک نہیں ملا اور امے ہاں۔ یہ تمہارے کارڈ پر یہ کیا لکھا ہوا ہے۔ کیا واکئی تم قوئی آفیسر ہو۔''

''حمید نے اُسے سمجھایا کہ وہ کون ہے۔''

''امے تو پھر کرونا جاسوسی واسوسی۔'' قاسم خوش ہوکر بولا۔ ''میں نے ایک پھلم میں دیکھا تھا۔ لونڈیاں دھڑا دھڑ مرتی ہیں جاسوسوں پر.... اللہ۔'' قاسم نے ٹھنڈی سانس لی اور خاموش ہوکر کچھ دیر تک کسی خیال میں گم منہ چلاتا رہا۔ پھر بولا۔ ''ہائے ہم نہ ہوئے قسی کابل۔''

''فکرمت کرو نورِ نظر.... میں تمہیں ققابل بنا دینے کا ارادہ رکھتا ہوں۔''

''یہ کیا ہوتا ہے پیارے بھائی۔''

''بہت زیادہ قابل۔ اچھا بس آرام کرو۔ میں چلا۔''

''ارے نہیں اِتی جلدی نہ کرو۔ ہائے یہ جالم جمانا.... اب دیکھو جو یہ چپاتی بیغم۔ ابھی ئی نہیں۔ بیماری میں میری دیکھ بھال کرتی ہیں ارے تو جب بیمار نہیں ہوتا تب بھی کیوں تی ہیں.... ہاں صاحب.... تماشہ دکھا دیجئے اور وہ نہیں آتیں کبھی تماشہ دیکھنے....!''

''کون....؟''

''ارے وہی.... ان کی صاحب جادی۔''

''ان میں کیا خاص بات۔''

''ارے واہ قوئی خاص بات ہی نہیں ہے۔ امے جاؤ.... بس جل گئے۔''

''کہاں کی ہانک رہے ہو۔''

''لو اور سنو.... میں جھوٹ بول رہا ہوں۔''

''یار بس ختم کرو۔ میں چلا پھر ملوں گا۔'' حمید نے تیزی سے قدم بڑھائے۔ قاسم پکارتا یا۔

فریدی محتاط ہوکر قدم اٹھا رہا تھا۔ دفعتاً سنگرام نے سرگوشی کی۔ ''ہاتھ ایسا ہی ہونا چاہئے صاحب کہ میں کچھ دیر کے لئے بے کار ہو جاؤں۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ راہداری میں فرش پر لگے ہوئے بلاک کم از کم سولہ مربع فٹ کے ہے ہوں گے۔ فریدی نے سیاہ رنگ کے مربع بلاک کے قریب پہنچ کر چھلانگ لگاتے

ہوئے سنگرام کی کنپٹی پر ایک ہاتھ جڑ دیا۔

لیکن ان چھ آدمیوں نے بھی ظاہر ہونے میں دیر نہیں لگائی جن کے متعلق سنگرام اسے پہلے ہی بتا چکا تھا۔

سنگرام اتفاق سے سیاہ رنگ کے بلاک پر ہی گرا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ بلاک سمیت فرش پر دھنستا چلا گیا اور جلد ہی کھڑاکے کی آواز کے ساتھ بلاک دوبارہ اپنی جگہ پر نظر آیا۔ لیکن سنگرام کا اب کہیں پتہ نہ تھا۔

ان چھ آدمیوں نے فریدی پر اسی نیت سے حملہ کیا تھا کہ کسی طرح اُسے سیاہ بلاک کی طرف دھکیل لے جائیں لیکن ایسی صورت میں جبکہ فریدی ہوشیار ہو چکا تھا ہر چیز ناممکن ہی تھی۔ پہلے تو وہ لوگ بڑی خاموشی سے جدوجہد کرتے رہے لیکن جب فریدی کے ہاتھ پڑنے شروع ہوئے تو ضبط کے باوجود بھی ان کے بھنچے ہوئے ہونٹوں سے غراہٹیں اور کراہیں آزاد ہو گئیں۔ وہ خود بھی اس سیاہ رنگ کے بلاک سے بچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن دفعتاً ایک آدمی لڑکھڑا ہی گیا۔ اس پر سے فریدی کی ٹانگ .... اچھلا اور اسی بلاک پر جا پڑا۔ پھر قبل اس کے کہ وہ سنبھلتا بلاک کافی گہرائی میں دھنس چکا تھا۔

اب تو شور سے کاریڈر گونجنے لگا تھا۔ وہ فریدی کے ہاتھ کھا کر گرتے پھر سنبھلتے اور سرے سے حملہ شروع ہوتا۔ پھر شاید آہستہ آہستہ وہ بھولتے گئے کہ فریدی کو گھیرنے کا مقصد تھا۔ اب تو وہ اپنی جدوجہد کا نتیجہ فریدی کی لاش کی شکل میں دیکھنا چاہتے تھے۔

دفعتاً کاریڈر کے سرے سے تارا کی سریلی سی گرج سنائی دی۔ ''ٹھہرو.... یہ کیا ہو رہا ہے۔''

لیکن فریدی نے اس آدمی کو دوسروں پر پھینک ہی مارا جسے اس نے سر سے بلند کر رکھا تھا۔

پھر بلاک ایک جھٹکے کے ساتھ رک گیا اور مار کھائے ہوئے لڑاکے کو ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اُسے بلاک سے دھکا دے دیا ہو۔ گھر گھراہٹ کی آوازیں کانوں میں گونج رہی تھیں۔ بلاک پھر تیزی سے اوپر جا رہا تھا۔

''اوحرام خورو۔'' اس نے سیکریٹری کی گرج سنی اور بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔

سیکریٹری سامنے ہی کھڑا نظر آیا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور جسم غصے سے کانپ رہا تھا۔ اس کے قریب ہی سنگرام بے ہوش پڑا تھا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے۔'' اس نے دانت پیس کر کہا۔

''ف.... فریدی سرکار۔ پہلے اس نے استاد کو مارا۔ وہ بلاک ہی پر گرے اور اب۔!''

''اوہ....!'' سیکریٹری نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اب وہ خود بھی اس پر شروع کر دے گا۔

''سرکار.... وہ ہوشیار تھا۔ اس نے کالے بلاک کے قریب پہنچ کر چھلانگ لگائی تھی اور پھسل کر گیا تھا۔ استاد نے پکڑنا چاہا لیکن خود ان کا یہ حشر ہوا۔''

وہ بے ہوش سنگرام کی طرف دیکھنے لگا پھر تیزی سے اس کے قریب دوزانو ہو کر جھکتا ہوا بولا۔ ''میرے خدا.... یہ دیکھئے سرکار.... چہرے پر بائیں جانب کتنا ورم آ گیا ہے۔ پتہ نہیں یہ کس دھات سے بنایا گیا ہے۔''

''بکواس بند کرو۔'' سیکریٹری غرایا۔ ''تم سب ناکارہ اور بزدل ہو۔ میں نے تمہارے ساتھ غلطی کی تھی۔''

اس ریمارک پر لڑاکے کا منہ بگڑ گیا۔ اس نے کینہ توز نظروں سے سیکریٹری کی طرف دیکھا اور زہریلے لہجے میں بولا۔ ''فریدی حلوہ نہیں ہے جناب۔ ہمارے پیشے کا ہر آدمی اُسے ہوا ہے۔ سارے شہر میں ایک بھی ایسا بدمعاش نہ ملے گا جو اس کے سائے سے بھی بچنے کی نہ کرتا ہو۔''

''خاموش رہو۔'' سیکریٹری غرایا۔

پھر یک بیک لڑاکے کی آنکھوں میں دیوانگی کی جھلکیاں دکھائی دینے لگیں اور اس نے ہی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''سرکار کے حکم سے ہم نے نہ جانے کیا کچھ کیا ہے۔ لیکن یہ ہے سرکار۔ میرا فرض ہے کہ آپ کو آگاہ کر دوں۔ یہاں اس شہر میں وہ دھاندلیاں نہیں اس شہر کے کسی بھی جرائم پیشہ آدمی سے پوچھئے وہ آپ کو یہی بتائے گا کہ فریدی سوتے

وقت بھی ایک آنکھ سے جاگتا رہتا ہے۔''

''میں کہتا ہوں بکواس بند کرو۔'' اس بار سیکریٹری کی آواز بہت بلند ہوگئی۔ وہ خونخوار نظروں سے لڑاکے کو گھور رہا تھا۔

''تم حرام خور ہو۔ مفت کے ٹکڑے توڑتے ہو۔'' چند لمحے بعد وہ پھر غرایا۔ ''یا پھر ان سے مل گئے ہو۔''

''میں کہتا ہوں استاد کی خبر لیجئے۔'' لڑاکے نے بے ہوش سنگرام کی طرف دیکھ کر کہا۔

''چہرے پر ورم اچھی علامت نہیں۔ بسا اوقات فریدی کا تھپڑ گردن توڑ بھی ثابت ہوا ہے۔''

''خاموش رہ.... کیا تجھے اس کی قصیدہ خوانی کے لئے تنخواہ ملتی ہے۔''

''سرکار.... اپنا لہجہ سنبھالئے.... ہم اس کے عادی نہیں۔ خواہ ہمارا باپ ہی کیوں نہ گفتگو کر رہا ہو۔''

سیکریٹری چونک پڑا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے سوتے سے جاگا ہو اور پھر اس کے چہرے کی رنگت بدلنے لگی۔ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے کچھ دیر پہلے کی وجاہت محض ایک نقاب رہی ہو۔ اب کتنا بھیانک چہرہ تھا۔ لڑاکا بھی بوکھلایا ہوا سا نظر آنے لگا۔ پھر اس نے سیکریٹری کا منہ بھی پھیلتے دیکھا۔ بالکل اسی انداز میں جیسے جھپٹ کر کاٹ ہی تو کھائے گا۔

وہ یونہی خواہ مخواہ ہنس پڑا.... لیکن آواز میں خوف کی لرزش بھی شامل تھی۔

سیکریٹری کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں کسی سانپ کی آنکھ کی سی چمک تھی اور دانت کسی بھیڑیئے کے دانتوں سے مشابہ نظر آتے تھے۔

دفعتاً اس نے لڑاکے پر چھلانگ لگائی لڑاکا بوکھلا کر پیچھے ہٹا لیکن سنبھل نہ سکا۔ فرش پر گرنے سے پہلے ہی سیکریٹری کی گرفت میں آ چکا تھا۔ پھر تہہ خانہ اس کی چیخوں سے گونج اٹھا۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ہڈیاں کڑکڑا رہی ہوں۔ سیکریٹری کی گرفت اتنی ہی سخت تھی بتدریج مزید سخت ہوتی جا رہی تھی۔

پھر اس کے دانت لڑاکے کے بائیں گال میں پیوست ہو گئے۔

''ارے.... ارے.... یہ کیا.... کاغ.... چھوڑ ارے.... چھوڑ سُور کے بچے۔'' تارا کی آواز سن کر ان کے ہاتھ رک گئے۔

''یہ کیا بیہودگی پھیلائی ہے تم لوگوں نے۔'' وہ غصیلی آواز میں کہتی ہوئی آگے بڑھی۔

''وہیں ٹھہریئے۔'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''کیوں.... کیا بات ہے۔ یہ کیا ہوا۔ تم لوگوں نے اس کی جرأت کیسے کی۔ کس کے حکم سے۔'' تارا آپے سے باہر ہو رہی تھی۔ فریدی نے اُسے غور سے دیکھا۔ اس کی دانست میں یہ کا انداز بناوٹی نہیں تھا۔ لیکن پھر.... پھر شاید وہ سیکریٹری کے معاملے میں دخیل نہیں ہے۔ ری نے سوچا۔ حتیٰ کہ اس کے مختلف مشاغل کا علم بھی نہیں رکھتی۔

''ہم سے سنگرام نے کہا تھا کماری جی۔'' ایک آدمی نے ہانپتے ہوئے کہا۔

''سنگرام کہاں ہے۔''

''پپ پتہ نہیں۔'' اس نے فریدی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اس سے فریدی نے اندازہ کر لیا کہ تارا شاید نہیں جانتی کہ یہاں کوئی تہہ خانہ بھی ہے۔ اس نے ایک آدمی کو سیاہ بلاک پر دھکیل دیا۔ لیکن اس بار بلاک نے اپنی جگہ سے جنبش بھی اور وہ آدمی فریدی کو گھورتا ہوا دوسری طرف ہٹ گیا۔

''اب آپ قریب بھی آ سکتی ہیں۔'' فریدی مسکرایا۔

''آپ یقین کیجئے اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہے۔'' تارا آگے بڑھتی ہوئی بولی۔

''مجھے یقین ہے۔''

''آخر سنگرام کو جرأت کیسے ہوئی۔'' اس نے قریب پہنچ کر ان پانچوں کو مخاطب کیا۔

''ہم کچھ نہیں جانتے سرکار....!'' ایک آدمی نے جواب دیا۔ ''ہم تو حکم کے بندے ہیں۔ کلکٹر صاحب کا حکم ہے کہ ہم سنگرام کا ہر حکم بجالائیں۔''

''وہ ہے کہاں مجھے بتاؤ۔''

وہ آدمی پھر فریدی کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔ فریدی بڑی بے پروائی سے سر جھکائے سگار سلگا رہا تھا۔

فرار

کرائم رپورٹر انور، ریاست ورگوری میں بھٹکتا پھر رہا تھا لیکن اس کے جسم پر چیتھڑے جھولتے نہ دیکھے جا سکے۔ ویسے رشیدہ نے بابا خاور کو یہی اطلاع دی تھی کہ وہ ایک رات دیوانگی کے عالم میں دفتر سے نکل بھاگا تھا۔ دو دن تک شہر کے بعض حصوں میں دیکھا گیا لیکن پھر اس کا کہیں پتہ نہ چلا۔

ہوا یہ کہ انور دفتر میں بیٹھا دوسرے دن کے لئے جرائم کی خبریں مرتب کر رہا تھا۔ اسی میں رشیدہ اس کی میز پر آئی۔ اُسے حقیقتاً ان دنوں انور کے متعلق بڑی تشویش تھی۔ پہلے تو وحیدہ بانو کی کہانی کو محض مذاق سمجھی تھی لیکن پھر کچھ کچھ یقین ہو چلا۔ بات بھی ایسی ہی تھی کہ الجھن میں مبتلا ہو جاتی۔ اس نے انور کے فلیٹ میں اس کی میز پر کاغذ کا ایک ٹکڑا دیکھا جس مختلف انداز میں جا بجا ''وحیدہ بانو'' لکھا ہوا تھا۔ کہیں ڈیزائنوں میں کہیں بخط نسخ اور کہیں نستعلیق میں۔ ایک آدھ جگہ پنسل سے خوبصورت سی آنکھیں بھی بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ ایک جگہ دیوار پر بھی پنسل سے ''وحیدہ بانو'' گھسیٹا ہوا نظر آیا تھا۔

بہر حال وہ مطمئن نہیں تھی۔ اس وقت شامت اعمال ہی کہنا چاہئے کہ اس کی زبان سے وحیدہ بانو کا نام رپٹ گیا۔ وہ بھی طنزیہ انداز میں۔

اس نے کہا۔ ''بالکل مجنوں نظر آ رہے ہو۔ شاید وحیدہ بانو براجمان ہیں کھوپڑی میں۔''

بس پھر کیا تھا خلاف توقع انور اچھل کر کھڑا ہو گیا.... تیور غیر معمولی تھے۔

''ہاں وحیدہ بانو براجمان ہیں۔'' وہ اتنی زور سے چیخا کہ سارا دفتر گونج اٹھا۔

''پاگل ہو گئے کیا۔''

انور پھر اسی انداز میں چیخا اور پاگلوں کی طرح اپنے بال نوچنے لگا۔

یہ قطعی غیر متوقع اور انوکھی حرکت تھی۔ آفس میں اُن کی نوک جھونک جاری رہتی تھی لیکن یہ حد تک نہیں کہ آس پاس کے کمروں میں بھی ان کی گونج سنائی دیتی۔ انور کے کمرے کے خاصی بھیڑ اکٹھی ہو گئی اور سرکولیشن منیجر کمرے میں داخل ہوا۔ یہاں اس وقت انور نے اپنی بال پھاڑ ڈالی تھی اور اب شاید دیوار سے ٹکرانے کے لئے اسٹارٹ لے رہا تھا۔

''ہائیں.... ہائیں.... یہ کیا ہو رہا ہے۔'' سرکولیشن منیجر چیخا۔

لیکن انور نے اس کی بات کا جواب دیئے بغیر دیوار سے سر ٹکرا ہی دیا اور ساتھ ہی وحیدہ کے نام کا نعرہ لگایا۔

پھر دوسری بار بھی وہی حرکت دہرانے والا تھا کہ کچھ لوگ اور بھی آ گئے اور انہوں نے اسے پکڑ لیا۔ لیکن وہ بے تحاشہ ہنس رہے تھی۔

''ہنستے ہو۔'' انور حلق پھاڑ کر دھاڑا۔ ''مجھے پاگل سمجھتے ہو میں پاگل ہوں۔''

انور اس رنگ میں پہلے کبھی نہیں دکھائی دیا تھا اس لئے انہیں سنجیدگی ہی اختیار کرنی پڑی۔ انہوں نے انور کو چھوڑ دیا اور وہ اس طرح سمٹ کر اکڑوں بیٹھ گیا جیسے کپڑے بھیگ جانے کی وجہ سے سردی لگ رہی ہو۔ وہ اس کے چاروں طرف خاموشی سے کھڑے رہے۔ رشیدہ کو تو گویا سانپ سونگھ گیا تھا۔

انور دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے ہوئے سسکیاں لیتا ہوا بولا۔ ''ہٹاؤ اس عورت کو۔ خدا کے لئے یہاں سے لے جاؤ۔ یہ مجھے زندہ نہیں رہنے دے گی۔'' پھر سر اٹھا کر حلق کے بل چیخا۔ ''لے جاؤ۔''

اس کے تھوڑی ہی دیر بعد وہ شہر کی سڑکوں اور گلیوں میں اس حال میں نظر آیا کہ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا پتھر تھا اور چھوٹے چھوٹے بچے اس کے پیچھے تالیاں بجاتے پھر رہے

تھے۔ کبھی کبھی وہ پتھر ان کے کھینچ بھی مارتا۔ لیکن اس طرح نہیں کہ کوئی اس کی زد میں آجاتا۔

دو دن تک وہ اسی طرح بھٹکتا رہا۔ دراصل اندازہ کرنا چاہتا تھا کہ اس کا تعاقب تو نہیں کیا جاتا۔ پھر اسے یقین ہی ہوگیا کہ فریدی کا خیال درست تھا۔ یعنی ان لوگوں نے خود اُسے کوئی اہمیت نہ دی۔ یہی سمجھتے ہیں کہ فریدی نے اُسے بلیک میلنگ اسٹف سے آگاہ نہ کیا ہوگا۔ صرف آلہ کار کی حیثیت سے استعمال کیا ہے۔

یقین کی وجہ یہی تھی کہ دیوانگی کے ان دو دنوں میں اپنے آس پاس کوئی ایسا آدمی نہیں دکھائی دیا تھا جس پر نگرانی کرنے والے کا شبہ بھی ہوسکتا۔

دو دن بعد اس نے اپنے حلئے میں معمولی سی تبدیلی کی اور چل پڑا ریاست ورگوری کی طرف۔ لیکن یہ فریدی کا کام نہیں تھا بلکہ اُسے اس غضب ناک سوتیلی بہن کی تلاش تھی جس نے اپنے بھائی کے دونوں کان اکھاڑ لئے تھے۔

ورگوری میں وہ سارا دن بھٹکتا پھرا۔ لیکن رانا پرمود کے متعلق معلومات بہم پہنچانے کے علاوہ اور کچھ نہ کرسکا۔ کہیں بھی کوئی ایسی غضب ناک سوتیلی بہن نہ مل سکی۔

کیپٹن اسمتھ متحیرانہ انداز میں آنکھیں پھاڑے فریدی کی کہانی سن رہا تھا۔

''پرنسز تارا قطعی طور پر لاعلم ہے۔ وہ نہیں جانتی کہ محل میں کوئی تہہ خانہ بھی ہے کیونکہ ان پانچوں بدمعاشوں نے اُسے سنگرام اور دوسرے آدمی کا پتہ نہیں بتایا تھا۔'' فریدی نے خاموش ہو کر جیبیں ٹٹولیں۔

''تم سگار سلگا سکتے ہو انسپکٹر۔'' اسمتھ مسکرا کر بولا۔

''شکریہ جناب۔'' فریدی نے سگار کیس نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''لڑکی

خونزدہ بھی تھی اور شرمندہ بھی۔ مجھے یقین ہے کہ اس حرکت میں صرف سیکریٹری ہی کا ہاتھ تھا۔''

کیپٹن اسمتھ نے سگار لے کر سلگایا اور کش لے کر بولا۔ ''یہ کون سی برانڈ کے سگار ہیں مسٹر فریدی۔''

''ڈائرکٹلی امپورٹڈ فرام جاوا.... یہاں نہیں ملیں گے۔'' فریدی نے کہا اور اپنا سگار سلگا کر بولا۔ ''میری دانست میں تو اس مسئلے پر خاموشی ہی اختیار کرنی چاہئے۔''

''اوہ.... تم نے میرے منہ کی بات چھین لی۔ اگر تم اس سلسلے میں کسی باضابطہ کارروائی کا مطالبہ کرتے تو میں بڑی الجھن میں پڑ جاتا۔''

''مجھے حیرت ہے جناب۔''

''تم نہیں سمجھ سکتے۔ سیکریٹری سے آئی جی کے بے حد گہرے تعلقات ہیں اور آئی جی سے زیادہ کمینہ آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔ لوگ اُسے عام طور پر انگریز سمجھتے ہیں لیکن وہ ایک جرمن کتیا کی اولاد ہے، عورت فاحشہ تھی۔ ضروری نہیں کہ وہ سرٹوبی ہی کا نطفہ ہو۔''

''پھر بھی.... آخر یہ تعلقات کس نوعیت کے ہیں۔''

''سیکریٹری اس کے لئے لڑکیاں فراہم کرتا ہے۔''

''ہوں....!'' فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔ ''کیا آپ خاور اور سیکریٹری کے درمیان کسی قسم کے تعلقات کا علم رکھتے ہیں۔''

''دیکھو بھئی۔ خاور کو درمیان میں نہ لاؤ۔ وہ بہت گریٹ آدمی ہے۔ ایسا باکمال آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔ جانتے ہو اس نے تمہاری شکایت کرنے سے پہلے کیا کہا تھا۔''

فریدی استفہامیہ انداز میں خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

''اس نے کہا تھا کہ وہ نہیں چاہتا کہ تمہارے خلاف کوئی کارروائی کی جائے اگر کی گئی تو اُسے دکھ ہوگا۔ بس اتنا کہا جائے کہ تمہیں سلیقہ سکھایا جائے کسی کے مکان میں بغیر اجازت داخل ہونا بُری بات ہے۔ مگر سنو۔ آخر تمہیں اس سے کیا شکایت ہے۔''

''بہت ہی معمولی قسم کی شکایات ہیں اور یہ غلط ہے کہ میں بغیر اجازت کے عمارت میں

داخل ہوا تھا۔ خاور کو یقینی طور پر غلط فہمی ہوئی تھی۔ باہر ملازم موجود تھا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اندر جانے پر کوئی پابندی نہیں۔ ہر آدمی جا سکتا ہے۔''

''مطلب یہ کہ وہ تو ٹھیک ہے لیکن عمارت کے بعض حصے ایسے بھی ہیں جنہیں وہ صرف نجی ضروریات کے لئے مخصوص رکھتا ہے۔''

''تو پھر اس منزل پر میں ہی کسی غلط فہمی کا شکار ہو سکتا ہوں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''خیر اسے جانے دیجئے۔ شاید میں خاور سے معافی مانگ لوں۔ ہاں تو پھر سیکریٹری کے لئے مجھے کیا کرنا چاہئے۔ وہ خواہ مخواہ میرے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے۔''

''سارجنٹ حمید کی کہانی۔''

''یقین کیجئے کہ کوبرا اس نے گاڑی میں نہیں ڈالا تھا۔ البتہ اس کی ضمانت نہیں دی جا سکتی کہ وہ اتفاقاً ہی ادھر جا نکلا تھا یا سچ مچ تارا اُسے اچھی لگی تھی۔ اُسے کیا اچھی لگی ہوگی اس کے ساتھ ایک آدمی اور بھی تھا خان بہادر عاصم کا لڑکا۔ رولس اسی کی تھی۔ آپ جانتے ہیں اس طبقے کے لوگ کیسے اوباش ہوتے ہیں۔''

''تو پھر یہی کہا جا سکتا ہے کہ خود سیکریٹری نے حمید کو پھانسنے کی کوشش کی تھی۔''

''مگر کیوں؟ اچانک اسی موقع پر کیوں جب مجھے کٹے ہوئے ہاتھوں کی تلاش تھی۔ ڈاکٹر ڈف اور اس کی لڑکی اس طرح کیوں مار ڈالے گئے اور اسی زمانے میں جب میں اس کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا ایسا کیوں ہوا۔''

''تم مجھے الجھن میں ڈال رہے ہو۔'' اسمتھ اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔

''میں نہیں سمجھا۔''

''تم ہمیشہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسے ہی شکار نکالتے ہو جن کے بڑے بڑے آفیسرز سے تعلقات ہوں۔''

''اُوہ.... یہ میری بدقسمتی ہے کہ عموماً ایسی ہی اتفاقات ہوتے ہیں۔''

''ٹھہرو۔ مجھے سوچنے دو۔'' اسمتھ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ اس کے ماتھے پر تفکر کی گہری

لکیریں تھیں۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ''اگر سیکریٹری ہی تمہارے پیچھے پڑ گیا ہے تو اس بار یقینی طور پر ہمیں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ممکن ہے محکمے کو تم سے ہاتھ دھونے پڑیں۔''

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں لیکن کام بہرحال جاری رہے گا۔ میں آپ سے وعدہ کر چکا ہوں کہ مہاراج کمار کا کیس ضرور نپٹاؤں گا۔''

''شکریہ مسٹر فریدی۔''

''اور یہ تو بڑی اچھی بات ہے کہ سیکریٹری نے خود ہی چھیڑ چھاڑ شروع کی ہے۔''

''بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے مسٹر فریدی۔'' کیپٹن اسمتھ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''کیونکہ تم پرمود ہاؤز کے تہہ خانے والے راز سے واقف ہو گئے ہو۔ سنو.... ایک مشورہ ہے۔''

''فرمایئے۔''

''تم دو ماہ کی چھٹی کی درخواست دے دو ابھی اور اسی وقت۔ اور میں اُسے آج ہی کی تاریخ میں منظور بھی کر لوں۔ ورنہ یقین رکھو کہ کل تک تمہارے تبادلے کا حکم آ جائے گا اور وہ بھی کچھ اس قسم کا یا تو چوبیس گھنٹے کے اندر تم چارج دے دو یا اپنی عادت کے مطابق استعفےٰ۔''

''تجویز مناسب ہے۔'' فریدی مسکرایا۔ ''لیکن حمید کا کیا ہوگا۔''

''اس سے بھی چھٹی کی درخواست دلواؤ۔ بہتر ہے۔''

انور کا دوسرا دن تھا ورگوری میں۔

ورگوری چھوٹا سا خوبصورت شہر تھا جسے بڑے سلیقے سے بسانے کی کوشش کی گئی تھی۔ یہاں ایک عظیم الشان ہوٹل کی موجودگی بھی اسے بعض دوسرے بڑے شہروں سے ممیز کرتی تھی۔ یہ تھا ولنگڈن ہوٹل.... کہا جاتا ہے کہ اس کا نقشہ رانا پرمود نے یورپ سے بھجوایا تھا اور ایک برمین انجینئر ہی کی نگرانی میں اس کی تعمیر بھی ہوئی تھی۔

انور نے ولنگڈن ہی میں قیام کیا کیونکہ وہ آج کل پھکو بھی نہیں تھا۔ ایک ہزار فریدی ہی سے ملے تھے اور پھر وہ دو ہزار جن کے متعلق وہ کش مکش میں تھا کہ ان کا کیا مصرف ہونا چاہئے بہرحال ضرورت پڑتی تو وہ خرچ کر دینے سے بھی دریغ نہ کرتا۔

اس وقت وہ ڈائننگ ہال میں ناشتہ کر رہا تھا۔ دفعتاً ایک بوڑھے انگریز کو دیکھ کر چونک پڑا۔ کیونکہ اس کی چال جانی پہچانی سی معلوم ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ایک دیسی آدمی بھی تھا۔ انور ذہن پر زور دینے لگا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ان دونوں نے ایک میز منتخب کر لی۔ انگریز ڈاڑھی والا تھا۔

بات ذہن سے نکل جانی چاہئے تھی۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لوگ جانے پہچانے سے معلوم ہوتے ہیں لیکن ان کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی جاتی.... لیکن انور نہ جانے کیوں الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا۔

ان کی میز اتنی دور تھی کہ وہ ان کی گفتگو بھی نہیں سن سکتا تھا۔ ناشتہ ختم کر کے کاؤنٹر کلرک کے پاس جانے کے لئے وہ ان کے قریب ہی سے گزرا لیکن اس وقت وہ خاموش تھے۔ یہ کچھ ہی دیر پہلے ہوٹل میں داخل ہوئے تھے۔ آمد غالباً باہر ہی سے ہوئی تھی کیونکہ ان کے ساتھ ان کے سوٹ کیس بھی تھے جنہیں پورٹر اوپری منزل کی طرف لیتا چلا گیا تھا اور یہ دونوں قیام کرنے والے رجسٹر پر دستخط کر کے اس میز پر آ بیٹھے تھے اب انگریز شراب پی رہا تھا اور دیسی صرف پائپ کا دھواں بکھیر رہا تھا۔

پھر پائپ نے انور کو مزید الجھنوں میں ڈال دیا۔ کیونکہ وہ بھی جانا پہچانا سا معلوم ہوا تھا۔

اوہو.... اس نے سوچا.... وہ دنیا کا واحد پائپ ہے جسے صرف ایک ہی آدمی استعمال کر سکتا ہے اگر اس کے پاس سے بھی وہ چوری نہ ہو گیا ہو۔ کیونکہ وہ پائپ ہالینڈ کے ایک کارپینٹر نے تراشا تھا اور تحفتاً ایک ایسے آدمی کو پیش کیا تھا جسے دیکھ کر ہی انور کو غصہ آ جاتا تھا۔ پھر یہ آدمی سارجنٹ حمید کے علاوہ اور کون ہوتا۔

وہ کاؤنٹر تک گیا اور کاؤنٹر کلرک سے دو چار باتیں کر کے پھر واپس آیا۔ دراصل اب وہ ان کے قریب ہی کی میز پر بیٹھنا چاہتا تھا۔

ایسی ایک میز خالی بھی مل گئی۔ دیسی کی پشت انور کی طرف تھی اور وہ انگریز سے کہہ رہا تھا۔ ''اگر تمہیں اس وقت سر ڈگم بگم کے مظالم یاد آئے تو تمہیں خاک میں ملا دوں گا سمجھے۔''

آواز بھی انور نے صاف پہچانی۔ یہ حمید ہی تھا۔ پھر انگریز سارجنٹ ہنری کے علاوہ اور ہو سکتا ہوتا جبکہ سر ڈگم بگم کا حوالہ بھی موجود تھا۔ لیکن یہ میک اپ یہ ان دونوں کے بس کا روگ تو نہیں۔ فریدی کا ہاتھ یقیناً ہوگا۔ آنکھوں کی بناوٹ پر بھی اثر انداز ہونا صرف اسی کے باکمال ہاتھوں کا کرشمہ ہو سکتا تھا۔ آنکھوں کی بناوٹ کی تبدیلی ہی کی بناء پر انور کو انہیں فوری طور پر پہچان لینے میں دشواری ہوئی تھی۔

''دیکھو اچھے لڑکے۔'' ہنری کہہ رہا تھا۔ ''ہم پردیس میں جھگڑا نہیں کریں گے۔''

''زیادہ مت پیئو۔ خالص وہسکی .... خدا تمہیں غارت کرے۔ کمبخت ابھی تک میری چائے نہیں لائے۔ بڑی گھٹیا سروس ہے۔''

''ہا....!'' ہنری نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''میں اسی لئے چائے پر وہسکی کو ترجیح دیتا ہوں۔ ابالنے کا جھگڑا نہ دودھ ملانے کی جھنجھٹ.... پیار کرو نا پیارے۔ انکل ہوپ کہا کرتے تھے...!''

''شٹ اپ.... میں اس وقت انکل ہوپ یا سر ڈگم بگم سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔''

''اچھا تو پھر تم ہی بتاؤ کہ میں تمہیں کیا سناؤں۔''

''ڈاکٹر ڈف....!'' حمید اُسے گھورتا ہوا بولا۔

''آہ بیچاری لڑکی۔'' ہنری سچ مچ مغموم نظر آنے لگا۔ ''ہائے جب بھی وہ یاد آتی ہے مجھے بہت دکھ ہوتا ہے۔'' اس کی آنکھوں سے دو موٹے سے قطرے ڈھلک آئے۔ ''ہائے کلیجہ شق ہونے لگتا ہے۔ بیچاری لڑکی.... میں اُسے دھوکہ دیتا رہا تھا۔ بیچاری بہت خوش تھی کہ ایک سیاہ فام آدمی اس پر عاشق ہو گیا ہے۔ میرے خدا۔ میں گناہ عظیم کے بار سے کیسے سبکدوش ہو سکوں گا۔''

وہ میز پر پیشانی ٹکا کر سسکیاں لینے لگا۔

''ابے تو اے حرام زادے اس طرح رونے کی کیا ضرورت ہے۔'' حمید نے اردو میں کہا چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ہنری اردو نہیں سمجھتا تھا۔

''کیا کہا تم نے۔'' ہنری نے سر اٹھائے بغیر کہا۔

''میں نے کہا۔'' حمید انگریزی میں بولا۔ ''یہ ایک ہوٹل کا ڈائننگ ہال ہے میرے

باپ.... کہیں بھوں بھوں نہ شروع کر دینا۔"

پھر دفعتاً سنبھل کر بولا۔ "اے سیدھے بیٹھو.... وہ آ گیا ہے۔"

ہنری سیدھا بیٹھ گیا اور رومال سے آنکھیں خشک کرنے لگا۔ انور اس آدمی کی طرف دیکھنے لگا جس کی جانب حمید کا اشارہ تھا۔

ایک ضعیف العمر آدمی جس کی کمر جھکی ہوئی تھی۔ کاؤنٹر کے قریب کھڑا میزوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ حمید نے ہاتھ ہلا کر اُسے اشارہ کیا۔ وہ چند لمحے ادھر ہی دیکھتا رہا پھر آگے بڑھا۔ اس کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی وہ دونوں احتراماً کھڑے ہو گئے۔ لیکن ابھی وہ ان سے فاصلے ہی پر تھا کہ اچانک ایک فائر ہوا اور وہ بائیں پسلی دباتے ہوئے ڈھیر ہو گیا۔ انور کو فائر کی سمت کا اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ جھپٹتا ہوا اُس راہداری کی طرف پہنچا جہاں سے فائر ہوا تھا۔

ہال میں ہنگامہ برپا ہو گیا تھا۔ راہداری میں کوئی بھی نہ دکھائی دیا۔ پھر وہ ابھی وہیں تھا کہ [illegible] نے کسی کو کہتے سنا۔ "وہ.... اُدھر ایک آدمی بھاگتا ہوا اُدھر گیا ہے۔ وہ کاریڈور نما گلی میں۔"

دم ہی تو نکل گیا انور کا۔ وہ میک اپ میں تھا اور یہاں والوں کے لئے اجنبی بھی۔ بس پھر وہ آگے ہی بڑھتا چلا گیا۔ راہداری کا اختتام ایک بند دروازے پر ہوا۔ لیکن وہ مقفل نہیں تھا۔ صرف چٹخنی لگی ہوئی تھی۔ اس نے چٹخنی گرائی اور اندھا دھند دروازے سے گزر گیا۔

گلی سنسان پڑی تھی جس طرف منہ اٹھا چل پڑا۔ پھر دوسری پتلی سی گلی میں مڑا۔ یہاں ایک جگہ ایک بوسیدہ سے دروازے پر کوئلے سے "پیشاب خانہ" لکھا ہوا نظر آیا۔ بس پھر" دوسرے لمحے میں اندر ہی تھا۔

وہ لڑکی

غنیمت یہی تھا کہ ان دونوں کی طرف کسی نے بھی توجہ نہیں دی تھی۔ ورنہ شاید انہیں بھی [illegible] قدر الجھنوں کا سامنا کرنا پڑتا۔

بوڑھا دم توڑ چکا تھا۔ ذرا ہی سی دیر میں وہاں ریاستی پولیس بھی نظر آئی۔ اُس آدمی کی [illegible] برابر جاری تھی جو راہداری کی طرف دوڑا گیا تھا۔

ہال کے دوسرے لوگوں کے ساتھ ہی انہیں بھی "پوچھ گچھ" کی منازل سے گزرنا پڑا اور لاش وہاں سے اٹھوا دی گئی۔

تقریباً چار گھنٹے بعد یہ کہنا ہی دشوار تھا کہ دو چار گھنٹے پہلے وہاں کوئی قتل ہوا ہوگا۔ [illegible] ڈانسر میزوں کے درمیان تھرکتی پھر رہی تھی۔ موسیقی کی لہریں فضا میں رنگینیاں بکھیر رہی [illegible] اور ہنری.... نشے میں ڈوبا ہوا کہہ رہا تھا۔ "سب بکواس ہے۔ یہ زندگی صرف ایک رقص [illegible] رقص مجبوری.... جیسے کوئی کوڑے مار مار کر کہہ رہا ہو۔ ناچو.... ناچتے جاؤ.... سب [illegible] انکل ہوپ کی ٹانگیں سرڈگم بگم نے توڑی تھیں.... لیکن مجھے دیکھو میں اسی انگریز کی [illegible] کر رہا ہوں اور انکل ہوپ آج بھی مستقبل کے بارے میں ہوپ فل ہیں۔ لعنت.... [illegible] آئر لینڈ ہمیشہ لنگڑاتا رہے گا۔ مستقبل بینہہ.... اے بوائے.... بوتل ختم.... اب میں کیا [illegible]"

"اب بس....!" حمید میز پر ہاتھ مار کر بولا۔ پھر ویٹر کو چلے جانے کا اشارہ کیا۔

"تم اکثر مجھ پر ظلم بھی کرتے ہو۔ اس وقت ضرورت ہے کہ میں خود کو شراب میں غرق [illegible] لوں۔ مجھے لنگڑا آئر لینڈ یاد آ گیا ہے۔"

"مجھے اس وقت اپنی وہ لنگڑی بطخ یاد آ رہی ہے جس نے ڈی ولیرا کے آٹوگراف لئے تھے۔"

"مذاق مت اڑاؤ۔" ہنری نے آنکھیں نکالیں۔ "میں اس وقت سنجیدہ ہوں۔"

"خدا کی قسم....!" حمید آنکھیں پھاڑ کر ایک جانب دیکھتا ہی رہ گیا۔ ڈائننگ ہال اس

وقت کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ایک میز پر اُسے ایک تنہا لڑکی نظر آئی تھی اور لڑکی بھی ایسی جو اُسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ جیسے ہی نظریں ملیں لڑکی نے سر جھکالیا اور جھینپے ہوئے انداز میں مسکرانے لگی۔لڑکی دیسی ہی تھی مگر خوش رنگ اور خوش لباس۔ نارنجی ساڑھی میں خود بھی نارنجی سے رنگ کی معلوم ہو رہی تھی۔

''اُو.... ہنری دی گریٹ۔'' حمید مضطربانہ انداز میں بولا۔ ''بیٹے آئر لینڈ والے اکثر ضرور ملے گی۔''

''کہاں سے۔'' ہنری نے بھی چونک کر چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہ دیکھو....!''

''گڈ....!'' ہنری بڑبڑایا۔ ''خوب.... کنکھیوں سے ادھر ہی دیکھتے لگتی ہے بار بار۔''

''اور اپنی میز پر تنہا ہے۔'' حمید بولا۔

''تو پھر میں اٹھوں۔ میری ڈاڑھی پادریوں کی سی ہے خفا نہیں ہوگی۔''

ہنری اپنی جگہ سے اٹھا اور سیدھا اسی میز پر چلا گیا۔

''کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں میری بچی۔'' اس نے پروقار انداز میں پوچھا۔

''فضض.... ضرور.... تشریف رکھئے۔'' وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔

ہنری بیٹھتا ہوا کراہا۔ چند لمحے اسی طرح خاموش رہا جیسے دم لے رہا ہو پھر سر اٹھا کر بولا۔ ''میں تم سے مدد کا طالب ہوں میری بچی۔''

''اوہ.... کہئے.... میں کیا خدمت کرسکتی ہوں۔''

''وہ اس میز پر دیکھو.... وہ لڑکا ہے نا۔'' ہنری نے حمید کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ ''میں اسے سبق دینا چاہتا ہوں۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''لڑکیوں کے متعلق ہر وقت میرے کان کھاتا رہتا ہے۔ اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ لڑکیاں اُس پر بڑی تیزی سے عاشق ہوتی ہیں۔''

''پھر میں کیا کرسکوں گی۔'' اس نے حیرت سے کہا۔ ''آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔''

''خیر.... اگر خفا ہوگئی ہو تو میں معافی چاہتا ہوں میری بچی۔ اب چلو.... میں نے تو چاہا تھا کہ کسی طرح ڈھنگ کا آدمی بن جائے۔ بس ایک ہی ڈوز کافی ہوتا۔''

''میں خفا نہیں ہوئی۔'' لڑکی مسکرائی۔ ''مگر بھلا میں اسے کیسے سبق دے سکوں گی۔''

''اس کی جیب میں تین ہزار کے بڑے نوٹ ہیں۔'' ہنری نے کہا۔ ''کسی طرح چھین لو یا پھر پانچ گھنٹے تک باتھ روم میں بند رکھو۔''

لڑکی ہنس پڑی پھر بولی۔ ''مجھے ایسی تفریحات پسند نہیں۔ زندہ دلی میرا شعار ہے۔ لیکن کوئی قانونی مسئلہ نکل آیا تو۔''

''اس کی ذمہ داری سو فیصدی مجھ پر ہوگی۔ کوئی ایسی تدبیر نکالو کہ میں بھی تمہارے قریب موجود رہوں۔''

''تب تو ٹھیک ہے۔''

''مگر تین ہزار.... یہ تو بری بات ہے۔''

''بعد میں واپس کر دینا۔''

''میں تیار ہوں۔ چلئے میں اپنے گھر ہی میں یہ ڈرامہ پیش کرسکوں گی۔ ممی اور ڈیڈی باہر گئے ہوئے ہیں۔ نوکروں کو بھی عمارت سے دور ہی رکھوں گی۔'' وہ بچوں کی طرح ہنس پڑی۔ ''لطف رہے گا۔ لیکن آپ میرے ساتھ ہی رہیں گے۔ ایک منٹ کے لئے بھی ہٹنا چاہا تو یہ نہ ہوگا۔ میں اپنی ذمہ داری پر ایسی کوئی حرکت نہیں کرنا چاہتی۔''

''مجھے منظور ہے۔'' ہنری نے کہا۔ ''بس اب تم اٹھ کر باہر چلو۔ میں اسے لا رہا ہوں۔''

لڑکی اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی اور ہنری اپنی میز پر واپس آ گیا۔

''چلو اٹھو۔'' اس نے حمید سے کہا۔

''کیوں....؟''

''وہ ہمیں اپنے گھر لے جائے گی۔''

''او چچا کے بھتیجے.... ہوش میں ہو یا نہیں۔'' حمید نے آنکھیں نکالیں۔ ''ہم یہاں کیا کرنے آئے تھے۔''

''اب اس بوڑھے کی تدفین میں تو شرکت کرنے سے رہے۔ اٹھ جاؤ جلدی سے۔ فار نے یہ کب کہا تھا کہ اگر وہ مارا جائے تو تم بھی اس کی قبر میں چھلانگ لگا دینا۔''

''آخر لڑکی سے کیا باتیں ہوئی تھیں۔''

''ارے.... وہ کچھ نہیں۔ ایک گانے والی لڑکی ہے۔ ہمارا دل بہلائے گی۔''

''سوچ لو بیٹا۔ کہیں کسی چکر میں نہ پھنس جائیں۔ ظاہر ہے کہ ہم پہچان لئے گئے ہیں ورنہ وہ اس طرح مار کیوں ڈالا جاتا۔''

''تم احمق ہو۔ وہ میرے پاس نہیں آئی تھی۔ میں خود ہی اس کے پاس گیا تھا۔''

''پھر بھی احتیاط۔''

''ارے بس۔ دیکھ لی مردانگی۔ خواہ مخواہ میرے کان چبایا کرتے ہو.... شاید لڑکیوں سے بات کرنے کی ہمت بھی نہ پڑے۔ چلو اٹھو.... بوڑھا مر گیا۔ کام ختم۔ اب ہم چھٹی پر ہیں۔''

''ابے پھر سوچ لے۔'' حمید نے نیم رضامند ہوتے ہوئے کہا۔ پھر تھوڑی جھک جھک کے بعد پوری طرح آمادہ ہو گیا۔ اس نے سوچا اس لڑکی نے خود ہی اپنی طرف اس کی توجہ مبذول کرائی تھی۔ لیکن کسی بڑے ہوٹل میں یہ کوئی اچنبھے کی بات بھی نہیں درجنوں پیشہ ور لڑکیاں ساتھیوں کی تلاش میں رہتی ہیں۔

وہ باہر آئے.... لڑکی ایک شاندار گاڑی میں ان کی منتظر تھی۔ اس نے انہیں بھی پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اگلی سیٹ پر باوردی ڈرائیور موجود تھا گاڑی میں بیٹھ جانے کے بعد حمید نے سوچا کہ اگر یہ گاڑی اسی لڑکی کی ہے تو وہ پیشہ ور ہرگز نہیں ہو سکتی۔

باہر آنے پر ٹھنڈی ہوا جو لگی تو ہنری کا دماغ ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ کبھی ڈھنگ کی باتیں کرتا اور کبھی بہکنے لگتا۔

''آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔'' حمید نے لڑکی کو مخاطب کیا۔

''شکر گزار تو مجھے ہونا چاہئے۔'' لڑکی مسکرائی اور ہنری کی طرف دیکھ کر بولی۔ ''یہ مجھے مستقبل کا حال بتائیں گے۔ میں نے سوچا انہیں گھر لے چلوں۔ ہوٹل میں اچھا نہیں لگتا۔ دیکھئے.... اب کیا ہوتا ہے۔ یہ تو بہت زیادہ نشے میں معلوم ہوتے ہیں۔''

''فکر نہ کیجئے.... ہم دونوں ہی اچھے پامسٹ ہیں۔'' حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔

گاڑی ایک شاندار عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی تھی۔ حمید نے ہنری کو سہارا دے کر پھر وہ اندر آئے۔ لڑکی گویا قدم پر بچھی جا رہی تھی۔ ایک کمرے میں انہیں بٹھا کر نے جلد ہی واپسی کا وعدہ کیا اور باہر نکل گئی۔

لیکن پھر کمرے کے دوسرے دروازے گویا جہنم کے دریچے ہی بن کر رہ گئے۔

ہر دروازے سے ایک رائفل جھانک رہی تھی۔



تارا نے برقعہ اتار کر ایک طرف ڈال دیا اور خاور نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں اور ہنس پڑا۔

''چھپ کر آئی ہو۔''

''ہاں.... بابا میں بڑی الجھنوں میں ہوں۔ مجھے انکل پرمود کے پرسنل سیکریٹری مسٹر کے متعلق بھی کچھ بتایئے۔''

''خطرناک آدمی ہے لیکن اسٹیٹ کے لئے نہیں۔''

''وہ کمال فریدی کا دشمن ہو گیا ہے۔ میرے علم میں لائے بغیر اس پر حملے کراتا رہتا ہے۔''

''یہ بھی اس کی دیانت داری کا ثبوت ہے۔ وہ اسٹیٹ کے دشمنوں کو کیسے برداشت کرے گا۔''

''وہ آپ کے متعلق بھی کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا۔''

''مجھے اس کی کیا پرواہ ہوسکتی ہے۔'' خاور مسکرایا۔ ''میں اس کا دوست ہوں اور نہ دشمن۔''

''میں اسی کی وجہ سے چھپ کر آئی ہوں۔ وہ کہتا ہے کہ آپ فراڈ ہیں۔''

''تمہارے کمال فریدی کا بھی یہی خیال ہے میرے متعلق۔'' خاور بدستور مسکراتا رہا۔

''لیکن میں ایسا نہیں سمجھتی.... آپ عظیم ہیں۔''

''اپنی تعریف سن کر بھی مجھے خوشی نہیں ہوئی۔ عظیم تو صرف وہ ہے۔'' وہ چھت کی طرف انگلی اٹھا کر بولا۔

''میں کیا کروں؟ میں کیا کروں۔ میرے لئے بھی تو کچھ کیجئے۔ سنئے پہلے صرف دیوانگی تھی اب اس میں ضد بھی شامل ہوگئی ہے۔ میں نے جس چیز کی خواہش کی ہے اسے اپنائے بغیر نہیں چھوڑا۔''

''میں جانتا ہوں میری بچی۔ لیکن فریدی کے متعلق بھی میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ وہ پتھر ہے۔''

''ہاں.... مجھے یقین ہے وہ مجھ سے کئی بار ملا ہے لیکن....!'' تارا کی آواز میں جھلاہٹ تھی۔ ''اس طرح ملتا ہے جیسے مجھ میں کوئی خاص بات ہی نہ ہو۔''

''ہوں....!'' خاور کسی سوچ میں پڑ گیا۔ آنکھیں بند کرلیں۔ پھر اس طرح بوکھلا کر آنکھیں کھولیں جیسے اچانک کسی ذہنی حادثے سے دوچار ہوا ہو۔ چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے۔

''نہیں....!'' وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''یہ ناممکن ہے۔ قطعی ناممکن.... اُسے حاصل کرنے کے لئے تمہیں بہت بڑی قربانی دینی پڑے گی۔''

''میں سمجھتی ہوں۔'' تارا مسکرائی۔ ''آپ مذہب کی بات کریں گے۔ میرا کوئی مذہب نہیں ہے۔ میری ماں یورپین کرسچین تھی.... میرا باپ ہندو تھا۔ لیکن میرا کوئی مذہب نہیں۔ میں اسے ڈھکوسلا سمجھتی ہوں۔''

''تم نہیں سمجھیں میری بچی.... بہتر یہی ہے کہ اس خیال ہی سے باز رہو۔ تم نہیں سمجھ

ں۔ اگر تم اُسے حاصل کرنے پر تل ہی گئیں تو تمہیں پہلے خود کو کسی دوسرے کے حوالے کرنا گا۔''

''یہ کیا بات ہوئی۔'' تارا جھلا گئی۔

''ستارے یہی کہتے ہیں۔ تم مجبور ہو۔ البتہ اگر تم اُسے حاصل کرنے کا خیال دل سے نکال سلامت روی سے زندگی بسر کرتی ہوئی منزل تک جا پہنچو گی۔ لیکن یہ منزل فریدی نہیں ہوگا۔''

''فریدی اور صرف فریدی۔'' تارا مٹھیاں بھینچ کر بولی۔

یک بیک خاور کی آنکھیں خوفزدہ نظر آنے لگیں.... وہ اُسے گھورے جا رہا تھا۔ تارا محسوس ی تھی جیسے اس کی جسمانی قوت اس کی اپنی آنکھوں کے راستے خاور کی آنکھوں میں کھنچی ی تھی۔ ہاتھ پیر شل ہوتے جا رہے تھے اور وہ تو خود میں اتنی سکت بھی نہیں محسوس کر رہی تھی ں کی آنکھوں سے نظر ہی بچا سکتی۔

فتاً خاور سانپ کی طرح پھپھکارا۔ ''تو پھر پہلے خود کو فریدی کے کسی دشمن کے حوالے کردو۔''

تارا کے خشک ہوتے ہوئے ہونٹ خفیف سے کھلے لیکن آواز نہ نکل سکی۔

پھر خاور نے جھرجھری سی لی اور پچھلی حالت پر واپس آتا ہوا نرم لہجے میں بولا۔ ''میری ے توقع ہے کہ تم اپنے ضمیر کا خون نہیں کرو گی۔ دل ٹوٹتا ہے ٹوٹنے دو۔ ضمیر کا گلا گھونٹنے ح مردہ ہوجاتی ہے۔ پھر مردہ روح کو لے کر جینے سے فائدہ۔ تم زندگی بھر یہی محسوس جیسے کاندھے پر کسی کی لاش اٹھائے پھر رہی ہو۔''

تارا کی سانس پھول رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ میلوں یکساں رفتار سے زنے کے بعد اچانک رک گئی ہو۔

وہ ایک لفظ بھی کہے بغیر اس کرسی کی طرف مڑ گئی جس کے ہتھے پر برقعہ پڑا ہوا تھا۔



پھر تو ہنری کا نشہ بھی ہرن ہوگیا اور حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''کیوں بیٹے میں کیا کہہ رہا تھا۔''

ہنری سوچ میں پڑ گیا۔ رائفل والے بھی سامنے آ گئے تھے۔ لیکن ان کے چہروں پر نقاہت نظر آئیں اور پھر وہ لڑکی اٹھلاتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔

''اب تم اپنی اسکیم کو عملی جامہ پہنا سکتے ہو بوڑھے۔'' لڑکی نے ہنس کر کہا۔ ''اس کی جیب سے تین ہزار نکال کر میرے حوالے کر دو اور اسے باتھ روم میں بند کر دو۔''

''کیا مطلب....؟'' حمید بوکھلا کر بولا۔

''یہ حضرت تمہیں سبق دینا چاہتے تھے۔ فرمانے لگے کہ اس کے روپے چھین کر اسے غسل خانے میں بند کرا دینا کم از کم پانچ گھنٹوں کے لئے۔ میں نے پوچھا ایسا کیوں کروں۔ فرمایا لڑکیوں کے متعلق میرے کان چاٹتا رہتا ہے میں اسے سبق دینا چاہتا ہوں۔ کیوں کھوسٹ میں غلط کہہ رہی ہوں۔''

ہنری کا منہ فق ہوگیا تھا۔ کبھی وہ حمید کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی لڑکی کی طرف۔

''ڈفر کہیں کے۔'' لڑکی اُسے چڑا کر بولی۔ ''اگر یہ لڑکیوں کے متعلق تمہارے کان چاٹتا ہے تو میں بھی لڑکیوں کے متعلق دوسروں کے کان چاٹتی رہتی ہوں۔''

''مجھے نہیں معلوم تھا۔'' ہنری نے جلدی سے کہا۔ ''لہٰذا اب میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔''

لڑکی نے قہقہہ لگایا۔ حمید جیب سے اپنا پائپ نکال کر تمباکو بھرنے لگا تھا۔ پتہ نہیں کیوں اس نے پائپ کی بجائے ریوالور نکال لینے کی کوشش نہیں کی تھی۔

لڑکی نے ایک نقاب پوش کو اشارہ کیا۔ وہ کمرے میں چلا آیا۔

''اس بوڑھے کو کسی باتھ روم میں بند کر دو۔''

''ارے نہیں.... نہیں.... ایسا ظلم نہ کرو۔'' حمید بول پڑا۔

''تم اس کی طرف داری کرو گے۔ جو تمہیں پریشان کرنا چاہتا تھا۔''

''ہم دونوں ایک دوسرے کو معاف کر دینے کے عادی ہیں۔''

''تب پھر میں تمہیں بھی سزا دوں گی۔ تمہیں اس کی ڈاڑھی اپنے ہاتھوں سے مونڈنی ہوگی۔''

''واہ....!'' حمید نے قہقہہ لگایا۔ ''یہ تو سزا نہ ہوئی.... اٹھا یا ریزر اور کر دی صفائی.... سزا تو وہ وقت سمجھتا جب تم ڈاڑھی اکھاڑ دینے کا حکم دیتیں۔ مجھے محنت کرنی پڑتی اور وہ چیخ چیخ کر چلاتا۔''

''بہت اچھے.... اوہ....'' لڑکی ہنس پڑی۔ ''خاصی تفریح رہے گی۔ اچھا چلو یہی سہی اکھاڑ اس کی ڈاڑھی۔''

''خون پی لوں گا۔'' ہنری غرا کر کھڑا ہوگیا۔

''گراؤ اسے زمین پر۔'' لڑکی نے نقاب پوش کو حکم دیا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ شاید ان کی زندگیاں خطرے میں نہیں ہیں۔ اگر مار ڈالنا ہی مقصود تھا تو اس تفریح کی نوبت نہ آتی۔ وہیں ہوٹل میں ہی وہ دونوں بھی ڈھیر کئے جا سکتے تھے لیکن پھر ان کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ یہ امر بھی یقینی تھا کہ وہ پہچان لئے گئے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو بوڑھا کسی طرح نہ مارا جا سکتا۔

دفعتاً ہنری نے دھاڑنا شروع کر دیا۔ وہ مرنے مارنے پر آمادہ ہوگیا تھا۔ تین نقاب پوش اسے زمین پر گرا دینے کے لئے بھڑ گئے تھے۔

''ٹھہرو ٹھہرو۔'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''گراؤ نہیں۔ بس ہاتھ پکڑے رہو۔''

پھر وہ آگے بڑھا اور ایک ہی جھٹکے میں ہنری کی مصنوعی ڈاڑھی اکھاڑ لی۔ لڑکی نے قہقہہ لگایا اور حمید جھک کر آداب بجا لاتا ہوا بولا۔ ''سرکار ہم بہروپئے ہیں۔ اسی کی روٹی کھاتے ہیں۔ ہم جانتے تھے کہ اتنی بڑی سرکار سے انعام ضرور ملے گا۔''

دفعتاً لڑکی سنجیدہ نظر آنے لگی۔ حمید بھی خاموش ہوگیا۔ نقاب پوش نے ہنری کو چھوڑ دیا تھا۔

''ختم کرو۔'' لڑکی ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''انعام ضرور ملے گا۔ یہ ورگوری ہے۔ دارالحکومت

نہیں۔ یہاں سکتر صاحب کا سکہ چلتا ہے۔ بتاؤ کہ تم لوگ سکتر صاحب کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔ یاد رکھو.....جھوٹ بولنے کی سزا موت ہوگی۔''

حمید نے طویل سانس لی اور ہنری جماہی لے کر منہ چلانے لگا۔ غالباً وہ پھر دو چار چسکیوں کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔

''لے جاؤ۔'' لڑکی نے غصیلے انداز میں کہا۔ ''ان کے جسموں سے کھال اتار دو۔ اُس وقت تک اذیتیں دیتے رہو جب تک یہ سب کچھ بتا نہ دیں۔''

ان کے گرد رائفلوں کا حلقہ تنگ ہوتا گیا۔

دھماکے

رات کو پرمود ہاؤز کی کمپاؤنڈ میں قدم رکھنا آسان کام نہیں تھا۔ پانچ خونخوار قسم کے کتے رات بھر پوری کمپاؤنڈ میں دوڑتے پھرتے تھے اور ان کی موجودگی میں عمارت کا کوئی فرد بھی باہر نکلنے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔ اگر کبھی کوئی ایسی ضرورت پیش آئی کہ عمارت سے باہر نکلے بغیر کام نہ چلتا تو سب سے پہلے کتوں کی دیکھ بھال کرنیوالے کو فون پر اطلاع دینی پڑتی اور وہ کمپاؤنڈ میں آ کر کتوں کو کنٹرول کرتا تھا۔ تب کہیں کمپاؤنڈ سے گزر کر پھاٹک تک پہنچنا ممکن ہوتا۔

فریدی کو اس کا علم تھا۔ لیکن آج رات خواہ کچھ بھی ہوتا پرمود ہاؤز میں اس کا داخلہ ضروری تھا۔

آج صبح ہی سے وہ اس کی تیاری میں مشغول نظر آ رہا تھا۔ تقریباً دو گھنٹے لیبارٹری میں صرف کئے تھے اور اس کے بعد اپنے کتے خانے میں جا گھسا تھا۔ تین رکھوالی کرنے والے السیشین نکالے گئے اور کمپاؤنڈ میں آ گیا تھا۔ پھر ایک ملازم ایک جنگلی خرگوش لایا تھا۔ فریدی نے خرگوش کے جسم میں سبز رنگ کا کوئی سیال انجکٹ کیا اور اُسے کتوں کے لئے چھوڑ دیا۔

ذرا ہی سی دیر میں خرگوش کی ہڈیاں تک باقی نہ رہیں۔ لیکن کتوں نے حیرت انگیز طور پر غرانا شروع کر دیا تھا۔

پھر وہ گہری نیند سو گئے۔

پرمود ہاؤز کا نگران سنگرام مضطربانہ انداز میں کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ چہرے پر گہرے تفکر کے آثار تھے۔

دفعتاً کسی نے دروازے پر دستک دی۔

''آ جاؤ۔'' سنگرام بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ یہ انہیں چھ بُرے آدمیوں میں سے تھا جو بائیں بازو کی راہداری کے کھیل میں سیکریٹری کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔

''استاد.....ڈینی کا پتہ بتاؤ مجھے.....اب ہماری الجھن بڑھتی جا رہی ہے۔'' اس نے کہا۔

''کیا تمہیں میری بات پر یقین نہیں ہے۔ میں خود ہی اس کے لئے فکرمند ہوں۔ تم کہتے ہو کہ مجھے سیاہ بلاک ہضم کر گیا تھا۔ لیکن میری آنکھ اسی پلنگ پر کھلی تھی۔'' سنگرام نے پلنگ کی طرف اشارہ کیا۔

''لیکن ڈینی کہاں گیا۔''

''کاش میں بتا سکتا۔ تم کہتے ہو کہ میرے بعد وہ بھی بلاک ہی پر گرا تھا۔''

دوسرا آدمی کچھ نہ بولا۔ لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے سنگرام کی بات پر یقین نہ آیا ہو۔

''میں تمہاری آنکھوں میں شبہے کی جھلکیاں دیکھ رہا ہوں۔'' سنگرام اُسے گھورتا ہوا بولا۔

''سنو استاد۔ ہم سے زیادہ وفادار کتے تمہارے سکتر صاحب کو کہیں نہ ملیں گے لیکن ہم کسی طرح غائب ہو جانا بھی پسند نہیں کرتے۔ میں کہتا ہوں نا کہ وہ بھی تمہارے بعد ہی نیچے پہنچا تھا۔ تم اپنے پلنگ پر جاگے تھے۔ لیکن میں اسے کہاں ڈھونڈتا پھروں۔''

''اوہ.....تو کیا تم یہ سمجھتے ہو.....!''

''ٹھہرو.....استاد مجھے کہہ لینے دو۔ وہ اس لئے غائب ہو گیا کہ سکتر صاحب کے کسی راز

سے واقف ہوگیا تھا۔تم بیہوش تھے۔اس لئے یہاں پہنچا دیئے گئے۔بیہوش نہ ہوتے تو ہم اس وقت تمہیں بھی ڈھونڈ رہے ہوتے۔''

''آہستہ بولو۔'' سنگرام نے بوکھلا کر چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی اور وہ تیزی سے میز کی طرف بڑھا۔ریسیور اٹھا کر مردوں کی آواز میں ''ہیلو'' کہا۔

''سنگرام۔'' دوسری طرف سے غراہٹ سی سنائی دی۔

''یس سر۔'' سنگرام نے آواز پہچانی۔دوسری طرف سے سیکریٹری بول رہا تھا۔

''تم سوچ چکے یا نہیں۔مجھے جواب چاہئے۔''

''میں کیا بتاؤں سرکار۔میری سمجھ میں تو نہیں آتا کہ فریدی کو بلاک کا راز کیسے معلوم ہوگیا تھا۔''

''کیا تمہیں اپنے آدمیوں پر اعتماد ہے۔''

''وہ سبھی قابل اعتماد ہیں سرکار....لیکن....!''

''لیکن کیا....؟''

''ڈینی غائب ہے....دوسروں کا کہنا ہے کہ میری ہی طرح وہ بھی اسی بلاک پر گرا تھا اور نیچے چلا گیا تھا۔''

''اس کی بات چھوڑو۔تمہیں ان آدمیوں کو ٹٹولنا ہے سمجھے۔''

''لیکن وہ ڈینی کے لئے فکرمند ہیں۔''

''بکواس مت کرو۔جو کچھ میں کہہ رہا ہوں کرو۔'' دوسری طرف سے غصیلی آواز آئی اور سلسلہ منقطع ہوگیا۔

سنگرام ریسیور رکھ کر پیشانی کا پسینہ خشک کررہا تھا۔دوسرے آدمی نے اُسے گھور کر دیکھا....اور پھر مسکرایا۔

''سردیوں میں پسینہ استاد....!'' اس نے کہا۔

''تم نہیں سمجھ سکتے....رحمو....نہیں سمجھ سکتے۔میں دلدل میں پھنس گیا ہوں۔ہاں تمہارا یہ

خیال قطعی درست ہے کہ....!''

''ہاں....کہو رک کیوں گئے ہو۔میں نے تمہاری گفتگو سے اندازہ کرلیا ہے۔ڈینی شاید دنیا ہی میں نہیں۔''

سنگرام کرسی میں گر کر پیشانی مسلنے لگا۔

''تمہارا خیال درست ہے۔'' وہ تھوڑی دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔''میں اسی لئے زندہ ہوں کہ اس وقت بے ہوش تھا۔''

''تو پھر اب کیا خیال ہے۔''

''سمجھ میں نہیں آتا۔''

''یہ تم کہہ رہے ہو استاد۔''

''ہم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔اس محل تک کسی کے بھی قدم نہیں آسکتے خواہ وہ انسپکٹر فرائے ہی کیوں نہ ہو۔تم سیکریٹری کو مجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔وہ بہت بھیانک آدمی ہے۔سرراہ لوگوں کو قتل کرا سکتا ہے کوئی اس کا بال بھی بیکا نہ کرسکے گا اب دیکھو نا اس نے انسپکٹر فریدی جیسے آدمی کو بھی اس شہر ہی سے کھسکا دینے کا بیڑا اٹھایا ہے۔شاید کامیاب ہی ہوجائے۔ کل رات تو پتہ نہیں وہ کیسے بچ گیا۔''

''اگر یہ بات ہے استاد تب تو سیکریٹری کا بیڑہ ہی غرق سمجھو۔''

''تم نہیں سمجھ سکتے۔فریدی بے بس ہوجائے گا کیونکہ وہ صاحب اختیار نہیں ہے جب تک اوپر والے ہی سیکریٹری کے پیچھے دم ہلاتے پھرتے ہیں تو وہ کیا کرسکے گا۔فریدی کو تو اب اس شہر سے گیا سمجھو۔میرا دعویٰ ہے کہ چند ہی دنوں میں اس کا تبادلہ ہوجائے گا۔''

دوسرا آدمی کسی سوچ میں پڑ گیا۔سنگرام کرسی سے اٹھا....دروازہ کھول کر راہداری میں جا کھڑا ہوا۔چند لمحے ادھر اُدھر دیکھتا رہا پھر دروازے کے قریب آکر رحمو سے بولا۔''ہوشیار رہو۔اگر کا خیال ہے کہ تم چھ آدمیوں کے علاوہ اور کوئی فریدی کی معلومات کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔''

''کیا مطلب....!'' رحمو متحیرانہ انداز میں پیچھے ہٹا۔

''فریدی کو تہہ خانے کے راز سے آگاہ کرنے والا تم میں سے ہی کوئی تھا۔''

''میں اپنے لئے تو قسم کھا لیتا ہوں جانتے ہو استاد اس رات کے بعد سے میں نے کمپاؤنڈ سے باہر نکلنے کی ہمت نہیں کی۔ اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ وہ اس طرح بچ نکلے گا تو کم از کم نقابیں ہی استعمال کی ہوتیں۔''

''بس اب جاؤ.... ہوشیار رہنا۔''



اسی رات سنگرام بے خبر سو رہا تھا۔ نہ جانے کیوں آنکھ کھل گئی۔ الجھ الجھ کر سویا تھا.... اسی لئے بیداری میں بھی ذہن پر کسی خوشگوار کیفیت کی پرچھائیں تک نہیں تھی۔

وحشت.... بس یہی دل چاہا کہ کہیں کھلے میں جا نکلے.... بیکراں آسمان کی وسعتوں کے تلے جی بھر کے سانسیں لے۔

وہ راہداری سے نکل آیا۔ عمارت سناٹے سے ہم آغوش تھی۔ لیکن نہ جانے کیوں اُسے اچانک کسی انجانے خطرے کا احساس ہوا۔ اسے اپنے پانچوں ساتھی یاد آئے.... وہ گفتگو یاد آئی جو فون پر سیکریٹری سے ہوئی تھی اور اس کے قدم بیساختہ عمارت کے لفٹ ونگ کی طرف اٹھ گئے۔ ان پانچوں کے کمرے اسی کاریڈر میں تھے جہاں فرش پر سیاہ بلاک نصب تھا۔

کاریڈر کے موڑ پر پہنچ کر رہ رک گیا۔ یہیں کاریڈر کا سوئچ بورڈ تھا۔ اس نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا.... بیک وقت تینوں بلب روشن ہوگئے۔ ساتھ ہی سنگرام کے ذہن کو جھٹکا بھی لگا۔ ایک سرتا قدم سیاہ پوش کالے بلاک پر کھڑا نظر آیا تھا جس کے کاندھے سے ایک وزنی چرمی تھیلا لٹک رہا تھا۔ قبل اس کے کہ سنگرام کی زبان سے ایک لفظ بھی نکلتا اس نے ٹامی گن کا رخ اپنی طرف ہوتے دیکھا۔

پھر غیر ارادی طور پر اس کے دونوں ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔

نقاب پوش تیزی سے مگر بے آواز اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''اپنے کمرے میں چلو۔'' نقاب پوش نے قریب پہنچ کر سرگوشی کی۔

سنگرام بوکھلا گیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آسکا کہ وہ کون ہوگا۔ بہرحال ٹامی گن نے اس کا رخ اپنے کمرے کی طرف پھیر ہی دیا۔

کمرے میں پہنچ کر نقاب پوش نے دروازہ بند کیا اور چٹخنی چڑھا دی۔ آتے وقت وہ کاریڈر کا سوئچ آف کرنا نہیں بھولا تھا۔

سنگرام سوچ رہا تھا غالباً سیکریٹری کا کوئی نیا روپ ہے۔ کہیں اس نے ان پانچوں ہی کا خاتمہ نہ کر دیا ہو۔

سیکریٹری جیسے آدمی کے لئے یہ ممکن تھا کہ کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکنے کی بناء پر وہ ان پانچوں کو ابدی نیند سلا دیتا۔

دفعتاً سیاہ پوش نے چہرے سے نقاب ہٹا دی اور سنگرام اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ یہ انسپکٹر فریدی تھا۔

''آپ....!'' اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''ہاں....!'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''اگر میرے ہاتھ میں ٹامی گن نہ ہوتی تو تمہارا کیا رویہ ہوتا میرے خلاف۔''

''کچھ بھی نہیں۔ میں آپ کو سکتر سمجھا تھا۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

پھر بوکھلا کر بولا۔ ''مم.... مگر آپ یہاں تک پہنچے کیسے۔ مطلب یہ کہ کمپاؤنڈ کے کتے۔''

''آج وہ آرام کر رہے ہیں۔'' فریدی مسکرایا۔ ''اور صبح تک کرتے رہیں گے۔''

''جائیے.... جلدی سے جائیے۔ ان چھ آدمیوں میں سے ایک غائب ہے۔ وہی جو آپ کے بعد بلاک پر گر کر نیچے پہنچا تھا۔ سیکریٹری کو شبہ ہے کہ چھ آدمیوں میں سے کسی نے آپ کو بلاک کے راز سے آگاہ کر دیا تھا۔''

''میں جانتا تھا کہ یہی ہوگا.... اسی لئے میں نے تمہارے ذرا گہرا ہاتھ رسید کیا تھا تاکہ تم شبہے سے بالاتر ہو جاؤ۔''

''اس ہاتھ کے لئے بے حد شکر گذار ہوں جناب۔'' سنگرام مسکرایا۔ ''بائیں گال پر اب بھی کسی قدر ورم باقی ہے۔''

''یہ ضروری تھا۔''

''میری زندگی کا انحصار بھی اسی پر تھا۔''

''اچھا اب جلدی کرو۔'' فریدی نے کہا۔ ''ابھی اور اسی وقت تم سب میرے ساتھ ہی نکل چلو۔ ورنہ کل تم میں سے ایک بھی زندہ نہ بچے گا۔''

''کیا مطلب....؟''

''مطلب بتانے کا وقت نہیں۔ تمہیں مجھ پر اعتماد ہونا چاہئے۔''

''مم.... مگر کیوں؟''

''میں تہہ خانے کی سیر کر چکا ہوں۔ اسے اس کا علم ہو جائے گا۔''

''خطرناک.... خدا کی قسم بے حد خطرناک۔ مگر آپ نیچے کیسے پہنچے۔ معمولی حالات میں وہ بلاک اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کر سکتا۔''

''دو گھنٹے صرف کئے تھے راستے کی تلاش میں۔ ہاں سنو.... اس نے فلاڈلفیا ہوٹل کا کمرہ نمبر تیرہ چھوڑ دیا ہے۔ اب کہاں فون کرتے ہو تم۔''

''کہیں بھی نہیں۔ وہ خود ہی فون پر کال کرتا ہے۔''

فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔ ''میری دانست میں تم یہیں ٹھہرو۔ میں نے دوسری تدبیر سوچی ہے۔ تم محفوظ بھی رہو گے۔ اُسے جہنم تک پہنچانے میں میری مدد بھی کر سکو گے۔''

''بتایئے۔''

''ان پانچوں میں سے تم کس پر اعتماد کر سکو گے۔''

''غغ.... غالباً رحمو پر.... وہ بھی شدت سے بیزار ہے اور اُسے ڈینی کے غائب ہو جانے پر

بے حد تشویش ہے.... دونوں گہرے دوست تھے۔''

''ٹھیک.... صرف اُسی کو میرے ساتھ جانے دو۔ تمہارا سیکریٹری صرف اُسے ہی میرا مددگار سمجھے گا.... تم لوگ محفوظ رہو گے۔''

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔'' سنگرام کے چہرے پر اطمینان کی لہریں نظر آئیں۔

''بس تو جگا لاؤ اُسے۔''

کچھ دیر بعد رحمو فریدی کے ساتھ جانے کے لئے تیار تھا اور فریدی سنگرام سے کہہ رہا تھا۔ ''کسی طرح سیکریٹری کی انگلیوں کے نشانات حاصل کرو۔''

''بڑا مشکل کام ہے جناب۔'' سنگرام کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''میں نے ہمیشہ اس کے ہاتھوں میں باریک ربر کے دستانے دیکھے ہیں.... خیر دیکھا جائے گا۔''

حمید اور ہنری کی حالت ابتر تھی۔ ان کے جسموں پر کئی جگہ جلتے ہوئے لوہے کے داغ تھے۔ آخری دھمکی تھی کہ چہرہ بھی داغدار بنا دیا جائے گا۔

لیکن وہ لوگ جو کچھ معلوم کرنا چاہتے تھے اس کا علم ان دونوں کے فرشتوں کو بھی نہیں تھا۔ وہ پوچھ رہے تھے کہ ولنگڈن ہوٹل میں مارا جانے والا بوڑھا ان سے کیوں ملنے آیا تھا۔ وہ بتاتے۔ جبکہ خود انہیں ہی نہیں معلوم تھا کہ اس ملاقات کے بعد کیا ہوگا۔

فریدی نے انہیں بوڑھے کی تصویر دی تھی تاکہ وہ اُسے دیکھتے ہی پہچان سکیں اور بس۔ ان کی باتوں کا انحصار بوڑھے ہی پر تھا۔ لیکن وہ اس سے پہلے ہی مار ڈالا گیا۔

دن بھر انہیں طرح طرح کی اذیتیں دی گئی تھیں اور اب رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ ان کا بُرا حال تھا۔ اتنی دیر سے شراب نہ ملنے کی وجہ سے اُسے اس کا وہ چچا ایک بار بھی یاد نہیں

آیا تھا جس کی ٹانگیں سرڈگم بگم نے توڑ دی تھیں۔ شراب نہیں ملی تھی اس لئے مغموم ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ اگر آدمی مغموم نہ ہو تو یہ بھی ضروری نہیں کہ خوش ہی ہو۔ اُسے غصہ بھی آ سکتا تھا اور وہ لفنگوں کی طرح گالیاں بھی بک سکتا ہے۔ ہنری کی یہی کیفیت تھی۔ حمید کا خیال تھا کہ اس نے آج ہی تقریباً پچاس عدد بالکل نئی قسم کی گالیاں دریافت کی ہیں۔

داغوں کی جلن بے حد تکلیف دہ ہوگئی تھی۔ لیکن اُسے ہنری پر غصہ نہیں آیا تھا۔ وہ خود بھی اس لڑکی کے جال میں پھنس سکتا تھا۔ اسی کی ایماء پر ہنری اٹھ کر اس کے پاس گیا تھا۔ اب یہ اور بات ہے کہ نشے میں سنک گیا ہو۔

بارہ بجے یک بیک کمرے کی روشنی گل ہوگئی اور پھر قیامت ہی آ گئی تھی۔ گویا ساری عمارت پے در پے دھماکوں سے گونجنے لگی اور وہ شور .... خدا کی پناہ جیسے مردے قبروں سے نکل کر میدان حشر کی طرف بھاگے جا رہے ہوں.... چیخیں.... دھاڑیں واویلا سبھی کچھ شامل تھا اس شور میں۔

کچھ دیر بعد کمرے کا دروازہ کھڑکھڑایا.... کھلا.... اور محدود روشنی والی ننھی سی ٹارچ کی چمک دکھائی دی۔

''چلو اٹھو....!'' حمید نے انور کی آواز سنی۔ ''میری دم سے دو رسیاں بندھی ہوئی ہیں انہیں پکڑلو اور چپ چاپ میرے پیچھے چلے آؤ۔''

اس نے مڑ کر ٹارچ پیچھے کی۔ سوئٹر کے نیچے رسی کے دو ٹکڑے جھول رہے تھے۔ پھر ٹارچ بجھا دی گئی۔

کچھ دیر بعد وہ سنسان عمارت کے مختلف حصوں سے گزر رہے تھے۔ عمارت کے باہر بھی شور سنائی دے رہا تھا۔ حمید نے ایک حصے میں آگ لگی ہوئی بھی دیکھی۔ وہ تینوں ہی خاموشی سے راستہ طے کر رہے تھے۔ پھر وہ ایک نقب کے قریب رکے۔ دیوار سے اتنی ہی اینٹیں نکالی گئی تھیں جس سے ایک آدمی لیٹ کر بہ آسانی دوسری طرف کھسک سکتا تھا۔

ادھر بالکل سناٹا تھا۔ البتہ کمپاؤنڈ کی جانب والے شور کی مدہم آوازیں یہاں بھی سنی

جا سکتی تھیں۔ وہ یکے بعد دیگرے باہر نکل آئے۔

تشویش

''بڑے کام کا آدمی مارا گیا۔'' فریدی مضطربانہ انداز میں بڑبڑایا۔

''مگر کس کام کا۔'' حمید نے جھلاہٹ میں رانوں پر ہاتھ مارے اور ''سی'' کر کے رہ گیا۔ شاید کسی داغ پر ہاتھ پڑ گیا تھا۔

انور سگریٹ سلگا رہا تھا۔ فریدی نے اسے مخاطب کیا۔ ''تم کس چکر میں تھے۔''

''میں اب اس خونخوار لڑکی کی تلاش میں ہوں جس نے بھائی کے کان۔''

''بکواس مت کرو۔'' فریدی کا موڈ بگڑ گیا۔ ''اس حماقت سے باز آؤ اور اب خاموش رہو۔ تمہارا کام ختم ہوگیا۔''

انور کچھ نہ بولا۔

''لیکن....!'' فریدی نے اُسے پھر مخاطب کیا۔ ''تمہارا پاگل پن برقرار رہنا چاہئے۔ میں تمہیں بندھوا کر تمہارے فلیٹ میں بھجواؤں گا۔''

''یہ خدمت آپ میرے سپرد کر دیجئے۔'' حمید چہک کر بولا۔ ''لیکن یہ کس خونخوار لڑکی کی بات تھی۔ مجھے اس کا پتہ ضرور بتایئے۔''

''زبان بند رکھو۔''

حمید بھی خاموش ہوگیا۔ انور نے اپنی کہانی دہرائی.... پیشاب خانے میں داخل ہو کر اس نے اپنا میک اپ کسی حد تک بگاڑ دیا تھا۔ لیکن اس طرح بھی نہیں کہ انور کی حیثیت سے بہ آسانی پہچانا جا سکتا یا کوئی یہی کہہ سکتا کہ یہ وہی آدمی ہے جس کی تلاش ورگوری پولیس کو تھی۔ اس نے بھی اتار کر پیشاب خانے ہی میں ڈال دیا تھا اور صرف سوئٹر اور پینٹ میں باہر نکلا تھا۔

پھر اس نے ہنری اور حمید کو کسی لڑکی کے ساتھ بیٹھے دیکھ کر سوچا ممکن ہے اب انہیں بھی کسی جال میں پھانسا جا رہا ہو لہٰذا وہ ان کے پیچھے لگ گیا تھا۔ اس کا اندازہ درست ہی نکلا تھا کیونکہ وہ کئی گھنٹے تک عمارت سے باہر نہیں دکھائی دیئے تھے۔ پھر اس نے اس عمارت کے متعلق چھان بین شروع کی اور چند گھنٹے بعد اس کے پاس معلومات کا ذخیرہ تھا۔ وہ عمارت عیاشی کا اڈہ تھا۔ دارالحکومت کے بڑے حکام یہاں آ کر دادِ عیش دیا کرتے تھے جس کا انتظام ورگوری اسٹیر کے ذمہ تھا۔

انور سمجھ گیا کہ حمید اور ہنری سیکریٹری کے عتاب کا شکار ہوئے ہیں۔ وہ یہاں کسی ایسے آدمی سے ملنے آئے تھے جو فریدی کیلئے کارآمد ثابت ہو سکتا۔ لیکن وہ مار ڈالا گیا۔ اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ وہ بھی پہچان لئے گئے ہیں۔

بس پھر اس نے دھماکے سے پھٹنے والے بہت سے پٹاخے خریدے۔ تھوڑے پٹرول کا انتظام کیا اور رات بھیگنے کا منتظر رہا۔

اس کے بعد جو کچھ بھی ہوا وہی حمید اور ہنری کی رہائی کا باعث بنا تھا۔ ورنہ اس وقت دونوں نہ جانے کہاں ہوتے۔

"بہت اچھے رہے۔" فریدی مسکرایا۔ "چلو تمہاری یہ بے راہ روی بھی کام آ ہی گئی۔ لیکن اب محتاط رہو۔ مجھ سے پوچھے بغیر اگر ایک قدم بھی اٹھایا تو نتیجے کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔"

فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے ہاتھ اٹھا کر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو....!"

"اٹ از رمیش سر۔"

"ہاں.... کیا بات ہے۔"

"یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ جب بھی پرنسز تارا آپ سے ملنے آتی ہے ایک آدمی چھپ کر اس کی نگرانی کرتا رہتا ہے۔ اس طرح کہ تارا کو بھی خبر نہ ہو۔"

"اس کے بعد وہ آدمی کہاں جاتا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"پرمود ہاؤز.... وہ وہیں کے ملازمین میں سے ایک ہے۔"

"خیر دیکھا جائے گا.... اور کچھ۔"

"جی نہیں۔"

"شکریہ۔" فریدی نے ریسیور رکھ دیا۔

حمید جو اُسے غور سے دیکھ رہا تھا مسکرا کر بولا۔ "آج نہیں آئیں.... کیا....!"

"بکواس کی ضرورت نہیں۔ اب تم دونوں جا سکتے ہو۔ حمید اپنی زبان قابو میں رکھو ورنہ پھر پچھتاؤ گے۔"

حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور بُرا سا منہ بنائے ہوئے اٹھ گیا۔

خاور اپنے کمرے میں تنہا تھا۔ دفعتاً ایک برقعہ پوش عورت اندر داخل ہوئی۔ خاور اُسے غارت آمیز نظروں سے دیکھنے لگا جیسے اس کی موجودگی بھی گراں گزر رہی ہو۔

"نہیں....!" وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "تم اپنی صورت مجھے مت دکھاؤ۔ جو کچھ کہنا ہے کہہ جاؤ۔"

"کیا بات ہوئی۔" تارا نے غرا کر نقاب الٹی۔ "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"اوہو....!" خاور ہنس پڑا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے کوشش کر کے ہنسا ہو۔ پھر بولا۔ "مجھے نہ کیا سروکار کہ دنیا میں کیا ہوتا ہے۔ مجھے صرف اپنے فرائض کا خیال رکھنا چاہئے۔"

"میں نہیں سمجھی آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"میں کچھ بھی نہیں کہہ رہا۔ تم اپنے کان بند کر لو اور مجھے صرف یہ بتاؤ کہ اب تمہیں کیا چاہئے؟"

دفعتاً تارا کے چہرے پر خجالت کے آثار نظر آئے۔ ایک بار خاور سے نظریں ملیں اور خاور

نے ٹھنڈی سانس لے کر سر جھکا لیا۔ اس کی آنکھوں سے غم جھانک رہا تھا۔

تارا نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ ہلائے لیکن آواز نہ نکلی۔

''کچھ مت کہو۔ مجھے سب معلوم ہے۔ تم اجالے کی تلاش میں اپنی روح کو تاریکیوں میں دھکیل چکی ہو۔''

تارا نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔ خاور اُسے چند لمحے گھورتا رہا پھر بولا۔ ''کیا سارے شہر میں اس ذلیل کے علاوہ فریدی کا اور کوئی دشمن نہیں ملا تھا۔ جانتی ہو وہ کبھی تمہیں بلیک میل بھی کر سکتا ہے.... تم اندھی ہو گئی تھیں.... بتاؤ مجھے کیا اب کبھی تم اس کے جال سے نکل سکو گی۔ کبھی نہیں۔ ہرگز نہیں.... وہ تمہارا غلام تھا۔ لیکن اب وہ تمہیں انگلیوں پر نچائے گا۔ تمہارا آقا بن بیٹھا ہے۔ اب اگر کبھی فریدی تمہاری طرف ملتفت بھی ہوا تو وہ اسے سب کچھ بتا دے گا۔ پھر تمہاری کیا حیثیت ہو گی فریدی کی نظروں میں۔''

تارا نے چہرے پر سے ہاتھ ہٹائے بغیر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔ مجھے بتاؤ وہ کب میری طرف متوجہ ہو گا۔ اسکے رویہ میں اب بھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔''

''کبھی نہ کبھی ضرور آئے گا تمہاری طرف لیکن افسوس.....!''

''اب کیا کہنا چاہتے ہو۔'' تارا نے جھلاہٹ میں چہرے سے ہاتھ اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''یہی کہ سیکریٹری اُسے سب کچھ بتا دے گا۔ اس کی نظروں میں تمہیں ذلیل کر دے گا۔''

''میں اُسے جان سے مار دوں گی۔'' تارا دانت پیستی ہوئی ناگن کی طرح پھنکاری۔

''لیکن.....!''

''میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔ خاموش رہو۔'' وہ پیر پٹخ کر بولی۔ برقعہ اٹھایا اور اس کی دھجیاں اڑا دیں.... اور پھر اسی عالم میں تنتناتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

خاور کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ سفاکی اور تضحیک سے بھرپور۔

سیکریٹری نے قہقہہ لگایا اور دیر تک ہنستا رہا۔ سنگرام دل ہی دل میں جھلس رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ رحمو والے معاملے پر نروس ہو جائے گا۔

''سنگرام.....!'' اس نے کہا۔ ''تم شاید خوفزدہ ہو۔ ہاہا.... چلو یہ بھی اچھا ہوا کہ کالی بھیڑ تمہارے گلے سے نکل بھاگی.... اور ہاں سنو کوئی تہہ خانے میں بھی داخل ہوا تھا۔''

''نہیں.....!'' سنگرام نے تحیر زدہ رہ جانے کی بڑی اچھی ایکٹنگ کی۔

''ہاں.... اور داخل ہونے والا فریدی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔''

''مگر وہ یہاں داخل کیسے ہو سکا ہو گا جناب۔''

''کتے صبح کو بیہوش پائے گئے تھے۔''

''تو پھر.....!'' سنگرام نے متفکرانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ''تو پھر کیا رحمو تہہ خانے داخل ہونے کا طریقہ جانتا تھا۔''

''تم جانتے ہو۔'' سیکریٹری اُسے گھورتا ہوا بولا۔

''نہیں جناب.... میں کیا جانوں۔''

''تب پھر رحمو کے جاننے کے سوال کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔ میں فریدی کو اتنا حقیر بھی نہیں سمجھتا کہ وہ کسی تہہ خانے میں داخلے کا راستہ بھی نہ تلاش کر سکے۔''

سنگرام نے احمقانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں اور اس طرح اس کی طرف دیکھتا رہا جیسے کچھ سمجھ میں نہ آئی ہو۔

''لیکن.....!'' سیکریٹری لاپروائی کے اظہار میں شانوں کو جنبش دے کر بولا۔ ''وہ اب بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ جب چاہوں اُسے ایک حقیر کیڑے کی طرح مسل کر رکھ دوں۔''

''ٹھیک ہے سرکار.... لیکن میں نے یا میرے آدمیوں نے تو اس رات کے بعد سے گھر کے باہر قدم ہی نہیں نکالا۔ محض اس لئے کہ کہیں اس کے شکاری کتے ہمارا خاتمہ ہی نہ

کر دیں۔"

"اوہ....!" سیکریٹری مٹھیاں بھینچ کر بولا۔ "وہ تم میں سے کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔ کیونکہ تم ورگوری اسٹیٹ کے نمک خوار ہو۔ یقین نہ ہو تو تجربہ کر کے دیکھ لو اور پھر تم ڈرتے کیوں ہو اب وہ اس شہر میں نہ دکھائی دے گا۔"

"کیوں....؟"

"میں ان آفیسروں کے تبادلے کرا دیتا ہوں جو مجھے پسند نہ ہوں۔"

"مگر سرکار.... ایسے مواقع پر جب اس کی بات گر رہی ہو وہ استعفیٰ تک پیش کرنے کو تیار رہتا ہے۔"

"اس کے بعد تو وہ اور بھی زیادہ آسانی سے مارا جا سکے گا۔"

"دیکھئے!" سنگرام نے ٹھنڈی سانس لی۔

"تم اتنے مایوس کیوں ہو۔" سیکریٹری اُنے گھورنے لگا۔

"میں اُسے سالہا سال سے جانتا ہوں جناب۔ کئی بار اسی کے ہاتھوں شکست کھا کر سلاخوں کے پیچھے جا چکا ہوں۔"

"تب تو تم ہی اُسے قتل بھی کرو گے۔ اب خوش ہو جاؤ۔"

"کاش....!" سنگرام پھر ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

سیکریٹری ہنستا ہوا اٹھ گیا۔

اسی رات پرنسز تارا اپنی خواب گاہ میں سونے کی تیاری کر ہی رہی تھی کہ کسی نے باہر دروازے کو ہولے ہولے کھٹکھٹایا۔

"کون ہے۔" اس نے بند دروازے کو گھورتے ہوئے اونچی آواز میں پوچھا۔

"خادم....!" باہر سے آواز آئی اور تارا کے ہونٹ نفرت سے سکڑ گئے۔ اس نے سیکریٹری کی آواز بہ آسانی پہچان لی تھی۔

"میں سونے جا رہی ہوں۔" وہ غرائی۔

"سر شام ہی.... یور ہائی نس۔" باہر سے آواز آئی۔

"جاؤ.... فضول باتیں نہ کرو۔" تارا جھلا گئی۔

"ذرا اسے بھی ملاحظہ فرمائیے۔" باہر سے آواز آئی اور پھر دروازے اور فرش کے درمیانی رخنے سے ایک لفافہ اندر سرک آیا۔ تارا تیزی سے آگے جھکی اور اُسے اٹھا کر کھولنے لگی۔

یہ ایک تصویر تھی جس پر نظر پڑتے ہی تارا کے اوسان بجا نہ رہے۔ ہاتھ کانپے اور تصویر گرفت سے نکل کر فرش پر جا پڑی۔

"دیکھا آپ نے۔" باہر سے آواز آئی۔ "آپ کا چہرہ کیمرہ کے سامنے ہے اور خدوخال اتنے واضح ہیں کہ ایک بچہ بھی آپ کو بہ آسانی پہچان سکے گا اور میری پشت کیمرے کی طرف ہے اس لئے میرے پہچان لئے جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا۔"

تارا کچھ نہ بولی۔ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا اور وہ بُری طرح ہانپ رہی تھی۔

"سنئے۔" باہر سے آواز آئی۔ "جس دن بھی آپ نے میرا کوئی مطالبہ ٹھکرا دیا وہ آپ کی عزت اور نیک نامی کا آخری دن ہوگا۔ اس تصویر کی ہزاروں کاپیاں ورگوری اسٹیٹ میں مفت تقسیم کر دی جائیں گی۔"

تارا کی حالت ابتر ہوتی جا رہی تھی۔ غاور کے الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔ "کیا سارے شہر میں اس ذلیل کے علاوہ فریدی کا اور کوئی دشمن نہیں ملا تھا۔ جانتی ہو وہ کبھی نہیں بلیک میل بھی کر سکتا ہے۔ کیا اب کبھی تم اسکے جال سے نکل سکو گی۔ کبھی نہیں ہرگز نہیں۔"

اس کے کانوں میں سیٹیاں سی بجتی رہیں.... دماغ جھنجھلاتا رہا۔ آنکھوں کے سامنے سیاہ رنگ کے گنجان دائرے تیزی سے گردش کر رہے تھے۔ پھر وہ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے

آگے بڑھی اور دروازے کی چٹخنی گرادی۔



''بابا.... میں ڈوب رہی ہوں۔'' رشیدہ خاور کے سامنے دو زانو بیٹھی گڑگڑا رہی تھی ''اُسے بچایئے۔ خدا کے لئے بچایئے۔ وہ بہت کم ہوش میں رہتا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہیں انسپکٹر فریدی اُسے پاگل خانے نہ بھجوادے۔''

''کیوں؟''

''بس بیٹھے بیٹھے اٹھتا ہے کپڑے پھاڑ کر باہر نکل جاتا ہے اور پھر انسپکٹر فریدی کی کوٹھی کا رخ کرتا ہے.... اور وہاں.... اس سے جو حرکت سرزد ہوتی ہے اسے پاگل خانہ بھجوادینے کے لئے کافی ہوگی۔''

''کیا کرتا ہے۔''

''کوٹھی پر پتھراؤ.... حلق پھاڑ پھاڑ کر گالیاں دیتا ہے انسپکٹر کو.... کئی بار وہ اُسے پکڑوا کر فلیٹ میں بھجوا چکا ہے۔ اب سنا ہے کہ اگر اس سے ایسی حرکت سرزد ہوئی تو وہ اُسے پاگل خانے ہی بھجوادے گا۔''

''یہ دنیا بڑی خودغرض ہے بیٹی۔ ہاں مجھے علم ہے کہ اس کا دماغ قابو میں نہیں لیکن اس بربادی کا باعث بھی فریدی ہی بنا ہے۔ یہ پولیس آفیسر کبھی کسی کے ہوئے ہیں۔ میں تمہیں بتاؤں شاید نہ جانتی ہو۔ ندامت نے اُس کا دماغ الٹ دیا ہے۔ اس نے فریدی کے کہنے میں آکر برے خلاف سازشیں تیار کی تھیں لیکن پھر ندامت نے اس کا سر جھکا دیا۔ تم ڈرو مت بیٹی۔ وحیدہ کو شاید تمہاری راہ میں اب نہ آسکے۔ ستاروں کی چال بدل گئی ہے۔''

''لیکن اُس کی ذہنی حالت اعتدال پر کیسے آئے گی.... مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ میری

جگہ کسے ملے گی۔ میں تو اسے اچھی حالت میں دیکھنا چاہتی ہوں۔''

''تم بہت گریٹ لڑکی ہو۔'' خاور نے کہا۔ ''اچھا ٹھہرو۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم کس طرح اس کے کام آسکو گی۔''

خاور نے آنکھیں بند کرلیں۔ تقریباً پانچ منٹ تک کمرے کی فضا پر بوجھل سی خاموشی مسلط رہی پھر خاور نے آنکھیں کھول کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''ایک ہی تدبیر ہے۔ لیکن تم سے نہ ہو سکے گا۔ بڑا کٹھن کام ہے۔ تمہاری دلیرانہ افتادِ طبع سے بھی واقف ہوں تم دس آدمیوں پر متواتر گولیاں برسا سکتی ہو۔ پھر بھی عورت ہو۔ عورت تاریکی اور ویرانہ۔ ناممکن ہے کہ تم خوفزدہ نہ ہو جاؤ۔''

''میں اس کے لئے جان بھی دے سکتی ہوں بابا۔''

''اچھا تو سنو.... ایک ایسا تالاب تلاش کرو جس کے کنارے جامن کا درخت ہو۔ اتنا نزدیک کہ اس کا سایہ تالاب پر پڑ سکے۔ انور کی ایک ایسی ٹوپی چاہئے جسے اس نے کم از کم تین سال تک استعمال کیا ہو۔ میں ایک نقش دوں گا۔ اسے ٹوپی کے اندر رکھ کر تالاب کے کنارے جا بیٹھنا.... منگل کی رات ہونا چاہئے۔ گھڑی بالکل صحیح وقت دے رہی ہو۔ جیسے ہی بارہ بج کر ایک منٹ ہو ٹوپی میں تالاب کا پانی بھر لینا۔ مگر نہیں تم ایسا نہیں کرسکو گی۔ شہر میں تمہیں ایک بھی تالاب نہ مل سکے گا۔ ظاہر ہے کہ اس کے لئے تمہیں ویرانوں ہی کا رخ کرنا پڑے گا۔ نہیں لڑکی اس چکر میں نہ پڑو۔ بارہ بجے رات۔ ویرانہ اور پھر تمہیں تالاب بھی ایسا تلاش کرنا پڑے گا جس کے کنارے جامن کا درخت بھی ہو۔''

رشیدہ تنی کھڑی خلاء میں گھور رہی تھی پلکیں جھپکائے بغیر.... دفعتاً اس کے ہونٹ ہلے اور بھیگی سی آواز نکلی۔ ''میں اس کے لئے سب کچھ کرسکتی ہوں۔ سب کچھ۔''

پھر جھرجھری سی لے کر اس طرح چونکی جیسے گہری نیند سے جاگی ہو۔

''خدا تم پر رحم کرے۔'' خاور نے بھرائی ہوئی مغموم آواز میں کہا۔ ''اچھا.... آج سنیچر ہے۔ دوشنبہ کو مجھ سے نقش لے جانا۔ اسی وقت ہدایات بھی دوں گا۔''

''میں بے حد شکر گذار ہوں گی بابا۔ زندگی بھر آپ کا یہ احسان یاد رکھوں گی۔''

''اچھا بس اب جاؤ.... یہ میری عبادت کا وقت ہے۔'' خاور نے کہا اور آنکھیں بند کرلیں۔ رشیدہ چند لمحے کھڑی کچھ سوچتی رہی پھر مغموم انداز میں دروازے کی طرف مڑ کر پنجوں کے بل بے آواز چلتی ہوئی کمرے سے باہر آ گئی۔

انجام

رات کے نو بجے تھے اور یہ پہلا اتفاق تھا کہ کیپٹن اسمتھ کی گاڑی فریدی کی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی تھی۔

فریدی نے متحیرانہ انداز اختیار کر کے اس کا استقبال کیا۔ لیکن وہ فریدی کو گھورے جا رہا تھا۔ آخر کچھ دیر بعد بولا۔ ''آج حشرات الارض کی بین الاقوامی نمائش کا پہلا دن تھا۔''

''جی ہاں.... سنا تھا میں نے بھی۔''

''یہ تم نے کیا کیا فریدی۔'' اسمتھ کی آواز کانپ رہی تھی۔

''میں نہیں سمجھا جناب۔''

''نمائش میں تمہارے نام کا بھی ایک اسٹال ہے۔''

''جی ہاں.... میرے پاس بھی کچھ نایاب نمونے تھے۔ مجھے بھی کبھی حشرات الارض کے موضوع سے دلچسپی رہی ہے۔''

دفعتاً اسمتھ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہو۔ لیکن غصے کی زیادتی کی وجہ سے مناسب الفاظ کے انتخاب کا سلیقہ فنا کر بیٹھا ہو۔

کچھ دیر بعد وہ میز پر ہاتھ مار کر بولا۔ ''تم نے میرے ساتھ فراڈ کیوں کیا؟''

''یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔''

''یاد رکھو اس کا نتیجہ بہت خراب ہوگا۔ بہت خراب۔ تم سازشی ہو بلیک میلر ہو۔ میں مہاراج کمار کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا اور اب میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ڈاکٹر ڈف اور اس کی لڑکی کے قاتل بھی تم ہی ہو۔''

''محض اس لئے کہ میرے اسٹال پر دو انسانی ہاتھ موجود ہیں۔'' فریدی مسکرایا ''اور ان دونوں کی کہانی بھی وہی ہے جو میں نے کچھ دن پہلے آپ کو سنائی تھی۔ ایک ایسے کیڑے کی تصویر بھی شوکیس میں لگی ہوئی ہے جس کا کوئی وجود نہیں۔''

اسمتھ اُسے گھورتا رہا۔ فریدی پھر بولا ''بس آپ دیکھتے جائیے کہ چوہا کس طرح آتا ہے زہریلے دہانے میں۔''

''پھر تم نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا تھا کہ ڈاکٹر ڈف کے یہاں تمہیں کچھ بھی نہیں ملا تھا۔''

''یہ حقیقت تھی سوپر۔''

''پھر یہ ہاتھ کہاں ملے۔''

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک ملازم نے کسی کا کارڈ چاندی کی چھوٹی سی کشتی میں رکھ کر پیش کیا۔

''اُوہ.... مہاراج کمار....!'' فریدی کارڈ دیکھ کر مسکرایا۔

''مہاراج کمار۔'' اسمتھ اچھل پڑا۔ ''اوہ فریدی تم نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔''

فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ''ہمیں برآمدے میں چلنا چاہئے کیونکہ وہ آپ کے دوست ہیں۔''

وہ دونوں برآمدے میں آئے۔ مہاراج کمار کو پرجوش انداز میں ریسیو کیا گیا۔ اسمتھ کچھ بوکھلایا سا نظر آیا۔ البتہ فریدی بے حد اسمارٹ لگ رہا تھا۔

پھر وہ ڈائننگ روم میں آ بیٹھے۔ مہاراج کمار کے دونوں مسلح اے ڈی سی باہر ہی ٹھہرے تھے۔ اسمتھ نے محسوس کیا کہ مہاراج کمار کا موڈ بھی درست نہیں ہے اور وہ فریدی کو اس طرح گھور رہا تھا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔

یہ ادھیڑ عمر کا ایک وجیہہ اور بارعب آدمی تھا۔

''تم ہی انسپکٹر فریدی ہو۔''

''آپ کا خیال درست ہے۔'' فریدی مسکرایا۔ ''فرمایئے میرے لائق کوئی خدمت۔''

''تم کیا چاہتے ہو۔'' مہاراج کمار کی غراہٹ کمرے میں گونجی۔

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔''

دفعتاً مہاراج کمار نے ریوالور نکال لیا اور اسے فریدی کی طرف کرتے ہوئے کہا۔ ''کیپٹن اسمتھ یہ بڑی اچھی بات ہے کہ تم بھی اس وقت یہیں موجود ہو۔ جس بلیک میلر کا تذکرہ میں نے کیا تھا وہ یہی ہے۔ نہیں خبردار اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کرنا۔ گولی ماردوں گا۔''

''آپ کو خواہ مخواہ وہم ہو رہا ہے کہ میں جنبش کرنے کی زحمت گوارا کروں گا کیونکہ یہ ریوالور خالی ہے اور آپ کا ہرگز نہیں ہے۔''

اب مہاراج کمار نے غور سے ریوالور کی طرف دیکھا اور اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار نظر آئے۔

''سوپر.... پلیز....!'' فریدی نے اسمتھ کو مخاطب کیا۔ ''یہ میرا سرکاری ریوالور ہے۔ آج ہی غائب ہوا تھا۔''

ریوالور مہاراج کمار کے ہاتھ سے چھوٹ پڑا اور فریدی نے قہقہہ لگایا۔

''پرواہ مت کیجئے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔ ''مجھے علم تھا کہ آپ بہت غصہ ور آدمی ہیں آپ کا کارڈ دیکھتے ہی میں نے اندازہ کرلیا تھا کہ آپ کہاں سے اور کس موڈ میں آئے ہوں گے لہٰذا یہ رہا آپ کا ریوالور....!''

فریدی نے اپنی جیب سے ہاتھی دانت کے دستے کا نکل پولشڈ خوبصورت سا ریوالور نکالتے ہوئے کہا۔ پھر وہ ریوالور بڑے احترام کے ساتھ مہاراج کمار کے سامنے پیش بھی کر دیا گیا۔

مہاراج کمار کے چہرے پر بوکھلاہٹ کے آثار بڑے مضحکہ خیز تھے۔ اسمتھ بھی مسکرایا پھر مہاراج کمار گڑبڑا کر بولا۔ ''میں نے تمہیں کہیں دیکھا ہے اور کچھ ایسا جان پڑتا ہی جیسے بہت زیادہ دیکھا ہے لیکن کہاں.... یاد نہیں آتا۔''

''آپ نے میرے ڈیڈی کو دیکھا ہوگا۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

''کیا مطلب....!''

''مجھے علم ہے کہ میرے ڈیڈی نواب عزیز الدین خان....!''

''عزیز الدین خان۔'' مہاراج کمار اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ ''نواب عزیز الدین.... بائی گوڈ انہیں سے مشابہ ہو۔ وہ تمہارے ڈیڈی....!''

''جی ہاں۔''

''اور.... یہ انسپکٹری....!''

''ان باتوں کو چھوڑیئے.... ہاتھ اب میرے قبضے میں ہیں۔ لیکن محض ہاتھ ہی تو سب کچھ نہیں.... بائی دی وے.... سوپر اسمتھ نے یہ کیس راز داری کا حلف لینے کے بعد میرے سپرد کیا تھا اور میں عرصہ سے اس پر کام کر رہا ہوں اور اب اس منزل میں ہوں کہ ہاتھ میرے قبضے میں آچکے ہیں۔ ہاں سوپر آپ بھی سنئے۔ یہ ہاتھ مجھے ڈف کے تہہ خانے میں نہیں ملے تھے۔''

''اُوہ.... پھر....!'' اسمتھ بھی کچھ نروس سا نظر آنے لگا۔

''تاوقتیکہ پوری طرح ثبوت نہ فراہم کرلوں کسی کا نام لینا مناسب نہیں سمجھتا۔'' وہ مہاراج کمار کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا اور مہاراجکمار نے گڑبڑا کر اس کے چہرے سے نظر ہٹالی۔

''لیکن....!'' فریدی نے چند لمحے ٹھہر کر کہا۔ ''جب تک کہ مجھے پورے حالات کا علم نہ ہوجائے میں اس بلیک میلر کا کیا بگاڑ لوں گا۔''

''اُوہ.... لڑکے.... لڑکے.... صرف تمہارے باپ ہی اس راز سے واقف تھے۔'' مہاراجکمار نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ پھر چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''پرائیویسی۔''

''آپ کے اے ڈی سیز کے علاوہ آس پاس اور کوئی بھی موجود نہ ہوگا۔''

''میں چاہتا ہوں کہ وہ جہاں ہیں وہیں رہیں۔''

''تو پھر آیئے۔'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ وہ انہیں اپنی تجربہ گاہ میں لے جا رہا تھا۔ اسمتھ کو ریوالور کے مسئلے نے چکر میں ڈال دیا تھا۔ فریدی نے استفسار پر بتایا۔ ''انہیں ریسیو کرتے

وقت صرف ہاتھ کی صفائی۔ میرا خالی ریوالور ان کی جیب میں نہ صرف منتقل ہوا تھا بلکہ ان کا ریوالور میری جیب میں بھی پہنچ گیا تھا۔"

"بالکل باپ کی طرح ہو۔" مہاراج کمار مضطربانہ انداز میں ہنسا۔ "لیکن تمہاری انسپکٹری میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

فریدی نے بات ٹال دی۔ اب وہ تجربہ گاہ میں کھڑے چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔

"میں نے تمہاری تجربہ گاہ کے متعلق سنا ضرور تھا لیکن سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ اتنی بڑی ہوگی۔ تم ہر معاملہ میں متحیر کر دینے کے عادی ہو۔" اسمتھ نے کہا۔

فریدی مہاراج کمار سے کہہ رہا تھا۔ "ہاتھوں کی کہانی مجھے معلوم ہے.... وہ لاش سے کاٹے گئے تھے۔ میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں اُوہ.... آپ کھڑے کیوں ہیں تشریف رکھئے سوپر پلیز۔"

اسمتھ اور مہاراج کمار بیٹھ گئے۔ لیکن فریدی کھڑا رہا۔ اس کی بات جاری تھی۔

"جی ہاں میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ بلیک میلر نے کس مضبوطی کی بناء پر آپ کو بلیک میل کیا تھا۔ محض ہاتھ ہی تو سب کچھ نہیں ہو سکتے۔"

مہاراج کمار نے ٹھنڈی سانس لی چند لمحے خاموش رہا پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہ بڑی دردناک کہانی ہے بیٹے اور میرے لئے باعث شرم بھی۔ لیکن جو کچھ بھی ہوا میری لاعلمی میں ہوا۔ یہ تو تمہیں معلوم ہی ہوگا کہ میرے والد صاحب کو بعض الزامات کے تحت معزول کر کے اسٹیٹ مجھے سونپی گئی تھی اور والد صاحب یورپ چلے گئے تھے۔ انہیں وظیفہ ملتا تھا لیکن چونکہ بے حد فضول خرچ آدمی تھے اس لئے وہ ان کے لئے ناکافی ہوتا تھا۔ ضدی بھی تھے۔ بہرحال ان کے وہ مصارف جو وظیفے سے نہیں پورے ہوتے تھے میں پورے کرتا تھا۔ ان کا ذاتی سرمایہ بھی تھا لیکن زیادہ دنوں نہ چل سکا۔ پھر انہوں نے قرضے لینے شروع کئے ان کی ادائیگی بھی میرے ہی ذمہ تھی۔ ادا ہو جاتے۔ ایک بار کسی بات پر اتنے خفا ہو گئے کہ وظیفہ کے علاوہ اور دوسری رقومات لینے سے انکار کر دیا۔ میری شکل تک دیکھنے کے روادار نہ رہے۔ وہیں

ان کی بربادی کا دور شروع ہوتا ہے۔ میری امداد کو تو ٹھکرا ہی چکے تھے لیکن اپنی عادت میں کوئی تبدیلی نہ کر سکے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں اپنے دونوں ہاتھ کسی بلیک میلر کے ہاتھوں فروخت کر دینے پڑے۔"

"اوہ....!" فریدی نے دائرے کی شکل میں ہونٹ سکوڑے۔

"اس نے انہیں پانچ سو پونڈ دیئے تھے اور تحریر لی تھی کہ وہ ان کی موت کے بعد ان کے دونوں ہاتھ کاٹ لینے کا مجاز ہوگا۔ دستاویزات پر ہمارا خاندانی نشان اور والد صاحب کی ذاتی مہر بھی موجود ہیں.... دستخط بھی انہیں کے ہیں.... میں نے اس تحریر کے متعلق کئی یورپین ماہرین کی رائے لی تھی وہ سب اس پر متفق تھے کہ تحریر سو فیصدی والد صاحب ہی کی ہے۔"

"لیکن وہ دستاویز آپ کے ہاتھ کیسے لگی۔"

"دستاویز کا بہت عمدہ فوٹو گراف اس نے اپنی دھمکی سمیت مجھے بھیجا تھا۔ اب تک وہ تقریباً پچاس لاکھ روپے مجھ سے وصول کر چکا ہے۔ کہتا ہے کہ جب بھی میں نے اس کے خلاف کارروائی کے متعلق سوچا وہ ان ہاتھوں کی نمائش کر ڈالے گا اور دستاویز کے فوٹو کی لاکھوں کاپیاں سارے ملک میں تقسیم ہو جائیں گی۔ تم خود سوچو اس کا تصور ہی کتنا بھیانک ہے۔ یہ تباہی۔ خدا کی پناہ۔ یعنی میرے باپ نے مفلس ہو کر اپنے ہاتھ تک فروخت کر دیئے تھے اور عیاشی کر رہا تھا اس وقت۔ میں اس سے پہلے ہی مرجانا پسند کروں گا بیٹے۔"

مہاراج کمار نے خاموش ہو کر سر جھکا لیا۔

"میرا خیال ہے کہ اس دوران میں اس نے آپ سے کوئی بڑی فرمائش کی ہے۔"

"میں اُسے دہرانا پسند نہیں کروں گا۔"

"خیر چھوڑیئے.... بہرحال اسی فرمائش کے سلسلے میں اس نے دھمکی دی ہوگی کہ ہاتھوں کو عام نمائش کر کے اس کہانی کی پبلسٹی کرائے گا۔ اگر اس کا مطالبہ پورا نہ کیا گیا۔"

"ہاں.... یہی بات ہے۔"

"اور آپ احتیاطاً حشرات الارض کی نمائش میں جا پہنچے۔"

''اتفاقاً نہیں۔ بلکہ کیپٹن اسمتھ نے شبہ ظاہر کیا تھا کہ کہیں اسی نمائش میں یہ حرکت نہ ہوجائے۔''

''تم سے مباحثہ کے بعد۔'' اسمتھ نے فریدی سے کہا۔

''اور پھر وہ ہاتھ آپ کو میرے اسٹال پر نظر آئے۔''

''بس غلط فہمی ہوگئی تھی۔ مجھے بے حد افسوس ہے۔''

''پرواہ نہ کیجئے۔ جب تک میں اصل دستاویز بھی حاصل کر کے آپ کے حوالے نہ کردوں ہاتھ میرے ہی قبضے میں رہیں گے۔''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں۔''

''مگر سنو۔ تم نے یہ حرکت کس بناء پر کر ڈالی۔ ان ہاتھوں کو نمائش میں رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔'' اسمتھ نے سوال کیا۔ ''کیا وہ دستاویز کی تصاویر اب نہیں تقسیم کرا سکتا۔ اب تو جھلاہٹ میں وہ بہت کچھ کر ڈالے گا۔''

فریدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

''وہ ایسا نہیں کر سکے گا۔'' فریدی نے خود اعتمادی کے ساتھ کہا۔ ''کیونکہ اب میں اُسے بلیک میل کر رہا ہوں۔ ہاتھ اس لئے رکھوائے ہیں نمائش میں کہ وہ مجھے بے بس سمجھتا تھا۔ میں اُسے دکھانا چاہتا ہوں کہ آدمی خواہ کتنا ہی اونچا کیوں نہ ہو اگر معاشرہ کے لئے نقصان دہ ہے تو کسی چیونٹی ہی کی طرح ایک نہ ایک دن ضرور خاک میں مل جائے گا اس نے ہاتھ چھپا کر رکھے تھے میں نے کھلی نمائش میں رکھ چھوڑے ہیں۔ محض اس لئے کہ وہ انہیں دیکھے اور پیچ و تاب کھائے لیکن ہاتھ بھی نہ لگا سکے۔''

''اوہ....تو کیا....سک....!''

''سوپر پلیز....!'' فریدی نے اسمتھ کو ٹوک دیا اور وہ جملہ پورا نہ کر سکا۔

اسمتھ مضطرب بھی تھا۔ اس لئے اس طرح برمحل ٹوک جانے پر نروس ہو کر جیب میں سگریٹ کا پیکٹ ٹٹولنے لگا۔

ایک بار تو رشیدہ سچ مچ ڈر ہی گئی۔ کوئی بہت بڑا پرندہ کریہہ سی آوازیں نکالتا ہوا جامن درخت سے اڑا تھا۔ قریب تھا کہ اس کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکل جاتی اس نے ہاتھوں سے اپنا منہ دبالیا۔

اتنی رات گئے اس پر ہول ویرانے میں تنہا چلے آنا آسان کام نہیں تھا۔ انور کے لئے اتنی ہی تشویش تھی کہ اُسے بھی خاور کی روحانی قوتوں کا قائل ہوجانا پڑا تھا۔ ورنہ پہلے تو دنوں تک وہ اس کا اور اس کے معتقدین کا مضحکہ اڑاتی رہی تھی۔ لیکن پھر جب وحیدہ بانو نام پر انور دیوانگی کے دوروں کا شکار ہونے لگا تو اُسے پھر خاور ہی کی چوکھٹ پر جھکنا پڑا۔ اگرچہ اتنی ضعیف الاعتقاد بھی نہیں تھی کہ ٹوٹکے کرتی پھرتی۔ لیکن انور کی بربادی نے اُسے سب کچھ کرنے پر مجبور کر دیا۔

اس وقت رات کے پونے بارہ بجے تھے اور وہ شہر سے تقریباً دس میل دور ایک ویرانے میں ٹی سمٹائی بیٹھی تھی۔ بمشکل تمام ایک ایسا تالاب مل سکا تھا جس کے کنارے جامن کا درخت بھی ہوتا۔

اس کے ہاتھ میں انور کی پرانی فلٹ ہیٹ تھی جس کے اندر خاور کا دیا ہوا نقش رکھا تھا۔ ٹھیک بارہ بجکر ایک منٹ پر اسے اس میں تالاب کا پانی بھر لینا تھا پھر اس وقت تک اُسے پانی کی سطح سے اوپر اٹھائے رکھنا پڑتا جب تک کہ سارا پانی فلٹ ہیٹ سے چھن کر دوبارہ تالاب میں نہ گر جاتا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اس میں بھی کافی وقت صرف ہوگا۔ فلٹ سے پانی کا گزرنا آسان تو نہیں.... ممکن ہے کہ صبح تک بیٹھنا پڑتا۔

وہ بار بار ریڈیم ڈائل والی گھڑی دیکھ رہی تھی۔

اب بارہ بجنے میں دس منٹ باقی تھے.... یوں بھی سردی شباب پر تھی۔ پھر یہاں کھلے میں اس طرح بیٹھے رہنا آسان تو نہیں تھا۔ کبھی کبھی وہ اتنی شدت سے اپنے دانت بھینچتی کہ

جبڑوں میں چٹخن سی ہونے لگتی۔

پھر وہ لمحہ بھی آ پہنچا جب وہ جھک کر فلٹ ہیٹ میں پانی بھر رہی تھی۔ دفعتاً ایسا محسوس ہوا جیسے ناک کے رستے حلق میں مرچوں کی دھانس سما گئی ہو۔ وہ کھانسنے لگی۔ ایسی جھٹکے دار کھانسیاں تھیں کہ پانی سے بھری ہوئی فلٹ ہیٹ ہاتھوں میں نہ سنبھل سکی۔

پھر وہ بے تحاشہ کھانستی ہوئی پیچھے ہٹی۔ ہر کھانسی کا جھٹکا سر میں ایسی ہی دھمک پیدا کرتا جیسے کوئی مغز پر ہتھوڑا چلا رہا ہو اور ہر ضرب پر رات کی تاریکی میں بتدریج مزید اضافہ ہو رہا ہو۔ پھر اُسے یاد نہیں کہ کیا ہوا۔ وہ تو اسی طرح کھانستے کھانستے چکرا کر گری تھی اور بیہوش ہو گئی تھی۔

ٹھیک اسی وقت تالاب کے کنارے والی اونچی جھاڑیوں سے ایک طویل قامت انسانی سایہ ابھرا اور تیزی سے رشیدہ کی طرف جھپٹا۔ کیا مجال کہ جھاڑیاں سرسرائی بھی ہوں۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ اُس پر جھکا ہوا تھا۔ پھر اُس نے اُسے ہاتھوں سے اٹھایا اور تالاب سے دور ہٹ کر پھر زمین پر ڈال دیا۔

''خبردار۔'' کی آواز کے ساتھ ہی سائے پر جامن کے درخت سے گویا روشنی کی بارش ہو گئی۔ سایہ بھی تیزی سے جامن کی جانب مڑا۔ غالباً درخت پر سرچ لائٹ روشن تھی جس کا فوکس نیچے کی جانب تھا۔ سائے کے ہاتھ میں ریوالور نظر آیا۔

''ریوالور زمین پر ڈال دو۔'' سامنے والی جھاڑیوں سے آواز آئی۔

''ہاہا....انور....آؤ آؤ میرے بچے۔'' سائے نے کہا۔

انور نے سامنے والی جھاڑیوں سے سائے کی طرف چھلانگ لگائی لیکن اب وہ سایہ تو نہیں کہا جا سکتا تھا کیونکہ اس کے آس پاس روشنی ہی روشنی تھی۔

''بابا خاور....!'' انور کی ساری تیزی دھری رہ گئی۔

''ہاں میرے بچے۔''

''آپ یہاں۔''

''ہاں میرے بچے....ستاروں کی چال۔''

رشیدہ زمین پر چت پڑی تھی۔

''لیکن تم نے اس کا کوٹ کیوں اتار لیا ہے۔'' انور غرایا۔

''خود ہی دیکھ لو۔'' خاور نے لاپرواہی سے کہا۔ ''اگر مجھے یہاں پہنچنے میں ایک منٹ کی دیر ہوتی تو یہ زندہ نہ ہوتی اس وقت....قریب آؤ....یہ دیکھو....اس کی پیشانی پر کیا ہے۔ جلدی کرو....اسے اٹھا کر میری گاڑی تک لے چلو....لیکن ٹھہرو۔ کیا اس وقت تم ہوش میں ہو۔''

''ہوش میں نہ ہوتا تو اس جامن پر سرچ لائٹ کہاں سے آتی....بوڑھے گیدڑ۔'' انور نے ریوالور کا رخ اس کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

بائیں جانب والی جھاڑیوں سے کیپٹن اسمتھ دانت پر دانت جمائے خاور کو گھور رہا تھا۔

''اب دیر کیوں کر رہے ہو۔'' اس نے فریدی سے سرگوشی کی۔ ''سمجھ میں آ گیا اس سؤر کے بچے کا طریق کار۔''

جھاڑیوں کے باہر انور بھی خاور کو خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔

''بیوقوف لڑکے۔'' خاور نے پرسکون لہجے میں کہا۔ ''تم اس وقت بھی ہوش میں نہیں ہو۔ تمہارے ریوالور کی گولی میرے جسم سے اسی طرح گزر جائے گی جیسے کوئی چیز پانی میں گرتی ہے۔ پانی کی سطح دوبارہ اپنی اصلی حالت پر آ جاتی ہے۔ کرو فائر....احمق کہیں کے۔ یہ بیوقوف تو ڈر کے مارے بیہوش ہو گئی....ورنہ میں نے اسے یہی دکھانے کی لئے یہ اسکیم بنائی تھی کہ انور تمہیں اور مجھے کس طرح بیوقوف بنا رہا ہے۔ اندھے لڑکے میں غیر فانی اور لامحدود ہوں۔ بلاؤ اپنے آدمیوں کو اور کر گزرو جو کچھ کرنا چاہتے ہو۔''

''کیا میں تنہا کافی نہیں تمہارے لئے۔'' انور کا لہجہ زہریلا تھا۔ ''میرے ساتھ کوئی بھی

نہیں ہے۔"

"پھر یہ سرچ لائٹ۔"

"یہ اس لئے لگائی تھی کہ تمہاری تصویر آسانی سے لی جا سکے۔"

"تو اب مجھے بھی بلیک میل کرو گے۔" خاور ہنس پڑا۔

"ہاں.... یہ دیکھو...!" انور نے شانے سے لٹکے ہوئے کیمرے کی طرف اشارہ کیا۔ "میں نے اس وقت تمہاری تصویر لی ہے جب تم رشیدہ کا کوٹ اتار رہے تھے۔"

"اچھی بات ہے۔" خاور غرایا۔ "جہنم میں جاؤ۔ میں جا رہا ہوں۔ تم مجھے ضرور بلیک میل کرنا۔"

وہ مڑا ہی تھا کہ انور نے ریوالور جیب میں ڈالتے ہوئے اس پر چھلانگ لگائی لیکن خاور کی پناہ۔ خاور تو اس طرح پلٹا تھا جیسے سر کے پچھلے حصے پر بھی دو آنکھیں رکھتا ہو۔ اس کا ہاتھ انور کی کنپٹی پر پڑا اور انور تیورا کر گر پڑا۔ انور سے اندازے کی غلطی ہوئی تھی۔ لہٰذا یہ حملہ غیر متوقع ہی ثابت ہوا۔ نتیجہ ظاہر ہے.... ہاتھ ایسا ہی جچا تلا تھا کہ وہ پھر نہ اٹھ سکا۔ ذہن اندھیرے میں ڈوبتا ہی چلا گیا۔ چند لمحوں کے بعد وہ بھی رشیدہ ہی کے پاس بیہوش پڑا تھا۔

فریدی کا موی کیمرہ بے آواز چل رہا تھا۔ دفعتاً اسمتھ نے لینس پر ہاتھ رکھتے ہوئے جھلا کر کہا۔ "ختم بھی کرو۔ وہ درندہ ہوتا جا رہا ہے۔"

فریدی نے کیمرے کی حرکت روک دی اور اُسے وہیں جھاڑی میں ایک طرف رکھتے ہوئے خاور کو للکارا۔ اس بار خاور بُری طرح اچھلا.... لیکن قبل اس کے کہ اس کا ہاتھ جیب میں داخل ہو سکتا فریدی اس کے سر پر تھا۔

خاور اس سے لپٹ پڑا.... دوسری طرف سے کیپٹن اسمتھ خاور کو گالیاں دیتا ہوا بڑھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ہتھکڑیوں کا جوڑا تھا۔

خاور کسی چکنی مچھلی کی طرح فریدی کی گرفت سے نکل گیا۔ وہ ایک طرف دوڑا جا رہا تھا چشم زدن میں سرچ لائٹ کے فوکس کے دائرے سے بہت دور جا نکلا۔ فریدی نے قریب کی ایک جھاڑیوں کے سلسلے میں چھلانگ لگائی تھی اور اسمتھ بے تحاشہ خاور کے پیچھے دوڑا جا

تھا۔ تاروں کی چھاؤں میں اس کا ہیولا اُسے صاف نظر آ رہا تھا۔

یک بیک اسمتھ کو خیال آیا کہ کہیں وہ پلٹ کر فائر نہ کر دے۔ اس کے پاس ریوالور بھی موجود ہے۔ پھر اُس نے سوچا ممکن ہے اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر وہ نکل ہی نہ جائے۔ کیوں نہ فائر کیا جائے۔ اس کے خلاف واضح ترین ثبوت فریدی کے موی کیمرہ میں موجود ہے اور ہو تو اس کے خلاف اس وقت سرتا پا زہر ہو رہا تھا جس شخص کا آج تک اس قدر احترام کرتا رہا تھا اسے ایسی حرکات کا مرتکب ہوتے دیکھ کر وہ اچانک ابھرنے والی نفرت کو کیسے دبا سکتا تھا۔

پھر اس نے کچھ سوچے سمجھے بغیر اپنا ریوالور نکالا اور خاور کے دھندلے سائے پر جھونک مارا۔

ایک چیخ سناٹے میں گونجی اور سایہ لڑکھڑا کر ڈھیر ہو گیا۔

کسی طرف سے فریدی نے آواز دی۔ "یہ کیا ہوا۔"

"آ ذ.... میں نے مار لیا ہے۔" اسمتھ نے اونچی آواز میں کہا۔ وہ خاور کی لاش سے قریب ہی تھا۔

دفعتاً لاش نے اس پر چھلانگ لگائی اور بے خبری میں دبوچ لیا۔ گرفت آہنی تھی۔ اسمتھ نے محسوس کیا کہ وہ تو ہاتھ پیر بھی نہ ہلا سکے گا۔

فریدی جھاڑیاں پھلانگتا ہوا ان کی جانب جھپٹ رہا تھا۔ دفعتاً اس نے ایک کراہ سنی اور صرف ایک سائے کو بھاگتے دیکھا۔

"ٹھہریئے سوپر۔" اس نے آواز دی۔ "میں یہاں ہوں.... کیا ہوا۔ کیا وہ مر گیا۔"

سایہ رک گیا۔

لیکن جیسے ہی فریدی قریب پہنچا اس نے اس پر بھی چھلانگ لگائی۔ اب فریدی کو اپنی غلطی کا احساس ہوا لیکن وہ ہوشیار ہو چکا تھا۔ خاور کی پیش نہ گئی فریدی نے اُس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر ٹانگ ماری اور وہ دھڑام سے نیچے چل گیا۔ خاور اتنا احمق نہیں ہو سکتا تھا کہ مسلح ہونے کے باوجود بھی لپٹا جھپٹی کی حماقت اس سے سرزد ہوتی۔ حقیقتاً اس کا ریوالور اسی وقت جیب سے گر گیا تھا جب جامن کے درخت کے نیچے فریدی سے پہلی جھڑپ ہوئی تھی۔

خاور نے پھر اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس بار اس کے سینے پر ایک زور دار ٹھوکر پڑی اور فریدی مضطربانہ انداز میں چیخا۔ ''سوپر.....سوپر.....آپ کہاں ہیں۔''

لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ اس نے پھر پکارا لیکن بے سود۔ پھر وہ خاور سے بھڑا ہوا اسے پکارتا ہی چلا گیا۔

آخر اس نے خاور سے کہا۔ ''ذلیل آدمی میں ہوشیار ہوں۔ تمہارا حربہ مجھ پر کامیاب نہیں ہوگا۔ اب آخری سفر کے لئے تیار ہو جاؤ۔''

''میں تمہیں کتے کی موت مار ڈالوں گا۔'' خاور دانت پیس کر غرایا۔ لیکن شاید اسے اپنا کوئی مقابل بھی پہلی ہی بار ملا تھا۔ یک بیک فریدی نے اُسے دونوں ہاتھوں پر بلند کر کے زمین پر دے مارا۔ خاور کی چیخ کریہہ اور طویل تھی۔

انگریز آئی جی کیپٹن اسمتھ کی لاش کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔

''مگر یہ مرا کیسے۔'' اس نے فریدی سے کہا۔

''اس کا جواب یا تو پوسٹ مارٹم دے سکے گی یا مسٹر بارن۔'' فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''کیا بک رہے ہو۔'' آئی جی اس پر چڑھ دوڑا۔

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔'' فریدی نے خاور کی طرف اشارہ کیا جو ایک کرسی میں رسی سے جکڑا ہوا تھا۔ ''یہ بارن ہے.....رانا پرمود کا سیکریٹری بارن.....ڈاکٹر ڈف اور اس کی لڑکی کا قاتل.....سوپر اسمتھ کا قاتل۔ سوپر کی گردن پر بھی دانتوں کا نشان موجود ہے۔ کالر ہٹایئے۔''

آئی جی مضطربانہ انداز میں لاش پر جھکا اور پھر سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ ''ہاں نشان ہے

مگر تم نے بارن بارن کی کیا رٹ لگا رکھی ہے۔''

فریدی اُسے کوئی جواب دیئے بغیر آگے بڑھا اور خاور کے ہاتھی جیسے کان پکڑ کر کھینچنے لگا۔ لیکن خاور کے چہرے پر کرب یا تکلیف کے آثار نہ دکھائی دیئے۔ زبان سے بھی کچھ نہ نکلا۔ وہ پتھر کی سی حالت میں تھا۔

''یہ کیا بیہودگی ہے۔'' آئی جی گرجا۔ ''میری موجودگی میں تشدد۔''

''نہیں جناب۔'' فریدی مڑ کر پرسکون انداز میں مسکرایا۔ ''اگر میں کسی کی آستین پکڑ کر کھینچوں تو اُسے تشدد نہیں کہیں گے.....البتہ بداخلاقی ضرور ہے۔''

''کیا کہہ رہے ہو۔''

''آستین کھینچی تھی میں نے.....یہ دیکھئے۔'' فریدی خاور کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر چاروں طرف کچھ ٹٹولنے لگا۔ خاور اب بھی کسی بت ہی کی طرح بیٹھا تھا۔ آنکھوں کی پتلیاں تک جنبش نہیں کر رہی تھیں۔ پلکیں جھپکانا تو بڑی بات۔

دفعتاً دوسرا ہاتھ بھی گریبان ہی میں رینگ گیا اور اب فریدی کچھ اس طرح زور کر رہا تھا جیسے کسی چیز کو اس کی جگہ سے اکھاڑنے کی کوشش کر رہا ہو۔ یک بیک خاور کے چہرے سے ایک چھلکا سا اتر گیا۔

''مسٹر بارن۔'' آئی جی بوکھلا کر دو چار قدم پیچھے ہٹ گیا۔

''مسٹر بارن۔'' فریدی نے طویل سانس لی اور بے تعلقانہ انداز میں دوسری طرف دیکھنے لگا۔

پھر خود اس نے سکوت توڑا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''اگر اتفاقاً مجھے اس آدمی کی انگلیوں کے نشانات نہ دستیاب ہو جاتے تو شاید میرے فرشتے بھی اندازہ نہ کر سکتے کہ خاور ہی بارن بھی ہو سکتا ہے۔ اس پر ایک شخص ڈینی کے قتل کا الزام بھی عائد کیا جا سکتا ہے۔''

دوسرے لوگ بارن کو حیرت سے دیکھ رہے تھے کیونکہ اسکے اصل کان غائب تھے اور ان کی جگہ صرف دو سوراخ نظر آ رہے تھے۔ غالباً اسی لئے وہ اس قسم کی پگڑی استعمال کرتا تھا جس

کے نیچے کانوں کے سوراخ چھپ سکتے اور کانوں کی غیر موجودگی بھی نہ ظاہر ہو سکتی۔

''یہ جنسی جنونی ہے۔'' فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ''اس لئے دوہری زندگی گزار رہا تھا۔ اس کے گرد عورتوں کی بھیڑ رہتی تھی ایک طرف وہ انہیں کسی راہ پر لگاتا تھا اور دوسری طرف بارن ہی یا خاور کی حیثیت سے وہاں موجود ہوتا تھا۔ عورتوں کو بیہوش کر دینے کے لئے ایک قسم کا خواب آور سفوف استعمال کرتا تھا۔ ادھر کچھ دنوں سے بہت زیادہ محتاط ہو گیا تھا یعنی میرے خوف سے بارن کی حیثیت سے باہر نہیں نکلتا تھا۔ اس لئے اس وقت ہم نے اسے خاور ہی کے روپ میں دیکھا تھا۔ ورنہ خاور کے روپ میں کسی پر حملہ نہ کرتا ہوگا کیوں دوست بارن۔ مگر اب تمہارے حلق سے آواز نہ نکلے گی۔''

لیکن خلاف توقع لوگوں نے بارن کا قہقہہ سنا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''تم جیت گئے واقعی بڑے جیالے ہو۔ میں دل سے تمہاری قدر کرتا ہوں.... اور میں ہاں میں بنسی جنونی ہوں۔ اذیت رساں ہوں.... ایذا طلب ہوں لذت کا متلاشی۔ خواہ وہ کسی صورت میں ملے۔''

اس نے خاموش ہو کر سسکاری لی اور اس کی آنکھیں نیم وا سی نظر آنے لگیں۔ نشے میں ڈوبی ہوئی خواب ناک سی.... بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے وہ کسی لذت انگیز تصور سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔

کچھ دیر بعد اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میں قاتل ہوں۔ تم صرف تین کی بات کر رہے ہو۔ میں درجنوں کا قاتل ہوں۔ کاش تم میں سے کوئی اس وقت بھی میرے دانت اپنے جسم میں چبھتے محسوس کر سکتے۔''

اس نے دانت پر دانت جما کر سسکاری لی.... آنکھیں کچھ اور نشیلی ہو گئیں۔



مہاراج کمار بہت نروس نظر آ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ خود اپنے لئے پھانسی کے احکام کا منتظر ہو۔

''آپ خواہ مخواہ پریشان ہیں۔'' فریدی مسکرایا۔ ''بلاشبہ وہ پھانسی پا جائے گا۔ لیکن یقین کیجئے کہ آپ کے معاملات اس کی زبان پر نہیں آئیں گے۔''

''عدالت میں اس کی زبان کون روک سکے گا۔ وہ مجھے یقیناً ذلیل کرے گا ورگوری سے ہمارے کچھ کھلے ہوئے تنازعات بھی چل رہے ہیں۔''

''آپ مطمئن رہئے.... وہ قطعی زبان نہیں کھولے گا۔ ذرا یہ تو سوچئے کہ اس نے اسی دوران میں آپ کا راز کیوں نہیں ظاہر کر دیا جب میں نے وہ ہاتھ اپنے اسٹال پر رکھوائے تھے۔ چاہتا تو اسی وقت دستاویز کی عکسی تصویریں کم از کم آپ کی اسٹیٹ میں تو تقسیم کرا ہی دیتا۔''

''مجھے خود بھی حیرت ہے کہ اس نے ایسا کیوں نہیں کیا۔''

''نہیں کر سکتا ہے۔ اُسے خدشہ لاحق ہے کہ میں اس کی روح کو شاید دوسری دنیا میں بھی سکون سے نہ رہنے دوں۔''

''کیا مطلب....؟''

''یہ ایک راز ہے جسے میں صرف اپنی ذات تک محدود رکھنا چاہتا ہوں۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ ''میں اس سے ان ہاتھوں کے متعلق سارے کاغذات بھی حاصل کر لوں گا۔''

مہاراج کمار کچھ دیر بعد چلا گیا اور پھر ملازم نے پرنسز تارا کا کارڈ پیش کیا جو دیر سے آؤٹ ہاؤز میں اس کی منتظر تھی۔ لیکن ملازم کو ہدایت کر دی تھی کہ مہاراج کمار کی موجودگی میں اس کا کارڈ پیش نہ کیا جائے گا۔

فریدی خود ہی آؤٹ ہاؤز تک آیا۔ اسے ڈائننگ روم میں نہیں بلوایا۔ لیکن تارا جس حال میں بھی نظر آئی فریدی کے لئے غیر متوقع تھا۔ بال پریشان، آنکھیں سرخ، پلکیں اتنی متورم تھیں جیسے کئی دن سے متواتر روتی رہی ہو۔ ہونٹوں پر پپڑیاں تھیں اور چہرے کا گندلا پن کہہ رہا تھا جیسے کبھی آئینہ دیکھنے کی بھی زحمت نہ گوارہ کی جاتی ہو۔

وہ آرام کرسی پر پڑی اونگھ رہی تھی۔ فریدی کی آہٹ پر چونک پڑی۔

بس وہ اُسے کسی سحر زدہ کی طرح گھورے جا رہی تھی۔ پلکیں جھپکائے بغیر۔

''میں تمہیں اپنی کہانی سنانے آئی ہوں۔'' دفعتاً وہ اتنی اونچی آواز میں بولی جیسے فریدی بہرہ ہو۔''سنو گے۔ تمہیں سننی پڑے گی کیونکہ میں تمہاری وجہ سے لٹ گئی ہوں۔ مجرم تمہارے قبضے میں ہے لیکن کیا تم مجھے وہ چیز واپس دلاسکو گے جو محض تمہارے لئے لوٹی گئی تھی۔''

''میں نہیں سمجھا! محترمہ آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔'' فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

''نہیں سمجھو گے.... اچھا تو سنو۔''

وہ چیخ چیخ کر اپنی کہانی دہرانے لگی اور فریدی کے چہرے کا رنگ اڑتا رہا۔ جب وہ خاموش ہوئی تو اُسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے خود اس نے ہزاروں میل کا سفر پیدل طے کیا ہو۔ چہرہ زرد ہوگیا تھا اور پیروں کی قوت جواب دینے لگی تھی۔ وہ ایک آرام کرسی کے ہتھے سے ٹک گیا۔

تارا آنکھیں بند کئے گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ دفعتاً وہ اٹھی اور بولی ''بارن.... یا خاور.... میری موت کا باعث نہیں۔ تم ہو.... تم....!''

''مگر محترمہ۔ مجھے کیا پتہ کہ آپ میرے متعلق کیا سوچتی رہی ہیں۔ آپ مجھے کیوں الزام دے رہی ہیں اور پھر یہ بات.... یعنی کہ۔'' فریدی ہکلا کر رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ کیا کہے۔ یہ وہ عظیم ترین فریدی تھا جس نے بڑے بڑے سرکشوں کی گردنیں توڑی تھیں.... الجھی ہوئی گتھیاں سلجھانے کا ماہر تھا۔ وہ ہکلا رہا تھا۔ ایک لڑکی کے اظہار عشق پر.... اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ جواب میں اس سے کیا کہے۔

''اُوہ.... سنبھالو.... مجھے۔'' تارا لڑکھڑاتی ہوئی چیخی۔ فریدی نے جھپٹ کر اُسے بازو کا سہارا دیا اور وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرائی۔

''میں اسی طرح مرنا چاہتی تھی۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔''کیا تم مجھے یاد رکھو گے۔''

فریدی کے ہاتھ کانپنے لگے.... اور وہ جلدی سے بولی۔''نہیں.... خدا کے لئے صرف چند لمحے اور مجھے اسی طرح اپنے ہاتھوں پر سنبھالے رہو۔ یہ میری آخری خواہش ہے۔ پھر کبھی نہیں آؤں گی کوئی خواہش ظاہر کرنے.... میں نے زہر پیا تھا۔ لیکن توقع نہیں تھی کہ اس طرح

مرسکوں گی جیسے چاہتی تھی۔ خدا کا شکر ہے.... اُو.... دیکھو ادھر دیکھو میری طرف۔''

وہ مسکرائی اور اس کی آنکھیں بند ہوتی گئیں۔ لیکن ہونٹ اب بھی مسکراہٹ کے سے انداز میں پھیلے ہوئے تھے۔ البتہ جسم روح سے خالی ہو چکا تھا۔

پھر کچھ دیر بعد اس کی بھینچی ہوئی مٹھی سے ایک پرچہ نکالا گیا جس پر تحریر تھا۔

''میں زہر پی کر بارن کے ایک جرم کی تفصیل بتانے آئی ہوں۔ انسپکٹر فریدی کا میری موت سے کوئی تعلق نہیں۔ میں انسپکٹر فریدی کو سب کچھ بتادوں گی۔

تارا آف ورگوری اسٹیٹ۔''

فریدی دروازے کی سلاخیں پکڑے بارن کو خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔

''میں مہاراج کمار کو خاک میں ملادوں گا۔'' بارن آنکھیں نکالے کہہ رہا تھا۔''ذرا عدالت میں تو پیش ہونے دو مجھے۔''

''تارا نے زہر کھالیا مرگئی۔'' فریدی نے پرسکون آواز میں کہا۔

''کیا....!'' بارن دہاڑ کر اٹھا۔

''ہاں.... رانا پرمود....!''

''اوہ....!'' وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹا اور دیوار سے ٹک کر ہانپنے لگا۔ فریدی نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔''رانا پرمود.... اب صرف میں ہی اس راز سے واقف ہوں کہ تم رانا پرمود ہو۔ وہ بوڑھا بھی تمہارے ہی ہاتھوں مارا جاچکا ہے جو تمہارے راز سے واقف تھا۔ وہ ورگوری کے ولنگڈن ہوٹل میں اس وقت مارا گیا تھا جب میرے آدمی اس سے ایک سربند لفافہ حاصل

کرنے کے لئے وہاں اس کے منتظر تھے۔ لفافہ ورگوری پولیس کے انسپکٹر نے غائب کر کے تم تک پہنچا دیا تھا اور تم مطمئن ہو گئے تھے کہ تمہارا راز مجھ تک نہیں پہنچ سکا لیکن یہ تمہارا وہم ہے۔ آج سے دس سال پہلے مجھے تمہارے متعلق جرمنی کے ڈاکٹروں سے معلوم ہوا تھا۔ وہی ڈنٹسٹ جس نے تمہارے لئے وہ زہریلا دانت ڈھائی ہزار پونڈ میں بنایا تھا۔ بہرحال اس وقت مجھے تمہاری ذات سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ میں نے تمہیں بارن کی حیثیت سے بھی کبھی نہیں دیکھا تھا۔ صرف نام سنا تھا لیکن یہ حقیقت ہے کہ خاور کے چہرے پر مجھے پلاسٹک میک اپ کا گمان بھی نہیں تھا۔ اگر ایک بار بھی تم مجھے کہیں نظر آ گئے ہوتے تب تو میں یقینی طور پر خاور کو بھی پہچان لیتا۔ بہرحال وہ بوڑھا جسے تم نے ولنگڈن میں قتل کرایا تھا خود ہی آیا تھا میرے پاس.... کیونکہ اُس نے بھی تمہیں اچانک ہی دیکھا تھا اور....!"

"بس خاموش رہو۔" وہ ہاتھ اٹھا کر دہاڑا۔ چند لمحے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپائے رہا پھر اسی طرح چہرہ ڈھانپے ہوئے بولا۔ "سنو.... میں بالکل بے قصور ہوں۔ بچپن ہی سے کریک تھا اور میرا باپ بھی جنسی جنونی تھا اور ماں بھی ایسی ہی تھی۔ وہ اتنے بیہودہ تھے کہ خیر ہٹاؤ.... میں اس وقت صرف پندرہ سال کا تھا.... میری ایک بڑی سوتیلی بہن تھی۔ ان دنوں فرانس سے آئی تھی اور لندن میں ہمارے ہی ساتھ مقیم تھی۔ ایک رات جب میں ایک خادمہ کے لئے مضطرب تھا اسی کے دھوکے میں میں نے اس سوتیلی بہن کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ وہ چیخی تھی.... باپ جاگ پڑا.... وہ بہت غصہ ور بھی تھا۔

بس پاگل ہو جاتا تھا۔ اس نے مجھے زمین پر گرا کر میرے دونوں کان کاٹ دیئے تھے۔ میں رات بھر بیہوش پڑا رہا تھا۔ پھر یہ بات چھپائی گئی تھی۔ وہی بوڑھا جس نے تمہیں کچھ بتانے کی کوشش کی تھی ہمارا ملازم تھا اور میرے کان اسی کے سامنے کاٹے گئے تھے۔ اس سے راز داری کا حلف اٹھوایا گیا کہ وہ کسی سے اس کا تذکرہ کبھی نہ کرے گا۔ اس کے معاوضے کے طور پر اسے ایک بڑی رقم بھی دی گئی تھی۔ لیکن پھر جب اس نے مجھے بارن کے روپ میں Incest کا مرتکب ہوتے دیکھا تو تمہارے پاس دوڑا آیا ہوگا۔ کاش مجھے پہلے ہی معلوم

ہو جاتا۔ میں اُسے کبھی زندہ نہ چھوڑتا لیکن ٹھہرو.... مجھے اپنی حرکتوں پر ندامت نہیں ہے کیونکہ مجھ پر بھی ظلم ہوا تھا۔ خواہ مخواہ میرے کان کاٹے گئے تھے اس وقت مجھ میں Incest کا رجحان موجود نہیں تھا۔ اس کے بعد پھر نہ جانے کیوں میں خطرناک قسم کا جنسی جنونی بنتا گیا۔ شاید ہی کوئی مقصدی یا Orjective قسم کا deviation مجھ سے بچا ہو۔ میں نے زہریلا دانت اس لئے بنوایا تھا کہ خود کو ایک خونخوار اژدھا محسوس کر کے مجھے جنسی تلذز حاصل ہوتا تھا۔ تم ڈاکٹر کے متعلق سوچ رہے ہوگے۔ وہ دراصل میرا راز دار تھا اور وہ بھی میری ہی طرح جنسی جنونی تھا۔ جب میں نے دیکھا کہ تم اس کی طرف متوجہ ہونے لگے ہو۔ خصوصیت سے اس وقت جب بین الاقوامی نمائش شروع ہو رہی ہے تو مجھے شبہ ہوا اور میں نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ کمزور دل کا آدمی تھا یقینی طور پر سب کچھ اگل دیتا۔ لیکن اب میں تم سے ایک سودا کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے بارن ہی کی حیثیت سے مرجانے دو۔ رانا پرمود کی حیثیت سے نہیں۔ میں مہا راجکمار والا معاملہ اپنی زبان پر نہیں لاؤں گا.... اس کے برعکس ہوا تو...."

"ہاں میں جانتا ہوں.... تمہاری بہتیری بھانجیاں اور بھتیجیاں بھی خودکشی کر لیں گی۔"

"نہیں.... مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ کون مرتا ہے کون زندہ رہتا ہے۔ میں رانا پرمود اپنے آباؤ اجداد کی بدنامی کا باعث نہیں بننا چاہتا۔ اس خاندان کا مستقبل تاریک ہو جائے گا۔ اگر میں نے رانا پرمود کی حیثیت سے پھانسی.... ہائے پھانسی.... ہائے پھانسی۔"

اس نے خاموش ہو کر سسکاری لی اور اس کی آنکھیں نشیلی ہو گئیں۔ جسم کانپ گیا۔

لیکن یہ خوف کی حالت تو نہیں تھی۔ لذت سو فیصدی کسی قسم کی لذت کا احساس تھا جس کے تحت جسم کانپا تھا۔ آنکھیں چڑھتی چلی گئی تھیں۔

پھر وہ آہستہ آہستہ اعتدال پر آ گیا اور اب اس کے ہونٹوں پر ایک جھینپی ہوئی سی مسکراہٹ تھی اور اس نے اپنی طرف سے فریدی کا دھیان ہٹانے کے لئے ہنس کر کہا تھا۔ "تم بہت چالاک آدمی ہو پیارے.... تم میرے اس سانپ سے بھی مرعوب نہیں ہوئے تھے جو تم پر چھت سے گرا تھا۔ شاید تم نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ چھت میں کوئی میکنزم موجود ہے۔"

''اس دانت کا تم پر کیوں نہیں اثر ہوتا۔'' فریدی نے پوچھا۔

''میں خود بھی زہریلا ہوں نشہ کے لئے سنکھیا استعمال کرتا ہوں۔'' پرمود نے قہقہہ لگایا۔

فریدی چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ ''میرا بس چلے تو میں اپنے دانت تمہارے نرخرے میں پیوست کردوں۔ ذلیل آدمی۔ تم نے میری آڑ میں تارا کا شکار کیا تھا۔ ورنہ کم از کم وہ تو تم سے محفوظ ہی رہتی۔''

''چلے جاؤ۔'' وہ حلق پھاڑ کر دہاڑا۔ ''چلے جاؤ.... میرا موڈ نہ خراب کرو۔ میں اس وقت پھانسی کے تصور سے شہد نچوڑ رہا ہوں۔'' اس کی آنکھیں پھر نشیلی ہوگئیں اور جسم بھی کانپنے لگا۔

فریدی سوچ رہا تھا۔ تارا بہرحال سکون سے مری۔ اگر اسے بارن کی اصلیت معلوم ہو جاتی؟

ختم شد

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

ابنِ صفی

جلد نمبر 29

جاسوسی دنیا

88- پرنس وحشی

89- بیچارہ بیچاری

90- اشاروں کے شکار



پیشرس

ایک بار کا ذکر ہے کہ انگریزی کے ایک مشہور مصنف ایڈگر ویلس نے اپنے Fans کے ایک مجمع میں بڑے خلوص سے کہا۔ "پچاس ناول لکھ لینے کے بعد مجھے ناول لکھنے کا سلیقہ ہوا ہے۔"

چھوٹتے ہی ایک صاحبزادی نے فرمایا "کاش! ایسا نہ ہوا ہوتا۔ اب تو آپ بور کرنے لگے ہیں۔ شروع کی کتابوں کا کیا کہنا۔ کاش آپ اپنے ماضی میں چھلانگ لگا سکیں....!"

تو جناب میرا بھی ارادہ ہے کہ میں بھی ماضی میں دوبارہ چھلانگ لگاؤں۔ کیونکہ ایڈگر ویلس کو تو ایک نیم بالغ صاحبزادی نے یہ مشورہ دیا تھا یہاں دوسرا معاملہ ہے۔ اُس دن میں بہت شدت سے بور ہوا تھا جب ایک کالج کے پرنسپل صاحب سے کچھ اسی قسم کی گفتگو ہوئی تھی۔ کہنے لگے "صفی صاحب کیا بات ہے پچھلی کتابوں کی کئی کئی بار پڑھنے کے باوجود بھی اُن کا نیا پن بڑھتا ہی رہتا ہے۔"

میں نے سوچا ٹھیک ہی ہے۔ فریدی صاحب کرنل ہو جانے کے بعد سے صرف احکامات چلایا کرتے ہیں! خود زیادہ دوڑ دھوپ نہیں کرتے اس

لئے کہانیوں میں Action کا قحط پڑ جاتا ہے اور پڑھنے والے سوچتے ہیں کہ فلاں کہانی کچھ "پھیکی" رہی۔

زیر نظر کہانی "پرنس وحشی" کو میں نے ہر اعتبار سے دلچسپ بنانے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ اس دوران میں علیل بھی رہا اور موسم کی سختیوں کا شکار بھی .... آپ جانتے ہیں کہ گرمیوں میں مجھ پر بے تحاشہ کہولت طاری ہوتی ہے.... کتابیں لیٹ ہوتی ہیں.... خطوط کے انبار لگ جاتے ہیں.... اور مجھے ایسا محسوس ہونے لگتا ہے جیسے کتاب لیٹ نہیں ہوئی بلکہ مجھ سے کوئی بہت بڑا جرم سرزد ہو گیا ہے۔

بہر حال میں کوشش کر رہا ہوں کہ عمران کا خاص نمبر "ڈیڑھ متوالے" لیٹ نہ ہونے پائے.... دعا فرمایئے کہ آپ انتظار کی "بوریت" سے بچیں اور میری صحت ٹھیک رہے۔

ابنِ صفی

۱۸ر جون ۱۹۶۰ء

بچے کی چیخیں

وہ ۱۹۴۶ء کے دسمبر کی آٹھویں سرد ترین رات تھی۔ سارجنٹ حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اسٹیئرنگ سے ہاتھوں کا چھٹکارا اُسی صورت میں ممکن ہوگا جب اُن پر گھنٹوں گرم پانی کی دھاریں گرائی جائیں! گرفت غیر قدرتی سی محسوس ہونے لگی تھی۔ دیر سے گردن پر کھجلی ہو رہی تھی۔ لیکن اسٹیئرنگ کیسے چھوٹتا۔ چھوٹتا تو دوبارہ اُسے گرفت میں لینے کیلئے کتنی جدوجہد کرنی پڑتی۔

کیڈی ہوا سے باتیں کرتی رہی تھی اور حمید کا ٹھٹھرا ہوا ذہن اُس سے بھی زیادہ تیز رفتاری دکھا رہا تھا۔

اُس وقت اس کے لئے وہ تارجام والی سڑک نہیں بلکہ سوئٹزر لینڈ کی کوئی یخ بستہ پہاڑی سڑک تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ اب راہ میں کوئی موٹیل نظر آئے جہاں رک کر وہ آتشدان کے سامنے پنچ کا ایک گلاس ختم کرے گا۔ پھر پائپ ہوگا اور "پرنس ہنری" تمباکو کا فرحت بخش دھواں.... موٹیل کی مالکہ اپنی جواں سال اور خوبرو لڑکی کے ساتھ اس کے کمرے میں داخل ہو کر "شام بخیر" کہے گی.... اور وہ پائپ دانتوں میں دبائے ہوئے گردن اکڑا کر خالص ایرسٹو کریٹک انداز میں صرف "نائٹ" کہہ کر متحیرانہ پلکیں جھپکائے گا اور وہ بڑی لجاجت سے کہے گی۔

"میری لڑکی جناب.... مجھے افسوس ہے.... یہ کہہ رہی تھی کہ اس نے کبھی کوئی ہندوستانی نواب نہیں دیکھا.... جج.... جی ہاں.... جناب....!"

اور وہ لڑکی بڑے دلآویز انداز میں مسکرائے گی اور پھر یک بیک چونک پڑے گی.... اور اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی جائیں گی۔ مبہوت ہو جائے گی.... پلکیں جھپکنا اور پتلیاں جنبش کرنا ترک کر دیں گی.... تب اُس کی ماں اُسے جھنجھوڑے گی.... "لوسی! لوسی۔"

اور لوسی پلکیں جھپکائے یا پتلیوں کو جنبش دیئے بغیر آہستہ سے کہے گی۔

"ایڈگر.... ایڈگر.... میرے پیارے.... آہ تم مجھے کیوں پریشان کر رہے ہو.... کہہ دو

کہ تم ایڈگر ہو۔ یہ جھوٹ ہے کہ تم لیبیا کے محاذ پر کام آئے تھے....!"

"لوسی.... لوسی....!" وہ اُسے پھر جھنجھوڑے گی.... اور حمید سے معافی مانگتی ہوئی لڑکی کو دروازے کی طرف دھکیل لے جائے گی۔

"پانی.... پانی....!" پچھلی سیٹ سے بھرائی ہوئی آواز آئی اور حسین خیالوں کا تاج محل ریت کی دیواروں کی طرح ڈھیر ہو گیا۔ حمید نے کیڈی کی رفتار کم کر کے اُسے سڑک کے کنارے لگاتے ہوئے بالآخر انجن بھی بند کر دیا.... اور اندر روشنی کر کے پچھلی سیٹ کی طرف مڑا۔

فریدی کا چہرہ بخار کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا۔ لیکن آنکھیں کسی تکلیف کے احساس سے عاری نظر آتی تھیں۔

"پانی نہیں.... کافی.... کیا ڈاکٹر کی ہدایت بھول گئے۔"

"لاؤ....!" فریدی نے کہا اور آنکھیں بند کر لیں.... لیکن حمید نے پھر تھرماس اٹھانے سے پہلے اُس کے جسم کے کھلے ہوئے حصوں کو کمبل سے اچھی طرح ڈھانک دینا مناسب سمجھا۔

"کیا وقت ہے....!" فریدی نے آنکھیں کھولے بغیر پوچھا۔

"ساڑھے گیارہ....!"

"ٹھیک سوا بارہ پر تمہیں لینڈس کسٹمز کی پہلی چوکی کے قریب رکنا ہے۔"

"میں بھولا نہیں ہوں۔" حمید نے بُرا سا منہ بنایا.... اور تھرماس سے کافی انڈیل کر اُس کی طرف بڑھا دی۔

فریدی کمبل پھینک کر سیدھا بیٹھتا ہوا بڑبڑایا۔ "یہ بخار بھی بڑی شاندار چیز ہے کیوں؟"

"بشرطیکہ کسی لڑکی کے اظہارِ عشق کی وجہ سے نہ چڑھ آیا ہو...." حمید کا لہجہ زہریلا تھا۔

چند لمحے خاموش رہ کر اُسے کافی کی چسکیاں لیتے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "منع کر رہا تھا کہ راجروپ نگر میں قیام نہ کیجئے۔"

"کیا مطلب....؟"

"میں تسلیم نہیں کر سکتا کہ محترمہ غزالہ نے آپ کو دیکھ کر ٹھنڈی سانسیں نہ بھری ہوں۔"

"بکواس مت کرو....!"

"کرافٹ۔ ابنگ نے ایک کیس نقل کیا ہے، اپنے کسی مضمون میں۔" حمید لاپروائی سے

بولا۔ "ایک صاحب کا واقعہ ہے جنہیں ہر ہفتہ کی شب کو بخار ہو جاتا تھا اور پورا اتوار بخار ہی کی نذر ہو جاتا تھا.... دونوں شریف آدمیوں نے بخار کی وجہ کے لئے چھان بین شروع کی.... اور بالآخر چور پکڑ ہی لیا.... جانتے ہیں کیا قصہ تھا۔"

"بکے جاؤ....!"

"ہفتہ کی شب کو ایک لڑکی اُن سے اظہار عشق کی کوشش کیا کرتی تھی۔"

"ہوں.... مگر غزالہ تھی کہاں....!"

"نہیں تھی....؟" حمید کا لہجہ متحیرانہ تھا۔

"نہیں.... وہ آج کل شہر ہی میں کہیں مقیم ہے.... صرف نواب صاحب سے ملاقات ہوئی تھی۔"

"اوہ تب پھر آپ نے کسی دوسرے کو کسی سے اظہار عشق کرتے سنا ہوگا.... واللہ اعلم بالصواب....!"

فریدی مسکرا پڑا.... پھر رسٹ واچ پر نظر ڈالی.... گیارہ بج کر پینتیس منٹ ہوئے تھے۔

"میرا خیال ہے کہ ہم کسٹمز کی پہلی چوکی سے زیادہ دور نہیں ہیں۔"

حمید نے صرف سر ہلا دیا۔ وہ بہت غور سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ دو ماہ کی چھٹیاں کس قسم کی بھاگ دوڑ میں تباہ کی جا رہی ہیں۔

نصیر آباد سے راج روپ نگر.... اور راج روپ نگر سے پھر شہر کی طرف۔

پروگرام تھا کہ چھٹیوں کے دو ماہ نصیر آباد ہی میں گذارے جائیں جہاں اُن دنوں اُن سے جان پہچان رکھنے والا ایک آدمی بھی نہیں پایا جاتا تھا.... متواتر کام کرتے رہنے کی وجہ سے کم از کم حمید کو تو یہی محسوس ہونے لگا تھا جیسے اُس کا ذہن کچھ دنوں کے بعد مستقل طور پر ناکارہ ہو کر رہ جائے گا۔ لہٰذا اُس نے دو ماہ آرام کرنے کی تجویز پیش کی تھی جو کسی نہ کسی طرح فریدی کے حلق سے بھی اُتر گئی.... لیکن نصیر آباد میں بمشکل تمام ایک ہی ہفتہ گذرا ہوگا کہ ایک رات ایڈلفی کے ڈائننگ ہال میں حمید کا ذہنی سکون رخصت ہو گیا۔

اُن کی میز پر ویٹر کھانا لگا رہا تھا کہ دفعتاً اُس نے فریدی کو اس انداز میں اٹھتے دیکھا جیسے کسی پر جھپٹ پڑنے کا ارادہ رکھتا ہو.... پھر قبل اس کے کہ کچھ پوچھنے کے لئے زبان کو جنبش بھی دے

سکتا فریدی صدر دروازے کے قریب نظر آیا۔

حمید نے ٹھنڈی سانس لی تھی اور پھر کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ ضرورت ہی کیا تھی کہ وہ اُس کے باہر نکل جانے کا منظر بھی دیکھتا.... ڈیڑھ بجے رات سے پہلے فریدی کی واپسی نہیں ہوئی تھی.... پھر ڈھائی بجے تک حمید اُسے بور کرتا رہا تھا۔ لیکن اُس نے اچانک اس طرح غائب ہو جانے کی وجہ نہیں بتائی تھی۔

پھر نصیر آباد سے راجروپ نگر دو دن نواب رشید الزمان کے محل میں قیام رہا تھا.... وہیں فریدی کو بخار نے بھی آدبوچا.... لیکن اس کے باوجود بھی حمید کو اس کے حکم کے مطابق موجودہ سفر اختیار کرنا پڑا تھا.... روانگی کے وقت بخار کی شدت کی وجہ سے بار بار غفلت طاری ہو جاتی تھی مگر جب بھی ہوش آتا.... حمید کے کانوں میں یہی جملہ گونجتا تھا "ہم پہلی چوکی کی طرف جا رہے ہیں یا نہیں۔"

"کیا پہلی چوکی پر پہنچ کر بخار اُتر جائے گا...." حمید نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"ہو سکتا ہے....!" فریدی نے کافی کا خالی کپ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ وہ کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا.... دفعتاً چونک کر کلائی کی گھڑی دیکھی اور مضطربانہ انداز میں بولا۔ "چلو جلدی کرو.... دس پانچ منٹ پہلے ہی پہنچنا چاہئے۔"

"کیا آبکاری کا کوئی قصہ ہے....!" حمید نے پھر اُسے ٹٹولنے کی کوشش کی۔

"آبکاری.... ہشت ان چھوٹے چھوٹے کاموں کے سلسلے میں چھٹیاں نہیں برباد کی جاتیں۔"

"تو پھر میری بربادکاری کا کوئی چرچہ ہوگا....!" حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور کیڈی کا انجن جاگ اٹھا۔

اور پھر شروع ہو گیا سفر....

"بخار ہے ابھی....!" حمید نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"اتنا زیادہ بھی نہیں ہے کہ تھوڑی سی دوڑ دھوپ گراں گذرے۔"

"کیا مطلب....!"

"ہم وہاں دعوت میں نہیں جا رہے.... لیکن تم فکر نہ کرو.... میرے سوٹ کیس میں دوسرا ریوالور بھی موجود ہے۔"

"اور میرا ماؤتھ آرگن....؟" حمید نے بڑے بھولے پن سے پوچھا۔

"ساری شوخیاں رخصت ہو جائیں گی تھوڑی دیر بعد.... میری دانست میں وہ کئی ہونگے۔"

"جہنم میں جائیں....!" حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

"نہیں.... اب تمہیں کم از کم اتنا تو ذہن نشین کر ہی لینا چاہئے کہ ہم کس قسم کی سچویشن سے دوچار ہونے والے ہیں۔"

"ایسی جلدی بھی کیا ہے۔" حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"بکواس مت کرو.... سنو...." فریدی جھنجھلا گیا.... "یہ شہد کی مکھی والی کہانی ہے۔"

"خدا غارت کرے....!" حمید کی آواز بخار زدہ سی معلوم ہوئی اور فریدی نے قہقہہ لگایا۔ پھر فوراً ہی سنجیدگی اختیار کر کے بولا۔ "آج سے چھ ماہ قبل تم نے اُسے میرا وہم سمجھا تھا لیکن اب میں تمہیں بہت کچھ دکھاؤں گا۔"

"مم.... مگر.... اُس رات وہاں ایڈلفی میں....!"

"وہاں.... پھر شہد کی مکھی میرے سامنے آئی تھی....!"

"کس طرح....!"

"میزوں کے درمیان تھرکنے والی لڑکی نے ایک چھوٹا سا کارڈ ایک میز پر پھینکا تھا اتفاق سے اُسکی وہی سطح اوپر کی طرف تھی جس پر شہد کی مکھی کی تصویر ہوتی ہے.... کارڈ تم پہلے بھی دیکھ چکے ہو۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر آپ اُن کارڈوں کو اتنی اہمیت کیوں دیتے ہیں۔ میں اُن کے متعلق پوری طرح چھان بین کر چکا ہوں.... وہ ہائیو کرشرز لمیٹڈ کا تجارتی نشان ہے۔ یہ فرم اعلیٰ پیمانے پر جنگلوں سے شہد اکٹھا کرتی ہے.... صدر دفتر اپنے شہر ہی میں موجود ہے۔"

"بکواس تم کرو....!" فریدی نے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالی۔ "تفصیل پھر بتاؤں گا وقت نہیں ہے۔ رفتار بڑھاؤ.... بس مجھے اتنا ہی کہنا تھا کہ کسی سے ہمارا ٹکراؤ بھی ہو سکتا ہے۔"

"کس سلسلے میں....!"

"پہلی چوکی کے قریب والے کوارٹرز میں سے ایک کے مکین اس وقت خطرے میں ہیں کیوں خطرے میں ہیں؟ یہ مجھے بھی فی الحال نہیں معلوم.... میں نے کہا تھا رفتار بڑھاؤ۔"

"اوہ.... کان کھلے رکھا کرو۔"

گاڑی کی رفتار پہلے سے تیز ہو گئی.... حد نظر تک سڑک ویران پڑی تھی کچھ دیر بعد فریدی بڑبڑایا... لیدر فیکٹری کی چمنی نظر آنے لگی ہے میرا خیال ہے کہ گاڑی یہیں کہیں چھوڑ دی جائے۔"

"روک دوں....!"

"نہیں.... یہاں نہیں.... فیکٹری کے قریب والے سہہ راہے پر....!"

کچھ دیر بعد گاڑی وہیں رکی جہاں کے لئے حمید کو ہدایت ملی تھی۔ فریدی نے گاڑی سے اترتے وقت ایک ریوالور اور کچھ فالتو راؤنڈز حمید کے حوالے کئے۔

"اوہ.... آپ کو اس وقت بھی خاصا بخار ہے....!" حمید نے کہا۔ اُس کا ہاتھ فریدی کے گرم ہاتھ سے مس ہوا تھا۔

"پرواہ مت کرو.... اوہ یہ السٹر کیوں نکال رہے ہو.... پڑا رہنے دو۔"

"اور آپ....!"

"میرے لئے بھی جیکٹ ہی کافی ہے۔"

"میں کہتا ہوں ایکسپوژر....!"

"خاموش رہو.... آؤ....!" فریدی نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر جھٹکا دیا پھر خود ہی سنبھال بھی نہ لیتا تو میاں حمید منہ کے بل زمین ہی پر آئے ہوتے۔ کلائی پر اس کی گرفت مضبوط تھی۔ حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ تپتے ہوئے لوہے کا پنجہ ہو.... کتنا تیز بخار تھا۔

کوارٹرز کے قریب جا کر وہ ایک جگہ رک گئے۔ مختصر سی آبادی تھی جس کا تعلق لینڈ کسٹمز کی چوکی اور نیشنل لیدر فیکٹری سے تھا۔

فریدی نے گھڑی پر نظر ڈالی اور پھر چل پڑا۔

وہ بستی میں داخل ہو رہے تھے۔ فریدی پھر ٹھٹکا....

"اوہ.... یہ کیسی بستی ہے؟"

"کیوں....؟" حمید کے لہجے میں تحیر تھا۔

"کیا یہاں کتے نہیں ہیں.... یہ سناٹا کتنا غیر فطری معلوم ہوتا ہے۔"

"مجھے افسوس ہے....!" حمید بڑبڑایا۔ "دراصل مجھ سے غلطی ہوئی۔"

"کیا مطلب....!"

"مجھے چاہئے تھا کہ روانگی سے قبل یہاں کے کتوں کو ایک خط لکھ دیتا۔"

"شش.... آؤ....!" فریدی نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا اور ایک بار پھر ریڈیم ڈائیل والی گھڑی پر نظر ڈالی.... معینہ وقت پورا ہونے میں صرف دو منٹ باقی تھے۔

قدم تیزی سے اٹھنے لگے.... بستی سنسان اور تاریک پڑی تھی۔ حمید خود بھی متحیر تھا کہ آخر بستی کے کتے کہاں جا مرے۔

تھوڑے تھوڑے وقفے سے گیدڑوں کی صدائیں آئیں۔ لیکن کتوں کی آواز کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔

ایک کوارٹر کے قریب پہنچ کر رک گیا اور آہستہ سے بولا۔ "بلاک کی شروعات پر جو نمبر میں نے ذہن میں رکھا تھا اُس کے اعتبار سے اسے اٹھارواں ہی کوارٹر ہونا چاہئے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ دفعتاً اندر سے کسی شیر خوار بچے کے چنگھاڑنے کی آواز آئی۔

"اوہ غلط جگہ آگئے شائد....!" فریدی بڑبڑایا اور پھر جیب سے پنسل ٹارچ نکالی اور روشنی کی لکیر دروازے کے اوپری حصے پر پڑ رہی تھی.... کوارٹر اٹھارواں ہی ثابت ہوا.... نمبر صاف پڑھے جا سکتے تھے۔

اندر: اب بھی روئے جا رہا تھا۔

"آپ سی قسم کی غلط فہمی میں تو مبتلا نہیں....!" حمید نے سرگوشی کی۔

"دھوکا بھی ہو سکتا ہے.... ممکن ہے انہیں علم ہو گیا ہو کہ میں اُن کے پیچھے ہوں۔"

"لہٰذا انہوں نے آپ کو بہکا دیا.... کیوں؟"

"ہاں.... اس کے بھی امکانات ہیں۔"

"سمجھ میں نہیں آتا.... آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"چپ چاپ کھڑے رہو.... فائر کرنے کے لئے ہر لحظہ تیار....!"

حمید پھر دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اندر بچہ اب خاموش ہو گیا تھا۔

"کیا حماقت ہے....!" فریدی کچھ دیر بعد بڑبڑایا۔ "اگر یہ صرف دھوکا تھا تب بھی اب تک کچھ نہ کچھ ہو ہی رہنا چاہئے تھا۔"

"جب تک مجھے پوری بات نہ معلوم ہو جائے.... میں کیا عرض کر سکوں گا۔" حمید جھنجھلا

کر بولا۔

"خاموش رہو....!" فریدی نے مضطربانہ انداز میں کہا پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "اچھا تم ادھر کا خیال رکھنا.... میں مکان کی پشت پر جا رہا ہوں۔"

"ہوں....!" حمید نے خلاء میں گھورتے ہوئے ہونٹ بھینچ لئے۔

وہ فریدی کے دھندلے سائے کو دیوار سے لگ کر دوسری طرف کھسکتے دیکھتا رہا.... ریوالور کا سرد دستہ اُس کی ہتھیلی سے چپک کر رہ گیا تھا۔

دفعتاً اُسے فریدی کی پنسل ٹارچ کی روشنی زمین پر پڑی ہوئی کسی کالی سی شے پر نظر آئی۔

پھر ٹارچ بجھا کر وہ بڑی تیزی سے حمید کی جانب واپس آیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ یہاں کچھ ہو چکا ہے....!" اُس نے سرگوشی کی۔ "ممکن ہے اسی کوارٹر میں.... اوہ....!"

شیر خوار بچے کی چیخوں نے اُسے جملہ پورا نہ کرنے دیا۔

حمید جو پیر کے جوتے سے داہنی پنڈلی کھجانے کی کوشش کر رہا تھا۔ دفعتاً توازن قائم نہ رکھ سکنے کی بناء پر لڑکھڑایا لیکن سہارے کیلئے دروازے پر ہاتھ رکھتے ہی بالکل بے سہارا ہو گیا۔ کیونکہ ہاتھ کا دباؤ پڑتے ہی دونوں پٹ کھل گئے تھے۔

پھر جتنی دیر میں فریدی اُسے سنبھالنے کے لئے آگے بڑھتا اُس کی پیشانی کوارٹر کے فرش سے ٹکرا ہی گئی۔

خود سے اٹھ بیٹھنا کم از کم ایسی صورت میں تو آسان نہیں ہوتا جب اس طرح غیر متوقع طور پر گرنا پڑے.... فریدی ہی نے جھپٹ کر اُسے اٹھایا تھا۔

دروازہ کھلا ہوا تھا۔ سامنے برآمدہ تھا اور شائد اُس برآمدے کے بعد کمرہ ہی تھا.... کمرے کے دروازے بھی کھلے ہی ہوئے نظر آئے۔ اندر غالباً کیروسین لیمپ روشن تھا۔

حمید کے گرنے اور دروازہ کھلنے سے خاصی تیز آواز پیدا ہوئی تھی۔ لیکن اُس کوارٹر کے رہنے والے گویا مردوں سے شرط باندھ کر سوئے تھے.... شیر خوار بچہ اب بھی روئے جا رہا تھا۔

فریدی اور حمید اب صحن کے وسط میں تھے۔

بچہ پھر خاموش ہو گیا.... لیکن اس بار اُس کی آواز کے علاوہ کوئی دوسری آواز نہیں سنائی

دی تھی۔

سردی کے مارے حمید کا بُرا حال تھا اس لئے اُسے موجودہ سچویشن سے ذرہ برابر بھی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی.... بس کسی مشین ہی کی طرح اب تک فریدی کی تقلید کرتا رہا تھا۔

فریدی کو آگے بڑھتے دیکھ کر خود بھی آگے بڑھا۔

لیکن کمرے کا منظر.... حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اُس کی گردن شانوں سے اکھاڑ کر کہیں دور پھینک دی ہو۔

خون میں لتھڑا بچہ اپنی انگلیاں چوس رہا تھا.... اور وہ لاش غالباً اُس کی ماں ہی کی تھی۔ بستر خون سے تر تھا۔

یک بیک بچہ پھر چنگھاڑنے لگا.... اُس کی انگلیاں منہ سے نکل گئی تھیں۔

حمید نے فریدی کی طرف دیکھا جو ساکت و صامت کھڑا بچے کو گھورے جا رہا تھا۔ پلکیں جھپکائے بغیر.... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُس کی آنکھیں پتھرا گئی ہوں۔

دفعتاً وہ حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "لیدر فیکٹری سے فون کرو.... جاؤ....!"

تصویر

لیدر فیکٹری کی رات والی شفٹ چل رہی تھی حمید سیدھا آفس میں چلا گیا.... اتنی رات گئے کسی اجنبی کو فون کے قریب دیکھ کر ڈیوٹی کلرک متحیر ہوا تھا۔

حمید نے شہر کی کوتوالی کے نمبر ڈائیل کئے اور اس حادثہ کی اطلاع دیتے ہوئے جیسے ہی کوارٹر نمبر کا حوالہ دیا ڈیوٹی کلرک اس طرح اچھل پڑا گویا کسی نے بیخبری میں پشت پر خنجر مارا ہو۔

"جی.... کیا کیا.... کوارٹر نمبر....!" وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"اٹھارہ....!" حمید نے ریسیور رکھتے ہوئے اُسے گھورا....

"کہاں کی بات کر رہے ہیں....!"

"کسٹمز کوارٹرز....!"

"نہیں....!" وہ بے تحاشہ چیخا.... اُس کا جسم اس طرح کانپ رہا تھا جیسے اچانک شدید ترین

ملیریا کا حملہ ہوا ہو.... بدقت اُس نے خود کو سنبھالا اور گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔ "آپ کون ہیں....!"

"سَم بوڈی فرام انٹیلی جنس بیورو....!" حمید نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر کرسی میں ڈھیر ہو گیا۔

کچھ دیر اسی طرح بے حس و حرکت پڑا رہا پھر اٹھ کر دروازے کی طرف بھاگا۔

"ٹھہرو....!" حمید نے اونچی آواز میں کہا لیکن وہ تو دروازے سے گذر چکا تھا۔

پھر جتنی دیر میں وہ بھی باہر نکلتا ڈیوٹی کلرک اندھیرے میں گم ہو چکا تھا۔

دو چپراسی بوکھلائے ہوئے اندر داخل ہوئے اور حمید کو دیکھ کر ٹھٹک گئے۔

"پولیس....!" حمید انہیں گھورتا ہوا بولا۔

"مم.... مگر بابو جی.... سیس.... سرکار....!" ایک چپراسی ہکلا کر رہ گیا۔

"کیا یہ منیجر تھا....!" حمید نے پوچھا۔

"نہیں ایک بابو....!"

"کہاں رہتا ہے....!"

"کوارٹروں میں....!"

"نمبر....!"

"اٹھارہ....!"

"اوہ....!" حمید نے کہا اور دفتر سے باہر نکل آیا۔

اُس کے پاس ٹارچ بھی نہیں تھی۔ اس لئے بستی تک جلد نہ پہنچ سکا۔ اب کوارٹر نمبر اٹھارہ کے سامنے خاصی بھیڑ نظر آئی۔ کئی لوگوں کے ہاتھوں میں لالٹینیں بھی تھیں.... اندر کوئی دہاڑیں مار مار کر رو رہا تھا.... غالباً اُس کی چیخیں ہی وہاں بھیڑ اکٹھا کرنے کا باعث بنی تھیں۔

حمید اندر داخل ہوا.... کوارٹر میں کئی لالٹینیں نظر آئیں۔ لیکن فریدی اور لیدر فیکٹری کے کلرک کے علاوہ اور کوئی نظر نہ آیا... وہ صحن کے فرش پر لوٹیں لگاتا ہوا بُری طرح دہاڑیں مار رہا تھا۔

فریدی کمرے میں کیروسین لیمپ سنبھالے مختلف چیزوں کا جائزہ لے رہا تھا۔

جیسے ہی حمید اس کے قریب پہنچا اُس نے اُس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ "مقتولہ کے شوہر کو

سنبھالو....!"

"بچہ کہاں ہے؟" حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"پڑوس میں....!" فریدی نے کہااور پھر جھنجھلا کر بولا۔ "جاؤنا....!"

حمید چپ چاپ صحن میں آگیا۔ لیکن اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ مقتولہ کے شوہر کو کس طرح سنبھالے.... اُسے قطعی احساس نہیں رہا تھا کہ وہ ایک پولیس آفیسر ہے۔

پھر جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو یونہی خواہ مخواہ صدر دروازے سے جالگا.... باہر کچھ لوگ نیچی آوازوں میں گفتگو کررہے تھے۔

"ارے....! یہ نہیں دیکھا تم نے.... چار کتے تو نیم کے نیچے ہی مرے پڑے ہیں۔"

"کیا انہیں زہر دیا گیا ہوگا؟" کسی نے پوچھا۔

"اور کیا....؟ دیکھو.... غور کرو.... ایک کتے کی بھی آواز نہیں سنائی دیتی.... ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑا....!"

"اُف فوہ.... کس بُری طرح بھونکتے تھے اگر کوئی راہ گیر ادھر سے نکل جاتا تھا.... سونا دشوار کردیتے تھے۔"

"آپ لوگ براہِ کرم اپنے گھروں میں جایئے....!" حمید نے دروازے سے سر نکال کر اونچی آواز میں کہااور دروازہ بند کردیا۔

اُسے ہوش نہیں تھا کہ وہاں اس طرح کھڑے رہ کر اُس نے کتنا وقت گذارا تھا.... پھر پولیس کاروں کے ہارن سنے تھے سناٹے میں ہلکا سا شور کچھ عجیب سا لگ رہا تھا.... کسی فلم کے بدلتے ہوئے مناظر.... نیند کے دباؤ اور سردی کی زیادتی کی وجہ سے ذہن گویا پتھر کی سیل بن کر رہ گیا تھا۔

وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا.... اندھیرے میں کوتوالی انچارج انسپکٹر جگدیش بھی اُسے نظر انداز ہی کر گیا تھا ورنہ اُس کی وجہ سے کچھ دیر تو زبان ہلانی ہی پڑتی۔

اُسے نہیں معلوم کہ پولیس کی آمد پر کیا ہوا تھا.... واپسی میں اُس کی بجائے جگدیش کا اسسٹنٹ کیڈی ڈرائیور کررہا تھا۔

اُسے پچھلی سیٹ پر بیٹھنا پڑا تھا تاکہ فریدی کی دیکھ بھال کرسکے.... فریدی کا جسم اب کچھ

اسی طرح تپ رہا تھا جیسے لوہے کا کوئی بہت بڑا ٹکڑا بھٹی سے نکال کر ٹھنڈا ہونے کیلئے ڈال دیا گیا ہو۔

ذہنی کیفیت سرسامی سی تھی۔ لیکن باتیں ہوش کی تھیں.... ابھی تک زبان سے کوئی ایسا جملہ نہیں نکلا تھا جو موجودہ سچویشن سے متعلق نہ ہوتا۔ لیکن اس سے پہلے کبھی حمید نے اُسے بڑی بڑی قسمیں کھاتے نہیں سنا تھا.... اور اسی بناء پر اس نے اندازہ لگایا تھا کہ ذہن قابو میں نہیں ہے۔

کیڈی کچھ دیر بعد پولیس ہسپتال کی کمپاؤنڈ میں رکی.... چار بجنے والے تھے۔ فریدی کو پرائیویٹ وارڈ کے ایک کمرے میں پہنچادیا گیا۔ انسپکٹر جگدیش حمید کا ہاتھ پکڑے اُسے میٹرن کے کمرے کی طرف لے جارہا تھا۔

"مجھے تو تمہاری حالت بھی بہتر نہیں معلوم ہوتی....!" جگدیش کہہ رہا تھا۔

"تم ہی کچھ بتاؤ کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا.... اور تم وہاں کیسے جا پہنچے تھے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ حالانکہ اُسے اس شدت سے غصہ آنا چاہئے تھا کہ جگدیش کے منہ پر الٹا ہاتھ رسید کردیتا۔

میٹرن کے کمرے میں دو نرسیں جن کی ڈیوٹی ختم ہونے والی تھی بیٹھی کافی پی رہی تھیں انسپکٹر جگدیش کو دیکھ کر کھڑی ہوگئیں۔

"بیٹھئے بیٹھئے....!" جگدیش نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ "کافی اور ہے....!"

"بہت جناب....!" ایک نے مسکرا کر جواب دیا۔ "تشریف رکھئے۔"

دوسری حمید کو اس طرح گھور رہی تھی جیسے پہچاننے کی کوشش کررہی ہو۔

حمید نے پتہ نہیں کس طرح ایک کپ کافی حلق سے اتاری۔ وہ جلد از جلد فریدی کے پاس پہنچنا چاہتا تھا۔

جگدیش نے پھر اُسے ٹٹولنا چاہا.... لیکن اس بار حمید بُری طرح جھلا گیا۔

"بکواس بند کرو.... میں کچھ نہیں جانتا۔" اُس نے کہا غالباً کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا کہ میٹرن کمرے میں داخل ہوئی۔

"اوہ.... انسپکٹر....!" اُس نے جگدیش کو مخاطب کیا۔ "سردی کا شدید ترین اثر.... حالت بہتر نہیں ہے.... ایسی حالت میں مریض کو یہاں لانے کی بجائے کوٹھی ہی پر طبی امداد طلب کی جانی چاہئے تھی۔"

"فریدی صاحب سفر میں تھے۔" جگدیش بولا۔

"آپ غالباً سارجنٹ حمید ہیں....!" اُس نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ دونوں نرسیں ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑائی تھیں اور ایک نے جھپٹ کر حمید کیلئے دوسرا کپ تیار کیا تھا۔

"شکریہ....!" حمید اُس کے ہاتھ سے کپ لیتا ہوا زبردستی مسکرایا۔

"آپ محتاط رہئے جناب....!" میٹرن اُس سے بولی۔ "موسم بڑا واہیات جارہا ہے۔"

"فریدی صاحب کی حالت زیادہ تشویش ناک تو نہیں....!"

"سر سام.... آپ خود اندازہ کر سکیں گے۔"

"مجھے جانا چاہئے۔" حمید خالی کپ میز پر رکھتا ہوا بڑبڑایا۔

"پندرہ منٹ سے پہلے آپ نہیں مل سکیں گے جناب۔" میٹرن نے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

دونوں نرسیں حمید کے قریب آکھڑی ہوئیں.... وہ پائپ میں تمباکو بھرنے لگا تھا۔ پھر جب وہ لائٹر کے لئے جیبیں ٹٹولنے لگا تو ان میں سے ایک مینٹل پیس کی طرف جھپٹی اور دوسری نے کہا۔ "دیا سلائی حاضر ہے جناب۔"

"بہت بہت شکریہ....!" حمید شائد پہلی بار اُن کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ جگدیش میٹرن سے گفتگو کر رہا تھا۔ وہ اُسے بتا رہا تھا کہ کس طرح اُسے اس وقت ایک بڑی دردناک سچویشن سے دوچار ہونا پڑا تھا۔

یک بیک ایک نرس کسٹمز کوارٹر کے نام پر چونکی۔

"کن کوارٹرز کا تذکرہ ہے جناب۔" اُس نے پوچھا۔

"نیشنل لیدر فیکٹری کے قریب والے....!"

"کیا....؟" وہ بُری طرح بوکھلا گئی۔

حمید نے جگدیش کو اشارہ کیا کہ اب وہ خاموش رہے اور خود نرس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "اٹھارواں کوارٹر....!"

"اوہ....اوہ....!" وہ اپنی پیشانی رگڑتی ہوئی کرسی میں ڈھیر ہو گئی۔

"کیوں....؟" حمید کا لہجہ اس بار کھردرا تھا۔

"جج....جی....!" نرس چونک پڑی۔ "کچھ نہیں....!"

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے نادانستگی میں اُس سے کوئی غیر مناسب حرکت سرزد ہوئی ہو اور اب فکر ہو کہ کسی طرح اس کا ازالہ ہو جائے۔

"آپ اٹھارویں کوارٹر کے حوالہ پر کچھ۔" حمید نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جملہ ادھورا ہی چھوڑ دیا۔

"نہیں.... قطعی نہیں.... نہیں تو جناب بھلا میں کیوں۔" وہ زبردستی ہنستی ہوئی بولی۔

"واہ.... ٹھیک ہی سنا تھا.... آپ کے بارے میں۔ بس جس کے پیچھے پڑ جائیں۔"

حمید نے جگدیش کی طرف دیکھا جو پلکیں جھپکائے بغیر نرس کو گھورے جا رہا تھا۔ پھر وہ تیزی سے میٹرن کی طرف مڑا.... "بھئی سنئے.... میں انسپکٹر تک جلد از جلد پہنچنا چاہتا ہوں۔"

"پانچ منٹ اور انتظار کیجئے۔" میٹرن نے جواب دیا.... اور دوسری نرس سے بولی۔ "کافی اور ہو تو مجھے بھی دو۔"

حمید نے سبھوں کی نظریں بچا کر جگدیش کو اشارہ کیا کہ وہ کمرے سے چلا جائے۔

میٹرن کافی پینے میں محو تھی اور دوسری نرس غالباً اس فکر میں تھی کہ ہیٹر پر کچھ مزید پانی بھی رکھ دے۔

حمید اُسی نرس کی جانب متوجہ رہا جس سے کوارٹر نمبر اٹھارہ کے متعلق گفتگو ہوئی تھی۔

لیکن وہ خلاء میں گھورے جا رہی تھی۔

باہر کھڑکی میں جگدیش کا چہرہ نظر آیا.... غالباً وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ برآمدے میں بھی اُس کی موجودگی ضروری ہے یا نہیں۔

حمید نے اُسے رکنے کا اشارہ کیا اور خود بھی باہر آگیا۔ اُس کی حالت کافی سنبھل گئی تھی اور ذہن کسی بھی مسئلے سے الجھنے کے لئے تیار تھا۔

"اس پر کڑی نظر رکھو۔" اس نے جگدیش سے کہا۔ "اگر اپنے گھر جائے تو وہاں بھی باہر تمہارے کسی آدمی کی موجودگی ضروری ہے۔ شائد تم اسے پہلے سے جانتے ہو۔"

"ہوں....اُوں....!" جگدیش کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کوارٹر نمبر اٹھارہ سے متعلق وہ ضرور کوئی خاص بات جانتی ہے.... میں دیکھوں گا.... رجنی نام ہے۔"

حمید پرائیویٹ وارڈ کی طرف بڑھ گیا.... فریدی کے کمرے میں ایک نرس موجود تھی۔ حمید نے دروازے میں قدم رکھتے ہی فریدی کی بڑبڑاہٹ سنی۔ لیکن یہ کہنا محال تھا کہ وہ نرس سے مخاطب ہے، یونہی بڑبڑا رہا ہے۔

آنکھیں چھت سے لگی ہوئی تھیں.... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دیر سے پلکیں نہ جھپکی ہوں حمید یہ آہستگی بستر کے قریب پہنچا۔

فریدی کہہ رہا تھا۔ "درندگی.... اوہ.... وہ تنہا سا بچہ.... اپنے اُس بڑے خسارے سے ناواقف جس کے لئے وہ زندگی بھر روئے گا.... میرے معبود.... کیا آدمی سے زیادہ وحشی جانور بھی تو نے پیدا کئے ہوں گے.... میں پھر قسم کھاتا ہوں.... اُن میں سے ایک ایک کا سر کچل دوں گا.... نرس پانی....!"

پھر اُس نے حمید کی طرف گردن گھمائی تھی اور اُسے اس طرح گھور رہا تھا جیسے اُس دردناک قتل میں اُس کا بھی ہاتھ رہا ہو۔

"گٹ آؤٹ....!" وہ یک بیک دہاڑا۔

"او کے.... باس....!" حمید نے سلیوٹ کرنے کے سے انداز میں ہاتھ اٹھایا اور تیزی سے دروازے کی طرف مڑ گیا۔ نرس نے بھی اُسے اشارہ کیا تھا کہ وہ چلا ہی جائے۔

کیفیت سر سامی ہے۔ حمید نے سوچا لیکن زبان سے نکلنے والے الفاظ مفہوم رکھتے تھے۔ انہیں آنمل یا بے جوڑ نہیں کہا جا سکتا۔ تو گویا.... یہ آدمی.... بیہوشی کے عالم میں بھی عجیب ہی ثابت ہوا ہے۔

غیر متوقع طور پر راستے میں جگدیش سے مڈبھیڑ ہو گئی۔

"کیوں....؟" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"وہ بیہوش ہو گئی ہے....!" جگدیش نے کہا۔

"کیسے....!"

"اس کا وینٹی بیگ سامنے والی میز پر رکھا ہوا تھا۔ دوسری نرس نے میٹرن کے لئے کافی بنائی تھی پیالی.... رکھنے کے لئے اُس نے وینٹی بیگ ایک طرف ہٹانا چاہا تھا۔ دفعتاً رجنی بوکھلائے ہوئے انداز میں کہتی اٹھی.... "ٹھہرو اسے ہاتھ نہ لگانا".... اور چار قدم چل کر ڈھیر ہو گئی۔"

"زہر....!"

"نہیں.... بس بیہوشی.... چہرہ پسینے سے بھیگا ہوا تھا۔"

"ہوں.... تم نے وینٹی بیگ تو چیک کیا ہی ہو گا۔"

"اب.... ابھی تو نہیں....!"

"آؤ....!" حمید تیزی سے آگے بڑھتا ہوا بولا۔

بیہوش رجنی کو اسٹریچر پر لٹا کر باہر لے جایا جا رہا تھا.... حمید کی نظر سب سے پہلے وینٹی بیگ ہی پر پڑی.... وہ اب بھی میز پر ہی تھا.... یہاں شائد کسی نے اُس کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔

"کیا آپ یہیں تشریف رکھیں گے...." میٹرن نے دروازے میں رک کر پوچھا۔

"جی....!" حمید نے اُس کی طرف مڑے بغیر جواب دیا۔

اب اُن دونوں کے علاوہ کمرے میں اور کوئی نہیں تھا۔ حمید نے وینٹی بیگ اٹھایا۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا تھا۔

"کیا ہوا....!" جگدیش نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

"ساڑھے گیارہ روپے...." حمید نے گھٹی گھٹی سی آواز میں جواب دیا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"اس بیگ میں صرف ساڑھے گیارہ روپے ہیں۔"

"پھر....؟" جگدیش نے احمقانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

"میں کیا بتاؤں۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ "ساڑھے گیارہ روپے کی اہمیت.... نہیں.... میرے بس سے باہر ہے.... میں کسی بنئے کی اولاد نہیں....!"

"پھر چوٹ کی تم نے....!" جگدیش جھنجھلا گیا۔ حمید اُس کی طرف دھیان دیئے بغیر بیگ کے دوسرے خانوں کا جائزہ لینے لگا.... جگدیش اُسے بدستور گھورے جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد حمید نے سیٹی بجانے کے سے انداز میں ہونٹ سکوڑے اور کنکھیوں سے جگدیش کی طرف دیکھا اور پھر پوری طرح متوجہ ہو کر بولا۔ "فریدی صاحب بے ہوش نہیں ہیں۔"

"ذرا لپک کر پوچھنا تو کہ تین بٹا چار کی چوتھائی کا کیا بنا۔"

"کیا مطلب....!"

"ہمارے نجی اشارے ہیں۔" حمید نے بے حد سنجیدگی سے جواب دیا۔ "جلدی کرو۔"

"تین بٹا چار کی چوتھائی....!" جگدیش ذہن نشین کرنے کے سے انداز میں بڑبڑایا۔ "اچھا" اور پھر وہ دروازے کی جانب مڑ گیا۔

حمید کھڑکی سے دیکھتا رہا۔ جب وہ سامنے والی عمارت کے موڑ پر نظروں سے اوجھل ہو گیا اُس نے وینٹی بیگ سے ایک پیکٹ نکالا اور اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔

پھر وینٹی بیگ کو بھی دوبارہ اُس کی اصل جگہ پر پہنچانے میں دیر نہیں لگائی۔

چند لمحوں بعد وہ آرام کرسی میں پڑا ہوا پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔

دھندلکے پر افق کی سرخیوں کی چھوٹ پڑنے لگی تھی۔ پائپ سلگانے سے پہلے اُس نے ایک طویل انگڑائی لی۔

باہر برآمدے میں کھڑکی کے قریب ایک چہرہ نظر آیا.... لیکن وہ انسپکٹر جگدیش نہیں ہو سکتا تھا۔

وہ کھڑکی سے ہٹ کر دروازے کے قریب آ گیا۔ کوئی میل نرس معلوم ہوتا تھا۔ غالباً ڈیوٹی ہی پر تھا ورنہ جسم پر ایپرن کیوں ہوتا۔

"رجنی کا وینٹی بیگ یہی ہے نا....؟" اُس نے وینٹی بیگ کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"پتہ نہیں....!" حمید نے شانوں کو جنبش دی۔

"وہ ہوش میں آ گئی ہے....!" اُس نے کہا اور بیگ سنبھال کر کمرے سے نکل گیا۔

حمید کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہوئی جا رہی تھیں۔ لیکن اُس نے سو رہنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ کیونکہ اب وہ اپنی حرکت کا ردعمل دیکھنا چاہتا تھا۔ ایک ساتھ دو پانسے پھینکے تھے ایک تفریحاً تھا اور دوسرا کام کا۔ مگر تفریحی کیوں؟ کام ہی کے سلسلے میں تو وہ تفریح ہاتھ آئی تھی۔ یعنی جگدیش کی موجودگی میں وہ اُس وینٹی بیگ پر ہاتھ نہیں صاف کرنا چاہتا تھا۔

اُس نے سوچا.... "تین بٹا چار کی چوتھائی۔" فریدی کو فارسی بولنے پر مجبور کر دے گی.... پھر جگدیش پر جو کچھ بھی گذرے.... یقینی طور پر اُس کی حجامت بن گئی ہو گی.... حمید بے ساختہ مسکرا پڑا۔

پھر اُس کا ذہن بیہوش رجنی کی طرف منتقل ہو گیا۔ اب اُس نے اپنا وینٹی بیگ کھولا ہو گا....

اور وہ چیز تلاش کر رہی ہو گی جس کے لئے اُس نے وینٹی بیگ میں ہاتھ لگانے سے منع کیا تھا....

منع کیا تھا.... اوہ.... وہ یک بیک اچھل کر کھڑا ہو گیا.... ایک خیال تیزی سے اُس کے ذہن میں آیا تھا.... ہوش آنے پر تو وہ خود ہی دوڑی آتی.... کسی دوسرے سے بیگ منگوانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا.... تو پھر کیا وہ دھوکا تھا....؟ کوئی تیسری پارٹی بھی اس بیگ میں دلچسپی لے سکتی ہے.... کیا اور کوئی اُسے اڑا لے گیا۔

حمید تیزی سے اٹھا لیکن ابھی دروازے کی طرف مڑا بھی نہیں تھا کہ خود رجنی مخبوط الحواس لوگوں کے سے انداز میں کمرے میں داخل ہوئی۔

"میرا بیگ....!" وہ حلق پھاڑ کر چیخی.... اور پھر دروازے کی طرف مڑی ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُس نے حمید کی طرف دیکھا ہی نہ ہو۔

اب وہ میٹرن سے مخاطب تھی۔ "میرا بیگ.... میرا بیگ....!"

میٹرن نے حمید کی طرف دیکھا۔

"یہاں میز پر ایک وینٹی بیگ موجود تھا۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

"پھر.... وہ کہاں گیا....!" رجنی وحشیانہ انداز میں چیخی۔

"کچھ دیر ہوئی ایک میل نرس تمہارے حوالے سے اٹھا لے گیا۔ اُس نے کہا کہ رجنی کو ہوش آ گیا ہے.... اپنا وینٹی بیگ مانگ رہی ہے.... بس وہ لے گیا۔"

"یہ جھوٹ ہے....!" رجنی میٹرن کی طرف مڑی۔ "کھلا ہوا جھوٹ۔"

"ہاں.... یہ تو ابھی ہوش میں آئی ہے۔" میٹرن متفکرانہ انداز میں بولی پھر چونک کر پوچھا۔ "تم اُس کے لئے پریشان کیوں ہو۔ اُس میں کیا تھا.... کوئی بڑی رقم....!"

"رقم.... نہیں.... تت.... تصویر...." وہ شرابیوں کے سے انداز میں جھکولے لیتی ہوئی بولی۔ "بچاؤ.... مجھے بچاؤ سارجنٹ پلیز...." بیہوشی کا دوسرا حملہ۔

دوسری چوٹ

حمید ایک بار پھر فریدی کے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔

صبح کی پہلی کرنیں عمارت کی بالائی منزلوں پر رینگنے لگی تھیں۔

برآمدے میں پہنچ کر حمید نے رفتار کم کر دی۔ اتنی احتیاط سے قدم اٹھا رہا تھا کہ پیروں کی چاپ قریب سے بھی نہ سنی جا سکتی۔

کمرے کا دروازہ بند تھا اور اندر سے آواز آ رہی تھی۔ "تین بٹا چار کی چوتھائی.... تین بٹا چار کی چوتھائی.... تین بٹا چار کی چوتھائی۔"

جگدیش کی آواز پہچان لینے کے بعد حمید بدقت تمام اپنا قہقہہ روک سکا۔ پتہ نہیں اُس پر کیا گذری کہ وہ "تین بٹا چار کی چوتھائی۔" کا وظیفہ اتنی تیزی سے کئے جا رہا تھا۔

اُس نے ایک انگلی سے دروازے پر آہستہ آہستہ دستک دی.... دروازہ تھوڑا سا کھلا اور نرس کا سر باہر نکل آیا۔

"اوہ... سارجنٹ... پلیز... کسی طرح انسپکٹر کی جان بچایئے۔" نرس نے آہستہ سے کہا۔

"کیا مطلب....!" حمید چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

"وہ شاید آپ ہی کا کوئی پیغام لائے تھے.... فریدی صاحب کو غصہ آ گیا۔ بولے کہ دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ اور جب تک مجھ سے کوئی جواب نہ ملے بلند آواز میں پیغام دہراتے رہو۔"

حمید بے ساختہ ہنس پڑا لیکن نرس اُسے اس طرح گھورنے لگی جیسے اُس کی ذہنی صحت مندی پر بھی شبہ کر رہی ہو۔

"مجھے اندر جانے دو....." حمید نے سنجیدگی اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں... معافی چاہتی ہوں جناب انہوں نے کہا ہے کہ اب کسی کو بھی اندر نہ آنے دوں۔"

"تو پھر جگدیش کیسے باہر آئے گا۔"

"دیکھئے میں پھر کوشش کرتی ہوں....!" نرس نے کہا اور سر اندر کھینچ کر پھر دروازہ بند کر لیا۔

کچھ دیر بعد دروازہ پھر کھلا اور چشم زدن میں بند ہو گیا۔ جگدیش حمید کے قریب کھڑا ہانپ رہا تھا۔ ایسا لگا جیسے اُسے کمرے سے دھکیل کر دروازہ بند کیا گیا ہو۔

"کیا ہوا....؟" حمید نے بڑی صفائی سے قہقہہ ضبط کیا۔

جگدیش نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ بس ہانپتا اور خواہ مخواہ مسکراتا رہا.... جھینپی ہوئی

مسکراہٹ بار بار ہونٹوں پر نظر آتی اور اس طرح غائب ہو جاتی جیسے کسی آٹو میٹک کنٹرول کی رہین منت ہو.... پھر یک بیک وہ بالکل سنجیدہ نظر آنے لگا۔

"کیا بات ہے.... تم بولتے کیوں نہیں۔"

"انسپکٹر صاحب کی ذہنی حالت....؟" جگدیش نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔

"اوہ تو کیا.... وہ اب بھی سرسام کے زیر اثر ہیں۔"

"خدا جانے.... لیکن.... اوہ تم خود سوچو.... میں نے تمہارا پیغام اُن تک پہنچانے سے پہلے نرس سے پوچھ لیا تھا.... اُس نے بتایا کہ وہ ہوش میں ہیں اُن سے گفتگو کی جا سکے گی.... میں نے تمہارا پیغام پہنچایا بس ایک دم بھڑک اٹھے.... کہنے لگے دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ اور اس وقت تک پیغام دہراتے رہو جب تک کہ میں کوئی جواب نہ دوں.... پون گھنٹہ ہو گیا.... اب بتاؤ۔"

حمید کے چہرے پر بھی تشویش کے آثار نظر آئے.... وہ پھر دروازے کی طرف بڑھا اور دستک دی۔

"دفع ہو جاؤ۔" اندر سے فریدی کی غراہٹ سنائی دی۔ "چلے جاؤ ورنہ جان سے مار دوں گا۔"

حمید پھر نیچے ہٹ آیا۔

"بب.... بیچاری.... نرس....!" جگدیش ہکلایا۔

"کیوں.... نرس کو کیا ہوا....!"

"دم نکلا جا رہا ہے غریب کا.... مگر ڈیوٹی.... ڈیوٹی ہے۔"

"بیوٹی۔" حمید نے بائیں آنکھ دبائی.... پھر یک بیک سنبھل کر بولا۔ "چلو.... رجنی پھر بیہوش ہو گئی ہے۔"

ساتھ ہی اُسے بعد کی کہانی بھی دہرانی پڑی۔

"مم.... مگر.... وینٹی بیگ میں تو کوئی ایسی خاص چیز بھی نہیں تھی۔" جگدیش نے کہا۔

"خدا جانے....!" حمید لاپروائی سے بولا۔ وہ میٹرن کے کمرے کے قریب پہنچ چکے تھے۔ کمرہ خالی نظر آیا.... برآمدے میں ایک مڈوائف نے بتایا کہ وہ لوگ بیہوش رجنی کو آپریشن تھیٹر کی طرف لے گئے ہیں اور اس کی ناک سے خون بہہ رہا تھا۔

حمید نے تیزی سے قدم بڑھائے اور پھر دوڑنے لگا۔ وہ آپریشن تھیٹر کی طرف جا رہا تھا۔

"ٹھہرو تو.... سنو تو سہی۔" جگدیش نے آواز دی لیکن رکنا تو درکنار حمید نے مڑ کر دیکھا تک نہیں۔

آپریشن تھیٹر والے برآمدے میں میٹرن سے مڈبھیڑ ہوئی۔

"اوہ سارجنٹ.... خدا اُسے زندہ رکھے میرا خیال ہے کہ برین کی کوئی رگ پھٹ گئی ہے۔" میٹرن نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ "وہ بہت زیادہ مضطرب نظر آ رہی تھی۔"

"پھر....!"

"ڈاکٹر بنرجی اُسے دیکھ رہے ہیں۔"

"آپریشن....!"

"فوری طور پر ناممکن ہے۔"

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ اُس نے جیب میں پڑے ہوئے سخت سے پیکٹ کو ٹٹولا اور پھر جگدیش کو گھورنے لگا۔

"کتنے میل نرس اس وقت ڈیوٹی پر ہیں...." تھوڑی دیر بعد اُس نے میٹرن سے پوچھا۔

"رجسٹر دیکھ کر بتا سکوں گی۔"

ایک گھنٹے کے اندر اندر وہ تمام میل نرس بھی طلب کر لئے گئے جو رات کی ڈیوٹی ختم کر کے اپنے کوارٹرز میں آرام کر رہے تھے.... لیکن حمید کو وہ آدمی نہ مل سکا جو رجنی کا وینٹی بیگ لے گیا تھا۔

پھر وہ پیکٹ حمید کے ذہن میں بُری طرح چبھنے لگا.... اُس کا اندازہ تھا کہ اُس میں کچھ رنگین لفافے اور تصاویر ہیں.... جن کے گوشے پھٹے ہوئے پیکٹ سے جھانکتے نظر آئے تھے۔

فریدی کا رویہ سمجھ سے باہر تھا۔ وہ فیصلہ نہ کر سکا کہ اسے کیا سمجھا جائے۔

اب تو بھوک اور نیند کی وجہ سے حالت غیر ہونے لگی تھی.... اُس نے سوچا کھسک ہی جانا چاہئے.... لیکن فریدی.... اور رجنی تو اب بھی بیہوش پڑی تھی۔

ماہرین کی رائے تھی کہ فوری طور پر آپریشن خطرناک ثابت ہوگا۔ اس لئے وہ آپریشن تھیٹر سے باہر نہ لائی گئی۔

کچھ دیر بعد فریدی پر بھی ماہرین کی ایک ٹیم جھک پڑی.... لیکن حمید اُن کا فیصلہ سننے کے

لئے وہاں نہ ٹھہر سکا۔ بھوک نیند اور جیب میں پڑے ہوئے پیکٹ نے اُسے کوٹھی کی راہ لینے پر مجبور کر ہی دیا۔ سب سے زیادہ اضطراب پیکٹ سے متعلق تھا.... آخر کیا تھا اس میں؟

بھوک کی شدت نے اُسے آرلکچو کی کمپاؤنڈ میں رکنے پر مجبور کر دیا۔

کیڈی سے اُترا اور سیدھا انکوائری کیبن کی طرف چلا گیا۔ فون پر پولیس ہسپتال کے نمبر رنگ کئے۔ فریدی اور رجنی کے متعلق تازہ ترین اطلاعات چاہتا تھا۔

رجنی اب بھی بیہوش تھی اور فریدی کا بخار ہلکا تھا لیکن ذہنی کیفیت اعتدال پر نہیں آئی تھی۔ حمید نے ریسیور رکھ کر ایک طویل سانس لی اور ڈائننگ ہال کی طرف چل پڑا۔

بھوک کی شدت میں اکثر پہلا ہی نوالہ ذہن پر کچھ ایسے ناگوار اثرات مرتسم کرتا ہے کہ کھانے سے توبہ ہی کرتے بن پڑتی ہے.... حمید نے بھی سلائس رکھ دیا اور فی الحال صرف چائے پر ٹالنے کی کوشش کی.... وہ جانتا تھا کہ شائد دن میں سونا بھی نصیب نہ ہو۔ اس لئے معدے کو جتنا ہلکا رکھا جائے اتنا ہی بہتر ہوگا۔

چائے کی دو پیالیاں حلق میں انڈیل کر اُس نے کوٹ کی اندرونی جیب ٹٹولی۔

کہاں دیکھا جائے اسے؟.... اُس نے سوچا۔ گھر تک پہنچنے میں تقریباً بیس منٹ صرف ہوتے.... اور یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ آرلکچو سے نکلتے ہی وہ گھر کی طرف روانہ ہو جاتا۔

تھوڑی دیر تمباکو نوشی کے بعد وہ اٹھا اور سیدھا غسل خانوں والی لائین کی طرف چلا گیا.... تصویر....؟ کیسی تصویر ہوگی.... وہ سوچ رہا تھا۔

باتھ روم کا دروازہ بہت احتیاط سے بند کیا.... سوئچ آن کر کے بلب روشن کیا.... اور جیب سے پیکٹ نکال کر متفکرانہ انداز میں اُسے الٹتا پلٹتا رہا.... پھر فیتہ کھولنے لگا۔

"اوہ....!" اُس کے ہونٹوں نے تنگ سا دائرہ بنایا.... تصویر....؟ مگر تصویر کیوں؟

وہ تو درجنوں تصویریں تھیں.... مختلف افراد کی....

عورتیں.... مرد اور بچے.... بہتیرے کارڈوں پر صرف مناظر تھے ایک بھی ایسی تصویر نہ دکھائی دی جسے وہ کسی قسم کی اہمیت دے سکتا۔

پیکٹ دوبارہ باندھ کر جیب میں ٹھونستا ہوا باتھ روم سے نکل آیا۔ اُس کے ہونٹوں کے کھنچاؤ سے بیزاری مترشح تھی۔ پھر گھر پہنچتے پہنچتے اُسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے پلکیں متورم ہو گئی

ہوں۔ آنکھوں میں شدید قسم کی جلن موجود تھی۔

چار بجے شام تک اُس کی خواب گاہ میں خراٹے گونجتے رہے اور خراٹے بھی ایسے کہ دروازہ پیٹے جانے کا شور بھی اُن میں مدغم ہو کر رہ جاتا۔ بھلا پھر آنکھ کیسے کھلتی۔ ملازموں کو دانتوں پسینہ آگیا تھا اور جگدیش اُن کے سروں پر مسلط تھا.... بدقت تمام حمید جاگا.... اور اچھی طرح ہوش آنے سے پہلے ہی اُس نے رجنی کی موت کی خبر سنی.... آپریشن ہو جانے کے بعد ڈاکٹر مطمئن تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ وہ خطرے سے باہر تھی۔ آپریشن کامیاب ہوا تھا.... لیکن اچانک تین بجے بیہوشی کی حالت میں اُسے خون کی قے ہوئی اور پھر اُس نے دم توڑ دیا۔

ڈاکٹروں ماہرین اس پر متفق ہیں کہ حقیقتاً اُس کی موت کسی قسم کے زہر سے واقع ہوئی ہے۔"

جگدیش نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں نہیں سمجھا۔" حمید نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔

"آپریشن کے بعد ہی زہر انجکٹ کیا گیا تھا....!"

"پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"نہیں.... ابھی پوسٹ مارٹم نہیں ہوا۔ لیکن زہر کی ساری علامات موجود ہیں۔"

"ہوں....!" حمید کسی سوچ میں پڑ گیا.... جگدیش اُسے اپنے ساتھ باہر لے جانا چاہتا تھا۔ کسٹمز کوارٹر کے اٹھارویں مکان تک جہاں پچھلی رات ایک دردناک قتل ہوا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد اُن کی جیپ سڑک پر نظر آئی۔

"کیا رجنی کی موت...." جگدیش نے کچھ کہنا چاہا لیکن حمید نے جملہ پورا نہ کرنے دیا۔

"میری سنو....!" وہ سامنے نظر جمائے ہوئے بولا۔ "فریدی صاحب اب کس حال میں ہیں۔"

"وہ ابھی تک مجھے نہیں پہچان سکے۔" جگدیش نے طویل سانس لی۔

"بخار....!"

"بخار قطعی نہیں ہے....!"

"میں نہیں سمجھ سکتا۔ کیا چکر ہے...." حمید بڑبڑایا۔ "پچھلی رات تو سرسامی کیفیت کے دوران میں ہذیان بھی بے ربط نہیں تھا۔ اب کیا ہوا۔"

جگدیش کچھ نہ بولا۔ جیپ پرنسٹن کے علاقے میں فراٹے بھر رہی تھی۔ اس وقت جیپ غالباً

اسی لئے نکالی گئی تھی کہ وہ سڑک سے جانے کی بجائے مختصر ترین راستہ اختیار کریں۔ لیکن منزل مقصود تک پہنچنے سے قبل ہی سورج غروب ہو گیا۔

"کیا مصیبت ہے۔" کچھ دیر بعد حمید بڑبڑایا۔ "کیا ہم راستہ بھٹک گئے ہیں۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔"

"سوچ رہے ہو۔" وہ اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "اور یہ جیپ تمہارے خیالات کی پابند ہے!"

"یار سمجھ میں نہیں آتا کہ تم جیسے لوگ اس محکمے کا رخ کیوں کرتے ہیں۔"

"اے تو مجھے کیوں کھانے دوڑتے ہو.... اسٹیئرنگ تمہارے ہاتھ میں ہے یا میرے۔"

"غلط جا رہے تھے تو ٹوکنا چاہئے تھا مادھوجی....!"

"اتنے عقلمند آدمی کو ٹوکنا بھی حماقت ہے۔" جگدیش بھی شائد تفریح کے موڈ میں تھا۔

"ایڈیٹ....!" حمید ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑایا۔ پھر جھلا کر بولا۔ "پتہ نہیں ہم کدھر جا رہے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ لیدر فیکٹری دور نہیں ہے.... کیا تم ایک خاص قسم کی بو نہیں محسوس کر رہے....!"

"اتنی تیز بو رکھنے والوں کے گلے میں پٹہ نظر آتا ہے اور وہ باندھ کر رکھے جاتے ہیں۔" حمید نے جلے بھنے لہجے میں کہا۔

"فکر نہ کرو.... اس راستے پر گاڑی لگائے رکھو.... پہنچیں گے ضرور۔" جگدیش اُس کی جھلاہٹ سے لطف انداز ہو رہا تھا۔

راستہ کچا تھا جس پر بیل گاڑیوں کے پہیوں کے گہرے نشانات تھے اور دونوں طرف اونچی اونچی کھائیوں پر سرکنڈے کی جھاڑیاں تھیں۔

دفعتاً بائیں جانب سے کسی سیاہ سی چیز نے جیپ پر چھلانگ لگائی اور ٹھیک پچھلی نشست پر آئی.... اور دو فولادی پنجے اُن دونوں کے گردنوں میں پیوست ہو گئے۔

"گاڑی روکو....!" پتہ نہیں آدمی کی آواز تھی یا کسی چیتے کی غراہٹ.... حمید نے یکلخت گاڑی روک دی۔ لیکن انجن نہیں بند کیا۔

پھر یک بیک اُس نے دیکھا کہ جگدیش اپنی سیٹ سے اچھل کر دائیں جانب والی جھاڑیوں میں

جاگرا۔

"خبر دار.... جہاں ہو وہیں ٹھہرو۔" میرے ہاتھ میں ریوالور ہے.... اور اُس کا رخ تمہاری ہی طرف ہے۔" غراہٹ نما آواز پھر حمید کے کانوں سے ٹکرائی غالباً حملہ آور نے جگدیش کو مخاطب کیا تھا۔ اُس کا داہنا ہاتھ تو اب بھی حمید کی گردن ہی پر تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے فولادی انگلیاں گوشت اور پٹھوں کو چھیدتی ہوئی گردن کی ہڈی تک پہنچ جائیں گی۔

دوسری طرف جگدیش سوچ رہا تھا خود اُس کے ہولسٹر میں ریوالور تو موجود ہے.... لیکن وہ کرے گا کیا؟.... اگر فائر کرے تو ہو سکتا ہے کہ حمید ہی کے گولی لگ جائے.... اندھیرے میں دونوں کے درمیان فرق کرنا بڑا مشکل کام تھا۔

پھر یک بیک وہ مجسم جھلاہٹ بن گیا۔ بُری طرح تاؤ آیا حملہ آور پر کیونکہ اُس نے اُسے ایک ہلکے پھلکے بچے کی طرح جیپ سے اچھال کر پھینکا تھا۔ اگر وہ ذرہ برابر بھی مزاحمت کرتا تو اُس وقت شائد گردن شانوں پر موجود نہ ہوتی۔ حملہ آور کی گرفت اتنی ہی مضبوط تھی۔

ادھر حمید نے چاہا تھا کہ اسٹیئرنگ سے ہاتھ ہٹائے دفعتاً حملہ آور غرایا۔

"نہیں.... دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ پر رکھو.... ورنہ ختم ہی کر دوں گا۔"

ساتھ ہی گردن پر اُس کی گرفت کچھ اور تنگ ہو گئی۔ حمید نے محسوس کیا کہ اُس کی دھمکی غلط نہیں ہو سکتی۔ دم گھٹ جانے میں کوئی کسر باقی نہ رہے گی۔"

پھر اُس کی کوٹ کی اندرونی جیب میں تصویروں کا پیکٹ اس طرح غائب ہو گیا جیسے خود اُسی کے پر لگ گئے ہوں۔

داہنی جانب کی جھاڑیوں میں زوردار قسم کی کھڑکھڑاہٹ ہوئی۔ حملہ آور ایک ہی جست میں اوپر پہنچ کر غائب ہو چکا تھا۔

حمید کا سر اسٹیئرنگ سے اس طرح ٹکرایا کہ پھر نہ اٹھ سکا۔ کنپٹیاں سنسنا رہی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اب وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہی نہ ہو سکے گا۔ پتہ نہیں اُس گرفت نے کون سی رگیں بھینچ ڈالی تھیں....

دوسری طرف جگدیش ان حالات سے بے خبر زمین سے چپکا ہوا کسی تیندوے کی طرح آہستہ آہستہ کھائی سے نیچے اُتر رہا تھا۔

جیپ کی پشت پر پہنچ کر اُس نے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑیں۔ اسٹیئرنگ پر ایک گٹھر سا نظر آیا.... بے حس و حرکت.... البتہ گہری گہری سانسوں کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

پھر جیب سے سگریٹ لائٹر نکالنا پڑا.... کیونکہ چھوٹی ٹارچ اس اُچھل کود کے دوران کہیں گر گئی تھی۔

حمید اسٹیئرنگ پر ڈھیر تھا.... اُس نے اُسے ہلا جلا کر آوازیں دیں....

حمید نے سر اٹھایا.... آنکھیں حلقوں سے اُبلی پڑ رہی تھیں.... انگاروں کی طرح دہکتی ہوئی۔

"مجھے ہسپتال لے چلو....!" اُس نے کہا۔

"اُس نے کیا.... کیا....؟"

"بکو مت....!" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔ "اسٹیئرنگ کرو....!"

"کہاں.... چلو گے۔"

"جہنم میں....!" حمید آگے پیچھے جھولتا ہوا بولا۔ "کیونکہ وہاں والد صاحب سے ملاقات نہ ہو سکے گی۔ بہت مذہبی آدمی ہیں....!"

"کوارٹر نمبر اٹھارہ....!"

"دس آٹھ.... اٹھارہ.... دس نوانیس.... دس دہائیں.... دہائیں.... دہائیں....!"

اُس کی گردن پشت گاہ پر ڈھلک گئی.... بیہوش ہو چکا تھا۔

واپسی

جگدیش بُری طرح بوکھلا گیا تھا۔ بمشکل تمام اُس نے حمید کو پچھلی سیٹ پر ڈالا اور لائٹر جلا کر بیہوشی کی وجہ دریافت کرنے کی کوشش کی۔ لیکن کامیابی کیونکر ہوتی.... گردن پر زخم تو نہیں تھے۔

ایک بار پھر اُسے پولیس ہسپتال کا رخ کرنا پڑا.... یہ اور بات ہے کہ کمپاؤنڈ میں داخل ہوتے ہی حمید پوری طرح ہوش میں آ گیا ہو۔

"کہاں لے آئے....!" اُس نے کہنی کے بل اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ہسپتال....!" جگدیش خوش ہو کر بولا۔

"گدھے ہو.... نیاگرا لے چلو.... آج وہاں کا کیرے ہے۔"

"کیا مصیبت ہے...." جگدیش ہونٹوں میں بڑبڑایا۔

"کیرے مصیبت ہے.... کیوں....؟" حمید غرایا۔

"ابھی تو مر رہے تھے.... اور اب کیرے....!" جگدیش جھنجھلا گیا۔

"چلو مارٹینی پلاؤں گا.... بھوک کھل جائے گی...." حمید نے نرم لہجے میں کہا۔

"گدھے ہو.... مجھے انسپکٹر صاحب کی فکر ہے۔"

"کسی پاگل کی فکر میں مرے تو اگلے جنم میں پاگل کتا بنا دیئے جاؤ گے۔"

"تمہیں پرواہ نہیں ہے۔"

"مجھے ایسے آدمیوں سے ذرہ برابر دلچسپی نہیں جو سرسام کی حالت میں ڈھنگ کی باتیں لریں اور نارمل کنڈیشن میں کاٹنے دوڑیں۔"

"چلو.... کم از کم.... خیریت تو دریافت ہی کر لیں۔" جگدیش نے نرمی سے کہا۔ کیرے کے نام پر خود اُس کے دل میں بھی گدگدیاں سی ہوا ٹھی تھیں.... پھر خیریت بھی دریافت ہو گئی.... اور ایسی کہ حمید بائیں ٹانگ پر ناچ کر رہ گیا۔

ڈیوٹی ڈاکٹر نے بتایا۔ "وہ سر شام ہی گھر چلے گئے.... بالکل ٹھیک تھے۔ ہم نے ٹیکسی منگوانی چاہی تھی.... لیکن انہوں نے کہا ضرورت نہیں.... ٹہلتا ہوا نکل جاؤں گا۔"

"سنا تم نے....!" حمید نے اتنی اونچی آواز میں کہا جیسے جگدیش بہرہ ہو۔

اور پھر وہ سچ مچ نیاگرہ کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ دونوں کی گردنیں بُری طرح دکھ رہی تھیں۔ جگدیش کو حملہ آور پر پھر تاؤ آ گیا تھا اور حمید سوچ رہا تھا کہ آخر کار پیکٹ ہاتھ سے نکل ہی گیا.... رجنی کی موت اور نمبر اٹھارہ کے قتل کا تعلق کسی حد تک واضح ہو ہی گیا تھا۔

"آخر حملہ آور تھا کون.... مقصد کیا تھا....!" دفعتاً جگدیش نے پوچھا۔

"ہمارا ایک بہت بڑا ہمدرد جو ہمیں ان الجھیڑوں سے نجات دلانا چاہتا تھا مگر بد نصیبی کہیں بھی ساتھ نہیں چھوڑتی.... ایسی بھی کیا سخت جانی.... اُف فوہ! خیر ٹالو.... ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ یہ اسپینی پارٹی بڑی شاندار ہے.... پچھلے سال بھی آئی تھی۔ اس میں ایک لڑکی میلی رون ہے.... آرکسٹرا کے ساتھ گاتی ہے.... جب والز کی موسیقی پر کوئی اسٹار لائٹ سیرے نیڈ

چھیڑتی ہے تو ہائے.... ارے میں تو پچھلے سال بھی ساڑھے تین مہینے تک اُس پر عاشق رہا تھا۔"

"یار تمہارے عشق میری سمجھ میں نہیں آتے۔"

"اپنے ہی کب آتے ہیں! تم کہتے ہو کہ تمہیں اپنی سالی سے عشق ہے....!"

"کیا بکتے ہو....!" جگدیش جھنجھلا گیا۔

"اچھا تو پھر.... مجھے ہی ہو گا۔"

"گاڑی سے نیچے پھینک دوں گا۔"

"کوشش کرو.... اور اپنی سالی کا دل توڑ دو.... اُف فوہ.... یہ سالی بھی کیا چیز ہوتی ہے۔"

"ٹھہر تو سالی بتاتا ہوں....؟ مگر ایک بات ہے پیارے.... سالی اگر کالی نہ ہو تو اُسے سالی سمجھنے کو جی نہیں چاہتا.... سالی.... کالی.... گالی.... اور اُس کے بعد مولانا حالی

بجے سر پہ طبلہ تو ٹھینگے سے اُنکے"

"جیب میں بوتل بھی تھی کیا....؟" جگدیش نے حیرت سے کہا۔ "نشے میں ہو؟"

"کسی کی بھی سالی ہو میرے لئے بے حد نشہ آور ہوتی ہے.... اس لئے دو چار سالیوں کے پتے لکھوا دو.... اپنی یا پرائی کی قید نہیں۔"

"حمید بھائی اب پٹ جاؤ گے۔"

اور حمید نے موج میں آ کر انگلش ٹون میں گانا شروع کر دیا۔

"میلی رون.... میلی رون....!

کتا ہیز اے ڈرائی بون

میلی رون.... اِی اُو.... اِی اُوای

میں دکھیا کتے سے بھی بدتر....

سمجھ مجھے اک اداس خچر

وہاٹ آہیٹر ڈیو ہیوشون

فارمی رون

ای اُوای.... اِی اُوای.... اِی اُو"

جگدیش قہقہے لگاتا رہا۔ حمید اُن ناخوشگوار اثرات سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا جو پچھلی رات سے

اس وقت تک اُس کے ذہن پر مرتسم ہوتے رہے تھے۔

نیاگرا کے ڈائننگ ہال میں تل رکھنے کی بھی جگہ نہ دکھائی دی۔

یہاں کی میزوں کی بکنگ دن ہی دن ہو جاتی تھی.... اور خصوصیت سے جب کوئی اسپیشل پروگرام ہو تب تو تین چار دن پہلے بکنگ کرائے بغیر مناسب جگہ نہیں ملتی تھی۔

انکوئری بوتھ ہی سے اُنہیں معلوم ہو گیا تھا کہ کیبرے ڈنر میں جگہ نہ مل سکے گی۔

جگدیش نے اس ناکامی پر طنزاً کہا "واقعی بڑے بااثر آدمی ہو....!"

اور حمید کو باقاعدہ طور پر تاؤ آ گیا.... کہنے لگا۔ "اچھا ٹھہرو دیکھو.... اثر بھی دیکھو.... بتاؤ کہاں بیٹھو گے۔"

"فرنٹ رو....!"

"یہیں ٹھہرو....!" کہتا ہوا وہ اُس راہداری میں مڑ گیا جہاں منیجر کا کمرہ تھا۔

جگدیش نے بُرا سا منہ بنا کر سر کو جنبش دی اور بوتھ کے کاؤنٹر سے کمر لگا کر کھڑا ہو گیا۔

تقریباً دس منٹ بعد حمید کی واپسی ہوئی۔ لیکن موڈ بہت زیادہ خراب معلوم ہو رہا تھا۔

"کیوں کیا ہوا....؟" جگدیش کے ہونٹوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ نظر آئی۔

"ابھی تو کچھ بھی نہیں ہوا لیکن اب کچھ نہ کچھ ضرور ہو جائے گا۔"

"منیجر پر رعب نہیں پڑا شاید....!"

"خدا کی قسم شدت سے بور ہوں.... بکواس مت کرو۔"

جگدیش نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور حمید کے پیچھے چلتا رہا۔ لیکن جب وہ باہر جانے لگا تو جگدیش نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ "ٹھہرو.... اب میں تمہیں دکھانا چاہتا ہوں کہ میں کتنا بے اثر ہوں۔"

"خود ہی دیکھو....!" حمید جھلا کر مڑا۔ "مجھے تو ملک الموت نے آواز دی ہے۔"

"کچھ بکو بھی تو....!"

جیسے ہی میں نے منیجر کو اپنا وزیٹنگ کارڈ دیا دیکھتے ہی اچھل پڑا اور بے حد مسرور ہو کر بولا۔

"آپ نے بڑی مشکل آسان کر دی.... بھلا میں آپ کو کہاں ڈھونڈتا پھرتا۔"

"کالنگ سسٹم یہاں ختم کر دیا گیا ہے.... ہاں تو جناب آپ کے لئے آپ کے آفیسر کا پیغام

ہے.... فوراً کوٹھی پہنچئے۔"

"اچھی بات ہے۔" جگدیش نے طویل سانس لی۔ "جاؤ بھئی۔ میں ٹیکسی سے آ جاؤں گا۔"

"کیا....؟" حمید نے آنکھیں نکالیں.... "تم ہوش میں ہو یا نہیں۔ یعنی تم یہاں عشق کرو گے.... اور میں....!"

"آہستہ بولو یار....!" جگدیش چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "سب بات دراصل یہ ہے کہ.... یعنی کہ....!"

"ایڈیٹ...." حمید مسکرایا۔ "میں دس عدد آنکھیں رکھتا ہوں۔ مجھے علم ہے کہ یہاں تمہیں کچھ دیر پہلے لتا نظر آئی تھی۔"

"مار ڈالا....!" جگدیش کے حلق سے کراہ سی نکلی۔

"اور وہ اس وقت اپنے انکل کی بجائے کسی ایسے آدمی کے ساتھ تھی جسے تم کینہ توز نظروں سے دیکھتے ہو۔"

"اس لئے مجھ پر رحم کرو۔" جگدیش گھگھیایا۔

"ہوں....!" حمید اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "اچھی بات ہے! لیکن یاد رہے کہ تم آج رات کے واقعہ کا تذکرہ کسی سے بھی نہیں کرو گے۔"

"نہیں پیارے بھائی ہرگز نہیں...." جگدیش احمقانہ انداز میں چہکا۔ "مجھے تو اٹھا کر پھینک دیا تھا سالے نے.... یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔"

"جاؤ.... لتا حافظ....!" حمید تیزی سے پورچ کی طرف مڑ گیا۔

جیپ جو آندھی اور طوفان کی طرح شہر کی جانب روانہ ہوئی تھی ٹھیک سولہویں منٹ پر کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں نظر آئی۔

فریدی بیرونی برآمدے ہی میں ملا اور اوور کوٹ میں تھا۔ سر کی پشت پر جمی ہوئی فلٹ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ابھی ابھی باہر سے واپس آیا ہے۔

"تمہارا چہرہ اترا ہوا ہے...." فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"ٹٹو سے نہیں جیپ سے اترا ہے.... اس لئے فکر نہ کیجئے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"بیٹھ جاؤ....!" فریدی نے سامنے والی آرام کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں.... ہاں....!"

"آدمیوں کی طرح بات کرو.... میں الجھن میں ہوں....!"

"ہونا بھی چاہئے.... میں یہاں آپ کیلئے کوئی ایسی نرس مہیا نہ کر سکوں گا جو آپ کیساتھ کمرے میں بند ہو سکے.... خدا رحم کرے میرے حال پر.... لیکن یہ تو بتایئے جناب یہ آپ کا دورہ اتنی جلدی کیوں مفقود ہو گیا۔ وہ نرس بیچاری اپنی زندگی میں خلاء سی محسوس کرنے لگی ہے۔"

"بکواس بند کرو....!" فریدی کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔ "وہ تصویر مجھے دو۔"

"کونسی تصویر....!"

"جو رجنی کے بیگ سے نکالی تھی۔"

"اڑتی پڑتی سن لی ہوگی....!" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ ایک تصویر نہیں درجنوں تھیں اُس میں۔"

"جگدیش کو تم نے غالباً اسی لئے میرے پاس بھیجا تھا کہ وینٹی بیگ پر ہاتھ صاف کر سکو....!" فریدی مسکرایا۔

"آپ کا خیال غلط نہیں ہے۔"

"پھر میں کیوں نہ اُسے روکے رکھتا۔"

حمید اچھل پڑا اور اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُسے گھورنے لگا جیسے وہ اسپنوزا کی فلاسفی پر اظہار خیال کرتے ہوئے اچانک دادرہ الاپنے لگا ہو۔

"ہوں.... تصویریں نکالو....!" فریدی نے سگار کیس سے ایک سگار منتخب کرتے ہوئے کہا۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا جواب دے.... فریدی سختی سے باز پرس کرتا آخر تک بھی کیا تھی تصویریں جیب میں لئے پھرنے کی.... کیسی حماقت سرزد ہوئی تھی....؟ شام کو جگدیش کے ساتھ روانگی سے پہلے اُس نے تصویروں کا پیکٹ رکھنے کے لئے تجوری کھولی تھی.... پیکٹ رکھا تھا.... اور پھر نکال کر کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا تھا.... کس خیال کے ماتحت یہ حرکت سرزد ہوئی تھی.... اس وقت اُسے یاد نہ آیا۔

مجبوراً فریدی سے سب کچھ بتا دینا ہی پڑا۔

"تم سے بڑا گدھا آج تک میری نظروں سے نہیں گذرا۔" فریدی غرایا۔

"کل پھر نہ گذرے گا.... لہٰذا آج ہی تصویر کھینچ کر رکھ لیجئے....!" حمید کو غصہ آگیا۔

"تم دونوں نے اس کا اندراج روزنامچوں میں کیا یا نہیں۔"

"میں تو اس وقت بھی کر سکتا ہوں.... لیکن وہ لتا مچے میں تمامچہ کر رہا ہوگا۔"

"کیا بک رہے ہو.... اُسے فوراً یہاں بلاؤ۔"

"مشکل ہے! نیاگرہ والوں نے یہاں سے کالنگ کا سسٹم ختم کر دیا ہے۔"

"اس وقت وہ اپنا اصول توڑنے پر مجبور ہوں گے.... میں منیجر کو رنگ کرتا ہوں۔" فریدی اٹھ کر اندر چلا گیا اور حمید وہیں بیٹھا رہا۔

دس منٹ گذر گئے.... اور حمید اونگھنے لگا.... نیند پوری نہیں ہوئی تھی اس لئے سردی کے باوجود بھی آنکھ لگ گئی۔

پھر شائد فریدی کے جھنجھوڑنے ہی پر اٹھا تھا.... بوکھلا کر گھڑی دیکھی تب اُسے معلوم ہوا کہ وہ تقریباً پون گھنٹے تک آرام کرسی ہی میں پڑا سوتا رہا ہے۔

"رمیش نے اپنی رپورٹ درج کر دی ہے.... اب تم لکھو۔" فریدی نے کہا۔

"خدا سمجھے۔" حمید آنکھیں ملتا ہوا بڑبڑایا اور پھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ چہرے کے قریب گرم گرم بھاپ محسوس ہوئی۔

کافی کا پیالہ فریدی نے اس انداز میں بڑھایا تھا جیسے ہونٹوں ہی سے لگا دے گا۔

"جھلاہٹ کے باوجود بھی شکریہ۔" حمید کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی۔

کافی سے بڑا سکون ملا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کسی نے ساری جسمانی اور ذہنی تھکن نچوڑ لی ہو۔

فریدی بڑبڑا رہا تھا۔ "اب ان جرائم پیشہ لوگوں کو اتنی جرأت ہونے لگی ہے کہ ہم پر اس طرح حملہ کر سکیں.... میرا دل چاہتا ہے کہ تم دونوں کو گولی مار دوں، وہ تنہا تھا.... اگر تم چاہتے....؟"

"پلیز....!" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "زندگی میرے لئے ایک کھلونا سہی لیکن اندھیرے سے آئے ہوئے تیر کا رخ کون موڑ سکا ہے۔"

"کسی تھرڈ کلاس اسٹنٹ فلم کا مکالمہ....!" فریدی نے بُرا سا منہ بنایا۔

"ختم کیجئے ورنہ میرے دماغ کی شریانیں بھی پھٹ جائیں گی۔" حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا تھا کہ میں نیاگرہ میں ملوں گا۔"

"پچھلے سال بھی میلی رون کے عشق میں مبتلا رہ چکے ہو.... سب سے پہلے نیاگرہ کے اشتہار ہی پر نظر پڑی ہوگی۔"

"ہوں.... خیر.... کیا دوسرا کپ بھی مل سکے گا۔"

"اپنی مدد آپ کرو...." فریدی نے ٹرالی کی طرف اشارہ کیا۔

"خیر.... خیر.... لیکن شہد کی مکھی سے کب تک محروم رہوں گا۔"

"ابھی بتاؤں گا کیونکہ تمہیں صبح کی گاڑی سے رتن پور پہنچنا ہے۔"

"رتن پور....!" حمید ٹرالی کے قریب رک کر مڑا۔

"ہنی کلکٹرس سنڈیکیٹ کا ہیڈ آفس وہیں ہے....!"

"لیکن بات تو کوارٹر نمبر اٹھارہ کی تھی....!"

"اب بھی ہے.... موت کے فرشتے نے وہاں تک رہنمائی نہیں کی تھی۔ رام گڈھ میں جس آدمی کا تعاقب کیا تھا وہ شہد کی مکھی ہی والی تنظیم سے تعلق رکھتا تھا۔ اُس کے ذریعہ دو چار مزید ممبروں سے روشناسی ہوئی تھی۔ راجروپ نگر تک اُن کا تعاقب کرتا ہوا آیا تھا۔ اور وہیں یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ وہ کوارٹر نمبر اٹھارہ کے کسی مکین پر کسی سلسلے میں تشدد کرنا چاہتے ہیں۔"

حمید کافی کا پیالہ سنبھالے ہوئے پھر آرام کرسی کی طرف پلٹ آیا تھا۔ دو تین چسکیاں لے کر بولا۔ "رجنی اُس عورت کو جانتی تھی دیکھئے.... مجھے اس کے الفاظ اچھی طرح یاد ہیں.... تصویر.... تصویر.... سارجنٹ.... مجھے بچاؤ.... قتل....!"

"ممکن ہے کہ اُس کے پاس کوئی ایسی تصویر رہی ہو جسے کوارٹر نمبر اٹھارہ والی عورت کے پاس ہونا چاہئے تھا.... کیا تم نے نہیں دیکھا تھا کہ مقتولہ کے کمرے میں کتنی ابتری تھی.... ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے انہیں کسی چیز کی تلاش رہی ہو.... اور.... وہ.... اوہ....!"

وہ خاموش ہو گیا.... نہ جھپکنے والی آنکھیں باہر اندھیرے میں گھور رہی تھیں۔

"وہ بچہ.... خدا کی قسم وہ تازندگی میرے ذہن سے چمٹا رہے گا.... مجھے سکون نہیں مل سکتا تاوقتیکہ انہیں صفحۂ ہستی سے نہ مٹادوں.... خدایا.... وہ اپنی ماں کا خون چوس رہا تھا.... میرے

معبود.... آدمی کب تک درندہ رہے گا۔"

آواز کی شناخت

دوسرے درجہ کی ریاستوں میں رتن پور کا رقبہ سب سے زیادہ تھا۔ لیکن تقریباً دو تہائی حصہ ریگستانوں کی نظر ہو گیا تھا۔ پھر ایک تہائی حصہ جنت نظیر کیوں نہ ہوتا.... ریگستان بھی بے مصرف نہیں تھے اُنکے بعض حصوں سے شورے اور سوڈا کاسٹک کی وافر مقدار دستیاب ہوتی تھی۔

ریاست کا سابقہ حکمران بہت پڑھا لکھا اور باسلیقہ آدمی تھا۔ وہ جانتا تھا کہ عوام کی گاڑھی مشقت کی کمائی کا مصرف کیا ہونا چاہئے۔

ریگستانوں سے حاصل کی ہوئی دولت ریگستانوں ہی پر صرف ہوتی.... نخلستانوں کو بہت زیادہ کارآمد بنانے کی کوشش کی جاتی۔

حمید سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ رتن پور اتنی دلچسپ جگہ ہوگی.... فلیٹی یہاں کا سب سے زیادہ شاندار ہوٹل تھا.... اور اُس سے بھی زیادہ شاندار بات یہ تھی کہ حمید کو یہاں صرف قیام کرنا تھا.... یعنی فی الحال کوئی کام بھی نہیں سپرد کیا گیا تھا.... فریدی کی ہدایت کے مطابق وہ رتن پور آیا تھا اور ریلوے اسٹیشن ہی پر فلیٹی کے ایک نمائندے نے اُس کی ذمہ داریاں خود سمیٹ لی تھیں۔ غالباً فریدی نے پہلے ہی فلیٹی والوں کو مطلع کر دیا تھا۔

"فلیٹی.... فلیٹی۔" وہ ہوٹل میں قدم رکھتے ہی بڑبڑایا تھا۔ "مجھے علم نہیں تھا کہ تم بھی مجھ سے صرف ساڑھے تین سو میل کے فاصلے پر واقع ہو.... اب میں اکثر تمہارے روشن کیا کروں گا۔"

تین مربع میل کا علاقہ فلیٹی ہی کی ملکیت تھا.... تین مربع میل میں چاروں طرف باغات ہی باغات بکھرے ہوئے تھے.... اور وسط میں یہ چھ منزلہ عمارت تھی۔

حمید نے پہلی رات تو پانچویں منزل پر پہنچنے کے لئے لفٹ استعمال کی تھی لیکن دوسری صبح جب زینوں پر بے شمار لہراتے ہوئے آنچل نظر آئے تو اُس نے لفٹ پر لعنت بھیج دی اور سوچنے لگا کہ پیروں کو زیادہ سے زیادہ تکلیف دینا صحت کے لئے بے حد مفید ہے۔

آج فرسٹ فلور پر چار بجے اسکیٹنگ کا پروگرام تھا۔ حمید ساڑھے تین ہی بجے اپنے کمرے

سے نکل آیا.... لیکن وہ بہت شدت سے بور تھا۔ کیونکہ کچھ ہی دیر پہلے اُس نے ملک کے سر سے زیادہ چھپنے والے روزنامہ میں ایک خبر دیکھی تھی.... اپنی اور جگدیش کی داستان.. تصویروں کے پیکٹ کی کہانی جو اُس کی جیب سے کوئی بہت ہی چالاک اور طاقت ور آدمی نکال گیا تھا۔

کلیجہ خون ہو گیا اپنا نام دیکھ کر.... کیا سوچا ہو گا اُن لڑکیوں نے جو اُسے کسی فلمی ہیرو کی طرح عزیز رکھتی تھیں.... گرلز فرینڈز جو اُسے کسی تفریح گاہ میں داخل ہوتے دیکھ کر اپنے ساتھیوں کی میزوں سے اٹھ جایا کرتی تھیں کیا سوچ رہی ہوں گی۔ اس کے بارے میں.... سوچتا اور بور ہوتا رہا۔

اگر وہ پُر اسرار آدمی کبھی روز روشن میں بھی سامنے آگیا تو....؟

اُس نے سوچا اور اس سے آگے نہ سوچ سکا کیونکہ اُس کی نفرت انگیز آواز ذہن میں گونجنے لگی تھی.... شائد وہ اُس آواز کو کبھی نہ بھلا سکے۔ ہزاروں میں پہچان لے گا.... مگر.... مگر.... آخر وہ خبر پریس میں کیوں دی گئی تھی.... اب فریدی پر غصہ آگیا.... اور وہ زینے طے کرتے ہوئے ایک اینگلو انڈین لڑکی سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔

"سس سوری....!" حمید اُس کا راستہ روک کر خواہ مخواہ ہکلایا۔

"ہٹو سامنے سے....!" وہ جھلا کر چیخی۔

اور حمید اس طرح ایک طرف ہٹا کہ دوسری لڑکی سے ٹکرا گیا جو نیچے جا رہی تھی۔

"اندھے ہو گیا....؟" وہ غرائی۔

"جی....؟" حمید نے بہروں کے سے انداز میں اونچی آواز میں پوچھا۔

اینگلو انڈین لڑکی تیزی سے زینے طے کرتی ہوئی اوپر چلی گئی تھی.... دوسری لڑکی کی ساتھ ہنس کر بولی۔ "اندھے نہیں بہرے ہیں۔"

دونوں اُسی زینے پر رک گئی تھیں۔ نہ جانے کیوں حمید نے چہرے پر حماقت کے آثار طار کر لئے۔

یک بیک اوپری منزل سے کسی کے چیخنے کی آوازیں آئیں.... پھر ایسا معلوم ہوا جیسے کو زینوں پر گر کر لڑھکنے لگا ہو۔

"اوہ....!" حمید اچھل پڑا.... اور پلٹ کر اوپر بھاگا.... زینوں کے موڑ پر ایک لڑکی منہ کے بل گری ہوئی کہنیاں ٹیک کر اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ارے....!" وہ چونک کر پیچھے ہٹا۔ یہ تو وہی اینگلو انڈین لڑکی تھی جس نے کچھ دیر پہلے اُسے ڈانٹ پلائی تھی اور وہ بوکھلاہٹ میں دوسری لڑکی سے ٹکرا گیا تھا۔ لڑکی کہنیوں کے بل اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے یکلخت بے حس و حرکت ہو گئی۔

وہ دونوں دیسی لڑکیاں بھی حمید کے بعد ہی اُس طرف جھپٹی تھیں.... قبل اس کے کہ حمید بیہوش لڑکی کو ہاتھ لگاتا وہ اُس پر جھک پڑیں۔

پھر تو ذرا ہی سی دیر میں وہاں کافی بھیڑ اکٹھا ہو گئی.... حمید نے سوچا اب کھسک لینا چاہئے ورنہ پوچھ گچھ کا بار.... بوریت بن کر ذہن پر مسلط ہو جائے گا۔

بھیڑ سے گذرتا ہوا وہ ڈائننگ ہال میں آپہنچا.... وہاں پندرہ منٹ رکا.... چائے پی.... اور پھر ریکریشن ہال کی طرف چلا آیا.... اسکیٹنگ شباب پر تھی درجنوں جوڑے چوبی فرش پر چکراتے پھر رہے تھے۔

"پارٹنر کے بغیر اسکیٹنگ پر لعنت....!" وہ بڑبڑایا۔ اور بائیں جانب والی گیلری کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ جہاں کئی میزیں خالی تھیں۔

ایک میز منتخب کر کے بیٹھا ہی تھا کہ وہی دونوں لڑکیاں نظر آئیں جنہیں بیہوش لڑکی کے قریب چھوڑ کر وہ زینوں سے فرار ہوا تھا۔ نظریں ملتے ہی دونوں نے معنی خیز انداز میں سر ہلائے اور تیر کی طرح اُس کی میز کی طرف آئیں۔

"بغیر اجازت....!" نارنجی ساری نے غصیلے لہجے میں کہا اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"یہ حقیقت ہے کہ تم بہرے نہیں ہو۔" دھانی ساری غرائی اور وہ بھی بیٹھ گئی۔

"اسکیٹنگ میری ہابی ہے۔" حمید مسکرایا۔

"ہوش کی دوا کرو... تم بڑی مشکلات میں پھنس گئے ہو۔" نارنجی ساری آنکھیں نکال کر بولی۔

"میں نہیں جانتا کہ یہاں ہوش کی دوا کس بھاؤ بکتی ہے۔"

"بے بھاؤ....!" دھانی ساری خواہ مخواہ ہنس پڑی۔

نارنجی ساری نے اُسے گھور کر دیکھا اور پھر حمید سے پوچھا۔ "کہاں سے آئے ہو؟"

"کنچن چنگا سے۔"

"اچھی بات ہے۔" نارنجی ساری سر ہلا کر بولی۔ "تم سنجیدگی سے بات نہ کرو.... لیکن یاد رکھو کہ یہ رتن پور ہے.... انگریزی عملداری سے آئے ہوئے بڑے بڑے تیس مار خانوں کو جھک مارنی پڑتی ہے۔"

"میں نہیں سمجھا محترمہ.... آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔"

"لڑکی کے چوٹیں آئی ہیں... بیہوش ہوگئی ہے... ہم نے تمہیں اس کا راستہ روکتے دیکھا تھا۔"

"نہیں صاحب آپ بھول رہی ہیں.... دھکیلا تھا میں نے آپ صرف راستہ روکنے کی بات کر رہی ہیں۔"

"کام نہیں چلے گا۔" وہ سر ہلا کر کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "لڑکی کا اسکرٹ پیچھے سے پھٹا ہوا ملا ہے۔ کسی نے چوتھی منزل کے زینوں پر اُسے پکڑنے کی کوشش کی ہوگی۔ وہ بوکھلا کر پھر نیچے بھاگی۔ پیر پھسل گیا۔"

"چوتھی منزل پر میرا ہمزاد موجود نہ تھا...." حمید نے زہریلا سا قہقہہ لگایا۔

"تمہارا کوئی ساتھی.... میں فلیٹی کی ہاؤز ڈٹیکٹو ہوں سمجھے۔" نارنجی ساری آنکھیں نکال کر بولی۔ "پولیس ٹیم میں بہت زیادہ دلچسپی لے سکتی ہے بشرطیکہ میں اپنی زبان کھولوں۔"

"اور یہ ڈن ہیں....!" حمید نے دھانی ساری کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"ہوں تو تم اب بھی سنجیدہ نہیں ہوئے....!"

"سنجیدگی کی بات نہ کرو.... سنجیدہ دیکھنا ہو تو اس وقت قبر کے سرہانے آموجود ہونا جب میں دفنایا جانے لگوں.... اسکیٹنگ کی کیا رہی.... سنگاپور میں میں نے کپ جیتا تھا۔"

اتنے میں ایک بغاوری سا سب انسپکٹر اُسی گیلری کے زینوں کے قریب نظر آیا.... زینے طے کر کے وہ انہیں کی طرف بڑھنے لگا! نارنجی ساری سر ہلا کر مسکرائی تھی۔

"کیا اجازت ہے۔" سب انسپکٹر نے قریب پہنچ کر دانت نکالے۔

"ضرور.... ضرور....!" حمید اٹھ کر تعظیماً جھکا۔

"آپ کی تعریف....!" انسپکٹر نے بیٹھتے ہوئے نارنجی ساری کو مخاطب کیا۔

لیکن اُس کے ہونٹ ہلانے سے قبل ہی حمید بول پڑا۔ "یہ میری کزن ہیں.... اور میں

سبل.... عام طور پر سارجنٹ سبل کے نام سے مشہور ہوں۔"

"بڑا عجیب نام ہے.... سب انسپکٹر خواہ مخواہ ہنسنے لگا.... اور نارنجی ساری نے دھانی ساری کی طرف دیکھ کر بُرا سا منہ بنایا۔

"سبل نام نہیں تخلص ہے.... بطاہر بڑی عجیب بات ہے.... فوجی شاعر.... لیکن اُفتادِ طبع کو کیا کہا جائے۔"

"خیر....!" سب انسپکٹر نارنجی ساری سے مخاطب ہوتا ہوا بولا۔

"سمجھ میں نہیں آتا مس روزا.... بھلا آپ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ کسی نے اُسے پکڑنے کی کوشش کی ہوگی.... میں نے سنا ہے آپ کا یہی خیال ہے.... غالباً سدھیر سے کہا تھا آپ نے۔"

"اچھا تو روزا میں چلی....!" دھانی ساری اٹھتی ہوئی بولی۔

"ارے... واہ... اور یہ اسکیٹنگ....!" حمید نے کہا اور احمقانہ انداز میں منہ کھول کر رہ گیا۔

"شکریہ.... پھر کبھی۔" وہ مسکرائی.... اور حمید دانت پر دانت جمائے سوچتا رہ گیا۔

رفتار تو شرمندہ کند کبک دری را

وہ اُسے دیکھتا رہا.... چلنے کا انداز بڑا دلکش تھا۔ پھر اُس نے اس کا رومال گرتے دیکھا۔ لیکن وہ آگے ہی بڑھتی گئی غالباً بے خبری میں گرا تھا۔

حمید اٹھا اور تیزی سے اُس جانب جھپٹا رومال اٹھا کر دھانی ساری کو روکنے کے لئے پھر آگے بڑھ گیا۔

"آپ کا رومال محترمہ....!" اُس نے رومال اُس کی جانب بڑھایا اور ٹھٹک گیا.... رومال کے گوشے پر شہد کی مکھی کی تصویر نظر آئی تھی۔

"چھوڑیئے....! دھانی ساری نے رومال کا وہی گوشہ پکڑ کر جھٹکا دیا۔

"جی....!" حمید متفکرانہ انداز میں اُس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ یک بیک وہ سنبھلا اور مسکرا کر بولا۔ "رومال کی خوشبو مسحور کن ہے۔"

"شکریہ....!" لڑکی نے بُرا سا منہ بنایا اور دوسری طرف مڑ گئی۔

حمید میز کی طرف واپس ہوتے وقت ایک بار پھر ٹھٹکا۔ روزا اور انسپکٹر کے علاوہ اب وہاں ایک بوڑھا اینگلو انڈین بھی موجود تھا۔

حمید نے محسوس کیا کہ وہ غصے سے کانپ رہا ہے۔ غالباً پہلے کچھ کہہ رہا تھا۔ حمید پر بھی اُس نے قہر آلود نظر ڈالی۔ لیکن حمید روزا کی طرف متوجہ تھا۔ دفعتاً اینگلو انڈین غرایا۔ "اُس کے وینٹی بیگ میں شہد کی مکھیاں بھری ہوئی تھیں.... یہ کیسا ہوٹل ہے.... کیا ہوتا ہے۔ یہاں.... میں ابھی ریزیڈنٹ سے ملوں گا.... اُس نے بیگ کھولا تھا مکھیاں نکل کر چمٹ گئیں.... پورٹر نمبر تیس نے دیکھا تھا۔ اُس سے پوچھو.... میں ہوٹل کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گا سمجھے۔"

"مگر سنئے جناب۔" روزا بولی پڑی۔ "میں یہاں کی ہاؤز ڈٹیکٹو ہوں جس وقت آپ کی صاحبزادی اوپر سے پھسل کر تیسری منزل کے زینوں پر آئی تھیں.... میں وہیں موجود تھی.... میں نے شہد کی مکھیاں نہیں دیکھیں۔"

"جاؤ تو اب جاکر دیکھو....! وینٹی بیگ چوتھی منزل کے زینوں پر موجود ہے اور اس پر اب بھی کئی مکھیاں رینگ رہی ہیں.... اور ڈالی کے چہرے پر ورم ہے.... داہنا ہاتھ بھی متورم ہے۔ جاؤ دیکھو.... میں ریزیڈنٹ....!"

"پلیز.... پلیز....!" روزا بول پڑی.... "جلد بازی سے کام نہ لیجئے۔ فلیٹی ہز ہائی نس کا ہوٹیل ہے.... ذرا محتاط ہو کر کوئی قدم اٹھایئے گا۔"

"میں ریزیڈنٹ کی بات کر رہا ہوں۔"

"ریزیڈنٹ صاحب کا دم نکلتا ہے.... ہز ہائی نس کے نام پر.... یہ رتن پور ہے مسٹر۔ ویسے اگر آپ خواہ مخواہ کی تھکن مول لینا چاہتے ہوں تو دوسری بات ہے۔"

"میں دیکھوں گا....!" اُس نے پھر میز پر گھونسہ مارا اور وہاں سے اٹھ گیا۔

انسپکٹر اور روزا ہنستے رہے.... حمید البتہ سختی سے ہونٹ پر ہونٹ جمائے بیٹھا رہا کیونکہ وہ بھی شہد کی مکھیوں کا قصہ تھا۔

"میں اسے دیکھتا ہوں۔" سب انسپکٹر بھی اٹھ گیا۔

حمید نے روزا کی طرف دیکھا اور یک بیک اُس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار نظر آئے۔

"مم.... میں معافی چاہتی ہوں جناب۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا۔

"کوئی بات نہیں۔" حمید نے اپنے چہرے سے حیرت نہ ظاہر ہونے دی۔ ویسے حیرت کا کیا

پوچھنا۔ اُس کے رویہ میں اچانک اس قسم کی تبدیلی پر حیرت کیوں نہ ہوتی۔

حمید اُس کی خوفزدہ سی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔ "اسکیٹنگ کی کیا رہی۔"

"جج.... جی ہاں۔" وہ چونک پڑی۔ "ضرور.... ضرور.... مم.... مگر میں ذرا اسکرٹ پہن آؤں۔"

"میں بھی چل رہا ہوں....!"

"ضرور.... چچ چلئے....!" وہ بدحواسی کے عالم میں مسکرائی۔

حمید بھی اُس کے ساتھ اٹھ گیا! وہ دوسری منزل پر آئے۔ روزا نے اپنا کمرہ کھولا۔ یہ نشست کا کمرہ تھا.... اُسے بٹھا کر وہ برابر والے کمرے میں چلی گئی.... چار منٹ گذر گئے.... یک بیک حمید اچھل پڑا کوئی چیز اُس کے شانوں سے پھسلتی ہوئی گود میں آگری تھی۔

کپڑے کا گولا.... وہ تیزی سے روشن دان کی طرف مڑا۔ پھر دروازے کی جانب جھپٹا لیکن راہداری ویران نظر آئی.... وہ کپڑے کا گولا رومال ثابت ہوا۔ جس کی تہوں میں ایک مڑا تڑا کاغذ تھا۔ حمید نے تیزی سے چاروں طرف نظر دوڑائی.... اور تحریر پر توجہ مرکوز کردی.... رائٹنگ فریدی ہی کی تھی۔

"تمہاری حماقت سے انہوں نے اندازہ کرلیا ہے کہ ہم کس طرح اُن کی راہ پر لگے ہوں گے۔ لڑکی کا رومال اٹھانا.... زبردست غلطی تھی۔ پھر تم شہد کی مکھی دیکھ کر اپنے تحیر پر بھی قابو نہ پاسکے۔ لڑکی دو دن سے تمہاری نگرانی کر رہی تھی۔"

"ہاؤز ڈٹیکٹو کار آمد ثابت ہو سکتی ہے بشرطیکہ تم رومان کی وادیوں میں نہ بھٹکنے لگو۔"

حمید نے پرچے کو رومال سمیت جیب میں ٹھونس لیا کیونکہ درمیانی دروازے کا ہینڈل گھومتا محسوس ہوا تھا۔

دروازہ کھلا اور روزا اندر داخل ہوئی۔ اس کا اسکرٹ بھی نارنجی ہی تھا۔ شائد وہ کسی دوسرے رنگ میں اتنی دلکش نہ دکھائی دیتی۔

سراسیمگی کے آثار اب بھی اُس کے چہرے پر موجود تھے.... وہ چپ چاپ تھوڑے فاصلے پر رک گئی۔ سانسیں تیزی سے چل رہی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے چھ منزلوں کے زینے طے کئے ہوں۔

"کیوں....؟" حمید نے متحیرانہ کہا۔ "آپ اس طرح ہانپ کیوں رہی ہیں۔"

"آپ نے مجھے معاف کر دیا یا نہیں....!" اُس نے زندھی سی آواز میں پوچھا۔

"بیٹھ جایئے....!" حمید نے صوفے کی طرف اشارہ کیا.... اور وہ بے سدھ سی ہو کر صوفے میں گر گئی۔

"یک بیک آپ کا رویہ کیوں بدل گیا.... کیا اب یہ رتن پور نہیں ہے۔"

"میں پھر معافی چاہتی ہوں جناب.... خدارا معاف کر دیجئے۔" وہ گڑگڑائی۔ "میں ہز ہائی نس کی ایک ادنیٰ کنیز ہوں.... جب مجھے معلوم ہوا کہ وہ شہد کی مکھیوں کا معاملہ ہے تو....!"

"بھلا شہد کی مکھیوں اور ہز ہائی نس....!"

"یہ کیا بیہودگی ہے.... یہ کیا ذلالت ہے...." باہر سے غراہٹ سی سنائی دی۔ "کہاں ہے ہاؤز ڈیٹیکٹیو یہ ہوٹل ہے یا بھٹیار خانہ۔"

روزا تیزی سے باہر نکلی حمید بھی فوراً ہی اٹھا تھا۔

"تم ہو.... ہاؤز ڈیٹیکٹیو...." اجنبی نے تحقیر آمیز لہجے میں پوچھا۔ یہ ایک لمبا تڑنگا لیکن بدہیئت آدمی تھا.... آگے کے دونوں دانت سائیبان کی طرح نچلے ہونٹوں پر لٹکے ہوئے تھے۔

"فرمایئے جناب....!"

"میرے کمرے میں چوری ہو گئی ہے۔" وہ خوفناک انداز میں غرایا.... اور حمید یک بیک چونک پڑا.... یہ غراہٹ.... یہ آواز اُس نے کہاں سنی تھی؟

ذہن پر زور دینے لگا.... اوہ.... اوہ.... سو فیصدی وہی تھا.... اُسی پُراسرار حملہ آور کی آواز جو اُس کی جیب سے تصاویر کا پیکٹ نکال لے گیا تھا۔

پیغام

"میرا کیمرہ کسی نے چرا لیا.... جو بہت قیمتی تھا.... تم تصور بھی نہیں کر سکتیں کہ وہ کتنا قیمتی رہا ہو گا۔" اجنبی نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ نے غلط طریقہ اختیار کیا ہے۔" حمید کا لہجہ بے حد خشک تھا۔

"کیا مطلب....؟"

"سپر وائزر سے رپورٹ کیجئے.... براہِ راست ہاؤز ڈیٹیکٹیو کے پاس چلے آنا کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ اس طرح یہ بیچاری کیا کر سکیں گی۔"

"مجھے سپر وائزر ہی نے بھیجا ہے....!" وہ غرایا۔

"نہایت بیہودہ معلوم ہوتا ہے۔" حمید نے جواب دیا۔ "آپ کو تکلیف دی! غالباً وہ بھی بے قاعدگی کا شکار ہو گیا ہے.... بہرحال....!"

"چلئے جناب۔ میں دیکھتی ہوں۔" روزا نے اُسے مزید کچھ کہنے کا موقع نہ دیا۔

"اور وہ اسکیٹنگ....!" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

"پلیز....!" وہ گھگھیائی۔ "میں بہت جلد واپس آؤں گی۔ آپ یہیں تشریف رکھئے۔"

پھر حمید بیس منٹ تک وہاں بیٹھا بور ہوتا رہا.... وہ واپس آئی اُس کا چہرہ بھی غصے کے مارے نارنجی ہو رہا تھا۔

"خدا ان گدھوں کو عقل دے....!" وہ ہانپتی ہوئی بولی اور صوفے میں ڈھیر ہو گئی۔

"کیا ہوا....!"

"کمبخت غسل خانے میں کیمرہ بھول کر یہاں بھاگا آیا تھا۔"

"کون ہے۔"

"کوئی مسٹر خضران.... کیا نام ہے.... پچ....!"

حمید نے چند لمحے کچھ سوچا اور شہد کی مکھیوں والی بات جہاں تہاں چھوڑ دی.... اب تو اُس کا ذہن خضران میں الجھ کر رہ گیا تھا.... سو فیصدی وہی آواز تھی جسے دوبارہ سننے کے لئے وہ بُری طرح بیتاب تھا۔

اُس نے کچھ دیر بعد کہا۔

"بے حد غصہ آیا تھا اُس کی بدتمیزی پر.... لہٰذا میں سب سے پہلے آئس کریم کھاؤں گا۔"

"دسمبر میں....؟"

"مئی جون میں انگارے چبایا کرتا ہوں.... آج تک مجھے اپنا جواب نہیں مل سکا۔"

"بہت دلچسپ آدمی ہیں آپ....!" وہ زبردستی مسکرائی۔

"اسکیٹنگ....!"

"چلئے.... چلئے...." وہ اٹھ گئی۔

نیچے ریکریئیشن ہال میں دونوں جانب کی گیلریاں بھر گئی تھیں اور اس وقت صرف ایک جوڑا اسکیٹنگ کے کمالات دکھا رہا تھا۔

"پروفیشنلز....؟" حمید نے روزا سے پوچھا۔

"جی ہاں.... فلیٹی کا بہترین جوڑا....!"

پھر دونوں نے اسکیٹس پہنے اور روزا نے کہا۔ "کیا ہم اُن دونوں سے بہتر مظاہرہ کر سکیں گے۔"

"پتہ نہیں....!" حمید نے لاپروائی سے جواب دیا۔ "آؤ....!"

وہ اُس کا ہاتھ پکڑے کھینچتا ہوا ڈھلان میں لیتا چلا گیا.... لیکن ٹھیک اُسی وقت موسیقی تھم گئی۔

"کیا لغویت ہے....!" حمید بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑایا اور اُس کے ہاتھ پکڑے گیلری کے زینوں کی جانب تیرتا چلا گیا۔

زینوں کے قریب ایک آدمی سے ٹکراتے ٹکراتے بچا لیکن روزا کا سر اُس کے بازو سے ٹکرا ہی گیا۔ گرانڈیل آدمی غرا کر پلٹا.... یہ خضران تھا.... وہی آدمی جو کچھ دیر پہلے کیمرے کی چوری کے سلسلے میں روزا پر بگڑا تھا۔

"اندھے ہو....!" اُس نے آنکھیں نکالیں۔

"آج کا دن ہی واہیات ہے کچھ دیر پہلے زینوں پر ان محترمہ نے بھی مجھے اندھا ہی سمجھا تھا۔"

"جھگڑا کرو گے....؟" خضران باچھیں پھاڑ کر دہاڑا۔

"چلو یہاں سے....!" روزا اُس کا ہاتھ پکڑ کر دوسری طرف گھسیٹ لے گئی اور ڈھلان کے سرے پر دیوار سے اپنا ایک ہاتھ ٹکا کر اُسے بھی رکنے پر مجبور کر دیا۔

"میں لڑائی بھڑائی سے ڈرتی ہوں۔" اُس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "وہ بہت بد تمیز آدمی معلوم ہوتا ہے۔ کاش بڑے ہوٹلوں میں داخل ہونے سے پہلے عادات و اطوار کا امتحان دینا بھی ضروری ہوتا۔"

"تب تو ہم جیسے گدھے کسی اور ہی تھان پر بندھا کرتے۔" حمید نے قہقہہ لگایا۔

"تم ڈرتی کیوں ہو.... بڑا اچھا موقع ہاتھ سے نکال دیا.... میں تو بہانہ تلاش کر رہا تھا کہ اُس سے کسی طرح بھڑ جاؤں۔"

"کیوں....؟"

"کچھ دیر پہلے اُس نے تمہاری توہین کی تھی.... اور میں تیل کے گھونٹ پی کر رہ گیا تھا۔"

"تیل کے گھونٹ....!" وہ ہنس پڑی۔ "خون کے گھونٹ محاورہ ہے۔"

"گھن آتی ہے....!" حمید نے بُرا سا منہ بنایا۔ "پتہ نہیں یہ محاورہ گھڑنے والے کیسے لوگ تھے.... مثال کے طور پر قارورہ ملنا....!"

"ربش....!" روزا اُس کا ہاتھ جھٹک کر تنہا چڑھائی پر دوڑتی چلی گئی۔

حمید کی توجہ زیادہ تر خضران کی طرف تھی جو اب بھی وہیں کھڑا اُسے گھورے جا رہا تھا.... اُس نے اسکیٹس اُتار کر گیمز کیپر کے حوالے کئے اور خود بھی خضران کو کھا جانے والی نظروں سے گھورتا ہوا پھر ڈائننگ ہال میں چلا آیا۔

روزا ریکریئیشن ہال ہی میں چکراتی رہی تھی۔

دس بجے تک وہ مختلف تفریحات میں الجھا رہا۔ روزا پھر نہیں دکھائی دی تھی۔ غالباً سوا دس بجے تھے.... ڈائننگ ہال کے اسٹیج پر تین لڑکیاں "ہوائیں ہُلا" پیش کر رہی تھیں۔ دفعتاً کسی نے اُس کی پشت پر ہاتھ مارا اور وہ اچھل پڑا....

"کیا مطلب....!" وہ آنکھیں نکال کر غرایا۔

"میں یہاں بیٹھنا چاہتا ہوں۔" بوڑھے اینگلو انڈین نے ہانپتے ہوئے کہا۔ وہ بہت زیادہ نروس نظر آ رہا تھا۔ حمید نے اُسے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا تھا وہ اُسی لڑکی کا باپ تھا جو زینوں پر بیہوش ہو گئی تھی۔

"بیٹھ جاؤ....!" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"میں نے غالباً تمہیں ہاؤز ڈیٹیکٹیو کے ساتھ دیکھا تھا.... وہ کہاں ہے۔"

"پتہ نہیں....!" حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔ "میں بھی یہاں نووارد ہی ہوں۔"

"اس اسٹیٹ سے تمہارا کوئی تعلق نہیں....!"

"نہیں.... میں صرف ایک ٹورسٹ ہوں....!"

"میں بھی نووارد ہی ہوں۔ لیکن شائد یہ میری زندگی کی آخری رات ہے۔"

حمید نے اُسے غور سے دیکھا اور پھر ہمدردانہ لہجے میں بولا۔ "بہت تھکے ہوئے معلوم ہوتے ہو۔ کیا پیو گے۔"

"شکریہ.... برانڈی.... تم پہلے آدمی ہو جس نے اس منحوس ریاست میں مجھ سے ہمدردا
لہجے میں گفتگو کی ہے۔"

حمید نے ویٹر کو بلا کر برانڈی کے بڑے پگ کا آرڈر دیا۔

"میری بچی کی حالت ابتر ہے.... مکھیاں زہریلی تھیں چہرہ اتنا متورم ہو گیا ہے کہ پہچ
نہیں جاسکتی۔ پوری طرح ہوش میں بھی نہیں ہے۔ ریزیڈنٹ نے سچ مچ مجھے دھتکار دیا.... ا
میں کیا کروں.... کیا کروں۔" وہ بازوؤں میں منہ چھپا کر سسکیاں لینے لگا۔

"مجھے بتاؤ.... شائد میں کسی کام آسکوں.... تم ریزیڈنٹ کے پاس کیوں گئے تھے بھلا
کی مکھیوں کے سلسلے میں ریزیڈنٹ کیا کر سکے گا....!"

"میں کیا بتاؤں.... کاش مونا یہاں نہ آتی.... تین ماہ پہلے کی بات ہے وہ ملازمت کا اشتہ
دیکھ کر یہاں آئی تھی۔ ہزہائی نس کے سیکریٹریٹ میں چار آسامیاں خالی تھیں۔ معقول تنخواہ او
دوسری آسائش کے لالچ میں وہ بھی اپلائی کر بیٹھی تھی۔ انٹرویو کارڈ آیا اور وہ دارالحکومت سے
یہاں آئی۔ انٹرویو میں کامیاب ہوئی اور فوری طور پر تقرر بھی ہو گیا۔ لیکن وہ سب فریب تھا....
ہزہائی نس اول درجے کا سور ہے!"

"ذرا آہستہ بولو پیارے....!" حمید نے اُس کے ہاتھ پر تھپکی دی۔ اتنے میں ویٹر برانڈی
بھی لایا.... اور گلاس میں سائیفن سے سوڈے کی دھار ماری۔

بوڑھا دو چار چسکیاں لینے کے بعد کرسی کی پشت سے ٹک گیا چند لمحے سر اٹھائے چھت کی
طرف گھورتا رہا پھر تیزی سے آگے جھکا اور میز پر کہنیاں ٹیک کر حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہو
آہستہ سے بولا۔ "میں ہزہائی نس کو قتل کر دوں گا.... اگر مونا کا چہرہ بگڑ گیا.... میں اُسے زندہ
دفن کر دوں گا.... جانتے ہو وہ کتنا کمینہ ہے.... جب لڑکیاں اُس کی طرف متوجہ نہیں ہوتیں
وہ انہیں اسی قسم کی اذیتیں دے کر مار ڈالتا ہے.... یہ بات مجھے مونا ہی سے معلوم ہوئی تھی یہاں
آکر.... وہ ایک شریف بچی ہے.... ضدی بھی ہے.... مر جائے گی۔ لیکن سر نہیں جھکائے
گی.... اُسے آمادہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ انکار پر سزا ملی کہ ملازمت سے برطرف کر دیا
اور کہا گیا کہ وہ اسٹیٹ سے باہر قدم نہ نکال سکے گی.... یہی ہوا.... اُس نے مجھے خط لکھا کہ میں
فوراً پہنچوں اور فلیٹی ہوٹل میں اُس سے ملوں.... خط میں اُس نے اصل واقعہ کی طرف اشارہ

نہیں کیا تھا.... ورنہ میں اس طرح تنہا نہ آتا۔

آج وہ زینے طے کر کے اوپر جا رہی تھی۔ چوتھی منزل کے زینوں پر کسی ویٹر نے اُس سے
ایک روپیہ مانگا.... اُس نے وینٹی بیگ کھولا ہی تھا کہ خونخوار مکھیاں ابل پڑیں.... میرے خدا میں
کیا کروں.... کس سے فریاد کروں.... ریذیڈنٹ کے سیکریٹری کو میں نے سارے واقعات بتائے تھے
اُس نے کہا کہ ریذیڈنٹ بہت مصروف ہے وہ ایک ہفتے تک نہ مل سکے گا۔ اُس لڑکی ہاؤز ڈیکٹیو نے
ٹھیک ہی کہا تھا کہ ریذیڈنٹ بھی ہزہائی نس کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی ہے میں کیا کروں تم ہی بتاؤ۔"

ہال کے بلب بجھے پڑے تھے۔ صرف اسٹیج پر تیز قسم کی روشنی کا دائرہ رقاصاؤں کے جسموں
پر گردش کر رہا تھا۔ غیر ملکی موسیقی کانوں کے پردے پھاڑ رہی تھی۔

یک بیک ایک لمبے تڑنگے آدمی نے جو قریب ہی کھڑا ہوا تھا اینگلو انڈین کی گردن دبوچ لی اور
اُسے اس طرح کرسی سے اٹھالیا جیسے وہ ایک حقیر سا بندر چہ ہو۔

اینگلو انڈین پلٹ پڑا۔ لیکن اُسے اتنی مہلت نہ مل سکی کہ وہ اپنے ہاتھوں کو استعمال بھی
کر سکتا۔ قریب ہی کی میز سے دو آدمی اور بھی اٹھ کر اُس سے لپٹ گئے تھے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے....!" حمید دہاڑتا ہوا اٹھا۔

"شٹ اپ....!" لمبا آدمی غرایا۔ "اِٹ از اِن دی نیم آف ہزہائی نس....[1]!"

آس پاس بیٹھے ہوئے لوگ صرف گردنیں اونچی کر کے انہیں دیکھتے رہے۔ کوئی اپنی جگہ
سے ہلا بھی نہیں۔ اینگلو انڈین چیخ رہا تھا حلق پھاڑ رہا تھا.... لیکن غیر ملکی موسیقی اُس کی چیخوں
سے بھی زیادہ بلند آہنگ ہوتی گئی۔

وہ اُسے کھینچ لے گئے۔ حمید چند لمحے ساکت و صامت کھڑا رہا پھر تیزی سے صدر دروازہ کی
جانب بڑھ گیا۔

باہر لان پر وہ کسی مردے کی طرح گھسیٹا جا رہا تھا.... اب اُس کے حلق سے صرف کربناک
قسم کی غراہٹیں نکل رہی تھیں۔

ایک بڑی سی اسٹیشن ویگن کا پچھلا دروازہ کھلا اور اُسے اس میں دھکیل دیا گیا۔

حمید بھی ٹیکسیوں کی طرف بڑھا ہی تھا کہ کسی نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا وہ جھلا کر

---

[1] ہزہائی نس کے نام پر

مڑا.... لیکن کچھ کہہ نہ سکا.... کیونکہ اس طرح پیش آنے والا فریدی تھا۔

"انرجی برباد کرنے کی ضرورت نہیں۔!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "جلد ہی ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ اُسے کہاں لے گئے ہیں۔"

"آپ کی دلچسپی کی وجہ....!" حمید نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

"یہاں میں پہلے کبھی نہیں آیا۔"

"کیا بات ہوئی۔"

"پہلے کبھی آیا ہوتا تو ساری دلچسپیاں پہلے ہی ختم ہو گئی ہوتیں۔"

"یہاں نہیں چلے گی....!" حمید نے اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا۔ "وہ اُسے کسی خارش زدہ کتے کی طرح گھسیٹ لے گئے تھے ہزہائی نس کے نام پر.... آس پاس کئی باوردی پولیس آفیسرز موجود تھے کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔"

"وہ وائسرائے کا کلاس فیلو رہ چکا ہے آکسفورڈ میں....!"

"اس لئے ریزیڈنٹ کا بھی دم نکلتا ہے اس کے نام پر....!" حمید نے اطلاع دی۔

"مجھے علم ہے....!"

"آپ یہاں کب سے مقیم ہیں۔"

"دوسرے دن میں بھی چل پڑا تھا۔"

"ساتھ آنے میں کیا دشواری تھی۔"

"صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ باخبر ہیں یا نہیں....؟"

"پھر....؟"

"قطعی طور پر باخبر ہیں! انہوں نے اندازہ کر لیا ہے کہ ہم مقتولہ کے کوارٹر تک کس طرح پہنچے ہوں گے.... یہی معلوم کرنے کے لئے وہ تمہاری نگرانی کر رہے تھے! آج اتفاق سے تم ایک رومال پر شہد کی مکھی کی تصویر دیکھ کر گڑبڑا گئے۔"

"میں یہاں لان پر سردی محسوس کر رہا ہوں۔" حمید نے غصہ سے دانت کٹکٹائے۔

"آؤ.... اب ڈائننگ ہال میں چلیں....!"

"کیوں.... الگ رہنے والی اسکیم ختم ہو گئی....!"

"ضرورت باقی نہیں رہی....!"

"میں اس بوڑھے کے لئے پریشان ہوں۔"

"ہم بوڑھے کے لئے یہاں نہیں آئے....!" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

وہ ڈائننگ ہال میں آئے۔ حمید چند لمحے خاموش رہا پھر شہد کی مکھیوں کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

"فی الحال یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ اُن مکھیوں کا تعلق مکھی کی تصویر سے بھی ہو گا جس کے لئے ہم یہاں آئے ہیں۔"

"شہد کی مکھی کی تصویر کا مقصد بھی بتایئے گا میں بھی اسٹیج پر پہنچ کر دیسی ہلا گلا شروع کر دوں۔"

فریدی نے اسٹیج پر کولہے مٹکانے والیوں پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور بولا۔ "یہ تصویر دراصل ایک قسم کا امتیازی نشان ہے! گروہ کے افراد ایک دوسرے سے کما حقہ واقف نہیں اس لئے اس تصویر کے ذریعہ آپس میں رابطہ قائم کرتے ہیں۔"

"کیا اُن کا مرکز رتن پور ہی ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"شائد....!" فریدی کا مختصر سا جواب تھا۔

"گروہ کس قسم کا ہے....!"

"لڑکیوں کا اغوا اُن کے خاص مشاغل میں سے ہے۔"

"تب تو یہ سور کا بچہ.... یہ ہزہائی....!"

"نتائج نہ اخذ کرو...." فریدی نے اُسے جملہ نہ پورا کرنے دیا۔

حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے ایک بار پھر مقتولہ کا تذکرہ شروع کر دیا۔

"کملا....!" فریدی نے طویل سانس لی۔ "اس کا نام کملا تھا۔ اُس کے شوہر نے بتایا کہ وہ اور رجنی گہری دوست تھیں۔ کملا بھی نرس تھی اور اُن دونوں نے چند سال رتن پور ہی کے ایک ہسپتال میں گذارے تھے۔ یہ شادی سے پہلے کی بات ہے۔ کسی تصویر کے متعلق وہ کچھ نہیں بتا سکا۔"

"تو یہ قتل کسی تصویر ہے کے لئے ہوا تھا....!"

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید تھوڑی دیر تک پائپ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا پھر چونک کر بولا۔ "میں سمجھا تھا شائد مجھ سے الگ رہ کر اُن لوگوں پر نظر رکھنا چاہتے ہیں....!"

"ختم کرو.... کتنی بار پوچھو گے.... ہاں مجھے جو کچھ معلوم کرنا تھا کر چکا.... وہ مجھے بھی

اچھی طرح پہچانتے ہیں۔"

"میں یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ آپ نے میک اپ کا چرخہ کیوں نہیں چلایا.... اوہ ٹھہریئے، حمید خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "میرے پاس ایک ایسی اطلاع بھی ہے جو آپ کا شاید چونکا دے۔"

"چونکنے کے موڈ میں نہیں ہوں.... خیر بتاؤ۔"

"شائد میں اُس آدمی کو ڈھونڈھ نکالنے میں کامیاب ہو گیا ہوں جس نے میری جیب سے تصویروں کا پیکٹ اڑایا تھا۔" اُس نے لہک کر کہا۔ "اور خضران کے متعلق بتانے لگا۔"

فریدی چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولا۔ "ضروری نہیں ہے کہ تمہارا اندازہ درست ہی نکلے۔"

"پھر اُس نے سگار لائٹر کی روشنی میں رسٹ واچ پر نظر ڈالی اور یہ کہتا ہوا اٹھ گیا۔

"آؤ.... شاید ہمارے لئے کوئی پیغام ہو....!"

وہ ہوٹل کے ٹیلی فون ایکسچینج میں آئے.... فریدی نے احمد کمال کے نام سے کسی پیغام کے بارے میں دریافت کیا.... جواب میں آپریٹر نے ایک پرچہ اُس کی طرف بڑھا دیا جس پر تحریر تھا۔ "گرین اسٹریٹ.... کوٹھی نمبر بارہ۔"

میدان عمل

"اس پیغام کا مطلب۔" حمید نے دروازے سے نکلتے ہوئے پوچھا۔

"اینگلو انڈین اس وقت اُسی کوٹھی میں ہے۔"

"پھر اب کیا ارادہ ہے...." حمید نے پوچھا۔ وہ لان پر نکل آئے تھے۔

"گرین اسٹریٹ....!"

"کوٹھی نمبر بارہ بھی فرمایئے سرکار۔" دفعتاً پشت سے کسی نے کہا اور حمید کی گدی سے کوئی ٹھنڈی سی چیز چپک کر رہ گئی۔

دونوں ہی رک گئے۔ فریدی کے پیچھے بھی ایک آدمی نظر آیا جس نے ریوالور کی نال اُس کی گردن سے لگا رکھی تھی۔

"چلتے رہئے حضرات۔" کسی تیسرے آدمی نے کہا۔ "ہم آپ کو کوٹھی نمبر بارہ تک ضرور پہنچائیں گے۔ ہمارے لئے ڈوب مرنے کا مقام ہے اگر ہماری اسٹیٹ میں احمد کمال فریدی جیسے آدمی کو کسی قسم کی تکلیف اٹھانی پڑے۔"

"شکریہ....!" فریدی کا لہجہ بے حد شیریں تھا۔ ساتھ ہی اُس کے قدم بھی اٹھ گئے۔ حمید کو پھر ایک ویسی ہی اسٹیشن ویگن دکھائی دی جیسی اینگلو انڈین کے لئے استعمال کی گئی تھی۔ پچھلا دروازہ کھلا ہی تھا۔ گردنوں پر ریوالور کے دباؤ نے انہیں چپ چاپ اندر داخل ہو جانے پر مجبور کر دیا۔ دروازہ باہر سے مقفل کر دیا گیا تھا۔ گاڑی حرکت میں آ گئی....

"بے حد شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" حمید نے خوش ہو کر کہا۔ "وہ دیکھئے سامنے کریٹ میں بیئر کی بوتلیں بھی رکھی ہوئی ہیں۔"

"گزک کے لئے تمہارے کباب بھی خاصے لذیذ ثابت ہوں گے۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"میں تو ضرور پیوں گا.... خدا کی پناہ کیسی سردی ہے۔ میرا خیال ہے کہ بیئر حرام نہیں ہوتی کیونکہ میں نے اکثر گدھوں کو بھی بیئر پیتے دیکھا ہے۔"

"بکواس بند کرو.... مجھے سوچنے دو....!"

"آج تو آپ مجھے ہی سوچنے دیجئے جب آپ یہ جانتے تھے کہ وہ ہمیں اچھی طرح پہچانتے ہیں تو فون پر کوئی پیغام ریسیور کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"ٹیکسی کا کرایہ بچانا چاہتا تھا۔"

"اوہ.... تو آپ دیدہ و دانستہ....!"

"کوئی دوسری گفتگو....!" فریدی کا لہجہ تحکمانہ تھا۔

"اچھا تو سنئے.... پچھلے سال میں نے ایک لڑکی کے سر پر مینار دیکھا تھا اُس نے کچھ اسی انداز میں اپنے بال سمیٹ کر سر کے وسط میں جوڑا سجایا تھا کہ وہ ایک چھوٹا سا مینار معلوم ہوتا تھا.... لیکن پرسوں کی بات ہے۔"

حمید نے خاموش ہو کر ایک طویل سانس لی اور پھر بولا۔ "پرسوں ایک ایسی لڑکی بھی ٹکرائی تھی جس نے اپنے بال سمیٹ کر اس طرح باندھے تھے کہ اپنے لنگڑے گھوڑے کی دم یاد آ گئی میں

نے پوچھا اس اسٹائل کو کیا کہتے ہیں بولی "پونی ٹیل" میں نے کہا تو اردو میں ٹٹو کی دم کہتے ہیں کیوں دم نکلتا ہے.... چراغپا ہوگئی کرسی پیچھے نہ کھسکا لیتا تو تھپڑ گال ہی پر پڑا ہوتا۔ کیونکہ میں بھی تھی.... ہا.... کیا مصیبت ہے۔ دس سال پہلے کی گھٹیا چیزیں آج فیشن بن گئی ہیں دس سال پہلے میرے گاؤں کی چماریاں اس طرح اپنے بال باندھا کرتی تھیں.... میرے ایک محبوبہ تھی شیو کلی چمارن.... وہ اُس سے اکثر کہا کرتے تھے۔

"اُو شیو کلی او حرافہ یہ سر پر جھاڑو کیوں لٹکالی ہے.... چوٹی گوندھا کر مری جان۔"

"آنٹی چمارن کا تذکرہ بڑی بد تمیزی سے کر رہے ہو۔" فریدی مسکرایا۔

"آپ اتنے مطمئن کیوں ہیں....!" حمید جھنجھلا اٹھا۔

"بے اطمینانی زمین پر جنت نہیں تعمیر کرتی ہے....!"

"اب کچھ نہیں پوچھوں گا۔" حمید پھر جھلا گیا۔

گاڑی کے اس حصے میں اُن دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا.... دفعتاً ڈرائیور والی سیٹ درمیانی دیوار میں ایک چھوٹی سی خلا پیدا ہوگئی اور دوسری جانب سے کسی نے انہیں مخاطب کیا۔ "سفر طویل نہیں ہے... بیئر کے علاوہ سوڈا اور وہسکی بھی وہاں موجود ہیں۔ شوق فرمائیے۔"

"شکریہ....!" فریدی نے مسکرا کر جواب دیا۔ "میں صرف خون پیتا ہوں۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے.... ہز ہائی نس کو جانوروں سے بڑی دلچسپی ہے۔"

"وہ خود کسی زمانے میں پکڑے گئے تھے...." حمید نے بڑی سنجیدگی سے سوال کیا۔

"گستاخ....!" کوئی دوسرا غرایا۔ "خاموش رہو.... ورنہ زبان گدی سے کھینچ لی جائے گی۔"

"خاموش رہو.... فرزند ابھی ہم خود ہی دیکھ لیں گے کہ وہ کس پائے کا جانور ہے؟" فریدی بولا.... ساتھ ہی اگلی نشست والی کھڑکی بھی بند ہوگئی۔ حمید پھر تھوڑی دیر خاموش رہا بولا۔ "بھاگتے.... راستہ نہ ملے گا۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے.... لیکن اب کیا ہو سکتا ہے.... پھر بھی اتنا یاد رکھو کہ تم زیادہ ہلا پیر نہیں ہلاؤ گے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"اگر میں گاڑی سے اترتے ہی کچھ شروع کر دوں تو میرے ہاتھ بٹانے کی ضرورت نہیں۔"

"یعنی میں دم بخود کھڑا رہوں گا۔"

"قطعی....!"

"مصلحت....؟"

"فضول بکواس نہ کرو۔ جتنا کہا جائے اُس سے زیادہ نہ کرنا۔" فریدی کی آواز اتنی ہی نیچی تھی کہ حمید کے علاوہ اور کوئی نہ سن سکتا تھا۔

"پھر میں اپنے بچاؤ کے لئے کیا کروں گا۔"

"مجھ سے نفرت کا اظہار اور انکا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش۔"

"اور اگر کام آگیا تو....!"

"میں صبر کرلوں گا....؟" فریدی کی سنجیدگی برقرار رہی۔

پھر وہ دونوں ہی کسی سوچ میں گم ہوگئے۔ انجن کے ہلکے سے شور کی یکسانیت حمید کے ذہن کو بیداری کی سطح سے نیچے لئے جارہی تھی کچھ دیر بعد یک بیک اُس نے جھرجھری لی اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا.... کم قوت والے بلب کی دھندلی سی روشنی میں فریدی کے چہرے پر اُسے نہ جانے کیوں اجنبیت سی نظر آرہی تھی۔

"ہوشیار....!" فریدی آہستہ سے بولا۔ حمید نے بھی محسوس کیا تھا کہ گاڑی کی رفتار کم ہو رہی ہے۔

گاڑی کے رکنے کے دھچکے کے ساتھ ہی فریدی ایک جانب تھوڑا سا جھکا اور پھر اُسی پوزیشن میں ساکت و صامت ہوگیا.... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُس دھچکے کے ساتھ جسم و روح کا رابطہ بھی منقطع ہوگیا۔

حمید بوکھلائے ہوئے انداز میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔ پھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ کسی نے دروازہ کھولا۔

"نیچے آؤ....!" تحکمانہ لہجے میں کہا گیا۔ ریوالور کی نال اُن کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ فریدی اُسی طرح جھکا ہوا دروازے کی جانب کھسکا اور پھر حمید کو ایسا معلوم ہوا جیسے وہ اُن دونوں مسلح آدمیوں کے درمیان سے تیرتا ہوا گذر گیا ہو۔ اُن دونوں کے سر ایک دوسرے سے ٹکرائے تھے اور پھر جتنی دیر میں وہ سنبھلتے فریدی نے دو فائر جھونک مارے اور پھر اچھا خاصا ہنگامہ برپا

ہو گیا۔ پے در پے فائر.... اور چیخیں.... حمید نے اوسان خطا نہ ہونے دیئے.... وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ فریدی کیا چاہتا ہے.... اس لئے وہ چپ چاپ گاڑی ہی میں بیٹھا رہا۔ حالانکہ جیب میں ریوالور موجود تھا۔

اُس کا اندازہ تھا کہ گاڑی کسی عمارت کی کمپاؤنڈ میں روکی گئی ہے۔ "وہ گیا.... وہ اُدھر....!" کوئی چیخا اور بیک وقت کئی فائر ہوئے۔ حمید نے سوچا اس طرح بیٹھے رہنا تو مناسب نہیں ہے.... قطعی غیر منطقی کہ ایک ساتھی تو اس طرح نکل گیا اور دوسرا ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہا.... وہ کبھی یقین نہ کریں گے کہ اس میں بھی کوئی چال نہ ہو گی۔ پھر کیا کیا جائے؟ اُس نے چاروں طرف دیکھا.... بالآخر ایک ایسی جگہ نظر آ ہی گئی جس سے سر ٹکرا دینے پر پیشانی کی کھال یقینی طور پر پھٹ جاتی۔

پھر قبل اس کے کہ کوئی گاڑی کی طرف دوبارہ متوجہ ہوتا وہ فرش پر ڈھیر نظر آیا.... پیشانی سے خون کی چادر چہرے پر آئی تھی۔

وہ مطمئن تھا کہ سردی کی شدت کی وجہ سے خون کی زیادہ مقدار ضائع نہ ہو سکے گی۔ زخم پر خون جلد ہی جم جائے گا۔

پیشانی درد سے پھٹی جا رہی تھی۔ لیکن چوٹ اتنی شدید بھی نہیں تھی کہ وہ بیہوش ہو جاتا۔ ویسے مقصد یہی تھا کہ وہ اُسے بیہوشی ہی کی حالت میں اٹھائیں۔

کچھ دیر بعد اُس نے اپنے قریب ہی آوازیں سنیں.... پہلے کسی نے چیخ کر کہا تھا۔ "دوسرا گاڑی ہی میں بیہوش پڑا ہے۔"

پھر وہ اُسے گاڑی سے اٹھا کر کہیں لائے.... لیکن حمید فی الحال آنکھیں نہیں کھولنا چاہتا تھا۔ کوئی گرج رہا تھا۔ "حرام زادو ایک آدمی نہ پکڑا گیا.... میں تمہاری بوٹیاں اڑا دوں گا۔ اگر پانچ گھنٹے کے اندر اندر اُس کی لاش میرے سامنے نہ لائی گئی۔"

اس کے جواب میں حمید نے کچھ نہ سنا ویسے اُس کا اندازہ تھا کہ وہاں کم از کم ایک درجن آدمی موجود ہیں۔

"اسے ہوش میں لاؤ....!" وہی آدمی پھر گرجا۔

پھر تین منٹ کے اندر ہی اندر حمید نے اپنے بائیں بازو میں انجکشن کی چبھن محسوس کی۔

"فوراً ہوش میں آنا چاہئے۔" کوئی غرایا۔

"اَن داتا.... چوتھا منٹ نہیں گذرنے دے گا۔" گڑگڑا کر جواب دیا گیا۔ حمید نے سوچا اچھی بات ہے بیٹے ڈاکٹر صاحب میں تمہارے اعتماد کو ٹھیس نہیں لگنے دوں گا۔

اُس نے کراہ کر کروٹ بدلی لیکن آنکھیں نہ کھولیں.... پھر وہ اس طرح ہاتھ پیر پٹخنے لگا جیسے کسی نے ادھ کٹی گردن سمیت اُسے تڑپنے کے لئے چھوڑ دیا ہو۔

"کیا یہ مر رہا ہے....!" بڑی لاپرواہی سے پوچھا گیا۔

"پتہ نہیں.... اَن داتا....!"

"شراپ....!" شائد یہ چمڑے کے چابک کی آواز تھی، کسی کے حلق سے تلملائی ہوئی سی چیخ نکلی اور پھر کہا گیا۔ "تو نہیں جانتا کہ یہ مر رہا ہے.... ڈاکٹر ہے.... تو.... اسٹیٹ نے تجھ پر ہزاروں خرچ کئے ہیں.... حرام خور....!"

"شراپ....!" پھر چابک کی آواز.... لیکن اس بار شائد پٹنے والا خود پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

حمید نے سوچا اب اٹھ ہی جانا چاہئے۔ بہر حال وہ آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا۔

لیکن فوراً ہی آنکھیں کھول دینے کی بجائے جھومتا ہوا بڑبڑایا۔ "خواہ تم مجھے مار ہی ڈالو.... میں اب اس ملازمت میں نہیں رہ سکتا.... مارو.... ہاں مارو.... اس بار اتنے زور سے میرا سر ٹکراؤ کہ اُس کے پرخچے اڑ جائیں.... انسپکٹر.... تم مجھے مجبور نہیں کر سکتے۔"

یک بیک کسی نے اُسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور پھر اُس نے آنکھیں کھولیں لیکن تھوڑی دیر تک اس انداز میں آنکھیں پھاڑتا رہا جیسے کچھ دکھائی ہی نہ دیتا ہو۔ حالانکہ وہ اُس وحشت زدہ آدمی کو بخوبی دیکھ رہا تھا جس کے ہاتھ میں بٹے ہوئے چمڑے کا لمبا سا چابک تھا۔

"سیدھے کھڑے ہو جاؤ....!" دفعتاً ایک آدمی غرایا۔

"مم.... میں کہاں....!" حمید خلاء میں گھورتا ہوا بولا۔

"کورنش بجالاؤ.... تم ہز ہائی نس کے حضور میں ہو۔" جواب ملا۔

"اوہ خدایا.... میں کس طرح تیرا شکر ادا کروں۔" حمید کی ایکٹنگ شاندار تھی.... وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس طرح جھکا جیسے منہ کے بل گر پڑے گا۔

"ہوں.... کیا بک رہے تھے تم۔" وحشت زدہ والئی ریاست نے چابک کو جنبش دی۔

"اَن داتا.... مجھے امید نہیں تھی کہ حضوری حاصل ہو سکے گی۔"

"کیوں....؟" بائیں ابرو میں تناؤ پیدا کرتے ہوئے پوچھا گیا۔

"وہ درندہ ہے.... اپنی دانست میں تو اُس نے وہ حملہ مار ڈالنے ہی کے لئے کیا تھا۔"

"کس نے....!" ہز ہائی نس کا لہجہ نرم تھا۔

"میرے باس فریدی نے.... وہ درندہ ہے.... ان داتا.... میں اُسے سمجھا رہا تھا کہ رتن پور کی بہت بڑی سرکار ہے.... جہاں لاٹ صاحب کی دال بھی نہ گلتی ہو وہاں ہم مسخرے کس کھیت کی مولی ہوں گے۔ لیکن.... اُس نے ایک نہ سنی۔ پھر جب ہم یہاں لائے جا رہے تھے تو میں نے راستے میں اُسے سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ اگر ہم سرکار میں پہنچتے ہی معافی مانگ لیں شاید بخش دیئے جائیں.... بس ان داتا.... وہ کسی بھوکے شیر کی طرح بپھر گیا۔ کیسی حیوانیت تھی اس کے حملے میں.... میرے خدا۔"

حمید نے آنکھیں بند کر لیں اور اس کا جسم کانپنے لگا۔

چند لمحے خاموشی رہی پھر رتن پور کا والی غرایا۔ "تصویروں کا پیکٹ کہاں ہے۔"

"سرکار.... وہ تو کسی نامعلوم حملہ آور نے مجھ سے چھین لیا تھا۔"

حمید نے کہا اور پوری کہانی دہرا دی۔ پھر چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ "میں بالکل بے قصور ہوں سرکار مفت میں مارا جاؤں گا۔ اگر کبھی اس ملازمت سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کروں ہوں تو وہ دھمکی دیتا ہے کہ ساری عمر جیل میں سڑوا دے گا۔ وہ کتنا بڑا سازشی ہے.... میں جانتا ہوں۔"

"بکواس بند کرو.... یہاں جھوٹ بولنے کی سزا موت ہے۔"

"سیس.... سرکار.... ان داتا.... میں کیسے یقین دلاؤں....!"

"تصویریں.... تم نے دیکھی تھیں....!"

"دیکھی تھیں ان داتا....!"

"کس قسم کی تصویریں تھیں....!"

"قسم.... قسم.... میں نہیں سمجھا سرکار.... یعنی کہ بس ویسی ہی جیسی....!"

"ہوں.... ختم کرو.... میں دیکھوں گا۔" وہ حمید کو گھورتا ہوا بولا۔ پھر ایک آدمی کی طرف مڑ کر کہا۔ "سکتر صاحب اسے ریچھوں کے کٹہرے میں دھکیل دیا جائے۔"

"ہولی فادر...." حمید اچھل پڑا۔ لیکن والئی ریاست حکم دینے کے بعد اتنی تیزی سے ایک دروازے میں مڑ گیا تھا کہ وہ فریاد بھی نہ کر سکا۔

سیکریٹری بڑبڑا رہا تھا۔ "یہ احمق خواہ مخواہ خود کو ریچھوں سے نچواتے ہیں۔"

"اے تو کیا واقعی....!" حمید نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔

"ذرا ہی سی دیر میں معلوم ہوا جاتا ہے.... سرکار کو یقین نہیں آیا تمہاری باتوں پر....!"

"یقین نہ کرنے کی وجہ....!" حمید جھلا گیا۔

"آخر تم دونوں نے رتن پور کا رخ کیوں کیا تھا....؟" سیکریٹری نے پوچھا۔

"شامت نے گھیرا ہوگا.... میں کیا جانوں.... وہ تو مجھے کسی گدھے کی طرح جوتے پھرتا ہے.... یہ بتائے بغیر کہ کسی فعل کا مقصد کیا ہے۔ پہلے اُس نے مجھے یہاں نہ صرف یہ کہہ کر بھیجا تھا کہ میں فلیٹی میں قیام کروں.... پھر خود بھی آ پہنچا.... اور یہیں آ کر بتایا کہ وہ کملا کے قاتلوں کی تلاش میں ہے.... کہنے لگا کہ اس میں ہز ہائی نس کا ہاتھ بھی ہو سکتا ہے.... میں نے کانوں پر ہاتھ رکھے اور اُسے سمجھانے کی کوشش کرنے لگا کہ اگرچہ یہ حقیقت ہے تو ہمیں چپ چاپ یہاں سے چلے جانا چاہئے.... بھلا ہز ہائی نس سے کوئی ٹکر لے سکے گا۔"

سیکریٹری چند لمحے حمید کو گھورتا رہا پھر بولا۔ "ہز ہائی نس کے علاوہ اور کوئی بھی اُس پیکٹ میں دلچسپی نہیں لے سکتا۔ لیکن وہ پیکٹ ہز ہائی نس تک نہیں پہنچا۔"

"ہوں....!" حمید نے کچھ سوچتے ہوئے سر کو جنبش دی.... "کملا کے کوارٹر میں شائد وہ پیکٹ بھی تلاش کیا گیا تھا۔"

"تمہیں ان باتوں سے سروکار....!" سیکریٹری غرایا۔

"قطعی نہیں.... لیکن شائد میں کوئی کام کی بات بتا سکوں۔"

"یعنی....!"

"وہ پیکٹ تمہارے ہی کسی آدمی نے مجھ سے چھینا تھا....!"

"بکواس.... اس طرح وہ ہز ہائی نس تک ضرور پہنچا ہوتا۔"

"نہیں سمجھے... ہاہا...!" حمید نے قہقہہ لگایا۔ "نہیں سمجھ سکتے۔ میں پوری طرح سمجھ گیا ہوں۔"

"لے چلو...!" سیکریٹری دوسروں کی طرف دیکھ کر غرایا۔

"سنو پیارے...!" حمید کے ہونٹوں پر شریر سی مسکراہٹ نظر آئی۔ "ہم تو سر ہتھیلی لئے پھرتے ہیں۔ لیکن میری موت تمہارے ہز ہائی نس کے لئے بڑی پریشانیاں لائے گی۔"

اُس کی طرف بڑھتے ہوئے قدم رک گئے اور سیکریٹری غرایا۔ "کیوں؟"

"مجھے کسی غدار کی پرچھائیں نظر آرہی ہے۔" حمید یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ چند لمحے خلاء میں گھورتا رہا۔ پھر سیکریٹری کی طرف دیکھے بغیر بولا۔ "بلاشبہ وہ تمہارا ہی کوئی آدمی تھا جس نے میرے جیب سے پیکٹ نکالا تھا لیکن...!"

حمید نے قہقہہ لگایا۔ لیکن جلد ہی سنجیدگی اختیار کر کے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "وہ ہز ہائی نس کو... بلیک میل... کرے گا۔"

بالکل ایسا ہی معلوم ہونے لگا جیسے حمید کے یہ الفاظ بموں کی طرح اُن کے سروں پر پڑے ہوں۔ قبرستان کا سا سناٹا چھا گیا۔ پھر دفعتاً دروازے کی جانب سے آواز آئی۔ "ٹھہرو۔"

رتن پور کا والی دروازے میں کھڑا حمید کو گھور رہا تھا۔

حمید ایک بار پھر بوکھلائے ہوئے انداز میں جھکتا چلا گیا۔

"سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔" اس بار وحشت زدہ والئی ریاست کے لہجے میں نرمی تھی۔ وہ حمید کو پھر گھورنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اُس کے ذہن کی گہرائیوں میں اترنے کی کوشش کر رہا ہو۔ یک بیک اُس نے کہا۔ "میرے ساتھ آؤ۔" اور دوسری طرف مڑ گیا۔

❁

روزا اتنی تھک گئی تھی کہ صرف ایک ہی منزل کے زینے بے حد گراں گذرے وہ اپنے کمرے کے قریب پہنچ کر رک گئی۔ غالباً قفل کھولنے سے پہلے کچھ دیر دم لینا چاہتی تھی... کہ کسی نے اُس کا شانہ چھو کر کہا۔

"مجھے بے حد افسوس ہے۔"

وہ چونک کر مڑی سامنے خضران کھڑا تھا۔ ٹھنڈی سی لہر اُس کی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑ گئی۔

"مم... میں نہیں سمجھی جناب۔"

"میں اس وقت نشے میں تھا محترمہ...!"

"اب...؟" روزا نے تجاہل سے کام لیا۔

"وہی کیمرے والی بات...!"

"ارے وہ تو کچھ نہیں...!" روزا ہنس پڑی۔ "میرا کام ہی یہی ہے کہ ایسے مواقع پر جھڑکیاں سہوں۔ بڑی اچھی تنخواہ مجھے ملتی ہے جناب۔"

"اوہ... کتنا گہرا طنز ہے...!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں اس طرح بڑبڑایا جیسے خود سے مخاطب ہو۔ پھر بڑی لجاجت سے بولا۔ "کیا آپ میرے لئے تھوڑا سا وقت نکال سکیں گی۔"

"ضرور... ضرور... تشریف لائیے۔" روزا کمرے کا قفل کھولنے کے لئے آگے بڑھتی ہوئی بولی۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں سٹنگ روم میں نظر آئے۔ خضران سر جھکائے بیٹھا تھا اور روزا مضطربانہ انداز میں بار بار پہلو بدل رہی تھی۔ بالآخر جب وہ بہت زیادہ گھٹن محسوس کرنے لگی تو اُسے ہی پہل کرنی پڑی۔

"فرمائیے میں کیا خدمت کر سکتی ہوں...!"

"اب اور زیادہ شرمندہ نہ کیجئے۔" اُس نے سر اٹھا کر کہا۔ روزا کو اُس کی آنکھوں میں موٹے موٹے قطرے نظر آئے...

"مم... میں نہیں سمجھی جناب...!"

خضران نے دوسری طرف منہ پھیر کر آنکھیں پونچھیں اور پھر اُس کی طرف دیکھے بغیر بولا۔

"مجھے نشے میں بہت جلد غصہ آجاتا ہے... پھر نارمل حالت میں اتنی شرمندگی ہوتی ہے کہ خودکشی کر لینے کو دل چاہتا ہے۔"

"اوہ... کوئی بات نہیں ہے، آپ کو کس طرح یقین دلاؤں کہ میں نے بُرا نہیں مانا تھا۔"

دفعتاً کسی نے دروازے پر دستک دی اور وہ چونک پڑے۔

"کم ان...!" روزا نے کہا دروازہ کھلا اور دو آدمی اندر داخل ہوئے... روزا بوکھلا کر کھڑی ہو گئی... وہ اُن کے سینوں پر لگے ہوئے سرخ رنگ کے بیجوں کو گھورے جا رہی تھی۔

"تت... تشریف رکھئے جناب...!" اُس نے اُن سے کہا وہ بیٹھ ہی رہے تھے کہ خضران

روزا سے اجازت طلب کر کے اٹھ گیا۔ اُس نے اُن دونوں کو دیکھتے ہی اپنی ناک پر رومال رکھ لیا تھا اور دو بار چھینکا بھی تھا۔

اُس کے چلے جانے پر روزا نے بڑے خوفزدہ انداز میں اُن لوگوں کی آمد کا مقصد پوچھا تھا۔

"تیسری منزل کے خضران نامی کسی آدمی کے بارے میں پوچھ گچھ کرنی ہے۔"

"مخ.... خضران.... وہ تو.... وہ ابھی آپ کے سامنے یہاں سے اٹھے ہیں۔"

"کیا....؟" دونوں نے بیک وقت کہا اور اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ پھر وہ اتنی تیزی سے باہر نکل گئے تھے کہ روزا کے ہونٹ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ غالباً اُس نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

آنکھوں میں الجھن کے آثار لئے وہ باتھ روم کی طرف مڑ گئی۔

❁

رتن پور کا والی حمید کو گھور رہا تھا اور حمید اس طرح سر جھکائے بیٹھا تھا جیسے اس سے پہلے بہت کچھ سنتا رہا ہو۔

دفعتاً پرنس غرایا۔ "اگر یہ بات غلط نکلی تو میں تمہارے ٹکڑے اڑا دوں گا۔"

"سس.... سرکار....!" حمید ہکلایا۔ "میں نے تو عرض کیا تھا کہ وہ نامعلوم حملہ آور خضران بھی ہو سکتا ہے۔ میں نے یقین کے ساتھ تو نہیں کہا۔"

"اچھا تو یہی ثابت کرو کہ میرا کوئی آدمی مجھے بلیک میل کرنا چاہتا ہے۔"

"وقت ثابت کرے گا سرکار.... میں جادوگر تو نہیں ہوں لیکن ذہنی تربیت بھی کوئی چیز ہے۔ ہزاروں ایسے کیس نظروں سے گذرے ہیں پچھلے سال ایک گدھے نے اس زور سے لات ماری تھی۔"

"بکواس بند کرو۔"

"سن تو لیجئے سرکار.... وہ ایسا عدیم الفرصت گدھا بھی نہیں تھا کہ خواہ مخواہ لات مار دیتا... اسے مجبور کر دیا گیا تھا کہ وہ لات مارے۔"

"کیا تم نشے میں ہو...." پرنس نے خونخوار لہجے میں کہا۔

"سرکار پوری بات سن لیں۔ لات کھانے کے بعد میں تو بدحواس ہو گیا تھا لیکن کسی ہوش مند نے میری جیب صاف کر دی تھی.... تو کہنے کا یہ مطلب کہ جو شخص آپ کو بلیک میل کر

چاہتا ہے وہ کھل کر کبھی آپ کے سامنے نہیں آئے گا۔ کسی ایسے آدمی کو سامنے لائے گا جسے آپ جانتے نہ ہوں۔"

پرنس کسی سوچ میں پڑ گیا۔ کچھ دیر تک اُس کی انگلیاں کرسی کے ہتھے پر چلتی رہیں۔ پھر وہ حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا فکر مند لہجے میں بولا۔

"مگر اُس پیکٹ کی اہمیت سے میرا کوئی آدمی بھی واقف نہیں۔"

"سرکار.... سرکار.... سرکار....!"

"کیا بکتے ہو....!"

"جس پیکٹ کے لئے ایک قتل ہو گیا ہو اس کی اہمیت کا کیا پوچھنا.... ایک بار ایک لڑکی نے مجھے آنکھ ماری تھی۔"

"شٹ اپ....!"

"یقین کیجئے کہ وہ لڑکی ہرگز نہیں تھی۔ لڑکی کی ماں تھی.... لڑکی تو....!"

دفعتاً ایک آدمی پردہ ہٹا کر کمرے میں داخل ہوا.... اور تعظیماً جھک کر بولا۔ "ریڈ بیجز.... یور ہائی نس....!"

"آنے دو....!" پرنس نے اُس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

اُس کے جانے کے بعد ہی دو آدمی اندر آئے.... ان کے سینوں پر سرخ رنگ کے بیجز لگے ہوئے تھے۔

"اَن داتا....!" اُن میں سے ایک بولا۔ "خضران نام کا ایک آدمی فلیٹی میں موجود تھا۔ ہم نے اُسے ہاؤز ڈیٹکٹو کے کمرے ہی میں دیکھا.... لیکن اُس نے ہمیں دیکھتے ہی اپنا منہ رومال سے ڈھانک لیا تھا۔"

"وہ کہاں ہے؟ کم سے کم الفاظ استعمال کرو۔" پرنس دہاڑا۔

"وہ تو ہمیں دیکھتے ہی اٹھ گیا تھا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ ہمیں جس آدمی کی تلاش تھی وہ....!"

"نکل گیا نا....!" پرنس اپنی ران پر ہاتھ مار کر کھڑا ہو گیا۔

"سس سرکار اگر ہم اُسے پہچانتے ہوتے....!"

"میں کہتا ہوں بکواس بند کرو.... نمک حرامو۔"

وہ سر جھکائے کھڑے رہے اور حمید بڑبڑایا۔ "بہت چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

پھر پرنس سے بولا۔ "سرکار اجازت ہو تو میں بھی ان سے کچھ پوچھوں۔"

پرنس جو قہر آلود نظروں سے اُن دونوں کو گھور رہا تھا حمید کی طرف متوجہ تک نہ ہوا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے وہاں کسی چوتھے آدمی کے وجود کا علم ہی نہ ہو۔

دفعتاً وہ سرد لہجے میں بولا۔ "تم دونوں دس گز کے فاصلے سے دوڑ کر اپنے سر ٹکراؤ۔"

"یور ہائی نس....!" حمید نے کچھ کہنا چاہا۔

"شٹ اپ....!"

حمید پھر کچھ نہ بولا.... وہ دونوں ایک دوسرے سے دور ہٹتے گئے.... اور پھر اس طرح رکے کہ دونوں کے چہرے ایک دوسرے کی جانب تھے۔

"جلدی کرو۔" پرنس نے چمڑے کا چابک فرش پر مارتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں جھکے اور اچھل اچھل کر آپس میں سر ٹکرانے لگے.... حمید کو ہنسی بھی آ رہی تھی اور خوف بھی محسوس ہو رہا تھا۔

وہ بھینسوں کی طرح سر ٹکرا کر چیختے اور کراہتے۔ کبھی کبھی ڈھیر بھی ہو جاتے.... لیکن انہیں پھر اٹھنا پڑتا.... جب تک نہ اٹھتے وحشت زدہ حکمران کا چابک اُن پر برستا رہتا۔

کچھ دیر بعد اُن میں سے ایک قطعی طور پر بیہوش ہو گیا.... تب دوسرا فرش پر دوزانو ہوتا ہوا گر گرایا۔ "یور ہائی نس.... اس اذیت سے تو یہی بہتر ہے کہ آپ ہمیں گولی مار دیں۔"

پرنس نے سوئچ بورڈ پر لگے ہوئے ایک سوئچ کا پش بٹن دبایا۔ کہیں دور سے گھنٹی کی آواز آئی اور ایک آدمی کمرے میں داخل ہو کر کورنش بجا لایا۔

"سیکریٹری کو بلاؤ...." پرنس نے کہا اور الٹے پاؤں واپس گیا۔

"سرکار.... اجازت ہو تو اب میں اس سے کچھ پوچھوں....!" حمید نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ بڑی لاپروائی سے سر ہلا کر اجازت دی گئی۔

حمید تھکے ہوئے آدمی سے مخاطب ہوا۔

"تمہیں یقین ہے کہ اُس نے تمہیں دیکھ کر ہی منہ پر رومال رکھا تھا یا اُسکی اور کوئی وجہ رہی ہوگی۔"

"مم.... مجھے یقین ہے.... پہلے تو ہم نے خیال نہیں کیا تھا.... لیکن اُس کے اٹھ جانے کے بعد جب ہمیں معلوم ہوا کہ.... وہی خضران....!"

وہ دم لینے کے لئے رک گیا۔ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اب وہ بھی بیہوش ہو جائے گا۔ پلکیں جھکی پڑ رہی تھیں۔ اُس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور پھر بولا۔ "جب یہ معلوم ہوا کہ وہ خضران تھا تو خیال آیا کہ ہمارے سرخ بیجز پر نظر پڑتے ہی وہ ناک پر رومال رکھ کر.... دو تین بار چیخا تھا.... اور کمرے سے چلا گیا تھا۔"

"مجھے یقین ہے کہ یہی ہوا ہوگا....!" حمید نے سر ہلا کر کہا۔ "وہ بہت چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے.... چونکہ وہ اپنے دانتوں کی وجہ سے ہزاروں میں پہچانا جا سکے گا اسی لئے اُس نے ناک پر رومال رکھ لیا تھا۔"

"میرے ساتھ آؤ....!" پرنس اٹھتا ہوا حمید سے بولا۔ پھر دروازے کے قریب رک کر زخمی آدمی کی طرف مڑا۔

"اگر تمہاری موت سے پہلے سیکریٹری آ جائے تو اُسے روم نمبر بارہ میں بھیج دینا۔"

"اَن داتا....!" وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر منہ کے بل فرش پر چلا آیا حمید پرنس کے پیچھے چل رہا تھا۔

روم نمبر بارہ میں پہنچتے ہی اُس کی عقل گدی سے خارج ہو گئی۔ مغربی طرز کے ساز بج رہے تھے.... اور ڈیڑھ درجن نیم عریاں لڑکیاں چاروں طرف تھرکتی پھر رہی تھیں.... پرنس نے اس جگہ کو روم نمبر بارہ کے نام سے یاد کیا تھا.... لیکن وہ تو ہال تھا اور اتنا بڑا ہال آج تک حمید کی نظر سے نہیں گذرا....

"ارے باپ رے....!" حمید نے آنکھوں پر دونوں ہاتھ رکھ لئے اور چلتے چلتے رک کر اس طرح کانپنے لگا جیسے کوئی سردی کھایا ہوا بکری کا بچہ ہو۔ ساتھ ہی وہ بڑبڑائے جا رہا تھا۔ "ارے خدا تو نے میرے باپ کے گناہ پچھلے سال ہی معاف کر دیئے ہوں گے اب میرے گناہ بھی معاف کر دے.... ایکس کیوزمی پلیز.... مائی گوڈ....!"

"کیا بکواس ہے....!" پرنس نے اُس کا گریبان پکڑ کر جھٹکا دیا۔

"سردی لگ رہی ہے.... یور ہائی نس....!" حمید ہاتھ جوڑ کر گڑگڑایا۔ "ایسی جگہوں پر اکثر مجھے نمونیہ بھی ہو گیا ہے۔"

پرنس نے قہقہہ لگایا۔ لڑکیاں اُن کے قریب آ گئی تھیں۔ حمید بدستور آنکھیں بند کئے کانپتا

رہا.... جسم کی یہ کپکپاہٹ اب موسیقی سے بھی کسی حد تک ہم آہنگ ہو گئی تھی۔

پرنس نے لڑکیوں کے نرغے سے باہر جاتے ہوئے انہیں کسی قسم کا اشارہ کیا اور وہ یک بیک حمید پر ٹوٹ پڑیں۔

"ارے.... ارے....!" حمید نے خوامخواہ چیخنا شروع کر دیا۔ "بب بچاؤ.... بچاؤ.... آؤ چھین.... ارے چھین.... اچھن.... آق چھین.... مرا سرکار.... نن.... نزلے کی تحریک شروع ہو گئی.... آق چھیں.... نن.... نمونیہ بھی ہو جائے گا۔"

وہ اُسے ایک دوسری پر دھکیلتی رہیں۔

پھر کچھ دیر بعد پرنس کی آواز گونجی "ہٹ جاؤ.... الگ ہٹو.... نغمہ بند کرو۔"

موسیقی کی لہریں فضا میں ارتعاش پیدا کرتی ہوئی سناٹے میں گم ہو گئیں۔ لڑکیاں آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ رہی تھیں۔

"ہاتھ ہٹاؤ آنکھوں سے....!" پرنس نے غضب ناک ہو کر حکم دیا اور حمید کے ہاتھ جھٹکے کے ساتھ پہلوؤں میں جھول گئے۔ وہ اس طرح کھڑا تھا جیسے پشت پر کوہان نکل آیا ہو۔

"سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔"

حمید کسی ربڑ کے بوبے کی طرح اکڑ گیا۔ پرنس کا سیکریٹری سامنے ہی موجود تھا۔

"اُس کا حلیہ پھر بتاؤ.... اور اپنے باس کا بھی۔" پرنس نے حمید کو گھورتے ہوئے کہا۔ پھر سیکریٹری سے بولا۔ "نوٹ کرو....!"

حمید نے خضران اور فریدی کے حلئے بیان کئے اور سیکریٹری نوٹ کرتا رہا.... جب وہ نوٹ بک بند کر چکا تو پرنس نے اسٹیٹ کی ناکہ بندی کا حکم دیتے ہوئے کہا۔ "ایک گھنٹے کے اندر اندر یہ حلئے سارے ناکوں پر پہنچ جانے چاہئیں.... ریلوے اسٹیشنوں پر ساری ٹرینیں اُس وقت تک روکی جائیں جب تک کہ اُن کی تلاشیاں نہ ہو جائیں.... اور اس لڑکی روزا کو یہاں حاضر کرو.... اس کے لئے صرف بائیس منٹ دے سکتا ہوں۔"

سیکریٹری تعظیم کے لئے جھکا اور باہر نکل گیا۔

حمید دم بخود کھڑا تھا۔ پرنس اُس کی طرف مڑا۔ قبل اس کے کہ خود کچھ کہتا حمید ہاتھ جوڑ کر بول پڑا۔ "سرکار میری بھی ایک عرض ہے میں جانتا ہوں کہ مجھے معاف نہیں کیا گیا.... ہاں

موت سے بھی نہیں ڈرتا۔ لیکن مرنے سے پہلے میری ایک خواہش ضرور پوری ہونی چاہئے۔"

"ہوں....!" پرنس نے سوالیہ انداز میں بھنویں چڑھائیں۔

"فریدی کو میرے حوالے کر دیا جائے تاکہ میں اُس کی ہڈیاں توڑ سکوں۔"

"کیوں....؟"

"اُس نے مجھ پر بے شمار مظالم کئے ہیں۔ سب سے بڑا ظلم تو یہ کہ میں کنوارا ہی مر جاؤں گا.... آج تک شادی نہ ہونے دی.... ابھی پچھلے مہینے کی بات ہے ایک جگہ بات لگی تھی۔ وہاں پہنچ کر بھیڑ مار دی.... لڑکی والوں سے جڑ دیا کہ میں چرس پیتا ہوں۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کس قسم کے آدمی ہو۔" پرنس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی۔

"حد ہو گئی سرکار ایک جگہ تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اب تک ساڑھے تین درجن لڑکیوں سے عشق کر چکا ہے.... ساڑھے تین درجن.... ارے باپ رے۔"

وہ پھر کسی چوٹ کھائے ہوئے مینڈک کی طرح کانپنے لگا۔

"تم گدھے ہو۔"

"جی سرکار....!" حمید نے پھر ہاتھ جوڑ دیئے۔ "لڑکیاں بھی یہی سمجھتی ہیں لیکن....!"

"ٹھہرو.... تمہیں ایک تماشہ دکھاؤں....!" وہ سوئچ بورڈ کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

غالباً اُس نے کسی پش بٹن پر انگلی رکھی تھی۔ حمید کی پشت والی دیوار سے ہلکی سی چرچراہٹ بلند ہوئی اور اس نے ایک چور دروازہ نمودار ہوتے دیکھا۔ لیکن ٹھیک اُسی وقت لڑکیوں نے چیخنا اور بھاگنا شروع کر دیا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے بھیڑوں کے گلے میں کوئی بھیڑیا گھس آیا ہو۔

پرنس نے چابک گھما کر اُن کے مجمع میں پھینکا ایک لڑکی کی ٹانگ چابک سے الجھی اور وہ دھڑام سے فرش پر چلی آئی۔

دوسری لڑکیاں مختلف دروازوں سے باہر نکل چکی تھیں۔ چابک سے الجھ کر گرنے والی اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ لیکن اُسے کامیابی نصیب نہ ہو سکی کیونکہ اُس کے گرد چابک کے بلوں میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔

وہ چیخ رہی تھی بلبلا رہی تھی.... اور حمید متحیرانہ انداز میں کھوپڑی سہلا رہا تھا۔ سمجھ ہی میں

نہ آسکا کہ یہ سب یہ کیا تھا۔ پھر دفعتاً اُس چور دروازے کا خیال آیا جس کے نمودار ہوتے ہی ہنگامہ برپا ہوا تھا۔ وہ تیزی سے اُس کی طرف مڑا۔ لیکن پھر اس طرح سناٹے میں آگیا جیسے اچانک روح قبض کرلی گئی ہو۔

دروازہ میں ایک ریچھ نظر آیا.... جو پچھلی ٹانگوں پر کھڑا آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔

پرنس نے حمید سے کہا۔ "ڈرو نہیں.... وہ تمہاری طرف متوجہ بھی نہیں ہوگا۔ سوئچ بورڈ پر سرخ رنگ والا بش بٹن دبادو....!"

حمید بوکھلائے ہوئے انداز میں سوئچ بورڈ کی طرف جھپٹا.... وہ سچ مچ بدحواس ہوگیا تھا بٹن پر انگلی پڑتے ہی ایسا محسوس ہوا جیسے ساری دیواریں دھڑام سے نیچے آپڑی ہوں.... لیکن واقعہ صرف اتنا سا تھا کہ بٹن دبتے ہی ہال کے سارے دروازے بند ہوگئے تھے.... شاید اُن دروں میں اوپر کی طرف خلائیں تھیں جن سے فرش پر تختے پھسل آئے تھے۔

اب پرنس نے لڑکی کو چابک کے بلوں سے آزاد ہوجانے دیا۔ ریچھ پر نظر پڑتے ہی لڑکی نے اور زیادہ چیخنا اور بلبلانا شروع کردیا تھا۔

اب وہ چاروں طرف دوڑتی پھر رہی تھی اور ریچھ اُس کا تعاقب کررہا تھا۔ ایک بار ریچھ نے جھپٹ کر اُسے دھکا دیا اور وہ فرش پر ڈھیر ہوگئی۔ ریچھ پھر سروقد کھڑا ہوگیا.... چیختے چیختے لڑکی کا گلا رندھ گیا تھا۔

ریچھ دو چار قدم پیچھے ہٹا.... اور دوبارہ لڑکی پر جھپٹنے ہی والا تھا کہ سامنے والے روشندان سے پے در پے فائر ہوئے.... ریچھ لڑکھڑایا.... اور ڈھیر ہوگیا.... ایک گولی سینے پر پڑی تھی اور دوسری پھیلے ہوئے دہانہ میں جا گھسی تھی۔

"یہ کون ہے....!" پرنس حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

"احمد کمال فریدی کے علاوہ اور کون ہوسکتا ہے.... نہیں.... نہیں پرنس تم اپنی جگہ سے جنبش نہیں کروگے۔ اب بھی ریوالور کی زد پر ہو۔"

پرنس کچھ نہ بولا۔ وہ ساکت و سامت کھڑا تاریک روشندان کو گھورے جارہا تھا۔

"حمید.... کانسپریٹر دی گریٹ.... میں تمہارے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا تھا.... فی دیکھوں گا تمہیں اگر سسکا سسکا کر نہ مارا تو کچھ بھی نہ کیا۔"

"مم.... مم.... ارے باپ رے.... مطلب یہ کہ.... مم میری بھی تو سنئے۔"

"شٹ اپ....!" روشندان سے آواز آئی۔

تھوڑی دیر تک پھر سناٹا چھایا رہا۔ پرنس نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے ہی تھے کہ روشن دان سے پھر آواز آئی۔ "تم اب یہ سوچنا ترک کردو کہ تمہاری ریاست کے گرد لوہے کی دیواریں ہیں.... اس وقت تمہارے محافظ دستے کی آنکھوں میں دھول جھونکی تھی.... کل تمہیں ایک تھیلے میں بند کرکے شائد سڑکوں پر بھی گھسیٹتا پھروں....!"

پرنس چیخ چیخ کر اپنے آدمیوں کو آوازیں دینے لگا۔ لیکن دروازے تو بند تھے۔ شاید انہیں باہر سے نہ کھولا جاسکتا.... روشندان سے قہقہے کی آواز آئی.... اور کہا گیا۔ "اینگلو انڈین اور اُس کی لڑکی کو اسٹیٹ سے نکل جانے دو.... یہ میرا حکم ہے۔"

"بکواس بند....!" پرنس حلق پھاڑ کر چیخا۔

"صرف دو گھنٹے کی مہلت....!" فریدی کی آواز آئی۔ "اگر وہ دونوں دو گھنٹے بعد ریلوے اسٹیشن پر نظر نہ آئے تو میں سچ مچ تمہیں تھیلے میں بند کرکے سڑکوں پر گھسیٹتا پھروں گا.... شب بخیر....!"

ریچھ تڑپ تڑپ کر سرد ہوچکا تھا.... اور لڑکی ایک گوشے میں دبکی ہوئی بُری طرح کانپ رہی تھی۔

❁

سرخ بیج والے پرنس کے مخصوص اسٹاف کے لوگ تھے۔ اسٹیٹ کے باشندوں میں انہیں موت کے فرشتوں کے نام سے یاد کیا جاتا۔

راہ چلتے اگر کسی کو کوئی سرخ بیج والا نظر آجاتا تو اُسے موت سامنے کھڑی دکھائی دیتی اور تاوقتیکہ وہ اُسے نظرانداز کرکے گذر نہ جاتا اُس پر جانکنی کی سی کیفیت طاری رہتی۔

روزا کو جب یہ معلوم ہوا کہ سرخ بیج والوں سے دوسری ملاقات خود اس کے لئے کسی الجھن کا باعث بننے والی ہے تو اس کا دم ہی تو نکل گیا.... لیکن بے چوں وچرا تعمیل احکام کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہ تھا۔

رات پھر اُسے راج محل کے ایک کمرے میں مقید رکھا گیا اور دوسرے دن تقریباً دس بجے

پرنس کے حضور میں پیشی ہوئی مقصد اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا کہ خضران کے متعلق پوچھ گچھ کی جاتی.... لیکن پرنس اُسے دیکھتے ہی سیکریٹری پر الٹ پڑا.... "اُلو کے پٹھے.... ہماری رعایا کب سے ہے....!"

"سرکار جاننا چاہتے ہیں کہ تم کب سے نمک خوار ہو....!" سیکریٹری نے روزا سے پوچھا.... وہ بُری طرح کانپ رہی تھی۔

"پپ پانچ سال سے.... جناب والا....!"

پرنس نے سیکریٹری کو اس طرح گھور کر دیکھا جیسے کچا ہی چبا جائے گا۔ حمید جو برابر ہی صوفے پر بیٹھا تھا جھک کر آہستہ سے بولا۔ "پانچ سال پہلے تو یہ آفت کی پرکالہ رہی ہوگی سرکار.... یہ سیکریٹری واقعی اُلو کا پٹھا معلوم ہوتا ہے۔ بھلا.... بتایئے پانچ سال بعد اسے یہاں لانے سے کیا فائدہ۔"

"ہوں....!" پرنس غرایا.... اور نصف درجن سرخ بیج والوں کی طرف دیکھ کر بولا۔ "سیکریٹری کو مرغا بنادو۔"

"سس سرکار.... اَن داتا....!" سیکریٹری گڑگڑایا لیکن ایک نہ چلی۔ سرخ بیج والے اُس پر ٹوٹ پڑے اور وہ ذرا ہی سی دیر میں مرغا بنا نظر آیا.... حمید پھر پرنس کی جانب جھکا اور آہستہ سے بولا۔ "یہ پانچ سال کا خسارہ اُس کی پشت پر کتنا اچھا لگے گا.... سرکار....!"

پرنس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی.... اور اُس نے روزا سے کہا۔ "مرغے پر سوار ہو جا....!"

"سرکار.... اَن داتا....!" سیکریٹری مرغا بنا ہوا.... گڑگڑایا.... لیکن کون سنتا.... روزا کو اُس پر سوار ہونا ہی پڑا۔ سیکریٹری کراہنے اور چیخنے لگا۔

"پانچ سال زائد ہی سہی سرکار....!" حمید نے پھر قلابازی کھائی "لیکن اگر یہ اُلو کا پٹھا گر پڑا تو وہ بیچاری بھی مفت میں زخمی ہو جائے گی۔"

"ٹھیک ہے....!" پرنس بڑبڑایا.... چند لمحے سیکریٹری کی کراہیں سنتا اور روزا کی سرا سیمگی سے لطف اندوز ہوتا رہا پھر سرخ بیج والوں سے بولا۔ "یہ گدھا گرنے نہ پائے۔"

"پرنس کچھ اسی قسم کا آدمی تھا۔ حمید کے اندازے کے مطابق اُسے شائد وہ ذرہ برابر بھی

پرواہ نہیں ہوتی تھی کہ وہ کن حالات سے گذر رہا ہے۔ بس جو سوجھی تو سوجھ گئی.... اب اس وقت روزا کی طلبی کا اصل مقصد یہ تھا کہ خضران کے متعلق مزید معلومات بہم پہنچائی جائیں کیونکہ سرخ بیج والوں نے اُسے اُسکے کمرے میں دیکھا تھا۔ لیکن پرنس کی ذہنی رو بہک گئی۔ حمید نے مناسب نہ سمجھا کہ خضران کا تذکرہ چھیڑے بغیر وہاں سے اٹھ جائے۔ ویسے پچھلی رات سے اب تک اُس نے اپنے لئے خاص جگہ بنالی تھی۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو روزا اُس مرغ کی پشت پر کیسے نظر آتی۔

فریدی کی پچھلی رات والی ضروری یا غیر ضروری مداخلت ہی حمید کو اس مقام تک پہنچانے کا باعث بنی تھی.... پرنس کو یقین ہو گیا تھا کہ دونوں ایک دوسرے کے جانی دشمن ہیں.... لیکن اس کے باوجود بھی حمید اس پیکٹ کا راز نہ معلوم کر سکا جس کے لئے یہ ہنگامہ جاری تھا.... پھر وہ کیسے سمجھ لیتا کہ پرنس کریک یا خبطی ہے۔

اُس نے روزا سے خضران کے متعلق معمولی پوچھ گچھ کرنے کے بعد پرنس سے کہا۔ "یہ جھوٹی نہیں معلوم ہوتی سرکار.... خضران کے بارے میں زیادہ نہیں جانتی....!"

پھر وہ وہاں سے اٹھ گئے تھے.... اسکے بعد حمید کو سیکریٹری اور روزا کا حشر نہ معلوم ہو سکا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آرام کر رہا تھا کہ اے۔ ڈی۔ سی نے طلبی کا حکم سنایا۔ پرنس اپنی خواب گاہ میں تھا اور حمید کو وہیں طلب کیا تھا۔

حمید نے وہاں پہنچ کر پہلی بار اُس کے چہرے پر فکرمندی کے آثار دیکھے۔

"بیٹھ جاؤ....!" پرنس ٹہلتا ہوا بولا۔ پھر رکا.... چند لمحے حمید کو گھورتے رہنے کے بعد بولا۔ "اگر وہ بلیک میلر تمہارے باس کے ہاتھ آجائے تو کیا ہوگا۔"

"یقیناً بُری بات ہوگی....!" حمید نے جواب دیا۔ پھر بولا۔ "مگر سرکار میں پھر عرض کروں گا ہم اُس آدمی خضران کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔ ہو سکتا ہے کہ اُس کی آواز کے سلسلے میں مجھ سے غلطی ہوئی ہو۔"

"نہیں تم بہت ذہین اور باصلاحیت آدمی ہو۔ تم سے غلطی نہیں ہو سکتی۔ یہ دیکھو...." اُس نے اُس کی طرف ایک لفافہ اُچھالتے ہوئے کہا.... حمید نے اُسے ہاتھوں پر روک کر خط نکالا.... تحریر تھا۔

"یور ہائی نس! مجھے حیرت ہے کہ آپ کے آدمی بک بیک میرے پیچھے کیوں پڑ گئے؟ اسٹیٹ

میں میرا حلیہ جاری کرایا گیا ہے لیکن میں ایسی جگہ ہوں حضور والا جہاں آپ کے پرندے پر نہ مار سکتے.... میں ریزیڈنٹ کا باورچی ہوں.... آپ کو کملا نامی نرس تو یاد ہی ہوگی.... اور وہ تم بھی۔ میری دانست میں اُس تصویر کی قیمت دس لاکھ ضرور ہونی چاہئے.... ورنہ پھر مفت لیکن دوسری صورت میں وہ آپ کے بجائے ریزیڈنٹ کے قبضے میں ہوگی جو آپ سے بے تحا جلا بیٹھا ہے لیکن وائسرائے کی وجہ سے مجبور ہے.... بہر حال اگر آپ تصویر خریدنا چاہیں تو انکار بھی نہ ہوگا.... رقم ایک ایک ہزار کے نوٹوں کی شکل میں ہونی چاہئے۔ سودا آج ہی ہو جا تو بہتر ہے.... گیارہ بجے رات کو مشرقی گیٹ پر میرے منتظر رہئے۔"

حمید نے خط ختم کر کے طویل سانس لی۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "میری سمجھ میں نہ آتا کہ ریزیڈنٹ آپ کا کیا بگاڑ لے گا۔ کیا یہاں جو کچھ بھی ہوتا ہے اُسکی اطلاع اسے نہ ملتی ہوگی۔"

"وہ دوسرا معاملہ ہے.... تم نہیں سمجھ سکتے۔" پرنس نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"کیوں نہ میں ریزیڈنٹ کی کوٹھی میں گھس کر اُسے گولی مار دینے کی کوشش کروں۔" حمید بولا

"بکواس.... عقل استعمال کرو.... ایسی صورت میں جبکہ وہ مردود.... تمہارا باس ابھی تک گرفتار نہیں ہو سکا۔ میں کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا.... دس لاکھ ہی کی تو بات ہے ہاں.... سنو اب اسکیم ہے.... میں تم سے پوری طرح متفق ہوں کہ یہ حرکت میرے ہی کسی آدمی کی ہے اس لئے کوئی دوسرا فراڈ بھی ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر.... خیر جانے دو میں اب بہت محتاط رہنا چاہتا ہوں.... خود ہی یہ کام کروں گا.... اور تم میرے ساتھ ہوگے.... کوئی ایسی تدبیر کرو.... کہ ہم نہ صرف پیکٹ حاصل کر لیں.... بلکہ وہ آدمی خضران بھی ختم ہو جائے۔"

حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "میک اپ! اس طرح میں اپنے باس سے محفوظ رہ سکوں گا۔"

"ہوں.... اور ہمارے ساتھ بھیڑ بھی نہیں ہوگی صرف میں اور تم.... میں اُس سے پیکٹ لے کر دیکھوں گا.... اگر اُس میں مطلوبہ تصویر موجود ہوئی تو میں بایاں ہاتھ بلند کروں گا.... خضران کو گولی مار دینا.... بے آواز ریوالور....!"

"شاندار.. یور ہائی نس سے زیادہ عقلمند آدمی اگلی دو چار صدیاں بھی شائد ہی پیدا کر سکیں۔"

"اچھا تو اب.... جاؤ.... سوچو کہ ہم کس قسم کے میک اپ میں ہوں گے۔ میں تمہیں

ہوں گا.... اگر یہ کام بن گیا.... اور تمہارا باس تو پھانسی کے تختے پر نظر آئے گا.... بس کی بناء پر مجھے تھوڑی سی الجھن ہو گئی ہے۔"

رات کے دس بجے تھے.... حمید اور ہزہائی نس پیدل ہی ریزیڈنٹ ہاؤز کی طرف چل ے.... حمید سوچ رہا تھا کہ کس طرح پیکٹ اپنے قبضے میں کر لے گا.... خضران اور پرنس.... ہی اُس کے دشمن ثابت ہوں گے.... نہ صرف پیکٹ بلکہ خضران کو بھی تو قابو میں کرنا تھا اُس نوٹ کا انتقام بھی لینا تھا کہ اُس نے اُسے اور جگدیش کو کھلونوں کی طرح ٹریٹ کیا تھا۔

مشرقی پھاٹک کے قریب پہنچ کر وہ رک گئے۔ اب گیارہ بجنے میں دس منٹ باقی تھے.... یہ پھاٹک ٹھی کی کمپاؤنڈ کے اُس حصے میں تھا جہاں بے ترتیب جھاڑیاں بکھری ہوئی تھیں اور شائد یہ پھاٹک کبھی کھولا بھی نہیں جاتا تھا.... پہرہ بھی نہیں ہوتا تھا اس پر۔"

دفعتاً انہوں نے پیروں کی چاپ سنی اور چونک پڑے.... حمید تیزی سے پیچھے ہٹا کیونکہ اسکیم کے طابق اسے چھپ کر خضران کو گولی مارنا تھا۔

ہ سوچنے لگا.... حضرت کا کہیں پتہ نہیں.... یہ میدان میرا ہے۔ اُسے پرنس کے قریب ہی دو سایہ نظر آیا.... حمید زیادہ فاصلے پر نہیں تھا.... اس لئے شائد وہ اُس کی سرگوشیاں بھی صاف سن سکتا۔

"میں یہاں موجود ہیں....!" اُس نے پرنس کی ہلکی سی غراہٹ سنی۔

"اگر کوئی فریب ہوا یور ہائی نس تو نتیجے کے آپ خود ذمہ دار ہوں گے....!" دوسری آواز وخضران ہی کی ہو سکتی تھی۔

"پیکٹ نکالو.... میں دس لاکھ لایا ہوں۔"

"لیکن اس کی کیا سند ہے کہ پیکٹ ہاتھ میں آتے ہی وہ آدمی مجھے گولی نہ مار دے گا جو قریب ی جھاڑی میں چھپا ہوا ہے۔"

"بکواس مت کرو.... تصویر نکالو....!" پرنس بپھر گیا.... اور حمید نے سوچا کہ اُس سے عنقریب کوئی حماقت سرزد ہونے والی ہے.... کہیں ایسا نہ ہو کہ خضران ہاتھ سے نکل ہی جائے.... بس وہ جھپٹ کر جھاڑیوں سے نکلا اور قریب پہنچ کر بولا۔ "یور ہائی نس اس آدمی کو

مطمئن کئے بغیر کام نہیں بنے گا.... لو بھئی میں بھی تمہارے سامنے ہی آگیا.... نکالو پیکٹ۔

"ہاں.... اب ٹھیک ہے۔" خضران بولا۔ "مجھے یقین ہے کہ آپ دونوں حضرات کے اور کوئی نہیں آیا....!"

"وقت نہ برباد کرو.... نکالو....!" پرنس نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"اب آپ دونوں حضرات اپنے ریوالور بھی میرے حوالے کردیجئے.... میں احمق نہیں ہوں

"او.... احمق میں تیرا گلا بھی گھونٹ سکتا ہوں۔" پرنس پھر بپھر گیا.... حمید نے موقع اچھا ہے.... دونوں کی کشتی خاصی شاندار رہے گی اور شائد اسی کشتی کے دوران اُس بھی بن جائے گا.... یعنی پیکٹ کا حصول۔ بس اُس نے پرنس کو تاؤ دلانا شروع کردیا۔

"نہیں سرکار.... یہ خود کو بہت طاقت ور سمجھتا ہے.... مجھے اور میرے ساتھی کو اُ کھلونوں کی طرح اچھال دیا تھا۔ اے احمق آدمی تو ہمارے سرکار کو چیلنج نہیں کرسکتا۔ وہ گردن شانوں سے اکھاڑ دیں گے۔"

"ابھی تک تو کوئی نہیں ٹک سکا میرے سامنے....!" خضران کی ہنسی تضحیک آمیز تھی۔

"خاموش....!" یک بیک پرنس اس پر جھپٹ پڑا....

"سرکار ذرا ڈاڑھی کا خیال رکھئے گا....!" حمید نے بڑے اطمینان سے کہا.... اشارہ ڈاڑھی کی طرف تھا۔ اندھیرے میں اندازہ نہ ہوسکا کہ کون نیچے گرا تھا.... ویسے اُس نے خ کی آواز سنی، جس نے چیخ کر انگریزی میں کہا تھا۔ "ہاں.... آؤ.... دیکھو....!"

یک بیک چاروں طرف بکھری ہوئی جھاڑیوں میں بھونچال سا آگیا.... تیز قسم کی روشنیاں تینوں پر پڑیں اور کئی آدمی جھاڑیوں سے برآمد ہوئے۔

"مار.... فائر کر.... او.... حمید....!" پرنس خضران سے الجھا ہوا چیخا۔

"نہیں.... دوست.... حمید اتنا احمق نہیں ہوسکتا۔" خضران کا جواب تھا۔ لیکن حمید احمق بننے کا بھی ہوش نہیں رہا تھا۔ کیونکہ اس بار یہ خضران کی آواز نہیں تھی.... نہیں.... اُس نے فریدی کی آواز صاف پہچانی تھی.... تو.... یہ فریدی.... خضران.... پناہ.... وہ لڑکھڑا کر ایک درخت کے تنے سے ٹک گیا۔

اور پھر جب ایک بار خضران کا چہرہ روشنی میں آیا تو حمید اور زیادہ بوکھلا گیا.... کیونکہ

فریدی ہی تھا۔ اپنی اصل شکل میں.... اندھیرے میں حمید خضران کی سی آواز سنتا رہا تھا.... پھر شائد پرنس کو بھی اُس کی شکل پر غور کرنے کا موقع مل گیا تھا.... وہ چیخنے لگا۔ "یہ وہ تو نہیں ہے.... اُس کے دانت.... اوہ.... خاموش کیوں کھڑا ہے گدھے.... فائر کرتے ہوئے نکل چلو۔"

"ہوش میں آیئے سرکار آپ میرے باس کے پھندے میں آپھنسے ہیں....!" حمید نے جواب دیا۔

"ابے تو فائر کیوں نہیں کرتا مردود....!" پرنس غصہ سے پاگل ہوگیا۔ اب وہ کوشش کررہا تھا کہ کسی طرح فریدی کی گرفت سے نکل بھاگے۔

وہ پانچ یوروپین قریب آگئے تھے جنکے ہاتھوں میں بہت تیز روشنی والی برقی مشعلیں تھیں۔

"ارر.... سس.... سرکار....!" حمید پرنس کی بات پر دھیان نہ دے کر بولا۔ "ڈاڑھی سنبھالئے....!"

بیک بیک فریدی نے اُسے سر سے بلند کیا اور زمین پر دے مارا.... لیکن.... حمید کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اُس نے اُسے پیروں ہی کے بل زمین پر ٹکتے دیکھا.... بالکل ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے اُس نے خود ہی خلاء میں جست لگائی ہو اور بے تکان اپنے پیروں پر کھڑا ہوگیا ہو۔

"ریوالور ہے اُس کے پاس....!" حمید بے تحاشا چیخا۔

"پہلے تو ہی جا مردود....!" پرنس نے حمید پر فائر جھونک مارنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ فریدی نے پھر اُس پر جست لگائی.... فائر تو ہوا لیکن ہاتھ بہک گیا.... اور گولی ایک یوروپین کے بازو پر لگی.... وہ ریزیڈنٹ کا سیکریٹری تھا۔

"میں تم سبھوں کو فنا کردوں گا....!" پرنس کسی زخمی بھیڑیئے کی طرح غرا رہا تھا۔ "تم دونوں نے مجھے فریب دیا تھا۔"

"فکر نہیں....!" حمید نے فریدی کی آواز سنی۔ "مجھے ایسے ہی شکاروں پر ہاتھ ڈالنے میں لطف آتا ہے جن کا شکار ناممکن ہو۔ تمہارے وہ شکاری کتے کہاں ہیں.... انہیں بلاؤ.... جنہوں نے ایک شیر خوار بچے سے اُس کی ماں چھین لی ہے۔"

"پرنس کچھ نہ بولا.... ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے وہ بچاؤ کی کوئی صورت نہ دیکھ کر ہوش و حواس کھو بیٹھا ہو.... یوروپین پہلے تو زخمی سیکریٹری کی طرف متوجہ ہوگئے تھے.... لیکن جب انہیں اطمینان ہوگیا کہ زخم مہلک نہیں ہے تو یک بیک وہ چاروں بھی پرنس پر آٹوٹے.... اور

شائد فریدی کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی کہ وہ دوبارہ اُسے اکھاڑ کر سر سے بلند کرے.... اور اس طرح پٹخ دے کہ وہ پیروں کے بل زمین پر آنے والا گرنہ استعمال کر سکے۔"

پرنس کو قابو میں کر لیا گیا۔

"یہ ہے وہ سوٹ کیس جس میں دس لاکھ کے بڑے نوٹ ہیں۔" فریدی نے زمین پر پڑے ہوئے سوٹ کیس کی طرف اشارہ کیا.... "اور یہ ہیں اس ریاست کے مالک۔"

اُس نے پرنس کے چہرے سے بچی کھچی نقلی ڈاڑھی بھی الگ کر دی۔

❁

کچھ دیر بعد پرنس ریزیڈنٹ کی کوٹھی کے ایک کمرے میں نظر آیا۔ ریزیڈنٹ نے فریدی کسی اسکیم کو عملی جامہ پہنانے میں مدد ضرور دی تھی.... لیکن اب اُسکے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

اُس نے ایک بار بھی پرنس سے نظر ملانے کی ہمت نہ کی۔ اب کمرے میں صرف پرنس ریزیڈنٹ، فریدی اور حمید موجود تھے۔

"یہ بکواس ہے.... اور یہ تصویر فراڈ ہے....!" پرنس دہاڑ رہا تھا۔

"میرے کسی دشمن نے فوٹو گرافی کا آرٹ دکھایا ہے.... یہ ممکن ہے کہ میرے باغ کی بیک گراؤنڈ میں کہیں اور کھینچی ہوئی کوئی تصویر کھپا دی جائے.... تم خاموش کیوں ہو.... کیا تمہارا بھی شامت آئی ہے؟ مجھے نہیں جانتے کل ہی انگلینڈ واپس بھجوا دوں گا۔"

وہ خاموش ہو کر ریزیڈنٹ کو گھورنے لگا۔ ریزیڈنٹ نہ تو کچھ بولا اور نہ پرنس کی طرف نگاہ ہی اٹھائی۔ اس کی بجائے فریدی سے بولا۔ "ذرا میرے ساتھ آیئے۔"

حمید بھی فریدی کے ساتھ ہی اٹھ گیا۔ پتہ نہیں کیوں وہ اُن کی عدم موجودگی میں کمرے میں نہیں ٹھہرنا چاہتا تھا.... باہر نکل کر فریدی نے دروازہ بولٹ کر دیا.... پھر وہ راہداری میں رک گئے۔

"مسٹر فریدی کہیں آپ سے غلطی تو نہیں ہوئی۔" ریزیڈنٹ نے کہا۔

"آخر وہ دس لاکھ لے کر کیوں آیا تھا.... اگر اس کی نظر میں اُس تصویر کی کوئی اہمیت نہ تھی.... میں نے یہ کھڑاک اسی لئے پھیلایا تھا کہ آپ کو یقین دلا سکوں۔"

"لیکن اس کے ساتھ آپ کے آدمی کی موجودگی کھیل بگاڑ دے گی.... وہ اور کوئی ہاتھ

تراش سکتا ہے! مثال کے طور پر آپ کے آدمی نے اُسے بہت ہی حسین لڑکیوں کی لالچ دلائی.... معاملہ دس لاکھ پر طے ہوا.... اور وہ نووارد کے ساتھ اپنی محل سرا سے باہر آ گیا؟"

"میرا خیال ہے کہ پرنسز اس کی قید میں ہے.... میں اُسے برآمد کر لوں گا مطمئن رہئے۔"

"پھر سوچ لو کہ وہ وائسرائے کا گہرا دوست ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور ریزیڈنٹ کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔ پھر کچھ دیر بعد بولا۔ "صرف دو گھنٹے تک عمارت کے اس حصے کی طرف کسی کو بھی نہ آنے دیجئے۔"

ریزیڈنٹ متفکرانہ انداز میں سر ہلاتا ہوا آگے بڑھ گیا.... وہ دونوں پھر اُسی کمرے میں آئے جہاں پرنس بیٹھا دانت پیس رہا تھا۔

"تم دونوں جہاں بھی ہاتھ آئے زندہ نہ چھوڑوں گا۔" وہ انہیں مکا دکھا کر بولا۔

"چلو یہی سمجھ لو کہ ہم لوگ اس وقت ہاتھ آ گئے ہیں۔" فریدی مسکرایا۔ "پھر یک بیک سنجیدگی اختیار کر کے بولا۔ "میرا بس چلے تو تمہیں سسکا سسکا کر ماروں.... تمہارے مظالم کی حد نہیں تھی.... ملک کے گوشہ گوشہ میں تمہارے شکاری کتے بکھرے ہوئے تھے جن کا کام تھا کہ تمہارے لئے لڑکیاں مہیا کریں.... شہد کی مکھی گروہ کا امتیازی نشان تھا.... گروہ کے وہ افراد جو ایک دوسرے سے ناواقف ہوتے اسی نشان کے ذریعہ آپس میں جان پہچان پیدا کرتے تھے.... کیا میں غلط کہہ رہا ہوں....!"

"میرا احترام کرو حقیر کیڑے...." وہ پھر فریدی پر جھپٹ پڑا.... لیکن اس زور کا تھپڑ پڑا ہے گال پر کہ توازن برقرار نہ رکھ سکنے کی بناء پر دوسری جانب والی دیوار سے جا ٹکرایا.... فریدی نے جو پہلے ہی ہوشیار تھا.... جھکائی دے کر اس کا یہ حملہ ناکام بنا دیا۔

"اوہ.... سور....!" وہ دانت پیس کر پھر جھپٹا.... اس بار پیشانی پر ٹھوکر پڑی اور وہ کراہتا ہوا ڈھیر ہو گیا۔

"شاید فرعون بھی تمہارا نام سن کر کان پکڑ لے۔" فریدی کا لہجہ پُر سکون تھا "اب مجھے بتاؤ کہ لارڈ دلہام کی لڑکی کہاں ہے۔"

وہ پھر اٹھ بیٹھا اور دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ غصے کا یہ عالم تھا کہ بس چلنے پر دیواروں کے پتھر تک چبا ڈالتا۔

"تم یہ مت سمجھو کہ مجھے پوری کہانی کا علم نہ ہوگا۔ کملا مر چکی ہے.... اُس کی سیکرٹ فائل نمبر 29 بھی تمہارے ہی خوف سے مر گئی۔ پھر کیا ہوا.... کیا یہ کہانی اُن کے بیانات کے بغیر مکمل ہو سکے گی۔ میں نے یہاں کافی چھان بین کی ہے.... کملا شاہی ہسپتال میں نرس تھی۔ ایک رات اٹھا کر اُسے زمرد محل میں طلب کیا گیا۔ اُس کے بعد وہ پھر ہسپتال میں واپس نہیں گئی.... یہ تھا بہر حال اس کا مقصد یہی تھا کہ میں پورے گروہ کو اپنی طرف متوجہ کر سکوں۔ لیکن وہ تو کم از کم زمرد محل ہی کے ایک حصے کی ہے جہاں زہرہ کا بت ہے.... لارڈ ولہام کی لڑکی اور تم تصویر بریدی اور حمید کی طرف اُسی وقت متوجہ ہوگئے تھے جب کملا کی لاش دستیاب کی گئی تھی.... زہرہ کے بت ہی کے قریب کھڑے نظر آتے ہو حالانکہ وہ رتن پور کبھی نہیں آئی تھی تم ہسپتال میں رجنی کا واقعہ سنا یہ بھی معلوم ہوا کہ تم اُس کمرے میں موجود تھے.... جگدیش جب اُسے ترائی کے جنگل سے غائب کرایا تھا۔ جب تم اُس کے باپ لارڈ ولہام کے ساتھ وہاں تین بٹا چار کی چوتھائی والا پیغام لایا تھا تب ہی میں سمجھ گیا تھا کہ تم نے کچھ شروع کر دیا ہے اور اُسے کھیل رہے تھے لڑکی بھی شکار کی شائق تھی۔ شکار ہی کھیلنے کی غرض سے انگلستان سے اپنے ہا کے ساتھ آئی تھی۔ وہ بیچارا اُس کے غائب ہو جانے پر روتا پیٹتا انگلستان واپس چلا گیا تھا کیونکہ نے اُسے یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ لڑکی کو کوئی درندہ اٹھا لے گیا۔ لیکن اُسے تمہار آدمیوں نے زمرد محل میں پہنچا دیا تھا۔ وہاں وہ شائد تمہاری واپسی سے قبل بیمار ہوئی تھی اسی کملا اور رجنی وہاں طلب کی گئی تھیں.... تم نے اُن دونوں کو بھی نہ چھوڑا.... وہ تمہارے ذ برتاؤ کی بناء پر تمہاری طرف سے دل میں خلش لے بیٹھیں۔ اُن دنوں لارڈ ولہام کی لڑکی پُراسرار گمشدگی کے بڑے چرچے ہو رہے تھے آئے دن طرح طرح کی خبروں کے ساتھ اُس تصاویر بھی اخبارات میں شائع ہوتیں۔ غالباً کملا اور رجنی کسی اخبار میں اُس کی تصویر دیکھ معاملے کی تہہ تک پہنچ گئی ہوں گی.... بہر حال وہ جو انتقام کی آگ میں جل رہی تھیں تم دونو کی تصاویر لینے میں کامیاب ہو گئیں.... اور پھر انہیں یہاں سے نکل جانے کا موقع بھی کسی طر مل گیا.... لیکن شائد کوئی تیسرا بھی اس راز سے واقف تھا کہ اُن دونوں نے تمہاری تصاویر ہیں.... اس طرح بات تم تک پہنچی.... اور تمہارے شکاری کتے انہیں سارے ملک میں تلا کرنے لگے.. لارڈ ولہام کی لڑکی کا جبریہ اغواء معمولی بات نہیں تھی.... تم معزول کر دیئے جاتے

فریدی چند لمحے اُسے دیکھتا اور حقارت سے مسکراتا رہا پھر بولا۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ شہد کی مکھیوں والے گروہ کی پشت پر تم خود ہو گے.... کئی بار تمہارے آدمی میرے ہا لگے.... لیکن وہ یہ نہ بتا سکے کہ اُن کی پشت پر کون ہے.... اس بار اتفاق سے ایک کلیو بھی ہا آگیا۔ یعنی تصویروں کا پیکٹ....!"

فریدی نے حمید کی طرف دیکھا شائد اس سلسلے میں کچھ بولنے ہی والا تھا.... لیکن اُس نے اُٹھ کر اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "خضران کی کہانی پھر سناؤں گا.... بہر حال اس کا مقصد یہی تھا کہ میں پورے گروہ کو اپنی طرف متوجہ کر سکوں۔ لیکن وہ تو کم از کم زمرد محل ہی کے ایک حصے کی ہے جہاں زہرہ کا بت ہے.... لارڈ ولہام کی لڑکی اور تم تصویر بریدی اور حمید کی طرف اُسی وقت متوجہ ہوگئے تھے جب کملا کی لاش دستیاب کی گئی تھی.... زہرہ کے بت ہی کے قریب کھڑے نظر آتے ہو حالانکہ وہ رتن پور کبھی نہیں آئی تھی تم ہسپتال میں رجنی کا واقعہ سنا یہ بھی معلوم ہوا کہ تم اُس کمرے میں موجود تھے.... جگدیش جب اُسے ترائی کے جنگل سے غائب کرایا تھا۔ جب تم اُس کے باپ لارڈ ولہام کے ساتھ وہاں تین بٹا چار کی چوتھائی والا پیغام لایا تھا تب ہی میں سمجھ گیا تھا کہ تم نے کچھ شروع کر دیا ہے اور اُسے کھیل رہے تھے لڑکی بھی شکار کی شائق تھی۔ شکار ہی کھیلنے کی غرض سے انگلستان سے اپنے ہا کے ساتھ آئی تھی۔ وہ بیچارا اُس کے غائب ہو جانے پر روتا پیٹتا انگلستان واپس چلا گیا تھا کیونکہ نے اُسے یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ لڑکی کو کوئی درندہ اٹھا لے گیا۔ لیکن اُسے تمہار آدمیوں نے زمرد محل میں پہنچا دیا تھا۔ وہاں وہ شائد تمہاری واپسی سے قبل بیمار ہوئی تھی اسی کملا اور رجنی وہاں طلب کی گئی تھیں.... تم نے اُن دونوں کو بھی نہ چھوڑا.... وہ تمہارے ذ برتاؤ کی بناء پر تمہاری طرف سے دل میں خلش لے بیٹھیں۔ اُن دنوں لارڈ ولہام کی لڑکی پُراسرار گمشدگی کے بڑے چرچے ہو رہے تھے آئے دن طرح طرح کی خبروں کے ساتھ اُس تصاویر بھی اخبارات میں شائع ہوتیں۔ غالباً کملا اور رجنی کسی اخبار میں اُس کی تصویر دیکھ معاملے کی تہہ تک پہنچ گئی ہوں گی.... بہر حال وہ جو انتقام کی آگ میں جل رہی تھیں تم دونو کی تصاویر لینے میں کامیاب ہو گئیں.... اور پھر انہیں یہاں سے نکل جانے کا موقع بھی کسی طر مل گیا.... لیکن شائد کوئی تیسرا بھی اس راز سے واقف تھا کہ اُن دونوں نے تمہاری تصاویر ہیں.... اس طرح بات تم تک پہنچی.... اور تمہارے شکاری کتے انہیں سارے ملک میں تلا کرنے لگے.. لارڈ ولہام کی لڑکی کا جبریہ اغواء معمولی بات نہیں تھی.... تم معزول کر دیئے جاتے

فریدی چند لمحے اُسے دیکھتا اور حقارت سے مسکراتا رہا پھر بولا۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ شہد کی مکھیوں والے گروہ کی پشت پر تم خود ہو گے.... کئی بار تمہارے آدمی میرے ہا لگے.... لیکن وہ یہ نہ بتا سکے کہ اُن کی پشت پر کون ہے.... اس بار اتفاق سے ایک کلیو بھی ہا آگیا۔ یعنی تصویروں کا پیکٹ....!"

وہ پھر خاموش ہو گیا.... پرنس اب بھی دیوار سے لگا ہانپ رہا تھا۔ لیکن اس کی نظر فریدی کے چہرے ہی پر تھی۔ آنکھوں سے غیظ و غضب کے ساتھ ہی نفرت کا اظہار بھی ہو رہا تھا۔

ہاں تو پرنس جب میں کملا کے قتل کا سراغ نکالنے کے لئے یہاں پہنچا تو تمہیں تشویش ہوئی اور تم کھل کر سامنے آگئے تمہیں اخبارات کے ذریعہ معلوم ہو چکا تھا کہ تصویر میرے ہاتھ نہیں لگی بلکہ اُسے کوئی اور ہی اڑا لے گیا۔ تم نے سوچا کیوں نہ پہلے ہمیں ہی راستے سے ہٹا دو پھر اُس آدمی کی تلاش بعد میں بھی ہوتی رہے گی.... ویسے تم نے یہ بھی سوچا تھا ممکن ہے کہ تصویر والی خبر میں بھی کوئی چال ہو۔ لہٰذا تمہارے گروہ کی ایک عورت سارجنٹ حمید کے پیچھے بھی لگ گئی تاکہ تمہیں ہماری آمد کا مقصد معلوم ہو سکے.... تصویر میرے پاس موجود تھی.... لیکن میں تمہیں پہچانتا نہیں تھا.... البتہ لارڈ ولہام کی لڑکی کی تصویر اُس کی گمشدگی کے زمانے میں بہت دیکھی تھی اس لئے اُسے پہچاننے میں دشواری نہ ہوئی.... یہاں پہنچا تو تم بھی نظر سے گذرے تب مجھے یہ معلوم ہوا کہ اُس پیکٹ کی کونسی تصویر کسی کے قتل کا باعث بن سکتی ہے.... بہت جلدی میں چھان بین کرنی پڑی اور جب تصدیق ہو گئی کہ ولہام کے ساتھ تم بھی شکار کھیل رہے تھے تو یہ کیس گویا نپٹ ہی گیا۔"

فریدی سانس لینے کے لئے رکا ہی تھا کہ پرنس دانت پیس کر غرایا۔ "بکواس۔"

"فی الحال یہی سہی۔" فریدی نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور بولا۔ "پھر میرے لئے مشکل نہیں تھا کہ میں تمہارے محلات میں وہ جگہ نہ تلاش کر لیتا جہاں تصویر کھینچی گئی تھی۔ پھر میں نے مزید پوچھ گچھ شروع کی تو اس نتیجے پر پہنچا کہ لارڈ ولہام کی لڑکی یہاں سرکاری طور پر

کبھی نہیں آئی تھی.... بہت بڑا مجرم ہاتھ آنے والا تھا.... لیکن کون یقین کرتا.... بہت
سے کہا جاسکتا تھا کہ وہ کیمرہ ٹرک ہے.... تم نے بھی چھوٹتے ہی کہا تھا.... میں ریزیڈنٹ
ملا۔ شائد ملاقات نہ ہوتی لیکن میرے پیغام میں مس ولہام کا حوالہ بھی شامل تھا....
ریزیڈنٹ نے اس پر یقین کرنے سے انکار کردیا۔ لیکن جب تصویر دیکھی تو دم بخود
پڑا.... لیکن کیمرہ ٹرک کا تصور اُس کے ذہن میں بھی ابھرا تھا۔ اس دشواری کی بناء پر مجھے
میلر بھی بننا پڑا.... تم رنگے ہاتھوں پکڑے گئے۔ وہ تصویر یقیناً بہت اہم ہو سکتی ہے جس کے
رتن پور کا والی بھیس بدل کر دس لاکھ روپے دبائے ہوئے کہیں دوڑا جائے!"

"تمہارا فراڈ ساتھی مجھے یہ کہہ کر ساتھ لایا تھا کہ اُس کے ڈیرے پر آٹھ بہت ہی خوبصورت
مصری لڑکیاں ہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ میں خوبصورت لڑکیوں کے لئے جہنم میں بھی چھلانگ لگا
ہوں...." پرنس نے سنبھالا لیا۔

"ٹھیک ہے.... تم نے فریدی اور خضران کے حلئے کیوں جاری کرائے تھے روزا کو
پکڑ بلوایا تھا.... دیکھو احمق.... میں نے اُس رات تمہارے محل میں جو ہڑبونگ مچائی تھی اُس
مقصد یہ جتانا نہیں تھا کہ میں ہنٹر والی کا شوہر یا ٹارزن کا والد بزرگوار ہوں.... میں یہ چاہتا تھا
میرے خلاف تمہاری کاروائیاں سرکاری نوعیت اختیار کرلیں.... تمہارے پرائیویٹس سراغ
والوں تک محدود نہ رہیں.... ظاہر ہے کہ ہم دونوں کو اسٹیٹ میں روکے رکھنے کے لئے
بندی کرنی پڑتی.... اور یہ کاروائی سرکاری کاغذات پر آتی.... بس میرا کام بن جاتا.... تم
جواب دہی کرو گے اس سلسلے میں کہ فریدی اور خضران کے لئے ناکہ بندی کی کیا ضرورت
تھی.... ظاہر ہے کہ فریدی ایک سرکاری سراغ رساں ہے اور خضران ایک بلیک میلر۔ حقیقتاً
الگ شخصیت نہیں تھیں.... اگر معاملہ صرف خضران ہی کا ہوتا تو تم کوئی دوسرا جھوٹ
سکتے.... لیکن اب بتاؤ...."

پرنس کچھ نہ بولا۔

"بتاؤ... ولہام کی لڑکی کہاں ہے....!" فریدی کی آواز کسی سانپ کی پھپکار سے مشابہ تھی

"میں نہیں جانتا.... سب بکواس ہے۔"

"تراق....!" فریدی کا ہاتھ پھر اُس کے گال پر پڑا.... کچھ دیر پھر ہنگامہ رہا اور پرنس کو

زمین دیکھنی پڑی۔

"ہمیں تو اب اجازت دیجئے۔" حمید خالص لکھنوی انداز میں بولا۔ "ورنہ ہمیں خدشہ ہے کہ
آدمیوں کی صحبت میں رہ کر کہیں ہم بھی بھینس نہ ہو جائیں۔"

اُس کے بعد اُس نے دروازہ کھولا اور راہداری میں نکل آیا.... فریدی نے اس پر اعتراض
بھی نہیں کیا تھا۔

❁

دوسرے دن فریدی اور حمید فلیٹی کے ایک کمرے میں بیٹھے اُسی کیس پر گفتگو کر رہے تھے۔

"ولہام کی لڑکی زمرد محل سے برآمد کرلی گئی ہے.... لیکن اُسے ٹی۔بی ہو گیا ہے شائد ہی
دو چار ماہ بھی زندہ رہ سکے۔" فریدی نے کہا۔

"مگر.... رجنی کیوں مر گئی....!"

"تصویر اُس کے پاس تھی۔ اُس نے کملا کے قتل کی خبر سنی اور بدحواس ہو گئی۔ پھر جب
معلوم ہوا کہ کوئی اس کا پرس بھی اڑا لے گیا تو سمجھی کہ اب اس کی موت بھی یقینی ہے۔ پرنس کسی
رازدار کو زندہ کیوں رہنے دے گا۔ دہشت کی وجہ سے دماغ کی رگیں پھٹ گئیں.... اُس وقت
تک وہ دونوں چھپی رہی تھیں اور انہیں یقین تھا کہ پرنس برطانوی عملداری میں اُن کا کچھ نہیں
بگاڑ سکے گا....!"

"تصویر اتنے دنوں تک کیوں بیکار پڑی رہی.... انہوں نے اُسے پرنس کے خلاف کیوں
نہیں استعمال کیا؟"

"غالباً.... اس کی وجہ بھی خوف ہی تھا۔ پھر بھی انہیں اُمید رہی ہوگی کہ کبھی نہ کبھی اُسے
استعمال کرنے کا موقع ضرور ہاتھ آئے گا۔"

"ٹھہریئے.... اب مجھے غصہ آرہا ہے.... آپ نے آخر خضران کی حیثیت چھپائی کیوں
تھی۔ مجھ سے اس بُری طرح کیوں پیش آئے تھے.... خدا کی پناہ آج بھی اُس گرفت کے تصور
ہی سے گردن کی رگیں بھنچنے لگی ہیں۔"

فریدی مسکرا کر بولا۔ "اگر ایسا نہ کرتا تو تمہاری اور جگدیش کی کہانیوں میں زور کہاں سے
پیدا ہوتا۔"

ویسے حمید اس بار تم میرے اس کارنامے میں برابر کے شریک رہے ہو.... تمہارا ذہن غنودگی کا شکار نہیں ہوا.... وقت کی کمی کی بناء پر میں تمہیں پرنس کے متعلق واضح ہدایات نہیں دے سکا تھا لیکن اس کے باوجود بھی تم نے اپنا رول اسی طرح ادا کیا ہے جیسے میں نے چاہا تھا۔"

"اونہہ....!" حمید کا لہجہ بے حد خشک تھا۔ "بچپن میں میرا باپ بھی میری تعریفوں کے پل باندھ کر مجھ سے گھنٹوں پاؤں دبوایا کرتا تھا.... اس لئے۔

مالک کی راہ اور قلندر کی اور ہے"

فریدی نے سگار سلگا کر دو تین ہلکے ہلکے کش لئے اور دھوئیں کی اُس پتلی سی لکیر کو گھورنے لگا جو سلگتے ہوئے سرے سے اُٹھ کر فضا میں لہریئے بنا رہی تھی۔ دفعتاً حمید پھر بولا۔ "لیکن آپ کو کب علم ہوا تھا کہ پیکٹ میں نے ہی رجنی کے بیگ سے نکالا تھا اور وہ میری جیب ہی میں موجود ہے۔"

"جگدیش کا وہ بے تکا پیغام جو تمہارے نام سے منسوب کیا گیا تھا اس خیال کا باعث بنا... مجھے یقین تھا کہ تم نے اُس کی بیہوشی کے بعد اس بیگ کا جائزہ ضرور لیا ہوگا جس کے لئے وہ اتنا مضطرب تھی اور اُس پر ہاتھ صاف کرنے کا موقع فراہم کرنے کے لئے جگدیش کو میری طرف دوڑا دیا تھا.... گھر واپس آیا تو نصیر سے معلوم ہوا کہ تم نے بھورے رنگ کا ایک پیکٹ اخبار کاغذات والی تجوری میں رکھا تھا.... اور پھر شام کو جب جگدیش کے ساتھ کسٹمز کوارٹر جانے لگے تھے تو اُسے تجوری سے نکال کر ساتھ لیتے گئے تھے.... مجھے علم تھا کہ تمہارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں تھی جسے تم اتنی اہمیت دیتے۔ لہٰذا اسی نتیجے پر پہنچنا پڑا کہ وہ وہی چیز ہو سکتی ہے جو تم نے رجنی کے بیگ سے برآمد کی ہوگی۔ بس ایک اسکیم سوجھی.... اور پھر عمل میں بھی لائی گئی.... خسارے میں نہیں رہے۔"

"مگر اب اس مردود کا کیا ہوگا...." حمید نے پوچھا۔

"معزولی اور بے عزتی۔" فریدی نے کہا اور پھر کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 89

بیچارہ بیچاری

(مکمل ناول)

پیشرس

لیجئے بیچارہ بیچاری بھی حاضر ہے! ہمیشہ زندہ رہنے والے اَدب میں ایک کہانی کا مزید اضافہ ہوا۔

یہ ادب ہمیشہ اسلئے زندہ رہتا ہے کہ اسکا تعلق براہِ راست Instinct of Curiosity سے ہے۔ تجسس کی جبلت مرتے دم تک زندہ رہتی ہے۔ آدمی اس وقت بھی متجسس رہا ہے جب وہ غریب اپنی اس جبلت کو کوئی مخصوص نام دینے کا سلیقہ نہیں رکھتا تھا۔

اگر یہ غلط کہہ رہا ہوں تو وہ پروفیسر صاحبان ہی اس کی تصدیق کردیں، جو چھپا چھپا کر جاسوسی ناول پڑھا کرتے ہیں، لیکن اگر کسی نشست میں کسی کی زبان پر جاسوسی ناولوں کا تذکرہ بھی آجائے تو اس طرح ناک بھوں سکوڑتے ہیں جیسے اُس نے خواتین کے مجمع میں "مغلظات" شروع کردی ہوں۔

اَدب کی زندگی یا موت کا پیمانہ آدمی ہے لہٰذا آدمی کی مختلف قسم کی صلاحیتوں کے انحطاط کے ساتھ ہی مختلف قسم کے ادب کا بھی تیاپانچہ ہوتا رہتا ہے۔ بہتیرے لوگوں کو جوانی کی بداعمالیوں کی یہ سزا ملتی ہے کہ وہ بڑھاپے میں صوفی ہو جاتے ہیں۔ چلئے صاحب ختم ہوئیں پرشباب قسم کی گرماگرم کہانیاں۔ اب وہ مذہبی کتب کی تلاش میں سرگرداں نظر آئیں گے یا پھر ایسی کتابیں ٹٹولتے پھریں گے جو انہیں "مجاز" سے حقیقت تک پہنچادیں (جوانی میں چلتے تو ہیں مجاز ہی کے سہارے لیکن حقیقتاً جنسی ناکارگی تک جا پہنچتے ہیں)۔

اب ذرا "سماجی مسائل" پیش کرنے والے اَدب کو بھی دیکھتے چلئے۔ اس کے متعلق بھی یہی خوش فہمی پائی جاتی ہے کہ یہ ہمیشہ زندہ رہتا ہے، لیکن جہاں سے سماجی مسائل پیش کرنے والے اَدب کی تحریک شروع ہوئی تھی وہاں کا حال بھی سن لیجئے۔ ابھی کچھ ہی دن ہوئے یہ خبر سننے میں آئی کہ روس میں میر اَمّن کی "باغ و بہار" ترجمہ ہو کر کروڑوں کی تعداد میں بک گئی... سخت حیرت ہوئی سن کر.... بھلا الیا اہرن برگ کے وطن مالوف میں یہ حادثہ کیونکر ہوا.... مایوکر فسکی کے دیس میں چاسر کی کینٹر بری ٹیلس کو کیونکر مقبولیت حاصل ہوئی۔ ابھی حال ہی میں ایک روسی فلم "دی سیکرٹ فورٹ" دیکھ کر سر پیٹ لینا پڑا تھا۔ بچوں کی تعلیم کے بہانے یار لوگ "طلسم ہوشربا" فلمانے پر اُتر آئے ہیں جسے آٹھ سال سے اسی سال تک کے بچے دیکھتے ہیں اور تالیاں بجاتے ہیں۔

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ تجسس کی جبلت مرتے دم تک قائم رہتی ہے کچھ نہیں تو مرنے والا یہی سوچنے لگتا ہے کہ دیکھیں اب دم نکلنے کے بعد کیا ہوتا ہے، اس لئے اس جبلت کی تسکین فراہم کرنے والا اَدب بھی ہمیشہ زندہ رہے گا۔

لاحول ولا قوۃ میں بھی کتنی غلط باتیں کرنے بیٹھ گیا.... نہیں بابا یہ آفاقی اَدب ہرگز نہیں ہے، جسے ہم پیار سے جاسوسی ادب بھی کہتے ہیں... زندہ رہنے والا ادب تو وہ تھا جو قحط بنگال کے زمانے میں اُسی موضوع پر پیش کیا گیا جسے آج کوئی بھی پڑھنا پسند نہیں کرتا، زندہ رہنے والا ادب وہ تھا جو ۱۹۴۷ء کے فسادات کے دوران میں اُسی موضوع پر پیش کیا گیا اور جو اَدب دور سے بھی نظر آجائے تو پڑھنے والے ناک کم اور بھوں زیادہ چڑھاتے ہیں (ویسے ذرا سے ہیر پھیر سے یہ موضوعات بھی آفاقی ادب کے شاہکار بن

سکتے تھے۔ بس اتنا کرنا پڑتا کہ ان کی تباہ کاریاں بیان کرنے کی بجائے ان
اسباب و علل پر جاسوسی ناول لکھ دیئے جاتے اِلا ماشاء اللہ)

خیر.... چھیڑ خوباں سے تو چلتی ہی رہے گی غالبؔ۔ اب آیئے
کام کی باتوں کی طرف ڈیڑھ متوالے آپ نے پڑھا۔ شکریہ۔ (خواہ پسند
ہو یا ناپسند کیا گیا ہو)۔

اکثر پڑھنے والوں نے لکھا ہے کہ آخر میں "معاملہ زور دار نہیں
یعنی ایسے کینڈے کا مجرم یوں زہر کھا کر چپ چپاتے مر گیا۔ نہ کچھ ٹھا
ٹھوئیں اور نہ دھوم دھڑکا۔

بھائی سنئے.... جاسوسی ناول کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ ا
قاری کی توقعات کے خلاف ہو۔ مانتے ہیں لیجئے اب آپ فرما رہے ہیں کہ
جاسوسی ناول تھا ہی کب؟ چلئے تسلیم کہ وہ ایک نفسیاتی ناول تھا (کسی
ایڈونچر کے ساتھ) لیکن پھر کہوں گا کہ ناول کا انجام کہانی کی اٹھان اور
کے خاص کردار (ہمبگ) کے کردار کے مطابق خاصا Justified
دیکھئے نا وہ شخص جو خود کو ساری دنیا کا بادشاہ کہتا تھا اس طرح اپنے ہی ہاتھو
اتنی بے بسی کے ساتھ موت کی گود میں جا سویا... عبرت پکڑے عبرت
اس سے زیادہ "زور دار معاملہ" اور کیا ہوتا۔

ایک صاحب نے لکھا تھا کہ میں نے پیش رس میں "بالصواب"
"بالثواب" لکھا تھا جو غلط ہے گذارش ہے کہ وہ غلط نہیں تھا بلکہ کا
صاحب "واللہ اعلم بالثواب" کے داوین کھا گئے تھے.... دیکھئے نا جس با
کے سلسلے میں میں نے یہ لکھا تھا وہ عذاب اور ثواب ہی کے معاملات
تعلق رکھتی تھی۔ پھر میں موقع سے فائدہ اٹھا کر "بالصواب" کو "بالثواب
کیوں نہ کر دیتا۔

کچھ دوستوں نے ڈیڑھ متوالے پڑھ کر خیال ظاہر کیا ہے کہ میں کسی
قدر "مائل بہ عریانی" ہو گیا ہوں.... خیال ہے اُن کا.... ایسا ہرگز نہیں
ہوا.... ویسے جنسیت سے دامن بچانا ناممکن ہے کوئی بھی اس سے کترا کر
نکل ہی نہیں سکتا۔ البتہ کچھ "مادر پدر آزاد" ہو جاتے ہیں اور کچھ کسی قدر
"ملفوف" ہو کر اسکے قریب سے گذرتے ہیں، مثلاً مرزا غالب فرماتے ہیں۔

نیند اُس کی ہے دماغ اُس کا ہے راتیں اُس کی ہیں
جس کے شانوں پر تری زلفیں پریشاں ہو گئیں

کیا فرمایا ہے انکل غالب نے؟ غالباً آپ سمجھ ہی گئے ہوں گے کہ کسی
قسم کی عبادت کے دوران میں کسی کی زلفیں کسی کے شانوں پر پریشان نہیں
ہوتیں۔ بس تو پھر ڈیڑھ متوالے میں پائے جانیوالے جنسی Toueres
بھی اس قبیل کی چیز ہیں۔ آپ انہیں فحاشی نہیں کہہ سکتے اگر کہہ سکتے ہیں تو
پھر انکل غالب کا یہ شعر بھی قطعی فحش ہے اور اس قابل ہے کہ اسے
سرکاری طور پر اُن کے دیوان سے خارج کر دیا جائے۔

ہو سکتا ہے کہ زیرِ نظر ناول "بیچارہ بیچاری" پر بھی یہی الزام آئے لیکن
موضوع کے کچھ اہم ترین تقاضے بھی ہوا کرتے ہیں۔ انہیں پورا کئے بغیر نہ
تو کہانی میں جان پڑتی ہے اور نہ موضوع ہی کے ساتھ پورا پورا انصاف
ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر میں لاہور کی کسی "بہشتی گلی" کی کہانیاں
لکھنے بیٹھوں اور آپ صرف عنوان ہی دیکھ کر اندازہ کر لیں کہ اس میں یقینی
طور پر "علمائے کرام" کے تذکرے ہوں گے تو اس میں میرا کیا قصور!....
میں تو وہی لکھوں گا، جو کچھ اُس "بہشتی گلی" میں ہوتا ہے (عقل سخت حیران
ہے کہ اُس گلی کو بہشت سے کیا علاقہ! اہالیان لاہور مجھے سمجھائیں، ویسے اگر
بہشتی سے مراد سقہ ہے تو پھر ٹھیک ہی ہے، لیکن کافی گھماؤ پھراؤ کے بعد)۔

بہر حال کہنے کا مطلب یہ کہ موضوع کی مناسبت سے کبھی کبھی اسپ خامہ کی باگیں ڈھیلی چھوڑنی ہی پڑتی ہیں.... رہی جنسی تلذذ کی بات تو وہ یار لوگ اکثر مذہبی کتب سے بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ خود مجھ سے ایک بار ایک صاحب نے دانت پر دانت جما کر بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا تھا۔ "صفی صاحب.... آپ نے بہشتی زیور میں غسل کا بیان بھی پڑھا ہے؟"

ویسے میں تو اپنی دانست میں حتی الامکان یہی کوشش کرتا ہوں کہ اگر میری کتابیں افراد خاندان کے مجمع میں کوئی برخوردار بلند آواز سے بھی پڑھنا شروع کریں تو کسی کو کوئی اعتراض نہ ہو۔

ایک صاحب نے ابھی حال ہی میں میرے ایک ناول "گیتوں کے دھماکے" پر اعتراض کیا ہے، انہیں اُس میں حمید صاحب کا طوائفوں کے کوٹھے پر جانا پسند نہیں آیا۔ گذارش ہے کہ میں حمید کو نہ صرف منع کر دوں گا بلکہ ہو سکتا ہے دو چار ہاتھ بھی جھاڑ دوں۔ آپ مطمئن رہئے۔ اب برخوردار سید سلمہٗ ہرگز ایسی حرکت نہیں کرے گا۔

لیکن جناب حمید کی خود نوشت داستان "ٹھنڈی آگ" شائد آپ نے نہیں پڑھی۔ اُسے پڑھئے تب ہی اندازہ ہو سکے گا کہ حمید کبھی کبھی اس طرح بہک جایا کرتا ہے اُس بیچارے نے خود ہی اعتراف کیا ہے کہ وہ بہت بد چلن آدمی تھا۔ شرافت کا جامہ تو اُسے آپ کے فریدی صاحب نے پہنایا ہے۔

اچھا اب اجازت دیجئے۔

والسلام

ابنِ صفی

۲۱/ دسمبر ۱۹۶۳

کہاں گئی

اب تو شیلا بڑی الجھن میں گرفتار ہو گئی تھی۔ کیونکہ اندھیرا پھیلنے لگا تھا اور منزل تھی کہ نظر آنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔ شیلا کا خیال تھا کہ وہ راستہ بھٹک گئی ہے جس موڑ سے کچے راستے پر مڑنا تھا اُس کی بجائے کسی دوسرے موڑ سے گاڑی موڑ دی گئی تھی۔

نسرین کے بتائے ہوئے پتہ پر پہنچنے کے لئے خود نسرین کے قول کے مطابق زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے صرف ہوتے۔ لہٰذا اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا تھا کہ وہ راستہ بھٹک گئی ہے، لیکن اس کا احساس ہو جانے کے باوجود بھی وہ واپسی کے لئے گاڑی موڑ نہیں سکتی تھی.... یہ راستہ ہی ایسا تھا! دونوں طرف سرکنڈوں کی گھنی جھاڑیاں تھیں، اور چوڑائی اتنی بھی نہیں تھی کہ مخالف سمت سے آنے والی کسی دوسری گاڑی کو نکل جانے کا راستہ دیا جا سکتا۔ شیلا سوچ رہی تھی کہ اگر سامنے سے کوئی بیل گاڑی ہی آ گئی تو کیا ہو گا۔ امکانات تھے کیونکہ یہ کچا راستہ بناوٹ کے اعتبار سے بیل گاڑیوں ہی کی گذر گاہ معلوم ہوتا تھا۔ پھر وہ یہ بھی سوچ رہی تھی کہ کہیں آگے چل کر گاری دھول میں نہ پھنس جائے۔

اگر صرف سرکنڈوں کی جھاڑیاں ہی ہوتیں تو وہ کسی نہ کسی طرح گاڑی موڑنے کی کوشش کر ہی ڈالتی لیکن مصیبت تو یہ تھی کہ یہ جھاڑیاں دو یا ڈھائی فٹ اونچی مینڈھ پر اُگی ہوئی تھیں۔

بہر حال وہ تن بہ تقدیر آگے ہی بڑھتی رہی۔ پٹرول کی طرف سے خدشہ نہیں تھا کیونکہ گھر ہی سے ٹنکی بھر کے نکلی تھی۔ چلتے وقت والدین نے کہا تھا کہ ڈرائیور کو بھی ساتھ لے جاؤ لیکن

اُس نے انکار کر دیا تھا۔

نسرین اُس کی کلاس فیلو اور جنک پور کے جاگیر دار راجہ شمس العارفین کی لڑکی تھی۔ اُ
شیلا کو کچھ دن جاگیر پر گذارنے کی دعوت دی تھی.... اور شیلا اب بور ہو رہی تھی کہ اُ
ایسی حماقت کیوں سرزد ہوئی۔

گاڑی کے ہیڈ لیمپ روشن کرتے ہوئے اُس نے رفتار بھی بڑھا دی۔

سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا ہوگا.... لیکن ایک کوفت سے تو جلد ہی نجات مل گ
اب کچا راستہ ایک پختہ سڑک سے آملا تھا.... اس نے گاڑی دائیں جانب موڑ دی۔

اب تو پوری طرح یقین ہو گیا تھا کہ وہ غلط راستے پر آنکلی ہے۔ کیونکہ نسرین کے
ہوئے پتہ کے مطابق صحیح راستہ کسی پختہ سڑک کی بجائے امرودوں کے ایک بہت بڑے با
سرے پر ختم ہوتا۔

کچھ دور چلنے کے بعد اُس نے کار سڑک سے اُتار کر روک دی اور سوچنے لگا
کرے.... کیا اُسی راستے سے واپس جائے جس سے یہاں تک پہنچی ہے، وہ سوچ رہی
مخالف سمت سے آتی ہوئی کسی گاڑی کی روشنی اُس کی کار پر پڑی اور وہ دروازہ کھول کر
آئی.... اور داہنا ہاتھ اٹھا کر آنے والی گاڑی کو روکنے کا اشارہ کیا.... دوسری کار اُس کے
ہی آکر رکی۔ بریک چرچرائے۔

"م.... میں راستہ بھول گئی ہوں...." شیلا نے کہا۔

"آپ کہاں جانا چاہتی ہیں۔" کار کے اندر سے بہت ہی نرم اور مہذب لہجے میں پو
آواز مردانہ تھی۔

"میں جنک پور کے راجہ شمس العارفین کے یہاں جانا چاہتی تھی۔"

"آپ غلط راستے پر آگئی ہیں۔" اندر سے کہا گیا۔

"پھر اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔"

"کیا بتاؤں.... یہاں سے تو بہت پیچیدہ راستے سے پہنچ سکیں گی آپ.... اگر
جائے تو یقین ہے کہ آپ پھر بھی بھٹکتی پھریں گی۔"

"اُوہ.... تو پھر....!"

"چلئے میں آپ کو پہنچا دوں۔"

"بہت بہت شکریہ جناب! لیکن آپ کو تکلیف ہوگی۔"

"فکر نہ کیجئے۔" ہلکے سے قہقہے کے ساتھ کہا گیا۔

پھر وہ کار دوبارہ اُسی سمت موڑ دی گئی جدھر سے آئی تھی اور اندر سے آواز آئی۔ "میرے
پیچھے آیئے۔"

"بے حد شکریہ جناب۔" شیلا نے کہا اور اپنی گاڑی میں بیٹھ گئی۔

اور دونوں کاریں لمحہ بہ لمحہ بڑھتے ہوئے اندھیرے میں گم ہو گئیں۔

❁

سارجنٹ حمید ٹوئیسٹ ناچ ناچ کر بُری طرح تھک گیا تھا.... حالانکہ یہ اُس زمانے کی بات
ہے جب ٹوئیسٹ اپنے یہاں پوری طرح رائج نہیں ہوا تھا.... دو چار بڑے ہوٹلوں یا نائٹ کلبوں
میں خصوصی پروگرام کے تحت کبھی کبھی اس کا بھی ایک آدھ راؤنڈ چل جاتا تھا.... لیکن آج کا
پروگرام تو محض ٹوئیسٹ ہی پر مشتمل تھا اور نتیجہ تھا تاؤ بازی کا۔ کسی نے حمید کو چیلنج کر دیا تھا کہ وہ متواتر دو
گھنٹے تک ٹوئیسٹ نہیں ناچ سکتا۔ ہائی سرکل نائٹ کلب امتحان گاہ ٹھہرا تھا جس کا منیجر تو ہر گز اس پر
آمادہ نہ ہوتا (کیونکہ اُس کی نئی محبوبہ سارجنٹ حمید میں بہت زیادہ دلچسپی لینے لگی تھی) لیکن وہ
حمید سے ڈرتا بھی تھا لہٰذا کان دبا کر اعلان کرنا پڑا کہ فلاں شب ٹوئیسٹ کا ایک مقابلہ منعقد ہوگا۔

"آرکسٹرا نے متواتر دو گھنٹے تک ٹوئیسٹ بجانے سے انکار کر دیا تھا.... منیجر خوش تھا کہ چلو
پیچھا چھوٹا.... لیکن حمید نے فوراً ہی دو گراموفون کی تجویز پیش کر دی۔ منیجر نے پھر ہاتھ پیر
مارے.... نئی محبوبہ جو گفتگو کے دوران میں وہیں موجود رہی تھی حمید کی طرفداری پر اُتر آئی بلکہ
کہنے لگی۔ "میں ان حضرت کو راضی کر لوں گی بشرطیکہ آپ میرے پارٹنر بننا منظور کر لیں کیپٹن....!"

"یعنی کہ.... کیا مطلب....!" منیجر غصیلے لہجے میں بولا۔

"یعنی یہ مطلب.... ڈارلنگ آف مائی ہارٹ.... کہ مس فدیلی میری ہم رقص بنیں
گی۔" حمید نے بڑی شرافت سے نرم لہجے میں کہا تھا۔

"یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔"

"کیوں....؟" فدیلی نے آنکھیں نکالی تھیں۔

"کک کیسے ممکن ہے۔"

"بالکل ممکن ہے.... ڈیئر....!"

"یعنی تم ان کے ساتھ ناچو گی۔"

"اچھا چلو.... تم ہی تیار ہو جاؤ۔"

"مم.... میں.... یعنی کہ میں.... لاحول ولا قوۃ.... بقول شاعر....!"

• "ہو گیا نا.... لاحول ولا قوۃ.... پھر؟"

حمید کچھ نہیں بولا تھا۔ اُن کی گفتگو میں دخل دینا مناسب نہیں سمجھا۔ بہر حال کافی بک جھ کے بعد تصفیہ ہو گیا تھا کہ فدیلی ہی حمید کی پارٹنر بنے گی۔ یہ ایک انگریز کرنل کی بیٹی تھی ہندوستان کی پیداوار.... پیدائش سے لے کر اب تک یہیں رہی تھی۔ ہو سکتا ہے دو ایک بار دنوں کے لئے انگلستان بھی ہو آئی ہو۔ بڑی اچھی اردو بولتی تھی۔ پوربی زبان میں گفتگو کرتی تو مزہ ہی آجاتا۔ اکثر انگریزی بولتے وقت "نگوڑ ماڑا" اور "مونڈی کاٹا" جیسے الفاظ بھی استعمال کرتی۔ مزاح کی حس بھی بدرجہ اتم رکھتی تھی.... اکثر اپنے ساتھ ہونے والے لطیفوں کا ذ چھیڑ دیتی تو مزہ ہی آجاتا.... ایک بار کا واقعہ بتا کر اکثر دیر تک ہنسا کرتی تھی۔ ہوا یہ کہ وہ ٹرا میں تنہا سفر کر رہی تھی۔ زنانہ سیکنڈ کلاس میں بیٹھی تھی وہاں اور بھی باپردہ قسم کی خواتین مو تھیں۔ وہ اُس کے متعلق اردو میں خیال آرائیاں کرنے لگیں، یہ سمجھ کر کہ اردو بھلا وہ کیا گی۔ پتہ نہیں کیا کیا کہہ رہی تھیں۔ کبھی گھٹنوں تک کھلی ہوئی ٹانگوں پر ناگوار قسم کے تبصر کرتیں اور کبھی چست اسکرٹ اور بلاؤز پر پھبتیاں کہتیں.... آخر فدیلی سے برداشت نہ ہو اور ہنس پڑی۔ پھر بہت ہی شستہ و رفتہ اردو میں بولی۔ "آپ لوگ مجھے اس طرح شرمندہ کر رہی کہ شائد اب میں چوڑی دار پاجامہ پہننا شروع کر دوں۔"

وہ سب سناٹے میں آگئیں.... چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں.... انگریزوں کا دور حکو تھا.... فوج کے بے وقعت ٹامی بھی عوام کو کنگ جارج کے بھتیجے معلوم ہوتے تھے اور صاحب کہلاتے تھے، خواہ ان کے والدین انگلینڈ کے کسی گاؤں میں فاقہ کشی کی زندگی ہی کیوں نہ گ رہے ہوں۔ بہر حال وہ ساری باپردہ خواتین اس طرح خائف نظر آنے لگی تھیں جیسے کچھ ہی بعد انہیں سولی پر چڑھا دیا جائے گا۔ فدیلی نے یہ رنگ دیکھا تو انہیں مطمئن کرنے کی کو

کرنے لگی۔ اپنی ہم عمر ایک لڑکی کی گردن میں ہاتھ ڈال کر بیٹھ گئی اور جھوم جھوم کر ایک پوربی گیت گانے لگی.... پھر ایسا معلوم ہونے لگا جیسے وہ دیسی خواتین اُسے اپنے سر پر بٹھالیں گی۔

فدیلی فخریہ کہا کرتی تھی کہ وہ ہندوستان کی باشندہ ہے کیونکہ یہیں پیدا ہوئی ہے۔ وہ صرف اردو بولتی ہی نہیں بلکہ لکھ پڑھ بھی سکتی تھی اور زیادہ تر اردو ہی کی کتابیں اُس کے زیر مطالعہ رہتی تھیں۔ بڑی خوش مزاج اور زندہ دل تھی۔ زندہ دل نہ ہوتی تو ہائی سرکل نائٹ کلب کے منیجر کے سے جھڑوس آدمی سے اُسے "عشق" کیوں کر ہو جاتا۔

اس عشق کی کہانی بھی دلچسپ تھی۔ وہ پہلے پہل ہائی سرکل میں آئی تھی۔ سب سے پہلے منیجر ہی سے ملاقات ہوئی جو گاٹھ کا پورا معلوم ہوا۔ فدیلی نے سوچا وقت اچھا کٹے گا۔ تین چار دن بعد اُس سے پوچھ بیٹھی کہ آخر وہ چاہتا کیا ہے۔ منیجر اس سوال پر بوکھلا گیا تھا اور فدیلی نے وضاحت کی تھی کہ وہ بھوکی نظروں سے گھورا کرتا ہے۔ منیجر ہکلانے لگا تھا اور گڑگڑا کر صفائی پیش کی تھی۔ اس پر فدیلی نے بڑے رومانی انداز میں کہا تھا کہ وہ اُسے بہت اچھا لگتا ہے اور پھر منیجر کی گھگھی بندھ گئی تھی۔ اُس وقت نہ اُسے کوئی شاعر یاد آیا اور نہ کوئی اچھا شعر۔

بہر حال اب تو گاڑھی چھن رہی تھی۔ منیجر ہی کے توسط سے حمید سے بھی ملاقات ہوئی تھی اور یہ واسطہ بھی زبردستی ہی پیدا کیا گیا تھا۔ ورنہ منیجر تو اس کا بھی روادار نہ ہوتا کہ حمید سے تعارف ہی کرادے۔

اور اب فدیلی کو روز ہی منیجر سے یہ کہنا پڑتا تھا کہ وہ آخر اتنا پریشان کیوں ہے۔ حمید سے تو صرف دوستی ہے اور وہ اُس کا محبوب ہے.... یہ اور بات ہے کہ حمید اُس کی موجودگی میں بھی "قبلہ محبوب صاحب" کہہ کر چھیڑتا رہا ہو۔

منیجر نے ٹوئیسٹ کے اس مقابلے کی بڑی مخالفت کی تھی لیکن فدیلی کے آگے ایک نہ چلی.... مقابلہ برپا ہوا.... کئی جوڑوں نے اس میں حصہ لیا۔ لیکن ایک ہی گھنٹہ بعد ایک ایک کر کے کھسکنے لگے۔

بارہ بجے تک صرف ایک ہی جوڑا رہ گیا۔ یہ حمید اور فدیلی تھے۔ ریکارڈ بجتے رہے اور وہ ناچتے رہے.... حمید بُری طرح تھک گیا تھا لیکن ناچے جا رہا تھا۔ کیونکہ فدیلی بھی اڑ گئی تھی.... اُس سے پہلے ہی تھکن کا اظہار کر دینا مردانگی کے خلاف سمجھتا تھا۔

اُن پر مدہوشی سی طاری تھی۔ دونوں ہی آنکھیں بند کر کے ناچ رہے تھے۔ کبھی کبھی ایک دوسرے سے ٹکرا بھی جاتے اور منیجر جو قریب ہی کھڑا تھا غصیلی آواز میں "ہوں ہوں" کرنے لگتا۔ وہ بہت زیادہ بے چین نظر آرہا تھا۔ کبھی ٹہلنے لگتا اور کبھی رک کر انہیں اس طرح گھورنے لگتا جیسے قتل ہی تو کر دے گا۔

ایک بار حمید پھر فدیلی سے ٹکرایا اور منیجر غصیلی آواز میں دہاڑا۔ "اے جناب! ذرا آنکھیں کھول کر۔"

اس پر حمید اور فدیلی دونوں ہی ہنس پڑے تھے لیکن آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔ پھر کسی نے پیچھے سے حمید کے کوٹ کا کالر پکڑ لیا اور حمید غرا کر پلٹا۔ سمجھا تھا شائد منیجر ہی بے قابو ہو گیا ہوگا۔ لیکن آنکھیں کھولیں تو فریدی کا چہرہ نظر آیا جو اُس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا اور اُس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے.... منیجر نے گویا بے مانگی مراد پائی۔ دوڑ کر ریکارڈ پر سے ساؤنڈ بکس اٹھا دیا۔

موسیقی کی آواز تھمتے ہی فدیلی نے بھی آنکھیں کھول دیں.... اور حمید کا گریبان ایک قد آور اور کافی صحت مند آدمی کے ہاتھ میں دیکھا۔

اب حمید اور بھی بوکھلا گیا۔ پہلے تو غصہ ہی آیا تھا لیکن اب سوچ رہا تھا کہ کہیں فدیلی جیسی طرحدار لڑکی کے سامنے بے عزتی نہ ہو جائے اس لئے بوکھلا کر بولا۔

"یہ مس فدیلی ہیں....!"

"میں جانتا ہوں۔" فریدی مسکرایا۔ "ان کے باپ کرنل ہڈسن کو بھی جانتا ہوں۔"

"آپ کی تعریف....!" فدیلی نے کانپتی ہوئی سی آواز میں پوچھا۔

"یہ.... یہ....!" حمید ہکلایا "یہ میرے والد صاحب کے بھی قبلہ و کعبہ ہیں۔"

"یعنی تمہارے دادا....!" فدیلی کے ہونٹوں پر ایک نروس قسم کی مسکراہٹ نظر آئی۔

"میں اسے لے جا رہا ہوں محترمہ....!" فریدی نے حمید کو دروازے کی طرف دھکیلتے ہوئے فدیلی سے کہا۔ "امید کہ آپ کچھ خیال نہ فرمائیں گی۔"

پھر وہ اُسے اسی طرح دھکے دیتا ہوا برآمدے تک لایا۔ غصے کے مارے حمید کی کھوپڑی اڑی جا رہی تھی۔ برآمدے میں پہنچ کر وہ پلٹ پڑا۔

"یہ کیا ہے....!" وہ دانت پیس کر بولا۔

"اسے اپنی زبان میں تنگنی کا ناچ کہتے ہیں فرزند.... چپ چاپ چلتے رہو.... ورنہ کیا فائدہ کہ اُس لڑکی کے سامنے تمہاری مٹی پلید ہو جائے جو تمہیں بہت اسمارٹ اور خوش مزاج آدمی سمجھتی ہے۔"

حمید چپ چاپ برآمدے سے نیچے اُتر آیا۔ کھلے میں خاصی سردی تھی.... ٹھنڈک نے جلتی پر پانی کا کام کیا یعنی غصہ خود بخود ڈھیلا پڑ گیا.... لیکن پھر بھی وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔

"کسی دن آپ مجھے خودکشی پر مجبور کر دیں گے۔"

"وہ دن ابھی بہت دور ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"آپ اس طرح کیوں میرے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ اگر میں بھی کچھ کہہ بیٹھتا تو....!"

"تمہارا گال بھی کافی دیر تک جھنجھناتا رہتا۔"

"میں واپس جا رہا ہوں۔ دیکھتا ہوں کوئی کیا کر لیتا ہے۔"

"زمین پر گرا کر ٹانگ پکڑوں گا اور گھسیٹتا ہوا باہر لاؤں گا۔"

"کیوں.... آخر کیوں....!" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔

"اے یہ ٹوئیسٹ بھی کوئی ناچنے کی چیز ہے۔ زنخوں کی طرح تھرک رہے ہیں اور کولہے مٹکا رہے ہیں۔"

"آپ کو کیوں بُرا لگتا ہے۔"

"کیوں بُرا لگتا ہے۔" فریدی نے حیرت سے کہا۔ پھر بولا۔ "کیا میں اسے پسند کر سکتا ہوں کہ میرا اسسٹنٹ ہیجڑوں کی طرح کولہے مٹکاتا پھرے۔ عورت ہوتے تو خیر کوئی بات نہ تھی۔ اُن کی جبلت میں تھوڑی سی نہیں بلکہ کافی دلکشی ہوتی ہے۔"

"ہے ہے!" حمید سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "ذرا پھر تو کہئے۔"

لہجے میں اب بھی جھلاہٹ برقرار تھی۔

فریدی ہنسنے لگا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔

"میں کہتا ہوں آخر اس طرح....!"

"کام ہے بیٹے۔" فریدی چمکار کر اُس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

"یہ سنیچر کی رات ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔"

"پھر....!"

"کام یہ نہیں دیکھتے کہ سنیچر کی رات ہے یا حمید صاحب کی شبِ عروسی۔"

"وہ کم بخت تو شاید کبھی نہ نصیب ہو۔"

"بہر حال.... اشد ضروری کام ہے۔"

"ارے بابا.... تو بتایئے نا....!"

"اپنے سپرنٹنڈنٹ کی لڑکی شیلا غائب ہو گئی۔"

"شیلا....!" حمید چلتے چلتے رک گیا۔

وہ اپنی کسی سہیلی سے ملنے جنک پور گئی تھی۔ دو دن پہلے کی بات ہے لیکن آج اُس کی کار پر لے چوراہے پر کھڑی پائی گئی جو خالی تھی۔ جنک پور سے معلوم ہوا کہ وہ وہاں پہنچی ہی نہیں تھی۔

"کس نے معلومات حاصل کی تھیں جنک پور سے۔"

"میں خود گیا تھا جنک پور.... وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم منتظر تھے لیکن شیلا نہیں پہنچی۔"

لڑکیوں کا سفر

فریدی کی کیڈی لاک سنسان سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی۔ حمید نے کلائی کی گھڑی دیکھی یک بج رہا تھا۔ غصہ ٹھنڈا پڑ گیا.... سوچنے لگا تھا کہ شاید اب بقیہ رات آنکھوں ہی میں کٹے۔

"اب ہم کہاں جا رہے ہیں۔" اُس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"پرنسٹن کے تھانے تک۔"

"کیوں؟ کوئی ہاتھ آ گیا ہے کیا۔"

"ہاں....!"

"کون ہے۔"

"انچارج نے ایک آدمی کو روک رکھا ہے توقع ہے کہ اُس سے کچھ معلوم ہو سکے۔"

پھر فریدی نے گاڑی کے اندر بھی روشنی کر دی اور کوئی چیز حمید کے ہاتھ میں دیتا ہوا بولا۔

"اسے دیکھو۔"

یہ ایک بڑا سا بٹن تھا۔ حمید اُسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

"کسی اوور کوٹ ہی کا ہو سکتا ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"کیوں....؟"

"اتنا بڑا بٹن کوٹ کا نہیں ہو سکتا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اب وہ اُس بٹن کو آنکھوں کے قریب لا کر کچھ پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بٹن کے نچلے حصے پر بخطِ نسخ لکھا ہوا تھا "خیاط الوقت قاہرہ....!"

"یہ مجھے شیلا کی کار سے ملا تھا....!" فریدی نے کہا۔ اگلی نشست پر اور اس کے سوراخوں میں تاگے بھی پھنسے ہوئے تھے۔

"ہوں.... تو پھر....!" حمید اونگھتا ہوا بولا۔

"کسی قسم کی جدوجہد کے دوران ہی میں یہ بٹن اوور کوٹ سے جدا ہوا ہو گا۔"

"یقیناً.... یقیناً....!" حمید آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سر ہلاتا ہوا بولا.... بس وہ بولے جا رہا تھا کچھ سوچے سمجھے بغیر۔ کیونکہ ذہن پر نیند مسلط تھی۔

پرنسٹن کے تھانے میں پہنچ کر فریدی نے انچارج کو بلوایا جو غالباً سونے کے لئے جا چکا تھا.... سیکنڈ آفیسر نائٹ ڈیوٹی میں تھا لیکن فریدی نے اُس سے کوئی بات نہ کی۔ انچارج کی آمد پر وہ اُسے الگ لے آیا۔ حمید بھی ساتھ تھا۔

"وہ لاعلمی ہی ظاہر کر رہا ہے جناب۔" انچارج نے فریدی سے کہا۔

"ہوں اچھا....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "آپ اس کا پتہ نوٹ کر کے ٹھیک چار بجے صبح چھوڑ دیجئے گا.... بلکہ پتہ مجھے بھی نوٹ کرا دیجئے۔"

انچارج کے چلے جانے پر فریدی نے فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کئے اور ماؤتھ پیس میں بولا۔

"کون ہے.... ہوں.... اچھا دیکھو.... تین سو تیرہ کو جگا کر فون پر بھیجو۔" وہ خاموش ہو کر خلاء میں گھورتا رہا.... پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "دیکھو.... پرنسٹن کے تھانے سے ٹھیک چار بجے ایک آدمی رہا کیا جائے گا تمہیں اس پر نظر رکھنی ہے۔"

ریسیور کریڈل میں رکھ کر وہ حمید کی طرف مڑا۔

"کیا قصہ ہے۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"یہ آدمی.... جو حوالات میں ہے شیلا کی گاڑی میں بیٹھا ہوا ملا تھا.... اُس کا کہنا ہے کہ اُ نے اُسے دس روپے دے کر گاڑی کی نگرانی کرتے رہنے کو کہا تھا.... یہ بھی کہہ گیا تھا کہ گھنٹے کے بعد واپس آجائے گا۔"

"پھر وہ کتنی دیر بعد پکڑا گیا۔"

"پورے چار گھنٹے گذر جانے کے بعد۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"لیکن اُس کی نگرانی کے لئے کس سے کہا ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔

حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "گاڑی چھوڑنی تھی تو چپ چاپ چھوڑ کر چلا ہوتا.... نگرانی کے لئے کسی آدمی کی ضرورت کیوں محسوس کی۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔

"جنک پور والوں سے میں واقف ہوں۔" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ پھر ٹھنڈی سانس لے کر مسکرایا۔ "کبھی منگنی ہوئی تھی میری وہاں۔"

"والدین کے شوق کی چیزیں ہیں...." فریدی نے بھی ٹھنڈی سانس لی۔

"ارے ارے....!" حمید جلدی سے بولا۔ "دل چھوٹا نہ کیجئے۔ آپ صرف ہاں کر دیجئے والدین میں مہیا کر دوں گا چٹکی بجاتے۔"

"آؤ....!" فریدی دروازے کی طرف مڑتا ہوا بولا۔

"آپ خواہ مخواہ بور ہوتے پھر رہے ہیں۔" حمید کہا۔

"کیوں....؟"

"یہ شیلا یونیورسٹی میں خاصی شہرت رکھتی ہے۔ سننے میں آیا ہے کہ ہر چھٹویں ماہ عاشق بدل دیتی ہے۔ شہر ہی سے کسی کے ساتھ کہیں چل دی ہوگی۔ گاڑی یہاں چھوڑ کر۔"

"کار کی حالت بتاتی ہے کہ کچے راستوں پر کافی مسافت طے کر چکی ہے۔"

"جناب وہ ہمارے محکمے کے سپرنٹنڈنٹ کی بیٹی ہے.... سمجھے آپ....!"

فریدی نے سر کو خفیف سی جنبش دی اور پھر کسی خیال میں گم ہو گیا۔

پھر وہ کیڈی اسٹارٹ کرتے وقت بولا تھا۔ "ہاں یہ ممکن ہے کہ اُس نے پولیس کو غلط راستے پر ڈالنے کی کوشش کر ڈالی ہو.... لیکن میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔"

"یہ آپ کس بناء پر کہہ رہے ہیں۔"

"کیا تمہیں وہ بٹن یاد نہیں رہا جو کچھ دیر پہلے دیکھا تھا۔"

❁

اس پوری گلی میں ایک ہی الیکٹرک پول روشن رہتا تھا۔ یوں تو کئی تھے، لیکن صرف اُسی ایک پول میں بلب لگایا گیا تھا۔ بقیہ دوسرے روشنی سے محروم ہی رہتے تھے لیکن آج تو وہ بھی روشن نہیں تھا۔ پتہ نہیں فیوز ہو گیا تھا یا دن کو شریر بچوں نے پتھراؤ کر کے اُسے توڑ ہی دیا تھا۔

پوری گلی تاریک پڑی تھی، چونکہ رات کا پچھلا پہر تھا اس لئے عمارتوں کی کھڑکیاں بھی اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھیں، ورنہ انہیں کی روشنی گلی کو کسی حد تک روشن رکھتی۔

اس تاریک گلی کی ایک تاریک عمارت کے برآمدے میں دو آدمی کھسر پھسر کر رہے تھے۔

"اُن دونوں نے کام شروع کر دیا ہے۔" ایک آواز۔

"جی ہاں.... ابھی پرنسٹن کے تھانے میں تھے....!" دوسری آواز۔

"کیا وہ ابھی تک بند ہے۔"

"جی ہاں....!"

"جہنم میں جائے.... لیکن ٹھہرو.... کیا وہ تمہیں پہچان سکے گا۔"

"کبھی نہیں جناب! میں میک اپ میں تھا۔ میرے چہرے پر گھنی ڈاڑھی تھی اور آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک....!"

"شاباش.... صبح تمہیں پانچ سو روپے کا چیک مل جائے گا۔"

"نہیں حضور اس کی ضرورت نہیں۔ ویسے بھی کیا ہمیں کم ملتا ہے۔"

"نہیں میں تم سے بہت خوش ہوں۔ تم نے ایسے حالات پیدا کر دیئے ہیں کہ.... اغواء سے زیادہ فرار کے متعلق سوچا جا سکتا ہے۔"

"آپ ہی کی تربیت کا نتیجہ ہے حضور.... ورنہ میں کس قابل ہوں۔"

"ہوں.... اچھا اب تم جاؤ.... اُن دونوں پر نظر رکھنا.... فریدی سے خدشہ ہے۔ کاش

کوئی اُسے بھی موت کے گھاٹ اُتار سکتا۔"

"یہ کون سی بڑی بات ہے.... سرکار....!"

"ہونہہ سب یہی کہتے ہیں۔ پتہ نہیں کب سے کہتے آئے ہیں۔ لیکن وہ آج بھی زندہ ہے آج بھی دوسروں کے لئے مصیبتوں کے پہاڑ کھڑے کرتا رہتا ہے۔"

"مجھے بھی دیکھ لیجئے گا.... سرکار....!"

"خیر.... خیر.... اچھا شب بخیر....!"

"شب بخیر جناب۔"

پھر ایک آدمی برآمدے سے گلی میں اُتر کر کچھ دور چلنے کے بعد اندھیرے میں گم ہو گیا۔ دوسرا اب بھی وہیں کھڑا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ دروازے کی طرف مڑا جو کھلا ہی ہوا تھا۔ اندر داخل ہو کر دروازے کی چٹخنی چڑھا دی۔ یہ کمرہ تاریک تھا وہ آگے بڑھا اور دوسرے دروازوں سے گذرتا ہوا ایک بہت بڑے اور پوری طرح روشن ہال میں داخل ہوا جہاں مختلف میزوں پر کچھ لوگ تاش کھیل رہے تھے اور شراب کی کھلی ہوئی بوتلیں رکھی تھیں۔ ایش ٹریز سگریٹ کے ٹکڑوں سے لبریز تھے۔

جیسے ہی یہ آدمی ہال میں داخل ہوا۔ انہوں نے ہاتھ روک لئے.... اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُسے دیکھنے لگے۔

یہ سر سے پیر تک سیاہ پوش تھا اور چہرے پر نقاب تھی۔

کچھ دیر پہلے گونجنے والی بھنبھناہٹ سے مبہم آواز گویا فضا میں تحلیل ہو کر سکوت کی آغوش میں جا سوئی۔

"ہنٹر....!" اُس کی پُروقار آواز نے سناٹے کا سینہ مجروح کیا۔

ایک آدمی ایک میز سے اٹھ کر اُس کے قریب آیا اور مؤدبانہ اکھڑا ہو گیا۔ یہ ایک قد آور اور ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔ پیشانی اور گالوں پر زخموں کے گہرے نشانات تھے اور آنکھوں سے درندگی ٹپکتی تھی۔

"کیا رہا....!" نقاب پوش نے پوچھا۔

"سب ٹھیک ہے سرکار.... آپ تشریف لے جائیں... تین ہیں۔"

"ہوں....!" نقاب پوش بائیں جانب مڑ گیا۔ ہنٹر جہاں کھڑا تھا وہیں کھڑا رہا۔

اب نقاب پوش ایک کاریڈر میں چل رہا تھا۔ یہاں کنسیلڈ بلبس کی مدھم سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ کاریڈر کے اختتام پر پہنچ کر اُس نے دیوار سے لگے ہوئے سوئچ بورڈ پر انگلی رکھ دی۔

ہلکی سی گھڑگھڑاہٹ کاریڈر میں گونج اٹھی.... فرش کا ایک بڑا سا سلیب اپنی جگہ چھوڑ رہا تھا۔ پھر دوسرے ہی لمحے میں اُس کی چھوڑی ہوئی جگہ ایک روشن خلاء میں تبدیل ہو گئی۔

غالباً یہ کسی تہہ خانے کا راستہ تھا۔ نقاب پوش نے داہنا پیر خلاء میں اُتار دیا۔ گیارہ زینے طے کرنے کے بعد وہ ایک سجے سجائے کمرے میں تھا جہاں تیز قسم کی سفید روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

سامنے آرام کرسیوں پر تین خوبرو اور صحت مند لڑکیاں نظر آئیں۔ لیکن اُن کے چہرے خوف سے زرد ہو رہے تھے۔ نقاب پوش کو دیکھتے ہی اُن پر مزید سراسیمگی طاری ہو گئی تھی۔ ایک نے تو بوکھلا کر اٹھنا بھی چاہا تھا۔

"بیٹھو.... بیٹھو....!" نقاب پوش نے ہاتھ اٹھا کر نرم لہجے میں کہا۔

وہ تھوڑی دیر تک کھڑا انہیں دیکھتا رہا پھر بولا۔ "یہ زندگی عجیب ہے۔"

وہ کچھ نہ بولیں۔ اُس نے پھر کہا۔ "کل تم کہاں تھیں۔ آج کہاں ہو۔ کل کہاں ہو گی۔"

ایک لڑکی نے کچھ کہنا چاہا.... لیکن پھر ہونٹ بھینچ کر رہ گئی۔ اُس کی آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا۔ یہ تینوں ہی لڑکیاں صورت سے نیک دل اور شریف معلوم ہوتی تھیں۔ شائد تعلیم یافتہ بھی رہی ہوں کیونکہ اُن کے لباس میں خوش سلیقگی کی بھی دخل تھا۔ ہلکے رنگوں کی ساریاں لپیٹ رکھی تھیں۔ بلاؤز میچ کرتے ہوئے تھے۔ پیشانیوں پر بندیاں تھیں اور پیروں میں سبک سینڈل.... لباس سے یہ نہیں معلوم ہوا تھا کہ وہ گداز جسموں کی نمائش کے لئے پہنا گیا ہے۔

"تم کچھ کہنا چاہتی ہو۔" نقاب پوش نے اُسی لڑکی کی طرف انگلی اٹھا کر پوچھا جس نے کچھ کہنے کے سے انداز میں ہونٹوں کو جنبش دی تھی۔

"تت.... تم کون ہو۔" اُس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"اس کی فکر نہ کرو.... بتاؤ یہاں تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ یک بیک دوسری لڑکی کا چہرہ سرخ ہو گیا اور وہ چیخ کر بولی۔ "میں یہاں کیوں لائی گئی ہوں۔"

"تم اپنی خوشی سے آئی تھیں اچھی لڑکی۔" نقاب پوش نے نرم لہجے میں کہا۔

اُس عورت نے مجھ سے کہا تھا کہ میں تمہیں ٹیوشن دلانے لے جا رہی ہوں۔"

"کوئی فرق نہیں پڑتا.... تم بہر حال اپنی خوشی سے آئی تھیں۔"

"ہمیں.... یہاں کیوں قید کیا گیا ہے۔" تیسری بھی ہمت کر کے سوال کر بیٹھی۔

"ایک لامتناہی سلسلہ آزادی کے لئے....!" نقاب پوش نے جواب دیا۔ "کل سے تمہارا لامحدود آزادی کا دور شروع ہو جائے گا۔"

"ہم گھر جانا چاہتے ہیں۔"

"اُسے گھر نہیں کہتے جو اپنی ہی کوششوں کا نتیجہ نہ ہو.... والدین کا گھر قید خانہ ہوتا ہے اور شوہر کا گھر ایسا قید خانہ جو صرف دائم الحبس قیدیوں کے لئے مخصوص ہے۔"

"میں نہیں سمجھ سکتی تمہاری باتیں۔"

"یہ نئی دنیا کی باتیں ہیں.... کل سے تمہارا ایک طویل بحری سفر شروع ہو گا۔"

"ہم نہیں جائیں گے....!" تینوں چیخ پڑیں۔

"تم جاؤ گی اچھی لڑکیو.... تم ایک بحری سفر کرو گی۔ خاموشی سے۔ کسی سے اپنا دکھڑا نہیں روؤ گی.... کسی سے کچھ نہیں کہو گی۔"

"ہم تمہیں گرفتار کرا دیں گے۔" ایک لڑکی جھنجھلا کر چیخی.... لیکن اُس کی آواز کی گونج ختم ہونے سے پہلے ہی ایک بھاری بھرکم قہقہہ بھی شروع ہو گیا۔ جو کافی دیر تک تہہ خانے کی محدود فضا میں گونجتا رہا۔

"تم اگر جہاز پر یا یہاں سے جہاز تک کے راستے میں کسی قسم کی بھی حرکت کرنے کی کوشش کرو گی تو ایک نامعلوم گولی تمہارے جسم کو چھید کر رکھ دے گی۔ خواہ تم کسی بھری پڑی سڑک ہی سے کیوں نہ گذر رہی ہو۔"

"کیوں.... آخر کیوں۔"

"کیا تم نے پیدا ہوتے وقت اپنی ماں سے سوال کیا تھا کہ تم آخر کیوں پیدا ہو رہی ہو۔"

لڑکی نچلا ہونٹ کاٹ کر رہ گئی۔ لیکن اُس کی آنکھیں اب بھی شعلے برسا رہی تھیں۔

"بس....!" نقاب پوش ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا۔ اس کے خلاف کروگی

تو خود بھگتو گی۔"

آگے بڑھ کر اُس نے سامنے والی دیوار کے ایک پش سوئچ پر انگلی رکھی۔ قریب ہی ایک سل اوپر سرک گئی۔ یہ دوسری طرف جانے کا راستہ تھا۔

لڑکیاں جہاں تھیں وہیں بیٹھی اُسے خونخوار نظروں سے گھورتی رہیں۔ نقاب پوش کی نرم گفتاری نے انہیں بڑی ہمت دلائی تھی۔

دوسرے کمرے میں داخل ہو کر وہ پھر دروازے کی طرف مڑا اور وہاں کی دیوار والا پش بٹن دبا کر راستہ دوبارہ مسدود کر دیا۔

اب وہ اُس مسہری کی طرف مڑا جس پر ایک لڑکی پڑی سو رہی تھی... آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر اُسکے بازو پر ہاتھ رکھ دیا اور ہولے ہولے جنبش دی۔ لڑکی بوکھلا کر اٹھ بیٹھی ... یہ شیلا تھی۔

"تم آخر ہو.... کون....؟" وہ غصیلی آواز میں غرائی۔

"تمہارا نیا عاشق...." نقاب پوش نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کسی قدر جھکتے ہوئے کہا۔

"یہ نہ بھولو کہ میرا باپ سی۔ آئی۔ ڈی کا سپرنٹنڈنٹ ہے۔"

"میں کبھی نہیں بھولا محترمہ شیلا اور یہ بھی جانتا ہوں کہ خونخوار بھیڑیا فریدی سارے شہر میں تمہاری بو سونگھتا پھر رہا ہے۔"

شیلا ہنس پڑی پھر بولی۔ "اگر فریدی نکلا ہے میری تلاش میں تو پھر....!"

"خوش فہمی ہے آپ کی محترمہ شیلا.... وہ کتے کی موت مار دیا جائے گا.... ابھی تک شائد اُسے اپنا میچ نہیں مل سکا تھا.... اسی لئے زندہ رہا۔"

"تم آخر چاہتے کیا ہو....!" شیلا نے جھلا کر پوچھا۔

"اب تم مجھ سے محبت کرو۔ یونیورسٹی بیوٹیز میں تمہارا شمار ہے.... اور کافی دل پھینک واقع ہوئی ہو۔ یقین رکھو میں تمہارے معیار پر پورا اتروں گا۔"

"شٹ اپ....!"

نقاب پوش نے قہقہہ لگایا اور دیوار کے قریب جا کر روشنی گل کر دی۔

پھر تھوڑی دیر بعد شیلا کی گالیاں اندھیرے میں گونجنے لگیں۔

تلاش

سورج طلوع ہونے سے قبل ہی وہ جنک پور کے لئے روانہ ہوگئے تھے۔ کچا راستہ شروع ہوتے ہی حمید نے الجھنا شروع کر دیا۔ "کیڈی کی مٹی پلید ہو جائے گی.... لاحول ولا قوۃ.... جیپ لائے ہوتے۔"

"بکواس مت کرو.... مجھے سوچنے دو....!" فریدی نے ونڈ شیلڈ پر نظر جماتے ہوئے کہا۔

"سوچے جایئے۔" حمید نے کہا اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد جب زبان کھجلی ہونے لگی تو پھر بولا۔ "اچھا صرف ایک بات بتا دیجئے۔"

"بکو....!"

"شیلا محکمہ سراغ رسانی کے سپرنٹنڈنٹ کی بیٹی ہے نا....!"

"بکے جاؤ....!"

"باپ کے جراثیم اُس میں بھی موجود ہوں گی.... مطلب یہ کہ اُس میں کسی قسم کا پلان بنانے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہوگی۔"

"تو پھر....!"

"وہ خود اغوا کے ساتھ برضا و رغبت فرار ہوئی ہے، لیکن اسے اغواء کا کیس بنانا چاہتی ہے۔ آپ خود سوچئے اگر اُسے کوئی زبردستی لے گیا ہے تو کار میں رکھوالی کی ضرورت اُسے کیوں محسوس ہوئی.... بھلا اُسے کار کی حفاظت سے کیا سروکار.... صاحبزادی نے سوچا میں تو جاؤں ہوں کم از کم کار ہی صحیح وسلامت ابا جان تک پہنچ جائے۔"

"ہوں....!" فریدی نے طویل سانس لی پھر چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ "اب اسی معاملے پر دوسرے پہلو سے بھی نظر ڈالو.... کیا یہ ممکن نہیں کہ کوئی اغواء کنندہ اسے فرار کا کیس پیش کرنا چاہتا ہو۔"

"فضول ہے.... فضول ہے۔" حمید اس طرح بڑبڑایا جیسے خود سے مخاطب ہو۔

"کوئی بات زبان سے نکل جائے تو پھر اُسے پتھر کی لکیر ہی کہیں گے۔"

"یہ کھلا ہوا اغواء کا کیس ہے، برخوردار.... تم اُس بٹن کو کیوں فراموش کر رہے ہو۔"

"وہ اسے اغواء کا کیس ہی بنانے کے لئے کار میں ڈالا گیا ہوگا۔" حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "یہ جتانے کے لئے کہ اُسے زبردستی کار سے اتارا گیا۔ کشمکش ہوئی اور زبردستی کرنے والے کے اوور کوٹ کا ایک بٹن ٹوٹ کر کار میں گر پڑا.... اُوہ.... آپ اُس لڑکی کو نہیں جانتے۔ یونیورسٹی میں قلوپطرہ کے نام سے مشہور تھی.... ہر ماہ اُسی طرح عاشق بدل دیتی تھی جیسے آپ پاجامہ بدلتے ہیں۔"

"ایسی لڑکیاں کسی کے ساتھ فرار ہونے کی زحمت نہیں گوارا کرتیں۔" فریدی نے کہا اور بائیں ہاتھ میں لائٹر تھام کر بجھا ہوا سگار سلگانے لگا.... داہنا ہاتھ اسٹیئرنگ پر تھا۔

"آپ لڑکیوں کے بارے میں اتنے وثوق کے ساتھ کچھ نہ کہا کیجئے۔"

"لونڈے ہو....!"

یک بیک فریدی نے گاڑی روک دی اور انجن بند کر دیا۔

"کیا بات ہے۔" حمید نے چونک کر پوچھا۔

"آؤ....!" فریدی گاڑی کا دروازہ کھول کر نیچے اُترتا ہوا بولا۔ حمید نے دوسری طرف کا دروازہ کھولا اور خود بھی نیچے اُتر گیا۔

فریدی پیچھے واپس جا رہا تھا۔ کچھ دور چل کر وہ رک گیا۔

"یہ دیکھو.... یہ راستہ....!" وہ ایک جانب ہاتھ اٹھا کر بولا۔ لیکن حمید کو اُس طرف کوئی دوسرا راستہ نظر نہ آیا۔ وہ فریدی سے دس یا پندرہ گز کے فاصلے پر تھا پھر اُس نے تیزی سے قدم بڑھائے اور فریدی کے قریب پہنچ گیا۔

دونوں طرف اونچی اونچی مینڈھوں پر سرکنڈوں کی جھاڑیاں تھیں۔ ایک جانب اُس سلسلے کے علاوہ ایک تیسری منڈھیر بھی نظر آئی جس کی شروعات اُسی جگہ سے ہوئی تھی اور اس کا سلسلہ بھی دور تک پھیلا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ اس طرح ایک دوسرے راستے کی تشکیل ہوئی تھی۔

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "جنک پور کیلئے لگا موڑ ہے.... لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی ایسا آدمی جو پہلے کبھی ادھر سے نہ گذرا ہو اسی راستے کو جنک پور والا موڑ سمجھ بیٹھے۔"

"مگر یہ موڑ کب ہے۔" حمید بڑبڑایا۔ "میں نے تو ادھر دھیان بھی نہیں دیا تھا۔ یہ راستہ سامنے سے نظر ہی نہیں آتا۔ نہیں وہ اُدھر نہ گئی ہوگی۔"

"مجھے کیسے نظر آگیا۔" فریدی مسکرایا۔

"آپ کو تو وہ چیزیں بھی نظر آجاتی ہیں جن کا سرے سے وجود ہی نہیں ہوتا۔" حمید بو
بولا کیونکہ کھلے میں پہلے سے زیادہ سردی محسوس ہو رہی تھی۔

سورج طلوع ہو چکا تھا.... لیکن کرنوں میں حدت نہیں محسوس ہو رہی تھی.... اس
سردیوں کا یہ عالم تھا کہ ۔

صبح نکلے تھا کانپتا خورشید

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر تک وہیں کھڑا اُس نئے دریافت شدہ راستے پر دور دور
دیکھتا رہا پھر کیڈی کی طرف مڑتا ہوا بولا۔ "چلو آج ادھر سے جنک پور پہنچنے کی کوشش کریں۔"

"خواہ یہ راستہ جہنم ہی کی طرف کیوں نہ لیجائے۔" حمید نے اُسی کے مخصوص لہجے میں
پورا کرنے کی کوشش کی۔

وہ پھر کیڈی میں آبیٹھے.... اور گاڑی موڑ دی گئی۔

اب وہ اُسی تنگ سے راستے پر آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔

"یہاں تو ہر طرف ہی ڈھول ہے.... اگر کہیں گاڑی پھنس گئی تو دھکا بھی آپ ہی لگائیں
سمجھے جناب....!" حمید نے کہا۔

راستہ اتنا تنگ تھا کہ واپسی کے لئے گاڑی موڑنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔ کچھ
خاموش رہ کر حمید بولا۔ "ناشتے کی کیا ٹھہری۔"

"ڈکے میں باسکٹ ضرور ہوگی.... شریف نے کچھ رکھا تھا۔"

"الحمد للہ....!"

"راستہ تھا یا شیطان کی آنت.... کسی طرح ختم ہونے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔"

"یہ کس مصیبت میں آپھنسے....!" حمید جھلا کر بولا۔ "یہاں تو واپسی کے لئے گاڑی
نہیں موڑی جاسکتی۔"

"فکر نہ کرو....!" فریدی نے کہا۔

"ہاں فکر ہی کس بات کی! کون رونے والا بیٹھا ہے۔" حمید جل کر بولا۔

ارے واہ بڑی بی....!" فریدی ہنس پڑا۔ پھر سنجیدگی سے بولا۔ "یار اب تم تو شادی کر

ورنہ عورت کا ہمہ وقت تصور خود تمہیں ہی عورت بنا کر رکھ دے گا.... ویسے بولنے تو لگے ہو
عورتوں ہی کے سے انداز میں....!"

حمید نے بُرا سا منہ بنایا لیکن کچھ بولا نہیں۔ فریدی نے پھر شیلا کی بات چھیڑ دی۔

"تو کیا وہ فاحشہ بھی تھی۔"

"موڈرن....!" حمید نے تلخ لہجے میں کہا۔ "ان پڑھی لکھی لڑکیوں کی فاشی آرٹ کہلاتی
ہے اور اگر یہ کسی سے جنسی تعلق قائم کرلیں تو اسے فن کہیں گے.... عربی کا فن نہیں انگریزی کا
ایف۔یو۔این۔ فن....!"

"میں صرف شیلا کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔"

"یونیورسٹی بیوٹیز میں شمار تھا اس کا.... سچ مچ آوارہ تھی یا نہیں۔ لیکن ہر ماہ ایک نیا لڑکا اُس
کے ساتھ دیکھا جاتا تھا۔"

"کیا اُسے بدنامی کی بھی پرواہ نہیں ہوتی تھی۔"

"بدنامی.... ارے اپنے سپرنٹنڈنٹ صاحب بے حد آزاد خیال آدمی ہیں.... اُن کا بس چلتا
تو کسی انگریز خاندان میں پیدا ہونے کی کوشش کرتے.... یہ لونڈے اُن کی چھاتی ہی پر تو مونگ
دلا کرتے تھے۔"

"تو پھر فرزند.... یہ فرار کا کیس ہرگز نہیں ہے۔"

"جہنم میں جائے.... میں کہتا ہوں کہاں جارہے ہیں ہم....!"

"پرواہ مت کرو۔"

تقریباً ڈھائی گھنٹے کے بعد وہ ایک پختہ سڑک پر پہنچ سکے۔ کیڈی روک کر فریدی نیچے اُتر
پڑا۔ ڈیش بورڈ سے دوربین نکالی اور چاروں طرف کا جائزہ لینے لگا۔

حمید گاڑی سے نہیں اُترا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں جھلاہٹ کے آثار تھے۔

فریدی کچھ دیر بعد پھر گاڑی کی طرف واپس آیا اور باہر ہی کھڑے کھڑے بولا۔ "میرا خیال
ہے یہ وہی سڑک ہے جو تار جام کے پہلے چوراہے سے نصیر آباد کی طرف جاتی ہے۔"

"نہیں میرا خیال ہے کہ نصیر آباد سے تار جام کے پہلے چوراہے کی طرف آتی ہے حمید نے
اُسی کے لہجے میں نقل اتاری۔"

"کانٹے کیوں چبا رہے ہو۔" فریدی مسکرایا۔

"تفتیش کا یہ انداز میری سمجھ سے باہر ہے جناب والا....!"

"تمہاری سمجھ میں تو فدیلیوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں آسکتا۔ خیر آؤ.... آگے ڈاک بنگلہ ملے گا کچھ دیر ٹھہریں گے۔"

"اللہ تیرا شکر ہے۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

❁

شیلا کی پلکیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ چہرہ ستا ہوا تھا اور وہ بار بار اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگتی تھی۔

لیکن وہ اسی طرح پیر لٹکائے مسہری پر بیٹھی رہی۔ نقاب پوش سامنے آرام کرسی پر پڑا اس کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

اُس کا چہرہ پیشانی سے ٹھوڑی تک سیاہ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔ صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں، لیکن نقاب کی بناوٹ ایسی تھی کہ وہ آنکھوں سے بھی نہیں پہچانا جا سکتا تھا۔ شیلا یہی سوچ رہی تھی۔ اگر اُن دونوں سوراخوں سے بھنویں بھی نظر آسکتیں تو شاید وہ اُسے پہچاننے کی کوشش کرتی۔ اُسے یقین تھا کہ نقاب پوش نہ صرف آواز بدل کر بولتا ہے بلکہ اپنے بعض مخصوص لہجوں کو بگاڑنے کی کوشش کرتا ہے۔

"تم کیا سوچ رہی ہو محترمہ شیلا....!" نقاب پوش نے پوچھا۔

"یہی کہ تم.... بے حد کمینے آدمی ہو۔"

"ایڈونچرس کہو.... کمینہ موزوں لفظ نہیں ہے۔ ویسے اگر کسی شریف لڑکی نے کہا ہوتا تو سوچنا ٹھیک ہی کہہ رہی ہو گی۔"

"تمہیں مجھ میں کون سا کمینہ پن نظر آتا ہے۔"

"ہر ماہ عاشق بدل دینا.... شریفوں کا شیوہ تو نہیں۔"

"عاشق....!" شیلا کے ہونٹوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ نظر آئی۔ پھر اُس نے کہا۔ "تو میرے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ میرا آج تک کسی سے جنسی رشتہ نہیں رہا۔ تم نے.... تم نے سور کے بچے.... مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا.... وہ میرے عاشق نہیں.... مرد

دوست ہوتے ہیں۔"

"پچھلی رات جو کچھ ہوا اُسے بھی ایڈونچر ہی سمجھ لو.... اتنی اہمیت کیوں دیتی ہو اُسے تم تو ایک بہت ہی آزاد خیال گھرانے کی فرد ہو۔ یہ عصمت وصمت سب ڈھکوسلے ہیں۔ جیو اور خوش رہ کر جیو.... ساری خواہشات پوری کر ڈالو کہ عالم دوبارہ نیست....!"

"کیا تم اپنی بہن کے متعلق بھی یہی سوچ سکو گے۔"

"کیوں نہیں.... کیوں نہیں.... آج کل میری بہن ایک فرانسیسی مصور انجوائے کر رہی ہے۔"

"بے شرم! ذلیل....!"

نقاب پوش نے قہقہہ لگایا۔ دیر تک ہنستا رہا پھر بولا۔ "محترمہ شیلا۔ محترمہ شیلا اُن دوستوں پر کیا گذرتی ہو گی جو ایک ماہ بعد تمہاری دوستی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ دیکھو کوئی مرد کسی لڑکی سے ملتے وقت یہی چیز ذہن میں رکھتا ہے کہ جنسی رشتہ قائم کرنے کے سلسلے میں یہ پہلا قدم ہے۔"

"اگر وہ اتنی غلط بات سوچ سکتا ہے تو اس میں لڑکی کا کیا قصور....!"

"مجھے ان لوگوں پر رحم آتا ہے، جو آج بھی تمہارے لئے ٹھنڈی آہیں بھر رہے ہوں گے۔"

"بکواس بند کرو.... نکالو مجھے اس تہہ خانے سے.... میں گھر جاؤں گی۔"

"اتنی جلدی! مہینہ تو پورا ہونے دو.... ورنہ تمہاری زندگی کی بس کا یہ ٹرپ خالی جائے گا۔"

"شٹ اپ.... حرامی کے پلے....!"

"اس بار ایک عاشق درانہ تمہاری زندگی میں گھس آیا ہے۔"

"میں یہاں قید نہیں رہ سکتی۔" وہ کھڑی ہو کر ہسٹریائی انداز میں چیخی۔

"پورے ایک ماہ محترمہ شیلا.... اس سے پہلے ممکن نہیں۔"

"میں تمہیں جان سے مار دوں گی۔" شیلا اُس کی طرف جھپٹی۔ نقاب پوش نے اٹھ کر اُس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور وہ اچھل اچھل کر اُس کے چہرے پر اپنا سر دے مارنے کی کوشش کرنے لگی۔ لاتیں تو چل ہی رہی تھیں۔ اس جدوجہد میں اُس کی حالت مضحکہ خیز ہو گئی تھی۔ پٹی کوٹ اور بلاؤز تو پہلے ہی سے شکستہ و دریدہ ہو رہے تھے۔ اب بلاؤز کے بٹن بھی کھل گئے۔ لیکن شیلا پر تو جیسے کسی قسم کا دورہ پڑ گیا تھا۔ چیخ چیخ کر اچھل کود رہی تھی۔

دفعتاً وہ اُسے مسہری کی طرف دھکیل لے گیا اور پھر اس زور کا دھکا دیا کہ وہ اچھل کر مسہری

پر جا پڑی۔ لیکن اُس نے دوبارہ اٹھنے کی کوشش نہیں کی بلکہ بازوؤں میں منہ چھپائے ہوئے پھوٹ کر رونے لگی۔

وہ رو رہی تھی اور نقاب پوش قہقہے لگا رہا تھا۔

"مجھے مہیش یاد آرہا ہے محترمہ شیلا جس نے رو رو کر تمہیں اپنے عشق کی کہانی سنائی تم اُس وقت قہقہے لگا رہی تھیں اُس کا مضحکہ اڑا رہی تھیں۔ مجھے روپ چند یاد آرہا ہے جس گڑگڑا کر تم سے استدعا کی تھی کہ اُسے نہ ٹھکراؤ لیکن تم نے اُس کے منہ پر تھوک دیا تھا۔ مجھے پال یاد آرہا ہے، جسے ٹی بی ہو گئی تمہارا ساتھ چھوٹنے کے غم میں۔ مجھے سوشیل یاد آرہا ہے نے خود کو تباہ کر لیا تم سے بچھڑ کر۔۔۔ وہ سب تم سے تمہاری محبت کی بھیک مانگ رہے تھے انہیں ملیخولیا کے شکار ثابت کرنے پر تل گئی تھیں۔۔ روئے جاؤ۔۔ میں بڑا سکون محسوس کر رہا ہوں

وہ کچھ نہ بولی۔ بس روئے جا رہی تھی۔

نقاب پوش آرام کرسی میں نیم دراز ہو گیا۔۔۔ وقت تیزی سے گذر رہا تھا۔ شیلا کی ہچکیاں اب آہستہ آہستہ سسکیوں میں تبدیل ہوتی جا رہی تھیں۔

پھر کچھ دیر بعد وہ بالکل ہی خاموش ہو گئی۔۔۔ لیکن اب بھی اوندھی پڑی ہوئی تھی اور بازوؤں میں چھپا ہوا تھا۔

"چھی۔۔۔!" نقاب پوش بولا۔ "تم ایک الٹرا موڈرن لڑکی ہو۔۔۔ اور ایڈونچر کی رسیا اس سچویشن سے تو تمہیں کافی محظوظ ہونا چاہئے تھا۔ ویسے میں تو کافی محظوظ ہوا ہوں۔۔۔ بخت آور رات تھی جب تم اتفاقاً ہاتھ لگی تھیں۔ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ تم اُس سنسان سڑ پر تنہا مل جاؤ گی۔"

شیلا کچھ بھی نہ بولی۔۔۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر نقاب پوش نے کہا۔ "ابھی نہیں کچھ دن گذرنے پر تمہیں اُس بے پناہ لذت کا اندازہ ہو گا۔۔۔ تم سوچو گی اور گھنٹوں محظوظ رہو گی۔۔۔ میں نے تم پر احسان کیا ہے محترمہ شیلا۔۔۔!"

"جاؤ۔۔۔ چلے جاؤ۔۔۔!" شیلا نے بدقت کہا۔

نقاب پوش ہنسنے لگا۔

"اب مجھے ذرا اپنی طاقت کا اندازہ بھی لگانا ہے۔ اتفاقاً یہ موقع بھی ہاتھ آ گیا دیکھو!

یہ فریدی صاحب کتنے پانی میں ہیں۔ تعریف تو بہت سن رکھی ہے۔"

"وہ تمہیں جہنم میں پہنچا دے گا۔۔۔!" شیلا سر اٹھا کر کسی زخمی بلی کی طرح غرائی۔

"خوش فہمی ہے تمہاری محترمہ شیلا۔۔۔!" نقاب پوش ہنس کر بولا۔ "ویسے آپ نے تو اُس پر بھی جال پھینکنے کی کوشش ضرور کر ڈالی ہو گی۔ کیونکہ آپ کے پاپا کا ماتحت بھی ہے سہل الحصول! کیا خیال ہے۔۔۔ بڑا سجیلا جوان ہے۔"

"بکواس بند کرو۔۔۔ میں اُن کا بے حد احترام کرتی ہوں۔ ہمیشہ ایک چھوٹی بہن کی نظر سے دیکھا ہے انہیں۔"

"تو پھر سارجنٹ حمید کے ہتھے ضرور چڑھی ہو گی۔۔۔ وہ کافی دل پھینک مشہور ہے۔"

"اُس سے آج تک بات کرنے کا بھی اتفاق نہیں ہوا۔"

"خیر میں کیسا لگا تم کو۔۔۔ یقین کرو۔۔۔ بہت خوبصورت آدمی ہوں۔۔۔ اگر صورت دیکھ لو تو مجھے یقین ہے کہ ہماری دوستی میں ایک ماہ کی توسیع ہو جائے گی۔"

"چلے جاؤ یہاں سے۔" شیلا جھلا کر چیخی۔

نقاب پوش پھر ہنسنے لگا۔

پھر کچھ دیر بعد وہاں گہری خاموشی چھا گئی۔ شیلا اب بھی اوندھی پڑی ہوئی تھی۔ نقاب پوش بدستور آرام کرسی میں دراز تھا۔

دفعتاً بزر کی آواز سے کمرہ گونج اٹھا۔

"اچھا۔۔۔!" نقاب پوش اٹھتا ہوا بولا۔ "اب تم سو جاؤ۔۔۔ رات کو پھر ملاقات ہو گی۔ لیکن خدا کے لئے شمشیر برہنہ کی طرح نہ ملنا۔۔۔ یقین کرو میں تمہارے معیار حسن پر ضرور پورا اُتروں گا بشرطیکہ میرا چہرہ دیکھ سکو۔۔۔ اچھا ٹاٹا۔"

نیا شکار

ڈاک بنگلہ زیادہ دور نہیں تھا وہاں ایک بوڑھے سے چوکیدار نے ان کا خیر مقدم کیا اور بولا۔

"صاحب میں چائے کے علاوہ اور کچھ نہ مہیا کر سکوں گا۔۔۔ وہ بھی ڈبے کے دودھ کی ہو گی۔"

"یار گاڑی سے تو اترنے دو۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا اور چوکیدار "ہی ہی ہی" ہوا پیچھے ہٹ گیا۔

وہ دونوں گاڑی سے اتر کر اندر آئے۔ کمرے میں ایک پلنگ اور دو تین کرسیاں پڑی تھیں.... فریدی اب بھی کسی سوچ میں گم تھا.... اُس نے نیا سگار نکال کر اُس کا ایک سرا ہونٹ اور دانتوں میں دبا کر سلگانے لگا۔

حمید کمرے کا جائزہ لے رہا تھا.... پھر وہ پلنگ پر ڈھیر ہو کر اونگھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ فریدی بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ بوڑھا چوکیدار کچھ کار آمد ثابت ہو سکے۔"

"بہت زیادہ....!" حمید نے تلخ لہجے میں کہا۔ "چماریاں تو مہیا ہی کر سکے گا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ اب وہ دروازے میں کھڑا باہر دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "ہو سکتا ہے شیلا راہ بھٹک کر ادھر ہی آنکلی ہو۔ وہ راستہ کسی انجان آدمی کو دھوکا دے سکتا ہے۔"

"آپ اُسے انجان کیوں سمجھ رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے پہلے بھی ادھر آتی رہی ہو۔"

"نہیں.... نسرین نے سوپر کی موجودگی ہی میں اُسے راستے کی تفصیل بتائی تھی اور ایک نقشہ بھی بنا کر دیا تھا۔"

"خود سوپر کا کیا خیال ہے۔"

"اُن کا بھی خیال ہے کہ یہ اغواء ہی کا کیس ہے۔"

اتنے میں بوڑھا چائے لایا.... کپ اور ساسر صفائی سے دھوئے گئے تھے۔ البتہ چائے ریڈی میڈ ہی قسم کی تھی اور ایلومینیم کی آدھی کالی اور آدھی سفید کیتلی دیکھ کر حمید کو کراہیت محسوس ہوئی تھی لیکن تازہ چائے تھرموس کی چائے سے بہر حال بہتر ہوتی ہے۔

وہ چائے پیتے رہے اور چوکیدار قریب ہی ہاتھ باندھے کھڑا رہا۔

"ادھر سے تو بڑے بڑے لوگ گذرتے ہوں گے۔" فریدی نے اُس سے پوچھا۔

"جی صاحب۔"

"ہاں دیکھو.... تین دن پہلے کوئی لڑکی بھی ادھر آئی تھی۔"

"جی میاں بیوی آئے تھے ایک.... مگر دونوں الگ الگ گاڑیوں میں تھے۔"

فریدی نے عورت کا حلیہ خود ہی بیان کیا جس پر چوکیدار صاد کرتا رہا.... یہ شیلا کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن مرد؟ چوکیدار کہہ رہا تھا۔

"انہوں نے یہاں رک کر چائے بنوائی تھی۔ لیکن شوہر نے چائے خود نہیں پی تھی۔"

"شوہر کیسا تھا؟ ذرا اُس کی صورت شکل کے بارے میں بھی بتاؤ۔" فریدی نے کہا۔

"پتہ نہیں صاحب! رات کو آئے تھے۔ لیمپ میں اچھی روشنی نہیں ہوتی۔ اُس نے اپنے لمبے کوٹ کے کالر کھڑے کر رکھے تھے۔ سردی بہت تھی جناب اور پھر ادھر کھلے میں یوں بھی سردی زیادہ معلوم ہوتی ہے.... اس سال تو میرے پاس گرم کوٹ بھی نہیں ہے۔ پچھلے سال ایک صاحب نے بخشش دیا تھا.... وہ میرا لڑکا اٹھا لے گیا۔ اب سوچتا ہوں یہ سردیاں کیسے کٹیں گی۔"

"میں تمہیں کوٹ دوں گا۔" فریدی نے کہا۔ "اُن دونوں گاڑیوں کے بارے میں کچھ بتا سکو گے۔"

"اندھیرا تھا جناب.... لل.... لیکن ایک گاڑی.... کچھ جانی پہچانی سی تھی۔"

وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ فریدی استفہامیہ انداز میں اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ "جی وہ شائد نربدا اسٹیٹ کی گاڑی تھی۔"

"نربدا اسٹیٹ....!" فریدی نے طویل سانس لی.... بغور اُس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر پوچھا۔ "کوئی خاص پہچان ہے.... نربدا اسٹیٹ کی گاڑیوں کی۔"

"جی ہاں.... اُن پر آگے پیلی جھنڈیاں ہوتی ہیں جن پر پروش کھوپرے کی تصویر بنی ہوتی ہے۔"

"ہوں.... اچھا.... کیا وہ لڑکی اُس آدمی سے ہنس بول رہی تھی۔"

"پتہ نہیں صاحب.... لیکن بار بار اُس کا شکریہ ضرور ادا کر رہی تھی۔ تب میں نے بھی سوچا تھا کہ شائد میاں بیوی نہ بھی ہوں۔"

مرد کی صورت تم نے نہیں دیکھی تھی۔

"نہیں صاحب....!"

پھر خاموشی چھا گئی.... وہ چائے پیتے رہے۔ فریدی نے کپ خالی کر کے سگار سلگایا اور حمید مسہری پر لیٹ کر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

چوکیدار برتن سمیٹ لے گیا تھا۔

"تو یہ نربدا اسٹیٹ....!" حمید نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"سنا ہے راجہ صاحب بہت زیادہ عیاشی فرماتے ہیں۔ پانچ سال سے کسی کو صورت نہیں دکھائی۔"

"کیا مطلب....!" حمید اٹھ بیٹھا۔

"اپنے محل کے کسی حصے میں گوشہ نشین ہو گئے ہیں۔ وہیں سب کچھ ہوتا ہے۔"

"تو پانچ سال سے اُسے کسی نے دیکھا ہی نہیں۔"

"یہی سنا ہے۔"

"تب تو....!"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ سگار دانتوں میں دبائے کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔

"تو کیا اب نربدا اسٹیٹ...." حمید نے دوبارہ ڈھیر ہوتے ہوئے پوچھا۔

"ضروری نہیں ہے۔" فریدی نے کہا اور پھر باہر دیکھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "آؤ۔"

وہ باہر آئے چوکیدار کار کی طرف دوڑا آیا۔

فریدی نے اندر سے اپنا اوور کوٹ نکال کر اُسے دیتے ہوئے کہا۔ "سردیاں اچھی گذریں گی۔"

نیا کوٹ دیکھ کر وہ بھونچکا رہ گیا۔ پھر فریدی نے دس کا ایک نوٹ بھی پرس سے نکالا۔

"دوپہر کے لئے مرغی پکا رکھوں سرکار....؟" چوکیدار نے لرزتی ہوئی سی آواز میں پوچھا۔

"نہیں اب اِدھر آنا نہیں ہوگا۔" اُس نے کہا۔

چوکیدار دل کھول کر دعائیں دے رہا تھا۔ وہ پھر چل پڑے۔

"تو پھر اب کیا ارادہ ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"لوہے لگ جائیں گے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"کیا مطلب....!"

"سرکار دولت مدار کے فرزندان دلبند ہیں.... سوپر کو رپورٹ دینی پڑے گی۔ اگر آفیسر پر کچھ ہدایات ملیں تو راجہ تیج بھان سے بھی ملنے کی کوشش کریں گے۔"

"اگر سوپر صاحب ڈھیلے پڑ گئے تو۔"

"وہ جانیں....!"

"بڑی لاپروائی سے بات کر رہے ہیں آپ۔"

"تمہیں سوریا اسٹیٹ والی بات یاد ہے نا.... وائسرائے مداخلت کر بیٹھا تھا.... کیسی ہٹی ہوئی تھی۔ ہمارے مارشل اسمتھ صاحب بھی ہاتھ ملتے رہ گئے تھے۔"

"ہے تو کچھ یونہی....!"

"بس پھر ختم کرو۔"

"لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ راجہ تیج بھان ہی رہا ہو.... اسٹیٹ کا کوئی دوسرا آدمی بھی ہو سکتا ہے۔ اسٹیٹ ہی کی کوئی گاڑی استعمال کر بیٹھا ہو۔"

"ممکن ہے.... لیکن وہ اُس کا شکریہ ادا کر رہی تھی۔ اس لئے اغواء.... سوچنا پڑے گا بھی....!" فریدی نے طویل سانس لے کر کہا۔

"کیوں نہ ہم یونیورسٹی سے شروع کریں۔" حمید بولا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں.... ہو سکتا ہے وہ اُس کا کوئی دل جلا عاشق ہی رہا ہو.... یہاں مل گیا ہو.... صحیح راہ پر لگا دینے کی پیش کش کی ہو.... اور اُس کے بعد زبردستی پر اُتر آیا ہو.... کیونکہ وہ بٹن بھی تو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ کیڈی پختہ سڑک پر فراٹے بھرتی رہی۔ حمید اونگھنے لگا تھا کچھ دور چل کر فریدی نے گاڑی پھر ایک کچے راستے پر موڑ دی۔

اور پھر حمید اُس وقت چونکا تھا جب کیڈی ایک دھچکے کے ساتھ رک گئی تھی۔ فریدی دروازہ کھول کر اتر رہا تھا۔

پھر اُس نے اسے سرکنڈوں کی جڑوں میں پھنسے ہوئے سرخ رنگ کے ایک رومال کو اٹھاتے دیکھا۔

حمید بھی نیچے اُتر آیا۔

❁

شیلا آرام کرسی میں نیم دراز تھی۔ جسم پر ابھی تک وہی شکستہ لباس موجود تھا۔ بڑی تھکن محسوس کر رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے عرصہ سے بیمار ہو۔

اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس عذاب سے کس طرح نجات ملے گی۔ وہ ایک تفریح پسند لڑکی تھی۔ روزانہ نئے دوست بنانے کی خواہش مند رہتی تھی۔ لیکن یہ حقیقت تھی کہ کبھی

کسی سے جنسی تعلقات قائم نہیں ہوئے تھے۔

اُس نے ذہن پر لاکھ زور ڈالا لیکن اندازہ نہ کر سکی کہ یہ نقاب پوش کون ہو سکتا ہے۔ دیر اُسے سو فیصد یقین تھا کہ وہ آواز بدل کر گفتگو کرتا ہے.... وہ بھی اکثر سوچتی ہو سکتا ہے کہ وہ اس کا کوئی ایسا دوست ہی ہو جس نے اُس سے غیر ضروری توقعات وابستہ کر رکھی ہوں اور ناکامی کی صورت میں ایسی حرکت کر بیٹھا ہو۔

وہ اس وقت بھی یہی سوچ رہی تھی.... دفعتاً دروازے کے سرکنے کی آواز آئی اور وہ چونک کر مڑی۔ نقاب پوش اندر داخل ہو رہا تھا.... اور اُس کے ہاتھوں پر ایک بیہوش عورت تھی جسے اُس نے مسہری پر ڈال دیا۔

یہ عورت نہیں بلکہ ایک نوخیز لڑکی تھی۔ معصوم صورت.... بیہوشی میں ایسی لگ رہی تھی جیسے ابھی تھک کر گہری نیند سو گئی ہو۔ جوانی اور بچپن گلے مل رہے تھے اُس کے خدوخال میں.... دونوں کی الوداعی ملاقات....!

"بہت غور سے دیکھ رہی ہو شیلا.... کیا اسے پہچانتی ہو۔" نقاب پوش نے پوچھا۔

"نہیں.... یہ کون ہے.... اسے یہاں کیوں لائے ہو۔"

"ہوں....!" نقاب پوش نے طویل سانس لے کر کہا۔ "میری البم کی ایک تصویر! میری جنسیت ہر معاملے میں ویرائٹی چاہتی ہے محترمہ شیلا....!"

"کیا مطلب....!"

"گھبراؤ نہیں.... تمہاری حیثیت صرف ایک تماشائی کی سی ہوگی۔"

"نہیں....!" شیلا اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

"نیا تجربہ....!" نقاب پوش نے قہقہہ لگایا۔

"میں تمہیں جان سے مار دوں گی.... لے جاؤ اسے یہاں سے۔"

"ذرا سوچو.... ٹھنڈے دل سے غور کرو.... لذت محسوس کرو گی۔"

"میں کہتی ہوں.... دفع ہو جاؤ.... ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔"

نقاب پوش نے قہقہہ لگایا۔ شیلا غصے سے پاگل ہوئی جا رہی تھی۔ ہاتھ میں ریوالور ہوتا تو بے دریغ اُسے گولی مار دیتی۔ نقاب پوش مسہری پر بیٹھ گیا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ شیلا کا دماغ ٹھنڈا ہونے

در اُس نے پوچھا کہ لڑکی بیہوش کیوں ہے۔

"بیہوش ہی کر کے لائی گئی تھی.... ابھی تک ہوش نہیں آیا۔" نقاب پوش نے جواب دیا۔

شیلا نے پھر اُس کے معصوم چہرے پر نظر ڈالی اور کانپ گئی۔ کاش وہ اُسے محفوظ کر سکتی۔ وہ سوچنے لگی۔ یہ عمر اس تباہی کی متحمل نہ ہو سکے گی.... وہ اُسے کیسے بچائے.... کیسے بچائے۔ خود تو تباہ ہو چکی تھی لیکن یہ ننھی سی کومل کلی ابھی پھول بننے کے لائق نہیں ہے۔ اس کی پنکھڑیاں منتشر ہو جائیں گی.... پوری زندگی ایک بھیانک عذاب بن جائے گی.... اے بھگوان.... اے خدا.... اسے محفوظ رکھ.... اسے بچالے پرماتما۔"

"تک.... کیا تم اسے راہ پر لا سکو گے۔" اُس نے مردہ سی آواز میں پوچھا۔

"کیوں نہیں.... کیا تم اپنا تجربہ بھول گئیں۔" نقاب پوش نے فاتحانہ انداز میں کہا اور شیلا ڈھٹائی سے مسکرا پڑی.... حالانکہ اس مسکراہٹ نے اُس کی روح پر ایسی ضربیں لگائی تھیں کہ دل ہی جانتا تھا۔

"نہیں....!" وہ ٹھٹکی۔ "ایسے نہیں.... تم اسے مجھ پر چھوڑ جاؤ.... میں راہ پر لاؤں گی۔"

"تم....!" نقاب پوش کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں کیوں؟.... اوہ.... دیکھو....!" اُس نے سنجیدگی سے کہا۔ "تمہارے کہنے کے مطابق میں نے ٹھنڈے دل سے غور کیا ہے.... واقعی سنسنی خیز.... دلچسپ.... انوکھی سچویشن.... بس اب جاؤ.... میں ٹھیک کر لوں گی۔"

نقاب پوش اُسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ آپ ہی آپ ہنس پڑا اور شیلا اُسے استفہامیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"آپ کے فریدی صاحب ڈاک بنگلے تک تو پہنچ گئے ہیں۔"

"اب اپنی خیر مناؤ.... میں کہتی ہوں اب بھی غنیمت ہے، مجھے گھر پہنچا دو۔"

"فریدی جیسے گدھے میرے بوٹ چاٹتے ہیں۔ مطمئن رہو.... اگر وہ مجھ تک پہنچ بھی گیا تو میرا کیا بگاڑ لے گا۔ ایک بار یہ تجربہ بھی سہی.... مجھے نئے تجربات کا خبط ہے، محترمہ شیلا۔"

شیلا کچھ نہ بولی۔

"اچھا.... میں جا رہا ہوں...." وہ اٹھتا ہوا بولا۔ "دیکھوں گا کہ تم کتنی باصلاحیت ہو۔"

"دفع ہو جاؤ....!" شیلا ہاتھ ہلا کر بولی۔

تھوڑی دیر بعد وہ لڑکی پر جھکی ہوئی اُس کی پلکیں اٹھا رہی تھی۔ پھر چلو میں پانی لے کر اس کے منہ پر چھینٹے دیئے۔ آخر کچھ دیر کی جدوجہد اُسے ہوش میں لے آئی.... لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُسے کچھ سجھائی نہ دے رہا ہو۔ رہ رہ کر اس طرح آنکھیں پھاڑنے لگتی تھی جیسے اندھیرے میں کوئی چیز تلاش کر رہی ہو!"

شیلا نے اُسے ہلایا جلایا اور آوازیں دیں.... تب وہ اٹھ بیٹھی اور سہمے ہوئے انداز میں ہر طرف دیکھنے لگی۔

"مم.... میں.... آپ کون ہیں۔" اُس نے شیلا سے پوچھا۔

"تمہاری طبیعت کیسی ہے۔"

"ٹھیک ہوں۔" وہ مسہری سے اترتی ہوئی بولی اور خوفزدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔ "میں کہاں ہوں۔"

"میں بھی نہیں جانتی کہ میں خود کہاں ہوں۔" شیلا نے جواب دیا۔ چند لمحے تشویش بھری نظروں سے اُسے دیکھتی رہی پھر پوچھا۔ "تم کہاں رہتی ہو۔"

"مم.... میں نصیر آباد میں.... لیکن یہ کون سی جگہ ہے.... باجی کہاں ہیں۔"

"کون باجی....!"

"بیگم سعید....!"

"میں کسی بیگم سعید کو نہیں جانتی۔"

"اُوہ.... میں اُن سے پڑھنے آئی تھی.... انہوں نے ابھی مجھے چائے پلائی تھی۔ کہا تھا پیو.... میں ذرا باورچی خانہ تک ہو آؤں.... وہ کہاں ہیں۔"

شیلا نے طویل سانس لی اور سوچا پتہ نہیں کتنی دیر بیہوش رہی ہے بیچاری۔

"تم کس تاریخ کو بیگم سعید سے پڑھنے گئی تھیں۔" اُس نے پوچھا۔

"تت.... تاریخ.... جی.... وہ تیرہ دسمبر تھی شاید۔!"

"آج سولہ دسمبر ہے۔"

"مذاق نہ کیجئے.... میں اب گھر جاؤں گی۔ کیا وقت ہوا ہے۔"

"میرے پاس گھڑی نہیں ہے۔"

"اچھا مجھے اب گھر جانے دیجئے.... باجی.... پتہ نہیں کہاں چلی گئیں۔ اکثر اسی طرح غائب ہو جاتی ہیں مجھے بٹھا کر۔"

شیلا کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُس سے کیا کہے۔ اُسے کس طرح بتائے کہ وہ نصیر آباد سے اغواء کر کے لائی گئی ہے۔ لیکن وہ اُسے اندھیرے میں کیونکر رکھ سکتی تھی۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح اُس نے اُسے بتایا.... پہلے تو وہ متحیر رہ گئی پھر بُری طرح رو پڑی۔ ہچکیاں لگ گئیں۔

شیلا بدقت تمام اُسے چپ کرانے میں کامیاب ہوئی۔ اُس نے بتایا کہ بیگم سعید اس کے اسکول کی ہیڈ مسٹرس تھی۔ چونکہ اُس کے والدین اتنی استطاعت نہیں رکھتے تھے کہ اُس کے لئے پرائیویٹ ٹیوشن کا بھی انتظام کر سکتے اس لئے پرانی جان پہچان کی بناء پر انہوں نے بیگم سعید سے درخواست کی تھی کہ وہ اُسے اپنے گھر پر پڑھا دیا کرے۔ وہ آدھے میل کی مسافت طے کر کے روزانہ اُس سے پڑھنے جاتی تھی۔

شیلا سمجھ گئی کہ اُسے چائے میں کوئی خواب آور دوا دی گئی ہو گی۔ لیکن متواتر تین دن تک بیہوش رہنا سمجھ میں نہ آسکا۔ ہو سکتا ہے تھوڑے تھوڑے وقفہ سے مورفیا کے انجکشن دیئے گئے ہوں۔

"لیکن مجھے یہاں لایا کون....؟"

"میں نہیں جانتی.... وہ اپنا چہرہ نقاب میں چھپائے رہتا ہے۔"

"آپ.... آپ کون ہیں۔"

"میں....!" شیلا نے طویل سانس لے کر کہا۔ "میں بھی تمہاری طرح ہی لائی گئی ہوں۔"

اُس کے عشاق

شیلا کے باپ نے رومال دیکھا لیکن یقین کے ساتھ نہ کہہ سکا کہ وہ شیلا ہی کا ہو گا۔ نربدا اسٹیٹ کے نام ہی پر وہ سناٹے میں آگیا تھا۔ اسٹیٹ کا والی راجہ تیج بھان بدنام آدمی تھا۔ عیاشی کے معاملے میں اُس کا نام دور دور تک مشہور تھا.... عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ اب تو اُس کی عیاشیاں فرائض منصبی میں حارج ہونے لگی تھیں پچھلے پانچ سال سے اُسے کسی نے دیکھا ہی نہیں

تھا۔ اپنے مخصوص محلات میں بند ہو کر رہ گیا تھا۔

ریاست کا نظم و نسق سو فیصد اہلکاروں کا مرہون منت تھا۔ ملکہ وکٹوریہ کو اپنے عہد کے راج
کی نہ جانے کون سی ادا بھا گئی تھی کہ اس چھوٹی سی ریاست کو بھی لامحدود اختیارات تفویض
کر دیئے تھے اور انہیں اختیارات کے کھونٹے کے بل پر حکمرانوں کی انانیت کی بچھیا کودتی رہتی
تھی۔ موجودہ راجہ کے پیشرووں نے بھی اپنے نظام کے جھنڈے گاڑے تھے اور اب شاید یہ بھی
انہیں کے نقش قدم پر چل نکلا تھا۔ شیلا کے باپ نے فریدی کو بتایا کہ خاص نربدا اسٹیٹ میں تو
دن دہاڑے راہ چلتی لڑکیاں اٹھتی رہتی ہیں۔ راجہ کی آڑ میں اہلکار تک جی بھر کے کھلم کھلا شکار
کھیلتے ہیں۔ ان مظالم کی نہ کوئی داد ہے نہ فریاد.... آخر کوئی کس کے آگے روئے.... ظالم سے
ظلم کی شکایت کا کیا جواب مل سکے گا۔

فی الحال فریدی نربدا اسٹیٹ کا رخ کرنے کی بجائے یونیورسٹی کی طرف متوجہ ہو گیا اور حمید
فدیلی کی طرف.... وہ اُس کے لئے اُس کی واحد تفریح تھی۔ زیادہ ملاقاتیں ہائی سرکل نائٹ کلب
ہی میں ہوتی تھیں! آج جس وقت وہ منیجر کے کمرے میں داخل ہوا وہ فرش پر اکڑوں بیٹھا فدیلی کی
سینڈلوں پر جھاڑن پھیر رہا تھا۔ حمید کو دیکھتے ہی بوکھلا کر اٹھ بیٹھا اور غصیلے لہجے میں بولا۔

"یہ شریف [illegible] کا آبائی پیشہ ہے۔" حمید نے فدیلی کی سینڈلوں کی طرف اشارہ کر کے کہا اور
فدیلی بیساختہ [illegible] پڑی، "نہیں اس کیلئے کچھ نہ کہو سارجنٹ.... دراصل ہم دونوں نے شرط لگائی
تھی میں کہہ رہا تھی کہ تم میری سینڈلیں نہیں صاف کر سکتے یہ فرما رہے تھے کر سکتا ہوں۔ آخر پانچ
پانچ روپیوں کی شرط لگ گئی۔ جیت لی بھئی شرط انہوں نے اب پانچ روپے مجھے دینے پڑیں گے۔"

"یہ شریفوں کا شیوہ نہیں ہے کہ دروازہ پر دستک دیئے بغیر اس طرح اندر گھس آئیں۔"

وہ دونوں ہنستے رہے اور منیجر بُرا سا منہ بنائے بیٹھا رہا۔

"سنا ہے فریدی صاحب نے اُس رات باہر لے جا کر تمہاری خاصی پٹائی کی تھی۔" فدیلی نے
حمید سے کہا۔

"ضرور کرتے.... لیکن میں نے اُن سے فوراً وعدہ کر لیا کہ انہیں تم سے ملا دوں گا۔"

"واقعی....!" فدیلی خوش ہو کر بولی۔ "بڑا شاندار آدمی ہے تمہارا چیف....!"

"اللہ رحم کرے....!" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

"کیوں....؟ کیوں؟" فدیلی نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

"اس آدمی کی شانداریت نے تو میری مٹی پلید کر رکھی ہے۔"

"کیوں....؟"

"اب تم انہیں کے خواب دیکھا کرو گی۔"

"خواب تو میں صرف ان کے دیکھتی ہوں۔" فدیلی منیجر کے سر پر ہاتھ پھیرتی ہوئی بولی۔
"ارلنگ تم نے ابھی تک کافی نہیں منگوائی۔ کریم کے ساتھ پیؤں گی اور ڈارلنگ وہ کیا شعر تھا۔"
منیجر نے گھنٹی کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن فدیلی نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا اور ٹھنک کر بولی۔
"نہیں خود جاؤ.... اور خود ہی کافی کی ٹرے بھی اٹھا کر لاؤ۔"

"یعنی.... کہ مم.... میں....!"

"ہوں.... اُوں.... کیا حرج ہے۔ میرے لئے اتنا بھی نہیں کر سکتے۔"

"بقول شاعر....!" منیجر مسکرا کر اٹھتا ہوا بولا۔

"شعر نہ پڑھنا اچھا۔" حمید نے آنکھیں نکالیں۔ "ورنہ مہابھارت برپا کر دوں گا۔"

"آپ تشریف لے جا سکتے ہیں جناب۔" منیجر بھی جھلا کر پلٹا۔ "آپ کی موجودگی اس وقت
ضروری نہیں ہے۔"

"جاؤ.... نہیں تو میری موجودگی تمہاری قبر میں بھی ضروری ہو جائے گی۔" حمید غرایا اور
غصیلے لہجے میں کچھ بڑبڑاتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

"تمہیں شرم نہیں آتی۔ پریشان کرتے ہو بیچارے کو...." فدیلی نے حمید سے درد بھرے
لہجے میں کہا۔

"اس بیچارے کو ملک الشعرا بنائے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔"

"سنا ہے آج کل تم بہت پریشان ہو۔ شیلا کا کچھ پتہ چلا۔"

"کیا تم اُسے جانتی ہو۔"

"ایک بار کہیں ملاقات ہوئی تھی۔ بڑی زندہ دل لڑکی تھی۔"

"اور کیا جانتی ہو اُس کے متعلق....!"

"میری کئی دوست یونیورسٹی میں ہیں.... اُن سے اکثر اُس کا تذکرہ رہا ہے.... کافی دل

پھینک بھی تھی۔"

"اور کیا سنا اُس کے متعلق....!"

"ہر ماہ نیا دوست بناتی تھی اور اس طرح رہتی تھی اُس کے ساتھ جیسے اگلے ہی ہفتے وہ شادی ہو جائے گی۔ پھر ایک ماہ بعد اُسے دھتا بتا کر کسی دوسرے سے پینگیں بڑھاتی تھی۔ ابھی ہی میں انگریزی کا ایک لکچرر بھی اُس کے چکر میں پھنس گیا تھا۔ میں نے اُسے دیکھا۔ کنواری لڑکیوں کی طرح شرمیلا ہے۔"

"کس ملک کی کنواری لڑکیوں کی طرح شرمیلا ہے۔" حمید نے وضاحت طلب کی۔

"چوٹ کر رہے ہو پیارے انگلستان پر....!" وہ بائیں آنکھ دبا کر بولی۔

اتنے میں منیجر کھکھارتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اُس کے پیچھے ویٹر تھا جس نے ہاتھوں کی ٹرے اٹھا رکھی تھی۔

"خود نہیں لائے اٹھا کر....!" فدیلی آنکھیں نکال کر غرائی اور ویٹر منہ پھیر کر مسکرا۔

"ویٹروں کے سامنے تو....!" منیجر انگریزی میں ہکلایا۔

"چلو.... خیر.... اب تم ہی تین کپ بنا بھی دو....!" فدیلی نے کہا۔

ویٹر جا چکا تھا۔ حمید نے جیب سے پائپ نکالا اور اس میں تمباکو بھرنے لگا۔ منیجر نہ جانے بار بار اُسے معنی خیز انداز میں گھورنے لگتا تھا۔

طوعاً و کرہاً اُس نے تین پیالیوں میں کافی انڈیلی اور چمچے سے شکر ملانے لگا۔

فدیلی خاموشی سے خلاء میں گھورے جا رہی تھی اور حمید پائپ کے ہلکے ہلکے کش لے رہا

"لیجئے" منیجر نے حمید کی طرف پیالی کھسکاتے ہوئے اس انداز میں کہا جیسے کہہ رہا ہو مار فرمایئے۔"

حمید نے اُس کی طرف دیکھے بغیر پیالی اٹھا کر ایک چسکی لی اور فدیلی کی آنکھوں میں دیکھ مسکرانے لگا۔ جواباً وہ بھی مسکرائی اور منیجر اس طرح کھکھارا جیسے حلق میں لوہے کا ٹکڑا اٹک گیا کوئی کچھ نہ بولا۔ تینوں خاموشی سے کافی پیتے رہے۔

تھوڑی دیر بعد فدیلی نے منیجر سے بڑے پیار سے پوچھا۔ "تم میرے باپ کو نل ہڈ جانتے ہو پیارے۔"

"جانتا ہوں۔"

"نہیں جانتے۔" فدیلی نے اٹھلا کر کہا۔ "اگر وہ سن پائیں کہ میری بیٹی ایک بوڑھے پر عاشق ہو گئی ہے تو وہ بیٹی کو تو کچھ نہ کہیں گے لیکن بوڑھے کو ضرور گولی مار دیں گے۔"

"کک.... کیوں....!" منیجر بوکھلا کر ہکلایا۔

"وہ اسی ٹائپ کے ہیں کان نہیں ٹٹولتے کوے کے پیچھے دوڑ پڑتے ہیں۔"

منیجر کے تھوک نگلنے کی "ٹرچ" ان دونوں نے بھی سنی۔

"تو پھر میں مطلع کر دوں تمہارے پاپا کو....!" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

"ارے یہ غضب بھی نہ کرنا۔" فدیلی نے بوکھلاہٹ کی ایکٹنگ کی۔

"ضرور کروں گا.... یہ حضرت آخر مجھے سمجھتے کیا ہیں۔"

منیجر بے بسی سے کھکھار کر رہ گیا۔

"ایک بار میرے پاپا نے ایک بوڑھے پر ریوالور نکال لیا تھا ہوٹل ڈی فرانس میں۔ کیونکہ وہ ہ سے لگاوٹ کی باتیں کر رہا تھا۔"

"او... وہ چنگی ڈاڑھی والا نا.. میں تو موجود تھا وہاں....!" حمید نے خواہ مخواہ زیٹ ہانک دی۔

"وہی.... وہی....!" فدیلی سر ہلا کر بولی۔ "دیکھا تھا کیسے آپے سے باہر ہو رہے تھے۔"

"ارے باپ.... میں تو کانپ رہا تھا بُری طرح.... کہیں سچ مچ خون خرابا نہ ہو جائے اور تم نے دیکھا تھا انہوں نے بعد میں میری پشت پر کتنے پیار سے ہاتھ پھیرا تھا۔ کہنے لگے تھے اگر تم بیچ میں نہ آجاتے تو میں اُس خبیث کو یقینی طور پر گولی مار دیتا۔"

"تمہاری ویسے بھی بڑی تعریفیں کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کاش یہ انگریز ہوتا۔"

"تو اب بنا لیں مجھے انگریز...." حمید نے منیجر کو آنکھ مار کر کہا۔

"میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں جناب۔" منیجر زہریلے لہجے میں بولا۔

"ان کو بھی ملاؤ کبھی اپنے پاپا سے۔"

"نہیں.... میں انہیں بہت چاہتی ہوں.... ایسا دلکش بوڑھا آج تک میری نظروں سے نہیں گذرا.... ڈارلنگ تم فرنچ کٹ ڈاڑھی بھی رکھ لو.... تمہارے پڑوسی بکریاں پالنا چھوڑ دیں گے.... دعویٰ ہے میرا....!"

فریدی اُن تمام طلباء سے ملتا پھر رہا تھا جن سے شیلا کے کبھی تعلقات رہ چکے تھے۔ ا
انگریزی کے اُس لکچرار سے بھی آ ٹکرایا جس کے ساتھ ابھی کچھ ہی دنوں سے دیکھی
تھی.... یہ ایک وجیہہ تندرست لیکن شرمیلا نوجوان تھا.... بڑی دھیمی آواز میں گفتگو
گفتگو کے درمیان اس طرح سر جھکائے رکھتا جیسے کوئی سعادت مند اور سمجھدار بچہ اپنے
کے سامنے مؤدب رہتا ہے! کسی بات پر زور سے کبھی ہنسی نہ آتی۔ بس ہونٹ خفیف سے
شفاف دانتوں کی جھلکیاں سی نظر آ کر رہ جاتیں۔

دوسروں سے فریدی کو معلوم ہوا تھا کہ شیلا خود ہی اُس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ در
کلاس میں خاص طور پر کسی لڑکی سے مخاطب ہونے سے پہلو بچاتا تھا۔ اگر کبھی کوئی لڑکی مو
زیر بحث سے متعلق کوئی سوال کر بیٹھتی تو جواب دیتے وقت اس طرح ہکلاتا جیسے پرائمری
کے کسی بچے کا سامنا اپنے جلاد قسم کے ہیڈ ماسٹر سے ہو گیا ہو۔

جب فریدی نے اُس سے شیلا کے متعلق پوچھ گچھ شروع کی تو وہ اور زیادہ ہکلا
بہر حال کسی نہ کسی طرح فریدی کو یہ بتانے میں کامیاب ہو ہی گیا کہ اُن کی ملاقات بہت
نہیں تھی اور اس کی نوعیت بھی محض رسمی تھی۔ کسی خاص قسم کے تعلقات نہیں تھے۔

"آپ کا قیام کہاں ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"نربدا اسٹیٹ میں....!"

"اوہ.... تو روزانہ آتے جاتے ہیں۔"

"جج.... جی ہاں.... کوئی دشواری پیش نہیں آتی.... گاڑی ہے۔"

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "نربدا اسٹیٹ تو بہت ترقی یافتہ ریاست ہے

"جج.... جی ہاں....!"

"راجہ صاحب معقول آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

"پتہ نہیں....!"

"سنا ہے راجہ تیج بھان جی.... پانچ سال سے کسی سے ملے نہیں۔"

"جی ہاں.... مجھ سے بھی نہیں ملے.... حالانکہ میرے حقیقی چچا ہیں۔"

"آپ کے کون ہیں؟" فریدی نے حیرت سے پوچھا۔

"میرے حقیقی چچا ہیں۔"

"اور.... آپ.... مطلب یہ کہ.... یہاں یونیورسٹی میں....!"

"جی.... یہ میرے ذوق کی چیز ہے۔ میرے لئے معاشی حیثیت نہیں رکھتی۔ اگر تنخواہ نہ ملے تب بھی.... یہ شغل جاری رہے گا۔"

"بہت اچھی بات ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔

ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے سنتوش اس پوچھ گچھ سے اکتا گیا ہو اور جلد از جلد پیچھا چھڑانا چاہتا ہو۔

"ریاستوں میں لوگ نسبتاً شاندار زندگی بسر کرتے ہیں۔" فریدی نے موضوع بدل دیا۔

"میں تو ایسا نہیں سمجھتا۔" سنتوش اسی طرح دیکھے بغیر بولا۔

"ہر آدمی اپنے ماحول سے اکتایا ہوا ہے۔" فریدی مسکرایا۔ "اس لئے اگر آپ مجھ سے اتفاق نہ کریں تو حیرت کی بات نہیں۔"

"اُس مسئلے پر تو میں آپ سے بحث بھی کر سکتا ہوں۔" سنتوش کے لہجے میں خود اعتمادی کی جھلکیاں بھی شامل تھیں۔

"کیجئے....!" فریدی نے اس طرح ہاتھ پیر پھیلا دیئے جیسے فرصت میں ہو۔

"اُن کتوں کی سی زندگی ہوتی ہے کسی ریاست میں بسنے والوں کی جن کی گردنوں میں خوش رنگ پٹے ہوں اور دونوں وقت پابندی سے راتب بھی مل جاتا ہو۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"ہز ہائی نس ان داتا کہلاتے ہیں.... جو بس اسی میں مگن رہتے ہیں کہ اُن کے کتوں کو دونوں وقت باقاعدگی سے راتب مل رہا ہے.... انہوں نے اُن کتوں کا کتا پن تک چھین لیا ہے.... کسی کتے کی بیٹی زبردستی محل میں داخل کر لی گئی ہے، لیکن کتے کی مجال نہیں کہ بھونک بھی سکے۔ البتہ دم ہلانے پر کوئی پابندی نہیں۔"

"بڑے سلیقے سے اظہارِ خیال کر رہے ہیں آپ جناب۔" فریدی ہنس پڑا۔

سنتوش کی آنکھوں میں غصے کی جھلکیاں تھیں اور چہرہ کسی قدر سرخ ہو گیا تھا۔

ہز ہائی نس جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ اس کی نہ کوئی داد نہ فریاد۔ میری ہی اسٹیٹ کے ایک وکیل

صاحب ایک بات پر قابو سے باہر ہوگئے تھے۔ وائسرائے تک شکائت پہنچانے کی کوشش کی
انہیں درمیان ہی سے کاٹ دیا گیا۔ اُن کی عرض داشت وائسرائے تک پہنچ ہی نہ سکی۔ کیو
وائسرائے کا سیکریٹری ہز ہائی نس کا دوست تھا۔ پھر وکیل صاحب کی شامت ہی آگئی....
دہاڑے چند بھنگیوں نے اُن کے خاندان کی ساری عورتوں کو خراب کر کے رکھ دیا تھا۔ اچھا یہ
طرفہ تماشا تھا کہ ہز ہائی نس کا اس واقعہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ دیوان صاحب کا دل آگیا تھا
گھرانے کی لڑکی پر.... اور وہ کہیں اُس سے چھیڑ چھاڑ کر بیٹھے تھے۔ وکیل صاحب کو بُرا لگا
انہوں نے پہلے ہز ہائی نس ہی تک شکائت پہنچانے کی کوشش کی تھی لیکن دیوان صاحب حائل
درمیان میں.... اس لئے بات نہ بن سکی۔ اہلکار بھی جو چاہیں کر سکتے ہیں.... اس کے خلا
کہیں شنوائی نہ ہوگی۔"

"میرا خیال ہے کہ شائد آپ نے اسی لئے یونیورسٹی کا رخ کیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ہو سکتا ہے....!" کنور سنتوش کمار نے ٹھنڈی سانس لی۔

"لیکن آخر یہ راجہ تیج بھان جی.... پانچ سال سے غائب کیوں ہیں۔"

سنتوش کمار کے ہونٹوں پر ایک شرمیلی سی مسکراہٹ نظر آئی.... اور اُس نے سر جھکا لیا

کچھ دیر بعد فریدی نے پھر پوچھا۔ "کیا بات ہے۔"

"سنکی ہیں....!" کنور نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "جس کام میں بھی ہاتھ لگاتے ہیں اُ
انتہا تک پہنچا کر دم لیتے ہیں۔ پانچ سال پہلے کی بات ہے بیر پور اسٹیٹ والوں سے شرط ہو گئی
کہ وہ دس سال صرف عورتوں ہی میں گذار سکتے ہیں کسی مرد کی شکل دیکھے بغیر.... راجہ بیر پو
کہنا تھا کہ اگر آدمی صرف ایک ہی سال تک عورتوں میں گھرا رہے کسی مرد کی شکل تک نہ دیکھے
اُس پر اعصابی دورے پڑنے لگیں گے.... انکل نے کہا بکواس ہے میں دس سال تک عورتوں
رہنے کے باوجود بھی تندرست ہی رہوں گا.... بات بڑھ گئی اور دس دس کروڑ کی شرط پر معا
ختم ہوا.... یہ کہانی ہے اُن کی گوشہ نشینی کی.... اب عالم یہ ہے کہ اُس مخصوص محل میں نر
بھی نہیں داخل ہو سکتا۔ عورتیں ہی عورتیں ہیں.... وہ روزانہ زندگی سے متعلق سارے فرائ
انجام دیتی ہیں۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔

"جی ہاں ہے تو عجیب ہی۔"

"اچھا یہ لڑکی شیلا.... آپ کی دانست میں کیسی تھی۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"یہاں لوگوں کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ خاصی آوارہ تھی۔"

"میں اُن سے متفق نہیں ہوں....!" کنور سنتوش نے کہا اور سر جھکا لیا۔ فریدی منتظر تھا کہ شائد کچھ اور بھی کہے گا.... لیکن جب وہ کچھ نہ بولا تو فریدی ہی کو پھر چھیڑنا پڑا۔

"صاحب....!" سنتوش جھنجھلا کر بولا۔ "یہاں کی ذہنیتیں خراب ہیں! زہر ہی زہر بھرا ہوا ہے دماغوں میں.... ان کے اپنے دلوں کے چور فوراً بول پڑتے ہیں جب کوئی ایسی مثال سامنے آتی ہے.... وہ صرف ایک ایسی لڑکی تھی، جو اپنے ماحول سے اکتا گئی ہو۔ ہر آن.... زندگی میں نیا پن چاہتی تھی.... روزانہ نئے نئے دوست بناتی تھی لوگ اُسے آوارہ سمجھ بیٹھے تھے.... اپنے یہاں کے تو بے حد پڑھے لکھے لوگ بھی جنسی معاملات میں سڑی بسی دقیانوسی قسم کی بوڑھیوں کی سی ذہنیت رکھتے ہیں۔ کسی لڑکی کو کسی لڑکے سے ہنستے بولتے دیکھا اور خود اُن کے دل کے چور نے نعرہ لگایا۔ "پھنس گئی۔" کیا کہا جائے اس بیہودگی کو۔"

"یہ تو آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔

"اگر وہ غائب بھی ہوئی ہے تو اسے اغواء ہی سمجھنا چاہئے۔ ایسی ہی گھٹیا ذہنیت رکھنے والے کسی عاشق کی حرکت ہو سکتی ہے۔"

"میں بھی اسی نتیجے پر پہنچا ہوں...." فریدی نے کہا۔

"اچھا جناب اب اجازت دیجئے۔" کنور سنتوش نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "مجھے کلاس لینا ہے.... افسوس ہے کہ اس سلسلے میں آپ کی کوئی مدد نہ کر سکا لیکن میں اُس کے متعلق اس سے زیادہ جانتا بھی تو نہیں۔"

درندہ

فریدی واپسی کے لئے مڑ چکا تھا لیکن پھر کسی خیال کے تحت واپس آیا.... اور تیز تیز قدم

اٹھاتا ہوا کنور کے قریب آگیا۔

"معاف کیجئے گا.... ایک بات اور....!"

"فرمایئے.... کوئی بات نہیں۔"

"میں راجہ صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"اوہ تو کیا اُن پر شبہ ہے آپ کو۔"

"نہیں.... کیونکہ اُن پر شبہ کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے میرے پاس۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ آپ سے بھی نہ مل سکیں گے.... پچھلے دنوں جنرل ہارورڈ آ
تھے۔ اُن کے کلاس فیلو رہ چکے ہیں چچا صاحب سے انہوں نے ملنا چاہا لیکن انکار ہو گیا۔ پانچ
سے انہیں کسی نے دیکھا ہی نہیں۔"

"ایک بار مجھے پیرس میں ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہو
کہا۔ "فزارو کی دوکان پر.... میرے کپڑے بھی اُن دنوں وہیں سلتے تھے.... راجہ صاحب
کے معاملے میں بے حد نفاست پسند واقع ہوئے ہیں.... میرا خیال ہے کہ اُن کے کپڑے
سے باہر ہی سلتے ہیں۔"

"جی ہاں.. لیکن پتہ نہیں کیوں آج کل قاہرہ سے سلوا رہے ہیں.... بھلا قاہرہ کیا تک ہے

"نہیں صاحب! قاہرہ کی ایک دوکان آج کل پیرس کے فزارو ہی سے ٹکر لے رہی ہے
فریدی بولا۔ "میں بھی آج کل وہیں ناپ بھیجتا ہوں۔ خیاط الوقت....! فزارو سے کم نہیں...

"اوہو.... جی ہاں شائد خیاط الوقت ہی آج کل اُن کے کپڑے سی رہے ہیں۔" کنور نے

"آپ کو یقین ہے۔"

"جی ہاں.... آج کل اُن کا ایک اُوور کوٹ میرے استعمال میں ہے اُس کے بٹنوں پر
الوقت قاہرہ ہی لکھا ہوا ہے۔"

"تب تو ہو سکتا ہے کہ یہ آپ ہی کا بٹن ہو۔" فریدی نے وہ بٹن جیب سے نکالتے ہو
جو اُسے شیلا کی کار میں ملا تھا۔

"یہ.... یہ.... آپ کو کہاں ملا۔" کنور کے لہجے میں حیرت تھی۔ "جی ہاں اُس کا ایک
ٹوٹ کر کہیں گر گیا تھا۔"

"جب کی بات ہے۔"

"یاد نہیں! کئی دن سے اُسے استعمال نہیں کیا! آج کل صبح ہی سے سردی بھی تھی اور مطلع
ابر آلود تھا۔ احتیاطاً لیتا آیا ہوں۔ یہیں آکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک بٹن غائب ہے۔"

"کوٹ آپ نے کب سے نہیں پہنا۔"

"شائد آٹھ یا دس دن پہلے کی بات ہے۔ اسٹیٹ ہی کی ایک تقریب کے موقع پر پہنا تھا....
ت بہت سرد تھی.... لیکن آپ اس سلسلے میں اتنی چھان بین کیوں کر رہے ہیں۔"

"وجہ ہے.... کنور صاحب۔" فریدی بجھا ہوا سگار سلگا کر بولا۔

"وجہ....!" کنور کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں.... یہ بٹن شیلا کی کار میں ملا تھا....؟"

"جی....!" کنور اچھل پڑا۔ اُس کی آنکھیں حیرت اور خوف میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

"جی ہاں.... اسی لئے چھان بین ضروری ہے۔"

"لل.... لیکن.... وہ کبھی میرے ساتھ کہیں نہیں گئی۔" کنور اپنے خشک ہونٹوں پر زبان
پھیر کر بولا۔ "یہ بٹن.... اُس کی کار میں....!"

وہ خاموش ہو گیا۔ چہرے پر زردی دوڑ گئی تھی اور سانسیں تیزی سے چلنے لگی تھیں۔

فریدی اَدھ کھلی آنکھوں سے اُس کے چہرے کے تغیرات کا جائزہ لیتا رہا۔

"کیا کوئی اور بھی آپ کا کوٹ استعمال کر سکتا ہے۔" اُس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"نہیں قطعی نہیں۔"

"کیا آپ کی لاعلمی میں بھی ممکن نہیں۔"

"اس کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

پھر فریدی نے اُس رات کا حوالہ دے کر پوچھا کہ وہ کہاں تھا جب ڈاک بنگلے میں ایک
بڑے نے چائے پی تھی۔

"میں.... اُس رات یہیں شہر ہی میں تھا۔ اسٹیٹ گیا ہی نہیں تھا۔"

"کہاں تھے....!"

"مجھے افسوس ہے کہ شہر میں موجودگی کے سلسلے میں کوئی گواہ پیش نہ کر سکوں گا کیونکہ کسی

قابل ذکر جگہ پر رات بسر نہیں ہوئی تھی۔ اکثر مجھ پر ملنکولیا کے دورے پڑتے ہیں اور میں تلاش میں نہ جانے کہاں کہاں مارا پھرتا ہوں۔ لہٰذا وہ رات بھی کار ہی میں بسر ہوئی تھی۔"

"اُوور کوٹ تھا آپ کے پاس....!"

"جی نہیں.... حالانکہ شام ہی سے سردی بڑھ گئی تھی۔ لیکن چونکہ پچھلی راتیں، تھیں اس لئے کوٹ لایا ہی نہیں تھا۔"

"تو پھر....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "تو پھر آپ کی دانست میں وہ کوٹ کون کر سکتا ہے۔"

"میری عدم موجودگی میں کوئی بھی استعمال کر سکتا ہے۔"

"دیکھئے کنور صاحب! میری تھیوری یہ ہے کہ شیلا کسی سوچے سمجھے پلان کے تحت اغ کی گئی، بلکہ وہ صرف ایک اتفاق تھا۔ جنک پور جاتے وقت اُس نے غلط راہ اختیار کی اور کہیں جا نکلی.... اغواء کرنے والا بھی اُدھر سے گذر رہا تھا۔ دونوں ملے۔ شیلا نے راستہ پوچھ اور وہ بڑے اطمینان سے اُسے اپنے ساتھ لے گیا۔ وہ دونوں نصیر آباد والی سڑک کے ڈاک میں بھی گئے تھے اور وہاں اُس نامعلوم آدمی نے شیلا کو چائے بھی پلوائی تھی۔ چوکیدار مرد نہیں دیکھ سکا کیونکہ اُس کا چہرہ فلٹ ہیٹ کے سائے میں تھا اور کوٹ کا کالر اٹھا ہوا تھا.... لیکن

فریدی خاموش ہو گیا.... کنور کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔ اُس نے ہونٹوں پر پھیر کر پوچھا۔ "لیکن کیا....؟"

"لیکن اُس نے مرد کی کار پر نربدا اسٹیٹ کی جھنڈی دیکھی تھی۔"

"جھنڈی.... جھنڈی...!" کنور مضطربانہ انداز میں بڑبڑایا۔ پھر سر اٹھا کر بو "جھنڈی.... میں کبھی جھنڈی نہیں استعمال کرتا.... وہ تو صرف چچا صاحب کی گاڑی میں ہے.... یا پھر دیوان صاحب یا چچا صاحب کے اے۔ ڈی۔ سیز استعمال کرتے ہیں۔ ان کے علا اور کوئی جرأت نہیں کر سکتا۔"

"تو پھر انہیں لوگوں میں سے کوئی رہا ہوگا.... کیا خیال ہے آپ کا۔"

"میرا خیال ہے.... میرا خیال ہے.... میرا خیال کچھ بھی نہیں.... اچھا اب اجازت دیجئے.... مجھے کلاس....!"

"شکریہ.... دوبارہ تکلیف دی آپ کو...." فریدی نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔

"میں شیلا کے لئے بے حد مغموم ہوں.... اور اس سلسلے میں کسی کی صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ اگر وہ اسٹیٹ ہی کا کوئی آدمی ہے تو اُسے ضرور سزا ملنی چاہئے لیکن ایک مشورہ ضرور دوں گا۔"

"فرمایئے....!"

"تفتیش آپ کی بجائے کوئی انگریز آفیسر کرے تو اچھا ہے۔ دیسی آفیسروں کو وہ خاطر میں نہیں لاتے۔ اکثر بڑے بڑے دیسی حکام کی توہین کے مناظر میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔"

"مشورے کا شکریہ.... میں تجویز پیش کروں گا۔"

فریدی وہاں سے روانہ ہو کر سیدھا آفس پہنچا۔ حمید شاید اُسی کا منتظر تھا۔ اُسے علم تھا کہ فریدی یونیورسٹی گیا ہے۔

"کیا رہا....!" اُس نے پوچھا۔

"بٹن کے متعلق کافی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔"

"لڑکی کا نام بٹن نہیں شیلا ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے تصحیح کی۔

فریدی نے آج کے تجربات کا ذکر چھیڑ دیا۔ حمید خاموشی سے سنتا رہا۔ فریدی کے چپ ہوتے ہی بولا۔ "ہاں میں نے بھی سنا ہے کہ کنور کوئی چغد قسم کا آدمی ہے۔ لیکن اب کیا ارادہ ہے۔ کیا اس کی تفتیش کسی انگریز ڈی۔ ایس۔ پی کے سپرد کی جائے گی۔"

"ضروری نہیں ہے کہ میں محکمے کو کوئی مشورہ دوں.... دیکھا جائے گا۔"

"بھد نہ کرایئے گا.... اسٹیٹ کا معاملہ ہے.... حکومت کے فرزندان دل بند کا معاملہ۔"

"تم نے کیا کیا اس سلسلے میں....!"

"والزنا چتا رہا....!" حمید سر کھجا کر بولا۔

"تم نربدا اسٹیٹ جاؤ.... میرا ایک پیغام لے کر....!"

"چلا جاؤں گا...." حمید مردہ سی آواز میں بولا۔

❁

شیلا بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔ کیونکہ تہہ خانے کا دروازہ اوپر کی طرف سرک رہا تھا۔

دوسرے لمحے میں نقاب پوش اندر داخل ہوا اور شیلا ایک بیک برسوں کی بیمار نظر آ

دوسری لڑکی نے نقاب پوش پر نظر پڑتے ہی دونوں ہاتھوں سے منہ چھپالیا تھا۔

"کیا تم کچھ بیمار ہو۔" نقاب پوش نے شیلا سے پوچھا۔

"نہیں.... میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

"کرو....!"

"یہاں نہیں.... دوسرے کمرے میں چلو۔"

"یہیں کیا حرج ہے۔"

"نہیں یہاں نہیں۔"

"چلو....!" نقاب پوش نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

وہ دوسرے کمرے میں آئے.... یہاں اور کوئی نہیں تھا۔ نقاب پوش نے ایک آرا

کی جانب اشارہ کیا۔ شیلا بیٹھ گئی۔

"کیا تمہیں اس ننھی سی معصوم لڑکی پر رحم نہیں آتا۔" شیلا نے اُس سے پوچھا۔

"کیا تم سمجھتی ہو کہ میں اُسے ذبح کر ڈالوں گا۔"

"ذبح کر ڈالنا زیادہ مناسب ہوگا اس کے مقابلے میں کہ تم اُسے قبل از وقت زندہ درگور کر

"وہ ایک مسلمان لڑکی ہے محترمہ شیلا۔ اُس کیساتھ تمہاری ہمدردی سمجھ میں نہیں آ

"خدا جس نے ہم دونوں کو پیدا کیا ہے ہندو یا مسلمان نہیں ہے۔"

"مذہبیات سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"چلو انسانیت ہی کا احترام کرو۔"

"انسانیت....!" نقاب پوش کا لہجہ تلخ تھا۔ "انسانیت کی بات مجھ سے نہ کرو۔ میں اس

میں درندہ ہوں۔"

شیلا خاموشی سے اُسے گھورتی رہی پھر کچھ دیر بعد بولی۔ "ضدی آدمی ہو۔ لیکن تم

کچھ اپنی جنسی کجروی کی تسکین ہی کے لئے کرتے ہو نا۔"

"جنسی کجروی مناسب لفظ نہیں ہے محترمہ شیلا.... میں اسے جنسی زندگی میں نو

ہوں... ذرا سوچو تو... کیا تصور ہی لذت انگیز نہیں ہے.... جنسی انہونی.... اُوہ.... اُوہ

"دوسرا طریقہ اختیار کرنے میں کیا حرج ہے۔"

"وہ کون سا طریقہ ہے محترمہ شیلا....!"

"اُس کی جگہ مجھے دے دو.... میں تو برباد ہی ہو چکی ہوں.... لیکن اُسے تباہ نہ کرو۔ جتنے دن رکھنا چاہو رکھو اس کے بعد والدین کے پاس پہنچا دو۔"

"بڑی معقول بات کہی ہے محترمہ شیلا۔" نقاب پوش نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اور اس طرح میں اپنے اُس ایجنٹ کو جیل بھجوا دوں جس کے ذریعہ سے وہ یہاں تک پہنچی ہے۔"

"میں اُسے اس پر آمادہ کر لوں گی کہ وہ اُس ہیڈ مسٹریس کا نام نہ لے۔ والدین سے کہہ دے کہ اُسے بیچ سڑک پر اٹھا لیا گیا تھا۔ وہ کسی نہ کسی طرح ان نامعلوم آدمیوں کے چنگل سے نکل آئی۔"

"پتہ پوچھا جائے گا.... اُس سے محترمہ شیلا....!"

"کہہ دے گی اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر کسی تہہ خانے میں لے جایا گیا تھا۔"

"اور وہ دوبارہ آنکھوں پر پٹی باندھ کر تہہ خانے سے نکل بھاگی تھی۔" نقاب پوش نے طنز آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"خیر.... خیر.... کوئی دوسری ترکیب سوچوں گی۔"

"دیکھا جائے گا.... فی الحال معاملہ کی بات کرو۔"

"میں پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ اُسے تماشائی بناؤ۔"

"خیر تمہاری خاطر یہ بھی سہی.... لیکن اُس کی رہائی ناممکن ہے۔"

"تو کیا ساری زندگی اُسے تہہ خانوں میں سڑا ڈالو گے۔"

"ہرگز نہیں.... وہ کھلی فضا میں سانس لے گی.... لیکن اس ملک میں نہیں۔"

شیلا تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر خوفزدہ انداز میں اچھل پڑی اور لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔ "تو کیا.... تو کیا تم لڑکیوں کے بیوپاری ہو۔"

"بہت دیر میں سمجھیں محترمہ شیلا.... ہاں یہی بات ہے محترمہ شیلا....!"

"اتنے انسانیت دشمن ہو تم....!"

"زندہ رہنے کے لئے سب کچھ کرنا پڑتا ہے محترمہ شیلا۔"

"تو کیا تم مجھے بھی....!" وہ جملہ پورا نہ کر سکی کیونکہ جسم میں تھرتھری پڑ گئی تھی۔

"ڈرو نہیں۔" وہ اُس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "تمہارے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں ہوگا۔ تم آز
بھی کروی جاؤ گی لیکن اس شرط پر کہ کبھی کبھی مجھ سے ملتی رہو گی۔ تم نے مجھے ایسی تسکین بخ
ہے جو کبھی کسی سے حاصل نہ ہو سکی۔"

شیلا نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپالیا۔

نقاب پوش نے پھر اُس کے شانے پر تھپکی دی اور بولا۔ "تم سچ مچ ڈر رہی ہو۔ یقین کرو
تمہیں جلد ہی رہائی نصیب ہو جائے گی۔"

• "اور اس طرح کہ میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جاؤں گی۔"

"ہاں یہ بات غور طلب ہے۔ مجھے افسوس ہے محترمہ شیلا یہ تو ہر حال میں ہونا تھا۔"

"ایک تدبیر میری سمجھ میں آرہی ہے۔"

"بتاؤ....!"

"تم ہم دونوں کو شہر کے قریب چھوڑ دینا۔ میں سیدھی گھر جاؤں گی۔ لڑکی کو بھی ساتھ
لے جاؤں گی۔ بیان دوں گی کہ میں بردہ فروشوں کے ایک گروہ کے ہتھے چڑھ گئی تھی۔ جس کے
پاس یہ لڑکی بھی تھی.... ایک رات اُن لوگوں نے ہمیں کسی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ خریدنے
والا تنہا تھا۔ ہماری آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر ہمیں تہہ خانے سے نکالا گیا۔ پھر آنکھوں کی پٹیاں
اس وقت کھلیں جب ہم جیپ میں بیٹھ چکی تھیں۔ خریدار تنہا تھا اور خود ہی جیپ کو ڈرائیو کر رہا
تھا۔ ایک جگہ وہ گاڑی روک کر رفع حاجت کے لئے نیچے اُترا اور ہم دونوں جیپ سے اُتر کر بھاگ
نکلیں.... اندھیرے میں رات بھر بھٹکتی پھریں.... پھر صبح ہوتے ہوتے کسی نہ کسی طرح شہر والی
سڑک مل ہی گئی۔"

"بہت چالاک ہو....!" نقاب پوش نے قہقہہ لگایا اور پھر بولا۔ "میں تمہاری خاطر سب کچھ
برداشت کرلوں گا۔"

"مگر دوبارہ تم سے ملنے کی کیا صورت ہوگی۔"

"بذریعہ خط مطلع کردوں گا.... تم لوگ تو بہت ایڈوانسڈ ہو.... تمہارا خط شائد کوئی دوسرا
پڑھنے کی کوشش نہ کرے۔"

"قطعی نہیں.... تم مطمئن ہو کر مجھے خط لکھ سکو گے۔"

تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر نقاب پوش نے پوچھا۔ "اور اُس نفرت کا کیا ہوگا محترمہ
شیلا.... جو تمہیں مجھ سے ہے۔"

"نفرت اور محبت دریافت کرنے کا کوئی آلہ بھی ہے کیا تمہارے پاس۔"

"تو کیا تمہیں مجھ سے نفرت نہیں ہے؟"

"غیر ضروری سوال ہے۔" شیلا نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

"کیوں محترمہ شیلا....!"

"بس اب فضول باتیں ختم.... ہاں تو کب تک ہم آزاد ہو جائیں گے۔"

"جب چاہو....!"

"آج....؟"

"آج تو.... ابھی تم خود ہی کہہ چکی ہو....!"

"خیر.... خیر.... وہ تو ہے ہی.... اُسے موضوع گفتگو بنانے سے کیا فائدہ۔" شیلا نے مردہ
دلی سے کہا۔

"تو پھر....!"

شیلا دروازے کی طرف مڑ گئی۔ لڑکی اب اپنا منہ چھپائے اوندھی پڑی تھی۔ شیلا چپ چاپ
مسہری کے قریب کھڑی ہو گئی.... سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ لڑکی اُس کے
متعلق کیا سوچے گی.... کیا ہوگا.... اُس کا سر چکرانے لگا۔ نقاب پوش بھی خاموش اُس کے پیچھے
کھڑا تھا۔ اُس نے کچھ نہیں کہا۔ شیلا سوچتی رہی اور اُس کا سر چکراتا رہا.... وہ.... وہ....
کیا کرے.... نہیں یہ ناممکن ہے.... قطعی ناممکن.... اس کی بجائے اُسے مر جانا چاہئے....
مر جانا چاہئے.... ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے سارا جسم ایک لایعنی سی جھنجھناہٹ بن کر رہ گیا ہو۔
پیر کانپ رہے تھے.... ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کچھ دیر بعد وہ اپنی قوت سے کھڑی بھی نہ رہ سکے
گی۔ یک بیک سارا کمرہ ناچنے لگا۔ آنکھوں کے سامنے بڑے بڑے کالے دائرے تیزی سے رقص
کرنے لگے.... وہ دو تین بار لڑکھڑائی اور دھم سے فرش پر آرہی.... بیہوش ہو چکی تھی۔

گھناؤنا منظر

نربدا اسٹیٹ ظاہری اعتبار سے حمید کو پسند آئی۔ نربدا خاص ایک چھوٹا سا خوبصورت شہر تھا عمارتوں کی ساخت کسی مخصوص پلاننگ کی مظہر تھی۔ بہت سلیقے سے شہر بسایا گیا تھا۔ بڑی سڑکوں کے ساتھ فٹ پاتھ بھی بنائے گئے تھے جن کے وسط میں سیمنٹ سے بنے ہوئے رنگین گملوں کی قطاریں تھیں اور ان گملوں میں مختلف قسم کے پھولدار پودے لگائے گئے تھے۔ پارکوں اور باغات کی بہتات نظر آئی۔ ابھی تک تو ایک آدمی بھی ایسا نہیں دکھائی دیا تھا جسے مفلوک الحال کہا جا سکے صاف ستھرے لباسوں میں صحت مند لوگ فٹ پاتھوں پر چل پھر رہے تھے۔ کسی بھی چوراہے پر کوئی ٹریفک کانسٹیبل نہ دکھائی دیا۔ اس کے باوجود بھی ٹریفک کے اصولوں کی پابندی میں باقاعدگی پائی جاتی تھی۔

حمید کو منزل مقصود تک پہنچنے میں دشواری نہ ہوئی۔ وہ یہاں کے ایک باشندے کے فریدی کا خط لایا تھا.... لیکن یہ آدمی حمید کو پسند نہ آیا۔ صورت ہی سے بدمعاش معلوم ہوتا بجھین آنکھوں سے مکاری مترشح تھی۔ گٹھے ہوئے سخت بازوؤں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اُن استعمال سے بھی بخوبی واقف ہے۔ یہ ایک چھوٹے سے ہوٹل کا مالک تھا.... حمید نے اُسے فر کا خط دیا۔ جسے پڑھ کر اُس نے فوری طور پر رائے زنی سے اجتناب کیا تھا۔

حمید کے لئے ہوٹل ہی میں ایک کمرہ مخصوص کر دیا گیا۔

"آپ کچھ دیر آرام فرمائیں سارجنٹ.... پھر مجھ سے جو کچھ بھی ہو سکے گا اس میں کو نہیں کروں گا۔" اُس نے کہا تھا۔

حمید فریدی کے خط کے مضمون سے واقف نہیں تھا۔ اس لئے صرف سر ہلا کر رہ گیا۔

کو جگن سنگھ خود اُس کے کمرے میں آیا۔

"آپ تو پہلے بھی یہاں آئے ہوں گے سارجنٹ....!" اُس نے پوچھا۔

"پہلی بار آیا ہوں.... بڑا خوبصورت شہر ہے۔"

"ایک بڑا عمدہ نائٹ کلب بھی ہے یہاں.... بس بیٹھ جائیے اور محسوس کرتے رہئے کہ پیرس کے کسی نائٹ کلب میں بیٹھے ہوئے ہیں۔"

"اوہو....!"

"وہیں چل کر باتیں کریں گے۔" جگن سنگھ معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ پھر بولا۔ "کیا آپ کو معلوم ہے انسپکٹر صاحب نے کیا لکھا ہے مجھے۔"

"نہیں....!"

"چلئے خیر.... سب ہو جائے گا۔"

پھر رات کا کھانا انہوں نے نائٹ کلب ہی میں کھایا تھا.... بڑی خوبصورت جگہ تھی۔ جگن سنگھ نے اُسے وہاں کے منیجر سے بھی ملایا۔ لیکن اپنے ایک دوست کی حیثیت سے.... نام بھی حمید کی بجائے ناصر بتایا تھا۔

"آج دیوان صاحب نے اپنے انگریز دوستوں کو یہاں ڈنر دیا ہے۔" منیجر نے معذرت طلب لہجے میں کہا۔ "بے حد مشغول ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے.... اسی لئے آیا ہوں۔" جگن سنگھ نے سر ہلا کر کہا.... اور معنی خیز انداز میں مسکرانے لگا۔

"لل.... لیکن....!" منیجر حمید کی طرف دیکھ کر ہکلایا۔

"پرواہ مت کرو.... یہ میرے جگری دوست ہیں۔ تم ان پر اُسی طرح اعتماد کر سکتے ہو جس طرح مجھ پر کرتے ہو۔"

"دیکھو یار جگن....!" منیجر مضطربانہ انداز میں ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ "تم تو جانتے ہی ہو کہ یہاں کھال کھنچوالی جاتی ہے۔"

"میں کوئی ایسا قدم نہیں اٹھاؤں گا جس سے تمہیں گزند پہنچ سکے۔"

"پھر بھی.... یہ یہاں کے لئے اجنبی ہیں۔ بات پھیل بھی سکتی ہے۔"

"تم مطمئن رہو.... یہ کسی کے سامنے کبھی زبان نہ کھولیں گے۔"

"یار الجھن میں ڈال دیتے ہو تم۔"

"کیوں مرے جا رہے ہو۔" جگن سنگھ نے آنکھیں نکالیں۔

"اس طرح نہ گھورو.... میں کمزور دل کا آدمی ہوں۔" منیجر نے جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ کہا تقریباً آٹھ بجے دیوان صاحب اپنے پانچ انگریز دوستوں کے ساتھ تشریف لائے۔ کلب

کے دوسرے ممبران کو بالکل مشینی طور پر احتراماً کھڑا ہو جانا پڑا۔ حمید بھی شامل تھا ان میں۔۔ حالانکہ اُسے گراں گذری تھی اپنی یہ حرکت۔۔۔۔ لیکن مجبوری تھی۔

پھر وہ لوگ ہال سے گذرتے ہوئے دوسرے کمرے میں چلے گئے تھے۔ حمید نے استفہام نظروں سے جگن سنگھ کی طرف دیکھا تھا۔

"ابھی ٹھہریئے۔" جگن سنگھ آہستہ سے بولا اور پھر وہ ڈرائنگ ہال میں فلور شو دیکھتے رہے ایک خوبصورت سی لڑکی عربی رقص پیش کر رہی تھی۔

"عربی رقص میں دف کی آواز اور کولہوں کی ہلنت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا۔" حمید نے کہا۔

"عرب جانیں۔۔۔۔!" جگن سنگھ مسکرایا۔ پھر حمید نے محسوس کیا کہ جگن سنگھ کے لہجے میں تلخی تھی۔ اُسے اپنے تبصرے پر افسوس ہونے لگا۔

کچھ دیر بعد جگن سنگھ اُس کا ہاتھ دباتا ہوا اٹھ گیا۔ سب سے پہلے وہ منیجر کے کمرے میں آئے۔ منیجر موجود نہیں تھا۔ کچھ دیر انتظار کرتے رہے پھر اٹھنے ہی والے تھے کہ منیجر بوکھلایا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور اس طرح کرسی میں ڈھیر ہو کر ہانپنے لگا جیسے۔۔۔۔ کوئی دور سے کھدیڑتا ہوا یہاں تک لایا ہو۔

"کیا بات ہے۔" راجن نے پوچھا۔

"کچھ نہ پوچھو۔۔۔۔ بس اب موت ہی آجاتی تو بہتر تھا۔" منیجر ہانپتا ہوا بولا۔

"کیوں۔۔۔؟ کیا بات ہے۔۔۔۔!"

"میرے پاس صرف چار ٹرینڈ لڑکیاں ہیں پانچویں کہاں سے پیدا کروں۔"

"پریشانی کی کیا بات ہے چکلے سے کوئی طرحدار لڑکی بلوالو۔" جگن سنگھ نے کہا۔

"کوئی ہندوستانی لڑکی اسے برداشت نہ کر سکے گی خواہ طوائف ہی کیوں نہ ہو۔ میری چاروں ٹرینڈ لڑکیاں اینگلو انڈین ہیں۔"

"تم بلواؤ تو۔۔۔۔!"

"اگر اُس نے عذر برپا کر دیا تو بعد میں میری ہی گردن کٹ جائے گی۔" منیجر روہانسا ہو کر بولا۔ پھر وہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر باقاعدہ رونے بھی لگا۔

حمید اور جگن سنگھ خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

"یار تم معاملات کو بگاڑ رہے ہو۔" تھوڑی دیر بعد جگن سنگھ منیجر کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"پھر بتاؤ۔۔۔۔ میں کیا کروں؟" وہ سسکیاں لیتا ہوا بولا۔

"ارے تو اس میں رونے کی کیا بات ہے۔ میں ایک ایسی عورت کا انتظام کر سکتا ہوں جو سب کچھ سنبھال سکے۔"

"سچ۔۔۔۔!" منیجر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "میرے پیارے دوست عمر بھر احسان مند رہوں گا۔"

جگن سنگھ اس کا لیٹر پیڈ اٹھا کر اُس پر کچھ لکھنے لگا تھا۔ پھر کاغذ الگ کر کے لفافے میں رکھا اور لفافہ پر پتہ لکھنے لگا۔

"یہ لو۔۔۔۔ کسی آدمی کو اس پتہ پر بھیج دو۔۔۔۔ دوڑی چلی آئے گی۔۔۔۔ کتنی دیر ہے۔"

"بس بیس منٹ اور رہ گئے ہیں۔۔۔۔ ابھی تو وہ پی رہے ہیں۔"

"دس منٹ میں وہ یہاں ہو گی۔۔۔۔ آدمی سے کہنا۔۔۔۔ کار لے کر جائے۔"

منیجر ایسی چال میں باہر بھاگا کہ "سرپٹ" کا گمان ہونے لگا۔

حمید متحیرانہ انداز میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ لیکن خاموش ہی رہا۔

کچھ دیر بعد منیجر پھر واپس آیا۔ اب وہ بڑبڑا رہا تھا۔ "لعنت برس رہی ہے اسٹیٹ پر۔۔۔۔ ہز ہائی نس گوشہ نشین کیا ہوئے بن آئی حرامزادوں کی۔ کسی کے ظلم کی نہ داد نہ فریاد۔ پتہ نہیں کب اس جنجال سے پیچھا چھوٹے گا۔"

وہ بڑبڑاتا رہا اور حمید جگن سنگھ کے ہونٹوں پر ایک سفاک سی مسکراہٹ دیکھتا رہا۔ حمید کے لئے جگن سنگھ کے متذکرہ دس منٹ بے چینی سے کٹ رہے تھے اور وہ منتظر تھا کسی نئے عجوبے کا۔

ٹھیک پندرہ منٹ بعد ایک خوبصورت عورت منیجر کے کمرے میں داخل ہوئی۔ قبل اس کے کہ حمید اُسے دیکھ کر کوئی رائے قائم کرنے کی کوشش کرتا جگن سنگھ منیجر کو کسی قسم کا اشارہ کرتا ہوا اٹھ گیا اور وہ تینوں باہر چلے گئے۔ حمید اب تنہا تھا۔ احساس تنہائی رفع کرنے کے لئے مدہم سروں میں سیٹی بجانے لگا۔

پھر جب وہ دونوں واپس آئے تو عورت اُن کے ساتھ نہیں تھی۔

منیجر کنول کی طرف کھلا ہوا تھا لیکن جگن سنگھ ایسا منہ بنائے ہوئے تھا جیسے زبردستی کوئی کڑوی کسیلی چیز چبانی پڑی ہو۔

منیجر انہیں دفتر ہی میں چھوڑ کر پھر کہیں چلا گیا۔

"تیار ہو سارجنٹ....!" جگن سنگھ آہستہ سے بولا۔

"مگر.... مگر.... یار ریوالور تو میں....!"

"ریوالور....!" جگن سنگھ ہنس پڑا۔ "ریوالور کی ضرورت نہیں.... البتہ اگر چلو بھر پانی انتظام کر سکو تو بہتر ہے۔"

• پھر یک بیک سنجیدہ ہو کر بولا۔ "جانتے ہو میں پہلی بار کس بناء پر جیل گیا تھا۔"

حمید نے نفی میں سر ہلا دیا۔ وہ اُس کی آنکھوں میں دیکھے جا رہا تھا۔

"سڑک پر ایک لڑکی کو آنکھ مار کر مسکرایا تھا.... وہ ایک دولت مند گھرانے کی لڑکی تھی ا میں ایک غریب لفنگا تھا.... تم اب یہاں دیکھنا کہ نجیب الطرفین قسم کے شرفاء کیا کر ہیں.... قوانین کے محافظ خود کیسے گل کھلاتے ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا خدا خیر کرے سارے لفنگے ڈائیلاگ رائٹر ہوتے جا رہے ہ سماج پر ایسی کڑی تنقید کرنے لگے ہیں کہ شائد شریفوں کا جینا دو بھر ہو جائے۔ وہ سوچتا اور بور ہ رہا۔ اتنے میں قریب ہی کوئی بزرگ ہلکی آواز میں بھنبھنایا اور جگن سنگھ اٹھتا ہوا بولا۔ "آیئے۔"

وہ مختلف کمروں سے گذرتے ہوئے ایک تاریک سے کمرے میں آ رکے.... برابر ہی کسی کمرے سے والز کے نغمے کی آواز آ رہی تھی لیکن بلند آہنگ نہیں تھی۔ شائد کسی ریڈیو گرا آواز کا حجم کم کر کے والز کا ریکارڈ بجایا جا رہا تھا۔

"خاموش ہی رہ کر دیکھنا۔" جگن سنگھ نے سرگوشی کی۔

اور پھر حمید کی آنکھ دروازے کی جھری سے جا لگی۔ دوسرے کمرے کے منظر پر نگاہ پڑ آنکھیں جھپک گئیں۔

پانچ بالکل برہنہ عورتیں پانچ خوش پوش انگریزوں کے ساتھ والز ناچ رہی تھیں۔ چار انڈین تھیں اور ایک دیسی۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ دیسی عورت کے پیر لڑکھڑا رہے تھے۔ اپنے پارٹنر کے ساتھ گھسیٹی پھر رہی تھی۔ شائد اُسے ناچنا بھی نہیں آتا تھا۔

ریاست کا دیوان ریڈیو گرام کے قریب کھڑا شراب کی چسکیاں لے رہا تھا۔ نغمہ ختم ہ دوسری بیہودگیاں شروع ہو گئیں۔ پھر دیوان نے ٹوئیسٹ کا ریکارڈ لگا دیا۔

وہ پھر ناچنے لگے۔

"چلو بس کرو....!" جگن نے حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر سرگوشی کی۔

وہ واپس آ گئے.... منیجر کمرے میں موجود تھا اور اُس کے ہونٹوں پر جھینپی ہوئی مسکراہٹ تھی۔ حمید سے آنکھیں چار نہیں کر رہا تھا۔

"کیا پیو گے....!" اُس نے جگن سے پوچھا۔

"وہسکی اور سوڈا....!" جگن نے کہا اور حمید سے پوچھا کہ وہ کیا پسند کرے گا۔

"ٹھنڈا پانی....!" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور وہ دونوں بے ساختہ ہنس پڑے پھر جگن نے بائیں آنکھ دبا کر کہا۔ "کیوں ناصر صاحب کیا خیال ہے۔ ان حرامیوں سے فرصت پانے کے بعد آپ کا بھی ایک آدھ راؤنڈ کرا دیا جائے۔"

"راؤنڈ کیا تم میرے کفن دفن کا انتظام بھی کر سکتے ہو اُس راؤنڈ کے بعد۔"

پھر وہ قہقہے لگاتے رہے اور حمید شدت سے بور ہوتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اپنے سفید فام قاؤں کو خوش کرنے کے لئے ہم لوگ کتنا گر جاتے ہیں۔ اُس کا بس چلتا تو اس نائٹ کلب کو ڈائنامیٹ سے اڑا دیتا۔

"آپ کا ضمیر کیسے گوارا کرتا ہے جناب۔" اُس نے منیجر سے پوچھا۔

"زندہ رہنے کے لئے سب کچھ گوارا کرنا پڑتا ہے.... ہو سکتا ہے آپ کے شہر میں ضمیر کہیں اب بھی پایا جاتا ہو.... ریاستوں میں تو نہیں۔"

"راجہ بھی عیاش ہو گا۔"

"ظاہر ہے۔ اُس کے لئے تو سڑکوں پر سے لڑکیاں اٹھائی جاتی ہیں۔ گرلز اسکول میں تالا لگا ہے۔ حیرت انگیز طور پر لڑکیاں غائب ہوتی ہیں.... اور پھر کبھی اُن کا سراغ نہیں ملتا۔"

"آخر وہ باہر کیوں نہیں نکلتا۔"

"ہو گی کوئی مصلحت....!"

"لوگ احتجاج نہیں کرتے.... لڑکیوں کے غائب ہونے پر۔"

"کس سے کریں.... اور پھر ثبوت کہاں سے فراہم کریں کہ وہ محل ہی میں ہوں گی۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ جگن سنگھ نے بھی اُسے اشارہ کیا تھا کہ اس موضوع پر خاموش ہی رہے کچھ

دیر بعد وہ وہاں سے اٹھ گئے۔ کلب سے باہر نکل کر جگن سنگھ بولا۔ "تم نے بے تکی باتیں کر دی تھیں سارجنٹ.... خیر آؤ.... محل میں دال گلنی مشکل ہے۔ جس محل میں راجہ صا قیام ہے وہاں پرندہ پر بھی نہیں مار سکتا۔ کڑا پہرہ رہتا ہے۔ چوبیسوں گھنٹے دیوان بھی نہیں اُس محل میں، اے ڈی سیز بھی باہر ہی رہتے ہیں۔ اندر کسی کا گذر نہیں سوائے دو پہا کے.... وہ بھی بہت کم باہر آتے ہیں کسی سے بات نہیں کرتے۔"

حمید خاموش ہی رہا۔

"اب چلئے آپ کو ایک اے ڈی سی کے کرتوت بھی دکھاؤں۔ راجہ صاحب کی گوشہ بناء پر بن آئی ہے ان حرام زادوں کی۔ جو جی چاہتا ہے کرتے پھرتے ہیں۔"

وہ حمید کو ایک ہوٹل میں لایا۔ چھوٹی سی خوبصورت جگہ تھی۔ بیروں کی وردیاں تھیں اور وہ سروس کے معاملے میں کافی باسلیقہ معلوم ہوتے تھے۔ جگن سنگھ نے ایک لمبے نوجوان کی طرف اشارہ کیا جو تین لڑکیوں میں گھرا بیٹھا شراب کی چسکیاں لے رہا تھا۔ بڑبڑایا۔ "اس کے گرگے لڑکیاں اٹھانے کے ماہر ہیں۔ جمشید نام ہے۔ پارسی ہے.... طاقتور اور سر پھرا۔ بے دریغ ریوالور نکال کر فائر کر دیتا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ لڑکی اسی کے ہتھے گئی ہو جس کا تذکرہ انسپکٹر صاحب نے اپنے خط میں کیا ہے۔"

پرنسٹن کے چوراہے کی قریبی گلی والی وہ عمارت تھانے سے زیادہ دور نہیں تھی جہاں لڑکیوں پر مظالم ڈھائے جا رہے تھے۔

نقاب پوش اس وقت اوپری ہال میں موجود تھا۔ تین بج چکے تھے اور ہال میں اُس کے اور کوئی نہیں تھا۔ وہ میزیں خالی پڑی تھیں جن پر اُس کے گرگے شراب اور جوئے میں مشغول کرتے تھے۔

نقاب پوش تھوڑے تھوڑے وقفے سے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالتا جاتا تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد باہر سے کسی گاڑی کی آواز آئی اور وہ چونک کر متوجہ ہو گیا اُس کے گرگوں کا انچارج ہنٹر ہال میں داخل ہوا۔

"کام آپ کی ہدایت کے مطابق ہی ہوا ہے باس۔" ہنٹر اپنا السٹر اُتار کر ایک کرسی میں

بلد نمبر 29

ا بولا۔ "ان دونوں کو شہر کے قریب ہی چھوڑا تھا۔ مگر یہ بالکل نئی بات ہوئی ہے۔ باس....

یں وہ ہماری راہ پر نہ لگا دے فریدی کو۔"

"ناممکن ہے.... فریدی کے فرشتے بھی یہاں تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ ویسے ہو سکتا ہے وہ روزانہ اسی گلی سے گذرتا ہو.... اور پھر تھانہ ہی یہاں سے کتنی دور ہے.... پانچ سال سے اس عمارت میں ہیں.... کسی کو کانوں کان خبر تک نہیں ہوئی۔"

ہنٹر کی آنکھیں بدستور سوچ میں ڈوبی رہیں۔ ایک میز پر رکھی ہوئی بوتل سے گلاس میں اب انڈیلی اور سائیفن سے سوڈے کی دھار مارنے لگا۔

"ایک میرے لئے بھی بناؤ۔" نقاب پوش نے کہا اور وہی گلاس اُسے پیش کر دیا گیا۔

ہنٹر اپنے لئے دوسرا بنانے لگا۔ ساتھ ہی وہ بڑبڑا رہا تھا۔ "میری دانست میں تو یہ اچھا نہیں اباس۔ پتہ نہیں کیوں ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے یہ غلطی ہی ہمارے لئے پھانسی کا پھندہ بن ئے گی۔"

"تم جلدی سے دو چار گھونٹ لے لو.... تاکہ اس قسم کے بزدلانہ خیالات کے لئے ذہن ا جگہ نہ رہے.... ایڈیٹ....!"

"یہ فریدی.... باس....!"

"بکواس بند کرو....!" نقاب پوش نے جھلا کر گلاس فرش پر پٹخ دیا اور بولا۔ "جب کہو فریدی ہیں بندھوا منگاؤں۔ کل رات اُس کا اسسٹنٹ سارجنٹ حمید نربدا اسٹیٹ میں بھٹکتا پھر رہا تھا۔"

پھر وہ ایک تلخ سی ہنسی کے ساتھ خاموش ہو گیا۔

ہنٹر نے دوسرا گلاس بنا کر پیش کیا اور وہ دوسرا گلاس تھامتا ہوا بولا۔ "اس قسم کی بزدلانہ ں صرف سوچا کرو.... میرے سامنے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ سمجھے۔"

"اوکے باس....!" ہنٹر ہنسنے لگا۔

پھر وہ دونوں خاموشی سے شراب پیتے رہے۔ لیکن ہنٹر کے چہرے پر اب بھی تشویش کے ثار تھے۔

شکار کا چارہ

فریدی کو بھی اطلاع ملی کہ شیلا حیرت انگیز طور پر واپس آگئی ہے۔ حمید نربدا اسٹیر
واپس آکر وہاں کے حالات سے بھی نہ صرف اُسے آگاہ کر چکا تھا بلکہ راجہ صاحب کے ایک
ڈی سی پر شبہ بھی ظاہر کیا تھا لیکن فریدی نے اس پر رائے زنی نہیں کی تھی۔

"کیا آپ شیلا سے مل چکے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں.... ویسے اُس کی کہانی یہ ہے کہ وہ سچ مچ راہ بھول کر دوسری راہ پر جا لگی تھی۔ ا
بنگلے کے قریب ایک آدمی نے جو خود بھی کار میں تھا اُسے صحیح راستے پر لگا دینے کی پیشکش
پہلے اُسے ڈاک بنگلے میں چائے پلائی اور پھر ایک کچے راستے پر مڑ گیا۔ شیلا کی گاڑی اُس کی کار
پیچھے تھی کچھ دور چل کر اجنبی کی کار رک گئی اور وہ نیچے اُتر کر اس کے انجن کا جائزہ لینے لگا
اُس کی گاڑی کی طرف آیا اور کھڑکی پر جھک کر اُس سے کہا کہ وہ بھی ذرا باہر آکر بونٹ اٹھا
رکھے تاکہ وہ انجن کی کوئی خرابی درست کر لے۔ شیلا نے جواباً کہا تھا کہ بونٹ اٹھائے رکھنے کی
ضرورت ہے۔ اس پر اُس نے بتایا کہ یونٹ کا میکنزم بھی پہلے ہی سے خراب ہے۔ لڑکی نے محسو
کیا کہ وہ غلط بیانی سے کام لے رہا ہے.... لہٰذا وہ اترنے میں پس و پیش کرنے لگی۔ اجنبی نے
بے تکلفی سے دروازہ کھول کر اُس کا ہاتھ پکڑ لیا اور نیچے اتارنے کی کوشش کرنے لگا۔ غالباً
جدوجہد کے دوران میں اُس کے اوور کوٹ کا بٹن ٹوٹا ہوگا۔ بہر حال اُس کا بیان ہے کہ اُس
اُس کی کنپٹی بھی دبائی تھی اور پھر وہ بیہوش ہو گئی تھی۔ اس کے بعد کسی تہہ خانے میں آنکھ
جہاں ایک لمبا تڑنگا نقاب پوش موجود تھا.... اُس کے ساتھ کوئی بُرا برتاؤ نہیں کیا گیا۔ اُس
ساتھ ایک لڑکی اور بھی تھی۔ پھر ایک دن شیلا اور وہ لڑکی کسی کے ہاتھ فروخت کر دی گئیں
انہیں ایک جیپ میں بٹھا کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔ راہ میں ایک جگہ جیپ روک کر وہ رفع حاج
کے لئے نیچے اُترا ہی تھا کہ وہ دونوں جیپ سے اُتر کر جنگل میں گھس گئیں۔ رات اندھیری تھی
لئے انہیں فرار میں آسانی ہوئی اور کسی نہ کسی طرح گرتی پڑتی صبح ہوتے ہوتے شہر آپہنچیں۔"

"جگہ کی نشاندہی تو کر ہی سکے گی؟" حمید نے پوچھا۔

"نہیں.... تہہ خانے سے باہر نکالتے وقت اُنکی آنکھوں پر پٹیاں باندھ دی گئی تھیں

یدی نے کہا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر سگار کیس سے ایک سگار نکال کر اُس کا سرا کاٹنے لگا۔

"چلئے پیچھا چھوٹا.... اس کیس سے بھی۔" حمید نے طویل سانس لے کر کہا۔

"خوش فہمی ہے تمہاری۔" فریدی مسکرایا۔

"کیا مطلب....!"

"کوئی حتمی فیصلہ اُس سے گفتگو کر لینے کے بعد ہی کر سکوں گا۔"

"خواہ مخواہ کلی پھندنے نہ نکال بیٹھئے گا۔"

"مجبوری ہے اگر نکل آئیں۔"

پھر فریدی اپنے محکمہ کے سپرنٹنڈنٹ سے ملا تھا اور شیلا سے پوچھ گچھ کرنے کی خواہش ظاہر
تھی۔

"میرا خیال ہے کہ اب ختم ہی کیجئے۔" سپرنٹنڈنٹ نے جواب دیا۔ "وہ تو واپس آ ہی گئی ہے،
سے کوئی گزند بھی نہیں پہنچا۔ اب معاملات کو آگے بڑھانے سے مزید بدنامی کا اندیشہ ہے۔"

"لیکن جناب! میرے پاس پہلے ہی سے اسی قبیل کے کئی کیسز اور بھی ہیں۔"

"کون سے کیسز....!"

"پچھلے چھ ماہ کے عرصہ میں شہر کی چالیس نوجوان لڑکیاں غائب ہو چکی ہیں جن کا آج تک
وئی سراغ نہ مل سکا۔ اگر محترمہ شیلا کسی بردہ فروش گروہ ہی کے ہاتھ پڑ گئی تھیں تو مجھے اُن سے
افی مدد ملنے کی توقع رکھنی چاہئے۔"

"آپ کی مرضی ملنا چاہتے ہیں تو مل ہی لیجئے۔" سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

پھر جب وہ شیلا سے ملنے جا رہا تھا تو حمید نے بھی تیاری شروع کر دی۔ لیکن فریدی نے اُسے
ساتھ لے جانے سے انکار کر دیا اور وہ جھلا کر بولا۔ "یہ فارمولا بھی سن لیجئے کہ دل پھینک مرد دل
پھینک قسم کی لڑکیوں کو قطعی پسند نہیں کرتے۔ کیا سمجھے ہیں آپ۔"

اور فریدی جو کچھ بھی سمجھتا تھا اُسے سمجھائے بغیر ہی رخصت ہو گیا۔ حمید نے اس میں اپنی
توہین محسوس کی اور وقتی طور پر بے حد بور ہوا.... لیکن بالآخر اُس کی پُر بہار کھوپڑی چل ہی تو
پڑی۔ اُس نے سوچا شیلا کے ساتھ ایک لڑکی اور بھی تو تھی جو اب کسی مسلمان سب انسپکٹر کے
ساتھ مقیم ہے۔ ابھی اپنے والدین کے پاس نہیں بھیجی گئی۔

اُس نے فون پر کوتوالی انچارج کے نمبر ڈائیل کئے اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ "ہلو جگ ڈارلنگ.... میں حمید ہوں.... کیا رہا اُس لڑکی کا۔"

"کس لڑکی کا....!" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"اماں.... وہی جو شیلا کے ساتھ آئی ہے۔"

"کیا ہوتا اُس کا۔ صفدر صاحب کے ساتھ مقیم ہے۔ اسکے والدین کو اطلاع دے دی گئی ہے۔"

"مطلب یہ کہ بیان کیا دیا اُس نے.... یار ٹھہرو.... میں وہیں آرہا ہوں۔"

حمید سلسلہ منقطع کر کے گیرج میں آیا۔ موٹر سائیکل نکالی اور کوتوالی کی طرف روانہ ہو وہاں سب سے پہلے لڑکی کا تحریری بیان دیکھا۔ تھوڑی دیر تک اُس کے مختلف پہلوؤں پر غور رہا.... پھر انسپکٹر صفدر کے کوارٹر کی طرف روانہ ہو گیا۔ صفدر اُس وقت ڈیوٹی پر نہیں تھا اس امکانات تھے کہ کوارٹر ہی میں موجود ملتا۔

حمید کا خیال صحیح نکلا.... صفدر ملا لیکن حمید کی آمد پر حیرت ظاہر کی۔

"میں لڑکی سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں انسپکٹر....!" اُس نے کہا۔

"ضرور.... ضرور.... آیئے...." صفدر نے کہا اور اُسے بیٹھک میں لایا۔

تھوڑی دیر بعد لڑکی بھی آگئی۔ پندرہ یا سولہ سال کی ایک معصوم سی لڑکی۔ نظر زمی گڑوئے.... چپ چاپ آکر بیٹھ گئی.... نہ جانے کیوں حمید کا دل کانپ گیا۔ ایسا محسوس ہوا پوری انسانیت خطرے میں ہو.... پاکیزگی خطرے میں ہو.... حتیٰ کہ الوہیت تک خطرے میں ہ

اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُس سے کیا پوچھے.... وہ تو یہ سوچ کر آیا تھا کہ شاید کچ تفریح سے دوچار ہونا پڑے۔ لیکن یہاں تو....!

بالآخر اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "تمہارا نام کیا ہے بیٹی۔"

"شش.... شکیلا....!" وہ اس طرح بولی جیسے آواز کو جکڑے ہوئے حلق سے آزاد کرا میں بڑی دشواری پیش آئی ہو۔

حمید پھر سوچنے لگا کہ اب کیا کہنا چاہئے۔ وہ اُس کے بیان کے متعلق سوچنے لگا جو کوتوالی روزنامچے میں دیکھ آیا تھا۔

"تم نصیر آباد کے کس علاقے سے اٹھائی گئی تھیں۔" آخر کچھ دیر بعد وہ سوال کر سکا۔

"کچی گلی سے۔"

"یہ کہاں ہے۔"

لڑکی نے ہکلا ہکلا کر گلی کا محل وقوع سمجھانے کی کوشش کی۔ حمید صرف سر ہلاتا رہا اور لڑکی ے خاموش ہوتے ہی پوچھ بیٹھا۔ "لیکن وہاں تو تم شور مچا کر بھی دوسروں کو اپنی طرف متوجہ رکتی تھی۔"

"انہوں نے میرا منہ بند کر کے کار میں ڈال دیا تھا۔" لڑکی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کار کہاں تھی۔"

"وہیں قریب ہی کھڑی تھی۔"

"گلی میں....!" حمید نے پوچھا۔

"جی ہاں....!"

"تم غلط کہہ رہی ہو اُس گلی سے چھوٹی ہے چھوٹی کار بھی نہیں گذر سکتی۔ میں نصیر آباد کے چپے چپے سے واقف ہوں۔ تانگہ تک تو اندر جا نہیں سکتا سواریوں کو سڑک ہی پر اُترنا پڑتا ہے۔ دیکھو بیٹی جس طرح ڈاکٹر سے مرض کے متعلق کچھ چھپانا خطرناک ہوتا ہے اُسی طرح پولیس سے جرم کے متعلق چھپانا.... تم اچھی بیٹی ہو.... سچ بولو۔"

لڑکی رو پڑی.... فوراً ہی ہچکیاں لگ گئیں۔ بمشکل تمام چپ ہوئی اور کچھ دیر بعد بولی۔ "میں زبان سے نہیں کہہ سکتی۔ مجھے کاغذ قلم دیجئے لکھ دوں گی.... شیلا باجی نے منع کر دیا تھا لیکن۔"

"لیکن تم بہت اچھی بیٹی ہو۔" حمید نے کہا اور صفدر کی طرف مڑ کر بولا۔ "انہیں کہیں تنہائی میں بیٹھنے دیجئے.... اور کاغذ قلم مہیا کر دیجئے۔"

صفدر اُسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا اٹھ بیٹھا۔

پھر کچھ دیر بعد صرف وہی دونوں کمرے میں رہ گئے۔ لڑکی کو انسپکٹر صفدر کسی دوسرے کمرے میں پہنچا آیا تھا۔

"یار تم لوگ کمال کے آدمی ہو۔" اُس نے حمید سے کہا۔ "کتنی جلدی اصلیت اگلوالی۔"

"کوئی خاص بات نہیں۔" حمید ماش کے آٹے کی طرح اینٹھا جا رہا تھا۔

فریدی متفکرانہ انداز میں لائبریری میں ٹہل رہا تھا۔ پیشانی پر سلوٹیں تھیں اور آنکھ گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ کبھی کبھی ٹہلتے ٹہلتے رک بھی جاتا۔

حمید پہنچا تو کسی تمہید کے بغیر شیلا کی داستان چھڑ گئی۔

• "وہ رات بھر کی جاگی معلوم ہو رہی تھی۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"نیم خواب سی آنکھیں۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "کافی بچ رہی ہوگی۔"

"کہانی وہی سنائی اُس نے بھی جو سوپر سے سن چکا تھا.... لیکن۔"

"لیکن کیا....؟"

"اُس کا ایک جملہ الجھن میں ڈالے ہوئے ہے.... باتیں کرتے وقت بھی وہ اونگھ رہی تھی.... جو کچھ کہہ رہی تھی اُس سے اُس جملے کو کسی طرح بھی مربوط نہیں کیا جاسکتا۔"

"جملہ کیا تھا۔"

"اور پھر شکیلہ تماشائی بن گئی۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "وہ اُس وقت اونگھ رہی تھی جھپکی سی آئی تھی اور پھر چونک پڑی تھی اور کہنے لگی تھی کیا کوئی بے تکی بات زبان سے نکل گئی۔ میں دراصل سونا چاہتی ہوں۔"

"ہو سکتا ہے یہ جملہ اونگھتے ہوئے ذہن ہی کی پیداوار ہو۔" حمید نے کہا۔

"انسان کی زبان سے جو کچھ بھی نکلتا ہے بہر حال اپنا پس منظر رکھتا ہے۔"

"خیر.... اس وقت لیڈی انسپکٹر کلارا کہاں ہوگی۔" حمید نے کہا۔ "وہ اردو اچھی طرح اور سمجھ سکتی ہے۔"

"کیوں اُس کی ضرورت کیوں پیش آئی۔"

"شکیلہ کا بیان اصلی والا۔" حمید نے جیب سے کاغذ نکال کر فریدی کے سامنے رکھ دیا۔

فریدی اُسے دیکھتا رہا اور چہرے کی رنگت بدلتی رہی.... لیکن شکیلہ وہ سب کچھ نہیں لکھ سکتا تھی جو اُس پر گذری تھی۔ بس شیلا کے اس بیان کی تردید کر دی تھی وہ فروخت کی گئی تھی اس کے بجائے اُس نے صاف صاف لکھا تھا کہ شیلا نے کسی طرح اُس نقاب پوش کو اس پر راضی کر لیا

انہیں شہر کے قریب چھوڑ دیا جائے۔

فریدی اُس بیان کو پڑھ کر تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "یقیناً کلارا کو اُس کے پاس بھیجنا بہت ضروری ہے۔"

پھر اُس نے خواب گاہ میں آکر ٹیلی فون پر لیڈی انسپکٹر کلارا سے رابطہ قائم کر کے اُسے شکیلہ سے ملنے کی تاکید کی۔

کلارا نسلاً انگریز تھی لیکن بہت ذہین.... اردو کے علاوہ کئی دوسری زبانوں میں خاصی استعداد رکھتی تھی۔ جوان العمر ہی تھی۔

"تم وہیں واپس جاؤ...." فریدی نے حمید سے کہا۔

"کہاں....!"

"نربدا اسٹیٹ.... اُس اے ڈی سی پر نظر رکھو۔"

"تنہا جاؤں؟" حمید نے یاس انگیز لہجے میں پوچھا۔ "کیوں نہ کلارا کے چارج میں مجھے دے کر ب کر دیجئے۔"

"ضرورت محسوس ہوئی تو شائد کلارا بھی جائے.... مگر تم پہلے جاؤ۔ جس ہوٹل میں اُسے دیکھا تھا وہیں قیام کرنا.... اطلاع ملی ہے کہ وہ اپنی شامیں زیادہ تر وہیں گذارتا ہے۔"

"کیڈی لے جاؤں؟"

"نہیں.... جیپ نکالو.... انداز شکاریوں یا سیاحوں کا ہونا چاہئے۔"

"تنہا سیاح یا شکاری بالکل چغد معلوم ہوتا ہے کیوں نہ محترمہ کلارا ساتھ ہی جائیں۔"

فریدی پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ "نہیں کلارا نہیں.... وہ انگریز ہے.... شائد اُس پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش نہ کی جائے۔"

"اُوہ تو یہ چکر ہے.... چارہ چاہئے مچھلی کے لئے۔"

"دیر میں سمجھے....!" فریدی نے کہا اور پھر لائبریری سے خواب گاہ میں آکر کسی سے فون پر گفتگو کرتا رہا۔ اس بار حمید بھی پیچھے ہی پیچھے آیا تھا.... اور قریب ہی کھڑا اس طرح پلکیں جھپکا رہا تھا جیسے اپنے کانوں پر سے اعتبار اٹھ گیا ہو.... فریدی ریسیور رکھ کر اُس کی طرف مڑا اور بولا۔

"ارجن پورے میں ایک گندا سا ہوٹل بمبینو ہے.... ٹوٹے ستون کے پاس.... اُس کے منیجر سے

کہنا کہ تمہیں میں نے بھیجا ہے۔ وہ ایک اچھی سی لڑکی کا انتظام کر دے گا.... لیکن فرزند گرا ہے کہ تم سچ مچ اُسے اپنی بیوی نہ سمجھ بیٹھنا۔"

"اچھی سی لڑکی....!" حمید نے سسکاری لی.... اور مزید کچھ کہے بغیر فوجیانہ انداز ایڑیوں پر گھوم گیا۔

جلدی جلدی سفر کی تیاری کی اور گیراج سے جیپ نکال کر ارجن پورے کی طرف روانہ ہو گیا راستے میں ایک پٹرول پمپ پر رک کر نہ صرف ٹنکی بھرائی تھی بلکہ کچھ فالتو پٹرول بھی لیا تھا۔

• بمبینو کے منیجر نے بخنداں پیشانی اُس کا استقبال کیا۔

"زہے نصیب سارجنٹ صاحب آپ نے کرم فرمایا.... مجھے انسپکٹر صاحب سے ہدایات چکی ہیں۔ میں تو اکثر سوچا کرتا تھا کہ شوقین ہونے کے باوجود بھی حضور نے کبھی یہاں قدم رنہ فرمایا۔"

"اب فرمایا کروں گا.... لیکن بھلا تم میری کیا خدمت کر سکو گے.... مین ذرا اونچے قسم شوقین واقع ہوا ہوں۔"

"ہر طرح کا انتظام یہ خادم کر سکتا ہے۔ بیس روپے شب سے لے کر ڈیڑھ ہزار فی شب تک کا

"ڈیڑھ ہزار.... امے گھاس تو نہیں کھا گئے۔"

"وہ والیان ریاست کے مطلب کی چیزیں ہوتی ہیں.... اعلیٰ خاندانوں کی تیتریاں.... ا مثلاً میں فی الحال جس چیز کا انتظام کر رہا ہوں وہ ایسی ہی ہو گی، اُس کا شوہر شہر کا بہت بڑا تاجر ہے۔

"کیوں اڑاتے ہو.... بھلا اُسے پیسوں کی کیا ضرورت۔"

"پیسوں کی ضرورت....!" منیجر نے ایک پر شور قہقہہ لگایا۔ دیر تک ہنستا رہا پھر بولا۔ "جناب والا صرف مرد ہی تو شوقین نہیں ہوتے.... ڈیڑھ ہزار تو اُس کے ہاتھ کا میل ہیں۔"

حمید کھوپڑی سہلانے لگا اور وہ مسکرا کر بولا۔ "لیجائیے.... جی خوش ہو جائے گا۔"

"لیکن اگر مجھے کئی دن قیام کرنا پڑا تو۔"

"پرواہ نہیں۔ وہ تو یہاں سے یہ کہہ کر جائے گی کہ اپنی ممی کے گھر جا رہی ہے۔ مقررہ وقت پر واپس نہ آسکی تو وہیں سے ایک خط لکھ دے گی کہ ممی کو ملیریا ہو گیا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر رکنا پڑا تو دوسرے خط میں لکھ دے گی کہ ممی کو ڈائریا بھی ہو گیا ہے۔ ویسے توقع ہے کہ ممی کا

انتقال کا تار اُسے نہ دینا پڑے گا.... بس اب سدھاریئے۔ ہوٹل ڈی فرانس کے پھاٹک کے قریب وہ آپ کو ہلکے نارنجی رنگ کی ساری میں ملبوس کھڑی ملے گی۔ ہاتھ میں سیاہ رنگ کا وینٹی بیگ ہو گا۔"

حمید نے مزید کچھ سننا پسند نہ کیا اور باہر نکل کر جیپ دبا دی.... بڑی تیز رفتاری سے ہوٹل ڈی فرانس کی طرف آیا۔ جیپ روک دی لیکن کسی نارنجی پوش کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ اُس نے سوچا کہیں منیجر نے اُلو تو نہیں بنایا.... پھر خیال آیا کہ فریدی کا قدم درمیان ہے اس لئے منیجر سے کسی قسم کی بیہودگی سرزد نہیں ہو سکتی۔ بہر حال وہ پھاٹک کے قریب ہی جیپ روک کر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد اُس کا جی خوش ہو گیا۔ نارنجی پوش قریب ہی رکنے والی ایک ٹیکسی سے اُتر رہی تھی.... شعلہ ہے شعلہ حمید نے سوچا۔ بڑا اچھا وقت گذرے گا۔ عمر پچیس سے زیادہ نہ رہی ہو گی.... ہو سکتا تھا اس سے بھی کم رہی ہو۔ متناسب اور صحت مند جسم تھا۔ آنکھوں میں بلا کی جاذبیت تھی۔ رنگت شہابی ہلکے رنگ کی لپ اسٹک میں ہونٹ بڑے حسین لگ رہے تھے۔ میک اپ سلیقے سے کیا گیا تھا۔ ٹیکسی سے اُترتے ہی اُس نے دھوپ کی عینک لگالی اور پھاٹک کے قریب ہی آکر رک گئی۔ ٹیکسی جا چکی تھی۔ حمید نے خوب غور سے دیکھا۔ ساری ہلکی نارنجی تھی اور ہاتھ میں سیاہ رنگ کا وینٹی بیگ تھا۔ لیکن سوٹ کیس کا تذکرہ بمبینو کے منیجر نے نہیں کیا تھا اور اُس عورت نے ٹیکسی سے ایک سوٹ کیس بھی اُتارا تھا۔ حمید جیپ سے اُتر کر اُس کی طرف بڑھا اور قریب پہنچ کر بولا۔ "بمبینو....!"

"اوہ ٹھیک ہے....!" عورت نے اُسے مزید کچھ نہ کہنے دیا اور جیپ کی طرف بڑھ گئی۔ حمید اُس کے پیچھے تھا۔ سوٹ کیس اٹھائے ہوئے۔

وہ اُس کے قریب ہی بیٹھی تھی اور حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُسے اب کیا کہنا چاہئے۔ بہر حال انجن اسٹارٹ کر کے اُس نے جیپ آگے بڑھائی اور تیز رفتاری سے نربدا اسٹیٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔

"اتنے ریش ہو کر نہ چلایئے۔" عورت بولی۔

"بہت بہتر محترمہ....!" حمید نے کہا اور رفتار کم کر دی۔

دعوت مسترد

ایک بار پھر شیلا کی آنکھیں اُسی تہہ خانے میں کھلیں اور وہ اس طرح کانپنے لگی جیسے کہ الموت قریب ہی کہیں موجود ہو۔

فریدی نے لیڈی انسپکٹر کلارا کے توسط سے شکیلہ سے سب کچھ اگلوا لیا تھا اور پھر شیلا کو کلارا ہی کے سامنے سب کچھ اگلنا پڑا تھا۔ اُس نے یہ بھی بتایا تھا کہ اُسے نقاب پوش سے اب وقتاً فوقتاً ملنا پڑے گا۔ طریقہ یہ تھا کہ شیلا پرنسٹن کے تھانے کے قریب کھڑی ہو کر سرخ رنگ رومال اپنے منہ پر پھیرتی اور اُسی دن رات کو نو بجے تارجام کی سڑک پر واقع مندر والے باغ نقاب پوش کا انتظار کرتی۔

فریدی نے دوسرے ہی دن انتظامات مکمل کر لئے اور شیلا کو مجبور کیا کہ پرنسٹن کے تھا کے سامنے مجوزہ مظاہرہ کرے۔

وہ مجبور تھی سب کچھ کرنے پر۔ لیکن اس سے لاعلم تھی کہ فریدی کیا کرنے والا ہے۔ رات بھی سر پر آگئی تھی اور اُسے تنہا مندر والے باغ تک جانا پڑا تھا۔

پھر پتہ نہیں وہ کس طرح اس تہہ خانے تک پہنچی۔ وہاں باغ میں تو صرف اتنا محسوس ہو جیسے کسی نے بہت زور سے اُس کی کنپٹیاں دبائی ہوں۔

اور اب... کیا ہوگا... وہ سوچ رہی تھی۔ یقینی طور پر فریدی نے نقاب پوش کیلئے بچھایا ہوگا بلن اُس کی تدبیریں پٹ پڑیں۔ تبھی تو وہ اس تہہ خانے میں دوبارہ نظر آرہی ہے۔

اب کیا ہوگا... اب کیا ہوگا... ذہن میں صرف یہی ایک سوال گونج رہا تھا اور وہ طرح کانپ رہی تھی۔ خشک ہوتے ہوئے حلق میں کانٹے پڑے جا رہے تھے۔ ایسا محسوس ہو جیسے دنیا کی وہ آخری رات ہو۔ اُس کے بعد... اُس کے بعد اُس کا سر شدت سے چکرانے لگا اتنے میں دروازہ کے سرکنے کی آواز آئی اور اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اُس آواز کے اختتام کی روح بھی جسم کا ساتھ چھوڑ گئی ہو۔ اعضاء بے جان سے معلوم ہونے لگے... اور پھر نقاب پوش نظر آیا۔ مسہری سے تھوڑے ہی فاصلے پر رک گیا تھا اور شیلا کو مسلسل گھورے جا رہا تھا شیلا کے جسم کا رعشہ بڑھتا رہا۔

"خوش آمدید محترمہ شیلا۔" اُس نے چبھتی ہوئی آواز میں کہا اور آرام کرسی میں نیم دراز ہو گیا۔ چند لمحے خاموش رہ کر پھر بولا۔ "جو کچھ ہوا اس کی توقع تھی مجھے تم سے... پس میں تو خواہ مخواہ تمہیں ایک موقع دینا چاہتا تھا۔ اتمام حجت کے طور پر... ورنہ یہ تو آج تک ہوا ہی نہیں ہے اس تہہ خانے میں آنے والی کوئی لڑکی دوبارہ اپنے آدمیوں میں واپس جا سکی ہو۔ میں جانتا تھا کہ پولیس تمہارے ذریعہ سے جال بچھانے کی کوشش کرے گی۔ لہٰذا میں نے کہا... یہ تفریح بھی ہی... جاسوس اعظم میاں فریدی سلمہٗ کے زیر سایہ ہی تمہارا اغواء دوبارہ ہو جائے... اندازاً تیں آدمی رہے ہوں گے۔ اُس کے ساتھ۔"

"میں کچھ نہیں جانتی۔" شیلا کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔ "مجھے مجبور کیا گیا تھا۔ شکیلہ نے سب کچھ بتا دیا تھا فریدی کو... پھر لیڈی انسپکٹر کلارا نے مجھ سے بھی اُگلوا ہی چھوڑا۔ بتاؤ اگر تم میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے۔"

"میں بھی یہی کرتا۔" نقاب پوش نے کہا اور ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔ "تم ڈرو نہیں۔ پولیس کے سر پر سوار ہو کر جرائم کا ارتکاب کرنا میری ہابی ہے۔ بڑا لطف آیا آج جب میں پولیس کے گھیرے میں تمہیں نکال لایا۔"

شیلا کچھ نہ بولی۔ جسم کی کپکپی دور ہو چکی تھی اور ذہن بھی اس قابل ہو گیا تھا کہ کچھ سوچ سمجھ سکے۔

"کیا میں تم پر اعتماد کر سکتا ہوں۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"دیکھو... اب تم اپنے والدین کو منہ نہ دکھا سکو گی۔ کیونکہ اب تمہاری اصل کہانی سارے شہر میں پھیل جائے گی... محض تمہاری بدنامی ہی کے خیال سے میں نے تمہیں اس طرح جانے دیا تھا... لیکن اب... تم خود سوچو... اصل کہانی کے پھیل جانے کے بعد کیا تم کسی سے نظر ملانے کی جرأت کر سکو گی۔"

شیلا نے کچھ سوچتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔

"اچھا تو سنو... میری اسکیم یہ ہے کہ اب تم وہاں واپس ہی نہ جاؤ... میرا بزنس ساری دنیا میں پھیلا ہوا ہے اور غیر ممالک کا ہیڈ آفس قاہرہ میں ہے... اگر میں قاہرہ والا آفس تمہارے

چارج میں دے دوں تو کیسی رہے گی۔"

"میں بالکل نہیں سمجھی۔"

"تم قاہرہ میں شہزادیوں کی سی زندگی بسر کرو گی.... آزادی اور خود مختاری کی زندگی سینکڑوں آدمی تمہارے ماتحت ہوں گے۔"

"مم.... مگر بزنس کیا ہے تمہارا....!"

"اعلیٰ پیمانے پر بردہ فروشی.... لیکن صرف لڑکیاں.... مختلف اقوام اور ممالک سے تعلق رکھنے والی۔ مشرق وسطیٰ میں یہ تجارت بڑی کامیاب ہے۔ مشرق وسطیٰ کے شیوخ اور سلاطین منہ مانگے دام ادا کرتے ہیں۔"

"یہ.... یہ تو بڑی بُری بات ہے۔"

"نکتہ نظر کا فرق ہوتا ہے۔ ورنہ اس دنیا میں نہ کوئی اچھی بات ہے اور نہ بُری۔ بہر حال تم کیا چاہتی ہو۔"

"مم.... میں.... سمجھ میں نہیں آتا.... اور یہ بھی درست ہے کہ اب میں یہاں کسی کو بھی منہ نہ دکھا سکوں گی۔"

"میرے بال سے تم اس پر اچھی طرح غور کرو۔ بڑی شاندار زندگی بسر کر سکو گی ہمارے لئے صرف یہ خطرات ہو سکتے ہیں۔ مشرق وسطیٰ میں ہم قطعی آزاد ہیں۔ ہمارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ میرے معمولی ملازمین بھی شاہوں کی سی زندگی بسر کرتے ہیں۔"

ہوٹل کے رجسٹر میں اُن کا اندراج شوہر اور بیوی کی حیثیت سے ہوا۔ اوپری منزل پر دو کمرے تھے، چونکہ میاں بیوی کی حیثیت سے قیام ہوا تھا اس لئے ڈبل بڈ والا ایک ہی کمرہ نصیب ہو سکا۔ حمید نے ہاتھ پاؤں تو مارے تھے کہ دو کمرے مل جائیں۔ لیکن سرمائی تعطیلات کی وجہ سے خاصی بھیڑ تھی اس لئے یہی ایک کمرہ غنیمت مترقبہ ثابت ہوا تھا۔ سپر وائزر الگ احسان دھر رہا تھا کہ اُس نے بذریعہ تار کئے جانے والے ایک ریزرویشن کو کینسل کر کے وہ کمرہ اُن کے فراہم کیا تھا۔

کمرہ میں آسائش کی ساری چیزیں مہیا تھیں.... لیکن مسہری صرف ایک ہی تھی۔ جس

بستر رکھے ہوئے تھے۔ عورت حمید کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔ جواباً حمید بھی مسکرایا لیکن حقیقت یہ تھی کہ الجھن میں پڑ گیا تھا.... دراصل وہ صرف عورتوں کی ہم نشینی کا شائق تھا۔ جنسی تعلقات قائم کرنے سے کتراتا تھا۔

راستے ہی میں اُس نے محسوس کیا تھا کہ عورت شائستہ اور باذوق ہے۔ لیکن جنسی معاملات میں بے باک بھی ثابت ہو سکتی ہے۔ حمید نے بہت کوشش کی کہ اُس کا اتہ پتہ بھی معلوم ہو سکے لیکن اس موضوع پر گفتگو کرنے کا موقع ہی نہیں دیتی تھی۔ جب بھی حمید چھیڑنے کی کوشش کرتا کوئی اور بات نکال بیٹھتی.... ایک بار تو صاف صاف کہہ نکلی تھی۔ "تمہیں آم کھانے سے غرض رکھنی چاہئے پیڑ گن کر کیا کرو گے.... ویسے میں تمہیں اچھی طرح جانتی ہوں۔ تم مشہور عورت خور سارجنٹ حمید ہو۔"

"لوگوں نے مجھے خواہ مخواہ بدنام کر رکھا ہے۔" حمید نے کہا تھا۔ "تم دیکھ ہی لوگی کہ میں کتنا شریف بچہ ہوں۔"

رات کا کھانا کھا کر وہ ریکریئیشن ہال میں آئے اور گیلری میں بیٹھ کر کافی پینے لگے۔ آرکسٹرا فوکس ٹروٹ بجا رہا تھا۔ لیکن ناچنے والے صرف تین جوڑے تھے۔

"ناچو گی....!" حمید نے پوچھا۔

"مجھے نہیں آتا.... اور یونہی گھسٹتے پھرنے سے کیا فائدہ۔" عورت نے جواب دیا۔

"معاف کرنا میں نے ابھی تک تمہارا نام نہیں پوچھا۔"

"پوچھتے بھی تو کیا فرق پڑتا.... صحیح نام تو کبھی نہ بتاتی۔"

"پھر بھی کیا کہہ کر مخاطب کروں۔"

"سیما کہہ لو.... مجھے بھی یہ نام پسند ہے۔"

"اچھا ہے.... کافی نغمگی رکھتا ہے اپنے اندر....!"

"میں نے اکثر تمہیں سوئمنگ پول میں دیکھا ہے۔"

"مجھے اس ہوٹل کا نام پسند نہیں.... اگر یہ کسی اونچے پہاڑی مقام پر واقع ہوتا تب بھی چل جاتا یہ نام.... یورپ کی نقالی کے معاملے میں ہم لوگ بالکل گدھے واقع ہوئے ہیں۔ یورپ کے بعض مقامات پر مئی کا مہینہ موسم بہار لاتا ہے۔ بڑا خوشگوار ہوتا ہے اس لئے اگر وہاں کسی ہوٹل کا

نام مے پول ہو تو بات بھی ہے۔ یہاں تو مئی جون میں تیل نکلتا رہتا ہے۔"

"بال کی کھال نکالنے سے کیا فائدہ ڈارلنگ.... بس آنکھیں بند کر کے عیش کیے جا
تم سے شکائت ہے کہ تم نے کھانے سے قبل مجھے پلائی نہیں۔"

"خدا کی پناہ.... تم پیتی ہو۔"

"کیوں....؟"

"شرابی عورتیں مجھے اچھی نہیں لگتیں....!"

"اور خود پورے پورے بیرل صاف کر جاتے ہو گے۔"

"میں نہیں پیتا۔"

"بکواس ہے.... تمہاری آنکھیں بتاتی ہیں۔"

"ماضی کی چغلی کھا رہی ہوں گی۔ کبھی بہت پیتا تھا۔ جب سے فوج چھوٹی.... سولین ہا
سولن بھی چھوٹ گئی۔"

"الفاظ سے کھیلتے ہو۔" وہ آنکھیں بند کر کے مسکرائی۔

"یہ زندگی الفاظ ہی کا تو کھیل ہے۔"

"فلسفی بھی ہو۔" سیما ہنسنے لگی۔

اتنے میں ہوٹل کا منیجر بوکھلایا ہوا اُن کی طرف آیا۔

"جج.... جناب....!" وہ ہانپتا ہوا بولا۔ "دیوان صاحب نے آپ کو سلام بولا ہے۔"

"واعلیکم السلام۔" حمید نے بڑے خلوص سے کہا۔ "میری طرف سے دعا بھی کہہ دینا۔"

"جج.... جناب اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے آپ کو بلایا ہے۔"

"کہاں ہیں۔"

"جی میرے آفس میں تشریف رکھتے ہیں۔"

"چلئے....!" حمید طویل سانس لے کر اٹھتا ہوا بولا اور سیما سے کہا۔ "تم یہیں بیٹھو۔"

وہ منیجر کے آفس میں آیا اور دیوان نے باقاعدہ کرسی سے اٹھ کر اُس کا استقبال کیا۔
عمر کا ایک تندرست و توانا آدمی تھا۔ شائد کبھی ملٹری میں بھی رہا ہو۔ انداز یہی کہہ رہ
آنکھوں سے مکاری اور کینہ توزی بھی جھلکتی تھی۔

"آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں جناب۔" اُس نے پوچھا۔

حمید نے سوچا خود کو بدھو ہی پوز کرنا چاہئے۔ اللہ بڑا کارساز ہے۔ ہو سکتا ہے میدان میرے
ہی ہاتھ رہے اور فریدی صاحب ٹاپ کر رہ جائیں۔ بس پھر اُس نے اپنے چہرے پر حماقت طاری کر لی۔

"م.... میں.... دارالحکومت سے آیا ہوں.... جی ہاں۔"

"تشریف رکھئے.... آپ کو دیکھ کر نہ جانے کیوں دل بے اختیار آپ کی طرف کھنچنے لگا تھا۔
میں نے منیجر سے کہا کہ آپ کو میری طرف سے تھوڑی سی تکلیف دے۔"

"مگر انہوں نے تو مجھے کوئی تکلیف نہیں دی۔ بہت اچھے آدمی ہیں۔"

"آپ کا اسم شریف۔"

"بالکل شریف.... آپ کو اصلی نام بتا رہا ہوں ورنہ ہوٹل کے رجسٹر میں تو ماجد حمید
لکھوایا ہے۔ بات یہ ہے کہ مجھے نام سے نفرت ہے۔ بھلا بتائیے کوئی بات ہوئی، بالکل شریف....
خدا جاہل والدین سے بچائے۔ یہ نام دراصل ایک نجومی نے وضع کیا تھا.... چونکہ میرے والدین
کی کوئی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی اس لئے اُن نجومی صاحب نے فرمایا کہ اس بار بچہ پیدا ہوتے ہی
وقت تاریخ اور دن نوٹ کر لینا۔ میں اُسکی مناسبت سے نام رکھ دوں گا بچہ زندہ رہے گا.... لہٰذا
میں اس عمر میں بھی بالکل شریف ہوں ابھی حال ہی میں شادی ہوئی ہے.... سوچا گھوم پھر آئیں۔

"کیا مشغلہ ہے آپ کا....!"

"فی الحال تو کچھ بھی نہیں.... والد صاحب کہتے ہیں کہ میں بالکل ناکارہ ہوں۔ اس لئے مجھے
شاعری یا افسانہ نگاری کرنا چاہئے.... اُن کے کاروبار میں ہاتھ بٹانے کے لائق نہیں۔"

"کیا کاروبار ہے۔"

"کپڑا بنتے ہیں....!"

"میں نہیں سمجھا۔"

"کپڑے کا مل ہے۔"

"اوہ.... میں سمجھا تھا شائد....؟" دیوان مسکرایا۔

"جی.... اچھا تو پھر اب اجازت دیجئے۔ میری بیوی اکیلے ڈر رہی ہو گی۔"

"انہیں بھی یہیں لے آیئے.... بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ آپ دونوں میرے ساتھ محل

میں چلئے.... نہ جانے کیوں آپ سے مل کر ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے بہت پرانی ملاقات ہو۔"

"ہی ہی ہی ہی....!" حمید نے احمقانہ انداز میں دانت نکال دیئے پھر بولا۔ "میں ذرا بیگم پوچھ لوں۔"

"ضرور.... ضرور.... ہم یہی چاہتے ہیں کہ ہماری ریاست میں آنے والے ٹورر ہماری طرف سے اچھے خیالات لے کر جائیں۔ ہز ہائی نس نے اس کے لئے ایک الگ فنڈ قا ہے.... میں اس ریاست کا پرائم منسٹر ہوں۔"

"اُف فوہ.... جج جناب۔" حمید بوکھلا کر کھڑا ہو گیا اور جھک جھک کر سلام کرنے لگا۔ دیو بھی اٹھا اور اس کا شانہ تھپتھپاتا ہوا بولا۔ "نہیں نہیں.... اس کی ضرورت نہیں.... جائیے صاحبہ سے پوچھ آیئے.... میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ محل ہی میں رات گذاریں۔"

حمید سرپٹ دوڑتا ہوا سیما کے پاس آیا.... اور بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "چلو.... مزہ آگیا.... ریاست کے دیوان نہ جانے کیوں مجھ پر مہربان ہو گئے ہیں۔ کہتے ہیں چل کر میں رہو۔ بیگم صاحبہ سے بھی مشورہ کر لو۔"

"تو پھر....؟"

"میرا خیال ہے کہ وہاں بڑے آرام سے رہیں گے۔"

"تم احمق ہو کیا....؟" سیما جھنجھلا گئی۔

"بالکل....!" حمید نے بڑے خلوص سے کہا۔ "بیوی مکمل ہی نہیں ہوتی جب تک شوہ احمق نہ سمجھنا شروع کر دے۔ یہ ایک آفاقی حقیقت ہے۔ ملٹن کو زندگی بھر اس کا گہرا صدمہ رہا اُس کی بیوی اُس کے سے جینئس آدمی کو بالکل چغد سمجھتی ہے۔ ٹالسٹوائے کی بیوی اُسے اس قا بھی نہیں سمجھتی تھی کہ وہ کسی معزز آدمی سے گفتگو بھی کر سکے اور ٹامس کارلائل....!"

"بب.... بس....!" سیما میز پر ہاتھ مار کر بولی۔ "میں یہاں سے کہیں نہ جاؤں گی۔ نہیں جانتے یہ ریاستوں والے بڑے سور ہوتے ہیں۔"

"اچھا میں جا کر معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں کہ وہ بھی بڑا سور ہے یا نہیں۔"

"بیٹھو....!" سیما میز پر ہاتھ مار کر بولی۔ "خواہ مخواہ بور نہ کرو۔"

"انکار.... تو کر آؤں۔"

"جاؤ.... جلدی واپس آؤ.... میرا موڈ خراب نہ ہونے پائے سمجھے۔"

حمید پھر دیوان کے پاس واپس آیا اور بڑے ادب سے رونی آواز میں بولا۔ "جناب والا بیگم اس پر تیار نہیں.... وہ کہتی ہیں کہ میں بھی ایک بڑے سرمایہ دار کی بیٹی ہوں کسی کا احسان نہیں لے سکتی۔"

"خیر.... خیر.... کوئی مضائقہ نہیں.... ویسے انہیں اس پر تو کوئی اعتراض نہ ہونا چاہئے اگر میں محل میں آپ کی دعوت کروں.... جواباً آپ بھی یہاں ہوٹل میں میری دعوت کر سکیں گے....!" دیوان ہنسنے لگا.... پھر اٹھتا ہوا بولا۔ "اب اجازت دیجئے۔"

دونوں نے گرمجوشی سے مصافحہ کیا اور دیوان رخصت ہو گیا۔

پھر سیما اور حمید کچھ دیر بعد کمرے میں واپس آگئے۔

"بڑی پُر فضا جگہ ہے....!" سیما نے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ پہلے کبھی یہاں کیوں نہیں آئی۔"

"کتنے دن ٹھہر سکو گی۔"

"جتنے دن چاہو....!" وہ اُس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی۔

پھر اُس نے لیٹنے کی تیاری شروع کر دی۔

"میں پیٹی کوٹ اور بلاؤز ہی میں سوتی ہوں.... سلیپنگ سوٹ کی جھنجھٹ کون کرتا پھرے۔" اُس نے ساری کے بل کھولتے ہوئے کہا۔

اور حمید دیوار پر لگی تصویر پر متوجہ ہو گیا۔ پھر کھکار کر بولا۔ "ہاں عادت کی بات ہے۔ مجھے تو سوکھی پر نیند نہیں آتی۔"

سیما نے ڈبل بیڈ پر اچٹتی سی نظر ڈال کر پوچھا۔ "کیوں....؟"

"پتہ نہیں کیوں....؟ ویسے بچپن ہی سے زمین پر سونے کی عادت ہے۔"

سیما دلآویز انداز میں مسکرائی اور بستر پر لیٹ گئی۔ زمین پر قالین کا فرش تھا۔

حمید نے تکیہ اور کمبل اٹھا کر فرش پر ڈال دیا اور سیما جھنجھلا کر بولی۔ "کیا بکواس ہے۔"

"ہے تو بکواس ہی لیکن ہمارے مذہب میں نکاح بھی ضروری ہے۔"

"شٹ اپ....!" سیما نے اچھل کر کروٹ بدلی۔

حمید فرش پر لیٹ چکا تھا.... تھوڑی دیر بعد اٹھ کر اُس نے روشنی گل کر دی.... جاگتا

رہا.... سیما شائد سفر کی تکان کی وجہ سے معمول کے خلاف جلد سو گئی تھی.... کمرے میں
کی ٹک ٹک گونجتی رہی.... دفعتاً حمید نے سیما کی چیخ سنی اور اچھل پڑا۔

آخری جدوجہد

"کون ہے.... خبردار....!" حمید دہاڑا اور لیٹے ہی لیٹے تیزی سے سوئچ بورڈ کی طر
رینگ گیا.... لیکن لاحاصل، سوئچ آن کرنے پر بلب روشن ہی نہ ہوا.... غالباً مین سوئچ
کر دیا گیا تھا۔

"سیما....!" اُس نے بلند آواز میں پکارا.... لیکن صرف جدوجہد کی آوازیں اندھیر
گونجتی رہیں۔ شائد اُس کا منہ دبا دیا گیا تھا۔

"خبردار.... گولی مار دوں گا۔" حمید نے پھر للکارا اور مسہری کی طرف رینگنے لگا۔

لیکن اب تو دھینگا مشتی کی آوازیں بھی نہیں آ رہی تھیں.... مسہری کے قریب پہنچ
نے پٹی پر ہاتھ رکھ دیا.... دوسرے ہی لمحے میں معلوم ہوا کہ مسہری خالی ہے۔

وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ پتلون اور جیکٹ اُس نے اپنے سرہانے ہی ڈال تھی۔ جلدی
سلیپنگ سوٹ اتار کر پتلون اور جیکٹ پہنی اور ریوالور سنبھالتا ہوا (جو تکیئے کے نیچے ہی ر
کاریڈور میں نکل آیا۔

یہاں بھی اندھیرا ہی تھا۔ شائد پورے ہوٹل کا مین سوئچ آف کر دیا گیا تھا۔ کیونک
کمرے کے روشندان میں بھی روشنی نہیں دکھائی دے رہی تھی۔

وہ تیزی سے آگے بڑھتا چلا گیا اور اندھیرے کی پرواہ کئے بغیر آندھی اور طوفان کی
زینے طے کئے اور نیچے پہنچتے ہی کسی سے بُری طرح ٹکرایا کہ دونوں اوپر تلے فرش پر ڈھیر ہ
حمید نے گرنے سے پہلے اُس پر اپنی گرفت مضبوط کر لی تھی۔ وہ جدوجہد کر رہا تھا کہ اُس
سے آزاد ہو جائے.... آخر اُس نے بعض لوگوں کے نام لے لے کر انہیں پکارنا شروع کر د
پھر ہال روشن ہو گیا اور دو ویٹر حمید کو اپنی طرف لپکتے ہوئے نظر آئے.... اُس کا
میں ہوٹل کا منیجر تھا۔ حمید نے اُسے دھکا دیا اور وہ دور جا گرا۔ اور پھر دوسرے ہی لمحے میں

ریوالور بھی نکل آیا۔ ویٹروں کے قدم رک گئے اور منیجر فرش ہی پر پڑا رہ گیا۔

"بتاؤ.... میری بیوی کہاں ہے۔" حمید غرایا۔

کوئی کچھ نہ بولا۔ ویٹروں نے اپنے ہاتھ اٹھا دیئے تھے۔ حمید نے پھر گرج کر استفسار کیا۔

"ہم کچھ نہیں جانتے جناب....!" منیجر فرش پر پڑا ہوا گڑگڑایا۔

"تم جانتے ہو.... کوئی اندھیرے میں میری بیوی کو اٹھا لے گیا۔ مین سوئچ آف کر کے
اندھیرا کر دیا گیا تھا.... اور تم اس وقت اندھیرے میں یہاں کیا کر رہے تھے اٹھو.... سیدھے
کھڑے ہو جاؤ اور ہاتھ اوپر اٹھائے رکھو۔"

اُس نے چپ چاپ تعمیل کی۔ چہرہ خوف نے بگاڑ دیا تھا۔ ویٹروں کی حالت بھی اچھی نہیں تھی۔

"وہ کہاں لے جائی گئی ہے۔" حمید سانپ کی طرح پھنکارا۔

کوئی کچھ نہ بولا۔ دفعتاً حمید نے ریوالور والا ہاتھ زینے کی طرف گھما کر کہا۔ "چلو تم سب اوپر
چلو میرے کمرے میں۔"

انہیں اوپر لا کر ایک لائن میں کھڑے ہو جانے کا حکم دیا اور پھر منیجر سے بولا۔ "تم ان دونوں
کے ہاتھ اور پیر باندھ دو....!"

اُس نے ہچر مچر شروع کی لیکن جب حمید نے ٹریگر دبا دینے کی دھمکی دی تو آمادہ ہو گیا۔

اپنے اور سیما کے سلیپنگ گاؤنوں کی ڈوریوں سے اُن کے ہاتھ پشت پر بندھوائے اور دھکے
دے کر انہیں فرش پر گرا دیا.... اب اُس نے دروازے کی چٹخنی چڑھائی اور ریوالور جیب میں رکھ
کر منیجر کی طرف بڑھا۔

"بتاؤ.... وہ کہاں ہے۔" اُس نے اُس کا گریبان پکڑ کر جھٹکا دیتے ہوئے پوچھا۔

"دد.... دیکھئے جج جناب.... آپ حد سے بڑھ رہے ہیں۔ یہ نربدا اسٹیٹ ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" حمید نے کہہ کر ایک گھونسہ اُس کی ٹھوڑی پر جڑ دیا۔

وہ اچھل کر دور جا پڑا.... حمید سمجھا تھا کہ وہ دوبارہ اٹھ کر اُس پر چڑھ دوڑے گا.... لیکن
ایسا نہ ہوا.... وہ اس طرح بے حس و حرکت ہو گیا تھا جیسے بیہوش ہو گیا ہو۔

حمید آگے بڑھا اور جھک کر اُس کے چہرے کا جائزہ لینے لگا۔ منیجر کے ہونٹ ہلے اور اُس نے
سرگوشی کی۔ "مجھے اسی طرح باہر کھینچ لے جایئے.... میں بتا دوں گا یہ دونوں ویٹر اُسی کے آدمی ہیں۔"

حمید نے اُس کے بعد بھی اُسے آوازیں دیں، ہلایا جلایا اور بغلوں میں ہاتھ دے کر آدھڑ سے اٹھائے ہوئے کوریڈور میں گھسیٹ لے آیا۔

"شکریہ جناب....!" منیجر سیدھا کھڑا ہوتا ہوا آہستہ سے بولا۔ "یہ بڑی واہیات ہے.... باہر کے شرفاء خواتین کو یہاں کبھی ساتھ نہیں لاتے۔ آیئے میرے ساتھ لیکن ٹھہر پہلے اس کمرے کو مقفل کر دیجئے تاکہ وہ سور کے بچے یہیں بند رہیں۔ اُسی حرام زادے کے گرگے ہیں۔

کمرہ مقفل کر کے حمید منیجر کے کمرے میں آیا اور مستفسرانہ نظروں سے اُسے دیکھنے لگا۔

منیجر نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "تشریف رکھئے جناب.... اب تو جو کچھ ہونا تھا ہو جناب.... بیگم صاحبہ دو تین دن بعد واپس آجائیں گی.... اُن کی جان کو خطرہ نہیں۔"

"کیا بکواس ہے۔" حمید غرایا۔ "مجھے بتاؤ کون لے گیا ہے۔"

"ایسی صورت میں تو آپ دونوں ہی کی زندگیاں خطرے میں پڑ جائیں گی۔"

"میں کہتا ہوں بتاؤ.... وہ کون تھا۔"

"یہ تو میں نہیں جانتا کہ.... وہ کون تھا.... کیونکہ نقاب پوش تھا۔ ویسے مجھے یقین ہے بیگم صاحبہ راج محل میں تشریف فرما ہوں گی۔"

"کیوں....؟ وہ نقاب پوش....؟"

"جی ہاں.... وہ نقاب پوش.... اسٹیٹ میں خاصی شہرت رکھتا ہے.... کوئی نہیں جانتا وہ کون ہے.... حالانکہ سب جانتے ہیں کہ اے۔ ڈی۔ سی پرمود کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔"

❁

"اے ڈی سی.... پرمود....!" فریدی متفکرانہ انداز میں بڑبڑایا.... اور پھر کسی سوچ میں گم ہو گیا۔ انگلیوں میں دبا ہوا سگار کبھی کا بجھ چکا تھا۔ اُس نے کلارا کی زبانی نربدا اسٹیٹ کی سرگذشت سنی تھی۔

کچھ دیر بعد اُس نے کلارا کی طرف دیکھا اور اُس کے بائیں شانے پر نظر جمائے ہوئے بولا "تو وہاں کے لوگوں کا عام طور پر یہی خیال ہے کہ ساری حرکتیں پرمود کی ہیں۔"

"عام طور پر یہی خیال ہے کہ نقاب پوش پرمود ہی ہے جو ہز ہائی نس کے لئے اس طرح ڈاکے ڈالتا پھرتا ہے۔"

"لیکن حمید کو تو دیوان نے دعوت دی تھی۔" فریدی نے کہا۔

"منیجر کا بیان ہے کہ سیما کو اٹھالے جانے والا وہی نقاب پوش تھا جو پہلے بھی اکثر اُسی ہوٹل میں اس قسم کی حرکتیں کر چکا تھا۔"

فریدی پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کلارا اُس سے کچھ پوچھنے کے لئے بے تاب ہو۔ کئی بار ایسا ہوا کہ اُس نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹوں کو جنبش دی لیکن پھر خاموش رہ گئی۔

دفعتاً فریدی نے اُس کی طرف دیکھ کر کہا۔ "غالباً تم میری تگ و دو کے بارے میں پوچھنا چاہتی ہو.... میں نے زبردست دھوکا کھایا اور وہ لوگ شیلا کو پھر لے اڑے۔"

"پھر لے اڑے....؟" کلارا تقریباً چیخ پڑی۔

"ہاں....!" فریدی نے طویل سانس لی۔ "تم اگر میرے سر کے پچھلے حصے کو ٹٹول سکو تو تمہیں ایک چھوٹا سا سر اور ملے گا۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"وہ نامعلوم آدمی ہماری نقل و حرکت کی نگرانی کراتا رہا تھا۔ میں نے مندر والے باغ میں ایسی جگہ ٹھہر کر اُس پر نظر رکھنے کی کوشش کی تھی، جو میری دانست میں محفوظ ترین تھی.... لیکن....!" فریدی خاموش ہو گیا اور کلارا استفہامیہ انداز میں اُس کے چہرے پر نظر جمائے رہی۔

"اور پھر....!" فریدی کچھ دیر بعد بولا۔ "میں نہیں کہہ سکتا کہ اُس نے کس جانب سے حملہ کیا! سر کے پچھلے حصے پر کوئی وزنی چیز ماری گئی تھی.... اور میں بیہوش ہو گیا تھا لیکن اب مجھے توقع ہے کہ وہ جلد ہی ہاتھ آجائے گا۔"

"کس طرح....!"

"پھر کوئی حماقت کر بیٹھے گا....؟ اور بس....!" اُس نے کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

"حماقت سے کیا مراد ہے آپ کی....!"

"میں اُن مجرموں کو احمق ہی سمجھتا ہوں، جو پولیس کو مرعوب کرنے کی کوشش کریں وہ میرے سر پر کوئی وزنی چیز مار کر بیہوش کرنے کی بجائے کسی بے آواز ریوالور سے میرا خاتمہ بھی کر سکتا تھا.... اسے حماقت نہیں تو اور کیا کہیں گے؟"

کلارا کچھ نہ بولی۔ وہ بھی کسی سوچ میں گم ہو گئی تھی۔ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "حمید کو مطلع کرو

کہ وہ اُسی ہوٹل میں قیام پذیر رہے.... اور دیوان سے مدد کی درخواست کرے۔"

"وہ پہلے ہی کر چکا ہے.... دیوان نے چھوٹتے ہی کہا تھا کہ اُس نے پچھلی رات اُس دعوت رد کر کے غلطی کی تھی اور اُس نے کہا کہ وہ خود اُس نقاب پوش سے تنگ آ گیا ہے۔ اسٹیٹ کی ساری عورتیں اُس کی وجہ سے پردہ نشین ہو گئی ہیں۔ گرلز اسکول اور کالجوں میں قفل پڑ گئے ہیں۔ ریاست کے لوگ سمجھتے ہیں کہ اس طرح ہز ہائی نس کے لئے لڑکیاں فراہم کی جا رہی ہیں۔ لوگ یہاں تک کہہ بیٹھتے ہیں کہ وہ نقاب پوش پرمود کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ قطعی غلط ہے.... کیونکہ تمہاری بیوی کے اغواء کا جو وقت بتایا جاتا ہے اُس کے مطابق تو پرمود میرے ساتھ برج کھیل رہا تھا۔"

"ہوں....؟" فریدی نے ایک طویل سانس لی اور کلارا فوراً ہی بولی۔ "ہاں یہ تو بتایئے سپرنٹنڈنٹ پر اس واقع کا کیا رد عمل ہوا ہے۔"

"اُوہ.... وہ تو کہہ رہے ہیں کہ اگر چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر شیلا دوبارہ نہ ملی تو وہ مجھے صرف برخواست کرا دیں گے بلکہ مجھے مزید پریشانیوں کا بھی سامنا کرنا پڑے گا۔"

"پھر آپ کیا کریں گے؟" کلارا نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں! سب جانتے ہیں کہ میں تنخواہ کے لئے اس محکمے میں نہیں آیا جتنی تنخواہ مجھے یہاں ملتی ہے اُس سے کہیں زیادہ میرے مختلف اداروں کے منیجر مجھ سے وصول کر لیتے ہیں۔"

"لل.... لیکن.... محکمہ آپ کے بغیر بے جان ہو جائے گا.... انسپکٹر....!"

"دیکھا جائے گا.... اچھا اب اجازت دو....!"

کلارا بھی اُس کے ساتھ ہی باہر آئی اور فریدی نے کہا۔ "چلو تمہیں دفتر میں چھوڑتا ہوا یونیورسٹی چلا جاؤں گا۔"

اُس نے کلارا کے لئے کار کی پچھلی نشست کا دروازہ کھولا اور کلارا کے چہرے پر مایوسی کی جھلکیاں نظر آئیں.... لیکن وہ کچھ کہے بغیر پچھلی ہی نشست پر بیٹھ گئی۔

دفتر میں عام طور پر مشہور تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح فریدی کو شادی پر آمادہ ہی کر لے گی۔ اگر فریدی نے منظور نہ کیا تو وہ نہ صرف تارک الدنیا ہو جائے گی بلکہ عیسائیت سے منہ موڑ کر کسی سادھو کی چیلی بن جائے گی۔

فریدی اُسے آفس میں چھوڑ کر یونیورسٹی کی جانب روانہ ہو گیا۔

کنور سنتوش سے ملنا تھا.... لیکن یہ ملاقات جلد نہ ہو سکی۔ کیونکہ کنور سنتوش کلاس لے رہا تھا۔

فریدی اُس کے ریٹائرنگ روم میں منتظر رہا.... کنور سنتوش اُسے دیکھتے ہی کھل اٹھا.... اور بڑی تیزی سے مصافحہ کے لئے بڑھا۔ انداز تو ایسا تھا جیسے معانقہ تک کر بیٹھے گا.... لیکن فریدی کی سرد سی مسکراہٹ نے سارا جوش ٹھنڈا کر دیا۔

اور وہ جھینپے ہوئے انداز میں مسکراتا ہوا بولا۔ "تشریف رکھئے جناب۔ مجھے اس کی اطلاع ملی ہے کہ شیلا واپس آ گئی.... کیا یہ درست ہے۔"

"جی ہاں کبھی درست تھی یہ بات.... لیکن اب مجھے پھر اس کی تلاش ہے۔"

کنور نے اس پر حیرت کے اظہار کے ساتھ ہی ساتھ استفسار بھی کیا۔ "میں نہیں سمجھا کیا بات ہے۔"

فریدی نے اُسے شیلا کی گلو خلاصی کی کہانی سنائی لیکن وہی جو شیلا نے پہلے سنائی تھی۔ یعنی کسی خریدکنندہ کے پنجے سے رہائی والی داستان.... لیکن دوسری بار غائب ہو جانے کی تفصیل سے گریز کیا۔ بس اتنا ہی بتایا تھا کہ وہ پھر غائب ہو گئی ہے۔

"یہ تو بہت بُری خبر ہے۔"

"دراصل اس وقت تکلیف دہی کی وجہ یہ ہے کہ میں ہز ہائی نس کے اے۔ ڈی۔ سی پرمود کے بارے میں کچھ معلومات بہم پہنچانا چاہتا ہوں۔"

"اوہو.... تو اُس تک آپ کا خیال بھی جا پہنچا....؟"

"قدرتی بات ہے جناب!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "اسٹیٹ میں بھی وہ کافی بدنام ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ کا اُوور کوٹ اُسی نے استعمال کیا ہو۔"

کنور سنتوش کسی سوچ میں پڑ گیا پھر بولا۔ "ممکن ہے.... میرا خیال ہے کہ وہ میرا ہی ایسا جسم رکھتا ہے۔ قد بھی تقریباً یکساں ہے.... لیکن وہ اتنا بُرا آدمی نہیں ہو سکتا جی ہاں۔ یہ بھی درست ہے کہ وہ اسٹیٹ میں بہت بدنام ہے۔ لیکن جہاں تک اُس کے خلاف ثبوت بہم پہنچانے کا سوال ہے آج تک کوئی بھی اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ میرا خیال ہے کہ نقاب پوش کو بے نقاب کئے بغیر یہ معمہ کسی طرح حل ہی نہ ہو سکے گا۔"

"آپ کا خیال بالکل درست ہے۔" فریدی اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"کیا وہ اس طرح آپ کا کوٹ استعمال کر سکتا ہے کہ آپ کو پتہ ہی نہ چل سکے۔"

"جی ہاں.... ممکن ہے کیونکہ وہ محل کے ہر حصے میں بلا روک ٹوک جا سکتا ہے اور کوٹ کے متعلق میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ اُس رات وہ میرے پاس نہیں تھا۔"

"کیا وہ ایسی کاریں بھی استعمال کر سکتا ہے جن پر اسٹیٹ کے جھنڈے لگے ہوں۔"

"ایسی ساری کاریں اُس کے استعمال میں رہتی ہیں۔ بات یہ ہے کہ ہز ہائی نس کو اُس پر زیادہ اعتماد ہے۔"

"اچھا دیوان کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"نہ بہت اچھا نہ بہت بُرا۔ عیاش ضرور ہے لیکن اس حد تک بھی نہیں کہ اسٹیٹ کی کے درپے ہو جائے۔"

"اچھا اب اجازت دیجئے۔" فریدی مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا آپ کا کافی وقت برباد

"جی نہیں.... قطعی نہیں.... مجھے افسوس ہے کہ ابھی تک آپ کے کسی کام نہ یقین کیجئے! میں شیلا کے لئے بہت پریشان ہوں کیونکہ .... وہ بہت نیک لڑکی ہے.. شریف.... میں اُسے صرف اُسی ایک نکتہ نظر سے نہیں دیکھتا جس کے لئے وہ بدنام ہے... خوبیوں کی مالک ہے جناب۔"

"دیکھئے....!" فریدی نے طویل سانس لی، "جو کچھ بن پڑ رہا ہے کر رہا ہوں.... آ کی مرضی۔"

یونیورسٹی سے وہ پرنسٹن کے تھانے میں آیا اور انچارج کو اُس کے کوارٹر سے بلوا کر دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا پھر بولا۔ "سیٹھ ممدو بھائی تو شاید آپ ہی کے علا کہیں رہتا ہے۔"

"پرانی بات ہوئی.... سنا ہے جس زمانے میں یہاں تھا، تھانے والوں کی باقاعدہ تنخواہ رکھی تھیں اور تنخواہیں اصل تنخواہوں سے پانچ گنا زیادہ ہوتی تھیں۔"

"شراب ہی کا تاجر تھا نا....!" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں.... تھا نہیں بلکہ اب بھی ہے۔"

"اب کہاں رہتا ہے۔"

"اب تو وہ.... مگر نہیں.... شائد میں بھولتا ہوں.... ذرا ٹھہریئے۔" اُس نے میز پر لی ہوئی گھنٹی بجائی۔ اردلی کمرے میں داخل ہوا۔

"حوالدار گجر سنگھ کو بلاؤ۔" انچارج نے اُس سے کہا اور فریدی سے بولا۔ "یہ گوجر سنگھ انے کا سب سے پرانا آدمی ہے۔ غالباً اُسی وقت کا جب ممدو بھائی یہیں پرنسٹن ہی کے علاقے ں رہتا تھا۔"

گوجر سنگھ نے اُس مکان کی نشاندہی کی اور بولا۔ "اب تو اُس کا بہت بڑا کاروبار ہے جناب۔"

"کیا اُس کا اسٹاک بھی اُسی مکان میں رہتا تھا۔"

"جی ہاں جناب....!" گوجر سنگھ نے کہا۔ "میں نے دیکھے ہیں وہ تہہ خانے جہاں ہزاروں ٹوں اور بیرلوں کا اسٹاک رہتا تھا۔ شراب کا اسمگلر بھی تھا جناب۔"

"کیا وہ تہہ خانہ کسی قسم کے میکنزم پر کام کرتے ہیں۔"

"جی ہاں.... سارا بجلی کا کھیل ہے.... ایک بار تاروں میں کچھ گڑبڑ ہو گئی تو اور تہہ خانے پندرہ دن تک نہیں کھل سکے تھے۔ ممدو بھائی کی دوکان ویران ہو گئی تھی۔"

"ہوں اچھا....!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "اس پوچھ گچھ کا تذکرہ کسی سے نہ آنے پائے۔"

پھر انچارج نے بھی گوجر سنگھ کو اسی کی تاکید کی۔

فریدی دفتر میں آیا۔ کلارا اُسی کی کرسی پر براجمان تھی۔ فریدی کو دیکھ کر اُس نے اٹھنا چاہا لیکن فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "بیٹھی رہو.... بیٹھی رہو۔"

وہ دوسری میز کے کونے پر ٹک گیا اور جیب سے سگار نکال کر اُس کا سر توڑنے لگا۔

"کیا رہا یونیورسٹی میں۔" کلارا نے پوچھا۔

"کنور سنتوش سے پرمود کے متعلق معلومات حاصل کی ہیں، جو کوئی خاص نہیں.... وہ بھی یہی کہتا ہے کہ اسٹیٹ کے لوگ خواہ مخواہ پرمود کی طرف سے بدگمان ہیں وہ اس حد تک نہیں جا سکتا اور ہز ہائی نس بھی اس قسم کی حرکت نہیں کر سکتے۔ کوئی اور ہی ہے، جو اپنے جرائم ان لوگوں کے سر تھوپنے کی کوشش کر رہا ہے.... تم ذرا ڈائریکٹری میں ممدو بھائی وائن ڈیلر کے ٹیلی فون نمبر تو دیکھنا۔"

"یہ ممدو بھائی کہاں سے آگیا....!" کلارا بے اعتباری سے مسکرائی۔

"دیکھو تو.... تم....!" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

کلارا ڈائریکٹری کے اوراق الٹنے لگی۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولی۔ "تھری ایٹ ناٹ ٹو سکر

فریدی نے فون پر نمبر ڈائیل کئے اور ریسیور میں بولا۔ "ممدو بھائی.... ہوں.... بلایئے.... شکریہ۔"

وہ ریسیور کو کان سے لگائے خلاء میں گھورتا رہا۔ پھر کچھ دیر بعد بولا۔ "میں انسپکٹر فرید رہا ہوں۔ اوہو.... گھبرانے کی کوئی بات نہیں ممدو بھائی۔ میں تم سے تمہارے پرنسٹن مکان کے متعلق کچھ پوچھنا چاہتا ہوں.... کرایہ پر اٹھادیا.... مگر کس کے ہاتھ۔ جواہو نے آخر پولیس کو کیوں نہیں مطلع کیا.... اُوہ ہنٹر.... وہی تو نہیں جس کے چہرے پر چوٹ نشان ہے.... اُوہ.... اچھا.... اچھا.... ہاں.... اچھا دیکھو.... تہہ خانے میں کہیں زہرہ مجسمہ بھی ہے سنگ مرمر کا.... بہت اچھا ممدو بھائی شکریہ۔ نہیں مجھ سے ملنے کی ضرورت کوئی خاص بات نہیں.... ویسے تم اس گفتگو کے متعلق کسی سے کچھ نہ کہنا.... شکریہ۔"

فریدی ریسیور رکھ کر کلارا کی طرف مڑا۔ اُس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی

"کام بن گ ... تصدیق ہوگئی۔" اُس نے کہا۔ "اُن تہہ خانوں کا سراغ مل گیا جہا اب بھی مل سکے ۔"

"کہاں کس طرح....!"

"شیلا سے میں نے تہہ خانوں کی ساخت کے بارے میں پوچھا تھا اور اندازہ لگایا تھا شراب محفوظ رکھنے کے گودام ہی ہوسکتے ہیں۔ شیلا نے زہرہ کے مجسمے کا بھی تذکرہ کیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہاں وہ مجسمہ کیوں نصب تھا۔ خیال آیا کہ پرنسٹن کے علاقے ہی ممدو بھائی رہتا ہے جس کے زیر زمین گوداموں کی ایک بار تلاشی لی گئی تھی۔ لہٰذا اُسے بھی د لینا چاہئے۔"

فریدی نے خاموش ہو کر سگار سلگایا اور پھر بقیہ داستان بھی دہرادی۔

"آپ محض اپنی یادداشت کی بناء پر دوسروں پر سبقت لے جاتے ہیں۔ مسٹر فریدی نے اُسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن بہت زیادہ محتاط ہو کر کام کرنا پڑے گا.... کیونکہ وہ لوگ بہت محتاط ہیں میرا خیال ہے ہم لوگوں کی نگرانی باقاعدہ طور پر ہو رہی ہے۔"

پھر وہ اس کے بعد ہی انتظامات میں مشغول ہو گیا تھا۔ ٹھیک نو بجے رات کو پانچ ایسے ٹرکوں کا قلہ پرنسٹن کے تھانے کے قریب نظر آیا جس پر مزدور لدے ہوئے تھے اور ٹرکوں پر لکھا ہوا ا۔ "پی۔ ڈبلیو۔ ڈی۔" اور وہ ٹرک اُسی گلی سے گذرتے چلے گئے جسمیں ممدو بھائی کی کوٹھی تھی۔

❁

نقاب پوش ہنٹر سے کہہ رہا تھا۔ "فریدی بُری طرح چکرایا ہوا ہے؟"

"میں فکر مند ہوں باس....!" ہنٹر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "جب وہ چکرایا ہوا نظر آئے یہی سمجھنا چاہئے کہ وہ منزل مقصود کے قریب پہنچ چکا ہے اور کسی وقت بھی بے خبری میں دبوچ لے گا۔"

"ناممکن.... اُس کی ہر لحظہ نقل و حرکت کی خبریں مجھے مل رہی ہیں۔ تم مجھے کیا سمجھتے ہو۔"

"میں پھر کہوں گا باس کہ آپ نے مندر والے باغ میں بہترین موقع کھودیا.... ہاتھ آئے ہوئے شکار کا خاتمہ نہ کرسکے۔"

"میں اُسے سبق دینا چاہتا ہوں۔" نقاب پوش نے ہنس کر کہا۔

"میں مطمئن نہیں ہوں باس....!" ہنٹر کچھ سوچتا ہوا بڑبڑایا۔ "صبح سے آنکھ پھڑک رہی ہے۔"

"شٹ اپ....!" نقاب پوش نے کہا اور جواریوں کے درمیان سے گزرتا ہوا اُس کاریڈور میں آگیا جہاں تہہ خانے کا راستہ تھا۔

تہہ خانے میں اس وقت صرف شیلا ہی تھی اور اُس کے چہرے پر ایسی مردنی چھائی ہوئی تھی جیسے برسوں کی بیمار ہو۔

"کیوں تم نے کیا سوچا....!" نقاب پوش نے اُسے مخاطب کیا۔

"خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو.... میں قاہرہ نہیں جاؤں گی۔"

"تب تو.... تب تو....!" نقاب پوش غصیلی آواز میں بولا۔ "تم اپنے بہت بُرے حشر کے لئے تیار ہو جاؤ.... محترمہ شیلا.... اوپر اس وقت تقریباً دو درجن آدمی موجود ہیں۔"

"رحم.... خدا کے لئے رحم....!" وہ گڑگڑاتی ہوئی اُس کے قدموں میں آرہی۔

ٹھیک اُسی وقت گھنٹی کی زوردار آواز تہہ خانے کی محدود فضا میں گونجی اور نقاب پوش پڑا۔ سامنے دیوار پر سرخ رنگ کا بلب روشن ہو گیا تھا۔

"اُوہ....!" وہ ایک جانب جھپٹتا ہوا بولا۔ "خیر میں تمہیں پھر مہلت دیتا ہوں۔"

آج اُس نے دوسری دیوار کا ایک پش سوئچ استعمال کیا تھا۔ دروازہ نمودار ہوا اور جیپ اُس سے گذر کر آگے بڑھا دیوار پھر برابر ہو گئی۔

کچھ دیر بعد وہ عمارت کی پشت پر گلی میں کھڑا تھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں ایک آواز اُس کے کانوں سے ٹکرائی۔ "خبردار اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کرنا۔"

نقاب پوش نے قریب ہی کھڑی ہوئی ایک جیپ میں چھلانگ لگائی.... اور ایک فائر پھر جیسے ہی جیپ اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھی.... کئی فائر ہوئے۔

لیکن وہ نکلا ہی چلا گیا۔ اندھا دھند ڈرائیو کر رہا تھا۔ ابھی زیادہ رات نہیں گئی تھی۔

سڑکوں پر لوگ چل پھر رہے تھے۔ کسی قدر ٹریفک بھی تھا۔ لیکن وہ ان سب کی پر بغیر اڑا جا رہا تھا۔ کافی مشاق معلوم ہوتا تھا۔ ابھی تک کوئی خاص دشواری پیش نہیں آئی تھی

پھر وہ شہر سے باہر ہی نکل آیا۔ لیکن جیپ کی رفتار میں کمی واقع نہ ہوئی۔

اُس نے مڑ کر دیکھا.... دور کسی موٹر سائیکل کا ہیڈ لیمپ نظر آ رہا تھا۔ ایکسیلیٹر پر دبا بڑھ گیا۔

ٹر سائیکل کا ہیڈ لیمپ پھر بھی نظر آتا رہا.... اور اب تو جیپ کی تیز رفتاری کے بھی نزدیک ہوتی معلوم ہو رہی تھی.... لیکن ریوالور کی رینج سے باہر ہی تھی۔

کئی بار نقاب پوش نے ریوالور کے دستے پر ہاتھ ڈالا لیکن پھر کچھ سوچ کر اُسے استعمال نہیں

پھر جیپ ایک کچے راستے پر موڑ دی گئی اور کچھ دور نکل آنے پر نقاب پوش نے پھر دیکھا! موٹر سائیکل اب بھی تعاقب کر رہی تھی۔

کچا راستہ ختم ہوا۔ پھر پکی سڑک ملی.... اور جیپ نے پھر فراٹے بھرنے شروع کئے سائیکل اب بھی ریوالور کی رینج سے باہر تھی۔ تعاقب کرنے والا.... کافی چالاک معلوم ہو

پھر کچھ دیر بعد جیپ نربدا اسٹیٹ کی حدود میں داخل ہوئی۔ موٹر سائیکل اب بھی ہوئی تھی۔

یہاں سڑکیں سنسان پڑی تھیں، اس لئے نقاب پوش اور بھی زیادہ بے خوف ہو کر ڈرائیو ہا تھا۔ یہاں پھر اُس نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا.... موٹر سائیکل راب بھی رینج سے باہر تھا۔

پھر جیپ محلات کی حدود میں بھی داخل ہو گئی۔

فریدی نے بھی موٹر سائیکل کی رفتار بڑھائی اور محلات کی حدود میں گھستا چلا گیا۔ پھر ایک اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے جیپ کی رفتار کم ہو رہی ہو۔ اُس نے بھی رفتار کم کی۔ خدشہ تھا کہ جیپ سوار فائر نہ کر بیٹھے۔

کچھ دور چل کر جیپ رک ہی گئی اور کسی نے جیپ پر سے قد آدم باڑھ کی طرف چھلانگ لگائی۔

فریدی نے بڑی پھرتی سے موٹر سائیکل روکی اور ریوالور سنبھالے ہوئے مہندی کی باڑھ کی ٹ جھپٹا۔ کمپاؤنڈ میں دور دور پر روشنی کے پول تھے۔ اس لئے اس حصے میں اندھیرا ہی تھا۔

دفعتاً فریدی اچھل پڑا اور اچھلنے ہی نے جان بچالی ورنہ گولی جو ابھی کان کے پاس سے نکل گئی شاید پیشانی ہی پر بیٹھتی۔

وہ زمین پر لیٹ گیا اور آہستہ آہستہ رینگتا ہوا مہندی کی باڑھ کی طرف بڑھتا رہا۔ ویسے اُسے ہ تھا کہ فائر کس جگہ سے ہوا ہے۔

پھر ایسی آواز آئی جیسے کوئی اٹھ کر بھاگا ہو۔ اب تو فریدی کو بھی مہندی کی باڑھ پھلانگنی پڑی۔

اُدھر فائر کی آواز نے آس پاس کی عمارتوں کے لوگوں کو چوکنا کر دیا تھا۔ چاروں طرف سے یاں آنے لگی تھیں.... اور کچھ لوگ تو ایک دوسرے کے نام لے لے کر پکار رہے تھے۔ پوچھ تھے کہ کیا معاملہ ہے۔

فریدی فائر کرنے والے کے پیچھے دوڑ رہا تھا.... دفعتاً ایک جگہ بھاگنے والا لڑکھڑایا۔ غالباً نے ٹھوکر کھائی تھی۔

اُس نے سنبھلنے کی کوشش تو کی تھی لیکن پھر ڈھیر ہی ہو گیا۔ قبل اس کے دوبارہ اٹھ سکتا ی نے کافی فاصلے سے اُس پر چھلانگ لگا دی اور دور تک رگید تا چلا گیا۔

نقاب پوش کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح اُس کی گرفت سے آزاد ہو جائے۔ فریدی کو نوچ وٹ ڈالا۔ لیکن فریدی کی فولادی گرفت سے نکل نہ سکا۔

"کون ہے.... کیا ہے۔" آوازیں قریب آتی جارہی تھیں۔ ساتھ ہی ہلتی ہوئی سی بھی کبھی کبھی اُن پر پڑ جاتی تھی۔ غالباً آنے والوں میں سے کسی کے ہاتھ میں پیٹرومیکس لیمپ ہم

"آؤ.... آؤ....!" فریدی نے جواباً چیخ کر کہا۔ "آج چور پکڑا گیا ہے۔"

"کون ہے کیا ہے۔" پھر آوازیں آئیں۔

نقاب پوش وحشیانہ انداز میں فریدی کی کلائیوں پر منہ مارنے کی کوشش کر رہا تھا۔

دفعتاً وہ دونوں پیٹرومیکس کی روشنی میں آگئے۔

"ارے کون ہے؟" کوئی چیخا۔ "اُوہو.... نقاب پوش.... نقاب پوش....!"

پھر وہ دونوں گھیر لئے گئے۔

"جانے نہ پائے.... جانے نہ پائے۔" مجمع چیخ رہا تھا۔

اتنے میں فریدی نے اُسے قلعہ جنگ کے داؤں پر مارا اور وہ سر کے بل نیچے چلا آیا۔

"واہ.... وا.... دبوچ لے۔" ہلڑ بڑھتا گیا۔

فریدی نے محسوس کر لیا کہ نقاب پوش ڈھیلا پڑ رہا تھا۔ بس اُس نے کہنی سے اُس کی کنپٹی پر گھسے لگانے شروع کر دیئے.... نقاب پوش سست ہوتا چلا گیا۔

یہ سب کچھ ہو رہا تھا لیکن مجمع میں سے کسی نے بھی آگے بڑھنے کی زحمت یا ہمت نہیں نقاب پوش بالکل ہی بے سدھ ہو گیا۔

اتنی دیر میں چاروں طرف نقاب پوش کا ہلڑ ہو گیا تھا۔ لوگ ہر جانب سے امنڈ محل کے مسلح پہرہ دار بھی آگئے۔

نقاب پوش زمین پر چت پڑا تھا.... اور فریدی قریب ہی کھڑا اس طرح ہاتھ جھاڑ رہا کہنے والا ہو۔ "چلو یہ بنڈل بھی اٹھاؤ۔"

"کیا یہ مر گیا....؟" پہرہ داروں کے کمانڈر نے آگے بڑھ کر پوچھا۔ وہ فریدی کا چہ دیکھ سکا تھا۔ کیونکہ خود اُس کی آنکھیں پیٹرومیکس کی تیز روشنی کی زد پر تھیں اور فریدی اندھیرے میں تھا۔

"نہیں دوست....!"

"تم کون ہو....!" اُس نے بھنا کر پوچھا اور فریدی روشنی میں آگیا۔

"ارے.... آپ.... یعنی کہ....!"

"ہاں میں ہوں۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "چلو پہچانا تو تم نے۔"

"لل.... لیکن یہ نقاب پوش؟ اور آپ یہاں کہاں؟"

"یہ صرف نربدا اسٹیٹ ہی نہیں بلکہ پورے ملک کا دشمن ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ.... اچھا تو.... چلیں اسے دیوان صاحب کے سامنے اٹھوالے چلیں۔"

"ہرگز نہیں.... اُن کو یہیں لاؤ.... میں اُن گواہوں سے محروم ہونا پسند نہیں کروں گا نا کے سامنے میں نے اُسے ایک طویل جدوجہد کے بعد قابو میں کیا تھا۔ جنہوں نے مجھ پر کئے نے والے فائر کی آواز سنی تھی.... جن کے سامنے نقاب پوش کے قبضے سے ایک ایسا ریوالور آمد کروں گا جس سے کچھ دیر پہلے ہی گولی چلائی گئی ہو.... اور مشیر نامہ تیار کروں گا۔"

"یہ سب کچھ دیوان صاحب کے سامنے ہی ہو سکے گا.... بھلا گواہ منحرف کیوں ہونے لگے؟"

"یہ نہ کہو ڈیئر....!"

"ارے جناب ہم سبھی تنگ آئے ہوئے تھے اس بدبخت سے۔ دیوان صاحب تو کچا گے.... اسٹیٹ بدنام ہو رہی تھی اس کی بدولت.... عام طور پر لوگوں کا خیال تھا کہ یہ ہز انس ہی کا کوئی گرگا ہے۔ اس طرح ہز ہائی نس کے لئے لڑکیاں فراہم کرتا ہے۔"

"اچھا اگر یہ بات سچ ہی نکلی تو....!"

"ہرگز نہیں جناب.... ہمارے ہز ہائی نس نہ پہلے کبھی ایسے تھے اور نہ اب ہیں۔ خیر اچھی ت ہے میں دیوان صاحب کو اطلاع بھجوا رہا ہوں۔"

پھر شائد اُس نے بیہوش مجرم کی نقاب کشائی کا ارادہ کیا ہی تھا کہ فریدی بول پڑا۔ "ابھی ہیں.... اپنے دیوان صاحب کو آ ہی جانے دیجئے۔"

فریدی بیہوش نقاب پوش کے پاس دوزانو بیٹھ کر اُس کے ہاتھوں میں ہلکی ہتھکڑیوں کا جوڑا ڈالنے لگا جو وہ اپنے ساتھ ہی لایا تھا۔

"ہاں جناب.... یہ آپ کے سارجنٹ حمید صاحب شادی کب کر بیٹھے۔ یہاں مقیم ہیں۔ اُن کا بیان ہے کہ یہی نقاب پوش اُن کی بیگم کو بھی لے گیا۔"

"اب سب ٹھیک ہو جائے گا....!" فریدی نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد دیوان بھی وہاں پہنچ گیا۔ پہرہ داروں کے کمانڈر نے فریدی کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "میں دراصل انہیں کی اسٹیٹ کا باشندہ ہوں۔"

"اوہ بڑی خوشی ہوئی جناب آپ سے مل کر۔" دیوان نے فریدی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "آپ تو بہت ہی اونچے آدمی ہیں۔ سنا ہے کہ سراغ رسانی کے شوق میں اسٹیٹ منیجروں کے حوالے کردی ہے۔"

"شوق ہی ٹھہرا....!" فریدی مسکرایا۔

وہ سبھی بے چین تھے کہ کسی طرح نقاب پوش جلد بے نقاب ہو جائے لیکن جب اُس کے چہرے سے نقاب ہٹائی گئی تو بہتیری چیخیں نکل گئیں۔ خود فریدی کو بھی اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا کیونکہ یہ تو کنور سنتوش کمار تھا.... شرمیلا کنور سنتوش کمار.... کنور سنتوش کمار جو ایک بہت بڑی پوزیشن پر لات مار کر ساڑھے چار سو روپے کی معلمی کرتا تھا.... اور جسے اعتراف تھا کہ وہ تحفے کے لئے ملازمت نہیں کرتا بلکہ اپنے ذوق کی تسکین کے لئے معلمی کا پیشہ اختیار کئے ہوئے ہے.... کنور سنتوش کمار جسے شیلا کے اغواء پر بے حد دکھ پہنچا تھا.... وہ کنور سنتوش کمار راہ چلتی لڑکیوں کو اٹھالے جاتا تھا.... وہ کنور سنتوش کمار لڑکیوں کی تجارت کرتا تھا.... انہیں اُن کے اعزہ سے زبردستی چھڑاتا تھا.... اور پھر کالے کوسوں بھجوا کر فروخت کرادیتا تھا۔

محلات میں کھلبلی پڑگئی.... نقاب پوش ہوش میں آچکا تھا اور خود اپنے ہی پیروں سے چلتا مخصوص محل کی ڈیوڑھی تک آیا تھا۔ ہز ہائی نس راجہ تیج بھان جی اسی محل میں گوشہ نشین تھے۔ دیوان ہی کے مشورے کی بناء پر اُسے یہاں لایا گیا تھا۔ اور اُس وقت وہ ملاقات کے کمرے میں راجہ صاحب کے حکم کے منتظر تھے۔

کچھ دیر بعد اُن دونوں پہلوانوں نے راجہ کی آمد کی اطلاع دی جو اُس کے ساتھ اُسی مخصوص محل میں رہتے تھے۔

دوسرے ہی لمحے میں ایک مغربی طرز کا ہیجڑا کمرے میں داخل ہوا جس نے نارنجی اسکرٹ اور سفید بلاؤز پہن رکھا تھا۔ پنڈلیوں پر جسم کی رنگت سے مناسبت رکھنے والے اسٹاکنگ تھے اور پیروں میں ٹاپ ہیل جوتے.... کنور سنتوش کے چہرے پر نظر پڑتے ہی ہیجڑوں ہی کے سے انداز میں چیخا۔ "اے ہے.... نکالو ہتھکڑی میرے بچے کے ہاتھوں سے.... یہ کون نگوڑا ہے؟

جس نے ہتھکڑیاں ڈالی ہیں.... کیوں رے دیوان صاحب.... تو خاموش کیوں ہے۔ اے بول حرام کے جنے۔"

"دیوان کا چہرہ حیرتوں کی آماج گاہ بنا ہوا تھا۔ اُس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "سرکار یہ چھوٹے سرکار ہی نقاب پوش تھے۔"

"چل ہٹ! حرامی کے پلے۔" ہیجڑے نے کہا پھر فریدی کی طرف انگلی اٹھا کر بولا۔ "یہ کون ہے؟"

"انسپکٹر احمد کمال فریدی سرکار....!" دیوان نے بدستور ہاتھ جوڑے ہوئے کہا۔ "مرکزی محکمہ سراغ رسانی سے تعلق رکھتے ہیں۔"

"کیوں بھیا.... تم نے کیوں میرے بچے کو باندھ رکھا ہے۔ چھوڑو جلدی ورنہ میں ریزیڈنٹ کو بلوالوں گی۔"

"ضرور بلوائیے۔" فریدی نے کہا اور پھر دیوان سے پوچھا۔ "آپ کی تعریف....!"

"سس.... سرکار ہیں.... ہز ہائی نس نربدا...." دیوان نے کہا اور خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

❁

حمید بڑے انہماک سے کہانی سن رہا تھا۔ فریدی سگار سلگانے کے لئے رکا۔

"تو کیا دیوان وغیرہ کو علم نہیں تھا کہ وہ ہیجڑوں کی سی زندگی بسر کر رہا ہے۔"

"ہرگز نہیں....!" فریدی سگار کا کش لے کر آہستہ آہستہ دھواں نکالتا ہوا بولا۔ "وہ نہیں جانتے تھے۔ ارے یہ وہی راجہ تیج بھان ہے۔ شیروں کا مشہور شکاری جس نے کبھی مچان پر بیٹھ کر شکار نہیں کیا۔ درجنوں شیر مار ڈالے۔ بڑے جیوٹ کا آدمی تھا۔ ایک ماہر نشانہ باز.... اچانک اُس کی جنس بدلنے لگی.... اور وہ گوشہ نشین ہو گیا۔ اُن دونوں پہلوانوں کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ راجہ کی جنس بدل گئی ہے.... اگر سنتوش کا معاملہ نہ ہوتا تو وہ کبھی باہر نہ آتا.... بے حد چاہتا ہے اُسے۔"

"اب سنتوش کا کیا بنے گا۔"

"اُن لوگوں نے مجھ پر ریاستی رد اکنے کی کوشش کی تھی.... لیکن پھر انہیں ریذیڈنٹ ہی کو

بلوانا پڑا۔ اُس نے کہہ دیا کہ وہ اس معاملے میں کچھ نہ کر سکے گا۔ برٹش انڈیا کی حکومت جاسوسی بھی تو خار کھائے بیٹھا تھا کیونکہ دو تین اینگلو انڈین لڑکیاں بھی نربدا اسٹیٹ سے اٹھ چکی تھیں بہر حال اُس کا پورا گروہ گرفتار ہو چکا ہے اور حکومت مشرق وسطیٰ کے اُن ممالک کی حکومتوں سے بھی گفت و شنید شروع کر چکی ہے جہاں جہاں اُس کا یہ گندہ بزنس چلی رہا ہے۔"

"بیچاری سیما....!" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ "اب اُسے بھی عدالت میں پیش ہونا پڑے گا.... اور اُس کے شوہر کو سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔"

"شوہر....!" فریدی نے حیرت سے کہا۔ "گھاس تو نہیں کھا گئے۔ ارے ڈفر وہ ایک چلتی ہوئی طوائف ہے۔ زیادہ تر بیرونی سیاحوں کے ساتھ بزنس کرتی ہے۔"

"جان سے مار دوں گا....!" حمید مٹھیاں بھینچ کر بولا۔

"کسے....؟"

"بمبینو کے منیجر کو۔ حرامزادے نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ ایک بہت بڑے سرمایہ دار کی بیوی ہے اور ایڈونچر کی شائق ہے۔ کوئی ایسی ویسی نہیں۔"

"بزنس ٹیکٹ....!" فریدی مسکرایا۔ "اس طرح وہ زیادہ پیسے کماتی ہے اور منیجر کو زیادہ کمیشن ملتا ہے۔"

"خیر سمجھوں گا اُس نطفہ خنزیر سے بھی۔" حمید بڑبڑایا۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "آخر اُس سے سیما کو اٹھانے کی حماقت کیوں سرزد ہوئی تھی۔"

"وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اُس کے لئے اُسے چارہ بنا کر لے جا رہے ہو۔ لہٰذا مجھے اور زیادہ مرعوب کرنے کے لئے یہ حرکت کر بیٹھا تھا۔"

"لیکن وہ بیچارہ راجہ تیج بھان.... لیکن بھلا بیچارہ کیوں.... بتایئے اُسے بیچارہ کہیں گے بیچاری.... میرے خیال سے تو یہ کہنا چاہئے۔ حمید نے کہا۔ اور پنسل اٹھا کر پیڈ پر لکھ دیا "بیچارہ بیچاری۔"

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 90

اشاروں کے شکار

(مکمل ناول)

پیشرس

اشاروں کے شکار ملاحظہ فرمایئے! دیر ضرور ہوئی لیکن کہانی آپ کو پسند آئے گی۔ آہستہ آہستہ ہی فارم میں آسکوں گا.... ادھر بہتیرے پڑھنے والوں کا اصرار رہا ہے کہ فریدی اور حمید کی کچھ کہانیاں لگاتار پیش کی جائیں۔ کیونکہ میری صحت یابی کے بعد سے اب تک عمران کے چار ناول آچکے ہیں اور جاسوسی دنیا کا یہ دوسرا ناول ہے۔ لہٰذا پڑھنے والوں کی اس خواہش کے احترام میں فریدی اور حمید کی کچھ کہانیاں لگاتار پیش کروں گا یعنی اس ناول کے بعد والا ناول عمران سیریز کا نہیں بلکہ جاسوسی دنیا کا ہی ہوگا۔

پچھلا ناول "جونک کی واپسی" خاصا پسند کیا گیا ہے.... ناپسندیدگی کے سلسلے میں تادمِ تحریر صرف تین حضرات کے خطوط موصول ہوئے ہیں۔ ان کا انداز نگارش کچھ ایسا ہے جیسے "ردعمل" کے طور پر جواب میں " دلچسپ قسم کا پیش رس چاہتے ہیں.... مجبوری ہے پیشرس طویل نہیں ہوسکے گا.... کیونکہ کہانی زیادہ صفحات کھا گئی۔ البتہ ان صاحب سے ایک بات ضرور کہوں گا جنہوں نے مجھے انگریزی کے جاسوسی ناول کے تراجم پیش

کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں اگر آپ ایسا کریں تو ہم تین کی بجائے نیں روپے میں وہ کتاب خریدیں گے۔

شکریہ جناب! لیکن صرف آپ ہی خرید سکیں گے۔ بقیہ پچاس پیسے فی سیر کے حساب سے فروخت کرنی پڑیں گی۔ تراجم کا حشر آئے دن پیش نظر رہتا ہے اور پھر میں کیوں کروں انگریزی ناولوں کا ترجمہ۔ کیوں نہ میرے ہی ناولوں کا انگریزی میں ترجمہ کیا جائے۔ شاید جلد ہی آپ میرے ناولوں کے انگلش ایڈیشن بھی دیکھ سکیں.... ایک صاحب فرماتے ہیں جونک کی واپسی میں تسلسل نہیں ہے۔ خدا جانے تسلسل سے کیا مراد ہے.... ناول یک رخی تکنیک میں لکھا گیا ہے۔ لہٰذا تسلسل میں فرق آنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

والسلام

ابن صفی

بے ہوشی

بعض فلمی گیت اس بُری طرح ذہن سے چپک کر رہ جاتے ہیں کہ زبان انہیں غیر شعوری طور پر دہراتی رہتی ہے۔ زبان بھی تھک جائے تو ان کے بول ذہن میں گونجتے رہتے ہیں۔ اچھے خاصے باریش کو دبی زبان میں "میں ان کی بن جاؤں گی" گاتے سنا گیا ہے۔

پھر قاسم تو تھا ہی ہونق.... بڑی دیر سے گا رہا تھا "اللہ کرے میں بھی دلہن بن جاؤں۔" ساتھ ہی غیر شعوری طور پر لچکتا بھی جا رہا تھا.... ظاہر ہے اس پہاڑ جیسے ڈیل ڈول کی بھی کیسی ہو گی۔

اس کی ننھی منی نازک سی بیوی نے بالآخر تنگ آ کر کہا۔ "اللہ تمہاری یہ خواہش بھی پوری نہیں کرے گا؟"

"خیا.... ماطلب....!" قاسم چونک کر پلٹا.... چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر کھسیاہٹ آثار چہرے پر ظاہر ہوئے۔ غالباً اب اُسے احساس ہوا کہ وہ پنسل چھیلتے وقت کیا گا رہا تھا۔

"یہ تمہیں مصوری کی کس نے سجھائی ہے۔" بیوی آنکھیں نکال کر بولی۔

"توم سے ماطلب.... بھاگ جاؤ۔" قاسم ہاتھ ہلا کر غرایا۔

"نہیں جاؤں گی! سارے گھر کا بھٹیار خانہ بنا کر رکھ دیا ہے۔"

"نغار خانہ....!" قاسم آنکھیں نکال کر دہاڑا۔

"نغار خانہ....!" بیوی ہنس پڑی۔ انداز مضحکہ اڑانے کا سا تھا۔

"ہائیں.... تمہارا دیماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔"

"نغار خانہ نہیں.... نگار خانہ....!"

"توم سے مطلب...." قاسم اس طرح اٹھا جیسے مار ہی تو بیٹھے گا۔

لیکن اس کی بیوی بے تعلقانہ انداز میں اس "نگار خانے" کا جائزہ لیتی رہی۔

بہت بڑا کمرہ تھا جس میں چاروں طرف تجریدی آرٹ کے بے شمار نمونے نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے کچھ تو خود قاسم کی بوکھلاہٹوں کا نتیجہ تھے اور کچھ دوسرے مصوروں کی کوششیں۔

قاسم میں مصوری کے جراثیم کیپٹن حمید نے دریافت کیے تھے اور قاسم نے چھاتی ٹھونک کر کہا تھا کہ وہ تجریدی مصوری میں بڑا نام پیدا کرے گا۔

شہر کے ایک ثقافتی سرگرمیوں کے مرکز میں کسی مصور کی تجریدی کاوشوں کی نمائش ہو رہی تھی۔ قاسم اور حمید بھی جا پھنسے تھے۔ قاسم نے حمید کو اطلاع دی تھی کہ اٹلی سے ایک طائفہ آیا ہے جو وہاں رقص و سرور کی نمائش کرے گا.... لیکن وہاں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ ملک کی مشہور آرٹسٹ محترمہ معکوس آویزاں کی تصویروں کی نمائش ہو رہی ہے۔

حمید کو بے حد غصہ آیا اور اُس نے قاسم سے بھی کہہ دیا تھا کہ وہ اس کی غلط بیانی کے سلسلے میں یقینی طور پر کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے گا جس سے اس کو بھی بھگتنا پڑے۔

پھر وہ اس ہال میں آئے تھے جہاں تصویروں کی نمائش ہو رہی تھی اور قاسم حیرت سے منہ پھاڑ کر ان تصاویر کو دیکھنے لگا۔

"اے.... یہ کیا بنایا ہے سالوں نے۔" اس نے حمید کے کاندھے پر ہاتھ مار کر کہا تھا۔

"آہستہ.... بیٹے! ورنہ اگر کسی سالے نے سن لیا تو تمہاری ہی تجرید کر کے رکھ دے گا۔"

"کیا کر کے رکھ دے گا....؟" قاسم نے آنکھیں نکالی تھیں۔

"یار ختم کرو.... تصویریں دیکھو....!"

"یہ تصویریں ہیں؟.... کاہے کی تصویریں ہیں بھلا....!"

"یہ دیکھو اور اس حسینہ....!"

"تہاں ہے حسینہ....!"

"وہ سامنے....!"

"اے جاؤ....!" قاسم منہ پر رکھ کر ہنسا تھا "آغے سے بھینس اور پیچھے سے ناشتہ دان

معلوم ہوتی ہے۔ نہیں پیارے بھائی سچ بتاؤ یہ کیسی تصویریں ہیں۔"

حمید کوئی جواب دیئے بغیر گیلری میں چکر لگانے والی لڑکیوں کا جائزہ لیتا رہا۔ ایک ہزار پینٹنگ کے قریب ایک دبلی پتلی لڑکی خاموش کھڑی تھی۔

"یہ چپاتی بیگم کون ہیں....؟" قاسم نے اس طرف اشارہ کر کے پوچھا تھا۔

"شاید یہی مصور ہیں ان تصاویر کی۔"

"اے جاؤ.... ابھی تو شاید اس کی شادی بھی نہ ہوئی ہو گی۔"

"بھلا شادی اور مصوری کا کیا تعلق....!"

"ایسی حرکتیں میاں کو جلانے کے لئے کی جاتی ہیں۔" قاسم مصوری کے نمونے کو حقارت سے دیکھتا ہوا بولا۔

"یار سنو....!" حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "کیوں نہ تم ایسی ہی حرکتیں اپنی بیوی کو جلانے کیلئے شروع کر دو۔ نام کا نام ہو گا اور بیوی بھی ہر وقت انگاروں پر لوٹتی رہے گی۔"

"اے تو واقعی یہ مصوری ہے....!" قاسم نے دوبارہ حیرت ظاہر کی تھی۔

"ہاں.... بھئی....!"

"میری سمجھ میں تو نہیں آتی....!" قاسم نے بے بسی سے کہا تھا۔

"ادھر آؤ.... میں سمجھتا ہوں.... دیکھو، اس تصویر میں دیکھو.... یہ کیا ہے۔"

"یہ.... یہ.... اوہ.... مشک ہے شاید.... پانی سے بھری ہوئی۔"

"غلط سمجھے.... یہ عورت ہے۔"

"اے جاؤ....!" قاسم منہ پر ہاتھ رکھ کر پھوہڑ پن سے ہنسا تھا۔

"یقین کرو میرے دوست.... اچھا یہ بتاؤ.... کیا ہے....!"

"یہ تو.... یہ تو موسل ہے۔"

"غلط.... یہ مرد ہے۔"

"اچھا بیٹا.... ہاتھ پیر کہاں ہیں اس کے۔"

"یہی تو کمال ہے۔"

"چکد ہو تم....!"

"اوہ دیکھو برخوردار یہ تصویر فروخت بھی ہو چکی ہے۔ اس پر "فروخت شدہ" کی چٹ لگی ہوئی ہے۔ ٹھہرو ذرا پوچھیں تو کتنے میں فروخت ہوئی ہے۔"

حمید نے خود مصور سے پوچھا تھا اور قاسم یہ سن کر متحیر رہ گیا تھا کہ مشک اور موسل پانچ سو روپوں میں فروخت ہوئے ہیں۔

"اے اگر یہ واقعی مصوری ہے تو پھر میں مصور ہوں.... دیکھا جائے گا۔"

"کیا دیکھا جائے گا۔"

"میں بھی کروں گا مصوری.... اچھا! اگر مشک کی بجائے پن چکی بناؤں تو کیسی رہے گی۔"

"کیا بات پیدا کی ہے یار واقعی تم بہت ذہین آدمی ہو.... جس کمرے میں تمہاری بیوی سہیلیوں کو لے کر بیٹھتی ہو اُسی میں نگار خانہ بنا ڈالنا۔"

"غاؤں....!" قاسم نے بے دھیانی میں کہا تھا اور پھر تصاویر کی طرف متوجہ ہو گیا۔

دوسرے دن پہلے تو اُس کی بیوی کا مخصوص کمرہ نشست کباڑ خانہ بنا تھا اور پھر نگار خانہ بن گیا تھا۔

سینکڑوں روپے رنگ برش، کینواس، ایزل اور فریموں پر صرف کئے گئے اور شروع ہو گئی تجریدی مصوری۔

بیوی نے بہت غل غپاڑا مچایا تھا۔ مگر کون سنتا ہے.... اور پھر کچھ دنوں کے بعد سچ مچ بیوی کو کافی جلانے لگا تھا.... ایک دن کوئی تربوز نما چیز پینٹ کر کے اس میں ڈاڑھی لگا دی اور نیچے لکھ دیا بیوی کے باپ کا نام.... اس پر تو گویا قیامت ہی آ گئی تھی.... غصے نے اس کی ایسی درگت بنائی تھی جیسے ہسٹریا کا دورہ پڑ گیا ہو اور قاسم کو وقتی طور پر گھر چھوڑ کر بھاگنا پڑا تھا۔

آج پھر کچھ ایسی ہی افتاد پڑنے والی تھی۔ کیونکہ اس کی بیوی کے تیور کچھ ایسے ہی تھے جیسے چڑانے کے موڈ میں ہو۔

"کیا تم بھی نہیں بتاؤ گے کہ تمہیں مصور کس نے بنایا ہے۔" اس نے کہا۔

"میں کھد بن گیا ہوں بنائے غا کون؟"

"نہیں....!" بیوی سر ہلا کر بولی۔ "کوئی معشوق ہے اس پردہ زنگاری میں۔"

"قیا....!" قاسم نے آنکھیں نکالیں۔

"ہوں....!" وہ ایزل پر نظر جمائے رہی جس پر کئی رنگ دائرے کی شکل میں گڈ
آرہے تھے۔

"معشوق....! یہ تم کیا بک رہی ہو.... اور یہ سالا پردۂ انگاری کیا ہے۔"

"زنگاری....!"

"وہی.... وہی.... ہے کیا.... اور تم معشوق معشوق کرتی ہو۔ شرم نہیں آتی۔"

"کیوں نہ کروں۔"

"ہائیں....!" قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "دماغ سہی ہے یا نہیں۔"

"تم اپنے دماغ کی خبر لو....!"

"اچھا.... اچھا....!" قاسم اسے گھونسہ دکھا کر بولا۔ "اگر تمہارے اماں باوا کی بھی تجر
کی تو کچھ نہ کیا۔"

"اے زبان سنبھال کے....!"

"نہیں سنبھالوں گا....!"

"اپنے چچا کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے شرم نہیں آتی۔"

"ہاں.... ں.... نہیں آتی....!"

"اور اگر کہوں تمہارے باپ کو....!"

"تو پھر وہ ہمارے چچا نہیں رہ جائیں گے.... جرور کہو.... وہ اسی قابل ہیں۔"

"قیا....!" غیر شعوری طور پر قاسم کی بیوی کی زبان سے نکلا۔ اس میں مزاج کو قطعی د
نہیں تھا۔ کیونکہ وہ بے حد غصے میں تھی۔

اتنے میں باہر سے کسی نے گھنٹی بجائی اور وہ وہ دونوں ہی چونک پڑے۔

گھنٹی بجانے والے نے ایک بار بٹن دبانے پر اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ برابر دبائے جا رہا تھا۔

"یہ تمہارے بھائی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ سالوں کو گھنٹی بجانے کی بھی تم
نہیں۔" قاسم نے بیوی کو گھونسہ دکھا کر کہا۔

"تم بکواس بند نہیں کرو گے اپنی.... منع کر دوں گی اب نہ آیا کرے کوئی....!"

"بلکل منع کر دو....!"

وہ تنتاتی ہوئی کمرے سے چلی گئی۔ قاسم دروازے کی طرف گھورتا رہا۔ طرح طرح کے منہ
بناتا اور دانت پیستا رہا۔

کچھ دیر بعد ایک ملازم نے چاندی کی طشتری میں کسی کا وزیٹنگ کارڈ پیش کیا۔

"ہائیں....!" وہ کارڈ پر نظر جمائے ہوئے متحیرانہ لہجے میں بڑبڑایا۔ "مس روزا سنہا
سیکریٹری کلچر سنٹر۔"

"ابے.... مس روزا سنہا.... یعنی کہ مس۔" قاسم نے تھوک نگل کر سرگوشی کی اور ملازم
سکرانے لگا۔

"ق.... قیسی ہے..؟" اس نے پُر اشتیاق لہجے میں پوچھا اور نچلے ہونٹ پر زبان پھیرنے لگا۔

"جوان ہے....!" ملازم نے دوسری طرف منہ پھیر کر ہنسی روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ابے تو ہنستا کیوں ہے؟" قاسم نے آنکھیں نکالیں.... اور پوچھا۔ "دبلی پتلی ہے....!"

"نہیں جناب.... لمبی تڑنگی....!"

"ابے تو ایسے بول نا.... ہی۔ ہی۔ ہی۔" وہ احمقانہ انداز میں ہنستا ہوا اٹھ گیا۔

نوکر آگے تھا اور وہ پیچھے۔ یک بیک قاسم راہداری میں رک کر بولا۔ "ابے سن تو سہی۔"

نوکر بھی رک کر مڑا۔

"آئی کیوں ہے....؟"

"بتایا نہیں صاحب....؟"

"تم لوگ سالے اتنے چگد ہو۔ ابے تم یہ نہیں معلوم کر سکے کہ کیوں آئی ہے.... اچھا اچھا
م کہاں ہے۔"

"اپنے کمرے میں۔"

"انہیں مالوم ہے۔"

"جی جناب....!"

"ارے باپ رے۔" قاسم پیٹ پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

اب شاید سوچ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے.... آخر الٹی کھوپڑی میں یہی آیا کہ پہلے بیوی
کے پاس ہی جائے۔ لہٰذا اس کے کمرے میں پہنچ کر غوں غوں کرنے لگا۔

"اُغے.... ایم.... یہ قق کیوں آئی ہے؟"

"مجھ سے پوچھ رہے ہو۔" بیوی آنکھیں نکال کر بولی۔

"پھر قس سے پوچھوں....؟" قاسم نے بے بسی سے کہا۔

"باوا سے....؟" اُس نے فون کی طرف اشارہ کیا۔

"اچھا....!" قاسم رَو میں فون کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ پھر یک بیک رک کر بولا۔

"دماغ تو نہیں خراب ہو گیا....؟"

"تم بتاؤ.... یہ کون ہے اور کیوں آئی ہے۔" بیوی اچھل کر کرسی سے اٹھتی ہوئی چیخی۔

"مم.... میں.... قیا بتاؤں.... میں تو جانتا بھی نہیں۔"

"ابھی معلوم ہوا جاتا ہے....!" وہ دروازے کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

"ارے باپ رے۔" قاسم کراہ کر پیٹ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

وہ دروازے پر رک کر مڑی اور جلے کٹے لہجے میں بولی۔ "آؤنا....!"

"مم.... میں.... کک.... کیوں! نہیں تم ہی جاؤ....!"

"مجھ سے ملنے نہیں آئی۔"

"بھگادو.... تم بھگادو جا کر....!"

"میری جوتی کو غرض پڑی ہے؟ لیکن یہ ضرور پوچھوں گی کہ کیوں آئی ہے۔"

"جرور .. جرور....!" قاسم بوکھلا کر بولا۔

ڈرڈر کر وہ بھی قدم اٹھاتا رہا۔ پہلے اس کی بیوی ہی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ قاسم دروازے پر ٹھٹکا۔ کچھ سوچتا رہا۔ پھر خود بھی اندر داخل ہو گیا۔ اس دوران میں دونوں عورتوں کے درمیان رسمی قسم کی گفتگو ہو چکی تھی.... لیکن قاسم نہیں سن سکا تھا۔ جیسے ہی وہ اندر پہنچا اس کی بیوی بولی۔ "جی ہاں یہی ہیں قاسم صاحب۔"

"آداب بجا لاتی ہوں جناب۔" بڑی شیریں آواز میں کہا گیا۔ قاسم نے شکل دیکھی تو بوکھلاہٹ کے باوجود نہال ہو گیا۔ دانت نکل پڑے۔

"ترشیف.... تفریش.... تشریف رکھئے۔" وہ ہانپتا ہوا بولا۔

واقعی لمبی تڑنگی صحت مند اور خاصی دلکش لڑکی تھی۔

پھر گہری خاموشی طاری ہو گئی۔ کچھ دیر تک شاید ہر ایک اپنی جگہ پر یہی سوچتا رہا کہ اب کیا کہنا چاہئے۔ پھر لڑکی ہی نے سکوت توڑا۔

"تکلیف دہی کی معافی چاہتی ہوں۔ میں کلچر سنٹر کی سیکریٹری ہوں۔ آپ جانتے ہی ہوں گے کہ ہم لوگ اکثر ثقافتی تقریبات منعقد کرتے رہتے ہیں۔ ابھی پچھلے دنوں ایک اچھی مصور... کی تصاویر کی نمائش کا انتظام کیا تھا۔"

"جی ہاں.... جی ہاں.... میں وہاں غیا تھا۔" قاسم بوکھلا کر بولا۔

"ہم خود ہی اچھے آرٹسٹوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ کوشش کرتے ہیں کہ ان فن کاروں کو جو گوشہ گمنامی میں پڑے ہوئے ہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر منظر عام پر لائیں۔"

"جی بہت اچھی بات ہے۔" قاسم سر ہلا کر بولا۔

"ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ بھی بڑے اچھے مصور ہیں۔"

"اجی میں کیا.... ہی۔ ہی۔ ہی.... قس لائک ہوں۔" قاسم نے ازراہِ انکسار دانت نکال دیئے۔

قاسم کی بیوی مس روزا سنہا کو گھورے جا رہی تھی اور قاسم اپنے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر بار بار زبان پھیر رہا تھا۔

"آپ کو کس نے بھیجا ہے؟" دفعتاً قاسم کی بیوی پوچھ بیٹھی۔

"کسی نے بھی نہیں۔" روزا نے جواب دیا۔ "کہیں تذکرہ آیا تھا۔ میں نے کہا مل ہی لوں۔ مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ کہاں بات چھڑی تھی۔"

"بہر حال آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" قاسم کی بیوی کچھ دیر بعد بولی۔ "کسی نے ان کا مضحکہ اڑانے کی کوشش کی ہو گی۔"

"تب تو مجھے افسوس بھی ہے اور شرمندگی بھی....!"

"نہیں افسوس نہ کیجئے۔" قاسم جلدی سے بول پڑا۔ "آرٹ وارٹ ان کی سمجھ میں نہیں آتا یہ کیا جانیں۔"

"اوہ تو پھر میں نے غلط نہیں سنا تھا....!" روزا خوش ہو کر بولی۔

"جی ہاں.... بھائی صاحب.... فخ.... مطلب یہ کہ جی ہاں.... چلئے میں آپ کو اپنی

تصویریں دکھاؤں۔"

"مجھے بے حد خوشی ہوگی جناب۔"

بیوی نے قاسم کو گھور کر دیکھا لیکن وہ تو کسی دوسری ہی دنیا میں پہنچ چکا تھا۔ دس آ سے بھی گھورتی تو کیا ہوتا۔

موج میں آیا تو پھر بکتا ہی چلا گیا۔ "جی بات یہ ہے کہ لوگ میرے آرٹ سے جلتے ہیں جب قوئی چیز سمجھ میں نہیں آتی.... تو.... جی ہاں.... واہیات ہو جاتی ہے سالی.... مطلب کہ جی ہاں۔"

"کیا آپ کا نگار خانہ کہیں اور ہے۔" روزا نے پوچھا۔

"جی نہیں یہیں ہے.... گھر پر ہی۔"

"تو پھر....؟"

"جی ہاں چلئے....!" قاسم اٹھتا ہوا بولا۔

اس کی بیوی کے چہرے پر عجیب آثار تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے جھینپ بھی رہی ہو اور شدید ترین غصے کو بھی دبانے کی کوشش کر رہی ہو۔

لیکن وہ انکے ساتھ اس کمرے تک آ ہی گئی۔ جہاں حماقتوں کے شاہکار بکھرے پڑے تھے۔

"اوہ.... ونڈر فل۔" روزا نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

"جی غاں....!"

"کمال ہے.... اف فوہ.... آپ نے تو کمال کر دیا۔"

"اجی میں کیا.... ہی۔ ہی۔ ہی۔ ہی....!"

"قوم کی بد قسمتی ہے کہ وہ آپ سے واقف نہیں۔"

"بہت ہو چکا....!" قاسم کی بیوی غصیلی آواز میں بولی۔ "آپ ہمارے ہی گھر میں ہمار مضحکہ اڑا رہی ہیں۔"

روزا بوکھلائے ہوئے انداز میں اس کی طرف مڑی۔

"میں نہیں سمجھی محترمہ....!" اس نے حیرت زدہ آواز میں کہا۔

"کیا یہ تصویریں ہیں۔" قاسم کی بیوی آنکھیں نکال کر بولی۔

"میں سمجھی۔" روزا نے طویل سانس لی پھر مسکرا کر بولی۔ "عام طور پر لوگ تجریدی آرٹ کو سمجھ نہیں پاتے۔"

"کیا آپ سنجیدگی سے کہہ رہی ہیں کہ یہ مصوری ہے۔"

"جی ہاں....!" روزا سر ہلا کر بولی۔ "پوری سنجیدگی اور یقین کے ساتھ....!"

"اللہ رحم کرے....!" قاسم کی بیوی آہستہ سے بڑبڑائی اور روزا پھر تصاویر کیطرف متوجہ ہو گئی۔

"واہ کیا آئیڈیا ہے...." وہ ایک تصویر کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "دربار شاہی۔"

"بھلا مجھے بھی تو بتایئے کہ کیا آئیڈیا ہے۔" قاسم کی بیوی نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"کیڑے مکوڑے اور نامکمل سا دائرہ بنا کر قاسم صاحب نے جس نازک خیالی کا مظاہرہ کیا ہے اس کا جواب مشکل ہی سے ملے گا۔"

قاسم نے فخریہ انداز میں بیوی کی طرف دیکھا اور اکڑ گیا۔

روزا اس مخصوص تصویر کی خوبیاں گنوائے جا رہی تھی۔ پھر اس نے تجویز پیش کی کہ قاسم کی تصاویر کی نمائش بھی ہونی چاہئے۔

"آپ ہمارے لئے مشکلات پیدا کر رہی ہیں محترمہ....!" قاسم کی بیوی نے کہا۔

"کیسی مشکلات....؟"

"یہ سب سچ سمجھ رہے ہیں۔"

"میں غلط نہیں کہہ رہی۔ آپ کو کیسے یقین دلاؤں۔"

"تو آپ ان تصاویر کی نمائش کریں گی....!"

"جی ہاں....!"

"میں کیا کروں....!" قاسم کی بیوی اپنی پیشانی مسلتی ہوئی آہستہ سے بڑبڑائی۔

"تم قیوں مری جا رہی ہو۔" قاسم نے سرگوشی کی۔ "ہونے دو نمائش اور قیا۔"

روزا تصاویر میں کھوئی ہوئی ایک ایک کو بغور دیکھتی پھر رہی تھی.... قاسم کی باچھیں کھلی پڑ رہی تھیں اور قاسم کی بیوی کے تیور ایسے تھے جیسے ابھی ڈنڈا سنبھالے گی اور انہیں کمرے سے باہر ہانک کر ساری تصاویر میں آگ لگا دے گی....

دفعتاً روزا ایک جگہ رک کر مڑی اور اس کے چہرے پر خوف کے آثار تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا

تھا جیسے اُس کے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی باقی نہ ہو۔ چہرہ زرد ہو گیا تھا۔

"یہ.... یہ....!" اُس نے سامنے والی تصویر کی طرف اشارہ کیا.... دو تین جھکولے ادر دھم سے فرش پر آ رہی.... قاسم اور اس کی بیوی بوکھلا کر آگے بڑھے۔ روزا گہری سانسیں لے رہی تھی.... وہ اسے آوازیں دیتے رہے لیکن بے سود! وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

کیمرہ

انہونی ہی کہنا چاہئے۔ حمید اب بھی متحیر تھا۔ فریدی اور کھرے سے۔ نہ صرف خود آیا تھا حمید کو بھی گھسیٹ لایا تھا۔

سر شام ہی اس نے کہا تھا۔ "کیوں؟ کیا آج کل تم اس شہر میں نہیں ہو۔"

حمید کیا جواب دیتا صرف استفہامیہ انداز میں اُسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

"نیاگرہ میں ایک اطالوی پارٹی آئی ہوئی ہے...." وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"میں نے لہو و لعب سے توبہ کر لی ہے....!"

"فون کر کے ایک میز مخصوص کرالو.... دو آدمیوں کے لئے ڈنر....!"

"میرا خیال ہے کہ وہ پارٹی کھرے پیش کرتی ہے....!"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" اس نے خشک لہجے میں کہا تھا اور سامنے کھلی ہوئی کتاب پر جما دی تھی۔

رات کا کھانا نیاگرہ میں کھایا گیا تھا اور ابھی وہ فلور شو دیکھ رہے تھے۔ اسپاٹ لائٹ رقاصہ کے ساتھ ہی حرکت کر کے جسم کے خطوط واضح کر رہی تھی۔

حمید شروع ہی سے محسوس کرتا رہا تھا کہ وہ زیادہ تر تماشائیوں کا جائزہ لے رہا ہے.... کبھی کبھی وہ اس موویٔ کیمرے کو بھی دیکھنے لگتا جو فریدی کے سامنے میز پر رکھا ہوا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کیا وہ اس نیم عریاں رقص کی متحرک تصویریں لے گا۔ کیا تجرد نے جنسی کجروی کی شکل اختیار کر لی ہے؟

نیم عریاں رقص

بلد نمبر 29

آخر جب گھٹن بہت زیادہ بڑھ گئی تو اس نے فریدی کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "بس اب روع ہو جائیے۔"

"کیا مطلب....؟" فریدی چونک کر بولا۔

"بڑے غضب کے پوز دے رہی ہے ظالم! کیمرہ اٹھائیے اور شروع ہو جائیے۔"

"شٹ اپ....!"

حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور پھر رقاصہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ہال میں بلند آہنگ موسیقی گونج رہی تھی.... اور حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ساری ئنات ایک انگڑائی لیتے اور لچکتے ہوئے جسم میں تبدیل ہو گئی ہو۔

ایک پل کے لئے وہ اس کی میز کے قریب بھی آئی تھی اور اسپاٹ لائٹ سے اس کی آنکھیں ندھیا گئی تھیں۔ ورنہ وہ اس لچکتی ہوئی کائنات کا جائزہ قریب سے بھی لے سکتا۔

پھر وہ آگے بڑھ گئی تھی اور اب جس میز کے پاس تھرک رہی تھی اس پر سے ایک آدمی اٹھا ر بالکل اسی کے سے انداز میں لچکنے لگا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے گہرے نشے میں ہو.... ہال میں قہقہے لند ہوئے.... رقاصہ بھی شاید اس کی اس حرکت سے محظوظ ہو رہی تھی۔ اس لئے وہ وہیں رک اپنے جسم کو تھرکاتی اور لچکاتی رہی.... وہ دونوں ہی اسپاٹ لائٹ کے دائرے میں تھے۔

دفعتاً حمید نے موویٔ کیمرے کے چلنے کی آواز سنی اور چونک کر مڑا۔ فریدی ان کی تصویریں لے رہا تھا۔

لیکن ٹھیک اسی وقت کسی طرف سے ایک بوتل آ کر اُس کے ہاتھوں سے ٹکرائی اور کیمرہ فرش پر جا گرا.... فریدی اسے اٹھانے کے لئے جھکا ہی تھا کہ قریب بیٹھے ہوئے ایک آدمی نے اس پر چھلانگ لگائی.... اور شاید کیمرے پر قبضہ بھی کر لیا.... لیکن فریدی کی ٹھوکر اسے دور لے گئی۔ پھر حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے فریدی اڑتا ہوا اس پر جا پڑا ہو۔

ہال میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ سارے بلب روشن ہو گئے۔ اسپاٹ لائٹ غائب ہو چکی تھی اور رقاصہ ایک جانب سہمی کھڑی تھی۔

وہ دونوں فرش پر گتھے ہوئے تھے.... ان کے گرد مجمع اکٹھا ہونے لگا۔

"ہٹ جائیے.... ہٹ جائیے یہاں سے۔" حمید نے قریب پہنچ کر بلند آواز میں کہا۔ "پولیس"

"پولیس کی ایسی تیسی....!" کوئی نشے میں غرایا۔ "یہاں بھی پولیس! وہاں بھی پولیس خواب گاہوں میں پولیس.... قبر میں پولیس.... جہنم میں بھی پولیس.... ہینہ....!"

پھر حمید نے دیکھا کہ فریدی صدر دروازے کی طرف بھاگ رہا ہے۔ اس کے آگے کیمرے پر جھپٹنے والا تھا۔

باہر نکل کر اُس نے گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی.... فریدی اس طرف دوڑا تھا انہوں نے لنکن پارک کی تھی۔

حمید کو اچھی طرح یاد نہیں کہ وہ بھی لنکن میں کیونکر بیٹھا تھا۔

پھر لنکن کی رفتار کا کیا پوچھنا۔ فریدی ڈرائیو کر رہا تھا.... اور شاید کسی کے تعاقب میں۔ سنسان سڑک پر بہت دور کسی گاڑی کی عقبی سرخ روشنی دکھائی دے رہی تھی۔

"کچھ بتائیے بھی تو....!" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "اس طرح بھاگنے کی کیا ضرورت ہے رقاصہ پیچھا کر رہی ہے۔"

"خاموش بیٹھو....!"

"کیا وہ کیمرہ لے گیا۔"

"ہاں....!"

"آپ بھی تو کمال کر رہے تھے۔ مجھ سے کہتے.... میں ہزاروں پن اَپ لڑکیوں تصویریں جی اسٹرنگ والی مہیا کر دیتا۔"

"ہوں.... تو میں اس لئے اس کی تصویریں لے رہا تھا....؟" فریدی غرایا۔

"چلئے تسلیم کہ کسی نیک مقصد کے لئے آپ ایسا کر رہے تھے.... لیکن پھر بھی....!"

"بکو مت....!"

"اللہ رحم کرے....!" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

دونوں گاڑیوں کا فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا.... فریدی نے رفتار کچھ اور تیز کر دی۔ حمید سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"آخر وہ کیمرہ کیوں لے بھاگا.... کون تھا....؟"

"یہی تو دیکھنا ہے؟"

دفعتاً اگلی کار رک گئی اور کوئی اُتر کر بھاگا.... فریدی نے پورے بریک لگائے۔ لنکن دھچکے کے ساتھ رک گئی۔ دوسرے لمحے میں فریدی بھی اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔

دونوں بائیں جانب کی ڈھلان میں اُتر گئے تھے۔ حمید نے سوچا کہ وہ اسے دوسری طرف سے یوں نہ گھیر لے.... اسی خیال کے تحت وہ اسٹیئرنگ پر آ بیٹھا اور کیڈی کو آگے نکال لے گیا۔

تاروں کی چھاؤں میں دونوں صاف نظر آ رہے تھے.... اگلے موڑ پر گاڑی روک کر وہ خود بھی ڈھلان میں اترتا چلا گیا۔

کیمرہ اڑا لے جانے والا سامنے سے بڑھتا آ رہا تھا.... حمید ایک ٹیکرے کی اوٹ میں دبک گیا.... وہ بڑی تیزی سے دوڑتا ہوا اسی طرف آ رہا تھا.... جیسے ہی قریب آیا حمید نے زمین پر ہتھیلیاں ٹیک کر ٹانگ ماری اور وہ اچھل کر دور جا گرا.... ساتھ ہی حمید نے اس پر چھلانگ لگائی۔

فریدی قریب پہنچ چکا تھا۔ حمید اسے چھاپ بیٹھا تھا۔

"بہت اچھے۔" فریدی جیب سے ٹارچ نکالتا ہوا بولا۔ لیکن پھر جیسے ہی ٹارچ کی روشنی گرنے والے پر پڑی اس کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔ "یہ کیا کیا۔"

گرنے والے کا منہ بھرتا بن گیا تھا.... متعدد جگہوں سے خون پھوٹ رہا تھا۔

"بیہوش ہو گیا ہے....!" حمید اسے چھوڑ کر ہٹتا ہوا بولا۔

"لیکن کیمرہ....!" فریدی کا لہجہ پُر تشویش تھا۔ ٹارچ کی روشنی آس پاس چکرا رہی تھی۔ بے ہوش آدمی کو بھی الٹا پلٹا گیا۔ لیکن کیمرہ نہ مل سکا۔

"کہیں گاڑی ہی میں نہ چھوڑ آیا ہو۔" حمید بولا۔

"ہو سکتا ہے.... اچھا اسے اٹھاؤ....!"

"جی....!" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "چھاپ بیٹھنے کی ذمہ داری میری۔ اٹھائے پھرنا بس سے باہر ہے۔"

"بکواس مت کرو۔"

"کہاں لے چلئے گا۔"

"گاڑی تک۔"

"چلئے صاحب....!" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

ان دونوں نے اُسے اٹھایا اور لنکن تک لائے۔ پچھلی سیٹ پر ڈال دیا۔ وہ گہری گہری سانسیں

لے رہا تھا۔

"تم نے عقل مندی سے کام لیا۔" فریدی انجن اسٹارٹ کرتا ہوا بولا۔

حمید کچھ نہ بولا.... لیکن حرکت میں آچکی تھی۔ وہ پھر اسی جگہ آئے جہاں بھاگنے والے اپنی گاڑی چھوڑی تھی۔

فریدی نے ٹارچ کی روشنی میں اس کی گاڑی بھی دیکھ ڈالی لیکن کیمرہ نہ ملا۔

"ارے میں دوسرا خرید دوں گا.... پیچھا بھی چھوڑیئے منحوس کا....!" حمید نے کہا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر حمید سے مخاطب ہوا.... "تم یہ گاڑی کوتوالی لے جاؤ.... میں اسے ہسپتال لے جاؤں گا۔"

حمید نے خاموشی سے تعمیل کی۔ انجن اسٹارٹ کیا اور فریدی سے مزید کچھ پوچھے بغیر گاڑی آگے بڑھادی۔

تفریح کر کری ہو چکی تھی.... بڑی موج میں کیمرے سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ کیمرے کا چرخہ چل گیا.... اور اب نتیجے کے طور پر ایک آدمی ہسپتال جا رہا تھا اور وہ خود اُس کی گاڑی سنبھالے ہوئے کوتوالی کی جانب رواں دواں تھا۔

یہ زندگی ہے.... وہ سوچ رہا تھا۔ کہیں چین نہیں! تفریح میں بھی ڈیوٹی سر پر سوار ہو جاتی ہے۔

کئی بار ایسا ہوا کہ شہر ہی چھوڑ بھاگا طویل رخصت پر۔ لیکن کیا وہاں کام سے پیچھا چھوٹا تھا۔ بعض اوقات تو وہ سوچنے لگتا کہ کوئی بدروح ان کے لئے لاشیں مہیا کرنے کا ٹھیکہ لے بیٹھی ہے۔

کار تیز رفتاری سے راستہ طے کرتی رہی اور وہ بور ہوتا رہا.... ایک بار بھی مڑ کر نہیں دیکھا کہ فریدی بھی آرہا ہے یا نہیں۔

دفعتاً سامنے کچھ دور پر ایک آدمی نظر آیا جو بیچ سڑک پر دونوں ہاتھ ہلا ہلا کر رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

حمید نے بریک لگائے.... اور گاڑی کو ریورس گیئر میں ڈال دیا.... گاڑی پیچھے بھاگتی چلی گئی سڑک سنسان تھی.... خطرے کی بو سونگھ لینے کے بعد آگے بڑھنا حماقت ہی ہوتی۔ ویسے ریورس گیئر میں ڈال کر گاڑی پیچھے بھگانا بھی عقل مندی کا کام نہیں تھا۔ بہر حال وہ دیکھ ہی رہا تھا کہ ہاتھ ہلا کر گاڑی رکوانے والے نے اب گاڑی کی طرف دوڑنا شروع کر دیا تھا۔

"ٹھہرو.... ٹھہرو.... خدا کے لئے ٹھہر جاؤ.... مجھے بچاؤ۔" وہ چیخ رہا تھا۔

حمید اس کی پرواہ کئے بغیر گاڑی کو پیچھے بھگاتا رہا۔ پھر اسے پیچھے کسی دوسری گاڑی کی ہیڈ لیٹس دکھائی دیں۔

کرنل کے علاوہ اور کون ہوگا۔ اس نے سوچا اور گاڑی کو اسی طرح بیک کرتا ہوا ہارن بجانے لگا۔ پچھلی گاڑی کی رفتار کم ہو رہی تھی۔

بالآخر حمید بھی بریک لگاتا ہوا چیخا۔ "میں ہوں.... خطرہ۔"

گاڑی روک دی گئی لیکن ہیڈ لیمپ روشن ہی رہنے دیئے تھے۔

دوسری گاڑی میں فریدی ہی تھا۔ اتر کر قریب آیا۔

"کیا بات ہے؟"

"وہ دیکھئے....!" حمید نے ہاتھ اٹھا کر اشارہ کیا۔ وہ آدمی اب بھی اُن کی طرف دوڑا آرہا تھا۔

"میں دیکھ رہا ہوں.... تم زبان ہلاؤ۔"

"بیچ سڑک پر آ کھڑا ہوا تھا.... گاڑی رکوانا چاہتا تھا۔"

"ہوں.... ٹھہرو.... آنے دو۔"

وہ آدمی قریب آیا اور ہانپتا ہوا آگے پیچھے جھولنے لگا....

"ب.... بچاؤ...." اس نے گرتے گرتے کہا۔ حمید نے کوشش کی تھی کہ سنبھال لے لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

"یہ بھی بیہوش ہو گیا۔" حمید نے احمقانہ انداز میں کہا۔

"اسے بھی اٹھا کر اس گاڑی میں ڈالو۔"

حمید نے پھر ٹھنڈی سانس لی لیکن کچھ بولا نہیں۔ دونوں نے اس بیہوش آدمی کو بھی اٹھا کر گاڑی میں ڈال دیا۔

"میں آگے چلتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "تم یہ گاڑی ذرا کنارے کر لو۔"

حمید نے انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے لنکن کو نکال لے جانے کا اشارہ کیا۔

اب لنکن آگے جا رہی تھی.... حمید نے جمائی لے کر بُرا سا منہ بنایا۔ دیر سے پائپ نہیں پیا تھا۔

"ہائے نہیں.... ہائے نہیں۔" پچھلی نشست سے ایسی ہی آواز آئی جیسے کوئی خواب میں

بڑبڑا رہا ہو۔

"کیا تم زندہ ہو؟" حمید نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔ لیکن جواب نہ ملا۔

گاڑی کے انجن کی آواز اسے ایسی لگی جیسے خود اس کی کھوپڑی سے نکل رہی ہو۔ تھوڑی بعد پچھلی نشست سے پھر آواز آئی۔ "بچاؤ.... بچاؤ.... میں شادی نہیں کرنا چاہتا۔"

"آہانک....!" حمید کے سینے سے ایک جگر خراش آہ نکلی اور وہ اس طرح منہ چلانے لگا بیہوش آدمی کو کچا ہی چبا جائے گا۔

"میں کہاں ہوں.... میں کہاں جا رہا ہوں۔" پچھلی نشست سے آواز آئی۔

"تم زندہ ہو....!" حمید نے پوچھا۔

"ہاں میں زندہ ہوں.... تم کون ہو۔" اس کی آواز خوفزدہ تھی۔

"میں کنواریوں اور کنواروں کا ٹھیکدار رہوں۔"

"نہیں نہیں.... میں شادی نہیں کروں گا۔ اس سے بہتر تو یہی ہے کہ تم مجھے گولی مار دو"

"تو یہاں اس ویرانے میں شادی ہو رہی تھی.... کیوں؟"

"میرے حواس بجا نہیں ہیں.... سچ بتاؤ تم کون ہو....؟"

"تم چیختے ہوئے میری گاڑی کی طرف آ رہے تھے۔"

"اُو.... ہاں.... یاد آ رہا ہے اب.... بہت بہت شکریہ.... لیکن آپ کون ہیں؟"

"ایک امن پسند شہری۔"

"یہ بہت اچھی بات ہے.... یہ بہت اچھی بات ہے.... مم.... مگر....!"

"کہتے رہو.... رکنے کی ضرورت نہیں۔ میں غور سے سن رہا ہوں۔"

"میں دنیا کا بد بخت ترین آدمی ہوں۔"

"ایسا نہ کہو دوست ورنہ شادی سے قبل ہی شادی سے دور بھاگنے کی کوشش نہ کرتے۔"

"میں نہیں سمجھا! آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"لوگ عموماً شادی کر لینے کے بعد شادی سے دور بھاگتے ہیں۔"

"ارے تو میں ان بد بختوں سے کب کہتا ہوں کہ میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"کن بد بختوں کا تذکرہ ہے۔"

"میں خود بھی نہیں جانتا کہ وہ کون ہیں۔"

"یار کہیں تم بہت زیادہ تو نہیں پی گئے۔"

"ہرگز نہیں.... میں نشے میں نہیں ہوں۔"

"تو پھر کسی رسالے کے ایڈیٹر ہو گے جسے جاگتے میں بھی سالانہ خریداروں کے خواب آتے ہوں۔"

"نہیں جناب میں تو سکول ماسٹر ہوں۔"

"کسی گرلز سکول کے۔"

"وہاں مخلوط تعلیم ہوتی ہے۔"

"مرض سمجھ میں آ گیا۔"

"جی....!"

"کچھ نہیں، کوئی خاص بات نہیں تم ہر اس طالبہ کو اپنی عاشق سمجھ لیتے ہو جو تم سے اخلاق سے پیش آتی ہے۔"

"بالکل غلط.... جب میں شادی کرنا ہی نہیں چاہتا....!"

"خیر.... خیر.... تم بعض بد بختوں کا تذکرہ کر رہے تھے۔"

"ہاں.... لیکن میں ان کی نشاندہی نہ کر سکوں گا۔"

"تم ایک پولیس آفیسر سے گفتگو کر رہے ہو اس لئے محتاط رہو۔"

"میرے خدا.... پپ.... پولیس آفیسر....!"

"ہاں اب بتاؤ کیا قصہ ہے؟"

"قق.... قصہ.... بخدا میں بھی نہیں جانتا کہ کیا قصہ ہے۔"

"پھر بکواس شروع کر دی تم نے۔ اس وقت یہاں اس ویرانے میں کیا کر رہے تھے۔"

"وہ لوگ مجھے پکڑ لائے ہیں.... مجبور کر رہے تھے کہ میں شادی کر لوں۔"

"کس سے....؟"

"وہ کہتے ہیں کہ وہ ایک بڑے سرمایہ دار کی لڑکی ہے؟"

"لڑکی دیکھی ہے تم نے....!"

"نن نہیں جناب....!"

"کیا پہلی بار پکڑا تھا تمہیں....!"

"نہیں جناب کئی بار میری پٹائی کر چکے ہیں.... آپ کو میرے سارے جسم پر نل آئیں گے۔"

"اپنا نام اور پتہ بتاؤ۔ کس سکول میں پڑھاتے ہو۔"

"سینٹ جوزف سکول میں.... مجھے واحد علی کہتے ہیں! دولت گنج میں رہتا ہوں مکان تین سو چودہ۔"

"بھلا وہ تمہیں کس طرح پکڑتے ہیں.... بچے تو ہو نہیں۔"

"دھوکا کھا جاتا ہوں۔ آج شام کو کیفے شبانہ میں چائے پی رہا تھا۔ چائے پی کر باہر نکلا ہی فٹ پاتھ سے لگا ہوا ایک موٹر رکشہ کھڑا تھا۔ میں اس میں بیٹھ گیا۔ دولت گنج چلنے تھوڑی دیر بعد معلوم ہوا کہ وہ غلط راستے پر جا رہا ہے۔ میں نے اعتراض کیا تو ڈرائیور بولا اِدھر ایک کام ہے۔ آپ جتنا ہمیشہ دیتے ہیں اتنا ہی دیجئے گا.... میں خاموش ہو رہا.... پھر سے باہر نکل آیا.... میرے چیخنے چلانے پر بھی میری طرف متوجہ نہ ہوا۔ پیچھے ایک کار تھی میں سمجھ گیا کہ آج پھر اسی پراسرار چکر میں پڑ گیا ہوں۔ ایک جگہ موٹر رکشہ رکا.... پیچھے والی کار بھی رکی.... چار آدمی اس پر سے اُترے اور مجھے پکڑ کر ایک طرف گھسیٹ لے گئے۔"

"بڑی عجیب کہانی ہے....!"

"آج وہ دھمکی دے رہے تھے کہ اگر میں نے رضامندی ظاہر نہ کی تو مجھے جان سے مار دیں گے۔"

"تم آخر تیار کیوں نہیں ہو جاتے۔"

"نہیں جناب۔ موت گوارا ہے.... لیکن شادی.... ہرگز نہیں۔"

"میرا چیف تم سے مل کر بے حد خوش ہو گا....!"

"میں نہیں سمجھا جناب۔"

"وہ بھی اس معاملے میں تمہاری ہی طرح عدیم المثال ہے۔"

"خدا جانے....!" وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑا کر رہ گیا۔

"تو پھر اب تم کیا چاہتے ہو۔"

"مجھے میرے گھر پہنچا دیجئے.... ہمیشہ احسان مانوں گا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس کہانی میں جھوٹ کتنے فیصد ہو سکتا ہے۔ "تو پھر تم ان کے چنگل سے کس طرح نکل بھاگے۔" حمید نے کچھ دیر بعد اس سے پوچھا۔

"وہ سڑک تک میرے پیچھے آئے تھے.... بس کسی طرح نکل بھاگا تھا....!"

"تمہارے گھر میں کتنے افراد ہیں....!"

"میں تنہا ہوں.... گھر والے گاؤں میں رہتے ہیں۔"

"تب تو وہ تمہارے گھر میں بھی گھس سکتے ہیں.... تم کیا بگاڑ لو گے اُن کا۔"

"پھر بتائیے.... میں کیا کروں....؟" اس نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔

دفعتاً ہیڈ لیمپ لنکن پر پڑی جو کچھ فاصلے پر سڑک کے کنارے کھڑی تھی۔ حمید نے ہارن .... فریدی نے کھڑکی سے ہاتھ نکال کر رکنے کا اشارہ کیا تھا۔

گاڑی لنکن کے قریب ہی جا رکی۔

"کیا بات ہے....!" حمید نے پوچھا۔

"پٹرول ختم ہو گیا ہے.... ذرا دیکھو تو اس گاڑی کی کیا پوزیشن ہے۔"

"ٹنکی سے نکالے گا کیسے....؟"

"تم فکر نہ کرو....!"

حمید گاڑی سے اُترا.... گاڑی لنکن کے برابر ہی کھڑی تھی۔

"یہ لو....!" فریدی نے اسے ربر کا ایک پتلا سا پائپ دیتے ہوئے کہا۔ "اسی پائپ سے نکال لوں گا۔"

پھر وہ بھی لنکن سے اُتر آیا.... حمید گاڑی کی ٹنکی میں ربر کا پائپ ڈال رہا تھا۔ فریدی بھی اس کے قریب آ گیا۔

اچانک ایک ہوا فائر ہوا اور وہ دونوں اچھل پڑے.... بارود کے دھوئیں کی بو فضا میں پھیل رہی تھی۔

فریدی لنکن کی طرف جھپٹا۔

"اوہ...." حمید نے اس کی آواز سنی۔ "کھوپڑی میں گولی ماری گئی ہے۔"

حمید اپنی گاڑی کی پچھلی سیٹ کی طرف لپکا.... شادی سے ڈرنے والا غائب تھا۔ لنکن میں پڑے ہوئے بیہوش آدمی کی کھوپڑی سے خون ابل رہا تھا۔

چار لکیریں

"یہ کیا ہو گیا۔" حمید نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"وہ آدمی کہاں گیا....!"

"وہ آدمی....!" حمید چاروں طرف اندھیرے میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔

"تلاش کرو.... ادھر....!" فریدی نے بائیں جانب والی ڈھلان کی طرف اشارہ بائیں جانب اترتا چلا گیا۔

حمید ڈھلان سے نیچے اُتر آیا تھا.... اندھیرے میں کہیں کوئی متحرک چیز نہ دکھائی کہاں دوڑتا پھرے اندھیرے میں.... اس نے سوچا اور اسے اپنی حماقت پر بھی غ تھا کہ وہ کتنی صفائی سے اُلو بنا گیا۔

سڑک ، ہارن کی آواز آئی.... شائد فریدی اسے واپس بلا رہا تھا.... وہ او فریدی لنکن میں بیٹھ چکا تھا۔

"اس گاڑی کے نمبر نوٹ کر کے تم بھی اِدھر ہی آجاؤ....!" اس نے حمید سے کہا

"کیا نہیں ملا....؟" حمید نے پوچھا۔

"نہیں....!"

حمید نے ٹارچ کی روشنی میں گاڑی کے نمبر نوٹ کئے اور اگلی نشست پر جا بیٹھا۔

"احمق....!" فریدی بڑبڑایا۔

"خواہ مخواہ بور نہ کیجئے....!"

"میں نے کہا تھا گاڑی میں پٹرول نہیں ہے...." فریدی نے کہا اور ربر کا پائپ نیچے اُتر گیا.... حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی پھر لنکن میں آبیٹھا۔

اب وہ شہر کی طرف جا رہے تھے۔

"ساری محنت برباد ہو گئی...." فریدی بڑبڑایا۔ "بمشکل تمام ایک آدمی ہاتھ آیا تھا۔"

"ایک نہیں دو ہاتھ آئے تھے...." حمید پائپ کا کش لے کر بولا۔

"میں اس لاش کی بات کر رہا ہوں۔"

"کئے جایئے....!" حمید نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

اسے علم نہیں تھا کہ ان دنوں فریدی کے پاس کوئی کیس بھی تھا۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر فریدی ہی بولا۔ "میرا خیال ہے کہ نیاگرا سے یہ خالی ہاتھ ہی لا۔ کیمرہ وہیں کسی نے اس سے لے لیا ہوگا۔"

"بھلا میں کیا عرض کر سکتا ہوں اس سلسلے میں....!"

"بہت چڑچڑے ہو رہے ہو۔"

"مجھے علم نہیں....!"

"یہ ایک حیرت انگیز کیس ہے....!"

"ممکن ہے۔؟" حمید نے لاپرواہی سے کہا۔

پھر فریدی نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔ لنکن سنسان سڑک پر تیرتی رہی۔

"کام اب شروع ہوگا حمید صاحب....!" فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"ارشاد....! کیپٹن حمید خود کو ایک ٹائپ لائٹر سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔"

"یہ لاش ایک بڑے آدمی کی کوٹھی کے سامنے چھوڑ دی جائے گی۔"

"خیال اچھا ہے.... اس طرح ہمارا فنگر پرنٹ سیکشن بڑی آسانی سے ہماری انگلیوں کے نات کے فوٹو لے سکے گا۔"

"خوشی ہوئی کہ تمہاری سوجھ بوجھ بڑھ رہی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن ہم انہیں اس کا قع نہیں دیں گے۔ اس کے جسم سے وہ ساری چیزیں علیحدہ کر دیں گے جن پر انگلیوں کے انات مل سکنے کے امکانات ہوں۔"

"اس کے جوتے اتار کر بھاگنے گا۔"

"خیال درست ہے.... جوتوں ہی پر امکانات ہو سکتے ہیں لہٰذا اتارنے کی بھی ضرورت

نہیں۔ صرف رومال پھیر دینا کافی ہوگا۔"

"اب یہ وقت رہ گئی ہے ہماری کہ لاشوں کے جوتے صاف کرتے پھریں۔" فریدی بولا۔

"لیکن جناب....!" حمید نے کچھ دیر بعد دانت پر دانت جما کر کہا۔ "ابھی شہر میں پہل ہوگی۔ ہم یہ لاش وہاں ڈالیں گے کیسے؟"

"نہیں وہ علاقہ قطعی طور پر ویران ہو چکا ہوگا.... لیکن پھر بھی تمہاری بوکھلاہٹ ہوگی۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"وہیں چل کر سمجھ لینا....!"

حمید بجھے ہوئے پائپ کو دوبارہ سلگا رہا تھا۔

کار شہر کے اس حصے میں داخل ہو رہی تھی جہاں بہت بڑے بڑے تاجروں کی کوٹھیاں تھیں۔ یہاں ساری سڑکیں سنسان نظر آئیں.... عمارتوں کی کھڑکیوں سے گہری نیلے رنگ کی روشنیاں پھوٹ رہی تھیں۔

لنکن ایک عمارت کے پھاٹک سے چند گز دور جا کر رک گئی۔

"کیا....؟" حمید کے لہجے میں سچ مچ بوکھلاہٹ تھی۔

"....!" فریدی مسکرایا۔ "غالباً محبوبہ دلنواز کی کوٹھی ہے....!"

"....کہ یہاں....؟"

"....خوردار....!"

"مم....مگر....!"

"کچھ نہیں....!" فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔ "نیچے اُترو....!"

حمید اُترا نہیں بلکہ لڑھک آیا....

"آپ جانتے ہیں یہاں کون رہتا ہے....؟" حمید نے سرگوشی کی۔

"وقت نہ ضائع کرو...." فریدی نے اُسے پچھلی نشست کی طرف دھکیل دیا۔

دونوں نے پچھلی نشست سے لاش اُتاری اور عمارت کے پھاٹک کے قریب ہی

سانسیں تیز ہو گئی تھیں۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کانوں میں سیٹیاں سی بج رہی ہوں۔

وہ دونوں پھر گاڑی میں آ بیٹھے.... گاڑی چل پڑی.... حمید کبھی فریدی کی طرف دیکھنے لگتا

ونڈ شیلڈ کی طرف۔

فریدی خاموش تھا.... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ گھٹنوں سے صرف خیالات

ٹکرا رہا ہو۔ ہاتھ پیروں کو جنبش بھی نہ دی ہو۔

"آپ نے اچھا نہیں کیا....؟" حمید کھکار کر بولا۔

"کیا مطلب؟"

"وہ بہت کمزور دل کا آدمی ہے.... کہیں حرکت قلب بند نہ ہو جائے۔"

"پتہ نہیں تم کس کی باتیں کر رہے ہو۔"

"پھر آپ نے محبوبہ دلنواز کا حوالہ کیوں دیا تھا۔"

"کیا تم آج کل روزانہ سے پینگیں نہیں بڑھا رہے....؟"

"اس لئے آپ چاہتے ہیں کہ سر سنہا کا ہارٹ فیل ہو جائے۔"

"لحیم شحیم آدمی ہے۔"

"دل کے دورے پڑتے ہیں اس پر.... آخر لاش اسی کے دروازے پر کیوں ڈالی گئی ہے۔"

"دماغ مت چاٹو.... ابھی گاڑی دھونی ہے....!"

"کیا زبان سے دھوئی جائے گی....!" حمید جھنجھلا کر بولا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔

حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔ "وہ کون تھا اور آپ کا کیمرہ کیوں لے بھاگا تھا؟"

"میں نے کچھ تصویریں لی تھیں۔"

"کیا اس کا تعلق اسی ڈانسنگ پارٹی سے تھا....؟"

"آہا....!" فریدی ہلکے سے قہقہے کے ساتھ بولا۔ "تم شاید یہ سمجھ رہے ہو کہ میں نے اس کی تصویریں لی تھیں....!"

"پھر....؟"

"وہ تصویریں اس آدمی کی تھیں جو نشے میں خود بھی ناچنے کی کوشش کر رہا تھا۔"

"اب کچھ نہیں پوچھوں گا....!" حمید نے بے اعتباری سے کہا۔

"یقین کرو....!"

"یقین کر کے کیا کروں گا جبکہ اس کے باوجود بھی کچھ سمجھ میں نہ آئے۔" حمید نے ہاتھ مار کر بولا۔

"فی الحال میں کچھ سمجھانا بھی نہیں چاہتا۔ تم جانتے ہو جب تک کوئی چیز خود میرے میں صاف نہیں ہو جاتی۔ اسے زبان پر نہیں لاتا۔ عرصہ سے کچھ لوگوں کی نگرانی کر رہا ہوں بالآخر وہ لوگ ہوشیار ہو ہی گئے.... اور کم از کم ان کی آج کی حرکت سے یہ تو ثابت ہو گیا میری محنت برباد نہیں ہوئی۔"

"حمید ذہن پر زور دینے لگا۔ اس نے ان دنوں فریدی کو اکثر مووی کیمرہ استعمال کرتے تھا۔ راہ چلتے تصویریں لینے لگتا۔

"تو کیا.... وہ کیمرہ؟"

"ہاں.... کیمرہ ہی تو بعض چیزیں اجاگر کرنے کا باعث بنتا ہے۔"

"کیا آپ مجھے کیمرے ہی کے بارے میں مزید کچھ نہ بتا سکیں گے۔"

"بتاؤں گا....!" فریدی نے کہا اور مزید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

لنکن فریدی کی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔ لیکن انہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی پھاٹک بند نہیں تھا.... چوکیدار پھاٹک کی طرف آتا دکھائی دیا.... پورچ میں ایک گاڑی نظر آئی۔

"مار ڈالا....!" حمید کراہا۔

"کیوں....؟ کیا ہوا....؟"

"قاسم کی بیوی معلوم ہوتی ہے۔"

"کیا تم کسی طرح اس سے اپنا پیچھا نہیں چھڑا سکتے۔" فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی گاڑی کو گیراج کی طرف لے جا رہا تھا۔

ڈرائنگ روم میں قاسم ہی ان کا منتظر تھا۔ رہ رہ کر اس طرح آنکھیں پھاڑنے لگتا جیسے سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کر رہا ہو۔ انہیں دیکھ کر سیدھا ہو بیٹھا۔ چند لمحے منہ کھولے

میں پھاڑے حمید کو گھورتا رہا پھر بولا۔ "تم نے میری زندگی برباد کر دی ہے؟"

"بکواس کرو....!" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

"سالے تم نے مجھے مصور کیوں بنایا تھا.... بتاؤ۔" اس نے گھونسہ ہلا کر پوچھا۔ فریدی نے حمید کو گھور کر دیکھا۔

"اب بتاؤ.... میں کیا کروں....!"

"کیا بات ہے....؟" فریدی نے پوچھا اور قاسم اس طرح اچھل پڑا جیسے اب اس کی زندگی کا احساس ہوا ہو۔

"سالا لنگم....!" وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں اٹھ کر ہاتھ پیشانی تک لے گیا۔

"بیٹھو.... بیٹھو....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

قاسم بیٹھ گیا.... لیکن حمید کو اسی طرح پھاڑ کھانے والے انداز میں گھورتا رہا۔

"مصوری اور زندگی کی بربادی سے کیا تعلق....؟" حمید نے اس سے پوچھا۔

"بالکل تعلق ہے....!" قاسم غرایا۔ "میں کہہ رہا تھا کہ میں مصور نہیں بن سکتا۔ قہنے لگے بن سکتے ہو.... اب بتاؤ۔"

"بہتر ہے تم تھوڑی دیر خاموش رہو۔" فریدی نے کہا۔

"کہاں تک رہوں خاموش....!"

"ابے تو آخر کیا ہوا....؟" حمید نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے پوچھا۔

"تمہاری ایسی کی تیسی ہوا....!"

"ہوا نہیں ہوئی....!"

"ٹھنگے سے.... تم سالے بتاؤ میں اب کیا کروں۔"

"کیا تم آدمیوں کی طرح گفتگو نہیں کر سکتے۔" فریدی نے خشک لہجے میں پوچھا۔

"کر سکتا ہوں.... مگر نہیں کروں گا۔"

فریدی نے حمید کو غصیلی نظروں سے گھورا اور کمرے سے نکل گیا۔

حمید قاسم کے قریب آ کر اس کا شانہ سہلانے لگا اور اس نے کسی نخریلی عورت کے سے انداز میں اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"کچھ بولو بھی پیارے...." حمید نے کہا۔

"اب یہ بولوں گا کہ اللہ کرے تم مر جاؤ....!"

"ٹھیک ہے مر بھی جاؤں گا.... لیکن تم....!"

"نہیں ابھی مرو....!"

"ابے ہوش ہے یا نہیں....!"

"میں تو ہوش میں ہوں.... مگر وہ سالی کیوں بے ہوش ہو گئی تھی اور کیوں میری سوار ہے۔"

"کون کس کی باتیں کر رہے ہو۔"

"روزا سنہا کی....!"

"کون روزا سنہا.... میں نہیں جانتا۔"

"وہی جو میری نمائش کرنا چاہتی تھی۔"

"تمہاری نمائش....!" حمید نے حیرت سے کہا۔ "تمہاری نمائش کوئی عورت کرنا چاہتی

"میری نہیں میری تصویروں کی....!"

"آہا تو یہ کہو.... بڑے مصور ہو رہے ہو۔"

"جی نہیں میں بالکل چکد ہو رہا ہوں۔" قاسم نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"تو روزا سنہا تمہاری تصاویر کی نمائش کرنا چاہتی ہے....!"

"ابے تم میری جان بچاؤ.... ہاں....!" قاسم آنکھیں نکال کر گھونسہ دکھاتا ہوا بو

"تصویروں کی نمائش سے....!"

"نہیں اپنے باوا کے کفن سے.... تم سمجھتے کیوں نہیں۔"

"سمجھنے ہی کی کوشش کر رہا ہوں۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "تو وہ روزا سنہا کیا کہتی ہے۔

"میری ہی کوٹھی میں رہ پڑی ہے.... کہے گی کیا۔"

"کیا مطلب....!"

"کہتی ہے میں اب اس گھر سے باہر قدم نہ نکالوں گی۔"

"مگر کیوں....؟"

"ابے کیا میں روزا سنہا ہوں کہ بتا دوں....؟" قاسم جھلا کر بولا۔

"نہیں نہیں! تم تو نیلم پری ہو۔"

"اور کیا....!" قاسم نے رو میں سر ہلا کر کہا۔ پھر سنبھل کر بولا۔ "قیا قیا۔"

"کچھ بھی نہیں! تم شروع سے بتاؤ کہ کیا ہوا تھا۔"

قاسم نے اپنی کہانی شروع کر دی۔ حمید غور سے سنتا رہا.... فریدی اس وقت کمرے میں داخل ہوا جب قاسم کہہ رہا تھا۔ "وہ میری تصویریں دیکھتی پھر رہی تھی ایک تصویر دیکھ کر نہ جانے وہ کیوں ڈر گئی۔ پھر گری اور بیہوش بھی ہو گئی۔ بڑی مشکل سے ہوش میں آئی.... اور اب کہتی ہے کہ میں کوٹھی سے باہر قدم نہ نکالوں گی۔"

فریدی دروازے کے قریب ایک کرسی پر خاموشی سے بیٹھ گیا تھا۔

"کوئی وجہ بھی بتاتی ہے یا....!"

"ابے کچھ بھی نہیں! لاکھ لاکھ پوچھا۔ جواب ندارد.... اور وہ ظالم جہاں بیگم میرا کلیجہ کھائے لے رہی ہے۔ کہتی ہے تم لوگ ڈرامہ کر رہے ہو.... اس طرح اس عورت کو گھر میں ڈالنے کا ارادہ ہے.... اب بتاؤ سالے میں کیا کروں.... مصور تو بنا دیا تھا....!"

"واقعی تمہاری بیوی آپے سے باہر ہو رہی ہو گی۔" حمید نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔

"زندگی حرام کر دی ہے۔"

"کیا روزا سنہا اب بھی کوٹھی ہی میں ہے۔"

"ابے تم ہوش میں ہو یا نہیں! کوٹھی میں نہ ہوتی تو میں یہاں بیٹھا ہوتا۔"

"کیا قصہ ہے....!" فریدی نے پوچھا۔

"بھوک کے مارے بولا نہیں جا رہا مجھ سے۔ اب پھر قصہ سناؤں۔" قاسم پیٹ پر ہاتھ پھیر کر مردہ سی آواز میں بولا۔ "ابھی رات کو کھانا بھی نہیں کھایا۔ بیگم نے کھانا بھی نہیں پکنے دیا۔ کہتی ہے بھوکا ماروں گی حرامزادی کو۔"

حمید نے جلدی جلدی فریدی کو پوری کہانی سنائی.... فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "وہ تصویر کیسی تھی۔"

"وہ میری تھی ہی نہیں۔"

"تو کیا تم نے دوسروں کی تصاویر بھی اپنے نگار خانے میں رکھ چھوڑی ہیں۔"

"ہرگز نہیں! مجھے کیا پڑی ہے کہ دوسروں کی تصویریں اپنے نگار خانے میں رکھتا پھروں۔"

"وہ اب تصویر کہاں ہے؟"

"ساتھ لایا ہوں.... سمجھ میں نہیں آتا سالی قیسے آ گئی وہاں.... جب میں کمرے میں اس وقت تو نہیں تھی۔"

"لاؤ مجھے دکھاؤ....!"

"وہ رکھی ہے۔" قاسم نے میز کی طرف اشارہ کیا جس پر پرانے اخبار میں لپٹا ہوا ایک بڑا تصویری فریم رکھا ہوا تھا۔

حمید نے جھپٹ کر اُسے اٹھایا۔

یہ سرخ رنگ کی تین متوازی لکیریں تھیں۔ جنہیں سیاہ رنگ کی چوتھی لکیر درمیان سے قطع کرتی تھی۔

فریدی انہیں غور سے دیکھتا رہا۔ پھر قاسم سے بولا۔ "بہتر ہے تم یہیں کھانا کھالو۔"

قاسم منہ چلانے لگا۔ فریدی نے گھنٹی بجائی۔ ایک ملازم کمرے میں داخل ہوا۔ فریدی کچھ ہدایات دیں اور قاسم کو اس کے ساتھ بھیج دیا۔

اب وہ حمید کو گھور رہا تھا۔

"ہوں اب تم بتاؤ۔" فریدی نے اس سے کہا۔

"میں کیا بتاؤں....؟"

"مجھ سے بھی اڑنے کی کوشش کرو گے؟"

"میں نہیں سمجھا آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔"

"روزا سنہا کو اس کے گھر کس نے بھیجا تھا۔"

"میں نے....!"

"کیوں؟"

"تفریحاً! اس نے بتایا تھا کہ کلچر سنٹر کا فنڈ ختم ہو گیا ہے۔ میں نے سوچا اس طرح وہ اس سے کچھ وصول بھی کر سکے گی۔"

"لیکن وہ اس کی کوٹھی ہی میں جم کر رہ گئی۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"یہ چیز میری اسکیم میں شامل نہیں تھی۔ خود مجھے بھی اس پر حیرت ہے۔"

"روزا سنہا کو کب سے جانتے ہو۔"

"دو ماہ پہلے کلچر سنٹر ہی کے کسی فنکشن میں کسی نے تعارف کرا دیا تھا۔"

"پھر وہ خود ہی تم سے ملنے کے مواقع پیدا کرتی رہی ہو گی کیوں....؟"

"جب بات تو کچھ ایسی ہی ہے۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "پتہ نہیں کیا چکر ہے۔ ابھی ابھی لاش اس کی کوٹھی کے سامنے پھینکی گئی اور خود اس مصیبت میں گرفتار رہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ قاسم کچھ دیر بعد پھر دکھائی دیا لیکن اس بار چہرے پر جھلاہٹ کی بجائے اسکون پایا جاتا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ کوئی بے حد خوش اخلاق آدمی ہو۔

فریدی نے اس کے ساتھ اس کی کوٹھی تک جانا منظور کر لیا تھا۔

"قرنل صاحب۔" قاسم چہک کر بولا۔ "میں صرف یہی چاہتا ہوں کہ وہ اس وقت تو کوٹھی سے چلی ہی جائے۔"

"اور اس کے بعد....؟" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

"جی ہی ہی ہی ہی....!" قاسم آنکھیں چراتا ہوا کھسیانی ہنسی ہنسا۔

"اس کے بعد تو یہ اپنے والد صاحب سے اس کا نکاح پڑھوا دیں گے۔" حمید نے کہا۔

"اے اے....!" قاسم مکا تان کر بولا۔ "ابھی میں تمہارے باپ کا نکاح پڑھوا دوں تو کیسا لگے گا۔"

فریدی نے بیچ بچاؤ کرایا ورنہ قاسم تو آپے سے باہر ہو گیا تھا۔

کوٹھی پہنچ کر معلوم ہوا کہ روزا سنہا سو رہی ہے۔ قاسم اس فکر میں تھا کہ فریدی کسی نہ کسی طرح اُسے کوٹھی سے لے جائے لیکن فریدی تو دراصل یہ معلوم کرنے گیا تھا کہ وہ تصویر قاسم کے نگار خانے میں کیسے پہنچی تھی۔ اس نے اس کے سارے ملازموں کو طلب کر لیا.... ان میں سے ایک بہت زیادہ نروس نظر آ رہا تھا۔ فریدی نے سوالات کی بوچھاڑ کی تو اُسے اعتراف کرنا ہی پڑا کہ وہ غلطی اسی سے سرزد ہوئی تھی۔ اس نے بتایا کہ جب قاسم ڈرائنگ روم میں روزا سنہا سے گفتگو کر رہا تھا باہر ایک آدمی نے اسے وہ تصویر دے کر اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ وہ ان کے نگار

خانے میں پہنچنے سے قبل ہی وہاں رکھ دے اس کام کا صلہ اسے بیس روپوں کی شکل میں ملا تھا۔

پھر اس نے اس آدمی کا جو حلیہ بتایا اس سے حمید نے یہی اندازہ لگایا کہ وہ یقینی طور پر اپ میں رہا ہوگا۔

پھر وہ روز اسنہا والے کمرے کا دروازہ کھلوانے کی کوشش کرتے رہے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔

چیخیں

سر فیڈرک سنہا شہر کے متمول ترین آدمیوں میں سے تھا۔ دوسری جنگ عظیم سے پہلے صرف فیڈرک سنہا تھا.... جنگ کے زمانے میں ملٹری کے ٹھیکے لئے اور حیرت انگیز طور پر صرف دولت مند ہوتا گیا بلکہ جنگ ختم ہونے سے قبل ہی نائٹ ہڈ بھی نصیب ہوگئی۔

آزادی کے بعد صنعتی کاروبار میں سرمایہ لگا۔ پھر اور تیزی سے پھلنے پھولنے لگا اور اب پورے ملک میں دو چار ہی اس کی ٹکر کے رہے ہوں گے۔

لحیم شحیم آدمی تھا۔ لیکن سننے میں آتا تھا کہ دل کے دورے اسے کیچوے سے بھی بدتر دیتے ہیں۔

آج وہ دیر تک سوتا رہا تھا.... اٹھنے کے بعد بیڈ ٹی کے لئے گھنٹی بجائی تھی لیکن کوئی بھی آیا.... آخر جھلا کر خود ہی اٹھا۔ خواب گاہ سے نکلا لیکن گھر میں سناٹا محسوس ہوا.... دو ایک نوکروں کو نام لے کر پکارا مگر جواب نہ ملا۔ جھلا کر آگے بڑھتا چلا گیا۔

ہر طرف سناٹا ہی تھا۔ اسی طرح چلتا ہوا وہ بیرونی برآمدے تک آیا۔ نظر وسیع لان سے گزر کر پھاٹک تک پہنچی جہاں بھیڑ نظر آرہی تھی۔ پولیس کی دو گاڑیاں کھڑی دکھائی دیں۔

اس کے ملازمین نے شاید اسے دیکھ لیا تھا اس لئے وہ جھپٹتے ہوئے اس کی طرف آئے۔

"کیا بات ہے؟" سر سنہا نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"حضور....!" ایک ملازم ہانپتا ہوا بولا۔ "پھاٹک پر لاش....!"

"کیا....!"

"پھاٹک پر کسی کی لاش پڑی پائی گئی ہے۔ پولیس آفیسر آپ کو پوچھ رہا تھا۔"

"مم.... مجھے پوچھ رہا تھا۔" سر سنہا نے کہا۔ اس کا چہرہ یک بیک زرد پڑ گیا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پلکیں کسی دباؤ کی بناء پر جھکی پڑ رہی ہوں۔ اگر نوکر آگے بڑھ کر اُسے سہارا نہ دیتے تو ایڈ گر ہی پڑا ہوتا۔

وہ اسے سہارا دیتے ہوئے ڈرائنگ روم میں لائے اور ایک آرام کرسی پر لٹا دیا۔

ایک ملازم ڈاکٹر کو فون کرنے لگا۔ برآمدے میں قدموں کی چاپ سنائی دی۔

دوسرا ملازم اُدھر جھپٹا۔ آنے والا پولیس انسپکٹر تھا۔

"صاحب پر دل کا دورہ پڑ گیا ہے.... میں نے انہیں لاش کے متعلق بتایا تھا۔" اس نے پولیس انسپکٹر سے کہا۔

"اوہ.... مجھے افسوس ہے۔"

"ڈاکٹر کو فون کیا گیا ہے۔"

انسپکٹر پھر واپس چلا گیا.... سر سنہا آنکھیں بند کئے گہری سانسیں لیتا رہا۔ کچھ دیر بعد آنکھیں کھول کر اُس نے نحیف آواز میں کہا۔ "بے بی کو بلاؤ۔"

"جی.... جی.... وہ تو نہیں ہیں۔" ایک نوکر نے جواب دیا۔

"کہاں گئی....؟"

"جی وہ تو رات بھی نہیں تھیں۔"

"رات بھی نہیں تھی۔" سر سنہا نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے حیرت سے کہا۔

"جی صاحب! رات نہیں آئی تھیں۔"

وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے خلا میں گھورتا رہا۔ پھر آہستہ سے پوچھا۔ "کس کے ساتھ گئی تھی۔"

"تنہا.... یہاں کوئی نہیں آیا تھا....؟"

"یہ بھی نہیں بتایا تھا کہ کہاں جا رہی ہے۔"

"جی نہیں۔"

"اس کے دوستوں کو فون کر کے معلوم کرو۔"

"ہم کسی کو بھی نہیں جانتے صاحب۔" اس ملازم نے کہا اور دوسروں کی طرف مستفسرانہ انداز میں دیکھنے لگا.... لیکن انہوں نے نفی میں سر ہلائے۔

"کچھ کرو....!" سر سنہا نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"جی ہاں.... جی ہاں.... جی اچھا۔" ملازم نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

اتنے میں برآمدے میں پھر قدموں کی چاپ گونجی.... ایک ملازم باہر گیا اور واپسی پر کارڈ وزیٹنگ کارڈ لایا۔

سر سنہا نے وزیٹنگ کارڈ پر نظر جمائے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "کرنل فریدی....!" پھر کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "اندر بلا لو۔"

فریدی کے ساتھ حمید بھی تھا۔

"معاف کیجئے گا۔" سر سنہا نے لیٹے ہی لیٹے کہا۔ "میں آپ کے استقبال کے لئے اٹھ نہیں سکتا۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"کوئی بات نہیں! آپ لیٹے رہئے۔ ناوقت تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔"

"ملازموں نے بتایا کہ یہاں میرے پھاٹک کے قریب ایک لاش پڑی ہوئی ہے۔ دل پر سا لگا.... اور اب میرے ہاتھ پیر قابو میں نہیں ہیں.... میں دل کا مریض ہوں۔"

"ملازموں کو احتیاط برتنی چاہئے تھی۔"

"جاہل ہیں نرے....!" سر سنہا نے غصیلی آواز میں کہا۔

"میں دراصل ایک ضروری کام سے آیا تھا۔ آپ کی صاحبزادی۔"

"اوہ.... وہ کہاں ہے؟ مجھے بتایئے.... میں بہت پریشان ہوں۔ ملازموں نے بتایا ہے پچھلی رات بھی نہیں آئی تھی۔"

"وہ کسی ثقافتی تحریک سے بھی منسلک ہیں۔"

"جی کلچر سنٹر کی سیکریٹری ہیں آپ بتایئے وہ کہاں ہے۔"

"وہ قطعی محفوظ ہیں آپ مطمئن رہئے۔"

"میں پوچھ رہا ہوں وہ ہے کہاں....؟" سر سنہا نے کسی قدر ترشروئی سے پوچھا۔

"اس وقت.... عاصم ولا میں ہیں۔"

"عاصم ولا میں....!" سر سنہا کے لہجے میں تحیر تھا۔ "کیوں....؟"

"وہ وہاں ایک مصور کی تصویریں دیکھنے گئی تھیں.... ایک تصویر پر نظر پڑتے ہی بے

ہوش ہو گئیں.... ہوش آنے پر بے حد خوفزدہ نظر آ رہی تھیں.... اور پھر انہوں نے کوٹھی سے باہر قدم نکالنے سے انکار کر دیا۔ پچھلی رات وہ وہیں سوئی تھیں۔"

"عاصم ولا کہاں ہے؟"

"آپ سیٹھ عاصم سے تو واقف ہی ہوں گے۔"

"اوہ.... وہ.... مگر کیوں؟" سر سنہا مضطربانہ انداز میں بڑبڑایا۔

"کیا آپ وہ تصویر دیکھیں گے....؟" فریدی نے پوچھا۔

"کیوں نہیں.... ضرور ضرور....!"

فریدی نے حمید کی طرف دیکھا اور حمید نے کاغذ میں لپٹا ہوا فریم اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ ان چار لکیروں کو بغور دیکھتے رہنے کی بعد بولا۔ "اول تو یہ تصویر نہیں ہے۔ صرف چار لکیریں ہیں.... دوم ان میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو کسی کی بے ہوشی کا باعث بن سکے؟ کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں۔"

"بھلا میں آپ کا وقت کیوں برباد کرنے لگا۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"آپ نے اس سے پوچھا تھا....؟"

"وہ کچھ بتانے پر تیار نہیں....!"

"بڑی عجیب بات ہے۔"

"وہ اب بھی کوٹھی سے باہر نکلنے کو تیار نہیں....!"

"مجھے لے چلئے.... لیکن لیکن.... یہ لاش.... مجھے اس لاش کے متعلق بتایئے۔"

"میں کچھ بھی نہیں جانتا۔ یہیں آ کر معلوم ہوا تھا کہ کوئی لاش آپ کے پھاٹک پر پائی گئی ہے۔"

"میں لاشیں نہیں دیکھ سکتا۔" وہ خوفزدہ لہجے میں بولا اور خاموش ہو کر نچلے ہونٹ پر زبان پھیرنے لگا۔

"لیکن وہ تو آپ کو دیکھنی ہی پڑے گی.... کاروائی شناخت میں آپ کی شرکت ضروری ہوگی۔ کیونکہ لاش آپ کے پھاٹک پر پائی گئی ہے۔"

"میرے خدا.... میں دل کا مریض ہوں....؟"

"تو پھر آپ کتنی دیر بعد میرے ساتھ چل سکیں گے۔ کیونکہ عاصم ولا والے بھی اس واقعہ

کی وجہ سے بہت پریشان ہیں۔"

"کیا وہ بے بی کو پہچانتے نہیں۔"

"ہو سکتا ہے عاصم صاحب پہچانتے ہوں لیکن وہ اس عمارت میں نہیں رہتے۔"

"پھر وہاں کون رہتا ہے۔"

"عاصم صاحب کا لڑکا قاسم....!"

"خیر.... خیر.... میں ذرا....!"

"ہاں آپ اطمینان سے فارغ ہو جایئے.... میں انتظار کروں گا۔"

سر سنہا انہیں وہیں چھوڑ کر چلا گیا۔ حمید فریدی کو ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ دیر بعد اس نے آہستہ سے کہا۔ "آپ نے اس کا تذکرہ نہیں کیا کہ یہ تصویر وہاں کیونکر پہنچی تھی"

فریدی مختصر سی "ہوں" کے ساتھ دوسری طرف دیکھنے لگا اور وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

تصویر میز پر کھلی پڑی تھی۔ کچھ دیر بعد ایک ملازم نے آکر پوچھا۔ "صاحب نے پوچھا ہے آپ کافی پینا پسند کریں گے۔"

"نہیں شکریہ....! ہم ناشتہ کر چکے ہیں۔" حمید بولا۔

ملازم تصویر کی طرف بغور دیکھے جا رہا تھا۔

"کیوں؟ کیا اس تصویر میں کوئی خاص بات ہے؟" حمید نے اس سے پوچھا اور وہ چو پڑا.... پھر ہکلا کر بولا۔ "جج جی.... نن نہیں تو۔"

حمید نے فریدی کی طرف دیکھا جس کے ہونٹوں پر معنی خیز سی مسکراہٹ تھی۔ وہ چلا فریدی نے حمید سے کہا۔ "میں سر سنہا کو لے جاؤں گا۔ تم پھاٹک پر رکنا میرا خیال ہے کہ وہ تصویر کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور جانتا ہے۔"

"میں دیکھ لوں گا....!" حمید بولا۔

تقریباً پندرہ یا بیس منٹ بعد سر سنہا پھر ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔

"میں بے حد شرمندہ ہوں۔" اس نے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "کیا آپ چل رہے ہیں میرے ساتھ۔"

"جی ہاں۔"

وہ باہر آئے۔ ڈرائیور نے گاڑی نکالی۔ اتنے میں انسپکٹر بھی تیزی سے ان کی طرف آتا دکھائی دیا۔

"اوہ....!" سر سنہا بڑبڑایا۔ "یہ حضرت لاش مجھے ضرور دکھائیں گے.... میرے خدا۔"

بہر حال اسے لاش دیکھنی ہی پڑی تھی۔ اس کے بیان کے مطابق مرنے والا اس کے لئے اجنبی تھا۔

پھر فریدی اسے اپنے ساتھ لے گیا تھا اور حمید وہیں رک گیا تھا۔ وہ پھر کمپاؤنڈ میں داخل ہوا۔ سارے ملازمین دوبارہ باہر آگئے تھے۔

حمید نے اس ملازم کو ایک طرف بلایا جس سے تصویر کے متعلق گفتگو ہوئی تھی۔

"تم لوگوں نے رات کو کسی قسم کی کوئی آواز نہیں سنی تھی۔" اس نے اس سے پوچھا۔

"نہیں صاحب۔"

"کسی گاڑی کے رکنے کی آواز....؟"

"ہو سکتا ہے۔ صاحب گاڑیاں تو رات بھر گزرتی رہتی ہیں۔"

"یہاں کوئی چوکیدار بھی ہے۔"

"جی ہاں جناب....!"

"کیا وہ پچھلی رات ڈیوٹی پر نہیں تھا۔"

"تھا جناب....!"

"بڑی عجیب بات ہے۔"

"اچھا یہ مس روزا سنہا اکثر گھر پر نہیں رہتیں۔"

"ایسا تو کبھی نہیں ہوا جناب۔ یہ پہلا موقع تھا۔"

"ان کے احباب تو آتے رہتے ہوں گے۔"

"جی ہاں.... کبھی کبھی۔"

"ان میں کسی کا نام اور پتہ بتا سکو گے۔"

"نہیں جناب۔"

"تم اس تصویر کو بہت غور سے دیکھ رہے تھے؟"

"جی.... جی ہاں.... جی نہیں....!"

"کیا بات ہوئی۔"

"پپ پتہ نہیں....!"

"تم نے پہلے بھی کہیں دیکھی تھی۔"

"دیکھی تھی.... جی نہیں۔ پتہ نہیں مجھے کیا کہنا چاہئے...." وہ مضطربانہ انداز میں ہ
ہوا اپنی پیشانی مسلنے لگا۔

"وہی جو تم حقیقتاً کہنا چاہتے ہو۔ سچی بات۔"

"یہ تصویر مس صاحبہ کے لئے بڑی پریشانیاں لاتی ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"ایک بار وہ اس تصویر کو دیکھتے دیکھتے بے ہوش ہو گئیں تھیں۔"

"کیا یہیں گھر پر....!"

"جی ہاں اپنے کمرے میں پھر یہ تصویر غائب ہو گئی تھی۔"

"غائب ہو گئی تھی۔"

"جی ہاں جناب.... اس دوران میں مس صاحبہ بہت زیادہ خوفزدہ نظر آتی رہی تھیں۔

"آئی کہاں سے تھی۔"

"پتہ نہیں مس صاحبہ نے مجھ سے پوچھا تھا کیونکہ میں ہی ان کے کمرے کی دیکھ بھال کرتا ہ

"صاحب کو علم ہے اس کا۔"

"جی نہیں انہوں نے منع کر دیا تھا مجھے کہ ان کی بے ہوشی اور تصویر کے بارے میں ک
کو نہ بتاؤں۔"

"وجہ بھی بتائی تھی۔"

"جی نہیں....!"

"تعجب ہے۔ اگر وہ کسی چیز سے خائف تھیں تو انہیں اس کا تذکرہ سر سنہا سے ضرور کر
چاہئے تھا۔"

"دیکھئے انہیں بتایئے گا نہیں کہ میں نے آپ کو کچھ بتایا ہے۔ میں اس خاندان کا خیر خواہ ہوں

"نہیں تم مطمئن رہو۔ اگر ان کے دوستوں کے متعلق کچھ بتا سکو تو بہتر ہے۔ مثال کے طور
پر بھی کوئی ایسا آدمی بھی ملتا ہے ان سے جسے دیکھ کر خوفزدہ ہو جاتی ہیں۔"

"نہیں صاحب! مجھے کبھی اتفاق نہیں ہوا۔"

"خیر.... جاؤ....!"

ملازم چلا گیا۔ حمید پھر ٹہلتا ہوا پھاٹک کی طرف آیا۔ لاش اٹھوائی جا رہی تھی۔ سب انسپکٹر
حمید کے قریب آ کر بولا۔ "آپ لوگوں نے لاش کا معائنہ نہیں کیا۔"

"ہم اس لئے نہیں آئے تھے انسپکٹر....!" حمید نے خوش اخلاقی سے کہا۔ "دوسرا معاملہ تھا۔
لاش کے بارے میں تو یہیں آ کر معلوم ہوا۔ ویسے پتہ چلا کون تھا۔"

"جی نہیں! اس کے پاس سے بھی کوئی ایسی چیز برآمد نہیں ہوئی جو اس کی شخصیت پر روشنی
ڈال سکتی۔"

"دیکھو کیا ہوتا ہے۔" حمید نے کہا اور دوسری طرف مڑ کر بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

کچھ دیر تک وہیں کھڑا رہا.... پھر ایک جانب چلنے لگا.... وہ روزا سنہا سے ملنے اور گفتگو
کرنے کے لئے بے چین تھا۔ پچھلی رات وہ چیختے ہی رہ گئے تھے لیکن روزا نے دروازہ نہیں کھولا
تھا۔ صبح بمشکل تمام اس تک پہنچے تھے لیکن اس نے کچھ نہیں بتایا تھا بس یہی کہتی رہی تھی۔ "پتہ
نہیں مجھے کیا ہو گیا ہے۔ میں خود بھی نہیں سمجھ سکتی۔"

لیکن فریدی نے اس سے یہ نہیں کہا تھا کہ اسے اپنے گھر چلا جانا چاہئے اور نہ خود گھر تک پہنچا
دینے کی پیش کش کی تھی۔

وہ لکیریں کیسی تھیں؟ وہ سوچ رہا تھا.... اور پھر نوکر کے بیان کے مطابق وہ فریم کچھ دن
روزا کے قبضہ میں بھی رہ چکا ہے۔ قاسم کی کوٹھی تک اسے کس نے پہنچایا تھا۔

وہ خیالات میں کھویا ہوا چلتا رہا.... دفعتاً پے در پے ہارن کی آواز سن کر گاڑی کی طرف
متوجہ ہوا جس کی رفتار کم ہو چکی تھی.... یہ فریدی کی لنکن تھی.... فرید ۔ ۔ ۔ اسے اشارے
سے بلایا۔ حمید گاڑی میں بیٹھ چکا تو اس نے کہا۔ "روزا اپنے باپ کی گاڑی میں ہے۔ میں پھر سر سنہا
سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں اس لئے ہم وہیں چل رہے ہیں۔"

"روزا نے کچھ بتایا....؟" حمید نے پوچھا۔

"میں نے ابھی کچھ پوچھا ہی نہیں....!"

"اچھا پہلے یہ بتایئے کہ آپ نے وہ لاش یہاں کیوں لا ڈالی تھی۔ کیا سر سنہا....؟"

"یہ بھی روزا ہی کے لئے تھا.... لیکن وہ کہیں اور تھی۔ خیر یہ تصویر والا معاملہ بھی کارآمد ہی ثابت ہو سکے گا۔"

"آپ یہ بھی جانتے تھے کہ روزا میری شناسا ہے؟"

"کیوں نہ جانتا.... جبکہ روزا کی بھی نگرانی ہوتی رہی ہے۔"

"آخر کیوں....؟"

"بعض مشتبہ آدمیوں سے اس کے تعلقات کی بناء پر....!"

"لیکن وہ مشتبہ آدمی؟.... ان پر کسی بات کا شبہ کیا جا رہا ہے۔"

"یہی کہ یا تو ان کے دماغوں میں خلل ہے یا پھر ان کی لایعنی حرکات کوئی مقصد رکھتی ہیں۔"

"مثال کے طور پر بھی کچھ فرمایئے۔" حمید زچ ہو کر بولا۔

"مثلاً ہماری پچھلی رات والا تجربہ! میں ایک ایسے آدمی کی تصاویر لے رہا تھا جو بظاہر نشے کی جھونک میں اوٹ پٹانگ حرکتیں کر رہا تھا لیکن کوئی میرا کیمرہ ہی لے بھاگا۔"

"اور پھر خ بھی کر دیا گیا۔ لیکن کیمرہ اس کے پاس نہیں تھا۔"

"مجھے یقین ہے کہ وہیں نیاگرہ کے ہال میں کسی دوسرے نے اس سے کیمرہ لے لیا تھا۔"

"اس کے باوجود بھی میں آپ کی اس طویل نظم کے مرکزی خیال تک نہیں پہنچ سکا۔"

"سیمبولک پوئٹری ہے....!" فریدی مسکرایا۔

"تب تو مرکزی خیال بھی آپ ہی بتائیں گے۔"

"نظم مکمل کہاں ہوئی ہے....!"

"بہر حال....؟ کیا آپ کا خیال ہے کہ روزا اس آدمی سے واقف تھی؟"

"یقیناً.... ورنہ یہاں لاش لا پھینکنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ اسے کاروائی شناخت میں شامل کریں گے۔"

"فی الحال ضروری نہیں سمجھتا! یہ کام بعد میں لاش کے فوٹو کے ذریعے بھی ہو سکے گا۔"

"گویا آپ خود ہی اتنے دنوں تک اس معاملے کو ٹالیں گے۔"

"ٹالنا ہی پڑے گا۔"

"کیا یہ قانوناً درست ہوگا؟"

"مصلحتاً ضروری ہے۔" فریدی نے طویل سانس لے کر کہا۔ "بتدریج اسے بولنے پر آمادہ کرنا ہوگا.... ورنہ اس کا ٹائپ یہی بتاتا ہے کہ زبان بند ہوئی تو پھر نہ کھل سکے گی۔"

"سمجھ میں آنے لگا عورتوں کا ٹائپ....!"

"سب نہیں آتا تھا....!"

"لیکن عورت کے دل کی گہرائیوں میں جھانکنے کا سلیقہ نہیں ہے۔"

"دل کی گہرائیوں میں خون کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا۔"

"چلئے ذہن کی گہرائی سہی....!"

"حسب ضرورت جھانک لیتا ہوں۔"

"میرا مطلب ہے.... جذبات کی تہیں۔"

"جذبات کی تہیں....!" فریدی نے حیرت سے کہا۔ "تم یقیناً کوئی بڑا تیر مارنے والے ہو.... جذبات کی تہیں ماہرین نفسیات کے لئے چونکا دینے والی ہوں گی۔"

"مراد یہ کہ محبت....!"

"شٹ اَپ....!"

لنکن سر سنہا کی کوٹھی میں داخل ہو رہی تھی۔ پورچ میں خود سر سنہا کی گاڑی کھڑی نظر آئی اور وہ روزا کو سہارا دے کر نیچے اُتار رہا تھا۔

"کیا تم روزا سے کیپٹن حمید کی حیثیت سے ملے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں.... کیوں....؟"

"کچھ نہیں....؟"

لنکن بھی پورچ تک جا پہنچی۔ فریدی نیچے اُترا لیکن حمید گاڑی ہی میں بیٹھا رہا۔

"آپ کو بڑی تکلیف ہوئی کرنل صاحب۔" سر سنہا نے کہا۔

"کوئی بات نہیں....!" فریدی بولا اور حمید کو اشارہ کیا کہ وہ بھی گاڑی سے اُترے۔

سر سنہا انہیں ڈرائنگ روم میں لایا۔

حمید نے محسوس کیا کہ روزا پہلے سے بھی زیادہ خوفزدہ نظر آ رہی ہے۔

"میرا خیال ہے کہ آپ آرام کریں؟" فریدی نے اس سے کہا۔

"جج.... جی ہاں....!" وہ چونک کر بولی۔ "شکریہ....!"

اٹھی اور اندر چلی گئی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے حمید بھی اس کے لئے بالکل اجنبی ہو۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا۔" سر سنہا نے کمزور آواز میں کہا۔ "آپ کسی تصویر کا ذکر کر رہے تھے۔ لیکن وہ کہتی ہے کہ بس سر چکرایا تھا اور وہ گر پڑی تھی اور ہوش آنے پر ایک انجانا خوف محسوس کیا تھا جو بڑھتا ہی گیا۔ جی ہاں وہ خوفزدہ معلوم ہوتی ہے لیکن خود بھی نہیں جانتی وہ کس چیز سے خائف ہے۔"

"کوئی نفسیاتی وجہ ہو گی۔"

"خدا جانے میں بہت پریشان ہوں۔ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔"

"کسی ماہر نفسیات سے مشورہ لیجئے۔" فریدی نے کہا۔

دفعتاً عمارت کے اندرونی حصوں سے ایک نسوانی چیخ ابھری.... پھر پے در پے کئی چیخیں سنائی دیں۔ لیکن آواز ایک ہی تھی۔

ویٹر کی چیخ

"اوہ.... اوہ....!" سر سنہا بوکھلا کر اٹھا۔ لڑکھڑایا اور گر پڑا۔ حمید اسے اٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔ اتنی دیر میں فریدی دوسرے کمرے میں پہنچ چکا تھا۔

حمید نے اسے اٹھایا اور بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "دوڑیئے.... دوڑیئے.... وہ۔ ہی کی آواز تھی۔"

پھر سر سنہا نے روزا کے کمرے تک اس کی راہنمائی کی.... فریدی وہاں پہلے ہی پہنچ چکا حمید نے دیکھا کہ وہ خاموش کھڑا ہے اور روزا بستر پر اوندھی پڑی بُری طرح کانپ رہی تھی

"بے بی.... بے بی۔" سر سنہا اسے جھنجھوڑ کر بولا۔ "کیا بات ہے.... کیا ہوا....؟"

روزا کچھ نہ بولی.... اسی طرح اوندھی پڑی کانپتی رہی۔

"ارے کچھ بتاؤ بھی تو بیٹی! کیوں چیخی تھی۔ میرے خدا میں دل کا مریض ہوں۔ کہیں میرا ارٹ فیل نہ ہو جائے۔ صبح آنکھ کھلنے سے لے کر اب تک جھٹکے ہی جھٹکے لگتے چلے جا رہے تھے میں یا کروں؟" سر سنہا روہانسی آواز میں کہتا رہا۔ "رحم کرو مجھ پر.... کچھ منہ سے بتاؤ بھی تو۔ کرنل پ بتایئے۔"

"میں کیا بتاؤں جناب۔" فریدی نے پر سکون لہجے میں کہا۔ "میں نے بھی انہیں اسی حالت ں پایا تھا۔"

"بے بی مجھ پر رحم کرو.... رحم کرو۔" سر سنہا دونوں ہاتھوں سے بایاں پہلو دبائے کرسی پر ٹھ گیا.... اور فریدی سے بولا۔ "دیکھئے میرے پیر کانپ رہے ہیں۔ یہ علامت ہے اس کی کہ اب ں کچھ دنوں کے لئے پڑ جاؤں گا....!"

"کیا میں آپ کے فیملی ڈاکٹر کو بلواؤں....!" فریدی نے پوچھا۔

"یقیناً.... میں مشکور ہوں گا۔" سر سنہا مضمحل سی آواز میں بولا۔

"کون ہے....؟ فون نمبر بتایئے....!"

"کسی بھی نوکر سے کہئے گا وہ فون کر دے گا۔"

"حمید جاؤ....!" فریدی نے حمید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

حمید روزا سنہا کو پر تشویش نظروں سے دیکھتا ہوا کمرے سے چلا آیا.... سب سے پہلے اسی ملازم سے ملاقات ہوئی جس سے تصویر کے متعلق گفتگو ہوئی تھی۔

"فیملی ڈاکٹر کو فون کر دو.... سر سنہا کی حالت بھی بگڑ رہی ہے۔" حمید نے اس سے کہا اور اس کے ساتھ چلتا ہوا اس کمرے تک آیا جہاں فون تھا۔

ڈاکٹر کو فون کر چکنے کے بعد ملازم اس کی طرف مڑا۔

"مس صاحبہ کو کیا ہوا ہے؟" اس نے حمید سے پوچھا۔

"تم نے چیخیں سنی تھیں۔"

"جی ہاں....؟"

"لیکن تم میں سے کوئی بھی وہاں نہیں پہنچا تھا۔"

"حکم نہیں ہے۔"

"کس کا حکم....!"

"مس صاحبہ کا.... انہوں نے کہہ رکھا ہے کہ جب تک میں خود نہ بلاؤں کوئی
کمرے میں نہ آئے خواہ کچھ ہو رہا ہو۔"

"کیا پہلے بھی کچھ ہو چکا ہے۔"

"نوکر نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ چہرے پر ہچکچاہٹ کے آثار تھے۔"

"ہاں کہو.... ڈرنے کی ضرورت نہیں.... تم جو کچھ بھی بتاؤ گے اس کا علم تمہاری م
صاحبہ کو نہ ہو سکے گا۔"

"صاحب وہ کئی بار اس طرح چیخ چکی ہیں.... لیکن پہلے کبھی صاحب ایسے مواقع پر موج
نہیں رہے.... ہمیں حکم تھا کہ ہم اس کا تذکرہ صاحب سے بھی نہ کریں۔"

حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر روزا کے کمرے میں واپس آ گیا۔ اب وہ ایک آ
کرسی پر نڈھال سی پڑی تھی اور فریدی اسے دیکھے جا رہا تھا۔ سر سنہا سر جھکائے خاموش بیٹھا
کمرے کی فضا ایسی ہی تھی جیسے ان میں سے کوئی بھی دیر سے بولا نہ ہو۔

دفعتاً فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "اچھا سر سنہا اب اجازت چاہوں گا۔"

"میں بے حد شکر گزار ہوں کرنل.... آپ سے رابطہ قائم رکھوں گا۔" سر سنہا نے اٹھ
مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

اس نے حمید سے بھی گرم جوشی کے ساتھ مصافحہ کیا تھا۔

وہ دونوں باہر آئے.... فریدی خاموش تھا۔ لنکن سڑک پر نکل آئی۔ بڑی دیر تک
سوچتا رہا کہ آج کا دن تو بوریت کی نذر ہو چکا ہے اب کیا کیا جائے۔ پھر دفعتاً اس نے محسوس کیا
گاڑی شہری آبادی سے بہت دور نکل آئی ہے۔

"اُف فوہ.... اب کہاں؟" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"فکر نہ کرو.... ناشتہ تو کر ہی چکے ہو.... لنچ میں ابھی دیر ہے۔"

"بولتے رہئے تو جی نہ اکتائے۔"

فریدی سر کو خفیف جنبش دے کر مسکرایا.... آنکھیں ونڈ شیلڈ پر تھیں۔

"ہم کیمرے کی تلاش میں جا رہے ہیں.... ہو سکتا ہے وہ وہیں رہ گیا ہو جہاں تم نے

لد نمبر 29

ات ٹانگ مار کر اُسے گرایا تھا۔"

"لیکن اس وقت شائد ہی میں اس جگہ کی نشاندہی کر سکوں....!"

"دیکھا جائے گا۔"

کچھ دیر بعد فریدی نے ایک جگہ گاڑی روک کر کہا۔ "یہی جگہ تھی یہاں اُتر کر میں نے اس کا
اقب کیا تھا۔"

"لہٰذا آپ یہیں اتر جائیے۔" حمید نے بڑے خلوص سے کہا۔ "میں گاڑی آگے بڑھا لے
اؤں گا.... آپ پیدل چل کر وہاں پہنچنے کی کوشش کیجئے جہاں میں نے اسکے ٹانگ ماری تھی۔"

"یہی کروں گا....!" فریدی نے کہا اور گاڑی سے اُتر گیا۔

"دوڑتے ہوئے جائیے گا....!" حمید نے اسٹیئرنگ سنبھالتے ہوئے کہا۔ لنکن آگے بڑھ گئی
مید سوچ رہا تھا کہ پہلے ہی موڑ پر تو اُس نے بھی گاڑی چھوڑ دی تھی۔ لیکن ضروری نہیں کہ وہ
صحیح مقام تک پہنچ ہی جائے۔

بہر حال اُس نے پہلے موڑ پر گاڑی روک دی اور اندازے سے چل پڑا۔ فریدی بھی دکھائی دیا
مگر وہ ابھی دور تھا۔

حمید نے ایک جگہ پتھر کے ٹکڑوں پر خون کی چھینٹیں دیکھیں اور رک کر قرب و جوار کا جائزہ
لینے لگا۔

اتنے میں فریدی بھی قریب آ گیا۔

"یہاں خون کی چھینٹیں ہیں۔" حمید نے کہا۔

فریدی بھی جھک کر دیکھنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "وہ یہیں گرا ہو گا لیکن۔" جملہ پورا
کئے بغیر خاموش ہو گیا۔

حمید اس کا انہماک دیکھ کر جھنجھلا گیا۔

"آپ سوئی تلاش کر رہے ہیں یا کیمرہ؟" اُس نے کہا۔

"ہو سکتا ہے.... کچھ....!" اُس نے پھر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

وہ آس پاس کی زمین کو بغور دیکھتا پھر رہا تھا۔ ایک بار حمید نے اسے کچھ اٹھاتے ہوئے دیکھا۔
وہ اس سے دور کھڑا تھا.... کوئی سفید سی چیز تھی۔

"کیا ہے؟" اُس نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔

"ایک وزیٹنگ کارڈ....!"

"چلئے کچھ ہوا تو....!" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"ضروری نہیں کہ یہ مرنے والے ہی سے تعلق رکھتا ہو۔" فریدی وزیٹنگ کارڈ جمائے ہوئے بولا۔ "لیکن اس کی حالت بتاتی ہے کہ یہ زیادہ عرصہ سے یہاں نہیں پڑا رہا۔"

حمید نے بھی اسے دیکھا۔ یہ کسی پروین چنگیزی کا وزیٹنگ کارڈ تھا۔

"کیا نام ہے؟" حمید نے سر ہلا کر کہا۔ "پروین چنگیزی.... بیک وقت لچکیلا اور خونخوار پانچ ریکسٹین میں رہتی ہے۔ پھر کیا خیال ہے؟"

"کچھ نہیں آؤ چلیں....!"

وہ گاڑی میں آبیٹھے... حمید نے اسے اپنی اور روزا کے ملازم کی گفتگو سے متعلق بتانا شروع کیا۔

"تشدد کے بغیر وہ کچھ نہ بتائے گی۔" فریدی نے کہا۔

"کیا اس کے لئے کوئی قانونی جواز موجود ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"یہی تو دشواری ہے کہ ایسا نہیں ہے۔" فریدی بولا۔

حمید تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "اس لاش کا کیا ہوگا جو....!"

"اس کی تصویر جلد از جلد حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ روزا لاش نہیں دیکھ سکی تھی اب اسے اس کا تو علم ہو ہی گیا ہوگا کہ وہاں کوئی لاش پائی گئی تھی۔"

"آخر آپ کو اس پر کس بات کا شبہ ہے۔"

"میں کہہ چکا ہوں کہ بعض مشتبہ آدمیوں کے ساتھ دیکھی گئی تھی۔"

"ان مشتبہ آدمیوں پر کس بات کا شبہ ہے۔"

"مختلف النوع معاملات ہیں۔"

"بہر حال آپ بتانا نہیں چاہتے۔"

"تم جانتے ہو کہ جب تک خود کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچ جاتا زبان نہیں کھولتا۔"

"کتنی دیر لگے گی کسی خاص نتیجے پر پہنچنے میں....؟"

"بکواس مت کرو....!"

شہر پہنچ کر فریدی نے گاڑی قاسم کی کوٹھی کی طرف موڑ دی اور جب وہ کمپاؤنڈ میں داخل ہوئے تو قاسم برآمدے ہی میں کھڑا نظر آیا۔

گاڑی پورچ میں رک گئی۔ قاسم مضطربانہ انداز میں دونوں ہاتھ ہلاتا ہوا ان کی طرف جھپٹا۔

"قیا ہوا....؟" اس نے فریدی سے پوچھا۔

"ابھی تک تو کچھ بھی نہیں ہوا۔" فریدی نے گاڑی سے اترتے ہوئے کہا۔

"سب ہو چکے گا....؟" قاسم رو میں کہہ گیا۔

"کیا چاہتے ہو....!" فریدی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"کسی تھانے میں چل کر مرغا بنوا دیجئے گا۔" حمید بولا۔ "اب یہ یہی چاہتا ہے....!"

"تھانے کی ایسی تیسی.... ہاں میں نے قیا کیا ہے؟" قاسم نے آستین چڑھا کر آنکھیں نکالیں۔

"تمہیں شرم نہیں آتی ایسی شریف بیوی کو دھوکا دیتے ہوئے۔" حمید نے کہا۔

"ابے.... اب تم بھی یہی کہو گے۔"

"سچی بات ہر حال میں کہی جائے گی۔"

قاسم نے سہمے ہوئے انداز میں پلٹ کر صدر دروازے کی طرف دیکھا اور فریدی سے بولا۔ "اب دیکھئے.... اب دیکھئے.... خواہ مخواہ پھر گھپلا ہو جائے گا۔"

"کیسا گھپلا....!" فریدی مسکرایا۔ "کیا تم ہمیں بیٹھنے کو بھی نہ کہو گے۔"

"اندر ابا جان موجود ہیں اور ان کے قان بھرے جا رہے ہیں۔"

"چلو....!" فریدی اسے صدر دروازے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔ "کچھ دیر بیٹھیں گے۔"

وہ ابھی برآمدے کی سیڑھیوں تک بھی نہیں پہنچے تھے کہ اندر سے ایک ملازم سر پر بڑے بڑے فریموں کا بنڈل اٹھائے ہوئے باہر نکلا۔

قاسم روہانسی آواز میں کراہتا ہوا بولا۔ "یہ دیکھئے.... یہ ظلم ہونے جا رہا ہے مجھ پر....!"

"کیا مطلب....!" فریدی نے ملازم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"آگ لگائیں.... آگ لگائیں گے ان میں۔"

"کون....؟"

"والد صاحب....!" قاسم جھلا کر بولا۔ "ایسے کو صاحب کون کہے والد وا....!"

حمید بے ساختہ ہنس پڑا.... اتنے میں دوسرا ملازم ویسا ہی دوسرا بنڈل اٹھائے ہوئے نمودار ہوا۔ اس کے پیچھے عاصم صاحب تھے۔

قاسم کی طرح لمبے تو نہیں تھے.... لیکن ان کا پھلاؤ بھی کم نہیں تھا۔ بھری ہوئی گول ڈاڑھی تھی.... اور آنکھیں سچ مچ خونخوار ہی کہی جاسکتی تھیں۔

فریدی کو دیکھ کر بلند آواز میں سلام کیا اور بولے۔ "نیا خبط دیکھا آپ لوگوں نے.... بابر کبھی سیدھی لکیر نہیں کھینچ سکا اور صاحبزادے مصوری فرمائیں گے۔"

پھر ملازموں کو للکارا۔ "ڈھیر کر کے آگ لگادو۔"

"مگر اس میں ان کی مصوری کا کیا قصور....!" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"تو کیا آپ نے اس حرام زادے کی بات پر یقین کر لیا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ ان کا بیان غلط نہیں ہے.... میں لڑکی سے بھی پوچھ چکا ہوں۔ اس کی ہوشی میں ان کا کوئی قصور نہیں۔"

"سر سنہا سے میرے بڑے اچھے تعلقات ہیں....!"

"وہ اچھے ہی رہیں گے۔ ظاہر ہے کہ لڑکی کسی قسم کا جھوٹ بولنے پر تیار نہیں۔ بس وہ کچھ چیز سے خائف ہو گئی تھی۔"

"کس چیز سے خائف ہو گئی تھی۔" عاصم صاحب نے دہاڑ کر قاسم سے پوچھا۔

"مم.... میں کیا بتاؤں....!"

عاصم صاحب نے نوکروں کو پھر للکارا۔ "منہ کیا دیکھ رہے ہو لگادو آگ۔"

"میرا خیال ہے کہ ایسا نہ کیجئے۔" فریدی نے کہا۔ "شغل کے لئے کچھ تو ہونا ہی چاہئے۔"

"یعنی مصور.... آپ بھی کمال کرتے ہیں.... یہ مصوری ہے۔"

"تجریدی مصوری کہلاتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"یہ کیا ہوتی ہے۔"

"بس ایسی ہی ہوتی ہے۔"

"نہیں صاحب.... لہو و لعب کی حوصلہ افزائی کرنا میرے بس سے باہر ہے۔"

"آپ کی مرضی....!" فریدی نے کہا اور فریموں میں آگ لگائی جانے لگی.... قا

دوسری طرف منہ پھیرے کھڑا بسورتا رہا۔

جب سارے فریموں نے آگ پکڑلی تو عاصم صاحب نے فریدی کی طرف مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اچھا مجھے اجازت دیجئے۔"

مصافحہ کر کے وہ اپنی گاڑی میں بیٹھ گئے.... اور حمید قاسم کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جو ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بدبداتا جارہا تھا اور تیور ایسے ہی تھے جیسے کہہ رہا ہو۔ "اچھی بات ہے میں بھی دیکھ لوں گا۔"

"صدمہ گہرا ہے....!" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "لیکن کیا کیا جائے.... باپ ہی ٹھہرے.... ایسا باپ تو خدا کتے کو بھی نہ عطا کرے۔"

عاصم صاحب کی گاڑی پھاٹک سے گزر کر نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔

"چلو اندر چلو.... ورنہ تم سے یہ آتش بازی نہ دیکھی جائے گی۔" حمید نے قاسم کی کمر تھپتھپا کر پیار بھرے لہجے میں کہا اور قاسم نے کسی تیز مزاج اور نکچڑی عورت کے سے انداز میں اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"بھئی.... تمہاری بیگم سے اس سلسلے میں کچھ پوچھنا ہے۔" فریدی نے قاسم سے کہا۔

"پوچھئے دو چھئے جا کر میں کچھ نہیں جانتا۔ لانت ہے ایسی زندگی پر۔"

فریدی سیڑھیاں طے کر کے برآمدے میں آیا.... جہاں اس کی بیوی کھڑی فریموں کے جلنے کا منظر دیکھ رہی تھی۔ ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی اور آنکھیں چمک رہی تھیں۔

"یار صبر کرو۔" حمید نے پھر قاسم کو چھیڑا۔

"کاہے کا ہے کا صبر کروں....!" قاسم جھلا کر بولا۔ "ایک بات ہو تو.... اے ہر معاملے میں سر پر سوار.... میں کیا جانوں سالی قیوں ڈر گئی تھی۔"

"وہ تو کوئی اور ہی چکر ہو گا۔" حمید نے بلند آواز میں کہا۔ اتنی بلند آواز میں کہ قاسم کی بیوی بھی سن سکے۔

"کیسا چکر....!" قاسم نے آنکھیں نکالیں۔

"اب یہ تم جانو یا وہ بے ہوش ہونے والی۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ تم نے اُسے اپنے غیر شادی شدہ ہونے کا یقین دلایا ہو، محبت کی پینگیں بڑھائی ہوں اور پھر جب وہ یہاں آئی ہو اور ہوئی

ہو تمہاری بیگم سے مڈ بھیڑ۔ ابے تو ایسے میں بے ہوش نہ ہو جاتی تو اور کیا کرتی۔"

قاسم نے بوکھلا کر بیوی کی طرف دیکھا جو سر جھکائے فریدی کے کسی سوال کا جواب دے رہی تھی۔ پھر دانت پیس کر آہستہ سے بولا۔ "او.... مردود کیوں میرے پیچھے پڑ گیا ہے.... اب کیا دن کو بھی سونا نصیب نہ ہوگا۔"

"یہ بات ابھی تک سوجھی نہیں شاید بیگم صاحبہ کو....!" حمید نے کہا۔

"اور سالے اگر تم نے بجھائی تو گولی مار دوں گا.... کصہ ختم ہو جائے گا ایک بار.... اچھا بڑا یہ مصوری کا چکر کس نے چلایا تھا؟ پہلے مصوری کرائی.... اب جان جلا رہے ہو.... مرو گے سالے بہت جلد مرو گے.... کیڑے پڑیں گے بدن میں تمہارے سڑ جاؤ گے۔"

"ارے تو میں تمہاری بیگم کو تھوڑا ہی بتاؤں گا....!" حمید نے اس طرح چیخ کر کہا کہ وہ بھی ان کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"نہیں مجھے ضرور بتایئے گا۔" قاسم کی بیوی نے بھی بلند آواز میں کہا۔

"ارے باپ رے۔" قاسم دانت پر دانت جما کر آہستہ سے بولا۔ دبی زبان سے حمید کو کبھی گالیاں دیتا اور کبھی خوشامد کرنے لگتا۔

"ارے وہ نہیں کوئی ایسی بات نہیں۔" حمید نے ہنس کر کہا۔

"میں سمجھتی ہوں۔" جواب ملا اور پھر وہ فریدی کے کسی سوال کا جواب دینے لگی۔

"اچھا یہ بتاؤ لڑکی کیسی تھی۔" حمید نے قاسم سے آہستگی سے پوچھا۔

قاسم چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ "تم سالے دغا باز ہو۔ میں اپنی جبان سے کچھ نہیں کہوں غا۔"

"تمہارے معیار سے مطابقت رکھتی تھی۔"

قاسم صرف ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔ فریدی اور قاسم کی بیوی برآمدے میں کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے۔

"میرا خیال ہے کہ اس نے تمہیں کہیں دیکھا تھا اور عاشق ہو گئی تھی۔" حمید بولا۔

"امے نہیں.... ہی ہی ہی ہی۔" قاسم کا موڈ یک لخت بدل گیا۔

"ممکن ہے.... ممکن ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "تصویروں کے بہانے آئی اور ایک رات

بھی تمہارے ساتھ گزار گئی۔ لیکن رہے تم بدھو کے بدھو۔"

"نہیں....!" قاسم کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"لیکن تم قطعی اس قابل نہیں ہو کہ آئندہ تمہیں اپنے ساتھ رکھوں گا۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

"کیوں کیوں....!"

"میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ تم اتنے گھامڑ ہو گے۔ ابے وہ رات بھر تمہارے گھر میں رہی اور تم جورو کے چکر میں پڑے رہ گئے۔"

"کیا بتاؤں پیارے بھائی وہ بہت چالاک ہے۔"

"خیر.... خیر.... چلو کپڑے پہنو۔ میں اب تمہیں یہاں نہیں رہنے دوں گا۔ اس نامعقول عورت نے تم جیسے عظیم آرٹسٹ کی مٹی پلید کر کے رکھ دی.... ہائے.... ہائے کیسے کیسے نادر نمونے راکھ کا ڈھیر ہوئے جا رہے ہیں۔"

حمید کی آواز گلوگیر ہو گئی تھی۔ قاسم کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور دوسری طرف مڑ کر طرح طرح کے منہ بنانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد آنکھیں مل کر حمید کی طرف مڑا اور بولا۔ "واکئی اب میں یہاں نہیں رہوں گا۔ مجھے دنیا میں کچھ کرنا ہے۔"

"بالکل.... بالکل....!"

"لیکن میں جاؤں گا کہاں۔"

"ایگل بیچ پر تمہارا ایک ہٹ خالی پڑا ہوگا۔ وہاں تو آج کل بڑی رونق ہو گی۔"

"آہاں.... بالکل بالکل۔" قاسم خوش ہو کر بولا۔ "ٹھیک ہے.... میں ابھی آتا ہوں۔"

"میرے ساتھ نہیں۔" حمید نے جلدی سے کہا۔ "تم اپنا سامان لے کر اپنی گاڑی سے جاؤ.... میں وہیں مل جاؤں گا۔"

"اچھا.... اچھا.... یہ بھی ٹھیک ہے۔ ورنہ یہ سالی....!" قاسم جملہ پورا کئے بغیر اندر چلا گیا۔

فریدی اٹھ گیا تھا۔ حمید نے اسے پورچ کی طرف آتے دیکھا۔ قریب آ کر اس نے اسے گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

حمید گاڑی میں بیٹھتا ہوا بڑبڑایا۔ "اب پتہ نہیں کہاں کہاں گھسیٹتے پھریں گے۔" فریدی کچھ نہ بولا

"میں آج کل کام کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔" حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔

"افسوس ناک خبر ہے۔"

"کم از کم ایک ہی ہفتے کے لئے بخش دیجئے۔"

"بشرطیکہ تم اس عرصہ میں روزا کو بولنے پر مجبور کر سکو۔"

"بلبلوں کی طرح نہ چہکنا شروع کر دے تو میرا ذمہ....!" حمید خوش ہو کر بولا۔

"اچھا گاڑی سے اُتر جاؤ۔"

"کیا مطلب؟ یعنی کہ یہیں....!"

"بالکل اسی وقت سے چھٹی۔" فریدی نے کہا اور گاڑی سڑک کے کنارے لگا کر کھڑی کر دی

"سوال یہ ہے کہ میں جاؤں گا کہاں!" حمید گاڑی سے اترتا ہوا بولا۔

"جہنم میں....!" فریدی دروازہ بند کرتے ہوئے بولا اور گاڑی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

حمید نے جیب سے رومال نکالا اور اسے پیشانی پر پھیرتا ہوا چاروں طرف نظر دوڑانے لگا لیکن آس پاس کوئی ٹیکسی بھی نہ دکھائی دی۔

سامنے ایک ریستوران تھا۔ اس نے سڑک پار کی اور ریستوران میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ روزا سے ملنے کی کیا صورت ہو گی اور وہ اس سے کچھ معلوم بھی کر سکے گا یا نہیں۔ اسکے ایک ملازم چار لکیروں کے متعلق اسے بہت کچھ بتایا تھا۔ لیکن اگر اس نے اسے سرے سے مضحکہ خیز قرار دیا تو کیا ہو گا اور وہ تو پہلے ہی سے کہتی رہی تھی کہ وہ اپنی بے ہوشی کی وجہ خود بھی نہیں جانتی تھی

ویٹر کو چائے کا آرڈر دے کر وہ پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

ویٹر نے چائے لانے میں دیر نہیں لگائی۔ لیکن میز پر ٹرے رکھتے ہی چیخ مار کر ڈھیر ہو گیا۔

دھماکہ

اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا اور وہ ہاتھ حمید کی جانب اٹھا ہوا تھا۔ اس کی چیخ کو سن کر کے دوسرے آدمی بھی متوجہ ہو گئے تھے.... حمید دیکھ رہا تھا کہ وہ دم توڑ رہا ہے۔ دیکھتے ہی د

بے حس و حرکت ہو گیا۔

لوگ چاروں طرف سے دوڑ پڑے۔ غالباً ان میں باورچی خانے کے ملازمین شامل تھے۔

مرنے والے کا ہاتھ جس میں لفافہ تھا بدستور اٹھا رہا۔ غالباً وہ اسی حالت میں اکڑ کر رہ گیا۔

"یہ خط آپ کے لئے تھا۔" مجمع سے ایک آدمی نے حمید کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"میرے لئے....!" حمید نے حیرت سے کہا اور پھر لوگوں کو لاش کے پاس سے ہٹانے لگا۔

کسی نے غصیلے لہجے میں اعتراض کیا۔ اس پر اسے اپنا عہدہ بتا کر انہیں مرعوب کرنا پڑا۔ پھر وہ کاؤنٹر کی طرف بڑھا اور حلقے کے تھانے کو بذریعہ فون مطلع کرنے کے بعد لاش کی طرف متوجہ ہو گیا اور اس آدمی پر نظر رکھی جس نے کسی خط کی اطلاع دی تھی۔

اتنے میں دو ڈیوٹی کانسٹیبل صدر دروازے کے قریب دکھائی دیئے۔ حمید نے انہیں اشارے سے اندر بلایا اور وہ لاش دیکھ کر بوکھلا گئے۔ اس نے انہیں بتایا کہ وہ کون ہے اور انہیں لاش کی نگرانی کرنے کی ہدایت دیتا ہوا اس آدمی کو الگ لے گیا جس نے لاش کے ہاتھ میں دیئے ہوئے لفافہ کے متعلق کچھ کہا تھا۔

"تم یہیں کام کرتے ہو....؟" حمید نے اس سے پوچھا۔

"جی ہاں جناب.... میں باورچی ہوں۔"

"وہ خط اسے کس نے دیا تھا....؟"

"ایک لڑکی دوسری طرف سے باورچی خانے میں داخل ہوئی تھی اور آپ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا تھا کہ ان کے آرڈر کی تعمیل کون کرے گا۔ توفیق بولا.... میں.... تب اس نے پرس سے لفافہ نکال کر اسے دیا اور کہا کہ آپ کو دے دیا جائے۔ ایک روپیہ بخشش بھی دی تھی۔"

"وہ کتنی دیر ٹھہری تھی۔"

"جی بس لفافہ دے کر چلی گئی تھی۔"

"حلیہ بتا سکو گے۔"

"جی صاحب جوان تھی۔ اچھی خاصی تھی.... جی ہاں.... گوری رنگت.... پیلی ساڑی پہنے تھی۔ بلاؤز تھا.... جی ہاں.... نیلا ہی تھا.... ہلکا نیلا۔"

"پہلے بھی کبھی دیکھا تھا اسے۔"

"جی نہیں....؟"

حلقے کے تھانے کا انچارج وہاں پہنچ چکا تھا.... حمید نے اس سے کہا کہ لاش کے ہاتھ میں دبے ہوئے لفافے کا خاص خیال رکھا جائے۔ وہ ضائع نہ ہونے پائے۔

کچھ دیر بعد لاش کی تصویریں بھی لی گئیں اور جب وہ ہسپتال لے جائی جانے لگی تو لفافہ حمید کے ہاتھ لگا جس کے اندر سے ٹائپ کیا ہوا ایک پرچہ برآمد ہوا۔

چار لکیریں.... مضمون کے نیچے چار لکیریں نظر آئیں۔ تین متوازی اور ایک انہیں درمیان سے قطع کرتی ہوئی۔

حمید نے مضمون پر نظر ڈالی

خواہ مخواہ ٹانگ اڑانا اچھی عادت نہیں ہے.... اگر تم لوگ باز نہ آئے تو ایسے ہی درجنوں لفافے تم تک پہنچیں گے۔ اسی حساب سے لاشوں کی تعداد کا اندازہ بآسانی کیا جاسکتا ہے۔

تمہارا کیمرہ بھی کسی لاش ہی کے توسط سے تم تک پہنچ جائے گا۔



"زبردست غلطی" وہ زیر لب بڑبڑایا.... وہ سوچ رہا تھا کہ جائے واردات پر فریدی کی موجودگی ضروری تھی۔ اس سے پہلے لاش ہٹائی ہی نہ جانی چاہئے تھی۔ کیفے سے باہر نکل کر اس نے پبلک ٹیلی فو بوتھ سے فریدی کے نمبر ڈائیل کئے وہ گھر پر موجود نہیں تھا لیکن دوسری طرف سے اطلاع ملی کہ ابھی ابھی اس نے فون کر کے کہا تھا کہ اگر حمید کی کوئی کال آئے تو اُسے تین چار دو چھ نو پر رنگ کرنے کو کہا جائے۔

حمید نے انہیں نمبر پر اس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی.... وہ جانتا تھا کہ وہ نیاگرہ کے نمبر ہیں۔ دوسری طرف سے کسی نے جواب دیا۔ "جی ہاں وہ موجود ہیں ہولڈ آن کیجئے۔"

کچھ دیر بعد فریدی کی آواز آئی۔ "حمید تم کہاں ہو....؟ میں نیاگرہ سے بول رہا ہوں.... یہیں آجاؤ۔"

اس کا انتظار کئے بغیر دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

حمید ٹیکسی میں نیاگرہ پہنچا اور باہر سے ہی اندازہ کر لیا کہ یہاں بھی کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہے کیونکہ کمپاؤنڈ میں کئی پولیس وین کھڑی تھیں ایک ریڈیو کار بھی تھی۔

وہ اندر آیا۔ ڈرائینگ ہال میں ایک بیرے کی لاش نظر آئی.... فریدی دوسرے بیروں سے کچھ گچھ میں مصروف تھا۔

حمید چپ چاپ اس کے قریب جا رکا۔ وہ مڑا اور حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"کیا کیمرہ واپس آگیا۔"

"کیا مطلب....!" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

"مطلب یہ کہ کیا اس لاش کے ہاتھ میں کیمرہ تھا....؟"

"جب معلوم ہے تو کیوں دماغ چاٹ رہے ہو۔" اس نے ناخوشگوار لہجے میں کہا اور پھر بیروں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

حمید لاش کے قریب آکر اس کا جائزہ لینے لگا۔ اس کے ہاتھ بھی کچھ اسی انداز میں اٹھا ہوا تھا جیسے کسی کو کچھ دینا چاہتا ہو۔

حمید نے سیٹی بجانے کے سے انداز میں ہونٹ سکوڑے اور دم بخود رہ گیا.... فریدی اپنی ڈائری میں بیروں کے بیانات درج کرا رہا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹہ بعد وہ حمید کو باہر چلنے کا اشارہ کرتا ہوا خود بھی صدر دروازے کی طرف جاتا ہوا نظر آیا۔

وہ دونوں کمپاؤنڈ میں پہنچ کر رک گئے۔ فریدی ہاتھ میں وہی کیمرہ لئے ہوئے تھا جو پچھلی بار کوئی نامعلوم آدمی اس سے جھپٹ لے گیا تھا۔

حمید نے اپنی جیب سے وہ خط نکالا جو اسے کیفے والی لاش کے ہاتھ سے ملا تھا اور اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ "یہ پہلی لاش نہیں تھی۔"

فریدی نے خط پڑھ لینے کے بعد طویل سانس لی اور بولا۔ "وہ اس حد تک نہیں سوچ سکتا تھا! خراب پوسٹ مارٹم کی رپورٹیں دیکھنے کے بعد ہی....!"

جملہ پورا کئے بغیر وہ خاموش ہو گیا۔ آنکھیں گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

"کیا کیمرے میں فلم موجود ہے۔"

"تمہارا سوال احمقانہ ہے؟ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس میں فلم موجود ہے۔"

"پھر کس لئے لے گئے تھے....؟" حمید نے حیرت سے پوچھا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ پھر وہ خاموشی سے لنکن میں جا بیٹھے۔

گاڑی حرکت میں آگئی تو حمید نے پوچھا۔ "آپ یہاں کیوں آئے تھے۔"

"ظاہر ہے مجھے کیمرے کی تلاش تھی۔" فریدی نے کہا۔ "میرا خیال تھا کہ وہ بچھڑا ار یہیں کہیں چھپا دیا گیا ہوگا اور وہ بھاگنے والا خالی ہاتھ ہی یہاں سے نکلا تھا۔"

حمید کچھ دیر بعد بولا۔ "تو اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ ہماری کڑی نگرانی کر رہے ہیں۔"

"ہوں.... محتاط رہو۔" فریدی نے ونڈ اسکرین پر نظر جمائے ہوئے کہا۔

"کیمرہ کیوں چھینا گیا تھا....!" حمید بڑبڑایا۔ "پھر واپس کیوں کر دیا گیا.... وہ بھی اسی طر لوڈڈ....!"

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے.... اور پلکیں جھپکائے بغیر سامنے دیکھ تھا۔ لنکن سنسان سڑک پر دوڑ رہی تھی۔

شہر سے نیاگرہ یا نیاگرہ سے شہر پہنچنے کے لئے ایک طویل ویرانہ طے کرنا پڑتا تھا۔ دفعتاً فر نے ایک جگہ لنکن روک دی۔

حد نظر تک کوئی دوسری گاڑی نظر نہیں آ رہی تھی۔

وہ نیچے اُتر آیا اور کیمرے کو اس طرح ہاتھ میں تولنے لگا جیسے بہت دور پھینکنا چاہتا ہو۔ حمید اسے تحیر آمیز نظروں سے دیکھتا رہا.... اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے سچ مچ اس نے بہت دور پھ دیا لیکن جیسے ہی وہ زمین پر گرا.... ایک زبردست دھماکہ ہوا۔ اتنا خوفناک دھماکہ کہ حمید کا جسم جھنجھنا کر رہ گیا اور کھوپڑی آسمان پر تیرتا ہوا بادل کا کوئی ہلکا پھلکا سا ٹکڑا معلوم ہونے لگی۔

جس جگہ کیمرہ گرا تھا وہاں کثیف دھواں اور گرد و غبار کا ایک مرغولہ سا فضا میں بلند ہ تھا.... فریدی اس کی طرف مڑ کر مسکرایا.... پھر گاڑی میں بیٹھتا ہوا بولا۔ "غالباً اب کیمر واپسی کا مقصد سمجھ میں آ گیا ہوگا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اس کے اعصاب ابھی تک معمول پر نہیں آئے تھے۔

"جیسے ہی میں فلم نکالنے کے لئے اسے کھولنے کی کوشش کرتا وہ دھماکے کے ساتھ ج جاتا۔" فریدی نے کہا اور جیب سے سگار ٹٹولنے لگا۔ پھر دفعتاً بولا۔ "یہ دھماکہ دور دور تک ہوگا۔ میرا مطلب ہے نیاگرہ والوں نے اسے ضرور سنا ہوگا۔ نیچے اُتر آؤ.... وہ اپنے کارنا

نیچے دیکھنے ضرور آئیں گے۔"

حمید نیچے اُترا تو.... لیکن ایسا محسوس کیا جیسے کسی ناہموار جگہ پر کھڑا ہو۔ چلنے کے لئے قدم اٹھانے لگا تو محسوس ہوا جیسے پیر پتھر کے ہوں۔ فریدی کے ساتھ گھسٹتا ہوا بائیں جانب والے ٹیلے میں اترنے لگا۔

سامنے جھنڈ بیریوں کی جھاڑیاں تھیں جن کے نیچے پہنچ کر وہ آسانی سڑک کی نگرانی کر سکتے تھے اور انہیں سڑک سے دیکھا نہ جا سکتا۔

تقریباً دس منٹ تک سڑک سنسان رہی لیکن پھر نیاگرا کی طرف سے آتی ہوئی ایک کار دکھائی دی۔

لنکن کے قریب پہنچ کر اس کی رفتار سست ہو گئی تھی۔ پھر اس سے کچھ آگے بڑھ کر وہ بھی رکی۔ ایک آدمی ڈرائیور کی سیٹ سے اُتر کر لنکن کے قریب آیا اور تھوڑی دیر تک اس کا اندر باہر سے جائزہ لیتا رہا۔ اس کے بعد سڑک کے دونوں اطراف میں نظریں دوڑائیں اور اب انہوں نے اسے پھر اپنی گاڑی کی طرف واپس جاتے دیکھا۔

لیکن اب وہ کار شہر کی طرف جا رہی تھی۔ نیاگرہ کی طرف نہیں موڑی گئی تھی۔ جیسے وہ نظر سے اوجھل ہوئی فریدی جھاڑیوں کی اوٹ سے نکل کر سڑک کی طرف جھپٹا۔ اب حمید کے اعصاب بھی قابو میں آ گئے تھے اور وہ پوری طرح اس کا ساتھ دے رہا تھا۔

وہ گاڑی میں آ بیٹھے اور لنکن تیز رفتاری سے آگے بڑھ گئی۔

"لیکن یہ دھماکہ....!" حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔ "کیا وہ اتنے ہی احمق ہیں کہ اسے ہمارا انجام ہی سمجھ بیٹھے ہوں.... ظاہر ہے کہ آپ ریل ڈارک روم ہی میں نکالتے۔"

"دوسرے اتفاقات بھی پیش آ سکتے ہیں....!" فریدی بولا۔ "کیمرہ ہمارے ہاتھ سے اتفاقاً گر کر بھی دھماکہ پیدا کر سکتا تھا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کار نظر آ گئی۔ فریدی نے دونوں کے درمیان کافی فاصلہ برقرار رکھتے ہوئے تعاقب جاری رکھا۔

"ہو سکتا ہے جناب وہ کوئی راہ گیر ہو اور یہاں اس ویرانے میں خالی گاڑی دیکھ کر اُتر پڑا ہو۔" حمید نے کہا۔

"امکانات نہیں ہیں.... بہتیرے لوگ اپنی گاڑی سڑک پر روک کر پیشاب کرنے
میں اُتر جاتے ہیں۔"

"ارے تو کیا اب ہم دونوں پیشاب بھی ساتھ ہی کریں گے۔"

"مجھے سوچنے دو.... کچھ دیر خاموش رہو۔"

حمید لاپروائی سے شانوں کو جنبش دے کر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ شہر میں پہنچ کر
گاڑی والے نے ایسی حرکتیں شروع کر دیں جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس تعاقب کا علم
ہے۔ یا اندازہ کرنا چاہتا ہے کہ وہ تعاقب ہی ہے یا محض اتفاق۔

تعاقب بدستور جاری رہا۔ شہر میں کچھ دیر چکراتے رہنے کے بعد وہ کار ایگل بیچ والی سڑ
پر ہو لی۔

"کم از کم پٹرول ہی کا دھیان رکھئے۔" حمید بڑبڑایا۔

"فکر نہ کرو.... ڈکے میں بھی کم از کم بارہ گیلن پٹرول موجود ہے.... پچھلی رات
چوٹ کافی عرصہ تک یاد رہے گی.... اگر اس کی گاڑی نہ ہوتی تو شاید رات وہیں سڑک
کنارے ہی بسر کرنی پڑتی۔"

"اللہ....!" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ "دوپہر کے کھانے کا تو اب سوال ہی نہیں
کیونکہ دوپہر ہی نہ رہی.... کیا خزانہ غیب سے شام کی چائے بھی نہ مہیا ہو سکے گی۔"

"مجھے کھاؤ گے؟" فریدی نے جھنجھلا کر پوچھا۔

"ہاضمے کی ضمانت دیجئے؟ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

"بکواس مت کرو۔"

"ٹیڈی جمپر اور ٹیڈی شلوار میں کیسا لگوں گا؟"

"اتر آئے گھٹیا باتوں پر....!"

"بھوک مجھے لفنگا بنا دیتی ہے۔"

"اب ادیبوں کی سی باتیں کرنے لگے۔" فریدی مسکرایا۔

"خوب یاد دلایا.. ہ.. سنا ہے ادب میں جمود آ گیا ہے؟"

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید بکتا رہا۔ "میرا مقدر ہی خراب ہے.... ابھی حال ہی میں اف

نگاری شروع کی تھی کہ یہ بُری اطلاع ملی۔ کل شام ریڈیو پر چند جغادری قسم کے ادیب معہ ایک
عدد محترمہ اردو افسانہ کے انحطاط کے اسباب تلاش کر رہے تھے۔ ایک بزرگ بولے۔ جاسوسی
ناولوں کی وجہ سے لوگ مختصر افسانے سے بے توجہی برت رہے ہیں۔ محترمہ حقارت سے ہنس کر
بولیں اور یہ ناول بھی انگریزی کا چربہ ہوتے ہیں۔ میں نے دل میں کہا۔ محترمہ ہمارا معاشرہ ہی
جب انگریزی کا چربہ بنتا جا رہا ہے تو پھر یہ ناول کیوں نہ ہوں۔ ویسے ان جغادری ادیبوں میں ایک
صاحب ایسے بھی تھے جو واشنگٹن اردنگ کے انداز بیان اور جان رسکن کے طرزِ انتقاد کی نقالی
کر کے جغادری ادیب بنے ہیں۔ بس یہی کہنا پڑتا ہے کہ اگر وہ خدا کے وجود کے قائل ہوں تو خدا
ان کی مغفرت فرمائے۔"

"کیوں دماغ چاٹ رہے ہو....؟"

"ارے آپ کو ادب سے دلچسپی نہیں....!"

"وہ بیچ کالونی کی طرف مڑ رہا ہے۔" فریدی بولا۔

"جہنم میں جائے اب ایک شعر سنئے۔"

پہلے ترساتی رہے خاک میں آخر مل جائے
اور کس کام کی گلیدنی ہوتی ہے

"لاحول ولا قوۃ....!"

"کیا مطلب....!"

"ارے یہ شعر ہے.... ایسا لگتا ہے جیسے کسی ندیدے بچے نے جھلا کر دل کا غبار نکالا ہو۔"

"ساری دنیا کی زبانوں سے لٹریچر کھنگال ڈالئے اس ندیدے بچے کے علاوہ اور کچھ ہاتھ نہ
آئے گا۔"

"اب بکواس بند....!"

گاڑی بیچ کالونی میں داخل ہو رہی تھی.... چاروں طرف چھوٹے چھوٹے خوشنما ہٹ
بکھرے ہوئے تھے۔ اگلی گاڑی ایک ہٹ کے سامنے رک گئی.... ڈرائیو کرنے والا اتر کر بند
دروازے پر دستک دینے لگا۔

اور پھر دروازہ کھلا تو حمید کی کھوپڑی ناچ کر رہ گئی۔ وہ ایک چار فٹ اونچا چیمپنزی جس نے

دروازہ کھولا تھا پھر بڑے سلیقے سے ایک طرف ہٹ کر گویا اسے اندر جانے کا راستہ دیا تھا۔

دروازہ پھر بند ہو گیا۔ فریدی نے لنکن ایک ہٹ ہی کے سامنے روکی تھی اور اب اسٹیئرنگ پر جھکا ہوا سگار سلگا رہا تھا۔

"بس دیکھ لیا آپ نے.... اب فرمایئے۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"اور اس کا اندازہ بھی ہے کہ وہ پچھلے دروازے سے دوسری طرف نکل گیا ہو گا۔"

"پھر اس بھاگ دوڑ کا مطلب....!"

"میں اسے اچھی طرح پہچانتا ہوں۔"

"میں بھی پہچانتا ہوں.... غالباً اس کی مادہ چڑیا گھر میں مقیم ہے۔"

"میں چمپینزی کی بات نہیں کر رہا۔" فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔

"خیر.... خیر.... اب چائے کی کیا رہے گی۔"

فریدی نے گاڑی آگے بڑھائی ہی تھی کہ اس کے ہٹ کے دروازے سے آواز آئی۔ "اب ایسی بھی کیا بے مروتی۔"

اتنی سریلی آواز تھی کہ غیر ارادی طور پر حمید کی کھوپڑی اسی جانب گھوم گئی.... اور پھر برق سی ایک چمک گئی.... اور وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ "کیا وہ ہم سے مخاطب ہے۔"

فریدی نے جواب دینے کی بجائے بریک لگائے۔ گاڑی رک گئی اور وہ بھی مڑا.... عورت دروازے سے باہر آ گئی تھی۔

"اوہ....!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "آپ بھی ہیں....!"

اور پھر گاڑی سے نیچے اُتر آیا.... حمید بیٹھا ہی رہا۔ عورت قریب آ چکی تھی۔ اتنی خوبصورت عورتیں کم ہی نظروں سے گزرتی ہوں گی۔ کیا صحت تھی؟.... اعضاء کتنے متناسب تھے اور پھر آنکھیں، ختن کے ہرن چوکڑی بھول جائیں۔ عمر پچیس اور تیس کے درمیان رہی ہو گی۔

"یوں چپکے سے نکلے جا رہے تھے۔" عورت نے اٹھلا کر کہا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے نہ صرف اس کی پرانی شناسا بلکہ بے تکلف بھی رہی ہو۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔" فریدی مسکرایا۔ "اس طرح اچانک ملاقات ہو گی لیڈی پرکاش....!"

"مجھ سے بھی چالبازی....!" عورت کی مسکراہٹ بھی گویا شکایت آمیز تھی۔

"میں نہیں سمجھا۔" فریدی نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

"راجیش کہہ رہا تھا کہ تم اس کا تعاقب کرتے ہوئے آئے ہو۔"

"کون راجیش....!" لہجے کی حیرت برقرار تھی۔

"کیا تم سنجیدہ ہو.... ڈیئر کرنل....!"

"قطعی....!"

"تو آؤ.... ہٹ میں بیٹھو کچھ دیر....!"

"شکریہ.... پھر کبھی۔ میں ذرا ساحل تک جا رہا ہوں۔"

"میں بھی چلتی ہوں.... کچھ دیر تو گفتگو رہے گی۔"

حمید جانتا تھا کہ فریدی اب مزید کوئی عذر پیش نہ کر سکے گا۔ لہٰذا وہ چپ چاپ اگلی سیٹ سے اتر کر پچھلی سیٹ پر جا بیٹھا۔

"یہ میرے اسسٹنٹ.... کیپٹن حمید ہیں۔"

"اوہ.... ہلو.... ہاؤڈوڈو....!" عورت نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا اور فریدی بولا۔ "یہ لیڈی پرکاش ہیں.... سر پرکاش میرے والد کے کلاس فیلو تھے۔"

"ان سے پہلے کبھی ملاقات نہیں ہوئی.... ویسے نام بہت سنا ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ بولتا بھی کیسے جبکہ فریدی نے سر پرکاش سے اپنے والد کا تعلق جا ٹھہرایا تھا۔ ہو سکتا ہے فریدی نے اس جملے کا اضافہ اسی لئے کیا ہو کہ حمید محتاط رہے۔

گاڑی ساحل کی جانب چل پڑی۔ لیڈی پرکاش کہہ رہی تھی۔ "راجیش بڑا اچھا مصور ہے.... تم جانتے ہو کہ میں بھی اس فن سے دلچسپی رکھتی ہوں۔ وہ مجھے مدد دیتا ہے.... سر پرکاش غالباً اسے اچھا نہیں سمجھتے۔ میں نے سوچا ممکن ہے انہوں نے اُسے خوفزدہ کرنے کے لئے تم سے مدد لی ہو۔"

"قطعی نہیں....!" فریدی جلدی سے بولا۔ "ان سے تو شاید چھ ماہ سے ملاقات نہیں ہوئی۔"

"اچھا تو پھر تم نے وہاں گاڑی کیوں روکی تھی۔"

"اچھی بات ہے۔" فریدی نے طویل سانس لے کر کہا۔ "بلاشبہ میں اس کا تعاقب کر رہا تھا لیکن وجہ دوسری تھی۔ میں نیاگرہ سے شہر واپس آ رہا تھا۔ دفعتاً ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ سڑک

کے بائیں جانب نشیب میں دھوئیں اور گرد کے بادل اٹھ رہے تھے۔ ہم دونوں گاڑی سڑک چھوڑ کر نیچے اُتر گئے کچھ دیر بعد یہ حضرت آپ کے راجیش صاحب ادھر سے گزرے اور گاڑی روک کر بڑی دیر تک میری گاڑی کا جائزہ لیتے رہے پھر وہاں سے چل پڑے۔ ظاہر ہے مجھے تو دیکھنا ہی پڑا کہ وہ کیا چاہتے تھے؟"

"ارے نہیں....!" لیڈی پرکاش ہنس پڑی۔ "وہ تھوڑا سا کریک ہے اور بس مگر وہ رم کیسا تھا....؟"

"میرا خیال ہے کہ وہاں کسی نے دیسی ساخت کے بم چھپائے تھے جو کسی وجہ سے پھٹ گئے فریدی نے ساحل پر گاڑی روک دی.... پھر دفعتاً حمید نے اس کی گرجدار آواز سنی۔

"لیڈی پرکاش....!" اور آگے جھک کر دیکھا۔ فریدی نے لیڈی پرکاش کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا اور اُسے غالباً اپنی ران سے دور ہٹائے رکھنے کیلئے دروازے کی طرف کھسک گیا تھا۔

گوریلا

لیڈی پرکاش دم بخود تھی۔ فریدی نے اس کا وہی ہاتھ اوپر اٹھایا اور اس کی چٹکی میں دبی کوئی چیز اپنی گرفت میں لے لی۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے لیڈی پرکاش اچانک ہوش میں آگئی ہو دفعتاً اس نے چیخنا شروع کر دیا۔ "کمینے ذلیل.... کتے.... چھوڑو میرا ہاتھ۔"

ساحل پر لوگ موجود تھے.... ان میں سے کئی کار کی طرف دوڑ پڑے.... لیکن قبل کے کہ وہ قریب پہنچتے۔ فریدی نے گاڑی کا دروازہ کھول کر لیڈی پرکاش کو دھکا دیا اور وہ چیختی نیچے جا پڑی۔

کار کا انجن جاگا اور وہ ایک لمبا ٹرن لے کر سڑک پر ہو لئے.... لوگ شور مچا رہے تھے کچھ کار کے پیچھے دوڑ بھی پڑے تھے۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے.... کار سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی

"یہ کیا ہوا....؟" حمید بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"ہوتا ہی رہتا ہے۔"

"کیا مطلب....!"

"فضول بکواس مت کرو۔ اب وہ اس کی رپورٹ کرے گا۔ جو لوگ وہاں موجود تھے میرے خلاف شہادت دیں گے اور ہمارے نئے ڈی۔ آئی۔ جی صاحب یہی چاہیں گے کہ میں ہتھکڑیاں پہنے ہوئے پیدل جیل تک لے جایا جاؤں۔"

"آخر کیوں؟ آپ نے کیا کیا ہے؟"

"تم نے دیکھا نہیں تھا کہ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا.... اور وہ چیخنے لگی تھی۔"

"کیا چھینا تھا آپ نے اس سے۔"

"نیلے رنگ کی ایک سوئی.... اس نے کوشش کی تھی کہ اسے میری ران میں چبھا دے۔"

"اوہ تو کیا....!"

"میرا خیال ہے کہ ان دونوں کی زندگیاں ایسی ہی سوئیوں کے ذریعے ختم کی گئی تھیں۔ لیکن انہیں اس کا موقع نہیں ملا تھا کہ کسی قسم کا بیان دے سکتے۔"

"پھر اب آپ کیا کریں گے۔"

"فی الحال ہمیں روپوش ہونا پڑے گا.... یہ بہترین موقع ہاتھ آیا ہے اس سے فائدہ کیوں نہ اٹھایا جائے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"اتنے ہی میں بوکھلا گئے۔ کھوپڑی استعمال کرو۔ مجرم ہماری مصروفیات سے پوری طرح باخبر ہیں۔ ان کا کوئی نہ کوئی آدمی ہر وقت ہم پر نظر رکھتا ہے۔"

ایسی صورت میں ہم ان کے خلاف کیا کر سکیں گے۔"

"ہوں....!" حمید سر ہلا کر بولا اور مڑ کر پیچھے دیکھنے لگا۔ دو کاریں آگے پیچھے نظر آئیں.... ہو سکتا ہے کہ وہ ان کے تعاقب ہی میں آئی ہوں۔

"مجھے علم ہے...." فریدی عقب نما آئینے کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "لوگ ہمارا تعاقب کر رہے ہیں۔"

"تب تو آگئی شامت....!"

"ہونہہ.... کیا بکواس ہے؟"

کچھ دور چلنے کے بعد اس نے گاڑی نصیر آباد والی سڑک پر موڑ دی....

"اللہ رحم کرے....!" حمید بڑبڑایا۔

دونوں کاریں بدستور پیچھے لگی رہیں.... تھوڑی دیر بعد حمید نے محسوس کیا فریدی بتدریج رفتار کم کر رہا ہے۔

"کیا ارادہ ہے....؟" حمید نے پوچھا۔

"دیکھتے جاؤ....!" فریدی نے کہا اور گاڑی سڑک کے کنارے لگا کر روک دی اور خود اتر کر بونٹ اٹھانے لگا۔

اتنے میں وہ دونوں کاریں بھی آگے پیچھے آکر رکیں۔

ان میں سے اترنے والوں کی تعداد پانچ تھی۔ فریدی ان کی طرف توجہ دیئے بغیر بونٹ اٹھا کر انجن پر جھک گیا تھا۔

"کیوں جناب....!" ان سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا۔ "یہ کیا حرکت تھی؟"

"کیا مطلب....؟" فریدی سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

حمید نے دیکھا کہ سوال کرنے والا بوکھلا کر بغلیں جھانک رہا ہے۔ وہ فریدی کی تیز نظروں کی تاب نہ لا سکا تھا۔

"وہ وہاں.... ایگل بیچ پر....!" وہ بالآخر ہکلایا۔

"تمہیں اس سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے۔"

"چوری اور سینہ زوری....!" ایک اور آگے بڑھا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی کا گھونسہ اس کے جبڑے پر پڑا.... پھر ایسا لگا جیسے انہیں سانپ سونگھ گیا ہو۔ گھونسہ کھا کر گرنے والا کہنیاں ٹیک کر اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

حمید ابھی تک گاڑی ہی میں تھا۔ دفعتاً اس نے دیکھا کہ گاڑی کے قریب کھڑا ہوا ایک آدمی جیب سے ریوالور نکال رہا ہے۔ اس نے پوری قوت سے دروازے کو دھکا دیا جو کھل کر اس آدمی سے اس بُری طرح ٹکرایا کہ چاروں خانے چت ہو گیا دوسرے ہی لمحے میں حمید نے اس پر چھلانگ لگائی اور اسے دوبارہ نہ اٹھنے دیا....

ذرا ہی سی جدوجہد کے بعد وہ اس سے ریوالور چھین لینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ فریدی اور

دوسرے لوگ خاموشی سے کھڑے انہیں دیکھتے رہے.... اور وہ آدمی اب بھی زمین پر پڑا ہوا تھا جس کی خبر فریدی نے لی تھی۔

دفعتاً فریدی نے بڑھ کر ریوالور حمید سے لے لیا اور انہیں کور کرتا ہوا بولا۔

"حمید اسے چھوڑ کر ہٹ جاؤ۔ ٹھیک.... اب تم سب اپنے ہاتھ اٹھاؤ.... ہوں.... اے تم.... ہاتھ اٹھاؤ ورنہ گولی مار دوں گا۔ حمید اب تم ان سبھوں کی تلاشی لو....!"

حمید باری باری سے ان کی جیبیں ٹٹولنے لگا۔ لیکن کسی کے پاس سے بھی ریوالور یا کوئی دوسری خطرناک چیز برآمد نہ ہو سکی۔

اب فریدی نے اس آدمی کیطرف اشارہ کیا جس نے ریوالور استعمال کرنے کی کوشش کی تھی۔

"اس کی ٹائی سے اس کے دونوں ہاتھ پشت پر باندھ دو۔" پھر دفعتاً اس آدمی سے مخاطب ہوا۔ "نہیں دوست.... خاموشی سے خود کو ہمارے حوالے کر دو.... ورنہ ٹریگر دب جائے گا۔"

حمید نے اس کے ہاتھ باندھ دیئے.... اب فریدی نے دوسروں سے کہا۔ "تم لوگ اپنی گاڑیوں میں بیٹھو۔" اور اس نے مخالف سمت میں اشارہ کیا۔

"کک.... کیا.... مطلب....!" وہ آدمی ہکلایا جس کے ہاتھ باندھے گئے تھے....

"تم ہمارے ساتھ چلو گے۔" فریدی مسکرایا۔

دوسرے لوگ گاڑیوں میں بیٹھ چکے تھے۔

حمید نے اس آدمی کو لنکن کی پچھلی سیٹ پر دھکیل دیا۔ اس سلسلے میں کافی جدوجہد کرنی پڑی اور وہ اس وقت تک اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوا جب تک فریدی نے بھی ہاتھ نہ بٹایا۔

"ارے تم لوگ ابھی گئے نہیں۔" فریدی نے دوسروں کو للکارتے ہوئے ایک ہوائی فائر کیا.... اور دوسرے ہی لمحے میں دونوں گاڑیوں کے انجن اسٹارٹ ہو گئے۔

کچھ دیر بعد لنکن پھر نصیر آباد کی طرف جا رہی تھی.... اور قیدی پچھلی سیٹ پر پڑا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

❁

لیڈی پرکاش غصے میں بھری ہوئی اپنے ہٹ میں واپس آئی تھی اور فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کئے تھے۔ پھر ماؤتھ پیس میں کہا تھا۔ "وہ مجھ سے بچ کر نکل گیا.... ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کم

بخت کی کھوپڑی کے گرد آنکھیں ہی آنکھیں ہوں.... بیچ پر بڑی بے عزتی ہوئی۔ سوئی پھر کے بعد اس نے مجھے گاڑی سے دھکیل دیا تھا.... لوگ جمع ہو گئے تھے اور میں نے اس طرح شروع کر دیا تھا جیسے وہ مجھ سے زبردستی کرنا چاہتا ہو.... پھر وہ دونوں بھاگ نکلے.... دور گاڑیوں میں ان کے پیچھے لگ گئے ہیں جن میں نمبر تیرہ بھی شامل ہے۔"

پھر وہ خاموش ہو کر دوسری طرف کی باتیں سنتی رہی۔

"اچھا.... اچھا....!" اس نے کچھ دیر بعد سر ہلا کر کہا۔ "تو میں رپورٹ کر دوں۔"

"ہاں.... قطعی طور پر گواہ ملیں گے.... اس کے پیچھے جو لوگ گئے ہیں ان میں سے کچھ آدمیوں کو میں جانتی ہوں۔"

اس کے بعد وہ پھر سنتی رہی اور اچھا کہہ کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

وہ بڑی دلکش عورت تھی اور اپنے طبقے کے مردوں میں بے حد مقبول تھی البتہ عورتوں میں اس کے پالتو چمپینزی کی وجہ سے بہتیری کہانیاں مشہور تھیں جنہیں مضحکانہ انداز میں دہرا کر خوب خوب ناک بھوں سکوڑی جاتی تھیں۔

بڑی سوشل عورت تھی.... زیادہ تر دو چار دوستوں کے ساتھ ہی نظر آتی....

شہر کے بڑے آفیسروں سے اچھے تعلقات رکھتی تھی۔ بعض حلقوں میں تو یہاں تک کہا جاتا تھا کہ سر پرکاش کی روز افزوں دولت مندی کا انحصار ہی لیڈی پرکاش پر ہے۔ ایکسپورٹ امپورٹ کے بزنس میں آج کل شہر میں ان کا کوئی حریف نہیں تھا۔

بہر حال لیڈی پرکاش کی شکایت پر فریدی کے محکمے کے ڈی۔ آئی۔ جی نے اس معاملے کی تفتیش خود اپنے ہاتھ میں لے لی۔ شہادت کے طور پر وہ لوگ پیش کئے گئے جنہوں نے فریدی کا تعاقب کیا تھا انہوں نے یہ بھی بتایا کہ وہ ان میں سے ایک آدمی کو بے بس کر کے اپنے ساتھ لے گیا ہے۔

اسی رات کو لیڈی پرکاش بیچ ہوٹل کے بال روم میں نظر آئی۔ گیلری میں اپنی میز پر تنہا تھی رقاص جوڑے آرکسٹرا کی دھن پر حرکت کرتے ہوئے فرش پر رینگتے پھر رہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے لیڈی پرکاش کو کسی کا انتظار ہو۔

دفعتاً اس کی نظر ایک آدمی پر پڑی جس نے اپنی ہم رقص کے ہاتھ چھوڑ کر مضحکہ خیز

حرکتیں شروع کر دی تھیں.... کبھی ہاتھوں کو بے ڈھنگے پن سے ہلاتا۔ کبھی ایک ٹانگ پر کھڑا ہو کر تھرکنے لگتا.... لیڈی پرکاش اسے بہت غور سے دیکھتی رہی۔ پھر جیسے ہی اس نے دوبارہ اپنی ہم رقص کے ہاتھ تھامے وہ اٹھ کر ہوٹل کے ٹیلی فون بوتھ میں آئی۔ کسی نے نمبر ڈائیل کئے اور بوتھ میں بولی۔ "بی تھری بی فور سے معلومات حاصل کی جائیں.... تھرٹین اس کے تعاقب میں گیا تھا جسے وہ بے بس کر کے اپنے ساتھ لے گیا.... فی الحال اس کا کہیں پتہ نہیں۔"

دوسری طرف سے کچھ کہا گیا جسے وہ سنتی رہی پھر بولی۔ "بہت بہتر.... میں کوشش کروں گی۔"

ریسیور رکھ کر وہ باہر آئی۔ تھوڑی دیر تک کھڑی کچھ سوچتی رہی پھر پارکنگ شیڈ میں آ کر اپنی گاڑی باہر نکالی اور بیچ کالونی کی طرف روانہ ہو گئی۔

بیچ ہوٹل سے اس کا ہٹ زیادہ دور نہیں تھا۔ گاڑی روک کر نیچے اتری.... ہٹ کے دروازے پر دستک ہوئی.... دروازہ کھلا۔ اندر اندھیرا تھا پہلے تو ٹھٹکی پھر دروازے سے گزر کر ٹٹولتی ہوئی سوئچ بورڈ تک آئی۔ سوئچ آن کیا۔ کمرے میں روشنی ہو گئی۔ لیکن اسے ایسا محسوس ہوا جیسے روشنی ہونے کے ساتھ اس کا اعصابی نظام بھی بھک سے اڑ گیا ہو.... اگر پشت پر دیوار نہ ہوتی تو چاروں خانے چت گری ہوتی۔ سامنے ایک لمبا تڑنگا گوریلا اس کے چمپینزی کو الٹا لٹکائے کھڑا تھا.... ایسا لگتا تھا جیسے چمپینزی مر ہی گیا ہو۔ وہ دیوار سے لگی ہوئی ہانپ رہی تھی۔ آنکھیں شدت خوف سے پھیل گئیں تھیں۔

دفعتاً گوریلے نے بے حس و حرکت چمپینزی کو فرش پر ڈال دیا اور لیڈی پرکاش کی طرف بڑھنے لگا.... لیڈی پرکاش چیخنے ہی والی تھی کہ گوریلے کا چوڑا چکلا ہاتھ اس کے منہ پر جم گیا.... عجیب سی دہشت تھی جو اس کے ذہن کو بتدریج تاریکیوں میں دھکیلتی چلی گئی۔ دوسری بار ہوش آیا تو سب سے پہلے اس قسم کی بدبو کا احساس ہوا جیسی چڑیا گھر میں جانوروں کے کٹہروں کے قریب پائی جاتی ہے.... چاروں طرف اندھیرا تھا۔ آہستہ آہستہ ذہن صاف ہوتا گیا اور اسے خنکی کا احساس بھی ہوا۔ جسم کے نیچے کئی جگہ چبھن بھی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اٹھ بیٹھی اور گرد و پیش میں ٹٹولنے پر اس نتیجے پر پہنچی کہ وہ اب تک زمین پر پڑی رہی تھی۔

ایک بار پھر اس کی گھگھی بندھ گئی.... آنکھیں بند کر لیں.... لیکن کب تک.... اس بار آنکھیں کھول کر چاروں طرف نظر دوڑائی ایک جانب ملگجی سی روشنی کا دائرہ نظر آیا۔ زیادہ

آنکھیں پھاڑنے پر دو چار تارے بھی دکھائی دیئے.... اور اس پر لرزہ طاری ہو گیا وہ کسی غار کے دہانے پر تھی جس کے دہانے سے اسے تارے دکھائی دیئے تھے۔ اوہ.... تو وہ گوریلا اس نے سوچا اسے غار میں اٹھا لایا ہے.... دفعتاً وہ کسی ننھی سی بچی کی طرح سسک کر رونے لگی۔

پھر سناٹے میں ایک پاٹ دار آواز ابھری۔ "یہاں کون ہے؟" ساتھ ہی اس پر ٹارچ کی روشنی بھی پڑی۔ آنکھیں چندھیا گئیں۔ اب روشنی غائب ہو گئی تھی۔

پھر دو آدمیوں کی گفتگو سے غار کی محدود فضا گونجنے لگی۔

"یہ کوئی عورت ہے۔" پہلی آواز۔

"میں بغیر دلیل تسلیم کرنے پر تیار نہیں۔" دوسری آواز۔

"ارے کیا تم نے دیکھا نہیں۔"

"بعض چیزیں وہ نہیں ہوتیں جو نظر آتی ہیں۔"

"پھر بھی یہاں اس غار میں اس کا کیا کام....؟"

"اگر واقعی کوئی عورت ہی ہے تو تحت الثریٰ میں بھی پائی جا سکتی ہے اس پر حیرت نہ ہونی چاہئے۔"

"ہو سکتا ہے اسے ہماری مدد کی ضرورت ہو۔"

"خواہ مخواہ۔"

"لیکن یہ تو سوچو.... یہاں اس ویرانے میں.... اس غار میں....!"

"ہو سکتا ہے محترمہ ایڈونچر کی شائق ہوں.... یا شوہر غاروں میں رہنے والوں سے بھی بد ثابت ہوا ہو۔"

"مم.... میری مدد کیجئے۔" لیڈی پرکاش نے روہانسی آواز میں کہا۔

"آپ کون ہیں....!" پہلی آواز۔

"مم.... مجھے ایک گوریلا اٹھا لایا ہے۔"

دوسری آواز قہقہے کی شکل میں ابھری اور پھر کہا گیا۔ "دیکھا.... شاید وہ گوریلا خودکشی کی نیت رکھتا تھا۔"

"خدا کے لئے میری مدد کیجئے.... میں نہیں جانتی کہاں ہوں۔"

ٹارچ پھر روشن ہوئی اور کسی نے کہا۔ "ہمارے پیچھے چلی آیئے.... یقیناً یہ کسی گوریلے

مسکن معلوم ہوتا ہے۔"

وہ دونوں غار کے دہانے کی طرف مڑ گئے تھے۔ لیڈی پرکاش ان کی شکل نہ دیکھ سکی۔ غار سے نکل کر اسے احساس ہوا کہ وہ اونچی نیچی چٹانوں کے درمیان کھڑی ہے.... چاروں طرف گہری تاریکی کا راج تھا۔

وہ ان دونوں کو بھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھی۔ شکاری معلوم ہوتے تھے۔ کاندھوں سے رائفلیں لٹکی ہوئی تھیں۔

لیڈی پرکاش نے اطمینان کا سانس لیا وہ سوچ رہی تھی اگر گوریلے سے مڈبھیڑ بھی ہو گئی تو یہ اسے گولی کا نشانہ بنا دیں گے۔

"کیا آپ ہمارے ساتھ چلنا پسند فرمائیں گے۔" ان میں سے ایک نے پوچھا۔

"جج.... جی ہاں....!" وہ ہکلائی۔

"اس وقت ہم آپ کو کسی بستی میں تو نہ پہنچا سکیں گے۔"

"جج.... جی کوئی بات نہیں۔"

"تو پھر چلئے....؟"

وہ پھر چلنے لگے.... انہوں نے ٹارچ روشن کر رکھی تھی.... لیڈی پرکاش ان کے پیچھے چل رہی تھی۔ ان میں سے ایک نے تجویز پیش کی کہ وہ آگے چلے تو بہتر ہے اس طرح انہیں روشنی دکھانے میں آسانی ہو گی۔

"لیکن اگر گوریلا....؟" لیڈی پرکاش نے جملہ پورا نہیں کیا۔

"اجی یقین کیسے آیا ہے اس کہانی پر۔" دوسرے نے زہریلے لہجے میں کہا۔ یہ آواز لیڈی پرکاش کو شروع ہی سے زہر لگتی رہی تھی۔

"بیکار باتیں نہ کرو....!" اس کے ساتھی نے کہا۔

اب لیڈی پرکاش آگے چل رہی تھی۔ وہ دونوں پیچھے تھے اور وقتاً فوقتاً اسے راستے کے متعلق ہدایات بھی مل رہی تھیں۔

تقریباً پندرہ یا بیس منٹ چلتے رہنے کے بعد وہ میدان میں آ نکلے۔ یہاں جنگل گھنا نہیں تھا.... لیڈی پرکاش تھک گئی تھی.... اونچی نیچی چٹانوں کے درمیان چلتے رہنا پڑا تھا.... سانس

پھولنے لگی تھی۔

پھر وہ ایک ایسی جگہ پہنچ کر رک گئے تھے جہاں دو چھولداریاں نصب تھیں۔ ان کے اندر پٹرومیکس کی روشنی تھی۔

وہ ایک چھولداری میں آئے.... جہاں جیسے ہی اس نے انکی شکلیں دیکھیں ایک دم پھٹ پڑا۔

"اوہ تو تم ہو.... آوازیں بدل کر بولتے رہے تھے؟"

"ہاں محترمہ....!" فریدی نے بڑے ادب سے کہا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ اتنی شرافت سے کیوں پیش آرہے ہیں۔" کیپٹن حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

ہر چند کہ انہوں نے میری جان لے لینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی لیکن پھر بھی مجھے یہ تو سوچنا ہی پڑے گا کہ سر پرکاش کی بیوی ہیں۔ سر پرکاش سے میرے والد کے بڑے اچھے تعلقات تھے۔

"جہنم میں جھونکئے.... اس سے تو تعلقات نہیں ہیں۔"

"تم دونوں عنقریب جہنم میں پہنچ جاؤ گے۔" لیڈی پرکاش دانت پیس کر بولی۔

"میں جانتا ہوں۔" فریدی مسکرایا۔ "ڈی۔ آئی۔ جی صاحب بذاتِ خود اس معاملے کی تفتیش فرمارہے ہیں۔ اور لیڈی پرکاش! مجھے یقین ہے کہ اس سوئی کا زہر اس زہر سے مختلف نہ ہو جس نے دو ویٹروں کو موت کی نیند سلادیا تھا۔"

"میں نہیں جانتی.... تم کیا بکواس کررہے ہو۔"

فریدی لاپروائی سے شانوں کو جنبش دے کر بولا۔ "اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"تم مجھے کہاں سے لائے ہو؟"

"میں تمہیں اپنے کیمپ میں لایا ہوں؟"

"میں سمجھ گئی.... یہ تمہاری حرکت تھی۔ تم نے اچھا نہیں کیا؟" لیڈی پرکاش آنکھیں نکال کر بولی۔

"اس سے بھی کیا فرق پڑے گا۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"مجھے اس فلم کا پرنٹ بھی مل گیا ہے جو میرے کیمرے سے نکالی گئی تھی۔"

"اوہ....!" وہ دانت پیس کر بولی۔ "تم چور بھی ہو۔"

"اوہ تمہارے وینٹی بیگ میں تھی اور وینٹی بیگ اس وقت تمہارے ہاتھ میں تھا جب میرے ساتھی نے تم پر حملہ کیا تھا....؟ گوریلا پالو لیڈی پرکاش۔ چمپینزی تو بڑا حقیر سا جانور ہے۔"

"تم نے اسے بھی مار ڈالا.... درندے۔" وہ روہانسی آواز میں چیخی۔

"نہیں مطمئن رہو.... وہ صرف بیہوش تھا۔"

"مجھے بھی کچھ بولنے دیجئے یا آپ ہی بولے چلے جائیں گے۔" حمید نے کہا اور فریدی مسکرا کر خاموش ہو گیا۔

لیڈی پرکاش حمید کو کھا جانے والی نظروں سے گھورنے لگی تھی۔

"ہم وہ ریل پروجیکٹر پر چلا کر دیکھ چکے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "اور اب تم ہمیں بتاؤ گی کہ ان ریلوں کا مطلب کیا ہے۔"

"شٹ اپ....!"

"خیر.... خیر....!" حمید نے اس طرح کہا جیسے لیڈی پرکاش نے صرف اختلاف رائے کیا ہو۔ پھر اٹھتا ہوا بولا۔ "میں اسے آزاد کرنے جا رہا ہوں وہ تمہاری بو پاکر سیدھا ادھر ہی آئے گا۔"

وہ چھولداری سے باہر نکل آیا۔ فریدی اور لیڈی پرکاش خاموشی سے ایک دوسرے کو گھورتے رہے۔ لیڈی پرکاش جھلاہٹ میں کبھی بغلیں جھانکنے لگتی۔

کچھ دیر بعد گوریلے کا شور سنائی دیا اور لیڈی پرکاش کے منہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں.... پھر گوریلے کا چہرہ روشنی میں آیا اور لیڈی پرکاش چیخ مار کر فریدی کے پیچھے چھپنے لگی۔ وہ برابر چیخے جا رہی تھی۔ "بچاؤ.... بچاؤ۔" گوریلا ایک جگہ کھڑا چیختا اور اچھلتا کودتا رہا۔

پھر لیڈی پرکاش کو اندازہ نہ ہو سکا کہ وہ کتنی دیر بعد گری تھی اور بے ہوش ہو گئی تھی۔

واپسی

محکمہ سراغ رسانی کا ڈی۔ آئی۔ جی۔ جوزف پیٹر نہ صرف اصلاً بلکہ معنوی اعتبار سے بھی بہرا ہی تھا۔ اول درجے کا کینہ توز اور ظالم۔ حال ہی میں کسی دوسرے علاقے سے تبدیل ہو کر

یہاں آیا تھا۔ محض شبے کی بناء پر لوگوں کو ایسی اذیتیں دیتا تھا جیسے نازیوں نے یہودیوں یا فرا
گسٹاپو نے حریت پسند الجزائریوں کو بھی نہ دی ہوں گی۔ محکمے میں سب سے زیادہ قریبی
خار کھاتا تھا۔ اگر فریدی کی پوزیشن مضبوط نہ ہوتی تو شاید اب تک اس کا تبادلہ ہی کرا چکا ہوتا

لیڈی پرکاش کی رپورٹ ملتے ہی فریدی کے خلاف پوری طرح حرکت میں آ گیا۔ ز
کے دونوں ماتحتوں امر سنگھ اور رمیش کو بلا کر پوچھ گچھ کی۔ ان کے لاعلمی ظاہر کرنے پر اس
گرجتا برستا رہا جیسے وہ جھوٹ بول رہے ہوں۔ پھر فریدی کی کوٹھی کی نگرانی کے احکامات
کئے۔ شہر کے سارے تھانوں کو آگاہ کیا گیا کہ فریدی پر نظر رکھی جائے۔ فریدی کے خلاف شہ
چار ذی عزت آدمیوں شہادت دی تھی۔ وہی لوگ تھے جنہوں نے فریدی کا تعاقب کر
انہوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ فریدی ان میں سے ایک آدمی کو زبردستی باندھ لے گیا تھا۔ لیکن
اس آدمی کا نام نہ بتا سکے۔ ان کے لئے اجنبی تھا۔ محض اس لئے ساتھ ہو گیا تھا کہ ان نا
آدمیوں کو پکڑنے میں انہیں مدد دے سکے۔ انہوں نے اس واقعہ کا تذکرہ قطعی نہیں کیا تھا کہ
آدمی نے فریدی پر ریوالور تان لیا تھا.... ہو سکتا ہے لیڈی پرکاش نے انہیں ایسا کوئی بیان
سے باز رکھا ہو۔

بہر حال اب ڈی۔ آئی۔ جی پیٹر آئی جی کے آفس میں اس کی آمد کا منتظر تھا۔

وہ آیا اور اس سے وہاں اس کی موجودگی کے متعلق استفسار کیا۔

"یہ فریدی سخت تکلیف دہ ہوتا جا رہا ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"کیوں؟ کیا بات ہے۔"

ڈی۔ آئی۔ جی غصیلے لہجے میں لیڈی پرکاش کی کہانی دہرانے لگا۔

بات ختم ہونے پر آئی۔ جی کافی دیر خاموش رہ کر کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا.... کیا معاملہ ہے۔"

"معاملہ صاف ظاہر ہے۔ تجرد کی زندگی بعض اوقات ایسے ہی راستوں پر لے جاتی ہے۔"

آئی جی حقارت آمیز انداز میں ہنس کر بولا۔ "تم نے فریدی کو سمجھنے میں غلطی کی ہے۔"

"پھر آخر لیڈی پرکاش کی رپورٹ پر کیا ایکشن کیا جائے۔" اس نے سخت نامعقول قسم
لہجے میں پوچھا۔

موری چڑی والا ہونے کی بناء پر وہ دیسی آفیسروں سے بھی بعض اوقات بڑا حقارت آمیز
باؤ کر بیٹھتا تھا۔ اور وہ عموماً طرح دے جاتے تھے۔

ہو سکتا ہے اس کی وجہ ڈیڑھ صد سالہ غلامی کا پیدا کردہ احساس کمتری ہی رہا ہو۔ بہر حال آئی
اس کے لہجے کو نظر انداز کرتا ہوا بولا۔ "ایکشن تو لینا ہی پڑے گا اور اس کا فیصلہ عدالت کرے
کہ کون کس پوزیشن میں تھا۔ ویسے میں لیڈی پرکاش کو اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"میں نہیں سمجھا....؟"

"وہ حقیقتاً کوئی اچھی عورت تو نہیں۔"

"یعنی شاہد موجود ہیں جناب۔"

"کیا دیکھا تھا انہوں نے۔"

وہ گاڑی میں بیٹھی چیخ رہی تھی.... اور فریدی نے دروازہ کھول کر اسے دھکا دے دیا تھا۔

"مجھے حیرت ہے مسٹر جوزف پیٹر.... اگر فریدی لیڈی پرکاش کے بیان کے مطابق اسے
زبردستی کہیں لے جانا چاہتا تھا تو پھر اس طرح دھکیل کر کیوں چلا گیا۔"

"اس خیال سے کہ اتنے آدمیوں کی موجودگی میں اسے لے جانے میں کامیاب نہ ہو سکے گا۔"

"حالانکہ وہ ان میں سے ایک مرد کو زبردستی باندھ لے گیا۔" آئی۔ جی مسکرایا۔

"اس وقت وہاں صرف پانچ آدمی تھے۔"

"اچھا یہ تو سوچو.... کہ وہ اسے ساحل پر کیوں لے گیا تھا؟ کیا ان آدمیوں کو تعاقب کی
دعوت دینے کہیں لے جانا مقصود ہوتا تو وہیں اس کے ہٹ سے لے جاتا۔ کیونکہ ساحل کے
ساتھ تو سمندر ہی ہے۔"

"جناب وہ تو سب ٹھیک ہے.... لیکن رپورٹ....؟"

"میں کہہ تو رہا ہوں کہ ایکشن لو.... اتنی باتیں صرف اس لئے کر ڈالیں کہ اس کا تجرد بدنام
نہ ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ وارنٹ ایشو کرا دوں۔"

"اتنی جلدی....!" آئی جی مسکرا کر بولا۔ "نہیں یہ ناممکن ہے۔ اگر وہ دو دن کے اندر
رپورٹ نہ دے تو یہ بھی کر گزرنا۔"

"لیڈی پرکاش بہت بارسوخ ہے.... کہیں ایسا نہ ہو کہ اوپر سے احکامات آجائیں۔"

"میں اپنے فرائض سے بخوبی واقف ہوں۔" آئی جی نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔ آئی۔جی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر اٹھ گیا۔

❁

لیڈی پرکاش پیال کے بستر پر پڑی تھی۔ آنکھیں بند تھیں اور وہ گہری گہری سانسیں رہی تھی۔ فریدی حمید سے کہہ رہا تھا۔ "تم گدھے ہو۔ اس کی کیا ضرورت تھی۔"

"ابھی نہیں.... ذرا اسے ہوش آنے دیجئے تو پھر اس کی اہمیت بھی آپ کی سمجھ آجائے گی۔" حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔

فریدی تشویش کن نظروں سے بے ہوش عورت کی طرف دیکھتا رہا۔ دفعتاً حمید ہنسنے لگا۔

"خاموش رہو۔"

"اب یہ کبھی ہوش میں نہیں آئے گی۔" حمید نے کہا۔

"کیا مطلب....!"

"جب ہوش ہی میں نہ آئے گی تو پھر اسے خوبصورت کیوں رہنے دیا جائے۔"

"بکواس مت کرو۔"

"میں اس کے گھنگھریالے بالوں پر قینچی کیوں نہ چلادوں۔"

پھر فریدی کچھ سوچتا ہوا اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرایا۔

"گڈ....!" حمید چہک کر بولا۔ "میں قینچی لینے جارہا ہوں۔"

وہ ابھی واپس نہیں آیا تھا کہ لیڈی پرکاش کے جسم میں حرکت ہوئی اور پھر اس کی واپسی پہلے ہی وہ اٹھ بھی گئی تھی۔

حمید چھولداری میں داخل ہوا تو وہ فریدی کو گھورے جارہی تھی اور فریدی کینواس فولڈنگ اسٹول پر بیٹھا کوئی کتاب دیکھ رہا تھا۔

حمید دونوں کے درمیان رک کر انگلی میں قینچی نچانے لگا۔

کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "لیڈی پرکاش کرنل فریدی تمہاری بہت عزت کرتے ہیں کیونکہ تم ان کے والد کے دوست کی بیوی ہو اور مجھے اپنے والد کی نالائقی پر سخت افسوس ہے کہ وہ

اپنا دوست پیدا نہ کرسکے! نہ کرسکے.... نہ کرسکے.... اوہ میں کیا کہہ رہا تھا۔"

فریدی نے حمید کو گھور کر دیکھا اور اسی طرح غصیلی نظروں سے گھورتا ہوا چھولداری سے باہر چلا گیا۔ حمید نے طویل سانس لے کر کہا۔ "عقل مند آدمی معلوم ہوتے ہیں آپ۔"

اور لیڈی پرکاش کو مخاطب کرکے بولا۔ "یہ قینچی میں اس لئے لایا تھا کہ تمہارے سر کے بال صاف کردوں۔"

"میں تم سبھوں کو سمجھوں گی۔" وہ دانت پیس کر بولی۔

"پھر بہکنے لگیں.... کیا گورلیے کو پھر تکلیف دینی پڑے گی۔"

"کیوں پیچھے پڑے ہو میرے۔" وہ روہانسی آواز میں چیخی۔

"میں بے حد سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں لیڈی پرکاش کہ تم سے ایسے حالات میں ملاقات ہوئی ورنہ.... ورنہ تم دیکھتیں۔"

"کیا دیکھتی۔"

"تمہاری آنکھیں.... مجھے ایسا لگتا ہے.... جیسے ان آنکھوں کو بارہا خواب میں دیکھا ہو۔"

"مجھے کیوں پریشان کیا جارہا ہے۔"

دفعتاً حمید نے چاروں طرف دیکھ کر ہونٹوں پر انگلی رکھ لی۔

لیڈی پرکاش متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکا رہی تھی۔

پھر حمید نے بلند آواز میں کہنا شروع کیا۔ "تمہیں بتانا ہی پڑے گا لیڈی پرکاش.... کرنل فریدی کو مجرموں پر قطعی رحم نہیں آتا۔"

"مم.... میں کچھ نہیں جانتی۔"

"تم جانتی ہو لیڈی پرکاش....!" حمید نے گرج کر کہا اور پھر مسکرا کر آنکھ ماری اور چھولداری کے در کی طرف دیکھنے لگا۔

لیڈی پرکاش کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے اور ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے وہ کسی الجھن میں بھی پڑ گئی ہو۔

"کیا تم نے سنا نہیں....!" وہ پھر غرایا۔

"میں کہتی ہوں تمہیں پچھتانا پڑے گا۔"

"اچھی بات ہے.... میں پھر جارہا ہوں.... وہ گوریلا ہی تمہیں راہِ راست پر لائے گا۔"

وہ ابھی کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ فریدی چھولداری میں داخل ہوا۔ "لیڈی پرکاش" اس نے نرم لہجے میں کہا۔ "کیا تم دوسری چھولداری تک چل سکو گی۔"

حمید نے فریدی کی نظر بچا کر لیڈی پرکاش کو آنکھ ماری اور سر کو اس طرح جنبش دی جیسے اس سے انکار کرا دینا چاہتا ہو۔ لیڈی پرکاش نے تذبذب کے ساتھ کہا۔ "میں کہیں نہ جاؤں گی۔"

فریدی پلکیں جھپکائے بغیر اُسے گھورتا رہا پھر سرد لہجے میں بولا۔ "میں تمہیں وہ فلم دکھانا چاہتا ہوں.... تم مجھے ان اشاروں کا مطلب بتاؤ گی۔"

چند لمحے خاموش رہ کر دفعتاً گرجدار آواز میں بولا۔ "اٹھو....!"

شاید اسے لہجے کا جھٹکا ہی کہیں گے جس نے لیڈی پرکاش کو پیال کے بستر سے اٹھا دیا تھا۔ فریدی نے چھولداری کے در کی طرف اشارہ کیا اور لیڈی پرکاش چپ چاپ آگے بڑھ گئی۔

فریدی اس کے پیچھے تھا۔ حمید بھی بالآخر اٹھ کر ساتھ ہو لیا۔

وہ دوسری چھولداری میں آئے۔ یہاں سامنے ایک سفید چادر تنی ہوئی تھی اور اس سے تھوڑے فاصلے پر بیٹری سے چلنے والا ایک چھوٹا سا پروجیکٹر رکھا ہوا تھا۔ فریدی نے حمید سے کہا کہ وہ پٹرومیکس لیمپ دوسری چھولداری میں پہنچا کر خود واپس آجائے۔

حمید واپس پہنچا تو فریدی پروجیکٹر اسٹارٹ کر چکا تھا.... پردے پر ایک آدمی نظر آیا جو ہاتھوں کو متواتر جنبش دے رہا تھا.... پھر ایک دوسرا چہرہ نظر آیا.... یہاں بھی ہاتھوں کی ورزش نظر آئی.... کئی چہرے گزر گئے اور بالآخر چادر پر صرف روشنی کا مستطیل باقی رہ گیا۔

"کیا خیال ہے لیڈی پرکاش....!" حمید نے فریدی کی آواز سنی۔

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ تم پر کس قسم کی دیوانگی کا دورہ پڑا ہے۔"

"لیڈی پرکاش یہ فلم تمہارے وینٹی بیگ سے برآمد ہوئی تھی اور لیڈی پرکاش یہ تصاویر تم نے ہی لی تھیں۔"

"میں نہیں جانتی کہ اس کا مالک کون ہے.... مجھے یہ بیچ پر ایک جگہ پڑی ملی تھی۔"

"بہت خوب....!" فریدی کا ہلکا سا قہقہہ چھولداری میں گونجا۔

دفعتاً فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "آپ یقیناً کسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔"

"کیا مطلب....؟"

"ٹھہریئے.... میں پہلے پٹرومیکس لاؤں؟ ورنہ ہو سکتا ہے اندھیرے میں مزید کسی غلط فہمی کے امکانات پیدا ہو جائیں۔"

وہ اٹھ کر واپس چھولداری میں آیا اور پیٹرومیکس اٹھا کر وہیں جا پہنچا۔ لیڈی پرکاش کے چہرے پر زردی تھی۔

"میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو کر غلط اقدام کر بیٹھے ہیں۔" فریدی نے فریدی کو مخاطب کر کے کہا۔

"فضول باتیں نہ کرو.... آخر وہ زہریلی سوئی تمہارے ذہن سے کیوں نکل جاتی ہے۔"

"اسے بھی غلط فہمی ہی کہیں گے اگر خلال کو زہریلی سوئی سمجھ بیٹھیں۔"

"خیر ختم کرو....!" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "ہو سکتا ہے غلط فہمی ہی ہو.... لیکن کیوں نہ میں اپنی یہ غلط فہمی رفع کرنے کی کوشش کروں۔"

"ضرور کیجئے.... کیوں لیڈی پرکاش....!" لیڈی پرکاش حمید کی طرف صرف دیکھ کر رہ گئی بولی نہیں۔

فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "میں یہ سوئی لیڈی پرکاش کے بازو میں چبھو کر دیکھوں گا۔"

"نہیں...." وہ ہذیانی آواز میں چیخی اور اچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔

"ناممکن ہے لیڈی پرکاش! میں اپنی غلط فہمی رفع کروں گا۔" فریدی آگے بڑھتا ہوا غرایا۔

"ارے بچاؤ.... بچاؤ....!" وہ پاگلوں کی طرح چیخ رہی تھی۔

"یہ کرنل فریدی ہیں....!" حمید نے بوکھلائے ہوئے انداز کی اداکاری کی "غور سے دیکھو.... گوریلا نہیں ہے.... گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔"

"ارے.... میں مر جاؤں گی۔"

"اوہ.... اُف فوہ.... تو ٹھہریئے جناب۔" حمید آگے بڑھتا ہوا بولا۔

فریدی رک کر غصیلے لہجے میں بولا۔ "تم دخل اندازی مت کرو؟"

"کمال ہے.... ارے تسلیم تو کر لیا بیچاری نے کہ سوئی زہریلی ہے۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ میں خاموش رہ جاؤں۔"

"بالکل....!"

"اور اگر یہ کامیاب ہو گئی ہوتیں تو.... پھر یہ اتنا بھرپور "بالکل" کس کی زبان سے ادا ہوتا۔"

حمید خاموش ہو گیا.... لیڈی پرکاش گھٹنوں میں سر دیئے روئے جا رہی تھی۔

"لیڈی پرکاش....!" فریدی کا لہجہ بے حد سرد تھا۔ "ہو سکتا ہے تم اس فلم پر کوئی اور رنگ ڈال سکو لیکن کیا یہ بھی نہیں جانتیں کہ ان ساری حرکتوں کی پشت پر کون ہے۔"

لیڈی پرکاش کچھ نہ بولی۔ گھٹنوں سے سر بھی نہیں اٹھایا.... حمید نے فریدی کو اشارہ کیا وہ چھولداری سے چلا جائے۔

"میں تمہیں صرف آدھے گھنٹے کی مہلت اور دے سکتا ہوں.... اس کے بعد جو کچھ ہو گا تم خود ہی دیکھ لوگی...." فریدی کہتا ہوا چھولداری سے چلا گیا۔

حمید لیڈی پرکاش کے قریب پہنچا اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بڑے پیار سے بولا۔

"بس اب چپ رہو.... میں سب کچھ ٹھیک کر لوں گا۔"

"تم دونوں درندے ہو.... تمہیں مجھ پر رحم نہیں آتا۔ ایک عورت پر۔" وہ سر اٹھا کر عجیب سے لہجہ میں بولی.... اور پھر "غم و غصہ" والی ترکیب پوری طرح سمجھ میں آ گئی۔ وہ اس اخباری ترکیب پر ہمیشہ ہنستا رہتا تھا۔ کیونکہ اس کی دانست میں انسانی ذہن بیک وقت ایک ہی جذبے کا متحمل ہو سکتا ہے۔ بہر حال اس نے پھر نرم لہجے میں کہا۔ "تم خود سوچو پرکاش کہ سچویشن کیا ہے۔ تم نے کرنل کی جان لینے کی کوشش کی تھی۔ میں ہوتا تو خیر کوئی نہ تھی۔ کیونکہ میں پیدا ہی اس لئے ہوا ہوں کہ خوبصورت عورتوں پر مرتا رہوں.... ایک ہاتھ سے سچ مچ ہی مر جاتا تو کیا فرق پڑتا۔"

"میرا مضحکہ اڑا رہے ہو۔"

"لیڈی پرکاش.... لیڈی پرکاش! سمجھنے کی کوشش کرو.... مجھے شروع ہی سے تم ہمدردی رہی ہے۔"

لیڈی پرکاش کچھ نہ بولی۔ لیکن اب وہ رو نہیں رہی تھی۔

"اچھا ایک بات بتاؤ۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "کیا تم نے اس آدمی کو بتا دیا تھا کہ تم سے سوئی چھین لینے میں کامیاب ہو گئے تھے۔"

"نہیں....؟"

"کیوں نہیں بتایا تھا۔"

"اس صورت میں خود میری زندگی خطرے میں پڑ جاتی۔"

"ہوں....!" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "پھر تم نے اسے کیا بتایا تھا۔"

"یہی کہ فریدی میرے آرٹسٹ دوست کا تعاقب کرتا ہوا میرے ہٹ تک آیا تھا میں نے سوچا کہ اس کی غلط فہمی رفع کرنے کی کوشش کروں۔ میں اس کی گاڑی میں بیٹھ کر ساحل تک گئی.... وہاں نہ جانے کیوں مجھے گاڑی سے دھکیل دیا۔"

"اوہ تو کیا تمہیں اس کے لئے ہدایات نہیں ملی تھی۔"

"ہدایت تو تھی کہ جب بھی اور جیسے ہی موقع مل جائے تو فریدی کو ختم کر دے۔ وہ اس دھماکے سے بچ گیا تھا۔ اس لئے میں نے سوئی سے کام نکالنا چاہا۔"

"پھر اس سے تمہیں کیا ہدایت ملی۔"

"یہی کہ فریدی کے خلاف رپورٹ درج کرا دوں کہ وہ مجھے زبردستی گاڑی میں ڈال کر لے جا رہا تھا.... ساحل کے قریب مجمع دیکھ کر مجھے نیچے دھکیل گیا۔"

"اور تم نے رپورٹ درج کرا دی۔"

"ہاں کئی آدمیوں کی شہادت سمیت۔"

"بہت عمدہ....!" حمید نے کہا اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر لیڈی پرکاش خود ہی بولی۔ "یقین کرو.... فریدی نے مجھے جو فلم دکھائی تھی اس کے اشارے میں نہیں سمجھ سکی.... ہر آدمی کے اشارے الگ ہیں۔ میرے چارج میں جو لوگ ہیں ان کے اشارے میں سمجھ سکتی ہوں اور وہ میرے اشارے سمجھ سکتے ہیں۔"

"اوہو.... تو یہ گروہ مختلف ٹولیوں میں بٹا ہوا ہے۔"

"یہی بات ہے۔"

"اب یہ بھی بتا دو کہ تمہیں کس سے احکامات ملتے ہیں۔"

"اسپرنگ نائٹ کلب کے میجر چوہان سے۔"

"تمہاری ٹولی کے ذمہ کون سا کام ہے۔"

"اعلیٰ سرکاری افسروں سے ربط وضبط بڑھانا۔"

"کس لئے....!"

"یہ مجھے آج تک نہیں معلوم ہو سکا۔"

"بھئی آخر ربط بڑھا کر کیا کرتی ہو۔"

"جو اسپرنگ نائٹ کلب کو قابل اعتناء نہیں سمجھتے انہیں وہاں تک پہنچانا میرا کام ہے۔"

"پھر کیا ہوتا ہے۔"

"اس کے بعد میں نہیں جانتی کہ کیا ہوتا ہے۔"

"لیڈی پرکاش! کیا میجر چوہان.... سر پرکاش سے زیادہ دولت مند ہے۔"

"نہیں کچھ مجبوریاں ہوتی ہیں۔"

"کیا اس نے تمہیں بلیک میل کیا تھا۔"

"نہیں.... میں خود ہی وہاں جا پہنچی تھی۔"

"خیر میں تمہارے ان نجی معاملات میں دخل انداز نہیں ہونا چاہتا۔"

"میں تمہیں ضرور بتاؤں گی.... میں کلب کے پیانسٹ فرامرز کو چاہتی ہوں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔"

"اس کیفیت کی مدت کتنی ہوتی ہے۔"

"بہت سور ہو.... تم کیا جانو۔"

"صورت دیکھ کر بتا سکتا ہوں کہ عورت کا ٹائپ کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم سال دو سال سے زیادہ کی بوریت ہرگز برداشت نہیں کر سکتیں۔"

"میں نے غلط کہا تھا.... اب میں اس کے بغیر بھی زندہ رہ سکتی ہوں۔" وہ بڑے دلآویز انداز میں مسکرائی۔

"بہرحال تم اسی کے لئے وہاں تک پہنچی تھیں.... لیکن آخر تم نے اس حد تک جانا کیسے گوارا کر لیا۔"

"مجبوری....!"

"میری دلچسپی بڑھ رہی ہے لیڈی پرکاش! لہٰذا اس اجمال کی تفصیل بھی ہو جائے تو بہتر ہے۔"

"میں ہرگز نہیں بتاؤں گی.... سب کچھ تو بتا چکی.... اس سے تمہیں کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے اور سنو۔ تم لوگ مجھے جان سے تو مار سکتے ہو لیکن میرے خلاف کوئی قانونی کاروائی کر کے کبھی کامیاب نہ ہو سکو گے۔ کیونکہ تم لوگوں کے خلاف میری رپورٹ پہلے ہی درج کی جا چکی ہے۔ میرا وکیل سرکاری وکیل کا ناطقہ بند کر دے گا۔"

"بالکل.... بالکل....!" حمید سر ہلا کر بولا۔ "پھر اب ہمیں تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہئے۔"

"مجھ جیسی عورت کے شایان شان کوئی برتاؤ...." وہ آنکھیں کچھ اور نشیلی بنا کر مسکرائی۔

"ایک بات اور....!" حمید اس طرح چونک کر بولا جیسے کچھ یاد آ گیا ہو۔ "تین متوازی لکیروں کو کاٹتی ہوئی چوتھی لکیر کیا معنی رکھتی ہے۔"

"اوہ.... بہت کچھ جانتے ہو۔" وہ ہنس پڑی۔ پھر کچھ دیر بعد بولی۔ "اس کا مطلب ہے وارننگ جب گروہ کے لئے کام کرنے والے آدمی سے کوئی غلطی سرزد ہوتی ہے تو یہ نشان وارننگ کا کام دیتا ہے۔"

"بہت خوب....!" حمید نے پائپ سلگا کر ہلکا سا کش لیا۔ متواتر دو تین کش لینے کے بعد بولا۔ "مجھے اپنی وہ مجبوری ضرور بتاؤ۔"

"میں کہتی ہوں وہ قطعی میرا نجی معاملہ ہے۔"

دفعتاً فریدی چھولداری میں داخل ہو کر بولا۔ "ختم کرو.... واقعی یہ ان کا نجی معاملہ ہے۔ پہلے مجھے صرف شبہ تھا لیکن اب یقین ہو گیا ہے کہ اسپرنگ کلب سے ہیروئن تقسیم ہوتی ہے۔"

"نن.... نہیں.... یہ غلط ہے۔" لیڈی پرکاش ہکلائی۔

"انہیں ایگل بیچ چھوڑ آؤ....!" فریدی نے حمید سے کہا۔

"مم.... میری بات تو سنو....!"

"لیڈی پرکاش تمہیں ابھی واپس جانا ہوگا....!" فریدی نے کہا اور پھر چھولداری سے باہر چلا گیا۔

لاش

لیڈی پرکاش اپنے ہٹ میں پہنچ چکی تھی۔ حمید ہی اسے واپس لایا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ لیڈی پرکاش بہت زیادہ مضمحل ہو گئی ہے۔ اس نے ہٹ میں پہنچ کر نہ اُسے دھمکیاں دیں اور نہ اس

چمپینزی ہی کی خبر لی جس کے متعلق کیمپ میں بہت ہی بیتابانہ انداز میں پوچھ گچھ کی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی بہت تکلیف دہ خیال سے الجھ گئی ہو دفعتاً اس نے کہا۔ "کرنل فریڈی کا ذہن فہمی میں مبتلا ہیں۔ اسپرنگ نائٹ کلب میں ہیروئن نہیں ملتی۔"

"کہاں کی باتیں لے بیٹھیں۔ میں اس سے دور بھاگتا ہوں....!" حمید نے کہا لیکن وہ سوچ رہا تھا اس عورت کو اس کی قطعی پرواہ نہیں ہے کہ اس اعتراف کے بعد اس کا کیا حشر ہوگا۔ صفائی پیش کرنے بیٹھی ہے۔ اسپرنگ نائٹ کلب کے مالک کی وہ بھی اس سلسلے میں کہ وہ ہیروئن کی ناجائز تجارت نہیں کرتا۔

"اچھا اب میں چلا۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "تمہارا چمپینزی دوسرے کمرے میں آرام کر رہا ہوگا۔"

"میری بات سنو۔" لیڈی پرکاش نے ہاتھ اٹھا کر مضطربانہ انداز میں کہا۔ "آخر فریڈی نے مجھے اس طرح کیوں چھوڑ دیا۔ میں نے اسے موت کے گھاٹ اتار دینے کی کوشش کی تھی۔"

"وہ حضرت اچھی طرح جانتے ہیں کہ تمہاری رپورٹ کے بعد تمہارے خلاف کوئی کارروائی کر کے کامیاب نہیں ہو سکیں گے وہ ایک بات، کیا تمہاری رپورٹ میں میرا نام بھی موجود ہے۔"

"نہیں....!"

"یہ اچھی بات ہے۔" حمید نے طویل سانس لی۔

"میں یہ رپورٹ بھی واپس لے لوں گی۔"

"احمقانہ خیال ہے۔ وہ لوگ تمہیں زندہ نہ چھوڑیں گے؟"

"پھر میں کیا کروں؟"

"بچت کی صورت یہی ہے کہ اب ہمارے لئے بھی کام کرو۔ اگر کرنل اس کیس میں کامیاب ہو گئے تو تم وعدہ معاف گواہ بنائی جاؤ گی۔"

"لیکن میں تم لوگوں کے لئے کیا کروں گی۔"

"یہ وقت آنے پر بتا دیا جائے گا۔ فی الحال ہمارے خلاف ان کی سکیموں سے ہمیں باخبر رکھو.... اور لیڈی پرکاش....!" حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"ہاں.... ہاں کہو۔"

"یہاں سے واپس جانے کو جی نہیں چاہتا۔" حمید نے اِدھر اُدھر دیکھ کر آہستہ سے کہا۔

"ہوں....!" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی۔

"مم مطلب یہ کہ یہ عمارت مجھے بہت پسند ہے۔"

"اگر مجھ سے کام لینا چاہتے ہو تو مناسب یہی ہوگا کہ پھر کبھی یہاں نہ دکھائی دو۔"

"اچھی بات ہے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر دروازے کی طرف مڑ گیا۔

❁

اسپرنگ نائٹ کلب صرف ممبروں کے لئے مخصوص تھا۔ غیر ممبر اسی صورت میں داخل ہو سکتے تھے جب وہ کسی ممبر کے ساتھ ہوں۔

کلب کا مالک ایک ریٹائرڈ فوجی میجر چوہان تھا۔ اس کے بے تکلف دوست اسے اکثر بیروں کی فوج کا میجر کہہ کر پکارتے تھے۔ بات بھی کچھ ایسی ہی تھی کہ چھٹی فٹ بیٹھتی تھی۔ وہ روزانہ طلوع آفتاب سے قبل عمارت کی کمپاؤنڈ میں بیروں کو پریڈ کراتا تھا۔ خالص فوجی انداز میں کاشن دیتا.... اور انہیں اس بُری طرح تھکا مارتا کہ وہ اکثر اس کی موت کی دعائیں مانگنے لگتے تھے.... ملازمت اس لئے نہیں چھوڑ سکتے تھے کہ وہ پانچ سال سے کم کے ایگریمنٹ پر ملازم رکھتا ہی نہ تھا۔ پھر بھی دوسرے ہوٹلوں اور کلبوں کے بیرے اسپرنگ نائٹ کلب سے منسلک ہونے کو پیشے کی معراج سمجھتے تھے کیونکہ یہاں بہت بھاری ٹپ ملتی تھی۔ پیسہ پانی کی طرح بہتا تھا۔ متوسط طبقے کے افراد تو اس کے تصور سے بھی دور تھے۔

میجر چوہان دراز قد اور بھاری بھرکم آدمی تھا۔ عمر پچاس اور ساٹھ کے درمیان رہی ہوگی۔ لیکن چالیس سے زیادہ کا ہرگز نہیں معلوم ہوتا تھا۔ آواز کرخت اور گونجیلی تھی۔ نرم لہجے میں بھی گفتگو کرتا تو ایسا لگتا جیسے اپنے کسی ماتحت کا کورٹ مارشل کر رہا ہو.... عورتیں اس سے گفتگو کرنا پسند نہیں کرتی تھیں۔

اس وقت بھی ایک شامت زدہ اس کے آفس میں کھڑی بُری طرح کانپ رہی تھی۔ وہ ایک لمبی چوڑی میز کے پیچھے اسے اس طرح گھور رہا تھا جیسے اب اٹھ کر تھپڑ ہی مار دے گا۔

یہ کلب کی ڈانسر میمی سنگانو تھی۔

"تم کتیا ہو....!" دفعتاً وہ دہاڑا۔

"لل.... لیکن میجر.... میرا اس میں کیا قصور تھا۔"

"تم نے ڈائریکٹر جنرل کا ہاتھ کیوں جھٹک دیا تھا.... ؟ بولو.... بکو جلدی سے۔"

"وہ نشے میں دھت تھے.... میجر....!"

"اچھا تو پھر....؟" اس نے غرا کر آنکھیں نکالیں۔

"میں اپنے فن کا مظاہرہ کرنے کی تنخواہ پاتی ہوں.... ہمارے معاہدے میں جسم کا بے شامل نہیں تھا۔"

"شٹ اپ....!" وہ حلق پھاڑ کر دہاڑا.... "تمہارا مصرف ہی کیا ہے۔ سور کی بچی۔ اپنے نیم برہنہ جسم کو اس لئے لچکاتی اور تھرکاتی ہو کہ دیکھنے والوں کا نروان ہو جائے یا وہ اپنے سے جا ملیں۔"

"مم.... میں اسے برداشت نہیں کر سکتی۔" وہ اپنے بال نوچتی ہوئی بولی۔

"تمہیں کرنا پڑے گا.... پانچ سال کا ایگریمنٹ ہے۔ میں تمہیں جہنم میں پہنچا دوں سمجھیں۔"

"میں اٹلی کی شہریت رکھتی ہوں.... تمہارے ملک کا قانون....!"

"بکواس بند.... میں خود ہی ملک کا قانون ہوں....!"

"میں.... میں....!"

"یہ ناممکن ہے۔"

"ڈس مس!" وہ میز پر ہاتھ مار کر دہاڑا.... اور گھنٹی بجانے ہی جا رہا تھا کہ میمی اٹھتی ہوئی بولی۔ "میں جا رہی ہوں۔"

سب جانتے تھے کہ "ڈس مس" کہہ دینے کے بعد پھر وہ کچھ نہیں سنتا۔ اگر کوئی اس کے باوجود بھی کچھ کہنا چاہتا تھا تو اس کا بھاری بھرکم ہاتھ گھنٹی پر پڑتا تھا۔ اور ایک لحیم شحیم مخاطب کو دھکے مار کر آفس سے باہر کر دیتا تھا۔ خواہ وہ کوئی عورت ہی کیوں نہ ہو۔

میمی چلی گئی.... اور اردلی نے اندر داخل ہو کر کسی کا کارڈ پیش کیا۔

"ہام.... آنے دو....!" اس نے کارڈ پر نظر ڈال کر اردلی کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

کچھ دیر بعد لیڈی پرکاش اندر آئی۔

"کیوں....؟" اس نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"ابھی تک فریدی ہاتھ نہیں آیا۔"

"تمہیں اس کی فکر کیوں ہے۔"

"فکر کیوں ہے؟" لیڈی پرکاش متحیرانہ انداز میں بولی۔ "درجنوں شناسا موجود تھے جب اس نے مجھے گاڑی سے دھکیلا تھا۔"

"کیوں دھکیلا تھا....!"

"کیا میں جانتی ہوں؟"

"میں جواب کا منتظر ہوں۔"

"میرا خیال ہے راجیش کی وجہ سے اسے شبہ ہو گیا تھا کہ میں کسی فکر میں ہوں۔"

"پھر راجیش کا کیا ہونا چاہئے۔"

"مم.... میں کیا بتاؤں۔"

میجر چوہان نے میز کی دراز میں ہاتھ ڈال کر ایک کنجی نکالی اور اسے لیڈی پرکاش کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ "کمرہ نمبر گیارہ میں جاؤ۔"

وہ کنجی سنبھالتی ہوئی اٹھی۔ لیکن پھر استفہامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"ڈس مس....!" وہ اس کی طرف دیکھے بغیر غرایا۔

وہ چپ چاپ کمرے سے نکلی چلی آئی۔ ڈائننگ ہال میں فلور شو ہو رہا تھا۔ ساری میزیں بھری ہوئی تھیں۔

وہ آرکسٹرا کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

"فرامرز....!" اس نے پیانسٹ کو مخاطب کیا.... لیکن بلند آہنگ موسیقی نے اس کی آواز پیانسٹ تک نہ پہنچنے دی۔

بالآخر اس نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا.... وہ مڑا.... اور اسے ایسی نظروں سے دیکھتا رہا جیسے متحیر بھی ہو اور غضبناک بھی۔

"راجیش آیا تھا....؟" لیڈی پرکاش نے جھک کر پوچھا۔

"میں کیا جانوں....!" خشک لہجے میں جواب ملا۔

"اوہ تو خفا کیوں ہوتے ہو۔"

"لیڈی پرکاش مجھ پر رحم کرو۔ زیادہ بیوقوف بننے کی سکت نہیں رکھتا۔"

"جہنم میں جاؤ....!" وہ آگے بڑھ گئی۔

اب وہ اوپری منزل پر جانے کیلئے زینے طے کر رہی تھی۔ کمرہ نمبر گیارہ پہلی ہی راہداری میں تھا۔ کمرے کا قفل کھول کر دروازے کو دھکا دیا۔ اندر اندھیرا تھا.... وہ جانتی تھی کہ سوئچ بورڈ دروازے کی بائیں جانب ہے۔ ٹٹول کر سوئچ آن کیا.... لیکن دوسرے ہی لمحے میں آنکھیں اپنے حلقوں سے ابل پڑیں۔ سامنے فرش پر راجیش چت پڑا تھا.... اور اس کی آنتیں پیٹ سے باہر نکلی ہوئی تھیں.... فرش پر خون پھیلا ہوا تھا۔

لیڈی پرکاش چکرائی اور ڈھیر ہو جانے کے قریب تھی کہ کسی نے بازوؤں سے سنبھال لیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ میجر چوہان کی خوفناک آنکھیں اس کی آنکھوں میں جھونک رہی تھیں۔

"میجر.... میجر....!" وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

"اب اپنے پیروں پر کھڑی ہو جاؤ۔" وہ اسے الگ ہٹاتا ہوا بولا۔

"یہ کیا ہے.... یہ کیوں ہوا....؟"

"حماقت کا انعام....!" میجر نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔ "وہ لوگ جو سراغ رسانوں کی نظر میں آجائیں اُن سے اس سے کم کی توقع نہ رکھنی چاہئے۔"

"تو پھر مجھے بھی مار ڈالو....!" وہ ہذیانی انداز میں بولی۔

"کیوں.... تمہیں کیوں؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"کیونکہ وہ میرا دوست تھا.... فریدی اچھی طرح جانتا ہے۔"

"یہ ضروری نہیں ہے کہ تم بھی اس کے معاملات میں شریک ہو۔"

"کیا میں نہیں ہوں۔"

"اس حد تک نہیں جس حد تک وہ تھا؟" میجر چوہان نے ہاتھ بڑھا کر سوئچ آف کر دیا۔

لیڈی پرکاش کی کپکپاتی ہوئی آواز اندھیرے میں گونجی.... "یہاں ایک لاش ہے میجر۔"

"لاش پر بیٹھ کر گنگنانا میرا محبوب مشغلہ ہے۔" جواب ملا۔

❁

قاسم نے گھر سے بھاگ کر ایگل ہوٹل میں پناہ لی تھی۔ اس کا مشورہ حمید ہی نے دیا تھا.... لیکن

قاسم سوچ رہا تھا کہ آخر وہ خود کہاں غائب ہو گیا.... بھلا "حمید بھائی" کے بغیر تفریح کہاں۔

اس وقت رات کے دو بجے تھے اور وہ ہوٹل میں تنہا بیٹھا جھک مار رہا تھا۔ کبھی بال روم کی گیلری میں جا بیٹھتا اور کبھی ڈائننگ ہال میں نظر آتا۔

ہو سکتا ہے وہ پیشہ ور "شریف لڑکی" اسے دیر سے تاڑ رہی ہو.... اس بار اس نے اسے بال روم میں جا لیا۔

قاسم گیلری میں بیٹھا اس طرح پہلو بدل رہا تھا جیسے کرسی میں کھٹمل ہوں۔ دفعتاً وہ اتنی قریب آگئی کہ قاسم بوکھلا کر پیچھے ہٹنے کی کوشش میں کرسی سمیت الٹتے الٹتے بچا۔

"میں کچھ دیر آپ کے پاس بیٹھنا چاہتی ہوں۔" اس نے کہا تھا۔

"جج....!" قاسم نے آنکھیں نکالیں.... اور بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

"میں یہاں بیٹھنا چاہتی ہوں....!" وہ ایک کرسی کھینچ کر بیٹھتی ہوئی بولی۔

"باٹھئے.... باٹھئے....!" قاسم نے ہانپتے ہوئے کہا اور خود آگے بڑھ گیا۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں۔"

"جج.... جی....!" وہ یک لخت رک گیا لیکن اس کی طرف مڑا نہیں۔

وہ خود ہی اٹھ کر اس کے پاس جا پہنچی۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا.... تنہا نہیں بیٹھنا چاہتی تھی۔"

قاسم آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُس کا جائزہ لیتا رہا.... دبلی پتلی خوب صورت سی لڑکی تھی۔ چہرے میں ہونٹ بہت نمایاں تھے۔ آنکھیں بڑی نہ ہونے کے باوجود بھی دلکش تھیں۔

"پھچھ.... پھر.... قیابات ہے۔"

"آپ حیرت انگیز طور پر کھاتے ہیں! میں دیر سے دیکھ رہی تھی۔"

"ہاہاہا.... اور خاؤں۔" قاسم نے بڑے خلوص سے پوچھا۔

"بہت دلچسپ معلوم ہوتے ہیں آپ.... آیئے بیٹھئے کچھ دیر۔"

"آپ کے ساتھ کون ہے؟"

"میرے ساتھ....؟ کوئی بھی نہیں....!"

"اچھا.... اچھا.... بیٹھئے....!"

دونوں پھر آبیٹھے.... لڑکی نے طویل سانس لے کر کہا۔ "آپ کیا پیتے ہیں میں تو شیری پیتی ہوں۔"

"منگواؤں....؟" قاسم نے خوش ہو کر پوچھا۔

"آپ کی مرضی....!"

قاسم نے ویٹر کو اشارے سے بلا کر کہا۔ "شاعری لاؤ۔"

"شاعری نہیں شیری۔" لڑکی ہنس پڑی.... اور قاسم سے بولی۔ "کیا آپ بھی شیری ہی پئیں گے۔"

"نن.... نہیں.... میں تو نہیں پیتا۔"

"ٹافیاں کھاؤ گے؟"

"ہی ہی.... جرور.... جرور....!"

ویٹر مسکراتا ہوا رخصت ہو گیا۔

"یہاں کیا رکھا ہے...." لڑکی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "دلچسپیاں تو اسپرنگ نائٹ کلب میں جنم لیتی ہیں۔"

"بچ چلئے.... وہیں چالئے۔" قاسم اسے میٹھی نظروں سے دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"اور یہ شیری جو منگوائی ہے۔"

"اپنے ساتھ لیتی چلئے۔"

"کیا آپ یہیں کہیں بیچ ہی پر رہتے ہیں۔"

"ہا.... ہاں.... میرا ہٹ یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے....!"

"وہاں.... اور کون ہے؟"

"قوئی نہیں.... کوئی بھی نہیں۔"

"تو پھر وہیں کیوں نہ چلیں....؟"

"وہاں....!" قاسم کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "وہاں.... یعنی کہ وہاں.... وہاں تو صرف دونوں ہی ہوں گے.... یعنی کہ مطلب یہ کہ کسی اور کو بھی ساتھ لیتی چلئے۔"

"کسی اور کو بھی؟ کیوں؟"

"جی بس یونہی.... مطلب یہ کہ.... بالکل تنہائی ہوگی نا....!" قاسم تھوک نگل کر بولا۔

"تو پھر اس سے کیا....!"

"وہ میرا.... مطلب یہ تھا کہ.... اگر یعنی.... مگر....!"

"یہ کیا اگر مگر لگا رکھی ہے آپ نے....!"

"جی کچھ نہیں.... میری عقل خبط ہو گئی ہے۔" قاسم نے باقاعدہ طور پر ہانپنا شروع کر دیا تھا۔ اتنے میں ویٹر شیری لایا۔

"نہیں بوتل کھولنا نہیں۔" لڑکی بولی۔ "ہم ساتھ لے جائیں گے.... بل لاؤ۔"

بل کی ادائیگی کے بعد وہ دونوں اٹھ گئے۔ باہر قاسم کی بیوک موجود تھی۔

ہٹ یہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ قاسم نے گاڑی روک کر کھڑکیوں کو حیرت سے دیکھا جن کے شیشے روشن تھے۔ وہ تو لائٹ آف کر کے گیا تھا۔

گاڑی رکنے پر چوکیدار دروازہ کھولنے دوڑا تھا۔

"ابے یہ بجلی کیوں جلائی ہے۔" قاسم نے پوچھا۔

"جی وہ ایک صاحب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"قون صاحب.....؟"

"جی میں نام بھول گیا۔"

"اچھا تو نام پوچھ کر آ....!"

"ارے ارے....!" لڑکی بولی۔ "گھر بیٹھے ہوئے آدمی کا نام پوچھوا رہے ہیں۔ آپ خود ہی چل کر دیکھ لیجئے نا....!"

"اوہ.... لاحول ولا قوۃ.... ٹھہر جاؤ.... میں خود پوچھ لوں گا۔"

لڑکی ہنستی ہوئی گاڑی سے اُتر گئی۔ وہ دونوں ہٹ میں داخل ہوئے اور انتظار کرنے والے کی شکل دیکھتے ہی قاسم کا خون خشک ہو گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ حمید ہو گا۔ اتنی رات گئے۔

"آداب بجالاتا ہوں جناب۔" حمید اٹھ کر جھکا اور مغل درباریوں کے سے انداز میں ہاتھ ہلانے لگا۔

"بجاؤ.... بجاؤ....!" قاسم بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا.... اور پھر ہنس پڑا۔

"میں مخل تو نہیں ہوا جناب والا۔" حمید نے بڑے ادب سے پوچھا۔

"مخل....؟" قاسم نے احمقوں کی طرح دہرایا.... اور پھر بدبدانے لگا۔ "مخل کیا ہے.... وہی ہوگا وہی....!" ساتھ ہی لڑکی کی طرف اس طرح دیکھتا رہا جیسے معلوم کرنا چاہتا ہو اس نے لفظ "مخل" کا برا تو نہیں مانا۔

اسے حمید پر غصہ آنے لگا تھا۔ سب گڑبڑ کروے گا سالا.... یا اللہ کہاں سر دے ماروں۔ وقت آنا تھا اسے۔

"تو میں مخل نہیں ہوا۔ آپ لوگ تشریف رکھئے نا۔" حمید نے کرسیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ لڑکی نے غالباً محسوس کر لیا تھا کہ قاسم کسی قدر بوکھلا گیا ہے۔

"جی ہاں.... جی ہاں.... بیٹھ جائیں گے۔" قاسم نے ناخوشگوار لہجے میں کہا اور وہ دو بیٹھ گئے۔

"آپ کی تعریف....!" حمید نے لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

"آپ سے مطلب....!" قاسم جھلا گیا۔

"آپ کو شاید علم نہیں کہ آپ کے والد صاحب نے آپ کو خاکسار کی نگرانی میں دے دیا ہے۔"

"کون خاکسار؟ میں کسی خاکسار واکسار کو نہیں جانتا.... اکاؤنٹنٹ صاحب کا نام عبدالر ہے۔ لیکن اب میں ان کی نگرانی میں بھی نہیں ہوں۔"

"خاکسار کا مطلب یہ خادم....!" حمید نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"اے جاؤ.... چلے آتے ہی جان جلانے کو۔ تم یہاں قیوں آئے ہو۔"

"گلہری....!"

"ارے باپ رے۔" قاسم نے دونوں ہاتھوں سے پیٹ پکڑ لیا۔

وہ اپنی بیوی کو گلہری خانم کہتا تھا۔ لہٰذا اس حوالے پر دیوتا کوچ کر گئے۔ لگا بغلیں جھانکنے

"لہٰذا امید ہے کہ آپ بعافیت ہوں گے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور لڑکی کی طرف کر مسکرانے لگا۔ جواب میں لڑکی بھی مسکرائی۔ قاسم نے باری باری دونوں کی طرف دیکھا اس جوابی مسکراہٹ پر پھر آتش زیرپا ہو گیا۔

"اے تم مجھے کہیں چین نہ لینے دو گے۔ سمجھے....!" قاسم میز پر گھونسہ مار کر دہاڑا۔

"یہ کون صاحب ہیں۔" لڑکی نے حمید سے پوچھا۔ "آپ کو تو میں پہچانتی ہوں۔"

"شکریہ....!" حمید مسکرا کر بولا۔ "یہ بس یوں ہی ہیں کوئی خاص نہیں۔"

"اے.... تم میرے ساتھ آئی ہو یا اس کے ساتھ؟" قاسم لڑکی پر الٹ پڑا۔

"میں تنہا آئی تھی۔" لڑکی نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔

"اچھی بات ہے....!" قاسم اٹھ کر حمید کو گھونسہ دکھاتا ہوا چیخا۔ "میں جا رہا ہوں سالے.... ابھی اور اسی وقت سمندر میں پھاند پڑوں گا۔ قصہ ہی ختم ہو جائے۔"

وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا اور باہر نکل گیا۔

گر یہ کام آ ہی گیا

قاسم نے باہر نکل کر چند لمحے انتظار کیا۔ شاید حمید یا وہ لڑکی باہر نکلے۔ لیکن مایوسی کے علاوہ اور کچھ ہاتھ نہ آیا۔ بڑے غصے میں باہر نکلا تھا۔ لہٰذا اب دوبارہ واپسی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا پھر کچھ کر گزرنے کی ہمت ہوتی تو بات دوسری تھی۔

چند لمحے کھڑا "فوں فوں" کرتا رہا پھر گاڑی میں بیٹھ کر انجن بھی اسٹارٹ کر دیا لیکن ان میں سے کوئی بھی باہر نہ نکلا۔

"مردکم بختو....!" اس نے کھڑکی سے باہر ہاتھ نکال کر گھونسہ ہلاتے ہوئے کہا اور گاڑی آگے بڑھا دی۔ سمندر میں چھلانگ لگا دینے کی دھمکی دے کر باہر نکلا تھا۔ لیکن اب ذہن میں جھلاہٹ کی لہروں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا.... کچھ دور چلنے کے بعد دفعتاً اس نے گاڑی سڑک کے کنارے روک دی.... اور سوچنے لگا آخر وہ اس طرح دھکے کیوں کھاتا پھر رہا ہے.... غیر تسلی بخش ازدواجی زندگی کا خیال آیا۔ ایک ناموزوں سی عورت اس کی مرضی کے خلاف پلے باندھ دی گئی تھی۔ پھر اب کیا ہوگا.... کیا ہوگا۔ کیا ساری زندگی وہ اسی طرح دھکے کھاتا پھرے گا۔ پھر اسے اردو کے ایک ٹریجڈی فلم کی کہانی یاد آئی.... بس پھر کیا تھا یک بیک سسکیاں لینے لگا۔ ذہن کی رو بہک گئی تھی۔ دبی دبی سی سسکیاں باقاعدہ قسم کی "بھوں بھوں" کی شکل اختیار کرتی جا رہی تھیں.... ذرا ہی سی دیر میں وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگا.... گردوپیش سے بے خبر.... گویا اب وہ ایک مشینی فعل بن کر رہ گیا تھا۔

دفعتاً ایک گاڑی قریب سے گزری.... اور تھوڑے ہی فاصلے پر جا کر رک گئی۔ قاسم اسی طرح روتا رہا۔ پھر وہ گاڑی مڑے بغیر پیچھے کی طرف رینگتی ہوئی اس کی گاڑی کے برابر آ رکی۔

"کون ہے.... کیا بات ہے۔" گاڑی سے ایک نسوانی آواز ابھری۔

اب قاسم چونکا.... لیکن اپنی دہاڑوں پر قابو نہ پا سکا.... پھر ایک چھوٹی سی ٹارچ کی روشنی اس پر پڑی.... آنکھیں چندھیا گئیں۔ لیکن بھاڑ سے پھیلے ہوئے منہ سے بے ہنگم آوازوں کا

سلسلہ جاری رہا۔

"کیا بات ہے.... آپ کیوں رو رہے ہیں۔" کانپتی ہوئی نسوانی آواز پھر سنائی دی۔

قاسم سے کچھ نہ بن پڑا تو کھلے ہوئے منہ میں مٹھی گھسیڑنے کی کوشش کرنے لگا....

عورت اپنی گاڑی سے اُتر آئی اور اس کے قریب پہنچ کر بولی۔

"کیا میں آپ کی کوئی مدد کر سکتی ہوں۔"

"جج.... جی.... غاں....!"

"بتایئے.... کیا کروں؟"

"مجھے.... مجھے.... غورلی مار دیجئے۔"

"اوہ سمجھی....!" عورت ہنس پڑی۔ "آپ نشے میں ہیں شاید....!"

"میں شراب نہیں پیتا۔"

"تب تو یہ بھنگ ہی کا نشہ ہو سکتا ہے۔"

"آپ بھی آ گئیں جان جلانے کو.... ہائے میرا کوئی نہیں ہے۔" قاسم پھر پھوٹ پڑا لیکن اس بار صرف ہچکیاں اور سسکیاں سنی گئیں۔

عورت نے ٹارچ کی روشنی میں بیوک کا جائزہ لیا.... اور پھر قاسم کی طرف متوجہ ہو گئی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے سسکیاں لے رہا تھا۔

"آپ کہاں رہتے ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"ہر جگہ رہتا ہوں.... مم.... مطلب یہ کہ کئی جگہ رہتا ہوں.... گھر میں رہتا ہوں.... ہٹ میں رہتا ہوں.... اور جہاں جی چاہے رہتا ہوں۔"

عورت تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ "میرے ساتھ چلو گے۔"

"کیا کروں گا جا کر....!" قاسم نے مایوسانہ انداز میں کہا۔ "وہاں بھی وہ پہنچ جائے گا۔"

"کون....!"

"ہے ایک.... خدا کرے اس کے چیچک نکل آئیں۔"

"میری گاڑی کے پیچھے آؤ....!"

"جی بہت اچھا....!" قاسم نے سعادت مندی کا اظہار کرتے ہوئے ٹھنڈی سانس لی۔

پھر اس کی شیورلیٹ اگلی گاڑی کے پیچھے لگی رہی۔ حتیٰ کہ وہ اسپرنگ نائٹ کلب تک آ پہنچے.... دربان نے عورت کو ادب سے سلام کرتے ہوئے قاسم کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"میرے ساتھ ہیں۔" عورت نے لاپروائی سے کہا اور قاسم اس کے ساتھ آگے بڑھتا چا

اب یہاں روشنی میں اس کا جائزہ لینے کے بعد اس کی باچھیں کھل گئیں.... دراز قد اور عورت تھی.... بس ایسی ہی صحت مند عورت تھی کہ پچیس سال کی بھی ہو سکتی تھی اور بیس سال کی بھی۔

وہ ایک گوشے میں جا بیٹھے۔ قریب کی میزیں خالی تھیں۔

"میرا خیال ہے کہ میں پہلے بھی تمہیں کہیں دیکھ چکی ہوں۔" عورت نے قاسم کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں ضرور دیکھا ہو گا.... بدنصیب آدمی.... کہاں نہیں دکھائی دیتے۔" قاسم نے بسور کر کہا.... اب وہ سوچ رہا تھا کہ وہ اسے اپنے رونے کی وجہ کیا بتائے گا۔

"یاد نہیں پڑتا کہاں دیکھا تھا۔"

"جی ہاں.... یہی بات ہو گی۔ عاصم ملٹی انڈسٹریز.... کا نام سنا ہو گا آپ نے۔"

"جی ہاں.... جی ہاں....!"

"وہ سب اپنا ہی کاروبار ہے.... جی ہاں۔"

"آپ عاصم صاحب ہیں....!"

"جی نہیں قاسم صاحب.... عاصم صاحب قاسم صاحب کے والد صاحب ہیں۔"

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔ بہت زیادہ.... میں سائرہ عشرت ہوں۔"

"عشرت صاحب کو تو آپ جانتے ہی ہوں گے۔ اٹامک انرجی کمیشن کے چیئرمین!"

"جی ہاں جی ہاں۔" قاسم نے سر ہلا کر کہا۔ حالانکہ شاید اس نے پہلے کبھی نام تک بھی نہ سنا تھا.... بہرحال اس نے تکّا لگایا۔ "اجی صاحب ان کا کیا کہنا۔ بڑے گریٹ آدمی ہیں.... میری ان کی.... میری کشش.... میری خوش قسمتی ہے کہ آپ سے ملاقات ہو گئی۔"

"مگر آپ اس طرح رو کیوں رہے تھے۔"

قاسم یک بیک سنجیدہ ہو گیا.... اور ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "یہ نہ پوچھئے.... میرا کوئی ہمدرد نہیں.... مجھے مر جانا چاہئے۔"

"میں آپ کی ہمدرد ہوں مجھے بتایئے کیا بات ہے۔"

"میرے والد صاحب.... پرانے ٹائپ کے آدمی ہیں۔ ڈاڑھی دار.... بہت بور کرتے ہیں۔" کہا.... جی ہاں.... انہوں نے میری شادی زبردستی اپنے بھتیجی سے کر دی ہے۔"

"اوہ تو بیوی آپ کو پسند نہیں۔"

"اتنی سی ہے۔" قاسم نے کلے کی انگلی کے پہلے پور پر انگوٹھا رکھتے ہوئے کہا۔ "میں آپ

سے سچ کہتا ہوں۔ میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

عورت پر معنی انداز میں مسکرائی اور منہ پھیر کر دوسری طرف دیکھنے لگی.... قاسم بھی یک بیک جیسے ہوش میں آگیا۔ ہتھیلی منہ میں رکھ لی۔ گویا ڈرتا ہو کہ کہیں زبان سے کچھ اور نہ نکل جائے.... دونوں کی نظریں پھر ملیں.... اور جھک گئیں.... پھر عورت ہنسنے لگی اور قاسم نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپالیا۔ پھر تو ایسا معلوم ہوا جیسے عورت کو اچھو ہو گیا ہو.... پیٹ دبائے بُری طرح ہنس رہی تھی.... دور دور کے لوگ ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

اتنے میں میجر چوہان ادھر سے گزرا۔

"خیریت مسز عشرت....!" وہ میز کے قریب رک کر بولا۔

"آپ سے.... مل.... ملئے.... آپ مسٹر قاسم ہیں۔" عورت ہنسی کے درمیان بدقت جملہ پورا کر سکی۔

میجر چوہان نے قاسم کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "صورت آشنا ہوں۔" قاسم جھینپتے ہوئے انداز میں اس سے مصافحہ کیا پھر میجر چوہان بھی اسی میز پر جم گیا۔

"میں نے اکثر انہیں اپنے بہت ہی قریبی دوستوں کے ساتھ دیکھا ہے۔" میجر چوہان نے کہا۔

"قن دوستوں کے ساتھ۔"

"کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کے ساتھ۔"

"اوہ.... جی ہاں.... وہ میرے بھی دوست ہیں۔"

"عرصہ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ کیا وہ یہیں ہیں۔"

"جی ہاں.... بالکل کیپٹن حمید تو ایگل بیچ میں میرے ہٹ ہی میں موجود ہیں۔"

"اوہو تو کیا وہاں آپ کا بھی ہٹ ہے....!"

"جی ہاں....!"

"کہاں....؟"

قاسم نے اپنے ہٹ کا پتہ بتایا۔

"میں مخل تو نہیں ہو رہا بیگم عشرت....!" میجر چوہان نے کہا۔

"ڈس مس....!" بیگم عشرت نے اسی کے سے انداز میں کہا اور وہ ہنستا ہوا اٹھ گیا۔

"یہ کون تھا....؟" قاسم نے اس کے چلے جانے کے بعد پوچھا۔

"اسپرنگ کلب کا مالک۔"

"اچھا....!" قاسم نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سر کو جنبش دی۔

"تو پھر ہم آج سے دوست ہیں نا....!" بیگم عشرت نے مسکرا کر پوچھا۔

"جرور.... جرور....!"

❁

حمید نے قاسم کے ہٹ سے باہر نکل کر دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ قاسم رو پیٹ کر کچھ دیر بعد خود ہی واپس آجائے گا۔

لڑکی نے شیری کی بوتل میز پر رکھ دی تھی اور حمید کو گھورے جا رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے پوچھا۔ "وہ صاحب کہاں گئے۔"

"یہ بتاؤ تمہارے ہاتھ کہاں لگا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"بیچ ہوٹل ملے تھے۔"

"خود ملا تھا.... یا تم ملی تھیں....!"

"خوراک دیکھ کر مجھے ہی متوجہ ہونا پڑا تھا...." لڑکی ہنسنے لگی۔

"میرا خیال ہے کہ اب وہ واپس نہیں آئے گا....!"

"تو پھر....!" لڑکی اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی۔

"پھر یہ کہ اب میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔"

لڑکی کچھ نہ بولی۔

"اس کا مطلب یہ کہ اب تم جا سکتی ہو۔"

"میں آپ کے ساتھ تو نہیں آئی تھی۔" لڑکی جھنجھلا گئی۔

"وہ اب واپس نہیں آئے گا۔"

"لیکن انہوں نے تو کہا تھا کہ یہ ہٹ انہیں کا ہے۔"

"غلط کہا تھا.... یہ ہٹ اس کے باپ کا ہے اور میں بعض اوقات محسوس کرنے لگتا ہوں کہ میں ہی اس کا باپ ہوں۔"

"وہ گاڑی بھی لے گئے ہوں گے۔ میں پیدل تو نہیں جا سکتی۔"

"خدا کا شکر ادا کرو کہ میں یہاں موجود تھا.... ورنہ....!"

"ورنہ کیا....؟"

"وہ کریک ہے.... ایک بار ایک لڑکی کے کان کاٹ دیئے تھے۔"

"نہیں....!"

"یقین کرو.... اور بڑی مشکل سے میں نے اسے قانونی گرفت سے بچایا تھا۔" وہ بے

اعتباری سے ہنس پڑی۔

"جہنم میں جاؤ۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"لیکن میں اتنی دور کیسے جاؤں گی۔"

"کہاں جانا ہے۔"

"شہر....!"

"پھر بیچ ہوٹل چلی جاؤ کوئی نہ کوئی لفٹ دے ہی دے گا۔"

"میں آپ سے تدبیر نہیں پوچھ رہی....!" وہ پھر جھنجھلا گئی۔

"پھر تم کیا چاہتی ہو۔"

"اپنے وقت کی بربادی کی قیمت....!"

"کیا یہ شیری کی بوتل کافی نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ اسی نے خریدی ہو گی۔"

وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ دفعتاً کسی نے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ اندر سے بولٹ نہیں تھا۔ حمید دروازے پر نظر ڈالتے وقت چونکا.... چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر دروازے کے قریب آکر اسے اس طرح کھول دیا کہ خود اس کی اوٹ میں ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ لڑکی سہم گئی ہے اور دروازے کی طرف گھورے جا رہی ہے.... حمید بالکل دیوار سے لگ گیا۔ "خطرہ.... خطرہ" چھٹی حس سرگوشیاں کر رہی تھی۔

یکایک ایک ہاتھ باہر سے در آیا جس میں ریوالور تھا.... ریوالور کا رخ لڑکی کی طرف تھا.... اور لڑکی کسی سحر زدہ کی طرح ریوالور ہی کو گھورے جا رہی تھی۔ حمید کو خدشہ تھا کہ کہیں ایک آدھ بار اس کی نظر اس کی جانب بھی نہ اٹھ جائے۔ وہ بھی ریوالور پر نظر جمائے رہا۔ پھر جیسے ہی وہ ہاتھ شانے تک اندر آیا.... حمید نے اسے اپنی گرفت میں لے کر نہ صرف ریوالور چھین لیا بلکہ ایسا جھٹکا دیا کہ وہ آدمی اندر آگرا.... حمید نے ریوالور کا رخ اس کی طرف کرتے ہوئے کہا۔ "اپنے آدمیوں سے کہو، ایک ایک کر کے اندر آجائیں ورنہ میں تمہیں گولی مار دوں گا اور تم اپنی جگہ سے حرکت نہ کرنا۔"

وہ آدمی بے حس و حرکت ہو گیا.... لڑکی بوکھلا کر ایک گوشے میں جا کھڑی ہوئی تھی اور بُری طرح کانپ رہی تھی۔

"کیا بات ہے....؟" باہر سے کسی نے کہا۔ "تم اٹھتے کیوں نہیں۔"

"وہ مجھے کور کئے ہوئے ہے۔" زمین پر پڑے ہوئے آدمی نے جواب دیا اور باہر والے کو کچھ اشارہ بھی کیا۔

اچانک حمید کو خیال آیا کہ کہیں اس نے اشاروں میں اس کی پوزیشن نہ بتا دی ہو۔ دروازے کے پاٹ زیادہ دبیز نہیں تھے.... اگر کوئی ان پر ریوالور کی نال رکھ کر فائر کرتا تو گولی لکڑی کو توڑتی ہوئی دوسری طرف نکل جاتی۔

وہ تیزی سے کھسک کر پیچھے ہٹا! ٹھیک اسی وقت اس نے فائر کی آواز بھی سنی اور دروازے پر سوراخ ہوتے دیکھا۔ اس نے بھی کھلے ہوئے دروازے سے باہر ایک فائر جھونک مارا.... اور ایک چیخ سنی.... پھر کسی وزنی چیز کے گرنے کی آواز آئی.... اور سناٹا چھا گیا۔

لڑکی کے حلق سے عجیب طرح کی آوازیں نکل رہی تھیں۔

فرش پر گرے ہوئے آدمی نے اٹھنے کی کوشش کی۔ لیکن حمید کی ٹھوکر اس سے پہلے ہی اس کی کھوپڑی پر پڑ چکی تھی۔

❁

فریدی اسے دیدہ و دانستہ موت کے منہ میں تو نہیں جھونک سکتا تھا۔ اس نے اسے لیڈی پرکاش کے ساتھ بھیج دینے کے بعد اس پر نظر رکھی تھی۔

اس وقت بھی اگر وہ ہٹ کے باہر موجود نہ رہا ہوتا تو حمید صاحب انتہائی پھرتیلے پن کے باوجود بھی مار کھا گئے ہوتے۔ کیونکہ حملہ آور کئی تھے.... اور دروازے میں گولی سے سوراخ کرنے والا حمید کے فائر سے نہیں بلکہ فریدی کے بے آواز ریوالور کی گولی سے زخمی ہوا تھا۔

پھر جب انہوں نے دیکھا تھا کہ دوسرا آدمی یوں ہی چیخ مار کر گر پڑا ہے تو وہ بوکھلا کر بھاگ نکلے تھے.... اس بار انہوں نے فائر کی آواز بھی نہیں سنی تھی۔

بے آواز ریوالور کی گولی دوسرے آدمی کی ران چھید گئی تھی۔

فریدی ہٹ میں داخل ہوا۔

"اوہ.... آپ....؟" حمید اچھل پڑا.... فریدی نے ایک اچٹتی سی نظر لڑکی پر ڈالی اور اس آدمی کا گریبان پکڑ کر اٹھایا جسے حمید نے کور کر رکھا تھا۔

فریدی نے کچھ کہے بغیر ایک ہاتھ اس آدمی کے جبڑے پر رسید کرتے ہوئے لڑکی کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔

وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں دروازے کی طرف دوڑ پڑی۔ مار کھانے والا سامنے کی دیوار سے ٹکرا کر فرش پر ڈھیر ہو گیا تھا۔

"تمہیں کس نے بھیجا تھا....؟" فریدی اسے گھورتا ہوا غرایا۔

لیکن وہ پوری طرح کوئی جواب نہ دے سکا تھا۔ باچھوں سے بہتے ہوئے خون کو ہاتھ سے

صاف کرتے ہوئے اس نے فریدی کی طرف بے بسی سے دیکھا تھا۔

"مار ڈالوں گا.... ورنہ فوراً جواب دو۔"

"ڈفٹی نے.... ڈفٹی نے...." وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر گڑگڑایا۔

"ڈفٹی کے گروہ سے تعلق رکھتے ہو؟"

"جج.... جی ہاں....!"

"باہر نکلو....!" فریدی نے دروازے کی طرف اشارہ کیا اور حمید سے بولا۔ "باہر دو زخمی بھی ہیں.... اس آدمی سمیت انہیں کوتوالی لے جاؤ.... ان کا بیان درج کراؤ۔ لیڈی پرکاش کی رپورٹ میں تمہارا نام نہیں ہے.... اس لئے تم سے زیادہ سے زیادہ یہی پوچھا جائے گا کہ میں کہاں مل سکوں گا۔"

"اور میں انہیں بتادوں گا....؟" حمید نے پوچھا۔

"وقت نہ ضائع کرو۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

حمید نے قیدی کی مدد سے دونوں بے ہوش زخمیوں کو گاڑی میں ڈال کر مزید ہدایات کے لئے فریدی کی طرف دیکھا۔ لیکن اس نے ہاتھ ہلا کر اسے جانے کا اشارہ کرتے ہوئے اپنی راہ لی۔

وہ ڈفٹی کے متعلق سوچ رہا تھا.... ڈفٹی شہر کے بدنام لوگوں میں سے تھا۔ لیکن اس نے آج تک کسی سرکاری آدمی کے منہ آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ چوری چھپے منشیات کی غیر قانونی تجارت کرتا تھا۔

فریدی جانتا تھا کہ وہ کہاں مل سکے گا۔ طوائفوں کی بستی کے قریب ایک تین منزلہ کہنہ سال عمارت تھی جس کی نچلی منزل میں دوکانیں تھیں اور اوپر کی دو منزلوں پر رہائشی فلیٹ تھے۔ انہیں میں سے چند فلیٹ ڈفٹی کے قبضے میں تھے۔

فریدی کی موٹر سائیکل عمارت کے سامنے رکی۔ وہ اسے فٹ پاتھ سے لگا کر زینوں کی طرف بڑھ گیا۔

وہ جانتا تھا کہ ڈفٹی کا رہائشی فلیٹ دوسری منزل پر ہے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے دروازے پر دستک دی۔ روشندان تاریک نہیں تھے اور اندر سے کئی آدمیوں کی بولنے کی آوازیں بھی آرہی تھیں۔ پھر غالباً دستک ہی سن کر وہ یک بیک خاموش ہوگئے تھے اور کسی نے کھنکار کر پوچھا تھا۔

"کون ہے؟"

فریدی نے کچھ کہے بغیر دوبارہ دستک دی۔ اندر سے کسی نے ایک گندی سی گالی دی۔ قدموں کی چاپ سنائی دی اور دروازہ کھل گیا۔ لیکن جیسے ہی فریدی نے فلٹ ہیٹ کا گوشہ اوپر

اٹھایا ایسا معلوم ہوا جیسے دروازہ کھولنے والے کو سانپ سونگھ گیا ہو۔

یہ خود ڈفٹی تھا۔ قد آور گٹھیلے جسم کا مالک۔ کچھ دیر تک وہ وحشت زدہ سا نظر آتا رہا.... پھر یک بیک شاید اس نے اپنے اعصاب پر قابو پانے کی کوشش کی اور اس کی بھنویں تن گئیں۔

"میں نہیں سمجھ سکتا.... اتنی رات گئے اور اس طرح۔" اس نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"ہوں.... واقعی....!" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "ان لوگوں میں سے شاید ابھی تک کوئی یہاں واپس نہیں پہنچا جنہوں نے کیپٹن حمید پر حملہ کیا تھا۔"

"میں نہیں سمجھا آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"میرے ساتھ چلو....!"

"کوئی زبردستی ہے....!"

دوسرے ہی لمحے میں فریدی کا گھونسہ اس کی ٹھوڑی پر پڑا اور وہ ان تین آدمیوں پر گرا جو اس کے پیچھے کھڑے تھے۔

فریدی کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکے۔

"چلو....!" فریدی غرایا۔

ڈفٹی دونوں ہاتھوں سے اپنی ٹھوڑی دبائے جھکا کھڑا تھا۔

سیاہ پوش

پھر ڈفٹی بھی کچھ دیر بعد کوتوالی میں نظر آیا.... وہ وہاں حمید کے ہی توسط سے پہنچا تھا۔ فریدی سامنے نہیں آیا۔

اب ایک نیا مسئلہ پیدا ہوگیا تھا.... وہ لوگ جو قاسم کے ہٹ میں حمید پر حملہ آور ہوئے تھے ڈفٹی کو اس کا ذمہ دار ٹھہرا رہے تھے اور ڈفٹی انہیں پہچاننے سے انکار کر رہا تھا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ وہ اسی کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں اور ڈفٹی واویلا کر رہا تھا کہ اس کا کوئی گروہ نہیں وہ ایک امن پسند شہری ہے۔ پھر بھلا وہ کسی قسم کا گروہ کیوں رکھنے لگا۔

اسی دوران میں حمید کے محکمے کا سپرنٹنڈنٹ وہاں آپہنچا۔ کسی نے اسے کوتوالی ہی سے اطلاع دی تھی کہ حمید وہاں موجود ہے۔

اس نے حمید کو ایسے کمرے میں طلب کیا جہاں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ اس نے فریدی کے متعلق پوچھا۔

"مجھے علم نہیں جناب کہ وہ کہاں ہیں۔ دو دن سے غائب ہیں۔"

"تمہیں اس کا علم ہے کہ لیڈی پرکاش نے اس کے خلاف رپورٹ درج کرائی ہے۔"

"جی ہاں.... میں جانتا ہوں۔ لیکن اس پر کسی طرح یقین کرنے پر تیار نہیں۔"

"اسے فوراً حاضر ہونا چاہئے۔" سپرنٹنڈنٹ مضطربانہ انداز میں بولا۔ "ورنہ حالات خراب ہو جائیں گے۔ ڈی۔ آئی۔ جی صاحب بذات خود اس معاملے میں دلچسپی لے رہے ہیں۔"

"لیڈی پرکاش ایسی ہی حیرت انگیز صلاحیتوں کی مالک ہے۔" حمید نے دبی زبان سے کہا اور ایس۔ پی اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ "میں اسے پسند نہیں کروں گا کہ فریدی کو کسی قسم کی جوابدہی کرنی پڑے۔"

پھر وہ چلا گیا تھا۔

حمید نے ڈفٹی اور اس کے گروہ کے آدمیوں کو وہیں چھوڑا اور خود سر فریڈرک سنہا کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ روزا سے گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ اب وہ زبان کھولنے پر آمادہ ہو جاتی۔

سر سنہا کوٹھی میں موجود نہیں تھا۔ حمید نے کارڈ اندر بھجوایا۔ تھوڑی دیر بعد ملازم نے واپس آکر اپنے طور پر کہا۔ "زیادہ دیر تک گفتگو نہ کیجئے گا جناب.... مس صاحبہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"ہوں.... فکر نہ کرو۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ڈرائنگ روم میں آئی۔ چند دن پہلے حمید نے اس کی آنکھوں میں زندگی کی حرارت محسوس کی تھی۔ لیکن آج وہ بڑی بے جان لگ رہی تھی۔ چہرہ زرد تھا۔ ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے وقت وہ مسکرائی تھی۔ لیکن محض ہونٹوں کے کھنچاؤ کو تو مسکراہٹ نہیں کہا جا سکتا۔

"یہ آپ کی کیا حالت ہو گئی ہے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"میں تو کوئی خاص تبدیلی نہیں محسوس کر رہی.... خواہ مخواہ بات کا بتنگڑ بن گیا۔" اس نے پھر زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔

حمید چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "آخر آپ کس سے خائف ہیں۔"

"کسی سے بھی نہیں۔"

"تو پھر چلئے میرے ساتھ۔"

"کہاں چلوں؟"

"کہیں وقت گزاریں گے۔"

"موڈ نہیں ہے۔"

"وہ بے چارہ قاسم بہت پریشان ہے۔ اس کے باپ نے اس کے سارے شاہکاروں میں آگ لگوا دی۔"

"کیوں؟ یہ کیوں؟" روزا نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

"بس یونہی ان کا کہنا ہے نہ یہ فضولیات یہاں موجود ہوتیں اور نہ یہ واقعہ پیش آتا۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا.... مجھے بے حد افسوس ہے۔ بس میرا سر چکرایا تھا اور میں بے ہوش ہو گئی تھی۔"

"لیکن آپ نے وہاں سے کہیں اور جانے سے انکار کیوں کر دیا تھا۔"

"اب سوچ کر ہنسی آتی ہے۔" روزا اپنے لہجے میں زور پیدا کرتی ہوئی بولی۔

"پتہ نہیں کیا ہو گیا تھا مجھے.... میں خود بھی نہیں سمجھ سکتی کہ میں وہاں کیوں رک گئی تھی۔ عجیب سی ذہنی کیفیت تھی۔ نہ سو رہی تھی نہ جاگ رہی تھی.... گرد و پیش چلتی پھرتی پرچھائیاں نظر آ رہی تھیں۔"

"اوہ...! وہ چار لکیریں۔"

"میں نہیں سمجھ سکتی۔" وہ دفعتاً جھنجھلا گئی۔ "آخر ان چار لکیروں کا کیا قصہ ہے۔ کسی چار لکیروں کا تذکرہ بار بار سننے میں آتا ہے۔"

حمید نے طویل سانس لی اور اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا؟ وہ جھلاہٹ کے باوجود بھی نظریں چرا رہی تھی۔

حمید تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔ "آپ کو کس سلسلے میں وارننگ ملی تھی۔"

"جی....!" وہ چونک پڑی.... اور حمید نے اس کی آنکھوں میں خوف کی جھلکیاں دیکھیں۔ وہ تھوڑی دیر تک گہری گہری سانسیں لیتی رہی پھر بولی۔ "میری طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے.... اور آپ کی باتیں تو قطعی میری سمجھ میں نہیں آ رہیں۔"

"محترمہ روزا.... یہ بڑا اہم معاملہ ہے.... غالباً آپ کو اطلاع ہو گی کہ ایک لاش آپ کے پھاٹک کے قریب ہی پائی گئی تھی۔"

"جی ہاں.... میں نے سنا ہے۔" اس نے حیرت آمیز لہجے میں کہا۔ "کیوں؟"

"میرا خیال ہے کہ آپ مقتول کو شناخت کر سکیں گی۔"

"آپ بے حد عجیب باتیں کر رہے ہیں۔" اس نے ڈری ڈری سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

حمید نے جیب سے پرس نکالا اور اس میں سے ایک تصویر نکال کر اس کی طرف بڑھاتا ہوا

بولا۔ "ذرا اسے دیکھئے۔"

روزا نے تصویر اس کے ہاتھ سے لے لی اور اس پر ایک اچٹتی سی نظر ڈال کر حمید کی طرف استفہامیہ انداز میں دیکھا۔

"کیوں....؟" اس نے آہستہ سے کہا۔ "یہ تصویر آپ مجھے کیوں دکھا رہے ہیں۔ یہ تو کلچر سنٹر کے پروپیگنڈا سیکریٹری مسٹر شاہد ہیں۔"

"عرض یہ کرنا ہے کہ انہیں حضرت کی لاش آپ کے پھاٹک....!"

"نہیں....!" وہ حمید کا جملہ پورا ہونے سے قبل ہی اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

"جی ہاں.... یہ اسی لاش کی تصویر ہے۔"

"جائیے.... خدا کے لئے چلے جائیے۔" دفعتاً وہ دروازے کی جانب خوفزدہ نظروں سے دیکھتی ہوئی گڑگڑائی۔ "میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے.... میں زیادہ دیر تک نہیں بیٹھ سکتی.... اوہ میں معافی چاہتی ہوں۔"

پھر وہ حمید کو کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر اندر چلی گئی۔

❁

کسی "بڑے" آدمی کی ضمانت پر ڈفٹی رہا ہو گیا تھا لیکن اس کے ان ساتھیوں کی گرو میں نہیں چھوٹی تھیں جن نے حمید پر حملہ کیا تھا۔ ڈفٹی اس بات پر اڑا رہا تھا کہ وہ انہیں نہیں جانتا۔

کوتوالی کے حوالات سے نکل کر وہ سیدھا ایک چائے خانے میں پہنچا اور اس نے کاؤنٹر پر رکھے ہوئے فون کے نمبر ڈائیل کئے چند لمحے ریسیور کان سے لگائے خاموش کھڑا رہا پھر بولا۔ "ہیلو.... باس.... ڈفٹی اسپیکنگ.... اب میرے لئے کیا حکم ہے.... جی.... جی.... میں.... سنئے تو سہی باس! اس میں میرا کیا قصور.... جی ہاں.... قطعی.... قطعی.... میں نے اخیر وقت تک اعتراف نہیں کیا کہ میں انہیں جانتا ہوں۔ وہ ریسیور رکھ کر مڑا اور ایک قد آور آدمی سے ٹکرا گیا جو اس کی آنکھوں میں بڑی حقارت سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ کوٹ کے جیبوں میں تھے اور داہنی جیب میں سے کوئی ٹھوس چیز ڈفٹی کے بائیں پہلو میں چبھ رہی تھی۔

یہ کرنل فریدی تھا.... اس نے بڑی شرافت سے کہا۔ "یہ ریوالور کی نال ہے.... آگے بڑھو۔"

ڈفٹی نے طویل سانس لی اور چپ چاپ صدر دروازے کی طرف چلنے لگا۔

ریوالور کی نال کی چبھن اب بھی بائیں پہلو میں محسوس ہو رہی تھی۔ فریدی اس سے لگا ہوا چل رہا تھا۔

اسی طرح وہ اسے فٹ پاتھ سے قریب کھڑی ہوئی جیپ تک لایا۔

"بیٹھو....!" فریدی نے اسے اگلی ہی سیٹ کی طرف دھکیلا.... اور خود تیزی سے چکر کاٹ کر اسٹیئرنگ پر جا بیٹھا.... جیپ جھٹکے کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

"یہ ظلم ہے۔ شخصی آزادی پر حملہ....!" ڈفٹی نے احتجاج کیا۔

"میں نے تمہیں اس لئے کوتوالی نہیں بھجوایا تھا کہ تم ضمانت پر رہا ہو جاؤ۔"

"یہ دھاندلی ہے.... زبردستی ہے.... میں ایک جمہوری مملکت کا آزاد شہری ہوں۔"

"میں اس حقیقت کی تردید نہیں کر سکتا۔" فریدی مسکرایا۔

"پھر آخر یہ سب کیا ہے۔ آپ کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔"

"تمہیں اس آدمی کا نام بتانا ہی پڑے گا جس نے....!"

"آپ کمال کرتے ہیں کیا میں کسی کے باپ کا نوکر ہوں.... مجھے کوئی بھی اس طرح استعمال نہیں کر سکتا.... میری بھی ایک حیثیت ہے۔"

"کیا یہ ناممکن ہے کہ تم اپنی حیثیت سے زیادہ والے کسی آدمی کا آلہ کار بن جاؤ۔"

"میں اس قسم کے لوگوں میں سے نہیں ہوں۔" ڈفٹی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"ہو سکتا ہے؟" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور پھر اس نے اس سے کچھ نہیں پوچھا۔

تھوڑی دیر بعد ڈفٹی ہی بولا۔ "لیکن آپ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں....!"

"کچھ دن تمہاری صحبت سے بھی فیض اٹھانا چاہتا ہوں۔"

"میں پاگل ہو جاؤں گا....!" ڈفٹی جھلاہٹ میں اپنے بال نوچتا ہوا بولا۔

"مناسب بھی یہی ہے....!" فریدی نے کہا۔ "ورنہ یہ قوم پاگل کتوں کا جھنڈ کہلائے۔"

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔"

"ڈفٹی تمہیں اپنے باس کا نام بتانا ہی پڑے گا۔"

"آپ پھر میری توہین کر رہے ہیں۔ میں خود درجنوں کا باس ہوں۔"

"حالانکہ تمہارے کاروبار سے شاید ہی کوئی واقف ہو.... اور کچھ دیر پہلے تم نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ تم پرامن زندگی گزار رہے ہو۔ تمہارا کسی سے کوئی تعلق نہیں پھر اب یہ درجنوں ماتحت کہاں سے پیدا ہو گئے۔"

ڈفٹی نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ جیپ سنسان سڑک پر تیزی سے دوڑ رہی تھی۔ وہ شہر سے باہر نکل آئے تھے۔

سورج بہت دور درختوں کی قطار کے پیچھے چھپنے لگا تھا۔ یک بیک جیپ ایک کچے راستے پر موڑ دی گئی۔

"اوہ.... اوہ....!" ڈفٹی مضطربانہ انداز میں بڑبڑایا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے.... کیا ہو رہا ہے میں سچ مچ پاگل ہو جاؤں گا۔"

فریدی خاموشی سے ونڈ اسکرین پر نظریں جمائے رہا۔

ویرانے کی ناہموار زمین پر جیپ ہچکولے لے رہی تھی۔

آخر کار کچھ دیر بعد سفر ختم ہو گیا۔ ابھی فضا میں دن کی جھلکیاں باقی تھیں.... افق میں شوخ رنگوں کے لہریئے چمک رہے تھے۔

جیپ چند چھولداریوں کے قریب رک گئی

ڈفٹی نے سراسیمگی کے عالم میں چاروں طرف اچٹتی سی نظر ڈالی اور فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ اتنے میں ایک چھولداری سے دو پہلوان قسم کے آدمی برآمد ہوئے۔ بھیانک چہروں والے سیاہ فام آدمی جن کے جسموں پر لنگوٹیوں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔

فریدی نے ڈفٹی سے کہا۔ "اُترو....!"

وہ کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ جیپ سے اُتر گیا۔ فریدی نے دونوں پہلوانوں سے کہا۔ "اسے ناپو۔"

"کک، کیا مطلب۔" ڈفٹی ہکلایا۔ لیکن قبل اس کے کہ جواب میں فریدی سے کچھ سن سکتا۔ ایک پہلوان نے اس پر چھلانگ لگائی۔ ڈفٹی چیختا ہوا گرا۔ اور اس کے نیچے دب کر رہ گیا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے.... یہ کیا ہو رہا ہے۔" وہ چیختا رہا اور اس نے دیکھا کہ فریدی اس کی طرف توجہ دیئے بغیر چھولداری میں داخل ہو رہا ہے۔

اب ایک پہلوان اسے دبوچے ہوئے تھا.... اور دوسرا اس کے جسم کو فیتے سے ناپ رہا تھا.... ڈفٹی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ پہلوانوں نے اس کا جسم ناپ لینے کے بعد اسے چھوڑ دیا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ وہ وہیں کھڑا ہانپتا رہا۔ اتنے میں فریدی بھی واپس آ گیا۔ لیکن وہ اس سے بالکل لاتعلق نظر آ رہا تھا۔

پہلوانوں نے قریب ہی زمین کی پیمائش بھی کی اور نشانات لگا کر کدالوں سے کھدائی کرنے لگے۔

دفعتاً ڈفٹی کانپ کر رہ گیا۔ اس نے فریدی کی طرف دیکھا اور اس کے دانت بجنے لگے۔

"یہ.... یہ.... اس.... س.... کا.... کیا.... مم.... مطلب....!" وہ اپنے اعضاء پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہوا ہکلایا۔

"ضدی آدمیوں کو گولی مار کر دفن کرا دیتا ہوں۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"آپ ایسا نہیں کر سکتے.... قق.... قتل....!"

"میں مطمئن ہوں ڈفٹی! تمہیں بہت پہلے مر جانا چاہئے تھا.... تم خونی ہو! اتفاق سے تمہارا ہر کیس ایسے لوگوں کے ہاتھ میں رہا ہے جو تمہارے خلاف کوئی واضح ثبوت مہیا نہیں کر سکے.... لہٰذا تمہیں بہر حال مر جانا چاہئے۔"

"ارے.... کوئی دھونس ہے۔" وہ خوفزدہ انداز میں حلق پھاڑ کر چیخا اور پھر ایک جانب دوڑتا چلا گیا۔ ٹھیک اسی وقت چھولداری سے دو تین آدمی اور برآمد ہوئے اور اس کے پیچھے دوڑے ڈفٹی زیادہ دور نہیں جا سکا تھا وہ اسے کھینچتے ہوئے پھر وہیں لائے۔

پہلوان ان سب واقعات لاتعلق گڑھا کھودنے میں مصروف تھے۔

"میں بتاؤں گا.... میں بتاؤں گا....!" ڈفٹی تھوڑی دیر بعد چیخا۔

"اسے چھولداری میں لے جاؤ۔" فریدی نے دوسرے آدمیوں سے کہا۔

وہ اسے چھولداری میں لائے اور ایک فولڈنگ آرام کرسی میں دھکیل دیا۔ ڈفٹی کا بُرا حال تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

دفعتاً ایک آدمی کسی گوشے سے وہسکی کی بوتل نکال لایا.... اور گلاس میں تھوڑی سی انڈیل کر اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ "اس سے تم کافی سکون محسوس کرو گے۔"

ڈفٹی پہلے تو ہچکچایا پھر گلاس لے کر پی گیا۔

کچھ دیر بعد آنکھیں کھولیں تو خود کو تنہا پایا۔ وہ لوگ کبھی کے چلے گئے تھے۔ وہ عادی قسم کا شرابی تھا لیکن کئی گھنٹوں سے ایک بوند بھی نہیں ملی تھی۔ اس تھوڑی سی وہسکی نے بڑا کام کیا۔ اب وہ محسوس کر رہا تھا اپنے ذہن کو قابو میں رکھ کر گفتگو کر سکے گا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی چھولداری میں داخل ہوا۔ خاصا اندھیرا پھیل گیا تھا۔ فریدی کے پیچھے ایک آدمی پیٹرومیکس لیمپ لئے نظر آیا۔

ڈفٹی نے ہاتھ پیر ڈال دیئے تھے.... اگر کچھ بتا دینے کے وعدے سے پہلے تھوڑی سی وہسکی مل گئی ہوتی تو شاید وہ دفن ہو جانا ہی پسند کرتا لیکن اس کی زبان کبھی نہ کھلتی.... اب وہ بے بسی کے عالم میں فریدی سے کہہ رہا تھا۔ "اسپرنگ نائٹ کلب کا مالک میجر چوہان اس واقعہ کا ذمہ دار ہے.... مجھے اعتراف ہے کہ وہ میرے ہی آدمی تھے جنہوں نے کیپٹن حمید کو اٹھا لے جانا چاہا تھا۔ لیکن اس اعتراف کے بعد میرا کیا حشر ہو گا؟"

"میں نہیں سمجھا....!" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"ایسے لوگ زندہ نہیں چھوڑے جاتے جو کسی معاملے میں کسی قسم کا اعتراف کر لیتے ہیں۔"

"تم ان کے لئے کیا کام کرتے ہو۔"

"اسی قسم کے کام.... اغوا.... مار پیٹ.... غنڈہ گردی.... اس کے حکم پر مجھے اپنے آدمیوں سے کام لینا پڑتا ہے۔"

"معاوضہ کس حساب سے ملتا ہے۔"

"اس کا انحصار کام کی نوعیت پر ہے....!"

دفعتاً.... وہ سبھی اچھل پڑے.... آواز ٹامی گن کی تھی.... اس چھولداری میں کئی سوراخ ہوگئے تھے.... اور گولیاں دوسری طرف کی قنات کو بھی چھیدتی ہوئی گزر گئی تھی.... فریدی پھرتی سے زمین پر لیٹ گیا.... ڈفٹی نے بھی بوکھلاہٹ میں اس کی تقلید کی اور پھر فریدی نے لات مار کر وہ اسٹول گرادیا جس پر پٹرومیکس لیمپ رکھا ہوا تھا۔ ایک شعلہ بھڑکا.... اور قنات میں آگ لگ گئی۔ اندازے کی غلطی کی بناء پر پٹرومیکس لیمپ غلط جگہ پر گرا تھا۔

وہ سر سے پاؤں تک سیاہ تھا۔ چہرہ اس طرح نقاب میں چھپایا گیا تھا، کہ صرف آنکھیں نظر آرہی تھیں.... ہاتھوں میں ٹامی گن تھی اور وہ بے تکان چاروں طرف گولیاں برسائے جارہا تھا.... فریدی کی ساری چھولداری دھڑا دھڑ جل رہی تھیں لیکن سناٹے میں ٹامی گن کے آواز کے علاوہ اور کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔

وہ پوزیشن بدل کر گولیاں برساتا رہا.... کسی ایک جگہ نہیں جمتا تھا.... چھلاوے کی طرح کبھی یہاں کبھی وہاں....!

فریدی کے شکاری کیمپ کی طرف سے ایک فائر بھی ہوا تھا....!

کچھ دیر بعد سناٹا چھا گیا.... وہ ٹامی گن کو دوبارہ لوڈ کر رہا تھا۔

لیکن اب کے اس نے فائرنگ نہیں کی.... غالباً واپسی کے لئے پلٹ پڑا تھا کیمپ تک جانے کی زحمت گوارا نہ کی.... شاید اسے اپنی کامیابی کا یقین تھا۔ یا پھر اس ہنگامے کا مقصد محض خوفزدہ کرنا رہا ہو۔

وہ ایسی جگہ پہنچ چکا تھا جہاں گھپ اندھیرا تھا.... شکاری کیمپ میں لگی ہوئی آگ کی روشنی یہاں تک پہنچ رہی تھی۔

اس نے جیب سے پنسل ٹارچ نکالی.... اور اس کی محدود روشنی میں آگے بڑھنے لگا.... راستہ اسے ایک جیپ تک لایا.... پھر جیپ اسٹارٹ ہوئی۔ تیزی سے آگے بڑھ گئی اب وہ عقب نما آئینے کو ایسی پوزیشن میں لانے کی کوشش کر رہا تھا کہ دور تک نظر رکھ سکے۔

جیپ اندھیرے کا سینہ چیرتی ہوئی آگے بڑھتی رہی....!

دفعتاً عقب نما آئینے میں اسے کسی موٹر سائیکل کا ہیڈ لیمپ نظر آیا۔ اس نے جیپ کی رفتار کم کی اور مڑ کر دیکھا.... موٹر سائیکل ابھی دور تھی۔ اس نے جیپ کی رفتار نہیں بڑھائی۔ دونوں گاڑیوں کا فاصلہ بتدریج کم ہوتا جارہا تھا۔

دفعتاً اس نے جھک کر نیچے سے کوئی چیز اٹھائی اور کھڑکی سے ہاتھ نکال کر اسے پیچھے کی طرف اچھال پھینکا.... ساتھ ہی ایکسیلریٹر پر دباؤ بھی بڑھا دیا ادھر پیچھے ایک زوردار دھماکہ ہوا اور ادھر جیپ کی رفتار بھی تیز ہوگئی۔

اب عقب نما آئینہ بالکل تاریک تھا۔

کچھ دیر بعد جیپ پکی سڑک پر آگئی لیکن ابھی ویرانے کا سلسلہ ختم نہیں ہوا تھا۔

آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا اس لئے تاروں کی چھاؤں میں مفقود تھی ورنہ وہ شاید گاڑی کی تمام روشنیاں بجھا دیتا۔

پتہ نہیں اس کی تدبیر بار آور بھی ہوئی تھی یا نہیں۔ لیکن اب عقب نما آئینہ تاریک ہی تھا۔

رات کے تین بجے تھے.... اسپرنگ نائٹ کلب کا مالک میجر چوہان بے خبر سو رہا تھا حالانکہ کلب میں اس وقت بھی رونق تھی۔

وہ ڈھائی بجے کے قریب اپنے اسسٹنٹ کو چارج دے کر تیسری منزل پر سونے چلا جاتا تھا۔

تیسری منزل پر صرف دو کمرے تھے.... اور بقیہ حصے میں صحن پھیلا ہوا تھا۔ وہ دروازہ مقفل کر کے نہیں سوتا تھا تاکہ ضرورت پڑنے پر اسے بہ آسانی جگایا جاسکے.... جگانے والے اسے آواز ہی دیتے تھے۔ آج تک کسی نے جھنجھوڑ کر جگانے کی ہمت نہیں کی تھی۔

پھر ایسی صورت میں وہ آپے سے باہر کیوں نہ ہو جاتا جبکہ اسے جھنجھوڑ کر جگایا گیا ہو۔ وہ کسی درندے کی طرح غراتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ لیکن جب جگانے والے پر نظر پڑی تو اوسان خطا ہوگئے۔

"مم.... میں.... معافی چاہتا ہوں جناب۔" وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں کہتا ہوا کھڑا ہوگیا۔

سر تاپا سیاہ نقاب پوش نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بیٹھنے کی اجازت دی اور خود سامنے والی کرسی پر جا بیٹھا۔

چوہان سراسیمگی کے عالم میں اسے دیکھے جارہا تھا.... آخر نقاب پوش بولا۔ "تم بہت زیادہ غیر محتاط ہوگئے ہو۔"

"میں نہیں سمجھا جناب عالی۔"

"ایسے گدھوں سے کیوں کام لیتے ہو جو بعد میں سب کچھ اگل دیں۔"

"لیکن جناب! ڈفٹی نے تو اپنے ان آدمیوں کو پہچاننے سے انکار کر دیا تھا۔"

"غالباً فریدی نے اس سے سب کچھ اگلوالیا....!"

"کب....!" چوہان نے حیرت سے کہا۔ "وہ تو ضمانت پر رہا بھی ہو چکا ہے۔"

"فریدی اسے اغوا کر لے گیا تھا۔ میں نہیں جانتا کہ ان کے درمیان کیا باتیں ہوئی تھیں۔"

"یہ تو اچھا نہیں ہوا۔" چوہان نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

"وارننگ....!" نقاب پوش ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "مجھے اطلاع دیئے بغیر اب تم کوئی قدم نہیں اٹھاؤ گے۔"

"او کے باس....!" چوہان گھگھیایا۔

نقاب پوش کمرے سے باہر نکل گیا۔ چوہان جہاں تھا وہیں بیٹھا رہا اتنی ہمت نہیں تھی کہ اٹھ کر کمرے کے دروازے ہی تک چلا جاتا۔

طاقت کا مظاہرہ

حمید آرام کرسی میں نیم دراز تھا۔ فریدی ٹہلتے ٹہلتے رک کر بولا۔ "اب فی الحال میجر چوہان کے خلاف میرے پاس کوئی ثبوت نہیں....!"

"کیوں....؟" حمید نے سر اٹھا کر کہا۔ "ڈفٹی کہاں گیا؟"

"اس کا جسم چھلنی ہو گیا تھا.... اندھیرے میں اندازہ نہ ہو سکا کہ وہ اٹھ کر بھاگا ہے۔"

"بقیہ لوگوں میں سے کتنے زخمی ہوئے....!"

"کوئی بھی نہیں....!" فریدی نے سگار سلگا کر کہا۔ "بلیک فورس کے آدمیوں سے اس قسم کی توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ ایسے مواقع پر اٹھ کر بھاگیں گے؟"

"بلیک فورس....!" حمید نے ٹھنڈی سانس لی "آخر اس سے کب شرف ملاقات حاصل ہوگا۔"

فریدی کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ وہ تار جام کے ایک ہوٹل میں مقیم تھے۔

"اب....!" وہ حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "لیڈی پرکاش.... لیکن وہ صرف اسی بات کی شہادت دے سکے گی کہ اسپرنگ کلب سے ہیروئن تقسیم ہوتی ہے۔"

"چلئے یہی کافی ہے۔ مگر کیوں....؟ کیا وہ اس کی شہادت نہ دے سکے گی کہ ہمیں قتل کرا دینے کی اسکیم بنائی گئی تھی۔"

"اس سے بھی بات نہیں بنتی۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"پھر جس طرح بن پڑے بنائیے۔" حمید نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی اور میز پر سے پن اپ کا پرچہ اٹھا کر تصویریں دیکھنے لگا۔

"تم نہیں سمجھ سکتے۔" فریدی کچھ دیر بعد بولا۔ "یہ انکشاف بہت پرانی بات ہے کہ اسپرنگ کلب عیاشی کا اڈہ ہے یا وہاں سے ہیروئن تقسیم ہوتی ہے۔"

"اچھا تو نئی ہی بات بتا دیجئے.... اس طرح آپ بھی ہلکے ہو جائیں گے.... اور میں بھی خود کو خاصا فارغ البال محسوس کرنے لگوں گا۔"

"وہ آدمی رمیش یاد ہے نا.... وہ میری ایکسپوز کی ہوئی ساری تصاویر کی معنویت پر روشنی ڈال چکا ہے۔"

"متحرک تصاویر....!" حمید نے پوچھا۔

"ہاں.... وہ مخصوص اشارے ہیں.... جنہیں ترتیب دینے سے پیغامات بنتے ہیں....!"

"مثلاً....!"

"کیوں.... بعض اوقات اتنے ڈفر کیوں ہو جاتے ہو.... کیا ملٹری میں تمہیں سگنلنگ کی تربیت نہیں ملی تھی۔"

"اوہ معاف کیجئے گا.... میں پچھلے کئی دنوں سے اونگھ رہا ہوں۔"

فریدی پھر کسی سوچ میں گم ہو گیا۔

"لیکن جناب....!" حمید نے کچھ دیر بعد اسے پھر مخاطب کیا۔ "اگر اسے علم تھا کہ آپ بچ گئے ہیں تو وہ حصول مقصد سے پہلے ہی کیوں بھاگ نکلا تھا۔"

"غالباً تم اس دستی بم کی وجہ سے سوچ رہے ہو۔ میرا خیال ہے کہ اس نے وہ اس یقین کے ساتھ نہیں پھینکا تھا کہ میں ہی اس کا تعاقب کر رہا ہوں۔ اگر یہ بات ہوتی تو اسی وقت بم پھینکتا جب میں پوری طرح زد پر آ جاتا۔ اس نے سوچا ہوگا اگر وہ محض کوئی راہگیر ہے تو دہشت زدہ ہو کر وہیں کا وہیں رک جائے گا.... اور اگر میرے آدمیوں میں سے ہوگا تو وہ بھی اس خیال سے تعاقب جاری رکھنے کا ارادہ ملتوی کر دے گا کہ متعاقب کے پاس دستی بم بھی ہیں۔"

"بہر حال آپ کے پاس کوئی واضح ثبوت نہیں ہے کہ وہ میجر چوہان ہی ہوگا۔"

"کوئی ثبوت نہیں ہے.... ورنہ میں یہاں نہ ہوتا۔"

"آپ کب تک اس طرح چھپتے رہیں گے۔"

"اس کیس کے اختتام تک.... خواہ مخواہ بات نہیں بڑھانا چاہتا.... ڈی۔ آئی۔ جی بد تمیز

ہے۔ اکثر سپرنٹنڈنٹ تک سے بدکلامی کر بیٹھتا ہے.... لیڈی پرکاش والے کیس کی تفتیش بذات خود کر رہا ہے۔"

"میں نے تو ابھی تک موقع ہی نہیں دیا کہ مجھے طلب کر سکے۔" حمید بولا۔ "مجھے اگر بنگلے پر طلب کرے تو مجھے بے حد خوشی ہوگی۔"

"کیوں....؟"

"شاید آپ اپنی طرح سارے آفیسروں کو غیر شدی شدہ سمجھتے ہیں۔"

"اوہ....!" فریدی مسکرایا۔ "ہاں میں نے اس کی بیوی کے حسن کی تعریف سنی ہے۔"

"بس اس طرح وقتاً فوقتاً ایسی باتیں بھی سنتے رہا کیجئے! شائد اللہ کرم کر ہی دے آپ کے حال پر۔"

"حمید....!" دفعتاً فریدی اس طرح بولا۔ "جیسے اس کی بات سنی ہی نہ ہو۔ تم قاسم سے ملو.... آج کل وہ اسپرنگ کلب میں دیکھا جا رہا ہے.... اس کے ساتھ ایک عورت ہوتی ہے.... سائرہ عشرت.... عشرت عظیم.... چیئرمین اٹامک انرجی کمیشن کی بیوی....!"

"پتہ نہیں.... میں اس نام کی کسی عورت کو نہیں جانتا۔"

"تمہیں قاسم کے ذریعے اس سے مل کر مراسم بڑھانے ہوں گے۔"

"پہلے اس کی عمر بتایئے۔"

"فضول باتیں نہ کرو.... اس دوران میں تمہیں اس کا خیال بھی رکھنا پڑے گا کہ چوہان یا اس کے آدمیوں کو اس کا علم نہ ہونے پائے۔"

"اگر چوہان ہمیں جانتا ہے تو یہ بھی جانتا ہوگا کہ قاسم سے ہمارے کیسے تعلقات ہیں۔"

"معقول بات ہے....!" فریدی پھر سوچ میں پڑ گیا۔

حمید نے پائپ میں تمباکو بھر کر اسے سلگایا اور ہلکے ہلکے کش لیتا رہا پھر کچھ دیر بعد اٹھتا ہوا بولا۔ "اچھی بات ہے میں لنکن لے جا رہا ہوں۔"

"لیڈی پرکاش سے دور ہی رہنا۔"

"میں جانتا ہوں....!" حمید نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

❁

حمید نے سوچا پہلے دور ہی سے اندازہ کرنا چاہئے کہ سائرہ عشرت کیسی عورت ہے۔ لہٰذا اس نے پہلے چہرے میں پلاسٹک میک اپ کی مدد سے تھوڑی سی تبدیلی کی۔ اپنی گاڑی وینس کے نمبر بدلے اور ایگل بیچ کے چکر کاٹنے لگا۔ قاسم ابھی تک وہیں مقیم تھا دن بھر ہٹ میں رہتا اور شام

ہوتے ہی نکل کھڑا ہوتا اور اسپرنگ کلب جاتا.... سائرہ کی کوششوں کی بناء پر وہ باقاعدہ طور پر ممبر بنا لیا گیا تھا۔

لیکن حمید کے لئے دشواری تھی.... وہ تبدیلی ہیئت کے بعد کلب میں کیونکر داخل ہوتا۔ یہ تو اسی صورت میں ممکن تھا جب کوئی مستقل ممبر اسے اپنے ساتھ لے جاتا۔

لیکن آج اتفاق سے ان دونوں نے اسپرنگ کلب کی بجائے بیچ ہوٹل کا رخ کیا اور حمید کو بھی ان کے قریب ہی جگہ مل گئی.... دونوں میزیں اتنے فاصلے پر تھیں کہ ان کی گفتگو بہ آسانی سن سنی جا سکتی تھی۔

"میں آج کل بڑے اچھے اچھے خواب دیکھتا ہوں....!" قاسم کہہ رہا تھا۔

"اچھا....!" سائرہ نے کہا اور فلور شو کی طرف متوجہ ہو گئی۔

قاسم کے چہرے پر آج بلا کا نکھار تھا۔ چھ دن پہلے کی سی پژمردگی کا نشان بھی نہیں ملتا تھا.... خواہ مخواہ باچھیں کھلی پڑتی تھیں۔

"تم اپنے گھر کب سے نہیں گئے۔" دفعتاً سائرہ نے اس کی طرف مڑ کر پوچھا۔

"کئی دنوں سے۔"

"کسی نے خبر بھی نہیں لی۔"

"فون لیتا خبر.... میں نے فون کر دیا تھا کہ میں یہاں ہوں....!"

"میں تمہاری بیوی سے ملنا چاہتی ہوں۔"

حمید نے محسوس کیا کہ قاسم نروس نظر آنے لگا ہے۔

"کک کیوں....؟" وہ ہکلایا۔

"بس یونہی....!"

"قوئی جرورت نہیں....!"

"کیوں....؟"

"اوہ.... مطلب یہ کہ وہ بہت بدتمیز ہے.... خواہ مخواہ....!"

"کیا خامخاہ....!"

"آپ سے لڑنے لگے گی.... میری ملنے والیوں سے خار کھاتی ہے۔"

"اور بھی ملنے والیاں ہیں....!" سائرہ نے پوچھا اور قاسم بُری طرح بوکھلا گیا۔

"نن نہیں قوئی بھی نہیں.... وہ ایک نرس کی لڑکی ہے.... آتی ہے کبھی کبھی کہتی ہے مجھے جادو کے کھیل دکھاؤ۔"

"جادو کے کھیل....؟" استفہام میں حیرت تھی۔

"جی ہاں.... ہی ہی ہی.... وہ میں لوہے کے گولے نکال سکتا ہوں منہ سے.... رائفل کی نال توڑ دیتا ہوں.... زنجیریں توڑ دیتا ہوں۔"

"اچھا....!" وہ ہنس پڑی۔ "ذرا نکالئے تو گولے....!"

"یہاں قہاں.... وہ تو ترقیب ہوتی ہے۔"

"زنجیریں بھی توڑ دیتے ہیں۔"

"ہاں میں بہت طاقتور ہوں.... ٹھہریئے.... میں دکھاتا ہوں۔" قاسم اٹھتا ہوا بولا۔

حمید نے محسوس کیا کہ اس کی ذہنی رو بہک گئی ہے.... ایسے مواقع پر چہرے پر خاص قسم کے تاثرات ہوتے ہیں۔

وہ اٹھ کر سائرہ کی کرسی کی پشت پر آیا۔

"کیوں.... کیا بات ہے۔" سائرہ نے مڑ کر پوچھا۔

"بس آپ سامنے ہی دیکھتی رہئے۔" قاسم نے بڑے خلوص سے کہا۔

حمید سمجھ گیا کہ آئی شامت اس عورت کی.... وہ بالکل ایسے ہی انداز میں گردن گھما کر سامنے دیکھنے لگی جیسے اس میں ارادے کو قطعی دخل نہ ہو۔

دیکھتے ہی دیکھتے قاسم جھکا اور کرسی کے پیچھے پائے پکڑ کر اسے کرسی سمیت اوپر اٹھاتا چلا گیا.... حتیٰ کہ سر سے بلند ہو گئی۔

"ارے.... ارے.... ارے....!" سائرہ کی زبان سے متواتر نکل رہا تھا۔

"وہاں جتنے بھی تھے تحیر آمیز سنجیدگی کے ساتھ متوجہ ہو گئے۔ سائرہ کی عجیب حالت تھی۔ چہرے پر ایسے ہی تاثرات تھے جیسے بھرے مجمع میں خود کو برہنہ محسوس کر رہی ہو۔ حمید نے سوچا کھیل بگاڑ دیا.... کمبخت نے.... اب یہ جو بھاگے گی تو کبھی رخ بھی نہ کرے گی اس کی طرف۔ لہٰذا جھپٹ کر قاسم کے قریب پہنچا اور آہستہ سے بولا۔ "یہ کیا کر رہے ہیں آپ.... اتاریئے نیچے.... ورنہ میں پولیس کو طلب کر لوں گا.... یہ ہوٹل ہے یا بھٹیار خانہ۔" دوسرے لوگ دور ہی سے تماشہ دیکھ رہے تھے۔

قاسم پولیس کے نام پر بوکھلا گیا اور بتدریج اس کے ہاتھ نیچے ہونے لگے۔ بالآخر کرسی زمین پر ٹکی اور سائرہ اس طرح اچھل کر کھڑی ہو گئی جیسے جل اٹھی ہو۔ اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے۔ غالباً سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ ان سبھوں کی نظر سے کیسے اوجھل ہو جائے۔

"اب آپ دونوں فوراً نکل چلئے یہاں سے۔" حمید نے کہا۔ "ورنہ یہاں کئی پریس رپورٹر موجود ہیں جو آپ دونوں کو گھیر لیں گے۔"

"اوہ.... جی ہاں.... چلئے چلئے۔" سائرہ جلدی سے بولی۔

وہ باہر آئے.... سائرہ جلدی سے قاسم کی گاڑی میں بیٹھ گئی اور حمید اگلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھنے لگا۔ دفعتاً قاسم ہکلایا۔ "آپ.... آپ قہاں.... بھائی صاحب۔"

"وہیں بھائی صاحب جہاں آپ....!" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "کچھ ضروری باتیں کروں گا محکمہ آبکاری کا سپرنٹنڈنٹ ہوں۔"

"بات نہ بڑھاؤ....؟" سائرہ پچھلی سیٹ سے منمنائی۔

"آپ کہتی ہیں تو کھینچے...." قاسم غرایا۔ "ورنہ میں تو پولیس انسپکٹروں کی ٹانگیں چیر دیتا ہوں.... یہ آبکاری والے ہیں۔"

"جی ہاں.... جی ہاں....!" حمید سر ہلا کر بولا اور پچھلی نشست سے آواز آئی۔ "اپنے ہٹ میں چلو۔"

کار چل پڑی۔ قاسم کا ہٹ زیادہ دور نہیں تھا۔ جلد ہی پہنچ گئے۔ نیچے اترے ہٹ میں داخل ہوئے لیکن سائرہ دم بخود تھی۔ وہ دونوں بیٹھ گئے لیکن قاسم کھڑا حمید کو گھور رہا تھا۔ حمید نے اس وقت آواز بدلنے میں کمال کر دیا تھا.... کیا مجال کہ ذرا سی بھی لغزش ہو جاتی۔

"اب فرمایئے.... جناب....!" وہ آنکھیں نکال کر بولا۔

"آپ پہلے تشریف تو رکھئے۔" حمید نے کہا۔ "اور یہ بتایئے کہ جناب نے کون سا نشہ استعمال فرمایا ہے۔"

"میں نے نشہ وشہ نہیں استعمال کیا تم چلے جاؤ چپ چاپ یہاں سے۔"

"محترمہ کیا آپ اس مسئلے پر روشنی ڈال سکیں گی۔"

"میں کیا عرض کروں.... بے حد شرمندہ ہونا پڑا ہے۔ انہوں نے کوئی نشہ استعمال نہیں کیا یہ بس ایسے ہی ہیں۔"

"اگر ایسے ہی ہیں تو مجھے بے حد افسوس ہے آپ کو اکثر پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔"

"ابے تم جاؤ نکلو یہاں سے.... بڑے آئے.... آپ جناب کرنے والے.... جاتے ہو یا بلاؤں چوکیدار کو۔"

"محتاط ہو کر گفتگو فرمایئے جناب میں ایک ذمہ دار آفیسر ہوں۔ ہمیں شبہ ہے کہ بیچ ہوٹل میں غیر قانونی طور پر بھنگ فروخت ہوتی ہے۔ آپ کی اس حرکت پر میں سمجھا تھا کہ آپ بھی

بھنگ پیے ہوئے ہیں۔"

"بس بس....! کھاموش۔" قاسم حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

"تم خود خاموش رہو.... میں گفتگو کروں گی۔" سائرہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ پھر حمید سے کہنے لگی۔ "آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے انہوں نے کوئی نشہ نہیں استعمال کیا۔ بس کبھی کبھی ذہن بہک جاتا ہے.... مجھے اپنی طاقت دکھا رہے تھے۔"

"لاحول ولا قوۃ....!" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "ایسی حرکتیں گھر پر کی جاتی ہیں۔ اگر آپ لوگ کسی پریس رپورٹر کے ہتھے چڑھ جاتے تو صبح کے اخبارات میں بڑی بڑی سرخیاں نظر آتیں.... شوہر نے بیوی کو سر سے اونچا اٹھایا.... بیچ ہوٹل میں سرکس، وغیرہ وغیرہ۔"

"میں ان کی بیوی نہیں ہوں۔" سائرہ جلدی سے بولی۔ "میرے دوست ہیں۔"

"مجھے حیرت ہے اس دوستی پر"

"میں تمہیں جان سے مار دوں گا ہاں....!" قاسم آستین سمیٹتا ہوا اٹھ گیا۔

حمید بھی کھڑا ہو گیا۔

"ارے.... ارے....!" سائرہ بوکھلا گئی۔

"نہیں آپ چوپ رہئے۔" قاسم اس کی طرف مڑ کر غرایا۔

حمید ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔ "آیئے.... آپ پرلے سرے کے گدھے ہیں۔"

قاسم نے جھپٹ کر پوری قوت سے گھونسہ مارا.... اور حمید نہایت اطمینان سے ایک طرف ہٹ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میاں قاسم اپنے ہی زور میں منہ کے بل نیچے چلے آئے۔ غصے نے پہلے ہی حالت بگاڑ رکھی تھی۔ لہٰذا اس ڈیل ڈول کے ساتھ اچانک گر پڑنے کے بعد جلدی سے اٹھ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

"یہ حالت ہے طاقت کی۔" حمید سر ہلا کر سائرہ سے بولا۔ "میرا دعویٰ ہے کہ اگر چت لٹا کر سینے پر ایک کنکری بھی رکھ دی جائے تو کسی بطخ ہی کی طرح ٹانگیں پھیلائے پڑے رہ جائیں گے۔ چلئے آپ میرے ساتھ۔"

حمید نے سائرہ کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس نے بوکھلا کر اس کا ہاتھ پکڑ بھی لیا۔

حمید قاسم کے اٹھنے سے قبل ہی اسے وہاں سے نکال لے جانا چاہتا تھا۔ دروازے کے قریب پہنچ کر اس نے کہا۔ "اپنی گاڑی بیچ ہوٹل کے پارکنگ شیڈ سے منگوا لیجئے گا۔"

سائرہ سحر زدہ سی اس کے ساتھ چلتی رہی۔ قاسم کے حلق سے گالیوں کا طوفان امڈ رہا تھا۔ پھر قبل اس کے کہ وہ اٹھ کر دروازے تک پہنچتا اس کی گاڑی اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔

بیچ ہوٹل کے پارکنگ شیڈ میں گاڑی روک دی گئی۔ یہاں حمید کی گاڑی پہلے ہی سے موجود تھی۔ اس نے پھر سائرہ کا ہاتھ پکڑا اور اپنی گاڑی میں آ بیٹھا۔ اس نے اس پر احتجاج نہیں کیا.... حمید جانتا تھا کہ اس نفسیاتی لمحے سے فائدہ نہ اٹھایا گیا تو پھر کسی طرح کامیابی حاصل نہ ہو سکے گی۔

اپنی گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔ "آپ کو کہاں چھوڑ دوں۔"

"کہیں بھی....!" اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"نہیں بے تکلفی سے فرمایئے۔" حمید بولا۔ "میں نے اس وقت آپ کو ایک بہت بڑے جنجال سے نجات دلائی ہے۔ میں اس آدمی کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ پرلے سرے کا احمق ہے.... دوسروں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے طرح طرح کی حرکتیں کرتا ہے.... پتہ نہیں آپ سے کیسی دوستی ہوئی ہو گی۔"

"آپ کیا جانتے ہیں اس کے بارے میں۔" سائرہ نے پوچھا۔

"سیٹھ عاصم کا لڑکا ہے۔ قاسم نام ہے۔ تمام میں روتا پھرتا ہے کہ اس کی شادی زبردستی ایک ایسی لڑکی سے کر دی گئی ہے جو اسے پسند نہیں۔ ان کے درمیان زن و شوہر کے تعلقات وغیرہ وغیرہ.... ایسی ہی بہت سی باتیں۔"

"تو کیا یہ جھوٹ ہے۔"

"پتہ نہیں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "لیکن اتنا جانتا ہوں کہ اکثر خواتین اس پر رحم کھا کر اپنی زندگی خود ہی اجیرن کر لیتی ہیں۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"ایک واقعہ سناتا ہوں آپ کو۔ شاید آپ اس سے کچھ اندازہ کر سکیں۔ ایک بار آپ ہی جیسی ایک شریف خاتون کو اس سے ہمدردی ہو گئی تھی۔ یہ حضرت ایک بار انہیں اپنے گھر پر مدعو کر بیٹھے.... بیوی سے شاید کہہ دیا تھا کہ ان کے دوست کی بیگم صاحبہ تشریف لا رہی ہیں۔ بیوی نے دعوت کا اہتمام کیا لیکن ساتھ ہی اپنی چند سہیلیوں کو بھی مدعو کر لیا۔ ایک سکیم تیار کی گئی۔ وہ صاحبہ تشریف لائیں۔ باتوں ہی باتوں میں ان سے اگلوا لیا گیا کہ وہ قاسم کے دوست کی بیوی نہیں بلکہ خود قاسم کی دوست ہیں۔ بس پھر کیا تھا لپٹ پڑی سہیلیوں سمیت.... چوٹی پکڑ کر لان تک گھسیٹتی ہوئی لائی.... پھر جو مرمت شروع کی ہے ان سبھوں نے تو بیگم صاحبہ بے ہوش ہو گئی تھیں۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ سائرہ بھی کچھ نہ بولی۔ کچھ دیر بعد حمید نے پوچھا۔ "آپ سے کیسے ملاقات ہوئی تھی۔"

"بس کیا بتاؤں....!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "ایک رات گاڑی پر اسی سڑک سے

گزر رہی تھی کہ کنارے ایک گاڑی کھڑی نظر آئی۔ کوئی اس میں بیٹھا زور زور سے رو رہا تھا۔ اتر کر دیکھا تو یہی حضرت تھے۔"

حمید بے تحاشہ ہنس پڑا۔ دیر تک ہنستا رہا پھر بولا۔ "اور ایسی حرکتوں سے وہ خواتین کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے.... اور پھر سناتا ہے اپنی دکھ بھری داستان اور محترمہ اب میں اپنے متعلق بھی سچی بات بتادوں۔ میرا تعلق محکمہ آبکاری سے نہیں۔ میں تو ایک سیدھا سادہ مصور ہوں۔ آپ کو الجھن میں دیکھا تو سوچا کہ پریس رپورٹروں کے چکر میں پڑنے سے پہلے ہی آپ کو وہاں سے نکال لے جاؤں۔"

"میں بے حد شکر گزار ہوں جناب۔"

"آپ نے ابھی تک بتایا نہیں کہ آپ کو کہاں جانا ہے۔"

"اگر شہر کی طرف جارہے ہوں تو اسپرنگ نائٹ کلب میں چھوڑ دیجئے گا.... میری گاڑی آج ہی سروس کے لئے گئی ہے۔"

"بہت بہتر۔"

"آپ کا اسٹوڈیو کہاں ہے؟" سائرہ نے پوچھا۔

"تار جام میں.... تنہائی پسند آدمی ہوں۔ کبھی شہر بھی آجاتا ہوں۔"

"رات کا کھانا نہ کھایا ہو تو میرے ساتھ کھایئے اسپرنگ میں۔"

"میں ممبر نہیں ہوں۔"

"کسی بھی ممبر کے ساتھ آپ وہاں جاسکتے ہیں۔"

"میرے لئے پہلا اتفاق ہوگا۔ دراصل میری تفریحات مختلف ہیں۔ ہرے بھرے میدان گھنے جنگل میری تفریح گاہیں ہیں۔"

"آرٹسٹ ہی ٹھہرے۔"

"جھٹپٹے میں جنگلوں کی سرگوشیاں ہی میرے لئے اعلیٰ ترین موسیقی ہیں۔"

"آپ شاعر بھی معلوم ہوتے ہیں۔"

"ارے نہیں....!" حمید نے خاکساری برتی۔

"تو پھر آپ میرے ساتھ کھانا کھا رہے ہیں یا نہیں۔"

"ارے کہاں تکلیف کریں گی۔"

"آپ کے انکار پر مجھے افسوس ہوگا۔"

"خیر...." حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

یہ سب کچھ غیر متوقع طور پر ہوا تھا.... حمید سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنی جلدی کامیابی ہوگی۔ نہ قاسم کی ذہنی رو بہکتی اور نہ موقع نصیب ہوتا۔ بہرحال حمید دل ہی دل میں اپنی پیٹھ ٹھونک رہا تھا۔

❁

لیڈی پرکاش ابھی سوئی نہیں تھی۔ ہٹ میں تنہا تھی اور اس کا چمپینزی صوفے پر پڑا اونگھ رہا تھا۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور وہ اچھل پڑی۔ وہ دروازہ مقفل کر کے لیٹی تھی۔ لیکن یہ دہرا قفل تھا۔ باہر سے بھی قفل کھولا جاسکتا تھا.... لیکن اس کی کنجی کسی کو بھی نہیں دی تھی۔

پورا دروازہ کھل جانے کے بعد کوئی داخل ہوا.... گہری نیلی.... اور مدھم روشنی میں وہ اندازہ نہ کر سکی کہ آنے والا کون ہے۔ پھر دفعتاً کمرے کا دوسرا بلب روشن ہوگیا اور آنے والا وضاحت کے ساتھ اس کی نظروں کے سامنے تھا۔ سر تا پا سیاہ۔ صرف آنکھوں کی جگہ دو سوراخ تھے جن سے دو خوفناک آنکھیں جھانک رہی تھیں۔ چمپینزی غراتا ہوا اٹھا لیکن دوسرے ہی لمحے میں ایک کریہہ سی آواز کے ساتھ ڈھیر ہوگیا۔ آنے والے کا بے آواز ریوالور اس کی طرف اٹھا تھا۔ ہلکی سی "ٹرچ" سنائی دی تھی اور بس چمپینزی پھر نہ اٹھ سکا۔

"یہ.... یہ.... کک کیا؟" لیڈی پرکاش نے کانپتے ہوئے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

سیاہ پوش کا ہاتھ اس طرح اٹھا جیسے وہ اسے خاموش رکھنا چاہتا ہو۔ لیڈی پرکاش دم بخود رہ گئی۔

وہ آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھا۔ ایک ہاتھ سے ریوالور سیدھا کئے ہوئے دوسرا ہاتھ آگے بڑھا کر اس کی گردن پکڑلی اور اسے دباتا رہا۔ حتیٰ کہ لیڈی پرکاش کی آنکھوں میں اندھیرا چھانے لگا۔ پتہ نہیں کیسی گرفت تھی کہ ذرا سی دیر میں وہ بے جان سی ہو کر رہ گئی۔ سیاہ پوش نے اسے اٹھا کر اپنے کاندھے پر ڈالا اور سوئچ بورڈ تک آیا۔ پھر کمرے میں گہری تاریکی چھا گئی۔

پھندا

سرسنہا کی کار کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی کہ حمید ڈرائنگ روم سے نکل کر پورچ میں داخل ہوا۔ شاید روزا اسے رخصت کرنے ہی برآمدے تک آئی تھی۔ حمید نے اپنی گاڑی میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کیا۔ سرسنہا کی کار پورچ کے باہر ہی رک گئی تھی وہ حمید کو جاتے دیکھتا رہا اور حمید کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے اسے دیکھا ہی نہ ہو۔

اس کی گاڑی پھاٹک سے گزر گئی.... روزا سرسنہا کو گاڑی سے اترتے دیکھ کر برآمدے ہی

میں رک گئی تھی۔

سر سنہا نے اسے تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے برآمدے کے زینے طے کئے اور اس کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ وہ اب بھی اسے ناخوش گوار انداز میں گھورے جا رہا تھا۔

"یہ یہاں روزانہ کیوں آتا ہے۔" اس نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"روزانہ تو نہیں۔"

"جھوٹ مت بولو.... مجھے علم ہے۔"

"کس بات کا علم ہے۔"

"یہی کہ روزانہ یہاں آتا ہے۔"

"وہ.... وہ.... لاش جو یہاں پائی گئی تھی؟"

"بکواس.... اس کے متعلق مجھ سے پوچھ گچھ کرنی چاہئے۔"

"یہی تو میں بھی سوچتی ہوں کہ آخر مجھ سے کیوں پوچھتا ہے۔ میں تو یہاں تھی بھی نہیں۔"

"چلو اندر چلو....!" وہ اسے دروازے کی جانب دھکیلتا ہوا بولا۔ روزا کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے۔ شاید اس کے باپ کا یہ رویہ اس کے لئے نیا تھا۔

ڈرائنگ روم میں پہنچ کر اس نے سامنے والے صوفے کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"بیٹھ جاؤ۔"

روزا استفہ سیہ انداز میں اس کی طرف دیکھتی رہی۔

"میں اسے پسند نہیں کرتا کہ میری بیٹی کسی پولیس آفیسر سے دوستی کرے.... اور پھر جبکہ وہ بہت زیادہ بدنام بھی ہے۔"

"وہ کلچر سٹر کا ممبر بھی ہے۔"

"کچھ بھی ہو! میں اسے پسند نہیں کرتا۔"

یک بیک روزا کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار نظر آئے اور اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"آخر آپ کو میری اتنی پرواہ کب سے ہو گئی ہے۔"

"کیا مطلب....!" سر سنہا کی بھنوئیں تن گئیں۔

"آپ کو کبھی اس کی پرواہ نہیں ہوئی کہ میں کیا کرتی ہوں۔ کہاں جاتی ہوں اور کب واپس آتی ہوں۔"

"اچھا تو پھر....!" سر سنہا کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

"کچھ بھی نہیں....!" روزا نے سرکش انداز میں کہا۔ "میں اپنے طور پر پلی بڑھی ہوں۔

میری تربیت میں میرے والدین نے حصہ نہیں لیا۔"

"تم کیا بک رہی ہو۔"

"تلخ حقیقتوں کا اظہار کر رہی ہوں....!"

"میں برداشت نہیں کر سکتا....؟" سر سنہا غرایا۔

"آپ کی مرضی....!" روزا نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

"اچھی بات ہے۔" سر سنہا نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اب اگر وہ یہاں آیا تو اسے خود ہی معلوم ہو جائے گا۔"

"کیا معلوم ہو جائے گا؟"

"یہی کہ سر سنہا کی لڑکی اتنی سستی نہیں ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہیں....!" روزا چیخ کر بولی۔

"میں ملازموں کو کہہ دوں گا وہ جب بھی یہاں آئے اٹھا کر اسے باہر سڑک پر پھینک دیں۔"

"آپ ایسا نہیں کر سکتے۔"

"کیوں؟"

"آپ میرے کسی دوست کی توہین نہیں کر سکتے۔"

وہ تیزی سے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

روزا دم بخود بیٹھی رہی۔ سانسیں تیزی سے چل رہی تھیں اور چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ شاید زندگی میں پہلی بار باپ سے اس طرح گفتگو ہوئی تھی۔ ایسے موڈ میں اس نے اسے کبھی نہیں دیکھا تھا اور نہ کبھی اتنی بلند آواز میں بولتے سنا تھا۔ اس کی دانست میں وہ خود ہی ایسی سچویشن پیدا نہیں ہونے دیتا تھا جس سے اس کو غصہ آئے اور دوران خون میں تیزی پیدا ہونے کی بناء پر خون کا دباؤ بڑھ جانے کا اندیشہ ہو۔

بہر حال اس وقت غصے سے بدحال ہو رہی تھی۔ دفعتاً اٹھی اور فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کرنے لگی پھر ماؤتھ پیس میں بولی۔ "ہیلو.... ہوٹل ڈی فرانس.... روزا فریڈرک کے نام سے ایک کمرہ بک کر دو۔ میں تھوڑی دیر بعد پہنچ رہی ہوں۔" ریسیور رکھ کر وہ اپنے کمرے میں چلی آئی اور ایک سوٹ کیس میں کپڑے رکھنے لگی۔

❁

بالآخر حمید آئی۔ جی کے دفتر میں طلب کر لیا گیا.... فوراً پیشی بھی ہو گئی۔ آئی جی تنہا تھا اس نے سر کے اشارے سے حمید کو بیٹھنے کی اجازت دی۔ سب سے پہلا سوال فریدی ہی سے متعلق تھا۔

"مجھے علم نہیں ہے.... جناب کہ وہ کہاں ہیں۔ میں اس سلسلے میں پہلے ہی اپنا تحریری بیان دے چکا ہوں۔"

"تم نے لیڈی پرکاش کی رپورٹ دیکھی تھی۔"

"جی ہاں.... جناب....!"

"لیڈی پرکاش سے متعلق کوئی مزید اطلاع؟"

"میں نے اس کی طرف دھیان ہی نہیں دیا.... جرأت ہی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ خود ڈی۔ آئی۔ جی صاحب اس کے معاملے کو دیکھ رہے ہیں۔"

"وہ پچھلی رات سے غائب ہے۔ اس کا پالتو چمپینزی ہٹ میں مردہ پایا گیا ہے کسی نے اسے گولی ماردی تھی۔ ہٹ میں پائے جانے والے آثار ظاہر کرتے ہیں کہ وہ زبردستی کہیں لے جائی گئی ہوگی۔"

حمید نے خوامخواہ چہرے پر سراسیمگی کے آثار پیدا کر لئے۔

"لیکن میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ اس میں فریدی کا ہاتھ ہوگا....؟" آئی۔ جی نے حمید کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے کہا۔

"لیکن....!" حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"ہاں.... ہاں. کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"میں نے لیڈی پرکاش کی رپورٹ دیکھی تھی.... اور اب سوچ رہا ہوں کہ اس کے بیان کی روشنی میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکے گا کہ یہ کرنل کی انتقامی کاروائی تھی۔ لیکن میرا دعویٰ ہے کہ کسی اور نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔"

"ں طور پر میرا بھی یہی خیال ہے۔"

"ب پھر کرنل کے لئے کوئی پریشانی کی بات نہیں۔"

"" وہ حضرت کس چکر میں ہیں۔"

"کچھ دن پہلے جس چکر میں تھے وہ میری سمجھ میں بھی نہیں آیا....!"

"کیسا چکر....!"

حمید نے اسے اشاروں اور فریدی کی فوٹو گرافی کے متعلق بتایا۔ پھر یہ بھی بتایا کہ کس طرح اس سے کیمرہ چھین لیا گیا تھا۔ لیکن اس لاش کا تذکرہ نہیں کیا جو سر سنہا کی کوٹھی کے سامنے ڈالی گئی تھی۔ کیمرے کی واپسی کا ذکر آیا۔ پھر اس کے دھماکے کے ساتھ پھٹنے کی کہانی بھی دہرائی گئی۔ اور جب ان دو لاشوں کا تذکرہ آیا جن کے ذریعہ خط اور کیمرہ واپس آیا تھا تو آئی۔ جی مضطربانہ انداز میں کھڑا ہو گیا....

"لاشوں کے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ والے زہر اور اس سوئی کے زہر میں کوئی فرق نہیں جو ں نے کیمیائی تجزیئے کے لئے دی تھی۔" حمید نے کہا۔

"تمہیں وہ سوئی کہاں ملی تھی۔" آئی۔ جی نے پوچھا۔

"وہ سوئی مجھے اسی کیفے کے باورچی خانے سے ملی تھی۔" حمید نے مصلحتاً غلط بیانی سے کام لیا۔

آئی۔ جی بیٹھ گیا لیکن اس کے چہرے پر گہرے تفکر کے آثار تھے۔ دفعتاً اس نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ اردلی اندر آیا۔

"کنفیڈنشل ریکارڈ کیپر کو بھیج دو۔" اس نے کہا۔

اور مطلوبہ آدمی کے آنے تک خاموشی رہی۔

جیسے ہی وہ اندر داخل ہوا۔ آئی۔ جی نے کہا۔ "بلیو سیل پیپرز کا بیگ لاؤ۔"

وہ چلا گیا اور پھر کمرے کی فضا پر خاموشی مسلط ہو گئی۔ کچھ دیر بعد ریکارڈ کیپر پھر واپس آیا۔ س کے ہاتھوں میں ایک سربمہر چرمی تھیلا تھا جو آئی۔ جی کی میز پر رکھ دیا گیا۔ ریکارڈ کیپر کو واپس جانے کا اشارہ کرتے ہوئے آئی۔ جی نے تھیلے کی سیل توڑنی شروع کی اور کچھ دیر بعد اس میں سے چند کاغذات نکالے اور ان کا جائزہ لیتا رہا۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ اس کے چہرے پر حیرت کے آثار ہیں۔

تقریباً بیس منٹ تک اس نے وہ کاغذات دیکھے اور پھر انہیں دوبارہ تھیلے میں رکھتا ہوا کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ "وہ ہماری عزت ہے.... بخدا محکمے کی ناک ہے.... یہ بات میری ہی ذات تک محدود رہے گی۔"

"تو آپ انہیں لیڈی پرکاش والے واقعے کا ذمہ دار نہیں سمجھتے۔"

"قطعی نہیں.... اگر اس نے کچھ کیا بھی ہوگا تو مصلحتاً....!"

"وہ تار جام میں ہیں۔"

"ٹھیک ہے.... اب میں مطمئن ہوں...." آئی۔ جی نے طویل سانس لی۔

"میں نہیں جانتا کہ وہ ان اشارہ بازوں کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔"

"مجھے یقین ہے کہ عنقریب تمہیں بھی معلوم ہو جائے گا۔" آئی۔ جی مسکرایا اور بولا۔ "اب تم جا سکتے ہو۔"

حمید نے اٹھ کر سلیوٹ کیا اور باہر آ گیا۔

وہ سوچ رہا تھا آخر لیڈی پرکاش کو کون لے گیا۔ کیا میجر چوہان کو اس کا علم ہو چکا تھا کہ وہ انہیں سب کچھ بتا چکی ہے۔

کچھ دیر بعد وہ اس نئی خبر کے ساتھ تیزی سے تار جام کی طرف اڑا جا رہا تھا۔

❁

لیڈی پرکاش کی گہری نیند صبح تک جاری رہی تھی.... ہوش میں آنے کے بعد اس نے خود کو ایک ایسے کمرے میں پایا تھا جس میں بظاہر کوئی دروازہ نہیں تھا لیکن ٹمپریچر کہہ رہا تھا کہ وہ جگہ ایئر کنڈیشنڈ ہے۔ صرف ایک روشندان تھا۔ اگزہاسٹ فین گردش کر رہا تھا۔

وہ ایک آرام دہ اسپرنگ والے بستر پر پڑی تھی.... بوکھلا کر اٹھ بیٹھی۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھتی رہی۔ پھر پچھلی رات کے واقعات یاد آئے.... اور وہ کانپ کر رہ گئی۔ چمپنزی کی موت....؟ اس کا دل ڈوبنے لگا۔ اس نے اسے اس وقت سے پالا تھا جب وہ صرف چھ دن کا تھا۔ نیروبی کے دورانِ قیام میں سر پرکاش کے ایک شکاری دوست نے تحفتاً پیش کیا تھا۔ اس کا دل بھر آیا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

پھر دفعتاً ایک ہلکی سی آواز نے اسے چونکا دیا۔ کمرے کی ایک دیوار میں دریچہ سا نظر آیا۔ وہ اٹھ کر اس کی طرف جھپٹی تھی کہ پچھلی رات والا سیاہ پوش اسی دریچے سے گزر کر کمرے میں داخل ہوا۔

"اتنی بے صبری؟" اس نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"مجھے جانے دو.... ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔" لیڈی پرکاش تیز لہجے میں بولی۔

"کچھ ایسا بُرا بھی نہ ہوگا....!"

"تم کون ہو؟ اور کیا چاہتے ہو؟"

"بس تھوڑی سی معلومات۔"

"میں نہیں سمجھی! کیسی معلومات....!"

"تم اس درمیان فریدی سے ملی ہو؟"

"کیوں؟ تم سے مطلب....؟"

"میری بات کا جواب دو....!" وہ غرایا۔

"ہاں.... اس نے زبردستی مجھے اپنی گاڑی میں ڈال کر لے جانا چاہا تھا۔ میں نے شور مچا دیا تھا.... لوگ دوڑ پڑے تھے.... اور اسے ناکام وہاں سے بھاگنا پڑا تھا۔ پھر میں نے اس کے خلاف رپورٹ درج کرا دی تھی۔"

"میں اس کے بعد والی ملاقات کے متعلق پوچھ رہا ہوں۔"

"کیا مطلب....؟"

"اس کے بعد بھی تم اس سے ملی تھیں۔"

"اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا پھر صورت میں جبکہ اس کے خلاف رپورٹ درج کرا چکی تھی۔"

"تو پھر وہ تمہیں زبردستی لے گیا ہوگا....؟"

"یہ غلط ہے۔ بکواس ہے.... اس دن سے پھر وہ مجھے نہیں دکھائی دیا۔"

"وہ تمہیں تمہارے ہٹ سے اسی طرح زبردستی لے گیا ہوگا جیسے میں لایا ہوں۔"

"کھلی ہوئی بکواس ہے۔"

"دیکھو.... وہ فریبی ہے....!" نقاب پوش نے سمجھانے کے سے انداز میں کہا۔

"اگر اس نے تم سے لگاوٹ کی باتیں کی ہیں تو یہی سمجھو کہ وقتی ضرورت کے تحت محض کام نکالنا چاہتا ہے۔"

"وہ میرے شوہر کے دوست کا بیٹا ہے۔ لہٰذا اس کے لئے ایسے لغو الفاظ نہیں سن سکتی۔"

"اوہ.... اسی لئے بھاگا تھا۔" سیاہ پوش نے قہقہہ لگایا۔

"تم ہو کون؟ کیا یہ میجر چوہان کا دوسرا روپ ہے۔ تم سامنے کیوں نہیں آتے۔ شکل دکھاؤ اپنی.... یہ تو میں محسوس کر ہی رہی ہوں کہ آواز بدل کر بول رہے ہو۔"

"میجر چوہان گدھا ہے۔ اس کی حماقتوں کی بناء پر یہ سب کچھ ہوا ہے۔"

"اوہ.... تو تم اس کے بھی باس ہو۔"

"ہاں....!"

لیڈی پرکاش دفعتاً زرد پڑ گئی۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "میں نے تنظیم سے غداری نہیں کی۔ میجر چوہان کی ہدایت پر فریدی کو ختم کر دینے کی کوشش کی تھی۔ لیکن وہ پہلے ہی سے ہوشیار تھا۔"

"میں جانتا ہوں؟"

"پھر میں کس خطا پر یہاں لائی گئی ہوں۔"

"تم اس کے بعد بھی فریدی سے ملی تھیں اور اسے اسپرنگ نائٹ کلب کے متعلق بتایا تھا۔"

"اگر تم یقین نہیں کر سکتے تو بھلا میں کس طرح تمہیں مطمئن کر سکوں گی۔"

"میں نے ایک رات کیپٹن حمید کو بھی تمہارے ہٹ سے نکلتے دیکھا تھا۔ وہ کیوں آیا تھا۔"

"اوہ.... وہ....!" دفعتاً لیڈی پرکاش ہنس پڑی۔ "فریدی کے ساتھ وہ بھی اس وقت گاڑی میں موجود تھا.... لیکن میں نے اپنی رپورٹ میں اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا.... اسی کا شکریہ ادا کرنے آیا تھا۔"

"تو کیا تم سمجھتی ہو کہ وہ سچ مچ شکریہ ادا کرنے آیا تھا۔"

"ہرگز نہیں....!"

"وہ تمہارے ہٹ میں داخل ہو سکتا ہے۔ لیکن فریدی کے لئے یہ کام ناممکن ہے کیوں؟"

"میں کب کہتی ہوں کہ ناممکن ہے۔ لیکن وہ مجھ سے پھر نہیں ملا۔ مجھے خود بھی حیرت ہے۔"

"ناقابل یقین ہے۔ لیڈی پرکاش....!" سیاہ پوش غرایا۔ "ایک ایسے آدمی سے دشمنی مول لے کر تم تنہا اس ہٹ میں رہتی ہو.... آخر اس اطمینان کی کوئی وجہ تو ہو گی۔"

"کیا وہ بدبخت میری حفاظت نہ کر سکیں گے جن کے لئے میں نے اتنا بڑا خطرہ مول لیا تھا.... مجھے یقین ہے کہ تنظیم کے بعض افراد میرے ہٹ کی نگرانی کرتے ہوں گے۔"

"کیا تمہیں کسی نے اس کے متعلق یقین دلایا تھا۔"

"میجر چوہان نے؟" لیڈی پرکاش بولی۔ "اس نے کہا تھا کہ میں بے خوف و خطر وہاں مقیم رہوں کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکے گا۔"

سیاہ پوش تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "مناسب ہے کہ اب تم یہاں قیام کرو.... میری حفاظت میں۔"

لیڈی پرکاش نے کچھ کہنا چاہا لیکن وہ اس سے پہلے جا چکا تھا اور دیوار برابر ہو گئی تھی۔

❁

قاسم بہت دیر سے حمید کا تعاقب کر رہا تھا۔ لیکن حمید سمجھ کر نہیں۔ حمید سمجھتا تو شاید قتل کر دیتا۔

حمید اسی میک اپ میں تھا جس میں سائرہ عشرت کو ورغلا کر قاسم سے دور لے گیا تھا۔ شاید اسی دن کے بعد سے وہ قاسم سے نہیں ملی تھی۔ آج قاسم کو ایگل بیچ میں وہ نظر آ گیا تھا اور اس نے اس کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔ حمید واقف تھا اس تعاقب سے۔ لیکن اس سے دیدہ دانستہ لاپروائی برت رہا تھا۔ ظاہر کر رہا تھا جیسے اس سے قطعی لاعلم ہو۔

سائرہ نے وعدہ کیا تھا کہ نو بجے بیچ ہوٹل میں ملے گی۔ لہٰذا حمید ادھر اُدھر وقت گزارتا پھر رہا تھا۔ ابھی آٹھ ہی بجے تھے۔

ساحل پر وہ اوپن ایئر ہوٹل میں جا بیٹھا تھا۔ قاسم کے لئے شاید اب خاموشی ناقابلِ برداشت ہو چکی تھی لہٰذا وہ بھی "سلام الیکم" کا ڈنڈا رسید کرتا ہوا اسی میز پر جم گیا۔

"فرمایئے....!" حمید نے حیرت سے کہا۔ "میں نے آپ کو نہیں پہچانا۔"

"میں نے آپ کو نہیں پہچانا....!" قاسم نے کسی جلے تن بوڑھی عورت کی طرح ہاتھ نچا کر کہا۔ "اپنی خالہ کو تو پہچانتے ہو نا۔"

"آپ کیا بک رہے ہیں۔"

"بتاؤ.... سائرہ کہاں ہے۔" قاسم آنکھیں نکال کر غرایا۔

"آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔"

"نہیں آج بھی بھنگ پیے ہوئے ہوں اور تمہیں کرسی سمیت اٹھا کر پھینک دوں گا۔"

"اوہ....!" حمید مسکرایا۔ "آپ وہ ہیں....!"

"ہاں وہی ہوں.... بتاؤ۔"

"دیکھو برخوردار...." حمید آگے جھک کر آہستہ سے بولا۔ "میں محکمہ آبکاری کا سپرنٹنڈنٹ ہوں۔"

"ہوا کرو.... میں تو پولیس والوں کو کچھ بھی نہیں سمجھتا۔"

"ہو سکتا ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "بڑے آدمی ہو.... میں جانتا ہوں۔ لیکن سنو۔ میں تمہارے والد صاحب کو بھی بند کرا سکتا ہوں۔"

"وہ کیسے....!" قاسم آنکھیں نچا کر غرایا۔

"ڈیڑھ سیر چرس چپکے سے کوٹھی میں رکھوا کر چھاپہ مار دیا.... اور دھر لئے گئے.... بعد میں ہوا کرے ضمانت اور مقدمہ.... اخبار میں تو چھپ ہی جائے گا کہ سیٹھ عاصم چرس سے بھی شوق فرماتے ہیں۔"

"ارے تم کیسی اول جلول باتیں کر رہے ہو۔"

"اور تمہیں تو چٹکی بجاتے بند کرا سکتا ہوں.... چلتے پھرتے تمہاری جیب میں تولہ بھر چرس رکھوا دی.... اور وہیں دھر لیا.... دوسرے دن چلا آ رہا ہے اخبارات میں کہ سیٹھ عاصم صاحب کے صاحبزادے بھی چرسی ہیں۔"

قاسم چند لمحے کچھ سوچتا رہا۔ پھر یک بیک اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"کیوں....؟" حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"قق کچھ نہیں.... میں بہت بدنصیب آدمی ہوں.... جو بھی آتی ہے چلی جاتی ہے۔" قاسم رہانسی آواز میں بولا۔ "پھر پلٹ کر نہیں آتی.... اچھا تم تو آب کاری کے آفیسر ہو۔ مجھے بتاؤ کہ مل کتنی افیم کھا لینے پر مر جاؤں گا۔"

حمید کو ہنسی آ رہی تھی۔ بڑی دشواریوں سے خود پر قابو پا سکا تھا۔ اس نے نیچے سے اوپر تک قاسم کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "کم از کم.... ڈیڑھ سیر.... اس سے کم سے نہیں مرو گے۔"

"نہیں ٹھیک سے حساب لگا کر بتاؤ۔" قاسم رو میں بولا۔

"تم کیوں مرنا چاہتے ہو۔" حمید نے ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔ اور قاسم پھوٹ پڑا۔ شادی سے لے کر اب تک کے سارے واقعات بتائے۔ بس ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے اب رویا اور تب رویا۔

"مجھے تم سے ہمدردی ہے؟" حمید نے کہا۔ "میں تمہارے لئے کسی دوسری محبوبہ کا انتظام کردوں گا۔ یہ عورت تو مجھے پسند آگئی ہے۔"

"کھیر.... کھیر....!" قاسم سر ہلا کر بولا۔ "مگر ایسی ہی ہونی چاہئے.... دھلائو.... مم مطلب یہ کہ.... ہاں....!"

"میں نہیں سمجھا؟"

"اے وہ یعنی کہ خوب تگڑی....!"

"ذبح کر کے کباب لگاؤ گے کیا؟"

"اے جاؤ چکد ہو بالکل.... اتنا بھی نہیں سمجھے۔"

"کیا نہیں سمجھے؟"

"اب کیسے سمجھاؤں.... یعنی کہ ہی ہی ہی....!" قاسم نے شرمیلے انداز میں دانت نکال دیئے۔

"اچھا.... اچھا.... اٹھو.... میں تمہارے لئے کچھ کرہی دوں۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"چلو.... چلو....!" قاسم نے بے حد خوش ہو کر میز پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

وہ وہاں سے اٹھ کر ساحل کے قریب آئے.... بہتیرے لوگ ٹہل رہے تھے ان میں عورتیں بھی تھیں.... اور چست لباس والی لڑکیاں بھی....

"انہیں تو بس پیچھے سے دیکھو....!" قاسم بڑبڑایا۔

حمید اس کی طرف دھیان دیئے بغیر آگے بڑھتا رہا.... دراصل وہ کسی ویران گوشے میں پہنچ کر قاسم کی خبر لینا چاہتا تھا۔ قاسم بھی اس کے ساتھ چلتا رہا۔ ایک جگہ وہ رکے.... یہاں اندھیرا تھا.... ساحل کے برقی قمقمے بہت پیچھے رہ گئے تھے دفعتاً حمید کو ایسا لگا جیسے کوئی چیز گردن کے گرد لپٹ گئی ہو۔ ہاتھ ابھی تک گردن تک بھی نہیں پہنچے تھے کہ جھٹکا سا لگا اور وہ سنبھلنے کی کوشش کے باوجود بھی نیچے چلا آیا۔ گردن میں پڑا ہوا پھندا تنگ ہوتا جارہا تھا اور جواب دیتی ہوئی قوت سامعہ قاسم کی گھوں گھوں سمیت بتدریج مضمحل ہوتی جارہی تھی.... پھر اندھیرا.... اندھیرا....

جہنم کے قریب

پھر دوبارہ آنکھ اندھیرے ہی میں کھلی تھی اور حمید نے گردوپیش کی زمین ٹٹولنے کے!

اندازہ لگایا تھا کہ وہ ساحل پر نہیں ہے.... مزید اطمینان کے لئے اس نے زمین پر ہاتھ مارا تھا اور پختہ فرش کی سی گونج فضا میں محسوس ہوئی تھی۔

وہ ٹٹولتا ہوا دیوار تک پہنچا.... اور پھر دیوار ہی کے سہارے آگے بڑھتا رہا۔ دیوار کے جوڑ تک پہنچا اور دوسری دیوار شروع ہوگئی.... انداز کہہ رہا تھا کہ وہ کسی کمرے میں ہے.... ورنہ فرش پر ہاتھ مارنے سے گونج نہ سنائی دیتی۔ وہ بڑھتا رہا.... پھر پنڈلیاں کسی سخت چیز سے ٹکرائیں.... بے اختیار جھکا اور ہاتھ شاید کسی مسہری کی پٹی پر ٹک گیا۔

پھر ٹٹولتے ہوئے کچھ اور آگے بڑھے.... بال.... اوہ.... نرم بالوں کا ڈھیر اور پھر دفعتاً اس کے ہاتھ جھٹک دیئے گئے۔

"کون ہے....!" یہ ایک خوفزدہ سی نسوانی آواز تھی۔

حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "ایک شریف آدمی۔"

دوسرے ہی لمحے میں ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی اس مسہری پر سے اٹھا ہو۔ اچانک کمرے میں دھندلی سی روشنی پھیل گئی جو کارنس کے جوڑ سے پھوٹ رہی تھی۔

"اوہو....!" دفعتاً حمید کے منہ سے نکلا اور پھر اس نے سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔

یہ عورت لیڈی پرکاش تھی اور اس دھندلی سی روشنی میں پہلے سے زیادہ حسین لگ رہی تھی۔

"تم کون ہو....؟" اس نے گونجیلی آواز میں پوچھا۔

"مم.... میں....!" دفعتاً حمید کو خیال آگیا کہ وہ میک اپ میں تھا۔ شاید اب بھی ہے.... اسی لئے وہ پہچان نہیں سکی۔

"میں....!" اس نے بڑے ادب سے کہا۔ "یہ پوچھنے کے لئے حاضر ہوا تھا کہ آپ ناشتہ میں کیا کھائیں گی۔"

لیڈی پرکاش نے تکیے کے نیچے سے گھڑی نکال کر دیکھی اور اُسے غصیلی نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ "دماغ تو نہیں خراب ہوگیا.... ڈیڑھ بجے رات کو ناشتے کی بات کررہے ہو.... جاؤ نکلو یہاں سے ورنہ....!"

لیکن حمید نے چاروں طرف نظر دوڑا کر مایوسی سے کہا۔ "کیسے جاؤں.... دروازہ تو نظر ہی نہیں آتا۔"

وہ چند لمحے اسے غصیلی نظروں سے دیکھتے رہنے کے بعد بولی۔ "کیا چاہتے ہو.... جلدی بکو۔ مجھے سونا ہے۔"

"خفا ہونے کی ضرورت نہیں محترمہ....!" حمید نے لجاجت سے کہا۔ "میں یہاں خود سے

نہیں آیا۔ ایگل بیچ میں ٹہل رہا تھا دفعتاً کسی نے گلے میں رسی کا پھندا ڈال کر کھینچا.... اتنا یاد ہے کہ میں گر پڑا تھا.... یہاں کس طرح پہنچا اس کا ہوش نہیں۔"

"اوہ....!" یک بیک وہ بھی نرم پڑ گئی۔ اس کے قریب آئی اور آہستہ سے پوچھا۔ "کیا تم بھی اسی تنظیم سے متعلق ہو۔"

"میں کسی بھی تنظیم سے متعلق نہیں محترمہ.... آرٹسٹ ہوں.... کبھی جی بہلانے کے لئے کبھی پیٹ پالنے کے لئے تصاویر بناتا ہوں۔ لیکن ایک بات ضرور پوچھوں گا۔"

"کیا دنیا میں کوئی ایسی بھی تنظیم ہے جن کے ارکان کو پھندہ ڈال کر گھسیٹا جاتا ہو۔"

"کچھ نہیں میں نے یونہی پوچھا تھا۔"

"اب آپ بتائیے کہ میں کہاں ہوں اور آپ کون ہیں....!"

"میں ایک خوبصورت عورت ہوں اور خود بھی نہیں جانتی کہ کہاں ہوں۔" لیڈی پرکاش مسکرائی۔ چند لمحے عجیب نظروں سے حمید کی آنکھوں میں دیکھتی رہی پھر انگڑائی لے کر بولی۔

"نیند آ رہی ہے....!"

وہ مسہری کی طرف مڑ گئی تھی۔ دلکش انداز میں چلتی ہوئی مسہری تک گئی اور داہنی کہنی تکیے پر ٹیک کر نیم دراز ہو گئی۔ داہنا گال ہتھیلی پر ٹکا ہوا تھا۔ اور وہ آدھ کھلی آنکھوں سے حمید کی جانب دیکھے جا رہی تھی۔

حمید نے سوچا یہ تو قطعی نامناسب بات ہو گی۔ لہٰذا اس نے اپنے جیب سے اپنی نوٹ بک نکالی اور اس پر لکھنے لگا۔ "میں کیپٹن حمید ہوں۔ خود بھی اسی جال میں آ پھنسا ہوں۔ تمہارے غائب ہو جانے کے بعد سے فریدی صاحب کی تلاش کی مہم اور تیز ہو گئی ہے.... اب یہاں ہماری مطلب کی گفتگو بذریعہ تحریر ہی ہو گی مجھے شبہ ہے کہ دیواروں میں مائیک پوشیدہ ہیں۔"

اس نے آگے بڑھ کر ڈائری اس کی طرف بڑھا دی۔ وہ پڑھتی رہی۔ پھر اٹھ بیٹھی چہرے پر مسرت کے آثار تھے۔

حمید سے قلم لے کر اس نے دوسرے صفحے پر لکھنا شروع کیا۔ "یہ ایک نقاب پوش ہے جو مجھے زبردستی یہاں اٹھا لایا ہے.... لیکن میرا یہ دعویٰ ہے کہ یہ میجر چوہان نہیں ہے۔ خود کو اس کا باس کہتا ہے۔ کہتا ہے کہ میجر چوہان میرے ہی لئے کام کرتا ہے۔"

دوسری بار حمید نے لکھ کر پوچھا کہ وہ آخر اسے لایا ہی کیوں ہے۔ جواب میں لیڈی پرکاش نے لکھا۔ "وہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ فریدی کے خلاف رپورٹ درج کرا دینے کے بعد میں اس سے ملی تھی یا نہیں۔ میں نے انکار کر دیا ہے۔ میں نے بھی تک اعتراف نہیں کیا۔ ویسے ڈر ہے کہ

کہیں تشدد پر نہ اتر آئے۔"

حمید نے اسے اطمینان دلانے کی کوشش کی کہ اس کی موجودگی میں ایسا نہیں ہو سکے گا۔ ویسے خود اپنے متعلق سوچ رہا تھا کہ دیکھئے کیا حشر ہوتا ہے۔ اس نے آرٹسٹ سمجھ کر تو پکڑا نہ ہو گا۔

❁

روزا ہوٹل ڈی فرانس میں مقیم تھی.... اور بس اپنے کمرے ہی تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ کھانا کمرے ہی میں کھاتی تھی۔ ڈائننگ ہال میں کسی وقت بھی نہیں دیکھی گئی۔ اس وقت اس نے فون کے ذریعے چائے طلب کی تھی اور آرام کرسی میں نیم دراز ویٹر کی منتظر تھی.... رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ ابھی تک نیند نہیں آئی تھی۔ ذہنی تھکن سے نڈھال ہو کر سوچا تھا شاید چائے ہی کچھ سکون مہیا کر سکے۔

دفعتاً دروازے پر دستک ہوئی اور اس نے تھکی تھکی سی آواز میں کہا۔ "آ جاؤ۔" لیکن دروازہ کھلتے ہی اچھل پڑی۔

آنے والا دراز قد اور بھاری بھرکم آدمی تھا۔ اوور کوٹ کا کالر کان کی لوؤں کے اوپر تک اٹھا ہوا تھا.... اور فلٹ ہیٹ کا گوشہ پیشانی پر اس طرح جھکا ہوا تھا کہ چہرہ صاف نہیں دکھائی دیتا تھا۔ روزا لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے پیچھے ہٹی۔ لیکن وہ اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ آنے والے نے مڑ کر دروازہ بند کر لیا اور جب روزا کی طرف مڑا تو اسے ایسا محسوس ہوا جیسے دوبارہ زندگی ملی ہو۔

یہ کرنل فریدی تھا۔ اب فلٹ ہیٹ اس کے ہاتھ میں تھی اور کوٹ کا کالر نیچے گرایا جا چکا تھا۔

"آپ....!" روزا کے لہجے میں حیرت تھی۔

"مجھے افسوس ہے کہ اتنی رات گئے آپ کو تکلیف دے رہا ہوں؟"

"اوہ.... نہیں ٹھیک ہے۔ تشریف رکھئے۔" روزا جلدی سے بولی۔

"آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" اس نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں.... لیکن.... لیکن آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں یہاں ہوں۔"

"ہمیں اپنی آنکھیں کھلی رکھنی پڑتی ہیں.... ویسے کوئی خاص بات نہیں۔"

اتنے میں شاید ویٹر نے دستک دی.... روزا نے دروازے کے قریب جا کر کہا کہ وہ ایک کپ اور لائے۔

"تکلف نہ کیجئے.... مجھے خواہش نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔

روزا کچھ نہ بولی۔ یک بیک وہ پھر نروس نظر آنے لگی تھی۔ اس نے اسے ایسی ہی نظروں سے

دیکھا جیسے معلوم کرنا چاہتی ہو کہ وہ کیوں آیا ہے؟

"آپ گھر سے اس طرح کیوں چلی آئی ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "حالانکہ یہ آپ کا نجی معاملہ ہے لیکن حالات ایسے ہیں کہ پوچھنا ہی پڑ رہا ہے کہ.....!"

"بس یونہی..... زندگی کی یکسانیت سے اکتا کر.....؟" اس نے کہا اور اتفاقاً فریدی سے نظر مل گئی۔ ایسے لگا جیسے الیکٹرک شاک لگا ہو۔ پورا جسم ہل کر رہ گیا..... اور کوشش کے باوجود بھی اپنی نظریں اس کے چہرے سے نہ ہٹا سکی۔ ایسا لگتا تھا جیسے مسحور ہو کر رہ گئی ہو۔

"آپ کب اور کس طرح ان لوگوں میں شامل ہوئی تھیں۔" فریدی نے ایسی آواز میں پوچھا جو تیز قسم کی سرگوشی سے مختلف نہیں تھی۔

"چھ ماہ پہلے کی بات ہے۔" وہ غیر ارادی طور پر بولی۔ "میں سو کر اٹھی تو تکیے پر ایک کاغذ رکھا پایا..... جس پر وہی چار لکیریں بنی ہوئی تھیں۔ جن کے متعلق آپ لوگ اب تک پوچھتے رہے ہیں۔ دوسری صبح پھر ایسا ہی کاغذ ملا۔ اس بار لکیروں کے نیچے تحریر تھا۔ "میں تمہیں بھی قتل کر سکتا ہوں..... اسی طرح جیسے یہ کاغذ کا ٹکڑا تمہارے تکیے تک پہنچا ہے۔ وہی ہاتھ جو اسے یہاں تک پہنچاتے ہیں تمہارا گلا بھی گھونٹ سکتے ہیں۔ میں ڈر گئی لیکن نہ جانے کیوں کسی سے اس کا تذکرہ کرنے کی ہمت نہ پڑی۔ بس پھر اس کے بعد فون پر احکامات ملنے لگے اس دھمکی کے ساتھ کہ اگر میں نے فلاں کام نہ کیا تو مجھے قتل کر دیا جائے گا۔ رفتہ رفتہ میں خوف کے تحت اس کی گرفت میں آتی گئی۔ لیکن مجھ سے جو کام لئے جاتے ہیں میں ان کے سر پیر سے واقف نہیں ہوتی۔"

"مثلاً.....!"

وہ کچھ سوچنے لگی..... پھر بولی۔ "مثلاً فلاں سڑک پر فلاں وقت سے فلاں وقت تک کھڑی رہو۔ تمہارے بالوں میں پھول ہونا چاہئے۔"

"ہوں..... اس موٹے آرٹسٹ کے یہاں آپ کو کس سلسلے میں وارننگ ملی تھی؟"

"اس سلسلے میں کہ میں کیپٹن حمید سے نہ ملوں۔"

"اسپرنگ نائٹ کلب سے آپ کا کیا تعلق ہے؟"

"کچھ بھی نہیں..... میں ایسی جگہوں پر نہیں جاتی۔ آج تک نہیں گئی.....!"

"تو آپ کو فون پر احکامات ملتے ہیں۔"

"جی ہاں..... اور..... اور.....!"

"ہاں کہئے..... کہئے.....!"

"وہ جس کی لاش ہمارے پھاٹک پر ملی تھی..... میرا بڑا اچھا دوست تھا..... اور شاید میری ہی

طرح وہ بھی اس نامعلوم آدمی کے جال میں پھنسا ہوا تھا۔"

"مجھے علم ہے.....!" فریدی نے کہا۔

"اور..... اور..... مجھے اپنے باپ سے شدید نفرت ہے۔" یک بیک اس کی آواز تیز ہو گئی۔

"میں نہیں سمجھا.....!"

"میں اس لئے یہاں آئی ہوں کہ دوبارہ اس کی شکل نہ دیکھ سکوں، وہ میرے لئے ایک بے رحم اجنبی ہے۔ میں نے بچپن سے اب تک کبھی یہ نہیں محسوس کیا کہ اس کے دل میں میرے لئے محبت تو بڑی چیز ہے رحم کا جذبہ بھی ہو..... میں اس کیفیت کو کس طرح الفاظ کا جامہ پہناؤں جو اس کے لئے محسوس کرتی ہوں..... مجھے شبہ ہے کہ پراسرار آدمی میرا باپ ہی ہو سکتا ہے..... جو بعض اوقات یہ نہیں چاہتا کہ میں گھر پر موجود رہوں.....!"

وہ خاموش ہو گئی..... فریدی کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے پوچھا۔ "کیا آپ اپنے والد کی آواز نہیں پہچان سکتیں۔"

"اصل آواز پہچان سکتی ہوں..... لیکن وہ آواز بدلنے کے ماہر ہیں۔ کسی زمانے میں انہیں اسٹیج سے دلچسپی تھی۔"

"اچھا.....!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "اگر آپ اسی کمرے تک محدود رہیں تو بہتر ہوگا..... تاوقتیکہ آپ کو میری طرف سے کوئی پیغام نہ ملے۔"

❁

میجر چوہان نشے میں تھا اور اندھا دھند کار ڈرائیو کر رہا تھا..... تیز ڈرائیونگ اس کی کمزوری تھی اور نشے کی حالت میں ایکسیلریٹر اس کا کھلونا بن کر رہ جاتا تھا۔ پھر اس وقت تو ایک پوزیشن بھی پہلو میں موجود تھی۔ ایک ہاتھ اسٹیئرنگ پر تھا اور دوسرا اس کی کمر کے گرد۔ سڑک بھی سنسان نہیں تھی۔

"اوہ..... کیا کر رہے ہو.....!" لڑکی خوفزدہ آواز میں بولی۔ "آہستہ چلو۔"

شاید اسے زیادہ نشہ نہیں ہوا تھا۔ دونوں کافی دیر تک ایک غیر معروف سی بار میں بیٹھے رہے تھے اور چوہان بے تحاشہ پیتا رہا تھا۔ لڑکیوں کی موجودگی میں عموماً وہ خود کو بہت بڑا پیکر ثابت کرنے پر تل جاتا تھا۔

لڑکی پھر منمنائی اور اس نے جھلا کر کہا۔ "میں آنکھیں بند کر کے بھی ڈرائیو کر سکتا ہوں۔"

"مجھے یہیں اتار دو..... میں نہیں جاؤں گی۔"

چوہان نے قہقہہ لگایا لیکن کچھ بولا نہیں۔ ایکسیلریٹر پر دباؤ کچھ اور بڑھ گیا۔ حد ہو گئی کہ ایک

جگہ اس نے چوراہے کے سگنل کی بھی پرواہ نہ کی.... اور ایک موٹر سائیکل سوار سارجنٹ اس کے پیچھے دوڑ پڑا۔

لڑکی نے مڑ کر دیکھا اور پرمسرت لہجے میں بولی۔ "ٹریفک سارجنٹ آرہا ہے.... اب تو روکو گے"

"جیب میں پڑے رہتے ہیں ٹریفک سارجنٹ....!" اس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا اور رفتار کچھ اور تیز ہو گئی.... لیکن اس کی مشاقی حیرت انگیز تھی.... بڑی صفائی سے ٹریفک کے اژدھام میں راستے بنا رہا تھا.... کبھی کبھی لڑکی اپنی بے ساختہ قسم کی چیخوں پر قابو نہ پا سکتی۔

ایک بار اسے ایسا لگا جیسے اب یہ کار اگلی گاڑیوں میں سے کسی سے ضرور ٹکرا جائے گی اور اس نے اضطراری طور پر چوہان کا وہ ہاتھ پکڑ لیا جو اسٹیئرنگ پر تھا.... اور پھر آنکھوں میں بجلی سی کوند گئی.... اور ایسا محسوس ہوا جیسے سارا جسم مواد سے بھرا ہوا پھوڑا بن گیا ہو.... اذیت کے شدید ترین احساس کے ساتھ ہی ہوش جاتے رہے....

زبردست ٹکراؤ ہوا تھا.... چوہان کی گاڑی اگلی کار کی ڈکی پر چڑھ گئی۔ دونوں بے حس و حرکت ہو گئے تھے۔

دونوں جانب کا ٹریفک رک گیا؟

❁

سیاہ پوش بہت احتیاط سے قدم بڑھا رہا تھا.... اسپرنگ نائٹ کلب کی عمارت کا عقبی پارک تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ عمارت کے پچھلے دروازے کے قریب پہنچ کر رک گیا.... چند لمحے اِدھر اُدھر دیکھتا رہا پھر دروازے کو دھکا دیا اندر گہری تاریکی تھی.... لیکن اس نے تاریکی کے اور گہرے ہو جانے کی پرواہ کئے بغیر دروازہ بند کر کے بولٹ کر دیا اور ٹٹولتا ہوا بائیں جانب بڑھنے لگا۔

اب وہ تنگ سے زینے طے کرتا ہوا اوپر جا رہا تھا.... ان زینوں کا اختتام چھت پر ہوا.... لیکن آگے جانے کا راستہ نہیں تھا.... چھٹیوں یا ساتویں ہی زینے پر اس کا سر چھت سے ٹکرانے لگا تھا۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے کسی قسم کے میکنزم کو حرکت دی۔ ہلکی سی آواز کے ساتھ چھت کا کچھ حصہ بائیں جانب سرک گیا اور گہری نیلی روشنی زینوں پر پڑنے لگی۔ بقیہ زینے طے کر کے وہ میجر چوہان کی خواب گاہ میں داخل ہوا.... وہ مسہری پر لیٹا ہوا نظر آیا۔ داہنا بازو.... اور چہرہ پٹیوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ سیاہ پوش نے اس کے پیر پر ہاتھ رکھ کر جنبش دی۔

"کون....؟" میجر چوہان چیت ہو کر دہاڑا۔

"آہستہ میں ہوں....!"

"اوہ....!" میجر چوہان نے اٹھنے کی کوشش کی۔

"ٹھہرو....!" سیاہ پوش نے جھک کر اسے سہارا دیا اور وہ اٹھ بیٹھا۔

"تم ہسپتال سے اتنی جلدی کیوں چلے آئے....!" اس نے پوچھا۔

"احساس ذمہ داری.... میری دانست میں حالات ایسے نہیں کہ....!"

"ٹھیک ہے.... ٹھیک ہے۔"

"ڈاکٹر کو بھاری رشوت دینی پڑی۔ پولیس کو بیان دے چکا ہوں۔ لڑکی مر گئی۔ کیس چلے گا۔"

"پرواہ مت کرو.... اسے میں دیکھوں گا؟ کیا اس وقت تم میرے ساتھ باہر چل سکو گے۔"

"کیوں نہیں.... میرے پیر بالکل ٹھیک ہیں۔" میجر چوہان نے کہا۔

"کیا اب بھی تم غیر محتاط ہو کر پیو گے۔"

"ہرگز نہیں.... یہ لڑکیاں مجھے بہکا دیتی ہیں۔"

"خیر چلو.... میں تمہیں دکھاؤں گا کہ کام کیسے کئے جاتے ہیں۔"

"کیا فریدی بھی ہاتھ آگیا....؟" چوہان نے خوش ہو کر پوچھا۔

"جلدی ہی وہ بھی گرفت میں ہو گا۔ جال پھیلا چکا ہوں۔ یونہی چلو.... دل چاہے تو سلیپنگ گاؤن ڈال لو۔"

چوہان تیار ہو کر اس کے ساتھ چلنے لگا۔ بایاں ہاتھ اس کے شانے پر تھا۔ اندھیرے ہی میں انہوں نے زینے طے کئے اور تھوڑی دیر بعد عقبی پارک میں تھے۔

اب ایک سیاہ گاڑی انہیں نامعلوم منزل کی طرف لئے جا رہی تھی۔

تقریباً آدھے گھنٹے چلتے رہنے کے بعد گاڑی شہر کی ایک ہائی کلاس آبادی میں داخل ہوئی اور ایک عظیم الشان عمارت کے سامنے رک گئی۔

"اترو....!" سیاہ پوش نے کہا۔ "آج میں تمہیں اپنا ایک ٹھکانا دکھانے جا رہا ہوں۔"

"شکریہ جناب....!" میجر چوہان نے لجاجت سے کہا۔

"یہاں بھی دور دور تک اندھیرا تھا.... پتہ نہیں کیوں یہاں روشنی نہیں تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کئی الیکٹرک پولس کے بلب بیک وقت فیوز ہو گئے ہوں۔"

عمارت کا بیرونی حصہ بھی تاریک تھا.... میجر چوہان سیاہ پوش کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اندھوں کی طرح آگے بڑھتا رہا۔

اندر راہ داری روشن تھی۔ لیکن عمارت سنسان معلوم ہوئی.... وہ ایک کمرے میں آئے.... کمرے میں کسی قسم کا فرنیچر نہیں تھا۔ فرش بھی ننگا ہی نظر آیا.... سیاہ پوش نے سامنے

والی دیوار پر لگے ہوئے سوئچ بورڈ کی طرف ہاتھ بڑھایا اور دوسرے ہی لمحے میں فرش دھنستا ہوا سا معلوم ہونے لگا.... پورا فرش جو کسی لفٹ کی طرح نیچے جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد دھچکے کے ساتھ رک گیا۔ سامنے ایک کھلا ہوا دروازہ تھا.... سیاہ پوش نے اس کی جانب اشارہ کیا.... چوہان نے پھر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ حالانکہ یہاں روشنی تھی پھر بھی شاید وہ سہارے کے بغیر چلنے میں دشواری محسوس کر رہا تھا۔

یہ ایک وسیع ہال تھا.... یہاں تین آدمی کرسیوں سے بندھے بیٹھے تھے۔ لیکن ان کے چہرے سامنے نہیں تھے۔ ان میں سے ایک عورت معلوم ہوتی تھی۔ وہ دونوں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ان کے سامنے آ گئے۔

"ارے...." دفعتاً میجر چوہان کے منہ سے نکلا۔

سیاہ پوش نے زہریلے لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "لیڈی پرکاش.... تم جانتے ہی ہو گے۔ کیپٹن حمید سے بھی واقف ہو گے.... اور یہ.... یہ ہیں محکمہ سراغ رسانی کے انسپکٹر جنرل صاحب۔"

"مگر لیڈی.... پرکاش....!" چوہان ہچکچاہٹ کے ساتھ بولا۔

اس نے فریدی کو معلومات فراہم کی تھیں۔

"یہ جھوٹ ہے بکواس ہے....!" لیڈی پرکاش چیخی۔

"شٹ اپ....!" سیاہ پوش غرایا۔ "ابھی میں تمہیں بڑی بھیانک سزا دوں گا۔ تم تینوں کان کھول کر سن لو۔ اگر میرے سوالات کے صحیح جواب نہ دیئے تو بہت بُرا حشر ہو گا۔"

"میں لیڈی پرکاش کے لئے مغموم ہوں۔" میجر چوہان کی آواز میں غم کی جھلکیاں تھیں۔

سیاہ پوش نے اس کی طرف توجہ دیئے بغیر انسپکٹر جنرل سی آئی ڈی سے پوچھا۔ "بلیو سیل کاغذات کہاں رکھے ہیں۔"

انسپکٹر جنرل اُسے خونخوار نظروں سے دیکھتا رہا۔ کچھ بولا نہیں۔

"میں تمہیں صرف دس منٹ دے سکتا ہوں.... اس کے بعد.... یہ دیکھو۔" اس نے دیوار کی طرف ہاتھ بڑھا کر ایک پش سوئچ کے بٹن پر انگلی رکھ دی اور سامنے کی دیوار میں ایک اسٹیج نما دریچہ نمودار ہو گیا۔ اب سیاہ پوش نے ایک خالی کرسی اٹھا کر اسٹیج نما دریچے میں پھینکی جس کے فرش پر گرتے ہی ایک شعلہ سا لپکا اور دوسرے ہی لمحے میں وہ راکھ کا ڈھیر تھی.... تینوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"آنریری کیپٹن حمید....!" اس نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "کیا تم آنریری کرنل فریدی کا پتہ نہیں بتاؤ گے۔"

"ب.... بتاؤں گا....!" حمید ہکلایا۔ "وہ اپنے ایگریکلچرل فارموں میں سے کسی ایک میں پناہ گزیں ہیں۔"

"کیا تم مجھے فارموں کے پتے بتا سکو گے۔"

"یقیناً بتا سکوں گا...." حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور آئی۔ جی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "یہ تم کیا کر رہے ہو۔"

"ابھی میری شادی نہیں ہوئی جناب۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "لہٰذا جوانی ہی میں راکھ ہو جانا قطعی پسند نہ کروں گا۔"

"گڈ سمجھ دار آدمی ہو۔ لیڈی پرکاش تم کیا کہتی ہو۔"

"میں فریدی سے نہیں ملی تھی۔"

"اچھی بات ہے۔" وہ غراتا ہوا اس کی کرسی کی طرف بڑھا اور اسے کرسی سمیت اٹھانے کے لئے جھکا ہی تھا کہ میجر چوہان ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ٹھہر جایئے.... مجھ سے نہ دیکھا جائے گا۔"

"اچھا تو پہلے تم ہی جاؤ۔" وہ سیدھا کھڑا ہو کر بولا۔

"میں نہیں سمجھا....؟"

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں احمق ہوں۔ تم جیسے گدھے کو اپنی قیام گاہ دکھاؤں گا جس کی حماقتوں کی بناء پر یہ لوگ ہماری طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔"

"میری وجہ سے کیوں....؟" چوہان نے حیرت سے کہا۔

"تم نے عورتیں پالنی شروع کر دیں اور انہیں تصرف میں بھی لاتے رہے۔ حالانکہ وہ صرف اس لئے تھیں کہ کام کے آدمیوں کو ہماری طرف لائیں۔ میجر چوہان ان تینوں سے پہلے میں تمہیں جہنم میں جھونکوں گا۔"

"اوہ....!" چوہان نے طویل سانس لی اور ہنس پڑا.... ہنستا رہا.... پھر سنجیدگی سے بولا۔ "تمہارے جہنم کا نمونہ دیکھ چکا ہوں.... آؤ کوشش کرو...." سیاہ پوش اُسے گھورتا ہوا آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگا۔

"ٹھہرو....!" دفعتاً چوہان ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں بُری طرح زخمی ہوں۔ کیا تم میرے صحت یاب ہونے کا انتظار نہیں کرو گے۔"

سیاہ پوش جھپٹ پڑا.... دونوں کے جسم ٹکرائے اور پھر نہ جانے کیا ہوا کہ سیاہ پوش کئی فٹ اونچا اچھل کر منہ کے بل فرش پر آ رہا۔

کمرے میں ایک زہریلا سا قہقہہ گونج رہا تھا.... لیکن یہ آواز....؟ حمید کرسی سمیت اچھل

پڑا۔ یہ آواز فریدی کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی تھی۔

"بریور.... او....!" اس نے حلق پھاڑ کر نعرہ لگایا۔

چوہان کے چہرے پر بندھی ہوئی پٹیاں پھسل کر نیچے آ رہیں.... فریدی سیاہ پوش کو حقارت سے دیکھ رہا تھا۔

"اوہ تم....!" آئی جی کے حلق سے مسرت آمیز چیخ نکلی.... ٹھیک اسی وقت لیڈی پرکاش نے قہقہہ لگایا۔

لیکن ان میں سے کوئی بھی نہ دیکھ سکا کہ سیاہ پوش نے ریوالور نکال لیا ہے۔ ہلکی سی آواز سنائی دی مگر فریدی اسی طرح کھڑا رہا۔ سیاہ پوش نے بوکھلا کر دیوار کی طرف دیکھا اور پھر ٹریگر دباتا ہی چلا گیا۔ فریدی مسکرا رہا تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ "فضول ہے دوست.... یہ تو اسی وقت خالی ہو چکا تھا جب میں تمہارے شانے پر ہاتھ رکھے چوہان کی خواب گاہ سے نیچے اتر رہا تھا.... سیاہ پوش نے لیٹے ہی لیٹے کسی ہلکی اور مختصر جسامت رکھنے والے سانپ کی طرح جست لگائی اور فریدی کی پنڈلیاں پکڑ کر جھٹکا دیا.... شاید وہ اس غیر متوقع حملے کے لئے تیار نہیں تھا۔ لڑکھڑایا اور اسی پر آ رہا.... اب دونوں فرش پر ایک دوسرے سے گتھے ہوئے تھے۔ سیاہ پوش بھی کمزور نہیں معلوم ہوتا تھا.... اس پر تو جیسے دیوانگی کا دورہ پڑ گیا ہو۔ فریدی کو بُری طرح نوچ کھسوٹ رہا تھا۔ فریدی کوشش کر رہا تھا ایک ہاتھ سے اس کے دونوں ہاتھوں کو قابو میں رکھے اور دوسرے سے نقاب اتار پھینکے۔

"فریدی.... میں بے بس ہوں۔" دفعتاً کرسی سے بندھے ہوئے آئی جی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"آپ فکر نہ کیجئے...." فریدی بولا.... اور سیاہ پوش کو حمید کی کرسی کی طرف لیتا چلا آیا... حمید کے پیر بہر حال آزاد تھے۔ جیسے ہی فریدی نے سیاہ پوش کا بایاں ہاتھ کھینچ کر پھیلاتے ہوئے فرش پر رکھا اچانک اس نے دوسرے ہاتھ سے اس کی نقاب نوچ پھینکی۔ "پیٹر....!" آئی جی متحیرانہ آواز میں چیخا۔ "ڈی۔ آئی جی جوزف پیٹر....!"

یہ فریدی کے محکمے کا یہودی ڈی۔ آئی۔ جی مسٹر پیٹر تھا۔

"مار ڈالوں گا.... تم سبھوں کو مار ڈالوں گا۔" دفعتاً ڈی۔ آئی۔ جی پیٹر اس طرح اچھلا جیسے ابھی تک سوتا رہا ہو.... اس وقت اس پر فریدی کی گرفت مضبوط نہیں تھی لہٰذا وہ سنبھلنے کی کوشش کے باوجود بھی دوسری طرف جا گرا.... پیٹر نے نکاسی کے دروازے کی طرف چھلانگ لگائی لیکن قبل اس کے کہ اس کے پیر دوبارہ زمین سے لگتے.... اس کی دونوں ٹانگیں فریدی کی

گرفت میں آ گئیں۔

"بریو.... او....!" اس بار لیڈی پرکاش چیخی.... پیٹر منہ کے بل فرش پر گرا تھا اور اس کی دونوں ٹانگیں اب فریدی کی گرفت میں تھیں.... اس نے پلٹنا چاہا لیکن فریدی کی ٹھوکر سر پر پڑی اور وہ ایک کریہہ سی آواز کے ساتھ پھر ڈھیر ہو گیا۔

اس بار اس کا جسم بے حس و حرکت ہو گیا تھا.... فریدی نے ٹانگیں چھوڑ دیں اور آئی۔ جی کی کرسی کی طرف بڑھا۔

"اسے دیکھو....!" آئی۔ جی نے بیہوش مجرم کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"ایسی جگہ ٹھوکر لگی ہے کہ ایک گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گا۔" فریدی نے کہا اور رسی کے بل کھولنے لگا.... آئی۔ جی کے چہرے پر عجیب آثار تھے.... اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں جانتا تھا کہ تم جاگ رہے ہو۔"

فریدی کے استفسار پر اس نے بتایا کہ وہ کس طرح یہاں پہنچا تھا۔ "آفیسرز کلب میں کافی پی رہا تھا کہ دفعتاً آنکھیں نشے سے بوجھل ہونے لگی تھیں اور جب دوسری بار ہوش آیا تھا تو خود کو اس تہہ خانے میں پایا تھا۔"

"مجھے اس کی خوشی ہے کہ آپ یہاں موجود تھے۔" فریدی نے کہا۔ "ورنہ میں کسی کو بھی یقین نہ دلا سکتا کہ ان حرکات کی پشت پر ہمارا ڈی۔ آئی۔ جی تھا۔"

"میں سوچ بھی نہ سکتا۔" آئی۔ جی نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔ "کہ یہ بلیو سیل کاغذات کی فکر میں ہو گا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ لیڈی پرکاش اور حمید کو بھی رسی سے نجات دلانے کے بعد چند لمحے چاروں طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ "میں بہت دنوں سے ان لوگوں کی فکر میں تھا.... چونکہ بلیو سیل پیپرز کے ذریعے ان کا طریق کار میرے علم میں آ چکا تھا.... اس لئے ان کے اشارہ باز ایجنٹوں نے بہت جلد مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔"

"تو کیا یہ صرف بلیو پیپرز حاصل کرنے کے لئے اتنا کچھ کر گزرا تھا۔" آئی۔ جی نے پوچھا۔

"نہیں جناب.... جاسوسی کا ایک لامتناہی سلسلہ پھیلا ہوا تھا.... اور یہ جوزف پیٹر ہی اس تنظیم کا سرغنہ ثابت ہوا ہے۔ یہ پراسرار سیاہ پوش....!" فریدی بیہوش مجرم کی طرف ہاتھ اٹھا کر خاموش ہو گیا۔ وہ سبھی خاموش تھے۔ لیڈی پرکاش کبھی فریدی کی طرف دیکھتی تھی اور کبھی بیہوش سیاہ پوش کی طرف۔

دوسرے دن شام سے پہلے فریدی سے ملاقات نہ ہو سکی۔ حمید کئی الجھنوں میں مبتلا تھا۔ پہلی تو یہی کہ آخر یہ بلیو سیل پیپرز کیا بلا ہیں۔ دوسرے یہ کہ سائرہ عشرت پر نظر رکھنے کو کہا گیا تھا؟ تیسرے یہ کہ مجرم خود اپنی موت کو اپنے ساتھ تہہ خانے میں کیوں لایا تھا۔ اسے علم نہیں تھا کہ میجر چوہان کسی حادثے کا شکار ہو کر صاحب فراش ہو گیا ہے۔ تیسرا سوال یہ تھا کہ کیا فریدی پہلے سے جانتا تھا کہ ان حرکات میں ڈی۔ آئی۔ جی پیٹر ہی کا ہاتھ ہے؟

جیسے ہی ملاقات ہوئی اس نے سوالات کی بوچھاڑ شروع کر دی۔

"ذرا دم لینے دو...." فریدی ہاتھ اٹھا کر مسکرایا۔ حمید خاموش تو ہو گیا لیکن اس کے چہرے پر اضطراب کی لہریں تھیں۔ آخر فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ "یقیناً پیٹر ہی اس تنظیم کا سرغنہ تھا۔ حالانکہ ابھی تھوڑی ہی دنوں پہلے دارالحکومت میں اس کا تقرر ہوا تھا۔ لیکن اس کے گرگے بہت پہلے سے یہاں کام کر رہے تھے۔ یہاں کی تنظیم کا نائب میجر چوہان تھا جو مختلف ذرائع سے کام کے لوگوں کو اپنے پھندے میں پھانس کر حکومت کے راز معلوم کیا کرتا تھا۔ ان کام کے آدمیوں میں سے کچھ تو بلیک میل کئے جاتے تھے اور کچھ کو دوسرے ذرائع سے خوفزدہ کر کے قابو میں کیا جاتا تھا۔ کچھ ایسے بھی تھے جنہیں کسی بات کی بھی پرواہ نہ ہونے کی بناء پر اسی قسم کے نشوں کا عادی بنایا جاتا تھا جو عام نہیں تھے۔ ان کا حصول صرف اسپرنگ نائٹ کلب ہی سے ہو سکتا تھا۔ لہٰذا عادی ہو جانے کے بعد وہ پوری طرح میجر چوہان کی گرفت میں ہوتے تھے۔ ان ایجنٹوں کو باقاعدہ طور پر ٹریننگ دی جاتی تھی اور یہ اشاروں کے ذریعہ ایک دوسرے کو پیغامات پہنچایا کرتے تھے مختلف کاموں کے لئے مختلف قسم کے لوگ تھے۔ لیڈی پرکاش کی زبانی سن ہی چکے ہو کہ وہ اہم آدمیوں کو کلب سے منسلک ہو جانے کی ترغیب دیا کرتی تھی اور وہ عیاشیوں کے لالچ میں وہاں جا پھنستے تھے۔ سائرہ عشرت بھی ایک ایسی ہی عورت ہے۔ جس کا شوہر بڑے سائنس دانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ جانتے ہی ہو کہ جوہری توانائی کے کمیشن کا چیئرمین بھی ہے اور صدر کا سائنسی مشیر بھی۔ ایک دوست ملک سے ہمارا ایٹمی رازوں کا تبادلہ ہوتا ہے.... یہ جوزف پیٹر دراصل انہیں رازوں کی فکر میں تھا۔ جس ملک کا جاسوس تھا اس سے ہمارے دوست ملک کے تعلقات کبھی اچھے نہیں رہے وہ نہیں چاہتا کہ وہ ایٹمی پاور میں اس پر سبقت لے جا سکے۔ اب خیال کرو کہ ایسے آدمی کی بیوی کتنی اہم ہو سکتی ہے۔ بھئی وہ عورت ہی تو تھی جس نے آدم کو جنت سے نکلوایا تھا اس کے باوجود بھی اسے پیاری رہی۔ لہٰذا اس سلسلے میں شیطان کا رول یہ تنظیم ادا کرنے والی تھی....

لیکن کامیاب نہ ہو سکی.... سائرہ عشرت ابھی اس ڈھرے پر نہیں آئی تھی کہ اسے مجبوراً ان کے لئے کچھ کرنا پڑتا۔"

"لیکن آپ نے چہرے پر پٹیاں کیوں چڑھا رکھی تھیں۔"

"یہ بھی تائید غیبی تھی کہ چوہان کار کے حادثہ میں بہت زیادہ زخمی ہو گیا۔ میں نے سوچا کچھ دن اسپرنگ کلب کے رازہائے درون پردہ کا بھی مشاہدہ کیا جائے۔ لہٰذا چوہان کی جگہ حاصل کر لینا میرے لئے مشکل نہیں تھا۔ اس طرح کے انتظامات کئے کہ چوہان کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا اور میں بحیثیت چوہان پٹیوں سے ڈھکا ہوا ہسپتال سے رخصت ہوا۔ میں جانتا تھا کہ چوہان کسی اور کے لئے یہ کام کر رہا ہے لیکن اس کی توقع نہیں تھی کہ وہ آدمی اتنی آسانی سے آ ٹکرائے گا لیکن چونکہ وہ چوہان کی بعض حماقتوں کی بناء پر اس کا بھی خاتمہ کر دینا چاہتا تھا اس لئے مجھے چوہان سمجھ کر اپنے ساتھ لے گیا۔"

"اچھا آپ کو پہلے سے علم تھا کہ وہ پیٹر ہی ہے۔"

"اسی تفتیش کے دوران میں بعض حالات نے اس کی طرف اشارہ کیا تھا۔ حمید صاحب یہ سب کچھ تھا لیکن اگر موقع پر خود آئی۔ جی صاحب بھی موجود نہ ہوتے تو دوسروں کو یہ باور کرانا مشکل ہو جاتا کہ خود ڈپٹی انسپکٹر جنرل ہی ایک ملک کے جاسوسوں کی سربراہی کر رہا تھا۔"

"اور یہ بلیو سیل پیپرز....!"

"یہ کاغذات ہمارے اسی دوست ملک کے محکمہ سراغ رسانی کی طرف سے ہمیں موصول ہوئے تھے۔ جن میں ہمیں ہدایت دی گئی تھی کہ جاسوسوں کا گروہ ہمارے باہمی کاموں میں روڑے اٹکانا چاہتا ہے۔ اس کی آپس کی پیغام رسانی کے طریقے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا گیا تھا وہ جسمانی اشاروں سے کام لیتے ہیں۔"

"اور میں سمجھتا تھا کہ آپ کی جنسیت اب تصویروں پر اتر آئی ہے۔"

"شش....!" فریدی بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"اوہاں.... لیڈی پرکاش کہہ رہی تھی کہ وہ گوریلا جس قیمت پر چاہیں آپ اس کے ہاتھ فروخت کر سکتے ہیں....!" حمید نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"خبردار.... اگر اب کبھی وہ کھال استعمال کی تو اچھا نہ ہوگا.... برباد کر دوں گے اسے۔"

"میں سچ کہتا! اس رات اگر پرکاش کا چمپینزی مرعوب نہ ہو گیا ہوتا.... تو گوریلے کی کھال سمیت میرے جسم کا ریشہ ریشہ الگ کر دیتا۔ تو پھر فروخت کر دوں لیڈی پرکاش کے ہاتھ۔" حمید نے بائیں آنکھ دبائی اور شریر سی مسکراہٹ کے ساتھ فریدی کی طرف دیکھتا رہا۔

فریدی نہ جانے کیا سوچ رہا تھا۔ دفعتاً وہ حمید کی طرف مڑا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "محبت اور تعلق کا اظہار بے حد ضروری ہوتا ہے۔ روزا سمجھ رہی تھی کہ اس کا باپ ہی ان سارے جرائم کا ذمہ دار ہے.... وہ کبھی اس کی طرف اس طرح متوجہ نہیں ہوا جیسے کسی باپ کو ہونا چاہئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اس سے نفرت کرنے لگی اور یہ نفرت اس حد تک بڑھی کہ وہ اسے پھانسی کے پھندے تک پہنچا دینے پر آمادہ ہو گئی۔"

حمید کے استفسار پر اس نے روزا کی کہانی دہرائی اور بولا۔ "بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بچوں کے لئے جسمانی زندگی کی آسائش مہیا کر دینے تک ہی ان کے فرائض کی حدود ہیں۔ بچوں کی ذہنی زندگی سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ یہ بیحد خطرناک ہے۔ حمید صاحب بے حد خطرناک۔"

ختم شد

ابنِ صفی

جلد نمبر
30

جاسوسی دنیا

91- ستاروں کی موت

92- ستاروں کی چیخیں



پیشرس

جاسوسی ناولوں کے ناموں سے اکثر مغالطہ بھی ہوجاتا ہے۔ مثال کے طور پر ''ستاروں کی موت'' ہی کو لے لیجئے۔ ''اشاروں کے شکار'' میں اس کا اعلان ہوا تھا اور بعض پڑھنے والوں نے اس کے متعلق اپنی پیش گوئیاں مجھے بھی لکھ بھیجی تھیں۔ سبھی اس بات پر متفق تھے کہ یہ سائنس فکشن ہوگا۔ یعنی دنیا کے چند ایسے نالائق سائنسدان جنہیں ان کے والدین نے عاق کردیا۔ بعض ستاروں پر جابسیں گے اور وہاں وہ اودھم مچائیں گے کہ ستارے اپنے محوروں سے ہٹ کر ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے اور فنا ہوجائیں گے۔ اس طرح ''ستاروں کی موت'' بھی واقع ہوجائے گی اور میں اپنے پیسے کھرے کرکے گھر کی راہ بھی لوں گا۔

لیکن معاف کیجئے گا ایسا نہیں ہوسکا۔ اس لئے کہ میں واقعی لکھنے کے موڈ میں تھا۔ اگر لکھنے کے موڈ میں نہ ہوتا تو سچ مچ یہ سائنس فکشن ہی بن جاتا۔ یقین کیجئے میں نے اپنے وہ سائنس فکشن جنہیں میں قطعی طور پر سائنس فکشن کہنے کو تیار نہیں ایسے ہی موڈ میں لکھے ہیں۔ ان پر زیادہ محنت نہیں کرنی پڑتی۔ مکھی پر مکھی مارتے چلے جایئے۔ اختتام تک پہنچتے پہنچتے ایک عدد سائنس فکشن تیار ہوجائے گا۔ ہوسکتا ہے کبھی بوریت کے عالم میں پھر ایک

آدھ سائنس فکشن گھسیٹ دوں۔

''اکثر پڑھنے والے فرمائش کرتے رہے ہیں کہ ''عمران اور اُس کی ٹیم کو بھی چاند پر لے جاؤں۔'' لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ امریکہ اور روس ابھی تک چاند ہی کا مسئلہ نہیں طے کر پائے۔ ستارے تو بہت دور ہیں۔ ویسے یہ ممکن ہے کہ فریدی تسخیر جن کے لئے چلہ کشی کرے اگر شہنشاہ جنات قابو میں آجائے تو اس سے استدعا کرے کہ بھئی پہنچا دے مریخ یا زہرہ تک۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔ یا پھر کوئی ایسی مشین ایجاد کی جائے جس کے ذریعہ مسلّم آدمی ٹرانسمٹ ہوسکیں..... آدمی کو مشین میں بند کرکے بٹن دبایا اور وہ کھٹاک سے مریخ کے لئے ٹرانسمٹ ہوگیا..... (معاذ اللہ)

دراصل اس طرح کی مشین بناتے ہوئے اب کچھ شرم سی آنے لگی ہے۔ غالباً آپ وہ مشین ابھی تک نہ بھولے ہوں گے جو آدمیوں کو پیس کر بن مانس بنا دیا کرتی تھی۔ (اللہ مجھے معاف کرے..... جی چاہے تو حوالے کے لئے میرا ناول جنگل کی آگ دیکھ لیجئے۔)

ویسے بڑا جی چاہتا ہے کہ آدمی کو سچ مچ آدمی بنانے کی کوئی مشین ایجاد کرسکوں، بہرحال کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ''ستاروں کی موت'' سائنس فکشن نہیں بلکہ فلمی ستاروں کی کہانی ہے۔

ادھر کچھ دنوں سے ایسی فرمائشات وصول ہو رہی ہیں کہ ویسے ہی ناول لکھئے جیسا فلاں لکھا تھا..... غالباً اس قسم کی فرمائش

کے سلسلے میں پہلے بھی کسی پیشرس میں اظہار خیال کر چکا ہوں کہ یہ میرے بس کی بات نہیں۔ اس قسم کی فرمائشات نہ پڑھنے والوں کو فائدہ پہنچا سکتی ہیں اور نہ لکھنے ہی والے کو۔ اور پھر میرے پڑھنے والوں کا یہ عالم ہے کہ ''بلی چیختی ہے'' پڑھ کر ایک صاحب نے مجھے لکھا تھا کہ ''چٹانوں میں فائر'' میں آپ نے ''لی یوکا'' کی کہانی لکھی تھی۔ لہٰذا اسے ''لی یوکی'' کی کہانی سمجھنا چاہئے۔ گویا یہ مجھ پر پلاٹ کے اعادہ کا ڈھکا چھپا الزام ہے۔

پھر بتایئے ایسی صورت میں جبکہ پچھلے ناولوں کی طرز کے ناول لکھنے لگوں تو کیا حشر ہوگا میرا آپ کے ہاتھوں۔

بس اسی شاعر کا سا حال ہوگا جس کی کوئی ایک نظم کافی مقبول ہوئی تھی۔ اب وہ بے چارہ جس مشاعرے میں بھی پڑھنے بیٹھتا ہے اسی ایک نظم کی فرمائش شروع ہو جاتی ہے۔ ہر چند کہ اس بار نئی نظم لایا تھا لیکن مجبوراً وہی نظم سنانی پڑتی ہے۔ خوب شہرت پاتی ہے وہ نظم..... لیکن کچھ دنوں کے بعد اس کے مداح کہنا شروع کر دیتے ہیں ''اماں اب کیا رکھا ہے اس کے پاس..... دو چار نظمیں تھیں سو ختم ہو چکیں..... وہ مر چکا ہے۔''

لہٰذا مجھے اپنے طور پر لکھنے دیجئے۔ اسی صورت میں آپ مجھے زیادہ دنوں تک زندہ رہنے دیں گے۔ یعنی میں آپ کو نئی نئی کہانیاں دے سکوں گا۔

ابنِ صفی

۱۴ اکتوبر ۱۹۶۴

دو کیمپ

کچھ دیر بعد پھر گہرے بادلوں نے فضا پر محیط ہو کر وہاں خوشگوار سی خنکی پھیلا دی..... لیکن افق میں نظر آنے والے درختوں کی سبز لکیر پر اب بھی دھوپ چمک رہی تھی۔ اس بار ہوا کے جھونکے اپنے ساتھ بوندیں بھی لائے تھے۔

چھولداریوں کے پردے پھڑ پھڑانے لگے..... کئی گھوڑے بیک وقت ہنہنائے۔ پھر سناٹا چھا گیا اور آس پاس بکھرے ہوئے خشک پتوں کے ڈھیر تیزی سے آنے والی بڑی بڑی بوندوں سے بجتے رہے۔ پھر عرصہ سے پڑی ہوئی خشک زمین سے سوندھی سوندھی خوشبو اٹھنے لگی۔ چھولداریوں کے پردے اٹھا دیئے گئے اور ایک پستہ قد آدمی ہاتھ میں بیئر کا بڑا سا جگ سنبھالے ہوئے باہر نکل آیا۔ یہ مشہور فلمی کومیڈین مردنگ تھا۔ پتہ نہیں اس نے اپنے لئے یہ نام کیوں منتخب کیا تھا جبکہ جثہ کے اعتبار سے سو فیصدی ڈھولک معلوم ہوتا تھا۔

اس نے اپنا جگ آسمان کی طرف اٹھا کر قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ ''وِش یو گڈ لک مائی سوئٹ اینجلز آف پرے ٹی ایسٹ ڈریمیز.....!''

کئی دنوں کی سخت تپش کے بعد بادل آئے تھے۔ وہ وہیں کھڑا بیئر پیتا رہا۔ بوندیں جتنی تیزی سے آئی تھیں اسی طرح اچانک غائب بھی ہوگئیں اور پھر تھوڑی دیر بعد زمین سے اٹھنے والی سوندھی خوشبو ذہن پر گراں گذرنے لگی۔ کیونکہ اس کے ساتھ ہی زمین سے گویا آنچ سی نکلنے لگی تھی۔ دو تین آدمی اور چھولداریوں سے نکل آئے اور ان میں سے ایک نے ہاتھ ہلا کر غصیلی آواز میں کہا۔ ''مردنگ تم منحوس ہو..... سو فیصدی منحوس۔''

''وہ کیوں جناب..... ڈائریکٹر صاحب.....!'' مردنگ نے مضحکہ اڑانے کے سے انداز میں پوچھا۔

''تم جس بات کی خواہش کرتے ہو وہ نہیں پوری ہوتی۔''

''ہنہ.....!'' مردنگ آگے پیچھے جھولتا ہوا گنگنانے لگا۔

''ڈوبنے جاؤں تو دریا ملے پایاب مجھے۔''

''میں آج ایلو پمنٹ سیکوینس ضرور ٹیک کروں گا۔'' ڈائریکٹر نے بائیں ہتھیلی پر گھونسہ مار کر کہا۔

''آسمان کی طرف دیکھو.....'' مردنگ انگلی اٹھا کر بولا۔

''ابھی دھوپ نکلی آتی ہے.....!'' ڈائریکٹر بولا۔

''ہرگز نہیں نکلے گی۔''

''ہرگز نہیں۔'' مردنگ کے ہونٹوں پر شریر سی مسکراہٹ تھی۔

''تم نشے میں ہو اس لئے میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتا۔'' ڈائریکٹر نے نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

''آج مجھے بیئر سے نشہ ہوگیا ہے..... کل تمہیں سادہ پانی ہی چت کردے گا۔ سب کچھ ہوسکتا ہے۔'' مردنگ سنجیدگی سے بولا۔

''جاؤ.....!'' ڈائریکٹر نے پیچھے کھڑے ہوئے آدمیوں میں سے ایک کو مخاطب کیا۔ ''تیاری کرو۔''

وہ چھولداریوں میں چلا گیا۔

یہ لوگ یہاں دو دن سے ریہرسل کر رہے تھے۔ فلم کا نام تھا ''نچوگنا'' اور وہ یہاں نچوگنا کے اغوا کا منظر فلمبند کرنا چاہتے تھے۔

ہیروئن نے معاہدہ کرنے سے قبل ڈائریکٹر سے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ مشہور ہیرو کمل کمار کے علاوہ اور کسی کے ساتھ کام کرنا پسند نہ کرے گی۔ لہٰذا کمل کمار پر تھوری راج کا رول ادا کر رہا تھا..... ویسے اگر ہیروئن کی نانی کو علم ہو جاتا کہ ہیروئن نے ایسی کوئی شرط پیش کی ہے تو وہ اسے معاہدے کے کاغذات پر دستخط ہی نہ کرنے دیتی کیونکہ وہ ہیروئن کو کڑی نگرانی میں رکھتی تھی۔ پتہ نہیں کن دشواریوں کے ساتھ ہیروئن اپنی یہ شرط بصورت پیغام ڈائریکٹر تک پہنچا سکی تھی۔

اب یہاں اس کیمپ میں اس کی نانی بھی موجود تھی۔ تنہا نہیں..... اپنے ساتھ دو باڈی گارڈز بھی رکھتی تھی۔

مردنگ اکثر ان پر فقرے کستا اور نانی تلملا کر رہ جاتی۔ بات یوں نہ بڑھاتی کہ مردنگ اول درجہ کا بے حیا اور بھکڑ تھا۔ وہ اسے ان دنوں کو یاد دلانے کی کوشش کرتا جب وہ ایک شہر کے چوک میں بڑا شہرہ رکھتی تھی۔ ہیروئن کی نانی اپنے ماضی میں جھانکنے پر تیار نہ ہوتی۔

وہ یہی محسوس کرنا چاہتی جیسے یہ فلمی سیٹھ ہمیشہ سے اس کے پیچھے دم ہلاتے آئے ہوں۔ بی بی..... بی بی کہتے۔ ان کے منہ سوکھتے رہے ہوں۔ لیکن مردنگ سے وہ کسی طرح نپٹتی۔ بھانڈ تو بڑے بڑے شہنشاہوں کو بھی منہ چڑا کر بچ نکلتے تھے۔ لہٰذا اس کی باتیں بھی ہنسی میں اڑ جاتیں۔ بظاہر وہ بھی مسکراتی ہی رہتی لیکن دل یہی چاہتا کہ کسی طرح اسکے ٹکڑے اڑا دے۔

ہیرو کمل کمار سنجیدہ آدمی تھا اور روزانہ زندگی میں بھی بے حد رومینٹک نظر آتا۔ سگریٹ سلگانے کے لئے کسی سے دیا سلائی طلب کرتا تو اس میں بھی اداکاری کی جھلکیاں نظر آتیں۔

جب لوگ کسی بات پر قہقہہ لگاتے تو اس کے چہرے سے ظاہر ہوتا جیسے مسکرانے کا ارادہ کر رہا ہو..... پھر جب دوسرے خاموش ہو جاتے تو اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نظر آتی اور اس طرح غائب ہو جاتی جیسے کسی اجاڑ ویرانے میں کوئی ہلکی سی آواز ڈوب گئی ہو۔

ہیروئن آشا اس کے برخلاف بڑی شوخ تھی۔ ذرا ذرا سی بات پر ہنس دیتی خواہ بات ہنسی کی ہو یا نہ ہو۔ بولنے پر آتی تو بولتی ہی چلی جاتی گفتگو کے دوران میں اس کی آنکھیں زندگی سے بھرپور نظر آتی تھیں۔ خصوصیت سے اس وقت ان کی چمک پہلے سے بھی زیادہ بڑھ جاتی جب وہ کمل کمار سے گفتگو کر رہی ہوتی۔

نانی اُسے خونخوار نظروں سے گھورتی رہتی۔ ایسا لگتا جیسے اب کہہ اٹھے گی ''اری کم بخت تو آنکھیں بند کر کے باتیں کیوں نہیں کرتی۔''

ریہرسل کے دوران تو سچ مچ چڑھ دوڑتی تھی۔ آشا اور کمل کمار مکالموں کی مشق کرتے اور وہ بیٹھی جھلتی رہتی..... پھر ضبط کے بندٹوٹ جاتے اور وہ کھرکھراتی ہوئی آواز میں کہتی۔

''ارے تو اس پر لدی کیوں پڑ رہی ہے۔''

ڈائریکٹر احتجاجاً ہاتھ اٹھا کر کہتا۔ ''بی بی پلیز..... فرگاڈس سیک.....!''

''ارے تم بڑے ڈائریکٹر بنے پھرتے ہو۔'' وہ ہاتھ نچا کر کہتی۔ ''یہ مکالمہ اسی طرح ادا ہوگا۔''

''ہاں ہاں..... میں دیکھ رہا ہوں۔ آپ خدا کے لئے چپ بیٹھئے۔'' ڈائریکٹر بے بسی سے کہتا اور وہ پھر ان دونوں کو گھورنے لگتی۔

اغواء کے منظر کے لئے اس نے بڑے ہاتھ پاؤں مارے تھے کہ اسے اسکرپٹ سے خارج کر دیا جائے۔ اس کی بجائے دوسرے کرداروں کی گفتگو کے ذریعے تماشائیوں کے ذہن نشین کرایا جائے کہ پرتھوی راج سنجوگتا کو لے گیا۔

ڈائریکٹر اس پر تیار نہیں ہوا تھا۔ دوسرے لوگ بھی اسے سمجھانے بیٹھ گئے تھے کہ اس صورت میں فلم بے جان ہو کر رہ جائے گی۔ اور نانی کے انداز سے ایسا معلوم ہونے لگا تھا جیسے کہنا چاہتی ہو کہ اچھا تو پھر کوئی اتنا بڑا گھوڑا تلاش کرو جس کی پشت پر ہم تینوں آ جائیں۔

اب وہ کئی دن سے منتظر تھے کہ اغواء کے منظر کی فلمبندی کیلئے موسم سازگار ہو جائے۔

لیکن اس وقت ڈائریکٹر جھلایا ہوا تھا۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ آج اس منظر کی فلمبندی ہو کر رہے گی۔ ٹرک تیار کھڑا تھا۔ ہیرو اور ہیروئن کاسٹیوم میں آ گئے تھے۔ وہ گھوڑا بھی تیار تھا

جس پر دونوں کو بھاگنا تھا۔

اور ..... نانی..... وہ قریب ہی کھڑی مضطربانہ انداز میں ہاتھ مل رہی تھی اور آہستہ آہستہ ہیروئن سے کچھ کہتی بھی جا رہی تھی۔ لیکن دور سے دیکھنے والوں کی سمجھ میں صاف آ رہا تھا کہ وہ اس سے کیا کہہ رہی ہوگی۔ کس قسم کی ہدایات دے رہی ہوگی۔

کیپٹن حمید درخت کی سب سے اونچی شاخ پر بیٹھا مینڈولین بجا رہا تھا۔ مینڈولین یوں بجا رہا تھا کہ ذہن پر بوریت مسلط تھی اور درخت کی سب سے اونچی شاخ پر جا بیٹھنے کا مقصد یہی ہو سکتا تھا کہ اُسے ہرن کے کباب مرغوب ضرور تھے لیکن اس حد تک بھی نہیں کہ خود ہی ہرن کے پیچھے دوڑتا پھرے۔ پھر خود ہی شکار کرے۔ حتیٰ کہ خود ہی اس کی کھال بھی اتارے اور تب بہزار خرابی کباب میسر ہوں۔

یہاں کئی دن سے شکار ہو رہا تھا فریدی کئی دوستوں سمیت یہاں مقیم تھا۔ علاقے کے جاگیردار نے تو کہا تھا وہ قصبے ہی میں قیام کریں لیکن فریدی اس پر تیار نہیں ہوا تھا۔ جنگل ہی میں چھولداریاں نصب کی گئی تھیں جن میں تھوڑے تھوڑے وقفے سے دن بھر مینڈولین کے نغمے گونجا کرتے تھے! حمید ایک دن بھی شکار کے لئے نہیں گیا تھا۔ ویسے وہ ان کی واپسی پر بڑے خلوص سے ان کا استقبال کرتا تھا۔ بشرطیکہ خالی ہاتھ نہ آئے ہوں۔

سینڈوکٹ بنیائن اور خاکی پتلون میں ملبوس کینواس کی فولڈنگ آرام کرسی میں پڑا پائپ پیا کرتا تھا۔ پائپ کا تمباکو راکھ ہو جاتا تو مینڈولین اٹھا لیتا۔ کئی فلمی دھنیں اچھی خاصی بجا لیتا تھا۔

آج صبح فریدی کے احباب نے اُسے بھی ساتھ چلنے پر مجبور کیا تھا لہٰذا وہ مینڈولین کی اسٹرنگ گلے میں ڈال کر درخت پر جا چڑھا۔

اس دوران میں بڑی بڑی بوندیں بھی آئیں۔ زور کی ہوائیں بھی چلیں لیکن وہ جہاں تھا وہیں بیٹھا رہا۔ آج صرف بوریت ہی مسلط نہیں تھی بلکہ ذہن بھی جھنجھلاہٹ میں مبتلا تھا۔ تاؤ آ رہا تھا ان لوگوں پر جو شہر کی رنگینیاں چھوڑ کر ویرانوں میں جی بہلانے آتے ہیں۔ ویسے اگر شکار ہی کی ٹھہرے تو شہر کب جانوروں سے خالی ہے۔ بڑے سے بڑا سورما جائے گا۔ البتہ اُسے جنگلی نہ کہا جا سکے گا۔ کیونکہ وہ تہذیب کے خول میں رہتا ہے۔

اس نے اپنی کھوپڑی پر جھپٹا مارا اور بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑایا۔ ''اب فلسفہ ہو نہہ۔ پھر کیا کیا جائے؟ اس نے سوچا۔

ابھی کسی خاص ڈگر تک ذہن کی رسائی نہیں ہوئی تھی کہ اچانک اُسے چیخیں سنائی دیں۔

دور کی آواز معلوم ہوتی تھی۔ وہ چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

اب سناٹا تھا۔ لیکن وہ آوازیں اس کی پیشانی پر تشویش کا غبار چھوڑ گئی تھیں۔ دفعتاً پھر چیخیں سنائی دیں..... کوئی عورت متواتر چیخے جا رہی تھی۔ آواز بھی اب اتنی دور کی نہیں معلوم ہوتی تھی۔ پھر ایک دوسری آواز بھی سماعت سے قریب تر ہوتی رہی۔ یہ دوڑتے ہوئے گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز تھی۔

وہ تیزی سے نیچے اترنے لگا۔ کیونکہ گھوڑا اُسے نظر آ رہا تھا۔ سامنے والی درختوں کی قطار سے نکل کر اس نے میدان کا ہی رخ کیا تھا اور اسی طرف جھپٹا آ رہا تھا۔

اس کی گردن سے چمٹی ہوئی عورت برابر چیخے جا رہی تھی۔

حمید جانتا تھا کہ بھڑک کے بھاگے ہوئے گھوڑے کو کیسے قابو میں کیا جاتا ہے۔ لیکن اس گھوڑے پر ہاتھ ڈالتے وقت اس نے محسوس کیا جیسے وہ محض اناڑی ہو۔ وہ اب سیدھا تو نہیں دوڑ رہا تھا لیکن اپنے ساتھ اُسے بھی گھسیٹتا پھر رہا تھا کیونکہ اس نے اس کی لگام پکڑ رکھی تھی۔

گھٹنوں میں گہری خراشیں آئیں..... گر کر بھی گھسٹتا رہا..... پھر اٹھا۔ لیکن لگام نہ چھوڑی۔

عورت خاموش ہو گئی تھی۔

اور پھر وہ دھم سے زمین پر چلی آئی۔ حمید لگام چھوڑ کر اس کی طرف جھپٹا۔ وہ بیہوش تھی۔

مگر وہ کون تھی۔ حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اُسے بہت دیکھا ہو۔ بڑی دلکش عورت تھی۔ بیہوشی کے عالم میں بھی ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ قطعی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ کچھ دیر پہلے وہ زندگی سے مایوس ہو کر کسی بے بس جانور کی طرح چیختی رہی ہوگی۔

اس نے سامنے نظر اٹھائی۔ گھوڑا تھوڑے ہی فاصلے پر چر رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ محض سوار کو گرا دینے کے لئے ہی الف ہوا ہو۔

حمید پھر بیہوش عورت کی طرف متوجہ ہو گیا۔ لیکن یہاں وہ کیا کر سکتا تھا۔ کیمپ یہاں سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر تھا۔ پہلے اس نے اُسے ہلایا جلایا۔ لیکن جب اس سے کام نہ چلا تو سیدھا کھڑا ہو کر ہاتھ جھٹکتا ہوا بولا۔ ''تم لوگ مجھے اس ویرانے میں بھی چین نہ لینے دینا..... اچھا۔''

پھر جھک کر اُسے ہاتھوں پر اٹھایا اور کیمپ کی طرف چل پڑا۔ ایک بار مڑ کر گھوڑے کو دیکھا تھا جو اب بھی وہیں چر رہا تھا۔

شکار پر دو ملازم بھی ساتھ آئے تھے۔ انہوں نے حیرت سے منہ پھاڑ کر حمید کو دیکھا اور شائد اس کش مکش میں پڑ گئے کہ انہیں اس سلسلے میں کیا کرنا چاہئے۔

دفعتاً حمید دہاڑا۔ ''اندھے ہو گیا..... اسٹریچر بچھاؤ جلدی سے۔'' دونوں بوکھلا کر ایک چھولداری میں جا گھسے اور حمید اُسے ہاتھوں پر اٹھائے کھڑا رہا۔

وہ دونوں ایک فولڈنگ اسٹریچر اٹھا لائے اور اُسے ایک درخت کی چھاؤں میں بچھا دیا اور جب حمید بیہوش عورت کو اس پر لٹا رہا تھا انہوں نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا اور کسی قدر مسکرائے بھی۔

''پانی لاؤ.....!'' حمید نے مڑے بغیر کہا اور پر تشویش نظروں سے بیہوش عورت کو دیکھتا رہا۔ یاد نہیں آ رہا تھا کہ اُسے پہلے کہاں دیکھا تھا۔ حمید اس ملازم سے مخاطب ہوا جو وہیں کھڑا تھا۔

''کیا تم نے اُس کی چیخیں سنی تھیں۔''

''جج..... جی ہاں..... سنی تو تھیں۔''

''تو پھر تم وہاں کیوں نہیں پہنچے تھے۔''

''ہم سمجھے شاید آپ ہیں۔''

''دماغ خراب ہو گیا ہے۔''

''ہم نے سوچا شاید یونہی ہمیں پریشان کرنے کے لئے۔''

''ابے وہ ایک عورت کی چیخیں تھیں۔ شیر نہیں دھاڑ رہا تھا۔''

نوکر کچھ نہ بولا۔ ویسے وہ اپنی ہنسی ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

دوسرا ملازم گلاس میں پانی لے آیا۔ حمید گلاس اس کے ہاتھ سے لے کر عورت کے منہ پر چھینٹے دینے لگا۔ وہ ہڑبڑا کر چونکی تھی۔ لیکن آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔

گلاس خالی ہو گیا۔ لیکن وہ ہوش میں نہیں آئی۔

''گھوڑا.....!'' دفعتاً حمید نوکروں کی طرف مڑ کر بولا۔ ''ٹیکرے کے قریب ایک گھوڑا چر رہا ہے اُسے یہاں لاؤ۔''

وہ دونوں چلے گئے اور حمید عورت پر نظر جمائے وہیں کھڑا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر دقیانوسی محترمہ کو شہسواری کی کیوں سوجھی تھی اور پھر اس لباس میں..... سینکڑوں سال پرانی وضع تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے قرونِ وسطیٰ کی کوئی بھٹکی ہوئی روح دوبارہ عالمِ اجسام میں آ گئی ہو۔

شکاریوں میں ایک ڈاکٹر بھی تھا۔ حمید نے سوچا کاش وہ اس وقت موجود ہوتا۔ نوکر گھوڑے کو وہاں لائے۔ اب وہ پرسکون ہو چکا تھا۔

ایک سوکھے ہوئے درخت کے ٹنڈ سے اُسے باندھ دیا گیا۔

کچھ دیر بعد حمید نے پھر اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے دیئے۔ اس بار وہ نہ صرف چونکی تھی بلکہ کچھ بے ربط سے جملے زبان سے بھی نکلے تھے۔

پھر کراہ کر کروٹ لی..... لیکن آنکھیں نہیں کھولیں۔ حمید نے پھر چھینٹے دیئے۔ چہرے پر ناگواری کے آثار نظر آئے اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔

وہ خلاء میں گھورے جا رہی تھی پلکیں جھپکائے بغیر۔

حمید نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر نوکروں کو خاموش ہی رہنے کا اشارہ کیا۔

کچھ دیر بعد اس نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔

''آپ محفوظ ہیں۔'' حمید نے جھک کر نرم لہجے میں کہا۔

''میں کہاں ہوں۔'' اس نے آنکھیں کھولے بغیر نحیف آواز میں پوچھا۔

''میرا خیال ہے کہ آپ کچھ دیر آرام کیجئے۔'' حمید نے نرم لہجے میں کہا۔

لیکن وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں اٹھ بیٹھی۔ چاروں طرف دیکھا اور ہذیانی انداز میں چیخی۔ ''کمل..... کمل کہاں ہے۔''

''آپ تنہا تھیں..... محترمہ۔''

''تنہا نہیں..... کمل کمار بھی تھا۔''

حمید خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔

پھر اس نے اسٹریچر سے اترنا چاہا۔ لیکن حمید نے ہاتھ اٹھا کر اُسے اس سے باز رکھا۔

''کمل گر گیا تھا..... وہ گر گیا تھا..... وہ پھر کہاں ہے۔ کیسا ہے؟''

''میں نے عرض کیا نا کہ گھوڑے کی پشت پر تنہا تھیں۔''

''مم..... میں..... اس کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھی۔ گھوڑا تیزی سے دوڑ رہا تھا۔ میں نے کمل کی کمر تھام لی تھی..... پھر ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ گھوڑا بھڑک گیا۔ کمل چیخ مار کر گر گیا تھا۔ پھر میں گھوڑے کی گردن سے لپٹ گئی تھی۔''

''آپ کمر تھامے ہوئے تھیں تو آپ کو بھی..... کیا نام ہے..... کمل کے ساتھ ہی گرنا چاہئے تھا۔''

''ہاں ہونا تو یہی چاہئے تھا۔ پتہ نہیں کیوں نہیں ہوا۔ مجھے ہوش نہیں کہ پھر کیا ہوا۔ بس میں اپنی چیخیں ہی سنتی رہی تھی۔ آپ کون ہیں۔ میں کہاں ہوں۔ یہ ہمارا کیمپ تو نہیں معلوم ہوتا۔''

''جی ہاں شکاریوں کا کیمپ ہے۔ آپ کا کیمپ کہاں تھا۔''

''میں جگہ کا نام نہیں جانتی۔''

''آپ نے ابھی کسی دھماکے کا تذکرہ کیا تھا۔''

''میرا خیال ہے کہ وہ گھوڑے کے پیروں کے نیچے ہی ہوا تھا۔''

''لیکن آخر گھوڑے پر ڈبل سواری۔''

آپ نہیں سمجھے۔ وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''فلم کی شوٹنگ ہو رہی تھی۔''

''اوہ.....!'' حمید چونک کر بولا اور اُسے گھورنے لگا۔ اب اُسے یاد آیا کہ عورت کا چہرہ جانا پہچانا کیوں معلوم ہو رہا تھا۔

''آپ فلم اسٹار آشا ہیں۔'' اس نے پوچھا۔

''جی ہاں..... جی ہاں۔'' وہ جلدی سے بولی۔ ''اور میں ہیرو کمل کمار کا تزکرہ کر رہی تھی۔''

''اچھا..... اچھا..... تو پھر آپ کا ٹرک آ ہی رہا ہوگا۔''

حمید نے ملازموں سے کہا۔ ''تم لوگ آگے بڑھ کر میدان میں ٹھہرو۔ اگر کوئی گاڑی دکھائی دے تو اشارہ کر کے ادھر بلا لینا۔''

''میں کمل کے لئے پریشان ہوں۔ وہ دھماکہ کیسا تھا۔ اس کا اس منظر سے تو کوئی تعلق نہیں تھا۔ ہم ''نجوگتا'' کی شوٹنگ کر رہے تھے۔ یہ اغواء کا منظر تھا۔''

''تب تو دھماکے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' حمید نے کچھ سوچتے ہوئے پرتشویش لہجے میں کہا۔

''یہی تو..... یہی تو'' وہ مضطربانہ انداز میں بولی۔

''اے منہ کیا دیکھ رہا ہے۔ جا کر کافی بنا۔'' حمید نے اس ملازم سے کہا جو میدان کی طرف نہیں گیا تھا۔

''شکریہ۔'' آشا مسکرائی۔ ''میں بڑی تھکن محسوس کر رہی ہوں۔''

''لیٹ جایئے۔'' حمید بولا۔

''نہیں ٹھیک ہے۔''

کچھ دیر خاموشی رہی پھر آشا نے کہا۔ ''بڑی حیرت کی بات ہے۔ ٹرک ہمارے پیچھے نہیں آیا۔''

''ضروری نہیں کہ گھوڑا ٹرک ہی کے راستے پر دوڑتا رہا ہو۔''

''جی ہاں..... یہ بھی ٹھیک ہے۔'' وہ پرتشویش لہجے میں بولی۔ ''پھر میں اپنے کیمپ تک کیسے پہنچوں گی۔''

کچھ دیر بعد ہماری گاڑیاں آ جائیں گی۔

''کیا آپ کو ہمارے کیمپ کے متعلق کچھ علم ہے۔'' آشا نے پوچھا۔

''جی نہیں۔''

''پھر میں کیمپ تک کیسے پہنچوں گی۔''

''کیمپ تک نہ سہی آپ کی شہری قیام گاہ تک پہنچا دیں گے۔''

''جی ہاں ٹھیک ہے۔'' اس نے کہا۔ چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔ ''آپ کون ہیں۔''

''یہ نہ پوچھئے تو بہتر ہے۔'' حمید غمگین آواز میں بولا۔ ''ورنہ آپ ہماری کافی پینا بھی پسند نہ کریں گی۔''

''واہ ایسا بھی کیا..... آپ تو بہت اچھے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔'' وہ حسب عادت خواہ مخواہ ہنس پڑی۔

''نہیں..... لوگ اچھا نہیں سمجھتے۔''

''آخر کیوں؟ آپ کون ہیں!''

''مجھے ساجد حمید کہتے ہیں۔ محکمہ سراغ رسانی سے متعلق ہوں۔''

''کیپٹن حمید تو نہیں..... کرنل فریدی کے اسسٹنٹ.....!''

حمید نے مغموم انداز میں سر کو جنبش دی۔

''اوہ.....!'' آشا مضطرب نظر آنے لگی۔ پھر سنبھل کر ہنسنے لگی اور بولی۔ ''واہ آپ لوگ تو بے حد معزز لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ مجھے تو بڑا اشتیاق تھا ملنے کا۔''

حمید سر جھکائے پائپ میں تمباکو بھرتا رہا اور وہ پھر بولی۔ ''بیٹھ جایئے نا آپ بہت دیر سے کھڑے ہیں۔''

حمید نے پھر مغموم نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

پگڈنڈی کی تلاش

آشا اُسے تحیر آمیز نظروں سے دیکھتی رہی لیکن کچھ بولی نہیں۔ ویسے انداز سے تو یہی معلوم ہو رہا تھا جیسے کچھ کہنے کے لئے بے چین ہو۔

حمید خلاء میں گھورتا رہا اور آنسو بہتے رہے۔ بالآخر آشا کو بولنا ہی پڑا۔

''کیا آپ کی آنکھوں میں کچھ تکلیف ہے۔''

''جی.....!'' حمید چونک کر بولا۔ ''جی ہاں..... جی نہیں..... اُوہ.....!'' پھر ایسی ایکٹنگ شروع کردی جیسے اُسے ان آنسوؤں کا علم ہی نہ رہا ہو۔ آخر جھینپے ہوئے انداز میں ہنس کر بولا۔

''عجیب بات ہے..... خوبصورت عورتوں کو دیکھ کر میری آنکھوں سے پانی بہنے لگتا ہے۔''

لیکن ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اس جواب سے مطمئن نہ ہوئی ہو۔

اتنے میں ملازم نے اسٹریچر کے قریب ایک چھوٹی سی میز لا رکھی۔ پھر کافی پاٹ اور دوسرے لوازمات لایا۔

''اسٹول بھی۔'' حمید اس کی طرف دیکھ کر غرایا اور وہ دوڑتا چلا گیا۔ کچھ دیر بعد ایک فولڈنگ اسٹول بھی لایا۔

''میرا خیال ہے۔'' حمید اسٹول پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ''اب آپ اتنی توانائی تو محسوس کر ہی رہی ہوں گی کہ کافی بنا سکیں۔''

''اوہ..... جی ہاں..... جی ہاں۔'' وہ جلدی سے آگے کھسکتے ہوئے بولی۔

''مجھے حیرت ہے آپ کا ٹرک اب تک ادھر نہیں آیا۔''

دفعتاً وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور حمید اس کی صورت دیکھتا رہ گیا۔ کوئی ایسی بات تو نہیں تھی جس پر اس طرح اسے بے ساختہ ہنسی آسکتی۔

''میں نہیں سمجھا۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا پرتشویش لہجے میں بولا۔

''نانی بی۔'' وہ ہنستی ہی رہی۔

''جی..... ی ی ی..... ع.....!'' حمید نے آنکھیں پھاڑ دیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہیں اس حادثہ نے اس کے ذہن پر کوئی بُرا اثر تو نہیں ڈالا۔ وہ ہنستی رہی پھر بدقت ہنسی پر قابو پا کر بولی۔

''نانی بی..... پچھاڑیں کھا رہی ہوں گی۔ انہیں ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے کہیں میں مر نہ جاؤں۔''

''تو اس میں ہنسی کی کیا بات ہے محترمہ۔'' حمید جھنجھلا کر بولا۔

''میں اکثر سوچتی ہوں اگر میں سچ مچ مر جاؤں تو ان کا کیا حشر ہوگا۔''

''کافی پیجئے۔ ٹھنڈی ہو رہی ہے۔'' حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔

''لیکن کمل کمار۔'' وہ یک بیک سنجیدہ ہوگئی۔ ''وہ دھماکہ کیسا تھا..... کمل چیخا تھا اور گھوڑے سے گر گیا تھا۔''

''ہوسکتا ہے..... جے چند کے سپاہیوں میں سے کوئی غلطی سے تھری ناٹ تھری استعمال کر بیٹھا ہو۔ بالکل اسی طرح جیسے قلوپطرہ میکس فیکٹر کی لپ اسٹک استعمال کر بیٹھتی ہے۔ غالباً کسی فلم میں ملکہ نور جہاں نے بھی یہی حرکت کی تھی۔''

آشا کی سنجیدگی پھر رخصت ہوگئی۔ ہنستے وقت وہ ایک بالکل ننھی سی بچی نظر آتی تھی۔

اتنے میں کسی گاڑی کے انجن کی آواز آئی۔

''اوہ..... ٹرک آ گیا شاید۔'' وہ اٹھتی ہوئی بولی۔

''نہیں..... آپ یہیں بیٹھئے۔ میں دیکھتا ہوں۔'' حمید نے کہا اور کنج سے باہر آ گیا۔ یہ تو انہیں لوگوں کی چپ تھی جس پر دو شکاری نظر آ رہے تھے۔

ان میں سے ایک نے حمید کی جانب ہاتھ پھیلا کر کہا۔ ''اے تم دونوں ہو ہی منحوس۔''

''کیا بات ہے۔'' حمید نے آگے بڑھ کر پوچھا۔ ''بقیہ لوگ کہاں ہیں۔''

''محکمہ سراغ رسانی کے ساتھ جھک مار رہے ہیں۔تم لوگوں کی نحوست کہیں چین نہ لینے دے گی۔''

''کچھ بتاؤ بھی تو۔''

''ایک لاش.....!''''کہاں.....؟''

''یہاں سے دس میل کے فاصلے پر.....امر پروڈکشن والے ''نجوگتا'' نامی فلم کی شوٹنگ کررہے تھے۔اغوا کا سین تھا۔پرتھوی راج نجوگتا کو گھوڑے پر لے بھاگا تھا۔گھوڑا دوڑ رہا تھا.....ٹرک جس پر کیمرہ تھا گھوڑے کے پیچھے تھا۔دفعتاً ٹرک رک گیا.....لیکن گھوڑا دوڑتا رہا۔ابھی وہ ٹرک والوں کی نظروں ہی میں تھا کہ کسی کنج سے ایک فائر ہوا۔گولی کمل کمار کی کنپٹی پر پڑی۔وہ گر گیا.....گھوڑا بھڑکا اور آشا کو نہ جانے کدھر لے گیا۔''

''اوہ.....!'' حمید نے طویل سانس لی اور کنج کی طرف مڑا۔آشا کھڑی نظر آئی۔اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سکتہ ہو گیا ہو۔

''کیا آپ واپس جانا چاہتی ہیں۔''حمید نے اس طرح چیخ کر پوچھا جیسے وہ اونچا سنتی ہو۔وہ چونک پڑی۔پلکیں جھپکائیں اور حمید کو ایسے انداز میں دیکھنے لگی جیسے وہ اس کے لئے قطعی اجنبی ہو۔

دوسرے شکاری خاموشی سے اُسے دیکھے جا رہے تھے۔حمید نے ان کی طرف مڑ کر کہا۔

''یہ فلم اسٹار آشا ہیں.....اور گھوڑا ادھر بندھا ہوا ہے۔''

''تت.....تب تو انہیں وہاں فوراً پہنچنا چاہئے۔''ان میں ایک ہکلایا۔

''وہ مر گیا.....کیا وہ مر گیا۔'' آشا آگے بڑھتی ہوئی مضطربانہ انداز میں بولی اور پھر ساکت ہو گئی۔

کوئی کچھ نہ بولا۔



لاش خاک و خون میں لتھڑی پڑی تھی۔

کرنل فریدی اس کے پاس سے ہٹ آیا تھا اور اب قریباً بیس فٹ کے فاصلے پر کھڑا اس جانب دیکھ رہا تھا۔جدھر سے مبینہ فائر ہوا تھا۔امر پروڈکشنز کا عملہ بھی وہاں موجود تھا۔لیکن فریدی نے انہیں لاش کے قریب آنے سے روک دیا تھا۔

آشا کی نانی دہاڑیں مار مار کر رو رہی تھی۔''ہائے کوئی اس کی بھی تو خبر لو.....ارے کوئی نہیں سنتا۔''

اب فریدی اس کنج کی طرف بڑھ رہا تھا جدھر سے فائر ہوا تھا۔قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ اندر گھسنا آسان نہ ہوگا۔وہ دراصل جھنڈ بیریوں کی جھاڑیاں تھیں جن پر پڑی پتیوں والی جنگلی بیلیں پھیلی ہوئی تھیں اور دور سے معلوم ہوتا تھا جیسے اس کنج میں کانٹے دار جھاڑیوں نہ ہوں گی۔

وہ لوگ شکار کی تلاش میں اتفاقاً ادھر آ نکلے تھے اور یہاں یہ حادثہ ہو چکا تھا۔لاش وہیں پڑی ہوئی ملی تھی اور امر پروڈکشنز کے کارکن اسکے گرد جمع تھے۔آشا کی نانی پچھاڑیں کھا رہی تھی۔

پھر فریدی نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا کہ وہ گھوڑے کی تلاش میں جائیں اور اگر راستے میں اپنا کیمپ بھی پڑے تو حمید کو یہاں بھیج دیں۔

کنج کے پاس کھڑے ہو کر اس نے ایک بار پھر یہاں سے لاش تک فاصلے کا اندازہ کیا اور جیب سے سگار نکال کر اس کا گوشہ توڑنے لگا۔

کنج میں گھسنے کے لئے راستہ تلاش کرنا پڑے گا۔وہ سوچ رہا تھا۔ظاہر ہے وہاں کوئی ایسی جگہ ضرور ہوگی جہاں حملہ آور پہلے سے چھپ کر بیٹھا ہوگا اور کسی مخصوص راستے ہی سے ان جھاڑیوں میں بھی داخل ہوا ہوگا۔ہوسکتا ہے آس پاس ہی کہیں کسی پگڈنڈی کی نکاس ہو۔

اس نے اشارے سے ڈائریکٹر کو قریب بلایا۔

''اس علاقے کے تھانے کو اطلاع دینی چاہئے۔''اس نے اس سے کہا۔

''میں یہاں کے لئے اجنبی ہوں جناب۔'' ڈائریکٹر نے جواب دیا۔

''اوہ.....تو ادھر آنے کا مشورہ کس نے دیا تھا آپ کو.....!''

''اس ایجنٹ نے جو ہمارے لئے ایکسٹرا اداکاروں کا انتظام کرتا ہے۔''

''ہوں.....!'' فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا آپ اس کا نام اور پتہ بتا سکیں گے۔''

''جی ہاں۔ شیوارام اسٹریٹ کی نرتکی لاج میں اس کا دفتر ہے.....شنکر اس کا نام ہے۔''

''شنکر.....!'' فریدی نے اس طرح دہرایا جیسے اس نام کے علاوہ کچھ اور بھی اس کے ذہن میں ہو۔ پھر سگار سلگا کر بولا۔ ''تھانہ راج گڈھ۔ اس علاقے کا تھانہ ہے۔ کیا اس ٹرک کے علاوہ آپ کے ساتھ کوئی اور بھی گاڑی ہے۔''

''جی ہاں.....دو جیپیں ہیں۔''

''تھانے میں اطلاع بھجوا دیجئے۔ کیا آپ کا کوئی آدمی یہ کام کر سکے گا؟''

''جی ہاں۔''

فریدی نے جیب سے نوٹ بک نکال کر اس میں کچھ لکھا اور پھر وہی صفحہ پھاڑ کر اُسے دیتا ہوا بولا۔ ''یہ تھانے کے انچارج ہی کو دیا جائے۔''

ڈائریکٹر رقعہ لے کر اپنے ساتھیوں کی طرف واپس چلا گیا۔

فریدی پھر جھاڑیوں کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ جھاڑیوں کے ساتھ ساتھ ایک طرف چلنے لگا۔ قریباً دو فرلانگ چلا آیا لیکن کہیں بھی کسی پگڈنڈی کا سراغ نہ ملا۔ اب وہ پھر پلٹا۔ لیکن اس بار دوسری طرف جانے کی بجائے سیدھا لاش کی جانب چلا آیا۔ کیونکہ وہاں ایک جیپ آ کر رکی تھی اور کیپٹن حمید ایک عورت سمیت اس پر سے اتر رہا تھا۔

آشا کی نانی کی چیخ سناٹے میں گونجی۔

''میری رانی.....میری بیٹی۔''

وہ گرتی پڑتی جیپ کی طرف دوڑی آ رہی تھی۔

پھر وہ دونوں ایک دوسری سے لپٹ کر اونچی آوازوں میں روتی رہیں۔

حمید فریدی کی طرف بڑھا تھا۔

وہ اس طرح اس کے قریب آ کر رک گیا جیسے اپنے ساتھ کسی کا جنازہ لایا ہو۔ بے حد سنجیدہ اور مغموم نظر آ رہا تھا۔

''یہ کہاں ملی تھی؟'' فریدی نے پوچھا۔

''جی سیدھی وہیں چلی آئی تھیں جہاں میں تھا۔'' حمید نے جواب دیا۔

''کیا مطلب.....؟''

حمید نے مختصراً اُسے بتایا۔

''دھماکہ.....!'' فریدی نے اسکے خاموش ہونے پر پوچھا۔ ''گھوڑے کے پیروں کے نیچے۔''

''لیکن وہ لوگ جو ٹرک پر تھے بندوق کے فائر کی کہانی سناتے ہیں۔''

''ٹرک نے بھڑکے ہوئے گھوڑے کا تعاقب کیوں نہیں کیا تھا۔'' حمید نے پوچھا۔

''وہ چلتے چلتے بیکار ہو گیا تھا۔ اس طرح بیکار ہوا ہے کہ دوبارہ کارآمد بنانے کے لئے اس کا انجن تک کھولنا پڑے گا۔ کسی نے پٹرول کی ٹنکی میں شکر ڈال دی تھی۔''

''اوہ.....!''

''یہ قتل باقاعدہ پلاننگ کے تحت ہوا ہے۔''

''تو پھر قاتل بھی انہیں لوگوں میں سے کوئی ہو سکتا ہے۔'' حمید نے امر پروڈکشنز کے عملے کی طرف دیکھ کر کہا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ پھر لاش کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

''کیا ٹرک والوں نے کسی بڑے دھماکے کا تذکرہ نہیں کیا۔'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں.....انہوں نے صرف فائروں کا تذکرہ کیا تھا۔''

''فائروں.....یا صرف ایک فائر۔''

''میرا خیال ہے انہوں نے تین فائروں کا تذکرہ کیا تھا۔''

''کمال ہے.....آشا کے کوئی گولی نہ لگی۔'' حمید بڑبڑایا۔

''اس قسم کے اتفاقات بھی پیش آتے رہتے ہیں۔''

''ان لوگوں کا کیمپ یہاں سے کتنی دور ہے۔''

''غالباً دو میل کے فاصلہ پر۔''

''بہر حال ہمیں کہیں چین نہیں ہے۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

آشا اور اس کی نانی ابھی تک روئے جا رہی تھیں۔ ان کے قریب کوئی بھی نہیں تھا۔

فلم کمپنی کے کسی فرد نے بھی ان کے پاس آ کر تشفی کے دو لفظ کہنے کی زحمت نہیں گوارا کی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ دونوں کسی ایسے قبیلے سے تعلق رکھتی ہیں جس کی زبان دوسرے لوگوں کے لئے ناقابل فہم ہو۔

''کیا اب مجھے ہی ان دونوں کو علیحدہ کرنا ہوگا۔'' حمید بڑبڑایا۔

''یقیناً.....یقیناً.....!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''خوب صورت عورتیں تمہاری بدنصیبی بن کر رہ گئی ہیں جن سے پیچھا چھوٹنا محال ہے۔''

''وہ مرنے والے سے محبت کرتی تھی۔''

''فلم کی کہانی میں یا ویسے تھی۔'' فریدی نے پوچھا۔

''ویسے بھی.....نانی اُسے کڑی نگرانی میں رکھتی ہے۔ خود اس نے یہ شرط پیش کی تھی کہ اس فلم کیلئے اس سے اس صورت میں معاہدہ ہو سکے گا جب پرتھوی راج کا رول کمل کمار کو دیا جائے۔''

''اوہو.....دلچسپ اطلاع ہے۔''

''لیکن نانی کو اس شرط کا علم نہیں ہے۔ یہ بات صرف آشا اور ڈائریکٹر ہی کے درمیان رہی۔''

''مزید دلچسپ۔''

''لہٰذا اس قتل کی ذمہ دار.....نانی ہی ہو سکتی ہے۔'' حمید خوش ہو کر بولا۔

''ضروری نہیں۔'' فریدی نے کہا اور پھر جھاڑیوں کی طرف دیکھنے لگا۔

حمید ان دونوں کے قریب پہنچ کر کچھ دیر خاموش کھڑا رہا پھر بولا۔ ''اب یہ سلسلہ ختم

ہونا چاہئے۔''

آشا چونک کر مڑی تھی۔ اس کا منہ پھیلا ہوا تھا اور آنسو بہہ رہے تھے۔

''اس خوشی میں رونا مناسب نہیں ہے کہ آپ زندہ بچ گئی ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''یہ کون ہے۔'' بوڑھی نے کھرکھراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''کک.....کیپٹن حمید۔'' آشا ہکلائی۔

''یہ بھی پولیس والے ہیں۔''

''ہاں.....!'' آشا نے کہا اور آنسو پونچھتی ہوئی اس کے پاس سے ہٹ گئی۔

حمید انہیں چھوڑ کر اس بھیڑ کی طرف بڑھا جو تھوڑے ہی فاصلے پر نظر آ رہی تھی۔

''آپ لوگ کون ہیں۔'' اس نے ان کے قریب پہنچ کر اونچی آواز میں پوچھا۔

''امر پروڈکشنز.....!'' ایک آدمی نے جواب دیا۔

''آپ کون ہیں۔'' حمید نے اسی سے پوچھا۔

''میں ڈائریکٹر ہوں۔''

''دوسرے لوگوں کے متعلق بھی بتایئے۔''

ڈائریکٹر مختلف کام کرنے والوں کا تعارف کرانے لگا۔ پھر حمید کی نظر دو لحیم شحیم آدمیوں پر پڑی اور ڈائریکٹر بھی خاموش ہو گیا۔

''ہوں.....اور یہ.....!'' حمید نے پوچھا۔

''یہ مس آشا کے باڈی گارڈز ہیں۔'' ڈائریکٹر نے جواب دیا۔

''مس آشا کے باڈی گارڈز.....!'' حمید نے حیرت سے دہرایا۔ ان میں سے ایک مسلح بھی تھا۔ پتلون کی پیٹی سے ریوالور کا ہولسٹر لٹک رہا تھا۔

''اس کا لائسنس.....!'' حمید نے ریوالور کی طرف اشارہ کر کے اس سے کہا اور نے جیب سے لائسنس نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

''لائسنس ہی سے معلوم ہوا کہ وہ ایک ریٹائرڈ فوجی تھا اور انعام کے طور پر اُسے ریوالور

رکھنے کی اجازت ملی تھی۔"

"تمہارا نام.....!" حمید نے دوسرے باڈی گارڈ سے سوال کیا۔

"نصرت خان.....!"

"کب سے ملازم ہو۔"

"ایک سال سے۔"

"پہلے کہاں کام کرتے تھے۔"

"ریٹائرڈ فوجی ہوں۔"

"تم دونوں میرے ساتھ آؤ۔" حمید نے کہا اور انہیں اس بھیڑ سے الگ لے گیا۔

"میں بھی ریٹائرڈ فوجی ہوں۔" حمید نے ان سے کہا۔

"اچھا.....!" دونوں نے بیک وقت کہا۔ لیکن انداز استعجابیہ نہیں تھا۔

"تم دونوں ہمیشہ اس کے ساتھ رہتے ہو۔ میرا مطلب ہے جب وہ باہر جاتی ہے۔"

"جی ہاں۔"

"تمہیں خود اسی نے ملازم رکھا ہے یا نانی نے۔"

"نانی نے۔" ایک نے جواب دیا۔

"کچھ مخصوص قسم کی ہدایات بھی اس کی طرف سے ملی ہوں گی۔"

"جی نہیں۔ بس ہم مس آشا کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔"

"کیا تم لوگوں کی عدم موجودگی میں وہ غیر محفوظ ہوتی ہے۔"

"ہم اس کا کیا جواب دے سکتے ہیں جناب۔"

"حادثے کے وقت تم لوگ کہاں تھے۔"

"ٹرک پر۔"

"پھر جب یہ حادثہ پیش آیا..... اور گھوڑا اسے لے بھاگا تو تم نے کیا کیا تھا۔"

"ہم کیا کرتے..... ڈرائیور..... اُسے دوبارہ اسٹارٹ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب

اسٹارٹ نہ ہوئی تو ہم کیمپ کی طرف دوڑے تھے تاکہ دوسری گاڑی پر گھوڑے کے پیچھے جا سکیں۔"

"لیکن کیمپ تو یہاں سے دو میل کے فاصلے پر ہے۔"

"اور پھر ہم کر بھی کیا سکتے تھے۔ ہم میں سے شاید کوئی بھی گھوڑا پچھاڑ نہیں ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"خیر تو پھر کیمپ میں پہنچ کر کیا کیا۔"

"جناب..... وہاں..... ان دونوں جیپوں کی بیٹریاں ڈاؤن ملیں۔"

"ڈاؤن ملیں..... یا ان میں سے کاربن نکال لئے گئے۔"

"یہ تو ہم نے نہیں دیکھا..... پھر ہم نے دو گھوڑے لئے۔ لیکن وہ تین یا چار فرلانگ سے آگے نہ چل سکے۔"

"کیوں.....؟"

"پتہ نہیں۔ وہ گر گئے تھے۔ اگر ہم ہوشیار نہ ہوتے تو ٹانگیں ضرور ٹوٹ جاتیں۔"

"کیا وہ بھی مر گئے۔"

"اب تک مر ہی گئے ہوں گے۔"

"جیپیں بیکار تھیں۔" حمید نے کہا۔ "تو پھر یہ لوگ کیسے پہنچے تھے یہاں تک۔"

"پیدل ہی بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔"

"میرے ساتھ چلو۔" وہ اپنی جیپ کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "میں ان گھوڑوں کو دیکھنا چاہتا ہوں..... اور کیمپ بھی دیکھوں گا۔"

لیکن ٹھیک اسی وقت فریدی بھی ان کے قریب آ کر رکا۔ اس کے ساتھ ڈائریکٹر بھی تھا۔

"تم انہیں راج گڈھ کے تھانے لے جاؤ..... ان کی دوسری گاڑیاں بھی بیکار ہو گئی ہیں۔" اس نے حمید سے کہا۔

"میں ان گھوڑوں کو دیکھنے جا رہا تھا۔"

''یہ سب مجھ پر چھوڑ دو۔ انہیں تھانے لے جاؤ۔'' فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ حمید سمجھ گیا کہ مقصد اُسے محض تھانے ہی تک لے جانا نہ ہوگا بلکہ وہ راستے میں اس سے پوچھ گچھ بھی کر سکے گا۔

اس نے جیپ اسٹارٹ کی۔ ڈائریکٹر اس کے برابر ہی بیٹھا ہوا تھا۔

''میں برباد ہوگیا۔'' ڈائریکٹر روہانسی آواز میں بولا۔

''مجھے آپ سے ہمدردی ہے لیکن اگر آپ آشا کی نانی کو اندھیرے میں نہ رکھتے تو شاید اس کی نوبت نہ آتی۔''

''کیا مطلب.....!'' ڈائریکٹر بے ساختہ چونک پڑا۔

''آشا سے معاہدے کی شرط۔''

''اوہ.....تو اُس نے بتا دیا ہے آپ کو۔''

''جی ہاں.....!''

''یہ بات صرف ہم دونوں کے درمیان تھی۔''

''اگر آپ اس کی نانی پر ظاہر کر دیتے تو۔''

''میرا خیال ہے کہ اگر آشا کی شرط کا اظہار اس سے کر دیتا تو وہ اس معاہدے پر ہرگز تیار نہ ہوتی۔''

''کیوں.....؟''

''آشا اس کے لئے سونے کی چڑیا ہے۔ لہٰذا وہ اسے قطعی پسند نہیں کرتی کہ آشا کا کسی سے رومان چلے اور نوبت شادی تک پہنچے۔ شادی کے بعد اس کی کیا پوزیشن ہوگی۔''

''آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ وہ عرصہ سے صرف کمل ہی کے ساتھ آتی رہی ہے۔ خود اس کی مارکیٹ بہت اچھی ہے جو بھی کوئی نئی فلم بنانے کا پروگرام بناتا ہے سب سے پہلے اس کی نظر آشا ہی پر پڑتی ہے اور آشا کی شرط یہ ہوتی ہے کہ ہیرو کا رول کمل ادا کرے گا۔ لیکن اس شرط کا علم اس کی نانی کو نہیں ہونے پاتا۔''

''ہوسکتا ہے.....اس بار علم ہو ہی گیا ہو۔''

''کون جانے۔'' ڈائریکٹر بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بڑبڑانے لگا۔

''میں تو سچ مچ تباہ ہوگیا۔ پروڈیوسر بھی خود ہی ہوں۔ فائنینسر مجھے جہنم میں پہنچا دے گا۔ آدھے سے زیادہ اسکرپٹ کی فلم بندی ہو چکی ہے۔''

''کیا آپ کا طریق کار دوسروں سے مختلف ہے۔'' حمید نے پوچھا۔ ''جہاں تک مجھے علم ہے پہلے ان ڈور شوٹنگ یا آؤٹ ڈور شوٹنگ مکمل کر لی جاتی ہے۔''

''صاحب ہم ان ڈور شوٹنگ مکمل کر چکے ہیں۔ آج آؤٹ ڈور شوٹنگ کی ابتداء کی تھی۔ اسکرپٹ کے اعتبار سے کہانی کا ایک تہائی حصہ آؤٹ ڈور شوٹنگ پر مشتمل ہے اور اس میں زیادہ تر کمل ہی کا رول تھا۔''

''تب تو آپ واقعی ڈوب گئے۔'' حمید نے بھی ٹھنڈی سانس لی۔

لارڈو

اب تو وہ اس بدبو کی عادی ہو چکی تھی۔ مجبوراً ہونا پڑتا تھا۔ ورنہ اتنے زیادہ پیسے کسی دوسری جگہ تو ہرگز نہ ملتے اور پھر کام ہی کیا تھا۔ ہفتے میں چھ دن صرف ڈاک وصول کرتی تھی اور ساتویں دن ضروری خطوط کے جواب لکھ دیتی تھی۔ تنخواہ تھی ساڑھے چار سو روپے ماہوار۔ ایک میٹرک پاس لڑکی کے لئے یہ ملازمت ایسی ہی تھی جیسے غیر متوقع طور پر ایک دن کسی کو کسی انعامی معمے کا انعام مل جائے۔

یہ نوکری بس یونہی بیٹھے بٹھائے ہاتھ آئی تھی۔ میٹرک پاس کر لینے کے بعد اس نے سوچا تھا کہ اب اُسے اپنی بیوہ ماں کا ہاتھ بٹانا چاہئے جس نے سلائی بنائی کر کے کسی نہ کسی طرح اُسے تعلیم دلوائی تھی۔ دو چھوٹے بھائی نچلے درجوں میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔

اس کا خیال تھا کہ کسی پرائمری سکول کی معلمی اُسے ضرور مل جائے گی۔ لہٰذا ایک جگہ درخواست پیش کی۔ انٹرویو کے لئے طلب کی گئی۔ وہاں پہنچی تو کہہ دیا گیا کہ انہیں تربیت یافتہ معلمہ کی ضرورت ہے۔ دل شکستہ ہوکر واپس ہو رہی تھی کہ صدر معلم کے آفس میں بیٹھی ہوئی ایک معمر عورت نے اس سے کہا کہ وہ باہر اس کا انتظار کرے شاید وہ اس کیلئے کچھ کر سکے گی۔

جینی نے اس کا انتظار کیا تھا۔

''میرے مالک کو ایک پرائیویٹ سیکرٹری کی ضرورت ہے۔'' معمر عورت نے کہا تھا اور جینی نے مایوسی سے سر ہلا کر کہا تھا۔ ''ٹائپ تو کر لیتی ہوں لیکن مجھے شارٹ ہینڈ نہیں آتا۔''

''اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔'' معمر عورت بولی تھی۔

اور پھر وہ دوسرے دن لارڈو کے دفتر میں جا پہنچی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ لارڈو کا کیا مطلب ہے اور وہاں کیا ہوتا ہے۔ صدر دروازے پر لارڈو کا بورڈ لگا ہوا تھا۔

وہاں دفتر کا سا فرنیچر بھی موجود تھا لیکن اس معمر عورت کے علاوہ اور کوئی نظر نہیں آیا تھا۔ معمر عورت نے کہا تھا۔ ''بس اپنے کو ملازم سمجھو۔ تنخواہ معقول ملے گی۔''

جینی نے مناسب نہیں سمجھا تھا کہ تنخواہ کے متعلق مزید استفسار کرتی۔

''بس روزانہ ڈاک وصول کر کے اُسے فائل کرتی رہو۔'' معمر عورت نے کہا تھا۔

''ساتویں دن باس جوابات لکھواتا ہے۔ یعنی اتوار کے دن..... چھٹی کا کوئی دن نہیں۔ روزانہ صرف تین گھنٹے کے لئے آنا ہوگا۔''

جینی نے سوچا تھا بھلا پچاس ساٹھ روپیوں سے زیادہ کیا ملے گا۔

لیکن اس نے خاموشی ہی اختیار کی تھی۔ اس کمرے کا فرنیچر اعلیٰ درجہ کا تھا جس میں اُسے بیٹھنا تھا۔ صرف ایک میز تھی اور ایک جانب ایک خوبصورت سا ریٹائرنگ کیبن بھی تھا۔

اس کمرے میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں بیٹھتا تھا۔

چھ دن تک وہ صرف ڈاک وصول کرتی رہی تھی اور ساتویں دن باس اس کمرے میں داخل ہوا تھا۔

بس ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے غلاظت ڈھونے والی کوئی میونسپل گاڑی قریب ہی آ رکی ہو۔ پورا کمرہ بدبو سے گونج اٹھا تھا۔

وہ گول مٹول سا آدمی تھا اور اپاہجوں والی پہیوں دار کرسی پر بیٹھا ہوا کمرے میں داخل ہوا تھا۔ چہرے پر آنکھوں تک کپڑا بندھا ہوا تھا۔

''گڈ مارننگ مس جینی.....!'' بھرائی ہوئی سی آواز کمرے میں گونجی تھی۔

''گگ..... گڈ مارننگ۔'' جینی نے متحیرانہ انداز میں جواب دیا تھا اور کرسی سے اٹھ گئی تھی۔

''میں تمہارا باس ہوں۔'' اس نے ایک لفافہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔ ''یہ تمہارا اپائنٹمنٹ لیٹر ہے۔''

جینی نے ہاتھ بڑھا کر لفافہ لے لیا تھا۔

''اسے دیکھو.....!'' بدبودار باس نے کہا تھا۔

جینی نے لفافہ کھول کر اپائنٹمنٹ لیٹر نکالا تھا اور اسے دیکھ کر وہ یہ بھی بھول گئی تھی کہ کچھ دیر قبل اس کا دماغ بدبو سے پھٹا جا رہا تھا۔

''ساڑھے چار سو روپے ماہوار۔''

''شش شکریہ۔'' اس نے بدقت اپنی زبان کو جنبش دی تھی۔

''بیٹھ جاؤ۔'' باس نے ہاتھ ہلا کر کہا تھا۔ ''یہ اس بدبو کو برداشت کرنے کی اجرت ہے۔ ورنہ یہاں کام کچھ ایسا زیادہ نہیں۔''

وہ بیٹھ گئی اور باس کہتا رہا تھا۔ ''اگر میں اپنے منہ پر سے کپڑا ہٹا دوں تو تم سانس نہ لے سکو گی۔ لاکھوں روپے صرف کر چکا ہوں لیکن میرے منہ کی بدبو نے پیچھا نہیں چھوڑا۔ میں دنیا کا بدنصیب ترین آدمی ہوں بے بی۔'' یہاں اس کی آواز رقت آمیز ہو گئی تھی۔

جینی فوراً ہی کچھ نہیں بولی تھی۔ لیکن اس کا دل بھر آیا تھا۔ وہ ایک نرم دل اور نیک لڑکی تھی۔ عیسیٰ مسیح کی تعلیمات نے اُسے ہر آدمی سے محبت کرنا سکھایا تھا۔ بیماروں پر شفقت کرنا سکھایا تھا اور پھر وہ ایک طرح کی بیماری ہی تو تھی۔

''جج.....جی.....!'' وہ کچھ دیر بعد ہکلائی تھی۔ ''جب تک یہاں میری ضرورت ہوگی.....

مم.....میں یہاں رہوں گی۔''

''شکریہ۔'' باس نے ہاتھوں سے اپنی آنکھیں چھپا کر روہانسی آواز میں کہا تھا اور خاموش ہوگیا تھا۔ لیکن جینی اس کے جسم میں لرزشیں سی محسوس کررہی تھی۔ شاید وہ رو رہا تھا۔

اور پھر جینی مجسم ماما بن گئی تھی۔ اس کی آنکھیں بھی بھیگنے لگی تھیں۔

اور پھر اس کے بعد بھی وہ ہر ہفتے وہاں آتا رہا تھا۔ پچھلے دنوں کے آئے ہوئے خطوط سنتا اور ان کے جوابات لکھواتا۔ دو چار رسمی قسم کی باتیں ہوتیں اور وہ چلا جاتا۔

یہ دفتر محض اُسی ایک کمرے پر مشتمل نہیں تھا۔ کئی کمرے تھے۔ جہاں کلرک وغیرہ بیٹھا کرے تھے۔ لیکن اس کا تعلق براہِ راست باس ہی سے تھا۔

بوڑھی عورت جس کی وساطت سے وہ یہاں پہنچی تھی کاروبار کے فلمی سیکشن کی انچارج تھی۔ اس نے اسے بتایا تھا کہ ''لارڈو'' کی تجارت مختلف النوع معاملات پر مشتمل ہے۔ خود بوڑھی اس شعبے کی انچارج تھی جس کا کام فلم کمپنیوں کے لئے اکسٹرا اداکار مہیا کرنا تھا۔''

جینی نے اپنی ماں سے یہ نہیں بتایا تھا کہ اُسے ساڑھے چار سو روپے ماہوار تنخواہ ملتی ہے۔ صرف ڈیڑھ سو بتائے تھے۔ اگر وہ ساڑھے چار سو کا تذکرہ کردیتی تو ہر حال میں یہ ملازمت ترک کرنی پڑتی۔ اس کی ماں یہی سمجھتی کہ وہ کس بُرے آدمی کے چکر میں پڑ گئی ہے اور وہ ایک نہ ایک دن اپنی صرف کی ہوئی رقم ضرور وصول کرے گا۔

جینی کی ماں ایک محنتی اور نیک نفس عورت تھی۔ شوہر کی موت کے بعد وہ غلط راہوں پر نہیں گئی تھی۔ زیادہ تعلیم یافتہ نہیں تھی اس لئے کسی اچھی ملازمت ملنے کا امکان نہیں تھا۔ لیکن وہ اچھی دستکار ضرور تھی۔ اس نے زنانہ ملبوسات کا کام شروع کردیا تھا اور اتنا کمالیتی تھی کہ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت بحسن و خوبی کرسکے۔ ہمیشہ سے اس کی یہی کوشش اور خواہش رہی تھی کہ اس کے بچے بھی نیکی ہی کی راہ پر چلتے رہیں۔

گھر سے بہت کم نکلتی تھی۔ جب تک جاگتی رہتی کچھ نہ کچھ کرتی رہتی۔ اسے خوشی تھی کہ

بیٹی بھی برسرِ روزگار ہوگئی تھی۔ لیکن وہ مطمئن نہیں تھی۔ اکثر دنیا کی اونچ نیچ سمجھاتی رہتی۔ جینی نے اسے اپنے بدبودار باس کے متعلق بتایا تھا اور اس کیلئے اس نے بھی ہمدردی ظاہر کی تھی۔

جینی ہر ماہ اس کے ہاتھ پر ڈیڑھ سو روپے رکھ دیتی تھی اور بقیہ رقم بینک میں جمع ہوتی رہتی تھی۔

آج صبح وہ دفتر پہنچی تھی اور تھوڑی دیر بعد پچھلی شام کی ڈاک دیکھنے لگی تھی۔ پھر اخبار اٹھا لیا تھا اور پھر وہ خبر اس کی نظر سے بھی گذری تھی۔

''مشہور فلمی ستارے کمل کمار کا پراسرار قتل''

پوری خبر پڑھنے کے بعد اس کا دل دھڑکنے لگا تھا اور اسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے اس کا کوئی قریبی عزیز دنیا سے اٹھ گیا ہو۔

کمل کمار ایسا ہی مقبول اداکار تھا۔ اس کے نین اس سے محبت کرتے تھے۔ وہ بڑی دیر تک گم سم بیٹھی رہی تھی۔ پھر اس کا ذہن قتل کی گتھیاں سلجھانے میں مصروف ہوگیا تھا۔ اس نے بکثرت جاسوسی ناول پڑھے تھے اور اب بھی پڑھتی رہتی تھی۔ یہاں کام ہی کیا تھا۔ زیادہ تر وقت ناولیں ہی پڑھنے میں صرف ہوتا۔

خبر میں یہ بھی تھا کہ محکمہ سراغ رسانی کے بہترین دماغ کرنل فریدی اور کیپٹن حمید بھی فلم کمپنی کے کیمپ کے آس پاس اپنی پارٹی کے ساتھ شکار کھیل رہے تھے اور انہوں نے اس حادثہ کے بعد واردات کا معائنہ بھی کیا تھا۔ خبر رساں نیوز ایجنسی کی طرف سے خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ شاید اس کیس کی ذمہ داریاں انہیں دونوں حضرات کو سونپی جائیں۔

قاتل بچ نہیں سکتا۔ جینی نے سوچا۔ آج تک کرنل فریدی کا کوئی کیس ناکام نہیں رہا۔ پھر اُسے خیال آیا۔ وہ لوگ آس پاس ہی شکار کھیل رہے تھے۔ کہیں وہ انہیں میں سے کسی کی گولی کا شکار نہ ہوا ہو۔ گولی کسی جانور پر چلائی گئی ہو اور گھوڑا اُسے گولی کی زد پر لے آیا ہو۔

اس نے سوچا یہ پولیس والے ''لیپ پوت'' کے بھی تو ماہر ہوتے ہیں۔

پھر کچھ دیر بعد بوڑھی عورت مسز رگھبیر سے بھی اس حادثے کے متعلق گفتگو ہوئی۔ مسز رگھبیر نے کہا۔ ''جتنی میں ان لوگوں سے واقف ہوں تم نہیں ہوسکتیں۔ یہ آشا کی نانی ہی کی

حرکت ہوسکتی ہے۔ وہ نہیں چاہتی کہ آشا کسی سے قریب ہو۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ آشا کمل کمار کی طرف بے تحاشہ جھک رہی تھی۔''

''لیکن.....!'' جینی ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ ''اس طرح خود آشا کے لئے بھی تو خطرہ تھا اور وہ دونوں ایک ہی گھوڑے پر تھے اور گھوڑا دوڑ رہا تھا۔ گولی آشا کے بھی لگ سکتی تھی۔ نہیں یہ اس کی نانی کی حرکت نہیں ہوسکتی۔

''تب پھر یہ بھی ممکن نہیں کہ انڈسٹری کے کسی دوسرے آدمی کی حرکت ہو۔ کمل کمار سے سب محبت کرتے تھے۔ آج تک اس کا کسی سے جھگڑا نہیں ہوا۔'' مسز رگھبیر نے کہا۔

''کیا یہ ممکن ہے کہ وہ ان شکاریوں کی کسی رائفل کا نشانہ بنا ہو۔'' جینی بولی۔

''ہوسکتا ہے۔'' مسز رگھبیر نے کہا اور کچھ سوچنے لگی۔

کرنل فریدی اپنے آفس میں بظاہر بیکار بیٹھا تھا۔ لیکن اس کا ذہن اسی کیس کے مختلف پہلوؤں سے الجھا ہوا تھا۔

بجھا ہوا سگار ایش ٹرے میں رکھ کر اس نے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا اور ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں بولا۔ ''ڈیوڈ..... چیک کر چکے ہو تو رپورٹ جلد لاؤ۔''

ریسیور رکھ کر وہ پھر بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

کچھ دیر بعد ایک آدمی کچھ فائلیں لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

''نہیں جناب۔'' اس نے کہا۔ ''ہمارے ریکارڈ میں جتنے نشانات ہیں ان میں سے کسی سے بھی یہ نشانات نہیں ملتے۔''

''ہمارے ریکارڈ میں کچھ غیر مصدقہ نشانات بھی تو ہیں۔'' فریدی اس کی آنکھوں میں

دیکھتا ہوا بولا۔ ''انہیں بھی آزماؤ۔''

''بہت بہتر جناب۔'' اس نے کہا اور چلا گیا۔

فریدی پھر فون کی طرف ہاتھ بڑھا ہی رہا تھا کہ کیپٹن حمید کمرے میں داخل ہوا اور اس ہیئت کذائی میں کہ فلٹ ہیٹ کھوپڑی کے پچھلے حصے پر چپکی ہوئی تھی۔ بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے اور ٹائی کی گرہ ڈھیلی ہوکر سینے پر آ گئی تھی۔ قمیض کے کالر کا بٹن بھی کھلا ہوا تھا۔

دانتوں میں دبا ہوا پائپ ٹھوڑی کے نیچے جھول رہا تھا۔ فریدی نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا اور گھورتا رہا۔

حمید نے کچھ کہنے کیلئے پائپ منہ سے نکالا۔ لیکن فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''باہر جاؤ۔''

پھر قبل اس کے کہ حمید وجہ پوچھتا فریدی خود ہی بولا۔ ''یہ جناب کا دولت خانہ تو نہیں ہے۔ حلیہ درست کر کے آؤ۔'' اس بار لہجہ درشت تھا۔

حمید نے فلٹ ہیٹ میز پر ڈال دی ٹائی کی گرہ درست کی اور پیشانی سے بال ہٹاتا ہوا بولا۔ ''میں پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ فلمی حلقوں کی آب و ہوا ہم جیسے لوگوں کیلئے مناسب نہیں۔''

فریدی پھر فون کی طرف متوجہ ہوگیا۔ کسی کے نمبر ڈائیل کئے اور کسی قسم کے کاغذات کے متعلق گفتگو کرتا رہا۔

حمید کرسی کھینچ کر بیٹھ چکا تھا اور اب بجھا ہوا پائپ سلگا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد فریدی اس کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''رپورٹ۔''

''کوئی خاص نہیں۔ اس کی نانی کی وجہ سے تنہائی نصیب ہی نہیں ہوتی۔'' حمید پائپ منہ سے نکال کر بولا۔

''کیا بکواس ہے؟''

''سچ عرض کر رہا ہوں۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''ابھی تک کوئی ایسا موقع نصیب نہیں ہوا کہ ہم دونوں اطمینان سے گفتگو کر سکتے۔ نانی سر پر مسلط ہو جاتی ہے۔ میں آشا سے کچھ پوچھتا ہوں تو اس سے پہلے ہی نانی بول پڑتی ہے۔ ابھی تک آشا خود میرے کسی سوال

کا جواب نہیں دے سکی۔ نانی کا جواب دہرا دیتی ہے۔''

''اور تم خاموشی سے سنتے رہے ہو۔'' فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''پھر کیا کروں۔ اتنی خوبصورت عورت کی نانی کو ڈانٹ دینا میرے بس سے باہر ہے۔''

''تم گدھے ہو۔'' فریدی نے کہا اور سامنے پڑے ہوئے کاغذات کی طرف متوجہ ہو گیا۔

کچھ دیر بعد فون کی گھنٹی بجی۔

فریدی ریسیور اٹھا کر دوسری طرف سے بولنے والے کی بات سنتا رہا پھر خود بولا۔ ''ٹھیک وہ فائل یہیں لیتے آؤ اور نشانات سے متعلق رپورٹ بھی۔''

ریسیور رکھ کر وہ حمید کی طرف دیکھنے لگا۔ لیکن توجہ کا مرکز حقیقتاً حمید نہیں تھا۔ فریدی کچھ سوچ رہا تھا اور سوچ میں ڈوبی ہوئی آنکھیں حمید کے چہرے پر جم کر رہ گئی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد وہی آدمی کمرے میں داخل ہوا جو اس سے پہلے بھی ایک فائل لے کر وہاں آیا تھا۔

فریدی نے اپنے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کیا..... اور وہ شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔ فائل اس کے سامنے رکھتا ہوا بولا۔ ''دوسرے پیراگراف میں نشانات کے متعلق تفصیل درج ہے۔''

فریدی فائل کا مطالعہ کرتا رہا..... قریباً دس منٹ بعد سر اٹھا کر بولا۔ ''تم غلطی تو نہیں کر رہے۔''

''نہیں جناب اپنے تیس سالہ تجربہ کی بناء پر یہ بات یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ دونوں نشانات ایک ہی آدمی کی انگلیوں کے ہیں۔''

''گڈ.....!'' فریدی نے فائل بند کر کے اسکی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''ٹھیک ہے جاؤ۔''

وہ چلا گیا۔ فریدی نے بجھا ہوا سگار سلگا کر حمید کی طرف دیکھا۔ جو اب بڑے بے تعلقانہ انداز میں اونگھ رہا تھا۔

''اُٹھو.....!''

حمید چونک پڑا..... اور فریدی نے اٹھ کر کوٹ پہنتے ہوئے کہا۔ ''چلو.....!''

''کہاں.....؟''

فریدی جواب دیئے بغیر باہر جا چکا تھا۔ حمید کراہتا ہوا اٹھا..... فلٹ ہیٹ اٹھائی اور اس کے پیچھے چل پڑا۔

کچھ دیر بعد فریدی کی لنکن کسی نامعلوم منزل کی طرف جا رہی تھی۔ حمید نے ابھی تک نہیں پوچھا تھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔

کچھ دیر بعد فریدی بولا۔ ''کیا تمہیں علم ہے کہ جھاڑیوں کے اس سلسلے کے درمیان بالآخر ایک پتلی سی پگڈنڈی دریافت کر لی گئی ہے۔''

''نہیں..... میں جشن برپا کرنے میں مشغول تھا اس خوشی میں کہ شکار کا پروگرام اللہ میاں کی طرف سے ختم ہو گیا۔''

فریدی اس کی بکواس پر دھیان دیئے بغیر بولا۔ ''پگڈنڈی ایک ایسی جگہ لے گئی تھی جہاں چھپ رہنے کے لئے خاصی گنجائش تھی اور وہیں دو خالی کارتوس بھی ملے تھے۔''

''میرا خیال ہے کہ کوئی بھی بندوق کارتوس پرانکے خالی ہونے کی تاریخ نہیں چھاپ سکتی۔''

''لیکن خالی کارتوس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کب خالی ہوئے ہوں گے۔''

''ہوں.....!'' حمید کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

''کارتوسوں پر انگلیوں کے نشانات بھی ملے تھے۔''

''بس اب پبلک کے نشان ہائے انگشت لیتے پھریں گے۔'' حمید جھنجھلا کر بولا۔

''میں اس طریق کار ہی کو فضول سمجھتا ہوں۔''

''بعض حالات میں۔''

''قطعی طور پر۔''

''تمہارا خیال غلط ہے۔'' فریدی نے ونڈ اسکرین پر نظر جماتے ہوئے کہا۔ ''بہر حال اس قسم کے نشانات ہمارے مصدقہ ریکارڈ میں موجود نہیں۔ لیکن غیر مصدقہ نشانات کے فائل میں

ان کے مماثل مل گئے ہیں۔''

''اوہ تو یہ قصہ تھا.....اب ہم کہاں جا رہے ہیں۔''

''لارڈو۔''

''یہ کیا بلا ہے؟''

''ایک فرم کا نام ہے جو مختلف قسم کے بزنس کرتی ہے۔ پچھلے سال اس کا ایک کارکن قتل کر دیا گیا تھا.....اس کے سینے میں جو خنجر پیوست تھا اس کے دستے پر ایسے ہی نشانات پائے گئے تھے لیکن ہمارے ریکارڈ میں ان کے مماثل نہیں مل سکے تھے۔''

''اور وہ غیر مصدقہ نشانات کی فائیل میں ڈال دیئے گئے تھے۔'' حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ ''اور اب وہ ان نشانات سے مماثلت رکھتے ہیں جو ان کارتوسوں پر پائے گئے ہیں۔ لہٰذا اب ہمارا فرض ہے کہ خلاء میں ہاتھ پاؤں مارتے رہیں۔''

''لارڈو والا کیس شاید چیٹرجی کے ہاتھ میں تھا۔ لیکن وہ کامیاب نہیں ہوا تھا۔ اس کارکن کا قاتل آج بھی پردہ راز میں ہے۔''

''تو اب لارڈو میں کیا کریں گے۔''

''بس دیکھنا۔''

حمید خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد اس نے پوچھا ''کیا یہ ضروری ہے کہ.....!''

''خاموش رہو۔'' فریدی بولا۔ ''میں جانتا ہوں جو تم کہنا چاہتے ہو۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ بعض اوقات تم مجھے اسسٹ کرو۔''

''اور ان اوقات میں جو آپ کے بعض اوقات سے مختلف ہوں۔'' حمید نے سوال کیا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی.....حمید اب بھی کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ آخر وہ کیسا احمق قاتل تھا جو خنجر کے دستے پر اپنی انگلیوں کے نشانات چھوڑ گیا تھا اور اب کارتوسوں پر بھی۔ کیا وہ اس خنجر کو مقتول کے سینے سے نکال کر اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا تھا۔ کیا یہ ضروری تھا کہ وہ اُن خالی کارتوسوں کو وہیں چھوڑ کر چل دیتا جہاں وہ خالی کئے گئے

تھے۔ اس نے اس نئے سوال کو زبان سے بھی دہرایا۔

''ہوں..... یہ چیز غور طلب ہے۔'' فریدی بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ میں نے جلد بازی سے کام لیا۔ غیر مصدقہ نشانات کے پورے ریکارڈ کی چھان بین ہونی چاہئے۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''ہو سکتا ہے..... یہی نشانات کچھ اور کیسوں میں بھی نظر آئیں۔ ایسے کیسوں میں جو کسی نتیجے پر پہنچے بغیر ختم کر دیئے گئے ہوں؟''

''ممکن ہے.....!'' حمید کنکھیوں سے اُسے دیکھتا ہوا بولا۔

دفعتاً فریدی نے گاڑی روک دی اور حمید نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ بائیں جانب والی عمارت پر ''لارڈو'' کا بورڈ نظر آیا۔

''یہاں آپ کس سے ملیں گے۔'' اس نے پوچھا۔

''کسی بھی ذمہ دار آدمی سے۔''

لیکن اس وقت وہاں کوئی بھی ذمہ دار آدمی نہ مل سکا۔ چوکیدار نے بتایا کہ لارڈو کے دفاتر تین بجے بند ہو جاتے ہیں اور اس وقت چار بج رہے تھے۔

''واقعی اسم با مسمی ہیں یہ لوگ۔'' حمید بڑبڑایا۔ ''تین ہی بجے دفاتر بند کر دیتے ہیں۔''

پھر وہ فٹ پاتھ سے گاڑی کی طرف مڑ رہے تھے کہ اوپری منزل سے کسی نے فریدی پر چھلانگ لگائی۔ لیکن اس کے شانوں پر سے ہوتا ہوا سڑک پر جا پڑا۔ کیونکہ فریدی نے بڑی پھرتی سے اپنے گھٹنے فرش پر ٹیک دیئے تھے۔

چھلانگ

دوسرے ہی لمحے میں فریدی کار یوالور بغل کے ہولسٹر سے نکل آیا۔ حملہ آور سڑک پر

گھٹنوں کے بل پڑا ہوا ہتھیلیاں ٹیک کر اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ فریدی اس کی طرف جھپٹا لیکن قریب پہنچنے سے قبل ہی حملہ آور منہ کے بل گر چکا تھا۔

حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''یہ تو..... یہ تو.....!'' اس نے ہکلا کر کہا۔ ''وہی ڈائریکٹر ہے۔''

''اور مر چکا ہے۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔

وہاں بھیڑ ہونے لگی تھی۔ فریدی نے ہاتھ ہلا کر انہیں ہٹنے کا اشارہ کیا۔ ڈیوٹی کانسٹیبل بھی وہاں پہنچ چکے تھے۔ فریدی نے انہیں چند ہدایات دیں اور عمارت کی اوپری منزل کی طرف دیکھنے لگا۔ عمارت دو منزلہ تھی۔ غالباً وہ بالکنی سے کودا تھا۔

حمید نے اس خنجر کو اٹھانا چاہا جو حملہ آور کے ہاتھ سے نکل کر قریب ہی پڑا ہوا تھا۔

''نہیں..... اسے ہاتھ نہ لگاؤ۔'' فریدی نے کہا اور ڈیوٹی کانسٹیبلوں سے بولا۔ ''کسی کو لاش کے قریب مت آنے دینا۔''

اور حمید سے کہا کہ وہ متعلقہ تھانے کو فون پر مطلع کر دے۔

اب وہ اوپری منزل کے زینوں کی طرف جا رہا تھا۔ حمید نے ایک دوکان سے علاقے کے تھانے کے انچارج کو فون پر اطلاع دی اور پھر لاش کے پاس واپس آ گیا۔

مرنے والے نے فریدی پر چھلانگ ہی لگائی تھی۔ حمید کو یقین تھا اور اس نے اس کی مٹھی میں جکڑے ہوئے چاقو کو بھی سڑک پر پھسلتے دیکھا تھا۔ لیکن اتنی بلندی سے چھلانگ لگا کر حملہ کرنے کی وجہ اس کی سمجھ میں نہ آ سکی۔ وہ تو ایک طرح سے خودکشی ہی تھی۔

فریدی ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ حمید بار بار زینوں کی طرف دیکھنے لگتا۔

تھانے کے انچارج کے آنے سے قبل وہ وہاں سے ہل بھی نہیں سکتا تھا۔

کچھ دیر بعد تھانے کی ٹیم وہاں پہنچ گئی اور حمید انچارج کو مختصراً لاش کے متعلق سب کچھ بتا کر زینوں کی طرف جھپٹا۔

زینوں کا اختتام بالکنی ہی پر ہوا تھا۔ وہ سرے پر رک گیا۔ بالکنی سنسان پڑی تھی۔ شاید

یہاں کئی فلیٹ تھے اور وہ ان کی مشترکہ بالکنی تھی۔

دفعتاً فریدی ایک دروازے سے برآمد ہوتا ہوا دکھائی دیا اور حمید کو دیکھ کر وہیں رک گیا۔

''کیا قصہ ہے۔'' حمید نے اس کے قریب پہنچ کر پوچھا۔

''صرف ایک فلیٹ کا دروازہ کھلا ہوا ملا ہے۔'' فریدی نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''لیکن وہ بالکل خالی پڑا ہے..... میرے خیال سے شاید پڑوس کا کوئی آدمی کچھ بتا سکے۔''

فریدی نے برابر والے دروازے پر دستک دی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور ایک ادھیڑ عمر آدمی دکھائی دیا۔

فریدی نے اس سے برابر والے فلیٹ کے مکین کے متعلق پوچھا۔

''جی ہاں..... کوئی صاحب رہتے ہیں۔'' اس نے کسی قدر پس و پیش کے ساتھ کہا ''لیکن میں ان کا نام نہیں جانتا۔''

''بات دراصل یہ ہے کہ ابھی اس بالکنی سے ایک آدمی نیچے گر کر مر گیا ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''کیا آپ اس کی شناخت کر سکتے ہیں۔''

''گر کر مر گیا۔'' اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں دہرایا اور منہ کھولے کھڑا رہا۔

''جی ہاں! شبہ ہے کہ وہ اسی فلیٹ کا مکین ہو سکتا ہے۔''

''آپ..... کون ہیں۔''

''پولیس.....!''

''اوہ..... تو میں کیا کر سکتا ہوں۔''

''کچھ دیر کے لئے چلنے کی زحمت گوارا فرمائیے۔''

''اچھا..... اچھا..... میں ذرا قمیض پہن لوں۔''

''بہتر ہے۔''

وہ دونوں اس کی واپسی کے منتظر رہے۔ دروازہ بھیڑ کر وہ اندر چلا گیا تھا۔ کچھ دیر بعد واپس آیا۔

نیچے سڑک پر کانسٹیبلوں نے لاش کے گرد حلقہ بنالیا تھا اور تماشائی دوسرے فٹ پاتھ پر اب بھی موجود تھے۔

لاش کو دیکھ کر پڑوسی پر بوکھلاہٹ کا دورہ پڑ گیا۔ اس کے ہاتھ پیر بُری طرح کانپ رہے تھے۔ بدقت وہ بتا سکا کہ مرنے والا اس کا پڑوسی ہی تھا۔ فریدی اُسے پھر اوپر لایا۔

''آپ کچھ دیر آرام کرلیں۔'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ ''آپ کو پھر تکلیف دوں گا۔''

''جی کوئی بات نہیں..... ضرور ضرور.....!'' وہ ہانپتا ہوا بولا اور اپنے فلیٹ میں چلا گیا۔

وہ دونوں مرنے والے کے فلیٹ میں آئے۔ یہ نشست کا کمرہ تھا۔ صوفہ سیٹ کے درمیان ایک چھوٹی سی میز پر وہائٹ ہارس کی بوتل اور دو گلاس رکھے ہوئے تھے۔ کسی جگہ بھی بدنظمی کے آثار نہیں تھے۔

''کیا خیال ہے تمہارا۔'' فریدی نے حمید کی طرف مڑ کر پوچھا۔ ''اس نے مجھ پر چھلانگ لگائی تھی۔''

''گرے آپ تھے اور خیال میں ظاہر کروں۔''

''میں نے آج تک نہیں سنا کہ کسی حملہ آور نے کسی پر اتنی بلندی سے چھلانگ لگائی ہو۔''

''خدا کا شکر ہے کہ آج آپ نے دیکھ لیا۔''

''شش.....!'' فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''تم نہیں سمجھے۔''

حمید نے شانوں کو جنبش دی اور مینٹل پیس پر رکھی ہوئی تصویر دیکھنے لگا۔ یہ تصویر فلم اسٹار آشا کی تھی۔

''تو یہ ڈائریکٹر صاحب خود بھی اس کے پروانوں میں سے تھے۔'' حمید بڑبڑایا۔

''سنجوگتا کا فنانسر بے موت مر گیا۔'' فریدی بولا۔ چند لمحے اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ حمید سے بولا۔ ''اسے بلالاؤ۔''

اشارہ مرنے والے کے پڑوسی کی طرف تھا۔ حمید کمرے سے نکل کر اس کے دروازے پر آیا۔ دستک دی۔ پڑوسی باہر آیا۔ لیکن اس کی حالت ابھی تک نہیں سنبھلی تھی۔ بہرحال وہ اس

کے ساتھ چلا آیا۔

فریدی نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ متوحش سا بیٹھ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

''وہ یہاں تنہا ہی رہتا تھا۔'' فریدی نے پوچھا۔

''جی ہاں۔''

''آپ سے کیسے تعلقات تھے۔''

''بس ایسے ہی کہ نام تک نہیں جانتا۔''

''اوہو..... حالانکہ وہ ایک مشہور آدمی تھا۔ فلم ڈائریکٹر بہزاد.....!''

''اچھا.....!'' پڑوسی کے لہجے میں حیرت تھی۔ پھر وہ سنبھل کر بولا۔ ''یہی وجہ ہے کہ یہاں لڑکیاں آیا کرتی تھیں اور ہم لوگ سمجھتے تھے کہ وہ کوئی عیاش آدمی ہے اور محض عیاشی کے لئے یہ فلیٹ لے رکھا ہے۔''

''کیا وہ مستقل طور پر یہاں نہیں رہتا تھا؟''

''جی نہیں۔ کئی کئی دن یہاں قفل پڑا رہتا تھا۔''

''کبھی یہاں لڑائی جھگڑے کی بھی آواز سنی تھی؟''

''میں ہر وقت تو گھر پر رہتا نہیں۔''

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔ ''کیا یہاں کسی پڑوسی سے بھی اس کے تعلقات تھے۔''

''مجھے علم نہیں؟''

''اچھا شکریہ..... اگر ضرورت پڑی تو پھر تکلیف دی جائے گی۔''

وہ چلا گیا۔

ایک ہی لائن میں چار فلیٹ تھے۔ فریدی نے بقیہ دو فلیٹوں کے رہنے والوں سے بھی پوچھ گچھ کی۔ لیکن اس کے علاوہ اور کچھ نہ معلوم ہو سکا کہ وہ فلیٹ پچھلے ایک سال سے مرنے والے کے قبضے میں تھا۔

لاش اٹھوائی جا چکی تھی۔ فریدی نے آفس میں پہنچ کر احکامات جاری کئے کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ حاصل کرنے میں جلدی کی جائے۔

''آخر آپ کیا سوچ رہے ہیں۔'' حمید نے اس سے پوچھا۔

''مجھے یقین نہیں ہے کہ اس نے حملہ کرنے کی نیت سے اتنی بلندی سے چھلانگ لگائی ہوگی۔''

''اس کے ہاتھ میں گلدستہ نہیں خنجر تھا جناب کرنل صاحب۔''

''پھر.....؟''

''پھر یہ کہ مقصد بغل گیر ہونا نہیں تھا۔''

''میں اس کے فلیٹ سے وہائٹ ہارس کی بوتل اور وہ دونوں گلاس بھی لایا ہوں۔''

''اچھا.....اچھا.....!'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''تو آپ نشے میں ہیں اس وقت چلئے کوئی بات نہیں۔ اب تو میں اس پر بھی یقین کرلوں گا کہ اس نے نجوگتا کے کچھ رش پرنٹ دکھانے کے لئے آپ پر چھلانگ لگائی تھی۔''

فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔ سگار سلگا کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا اور آنکھیں بند کرلیں۔

حمید اُسے دیکھتا رہا۔

دفعتاً فریدی نے آنکھیں کھولیں اور حمید کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے بولا۔ ''کسی نے اس کو مجھ پر دھکیلا تھا۔ اس سے پہلے وہ دونوں شراب پیتے رہے تھے۔ ڈائریکٹر بہزاد نشے میں تھا۔ ہوسکتا ہے بہت زیادہ نشے میں رہا ہو۔ ایسی صورت میں اسکے ہاتھ میں خنجر دیا جاسکتا ہے۔''

''لیکن دھکیلنے والا کہاں گیا۔''

''وہ اسی وقت زینوں سے اتر کر بھیڑ میں مل گیا ہوگا جب ہم بہزاد کی طرف متوجہ ہوگئے تھے۔''

''اگر یہ بات ہے تو پھر میں جا رہا ہوں۔''

''کہاں۔''

''سدرن اسٹوڈیوز۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

جینی ابھی ابھی آ کر آفس میں بیٹھی تھی۔ پچھلی شام کی ڈاک نکال ہی رہی تھی کہ بوڑھی عورت کمرے میں داخل ہوئی۔

''کچھ سنا تم نے۔'' اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں۔

''کیا.....بیٹھئے.....بیٹھئے۔''

''کل یہاں بڑا غضب ہوگیا۔''

''کیا ہوا۔''

''محکمہ سراغ رسانی کے کرنل فریدی کا نام سنا ہے۔''

''جی ہاں۔ وہی جو کمل کمار والے کیس کی تفتیش کر رہے ہیں۔''

''ہاں کل وہ ہمارے آفس میں آیا تھا۔''

''اچھا.....کس وقت۔''

''آفس بند ہو چکا تھا۔ لیکن.....!''

''لیکن کیا.....!''

''کیا بتاؤں.....بڑی حیرت انگیز باتیں سامنے آ رہی ہیں۔ ہمیں تو یہی نہیں معلوم تھا کہ ڈائریکٹر بہزاد اوپر رہتا ہے۔''

''اوپر.....!'' جینی نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔ ''یعنی اوپر والے فلیٹوں میں سے کسی میں۔''

''ہاں.....اور سنو۔'' بوڑھی کی آنکھیں بدستور حیرت سے پھٹی رہیں۔ لیکن اس نے جملہ پورا نہیں کیا۔ جینی اسے استفہامیہ انداز میں دیکھتی رہی۔

''بہزاد ہاتھ میں چھرا لے کر اس پر کودا تھا۔''

''کس پر.....؟''

''کرنل فریدی پر.....!''

''پھر کیا ہوا.....؟''

''ہوتا کیا.....وہ مر گیا؟''

''کون مر گیا۔'' جینی کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

''بہزاد اور کون۔''

''کیا کرنل فریدی نے مار ڈالا۔''

''ارے نہیں۔خود ہی مر گیا۔ بھلا اتنی اونچائی سے کودے گا تو اور کیا ہوگا۔'' جینی خاموشی سے اُسے دیکھتی رہی۔

''اور اب.....وہ یہاں پوچھ گچھ کر رہا ہے۔''

''یہاں کیوں؟''

بوڑھی عورت کچھ نہ بولی۔تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔''ابھی وہ جنرل منیجر کے کمرے میں ہے۔میرا خیال ہے میں بھی بلوائی جاؤں گی۔''

''آپ کیوں.....؟'' جینی نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

''میرے سیکشن کا تعلق فلم سے ہے نا۔''

''تو وہ آپ سے بہزاد ہی کے متعلق پوچھ گچھ کرے گا۔''

''لیکن میں بہزاد کو کیا جانوں.....میرا اس سے کبھی سابقہ نہیں پڑا۔'' مسز رگھبیر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''اس کی اس فلم نجوگتا کے لئے کس نے ایکسٹرا آرٹسٹ مہیا کئے تھے؟''

''پتہ نہیں.....ہم نے تو نہیں کئے.....ہم سے تو بڑی ہی کمپنیوں سے معاملت ہوتی ہے.....باقی لوگ ٹٹ پونجیوں سے کام چلاتے ہیں۔''

جینی پھر کچھ بولنے والی تھی کہ جنرل منیجر کا اردلی کمرے میں داخل ہوا اور جینی کو مخاطب کر کے بولا۔''صاحب نے سلام دیا ہے۔''

''مم.....مجھے.....یعنی.....مجھے۔'' جینی ہکلائی اور مسز رگھبیر کی طرف دیکھنے لگی۔لیکن وہ

بے تعلقانہ انداز میں بیٹھی رہی۔

جینی کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے خود اُسے کرسی نے جکڑ لیا ہو۔آخر اُسے کیوں بلایا گیا ہے؟

''جاؤ نا۔'' مسز رگھبیر نے کچھ دیر بعد کہا۔کیونکہ اردلی اب بھی وہیں کھڑا تھا۔شاید اُسے ہدایت کی گئی تھی کہ ساتھ ہی لے کر آئے۔

بلآخر وہ اٹھی اور چلتے وقت محسوس کیا کہ اس کے قدم توازن کھو بیٹھے ہیں۔کسی نہ کسی طرح جنرل منیجر کے کمرے میں پہنچی۔وہاں جنرل منیجر کے علاوہ دو اور آدمی نظر آئے۔ان میں سے ایک لحیم شحیم تھا اور دوسرا چھریرے جسم والا.....لحیم شحیم آدمی سے اس کی نظریں ملی تھیں اور وہ کانپ کر رہ گئی تھی۔ایسا محسوس کیا جیسے آنکھوں ہی کے راستے اس کے جسم کی ساری قوت نکل کر فضا میں تحلیل ہو گئی ہو۔

''مس جینی۔'' جنرل منیجر نے کہا۔''آپ محکمہ سراغ رسانی کے ایک آفیسر ہیں۔تم سے باس کے متعلق کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔بیٹھ جاؤ۔''

اس نے تیسری کرسی کی طرف اشارہ کیا تھا جو لحیم شحیم آدمی کے مقابل تھی۔بیٹھتے وقت پھر نظریں ملیں۔عجیب سی آنکھیں تھیں۔بڑی بڑی اور خوابناک۔ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یہیں بیٹھے بیٹھے سو جائے گا.....وہ پھر کانپ اٹھی۔

لیکن اس کی آواز سن کر ایسا محسوس ہوا جیسے ایک ہزار آدمی اس کی طمانیت قلب کے لئے ہمدردانہ انداز میں گفتگو کر رہے ہوں۔

''مجھے افسوس ہے محترمہ آپ کو تکلیف دینی پڑی۔'' اس نے کہا تھا۔

''نف.....فرمایئے۔'' وہ ہکلائی۔

''آپ کے باس سے کب ملاقات ہو سکے گی۔''

''ببب.....بہت مشکل ہے۔'' وہ ہکلائی۔

''میں نہیں سمجھا۔''

''میرا مطلب ہے یہ بتانا بہت مشکل ہے۔''

''اوہ.....!''

''وہ ہفتے میں صرف ایک بار آتے ہیں.....کوئی مخصوص دن مقرر نہیں ہے۔'' اس نے استفہامیہ انداز میں جنرل منیجر کی طرف دیکھا۔

''مجھ سے ایک سال سے ملاقات نہیں ہوئی۔'' جنرل منیجر بولا۔

''بڑی عجیب بات ہے۔''

''نہیں جناب۔ عجیب بات نہیں۔ میں آپ کو وجہ بتا چکا ہوں۔''

''ہوں۔'' وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ یکایک پھر اجنبی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''کیا آفس ہی کے اوقات میں آتے ہیں۔'' اس نے اس سے پوچھا۔

''جی نہیں.....!'' جینی بولی۔ ''تین بجے کے بعد۔''

''تو آپ کو تین بجے کے بعد بھی ٹھہرنا پڑتا ہے۔''

''جی ہاں۔''

''لیکن کل آپ یہاں نہیں تھیں۔''

وہ یوں ہی رواروی میں ''جی ہاں'' کہہ گئی تھی اور اب سوچ رہی تھی کہ کس طرح بات بنائے۔ جاسوسی ناول پڑھ پڑھ کر اس کا ذہن بال کی کھال نکالنے کا عادی ہو گیا تھا۔ فوراً ہی اُسے خیال آیا کہ کہیں اُسے غلط بیانی کی مرتکب نہ گردانا جائے۔

''جج.....جی ہاں کل میں نہیں تھی۔'' اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''دراصل میری ڈیوٹی صرف تین گھنٹے کی ہوتی ہے۔ جب باس کو نہیں آنا ہوتا تو صبح سے تین گھنٹے کے لئے اور جب آنا ہوتا ہے تو تین بجے کے بعد کسی وقت ڈیوٹی ہوتی ہے۔''

''غالباً ابھی آپ نے کہا تھا کہ آپ کو علم نہیں ہوتا کہ وہ کب آئیں گے۔''

''جی ہاں.....اگر انہیں کل آنا ہوگا تو آج مجھے فون پر اطلاع مل جائے گی اور کل میں تین بجے کے بعد آؤں گی۔''

''اوہ.....اچھا.....آپ میرا کارڈ رکھئے۔ جب بھی ملاقات ہو ان سے کہئے گا کہ میں ملنا

چاہتا ہوں۔ براہِ کرم ان سے وقت لے لیجئے گا۔''

''جی بہت اچھا۔'' جینی نے طویل سانس لی اور اس کا وزیٹنگ کارڈ لے کر دیکھے بغیر پرس میں رکھ لیا۔

پھر وہ دونوں چلے گئے تھے۔ جینی وہیں بیٹھی رہی۔ جنرل منیجر اُسے خاموشی سے دیکھے جا رہا تھا۔

آخر کچھ دیر بعد کھکار کر بولا۔ ''پتہ نہیں.....کیا چکر ہے۔ گڑھے مردے کیوں اکھڑ رہے ہیں اور اس کمبخت کو بھی اسی وقت حملہ کرنا تھا۔''

''لیکن اسکا ہماری فرم سے کیا تعلق.....وہ باس سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔'' جینی نے پوچھا۔

''پچھلے سال یہاں کے ایک شعبے کا منیجر قتل کر دیا گیا تھا۔ قاتل کا پتہ پولیس نہیں لگا سکی تھی۔ اب یہ لوگ پھر اس کے متعلق پوچھ گچھ کرتے پھر رہے ہیں۔ لیکن باس کے علاوہ اس کے متعلق اور کوئی کچھ نہیں جانتا۔ کیونکہ اس کی ملازمت کی مدت صرف تین ماہ تھی اور باس نے براہِ راست اس کا تقرر کیا تھا۔''

جینی سوچ میں ڈوبی ہوئی اپنے کمرے میں واپس آ گئی۔ مسز رگھیر اب بھی وہیں موجود تھی۔

''کیوں.....کیا بات تھی۔'' اس نے پوچھا۔

''وہ باس سے ملنا چاہتے ہیں۔''

''کیوں؟ باس سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔''

''پچھلے سال یہاں کا کوئی آدمی قتل کر دیا گیا تھا۔ اسکے متعلق پوچھ گچھ کرنا چاہتے ہیں۔''

''قتل کر دیا گیا تھا۔ پچھلے سال..... ہاں ہاں.....فارورڈنگ اور کلیرنگ سیکشن کا انچارج تھا۔ کسی نے چھرا مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ لیکن اب ایک سال بعد پوچھ گچھ کر رہے ہیں یہ لوگ۔''

''سنا ہے باس نے براہِ راست اس کا اپائنٹمنٹ کیا تھا۔''

''کس سے سنا ہے؟'' مسز رگھیر نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''جی ایم صاحب کہہ رہے تھے۔ غالباً انہی سے پوچھا گیا تھا۔ اس کے متعلق۔ انہوں

نے مجھے بلوا بھیجا۔''

''اس نے تمہیں بلوا بھیجا۔'' مسز رگھبیر خلاء میں گھورتی ہوئی جیسے خود سے بولی۔

جینی اسے اس طرح دیکھنے لگی جیسے اس کا یہ رویہ کسی قسم کی مصنوعیت رکھتا ہو۔ جاسوسی ناولوں کے مطالعے نے ایسے موقع پر اُسے چونکنا سکھا دیا تھا۔ اس نے محسوس کیا جیسے مسز رگھبیر اس قتل کے متعلق کچھ جانتی ہو۔

''آپ کچھ پریشان سی نظر آ رہی ہیں۔'' اس نے کہا اور مسز رگھبیر چونک کر اسے اس طرح گھورنے لگی جیسے وہاں اس کی موجودگی سے لاعلم رہی ہو۔

''پریشان.....نہیں تو۔'' وہ ہنس پڑی۔

قاتل

رات کے کھانے پر فریدی شروع ہی سے خاموش رہا تھا۔ حمید نے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ کھانے کے بعد لائبریری میں کافی پیتے وقت فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''بعض اوقات ایسی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں کہ خود کو محکمہ سراغ رسانی سے متعلق سمجھنے میں شرم محسوس ہوتی ہے۔''

''ہے ہی شرمناک بات۔'' حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ ''کب استعفیٰ دے رہے ہیں۔''

فریدی کافی کی پیالی رکھ کر سگار سلگانے لگا۔ حمید اُسے استفہامیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ سگار سلگا کر اس نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ ''سنو گے۔ وہ غلطی کیا تھی۔'' اور پھر اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر بولا۔ ''میں نے یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی کہ ڈائریکٹر بہزاد اس وقت کہاں تھا جب کمل کمار کے گھوڑے پر فائرنگ ہوئی تھی۔''

''اوہ.....!'' حمید چونک کر بولا۔ ''تو کیا وہ کیمرے والے ٹرک پر نہیں تھا۔''

''نہیں۔''

''تو پھر کہاں تھا۔''

''کیمپ میں۔'' وہ کئی دن سے کوشش کر رہا تھا کہ اغواء کے منظر کی فلم بندی ہو جائے۔ لیکن مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے موقع نہیں ملتا تھا۔ اس نے اس دن تہیہ کر لیا تھا کہ اگر ذرا دیر کیلئے بھی دھوپ نظر آئی تو وہ اس منظر کو ضرور ٹیک کرے گا۔ ساری تیاریاں مکمل تھیں۔ جیسے ہی دھوپ نظر آئی متعلقہ لوگ شوٹنگ کیلئے تیار ہو گئے۔ لیکن عین وقت پر بہزاد کے پیٹ میں بڑے زور کی اینٹھن ہوئی۔ وہ بے دم ہو گیا۔ لیکن یہی چیختا رہا کہ شوٹنگ ہو گی۔ اس نے اپنے اسسٹنٹ سے کہا کہ وہ ٹرک پر جائے۔ وہ سب وہاں سے روانہ ہو گئے تھے اور وہ رفع حاجت کے لئے جھاڑیوں میں چلا گیا تھا اور پھر بقیہ لوگوں نے اسے اس حادثہ کے بعد ہی دیکھا تھا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی بھی خاموش ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد بولا۔ ''کیمپ میں اس کے پاس دونالی بندوق بھی تھی۔ یہ بات بھی اس کے مرنے کے بعد بھی معلوم ہوئی کہ وہ سگار کا شوق بھی رکھتا تھا۔''

''تو پھر آپ کس نتیجے پر پہنچے ہیں۔''

''یہی کہ اب اسے کمل کمار کے قتل کے الزام میں پھانسی نہیں دی جا سکتی۔''

''کیا مطلب.....!''

''کارتوسوں پر اسی کی انگلیوں کے نشانات تھے اور اس خنجر پر بھی جو پچھلے سال لارڈو کے ایک کارکن کے قتل میں استعمال ہوا تھا۔''

''چلئے نجات ملی دردسر سے۔'' حمید نے طویل سانس لے کر کہا۔ ''لیکن پھر آپ کیوں اِدھر اُدھر پوچھ گچھ کرتے پھر رہے ہیں۔''

''کچھ ہی دیر پہلے اس نتیجے پر پہنچا ہوں.....سات بجے منگر پرنٹ سیکشن کے انچارج نے فون پر اطلاع دی تھی کہ وہ سارے نشانات بہزاد ہی کی انگلیوں کے تھے.....اس کے فلیٹ سے جو بوتل اور گلاس لایا تھا ان پر بھی اس کی انگلیوں کے نشانات کے علاوہ کسی دوسری قسم کے نشانات نہیں ملے۔''

''لیکن میز پر دو گلاس تھے۔''

''ہوسکتا ہے..... کوئی اور بھی وہاں رہا ہو..... لیکن وہ بہت محتاط تھا۔ دوسرے گلاس پر نشانات ہیں تو لیکن دستانے میں چھپی ہوئی انگلیوں کے۔''

''چھٹکارا ناممکن ہے۔'' حمید گلوگیر آواز میں بولا۔

''اور پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کہتی ہے کہ مرتے وقت وہ بہت زیادہ نشے میں تھا۔''

''تو پھر..... تو پھر اب ہمیں کیا کرنا ہوگا۔''

''میں چاہوں تو کیس یہیں ختم ہوسکتا ہے۔''

''خدا کے لئے ضرور چاہئے۔''

''لیکن یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں..... کیونکہ ان دو کے علاوہ بہزاد قتل کی متعدد وارداتوں میں ملوث تھا۔ غیر مصدقہ نشانات کے فائل میں کئی کیس اور ملے ہیں ان کے سلسلے میں پائے جانے والے نشانات بہزاد کی انگلیوں کے علاوہ اور کسی کے نہیں ہوسکتے۔''

''لہٰذا اب کسی عامل کامل کی مدد سے اس کی روح کو گرفتار کرنے کی کوشش کیجئے۔'' فریدی بجھا ہوا سگار سلگا رہا تھا۔ سر اٹھا کر بولا۔ ''اصل مجرم کی تلاش کسی روح ہی کی تلاش ثابت ہوگی۔''

''اصل مجرم!'' حمید جھنجھلا گیا۔ ''کیا ثبوت ہے آپکے پاس ایسی صورت میں جبکہ.....!''

''دھیرج..... دھیرج.....!'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''بلاشبہ وہ سارے نشانات اس کی انگلیوں کے تھے اور وہ مر چکا ہے۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ وہ چھرا لے کر مجھ پر کیوں کودا تھا۔''

''آپ کہتے ہیں کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق وہ بہت زیادہ نشے میں تھا۔ ہوسکتا ہے وہ اس وقت اوپر بالکنی میں کھڑا رہا ہو۔ جب ہم وہاں پہنچے تھے آپ کو دیکھ کر نشے میں بہک گیا ہو۔ چونکہ قاتل تھا اس لئے دل میں چور ہونا ضروری ہے۔ شراب سے متاثر ذہن میں یہی خیال جم گیا ہوگا کہ آپ اسی کے لئے آئے ہیں۔ بس چھرا نکالا اور پھاند پڑا.....!''

''نفسیاتی اعتبار سے یہ دلیل درست ہوسکتی ہے..... لیکن وہ دوسرا گلاس جس پر دستانے والے ہاتھ کے نشانات ہیں.....!''

''لیکن آپ اُسے کس طرح ثابت کریں گے کہ وہ دوسرا آدمی اس وقت وہاں موجود تھا جب وہ آپ پر گرا تھا۔''

''بلاشبہ..... میں اسے ثابت نہیں کرسکوں گا۔''

''ہوسکتا ہے۔'' حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ ''کچھ دیر پہلے وہاں کوئی رہا ہی ہو..... اور وہ یقینی طور پر کوئی عورت ہی ہوسکتی ہے۔ ورنہ ایسے موسم میں دستانے کیوں پہنے گا۔ بعض لڑکیاں اپنے بھدے ہاتھوں کی نمائش پسند نہیں کرتیں۔ اس لئے گھر سے باہر نائیلون کے دستانے استعمال کرتی ہیں۔''

''تم بہت بڑے سراغ رساں ہوتے جارہے ہو۔'' فریدی مضحکانہ انداز میں آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ ''مجھے ڈر ہے کہ کہیں تمہارا سراغ ہی ملنا نہ بند ہوجائے۔''

''خیر..... خیر..... ہاں تو اس کے سلسلے میں کتنے جرائم کا انکشاف ہوا ہے۔''

''ہمارے ریکارڈ کے مطابق تین کیس اور ہیں جو اب سے پچھلے دس سال کے وقفے میں ہوئے تھے اور یہ تینوں بھی فلم انڈسٹری ہی سے متعلق تھے۔ ایک اداکار تھا اور دو اداکارائیں۔ اتنا مشاق مجرم اور ایسی غلطی کر جائے۔ ہر جگہ اس نے اپنی انگلیوں کے نشانات چھوڑے تھے۔''

''ہوسکتا ہے۔ جاسوسی ناول پڑھ کر مجرم نہ بنا ہو۔'' حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''اچھا اس کے علاوہ اور کون کون رہ گیا تھا کیمپ میں۔''

''اب آئے ہو راہ پر۔'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔ پھر اس نے جیب سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''یہ رہی ان لوگوں کی فہرست۔''

حمید نے اس پر ایک اچٹتی سی نظر ڈال کر پوچھا۔ ''کیا آپ لوگوں سے پوچھ گچھ کر چکے ہیں۔''

''صرف ایک سے..... فون پر..... سات بجے کے بعد اور اسی سے معلوم ہوا تھا کہ وہ ٹرک پر نہیں تھا۔''

''اب ان سبھوں سے دوبارہ الجھنا پڑے گا۔''

''بے حد مشاق آدمی تھا۔'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''وقت کے اندازے کا ماہر..... وہ

جانتا تھا کہ گھوڑوں کو کتنی دیر بعد بے ہوش ہونا چاہئے اور ٹرک کی ٹنکی میں ڈالی جانے والی گیس کتنے فاصلے پر انجن کو بے کار کر دے گی۔"



دوسرے دن جینی آفس سے نکل کر بس اسٹاپ پر اپنے روٹ کی بس کا انتظار کر رہی تھی۔ لیکن اسے توقع نہیں تھی کہ پہلی ہی بس میں جگہ مل جائے۔ کیونکہ بس اسٹاپ پر بھیڑ تھی اور بسیں بھی بھری ہوئی آ رہی تھیں۔

اس نے سوچا آج ٹیکسی ہی سہی۔ کچھ تھکن سی بھی محسوس کر رہی تھی۔ زیادہ دیر تک کھڑے رہنے کا تصور بھی ذہن پر گراں گذر رہا تھا۔

اس دوران میں کئی ٹیکسیاں گذریں لیکن ان میں سے کوئی بھی خالی نہیں تھی۔

دفعتاً پشت پر کسی نے اس کا نام لیا۔ وہ چونک کر مڑی اور مخاطب کرنے والے کو نیچے سے اوپر تک دیکھا۔

"اوہ..... یہ تو وہی تھا..... وہ جو کل جنرل منیجر کے کمرے میں کرنل فریدی کے ساتھ تھا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ آخر..... آخر..... اس نے اسے کیوں مخاطب کیا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم ایک دوسرے کے لئے اجنبی نہیں ہیں۔" اس نے بے حد نرم اور دلآویز لہجے میں کہا۔

"جج..... جی ہاں۔" جینی ہکلائی۔ "غالباً کل.....!"

"جی ہاں..... لارڈو کے جنرل منیجر کے آفس میں۔" اس نے جملہ پورا کر دیا۔

وہ خاموش رہی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اسے کیا کہنا چاہئے۔

آخر کیوں؟ وہ اس سے کیوں مخاطب ہوا ہے؟

"آپ کہاں جا رہی ہیں..... چلئے میں اپنی گاڑی میں پہنچا دوں۔"

"شش..... شکریہ۔ میں بس سے چلی جاؤں گی۔ اس نے اپنے لہجے میں نرمی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ دراصل یہ پیش کش اسے اچھی نہیں لگی تھی۔"

"آپ غلط سمجھیں....." نوجوان نے مسکرا کر کہا۔ "میں آپ پر احسان نہیں کرنا چاہتا۔ اپنی بھی ایک غرض وابستہ ہے۔"

"جی.....!" اس نے کسی قدر ترش لہجے میں کہا۔ "میں نہیں سمجھی۔"

"سمجھنے کے بعد بھی آپ بُرا نہیں مانیں گی مجھے یقین ہے۔" وہ مسکرایا۔ لیکن وہ مستفسرانہ نظروں سے اُسے دیکھتی رہی۔

"راستے میں کچھ ضروری باتیں بھی ہو جائیں گی۔ میں دراصل اسے پسند نہیں کرتا کہ آپ کے پڑوسی کسی پولیس والے کو آپ کے گھر میں دیکھیں۔ ہر چند کہ یہ کوئی ایسی بُری بات بھی نہیں لیکن فضول قسم کی چہ میگوئیوں سے کیا فائدہ۔ لوگ رسی کو سانپ بنا دیتے ہیں۔"

جینی نے سوچا ٹھیک ہی تو ہے۔ شریف آدمی معلوم ہوتا ہے۔ وہ خود بھی اسے پسند نہ کرتی کہ پولیس اس کے گھر پر کسی قسم کی پوچھ گچھ کرنے آتی۔

"جی ہاں..... ٹھیک ہے۔" وہ مزید کچھ سوچے سمجھے بغیر بولی۔

وہ اسے اپنی گاڑی کی طرف لے گیا۔ بڑی شاندار گاڑی تھی۔ ایئر کنڈیشنڈ لنکن..... اس نے اگلی سیٹ کا دروازہ کھولا..... وہ ڈگمگاتے ہوئے قدموں سے اندر جا بیٹھی۔ وہ دوسری طرف سے اسٹیئرنگ کے سامنے جم گیا۔

"کہاں چلئے گا۔"

"فش ہاربر کالونی۔"

اُس نے انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی چل پڑی۔ جینی محسوس کر رہی تھی جیسے وہ آہستہ آہستہ فضا میں پرواز کر رہی ہو۔

"آپ کتنے عرصہ سے اس فرم میں ملازم ہیں۔" اُس نے پوچھا۔

''چھ ماہ سے.....لیکن میرا فرم سے کوئی تعلق نہیں۔ میں تو باس کی نجی سیکریٹری ہوں۔''

''کیا یہ حقیقت ہے کہ وہ بدبودار آدمی ہے۔''

''جی ہاں.....میرا خیال ہے کہ اگر وہ منہ پر کپڑا نہ باندھے رہے تو اس جگہ ٹھہرنا محال ہو جائے جہاں وہ موجود ہو۔''

''پھر آپ کیسے برداشت کرتی ہیں۔ جبکہ آپ کی آنکھوں کی بناوٹ آپ کو بے حد نفاست پسند اور نازک مزاج ثابت کرتی ہے؟''

''آنکھوں کی بناوٹ۔''

''جی ہاں۔ علم القیافہ کے مطابق ایسی بناوٹ والی آنکھیں ایسے ہی اوصاف کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور آپ کے ہاتھوں کی بناوٹ بھی۔''

''تو کیا ان چیزوں سے آدمی کے کردار کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔''

''جی ہاں.....!''

''تب تو آپ راہ چلتے آدمیوں کے پیچھے پڑ جاتے ہوں گے۔'' وہ ہنس پڑی۔

''ابھی تک تو ایسا نہیں ہوا۔''

''آپ مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔''

''آپ کے باس کے متعلق۔''

''کیا ان پر بھی کسی قسم کا شبہ ہے۔''

''نہیں.....ہم صرف ان سے ملنا چاہتے ہیں۔''

''کیا ڈائریکٹر بہزاد کے سلسلے میں۔'' جینی نے کہا۔ ''لیکن شاید وہ اس کے بارے میں کچھ نہ جانتے ہوں۔ اوپر کے کرایہ داروں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔''

''پچھلے سال آپ کی فرم کا ایک کارکن قتل کر دیا گیا تھا۔ اس کے متعلق باس کے علاوہ فرم کا کوئی دوسرا آدمی کچھ نہیں جانتا۔ اس کا اپائنٹمنٹ بھی براہِ راست باس ہی نے کیا تھا۔ ہم دراصل اس کے متعلق کچھ معلومات فراہم کرنا چاہتے ہیں۔''

''ابھی تک تو مجھے فون پر اطلاع نہیں ملی۔'' جینی نے کہا۔

''کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ کسی ہفتے میں نہ آئیں۔''

''جی ہاں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے اور مجھے فون پر کوئی اطلاع بھی نہیں ملتی۔ میرا مطلب ہے نہ آنے کی اطلاع۔''

''صرف تین گھنٹے کی ڈیوٹی ہوتی ہے آپ کی.....؟''

''جی ہاں۔'' جینی نے جواب دیا۔

پھر وہ خاموش ہو گیا تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں جینی کا دل چاہتا تھا کہ وہ بولتا ہی رہے۔ وہ سوچ رہی تھی یہ کیپٹن حمید ہے.....اس نے اس کے متعلق بہتیری کہانیاں سنی تھیں۔

کچھ دیر بعد وہ پھر ہکلائی۔ ''کک.....کیا آپ کیپٹن حمید ہیں۔''

وہ ونڈ اسکرین پر نظر جمائے ہوئے مسکرایا تھا۔

''جی ہاں.....!''

''آپکا بکرا کہاں ہے؟'' جینی نے بیساختہ پوچھا۔ پھر اپنی اس حرکت پر شرمندہ سی ہو گئی۔

''دکھ بھری کہانی ہے۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور خاموش ہو گیا۔ لیکن جینی نے اس کہانی کے متعلق مزید استفسار نہیں کیا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اسے اس سے بے تکلف نہ ہونا چاہئے۔

حمید خود ہی بولا۔ ''ایک دن میرا چیف اسی پر تل گیا تھا کہ کھائے گا تو اسی بکرے کا گوشت۔''

''اور شاید بکرا پالنے کا مقصد بھی یہی تھا۔'' جینی کو کچھ نہ کچھ تو بولنا ہی تھا۔

''جی بہلانے کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑتا ہے۔'' حمید بولا۔ ''میں اپنی ملازمت سے تنگ آ گیا ہوں۔ بڑا واہیات محکمہ ہے۔ بس یہ سمجھئے کہ یہ پورا محکمہ ہی ایک بدبودار باس ہے جسے بہر صورت برداشت کرنا پڑتا ہے۔ پھر جی بہلانے کے لئے بھی تو کچھ چاہئے۔ آپ کے کیا مشاغل ہیں۔''

''کچھ بھی نہیں.....گھر سے دفتر.....اور دفتر سے گھر۔''

''مجھے افسوس ہے.....!'' حمید نے مغموم لہجے میں کہا۔ ''اگر آپ کسی ڈھنگ کے آدمی

کی سیکریٹری ہوتیں تو کم از کم ہفتے کی ایک شام کو تو وہ کہیں نہ کہیں لے جاتا آپ کو۔"

"میں اسے کب پسند کرتی۔ میری تربیت کسی گھٹیا قسم کے ماحول میں نہیں ہوئی۔" جینی نے کسی قدر ترش لہجے میں کہا۔

"میں نے یونہی کہا تھا..... کوئی بُرا خیال نہیں تھا ذہن میں۔" حمید بولا۔

وہ بھی خاموش ہوگئی۔ گاڑی کی رفتار سست تھی۔ جینی نے محسوس کیا کہ وہ دیدہ و دانستہ رفتار تیز نہیں کر رہا۔ ورنہ وہ جن سڑکوں سے گزر رہے تھے ان پر زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔ لیکن وہ اس سلسلے میں کچھ نہ کہہ سکی۔

"آپ مجھ سے اور کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔" اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"آپ وہاں کتنے عرصہ سے کام کر رہی ہیں۔"

"چھ ماہ سے۔" جینی نے کہا۔ "لیکن میں نہیں سمجھ سکتی کہ اس معاملے کا میری ملازمت سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔"

"کچھ بھی نہیں۔ بس یونہی۔ دراصل آپ کا باس میرے لئے خاصا دلچسپ ثابت ہوسکتا ہے کیونکہ بدمزاج ہونے کے باوجود بھی آپ جیسی نفاست پسند لڑکی اُسے برداشت کرتی ہے۔"

"آپ بھی اُسے برداشت کر سکتے بشرطیکہ آپ کے پاس اتنی شاندار گاڑی نہ ہوتی۔ آپ ایک چھوٹے سے مکان میں رہتے ہوتے۔ آپ کو زندہ رہنے کے لئے اپنی قوت سے زیادہ جدوجہد کرنی پڑتی۔ وہ مجھے تین گھنٹوں کا معاوضہ ساڑھے چار سو روپے دیتا ہے۔"

"محض اس لئے دیتا ہے کہ اور کوئی ٹکتی ہی نہ ہوگی۔ آپ بھی شاید.....!"

"جی نہیں..... میں ساری زندگی اس کے ساتھ گزار سکتی ہوں۔"

"کمال ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"مجھے اس سے ہمدردی ہے۔"

"ہوں۔" حمید نے طویل سانس لی۔ "عورت میں مامتا کا جذبہ اُسے بہت پیچیدہ بنا دیتا ہے۔"

"میں زیادہ گہری باتیں نہیں سمجھ سکتی کیونکہ میری تعلیم میٹرک سے آگے نہیں ہوسکی۔"

"تب پھر آپ کیا کرتی ہوں گی۔"

"خطوط پڑھنا اور ان کے جوابات لکھنا۔ کچھ خطوط ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے جوابات باس ڈکٹیٹ کراتا ہے۔"

"کاروباری خطوط۔"

"ظاہر ہے؟" اس نے جواب دیا۔ لیکن لہجے میں تیقن نہیں تھا۔

"کام بھی ایسا خاص نہیں۔" حمید نے پھر سر کو جنبش دی۔

وہ ہنس پڑی اور بولی اب آپ ہی سوچئے۔ "اگر ہفتے میں تین گھنٹے بھی بدمزاج برداشت نہ کرسکوں تو مجھ سے زیادہ احمق اور کون ہوگا۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔" حمید نے کہا۔ "لیکن میں اکثر سوچتا ہوں کہ سیکریٹری قسم کے لوگ زندگی کی یکسانیت سے کس حد تک بور ہوجاتے ہوں گے۔ وہی خطوط پڑھنا۔ ان کے جوابات لکھنا..... نفع اور نقصان کی کہانیاں۔ کاروباری باتیں۔"

"آپ کو سن کر حیرت ہوگی کہ میرے باس کی خط و کتابت بڑی دلچسپ ہوتی ہے۔"

"اچھا..... بھلا کیا دلچسپی ہوتی ہے ان میں۔"

دفعتاً جینی نے محسوس کیا کہ اس سے ایک بڑی غلطی سرزد ہوئی ہے۔ اُسے کب حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے باس کے معاملات کے متعلق کسی غیر متعلق آدمی سے گفتگو کرے۔

اس نے فوراً ہی سنبھالا لے کر کہا۔ "مطلب یہ تھا کہ وہ خطوط کے جواب لکھواتے وقت کافی دلچسپی پیدا کر دیتے ہیں۔ مثلاً کاروباری خطوط کے جوابات کچھ اس طرح لکھواتے ہیں کہ فلمی مکالموں کا سا لطف آجاتا ہے۔ انہیں بھی ادبی کارنامہ بنا دینا چاہتے ہیں۔"

"ہوں..... اچھا۔"

پھر حمید چونک کر بولا۔ "اوہ..... اب ہم غالباً فش ہاربر کالونی میں داخل ہو رہے ہیں۔ گاڑی کدھر موڑی جائے۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ مجھے یہیں اتار دیجئے۔" جینی بولی۔ "میں اُسے مناسب نہیں

سمجھتی کہ اتنی شاندار گاڑی میرے مکان کے سامنے رکے اور میں اس پر سے اترتی دیکھی جاؤں۔"

"ہاں..... ہاں..... ٹھیک ہے۔" حمید نے کہا۔

گاڑی سڑک کے کنارے رک گئی۔ جینی اتری۔ ٹھیک اسی وقت قریب ہی سے ایک پک اپ گذری جس کی رفتار تیز نہیں تھی اور ایک کھڑکی میں اسے باس کا چہرہ نظر آیا تھا۔

پک اپ آگے جا کر رک گئی۔ جینی نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں حمید سے کہا۔ "باس" اور تیزی سے پک اپ کی طرف چل پڑی۔ جیسے ہی قریب پہنچی باس نے کھڑکی سے سر نکال کر کہا۔ "اوہ..... جینی میں تمہارے گھر جا رہا تھا۔ فون کرنے کا وقت نہیں ملا تھا۔ میں نے کہا تمہیں اطلاع دے دوں کہ میں ایک ماہ کے لئے باہر جا رہا ہوں۔ تم کس کی گاڑی میں تھیں۔"

"محکمہ سراغ رسانی کے ایک آفیسر کیپٹن حمید ہیں۔" جینی ہانپتی ہوئی بولی۔ "آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

دوسرا کون تھا؟

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ بدبو سے دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ جینی پلٹ کر اس کی گاڑی کے قریب آئی تھی اور بتایا تھا کہ وہ اس کا باس ہی ہے اور حمید سے مل سکے گا۔

حمید پک اپ کے قریب آیا اور ڈرائیور نے پچھلا دروازہ کھول دیا اور وہ بدبو کا بھپکا..... خدا کی پناہ..... حمید کو ایسا ہی محسوس ہوا تھا جیسے غلاظتوں کے انبار کے قریب کھڑا ہوا ہو۔

سامنے ہی جینی کا باس اپاہجوں والی کرسی پر نیم دراز تھا۔

حمید پک اپ میں داخل ہونے سے گریز کر رہا تھا۔

"فرمایئے جناب..... میں کس کام آ سکتا ہوں۔" پک اپ کے اندر سے آواز آئی۔

"آپ کے ایک ملازم کے متعلق معلومات حاصل کرنی ہیں۔" حمید بولا۔

"فرمایئے۔"

"شاہد..... جسے پچھلے سال کسی نے قتل کر دیا تھا۔"

"قتل کر دیا تھا..... شاہد۔" وہ اس طرح بولا جیسے یادداشت پر زور دے رہا ہو۔

"جی ہاں..... غالباً فارورڈنگ اور کلیرنگ کا انچارج تھا۔"

"او..... ہاں..... یاد آ گیا..... تو آپ اس کے متعلق کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ معاف کیجئے گا۔ میں آپ کو اندر آنے کی دعوت نہیں دے سکتا۔ آپ محسوس ہی کر رہے ہوں گے۔ اگر جینی یہ نہ بتاتی کہ آپ محکمہ سراغ رسانی کے ایک آفیسر ہیں تو میں اس ملاقات پر ہرگز تیار نہ ہوتا۔"

"اوہ..... کوئی بات نہیں۔ ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے۔" حمید جلدی سے بولا۔ "اُس آدمی..... میرا مطلب ہے شاہد کے متعلق پولیس کچھ بھی نہیں معلوم کر سکی تھی۔ وہ کون تھا۔ اس کے اعزہ کہاں ہیں۔"

"جی ہاں..... اور شائد قاتل کا سراغ بھی نہیں ملا تھا۔" اس نے تلخ لہجے میں کہا۔

"جی ہاں..... یہ درست ہے۔ تفتیش کی بنیاد عموماً وجہ جرم پر رکھی جاتی ہے اور وجہ جرم کا اندازہ اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ مقتول کے متعلقین کا سراغ نہ ملے۔ کچھ ایسے لوگ نہ ملیں جو مقتول سے واقف رہے ہوں۔"

"ممکن ہے..... لیکن اس سلسلے میں آپ کی کیا مدد کر سکوں گا۔"

"جنرل منیجر سے معلوم ہوا ہے کہ اس کا تقرر براہِ راست آپ نے کیا تھا۔"

"جی ہاں..... تقرر میں نے کیا تھا۔"

"تو پھر آپ اس کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور جانتے ہوں گے۔"

"اتنا عرصہ گذر جانے کے بعد مجھے قطعی نہیں یاد رہ سکا کہ وہ کس شہر کا باشندہ تھا۔ دراصل بنیادی غلطی جنرل منیجر ہی سے سرزد ہوئی تھی۔ اس کا باقاعدہ فائل نہیں مین ٹین کیا گیا۔"

"کیا ایسی فروگذاشتوں پر باز پرس نہیں ہوتی۔" حمید نے پوچھا۔

"یقیناً ہوتی ہے۔ لیکن اس وقت جب غلطی کا علم ہوتا ہے اب آپ کو ہر ملازم کا باقاعدہ

فائیل ملے گا۔"

"آپ کو غالباً یہ تو یاد ہی ہوگا کہ اس کی سفارش کس نے کی تھی۔"

"جی ہاں یاد ہے..... لیکن اتفاق سے میں اس کی نشاندہی نہیں کر سکوں گا کیونکہ پچھلے دس ماہ سے میں نے اُسے نہیں دیکھا۔"

"نام تو بتا ہی سکیں گے۔"

"حکیم لاڈلے میاں..... خاندانی حکیم ہیں۔ لیکن مفلسی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ان کا دعویٰ تھا کہ وہ اس بدبو سے مجھے نجات دلا دیں گے۔ کافی عرصہ علاج کرتے رہے لیکن اس میں کمی بھی واقع نہ ہوئی۔ بہرحال دوران علاج ہی میں وہ اس آدمی شاہد کو میرے پاس لائے تھے اور سفارش کی تھی۔"

"ان کا پتہ تو معلوم ہی ہوگا آپ کو۔"

"جی ہاں..... وہ رتن پور نامی قصبے سے آیا کرتے تھے۔ یہ قصبہ غالباً اسی ضلع میں ہے۔"

"کیا پولیس نے آپ سے شاہد کے سلسلے میں پوچھ گچھ نہیں کی تھی۔"

"نہیں تو..... میرے پاس کوئی بھی نہیں آیا تھا۔"

"فلم ڈائریکٹر بہزاد کو آپ کتنے عرصہ سے جانتے ہیں۔"

"فلم ڈائریکٹر بہزاد.....!" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔ "مجھے فلموں یا فلم ڈائریکٹروں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ویسے اخبارات میں اس کا واقعہ ضرور پڑھا ہے۔ غالباً وہ میرے دفاتر کے اوپر والے کسی فلیٹ میں رہتا تھا۔"

"اس سے ملنے کا اتفاق تو ہوا ہی ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ وہ شاہد سے واقف تھا۔" حمید نے کہا۔

"نہیں صاحب۔ مجھے کیوں اتفاق ہوتا اس سے ملنے کا۔"

"ممکن ہے۔ آپ نے اسے دیکھا ہو۔" حمید نے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا اور ایک تصویر نکال کر اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ "یہ بہزاد کی تصویر ہے۔"

اس نے تصویر حمید کے ہاتھ سے لے لی۔ اسے دیکھتا رہا۔ حمید اسکی آنکھوں میں حیرت کے آثار صاف پڑھ رہا تھا۔

"کمال ہے..... اوہ..... میں کیا عرض کروں۔" وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔

"کیا آپ اسے پہچانتے ہیں۔"

"ارے صاحب..... یہ تو ایسا لگتا ہے جیسے حکیم لاڈلے میاں نے اپنی ڈاڑھی اور مونچھیں صاف کرادی ہوں۔ میرے خدا..... کیا نام بتایا تھا آپ نے..... بہزاد..... بہزاد..... یہ کیا چکر ہے۔"

"یہ آپ کے دفاتر کے اوپر والے ایک فلیٹ میں رہتا تھا۔"

"اور یہ..... یعنی کہ..... یہ بہزاد..... مر گیا۔"

"جی ہاں۔"

"بہت دلچسپ۔" فریدی بڑبڑایا۔ اس کی نظر شروع ہی سے ایش ٹرے پر جمی رہی تھی اور اس کہانی کے دوران میں ایک بار بھی اس نے حمید کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

"کیا خیال ہے....." حمید نے پوچھا۔ "کیا رتن پور کے تھانے سے رابطہ قائم کیا جائے۔"

"ہوں..... کیا ہرج ہے۔ لیکن مجھے یقین نہیں کہ وہاں کسی حکیم لاڈلے میاں کا سراغ مل سکے۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ اسے دھوکا ہوا ہو۔ ٹھیک ہے..... میرا خیال ہے تم خود ہی ہو آؤ رتن پور تک۔"

رتن پور شہر کی ایک مضافاتی بستی تھی۔ کسی زمانے میں اس کی کوئی الگ حیثیت رہی ہوگی۔ لیکن اب تو شہر اس بستی کو بھی پیچھے چھوڑتا ہوا بہت آگے بڑھ گیا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ اب یہاں کسی حکیم لاڈلے میاں کا سراغ پالینا آسان کام نہیں تھا۔ پھر بھی وہ اپنی گاڑی تھانے کی طرف لیتا چلا گیا تھا۔

تھانے کے انچارج نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔ ''مشکل ہے۔ اگر یہ حکیم صاحب یہاں کے کسی قدیم خاندان سے تعلق رکھتے ہیں تب تو شاید معلوم ہو سکے۔ ورنہ دشواری ہی پیش آئے گی۔ رحیم منزل کے رہنے والے حکیموں کے خاندان والے کہلاتے ہیں۔ کیوں نہ ہم وہیں سے پوچھ گچھ شروع کر دیں۔''

''یہی مناسب ہے۔'' حمید نے جواب دیا۔

حمید تھانے کے انچارج کو اپنی ہی گاڑی میں رحیم منزل تک لے گیا۔ ایک معمر آدمی سے گفتگو ہوئی جو اسی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔

''حکیم لاڈلے میاں۔'' اس نے حیرت سے کہا۔ ''انکے انتقال کو تو دس سال ہو چکے ہیں۔''

حمید نے انچارج کی طرف دیکھا اور انچارج نے ایسا منہ بنایا جیسے بزبان خاموشی کہہ رہا ہو۔ ''تو جناب..... اس میں میرا کیا قصور ہے۔''

بات ختم ہو چکی تھی لیکن دفعتاً حمید نے جیب سے ڈائریکٹر بہزاد کی تصویر نکال لی اور اسے معمر آدمی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''کیا آپ اس آدمی کو جانتے ہیں۔''

معمر آدمی تصویر کو لے کر چند لمحے دیکھتا رہا پھر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھیں دھندلا گئی تھیں۔

''جی ہاں..... میں اسے جانتا ہوں۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''اور اس کے مرنے کی خبر بھی سن چکا ہوں۔ یہ حکیم لاڈلے میاں کا ناخلف لڑکا..... عشرت حسین ہے۔ فلمی دنیا میں بہزاد کے نام سے مشہور تھا۔ کلنک کا ٹیکہ تھا لاڈلے میاں کے نام پر..... وہ اُسے عاق کر چکے تھے۔''

''کیا باپ بیٹے میں کسی قدر مشابہت بھی تھی۔'' حمید نے پوچھا۔

''کسی قدر.....!'' اس نے متحیرانہ انداز میں کہا اور خاموش ہو کر حمید کو دیکھتا رہا پھر بولا۔

''ارے جناب..... اگر لاڈلے میاں کی جوانی کی تصویر دیکھ لیں آپ تو بے ساختہ کہہ اٹھیں گے کہ ارے یہ تو عشرت حسین ہی کی تصویر ہے۔''

''یعنی بہزاد کی۔''

''جی ہاں.....!'' بوڑھے نے سر ہلا کر جواب دیا۔

''میں شکر گزار ہوں گا اگر آپ وہ تصویر دکھا سکیں۔''

''ضرور ضرور..... میں ابھی حاضر ہوا۔''

بوڑھا انہیں دیوان خانے میں بیٹھا چھوڑ کر اندر چلا گیا۔ یہ کمرہ سلیقے سے آراستہ کیا گیا تھا۔ البتہ فرنیچر خاصا پرانا معلوم ہوتا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ سو سال پہلے کے کسی ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوں۔

کچھ دیر بعد بوڑھا واپس آ گیا اور ایک ایسا فوٹو حمید کی طرف بڑھا دیا جو کہنگی کی وجہ سے زردی مائل ہو گیا تھا۔

حقیقتاً ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے وہ ایک ہی آدمی کے دو مختلف پوز ہوں۔

''حیرت انگیز۔'' حمید بڑبڑایا۔ پھر بوڑھے سے بولا۔ ''کیا میں اسے کچھ دن اپنے پاس رکھ سکوں گا۔ اگر آپ چاہیں تو اس کی رسید لکھ دوں۔''

''نہیں جناب شوق سے لے جائیے..... پولیس کی مدد کرنا میرا فرض ہے۔''

''شکریہ۔'' حمید نے کہا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بوڑھے کو مخاطب کر کے بولا۔

''آپ نے بہزاد کے سلسلے کی پوری روئیداد اخبارات میں دیکھی ہی ہوگی۔''

''جی ہاں۔''

''آپ سے کیا رشتہ تھا۔''

بوڑھے نے طویل سانس لی اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''لاڈلے میاں میرے بڑے بھائی تھے۔''

''یقیناً آپ کے لئے یہ حادثہ تکلیف دہ ثابت ہوا ہوگا۔''

''جی ہاں..... صرف اسی حد تک کہ بھائی کی آخری نشانی بھی نہ رہی۔ ورنہ اس کی موت پر تو بھائی صاحب ہی گھی کے چراغ جلاتے۔''

''اس حد تک بُرا آدمی تھا؟''

''جی ہاں..... جو لوگ اسے جانتے تھے ان کے سامنے ہم شرم سے سر نہیں اٹھا سکتے۔ آوارہ عیاش اوباش سبھی کچھ تھا۔''

''کیا وہ قتل بھی کر سکتا تھا۔''

''شراب اُم الخبائث اسی لئے کہلاتی ہے کہ اس کے استعمال کرنے والے ہر قسم کی خباثت اختیار کر سکتے ہیں۔''

''پھر بھی کیا وہ قتل کی حد تک جا سکتا تھا؟''

''بوڑھا کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا قتل عموماً غصے اور نفرت ہی کے نتیجے ہوتے ہیں۔ لیکن ان تمام برائیوں کے باوجود وہ ہنس مکھ آدمی تھا۔ میں نے اُسے کبھی غصے میں نہیں دیکھا اور نہ یہی محسوس کیا کہ اس نے کبھی کسی کے خلاف نفرت کا اظہار کیا ہو۔''

''خوف بھی تو قتل کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔''

''جی ہاں..... لیکن میں اس سلسلے میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔''

''اچھا وہ کبھی فریب دہی کا مرتکب بھی ہوا تھا؟''

''میرا خیال ہے کہ فریب دہی کی عادت ہی نے اُسے خاندان سے الگ کیا تھا۔ بچپن میں والدین کو فریب ہی دے کر اپنی بُری عادتوں پر پردہ ڈالتا رہا تھا۔''

''ہوں..... اچھا.....!'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔ ''اب اجازت دیجئے۔ کوئی ضرورت پیش آئی تو پھر حاضر ہوں گا۔''

وہ پھر تھانے کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں انچارج نے پوچھا۔ ''یہ بہزاد وہی تھا جو ''نجوگتا'' فلما رہا تھا۔''

''جی ہاں..... وہی تھا؟''

''وہ ہیروئن آشا بھی تو آج یہاں آئی ہے؟''

''کہاں آئی ہے؟''

''اس کی ایک کوٹھی یہاں بھی تو ہے..... شہر کے بہتیرے دولت مند آدمیوں نے یہاں اپنے مکانات بنا رکھے ہیں..... شہر کے ہنگاموں سے پیچھا چھڑا کر یہاں آرام کرنے آتے رہتے ہیں۔''

''آشا کی کوٹھی کدھر ہے۔''

''ہاسپٹل روڈ پر باغ شہیداں کے سامنے۔''

''ہوں..... اچھا اب میں آپ کو تھانے میں چھوڑ دوں..... تعاون کا بہت بہت شکریہ۔''

''اب آپ شہر واپس جائیں گے۔''

''ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا؟''

''اگر قیام کا ارادہ ہو تو..... رات کا کھانا غریب خانے پر۔''

''شکریہ..... لیکن شائد اتنی دیر نہ ٹھہر سکوں۔''

حمید اُسے تھانے پر چھوڑ کر خود ہاسپٹل روڈ کی طرف روانہ ہو گیا۔ باغ شہیداں رتن پور کی مشہور جگہوں میں سے تھا۔ وہاں تک پہنچنے میں کوئی دشواری حائل نہیں ہوئی۔

پھر اس کے قریب ہی آشا کی کوٹھی تلاش کر لینا بھی مشکل نہ تھا۔ پھاٹک کھلا ہوا ملا۔ لہٰذا وہ گاڑی اندر لیتا چلا گیا۔

دو چوکیدار گاڑی کی طرف جھپٹے۔ جیسے ہی وہ رکی انہوں نے آگے بڑھ کر حمید کو سلام کیا۔

''کیا مس آشا گھر پر موجود ہیں۔''

''جی جناب۔'' ایک نے جواب دیا۔

''میرا کارڈ.....!'' حمید نے گاڑی سے اترتے ہوئے اپنا وزیٹنگ کارڈ اسکی طرف بڑھایا۔

وہ کارڈ لے کر اندر چلا گیا اور حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ پھر اُسے سلگانے بھی نہیں پایا تھا کہ وہ واپس آ گیا۔

''تشریف لے چلئے.....!'' اس نے کہا۔

حمید پورچ کی طرف بڑھا ہی تھا کہ آشا دکھائی دی جو اس کے استقبال کے لئے خود ہی

برآمدے تک چلی آئی تھی۔

''ہلو کیپٹن.....!'' وہ ہنس کر لرزشوں سے لبریز آواز میں چیخی۔

''ہلو آشا.....!''

پھر آشا کے عقب میں اس کی نانی کا جھلایا ہوا سا چہرہ اُبھرا.....اس کے پیچھے کسی مرد کا جانا پہچانا سا چہرہ تھا۔

آشا نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا جسے بڑے پیار سے ہاتھ میں لیا گیا۔لیکن دوسرے ہی لمحے میں آشا کی نانی کی کھرکھراتی ہوئی سی آواز سنائی دی۔''کتنی بار سمجھایا کہ مردوں سے مصافحہ ہماری تہذیب سے تعلق نہیں رکھتا.....صرف نمستے ہی کافی ہے۔دوسرے کیا سوچتے ہوں گے۔''

''میں نے ان کے متعلق ابھی تک اچھا ہی اچھا سوچا ہے؟'' حمید مسکرایا۔

''فرمایئے.....کیسے تکلیف کی۔'' نانی ہی نے پوچھا۔

''آپ نے شاید مجھے پہچانا نہیں۔میں کمل کمار والے کیس کی تفتیش کر رہا ہوں۔''

''میں نے پہچان لیا ہے۔جہنم میں گیا کمل کمار بھی اور بہزاد بھی۔میں کہتی ہوں اگر کوئی گولی میری بچی کے لگتی تو کیا ہوتا۔''

''ارے بی بی۔'' دفعتاً آشا بولی۔''کیا ساری باتیں کھڑے ہی کھڑے ہو جائیں گی۔''

''چلئے بیٹھئے۔'' نانی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔''لیکن آپ کو میری بات کا جواب دینا پڑے گا۔''

''دے دوں گا۔'' حمید نے خواہ مخواہ ہنس کر کہا۔

وہ ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے اور آشا نے حمید سے پوچھا۔''کیا مردنگ جی سے آپ کی واقفیت نہیں ہے۔''

اس نے اس پستہ قد آدمی کی طرف اشارہ کیا جو پہلے سے وہاں موجود تھا۔

''کہیں دیکھا تو ہے؟'' حمید نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ میری توہین کر رہے ہیں جناب۔'' مردنگ بُرا سا منہ بنا کر بولا۔''پوری انڈسٹری

میں مجھ سے زیادہ کامیاب کومیڈین اور کوئی نہیں ہے۔''

''افسوس ہے کہ مجھے اردو کی فلموں سے کوئی دلچسپی نہیں۔''

''اب آپ پوری انڈسٹری کی توہین کر رہے ہیں۔''

''یہ محکمہ سراغ رسانی کے ایک آفیسر کیپٹن حمید ہیں۔'' آشا جلدی سے بولی۔

''اوہ.....بڑی خوشی ہوئی۔'' مردنگ نے اٹھ کر بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

''اب ہم کیپٹن حمید صاحب سے چند ضروری باتیں کریں گے۔'' نانی نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

غالباً وہ مردنگ کی موجودگی کو ناپسند کرتی تھی۔

''میں بہت ڈھیٹ ہوں بی بی۔'' مردنگ بولا۔''ویسے تمہارا فلسفہ میری سمجھ میں بالکل نہیں آتا۔ارے ہر ماں اپنے بچے کو کسی دوسری عورت کے لئے جوان کرتی ہے۔''

''اوہوں.....!'' حمید سر ہلا کر بولا۔''یوں کہئے کہ ہر ماں جس بچے کو بیس سال میں آدمی بناتی ہے اُسے کوئی دوسری عورت صرف بیس منٹ میں اُلو بنا کر رکھ دیتی ہے۔''

''ہیئر.....ہیئر.....آئی سکنڈ یو.....!'' مردنگ ہنس پڑا۔

''یہ کیسی بیہودہ باتیں چھڑ گئیں۔مردنگ میں سچ کہتی ہوں.....'' نانی کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

''مردنگ کو جب تک پیڈ گی بجتا رہے گا۔''

''بی بی.....تم ہی چپ رہو۔یہ سچ مچ ڈھیٹ ہے۔'' آشا بولی۔

''کپتان صاحب آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔'' نانی حمید کی طرف متوجہ ہوئی۔

''میں کیا عرض کروں۔میرا پورا محکمہ یہی سوچ رہا ہے کہ آخر تین گولیوں میں سے کوئی مس آشا کے بھی کیوں نہ لگی۔''

''کیا مطلب.....؟''

''مطلب تو ابھی خود ہماری سمجھ میں بھی نہیں آیا۔''

مردنگ حمید کو تحسین آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔بالکل ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ

پھر "ہیئر ہیئر" کرنا چاہتا ہو۔

دفعتاً حمید نے مردنگ کی طرف مڑ کر پوچھا۔ "میرا خیال ہے کہ آپ بھی اس کیمپ میں تھے۔"

"جی ہاں میں بھی تھا۔"

"ٹرک پر بھی تھے۔"

"نہیں..... میں کیمپ ہی میں رہ گیا تھا۔ کیونکہ اغواء کے سین میں میری ضرورت نہیں تھی۔"

"آپ کے ساتھ اور کون تھا۔"

"پتہ نہیں..... میں بہت زیادہ پی گیا تھا اُس دن۔"

"آپ اپنا بیان باقاعدہ طور پر دے چکے ہیں؟" حمید نے پوچھا۔

"جی ہاں..... کرنل فریدی صاحب نے میرا بیان لیا تھا اور اس پر میرے دستخط بھی لئے تھے۔"

"کیا آپ کو علم تھا کہ بہزاد خود ٹرک پر نہیں گیا تھا بلکہ اپنے اسسٹنٹ کو بھیجا تھا۔"

"جی مجھے بعد میں علم ہوا تھا۔ مطلب یہ کہ حادثے کے بعد جب سب لوگ اپنے بیانات دے رہے تھے۔"

"کیا خیال ہے..... قاتل آپ ہی لوگوں میں سے کوئی تھا۔"

"ٹرک اور گھوڑوں کے حشر سے تو یہی ثابت ہوتا ہے۔" مردنگ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"اوہ..... کیپٹن.....!" آشا اٹھلائی۔ "کیا آپ سچ مچ اسی لئے یہاں آئے ہیں۔"

"میں تو دراصل اس لئے آیا تھا کہ.....!" حمید نے جملہ پورا نہیں کیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی نئے خیال نے فوری طور پر ذہن اور زبان کا رشتہ منقطع کر دیا ہو۔

وہ سب جواب طلب نظروں سے اُسے دیکھتے رہے۔ لیکن وہ کافی دیر تک کچھ نہ بولا اور اتنے میں چائے بھی آ گئی اور حمید نے مردنگ سے پوچھا۔ "کیا آپ مجھے بہزاد کے کسی قریبی دوست کا نام اور پتہ بتا سکیں گے۔"

"اس کے بہتیرے دوستوں کو جانتا ہوں..... لیکن اس کا اندازہ کبھی نہیں لگا سکا کہ اس سے کون زیادہ قریب تھا۔"

"میں شکر گزار ہوں گا اگر آپ کچھ نام اور پتے نوٹ کرا سکیں۔" حمید نے جیب سے ڈائری اور فاؤنٹین پن نکالا۔

مردنگ نے کئی نام بتائے اور ڈائری میں انہیں درج کرتا رہا۔ پھر ڈائری بند کر کے بولا۔

"ہم لوگوں پر چھلانگ لگانے سے پہلے بہزاد اپنے فلیٹ میں تنہا نہیں تھا۔ کوئی اور بھی تھا جو اس کے ساتھ شراب پیتا رہا تھا۔"

"اوہو تو کیا اس کی بھی کوئی اہمیت ہے۔" مردنگ نے پوچھا۔

"کیوں نہیں؟"

"تب تو مجھے ہرگز کچھ نہ بتانا چاہئے۔" مردنگ نے ہنس کر کہا۔

"کیا مطلب.....؟"

"میں ہی کچھ دیر پہلے اس کے ساتھ شراب پیتا رہا تھا۔ اگر حملے کا وقت اخبارات نے صحیح لکھا تھا۔"

"کیا آپ نے دستانے پہن رکھے تھے۔"

"جی نہیں۔ میرے پورے داہنے پنجے پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ انگلیوں پر آپ یہ پھنسیاں دیکھ رہے ہیں۔ اب تو کسی قدر خشک ہو گئی ہیں۔"

وہ بھی گئی

"اب فرمایئے۔" حمید نے فریدی سے کہا۔

فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا لیکن کچھ بولا نہیں۔

حمید اسے جواب طلب نظروں سے دیکھتا رہا۔

"بتایئے..... بولئے۔"

''کیا بتاؤں؟''

''ایک آدمی بہزاد کے پاس موجود تھا وہ اعتراف کرتا ہے.....!''

''اور یہ بھی کہتا ہے کہ وقوعہ سے کچھ دیر پہلے وہاں سے چلا گیا تھا۔''

''جی ہاں قطعی۔''

''پھر میں کیا بتاؤں۔''

''آپ نے یہی تو کہا تھا نا کہ بہزاد کو کسی نے اس پر اکسایا تھا۔''

''اکسایا نہیں تھا..... بلکہ اکسایا ہوگا۔''

''کیا فرق پڑتا ہے۔''

''اکسایا ہوگا میں یقین نہیں ہے۔ بلکہ یہ فقرہ اشتباہ ظاہر کرتا ہے۔''

''میں کہتا ہوں ختم کیجئے اس قصے کو۔ بہزاد کی ہسٹری بھی آپ کو بتا چکا ہوں۔ اس نے لارڈو کے مالک کو دھوکا دیا تھا۔ اپنے باپ کے میک اپ میں.....اور بدبو کے علاج کے بہانے اس سے تقریباً دس ہزار اینٹھ لئے تھے۔''

''ٹھیک ہے.....لیکن قصہ کیوں ختم کر دیا جائے۔''

''قاتل مر چکا ہے۔ فائنل رپورٹ لگا کر فائل داخل دفتر کیجئے۔ منگر پرنٹ سے زیادہ حتمی شہادت اور کیا ہوگی۔''

''ہوں.....اوں.....!'' فریدی خلا میں دیکھتا ہوا سگار کا گوشہ توڑ رہا تھا۔

''آج رات وہ واپس آ رہی ہے۔'' حمید نے کہا۔

''کون.....؟''

''آشا.....!''

''سوال یہ ہے کہ وہ فائر آشا کیلئے ہوئے تھے یا کمل کمار کیلئے یا پھر دونوں کے لئے۔''

''اس کا جواب شاید اب کبھی نہ مل سکے.....کیونکہ قاتل.....!''

''قاتل کی بات نہ کرو۔''

''کیوں؟''

''بہزاد خود ہی پروڈیوسر بھی تھا۔ اسے نہ بھولو۔ فائنسر کوئی اور تھا۔ وہ خود ہی اپنی مٹی نہ پلید کرتا۔ جانتے ہو اب تک وہ اس فلم پر کتنا صرف کر چکا تھا۔ پورے چار لاکھ۔ کمل کمار یا آشا کی موت خود اس کی موت ثابت ہوتی۔''

''آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔''

''یہی کہ اس قتل میں اس کا ہاتھ نہیں تھا اور سنو.....ابھی تک یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا کہ اُسے فائنس کس نے کیا تھا۔ اس سلسلے میں کسی قسم کے کاغذات بھی نہیں مل سکے۔ امر پروڈکشنز کے کھاتے میں چار لاکھ تھے اور رقم اسی فلم کے سلسلے میں جمع کی گئی تھی۔ نیشنل بنک کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سارے اخراجات اسی فلم کے سلسلے میں ہوئے کیونکہ ادائیگیاں بذریعہ چیک کی گئی تھیں۔ اب امر پروڈکشنز کے حساب میں صرف ساڑھے پندرہ روپے باقی ہیں۔''

''یہ ادائیگیاں کس کے دستخط سے ہوئی تھیں۔''

''خود بہزاد کے..... پروڈکشن انچارج کی تحویل میں کبھی کوئی رقم نہیں رہی۔''

''بات سمجھ میں نہیں آتی۔'' حمید نے کہا۔

''کون سی بات سمجھ میں نہیں آتی۔''

''یہی کہ فلم میں روپیہ لگانے والا سامنے نہیں آیا۔''

''اور یہی چیز الجھاوے والی ہے۔'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر طویل سانس لے کر کہنے لگا۔ ''اُسے ہر حال میں سامنے آنا چاہئے تھا۔''

''لیکن آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ روپیہ کسی اور کا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ رقم بہزاد ہی کی رہی ہو۔''

''غالباً تمہارا حافظہ کمزور ہو گیا ہے۔ یہ بات مجھے تم ہی سے معلوم ہوئی تھی۔ کیا راج گڈھ کے تھانے کی طرف جاتے ہوئے اس نے تمہیں نہیں بتایا تھا کہ وہ تباہ ہو گیا۔ فائنسر کو کیا منہ دکھائے گا۔''

''ہاں کہا تو تھا؟''

''اگر اس کے ذاتی سرمائے سے فلم بن رہی ہوتی تو وہ غلط بیانی سے کیوں کام لیتا۔''

''ارے جناب.....اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے۔''

''لیکن یہ چیز راز نہ رہ سکتی۔ تفتیش کے دوران میں ضرور کھل جاتی۔''

''ہوں.....!'' حمید چٹکی بجا کر متفکرانہ انداز میں بولا۔ ''سارا مسئلہ حل ہوگیا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ اس جرم کے الزام سے صاف دامن بچالے گا۔ لہٰذا جرم کر بیٹھا۔ بعد میں اس کے عواقب پر نظر گئی تو بوکھلا گیا۔ اس نے سوچا کہ وہ جکڑ لیا جائے گا اس بار کسی طرح نہ بچ سکے گا۔ لہٰذا اس نے خودکشی کی ٹھانی۔ اسی ارادے سے بالکنی تک آیا.....ہم لوگوں پر نظر پڑی..... اس نے ہمیں لارڈو کے دفتر میں داخل ہوتے دیکھا۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق بہت زیادہ نشے میں تھا۔ لہٰذا مزید بہکا۔ اس نے سوچا تنہا کیوں جاؤں۔ محکمہ سراغ رسانی کے اس آفیسر کو بھی کیوں نہ ہم سفر بنایا جائے جس کی صلاحیتوں کے خوف کی بناء پر اس نے خودکشی کا ارادہ کیا ہے۔ یہ بھی ذہن میں رکھئے کہ پچھلے جن کیسوں کے سلسلے میں اس کی انگلیوں کے نشانات ملے تھے ان کی تفتیش آپ کے سپرد نہیں ہوئی تھی اور شاید یہ بھی نہ ہوتی اگر آپ موقعہ واردات پر موجود نہ ہوتے۔ ہاں تو اس نے ایک خنجر سنبھالا۔ پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ وہ نشے میں تھا۔ جیسے ہی ہم لارڈو کے آفس سے برآمد ہوئے اس نے آپ پر چھلانگ لگادی۔''

''ہیئر.....ہیئر۔'' فریدی نے میز تھپتھپائی۔ ''بریو.....او۔''

حمید فخریہ انداز میں اس کی طرف دیکھے جارہا تھا۔

''تم ٹھیک اسی نتیجے پر پہنچے ہو جس پر اصل مجرم ہمیں پہنچانا چاہتا ہے۔''

''لیے.....لیے.....یعنی کہ یہ جو اتنی لمبی چوڑی تقریر میں نے کر ڈالی بکواس تھی۔''

''مائی ڈیئر کیپٹن حمید تمہارا خیال درست ہے۔'' فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

''پائپ کا تمباکو ختم ہوگیا ہے.....ورنہ میں بھی بتاتا۔'' حمید کھسیانا ہوکر بولا۔

تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ پھر حمید نے کہا۔ ''آشا کچھ دن میرے ساتھ گذارنا چاہتی ہے۔''

''کیا مطلب.....!'' فریدی چونک پڑا۔

''اس پر بڑی پابندیاں ہیں۔ لیکن وہ ایڈونچر کی شائق ہے.....تنہا کہیں نہیں جاسکتی۔ نانی ہروقت ساتھ رہتی ہے اور دو عدد باڈی گارڈز بھی۔''

''لیکن باڈی گارڈز کیوں حمید صاحب.....خود نانی ہروقت سر پر مسلط رہتی ہے۔ باڈی گارڈز تو وہی لوگ رکھتے ہیں جنہیں کسی طرف سے اپنے خلاف متشددانہ کارروائیوں کا خدشہ لاحق رہتا ہے۔ ظاہر ہے یہ باڈی گارڈز آشا کو کسی پر عاشق ہونے سے تو باز نہیں رکھ سکتے اور نانی کا یہ رویہ بھی محض اسی خدشے کے تحت ہے کہ کہیں وہ کسی اور کی ہوکر اس کے ہاتھوں سے نہ نکل جائے۔''

''ہاں یہ مسئلہ غور طلب ہے۔''

''معلوم کرو.....لیکن ایسے حالات میں وہ بھلا کچھ دن تمہارے ساتھ کیسے گذار سکے گی۔''

''اس نے ایک بڑی بچکانہ تجویز پیش کی تھی۔'' حمید مسکرایا۔ ''کہہ رہی تھی کہ آپ لوگ تو میک اپ کے ذریعے صورت بھی بدل سکتے ہیں۔ میرے چہرے پر بھی کیوں نہ وہی آرٹ آزمایئے۔ اس طرح ہم کھلے عام ساتھ رہ سکیں گے۔''

''تجویز تو معقول ہے۔'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ''لیکن وہ ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر باہر کیسے آئے گی۔''

حمید آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُسے دیکھنے لگا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ فریدی اس مسئلہ پر اتنی سنجیدگی سے گفتگو کرے گا۔

''کیا سوچنے لگے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''کیا آپ اسے پسند کریں گے کہ وہ کچھ دن میرے ساتھ گذارے۔''

''مرضی کے مختار ہو فرزند.....ماشاء اللہ بالغ بھی ہو.....میری پسند یا ناپسندیدگی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا؟''

''خیر ماریئے گولی۔ یہ آشا میری سمجھ میں نہ آسکی۔''

''کچھ دن اس کے ساتھ گذارو.....سمجھ میں آجائے گی۔''

"یہ آپ کہہ رہے ہیں۔"

"میرا وقت نہ برباد کرو۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"سنئے تو..... وہ کمل کمار کو چاہتی تھی۔ اس سے مل بیٹھنے ہی کیلئے اس نے یہ شرط پیش کی کہ وہ اسی صورت میں کنٹریکٹ کر سکے گی جب کمل کمار کو پرتھوی راج کا رول دیا جائے۔"

"ہاں تو پھر.....؟"

"لیکن اس کے چہرے سے ذرہ برابر بھی نہیں معلوم ہوتا کہ اسے اس کا غم ہو۔"

"اس دن تو مغموم تھی جب یہ واقعہ پیش آیا تھا۔"

"ہاں اس دن تھی۔"

"اتنا ہی کافی ہے؟"

"کیا مطلب.....؟"

"بھئی میرے محکمے کو اس کی فکر نہ ہونی چاہئے۔"

"اوہ شاید آپ یہ سوچ رہے ہیں وہ خود اس قتل کی ذمہ دار ہے۔ اس سازش میں خود بھی شریک تھی؟"

"یہ اسی وقت سوچا جا سکتا ہے جب خود آشا کے بلٹ پروف ہونے پر یقین کر لیا جائے اور یہ ناممکن ہے..... لہٰذا کوئی احمق ہی یہ سوچ سکتا ہے کہ وہ بذات خود اس سازش میں شریک تھی یا اسے سازش کا علم تھا۔ تین گولیوں میں سے ایک اس کے بھی لگ سکتی تھی۔"

"پھر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"یہی کہ اگر تم اس کے ساتھ کچھ دن گذارنا چاہتے ہو تو بھلا مجھے اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟"

"آپ سنجیدگی سے کہہ رہے ہیں۔"

"ہاں بھئی۔"

"خدا آپ کو بھی ایسے رنگین مواقع عطا فرمائے۔" حمید دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہوا بولا

اور خود بھی اٹھ گیا۔

دوسری صبح فریدی ناشتہ کے بعد برآمدے میں بیٹھا اخبار دیکھ رہا تھا کہ کمپاؤنڈ میں ایک کار داخل ہوئی اور اس سے آشا کی نانی اتری۔ اس کے ساتھ تین آدمی اور بھی تھے۔ انہیں وہ پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ دونوں اس کے باڈی گارڈز تھے اور تیسرا کومیڈین مردنگ۔

فریدی اٹھ گیا اور ان کی پیشوائی کے لئے پورچ تک خود گیا۔

"فرمایئے..... کیسے تکلیف کی۔" اس نے آشا کی نانی سے پوچھا۔

"میں بہت پریشان ہوں جناب۔"

"اوہ..... چلئے..... اندر تشریف لے چلئے۔"

وہ انہیں ڈرائنگ روم میں لایا..... باڈی گارڈز برآمدے ہی میں ٹھہر گئے تھے۔

"تشریف رکھئے..... فرمایئے..... میں آپ کے لئے کیا کر سکوں گا۔"

"آشا رات سے غائب ہے۔"

"اوہ.....!"

"جی ہاں..... وہ باتھ روم میں گئی تھی۔ باتھ روم کا ایک دروازہ باہر بھی کھلتا ہے..... جو کھلا ہوا ملا۔"

"ملنے جلنے والوں کے یہاں بھی دیکھا تھا؟" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں..... تمام دیکھ لینے کے بعد یہاں آئے ہیں..... اب آپ ہی مدد فرمایئے۔ میں بہت پریشان ہوں۔"

"پچھلی رات وہ یہاں آئی تھیں۔" فریدی نے کہا۔

"یہاں آئی تھی۔" نانی نے حیرت سے دہرایا۔

"جی ہاں اور پھر کیپٹن حمید کے ساتھ کہیں چلی گئی تھیں۔"

''کیپٹن حمید کے ساتھ۔''

''جی ہاں..... ٹھہریئے..... میں اُسے بلواتا ہوں۔'' فریدی نے کہا اور میز کے پاس لگے ہوئے پش پر انگلی رکھ دی۔ جلد ہی ایک ملازم اندر آیا۔

''حمید کو بلا لاؤ..... غالباً ابھی سو رہا ہوگا۔ جگادو۔''

ملازم چلا گیا..... اور وہ سب خاموش بیٹھے رہے۔ دفعتاً مردنگ بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ ان دونوں کی جان پہچان اُسی دوران میں ہوئی تھی۔''

''میرا خیال ہے کہ میں ان دونوں کو پہلے بھی کبھی ساتھ دیکھ چکا ہوں؟'' فریدی سر ہلا کر بولا۔

''کب کی بات ہے؟'' نانی بول پڑی۔

''یہ یاد نہیں.....!'' فریدی نے کہا اور کمرے کی فضا پر بوجھل سا سکوت طاری ہوگیا۔

کچھ دیر بعد فریدی بولا۔ ''یہ باڈی گارڈز تو بہت مہنگے پڑتے ہوں گے۔''

''میں نہیں سمجھی۔'' نانی کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

''آخر آپ نے مسلح باڈی گارڈز کیوں رکھ چھوڑے ہیں۔ کیا آپ کو کسی کی طرف سے تشدد کا خدشہ ہے۔''

''جی ہاں.....!'' لہجہ پھاڑ کھانے والا تھا۔

''کس کی طرف سے؟ مجھے بتایئے۔ تاکہ آشا کی بازیابی میں مدد ملے۔''

''میں نہیں جانتی..... ایک بار کچھ لوگوں نے اُسے زبردستی اٹھالے جانے کی کوشش کی تھی لیکن ناکام رہے تھے۔ اس کے بعد ہی سے میں نے باڈی گارڈز رکھ لیے تھے۔''

مردنگ اس کی یہ بات حیرت سے آنکھیں پھاڑے سنتا رہا تھا۔ اس کے خاموش ہونے پر ہی بولا۔ ''غالباً ساری دنیا کے لئے یہ ایک نئی اطلاع ہو۔''

''تو پھر کیا میں اس کا ڈھنڈورہ پیٹ کر بدنامی مول لیتی۔'' نانی مردنگ پر الٹ پڑی۔

''ایسا بھی کیا کہ یہ بات اپنے ہمدردوں پر بھی نہ ظاہر کی گئی؟'' مردنگ نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔

''یہاں کوئی کسی کا ہمدرد نہیں ہے۔''

''آپ کو باقاعدہ رپورٹ درج کرانی چاہئے تھی۔'' فریدی متفکرانہ انداز میں بولا۔

''جو ہوا سو ہوا..... اب بتایئے میں کیا کروں؟''

''کسی پر شبہ ظاہر کیجئے۔''

''میں یہاں کی انڈسٹری سے تعلق رکھنے والے ہر فرد پر شبہ ظاہر کرسکتی ہوں۔''

''بے چارے مردنگ کو ایسے موقع پر ضرور فراموش کردینا۔'' مردنگ بولا۔

''تم چپ رہو۔ ہر وقت کا بھانڈ پنا اچھا نہیں لگتا۔'' وہ اسی طرح پلٹی تھی جیسے اس کا گلا ہی گھونٹ دے گی۔

ٹھیک اسی وقت وہی ملازم کمرے میں داخل ہوا جو حمید کو بلانے گیا تھا۔

''صاحب نہ وہ کمرے میں ہیں اور نہ کہیں اور..... شریف کہہ رہا تھا وہ رات کو واپس ہی نہیں آئے تھے۔ چوکیدار نے بھی یہی بتایا ہے۔'' ملازم نے کہا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کہ نانی کو سکتہ ہوگیا ہو۔ پلکیں جھپکائے بغیر فضا میں گھورے جارہی تھی۔ پھر شاید مردنگ کے کھکارنے پر چونکی تھی۔

پھر اس نے اپنی رانوں پر ہاتھ مار کر کہا۔ ''اب کس سے فریاد کروں۔ جب قانون کے محافظ ہی ایسی حرکتیں کرنے لگے۔''

''اگر آپ کو حمید ہی پر شبہ ہے تو آپ اس کے خلاف باقاعدہ رپورٹ درج کرایئے..... وہ اکثر راتوں کو گھر سے غائب رہتا ہے..... ضروری نہیں کہ دونوں نے ساری رات ساتھ ہی گذاری ہو۔ آخر آپ کس بنا پر شبہ کررہی ہیں۔''

''کیوں نہ کروں..... جب سے یہ واقعہ پیش آیا تھا ہر وقت کوٹھی پر دھرے رہتے تھے۔''

''معاف کیجئے گا یہ بات پوچھنا بھول گیا تھا۔''

''ارے رتن پور تک پیچھا کیا تھا اس مردوے نے۔ اب تو بس یہی دعا مانگنی پڑے گی کہ اللہ کسی لڑکی کو خوبصورت بنا کر نہ پیدا کرے۔''

''اور اگر خوبصورت بنا کر پیدا بھی کرے تو جوانی میں چیچک نکل آئے۔'' مردنگ نے ٹکڑا لگایا۔

''حرام زادے تم چپ رہو۔''

''حرام زادے عموماً چپ ہی رہتے ہیں۔ ورنہ پتہ نہیں کتنی داڑھیاں جھلس جاتیں اور کتنے گیروے بستروں میں آگ لگ جائے۔ نانی ڈارلنگ صبر کرو۔''

''مسٹر براہِ کرم خاموش رہئے..... یہ ایک تکلیف دہ سچویشن ہے۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ ''اگر یہ حرکت کیپٹن حمید ہی نے کی ہوگی تو اسے اپنے ہاتھوں ہی سے ہتھکڑیاں پہنادوں گا۔ آپ مطمئن رہئے محترمہ۔''

''آپ پتہ نہیں کب پہنائیں گے ہتھکڑیاں۔ اگر اس عرصہ میں انہوں نے شادی کرلی تو۔''

''تب البتہ میں کچھ نہ کرسکوں گا۔ قانون ہی مجبور ہوجائے گا۔ غالباً مس آشا بالغ ہوچکی ہیں۔''

''ہیئر لائیز دی پوائنٹ۔'' مردنگ ران پر ہاتھ مار کر بولا۔

''لیکن میں چین سے نہیں بیٹھنے دوں گی۔'' وہ دہاڑتی ہوئی کھڑی ہوگئی۔

مردنگ بھی اٹھا۔ لیکن فریدی نے بڑھیا کی نظر بچا کر اسے ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔ اس نے بھی سر کو جنبش دی اور بوھیا سے بولا۔ ''اس دوڑ دھوپ نے مجھے بُری طرح تھکا دیا ہے..... میں کچھ دیر یہاں بیٹھوں گا۔ کیوں کرنل صاحب آپ کو تو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا۔''

''قطعی نہیں..... قطعی نہیں۔'' فریدی نے گہرے خلوص کا مظاہرہ کیا۔

بوھیا مردنگ کو گھورتی ہوئی چلی گئی۔

فریدی اور مردنگ بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔ ''کیا آپ بتا سکیں گے کہ بہزاد کو اس فلم کے سلسلے میں کس نے مالی مدد دی تھی۔''

''میں!'' مردنگ نے حیرت سے کہا۔ ''بھلا میں کیا بتا سکوں گا۔''

''اس سلسلے میں مجھے کوئی ڈاکومنٹ نہیں مل سکا۔'' فریدی متفکرانہ لہجے میں بولا۔ ''ہاں پروڈکشنز کے حساب میں چار لاکھ جمع کئے گئے تھے۔''

''ہوسکتا ہے..... اس کے اپنے روپے ہوں۔''

''کہیں سے بھی اس کا ثبوت نہیں مل سکا۔ انکم ٹیکس کے ریکارڈ بھی دیکھ لئے گئے ہیں۔''

''دراصل میرے سامنے فائنس کے متعلق کبھی کوئی تذکرہ نہیں آیا۔'' مردنگ بولا۔

''وقوعے والے دن اس نے ایک عجیب بات بھی بتائی تھی اور ساتھ ہی درخواست کی تھی کہ اس کا تذکرہ کسی سے نہ کیا جائے۔''

''کیا بات تھی۔''

''آشا نے اپنی نانی کے علم میں لائے بغیر معاہدہ کی یہ شرط رکھی تھی کہ ہیرو کا رول کمل کمار کو دیا جائے۔''

''واقعی.....!'' مردنگ نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

''یقین کرو..... اس کا تحریری بیان میرے پاس موجود ہے۔''

''کمال ہے..... بہزاد نے کسی کو ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی اس کی۔''

''فرض کرو..... بوڑھی عورت کو اس کا علم ہوگیا ہو اور اس نے خود ہی کمل کمار کے خلاف ایک سازش مرتب کی ہو۔''

''لیکن خود آشا کے بھی تو گولی لگ سکتی تھی۔''

''تم تین آدمیوں کو ایک گھوڑے پر بٹھا دو..... اور گھوڑے کو سرپٹ دوڑاؤ..... ان میں سے جس کے لئے بھی کہو گے اسی کو گولی ماروں گا۔ دوسرے کے خراش تک نہ آئے گی اور پھر ہوسکتا ہے.....!''

فریدی مزید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نئے خیال نے ذہن میں سر ابھارا ہو۔ مردنگ استفہامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔

''خیر ہٹاؤ..... ہم صرف بہزاد ہی کی باتیں کریں گے۔ جس دن اس نے مجھ پر چھلانگ لگائی تھی تم اس کے فلیٹ میں موجود تھے۔''

''جی ہاں..... میں نے کیپٹن حمید صاحب سے اس کے متعلق گفتگو بھی کی تھی۔''

''تم دونوں پیتے رہے تھے۔''

''جی ہاں۔''

''وہ کس قسم کی گفتگو کرتا رہا تھا۔''

''میرا خیال ہے کہ رسمی گفتگو کے علاوہ اور کسی خاص موضوع پر گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ وہ بہت زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔ اسی طرح جی چھوڑ کر پی رہا تھا جیسے ذہن کو سوچنے سمجھنے کے قابل ہی نہ رہنے دینا چاہتا ہو۔''

''کمل کمار کے قتل کا تذکرہ بھی نہیں نکلا تھا۔''

''نہیں جناب۔''

فریدی کچھ دیر خاموش رہا پھر پرتشویش لہجے میں بولا۔ ''اگر وہ واقعی کیپٹن حمید کو اپنے ساتھ ہی لے گئی ہے تو ہم بڑی دشواریوں میں پڑ جائیں گے۔''

''میں بھی یہی عرض کرنے والا تھا۔ بڑھیا بڑی بارسوخ ہے۔ کئی اعلیٰ عہدے دار آشنائی کی وجہ سے اس کی بڑی عزت کرتے ہیں۔''

''واقعی..... میں بڑی الجھن میں پڑ گیا ہوں۔'' فریدی نے جھنجھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اچھا اب اجازت دیجئے۔'' مردنگ اٹھتا ہوا بولا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ کسی سوچ میں گم تھا۔ حتیٰ کہ مصافحہ کے لئے پھیلے ہوئے مردنگ کے ہاتھ کی جانب بھی توجہ نہ دی اور وہ کھسیانے انداز میں باہر چلا گیا۔

جال

ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ حالانکہ آواز فریدی کے کان تک بھی پہنچی تھی لیکن وہ آرام کرسی پر نیم دراز سگار کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا۔ لان میں بیگل کتیا کے چھوٹے چھوٹے بچے خوش فعلیاں کر رہے تھے۔

''فون ہے جناب۔'' اندر سے ایک ملازم نے آ کر کہا۔

''کون ہے بھئی۔'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ''ان بچوں کو دیکھنا حوض کی طرف نہ جانے پائیں۔''

لائبریری میں A کراس نے ریسیور اٹھایا۔ ''ہیلو.....!''

''کون صاحب ہیں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''فریدی.....!''

''آداب کرنل صاحب..... میں شمبھو بول رہا ہوں۔ شمبھو سیٹھ۔''

''معاف فرمایئے گا۔ میں نے اب بھی نہیں پہچانا۔''

''لارڈو کا پروپرائٹر..... آپ کے ایک ماتحت آفیسر مجھ سے مل چکے ہیں۔''

''اوہ..... اچھا فرمایئے۔''

''وہ مجھ سے فلم ڈائریکٹر..... کیا نام تھا اس کا..... جی وہ اس فلم ڈائریکٹر کے متعلق پوچھ گچھ کر رہے تھے جس نے شاید آپ لوگوں پر حملہ کیا تھا۔''

''جی ہاں شائد اس نے پوچھ گچھ کی تھی پھر.....!''

''پھر..... یہ کہ میں بڑی الجھن میں پڑ گیا ہوں کرنل صاحب..... انہوں نے مجھے ڈائریکٹر کی جو تصویر دکھائی تھی وہ حکیم لاڈلے میاں سے مشابہ تھی۔ غالباً انہوں نے آپ کو بتایا ہوگا۔''

''جی ہاں بتایا تھا۔''

''وہ جو شاہد تھا نا..... حکیم لاڈلے میاں نے جسے میرے پاس ملازم رکھایا تھا۔''

''کون شاہد۔'' فریدی نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ''اوہ اچھا آپ کی فرم کا وہ آدمی جو پچھلے سال قتل کر دیا گیا تھا۔''

''جی ہاں..... جی ہاں..... کرنل صاحب اس نے لارڈو میں فلم سے متعلق بھی ایک شعبے کا اضافہ کیا تھا۔''

''لارڈو..... میں فلم کا شعبہ۔'' فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

''جی ہاں کرنل صاحب..... اکسٹرا اداکاروں کی فراہمی کرتا تھا یہ شعبہ۔''

''آپ کی لائن سے قطعی الگ چیز تھی۔''

''جی ہاں اب میں اسی وجہ سے الجھن میں پڑ گیا ہوں۔''

''میں تو نہیں سمجھ سکتا کہ اس میں الجھن کی کوئی بات ہو؟'' فریدی نے کہا۔

''صاحب میری راتوں کی نیند اڑ گئی ہے اس معاملے پر سوچ بچار کرتے۔ جب مجھے آپ کے ماتحت آفیسر نے اس ڈائریکٹر کی تصویر دکھائی تو میں اسی وقت چکر میں پڑ گیا تھا۔ بالکل لاڈلے میاں..... صرف مونچھ ڈاڑھی کا فرق تھا۔ پھر مجھے خیال آیا کہیں میرے ساتھ کوئی فراڈ نہ کیا گیا ہو..... لہٰذا میں نے رتن پور میں پوچھ گچھ کرائی اور تب مجھے معلوم ہوا کہ میرے ساتھ سچ مچ فراڈ کیا گیا تھا۔ حکیم لاڈلے میاں تو دس سال پہلے مر چکے تھے۔ کرنل صاحب یقین کیجئے کہ اس آدمی نے لاڈلے میاں کا روپ دھار کر مجھے دس بارہ ہزار کی چوٹ دی ہے۔''

''اور آپ اُسے بہزاد کی حیثیت سے نہیں جانتے تھے۔''

''ہرگز نہیں جناب..... ہرگز نہیں۔''

''حالانکہ وہ آپ کے دفاتر کے اوپر ہی والے فلیٹ میں رہتا تھا۔''

''دفاتر سے مجھے ذاتی طور پر یوں بھی کوئی سروکار نہیں رہتا۔ ہفتے میں ایک بار کسی وقت دو تین گھنٹوں کے لئے جاتا ہوں اور اس وقت میرے یا میری سیکریٹری کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوتا۔ میں انتہائی بدنصیب آدمی ہوں جناب..... آدمیوں میں بیٹھنے کے قابل نہیں۔''

اس کی آواز گلوگیر ہوگئی تھی اور شاید فریدی نے سسکیاں بھی سنی تھیں۔

''مجھے علم ہے..... مگر یہ ہوا کیسے تھا۔ گندہ دہنی ایک بیماری ہوتی ہے۔ لیکن لاعلاج نہیں۔ لیکن آپ کا کیس حیرت انگیز ہے۔ اتنی شدید بدبو کہ پورے کمرے میں گونجتی رہے۔''

''اگر منہ سے کپڑا ہٹا دوں تو شاید کوئی میرے قریب ٹھہر بھی نہ سکے۔''

''کیا یہ مرض پیدائشی ہے۔''

''جی نہیں..... پچیس سال کی عمر تک میں بالکل ٹھیک تھا۔ بس ایک حادثے کے تحت ایسا ہوا۔''

''کیا آپ مجھے بتانا پسند فرمائیں گے۔''

''کیوں نہیں۔ ضرور..... ضرور..... میں کیا عرض کروں آپ کے گھر کی فضا ناپاک کرنا نہیں چاہتا۔ ورنہ خود ہی حاضر ہوتا۔''

''کوئی بات نہیں..... میں خود ہی ملوں گا کسی دن آپ سے..... ہاں تو وہ حادثہ۔''

پچیس سال کی عمر میں ایڈونچر کا شوق بھی مجھے ساری دنیا میں لئے پھرا تھا۔ برازیل کے جنگلوں میں یہ حادثہ پیش آیا۔ شکار کھیلتے ہوئے ہم کوئی ایسی جگہ تلاش کرتے پھر رہے تھے جہاں شب بسری کے لئے چھولداریاں لگائی جاسکیں۔ صبح سے شکار نہیں ملا تھا اور ہم سب بھوکے تھے۔ دفعتاً مجھے ایک درخت نظر آیا جس میں سیب کی شکل کے پھل لگے ہوئے تھے۔ میں نے درخت پر پتھراؤ کیا۔ کچھ پھل گرے..... اور میں وہیں بیٹھ کر انہیں کھانے لگا۔ میرے ساتھی پیچھے رہ گئے تھے۔ ان میں کچھ وہیں کے قدیم باشندے بھی تھے۔ دفعتاً قدیم باشندوں میں سے ایک بوڑھا شور مچاتا ہوا میری طرف دوڑا اور دوسرا پھل جو آدھا کھایا جاچکا تھا میرے ہاتھ سے چھین کر پھینک دیا۔ بڑا غصہ آیا۔ لیکن اتنی دیر میں بقیہ لوگ بھی پہنچ گئے۔ بوڑھا ریڈانڈین ابھی تک اسی جوش و خروش کے ساتھ کچھ کہے جارہا تھا۔ دفعتاً وہ آدمی آگے بڑھا جو ہمارے درمیان مترجم کے فرائض انجام دیتا تھا۔ اس نے کہا کہ یہ پھل زہریلے ہوتے ہیں۔ بوڑھا کہہ رہا ہے کہ اگر تم نے اس سے پہلے بھی کوئی پھل کھایا ہے تو اب خیر نہیں اگر تم زندہ بچ بھی گئے تو بے کار ہوکر رہ جاؤ گے۔ یقیناً میں اس سے پہلے ایک پورا پھل کھا چکا تھا اور دوسرا پھل بھی آدھا تو میرے پیٹ میں جا ہی چکا تھا۔''

''مزہ کیسا تھا پھل کا.....!'' فریدی نے پوچھا۔

''مٹھاس کسی قدر تلخی لئے ہوئے تھی۔ لیکن میں بری طرح بھوکا تھا۔ چونکہ اس کی بو بھی سیب ہی کی سی تھی اس لئے میں نے سوچا شاید ادھر سیبوں کا ذائقہ ایسا ہی ہوتا ہو۔ بہرحال ایک گھنٹے بعد مجھے شدید بخار ہوگیا۔ بوڑھا انڈین میرے لئے جنگلی جڑی بوٹیاں تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ اس بے چارے سے جتنا بن پڑا کرتا رہا تھا۔ میری حالت بگڑتی ہی رہی۔ بخار تو دوسرے

دن کم ہوگیا تھا لیکن پورا جسم مواد بھرے پھوڑے کی طرح دکھتا تھا اور پھر میرا جسم سڑنے لگا۔ کسی نہ کسی طرح ہم کوئیٹو پہنچے تھے اور مجھے ایک ہسپتال میں داخل کردیا گیا تھا۔ سارے جسم سے ایسی بدبو پھوٹتی تھی کہ مجھ سے سو گز کے فاصلے سے بھی گذرنا دشوار محسوس کیا جاتا تھا۔ علاج ہوتا رہا تھا۔ پر ہم کوئیٹو سے شمالی امریکہ پہنچے جہاں نیویارک کے ایک بہت بڑے ہسپتال میں مجھے داخل کردیا گیا۔ دو سال تک میں وہیں تھا۔ بمشکل تمام وہاں کے ڈاکٹر میرے مرض پر قابو پاسکے تھے۔ یعنی جسم کا سڑنا رک گیا تھا۔ تقریباً تین سال لگ گئے اور میں چلنے پھرنے کے قابل ہوا لیکن پھر کچھ دنوں کے بعد ایک ٹانگ بالکل بے کار ہوگئی اور میرے ہونٹ ایسے ہی ہوگئے جیسے سؤر کی تھوتھنی ہوتی ہے۔ ہونٹوں کا ورم آج بھی قائم ہے اور وہ گوشت کے لوتھڑے معلوم ہوتے ہیں..... سرخ..... بالکل ایسا ہی لگتا ہے جیسے گوشت پر سے ابھی ابھی کھال اتار دی گئی ہو۔ یہ تو خیر کوئی ایسی بات نہیں۔ لیکن یہ بدبو..... میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح اپنے جذبات کا اظہار کروں۔ دنیا کی کوئی عورت مجھے ہمیشہ کے لئے قبول کرنے پر تیار نہیں ہوسکتی اور اپنی اس کمزوری کی بناء پر میں شاہد کے کہنے میں آ گیا تھا۔ یعنی یہ اکسٹرا لڑکیوں کا فلمی کاروبار..... اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اس طرح میری زندگی بھی جنسی آسودگی پاسکے گی۔ کاش میں اس کے چکر میں نہ آیا ہوتا۔ اب سوچتا ہوں کہیں یہ فلم ڈائریکٹر..... یعنی کہ حکیم لاڈلے میاں کا رول ادا کرنے والا کوئی ایسی حرکت نہ کرگیا ہو جس سے میرے مستقبل پر بُرا اثر پڑے۔"

فریدی نے طویل سانس لی اور بولا۔ "یہ تو ثابت ہوچکا ہے کہ بہزاد لاڈلے میاں کا لڑکا تھا اور اس سے بڑی حد تک مشابہہ بھی تھا۔ شاہد کو اسی نے ملازمت دلوائی تھی اور پھر شاہد قتل کردیا گیا تھا۔ یقیناً یہ چیز کسی حد تک آپ کے لئے الجھن کا باعث بن سکتی ہے۔"

"پھر میں کیا کروں..... کیا کروں۔ ابھی تک اس بدبو نے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہنے دیا تھا۔ کیا اب لوگ میرا نام بھی سننا پسند نہ کریں گے۔"

"آپ فکر نہ کیجئے۔" فریدی نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ "ویسے میں ابھی کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچ سکا لیکن آپ کے لئے پوری کوشش کروں گا۔"

"شکریہ جناب..... تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔"

فریدی نے اس وقت تک ریسیور کریڈل میں نہیں رکھا جب تک کہ دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز نہیں سنائی دی۔



ایگل بیچ کی ایک خوشگوار رات تھی۔ ساحل کے قریب والا اوپن ایئر ہوٹل گھنا آباد تھا۔ مائیکروفون سے مدھم سروں میں انگریزی موسیقی منتشر ہو رہی تھی۔ کبھی کبھی کھنکتے ہوئے سریلے قہقہے بھی فضا میں گونج اٹھتے۔

کیپٹن حمید نے اپنے سامنے بیٹھی ہوئی لڑکی سے کہا۔ "کہو کیسی ہے یہ زندگی۔"

"بہت حسین..... بے حد شاندار..... میں اب تک اس کے لئے ترستی رہی تھی..... تم بہت اچھے ہو کیپٹن۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ تمہاری نانی بھی اس میک اپ میں تمہیں نہ پہچان سکے گی۔"

"یہ تمہارے چیف بھی کمال کے آدمی ہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ نانی بھی مجھے نہ پہچان سکیں گی۔"

"اور وہ مردنگ بھی..... جو کسی سعادت مند کتے کی طرح تمہارے پیچھے لگا رہتا ہے۔"

"ارے وہ مسخرہ..... جی بہل جاتا ہے۔ ہاں وہ بھی نہ پہچان سکے گا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے..... لیکن مجھے اطلاع ملی ہے کہ تمہاری نانی نے میرے خلاف رپورٹ درج کرادی ہے۔"

"تمہارے خلاف.....!"

"رپورٹ تمہاری گمشدگی کی لکھوائی ہے اور شبہ مجھ پر ظاہر کیا ہے۔"

"تم پر کیوں.....؟"

''تمہارے ساتھ میں بھی غائب ہوں نا.....!''

''نانی کو تمہارے غائب ہونے کا کیا علم۔''

''میرے چیف نے بتا دیا ہوگا۔''

''میرے خدا.....انہیں نے تو میک اپ کیا تھا میرا۔''

''تم سمجھی نہیں۔ میں نے ان سے یہ کب کہا تھا کہ میں بھی تمہارے ساتھ ہی جا
ہوں۔ اگر یہ کہہ دیتا تو وہ اس پر کبھی تیار نہ ہوتے۔ میں نے تو یہ کہا تھا کہ آشا صاحبہ اپنی زند
کی یکسانیت سے بور ہوگئی ہیں۔ کچھ دن تنہا گزارنا چاہتی ہیں مگر نانی کی وجہ سے یہ ناممکن ہے
لہٰذا انہوں نے میک اپ کر دیا.....اور مجھ سے کہا کہ تمہیں کچھ دور تک چھوڑ آؤں۔''

''پھر اب کیا ہوگا۔''

''کچھ بھی نہیں.....میں اس میک اپ میں تھوڑا سا اضافہ کر دوں گا۔''

''کیسا اضافہ۔''

''تمہارے مونچھیں لگا کر ٹکٹ لگا دینے کے امکانات پر غور کروں گا۔''

''نہیں..... مذاق نہ اڑاؤ..... سنجیدگی سے سوچو..... میں ابھی گھر نہیں واپس جا
چاہتی.....سچ کہتی ہوں۔ یہ دو چار دن ایسے گذرے ہیں جیسے میں نے دوسرا جنم لیا ہو۔''

''اور مجھے اپنے پچھلے جنم بھی یاد آ گئے ہیں۔''

''کیوں.....؟''

''برداشت کی بھی حد ہوتی ہے.....ارے تم ہر وقت مسکراتی رہتی ہو۔ ہنسے بغیر کوئی بات
ہی نہیں کر سکتیں۔''

''تو یہ ایسی بُری بات ہے۔''

''بُری سے بدتر.....میری دانست میں وہ عورت ہی نہیں ہے جو دن میں دو چار مرتبہ
بھوں نہ چڑھائے۔ ہر اس آدمی کو کاٹنے نہ دوڑے جو اس میں دلچسپی لیتا ہو۔''

''تمہاری منطق میری سمجھ میں نہیں آتی۔''

''فلم اسٹاروں کی منطق بھی میری سمجھ میں نہیں آتی۔''

''ہماری کیسی منطق۔''

''جب تمہارا نام شیریں بانو تھا تو تم نے آشا کیوں اختیار کیا؟''

''اوہ.....!'' سنجیدہ ہو کر بولی۔ ''تم سمجھتے نہیں.....فنکار کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ فن ہی
اس کا مذہب ہے۔ وہ نہ ہندو ہوتا ہے اور نہ مسلمان۔''

''یہی منطق تو سمجھ میں نہیں آتی کہ تم دراصل مسلمان ہو اور لوگ تمہیں ہندو سمجھتے ہیں۔''

''کمل کمار بھی مسلمان ہی تھا۔ غالباً پیر بخش نام تھا۔ لیکن ہندو سمجھا جاتا تھا۔ تو کہنے کا
مطلب یہ کہ جب فنکار کا کوئی مذہب ہی نہیں ہوتا تو وہ ایسے نام کیوں نہیں اختیار کرتا کہ نام
سے اس کے مذہب کا پتہ ہی نہ چل سکے۔ اس سلسلے میں مردنگ کا نام مجھے پسند ہے اسی طرح
تمہیں چاہئے تھا کہ اپنا نام سارنگی، ڈگڈگی یا ڈھولک رکھتیں اور کمل کمار تانپورہ، مجیرا یا ڈمرو جیسا
کوئی نام اختیار کرتا۔''

''تم سے کون بحث کرے..... بال کی کھال نکالتے ہو۔''

''تم بہت خوبصورت ہو۔''

''ہاں ایسی باتیں کرو۔'' وہ ہنس پڑی۔ پھر بولی۔ ''تمہارے چیف بہت شاندار ہیں۔
لیکن میں نے انہیں ہنستے یا مسکراتے نہیں دیکھا۔''

''اچھا ہی ہوا۔ ورنہ تم میرے لئے کوئی نام تجویز کرنے کی فکر میں پڑ جاتیں۔''

''سچ بتاؤ.....وہ نجی زندگی میں کیسے آدمی ہیں۔''

''ارے تم میرے متعلق مجھ سے کیوں نہیں پوچھتیں۔''

''تمہیں تو کئی دنوں سے دیکھ رہی ہوں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ اس کی آنکھوں میں اداسی تیرنے لگی تھی۔

''ارے ادھر دیکھو.....تم چپ کیوں ہو گئے۔ اب بتاؤ کیا کرنا چاہئے۔ میں گھر واپس
نہیں جانا چاہتی۔''

''کب تک.....!''

''جب تک میرا جی چاہے۔''

''تم اپنی نانی سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہو۔''

''یہی بات ہے۔ لیکن خود میں اتنی ہمت نہیں پاتی کہ اس سلسلے میں کوئی قانونی کارروائی کرسکوں۔''

''سنو.....!'' حمید سنجیدگی سے بولا۔ ''اگر تم دو چار دن اور غائب رہیں تو سارے ملک میں تہلکہ مچ جائے گا کیونکہ تم کوئی گم نام شخصیت نہیں ہو۔''

''سوچو تو کتنی سنسنی خیز خبر ہے۔''

''اے محترمہ..... کیا تم مجھے جہنم ہی میں پہنچا دینے کا ارادہ رکھتی ہو۔''

''اوہ تمہارا کوئی کیا بگاڑے گا۔ میں بالغ ہوں..... عدالت میں کہہ دوں گی کہ اپنی خوشی سے تمہارے ساتھ گئی تھی اور تمہیں اس پر مجبور کیا تھا۔''

''اور اس کے بعد پھر وہی ٹائیں ٹائیں فش.....!'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

''کیوں؟ پھر تم کیا چاہتے ہو۔'' آشا نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''تم بتاؤ؟ کیا چاہتا ہوں!''

''وہی جو ملک کے لاکھوں آدمی چاہتے ہیں۔'' آشا ہنس پڑی۔

''کیا چاہتے ہیں..... میں نہیں جانتا..... کیونکہ میرا شمار لاکھوں میں نہیں بلکہ کروڑوں میں ہوتا ہے۔''

''شادی..... مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔''

''ہٹو کیسی باتیں کرتی ہو۔'' حمید کسی کنواری لڑکی کی طرح لجا کر بولا۔

''ہے..... ہے.....!'' وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ''تمہاری یہی چیزیں تو قیامت ہیں۔''

''میں چلا جاؤں گا ہاں..... نہیں تو۔''

دفعتاً آشا چونک پڑی اور آگے جھک کر آہستہ سے بولی۔ ''مردنگ..... تم مت دیکھو۔

کی طرف۔''

''بی بی بھی ہیں اور میرے باڈی گارڈز بھی..... اے لو..... وہ ادھر ہی آرہے ہیں۔''

''اچھی بات ہے..... تم خاموش ہی بیٹھنا..... اگر کچھ پوچھیں بھی تو جواب نہ دینا۔ میں کہہ دوں گا ایرانی ہیں۔ اردو نہیں سمجھتیں۔''

واقعی وہ لوگ سیدھے اسی میز کیطرف آئے۔ نانی حمید کو نفرت آمیز نظروں سے گھور رہی تھی۔

''آشا کہاں ہے۔'' اس نے زہریلے لہجے میں پوچھا۔

''میں کیا جانوں؟'' حمید نے حیرت ظاہر کی۔

''وہ کئی دنوں سے غائب ہے اور آخری بار تمہارے ساتھ دیکھی گئی تھی۔''

''اوہ..... وہ..... کئی دن پہلے کی بات ہے۔ بیٹھئے بیٹھئے۔''

''وہ کہاں ہے؟''

''بھئی میں کیا جانوں..... ایک رات وہ میرے پاس آئی تھی اور پھر میں اسے کچھ دور تک رخصت کرنے گیا تھا۔ اپنی گاڑی سے نہیں آئی تھی۔ اس لئے ٹیکسی کی تلاش میں، میں بھی کچھ دور تک اس کے ساتھ چلا گیا تھا؟''

''کرنل فریدی صاحب کا کہنا ہے کہ تم اس رات واپس ہی نہیں ہوئے تھے اور اب تک گھر نہیں پہنچے۔''

''انہیں شاید اس کا علم نہ ہو کہ میں چھٹی پر ہوں اور جہاں چاہوں اپنی چھٹیاں گذار سکتا ہوں۔''

''بھئی بیکار بات ہے.....'' مردنگ بول پڑا۔ ''چلتے چلتے تھک گئے۔ اب کچھ دیر یہیں بیٹھو بی بی۔''

''ہاں یہیں بیٹھوں گی۔ اس وقت تک بیٹھوں گی جب تک لڑکی کا پتہ نہ چل جائے۔'' وہ خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔ مردنگ نے چوتھی کرسی سنبھالی اور باڈی گارڈ کو ہاتھ کے اشارے سے کوئی دوسری میز تلاش کرنے کو کہا۔

''آپ کی تعریف کپتان صاحب.....'' مردنگ نے آشا کو تحسین آمیز نظروں سے دیکھتے

ہوئے پوچھا۔

''مس رضیہ اسفندیاری..... ایرانی ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اردو نہیں سمجھتیں ورنہ تم لوگ کی گفتگو کی بناء پر مجھے کوئی لفنگا سمجھ کر اٹھ جاتیں۔''

''عیش ہے آپ لوگوں کے بھی۔'' مردنگ نے ٹھنڈی سانس لی۔ حمید نے محسوس کیا وہ آشا کو شبہے کی نظروں سے دیکھ رہا ہے۔

''کیا پئیں گے آپ لوگ۔'' حمید نے پوچھا۔

''اب تو تم مجھے زہر ہی پلا دو۔'' بڑھیا روہانسی ہو کر بولی۔ ''جب قانون کے محافظ لٹیرے بن جائیں تو کوئی کیا کرے۔ کس سے فریاد کرے۔''

''محترمہ آپ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔''

''خود تمہارے چیف کو تم پر شبہ ہے۔ انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ کچھ تعجب نہیں کیپٹن حمید نے ہی اس پر ڈورے ڈالے ہوں۔ عورتوں کے معاملے میں اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔''

''وہ بھی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ ایک اداکارہ اور عام عورتوں میں بڑا فرق ہوتا ہے اداکاراؤں کے معاملے میں مجھ پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ کیوں مسٹر مردنگ۔''

''اب میں کیا بتاؤں کپتان صاحب۔ میں نے تو انہیں بہت سمجھایا ہے۔'' مردنگ نے ٹھنڈی سانس لی۔

''میں کچھ نہیں جانتی۔ آشا مجھے واپس ملنی چاہئے۔''

''کیا وہ پہلے بھی کبھی اس طرح غائب ہو چکی ہے۔''

''کبھی نہیں..... کبھی نہیں۔ اگر وہ تم سے ملنے تمہارے گھر گئی تھی تو میں بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہوں کیونکہ اس سے پہلے وہ خود کسی کے گھر نہیں گئی۔''

''ہو سکتا ہے اس بار چلی ہی گئی ہو۔ میرا مطلب ہے میرے علاوہ کسی اور کے بھی گھر گئی ہو۔''

''بی بی اب ختم کرو بھی یہ قصہ۔'' مردنگ بولا۔ ''مجھے پیاس لگی ہے۔''

بڑی مشکل سے انہوں نے پیچھا چھوڑا تھا اور حمید بڑھیا کو کسی طرح بھی باور نہیں کرا سکا تھا کہ وہ آشا کا پتہ نہیں جانتا۔ چلتے چلتے بلبلا کر کہہ گئی تھی کہ وہ اسے چین سے نہ بیٹھنے دے گی۔ آشا بعد میں خوب ہنسی تھی اور کہا تھا کہ اس کی نانی کی بے بسی اسے بہت بھلی لگی تھی۔ اس کو اس سے بڑا سکون ملا تھا۔

پھر وہ ایگل پیچ والے ہٹ میں واپس آ گئے تھے۔ ویسے حمید محسوس کر رہا تھا کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس نے اس سلسلے میں چھان بین کرنے کی زحمت گوارا نہ کی ہو۔

حمید لباس تبدیل کرنے جا رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسیور اٹھا لیا۔ ''کیپٹن حمید۔''

''ٹھیک ہے۔'' دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

حمید نے طویل سانس لی اور ریسیور رکھ دیا۔ آشا دوسرے کمرے میں تھی۔ دونوں الگ الگ کمروں میں سوتے تھے۔

حمید کرسی پر بیٹھ کر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ کھڑکی سے خوشگوار ساحلی ہوا کے جھونکے آ رہے تھے۔ دفعتاً آشا کمرے میں داخل ہوئی۔

''سنو.....!'' اس نے کہا۔ ''آج اگر ہم دونوں اسی کمرے میں سوئیں تو کیا ہرج ہے۔''

''کیوں؟ کیا بات ہے۔''

''مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ مردنگ مجھے شبہے کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔ شاید اس نے پہچان لیا ہے۔''

''اوہ..... تو تم مردنگ سے ڈرتی ہو۔''

''ارے اس مسخرے سے کیا ڈرونگی۔ لیکن وہ ہے بڑا سؤر..... بی بی کو غصہ دلا سکتا ہے۔''

''اب بتا ہی دوں۔ واقعی وہ اس سے نفرت کرتی ہیں کیونکہ وہ انہیں چڑھاتا رہتا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ اس سے یہ نہیں کہہ سکتیں وہ ہمارے یہاں نہ آیا کرے۔''

''کیا مجبوری ہے؟''

''بی بی کو کین کی عادی ہیں.....اور وہ مردنگ ہی مہیا کرتا ہے۔''

''حیرت ہے.....میں تو فلم آرٹسٹوں کو بہت معصوم سمجھتا تھا۔''

''ہائیں.....ارے اپنے یہاں تو ایک سے ایک بڑھ کر چرسی پڑا ہے۔''

''تم بھی پیتی ہو۔''

''لاحول ولاقوۃ.....میرا بس چلے تو بی بی کو کان پکڑ کر گھر سے باہر نکال دوں۔ ہاں چھوڑو ان باتوں کو میں یہیں سوؤں گی۔''

''چلو.....مان لیا.....لیکن اب تم یہ میک اپ بھی ختم کردو۔ میں تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''اور اگر کسی اور نے بھی دیکھ لیا تو۔''

''شش.....یہاں کون آئے گا۔ کسی کو کیا پتہ کہ میں یہاں ہوں۔''

کچھ دیر بعد آشا اپنے اصلی روپ میں نظر آئی۔ حمید کہہ رہا تھا۔ ''فکر مت کرو۔ کل پھر وہی میک اپ کر دیا جائے گا۔''

وہ بے خبر سو رہے تھے۔ لیکن حمید کی آنکھوں میں نیند کوسوں دور تھی۔ سینے تک چادر کھینچے چت پڑا تھا۔ کبھی کبھی سیاہی مائل ہلکی نیلی روشنی میں آنکھیں پھاڑنے لگتا۔ ساحل کی سمت والی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اس کے گال سہلاتے گزرتے رہے۔

دفعتاً اُسے ایسے محسوس ہوا جیسے اس نے کسی قسم کی آہٹ سنی ہو۔ لیکن آنکھیں کھلی ہوئی کھڑکی پر لگی تھیں۔ کھڑکی میں سلاخیں نہیں تھیں..... دفعتاً نیم تاریک آسمان کے پیش نظر ایک سایہ ابھرا اور پھر وہی تاریک سایہ پورے دھڑ سمیت کھڑکی میں داخل ہو گیا۔

روشنی اتنی دھندلی بھی نہیں تھی کہ وہ حمید کو نظر نہ آتا۔ سر سے پیر تک سیاہ پوش چہرے پر آنکھوں کی جگہ صرف دو سوراخ نظر آ رہے تھے۔

وہ اتنی آہستگی سے کمرے میں داخل ہوا تھا کہ ہلکی سی آواز بھی نہیں ہوئی۔ اب حمید نے اس حد تک آنکھیں بند کر لی تھیں کہ پلکوں میں خفیف سے درے رہیں۔ اس نے دیکھا کہ سیاہ پوش کچھ دیر گم سم کھڑے رہنے کے بعد آشا کی مسہری کی طرف بڑھ رہا ہے۔

وہ آشا کے قریب پہنچ کر جھکا۔ چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتے رہنے کے بعد پھر سیدھا ہو گیا۔ اب وہ حمید کی طرف مڑ رہا تھا۔ اچانک حمید کی نظر اس کے ہاتھ پر پڑی۔ اس نے جیب سے کوئی چیز نکالی تھی اور پھر اُسے دونوں ہاتھوں سے سنبھالنے لگا تھا۔

ٹھیک اسی وقت کھڑکی کی طرف سے آواز آئی۔ ''خبردار اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کرنا۔ میں تمہیں کور کئے ہوئے ہوں۔''

سیاہ پوش اچھل پڑا اور حمید نے کسی ہلکی چیز کے گرنے کی آواز سنی۔ غالباً وہی چیز تھی جو سیاہ پوش نے اپنی جیب سے نکالی تھی۔

''اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔'' حمید فریدی کی ہدایت کے مطابق دوسرے بلب کا سوئچ آن کرنے کے لئے اٹھ رہا تھا۔ اس کے ذہن پر غنودگی کا بھی کسی قدر اثر پہلے ہی سے تھا اس لئے جلدی میں خود اس کی ٹانگیں ایک دوسرے سے الجھ گئیں اور وہ بے تحاشہ سیاہ پوش پر آ رہا۔ دونوں گرے اور سیاہ پوش اس سے اس بُری طرح چمٹ گیا کہ جنبش کرنے کی بھی مہلت نہ دی۔

حمید سوچ رہا تھا کہ اب فریدی فائر بھی نہ کر سکے گا۔

ایک لمحے کے لئے سکوت طاری ہو گیا پھر آشا چیخنے لگی تھی۔ ''ارے کون ہے..... یہاں کیا ہو رہا ہے۔''

پھر شاید اسی نے دوسرا بلب بھی روشن کیا تھا۔ فریدی آگے بڑھا اور سیاہ پوش کی گردن پکڑ لی۔

''چھوڑ دو.....!'' فریدی غرایا۔ ''چپ چاپ ہٹ آؤ ورنہ گلا گھونٹ دوں گا۔''

نقاب پوش کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور وہ کسی مردہ چوہے کی طرح اوپر اٹھتا چلا گیا۔ اس کی

گردن اب بھی فریدی کی گرفت میں تھی۔

''یہ کون ہے..... یہ کون ہے.....!'' آشا چیخی۔

دفعتاً نقاب پوش کسی مچھلی کی طرح پھڑکا اور فریدی کے ہاتھ سے اس کی گردن اس طرح نکل گئی جیسے وہ سچ مچ کوئی لیس دار مچھلی ہو۔ پھر ایسے محسوس ہوا جیسے وہ اُڑتا ہوا کھڑکی سے گذر گیا ہو۔

باہر سے کراہ کی آواز آئی۔ کوئی گرا..... اور ایک آواز سناٹے میں گونجی۔ ''پکڑو پکڑو۔''

فریدی بھی جھپٹ کر کھڑکی سے گذر گیا تھا۔

آشا بُری طرح کانپ رہی تھی۔ حمید نے اس پر اچٹتی سی نظر ڈالی اور خود بھی کھڑکی کی طرف جھپٹا۔

''نہیں..... نہیں۔'' آشا نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اس کی کمر پکڑتے ہوئے کہا۔

''مجھے تنہا نہ چھوڑو..... یہ کیا ہو رہا تھا۔ وہ کون تھا۔'' حمید طویل سانس لے کر مڑا اور اسکے ہاتھ اپنی کمر پر سے ہٹاتا ہوا بولا ''کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اس کا چہرہ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔''

''لیکن کیوں؟ وہ یہاں کیوں آیا تھا۔''

''شاید چوری کرنے۔''

''کیا لے گیا۔''

''کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کی عزت۔'' حمید نے جھلا کر کہا۔

وہ تھوک نگل کر رہ گئی اور سہمی سہمی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد فریدی واپس آ گیا۔ اس کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار تھے۔ حمید نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''تم بالکل گدھے ہو۔ جب میں نے اسے کور کر رکھا تھا تو لپٹ پڑنے کی کیا ضرورت تھی۔''

''میں سمجھا تھا شاید کوئی پردہ نشین خاتون ہیں۔'' حمید نے جل کر جواب دیا۔

''بکومت۔''

''جناب عالی..... میں لڑکھڑا کر اس پر گرا تھا..... اتنا احمق نہیں ہوں۔ جلدی میں ہاتھ کی

لچ گئی نہیں۔''

''امر سنگھ اور رمیش بھی باہر غالباً اونگھ ہی رہے تھے۔ رمیش کے منہ پر گھونسہ جڑ گیا اور امر سنگھ اتنا تیز دوڑ ہی نہ سکا۔ میں جتنی دیر میں باہر پہنچا اس کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ اوہ..... کوئی چیز گری تھی یہاں اس کے ہاتھ سے۔'' فریدی خاموش ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر سیڑھیوں کے نیچے جھانکنے کے لئے جھکا۔

''اوہ.....!'' اس کے منہ سے آسودگی ظاہر کرنے والی آواز نکلی۔ حمید بھی جھکا۔ اس کی سیڑھی کے نیچے ایک ہائپو ڈرمک سرنج پڑی ہوئی تھی۔ فریدی نے جیب سے رومال نکال کر اس پر ڈال دیا اور پھر رومال سمیت چٹکی سے اٹھاتا ہوا روشنی کی طرف لے گیا۔ سرنج شیشے کی تھی اور اس میں سیاہ رنگ کا کوئی سیال بھرا ہوا تھا۔

''اس نے دستانے نہیں پہن رکھے تھے۔'' فریدی نے حمید کی طرف مڑ کر کہا۔

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' حمید بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

دوسرے دن فریدی اپنے آفس میں حمید سے کہہ رہا تھا۔

''اس بار مجرم چوک گیا..... جائے واردات پر اس بار اس کی انگلیوں کے نشانات مل ہی گئے۔ حمید صاحب۔ اگر وہ سرنج تمہاری مسہری کے نیچے نہ ملتی تو اس بار بھی وہ محکمہ سراغ رسانی کے ہاتھ سے گیا تھا۔''

''آخر وہ ہے کون۔''

''میں جادوگر نہیں ہوں..... ابھی تک کی رپورٹ یہی ہے کہ اس قسم کے نشانات نہ تو مصدقہ نشانات کے فائل میں مل سکے ہیں اور نہ غیر مصدقہ نشانات کے فائل میں اور دوسری

بات سنو.....اس سیال کے تجزیے کی رپورٹ بھی آ گئی ہے جو سرنج میں بھرا ہوا تھا۔ اس کا
ایک قطرہ بھی تمہارے جسم میں پہنچ جاتا تو تم دوسری سانس نہ لے سکتے۔"

"آخر آپ نے کس بناء پر یہ جال بچھایا تھا۔"

"میرا خیال تھا کہ قاتل ہر اس آدمی کو مار ڈالنے کی کوشش کرے گا جو اس کے اور
کے درمیان آنے کی کوشش کرے گا۔ کمل کمار رقابت کا شکار ہوا تھا۔"

"مگر کارتوسوں پر بہزاد کی انگلیوں کے نشانات ملے تھے۔"

"مشکل کام نہیں ہے۔ تم میرے ایسے دو کارتوس نہایت آسانی سے چرا سکتے ہو جنہیں
میں اپنی پیٹی میں رکھتا ہوں اور پھر یہ تمہارا کام ہے کہ تم ان پر اپنی انگلیوں کے نشانات چھوڑ
بغیر استعمال بھی کر ڈالو۔ سنو.....شاہد کے سینے میں جو خنجر پایا گیا تھا وہ اسی جگہ دوسری بار
گیا تھا۔ وہ بھی لاش کے ٹھنڈی ہو جانے کے بعد.....اس کے کیس کے فائل میں پوسٹ
کی رپورٹ بھی موجود ہے اور وہی اس حقیقت کا اظہار کرتی ہے۔ لیکن افسوس کہ وہ
رواروی میں ڈیل کیا گیا تھا۔ کسی نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا۔ جس خنجر سے شاہد قتل کیا
تھا اسے اس کے سینے سے نکال کر اس کی جگہ دوبارہ وہ خنجر گھونپا گیا تھا جس پر بہزاد کی انگلیو
کے نشانات تھے۔ اس طرح بقیہ پچھلے کیسوں میں بھی یہی کیا گیا تھا تاکہ پولیس کے ریکارڈ
ایک پراسرار آدمی کی انگلیوں کے نشانات کا اضافہ ہوتا رہے اور پھر جب اصل مجرم یہ دیکھے
آئندہ کسی کیس میں اس کے اپنے پھنس جانے کے امکانات پیدا ہو گئے ہیں تو بہزاد کو دھکا دے
کر پولیس کے سامنے کر دے۔ وہ ایسا ہی موقع تھا جب ہم بہزاد کی لاش سے دوچار ہوئے
تھے۔ کیا تم یہی نہیں چیختے رہے تھے۔ بہزاد نے ہم میں سے کسی کو قتل کرنے کے لئے
چھلانگ لگائی تھی۔ بہرحال وہ سارے پراسرار نشانات مردہ بہزاد کی انگلیوں کے نشانات
گئے تھے۔ چلئے بادی النظر میں کیس ختم ہو گیا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ بہزاد نے اپنے چار
کیوں ضائع کر دیئے۔ جب کہ کمل کمار کو بھی اسی طرح چپ چپاتے کہیں قتل کر سکتا تھا۔
شاہد کو کیا تھا اور یہ بھی سن لو کہ یہ شاہد بھی کسی زمانے میں آشا کا منظور نظر رہ چکا ہے۔

"زندہ ہوتا تو وہ یہی دلیل پیش کرتا اپنے بچاؤ کے لئے۔" حمید بولا۔

"اور شائد اس قتل کا الزام اس کی نانی کے سر تھوپنے کی کوشش کرتا اور یہی حقیقت بھی
ہے۔ جناب کرنل صاحب۔ وہ اس کی نانی کا کوئی آدمی تھا پچھلی رات۔"

"اسے مت بھولو کہ نانی خود آشا کی موت کا خطرہ نہیں مول لے سکتی۔ ان تینوں گولیوں
میں سے کوئی آشا کے بھی لگ سکتی تھی۔ سنو تم بیک وقت دس گیندیں اس طرح اچھال لو کہ اس
کے درمیان ایک انچ کا بھی فاصلہ نہ ہو.....لیکن تم مجھ سے جس گیند پر بھی نشانہ لگانے کو کہو گے
اسی کے چیتھڑے اڑیں گے۔ دس آدمیوں کو برابر سے دوڑا دو جسے کہو گے اسی کو گراؤں گا۔ لیکن
اگر ان میں سے ایک تمہارا بھائی بھی ہو تو تم مجھے کبھی اپنی مشاقی کا ثبوت پیش نہ کرنے دو گے۔
حالانکہ تم بھی میرے نشانے سے اچھی طرح واقف ہو۔ کیا سمجھے۔"

"کچھ بھی نہیں سمجھا۔"

"قاتل خواہ کیسا ہی قادر انداز کیوں نہ رہا ہو۔ آشا کی نانی اس پر اعتماد نہ کرتی لیکن
قاتل خود اپنی ذمہ داری پر سب کچھ کر گزرتا۔ شعوری طور پر وہ آشا کو بے اندازہ چاہتا ہے لیکن
اس کے لاشعور میں اس کے لئے بے اندازہ نفرت موجود ہے۔ کیونکہ وہ خود اس کی طرف متوجہ
ہونے کی بجائے دوسروں کو چاہنے لگتا تھا۔ لہٰذا لاشعور کی یہی نفرت اس یقین کی شکل میں شعور
پر منعکس ہوتی ہے کہ اس کی مشاقی صرف کمل کمار ہی تک محدود رہے گی۔ آشا کو کوئی گزند نہ
پہنچے گا۔ حالانکہ بندوق ٹو ایلو بور تھی۔ جس کے کارتوس کی گولیاں ڈھائی فٹ کے دائرے میں
پھیلتی ہیں۔ ان میں سے کوئی آشا کا بھی کام تمام کر سکتی تھی لیکن اتفاقاً ایسا نہیں ہوا۔"

"جہنم میں جائے..... پتہ نہیں اس کی نانی اس کے ساتھ کس طرح پیش آئی ہو گی۔ وہ تو
اب بھی جانے کے لئے تیار نہیں تھی۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"اس کا پارٹ ختم ہو چکا اس ڈرامے میں۔ اب اسے بھول جاؤ۔ کبھی ادھر کا رخ بھی کیا
تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہو گا۔"

فریدی مزید کچھ کہنے والا تھا کہ منگر پرنٹ سیکشن کا انچارج کمرے میں داخل ہوا اور کچھ

کاغذات فریدی کے سامنے رکھتا ہوا بولا۔ ''یہ تینوں سیٹ ایک ہی آدمی کی انگلیوں سے تیار رکھتے ہیں۔''

''گڈ.....بہت بہت شکریہ۔''

انچارج کے چلے جانے کے بعد فریدی نے فون پر یکے بعد دیگرے کئی نمبر ڈائل کئے اور ہر نمبر پر یہی کہتا رہا۔ ''مردنگ جہاں بھی ملے فوراً گرفتار کرلو۔''

''مردنگ.....!'' حمید نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔

''برخوردار.....!'' فریدی پرمعنی انداز میں مسکرایا۔ ''لیکن مجھے یقین ہے کہ اب وہ اس کی گردکو بھی نہ پاسکیں گے۔ کیونکہ وہ سیر بیچ پر اپنی انگلیوں کے نشانات چھوڑ گیا ہے۔''



تین دن سے مردنگ کی تلاش جاری تھی۔ لیکن ابھی تک تو وہ ملا نہیں تھا۔ اخبارات میں اس کیس کے متعلق تفصیلات شائع ہوگئی تھیں اور محکمہ سراغ رسانی کی طرف سے اپیل بھی شائع ہوئی تھی کہ ڈائریکٹر بہزاد کو فلم کے لئے مالی امداد دینے والا رضا کارانہ طور پر سامنے آجائے کیونکہ اس سے کیس کے بعض اہم پہلوؤں پر روشنی پڑ سکے گی۔

لیکن ابھی تک کوئی ایسا آدمی بھی سامنے نہیں آیا تھا۔

آشا کی نانی کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کے گرد پھرتی تھی۔ ان کی بلائیں لیتی تھی۔ جسے سے اپنی تلخ کلامیوں کی معافی مانگتی تھی اور آشا بے حد سنجیدہ ہوگئی تھی۔ اس حقیقت کے اظہار کے بعد پھر تو اس کے ہونٹوں پر ہنسی نہیں دکھائی دی تھی۔

حمید سوچ رہا تھا کہ اب یہ بھی ہاتھ سے گئی۔ دفعتاً اسے شمبھو سیٹھ کی سیکریٹری جینی کا خیال آیا۔ وہ اسے بہت پسند آئی تھی۔ لیکن ایسی نہیں معلوم ہوتی تھی کہ فلرٹ کرنے کا موقع دیتی اور

ب تو اس سے ملنے کے امکانات بھی نہیں رہے تھے۔ کس بہانے سے ملتا۔ وہ سوچ ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور ریسیور کان سے لگاتے ہی حمید کی باچھیں کھل گئیں کیونکہ دوسری طرف سے شمبھو سیٹھ ہی بول رہا تھا۔ کہہ رہا تھا۔ ''کیا کرنل صاحب موجود ہیں۔ خدارا ان سے کہئے.....وہ نسخہ مل گیا ہو تو مجھ پر کرم کریں۔ کہئے تو میں خود ہی حاضر ہوجاؤں۔''

فریدی لائبریری میں تھا۔ حمید اسے ہولڈ آن کرنے کو کہہ کر لائبریری میں آیا۔ پیغام سن کر فریدی بولا۔ ''اس سے کہہ دو ہم خود ہی آرہے ہیں۔''

پھر تھوڑی دیر بعد وہ دونوں شمبھو سیٹھ کی کوٹھی کی طرف روانہ ہوگئے۔ شمبھو تک پہنچنے میں دیر نہ لگی۔ کمرہ بدستور بدبو سے گونج رہا تھا اور وہ اپاہجوں والی کرسی پر بیٹھا چندھیائی ہوئی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''آپ یاد کرکے بتائیے.....کیا ان پھلوں پر نیلے رنگ کی چھوٹی چھوٹی چیتیاں بھی تھیں۔'' فریدی نے اس سے پوچھا۔

''جی ہاں.....جی ہاں۔'' وہ سر ہلا کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''گڈ.....!'' فریدی کی آواز میں حمید نے دبا سا جوش محسوس کیا۔ ''اب آپ کا شافی علاج ہوجائے گا۔ ذرا اپنے ہونٹ تو دکھائیے۔''

''آپ مجھ سے اور زیادہ نفرت کرنے لگیں گے۔'' شمبھو نے رقت آمیز آواز میں کہا۔

''مجھے آپ سے ہمدردی ہے شمبھو سیٹھ۔ آپ بہت اچھے آدمی ہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہر ماہ ہزاروں روپے خیرات کرتے ہیں اور اس میں ہندو مسلمان کی تخصیص نہیں کرتے۔''

''ارے میں کس لائق ہوں۔'' شمبھو سیٹھ نے کہتے ہوئے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹا دیا اور حمید نے کراہت کے مارے آنکھیں بند کرلیں۔ سوجے ہوئے ہونٹ سور کی تھوتھنی سے مشابہ تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ان پر کی کھال ابھی ابھی اتاری گئی ہو اور ان سے خون ٹپک پڑے گا۔

پھر فریدی کی آواز پر ہی آنکھیں کھلی تھیں جو کہہ رہا تھا۔

''بیٹے مردنگ.....بڑا شاندار میک اپ ہے۔''

حمید نے اس کے ہاتھ میں اعشاریہ چار پانچ کا ریوالور دیکھا۔ جو شمبھو سیٹھ کی طرف ہوا تھا۔

''پھر بھی تم مجھے زندہ گرفتار نہ کرسکو گے۔'' پرسکون لہجے میں جواب ملا۔ اس بار حمید مردنگ کی آواز صاف پہچانی اور اچھل پڑا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''یا تو مجھے دور ہی سے گولی مار دو قریب آؤ گے تو تمہارے بھی پرخچے اُڑ جائیں گے۔ میں نے کبھی شکست نہیں تسلیم کی۔ دیر ملب میں زندہ بھی نہیں رہنا چاہتا۔ کیونکہ جس کے لئے اتنے پاپڑ بیلے تھے وہ اب مجھ سے ا شدت سے نفرت کررہی ہوگی۔ پہلے تو میری باتوں پر کم از کم ہنس ہی لیا کرتی تھی اور میر دل کی کلی کسی طور پر سہی کھلی تو رہتی تھی۔ اب میں جی کر کیا کروں گا۔ تم اس طرح مجھے بے نقا نہ کرتے تب بھی میں خودکشی تو کر ہی لیتا۔''

''اچھا تو پھر اس وقت کیوں بلایا تھا مجھے۔'' فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

''بتاتا ہوں..... لیکن پہلے یہ دیکھ لو..... ورنہ ہوسکتا ہے کہ گفتگو کے دوران میں مجھے خبر سمجھ کر مجھ پر جھپٹ پڑنے کی کوشش کرو'' یہ کہہ کر اس نے پیروں میں پڑی ہوئی چا ہٹائی۔ چھوٹا سا بم رکھا ہوا تھا اور اس کی انگلی اس کے سوئچ پر تھی۔

''ہاں تو کرنل فریدی میں نے تمہیں اس لئے بلایا تھا کہ مرنے سے پہلے فخر کرسکوں کہ بالآخر میں تمہیں بھی دھوکا دے ہی گیا۔ تم مردنگ سے اتنی دیر تک گفتگو کرتے رہے لیکن پہچان سکے۔ لیکن چونکہ تمہاری صلاحیتوں سے بخوبی واقف ہوں اس لئے احتیاطاً یہ بم بھی رکھ تھا۔ میں بہت بڑا آدمی ہوں کرنل فریدی۔ عرصہ دراز سے زندگی کے اسٹیج پر ڈبل رول ادا کر رہا ہوں۔ بہزاد میرا پارٹنر تھا۔ لیکن صرف میری مردنگ والی شخصیت سے واقف تھا۔ میں نے بحیثیت مردنگ ہی اسے رائے دی تھی کہ آشا کو سنجوگتا بنائے اور وعدہ کیا تھا کہ شمبھو سیٹھ سے فائیننس دلادوں گا۔ اس وقت تک یہ کمل کمار کم بخت بیچ میں نہیں کودا تھا۔ پھر جب مجھے معلو ہوا کہ وہ اسی صورت میں معاہدہ کرے گی جب ہیرو کا رول کمل کمار ادا کرے گا۔ آگ لگ گ یہ سن کر..... میں نے کہا بلا سے چار لاکھ جائیں لیکن اسے تو ختم ہی کردوں گا۔ کیونکہ اس

آشا کی شادی کے امکانات پیدا ہوسکتے تھے۔ ہاں تو وہ میرا دوست تھا۔ ہم دونوں بلیک میلنگ کرکے بڑھے تھے۔ وہ اپنے حصے کا روپیہ اڑا دیتا تھا اور میں جمع کرتا رہا۔ حتیٰ کہ اتنی رقم ہوگئی تھی کہ میں کوئی بڑا کاروبار کرسکوں۔ پھر میں نے شمبھو سیٹھ کی حیثیت اختیار کی۔ جس کا علم اسے بھی نہ ہونے پایا۔ بلیک میلنگ کے سلسلے میں بہت بڑے بڑے خاندان میرے اب بھی شکار ہیں جن سے بڑی بڑی رقومات اب بھی وصول کرتا رہتا ہوں۔ جینی میری سیکریٹری اس کاروبار کی دیکھ بھال کرتی ہے لیکن اسے اس کا علم نہیں۔ وہ تو سمجھتی ہے کہ میرے پاس آنے والے نجی خطوط میرے رشتہ داروں کے ہوتے ہیں یا ان لوگوں کے جنہیں میں خیرات کے طور پر رقومات دیا کرتا ہوں۔ ان خطوط میں بظاہر کچھ بھی نہیں ہوتا۔ لیکن خیر سگالی کے جملوں کے درمیان مخصوص قسم کے اشارے پوشیدہ ہوتے ہیں جنہیں صرف میں ہی سمجھ سکتا ہوں یا میرے شکار۔ میں ان خطوط کے جوابات لکھواتا ہوں..... وہ بھی بظاہر خیر سگالی ہی سے متعلق ہوتے ہیں۔ کرنل فریدی لڑکی کو عدالت میں نہ گھسیٹنا۔ بہت اچھی لڑکی ہے۔ دنیا میں واحد ہستی جس پر مجھے رحم آیا ہے اور میں خود کو صرف اسی کے سامنے بے حد ذلیل متصور کرتا ہوں۔ وہ بے چاری میرے لئے روتی ہے۔ کہتی ہے میں اس سے بھی زیادہ بدبو برداشت کرسکتی ہوں۔ اس سے پہلے کوئی لڑکی دس پندرہ دن سے زیادہ نہیں ٹکی۔ اوہ میں بہک گیا۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ بہزاد میرا پارٹنر تھا۔ میں نے کئی خون کئے ہیں۔ تمہاری وہ رپورٹ قطعی درست ہے جو تم نے اخبارات کو دی ہے۔ واقعی میں نے اُسے قربانی کے بکرے کی حیثیت سے رکھ چھوڑا تھا۔ اس لئے ہر واردات سے پہلے جائے واردات پر اس کی انگلیوں کے نشانات پائے جانے کا انتظام کرلیتا تھا۔ اس شام جب تم لارڈو کے دفتر آئے تھے میں اس کے فلیٹ میں موجود تھا۔ وہ سنجوگتا کے غم میں صبح ہی سے پیتا رہا تھا۔ میں نے سوچا بہت اچھا موقع ہے۔ لہٰذا میں تمہاری واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ پھر جیسے ہی تم نظر آئے میں نے اس کے ہاتھ میں خنجر تھما کر تمہارے اوپر دھکیل دیا۔''

''اگر وہ زندہ بچ جاتا..... تب.....!'' فریدی نے پوچھا۔

''وہاں سے ہسپتال کے راستے میں کسی نہ کسی طرح اُسے ختم ضرور کردیتا۔ اب تم بتاؤ کہ

تمہیں شمبھو سیٹھ پر کیسے شبہ ہوا تھا۔"

"بدبو کی وجہ سن کر۔ ساری دنیا میں پائی جانے والی نباتات کے متعلق میری
وسیع ہیں۔ بلاشبہ برازیل کے جنگلوں میں سیب کی شکل کا ایک زہریلا پھل پایا جاتا
اتنا زہریلا بھی نہیں کہ تمہارا سا حال ہو جائے۔ صرف بخار آتا ہے اس کے کھانے
سی پھنسیاں جسم پر نکل آتی ہیں اور رفتہ رفتہ اس کے اثرات زائل بھی ہو جاتے ہیں۔ تم
سے اس پھل کے متعلق سن کر مبالغہ آرائی کی تھی۔ بہرحال میں نے تمہاری سیکریٹری
سے تمہاری انگلیوں کے نشانات حاصل کئے اور بحیثیت مردنگ تم نے اپنی انگلیوں کے
میری کرسی کے ہتھے پر چھوڑے تھے اور بحیثیت نہ معلوم حملہ آور سر بنچ پر.....!"

"مجھے اپنی کامیابی کا اتنا ہی یقین تھا کہ میں نے دستانے استعمال کرنے کی ضرو
سمجھی تھی۔ اچھا اب پیچھے ہٹ جاؤ.....ہٹو.....!"

"خود کو قانون کے حوالے کر دو.....ہو سکتا ہے.....!"

لیکن جملہ پورا ہونے سے قبل ہی ایک دل ہلا دینے والا دھماکہ ہوا اور گہرا دھوا
میں پھیلنے لگا۔ فریدی حمید کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف جھپٹا۔ باہر نکل آیا۔ کا
کھڑکیوں سے گہرا دھواں پھوٹتا رہا۔ وہ سمجھے شاید عمارت میں آگ بھی لگ گئی ہے
نے حمید سے کہا کہیں قریب سے فائر بریگیڈ کے لئے فون کرو۔

کچھ دیر بعد فائر بریگیڈ بھی پہنچ گئی۔ لیکن اب کھڑکیوں سے دھواں نہیں نکل رہا
وہ جھپٹ کر اندر پہنچے۔ اپاہجوں والی کرسی خالی پڑی تھی۔

"اوہ.....دھوکا۔" فریدی دانت پیس کر غرایا۔ "نکل گیا۔"

ساری عمارت چھان ماری۔ لیکن مردنگ یا شمبھو سیٹھ کا کہیں پتہ نہ تھا۔

دوسرے دن اخبارات میں کرنل فریدی کی اس شکست کی داستان بڑی دلچسپی سے پڑ

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 92

ستاروں کی چیخیں

(دوسرا حصہ)

پیش رس

ستاروں کی چنگیں حاضر ہے۔ اب کوشش یہی ہے کہ آپ ہر ماہ میری کم از کم ایک کتاب تو پڑھ ہی سکیں۔

مردنگ کے سلسلے میں بہتیرے حضرات نے مجھے لکھا ہے کہ میں نے یہ اچھا نہیں کیا۔ ایک فلمی کومیڈین اور فریدی جیسے عظیم آدمی کا راستہ کاٹ جائے؟

اس کے علاوہ اور کیا عرض کیا جا سکتا ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے۔ آپ بھی نہ بھولئے کہ مردنگ ایک کامیاب اداکار تھا۔ پھر وہ اداکاری ہی کیا کہ اُس پر اصل کا دھوکہ نہ ہو جائے۔ مردنگ نے اپنے فن کے جال میں فریدی کو پھانسا تھا۔ اب دیکھئے کہ فریدی کس طرح پلک جھپکتے اُسے قابو میں کرتا ہے۔ دونوں کے میدان الگ الگ ہیں۔ دونوں ہی اپنے اپنے فنون کے مظاہرے میں کامیاب رہے۔

ایک صاحب نے لکھا ہے کہ آپ پر یکایک فلمیریا کا دورہ کیوں پڑ گیا ہے۔ جب کہ فلمی دنیا کے متعلق آپ کی معلومات کچی ہیں۔

اُن کی خدمت میں عرض ہے کہ جتنا کچھ میں نے اس سلسلے میں لکھا ہے بالکل ''پکی'' معلومات کی بنا پر لکھا ہے۔ اگر آپ کو کسی خاص ''معاملے'' میں ''کچا پن'' نظر آ رہا ہو تو ضرور لکھ بھیجئے۔ کیونکہ بہتیری باتیں ''شنیدہ'' ہو سکتی ہیں۔ اُن کے ''چشم دید'' ہو جانے کا امکان نہیں۔

ایک صاحب نے انتہائی غصے کے عالم میں لکھا ہے ''آپ ہی جیسے لکھنے والے فلمی دنیا کے متعلق غلط فہمی پھیلاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شریف گھرانوں کی لڑکیاں اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتیں۔''

بھائی آپ خفا کیوں ہو رہے ہیں۔ شاید آپ کو اطلاع نہیں کہ سماجی قدریں تیزی سے بدل رہی ہیں۔ آج سے پندرہ بیس سال پہلے شرافت کا جو معیار تھا اُسے آج فلاکت زدگی اور جہالت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ''پردہ'' کو لے لیجئے۔ پہلے یہ شرافت اور عالی نسبی کی پہچان تھی۔ آج پردہ نشین خواتین کو یا تو نچلے طبقے سے متعلق سمجھا جاتا ہے یا جاہل... بہرحال آپ کی مراد برآنے پر بمشکل دس سال اور لگیں گے کیونکہ ابھی ہمارے یہاں کے شریف آدمی آزادانہ صنفی اختلاط کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کسی قدر ہچکچاتے ہیں۔ صرف دس سال اور صبر کیجئے۔ یہ خلیج بھی حائل نہ رہے گی۔ پھر ہوں گے آپ کے پوبارہ۔ لائیے ہاتھ اسی بات پر۔

لیکن آخر یہ تو بتائیے پچھلے ناول میں آپ کو ایسی کون سی بات نظر آئی تھی جس کی بناء پر آپ کو خدشہ لاحق ہوا کہ اُسے پڑھ کر شریف گھرانوں کی لڑکیاں آپ کی فلمی دنیا کی طرف متوجہ ہونا ترک کر دیں گی۔

والسلام

ابن صفی

۲۲ر دسمبر ۶۴ء

بیہوشی

رمبا کے لئے موسیقی شروع ہوتے ہی کیپٹن حمید کے پیر فرش پر تال دینے لگے....

میز پر تنہا تھا۔

تنہا تھا لیکن مایوس نہیں۔ ہر چند کہ اُس نے تہیہ کرلیا تھا کہ اب لڑکیوں کے

دوڑے گا لیکن اس میں کیا مضائقہ تھا کہ کوئی لڑکی خود ہی دوڑتی ہوئی اسکی طرف آتی

نقطہ نظر سے لڑکیوں کے پیچھے دوڑنا بُری بات سہی لیکن اگر کوئی لڑکی خود ہی قریب آ

اُسے تھپڑ مار کر بھگا دینگے۔ چلئے خود نہ کیا اظہار عشق اگر کوئی لڑکی ہی پہل کر بیٹھی تو کیا

یہ کہیں گے۔ ارے ناشدنی تیرے باپ بھائی نہیں ہیں۔ کیا جو تو آتی ہے ہم سے دل لگ

وہ سوچ رہا تھا۔ مصیبت تو یہ ہے کہ مرد کو موردِ الزام ٹھہرانے والے دنیا کی سب

عورت کا کارنامہ بھول جاتے ہیں۔ ارے مرد تو شروع ہی سے بدھو رہا ہے۔ بھئی حد

پن کی۔ حکم خداوندی ایک طرف اور عورت کی نگاہ التفات ایک طرف۔ البتہ شیطان

تھا۔ جانتا تھا جسے سجدہ کرنے کو کہا جارہا ہے اُس میں ایک عورت بھی پوشیدہ ہے۔ لہٰذ

نہیں بند کر کے طوقِ لعنت قبول کرلیا۔

"شیطان۔" حمید نے طویل سانس لی اور چونک پڑا۔ ایک معمر آدمی سامنے والی کرسی کی

ت گاہ پر ہاتھ ٹیکے کھڑا عجیب نظروں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

بوڑھے کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نظر آئی۔

"تمہاری اجازت کے بغیر۔" اُس نے کہا اور کرسی پیچھے کھسکا کر بیٹھ گیا۔

عجیب چہرہ تھا۔ پہلی نظر میں بوڑھا ہی معلوم ہوتا تھا لیکن آنکھوں کو بغور دیکھنے پر ایسا لگتا

ہے کوئی شوخ اور کھلنڈرا بچہ کسی نئی شرارت کی فکر میں ہو۔ برف جیسے شفاف بالوں کی چھاؤں

یں وہ آنکھیں بڑی عجیب لگ رہی تھیں۔

حمید سختی سے ہونٹ بھینچے اُسے گھورتا رہا۔

رقص کا دوسرا دور شروع ہو چکا تھا۔

"کیا میرا اس طرح بیٹھنا ناگوار گذرا ہے؟" اُس نے مسکرا کر پوچھا۔

"مقصد بیان کرو۔" حمید لاپروائی سے بولا۔

"میں نے سوچا شائد تم اکیلے ہونے کی وجہ سے بوریت محسوس کر رہے ہو۔"

"اب اور بھی بڑھ گئی ہے۔"

"بوڑھے نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "دل جلے معلوم ہوتے ہو۔"

حمید نے ایسی نظروں سے اُسے دیکھا جیسے کہنا چاہتا ہو۔ "جاتے ہو یا اٹھا کر پھینک دوں۔"

"بُرا مان گئے۔" بوڑھے نے اُس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بڑے پیار سے کہا۔

بالکل ایسا ہی لگا جیسے وہ کسی روٹھے ہوئے بچے سے ہم کلام ہو۔

"جاؤ..... کیوں کان کھا رہے ہو۔" حمید ہاتھ جھٹک کر بولا۔

"ارے تم تو واقعی بُرا مان گئے۔"

"نشے میں ہو؟" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

"بُری بات۔ میں تم سے عمر میں بہت بڑا ہوں۔" وہ انگلی اٹھا کر بولا۔

حمید نے سوچا یوں نہ مانے گا۔ یقیناً اتنی زیادہ پی گیا ہے کہ بڑھاپے نے ماضی کی طر
چھلانگ لگادی ہے۔ وہ چند لمحے مضحکانہ انداز میں اُسے دیکھتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔ ''اور
گے۔''

''اچھا تو واقعی تم یہی سمجھ رہے ہو کہ میں نشے میں ہوں۔''

حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

''مجھے تو تمہاری حالت پر رحم آیا تھا۔'' بوڑھے نے کہا۔

''اچھا..... آ..... آ.....!''

''یقیناً..... جوان ہو..... خوشرو ہو..... صاحب حیثیت بھی معلوم ہوتے ہو۔ پھر بھی ا
میز پر تنہا..... اُدھر یہ عالم ہے کہ سڑے بسے آدمی بھی کسی نہ کسی کے ساتھ رقص کر رہے ہیں۔''

''میں برہم چاری ہوں۔'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''اور یہاں تپسیا کر رہے ہو۔'' وہ قہقہہ لگا کر بولا۔

''نہیں کسی ایسی ہستی کا منتظر ہوں جو مجھے کسی پری خانے کا پتہ بتادے۔''

''اوہو.....!'' بوڑھا اُسے گھورتا ہوا غصیلی آواز میں بولا۔ ''تو تم مجھے لڑکیوں کا دلال
رہے ہو۔''

''ہرگز نہیں..... تم تو رحمت کے فرشتے ہو۔''

''یہ رہا میرا کارڈ۔'' وہ جیب سے اپنا تعارفی کارڈ نکال کر میز پر پٹختا ہوا بولا۔ ''تم
سمجھتے ہو؟''

حمید نے منہ پھیر لیا..... لیکن وہ اُس کا ہاتھ پکڑ کر جھنجھوڑتا ہوا بولا۔ ''نہیں..... دیکھو
دیکھو..... تم شائد سمجھتے ہو کہ میں تمہیں نہیں پہچانتا۔''

''مجھے پہچانتے ہو۔'' حمید اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا اور پھر اُس نے اس کے کار
پر بھی نظر ڈالی۔

تب اُسے یاد آیا کہ اس کا چہرہ اُسے جانا پہچانا سا کیوں معلوم ہو رہا تھا۔

یہ ایک مشہور بزنس مین اور کرکٹ کا پرانا کھلاڑی راجن بابو تھا۔

''بھئی معاف کیجئے گا۔'' حمید ہنستا ہوا بولا۔

''تم کیپٹن حمید ہی ہو نا۔''

''اس میں کسی شبہے کی گنجائش نہیں۔''

''مجھے دراصل تم سے ایک کام ہے۔''

''فرمایئے..... مجھے بے حد خوشی ہوگی اگر آپ کے کسی کام آسکوں۔''

''میرا سر پھاڑ دو۔'' اُس نے سنجیدگی سے کہا۔

حمید ہنس پڑا۔

''میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں صاحبزادے۔''

''پھر مجھے دوبارہ کہنا پڑے گا کہ آپ ضرورت سے زیادہ پی گئے ہیں۔''

''خدا کے لئے سنجیدگی سے سنو۔'' اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

اور پھر حقیقتاً حمید کو چونکنا پڑا۔ اُس کی دانست میں کچھ دیر پہلے والی بکواس تو ایکٹنگ ہو سکتی تھی لیکن اب؟

اُس نے بغور اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''فرمایئے..... میں بالکل سنجیدہ ہوں۔''

''ضرورتاً تمہیں میرا سر پھاڑ دینا چاہئے۔'' راجن بولا۔ ''سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں اس وقت اپنے خیالات کا اظہار کن الفاظ میں کروں کہ تم میرے مافی الضمیر سے آگاہ ہو جاؤ۔''

''خیر چلئے..... ٹھیک ہے میں سمجھ گیا۔''

''کیا سمجھ گئے۔''

''کس وجہ سے آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا سر پھٹ جائے۔''

''بالکل..... لیکن وعدہ کرو کہ وجہ معلوم کر کی تم ہنسو گے نہیں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے.....!'' راجن کچھ دیر بعد بولا۔ لیکن جملہ پورا کئے بغیر ہی

خاموش ہوگیا۔

''کہئے..... کہئے۔''

''سمجھ میں نہیں آتا کس طرح کہوں..... تم کیا سمجھو گے۔''

''مجبوری ہے۔'' حمید خشک لہجے میں بولا۔ ''کس طرح یقین دلایا جائے۔''

''ہوں اچھا دیکھو۔ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ مجھے بیہوشی کی حالت میں میرے گھر پہنچا دو تو تم کیا سوچو گے۔''

''کچھ بھی نہیں۔'' حمید مسکرایا۔ ''میں آپکی زندہ دلی کے بارے میں بہت کچھ سن چکا ہوں۔''

''لیکن یہ مذاق نہیں ہے۔ میں مرجانے کی حد تک سنجیدہ ہوں۔''

''تو کہئے نا۔''

''زخمی ہوکر بظاہر بیہوشی کے عالم میں گھر جانا چاہتا ہوں۔''

''زخمی ہوئے بغیر بھی آپ بیہوش ہو سکتے ہیں۔''

''تو پھر کرو نا کوئی تدبیر.....؟''

''ظاہر ہے کہ اس سے پہلے وجہ جاننا چاہوں گا۔''

''بتاتا ہوں..... کچھ پیو گے۔''

''نہیں..... شکریہ۔''

''میں پیوں گا۔''

حمید نے اشارے سے ویٹر کو بلایا۔ راجن نے اُس سے کہا۔ ''بوربن..... برف اور آرنج جوس کے ساتھ۔''

ویٹر کے چلے جانے کے بعد تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر راجن بڑبڑایا۔ ''یہ خوف نہیں ہے۔ میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ ہرگز نہیں..... میری ساری زندگی حادثات اور کارناموں سے ہے..... لیکن میں..... میں ایسے حالات میں اُس کا سامنا نہیں کرسکتا۔''

''کس کا.....؟'' حمید نے پوچھا۔

''بیوی کا.....؟'' وہ سر اٹھا کر اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

حمید کو ہنسی آ گئی۔

''دیکھو دیکھو.....!'' وہ بُرا مان کر بولا۔ ''تم ہنس رہے ہو۔''

''میری کمزوری ہے..... لفظ بیوی پر مجھے ہنسی آجاتی ہے۔''

''وہ کیوں؟'' راجن کا لہجہ غصیلا تھا۔

اتنے میں ویٹر بوربن اور آرنج جوس لے آیا۔

حمید کہہ رہا تھا۔ ''حقیقتاً یہ لفظ میں بی ہائیو[1] تھا جسے ہم لوگوں نے اردو میں بیوی بنا لیا۔''

''بہت شیطان ہو۔'' راجن اُسے تھپڑ دکھا کر بولا اور خود بھی ہنسنے لگا۔

''بہرحال میں سنجیدہ ہوں۔'' حمید نے کہا۔

''اب تم نے شہد کی مکھیوں کے چھتے والی بات چھیڑی ہے۔ تو سن لو کہ وہ میرے لئے پہیلی ہی ہے۔ میں اُس سے ڈرتا نہیں ہوں۔ لیکن وہی مکھیوں کی سی بھنبھناہٹ..... زبان تھکنے کا نام ہی نہیں لیتی اور میں سوچتا رہتا ہوں یا خدایا تو اس کی زبان بند کردے یا مجھے ہی ابدی نیند سلادے۔''

حمید خاموشی سے اُس کی بیوی کے متعلق سوچتا رہا اور کیوں نہ سوچتا جب کہ اُسے اس کی بیوی ہی کے توسط سے پہچانا تھا۔ ایک بار کہیں ایک بڑی شوخ چنچل اور زندگی سے بھرپور لڑکی نظر آئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُس کی رگوں میں خون کی بجائے سیماب رواں ہو۔ حمید نے ٹھنڈی سانسیں بھری تھیں اور اُس کا ساتھی بولا تھا۔ ''مایوس ہوجاؤ..... شادی شدہ ہے۔'' پھر اُس نے راجن بابو کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا۔ ''وہ رہا شوہر بھی۔''

حمید نے جھلا کر کہا تھا۔ ''میں ایسے معاملات میں مذاق نہیں پسند کرتا۔''

''عام طور پر لوگ اُسے اُس کی بیٹی ہی سمجھتے ہیں۔''

پھر کچھ دیر بعد حمید کو اُس کی بات پر یقین آ گیا تھا۔ لیکن وہ عورت اُس کے ذہن میں

---

[1] شہد کی مکھیوں کا چھتہ

ایک انجانی سی خلش چھوڑ گئی تھی۔

''تم کیا سوچنے لگے۔'' راجن نے کچھ دیر بعد کہا۔

''کک ..... کچھ نہیں۔'' حمید چونک کر بولا۔ ''میں پوری طرح سمجھ گیا۔ محترمہ اتنی رات گئے تک باہر رہنے پر چراغ پا ہوں گی۔ اس لئے آپ چاہتے ہیں کہ غصہ آنے سے پہلے ہی بوکھلا جائیں اور آپ سکون سے رات بسر کرسکیں..... کیوں؟''

''بالکل یہی۔'' وہ میز پر ہاتھ مار کر بولا۔ ''واقعی تم اپنے عہدے اور پیشے کے موزوں ترین آدمی ہو کیپٹن..... خیر اب میں تمہیں پوری بات بتادوں۔ بیوی نے کہا تھا کہ اس کے بیمار بھائی کی مزاج پرسی کرآؤں۔ سرشام کی بات ہے۔ میں گھر سے نکلا۔ راستے میں لڑکیاں مل گئیں..... ادھر کھینچ لائیں۔ تمہارے چہرے پر حیرت کے آثار دیکھ رہا ہوں ہونہہ..... شروع ہی سے لڑکیاں میرے گرد چکراتی رہی ہیں۔ اس بڑھاپے میں بھی یہی حال ہے۔''

وہ خاموش ہوکر فخریہ انداز میں حمید کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ ''کئی شادیاں کر چکا ہوں۔ کوئی بیوی آٹھ دس سال سے زیادہ زندہ نہ رہی۔ یہ بیوی..... کیا سمجھتے ہو۔ کیا عمر ہوگی اس کی۔''

''بھلا میں کیا عرض کرسکتا ہوں۔''

''صرف بائیس سال..... اور وہ خود ہی میری طرف جھکی تھی۔''

''ماشاءاللہ.....!''

''لیکن میں اُس کی نہ رکنے والی زبان سے نالاں ہوں۔''

''پھر میرے لئے..... کیا حکم ہے؟''

''جیسے کہا ہے اُسی طرح میرے گھر پہنچا دو۔''

''ایسے آدمی کا سر پھاڑنا میرے بس سے باہر ہے۔''

''تو میں یونہی بیہوش بنا جاتا ہوں۔ لیکن تم نمی سے کہو گے کیا.....!''

''یہی کہ دو لڑکیوں نے انہیں روک لیا تھا۔''

''کیا.....؟'' وہ دہاڑا۔

''اوہ..... مطلب یہ کہ..... یہ بھی آپ ہی بتایئے۔''

وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''کہہ دینا گاڑی سڑک کے کنارے کھڑی ملی تھی اور یہ اسٹیئرنگ پر سر ڈالے بیہوش پڑے تھے۔''

''اگر انہوں نے پوچھا کہ ہسپتال لے جانے کی بجائے گھر کیوں لے آئے تو..... اور پھر تمہیں گھر کا پتہ کیونکر معلوم ہوا۔''

''میں کوئی گم نام آدمی تو نہیں..... تم مجھے پہلے سے جانتے تھے۔'' راجن نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دے کر کہا۔

حمید نے سوچا چلو اچھا ہی ہے۔ اس طرح نمی سے جان پہچان بھی ہوجائے گی اور وہ راجن کی خیریت دریافت کرنے کے لئے اُس سے دوبارہ بھی مل سکے گا۔

بل کی قیمت ادا کرکے وہ آرلکچو سے باہر آئے۔

''اور وہ دونوں لڑکیاں کہاں ہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''جہنم میں جائیں۔'' راجن بڑبڑایا۔

''خیر ہاں تو اب مجھے کیا کرنا ہے۔''

''یہ رہی میری گاڑی..... میں پچھلی سیٹ پر لیٹا جاتا ہوں۔ تم اس پتہ پر چلو..... اچھے لڑکے میں ہمیشہ تمہارا ممنون احسان رہوں گا۔'' راجن نے کہا اور جیب سے اپنا تعارفی کارڈ نکال کر حمید کو دیتا ہوا بولا۔ ''گھر پہنچ کر گھنٹی بجانا جو بھی باہر آئے اُس سے پوچھنا راجن بابو کا مکان یہی ہے نا..... پھر اُسے بتانا کہ اتنی رات گئے وہاں تمہاری موجودگی کا کیا سبب ہے۔''

حمید نے کارڈ پر پتہ دیکھا اور انجن اسٹارٹ کرکے چل پڑا۔ گاڑی شاندار تھی شیورلٹ کا نیا موڈل۔

''تم بھی تو کافی کھلنڈرے مشہور ہو۔'' پچھلی نشست سے آواز آئی۔

''ہاں.....لیکن ہوش ہی میں رہ کر۔''

''اب تم اپنے ملنے جلنے والوں میں میرا مضحکہ اڑاتے پھرو گے۔''

''میرا خیال ہے کہ مجھے اس کام کے لئے منتخب کر کے آپ نے عقلمندی کا ثبوت دیا ہے۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں صبح تک اس واقعے کو فراموش کر دوں گا۔''

''حقیقتاً اسی توقع پر میں نے تمہارا انتخاب کیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ تم اسے ہمیشہ راز ہی رکھو گے۔''

''جی ہاں.....اب براہِ کرم بیہوش ہونے کی کوشش کیجئے۔''

راجن ہنس پڑا۔

''نہیں میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں.....آپ کے چہرے پر ایسے آثار نہ ہونے چاہئیں کہ بناوٹ ظاہر ہو جائے۔ لہٰذا آنکھیں بند کیجئے اور چپ چاپ پڑے رہئے۔ غنودگی کی سی کیفیت پیدا ہو سکے تو کیا کہنا۔''

''یار اس سے بہتر تو یہ تھا کہ تھوڑی سی افیون لے لیتا۔''

پھر وہ کچھ نہ بولا۔ پندرہ یا بیس منٹ بعد گاڑی موڈل کالونی میں داخل ہوئی، یہاں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر متعدد بڑی بڑی عمارتیں بکھری ہوئی تھیں۔ حمید نے ایک آدھ جگہ گاڑی روک کر ٹارچ کی روشنی میں عمارات کے نمبر بھی دیکھے اور پھر راجن دلاتک بھی جا پہنچا۔

نیند

پھاٹک بند تھا۔ حمید نے گاڑی روک کر ہارن دیئے۔ چوکیدار آتا ہوا دکھائی دیا۔ ابھی اُس نے پھاٹک کھولا بھی نہیں تھا کہ حمید نے پوچھا۔ ''راجن بابو یہیں رہتے ہیں نا۔''

''جی صاحب۔'' سلاخوں دار پھاٹک کے پیچھے سے آواز آئی۔

پھاٹک کھل گیا۔ حمید گاڑی سے اتر آیا۔

''ادھر آؤ.....گاڑی کے قریب۔''

''جی صاحب۔'' چوکیدار گاڑی کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ حمید نے جیب سے پنسل ٹارچ نکال کر راجن کے چہرے پر روشنی ڈالی۔

''یہ راجن بابو ہی ہیں نا.....!''

''جی ہاں۔'' چوکیدار بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''انہیں کیا ہوا.....؟''

''بیہوش ہیں۔ تم اندر اطلاع کرو.....!''

چوکیدار مڑ کر اندر بھاگتا چلا گیا۔ پورچ کا بلب روشن ہی تھا۔ حمید نے اُسے برآمدے میں پہنچ کر گھنٹی کا بٹن دباتے دیکھا۔

کبھی وہ بٹن دباتا اور کبھی دونوں ہاتھوں سے دروازہ پیٹنے لگتا۔

ادھر گاڑی میں راجن بے سدھ پڑا تھا۔ حمید نے ایک بار پھر اُس کے چہرے پر روشنی ڈالی اور اُس کی اداکارانہ صلاحیت پر عش عش کرنے لگا۔ بالکل ایسا ہی لگتا تھا جیسے کوئی برسوں کا بیمار نقاہت کی وجہ سے بیہوش ہو گیا ہو۔

دروازہ کھل گیا تھا۔ لیکن فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے اندازہ نہ کر سکا کہ چوکیدار کس سے کیا کہہ رہا ہے۔

ذرا ہی دیر بعد ایک عورت نظر آئی جو پورچ سے نکل کر پھاٹک کی طرف دوڑی آ رہی تھی۔ حمید سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔

روشنی اُس کی پشت پر تھی اور باہر اندھیرا تھا۔ اس لئے خدوخال واضح طور پر نہیں دکھائی دے رہے تھے۔

قریب پہنچ کر وہ ہانپتی ہوئی بولی۔ ''کون ہے.....کیا ہے؟ کیا ہوا۔''

''راجن بابو.....بیہوش ہیں۔'' حمید آہستہ سے بولا اور پھر راجن کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔

''کیا ہوا..... ایکسیڈنٹ..... اوہ..... بتایئے۔''

''نہیں محترمہ فکر کی بات نہیں..... کہیں چوٹ نہیں آئی۔ ایک سڑک کے کنارے گاڑی کھڑی تھی اور یہ اسٹیئرنگ پر سر رکھے بیہوش تھے۔''

''اوہ تو آپ ان کے ساتھ نہیں تھے۔''

''نہیں محترمہ..... میں ان کے لئے اجنبی ہوں۔''

وہ مضطربانہ انداز میں مڑی۔ اُس کے پیچھے دو آدمی اور بھی اندر سے آئے تھے۔

''نکالو..... انہیں گاڑی سے نکالو..... اندر لے چلو۔''

حمید وہیں کھڑا رہا۔ یہ دونوں ملازم معلوم ہوتے تھے۔ گاڑی کا دروازہ کھول کر وہ راجن کو باہر نکالنے کی کوشش کرنے لگے۔ چوکیدار بھی اُن کے ہاتھ بٹانے کے لئے قریب آ گیا تھا پھر راجن کی بیوی اُس وقت حمید کی طرف مڑی تھی جب وہ راجن کو ہاتھوں میں اٹھائے پھاٹک سے گذر رہے تھے۔

''کیا آپ تھوڑی دیر کے لئے اندر آنا پسند فرمائیں گے۔'' اُس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''جی..... جی ہاں..... میرے لائق مزید کوئی خدمت۔''

وہ کچھ نہ بولی۔ حمید اُس کے پیچھے چلتا رہا۔

پھر وہ جس کمرے میں آئے وہ خواب گاہ ہی کی حیثیت سے استعمال ہوتا تھا۔ راجن مسہری پر ڈال دیا گیا۔

عورت کے چہرے پر سچ مچ سراسیمگی کے آثار نظر آ رہے تھے۔

''کیا آپ انہیں پہلے سے جانتے تھے۔'' اُس نے حمید سے پوچھا۔

''جی نہیں۔''

''تو پھر پتہ کیسے معلوم ہوا تھا آپ کو.....؟''

حمید نے جیب سے راجن کا تعارفی کارڈ نکال کر اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

ان کی جیب سے برآمد ہوا تھا۔ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ یہ کسی اور کا ہوتا۔ لیکن میں نے مناسب یہی سمجھا کہ اس پتہ پر دیکھ ہی لیا جائے۔''

''ان کی جیب میں پرس بھی ہوگا۔''

''محترمہ.....!'' حمید مسکرایا۔ ''میں اُس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک کہ یہ ہوش میں نہ آ جائیں۔''

''معاف کیجئے گا۔'' وہ جلدی سے بولی۔ ''آپ سمجھے نہیں..... ہوسکتا ہے آپ سے پہلے بھی کسی نے ان کی جامہ تلاشی لی ہو۔''

''خدا جانے۔'' حمید بیزاری سے بولا کیونکہ وہ اس وقت اتنی دلکش نہیں معلوم ہو رہی تھی جتنی اُس پارٹی میں لگی جہاں اُس نے اُسے پہلی بار دیکھا تھا۔ اس وقت نہ ہونٹوں پر شوخ رنگ کی لپ اسٹک تھی اور نہ چہرے پر غازے اور کریم کی تہیں۔

''راجو..... ڈاکٹر لودھی کو فون کرو.....!'' دفعتاً اُس نے ایک ملازم سے کہا اور وہ باہر چلا گیا۔

''خاصی سردی ہے۔'' وہ حمید کی طرف مڑ کر بولی۔

''اس کے باوجود مجھے پیدل ہی واپس جانا پڑے گا۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''آپ کہاں رہتے ہیں۔''

''میرا پتہ.....!'' حمید نے اپنا تعارفی کارڈ اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

اُس نے کارڈ ہاتھ میں لے کر پہلے تو اچٹتی سی نظر ڈالی پھر جلدی سے اُسے چہرے کے قریب لے آئی۔

''اوہ..... معاف کیجئے گا۔'' وہ متحیرانہ لہجے میں بولی۔

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ اُسے گھورے جا رہی تھی۔ کچھ دیر بعد ہکلائی۔ ''ڈر..... ڈرائیور آپ کو چھوڑ آئے گا۔''

''کوئی بات نہیں..... مجھے تشویش ہے..... کیا اکثر ان پر بیہوشی کے دورے پڑتے رہتے

ہیں۔''

''جی نہیں..... کبھی نہیں..... پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔''

''کبھی اتنی پی لیتے ہوں.....!''

''نہیں۔'' وہ جلدی سے بولی۔''اس حال میں میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ بلانوش نہیں ہیں۔ یونہی کبھی کبھی ایک آدھ پگ لے لیتے ہیں۔''

دفعتاً وہ ملازم کمرے میں داخل ہوا جو فون پر ڈاکٹر کو اطلاع دینے گیا تھا۔ اُس کے چہرے پر عجیب سے آثار تھے۔

''کیوں.....!'' نمی نے استعجابیہ انداز میں پوچھا۔

''صاحب پتہ نہیں کون بدتمیز ہے۔'' وہ ہانپتا ہوا بولا۔

''کون.....؟''

''یہاں سے گیا تو گھنٹی بج رہی تھی۔ ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے بولنے والے بے تحاشہ گالیاں دیں۔ پھر کہنے لگا کہ آپ کو فون پر بھیج دیا جائے۔''

''کون ہے؟'' وہ غصیلی آواز میں بولی۔

''پتہ نہیں..... زبان ہی نہیں تھکتی سؤر کے بچے کی۔''

''ٹھہریئے..... میں دیکھتا ہوں۔'' حمید بولا۔

''میں بھی چلتی ہوں..... پتہ نہیں کون ہے۔''

''ہیلو.....!'' اُس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔''میں مسز راجن بول رہی ہوں۔''

پھر حمید نے اُس کے چہرے پر جھنجھلاہٹ اور شرمندگی کے آثار دیکھے اور وہ حلق پھاڑ چیخی''شٹ اپ.....!''

اس کے بعد ریسیور کریڈل پر پٹخنے ہی جارہی تھی کہ حمید نے آگے بڑھ کر ریسیور اُس کے ہاتھ سے لے لیا۔

قہقہے کی آواز اُس کے کان میں گونجی اور اُس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔''ہیلو.....!''

صاحب ہیں۔''

قہقہہ رک گیا اور کوئی کھنکار کر بولا۔''آپ کون ہیں۔''

''کیپٹن ساجد حمید آف انٹیلی جنس بیورو۔''

''اوہ..... ویری گڈ..... ہم یہی چاہتے تھے کہ کسی طرح آپ فون پر آئیں۔ ٹھہریئے..... براہِ کرم ہولڈ آن کیجئے۔ ایک صاحب آپ کو ایک بہت بڑے راز سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں۔''

دوسری طرف سے آواز بند ہوگئی اور حمید کان سے ریسیور لگائے کھڑا رہا۔

''کیا بات ہے۔'' نمی نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

حمید نے ہاتھ اٹھا کر اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

دو منٹ گذر گئے۔ لیکن پھر کوئی آواز نہ آئی۔ ویسے دوسری طرف بھی ریسیور کریڈل پر نہیں رکھا گیا تھا۔

اب حمید نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر نمی سے کہا۔''کسی نے ہولڈ آن کرنے کو کہا ہے۔ لیکن اتنا وقت گذر گیا..... اُدھر بھی شائد ریسیور میز ہی پر پڑا ہوا ہے۔''

دفعتاً ایک چیخ سنائی دی۔ ریسیور میں نہیں بلکہ وہ آواز تو کسی قریبی کمرے ہی سے آئی تھی۔

نمی اچھل پڑی اور یہ کہتی ہوئی دروازے کی طرف جھپٹی''راجن بابو ہوش میں آگئے ہیں۔''

لیکن حمید سوچ رہا تھا کیا چکر ہے۔ کہیں وہ کسی سازش کا شکار تو نہیں ہوگیا۔

یہ فون کال اور اب یہ چیخ..... راجن کسی فکر میں ہے۔ اب کیا کرنا چاہتا ہے۔

وہ اب ریسیور کان سے لگائے وہیں کھڑا تھا۔

راہداری سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز آئی اور ٹھیک اُسی وقت دوسری طرف سے فون کا سلسلہ بھی منقطع کردیا گیا۔

نمی کمرے میں داخل ہوئی۔ بُری طرح ہانپ رہی تھی۔

''وہ.....وہ.....فرش پر اوندھے پڑے ہوئے ہیں۔'' وہ بدقت کہہ سکی۔

حمید نے طویل سانس لے کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

''چلئے.....دیکھئے۔'' وہ حمید کا بازو پکڑ کر دروازے کی طرف کھینچتی ہوئی بولی۔ ''انہیں نہیں کیا ہوگیا ہے۔ وہ انہیں کی چیخ تھی۔''

حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے اُس کے ساتھ چلتا رہا۔ وہ خواب گاہ میں آئے۔ راجن فرش پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔

حمید خاموش کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔ سانس بدستور چل رہی تھی اور آنکھیں بھی بند تھیں۔

وہ سوچ رہا تھا کسی طرح تنہائی ملے اور وہ راجن کے کان کے پاس منہ لے جا کر پو

''بڈھے بیٹے اب کیا چکر ہے؟''

دفعتاً وہ نمی کی طرف مڑ کر بولا۔ ''لیکن ابھی تک ڈاکٹر کو فون نہیں کیا جا سکا۔''

''میں خود جا رہی ہوں۔'' نمی نے کہا اور کمرے سے چلی گئی۔ حمید نے دونوں نوکر

بھی باہر جانے کا اشارہ کیا۔

اور تب وہ راجن کے قریب دو زانو بیٹھ کر جھکتا ہوا آہستہ سے بولا۔ ''یہ سب تو پر

میں شامل نہیں تھا۔ بڑے صاحب۔''

لیکن راجن نے جنبش بھی نہ کی۔ وہ بدستور آنکھیں بند کئے گہری گہری سانسیں

تھا۔

''اب سیدھے ہو جاؤ دوست۔ ورنہ میں سب کچھ شری متی جی سے بتا دوں گا۔'' جھ

پھر جھک کر کہا لیکن اس بار بھی راجن پر کوئی اثر نہ ہوا۔

حمید اُسے جھنجھوڑنے لگا۔ مگر نتیجہ صفر۔

اب اُسے تشویش ہوئی۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر مختلف جگہوں پر گدگدا

دیکھا۔ لیکن راجن میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہ ہوئی۔

نمی واپس آ گئی۔ اُس نے بتایا کہ ڈاکٹر کو فون کر دیا گیا ہے۔ وہ دس منٹ کے ا

پہنچ رہا ہے۔ پھر اُس کی تجویز پر حمید نے راجن کو اٹھا کر دوبارہ مسہری پر ڈال دیا۔

دونوں ملازم بھی کمرے ہی میں موجود تھے۔

''اوہ.....کب آئے گا ڈاکٹر۔'' نمی نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''بلا کی سردی ہے۔''

پھر ایک ملازم سے بولی۔ ''تم کافی کے لئے پانی ہی رکھ دو۔''

وہ چلا گیا۔ حمید بھی کافی کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ نمی نے دوسرے ملازم سے کہا۔ ''تم پھاٹک پر ڈاکٹر کا انتظار کرو۔''

وہ بھی چلا گیا۔

کچھ دیر بعد نمی نے حمید سے پوچھا۔ ''آپ بیلا کو جانتے ہیں.....اکثر آپ کا تذکرہ کرتی رہی ہے۔''

''اوہ.....وہ ریڈیو سنگر۔''

''جی ہاں.....بڑے لطیفے سناتی ہے آپ کے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ دیر سے تمباکو کی طلب محسوس کر رہا تھا۔ آخر اُس نے کہا۔ ''اگر میں یہاں تمباکو.....!''

''شوق سے شوق سے.....مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔'' وہ جلدی سے بولی۔

حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ ٹھیک اسی وقت ڈاکٹر بھی کمرے میں داخل ہوا۔

حمید نے پائپ پھر جیب میں ڈال لیا۔ ڈاکٹر نے اُس سے ''حالات'' معلوم کئے اور راجن کا معائنہ کرنے لگا۔ اُس کے دونوں بازو کھول کر رکھے اور تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر بولا۔

''کوئی نشہ آور چیز انجکٹ کی گئی ہے.....غالباً مارفیا۔''

''مارفیا.....؟'' حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

''جی ہاں.....اور اُسے بھی زیادہ دیر نہیں گذری۔ لیکن آپ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بیہوشی بہت دیر سے طاری ہے۔ دیکھئے.....یہ نشان بالکل تازہ ہے۔''

حمید نے آگے بڑھ کر بائیں بازو پر نشان دیکھا۔ جلد کے نیچے خون کا نقطہ سا نظر آ
تھا۔ نشان حقیقتاً تازہ تھا۔ اُس نے سوچا کیا وہ چیخ اس انجکشن سے تعلق رکھتی تھی اور تو کیا
فون پر الجھایا گیا تھا۔ کوشش کی گئی تھی کہ راجن کمرے میں تنہا رہ جائے۔

اب وہ نمی کو شبہے کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔ لیکن اُسے اس کے چہرے پر سراسیمگی ہی
آثار نظر آئے۔

''پھر اب کیا ہوگا؟'' وہ ڈاکٹر سے پوچھ رہی تھی۔

''فکر نہ کیجئے..... دل کی حالت بہتر ہے۔ سسٹم پر مورفیا کے علاوہ اور کسی قسم کے
اثرات کا سراغ نہیں ملتا۔ میرا خیال ہے کہ انہیں اسی طرح سونے دیا جائے خود ہی اٹھیں گے

اب حمید کے خیالات کی رو دوسری طرف پلٹی۔ کہیں یہ خود راجن ہی کی حرکت نہ
اُس نے سوچا ہوگا کہ ڈاکٹر کے آتے ہی پول کھل جائے گا۔ لہٰذا کیوں نہ خود ہی مورفیا کا انج
لے لیا جائے۔ لیکن وہ فون کال؟ اُس فون کال کا مطلب یہی ہوسکتا تھا کہ اس ڈرامے کا پلا
اچانک نہیں بن گیا تھا بلکہ پہلے سے بنایا گیا تھا۔ راجن نے اُن لوگوں کو کمرے سے ہٹا
تدبیر پہلے ہی سے کر رکھی تھی۔ اُسی کے کسی گرگے نے فون کیا تھا۔ لیکن کیوں؟..... کیا یہ سا
خود اُسی کے خلاف تھی؟

اُس کے خلاف تھی تو..... کیوں؟ کس قسم کی سازش ہے۔ سازش کرنے والے کیا چا
ہیں۔

ڈاکٹر چلا گیا تھا۔ حمید خیالات میں کھویا رہا۔ تھوڑی دیر بعد کافی آ گئی۔

''میں آپ کی شکر گذار ہوں کیپٹن..... پتہ نہیں ان کے ساتھ کیسا حادثہ پیش آیا
نمی نے کافی کی پیالی حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ پھر نوکروں سے بولی۔ ''تم لوگ
کافی پیو..... بہت سردی ہے۔ چوکیدار کے لئے بھی بھجوا دینا۔''

''اب مجھے تو ساری رات جاگنا ہی ہے۔ اُوہ..... ہاں ڈرائیور کہاں ہے۔ اُس کم
کے کان پر تو جوں بھی نہ رینگی۔ اُسے جگالاؤ۔ صاحب کو لے جانا ہے۔''

حمید نے شکریہ ادا کر کے پیالی اُس کے ہاتھ سے لی لیکن اُس وقت گھونٹ نہیں لیا جب
نمی وہ خود نہیں پینے لگی تھی۔ حمید نے پہلا گھونٹ لے کر پائپ سلگایا اور کافی کے ساتھ ہلکے
ہلکے کش لیتا رہا۔

بڑی بڑی خوابناک آنکھیں..... بیضوی چہرہ..... ایک شریر سی لٹ پیشانی پر بل کھاتی ہوئی
نمی..... اور..... اور..... پھر حمید کو ایسا معلوم ہوا جیسے اُن آنکھوں سے شراب چھلکی ہو اور اُس کی
اپنی آنکھوں کے توسط سے رگ رگ میں پھیلتی چلی گئی ہو۔

مگر..... یہ کیا.....؟ وہ چونک تو پڑا لیکن پے بہ پے یلغار کرتی ہوئی نیند کے جال سے نہ
نکل سکا۔ بڑی دشواری سے خالی کپ تپائی پر رکھا تھا..... اور اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے
ہی گہری نیند سو گیا تھا۔

ستارے کا قتل

جب دوبارہ آنکھ کھلی تو اُسے اچھی طرح یاد تھا کہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے ہی نیند آ گئی تھی۔
ذہن کچھ اور صاف ہونے پر احساس ہوا کہ وہ اب بھی اُسی کرسی میں نیم دراز ہے۔ سامنے والی
کرسی پر نمی آنکھیں بند کئے پڑی تھی۔

اُس نے سیدھا ہونا چاہا اور کمر کے قریب ریڑھ کی ہڈی درد سے پھٹنے لگی۔

بمشکل تن کر بیٹھ سکا..... سر جھائیں جھائیں کر رہا تھا۔ میز پر رکھی ہوئی ٹائم پیس پر نظر
پڑی۔ ساڑھے چھ بجے تھے۔

دفعتاً اُس نے راجن کی آواز سنی اور چونک پڑا۔ وہ پیر لٹکائے مسہری پر بیٹھا تھا۔

اُس نے مسکراتے ہوئے حمید کو آنکھ ماری اور گرج کر بولا۔ ''تم کون ہو؟''

آواز اتنی ہی بلند تھی کہ نمی کی آنکھیں بھی کھل گئیں اور وہ ہڑبڑا کر سیدھی بیٹھ گئی۔

کبھی وہ حمید کی طرف دیکھتی اور کبھی راجن کی طرف۔ شائد ابھی ذہن پر غنودگی ہی ہا تھی۔

"یہ کون ہے؟" راجن نے اُسی لہجے میں نمی سے پوچھا۔

"یہ..... یہ..... کیپٹن حمید۔" نمی ہکلائی۔ "محکمہ سراغ رسانی کے آفیسر۔"

"محکمہ سراغ رسانی..... کیوں؟" وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھ جایئے..... بیٹھ جایئے۔" وہ مضطربانہ انداز میں ہاتھ ہلا کر بولی۔

"آپ کمزوری محسوس کر رہے ہوں گے۔"

"کیسی کمزوری..... تم کیا کہہ رہی ہو۔"

"اوہو..... ایک منٹ خاموش رہ کر پہلے پوری بات تو سن لیجئے۔"

"سناؤ.....!" اُس کا لہجہ غصیلا تھا؟

"پہلے ایک سوال کا جواب دیجئے۔"

"اب کوئی سوال بھی آ کودا؟" وہ پھاڑ کھانے کے انداز میں بولا۔

"آپ پچھلی رات گھر کیسے واپس آئے تھے۔"

"پپ..... پچھلی رات..... ٹھہرو..... مجھے..... سوچنے دو۔"

وہ خاموش ہو کر یاد داشت پر زور دینے کی ایکٹنگ کرنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد ہوئی آواز میں بولا۔ "وہ..... دیکھو..... دراصل ..... مجھے یاد نہیں پڑتا۔ ٹھہرو..... ہاں.. گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا دفعتاً میری کنپٹیاں درد سے پھٹنے لگی تھیں۔ آنکھوں کے سامنے اندھ گیا تھا۔"

"میں نے گاڑی سڑک کے کنارے روک دی تھی۔ سارے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا چھوٹ رہا تھا۔ پھر مجھے کچھ یاد نہیں کہ کیا ہوا تھا۔"

"یہی صاحب آپ کو گھر لائے تھے..... آپ بیہوش تھے۔" نمی نے کہا۔

"اوہ....." وہ حمید کو حیرت سے دیکھتا ہوا بولا۔ "میں معافی چاہتا ہوں جناب۔"

"اب طبیعت کیسی ہے۔" حمید نے طوعاً و کرہاً پوچھا۔

"جی..... بس..... اب تو بالکل ٹھیک ہوں۔ یقین کیجئے اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ کوئی چھوت کی بیماری ہے۔" حمید بیزاری سے بولا۔

"کیوں؟ کیوں؟..... آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔"

"مجھے ہی دیکھ لیجئے۔" حمید نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔ "آپ کو گھر پہنچا کر واپسی کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ اسی کرسی پر نیند آ گئی۔"

"واقعی سمجھ میں نہیں آتا..... مجھے بھی حیرت ہے۔" نمی بولی۔ "میری بھی کچھ یہی حالت ہوئی تھی۔ آپ کی واپسی کا انتظار کرنے کے لئے اٹھنے ہی والی تھی کہ غشی کی سی طرح نیند طاری ہو گئی تھی۔"

"مذاق کر رہے ہیں آپ لوگ؟" راجن نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"صاحب..... میں سوچ رہا ہوں کہ اپنے چیف کو کیا جواب دوں گا۔" حمید متفکرانہ لہجے میں بولا۔ "وہ میری بات پر کس طرح یقین کرے گا۔"

کوئی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد نمی نے پوچھا۔ "اوہ تو کیا آپ کی غیر حاضری آپ کو کسی دشواری میں مبتلا کر دے گی۔"

"یقیناً..... پچھلی رات میں ڈیوٹی پر تھا۔ جہاں مجھے ہونا چاہئے تھا وہاں میری عدم موجودگی میرے محکمے کو ہرگز پسند نہ آئے گی۔"

"مجھے بے حد افسوس ہے کیپٹن۔ بتایئے ہم آپ کیلئے کیا کر سکتے ہیں۔" نمی نے پوچھا۔

"کوئی کچھ بھی نہیں کر سکتا۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ "کرنل فریدی ایک ناقابل عبور صحرا کا نام ہے۔"

"پھر اب کیا ہوگا.....!" راجن نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں..... دیکھا جائے گا.....؟"

"جہاں کہئے..... آپ کو چھوڑ آؤں؟"

''نہیں اب ناشتہ کر کے جائیں گے۔'' نمی بولی۔

''نہیں محترمہ..... اس پر مجبور نہ کیجئے۔ ورنہ رات کا کھانا بھی کھانا پڑے گا۔'' حمید نے مردہ سی آواز میں کہا۔

راجن ہنس پڑا۔ اُس کے دوبارہ استفسار پر حمید نے کہا۔ ''اب گھر ہی جاؤں گا۔ لیکن ناشتے کی زحمت نہ کیجئے گا۔''

''اچھی بات ہے۔'' نمی بولی۔ ''پھر سہی۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ ملاقات دوستانہ تعلق کی بنیاد بنے گی۔''

''ضرور..... ضرور.....!'' حمید نے اخلاقاً دانت نکال دیئے۔

اُجالا پھیل رہا تھا۔ خنکی معمول سے زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔

اس وقت بھی راجن ہی کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ نمی کی رائے تھی کہ حمید کو ڈرائیور ہی پر دے گا وہ خود آرام کرے۔ لیکن راجن اس پر متفق نہیں ہوا تھا۔

''کمال کے آدمی ہو یار.....!'' راجن بولا۔

''قبل اس کے کہ میں جناب کے بارے میں یہی رائے ظاہر کرتا..... جناب مجھے کانٹوں پر گھسیٹنا شروع کر دیا۔''

''نہیں واقعی دل سے تمہاری ذہانت کا معترف ہوں۔ ویسے پہلے تو بے حد غصہ آیا تھا۔''

''کس بات پر۔''

''میں کہتا ہوں..... مجھے بے بس کر دینے کی کیا ضرورت تھی۔ ویسے ہی کہتے تو میں خود ہی اس پر تیار ہو جاتا۔''

''میں کچھ نہیں سمجھا۔''

''انجکشن والا معاملہ۔''

''جی.....!''

''ہاں بھئی۔ بس تمہیں بھی سوجھ ہی گئی ورنہ ڈاکٹر کے آجانے کے بعد پول کھل ہی جاتی۔''

''یعنی.....!''

''ارے بھئی! وہ معائنہ کرتا..... اور سچی بات بتا دیتا۔''

''اُس نے بتایا تھا کہ آپ کو مورفیا کا انجکشن دیا گیا ہے۔''

''مگر یار..... یہ تو بتاؤ..... تم نے اتنی جلدی سرنج اور مورفیا کا ایمپل کہاں سے مہیا کر لئے تھے۔ میرے گھر میں تو یہ دونوں چیزیں نہیں تھیں۔''

''میں نے مہیا کر لئے تھے۔'' حمید نے حیرت سے پوچھا۔

''پھر.....؟''

''میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں کہ کب ہوا تھا۔''

''کیوں مذاق کرتے ہو۔''

''اپنی شری متی جی سے پوچھ لیجئے گا۔ میں تو اُس وقت اُن کے ساتھ فون والے کمرے میں تھا۔ کوئی فون پر انہیں اور آپ کے خاندان والوں کو گالیاں دے رہا تھا۔''

''یار کیوں بور کرتے ہو۔''

''انہیں سے تصدیق کر لیجئے گا..... بہرحال ہم آپ کی چیخ سن کر پھر اُس کمرے میں آئے تھے..... اور آپ کو مسہری کے نیچے پڑا دیکھا تھا۔ آپ اُس وقت حقیقتاً بیہوش تھے۔''

''کیا تم سچ کہہ رہے ہو۔''

''بس ختم کیجئے۔'' حمید بیزاری سے بولا۔ ''پتہ نہیں کیا چکر تھا۔ پھر کافی پیتے ہی مجھے بھی نیند آ گئی تھی۔ میرا دعویٰ ہے کہ کافی میں کوئی خواب آور چیز شامل تھی۔''

''یہ کیا چکر ہے۔'' راجن بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''میں تو سمجھا تھا کہ انجکشن تم نے ہی دیا تھا۔''

''آپ نے میری شکل دیکھی تھی؟''

''نہیں..... تم نے میرے منہ پر شائد تولیہ ڈال کر دبا لیا تھا۔ اسی لئے تو مجھے غصہ آیا تھا کہ آخر اس کی کیا ضرورت تھی۔ بس کہہ دیتے چپ چاپ انجکشن لگوا لیتا۔ کیونکہ اُس وقت اُسی

کی ضرورت تھی۔"

"آپ آنکھیں بند کئے لیٹے تھے۔"

"ہاں اور الجھن میں مبتلا تھا کہ ڈاکٹر کے آنے کے بعد کیا ہوگا۔"

"آپ خود سوچئے کہ میں آپ کے منہ پر تولیہ کیوں ڈالتا..... خیر اگر آپ یہ سمجھے ہیں میں ہی ہوں تو اتنے زور سے چیخنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"بھئی..... نہیں ضبط کر سکا تھا۔ بازو میں سرنج سے محلول نہیں داخل ہوا تھا بلکہ رائفل کی گولی تھی۔ پتہ نہیں کتنی قسم کے انجکشن لئے ہوں گے لیکن ایسی جان لیوا تکلیف کبھی نہیں محسوس ہوئی۔"

"تب تو..... وہ مورفیا کی بجائے کچھ اور ہوگا۔ مورفیا میں تکلیف ہوتی ہے لیکن غیر معمولی نہیں۔"

"تم واقعی سنجیدہ ہو۔"

"راجن صاحب! آپ مجھے بور نہ کیجئے ورنہ چلتی گاڑی سے چھلانگ لگا دوں گا۔"

"تم نے مجھے الجھن میں مبتلا کر دیا ہے۔"

"ہمیں فون والے کمرے میں جانے پر مجبور کیا گیا تھا..... آپ کی دانست میں وہ کیا ہو سکتا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"کاش مجھے معلوم ہوتا۔" راجن نے غصیلی آواز میں کہا۔

"مقصد کیا ہو سکتا ہے۔"

"میں کیا جانوں.....!" وہ پھر غرایا۔

حمید اُسے کنکھیوں سے دیکھ رہا تھا۔ سچ مچ راجن غصے میں معلوم ہوتا تھا اور اس غصے نے اُس کا حلیہ بھی بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔

کچھ دیر بعد حمید بولا۔ "غالباً شام تک میں آپ کی خیریت دریافت کرنے آؤں۔"

"جی نہیں۔" وہ غرایا۔ "قطعی ضروری نہیں۔"

"آپ کی مرضی.....!" حمید نے بھی ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

پھر وہ خاموشی سے راستہ طے کرتے رہے۔ راجن سچ مچ غصے میں معلوم ہوتا تھا..... حمید کو اُس میں ایکٹنگ کا شائبہ بھی محسوس نہ ہوا۔ وہ سوچ رہا تھا اگر راجن اس سازش میں شریک نہیں تھا تو کیا یہ سب کچھ اُس کے خلاف بھی ہو سکتا تھا؟ اُس کی تفکر آمیز جھنجھلاہٹ تو یہی کہہ رہی تھی۔ وہ سوچتا رہا اور خواب آور کافی یاد آئی۔ لیکن نمی تو پھر ایک پل کے لئے بھی باہر نہیں نکلی تھی۔ تو پھر کیا وہ اُس ملازم کی حرکت تھی جس سے اُس نے کافی کے لئے کہا تھا۔

"راجن صاحب۔" دفعتاً وہ بولا۔ "آپ کا فون مطلب یہ کہ کیا ایک ہی انسٹرومنٹ ہے آپ کے یہاں۔"

"کیوں.....؟ دو ہیں۔"

"دوسرا کہاں ہے۔"

"ایک ڈرائینگ میں ہے اور ایک لائبریری میں۔"

"دو الگ الگ لائنیں ہیں۔"

"نہیں..... ایک ہی ہے۔"

"تب تو ایک انسٹرومنٹ پر وہی نمبر ڈائیل کر کے کوئی بھی دوسرے انسٹرومنٹ کے ذریعہ بور کر سکتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ ہمیں آپ کی خواب گاہ سے ہٹانے کے لئے لائبریری ہی والا انسٹرومنٹ استعمال کیا گیا تھا؟"

"مگر کس نے کیا؟"

"یہ آپ سوچئے..... مجھے کیا معلوم کہ آپ کے یہاں کتنے افراد ہیں۔"

"میں نمی..... ایک ملازم..... ایک باورچی۔ ایک چوکیدار اور ایک ڈرائیور.....!"

"کوئی مہمان بھی ہے آج کل.....؟"

"نہیں۔"

''ہوسکتا ہے آپ کی عدم موجودگی میں کوئی آ ہی گیا ہو۔''

''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

''اب یہ بھی بتانے کی ضرورت ہے؟''

''ہرگز نہیں۔ میں نمی کے کردار پر شبہ نہیں کرسکتا۔''

''پھر آپ کو غصہ کس بات پر آ رہا ہے۔''

''اپنی حماقتوں پر..... پچھلی رات میں نے جو کچھ بھی کیا کوئی بھی ہوش مند آدمی اُسے پسند نہیں کرے گا۔ بھلا کیا لغویت تھی۔ بیوی کی بکواس سے بچنے کیلئے میں ایسی گھٹیا حرکت کر بیٹھا۔''

''لیکن مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے آپ نے یہ سب کچھ ایک بنے بنائے پلان کے تحت کیا ہو۔ ورنہ موفیا کا نجکشن کیا مقصد رکھتا تھا اور پھر آپ نے اس ڈرامے کے لئے محکمہ سراغ رسانی ہی کے ایک آفیسر کا انتخاب کیوں فرمایا۔ مجھ جیسے درجنوں گدھے اُس وقت آرکیڈ میں موجود تھے۔''

''اب تم مجھے ہی گھیرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ کیوں؟'' وہ غرایا۔

''حالات مسٹر راجن..... حالات! کسی تیسرے آدمی کے سامنے یہ معاملات رکھ دیئے جائیں۔ پھر دیکھئے وہ کیا فیصلہ دیتا ہے۔''

راجن کچھ نہ بولا۔ جھنجھلاہٹ کے آثار چہرے سے غائب ہو چکے تھے اور اُن کی جگہ تشویش نے لے لی تھی۔ کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں اُس نے کہا۔ ''ٹھیک کہتے ہو..... لیکن یقین کرو میں نہیں جانتا کہ یہ کیا چکر ہے۔''

''فون پر مجھ سے ہولڈ کرنے کو کہا گیا تھا۔ ہم سب ڈرائنگ روم میں تھے۔ اگر وہ گالیاں نہ دیتا تو کم از کم میں تو آپ کے پاس ہی موجود ہوتا۔ گالیاں اسی لئے دی گئی تھیں۔ تجسس ہم سبھوں کو ڈرائنگ روم میں کھینچ لے گیا تھا۔ بہرحال میں ریسیور ہاتھ میں لئے اُس کے دوسری بار بولنے کا منتظر رہا اور وہ اس عرصہ میں آپ کے مورفیا انجکٹ کر گیا۔''

''یقین کرو! اُس نے اپنی شکل دیکھنے کی مہلت ہی نہیں دی تھی۔ منہ پر تولیا ڈال کر اس

طرح دبایا تھا کہ آنکھیں کھل ہی نہ سکیں۔''

''کچھ بھی ہو..... یہ کسی بڑی سازش کا پیش خیمہ معلوم ہوتا ہے۔''

''بہرحال اب تو حماقت ہو ہی گئی ہے۔ بھگتوں گا..... کاش یہ دماغ چاٹنے والی بیویاں سنجیدگی سے کبھی کچھ سوچ سکتیں۔ اگر مجھ پر کوئی مصیبت نازل ہوئی تو اس کی سو فیصد ذمہ دار میری بیوی ہی ہوگی۔ مجھے اُس کے کردار پر بھی شبہ نہیں..... اس کی وفاداری پر بھی شک نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن یہ بھڑک اٹھنے والی عادت..... خدا غارت کرے۔''

گاڑی فریدی کی کوٹھی کے پھاٹک پر رک گئی۔

''بیٹھئے گا کچھ دیر.....!'' حمید نے کہا۔

''نہیں..... لیکن اگر واقعی یہ کوئی سازش ہی ہے تو شائد مجھے پھر دوڑ کر آنا پڑے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ گاڑی سے اُتر کر پھاٹک میں داخل ہوگیا۔ مڑ کر یہ بھی نہیں دیکھا کہ اُس نے کب گاڑی موڑی۔

برآمدے ہی میں ایک ملازم نے اطلاع دی کہ فریدی کی کال آئی تھی۔ وہ چار بجے صبح کہیں گیا تھا۔

مزید استفسار پر اُس نے بتایا کہ پیڈ پر نمبر لکھ لئے گئے ہیں..... وہ انہیں نمبروں پر فریدی سے گفتگو کر سکے گا۔

اور پھر کچھ دیر بعد فون پر فریدی کی آواز سن رہا تھا۔ ''میں ناردرن اسٹوڈیوز سے بول رہا ہوں۔ آشا کو کسی نے بڑی بے دردی سے قتل کر دیا ہے۔ تم کتنی دیر میں پہنچ سکو گے۔''

زخمی

قتل بھی درندگی کا شاہکار ہی تھا۔ چہرے سے اس طرح گوشت نوچا گیا تھا جیسے کسی

بھوکے درندے نے اپنے تیز اور نکیلے دانت آزمائے ہوں۔ نرخرے پر بھی دانتوں کے نشان تھے اور وہ کسی درندے ہی کا پھاڑا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

یہ تھا ملک کی مقبول ترین ہیروئن کا انجام۔

لاش اسٹوڈیو کے عقبی پارک میں پائی گئی تھی۔ حمید سوچ رہا تھا آخر فریدی اُسے قتل کیوں سمجھ رہا ہے۔ ہوسکتا ہے کوئی بھولا بھٹکا درندہ ادھر آ نکلا ہو۔ کیونکہ تھوڑے ہی فاصلے پر جنگلات کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔

لیکن سوال یہ تھا کہ وہ عقبی پارک تک کیسے پہنچی تھی جب کہ اُس کی نانی کا بیان تھا کہ وہ دونوں میک اپ روم کی دونوں کرسیوں پر سوئی ہوئی تھیں..... کسی نے آشا کو میک اپ روم سے نکل کر ادھر جاتے بھی نہیں دیکھا تھا۔

فریدی نے ابھی تک آشا کی نانی کا بیان نہیں لیا تھا۔ اُس کی حالت ابتر تھی۔ بدحواس ہو رہی تھی۔ کسی بات کا ڈھنگ سے جواب پالینا ایسی حالت میں تو ناممکن تھا۔ حمید نے اسٹوڈیو کی کینٹین میں ناشتہ کیا اور پھر وہیں آ پہنچا جہاں فریدی اسٹوڈیو کے دوسرے لوگوں سے پوچھ گچھ کر رہا تھا۔

کچھ دیر بعد آشا کی نانی بھی وہیں لائی گئی..... وہ خاموش ہوچکی تھی، لیکن آنکھوں کی ویرانی سے صاف پتہ چلتا تھا کہ ذہن کچھ سوچنے سمجھنے سے قاصر ہے۔ بہرحال فریدی نے اُس سے بھی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی۔

''اب کیا ہوگا.....؟'' بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''کچھ بھی ہوا ہو۔ وہ تو اب اس دنیا میں نہیں..... ارے ٹھنڈک پڑگئی حاسدوں کے کلیجے میں۔'' اور پھر وہ کراہنے لگی۔

''میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں محترمہ کہ جب رات والی شوٹنگ سے آپ لوگوں کا کوئی تعلق نہیں تھا تو آپ آئی کیوں تھیں۔''

''اب وہ حرامزادے یہ کہہ رہے ہیں..... رات بھی یہی کہہ دیا تھا..... اگر شوٹنگ کی اطلاع اُسے نہ ملی ہوتی تو آتی کیوں؟''

''ڈائریکٹر کا کہنا ہے کہ اُس کی طرف سے ایسی کوئی اطلاع نہیں بھیجی گئی تھی۔''

''کیا آپ کو فون پر اطلاع ملی تھی۔''

''نہیں کوئی گیا تھا..... آشا نے نام نہیں بتایا تھا۔''

''کیا آپ کے گھر کا کوئی فرد بھی اُس اطلاع دینے والے کے متعلق کچھ نہ بتا سکے گا۔''

''میں نہیں جانتی۔''

''وہ آپ کے باڈی گارڈز کہاں ہیں۔''

''مجھے ہوش نہیں۔'' بڑھیا نے کہا۔

لیکن حمید انہیں کینٹین میں بیٹھے دیکھ آیا تھا اور محض اس لئے ان سے کسی قسم کی گفتگو نہیں کی تھی کہیں فریدی کے نقطہ نظر سے یہ روپہ غلط نہ ہو۔

''میں نے انہیں ابھی کینٹین میں دیکھا تھا۔'' حمید بولا۔

''دیکھو.....!'' فریدی نے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

وہ اب بھی کینٹین ہی میں تھے۔ حمید کے ساتھ وہاں آئے۔ فریدی نے صرف ایک کو اندر بلایا۔

''وہ کون تھا جس نے رات کی شوٹنگ کی اطلاع دی تھی۔'' فریدی نے اُس سے پوچھا۔

''مجھے پتہ نہیں جناب۔ میں تو سوتے سے اٹھایا گیا تھا کہ اسٹوڈیو چلنا ہے۔''

''کس وقت سوئے تھے۔''

''آٹھ بجے۔''

''روزانہ اسی وقت سوتے ہو۔''

''جب کہیں جانا نہیں ہوتا تو جلدی ہی سو جاتا ہوں۔''

''ہوں.....!'' فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''پچھلی رات تم ان کے ساتھ ہی ساتھ رہے ہوگے۔''

''جی ہاں.....! مطلب یہ کہ..... یہ جہاں بھی گئیں..... ہم باہر موجود رہے۔''

''تمہیں علم تھا کہ وہ میک اپ میں سو رہی ہیں۔''

''ہم میک اپ روم کے باہر موجود رہے تھے۔''

''میرے سوال کا جواب دو۔ کیا تمہیں علم تھا کہ وہ دونوں سو رہی ہیں۔''

''ہم سے اس کے بارے میں کچھ کہا نہیں گیا تھا۔''

''اس لئے تم اُس وقت تک میک اپ روم کے دروازے ہی پر بیٹھے رہے تھے جب تک تمہاری مالکہ بیدار نہیں ہوئی تھی۔''

''جج.....جی..... بات دراصل یہ ہے کہ ہم ذرا کینٹین تک چائے پینے بھی گئے تھے۔''

''میرا خیال ہے کہ اس کے لئے تمہیں اجازت کی ضرورت نہیں تھی..... یا تھی؟''

''اجازت ہی لینے کے لئے میں میک اپ روم میں گیا تھا۔ لیکن دونوں سو رہی تھیں۔''

''ہوں.....اور واپسی کتنی دیر بعد ہوئی تھی۔''

''جلد ہی جناب.....یعنی چائے پی کر ہم واپس آ گئے تھے۔''

''اور پھر تمہاری مالکہ نے اچانک تمہیں بتایا تھا کہ آشا میک اپ روم میں نہیں ہے۔''

''جی ہاں وہ بوکھلائی ہوئی باہر آئی تھیں اور بتایا تھا کہ آشا دیوی وہاں نہیں ہیں۔''

''کیا وقت رہا ہوگا جب تم کینٹین میں گئے تھے۔''

''میں نے گھڑی نہیں دیکھی تھی جناب.....لیکن اندازے کے مطابق ایک ضرور رہا ہوگا۔''

''ہوں.....!'' فریدی خاموش ہو گیا۔ پھر دوسرے کو طلب کیا۔ اُس سے بھی کچھ ایسے ہی سوالات کئے پھر سارجنٹ رمیش کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''ریٹا مون.....!''

رمیش چلا گیا اور کچھ دیر بعد ایک متوسط عمر کی عورت کے ساتھ واپس آیا۔

فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ شکریہ ادا کر کے بیٹھ گئی۔

''آپ ریٹا مون ہیں۔''

''جی ہاں.....!''

''میک اپ میں آپ کا تجربہ کتنا پرانا ہے۔''

''قریب قریب پندرہ سال ہے میں یہی کرتی آئی ہوں۔''

''جس وقت یہ دونوں میک اپ روم میں داخل ہوئی تھیں آپ وہیں موجود تھیں۔''

''جی ہاں.....!''

''آپ نے اُن سے کہا تھا کہ وہ وہاں سو رہیں۔''

''جی نہیں، میں نے یہ پیش کش نہیں کی تھی۔ دراصل دونوں کے درمیان اس بات پر بحث جاری تھی کہ واپس کیوں نہ چلی جائیں۔''

''واپس نہ جانے پر کون بضد تھا۔''

''مس آشا.....وہ کہہ رہی تھیں واپس جانے کا موڈ نہیں۔ یہیں کہیں سو رہیں گے۔''

''یہ بات بھی بحث کے دوران میں واضح ہو ہی گئی ہوگی وہ کیوں نہیں واپس جانا چاہتی تھیں۔''

''نہیں جناب۔ میرا خیال ہے کہ ایسی کوئی بات میں نے نہیں سنی تھی۔''

''آپ کتنی دیر تک وہاں رہی تھیں۔''

''انہیں بحث میں الجھی چھوڑ کر ہی چلی گئی تھی۔ ساتھ ہی یہ بھی کہتی گئی تھی کہ اگر وہ وہاں رہنا چاہیں تو آرام کرسیاں خاصی آرام دہ ثابت ہوں گی۔''

''اندازاً کیا وقت رہا ہوگا۔ جب آپ میک اپ روم سے گئی تھیں۔''

''میرا خیال ہے بارہ بج چکے تھے۔''

''پھر کتنی دیر بعد واپس ہوئی تھی؟''

''اندازہ مشکل ہی ہے کیونکہ میں بھی ایک دوسرے کمرے میں سو ہی گئی تھی۔ پھر ایک ضرورت کے تحت مجھے جگایا گیا تھا اور مجھے بعض ضروری چیزوں کے لئے میک اپ روم میں واپس جانا پڑا تھا۔ لیکن مجھے وہاں صرف مس آشا کی نانی ہی نظر آئی تھیں۔ مجھے حیرت ہوئی تھی کیونکہ آشا پر اُن کی طرف سے عائد شدہ پابندیاں اس کی اجازت نہیں دیتی تھیں۔ میں نے

سوچا شائد وہ اپنے کسی بوائے فرینڈ کے ساتھ کہیں آس پاس ہی موجود ہوں گی..... لہٰذا کچھ
کی تفریح کے خیال سے میں نے نانی کو جگا دیا تھا اور پوچھا تھا کہ مس آشا کہاں گئیں۔''

''ہوں..... اچھا تو جس وقت آپ میک اپ روم میں پہنچی تھیں وہاں ان کے باڈی
گارڈز بھی موجود رہے ہوں گے۔''

''میرا خیال ہے کہ وہ برآمدے والی بنچوں پر لیٹے ہوئے تھے۔''

''آپ یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہیں۔''

''جی نہیں..... یقین کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتی۔ دراصل میں نے اس کی طرف دھیان ہی
نہیں دیا تھا۔ لیکن جب نانی نے باہر نکل کر مس آشا کو آوازیں دیں تھیں تو میں نے انہیں اپنے
باڈی گارڈز کو بُرا بھلا کہتے بھی سنا تھا۔''

''کیا اکثر لوگ میک اپ روم میں سویا کرتے ہیں۔''

''جی نہیں..... وہ تو میں نے اُن دونوں کا جھگڑا ختم کرانے کے لئے کہہ دیا تھا..... اور پھر
وہ سچ مچ وہیں سوگئی تھیں۔''

''میرا خیال ہے اکثر لوگ وہیں سو رہنے کی خواہش کرتے ہوں گے..... کیوں؟ شائد وہ
کمرہ ایئر کنڈیشنڈ ہے۔''

''جی ہاں..... لیکن میں اس معاملے میں سخت ہوں۔''

''اچھا شکریہ..... اگر ضرورت سمجھی گئی تو پھر آپ کو تکلیف دی جائے گی۔''

پھر قبل اس کے فریدی کسی دوسرے کو طلب کرتا حمید کمرے سے باہر آ گیا تھا۔ اس سے
پہلے بھی وہ کچھ لوگوں کے بیانات سن چکا تھا۔ اس لئے اب وہ خود ہی کڑیاں ملا کر پوری کہانی
ترتیب دے سکتا تھا۔

پچھلی رات ساڑھے دس بجے آشا نے اپنی نانی کو بتایا تھا کہ شوٹنگ کے لئے ڈائریکٹر کا
پیغام آیا تھا..... اُن دنوں ناردن اسٹوڈیوز میں کئی فلمیں زیر تکمیل تھیں۔ اس لئے بعض اوقات
ایسا بھی ہوتا تھا کہ بہت ہی تھوڑی مہلت پر اداکاروں کو شوٹنگ کے لئے تیار رہنا پڑتا تھا۔ لہٰذا

کی نانی ایسی صورت میں قطعی یہ نہیں سوچ سکتی تھی کہ پیغام اصلیت پر مبنی نہ ہوگا۔ آشا نے
ے غالباً اُس شخص کے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا جس کے ذریعے ڈائریکٹر کا پیغام اُس تک
تھا۔ پھر اسٹوڈیو پہنچ کر معلوم ہوا کہ اُنہیں اس قسم کا کوئی پیغام نہیں بھیجا گیا تھا۔ اصولاً اس
بد انہیں گھر واپس آ جانا چاہئے تھا لیکن ایسا نہیں ہوا۔

آشا وہیں رات بسر کرنے پر تل گئی تھی۔ وجہ کچھ رہی ہو لیکن وہ یہی کہتی رہی تھی۔ اس
واپسی کا موڈ نہیں ہے۔ آشا کی نانی نے بات بڑھانا اس لئے مناسب نہیں سمجھا تھا کہ
ہی وہاں اُس کا کافی مذاق اڑتا رہتا تھا۔ اس نے سوچا ہوگا کہ اگر بات بڑھی تو دو چار
ہو جائیں گے اور پھر سوائے شرمندگی کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ بہرحال وہ میک اپ روم
کرسیوں پر سوگئی تھیں۔ اُن کے دونوں باڈی گارڈز باہر ہی ٹھہرے تھے۔ پھر وہ کچھ دیر
لئے کینٹین بھی گئے تھے۔ واپسی پر انہیں کوئی غیر معمولی بات محسوس نہیں ہوئی تھی۔ پھر میک
روم کی انچارج مس ریٹا مون آئی تھی اور اُس نے صرف آشا کی نانی کو سوتا پایا تھا۔ آشا
آرام کرسی خالی تھی اور اُس نے محض تفریح کی خاطر آشا کی نانی کو جگا دیا اور اُس کی
باتوں سے لطف اندوز ہوتی رہی تھی۔ پھر اسٹوڈیو کا گوشہ گوشہ چھان مارا گیا تھا لیکن آشا
ملی تھی۔ عمارت کے بعد آس پاس کی کھلی جگہیں بھی دیکھیں گئی تھیں اور پھر عقبی پارک میں
کی لاش ملی تھی۔

حمید سوچ رہا تھا کہ حقیقتاً اُسے کسی نے ڈائریکٹر کی طرف سے کوئی پیغام پہنچایا تھا۔ یا وہ
اس وقت اسی بہانے سے اسٹوڈیو تک آنا چاہتی تھی۔

اُس نے آشا کو بہت قریب سے بھی دیکھا تھا اور کسی حد تک اُس کی نفسیات کو بھی سمجھنے کا
ی رکھتا تھا۔

اس سے پہلے وہ ایک بار ایڈونچر کی خاطر اُس کے ساتھ بھی تو فرار ہو چکی تھی۔ وہ سوچتا
رہا اُس اکسٹرا لڑکی کو گھورتا رہا جو خود بھی کبھی کبھی اُسے گھورنے لگتی تھی۔ قبول صورت اور صحت
مند۔ عمر بھی بیس سال سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ چوڑی دار پاجامے اور چست جمپر میں تھی۔

بال گنبد کی شکل میں الجھائے تھے۔ (بھلا ایسے میں سنوارنا کیوں کہئے) بہر حال ٹائپ وہ جسے حمید کی زبان میں ''ایریل دار'' کہتے تھے۔

ایریل دار لڑکیاں اُسے اب پسند آنے لگی تھیں۔ محض اس لئے کہ اُن میں سے بعض چوڑی دار پاجامے پہننے شروع کر دیئے تھے ورنہ تنگ موری والی شلوار تو اُسے ایک آنکھ نہ بھ تھی۔ اکثر جھنجھلاہٹ میں کہہ اٹھتا ''ارے بھئی..... ذرا ان صاحبزادی کو بھی دیکھنا جو اوپر شیطان اور نیچے سے بالکل مولوی معلوم ہوتی ہیں۔''

اس لڑکی کے چہرے پر شب بیداری کے آثار شدت سے نمایاں تھے اور کسی قدر جھنجھلاہ میں بھی مبتلا تھی۔ اس لئے کہ نائٹ شفٹ سے تعلق رکھنے والوں کو ابھی تک روکے رکھا گیا اور یہاں اس وقت فریدی کے علاوہ کئی بڑے آفیسر بھی موجود تھے۔

خود حمید نے ابھی تک لاش نہیں دیکھی تھی اور دیکھنا بھی کب چاہتا تھا؟ کسی خوبصور عورت کی لاش اُس کے خیال میں فریدی ہی جیسے لوگ برداشت کر سکتے تھے۔

اگر اُس نے لاش دیکھ لی ہوتی تو اس وقت یہ ایریل دار لڑکی اُسے اپنی طرف متوجہ کر سکتی۔

حمید ٹہلتا ہوا اُس ستون کے قریب پہنچ گیا جس سے وہ ٹیک لگائے کھڑی تھی۔

''معاف کیجئے گا..... میرا خیال ہے کہ آپ نے پرواز میں سائیڈ ہیروئن کا رول ادا تھا؟'' اُس نے بڑی نرمی سے کہا۔

لڑکی مسکرانے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔ ''آپ غلط سمجھے! مجھے پہلی بار چانس ملا ہی تھا ایک اصلی والی ہیروئن قتل کر دی گئی۔ شاید اب آشا کی جگہ کوئی پُر نہ کر سکے..... ہونہہ۔''

لہجہ بے حد طنزیہ تھا۔ وہ کہتی رہی۔ ''رات بھر جاگنے کے بعد اب یہ مصیبت..... سر سے پھٹا جا رہا ہے۔ دیکھئے..... کب فرصت ملتی ہے۔ خدا پولیس کی نحوست سے بچائے آج ہی صبح پولیس والوں کی شکلیں دیکھنی پڑی ہیں۔ دیکھئے کب تک نحوست طاری رہتی ہے۔ آپ کون ہیں شائد پہلے کبھی آپ کو یہاں نہیں دیکھا۔''

''یقیناً کبھی نہ دیکھا ہوگا..... لیکن اس وقت بہت قریب سے دیکھ رہی ہیں اللہ آپ کے ل پر رحم کرے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اب کہیں آپ کی ساری زندگی نحوست کا شکار نہ ہو جائے۔''

''یعنی..... یعنی..... آپ.....؟''

''جی ہاں..... میں بھی اس نامعقول محکمے سے تعلق رکھتا ہوں۔''

''ارے نہیں..... آپ تو بڑے شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں!''

''شکریہ.....!'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''میں آپ کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔''

''کیوں.....!''

''اس سے پہلے میں کسی کو بھی شریف آدمی نہیں معلوم ہوا۔''

''ہمیں کب چھٹکارا ملے گا؟''

''اب تو ناممکن ہے آپ کی حد تک تو قسم بھی کھا سکتا ہوں کیونکہ آپ نے ایک پولیس لے کو قریب سے دیکھا ہے۔''

''میں سنجیدگی سے پوچھ رہی ہوں جناب۔''

''کیا آپ کا تحریری بیان ہو چکا ہے۔''

''جی نہیں..... کون صاحب بیان لے رہے ہیں..... بتایئے تاکہ اُن کے آگے بھی رگڑاؤں۔''

''مختلف لوگ ہیں۔ ایک آدمی کے بس کی بات نہیں۔ رات اسٹوڈیو غالباً خاصا آباد ا۔''

''کیا آپ اُن میں سے نہیں ہیں۔'' وہ گھگھیائی۔ ''آپ ہی کرم کیجئے۔''

''آپ کا نام.....؟'' حمید جیب سے ڈائری نکالتا ہوا بولا۔

''نجم السحر..... عرف عام میں نجمی..... فلم نام بھی یہی ہے..... رہائش پندرہ بٹانا والا

بلڈنگ بوکھل پاڑہ۔''

''اتنی تیز نہیں۔'' حمید ڈائری پر نوٹ کرتا ہوا بولا۔ ''ولدیت بھی۔''

''بغیر والدین کے پیدا ہوئی تھی۔ والدین میری پیدائش کا باعث بنے ہوتے متوسط گھرانے میں چولہا ہانڈی کر رہی ہوتی یا اس وبال میں پڑتی۔''

''عمر.....!''

''اپنی پسندیدہ عمر لکھ لیجئے..... مجھے تو یاد نہیں۔''

''بہتر سال لکھ لوں؟'' حمید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''ارے! میں آپ کو بہتر سال کی معلوم ہوتی ہوں۔''

''جیسی جلی کٹی باتیں کر رہی ہیں.....!''

''اوہ.....!'' وہ ہنس پڑی۔ ''دراصل شدت سے بور ہو رہی ہوں۔''

''خیر..... خیر..... آشا کو آپ کب سے جانتی تھیں۔''

وہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ قریب سے ایک آدمی لڑکھڑاتا ہوا گذرا..... زخمی معلوم ہو کپڑوں پر خون کے خشک دھبے تھے۔

''ارے..... جاوید..... اسے کیا ہوا۔'' وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔

تھپڑ اور ٹائی

پھر وہ بائیں جانب مڑا ہی تھا کہ حمید نے اُسے لڑکھڑاتے دیکھا۔ برآمدے میں کئی موجود تھے۔ اُن کے چہروں پر بھی حمید نے ایسے ہی آثار دیکھے جیسے وہ اُسے نہ صرف پہچا ہیں بلکہ اس حال میں دیکھ کر انہیں حیرت بھی ہو۔ پھر دوسروں کے ساتھ حمید بھی اُسکی طرف

وہ منہ کے بل گرا تھا..... زخمی پیشانی سے پھر خون بہہ چلا۔

''کیا ہوا.....؟'' سامنے والے کمرے سے آواز آئی۔

''جاوید ہے؟'' بیہوش آدمی کے گرد جمع ہو جانے والوں میں سے کسی نے بلند آواز میں جواب دیا۔ ''زخمی ہے اور بیہوش ہو گیا ہے۔''

کئی آدمی کمرے سے بھی نکل آئے۔ حمید نجمی کی طرف مڑا..... اور پیچھے ہٹتا ہوا آہستہ سے بولا۔ ''بس اب چپ چاپ یہاں سے نکل چلئے۔''

''کیوں؟ کیوں.....؟'' اُس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''یہاں رکنے پر آج بھی شب بیداری کی نوبت آ سکتی ہے۔'' حمید برآمدے کے زینوں سے اُترتا ہوا بولا۔

وہ اُس کے ساتھ ہی چل رہی تھی۔

''ارے..... ارے..... ختم..... ختم ہو گیا۔'' برآمدے میں کسی نے چیخ کر کہا۔

اور پھر سناٹا چھا گیا۔

حمید رک گیا تھا۔ نجمی بھی رکی تھی۔ اُس کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے۔

''تم اگر جانا چاہو تو..... جا سکتی ہو۔'' حمید نے کہا اور برآمدے کی طرف جھپٹا۔

نجمی وہیں کھڑی رہی۔

''ہٹ جائیے..... اُس کے پاس سے ہٹ جائیے۔'' حمید نے مجمع کے قریب پہنچ کر کہا۔

زخمی مر چکا تھا..... ایک بار پھر اسٹوڈیو کی فضا مکدر ہو گئی۔

''جاوید..... کون تھا؟'' جواب جلد ہی مل گیا۔

یہ اُسی فلم کی فوٹو گرافی کر رہا تھا جس میں آشا ہیروئن کا رول ادا کر رہی تھی۔

حمید کا اندازہ تھا کہ زندگی میں خوش شکل اور وجیہہ رہا ہوگا۔ عمر بھی ستائیس اٹھائیس سے زیادہ نہیں تھی۔

فریدی نے ایک بار پھر ڈائریکٹر کو طلب کیا، جو بہت زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔

''جناب میری طبیعت بگڑ رہی ہے۔'' اُس نے کہا۔ ''اب اجازت دیجئے۔ میں گھر جانا

چاہتا ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے..... لیکن اب دیکھئے..... یہ دوسرا قصہ نکل آیا۔" فریدی بولا۔

"پھر میں کیا کرسکوں گا اس سلسلے میں۔"

"پچھلی رات آپ نے شوٹنگ کس وقت ختم کی تھی۔"

"نو بجے سے شفٹ شروع ہوئی تھی جس کا اختتام تین بجے ہوتا..... لیکن ہم گیارہ بجے کے بعد کام نہیں کر سکے تھے۔"

"کیوں؟"

"بعض ٹیکنیکل دشواریوں کی بناء پر۔"

"کیا اُن دشواریوں کا تعلق فوٹو گرافی سے تھا۔"

"جی ہاں۔" ڈائریکٹر نے کہا۔ "اس کے علاوہ اور کوئی کیمرہ خالی نہیں تھا۔"

"اُس کے بعد جاوید یہاں اور کتنی دیر تک نظر آیا تھا۔"

"مجھے علم نہیں۔"

"آپ کے علم میں کوئی ایسا آدمی بھی ہے جو اس سوال کا جواب دے سکے۔"

"پتہ نہیں۔" اُس نے بیزاری سے کہا۔ "وہ سب آدمی آپ کے سامنے ہیں جنہوں نے پچھلی رات میرے ساتھ کام کیا تھا۔"

"یہ معلوم ہونا بے حد ضروری ہے کہ جاوید کس وقت تک یہاں دیکھا گیا تھا؟"

ڈائریکٹر کچھ نہ بولا۔

دفعتاً حمید کو نجمی یاد آئی..... وہ بھی تو جاوید سے واقف تھی اور پچھلی رات اسٹوڈیو ہی میں گذاری تھی۔

فریدی نے ڈائریکٹر کو اسٹوڈیو سے جانے کی اجازت دے دی اور پرتفکر نظروں سے حمید کی طرف دیکھتا رہا۔

"شاید میں اس سلسلے میں آپ کی کچھ مدد کرسکوں۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"بکو.....!"

"ابھی ابھی ایک مچھلی میرے ہاتھ سے نکل گئی ہے۔"

"تم پچھلی رات کہاں تھے۔"

"رمی کھیلنے بیٹھ گیا تھا ایک جگہ..... صبح ہوگئی۔"

"لاش دیکھ چکے ہو۔"

"جی ہاں۔" حمید جلدی سے بولا۔ خدشہ تھا کہ کہیں دیکھنی ہی نہ پڑے۔

"کیا خیال ہے؟"

"ایسی صورت میں اُسے قتل کیسے کہا جاسکتا ہے۔" حمید نے سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر ردا رکھنے کی کوشش کی۔

"وہ کسی درندے کے دانت نہیں ہوسکتے۔"

"نہیں.....!" حمید اچھل پڑا۔

"پھر تم نے کیا دیکھا ہے۔"

"قریب سے نہیں دیکھی تھی۔"

"زندگی میں کچھ دنوں تک کافی قریب رہ کر دیکھ چکے ہو۔" فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا۔

آخر کچھ دیر بعد حمید نے کھنکار کر کہا۔ "کہئے تو میں کوشش کروں اس سلسلے میں۔"

"کس سلسلے میں۔"

"یہ معلوم کرنے کی کوشش کروں کہ جاوید سے اُس کا کیا تعلق تھا۔"

"خیال کیسے پیدا ہوا؟"

"آشا کی افتادِ طبع..... چوری چھپے کے کھیل اُس کے لئے بڑی دلکشی رکھتے تھے۔"

دفعتاً فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "جاوید کی لاش..... سر کا زخم گہرا ہے۔ ہوسکتا ہے وہ پچھلی رات ہی کو زخمی ہوا ہو..... کپڑوں پر پائے جانے والے خون کے دھبوں کی رنگت یہی بتاتی ہے۔"

حمید اُس کے پیچھے کمرے سے باہر آیا تھا۔

''اب از سرِ نو اُن لوگوں سے پوچھ گچھ کرنی پڑے گی جو پچھلی رات اسٹوڈیو میں تھے'' فریدی بولا۔

''مجھے افسوس ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''ایک لڑکی اپنے گھر پہنچ چکی ہوگی۔''

''بکواس مت کرو.....کیا بات ہے۔''

''معمولی پوچھ گچھ کے بعد میں نے اُسے جانے کی اجازت دے دی تھی۔لل.....اُس کا پتہ نوٹ کرلیا تھا۔''

فریدی بُرا سا منہ بنائے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

''سنئے تو سہی.....میرا خیال ہے کہ وہ جاوید کو قریب سے جانتی تھی۔''

''تو پھر دیکھو کہ کیا کرسکو گے۔'' فریدی نے مڑے بغیر چلتے ہوئے جواب دیا۔

اور حمید وہیں سے اپنی وینس کی طرف مڑ گیا، جو تھوڑے ہی فاصلے پر پارک کی گئی تھی۔

گاڑی میں بیٹھا اور گاڑی تیر کی طرح پھاٹک سے گذر گئی۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ نجمی کے فلیٹ کے سامنے کھڑا سوچ رہا تھا کیا وہ آتے ہی بستر گئی ہوگی۔آنکھوں میں تو نیند کا ایسا ہی غلبہ نظر آیا تھا۔

''کون.....؟'' اندر سے آواز آئی۔

''پولیس.....'' حمید نے بھاری آواز میں کہا اور دروازہ فوراً ہی کھل گیا۔

وہ ڈریسنگ گاؤن کی ڈوری باندھ رہی تھی۔

''اوہ.....آپ ہیں۔'' اُس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔''مجھے یقین تھا کہ ایسا ہی ہوگا۔آ آپ نے مجھ پر رحم کھا کر وہاں سے چلے آنے کی اجازت دی تھی.....لیکن محترم میں کسی قسم بھی رشوت کے قابل نہیں ہوں۔''

''اپنے لہجے میں تھوڑی مٹھاس پیدا کیجئے۔کیا اندر آنے کو بھی نہ کہئے گا۔''

''ضرور.....ضرور.....تشریف لائیے۔'' وہ ایک طرف ہٹتی ہوئی بولی۔

نشست کا کمرہ تھا۔معمولی قسم کے ساز و سامان سمیت مکین کی خوش ذوقی کا مظہر۔

''تشریف رکھئے۔'' نجمی نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

حمید بیٹھ کر چند لمحے اُسے پرتشویش نظروں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔''آپ ذرا ہی سی دیر ں سوجائیں گی۔''

''اسے اطلاع سمجھوں یا پیش گوئی۔'' وہ مسکرائی۔

''سنجیدگی اختیار کیجئے.....آپ کو پھر واپس چلنا ہے۔''

''کیوں.....؟'' اُس نے آنکھیں نکالیں۔لہجے میں بھی جھلاہٹ تھی۔

''میرے چیف کا حکم.....جاوید کی دریافت کے بعد سے حالات بدل گئے ہیں۔''

''دریافت سے کیا مراد ہے آپ کی۔''

''آپ نے پچھلی رات اُسے کس وقت دیکھا تھا؟''

''اوہ.....!'' نجمی نے طویل سانس لی اور خود بھی سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

حمید اُسے استفہامیہ انداز میں دیکھتا رہا۔

کچھ دیر بعد نجمی بولی۔''کیا یہ ممکن نہیں کہ مجھے وہاں نہ جانا پڑے۔میں اب سوجانا چاہتی ہوں۔ہاں میں نے اُسے پچھلی رات عقبی پارک کی طرف جاتے دیکھا تھا۔''

''کیا وقت رہا ہوگا۔''

''بارہ بجے تھے.....وقت کے متعلق یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کیونکہ اُسی وقت کسی نرسنگ کمرے میں لگے ہوئے کلاک نے بارہ بجائے تھے۔''

''اور کون تھا اُس کے ساتھ؟''

''تنہا تھا.....؟''

''آپ نے سوچا ہوگا کہ اتنی رات گئے عقبی پارک کی طرف جانے کا کیا مقصد ہوسکتا ہے۔''

وہ ہنس پڑی۔ انداز تضحیک آمیز تھا۔

پھر حمید کی آنکھوں میں اس ہنسی کے متعلق استفہام دیکھ کر بولی۔ ''وہاں کون سوچتا ایسی باتیں..... کیا آپ کو اس دنیا کی خبر نہیں۔''

حمید نے معصومیت سے نفی میں سر ہلا دیا۔

''مجھے تو اسی میں شبہ ہے کہ آپ کا تعلق پولیس سے ہے۔''

''کیوں شبہ کیوں.....؟''

''واقعی آپ بالکل شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں۔''

''بالکل سے کیا مراد ہے آپ کی.....؟'' حمید نے بھولپن سے پوچھا۔

وہ جواب دینے کی بجائے ہنس پڑی۔ حمید احمقانہ انداز میں اُسے دیکھتا رہا۔

''لیکن..... میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی کہ وہ آشا کے لئے وہاں گیا ہوگا۔'' اُس نے چند لمحے بعد سنجیدگی اختیار کر کے پرتشویش لہجے میں کہا۔

''نہ سوچنے کی وجہ۔''

''ارے وہ جاوید..... مانا کہ خوبرو تھا..... مگر تھا تو پھٹیچر..... آشا کو کس بات کی کمی تھی ملک کے نہ جانے کتنے دولت مند آدمی.....!''

''مگر یہ کیوں بھولتی ہو کہ وہ خود بھی کافی دولت مند تھی۔''

''لیکن جاوید..... کیا آپ کو معلوم نہیں کہ پچھلی فلم ''نظارے'' کی شوٹنگ کے دوران میں آشا نے جاوید کے تھپڑ مار دیا تھا۔''

''اوہو..... نہیں..... ہمیں اس کی اطلاع نہیں۔ کتنے عرصہ پہلے کی بات ہے؟''

''ایک سال ہونے کو آیا۔''

''کیا وہ فلم اسی ڈائریکٹر نے بنائی تھی۔''

''جی ہاں..... وہ آشا کے نام پر کباب ہو جاتا تھا۔''

''تھپڑ کیوں مارا تھا آشا نے۔''

''جاوید نشے میں تھا۔ اُس نے آشا سے اپنی کوئی خواہش ظاہر کرتے ہوئے کہا تھا کہ اگر وہ تیار نہ ہوئی تو اس فلم میں اُس کی مٹی پلید کر کے رکھ دے گا۔''

''اوہ..... لیکن آپ نے خواہش کی وضاحت نہیں کی۔''

''جلیبیاں مانگ رہا تھا۔'' نجمی جل کر بولی۔ ''آپ واقعی اتنے ہی بھولے ہیں یا خواہ مخواہ میرا وقت برباد کر رہے ہیں۔''

''ارے آپ کو کیسے معلوم ہوا۔'' حمید نے حیرت سے پوچھا۔

''کیا معلوم ہوا؟''

''یہی کہ میری عرفیت بھولے میاں ہے۔'' حمید شرما کر بولا اور وہ بیساختہ ہنس پڑی۔

پھر سنجیدہ ہو کر اُسے کچھ دیر گھورتی رہنے کے بعد بولی۔ ''آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''مم..... میں دراصل یہ نوکری چھوڑنا چاہتا ہوں..... کیا فلم میں مجھے چانس مل جائے گا۔''

''کیوں نہیں' کیوں نہیں۔'' وہ سر ہلا کر بولی۔ ''اگر پیسہ ہے تو آپ فلم پروڈیوسر بن سکتے ہیں۔''

''مم..... میرا مطلب تھا..... ہیرو..... ویرو.....!''

''مجھے بیوقوف نہ بنائیے.....!'' وہ جھنجھلا کر بولی۔ ''رحم کیجئے میرے حال پر۔ ورنہ نیند اب بیہوشی کی شکل اختیار کر لے گی۔''

''اچھا پھر سہی۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔ ''میں جاوید سے متعلق آپ کا بیان لے چکا ہوں، لہٰذا اب یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ میرے ساتھ اسٹوڈیو جائیں۔''

''کبھی کبھی ملتے رہنا..... خاصے دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہو۔''

''اچھا.....!'' حمید نے سعادت مندانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔

اب پھر اسٹوڈیو کی طرف واپس جا رہا تھا۔

فریدی سے عمارت میں ملاقات نہ ہو سکی۔ لیکن کچھ ماتحت اب بھی مختلف کمروں میں لوگوں کے بیانات لیتے نظر آ رہے تھے۔ سرجنٹ رمیش نے بتایا کہ فریدی کچھ دیر پہلے عقبی

پارک کی طرف گیا تھا۔

عقبی پارک سے لاش اٹھوائی جا چکی تھی اس لئے حمید نے بھی اُدھر ہی کا رخ کیا۔ لاش کی موجودگی میں وہ پھر ٹال جاتا۔ خواہ مخواہ موڈ خراب کرنے سے کیا فائدہ۔

فریدی اُسی جگہ ملا جہاں آشا کی لاش پائی گئی تھی۔ اُس نے سوالیہ نظروں سے حمید کی طرف دیکھا۔

''میں نے اُس لڑکی..... مطلب یہ کہ نجم السحر سے پوچھ گچھ کی تھی۔ اُس نے بتایا کہ جاوید کو اُس نے بارہ بجے عقبی پارک کی طرف جاتے دیکھا تھا۔''

''ہوں..... اور کچھ.....؟''

''اور یہ کہ پچھلے سال فلم ''نظارے'' کی شوٹنگ کے دوران میں آشا نے جاوید کے تھپڑ مار دیا تھا۔''

حمید نے تفصیل بتائی۔ فریدی کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''اگر وہ جاوید کی انتقامی کارروائی تھی تو پھر خود جاوید کو کیا ہوا..... اُس کے سر کا زخم کسی وزنی اور کند اوزار کی ضرب کا نتیجہ تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ پچھلی رات سے اب تک یہیں کہیں بیہوش پڑا رہا تھا۔ ہوش آنے پر اسٹوڈیو کی طرف چل پڑا ہوگا۔ ہوسکتا ہے..... کہ.....!''

وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

پھر حمید نے دیکھا کہ وہ مضطربانہ انداز میں چاروں طرف دیکھ رہا ہے۔

یہاں جگہ جگہ مالتی کے جھنڈ بکھرے ہوئے تھے۔ بے ترتیب روئیدگی میں بھی اس سلیقے سے ترتیب پیدا کی گئی تھی، جیسے ان میں انسانی ہاتھ لگے ہی نہ ہوں..... غالباً فلمی مناظر کے لئے انہیں برقرار رہنے دیا گیا تھا۔

دفعتاً حمید نے فریدی کو ایک قریبی جھنڈ کی طرف بڑھتے دیکھا اور پھر وہ جھک کر کوئی چیز اٹھانے لگا۔

حمید بھی پھرتی سے اُس کے قریب پہنچا۔

مالتی کی گھنی شاخوں میں کپڑے کا ایک ٹکڑا الجھا ہوا نظر آیا اور پھر جب فریدی نے اُسے کھینچ کر باہر نکالا تو وہ گہرے براؤن رنگ کی ٹائی ثابت ہوئی جس پر کئی جگہ غالباً خون ہی کے دھبے تھے۔

بیچارہ ادیب

فریدی پر تفکر انداز میں دھبوں کو ٹٹولتا رہا۔ پھر حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

''جاوید کے گلے میں ٹائی نہیں تھی۔''

''ممکن ہے شروع ہی سے نہ رہی ہو۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔

''ہوں..... اُوں.....!'' وہ پھر سوچ میں ڈوب گیا۔

حمید بُری طرح الجھ رہا تھا۔ اس لئے خلاء میں گھورتا ہوا بوریت کے اظہار کے لئے طرح طرح کے منہ بناتا رہا اور یہ نئی بات نہیں تھی۔ ایسے مواقع پر ہمیشہ وہ بوریت کا شکار ہو جاتا تھا۔ جب اُس کی حیثیت محض ہمراہی کی سی ہوتی تھی۔ کام چور ہرگز نہیں تھا۔ کوئی کام سونپ دیا جائے تو وہ پایہ تکمیل ہی کو پہنچ کر رہتا تھا۔ لیکن خود سے کام سمیٹتے پھرنے سے قطعی دلچسپی نہیں تھی۔

بہرحال کچھ تو بوریت تھی اور کچھ پچھلی رات کی تھکن کہ وہ نکل بھاگنے کی راہیں تلاش کر رہا تھا۔ دفعتاً فریدی نے اُس کی طرف مڑ کر کہا۔ ''ابھی تک کسی نے جاوید اور آشا کے کسی جھگڑے کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔''

''یہ لوگ اتنا ہی بتاتے ہیں جتنا پوچھا جائے۔''

''کسی اور سے بھی پوچھو۔'' فریدی نے عمارات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

حمید نے طویل سانس لی۔ وہ یہی چاہتا تھا۔

لیکن دشواری یہ آپڑی کہ اُس وقت وہاں اُن لوگوں میں سے کوئی بھی موجود نہ تھا جنہوں نے فلم نظارے کی تکمیل میں کسی نہ کسی طرح حصہ لیا تھا۔ پھر بھی وہ اپنے بجھے ذہن سمیت اسٹوڈیو کی عمارات میں چکراتا پھرا۔ پچھلی رات کے تجربات اب پھر یاد تھے۔ وہ اس طرح بے ارادہ پہلے کبھی نہیں سویا تھا جیسے راجن کی خواب گاہ میں نیند آ گئی اس لئے یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی کہ کافی میں کسی خواب آور چیز کی آمیزش کی گئی لیکن مقصد کیا تھا؟

پھر راجن کا بیان۔ اُس کی دانست میں مورفیا کا انجکشن دینے والا خود حمید تھا۔ اگر سچا سمجھ لیا جائے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ خود بھی کسی سازش کا شکار ہوگیا تھا۔

ٹہلتے ٹہلتے ایک جگہ رک کر حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ اُس کی پشت پر کسی کمرہ دروازہ کھلا تھا جس کا ایک پاٹ بھڑا ہوا تھا اور دوسرے کی پوزیشن بھی ایسی تھی کہ اُس کھڑے ہوکر کمرے کے اندر نہیں دیکھا جاسکتا تھا۔

دفعتاً اُس سے کسی نے کہا۔ ''یار مانگ لے تھوڑی سی تمباکو..... آخر کیا بُرائی ہے۔''

''چپ رہو۔'' دوسری آواز آئی۔ ''تم مجھے کیا سمجھتے ہو..... میرا باپ ڈپٹی کمشنر تھا۔ تمباکو مانگتا پھروں گا ہونہہ.....!''

''تمہارے باپ کی ڈپٹی کمشنری تمہیں بھنگی بنا کر رکھ دے گی ایک دن۔ دیکھ لینا۔''

پھر ایک نسوانی قہقہہ سنائی دیا اور کہا گیا۔ ''ٹھہرو! میں مانگے لاتی ہوں۔''

حمید نے مڑ کر دیکھا دروازے کے اوپر والے سائن بورڈ پر ''غوری پروڈکشنز'' تحریر دروازہ کھلا اور حمید اچھل پڑا۔ باہر آنے والی نجمی تھی۔

وہ بھی حمید پر نظر پڑتے ہی ٹھٹکی تھی۔ لیکن پھر سنبھل کر مسکرائی۔

''ہلو آفیسر..... مجھے یہاں دیکھ کر غالباً متحیر ہو۔''

''یقیناً.....!'' حمید اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''جواب بھی نیند کے غبار سے دھندلائی ہوئی تھیں۔''

''یہ زندگی کچھ ایسی ہی ہے۔ تم کون سا تمباکو پیتے ہو۔''

''پرنس ہنری۔''

''کیا تھوڑا سا دے سکو گے..... ہمارے سیٹھ کا نشہ اکھڑ رہا ہے۔ تمباکو ختم ہوگیا ہے۔ خود ہی رول کر کے پیتا ہے۔''

حمید نے پاؤچ جیب سے نکال کر اُس کی طرف بڑھا دیا۔

''آؤ..... اندر آجاؤ۔'' نجمی دروازے میں مڑتی ہوئی بولی۔

''کیا مضائقہ ہے۔'' حمید نے کہا اور دوسرے ہی لمحے میں خود بھی کمرے کے اندر ہی تھا۔ سامنے ہی ایک بڑی سی میز نظر آئی جس کے پیچھے ایک گول مٹول سا آدمی کرسی میں دھنسا ہوا تھا اور بائیں جانب ایک دبلا پتلا مدقوق سا آدمی نظر آیا جس نے اپنی بھنویں اس طرح سکوڑ رکھی تھیں جیسے حمید کا آنا ناگوار گذرا ہو۔

''تمباکو ہی تمباکو سیٹھ۔'' نجمی اٹھلائی۔ ''یہ میرے دوست ہیں۔''

''اچھا جی۔'' موٹے آدمی نے دانت نکال دیئے۔ ''بیٹھو..... بیٹھو۔''

نجمی نے تمباکو کی پاؤچ اُس کے سامنے ڈال دی تھی۔

حمید کچھ اُس ہنس مکھ موٹے کو گھورتا اور کبھی اُس نکچڑے مدقوق کو۔

''یہ ہمارے اسکرپٹ رائٹر ہیں۔'' موٹے نے مدقوق کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''میں اسے غیر ضروری سمجھتا ہوں کہ ہر ایک سے میرا تعارف کرایا جائے۔'' مدقوق نتھنے پھلا کر بولا۔

''یہ کسی ڈپٹی کمشنر کے لڑکے ہیں۔'' نجمی ہنس کر بولی۔ ''اس لئے ان کی بات کا کوئی بھی بُرا نہیں مانتا۔''

''اچھا..... اچھا.....!'' حمید سر ہلا کر بولا۔

''مس نجمی..... میں اسے پسند نہیں کرتا۔'' مدقوق نے پھر نتھنے پھلائے۔

''اُوئے چپ کرنا۔'' موٹے سیٹھ نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔

مدقوق نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

سیٹھ پاؤچ سے تمباکو نکال کر سگریٹ رول کر رہا تھا۔

''میرا سر درد سے پھٹا جا رہا ہے سیٹھ۔'' نجمی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر منمنائی۔

''لیسپرو دکھاؤ.....!''

''ارے مجھے نیند بھی آ رہی ہے۔''

''ابھی چلتے ہیں.....ابھی چلتے ہیں۔''

''بلوایا کیوں تھا جب کوئی کام نہیں ہے۔''

''بہت کام ہے.....بہت کام ہے۔'' وہ سر ہلا کر بولا۔

حمید نے پاؤچ اٹھا کر جیب میں ڈالی اور اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ نجمی بول پڑا

''ہمارے اسکرپٹ رائٹر صاحب جاوید کے گہرے دوستوں میں سے تھے۔''

''اوہو.....!''

''اچھا تھا.....تو پھر.....؟'' مدقوق نے آنکھیں نکالیں۔

''آپ ہمارے لئے کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں۔'' حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

''کیا مطلب.....میں بے تکلفی کا عادی نہیں ہوں۔''

''میرا باپ کمشنر تھا۔'' نجمی نے اُسی کے لہجے کی نقل اُتاری۔

''میں اسے پسند نہیں کرتا۔'' مدقوق میز پر ہاتھ مار کر چیخا اور اُسے کھانسی آنے لگی۔

موٹا سیٹھ ہنس رہا تھا اور اُس نے نجمی کو پیار بھری نظروں سے دیکھ کر آنکھ بھی ماری تھی

''میں جا رہا ہوں۔'' مدقوق اٹھتا ہوا بولا۔

''تشریف رکھئے۔'' حمید نے سخت لہجے میں کہا۔

''جی.....!'' وہ کھسکھنے انداز میں اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

''یہ دیکھئے۔'' حمید جیب سے اپنا کارڈ نکال کر اُس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ''میں آ کو روک سکتا ہوں۔''

''اُوہ.....اُوہ.....'' وہ کارڈ پر نظر جمائے ہوئے چپ چاپ بیٹھ گیا۔

''جاوید کو آپ کب سے جانتے تھے؟''

موٹا سیٹھ اُس کے بدلتے ہوئے رویئے کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ پھر نجمی نے سسپنس کا خاتمہ کر دیا۔

''یہ ایک پولیس آفیسر ہیں!''

''اچھا.....اچھا.....!'' موٹے نے دانت نکال دیئے۔ پھر بلند آواز میں ہانک لگائی۔

''اُو باہر والا۔''

''نہیں شکریہ۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''میں چائے نہیں پیوں گا۔''

''پیونا صاحب.....یہ اپنی نجمہ کا دوست ہمارا بھی بھائی ہے۔''

''شکریہ.....!'' حمید نے کہا اور مدقوق سے بولا۔ ''آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔''

''میں اُسے سالہا سال سے جانتا تھا.....میرا کلاس فیلو.....!''

''ان دنوں کیسے تعلقات تھے۔''

''اچھے ہی تھے۔'' مدقوق کی آواز کانپ رہی تھی اور وہ بیحد نروس نظر آ رہا تھا۔

''اب تم چوکڑی بھول گیا منشی جی۔'' سیٹھ ہنسنے لگا۔

مدقوق نے اُسے بے بسی سے دیکھا اور پھر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

''آشا اور اس کے تعلقات کا علم تھا آپ کو۔''

''مم.....میں.....تعلقات میں نہیں سمجھا۔''

''پچھلی رات کہاں تھے؟''

''مم.....میں یہیں تھا۔''

''پچھلی رات جاوید سے ملاقات ہوئی تھی۔''

''نہیں.....؟''

''آشا کے متعلق اُس نے آپ سے کیا بتایا تھا۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کیا پوچھ رہے ہیں۔''

''اُس کے اس طرح مرجانے پر آپ کو حیرت نہیں۔''

''میرے خدا یہ کس قسم کے سوالات ہیں۔'' وہ اپنے بال نوچتا ہوا بولا

''وہ آج یہاں اسی حالت میں پہنچا تھا کہ لڑکھڑا کر گرتے ہی دم توڑ دیا؟''

''جی ہاں..... مجھے معلوم ہے۔'' مدقوق سر ہلا کر بولا۔

''اسے کس نے زخمی کیا تھا.....؟''

''کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ میں ہوسکتا ہوں۔''

''میرے سوال کا جواب دیجئے۔''

''اُف فوہ! میں کیا بتا سکوں گا۔ میں تو ساری رات یہاں رہا ہوں اور اب بھی آپ یہیں دیکھ رہے ہیں۔ ویسے وہ جھگڑالو آدمی تھا۔ شراب پی کر اور بھی بد دماغ ہوجاتا تھا۔ کسی نے بھی پیٹ دیا ہوگا۔''

''پچھلے سال اُس کا آشا سے جھگڑا ہوا تھا..... آپ کو علم ہے۔''

''جی ہاں! میں نے بھی سنا تھا۔''

''اُسی کی زبانی.....!''

''جی ہاں..... آشا نے اُسے تھپڑ مار دیا تھا۔ اُس کے بعد وہ جب بھی نشے میں ہوتا تھا اُسے آشا کا تھپڑ یاد آجاتا تھا۔ اور وہ.....!''

''ہوں..... اور وہ کیا کہتا تھا؟''

''یہی کہ کسی دن اُسے مزہ چکھائے گا۔''

''آخری بار اُس نے یہ بات کب کہی تھی۔''

''کاش میں ڈائری لکھنے کا عادی ہوتا۔'' وہ روہانسی آواز میں بولا۔

''ذہن پر زور دیجئے۔ آپ تو بہت ذہین آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ ابھی تک مجھے آپ کا نام بھی نہیں معلوم ہوسکا۔''

''مجھے فیاض نجدی کہتے ہیں۔'' وہ منمنایا۔

''اُوہ..... آپ ہی فیاض نجدی ہیں۔'' حمید نے حیرت سے دہرایا اور بے حد خوش ہوکر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ ''آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ اُف فوہ..... میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنے بڑے ادیب سے اس طرح ملاقات ہوگی۔''

مدقوق نے دانت نکال دیئے اور بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ حمید بھی کھلا پڑ رہا تھا۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ اس سے پہلے کبھی یہ نام سنا بھی نہ ہو۔

مدقوق اسکرپٹ رائٹر دفعتاً مجسم اخلاق بن گیا۔ حمید کہہ رہا تھا۔ ''فلم انڈسٹری پر احسان ہے آپ کا کہ آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ ہی جیسے کچھ اور بھی بڑے ادیب ادھر آجائیں تو کیا کہنا..... چار چاند لگ جائیں۔''

''شکریہ..... شکریہ..... میں کس قابل ہوں۔''

''ارے نہیں منشی جی۔'' سیٹھ سر ہلا کر بولا۔ ''تم بہت بڑا قابل ہے..... جب ایسا ایسا بابو لوگ تمہارا تعریف کرتا ہے۔''

''یہ بہت بڑے پولیس آفیسر ہیں جناب۔'' اسکرپٹ رائٹر فیاض نجدی نے کہا۔

''ارے باپ رے۔'' سیٹھ بوکھلا کر کھڑا ہوگیا۔

''بیٹھئے..... بیٹھئے..... سیٹھ صاحب۔ ہم دوستانہ فضا میں بات چیت کررہے ہیں۔'' حمید بولا۔

''اچھا صاحب..... اچھا جی.....'' سیٹھ بیٹھ گیا اور اس طرح ہانپنے لگا جیسے پہاڑ چڑھنا پڑا ہو۔

''ہاں تو نجدی صاحب..... یہ جاوید۔'' حمید پھر اُس کی طرف متوجہ ہوگیا۔

''ارے جناب بس کیا عرض کروں..... ادھر کچھ دنوں سے وہ اُس پر مہربان ہوگئی تھی اور نشے کی حالت میں اُسے گالیاں دینے کی بجائے اُس کی بے بسی پر رویا کرتا تھا۔''

''بے بسی پر رویا کرتا تھا.....؟'' حمید نے حیرت ظاہر کی۔

''جی ہاں بے بسی ہی کہہ لیجئے۔ اُس کی نانی اُسے کڑی نگرانی میں رکھتی تھی۔''

''آپ کو اس تبدیلی پر حیرت تو ہوئی ہوگی۔''

''جی ہاں..... بہت پوچھنے پر اُس نے بتایا تھا کہ آج کل دونوں کا رومان چل رہا ہے۔''

''آپ کو اس پر اور زیادہ حیرت ہوئی ہوگی۔''

''جی ہاں..... بالکل..... دونوں چھپ چھپ کر ملتے تھے۔''

''کیا خیال ہے آپ کا پچھلی رات بھی ایسا ہی ہوا ہوگا۔''

''ہوسکتا ہے..... سننے میں آیا ہے آشا اپنی نانی کو یہ کہہ کر لائی تھی کہ ڈائریکٹر نے طلب کیا ہے حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ پھر جاوید ہی کے کیمرے میں خرابی واقع ہوئی اور شوٹنگ گیارہ بجے ہی روک دی گئی۔ آشا یہاں پہنچی اور اپنی نانی سے بضد ہوئی کہ گھر واپس نہیں جائے گی۔ معاملہ صاف ہے۔''

وہ خاموش ہو کر فخریہ انداز میں حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

''اُف فوہ جناب۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔ ''آپ تو واقعی بلا کے ذہین ہیں۔''

''بس اب اسی سے اندازہ کر لیجئے کہ کیا ہوا ہوگا۔'' وہ پرجوش آواز میں بولا۔ ''دونوں عقبی پارک کی طرف گئے ہوں گے اور..... آشا کے کسی دوسرے چاہنے والے نے جو پہلے ہی تاک میں رہا ہوگا..... دونوں پر قاتلانہ حملے کئے..... ہوسکتا ہے جاوید صبح تک بے ہوش پڑا رہا ہو۔''

''بس بس.....!'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''یہ سب باتیں پبلک کے سامنے کہنے کی نہیں ہیں۔''

نجدی خاموش ہو گیا لیکن کچھ دیر قبل کے کھلائے ہوئے چہرے پر سرخی پھوٹی پڑ رہی تھی اور آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔

دوسری طرف نجمی حمید کا کارڈ ہاتھ میں لئے کبھی حیرت سے حمید کی طرف دیکھتی تھی اور کبھی کارڈ کی طرف۔

کچھ دیر بعد حمید نے کہا۔ ''نجدی صاحب آپ کو..... تحریری بیان دینا پڑے گا۔''

''بہت بہتر جناب۔ میں بالتفصیل خود ہی لکھ دوں..... یا آپ لکھیں گے۔''

''لکھئے..... آپ ہی لکھئے..... لیکن وہ ہمارے ہی مطلب کا ہونا چاہئے۔ افسانہ نہ بنا دیجئے۔''

''نہیں..... نہیں..... جناب میں سمجھتا ہوں۔''

''اچھا تو اب اجازت دیجئے۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا اور نجمی کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''اور آپ میرے ساتھ میرے دفتر تک چلئے..... آپ کا بھی بیان لینا پڑے گا۔''

''چلئے..... چلئے.....!'' نجمی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ یہی چاہتی تھی۔

''کتنی دیر میں چھٹی ہوگی۔'' سیٹھ نے بے بسی سے پوچھا۔

''رات سے پہلے ناممکن ہے۔'' حمید نے کہا..... اور نجمی کے ساتھ باہر نکل آیا۔

''تو آپ کیپٹن حمید ہیں۔'' نجمی نے طویل سانس لے کر پوچھا۔ حمید اُسے اپنی گاڑی کی طرف لے جا رہا تھا۔

''جی ہاں.....!''

''تو اتنا بن کیوں رہے تھے؟''

''چلو گھر چھوڑ آؤں..... شام تک سوتی رہنا۔ اب کوئی ڈسٹرب نہیں کرے گا۔''

''اس سلسلے میں شکر گذار ہوں..... ورنہ گھر کی بجائے مجھے سیٹھ کی کوٹھی جانا پڑتا..... بڑی بیہات زندگی ہے۔ آگے بڑھنے کے لئے کیا کچھ نہیں کرنا پڑا۔ مگر خوب گھسائی کی آپ نے بدی کی۔ وہ کبھی اتنی باتیں نہ کرتا اگر آپ اُس کی تعریف نہ کر دیتے۔''

''ادیب ہے بیچارہ..... یہ لوگ بھی کچھ کمزوریاں رکھتے ہیں۔''

وہ ابھی گاڑی میں بیٹھنے بھی نہیں پائے تھے کہ سیٹھ نظر آیا جو لڑھکتا ہوا اُسی طرف چلا آ رہا تھا۔ اُس نے ہاتھ اٹھا کر انہیں رکنے کا اشارہ بھی کیا تھا۔

وہ لاش

حمید اس طرح مڑا جیسے اُس کے قریب پہنچنے پر ہاتھ ہی تو گھما دے گا۔

غالباً نجمی بھی یہی سمجھی تھی کیونکہ دوسرے ہی لمحے میں اُس نے بوکھلا کر کہا تھا۔ ''بات بڑھایئے گا بہر حال میرے مستقبل کا سوال ہے۔''

سیٹھ قریب پہنچ چکا تھا۔ اُس نے گھگھیا کر کہا۔ ''جناب..... آج رات کو میری کوٹھی پر فنکشن ہے آپ بھی آجایئے گا اور انہیں بھی لایئے گا۔''

اُس نے اپنا کارڈ حمید کی طرف بڑھایا جو لے لیا گیا۔

''ضرور آؤں گا اور انہیں بھی ساتھ لاؤں گا..... بے فکر رہو.....!'' حمید نے نجمی کے لئے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

''جی بہت بہت شکریہ.....!'' سیٹھ نے کہا اور اُس وقت تک وہیں کھڑا رہا جب تک کہ گاڑی چل نہیں پڑی۔

''کیا خیال ہے؟'' حمید نے اسٹوڈیو کے پھاٹک سے گذرتے ہوئے پوچھا۔

''بہت اچھا رہا..... اب میں سو سکوں گی۔ اب اس میں اتنی ہمت نہیں کہ آج مجھے دوبارہ بور کر سکے۔ پہلی بار مجھے سائیڈ ہیروئن کا رول مل رہا ہے۔ میں اُسے کسی بھی قیمت پر کھونا نہیں چاہتی۔''

''اس سے پہلے کیا کرتی رہی تھیں.....!''

''ایکسٹرا..... جس کی کوئی اہمیت نہیں۔ جو محض اس توقع پر خود کو تباہ کرتی رہتی ہے کہ شائد کبھی کوئی اچھا چانس مل جائے۔''

''پڑھی لکھی معلوم ہوتی ہو۔''

''گریجویٹ ہوں..... حضرت.....!''

''تعجب ہے..... اس کے باوجود بھی۔''

وہ کچھ نہ بولی۔ لیکن چہرے پر ناگواری کے آثار پائے جاتے تھے۔

''بہر حال یہ دنیا ہر اعتبار سے عجیب ہے۔'' حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

''اصلاً میں ایک طوائف کی بیٹی ہوں سمجھے حضور.....!'' اُس نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''میرے لئے یہ دنیا قطعی عجیب نہیں ہے۔''

''اوہو.....!''

''لیکن..... میں اپنی ماں کے پیشے سے متنفر تھی۔ مجھے علم حاصل کرنے کا شوق تھا۔ مالدار طوائف کی بیٹی تھی اس لئے حصول علم میں مجھے کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ ماں بھی کہتی تھی چلو اچھا ہے پڑھ لکھ لوگی تو تمہیں فلمی دنیا تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے گی۔

علم نے میری آنکھیں کھولیں اور میں نے تہیہ کرلیا کہ اپنی محنت سے روزی کماؤں گی۔ ڈگری لینے کے بعد فلم کے چکر میں پڑنے کی بجائے معلمی جیسے معزز پیشے کی طرف قدم بڑھایا۔ غیر تربیت یافتہ تھی اس لئے فوری طور پر سرکاری ملازمت نہ مل سکی۔ ایجوکیشن کی ڈگری کے لئے بی ایڈ میں داخلہ لینا چاہا لیکن پتہ چلا کہ اس کے لئے بھی کم از کم ایک سال کا معلمی کا تجربہ ہونا چاہئے تب داخلہ ملے گا۔ میں نے سوچا بہتر یہی ہوگا کہ کسی پرائیویٹ سکول میں ملازمت کی جائے۔ لہٰذا ایک ایسے سکول میں پہنچی جس کا بڑا شہرہ سنا تھا..... ایک ایجوکیشن سوسائٹی اُسے چلا رہی تھی۔ ہیڈ معلمہ کے متعلق مشہور تھا کہ بڑی نیک دل خاتون ہیں..... معلمہ اخلاق سے پیش آئیں اور مجھے مشورہ دیا کہ سوسائٹی کے صدر سے مل لوں، جو خود بھی بڑے اچھے آدمی ہیں۔ میں نے سوچا کون جھنجھٹ کرتا پھرے..... چھوڑو..... اور اپنا یہ خیال ہیڈ معلمہ پر بھی ظاہر کردیا۔ وہ بولیں نہیں ہرگز نہیں۔ میں آپ کو رکھنا چاہتی ہوں۔ اگر آپ تنہا وہاں نہ جانا چاہیں تو میں خود چلوں گی آپ کے ساتھ..... تو جناب میں اُن کے ساتھ صدر صاحب کے گھر پہنچی۔ وہ بھی اخلاق سے پیش آئے۔ بہر حال مختصر یہ کہ ملازمت مل گئی۔ صدر بھی اکثر سکول میں تشریف لاتے اور میرے کام کی بے حد تعریف کرتے ہوئے اپنے ذاتی کام بھی میرے گلے لگا جاتے۔ لیڈر قسم کے آدمی تھے۔ تقریریں لکھ کر یا کسی سے لکھوا کر لاتے اور میرے حوالے کرتے کہ اُسے ٹائپ کردو۔ میں اچھی خاصی ٹائپسٹ بھی تھی۔ طالب علمی ہی کے دوران میں شوقیہ ٹائپ کا کام سیکھا تھا۔ ایک اتوار کو انہوں نے گھر بلایا کہ سوسائٹی کی سالانہ رپورٹ ٹائپ کردوں جسے فوری طور پر پریس میں جانا تھا۔ میں چلی گئی۔ اُن جیسے معمر اور ثقہ آدمی کے لئے میں کوئی بُری بات سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ گھر میں سناٹا تھا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ بچے کسی تقریب میں گئے ہوئے

ہیں۔ میں نے اس پر بھی کوئی توجہ نہ دی۔ کام کرنے بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ حضرت خود ہی میرے لئے چائے لائے۔ مجھے بڑی شرمندگی ہوئی کیونکہ گھر میں کوئی نہیں تھا۔ خود ہی بنانی ہوگی۔ بہرحال مجھے چائے پینی پڑی۔ اُس کے بعد کچھ ہوش نہیں کہ کیا ہوا۔ شام پڑے ہوش میں آئی تھی اور یہ محسوس کیا تھا کہ جس چیز کی حفاظت کے لئے طوائف کا بالا خانہ چھوڑا تھا، علماء اور شرفاء میں لٹ گئی۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں۔ گھر ویران پڑا تھا..... وہ حضرت بھی نہ جانے کہاں غائب ہوگئے تھے۔ عجیب کیفیت تھی میری۔ کبھی سارا جسم غصے سے تپ اٹھتا اور کبھی کبھی موٹے موٹے آنسو آنکھوں سے ابلنے لگتے۔

بہرحال اس کے بعد اس پیشے پر لعنت بھیج کر سرکاری دفاتر کے چکر کاٹے۔ ایک جگہ ٹائپسٹ کی جگہ مل گئی مگر وہاں بھی چپراسی سے لے کر بڑے صاحب تک سبھی میرے عاشق نظر آئے۔ ناک میں دم آ گیا۔ نیچے سے اوپر تک وہ کشمکش نظر آئی کہ خدا کی پناہ..... وہاں سے بھی بھاگنا پڑا۔ لیکن گھر بسانا میرے بس سے باہر تھا۔ بالا خانے کی طرف واپس جاتی تو وہاں الگ مذاق اڑتا۔ ماں سے پہلے ہی جھگڑا ہو چکا تھا۔ اب میں تھی اور ذہنی کشمکش..... اس دوران میں طرح طرح کے آدمیوں سے سابقہ پڑا۔ پھر انہیں میں سے ایک نے مجھے اس لائن سے روشناس کرادیا۔"

وہ خاموش ہوگئی۔ حمید بھی خاموش تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "واقعی دکھ ہوا۔"

"کیوں؟" وہ عجیب سے انداز میں مسکرائی۔

"ہونا ہی چاہئے۔"

"کچھ ایسے بھی ملے تھے جنہوں نے غمخوار بن کر لوٹا ہے کپتان صاحب۔"

"اور اب تم اپنی موجودہ زندگی سے مطمئن ہو۔" حمید نے پوچھا۔

"کیوں نہ ہوں جناب.....!" اُس نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

لیکن حمید کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔

تھوڑی دیر بعد خود نجمی ہی نے موضوع بدل دیا۔

"آپ لوگ مردنگ کو آج تک نہ پکڑ سکے۔"

"ہماری معلومات کے مطابق وہ سرحد پار کر گیا ہے۔" حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دے کر کہا۔

"میں سوچتی ہوں کہیں اس میں اُسی کا ہاتھ نہ ہو۔"

"آپ اُسے قتل کیوں سمجھ رہی ہیں..... ہوسکتا ہے کوئی درندہ۔"

"پرانی بات ہوئی..... آپ کے چیف کرنل فریدی نے اُسے بعد میں قتل ہی قرار دیا ہے۔"

"میرے لئے نئی اطلاع ہے۔"

"انہوں نے بہتیرے لوگوں کے سامنے اپنے اس خیال کا اظہار کیا تھا۔ یہ بھی کہا تھا یہ کسی ایسے جنسی جنونی کی حرکت ہوسکتی ہے جو سیڈسٹ بھی ہے۔"

"کیا مردنگ ایسا ہی تھا.....؟"

"خدا جانے..... کبھی اُس سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔"

قبل اس کے کہ حمید کچھ اور کہتا نجمی کی قیام گاہ آ گئی۔

"بہت بہت شکریہ۔" وہ گاڑی سے اترتی ہوئی بولی "سیٹھ کے فنکشن کی کیا رہی۔"

"تو کیا سچ مچ تم اُس پر یہی ظاہر کرنا چاہتی ہو کہ تم نے سارا وقت میرے ساتھ گذارا ہے۔"

نجمی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "میں یہی ظاہر کرنا چاہتی ہوں۔"

"اچھا..... بائی بائی۔" حمید ہاتھ ہلا کر بولا اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔

اُس کے ذہن پر بھی غنودگی کے بادل چھا رہے تھے۔

پھر وہ گھر پہنچتے ہی ڈھیر ہوگیا تھا۔ لباس تبدیل کرنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔

خواب میں آشا کی لاش اور نمی راجن اُس کا تعاقب کرتی رہی تھیں کبھی کبھی نجمی کا چہرہ بھی دھندلکوں سے اُبھرتا اور غائب ہوجاتا۔

پھر ایک عجیب سی آواز سوئی ہوئی قوت سامعہ سے ٹکرائی تھی اور آنکھیں کھل گئیں تھیں۔

سرہانے رکھی ہوئی ٹائم پیس گھڑی کا الارم چیخ رہا تھا۔ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔ گھڑی چار بجا رہی تھی۔

یہ کم بخت سرہانے کہاں سے آئی۔ گھڑی میں الارم لگا کر سونے سے زیادہ بڑی حماقت اُس کی نظروں میں اور کوئی نہیں تھی۔

ہاتھ بڑھا کر الارم بند کیا اور کسی نوکر کو طلب کرنے کے لئے گھنٹی بجائی۔

شرفو ہی آیا تھا اور اُس کے چہرے پر جھنجھلاہٹ دیکھ کر مسکرایا بھی تھا۔

''کیوں بے..... یہ؟'' حمید نے آنکھیں نکال کر گھڑی کی طرف سر گھمایا۔

''صاحب نے کہا تھا..... چار بجے کا الارم لگا کر سرہانے رکھ دو.....؟''

''ہوں.....!'' حمید سر ہلا کر اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ''اٹھا لے جا..... ورنہ تیرے سر ہی پر توڑ دوں گا۔''

شرفو نے گھڑی اٹھائی اور کمرے سے نکل گیا۔

پائپ میں تمباکو بھرتے وقت اُس نے سوچا کوئی عورت یہی کام اس طرح انجام نہ دیتی۔ اللہ میاں کے کام حکمت سے خالی نہیں ہوتے۔ مرد ہی میں کوئی خانہ ایسا بھی بنا سکتے تھے کہ عورت کے بغیر بھی توالد و تناسل کا سلسلہ قائم رہتا۔ لہٰذا نہایت منحوس ہے وہ گھر جہاں کوئی عورت نہ ہو۔

اُس نے پھر گھنٹی بجائی۔ اس بار دوسرا ملازم آیا تھا۔

''میں اس وقت کافی پیوں گا۔'' حمید نے اس طرح کہا تھا جیسے اُسے گالی دی ہو اور وہ سر ہلا کر رخصت ہو گیا تھا۔

یک بیک فون کی گھنٹی بجی اور ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں دہاڑا۔

''ہالو.....!''

''سوا چار بجے ہیں۔'' دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔

''ٹائم پیس تو اب اس پوزیشن میں نہیں کہ وقت بتا سکے۔''

''کیا.....؟'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''تم نے اُسے توڑ دیا..... جانتے ہو لارڈ ولنگڈن نے میرے دادا کو تحفتاً پیش کی تھی۔''

''اب آپ کسی چڑیا گھر کیلئے مجھے تحفتاً پیش کر دیجئے۔'' حمید اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔

''بکواس مت کرو..... تمہیں ٹھیک پانچ بجے مردہ خانے پہنچنا ہے۔''

''اگر براہِ راست قبرستان پہنچ جاؤں تو آپ کو کیا اعتراض ہوگا۔''

''شٹ اپ.....!'' دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ ریسیور رکھ کر اُس نے طویل انگڑائی لی۔

بہر حال بستر کو خیر باد کہنا پڑا تھا۔

کچھ دیر بعد شیو کرتے وقت پھر فون کی گھنٹی بجی۔

''ہیلو.....!'' وہ ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں غرایا۔

''کون صاحب ہیں؟'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''کس سے ملنا ہے۔''

''کیپٹن حمید سے؟''

''میں ہی بول رہا ہوں..... فرمایئے؟''

''میں راجن ہوں۔''

''اوہ..... راجن صاحب..... کہیئے کہیئے۔''

''آپ کس نتیجے پر پہنچے؟''

''ابھی تک صرف الجھن میں ہوں۔ میرے خیال سے تو کسی نتیجے پر آپ ہی کو پہنچنا چاہئے۔''

''کس نے مجھے انجکشن دیا تھا..... اور کیوں؟''

''کسی بزرگ کا قول ہے کہ اپنی جوئیں خود مارو۔''

''مذاق نہیں کیپٹن..... میں سخت الجھن میں ہوں؟''

''کیا آپ کو اپنے خلاف کسی سازش کا احتمال ہے؟''

''قطعی نہیں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''اسی لئے تو الجھن میں ہوں۔''

''آپ نے شری متی جی سے اس کا تذکرہ کیا تھا؟''

''کیسے کرسکتا ہوں..... آپ بھی کمال کرتے ہیں۔''

''پھر بتایئے..... میں کیا کروں؟''

''آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔''

''کیا میں شری متی جی سے اس سلسلے میں پوچھ گچھ کرسکتا ہوں۔''

''ہرگز نہیں..... میری ایکٹنگ کا بھانڈا پھوٹ جائے گا..... ہرگز نہیں۔''

''یار تو پھر میں کیا کرسکتا ہوں؟'' حمید جھنجھلا کر بولا۔

''کچھ کیجئے..... کچھ کیجئے..... ورنہ..... میں.....؟''

''اچھا..... اچھا..... کچھ کروں گا۔ فی الحال اجازت دیجئے۔'' حمید نے ریسیور کریڈل پر دے مارا۔

پھر شیو کر کے غسل خانے کی راہ لی۔

کافی کی میز پر شرفو سے پوچھ رہا تھا۔ ''اگر تیری شادی کرادی جائے تو کیسی رہے۔''

''اب میری شادی کی عمر ہے صاحب؟''

''شادی اور حصول علم کے لئے کسی عمر کا تعین نہیں کیا گیا۔''

''اچھا تو چلئے حصول علم کرلوں گا.....!'' شرفو سر ہلا کر بولا۔

''اس گھر کے کتے بھی بقراط ہیں.....'' حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''صاحب آپ خود ہی کیوں نہیں کر لیتے شادی، دوسروں کو بور کرنے سے کیا فائدہ۔'' شرفو نے اُس سے بھی زیادہ بُرا منہ بنا کر کہا۔

''اچھا..... اچھا.....!'' حمید سر ہلا کر بولا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ آخری فریدی نے مردہ خانے میں کیوں بلایا ہے۔ کیا اور کوئی لاش بھی ہے۔

فریدی سے سول ہسپتال کے ریسیپشن روم میں ملاقات ہوئی۔ وہ تنہا تھا۔

حمید نے سب سے پہلے اُسے فیاض نجدی اور نجمی کے متعلق بتایا۔ پھر پوچھنے لگا کہ مردہ خانے میں کیا ہے؟

''کیا ہوتا ہے مردہ خانے میں۔ وہ ٹائی جاوید ہی کی ثابت ہوئی ہے۔ لیکن ابھی تک کوئی ایسا نہیں ملا جس سے یہ معلوم ہوسکا ہو کہ وہ دونوں کھلم کھلا ملتے ہوئے بھی پائے گئے ہوں..... اوہ اب خاموش رہو۔ وہ آ گئی؟''

حمید نے مڑ کر دیکھا۔ آشا کی نانی کسی دوسری عورت کا سہارا لئے ریسیپشن روم میں داخل ہو رہی تھی۔

فریدی اٹھ گیا اور آگے بڑھ کر بولا۔ ''تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں محترمہ لیکن یہ بیحد ضروری تھا۔ میرے ساتھ آیئے۔''

آشا کی نانی کچھ نہ بولی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ گھسٹتی ہوئی چل رہی ہو۔ وہ مردہ خانے میں آئے۔ فریدی ایک ٹرالی کے قریب رک گیا۔ لاش چادر سے ڈھکی ہوئی تھی۔ لیکن ہاتھ اور پیر کھلے ہوئے تھے۔ فریدی کے کہنے کے مطابق بوڑھی عورت نے آگے بڑھ کر انہیں دیکھنا شروع کیا۔

''نہیں.....!'' وہ کچھ دیر بعد کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔ ''یہ آشا نہیں ہوسکتی..... ہرگز نہیں..... پیروں کی بناوٹ..... ہاتھوں کی بناوٹ۔'' وہ خاموش ہو کر آگے پیچھے جھولنے لگی۔ فریدی نے آگے بڑھ کر داہنے ہاتھ سے سنبھال لیا۔ ورنہ فرش ہی پر آئی ہوتی۔ وہ بیہوش ہو چکی تھی۔

لفافہ

فریدی نے اُسے ہاتھوں پر سنبھالے ہوئے حمید سے کہا۔ ''جاؤ..... اسٹریچر بھجواؤ۔''

حمید نے ڈیوٹی ڈاکٹر سے اسٹریچر بھجوانے کیلئے کہا اور پھر مردہ خانے کی طرف واپس آ گیا؟

تو وہ آشا نہیں تھی؟ حمید نے پہلے لاش دیکھی ہوتی تو شائد وہ بھی کوئی خیال قائم کر سکتا۔

بہر حال وہ جو بھی تھی آشا کے قد اور جسامت سے مطابقت رکھنے ہی کی بناء پر کام میں لائی گئی ہوگی۔ چہرہ قابل شناخت نہ رہنے دیا گیا ہوگا۔ وہ سوچتا رہا۔

آدھے گھنٹے سے پہلے فریدی سے گفتگو کرنے کا موقع نہ مل سکا۔

''یہ کیا ہو گیا.....؟'' حمید نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''میں پہلے ہی مطمئن نہیں تھا۔''

''کیا چہرہ قابل شناخت نہیں تھا۔''

''ہوں؟ لیکن جلدی میں وہ ہاتھوں اور پیروں کے متعلق کچھ نہیں کر سکا تھا؟''

''کون؟''

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ پر تفکر انداز میں اُس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

وہ ریسیپشن روم میں بیٹھے تھے۔ تھوڑی دیر بعد میٹرن نے اطلاع دی کہ آشا کی نانی ہوش میں آ گئی ہے۔

''ایک نرس کی نگرانی میں اُسے گھر بھجوا دیا جائے۔'' فریدی نے کہا۔

میٹرن واپس چلی گئی اور حمید جھنجھلا کر بولا۔ ''پھر ہم یہاں بیٹھے کیوں جھک مار رہے ہیں۔''

''فضول باتیں نہ کرو..... تمہیں وہ لڑکی یاد ہے۔''

''مجھے ہر لڑکی زبانی یاد ہے۔''

''شمبو سیٹھ کی سیکریٹری۔''

''ہوں..... اُوں..... لیکن وہ کیسے یاد آ گئی۔''

''میں مردنگ کے امکانات پر غور کر رہا ہوں۔''

''مگر وہ تو سرحد پر کر گیا تھا؟''

''یہ اطلاع غلط بھی ہو سکتی ہے۔''

''تو پھر..... میں کیا کر سکوں گا؟''

''اس سے ملو..... شاید کوئی خاص بات معلوم ہو سکے۔''

''اندھیرے میں تیر پھینکنے سے کیا فائدہ..... ظاہر ہے کہ اب وہ اُس سے جذباتی طور پر بھی بے تعلق ہو چکی ہوگی۔ اُسے اپنے بدبودار باس سے ہمدردی تھی لیکن اُس کا فراڈ ظاہر ہو جانے کے بعد اُسے اپنے جذبہ ہمدردی سے بھی نفرت ہو گئی ہوگی۔''

''ماہر نفسیات ہو رہے ہو آج کل۔''

حمید گردن اکڑا کر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

فریدی کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔ ''اُس سے ضرور ملو۔''

''اُس سے مل کر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے روکھا پھیکا چکن سوپ بقائے صحت کے لئے زبردستی زہر مار کر رہا ہوں۔''

''بکو مت جاؤ.....!'' فریدی گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔

''ابھی.....!''

''اسی وقت.....!''

فش ہاربر کالونی تک پہنچنے کے لئے ایک ایسے علاقے سے بھی گذرنا پڑتا تھا جہاں خشک مچھلیوں کی بدبو دماغ پھاڑ کر رکھ دیتی تھی۔

بہر حال جانا ہی تھا۔ لیکن سوال تھا ''تقریب..... بہر ملاقات کا؟''

وہ کوئی فلرٹ تو تھی نہیں کہ اُسے نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر آنکھوں پر بٹھاتی۔ شریف لڑکیوں سے وہ بے حد بور ہوتا تھا۔ جینی تو شریف ترین تھی۔

''لیکن جناب۔'' حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''آخر اُس سے کس سلسلے میں ملا جائے۔''

''تمہیں وہ رات یاد ہے نا جب مردنگ نے جھلا کر تمہیں بھی موت کے گھاٹ اتارنے کی کوشش کی تھی۔''

''اچھی طرح یاد ہے۔''

''کیا وہ محض اتفاق تھا..... یا میں نے ہی اُس کے لئے وہ مواقع فراہم کئے تھے۔''

''میں درجہ سوئم (الف) کا طالب علم نہیں ہوں۔ جو کچھ کہنا ہو جلدی سے کہہ گذریئے۔ اختلاج ہو رہا ہے۔''

''میں اس بار پھر..... خیر جانے دو..... مت جاؤ..... کچھ نہیں! میں خود ہی دیکھ لوں گا۔''

''آ گئی شامت۔ میں عرض کر رہا تھا حضور والا کہ میں اس خدمت کی انجام دہی سے گریز نہیں کر رہا۔ بس تھوڑی سی وضاحت چاہتا تھا۔ ویسے اس کے بغیر بھی چلا جاؤں گا۔ پاس پڑوس میں یقیناً کوئی نہ کوئی ایسی نکل ہی آئے گی کہ میں دوبارہ بھی وہاں جا سکوں۔''

فریدی ہاتھ ہلا کر جانے کا اشارہ کرتا ہوا دوسری طرف مڑ گیا۔

کچھ دیر بعد حمید کی گاڑی فش ہاربر کالونی کی طرف جا رہی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ اگر مرنے والی آشا نہیں تھی تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ آشا تو خود ہی کہیں روپوش ہو گئی ہے۔ پھر قاتل کے قبضے میں ہو گی۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر مقصد اغواء تھا تو اُس کی پردہ پوشی کے لئے ایک قتل کیوں ہوا۔ اس کا مطلب تو یہی ہو سکتا ہے کہ اغواء کرنے والا کوئی جانا بوجھا آدمی ہے جو اچھی طرح سمجھتا ہے کہ آشا کے غائب ہو جانے پر پولیس اُس پر شبہ کر سکتی ہے۔ اگر وہ مردنگ ہی ہے تو اس سلسلے میں جینی پر نظر رکھنے سے کیا فائدہ۔ ظاہر ہے کہ اب وہ جینی سے قطعی طور پر بے تعلق ہو چکا ہو گا۔ پھر فریدی نے اُسے جینی سے رابطہ قائم رکھنے کی ہدایت کیوں دی ہے؟ وہ سوچتا رہا۔ آخر مقتولہ کون ہے؟ کیا اُس کا تعلق بھی ناردرن اسٹوڈیو سے تھا؟ اگر تھا تو ابھی تک کسی اور کے غائب ہونے کی اطلاع کیوں نہیں ملی۔ ہو سکتا ہے کہ آشا والی غلط فہمی رفع ہو جانے کے بعد یہ بھی معلوم ہو سکے کہ مقتولہ کون تھی؟ لیکن کیا فریدی اس سٹیج پر یہ ظاہر کرنا مناسب سمجھے گا کہ وہ آشا کی لاش نہیں تھی؟

ہو سکتا ہے کہ وہ اس سلسلے میں آشا کی نانی اور اس کے ساتھ والی دوسری عورت کو زبان بند ہی رکھنے کی ہدایت دے۔

گاڑی فش ہاربر کالونی میں داخل ہو رہی تھی۔ اُس نے سوچا کہ براہِ راست جینی کے گھر کے سامنے ہی رکنا مناسب نہ ہو گا۔ لہٰذا اُس نے ایک جگہ گاڑی روک دی اور اُتر کر پیدل ہی جینی کے گھر کی طرف چل پڑا۔ سوچ رہا تھا کہ اُس سے کس طرح رابطہ قائم کرے گا۔ کیونکہ یہ بھی چاہتا تھا کہ اس کی ماں کو کسی بات کا علم نہ ہو سکے۔

گھر کے قریب پہنچ کر اُسے چلتے چلتے رک جانا پڑا۔ کیونکہ برآمدے میں کچھ سرکاری قسم کی شکلیں نظر آئی تھیں۔ اُن میں سے ایک سب انسپکٹر تھا اور دو کانسٹیبل..... ان کے علاوہ بھی تین آدمی تھے۔ ہو سکتا ہے جینی کے پڑوسی رہے ہوں۔ انداز سے یہی معلوم ہوتا تھا جیسے سب انسپکٹر اُن میں سے کسی کا بیان لے رہا ہو۔

حمید آگے بڑھا۔ سب انسپکٹر صورت آشنا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے ہی اُس کی نظر حمید پر پڑی کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

''آیئے جناب.....!'' اُس نے مسکرا کر کہا۔ ''اچھا ہی ہوا کہ معاملہ آپ تک پہنچ چکا ہے؟''

''تشریف رکھئے۔ میں نہیں سمجھا آپ کیا کہہ رہے ہیں۔''

ایک کانسٹیبل نے اپنی کرسی حمید کے لئے کھسکائی۔

''تشریف رکھئے۔'' سب انسپکٹر نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

''ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے۔'' حمید بیٹھتا ہوا بولا۔ ''کیا قصہ ہے؟''

''اوہ..... میں سمجھا تھا شائد معاملہ آپ لوگوں کے سپرد کر دیا گیا ہے؟''

''کیسا معاملہ..... میں کچھ نہیں جانتا۔''

''جینی پرسوں سے غائب ہے..... مردنگ والے کیس میں گواہ کی حیثیت رکھتی تھی۔''

''غائب ہے۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔ ''میں دراصل اسی سلسلے میں اُس سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔''

''پرسوں صبح مارکیٹ گئی تھی..... پھر واپس نہیں آئی۔''

''اوہ.....!'' حمید سوچ میں پڑ گیا۔ وہ جلد سے جلد فریدی کو اس کی اطلاع دینا چاہتا تھا

اور اُسے یاد آیا کہ جینی نہ صرف آشا کا سا قد رکھتی تھی بلکہ اُس کی جسامت بھی تقریباً ویسی ہی تھی۔ بال بنانے کا اسٹائل بھی آشا ہی کا سا تھا۔ تو کیا وہ لاش جینی ہی کی تھی۔

''لڑکی کی ماں گھر پر موجود ہے؟'' حمید نے پوچھا۔

''جی ہاں.....!''

''میں اُس سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں؟''

''ٹھہریئے۔'' سب انسپکٹر اٹھتا ہوا بولا۔ اُس نے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے ایک نسوانی آواز آئی اور وہ دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا اور بولا۔ ''تشریف لے جایئے۔ اُس کی حالت ابتر ہے۔''

حمید کھکھارتا ہوا نشست کے کمرے میں داخل ہوا۔ سامنے ایک ادھیڑ عمر کی قبول صورت عورت بیٹھی تھی۔ آنکھیں متورم نظر آ رہی تھیں اور چہرے پر عجیب سی غم آلود نرمی پائی جاتی تھی۔

وہ اُسے دیکھتے ہی اٹھ گئی۔

''بیٹھئے..... بیٹھئے۔'' حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ ''مجھے افسوس ہے کہ ایک بار پھر آپ کو الجھنوں سے دوچار ہونا پڑا۔''

وہ کچھ نہ بولی۔ خاموشی سے حمید کی طرف دیکھتی رہی۔

''جی نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔'' بھرائی ہوئی آواز میں جواب ملا۔

''کیا مارکیٹ جاتے وقت آپ نے اُس کی زبان سے کوئی غیر معمولی بات سنی تھی۔''

''جی نہیں..... سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ وہ واپس نہ آئے گی۔''

''ان دنوں کہاں کام کر رہی تھی۔''

''سنسار پبلسٹی بیورو کے لئے کام کر رہی تھی۔''

''اوہ..... اُس کا دفتر کہاں ہے؟''

''مے پول ہوٹل میں۔''

''کیا کام کرتی تھی؟''

''ٹائپسٹ تھی۔''

''یہ ملازمت کیسے ملی تھی۔''

''اخبار میں اشتہار دیکھ کر عرضی دی تھی۔ پھر انٹرویو میں گئی اور کامیاب رہی۔''

''کیا تنخواہ ملتی تھی۔''

''دو سو پچھتر۔''

''کسی ملنے جلنے والے کا نام اور پتہ بتا سکتی ہیں۔''

''میرا خیال ہے کہ وہ صرف اپنے کام سے کام رکھتی تھی۔ یہاں تو آج تک اُس کا کوئی ملنے والا آیا ہی نہیں۔''

''میں جانتا ہوں کہ جینی ایک اچھی لڑکی ہے؟''

''شکریہ۔'' اُس کی ماں کی آواز غمگین ہونے کے باوجود بھی غرور کی جھلکیاں رکھتی تھی۔

''اپنی موجودہ ملازمت کے بارے میں اُس کا کیا خیال تھا۔''

''اس سلسلے میں اُس نے کبھی کوئی گفتگو نہیں کی۔''

''آپ نے تو بہرحال معلوم کرنا چاہا ہوگا۔''

''قدرتی بات ہے۔''

''پھر.....!''

''اگر کام اُس کی طبیعت کے خلاف ہوتا تو وہ کچھ ہی دنوں کے بعد اُسے ترک کر دیتی۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ مطمئن تھی۔''

''آپ نے اُسے پچھلے دنوں کبھی خوفزدہ بھی دیکھا تھا؟''

''جی نہیں۔'' وہ اُسے غور سے دیکھتی ہوئی بولی۔

حمید خاموش ہو گیا۔ لیکن وہ خود ہی بولی۔ ''میں آپ کے اس سوال کا مطلب نہیں سمجھی۔''

''ہو سکتا ہے کسی نے اُسے کسی قسم کی دھمکی دی ہو۔''

''میں اب بھی نہیں سمجھی۔'' وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولی۔

''دیکھئے۔ جینی ایسی لڑکی نہیں جو خود سے ایسا کوئی قدم اٹھا سکے۔ کسی اور کی زبردستی کی بات دوسری ہے۔ ہوسکتا ہے وہ ایسے کسی آدمی کا علم رکھتی ہو جس سے اُسے خدشہ تھا۔''

''خدا جانے کیا ہوا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کیا کروں؟''

''فکر نہ کیجئے! سب ٹھیک ہوجائے گا۔'' حمید نے کہا۔ ویسے اُس کا یہی دل چاہتا تھا کہ اُسے سیدھے سول ہسپتال لے جائے اور وہ لاش اُسے بھی دکھائے۔ لیکن اس خیال سے خاموش رہا کہ کہیں فریدی اُسے ناپسند نہ کرے۔

اب وہ جلد از جلد اُسے اس واقعہ کی اطلاع دینا چاہتا تھا۔

''اچھی بات ہے محترمہ۔'' وہ اٹھتا ہوا بولا۔ ''حتی الامکان کوشش کی جائے گی۔''

برآمدے میں آیا۔ سب انسپکٹر اُسے مستفسرانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ لیکن وہ اُس سے مصافحہ کرکے برآمدے سے بھی گذر گیا۔

اب اُس کی گاڑی پھر سول ہسپتال کی طرف جارہی تھی۔ لیکن ضروری نہیں تھا کہ وہ اسے بھی وہیں ملتا۔ اس لئے ایک جگہ گاڑی روک کر اُترا اور ایک قریبی ریستوران سے سول ہسپتال فون کیا۔ دوسری طرف سے اطلاع ملی کہ فریدی ابھی وہیں موجود ہے۔ اس سے وہیں رکنے کہہ کر پھر گاڑی میں آبیٹھا۔

کچھ دیر بعد فریدی یہ نئی کہانی سن رہا تھا۔

''ہوں.....!'' بات ختم ہونے پر اُس نے طویل سانس لی۔ ''قبل اس کے کہ اس کی لاش کو کارروائی شناخت کے لئے بلایا جائے میں اس پبلسٹی بیورو کے متعلق بھی کچھ معلوم کرنا مناسب سمجھوں گا۔''

پھر وہ مے پول ہوٹل کی طرف روانہ ہوگئے۔ رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ سردی آج پچھلی رات سے بھی زیادہ تھی اور شہر کی سڑکیں ابھی سے ویران ہونے لگی تھیں۔ زیادہ تر دکانیں بند ہوچکی تھیں۔

مے پول ہوٹل کے کاؤنٹر پر سنسار پبلسٹی بیورو کے متعلق جو اطلاع ملی کم از کم حمید کے لئے تو غیر متوقع نہیں تھی۔ وہ راستے بھر سوچتا آیا تھا کہ اب شاید ہی وہاں اس نام کا کوئی آفس وجود ہو۔

کاؤنٹر کلرک نے بتایا کہ اُس کا دفتر پرسوں ہی کہیں منتقل ہوچکا ہے۔

''اور جناب۔'' کاؤنٹر کلرک نے کہا۔ ''کیا آپ مجھے اپنا نام بتا سکیں گے۔''

''کیوں؟ کیا یہ ضروری ہے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''منیجر صاحب کا حکم ہے کہ اگر کوئی سنسار والوں کے متعلق کچھ پوچھے تو نام معلوم کرکے ہمیں اطلاع دی جائے۔''

فریدی نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جیب سے اپنا کارڈ نکال کر اُس کی طرف بڑھا دیا۔ نام پڑھ کر اُس نے فون پر کسی کو اطلاع دی اور فریدی سے بولا۔ ''منیجر صاحب کے کمرے میں تشریف لے جایئے جناب۔''

''اوہ.....اچھا.....اچھا۔''

وہ دونوں منیجر کے کمرے کی طرف بڑھے۔ منیجر راہداری کے سرے پر موجود تھا۔

''اوہ کرنل صاحب.....آیئے آیئے ..... جناب۔'' وہ مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ ''اندر تشریف لے چلئے۔ سنسار والے بڑی جلدی میں تھے۔ بہرحال آپ نے مجھ پر اعتماد کیا اس لئے شکر گذار ہوں جناب۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''اوہ وہ آپ کے کچھ کاغذات میرے سپرد کرگئے تھے کہ جب آپ تشریف لائیں آپ کو دے دیئے جائیں۔ انہوں نے بتایا کہ یہ آپ ہی کی ہدایت پر کیا جارہا ہے۔''

''اچھا.....!'' فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔ ''لیکن وہ گئے کہاں؟''

''یہ تو نہیں بتایا.....ویسے کہہ رہے تھے کہ انہیں دفتر کیلئے کوئی اچھی سی جگہ مل گئی ہے۔''

''ضرور مل گئی ہوگی۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔ ''کاغذات۔''

''جی ہاں.....ابھی پیش کرتا ہوں۔''

وہ منیجر کے آفس میں داخل ہوئے اور منیجر نے تجوری سے ایک سیل کیا ہوا لفافہ نکال کر فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

دھمکی

پھر کچھ دیر بعد فنگر پرنٹ سیکشن کے لوگ اُس کمرے میں جہاں سنسار پبلسٹی بیورو کا دفتر تھا انگلیوں کے پوشیدہ نشانات تلاش کر رہے تھے اور حمید سوچ رہا تھا کہ آخر اُس لفافے میں کیا ہے جو فریدی نے مے پول کے منیجر سے لے کر اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا تھا۔

کمرے کے باہر اُن کے ساتھ منیجر بھی موجود تھا اور اُس کے چہرے پر اضطراب کی لہریں تھیں۔

''یہاں اس آفس میں کتنے آدمی کام کرتے تھے۔'' فریدی نے منیجر سے پوچھا۔

''میں نے دو کے علاوہ کسی تیسرے کو نہیں دیکھا۔'' منیجر نے طویل سانس لے کر کہا۔

''میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ اس کمرے سے اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہیں۔''

''کوئی خاص بات نہیں۔ ضمنی سی کارروائی ہے۔ اُن لوگوں نے میرے پورے کاغذات واپس نہیں کئے.....اچھا اُن دونوں کے متعلق ہی کچھ بتایئے۔ میری مراد ہے اُن کے حلئے۔''

''ایک لڑکی تھی جو غالباً اسٹینو تھی۔ اور ایک مرد..... بھاری جسم کا پستہ قد آدمی، ناک بھدی اور پھولی ہوئی تھی۔ مونچھیں اتنی گھنی تھیں کہ نہ صرف اوپری ہونٹ بلکہ نچلے ہونٹ کا بھی حصہ بھی چھپ کر رہ گیا تھا۔ نرم گفتار اور بے حد شائستہ تھا۔ لڑکی بھی باسلیقہ اور شریف معلوم ہوتی تھی۔''

''کمرہ کب سے اُن کے قبضے میں تھا۔''

''یہی دو ڈھائی ماہ سے.....رجسٹر دیکھے بغیر صحیح تاریخ نہ بتا سکوں گا۔''

حمید نے پشتو میں فریدی سے کہا۔ ''حضور والا کہیں اُس لفافے میں کوئی آتشگیر مادہ نہ ہو۔''

''اوہو.....!'' فریدی چونک کر اُس کی طرف مڑا اور منیجر بھی کچھ ایسے انداز میں حمید کو دیکھنے لگا جیسے اُس نے کوئی بات اُس کے خلاف کہی ہو۔

فریدی نے فنگر پرنٹ سیکشن کے انچارج کو کچھ ہدایات دیں اور نیچے ڈائننگ ہال کی طرف چل پڑا۔ منیجر اور حمید اُس کے ساتھ چل رہے تھے۔

ہال میں فریدی نے ایک خالی کیبن منتخب کیا۔

''اب میں اجازت چاہوں گا۔'' منیجر نے کہا۔

''تعاون کا بہت بہت شکریہ۔'' فریدی مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ اُس کے چلے جانے کے بعد وہ کیبن میں آ بیٹھے.....اور فریدی نے حمید سے کہا۔ ''کاؤنٹر سے گھر پر فون کر دو.....کھانا ہم نہیں کھائیں گے۔''

''اور واپسی.....!''

''گھر فون کرنے کا مطلب یہی ہے کہ واپسی ضروری نہیں۔''

''لیکن میں اپنے متعلق یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ضرور واپس جاؤں گا۔''

فریدی بے تعلقی سے دوسری طرف دیکھنے لگا۔ حمید کیبن سے نکل کر کاؤنٹر پر واپس آیا۔ تھوڑی دیر بعد گھر سے رابطہ قائم ہو سکا۔ فون انگیج تھا۔

دوسری طرف سے کوئی ملازم بولا۔ ''ڈی آئی جی صاحب کا فون تھا۔ انہوں نے کہا ہے جیسے ہی صاحب آئیں انہیں فون کر لیں۔''

حمید نے اُسے اطلاع دی کہ وہ رات کا کھانا گھر پر نہیں کھائیں گے اور سلسلہ منقطع کر دیا۔ پھر کیبن میں واپس آ کر ڈی آئی جی صاحب کا پیغام سنایا۔ فریدی پلکیں جھپکائے بغیر اُسے گھورے جا رہا تھا۔

''خیریت۔'' حمید بغلیں جھانکتا ہوا بولا۔ وہ اس انداز سے بخوبی واقف تھا۔ فوراً سمجھ گیا کہ اُس سے کوئی زبردست غلطی سرزد ہوئی ہے۔

فریدی کچھ کہے بغیر اٹھ گیا۔ موڈ بے حد خراب تھا۔

حمید طویل سانس لے کر کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گیا اور فریدی کو کیبن سے باہر جاتے دیکھتا رہا۔ وہ غالباً ڈی آئی جی کو فون کرنے گیا تھا۔ واپسی تین یا چار منٹ بعد ہوئی۔ اُس نے دروازے پر کھڑے ہوئے ویٹر سے کہا۔ ''اپنا نمبر بتادو..... میں تمہیں بلوالوں گا۔''

ویٹر اپنا نمبر بتا کر چلا گیا۔ فریدی کیبن میں داخل ہوا۔ حمید نے محسوس کیا کہ اُس کے موڈ میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہیں واقع ہوئی۔

وہ بیٹھ کر کچھ دیر تک پھر اُسے خاموشی سے گھورتا رہا اور یک بیک بولا۔ ''راجن بابو کو کب سے جانتے ہو۔''

''کیا مطلب.....؟'' حمید چونک پڑا۔

''میری بات کا جواب دو۔'' فریدی کا لہجہ سخت تھا۔ حمید کو جھرجھری سی آئی پھر وہ بھی کسی قدر جھنجھلاہٹ کا شکار ہو گیا۔

''سب سے پہلے میں معلوم کروں گا کہ اس سوال کا مقصد کیا ہے۔''

''مقصد.....!'' فریدی تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ''تم نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ لفافے میں آتشگیر مادہ تھا۔''

''ہوگا.....؟'' حمید نے لاپروائی سے کہا اور ہاتھ بڑھا کر کیبن کا پردہ ہٹاتے ہوئے ہال میں دیکھنے لگا۔ لیکن راجن بابو کے نام پر وہ حقیقتاً الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا۔ پچھلی رات کے واقعات ایک بار پھر ذہن میں چکرانے لگے۔

پردہ چھوڑ کر وہ فریدی کی طرف مڑا۔ لیکن اُس سے پہلے کہ اُس سے آنکھیں چار ہوتیں سامنے رکھی ہوئی ایک پوسٹ کارڈ سائز کی تصویر نے اپنی طرف توجہ مبذول کرالی۔

پھر تو ایسا محسوس ہوا جیسے کرسی میں برقی رو دوڑا دی گئی ہو۔ سارا جسم جھنجھنا اٹھا۔ تصویر

راجن بابو کی خواب گاہ کی تھی۔ پس منظر میں وہ مسہری پر آنکھیں بند کئے پڑا تھا اور سامنے نمی اور حمید تھے۔ مگر اس حال میں کہ اُن دونوں کے چہرے کیمرے کے سامنے تھے۔ نمی کی آنکھیں بند تھیں اور حمید کی نیم وا۔

اُس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے فریدی کی طرف دیکھا اور بھرائی ہوئی آواز میں بدقت کہہ سکا۔ ''خدا کی قسم یہ فراڈ ہے؟''

''دنیا کا ماہر ترین آدمی بھی اس تصویر کو فراڈ نہیں ثابت کر سکتا۔''

''آپ میری بات بھی تو سنئے۔''

''فرمایئے۔'' فریدی پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولا۔

''یہ تصویر آپ کو ملی کہاں سے۔''

فریدی جیب سے لفافہ نکال کر اُس کے سامنے ڈالتا ہوا بولا۔ ''ملاحظہ فرمایئے۔ اس میں ٹائپ کیا ہوا ایک خط بھی ہے۔''

حمید نے لفافے سے خط نکالا جس کا مفہوم یہ تھا۔

''تم دونوں کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ اس معاملے کو یہیں ختم کر دو..... ورنہ مٹی پلید ہو جائے گی۔ تمہاری اگر یہ تصویر راجن تک پہنچ گئی..... راجن عرصہ سے اپنی بیوی سے چھٹکارا پانے کے لئے بہانہ تلاش کر رہا ہے۔ لیکن نمی اُسے نہیں چھوڑنا چاہتی..... وہ حمید پر چڑھ دوڑے گی۔ تمہاری نیک نامی بھی خاک میں مل جائے گی۔''

حمید نے مضمون کو کئی بار پڑھا..... سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ فریدی کو کس طرح اس سے اپنی لاعلمی کا یقین دلا سکے گا۔

بالآخر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''تو یہ لفافہ پرسوں ہی منیجر کو دیا گیا تھا؟''

''کیوں؟ کیا اس سے کوئی فرق پڑے گا؟'' فریدی نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''بالکل پڑے گا..... کیونکہ پرسوں تک میں راجن کو نہیں جانتا تھا۔''

''یہ لفافہ آج ہمارے یہاں پہنچنے سے ایک گھنٹہ قبل منیجر کو دیا گیا تھا؟''

''تب تو معاملہ صاف ہے۔'' حمید نے سنبھالا لینے کی کوشش کی۔

''تم سچ مچ مجھے اس قابل نہ رہنے دو گے کہ کسی کو منہ دکھا سکوں۔'' فریدی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

حمید کے ذہن پر پھر جھلاہٹ طاری ہوگئی۔ گردن جھٹک کر بولا۔ ''یہ تصویر میری ہے آپ کی نہیں۔''

''بکواس کی تو تھپڑ ماردوں گا..... بتاؤ کیا بات ہے؟''

حمید کچھ نہ بولا..... میز کی سطح پر نظر جمائے ہوئے پائپ میں تمباکو بھرتا رہا۔

''کیا تم بہرے ہوگئے ہو۔''

''نہیں..... میں کہتا ہوں آپ اس پر یقین کر لیجئے۔'' حمید نے تصویر کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔

''اچھی بات ہے..... میں براہِ راست راجن ہی سے معلوم کرلوں گا۔''

''یہ تصویر ایسی تصویروں کا مجموعہ نہیں ہے جو تین نگیٹوز سے کسی ایک جگہ منتقل کی گئی ہوں۔ لیکن اگر راجن اس مرض میں مبتلا ہوتا تو اس تصویر کے ساتھ مجھے اس قسم کی دھمکی نہ ملتی۔''

''کیسا مرض.....؟''

''مسکوا سکو پیا.....!''

''جہنم میں جائے..... مجھے بھوک لگی ہے۔ زیادہ سے زیادہ ملازمت جائے گی اور کیا..... کورٹ میں بھی دیکھا جائے گا۔ ہاں.....!''

فریدی نے کیبن کا پردہ ہٹایا۔ ویٹر سامنے ہی تھا۔ اشارے سے بلا کر کھانے کی فہرست لکھوائی۔

ویٹر چلا گیا۔ دونوں ہی خاموش تھے۔ فریدی نے تصویر دوبارہ لفافے میں رکھ دی تھی اور اب لفافہ پھر اُس کی جیب میں تھا۔

کھانا آیا اور خاموشی ہی سے ختم بھی ہوگیا۔ پھر کافی آئی۔ فریدی نے سگار سلگا کر کیبن کا پردہ ایک طرف کھسکا دیا اور ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں کا جائزہ لیتا رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کچھ دیر پہلے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔

حمید بھی پائپ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا۔ ویسے اُس کی الجھن بڑھتی جا رہی تھی۔ خواہ مخواہ بات بڑھا بیٹھا تھا۔ اصل واقعہ بیان کر دیتا لیکن کیا کرتا۔ بعض اوقات فریدی کا ایسا رویہ جیسے وہ کوئی ناسمجھ بچہ ہو اُسے جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر ہی دیتا تھا۔

بہرحال اب وہ سوچ رہا تھا کہ کس طرح معاملہ ''برابر'' کیا جائے۔ دفعتاً کھنکار کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''اصل واقعہ یہ ہے.....!''

''ختم کرو۔'' فریدی نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ ''اصل واقعہ راجن ہی سے معلوم کروں گا۔''

''یعنی آپ یہ تصویر اُسے دکھائیں گے۔''

''کیوں؟ کیا وہ بھی اس منظر کا ایک جزو نہیں ہے؟''

''وہ بیہوش تھا.....!''

''بہت اچھے..... اب نوبت بہ ایں جا رسید.....!'' فریدی طنزیہ انداز میں اُسے تعریفی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

''پوری بات تو سنئے۔''

''وہ خود ہی بیہوش ہوگیا ہوگا۔ تمہارے اس کارنامے پر۔''

''اگر آپ نے اُسے تصویر دکھا دی تو وہ یہی سمجھے گا کہ۔''

''کیا سمجھے گا۔''

''یہی کہ اُسے مورفیا کا انجکشن میں نے ہی دیا تھا؟''

''اچھا تو یہ کارنامہ کسی اور نے انجام دیا تھا۔''

''میں اس کے متعلق اور کچھ نہیں جانتا.....!''

''اور تصویر کے بقیہ حصے کے بارے میں کیا خیال ہے۔''

''میں اس کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتا۔ پچھلی رات عجیب چکر میں گذری تھی۔''

''خیر بتاؤ..... میرے پاس ایسے ذرائع موجود ہیں، جن سے تمہارے بیان کی تصدیق ہو سکے گی۔''

حمید نے شروع سے کہانی چھیڑ دی۔ عجیب عالم تھا۔ داستان کے کسی حصے پر جھینپتا اور کسی پر تاؤ دکھانے لگتا۔

اُس کے خاموش ہو جانے پر فریدی بھی کچھ دیر تک چپ ہی رہا پھر بولا۔ ''ایسی صورت میں اگر یہ تصویر راجن کے ہاتھ لگ گئی تو وہ یہی سمجھے گا کہ انجکشن تم نے ہی دیا ہوگا۔ اپنی بیوی کے اس بیان پر ہرگز یقین نہیں کرے گا کہ تم اُس کے ساتھ ہی رہے تھے۔''

''میں تو کہتا ہوں کہ یہ خود راجن ہی کی حرکت ہے۔'' حمید میز پر ہاتھ مار کر بولا۔ ''اگر وہ اپنی بیوی سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہے تو یہ سارا سٹ اپ اُسی کا ترتیب دیا ہوا تھا جس طرح اس کام کے لئے مجھے پھانسا تھا اُسی طرح تصویر لینے کے لئے کسی اور کو بھی پھانس لیا ہوگا..... ہوسکتا ہے..... وہ بھی مردنگ کے ساتھیوں میں سے ہو۔ آپ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ مردنگ بلیک میلر بھی ہے۔ ہوسکتا ہے راجن کی کوئی دکھتی ہوئی رگ اُس کے ہاتھ میں ہو۔ اُس نے راجن کو اس ڈرامے پر مجبور کر دیا ہو۔''

''اب تو سبھی کچھ ہوسکتا ہے۔'' فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ ''تم نے مجھے بڑی دشواریوں میں ڈال دیا ہے..... خیر دیکھوں گا۔''

''تو آپ کو میری اس کہانی پر یقین آ گیا ہے؟''

''ہرگز نہیں۔''

''تو پھر.....؟''

''میں دیکھوں گا کہ اس میں کہاں تک صداقت ہے۔''

''خیر..... خیر..... اب اُس لاش کے بارے میں کیا خیال ہے..... کیا وہ جینی ہی کی ہوگی۔''

''اس فکر میں مت پڑو..... تم گھر جانا چاہتے تھے نا..... جا سکتے ہو۔''

وہ کافی ختم کر چکے تھے۔ فریدی نے اشارے سے ویٹر کو بلا کر بل طلب کیا۔ اتنے میں فنگر پرنٹ سیکشن کے انچارج نے اطلاع دی کہ وہ وہاں اپنا کام ختم کر چکا ہے۔

حمید نے مزید الجھنا مناسب نہ سمجھا۔ اُسے توقع نہیں تھی کہ فریدی اتنی جلدی نرم پڑ جائے گا۔

بہر حال عافیت اسی میں نظر آئی کہ چپ چاپ وہاں سے کھسک ہی جائے۔ گھر جانے کی اجازت مل ہی چکی تھی۔

راستے میں نجمی اور اُس کا سیٹھ یاد آیا۔ لیکن اب وہ فی الحال کسی دوسرے چکر میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ اس وقت تو پچھلی رات کا ایڈونچر ہی ساری زندگی کے لئے کافی نظر آ رہا تھا۔ اگر وہ تصویر کسی طرح راجن کے ہاتھ لگ گئی تو اُسے شہر ہی نہیں بلکہ ملک چھوڑ کر بھاگنا پڑے گا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر وہ کیسی بیہوشی تھی کہ ایسے حالات سے گذرنے کے باوجود بھی اُسے کسی بات کا احساس نہیں ہو سکا تھا۔ کیا نمی بھی اسی طرح بیہوش رہی ہوگی۔

''جہنم میں جائے۔'' وہ شانوں کو جنبش دے کر بڑبڑایا۔ ''دیکھا جائے گا۔ اس سے پہلے بھی نہ جانے کتنی دشواریوں میں پڑ چکا ہوں۔''

''کار کی رفتار تیز نہیں تھی۔ اس الجھن سے پیچھا چھڑانے کے لئے اُس نے اپنے ذہن کو ادھر اُدھر بھٹکنے دیا۔ اب وہ نجمی کے متعلق سوچ رہا تھا اُسے اُس کا سیٹھ یاد آیا..... کتنی حسین زندگی ہے اُن کی بھی..... خود اتنے غلیظ اور متعفن اور کیسی کیسی گل انداماں نکہت بیز پر متصرف ہیں۔ ایک ہم ہیں نہ گھر کے نہ گھاٹ کے۔ جو کچھ بھی کر گذریں انہیں نہ کوئی کچھ کہنے والا اور نہ خود انہیں کسی بات کا غم..... ایک ہم ہیں کہ کسی بلیک میلر کی ایک دھمکی ہی ہمیں محتاط ہو جانے پر مجبور کر دیتی ہے..... اب غالباً کرنل ہارڈ اسٹون صاحب اسی فکر میں غلطاں و پیچاں ہوں گے کہ کی طرح سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے..... اُدھر وہ سیٹھ نوندرمل سانپ اور لاٹھی سمیت گنگا نہاتا رہتا ہے۔

پھر یک بیک اُس کا دماغ گرم ہوگیا۔ اور یہ کم بخت آخر اس کی حیثیت کیا ہے کہ مجھے اس طرح بیوقوف بنا کر نکل جائے..... مردنگ کی کھال پھاڑنی ہی پڑے گی۔ دیکھنا ہے کہ اس تصویر ہی کے بل بوتے پر کیا بگاڑ لیتا ہے۔

اب کار کا رخ گھر کی طرف نہیں تھا۔

وہ سوچ رہا تھا جس نے بھی راجن کو مورفیا کا انجکشن دیا تھا وہ پہلے ہی سے اُس عمارت میں موجود تھا۔ اگر وہ اپنی بیوی سے چھٹکارا ہی پانا چاہتا ہے تو اُس کے لئے کسی غیر معروف آدمی کو آلہ کار بنانا سودمند ثابت ہوتا۔

''اچھا تو راجن بیٹے تم بھی کیا یاد کرو گے؟'' وہ زیرِ لب بڑبڑایا اور گاڑی کی رفتار تیز کردی۔

گاڑی اُسی بستی کی طرف جارہی تھی جہاں راجن رہتا تھا۔

کمپاؤنڈ کا پھاٹک بند نہیں تھا۔ وہ گاڑی اندر لیتا چلا گیا۔ پورچ میں گاڑی روکی۔ برآمدے میں روشنی تھی۔

گھنٹی کے جواب میں خود راجن برآمدے میں آیا تھا۔ حمید نے اپنے چہرے پر درشتی کے آثار برقرار رکھے۔

''میں آپ سے خود ہی ملنے والا تھا۔''

''ہوں؟''

''نمی کہتی ہے کہ کافی پینے کے بعد اُس پر بھی غشی طاری ہوگئی تھی اور وہ بھی کرسی ہی پر سوگئی تھی۔ کیا چکر ہے..... ڈرائیور صبح سے غائب ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ پچھلی رات کو بھی اپنے کمرے میں نہیں تھا۔ اُس نے اپنے جن عزیزوں کے حوالے اور پتے دیئے تھے وہاں اُس نام کے لوگ کبھی تھے ہی نہیں۔''

انکشافات

حمید خاموشی سے اُسے گھورتا رہا۔

''اوہ اندر چلئے..... سردی بہت ہے۔ آپ سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔'' راجن بولا۔

حمید خاموشی سے اُس کے پیچھے چلتا ہوا ڈرائنگ روم میں آیا۔

''آپ کافی پئیں گے..... یا چائے۔'' راجن بیٹھتا ہوا بولا۔

''اب کیا جہنم رسید کردینے کا ارادہ ہے۔'' حمید غرایا۔

''اوہ..... تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں ہمارا ہاتھ تھا..... میں قسم کھانے کو تیار ہوں..... آخر مورفیا کا انجکشن کس نے دیا تھا؟ آپ ہی بتایئے۔''

''مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں..... اور نہ میں اس لئے آیا ہوں۔''

''پھر فرمایئے..... میرے لائق کوئی خدمت.....!''

پچھلی رات ایک بجے ڈیوٹی پر تھا۔ غیر حاضری کی بناء پر مجھ سے جواب طلب ہوگیا ہے۔ خیال ہے کہ شائد ملازمت سے بھی ہاتھ دھونا پڑے۔

''نہیں.....!'' راجن بوکھلا کر کھڑا ہوگیا۔ اس کے چہرے پر ندامت کے آثار صاف دیکھے جاسکتے تھے۔

''جی ہاں..... آپ کے اس ڈرامے نے میری مٹی پلید کردی۔''

''میں کہتا ہوں..... وہ ڈرائیور..... یقیناً وہ کوئی فراڈ تھا۔ آخر اُس کے دیئے ہوئے ایڈریس صحیح کیوں نہ ثابت ہوسکے۔''

''جہنم میں گیا ڈرائیور.....!'' حمید صوفے کے ہتھے پر ہاتھ مار کر بولا۔ ''آپ اب اس

معاملے کو دیکھئے۔''

''میں کیا بتاؤں..... میں کیا بتاؤں۔'' وہ مضطربانہ انداز میں بولا۔

''چلئے..... چھٹی ہوئی۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''میں کہہ رہا ہوں کہ نہ صرف میری ملازمت جا رہی ہے بلکہ شائد میرے خلاف ایک بہت بڑا مقدمہ بھی قائم ہو جائے۔''

''اُف فوہ..... میں بہت شرمند ہوں کیپٹن..... وہ کم بخت ڈرائیور نہ جانے کیا چاہتا تھا۔ اب مجھے یقین آ گیا ہے کہ اُس نے آپ لوگوں کو اس کمرے سے ہٹانے کے لئے لائبریری والے انسٹرومنٹ میں رنگ کیا ہوگا..... میں کیا کروں؟''

''اس پر بعد میں غور کیجئے گا کہ وہ کیا کرنا چاہتا تھا۔ فی الحال میرا مسئلہ سامنے رکھئے۔''

''جو کچھ بتایئے میں کرنے کو تیار ہوں۔ ارے بُری طرح ذلیل ہوا ہوں۔ نمی کو سب کچھ سچ سچ بتا دینا پڑا..... اسی چکر میں کہ پتہ نہیں بعد میں کیا ہو۔ کیسی ذلت نصیب ہوئی ہے۔ کیسی ذلت نصیب ہوئی ہے۔ وہ الگ صبح سے منہ پھلائے ہوئے ہے۔ بتایئے میں آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔''

''شری متی جی کا تحریری بیان..... لیکن اب داستان کے اُس حصے کو اڑا ہی دینا پڑے گا کہ کسی نے آپ کو مورفیا کا انجکشن دیا تھا۔ اپنے بیان میں آپ یہی لکھیں گے کہ آپ کسی وجہ سے اپنی کار میں بیہوش ہو گئے تھے اور میں نے آپ کو گھر تک پہنچایا تھا۔ آپ کی شری متی جی اپنے بیان میں لکھیں گی کہ مجھے پچھلی رات سے پہلے نہیں جانتی تھیں اور یہ کہ جب میں نے آپ کو گھر پہنچایا تو وہ سمجھیں کہ شائد آپ زیادہ پی کر بیہوش ہو گئے تھے اور میں آپ کا کوئی دوست ہوں جو آپ کو گھر لایا ہوں۔ پھر میں نے انہیں یقین دلانے کے لئے اپنا کارڈ دکھایا..... فون پر کسی نامعلوم آدمی کی گالیوں کا تذکرہ ضرور ہونا چاہئے..... اور یہ بھی کہ اس کی وجہ سے سب لوگوں کو تھوڑی دیر کے لئے آپ کے کمرے سے بھی چلا جانا پڑا تھا..... پھر آپ کی چیخ سن کر سب اس کمرے میں آئے تھے اور ٹھیک اس وقت ڈاکٹر بھی آ گیا تھا اور اُس نے بازو میں کسی تازہ انجکشن کے نشان کا تذکرہ کیا تھا اور مورفیا کا نام بھی لیا تھا۔ پھر وہ لکھیں گی کہ اس کے

انہوں نے مجھے کافی پینے پر مجبور کیا تھا اور پھر سب نے کافی پی تھی..... اور اُس کے بعد اتنی گہری نیند آئی تھی کہ وہ کرسی ہی پر سو گئی تھیں۔''

''اس بیان سے کیا ہوگا.....؟'' راجن نے پوچھا۔

''میں اپنی بچت کے سلسلے میں پیش کر سکوں گا کہ کافی میں کوئی نشہ آور چیز تھی۔''

''تو پھر اس طرح تو ہم لوگ مجرم گردانے جائیں گے۔''

''ڈرائیور کے لئے آپ نے کیا کیا؟'' حمید نے جھنجھلا کر پوچھا۔

''حلقے کے تھانے میں اُس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی ہے، اس بیان سمیت کہ ان کے دیئے ہوئے حوالے غلط ثابت ہوئے ہیں۔''

''بالکل یہی ہونا چاہئے تھا آپ نے عقلمندی کا ثبوت دیا ہے۔ اب آپ کہہ سکیں گے کہ نمی کو نشہ آور بنانے میں اُسی کا ہاتھ تھا۔''

''میں خود بھی یہی سوچ رہا ہوں؟ مگر مقصد.....؟''

''مقصد؟'' حمید طویل سانس لے کر بولا۔ ''اس سے بڑا مقصد اور کیا ہوگا کہ بعض بہت اہم سرکاری کاغذات میری جیب سے نکل گئے۔''

''میرے خدا.....!'' راجن پھر بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

''بیٹھئے بیٹھئے..... میں آپ سے زیادہ پریشان ہوں۔''

''نمی نے ملازموں کو بھی کافی پینے کو کہا تھا۔ انہوں نے بھی پی تھی اور مختلف جگہوں پر لگے تھے۔ چوکیدار پھاٹک کے قریب سوتا ہوا ملا تھا۔''

''کافی بنائی کس نے تھی۔''

''پانی شاید خود نمی نے رکھا تھا..... اور پھر یہاں سے ایک ملازم کو بھیجا تھا کہ وہ کافی بنا کر کمرے میں لے آئے۔''

''بہت آسانی سے کوئی نشہ آور چیز ملائی جا سکتی ہے۔ اگر پانی رکھنے کے بعد کچھ دیر تک کچن خالی رہا تھا.....؟''

''بالکل رہا تھا جناب..... آخر یہ ڈرائیور چاہتا کیا تھا۔ گھر کی کوئی قیمتی چیز بھی غائب نہیں ہوئی۔''

''آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ میری جیب سے نکل جانے والے کاغذات کتنے اہم تھے۔''

''اب کیا ہوگا.....؟''

''اگر آپ نے میرے کہنے کے مطابق شری متی جی کا اور اپنا بیان دے دیا تو شائد میری بچت کی کوئی صورت نکل آئے ورنہ نہیں۔''

راجن نے مخلصانہ انداز میں اُسے یقین دلایا کہ ایسا ہی ہوگا۔

کچھ دیر بعد حمید کی گاڑی پھر راجن کی کوٹھی کی کمپاؤنڈ سے باہر نکل رہی تھی۔ اور وہ خاصہ مگن تھا۔ اپنی مرضی کے مطابق دونوں سے بیانات لکھوائے تھے اور اُن پر اُن کے دستخط لے تھے۔ سوچ رہا تھا کہ اب اگر کوئی بات سامنے آئی تو وہ اپنے بچاؤ کے لئے بھی کچھ کر سکے گا اور فریدی صاحب نے فرمایا تھا کہ تم گھر جا سکتے ہو۔ ہونہہ..... گویا ہم اتنے بدھو ہیں کہ واقعی گھر جا کر آرام ہی فرماتے..... لیکن یہ ڈرائیور کون تھا۔ اس کے قد و جسامت کے متعلق راجن نے جو کچھ بھی بتایا تھا وہ مردنگ پر پورا اُترتا تھا۔ رہی ڈاڑھی تو ظاہر ہے کہ وہ میک اپ کے بغیر کھلے بندوں پھر ہی نہیں سکتا تھا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ یہاں راجن کے گھر کیا کر رہا تھا۔ اُس کی ملازمت بحیثیت ڈرائیور اُس دن سے پہلے نہیں شروع ہوئی تھی جب مردنگ انہیں جل دے کر نکل گیا تھا۔ راجن کے بیان کے مطابق وہ اُس دن سے ٹھیک ایک ماہ بعد اُس کے یہاں رکھا گیا تھا۔ خود کو مشرقی صوبے کا باشندہ ظاہر کیا تھا اور اس پر آمادہ ہو گیا تھا کہ دن رات کوٹھی ہی میں رہے گا۔ حوالے کے لئے اپنے بعض اعزہ کے نام اور پتے بھی لکھائے تھے جو

اُس کے بیان کے مطابق اسی شہر میں مقیم تھے۔ بعد میں یہ سارے حوالے غلط ثابت ہوئے۔ اگر وہ مردنگ ہی تھا تو اُس نے بیک وقت پبلسٹی کا ایک ادارہ بھی قائم کر رکھا تھا۔ مگر اس سے کیا فرق پڑتا۔ دفتر کی دیکھ بھال جینی کرتی رہی ہوگی۔ جینی کا خیال آتے ہی اُسے وہ لاش یاد آئی اور وہ جینی کے لئے مغموم ہو گیا۔ کتنی اچھی لڑکی تھی۔ اُس سے مل کر صرف ہمدردی ہی کا جذبہ ابھرتا تھا اور اُس بیچارے کو اس ناہنجار سے ہمدردی تھی۔ ایک بار چھٹکارا پا جانے کے بعد پھر اُسی کے جال میں جا پھنسی اور بالآخر اُسی کے ہاتھوں ایسے انجام کو پہنچی۔ مردنگ یقیناً پاگل ہے؟ درندہ ہے۔ اُس نے لڑکی کو کس طرح کاٹا اور بھنبھوڑا ہوگا..... کس بُری طرح وہ بلبلائی ہوگی۔ مگر نہیں پہلے گردن کاٹ دی ہوگی پھر چہرے کو ناقابل شناخت بنانے کے لئے اپنے دانتوں سے نوچا ہوگا۔

ایک ٹھنڈی سی لہر ریڑھ کی ہڈی میں دوڑ گئی اور وہ چونک پڑا۔ آخر یہ گاڑی کی رفتار کیوں کم ہوگئی؟ اُس نے اکسیلریٹر پر دباؤ ڈالا اور انجن رفتار بڑھانے کی بجائے ایک بے ہنگم سی آواز کے ساتھ بند ہو گیا۔ اُس نے اُسے دوبارہ اسٹارٹ کرنا چاہا لیکن انجن میں جنبش تک نہ ہوئی۔ جھلا کر نیچے اُتر آیا اور آگے جا کر بونٹ اٹھا ہی رہا تھا کہ سر پر کسی وزنی چیز کی چوٹ پڑی..... سارا وجود جھنجھنا اٹھا اور اُسی جھنجھناہٹ کے ساتھ ہی یہ احساس بھی ذہن میں چکرا کر رہ گیا کہ اُس کی گاڑی ایک ویران اور نیم تاریک سڑک پر دھوکا دے گئی تھی۔

اندھیرا اور گہرا ہو گیا۔

دوبارہ آنکھ کھلی تو سر کی شدید ترین تکلیف کے علاوہ اور کسی قسم کا احساس باقی نہیں رہا تھا۔ آنکھیں کھلیں اور پھر بند ہو گئیں۔ عجیب طرح کی چکا چوندھ تھی جس کی متحمل نہ ہو سکیں۔ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر اُس نے کراہنا چاہا لیکن آواز نہ نکلی۔ پھر ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی ہولے ہولے سر سہلا رہا ہو۔ اس کے بعد ہی ایک کھنکتا ہوا سا قہقہہ سنائی دیا۔ بڑی پیاری اور مکس اپیل سے بھرپور آواز تھی۔ اس تکلیف کے عالم میں بھی حمید کا دل باغ باغ ہو گیا اور آنکھیں کھولے بغیر ہی اُس نے وہ ہاتھ اپنی گرفت میں لے لیا جو اُس کا سر سہلا رہا تھا۔

''قبر کے کنارے ہو..... ڈارلنگ.....!'' پھر اُسی قہقہے سمیت نسوانی آواز سنائی دی اور اُس نے بوکھلا کر آنکھیں کھول دیں۔ کیونکہ اس بار وہ اس آواز کو بخوبی پہچان سکا تھا۔ یہ نجمی تھی۔ جو ایک کہنی تکیے پر ٹیکے اُس پر جھکی ہوئی تھی۔

''تم..... تم..... یعنی کہ تم۔''

''ہاں..... ہاں..... میں..... مجھ سے بھاگ کر کہاں جاؤ گے..... کیا نمی راجن مجھ سے زیادہ حسین ہے۔''

حمید نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اُس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر اٹھنے سے باز رکھا۔

''لیٹے رہو..... تمہارا سر پھٹ گیا ہے۔'' اُس نے کہا۔

''اور تم اس سازش میں شریک ہو..... کیوں؟''

''سازش..... کیسی سازش! تم نے میرے ساتھ چلنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کی بجائے تم نمی راجن کے پاس چلے گئے۔ میں نے کہا اچھا اب کچھ دن میرے ساتھ بھی گذارو۔''

''تو تم نے میرا سر پھاڑ دیا تھا؟''

''میں نے تو نہیں..... سر پھاڑنے والا اور کوئی تھا اور میں تو تمہیں بہت احتیاط سے یہاں اٹھا لائی تھی۔''

''میری گاڑی میں کس نے گڑبڑ کی تھی۔''

''میں نے..... ٹنکی میں شکر ڈال دی تھی۔''

''آخر کیوں؟ تم سے بہت بڑا جرم سرزد ہوا ہے۔ جس کی سزا بھگتنی پڑے گی تمہیں۔''

''بھگت چکی ہوں۔ ڈگی میں بند ہو کر اتنی دور سفر کرنا میرے خیال سے دائم الحبس سے بدتر ہے۔''

''اچھا..... اچھا..... دیکھوں گا.....!'' حمید اس بار اٹھ ہی بیٹھا۔ سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ چاروں طرف نظر دوڑائی۔ بڑی شاندار خواب گاہ تھی۔ عجیب سی خوشبو فضا میں رچی ہوئی تھی۔ اُس نے نجمی کی طرف دیکھا۔ اس ماحول میں قیامت ہی لگ رہی تھی۔

''میں باہر جاؤں گا۔'' حمید نے لہجے میں درشتی پیدا کر کے کہا۔

''دروازہ کھل سکا تو ضرور جاؤ گے۔''

''میں دروازہ توڑ بھی سکتا ہوں۔''

''اگر زخم سے دوبارہ خون بہنے لگا تو ذمہ داری کس پر ہوگی۔''

وہ اُسے گھورتا رہا اور نجمی اٹھلا کر بولی۔ ''واقعی بہت چالاک آفیسر ہو.....!''

اب حمید نے محسوس کیا کہ اُس کے جسم پر وہ لباس بھی نہیں ہے جو اُس نے پہن رکھا تھا۔ اس کی بجائے ریشمی سلیپنگ سوٹ نظر آیا۔

اُسے وہ کاغذات یاد آئے جو راجن کی کوٹھی میں تیار کئے تھے۔

''میرے کپڑے کہاں ہیں.....؟'' اُس نے تیز لہجے میں پوچھا۔

''میں کیا جانوں؟''

''میرا لباس کس نے تبدیل کیا تھا.....؟''

''یہ بھی نہیں جانتی۔''

''پھر تم کیا جانتی ہو۔''

''یہی کہ اب میں سیٹھ کی اگلی پکچر میں ہیروئن بن سکوں گی۔''

''کیا مطلب.....؟''

جواب دینے سے قبل نجمی نے اس طرح چاروں طرف دیکھا جیسے یہ نہ چاہتی ہو کہ کوئی اور اُن کی گفتگو سن سکے۔

''سنو..... اس وقت میں خود کو بالکل اُلو محسوس کر رہی ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا بیٹھی ہوں۔ آج صبح اسٹوڈیو میں میں نے ہی تمہیں اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ تم غالباً سمجھے گے کہ تم نے مل بیٹھنے میں پہل کی تھی۔ میں لفٹ نہ دیتی تو یہ ناممکن ہو جاتا۔ ہمارا سیٹھ بظاہر معمولی نظر آتا ہے لیکن ہے بڑا ستم ظریف..... اُسی نے مجھے بھیجا تھا کہ اس پولیس آفیسر پر ڈورے ڈال۔ اسے اُلو بنا کر جشن منائیں گے۔ دوسری بار تم خود ہمارے آفس میں آ پہنچے اور اُس نے

تمہیں مدعو بھی کر دیا۔ میں سمجھی تھی تم ضرور آؤ گے میرے پاس..... لیکن تمہارے بجائے سیٹھ پہنچا اور اُس نے مجھے بتایا کہ تم نمی راجن کے پاس گئے ہو۔ وہ مجھے ساتھ لے کر راجن کی کوٹھی میں پہنچا۔ پتہ نہیں کن راستوں سے لے گیا کہ راجن کے کسی ملازم سے بھی مڈبھیڑ نہ ہوئی۔ اُسی نے کہا تھا کہ ٹنکی میں شکر ڈال کر خود ڈگی میں چھپ جاؤں۔ تم اپنی ڈگی مقفل کیوں نہیں رکھتے۔ بڑی آسانی ہوگئی تھی۔ لیکن جب اُس کے کسی آدمی نے تمہارا سر پھاڑ دیا تو مجھے تشویش ہوئی۔ کیا تم مجھے بتا سکو گے کہ ایسا کیوں ہوا ہے۔''

''یہ پھر بتاؤں گا..... تم بتاؤ کہ وہ پچھلی رات کہاں تھا۔''

''پتہ نہیں..... اسٹوڈیو میں تو نہیں تھا۔ آج صبح ہی صبح پہنچ گیا تھا۔ ویسے وہ اسٹوڈیو بہت کم آتا ہے۔ پروڈکشن انچارج ہی سارا کام سنبھالتا ہے۔''

''ہوں..... اُوں.....!'' حمید نے طویل سانس لی۔

اب اُسے ایک بار پھر اُس کے سیٹھ کا حلیہ یاد آیا۔ جسامت اور قد کے اعتبار سے مردنگ سے مختلف نہیں تھا۔ رہی چہرے کی بناوٹ تو اُسے کوئی بھی مشاق میک اپ کرنے والا دوسری شکل دے سکتا تھا اور مردنگ تو تھا ہی میک اپ کا ماہر۔

''لیکن ہم ہیں کہاں؟'' حمید نے نجمی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یقین کرو، میں نہیں جانتی۔''

''یہ بڑی اچھی بات ہے کہ تم مجھے شروع ہی سے اُلو سمجھتی رہی ہو۔''

''یقیناً سمجھتی اگر تمہاری شہرت پہلے ہی نہ سن چکی ہوتی۔ دیکھو میں جھوٹ نہیں کہہ رہی۔ تمہیں بیہوش کر دینے کے بعد ایک دوسری گاڑی میں ڈال دیا گیا تھا۔ مجھے بھی اُسی پر بیٹھنے کو کہا گیا تھا۔ لیکن تمہارا حشر دیکھ لینے کے بعد میں اسے محض تفریح سمجھ لینے پر تیار نہیں تھی، اس لئے میں نے انکار کر دیا۔ لیکن ٹھیک اُسی وقت وہ میری طرف جھپٹا جس نے تمہارے سر پر ضرب لگائی تھی اور میرا اگلا گھونٹنے لگا۔ میں غالباً بیہوش ہوگئی تھی۔ ہوش میں آئی تو یہاں تم میرے برابر لیٹے تھے۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہی۔ آوازیں دیں..... شور

مچایا۔ مگر سب بے سود۔ پھر تمہارے ہوش میں آنے کا انتظار کرنے لگی۔''

''کیا یہ تمہارے سیٹھ ہی کی حرکت ہو سکتی ہے۔''

''شکر تو ٹنکی میں اسی نے ڈلوائی تھی۔''

''اس کا نام کیا ہے۔''

''ہزاری سیٹھ کہلاتا ہے۔'' اُس نے کہا اور خاموش ہو کر ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔ پھر ایک دروازے کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔ ''یہ باتھ روم ہے شائد۔ میں ابھی آئی۔'' قبل اس کے کہ حمید کچھ کہتا وہ ہینڈل گھما کر دروازہ کھول چکی تھی۔ پھر دروازہ بند بھی ہوگیا اور دوسرے ہی لمحے میں حمید نے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ سنی۔

وہ دروازے کی طرف جھپٹا۔

ہینڈل پر زور آزمائی کرتا رہا لیکن اُس نے جنبش تک نہ کی۔

کبھی دروازہ پیٹتا اور کبھی نجمی کو آوازیں دینے لگتا۔

تیز قسم کی روشنی کا احساس ہی تھا جس نے ذہن کو جھنجھوڑ کر آنکھیں کھولنے پر مجبور کیا تھا۔ سورج آنکھوں کے سامنے تھا۔ آنکھیں تلملا گئیں اور وہ اٹھ بیٹھی۔ رات خواب گاہ کی شرقی کھڑکی غالباً کھلی رہ گئی تھی۔ اچھی خاصی دھوپ مسہری پر پھیلی نظر آئی۔

لیکن..... لیکن..... وہ اچھل پڑی اور بوکھلا کر چاروں طرف دیکھا۔ یہ اُس کی اپنی خواب گاہ تھی۔ لیکن وہ یہاں کیسے پہنچی کون لایا۔ وہ یادداشت پر زور دینے لگی۔ ٹھیک اُسی وقت کسی نے باہر سے دروازہ پیٹنا شروع کیا۔

وہ جھنجھلا کر نشست کے کمرے میں آئی۔ باہر کا دروازہ کھولا..... اور ٹھٹک کر رہ گئی۔

''سیٹھ تم.....!'' اُس کے لہجے میں حیرت تھی۔

ہزاری سیٹھ سامنے کھڑا بسور رہا تھا۔

''یہ کیا کر دیا تم نے.....نجمی بائی۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''میں نے کیا ہے..... یا تم نے۔'' وہ جھلا کر چیخی۔

''ارے بابا.....دھیرے بولو۔'' وہ خوفزدہ آواز میں کہتا ہوا اندر چلا آیا۔

''وہ پولیس آفیسر ہے۔ سمجھے۔'' نجمی آنکھیں نکال کر بولی۔

''وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر تم نے اُس کا کیا کیا..... میں جب وہاں پہنچا تو خالی گاڑی کھڑی تھی۔ نہ تم ڈگی میں ملیں اور نہ وہ.....گاڑی میں۔''

''کیا بک رہے ہو.....تمہارے کسی آدمی نے اُس کا سر پھاڑ دیا تھا اور میرا گلا گھونٹ کر مجھے بھی بیہوش کر دیا تھا۔ جب ہوش میں آئی تو دیکھا کہ میں اُس کے ساتھ ایک کمرے میں بند ہوں۔ اُس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور وہ بھی بیہوش تھا۔ ہوش میں آیا تو مجھ پر برسنے لگا۔ پھر میں باتھ روم میں گئی اور وہاں کسی نے پھر میری گردن پکڑ لی.....اب ہوش آیا ہے۔ تو پھر خود کو اپنے ہی فلیٹ میں پا رہی ہوں۔ بتاؤ یہ سب کیا ہے۔''

''ہرے رام رے۔'' ہزاری سیٹھ دونوں ہاتھوں سے پیٹ پکڑ کر کراہا۔

''میں کیا جانوں یہ سب کیا ہے..... میں نے تو ذرا سی مسخری کرنی چاہی تھی۔ پتہ نہیں کون کیا کر گیا.....نہیں تم بھی مسخری کر رہی ہو۔''

''ارے سیٹھ ہوش میں آؤ۔ ایسے کام نہیں چلے گا۔ اگر تم نے زیادہ پریشان کیا تو سیدھی پولیس اسٹیشن چلی جاؤں گی.....سمجھے۔''

''ارے نہیں نجمی بائی۔ ایسی کٹھور نہ بنو۔ میں کچھ نہیں جانتا۔ میرے کو بالکل پتہ نہیں کہ کیا ہوا۔''

''تم نے مجھ سے وہ حرکت کیوں کرائی تھی۔''

''بس میں نے کہا ذرا دل لگی رہے گی۔''

''لیکن تمہیں کیسے پتہ چلا کہ وہ نمی راجن کے پاس گیا ہے۔''

''میرے کو اس کا نوکر بولا تھا۔ راجن بابو ہمارا دوست ہے۔ میں اُس سے ملنے کے واسطے گیا تھا۔ نوکر بولا کپتان حمید صاحب ادھر آیا ہوا ہے.....بس میرے کو مسخری سوجھ گئی اور بابا تم میرے کو وہ مکان بتاؤ جہاں تمہیں لے گئے تھے.....میں خود پولیس میں خبر کروں گا۔''

''مجھے نہیں معلوم کہ وہ مکان کہاں ہے۔ باہر سے نہیں دیکھا تھا۔''

''ہرے رام رے۔'' اس نے پھر پیٹ پکڑ لیا۔

''اب بتاؤ کیا ہوگا.....دھری رہ گئی ساری مسخری۔'' نجمی آنکھیں نکال کر بولی۔

ہزاری سیٹھ اس طرح ہانپ رہا تھا جیسے پہاڑ پر چڑھنا پڑا ہو۔ نجمی اُسے گھورتی رہی پھر تھوڑی دیر بعد بولی ''سچ سچ بتاؤ کیا قصہ ہے ورنہ بھاگے راستہ نہ ملے گا۔ اُس کا چیف کرنل فریدی بڑا خطرناک آدمی ہے۔''

''ہائے رام کیا کروں.....اچھا تم جاؤ کرنل پھریدی کے پاس.....!''

''میں کیوں جاؤں۔''

''پھر وہ تو پھانسی دے دے گا۔''

''میں کچھ نہیں جانتی.....اپنے سر الزام نہ لوں گی۔ یا تو تم مجھے کیپٹن حمید کا پتہ بتاؤ..... یا پھر میرے ساتھ سیدھے کرنل فریدی کے پاس چلو۔''

''نہیں بابا.....نہیں بابا.....میرے کو نہ لے جاؤ۔''

''اگر صرف میں گئی اور بعد میں تم سرے سے مکر ہی گئے تو.....!''

''نہیں بابا.....نہیں مکرے گا.....کہو تو لکھ کر دے دیں۔''

نجمی اُس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی پھر مسکرا کر بولی۔ ''اچھی بات ہے۔ تم مجھے تحریر دے دو کہ تم نے مجھے اس کام پر آمادہ کیا تھا لیکن تم نہیں جانتے کہ کیپٹن حمید کو کون لے گیا۔''

''لاؤ.....قاغز لکھ دوں۔''

نجمی نے اُسے اپنا رائیٹنگ پیڈ دیا اور وہ اس پر کچھ لکھنے لگا۔



کرنل فریدی نے ایک بار پھر اُسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ وہ آنکھیں نیچے کئے بیٹھی تھی۔

''ہوں.....تو تم نے خود ہی کیپٹن حمید کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا.....؟'' اُس نے پوچھا۔

''جی ہاں.....!''

''لیکن کیوں؟''

''ابھی بتا چکی ہوں کہ ہزاری سیٹھ نے مجھے اس پر آمادہ کیا تھا.....؟''

''وہ کیا چاہتا تھا۔''

''مجھ سے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ تھوڑی دل لگی رہے گی اور ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ اگر تم کسی پولیس والے کو اُلو بنا کر دکھاؤ تب میں سمجھوں گا کہ بہترین اداکارہ ہو۔ پھر اگلی فلم میں ہیروئن کا چانس بھی حاصل کرسکو گی۔''

''خوب.....!'' فریدی سر ہلا کر بولا۔ ''لیکن کل جن لوگوں کے بیانات لئے گئے تھے اُن میں کسی ہزاری سیٹھ کا نام نہیں ہے۔''

''اُس پر نظر نہ پڑی ہوگی آپ لوگوں کی۔''

''پچھلی رات وہ اسٹوڈیو ہی میں تھا۔''

''جی نہیں.....صبح آیا تھا.....؟''

''تو تمہیں یقین ہے کہ وہ اُسی کی حرکت ہوگی۔''

''اتنا چالاک نہیں معلوم ہوتا۔ پھر اُس کا مقصد کیا ہوسکتا ہے۔ اُسے اس سے کیا فائدہ پہنچے گا۔''

''کون سی فلم بنا رہا ہے۔''

''فلم کا نام 'ستاروں کی چیخیں' ہے۔''

''بڑا عجیب نام ہے۔ سائنس فکشن؟''

''جی نہیں.....سائینس فکشن نہیں ہے۔ یہ فلمی ستاروں سے متعلق ایک جاسوسی کہانی ہے۔''

''لیکن تم مجھے کیا بتانے آئی ہو۔''

''مم.....میں نے سب کچھ بتا تو دیا ہے۔''

''سب سے اہم بات ابھی تک نہیں معلوم کرسکا۔''

وہ کچھ نہ بولی۔

فریدی چند لمحے اُس کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ ''میں نہیں جانتا تھا کہ اس معاملے میں تم ملوث ہو۔ پھر تم خود ہی مجھے کیوں اطلاع دینے چلی آئی۔''

''مذاق کی حد تک دوسری بات ہے جناب۔ لیکن اب میں نہیں سمجھ سکتی کہ کون سی فرد جرم مجھ پر عائد ہوگی.....اور پھر سیٹھ نے بھی مجھے یہی مشورہ دیا کہ میں جس حد تک اس معاملے میں ملوث رہی ہوں اُس کا اظہار کردوں۔''

''تمہارا سیٹھ اس وقت کہاں ملے گا۔''

''یہ بتانا دشوار ہے۔ البتہ میں اُس کی رہائش کا پتہ بتا سکوں گی۔'' نجمی نے اپنا پرس کھولتے ہوئے کہا اور ایک وزیٹنگ کارڈ نکال کر فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

''ہوں ٹھیک ہے۔'' فریدی نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ اردلی اندر آیا اُس نے کہا۔ ''سارجنٹ رمیش کو بھیج دو۔''

رمیش کے آنے تک خاموشی رہی تھی۔ ویسے ایسا معلوم ہوتا رہا تھا جیسے نجمی کچھ اور بھی کہنا چاہتی ہو۔ لیکن فریدی اُس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

''دیکھو.....انہیں لے جاؤ اور انگلیوں کے نشانات لے لو۔'' اُس نے رمیش سے کہا اور نجمی سے بولا۔ ''اگر ضرورت سمجھی گئی تو تم سے مزید پوچھ گچھ کی جائے گی۔''

نجمی رمیش کے ساتھ چلی گئی۔

فریدی نے فون کا ریسیور اٹھا کر کسی کو مخاطب کیا اور بولا۔ ''رپورٹ۔''

دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''راجن بابو کے ڈرائیور کے کوارٹر سے اٹھائے ہوئے بعض نشانات مے پول ہوٹل والے نشانات سے مطابقت رکھتے ہیں اور یہ نشانات مردنگ کی انگلیوں کے نشانات کے علاوہ اور کسی کے نہیں ہو سکتے۔''

''ٹھیک ہے..... اچھا رمیش ایک لڑکی کے 'ننگر پرنٹس لے رہا ہے۔ انہیں کیپٹن حمید کی کار سے لئے گئے 'ننگر پرنٹس سے ٹیلی کرنا ہے۔''

''ویری ویل سر.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

ریسیور رکھ کر فریدی اٹھا۔ کوٹ پہنا اور فلٹ ہیٹ پیشانی پر سنبھالتا ہوا آفس سے باہر نکل گیا۔

آج تیسرا دن تھا۔ کیپٹن حمید نے وہاں سے نکل بھاگنے کی کوشش میں خاصا وقت ضائع کیا تھا لیکن ابھی تک کامیابی نصیب نہیں ہوئی تھی۔

بہت بڑی عمارت تھی اور آہنی دروازوں نے اُسے گویا چوہے دان کی شکل دے دی تھی۔ ویسے وہ پوری عمارت میں گھومتا پھرتا تھا۔ کسی قسم کی پابندی نہیں تھی۔ دن میں کئی بار کافی طلب کرتا..... پرنس ہنری کا تمباکو بھی اُس کی فرمائش پر وافر مقدار میں مہیا کر دیا گیا تھا۔ اس وقت پائپ دانتوں میں دبائے آرام کرسی پر نیم دراز دوپہر کے کھانے کا منتظر تھا۔ دفعتاً کسی نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور کھانے کی ٹرالی دکھائی دی۔ لیکن ٹرالی دھکیلنے والی پر نظر پڑتے ہی وہ اچھل پڑا..... اور وہ بھی سمٹ کر رہ گئی۔

یہ آشا تھی جس کے جسم پر چیتھڑے جھول رہے تھے۔ اتنا شکستہ لباس تھا کہ اپنی برہنگی کو چھپانے کے لئے اُسے سمٹ جانا پڑا تھا۔ اچانک وہ چیخ چیخ کر رونے لگی۔ حمید بے حس و حرکت

کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔ آخر مسہری کی طرف بڑھا اور چادر کھینچ کر اُس کی طرف پھینکتا ہوا بولا۔

''اسے لپیٹ لو..... اور خاموش ہو جاؤ۔''

کچھ دیر بعد وہ فرش پر خاموش بیٹھی خلاء میں گھورے جا رہی تھی۔ بستر کی چادر اُس کے گرد لپٹی ہوئی تھی۔

''کرسی پر بیٹھو.....!'' حمید نے نرم لہجے میں کہا اور وہ ایسے انداز میں حمید کی طرف دیکھنے لگی جیسے اُس کی بات سمجھ میں نہ آئی ہو۔

''کرسی پر بیٹھو۔'' اس بار حمید نے کرسی کی طرف اشارہ بھی کیا۔

''نہیں.....!'' وہ خوفزدہ آواز میں بولی۔ ''اگر اُس نے دیکھ لیا تو چابک سے مارے گا۔''

''کس نے دیکھ لیا.....؟''

''مردنگ نے۔''

''کیوں مارے گا.....؟''

''آہستہ بولو.....!'' وہ ہونٹوں پر انگلی رکھ کر بولی۔ ''خدا کے لئے مجھے یہاں سے نکالو۔ ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گی اور تم یہاں کیا کر رہے ہو۔''

''یہ تمہارا کیا حال ہے۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔ ''وہ تو تم سے اس درجہ محبت کرتا تھا۔''

''بکواس ہے۔'' یک بیک آشا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ کسی زخمی شیرنی کی طرح غرائی۔ ''درندہ ہے..... مجھ سے ایک لڑکی کی خدمت لے رہا ہے۔ میں رات رات بھر اُس لڑکی کے نہلاتی ہوں..... لونڈیوں سے بدتر ہوں..... اگر انکار کرتی ہوں تو چمڑے کے چابک سے مارتا ہے..... لڑکی کا جھوٹا کھانا مجھے ملتا ہے۔ نہیں کھاتی تو مار پڑتی ہے۔''

''لڑکی کون ہے۔''

''وہ بیچاری تو بہت شریف ہے۔ میرے لئے روتی ہے۔ اکثر رات گئے مجھے اپنے ساتھ کھانا کھلا لیتی ہے۔ وہ بھی مردنگ سے نفرت کرتی ہے لیکن اُس سے ڈرتی بھی بہت ہے۔ اپنی نفرت ظاہر نہیں ہونے دیتی۔''

''وہ اس وقت کہاں ہے؟''

''یہیں ہے۔ پچھلی رات وہ ہم دونوں کو یہاں لایا ہے۔''

''اٹھو میں اُسے دیکھنا چاہتا ہوں۔''

آشا ویسے ہی چادر لپیٹے کھڑی ہوگئی اور اُسے عمارت کے ایک دور افتادہ کمرے تک لائی۔

''جینی.....!'' حمید تحیر زدہ سی آواز میں چیخا اور کمرے میں بیٹھی ہوئی لڑکی بھی اچھل پڑی۔ وہ بُری طرح کانپ رہی تھی۔

''مم.....میں کچھ نہیں جانتی کیپٹن.....میں بے قصور ہوں۔ آپ آشا دیوی سے پوچھ لیجئے۔''

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''میں سب کچھ سن چکا ہوں۔ ویسے میں تو یہی سمجھا تھا کہ اسٹوڈیو کے پارک میں پائی جانے والی لاش تمہاری ہی ہوگی، جسے پہلے آشا کی لاش سمجھا گیا تھا۔''

پھر کچھ دیر بعد حمید آشا کی کہانی سن رہا تھا۔

''یقین کرو کیپٹن! مجھے اطلاع ملی تھی کہ ڈائریکٹر نے اسٹوڈیو میں طلب کیا ہے..... اطلاع فون پر ملی تھی۔''

''لیکن تم نے اپنی نانی کو اس سے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا۔''

''اُس وقت یہ کوئی ایسی اہم بات نہیں تھی کہ اُس کی وضاحت کرنے بیٹھتی۔ اسٹوڈیو پہنچ کر جب یہ معلوم ہوا کہ کسی نے غلط اطلاع دی تھی تو میں نے اُسی وقت واپسی مناسب نہ سمجھی۔ نانی پوچھتی ہی رہ گئیں۔ لیکن میں نے وجہ بھی نہ بتائی۔ اُس کی پھان بین کی عادت مجھے ہمیشہ غصہ دلا دیتی ہے اور مجھے ضدی ہو جاتی ہے کہ اس وقت اُن سے کوئی ڈھنگ کی بات نہ کروں۔ بہرحال ہم دونوں میک اپ روم میں لیٹ گئی تھیں۔ نانی جلد ہی سو گئیں۔ اُس وقت وہاں ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ میں برآمدے میں آئی۔ میرے باڈی گارڈ بھی وہاں موجود نہیں تھے۔ اتنے میں میں نے ایک اکسٹرا لڑکی لیکا کو عقبی پارک کی طرف جاتے دیکھا اُس کے بعد ہی کیمرہ مین بھی نظر آیا جو اُسی طرف جا رہا تھا۔ تجسس کا خبط مجھ پر اس بُری طرح

مسلط ہوا کہ میں بھی اُن کے پیچھے چل پڑی۔ انہیں جھاڑیوں کے اوٹ میں ہوتے دیکھا۔ میں بھی اُدھر ہی لپکی۔ بس میرا دماغ جیسے ماؤف ہو کر رہ گیا تھا۔ اب سوچتی ہوں تو اپنی اس حماقت پر غصہ آتا ہے۔ آخر مجھے کیا ہو گیا تھا۔ بہرحال جیسے ہی جھاڑیوں کے قریب پہنچی کسی نے پیچھے سے حملہ کیا۔ منہ دبا کر جھٹکا جو دیا تو میں چاروں خانے چت زمین پر تھی۔ حملہ آور کی صورت دیکھنے کا بھی موقع نہ مل سکا۔ وہ میرا اگلا گھونٹ رہا تھا۔ پھر کچھ بھی یاد نہیں میں بیہوش ہو گئی تھی۔''

حمید نے اُسے بتایا کہ وہاں ایک لاش ملی تھی جس کے جسم پر اُسی کے کپڑے تھے اور چہرہ بگاڑ دیا گیا تھا۔ پھر صبح کو زخمی کیمرہ مین بھی اسٹوڈیو میں آ کر مر گیا تھا۔

''وہ.....وہ لیکا ہی ہوگی۔'' آشا کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔ ''میرا ہی جیسا قد تھا جسم بھی ایسا ہی رکھتی تھی۔ رنگت بھی میری ہی جیسی تھی۔ یقیناً لوگ دھوکا کھا گئے ہوں گے۔''

''میرا خیال تھا کہ وہ تمہاری لاش ہوگی۔'' حمید نے جینی سے کہا وہ کچھ نہ بولی۔ برسوں کی بیمار معلوم ہو رہی تھی۔ دفعتاً انہوں نے ایک چیخ سنی اور بے ساختہ دروازے کی طرف مڑے۔ دروازے کے سامنے آشا کی نانی کھڑی تھی اور غالباً آشا ہی کو دیکھ کر چیخی تھی۔ اس کے پیچھے حمید کو وہ عورت بھی نظر آئی جو لاش کی کارروائی شناخت کے وقت آشا کی نانی کے ساتھ تھی۔ آشا نانی کی طرف جھپٹی۔ بوکھلاہٹ میں اُس کے جسم سے چادر بھی گر گئی تھی۔

اب دونوں ایک دوسری سے چمٹی ہوئی بُری طرح رو رہی تھی۔ دوسری عورت کو حمید علیحدہ لے جا کر اُسے سے پوچھنے لگا کہ وہ کیسے پہنچیں۔ قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتی ایک بھاری بھرکم اور گونجیلا قہقہہ سنائی دیا۔

حمید چونک کر مڑا۔ ایک کمرے کی سلاخوں دار کھڑکی کے پیچھے مردنگ مضحکانہ انداز میں دانت نکالے کھڑا تھا۔ حمید اُس کمرے کے دروازے کی طرف جھپٹا۔ لیکن وہ بند تھا۔ وہ اُس پر زور صرف کرنے لگا۔ مردنگ کی آواز پھر سنائی دی جو کہہ رہا تھا۔ ''خواہ مخواہ جھک مار رہے ہو برخوردار.....سامنے آؤ۔'' حمید جھلاہٹ میں پھر کھڑکی کی طرف پلٹ پڑا۔

''باہر نکلو.....اگر مردانگی ہے کچھ تم میں۔'' اس نے اُسے للکارا۔

''نہیں سرکار.....!'' مردنگ نے ہاتھ جوڑ کر دانت نکال دیئے۔ ''میں نامرد ہی بھلا۔ ہاتھا پائی کی قوت نہیں رکھتا۔ البتہ ذہنی لڑائی میرا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ اب تمہارے گرو کرنل فریدی کا منتظر ہوں۔ وہ بھی تمہاری ہی طرح آ پھنسے گا اور پھر اُس کی ایک ایسی ہی تصویر آشا کے ساتھ لی جائے گی جیسے تمہاری نمی کے ساتھ لی گئی تھی۔ پھر میں تم دونوں کو قتل کر دوں گا اور یہ دونوں تصویریں تمہارے محکمے کو بھجوا دی جائیں گی۔''

بوڑھی عورت جو حمید کے ساتھ تھی پاگلوں کی طرح چیخنے لگی اور دوسرے کمرے سے ساری عورتیں باہر نکل آئیں۔

مردنگ پر نظر پڑتے ہی آشا کی نانی کلکلا کلکلا کر کوسنے لگی۔

''نانی ڈارلنگ..... تمہیں تو اب سچ مچ مر ہی جانا چاہئے۔ فکر نہ کرو بڑے معزز آدمیوں کے ساتھ دفن کروں گا..... ذرا قریب آؤ تمہیں تمہاری آخری آرام گاہ بھی دکھا دوں۔''

حمید کھڑکی کے قریب ہی کھڑا تھا۔ لیکن کوشش کرنے کے باوجود بھی اس کا ہاتھ مردنگ کی گردن تک نہ پہنچ سکا۔ کیونکہ کھڑکی کی سلاخوں کا درمیانی فاصلہ بہت کم تھا۔ مردنگ نے مڑ کر ٹین کے ایک بہت بڑے صندوق کی طرف اشارہ کیا۔ بلاشبہ یہ اتنا ہی بڑا تھا کہ چار لاشیں بآسانی سما جاتیں۔

''ہوں.....!'' حمید تھوڑی دیر بعد غرایا۔ ''تو تم ہمیں مار ڈالو گے۔''

''صرف تم دونوں کی وجہ سے دو بوڑھی عورتیں بھی مر جائیں گی تاکہ آشا کی کہانی ہمیشہ کے لئے دفن ہو جائے۔ وہ آشا ہی کی لاش سمجھ لی جائے گی اور پھر جب فریدی غائب ہو جائے گا تو اُس کی اور آشا کی تصویر کیا گل کھلائے گی تمہارے محکمے میں۔ بولو..... جواب دو۔''

حمید سوچ میں پڑ گیا۔ اگر وہ اپنی اسکیم کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب ہو گیا تو کس حد تک غلط فہمیاں پیدا ہو سکیں گی۔ خود اُس کے متعلق تو سبھی جانتے تھے کہ رنگین مزاج آدمی ہے اور فریدی کے بارے میں اُس کے ساتھی اکثر کہا کرتے تھے کہ کہیں اس کا تجرد اُسے کسی دن جنسی جنون تک نہ لے جائے۔ اگر اُس کے متعلق کوئی اس قسم کی تصویر اُس کے آفیسروں تک

جا پہنچی تو وہ یہی سمجھیں گے کہ آشا فریدی ہی کے جنون کا شکار ہوئی ہوگی۔ ایک ٹھنڈی سی لہر اُس کے سر سے پیر تک دوڑ گئی۔ کیا اس کمال کا زوال اسی صورت میں رونما ہوگا کہ ایک حقیر سا فلمی مسخرہ اُن کی لاشوں پر قہقہے لگا رہا ہو۔ اوہ خدایا..... ایسا عبرتناک انجام.....!''

دفعتاً مردنگ پھر بولا۔ ''میں بہت خوش نصیب ہوں۔ جس دن آشا کو اڑا لے جانے کا پلان تیار کیا تھا اُسی دن نہ جانے کتنے راستے میرے لئے کھل گئے۔ تم اتفاقاً نمی راجن کے یہاں جا پہنچے جہاں میں پہلے ہی سے ڈرائیور کے بھیس میں موجود تھا۔ میں نے کہا چلتے چلاتے تمہیں بلیک میل کرنے کا مواد بھی فراہم کر ہی لوں۔ کافی میں نشہ آور دوا ملانے کے بعد جو کچھ بھی ہوا اُس کی تصویر تو تم دیکھ ہی چکے ہو۔ فون پر میں نے ہی نمی راجن کو گالیاں دی تھیں تاکہ تم سب دوسرے کمرے میں چلے جاؤ اور میں راجن کو انجکشن دے کر اُس کی بیہوشی کی مدت بڑھا سکوں۔ وہاں سے فرصت پا کر آشا کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ میں نے ہی اُسے فون پر شوٹنگ کی اطلاع دی تھی۔ یقین تھا اسٹوڈیو سے اُسے اٹھا لے جانے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ وہاں دوسرا ہی کھیل نظر آیا۔ غالباً آشا تمہیں اُس کے بارے میں بتا چکی ہوگی۔ وہ جھاڑیوں کے اندر جھانک ہی رہی تھی کہ میں نے بہ آہستگی اُس پر قابو پا لیا۔ پھر اُس وقت یہ اسکیم بھی ذہن میں کلبلائی کہ کیوں نہ آشا کو مردہ ہی باور کرایا جائے۔ اس طرح میں سکون سے زندگی بسر کر سکوں گا۔ مجھے علم تھا کہ تمہارا محکمہ میرے سرحد پار کر جانے پر یقین کر چکا ہے۔ بہرحال میں نے آشا کو بیہوش کر دینے کے بعد لیٹکا اور اُس کیمرہ مین پر بھی قاتلانہ حملے کئے۔ اپنی دانست میں تو کیمرہ مین کو ختم ہی کر چکا تھا اس لئے نہایت اطمینان سے لیٹکا کا چہرہ بگاڑا اس سلسلے میں اپنے دانت بھی استعمال کرنے پڑے۔ یہ اس لئے اور بھی کیا کہ وہ کسی اذیت پسند جنسی جنونی کی حرکت معلوم ہو۔ بہرحال اب آشا یہاں ہے اور ساری زندگی اپنے غرور کی سزا اُسے بھگتنی پڑے گی۔ جینی کی زرخرید کنیزوں کی زندگی بسر کرے گی۔ اور جینی..... رحمدل جینی جسے اپنے بدبو دار باس سے ہمدردی تھی زندگی بھر عیش کرے گی۔''

''نن..... نہیں..... باس۔'' دفعتاً جینی مردہ سی آواز میں بولی۔ ''ان سب کو چھوڑ دو۔ خدا

کے لئے جانے دو۔ چاہے میرے جسم کا ریشہ ریشہ الگ کر دینا۔''

پھر وہ کسی ننھی بچی کی طرح رونے لگی۔

''تم سچ مچ پاگل ہو۔'' حمید مردنگ کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''محض اتنی سی بات کے لئے کہ تم دو عورتوں کو دو مختلف حالات میں دیکھنا چاہتے تھے یہ سب کچھ کر گذرے ہو۔ مجھے حیرت ہے۔''

''ہم سب پاگل ہیں کیپٹن حمید۔'' مردنگ مسکرا کر بولا۔ ''تمہیں حیرت نہ ہونی چاہئے۔ محض کچھ دیر کی واہ واکیلئے لوگ موت کے منہ میں چھلانگ لگا دیتے ہیں۔ ہر شخص ذاتی آسودگی کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ خواہ اُس کی راہ جہنم ہی سے کیوں نہ گذرتی ہو۔ کیا سمجھے۔''

مردنگ کھڑکی کی سلاخیں پکڑے ان کی طرف رخ کئے کھڑا تھا۔

دفعتاً حمید نے دیکھا کہ ٹین کے بڑے صندوق کا ڈھکن اٹھ رہا ہے۔ پھر وہ بالکل زاویہ قائمہ کی شکل اختیار کر گیا۔ کرنل فریدی صندوق میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔ یہ سب اتنی ہی آہستگی سے ہوا کہ مردنگ کو خبر تک نہ ہوئی۔

وہ پھر بولا۔ ''فریدی اپنے آفیسروں کو متحیر کر دینے کے خبط میں مبتلا ہے۔ اس خبط کے لئے جان کی بازی لگا دیتا ہے۔''

''مثال کے طور پر اسی وقت دیکھ لو۔'' اچانک فریدی بولا۔

مردنگ بوکھلا کر مڑا۔ حمید نے تو اُس کے چہرے پر سراسیمگی ہی کے آثار دیکھے تھے۔ لیکن اُس نے مڑتے مڑتے ریوالور بھی نکال لیا تھا۔ کمرے میں فائر کی آواز گونج کر رہ گئی۔ حمید نے فریدی کو صندوق میں گرتے دیکھا۔

پھر مردنگ نے حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ صندوق کے قریب پہنچ کر اُس کا ڈھکن گرا دیا تھا اور اب خود اُس کے اوپر کھڑا قہقہے لگا رہا تھا۔ حمید اُس کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر کھڑکی کے سامنے سے ہٹ گیا۔

چاروں عورتیں دم بخود کھڑی تھیں۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ ایک بار پھر اُس نے بند دروازے پر زور آزمائی شروع کر دی۔ لیکن ناکام رہا۔

دفعتاً اندر سے کسی وزنی چیز کے گرنے کی آواز آئی۔ ساتھ ہی کسی کی کراہ بھی سنائی دی۔

حمید پھر کھڑکی کی طرف جھپٹا۔

اس بار پھر فریدی صندوق میں کھڑا نظر آیا..... اور مردنگ سامنے والی دیوار کے قریب فرش پر پڑا پھر سے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ فریدی نہایت اطمینان سے صندوق سے نکل کر مردنگ کے قریب آیا اور اس کی گردن دبوچ کر سیدھا کھڑا کرتے ہوئے ریوالور چھین لیا۔ پھر قبل اس کے کہ مردنگ لپٹ پڑنے کی کوشش کرتا کمر پر ایسی لات رسید کی کہ وہ اچھل کر آدھے دھڑ سے منہ کے بل زمین پر جا گرا۔ دوسری ٹھوکر اُسے پوری طرح صندوق میں لے گئی اور ڈھکن بند کر دیا گیا۔ کنڈی بھی چڑھا دی گئی۔

یہ سب کچھ اتنے اطمینان سے ہوا جیسے اسے حسب معمول یونہی ہونا تھا۔ مردنگ اندر سے صندوق پیٹ پیٹ کر کچھ کہہ رہا تھا لیکن الفاظ حمید کی سمجھ میں نہ آ سکے۔

فریدی نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور وہ سب اندر گھس آئے۔ آشا کی نانی بلبلا بلبلا کر فریدی کی بلائیں لے رہی تھی۔

دفعتاً جینی صندوق کی طرف جھپٹی۔ لیکن فریدی نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''چھوڑ دیجئے۔ خدا کے لئے اُسے چھوڑ دیجئے۔'' وہ روتی ہوئی بولی۔

''کیا تم پاگل ہو گئی ہو۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔ ''کیا سچ مچ اُس کی آلہ کار تھیں؟''

''نہیں۔ وہ پاگل ہے۔ اُس پر رحم کیجئے..... خدا کے لئے چھوڑ دیجئے۔'' پھر شدت گریہ سے اُس کی آواز گھٹ کر رہ گئی۔

فریدی یک بیک بے حد سنجیدہ نظر آنے لگا۔

دوسرے دن شام کو وہ برآمدے میں بیٹھے کافی پی رہے تھے۔ پچھلے دن سے اب تک صرف اسی وقت مل بیٹھنا نصیب ہوا تھا۔

''اب اُس صندوق میں میرا دم گھٹ جائے گا۔ خدارا کچھ تو کہیئے۔'' حمید بولا۔

''میرا خیال ہے کہ سچ مچ اُس کا دماغ الٹ گیا تھا۔'' فریدی نے کہا۔ ''ورنہ تو تابڑ توڑ ایسی حماقتیں نہ کرتا۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''ہمیں نمی راجن والی تصویر بھیج کر یہ سمجھ بیٹھا تھا ہم دونوں ہی وہاں دوڑے چلے جائیں گے۔ لیکن میں چاہتا تھا کہ تم تو ضرور ہی جاؤ۔ لہٰذا میں نے تمہیں گھر جانے کی اجازت دے دی حالانکہ اچھی طرح جانتا تھا کہ تم اپنی گردن بچانے کی فکر میں اسی وقت راجن کے گھر دوڑے جاؤ گے۔ اس طرح مجھے تمہاری نگرانی کرانے کا موقع مل گیا۔ مردنگ نے بحیثیت ہزاری سیٹھ بدمعاشوں کی ایک بہت بڑی ٹولی تیار کر رکھی تھی اور اُس سے کام لے رہا تھا۔

راجن کے گھر سے واپسی کے وقت تمہاری گاڑی کے پیچھے تین گاڑیاں تھیں۔ دو اُن بدمعاشوں کی اور تیسری میں رمیش اور امر سنگھ تھے۔ لیکن اُس وقت اُن سے غلطی ہوگئی جب اُن گاڑیوں میں سے ایک میں تمہیں اور بیہوش نجمی کو ڈالا گیا تھا۔ دونوں گاڑیاں مختلف سمتوں میں گئیں تھیں۔ وہ غلطی سے اُس گاڑی کے پیچھے لگے رہے جس میں تم دونوں نہیں تھے۔ بہرحال اس طرح اُن کے ایک ٹھکانے کا پتہ تو معلوم ہو ہی گیا۔'' فریدی نے خاموش ہو کر سگار سلگایا اور پھر نجمی کے متعلق بتانے لگا۔

''آخر اُس نے اسے آپ کے پاس کیوں بھیجا تھا۔'' حمید نے پوچھا۔

''محض اس لئے کہ میں نجمی کے متعلق شبہے میں مبتلا ہو کر اُس کا تعاقب شروع کر دوں اور وہ میرا تعاقب کرتا رہے۔ پھر کہیں موقع پا کر مجھے بھی اُس طرح بے بس کر دے، جیسے تمہیں کیا

تھا۔ میں نے اُسے مایوس نہیں کیا..... نجمی کا تعاقب کیا۔ لیکن ہوشیار ہو کر۔ پچھلی رات اُس کی فلم ''ستاروں کی چیخیں'' کی شوٹنگ بھی دیکھی تھی۔ ریلوے یارڈ میں ٹرین پر ڈاکہ پڑنے کا منظر فلمایا جا رہا تھا۔ کئی فلم اسٹار چیختی ہوئی ایک کمپارٹمنٹ سے باہر آ گئی تھیں اور انہوں نے ڈائریکٹر سے شکایت کی تھی کہ کوئی کمپارٹمنٹ میں سچ مچ چھپا ہوا تھا۔ جس نے اُن پر دست درازی کی کوشش کی تھی۔ غالباً یہ اس لئے ہوا تھا کہ میں جھپٹتا ہوا اس کمپارٹمنٹ میں جا گھسوں گا اور مردنگ میرے سلسلے میں اپنی اسکیم کو عملی جامہ پہنا سکے گا۔ لیکن میں نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔ اب کل کا قصہ سنو۔ اُس عمارت کی نگرانی تو ہو ہی رہی تھی جہاں سے اُس رات رمیش اور امر سنگھ نے ان بدمعاشوں کا تعاقب کیا تھا۔ کل رمیش نے اطلاع دی کہ ہزاری سیٹھ اُس عمارت میں موجود ہے..... میں ایسے میک اپ میں تھا کہ جو آسانی سے ختم بھی کیا جا سکے۔ وہاں جا پہنچا۔ ایک ٹرک کھڑا نظر آیا جس پر وہی صندوق رکھا جا رہا تھا اور ہزاری سیٹھ ڈرائیور کے پاس اگلی نشست پر براجمان تھا۔ ٹرک چل پڑا میں موٹر سائیکل پر تھا۔ بہ آسانی تعاقب جاری رکھ سکا..... اُس عمارت کے سامنے بے پناہ جھاڑ جھنکاڑ ہے..... اُسی کے درمیان ٹرک روک کر وہ اندر چلا گیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ کہیں صندوق آشا اور جینی کی منتقلی کے لئے نہ استعمال کیا جائے۔ بہرحال وہ ایک طرح کا جوا ہی تھا کہ میں صندوق میں جا لیٹا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کچھ آدمی ساتھ لایا جو اُس صندوق کو اٹھا کر عمارت میں لے گئے۔''

فریدی خاموش ہو کر بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

حمید نے پوچھا۔ ''تو کیا آپ نے وہ لاش جینی کی ماں کو بھی دکھائی تھی۔''

''ضرورت ہی نہیں سمجھی تھی..... اُس کے ہاتھ پیر جینی کے سے بھی نہیں تھے۔''

''نجمی کو کس خانے میں فٹ کیا جائے گا۔''

''وہ گواہ کی حیثیت سے پیش ہوگی..... نادانستگی میں اُس کی آلہ کار بنی تھی اور ہاں میں اُس تصویر کا نگیٹو بھی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا جو تمہیں روسیاہ بنا دیتی۔ اس کے علاوہ بھی بلیک میلنگ کا بہت سا مواد ہاتھ لگا ہے۔ جس کا تعلق ملک کے بہتیرے بڑے آدمیوں سے

ہے۔ اس بار یہ کمبخت بیک وقت تین رول ادا کر رہا تھا۔ راجن کے ڈرائیور کا..... سنسار پبلسٹی بیورو کے مالک کا اور سیٹھ ہزاری کا۔''

وہ کچھ اور بھی کہنے والا تھا کہ حمید ''ارے'' کہہ کر اچھل پڑا۔ فریدی نے بھی گردن گھمائی۔ جینی پھاٹک سے گذر کر برآمدے کی طرف دوڑی آ رہی تھی۔ پورچ میں رک کر ہانپتی رہی پھر ہاتھ جوڑ کر گھگھیائی۔ ''چھوڑ دیجئے..... خدا کے لئے اُسے چھوڑ دیجئے۔ وہ صرف پیار کا بھوکا ہے۔ ایک ایسا بچہ جسے اُس کی ماں منہ نہ لگاتی ہو..... چھوڑ دیجئے..... رحم کیجئے۔''

اور پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

فریدی اور حمید خاموش کھڑے ایک دوسرے کی شکل دیکھتے رہے۔

تمام شد

جلد نمبر
31

ابنِ صفی

جاسوسی دنیا

93- ساتواں جزیرہ

94- شیطانی جھیل

95- سنہری چنگاریاں



پیشرس

"ساتواں جزیرہ" ملاحظہ فرمایئے۔

کہانی شروع ہوئی اور پھیلاؤ اختیار کرتی گئی۔ ایسا پھیلاؤ کہ اختصار سے کام لینے کی کوشش کہانی ہی کی موت ثابت ہوتی..... اور آپ لکھ بھیجتے کہ واہ بھئی اٹھے تھے اتنے زور و شور سے اور آخر میں "پھس" ہو کر رہ گئے۔ اسلئے میں نے مناسب یہی سمجھا کہ اسے آگے بڑھا دیا جائے۔

قاسم سے ملئے۔ عرصہ سے آپ ان حضرت سے ملنے کے خواہش مند تھے۔

یہ اس کہانی میں خاص کردار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یعنی کہانی انہیں کے گرد گھومتی ہے اور خود انہیں بھی علم نہیں کہ آخر کس چکر میں پھنس گئے ہیں اور کہانی کے اختتام سے قبل آپ بھی نہ سمجھ پائیں گے۔ اس میں شک نہیں کہ خاص نمبر کا انتظار آپ کو شدت سے کھلے گا۔ لیکن میں انتہائی کوشش کر رہا ہوں کہ یہ بھی آپ تک جلد سے جلد پہنچ سکے۔

اس بار ایک صاحب نے اپنی دل چسپ خواہش کا اظہار کیا ہے۔ فرماتے ہیں "آپ جب اتنا اچھا لکھ سکتے ہیں تو..... ادبی انعام کے لئے کوشش کیوں نہیں کرتے۔ خاص طور پر ایک ناول اس کے لئے بھی لکھئے میرا دعویٰ ہے کہ آپ کامیاب رہیں گے۔"

جناب عالی! میرا سب سے بڑا انعام یہی ہے کہ آپ میری کتابیں پسند کرتے ہیں، انہیں حرف بحرف اس طرح پڑھتے ہیں کہ بعض عبارتیں ازبر ہو جاتی ہیں اور آپ بے تکان اُن کے حوالے اپنے خطوط میں دیتے ہیں اور مجھے متعدد کتابیں الٹنی پڑتی ہیں کہ میں نے یہ چیز کب اور کہاں لکھی تھی!

ویسے ایک بات ہے آپ کسی "پبلک چوٹی فنڈ" سے کوئی ایسا ادارہ قائم کیجئے جو اچھی ادبی تخلیقات پر انعام دے سکے تو میں اس کے لئے سر دھڑ کی بازی لگادوں گا۔ کیونکہ اُس کی نوعیت "قومی" ہوگی لیکن شخصی انعام کا تصور بھی میرے لئے توہین آمیز ہے۔

یا پھر شخصی انعام کے حصول کی کوشش اُس صورت میں کر سکوں گا جب کہ اُس کا تعلق کسی بہت بڑے عالم و دانشور کی ذات سے ہو! کیونکہ علماء کے مقابلے میں تو میں زندگی بھر خود کو کمترین محسوس کرتا رہوں گا۔

بہر حال شاید آپ کی یہ خواہش نہ پوری کر سکوں۔ ویسے یہ تو فرمایئے کہ آپ قابل انعام کس قسم کی کتابوں کو سمجھتے ہیں۔ ضرور مطلع فرمایئے گا۔ والسلام

ابن صفی

دیو کا غسل

سائرہ شدت سے بور ہو رہی تھی۔ لیکن کیا کرتی۔ کہاں جاتی۔ ملازمت ہی ٹھہری۔ اسی بوریت کا ماہانہ معاوضہ ساڑھے چار سو روپیوں کی شکل میں ملتا تھا..... اور پھر کسی کا پرائیویٹ سیکریٹری ہونا ویسے بھی ہنسی کھیل نہیں۔

نو بجے دن سے چھ بجے شام تک کی ڈیوٹی ہوتی تھی۔ صبح سات بجے گھر سے نکل کر بس پر بیٹھتی۔ بس اُسے ایگل بیچ تک لاتی۔ پھر ایگل بیچ سے ایک لانچ جزیرہ سونار تک پہنچاتی۔ یہ جزیرہ ایگل بیچ کے ساحل سے بارہ میل دور واقع تھا۔

بہر حال سونار تک پہنچتے پہنچتے نو بج جاتے تھے..... اُس کا باس قلندر بیابانی اسی جزیرے میں رہتا تھا۔ اس کے جاسوسی ناول اردو میں خاصی شہرت رکھتے تھے۔ سکسٹن بلیک سیریز کے انگریزی ناولوں کو کرتا پاجامہ پہنا کر پیش کر دینے میں یدِ طولیٰ رکھتا تھا۔ پہلے پہل تو سراغ رساں کے نام سکسٹن بلیک کو بھی اردو انے کی کوشش کر ڈالی تھی۔ لیکن اسے چوٹی والی پبلک نے سخت ناپسند کیا تھا اور پڑھے لکھے آدمیوں نے بھی ناک بھوں سکوڑی تھی۔ وہ انگریزی میں تو سکسٹن بلیک پسند کرتے تھے لیکن بھلا اردو میں "کلو پرویز" کیونکر برداشت کر لیتے..... بہر حال اُسے سراغ رساں کا نام کلو پرویز کی بجائے پھر کچھ اور تجویز کرنا پڑا تھا۔

ہر ماہ دو چار ناول پیش کر دینا اُس کے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔ سونار میں ایک خوبصورت سے بنگلے کا مالک تھا۔ مستقل طور پر وہیں رہتا بھی تھا..... شہر میں آبائی جائیداد کئی مکانات کی

شکل میں موجود تھی جس سے اچھی خاصی ماہانہ آمدنی ہو جاتی تھی اور پھر اُس کے پبلشر بھی اُسے مناسب معاوضہ دیتے تھے۔

بہر حال چین سے بسر ہوتی تھی۔ عمر پچاس اور ساٹھ کے درمیان رہی ہو گی۔ غیر شادی شدہ تھا۔ بنگلے میں دو ملازم دن رات رہتے تھے۔ ان میں سے ایک باورچی تھا اور دوسرا ڈرائیور ..... سائرہ چھ بجے شام کو وہاں سے شہر کے لئے روانہ ہو جاتی تھی۔

اُس کا خیال تھا کہ قلندر بیابانی سنکی اور جھکی ہے۔ کسی عورت نے اُسے کبھی پسند ہی نہ کیا ہو گا۔ پھر شادی کیسے ہوتی؟

ناول کا مسودہ لکھتے لکھتے اُس کا ہاتھ دکھ جاتا اور وہ دل ہی دل میں دعائیں کرتی اے اللہ اس کی شادی کرا دے اس سے بھی زیادہ کسی سنکی عورت سے۔ تاکہ بھول جائے "عمل عمل" کی للکار..... کیونکہ ذرا اُسے ست دیکھتا اور دھڑے شعر پڑھ دیتا۔

یہاں کوتاہی ذوق عمل ہے خود گرفتاری
جہاں بازو سمٹتے ہیں وہیں صیاد ہوتا ہے

بس لکھے جاؤ۔ جس دن ایک ناول ختم ہوتا اُسی دن دوسرا شروع کرا دیتا! لیکن یہ معمہ آج تک اُس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ اپنے ناول مائیکرو فون پر کیوں ڈکٹیٹ کراتا ہے، اپنے کمرے میں بند ہو کر بیٹھ جاتا۔ وہیں سے مائیک پر ڈکٹیٹ کراتا ہے اور وہ دوسرے کمرے میں تنہا بیٹھ کر لکھتی رہتی۔

اگر اسے جاسوسی ناولوں سے دلچسپی ہوتی اور اس نے انگریزی کے جاسوسی ناول پڑھے ہوتے تو اندازہ کر لیتی کہ وہ سکسٹن بلیک سیریز کے ناول ہاتھ میں لے کر نہایت اطمینان سے اردو میں پڑھتا چلا جاتا ہے۔ وہ تو اُسے جینئس سمجھتی تھی اور کمرے میں بند ہو کر ناول ڈکٹیٹ کرانے کو اس کی "سنک" پر محمول کرتی تھی۔

ویسے بھی ہر جینئس کو پیدائشی طور پر یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ خود کو سنکی پوز کرے۔ بلکہ اگر پاگل ہو کر کتوں کی طرح بھونکنا بھی شروع کر دے تو پبلک کو چاہئے کہ اُس کے پیچھے ٹیپ ریکارڈ لے کر دوڑ پڑے تاکہ اُس کی "بھوں بھوں" سے آئندہ نسلیں بھی نہ صرف محظوظ ہو سکیں بلکہ اس کے سلسلے میں ریسرچ کر کے ڈاکٹریٹ بھی لے سکیں۔

دوپہر کا کھانا قلندر بیابانی ہی کے ساتھ کھانا پڑتا تھا۔ اس وقت وہ یہی بوریت برداشت کر رہی تھی۔ اُن کے ساتھ ایک بلی بھی تھی، جو رہ رہ کر "میاؤں میاؤں" کرنے لگتی۔

قلندر کبھی کبھی گوشت کا ایک آدھ ٹکڑا اُس کے لئے ڈالتا رہتا..... بلی بُری طرح بیتاب تھی۔ اُسے متوجہ کرنے کے لئے اُس کے زانو پر اگلے پنجے رکھ کر کھڑی ہونے کی کوشش کرتی.....! "میاؤں میاؤں" تو جاری ہی تھی۔ قلندر کے چہرے پر الجھن اور بیزاری کے آثار تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے بلی کی یہ حرکت اُس کی جھنجھلاہٹ میں بتدریج اضافہ کرتی چلی جا رہی ہو۔ یک بیک وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ بلی کی گردن پکڑی اور اُسے میز پر بٹھاتا ہوا دہاڑا..... "لے کھا..... حرام زادی..... میاؤں میاؤں..... کھا.....!"

اُس نے اُس کی گردن ایک پلیٹ میں رگڑ دی..... وہ بُری طرح مچل رہی تھی۔ کئی پلیٹیں اچھل اچھل کر اِدھر اُدھر جا پڑیں۔

سائرہ بھی کرسی کھسکا کر اٹھ گئی! قلندر کا غصہ تیز ہو گیا تھا۔ وہ بلی کی گردن رگڑے جا رہا تھا..... بلی کے حلق سے مختلف قسم کی آوازیں نکلتی رہیں..... بالآخر اُس نے اپنے ہاتھ کو جھٹکا دیا..... بلی دیوار سے ٹکرا کر فرش پر آ گری۔ لیکن اٹھ کر بھاگنے کی بجائے وہ ایک ہی جگہ پڑی تڑپتی اور ڈرامائی آوازیں نکالتی رہی۔

قلندر بیابانی وہاں سے جا چکا تھا۔

سائرہ وہیں دم بخود کھڑی دم توڑتی ہوئی بلی کو دیکھتی رہی۔ اُسے قلندر کی اس حرکت پر حیرت تھی..... وہ بلی تو اُس کی اتنی چہیتی تھی کہ اکثر دونوں ایک ہی برتن میں کھاتے دیکھے گئے تھے..... پھر آج اتنی ذرا سی بات پر کہ وہ اُس کے زانو پر پنجے ٹیک کر اُس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانا چاہتی تھی اس حد تک برافروختہ ہونا کہ جان ہی سے مار دینے کی سعی کر گذرنا کیا معنی رکھتا تھا۔

بلی کی آخری چیخ بڑی دلگداز تھی..... اُس کا جسم کھنچتا چلا گیا تھا اور پھر یک بیک ڈھیلی ہو کر سکڑ گئی تھی۔

ٹھیک اُسی وقت قلندر نے مائیکرو فون پر باورچی کو پکارنا شروع کیا۔

"ریاض ابے او ریاضو..... حرامزادے سن..... اگر اب کوئی بلا اس گھر میں دکھائی دیا

تو تیری چڑی ادھیڑ دوں گا..... سنتا ہے یا نہیں۔ بندوق سنبھال اگر اب وہ چتکبرا بلا دکھائی دے تو فوراً گولی مار دیجیو..... ورنہ تیری خیر نہیں!"

ریاضو بھی ڈرائنگ روم میں پہنچ گیا تھا..... اور حیرت سے کبھی مردہ بلی کو دیکھتا تھا اور کبھی ادھر اُدھر بکھری ہوئی پلیٹوں کو۔

آخر اُس نے سائرہ سے پوچھا..... "یہ کیا ہوا مس صاحب؟"

"صاحب نے اسے مار ڈالا.....!" سائرہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔

"کیوں مار ڈالا.....؟" ریاضو کے لہجے میں پہلے سے بھی زیادہ تحیر تھا۔

"میں نہیں جانتی۔" سائرہ نے جھنجھلا کر کہا اور کمرے سے نکل آئی۔ دوپہر کے کھانے کے بعد کسی قدر آرام کی مہلت دیئے بغیر قلندر ڈکٹیٹ کرانا شروع کر دیتا تھا۔ وہ اُس کی خواب گاہ سے ملحقہ کمرے میں آکر بیٹھ گئی۔ یہیں میز پر ایک چھوٹا سا اسپیکر رکھا رہتا تھا، جس سے قلندر کی آواز آتی رہتی اور اُس کا قلم تیزی سے صفحے پر صفحہ سیاہ کرتا چلا جاتا۔

دفعتاً اسپیکر سے آواز آئی "سائرہ..... تم جا سکتی ہو..... آج میں کام نہیں کروں گا۔"

آواز بھرائی ہوئی تھی..... اُسے یقین تھا کہ اُس نے ایک آدھ سسکی بھی سنی تھی۔

سائرہ نے طویل سانس لی اور اٹھ گئی۔

لیکن ابھی وہ گھر نہیں جانا چاہتی تھی۔ گھر ہی پر کون سا سکھ نصیب تھا۔ چڑچڑا..... غصہ ور اور ناکارہ باپ..... نصف درجن چھوٹے بھائی بہن جن کے شور و غل سے کانوں کے پردے پھٹنے لگتے تھے..... مدقوق اور جلے تن ماں جو اپنی ان "حماقتوں" کو دن رات کوستی رہتی تھی۔

اُن ساتوں جزیروں میں سونار آبادی اور رقبے کے لحاظ سے کئی سے بڑا تھا۔

اُس کے گرد دوسرے چھ جزیرے بکھرے ہوئے تھے۔ اس لئے سونار کا ہر ساحل پر سکون تھا..... بے شمار بادبانی کشتیاں آس پاس تیرتی نظر آتیں..... بوٹنگ کے شوقین ملکی اور غیر ملکی لوگوں کی بھیڑ رہتی..... تیراکی کے لئے بھی اس کے ساحل مناسب تھے۔ اس لئے بیڈنگ ہیوٹیز کے دلدادہ بھی شہر سے کھنچے چلے آتے تھے۔

لیکن آج تو جزیرے کے کچھ باشندے بھی اُن کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ حالانکہ ان کے لئے اُن میں نہ کوئی نئی بات رہی تھی اور نہ کوئی خاص دلچسپی.....

وہ تو دراصل اُس دیوزاد کو دیکھ رہے تھے جس نے سرخ رنگ کا زنانہ سوئمنگ ڈریس پہن رکھا تھا۔ بہتیرے تو یہی سوچ رہے تھے کہ آخر اس سائز کا سوئمنگ ڈریس مہیا کیسے ہوا ہوگا۔

اور وہ دیوزاد ایسا ہی خوش نظر آرہا تھا جیسے کوئی مجمع باز عطائی حکیم حسب دلخواہ مجمع لگانے میں کامیاب ہو جانے پر مسرور اور چاق و چوبند دکھائی دینے لگتا ہے۔

ایک سیاہ فام لڑکی بھی تھی اُس کے ساتھ اور اپنے ہی جیسے رنگ والے سوئمنگ ڈریس میں تھی اس لئے یہ پتہ لگانا محال تھا کہ وہ خود کہاں ہے اور سوئمنگ ڈریس کہاں پایا جاتا ہے۔

ساحل سے نظارہ کرنے والوں میں دو ایسے آدمی بھی تھے، جو انہیں تفریحاً نہیں دیکھ رہے تھے۔

پستہ قد نے لمبے آدمی سے پوچھا۔ "یہ لڑکی کون ہے اور کہاں سے آکودی۔"

"پتہ نہیں کون ہے۔" لمبے آدمی نے اگلے دانتوں میں خلال کرتے ہوئے کہا۔

"کچھ دیر پہلے دونوں گرین میں ملے تھے۔ لیکن دعویٰ کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ ملاقات دو اجنبیوں ہی کی سی تھی۔"

"پھر.....!"

"میں نے لڑکی کی طرف دھیان ہی نہیں دیا تھا..... ورنہ دیکھتا کہ اجنبیت بے تکلفی میں کیسے تبدیل ہو گئی تھی۔"

"اب یہ کم بخت باہر نکلے گا..... نکلے گا بھی یا نہیں.....!" پستہ قد آدمی کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

"مجھے تو کوئی پیشہ ور معلوم ہوتی ہے..... لیکن وہ مردود کیسا گھٹیا ٹیسٹ رکھتا ہے۔"

"کریک ہے۔"

"ارے..... یہ لو..... ارے..... لڑکی کو کاندھے پر بٹھالیا۔"

پستہ قد آدمی ہنسنے لگا۔ لمبے نے کہا۔ "اُف فوہ..... وہ اترنے کی کوشش کررہی ہے..... لیکن چھوڑتا ہی نہیں..... اب اور دیکھو..... کنارے کی طرف آرہا ہے۔"

"دیکھو..... کیا کرتا ہے۔"

"یار یہ کیا مصیبت ہے.....!" لمبا آدمی جھنجھلا کر بولا۔ "کہیں کھیل بگڑ ہی نہ جائے۔ وہ دیکھو بحری پولیس کے دو سپاہی اُن کی طرف متوجہ ہوگئے ہیں۔"

بحری پولیس کے دو سپاہی چلتے چلتے رک گئے تھے..... دیوزاد لڑکی کو کاندھے پر بٹھائے کنارے پر پہنچ چکا تھا۔

لڑکی نیچے اُتر جانے کے لئے خاموش جدوجہد کررہی تھی۔ لیکن دیوزاد کی گرفت مضبوط تھی۔ لڑکی کے چہرے پر جھلاہٹ اور شرمندگی کے آثار تھے۔ کبھی ایسا لگتا جیسے اب رو پڑے گی۔

"کیوں صاحب..... یہ کیا مچا رکھا ہے۔" بحری پولیس کے ایک سپاہی نے دیوزاد کو مخاطب کیا۔ لیکن وہ اُسے جواب دیئے بغیر ایک طرف چلتا رہا۔

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ کچھ دور اُس کے پیچھے بھی چلے لیکن پھر کچھ سوچ کر دوسری سمت مڑ گئے۔

پستہ قد آدمی بڑبڑایا۔ "اب کہاں جارہا ہے؟"

"چلو دیکھیں.....!" لمبے آدمی نے کہا۔

وہ کافی فاصلے سے دیوزاد کا تعاقب کرتے رہے۔

"اُتارو مجھے.....!" لڑکی منمنا رہی تھی۔ "ورنہ میں اب تمہارا منہ نوچنا شروع کردوں گی۔"

"کیا تمہیں اچھا نہیں لگتا.....!" دیوزاد نے پوچھا۔

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہوگیا۔"

"میں سوار سمیت ایریل موٹر سائیکل سمیت اونچی اٹھالیتا ہوں..... مسہری کا ایک پایہ پکڑ کر بیوی سمیت..... اغ..... اغ..... غوب..... بکری سمیت..... اوپر اٹھالیتا ہوں۔"

"مجھے اُتارو.....!" وہ اُس کے بال مٹھیوں میں بھینچ بھینچ کر چیخی۔ ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے اب اُس پر ہسٹریا قسم کا کوئی دورہ پڑ جائے گا۔

"میں تمہیں گرین تک یونہی لے چلوں گا۔" دیوزاد ہنس کر بولا۔ "وہاں پہنچ کر پچھتر نئے پیسے دے دینا۔"

گرین جزیرہ سونار کا سب سے اونچا ہوٹل تھا۔ زیادہ تر غیر ملکی سیاح یہاں قیام کرتے تھے۔ شہر کے دولت مند لوگ بھی سونار آتے تو گرین میں ٹھہرتے۔

"اب میں چیخنا شروع کردوں گی اور تم جیل چلے جاؤ گے..... سمجھے۔"

"اوہ سن رہے ہو۔" لمبا آدمی مضطربانہ انداز میں بولا۔ اب اُن کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں تھا اور وہ ساری گفتگو بخوبی سن سکتے تھے۔

"یار یہ چکر ہی اپنی سمجھ میں نہیں آتا۔"

"چلو ٹھیک بھی ہے۔" لمبے آدمی نے طویل سانس لے کر کہا۔ "اگر کچھ شروع ہی ہوجائے تو اچھا ہے ہمیں کچھ کر گذرنے کا موقع مل جائے گا۔ ویسے ہوسکتا ہے کہ دشواری پیش آئے..... پہاڑ ہی ٹھہرا.....!"

اتنے میں لڑکی نے سچ مچ چیخنا شروع کردیا اور دیوزاد "اغے اغے" کرتا رہ گیا۔ اب دور سے تماشہ دیکھنے والے اُن کی طرف دوڑ پڑے تھے۔

"آؤ.....!" لمبے آدمی نے پستہ قد کا ہاتھ پکڑ کر اُسی جانب کھینچتے ہوئے کہا۔

دیوزاد نے لوگوں کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو جھلا کر بولا۔ "اب تو نہیں اُتاروں گا..... دیکھتا ہوں کوئی سالا کیا کرلیتا ہے۔"

لڑکی نہ صرف اُس کے بال نوچ رہی تھی بلکہ کھوپڑی پر گھونسوں اور تھپڑوں کے ڈونگرے بھی برساتی جارہی تھی۔

اُن کے گرد بھیڑ اکٹھا ہوگئی تھی۔ لیکن بحری پولیس کے سپاہی کسی دوسری طرف جانکلے تھے..... لوگوں نے لڑکی کو اُس کے کاندھے سے اتارنے کی کوشش شروع کردی۔

کسی نے کمر پر دو تین گھونسے بھی جڑ دیئے۔ بس پھر کیا تھا۔ دیوزاد آگ ہوگیا۔ لڑکی کو چھوڑ کر مجمع پر گھونسے برسانے لگا..... لڑکی مچھلی کی طرح تڑپی اور دھڑام سے ریت پر آرہی۔

دیوزاد پر چاروں طرف سے گھونسے پڑ رہے تھے اور وہ بھی گہہ گہہ کر ہاتھ مار رہا تھا جس پر بھی اُس کا گھونسہ پڑتا تھوڑی دیر تک سوچتا رہ جاتا کہ اٹھ کر دوبارہ حملہ کرے یا دم سادھے پڑا ہی رہے۔

اب تک کئی پٹ چکے تھے۔

دفعتاً لمبے آدمی نے غرانا شروع کیا۔ "ہٹ جاؤ..... الگ ہٹ جاؤ..... پولیس.....!"

وہ بھیڑ میں گھس رہا تھا۔ پستہ قد آدمی اُس کے پیچھے تھا۔ دیوزاد کے قریب پہنچ کر اُس نے ایسی حرکتیں شروع کیں، جیسے اُسے لوگوں کے حملوں سے بچانا چاہتا ہو۔

"ٹھہریئے..... ٹھہریئے.....!" وہ چیخ چیخ کر کہتا رہا۔ "قانون کو ہاتھ میں نہ لیجئے۔ میں اسے پولیس اسٹیشن لے جاؤں گا..... میرے ہاتھ بٹایئے۔"

پھر اُس نے دیوزاد کا ہاتھ پکڑا، اور ایک جانب چلنے لگا..... پستہ قد آدمی دوسروں سے گرجدار آواز میں کہہ رہا تھا۔ "کوئی ہمارے پیچھے نہ آئے سمجھے۔ چلے جاؤ۔"

ریت کے تودے کی دوسری جانب ایک بڑی سی لانچ لنگر انداز تھی۔ اُس کے قریب پہنچ کر لمبے آدمی نے دیوزاد سے کہا۔ "میرا شکریہ ادا کرو کہ تمہیں بچالایا..... لیکن پولیس سے میرا تعلق نہیں..... مجھے دوست ہی سمجھو اور چپ چاپ لانچ میں بیٹھ جاؤ..... ورنہ یہ ہنگامہ بڑھ بھی سکتا ہے۔"

دیو کی گمشدگی

کیپٹن حمید تین دن سے سرگرداں تھا۔ چونکہ اس سے پہلے بھی قاسم خود اُس کے ساتھ اپنے گھر والوں کے لئے لاپتہ رہ چکا تھا اس لئے اس بار بھی جب وہ اچانک لاپتہ ہو گیا تو سب سے پہلے کرنل فریدی کی کوٹھی ہی میں اُس کے متعلق پوچھ گچھ کی گئی اور پھر قاسم کی بیوی کی

استدعا پر حمید کو اُس کی تلاش پر کمربستہ ہونا ہی پڑا۔

گمشدگی کی اطلاع تو بذریعہ پولیس ملی تھی اور اُسی اطلاع کے مطابق یہ معلوم ہو سکا تھا کہ قاسم کا قیام سونار کے گرین ہوٹل میں تھا۔ وہیں قیام کرنے والی ایک نوجوان لیڈی ڈاکٹر مس لیلا ڈنٹیل نے اُس کے خلاف رپورٹ درج کرائی تھی۔

رپورٹ کے مطابق ڈاکٹر لیلا اور قاسم کے درمیان اُسی دن رسمی سی جان پہچان ہوئی تھی اور دونوں نہانے گئے تھے۔ قاسم نے نہاتے نہاتے یک بیک اُسے اٹھا کر کاندھے پر بٹھالیا تھا۔

"یونہی بلاوجہ.....؟" حمید نے پوچھا۔

ڈاکٹر لیلا فوری طور پر جواب دیتے ہوئے ہچکچائی..... حمید مستفسرانہ نظروں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

"مجھے سوچنے دیجئے۔" وہ کچھ دیر بعد بولی۔ "غالباً اُس نے اپنی قوت کے متعلق کچھ کہا تھا۔ میں ہنس دی تھی، مقصد یہ تھا کہ وہ جھوٹا ہے۔ مگر شائد وہ یہی سمجھا اور یک بیک مجھے اٹھا کر کاندھے پر بٹھالیا۔"

"پھر کیا ہوا.....؟"

"لوگ ہمارے گرد اکٹھا ہو گئے..... اُن سے وہ گالم گلوچ کرتا رہا۔ پھر باقاعدہ جھگڑا ہوتا رہا تھا۔ میں گر پڑی تھی۔ پھر مجھے کچھ یاد نہیں۔"

"آپ بیہوش ہو گئی تھیں۔"

"سر تو پہلے سے چکرا رہا تھا۔ رہی سہی کسر گرنے سے پوری ہو گئی تھی۔ جی ہاں اُسے بیہوشی ہی کہنا چاہئے۔"

"آپ اُن لوگوں میں سے کسی کو پہچانتی تھیں، جو اُس وقت وہاں موجود تھے۔"

وہ کسی سوچ میں پڑ گئی کچھ دیر بعد بولی۔ "جی ہاں! مجھے یاد پڑتا ہے ایک جانی پہچانی سی صورت نظر آئی تھی۔ اُس لڑکی کو میں نے اکثر قلندر بیابانی کے ساتھ دیکھا ہے۔ شائد اُس کی سیکریٹری ہے۔"

"قلندر بیابانی.....!" حمید ذہن پر زور دیتا ہوا بولا۔ "وہ تو نہیں جو جاسوسی ناول لکھتا ہے۔"

"جی ہاں..... وہی.....!"

"کیا وہ یہیں رہتا ہے؟"

"جی ہاں..... جزیرے کی اہم شخصیتوں میں سے ہے۔ بیت الحکیم یہاں کی مشہور عمارت ہے کسی سے بھی پوچھیں راستہ بتادے گا۔"

قلندر بیابانی کا نام اُس نے سنا تھا۔ لیکن اُس کی کوئی کتاب پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔

بیت الحکیم تک بھی جا پہنچا..... قلندر نے ڈرائنگ روم میں اُس کا استقبال کیا تھا۔

"میں جانتا تھا۔" اُس نے گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "ایک نہ ایک دن یہاں کی پولیس کو بالآخر میری طرف متوجہ ہونا ہی پڑے گا..... بالکل اُسی طرح جیسے امریکہ کے نامی گرامی وکلاء ارل سٹینلے گارڈنر سے مشورے لینا اپنے لئے بہت بڑا افتخار سمجھتے ہیں۔"

حمید صرف مسکرا کر رہ گیا، کیونکہ قلندر پہلی ہی نظر میں اُسے جھکی اور سنکی معلوم ہوا تھا۔

"کیا آپ کی سیکریٹری سے ملاقات ہو سکے گی!" کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔

"کیا مطلب.....!" قلندر اُسے گھورتا ہوا غرایا۔

"ایک کیس کی تفتیش کے سلسلے میں اُن سے کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں۔"

"کیا وہ خود کسی کیس میں الجھ گئی ہے۔"

"نہیں جائے واردات پر موجود تھیں۔"

"صرف وہی۔"

"جی نہیں اور بھی تھے۔ لیکن ایک گواہ صرف انہیں پہچان سکا تھا۔"

"واقعہ کیا تھا.....؟"

"اگر وہ موجود ہوں تو.....؟"

"ٹھہریئے....." قلندر اٹھتا ہوا بولا اور اندر چلا گیا۔

حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ ڈرائنگ روم کی ہر چیز نیلی تھی۔ نیلی دیواریں نیلے پردے صوفوں پر نیلے غلاف تھے۔ میزوں پر نیلے میز پوش..... گلدانوں میں نیلے کاغذی پھول۔

پھر پائپ کے نیلگوں دھوئیں نے عجیب سی فضا پیدا کر دی۔

کچھ دیر بعد قلندر واپس آیا۔ اُس کے ساتھ سیکریٹری بھی تھی۔ حمید نے طویل سانس

لی۔ خاصی دلکش لڑکی تھی۔

"کیپٹن حمید فرام انٹیلی جنس بیورو۔" قلندر نے تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "اور یہ سائرہ عبدالغفور ہیں۔"

"تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں محترمہ.....!" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"تشریف رکھئے..... تشریف رکھئے۔" قلندر نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ "یہ بیت الحکیم ہے یہاں غیر ضروری باتوں میں وقت نہیں برباد کیا جاتا۔"

"خیر..... خیر..... رسمی باتوں کے بغیر ہی اصل موضوع پر گفتگو شروع کر دینا سول پولیس والوں کا خاصہ ہے..... ہمیں تو بہر حال نیاز مند رہنا پڑتا ہے۔ ہاں تو محترمہ آج سے چار دن پہلے کے ایک وقوعہ کے متعلق آپ سے کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں۔"

"فرمایئے.....!" بڑی مترنم آواز تھی۔ حمید نے محسوس کیا جیسے ڈرائنگ روم کے نیم تاریک ماحول میں موسیقی کے کوندے سے لپکے ہوں۔

"آپ کو یاد ہوگا..... ایک دیو نما آدمی اور کسی لیڈی ڈاکٹر کا قصہ تھا۔"

"اوہ..... وہ.....!" شوخ سی مسکراہٹ کے ساتھ واقفیت کا اظہار کیا گیا۔ قلندر احمقانہ انداز میں کبھی حمید کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی سائرہ کی طرف!

"جی ہاں۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "وہ دیوزاد غائب ہے۔ لیڈی ڈاکٹر تو بیہوش ہو گئی تھی..... اُسے پتہ نہیں کہ اُس نامعقول آدمی پر کیا گذری۔"

"ہائیں کیا قصہ تھا۔" قلندر نے سائرہ کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"ایسی کوئی خاص بات نہیں تھی کہ آپ سے تذکرہ کرتی۔"

"کیا کہا! کوئی خاص بات نہیں تھی۔ وہ بیہوش ہو گئی تھی اور تم وہاں موجود تھیں..... کوئی دیو نما آدمی..... ہائیں۔"

"آپ سمجھے نہیں۔" حمید مسکرایا اور پھر اُس نے اُسے بتایا کہ واقعہ کیا تھا۔

"لاحول ولا قوۃ.....!" وہ بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑایا۔

"اُسے تو پولیس لے گئی تھی۔" سائرہ نے کہا۔

"آپ کی موجودگی میں ہی۔"

"جی ہاں..... لیکن وہ وردی میں نہیں تھے۔ سادہ لباس میں بھی تو ہوتے ہیں پولیس اسٹیشنوں پر۔"

"جی ہاں ہوتے ہیں لیکن وہ یہاں کے پولیس اسٹیشن تک نہیں پہنچا تھا۔ اُس کی کوئی رپورٹ پولیس اسٹیشن پر نہیں ہے۔"

"راستے میں رشوت لے کر چھوڑ دیا ہوگا۔"

"ممکن ہے! لیکن اُس کے بعد اُسے گھر تو پہنچنا ہی چاہئے تھا۔"

دفعتاً قلندر بیابانی جو کھڑکی کے قریب کھڑا بائیں باغ میں دیکھ رہا تھا اچھل کر اندر بھاگا..... اور حمید مستفسرانہ انداز میں سائرہ کی طرف دیکھنے لگا۔ لیکن اُس نے لاعلمی کے اظہار میں شانوں کو جنبش دی۔

پھر وہ دوڑتا ہوا اندر سے آیا اور باہر نکل گیا۔ اُس کے ہاتھوں میں دونالی بندوق تھی۔

"کیا قصہ ہے؟" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"خدا جانے۔" سائرہ نے خشک لہجے میں کہا۔

"آپ اس پر متحیر بھی نہیں معلوم ہوتیں۔"

"میرے لئے کوئی نئی بات نہیں! دن بھر ایسے ہی حیرت انگیز واقعات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ وہ جاسوسی ناولوں کے مصنف ہیں۔"

"کیا ایسے ہوتے ہیں جاسوسی ناولوں کے مصنف.....!"

"پتہ نہیں! میں نے بھی پہلا ہی دیکھا ہے۔"

اچانک باہر سے فائر کی آواز آئی اور ساتھ ہی "وہ مارا" قسم کا کوئی نعرہ بھی سنائی دیا۔

وہ دونوں بھی اب برآمدے میں پہنچ چکے تھے۔ حمید نے تھوڑی ہی فاصلے پر ایک بڑے سے بلے کو تڑپتے دیکھا۔ قلندر اُس کے قریب کھڑا انہیں فاتحانہ انداز میں داد طلب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"آخرکار.....!" سائرہ ٹھنڈی سانس لے کر بڑبڑائی۔ "یہ آرزو بھی پوری ہو ہی گئی۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"نجی معاملات ہیں.....!" وہ اُس کی طرف مڑ کر مسکرائی اور ڈرائنگ روم کی طرف

چل پڑی۔ قلندر بھی تڑپتے ہوئے بلے کو وہیں چھوڑ کر برآمدے کی طرف بڑھا آرہا تھا۔

"تفتیش ختم ہوگئی ہو تو اب تشریف لے جایئے۔" اُس نے حمید کے قریب پہنچ کر کہا۔

"میں ناوقت چائے کے لئے نہیں پوچھتا۔ صبح یا شام کو آنے والوں ہی کو چائے آفر کر سکتا ہوں۔"

"ہو سکتا ہے کہ تفتیش کے اختتام تک شام ہی ہو جائے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"کیا مطلب.....!"

"ابھی مجھے کچھ اور بھی پوچھنا ہے۔"

"براہِ کرم جلدی کیجئے! مجھے کام بھی کرنا ہے۔ بیت الحکیم میں تضیع اوقات کی گنجائش نہیں۔"

حمید پھر ڈرائنگ روم میں آیا۔ سائرہ وہیں بیٹھی تھی۔

"پوچھئے جو کچھ پوچھنا ہے۔" قلندر غرایا۔

"محترمہ تھوڑا وقت اور لوں گا۔"

"فرمایئے؟"

"کچھ تماشائی اُن کے پیچھے بھی گئے ہوں گے۔"

"جی نہیں! اُن دونوں کو سادہ لباس والوں نے سختی سے منع کر دیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ اگر کوئی پیچھے آیا تو اُس کی خاصی مرمت کی جائے گی۔"

"کیا آپ اُن دونوں کے حلئے بتا سکیں گی۔"

"حلئے۔" وہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ "حلئے وضاحت کے ساتھ نہ بیان کر سکوں گی۔ البتہ اُن دونوں کے درمیان مضحکہ خیز قسم کا تضاد تھا..... ایک بہت لمبا تھا اور دوسرا پستہ قد.....!"

"لیکن وہ گئے کس طرح تھے۔"

"شائد اُس ساحل کی طرف جہاں یاٹ کلب کی بادبانی کشتیاں رہتی ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

قاسم نے بھاڑ سا منہ پھیلا کر جماہی لی۔ دیر سے جاگ رہا تھا۔ البتہ ذہن نیم غنودہ سی کیفیت میں ڈوبا ہوا تھا۔ پھر دفعتاً اُسے اپنے اُس ملازم پر غصہ آگیا جسے بہت دیر پہلے اُس کے لئے بیڈ ٹی لانی چاہئے تھی۔ دو چار گالیوں کے ساتھ اُس نے آوازیں دیں..... ہر صدائے بے ہنگام کے ساتھ اُس کا ذہن بھی کسی قدر صاف ہوتا گیا۔

"ہائیں.....!" اُس کی آنکھیں پھیل گئیں..... اور وہ اٹھ بیٹھا۔ چاروں طرف نظر دوڑائی..... اور ٹھوڑی پر انگلی رکھ کر یاد داشت پر زور دینے لگا۔ اُن دونوں نے اُسے جھگڑا کرنے والوں سے بچایا تھا۔ اپنے ساتھ ایک لانچ تک لائے تھے۔ لانچ میں اُسے چائے پلائی تھی..... اور وہ سو گیا تھا..... تو کیا پھر اب جاگا ہے۔ چائے پینے کا کوئی واقعہ اُسے یاد نہ آسکا..... پہلے اُن دونوں نے خود کو پولیس والا ظاہر کیا تھا پھر کہا تھا وہ تو محض لوگوں کو مرعوب کرنے کے لئے جھوٹ بولے تھے؟ پھر وہ کون تھے..... اور اُسے کہاں لائے ہیں.....! نہ تو یہ گرین والا کمرہ ہے اور نہ اُس کی اپنی خواب گاہ۔ حوالات بھی تو نہیں ہو سکتی، بھلا حوالات کی میز پر گلدان کہاں؟

"ہائیں.....!" وہ منہ پھیلا کر رہ گیا۔ اس بار اُسے بستر چھوڑ دینا پڑا۔ سامنے ایک قد آدم تصویر نظر آئی۔ کسی فرانسیسی مصور کا نسوانی جسمانی مشاہدہ تھا۔ وہ جھپٹ کر اُس تصویر کے قریب آیا اور ہر ہر زاویئے سے اُسے دیکھتا رہا۔ پھر یک بیک منہ دبا کر ہنسنے لگا۔

"بڑی عمدہ حوالات ہے۔" تھوڑی دیر بعد بڑبڑایا اور فرش پر اکڑوں بیٹھ گیا۔

کمرہ خاصا طویل و عریض تھا..... اور بہت سلیقے سے سجایا گیا تھا۔ ویسے وہاں اُس مسہری کا اضافہ نیا ہی معلوم ہوتا تھا۔

قاسم تصویر کے قریب بیٹھا کھانستا کھنکھارتا رہا۔ لیکن جیسے ہی خیال آیا کہ پتہ نہیں اُس نے کب سے کھانا نہ کھایا ہو، ساری محویت رفو چکر ہو گئی۔

"ہائے.....!" وہ کراہا۔ کچھ دیر بعد اس طرح دہاڑا جیسے خود پر غصہ آگیا ہو۔ پھر غالباً

اُس کی دہاڑ ہی سن کر کسی نے باہر سے دروازہ کھولا تھا۔

ایک بوڑھی عورت کمرے میں داخل ہوئی۔

قاسم چند لمحے اُسے گھورتے رہنے کے بعد غرایا۔ "میں کہاں ہوں؟"

"آپ یہیں ہیں سرکار.....!" اُس نے بڑے ادب سے جواب دیا۔

"یہ کہاں ہے۔"

"یہ یہیں ہے سرکار.....!"

"ارے تو یہیں کا قوئی نام بھی ہے۔"

"جنت سرکار.....!"

"ہائیں.....!" قاسم خوفزدہ انداز میں اچھل پڑا اور بوکھلائی ہوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر تھوک نگل کر بولا۔ "تو کیا میں..... مم..... مر گیا ہوں۔"

"نہیں سرکار..... ایسی کوئی بات نہیں۔ اس عمارت کا نام جنت ہے۔ آپ بالکل زندہ ہیں۔"

"چلو ٹھیک ہے۔" قاسم سر ہلا کر بولا۔ "میں تو ڈر گیا تھا کہ اب کھانا وانا نہیں ملے گا۔"

"ضرور ملے گا سرکار..... کھانا تیار ہے۔"

"ارے تو کھلواؤ نا..... الا قسم بھوک کے مارے جان نکل رہی ہے۔"

"میرے ساتھ آیئے۔"

قاسم اُس کے پیچھے چل رہا تھا۔ کئی راہداریوں سے گذرنے کے بعد وہ ایک بڑے کمرے میں آئے جہاں کئی بڑی بڑی کھانے کی میزیں تھیں لیکن..... لیکن وہاں کوئی تیسرا آدمی نہ دکھائی دیا۔

ایک میز پر اتنا کھانا نظر آیا جو کہ از کم دس آدمیوں کے لئے کافی ہوتا۔

"ٹھیک ہے.....!" قاسم نے خوش ہو کر نعرہ لگایا۔

بوڑھی عورت نے اُس کے پیچھے کھڑی مسکرا رہی تھی۔

نئی ولدیت

چھ بجے والی لانچ ایگل بیچ کے لئے تیار تھی۔ آج سائرہ دیر سے پہنچی۔ قلندر نے تو چا
ہی بجے چھٹی دے دی تھی۔ لیکن وہ ایک کتاب میں ایسی کھو گئی تھی کہ وقت کا احساس ہی
رہا۔ قلندر دو ہی بجے کہیں چلا گیا تھا اور اس سے کہہ گیا تھا کہ وہ چاہے تو چار بجے جا سکتی ہے۔

کتاب نے خاصا وقت لے لیا۔ اُس کے اختتام تک چھ بجنے میں بیس منٹ باقی رہ گئے
پھر وہ بڑی تیز رفتاری کے ساتھ مشرقی ساحل تک پہنچی تھی۔

لانچ میں بیٹھتے وقت اُس نے ایک آدمی کو اپنی طرف گھورتے دیکھا..... یوں تو
گھورنے والوں سے دن بھر ہی سابقہ پڑتا رہتا تھا..... لیکن یہ آدمی..... وہ کانپ کر رہ گئی۔
قدم لڑکھڑانے لگے اور وہ بدقت اپنی سیٹ تک پہنچی۔

وہ اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر بیٹھا ہوا تھا اور رخ بھی اُسی کی طرف تھا۔ ڈراؤنا چہرہ
تھا۔ ڈاڑھی اور مونچھیں اتنی گھنی تھیں کہ دہانہ اُن میں غائب ہو کر رہ گیا تھا۔ چھوٹی چھوٹی سی
وحشت زدہ سرخ آنکھیں لیکن لباس سے غیر مہذب یا ناشائستہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔ بار بار
اُس سے نظر ملتی اور سارا جسم جھنجھنا کر رہ جاتا وہ الجھن میں بھی پڑ جاتی کہ آخر اس آدمی کو پہلے
کہاں اور کب دیکھا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ شکل پرچھائیں کی صورت میں ذہن کے
کسی گوشے میں پہلے سے موجود رہی ہو۔

ایگل بیچ پہنچ کر وہ اُسے اپنے ذہن سے دھکیلنے کی کوشش کرتی ہوئی بس اسٹاپ کی طرف
روانہ ہو گئی۔

مڑ کر پیچھے دیکھنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ ارے تو کیا وہ اُس کے پیچھے آئے گا صرف اُسے
ہی تو نہیں گھور رہا تھا۔ سبھی کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتا تھا۔

بس میں بیٹھتے وقت اتفاقاً داہنی جانب نظر اٹھی تھی اور پورا جسم شل ہو کر رہ گیا تھا
کیونکہ وہ مردانہ حصے کے دروازے والے فٹ بورڈ پر کھڑا دکھائی دیا تھا۔

کسی نہ کسی طرح زنانہ سیٹ پر جا بیٹھی تھی اور جالیوں سے مردانہ حصے میں جھانکا تھا۔ وہ

بیٹھا نظر آیا تھا۔

وہ دل کو سمجھانے لگی۔ یہ بھی اتفاق ہی ہوگا کہ اُسے بھی اس بس سے سفر کرنا ہے۔

ایک گھنٹہ بعد بس شہر میں داخل ہوئی تھی..... بس اسٹاپ سے اُس کے مکان کا فاصلہ
زیادہ نہیں تھا..... اس لئے وہاں سے پیدل ہی راستہ طے کرنا پڑتا تھا۔

وہ چل پڑی..... ایک بار مڑ کر دیکھا..... وہ اُس سے زیادہ دور نہیں تھا۔ بے ساختہ
یہی دل چاہا کہ دوڑنا شروع کر دے۔

تو وہ سچ مچ اُس کا تعاقب ہی کر رہا ہے..... کیوں؟ کون ہے؟ کیا چاہتا ہے؟

گھر کے دروازے پر رک کر ایک بار وہ پھر مڑی اور اُسے سامنے والی پان کی دوکان پر
کھڑا پایا۔

اندر پہنچ کر اُس کمرے میں آئی جس کی کھڑکی سڑک کی طرف کھلتی تھی۔ پاٹوں میں درہ
کر کے باہر جھانکا وہ دوکان کے سامنے کھڑا..... اُس کے دروازے کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

پھر اُسے دوسروں کے خیال سے کھڑکی کے پاس سے ہٹ آنا پڑا تھا۔ لیکن اس وقت
تک وہ وہیں کھڑا نظر آیا تھا۔

دفعتاً سائرہ کو محکمہ سراغ رسانی کا وہ آفیسر یاد آیا جس نے اُس جھگڑے کے متعلق اُس
سے پوچھ گچھ کی تھی۔

کیا یہ وحشی بھی محکمہ سراغ رسانی کا کوئی آدمی ہو سکتا ہے۔ اُس نے سوچا لیکن کیوں۔
اول تو اُس کا اُس جھگڑے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اگر وہ ایک تماشائی کی حیثیت بھی رکھتی تھی
تو کیا یہ ایسا ہی جرم تھا کہ خفیہ پولیس اُس کی نگرانی شروع کر دے۔

آدھ گھنٹے کے بعد وہ پھر کسی بہانے سے اُس کمرے میں گئی تھی۔ کھڑکی سے جھانکا تھا۔
لیکن اب وہ آدمی وہاں نہیں تھا۔

کیپٹن حمید نے دونوں تصویروں کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن ان تصویروں سے کیا بنے گا؟"

"کیوں؟" فریدی نے فائل سے نظر ہٹائے بغیر پوچھا۔

"یہ صرف چہروں کے کلوز اپ ہیں۔ لمبے یا پستہ قد ہونے کا پتہ کیسے چلے گا۔"

"احمقانہ باتیں نہ کرو..... میں جانتا ہوں کہ ان میں سے کون پستہ قد ہے اور کون طویل قامت رکھتا ہے۔ اُس ایک لڑکی کے علاوہ اور کس نے انہیں دیکھا تھا؟"

"اُس کے علاوہ اور کسی نے بھی اُس کی کہانی نہیں دہرائی۔ اُس لیڈی ڈاکٹر اور قلندر کی سیکریٹری کے علاوہ اور کوئی مل ہی نہیں سکا، جو اُس واقع کے متعلق کچھ بتاتا۔"

"لہٰذا.....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اُس کے بیان کی تصدیق اسی صورت سے ہو سکے گی کہ وہ اپنے ذہن پر زور ڈال کر یہ بتائے کہ ان میں سے کون لمبا تھا اور کون پستہ قد.....!"

"اوہ..... تو آپ کو یقین ہے کہ یہی دونوں رہے ہوں گے۔"

"میں اس قسم کے دو آدمیوں سے واقف ہوں۔ ہمارے یہاں اُن کا باقاعدہ ریکارڈ بھی موجود ہے۔ پھر کیوں نہ ہم یہیں سے شروعات کریں۔"

"اچھی بات ہے۔" حمید طویل سانس لے کر بولا۔ "میں دیکھوں گا۔"

اُس نے تصویریں ڈائری میں رکھیں۔ کلوک روم میں آکر فلٹ ہیٹ لی اور پارکنگ شیڈ کی طرف چل پڑا۔

کچھ دیر بعد اُس کی گاڑی ایگل بیچ کی طرف جا رہی تھی۔ ایگل بیچ پر فریدی کی نجی موٹر بوٹ بھی ہمیشہ ساحل پر موجود رہتی تھی، جس کی نگرانی ہٹ کے چوکیدار کے ذمے تھی۔

حمید قلندر کی سیکریٹری کے تصور میں کھویا ہوا جزیرہ سونار کی جانب بڑھتا رہا۔

قلندر بھی یاد آیا جو پچھلے دن خاصا بداخلاق ثابت ہوا تھا۔

بیت الحکیم کی کمپاؤنڈ کا پھاٹک بند ملا۔ اُس نے کال بل کا بٹن دبایا اور پھاٹک کھلنے کا منتظر رہا..... دو بج رہے تھے..... کئی منٹ گذر گئے لیکن پھاٹک نہ کھلا..... وہ دوسری بار گھنٹی کا بٹن دبانے جا رہا تھا کہ کسی نے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا..... وہ چونک کر مڑا..... قلندر بیابانی کسی بپھرے ہوئے گوریلے کے سے انداز میں اُسے گھور رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟" اس نے پوچھا؟

"شائد آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔"

"نہ پہنچانا ہوتا تو تم اپنے پیروں پر کھڑے رہنے کے قابل نہ رہ گئے ہوتے۔"

"اوہو..... تو اس گھنٹی کا بٹن دبانا ایسی ہی بُری بات ہے؟"

"نہیں..... میں کسی سے ملنا جلنا پسند نہیں کرتا۔"

"میں آٹوگراف لینے نہیں آیا۔" حمید کا لہجہ زہریلا تھا۔

"میں اچھی طرح جانتا ہوں تم کیوں آئے ہو۔ بس کہیں کسی جوان عورت کی بو سونگھ پاؤ..... کرنل فریدی سے تمہاری شکایت کروں گا سمجھے۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ لڑکی ہے..... عورت نہیں۔"

"میں کہتا ہوں چلے جاؤ۔"

"آپ میرے فرائض کی انجام دہی میں مداخلت کر رہے ہیں۔" حمید کا لہجہ کسی قدر سخت تھا۔

"تو پھر.....؟" قلندر آنکھیں نکال کر بولا۔

"میں اُسے بذریعہ وارنٹ کسی تھانے میں طلب کر کے بیان لے سکتا ہوں۔"

"ارے نہیں کپتان صاحب۔ بڑی چکنی لونڈیا ہے۔" قلندر نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"تمیز سے گفتگو کرو....." حمید کو بھی غصہ آ گیا۔

"جھک مارتے رہو۔" قلندر نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور پھاٹک کی ذیلی کوٹھی کھول کر کمپاؤنڈ میں داخل ہو گیا۔

"اچھی بات ہے۔" حمید نے بلند آواز میں کہا۔ "میں ابھی تم دونوں کو مقامی پولیس اسٹیشن میں بلوائے لیتا ہوں۔"

قلندر نے کھڑکی کھول کر سر نکالا اور کسی کٹکھنے کتے کی طرح غرایا۔ "وہ آج نہیں آئی۔"

"اچھا تو اُس کے گھر کا پتہ بتاؤ۔"

"جہنم میں جاؤ۔" کہہ کر اُس نے زور دار آواز کے ساتھ کھڑکی بند کی اور دوسری طرف سے چیخ کر بولا۔ "جاؤ جو کچھ بگاڑنا ہے بگاڑ لینا۔"

پھر اُس نے محکمہ پولیس کو گندی سی گالی بھی دی۔

"اچھا، اچھا..... دیکھوں گا۔" حمید سر ہلا کر بولا اور وہاں سے چل پڑا۔

قاسم نے بھاڑ سا منہ پھیلا کر جماہی لی اور ایک آنکھ بند کر کے اونگھنے لگا۔

بوڑھی عورت سامنے ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔

دفعتاً وہ کھکاری اور قاسم چونک کر آنکھیں پھاڑنے لگا۔

بالآخر ہاتھ ہلا کر غرایا۔ "بھاغ..... جاؤ.....!"

"بڑے سرکار نے یاد فرمایا ہے جناب.....!"

"کون بڑے سرکار! میں کسی کو نہیں جانتا..... وہ دونوں سالے کہاں ہیں؟"

"کون دونوں.....!"

"ارے تو قیا میں اُن کے نام بھی جانتا ہوں۔"

"پھر بتایئے سرکار میں کیسے بتا سکوں گی۔"

"وہ دونوں..... وہ..... ایک لمبا تھا اور دوسرا ناٹا.....!"

"یہاں..... نہ کوئی بہت لمبا ہے اور نہ کوئی ناٹا! پھر میں کیا بتا سکوں گی۔"

"اب یہ بھی میں ہی بتاؤں کہ تم کیا بتا سکو گی۔" قاسم جھنجھلا کر بولا۔

"اسی لئے گذارش ہے سرکار کہ تشریف لے چلئے..... خود ہی پوچھ لیجئے گا بڑے سرکار

سے۔ ممکن ہے وہ آپ کے سوال کا جواب دے سکیں.....!"

"چالو.....!" قاسم اٹھتا ہوا بولا۔

بوڑھی عورت اُسے ایک بہت بڑے ڈرائنگ روم میں لائی۔ یہاں دو آدمی پہلے سے موجود تھے..... ایک بھاری بھرکم اور دراز قد تھا اور دوسرا دبلا پتلا اور بوڑھا..... بوڑھے آدمی کی فرنچ کٹ ڈاڑھی بالکل سفید تھی اور سر کے بالوں میں بھی کہیں کوئی سیاہ لہر نہیں پائی جاتی تھی۔

بھاری بھرکم آدمی کی عمر پچاس اور ساٹھ کے درمیان رہی ہوگی۔ لیکن صحت اچھی ہونے کی بناء پر معمر نہیں معلوم ہوتا تھا۔

جیسے ہی قاسم کمرے میں داخل ہوا بھاری بھرکم آدمی اٹھتا ہوا بولا۔ "آؤ..... آؤ..... بیٹے..... ہم تمہارے ہی منتظر تھے۔"

قاسم نے غصیلی نظروں سے اُس کی طرف دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔ دراصل اُس کا بے تکلفانہ انداز اُسے گراں گذرا تھا۔

بھاری جسم والے نے بوڑھے کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ڈاکٹر..... یہی ہے میرا بیٹا منور جاوید۔"

"ٹھینگا جاوید....." قاسم جلے کٹے لہجے میں غرایا۔ "میں پوچھتا ہوں میں قہاں ہوں؟"

"دیکھا آپ نے۔" بھاری بھرکم آدمی نے دردناک لہجے میں بوڑھے سے کہا۔

بوڑھے نے قاسم کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے پرتشویش انداز میں سر کو جنبش دی..... پھر قاسم سے بولا۔ "تم کھڑے کیوں ہو..... بیٹھ جاؤ۔"

"ٹھیک ہے۔" قاسم بیٹھتا ہوا بولا۔ "تم بیٹا کہو تو ٹھیک بھی ہے..... لیکن یہ..... جرا ان کی شکل تو دیکھو..... مجھے بیٹا کہتے ہیں۔"

"دیکھا آپ نے؟" بھاری بھرکم آدمی نے پھر بوڑھے سے کہا۔

"ہوں.....!"

"بالکل نہیں پہچانتا..... ایسی ہی باتیں کرتا ہے جیسے میں اُس کے لئے اجنبی ہوں۔"

بھاری بھرکم آدمی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"ارے.....!" قاسم ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "تم کہاں کی ہانک رہے ہو....."

"یااللہ میرے حال پر رحم کر.....!" بھاری بھر کم آدمی کی آواز رقت آمیز تھی۔

"ارے..... ادھر دیکھو..... میری طرف..... وہ دونوں سالے کہاں ہیں..... اور یہ کیا چار سو بیس ہے..... اب میں واپس جانا چاہتا ہوں..... اور تم ابھی منور جاوید کسے کہہ رہے تھے..... میں تو قاسم ہوں قاسم۔"

"دیکھا آپ نے.....!" بھاری بھر کم آدمی نے پھر بوڑھے کو مخاطب کیا۔

بوڑھا قاسم کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے سر ہلاتا رہا۔

"نہیں دیکھا انہوں نے۔" قاسم جھلا کر بولا۔ "تم دیکھو میری طرف.....!"

"بیٹے بیٹے..... ہوش میں آؤ....." بھاری بھر کم آدمی قریب قریب رو دیا۔

"اے اے.....!" قاسم دانت پیس کر گھونسہ ہلاتا ہوا بولا۔ "میں جیادہ لمبا مذاخ پسند نہیں کرتا..... ہوگئی تھوڑی دیر کی..... ہاں.....!"

بھاری بھر کم آدمی دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر باقاعدہ طور پر سسکیاں لینے لگا۔ بوڑھا آدمی اُس کے قریب آیا اور شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں سر جاوید..... سب ٹھیک ہو جائے گا..... میڈیکل سائنس بہت ترقی کر چکی ہے۔"

بھاری بھر کم آدمی بدستور منہ چھپائے ہوئے روتا رہا۔ بوڑھے نے پوچھا۔ "لیڈی جاوید کہاں ہیں۔"

"میں نے انہیں..... انہیں..... باہر بھیج..... بھجوا دیا ہے.....!" بھاری بھر کم آدمی نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ "وہ اس صدمے کی تاب نہ لا سکتیں۔"

"اچھا کیا..... اچھا ہی کیا!" بوڑھا سر ہلا کر بولا۔ "بہر حال میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ..... اکثر لوگ وقتی طور پر اپنی یادداشت کھو بیٹھتے ہیں۔ یہ مرض مستقل نہیں ہوتا.....!"

"ابے او سالو..... یہ قیا گھپلا ہو رہا ہے۔" قاسم دہاڑا۔ "قون سالا اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔"

"بڑی بی..... تم اسے لے جاؤ....." بھاری بھر کم آدمی سسکیوں پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔

"لے گئیں بڑی بی۔" قاسم نے کسی لڑاکا عورت کی طرح ہاتھ نچا کر کہا۔ پھر صوفے کے

ہتھے پر گھونسہ مار کر بولا..... "تم کون ہو..... اور مجھے کہاں لائے ہو۔ وہ دونوں قہاں ہیں؟"

"کون دونوں..... میرے بیٹے.....!" بھاری بھر کم آدمی نے بے حد نرم لہجے میں پوچھا۔

"وہی دونوں جو مجھے لانچ پر بٹھا کر لائے تھے۔"

"میں نہیں جانتا کہ وہ دونوں شریف آدمی کون تھے..... انہوں نے تمہیں سونار میں بھٹکتے دیکھا تھا اور یہاں پہنچا گئے تھے..... وہ شائد پہلے بھی تمہیں میرے ساتھ دیکھ چکے تھے..... اس لئے سیدھے یہیں آئے۔ انہیں ہرگز یہ نہیں معلوم تھا کہ تم میرے بیٹے ہو۔"

"اچھا تو کیا میں تمہارا بیٹا ہوں۔"

"میرے خدا..... میرے خدا....." بھاری بھر کم آدمی آنکھیں بند کر کے بڑبڑایا۔

"میں کیا کروں میں کیا کروں.....!"

"یہ کرو..... کہ مجھے جانے دو..... تم نے سارے دروازے بند کر رکھے ہیں..... میں باہر نہیں جا سکتا۔"

کوئی کچھ نہ بولا۔

پھر قاسم کچھ اور کہنے والا تھا کہ اچانک بھاری بھر کم آدمی نے پھر رونا شروع کر دیا..... اس بار آواز سسکیوں کی حدود سے باہر نکل گئی تھی۔

اُن کی شناخت

نہ جانے کیوں حمید نے اپنی دھمکی کو عملی شکل دینا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ اُس دن ٹال ہی گیا۔ دوسرے روز پھر جزیرہ سونار کے ساحل پر موجود تھا۔

سائرہ کو لانچ سے اترتے دیکھا..... لیکن فوری طور پر اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ خاموشی سے اُس کا تعاقب کرتا رہا۔ کسی ایسی جگہ روکنا چاہتا تھا جہاں کچھ دیر

گفتگو کر سکے۔

کیفے ڈریمرز کے قریب اُس نے اُسے جا ہی لیا۔

"کل سے پریشان ہوں.....!" حمید بولا۔

"کیوں.....؟" وہ جھنجھلا گئی۔ پھر سنبھل کر بولی۔ "اوہ..... آپ ہی تھے۔ شائد اُس دن..... میرا مطلب ہے جنہوں نے اُس جھگڑے کے متعلق پوچھ گچھ کی تھی۔"

"جی ہاں..... اور اب پھر تھوڑی سی تکلیف دینا چاہتا ہوں..... آیئے ڈریمرز میں۔"

"مجھے افسوس ہے آپ وہیں تشریف لائیں..... دس منٹ کے اندر اندر مجھے ڈیوٹی پہنچنا ہے۔"

"کل آپ نہیں آئی تھیں..... اچھا چلتی رہے۔"

"جی ہاں..... کل نہیں آئی تھی۔"

وہ پھر آگے بڑھ گئے..... حمید اُس کے ساتھ چل رہا تھا۔

"میں سمجھا تھا شائد قلندر نے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ حمید نے محسوس کیا کہ وہ کچھ کہنا بھی چاہتی ہے لیکن کسی وجہ سے شائد زبان کھولنا مناسب بھی نہیں سمجھتی۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ جیسی شائستہ خاتون اُسے کس طرح برداشت کرتی ہے۔"

"ملازمت ٹھہری۔" سائرہ کا لہجہ تلخ تھا۔

"کل تو میں نے سوچا تھا کہ اُسے تھانے ہی میں بلاؤں مگر پھر مصنف سمجھ کر چھوڑ دیا۔"

"آپ ہی کی لائن کا مصنف ہے۔"

"جھک مارتا ہے۔ میں نے تو کبھی پڑھی نہیں اُس کی کوئی کتاب۔ البتہ پڑھے لکھے لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ سکسٹن بلیک سیریز کے ناولوں پر ہاتھ صاف کرتا ہے۔"

"نہیں.....!" وہ چلتے چلتے رک گئی۔

"بس کاربن کاپی سمجھئے! نام اور مقام بدل کر پیش کر دیتا ہے۔"

"اب میں سمجھی۔"

"کیا سمجھیں؟"

"میں اُس کے طریقہ کار کو سنک سمجھتی تھی۔"

"کیسا طریقہ کار.....؟"

"کمرے میں بند ہو کر مائیک پر ڈکٹیٹ کراتا ہے..... میں دوسرے کمرے میں بیٹھتی ہوں۔"

"بہت چالاک ہے۔"

"اونہہ..... مجھے کیا۔" سائرہ نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا "ہاں آپ کیا پوچھنا چاہتے تھے۔"

"اگر آپ اُن دونوں کو دوبارہ دیکھیں تو پہچان لیں گی نا.....!"

"یقیناً پہچان لوں گی۔"

حمید نے دونوں تصویریں نکالیں..... اور بولا۔ "بتایئے؟ کیا یہی دونوں تھے!"

"بلاشبہ یہی تھے.....!" وہ دیکھتے ہی بولی۔

"اب یہ بتایئے کہ ان میں سے کون لمبا تھا اور کون کوتاہ قد.....!"

یہ بتانے میں بھی سائرہ نے دیر نہیں لگائی تھی۔ حمید اُس کے جوابات کے مطابق تصویروں کی پشت پر کچھ لکھنے لگا تھا۔

"اچھا..... بہت بہت شکریہ۔" اُس نے کہا۔

"ٹھہریئے..... میری ایک بات کا بھی جواب دیتے جایئے۔"

"فرمایئے۔"

"اس کیس میں میری کیا حیثیت ہو گی۔"

"کچھ بھی نہیں..... میرا خیال ہے کہ شائد آپ کو عدالت میں بھی اُس کے متعلق کچھ نہ کہنا پڑے۔"

"پھر آخر اس کا کیا مطلب ہے؟"

"کس کا..... کیا مطلب؟" حمید نے حیرت سے پوچھا۔

"میرا تعاقب کیوں کیا جاتا ہے؟"

"کون کرتا ہے تعاقب.....؟"

"آپ کے محکمے کا کوئی آدمی.....!"

"قطعی نہیں۔ میں اس کیس کا انچارج ہوں..... اگر اس قسم کی کوئی بات ہوتی تو میری

ہی وساطت سے ہوتی۔"

"پھر وہ کون ہے؟"

"براہِ کرم مجھ سے اُس کے متعلق ضرور بتایئے۔"

"یہاں سے واپس جانے لگتی ہوں تو لانچ کے قریب کھڑا ملتا ہے۔ ایگل بیچ پہنچ کر وہاں سے ایک ہی بس میں ہم دونوں شہر تک جاتے ہیں۔ وہاں سے گھر تک پیدل تعاقب کرتا ہے کچھ دیر مکان کے سامنے کھڑا رہتا ہے۔ صبح جب گھر سے یہاں آنے کے لئے نکلتی ہوں تو آس پاس ہی موجود ہوتا ہے..... یہاں تک ساتھ آتا ہے۔"

"تب تو..... وہ اس وقت بھی .....!" حمید چلتے چلتے رک گیا اور پھر دفعتاً پیچھے مڑا..... سائرہ جوں کی توں کھڑی رہی، اُس نے مڑ کر نہیں دیکھا تھا.....

"مجھے تو کوئی بھی نہیں دکھائی دیتا..... یہاں سے موڑ تک سڑک سنسان ہے۔"

"گھنی ڈاڑھی والا....." وہ مڑے بغیر آہستہ سے بولی۔

"ارے..... ایک متنفس بھی نہیں ہے۔"

سائرہ بھی مڑ کر دیکھنے لگی۔ سڑک سنسان پڑی تھی۔

"تعجب ہے..... حالانکہ لانچ سے اترتے وقت تک وہ میرے پیچھے رہا تھا۔"

"بہر حال! میرا محکمہ آپ میں اس حد تک دلچسپی نہیں لے رہا۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"میں نہیں سمجھ سکتی..... کیا چکر ہے۔"

حمید نے جیب سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آپ مجھے ان نمبروں پر فون کر سکتی ہیں۔ جب بھی ضرورت محسوس کریں۔"

"بہت بہت شکریہ۔"

"میں دیکھوں گا کہ وہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے..... اچھا شکریہ۔"

حمید وہیں سے ساحل کے لئے مڑ گیا۔

فریدی سے ایگل بیچ والے ہٹ میں ملاقات ہونے کی توقع تھی۔ کچھ اس وجہ سے نہیں کہ انہیں قاسم کی تلاش تھی۔ وہ اکثر تبدیلی کے لئے ایگل بیچ چلا آتا تھا۔ قاسم والے واقعہ سے اسی حد تک دلچسپی تھی کہ اُس کے خاندان والوں نے دلچسپی لینے پر مجبور کر دیا تھا۔

حمید نے دونوں تصویریں اپنے نوٹ سمیت اُس کے سامنے رکھ دیں۔ فریدی کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے اچانک وہ اس معاملے میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو گیا ہے۔

"لڑکی نے شناخت کرنے میں غلطی نہیں کی۔" اُس نے کچھ دیر بعد کہا۔ "کوتاہ قد کا نام قادر ہے اور لمبے آدمی کا نام جواد..... دونوں ہمیشہ ساتھ رہتے ہیں اور بزنس بھی ہمیشہ شرکت ہی میں ہوتا ہے..... اسمگلر قسم کے سرمایہ داروں کے لئے مناسب معاوضے پر کام کرتے ہیں۔"

"تو پھر اب مجھے کیا کرنا چاہئے.....!" حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے پوچھا۔

"جلد بازی کی ضرورت نہیں۔"

"پھر حمید نے سائرہ کی کہانی دہراتے ہوئے اُس آدمی کا تذکرہ کیا جو اُس کے بیان کے مطابق اُس کا تعاقب کرتا رہتا تھا۔

"بظاہر اس معاملے میں اس کا کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"لڑکی کا خیال تھا کہ ہمارا محکمہ اُس میں اس حد تک دلچسپی لے رہا ہے.....!"

"ہوں.....!"

حمید پائپ سلگا رہا تھا۔

قاسم کو اس کی قطعی فکر نہیں تھی کہ اُس کے گھر والے پریشان ہوں گے اور نہ یہی اندازہ تھا کہ وہ کتنے دنوں سے اس چکر میں پڑا ہوا ہے۔ اُس کی زبان تو ہر وقت اُن لذیذ کھانوں پر رال ٹپکاتی رہی تھی، جو وافر مقدار میں اُس کے سامنے آتے تھے اور کوئی یہ کہنے والا بھی نہیں تھا کہ بھوک رکھ کر کھانا..... بے حد خوش تھا کہ چلو اُس جلے تن بیوی سے تو پیچھا چھوٹا، جو اُسے پیٹ بھر کھاتے ہی نہیں دیکھ سکتی تھی..... سر پر سوار رہتی تھی۔ کمبخت ٹوکتی

رہتی تھی۔ ارے اب بس کرو، بیس چپاتیاں تو کھا چکے..... بیس چپاتیوں میں بھلا کیا ہو
ہے..... بیس تنوریاں ہوں تو بات بھی ہے..... کئی بار اُس نے تجویز پیش کی تھی کہ باورچی
خانے میں تنور کیوں نہ لگوادیا جائے۔ بیوی ایسی تجویز کو لے اڑتی تھی۔ ایسا مضحکہ اڑاتی تھی کہ
قاسم کو بعض اوقات رونا آجاتا تھا..... اُس کا بگاڑ ہی کیا سکتا تھا..... قبلہ والد صاحب کے
ہنٹر کے توسط سے اُسے اُس کی ساری باتیں ہضم کرنی پڑتی تھیں۔

مگر یہ کیا چکر تھا..... وہ سوچتا..... آخر یہ سالا سر جاوید کون ہے جو مجھے اپنا بیٹا
ڈالنے پر تل گیا ہے..... اور سنو..... میں یاد داشت بھی کھو بیٹھا ہوں کہ باپ صاحب کو
پہچان ہی نہیں سکتا اور یہ سالا بڈھا جسے سر جاوید ڈاکٹر کہتا ہے..... خواہ مخواہ دماغ چاٹا کرتا
ہے۔ بے تکی پوچھتا ہے۔ کہتا ہے یہ یاد کر کے بتاؤ..... وہ یاد کر کے بتاؤ۔ اچھا بیٹا اب بتاؤں گا
تم کو..... اب کے آؤ..... ایسا اُلو بناؤں گا کہ زندگی بھر یاد کرو گے۔

دوپہر کے کھانے کے بعد بوڑھی ملازمہ پھر اُسے لائبریری میں لے گئی۔ یہاں سر جاوید
کے ساتھ ایک عورت بھی نظر آئی۔ وہ بھی اُسی کی طرح لحیم شحیم تھی۔ لیکن ساتھ ہی خوش
شکل بھی..... عمر پچیس چھبیس سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔

بوڑھا ڈاکٹر بھی موجود تھا..... قاسم اُس عورت کو دیکھتا ہی رہ گیا۔ بار بار خشک ہونٹوں
پر زبان پھیرتا۔

"ہاں..... ہاں.....!" سر جاوید سر ہلا کر بولا۔ "پہچانو..... یہ کون ہیں.....!"

"پپ..... پہچانوں..... پہچان لوں.....!" قاسم کے کہنے کا انداز بوکھلاہٹ سے
بھرپور تھا۔

"ہاں ہاں..... بیٹے۔"

"یہ..... یہ۔ وہ ہیں....." قاسم کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کہے!

"کون ہیں!" ڈاکٹر کا لہجہ پرامید تھا اور اُس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"ان کی بیٹی۔" قاسم نے سر جاوید کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"اوہ....." ڈاکٹر ران پر ہاتھ مار کر بولا۔ "ناؤ دی کیٹ از آؤٹ آف بیگ.....!"

"کیا مطلب.....!" سر جاوید نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

"بتاتا ہوں۔" ڈاکٹر کی آواز سے دبا ہوا جوش ظاہر ہو رہا تھا۔ "لیکن اس گفتگو کے
دوران میں لیڈی جاوید کی موجودگی ضروری نہیں۔"

"میں جارہی ہوں.....!" عورت اٹھتی ہوئی بولی۔

وہ لائبریری سے چلی گئی۔ قاسم اُسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ بڑی زوردار عورت ہے
اُس نے سوچا۔

ڈاکٹر سر جاوید سے کہہ رہا تھا۔ "دراصل آپ کی یہ بے جوڑ شادی ہی صاحبزادے کے
مرض کا باعث بنی ہے۔"

"بھلا وہ کیسے؟" سر جاوید کا لہجہ غصیلا تھا۔

"صاحبزادے نے اس سے گہرا اثر لیا اور یاد داشت کھو بیٹھے..... آپ نے سنا نہیں کیا
کہا تھا..... بیٹی۔"

"لاحول ولا قوۃ.....!"

قاسم ساری گفتگو سن رہا تھا لیکن کچھ بولا نہیں۔ وہ تو اُس عورت کے متعلق سوچے جارہا
تھا اور اُن کی گفتگو نے یہ بات بھی اُس پر واضح کردی تھی وہ عورت سر جاوید کی بیوی ہی
ہو سکتی ہے۔

"آپ نہیں سمجھ سکتے۔" ڈاکٹر سر جاوید سے کہہ رہا تھا۔ "یہ نفسیات کی گتھیاں ہیں.....
بعض واقعات انسانی ذہن کے لئے اتنے اذیت ناک ثابت ہوتے ہیں کہ وہ نہ صرف اُن
واقعات کی حد تک یاد داشت کھو بیٹھتا ہے بلکہ اُن سے تعلق رکھنے والی دوسری چیزیں بھی شعور
کی سطح سے نیچے پھینک دیتا ہے۔ مثال کے طور پر نہ صرف یہ شادی صاحبزادے کے ذہن سے
محو ہو گئی بلکہ اپنے دونوں بھی اجنبی بن کر رہ گئے۔ انہیں یہ بھی یاد نہیں کہ وہ آپ کے بیٹے
ہیں۔ آپ کے بیٹے کی حیثیت سے جس نام سے پکارے جاتے تھے وہ بھی۔"

اتنے میں قاسم کو چھینک آگئی اور وہ دونوں ہی اچھل پڑے..... ایسی گرجدار آواز تھی
کہ دیواریں تک جھنجھنا اٹھیں۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا.....!" سر جاوید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ اُس کی آواز بھی
بدل گئی ہے..... کاف کو قاف اور گاف کو غین بولتا ہے۔"

"سب کچھ ممکن ہے سر جاوید۔" بوڑھے ڈاکٹر نے کہا۔ "میں نے تو ایسے کیس دیکھے ہیں کہ لوگ یاد داشت کھو بیٹھنے کے بعد کچھ بول ہی نہیں سکتے۔ نوزائیدہ بچوں کی طرح غوں غاں کرتے ہیں..... اور پھر اسی طرح بتدریج بولنا سیکھتے ہیں جیسے کوئی نوزائیدہ بچہ عمر کے بڑھنے کے ساتھ سیکھتا ہے! شکر کیجئے کہ یہ ٹوٹل لاس آف میموری نہیں ہے!..... شخصیتیں بدل جاتی ہیں جناب۔"

"لیکن اب کیا ہوگا۔"

"فکر نہ کیجئے..... یہ اچھے ہو جائیں گے۔ لیکن وقت لگے گا۔ ہاں یہ تو بتایئے ڈرنک بھی کرتے تھے یا نہیں۔"

"اعتدال کے ساتھ.....!"

"اب کیا حالت ہے.....!"

"میری دانست میں تو اس حال کو پہنچنے کے بعد اس نے شراب نہیں مانگی۔"

"اچھا اب آپ جایئے..... اور لیڈی جاوید کو بھیج دیجئے۔"

سر جاوید چلا گیا اور ڈاکٹر نے قاسم کو اپنی طرف متوجہ کر کے کہا۔ "آپ کون سی وہسکی پیتے ہیں۔"

"اے تم لوغ مجھے اُلو کیوں بنا رہے ہو..... بتاؤ۔"

"آپ نے کب سے نہیں پی۔"

"میں کبھی نہیں پیتا۔"

"ہوں.....!" ڈاکٹر نے پر تشویش انداز میں سر کو جنبش دی۔

اتنے میں وہی لحیم شحیم عورت کمرے میں داخل ہوئی اور ڈاکٹر اٹھتا ہوا بولا۔ "تشریف لایئے لیڈی جاوید۔"

قاسم بھی یک بیک سعادتمند نظر آنے لگا۔

"کیا آپ کا اُن سے کبھی کسی بات پر اختلاف رائے ہوا تھا۔" ڈاکٹر نے لیڈی جاوید سے پوچھا۔

"ہرگز نہیں ڈاکٹر..... میں سر جاوید سے زیادہ ان کا خیال رکھتی تھی۔ میں نے اپنی

طرف سے کبھی یہ نہیں ظاہر ہونے دیا کہ ہمارے درمیان کوئی سوتیلا رشتہ ہے!"

"ان کا رویہ آپ کے ساتھ کیسا تھا۔"

"کبھی بُرا نہیں رہا۔ میرا احترام کرتے تھے۔"

"ہوں.....!" ڈاکٹر کسی سوچ میں گم ہو گیا۔

قاسم کنکھیوں سے لیڈی جاوید کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ بھی نظر چرا کر اس کی طرف دیکھ لیتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر نے کھنکار کر کہا۔ "لیڈی جاوید..... ان کی یاد داشت جب بھی واپس آئے گی آپ ہی کے توسط سے واپس آئے گی۔"

"بتایئے میں اس کے لئے کیا کروں۔"

"انہیں ہر وقت اپنے ساتھ رکھنے کی کوشش کیجئے۔ سر جاوید کا سامنا نہ ہونے پائے تو بہتر ہے۔"

"بھلا یہ کیسے ممکن ہے..... آپ ہی انہیں سمجھا دیجئے گا۔"

"میں سمجھا دوں گا....." ڈاکٹر نے کہا اور پھر کچھ سوچنے لگا۔

چھلاوا

کیپٹن حمید نے ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے کرنل فریدی سے کہا۔

"پرنسٹن کے انچارج کی کال تھی اُس نے اُن دونوں کو روک رکھا ہے۔"

"تو پھر میں کیا کروں..... جاؤ دیکھو۔" فریدی نے کاغذات پر سے نظر ہٹائے بغیر کہا۔

"نہیں آپ بھی چلئے..... ہو سکتا ہے میں انہیں ہینڈل نہ کر پاؤں۔"

"بھئی مجھے مت گھسیٹو اس معاملے میں ..... اور بھی بہت سے کام ہیں۔ اتنی خود

اعتمادی تو تم میں ہونی ہی چاہئے۔"

"دیکھئے..... یہ میرا کام ہے۔ آپ خواہ مخواہ دنیا بھر کے کام سمیٹتے پھرتے ہیں اور میں مجھے بھی جھونک دیتے ہیں..... تب میں تو کچھ نہیں کہتا۔"

"یار کوئی کام میں کام بھی ہو۔" فریدی کاغذات کو ایک طرف ہٹا کر اٹھتا ہوا بولا۔ "چلو.....!"

دونوں آفس سے باہر آئے۔ لنکن پارکنگ شیڈ میں کھڑی تھی۔ حمید اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے برابر ہی بیٹھ گیا۔ فریدی انجن اسٹارٹ کرتا ہوا بولا۔ "صاحبزادے یا تو کسی عیاشی کے چکر میں پڑ گئے ہیں..... یا وہ دونوں سیٹھ عاصم سے کوئی لمبی رقم وصول کرنا چاہتے ہیں۔"

"عیاشی کے پھیر میں وہ تنہا کبھی نہیں پھنستا۔"

"کیا مطلب.....!"

"مجھے اطلاع دیئے بغیر اپنے کسی عشق کو آگے نہیں بڑھاتا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ پرنسٹن کے تھانے تک آئے..... قادر اور جواد وہاں موجود تھے۔ پرنسٹن کے تھانے کا انچارج انہیں دفتر میں چھوڑ کر خود باہر چلا گیا۔ حمید نے محسوس کیا جیسے وہ دونوں فریدی کو پہچانتے ہوں۔

"کیا مشاغل ہیں آج کل آپ حضرات کے۔" فریدی نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

"وہی پرانی کمیشن ایجنٹی۔" لمبے آدمی نے جواب دیا۔ لہجے میں اکتاہٹ تھی۔

"ایک ہنگامے کے تفتیش کے سلسلے میں تمہیں یہاں بلوایا گیا ہے۔" فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"بھلا ہمیں ہنگاموں سے کیا سروکار۔"

"پانچویں تاریخ کی بات ہے! سونار میں..... کسی ایسے آدمی کا جھگڑا تھا جس نے ایک عورت کو کاندھے پر بٹھا رکھا تھا۔"

"اوہ.....!" دونوں نے بیک وقت کہا اور ہنس پڑے۔ فریدی انہیں استفہامیہ نظروں سے دیکھتا رہا۔ آخر جواد نے پوچھا۔ "آپ اُس کے متعلق کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔"

"تم دونوں اُسے کہاں لے گئے تھے؟"

"وہیں جہاں اُسے ہونا چاہئے تھا۔"

"سنجیدگی سے میرے سوالات کے جواب دو....." فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔

"میں نے غلط نہیں کہا..... ہمیں اُس کی نگرانی پر مامور کیا گیا تھا۔ کہا گیا تھا کہ وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے..... اُسے گرین ہوٹل سے کہیں اور نہ جانے دیں!"

"نگرانی پر کس نے مامور کیا تھا۔"

"سیٹھ عاصم کے سیکریٹری نے۔"

"اوہ..... اچھا تو پھر کیا ہوا؟"

"جب ہم نے دیکھا کہ پولیس کیس بن جائے گا تو ہم نے اُسے وہاں سے ہٹا لے جانا ہی مناسب سمجھا۔"

"اوہ خود کو پولیس سے متعلق ظاہر کیا..... کیوں؟"

"مجبوری تھی جناب..... اگر ہم ایسا نہ کرتے تو اپنے مقصد میں کامیاب ہی نہیں ہو سکتے تھے۔ لوگ یقیناً ہمارے پیچھے آتے۔"

"ہوں تو پھر تم اُسے کہاں لے گئے۔"

"سیکریٹری کی لانچ پر.....!"

"کیا وہ وہاں پہلے سے موجود تھی۔"

"جی ہاں..... ہم سے کہا گیا تھا کہ جب بھی مزید ہدایات کی ضرورت محسوس ہو ہم اُس لانچ پر پہنچ جائیں۔ غالباً وہ ہمیشہ وہاں موجود رہتی ہے۔"

"پھر کیا ہوا.....؟"

"اُسے ہم سیکریٹری کے حوالے کر کے چلے آئے تھے۔"

"وہ اُس وقت لانچ پر موجود تھا۔"

"جی ہاں.....!"

"اس کام کا معاوضہ کتنا اور کب ملا تھا۔"

"پانچ سو روپے..... دوسرے دن۔ ہمیں ہماری قیام گاہ ہی پر مل گئے تھے۔"

"سیکریٹری خود آیا تھا۔"

"جی نہیں..... وہ کوئی اور تھا۔"

"سیکریٹری کو پہلے سے جانتے تھے۔"

"جی نہیں! لیکن شائد وہ ہمیں اچھی طرح جانتا تھا۔ ورنہ ہم سے یہ کام ہی کیوں لیتا۔"

"اُس آدمی کو بھی پہلے سے جانتے تھے جس نے وہ ہنگامہ برپا کیا تھا۔"

"جی نہیں..... سیکریٹری ہی نے بتایا تھا کہ وہ سیٹھ عاصم کا لڑکا ہے۔"

"سیٹھ عاصم سے کبھی ملے ہو.....!"

"جی نہیں..... اُس کا بھی نام ہی سنا ہے۔ کبھی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔"

فریدی نے ہاتھ بڑھا کر کسی کے نمبر ڈائیل کئے اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ "سیٹھ عا پلیز.....!"

چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "ہلو، عاصم صاحب! میں فریدی بول رہا ہوں.... پرنسٹن پولیس اسٹیشن سے..... ذرا اپنے سیکریٹری کو یہیں بھیج دیجئے۔"

"جی ہاں..... جتنی جلدی ممکن ہو..... بلکہ فوراً..... شکریہ۔"

ریسیور رکھ کر وہ سگار سلگانے لگا۔ لیکن اب وہ اُن دونوں کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا حمید نے محسوس کیا جیسے ان دونوں کا اضطراب بڑھ گیا ہو۔ وہ فریدی کو ایسی نظروں سے دیکھ رہے تھے جیسے اس کال نے انہیں الجھن میں مبتلا کر دیا ہو۔

فریدی کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر سگار کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا۔ لیکن وہ اب بھی اُن دونوں کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد ایک کار تھانے کی کمپاؤنڈ میں آکر رکی اور اس پر سے سیٹھ عاصم کا سیکریٹری اترا۔ حمید اُسے پہچانتا تھا۔ اُس نے کھڑکی سے دیکھا کہ وہ برآمدے میں رک کر ایک کانسٹیبل سے کچھ پوچھ رہا ہے۔ کانسٹیبل نے ہاتھ اٹھا کر دفتر کی طرف اشارہ کیا۔ تھوڑی دیر بعد سیکریٹری دفتر میں داخل ہوا۔ وہ دونوں بھی اُس کی طرف دیکھنے لگے تھے اور فریدی اُن تینوں کے چہروں کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔

"کرنل فریدی صاحب؟" سیکریٹری نے ایک ایک کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں..... تشریف رکھئے۔" فریدی نے خالی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"فرمایئے.....!" سیکریٹری نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا آپ ان دونوں کو پہچانتے ہیں۔"

اُس نے متحیرانہ انداز میں باری باری سے دونوں کی طرف دیکھا اور سر ہلا کر بولا۔

"جی نہیں؟"

"لیکن یہ دونوں تو کہتے ہیں.....!" فریدی نے جملہ پورا نہیں کیا۔

"کیا کہتے ہیں.....!" سیکریٹری کے لہجے میں بھی استعجاب تھا۔

"یہی کہ یہ دونوں آپ کو پہچانتے ہیں اور آپ بھی انہیں.....!"

"ہم نے کب کہا ہے؟" دونوں بیک وقت بولے۔

"یہ سیٹھ عاصم کے سیکریٹری ہیں۔"

"اوہ.....!" جواد جلدی سے بولا۔ "لیکن یہ وہ نہیں ہیں۔"

"ان کے علاوہ سیٹھ عاصم کوئی دوسرا سیکریٹری نہیں رکھتے..... کیوں جناب۔"

"جی ہاں.....؟" سیکریٹری بولا۔ وہ اب بھی اُن دونوں کو گھورے جا رہا تھا۔ لیکن اُسی طرح جیسے کوئی کسی اجنبی کو دیکھتا ہے۔

"تب تو پھر ہمیں دھوکا دیا گیا..... ہمیں اچھی طرح یاد ہے کہ اُس نے خود کو سیٹھ عاصم کا سیکریٹری ہی ظاہر کیا تھا.....؟"

"لہٰذا.....!" فریدی جواد کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔ "تم دونوں اُس وقت تک حراست میں رہو گے جب تک اس دوسرے سیکریٹری کا سراغ نہ ملے۔"

سائرہ کا خیال آتے ہی دل میں عجیب سی گدگدی محسوس ہوئی..... کتنی اچھی لگتی تھی اس وقت جب باتیں کرتے کرتے دفعتاً نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر کچھ سوچنے لگتی اور پھر اس

طرح بولنا شروع کر دیتی جیسے ابھی ابھی خواب سے بیدار ہوئی ہو۔

حمید آج کل زیادہ تر اُسی کے بارے میں سوچتا رہتا تھا۔

اس وقت بھی سونار ہی کی طرف جا رہا تھا..... قاسم کی تلاش بھی ابھی تک سونار سے آگے نہیں بڑھی تھی..... وہ جواد کو پچھلے دن سونار لائے تھے اور وہاں اُس لانچ کی تلاش دیر تک جاری رہی تھی جس کا تذکرہ انہوں نے کیا تھا۔ لیکن اُس کا سراغ نہیں مل سکا تھا..... گھاٹ کے دوسرے ملاحوں نے بھی لاعلمی ظاہر کی تھی۔ اُن کے بیان کے مطابق روزانہ کتنی ہی آتی جاتی رہتی تھیں۔

جواد اور قادر اُس لانچ کی کوئی ایسی خاص نشانی بھی نہیں بتا سکے تھے جس کی بناء پر تلاش آگے بڑھ سکتی۔

بہر حال وہ دونوں ابھی تک حراست میں تھے۔ انہوں نے اس کی بھی کوشش نہیں کی تھی کہ کوئی اُن کا ضامن بن کر انہیں رہائی دلا دیتا۔

"ہم اب اسی میں اپنی عافیت سمجھتے ہیں۔" جواد نے کہا۔ "تاوقتیکہ وہ آدمی ہاتھ نہ آجائے، جس نے ہم سے یہ کام لیا تھا ہم حوالات ہی میں رہنا مناسب سمجھیں گے۔"

اور پھر فریدی کو یہ کہنے پر مجبور ہو جانا پڑا تھا کہ اب یہ حقیقتاً ایک سیریس قسم کا کیس بن گیا ہے۔

قاسم کی بیوی بے حد پریشان تھی اور عاصم صاحب کی بوکھلاہٹوں کا کیا پوچھنا۔ اکلوتا لڑکا تھا۔ وہ اپنے اعزاء پر بھی شبہ ظاہر کر بیٹھے تھے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ اُن سے اس طرح پوچھ گچھ نہ کی جائے جو انہیں اُن کی طرف سے بدگمان کر دے۔

ہر طرف تفتیش کے گھوڑے دوڑ رہے تھے۔ لیکن ابھی تک تو کامیابی کی صورت نظر نہیں آئی تھی..... اس لئے اب مجبوراً سائرہ.....؟ ویسے اگر اُس نے کسی ایسے آدمی کا تذکرہ نہ کیا ہوتا جو اُس کا تعاقب کیا کرتا تھا تب بھی حمید کو اُس کے علاوہ اور کوئی ایسا نہ دکھائی دیتا جس کے ذریعہ مجرم یا مجرموں تک رسائی اُس کی دانست میں ممکن ہوتی۔ آج وہ شہر ہی سے اُس کا تعاقب کرتا ہوا ایگل بیچ تک پہنچا تھا۔

شہر سے ایگل بیچ تک تو کوئی بھی ایسا نہیں نظر پڑا تھا جس پر سائرہ کے تعاقب کرنے کا

شبہ ہو سکتا۔ لیکن جب وہ سونار کے لئے لانچ پر بیٹھنے لگی تھی تو ایک آدمی قریب کے ایک چائے خانے سے نکل کر لانچ کی طرف جھپٹا تھا۔ حمید نے محسوس کیا کہ اُس کا حلیہ سائرہ کے بیان کردہ حلئے سے مختلف نہیں تھا۔

البتہ وہ شاید تاریک شیشوں کی عینک کا تذکرہ کرنا بھول گئی تھی۔

وہ بھی اسی لانچ پر بیٹھ گیا۔ اُس نے ٹھیک سائرہ کے پیچھے والی سیٹ منتخب کی تھی۔ حمید اُس کے پیچھے جا بیٹھا۔ پتہ نہیں کیوں وہ محسوس کر رہا تھا جیسے وہ آدمی اجنبی ہونے کے باوجود بھی کچھ جانا پہچانا سا ہو۔

ہر چند کہ سائرہ کا رخ اس کی طرف نہیں تھا لیکن وہ محسوس کر رہا تھا جیسے وہ بہت زیادہ مضطرب ہو۔ ویسے ایک بار بھی اُس نے مڑ کر پیچھے نہیں دیکھا تھا۔

پھر لانچ نے ایگل بیچ کا ساحل چھوڑا تھا اور سونار کے ساحل سے آلگی تھی۔ دوسرے مسافر اترتے رہے لیکن حمید بیٹھا رہا۔ سائرہ اُس سے بے خبر تھی اس لئے جب وہ اترنے لگی تو حمید نے اپنا منہ دوسری طرف موڑ لیا۔ اُس کے بعد وہ آدمی اُترا۔

سائرہ پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر آگے بڑھتی جا رہی تھی..... اُس آدمی کے اتر جانے کے بعد حمید بھی اُترا۔

لیکن وہ آدمی سائرہ کے پیچھے جا رہا تھا۔

حمید اُس کا تعاقب کرتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ گرین ہوٹل میں داخل ہو گیا۔ سائرہ "بیت الحکیم" کی طرف چلی گئی تھی۔

حمید نے فوراً ہی ہوٹل میں داخل ہونا مناسب نہ سمجھا۔ لیکن پھر یہ احتیاط لے ہی ڈوبی۔ ڈائننگ ہال میں تو اُس کا سراغ نہ مل سکا۔ حمید نے چاروں طرف دیکھا اور یہ سوچتے ہوئے اپنے لئے ایک میز منتخب کر لی کہ وہ اسی ہوٹل کے کسی رہائشی کمرے میں موجود ہو گا۔

بیٹھتے ہی ایک ویٹر اُس کی طرف آیا۔

"چائے.....!" حمید نے مینو پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "اور چکن سینڈوچ بھی لانا۔"

ویٹر چلا گیا۔

تین کے علاوہ اور ساری میزیں خالی تھیں۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اُس کے متعلق ویٹر سے

پوچھ گچھ کرے گا۔ یقیناً وہ یہیں مقیم ہو گا۔

کچھ دیر بعد ویٹر چائے اور سینڈوچ لایا۔

"سنو.....!" حمید نے آہستہ سے کہا اور ویٹر اُس کے چہرے کے قریب جھک آیا۔

"وہ صاحب کس نمبر میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

"کون صاحب۔"

"گھنی ڈاڑھی والے..... کالی عینک لگاتے ہیں۔"

"وہ.....!" ویٹر ہنسنے لگا۔ "جی وہ آج چائے پیئے بغیر ہی پیشاب کر کے چلتے بنے۔"

"کیا مطلب.....!"

"جی وہ روزانہ آتے ہیں..... چائے پیتے ہیں۔ پیشاب کرنے جاتے ہیں اور اُسی طرف کے دروازے سے باہر نکل جاتے ہیں۔"

"میں سمجھا تھا شائد یہیں رہتے ہیں۔"

"جی نہیں۔"

"کب سے آتے ہیں۔"

"تین چار دن سے دکھائی دیتے ہیں۔ پہلے کبھی نہیں دیکھا..... کہئے اُن سے کچھ کہنا ہے۔ آئیں گے تو کہہ دوں گا۔"

"نہیں..... جاؤ..... کچھ نہیں۔"

وہ چلا گیا..... حمید نے سوچا چوٹ ہو گئی۔ وہ یقیناً آگاہ ہو گیا تھا کہ اُس کا بھی تعاقب کیا جا رہا ہے ورنہ اس طرح خلاف معمول غائب نہ ہو جاتا۔

زبردستی سینڈوچ لئے اور ایک کپ چائے حلق سے اتاری۔ پھر پائپ سلگا کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

کچھ دیر بعد وہ "بیت الحکیم" کی طرف جا رہا تھا۔ قلندر ہی سے چھیڑ چھاڑ سہی۔ اُس کے چڑچڑے پن کو ابھار کر عجیب قسم کی خوشی محسوس کرتا تھا۔ ہو سکتا ہے یہ بھی اذیت پسندی کی کوئی قسم ہو۔

پھاٹک بند تھا۔ اُس نے کال بل کا بٹن دبایا۔ لیکن پھر خیال آیا کہ گھنٹی میں کوئی خرابی پیدا

ہو گئی ہے۔ قلندر نے پہلے کبھی بتایا تھا۔

"ارے کوئی ہے۔" اُس نے پھاٹک ہلا کر آواز دی۔

"فرمایئے جناب۔" پشت سے آواز آئی اور حمید جھنجھلا کر مڑا۔ کیونکہ آواز قلندر ہی کی تھی۔ ایک بار پہلے بھی یہی واقعہ پیش آچکا تھا۔

"کیا تم مجھ پر رحم نہیں کر سکتے۔" قلندر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"اُس کا پیچھا چھوڑ دو۔"

"کچھ پوچھنا ہے۔"

"کب تک پوچھتے رہو گے.....!" قلندر یک بیک غصیلی آواز میں چیخا۔ اتنے میں کسی نے پھاٹک بھی کھول دیا اور قلندر اُسی لہجے میں دہاڑا۔ "تم کیوں آگئیں..... واپس جاؤ..... جاؤ.....!"

پھاٹک زوردار آواز کے ساتھ بند ہو گیا۔

"اچھی بات ہے قلندر صاحب۔" حمید نے طویل سانس لی۔ "اب میں سچ مچ تمہیں دیکھوں گا۔"

پھر وہ واپسی کے لئے مڑ گیا۔

خنجر

آج قاسم کھانے کی میز پر تنہا نہیں تھا وہ خوبرو اور لمبی تڑنگی عورت بھی اُس کا ساتھ دے رہی تھی۔ قاسم کچھ شرمایا سا تھا..... لیکن کھانے کے معاملے میں نہیں۔ بس اُس کی طرف دیکھ نہیں رہا تھا اور یہی ظاہر کر رہا تھا کہ اُس کی تمام تر توجہ کھانے کی طرف ہے۔

"تم بہت کھانے لگے ہو.....!" دفعتاً لیڈی جاوید کی مترنم آواز کمرے میں گونجی۔

"نن..... نہیں..... توغ.....!" قاسم اس کی طرف دیکھے بغیر بولا۔

"میں تم سے کتنی محبت کرتی ہوں..... کبھی اس کے متعلق بھی سوچا ہے۔"

"کھانے تے بعد سوچوں غا۔" قاسم نے سر جھکائے ہوئے جواب دیا۔

پھر وہ خاموشی سے کھانے میں مشغول رہے۔

لیڈی جاوید کنکھیوں سے اُسے دیکھتی جا رہی تھی۔ روٹیاں ختم۔ قابیں صاف اب سویٹ ڈشز کی باری تھی۔ ذرا سی دیر میں اُن کا بھی صفایا ہو گیا۔

"اور کچھ.....!" لیڈی جاوید نے پوچھا۔

"ہی ہی..... نہیں بس۔ آپ تے یہاں انبالہ والوں کی رس ملائی نہیں آتی کیا۔"

"نہیں ہمیں دیسی مٹھایاں پسند نہیں..... تم بھی پسند نہیں کرتے تھے۔!"

"ارے..... واہ..... وہ رستم حلوہ..... حبشی حلوہ.....!"

"سچ کہتی ہوں..... پہلی بار تمہاری زبان سے یہ نام سن رہی ہوں۔ مجھے ان کے متعلق کچھ نہیں معلوم..... لکھ کر دے دینا منگوا دوں گی۔"

"لخ دوں غا....." قاسم سر ہلا کر بولا۔

"کھانے کے بعد تم قہوہ پیتے ہو۔"

"ارے توبہ توبہ..... بلکہ لاحول ولا قوۃ..... اب نام نہ لیجئے گا..... ورنہ مجھے نے ہو جائے گی۔"

"ہائے تم اتنے بدل گئے ہو منور.....!"

قاسم کچھ نہ بولا۔ اس ادل بدل اور یاد داشت والے معاملے پر اُسے اختلاج ہونے لگا تھا۔ لیکن وہ کچھ بولتا نہیں تھا۔ اپنے طور پر حالات کو سمجھنے کی کوشش کرتا لیکن ابھی تک نہ نہیں سمجھ سکا تھا۔ کئی بار جی چاہا کہ وہ اُن کو اپنے متعلق سب کچھ بتا دے لیکن پھر یہ سوچ کر خاموش رہ جاتا کہ کہیں اس دہاکڑ اور زور دار عورت کی ہم نشینی سے محروم نہ ہو جائے..... چلنے دو..... وہ سوچتا جب تک چلے چلنے دو..... میں کوئی ننھی سی گڑیا تو ہوں نہیں کہ سالے جیب میں رکھ کر پار لے جائیں گے..... جب چاہوں گا ٹھونک پیٹ کر باہر۔! کبھی سوچتا کہ

دوں کہ یاد داشت واپس آگئی ہے۔ پھر دیکھوں کیا ہوتا ہے لیکن پھر ان کٹو بیگم کو سوتیلی ماں بھی تو سمجھنا پڑے گا..... لہٰذا بالکل گول رہو۔ دیکھا جائے گا اور یہ سالا سر جاوید بالکل چغد معلوم ہوتا ہے۔ کیا اس کا بیٹا منور میرا ہم شکل تھا جو کہیں غائب ہو گیا۔ اگر آجائے سالا تو پھر کیسی رہے گی۔ جان کو آجائیں گے سب سالے۔

اس وقت بھی وہ ایسے ہی خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔

"منور.....!" دفعتاً لیڈی جاوید نے اُسے مخاطب کیا۔

"جی.....!"

"اوہ..... تو تمہیں یاد آگیا کہ تم منور ہو۔"

"جی نہیں..... آپ کہتی ہیں تو پھر منور ہی سہی۔"

"تمہیں میرا اتنا ہی خیال ہے.....؟"

"جی ہاں۔"

"میری طرف دیکھو.....!"

قاسم نے دیکھا اور بدقت اُس سسکاری کو روک سکا جو اُس کے ہونٹوں کی گرفت سے آزاد ہی ہونے والی تھی۔

لیڈی جاوید بڑی نشیلی آنکھوں سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی اور ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ تھی..... جیسے جیسے..... اُس نے بوکھلا کر آنکھیں بند کر لیں۔ نہ جانے کیوں اُس کے ذہن میں اُس کی ماں کا یہ جملہ گونج رہا تھا، جو اکثر بچپن میں اُس کی زبان سے سن چکا تھا۔

"کسی کو ننگا دیکھنے سے آنکھیں پھوٹ جاتی ہیں۔"

"ارے باپ رے.....!" وہ آنکھیں بند کئے ہوئے ہونٹوں میں بدبدایا۔

"کیا بات ہے..... منور..... میری طرف دیکھو.....!" پیار بھرے لہجے میں کہا گیا۔

"جی غاں..... دیکھتا ہوں....." قاسم نے گڑبڑا کر پھر آنکھیں کھول دیں وہ اب بھی اُسی طرح مسکرا رہی تھی۔

"خدا کرے تم مجھے جلدی پہچاننے لگو۔"

"جی غاں.....!"

"تم مجھے آنٹی کہتے تھے۔"

"اب نہیں قہوں غا.....!" قاسم بے ساختہ بولا۔

"کیوں..... کیوں.....!"

"جی مجھے..... یاد نہیں۔"

"یاد ہو یا نہ ہو..... آنٹی کہنے میں کیا حرج ہے۔"

"جی..... بڑا حرج ہے۔"

"کیا حرج ہے۔"

"پتہ نہیں۔"

"پھر تم مجھے کیا کہو گے۔"

"سوچ لوں تو بتاؤں.....!" قاسم نے کہا اور سچ مچ سوچنے لگا کہ اُسے اُس کو کیا کہہ کر مخاطب کرنا چاہیے۔ ڈارلنگ..... مگر نہیں بھڑک جائے گی۔ سالے منور کی سوتیلی ماں پھر کہوں..... خود ہی کوئی نام رکھ دوں دیکھا جائے گا۔ واہ پیارے حمید بھائی تم نہ ہوئے..... ورنہ کوئی اچھا سا نام بتاتے..... پھر اُسے حمید کی یلایلیاں اور فل فلوئیاں یاد آئیں..... فل فلوٹی..... فل فلوٹی۔"

"میں آپ کو فل فلوٹی کہوں گا.....!" وہ تھوڑی دیر بعد بڑبڑایا۔

لیڈی جاوید ہنسنے لگی۔

"بھلا یہ کیا نام ہوا۔"

"جی ہوتا ہے..... آپ سمجھتی نہیں۔ ہم لوغ سمجھتے ہیں۔"

"کیا سمجھتے ہیں۔"

"یعنی کہ وہی..... ہی ہی ہی ہی۔"

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا.....!" لیڈی جاوید یک بیک سنجیدہ ہو گئی۔

"جی بالکل ٹھیک ہے۔" قاسم بھی اُس کی سنجیدگی پر سراسیمہ ہو گیا۔

"خدا کرے تم جلدی سے اچھے ہو جاؤ۔ تم نہیں سمجھ سکتے کہ میں کتنی پریشان ہوں۔ لوگ تو دل سے چاہتے ہیں کہ تمہیں کچھ ہو جائے۔"

"کون لوگ.....!" قاسم ہمہ تن اشتیاق بن گیا۔

"تمہارے سوتیلے چچا اور اُن کے ہمدرد.....!"

"جی میں بالکل نہیں سمجھا۔"

"تم سب کچھ بھلا چکے ہو..... اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو معاہدے کے مطابق ساری جائیداد سارا کاروبار بالآخر تمہارے سوتیلے چچا اور اُس کی اولاد کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ مجھے بھی ایک پیسہ نہ ملے گا..... پھر بس یہ سب کچھ تمہارے پاپا کی زندگی ہی تک ہو گا۔"

"مجھے اُس کے بارے میں پوری طرح بتایئے۔"

"تم سب کچھ جانتے تھے منور..... لیکن میں تمہیں بتاؤں گی شائد اسی طرح تمہاری یاد داشت واپس آ سکے۔ جانتے ہو اگر اُسے اس کا علم ہو جائے کہ تم اپنی یاد داشت کھو بیٹھے ہو تو کیا ہو گا۔"

"میں نہیں جانتا۔"

"تمہارے وجود کو فراڈ ثابت کرنے کی کوشش کرے گا..... جب تم عدالت میں اپنا نام قاسم بتاؤ گے تو وہ یہاں تک ثابت کر دینے کی کوشش کرے گا کہ سر جاوید کے کبھی کوئی لڑکا تھا ہی نہیں۔ اس طرح تمہارے پاپا کے بعد ہم دونوں مفلسی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوں گے۔"

"کیا دوسرے لوگوں نے سر جاوید کے لڑکے کو نہ دیکھا ہو گا۔"

"یہی تو دشواری ہے کہ تم ایسٹ افریقہ میں پیدا ہوئے تھے۔ وہیں پلے بڑھے یہاں کسی نے تمہیں کبھی نہیں دیکھا۔"

وہ خاموش ہو گئی اور قاسم مجسم غور و فکر بن گیا۔

پچھلے دن بھی وہ نہیں دکھائی دیا۔ آج صبح بھی جب وہ گھر سے نکلی تھی تو اندیشہ تھا
وہ گلی کے نکڑ پر موجود ہوگا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ آج بھی کسی نے اُس کا تعاقب نہیں کیا تھا۔

دو بجے تک وہ قلندر کا ناول لکھتی رہی تھی۔ پھر قلندر نے مائیکروفون ہی پر اعلان کیا
کہ اب وہ بوریت محسوس کر رہا ہے اس لئے کام نہ ہو سکے گا..... وہ چاہے تو گھر جا سکتی ہے۔

پھر وہاں اُس کی موجودگی ہی میں قلندر بندوق اور کارتوسوں کی پیٹی سنبھال کر باہر نکل
گیا تھا۔ بوریت محسوس کرنے کے اعلان کے بعد وہ ہمیشہ بندوق ہی سے جی بہلاتا تھا..... اور
پھر آج کل تو بلے۔

سائرہ نے باورچی سے ایک کپ چائے کی فرمائش کی تھی اور چائے پی کر ٹھیک تین بجے
ساحل کی طرف روانہ ہو گئی تھی۔

لانچ پر ایک ایسے آدمی کے مقابل بیٹھی تھی جس کی ناک اور ہونٹ بے ہنگم نہ ہوتے تو
خاصہ دلکش جوان ہوتا۔

ناک کی نوک اوپر اٹھی ہوئی تھی اور اوپری ہونٹ بھی سکڑ کر اس طرح اوپر اٹھ گیا تھا
کہ سامنے کے دانت دکھائی دیتے تھے۔ آنکھیں بڑی بڑی اور دلکش تھیں۔ اگر چہرے کا نچلا
حصہ چھپا لیا جاتا تو کوئی بھی نہ کہہ سکتا کہ اتنی خوبصورت آنکھوں کے نیچے ایسا واہیات دہانہ
ہوگا..... لباس بھی خاصا قیمتی معلوم ہوتا تھا اور اُسے سلیقے سے پہنا بھی گیا تھا۔

وہ بہر حال اُسے گھورے جا رہا تھا۔ کبھی کبھی نظریں ملتیں اور وہ دوسری طرف دیکھنے
لگتی۔ پھر اُسے اُس پر غصہ آنے لگا۔ اس طرح گھورتے ہیں یہ حرام زادے جیسے کچا ہی کھا
جائیں گے۔ کب سدھریں گے اپنے یہاں کے لوگ۔ وہ سوچتی اور تاؤ کھاتی رہی۔ پھر اتفاق
اُس کا رومال گر گیا۔ اُسے علم تھا اور وہ اٹھانے کے لئے جھک ہی رہی تھی کہ وہ جھکا پھر اگر وہ
فوراً ہی سنبھل کر سیدھی نہ ہو گئی ہوتی تو دونوں کے سر ٹکرا گئے ہوتے۔

اُس نے رومال اٹھا کر نہایت ادب سے اُس کے سامنے پیش کر دیا۔

"شکریہ۔" سائرہ نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور رومال لے کر بے تعلقی سے
دوسری طرف دیکھنے لگی۔ وہ اپنے مکروہ دہانے سے مسکرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُس کی نظر
پڑی اور جی چاہا کہ منہ پر تھپڑ رسید کر دے لیکن خاموش بیٹھی رہی۔

ایگل بیچ کے ساحل پر اُتر کر بس اسٹاپ کی طرف چلی تو محسوس کیا کہ وہ ٹھیک اُسی کے
پیچھے چلا آ رہا ہے۔

دفعتاً اُسے خیال آیا کہیں وہی نہ ہو اور اس سے پہلے نقلی ڈاڑھی استعمال کر تا رہا ہو۔ لیکن
آج وہ خوفزدہ نہیں تھی اگر یہی اُس کی اصلی شکل ہے تو پھٹکار اُس کی صورت پر اُس نے سوچا
اور اس خیال پر مسکرا پڑی کہ اگر سینڈل اُتار کر بھڑ جائے تو کیسی رہے گی۔ بڑی بات نہیں!
ساتھ ہی شور بھی مچانا شروع کر دے کہ چھیڑا تھا..... اور پھر تماشائیوں کی ہمدردیاں بھی اُسی
کی طرف ہوں گی اور چٹنی بن جائے گی اُس صورت حرام کی۔

وہ چلتے چلتے رک گئی۔ لیکن مڑی نہیں۔ اندازے سے اُسی وقت اچانک مڑنا چاہتی تھی،
جب وہ قریب پہنچ چکا تھا آس پاس اور لوگ بھی آ جا رہے تھے اُس سے نپٹ لینے کا بہترین
موقع تھا۔

پھر وہ مڑی اور یک بیک چونک پڑی وہ اُس سے بمشکل چھ یا سات قدم کے فاصلے پر رہا
ہوگا۔ لیکن اُس کی ناک.....؟ اُس کے ہونٹ؟..... وہ تو..... وہ تو..... کیپٹن حمید تھا۔

"ارادے اچھے نہیں معلوم ہوتے۔" وہ قریب پہنچ کر مسکرایا۔

سائرہ کی سانس پھول رہی تھی۔ وہ بھی مسکرا دی۔

"نہ وہ کل نظر آیا اور نہ آج.....!" حمید بولا۔

"میں بھی..... یہی سوچ رہی تھی۔"

"یہاں کھڑے ہو کر سوچنے سے کیا فائدہ..... میرے ساتھ آیئے۔"

وہ نہیں چاہتی تھی اس کے باوجود بھی اُس کے ساتھ چل پڑی۔

کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ "میں لاکھ کوشش کروں تب بھی ناممکن ہے۔"

"کیا چیز.....؟" حمید نے پوچھا۔

"ناک اس طرح مستقل طور پر اٹھی رہے اور ہونٹ کھل جائیں۔"

"اسی سرکس کی روٹی کھاتے ہیں ہم لوگ۔"

"نہیں بتایئے..... یہ کیسے ممکن ہے۔"

"ممکن ہے..... تبھی تو آپ نے دیکھا تھا۔" کیپٹن حمید نے ایک ہٹ کے سامنے رکتے ہوئے کہا۔ وہ بھی رک گئی اور حمید بولا۔ "آیئے..... اندر چلئے..... اب میرا محکمہ آپ میں خاص طور پر دلچسپی لینے پر مجبور ہو گیا ہے؟"

"کیوں.....؟" وہ چونک پڑی۔

"آیئے..... اطمینان سے باتیں ہوں گی۔"

"اگر میں انکار کر دوں تو۔"

"محکمے کی دلچسپی مزید بڑھ جائے گی۔"

"خواہ مخواہ مجھے خوفزدہ نہ کیجئے۔"

"اس دلچسپی کا تعلق آپ کے خلاف کسی قانونی کاروائی سے نہیں.....!"

وہ دونوں ہٹ کے سٹنگ روم میں داخل ہو چکے تھے۔ حمید نے کرسی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "تشریف رکھئے۔"

سائرہ بیٹھ گئی مگر الجھن میں پڑ گئی تھی۔

"پرسوں میں نے اس کا تعاقب کیا تھا..... لیکن وہ ڈاج دے کر نکل گیا۔"

"اوہ..... اسی لئے دو دن سے نظر نہیں آیا۔"

"سونار پہنچ کر آپ کا تعاقب کرنے کی بجائے گرین کی طرف مڑ گیا تھا۔"

"لیکن آپ سے بچ کر کیسے نکل گیا۔"

"اکثر ایسا بھی ہوتا ہے..... ہم بھی دھوکا کھا جاتے ہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "خیر چھوڑیئے..... آج آپ کی جلدی چھٹی ہو گئی۔"

"اکثر ایسا ہوتا ہے..... میرا باس سنکی ہے۔ جب اُس پر بوریت کا دورہ پڑتا ہے بندوق لے کر باہر نکل جاتا ہے۔ آج کل تو بلوں کی شامت آ گئی ہے۔"

"شائد میری موجودگی میں بھی اُس دن ایک بلے کو گولی مار دی تھی۔"

"جی ہاں..... اور اب شائد سونار میں ایک بھی بلا زندہ نہ بچے گا۔"

"خیر..... ہوبیز اکثر مضحکہ خیز بھی ہوتی ہیں۔"

"اسے آپ ہوبی کہتے ہیں۔"

"یقیناً..... میری ہوبی اس سے بھی زیادہ مضحکہ خیز ہے۔ میں مکھی مارتا ہوں۔"

وہ مسکرائی اور بولی۔ "شروعات بلی سے ہوئی تھی۔ اُس نے ایک بلی پال رکھی تھی..... نی سر چڑھی تھی کہ میز پر اُسی کی پلیٹ میں کھاتی تھی۔ ہر وقت اُس کے ساتھ رہتی۔ دفعتاً یک بلا دونوں کے درمیان آ گیا اور وہ زیادہ تر گھر سے غائب رہنے لگی۔ جھلاہٹ میں ایک دن س نے اس بلی کو ختم کر دیا۔ پھر گھنٹوں پھوٹ پھوٹ کر رویا۔ اُس کے بعد سے سونار کے بلوں ا خیر نہ رہی۔ روزانہ دو چار مار دیتا ہے۔"

"نفسیات کا کیس ہے؟ خیر ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ اُس نامعلوم آدمی نے آپ کا عاقب اُسی پوچھ گچھ کے بعد ہی شروع کیا تھا لہٰذا میرا محکمہ آپ میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو گیا ہے۔ ویسے آپ مطمئن رہئے کہ اس سلسلے میں کبھی کوئی ایسی بات نہ ہو گی جس کی بناء پر آپ یا نیک نامی کو نقصان پہنچے۔"

دفعتاً حمید اچھل پڑا اور جھک کر اُس چیز کو دیکھنے لگا جو اُس کی گردن سے ٹکرا کر آواز کے ساتھ فرش پر گری۔ پھر سائرہ نے اُسے دروازے کی طرف جھپٹتے دیکھا۔ وہ ہکا بکا کھڑی اُس چمکدار خنجر کو دیکھتی رہی۔ اُس کا رخ کھڑکی ہی کی طرف تھا اور اُس نے باہر سے پھینکے جانے والے خنجر کی جھلک دیکھی تھی۔

کیپٹن حمید باہر جا چکا تھا..... وہ بُری طرح کانپ رہی تھی۔

طوفانی سفر

اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ مضطربانہ انداز میں دروازے کی

طرف بڑھی۔ باہر بھی نکل آئی۔ ہٹ کی چھوٹی سی کمپاؤنڈ سنسان پڑی تھی۔

کچھ دیر بعد حمید نظر آیا۔ چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ دوڑتا رہا ہے۔

"آپ نے خنجر کو ہاتھ تو نہیں لگایا۔" اُس نے قریب پہنچ کر ہانپتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں..... کون تھا.....؟"

"پتہ نہیں.....!"

"دکھائی دیا تھا۔"

"دکھائی بھی نہیں دیا۔"

"پھر آپ کہاں دوڑے گئے تھے؟"

"ہر اُس راستے کو دیکھا تھا جدھر سے فرار ہو سکتا۔ میرا خیال ہے کہ وہ قریب ہی کسی ہٹ میں جا چھپا ہو گا۔"

"پھر.....؟"

"کچھ بھی نہیں..... دیکھا جائے گا۔"

وہ اندر آئے..... حمید نے نہ صرف کھڑکیاں بلکہ دروازہ بھی بند کر دیا..... دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔

"کرسی نے جان بچالی۔" حمید پھر اُسی کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "آپ چائے پئیں گی یا کافی؟"

"جی.....!" سائرہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"اردو میں ترجمہ کروں؟" حمید نے بھولے پن سے پوچھا۔

"یعنی..... یعنی..... یہ خنجر..... اور آپ.....!"

"خدا کا شکر ہے کہ شام کی چائے پینے کے لئے زندہ بچ گیا۔ لہٰذا پہلی فرصت میں فی الحال کوئی ملازم موجود نہیں..... ساری چیزیں کچن ہی میں مل جائیں گی..... بیٹھئے..... میں ابھی آیا۔"

"ارے اس خنجر کو تو دیکھئے۔"

"وہیں پڑا رہنے دیجئے..... چائے کے بعد دیکھیں گے۔"

"آپ عجیب آدمی ہیں۔"

"آپ پر رعب ڈالنے کی کوشش کر رہا ہوں..... تاکہ آپ مجھے ہیرو سمجھنے لگیں ورنہ نیقتاً عالم یہ ہے کہ..... خیر..... ہاں تو میں ابھی آیا.....!"

"میں بھی چل رہی ہوں.....!" وہ اٹھتی ہوئی بولی۔

چھوٹے سے کچن میں اُمور خانہ داری کے سارے لوازمات سلیقے کے ساتھ موجود تھے۔

سائرہ خاموشی سے اُس کا ہاتھ بٹاتی رہی۔ اُس کی سمجھ ہی میں نہیں آرہا تھا کہ کیا بولے۔ وہ اسی خنجر کے متعلق سوچے جا رہی تھی۔ کس نے پھینکا تھا؟ کیوں پھینکا تھا؟ کیا یہ اُسی کی حرکت تو نہیں تھی، جو اُس کا تعاقب کرتا رہا تھا؟ مگر کیوں؟ اگر سچ مچ خنجر کیپٹن حمید کی پیٹھ میں پیوست ہو جاتا تو خود اُس کی کیا پوزیشن ہوتی۔ وہ پولیس کو کیسے یقین دلا سکتی کہ اُس نے کچھ نہیں کیا۔

"ہر اُس راستے کو دیکھا تھا جدھر سے فرار ہو سکتا۔ میرا خیال ہے کہ وہ قریب ہی کسی ہٹ میں جا چھپا ہو گا۔"

"پھر.....؟"

"کچھ بھی نہیں..... دیکھا جائے گا۔"

وہ اندر آئے..... حمید نے نہ صرف کھڑکیاں بلکہ دروازہ بھی بند کر دیا..... دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔

"کرسی نے جان بچالی۔" حمید پھر اُسی کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "آپ چائے پئیں گی یا کافی؟"

"جی.....!" سائرہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"اردو میں ترجمہ کروں؟" حمید نے بھولے پن سے پوچھا۔

"یعنی..... یعنی..... یہ خنجر..... اور آپ.....!"

"خدا کا شکر ہے کہ شام کی چائے پینے کے لئے زندہ بچ گیا۔ لہٰذا پہلی فرصت میں فی الحال کوئی ملازم موجود نہیں..... ساری چیزیں کچن ہی میں مل جائیں گی..... بیٹھئے..... میں ابھی آیا۔"

"ارے اس خنجر کو تو دیکھئے۔"

"وہیں پڑا رہنے دیجئے..... چائے کے بعد دیکھیں گے۔"

"آپ عجیب آدمی ہیں۔"

"آپ پر رعب ڈالنے کی کوشش کر رہا ہوں..... تاکہ آپ مجھے ہیرو سمجھنے لگیں ورنہ نیقتاً عالم یہ ہے کہ..... خیر..... ہاں تو میں ابھی آیا.....!"

"میں بھی چل رہی ہوں.....!" وہ اٹھتی ہوئی بولی۔

چھوٹے سے کچن میں اُمور خانہ داری کے سارے لوازمات سلیقے کے ساتھ موجود تھے۔

سائرہ خاموشی سے اُس کا ہاتھ بٹاتی رہی۔ اُس کی سمجھ ہی میں نہیں آرہا تھا کہ کیا بولے۔ وہ اسی خنجر کے متعلق سوچے جا رہی تھی۔ کس نے پھینکا تھا؟ کیوں پھینکا تھا؟ کیا یہ اُسی کی حرکت تو نہیں تھی، جو اُس کا تعاقب کرتا رہا تھا؟ مگر کیوں؟ اگر سچ مچ خنجر کیپٹن حمید کی پیٹھ میں پیوست ہو جاتا تو خود اُس کی کیا پوزیشن ہوتی۔ وہ پولیس کو کیسے یقین دلا سکتی کہ اُس نے کچھ نہیں کیا۔

"کیا آپ اس واقعہ کے متعلق سوچ رہی ہیں۔" دفعتاً اُس نے پوچھا اور سائرہ نے اعتراف میں سر ہلا دیا۔

"سامنے کی بات ہے؟" حمید مسکرایا۔ "جسے بلوں پر غصہ آسکتا ہے وہ کسی آدمی کو کیسے معاف کر سکے گا۔"

"آپ غلط سمجھے۔" وہ ناخوشگوار لہجے میں بولی۔ "ایسی کوئی بات نہیں۔"

"آپ کی دانست میں نہ ہو گی۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ وہ کیتلی میں پتی ڈال رہا تھا۔

"میں کہتی ہوں نا کہ آپ غلط سمجھے ہیں۔" سائرہ کو غصہ آنے لگا تھا۔ حمید کی مسکراہٹ تکلیف دہ تھی۔

"بلی بیچاری بھی اس سے لاعلم رہی ہو گی کہ قلندر سچ مچ بیابانی ہے۔"

"آپ میری توہین کر رہے ہیں۔" سائرہ پیر پٹخ کر بولی۔

"میں ابھی آپ کو سمجھانے کی کوشش کروں گا! ذرا ریک سے پیالیاں نکال لیجئے۔"

"شکریہ! اور وہ اُدھر جو ڈبہ رکھا ہوا ہے اُس میں سینڈوچ ہوں گے۔ فی الحال اس سے زیادہ خاطر نہ کر سکوں گا۔"

سائرہ نے طوعاً و کرہاً وہ سب کچھ کیا اور کچھ دیر بعد پھر وہ سٹنگ روم میں آئے۔ حمید چائے کی ٹرے اٹھائے ہوئے تھا۔

"اب کیا چائے بھی میں ہی انڈیلوں۔" اُس نے کہا۔ اور سائرہ پیالیوں میں چائے انڈیلنے

"سینڈوچ لیجئے۔ مجھے شامی کبابوں کے سینڈوچ پسند ہیں۔"

وہ چپ چاپ چائے پیتی رہی۔ حمید کی باتوں سے موڈ خراب ہو گیا تھا اور اب وہ اس کے بارے میں بھی نہیں سوچ رہی تھی۔

"یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے محترمہ!" حمید کچھ دیر بعد بولا۔

"میں کہتی ہوں غلط ہے۔ آپ کو سن کر حیرت ہو گی کہ میں نے آج تک اُسے اپنی دیکھتے ہوئے نہیں پایا۔ نظر ملائے بغیر گفتگو کرتا ہے اور یہ گفتگو بھی صرف کام کے متعلق ہے۔"

"میں آپ کے بیان کی تردید نہیں کروں گا۔ لیکن انسانی ذہن کو سمجھنا بہت مشکل مجھے معلوم ہے کہ قلندر نے کبھی شادی نہیں کی۔ تجرد کی زندگی بسر کرنے والے یا ذمہ داریوں سے گھبراتے ہیں یا اپنے متعلق کسی وہم میں مبتلا ہوتے ہیں۔ یا پھر بالکل ہی مطلب یہ کہ ضروری نہیں کہ جنس مقابل سے ذہنی وابستی نہ رکھتے ہوں۔"

"مجھے اب جانا چاہئے۔"

"بالکل..... بالکل.....!" حمید سر ہلا کر بولا۔ "جہاں تک میری معلومات کا تعلق آپ سے پہلے اُس کی کبھی کوئی سیکریٹری نہیں تھی۔ کیا اس نے اس پوسٹ کے لئے اشتہار دیا تھا

"جی نہیں..... میری ایک سہیلی کے والد کے توسط سے مجھے یہ ملازمت ملی تھی انہوں نے کہا تھا کہ قلندر کو ایک سیکریٹری کی ضرورت ہے اور وہ صرف جھکی اور سنکی اوباش نہیں..... انہوں نے کہا تھا کہ وہ اُسے بچپن سے جانتے ہیں۔ طالب علمی کے زمانے میں بھی وہ بہت محتاط تھا اور دوسروں سے الگ تھلگ رہتا تھا۔ میری سہیلی کے والد عرصہ اُس کے کلاس فیلو رہے تھے۔"

"ملازمت سے پہلے آپ قلندر سے ملی تھیں۔"

"جی ہاں..... ایک تقریب کے سلسلے میں سہیلی کے گھر پر ملاقات ہوئی تھی۔ میں دونوں مختلف جگہوں پر ٹیوشن کرتی تھی۔ سہیلی کے والد نے میرا تعارف کراتے ہوئے سے کہا تھا کہ میں ٹیوشن کر کے ایک پورے خاندان کی کفالت کر رہی ہوں۔ غالباً اس کے

ہی قلندر نے ملازمت کی پیش کش کی ہو گی۔ میرے سامنے تو کسی قسم کا تذکرہ نہیں ہوا تھا۔"

"ہوں.....!" حمید اُس کی خالی پیالی دوسری بار لبریز کرتا ہوا بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ میرا خیال غلط ہو۔ آپ اس مسئلے پر زیادہ نہ سوچئے گا..... ہو سکتا ہے یہ اُسی کی حرکت ہو، جو آپ کا تعاقب کرتا رہا ہے۔"

"میں کہتی ہوں آخر آپ اتنے اطمینان سے بیٹھے چائے کیوں پی رہے ہیں۔ آس پاس کی عمارتوں کی تلاشی لیجئے نا۔"

"اول تو بغیر وارنٹ کے تلاشی لینا ناممکن ہے۔ دوم خنجر پھینکنے والے نے اپنے گلے میں خنجر تو لٹکا نہ رکھی ہو گی..... کیسے پکڑوں گا۔"

"پھر بھی آپ اتنے مطمئن ہیں۔ کم از کم خنجر ہی کو اٹھا کر دیکھا ہوتا۔"

"ضرور دیکھوں گا..... چلئے اپنی گاڑی میں آپ کو گھر چھوڑ آؤں؟"

"شکریہ..... اگر اب کی اُس نے بم پھینک دیا تو گیہوں کیساتھ گھن کی بھی شامت آئی۔"

"سوال یہ ہے کہ آخر کوئی اس فکر میں کیوں ہے کہ ہم دونوں یکجا نہ ہونے پائیں۔ آپکے تعاقب کی کہانی بھی اُسی دن سے شروع ہوئی ہے جب میں نے آپ سے پوچھ گچھ کی تھی۔"

"اسی الجھن نے میری راتوں کی نیند حرام کر رکھی ہے۔"

"خیر چلئے اٹھئے..... دیکھا جائے گا۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"خنجر پر کسی قسم کے نشانات نہیں ملے۔" کرنل فریدی نے کہا۔

"وہ تو سب ٹھیک ہے۔ لیکن میں کیا کروں؟" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"کیوں؟"

"ہر پندرہ بیس منٹ کے بعد قاسم کی بیوی کی کال آتی ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ بجھا ہوا سگار انگلیوں میں دبائے خلاء میں گھورے جا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ "قادر اور جواد نے اُس آدمی کا جو حلیہ بتایا ہے اُس میں اور سائرہ کا تعاقب کرنے والے کے حلئے میں گھنی ڈاڑھی مشترک ہے۔"

"لیکن اب شائد وہ ڈاڑھی صاف ہی کرا دے۔"

"اگر واقعی اُس کی ذاتی ڈاڑھی رہی ہو گی۔" فریدی مسکرایا۔

"میں نے جس آدمی کا تعاقب کیا تھا وہ میک اپ ہی میں معلوم ہوتا تھا۔"

"خیر چھوڑو..... غالباً اُس لانچ کا سراغ مل گیا ہے جس پر قاسم کو لے جایا گیا تھا۔ سراغ بھی محض اس بناء پر ملا ہے کہ اُس وقت قاسم کے جسم پر زنانہ بیدنگ سوٹ تھا۔"

"دعا دیجئے میری جینئس کو۔ میں نے ہی وہ سوٹ اُس سے خریدوایا تھا۔ سرخ رنگ کا سوٹ جس میں وہ سینکڑوں میل دور سے بالکل واضح نظر آتا تھا۔"

"خدا تم دونوں کے حال پر رحم کرے۔"

"تو پھر اُس لانچ کا کیا ہوا۔"

"سراغ مل گیا ہے..... اور ہم وہیں چل رہے ہیں۔"

"کہاں.....؟"

"سونار سے چالیس میل دور ایک جزیرے میں۔"

"سونار کے آگے تو بڑی طوفانی لہروں کا سامنا ہوتا ہے..... لانچ کیسے جا سکی ہو گی۔"

"سونار سے کچھ دور اُسے لانچ پر لے جایا گیا تھا پھر اُسے ایک اسٹیمر پر پہنچا دیا گیا تھا۔ دراصل اُس اسٹیمر کے کپتان ہی سے یہ ساری اطلاعات ملی ہیں۔ اسٹیمر ساتویں جزیرے[1] کی طرف جا رہا تھا راہ میں اُسے اشارہ دے کر روکا گیا۔ کپتان سے کہا گیا کہ لانچ میں مرگی کا ایک مریض غشی کی حالت میں پڑا ہوا ہے جسے ساتویں جزیرے پہنچانا ہے..... لانچ طوفانی لہروں کا مقابلہ نہ کر سکے گی۔ اسٹیمر سے رسیاں لٹکائی گئی تھیں اور بیہوش آدمی کا اسٹریچر رسیوں سے باندھ دیا گیا تھا۔ اس طرح وہ اسٹیمر پر پہنچا تھا۔ تین آدمی اُس کے ساتھ تھے۔ لیکن ان میں کوئی اُس حلئے کا نہیں تھا جس کا تذکرہ جواد اور قادر کر چکے ہیں۔"

---

[1] سونار کے آس پاس متعدد جزیرے ہیں۔ بعض کے باقاعدہ نام ہیں اور بعض کے صرف نمبر۔

"تو پھر ہم کس سے ملیں گے۔"

"اسٹیمر کے کپتان سے..... اسٹیمر اس وقت ساتویں جزیرے ہی میں لنگر انداز ہے۔ اُسے آگے بڑھ جانا چاہئے تھا لیکن اس کے انجن میں کوئی خرابی واقع ہو گئی ہے۔"

دونوں کچھ دیر بعد ایگل بیچ پہنچے۔ لیکن جب فریدی اپنی لانچ میں بیٹھنے لگا تو حمید بوکھلا کر بولا۔ "کیا مطلب..... کیا اسی پر۔"

"ہاں.....!"

"میرے بس سے باہر ہے۔"

"کیوں؟"

"اگر یہ کسی وہیل مچھلی کے پیٹ میں پہنچ گئی تو۔"

"بکو مت..... ادھر وہیل نہیں پائی جاتی۔"

"آپ تنہا خودکشی کر سکتے ہیں..... مجھے مرنا ہو گا تو کافی ہاؤز کیا بُرا ہے۔"

"چلو.....!" فریدی نے گردن پکڑ کر اُسے لانچ میں بٹھا دیا۔

"کمال کرتے ہیں آپ بھی۔" وہ غصیلے انداز میں مچلا۔ لیکن لانچ اپنے پیچھے پھواریں اڑاتی ہوئی آگے بڑھ چکی تھی۔ فریدی نے ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھال رکھا تھا اور دوسرے کی گرفت میں اب بھی حمید کی گردن تھی۔

"ارے ہم غرق ہو جائیں گے.....!" حمید حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

"سونار تک تو سمندر پرسکون ہے..... مرے کیوں جا رہے ہو۔"

"اور اس بارہ میل کی زندگی پر مجھے آپ کا ممنون احسان ہونا چاہئے۔" وہ زہریلے لہجے میں بولا۔

"آج تمہیں بتاؤں گا کہ ایڈونچر کس چڑیا کا نام ہے..... زنانہ لباس پہن کر نہانا اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا بھی ایڈونچر ہی ہے، لیکن اُس سے صرف ہیجڑے ہی محفوظ ہو سکتے ہیں۔"

"میں تو ہرگز نہیں جاؤں گا..... سونار سے آگے ہرگز نہیں بڑھوں گا.....!"

"سونار میں رکتا کون ہے..... چکر کاٹ کر آگے نکل جائیں گے۔"

"میرے خدا..... ایک ہی لہر ہمیں ہماری جگہوں سے اکھاڑ دے گی۔"

"اگر ہم تک پہنچ سکی تو۔"

"کیوں.....؟"

"تم اُس لانچ سے پوری طرح واقف نہیں ہو۔ عام لانچوں سے تین گنی قیمت پر خریدی گئی ہے۔ اس میں سیفٹی کور اور آکسیجن ایکوپمنٹ بھی موجود ہے۔ سیفٹی کور کے اندر سانس لینے میں کوئی دشواری محسوس نہیں کرو گے۔ گیس ماسک موجود ہیں جن سے ہیڈ فون اور مائیک بھی اٹیچ ہیں۔ ہم بخوبی گفتگو کر سکیں گے۔"

"اور.....!" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "عشق کرنے کی صلاحیت بھی باقی رہے گی ایسے میں۔ سامنے کچھ نہیں نظر آئے گا کیونکہ محبت اندھی ہوتی ہے۔ میں کہتا ہوں سونار میں ضرور اُتریں گے..... تمباکو ختم ہو گیا ہے۔ نیا ٹن خریدوں گا۔"

پھر سونار میں ٹھہر کر انہوں نے تمباکو کے علاوہ کھانے پینے کی چیزیں بھی خریدیں تھیں اور سفر دوبارہ شروع ہو گیا تھا۔

اس بار فریدی نے کسی میکنزم کو حرکت دی تھی اور ٹرانسپیرنٹ پلاسٹک کا سیفٹی کور لانچ کے کھلے حصوں پر اس طرح محیط ہو گیا تھا کہ پانی کا ایک قطرہ بھی اندر نہ آسکتا۔

"اب گیس ماسک پہن لو.....!" اُس نے حمید سے کہا۔

"پہنوں گا نہیں تو کیا اس نامعقول لانچ کو اپنا مقبرہ بناؤں گا۔"

گیس ماسک پہن لئے گئے۔ حمید ہیڈ فون کے ذریعے نہ صرف فریدی کی آواز سن سکتا تھا بلکہ اپنی آواز بھی اُس تک بہ آسانی پہنچا سکتا تھا۔

ابھی وہ زیادہ پر ہیجان لہروں کے خطے میں نہیں داخل ہوئے تھے۔ لیکن حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی لانچ کو اٹھا اٹھا کر پٹخ رہا تھا۔

پھر یک بیک چاروں طرف دھند سی چھا گئی سامنے کچھ بھی نہیں دکھائی دے رہا تھا۔

"اوہ.....!" اُس نے فریدی کی آواز سنی۔ "تم نے سیفٹی بیلٹ نہیں کسی، جلدی کرو، ورنہ چاروں طرف لڑھکتے پھرو گے۔"

حمید نے خود کو جلدی جلدی سیٹ سے جکڑ لیا۔

"ب..... باپ رے۔" وہ حلق پھاڑ کر چیخا۔ "لعنت ہے ایسے ایڈونچر پر..... اگر یہ کم بخت الٹی گئی تو۔"

"پھر فوراً ہی سیدھی ہو جائے گی..... نیو یگیشن کی سائنس بہت ترقی کر چکی ہے۔"

"اب اسی وقت سائنس پر بھی بور کیجئے گا۔"

"عشق کرنے کی صلاحیت باقی ہے یا فنا ہو گئی۔"

"ارے یہ آگے بھی بڑھ رہی ہے یا تھان ہی پر اچھل کود رہی ہے۔"

"فکر مت کرو۔"

"کیسے فکر نہ کروں..... کچھ دکھائی تو دیتا ہی نہیں..... ساتویں جزیرے تک کیسے پہنچیں گے۔"

"کمپاس کی رہنمائی میں..... اب تم آنکھیں بند کر کے اونگھنا شروع کر دو۔"

"مم..... مم..... متلی ہو رہی ہے۔"

"فکر نہ کرو..... تے نہیں ہو گی۔" سونار میں تمہیں سیون اپ کے ساتھ ایک معقول ڈوز دے چکا ہوں۔

"ارے..... مم..... مراغ..... آغ..... اُوق.....!"

"اوبکائیاں تو بہر حال آئیں گی۔"

"ارے..... معدہ کبھی نیچے جاتا ہے..... اور کبھی اوپر..... پروغ..... غوق.....!"

جواب میں اُس نے فریدی کا قہقہہ سنا۔

وہ لڑکی

پھر حمید کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں، آنکھیں کھولنے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ سر شدت

سے چکرا رہا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کچھ غیر مرئی ہاتھ اُسے خلاء میں اچھال رہے ہوں لیکن زمین پر گرنے سے پہلے کوئی اُسے سنبھال کر پھر اچھال دیتا ہو۔

آہستہ آہستہ یہ احساس بھی فنا ہوتا گیا۔

پھر پتہ نہیں کتنا عرصہ گذر جانے کے بعد اُس نے کسی کے ہاتھ اپنے گالوں پر محسوس کئے تھے اور آنکھیں کھول دی تھیں۔ فریدی اُس پر جھکا ہوا تھا۔

گیس ماسک بھی شائد اُسی نے اتارا تھا۔ حمید نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔

"تھوڑی دیر میں ٹھیک ہو جاؤ گے۔" اُس نے فریدی کی آواز سنی۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ اپنی اُس کمزوری پر اُسے غصہ آنے لگا تھا۔

کچھ دیر بعد حالت سنبھلی تھی اور اُس نے محسوس کیا تھا کہ وہ اب بھی لانچ کی سیٹ سے جکڑا ہوا تھا۔ اُس نے سیفٹی بیلٹ کے تسموں سے چھٹکارا حاصل کیا۔

لانچ ساتویں جزیرے کے پرسکون ساحل پر ٹھہری ہوئی تھی۔ لیکن حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ بڑی سبک روی سے کسی سمت تیرتی چلی جا رہی ہو۔

"گرم کافی کا ایک کپ طبیعت بحال کر دے گا۔" فریدی اُس کا شانہ تھپتھپا کر بولا۔

"ارے بھئی ذرا مسکراؤ تو..... کمال ہے؟"

"ابھی مسکراتا ہوں..... ٹھہر جایئے۔" حمید نے اس طرح کہا جیسے لٹھ مار دینے کی دھمکی دی ہو۔

"سفر کیسا رہا۔" فریدی کے ہونٹوں پر بڑی جاندار مسکراہٹ تھی۔

"بہت عمدہ۔ اس کے بعد شائد سفر آخرت کی بھی ہمت نہ پڑے۔"

"بہت اچھے..... بہر حال ذہن جاگ ہی رہا ہے..... یہی بہت ہے فرزند۔"

"آپ کی بھی بیٹری کبھی اگزہاسٹ ہو گی یا نہیں۔" حمید جل کر بولا۔

"قوت ارادی کا ڈائنامو اُسے کبھی اگزہاسٹ نہیں ہونے دیتا۔"

"کیا وہ گرم کافی کا کپ آسمان سے اُترے گا۔"

"کیتلی..... ہیٹر پر رکھی ہوئی ہے..... بس ذرا سی دیر۔" فریدی نے کہا اور ہیٹر کی طرف متوجہ ہو گیا۔

کافی پینے کے بعد سچ مچ اُسے ایسا ہی محسوس ہوا تھا جیسی جنم جنم کی تھکن گرم پانی کے غسل سے اُتر گئی ہو۔

اس کے بعد پائپ کے ہلکے ہلکے کش تو جنت ہی کی طرف لئے جا رہے تھے۔ فریدی نے اُس سے کہا۔ "اگر چاہو تو آرام کر سکتے ہو..... میں جا رہا ہوں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ ظاہر تھا کہ وہ اُسی اسٹیمر کے کپتان سے ملنے جا رہا ہو گا۔ اُس نے سوچا جب یہ حضرت اتنے مہربان نظر آ رہے ہیں تو پھر آرام ہی کیوں نہ کیا جائے۔

وہ چلا گیا اور حمید سوچتا رہا کہ آخر لائے ہی کیوں تھے جب اُس کا کوئی مصرف نہیں تھا..... سیٹ کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر اُس نے آنکھیں بند کر لیں..... دن ڈھل رہا تھا..... کچھ دیر بعد اُس نے پھر کیتلی ہیٹر پر رکھ دی۔ اُس لانچ کی خصوصیات سے وہ ابھی تک ناواقف ہی رہا تھا۔ حالانکہ کئی بار خود بھی اُسے اسٹیئر کر چکا تھا۔ ایگل بیچ سے سونار تک اسی پر جاتا تھا۔

کیتلی میں پانی ابلنے لگا تھا۔ اُس نے پیالی میں کافی ڈالی اور پانی انڈیلنے لگا۔ ٹھیک اسی وقت کئی افراد کی آہٹ محسوس ہوئی اور لانچ ہلنے لگی۔ چند سریلے قہقہے گونجے۔ اُس نے مڑ کر دیکھا تین یورپین عورتیں لانچ کی پچھلی نشست پر بیٹھ رہی تھیں۔ حمید انہیں استفہامیہ نظر سے دیکھتا رہا۔ ان میں سے دو تیس کے لگ بھگ رہی ہوں گی اور تیسری نہ صرف نوجوان بلکہ خاصی دلکش بھی تھی۔

"سفنھ آئی لینڈ لے چلو۔" اُن میں سے ایک نے کہا۔

"سیونتھ ہیون بھی لے چل سکتا ہوں..... لیکن فی الحال موڈ میں نہیں ہوں۔" وہ ہنس پڑیں جن میں وہ لڑکی بھی شامل تھی لیکن تیسری کو کسی قدر طیش آگیا اور کھرکھراتی ہوئی آواز میں بولی۔ "دماغ تو نہیں چل گیا۔ میں تمہارا لائسنس ضبط کرا دوں گی۔"

"لائسنس تو ویسے ہی ضبط ہو جائے گا کیونکہ تم تین ہو..... اور یہاں کوئی دوسرا نہیں ہے۔"

اب وہ دونوں بھی سنجیدہ ہو گئیں۔ لڑکی چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ "یہ پرائیویٹ معلوم ہوتی ہے۔"

"پرائیویٹ ہے.....؟" عنصلی عورت نے آنکھیں نکال کر حمید سے پوچھا۔

"پرائیویٹ اینڈ کونفیڈنشل.....!"

"سوری.....!" وہ لانچ سے اترنے کے لئے دوسری طرف مڑتی ہوئی بولی۔

"کافی تو پیتی جاؤ..... یہ ابو بن ادھم کا خیمہ ہے۔"

وہ جھلا کر پلٹ پڑی۔ تینوں نے ایک دوسری کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرائیں آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ اشارے ہوئے اور پھر وہ دھرنا دے کر بیٹھ گئیں۔ حمید نے دو پیالیاں نکالیں۔ اُن کے لئے بھی کافی بنائی اور سونار سے خریدے ہوئے لنچ بکسوں میں سے ایک اُن کی طرف بڑھادیا۔ لڑکی کانپتی ہوئی سی آواز میں ہنس رہی تھی۔

"ہمیں افسوس ہے کہ ہم تمہیں پیشہ ور ملاح سمجھے تھے۔" ایک عورت بولی۔

"میں تو لارڈ لن تھ گو کا بھتیجا ہوں۔" حمید نے اکڑ کر کہا۔

صرف لڑکی ہنس پڑی۔ وہ دونوں ایسی سنجیدگی سے حمید کو دیکھے جارہی تھیں جیسے سمجھنے کی کوشش کررہی ہوں کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے۔

کچھ دیر بعد اُن میں سے ایک بولی۔ "ہمیں ففتھ آئی لینڈ جانا ہے..... اور پھر رات سے پہلے واپس بھی آجانا ہے..... کوئی لانچ نہیں مل رہی ہے۔"

"میں نہیں جانتا کہ ففتھ آئی لینڈ کہاں ہے..... ورنہ پہنچادیتا اور واپس بھی لاتا۔"

"ہم تمہیں راستہ بتا سکیں گے۔" لڑکی بولی۔

دفعتاً حمید کو اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ خواہ مخواہ دعوت دے بیٹھا ہے۔ اب اگر جانا پڑا تو فادر ہارڈ اسٹون واپسی پر لانچ کی گمشدگی کو نہ جانے کس نقطہ نظر سے دیکھیں اور بسر کر گذریں۔

اُس نے گردن بچانے کے لئے ایندھن کی کمی کا بہانہ تراشا لیکن وہ شائد سمجھ چکی تھیں کہ حمید ان اطراف کے لئے اجنبی ہے اس لئے ایک پوچھ بیٹھی۔ "انداز کتنا ایندھن ہوگا۔"

"بمشکل بیس بائیس میل نکل سکیں گے..... میرا ساتھی ایندھن کے لئے گیا ہے۔"

"ارے تو کام چل جائے گا۔ پانچ میل آنا اور پانچ میل جانا..... وہ رہا سامنے..... شائد تم پہلی ہی بار ادھر آئے ہو..... کہاں سے آئے ہو۔"

حمید ٹھنڈی سانس لے کر مردہ سی آواز میں بولا۔ "اب تو شکار پور ہی سے آیا ہوں۔"

"کیوں؟ پہنچادو گے؟" اس بار لڑکی نے پر اشتیاق اور لگاوٹ بھرے لہجے میں پوچھا۔

"آؤ.....!" حمید اپنے قریب کی سیٹ پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "راستہ بتاؤ۔"

لڑکی اُس کے پاس آگئی اور اُس نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ انجن اسٹارٹ ہوا اور لانچ حرکت میں آگئی۔

لڑکی نے ہاتھ اٹھا کر مشرق کی طرف اشارہ کیا۔ وہ دونوں عورتیں آپس میں گفتگو کرتی رہیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ لڑکی کے وجود ہی سے بے خبر ہوں۔ لڑکی حمید سے گفتگو کرتی رہی۔

"سچ مچ تم بہت اچھے آدمی ہو۔" وہ اپنی کانپتی ہوئی سی مترنم آواز میں کہہ رہی تھی۔ "اسپورٹسمین معلوم ہوتے ہو۔ مجھے ایسے آدمی پسند ہیں۔ پاپا کہتے ہیں وہی آدمی خوش رہ سکتا ہے جسے انجام کی پرواہ نہ ہو۔ مثال کے طور پر میں تمہیں جہنم میں بھی پہنچا سکتی ہوں کیونکہ تم ففتھ آئی لینڈ کے محل وقوع سے ناواقف ہو۔ سچ بتاؤ تم کہاں سے آئے ہو۔"

"میں مریخ سے آیا ہوں اور یہ کشتی اڑ بھی سکتی ہے۔"

"کچھ دن ٹھہرو گے یہاں؟..... کوئی پرواہ نہیں اگر اپنے بارے میں کچھ بتانا نہیں چاہتے۔"

"بتاؤں بھی تو تم یقین نہیں کرو گی..... اس لئے کیا فائدہ۔"

لانچ سمندر کا سینہ چیرتی آگے بڑھتی رہی۔

کچھ دیر بعد حمید نے سوچا کہ فریدی چڑی اڈھیڑ دے گا..... سورج غروب ہونے والا تھا۔ اگر دن رہے واپسی نہ ہوئی تو ممکن ہے کہ غرق ہی ہونا پڑے کشتی رانی کا کوئی خاص تجربہ نہیں رکھتا تھا۔

پورے دو گھنٹے ہو چکے تھے انتظار کرتے ہوئے..... وہ ففتھ آئی لینڈ کے ساحل پر اُسے چھوڑ گئی تھیں۔ لڑکی نے مخصوص رسیلے لہجے میں کہا تھا کہ وہ بہت جلد واپس آجائیں گی۔

چاروں طرف سمندر پھیلا ہوا تھا اور حمید کے فرشتوں کو بھی سیونتھ آئی لینڈ کی سمت یاد نہیں رہی تھی۔ وہ تو لڑکی کی رسیلی آواز کے زیر و بم میں کھویا رہا تھا اور یہ چیز بھی ذہن پر تھی کہ وہ واپس بھی آئیں گی لہٰذا کیا فکر ہے۔

اور اب اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے..... وہ یوریشین سورنیاں یقیناً چرکہ دے گئی تھیں۔ اگر وہ واپسی کی بھی بات نہ کرتیں تو وہ ہرگز تیار نہ ہوتا۔

• فادر ہارڈ اسٹون کھال کھینچ لے گا۔ پھر اُس نے سوچا کیوں نہ کوئی ایسا آدمی تلاش کیا جائے جو معقول معاوضے پر اُس کے ساتھ جانے پر رضامند ہو جائے۔

وہ لانچ سے اُتر آیا۔ ساحل پر بہتیرے لوگ چل رہے تھے۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ماہی گیری کی ایک کشتی جال پھیلا رہی تھی..... اُس نے سوچا اسی کشتی کا کوئی آدمی تیار ہو جائے کیا کہنا..... اندھیرے میں بھی سیونتھ آئی لینڈ تک رہنمائی کر سکے گا۔

وہ کشتی کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ دفعتاً وہی یوریشین لڑکی تنہا دکھائی دی جو اُس کے قریب بیٹھ کر رہنمائی کرتی رہی تھی۔ اُس نے شانے سے ایک چرمی تھیلا لٹکا رکھا تھا اور تیزی سے اُسی طرف آرہی تھی۔

حمید رک گیا۔

وہ قریب آکر ہانپتی ہوئی بولی۔ "مجھے افسوس ہے تمہیں انتظار کرنا پڑا چلو۔"

اُس نے بے تکلفی سے حمید کا ہاتھ پکڑ لیا تھا اور لانچ کی طرف کھینچ رہی تھی۔

وہ لانچ میں آبیٹھے۔ لڑکی بولی۔ "سورج غروب ہونے والا ہے..... جلدی سے نکل چلو، ورنہ اندھیرے میں اندازہ کرنا دشوار ہوگا کہ کس طرف لینڈ کرنا ہے۔"

"وہ دونوں کہاں رہ گئیں۔" حمید نے پوچھا۔

"انہوں نے تمہیں بیوقوف بنایا تھا۔ اگر واپسی کے متعلق بھی نہ کہتیں تو تم ہرگز نہ آتے..... مجھے بھی واپس نہیں آنا تھا لیکن میں نے سوچا کہ یہ ایک گھٹیا حرکت ہوگی، کیوں ہے نا؟"

"بالکل..... اب مجھے کہنا چاہئے کہ تم بہت اچھی لڑکی ہو..... حقیقت یہ ہے کہ میں نے سفر کی سمت پر دھیان نہیں دیا تھا اور اب سوچ رہا تھا کہ کدھر جاؤں..... میرا ساتھی جانے کیا سوچ رہا ہوگا، ان اطراف میں ہم پردیسی ہیں..... ہو سکتا ہے اُس نے لانچ کی گمشدگی

کی رپورٹ درج کرادی ہو۔"

"میں بے حد شرمندہ ہوں۔"

"تو تمہارا ارادہ بھی واپسی کا نہیں تھا۔"

"قطعی نہیں..... لیکن اب واپسی کیونکر ہوگی۔"

"کل دیکھا جائے گا۔"

"یہیں فقط آئی لینڈ میں رہتی ہو۔"

"ہاں..... لیکن سیونتھ آئی لینڈ میں بھی شب باشی ہو سکے گی۔ میرے پاپا وہاں سی سائیڈ ہیون میں مقیم ہیں۔ شائد تم نے ڈاکٹر شاپور ماہر نفسیات کا نام سنا ہو۔ وہ یہیں کے باشندے ہیں۔ میری ماں اسپینی تھی۔"

"آہ..... اسی لئے تو تمہاری آنکھیں دیکھ کر مجھے غرناطہ کی شامیں یاد آئی تھیں۔ الحمراء کے دریچے یاد آئے تھے جن پر شفق کی چھوٹ پڑتی ہے اور شام کے دھندلکے جنہیں چومتے ہوئے خنک راتوں میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔"

"پھپاس پر نظر رکھو پیارے شاعر..... ورنہ کہیں اور جا نکلیں گے۔" وہ ہنس پڑی۔

"اب میں تمہاری کھڑکی کے نیچے اسٹار لائٹ سیرے نیڈ گایا کروں گا..... فی الحال گیٹار مرمت کے لئے گیا ہوا ہے۔"

"سچ بتاؤ تم کون ہو..... بہت دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہو۔ تم نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا۔"

"اور غالباً تم اپنا پتہ بتا چکی ہو۔"

"میرے کئی نام ہیں.....!" وہ ہنس پڑی۔ "ثریا تابندہ اختر کہتے ہیں ممی دیرا شاپور کہا کرتی تھیں۔ بڑی اچھی تھیں۔ میں بالکل چھوٹی سی تھی جب ان کا انتقال ہوا..... انہیں چمبیلی کے پھول پسند تھے۔ ہمارے پائیں باغ میں چاروں طرف چمبیلی کی بیلیں بکھری رہتی تھیں۔ میں جب بھی اُن کا چہرہ یاد کرنے کی کوشش کرتی ہوں تو چمبیلی کے پھولوں کا بڑا سا گچھا ذہن میں لہرا کر رہ جاتا ہے۔ اُن کے خدوخال نہیں یاد آتے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ یہ غمناک تذکرہ نکل آیا۔" حمید نے مغموم لہجے میں کہا۔

"نہیں..... غمناک نہیں۔ اُن کے متعلق سوچ کر عجیب سی لذت محسوس ہوتی ہے..... کتنا جوان اور حسین چہرہ تھا۔ اب ہوتیں تو بوڑھی ہو چکی ہوتیں۔ مجھے بڑھاپے سے خوف آتا ہے اور اپنے بڑھاپے کے تصور ہی سے نفرت محسوس ہوتی ہے..... اچھا ہوا جو جوانی ہی میں مر گئیں۔"

"اچھی بات ہے..... میں سیونتھ آئی لینڈ پہنچ کر تمہیں مار ڈالوں گا۔"

وہ ہنس پڑی۔

"اب تم مجھے اپنے متعلق بتاؤ....." اُس نے کہا۔

"ایک آوارہ آدمی ہوں۔ آج یہاں کل وہاں..... دیس دیس کے گیت اکٹھا کرتا ہوں۔"

"تو..... تم بھی میرے پاپا ہی کی طرح خبطی ہو۔"

"کیوں..... وہ کیا کرتے ہیں۔"

"بس ماہر نفسیات ہیں۔ نفسیات میں آکسفورڈ سے ڈاکٹریٹ لی تھی۔ سچ کہتی ہوں اگر ہمارے پاس ماہی گیری کی ایک کشتی نہ ہوتی تو ہم بھوکوں مر جاتے۔ آج کل البتہ انہیں ایک دلچسپ کیس مل گیا ہے۔ معاوضہ بھی معقول مل رہا ہے۔ پانچ سو روپے یومیہ مگر بڑے پُراسرار لوگ ہیں۔"

"پُراسرار کیوں۔"

"ایسٹ افریقہ کے کوئی تاجر ہیں۔ اُن کا لڑکا اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔ افریقہ کا نام ہی پُراسرار ہے۔ افریقہ کے نام پر میں ہمیشہ عجیب سے خوابوں میں کھو جاتی ہوں..... پاپا کہہ رہے تھے کہ وہ لڑکا اپنے باپ کی دوسری شادی کی بناء پر یادداشت کھو بیٹھا ہے..... باپ کی بیوی کو اُن کی بیٹی کہتا ہے..... اپنا نام کچھ اور بتاتا ہے۔ پاپا کہتے ہیں کہ ایسا دیو صفت آدمی میں نے آج تک نہیں دیکھا..... پورے پورے بکرے تنہا کھا جاتا ہے..... زیادہ طویل القامت آدمی اتنے موٹے نہیں ہوتے جتنا موٹا وہ ہے۔"

حمید کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑ گئی۔ دل کی دھڑکن بھی کسی حد تک بڑھ گئی تھی۔

"اس کی پچھلی ہسٹری معلوم کر کے اُس کی مناسبت سے یادداشت واپس لانے کی تدبیریں کرتے ہیں۔ ایک ہفتے سے سیونتھ آئی لینڈ ہی میں مقیم ہیں۔"

"انہیں لوگوں کے ساتھ۔"

"نہیں انہوں نے سی سائیڈ ہیون میں ایک کمرہ لے رکھا ہے۔ وہیں سے روزانہ اُس تاجر کی گاڑی انہیں اُس کے گھر لے جاتی ہے۔"

"بڑا دلچسپ کیس ہے.....!" حمید نے کہا۔ "تمہارے پاپا اور کیا بتاتے ہیں۔"

"وہ کبھی کچھ نہیں بتاتے بس رواروی میں اس کا تذکرہ کر دیا تھا۔ اب پوچھتی بھی ہوں تو ہوں ہاں کر کے ٹال دیتے ہیں۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ قادر اور جواد نے بھی تو یہی بتایا تھا کہ وہ ایک ایسے آدمی کی نگرانی پر مامور کئے گئے تھے جو اپنی یادداشت کھو بیٹھا تھا۔ تو اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ یہ بھی محض اتفاق تھا کہ یہ لڑکی اس طرح ہاتھ لگ گئی لیکن کہیں یہ بھی کسی قسم کا جال ہی نہ ہو۔ لڑکی اُس کی شخصیت سے واقف ہو اور اُسے بھی کسی الجھاوے میں ڈالنا چاہتی ہو۔

شامت

شام کے ساڑھے چھ بجے تھے۔ فریدی تھک ہار کر جزیرے کے پولیس اسٹیشن میں آ بیٹھا تھا۔ حمید کی افتادِ طبع سے بخوبی واقف تھا اس لئے پریشانی تھی۔ سوچ رہا تھا کہ کہیں اپنی ناک اونچی رکھنے کے لئے تنہا واپس نہ چلا گیا ہو..... اپنے دفتر میں بھی فون کیا تھا اور بحری پولیس کو بھی اطلاع دے دی تھی۔ کمانڈر نے ٹرانسمیٹر پر مطمئن رہنے کو کہا تھا۔ اُس نے بتایا تھا کہ ایک بڑی کشتی لانچ کی تلاش میں روانہ ہو چکی ہے۔

اس سے قبل وہ اُس اسٹیمر کے کپتان سے ملا تھا کافی دیر تک سوالات کی پوچھاڑ کرتا رہا تھا۔ لیکن وہ اس سے زیادہ نہ بتا سکا کہ بیہوش آدمی کو اُس کے ساتھی اُتار لے گئے تھے۔ ساحل کے کچھ مزدوروں نے بھی انہیں دیکھا تھا۔ لیکن وہ بھی نہ بتا سکے کہ وہ اُسے کہاں لے گئے تھے۔

بہرحال قاسم اسی جزیرے میں لایا گیا تھا۔

لیکن اب قاسم اُس کے ذہن سے نکل چکا تھا اس کی جگہ حمید کے متعلق تشویش جھنجھلاہٹ نے لے لی تھی۔

ٹھیک پونے سات بجے اسٹیشن انچارج نے اطلاع دی کہ لانچ ساحل پر موجود ڈیوٹی کانسٹیبلوں نے اُس پر قبضہ کیا ہے۔ پائلٹ کے ساتھ ایک یورپین لڑکی بھی ہے۔ اپنا نام بتانے سے انکار کر رہا ہے۔ اُس نے لڑکی کو بھی کچھ بتانے سے روک دیا ہے۔

فریدی خاموشی سے اٹھا اور ریڈیو کار میں بیٹھ کر ساحل تک آیا۔

حمید لڑکی سمیت لانچ ہی میں ملا۔ چار ڈیوٹی کانسٹیبل بھی موجود تھے۔ فریدی نے باہر جانے کو کہا۔

"تم نے دیکھا.....!" حمید نے ویرا سے کہا۔ "میں نہ کہتا تھا کہ میرے ساتھی رپورٹ درج کرادی ہوگی۔ اب تم سی سائیڈ جاؤ..... صبح ملاقات ہوگی۔"

لڑکی نے فریدی کے سنجیدہ چہرے پر نظر ڈالی، جو حمید کو گھورے جا رہا تھا اور چپ چاپ لانچ سے اُتر گئی۔

"بڑی نیک بچی ہے۔" حمید نے کہا اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

"کہاں گئے تھے۔" فریدی نے اُس کے چہرے سے نظر ہٹائے بغیر سرد لہجے میں پوچھا۔

"غفتھ آئی لینڈ.....!"

"کیوں.....؟"

"یہی لڑکی لے گئی تھی۔ اس کے ساتھ دو عورتیں بھی تھیں جو وہیں رہ گئیں۔"

"میں تھپڑ مار دوں گا..... سنجیدگی اختیار کرو۔"

"زیادہ دور نہ گئی ہوگی۔ خود پوچھ لیجئے..... ویسے شائد مجھے قاسم کا سراغ مل ہے..... کسی بھی کیس کی تفتیش کے سلسلے میں ہمیشہ پہلے کوئی خوبصورت لڑکی تلاش کرنا فیصدی سود مند ثابت ہوتا ہے۔"

"ہاں تھی تو خوبصورت.....!" فریدی کا موڈ یکلخت بدل گیا۔

"تھی نا.....!" حمید چہک کر بولا۔

فریدی نے اثبات میں سر ہلایا لیکن نظر بدستور حمید کے چہرے پر جمی رہی۔

"سی سائیڈ ہیون میں مقیم ہے۔"

"چلو ہم بھی وہیں چلیں۔" فریدی نے کسی قدر جوش کا مظاہرہ کیا۔

"الو بنا رہے ہیں مجھے۔"

"اس قابل بھی نہیں سمجھتا۔" فریدی نے کسی قدر جوش کا مظاہرہ کیا۔

حمید پائپ سلگانے لگا۔

فریدی نے سخت لہجے میں پوچھا۔ "تم نے اُسے اپنے متعلق کیا بتایا ہے۔"

حمید نے پوری کہانی دہرائی اور فخریہ انداز میں اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"میرا خیال ہے جواد نے بھی یادداشت ہی کھو بیٹھنے کے متعلق کچھ کہا تھا۔"

"جی ہاں..... کیوں نہ ہم اُس ڈاکٹر سے ملیں۔"

"جلد بازی نہیں..... ہو سکتا ہے کھیل بگڑ جائے۔ پھر یہ ضروری نہیں کہ وہ قاسم ہی ہو۔ لڑکی کے بیان کے مطابق وہ اپنا نام کچھ اور بتاتا ہے..... یعنی وہ نہیں جس نام سے وہ لوگ اُسے پکارتے ہیں۔ کیا اُس نے بتایا تھا کہ وہ اپنا نام کیا بتاتا ہے۔"

"نہیں..... اُسے نام یاد نہیں آیا تھا۔"

"خیر..... تم پھر کچھ دیر آرام کرو..... میں ابھی آیا۔"

"کہاں چلے؟"

فریدی مزید کچھ کہے بغیر لانچ سے اُتر گیا۔ حمید نے دوسرا بلب بھی روشن کر دیا اور ہیٹر پر کافی کے لئے پانی رکھنے لگا۔

وہ سوچ رہا تھا دیکھئے رات کہاں گذرتی ہے۔ دفعتاً باہر سے ایسی آوازیں آئیں جیسے کوئی لانچ میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا ہو۔

"کون ہے؟" حمید نے گونجیلی آواز میں پوچھا۔

"تم زندہ ہو بیوقوف شاعر.....!" مترنم سی آواز آئی جو ویرا ہی کی ہو سکتی تھی اور پھر دوسرے ہی لمحے میں وہ سامنے بھی آ گئی۔

"تم..... تم واپس کیوں آ گئیں.....!" حمید نے پوچھا۔

"گئی کب تھی..... اُدھر مچھیروں کی کشتی کے پیچھے چھپ گئی تھی۔"

"کیوں.....؟"

"دیکھنا چاہتی تھی کہ اب کیا ہوتا ہے۔ تمہارا ساتھی بڑے غصے میں تھا۔ خطرناک معلوم ہوتا ہے..... اُس کی آنکھوں سے ڈر لگا تھا مجھے۔"

"ہو سکتا ہے..... وہ جلد ہی واپس آجائے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"تم جاؤ..... ورنہ تمہارے پاپا.....!"

"اونہہ.....!" وہ جلدی سے بولی۔ "انہیں کیا پتہ کہ میں واپس آگئی ہوں کیا تم رات کو یہیں لانچ ہی میں قیام کرو گے؟"

"خدا جانے..... میرا ساتھی مجھ سے زیادہ کریک واقع ہوا ہے لیکن اُسے تم سے دلچسپی نہیں۔"

"ارے تو کیا میں.....!" وہ جھنجھلا کر بولی، مزید کچھ کہتے کہتے رک گئی پھر تھوڑی بعد آنکھیں نکال کر ناخوشگوار لہجے میں بولی۔ "تم خود کو کیا سمجھتے ہو۔"

"ایک بیوقوف شاعر..... جو ایکسپورٹ امپورٹ کا بزنس کرنے کی بجائے ایسی چیز کی تلاش میں رہتا ہے جن سے اُس کا پیٹ نہیں بھر سکتا۔"

"نہیں..... تم شائد سمجھتے ہو کہ میں کوئی فلرٹ ہوں.....!"

"ارے بابا مجھے کچھ سمجھنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ تم جاؤ یہاں سے۔ تم لوگوں بدولت یونہی کافی پریشان ہو چکا ہوں۔ میرا ساتھی آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ اب پولیس وا اُس سے اپنی محنت کا معاوضہ وصول کر لیں گے۔"

"اوہ.....!" وہ یک بیک نرم پڑ گئی۔ "مجھے بے حد افسوس ہے۔ وہ دونوں تو چین بیٹھی ہوں گی لیکن مجھے کیسی شرمندگی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اُس نے بھی اپنے چہرے پر زبردستی جھلاہٹ کے آثار پیدا کر تھے۔ ویرا اُسے خاموشی سے دیکھتی رہی۔

حمید نے کافی بنانے کے لئے پیالیاں نکالیں لیکن اپنے مصنوعی تنفر آمیز روی کوئی تبدیلی نہ ہونے دی۔

"نہیں میں کافی نہیں پیوں گی۔" ویرا نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"یہ غلط فہمی کیونکر ہوئی کہ دوسری پیالی تمہارے لئے بنا رہا ہوں۔"

"میں جا رہی ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ۔"

وہ لانچ سے اُتر گئی اور حمید ساحل کے ملگجے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑتا رہا۔ پھر اُس نے تنہا کافی پی اور پائپ کا تمباکو ختم کر کے اونگھنے لگا۔ سارا دن بے تکی مصروفیات میں گذرا تھا..... اور اس وقت سمندر کی سمت سے چلنے والی خنک اور نمک آلود ہواؤں نے پورے جسم میں درد پیدا کر دیا تھا۔ یہی دل چاہتا تھا کہ لمبی تان کر سو جائے۔

اچانک ساحل کی طرف سے شور اٹھا..... اور اونگھتا ہوا ذہن فوری طور پر اُس کی نوعیت کو نہ سمجھ سکا۔

پھر قریب ہی پانی میں "چھپاکا" سا ہوا، جیسے کسی نے چھلانگ لگائی ہو۔ حمید آواز کی سمت مڑا..... لانچ کی روشنی کے پھیلاؤ سے باہر پانی کی سطح پر کوئی متحرک چیز نظر آرہی تھی۔

قاسم کی بن آئی تھی۔ ہر وقت لیڈی جاوید کا ساتھ رہتا۔ اب وہ اس پر بھی مصر نہیں تھی کہ وہ اُسے آنٹی ہی کہے۔ ویسے اُس کے گوبر کے ڈھیر جیسے ذہن میں بھی یہ خیال جڑ پکڑنے لگا تھا کہ وہ سچ مچ اُسے بہت چاہتی ہے، ایک دن اس نے سرگوشیوں میں اُس سے کہا تھا۔ "چاہے جو کچھ کرو..... لیکن اپنے پاپا کے سامنے میرا احترام ہی کیا کرو۔"

اور قاسم نے سعادت مندانہ انداز میں سر ہلا کر کہا تھا۔ "جی بہت اچھا۔"

ویسے وہ سوچتا رہتا تھا کہ آخر اس کا مطلب کیا ہے؟ اُس سالے پاپا کے سامنے احترام کیوں کروں۔ ہائے کیسے مسکراتی ہے..... کیسے دلار کرتی ہے میرا..... لیکن اس ذہنی جنت کے ساتھ ہی ساتھ ایک خلش بھی تھی اور یہ خلش تھی بوڑھے ڈاکٹر کی بکواس۔ ہر چند اب

اُس نے خود کو قاسم کہنا چھوڑ دیا تھا۔ لیکن ڈرتا تھا اپنے اوٹ پٹانگ ذہن کی کج خیالی سے۔

پتہ نہیں کس وقت منہ سے کیا نکل جائے اور اس تگڑی سی آنٹی سے ہاتھ دھونا پڑے۔

ابھی تو اچھا ہے کہ سالے مجھے منور جاوید سمجھتے ہیں۔ اس بوڑھے ڈاکٹر سے کیسے پیچھا چھڑا لیا جائے گا۔

اس وقت بھی وہ سر پر مسلط تھا اور کمرے میں لیڈی جاوید کی بجائے خود سر جاوید موجود تھا۔

ڈاکٹر اُس سے منور جاوید کے پسندیدہ مشاغل کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔

"یہ بہترین تیراک تھا ڈاکٹر.....!" سر جاوید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "جھیل میں لوہے کی گیند پھینکتا تھا اور غوطہ لگا کر اُسے تہہ سے نکال لاتا تھا۔"

"کیوں آپ غوطہ لگا سکتے ہیں۔" ڈاکٹر نے قاسم سے پوچھا۔

"اے مذاخ کرتے ہو۔ میرا ڈیل ڈول دیکھو.....! غڑاپ سے وہیں رہ نہ جاؤں گا۔" قاسم نے جھنجھلا کر کہا۔ "یہ صاحب تمہیں یونہی بہکا رہے ہیں۔ میں اُن کا بیٹا ویٹا نہیں ہوں۔"

"ہو سکتا ہے۔" ڈاکٹر سر ہلا کر بولا۔ "لیکن اگر کوشش کریں تو اچھے تیراک بن سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یونہی تفریحاً تیرنا شروع کیجئے۔"

"دو چار پتوار کھونسو میرے تیرنے لگوں گا۔" قاسم کا غصہ تیز ہو گیا۔

"ہوش میں آؤ بیٹے.....!" سر جاوید نے نرم لہجے میں کہا۔

"میں کہتا ہوں اس بوڑھے سے میرا پیچھا چھڑاؤ ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔ یہ کیسا ڈاکٹر ہے کہ مکسچر اور انجکشن دینے کے بجائے مجھے تیرنا سکھانا چاہتا ہے۔ تم نے بھی غلط سنا ہے میں جھیل کی تہہ سے لوہے کی گیند نہیں نکالتا بلکہ اپنے منہ سے نکال سکتا ہوں۔" غصے کی زیادتی کی وجہ سے اُس کی آواز بند ہو گئی تھی۔ دفعتاً لیڈی جاوید کمرے میں داخل ہوئی اور تیز لہجے میں بولی۔ "کیوں آپ لوگ اُس کا دماغ خراب کر رہے ہیں۔ کیا بالکل ہی اُس سے ہاتھ دھولینا چاہتے ہیں۔"

پھر اُس نے قاسم کا ہاتھ پکڑا اور دروازے کی طرف گھسیٹتی ہوئی بولی۔ "تم چلو میرے ساتھ۔"

قاسم چپ چاپ دروازے سے گذر گیا۔ راہداری میں مڑ کر دیکھا اُن میں سے کوئی ان کے پیچھے نہ دکھائی دیا۔

"واکئی..... یہ لوگ مجھے پاگل بنا دیں گے۔" وہ بڑبڑایا۔

"ارے ..... میں بھگاتی ہوں اس مردود ڈاکٹر کو.... کل سے نہیں آنے پائے گا....."

"جرور..... جرور..... صورت حرام ہے سالا۔"

حمید نے ٹارچ اٹھا کر روشنی ڈالی..... وہ کوئی آدمی تھا..... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے غرق ہونے سے بچنے کے لئے ہاتھ پیر مار رہا ہو۔

"گھبرانا نہیں....." حمید نے اُسے آواز دی۔ ساحل کی طرف سے اب بھی شور سنائی دے رہا تھا۔ دفعتاً اُس نے محسوس کیا کہ وہ خود ہی تیرتا ہوا لانچ کی طرف آ رہا ہے۔

"ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے..... چلے آؤ۔" حمید نے دل بڑھانے کے لئے کہا۔

وہ جھپٹ کر نہ صرف لانچ پر چڑھ آیا بلکہ سیدھا اگلے حصے کی طرف دوڑ گیا۔ پھر قبل اس کے کہ حمید کچھ کہتا اُس نے انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی اور لانچ نے تیزی سے لمبا چکر لیا اور ایک سمت اڑتی چلی گئی۔

"ارے..... یہ کیا کر رہے ہو تم.....!" وہ بوکھلا کر اسٹیئرنگ کی طرف جھپٹا۔ اب اُس نے دیکھا کہ وہ آدمی غوطہ خوری کے لباس میں ملبوس تھا۔ اُس نے نقاب کا گوشہ کسی قدر اٹھا کر کہا۔

"مہربان آدمی..... رحم کرو..... ورنہ وہ مجھے گولی مار دیں گے۔"

"کون.....!"

قبل اس کے کہ وہ جواب دیتا..... بات حمید کی سمجھ میں آ گئی۔ ایک لانچ اس کی لانچ کا تعاقب کر رہی تھی..... اُس کی ہیڈ لائٹ کی شعاعیں اُس کی اپنی لانچ پر پڑ رہی تھیں۔ اُس نے مڑ کر اُس آدمی کی طرف دیکھا اور پھر اسپیڈ و میٹر پر بھی نظر ڈالی۔ وہ بتدریج رفتار بڑھاتا

جارہا تھا۔

"احمق آدمی..... آگے طوفانی لہروں کا سامنا ہوگا....." اُس نے جھلا کر کہا۔

"اُن کی گولی سے نہیں مرنا چاہتا چاہے ڈوب مروں۔" جواب ملا۔

دفعتاً پچھلی لانچ سے پے در پے دو فائر ہوئے۔

"ارے ستیاناس کراؤ گے میری لانچ کا۔" حمید نے چیخ کر کہا۔

"فکر نہ کرو..... سارے نقصانات کا معاوضہ ادا کر دیا جائے گا۔"

حمید اُس کا چہرہ دیکھ لینے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ اچانک اُس نے اندر کے بل دیئے۔ ساتھ ہی اُس نے اُس کی غراہٹ بھی سنی۔

"دیکھو..... اگر تم نے مجھ سے الجھنے کی کوشش کی تو ہم دونوں ہی کو غرق ہونا پڑے بہتر یہی ہے کہ چپ چاپ بیٹھے رہو۔"

"وہ تو ویسے بھی غرق ہوں گے۔" حمید جھلا کر بولا۔ "آگے خطرناک لہروں سے پڑے گا۔"

"فکر نہ کرو..... ان اطراف کا سمندر میرا چھانا ہوا ہے..... ایسی کوئی بات نہ ہوگی

"تم ہو کون؟"

"ضروری نہیں کہ تمہیں یہ بھی بتاؤں۔"

"تمہاری آواز کچھ جانی پہچانی معلوم ہو رہی ہے۔"

"یہ اور بُرا ہے..... کیا تم مجھے پہچان سکتے ہو۔"

"کوشش کروں گا۔"

"یقین کرو، میں کوئی غیر قانونی کام نہیں کر رہا..... البتہ جو لوگ میرے پیچھے مجرموں کی ایک بہت بڑی ٹولی سے تعلق رکھتے ہیں۔"

پچھلی لانچ سے پھر فائر ہوئے اور حمید نشستوں کے درمیان لیٹ گیا۔ وہ اُس نامعلوم آدمی پر جھپٹ پڑنے کا خطرہ نہیں مول لے سکتا تھا۔ اگر اتفاقاً وہ پانی میں جا پڑا تو کیا ہوگا۔

دونوں لانچوں کے درمیان فاصلے میں کوئی فرق نہیں واقع ہوا تھا۔

البتہ کبھی پچھلی لانچ کی ہیڈ لائیٹ کی روشنی اُس کی لانچ میں پل بھر کے لئے پھیل

تھی اور ٹھیک اُسی وقت پچھلی لانچ سے فائر بھی ہوتے تھے۔

"یار اگر تمہارے ہی گولی لگ گئی تو کیا ہوگا۔"

"مقدر.....!" جواب ملا۔

لانچوں کی دوڑ جاری رہی۔ دفعتاً نامعلوم آدمی نے کہا۔ "میرے قریب آؤ دوست! اب میں نہیں بچ سکتا۔ قبل اس کے کہ وہ مجھ پر ہاتھ ڈالیں میں ایک چیز تمہارے حوالے کر دینا چاہتا ہوں۔"

حمید خاموشی سے اُس کی طرف رینگنے لگا اور اندازے سے قریب پہنچ کر بولا "ہوں۔ کیا کہتے ہو۔" جواب میں ایسا زوردار گھونسہ کنپٹی پر پڑا کہ آنکھوں میں تارے ناچ گئے۔

پھر سر پر بھی کسی وزنی چیز کی چوٹ پڑی اور ذہن پوری طرح تاریکی میں ڈوب گیا۔

تفتیش

ٹھنڈا سا بادل جسم کو چھوتا ہوا گذر رہا تھا۔ آنکھوں کے پپوٹوں سے عجیب طرح کی گدگدی شروع ہوئی تھی اور پھر جسم کے ریشے ریشے میں سرایت کرتی چلی گئی تھی۔ گدگدی اور ٹھنڈک عجیب سا احساس تھی۔ جھنن جھنن جھن کئی طرح کے ساز بج رہے تھے اور برف سے سفید لڑکیاں سفید ہی لباس میں ملبوس رقص کر رہی تھیں۔ انہیں دیکھ کر بھی خنکی ہی کا احساس ہوتا تھا۔ ایک ناچتی ہوئی اُس کے قریب بھی آئی اور اُس کی پیشانی پر اپنے گرم گرم ہونٹ رکھ دیئے..... پیشانی پر دباؤ ڈالتی رہی اور اُس کا سر پیچھے جھکتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ گردن ٹوٹنے لگی۔ تکلیف کا احساس اتنا شدید تھا کہ اُس نے لڑکی کو پرے جھٹک دیا اور خود اُٹھ بیٹھا۔

طلسم ٹوٹ چکا تھا، چاروں طرف ملگجے اندھیرے کے علاوہ اور کچھ نظر نہ آیا۔ لیکن گردن کا درد بدستور قائم تھا..... اور سارا جسم سرد تھا۔ کپڑے بھیگ کر چپک گئے تھے اور وہ بوکھلا کر

کھڑا ہو گیا..... اکا دکا بحری پرندوں کی تیز آوازوں سے سکوت ٹوٹتا اور پھر پہلے ہی خاموشی طاری ہو جاتی۔

اُس نے پانی کی سمت دوڑنا شروع کر دیا..... شائد صبح ہونے والی تھی اور اتنا اجالا ہی کہ وہ دور تک سنسان ساحل کا جائزہ لے سکتا۔ اُس کی لانچ کا کہیں پتہ نہ تھا..... لانچ کیا کہیں کوئی کشتی نہ دکھائی دی۔

نیچے ریت تھی..... سر پر کھلا آسمان..... اور حد نظر تک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ بوکھلائے ہوئے انداز میں چاروں طرف دوڑتا پھرا لیکن کہیں ایک متنفس بھی نہ دکھائی دیا۔ دور دور تک کسی بستی کا نشان نہیں تھا کہاں لا پھینکا مردود نے۔ اُس نے سوچا۔ اندھیرے میں اُسے حملہ کرنے کا موقع مل گیا تھا کاش وہ محتاط ہوتا۔ اُس کے بلانے پر بے تامل اُس کے قریب کیوں چلا گیا تھا۔ عقل کہاں چرنے گئی تھی۔ ایسی حماقت تو کسی گدھے سے بھی نہ سرزد ہوتی۔ مگر وہ تھا کون..... صاف ظاہر ہوتا تھا کہ بولتے وقت اپنی آواز بدلنے کی کوشش کر رہا ہے..... اس کے باوجود بھی بولنے کا انداز کچھ جانا پہچانا سا تھا۔

وہ ذہن پر زور دیتا رہا..... لیکن یادداشت قاصر رہی۔

پھر اب کہاں بھٹکتا پھرے گا۔ پتہ نہیں کہاں لا پھینکا ہے۔ لانچ بھی ہاتھ سے گئی جس کو فریدی نے ہزاروں روپے صرف کئے ہوں گے۔

وہ پھر ریت پر بیٹھ گیا۔ مشرقی افق میں سیاہی مائل سرخی اُبھر رہی تھی..... اور چاروں طرف بکھرا ہوا ملگجا اندھیرا پہلے سے کچھ زیادہ بوجھل معلوم ہونے لگا تھا۔

وہ وہیں بیٹھا رہا۔ حتیٰ کہ پوری طرح اُجالا پھیل گیا اور فضا بحری پرندوں کے شور سے گونجنے لگی۔

بھیگے ہوئے لباس سے وحشت ہونے لگی تھی۔ اُس نے چاروں طرف دیکھ کر کپڑے اتارے اور انہیں نچوڑ کر دوبارہ پہنا۔

دانتوں میں ریت کِچ رہی تھی۔ کھارے پانی سے کلیاں کرنی پڑیں پھر بڑی دیر تک منہ بناتا رہا۔ خود کو سو فیصدی اُلو محسوس کر رہا تھا۔

پھر سوچا اس طرح بیٹھے رہنے سے کیا فائدہ..... کوٹ کی اندرونی جیب ٹٹولی پرس

موجود تھا۔ اُسے نکال کر دیکھا اور مطمئن ہو گیا۔ نوٹ بھیگے نہیں تھے اور رقم بھی معقول تھی۔

اُس نے دھات کا ایک سکہ اچھال کر ٹاس کیا اور جھک کر اُسے دیکھا اور پھر اٹھا کر ایک طرف چل پڑا۔ حد نظر تک ویرانی ہی ویرانی تھی۔ سورج کی شعاعیں اپنا جال بننے لگی تھی۔

وہ چلتا رہا۔ غالباً تین میل کے بعد بستی کے آثار نظر آئے۔ یہ ماہی گیروں کی ایک چھوٹی سی بستی ثابت ہوئی جہاں کھانے پینے کی چیزیں بہ آسانی دستیاب ہو سکتیں۔ ایک چھوٹی سی چائے کی دوکان میں جا گھسا.....

باسی روٹی کے ٹوسٹ اس وقت بہت اچھے لگ رہے تھے..... وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ لوگ اُسے اجنبی سمجھ کر لوٹنے کی کوشش نہ کریں اس لئے اُن سے بستی کا نام بھی پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔ اُن جزائر کے ماہی گیروں کے متعلق وہ پہلے ہی بہت کچھ سن چکا تھا۔ وہ اکثر بحری قزاقوں کا روپ بھی دھار لیا کرتے تھے۔

چائے خانے میں بیٹھے ہوئے کئی لوگ اُسے عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے وہ اپنی زبان سے کچھ کہتا یا نہ کہتا لیکن اُن لوگوں کی نظر میں اجنبی ہی تھا۔ کیونکہ ان جزائر کا باشندہ بہر حال نہیں معلوم ہوتا تھا۔

اُس سے کسی نے کچھ پوچھا نہیں۔ ناشتہ کر کے اُس نے قیمت ادا کی اور باہر نکل آیا۔

کچھ دیر چلنے کے بعد محسوس کیا کہ ایک آدمی مستقل طور پر اُس کے پیچھے لگا ہوا ہے اُس نے سوچا کہیں بے خبری میں حملہ نہ کر بیٹھے اس لئے دفعتاً رک کر مڑا۔ اب وہ بوڑھا آدمی تیز رفتاری سے اُس کی طرف آیا۔ سلام کر کے رسمی طور پر خیریت پوچھی اور بولا۔ "کیا صاحب آرام کریں گے۔"

"کیسا آرام.....!"

"مطلب یہ کہ..... لوگ یہاں..... میرا مطلب ہے..... شہر کے لوگ یہاں آرام ہی کرنے آتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ابھی تک آپ کو کوئی معقول جگہ نہیں مل سکی۔ یہاں کے پیشہ ور آدمیوں نے اس بزنس کو دراصل بدنام کر دیا ہے۔ اس لئے لوگ عموماً گھبراتے ہیں۔ اب ہر آدمی تو عیاشی اور باشی کے لئے آتا نہیں۔ بہتیرے شریف آدمی محض تبدیلی آب و ہوا کے لئے آتے ہیں۔ میں غریب آدمی ہوں۔ آپ کو میرے یہاں اعلیٰ درجہ کا فرنیچر

نہیں ملے گا لیکن آپ اپنی جیبیں خالی کئے بغیر سکون سے رہ سکیں گے۔ گھر میں صرف کہا۔ کمرے ہیں میں ہوں میری بیوی ہے ایک نوجوان لڑکی ہے اور تین چھوٹے لڑکے۔ ایک ہم آپ کے لئے خالی کر دیں گے۔ کھانے اور رہائش کے لئے صرف سات روپے یومیہ! بیوی بہترین کھانے پکاتی ہے۔ اگر آپ فرمائش کر کے کچھ پکوائیں گے تو وہ بھی ہو جائے گا۔"

"بقیہ..... باتیں..... پھر کبھی..... اب تم مجھے اپنے گھر لے چلو.....!" حمید طویل سانس لے کر کہا۔

واقعی وہ غریب لوگ تھے۔ پورے مکان میں صرف ایک چارپائی نظر آئی جو اس لئے کمرے میں بچھا دی گئی۔ وہ لوگ شائد فرش ہی پر سوتے تھے ایک گم سم سی جوان لڑکی آئی جو قبول صورت بھی تھی اور صحت مند بھی۔ بے حد شرمیلی معلوم ہوتی تھی۔ حمید بھر پڑا سوچتا رہا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ وہ اُن لوگوں پر یہ نہیں ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ وہ اُس کے نام سے بھی ناواقف ہے۔ بوڑے کو اس نے بتایا تھا کہ وہ اناج کا بیوپاری ہے اُس کی کشتی مال لاد کر مغرب کی طرف جا رہی تھی وہ یہاں اُتر گیا کچھ دن سکون سے گذارنے کے لئے

وہ کمرے میں پڑا رہا۔ شام ہو گئی۔ ذہن کی عجیب سی کیفیت تھی۔ یہاں سے خرید سگریٹ دن بھر پھونکتا رہا تھا لیکن سیری نہیں ہوئی۔ رات کو کھانا کھا کر وہ پھر لیٹ گیا۔ نیند نہیں آ رہی تھی۔

دس بجے تک پورے مکان پر سکوت طاری ہو گیا، غالباً وہ لوگ سو گئے تھے۔ دفعتاً نے دروازے پر ہولے ہولے دستک دی۔

حمید چپ چاپ اٹھ کر دروازے کے قریب آیا۔ دروازے سے جھانک کر دیکھا۔ لالٹین کی دھندلی روشنی میں لڑکی کا چہرہ نظر آیا۔

اُس نے دروازہ کھول دیا اور وہ نہ صرف اندر آ گئی بلکہ مڑ کر خود ہی دروازے کی کنڈی بھی چڑھا دی۔ حمید اُسے حیرت سے دیکھتا رہا۔

اُس نے اپنے اچھے خاصے ملیح چہرے پر ڈھیر سا پوڈر تھوپ رکھا تھا۔ ہونٹوں پر پھوہڑپن سے لپ اسٹک لگائی گئی تھی۔ آنکھوں میں کاجل.....

"یہ میری چارپائی ہے۔" اُس نے چارپائی کی طرف انگلی اٹھا کر غصیلی آواز

"سمجھے۔" حمید نے پہلی بار اُس کی آواز سنی تھی۔ متحیرانہ انداز میں اُسے دیکھتا رہا۔

"میں زمین پر سونا پسند نہیں کرتی سمجھے۔ انہیں قطعی حق حاصل نہیں کہ میری کوئی چیز ایسی کو دے دیں سمجھے۔ میں اسے سخت ناپسند کرتی ہوں..... سمجھے۔"

"بالکل سمجھ گیا۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "لیکن تم چاہتی کیا ہو۔"

"آپ کو اس چارپائی کا کرایہ مجھے ادا کرنا ہوگا..... سمجھے۔"

"سمجھ گیا..... کتنا کرایہ۔"

"بیس روپے..... ہر رات.....!"

"ٹھہرو.....!" حمید نے کہا۔ کھونٹی سے لٹکے ہوئے کوٹ کی جیب سے دس دس کے دو نوٹ نکالے اور اُس کی طرف مڑا۔ مگر وہ تو اب چارپائی پر چڑھی بیٹھی تھی۔

حمید نے نوٹ اُس کی طرف بڑھا دیئے۔ وہ مسکرائی اور انہیں تہہ کر کے اپنی چست قمیض کے گریبان میں رکھنے لگی۔ دفعتاً حمید نے اُس کا کان پکڑ لیا۔

"کیا.....؟" وہ بوکھلا کر بولی۔

"اٹھو..... چارپائی سے نیچے اُترو۔" اُس نے اُس کے کان پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے کہا۔ وہ اُسے گھورتی ہوئی نیچے اُتر آئی اور حمید اُس کے کان کھینچتا ہوا دروازے کی طرف لے جانے لگا۔

"یہ کیا ہے..... کان چھوڑو.....!" وہ جھنجھلا کر بولی۔ لیکن اتنی دیر میں حمید اُسے کمرے سے باہر نکال کر دروازہ بند کر چکا تھا۔

سینٹ آئی لینڈ کے پولیس اسٹیشن کا انچارج فریدی سے کہہ رہا تھا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس سلسلے میں کیا کر سکوں گا..... پچھلی رات ساحل پر کسی قسم کا ہنگامہ ہوا تھا

سمندر سے ساحل کی طرف فائروں کی آوازیں بھی آئی تھیں۔ اگر کیپٹن حمید اُس سے پہلے لانچ کو کہیں اور لے گئے ہوں تو انہیں اب تک واپس آجانا چاہئے تھا۔"

"وہ ان اطراف کے لئے اجنبی ہے؟"

"پھر اب جو کچھ آپ بتایئے کیا جائے۔"

"کچھ نہیں..... میں خود دیکھوں گا۔"

"پچھلی رات..... وہ لڑکی کون تھی لانچ میں۔"

"ففتھ آئی لینڈ سے کوئی ساتھ آگئی تھی۔ ہمارے لئے قطعی اجنبی تھی۔"

"غالباً اس کے بعد انچارج نے کچھ اور پوچھنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ ویسے اُن آنکھوں سے بے اعتباری مترشح تھی۔"

پھر فریدی سی سائیڈ ہیون آیا۔ ڈاکٹر شاپور کے متعلق اُس نے پچھلی رات ہی کو بہت معلومات فراہم کرلی تھیں۔ لیکن براہِ راست اُس سے گفتگو کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

اس وقت سی سائیڈ ہیون کے اُس کمرے کے سامنے جہاں ڈاکٹر کا قیام تھا اُس لڑکی سے ملاقات ہوئی جسے پچھلی رات اپنی لانچ میں دیکھ چکا تھا۔

"ففف..... فرمایئے.....!" وہ بوکھلا گئی۔

"میرا ساتھی پچھلی رات سے غائب ہے..... لانچ سمیت۔"

"میں کچھ نہیں جانتی..... یقین کیجئے! آپ کے سامنے ہی میں چلی آئی تھی۔"

"کس طرح یقین کرلیا جائے..... جب کہ اسکے بعد بھی آپ لانچ پر دیکھی گئی تھیں۔"

"وہ..... وہ.....!" ویرا بے حد نروس نظر آنے لگی۔ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن کہہ نہ سکی۔ فریدی جواب طلب نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ اس نے مڑ کر خوفزدہ نظروں سے کمرے کے بند دروازے کی طرف دیکھا اور پھر اُس کی طرف دیکھا لیکن فوراً ہی اُس کے چہرے سے نظر ہٹالی۔

"دیکھئے..... میں یقین دلاتی ہوں۔"

"کمرے میں کون ہے۔" فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔

"میرے والد ڈاکٹر شاپور.....!" وہ جلدی سے بولی۔ "دیکھئے انہیں نہ معلوم ہو

پائے، غصہ ور آدمی ہیں اور میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ میں تو واپس آئی تھی اسی لئے کہ آپ کے ساتھی کو بحفاظت یہاں تک پہنچادوں۔"

"پھر وہ کہاں غائب ہوگیا۔"

"میں کیا جانوں..... یقین کیجئے مجھے علم نہیں۔ بے شک میں اُس کے بعد بھی لانچ پر گئی تھی لیکن جلد ہی واپسی بھی ہوگئی تھی۔ میں دراصل چھپ کر دیکھنا چاہتی تھی کہ آپ دونوں کے درمیان جھگڑا تو نہیں ہوتا۔ آپ بہت غصے میں تھے۔"

"اُس لانچ کی مالیت پچاسی ہزار ہے؟"

"پھر بتایئے..... میں کیا کروں..... کیا کرسکتی ہوں۔"

"میں آپ کے والد سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"خدا کے لئے اُن سے نہ کہئے گا۔ میں التجا کرتی ہوں۔ وہ بہت سخت آدمی ہیں۔ میں اُن سے بہت ڈرتی ہوں۔"

"میں نے سنا ہے کہ وہ ماہر نفسیات ہیں۔"

"جی ہاں..... جی ہاں۔"

"بس اپنے ساتھی کے متعلق اُن سے مشورہ کروں گا۔"

"کیوں؟..... کیوں؟"

"کیا آپ نے اُس کی شخصیت میں کوئی عجیب سی بات محسوس نہیں کی۔"

"جی ہاں کی تھی..... کچھ تو تھی عجیب سی بات۔" وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

"اُسی کے متعلق مشورہ کروں گا..... آپ کی بات نہیں ہوگی۔"

"اچھا..... اچھا..... میں دیکھتی ہوں۔" وہ تیزی سے مڑی اور دروازے کو دھکا دیتی ہوئی اندر چلی گئی اور تھوڑی دیر بعد واپس آکر کہا۔ "وہ مل سکیں گے۔"

"اچھا اب آپ جہاں جارہی تھیں جایئے..... آپ کی موجودگی ضروری نہیں۔"

"دیکھئے..... خدا کے لئے۔"

"مطمئن رہو۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا..... اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ بوڑھا ڈاکٹر شاپور اٹھا لیکن فریدی پر نظر پڑتے ہی ٹھٹک گیا۔

"اوہ! شاید میں آپ کو جانتا ہوں۔" وہ مضطربانہ انداز میں بولا۔

"اس سے اور زیادہ آسانیاں پیدا ہو سکیں گی۔" فریدی مصافحہ کرتا ہوا مسکرایا۔

"آپ انٹیلی جنس کے کرنل فریدی ہی ہیں نا۔"

"آپ کا خیال درست ہے۔"

"فرمایئے..... میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ آپ کے ایک مریض کے متعلق معلومات حاصل کرنی ہیں۔"

"میرے مریض کے متعلق.....!" اُس نے حیرت سے کہا۔ "میرے پاس شاذ و نادر ہی کوئی کیس آتا ہے۔ یہاں لوگ ذہنی امراض کے صحیح علاج کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔"

"میں اُس مریض کی بات کر رہا ہوں جو اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔"

"اوہ..... اچھا..... وہ سر جاوید کا لڑکا۔ اُس کے بارے میں آپ کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔" ڈاکٹر نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

"وہ اپنا نام کیا بتاتا ہے۔"

"قاسم.....!"

فریدی نے قاسم کا حلیہ دہرایا، جس پر ڈاکٹر سر ہلا کر بولا۔ "جی ہاں..... بالکل بالکل۔"

"سر جاوید کہاں رہتا ہے؟"

"یقین کیجئے اُس عمارت کا محل وقوع میرے فرشتے بھی نہ بتا سکیں گے۔"

"بڑی عجیب بات ہے..... کیا آپ وہاں کبھی نہیں گئے۔"

"کل تک روزانہ جاتا رہا ہوں.....!"

"کل تک کیوں.....؟"

"کل انہوں نے مجھے سبک دوش کر دیا..... آج میں اپنے گھر واپس چلا جاؤں گا۔"

"آپ وہاں جاتے بھی رہے ہیں اور عمارت کا محل وقوع بھی نہیں بتا سکتے۔"

"بات مضحکہ خیز ہے! لیکن حقیقت بھی یہی ہے۔ روزانہ ایک پک اپ مجھے لینے کے لئے یہاں آتی تھی۔ میں اندر بیٹھ جاتا تھا۔ کھڑکیوں کے شیشے گہرے سبز رنگ کے ہیں لیکن ان کے پار دیکھا نہیں جا سکتا۔ ڈرائیور کی نشست پچھلے حصے سے دکھائی نہیں دیتی، اس لئے

اسکرین سے باہر کا نظارہ کرنے کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔"

"چلئے..... عمارت کی بیرونی ساخت ہی کے متعلق کچھ بتایئے۔"

"جناب والا..... اس سے بھی معذور ہوں۔"

"کیوں.....؟"

"پک اپ عمارت کے اندرونی حصے میں رکتی تھی۔ میں اترتا تھا اور ڈرائنگ روم میں پہنچا دیا جاتا تھا۔ آج تک عمارت کا بیرونی حصہ بھی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ وہیں سے وہ گاڑی مجھے ہوٹل واپس لاتی تھی۔"

"یہ سر جاوید کون ہے۔"

"ایسٹ افریقہ کا تاجر..... اپنے اعزہ سے ملنے یہاں آیا تھا کہ یک بیک لڑکا یادداشت کھو بیٹھا۔ یہاں بھی ان کی خاصی بڑی جائیداد ہے۔ کاروبار ہے۔"

"آپ نے اُس کے اعزہ کے متعلق بھی معلومات حاصل کی ہوں گی۔"

"میرے لئے قطعی غیر ضروری تھا۔"

"مستقل قیام کہاں رہتا ہے اُس کا۔"

"وہیں ایسٹ افریقہ میں۔"

"کس شہر میں۔"

"نیروبی۔"

"آپ اپنا پورا معاوضہ وصول کر چکے ہیں۔"

"جی ہاں وہ روزانہ ادائیگی کر دیتے تھے۔"

"کیا مریض کی یادداشت واپس آ گئی تھی۔"

"نہیں..... لیڈی جاوید نے یہ سلسلہ ختم کرا دیا۔ اُن کا خیال تھا کہ لڑکے کی جسمانی صحت پر بُرا اثر پڑنے کا اندیشہ ہے۔"

"سر جاوید کا حلیہ بتایئے۔"

"لمبا تڑنگا صحت مند آدمی ہے، لیکن قد میں اپنے بیٹے سے کم ہے۔ اتنا زیادہ جسم بھی نہیں ہے..... ادھیڑ عمر کا ہے..... بیوی چھبیس ستائیس سال کی ہو گی۔ دراصل سر جاوید کی

دوسری شادی ہے..... میرا خیال ہے یہی شادی وہ حادثہ ہے جس کی بناء پر لڑکے کی زندگی.....!"

"ہو سکتا ہے..... ہو سکتا ہے۔" فریدی نے اُسے جملہ پورا نہ کرنے دیا اور جلدی سے بولا۔ "سر جاوید کی کوئی ایسی پہچان بتایئے جس کی بناء پر اُس کی شناخت میں آسانی ہو۔"

"بائیں جبڑے پر گہرے گھاؤ کا نشان ہے۔ گہرائی کوئی چوتھائی انچ ہو گی۔"

"شکریہ۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "تکلیف کی معافی چاہتا ہوں۔"

"لیکن قصہ کیا ہے؟"

"اس لڑکے منور جاوید نے ایگل بیچ پر کوئی ہنگامہ برپا کیا تھا..... اس سلسلے میں تفتیش کر رہا ہوں۔" فریدی کمرے سے باہر آگیا۔ پھر اُسی ہوٹل سے اسٹیشن کے انچارج کو فون کیا۔

"فرمایئے..... کچھ سراغ ملا.....!" اُس نے دوسری طرف سے پوچھا۔

"ابھی تک تو نہیں..... دیکھئے یہاں کی ایک عمارت کے متعلق معلومات فراہم کرنی ہیں۔" فریدی نے کنکھیوں سے بائیں جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"فرمایئے۔"

"سرفراز ولا کہاں ہے اُس کا مالک کون ہے۔"

"بہت بہتر..... تھوڑی دیر بعد بتاؤں گا۔ کس نمبر پر رنگ کروں۔"

"میں خود ہی مل کر معلوم کر لوں گا۔" فریدی نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا اب وہ کلرک کو کال کے پیسے دے رہا تھا۔ لیکن اُس آدمی سے بے خبر نہیں تھا جس کی موجودگی کی پر اُس نے فون پر عمارت کے متعلق اُن معلومات کا تذکرہ نہیں کیا تھا جو حقیقتاً حاصل کر تھیں۔ اُس نے محسوس کیا تھا کہ وہ آدمی نگرانی کی حد تک اُس میں ضرور دلچسپی لے رہا ڈاکٹر کے کمرے میں داخل ہوتے وقت بھی اُس نے اُسے دیکھا تھا اور جب کمرے سے باہر تھا تب بھی وہ دکھائی دیا تھا اور اب کاؤنٹر پر اُس کے قریب ہی کھڑا اخبار دیکھ رہا تھا۔ لیکن ایسا ہی تھا جیسے کان گفتگو کی طرف لگے ہوں۔

یہ متوسط قد اور اچھی صحت کا مالک تھا۔ عمر چالیس اور پینتالیس کے درمیان رہی ہو گی بشرٹ اور پتلون میں تھا۔

فریدی کاؤنٹر سے ہٹ کر ہال کی ایک میز کے قریب آبیٹھا اور ویٹر کو بلا کر کافی کا آرڈر دیا۔ وہ آدمی اب بھی کاؤنٹر ہی پر کھڑا اخبار دیکھ رہا تھا۔ فریدی نے قطعی ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ اُس میں دلچسپی لے رہا ہے۔

دوسری صبح حمید خود کو کافی تر و تازہ محسوس کر رہا تھا۔ ناشتہ برآمدے میں ہوا۔ بڑی سی چوکی پر وہ سب ساتھ بیٹھے تھے۔ بوڑھے نے تو اُس کے لئے الگ انتظام کیا تھا لیکن حمید نے کہا کہ وہ خاندان کے دوسرے افراد کے ساتھ ہی ناشتہ کرے گا۔ اس پر بوڑھے نے نہ صرف اُس کے حسن اخلاق کی تعریف کی تھی بلکہ اُس کا شکریہ بھی ادا کیا تھا۔

اُن کے سب سے چھوٹے بچے کی عمر غالباً دس سال رہی ہو گی۔ وہ بار بار کہہ رہا تھا کہ آج وہ اسکول دیر سے پہنچے گا۔

"تم بہت اچھے بچے ہو۔" حمید اس کا شانہ تھپک کر بولا۔ "تعلیم کا بڑا خیال ہے تمہیں، بہت ذہین معلوم ہوتے ہو۔ کیا نام ہے تمہارا۔"

"بنی میر.....!" بچے نے شرما کر جواب دیا۔

پھر دفعتاً اُسے وہ تدبیر سوجھ ہی گئی جس سے وہ کم از کم اس جگہ کے متعلق تو کچھ نہ کچھ معلوم ہی کر سکتا۔

"اچھا سمتوں کا نام بتاؤ۔" اُس نے کہا۔

لڑکا گراموفون کے ریکارڈ کی طرح چل پڑا۔ "سمتیں چار ہیں، شمال، جنوب، مشرق، مغرب، سورج مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور مغرب میں غروب ہو جاتا ہے۔"

"شاباش..... شاباش..... بہت اچھے۔" تمہارے محلے کا کیا نام ہے۔

"مچھلی ہاٹ۔"

"خوب..... خوب..... اچھا تمہارے جزیرے کا نام کیا ہے؟"

"مرتبان.....!"

"واہ..... بھلا یہ نام کیوں پڑا..... گلدان کیوں نہیں کہتے ہیں اسے۔"

"ہمارے ماسٹر صاحب کہتے ہیں کہ یہ مرتبان کی شکل کا ہے۔"

"بہت اچھے شاباش.....!" حمید نے اطمینان کی سانس لی۔ وہ ایگل بیچ سے صرف

میل کے فاصلے پر تھا۔ سرکش قسم کے لوگوں کی آبادی تھی۔ لیکن عیاشی کا بہترین اڈہ

معلومات کے مطابق جزیرہ خاصا بڑا تھا اور یہاں متمول لوگ بھی آباد تھے۔ وہ اتفاق سے

آدمیوں کی بستی میں آپھنسا تھا اور صرف اس بستی کو جزیرے کی کل آبادی سمجھ بیٹھا تھا

ہوئی کہ وہ اپنی ہی مملکت کے ایک جزیرے میں لا پھینکا گیا ہے۔ واپسی آسانی سے ہو سکتی

بس مقامی پولیس اسٹیشن تک جانا پڑتا۔

بچے ناشتہ کر کے اسکول چلے گئے۔ مسٹر اور مسز میزبان نے اُسے بتایا کہ اب وہ

بھی اپنے کاموں پر چلے جائیں گے اور لڑکی اُس کے لئے دوپہر کا کھانا تیار کرے گی۔

کچھ دیر بعد وہ لڑکی کے ساتھ تنہا رہ گیا۔ لڑکی کا موڈ خراب معلوم ہوتا تھا۔ آج

صبح سے اب تک اُس نے اُس کی آواز نہیں سنی تھی۔ آج تو منہ بھی پھولا ہوا تھا۔

"یہاں سے پولیس اسٹیشن کتنی دور ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"کیوں.....؟" وہ چونک پڑی۔

"یونہی..... کوئی خاص بات نہیں۔ پولیس اسٹیشن کے قریب میرا ایک دوست رہتا ہے

"کیا..... یہاں پہلی بار آئے ہو۔"

"بالکل پہلی بار۔"

"تو اپنے اُسی دوست کے گھر کیوں نہیں گئے۔"

"وہ تنہا رہتا ہے..... کھانے پینے کی تکلیف ہوتی۔"

"تو تم یہاں قیام کرو گے۔"

"بالکل..... بالکل..... اور تمہاری چارپائی کا کرایہ بھی ادا کرتا رہوں گا۔"

"لے لو..... اپنے روپے....." وہ جھلا کر بولی۔

"اس کی ضرورت نہیں۔"

"میں اپنی خوشی سے یہ سب کچھ نہیں کرتی۔"

"اوہ..... تو تم سچ مچ اُس بوڑھی کی بیٹی نہیں ہو۔"

"ہوں کیوں نہیں؟" وہ طیش میں آکر بولی۔

"تو وہ خود ہی تمہیں مجبور کرتا ہے۔"

"ہم غریب ہیں..... یہاں گرانی بہت بڑھ گئی ہے۔ تم لوگوں کی آمد و رفت سے پہلے ہم سکون کی زندگی بسر کرتے تھے۔ شہر کے پارسا اور ذی عزت لوگوں نے اپنی رنڈیاں یہاں لا بسائی ہیں۔ یہ آنے جانے والے یہاں پانی کی طرح پیسہ بہاتے ہیں۔ مہنگائی بڑھتی جارہی ہے۔ ہم کیا کریں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اس مسئلے پر مزید گفتگو نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد باہر نکلا۔ پولیس اسٹیشن تک پہنچنے میں کوئی بھی دشواری نہ ہوئی۔ جیسے ہی اُس نے انچارج کے ہاتھ میں اپنا ملاقاتی کارڈ دیا وہ اچھل پڑا۔

"ارے جناب..... سارے جزیرے میں ہیجان برپا ہے۔ اب میں سیونتھ آئی لینڈ اطلاع بھجوائے دیتا ہوں کہ آپ بھی مل گئے ہیں۔" اس نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"میں بھی مل گیا مطلب..... کیا لانچ بھی مل گئی ہے۔"

"یہ آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔" انچارج نے حیرت سے کہا۔ "اب آپ ہی بتائیے کہ وہ لاش کس کی ہے؟"

"کیسی لاش.....؟"

"لانچ میں ایک لاش پائی گئی ہے۔ وہ غوطہ خوری کے لباس میں تھا۔"

حمید نے سیٹی بجانے کے سے انداز میں ہونٹ سکوڑے اور بولا۔ "مجھے لے چلئے لانچ کہاں ہے؟"

یک بیک انچارج کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں اور اُس نے کسی قدر بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں کیسے یقین کرلوں کہ آپ کیپٹن حمید ہی ہیں۔"

"ویری گڈ..... ضرور ترقی کرو گے۔ یہ لو یہ رہا میرا آئیڈنٹی کارڈ۔" حمید نے کہا اور

پرس سے اپنا آئیڈنٹی کارڈ نکال کر اُس کی طرف بڑھادیا۔

انچارج اُس کی تصویر کو اور اُسے غور سے دیکھتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔ "میں معافی چاہتا ہوں..... کپتان صاحب۔"

"لیکن یہ لانچ ملی کب ہے؟"

"آج ہی صبح۔"

"حالانکہ اُسے کل صبح ملنا چاہئے تھا۔ کیا لاش سے بدبو آرہی تھی۔"

"جی نہیں..... ڈاکٹر کا خیال ہے کہ لاش ملنے سے صرف تین گھنٹے پہلے وہ مرا ہوگا۔"

"ہوں.....!" حمید کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔ "کیا یہاں پر نس ہنری کا تمباکو مل سکے گا۔"

"ضرور..... ضرور.....!" انچارج نے کہا اور میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ اردلی اندر آیا اور وہ اُسے تمباکو کے متعلق ہدایات دے کر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "آپ کرنل صاحب کا انتظار کریں گے یا اُس سے پہلے ہی لانچ دیکھیں گے..... وائرلیس پر اُن کا پیغام ملا ہے کہ وہ جلد پہنچ رہے ہیں۔"

"میں انتظار کروں گا....." حمید نے کہا پھر چونک کر بولا۔ "لانچ میں داخل ہوتے وقت اس بات کا خیال رکھا گیا تھا کسی قسم کے نشانات ضائع نہ ہونے پائیں اور نہ نئے نشانات کا اضافہ ہو سکے۔"

"میں نے ایسی ہر امکانی تدبیر کی تھی کہ ایسا نہ ہونے پائے۔"

پھر آدھے گھنٹے کے بعد فریدی بھی آپہنچا تھا۔ حمید سے اُس کی روداد سننے کے بعد وہ اُس ساحل پر آئے تھے، جہاں لانچ پائی گئی تھی۔ لاش اب بھی لانچ میں موجود تھی۔

مرنے والے کے چہرے پر اس وقت غوطہ خوری کی نقاب نہیں تھی، لیکن لباس بدستور جسم پر موجود تھا۔ اس لباس میں کئی سوراخ تھے جن سے خون اُبلا تھا اور آس پاس جم گیا تھا۔ حمید نے بغور اس کا چہرہ دیکھا لیکن شناسائی کی ہلکی سی جھلک بھی نظر نہ آئی۔ ویسے وہ راستے بھر سوچتا آیا تھا کہ اب وہ اُسے پہچان سکے گا۔ کیونکہ اُس کی آواز کچھ جانی پہچانی سی محسوس ہوئی تھی۔

"سوال تو یہ ہے کہ یہ پرسوں رات کا سارا دن اور ساری رات لانچ کو کہاں لئے پھرا ہوگا اور پھر مرنے کے لئے بھی وہی جزیرہ منتخب کیا جہاں تمہیں پھینک گیا تھا۔" فریدی بڑبڑایا

ہوا لانچ کے مختلف حصوں کا جائزہ لیتا رہا۔ لانچ پر اب صرف وہی دونوں رہ گئے تھے۔ انچارج اور چند کانسٹیبل کچھ دور کنارے پر کھڑے تھے۔

"سنو....." دفعتاً وہ حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "وہ اس لانچ میں نہیں مرا۔"

"کیا مطلب.....!"

"لباس میں سوراخ اُس کے مرنے کے بعد بنائے گئے ہیں.....!" وہ لاش کے قریب آکر بولا۔ لباس کے تسمے ڈھیلے کئے چند لمحے لاش کے بائیں پہلو پر نظر جمائے رہا پھر حمید سے بولا۔ "ادھر آؤ..... یہ دیکھو..... ٹھیک دل پر گولی لگی ہے لیکن اس جگہ غوطہ خوری کے لباس میں سوراخ نہیں ہے..... جلدی میں وہ اس زخم کی طرف دھیان نہ دے سکے اور لاش کو غوطہ خوری کا لباس پہنا کر متعدد فائر کئے گئے۔"

"لیکن ان سوراخوں کو بھی دیکھئے ان سے خون ابلا ہے..... جسم ٹھنڈا ہو جانے کے بعد یہ چیز ناممکن ہے۔"

"دو سوراخوں کو کسی دوسری طرح خون آلود کر دینا ناممکن تو نہیں ہے۔ پہلے زخم سے جو خون بہا ہوگا وہ انہیں خون آلود کرنے کے لئے کافی ہوا ہوگا۔ اچھا اگر گولی یہیں لانچ پر ماری گئی تو لانچ کے کسی حصے پر خون کا کوئی دھبہ دکھاؤ۔"

حمید بھی سوچ میں پڑ گیا۔ بالآخر بولا۔ "چلئے یہی درست ہوگا لیکن آخر اس ڈرامے کا مقصد۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ آدمی جو لانچ لے اڑا تھا اب بھی محفوظ ہے اور یہ کوئی اور ہے جسے زبردستی اس کہانی کا ایک کردار بنایا گیا ہے۔"

"آخر کیوں؟ وہ لانچ کو کہیں چھوڑ کر فرار ہو سکتا تھا..... اس ڈرامے کی ضرورت ہی کیا تھی۔"

"غالباً..... تم نے اُس پر یہ بات ظاہر کر دی تھی کہ تمہیں اُس کی آواز کچھ جانی پہچانی سی معلوم ہوتی ہے۔"

حمید ذہن پر زور دینے لگا اور اُسے یاد آیا کہ شاید اُس نے یہ بات کہی تھی۔ یقیناً کہی تھی اُسے یاد آیا۔ جواب میں اُس نے کہا تھا کہ وہ کوئی غیر قانونی کام نہیں کر رہا۔ بلکہ مجرموں کی

ایک بہت بڑی ٹولی خود اس کے پیچھے ہے۔

"جی ہاں.....!" حمید بولا۔ "میں نے یہ بات اُس پر ظاہر کر دی تھی۔"

"لہٰذا جو کچھ بھی میں کہہ رہا ہوں اس کے بھی امکانات ہیں۔" فریدی بولا

"ڈاکٹر آخر یہ سب ہو کیا رہا ہے.....!" حمید بڑبڑایا پھر چونک کر بولا۔ "قاسم رہا..... آپ ڈاکٹر شاپور سے ملے تھے۔"

"ملا تھا..... لیکن بے سود۔" فریدی نے کہا اور لانچ سے اترتا ہوا بولا۔ "آؤ.....!"

اُس نے انچارج کو لاش اور لانچ کے متعلق کچھ ہدایات دیں اور آگے بڑھ گیا۔ حمید اُس کے ساتھ چل رہا تھا۔ فریدی نے اپنی اور ڈاکٹر شاپور کی ملاقات کا ذکر چھیڑ دیا۔

وہ پیدل ہی ایک جانب چلے جا رہے تھے۔ دفعتاً حمید بولا۔ "ہم کہاں جا رہے ہیں۔"

"کہیں بیٹھیں گے۔"

وہ اب جزیرے کے سب سے خوشنما حصے میں داخل ہو رہے تھے۔ چاروں طرف بڑی خوبصورت عمارتیں بکھری ہوئی تھیں۔

وہ ایک اچھے سے کیفے میں جا بیٹھے۔ حمید نے پوچھا۔ "پھر کیا ہوا۔"

"میں نے اُس آدمی پر نظر رکھی۔" فریدی نئے سگار کا گوشہ توڑتا ہوا بولا۔ "تھانے سے تین سادہ لباس والوں کو منتخب کیا، جو ہر حال میں اُس کی نگرانی کر سکیں۔ اس کے بعد میں میونسپل آفس سے جزیرے کی ساری عمارتوں کے نقشے منگوائے اور ایسی عمارتیں تلاش کرنے جس کے اندرونی حصوں تک پک اپ جیسی بڑی گاڑیاں جا سکیں، تین عمارتیں مل بھی گئیں۔"

وہ خاموش ہو کر سگار سلگانے لگا اور حمید مضطربانہ انداز میں بولا۔ "پھر کیا ہوا؟"

"اُس میں کہیں بھی سر جاوید کے حلئے کا کوئی آدمی نہ مل سکا۔"

"بہر حال اُنہیں میں سے کسی عمارت میں قاسم رکھا گیا تھا۔"

"یقین کے ساتھ تو نہیں کہا جا سکتا کہ ڈاکٹر شاپور نے غلط بیانی سے کام نہ لیا ہو۔"

"کیا آپ نے اپنی معلومات کے سلسلے میں اس کی لڑکی ویرا کا بھی حوالہ دیا تھا۔"

"نہیں.....!" فریدی نے کہا اور سگار دانتوں میں دبا کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

اسٹیمر کا کیبن کافی کشادہ تھا اور آسائش کی ہر چیز مہیا تھی۔ قاسم بھی مگن تھا بھلا اُسے کیا پرواہ ہو سکتی تھی کہ اب کہاں لے جایا جا رہا ہے۔ ویسے جب بھی یہ خیال الجھن کا باعث بننے لگتا گردن جھٹک کر کہتا۔ "اونہہ ٹھینگے سے..... کیا میں کوئی ذرا سی چیز ہوں کہ سالے پڑیا میں باندھ کر غائب کر دیں گے، جہاں بھی لے جائیں گے جب چاہوں گا واپس چلا آؤں گا..... مگر یہ کٹو بیگم تو پھر نہ ملیں گی۔"

ادھر لیڈی جاوید کا یہ عالم تھا کہ اُس کے گرد پھرتی تھی۔ اس وقت بھی وہ دونوں کیبن میں تنہا تھے۔

"تم نے یہ نہ پوچھا کہ اب کہاں جا رہے ہیں۔" لیڈی جاوید نے کہا۔

"کیا ضرورت ہے۔"

"تمہاری اسی سعادت مندی کی بناء پر تمہارے پاپا تم سے بہت خوش ہیں۔ ورنہ یاد داشت کھو بیٹھے تھے شور شرابا مچاتے۔"

"بھلا میں کیوں مچاتا..... جب کہ آپ یعنی کہ آپ.....!"

"ہاں..... ہاں کہو..... خاموش کیوں ہو گئے۔"

"جب کہ..... آپ... ہی ہی ہی..... اتنی اچھی ہیں۔" وہ شرما کر اپنی انگلی مروڑتا ہوا بولا۔

لیڈی جاوید پر معنی انداز میں مسکرائی اور اُس سے بولی۔ "ادھر دیکھو..... میری طرف دیکھو۔"

قاسم نے سر اٹھا کر دیکھا اور دوسری طرف منہ پھیر کر اپنی "ہی ہی ہی" میں بریک لگانے کی کوشش کرنے لگا۔

"جب تم اچھے تھے تو تمہیں لڑکیوں سے دوستی کرنے کا بے حد شوق تھا۔" لیڈی جاوید بولی۔

"اب بھی ہے..... اب بھی ہے۔" قاسم جلدی سے بول پڑا۔

"اب ہم جہاں چل رہے ہیں بہت سی لڑکیوں سے دوستی ہو سکے گی۔"

"مگر..... مغر.....!"

"مگر کیا.....!"

"آپ ہی جیسی ہوں گی نا..... ہی ہی ہی ہی"

"میں نہیں سمجھی تم کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"مم..... مطلب یہ کہ..... خوب لمبی تڑنگی..... آپ ہی جیسی۔"

"اوہ.....!" وہ ہنس پڑی پھر سنجیدہ ہو کر بولی۔ "یہ تو مشکل ہے مجھ جیسی تو نہیں مل سکے گی۔"

"پھر کیا فائدہ.....!" قاسم مردہ سی آواز میں بولا۔

لیڈی جاوید کو پھر ہنسی آگئی دیر تک ہنستی رہی اور قاسم بھی کھسیانے انداز میں اس کا ساتھ دیتا رہا۔ دفعتاً کسی نے کیبن کے دروازے پر دستک دی دونوں خاموش ہو گئے اور لیڈی جاوید نے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "کون ہے..... آجاؤ۔"

سر جاوید دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ قاسم نے ایسا منہ بنایا جیسے مکھی نگل گیا ہو۔

"منور بیٹے..... جی تو نہیں مالش کر رہا..... اوہ ضرور یہی بات ہے۔ تم منہ بنا رہے ہو۔"

"جی نہیں..... یہ تو ایسے ہی بن گیا ہے۔"

"یہ..... لیمو..... چوستے رہو۔" اُس نے دو تین لیمو جیب سے نکال کر اُس کی طرف بڑھا دیئے۔

"کیا میں قوئی لونڈیا ہوں؟" قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

"منور..... منور.....!" لیڈی جاوید اُس کا شانہ تھپکنے لگی۔

"جی اچھا لائیے.....!" قاسم یک بیک بھیگی بلی بن گیا۔ ہاتھ بڑھا کر اُس نے لیمو لے لیا اور سر جھکائے بیٹھا رہا۔



لانچ میں پائی جانے والی لاش کی شناخت نہیں ہو سکی تھی اور وہ سیونتھ آئی لینڈ واپس آگئے تھے۔ اس دوران میں فریدی کے طلب کئے ہوئے اُس کے اپنے محکمے کے کچھ لوگ وہاں پہنچ چکے تھے۔ اُن میں سارجنٹ رمیش بھی تھا جس نے مقامی پولیس کے سادہ لباس والوں سے فریدی کے بتائے ہوئے کاموں کا چارج لے لیا تھا۔

فریدی کی واپسی پر اُس نے اپنی رپورٹ پیش کی۔ وہ اُس آدمی کی نگرانی کرتا رہا تھا۔ اُس آدمی نے دو تار مقامی تار گھر سے دیئے تھے جن کی نقول اُس نے حاصل کر لی تھیں۔

پہلے تار کا مضمون تھا۔ "لانچ ابھی تک نہیں مل سکی..... موبی۔"

دوسرے تار کا مضمون تھا۔ "لانچ..... مرتبان..... وہ چلا گیا..... موبی۔"

دونوں تار ایک ہی پتہ پر ایک ہی مقام کے لئے روانہ کئے گئے تھے۔ پتہ تھا۔ "ہنی مون..... نومی چار آئی لینڈ۔"

"ہنی مون.....!" حمید نے دانت پر دانت جما کر سسکاری لی۔

"اُس آدمی موبی..... یا جو کچھ بھی اُس کا نام ہو..... اُس پر ہر وقت نظر رکھو۔" فریدی نے رمیش سے کہا۔

رمیش کے چلے جانے کے بعد حمید بولا۔ "آپ کا کیا خیال ہے۔"

"پہلے تار کا یہی مطلب ہے کہ وہ خود یا جسے اُس نے اطلاع دی ہے لانچ کے متعلق کچھ نہیں جانتے تھے لیکن ہم میں ضرور دلچسپی لے رہے تھے دوسرے تار سے ظاہر ہے کہ اُسے لانچ کے مرتبان میں پائے جانے کی اطلاع ملی اور اُس نے کسی دوسرے کو اس سے مطلع کرنا ضروری سمجھا۔"

"لیکن چلا کون گیا؟"

"ہو سکتا ہے اشارہ میری طرف ہو۔ میں لانچ کی بازیابی کی اطلاع ملتے ہی یہاں سے مرتبان کے لئے روانہ ہو گیا تھا۔"

"بہر حال ان تاروں کی وجہ سے اس سلسلے کی دوسری کڑی مل گئی ہے۔" حمید نے طویل سانس لے کر کہا۔

"ہنی مون..... نومی چار.....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بڑبڑایا۔ پھر حمید کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"کبھی نومی چار گئے ہو۔"

"اگر آپ گئے ہوں گے تو میں بھی ضرور گیا ہوں..... عالم یہ ہے کہ فرشتوں نے بھی اٹھایا تو زبان سے پہلے یہی نکلے گا میاں ذرا کرنل کو بھی اٹھا دینا..... اسی قبر میں استراحت فرما رہے ہیں۔"

"اب ہو آؤ..... میں تو کئی بار جا چکا ہوں۔"

"میں اُس زمانے میں کہاں پایا جاتا تھا۔"

"غالباً مشرق بعید کے کسی محاذ پر رہے ہو گے..... بہر حال تمہیں وہ جگہ بہت آئے گی۔ ان جزائر میں سب سے بڑا ہے۔"

"مجھے وہاں کیا کرنا ہو گا؟"

"سب سے پہلے تو یہ کرنا ہو گا کہ پہچانے نہ جاسکو۔ پھر ہنی مون کے متعلق پتہ کس کا پتہ ہے۔ اُس کے بعد اُس آدمی کو نظر میں رکھنا مجھے مطلع کرنا پھر میں وہیں پہنچ کر گا کہ کیا کرنا ہے۔ یہ لوگ پوری طرح ہوشیار ہیں۔ ہماری نقل و حرکت پر نظر رکھنے کوشش کرتے ہیں۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ مجھے میک اپ میں رہ کر تفتیش کرنی پڑے گی۔"

"میرا تو یہی خیال ہے۔"

"میک اپ کھلتا ہے مجھے۔"

فریدی اُس کی بات پر دھیان نہ دیتا ہوا بولا۔ "بلکہ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ پائپ پینا ورنہ اپنی اسٹائل زدگی کی بناء پر مارے جاؤ گے۔"

"یہ تو بالکل ہی ناممکن ہے۔"

"سگریٹ پیپر رکھنا۔ تمباکو رول کر کے پینا۔ پرنس ہنری کا ڈبہ بھی تمہارے ہاتھ ہونا چاہئے تمباکو پاؤچ میں رکھنا۔"

"اور روز صبح اٹھ کر دنبالہ دار سرمہ لگانا۔" حمید جل کر بولا۔ "چست جمپر اور چوڑی پاجامہ پہننا..... اور یوں چلنا۔"

وہ اٹھا اور لچک لچک کر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھانے لگا۔

"غصے میں ہمیشہ بھانڈ معلوم ہونے لگتے ہو۔" فریدی مسکرایا۔

"اب آپ کوئی ایسی تدبیر کیجئے کہ ویرا شاپور بھی نومی چار پہنچ جائے۔"

"آخری ہدایت۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر سنجیدگی سے بولا۔ "وہاں قدم قدم پر ویرائیں اُگتی ہیں۔ اگر ہوش میں نہ رہے تو جہنم رسید ہو جاؤ گے۔"

"ارے جناب تو پھر آپ خود ہی کیوں نہیں تشریف لے جاتے۔" حمید نے کہا پھر کسی خیال کے تحت چونک پڑا اور بولا۔ "آخر یہ قاسم اس شدت سے کیوں اُلو ہو گیا ہے۔"

"شاگرد ہے تمہارا..... اور کیا کہوں! ڈاکٹر شاپور نے کسی لیڈی جاوید کا تذکرہ کیا تھا۔ جو اسی کی طرح لمبی تڑنگی ہے اور خوبصورت بھی ہے۔ عمر بھی پچیس چھبیس سال ہے۔"

"اوہ..... یہ بات ہے..... تب تو وہ سچ مچ اپنی یاد داشت کھو بیٹھا ہو گا۔"

"بس اب اٹھو تیاری کرو۔"

"اٹھتا ہوں..... مگر وہ لوگ چاہتے کیا ہیں؟"

"کیا میں غیب داں ہوں؟" فریدی جھنجھلا گیا۔

وہ دونوں سی سائیڈ ہیون میں مقیم تھے۔ لیکن ڈاکٹر شاپور یہاں سے جا چکا تھا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 94

شیطانی جھیل

(دوسرا حصہ)

پیشرس

ساتواں جزیرہ کے بعد اسی سلسلے کی دوسری کتاب شیطانی جھیل ملاحظہ فرمایئے۔ ساتواں جزیرہ کی کہانی قاسم کے اغواء سے شروع ہوئی تھی اور "شیطانی جھیل" کا اختتام اس کی بازیابی پر ہوا ہے..... شیطانی جھیل سے متعلق اگر اس کہانی میں آپ کو اپنے کسی سوال کا جواب نہ مل سکے تو براہِ راست مجھے لکھ بھیجئے۔ اس طرح مجھے اس کے بعد والی کہانی کا ڈھانچہ تیار کرنے میں مدد بھی ملے گی اور آپ مطمئن بھی ہو جائیں گے۔

ادھر بہتیرے پڑھنے والے مجھ سے اس بناء پر خفا رہے ہیں کہ میں دھڑا دھڑ فریدی کے ناول کیوں لکھ رہا ہوں۔ آخر عمران کہاں گیا؟

عمران پھر آرہا ہے..... مطمئن رہئے۔

اس بار کچھ عجیب قسم کے خطوط موصول ہوئے ہیں۔ لاہور سے کسی صاحبہ نے اٹھائیس پیسے کے بیرنگ لفافے کے ذریعے مجھے مطلع کیا ہے کہ انہیں میری کتابیں مہنگے داموں خریدنی پڑتی ہیں۔ پتہ نہیں ایسا کیوں ہوتا ہے جب کہ کافی تعداد میں کتب لاہور جاتی ہیں۔ بہر حال میری استدعا ہے کہ کتاب پر چھپی ہوئی قیمت سے ایک پیسہ بھی زیادہ ادا نہ کیجئے اور مجھے اس دوکان کا پتہ لکھ بھیجئے جہاں سے میری کتب مقررہ قیمتوں میں اضافے کے ساتھ فروخت ہوتی ہیں۔ ویسے آپ نے اس کا انتقام مجھ سے بیرنگ لفافے کی شکل میں لیا ہے..... حالانکہ میں بیچارہ ..... خیر اللہ آپ کو معاف کرے۔

دوسرا خط بمبئی سے موصول ہوا ہے۔ لفافے پر پتہ میرا ہی ہے لیکن لفافے سے برآمد ہونے والا خط کراچی کی کسی صاحبہ کے نام ہے..... ہو سکتا ہے میرا خط ان صاحبہ کے پاس پہنچا ہو۔ اگر وہ مناسب سمجھیں تو اس غلطی کا ازالہ ممکن ہے۔

ایک صاحب نے ملتان سے پوچھا ہے کہ عمران عورتوں سے کیوں دور بھاگتا ہے۔ پھر لکھتے ہیں مہربانی کر کے عمران کی شادی جولیانا فٹز واٹر سے کرادیں۔ بڑی نوازش ہوگی۔

بھلا آپ کو اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ مانا کہ آپ کا نام بھی عمران ہی ہے۔ لیکن علی عمران کی شادی سے بھلا عمران احمد صاحب کو کیا فائدہ پہنچے گا۔ آپ ہی نہیں اکثر خواتین و حضرات کی خواہش ہے کہ فریدی، حمید اور عمران کی شادیاں کرادی جائیں۔ لیکن میں اس قسم کے مشوروں پر عمل کرنے پر تیار نہیں۔ اگر یہ لوگ "بال بچے داری" میں پڑ گئے تو میرا کیا بنے گا..... ابھی تو ان کی ساری کی ساری کمائی پر میں ہی قابض رہتا ہوں..... خدا وہ روز بد نہ لائے کہ ان کے سہروں کے پھول کھلیں..... آپ بھی ہاتھ اٹھایئے..... بددعا کیلئے۔

بھائی عمران احمد صاحب آپ خود اپنی شادی کی فکر کیجئے۔ پھر سال بھر کے بعد اگر آپ نے علی عمران کی بھی شادی کی خواہش کی تو ضرور کرادوں گا..... (ویسے توقع ہے کہ چھ ماہ بعد ہی آپ شادی کر دریا میں ڈال کا نعرہ لگاتے پھریں گے۔ شفیق الرحمان صاحب سے معذرت کیساتھ)۔

ابن صفی

۱۶/۳۰/۶۵

مصنف کی سیکریٹری

سائرہ سوچ رہی تھی آخر قلندر کی کوئی کل سیدھی بھی ہے۔ پھر فوراً یہ بھی سوچنا پڑا کہ دیکھئے اب اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ حتی الامکان وہ اسی کے لئے کوشاں رہی تھی کہ اسے قلندر کے ساتھ کہیں باہر نہ جانا پڑے۔ لیکن وہ تو اس مسئلہ کے تصفیہ کے لئے اس کے گھر آدھمکا اور سائرہ کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ وہ ڈر رہی تھی کہ کہیں اس کا باپ حامی نہ بھر لے۔

اس کے باپ کو معلوم ہوا کہ سائرہ کا باس مکان کے سامنے کھڑا ہے اور اس سے ملنا چاہتا ہے تو وہ بھی نروس ہو گیا۔ وہ ڈرا کہ کہیں وہ سائرہ کو ملازمت سے الگ کر دینے کی اطلاع نہ لایا ہو۔ اس کا خیال تھا کہ سائرہ ایک ضدی چڑچڑی اور خود سر لڑکی ہے اس کے ساتھ کسی کا نباہ ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ وہ خود بیچارہ ملازمت کر چکا تھا اور اچھی طرح جانتا تھا کہ ملازمت برقرار رکھنے کے لئے آدمی کو بعض اوقات خود اپنی ہی نظر سے گرنا پڑتا ہے..... بہرحال جسم و روح کا رشتہ استوار رکھنے کے لئے کیا کچھ نہیں کرنا پڑتا۔ خود اس نے پٹوار گیری سے ترقی کر کے قانون گوئی حاصل کی تھی اور ایک سے دوسرے عہدے تک فاصلہ کس طرح طے ہوا تھا یہ اس کا دل ہی جانتا ہے۔

اس نے نشست کے کمرے سے جلدی جلدی کاٹھ کباڑ اٹھا کر صحن میں پھینکا اور سالخوردہ فرنیچر کی گرد جھاڑنے لگا۔ سائرہ سے کہہ دیا تھا کہ وہ اسے چند منٹ باہر ہی الجھائے رکھے..... پردہ نشین بیوی کو آنکھیں دکھائی تھیں کہ وہ اس کی موجودگی میں بچوں کو کاٹنے

کو سنے سے احتراز کرے گی۔

پھر کسی نہ کسی طرح قلندر کا استقبال کر کے نشست کے کمرے میں لایا تھا۔

"آپ ہی عبدالغفور صاحب ہیں۔" قلندر نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے خشک لہجے میں کہا۔ "آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔"

"جی..... یہ..... ہماری خوش قسمتی ہے۔"

"کہ میں یہاں تشریف لایا۔" اس بار اُس کا لہجہ پہلے سے بھی زیادہ خشک تھا۔

عبدالغفور نے دانت نکال دیئے..... اس وقت اس کی بعینہ ایسی ہی حالت تھی ڈپٹی صاحب کے سامنے اچانک پیشی ہو گئی ہو۔

"سائرہ میری سیکریٹری ہے....." قلندر نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں..... جی ہاں۔"

"آپ جانتے ہیں کہ ایک سیکریٹری کے فرائض کیا ہوتے ہیں۔"

"جی ہاں..... جی ہاں.....؟" عبدالغفور جلدی سے بولا اور کھانسنے لگا۔ ٹی بی کا مر تھا اس لئے ہیجانی لمحات اُس کے لئے کھانسیوں کی یلغار لاتے تھے۔ قلندر نے جیب سے رو نکال کر ناک پر رکھ لیا۔ آنکھوں میں گہرا تنفر لہریں لے رہا تھا۔

وہ کھانس چکا تو ہانپنے لگا۔ سائرہ اتنی نروس تھی کہ دوڑ کر اس کے لئے پانی کا گلاس بھی لا سکی۔ بہر حال وہ ہانپتا اور بے بسی سے قلندر کی طرف دیکھتا رہا۔

"تو آپ ایک سیکریٹری کے فرائض سے واقف ہیں..... لیکن آپ نے اپنی لڑکی صحیح تربیت نہیں کی۔"

"یہ میں کیا سن رہا تھا.....!" عبدالغفور آنکھیں نکال کر سائرہ کی طرف مڑا۔

قلندر سختی سے ہونٹ پر ہونٹ جمائے بیٹھا سامنے دیوار کو گھور تا رہا۔

"مم..... میں.....!" سائرہ ہکلائی۔

"بتاؤ.....!" عبدالغفور نے حلق پر زور دے کر کہا اور اُسے پھر کھانسی آگئی۔

"یہ مم..... مجھے..... باہر لے جانا چاہتے ہیں۔"

"جی.....!" عبدالغفور قلندر کی طرف مڑا۔ آنکھوں میں تحیر آمیز استفہام تھا۔

"کوئی بھی سیکریٹری کو ساتھ لئے بغیر کہیں باہر نہیں جاتا۔ کیوں کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟ پھر سیکریٹری رکھنے کا فائدہ ہی کیا؟"

عبدالغفور اس بار سوچ میں پڑ گیا..... اور قلندر اُسے گھور تا رہا۔

تھوڑی دیر بعد عبدالغفور نے نحیف سی آواز میں کہا۔ "جی..... میری برادری والے....."

"بس بس.....!" قلندر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں سمجھ گیا..... ارذل طبقے کی برادریاں اب بھی برقرار ہیں..... یہی بات تھی تو لڑکی کو تعلیم کیوں دلائی تھی..... اپنی ہی برادری کے کسی ٹانگے والے سے بیاہ دیتے۔"

"جی..... یہ بات نہیں....." اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن پھر خاموش رہ گیا۔ سائرہ کا غصے کے مارے بُرا حال تھا۔ بس چلتا تو قلندر کا منہ نوچ لیتی۔

"پھر کس لئے تعلیم دلائی تھی۔ کیا اس لئے بی۔اے کی ڈگری سمیت اسے اپنی برادری کے کسی ٹانگے والے کے حوالے کر دو گے۔"

"جی اب میں کیا بتاؤں۔" عبدالغفور نے بے بسی سے کہا۔

"صریحاً یہی مقصد تھا کہ وہ تمہاری کفالت کرے اور سنو اگر اسی کی سی اہلیت رکھنے والا کوئی لڑکا ہوتا تو اُسے ڈھائی صد روپے ماہوار سے زیادہ کی ملازمت نہ ملتی۔ لیکن یہ اب ساڑھے چار سو روپے ماہوار کما رہی ہے۔"

"جی ہاں..... جی ہاں..... میں آپ کا شکر گذار ہوں۔"

"شکر گذاری میرے کس کام کی۔"

"آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔"

"نومی چار..... تم جانتے ہو کہ میں مصنف ہوں۔ میرے لئے ماحول کی تبدیلی ضروری ہے۔ میں کچھ بہت ہی اہم کتابیں لکھنا چاہتا ہوں..... لیکن سونار کی فضا اس کے لئے سازگار نہیں۔"

عبدالغفور فوراً ہی کچھ نہ بولا۔ سر جھکائے بیٹھا رہا۔ قلندر اسے گھورے جا رہا تھا۔

عبدالغفور سوچتا رہا۔ آدھی پنشن فروخت کر چکا ہوں۔ آدھی تو مہینے کے چار دن بھی نہ

نکال سکے گی۔ اگر سائرہ کی ملازمت بھی جاتی رہی تو کیا ہو گا۔ بچوں کی فیس کیسے ادا ہو گی۔ کے بلوں کی ادائیگی کیسے ہو گی۔ کسی دوسری جگہ وہ ساڑھے چار سو نہیں حاصل کر سکے گی آدمی صرف سنکی معلوم ہوتا ہے۔ سنکی اور صاف گو۔ دل کا بُرا نہیں۔ اور اوباش بھی ہو سکتا۔ میں نے اپنے بال دھوپ میں تھوڑے ہی سفید کئے ہیں۔ صورت دیکھ کر بتا سکتا کہ کون کیسا آدمی ہے۔ برادری والوں کا کیا ہے..... کون حرامزادہ یہ پوچھتا ہے عبدالغفور مر رہے ہو یا جی رہے ہو۔ جہنم میں جائیں سب اور پھر کون سا مجھے اپنی بیٹی جاہلوں میں بیاہنا ہے۔

بالآخر اس نے سر اٹھا کر پھنسی پھنسی سی آواز میں کہا۔ "جی بہت اچھا۔"

"ابا جی.....!" سائرہ قریب قریب چیخ پڑی۔

عبدالغفور نے مغموم سی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا اور نرم لہجے میں بولا۔ "زمانہ بہت ترقی کر چکا ہے۔"

پھر سوچنے لگا کہ اب اسے کیا کہنا چاہئے۔ اتنے میں ایک جیٹ طیارہ کان پھاڑتا ہوا چھ سے گذر گیا اور عبدالغفور نے تھوک نگل کر کہا۔ "لڑکیاں آج کل ہوائی جہاز اڑاتی ہیں۔"

سائرہ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر رہ گئی۔

بہر حال اب کوئی بہانہ باقی نہیں رہا تھا۔ قلندر چلا گیا..... لیکن سائرہ بھی گھر میں ٹک سکی تھی۔ کیونکہ اس کے باپ کے فیصلے سے اس کی ماں نے اس حد تک اختلاف کیا کہنے لگی۔ "اس سے بہتر تو یہ تھا کہ تم بیٹی کو چکلے میں بٹھا آتے.....!"

باپ جوتا لے کر جھپٹا..... سائرہ بیچ میں آ گئی اور وہ کھانسیوں کی پرواہ کئے بغیر چیخ چیخ کہتا رہا۔ "حرامزادی..... جاہل..... تو کیا جانے..... یہ نیا زمانہ ہے..... کتیا کی بچی۔"

بوڑھیا چیخ چیخ کر روتی اور عبدالغفور کی سات پشتوں کو نوازتی رہی۔

اور سائرہ گھر سے نکل کھڑی ہوئی..... اسی دن ٹھیک دو بجے اسے سونار بھی پہنچانا وہاں سے دونوں اسٹیمر پر ساتھ سفر کرتے۔

سامان ہی کیا لینا تھا۔ اٹیچی میں چند جوڑے کپڑے رکھ لئے تھے۔ اُس کا خیال تھا کہ عادت کے مطابق اس مسئلے پر مزید گفتگو نہیں کرے گا۔ جو بات جہاں شروع ہو کر ختم ہو

اسے آگے کبھی نہ بڑھاتا۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے وہ اس کے متعلق سب کچھ بھول گیا ہو.....

لیکن اس معاملے کو نہ جانے کیوں دوبارہ چھیڑ بیٹھا۔

"آخر تم کیوں نہیں جانا چاہتی تھیں میرے ساتھ؟" اس نے پوچھا

سائرہ کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دے۔ ویسے ساتھ جانے پر نارضامندی کی اس کے علاوہ اور کوئی وجہ نہیں تھی کہ چوبیس گھنٹے بور ہونا اس کے بس کا روگ نہیں تھا۔

"بولو..... بتاؤ مجھے.....!" وہ آنکھیں نکال کر غرایا۔

"دراصل..... مجھے ڈر معلوم ہوتا تھا۔"

"مجھ سے.....؟" قلندر اچھل پڑا۔

"جی نہیں..... اس سے۔"

"کس سے.....!"

"وہ جو میرا تعاقب کرتا ہے.....؟" اس نے آج پہلے پہل قلندر سے اس کا تذکرہ کیا۔

غیر ارادی طور پر..... کچھ نہ کچھ تو بولنا ہی تھا..... یہ بات زبان سے نکل گئی۔

"کون کرتا ہے تمہارا تعاقب.....؟" وہ آنکھیں نکال کر بولا۔

اور سائرہ کو پوری کہانی شروع سے دہرانی پڑی پھر یہ بھی بتایا کہ وہ کس طرح کیپٹن حمید کو دھوکا دے کر نکل گیا تھا اور پھر اس کے بعد سے نظر نہیں آیا تھا۔

قلندر تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر غصیلی آواز میں بولا۔ "تم نہیں سمجھ سکتیں..... یہ اسی مردود کی حرکت ہو گی۔"

"نہیں..... یہ ناممکن ہے۔"

"کیا.....؟" وہ آنکھیں نکال کر غرایا۔ "میں غلط کہہ رہا ہوں۔"

"جی نہیں.....!" سائرہ بوکھلا گئی۔

"میں اُسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ حرکت اس نے محض اس لئے کی تھی کہ تم اُس سے اس کا تذکرہ کرو اور وہ تمہیں اپنا ممنون کرم بنانے کے لئے تمہاری مدد کا وعدہ کر لے۔ ارے وہ سور کا بچہ..... میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ لڑکیوں سے متعارف ہونے کا ماہر ہے۔ اگر ایسا نہیں تھا تو روزانہ دوڑ کر آتا کیوں تھا؟ یہی بات تھی۔"

اس پر سائرہ نے اُسے خنجر والا واقعہ بھی بتایا۔

"سب بکواس ہے؟" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "اس ڈرامے میں زور پیدا کرنے کے لیے یہ حرکت بھی کر بیٹھا ہوگا۔ خود ہی کسی آدمی سے کہہ دیا ہوگا کہ خنجر پھینک کر بھاگ نکلے۔"

"لیکن اگر وہ خنجر لگ ہی جاتا تو.....!"

"ایسا رہا ہی نہ ہوگا کہ لگ سکتا۔ کیا تم نے اُس خنجر کو ہاتھ میں لے کر دیکھا تھا۔"

"جی نہیں۔"

"تو بس اسی پر یقین کر لو جو میں کہہ رہا ہوں۔"

سائرہ کش مکش میں پڑ گئی۔ خنجر کے بارے میں حمید کا رویہ یاد آیا۔ اس نے اس کی قطعی پرواہ نہیں کی تھی۔ حتیٰ کہ اٹھ کر دیکھا تک نہیں تھا۔ پھر کیا قلندر بیچ ہی کہہ رہا ہے۔

نومی چار بیچ مچ بڑی حسین جگہ ثابت ہوئی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ پہلے کبھی کیوں نہ آیا۔ اس سے بڑی تفریح گاہ شائد ملک میں کوئی دوسری نہیں تھی۔ لیکن تفریح سے پہلے کام ضروری تھا۔

اس نے ہوٹل مونا کو میں قیام کیا اور اسی دن سے کام بھی شروع کر دیا..... لیکن پہلی ہی منزل پر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

تار گھر والوں نے بتایا کہ وہ خود بھی اس سلسلے میں کافی بیزار ہو چکے ہیں کیونکہ "ہنی مون" یہاں کسی کا بھی ٹیلی گرافک ایڈریس نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس پتہ پر تار آتے ہیں اور ردی کی ٹوکری کی نذر ہو جاتے ہیں۔

"کیا کچھ محفوظ بھی ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"ہو سکتا ہے..... میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔" پوسٹ ماسٹر نے کہا۔

تب حمید نے اسے اپنا کارڈ دیتے ہوئے کہا۔ "یہ بہت ضروری ہیں۔"

پوسٹ ماسٹر کا منہ کھلا اور پھر بند ہو گیا۔ اس کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں اور وہ کچھ دیر بعد بڑبڑایا۔ "یہی تو میں کہتا تھا کہ کچھ گڑبڑ ضرور ہے۔"

حمید چاروں طرف دیکھ کر بولا۔ "آپ کسی سے بتائیں گے نہیں کہ میں کون ہوں اور کیا چاہتا ہوں۔"

"جی ہاں..... قطعی نہیں..... قطعی نہیں۔" وہ حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا پُر تفکر لہجے میں بولا۔

معمر تھا اور الجھے ہوئے ذہن کا آدمی معلوم ہوتا تھا۔

حمید نے اسے غور سے دیکھا اور اپنی اس حماقت پر افسوس کرنے لگا جب میک اپ میں تھا تو اسے اپنی صحیح شخصیت سے آگاہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ "ہنی مون" ایک ٹیلی گرافک ایڈریس تھا۔ اُس پتے پر تار آتے تھے لیکن انہیں موصول کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ کیا اس پتے پر تار بھیجنے والے اس حقیقت سے لاعلم ہو سکتے ہیں کہ ان کے تار تقسیم نہیں کیے جا سکے؟ ایسی صورت میں "ہنی مون" والے تاروں کا سلسلہ ختم ہو جانا چاہئے تھا۔ لیکن پوسٹ ماسٹر کے بیان کے مطابق وہ اب بھی آتے رہتے ہیں؟

پوسٹ ماسٹر نے جلد ہی دس بارہ تار اس کے حوالے کئے اُن میں وہ دونوں تار بھی موجود تھے جو سیونتھ آئی لینڈ سے کسی "موبی" نے روانہ کئے تھے۔

"میں انہیں لے جانا چاہتا ہوں۔"

"بالکل لے جائیے جناب۔" پوسٹ ماسٹر نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ میرا خیال ہے کہ آپ مجھے ان کی رسید بھی عنایت کریں گے۔

"بالکل..... بالکل.....!" حمید نے کہا اور کاغذ کے ایک ٹکڑے پر رسید لکھنے لگا۔

"کیوں صاحب.....!" پوسٹ ماسٹر بولا۔ "پولیس اس سلسلے میں مجھ سے جواب تو نہ طلب کرے گی۔"

"کس سلسلے میں.....!" حمید نے سر اٹھائے بغیر پوچھا۔

"یہی کہ میں اس معاملے کو پولیس کے علم میں کیوں نہیں لایا۔"

"آپ کیسے سمجھ لیتے کہ پولیس کو ان سے دلچسپی ہو سکتی ہے۔"

"یہی تو..... یہی تو....." وہ سر ہلا کر بولا۔

"بس اب اس سلسلے میں قطعی خاموشی اختیار کیجئے اور اس کے بعد بھی جو تار آئیں انہیں میرے لئے احتیاط سے رکھ لیجئے۔"

"میں یہی کروں گا جناب..... یہی کروں گا۔"

حمید نے سارے تار سمیٹ کر بیگ میں رکھے اور وہاں سے چل پڑا۔ کاؤنٹر پر بیٹھی ایک لڑکی اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ حمید اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا تھا اور لڑکی بھی بے ساختہ قسم کی مسکراہٹ کو دباتی ہوئی دوسری طرف مڑ گئی تھی۔

کوئی اور موقع ہوتا تو شائد اس کی یہ مسکراہٹ اسے روک بھی لیتی لیکن اس وقت اچھی طرح جانتا تھا کہ یہاں رکنا کسی طرح بھی مناسب نہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ وہ تار روانہ کر دینے کے لئے تو بھیجے نہیں جاتے تھے۔ ان کا کوئی مقصد تھا جو کسی نہ کسی کو ضرور حاصل ہوتا تھا۔ ہو سکتا ہے تار گھر ہی کے کسی فرد کے لئے وہ تار آتے رہے ہوں۔

بہر حال فریدی نے جو کام اسے سونپا تھا اس کی تکمیل ہو چکی تھی۔ اب وہ اُس کی ہدایت حاصل کئے بغیر دوسرا قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔ ویسے ذاتی طور پر اپنی اس حماقت کا ازالہ تو کر چکا تھا کہ اس نے خود کو پوسٹ ماسٹر پر ظاہر کر دیا تھا اور یہ ازالہ اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا کہ موجودہ میک اپ ختم کر کے کوئی دوسری وضع اختیار کرتا۔ لیکن مسئلہ تھا ہوٹل کا..... کہ اس نے دو افراد کی رہائش کے لئے انگیج کیا تھا لیکن خود بھی میک اپ میں وہاں متعارف ہونا اس کے علاوہ کسی دوسرے میک اپ میں رہائش ناممکن ہو جاتی۔

ہوٹل پہنچتے پہنچتے تدبیر سوجھ ہی گئی اور اس نے کاؤنٹر کلرک سے کہا اگر کوئی مسٹر پرویز وہاں آئیں اور اسے پوچھیں تو انہیں فوراً اس کے کمرے میں بھجوا دیا جائے، کیونکہ وہ اس کے ساتھ قیام ہی کرنے کی غرض سے آ رہے ہیں۔

راستے میں اس نے خیال رکھا تھا کہ کہیں کوئی اس کا تعاقب تو نہیں کر رہا اور ہوٹل میں داخل ہوتے وقت قطعی طور پر مطمئن تھا کہ کوئی اس کے پیچھے نہیں آیا۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر کچھ دیر آرام کرنے کے بعد اس نے لباس تبدیل کیا اور

اپ میں بھی تبدیلی کر کے باہر نکل آیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ کاؤنٹر کلرک سے کیپٹن خاور کے متعلق پوچھ رہا تھا۔

"آپ مسٹر پرویز ہیں؟" کاؤنٹر کلرک نے پوچھا۔

"جی ہاں..... جی ہاں۔"

"کیپٹن خاور کمرہ نمبر سترہ میں آپ کے منتظر ہیں۔"

"میں پہلے یہاں کبھی نہیں آیا..... کیا آپ کسی کو ساتھ نہ کر دیں گے۔"

"ضرور..... ضرور....." کاؤنٹر کلرک نے ایک ویٹر کو اشارے سے بلا کر کہا۔ "کمرہ نمبر سترہ میں لے جاؤ۔"

کمرہ نمبر سترہ کے دروازے پر رک کر حمید نے دستک دی۔ چند لمحے کھڑا رہا اور پھر دروازے کو دھکا دے کر اندر چلا آیا۔

اب وہ کیپٹن خاور سے مسٹر پرویز ہو چکا تھا اور سوچ رہا تھا کہ فریدی کو اس تبدیلی کی اطلاع دینی چاہئے۔

لیکن اسی ہوٹل کا فون استعمال کرنا نامناسب سمجھا کیونکہ ایکس چینج پر بیٹھنے والی لڑکی ان کی گفتگو یقینی طور پر سن لیتی۔

شام تک وہ کمرے ہی میں پڑا رہا..... چھ بجے باہر نکلا..... سوچ رہا تھا کہیں سے فون پر سینتھ آئی لینڈ کے ہوٹل سی سائیڈ ہیون سے رابطہ قائم کر کے فریدی سے گفتگو کرے۔

یہاں اور بھی کئی اچھے ہوٹل تھے۔ ڈائریکٹری دیکھ کر ایک کا انتخاب کیا۔ وہ چاہتا تو مقامی پولیس اسٹیشن سے بھی فون کر سکتا تھا لیکن اس کیلئے اسے پھر اپنی شخصیت ظاہر کرنی پڑتی۔

ہوٹل مونٹی کارلو کے ڈائننگ ہال میں داخل ہوتے وقت اسے ہوٹل کے آج کے تفریحی پروگرام کی ایک کاپی دی گئی..... وہ اسے لئے ہوئے ایک میز کے قریب جا بیٹھا۔

یہاں تک چلا تو آیا تھا لیکن اب سوچ رہا تھا کہ کسی ہوٹل سے فون کرنا تو بالکل ہی غیر محفوظ ہوگا کیونکہ ہر ہوٹل کا الگ ایکسچینج ہوتا ہے۔

اور آپریٹر ساری گفتگو سنتے ہیں۔ معاملہ ایسا تھا کہ تفصیل بیان کئے بغیر وہ پوری رپورٹ دے ہی نہیں سکتا تھا۔

"اونہہ دیکھا جائے گا۔ وہ دوسرے دن سیونتھ آئی لینڈ پہنچ جائے گا....." پھر ہلانے لگی تھیں۔

ویٹر سے کافی لانے کو کہا اور ریکریشن ہال کے پروگرام کی کاپی دیکھنے لگا۔ آج ٹوئیسٹ تھی..... مغربی ٹوئیسٹوں کے ساتھ ہی ساتھ لڈی ٹوئیسٹ اور خیبر ٹوئیسٹ وغیرہ کے بورڈ نظر آئے اور اس نے سوچا کہ شام یہیں گذاری جائے۔

ویٹر کافی رکھ کر چلا گیا تھا..... وہ کافی پاٹ کا ڈھکن اٹھا کر سوندھی بھاپ سے اندوز ہوتا رہا..... پھر پیالی میں شکر ڈال کر کافی انڈیلنے جا ہی رہا تھا کہ بیساختہ چونک پڑا۔ سرخ اس کی طرف متوجہ ہو گئی ہے..... وہ سر ہلاتی رہی اور قلندر دونوں ہاتھ ہلا کر کچھ کہتا رہا۔

قلندر بیابانی کی سیکریٹری سائرہ اوپری منزل کے زینے طے کر کے ڈائیننگ ہال میں آ رہی تھی۔ پر قدم رکھ رہی تھی۔

حمید نے متحیرانہ انداز میں سیٹی بجائی اور سر کا پچھلا حصہ سہلانے لگا۔

اب سائرہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ایک خالی میز کی طرف جا رہی تھی۔

حمید مطمئن تھا کہ وہ اسے پہچان نہ سکے گی لیکن سوچ رہا تھا کہ یہاں اُس کا کیا نہیں وہ تنہا ہے یا قلندر بھی ساتھ ہے۔

جلد ہی یہ الجھن بھی رفع ہو گئی کیونکہ اس نے قلندر کو بھی زینے طے کر کے دیکھا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں ایک ہی میز پر نظر آئے۔ قلندر نے کاؤنٹر کلرک کو ہدایات بھی دی تھیں۔

سائرہ بیزار بیزار سی دکھائی دیتی تھی اور وہ دونوں ہی خاموش تھے۔

حمید سوچ رہا تھا کہ کیا یہ اطلاع بھی فریدی کے لئے دلچسپ ثابت ہو سکے گی۔ ان کا ان معاملات سے کیا تعلق۔ ہو سکتا ہے یہ محض اتفاق ہو۔ پھر اُسے وہ نامعلوم آدمی جو سائرہ کا تعاقب کیا کرتا تھا..... اور پھر وہ خنجر.....؟

کافی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ حمید نے ویٹر کو اشارے سے بلا کر دوبارہ گرم کافی لانے اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

دھندلی اور ٹھنڈی روشنی میں آزاد کلب کے آرکسٹرا کی ہلکی ہلکی موسیقی کچھ بھلی لگ رہی تھی۔ ذہن کے دھندلکوں میں بعض بھولی بسری یادیں اپنی مخصوص خوشبوئیں

وہ سائرہ میں کھویا رہا۔ پھر تازہ کافی آئی تھی اور وہ ہلکی ہلکی چسکیاں لیتے وقت مستقل طور پر سائرہ ہی کو مرکز بنائے رہا تھا۔

اس نے سوچا کہ وہ اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش ضرور کرے گا۔

اتنے میں اس نے دیکھا کہ قلندر اس سے جلدی جلدی کچھ کہہ رہا ہے اور وہ بھی پوری

سائرہ وہیں بیٹھی رہی۔

پندرہ بیس منٹ گذر گئے لیکن قلندر کی واپسی نہ ہوئی۔

حمید سوچ رہا تھا کہ مناسب موقع ہے وہ اٹھ کر سائرہ کی میز کے قریب آیا اور نہایت ادب سے بولا۔ "اگر میں غلطی پر نہیں تو یہ مشہور مصنف جناب قلندر بیابانی تھے۔"

"جی ہاں..... آپ کا خیال درست ہے....." سائرہ جلدی سے بولی۔ وہ کچھ بوکھلا سی گئی تھی۔

"کیا پھر تشریف لائیں گے؟"

"جج..... جی..... پتہ نہیں۔" وہ اسے غور سے دیکھتی ہوئی بولی کیونکہ وہ براہِ راست اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔

غدار

"عرصہ سے ملنے کی خواہش تھی۔" حمید نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ "یوں تو ان کی ساری تصانیف بھی پڑھی ہیں اور تصاویر بھی دیکھتا رہتا ہوں لیکن ملنا بھی چاہتا تھا..... غالباً وہ

یہیں مقیم ہیں۔"

"جی ہاں..... جی ہاں..... میں ان کی سیکریٹری ہوں۔"

"اوہ بڑی خوشی ہوئی۔" حمید بڑے مخلصانہ انداز میں کھل اٹھا۔ "کیا آپ مجھے دیں گی کہ میں کچھ دیر آپ سے اپنے محبوب مصنف کی باتیں کروں۔"

وہ کچھ ہچکچائی پھر مسکرا کر بولی۔ "ضرور..... ضرور۔"

حمید کرسی کھسکا کر اسی میز پر جم گیا اور سعادت مندانہ انداز میں بولا۔ "بہت شکریہ۔" سائرہ کچھ نہ بولی۔ حمید بڑی فنکارانہ مہارت کے ساتھ اپنی آواز کو بدلنے پر تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کے متعلق کیا پوچھوں؟ وہ کتنی دیر واپس آئیں گے۔"

"کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ صبح واپسی ہو۔ اپنے کسی دوست کے ہاں برج کھیلنے گئے ہیں۔ برج کے علاوہ انہیں اور کسی کھیل سے دلچسپی نہیں اور یہ دلچسپی اس حد ہے کہ اکثر ساری رات کھیلتے رہ جاتے ہیں۔"

"اوہ..... اوہ.....!" حمید مضطربانہ انداز میں ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ "مجھے بے حد افسوس ہے کہ اس وقت ملاقات نہ ہو سکے گی کیا آپ پھر کسی وقت مجھے ان سے ملا سکیں گی۔"

"بشرطیکہ وہ اس پر تیار ہوگئے۔" سائرہ نے جواب دیا۔ اب اس کی ہچکچاہٹ جاتی رہی تھی۔

"کیا عام طور پر اپنے مداحوں سے ملنا پسند نہیں کرتے۔"

"میں نے تو آج تک نہیں دیکھا کہ وہ اپنے کسی پڑھنے والے سے ملے ہوں۔"

"کیا انکار کر دیتے ہیں۔"

"جی ہاں! اکثر ایسے خطوط آتے رہتے ہیں جن میں اس خواہش کا اظہار ہوتا ہے۔ ہمیشہ جواب یہی لکھواتے ہیں کہ میں اس کے لئے وقت نہ نکال سکوں گا۔"

"بہت بڑے آدمی ہیں۔" حمید نے طویل سانس لی۔

"آخر آپ مل کر کیا کریں گے۔ اس سے کیا فائدہ ہوتا ہے۔"

"فائدہ تو کچھ بھی نہیں ہوتا..... لیکن۔"

"تو پھر ملنا فضول ہی ہے۔"

"آپ سمجھتی نہیں..... وہ اتنے بڑے مصنف ہیں۔"

"بس صرف بڑے مصنف ہی ہیں اور کوئی خاص بات مجھے ان میں نظر نہیں آئی۔"

"آپ ہر وقت دیکھتی رہتی ہیں نا۔" حمید نے بے ڈھنگی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"کیا آپ بھی یہیں مقیم ہیں۔" سائرہ نے پوچھا۔

"جی نہیں..... بس یونہی چلا آیا تھا۔"

"مجھے تو وحشت ہوتی ہے یہاں کے ماحول سے۔" سائرہ بولی۔

"جی ہاں..... کوئی خاص جگہ نہیں ہے۔ آپ لوگوں کو تو ہوٹل مونا کو میں ٹھہرنا چاہئے تھا۔"

"دراصل میں ذاتی طور پر ہوٹلوں سے قطعی دلچسپی نہیں رکھتی۔"

"میں پھر عرض کروں گا کہ کسی اچھے ہوٹل میں ٹھہریئے۔ آپ یقیناً اُسے پسند کریں گی۔ ویسے میرا خیال ہے کہ آپ دلچسپی لینا ہی نہیں چاہتیں۔"

"کیوں یہ کیسے کہا آپ نے۔"

"ٹھیک ہی کہا ہے میں نے..... اس وقت آپ کی ہم عمر ساری لڑکیاں ریکریئیشن ہال میں ٹوئسٹ کر رہی ہوں گی..... آپ یہاں بیٹھی ہیں۔"

"مجھے ٹوئیسٹ کرنا نہیں آتا.....!"

"ٹوئیسٹ میں کیا رکھا ہے..... بس موسیقی کے اتار چڑھاؤ اور لے کے ساتھ جسم کو تھرکاتی اور لچکاتی رہیئے۔"

"مجھے شرم آتی ہے..... سوچ کر ہی شرم آتی ہے۔"

"ٹوئیسٹ ناچ نہیں بلکہ ورزش ہے۔"

"کچھ بھی ہو..... مجھے وحشت ہوتی ہے ان چیزوں سے۔"

"پھر بھی دیکھ لینے میں کیا ہرج ہے۔ اگر آپ کہیں تو ریکریئیشن ہال کے ٹکٹ لاؤں۔"

"جی نہیں شکریہ۔"

"آپ واقعی عجیب ہیں۔" حمید مسکرایا۔

"قلندر صاحب اسے پسند نہیں کریں گے....." وہ بے بسی سے بولی۔

"کمال ہے..... کیا آپ نے ان کے ہاتھ اپنا سوچتا ہوا ذہن بھی فروخت کر دیا۔"

سائرہ کچھ نہ بولی۔ غالباً سوچ رہی تھی کہ جواب میں اسے کیا کہنا چاہئے۔

ٹھیک اسی وقت حمید سنبھل کر بولا۔ "معاف فرمایئے گا..... مجھے اس حد تک تکلف نہ ہونا چاہئے..... ہم ابھی ابھی تو ملے ہیں۔"

"نہیں..... نہیں۔" سائرہ مسکرائی۔ "ایسی کوئی بات نہیں۔"

"تو پھر لاؤں ٹکٹ۔" حمید نے احمقانہ انداز میں خوش ہو کر پوچھا۔

"لائیے۔" وہ آہستہ سے بولی اور صدر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔

حمید وہاں آیا جہاں ریکریئیشن ہال کے ٹکٹ ملتے تھے۔ دو ٹکٹ خریدے اور پھر واپس آیا۔

"چلئے.....!" سائرہ سے اس نے کہا۔

"کہیں قلندر صاحب واپس نہ آجائیں۔"

"اونہہ..... چھوڑیئے..... دیکھا جائے گا۔ اب تو میں ٹکٹ لے آیا ہوں۔"

"چلئے.....!" وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی اور اٹھ گئی۔

ریکریئیشن ہال میں خاصی چہل پہل تھی۔ انڈس ویلی چاچا چا بج رہا تھا لیکن رقاص اپنی میزوں سے نہیں اٹھے تھے۔

ایک ویٹر نے ایک خالی میز تک ان کی رہنمائی کی۔

وہ بیٹھ ہی رہے تھے کہ ایک جوڑا تھرکتا ہوا اپنی میز سے اٹھا اور رقص کے فرش پر آیا..... کچھ دیر تک صرف وہی دونوں ناچتے رہے پھر دوسروں نے بھی اُن کی تقلید شروع کر دی اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا فرش بھر گیا۔

سائرہ منہ دبائے ہوئے ہنس رہی تھی۔

"آپ ہنس رہی ہیں.....!" حمید بولا۔

"واقعی مجھے ہنسنا نہ چاہئے۔" وہ یک بیک سنجیدگی اختیار کر کے بولی۔ "رونے کا مقام ہے..... یہ لڑکیاں جو کل تک پردے میں رہتی تھیں آج یہاں سینکڑوں مردوں کی موجودگی میں کتنی بے حیائی سے اپنے جسموں کو حرکت دے رہی ہیں۔"

حمید نے سوچا اب یہ صاحبزادی اخلاقیات پر بور کریں گی۔ لہٰذا جلدی سے بولا۔

"آپ سب سے پہلے قلندر صاحب کے ناول پڑھ لیتی ہوں گی۔"

"جی ہاں....." وہ خشک لہجے میں بولی۔ "میں ہی لکھتی ہوں لیکن لکھ لینے کے بعد قطعی یاد نہیں رہتا کہ کیا لکھا تھا۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔"

"مجھے کسی قسم کے بھی ناول پسند نہیں۔"

"یعنی آپ کو ادب سے دلچسپی ہی نہیں۔"

"یہ میں نے کب کہا ہے۔"

"تو پھر کس قسم کا ادب پسند ہے آپ کو۔"

"انشائیہ یا پھر غنائیہ۔"

"یعنی شاعری اور تنقید وغیرہ۔"

"شاعری اور ایسیز.....!"

"کون سا شاعر پسند ہے..... آپ کو۔"

"ہر وہ شاعر جو خالص شاعری کرتا ہو۔ سیاسیات! اخلاقیات یا فلسفے پر بور نہ کرتا ہو۔"

"ابھی تو آپ اخلاقیات ہی سے متعلق کچھ کہہ رہی تھیں۔"

"نثر میں..... ہر چیز کا اپنا الگ مقام ہوتا ہے۔ ہیئر آئل میں بال سیاہ کرنے کی ادویات بلاشبہ ملائی جا سکتی ہیں لیکن ملیریا یا ٹائیفائیڈ کی دوائیں ہرگز نہیں ملائی جا سکتیں۔ ملائی بھی گئیں تو بے مصرف ثابت ہوں گی۔"

"آپ تو باقاعدہ بحث کر سکتی ہیں اس مسئلہ پر۔"

"جی ہاں..... کیوں نہیں؟"

"تو پھر اختر شیرانی پسند ہو گا آپ کو۔"

"مجھے پسند ہے۔"

"اگر آپ کوشش کریں تو ٹوئیسٹ بھی کر سکتی ہیں۔ سر سے پانک نغمگی ہی نغمگی ہو کر رہ جائے گا۔"

"جی نہیں شکریہ۔ آپ ٹکٹ خرید چکے ہیں اس لئے صرف دیکھتی رہوں گی۔ ویسے اگر

آپ ناچنا چاہیں تو کسی اور کو تلاش کر لیجئے۔"

"مجھے آج تک ناچنے کا اتفاق ہی نہیں ہوا۔"

"تو بس پھر خاموشی سے دیکھتے رہئے۔"

"جی ہاں..... پھر اور کیا کروں گا۔" حمید نے مردہ سی آواز میں کہا۔

اور وہ اس کی مسمسی سی شکل دیکھ کر ہنس پڑی..... ٹھیک اسی وقت پلیٹ فارم سرے پر کھڑے ہوئے دو آدمی ان کی طرف مڑ کر تیزی سے میز کے قریب آئے اور ح نے اپنے داہنے شانے پر کسی سخت چیز کی چبھن محسوس کی۔

"ریوالور کی نال ہے۔" اس آدمی نے کہا جو اس کے سر پر مسلط تھا۔ حمید نے دوسر کی طرف دیکھا جو سائرہ سے لگا کھڑا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے کوٹ کی جیب میں ریوالور ہو۔ حمید نے سائرہ کے چہرے کا رنگ اڑتے دیکھا۔

دوسرا آدمی اس سے پوچھ رہا تھا۔ "قلندر کہاں ہے۔"

"میں نہیں جانتی۔" اس نے پھنسی پھنسی سی آواز میں کہا۔

"تم بتاؤ.....!" اس بار اس آدمی نے کہا جو حمید سے لگا کھڑا تھا۔

"میں کیا بتاؤں..... تم کون ہو۔ الگ ہٹ کر کھڑے ہو۔ یہ کیا بد تمیزی ہے۔"

"بکواس کی تو گولی مار دوں گا۔ یہ ریوالور بے آواز ہے کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوگی۔"

"لیکن میں کیا بتا سکوں گا کہ وہ کہاں ہے۔ اس کی سیکریٹری سے پوچھئے۔"

"تم کون ہو۔"

"عبدالودود.....!"

"ان لوگوں سے تمہارا کیا تعلق ہے۔"

"کچھ بھی نہیں! کچھ ہی دیر پہلے ہماری ملاقات ہوئی تھی۔"

"کیوں کیا یہ صحیح ہے۔" اس نے سائرہ سے پوچھا۔

سائرہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"چلو اٹھو..... تم دونوں۔" اس نے حمید کے شانے پر مزید دباؤ ڈال کر کہا۔

"ٹکٹ لے کر آئے ہیں جی..... یہ دیکھو۔" اس نے اپنے کوٹ کی جیب میں ہا

ڈالنے کے بہانے اس کے ہاتھ کو جھٹکا دیا جو اس کی کوٹ کی جیب میں تھا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اس کا مکا بھی اس کی ناک پر پڑا۔ وہ اچھل کر رقص کے فرش پر جا پڑا..... دوسری طرف الٹا ہاتھ اس آدمی کے منہ پر لگا جو سائرہ کی پشت پر کھڑا ہوا تھا۔ پھر ریکریئیشن ہال میں اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ وہ دونوں باقاعدہ طور پر حمید پر جھپٹ پڑے تھے۔ سائرہ دیوار سے لگی کھڑی ہذیانی انداز میں چیخے جا رہی تھی۔

سائرہ کی بدحواسی بڑھتی رہی لیکن اس کے باوجود بھی خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ کئی بار سختی سے دانت پر دانت جمائے لیکن آواز تھی کہ نکلے ہی جا رہی تھی۔ وہ چیختی رہی اور ہال میں ہنگامہ برپا رہا۔

پھر دفعتاً چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔ ہال کے سارے بلب بجھ گئے تھے۔ اس کے بعد اس کی چیخیں بھی گھٹ کر رہ گئی تھیں۔ خود بخود نہیں بلکہ اندھیرے میں کسی کا ہاتھ اس کے منہ پر پڑا تھا اور سختی سے جم گیا تھا..... پھر اس کے پیر بھی زمین سے اکھڑ گئے تھے۔ کسی نے اسے اپنی کمر پر لاد لیا تھا۔ یہ سب کچھ اچانک ہوا تھا اس لئے اس کے اعصاب اسے برداشت نہ کر سکے اور اس کا ذہن بھی تاریکیوں میں ڈوب گیا۔

دوسری بار ہوش آنے پر محسوس ہوا جیسے وہ کسی گاڑی میں سفر کر رہی ہے۔ انجن کی تیز آواز کان کے پردے پھاڑ رہی تھی۔

اس نے اٹھنا چاہا لیکن کامیاب نہ ہوئی کیونکہ دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور دونوں ٹانگیں کروٹ پڑی ہوئی تھی۔ اس نے چیخنا چاہا لیکن آواز نہ نکلی اور ساتھ ہی محسوس ہوا کہ منہ میں حلق تک کپڑا ٹھونس دیا گیا ہے۔ اب تو اس کا دم گھٹنے لگا۔ ایسا محسوس ہونے لگا جیسے تھوڑی ہی دیر میں جان نکل جائے گی۔ پھر اس نے یہی مناسب سمجھا کہ اپنا دھیان بٹاتی

رہے..... لیکن یہ ہوا کیا؟ وہ دونوں کون تھے اور کیا چاہتے تھے۔ اس بیچارے کا پتہ نہیں کیا حشر ہوا ہو۔ کیا یہ لوگ قلندر کے دشمن ہیں؟ اور اس دشمنی کی نوعیت کیا ہے۔ لیکن اسے کیوں پکڑا گیا ہے۔ یہ لوگ اس سے کیسا برتاؤ کریں گے؟

ذہن سوچنے کے قابل ہوا تو گتھی بندھ گئی۔ بُری طرح رعشہ پڑ گیا تھا سارے جسم میں۔ انجن کی تیز آواز ذہن پر ہتھوڑے چلاتی رہی۔ خدا خدا کر کے گاڑی رکی اور کسی نے اسے اٹھایا..... کھلی فضا کی خنکی اس نے اپنے چہرے پر محسوس کی۔ لیکن آنکھیں کچھ نہ دیکھ سکیں کیونکہ باہر بھی اندھیرا ہی تھا۔

کچھ دیر بعد اس نے خود کو ایک عمارت میں پایا۔ یہ کافی کشادہ کمرہ تھا اور سلیقے سے سجا گیا تھا۔ ایک آدمی نے اس کے حلق سے کپڑا نکالا۔ پھر اسے ایک آرام کرسی میں ڈال دیا۔ کچھ دیر بعد کمرے میں اس آدمی کے علاوہ اور کوئی نہیں رہ گیا تھا اور وہ خاموشی سے گھورے جا رہا تھا۔ لیکن یہ ان لوگوں میں سے نہیں تھا۔

یہ ان لوگوں میں سے نہیں تھا جنہوں نے ہوٹل میں ہنگامہ برپا کیا تھا۔ سائرہ کے کانوں میں کانٹے پڑ گئے تھے اور کنپٹیاں سنسنا رہی تھیں۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا آتا جا رہا تھا۔ وہ آدمی میز کی طرف بڑھا جس پر پانی کا جگ اور گلاس رکھا ہوا تھا۔ اس نے گلاس میں انڈیلا اور خاموشی سے سائرہ کی طرف بڑھا دیا۔ گلاس لیتے وقت سائرہ کا ہاتھ بُری طرح کانپ رہا تھا۔ گلاس پر گرفت مضبوط ہونے کے باوجود وہ محسوس کر رہی تھی جیسے گلاس ہاتھ سے پھسلا جا رہا ہو۔

بدقت تمام اس نے چند گھونٹ حلق سے اتارے اور گلاس ہاتھ میں لئے سر جھکائے بیٹھی رہی۔ اس آدمی نے گلاس اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔ "گھبراہٹ ہو رہی ہے..... آپ اسے پی کر سکون محسوس کریں گی۔"

لہجے کی نرمی نے سائرہ کو اس کی طرف دیکھنے پر مجبور کیا۔ دراز قد اور جسیم آدمی تھا۔ جبڑے بھاری تھے اور بائیں جبڑے پر زخم کا گہرا نشان تھا۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" اس آدمی نے اسے اپنی جانب متوجہ پا کر کہا۔ "آپ بُرے آدمیوں میں نہیں ہیں۔"

"لیکن..... لیکن.....!" سائرہ ہکلائی۔

"ہاں..... ہاں..... کہئے..... ڈریئے نہیں۔ یہاں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔"

"مجھے یہاں اس طرح کیوں لایا گیا ہے؟"

"ابھی معلوم ہو جائے گا۔ آپ پہلے کافی پی لیجئے۔ اس طرح آپ سکون سے گفتگو بھی کر سکیں گی۔"

سائرہ کچھ نہ بولی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کہاں آ پھنسی ہے۔ تھوڑی دیر بعد ایک بوڑھی عورت کافی کی ٹرے لائی۔ دراز قد آدمی نے اس سے ایک پیالی بنانے کو کہا اور خود دوسری طرف دیکھنے لگا۔ اس کے انداز سے بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی خاص بات ہی نہ ہو۔ سائرہ ایک معزز مہمان کی حیثیت سے یہاں آئی ہو اور اب وہ اس کی مدارات کر رہا ہو۔ کافی پی کر اس نے سچ مچ کافی سکون محسوس کیا اور اب وہ یہ جاننے کے لئے بے چین تھی کہ وہ پراسرار آدمی اس سے کیا چاہتا ہے۔

"میں آپ کو زیادہ دیر الجھن میں نہیں رکھنا چاہتا۔" وہ کچھ دیر بعد بولا۔ "آپ کب سے قلندر کے ساتھ کام کر رہی ہیں۔"

"چھ ماہ سے۔"

"کیا کرتی ہیں.....!"

"اپنے ناولوں کے مسودے ڈکٹیٹ کراتا ہے۔"

"ہوں.....!" وہ کسی سوچ میں پڑ گیا۔

میں یہ پوچھ رہی تھی کہ مجھے اس طرح یہاں لانے کا مقصد کیا ہے۔

"میں نے اس طرح نہیں لانا چاہا تھا۔ میرے آدمیوں سے غلطی ہوئی۔ انہوں نے سخت بدتمیزی سے کام لیا۔ انہیں اس کی سزا مل رہی ہے۔ اگر یقین نہ ہو تو میرے ساتھ آیئے۔ دکھاؤں آپ کو۔" وہ اٹھ گیا۔ سائرہ بھی غیر ارادی طور پر کھڑی ہو گئی اور اُس کے ساتھ چلنے لگی..... وہ دوسرے کمرے میں آئے اور سائرہ نے ان دونوں کو چھت سے الٹا لٹکا دیکھا جنہوں نے ہوٹل میں ہنگامہ برپا کیا تھا۔ قریب ہی ایک آدمی ہنٹر لئے کھڑا تھا۔

"انہیں اس کی سزا ضرور ملے گی....." سائرہ کے ساتھ والے آدمی نے کہا اور وہ

دونوں گڑگڑانے لگے۔ لیکن وہ انہیں کوئی جواب دیئے بغیر دروازے کی طرف مڑ گیا۔

سائرہ بھی اس کے ساتھ ہی پہلے والے کمرے میں آئی۔

"بیٹھیے۔" اس نے آرام کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ان بدبختوں نے بتایا گیا تھا کہ آپ سے قلندر کے متعلق معلومات حاصل کریں اور اگر کسی طرح ممکن ہو تو آپ کو ہمارے تک لائیں..... لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا کہ اس طرح لائیں جیسے لائے ہیں۔"

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں..... قلندر صاحب کے بارے میں کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں؟"

"پہلے آپ مجھے بتایئے کیا آپ کو اپنے وطن سے محبت ہے۔"

"ہے کیوں نہیں؟"

"تو پھر آپ وطن کے لئے کیا کر سکتی ہیں۔"

"جان تک دے سکتی ہوں.....!" سائرہ نے کسی قدر جوش کے ساتھ کہا۔

"مجھے یہی توقع تھی..... میں آپ کے چہرے پر دیانتداری کا نور دیکھ رہا ہوں۔ ایسی ہی محب وطن معلوم ہوتی ہیں کہ وطن کے لئے سب کچھ قربان کر دیں۔"

وہ خاموش ہو گیا اور سائرہ اسے حیرت سے دیکھتی رہی۔ آخر وہ کہنا کیا چاہتا ہے۔ اس نے کسی زخمی بھیڑیئے کی طرح غرایا۔ "قلندر غدار ہے..... وطن فروش ہے!"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" سائرہ بوکھلائے ہوئے انداز میں بولی۔

"میں غلط نہیں کہہ رہا اچھی لڑکی.....!" اب اس کا لہجہ پھر پہلے ہی کی طرح نرم تھا۔

"مجھے حیرت ہے۔"

"غدار اپنے گلے میں تختیاں نہیں لٹکائے پھرتے۔ وہی ہوتے ہیں جن کے متعلق کسی کو شبہ بھی نہ جا سکے..... وہ ایک غیر ملک کے لئے جاسوسی کر رہا ہے۔"

"میرے خدا.....!" سائرہ اچھل پڑی۔

"جی ہاں.....!"

"تت..... تو..... آپ کون ہیں؟"

"میں..... اپنے متعلق کیا بتاؤں..... اچھا بتا دوں گا..... لیکن آپ کو اسے راز رکھنا پڑے گا۔"

"میں تیار ہوں..... کسی سے بھی تذکرہ نہیں کروں گی۔"

"یوں نہیں..... ٹھہریئے.....!" اس نے کہا اور میز کی دراز کھول کر ایک چھوٹا سا قومی پرچم نکالا اور اسے سائرہ کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ "اسے ہاتھ میں لے کر رازداری کی قسم کھایئے۔"

سائرہ چند لمحے کچھ سوچتی رہی پھر پرچم ہاتھ میں لے کر رازداری کا حلف اٹھایا۔

"اچھا تو سنئے..... میں سیکرٹ سروس کا چیف ہوں..... قلندر کے سلسلے میں تفتیش کر رہا ہوں لیکن بعض دشواریوں کی بناء پر اس کی نقل و حرکت پر نظر رکھنا ہمارے لئے قریب قریب ناممکن ہوتا جا رہا ہے..... لہٰذا اب آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔"

"مم..... میں..... بھلا میں کیا کر سکوں گی۔"

"ابھی کچھ دیر پہلے آپ کہہ رہی تھیں کہ وطن کے لئے جان بھی دے سکتی ہیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے..... لیکن اس سلسلے میں کیا کر سکوں گی۔"

"قلندر کو پوری طرح اپنے اعتماد میں لینے کی کوشش کیجئے اور اس کی مصروفیات سے ہمیں باخبر رکھئے ورنہ اگر وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو گیا تو یہ ایک بہت بڑا قومی نقصان ہو گا۔"

سائرہ کافی دیر تک اس مسئلے پر غور کرتی رہی پھر اس نے ہامی بھر لی اور کہا۔ "اب میں سمجھی کہ وہ اپنے یہاں کیپٹن حمید کی آمد کیوں پسند نہیں کرتا تھا؟"

"اس کا کیا قصہ ہے؟" وہ چونک پڑا۔

سائرہ نے قد آور اور جسیم آدمی کی گمشدگی کی کہانی دہرائی جسے وہ غور سے سنتا رہا پھر بولا۔ "یہ اچھی بات ہے کہ محکمہ سراغ رسانی والے بھی اس کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں۔ لیکن دیکھئے آپ اس معاملے کا تذکرہ کیپٹن حمید یا اس کے چیف کرنل فریدی سے نہ کیجئے گا۔ ہمارے محکمے الگ الگ ہیں۔ خصوصیت سے ہم سیکرٹ سروس والے کسی پر بھی اپنی شخصیت ظاہر نہیں کر سکتے۔"

"جی ہاں..... میں جانتی ہوں۔ میں نے اس کے بارے میں کہیں پڑھا تھا۔"

پھر وہ سائرہ کو بتانے لگا کہ وہ کس طرح اس سے رابطہ قائم رکھ سکے گی اور وہ کس طرح وقتاً فوقتاً اس سے ملتا رہے گا۔

واپسی

اندھیرا ہو جانے کے بعد حمید مختلف قسم کی چیخیں سنتا رہا کئی لوگ دوڑتے ہوئے اس سے ٹکرائے تھے لہٰذا فوری طور پر اسی میں عافیت نظر آئی کہ دیوار سے لگ کر کھڑا ہو جائے۔

"خبر دار..... خبر دار" کی صداؤں سے ہال گونج رہا تھا۔ کئی نسوانی چیخیں بھی اس نے سنی تھیں۔ دفعتاً مائیکروفون پر کسی نے کہا۔ "دروازے بند کر دیئے گئے ہیں۔ فیوز باندھا جا رہا ہے..... آپ لوگ جہاں ہیں وہیں ٹھہریں۔"

حمید نے سوچا یہ تو بہت بُرا ہوا۔ ہو سکتا ہے لوگوں نے اسے ان دونوں پر گھونسے برساتے دیکھ لیا ہو اور روشنی ہونے پر اسے پہچان بھی لیں لہٰذا وہ بڑی زحمت میں پڑ جائے گا۔

پھر کیا کرنا چاہئے۔ وہ دیوار سے لگا کھڑا سوچتا رہا۔ اتنے میں روشنی ہو گئی۔

لیکن اس کی طرف کون دھیان دیتا۔ لوگ تو ان لوگوں پر ٹوٹ پڑے تھے جنہوں نے اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر وہاں دوسری بیہودگیاں شروع کر دی تھیں۔ حمید نہایت اطمینان سے ڈائننگ ہال میں چلا آیا۔

کئی میزیں خالی تھیں..... ایک پر نہ صرف جم گیا بلکہ بیٹھتے ہی اس انداز میں کافی طلب کی جیسے اس دوران میں محض ہلکی پھلکی تفریحات میں وقت گذارا ہو۔

کچھ لوگ چاروں طرف پوچھ گچھ کرتے رہے تھے! حمید نے نہایت اطمینان سے جیب سے وہ اسپرنگ نکالے جنہیں ناک کے نتھنوں کے اندر فٹ کر لینے سے ناک کی نوک اوپر اٹھ جاتی تھی..... اور اوپری ہونٹ بھی اس طرح سکڑ جاتا تھا کہ دانت نظر آنے لگتے تھے۔

چھان بین کرنے والے کئی لوگ اس کے قریب سے بھی گذرے لیکن کسی نے بھی

خصوصیت سے اس کی طرف توجہ نہ دی۔

وہ سائرہ کے متعلق سوچ رہا تھا۔ روشنی ہو جانے پر وہ آس پاس نہیں دکھائی دی تھی۔ یہاں ڈائننگ ہال میں بیٹھ کر بھی اس نے اسے ریکریئیشن ہال سے برآمد ہوتے نہیں دیکھا تھا۔ ممکن ہے اپنے کمرے میں چلی گئی ہو۔

کافی پی کر وہ پھر اٹھا اور دوبارہ ٹکٹ لے کر ٹہلتا ہوا ریکریئیشن ہال میں آیا۔

یہاں پولیس آ گئی تھی۔ ایک طرف پوچھ گچھ ہو رہی تھی اور دوسری طرف فلور شو جاری تھا۔ سائرہ کہیں نہ دکھائی دی۔ اس نے سوچا کاؤنٹر پر کمرے کا نمبر معلوم کرنا چاہئے۔ لہٰذا تھوڑی دیر وہاں ٹھہر کر پھر ڈائننگ ہال میں آ گیا۔

کاؤنٹر کلرک سے پوچھا کیا آپ مجھے قلندر بیابانی صاحب کے کمرے کا نمبر بتا سکیں گے۔

ایک آدمی جو اس کے قریب ہی کھڑا ہوا تھا کاؤنٹر کلرک بولنے سے پہلے بول پڑا۔ "چلئے میں بھی وہیں جا رہا ہوں۔"

حمید نے اسے نیچے سے اوپر تک دیکھا۔ دبلا پتلا اور متوسط قد والا آدمی تھا..... شخصیت ایسی ہی تھی کہ پہلی نظر پڑنے کے بعد دوسری غیر ضروری ہوتی۔

"چلئے.....!" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

دو زینے طے کر کے دوسری منزل پر آئے اور حمید کا ساتھی پہلی راہداری میں مڑ گیا۔ وہ آگے تھا۔ حمید اس سے شائد دو یا تین قدم پیچھے رہا ہو گا۔

دفعتاً وہ مڑا اور رک گیا..... حمید نے اس کے ہاتھ میں اعشاریہ تین دو کا ریوالور دیکھا۔

اس کا بایاں ہاتھ ایک کمرے کے کھلے ہوئے دروازے کی طرف اٹھا ہوا تھا۔

گویا اسے اشارے سے اندر جانے کو کہا جا رہا تھا۔

حمید نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے اور چپ چاپ دروازے میں مڑ گیا۔ کمرہ خالی تھا۔

ریوالور والے نے اس سے کہا۔ "دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جاؤ..... تمہارا منہ دیوار کی طرف ہونا چاہئے۔"

"بڑی منحوس رات ہے۔" حمید نے بڑبڑاتے ہوئے اس کی ہدایات پر عمل کیا۔

وہ اس کی پشت سے ریوالور کی نال لگائے ہوئے اس کی جامہ تلاشی لیتا رہا۔ پھر پیچھے ہٹ کر بولا۔ "میری طرف مڑو۔"

"کیا قصہ ہے..... میں نہیں سمجھ سکتا۔" حمید غصیلے لہجے میں کہتا ہوا مڑا۔

"تم کون ہو.....!" ریوالور والے نے پوچھا۔

"عبدالودود.....!"

"قلندر سے کیوں ملنا چاہتے ہو۔"

"میرے خدا..... تو کیا کسی ایسے مصنف سے جو جاسوسی ناول لکھتا ہو ان مراحل سے گذرے بغیر ملاقات نہیں ہو سکتی۔"

"مگر کیوں ملنا چاہتے تھے؟"

"یار بس کیا بتاؤں..... شامت ہی سمجھ لو..... تصویر دیکھ رکھی تھی پہچان لیا۔ ڈائننگ ہال میں ملنا چاہا لیکن وہ حضرت کہیں چلے گئے۔ جس لڑکی کے ساتھ تھے وہ پرائیویٹ سیکریٹری نکلی..... کچھ دیر اس سے بھی باتیں رہیں اس نے وعدہ کیا کہ کل ملوا دے گی۔ پھر اسے ریکریئیشن ہال میں لے گیا۔ وہاں دو آدمیوں نے ریوالور کی نالیں چبھا کر قلندر صاحب کا پتہ پوچھا۔ سیکریٹری نے لاعلمی ظاہر کی..... وہ زبردستی پر آمادہ ہوئے میں لڑ گیا۔ اتنے میں اندھیرا ہی ہو گیا۔ پھر جو روشنی ہوئی تو وہ محترمہ غائب تھیں۔ میں نے سمجھا شائد اپنے کمرے میں چلی گئی ہوں۔ کمرے کا نمبر معلوم کر رہا تھا کہ تم ٹپک پڑے اور اب تم بھی ریوالور لئے کھڑے رہے ہو۔ آخر قصہ کیا ہے؟"

"قصہ میں تم سے پوچھ رہا ہوں دوست! مگر تم تو نہیں تھے اس کے ساتھ ریکریئیشن ہال میں۔"

"میں ہی تھا۔"

"ہرگز نہیں۔"

"تم آخر ہو کون! اور تمہیں کیا حق حاصل ہے کہ مجھ سے اس طرح پوچھ گچھ کرو۔"

"میں اس ہوٹل کا خانگی سراغ رساں ہوں..... سمجھے۔"

"اوہ.....!"

"لڑکی تمہارے ساتھ ہرگز نہیں تھی..... لیکن جھگڑا اُسی کی میز سے شروع ہوا تھا۔"

"جہنم میں گئی لڑکی۔ میں پوچھ رہا تھا تمہیں مجھے یہاں اس طرح لانے کی جرأت کیسے ہوئی۔"

"ہوٹل کے نظم و نسق کی ذمہ داری مجھ پر بھی عائد ہوتی ہے۔"

"لیکن اس طرح کسی شریف شہری کو ریوالور دکھا کر.....!"

"لڑکی کہاں ہے؟" خانگی سراغ رساں غرایا۔

"میں کیا جانوں۔"

"میں تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں گا۔"

"یار کیوں خواہ مخواہ دھمکا رہے ہو..... خدارا ایسا نہ کرنا..... نہیں تو بڑی بدنامی ہو گی۔ میرے ہونے والے خسر کی دوکان یہاں سے قریب ہی ہے۔"

"مجھے اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے میں تم سے لڑکی کے متعلق پوچھ رہا ہوں۔"

"بہت اچھی ہے..... تبھی تو میں کہتا ہوں کہیں میرے ہونے والے خسر کو نہ علم ہو جائے۔"

"کیا تم سیدھی طرح گفتگو نہیں کرو گے۔"

"میری سمجھ ہی میں نہیں آ رہا کہ مجھے کس طرح گفتگو کرنی چاہئے۔ ویسے ان دونوں حملہ آوروں میں سے ایک بہ آسانی پہچانا جا سکے گا۔"

"وہ کیسے.....؟"

"جھگڑے کے دوران میں اس کا پرس جیب سے نکل کر گر گیا تھا جس میں اُس کی تصویر موجود ہے۔"

"کہاں ہے..... لاؤ نکالو.....!"

حمید نے کوٹ کی اندرونی جیب سے اپنا پرس نکالا..... وہ جانتا تھا کہ اُس کی جامہ تلاشی لی جا چکی ہے اس لئے خانگی سراغ رساں غیر مطمئن نہ ہو گا۔ یہی ہوا بھی۔ اس نے پرس فرش پر ڈال دینے کے لئے کہنے کی بجائے آگے بڑھ کر اُس کی طرف ہاتھ بڑھایا..... حمید کا بایاں ہاتھ پرس سمیت آگے بڑھا اور ساتھ ہی دایاں بھی پوری قوت سے اس کی کنپٹی پر پڑا اور وہ کسی قسم کی آواز نکالے بغیر چکرا کر ڈھیر ہو گیا۔

پھر حمید یہ دیکھے بغیر کہ فرش پر گرنے کے بعد اس کا کیا حشر ہوا ہے تیز دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

دوسرے ہی لمحے میں راہ داری طے کرتا ہوا زینوں کی طرف جا رہا تھا۔ ناک سے دونوں اسپرنگ نکال لئے تھے۔

ڈائننگ ہال سے بھی گذر گیا اور اب وہ سڑک پر تھا۔

ٹیکسی میں بیٹھتے وقت اس نے سوچا اب شائد ہی اس میک اپ میں یہاں آسکے گا۔ میں اسپرنگ موجود نہ ہوتے تو خانگی سراغ رساں نے اسے پہچان ہی لیا ہوتا کہ یہاں ساتھ وہی تھا۔

"ہوٹل مونا کر.....!" اس نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا اور ٹیکسی چل پڑی۔

قلندر کی شخصیت اچانک بہت زیادہ پُراسرار ہو گئی تھی۔ وہ لوگ کون تھے اور انہوں اتنے جارحانہ انداز میں اس کے متعلق کیوں پوچھا تھا اور پھر سائرہ کہاں غائب تھی؟..... کیا وہ اسے اٹھالے گئے تھے؟

وہ سوچتا اور پائپ میں تمباکو بھرتا رہا۔ فریدی کی اس ہدایت پر اس نے عمل نہیں کہ تمباکو رول کر کے پیئے گا۔

سائرہ اب اس پروقار اجنبی سے بالکل خوفزدہ نہیں تھی۔

اس نے اسے ہدایات دی تھیں کہ کس طرح اس سے رابطہ قائم رکھ سکے گا۔ خاموش بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔

سائرہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب اُسے کیا کہنا چاہئے۔ دفعتاً یونہی بول پڑی۔

"کیپٹن حمید سے میری اچھی خاصی ملاقات ہے۔"

"ٹھیک ہے..... اچھی بات ہے۔" وہ چونک کر بولا۔ "لیکن آپ اسے اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتائیں گی۔ بعض ملکی معاملات ایسے ہوتے ہیں جن کا علم محکمہ خارجہ کے ایک مخصوص عہدے دار کے علاوہ اور کسی کو بھی نہ ہونا چاہئے۔ غالباً آپ میرا مطلب سمجھ گئی ہوں گی۔"

"جی ہاں..... میں اس کا تذکرہ اُس سے بھی نہ کروں گی۔"

"شکریہ..... کیا وہ یہاں موجود ہے۔"

"جی نہیں..... سونار میں اکثر ملاقات ہوتی ہے..... ابھی میں نے جس واقعہ کا تذکرہ کیا ہے اسی سلسلے میں ملاقات ہوئی تھی۔"

"اوہ..... اچھا.....؟"

"اب مجھے واپس جانا چاہئے....." سائرہ بولی۔

"ہاں..... ٹھہریئے..... میں انتظام کرتا ہوں....." وہ اٹھتا ہوا بولا۔ سائرہ نے اسے کمرے سے باہر جاتے دیکھا اور خود وہیں بیٹھی رہی۔

وہ سوچ رہی تھی پتہ نہیں اس بیوقوف سے آدمی کا کیا حشر ہوا ہو جو مونٹی کارلو کے ریکریئیشن ہال میں اس کے ساتھ تھا..... ہنگامہ فرو ہونے کے بعد اس نے اُسے ضرور تلاش کیا ہوگا۔

قدموں کی آہٹ پر وہ چونک پڑی۔ وہ آدمی واپس آیا تھا۔ اس نے براؤن رنگ کا ایک پرس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اُسے رکھ لیجئے..... ہماری طرف سے تحفہ ہے؟"

"اس میں کیا ہے؟" سائرہ نے تحیر آمیز لہجے میں پوچھا۔

"دو ہزار کی حقیر رقم.....!"

"ہرگز نہیں جناب..... میں جو کچھ بھی کروں گی ملک و قوم کے لئے ہوگا۔ اس کا معاوضہ لینا ہرگز پسند نہ کروں گی۔"

"یہ معاوضہ نہیں ہے....." بے حد نرم لہجے میں کہا گیا۔

"کچھ بھی ہو..... یہ ناممکن ہے۔ اگر آپ نے پھر اس کا نام لیا تو میں آپ کے لئے کچھ بھی نہ کر سکوں گی۔"

"واقعی.....!" وہ مضطربانہ انداز میں بولا۔ "آپ بہت اونچی ہیں..... قوم آپ پر مجھے بور کرنے سے کیا فائدہ..... تم لوگ خود سوچو کہ اس اعلیٰ درجہ کے ہوٹل میں ایسا واقعہ بھی فخر کرے کم ہے۔ میں اپنی اس حرکت پر نادم ہوں..... خدارا اسے بھول جایئے۔"

"کوئی بات نہیں.....!" سائرہ ہنس پڑی۔

"اچھا آیئے میرے ساتھ.....!" وہ دروازے کی جانب بڑھتا ہوا بولا۔

وہ ایک طویل اور عریض راہداری میں آئے۔ یہاں ایک وین کھڑی تھی جس کا دروازہ کھول کر اس نے اسے اندر بیٹھنے کو کہا۔ اس کے بیٹھ جانے کے بعد دروازہ بند کر دیا۔ وین چل پڑی..... اُس کی کھڑکیاں بھی بند تھیں اور اندر ایک دھندلا سا روشن تھا۔

سائرہ سوچ رہی تھی واقعی بہت محتاط لوگ ہیں۔ اگر اب وہ کوشش بھی کرے تو یہ نہیں بتا سکے گی کہ کس عمارت میں اُسے لے جایا گیا تھا۔ وین عمارت کے اندرونی حصے سے روانہ ہوئی تھی..... اور اس کا قطعی امکان نہیں تھا کہ وہ باہر سے عمارت کو دیکھ بھی سکتی۔

اُس وین کی بناوٹ بھی عام گاڑیوں سے مختلف تھی۔

اُس کے اندازے کے مطابق وین آدھے گھنٹے سے پہلے نہیں رکی تھی۔ پچھلا دروازہ کھول کر کسی نے بڑے ادب سے کہا تھا۔ "نیچے اُتر آیئے۔"

وہ اتری اور دروازہ کھولنے والے نے کہا۔ "ہم ہوٹل مونٹی کارلو کی پشت پر ہیں۔ بائیں جانب والی گلی سے گذر کر آپ عمارت کے سامنے مین روڈ پر پہنچیں گی..... اب ہمیں اجازت دیجئے۔"

سائرہ گلی کی طرف بڑھ گئی۔ مڑ کر دیکھا تک نہیں۔ حالانکہ چاہتی تو کم از کم وین کا نمبر تو معلوم ہی کر سکتی تھی۔

سڑک پر پہنچ کر ہوٹل کے صدر دروازے کا رخ کیا۔

اندر کئی الجھنیں منتظر تھیں۔ سب سے پہلے خانگی سراغ رساں ٹکرایا۔ اس سے پوچھ گچھ ہوتی رہی اور پھر سراغ رساں نے پولیس انسپکٹر کو بھی بلوالیا۔

"یہ کیا مصیبت ہے۔" سائرہ جھنجھلا کر بولی۔ "یہ ہوٹل ہے یا بدمعاشوں کا اکھاڑا۔"

"خفا ہونے کی ضرورت نہیں محترمہ۔" خانگی سراغ رساں بولا۔ "ہم صرف یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ وہ لوگ کون تھے؟"

"میں کیا جانوں! میں نے انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔"

"جھگڑا کیوں ہوا تھا۔"

"مجھ سے میرے باس کے متعلق پوچھ رہے تھے۔"

"مگر یہ تو ایسی بات نہیں جس پر ہنگامہ ہو جائے۔"

ہنگامے کا ذمہ دار وہ آدمی تھا جو اس وقت میرے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اُسی نے ان میں سے ایک کے منہ پر گھونسہ مار دیا تھا۔

"وہ کون تھا.....؟"

"میں اسے بھی نہیں جانتی۔"

"لیکن وہ آپ کے ساتھ بیٹھا تھا؟"

"بکواس مت کرو..... میرا نجی معاملہ ہے۔"

"لیکن ہوٹل کی انتظامیہ۔"

"میں اپنے باس کی عدم موجودگی میں قطعی گفتگو نہیں کر سکتی۔ ہٹو راستہ دو..... میں اپنے کمرے میں جاؤں گی۔"

"باس کی واپسی کب تک ہوگی۔" پولیس انسپکٹر نے پوچھا۔

"میں کچھ نہیں جانتی۔" اس نے کہا اور تیز رفتاری سے زینوں کی طرف بڑھ گئی۔ اس کا کمرہ قلندر کے کمرے کے برابر ہی تھا۔ اس کے روشندان بھی تاریک ہی تھے۔ قلندر غالباً ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔

اس نے اپنا کمرہ کھولا..... اندر داخل ہو کر سوئچ آن کیا..... اور دروازہ بند کر کے وہیں خاموش کھڑی رہی۔ دل شدت سے دھڑک رہا تھا..... بڑی الجھن محسوس کر رہی تھی۔ شام سے اب تک کتنی غیر متوقع چیزیں سامنے آئی تھیں۔

اس نے طویل سانس لی اور الماری سے شب خوابی کا لباس نکالنے لگی۔

اُسے یقین تھا کہ اب وہ لوگ قلندر کی واپسی سے قبل اسے بور کرنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ لباس تبدیل کر کے وہ لیٹ گئی۔ تھوڑی دیر تک تو بور ہوتی رہی تھی پھر غنودگی نے ہلہ بول دیا تھا۔

اسے احساس تھا کہ وہ سو نہیں رہی لیکن پھر بھی وہ بیداری کی کیفیت بھی نہیں تھی۔ دفعتاً ذہن کو جھٹکا لگا اور آنکھیں پوری طرح کھل گئیں۔ کوئی دروازہ پیٹ رہا تھا۔ بوکھلا کر اٹھ بیٹھی۔ حلق خشک ہو رہا تھا۔ اس نے پوچھنے کی کوشش کی کہ دستک دینے والا کون ہے..... لیکن آواز نہ نکلی۔

دستک جاری رہی۔ بالآخر وہ اٹھی اور دروازے کے قریب پہنچ کر ایک بار پھر حلق کو صاف کیا اور پھنسی پھنسی سی آواز میں بدقت پوچھ سکی "کون ہے؟"

"دروازہ کھولو.....!" باہر سے قلندر کی آواز آئی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر چٹخنی گرائی۔ قلندر دروازہ کھول کر اندر آیا۔

وہ اسے گھورتا رہا اور سائرہ خالی الذہنی کے عالم میں اسے دیکھتی رہی۔ پھر چونکی اور کرتو یہ اٹھایا۔ اسے شانوں کے گرد لپیٹتی ہوئی مسہری کی طرف مڑ گئی۔

"کیا قصہ تھا.....؟" آخر کار قلندر نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"میں صبح واپس جا رہی ہوں..... ملازمت گئی جہنم میں۔" سائرہ نے تلخ لہجے میں کہا۔

شائد پہلی بار اس انداز میں قلندر سے گفتگو کر رہی تھی۔

"بتاؤ بھی تو کیا بات تھی؟"

"میں نہیں جانتی تھی کہ کچھ ایسے دشمن بھی آپ نے پال رکھے ہیں۔"

"کیسے دشمن.....!"

"وہ جو ریوالور دکھا کر دوسروں سے آپ کا پتہ پوچھتے پھریں۔"

"یہ میرے لئے ایک حیرت انگیز اطلاع ہے۔ تفصیل سے بتاؤ۔"

سائرہ نے سنبھالا لیا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اس نے احتیاط سے کام نہیں لیا۔ اب اسے اُس آدمی کے متعلق بھی بتانا پڑے جس نے خود کو سیکرٹ سروس کا سربراہ ظاہر کیا تھا۔

پھر سوچا اس آدمی کے متعلق تو قلندر کو معلوم ہی ہو چکا ہوگا جس کے ساتھ وہ ریکریئیشن ہال میں گئی تھی لہٰذا اس کے متعلق کچھ چھپانا فضول ہی ہوگا۔

"تم خاموش کیوں ہو۔" قلندر نے جھنجھلا کر کہا۔

"کہانی آپ کے ایک فین سے شروع ہوتی ہے۔ آپ کے چلے جانے کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا تھا کہ آپ وہی مشہور مصنف ہیں نا جس کے ناول وہ بڑے شوق سے پڑھتا ہے۔ اس نے بتایا کہ وہ آپ کی تصویر پہلے کہیں دیکھ چکا تھا۔ میں نے اس کے اندازے کی تائید کی۔"

"بکواس ہے! میری تصویر آج تک شائع نہیں ہوئی۔" وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"ہاں تو پھر.....؟"

سائرہ نے اُسے بتایا کہ کس طرح اُس نے اُسے ریکریئیشن ہال میں چلنے کی دعوت دی اور وہاں کس طرح دو اجنبیوں سے جھگڑا ہوا جو اس کا پتہ پوچھ رہے تھے..... پھر یہ کہانی اس طرح ختم ہوئی کہ ہال میں اندھیرا ہو جانے کے بعد وہ بے تحاشہ باہر کی طرف بھاگی۔ اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتی اور اندازے سے چلتی ہوئی ڈائننگ ہال سے بھی گذر کر سڑک پر آ گئی تھی..... پھر بدحواسی میں جدھر منہ اٹھا چل پڑی..... پتہ نہیں کتنی دور پیدل چلنے کے بعد ایک کیفے میں جا بیٹھی تھی..... کیفے میں تقریباً ایک گھنٹہ گذارنے کے بعد جب وہ دوبارہ سڑک پر آئی تھی تو اُسے سمت کا اندازہ بھی نہیں تھا، مجبوراً ایک ٹیکسی میں بیٹھی اور ڈرائیور کو مونٹی کارلو کا پتہ بتا کر اس طرح دوبارہ یہاں تک پہنچی۔

سائرہ کو خود پر حیرت ہو رہی تھی کہ اس بدحواسی کے عالم میں بھی اس نے کتنی خوبصورتی سے کہانی کو دوسری ڈگر پر لگا دیا تھا۔

"پھر وہ تینوں آدمی تمہیں دوبارہ بھی یہاں دکھائی دیئے تھے۔" قلندر نے پر تفکر لہجے میں پوچھا۔

"نہیں پھر وہ نہیں دکھائی دیئے۔"

"مجھے حیرت ہے..... مجھے حیرت ہے۔" قلندر بڑبڑاتا ہوا مسہری کے ایک گوشے پر ٹک گیا۔

"کس بات پر حیرت ہے۔"

"اسی پر کہ ہمارے ملک کے پبلشرز ایسی چھچھوری حرکتیں بھی کر سکتے ہیں۔"

"پبلشرز.....!" سائرہ نے حیرت سے پوچھا۔

"پھر اور کون میرا دشمن ہو سکتا ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ اب میری کتابیں مارکیٹ میں آئیں..... انہیں بڑا خسارہ ہو رہا ہے۔ میرے علاوہ لوگ اور کسی کو پڑھنا پسند نہیں کرتے۔"

سائرہ دل ہی دل میں ہنسی۔ لیکن کچھ بولی نہیں۔

"لیکن..... میں انہیں دیکھ لوں گا۔" قلندر مٹھیاں بھینچ کر غصیلے لہجے میں بولا۔

"میں تو ایسے حالات میں یہاں نہیں رک سکتی۔"

"تم پاگل ہو..... فکر نہ کرو۔"

"یہی حالات رہے تو ضرور پاگل ہو جاؤں گی۔ میں کہتی ہوں اگر اُس دھینگا مشتی کے میں ریوالور چل جاتے تو کیا ہوتا۔"

"ریوالور.....!" وہ حقارت سے ہنسا۔ "محض دھمکی! تم کہتی ہو کہ ریوالور ان کی جیب میں تھے اور وہ جیب میں ہاتھ ڈالے ہوئے ان کی نالیں تمہارے چبھو رہے تھے..... کیا وہ فاؤنٹین پین رہے ہوں..... شش شش..... لاحول ولا قوۃ..... اچھا اب سو جاؤ..... میں دیکھوں گا اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔"

پھر وہ مزید کچھ کہے بغیر کمرے سے چلا گیا۔

پھر لڑکی

دوسری صبح خوشگوار تھی۔ حمید سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی بیدار ہو گیا تھا۔ ضروری سے فارغ ہو کر ناشتے کے لئے فون کیا۔ پچھلی رات مونٹی کارلو سے واپس آکر نے فریدی سے فون پر رابطہ قائم کیا تھا۔ زیادہ رات گذر چکی تھی اس لئے سیونتھ آئی لینڈ

لئے فوراً ہی لائن کلیر مل گئی تھی..... کال ایک ڈرگ سٹور سے کی تھی اور خاص خاص باتیں کوڈ ورڈز میں ہوئی تھیں۔ پوری رپورٹ سننے کے بعد فریدی نے کہا تھا کہ دوسری ہدایات ملنے تک وہ اس معاملے سے کوئی سروکار نہ رکھے۔

اب وہ سوچ رہا تھا کہ دن کس طرح گذارا جائے۔ نومی چار بڑی دلچسپ جگہ تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہاں تفریحاً آنے والے محض یہاں آکر روپیہ اڑانے کے لئے کماتے ہوں۔ کاسینوز میں اعلیٰ پیمانے پر جوا ہوتا تھا..... راتیں جاگتی تھیں اور دن سوتے تھے۔

سروں پر بالوں کے منارے بنانے والی لڑکیاں چست لباسوں میں تھرکتی پھرتیں۔ سگریٹ اور شیری پیتی ہوئی اس طرح چہکارتیں جیسے بحری پرندے اپنے شکار کا گوشت نوچتے وقت لرزتی ہوئی آواز میں سیٹیاں سی بجاتے ہیں۔ حمید اُن کے متعلق سوچتا رہا۔ وہ چلتی ہوئی بہت اچھی لگتی تھیں اور وہ ان کے چہرے نہیں دیکھ سکتا تھا..... بس کسی ایک کے پیچھے ہو لیتا اور کمر کے نیچے کی ہر تھرکن پر قربان ہوتا رہتا..... چہرے دیکھ کر کیا کرتا۔ وہ اگر ڈھنگ کے ہوتے تو چست لباسوں کی دہائی کیوں پھیلتی۔ اسی احساس کمتری نے تو اس گھٹیا قسم کی خود نمائی کی دہائی پھیلائی تھی۔ دیکھو ہماری طرف دیکھو ضرور..... ہم صرف چہرہ ہی تو نہیں ہیں..... چہروں کا کیا..... وہ تو کچھ دنوں پہلے برقعوں میں چھپے رہتے تھے..... اب ہم نے اچانک برقعے اُتار پھینکے ہیں تو کیا اس بناء پر ہماری طرف نہیں دیکھو گے کہ ہمارے چہرے پرکشش نہیں ہیں..... تمہیں دیکھنا پڑے گا..... برقعے اس لئے تو نہیں اتارے کہ تم نظریں نیچی کئے ہوئے ہمارے قریب سے گذر جاؤ..... چہروں میں کیا رکھا ہے..... یہ دیکھو۔

وہ سوچتا رہا اور اس کی ریڑھ کی ہڈی میں گدگدی سی ہوتی رہی۔ ریڑھ کی ہڈی میں گدگدی کیوں نہ ہوتی۔ وہ کوئی مبلغ اخلاق تو تھا نہیں کہ ایسی باتوں پر اس کا خون کھولنے لگتا۔

لیکن اتنا تو وہ بھی سوچتا تھا کہ اس گھٹیا قسم کی نقالی کا کیا حشر ہوگا۔ یہ غیر متوازن آزاد روی کہاں لے جائے گی..... اچانک یہ چمگادڑیں اندھیرے سے اجالے میں نکل آئی ہیں..... یک بیک اتنی روشنی..... اب..... اب کدھر جائیں کیا کریں؟

وہ چونک پڑا۔ غالباً ویٹر نے دستک دی تھی۔

"آجاؤ.....!" حمید نے بلند آواز میں کہا اور ایک ویٹر ناشتے کی ٹرے اٹھائے ہوئے

کمرے میں داخل ہوا۔

ناشتہ دو آدمیوں کا تھا۔

"میرے ساتھی کیپٹن خاور پچھلی رات ففتھ آئی لینڈ چلے گئے..... اب صرف میں ہوں۔" حمید نے کہا۔

"بہت بہتر جناب۔" ویٹر نے مودبانہ کہا۔ "میں ایک سیٹ واپس لے جاؤں گا۔"

لیکن وہ وہیں کھڑا رہا۔

"کیا برتن لے کر ہی جاؤ گے۔" حمید نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

ویٹر نے جواب دینے کی بجائے اپنی جیب سے ایک کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا جس پر سیاہ رنگ کی بلی کی تصویر تھی۔

"اوہ.....!" حمید سیٹی بجانے کے سے انداز میں ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔ یہ فریدی کے بلیک فورس کا مخصوص نشان تھا۔

"کیا کہنا ہے؟" اس نے اسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اطلاع ملی ہے کہ آج پھر ہنی مون کے پتہ پر ایک تار آئے گا۔ ہمارا ایک آدمی ایسا نہیں ہے۔ حمید بھی اس کے پیچھے ہی پیچھے کیفے میں داخل ہوا۔ وہ آدمی ایک کیبن میں بیٹھ رہا کہ اُسے کسی طرح کار آمد بنایا جاتا ہے..... ٹھیک نو بجے آپ کو تار گھر کے آس پاس رہنا چاہئے۔ کوٹ کے کالر میں چمبیلی کے پھولوں کا چھوٹا سا خوشہ لگا لیجئے گا۔"

"اچھا.....!"

فریدی کی طرف سے خاص طور پر حمید کو پہلے ہی ہدایت مل چکی تھی کہ بلیک فورس کسی بھی نمبر سے کبھی کوئی غیر ضروری بات یا پوچھ گچھ نہ کرے لہٰذا اُس نے صرف "کچھ.....؟" پر اکتفا کی۔

ویٹر نے نفی میں سر کو جنبش دی اور دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ یہ معاملہ اتنا ہی اہم ہو سکتا ہے کہ بلیک فورس بھی حرکت میں آجائے۔ وہ نکلے تھے قاسم کی تلاش میں..... پھر لانچ والا واقعہ پیش آیا۔ لانچ میں ایک لاش ملی..... اور لاش بھی کیسی جس کے بارے میں باور کرانے کی کوشش کی گئی تھی کہ وہ دانستہ سے بھاگنے والے ہی کی ہو سکتی ہے؟ پھر فریدی کو ایک ایسے آدمی کا علم ہوا جو اس کی خبر

کر رہا تھا۔ اسی آدمی کی وساطت سے ایک ایسے ٹیلی گرافک ایڈریس کا پتہ چلا جس پر آئے ہوئے تار ردی کی ٹوکری کی نذر کر دیئے جاتے تھے۔ لیکن پھر بھی اس پتے پر نئے تار آتے رہتے تھے۔

کیا قاسم کی گمشدگی بھی اسی سلسلے کی کوئی کڑی تھی۔ یا اُس کا ان واقعات سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

ٹھیک نو بجے وہ تار گھر کے سامنے نظر آیا..... اس کے کوٹ کے کالر پر چمبیلی کے پھولوں کا چھوٹا سا گچھا لگا ہوا تھا۔

تقریباً سوا نو بجے اُس نے ایک ایسے آدمی کو تار گھر سے باہر آتے دیکھا جس کے متعلق پہلی ہی نظر میں یقین ہو گیا کہ موجودہ مہم اُس کی ذات سے تعلق رکھتی ہے۔ کیونکہ اُس کے کوٹ کے کالر پر بھی چمبیلی کے پھول نظر آرہے تھے۔

وہ ایک جانب چلنے لگا..... حمید تھوڑے فاصلے سے اُس کا تعاقب کرتا رہا..... کچھ دور چلنے کے بعد وہ ایک کیفے میں داخل ہوا۔ حمید نے دیکھا کہ اب پھولوں کا گچھا اس کے کالر پر نہیں ہے۔ حمید بھی اس کے پیچھے ہی پیچھے کیفے میں داخل ہوا۔ وہ آدمی ایک کیبن میں بیٹھ رہا تھا..... حمید نے بھی اسی کیبن کا پردہ ہٹایا اور ویٹر کو چائے کا آرڈر دیتا ہوا اسی کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

اس آدمی نے اپنی جیب سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکالا اور حمید کے سامنے ڈال دیا اور پھر کچھ کہے بغیر اٹھ کر دوسرے کیبن میں جا بیٹھا۔

اب حمید تنہا رہ گیا تھا۔ اُس نے کاغذ کی تہہ کھول کر اُسے میز پر پھیلا دیا اور پڑھنے لگا۔

پیغام نمبر ۱ "وہ کہیں چلا گیا ہے..... اس بار مجھ سے غفلت ہوئی..... موبی۔"

یہ تار سیونتھ آئی لینڈ سے آیا تھا۔ اس کے بعد ہی دوسرا پیغام تھا۔

"چمبیلی پر نظر رکھی جائے..... اجمل فشریز.....!"

یہ پیغام سونار سے آیا تھا۔

ان پیغامات کے بعد لکھنے والے کا نوٹ تھا۔

"لیڈیز کاؤنٹر پر بیٹھنے والی لڑکی نے یہ پیغام سادہ کاغذ پر تحریر کر کے اپنے وینٹی بیگ میں

ڈال لئے تھے۔ دوسرا پیغام غیر متوقع طور پر آیا ہے۔ مجھے اس کی اطلاع نہیں تھی۔"

ویٹر چائے لایا..... اس نے اس سے بل لانے کو بھی کہا اور جلدی جلدی ایک
کی..... اب اُسے کاؤنٹر پر بیٹھنے والی لڑکی کی نگرانی کرنی تھی..... لڑکی کو اس نے پہلے
بھی دیکھا تھا۔ کافی اسمارٹ اور دلکش تھی۔ تھی تو دیسی ہی لیکن اسکرٹ اور بلاؤز میں
تھی۔ حمید نے محسوس کیا تھا کہ اپنی رنگت کی مناسبت سے لپ اسٹک کے انتخاب میں
رکھتی ہے۔ بھرے بھرے سے سلگتے ہوئے ہونٹ تھے۔

یہ کام دلچسپ ثابت ہوگا۔ حمید نے سوچا۔ لڑکیوں کی نگرانی کر کے اسے ہمیشہ
خوشی ہوتی تھی خواہ وہ اپنے وینٹی بیگ میں اعشاریہ دو پانچ کے پستول ہی کیوں نہ رکھتی ہو۔

کیفے سے نکل کر اس نے پھر تار گھر کی راہ لی اور ٹھیک اس وقت پھاٹک پر پہنچا جب
باہر نکل رہی تھی۔

اُس نے سوچا ستارے موافق ہیں۔ خواہ مخواہ جھک نہیں مارنی پڑی۔

لڑکی کچھ دور تو پیدل چلی..... پھر ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔ یہاں بھی ستاروں نے
کا ساتھ دیا ورنہ ضروری نہیں تھا کہ ٹھیک اسی وقت اُسے بھی کوئی ٹیکسی مل ہی جاتی۔

تعاقب جاری رہا۔ آخر ایک جگہ اگلی ٹیکسی رک گئی۔ لڑکی نے کرایہ ادا کیا اور
جانب والی دوکانوں میں سے ایک میں داخل ہو گئی۔

حمید نے بھی اپنی ٹیکسی رکوادی تھی اور ڈرائیور معنی خیز انداز میں مسکرا رہا تھا۔
حمید کرایہ ادا کرنے لگا تو اس نے اسے آنکھ مار کر کہا۔ "صاحب کیا رکھا ہے ان کرنٹ
میں..... شوق ہو تو میرے ساتھ چلئے۔"

"چھ مہینے سے اس کے چکر میں ہوں۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور خود
اُسی دوکان کی طرف بڑھ گیا۔ لیکن جیسے ہی اس کے سامنے پہنچا پیروں تلے سے زمین نکل
دوکان کے دو دروازے تھے۔ ایک اس سڑک کی طرف اور دوسرا عمارت کی پشت
سڑک پر کھلتا تھا۔ دوکان کے کاؤنٹر پر ایک آدمی نظر آیا اس کے علاوہ وہاں اور کوئی نہیں تھا

"چوٹ ہو گئی.....!" وہ بڑبڑایا۔

لیکن اب کیا ہو سکتا تھا..... شائد اب وہ اس کی گرد کو بھی نہ پا سکتا۔

طوعاً و کراہاً دوکان میں داخل ہوا۔

"فرمایئے جناب۔" دوکاندار اسٹول سے اٹھتا ہوا بولا۔

"ابھی ابھی آئی تھی یہاں۔" حمید نے اندھیرے میں تیر پھینکا۔ ورنہ اُسے کیا پتہ کہ وہ نکی
تھی یا نو بہار۔

"لاحول ولا قوۃ۔" دوکاندار نے چڑچڑاہٹ کا مظاہرہ کیا۔ "اُدھر کا دروازہ کھلا رکھنے کا یہ
مطلب تو نہیں ہے کہ یہ عام راستہ ہے۔ میں آپ کو تو ہرگز نہ جانے دوں گا"

وہ کاؤنٹر پر چڑھ کر نیچے اترا اور حمید کی راہ میں حائل ہو گیا۔

"تم غلط سمجھے..... سالٹش بسکٹ کا ایک ڈبہ دینا۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

علاقے کے تھانے کا انچارج قلندر بیابانی سے کہہ رہا تھا۔ "یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ
اس طرح آپ جیسے بڑے مصنف سے ملاقات ہو گئی ورنہ عام آدمیوں کی پہنچ آپ تک کہاں؟"

قلندر گردن اکڑائے سنتا رہا..... سائرہ شدت سے بور ہو رہی تھی کیونکہ پچھلی رات
ہی قلندر کی عظمتوں کے منارے اس کے ذہن میں منہدم ہو چکے تھے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ
اگر اس پولیس انسپکٹر پر اصلیت واضح ہو جائے تو اچانک کیا ہو گا۔

"میں کہتا ہوں آپ صرف اشارہ کر دیجئے پھر میں دیکھ لوں گا۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"بھئی میں کیا بتاؤں..... میرا کوئی دشمن نہیں ہے۔ دشمن بھی وہی شخص بنا سکتا ہے جو
دوست بنانے کی صلاحیت رکھتا ہو..... میں الگ تھلگ زندگی بسر کرنے کا عادی ہوں.....
کسی سے کسی قسم کا تعلق ہی نہیں رکھتا..... پھر بتایئے میں کیا بتا سکوں گا؟"

"تب تو پھر مجھے کہنے دیجئے کہ یہ سب کچھ محض آپ کی سیکریٹری صاحبہ کیلئے ہوا تھا۔"

"کیا مطلب.....!"

"کیا عرض کروں..... جب سے عصمت فروشی قانونی طور پر ممنوع قرار پائی ہے چکلے اٹھا دیئے گئے ہیں ایسی بد نظمی پھیل رہی ہے..... ایسی بد نظمی پھیل رہی ہے... بتاؤں۔"

سائرہ کو غصہ آگیا لیکن کچھ بولی نہیں۔

"ہو سکتا ہے..... یہی بات ہو۔" قلندر نے لاپروائی سے کہا۔

اس پر سائرہ کو اور زیادہ تاؤ آیا۔ لیکن خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔

قلندر نے بھی چپ سادھ لی تھی اس لئے پولیس انسپکٹر اٹھ گیا۔ اس کے چلے جانے کے بعد سائرہ نے کہا۔

"سخت بدتمیز آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

"کیوں بدتمیز کیوں؟"

"بیہودہ باتیں کر رہا تھا۔ اس کا سلیقہ بھی نہیں رکھتا کہ کن لوگوں کی موجودگی میں کس قسم کی گفتگو کرنا چاہئے۔"

"ہر ایک کے سامنے ہر قسم کی گفتگو کی جاسکتی ہے۔" قلندر نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

سائرہ مُنہ سا منہ بنا کر رہ گئی۔ تھوڑی دیر بعد بولی۔ "میں تو ایسے حالات میں یہاں نہیں ٹھہر سکتی۔"

"کیسے حالات میں۔"

"ارے..... پچھلی رات.....!"

"اُسے بھول جاؤ..... یقیناً وہ کسی قسم کی غلط فہمی کا نتیجہ تھا۔"

"میں کیسے یقین کرلوں۔"

"میں کہہ رہا ہوں۔" قلندر آنکھیں نکال کر بولا۔ دونوں کی نظریں ملیں اور سائرہ کانپ کر رہ گئی۔ ایسا لگا جیسے ہاتھ پیروں کی جان نکل گئی ہو۔ اس وقت قلندر کی آنکھیں کیسی خوفناک لگ رہی تھیں۔

اس نے سر جھکا لیا..... وہ ڈرپوک نہیں تھی۔ ڈرپوک ہوتی تو پچھلی ہی رات اس

ہسٹریا کے دورے پڑنے لگتے۔ اُس نے جس کام کے لئے سیکرٹ سروس کے چیف سے ہامی بھری تھی کسی ڈرپوک لڑکی کے بس کا روگ نہیں تھا۔

بہرحال ڈرپوک نہ ہونے کے باوجود بھی قلندر کے بدلے ہوئے تیور کی تاب نہ لاسکی۔ وہ ہمیشہ سے اس کی شخصیت میں کوئی عجیب سی چیز محسوس کرتی رہی تھی۔ وہ چیز جو کھل کر سامنے نہ آتی ہو۔ وہ اُسے کوئی نام بھی نہیں دے سکتی تھی۔

اُسے وہ دوپہر یاد آئی جب قلندر نے اپنی پالتو بلی کو بے دردی سے مار ڈالا تھا۔ اُس وقت اُسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے قلندر کی شخصیت کا وہ ڈھکا چھپا پہلو کسی قدر واضح ہو گیا ہو۔

اس سچویشن کو یاد کر کے وہ کانپ گئی۔ اس وقت بھی اُس کے بدلتے ہوئے تیور میں اُسی کیفیت کی جھلک نظر آئی تھی۔

"سنو.....!" کچھ دیر بعد قلندر غرایا۔ "اگر اُس واقعہ کا تعلق میری ذات سے تھا بھی تو میں اتنا بودا نہیں ہوں کہ اپنی سیکریٹری کو اُس سے خوفزدہ ہو جانے دوں۔"

"میں کچھ اور کہہ رہی تھی.....!" وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

"مناسب یہی ہے کہ تم کچھ بھی نہ کہو..... تمہاری واپسی میری توہین ہوگی۔"

"تو آپ کو اندازہ ہو گیا ہے کہ وہ کون تھے؟"

"قطعی نہیں..... لیکن میں یہ ضرور جاننا چاہوں گا کہ وہ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں اور اب تم مجھے اُس تیسرے آدمی کے بارے میں دوبارہ بتاؤ جو تمہیں ریکریئیشن ہال میں لے گیا تھا۔"

"میں اُس کے بارے میں کیا بتاؤں؟"

"وہ کیا چاہتا تھا۔"

"کہا یہی تھا کہ آپ سے ملنا چاہتا ہے۔"

"اُس کا حلیہ بیان کرو۔"

"حلیہ کیا بتاؤں..... جوان اور وجیہہ تھا۔"

"کوئی ایسی خاص بات جس کی بناء پر وہ پہچانا جا سکے"

"ایسی تو کوئی چیز یاد نہیں آرہی ہے۔"

"ہاؤز ڈیٹیکٹیو کہتا ہے کہ اس کی ناک کی نوک اوپر اٹھی ہوئی تھی۔ اوپری ہونٹ بھی اسی طرح اٹھا ہوا تھا کہ اگلے دانت نظر آتے تھے۔"

"نہیں.....!" سائرہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

قلندر نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیوں.....؟ کیا تم ایسے کسی آدمی کو جانتی ہو۔"

"نن..... نہیں تو۔" سائرہ ہکلائی۔ وہ کیپٹن حمید کے متعلق سوچ رہی تھی جو ایک بار اُسے ایسے ہی میک اپ میں ملا تھا۔

"تم اس کے تذکرے پر کسی قدر متحیر نظر آئی تھیں۔"

"نہیں تو.....!"

"اُس نے ہنگامے کے بعد ہی کاؤنٹر پر میرے کمرے کا نمبر پوچھا تھا اور ہاؤز ڈیٹیکٹیو اوپر ایک خالی کمرے میں لے گیا تھا وہاں اس نے اسے بتایا تھا کہ وہی تمہاری میز پر تھا۔"

"یہ قطعی غلط ہے..... وہ آدمی بدصورت نہیں تھا۔"

"بہرحال اُس نے ہاؤز ڈیٹیکٹیو کی کنپٹی پر اتنے زور سے گھونسہ مارا تھا کہ وہ بیہوش ہو گیا تھا۔ اس طرح اسے نکل جانے کا موقع مل گیا۔"

"آپ میری الجھنوں میں اضافہ کر رہے ہیں۔"

"کیوں؟"

"آخر یہ لوگ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں..... یقین کیجئے وہ آدمی اس حلئے کا نہیں تھا جو ہاؤز ڈیٹیکٹیو نے بیان کیا ہے؟"

"تمہارا خیال صحیح ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "ہاؤز ڈیٹیکٹیو بھی یہی کہتا ہے کہ وہ اس آدمی سے مختلف تھا جو تمہاری میز پر دیکھا گیا تھا۔"

"پھر آپ مجھ سے ایسی گفتگو کیوں کر رہے تھے۔"

"جاننا چاہتا تھا کہ کہیں وہ لوگ تم سے تو کسی قسم کا تعلق نہیں رکھتے..... ہو سکتا ہے پولیس انسپکٹر کا خیال صحیح ہو۔"

"اچھی بات ہے۔" سائرہ جھنجھلا گئی۔ "پہلے میں واپس جانا چاہتی تھی اب اس بات پر مجھے رکنا پڑے گا کہ میں بھی دیکھ سکوں کہ وہ کون ہیں اور مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔"

قلندر کچھ نہ بولا..... اُس کی نظر میز کی سطح پر جمی ہوئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد قلندر بڑبڑایا۔ "ایک اچھے خاصے ناول کا پلاٹ مل رہا ہے۔ سیکریٹری کا.....!" پھر سر اٹھا کر بولا۔ "سچ بتاؤ تم کون ہو۔"

"میں سلطانہ رضیہ بیگم ہوں۔" سائرہ جل کر بولی۔

"بتاؤ..... خدا کے لئے بتاؤ..... بڑا شاندار ناول تیار ہو گا۔"

"میں چودھری عبدالغفور ریٹائرڈ قانون گو کی بیٹی سائرہ ہوں..... آپ عرصہ سے جانتے ہیں۔"

"اس کے باوجود بھی میں تمہیں نہیں جانتا۔"

"تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔"

"خیر میں دیکھوں گا کہ تم کون ہو۔"

اس ساری گفتگو کے دوران میں اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ بھی نہیں دکھائی دی تھی اور بے حد سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

"میں کس جنجال میں پھنس گئی ہوں.....!" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

"میں نے بہت بڑے بڑے معمے حل کئے ہیں۔ جاسوسی ناول لکھتا ہوں۔ اسے بھی دیکھوں گا..... فکر نہ کرو۔"

"کس بات کی فکر نہ کروں؟" سائرہ نے کہا اور محسوس کیا کہ وہ خواہ مخواہ بکواس کئے جا رہی ہے۔ کیوں نہیں اس معاملے کو یہیں ختم کر دیتی۔

"اس بات کی فکر نہ کرو کہ کہیں تمہارا راز ظاہر نہ ہو جائے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ کوئی بات میری ذات سے آگے نہ بڑھے گی۔"

"ارے آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔"

"یقین کرو سائرہ..... میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں لیکن فی الحال یہ نہیں سمجھ سکا کہ تم ایسی زندگی کیوں گذار رہی ہو اور عبدالغفور کو اس پر کس طرح آمادہ کیا؟"

"کس بات پر کس طرح آمادہ کیا۔" وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولی۔ "کہیں میں پاگل

نہ ہو جاؤں۔"

اس پر اس نے اُسے پہلی بار مسکراتے دیکھا۔ اپنی ملازمت کے دوران میں پہلا

اس نے کہا۔ "اچھا اٹھو چلو میرے ساتھ..... ابھی بتائے دیتا ہوں۔ لیکن پھر تم مجھ

بھی نہ چھپا سکو گی۔"

وہ مشینی طور پر اٹھ گئی۔

دونوں اوپری منزل پر آئے۔ قلندر نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا۔

"بیٹھ جاؤ.....!" وہ کرسی کی طرف اشارہ کرتا ہوا اس طرف بڑھ گیا جہاں اُس

کیس رکھا ہوا تھا۔

واپسی پر سائرہ نے اس کے ہاتھ میں کیبنٹ سائز کی ایک تصویر دیکھی اور پھر رہ گیا۔ جیسے وہ ڈپٹ مہاوت کا آنکس ثابت ہوئی ہو۔

تصویر خود اس کے ہاتھوں میں آئی تو وہ بے ساختہ اچھل پڑی۔ تصویر خود اس کی تھی۔ لیکن

پر تاج تھا اور اس نے جو لبادہ اپنے گرد لپیٹ رکھا تھا ویسا شائد کبھی خواب میں بھی نہ دیکھ

اُس پر زردوزی کا گھنا کام دور سے بھی واضح تھا..... تصویر فلمی نہیں بلکہ کیمرے کی تھی

"یہ..... یہ....." سائرہ ہکلائی۔

"آپ پریشان نہ ہوں شہزادی صاحبہ۔" وہ پر معنی انداز میں مسکرایا۔

"میں جانتا ہوں کہ آپ گزران اسٹیٹ کی شہزادی ہیں..... شہزادی دردانہ....."

"میں سچ مچ پاگل ہو جاؤں گی۔" وہ اس طرح بولی جیسے نیند میں بڑبڑا رہی ہو۔

شہزادی کی کہانی

قاسم نے "اُون ہپ" کا نعرہ لگایا اور بڑی سی میز اوپر اٹھتی چلی گئی جس پر لیڈی

اپنی ہی جیسی تین لمبی تڑنگی لڑکیوں سمیت بیٹھی ہوئی تھی۔

قاسم نے میز کے دو پائے مضبوطی سے پکڑ رکھے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے میز اس کے سر

سے بلند ہو گئی۔ لڑکیاں چیختی اور قہقہے لگاتی رہیں..... کچھ دیر وہ اُسے اسی طرح اٹھائے رہا پھر

لیڈی جاوید اپنی ہنسی پر قابو پانے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔ "اب بس بھی کرو.....

منور.....!"

"ناہیں..... آ بھی..... تو..... مائیں..... دوڑ..... لاگاؤں..... غا.....!" قاسم

رک رک کر بولا۔

اور لڑکیاں چیخنے لگیں..... "نہیں..... نہیں..... ہلنا بھی مت۔"

"منور میز رکھ دو.....!" لیڈی جاوید نے ذرا ڈپٹ کر کہا اور یہ بگڑا ہوا ہاتھی قابو میں

وہ آہستہ آہستہ میز کو نیچے لایا..... اور اس کے چاروں پائے فرش پر ٹک گئے۔ ایسا

کرنے کے لئے اسے بیٹھنا پڑا تھا اس لئے توازن برقرار نہ رکھ سکا اور منہ کے بل میز کے نیچے

چلا گیا۔ ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھ سکا۔ لڑکیوں نے میز سے کود کود کر اُسے اٹھایا۔

"اب بتاؤ.....!" قاسم نے آنکھیں نکال کر لیڈی جاوید سے پوچھا۔ "تم جھوٹ سمجھتی

تھیں۔"

"سچ کہتی ہوں حیرت کے مارے مری جاتی ہوں..... یاد داشت کھو بیٹھنے سے پہلے تم

اتنے طاقتور نہیں تھے۔"

"ٹھینگے پر گئی یاد داشت..... واداشت..... مجھے بھوخ لغی ہے۔"

"اوہ..... چلو..... ڈائننگ روم میں۔ اب ہم کھانا ہی کھائیں گے.....

تمہارے پاپا شائد اس وقت باہر کہیں کھائیں گے۔"

"چلو ٹھیک ہے۔" قاسم سر ہلا کر بولا۔ "اتنے کمسن پاپا مجھے زہر لگتے ہیں۔"

وہ ڈائننگ روم میں آئے۔ قاسم کے لئے الگ میز لگائی گئی تھی جس پر وہ تنہا نظر آیا۔

چاروں عورتیں دوسری میز پر تھیں۔ غالباً اب یہاں اُس کی خوش خوراکی کا مظاہرہ ہونے

والا تھا۔

لیکن قاسم کو اس کی پرواہ نہیں تھی کہ کیا ہو رہا ہے۔ وہ تو کھانے پر ٹوٹ پڑا تھا۔ ذرا سی

دیر میں یہ بھی بھول گیا کہ اس کے علاوہ کوئی اور بھی کمرے میں موجود ہے۔

"کیا ہڈیاں بھی نگل لیتے ہیں۔" ایک لڑکی نے پوچھا۔

"جی غاں..... تبھی تو اتنا دچوڑا ہوں..... غاؤں..... غاؤں..... غاؤں۔" نوالہ چباتا ہوا بولا۔

"بھئی کھا لینے دو چین سے۔" لیڈی جاوید بولی۔

"کیا یاد داشت ختم ہو جانے سے پہلے بھی اتنا ہی کھاتے تھے۔"

"ہرگز نہیں۔" لیڈی جاوید غمناک لہجے میں بولی۔ "پتہ نہیں..... اب کیا ہوگا۔"

"قیا ہے قیا ہوگا.....!" قاسم جواب ان کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ منہ چلاتا ہوا بولا۔

"کچھ نہیں تم کھانا کھاؤ..... بات نکل ہی آتی ہے..... ورنہ میں تو اب یہ چاہتی ہوں کہ کوئی تمہارے سامنے تمہاری بیماری کا نام بھی نہ لے۔"

"ہا ہا ہا.....!" قاسم نے بھاڑ سا منہ پھیلا کر قہقہہ لگایا اور بولا۔ "میں بیمار ہوں۔ یہ بیمار ہوں..... کہو تو میز اور کرسیاں تک چبا ڈالوں۔"

"نہیں تم بیمار نہیں ہو..... کھانا کھاؤ.....!" لیڈی جاوید نے کہا۔ اتنے میں ایک لڑکی نے کمرے میں داخل ہو کر اطلاع دی۔

"صاحب واپس آ گئے ہیں..... کھانے کے بعد ڈرائنگ روم میں تشریف لائیں۔"

"ہائے.....!" قاسم کراہا۔ "آ گئے صاحب واہب.....!"

"آخر تم ان سے بھاگتے کیوں ہو.....!" لیڈی جاوید نے پوچھا۔

"مجھے بیٹا کہنا چھوڑ دیں نہیں بھاغوں غا.....!"

"کیوں نہ کہیں..... جب تم ہو۔"

"بیٹے تو آپ ان کے بھی ہیں۔" ایک لڑکی نے ہنس کر کہا۔

"کیا.....؟" قاسم غرا کر کھڑا ہو گیا۔

"ارے..... ارے.....!" لیڈی جاوید بھی کھڑی ہو گئی۔ لیکن قاسم اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر اسی لڑکی سے بولا۔ "جرا کہہ کر تو دیکھیں کہ کیا ہوتا ہے؟"

"ارے نہیں نہیں! میں نہیں کہوں گی۔ تم بیٹھو۔"

"میں کہتا ہوں اب میرا پیچھا بھی چھوڑو..... تمہارا بیٹا منور سالا کہیں مر کھپ گیا ہوگا۔"

"یہ تم نے کہاں کی باتیں چھیڑ دیں....." لیڈی جاوید نے اسی لڑکی سے غصیلے لہجے میں کہا جس نے قاسم کو چھیڑا تھا۔ وہ ہنس کر رہ گئی۔

"نہیں میں تو ابھی جاؤں گا..... دیکھتا ہوں کون سالا روک لیتا ہے....." قاسم کی ذہنی رو بہک گئی اور وہ کرسی الٹ کر دروازے کی طرف جھپٹا۔

اس کے بعد وہ تینوں لڑکیاں بھی اس کے پیچھے دوڑیں اور بالآخر تیسرے کمرے میں اسے جا لیا..... ایک نے جھپٹ کر اُس کی کمر تھام لی اور دوسری نے گدگدانا شروع کیا۔ قاسم وہیں رک کر اچھلنے کودنے لگا۔

وہ بُری طرح ہنس رہا تھا۔

"ارے نہیں..... ہی ہی ہی..... ہاہاہا..... باغ..... غہا..... ہاہاہا۔"

تیسری نے پیچھے سے دھکا دیا اور وہ اس لڑکی سمیت فرش پر ڈھیر ہو گیا جس نے کمر تھام رکھی تھی۔

پھر وہ دونوں بھی اس پر ٹوٹ پڑیں..... اور قاسم دہاڑ دہاڑ کر قہقہے لگاتا رہا..... تینوں گدگدا رہی تھیں..... وہ فرش ہی پر پڑا اچھلتا اور قہقہے لگاتا رہا۔ بھلا ایسے میں اٹھ بیٹھنے کی تاب کسے تھی۔

"نہیں..... ہاہاہا..... جاؤں غا..... غا ہاہاہا..... الا قسم..... نہیں..... جاؤں غا..... ارے باپ رے..... ماپھ کر دو۔"

"نہیں نہیں..... تم جاؤ گے۔"

"کبھی نہیں جاؤں گا..... الا قسم۔"

وہ اسے چھوڑ کر ہٹ گئیں..... لیکن وہ پیٹ دبائے ہنستا ہی رہا۔

اتنے میں لیڈی جاوید بھی کمرے میں داخل ہوئی اور بگڑ کر ان سے بولی۔ "جاؤ..... نکلو تم سب یہاں سے..... کیوں اسے پریشان کر رہی ہو۔"

"تم خواہ مخواہ بور ہو رہی ہو۔" ایک بولی۔ "وہ تو چاہتے ہی ہیں کہ پریشان کئے جائیں۔"

"غاں..... غاں.....!" قاسم ہانپتا ہوا بولا۔ "آپ جائیے..... سب ٹھیک ہے۔"

"دیکھا..... دیکھ لیا..... خواہ مخواہ مری جا رہی ہو۔"

لیڈی جاوید پھر کچھ کہنے والی تھی کہ ایک نے بڑھ کر بلب بجھا دیئے۔

"قیوں..... یہ قیا ہوا.....؟" اندھیرے میں قاسم کی آواز گونجی اور پھر یک بیک کے حلق سے بے ساختہ قسم کے ہلکے بھاری ہر قسم کے قہقہے پھوٹنے لگے....."

"ارے..... ارے..... ہی ہی ہی ہی..... الا قسم..... یہ نہیں..... ہی ہی ہی..... ارے باپ رے..... ہاہاہا..... ہی ہی ہی ہی..... باغ..... باغ غبپ.....!"

سائرہ آنکھیں پھاڑے تصویر کو گھورتی رہی تھی پھر کھسیانی سی ہنسی کے ساتھ بولی تھی۔

"آپ مذاق کر رہے ہیں۔"

"ہوں.....!" قلندر غرایا۔ "میرے متعلق آئندہ اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے کی جرأت نہ کرنا سمجھیں..... میں تم سے مذاق کر رہا ہوں۔"

"پھر..... یہ سب کیا ہے۔"

"تمہاری تصویر.....!"

"ناممکن ہے..... مجھے خواب میں بھی کبھی ایسا ملبوس نصیب نہ ہوا ہوگا..... اور جڑاؤ تاج..... یقیناً کسی فوٹو گرافر کے ہاتھ کی صفائی ہے۔"

"وہ کس طرح۔"

"کسی دوسرے جسم پر میرا چہرہ فٹ کر دیا گیا ہے۔"

"اور یہ تاج بھی اسی طرح پہنایا گیا ہے..... کیوں؟"

سائرہ کی الجھن بڑھتی رہی۔ آخر اس نے جھنجھلا کر کہا۔ "آپ نے مجھے یہ تصویر کیوں دکھائی ہے اور مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔"

"یہی کہ حالات کا پامردی سے مقابلہ کرو..... تم اسٹیٹ کی صحیح وارث ہو۔"

"ارے میں عبدالغفور کی لڑکی ہوں..... محلے والے شہادت دیں گے کہ وہ مجھے بچپن ہی سے جانتے ہیں۔"

"نہیں بھی جہنم میں جھونکو اور عبدالغفور کو بھی۔ ایک روشن ترین مستقبل تمہارا منتظر ہے۔"

"میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا۔"

"وہ لوگ تمہیں ورغلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"کون لوگ.....!" سائرہ چونک پڑی۔

"وہی..... جو..... پچھلی..... رات..... تمہیں..... اپنے..... ساتھ..... لے گئے تھے۔"

سائرہ کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ قلندر کی آنکھیں پہلے سے بھی زیادہ خوفناک ہو گئی تھیں۔ وہ تو سمجھی تھی کہ بات بنانے میں کامیاب ہو گئی ہے..... اس کی اس کہانی پر یقین کر لیا گیا ہے کہ ہنگامے کے بعد وہ ہوٹل سے نکل بھاگی تھی اور ایک کیفے میں دم لیا تھا..... تو یہ قلندر سب کچھ جانتا ہے؟ اب کیا ہوگا۔

اس کا سر چکراتا رہا تھا..... اور آنکھوں کے سامنے تاریکی کے بادل امنڈتے رہے..... سر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

کچھ دیر بعد اس نے محسوس کیا کہ قلندر اُسے آواز دے رہا ہے..... اس کا شانہ ہلا رہا ہے۔

"سائرہ..... سائرہ..... لو پانی..... پی لو.....!"

یقیناً وہ پیاسی تھی..... اتنی کہ حلق میں کانٹے پڑے جا رہے تھے۔

پھر گلاس اس نے اس کے ہونٹوں سے لگا دیا تھا اور وہ ایک ہی سانس میں خالی کر گئی تھی..... ذہن پر اب بھی دھند سی چھائی ہوئی تھی۔

"تمہیں آرام کی ضرورت ہے.....!" قلندر نے نرم لہجے میں کہا۔

وہ کچھ نہ بولی بدستور آنکھیں بند کئے کرسی کی پشت گاہ سے ٹکی رہی۔

قلندر بھی خاموش ہو گیا تھا۔ دس منٹ گذر گئے..... گھڑی کی ٹک ٹک اُس کے پر ہتھوڑے سے لگا رہی تھی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا ہو گا۔ کیا اُسے سب کچھ بتا دینا پڑے گا..... لیکن خود اس کی کیا پوزیشن ہے..... قلندر نے تصویر کا کیسا چکر چلایا ہے..... اس کا مقصد کیا ہے۔

"اب کیسی طبیعت ہے۔" قلندر نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔" وہ تھوک نگل کر مردہ سی آواز میں بولی۔

"گفتگو جاری رکھو..... یا پھر کسی وقت۔"

"کہئے کہئے..... جو کچھ کہنا ہو۔"

"اس کے علاوہ اور کیا کہوں کہ مجھے تم سے شکایت ہے۔ آخر تم نے یہ بات مجھ سے کیوں چھپائی..... میں اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ تمہیں لے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ خود ہی واپس بھیج دینے میں کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہو گی تمہارے درمیان کسی قسم کا سمجھوتہ ضرور ہوا ہو گا۔"

"میں نہیں جانتی وہ لوگ کون ہیں۔"

"میں اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"پھر آپ ہی بتائیے کہ ہمارے درمیان کس قسم کا سمجھوتہ ہوا ہو گا۔"

"سائرہ.....!"

"وہ سنبھل کر بیٹھ گئی..... اتنی دیر میں بھول ہی گئی تھی کہ کس سے ہم کلام ہے۔"

"مم..... میں..... مطلب یہ کہ..... میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"قطعی نہیں سمجھ سکو گی میری رہنمائی کے بغیر۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں کسی دلدل میں پھنس جاؤ۔"

"پھر بتائیے..... میں کیا کروں۔"

"مجھے سب کچھ بتا دو۔"

"نہیں نہیں..... میں غداری کی مرتکب نہیں ہو سکتی۔"

"غداری.....!" قلندر چونک پڑا..... "کس سے غداری..... تم میری پرائیویٹ سیکریٹری ہو۔"

"اوہ..... میں کیا بک گئی..... میرے خدا۔" وہ اپنی پیشانی مسلتی ہوئی بولی۔

"سائرہ.....!"

"جی.....!" وہ خوفزدہ سی آواز میں بولی۔

"میری طرف دیکھو.....!"

آنکھیں چار ہوئیں اور سائرہ کو ایسا محسوس ہوا جیسے اُس کی قوت ارادی جواب دے گئی ہو۔ وہ اس طرح بولی جیسے خواب میں بول رہی ہو۔ "وہ سیکرٹ سروس والے تھے۔ اُن کے چیف نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ غدار ہیں..... ایک غیر ملک کے لئے جاسوسی کر رہے ہیں۔ میں آپ پر نظر رکھوں اور آپ کی مصروفیات سے انہیں مطلع کرتی رہوں۔"

دفعتاً وہ بآواز بلند ہنس پڑا..... عجوبہ..... عجوبہ۔ اس سے پہلے کبھی اس نے اسے قہقہہ لگاتے نہیں دیکھا تھا۔ بڑا ڈراؤنا قہقہہ تھا جیسے بیک وقت ہزاروں خبیث روحیں چیخ پڑی ہوں۔

اس نے بوکھلا کر دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔

کچھ دیر بعد قلندر نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔ "میں تمہارے اس جذبے کی قدر کرتا ہوں کہ تم نے مجھے غدار سمجھ لینے کے بعد میری وفادار رہنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ مگر اچھی لڑکی..... وہ بدمعاش خود غدار ہیں۔ میں عرصہ سے اُن کی تاک میں ہوں۔ جہاں کوئی واضح ثبوت ہاتھ آیا وہ سلاخوں کے پیچھے ہوں گے۔ سیکرٹ سروس والے اس طرح ہنگامہ برپا کر کے لوگوں کو نہیں اٹھواتے پھرتے۔"

سائرہ کچھ نہ بولی۔

قلندر نے پھر کہا۔ "تم نے بہت اچھا کیا مجھے آگاہ کر دیا۔ اب میں انہیں دیکھوں گا۔ کیا اسی شخص نے خود کو سیکرٹ سروس کا چیف ظاہر کیا تھا جس کے بائیں جبڑے پر زخم کا گہرا داغ ہے۔"

"جی ہاں..... وہی۔" سائرہ چہرے سے ہاتھ ہٹائے بغیر بولی۔

"کہاں جائے گا..... مجھ سے بچ کر۔"

"یہ سب کیا ہے..... مجھے بھی بتایئے۔"

"کچھ نہیں..... اب تم ان کے لئے میری سراغ رسی کرو گی۔" اس نے زہریلی کے ساتھ کہا۔

"نہیں مجھ سے کچھ نہ ہوگا..... مجھے گھر بھجوا دیجئے۔"

"اب گھر گئیں تو پوری طرح تباہی کے غار میں گرو گی۔ میری ہی حفاظت میں زندگی بسر کر سکو گی..... تم بالکل نہیں سمجھیں کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔"

"خدارا آپ ہی سمجھا دیجئے ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گی۔"

"اچھا تو سنو..... یہ کہانی اب سے دو سال پہلے شروع ہوئی تھی۔ گذران اسٹیٹ شہزادی دردانہ یورپ گئی تھی۔ وہاں حیرت انگیز طور پر غائب ہو گئی۔ اُس کے ساتھ جو شخص گیا تھا اس نے یہ بات چھپا ڈالی۔ وہ اب تک اسٹیٹ کے سربراہ کو دھوکے میں ہوئے ہے۔ وہ کہتا ہے شہزادی کی ضد ہے کہ وہ پانچ سال یورپ میں گذاریں گی۔ اسٹیٹ باقاعدہ طور پر اس کے اخراجات کے لئے بڑی بڑی رقمیں وصول کرتا ہے اور شہزادی تلاش میں ہے۔ لیکن اب اسے بھی یقین آگیا ہے کہ وہ زندہ نہیں ہے۔ تم حیرت انگیز طور شہزادی سے مشابہہ ہو۔ یہ اسی کی تصویر ہے جو میں نے تمہیں دکھائی ہے..... ملا بدمعاش سے جس کا تم نے تذکرہ کیا ہے عرصہ سے واقف ہوں۔ مجھے سن گن ملی کہ لوگوں نے شہزادی کی کسی ہم شکل کو تاڑ لیا ہے اور اسے شہزادی بنا کر پیش کر دیں گے۔ چھ بین کرنے پر پتہ چلا کہ وہ تم ہو۔ اسی دوران میں اتفاق سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ میرے ایک دوست کے گھرانے سے تمہارے مراسم ہیں۔ پھر میں نے ایسی تدابیر اختیار کیں کہ میری پرائیویٹ سیکریٹری بن سکو۔ حالانکہ اس سے پہلے میں نے کبھی کوئی مرد سیکریٹری نہیں رکھا۔ مقصد یہ تھا کہ میں تمہاری حفاظت کر سکوں..... تمہیں ان کا آلہ کار نہ بننے دوں۔"

قلندر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"لیکن وہ مجھے ورغلانا چاہتے تو ورغلا ہی سکتے تھے..... میں اپنا سارا وقت تو آپ کے ساتھ نہیں گذارتی۔"

"قطعی نہیں..... انہیں موقع کون دیتا ہے..... میں روزانہ اپنی حفاظت میں

تمہارے گھر پہنچاتا تھا اور اپنی ہی نگرانی میں گھر سے واپس لاتا تھا..... ادھر کچھ دنوں سے نہیں احساس ہو سکا تھا کہ کوئی تمہاری نگرانی کرتا ہے۔"

"تت..... تو..... وہ ڈاڑھی والا۔"

"ہاں..... وہ میں ہی تھا..... جب تم نے اس کا تذکرہ کیپٹن حمید سے کر دیا اور وہ میرے چکر میں پڑ گیا تو پھر مجھے دوسرا بھیس بدلنا پڑا۔"

"اس کے بعد بھی آپ میری نگرانی کرتے رہے تھے۔"

"یقیناً.....!"

"لیکن میں اندازہ نہیں کر سکی تھی۔"

قلندر کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد سائرہ نے کہا۔ "ایک دن جب میں کیپٹن حمید کے ساتھ تھی تو کسی نے اس پر خنجر پھینکا تھا۔"

"محض اس لئے کہ وہ تمہارا پیچھا چھوڑ دے..... مقصد مار ڈالنا نہیں تھا..... ورنہ میرا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا..... میں نے کرسی کے فریم کے اوپری ہی حصے کا نشانہ لیا تھا۔"

"میرے خدا..... اگر وہ مر جاتا تو..... لیکن آپ نے اتنا بڑا خطرہ کیوں مول لیا تھا۔"

"محض تمہارے لئے..... میں نہیں چاہتا کہ تم بھی روتی پھرو۔ وہ بیک وقت شہر کی تین سو لڑکیوں سے عشق کرتا ہے۔"

"اوہ..... مگر وہ کتنا ذہین اور چالاک ہے۔"

"کیا مطلب.....!"

"اس نے یہی خیال ظاہر کیا تھا کہ خنجر پھینکنے والا آپ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔"

"ہوگا.....!" قلندر نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دے کر کہا۔ "مجھے پرواہ کب ہے۔"

پھر کمرے کی فضا پر بوجھل سا سکوت طاری ہو گیا۔

سائرہ سوچ رہی تھی کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟

"اور اب.....!" قلندر کچھ دیر بعد بولا۔ "وہ دوسرے ہتھکنڈے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ تم سے اس طرح رسم و راہ پیدا کر کے تمہیں اپنے اعتماد میں لیں گے لیکن کیا تم کسی کو دھوکا دینا پسند کرو گی؟"

"میں نہیں سمجھی۔"

"کیا تم شہزادی دردانہ بننا پسند کرو گی۔"

"ہرگز نہیں۔"

"شکریہ..... مجھے تم سے یہی امید تھی۔"

"آخر وہ مجھے اس پر آمادہ کیسے کرتے۔"

"پیسے میں بڑی قوت ہے..... اور اگر تم اس پر بھی نہ مانتیں تو وہ تمہیں بلیک میل کرنے کا کوئی ذریعہ تلاش کر لیتے۔"

"کون سا ذریعہ..... میرے ساتھ ایسی کوئی کمزوری نہیں ہے جس کی بناء پر بلیک میل کی جاسکوں۔"

"وہ تم سے کسی کو قتل کرا سکتے ہیں..... اور اس قتل کے عینی شاہد بن کر تمہیں دھمکیاں دے سکتے ہیں۔"

"ارے نہیں.....!" اس نے مردہ سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"اُن جیسے لوگوں کے لئے سب کچھ ممکن ہے..... خیر یہ تو بتاؤ کہ تم انہیں میرے متعلق کوئی اطلاع کیسے دو گی۔"

"ان کا کوئی آدمی ہر وقت یہاں ہوٹل میں میری نگرانی کرتا رہے گا۔ میں کوڈ ورڈ چوکلیٹ کے کور کی پشت پر اپنی رپورٹ لکھوں گی اور ڈائننگ ہال کے ڈسٹ بن میں ڈال دوں گی..... وہ اسے وہاں سے نکال کر چیف تک پہنچا دے گا۔"

"کیا اس عمارت کی نشاندہی کر سکو گی جہاں لے جائی گئی تھیں۔"

"نہیں..... گاڑی عمارت کے کسی اندرونی حصے میں مجھے لے گئی تھی اور وہیں سے لائی تھی۔"

"اور یہ محض اس لئے ہوا تھا کہ تم عمارت کی نشاندہی نہ کرو..... لیکن میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ میں اُن کے حالات سے بہت زیادہ باخبر ہوں۔ اسی لئے وہ چاہتے ہیں کہ مجھے وقت اپنی نگرانی میں رکھیں۔"

"تو کیا وہ آپ کو قتل نہیں کر سکتے۔"

"کر سکتے ہوتے تو کبھی کے کر چکے ہوتے۔ میں ان جیسے درجنوں پر بھاری ہوں۔"

سائرہ اُسے ایسی نظروں سے دیکھ رہی تھی جیسے پہلی بار دیکھا ہو۔

"اچھا دیکھو.....!" قلندر کچھ دیر بعد بولا۔ "میرے متعلق تم وہی رپورٹیں لکھا کرو گی جو میں ڈکٹیٹ کروں گا۔ پھر تم یہ رپورٹیں پوری آزادی کے ساتھ ڈسٹ بن کی نذر کر سکو گی..... میں ان کے جرائم ان کے منہ پر مارنا چاہتا ہوں..... اچھی لڑکی کیا تم میری مدد کرو گی..... میں پورے معاشرے کو ایسی گندگیوں سے پاک کرنا چاہتا ہوں.....!"

"جو کچھ بھی مجھ سے بن پڑے گا ضرور کروں گی۔"

"لیکن تم مجھے اطلاع دیئے بغیر ان جگہوں پر ہرگز نہیں جاؤ گی جہاں وہ تمہیں طلب کریں گے..... ورنہ تمہیں اپنی اس غلطی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا..... وہ تمہیں بلیک میل کرنے کے لئے کسی قسم کا مواد ضرور مہیا کر لیں گے۔"

"بہت بہتر.....!" سائرہ نے کانپتی ہوئی سی آواز میں کہا۔

خوفزدہ بیٹی

دوسرے دن حمید نے پتہ لگا ہی لیا کہ وہ کہاں رہتی تھی۔ لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اس نے وہ دونوں پیغامات کہاں پہنچائے تھے..... فرحان منزل کے ایک فلیٹ میں تنہا رہتی تھی..... آناگریس نام تھا۔ ملنے والے اپنی کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ ڈیوٹی پر جاتی تو بہت ہی معمولی قسم کے لباس میں نظر آتی لیکن جب شام کو اپنے فلیٹ سے برآمد ہوتی تو پہچانا دشوار ہو جاتا۔ وہ آناگریس تو معلوم ہی نہ ہوتی، جو تار گھر کے کاؤنٹر پر بیٹھ کر یہاں سے روانہ ہونے والے تار وصول کیا کرتی تھی..... بالوں کا اسٹائل بدل دیتی..... ایسی لپ اسٹک استعمال کرتی کہ ہونٹ انگارے معلوم ہوتے۔ اسکرٹ اور بلاؤز اتر جاتے۔ ان کی جگہ نفیس قسم کی

ساریاں لیتیں..... اور ان پر بغیر آستین کے بلاؤز پہنے جاتے۔

پھر وہ ہوتی اور نومی چار کا کوئی بڑا قمار خانہ..... لمبے سے ہولڈر میں سگریٹ لگا کر ہلکے کش لیتی اور اس طرح مسکرا کر داؤں پر پیسے جھونکتی تھی جیسے خود کسی ٹکسال کی مالک ہو۔

تیسری رات حمید بھی اس کے پیچھے ہی پیچھے ایک کاسینو میں داخل ہوا۔ یہاں ہر بڑے کاسینو ہی کا ایک آدمی ضرور موجود رہتا تھا۔ تین باہر کے کھلاڑی ہوتے تھے اور ایک وہ خود۔ زیادہ تر فلش ہوتا تھا۔ بڑی لمبی لمبی چالیں ہوتیں۔ حمید کو اس کے قریب ہی کی ایک میز کی جگہ ملی۔ انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ اینی کے ساتھی اُسے پہلے سے جانتے ہیں اور ابھی تک اس کے منتظر رہے ہوں۔

اس کی میز پر کھیل شروع ہو چکا تھا۔ حمید کی میز پر صرف ایک آدمی تھا اور سوئیڈن کے کاسینو ہی کا کوئی شارپر تھا..... اس نے حمید سے کہا آؤ..... "کیا ضروری ہے کہ کچھ اور لوگ ہوں..... میں ہمیشہ لمبی چالیں چلتا ہوں..... بقیہ دو کی کمی پوری کر دوں گا۔"

"کیا یہاں ہر میز پر چار ہی ہوتے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"زیادہ بھی ہو سکتے ہیں..... مگر ایسا ہوتا نہیں..... کیا خیال ہے؟"

"ہو جائے.....!" حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

مقابل نے تاش کی گڈی نکالی اور پھینٹنے لگا۔ پھر مسکرا کر بولا۔ "میں بانٹوں یا ٹاس کرو گے۔"

"ٹاس.....!" حمید نے جیب سے ایک سکہ نکالتے ہوئے کہا۔

ٹاس کیا گیا..... اور جیت مقابل ہی کی رہی۔ اس نے پتے بانٹے اور جوکر نکال کر سامنے رکھتا ہوا بولا۔ "پہلا ہاتھ ہمیشہ ہارتا ہوں۔"

لیکن پہلے ہاتھ میں اُسی کی جیت رہی..... دوسری بار جب وہ پتے پھینٹ رہا تھا حمید اس کے ہاتھوں کی حرکات کا بغور مشاہدہ کرتا رہا۔

دوسرے ہاتھ میں مقابل کی چال معمولی رہی..... اور حمید جیت گیا۔ اس بار تاشوں کی گڈی حمید کے ہاتھوں میں آئی اور اس نے بُرا سا منہ بنا کر پوچھا۔ "کتنی راتوں سے استعمال ہو رہی ہے؟"

"پتہ نہیں.....!"

"اتنا بڑا کاسینو ہے..... اور یہ روزانہ تاش نہیں بدل سکتے۔" حمید نے کہا اور پتوں کے ساتھ اس کی کارروائی جاری رہی۔

"کیوں کیا خرابی ہے..... پتوں میں۔"

"میں ہمیشہ نئی گڈی استعمال کرنے کا عادی ہوں۔"

"چلو بانٹو..... ابھی دوسری طلب کر لیں گے۔"

حمید نے پتے بانٹے..... شارپنگ کر گیا تھا..... خود ایکے کی تریل لگائی تھی اس کی طرف بادشاہ کی بڑھا دی..... پتے اٹھاتے ہی مقابل کا چہرہ پل بھر کے لئے کھل اٹھا پھر ایسا معلوم ہوا جیسے اس پر مردنی چھا گئی ہو..... اس نے بُرا سا منہ بنا کر چال چلی..... حمید نے جوڑ بڑھ کر رقم لگائی۔ مقابل نے اس بار اس کی دوگنی رقم لگائی اور مقابل نے جھنجھلا شو کر الیا..... حمید نے پتے دکھائے اور کل رقم سمیٹ کر سامنے رکھ لی۔

مقابل اسے کینہ توز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

دفعتاً اینی کی میز سے قہقہے بلند ہوئے۔ حمید اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اینی کی میز کے تینوں جواری بُری طرح ہنس رہے تھے اور اینی ان پر دانت پیس رہی تھی۔ دفعتاً اس نے اپنا وینٹی بیگ اٹھایا اور ہنسنے والے جواریوں میں سے ایک کے منہ پر کھینچ مارا۔

وہ کسی قدر نشے میں بھی تھا..... بچاؤ کے لئے اس نے پیچھے کھسکنا چاہا لیکن توازن برقرار نہ رکھ سکنے کی بناء پر کرسی سمیت الٹ گیا۔

اس کے منہ سے مغلظات کا طوفان امنڈ رہا تھا۔ ساتھیوں میں سے ایک نے اینی کے بال پکڑ لئے۔

حمید اپنی میز سے اٹھ کر ان کی طرف لپکا..... دوسرے دور سے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ اس نے کچھ کہے سنے بغیر بال پکڑنے والے کی کلائی پر ہاتھ ڈال دیا..... اس وقت وہ قطعی طور پر بھول چکا تھا کہ یہاں اس کی موجودگی کا مقصد کیا ہے..... وہ تو بس ایک خوبصورت لڑکی پر اس قسم کی زیادتی نہیں برداشت کر سکتا تھا۔ محض کلائی پر ہاتھ ڈال دینے سے مقصد حاصل نہ ہوا تو اس نے اس کے ساتھیوں کے سنبھلنے سے پہلے ہی ایک زوردار ہاتھ اس کے منہ پر جڑ دیا۔ پھر تو نہ صرف اینی کے بال چھوٹ گئے بلکہ وہ بھی لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم کے فاصلے پر

جاگرا..... ہلڑ مچ گیا۔ اس کے دونوں ساتھی حمید پر جھپٹے اور حمید نے انہیں گھونسوں
لیا..... پھر پہلے جس کے منہ پر ہاتھ پڑا تھا وہ بھی آکر اُن میں شامل ہو گیا۔

دفعتاً ایک گرجدار آواز اس شور سے ابھری۔

"خبر دار..... الگ ہٹ جاؤ..... ورنہ فائرنگ شروع کر دوں گا۔"

"دوسرا شور فوری طور پر دب گیا اور صرف وہی آواز سنائی دیتی رہی۔ ہٹ جاؤ
الگ ہٹو..... ایک..... دو..... تین۔"

حمید نے ہاتھ روک لئے لیکن اس سے پہلے ہی دوسروں کے ہاتھ رک گئے تھے۔ کمرہ
نے اس کی آواز کی طرف مڑ کر دیکھا..... ایک قد آور جسیم آدمی اعشاریہ چار پانچ کا بور
سنبھالے کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر سیاہ رنگ کی گھنی ڈاڑھی تھی..... اور آنکھوں پر
کروکس کی عینک..... آنکھیں واضح طور پر نہیں نظر آرہی تھیں۔

"جھگڑا کس نے شروع کیا تھا.....!" وہ کھٹکنے انداز میں غرایا۔

اُن میں سے کوئی کچھ نہ بولا۔ حمید نے اپنی کے چہرے پر ہوائیاں اڑتی دیکھیں۔ دوسرے
جھگڑا کرنے والوں کی حالت بھی بہتر نہ تھی۔ وہ تو اتنے نروس ہو گئے تھے کہ اس کے سوال کا
جواب ہی نہ دے سکے۔

"بکو جلدی سے.....!" وہ ریوالور والے ہاتھ کو جنبش دے کر پھر غرایا۔

"ان لوگوں نے ان خاتون کی توہین کی تھی۔" حمید نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"کیا تم اس کے ساتھ تھے۔"

"ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے قطعی اجنبی ہیں۔" حمید نے جواب دیا۔

"کیا تم اس کاسینو کے قواعد و ضوابط سے واقف نہیں ہو۔"

"نہیں..... میں یہاں پہلی بار آیا ہوں۔"

"اچھا تم دونوں میرے ساتھ آؤ۔"

وہ ریوالور جیب میں رکھ کر ایک جانب مڑ گیا۔

"کیا یہ ضروری ہے۔" حمید نے تیز لہجے میں پوچھا۔

وہ رک کر مڑا۔ نیچے سے اوپر تک اُسے دیکھا۔ پھر ہال کا اچٹتی نظروں سے جائزہ

لے ہاتھ اٹھا کر کسی کو کچھ اشارہ کیا اور خاموشی سے اسی جانب مڑ گیا جدھر جا رہا تھا۔

دفعتاً حمید نے اپنی پشت پر کسی چیز کی چبھن محسوس کی اور کسی نے آہستہ سے کہا۔

"چلتے رہو..... ورنہ گولی مار دوں گا۔"

حمید نے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے..... اور اس کے اشاروں پر چلتا ہوا ایک وسیع کمرے
داخل ہوا۔

ڈاڑھی والا ایک بڑی میز کے پیچھے بیٹھا ہوا اسے گھورے جا رہا تھا۔ اینی بھی اسی کے برابر
کھڑی ہوئی۔

"تم.....!" بھاری بھرکم آدمی اینی کی طرف انگلی اٹھا کر قہر آلود آواز میں بولا۔ "تم نے
یہاں کی ہمت کیسے کی تھی۔"

"وہ..... وہ..... جی سس کرائسٹ کا مضحکہ اڑا رہے تھے۔" اینی کانپتی ہوئی آواز میں
ہکلائی۔

"یہ سب کچھ میرا ہے..... جی سس کرائسٹ کا نہیں۔" وہ میز پر ہاتھ مار کر
بولا۔ "یہاں میرے علاوہ اور ہر ایک کا مضحکہ اڑایا جا سکتا ہے۔"

پھر وہ یک لخت حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "اور تم ایک ہزار روپے یہاں رکھ دو۔"

"وہ کس خوشی میں سرکار.....!" حمید نے مسکرا کر پوچھا۔

"تم نے کاسینو کے قواعد کی خلاف ورزی کی ہے۔ اس کے لئے تم پر پانچ ہزار روپے تک
جرمانہ کیا جا سکتا ہے۔"

"اس قسم کی سزا دینے کے لئے اختیارات تمہیں کہاں سے ملے۔"

"میں ان اندھوں کو کیا کہوں جو کاسینو میں داخل ہوتے وقت نوٹس بورڈ پر نظر نہیں
ڈالتے..... ہر وہ شخص جو کاسینو میں داخل ہوتا ہے نوٹس بورڈ کے قریب سے گذرنے کے
ساتھ یہاں کے قواعد و ضوابط کا قانوناً پابند ہو جاتا ہے۔"

"کیا ہے نوٹس بورڈ پر.....!"

"یہی کہ یہاں داخل ہونے والا میری مرضی کا پابند ہوگا..... کسی بھی جھگڑے کی

اطلاع مجھے دی جائے گی۔ خود ہی اسے نپٹانے کی کوشش کرنے والے کو جرمانہ ادا کر
یہاں داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تم نوٹس پر لکھی ہوئی داخلے کی شرائط سے
میرے فیصلوں کو کسی بھی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکے گا۔"

"یہ تو تم کسی انعامی معمے کے کمپائیلر کی سی حرکت کر بیٹھے ہو۔" حمید نے مسکرا

"بکواس بند کرو.....!" وہ غرایا۔ "چپ چاپ ایک ہزار روپے یہاں رکھ دو
کپڑے اتروا کر باہر پھکوا دوں گا۔"

"خوب.....!" حمید کی مسکراہٹ تضحیک آمیز تھی..... وہ دانت پیستا ہوا اٹھا
گھورتا ہوا آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگا..... لیکن حمید کے اطمینان میں ذرہ
فرق نہیں آیا تھا..... وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ دفعتاً مقابل کا ہاتھ اٹھ گیا لیکن
کے تیور کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا اس سے پہلے ہی غوطہ لگا گیا۔ پھر قبل اس کے کہ
حملہ کرتا..... اس کے پیٹ پر زور دار قسم کی ٹکر ماری..... چاروں شانے چت
اٹھنے کی مہلت کیسے ملتی۔ حمید جانتا تھا کہ اگر ایک بار بھی اس کی گرفت میں آگیا
مشکل ہوگا..... مختلف قسم کے جسموں کی بناوٹ ہی سے وہ اُن کے ٹائپ کا اندازہ
لہٰذا اس کے دوبارہ اٹھنے سے پہلے ہی ایک کرسی اٹھائی اور سر پر دے ماری۔ پھر پے
کرتا ہی رہا۔

اینی کھڑی بُری طرح کانپ رہی تھی..... پھر یک بیک چونکی اور جھپٹ
جانب والے دروازے کی سٹکنی چڑھا دی۔ حمید اب بھی گرتے ہوئے آدمی کے سر پر
ضربیں لگائے جا رہا تھا۔

اینی نے دیکھا اب اس نے دوبارہ اٹھ بیٹھنے کی کوشش ترک کر دی ہے۔ شاید

وہ تیزی سے حمید کی طرف بڑھی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر ہانپتی ہوئی بولی۔ "بھاگو.....
ہماری..... ہڈیوں تک کا پتہ نہیں چلے گا۔"

حمید نے کرسی فرش پر ڈال دی اور اس کی طرف مڑ کر ایسی نظروں سے دیکھنے لگا جیسے
سمجھ میں نہ آئی ہو۔

"یہاں آئے دن لاشیں گٹر میں بہائی جاتی رہتی ہیں۔" اینی پھر بولی۔

"ہوں..... تو پھر....." حمید کا لہجہ غصیلا تھا۔

"وہ مجھے تو ہرگز زندہ نہیں چھوڑیں گے..... خدا کے لئے چلو..... مجھے بچالو۔" وہ
جلدی جلدی بولی۔

حمید دروازے کی طرف مڑا..... لیکن وہ راہ میں حائل ہوتی ہوئی بولی۔ "ادھر سے
نہیں..... ہمیں صحیح و سلامت دیکھ کر انہیں شبہ ہوگا..... اور..... اور.....!"

"تم عجیب آدمی ہو.....!" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔ "تو پھر کیا نقب لگائیں گے..... اس
کمرے میں اس کے علاوہ اور کون سا دروازہ ہے۔"

وہ جواب دیئے بغیر کمرے کے ایک گوشے کی جانب بڑھی..... اور پھر اسی گوشے کا
قالین الٹ کر حمید کی طرف مڑی اور قریب آنے کا اشارہ کیا۔

"اسے اٹھاؤ.....!" اس نے قریب پہنچنے پر فرش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

حمید نے جھک کر دیکھا..... گٹر کے ڈھکن سے مشابہت رکھنے والا ایک فولادی
منقش فرش پر نصب تھا۔

اسے اس کی جگہ سے ہٹا دینے میں کوئی دشواری نہ ہوئی..... اس طرح نمایاں ہونے
والے خلاء سے ایک آدمی بآسانی گذر سکتا تھا۔ اینی نے اس میں اترتے ہوئے آہستہ سے کہا۔
"میرے پیچھے چلے آؤ۔"

حمید نے اس کی تقلید کی۔

نیچے گہری تاریکی تھی..... لیکن وہ بائیں جانب والی دیوار ٹٹولتا ہوا آہستہ آہستہ زینے
طے کرتا رہا۔

پھر سطح زمین سے پیر لگے اور اینی کی سرگوشی سنائی دی۔ "میرا ہاتھ پکڑ چلتے رہو۔"

حمید نے آواز کی جانب ہاتھ بڑھایا اور اندھیرے میں دو ہاتھ ٹکرائے۔

پھر وہ اندھیرے میں رینگتے رہے۔

تھوڑی دیر بعد شدید قسم کی بدبو کا بھپکا آیا..... اور اینی جلدی سے بولی۔ "ہم گٹر میں چل رہے ہیں..... پتلون اوپر چڑھالو..... یہ ضرور ڈوبین گے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ رک کر اس نے پتلون کے پائینچے جتنی اونچائی تک موڑے جا سکتے تھے موڑ لئے اور پھر چلنے لگا۔ پانی ٹخنوں سے اوپر تھا..... جوتے ڈوب گئے تھے۔ بدبو سے برا حال ہو رہا..... سختی سے ہونٹ پر ہونٹ جمائے وہ چلتا رہا۔

کچھ دیر بعد اینی نے کہا۔ "اب یہاں اپنے ہاتھ اوپر اٹھا کر گٹر کا دہانہ تلاش کرو۔"

"لڑکیوں کے ساتھ ہمیشہ گٹر ہی میں گرنا پڑتا ہے..... کاش میرا باپ کوارا ہوتا۔"

اس نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے اور انہیں ادھر اُدھر گردش دیتا رہا۔ بالآخر گٹر کا دہانہ مل ہی گیا۔

حمید نے دونوں ہاتھ ٹکا کر زور کرنا شروع کیا اور اسے اپنی جگہ سے اٹھانے میں کامیاب ہو ہی گیا..... کھلے ہوئے دہانے سے دھندلی روشنی نیچے آئی۔

کچھ دیر بعد وہ گٹر سے باہر تھا۔ پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ نیچے لٹکائے اور اینی کو اوپر کھینچ لیا۔ گلی سنسان پڑی تھی..... گلی کے دونوں سروں پر ایک ایک الیکٹرک پول تھا..... اور دو پولوں کی روشنی اتنی بڑی گلی کے لئے ناکافی تھی..... گٹر کا دہانہ گلی کے بیچ میں تھا اس لئے یہاں اتنی تیز روشنی نہیں تھی کہ کوئی ان دونوں کا مفصل جائزہ لے سکتا۔ حمید نے جلدی سے گٹر کا ڈھکن پھر اس کی جگہ پر دبا دیا..... اور پتلون کے پائنچے نیچے گرا لئے۔

اینی ہانپ رہی تھی۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "اب میں اس جگہ زیادہ دیر نہیں رہ سکتی..... وہ مجھے کتے کی موت ماریں گے۔ خدا کے لئے یہاں سے جلدی نکلو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ دونوں نے تیزی سے گلی طے کی اور سڑک پر آنکلے۔

دونوں کے جوتے بھیگے ہوئے تھے اور ان پر کہیں کہیں گندگی بھی نظر آ رہی تھی۔

جلد ہی ایک ٹیکسی مل گئی۔ حمید نے اینی کے لئے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور خود بھی اندر بیٹھا ہوا ڈرائیور سے بولا۔ "ہوٹیل مونا کو.....!"

"مم..... میرے خدا.....!" اینی آہستہ سے بڑبڑائی اور حمید نے اس کا ہاتھ دبا کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

ٹیکسی چل پڑی..... اینی اس کی طرف جھک کر آہستہ سے بولی۔ "وہ جگہ بھی میرے لئے محفوظ نہیں ہے۔"

"میں تمہیں سیدھے اپنے کمرے میں لے جاؤں گا۔"

ہوٹیل مونا کو پہنچ کر حمید نے اتنی پھرتی سے اُسے اپنے کمرے تک پہنچایا تھا کہ شائد ہی کسی کی نظر اُن پر پڑ سکی ہو..... ویسے اینی بہت زیادہ خوفزدہ نظر آ رہی تھی۔

"میں یہاں بھی نہیں بچ سکوں گی۔" اس نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"وہم ہے تمہارا....." حمید نے اپنے کوٹ کے بٹن کھولتے ہوئے کہا۔

"ادھر دیکھو..... میں بھی اس کی کمائی کھاتا ہوں۔"

وہ اُسے اپنا بغلی ہولسٹر دکھا رہا تھا

"اوہ.....!" وہ اعشاریہ تین آٹھ کے ریوالور کے دستے پر نظر جمائے ہوئے بولی۔ "تو تم پیڈور کے آدمی ہو۔"

"میں کسی پیڈور کو نہیں جانتا..... ایک تنہا اداس بھیڑیا ہوں۔"

"خوب.....!" وہ سراسیمگی کے باوجود مسکرائی۔ "شاعری بھی کر لیتے ہو۔"

"اب تم آرام سے بیٹھ جاؤ..... یہ دو بستروں والا کمرہ ہے.....!"

"میں کہتی ہوں میں یہاں محفوظ نہ رہ سکوں گی..... تم نہیں سمجھ سکتے کہ کیا کر آئے ہو۔ یہاں کسی کی مجال ہے کہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔ وہ یہاں کا قانون ہے۔ کوئی ایس۔ پی یا ڈپٹی کمشنر بھی اس سے بگاڑ کر یہاں نہیں رہ سکتا۔"

"آخر وہ ہے کون.....!"

"اس جیسے کئی قمار خانوں کا مالک..... بل فائٹر فومان..... عرصہ تک سپین میں پیشہ ور

بل فائٹر رہا ہے..... یہاں کے لوگ اس کے نام سے کانپتے ہیں۔"

"اور تم اب تک اس کے لئے کام کرتی رہی ہو۔"

"ہاں..... یہ ایک مجبوری تھی۔ میرا باپ جو سیونتھ آئی لینڈ میں رہتا ہے مقروض ہے۔ اتنا کہ شائد ساری زندگی مقروض ہی رہے۔ اتنی بڑی رقم ادا ہی نہیں کر

"کیا کام کرتی ہو۔"

"کیا تم نے دیکھا نہیں..... کسی موٹی آسامی کے ساتھ کھیلتی ہوں اور میرے کاسینو کا ایک شار پر بھی ہوتا ہے..... ہم اس کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اُسے لوٹ ہیں۔"

"آج تم آپے سے باہر کیوں ہو گئی تھیں۔"

"میں بہت بُری ہوں..... لیکن دنیا کے نجات دہندہ کی شان میں گستاخانہ کلمات سن سکتی..... وہ سور نشے میں تھا..... اور اس نے کرائسٹ پر پھبتی کہی تھی..... میں کا خون پی لیتی۔"

"فی الحال چائے پیو۔" حمید نے فون کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یا کھا گی۔"

"مجھے بھوک لگی ہے..... لیکن ٹھہرو..... ویٹر کو یہاں نہ بلاؤ..... خود چلے جاؤ۔"

"تم فکر نہ کرو..... اگر وہ تمہیں پہچانتا بھی ہو گا تو کسی سے کچھ نہ کہے گا۔" حمید اور فون پر دو آدمیوں کے کھانے کے لئے ہدایات دیں۔

کچھ دیر تک وہ دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کا جائزہ لیتے رہے۔ پھر حمید

"صورت سے کافی باحوصلہ معلوم ہوتی ہو۔"

"لیکن اب فومان کا سامنا کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتی۔"

"وہ تمہارا کیا بگاڑ لے گا۔"

"زندہ نہیں چھوڑے گا..... لیکن اب میرے باپ کا کیا ہو گا۔ میرے خدا..... وہ اسے بھی زندہ نہ چھوڑے۔"

"کیا وہ بھی اس کے لئے کوئی کام کرتا ہے۔"

"ہاں..... اس قرض کی وجہ سے ہم سب اُس کے غلام ہیں..... اگر وہ اُس وصولیابی کے لئے عدالت میں کیس دائر کر دے تو ہم کوڑی کوڑی کو محتاط ہو جائیں گے۔"

"وہ کیا کام کرتا ہے؟"

"اس کے لئے پیغام رسانی۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"پیغامات تو میری سمجھ میں بھی نہیں آتے۔"

"کیا تمہاری ہی توسط سے آتے ہیں۔"

"ہاں میں انہیں ضرور دیکھتی ہوں..... یہ سرکاری طور پر تار کی شکل میں آتے ہیں۔ مطلب یہ کہ تار گھر میں موصول ہوتے ہیں..... اور میں ان کے مضمون فومان تک پہنچاتی ہوں۔"

"میں بالکل نہیں سمجھا۔"

"وہ ایک ایسے پتہ پر آتے ہیں جو باقاعدہ طور پر رجسٹرڈ نہیں ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ کس کا پتہ ہے۔ پیغامات وصول کر کے ردی کی ٹوکری میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔"

"لیکن حقیقتاً وہ پتہ فومان کا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ہاں..... ٹیلی گرافک ایڈریس..... ہنی مون۔"

"تمہارے باپ کا کیا نام ہے؟"

"موبی گریس..... اب بتاؤ کیا ہو گا..... وہ اُسے مار ڈالیں گے۔"

"نہیں مار سکیں گے..... تم مجھے کیا سمجھتی ہو۔"

وہ اسے بغور دیکھ کر رہ گئی۔ کچھ بولی نہیں..... اتنے میں ویٹر نے دستک دی۔ پھر حمید سے اندر آنے کی اجازت پا کر دروازہ کھولا۔

جب وہ چلا گیا تو حمید نے طویل انگڑائی لے کر کہا۔ "کیا تمہیں علم ہے کہ میں عرصہ سے تمہارا پیچھا کر رہا ہوں؟"

"نہیں تو..... کیوں؟" وہ چونک پڑی۔

"اور تم منگل کو مجھے چرکہ دے کر ڈائمنڈ اسٹور میں داخل ہوئی تھیں اور دوسری سڑک

پر نکل گئی تھیں؟"

"وہ تو میرا راستہ ہی ہے۔ کون اتنا لمبا چکر کاٹے..... لیکن تم میرا پیچھا کیوں کر رہے ہو۔"

"محض یہ دیکھنے کے لئے کہ تم دراصل کون ہو..... تار گھر میں کلرکی کے علاوہ کرتی ہو۔ بس اب کھانا کھاؤ..... بقیہ باتیں پھر ہوں گی۔"

باپ بیٹی

کرنل فریدی آشانواس کے ساتویں فلیٹ کے سامنے رکا۔ ختم ہوئے ہوئے فرش پر گرا کر پیر سے رگڑتے ہوئے دروازے پر دستک دی۔ ذرا دیر بعد دروازہ کھلا دوسرے ہی لمحے میں دروازہ کھولنے والے کے حلق سے تحیر زدہ سی آواز نکلی اور وہ لڑکھڑا پیچھے ہٹ گیا۔

"کیا میں اندر آسکتا ہوں۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

"جج..... جی..... تت..... تشریف لائیے.....!" صاحب خانہ ہکلایا۔

فریدی نے اندر داخل ہو کر خود ہی نہ صرف دروازہ بند کیا بلکہ سٹکنی بھی چڑھا صاحب خانہ خوفزدہ نظروں سے اُسے دیکھے جارہا تھا۔

وہ نشست ہی کے کمرے میں تھے۔ فریدی نے اس سے کہا۔ "بیٹھ جاؤ..... پر ہونے کی ضرورت نہیں..... ویسے تمہارے لئے ایک بُری ہی خبر لایا ہوں۔"

"مم..... میں نہیں سمجھا۔"

"مجھے جانتے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

صاحب خانہ کے چہرے پر ایسے آثار نظر آئے جیسے اس سوال کے جواب

"تم مجھے اچھی طرح پہچانتے ہو۔" فریدی مسکرایا۔

صاحب خانہ خوفزدہ اور مستفسرانہ نظروں سے اُسے دیکھتا رہا۔

"تمہارا نام موبی ہے..... اور تم نومی چار کے بل فائٹر فومان کے لئے کام کرتے ہو۔"

"نن..... نہیں.....!" موبی بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھ جاؤ.....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "تم اس کے لئے میری نگرانی کرتے رہے لیکن اب ہنی مون کا راز فاش ہو چکا ہے..... اور تمہاری لڑکی آناگریس کی بھی طرے میں ہے۔"

"نہیں..... نہیں..... نہیں۔" وہ ہذیانی انداز میں چیخا۔

"بل فائٹر کی دانست میں تم دونوں ہی اس کا راز فاش ہو جانے کا باعث بنے ہو۔"

"میرے خدا میں کیا کروں.....!" موبی مضطربانہ انداز میں بڑبڑایا۔

"لیکن فی الحال تمہاری لڑکی محفوظ ہے..... میرے آدمیوں کی پناہ میں۔"

"یہ بہت اچھا ہوا..... بہت اچھا ہوا..... کرنل صاحب میں آپ کا ممنون ہوں۔ مجھے نہیں۔"

"لیکن میں تمہیں بھی نہیں مرنے دوں گا۔" فریدی مسکرایا۔

"اوہ..... اوہ.....!"

"میرے ساتھ چلو..... جتنی جلد ممکن ہو..... ورنہ تھوڑی دیر بعد یہاں تمہاری آئے گی۔"

"میں چلوں.....!"

"سب کچھ یہیں چھوڑ دو..... ورنہ مال کی محبت تمہاری زندگی کی قیمت ثابت ہو گی۔"

موبی نے کرسی کی پشت پر پڑا ہوا کوٹ پہنا اور اُس کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گیا۔

"منجھلو.....!" فریدی نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔

"نیچے آئے..... سیاہ رنگ کی ایک چھوٹی سی وین میں بیٹھے اور نامعلوم منزل کی طرف

روانہ ہو گئے۔

فریدی خود ہی ڈرائیو کر رہا تھا..... اور موبی وین کے پچھلے حصے میں تین



صبح وہ دن چڑھے تک سوتی رہی..... جاگی تو اس پراسرار آدمی کو بھی

وہ سوچنے لگی آخر کس قسم کا آدمی ہے..... رات سونے سے قبل اس

اس سے کم از کم اپنی مہربانیوں کا بدلہ ضرور طلب کرے گا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا

اپنے بستر پر لیٹا تھا اور کسی معصوم بچے کی طرح سو گیا تھا۔ اس سے پہلے کچھ

بھی گیا تھا اور واپسی پر اطلاع دی تھی کہ اس کے باپ کی حفاظت کا انتظام بھی ہو چکا ہے۔

لیکن ابھی تک یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ خود اُس کا تعاقب کیوں کر تا رہا تھا۔

پھر اسے بل فائٹر فرمان کا پٹنا یاد آیا۔ وہ سوچنے لگی کہ یہ اجنبی پوری طرح

سے واقف نہیں تھا ورنہ شائد اس کا ہاتھ بھی اس پر نہ اٹھ سکتا۔

ٹھیک اسی وقت اجنبی نے کراہ کر کروٹ بدلی اور پھر اس کی آنکھیں

اس کی طرف دیکھتا رہا..... اینی نے پچھلی رات جو کپڑے پہن رکھے تھے

سو گئی تھی۔

"صبح بخیر.....!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"صبح بخیر.....!" اینی مسکرائی۔

"کیا وقت ہوا ہے؟"

"ساڑھے آٹھ۔"

"اوہ.....!" وہ اچھل کر بیٹھ گیا۔ "بہت دیر ہو گئی۔"

پھر تھوڑی ہی دیر بعد وہ ضروریات سے فارغ ہو کر لباس تبدیل کر چکا تھا

کے لئے فون پر آرڈر دے کر خاموش بیٹھ گیا۔

بات ہے۔ کیا اب تمہیں خوف محسوس ہو رہا ہے۔" اینی نے مسکرا کر پوچھا۔

بہت زیادہ.....!" حمید بھی مسکرایا۔

تم آخر کون ہو..... اور میرا تعاقب کیوں کرتے رہے تھے۔"

یہ محض اتفاق ہے کہ اس وقت تم سے گفتگو کر رہا ہوں..... ورنہ ساری زندگی یہ

جاری رہتا اور تم میرے وجود سے لاعلم رہتیں۔"

میں نہیں سمجھی۔"

وہ کہتا ہوں..... آج تک یہ بات میری بھی سمجھ میں نہیں آئی کہ ایسا کیوں ہوتا

جب بھی کوئی لڑکی مجھے اچھی لگتی ہے اس کا تعاقب شروع کر دیتا ہوں..... اُسے زیادہ

دیکھنا چاہتا ہوں..... اور یہ نہیں چاہتا کہ اُسے اس کا علم ہو سکے۔"

"اب تک کتنی لڑکیوں

ہوں.....!" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی۔

بھی گیا تھا اور واپسی پر اطلاع دی تھی کہ اس کے باپ کی حفاظت کا انتظام بھی ہو چکا ہے۔

"تم نیری ہو۔"

اور بقیہ دو کہاں ہیں۔"

"خدا جانے.....!" حمید نے مغموم لہجے میں کہا۔ ٹھنڈی سانس لی اور خاموش ہو گیا۔

"کیوں.....!"

آئے بھی..... ضروری نہیں کہ وہ ہمیشہ اسی شہر میں رہیں جہاں میرا قیام ہو۔ اب

ان کے دروازوں پر ڈیرا تھوڑا ہی ڈال دیتا تھا..... وہ کہیں اور چلی جاتی تھیں او

آہیں بھر تا رہ جاتا تھا..... تم پہلی لڑکی ہو جس سے اس طرح دو بدو ہونے کا اتفاق

ہے۔"

آخر تم اُن سے ملتے کیوں نہیں تھے۔"

کر کیا کہتا.....؟" حمید نے بھولے پن سے پوچھا اور وہ ہنس پڑی..... اس پر حمید

سے خفت آمیز بے بسی جھانکنے لگی۔

"مجھے بیوقوف بنا رہے ہو۔" اینی نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"میں جانتا تھا تم یقین نہیں کرو گی۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"ارر..... نہیں..... تم ٹھیک کہتے ہو گے..... میں نے تھوڑی سی کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں۔"

"کیسے ہوتے ہیں۔" حمید نے پہلے کے سے لہجے میں ہی پوچھا۔

انہیں ایسی عورتیں پسند آتی ہیں جو ان کی ماؤں یا بہنوں سے کسی حد تک ہوں۔ لیکن وہ ان سے اظہار عشق نہیں کر سکتے کیونکہ لاشعور میں وہ مشابہت جو عموماً شعور کی سطح تک آتے آتے شرم اور خوف کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

"دھت.....!" حمید سچ مچ جھینپ گیا۔ "میں تمہیں اٹھا کر کھڑکی دوں گا۔"

"کچھ بھی کرو..... بات یہی ہے۔"

حمید نے اٹھ کر گھونسہ تان لیا..... اور وہ ہنستی ہوئی پیچھے ہٹ گئی۔

پھر یک بیک بہت زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگی..... حمید بیٹھتا ہوا بڑبڑایا۔

"یہ خوبصورت لڑکیاں یہ سمجھتی ہیں کہ ہر ایک ان کے پیچھے دم ہلاتا ہو نہہ۔"

""سنو..... میری بات سنو.....!" وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔

"سناؤ.....!" حمید نے پھاڑ کھانے والے انداز میں آنکھیں نکالیں۔

"جانتے ہو میرا کیا حشر ہوتا اگر تم نہ ہوتے۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔" حمید پہلے ہی کے سے لہجے میں غرایا۔

"تم تو بُرا مان گئے۔" وہ ٹھنک کر بولی۔ "میں تو نفسیات کا ایک نکتہ بیان کر تمہیں نفسیات سے دلچسپی نہیں۔"

"میں آم کھانے کا شائق ہوں درخت گننے سے دلچسپی نہیں رکھتا۔"

"خیر ہو گا..... اگر تم نہ ہوتے تو ایک معزز گاہک کی توہین کرنے کے مجھے بڑی سخت سزا دیتا..... اب اس وقت اس کے شکاری کتے میری تلاش راہ چلتے گولی مار دیتے ہیں۔"

"کیا سزا ملتی تمہیں۔"

"مجھے کئی گھنٹوں کے لئے الٹا لٹکا دیا جاتا..... یہ وہ سزا ہے جو بہت آسانی سے ہر ایک کو دی جا سکتی ہے اس کے لئے عورت مرد کی تخصیص نہیں۔"

"الٹی لٹکی ہوئی کیسی لگتیں تم.....!" حمید آنکھیں بند کرتا ہوا بولا۔

"تصور کرو..... اور اپنا منہ نوچ لو....." وہ جھلا کر بولی۔ "لعنت ہے ایسی زندگی پر آخر ہم آدمی کیوں کہلاتے ہیں۔"

"تم ہی کوئی مناسب سا نام تجویز کرو۔" حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

وہ کچھ نہ بولی۔ کچھ سوچتی رہی پھر یک بیک چونک پڑی۔ حمید کو غور سے دیکھا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "تم نے میرے باپ کے لئے کیا کیا۔"

"ہو سکتا ہے تم کچھ دیر بعد موبی سے فون پر گفتگو کر سکو..... وہ محفوظ ہے؟"

"خدا کے لئے سچ بتاؤ..... تم پیڈرو کے آدمی تو نہیں ہو۔"

"میں نے یہ نام کبھی نہیں سنا۔"

"پھر تمہارا پیشہ کیا ہے اگر تم نے یہ نام پہلے نہیں سنا۔"

"میرا پیشہ.....!" حمید مسکرایا۔ "اگر فومان کا کوئی دشمن قیمت ادا کرنے پر تیار ہو تو میں فومان کو قتل بھی کر سکتا ہوں۔"

"تب تو پیڈرو تمہیں ہر قیمت پر خرید سکے گا۔"

"مجھے اسی کا پتہ بتا دو..... آج کل تنگ دست ہوں۔"

"کیا تم سچ مچ کوئی بُرے آدمی ہو؟"

"اچھے آدمی نہ تو لڑکیوں کا تعاقب کرتے ہیں اور نہ فومان جیسے آدمیوں پر اُن کے ہاتھ اٹھا سکتے ہیں۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں آسمان سے گر کر کھجور میں اٹکی ہوں؟" اینی نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب.....!" حمید نے آنکھیں نکالیں۔ کچھ سوچتا رہا پھر سر ہلا کر بولا۔ "سمجھ گیا..... اچھی بات ہے..... تم ناشتہ کر کے یہاں سے دفع ہو جاؤ۔"

"کک..... کیوں؟"

"اب کھجور سے چھوٹ کر زمین پر گرو اور چور چور ہو جاؤ..... یا جہنم میں جاؤ مجھے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔"

"تم بُرا مان گئے..... میرے حواس بجا نہیں ہیں۔ کہنا کچھ چاہتی ہوں زبان سے نکلتا ہے..... بتاؤ..... میں کیا کروں۔"

"ناشتہ....." حمید نے کہا اور اٹھ گیا۔ کیونکہ شائد ویٹر دروازے پر دستک دے تھا..... دروازہ کھولا..... لیکن ویٹر کی بجائے ایک نئی شکل دکھائی دی۔ وہ حمید کو دھکا اندر گھس آیا..... اور قبل اس کے کہ حمید سنبھلتا اُس نے ریوالور بھی نکال لیا۔

"دروازہ بند کر کے بولٹ کر دو.....!" اس نے تحکمانہ لہجے میں حمید سے کہا۔

حمید نے اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھا..... مضبوط جسم اور متوسط قد رکھتا تھا۔ عمر تیس اور چالیس کے درمیان رہی ہو گی۔ تیور بہت بُرے تھے۔

حمید نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔

"میں کہہ رہا ہوں..... دروازہ بند کر کے بولٹ کر دو۔"

"میں قطعی نہیں سن رہا۔" حمید لاپروائی سے بولا۔

"یہ ریوالور بے آواز ہے..... آنا گریس تم دروازہ بند کر دو۔"

آنا اس طرح دروازے کی طرف بڑھی جیسے خواب میں چل رہی ہو۔

حمید نے اس کی طرف توجہ نہ دی۔ ریوالور کو گھورتا رہا۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ.....!" اجنبی نے سرد لہجے میں کہا۔

حمید نے ہاتھ اٹھا دیئے..... لیکن نظر ریوالور ہی پر جمی رہی۔ آنا گریس دروازہ بند کر کے پھر اسی جگہ پہنچ گئی جہاں پہلے کھڑی تھی۔

"اب اس کی جامہ تلاشی لو.....!" اجنبی نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ "اور جو بھی جیبوں میں ہو نکال کر میز پر رکھ دو۔"

آنا پھر کسی مشینی جسم کی طرح آگے بڑھی اور حمید کی جیبیں ٹٹول ٹٹول کر نوٹ بک اور پرس وغیرہ نکالتی رہی۔

"اب تم دونوں کو میرے ساتھ چلنا ہے۔" اجنبی نے حمید کی جیبیں خالی ہو جانے کے بعد کہا۔

"وہ کس تقریب میں۔" حمید نے مضحکہ خیز انداز میں پوچھا۔

"بکواس سننے کا وقت نہیں ہے میرے پاس۔ نہیں چلو گے تو یہیں ختم کر دوں گا۔ ورنہ ہو سکتا ہے باس معاف ہی کر دے۔"

"کس باس کا تذکرہ کر رہے ہو۔"

"آنریبل فومان کا.....؟"

"اچھا..... اچھا.....!" حمید مسکرا کر بولا۔ "اُس مسخرے بل فائٹر کا قصہ ہے۔ کیا اسے ہوش آ گیا۔"

"چلو.....!" اجنبی نے آنکھیں نکالیں۔

"اچھا..... اچھا.....!" حمید نے سر ہلا کر کہا۔ "لیکن کم از کم میرا پرس تو مجھے اپنی جیب میں رکھ ہی لینے دو..... میں خالی ہاتھ مرنا پسند نہیں کرتا۔"

"آنا گریس..... پرس اس کی جیب میں رکھ دو۔"

اینی میز کے قریب آئی۔ پرس اٹھایا اور حمید کی طرف بڑھی۔ ٹھیک اُسی وقت غسل خانے کا دروازہ بھی بہ آہستگی کھلا اور وہی ویٹر دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوا جسے سامنے کے دروازے سے ناشتہ لانا چاہئے تھا۔ لیکن اس کے ہاتھوں میں ناشتے کی ٹرے کی بجائے ایک وزنی اور کسی دھات کی موگری تھی۔ پھر وہ اتنی آہستگی سے چلتا ہوا اجنبی کے قریب پہنچا تھا کہ اُسے اُس کی موجودگی کا علم بھی نہ ہو سکا..... اینی کا رخ حمید کی طرف تھا۔ وہ اس کے کوٹ کی اندرونی جیب میں پرس رکھ رہی تھی۔

دفعتاً ایک تیز قسم کی آواز نے اُسے چونکا دیا..... وہ تیزی سے مڑی..... اجنبی ریوالور سمیت فرش پر اوندھا پڑا نظر آیا..... اور ہوٹل کا ایک ویٹر غالباً دوسرے وار کے لئے دوبارہ موگری تول رہا تھا۔

"بس کافی ہے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور جھک کر گرنے والے کی مٹھی سے ریوالور نکال لیا..... اجنبی بے حس و حرکت ہو چکا تھا۔ اینی ہکا بکا کھڑی تھی۔

"اب تم ناشتہ لاؤ.....!" حمید نے ویٹر سے کہا اور وہ غسل خانے ہی کی طرف چلا گیا..... غسل خانے کا ایک دروازہ برابر کے دوسرے کمرے میں بھی کھلتا تھا۔

اینی کبھی حمید کی طرف دیکھتی تھی اور کبھی بیہوش اجنبی کی طرف۔

حمید نے اُس کا ریوالور اپنی جیب میں ڈال لیا تھا۔

"بیٹھ جاؤ..... کھڑی کیوں ہو۔" اس نے اینی سے کہا۔

"یہ..... یہ.....!" وہ بیہوش آدمی کی طرف ہاتھ اٹھا کر ہکلائی۔ "اُس کا کیا ہوگا۔"

"ہوش ہی آنے پر معلوم ہو سکے گا۔" حمید نے لاپروائی سے شانے جھٹکائے۔

"میں کہتی ہوں تمہیں اس کی فکر نہیں کہ کہیں اس کے دوسرے ساتھی بھی یہاں موجود ہوں۔"

"مجھے تو اس کا بھی علم نہیں تھا کہ یہ خود یہاں اس طرح گھس آئے گا۔"

وہ پھر فرش پر پڑے ہوئے آدمی کی طرف دیکھنے لگی۔

دروازے پر دستک ہوئی۔ اس بار حمید نے قریب پہنچ کر کچھ کہا اور اس وقت دروازہ نہیں کھولا جب تک کہ دوسری طرف سے جواب نہیں مل گیا..... اس بار ویٹر اس نے اندر آکر ناشتے کی ٹرے میز پر رکھ دی اور وہیں رک کر بیہوش آدمی کی طرف دیکھنے لگا۔

حمید نے اسے باہر جانے کا اشارہ کیا۔

اُس کے چلے جانے پر دروازہ بند کر کے بولٹ کیا اور میز کی طرف مڑتا ہوا بولا۔

"ارے تم بیٹھی کیوں ہو..... چائے انڈیلو۔"

"مم..... میں.!"

"اُسے پہچانتی ہو۔"

"ہاں یہ..... فومان کا خاص آدمی ہے۔ تنہا بڑے سے بڑا معرکہ سر کرنے کا دعویٰ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ فومان کے سامنے لاف و گزاف کرنے کے بعد یہاں تنہا ہوگا۔"

"لیکن سیدھا یہیں کیسے چلا آیا۔"

"پورے جزیرے میں اس کے جاسوسوں کا جال پھیلا ہوا ہے۔"

"چلو یہی اچھا ہوا کہ ہم رات پوری نیند سو سکے تھے۔"

"لیکن اب کیا ہوگا۔"

"فومان..... اپنے ایک خاص آدمی سے ہاتھ دھو چکا۔"

"کیا مطلب.....!"

"یہ مر چکا ہے؟"

"نہیں.....!" اینی اچھل پڑی۔

"قریب سے جا کر دیکھ لو۔"

وہ بوکھلا کر اٹھی۔ اُس کے قریب گئی۔ جھک کر دیکھتی رہی۔ پھر سیدھی ہوئی تو ایسا محسوس ہوا جیسے چکرا کر گر پڑے گی۔ حمید نے اٹھ کر سنبھالا۔

"وہ مر گیا ہے..... سچ مچ مر گیا..... بالکل مر گیا ہے.....!" وہ ہذیانی انداز میں کہتی رہی۔ "اب کیا ہوگا..... اس لاش کا کیا ہوگا..... ہمارا کیا ہوگا۔"

"فی الحال ہم ناشتہ کریں گے۔" حمید نے نرم لہجے میں کہا۔ "تم بیٹھ جاؤ..... اس نے اُسے میز کے قریب والی کرسی پر بٹھا دیا۔ اینی کی آنکھیں بند تھیں اور سر کرسی کی پشت گاہ پر ٹکا ہوا تھا۔"

"محترمہ آنا گریس....." حمید نے اس کا شانہ ہلا کر کہا۔ "چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔"

اینی نے آنکھیں کھولیں اور اس طرح اُسے دیکھتی رہی جیسے وہ کسی دوسری دنیا کی مخلوق ہو۔

"میں چائے نہیں پیوں گی۔" اس نے مردہ سی آواز میں کہا۔

"کیا اس لئے کہ وہ نہ تو ہمیں مار سکا اور نہ اپنے مالک کے پاس لے جا سکا۔"

"تم کتنے درندے ہو..... وہ بہر حال آدمی تھا؟"

"آدمی کے لئے تم کوئی دوسرا نام تجویز کرنے والی تھیں۔" حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"کیا تمہیں خوف نہیں معلوم ہوتا۔"

"کس چیز سے۔"

"اگر ہم اس لاش سمیت پکڑ لئے جائیں تو۔"

"پکڑ لئے جانے ہی پر اس کے متعلق بھی کچھ سوچا جاسکتا ہے..... اس سے پہلے کیا کہا جائے کہ کیا ہوگا..... لو..... یہ پیسٹریاں کھاؤ..... میں سینڈوچ بنا رہا ہوں۔"

"میں اس لاش کی موجودگی میں کچھ کھا پی نہیں سکتی۔"

"اُف فوہ..... میں نے کب چاہا تھا کہ وہ مر ہی جائے..... یہ محض اتفاق تھا۔"

"تو گویا تمہاری نظروں میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔"

"اہمیت ہوتی تو فومان جیسے آدمی سے کیوں ٹکراتا۔"

"اب مجھے یقین آگیا..... تم پیڈرو ہی کے آدمی ہو۔"

"اگر اب تم نے یہ نامعقول نام پھر دہرایا تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا..... سمجھیں۔"

"مجھے بتاؤ..... تم اس لاش کا کیا کرو گے۔"

"بھون کر کھاؤں گا..... تم چائے انڈیلتی ہو..... یا..... میں۔"

"ٹھہرو..... ٹھہرو..... میرے جسم میں بالکل سکت نہیں..... یہ ٹی پاٹ بھی نہ اٹھ سکے گا..... مجھ پر رحم کرو۔"

"ارے بابا! کچھ دیر بعد یہ لاش یہاں سے چلی جائے گی۔"

"کیسے چلی جائے گی..... اگر کسی نے دیکھ لیا تو۔"

"ٹکڑوں میں جائے گی..... چھوٹے چھوٹے پیکٹوں میں..... کوئی نہ دیکھ سکے گا۔ مطمئن رہو۔" حمید نے کہا اور سینڈوچ کھانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد غسل خانے کا دروازہ پھر کھلا اور وہی ویٹر ایک بڑا سا تھیلا لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

"میرے خدا میں کیا کروں....." اپنی آہستہ سے بڑبڑائی اور پھر آنکھیں بند کرلیں۔ اس کا ذہن آہستہ آہستہ تاریکی میں ڈوبتا جارہا تھا..... پھر وہ اپنے گردو پیش سے بالکل ہی بے خبر ہوگئی۔

پیڈرو

قلندر ٹہل ٹہل کر ڈکٹیٹ کرا رہا تھا اور سائرہ کاڈبیری چوکلیٹ کے ریپر کی پشت پر لکھ رہی تھی۔

ڈکٹیٹ کرا چکا تو بولا۔ "اب پڑھ کر مجھے سناؤ۔"

سائرہ تحریر پڑھنے لگی۔

"آج صبح نو بجے ایک آدمی میرے باس سے ملنے آیا تھا..... عجیب سی صورت تھی ناک پھولی ہوئی پکوڑے جیسی..... آنکھیں خونخوار..... دونوں آہستہ آہستہ گفتگو کرتے رہے تھے اور میں نے دونوں کی زبانوں سے ایک عجیب سا نام سنا تھا..... پیڈرو..... وہ پیڈرو آج رات کو نو بجے جھیل پر میرے باس سے ملنے والا ہے..... وہ آدمی یہی پیغام لایا تھا۔"

"ٹھیک.....!" قلندر مسکرا کر بولا۔ "اب اسے ٹھکانے لگا آؤ..... سائرہ اب میں محسوس کررہا ہوں کہ تم بہت ذہین ہو..... میرا داہنا ہاتھ بن کر رہ گئی ہو۔ شائد تمہارے بغیر اب میرا کام بھی نہ چل سکے۔"

سائرہ ریپر کو موڑ کر مٹھی میں دباتی ہوئی اٹھ گئی۔ کمرے سے نکل کر راہداری میں آئی اور زینوں سے گذرتی ہوئی ڈائننگ میں داخل ہوئی۔ گروسری کے کاؤنٹر پر کاڈبیری چوکلیٹ کا ایک پیکٹ خریدا اور بے خیالی کی ایکٹنگ کرتی ہوئی اسے پھاڑتی رہی..... پھر اس کے ریپر کو تو دوسری مٹھی میں دبالیا اور اس ریپر کو ڈسٹ بن میں ڈال دیا جس پر قلندر کی ڈکٹیٹ کرائی ہوئی تحریر تھی۔

چوکلیٹ کا ایک ٹکڑا توڑ کر منہ میں ڈالتی ہوئی پھر زینوں کی طرف مڑ گئی۔ پچھلے دن کی کہانی کے بعد سے قلندر بالکل بدل گیا تھا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے کسی آئینے کی سطح سے گرد صاف کر دی گئی ہو..... شخصیت ہی بدل کر رہ گئی تھی اب وہ مسکراتا بھی تھا۔ سائرہ نے اس کے بلند بانگ قہقہے بھی سنے تھے..... باتیں کرنے کے موڈ میں آتا تو سائرہ چاہتی کہ بولتا ہی رہے..... بڑی دلچسپ باتیں ہوتی تھیں..... بات بات پر لطیفے اور کہانیاں۔"

وہ سوچتی کہ قلندر ایک اچھا باس ہے..... وہ اُسے اب تک غلط سمجھتی رہی تھی۔ وہ بھی ایڈونچر کا شائق ہے..... محض اس لئے اپنا وقت اور پیسہ برباد کر رہا ہے کہ کچھ لوگ بعض نامعلوم آدمیوں کے دھوکہ میں نہ آسکیں۔

اس وقت وہ اس ریاست کا نام یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی جس کی شہزادی اس کی ہم شکل تھی۔ نہ جانے کیوں اس شہزادی کا نام بھی اس کے ذہن سے محو ہو گیا تھا۔ مگر کتنی عجیب بات تھی کیسی حیرت انگیز مشابہت تھی۔

اُسے یاد آیا کہ وہ تصویر اسے ایسی ہی معلوم ہوئی تھی جیسے آئینہ سامنے رکھ دیا گیا ہو۔ اگر وہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں تو؟

اُس کے سارے جسم میں ایک سرد سی لہر دوڑ گئی..... شہزادی؟ لیکن امی اور ابا کا کیا ہوتا..... چھوٹے چھوٹے بھائی بہنوں سے پھر مل بھی پاتی یا نہیں؟ کانپ گئی اور شائد زندگی میں پہلی بار اس نے محسوس کیا جیسے وہ اپنے بھائی بہنوں سے بے اندازہ محبت رکھتی ہو۔ سب سے چھوٹا بھائی یاد آیا جس کی عمر تین سال تھی۔ جو اُسے دن رات چڑایا کرتا تھا..... آپا ٹاپا..... آپا کی آئے گی بارات سہانی ہو گی رات..... اور وہ جوتی اتار کر اسے مارنے دوڑتی..... دل کی گہرائیوں سے ایک طوفان سا اٹھا۔ دم گھٹنے لگا اور آنکھیں موٹے موٹے قطروں کی وجہ سے دھندلا گئیں۔ بے اختیار دوڑتے ہوئے اُس نے زینے طے کئے سیدھی اپنے کمرے میں آئی۔ منہ کے بل مسہری پر جا گری..... بند ٹوٹ گیا تھا۔ آنسو بہہ نکلے..... وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی..... پھر ہچکی بندھ گئی۔

پتہ نہیں کتنا وقت گذر گیا تھا..... وہ روئے جا رہی تھی۔

دفعتاً کسی نے آہستہ سے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ چونک پڑی۔ تکیئے سے سر اٹھا کر مڑی۔

قلندر مجسم سوالیہ نشان بنا اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

"اوہ..... کچھ نہیں....." وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ وہ ہکلاتی رہی۔ "کک..... کچھ نہیں..... بس یونہی..... پتہ نہیں کیوں؟"

"اگر تم تھک گئی ہو تو تمہیں آرام کرنا چاہئے....." قلندر نے نرم لہجے میں کہا۔

"نہیں میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"لڑکیاں عموماً کمزور دل کی ہوتی ہیں۔ اچھی بات ہے میں تمہیں گھر بھجوا دوں گا۔"

"نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں۔"

"خیر..... آرام کرو..... میں جا رہا ہوں۔"

"نہیں..... آپ بیٹھئے..... میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

قلندر اُسے پر تشویش نظروں سے دیکھتا ہوا قریب کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ بھی خاموش بیٹھی رہی بالآخر قلندر کھنکار کر بولا۔ "اگر تم کسی قسم کا خوف محسوس.....!"

"نہیں..... میں ڈرتی نہیں ہوں۔" سائرہ نے اُسے جملہ پورا نہ کرنے دیا۔

"ڈرنا بھی نہ چاہئے..... یہ میرا یا تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

دفعتاً سائرہ کو کچھ یاد آیا اور اس نے پوچھا۔ "یہ پیڈرو کون ہے؟"

"گذران اسٹیٹ کا ایک ہمدرد نمک خوار..... میں ان لوگوں پر جتانا چاہتا ہوں کہ اسٹیٹ کے بعض آفیسر بھی میری پشت پر ہیں۔"

"میں شہزادی کا نام بھول گئی۔"

"دردانہ..... اور سنو..... میرے ذہن میں ایک شاندار اسکیم ہے..... میں نے ایک شاندار عمارت کرایہ پر حاصل کی ہے..... تم اُس میں پرنسز دردانہ آف گرزان اسٹیٹ کی حیثیت سے قیام کرو گی..... بالکل شہزادیوں کی طرح..... ملازموں کی فوج سمیت۔"

"کیوں.....؟" وہ مضطربانہ انداز میں بولی۔

"ان لوگوں کو ہراساں کرنے کے لئے..... میں اب یہ قصہ ختم کرنا چاہتا ہوں۔ میری ابتدا بھی مصروفیات ہیں۔"

"بھلا وہ اس طرح ہراساں کیسے ہوں گے۔"

"میں اُن پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کروں گا کہ میں خود تمہاری ذات سے اٹھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"اس سے کیا فائدہ ہوگا۔"

"بس دیکھنا..... اپنی موت آپ مر جائیں گے۔"

"میں بالکل نہیں سمجھی۔"

"وہ خود ہی مجھے فراڈ ثابت کرنے کی کوشش کریں گے اور اس طرح خود ہی اپنے سمیت فنا ہو جائیں گے۔"

"بات تو ٹھیک ہے.....!"

"بس تو پھر تم تیار ہو جاؤ۔"

"خاصا ایڈونچر رہے گا.....!" وہ ہنس پڑی۔

"لیکن.....!" وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ایک دشواری ہے۔"

"پولیس کے دو آفیسر جو تمہیں پہچانتے ہیں آج کل غالباً یہیں مقیم ہیں۔ اگر اُن کا ہد گیا تو تم کیا کرو گی۔"

"کون پولیس آفیسر.....!"

"کرنل فریدی اور کیپٹن حمید۔"

"آپ ہی بتایئے کہ کیا کروں گی۔"

"اُن کی طرف قطعی متوجہ نہ ہونا..... اگر خود ملنے کی کوشش کریں تو بالکل اجنبی سا برتاؤ ہونا چاہئے۔"

"لل..... لیکن.....!"

"پرواہ مت کرو..... میں ماہر قانون بھی ہوں۔"

"اگر انہوں نے گرزان اسٹیٹ والوں سے رابطہ قائم کیا تو۔"

"پیڈرو دیکھے گا کہ انہیں مطمئن کر دیا جاتا ہے۔"

"ہوگا..... مجھے کیا۔" وہ لاپروائی سے شانوں کو جنبش دے کر بولی۔ "الٹی سیدھی

دیکھیں گے۔"

شہزادیوں کی طرح رہنے کا تصور بھی مسرت انگیز تھا۔ وہ خوابوں میں کھو گئی۔



موبی سراسیمگی کے عالم میں کرنل فریدی کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

فریدی سگار سلگا کر اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"میں کہاں ہوں۔" موبی نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"نومی چار میں.....!" کرنل فریدی نے جواب دیا۔ "لیکن تم اس عمارت سے باہر قدم رکھنے کی کوشش نہیں کرو گے۔"

"نہیں جناب..... یہ خودکشی کے مترادف ہوگا۔"

"سمجھ دار آدمی ہو۔"

"میں آپ کے لئے پریشان ہوں۔"

"تھوڑی دیر بعد تم اس سے فون پر گفتگو کر سکو گے۔ وہ قطعی محفوظ ہے۔"

موبی کچھ نہ بولا۔ صرف نچلے ہونٹ پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

"تو تم اُس طویل قامت اور بہت زیادہ جسیم آدمی کی بھی دیکھ بھال کرتے رہے ہو۔" لڑکی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"مم..... میں نہیں سمجھا۔"

"میرا مراد اس آدمی سے ہے جو اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔"

"میں ایسے کسی آدمی سے واقف نہیں ہوں جناب۔"

"کرجاوید کو جانتے ہو۔"

"جی نہیں..... میرے لئے یہ نام بھی نیا ہے۔"

"برٹش ایسٹ افریقہ کا ایک تاجر ہے۔"

"نہیں جناب میں قطعی نہیں جانتا۔"

"فقط آئی لینڈ کے ڈاکٹر شاپور کو جانتے ہو۔"

"نام سنا ہے جناب..... کبھی ملنے کا اتفاق نہیں ہوا..... صورت آشنا نہیں ہوں۔"

"پھر تم کس مرض کی دوا تھے۔"

"میں تو صرف آپ کی نگرانی کرتا رہا تھا فومان کے حکم سے.....!"

"کیا وہ اُن دنوں سیونتھ آئی لینڈ میں مقیم تھا۔"

"جی نہیں..... یہاں سے پیغام بھیجا تھا۔"

"فون پر.....!"

"جی نہیں..... اُس کے ایک آدمی نے مجھے ہدایات دی تھیں۔"

"اس سے پہلے جناب میرا اس کے گروہ سے کوئی تعلق نہیں..... بس اُس کا مقرو ہوں اور یہ قرض اتنا زیادہ ہے کہ شائد ساری زندگی قسطوں میں بھی ادا کرنا چاہوں تو نہ ہو۔"

"لڑکی کو اس غلاظت میں دھکیلنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"میں نہیں جانتا تھا جناب کہ وہ براہِ راست اس کی ملازم ہو گی۔ اس نے کہا تھا کہ چار کے تار گھر میں ایک آسامی خالی ہے کہو تو اینی کو وہاں لگوا دیا جائے۔ میں نے کہا کیا حرج ہے..... اب آپ کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ وہ اُس کے جوئے خانے میں بھی کام کرتی ہے۔ خود اینی نے مجھے اس کے بارے میں کبھی نہیں بتایا۔"

"ہوں..... کیا وہ صرف جوئے خانہ ہی چلاتا ہے۔"

"پتہ نہیں جناب..... ویسے سنا ہے کہ اسمگلنگ بھی کرتا ہے۔"

"اوہ..... تو وہ گروہ..... فومان ہی کا ہے۔"

"میری معلومات کے مطابق..... یہاں دو گروہ ہیں۔ پہلے دونوں شرکت میں کام کرتے تھے پھر جھگڑا کر بیٹھے..... اب دونوں الگ ہیں۔"

"پیڈرو کون ہے اور کہاں رہتا ہے۔"

"یہ تو شائد فومان کو بھی نہ معلوم ہو۔ وہ خود کبھی سامنے نہیں آیا۔ اس کا کوئی کار پرداز کے حصے کی دیکھ بھال کرتا تھا۔"

"تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ فومان بھی اس سے ناواقف ہو گا۔"

"جناب عالی اس نے یہ بات خود مجھے بتائی تھی۔ وہ اکثر پریشان رہتا تھا۔ کہتا تھا پارٹنر مجھے بالکل پسند نہیں جب کہ میں نے آج تک اپنے پارٹنر کی شکل تک نہیں دیکھی..... اس سے خائف بھی رہتا تھا حالانکہ لفظ 'خوف' ہی فومان کے لئے مضحکہ خیز ہے۔"

"دونوں میں جھگڑا کس بات پر ہوا تھا۔"

"اس کا علم تو نہیں مجھے۔"

"فومان کے آدمیوں میں کوئی ایسا بھی ہے جس کے بائیں جبڑے پر چوٹ کا گہرا نشان ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ میں نے ایسے کسی آدمی کو ان لوگوں میں نہیں دیکھا۔"

"اس آدمی پیڈرو کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔"

"میں کیا عرض کروں جناب۔"

"اُن دونوں گروہوں میں اب بھی جھگڑا ہوتا رہتا ہو گا۔"

"جی ہاں..... اکثر بڑی خونریزی ہوتی ہے۔ لیکن فومان پیڈرو کے کسی آدمی کی نشاندہی نہیں کر سکتا۔ ویسے اگر چاہتا تو ان میں سے ہر ایک کو گرفتار کرا سکتا۔"

"ہاں میں جانتا ہوں کہ یہاں کی پولیس فومان کے کاروبار سے بخوبی واقف ہے اور شائد اس کے ایک ایک آدمی سے بھی شناسائی رکھتی ہے۔"

"جی ہاں..... آپ کا خیال قطعی درست ہے۔ ڈپٹی کمشنر اور ایس پی دونوں اس کی مٹھی میں رہتے ہیں۔ اس کے باوجود بھی پیڈرو کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

"آخر کیوں؟"

"پیڈرو کی دھمکی..... اُس نے جھگڑے کے بعد ہی فومان کو وارننگ دی تھی کہ اگر اُس کا کوئی آدمی پولیس کی نظروں میں آیا تو وہ فومان کو گولی مار دے گا۔ خواہ وہ سات پردوں میں بھی کیوں نہ جا چھپے۔"

"ہوں..... بڑی عجیب بات ہے۔"

"فومان نے اگر کبھی اُس کی ایک جھلک بھی دیکھ لی ہوتی تو شائد اتنا خائف نہ ہوتا۔ وہ سوچتا ہے پتہ نہیں کب اور کہاں اپنا کام کر جائے۔ زہر ہی دلوا دے۔"

"خوب.....! تو تمہاری دانست میں اس کے کسی آدمی کی بھی نشاندہی ممکن نہیں ہے۔"

"ہرگز نہیں..... فومان کے علاوہ انہیں اور کوئی جانتا بھی نہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ اب تم آرام کرو..... لیکن کھڑکیوں کے قریب بھی نہ جانا.....!" فریدی نے کہا اور اٹھ گیا۔

کچھ دیر بعد وہ نومی چار کے سب سے بارونق حصے میں نظر آیا۔ فومان کا وہ قمار خانہ جس سے اُس سے ملاقات ہو سکتی تھی یہیں واقع تھا۔

فریدی قمار خانے میں داخل ہوا..... دن کو یہاں عموماً سناٹا ہی رہتا تھا..... ایک کسی گوشے سے جھپٹا اور فریدی کی راہ میں حائل ہوتا ہوا بولا۔ "اس وقت یہاں کھیل ہوتا۔"

فریدی نے اسے گھور کر دیکھا اور آہستہ سے کہا۔ "مجھے فومان سے ملنا ہے۔"

"وہ کسی اجنبی سے نہیں ملتے۔"

"تمہیں کیسے اندازہ ہوا کہ میں اس کے لئے اجنبی ہوں۔"

"وہ سو رہے ہیں۔"

"اچھا شام کو مل لوں گا....." فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ پھر جلدی سے بولا۔ "ایک گلاس ٹھنڈا پانی مل سکے گا۔"

"پانی کا یہاں کیا کام جناب..... البتہ بار اُدھر ہے۔"

"کبھی کبھی شراب پانی کا بدل نہیں ثابت ہوتی....." فریدی مسکرایا۔

"اچھا..... ٹھہریئے میں دیکھتا ہوں۔" وہ آدمی کہتا ہوا ایک طرف چلا گیا۔

فریدی جہاں تھا وہیں کھڑا گرد و پیش کا جائزہ لیتا رہا۔

دفعتاً چار آدمی اُسے اپنی طرف آتے دکھائی دیئے۔ لیکن اُس کے بے تعلقانہ انداز

میں کوئی فرق نہ آیا۔

وہ قریب پہنچے اور اس طرح کھڑے ہو گئے کہ فریدی ان کے گھیرے میں آ گیا۔

"کیا بات ہے؟" اُن میں سے ایک نے پوچھا۔

"میں فومان سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"کیوں.....؟"

"ہوش میں ہو یا نہیں۔" فریدی اسے نیچے سے اوپر تک گھورتا ہوا بولا۔ "تمہیں یہ کیوں بتایا جائے۔"

"اس کے بغیر باس سے ملاقات نہیں ہو سکے گی۔"

"کیا اس تک میرا کارڈ بھی نہیں پہنچاؤ گے۔"

"کیا وہ آپ کو جانتے ہیں۔"

"اُس جیسے سارے آدمی مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔" فریدی نے جیب سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

اس نے کارڈ ہاتھ میں لیا اس پر نظر ڈالی اور دوسرے ہی لمحے میں کارڈ ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر آ رہا..... جھک کر کانپتے ہوئے ہاتھ سے اُسے اٹھایا اور سیدھے کھڑے ہو کر ہکلائے ہوئے انداز میں بولا۔ "آپ تشریف رکھئے جناب میں ابھی اطلاع دیتا ہوں۔"

پھر وہ دوڑتا چلا گیا اور اس کے تینوں ساتھی حیرت سے وہیں کھڑے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔

تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا۔ اس کے چہرے پر اب بھی سراسیمگی کے آثار تھے۔

"تشریف لے چلئے جناب۔" اس نے کہا اور فریدی اُس کے ساتھ چل پڑا۔

فومان استقبال کے لئے اپنے دفتر سے باہر آ گیا تھا۔

"کہیے..... نصیب.....!" وہ مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ پھر وہ اُسے اپنے دفتر میں لایا..... فریدی ابھی تک کچھ نہیں بولا تھا۔

"برسوں کی آرزو پوری ہوئی۔ تشریف رکھئے جناب۔" فومان بچھا جا رہا تھا۔

فریدی نے بیٹھتے ہوئے چاروں طرف اچٹتی سی نظر ڈالی۔

"فرمایئے..... میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"ایک لڑکی..... آناگریس کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں۔"

"آناگریس..... جی ہاں..... میں یہاں اس کا سرپرست ہوں..... وہ تار گھر کرتی ہے۔ میں نے ہی اس کے لئے سفارش کی تھی۔"

"وہ عرصہ سے مرکزی سی آئی ڈی کی نگرانی میں رہی ہے۔"

"کیوں جناب.....!" فومان نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔

"وہ کسی نامعلوم آدمی کے لئے غیر قانونی پیغام رسانی کرتی رہی ہے۔"

"میں بالکل نہیں سمجھا جناب..... ذرا ایک منٹ آپ کیا پئیں گے۔"

"شکریہ..... کسی چیز کی خواہش نہیں۔"

"پھر بھی.....!" فومان مسکرایا۔ "بڑے آدمیوں کے لئے بہت پرانی پرتگالی رکھتا ہوں۔"

"میں شراب نہیں پیتا.....!"

"حیرت ہے اتنا دماغی کام کرنے کے باوجود بھی.....!"

"ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ وہ غیر قانونی طور پر پیغام رسانی کرتی تھی..... یہاں گھر میں ہنی مون کے ٹیلی گرافک ایڈریس پر پیغامات آتے ہیں۔ حالانکہ یہ پتہ رجسٹر ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس پتے کی پشت پر کون ہے..... اس لئے پیغامات آتے ہیں ا کی ٹوکری میں ڈال دیئے جاتے ہیں..... لیکن یہ لڑکی ان پیغامات کو الگ نوٹ کر دیکھی گئی ہے..... اس کے علاوہ تار گھر کا اور کوئی فرد ان کی طرف توجہ تک نہیں دیتا

"بس اتنی سی بات جناب.....!" فومان ہنس پڑا۔ "دراصل آناگریس وہ پیغامات لئے نوٹ کرتی رہی ہے۔"

"تو یہ ہنی مون والا پتہ تمہاری ہی ذات سے تعلق رکھتا ہے۔"

"ہرگز نہیں.....!" فومان سنجیدگی اختیار کر کے بولا۔ "اُس نے مجھ سے اس کا تذ تھا..... میں نے کہا لکھ لایا کرو..... بڑے عجیب و غریب پیغامات ہوتے ہیں۔ شا بوڑھی ہوئی جارہی ہے..... کتا مسکرانے لگا ہے..... ہنڈیا پک رہی ہے.....

وغیرہ..... میں نے تو فائیل بنا لیا ہے۔ کہئے تو دکھاؤں..... فرصت کے اوقات میں ان پیغامات کے معمے حل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ..... مگر میں خواہ مخواہ اپنا دماغ کیوں ظاہر کروں پتہ نہیں آپ کا نظریہ کیا ہو۔"

فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"یقین کیجئے.....!" فومان سر ہلا کر بولا۔ "چونکہ پیغامات پراسرار معلوم ہوئے تھے اس لئے میں انہیں اکٹھا کرتا رہا ہوں۔"

"پرسوں رات یہاں کیا ہوا تھا.....؟"

"میں نہیں سمجھا۔"

"آناگریس کا کسی سے جھگڑا ہوا تھا.....؟ یہاں..... اس قمار خانے میں۔"

"مجھے علم نہیں..... وہ اکثر آتی ہے۔ کھیلتی بھی ہے..... ٹھہریئے..... میں یہاں کے نگراں سے پوچھتا ہوں۔"

فومان نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔

شہزادی اور نوابزادہ

مطلوبہ آدمی تھوڑی دیر بعد کمرے میں داخل ہوا۔ فومان نے اس سے بیٹھنے کو نہیں کہا۔ فریدی نے اس کا سرسری جائزہ لے کر فومان کی طرف دیکھا۔

"کیوں..... کیا پرسوں یہاں کسی سے آناگریس کا جھگڑا ہوا تھا....." فومان نے آنے والے سے پوچھا۔

"جی ہاں.....!"

"کیا بات تھی۔"

"کسی ایسے آدمی کے ساتھ کھیلنے بیٹھ گئی تھی جو نشے میں تھا۔ اُس نے شائد کوئی ویسی بات جیسس کرائسٹ کی شان میں کہہ دی تھی وہ بگڑ گئی اور اپنا پرس اس کے منہ پر مارا تھا.....!"

"میں نے تم سے کیا کہا تھا.....!" فومان غصیلی آواز میں بولا۔

"وہ مانتی ہی نہیں باس..... کہتی ہے میں محدود ہو کر کھیلتی ہوں۔"

"چلے جاؤ.....!" فومان ہاتھ اٹھا کر دہاڑا۔

وہ چپ چاپ باہر چلا گیا..... فومان ایسے انداز میں خاموش بیٹھا رہا جیسے غصے کی زیا کی وجہ سے کچھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی رخصت ہو گئی ہو۔

"کل آئی تھی.....؟" فریدی نے پوچھا۔

"پتہ نہیں جناب....." فومان نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "ہر آنے والے پر نظر میرے لئے ممکن نہیں۔"

"وہ کہاں رہتی ہے۔"

"غالباً فرحان منزل کے کسی فلیٹ میں..... فلیٹ کا نمبر مجھے معلوم نہیں۔"

"وہ کل اور آج..... تار گھر میں بھی نہیں دکھائی دی۔"

"جہنم میں جائے..... یہ پہلا موقع ہے کہ مجھے اپنے یہاں کسی قسم کے جھگڑے اطلاع ملی ہے..... میرا موڈ خراب ہو گیا ہے..... اور کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"اُس کے کسی قریبی عزیز کا پتہ بھی بتا سکو گے۔"

"اس کا باپ موبی سیونتھ آئی لینڈ میں رہتا ہے.....!" فومان نے کہا اور کاغذ کے ٹکڑے پر اس کا پتہ لکھ کر فریدی کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ "اس سے میرے اچھے تعلقا رہے ہیں..... اور انہیں تعلقات کی بناء پر میں نے آنا کے لئے سفارش کی تھی۔"

"بہت بہت شکریہ.....!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

فومان بھی اٹھ گیا..... اس کے ساتھ دروازے تک آیا۔

سڑک پر پہنچ کر فریدی نے ایک ٹیکسی رکوائی اور اس میں بیٹھتا ہوا ڈرائیور سے بولا

"فرحان منزل۔"

تھوڑی مسافت طے کرنے کے بعد اس نے پھر ڈرائیور کو مخاطب کیا۔

"چوراہے والے ٹیلی فون بوتھ کے قریب ذرا دو منٹ کے لئے روکنا۔"

"اچھا صاحب۔"

بوتھ خالی تھا۔ فریدی نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کرتے ہوئے محسوس کیا کہ وہ ائونڈ پروف بھی ہے۔

ہوٹل مونا کو کے نمبر ڈائیل کر کے آپریٹر کو حمید کے کمرے کا نمبر بتایا۔ دوسری طرف سے فوراً ہی جواب ملا۔ حمید بول رہا ہوں۔

"مناسب یہی ہے کہ اب اسے بھی وہیں بھجوا دو....." فریدی نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"اور میں مکھیاں ماروں....." دوسری طرف سے آواز آئی۔ "آخر اب میری زندگی کے دوسرے پہلوؤں پر بھی نظر کیوں نہیں رکھتے۔"

"مجھے اس کی تنخواہ نہیں ملتی۔"

"تنہائی مجھے کھا جائے گی۔ میں فنا ہو جاؤں گا۔"

"بکو مت..... میری بات سنو۔"

"اُسے وہیں پہنچا دو..... دونوں کا یکجا رہنا ہی مناسب ہے اور اب تم اپنی اصل حیثیت ظاہر کر سکتے ہو..... اس ہوٹل سے کہیں اور چلے جاؤ..... میری دانست میں مونٹی کارلو ہی مناسب رہے گا۔"

"بہت بہت شکریہ۔"

"کورہاں دیکھو..... تمہیں شہزادی درولنہ آف گزران اسٹیٹ پر بھی نظر رکھنی ہے..... چل پڑو گے اسے دیکھ کر..... یہاں کی ایک مشہور عمارت نور محل میں مقیم ہے۔"

"کیا دور ہی سے دیکھنا ہے۔"

"اُس کا فیصلہ دیکھ کر ہی کر سکو گے....." فریدی نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

نور محل شاندار عمارت تھی۔ ایسی نہیں کہ ساڑھے تین کمروں کی مکانیت پر نام
جائے۔ "زینت محل" یا "قصر سلیمان"۔ حمید عمارت کے سامنے پہنچ کر رکا اور سوچنے
اسے عمارت کی نگرانی کرنی ہے یا شہزادی دردانہ کی۔

وہ عمارت کے آس پاس منڈلاتا رہا..... پھاٹک پر دو مسلح اور باوردی پہرے دار
تھے اور دیوار سے لگی ہوئی نیم پلیٹ پر جلی حروف میں شہزادی دردانہ تحریر تھا۔

یہ کہاں کی شہزادی ہو سکتی ہے؟..... حمید کا ذہن سوال پر سوال کرتا چلا گیا۔
ہو گی۔ چہرہ مہرہ قابل قبول بھی ہو گا یا نہیں؟ لفٹ مل سکے گی یا نہیں۔ شام کے پانچ بجے
وہ سوچنے لگا۔ کیا شام بھی گھر ہی پر گذارتی ہے؟

دفعتاً اُسے پھاٹک کی طرف متوجہ ہو جانا پڑا..... ایک لمبی سی کھلی ہوئی کار پھاٹک
بر آمد ہو رہی تھی..... اگلی سیٹ پر ڈرائیور تھا اور پچھلی سیٹ پر؟ حمید کی کھوپڑی ناچ گئی۔
اگر دوسری بار آنکھ مل کر دیکھنے کا موقع ہوتا تو حمید یہ بھی کر گذرتا۔ خدشہ تھا کہ وہ آنکھ
ہی ملتا رہ جائے گا اور گاڑی کہیں کی کہیں جا پہنچے گی۔

وہ شہزادی دردانہ تھی یا قلندر کی سیکریٹری سائرہ عبدالغفور..... گاڑی اُس کے قر
ہی سے گذر گئی۔ سائرہ نے اس کی طرف دیکھا تھا اور منہ پھیر لیا تھا۔ حمید نے محسوس کیا
اس نے دردانہ یا سائرہ سے نظر ملتے ہی اُس کی آنکھوں میں شناسائی کے اعتراف کی
دیکھی ہو۔

اُس نے پر معنی انداز میں سر کو جنبش دی اور چاروں طرف نظر دوڑانے لگا۔ شائد
ٹیکسی نظر آجائے۔ لیکن مایوسی ہوئی۔ شہزادی دردانہ کی گاڑی نکلی چلی گئی۔

"لاحول ولا قوۃ.....!" وہ بڑبڑایا اور تیز قدموں سے چلتا ہوا اس سڑک پر آیا جہاں
دو افروشوں کی دوکانیں تھیں۔

ایک دوکان میں داخل ہو کر کاؤنٹر کلرک سے فون استعمال کرنے کی اجازت مانگی

یدی کی قیام گاہ کے نمبر ڈائیل کئے۔

دوسری طرف سے جواب ملنے پر بولا۔ "حمید اسپیکنگ ..... کام تو شروع کر دیا
..... لیکن وہ برق رفتار اور خاکسار پیدل۔ آخر کار برق جہندہ کی طرح نگاہ سے اوجھل
ہو گئی۔"

"کیا خیال ہے اُس کے متعلق.....!"

"کیا یہ کسی قسم کا فراڈ ہے۔"

"کیا میں نے آج تک کسی مولوی کی بھی نگرانی کرائی ہے تم سے۔" دوسری طرف سے
خوشگوار لہجے میں کہا گیا۔

"ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے..... تو پھر اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔"

"تم بھی کسی گیراج سے کوئی عمدہ قسم کی گاڑی کرائے پر حاصل کرو اور شہزادے بن
جاؤ..... ملازمت کے لئے کالی بلیاں حاضر ہیں..... لیکن تم اُن سے نجی قسم کے سوالات
نہیں کرو گے۔"

"ویسے میرا خیال تو یہ ہے کہ اب تم دوبارہ مونٹی کارلو سے مونا کو چلے جاؤ..... اب
تمہاری حیثیت کیپٹن حمید ہی کی ہو گی اس لئے کہ کوئی خدشہ نہیں..... بہر حال گاڑی ضرور
حاصل کرو۔"

شام بڑی سنسنی خیز ثابت ہوئی تھی۔ لیکن گھر سے باہر نکلتے ہی پہلا ذہنی جھٹکا اب بھی
اس کے اعصاب پر اپنی پرچھائیں ڈال رہا تھا..... اور وہ جھٹکا نتیجہ تھا کیپٹن حمید سے غیر متوقع
طور پر مڈبھیڑ ہو جانے کا۔

وہ راستے بھر سوچتی رہی تھی کیا اس نے اُسے نہ پہچانا ہو گا..... کیا وہاں اُس کی موجودگی

محض اتفاق پر مبنی تھی؟ کیا وہ سب کچھ جانتا ہے؟ اور جانتا ہو گا؟ خفیہ پولیس والوں کے
تو شیطان پھونک جاتا ہے..... انہیں ہر بات کی خبر ہو جاتی ہے۔ اگر نہ ہو جائے
سوسائٹی مجرموں کا اکھاڑہ بن کر رہ جائے؟ لیکن آخر اُسے کس بات کا خوف ہے۔
کسی نیک مقصد ہی کے حصول کے لئے یہ سب کچھ کر رہی ہے۔ قانون کو دھوکا دینا
نہیں ہے..... اونہہ ہو گا..... وہ اتنی اچھی تفریح برباد کیوں کرے..... زندگی میں
اس کے خواب پورے ہو رہے تھے۔

ہوٹیل مونا کو جیسی شاندار جگہ تھی..... ریکریئیشن ہال میں ہلکی اور خواب انگیز
لہریں لے رہی تھی۔

یہاں رقص گاہ کی چاروں اطراف میں گیلریاں تھیں..... ایک گیلری میں آ
بیٹھتا تھا اور بار تھی..... تین گیلریوں میں رقاصوں کے لئے میزیں تھیں۔

وہ اپنی میز پر تنہا تھی اور پیچھے مسلح باڈی گارڈ کھڑا تھا..... یہ آدمی بیک وقت دو
انجام دیتا تھا۔ ڈرائیور بھی تھا اور باڈی گارڈ بھی۔ کچھ دیر بعد رقص شروع ہو گیا۔ کئی
غالباً اس سے بھی رقص کرنے کی درخواست لے کر آگے بڑھے تھے لیکن باڈی گار
ہولسٹر اور کارتوسوں کی پیٹی پر نظر پڑتے ہی پیچھے ہٹ گئے تھے۔ وہ چاہتی بھی یہی تھی۔
اُسے ناچنا نہیں آتا تھا۔

پھر وہ رقص دیکھنے میں محو ہو گئی..... اسکے لئے بالکل نیا تجربہ تھا۔ اس قسم کے
کے اس نے خواب دیکھے۔ کتابوں میں اُن سے متعلق پڑھا تھا۔ لیکن جیتا جاگتا تجربہ اس
پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

پہلا راؤنڈ ختم ہونے کے بعد اُس نے کافی طلب کی اور باڈی گارڈ آگے بڑھ کر اس
لئے کافی بنانے لگا۔ ٹھیک اسی وقت بائیں جانب سے ایک جانی پہچانی سی آواز
"سیکریٹری..... تم بالکل گدھے ہو..... کیا یہ ہوٹیل ہمارے معیار سے مطابقت رکھتا ہے؟"

وہ چونک کر مڑی۔ قریب ہی کیپٹن حمید کھڑا ایک معمر اور باریش آدمی پر بگڑ رہا تھا۔

"حضور عالی.....!" بوڑھا نہایت ادب سے بولا۔ "یہ یہاں کا سب سے
ہوٹیل ہے۔"

"لغو اور لچر.....!" حمید نے کہا اور چاروں طرف نظر دوڑاتا ہوا بولا۔ "ڈھنگ کے
بھی نہیں دکھائی دیتے..... ہم یہاں کیا کریں گے..... اور تم یہاں قیام کرنے کو بھی
رہے ہو۔"

"حضور والا..... اس سے بہتر جگہ یہاں نہ مل سکے گی۔"

"تو پھر ہم یہاں آئے ہی کیوں تھے؟" حمید نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"سرکار..... میری حماقت کی وجہ سے..... معافی چاہتا ہوں۔"

"خیر..... اب یہاں ایسی خاتون کو بھی تلاش کرو جن کی رگوں میں شاہی خون دوڑ
رہا ہو۔"

"مل جائیں گی حضور.....!" بوڑھا آدمی ہاتھ باندھ کر بولا۔

"کہاں سے مل جائیں گی۔"

"وہ جو یہاں ٹیلی فون آپریٹر ہیں نا..... کہہ رہی تھیں کہ میں نواب دلدار جنگ بہادر
کی بھتیجی ہوں..... وقت کی بات ہے کہ یہاں نظر آ رہی ہوں..... ورنہ میری منگنی تو
شہزادہ عبدالقدوس والی ریاست چمن چمندا سے ہوئی تھی۔"

"ارے..... وہ بھی کوئی ریاست ہے..... وہ بھی کوئی شہزادہ ہے..... صورت ہی
سے کسی ہیڈ کانسٹیبل کی اولاد معلوم ہوتا ہے..... خیر اب یہاں کوئی خالی میز تلاش کرو۔"

"حضور والا..... ہم دیر سے پہنچے..... کوئی میز خالی نہیں ہے۔"

"ہائیں تو کیا کوئی میز مخصوص نہیں کرائی تھی۔"

"حضور ہم تو ابھی تاجکستان کے دورے سے واپس آئے ہیں..... کچھ ہی دیر پہلے کی
بات ہے..... ایسی صورت میں حضور..... بھلا..... غور فرمایئے۔"

"غور بھی تم ہی فرماؤ ہماری طرف سے..... ہمارے پاس ان فضولیات کے لئے وقت
نہیں ہے۔"

"حضور غور کر لیا.....!"

"کیا.....!"

"حضور بہت تھکے ہوئے ہیں۔ اس وقت صرف آرام فرمائیں گے۔"

"ٹھیک ہے..... استراحت گاہ میں چمن چمندا کی منگیتر.....!"

"حضور حضور..... مطمئن رہیں..... سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

اتنے میں دوسرے راؤنڈ کے لئے موسیقی شروع ہو گئی اور ایک چست اسکر
صحت مند لڑکی اُن کے قریب سے گذری۔

سائرہ نے دیکھا۔ حمید نے جھک کر آہستہ سے کچھ کہا..... وہ چلتے چلتے رک پڑی
گھور کر دیکھا پھر مسکرائی اور حمید کی طرف دونوں ہاتھ بڑھا دیئے..... حمید نے اس
پکڑے اور رقاصوں کی بھیڑ میں شامل ہو گیا۔

سائرہ کو ایسا ہی لگا تھا جیسے وہ تیرتا ہوا رقص کے فرش پر چلا گیا ہو..... پھر
آنکھیں انہی دونوں کا تعاقب کرتی رہی تھیں۔

حمید کے ہونٹ ہل رہے تھے اور لڑکی متواتر ہنسے جا رہی تھی۔ کبھی کبھی وہ منہ اٹھا
آنکھوں سے اس کی آنکھوں میں دیکھتی۔ پتہ نہیں کیوں سائرہ کو اس لڑکی پر بے حد غ
تھا۔ چڑھی بیٹھی ہے حرامزادی..... کوئی کمانے کھانے والی حرافہ ہو گی اور حضرت
سوجھی تھی۔ قلندر نے شائد ان کے متعلق ٹھیک ہی کہا تھا..... قلندر کا بھی کچھ
نہیں..... اگر کوئی الٹی سیدھی بات ہوئی تو کون سنبھالے گا۔ سائرہ کی پیشانی پر پ
بوندیں پھوٹتی رہیں۔

وہ مسلسل سوچے جا رہی تھی..... یہ کیسا بہروپ ہے کیا اس نے اُسے چرا
کوشش کی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کہیں کے نواب زادے ہی تو ہوں۔ اونہہ اُ
تو قلندر کی ہدایت کے مطابق یہ تو ظاہر ہی نہ ہونے دے گی کہ اُسے پہلے بھی کبھی
ہے..... اگر گفتگو کی نوبت آئی تو صاف کہہ دے گی کہ وہ اُسے پہچانتی تک نہیں۔
آخر یہ خود کس چکر میں ہے..... ایک بار حمید نے ناچتے ناچتے اپنی ہم رقص کو اس
بازوؤں میں اٹھالیا کہ اس کے پیر فرش سے تقریباً ایک فٹ اونچے اٹھ گئے۔ لیکن وا
ہی رہی۔

کمال ہے۔ سائرہ نے سوچا۔ کیا بے حیائی ہے؟ سینکڑوں کے مجمع میں ایسی حرکتیں
سب اندھے ہوں۔ یا ان پر نیند طاری ہو۔ یہاں کسی کو اس پر اعتراض بھی نہیں ہوتا۔

یہ ناچ بھی کیا ہے۔ سازوں کی لے پر ادھر اُدھر ٹھمکتے پھر رہے ہیں۔ کیا مشکل ہے۔ وہ
اس طرح ناچ سکتی ہے..... ناچ سکتی ہے..... خود۔ وہ چونک پڑی۔ بھلا خود کیونکر ناچے
..... قدم کیسے اٹھیں گے۔

کبھی نہیں..... کبھی نہیں۔ اس سے ایسی بے حیائی ہرگز نہ سرزد ہو سکے گی۔ اُس کے
والد بہت بڑے عالم دین تھے۔ لوگ کیا کہیں گے۔ یہ مولوی محمد دین مرحوم کی پوتی ہے۔ ننگ
خاندان..... خدا محفوظ رکھے۔

موسیقی تیز ہوتی جا رہی تھی۔ رقاصوں پر دیوانگی سی طاری تھی۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا
جیسے گوشت کے بے شمار قد آدم لوتھڑے چاروں طرف تھرکتے پھر رہے ہوں۔ کچھ
سوچے سمجھے بغیر۔ بالکل بے روح..... اور مشینی طور پر حرکت کرتے ہوئے لوتھڑے ذرا ہی
دیر میں اُسے اُن سے کراہیت محسوس ہونے لگی۔ لیکن وہ یہاں سے جا نہیں سکتی تھی۔
قلندر کا حکم تھا کہ گیارہ بجے سے پہلے نہ اٹھے۔ رات کا کھانا بھی یہیں کھایا تھا۔ ابھی تو نو ہی بجے
تھے..... رقص نقطۂ عروج پر پہنچ کر تھم گیا..... بوڑھے آدمی کو حمید نے جہاں چھوڑا تھا
وہیں اب بھی نظر آ رہا تھا۔

رقاص جوڑے گیلریوں کی طرف واپس آ رہے تھے..... حمید اور اس کی ہم رقص اس
طرف آتے دکھائی دیئے جہاں بوڑھا سیکریٹری ان کا منتظر تھا۔

حمید نے قریب پہنچ کر کہا۔ "اے سیکریٹری تم اپنے کمرے میں جاؤ۔"

بوڑھا آدمی کسی قدر خم ہو کر دروازے کی طرف مڑ گیا۔

"یہ کون ہے؟" ہم رقص لڑکی نے پوچھا۔

"ہمارا سیکریٹری۔"

لڑکی ہنس پڑی۔ پھر بولی۔ "کیا کوئی لڑکی نہیں ملی تھی۔"

"ہمارے والد حضور پسند نہیں فرماتے۔"

"تم بھی ڈاڑھی رکھ لو..... ڈیئر نواب زادہ۔"

"گھر کو پہنچ کر ہم بھی رکھ لیں گے..... ابھی تو امید ہے کہ ہزاروں لڑکیاں ہماری
طرف آئیں گی..... ہاں تو تم کہاں بیٹھی ہو۔"

"اُدھر.....!" لڑکی نے سائرہ کی پشت والی میز کی طرف اشارہ کیا اور حمید سائرہ کو دیکھتا ہوا اُسی کی میز کی جانب بڑھ گیا۔

سائرہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی..... اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے خود اس کے جسم کا کوئی حصہ کھل گیا ہو جسے ڈھانپنے کے لئے اُسے کوئی چیز نہ مل رہی ہو۔

وہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔ اُن کے بیٹھ جانے کے بعد بھی وہ ان کی آوازیں سن رہی تھی کیونکہ دونوں میزوں کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔

"تم مجھے بیوقوف نہیں بنا رہے۔" اُس نے لڑکی کو کہتے سنا۔

"کس سلسلے میں.....!" حمید کی آواز آئی۔

"اسی نواب زادگی کے سلسلے میں۔"

"ہم بُرا نہیں جانتے..... پیٹ پالنے کے لئے آدمی کو ہزاروں بہروپ بھرنے پڑتے ہیں اور کبھی کبھی جب یہ بہروپ قانون سے ٹکرانے کی کوشش کرتے ہیں تو پھر وہ بہروپ نہیں رہ جاتے۔ انہیں مختلف قسم کے جرائم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے..... سمجھیں۔"

"میں کچھ نہیں سمجھی۔"

"نہ سمجھو..... یہی بہتیر ہے..... سمجھنے والے فاقے کرتے ہیں اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتے ہیں۔"

سائرہ کا کلیجہ خون ہو گیا۔ کیپٹن حمید ابھی تک اُسے ایک شریف لڑکی سمجھتا رہا تھا۔ اس روپ میں دیکھ کر طنز کے تیر چلا رہا تھا..... اونچی آواز میں گفتگو کر کے یہ سب کچھ اسی سنا رہا ہے..... وہ کیا کرے..... کیا کرے۔

ایک بار پھر پسینے کی بوندیں اُس کی پیشانی پر جھلملانے لگیں..... دل کی دھڑکن کچھ بڑھ گئی..... وہ کیا کرے..... کیا کرے؟

لڑکی کہہ رہی تھی۔ "دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہو۔"

"مجھ سے مل کر خوشی ہوئی یا نہیں۔"

"دو چار دن روزانہ ملو..... پھر بتاؤں گی؟"

جلد نمبر 31

"ہونہہ..... ہم سیلانی آدمی ہیں..... آج یہاں کل وہاں۔"

"کل کسی اور سے باتیں بنا رہے ہو گے۔"

"ضروری نہیں..... ابھی ہم یہاں کئی دن ٹھہریں گے۔"

"یہیں ٹھہرے ہو.....!"

"ہاں..... ہاں..... بالکل۔"

"کس نمبر میں.!"

"ہمارا سیکریٹری جانتا ہو گا..... سب کچھ وہی جانتا ہے..... حتیٰ کہ یہ بھی جانتا ہے ہم کب رحلت فرمائیں گے..... تم کیا پیو گی۔"

"بوربن.....!"

"خدا کی پناہ..... ہم سمجھتے تھے کہ لڑکیاں صرف شیری اور پورٹ پیتی ہیں۔"

"اب سے بیس سال پہلے کی لڑکیاں پیتی رہی ہوں گی..... ہمیں تو تیز سے تیز شراب چاہئے۔"

"کیوں.؟"

"تاکہ ہمیں اپنا ماضی یاد نہ آ سکے..... اور ہم آنکھیں بند کر کے ترقی کی شاہراہ پر چلتے رہیں۔"

"جھوٹے ہوئے.....!" حمید نے ٹکڑا لگایا۔

"جو کچھ بھی ہو..... ہم پیچھے مڑ کر نہیں دیکھنا چاہتیں۔"

"ورنہ پتھر کی ہو جاؤ گی۔"

"وہ ہنسنے لگی۔" حمید نے کہا۔ "چلو ڈائننگ ہال میں تمہیں بوربن پلاؤں گا..... یہاں کی فضا میں دم گھٹ رہا ہے..... یہ بڑی اچھی بات ہے کہ تم شرافت کے پردے میں شکار نہیں کھیلتیں۔"

"کیا مطلب.....؟"

"کچھ نہیں آؤ اٹھو....." حمید نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔

پھر سائرہ نے کنکھیوں سے دیکھا کہ وہ صدر دروازے کی طرف جا رہے ہیں۔

اُس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپالیا۔ دل بھرا آرہا تھا۔ کچھ بھی ہو..... جرم میں ملوث ہو رہی ہے۔ آخر قلندر نے کیسا چکر چلایا ہے..... اُس کا کیا انجام ہوگا۔

جھیل پر ہنگامہ

بڑی گہری تاریکی تھی۔ قمری مہینے کی آخری راتیں تھیں اور مطلع بھی صاف نہیں تھا ہاتھ کو ہاتھ نہ سجھائی دیتا۔

شیطانی جھیل پر تو گویا خبیث روحیں منڈلا رہی تھیں..... یہ جھیل جزیرے کے وسط میں واقع تھی..... اس کے چاروں طرف پہاڑیاں تھیں..... اور پانی میں بھی جگہ جگہ چٹانیں ابھری نظر آتیں....

یہ جھیل بھی عجیب تھی اور پہاڑیاں بھی حیرت انگیز تھیں..... خود بخود ان میں دراڑیں پڑتیں۔ پتھروں کے بڑے بڑے ٹکڑے ٹوٹتے اور لڑھکتے ہوئے جھیل میں آپڑتے۔ شائد اسی مناسبت سے شیطانی جھیل کہلانے لگی تھی۔ ورنہ اس سے کسی قسم کی آسیبی کہانی منسوب نہیں تھی..... بعض جگہوں پر تو اس کی گہرائی کا اندازہ بھی تک نہیں کیا جاسکا تھا۔

اس میں پانی گھٹتا بڑھتا رہتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اسے ایک مصنوعی نہر کے ذریعے سمندر سے ملا دیا گیا تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران میں بحری فوج کی بعض ضروریات کی بناء پر ایسا کیا گیا تھا ورنہ عام حالات میں تو اس کا وجود ہی فضول تھا۔ کشتی رانی تک نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ پہاڑیوں سے ٹوٹ کر گرنے والے پتھروں کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں تھا۔

اسے تفریح گاہ بنانے کے قابل بھی نہیں سمجھا گیا..... اگر پہاڑیوں میں چٹخنے رہنے کا عیب نہ ہوتا تو شائد یہ جگہ بہترین تفریح گاہوں میں شمار ہوتی۔

اس کے کنارے پر خوشنما ہالی ڈے کیمپس کا قیام عمل میں آتا..... تیراکی اور کشتی رانی

کلب قائم کئے جاتے..... اچھے اچھے ہوٹل ہوتے اور آس پاس کے علاقے ویران نہ رہتے۔

لیکن پچھلے سال سے یہاں کی اکثر راتیں اپنا سناٹا کھو بیٹھیں۔ فضا میں فائروں کی آوازیں گونجیں جن میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں بھی شامل ہوتیں۔ کبھی کبھی ایسی چیخیں سنی گئیں جیسے کوئی گولی کھا کر گرا ہو اور دم توڑ رہا ہو۔

پھر جب سکون ہو جاتا تو پولیس کی گاڑیاں اور بحری فوج کی لانچیں دوڑنے لگتیں۔ بے شمار کار توس ادھر اُدھر پڑے ملتے لیکن ایک متنفس بھی ایسا نہ ملتا جس پر اُن ہنگاموں کا الزام عائد کیا جاسکتا۔ البتہ لاشیں کئی بار مل چکی تھیں۔ لیکن مرنے والے کم از کم نومی چار کے نہ ہوتے آج بھی کچھ ایسی ہی صورت حال تھی۔ اندھیرے میں فائروں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ کبھی کبھی کوئی پتھر پہاڑیوں سے لڑھکتا ہوا پانی میں جا پڑتا اور اُس کی گرجدار آواز فائروں کی آواز پر حاوی ہو جاتی۔

اندھیرے میں گولی کون کھاتا۔ حالانکہ نومی چار پولیس اسٹیشن پر اس کی اطلاع پہنچ چکی تھی۔

فریدی اس وقت وہیں موجود تھا۔ سپرنٹنڈنٹ نے اس کی فرمائش پر کچھ پرانے فائل نکلوائے تھے..... اور مردہ خانے میں ایک لاش بھی پڑی ہوئی تھی۔

لاش تھی فومان کے اُس گرگے کی جس نے کیپٹن حمید اور آتا گریس کو ہوٹیل مونا کو سے اپنے ساتھ زبردستی لے جانا چاہا تھا۔

لاش فومان کے کاسینو کے ایک ایسے گودام سے برآمد ہوئی تھی جو عموماً بند ہی رہتا تھا۔ اسے کھولنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی تھی کہ اُس کے اندر سے سڑے ہوئے گوشت کی بدبو کے بھبکے نکل رہے تھے۔ لاش پوری طرح خراب ہو چکی تھی کئی دن کی معلوم ہوتی تھی۔

"میں نہیں سمجھ سکتا.....!" سپرنٹنڈنٹ بڑبڑایا۔ "بھلا آپ کے کیس سے اس کا کیا تعلق۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ قاسم کے اغواء میں فومان کا ہاتھ ہوگا۔"

"ناممکن تو نہیں ہے؟"

"میں فومان کو اچھی طرح جانتا ہوں..... وہ ایسی حرکتیں نہیں کرتا۔"

"میں کچھ دیر بعد آپ کو یقین دلانے میں کامیاب ہو سکوں گا۔" فریدی گھڑی پر نظر

ڈالتا ہوا بولا۔ "جسے میں نے بلوایا ہے..... وہ شائد تھوڑی دیر بعد یہاں پہنچ جائے
میری وجہ سے اپنا وقت ضائع نہ کریں..... اگر جھیل کی طرف جانا چاہتے ہوں....."

"جہنم میں جائے۔" سپرنٹنڈنٹ نے بُرا سا منہ بنا کر فریدی کی بات کاٹ دی۔ "جھ
تو سب کچھ ہوتا ہی رہتا ہے پچھلے سال سے ہو رہا ہے..... اندھیرے میں گولیاں پولیس
مجرموں میں تمیز نہیں کر سکتیں۔"

"پچھلے ایک سال سے۔"

"جی ہاں.....!"

"واقعی میں بہت بدقسمت ہوں کہ اب تک اس حیرت انگیز جزیرے کی سیر سے
رہا تھا۔" فریدی سگار کا گوشہ توڑتا ہوا مسکرایا۔

"کبھی کبھی لاشیں بھی ملتی ہیں۔"

"اس کے باوجود مجرم ابھی تک پردے میں ہیں۔"

"جناب..... پورا جزیرہ چھان مارا جاتا ہے جب بھی کوئی لاش ملتی ہے۔ لیکن ا
شناخت نہیں ہو پاتی..... وہ مقامی لوگ نہیں ہوتے۔"

"خیر.....!" فریدی سگار سلگا کر بولا۔ "مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ آپ کے
معاملات ہیں۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا.....!"

فریدی نے کچھ کہتے کہتے رک کر پھر گھڑی دیکھی اور بڑبڑایا۔ "اب تک پہنچ جانا چا
تھا۔"

"کس کو آنا ہے..... کہاں سے آنا ہے۔"

"ففتھ آئی لینڈ سے۔"

"ایور ریڈی سروس کا اسٹیمر تو آگیا ہوگا....." ایس پی نے اپنی گھڑی دیکھتے ہوئے

دفعتاً اردلی نے کمرے میں داخل ہو کر فریدی کو کسی کا کارڈ دیا۔

"اندر لے آؤ۔" فریدی نے اس سے کہا۔

کچھ دیر بعد ایک بوڑھا آدمی کمرے میں داخل ہوا۔

"آیئے..... ڈاکٹر صاحب۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "یہ یہاں کے ایس۔پی مسٹر

..... اور آپ ڈاکٹر شاپور..... ماہر نفسیات..... تشریف رکھئے۔ مجھے بے حد افسوس
ڈاکٹر صاحب کہ آپ کو تکلیف دینی پڑی۔"

"کوئی بات نہیں۔" ڈاکٹر شاپور ایس۔پی سے مصافحہ کر کے بیٹھتا ہوا بولا۔ "مجھے دو چار
بعد یوں بھی یہاں آنا تھا۔"

"دراصل ایک لاش کی شناخت کے لئے آپ کو تکلیف دی گئی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"لاش کی شناخت میں کروں گا.....؟" ڈاکٹر شاپور نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔ "بھلا مجھے
لاش سے کیا سروکار.....!"

"آپ کے بتائے ہوئے کچھ حلئے میرے ذہن میں محفوظ تھے..... ایک لاش سامنے
خیال آیا کہ شائد یہ بھی ان میں سے ایک ہو۔"

"اوہ..... تو سر جاوید والا معاملہ ہے۔"

"جی ہاں.....!"

"بھئی کیا مصیبت ہے..... پتہ نہیں کیا چکر تھا۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔

سپرنٹنڈنٹ بھی اُن کے ساتھ مردہ خانے تک آیا..... سڑی ہوئی لاش پر سے چادر
ہٹائی گئی..... ہر چند کہ چہرہ متورم ہو گیا تھا لیکن نظر پڑتے ہی ڈاکٹر شاپور کی زبان سے بے
ساختہ نکلا "ڈرائیور..... ڈرائیور۔"

"غور سے دیکھ کر بتایئے جناب۔" ایس۔پی بولا۔

"جی ہاں..... دیکھ لیا۔" ڈاکٹر شاپور کا لہجہ ناخوشگوار تھا..... "آپ کسی دہقان کو
ڈرائیو کی شناخت میں نہیں لائے ہیں۔ میں اس بدبو میں زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکتا۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" فریدی جلدی سے بولا۔ "آیئے۔"

وہ واپسی کے لئے مڑ گئے۔

ایس۔پی کے آفس میں پہنچ کر فریدی نے ڈاکٹر شاپور سے پوچھا۔

"تو یہی آدمی آپ کو ہوٹل سے سر جاوید کے مکان تک لے جاتا تھا۔"

"جی ہاں..... بالکل بھی اس میں شبہے کی گنجائش نہیں۔"

"اب..... بلوایئے..... فومان کو۔" فریدی نے ایس پی سے کہا۔

ایس پی نے اردلی کو بلانے کے لئے گھنٹی بجائی۔ ویسے اس کے انداز سے صاف ہو رہا تھا جیسے یہ ساری کاروائی طبیعت پر گراں گذر رہی ہو۔

تھوڑی دیر بعد فومان دفتر میں داخل ہوا۔ غالباً اسے پہلے ہی سے کسی دوسرے کمرے میں بٹھایا گیا تھا۔ وہ آتے ہی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"شناخت ہو گئی.....!" فریدی پر سکون لہجے میں بولا۔

"کیا مطلب.....!" فومان کی بھنوئیں چڑھ گئیں۔

"یہ آدمی جس کی لاش مردہ خانے میں پڑی ہوئی ہے سر جاوید کے ڈرائیور کی حیثیت سے ڈاکٹر شاپور کو اس کے گھر لے جاتا رہا تھا۔"

فومان نے ڈاکٹر شاپور کی طرف دیکھا جو اثبات میں سر ہلا رہا تھا۔

"یہ کب کی بات ہے۔" فومان نے اُس سے پوچھا۔

"پندرہ بیس دن قبل کی۔"

"ہو سکتا ہے ایسا ہوا ہو.....!" فومان نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی "لیکن میں پر اس کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ بیس دن پہلے وہ چھٹی پر گیا تھا۔ چار دن ہوئے واپس آیا تھا۔"

"کیا اس نے چھٹی کا زمانہ یہیں گذارا تھا.....؟"

"میں نے کہہ دیا نا کہ اگر گذارا بھی ہو تو مجھ پر اس کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ میں ڈیوٹی پر تھا..... کاسینو کے باہر کوئی کیا کرتا ہے اس سے مجھے نہ تو دلچسپی ہے اور نہ اُس کا ذمہ دار ہوں۔"

"لیکن لاش تو کاسینو ہی سے برآمد ہوئی ہے۔"

"یہ میرے کسی دشمن کی حرکت ہے..... ایس۔ پی صاحب مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔ اگر اُس کے قتل میں میرا ہاتھ ہوتا تو اس کی لاش کو چھاتی پر نہ باندھے پھرتا۔ اس کی ہڈیوں کا سراغ ملنا بھی محال ہوتا۔ سمجھے جناب۔" وہ فخریہ انداز میں ایس۔ پی کی طرف ہوا پھر فریدی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"تو اپنے کسی دشمن کی نشاندہی کرو۔"

"ہو سکتا ہے میرے آدمیوں ہی میں سے کوئی میرا دشمن ہو گیا ہو.....!"

"کسی پر شبہ ظاہر کرو۔"

"میں شبہ ظاہر نہ کر سکوں گا..... بظاہر تو سبھی میرے وفادار ہیں..... لیکن یہ بھی ممکن نہیں کہ کوئی میرے خلاف کوئی خلش دل میں نہ رکھتا ہو۔"

"مجھے یقین ہے کہ تمہارے سب آدمی وفادار ہیں اور اُن میں سے کوئی بھی تمہارے خلاف کسی قسم کی خلش نہیں رکھتا۔"

"تو پھر میں کس کا نام لوں.....!"

فریدی اس کی طرف جھک کر آہستہ سے بولا۔ "پیڈرو کا نام نہیں لو گے۔"

یہ الفاظ تھے یا رائفل کی گولی۔ دوسرے ہی لمحے میں ایسا معلوم ہوا جیسے فومان کا جسم روح سے خالی ہو۔ اتنی تیزی سے چہرے پر مردنی چھائی تھی کہ خود فریدی متحیر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ویسے یہ الفاظ اتنی آہستگی سے کہے گئے تھے کہ فومان کے علاوہ اور کوئی نہیں سن سکا تھا۔

البتہ کمرے کے دوسرے لوگ بھی فومان کی طرف متوجہ ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اس کی حالت ہی اتنی تیزی سے بدلی تھی۔ پلکیں جھپکائے بغیر خلاء میں گھورے جا رہا تھا۔

دو منٹ تک یہی کیفیت رہی۔ کمرے کی فضا پر سکوت طاری تھا۔ دفعتاً کسی کو کھانسی آئی..... اور فومان بھی چونک پڑا۔

پھر اس نے سہمی ہوئی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھا اور کرسی کی پشت سے ٹک کر خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

فریدی اٹھتا ہوا ایس۔ پی سے بولا۔ "بہت بہت شکریہ چوہان صاحب! اب اجازت دیجئے۔" چوہان ہکا بکا کبھی فریدی کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی فومان کی طرف..... اس نے کچھ سمجھے بغیر فریدی سے مصافحہ بھی کیا۔ فریدی ڈاکٹر شاپور سمیت رخصت بھی ہو گیا لیکن وہ متحیرانہ انداز میں فومان ہی کو گھورے جا رہا تھا۔

بالآخر کھنکار کر فومان کو اپنی طرف متوجہ کیا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"کیا بات ہے؟"

"کک..... کچھ نہیں..... پانی..... ذرا پانی منگوا دیجئے۔"

"کیا اس نے تمہیں کسی قسم کی دھمکی دی تھی۔"

فرمان زبردستی ہنس کر بولا۔ "دھمکی مجھے..... بھلا مجھے کوئی کیا دھمکی دے گا..... میں تو سمجھتا ہوں کہ نومی چار کے حاکم صرف آپ ہیں۔"

"نہیں اگر کوئی بات ہو تو بتاؤ۔"

"ارے نہیں..... بالکل نہیں..... اپنے اس آدمی کی موت پر مجھے گہرا صدمہ ہوا ہے۔"

قاسم بُری طرح ہانپ رہا تھا اور لیڈی جاوید تولئے سے اُس کا جسم خشک کر رہی تھی۔ پھر ڈریسنگ گاؤن اٹھاتی ہوئی بولی۔ "پہن لو جلدی سے ورنہ ہوا لگ جائے گی۔"

"کہاں ہے..... وہ سالا میرا والد صاحب..... بلاؤ اُسے..... کہتا تھا کہ میں غوطہ لگا ہی نہیں سکتا.....!" قاسم ہانپتا ہوا بولا۔

"ارے..... ارے..... خاموش رہو..... کیسی بے تکی باتیں کر رہے.....!"

"آئے ہائے۔" قاسم جل کر ہاتھ نچاتا ہوا بولا۔ "تو کیا سچ مچ والد صاحب ہی سمجھ لوں۔"

"تم نے پھر فضول باتیں شروع کر دیں..... جاؤ نہیں بولتی۔"

"ارے نہیں..... تم جرور بولو..... الا قسم ساری زندگی اسی طرح غائب رہوں گا تمہارے لئے۔ ٹھینگے پر گئے میرے اصلی والد صاحب بھی..... ہاں۔"

"نہیں تمہیں میرا ذرہ برابر بھی خیال نہیں۔" لیڈی جاوید تنک کر بولی۔

"لو جرا دیکھو..... پھر یہ کس کا خیال ہے کہ بالکل گائب ہو گیا ہوں۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ منہ پھلائے کھڑی رہی۔

قاسم نے ڈریسنگ گاؤن پہن لیا تھا اور پیار بھری نظروں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر

بولا۔ "دیکھو..... کتنے غوطے لگائے ہیں آج۔"

"مجھے کیا..... لگائے ہوں گے۔"

"ارے واہ..... کوئی میں کسی کے باپ کا نوکر ہوں..... تمہارے ہی کہنے سے تو لگا رہا ہوں۔ اور اب تو یہ بھی پوچھوں گا کہ مجھ سے غوطے کیوں لگوائے جاتے ہیں؟"

"تاکہ تمہاری یادداشت واپس آ سکے..... تم بہت اچھے غوطہ خور تھے۔"

"تو یہ سب کچھ سالی یادداشت کے لئے ہو رہا ہے..... یہ بھی جو سالی کئی کئی لونڈیاں مجھے چھیڑتی ہیں..... اور یہ کہ تم بھی مجھ سے محبت کرنے لگی ہو۔"

"ارے خاموش! آہستہ بولو۔" وہ چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ "کہیں تمہارے پاپا نے سن لیا تو۔"

"تم بھی کھاموش رہو۔" قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ "پاپا ٹاپا کی بات نہ کیا کرو میرے سامنے۔"

"کیا ہو گیا ہے تمہیں..... اگر ان کے سامنے تم نے کوئی ایسی ویسی بات کر دی تو تمہیں گولی مار دیں گے اور مجھے بھی۔"

"ارے جاؤ..... مار دی گولی..... چٹنی بنا کر رکھ دوں گا..... میں تو کہتا ہوں سالے کو بلاؤ ذرا دو اور نقل چلو میرے ساتھ..... میں بھی گریب آدمی نہیں ہوں۔"

"منور..... منور..... تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔"

"میرا نام قاسم ہے..... ہاں..... اب اس سالے منور کا پیچھا چھوڑ دو..... اکیلے میں قاسم کہا کرو۔"

"اچھا اب کہا کروں گی..... لیکن تم میرا کہنا بالکل نہیں مانتے۔"

"کیا نہیں مانتا۔"

"میں کہتی ہوں اپنے پاپا سے بحث نہ کیا کرو..... لیکن تم نہیں جانتے۔"

"اور کچھ کہہ کر دیکھو..... مانتا ہوں یا نہیں۔"

"آخر کیوں بحث کرتے ہو۔"

"جلن لگتی ہے اس کی باتوں سے..... بالکل چگد ہے سالا.....!"

"ارے..... ارے..... منور.....!"

"منور سالے کی ایسی کی تیسی..... اس نام سے بھی جلن لگتی ہے..... یہ نام بالکل لگتا ہے جیسے کسی مولوی صاحب کو مرغا بنادیا گیا ہو۔"

لیڈی جاوید ہنس پڑی اور قاسم نے بھی دانت نکال کر اسے آنکھ ماری۔ دیر تک رہا..... حالانکہ لیڈی جاوید خاموش ہو چکی تھی۔

.....

سائرہ اپنے باس قلندر بیابانی سے کہہ رہی تھی۔ "اب مجھے الجھن ہو رہی ہے۔ میں نیک کام سے باز آئی۔"

"کیوں کیا ہوا.....؟"

"پچھلی رات سچ مچ کیپٹن حمید سے مڈبھیڑ ہو گئی تھی۔"

"تم نے پہچان لیا تھا اُسے۔"

"کیوں نہ پہچانتی..... وہ میک اپ میں تو نہیں تھا۔"

"کیا تم سے مخاطب ہوا تھا۔"

"نہیں.....!"

"پھر کس بات کی پریشانی ہے۔"

"اس لئے کہ وہ میری نگرانی کر رہا ہے؟ پتہ نہیں کیا سوچتا ہو۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"سوچنے دو.....!"

"یعنی وہ مجھے کسی جرم میں ملوث سمجھتا رہے اور میں فکر نہ کروں۔"

"ہاں..... میں یہی سمجھتا ہوں۔ چونکو نہیں..... میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں گرزان اسٹیٹ کے والی کو یہ باور کرانے کی کوشش کروں گا کہ شہزادی دردانہ زندہ ہے

تو وہ یقین نہیں کرے گا۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ پولیس ہی اس معاملے کے متعلق چھان کرے اور حقیقت سب کے سامنے آجائے۔"

"آپ براہِ راست بھی پولیس کو اس سے مطلع کر سکتے ہیں۔"

"بھلا یہاں کی پولیس کو گرزان اسٹیٹ کے معاملات سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔"

"آپ کی یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ جب پولیس کو دلچسپی ہی نہیں ہو سکتی تو پھر ن ڈرامے کی ضرورت کہاں باقی رہتی ہے۔"

"یہ نہ بھولو کہ کیپٹن حمید تمہیں سائرہ عبدالغفور کی حیثیت سے جانتا ہے۔ اب اچانک تم شہزادی دردانہ کے روپ میں اس کے سامنے آؤ گی تو کیا ہو گا۔ کیا یہ ذہنی جھٹکا اسے تم میں دلچسپی لینے پر مجبور نہیں کر دے گا۔ اگر تم سے واقف نہ ہوتا اور تم ہزار بار بھی شہزادی دردانہ کے نام سے اس کے سامنے آتیں تو وہ متوجہ تک نہ ہوتا..... کیا سمجھیں۔"

سائرہ خاموش ہو گئی۔ لیکن اس کے چہرے پر الجھن کے آثار بدستور باقی رہے۔ کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "میں تو یہی کہوں گی کہ اس سیدھے سادھے معاملے کو جاسوسی ناول نہ بنایئے۔"

قلندر نے قہقہہ لگایا پھر سنجیدگی سے بولا۔ "میں اپنی فطرت سے مجبور ہوں۔ دوسروں کو خیر کر دینے کا خبط میری گھٹی میں پڑا ہے..... اسی لئے تو جاسوسی ناول لکھتا ہوں۔ ورنہ سراغرساں کا بالشائی تو بن ہی گیا ہوتا۔"

"پتہ نہیں کیوں مجھے وحشت ہوتی ہے۔"

"میرے خدا میں کیا کروں۔" وہ آہستہ سے بڑبڑائی اور مضطربانہ انداز میں ہاتھ ملنے لگی۔

"میں تمہیں بہت اسمارٹ سمجھتا تھا....." قلندر نے کسی قدر ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"نہیں میں اتنی اسمارٹ نہیں ہوں جتنی آپ سمجھتے ہیں..... وہ مجھ پر طنز کر رہا تھا۔"

"کیپٹن حمید..... وہ قریب ہی کی میز پر تھا اور اتنی اونچی آواز میں گفتگو کر رہا تھا جیسے مجھے سنا رہا ہو۔ سچ کہتی ہوں ایسی باتیں کر رہا تھا کہ میں رات گئے تک روتی رہی ہوں۔"

"اوہ..... کیا کہا تھا۔"

سائرہ یادداشت پر زور دے دے کر حمید کی گفتگو دہراتی رہی جو اُس نے اپنے ساتھی اور

ہمر قص سے کی تھی۔

"وہ دوسرا آدمی کون تھا.....؟"

"پتہ نہیں..... گفتگو ایسے ہی انداز میں کر رہا تھا جیسے اس کا ملازم ہو۔"

"قد آور آدمی تھا۔"

"نہیں دبلا پتلا اور متوسط قد والا تھا۔"

"پتہ نہیں..... ہو گا کوئی۔" قلندر نے شانوں کو جھٹکاتے ہوئے کہا۔ "بہر حال ہم کہوں گا کہ بددل ہونے کی ضرورت نہیں..... ہم اپنے نیک مقاصد میں ضرور کامیاب گے۔"

"اچھا..... ایک بات اور.....!" سائرہ نے اس طرح کہا جیسے کوئی اہم بات یاد آگئی چند لمحے قلندر کو ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتی رہی پھر بولی۔ "آج کے اخبار "جھیل پر پھر وہی پُراسرار ہنگامہ" کی سرخی تھی..... آپ نے یہی تو مجھ سے لکھوایا آپ کسی سے جھیل اور اس آدمی..... کیا نام تھا..... خیر ہاں تو..... کیا اُس ہنگا تعلق.....!"

"ٹھہرو.....!" قلندر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اگر رہا بھی ہو تو اس کا میری ذات سے تعلق نہیں ہو سکتا ہے کہ اس پراسرار آدمی پیڈرو سے ان لوگوں کی جھڑپ ہو گئی ہو۔"

"لیکن اخبار میں تو بعض پچھلے ہنگاموں کا بھی تذکرہ تھا جن کی نوعیت کا علم پولیس کو تک نہ ہو سکا۔"

"ہو گا.....!" قلندر جھلا کر بولا۔ "غیر متعلق باتوں کے لئے میرے پاس وقت ہے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ ہنگامے کیسے تھے یا حالیہ ہنگامے کی وجہ کیا تھی۔ میں نے تو ان لو کو ہراساں کرنے کے لئے پیڈرو کا نام بھی لکھوا دیا تھا۔"

"پیڈرو کون ہے!"

"کوئی خبیث روح جس کے نام سے ان جزائر کے بدمعاشوں کا دم نکل جاتا ہے اب ختم کرو..... ان واقعات کی بناء پر ایک ناول کا پلاٹ بھی مہیا ہو رہا ہے..... جاؤ..... ہوٹل مونا کو کے لئے تمہیں تیاری بھی تو کرنی ہو گی۔"

اس کی تصویر

وزیٹنگ کارڈ پر نظر پڑتے ہی فومان نے بُرا سا منہ بنایا۔ لیکن یہ کیسے ممکن تھا کہ ملنے سے ہار کر دیتا..... ویسے آج اس نے اٹھ کر استقبال کرنے کی زحمت نہیں گوارا کی تھی..... چپراسی کو اشارہ کیا تھا کہ ملاقات کے خواہشمند کو اندر لے آئے۔

کچھ دیر بعد کرنل فریدی دفتر میں داخل ہوا۔ فومان کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ ناگوار کرسی سے اٹھا ہے۔ ڈھیلے ہاتھ سے مصافحہ کر کے بولا۔

"تشریف رکھئے۔"

فریدی بیٹھ گیا۔ لیکن کچھ بولا نہیں..... دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھے جا رہے تھے..... آخر کار فومان ہی کو پسپا ہونا پڑا..... اب اس کی نظر فریدی کے داہنے شانے پر تھی۔

"میں پیڈرو کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کچھ دیر بعد کہا۔

"صاحب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔" فومان نے کافی جھنجھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

"سنو..... تمہارے آدمی کی لاش کا مسئلہ مقامی پولیس کا معاملہ ہے..... لیکن پیڈرو تم نہیں جانتے کہ میرے محکمے کے لئے یہ نام کتنی دلکشی رکھتا ہے۔"

"میں کسی پیڈرو کو نہیں جانتا۔"

"نام بھی نہیں سنا۔"

"شاید میرے سارے ملازمین اس نام سے ناواقف ہوں۔"

"تو پھر.....!"

"کسی کا نام جاننے سے یہ تو نہیں ثابت ہو سکتا کہ اس کی شکل بھی دیکھی جا چکی ہے۔ نہیں جانتا کہ پیڈرو کی نقاب کے پیچھے کس کا چہرہ ہے۔"

"کاروبار کے متعلق تو جانتے ہی ہو گے۔"

"کون نہیں جانتا کہ اس نام کے تحت اعلیٰ پیمانے پر اسمگلنگ ہوتی ہے۔"

"کبھی تم نے اس کے ساتھ شرکت کا بزنس بھی کیا ہے۔"

"مجھے کیا ضرورت ہے۔"

"خیر.....!" فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ "تم اس کے کارپرداز کا نام مجھے نہیں بتانا چاہتے۔"

"صاحب خدا کے لئے مجھ پر رحم کیجئے..... جو باتیں جانتا ہی نہیں آپ کو کیا بتا سکتا ہوں۔"

"تم پیڈرو کے کارپرداز سے اچھی طرح واقف ہو۔" فریدی ایک ایک لفظ پر زور دیتا ہوا بولا۔

"اچھا صاحب..... واقف ہوں..... نہیں بتاتا..... پھانسی پر چڑھا دیجئے۔"

"فومان.....!"

"اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہنا چاہتا۔" فومان نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"اچھی بات ہے.....!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "ایک دن تم بھی غائب ہو جاؤ گے اور کئی دن بعد جب تمہارا کوئی ملازم کسی گوشے میں بدبو محسوس کرے گا..... تب تومی چار کو اطلاع ملے گی کہ بل فائٹر بھی چل بسا۔"

وہ تیزی سے دروازے کی طرف مڑ گیا تھا۔

"ٹھہریئے.....!" فومان مضطربانہ انداز میں بولا۔ فریدی رک کر مڑا اور فومان کے چہرے پر پھر ویسی ہی مردنی دیکھی جیسی ایس۔پی کے دفتر میں نظر آئی تھی۔

ہاتھ کے اشارے سے اس نے بیٹھنے کی استدعا کی..... فریدی اُس کے چہرے پر جمائے ہوئے دوبارہ بیٹھ گیا۔

بڑی دیر تک فومان کی زبان سے ایک لفظ بھی ادا نہ ہو سکا..... ویسے فریدی اُسے طنزیہ انداز میں دیکھے جا رہا تھا۔

"آپ آپ..... یقین کیجئے کہ میں اُس کے کسی کارپرداز کو بھی نہیں جانتا۔"

"پھر وہ خواہ مخواہ تمہارا دشمن کیوں بن بیٹھا ہے؟"

"تومی چار کے قمار خانوں پر بھی قبضہ کرنا چاہتا ہے..... اور میری زندگی میں یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے۔"

"اسمگلنگ تو بنائے مخاصمت نہیں۔"

"مجھے اسمگلنگ سے کوئی سروکار نہیں۔"

"لیکن میرے محکمے کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق تم دونوں شرکت کا بزنس کرتے تھے اور بات پر کھٹک گئی..... اب تم لوگ پارٹنر کی بجائے ایک دوسرے کے حریف بن بیٹھے ہو۔"

"یہ غلط ہے..... ارے صاحب مجھے ضرورت کیا ہے کسی کی شرکت کی..... کرنا ہوں تو تنہا ہی سب کچھ کر سکتا ہوں..... ویسے اس میں شبہ نہیں کہ اس جزیرے میں اسمگلنگ کے لئے آسانیاں ہی آسانیاں پائی جاتی ہیں۔ لیکن ضرورت کیا ہے..... میں اپنے موجودہ بزنس سے مطمئن ہوں۔"

"تو پھر اپنے اس آدمی کو کس خانے میں فٹ کرو گے جس کی لاش یہیں کے کسی گودام سے برآمد ہوئی تھی۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ میری لاعلمی میں پیڈرو کے لئے بھی کام کرنے لگا تھا..... بھلا میں آپ کے اس بیان کو کیسے غلط سمجھ سکتا ہوں کہ اس نے کسی آدمی کے اغواء میں کسی کی مدد کی تھی اور اس کے ڈرائیور کا رول ادا کرتا رہا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ کام نکل جانے کے بعد افشائے راز کے خدشہ کے تحت پیڈرو نے اُسے قتل کرا دیا ہو۔"

فومان خاموش ہو گیا اور فریدی کچھ سوچتا ہوا اس طرح سر ہلانے لگا جیسے فومان نے اُسے مطمئن کر دیا ہو۔



حمید شدت سے بور ہو رہا تھا..... فریدی نے آتا گریس اور موبی کو نہ جانے کہاں
دیا تھا اور حمید کو مشورہ دیا تھا کہ ہوٹل مونا کو میں دوبارہ کمرے حاصل کرے وہیں
ہو جائے تاکہ سائرہ پر نظر رکھنے میں آسانی ہو۔ پھر دو دن بعد وہاں سے بھی واپس بلوالیا
اور اب دونوں ساحل کے ایک چھوٹے سے ہٹ میں مقیم تھے..... فریدی زیادہ تر
رہتا..... اور چلتے چلتے اس سے کہہ جاتا کہ وہ ہٹ ہی تک محدود رہے..... کہیں جا
ضرورت نہیں۔

آج وہ ابھی ابھی کہیں سے واپس آیا تھا اور آتے ہی فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کرنے

"ہیلو..... بلیک کیٹ تھری تھری فور..... یس..... اٹ از سپریم.....!" اُس
ماؤتھ پیس میں کہا اور دوسری طرف کی آواز سنتا رہا پھر بولا۔ "موبائیل آئیڈنٹی کا
ایکو پمنٹ سمیت آج رات کو آٹھ بجے ..... عاقل روڈ پر ملو..... اوور اینڈ آل.....
سلسلہ منقطع کر کے وہ حمید کی طرف مڑا۔

"ہم آج شام کو تھرڈ آئی لینڈ چل رہے ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اس قسم کی اطلاعات اُسے زہر ہی لگتی تھیں۔

سورج غروب ہوتے ہی وہ گھاٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہاں فریدی کی لانچ موجود
تھی اور لانچ پر قدم رکھتے ہی حمید کی باچھیں کھل گئیں..... ڈاکٹر شاپور اور اس کی لڑکی
ہی سے لانچ میں بیٹھے شائد ان کا انتظار کر رہے تھے۔

حمید پر نظر پڑتے ہی ویرا چہکی۔ "اوہ تو یہ بات ہے..... یہ لوگ وہی ہیں.....
مجھے پہلے ہی جانی پہچانی سی معلوم ہوئی تھی..... پاپا..... یہ صاحب بڑے اچھے شاعر ہیں۔

"کیا تم انہیں جانتی ہو.....!" شاپور نے پوچھا۔

"اوہ..... میں نے آپ کو بتایا نہیں تھا اُس شریف آدمی کے متعلق جس نے ہمیں
لانچ پر جزیرے تک پہنچایا تھا۔"

"اچھا..... اچھا..... لیکن تم انہیں غلط سمجھی ہو..... میں انہیں کے بلوانے پر یہاں
آیا ہوں۔"

"سراغ رساں.....!" وہ اچھل پڑی' اور پھر حمید کو اس طرح گھورنے لگی جیسے اچانک
اس کے دم نکل آئی ہو۔

کچھ دیر بعد چونکی اور ڈاکٹر شاپور سے پوچھا۔ "پھر یہ لوگ آپ سے کیا پوچھ گچھ کر رہے
تھے۔"

"کوئی خاص بات نہیں..... اسی مریض کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں
جسے میں نے سیونتھ آئی لینڈ میں دیکھا تھا۔"

حمید کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔ آخر اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔
"سراغ رساں ہونے کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں شاعری نہیں کر سکتا۔"

ویرا نے سنا۔ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی لیکن کچھ بولی نہیں۔

لانچ حرکت میں آگئی تھی..... شاپور اٹھ کر فریدی کے پاس جا بیٹھا اور یہ دونوں پچھلی
نشست پر تنہا رہ گئے۔

"میرے پاپا اور تمہارے پاپا ایک ساتھ کتنے اچھے لگتے ہیں۔" حمید نے اس کی طرف
جھک کر آہستہ سے کہا۔

"تمہارے پاپا۔" ویرا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "یہ تمہارے پاپا ہیں۔"

"ہاں.....!" حمید نے احمقانہ انداز میں سر کو جنبش دی۔

"مت بکواس کرو....." وہ ہنسنے لگی۔ "زیادہ سے زیادہ بڑے بھائی ہو سکتے ہیں۔!"

"یقین کرو..... پاپا ہی ہیں۔ جوان معلوم ہوتے ہیں تو کیا ہوا..... کاٹھی ہی ایسی ہے۔
جب شادی ہوئی تھی تو بچے لگتے تھے..... پیدا ہوئے تھے تو گھنٹوں نظر ہی نہیں آئے
تھے..... وغیرہ وغیرہ۔"

"شاعر ہی نہیں مسخرے بھی ہو۔"

"شکریہ.....!"

"اب ہم کہاں جا رہے ہیں..... پاپا تو مجھے کچھ بتاتے ہی نہیں..... اب یہی دیکھ لو اس

وقت معلوم ہوا کہ تم لوگ کون ہو۔"

"میرے پاپا بھی کچھ اسی قسم کے واقع ہوئے ہیں..... بہت دیر بعد اصل مقصد پر آتے ہیں..... پہلے غلاف سلوائیں گے..... پھر سارنگی خریدیں گے..... پھر کہیں جا کر مجھے بتائیں گے کہ سارنگی پاس رکھنے سے بھوت بھاگتے ہیں۔"

"سارنگی پاس رکھنے سے بھوت بھاگتے ہیں۔" ویرا نے حیرت سے دہرایا۔ "تم کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔"

"سنا یہی ہے.....!"

"فضول بکواس کرنے کے عادی معلوم ہوتے ہو۔"

لانچ تیزی سے راستہ طے کر رہی تھی۔ دفعتاً فریدی نے بلند آواز میں کہا۔ "سیفٹی ماسک نکال لو۔"

حمید نے اپنی پشت کی بغلی الماری کھول کر دو سیفٹی ماسک نکالے اور انہیں جلدی جلدی اس طرح ایڈجسٹ کر لیا کہ ایک دوسرے کی گفتگو انہی تک محدود رہ سکے فریدی یا شاپور اُس کا ایک لفظ بھی نہ سن سکیں۔

کچھ دیر بعد اُس نے پلاسٹک کور کے سرکنے کی آواز سنی اور ویرا کی طرف سیفٹی ماسک بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اسے پہن لو..... ورنہ دم گھٹ جائے گا۔"

ویرا اگلی سیٹ والوں کو سیفٹی ماسک پہنے دیکھ رہی تھی۔ اس لئے حیل و حجت کے بغیر اس نے حمید کی ہدایت پر عمل کیا۔ حمید بھی پہن چکا تھا..... ویرا نے حمید کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا۔ "یہ نہ سمجھنا کہ اسے پہن کر گونگی ہو جاؤ گی..... اور اسے بھی ذہن نشین کر لو کہ ہماری گفتگو کوئی تیسرا نہ سن سکے گا۔"

"یہ بڑی اچھی بات ہے..... ورنہ میں تو سمجھی تھی کہ اب منہ بند کر کے بیٹھنا پڑے گا۔ مجھ میں یہ بڑا عیب ہے کہ جب تک جاگتی رہتی ہوں زبان چلتی رہتی ہے۔"

"تم اسے عیب سمجھتی ہو..... ارے یہ تو شخصیت کی ایک خوبی ہے۔"

"مگر پاپا زیادہ بولنے والوں کو احمق سمجھتے ہیں۔"

"میرے پاپا بھی۔"

"بس ختم کرو..... پتہ نہیں کس شریف آدمی کو خواہ مخواہ اپنا پاپا بنا ڈالا ہے۔"

"تم بھی ختم کرو..... کوئی اسپینی گیت سناؤ مجھے۔"

"حافظ کی غزل کیوں نہ سناؤں..... فارسی اور انگریزی بہت اچھی ہے میری! اسپینی طرح نہیں بول سکتی۔"

ذرا ہی سی دیر میں وہ پرشور موجوں کے درمیان پہنچ گئے اور حمید مضطربانہ انداز میں

"اوہ..... تم نے سیفٹی بلٹ بھی کس لی ہے یا نہیں۔"

"اتنی احمق نہیں ہوں..... میں جانتی ہوں کہ سیفٹی ماسک کب استعمال کئے جاتے

حمید اپنی سیٹ کی پٹیاں اپنے سینے پر کسنے لگا۔

کچھ دیر بعد اُسے دوبارہ ساتویں جزیرے والا سفر یاد آ گیا..... لانچ پرشور لہروں میں ڈول کود ہو رہی تھی..... اس نے ویرا کی طرف دیکھا..... لیکن کچھ بولا نہیں۔ وہ بھی خاموش تھی۔ پھر وہ اُن لوگوں کے متعلق سوچنے لگا جن کے خلاف تفتیش جاری تھی..... کیا اب بھی ان کی نگرانی نہ کرا رہے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے اس وقت بھی تعاقب جاری ہو..... جزیرے میں یہیں کچھ شروع ہو جائے تو وہ کسی پوزیشن میں ہوں گے دوسرے ہی لمحے میں وہ جزیرے سے رابطہ قائم کر کے بولا۔ "کیا ہمارا تعاقب نہ ہو رہا ہو گا؟"

"بہت دیر میں چونکے.....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اور ایسی خطرناک مہم پر یہ لڑکی.....!"

"مجھے علم نہیں تھا کہ یہ بھی ڈاکٹر کے ساتھ ہو گی..... لہٰذا عین وقت پر کچھ نہ کہا..... لیکن تم فکر نہ کرو..... دیکھا جائے گا۔"

پھر حمید نے ویرا سے گفتگو شروع کی۔

"ہمارا یہ سفر خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے۔"

"میں دیکھ رہی ہوں.....!" جواب ملا۔

"خائف تو نہیں ہو۔"

"اگر اکیلے مرنا پڑتا تو ضرور خوف معلوم ہوتا....." ویرا بولی۔ "لیکن یہاں
دوسری ہے۔ تنہا نہیں مرنا پڑے گا۔"

"تو گویا..... تم موت سے نہیں ڈرتیں!" حمید نے پوچھا۔

"اف..... فوہ..... کیا ہو گیا ہے تمہیں..... یہ آخر اچانک موت کیوں سوار
ہے تمہارے سر پر۔"

"کچھ نہیں..... یونہی.....!"

وہ پھر خاموش ہو گئے۔

"میں اپنے ڈیڈی سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔" ویرا نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"ٹھہرو..... میں دیکھتا ہوں....." حمید نے کہا اور اس کے سیفٹی مانیٹر سے
ٹرانسمیشن آپریٹس کو اس طرح کر دیا کہ وہ ڈاکٹر سے گفتگو کر سکے..... کچھ دیر بعد وہ بھی
دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔

"میں تمہارے لئے پریشان ہوں بے بی۔ تم ڈر تو نہیں رہیں۔" ڈاکٹر کی آواز۔

"ڈر تو نہیں رہی لیکن تشویش ضرور ہے.....!" ویرا کی آواز۔

"میں نے شروع ہی سے تمہیں اس سفر سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔ اگر یہ
ہوتا کہ یہاں سے تھرڈ آئی لینڈ کے لئے لانچ کا سفر ایسا ہو گا تو میں تمہیں نومی چاری میں
دیتا..... یہ کرنل فریدی بڑا اندر آدمی ہے..... ادھر کے پانیوں میں لانچ لانے کا تصور
کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔"

یہ دوسرا سراغ رساں کہہ رہا ہے کہ سفر خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے؟"

"اب میں کیا بتاؤں..... تمہاری ضدی طبیعت کے لئے یہ بہترین سبق ثابت ہو گا۔"
ڈاکٹر شاپور کی آواز غصیلی تھی۔

"بھئی آپ لوگ فکر نہ کریں۔" حمید نے فریدی کو کہتے سنا۔ "غرق ہو جانے کے
امکانات تو نہیں ہیں..... ڈاکٹر میرا ساتھی مسخرہ بھی ہے صاحبزادی سے کہہ دیجئے کہ ان
باتوں پر دھیان نہ دیں۔"

"میں سن رہا ہوں....." حمید بول پڑا اور اس نے ویرا کے قہقہے کی آواز سنی۔

پھر شائد فریدی کے علاوہ سبھی ہنسنے لگے تھے۔ ویسے حمید ڈاکٹر اور ویرا کی آوازوں میں
کی لرزشیں بھی محسوس کر رہا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ بخیر و خوبی تھرڈ آئی لینڈ کے ساحل تک پہنچ گئے..... یہاں سے ایک وین
ایک عمارت میں لے گئی جہاں فریدی کا استقبال ایسے ہی انداز میں ہوا جیسے اس کے علاوہ
بھی کنور درجے کے لوگ ہوں۔

فریدی نے ڈاکٹر شاپور سے کہا۔ "میری دانست میں صاحبزادی کو یہیں چھوڑ دیا
..... ہمیں ابھی کہیں اور بھی جانا ہو گا۔"

"لانچ ہی کے ذریعے.....!" ڈاکٹر شاپور نے بوکھلا کر پوچھا۔

"نہیں..... کار ہو گی..... مطمئن رہئے..... اس کام سے فراغت حاصل کرنے کے
آپ کو یہیں سے بذریعہ اسٹیمر فقط آئی لینڈ بھجوا دیا جائے گا۔"

ویرا اسی سفر سے کافی سہمی ہوئی تھی لہٰذا جب ڈاکٹر نے فریدی کی تجویز پیش کی تو اس
نے کوئی اعتراض نہ کیا۔

"آپ کو زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ گھنٹے تنہا رہنا پڑے گا۔" فریدی نے اُس سے کہا۔ "اس
کے بعد ہم واپس آجائیں گے۔"

پھر تقریباً پندرہ یا بیس منٹ بعد اس سفر کی دوسری "قسط" شروع ہو گئی۔ اس بار وہ ایک
شیورلٹ میں سفر کر رہے تھے۔ حمید سوچ رہا تھا کہ وہ عاقل روڈ اسی جزیرے میں ہو گی
ایجنٹی کاسٹ ایکوپمنٹ سمیت ملنے کے لئے کسی سے فون پر کہا گیا تھا..... آخر
ڈاکٹر شاپور سے کسی کی شناخت کرانا چاہتا ہے۔

شیورلٹ آبادی سے نکل کر ویرانے کی طرف جا رہی تھی۔ روانگی سے قبل فریدی نے
ڈرائیور کو کچھ ہدایات دی تھیں اور اب یہ سفر خاموشی سے جاری تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد حمید نے محسوس کیا کہ گاڑی کچے راستے پر مڑ رہی ہے۔

"میں سمجھا تھا شائد یہی عاقل روڈ ہے۔" حمید نے فریدی سے کہا۔

"یہاں کوئی عاقل روڈ نہیں ہے.....!" فریدی نے جواب دیا۔

"کیوں.....؟ لیکن آپ نے تو فون پر کسی عاقل روڈ ہی کا نام لیا تھا۔"

"سمجھنے والے سمجھ گئے ہوں گے کہ عاقل روڈ سے مراد کس جگہ سے ہے۔"

"بلیک کیٹ.....!"

"ہوں..... خاموش رہو۔"

شیورلٹ ایک تیرہ و تار میدان میں رکی..... قریب ہی ایک دوسری بہت بڑی [illegible] دکھائی دی..... گاڑی کیا ایسا لگتا تھا جیسے کسی بہت بڑے ٹرالر کے آگے انجن فٹ کر دیا گیا ہو۔

وہ شیورلٹ سے اُتر آئے۔

بڑی گاڑی کے قریب کھڑے ہوئے ایک آدمی نے آگے بڑھ کر گاڑی کا پچھلا [illegible] کھول دیا اور وہ تینوں اندر آئے..... گاڑی ایئر کنڈیشنڈ معلوم ہوتی تھی۔

"سب کچھ تیار ہے۔" فریدی نے اس آدمی سے انگریزی میں پوچھا۔

"یس سر.....!" جواب ملا۔

"ٹھیک ہے۔" فریدی رسٹ واچ پر نظر ڈالتا ہوا حمید اور ڈاکٹر شاپور سے بولا۔ "آپ لوگ بیٹھ جایئے۔"

وہ دونوں بیٹھ گئے..... ان کا رخ سامنے لگے ہوئے اسکرین کی طرف تھا..... گاڑی میں تو اندھیرا ہو گیا اور اسکرین روشن نظر آنے لگا۔

فریدی کی آواز سنائی دی۔ "ڈاکٹر شاہ پور..... پلیز بی ریڈی۔"

"ہاں میں تیار ہوں۔" ڈاکٹر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

حمید کی نظر اسکرین پر تھی۔ دفعتاً ایک چہرے کی آؤٹ لائن نظر آئی جس کے اندر [illegible] ناک یا دہانہ نہیں تھے..... ڈاکٹر بولا۔ "نہیں یہ شیپ نہیں تھا۔"

یکے بعد دیگرے کئی چہروں کی آؤٹ لائین اسکرین پر نظر آئیں..... آخر کار ایک [illegible] ڈاکٹر بول اٹھا۔ "ہاں یہی شیپ تھا....." اب یہ آؤٹ لائن اسکرین کے ایک گوشے میں [illegible] ہو گئی۔ پھر اس کے بعد مختلف قسم کی آنکھوں، ناکوں اور دہانوں..... ہیئر اسٹائل کے [illegible] جاری رہے..... ڈاکٹر جس نمونے پر صاد کرتا..... اسکرین پر باقی رہ جاتا..... اور [illegible] سب اس چہرے کی آؤٹ لائن میں فٹ ہوتے نظر آئے جو اسکرین کے ایک گوشے میں [illegible] ہی سے قائم تھا۔ اب ایک مکمل چہرہ اسکرین پر موجود تھا۔

"اوہ..... اوہ..... کمال ہے۔" ڈاکٹر مضطربانہ انداز میں بولا۔ "بالکل یہی تھا..... [illegible] بائیں جبڑے پر زخم کا گہرا داغ نہیں ہے اور سب کچھ وہی ہے۔"

"شکریہ ڈاکٹر.....!" فریدی بولا..... اور پھر آپریٹر سے کہا۔ "اس چہرے کا فوٹو [illegible] ایک گھنٹے کے اندر اندر سیکشن سی میں پہنچا دو۔"

"او کے سر.....!" آپریٹر نے کہا۔

واپسی اُسی گاڑی میں ہوئی تھی جس کے ذریعے یہاں تک آئے تھے۔

"بھئی یہ بڑا عجیب و غریب طریقہ ہے۔" ڈاکٹر شاپور نے کہا۔

"اس مشین کو آئیڈنٹی کاسٹ کہتے ہیں۔ یہ میجک لائٹس کے اصول کے طرز پر کام میں [illegible] جاتی ہے۔"

"بڑی کار آمد ایجاد ہے۔"

"جی ہاں! اس سے یادداشت کے ذریعے مشتبہ آدمیوں کی تصویر بنانے میں مدد ملتی ہے۔"

"اتنی صحیح تصویر.....!"

"یہ بھی محض اتفاق تھا کہ آپ کے فرمانے کے مطابق مکمل چہرہ تیار ہو گیا..... ورنہ [illegible] ایسے ہی چہرے تیار ہوتے ہیں جو اصل آدمی سے کسی قدر مشابہت رکھتے ہوں..... [illegible] حال ہمارے لئے یہ مشابہت ہی کافی ہوتی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اب آپ اسے ڈھونڈ نکالیں گے۔"

"اگر وہ یہاں موجود ہو تو۔"

پھر وہ خاموش ہو گئے۔

اس عمارت میں واپس پہنچ کر انہیں چہرے کے فوٹو گراف کے لئے منتظر رہنا پڑا تھا۔ اس [illegible] میں فریدی نے ویرا اور ڈاکٹر شاپور کے لئے صبح کے اسٹیمر پر سیٹیں بک کرا دی تھیں اور [illegible] ایک ہوٹل میں بھجوا دیا تھا۔

فوٹو گراف بھی آ گیا..... اور حمید نے فریدی سے کہا۔ "مگر آپ اسے کہاں تلاش [illegible] پھریں گے۔"

"میری جیب میں رکھا ہوا ہے..... جب چاہوں گا ہتھکڑیاں لگا دوں گا۔"

"تو ختم کیجئے جلدی سے اس قصے کو.....!"

"کہانی لمبی ہے..... آسانی سے ختم نہیں ہوگی۔ چپ چاپ دیکھتے رہو....." حمید نے طویل سانس لی اور پھر کچھ نہیں بولا۔

ٹکراؤ

ہوٹل مونا کو کی تفریحات سائرہ کے لئے سوہان روح بن کر رہ گئی تھیں۔ کئی دنوں سے کیپٹن حمید بھی نہیں دکھائی دیا تھا۔

سائرہ کے لئے وہاں کی تفریح کے ہر شعبے میں میزیں مخصوص کرائی گئی تھیں جن پر وہ تنہا نظر آتی..... پیچھے ایک مسلح باڈی گارڈ کھڑا رہتا۔ یہی باڈی گارڈ ڈرائیور کے فرائض بھی انجام دیتا تھا۔

تفریح گاہوں میں لوگ اُسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے لیکن مسلح باڈی گارڈ پر نظر پڑتے ہی ان میں سے کوئی بھی اس کی طرف آنے کی ہمت نہ کر سکتا۔

یہ بھی کوئی زندگی ہے وہ سوچ رہی تھی۔ اگر سچ مچ شہزادی ہی ہوتی تو اس کا کیا حشر ہوتا۔ آخر اس قسم کے لوگ زندہ کس طرح رہتے ہیں..... یہ تو قید تنہائی ہوئی۔ سزا ہے سزا۔ اچھی خاصی۔ اب کوئی اپنا ہی ہم رتبہ کہاں تلاش کرتا پھرے۔ کسی عورت نے بھی تو اس کی طرف رخ نہیں کیا تھا البتہ وہ اُسے رشک و حسد سے ضرور دیکھتی تھیں۔

آج وہ رات کے کھانے کے بعد سے اب تک ڈائننگ ہال میں ہی بیٹھی رہی تھی۔ دل ہی نہ چاہا کہ یہاں سے اٹھ کر ریکریئیشن ہال تک جاتی۔ وہاں تو اور زیادہ وحشت ہوتی تھی۔ یہی ڈر رہتا تھا کہ کہیں کوئی آکر رقص کے لئے درخواست نہ کر بیٹھے۔ اول تو اُسے ناچنا آتا ہی نہ تھا پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ کسی اجنبی کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر اتنے مجمع میں ناچنا شروع

کر دیتی حالانکہ آج ریکریئیشن ہال میں جرمن ایکروبیٹس اپنے کمالات کا مظاہرہ کرنے والے تھے پھر بھی اس کا جی نہ چاہا۔ وہیں بیٹھی تھوڑی تھوڑی کافی طلب کرتی رہی۔ دفعتاً ایک قد آدمی چلتے چلتے اس کی میز کی قریب رکا اور مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ سائرہ نے سر اٹھا کر اس کے چہرے کی جانب دیکھا۔ نظر ملی اور اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے برقی جھٹکا لگا ہو۔ سارا بدن سن ہو کر رہ گیا۔ پھر دوبارہ نظر ملانے کی سکت ہی نہ رہ گئی۔ وہ اب بھی وہیں کھڑا اس کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

"کیا ہے.....؟" اُس نے اپنے باڈی گارڈ کی غراہٹ سنی۔

"شٹ اپ.....!" اُسے جواب ملا۔ لیکن آواز میں جارحانہ انداز تحکم موجود تھا۔

باڈی گارڈ سائرہ کے پیچھے سے ہٹ کر سامنے آگیا۔

"ہولسٹر پر سے ہاتھ ہٹاؤ۔" قد آور آدمی نے کہا..... اس بار بھی لہجے میں تحکم تھا۔

سائرہ نے دیکھا کہ باڈی گارڈ نے بیساختہ اپنا ہاتھ ہولسٹر سے ہٹایا ہے۔

"لائسنس دکھاؤ.....!" اس نے باڈی گارڈ سے کہا۔

"آپ کون ہیں۔" باڈی گارڈ نے پوچھا۔ اس بار سائرہ نے اس کے لہجے میں ڈھیلا پن محسوس کیا تھا۔

"کیا کوئی عام شہری تم سے لائسنس کا مطالبہ کر سکتا ہے۔"

باڈی گارڈ نے کوٹ کی اندرونی جیب سے لائسنس نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"ہوں.....!" وہ لائسنس پر اچٹتی سی نظر ڈالتا ہوا بولا۔ "ذرا ایک کارتوس بھی دکھانا۔"

"جی..... کیا مطلب.....!"

"کارتوس.....!" اس نے کارتوس کی پیٹی کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا۔"

"ایک کارتوس نکالو.....!" اس بار سخت لہجے میں کہا گیا۔

باڈی گارڈ نے بُرا سا منہ بنا کر ایک کارتوس پیٹی سے نکالا اور اس کی طرف بڑھاتا ہوا بڑبڑایا۔ "میں نہیں سمجھ سکتا۔"

اب وہ اجنبی کارتوس کو الٹ پلٹ کر بغور دیکھ رہا تھا..... اس دوران میں سائرہ کا بلاؤز

پسینے سے بھیگ چکا تھا..... سانسیں گھٹی ہوئی سی محسوس ہو رہی تھی۔

"یہ کار تو س غیر قانونی طور پر در آمد کیے گئے ہیں۔" اس نے کچھ دیر بعد باڈی گارڈ سے

"میں نہیں سمجھ سکتا۔"

"کیا نہیں سمجھ سکتے۔"

"صاحب..... آپ خواہ مخواہ وقت برباد کر رہے ہیں..... ہم لوگ یہاں کے

نہیں ہیں۔"

"خوب..... کس ملک سے تعلق ہے۔"

"گرزان اسٹیٹ۔"

"یہ کہاں.....؟"

سائرہ نے محسوس کیا جیسے باڈی گارڈ اس سوال کے جواب کی توقع خود اُس سے رکھتا

لیکن وہ کیا کہتی..... اس کا حلق تو اس طرح خشک ہو رہا تھا جیسے سالہا سال سے پانی کی ایک

ایک بوند کو ترستی آئی ہو..... سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی جیسے زنگ آلود ہو کر رہ گئی تھی۔

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" اجنبی نے باڈی گارڈ کو پھر مخاطب کیا۔

"مجھے اسٹیٹ کے صحیح جغرافیہ کا علم نہیں ہے..... کیونکہ میں ہز ہائی نس کے ساتھ

عموماً باہر ہی باہر رہا ہوں۔"

"کس ہز ہائی نس کی بات کر رہے ہو۔"

باڈی گارڈ نے سائرہ کی طرف دیکھا۔

"اوہ.....!" اب اجنبی دوبارہ اس کی طرف اس طرح متوجہ ہوا تھا جیسے پہلی بار دیکھا ہو۔

ٹھیک اسی وقت نہ جانے کدھر سے کیپٹن حمید بھی آ ٹپکا اور دونوں کے درمیان حائل

ہوتا ہوا اجنبی سے بولا۔ "کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ چلئے یہاں سے..... میں نے آپ سے

پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔"

"تم نہیں سمجھ سکتے۔" اجنبی کیپٹن حمید کو گھورتا ہوا بولا۔ "گزران اسٹیٹ کا وجود نہیں

ہے۔"

"میں کہتا ہوں چھوڑیئے..... یہی تو کھانے کھیلنے کے دن ہیں۔"

"خاموش رہو۔"

"نن..... نہیں..... مم..... میری..... بھی سنئے۔" دفعتاً سائرہ ہکلائی..... اُسے

ہچکی پڑا تھا۔ کیونکہ اس دوران میں اس کی کنپٹیاں چیختی رہی تھی..... دل بیٹھتا رہا تھا اور وہ

محسوس کرتی رہی تھی جیسے اب دم نکل جائے گا۔

اجنبی اور کیپٹن حمید دونوں ہی سنجیدگی سے اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ وہ پھر ہکلانے

لگی۔ "گرزان اسٹیٹ..... کمک..... کہاں ہے..... میں بھی نہیں..... جج..... جانتی۔"

"یور ہائی نس.....!" دفعتاً باڈی گارڈ نے خونخوار لہجے میں اسے مخاطب کیا۔ لیکن وہ اس

طرف متوجہ ہوئے بغیر کہتی رہی۔ "مم..... میں تنگ آ گئی ہوں..... کک..... کپتان

صاحب..... مجھے اس الجھن ..... سے نجات دلایئے..... مم..... میں سائرہ .....

ہوں۔ برانور ہوں۔"

"یور ہائی نس..... آپ کی طبیعت خراب معلوم ہوتی ہے۔ یہاں سے چلئے....." باڈی

گارڈ بولا۔

"پیچھے ہٹو.....!" فریدی نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر دھکا دیا۔

پھر اس کا ہاتھ ہولسٹر پر آیا ہی تھا کہ فریدی کا الٹا ہاتھ اس کے منہ پر پڑا..... اور وہ

بے خیالی میں پرالٹ گیا۔

ہنگامہ برپا ہو گیا۔ لوگ اپنی جگہوں پر کھڑے ہو گئے اور بیروں کی فوج اُن کی طرف

جھپٹی۔

"ہتھکڑیاں لگا دو۔" اجنبی نے کیپٹن حمید سے کہا اور حمید نے بیروں کے قریب پہنچنے

سے قبل اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیوں کا جوڑا ڈال دیا..... شاید اسی چیز نے بیروں کے قدم

روک دیئے اور دوسرے لوگ بھی ان کی طرف بڑھنے سے باز رہے۔ پورے ہال پر سناٹا طاری

ہو گیا۔

دفعتاً ایک بھاری بھرکم قہقہے نے فضا میں ارتعاش پیدا کر دیا..... سائرہ بوکھلا کر مڑی

قہقہہ آواز کچھ جانی پہچانی سی معلوم ہوئی تھی۔ قلندر تھوڑے فاصلے پر کھڑا بے تحاشہ ہنس رہا

تھا پھر وہ آگے بڑھ کر اجنبی کی طرف ہاتھ پھیلاتا ہوا بولا۔ "ہلو کرنل فریدی..... ہاؤ ڈی یو

ڈو.....!"

"ہلو.....!" فریدی کا لہجہ بے حد خشک تھا..... اور سائرہ کے اندازہ کے مطابق اس نے ڈھیلے ہاتھ سے مصافحہ کیا تھا۔

"میرا تجربہ بہر حال کامیاب رہا....." قلندر نے ہنس کر کہا۔ "بڑا شاندار ناول لکھ گا۔"

"خوب.....!" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"لیکن..... آخر اس بیچارے کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں کیوں ڈال دی ہیں۔" قلندر باڈی گارڈ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اس کے پاس سے اسمگل کئے ہوئے کارتوس برآمد ہوئے ہیں۔"

"ارے وہ..... وہ اسمگل کئے ہوئے نہیں ہیں۔ پچھلے سال بلجیم سے لایا تھا۔ میرے پاس کسٹم کی رسید موجود ہے..... یہ دیکھئے۔"

اس نے جیب سے پرس نکال کر ایک رسید نکالی اور کرنل فریدی کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ "اس دشواری کی بناء پر رسید لئے پھرتا رہا ہوں جب کرنل فریدی جیسے آدمی سے سابقہ ہو تو ہر طرح تیار رہنا پڑتا ہے۔" فریدی نے حمید کی طرف مڑ کر کہا۔ "ہتھکڑیاں نکال دو۔"

باڈی گارڈ کے ہاتھوں سے ہتھکڑیاں نکال دی گئیں۔

پھر قلندر نے چاروں طرف نظر دوڑائی اور بولا۔ "ہم تماشہ بن کر رہ گئے ہیں کیوں نہ کسی جگہ بیٹھ کر ایک دوسرے کی غلط فہمیاں رفع کر لیں۔"

فریدی نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی..... اور حمید نے اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا۔ "نواب زادہ چمار الدولہ اپنے کمروں کی پیش کش کرتا ہے۔" قلندر نے بُرا سا منہ بنا کر اُس کی طرف دیکھا۔

"ہوں..... اوپر چلو.....!" فریدی زینوں کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ پھر وہ سب جید کے کمرے میں آئے۔ البتہ باڈی گارڈ باہر ہی ٹھہرا رہا۔ غالباً قلندر نے اسے اس کے لئے اشارہ کیا تھا۔ فریدی نے بھی شاید اسے ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ سائرہ کو اب ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے بے ہوش ہو کر گر پڑے گی۔ پتہ نہیں کس دشواری سے زینے طے

جید کے کمرے تک پہنچی تھی۔

تھوڑی دیر تک وہ سب خاموش بیٹھے کسی ایک کے بولنے کے منتظر رہے۔ پھر قلندر ہی نے ابتدا کی۔ وہ یہاں آنے کے بعد سے اب تک کیپٹن حمید ہی کو گھورتا رہا تھا۔

"کیپٹن حمید.....!" اس نے فریدی کی طرف مڑ کر کہا۔ "غالباً میری سیکریٹری کو بہت پسند فرمانے لگے ہیں؟"

"اچھا تو پھر.....!" حمید نے نتھنے پھلائے۔

"میں اسے برداشت نہیں کر سکتا؟" قلندر کرسی کے ہتھے پر گھونسہ مار کر غرایا۔

"مرضی کے مالک ہو..... برداشت کرو یا نہ کرو۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"براہِ کرم اصلی مسئلے کی طرف آیئے۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"میں ایک تجربہ کر رہا تھا۔"

"تجربے کی نوعیت میرے لئے بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔"

"ابھی نہیں بتا سکتا..... تجربے کے بہتیرے پہلو ابھی تشنہ ہیں۔"

"قانون کو اس قسم کے ڈراموں سے ہمدردی نہیں ہو سکتی۔"

"اچھی بات ہے تو چارج فریم کیجئے میرے خلاف.....!" قلندر نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

"گرزان اسٹیٹ کہاں ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"میرے ناول کی ایک خیالی ریاست.....!"

"لیکن آپ مجھ سے کچھ اور کہتے رہے ہیں۔" دفعتاً سائرہ چیخ پڑی۔

"تجربہ ایسا ہی تھا کہ تمہیں بھی اندھیرے میں رکھنا پڑا۔"

"تو وہ ہنگامہ بھی تجربے ہی میں شامل تھا۔" سائرہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"کیسا ہنگامہ.....!" قلندر کے لہجے میں تحیر تھا..... "اوہ تم بہت تھک گئی ہو..... خیال ہے کہ تمہاری موجودگی ضروری بھی نہیں ہے..... تم جا سکتی ہو۔"

سائرہ کو اس کی آنکھوں میں نہ جانے کیا نظر آیا تھا اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اس کی بات کے خلاف کچھ بھی نہ کر سکے گی۔

قلندر نے باڈی گارڈ کو آواز دی۔ وہ اندر آیا اور اُس نے اُس سے کہا کہ وہ سائرہ کو لے جائے۔ حمید نے کچھ کہنا چاہا تھا لیکن سائرہ نے دیکھا کہ کرنل فریدی نے اُسے نہ کہنے کا اشارہ کیا ہے۔ وہ اٹھی اور باڈی گارڈ کے ساتھ ہولی..... باہر گاڑی کھڑی تھی۔ باڈی گارڈ نے اس کے لئے دروازہ کھولا۔ لیکن خلاف معمول یہ اگلی سیٹ کا دروازہ تھا۔ سائرہ خود ہی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولنے کے لئے مڑی۔

"آگے بیٹھو.....!" وہ غرایا۔ پہلا موقع تھا کہ اس نے ایسے تحکمانہ لہجے میں مخاطب کیا تھا۔ ورنہ اب تک تو یہی ہوتا رہا تھا کہ وہ بعض اوقات خود کو سچ مچ شہزادی محسوس کرنے لگتی تھی۔ کیونکہ وہ اس کا ایک ادنیٰ غلام معلوم ہوتا تھا۔

"کیا مطلب.....!" سائرہ کو بھی غصہ آگیا۔

"چلو بیٹھو.....!" باڈی گارڈ نے اس کا شانہ پکڑ کر اگلی سیٹ کی طرف دھکا دیا۔

پھر اُسے یاد نہیں کس طرح بیٹھی تھی اور کتنی دیر بعد گاڑی حرکت میں آئی تھی۔ سا اعصابی تشنج تھا جس میں مبتلا ہو کر ہوش و حواس کھو بیٹھی تھی۔

کچھ دیر بعد جب گاڑی بالکل کھلی فضا میں پہنچی تو اس نے محسوس کیا کہ باڈی گارڈ کا بازو اس کی گردن میں حمائل ہے اور دوسرے ہاتھ سے وہ گاڑی کا اسٹیئرنگ پکڑے ہوئے سائرہ نے دوسری طرف ہٹنا چاہا لیکن گردن کے گرد ڈرائیور کی گرفت مضبوط ہو گئی اور ساتھ ہی اس نے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ کہا۔ "تمہاری حماقت کی بناء پر پہلی بار میرے ہاتھوں ہتھکڑیاں پڑ گئی تھیں..... اس کا بدلہ ضرور لوں گا۔"

"مجھے چھوڑو.....!" وہ مچلی لیکن بے سود۔ البتہ گاڑی رک گئی۔ ڈرائیور نے اسٹیئرنگ چھوڑ کر اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اٹھایا اور پچھلی سیٹ پر پھینک دیا اور پھر دوسرے لمحے میں وہ چیخنے لگی "بچاؤ..... بچاؤ....." وہ حتی الامکان کوشش کر رہی تھی کہ ڈرائیور کے وحشیانہ پن سے خود کو بچائے رکھے..... اور بچاؤ..... بچاؤ" کی صدائیں تو اس طرح فضا میں بلند ہو رہی تھیں جیسے وہ کوئی چیخنے والی مشین ہو۔ اس میں اُس کے ارادے کو دخل نہیں تھا۔ پھر دفعتاً اس نے کسی دوسری گاڑی کی آواز سنی جو ان کے قریب ہی آکر رکی تھی۔ پھر اس کی گاڑی کا دروازہ کھلا اور ڈرائیور خود بخود اوپر اٹھتا چلا گیا۔

اب جو کچھ بھی ہو رہا تھا گاڑی کے باہر ہو رہا تھا اور وہ پچھلی سیٹ پر پڑی ہانپ رہی تھی۔ دیر بعد ہی اندازہ کر سکی تھی کہ باہر کچھ آدمی ہاتھا پائی کر رہے ہیں..... کبھی کبھی درد میں ڈوبی ہوئی غراہٹیں بھی سنائی دیتیں۔ پھر ایک لمبی کراہ کے بعد ہی سناٹا چھا گیا..... کئی منٹ گزر گئے..... لیکن وہ سیٹ سے اٹھنے کی ہمت نہ کر سکی۔

دفعتاً الیکٹرک لیمپ کی روشنی چہرے پر پڑی اور اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ ساتھ ہی جانی پہچانی سی آواز کانوں کے پردوں سے ٹکرائی۔ "آپ محفوظ ہیں نا۔"

"جی ہاں..... جی ہاں.....!" وہ بوکھلا کر اٹھی۔ مخاطب کرنے والا کیپٹن حمید تھا۔ لیکن اندھیرے کی وجہ سے وہ اس کی شکل نہیں دیکھ سکتی تھی۔ "گاڑی سے اُتر آیئے..... وہ بیہوش ہو گیا ہے..... میرے ساتھ چلئے۔"

سائرہ ہانپتی ہوئی گاڑی سے اُتر آئی۔ اس کی گاڑی کے پیچھے دوسری گاڑی کھڑی تھی۔ کیپٹن حمید نے اس کے لئے دروازہ کھولا اور اندر روشنی کر دی۔ پچھلی سیٹ پر باڈی گارڈ چت پڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور دہانے کے بائیں گوشے سے خون کی لکیر پھوٹ کر کان تک چلی گئی تھی..... دونوں ہاتھ سینے پر تھے اور ہاتھوں میں وہی ہلکی ہتھکڑیاں تھیں جو کچھ دیر پہلے ہوٹل مونا کو میں استعمال کی گئی تھیں۔ کار چل پڑی..... حمید کہہ رہا تھا۔ "اب آپ اس آدمی کے خلاف ایک رپورٹ درج کرائیں گی اور پھر میں آپ کو آپ کی قیام گاہ پر چھوڑ دوں گا۔"

"نہیں..... اب میں وہاں نہیں جانا چاہتی..... خود کو ایک پولیس آفیسر کی حفاظت میں دیتی ہوں۔"

"یہ اور اچھا ہے..... اس طرح میں دوہری مشقت سے بچوں گا۔ اگر شروع ہی سے آپ پر نظر نہ رکھی ہوتی تو اس وقت۔"

"میں آپ کی شکر گزار ہوں..... قلندر پکا فراڈ ثابت ہوا ہے۔ میں آپ لوگوں کو بتاؤں گی..... ناول والی بکواس پر یقین نہ کیجئے۔ لمبی کہانی ہے..... اس کے کچھ مخالفین بھی ہیں جنہوں نے مجھے قلندر کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کی تھی اور خود کو سیکرٹ سروس سے متعلق ظاہر کیا تھا..... پہلے وہ مجھے زبردستی مونٹی کارلو کے ریکریئیشن ہال سے اٹھا

لے گئے تھے۔"

"اُسی رات کی بات تو نہیں..... جب قلندر کا ایک فین آپ کے ساتھ تھا۔" میں نے پوچھا۔

"اُوہ..... آپ کیا جانیں.....!" سائرہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

ہمیں ہر طرح باخبر رہنا پڑتا ہے۔ میں کہہ چکا ہوں نا کہ اُسی وقت سے ان کی نگرانی کرا رہا تھا جب سے کسی تعاقب کرنے والے کی کہانی سنائی تھی اور مجھ پر خنجر پھینکا گیا تھا۔"

"وہ بھی قلندر ہی تھا.....؟" سائرہ بے ساختہ بولی۔

"مجھے یقین تھا کہ وہی ہوگا۔ فی الحال خاموش رہئے۔ پوری کہانی اپنی رپورٹ میں کرائیے گا۔"

"لیکن میں اب قلندر کی ملازمت نہیں کرنا چاہتی۔"

"یہی مناسب بھی ہے آپ کے لئے..... اس وقت میں اُسے دھوکا دے کر کر نکلا تھا..... ورنہ وہ بھی میرے پیچھے دوڑ آتا..... میں نے باڈی گارڈ کے تیور سے اندازہ کر لیا کہ وہ کوئی بُرا ارادہ رکھتا ہے۔"

"خدا کا شکر ہے کہ آپ.....!"

حمید نے آواز کے ساتھ جماہی لی اور وہ جملہ پورا نہ کر سکی۔



سائرہ کی رپورٹ پر قلندر کے خلاف تفتیش شروع ہو گئی تھی۔ لیکن خود وہ غائب پتہ نہیں فضا میں تحلیل ہو گیا تھا یا زمین نگل گئی تھی اُسے۔

حمید محسوس کر رہا تھا کہ فریدی کے چہرے پر اس قسم کی فکر مندی کے آثار نہیں جیسے کسی ہاتھ آئے ہوئے شکار کے نکل جانے پر نظر آیا کرتے تھے۔ پوچھنے پر اُس نے

بھی کہا تھا۔ "فی الحال ہمیں قاسم کی بازیابی سے سروکار رکھنا چاہئے۔"

سائرہ نے رپورٹ کے ساتھ ہی اپنا استعفا بھی اس لئے پولیس کے حوالے کر دیا تھا کہ وہ بذریعہ پولیس ہی قلندر تک پہنچایا جائے اور اب وہ انہیں دونوں کے ساتھ مقیم تھی۔

اس وقت وہ تینوں نشست کے کمرے میں بیٹھے قلندر ہی کے متعلق گفتگو کر رہے تھے کہ یکایک فریدی کے انداز سے ایسا ظاہر ہوا جیسے یک بیک کوئی خاص بات یاد آ گئی ہو۔ اس نے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال کر پرس نکالا اور اُس میں سے ایک فوٹو گراف نکال کر میز پر ڈال دیا..... یہ وہی فوٹو گراف تھا جو آئیڈنٹی کاسٹ کے ذریعے تیار کیا گیا تھا۔

"کبھی اس قسم کا بھی کوئی آدمی تمہاری نظر سے گذرا ہے۔" اس نے فوٹو گراف کی طرف اشارہ کر کے سائرہ سے پوچھا۔

سائرہ تصویر دیکھنے کے لئے جھکی ہی تھی کہ بیساختہ اچھل پڑی اور متحیرانہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھتی رہی۔

"کیوں.....؟ کیا بات ہے؟"

"تو یہ سچ مچ..... سیکرٹ سروس کا سربراہ تھا.....؟"

"اوہ.....!" فریدی کی آنکھوں میں الجھن کے آثار نظر آئے۔

"جی ہاں..... یہی تھا جس نے مجھے قلندر کی نگرانی کرنے پر اکسایا تھا۔ اور یہ بھی کہا تھا کہ اس کا علم کیپٹن حمید اور آپ کو نہ ہونے پائے۔ کیونکہ سیکرٹ سروس کے معاملات سب سے پوشیدہ رکھے جاتے ہیں..... مگر یہ تو قلمی تصویر کا فوٹو گراف معلوم ہوتا ہے..... ہو بہو وہی لگتا ہے۔"

فریدی نے تصویر اٹھا کر پھر پرس میں رکھ لی..... اسے ڈاکٹر شاپور نے سر جاوید کی حیثیت سے شناخت کیا تھا۔

"صرف ایک کمی ہے اس تصویر میں.....!" سائرہ بولی۔

"وہ کیا.....؟"

"جبڑے پر زخم کا نشان نہیں ہے۔"

فریدی صرف سر ہلا کر رہ گیا..... اُس کی آنکھیں گہرے تفکر میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

ٹھیک اُسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہاں..... فریدی ہی بول رہا ہوں۔" اس کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار تھے آخر کار وہ ریسیور کریڈل پر پٹخ کر حمید کی طرف مڑا۔ تیور ایسے ہی تھے جیسے حمید سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہو۔ حمید نے پلکیں جھپکائیں اور فریدی بولا۔ "وہ بدمعاش ہی نہیں ہے جس کی پشت پناہی کے لئے کوئی شریف آدمی نہ کھڑا ہو جائے۔"

"کیوں..... کیا ہوا.....؟"

"ایس پی چوہان کا فون تھا۔ سیکریٹری برائے امور داخلہ سے حکم ملا ہے کہ قلندر کے خلاف ساری رپورٹیں انہیں پیش کی جائیں اور ان کی اجازت کے بغیر اسے حراست میں نہ لیا جائے۔"

کچھ دیر کے لئے کمرے کی فضا پر سکوت طاری ہو گیا۔ پھر سائرہ بولی۔ "وہ ایسا ناقابل بار سوخ ہے۔"

"دیکھا جائے گا.....!" حمید اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بڑبڑایا۔

فریدی نئے سگار کا گوشہ توڑتا ہوا کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا۔ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "اور بہت زیادہ باخبر بھی معلوم ہوتا ہے..... لو..... وہ آپہنچا..... حمید جاؤ..... اس کا استقبال کرو..... اور یہاں لے آؤ۔"

"کون ہے.....؟" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"خود دیکھ لو.....؟"

حمید پردہ ہٹا کر برآمدے میں آیا..... قلندر پھاٹک سے گذر کر پائیں باغ کی آدھی روش طے کر چکا تھا۔ حمید کا خون کھولنے لگا۔ لیکن وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ قلندر نے برآمدے میں داخل ہو کر فریدی کے متعلق پوچھا۔ حمید نے ہاتھ اٹھا کر دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

قلندر نے اجازت لئے بغیر پردہ ہٹایا اور ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا۔ حمید اس کے پیچھے تھا۔ سائرہ کے چہرے پر مردنی چھا گئی..... فریدی اب بھی کھڑکی کے پاس ہی کھڑا سگار کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا..... قلندر کی نظریں صرف سائرہ پر تھیں..... اور ایسا لگتا تھا

جیسے وہاں کسی دوسرے کی موجودگی کا احساس ہی نہ ہو۔

آخر غرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "اٹھو..... اور میرے ساتھ چلو۔"

سائرہ نے بے بسی سے فریدی کی طرف دیکھا۔

"کیا تمہیں ان کا استعفیٰ بذریعہ پولیس نہیں ملا۔" فریدی نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"ایک ماہ کے نوٹس کے بغیر استعفیٰ قابل قبول نہیں ہو سکتا۔"

"کیا یہ ایسے کسی تحریری معاہدے پر دستخط کر چکی ہیں۔"

"ہاں.....!"

"نن..... نہیں.....!" سائرہ ہکلائی۔

"تم خاموش رہو۔" قلندر فریدی کو گھورتا ہوا خونخوار لہجے میں غرایا۔ "تمہیں ابھی اور وقت میرے ساتھ چلنا ہے۔"

فریدی کے ہونٹوں پر حقارت آمیز مسکراہٹ تھی۔

پھر قلندر حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "میں نے ساڑھے تین سو بلوں کا خون کیا ہے محض اس لئے کہ ایک بلے کی وجہ سے مجھے اپنی پالتو بلی کا خون کرنا پڑا تھا۔"

"میں تمہارے لئے مزید ساڑھے تین سو بلے مہیا کر سکتا ہوں۔"

"کیپٹن حمید یہ میرے ساتھ جائے گی۔"

"مجھے بے حد افسوس ہے کہ ایسا نہیں ہو سکے گا۔" فریدی کا لہجہ اب بھی نرم ہی تھا۔

"زبردستی کھینچ کر لے جاؤں گا۔"

"ہوم سیکریٹری کے ہدایت نامے میں اس کا تذکرہ نہیں ہے۔"

"کرنل فریدی میں بہت بُرا آدمی ہوں۔"

"ابھی تک تو حالات نے بھی یہی بتایا ہے۔"

"تم جاتے ہو یا اٹھا کر باہر پھینک دوں۔" یک بیک حمید آگے بڑھتا ہوا بولا۔

"پلیز.....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا اور حمید جہاں تھا وہیں رک گیا۔

قلندر حمید کو اس طرح گھور رہا تھا جیسے کچا چبا جائے گا۔ پھر دفعتاً وہ مسکرا پڑا۔

"کیپٹن حمید اگر تم مجھے اٹھا کر باہر پھینک سکے تو دس ہزار روپے تمہارے ہیں..... آؤ۔"

حمید کے سر پر تو وہی پرانی چھپکلی سوار ہو گئی تھی جو اکثر پہلے بھی اس سے الجھنے کی حرکتیں کرا چکی تھیں۔ اس لئے اس نے فریدی کے اشارے کی بھی پرواہ نہ کی شاید وہ اسے اس حرکت سے باز رکھنا چاہتا تھا۔

حمید نے جھپٹ کر قلندر کی کمر پکڑ ہی لی اور زمین سے اکھاڑ دینے کے لئے زور لگانے لگا..... قلندر کی حقارت آمیز مسکراہٹ آہستہ آہستہ خوفناک قسم کی سنجیدگی میں تبدیل ہوتی گئی۔ ادھر حمید پر بھی جھلاہٹ طاری ہو رہی تھی کیونکہ وہ پورا زور صرف کرنے کے باوجود بھی ابھی تک اسے اس کی جگہ سے نہیں ہٹا سکا تھا۔

دفعتاً قلندر نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے۔ مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں۔ پھر وہ اس کی پشت پر دو ہتھڑ مارنے ہی جا رہا تھا کہ فریدی نے ان کے درمیان اپنا بازو حائل کرتے ہوئے کہا۔ "شرط میں یہ چیز شامل نہیں تھی۔"

"ہٹ جاؤ.....!" قلندر نے غرا کر اپنی کمر جھٹکائی اور حمید صاحب پھسلتے ہوئے بائیں جانب والی دیوار سے جا ٹکرائے۔

اب قلندر فریدی سے لپٹ پڑا تھا..... سائرہ ایک گوشے میں کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ فریدی قلندر سے کہہ رہا تھا۔ "ہوش میں آؤ..... تم شاید پاگل ہو گئے ہو۔ ٹھہرو..... ورنہ مجھ پر الزام نہ رکھنا۔" ساتھ ہی اس نے حمید سے بھی کہا۔ "تم وہیں ٹھہرو..... اندازی کی ضرورت نہیں۔"

قلندر کی حالت سے سچ مچ یہی ظاہر ہو رہا تھا جیسے ہوش و حواس کھو بیٹھا ہو۔ حلق سے ایسی ہی غراہٹیں نکل رہی تھیں جیسے کوئی بپھرا ہوا گوریلا اپنے شکار پر پل پڑا ہو۔

حمید نے پھر آگے بڑھنا چاہا..... لیکن فریدی اسے روکتا ہوا بولا۔ "بیکار ہے..... انرجی مت برباد کرو..... ہوم سیکریٹری کی اجازت حاصل ہو جانے کے بعد ہی زور آزمائی کسی کام آ سکے گی۔"

"تم خود کو رستم سمجھتے ہو۔" قلندر غرایا۔ "آج ہی اس کا بھی فیصلہ ہو جائے گا۔"

"میں صرف میں ہوں بہروپئے....." فریدی نے کہا..... اس بار وہ اُسے دروازے تک دھکیل لے گیا تھا۔ پھر سائرہ نے دیکھا کہ قلندر دروازے کے پردے سمیت لڑکھڑاتا

ہوا باہر جا گرا..... پردہ اپنی جگہ سے اکھڑ کر اس کے گرد لپٹ گیا تھا..... جب تک وہ اسے ہٹاتا فریدی کاریوالور بغلی ہولسٹر سے باہر آ گیا۔

"جاؤ..... بہروپئے..... خیریت اسی میں ہے کہ چپ چاپ چلے جاؤ..... کیونکہ اس کی گولیاں اندھی گونگی اور بہری ہیں..... ہوم سیکریٹری صاحب کو پتہ بھی نہ چل سکے گا کہ تم زمین نگل گئی یا ہوا میں تحلیل ہو گئے....." قلندر سیدھا کھڑا ہوا۔ فریدی کو گھورتا جا رہا تھا..... دفعتاً سانپ کی طرح پھنکارا۔ "کچھ بھی ہو جائے سائرہ تم لوگوں کے ہاتھ نہ آ سکے گی۔ آج رات بارہ بجے تک وہ میرے قبضے میں ہو گی..... خواہ نومی چار جہنم میں چلی جائے..... پھر وہ تیزی سے مڑا اور بڑی شان سے چلتا ہوا روش طے کرتا رہا۔ حتیٰ کہ پھاٹک سے گذر کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

سائرہ صوفے پر گر کر کسی ایسے پرندے کی طرح ہانپ رہی تھی جیسے باز کے پنجے سے رہائی نصیب ہو گئی ہو۔

"آپ نے اسے نکل جانے دیا۔" حمید بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"شکار دلچسپ ہے..... اس لئے میں خود ہی ڈھیل دے رہا ہوں۔ ذرا آناگریس کو بلاؤ۔ سائرہ..... تم مطمئن رہو..... وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے گا..... میں تمہیں تمہارے گھر بھجوا سکتا ہوں..... مگر میری دانست میں تم وہاں محفوظ نہیں رہو گی۔"

"م..... مم..... میں یہیں..... ٹٹ..... ٹھیک ہوں۔" وہ ہانپتی ہوئی ہکلائی۔ حمید باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد آناگریس کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے پیچھے حمید تھا..... جس نے آئیڈنٹی کاسٹ والی تصویر پھر جیب سے نکالی اور اُسے اینی کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ "کیا تم نے کسی کو کبھی دیکھا ہے..... یا اس سے ملتی جلتی کوئی شکل..... ذہن پر زور دو۔"

اینی نے تصویر ہاتھ میں لی اور اُسے بغور دیکھتی رہی پھر نفی میں سر ہلا کر بولی۔ "مجھے یاد پڑتا ہے کہ کبھی ایسے کسی آدمی کا سامنا ہوا ہو۔"

"لیکن یہ.....!" فریدی نے دوسری تصویر نکال کر اس کی طرف بڑھائی۔

"اوہ..... یہ تو بل فائٹر فومان ہے۔" وہ تصویر پر نظر پڑتے ہی بولی۔ حمید بھی تیزی سے جھپٹ کر تصویر پر جھک پڑا۔ لیکن یہ تصویر سر جاوید والی تصویر سے اسی حد تک مختلف تھی

کہ اُس میں فریدی نے فاؤنٹین پن سے ڈاڑھی مونچھوں اور تاریک شیشوں والی عینک کا اضافہ کیا تھا۔

"تمہیں یقین ہے۔"

"جی ہاں..... قطعی.....!"

"بہتر ہے..... یہ تصویر اپنے باپ کو بھی دکھاؤ..... میں مزید تصدیق چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"تب تو واقعی آپ ڈھیل دے رہے ہیں یہ سو فیصدی فومان ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

اُسی رات کو حمید بہت مگن تھا۔ کیونکہ فریدی نے اُسے گھر ہی تک محدود رہنے کی تاکید کی تھی اور وہ دو عدد برق پاروں کی نگرانی میں دے کر خود کہیں چلا گیا تھا۔

اینی اور سائرہ دونوں بہت زیادہ فکر مند نظر آ رہی تھیں۔ اینی کو تو اس بات کی فکر تھی کہ اس کا باپ نروس بریک ڈاؤن میں مبتلا ہو کر فریش ہو گیا تھا اور سائرہ کی پریشانی کا باعث قلندر کی دھمکیاں تھیں۔ وہ اسے اچھی طرح جانتی تھی کہ ضدی آدمی ہے۔ جو کچھ کہتا ہے کر گذرتا ہے خواہ کچھ ہو جائے۔ ساڑھے تین سو بلوں کا خون کر دینا دیوانگی نہیں تو اور کیا کہلائے گا۔

بہر حال حمید کوشش کر رہا تھا کہ وہ دونوں بھی تفریح کے موڈ میں آ جائیں..... رات بڑی خوشگوار تھی..... اور وہ تینوں شام ہی سے لان پر کرسیاں ڈالے ہوئے بیٹھے رہے تھے۔ اینی کبھی کبھی باپ کی خبر گیری کے لئے اندر جاتی اور پھر واپس آ کر وہیں بیٹھ جاتی۔ مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی تھی۔ پھر حمید نے بہکنا شروع کر دیا تھا۔ کبھی کہتا۔ "کسی کے ماں باپ والدین ہمیشہ زندہ نہیں رہتے اگر رہیں تو زندگی تلخ ہو کر رہ جائے..... ساری دنیا میں کہیں بھی کوئی جوان آدمی نظر نہ آئے۔" کبھی سائرہ سے کہتا۔ "ہر خوبصورت لڑکی کے دو جنوں

ق ہوتے ہیں ان میں سے کسی انتہائی سعادت مند برخوردار کو چن لینا چاہئے اور بقیہ پر خاک ل جائے۔ ان میں سے کچھ ہیکٹر خان تمہیں دھمکیاں بھی دیں گے لیکن پرواہ نہ کرو..... ی ولادت کے بعد ہی ٹھنڈے پڑ جائیں گے۔ عشق میں دشمنیاں صرف فلموں میں چلتی ہیں ی زندگی میں نہیں۔"

وہ دونوں ہی بھنا کر رہ جاتیں..... دونوں کی متفقہ رائے تھی کہ کرنل فریدی سے زیادہ م دل اور شفیق آدمی آج تک ان کی نظروں سے نہیں گذرا..... البتہ کیپٹن حمید موڈی اور ی ہے۔ غیر متوازن شخصیت رکھتا ہے۔ اسلئے اس کے کسی قول یا فعل کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

ادھر حمید سوچتا رہا تھا کہ ان دونوں کے مرض کا واحد علاج آئس کریم ہے..... صاب کو سکون ملنے کے بعد شائد راہِ راست پر آ جائیں۔ کئی آئس کریم فروشوں کو پھاٹک پر ل کر کسی مخصوص قسم کی آئس کریم طلب بھی کی تھی..... لیکن سبھی نے اس قسم کے ناگوار ہونے کی بناء پر پھیری میں فروخت نہ ہو سکنے کا عذر کیا تھا اور اپنی راہ لی تھی۔"

اب حمید سوچ رہا تھا کہ کیا انہیں ٹھنڈا پانی ہی پلایا جائے۔ شائد اللہ فضل کر دے۔ لیکن ٹھنڈا پانی مہیا کرنے سے قبل ہی پھر ایک آئس کریم ونڈر نے صدا لگائی اور وہ پھر پھاٹک کی رف جھپٹا۔ اس بار مراد پوری ہوئی۔ وہی پیکنگ مل گئی جس کی خواہش تھی۔ تین بڑے پیکٹ بڑے اور جھپٹتا ہوا ان دونوں کی طرف آیا۔ سائرہ نے کہا کہ اسے خواہش نہیں ہے۔ اینی نے بھی یہی کہا تھا لیکن یہ حمید کی خواہش تھی کہ وہ اس کی خواہش پوری کریں۔ لہٰذا کوئی عذر چل سکا۔ کھانی ہی پڑی۔ حمید بھی کھا رہا تھا اور حیرت انگیز طور پر ان کے اعصاب پر سکون ستے جا رہے تھے..... پھر یکایک حمید کے اونگھتے ہوئے ذہن کو جھٹکا سا لگا اور اس نے آئس یم کا پیکٹ زمین پر پھینکتے ہوئے کہا۔ "پھینکو..... پھینکو..... شائد اس میں بھنگ ملی ہوئی ہے..... بھبھب..... بھنگ.....!"

"مجھے تو نیند ہی آ جائے..... یہی بہتر ہے.....!" سائرہ جھومتی ہوئی بولی۔

"مجھے بھی.....!" اینی آنکھیں بند کر کے منمنائی۔

حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن اس کے پیر کانپ رہے تھے۔ ذہن دھواں دھواں ہو رہا تھا جیسے وہ اپنا وزن ہی کھو بیٹھا ہو..... ہوا میں اڑا جا رہا ہو۔

سائرہ جھومتی ہوئی منہ کے بل زمین پر چلی آئی۔ اپنی بائیں جانب کرسی کے پائے سے ڈھلک گئی۔

"کرنل صاحب..... کرنل صاحب۔" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔ اور پھر اس کا بھی وہی حشر ہوا جو اس سے پہلے ان دونوں کا ہو چکا تھا..... سدھ ہی نہ رہی کہ کہاں اور کس حال میں ہے۔

بل فائٹر فومان نے کراہ کر کروٹ بدلی اور پھر اچھل کر بیٹھ گیا۔ آنکھیں مل مل کر چاروں طرف دیکھا کوئی نامانوس جگہ تھی اور وہ اپنی مسہری کی بجائے لکڑی کے تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ اسی بوکھلاہٹ میں منہ پر ہاتھ پھیرا تو ڈاڑھی غائب پائی۔ انگلیاں پھسلتی ہوئی بائیں جبڑے کے نشان کی گہرائی میں رکیں اور وہ اچھل کر تخت کے نیچے آیا..... پھر دروازے کی طرف جھپٹا۔ اس پر ٹکریں ماریں۔ لیکن بے سود نہ تو دروازے نے جنبش ہی کی اور نہ دوسری طرف سے کسی قسم کی آواز آئی۔ وہ تھک ہار کر پھر تخت پر آبیٹھا..... اس چھوٹے سے کمرے میں تخت کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ آہستہ آہستہ اُس کی آنکھوں سے ایسی وحشت ظاہر ہونے لگی جیسے وہ شکاریوں کے نرغے میں آیا ہوا درندہ ہو۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا۔

"تم.....!" فومان اچھل پڑا۔ "قلندر.....!"

"ہاں..... میں..... یہ تمہاری زندگی کی آخری رات ہے..... پیڈرو اب تمہیں مہلت نہیں دے سکتا؟"

"کک..... کیوں.....؟" دفعتاً فومان کی حالت غیر نظر آنے لگی۔

"تم نے میرے متعلق کرنل فریدی کو سب کچھ بتا دیا ہے..... اب تک تم محض اس لئے زندہ تھے کہ تم نے پولیس کو میرے متعلق یہ نہیں بتایا تھا کہ میں پیڈرو کے لئے کام کرتا

"مم..... میں نے تو کبھی کسی کو نہیں بتایا..... یہ جھوٹ ہے۔"

"تم جھوٹے ہو۔ فریدی کو بتا چکے ہو..... تصدیق کرنا چاہتے ہو..... تو آؤ میرے ساتھ۔" وہ دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ دروازے کے قریب پہنچ کر رکا اور مڑ کر غرایا۔

"..... اٹھو.....!"

فومان اضطراری طور پر اٹھتا چلا گیا اور پھر قلندر کے پیچھے پیچھے گویا گھسٹتا رہا تھا۔ وہ ایک ہال میں آئے۔

یہاں ایک آدمی کرسی پر رسیوں سے جکڑا ہوا نظر آیا۔ اس کے قریب ہی قلندر کی بیٹی سائرہ کھڑی اس طرح کانپ رہی تھی جیسے اس کے چاروں طرف برف کی دیواریں کھڑی ہوں۔

"کیپٹن حمید.....!" قلندر نے اُسے مخاطب کیا۔ "کیا فومان نے کرنل فریدی سے میرے متعلق گفتگو نہیں کی تھی۔"

کرسی سے بندھے ہوئے آدمی نے سر اٹھا کر قلندر کو کینہ توز نظروں سے دیکھا اور پھر سائرہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا یہ بھی موجود تھی۔" قلندر نے سائرہ کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

کوئی کچھ نہ بولا۔ آخر قلندر ہی غرایا۔ "میں اچھی طرح سمجھتا ہوں تم لوگ زبان نہیں کھولو گے۔ تو پھر..... فریدی میرا کیا بگاڑ لے گا..... ہو سکتا ہے اس وقت تک میرے کسی ساتھی کی رائفل کا نشانہ بن چکا ہو..... اور تم کیپٹن حمید تم بھی مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ..... تمہیں تو سائرہ ہی خنجر مار مار کر ہلاک کرے گی۔"

"نہیں نہیں.....!" سائرہ ہاتھ اٹھا کر ہسٹریائی انداز میں چیخی۔

"کہی ہوگا.....!" قلندر دانت پیس کر سانپ کی طرح پھنکارا۔ "تم مجھے اچھی طرح جانتی ہو۔"

سائرہ نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اب وہ سہارے کے بغیر کھڑی نہ رہ سکے گی..... قلندر تو اُس سے اتنا کہہ کر فومان کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"میں نے ہمیشہ ڈھیل دی ہے..... کبھی تم پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ حالانکہ ہمارے درمیان سب سے بڑا جھگڑا ابھی تک طے نہیں ہو سکا۔"

"تم کیا چاہتے ہو۔" فومان مردہ سی آواز میں بولا۔

اس موٹے کو اپنی تمام تر تیاریوں سمیت میرے حوالے کر دو اور اس جگہ کی صحیح نشاندہی کرو..... ورنہ یہاں دفن شدہ لوگوں میں تمہارا اضافہ میرے لئے کسی قسم کی بھی دشواری کا باعث نہ ہوگا۔

حمید فومان کو بغور دیکھ رہا تھا۔ اُس نے محسوس کیا کہ وہ بہت زیادہ خوفزدہ ہے۔ یہ وہی فومان تھا جس کے نام سے نومی چار کے باشندوں کا دم نکلتا تھا۔ اس نے متحیرانہ انداز میں قلندر کی طرف دیکھا۔

"جلدی کرو.....!"

"تم مجھے میری خواب گاہ سے کیسے لائے۔" فومان نے جواب دینے کی بجائے پوچھا۔

قلندر نے قہقہہ لگایا کچھ دیر یکساں انداز میں ہنستا رہا پھر بولا۔ "ڈھیل دینے کی یہ وجہ تو نہیں تھی کہ میں کسی طرح مجبور تھا۔ میں جب بھی چاہتا تمہیں کسی خارش زدہ اور ناکارہ کتے کی طرح مار ڈالتا۔ تم نے اپنے بچاؤ کے لئے جتنے انتظامات کر رکھے تھے میری نظروں میں ان کی وقعت بازیچہ اطفال سے زیادہ نہیں۔ جب ضرورت سمجھی تمہیں تمہاری خواب گاہ سے نکال لایا..... فضول باتوں میں کیا رکھا ہے..... اب بھی راہِ راست پر آجاؤ۔"

"مم..... کیا بتاؤں..... آخر تمہیں یقین کیوں نہیں آتا کہ مجھے صحیح جگہ کا علم نہیں ہے۔"

"تو پھر مجھے اس موٹے کے اغواء کا مقصد ہی بتا دو۔"

"مم..... وہ.....!"

"شٹ اپ....." قلندر حلق پھاڑ کر دہاڑا۔ "اب تم بتاؤ یا نہ بتاؤ..... میں تمہیں ہر حال میں مار ڈالوں گا..... تم نے عہد شکنی کی ہے..... تم نے فریدی کو بتا دیا ہے کہ میں پیڈرو کے لئے کام کرتا ہوں۔"

"تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ میں نے اسے بتایا ہے۔"

"وہ مجھے بہروپیا کہہ رہا تھا۔"

"غلط تو نہیں کہا تھا.....؟" حمید نے چڑانے والے لہجے میں ہانک لگائی۔

"کیوں شامت آئی ہے۔" قلندر غرا کر اس کی طرف مڑا۔

"وہ تو آ ہی چکی ہے..... یہ رہی۔" حمید نے سائرہ کی طرف اشارہ کیا۔

"اس کی طرف مت دیکھو....." قلندر پیر پٹخ کر دہاڑا۔ "اے..... تم اُدھر منہ کر کے ہو جاؤ۔"

سائرہ بوکھلا کر دوسری سمت مڑ گئی۔

ٹھیک اسی وقت قلندر نے تالی بجائی اور تین آدمی ہال میں داخل ہوئے۔ قلندر نے ان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "پچھاڑو..... اسے..... آج اپنے ہاتھ سے ذبح کروں گا۔"

"ٹھہرو..... نہیں..... تم کیا کر رہے ہو..... میں مر گیا تو تمہیں اس کی ہوا بھی نہ لگے گی۔" فومان بے ساختہ بول پڑا۔

"خوب..... تو تم جانتے ہو۔" قلندر نے طویل سانس لی۔

"جانتا ہوں..... لیکن یہاں ہرگز نہیں بتاؤں گا..... جھیل پر چلو۔"

"وہ کیوں.....؟"

"بیکار تم نہیں سمجھ سکو گے۔ کشتی پر بیٹھ کر نشاندہی کرنی پڑے گی۔"

"چلو..... یہی سہی..... لگے ہاتھ یہ کام بھی اس وقت ہو جائے گا..... لیکن قاسم کی موت تو تمہیں یہیں سے کرنی پڑے گی۔"

"لگ..... کر دوں گا..... وہ سکیم لاج میں ہے۔"

"تم اسے یہاں بلواؤ گے..... لیکن اتنا یاد رکھنا..... مجھ سے کسی قسم کی کوئی چال نہ چل سکو گے۔"

"لل..... لیکن میرا حصہ۔"

"ایک ریزہ بھی تمہیں نہ مل سکے گا..... اس قسم کی شرائط کا وقت گذر چکا ہے..... یہ تو میرے احکامات کی تعمیل یا موت ہی پر بات ٹھہری ہے۔"

"مم خود ہی اُسے جا کر یہاں لا سکتا ہوں..... میری تحریر پر بھی اسے وہاں سے نہیں

قلندر نے اپنے آدمیوں کی طرف مڑ کر دیکھا۔ "سکیم لاج..... دیو قامت آدمی غوطہ خوری کے ساز و سامان سمیت جاؤ..... بیس منٹ سے زیادہ نہیں دے سکتا۔"

"یار فومان..... میں تمہیں اتنا چوہا نہیں سمجھتا تھا۔" دفعتاً حمید نے مضحکانہ انداز میں کہا۔

"تم نے کسی لاوارث بیوہ کی طرح ہاتھ پیر ڈال دیئے ہیں۔"

"اوہ..... تم چپ رہو۔" قلندر مٹھیاں بھینچ کر حمید کی طرف جھپٹا۔

لیکن قبل اس کے کہ اس تک پہنچتا پیچھے سے فومان نے اس پر چھلانگ لگائی۔ شائد یہ کی طعنہ زنی بار آور ہوئی تھی۔ فومان نے اسی طرح سنبھالا لیا تھا جیسے اس دوران میں او گتھم ہو۔ قلندر کے وہ تینوں ساتھی وہاں سے جا چکے تھے جنہیں اس نے سکیم لاج جانے کی ہدایت دی تھی۔ قلندر کیلئے یہ حملہ قطعی غیر متوقع تھا اس لئے اسے سنبھلنے کا موقع نہ مل سکا اب فومان اور وہ فرش پر پڑے ہوئے ایک دوسرے کی گرفت سے نکل جانے کے لئے زور کر رہے تھے۔

"واقعی تم بل فائٹر ہو فومان۔" حمید پرجوش لہجے میں کہتا رہا۔ "بہت اچھا اپنی کلائی اس طرح گردن پر جمائے رکھو..... ویری گڈ..... دباؤ ڈالتے رہو۔" پھر اس نے سائرہ کو اشارہ کیا کہ وہ جلدی سے اس کی رسیاں کھول دے۔ سائرہ نے اشارہ تو غالباً سمجھ ہی لیا تھا لیکن اعصاب پر قابو نہ پا سکنے کی بناء پر اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کر سکی۔

ٹھیک اسی وقت آمد و رفت والا دروازہ آواز کے ساتھ کھلا اور تین چار آدمی کسی بے حس و حرکت آدمی کو اٹھائے ہوئے ہال میں داخل ہوئے۔ قلندر نے چیخ کر کہا۔

"اسے سنبھالو..... اس کا دماغ چل گیا ہے۔" انہوں نے پہلے ان دونوں کو متحیرانہ نظروں سے دیکھا تھا اب بیہوش آدمی کو فرش پر ڈال کر ان کی طرف جھپٹے۔ دوسرے ہی لمحے میں فومان ان کی گرفت میں کھڑا ہانپ رہا تھا..... اور قلندر اُسے نظر انداز کر کے اس طرح بیہوش آدمی کی طرف متوجہ ہو گیا تھا جیسے اس سے تو محض مذاق ہو تا رہا ہو۔

"یہ کون ہے.....!" قلندر نے بیہوش آدمی کو گھورتے ہوئے پوچھا جس کے چہرے پر گھنی ڈاڑھی تھی۔ آنے والوں میں سے ایک آگے بڑھا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "کرنل فریدی..... میک اپ میں تھا۔ ہم دھوکا کھا جاتے لیکن پیڈرو نے بروقت مدد کی۔"

"پیڈرو.....!" قلندر اچھل پڑا اور اس آدمی کو اس طرح گھورنے لگا جیسے وہ اس کو

کھا جائے گا۔ پھر تیزی سے بیہوش آدمی کی جانب بڑھا..... اس کی گھنی ڈاڑھی ٹٹولی اور جگہ جگہ سے بال اکھڑنے لگے۔ ذرا ہی سی دیر میں چہرہ صاف ہو گیا۔ حمید کے پیروں تلے سے زمین ہی نکل گئی۔ وہ فریدی ہی تھا۔ آنکھیں بند تھیں اور چہرے پر کرب کے آثار تھے۔ معلوم ہوتا تھا جیسے بیہوش ہونے سے قبل کسی اذیت میں مبتلا رہا ہو..... اس کا سر چکرانے لگا۔ ادھر وہ آدمی اس گرفتاری کی تفصیل بتا رہا تھا۔ تو پھر ہم اس کا تعاقب کرتے ہوئے مونا کو کے۔ یہ پتہ نہیں کہاں غائب ہو گیا تھا۔ ہم مونا کو کی عمارت میں ادھر اُدھر بھٹکتے ہی پھر تھے کہ ایک آدمی نے جس کا چہرہ کوٹ کے کالر اور فلٹ ہیٹ کے جھکے ہوئے گوشے کے پوشیدہ تھا ہمیں بتایا کہ فریدی اب میک اپ کر کے کہیں جا رہا ہے اور اس وقت ڈائننگ میں موجود ہے۔"

"وہ آدمی کون تھا جس نے تمہیں بتایا تھا۔"

"پیڈرو جناب۔ انہوں نے خود ہی بتایا تھا۔"

"شکل دیکھی تھی تم نے۔"

"نہیں جناب موقع نہیں مل سکا تھا..... ضرور کوشش کرتے لیکن خدشہ تھا کہ کہیں شکار ہاتھ سے نہ نکل جائے۔"

حمید نے محسوس کیا جیسے قلندر کسی الجھن میں پڑ گیا ہو..... کبھی بیہوش فریدی کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی اس آدمی کی طرف جو اس سے گفتگو کر تا رہا تھا۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور ایک قد آور نقاب پوش ہال میں داخل ہوا جس کے داہنے ہاتھ میں ریوالور تھا۔

"کس فکر میں پڑ گئے ہو۔" اس نے ریوالور کا رخ قلندر کی طرف کرتے ہوئے پوچھا۔

"کیا میری دخل اندازی گراں گذری ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری نیت میں بھی فتور پیدا ہو رہا ہے..... تم مجھ سے کٹ کر اپنے لئے الگ راستہ بنانا چاہتے ہو۔"

"تم ہو کون.....؟" قلندر غصیلے لہجے میں چیخا۔

"پیڈرو.....!"

"کیا ہے؟"

"بہت اچھے..... میں فوان نہیں ہوں قلندر..... پیس کر رکھ دوں گا سارے آدمی براہِ راست میرے لئے بھی کام کر سکتے ہیں۔ تم خود سر ہوتے جارہے ہو میں نہیں چاہتا تھا کہ فوان سے ہمارا کوئی جھگڑا ہو لیکن تم نہیں مانے تھے۔ آخر کار نوبت تک پہنچی کہ مرکزی محکمہ سراغ رسانی کو متوجہ ہونا پڑا..... تم نے اپنی ضد کی بناء پر فوان جھگڑا کیا۔"

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں حضور والا۔" فوان جلدی سے بولا۔ "میں آپ کے حکم سے باہر نہیں ہوں..... اور یہ محض آپ ہی کا خوف تھا کہ قلندر آج تک رہا..... ورنہ اس جیسے نہ جانے کتنے میرے ہاتھوں جہنم رسید ہو چکے ہیں..... اور اب بخت مجھ پر الزام رکھ رہا ہے کہ میں نے فریدی کو اس کی اطلاع دے دی ہے کہ یہ کارندہ ہے۔"

"یہ غلط کہتا ہے..... میں جانتا ہوں کہ تم بہت محتاط آدمی ہو۔" فریدی کو تم۔ بھی نہیں بتایا۔ "بہر حال اس نے تمہاری سخت توہین کی ہے۔"

"میں شکر گذار ہوں جناب عالی۔" فوان کھل گیا۔

"لیکن تم اس وقت اپنی اصل شکل و صورت میں کیوں ہو۔"

"یہ بھی اسی حرام زادے کی حرکت ہے۔ میں اپنی خواب گاہ میں بے خبر سو رہا تھا طرح اٹھوالایا اور میرا پلاسٹک میک اپ بھی تباہ کر دیا۔"

"اس سے ضرور بدلہ لو..... ابھی اور اسی وقت..... بالکل پرواہ نہ کرو..... یہ میرے آدمی ہیں..... میری موجودگی میں قلندر کا ساتھ نہ دیں گے۔"

وہ سب دم بخود کھڑے رہے۔ انہوں نے فوان کو چھوڑ دیا تھا..... قلندر نے طرف دیکھا اور پھر فوان کو گھورتا ہوا بولا۔ "احمق نہ بنو..... یہ پیڈرو نہیں ہے۔"

"دیکھ لیا تم نے فوان..... یہ ایسا ہی کمینہ ہے۔" نقاب پوش نے کہا۔ "چونکہ آدمیوں نے آج تک میری شکل نہیں دیکھی..... اس لئے یہ سمجھتا ہے کہ انہیں اور ورغلانے میں کامیاب ہو جائے گا۔" فوان نے قلندر پر چھلانگ لگائی اور وہ دونوں خو بھیڑیوں کے سے انداز میں لڑنے لگے۔ سائرہ سہم کر حمید کے پیچھے جا کھڑی ہوئی

ی کی پشت گاہ کے اوپری حصے کو مضبوطی سے تھامے ہوئی تھی۔ دفعتاً حمید نے کہا۔ "خدا ے ہوش میں آؤ..... مجھے چپکے سے کھول دو..... ورنہ ہم سب ختم کر دیئے جائیں گے۔"

ٹھیک اسی وقت قلندر غرایا۔ "فوان ہوش میں آؤ..... ہمارے لئے کسی نے جال بچھایا ے۔ پیڈرو کا کوئی وجود نہیں ہے..... میں نے تم لوگوں کے لئے ایک ہوا تخلیق کیا تھا..... رو محض ایک نام ہے۔ تم مجھے ہی پیڈرو بھی سمجھ لو..... یہ آدمی جھوٹا ہے۔" پیڈرو نے ہنسنا شروع کیا اور فوان قلندر کو گالیاں دینے لگا۔

اتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی۔ پیڈرو الٹے پاؤں چلتا ہوا دروازے کے قریب ..... اور ایک طرف ہو کر دروازے کا بولٹ گرا دیا۔ دوسرے ہی لمحے میں قاسم تین یوں سمیت ہال میں داخل ہو رہا تھا۔ سب سے پہلے اس کی نظر حمید پر پڑی..... اور اُس نے بڑے دردناک لہجے میں کہا۔ "ہائے پتہ لگالیا سالوں نے..... اب قیا ہوگا....." اور پھر دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر وہیں دروازے کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ دفعتاً فوان پر نظر پڑی روا اچھل کر کھڑا ہو گیا کیونکہ وہ اُسے سر جاوید کی حیثیت سے جانتا تھا۔

ادھر وہ تینوں آدمی جو اس کے ساتھ آئے تھے متحیرانہ انداز میں کبھی لڑنے والوں کو تے اور کبھی اُس نقاب پوش کو۔ بالآخر نقاب پوش نے ان کی حیرت رفع کر دی اور وہ بھی دم زدہ رہ گئے۔ شائد ان میں سے کسی نے بھی پیڈرو کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا..... صرف نام نتے رہے تھے۔

اچانک قاسم کی دھاڑ سنائی دی۔ "ابے کون ہے تو جو میرے پاپا سے بھڑا ہوا ہے..... پاپا ی یادداشت واپس آگئی ہے۔" وہ مکا تانے ہوئے ان دونوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"ارے بد بختو..... یہ پیڈرو نہیں ہے۔" قلندر بے بسی سے چیخا۔ "پولیس نے کوئی ل بچھایا ہے۔" دفعتاً نقاب پوش نے ایک ہوائی فائر کیا اور آٹھ دس آدمی مسلح ہال میں گھس سکے ان کے ہاتھوں میں ٹامی گنیں تھیں پھر نقاب پوش نے بلند آواز میں کہا۔ "تم سب اپنے نوں میں ہتھکڑیاں پہننے کے لئے تیار ہو جاؤ..... قلندر کا خیال بالکل صحیح ہے۔"

اس بار حمید نے بوکھلا کر بیہوش فریدی کی طرف دیکھا کیونکہ نقاب پوش نے یہ جملہ اسی ز آواز اور لہجے میں ادا کیا تھا۔ اس نے جھنجھلا کر سائرہ سے کہا کہ وہ اب تو اسے کھول دے۔

ادھر نقاب پوش نے نقاب اتار دیا تھا۔ فوماں بھی دم بخود رہ گیا۔ لیکن قلندر اسی طر
تنا کھڑا تھا جیسے اس دریافت کے بعد بھی وہ فریدی سے ٹکرا جائے گا۔ فریدی نے ہنس کر
"تم صرف جاسوسی ناولیں لکھتے ہو اور میں جاسوس ہوں۔"

"تو پھر میرا کیا بگاڑ لو گے..... تم نے پتہ نہیں کس چکر میں مجھے پھانس لیا ہے۔ میں
لوگوں میں سے کسی کو بھی نہیں جانتا..... میں تم سے اپنی محبوبہ سائرہ کو واپس لینا چاہتا تھا
لہٰذا تم نے میرے خلاف کسی قسم کی سازش کر ڈالی..... لیکن تم مجھے گرفتار نہیں کر سکتے۔ ا
کے لئے تمہیں سیکریٹری برائے اُمور داخلہ کا اجازت نامہ حاصل کرنا پڑے گا۔"

"اس اعتراف کے بعد کہ تم ہی پیڈرو ہو میں تمہیں گرفتار کر سکتا ہوں۔ یہاں
میرے خصوصی اختیارات کا دائرہ عمل شروع ہوتا ہے جس کیخلاف کوئی قدم اٹھانے کے لی
سیکریٹری صاحب کو صدر مملکت سے اجازت حاصل کرنی پڑے گی۔ ہتھکڑیاں ڈال دو ا
سبھوں کے ہاتھوں میں۔"

"میں نے اس قسم کا کوئی اعتراف نہیں کیا۔"

"کیوں..... فوماں.....!" فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔

"میرا نام فوماں نہیں ہے..... میرا نام جاوید ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ تم کیا چاہتے
ہو اور مجھے یہاں کیوں پکڑوا بلایا ہے۔"

قلندر اُس کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور آنکھ بھی ماری۔

فریدی زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "یہ دیکھو..... یہ ریوالور نہیں ہے بڑی قوت
والا ٹیپ ریکارڈر ہے..... تم سبھوں کی آوازیں من و عن ریکارڈ ہوئی ہیں..... تم کسی بھی
عدالت میں اسے جھٹلا نہ سکو گے..... تمہارا اعتراف ہی ریکارڈ کرنے کے لئے میں نے یہ
ڈرامہ ترتیب دیا تھا..... ورنہ اس کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی جب چاہتا تمہاری گردن
دبوچ لیتا۔"

اُس کے خاموش ہونے سے پہلے ہی قاسم دہاڑا۔ "یہ سب فضول باتیں ہیں..... میری
یادداشت واپس آگئی ہے..... میں منور جاوید ہوں..... گھبراؤ نہیں پاپا..... میں گواہی دوں
گا کہ تم میرے باپ ہو۔"

اُن سبھوں کے ہتھکڑیاں پڑ چکی تھیں..... قاسم نے پھر کچھ کہنا چاہا تھا کہ فریدی بولا۔
"خاموش رہو ورنہ تمہارے بھی ہتھکڑیاں لگا دوں گا۔"

"لگا دو.....!" وہ حلق پھاڑ کر دہاڑا۔ "میں نے کب منع کیا تھا کہ میرا پتہ لگاؤ..... ہاں
میں ہوں تو..... اے میں ہی رہ گیا تھا تم لوگوں کی سراغ رسانی کے لئے..... اچھا چلو.....
ہاں سہی میں اپنی آنٹی کو بھی ساتھ لے چلوں گا.....!" پھر حمید کی بقیہ رات قاسم کے
ہمراہ تھانے میں گذر گئی تھی۔

اس نے اس کی آنٹی کو بھی دیکھا جو نومی چار کی ایک پیشہ ور عورت ثابت ہوئی تھی۔
قاسم بار بار یہی کہتا تھا۔ "ارے تم لوگ مجھے دو دن بھی چین سے نہیں گذارنے دو گے۔ ہائے
میاں تم بھی ساتھ نہیں دیتے کیوں نہیں پاپا اور آنٹی کے جی میں یہ بات ڈال دی کہ مجھے
جلدی سے افریقہ لے کر چلے جاتے..... اب میں قیامتوں..... ہائے آنٹی۔"

مگر آنٹی بیچاری تو حوالات میں پہنچ گئی تھی۔ تقریباً چار بجے صبح فریدی واپس آیا۔ اور
اس نے سائرہ سے قلندر کے مختلف ٹھکانوں کے متعلق پوچھ گچھ شروع کر دی۔ پھر گفتگو کے
انداز سے حمید کو ایسا لگا جیسے قلندر فرار ہو گیا ہو۔ استفسار کرنے پر فریدی نے بتایا کہ قلندر
حوالات سے فرار ہو گیا ہے۔ اس خبر پر سائرہ تو فوری طور پر بیہوش ہو گئی تھی اور حمید جھلاہٹ
میں اپنی بوٹیاں نوچ رہا تھا۔ قلندر نے دراصل فریدی کی عدم موجودگی میں ایس۔پی کو
دھمکیاں دی تھیں اور کہا تھا کہ اس کی ملازمت خطرے میں پڑ جائے گی اگر اُس نے اسے
حوالات سے نکال کر کسی آرام دہ کمرے میں نہ رکھا۔ اس نے اسے وزارت داخلہ کے
سیکریٹری کے حکم نامے کے متعلق یاد دہانی کرائی تھی۔ ایس۔پی نے سوچا تھا کہ مرکزی محکمہ
سراغ رسانی والے اپنے طور پر جواب دہی کرتے رہیں گے لہٰذا وہ خود کیوں اپنی پوزیشن
خطرے میں ڈالے کیونکہ اُسے تو وہ حکم نامہ اپنے ڈی۔آئی۔جی کے توسط سے ملا تھا۔ قلندر
نے اسے اس حد تک اطمینان دلایا تھا کہ وہ اُسے حوالات سے نکال کر اپنے گھر لے گیا تھا۔ پھر
ایک گھنٹے کے بعد پتہ ہی نہ چل سکا کہ قلندر کہاں غائب ہو گیا۔

حمید قاسم سے اس کی کہانی سن چکا تھا لہٰذا اُس ڈرامے کا مقصد معلوم کرنے کے لئے
بے چین تھا۔

"قلندر اور فومان شرکت میں اسمگلنگ کرتے تھے۔ قلندر نے خود کو کسی پراسرار شخصیت پیڈرو کا نمائندہ ظاہر کر کے اس بزنس کی شروعات کی تھی۔ دونوں اعلیٰ پیمانے پر اسمگلنگ کرتے رہے۔ قلندر پیڈرو کے ہوّے سے فومان یا جاوید کو دہلائے بھی رہتا تھا۔ پچھلے سال وہ مشرق وسطیٰ سے پانچ من سونا ایک بہت بڑے گیس سلنڈر کی شکل میں ڈھال کر لا رہے تھے کہ اچانک بحری پولیس کو اس کی اطلاع مل گئی۔ ان کے اسٹیمر کا تعاقب کیا گیا۔ یہ

- نیوی کی بنائی ہوئی نہر کے ذریعے جھیل میں داخل ہوئے اور کسی مخصوص مقام پر وہ سونا پانی میں پھینک دیا گیا۔ فومان سٹیمر پر موجود تھا۔ صرف اُسے اور اُس کے خاص آدمیوں کو علم تھا کہ سونا کس جگہ پھینکا گیا ہے..... سونا وہیں پڑا رہا..... فومان کی نیت میں فتور آیا۔ اس نے قلندر کو بتایا کہ بدحواسی میں کہیں سونا پھینکا گیا تھا وہ جگہ کا تعین نہیں کر سکتا اس پر دونوں گروہوں میں جھگڑا ہو گیا۔ فومان کبھی کبھی بڑی راز داری کے ساتھ سونے کو جھیل سے نکال لینے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ قلندر کے آدمی چھپ کر جھیل کی نگرانی کرتے تھے۔ لہٰذا اکثر ٹکراؤ ہوتا تھا اور نومی چار کے باشندے فائروں کی آوازیں سنتے تھے۔ پھر فومان نے ایک اسکیم بنائی اس کے کسی ایجنٹ نے شائد اُس سے قاسم اور اس کی قوت کا تذکرہ کیا تھا۔ لہٰذا اُسے اغواء کر کے غوطہ خوری کی ٹریننگ دی جانے لگی۔ وہ پانی میں بہ آسانی پانچ من کا وزن سنبھال کر سطح تک لے آتا..... یادداشت والا چکر بہتیری تفریحات سمیت اس لئے چلایا تھا کہ قاسم الجھ کر رہ جائے۔ غوطہ خوری کی مشق کے سلسلے میں اس سے کہا جاتا تھا کہ یہ اس کی یادداشت واپس لانے کے لئے کیا جا رہا ہے..... اب سائرہ کی شاہزادگی کے متعلق بھی سنو..... قلندر کو علم تھا کہ قاسم کو کس لئے اغواء کیا گیا ہے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ہم اس کی تلاش میں نومی چار تک آپہنچے۔ اسے خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں ہم اس سونے ہی کی طرف نہ جا نکلیں۔ لہٰذا ہمیں الجھانے کے لئے اس نے گرزان اسٹیٹ کی شہزادی والا ڈرامہ شروع کر دیا..... زبردست قسم کا عیار ہے..... اس رات سیونتھ آئی لینڈ میں قلندر ہی تھا جو تمہیں لانچ سمیت لے بھاگا تھا..... فومان نے بتایا ہے۔ اُس نے اُسی رات قاسم کو اس کے قبضے سے نکال لے جانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن فومان کے آدمیوں نے اسے گھیر لیا تھا۔

اب حمید کو یاد آیا کہ اسے اس آدمی کا لب و لہجہ کچھ جانا پہچانا سا کیوں محسوس ہوتا رہا تھا۔

پھر فریدی نے بتایا کہ فومان نے سونے کی نشاندہی کر دی ہے..... اور فی الحال قاسم زیادہ مناسب آدمی اس کے حصول کے لئے ملنا مشکل ہے..... لہٰذا یہ خدمت وہی انجام دے..... قاسم سب کچھ سن رہا تھا..... تڑ سے بولا..... "جرور نقال دوں غا..... مغر چھوڑ دیجئے..... ہائے میرا مقدر..... ادھر میرا قوئی کام بنا اور اُدھر دھڑ سے سالی رسانی آکودی..... ہائے اب میں قیا قروں۔"

اس کے بعد حمید کو پہلی بار علم ہوا کہ بلیک فورس میں ایک ایسا آدمی بھی ہے جو بڑی حد تک اس سے مشابہت رکھتا ہے۔ صرف رنگت فریدی کے مقابلے میں کسی قدر دبتی ہوئی ہے۔

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 95

سنہری چنگاریاں

(مکمل ناول)

پیشرس

خطوط کا ایک انبار میرے سامنے ہے اور میں سوچ رہا ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہئے..... یہ خطوط میری پچھلی کتاب "بیباکوں کی تلاش" سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس انبار میں صرف آٹھ عدد خطوط ایسے ملے ہیں جن کے راقموں یا راقماؤں کو یہ کتاب پسند نہیں آئی۔

ایک صاحب یا صاحبہ (نام سے جنس کا اندازہ کرنا دشوار ہے) رقم طراز ہیں کہ میں صرف "جاسوسی ناول" لکھا کروں۔ مزاح وغیرہ کی طرف قطعی دھیان نہ دوں۔ کہانی میں صرف ایک قتل ہو اور سراغ رساں مختلف قسم کی گتھیاں سلجھاتا ہوا مجرم تک جا پہنچے۔"

محترم یا محترمہ! یقین مانئے میں تو یہ چاہتا ہوں کہ کسی کہانی میں سرے سے کوئی قتل ہی نہ ہو..... لیکن پبلک۔

ہماری قوم ہر وقت خون کو گرمائے رکھنا چاہتی ہے۔ پتہ نہیں آپ کو یاد ہو یا نہ ہو کہ سری ادب کے طوفان سے پہلے ہمارے یہاں تاریخی ناولوں کا سیلاب آیا ہوا تھا جن کے ہر صفحے پر "کشتوں کے پشتے" نظر آیا کرتے تھے۔ اُس سے بھی پہلے مرزا غالب تک اکثر "دھول دھپے" کا شکار ہوئے ہیں۔ بہر حال کیا عرض کروں..... اکثریت ایسے پڑھنے والوں کی ہے جو کتاب کے ہر صفحے پر "دھول دھپا" دیکھنا چاہتے ہیں۔ پھر بھی میں محتاط ہو کر لکھتا ہوں۔

ایک صاحب کو "بیباکوں کی تلاش" میں پیش رس کے علاوہ اور کہیں

بھی انجمن کا طریق کار نظر نہیں آیا..... ان کو ایک ایسے صاحب کے ساتھ بٹھا دیا جائے جو صبیحہ کے کردار کو سرے سے غیر ضروری سمجھتے ہیں تو مجھے دونوں ہی کو تشفی بخش جواب دینے میں آسانی ہو گی۔ تو آپ دونوں ہی سنئے! صبیحہ کا کردار محض انجمن کا طریق کار واضح کرنے کے لئے لایا گیا تھا..... اس کی وضاحت کے دو ہی طریقے ہو سکتے ہیں۔ یا تو چند حرفوں میں یہ لکھ دیا جائی کہ "انجمن کا پیشہ بلیک میلنگ تھا....." یا پھر کسی واقعہ کے سہارے یہ چیز قاری کے ذہن نشین کرائی جائے ..... پہلا طریقہ کہلاتا ہے "رپورٹ" اور دوسرا "کہانی" تو پھر میں کہانی ہی لکھنے بیٹھا تھا..... رپورٹ نہیں۔

ایک صاحبہ اس پر بہت دکھی ہیں کہ آخر میں عمران نے صبیحہ سے بڑی بے مروتی برتی ہے۔ کم از کم صبیحہ کو اتنا تو معلوم ہی ہو جانا چاہئے تھا کہ وہ حقیقتاً کون ہے۔ بھئی کیا عرض کروں..... یہ عمران صاحب جانیں کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا۔ لیکن اتنا میں بھی جانتا ہوں کہ وہ اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔ انہیں اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ کسی پر کیا گذر رہی ہے۔ بس کسی طرح اپنا الو سیدھا ہونا چاہئے۔

ایک صاحب کو یہ ناول اس لئے پسند نہیں آیا کہ اس میں مجرموں اور سراغ رسانوں کے مابین مورچہ بندی نہیں ہوئی۔

بہر حال مختلف قسم کی پسند رکھنے والے حضرات بعض اوقات مجھے چکرا کر رکھ دیتے ہیں۔ خیر صاحب..... یہ رہیں سنہری چنگاریاں۔ اس میں آپ کو وہ سب کچھ مل جائے گا جو آپ چاہتے ہیں۔



جنازہ

بالآخر وہ جنازہ پولیس اسٹیشن جا پہنچا۔

جنازے کے ساتھ چالیس آدمی تھے۔ لیکن کسی کو بھی نہیں معلوم تھا کہ مرنے والا کون تھا یا اُسے کہاں دفن کرنا ہے۔

ہوا یہ کہ شہر کی ایک بھری پُری سڑک پر ایک نیک دل شہری کو ایک جنازہ نظر آیا، جس کے ساتھ صرف پانچ آدمی تھے..... پانچواں کبھی ایک پائے کو کاندھا دیتا کبھی دوسرے کو۔

اُس نیک دل شہری نے سوچا کہ قبرستان تک پہنچتے پہنچتے پانچوں کے کاندھے شل ہو جائیں گے لہٰذا وہ بھی ازراہِ ہمدردی جنازے کے ساتھ ہو لیا اور جلد جلد کاندھا بدلنے کی کوشش کرتا رہا۔ یہی نہیں بلکہ دوسرے راہگیروں کو بھی ترغیب دیتا گیا کہ وہ اُس کارِ ثواب میں حصہ لیں۔

اس طرح اُن پانچوں کی مشکل آسان ہو گئی اور ذرا ہی سی دیر میں جنازے کے ساتھ بہت سے لوگ نظر آنے لگے۔

وہ خلوص نیت سے جنازے کو آگے بڑھائے لئے جا رہے تھے۔ یہ سوچے بغیر کہ جانا کہاں ہے لیکن اُس وقت تو سبھی چونکے جب شہری آبادی بھی پیچھے رہ گئی تھی۔ پھر کسی نے با آواز بلند سبھوں کو مخاطب کر کے پوچھا تھا "کہ جانا کہاں ہے۔ تدفین کس قبرستان میں ہو گی۔"

اس سوال پر وہ سب احمقوں کی طرح ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے تھے۔ کسی کے پاس

بھی اس کا جواب نہیں تھا۔

آخر جنازہ وہیں سڑک کے کنارے رکھ دیا گیا۔ وہ سب براہِ راست ایک دوسرے سے اُس کے متعلق پوچھنے لگے۔

تب اُس نیک دل آدمی کے دل میں شبہ گذرا کہ ہو نہ ہو اُس نے دھوکا کھایا ہے..... کچھ لوگ خاص طور پر اُسے گھور رہے تھے؟ شائد انہوں نے یاد رکھا تھا کہ اُسی آدمی نے انہیں اس کارِ ثواب میں حصہ لینے کی دعوت دی تھی۔

اب تو وہ نیک دل آدمی بے حد نروس نظر آنے لگا..... سوچ رہا تھا کہ الزام اُسی کے سر جائے گا..... خود اُس سے یہ حماقت سرزد ہوئی تھی کہ اُس نے اُن پانچوں آدمیوں کو اس حیثیت سے نہیں دیکھا تھا کہ اُن کی شکلیں بھی یاد رکھنے کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔

وہ تو اب یقین کے ساتھ کہہ ہی نہیں سکتا تھا کہ ان لوگوں میں وہ پانچوں بھی موجود ہیں یا نہیں۔

بالآخر اُسے اپنی کہانی بقیہ کو سنانی پڑی اور لوگ اُسے بُرا بھلا کہنے لگے۔ پھر کسی نے گھوارے پر سے چادر ہٹادی۔ لاش کفن میں لپٹی پڑی تھی۔ ایک آدمی نے مردے کا منہ دیکھنا چاہا لیکن اُس نیک دل آدمی نے جواب کافی ذہین نظر آنے لگا تھا اُسے اس سے باز رکھا۔ اُس نے تجویز پیش کی کہ لاش کو ہاتھ لگائے بغیر یہ جنازہ جوں کا توں کسی پولیس اسٹیشن پر لے جایا جائے۔ اُس کے اس مشورے کی مخالفت نہیں کی گئی تھی۔

جنازہ پرنسٹن کے تھانے پر لایا گیا تھا۔

اور جب تھانے کے انچارج نے کفن کی ڈوری کھول کر مردے کا منہ دیکھنا چاہا تو مٹی کی ایک ہانڈی لڑھک کر گھوارے کی دیوار سے جا ٹکرائی۔

لاش کا سر غائب تھا اور اُس کی جگہ ہانڈی رکھ دی گئی تھی۔ کلائیوں سے ہتھیلیاں غائب تھیں اور ٹخنوں سے پنجے الگ کر لئے گئے تھے ان کی بجائے لکڑی کی چھوٹی چھوٹی تختیاں پیروں سے اس طرح جوڑ دی گئی تھیں کہ کفن کے اوپر سے پنجے معلوم ہوں۔

اور یہ کسی عورت کی لاش تھی جسم کی بناوٹ سے معلوم ہوتا تھا کہ عمر بیس اور پچیس

درمیان رہی ہوگی۔ جلد سفید تھی۔

نیک دل آدمی کو پھر آگے آنا پڑا۔ پوری داستان دہرائی اُس نے اور شبہ میں اُسی وقت لیا گیا۔

وہ تھانے کے انچارج کو کسی طرح باور نہ کرا سکا کہ اُسے اُن پانچوں آدمیوں میں سے کسی کی بھی شکل یاد نہیں رہی تھی۔

سنسنی خیز واقعہ تھا، اس لئے بات فوری طور پر محکمہ سراغ رسانی تک جا پہنچی۔ لاش بھی شناخت تھی اس لئے بھلا کرنل فریدی کے علاوہ اور کون آگے آتا۔

حمید تو چھوٹتے ہی بولا تھا۔ "احمق تھے وہ پانچوں..... ارے اس جنازے کو سیدھے لے چلے آتے خواہ مخواہ راہگیروں کو زحمت دینے کی کیا ضرورت تھی۔"

پھر پرنسٹن کے تھانے پہنچ کر اُس نیک دل آدمی سے پوچھا تھا۔ "کیوں صاحب..... آپ کافی ہاؤز میں نہیں بیٹھتے.....!"

"نہیں جناب.....؟" نیک دل آدمی نے اس عجیب سوال پر بوکھلا کر جواب دیا۔

"یہی بات ہے، ورنہ پانچ ہزار جنازے آپ کے سر سے گذر جاتے لیکن آپ کے کان ٹس سے نہ رینگتی۔"

دوسری طرف فریدی لاش کا جائزہ لے رہا تھا۔ اُن سبھوں کو تھانے کی کمپاؤنڈ میں روک رکھا گیا تھا، جنہوں نے اُس نیک دل آدمی کی ترغیب پر جنازے کے جلوس میں شرکت کی تھی۔

لاش کا جائزہ لے چکنے کے بعد فریدی نے اُن سے بھی کچھ سوالات کئے تھے پھر وہ اس نیک دل آدمی کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"اُن میں کوئی ایسا نہیں جس نے آپکی طرف اشارہ نہ کیا ہو۔" فریدی نے اُس سے کہا۔

"مجھے خود ہی اعتراف ہے جناب عالی کہ میں نے ہی انہیں ترغیب دی تھی۔"

"آپ نے اس جنازے کو کہاں دیکھا تھا۔"

"چرچ روڈ کے کراسنگ پر۔"

"آپ کو اچھی طرح یاد ہے۔"

"جی ہاں..... میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں۔"

"اُس وقت کتنے آدمی تھے۔"

"صرف پانچ۔"

"کسی ایک کا حلیہ بتا سکیں گے۔"

"کاش مجھے معلوم ہوتا کہ میں گڑھے میں گرنے جا رہا ہوں۔"

"کیا مطلب.....!"

"اُس صورت میں انہیں بغور دیکھ کر اُن کی شکلیں ذہن نشین کرنے کی کوشش کرتا۔"

"اس بھیڑ میں کسی کے متعلق بھی یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ بھی اُن پانچ میں سے ہو سکتا ہے۔"

"نہیں جناب۔ اگر ایسا ممکن ہوتا تو بہت پہلے اُس کے گریبان پر ہاتھ ڈال چکا ہوتا۔"

"ایک بار پھر کوشش کیجئے۔" فریدی نے کہا اور اس بھیڑ کی طرف پلٹ آیا۔

پھر وہ سب ایک ایک کر کے لاک اپ کے سلاخوں دار دروازے کے قریب سے گذرتے رہے لیکن یہ شناختی پریڈ بھی ناکام رہی۔ وہ کسی کے بارے میں بھی یقین کے ساتھ کچھ نہ کہہ سکا۔

حوالات میں پہنچ جانے کے بعد وہ نیک دل آدمی بے حد نروس نظر آنے لگا تھا۔

"میں کب تک یہاں رہوں گا۔" اُس نے فریدی سے پوچھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ آپ کو خواہ مخواہ ان حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ لیکن ضابطے کی کاروائی بہر حال ضروری ہوتی ہے۔"

"یعنی اب مجھے کوئی ضامن بھی تلاش کرنا پڑے گا۔"

"مجبوری ہے..... وہ بھی آپ ہی کی طرف اشارہ کر رہے ہیں اور آپ کو بھی اعتراف ہے اس لئے قانون اُسی کی پابندی کرے گا جو ایسے حالات میں ضروری ہے۔"

"تو پھر براہِ کرم میرے گھر والوں کو اطلاع بھجوا دیجئے، تاکہ وہ ضمانت کا انتظام کر سکیں۔"

"بہتر ہے..... میں ابھی محرر کو بھیجتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور پھر وہ دونوں انسپکٹر آفس میں واپس آ گئے۔

"میری دانست میں تو لاش کی شناخت ناممکن ہے۔" حمید بولا۔

"اور اب سارے شہر میں پوچھتے پھریئے، اس جنازے کے متعلق جسے صرف پانچ آدمی جا رہے تھے۔" انسپکٹر بولا۔

"میرا خیال اس سے مختلف ہے۔" فریدی مسکرایا۔

انسپکٹر استفہامیہ انداز میں اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ ہم سیدھے وہیں پہنچیں گے جہاں سے جنازہ اٹھا تھا۔" اس نے کہا اور سگار کا گوشہ توڑنے لگا۔

"ہو سکتا ہے جناب، خدا کا شکر ہے کہ آپ تشریف لے آئے ورنہ میرے تو فرشتے کچھ نہ کر سکتے اس سلسلے میں۔"

"اب اُس ملزم کے گھر والوں کو اطلاع بھجوانے کی کوشش کیجئے۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اس کی ضمانت بھی آج ہی ہونی چاہئے۔"

کچھ دیر بعد حمید لنکن میں بیٹھتا ہوا زہریلے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "اب ہم سیدھے وہیں چلیں گے جہاں سے جنازہ اٹھا تھا کیونکہ اب وہاں خیرات بٹ رہی ہو گی۔"

"تم شاید اسے مذاق سمجھے ہو۔" فریدی نے سوئچ آن کرتے ہوئے کہا۔

"صاحب مجھے اس سے ذرہ برابر بھی دلچسپی نہیں ہے کہ وہ مذاق تھا یا حقیقت تھی..... میں نے آج ہی چھٹی کے لئے درخواست دی ہے۔ یہاں کا موسم آج کل میری برداشت سے باہر ہو رہا ہے۔"

"کہاں جاؤ گے؟" فریدی نے نرم لہجے میں پوچھا۔

گاڑی چل پڑی تھی۔

"کسی بھی ہل اسٹیشن کا رخ کروں گا۔"

"تنہا.....!"

اس پر حمید نے ایک آزاد نظم شروع کر دی۔

تنہائی آغاز ہے میرا تنہائی انجام
تنہائی سے بچ کر میں جاؤں گا کہاں
جگ بیتے دو تنہا جانوں کی تنہائی ٹوٹی تھی
اُن کی یکجائی نے میری تنہائی کو جنم دیا
تنہائی آغاز ہے میرا تنہائی انجام
جن کی تنہائی ٹوٹی تھی، اُن کو سات سلام

"بیچارے والدین۔" فریدی نے ٹھنڈی سانس لی۔ لیکن تیسرے مصرے میں "تھی" زائد ہے، چوتھے مصرعے میں "دیا" زائد ہے، دوسرا مصرعہ بھی ناقص ہے۔"

"آزاد نظم ہے۔" حمید نے جھنجھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

"مادر پدر آزاد ہوگی..... ورنہ آزاد نظم کے لئے بھی کچھ پابندیاں ہیں۔"

"میں لعنت بھیجتا ہوں ہر قسم کی پابندی پر۔"

"پھر غالباً رات کا کھانا نہیں کھاؤ گے؟"

"کیوں.....؟"

"پابندی ہی ٹھہری معدے کی۔"

"میں چھٹی چاہتا ہوں چھٹی..... سمجھے آپ۔"

"اوہ ہم چرچ روڈ کے کراسنگ پر پہنچ گئے ہیں۔" فریدی نے کہا اور چوراہے سے کچھ قدر آگے بڑھ کر گاڑی روک دی۔

پھر وہ نیچے بھی اُتر گیا لیکن حمید وہیں بیٹھا رہا..... سنیچر کی شام اور اس طرح غائب ہو جائے؟ وہ سوچتا اور پیچ و تاب کھاتا رہا۔

قطعی نہیں دیکھنا چاہتا تھا کہ فریدی گاڑی سے کیوں اترا تھا اور اب کیا کر رہا ہے، البتہ دوسری سمت دیکھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی واپس آگیا اور گاڑی پھر چل پڑی اور پھر جی۔ سی۔ ایچ سوسائٹی

عمارت کے سامنے رک گئی۔

فریدی نے حمید سے بھی اترنے کو کہا..... وہ بے دلی سے اترا تو ضرور لیکن عمارت داخل ہونے کے سلسلے میں فریدی کا ساتھ دینے پر تیار نہیں تھا۔

"چلو.....!" فریدی نے اُس کا بازو پکڑ کر آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

برآمدے میں پہنچ کر فریدی نے کال بل کا بٹن دبایا۔

شائد ایک منٹ بعد ایک بوڑھا آدمی باہر آیا تھا۔

"کیا مسٹر گومز تشریف رکھتے ہیں۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"میں ہی گومز ہوں..... فرمایئے۔"

"میں گوانیز کر سچین ہاؤزنگ سوسائٹی کے دفتر سے معلوم کر کے آیا ہوں کہ آپ اپنی ت کا ایک حصہ کرایہ پر دینا چاہتے ہیں۔"

"جی ہاں.....!"

"مجھے ایک رہائشی مکان کی ضرورت ہے..... کتنے کمرے ہیں اس حصے میں۔"

"آپ کی تعریف.....؟"

"مجھے احمد کمال کہتے ہیں۔"

"اوہ..... دیکھئے مسٹر کمال..... مجھے افسوس ہے، ارادہ تو تھا کرائے پر اٹھانے کا ..... لیکن آج ہی مجھے اطلاع ملی ہے کہ میرا بھتیجا یو کے سے واپس آرہا ہے، اس کے لئے لا رہائش کا مسئلہ درپیش ہوگا، اس لئے اب میں معذور ہوں۔"

حمید نے فریدی کے چہرے پر گہری مایوسی کے آثار دیکھے۔

دوسری طرف بوڑھے کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ اپنا غصہ دبانے کی کوشش کر رہا ہو۔

حمید کو اس پر حیرت ہوئی۔ اُس کی دانست میں فریدی نے ابھی تک کوئی ایسی بات نہیں کہی تھی جس کی بناء پر بوڑھے کو کسی ناخوشگوار ذہنی کیفیت سے دوچار ہونا پڑتا۔

آخر بوڑھے نے کھرکھراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "کیا آپ نے سوسائٹی کے کسی کارکن

کو اپنا یہی نام بتایا تھا۔"

"جی نہیں.....!" فریدی نے سادگی سے جواب دیا۔

"پھر.....؟" بوڑھے کا لہجہ تیکھا تھا۔

"نہ اس نے نام پوچھا تھا اور نہ میں نے بتایا تھا..... ویسے کیا ابھی تک آپ لوگوں نے اپنا پرانا اصول تبدیل نہیں کیا۔"

"جی نہیں....." بوڑھے نے غصیلے لہجے میں کہا اور واپسی کے لئے مڑ رہا تھا۔

فریدی بولا۔ "ذرا سنئے..... ایک منٹ۔"

"فرمایئے.....!" وہ جھلا کر بولا۔

"اگر میں اپنا نام ولیم جوزف بتاتا تو.....؟"

"بس ختم کیجئے..... ہاں..... ہم نہیں چاہتے کہ کوئی غیر کرسچین ہماری سوسائٹی میں آباد ہو۔" وہ پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولا۔

"ایسا نہ کہئے..... ابھی حال ہی میں میرے ایک غیر عیسائی دوست نے یہاں ایک عمارت کرائے پر حاصل کی ہے۔"

"جی ہاں..... میں جانتا ہوں، لیکن اس نے فراڈ کیا تھا۔ خود کو عیسائی ظاہر کر کے مکان کرائے پر حاصل کیا تھا..... اب اگر اس نے فوراً ہی مکان خالی نہ کیا تو سوسائٹی اس کے خلاف فریب دہی کا مقدمہ قائم کر دے گی۔"

"اوہ..... تو کیا اس کے فراڈ کا علم ہو گیا ہے لوگوں کو.....!"

"اگر اس کے خاندان میں آج کسی کی موت نہ ہو جاتی تو شائد ہم اُسے عیسائی ہی سمجھتے رہتے۔ جنازہ تو بہر حال لے جانا ہی پڑا۔"

"آج موت ہوئی ہے کسی کی۔" فریدی نے گھبراہٹ کا مظاہرہ کیا۔

"جی ہاں۔" بوڑھے کا لہجہ اب بھی درست نہیں ہوا تھا۔

"اوہ..... تب تو مجھے وہاں جانا چاہئے لیکن مکان کا نمبر یاد نہیں رہا۔ کیا اس سلسلے میں آپ میری راہنمائی کر سکیں گے۔ لیکن اگر اُس نے غلط نام بتا کر مکان حاصل کیا تھا تو یہ بڑی

...تھی۔"

"بائیں جانب جو پہلی سڑک گھومتی ہے اسی پر جیمز ولا.....!" بوڑھے نے کہا اور اس ...ری چلا گیا۔

فریدی بھی واپسی کے لئے مڑ گیا۔

"یہ آپ کیا کرتے پھر رہے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"دیکھا کتنی آسانی سے اس عمارت کا پتہ چل گیا جہاں سے جنازہ اٹھایا گیا تھا۔"

"آخر کیسے۔"

"ابھی بتاؤں گا.....!" فریدی گاڑی میں بیٹھتا ہوا بولا۔

گاڑی کچھ دور چل کر بائیں جانب مڑی اور پھر ٹھیک جیمز ولا کے سامنے رک گئی۔

چھوٹی سی عمارت تھی۔ سامنے پختہ برآمدہ تھا اور پھر رہائشی کمروں کا سلسلہ شروع ہو گیا ...ئیں باغ نہیں تھا۔ برآمدے کے نیچے حالانکہ کچی زمین تھی لیکن پھر بھی یہاں کیاریاں ...بنائی گئی تھیں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کے مکینوں کو اس سے دلچسپی نہ رہی ہو۔

فریدی نے گاڑی برآمدے کے قریب ہی روکی تھی اور متواتر ہارن بجائے جا رہا تھا۔

"یہ کیا کر رہے ہیں برآمدے میں چل کر گھنٹی بجایئے۔" حمید نے کہا۔

"فضول ہے..... اندر کوئی نہ ہو گا۔" فریدی نے جواب دیا اور ہارن بجاتا رہا۔

تھوڑے ہی فاصلے کی ایک عمارت سے ایک آدمی برآمد ہوا اور تیز قدموں سے چلتا ہوا ...کے قریب آ کر رک گیا۔

"کس کی تلاش ہے۔" اس نے پوچھا اور حمید نے اس کے لہجے میں بھی ناخوشگواری ...کی۔

فریدی نے زبان سے کچھ کہنے کی بجائے جیمز ولا کی طرف ہاتھ اٹھا دیا۔

"صبح جنازہ گیا تھا۔" اس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "ابھی تک کوئی واپس نہیں آیا۔"

"میں سخت الجھن میں ہوں۔" فریدی نے پر تشویش لہجے میں کہا۔ "آخر کس طرح لے ...جائیں گے تدفین والی گاڑی آئی ہو گی۔"

"نہیں کاندھوں ہی پر لے گئے تھے؟" جواب ملا تھا۔

"اوہ تو کچھ اعزہ کو خبر ہو گئی ہو گی..... کتنے آدمی تھے؟"

"پانچ آدمی تھے۔"

"مالک مکان سے کہاں ملاقات ہو سکے گی۔" فریدی نے پوچھا۔

"کیوں؟" تیکھے لہجے میں کہا گیا۔

"میرا خیال ہے اب وہ لوگ واپس نہ آئیں گے..... کیوں کہ یہاں سب ہی جان
ہوں گے کہ وہ کرسچین نہیں تھے؟"

"آپ کون ہیں.....؟"

"میں نے آپ سے مالک مکان کے متعلق پوچھا تھا.....؟"

"میں ہی ہوں مالک مکان۔" اس کا لہجہ بے حد غصیلا تھا۔

فریدی نے اپنا کارڈ نکال کر اُس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے کارڈ لے کر بڑی لاپر
سے اس پر نظر ڈالی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں حمید نے اس کے چہرے پر حیرت کے آثار دیکھے

"سی۔ آئی۔ بی۔" اس نے پھنسی پھنسی سی آواز میں کہا۔

"جی ہاں..... میں آپ کی موجودگی میں اپنے طور پر مکان کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔"

"وارنٹ..... میرا مطلب ہے سرچ وارنٹ ہے آپ کے پاس۔"

"اس کی فکر نہ کیجئے۔"

"کیا کوئی گڑبڑ ہے۔"

"آیئے۔" فریدی گاڑی سے اتر کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

وہ برآمدے میں آئے اور مالک مکان ان کی طرف مڑ کر بولا۔ "لیکن یہ تو مقفل ہے

"یہاں کتنے لوگ رہتے تھے؟" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"وہ..... غالباً میاں بیوی تھے۔"

"عورت غیر ملکی تھی۔"

"یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ وہ ساری یا فراک اور شلوار پہنتی تھی۔"

"رنگت.....!"

"رنگت یقیناً سرخ و سفید تھی..... بال بھی اخروٹ کے رنگ کے تھے لیکن وہ اہل
ن کی طرح اردو بولتی تھی۔ لب و لہجے میں اجنبیت نہیں تھی۔"

فریدی مزید کچھ پوچھنے والا تھا کہ پشت سے آواز آئی۔ "کیا وہ لوگ واپس آ گئے؟"

آواز میں اتنی سیکس اپیل تھی کہ حمید بے اختیارانہ انداز میں مڑا تھا۔ سوال کرنے والی
ی ہی نظر میں دل لوٹنے والی ثابت ہوئی۔

کھلتی ہوئی گندمی رنگت تھی، اور بوجھل پلکوں والی' بڑی بڑی آنکھیں' چہرہ بھرا بھرا سا
اوپری ہونٹ پر سبزی مائل ہلکی سی روئیدگی تھی اور ہونٹ تو ایسے لگتے تھے جیسے اجنتا کے
افاش نے تراشے ہوں۔

ساری اور آدھے پیٹ کی نمائش کرنے والے بلاؤز میں ملبوس تھی۔ اس کا اصل حسن تو
ضاء کا تناسب ہی تھا۔

عمر بیس اور پچیس کے درمیان رہی ہو گی۔

مالک مکان جو اُسے غصیلی نظروں سے دیکھ رہا تھا، ہاتھ جھٹک کر بولا۔ "اپنا کام کرو.....
ہیں کیوں فکر ہے۔"

لیکن لڑکی نے اُس کے لہجے کی پروا کئے بغیر پوچھا۔ "یہ لوگ کون ہیں! کیا اُن کے عزیز ہیں۔"

"جاؤ یہاں سے۔" مالک مکان غرایا۔

"ایسا بھی کیا۔" حمید جلدی سے بولا۔ "نہیں محترمہ ہم اُن کے عزیز نہیں ہیں۔"

"تو پھر اُن کے ہم مذہب ہوں گے۔ کرسچین تو ہرگز نہیں ہو سکتے۔" لڑکی نے کہا۔

فریدی پھر دروازے کی طرف مڑ کر قفل کا جائزہ لینے لگا تھا۔ شاید اس نے اُن کی گفتگو
دخل انداز ہونا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

"کیا ہماری پیشانیوں پر تحریر ہے کہ ہم کرسچین نہیں ہیں۔" حمید نے مسکرا کر پوچھا۔

"یہ بات نہیں..... یہاں کسی نے بھی اُن بیچاروں کی پرواہ نہیں کی کیونکہ وہ کرسچین
تھے۔ میں نے اُس سے کہا تھا کہ اپنی کسی انجمن کو فون کر کے جنازہ والی گاڑی منگوا لے

لیکن اُس نے کہا کہ گوانیز کر سچین ہاؤسنگ سوسائٹی کا پتہ سن کر کوئی یقین نہ کرے گا۔ سمجھیں گے کہ کوئی بدمعاش آدمی اُن کا وقت برباد کرانا چاہتا ہے۔ میں نے بھی سوچا ٹھیک کہتا ہے بیچارا۔ کون یقین کرے گا کہ اس ہاؤسنگ سوسائٹی میں کسی غیر کر سچین کا بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ عیسائیوں کے علاوہ اور کسی کو بھی خدا نے نہیں پیدا کیا۔ وہ اپنی بدبختی بناء پر خود بخود پیدا ہو گئے ہیں۔"

"دیکھو ..... حد ہوتی ہے۔" مالک مکان پہلے سے بھی زیادہ بپھر کر بولا۔ "میں تمہارے باپ سے شکایت کروں گا..... سمجھیں۔"

"وہ بھی کر سچین ہیں۔ تمہارا ہی ساتھ دیں گے۔"

"چلی جاؤ یہاں سے۔"

دفعتاً فریدی ان کی طرف مڑ کر مالک مکان سے بولا۔ "میں یہی پسند کروں گا کہ آپ کچھ دیر تک بالکل خاموش رہیں۔"

مالک مکان نے سختی سے ہونٹ بھینچ لئے اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔ فریدی پھر لڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"تو آپ کو اُن لوگوں سے ہمدردی تھی؟" حمید نے پوچھا۔

"بڑی پیاری لڑکی تھی، میں اس کے لئے مغموم ہوں۔ پتہ نہیں اچانک کیسے مر گئی۔ پچھلی شام تک میں نے اُسے برآمدے میں چہل قدمی کرتے دیکھا تھا۔ بالکل اچھی تھی۔ کہ چہرے سے تھکن بھی نہیں ظاہر ہوتی تھی۔ مجھے دیکھ کر سر ہلایا تھا اور بڑے دلکش انداز میں مسکرائی تھی۔"

"اور ..... اور ..... شوہر .....!" حمید نے پوچھا۔

"اُس سے بہت کم ملنے کا اتفاق ہوتا تھا۔ ٹریولنگ ایجنٹ تھا کسی تجارتی کمپنی کا۔ لڑکی زیادہ تر تنہا رہتی تھی۔"

"بالکل تنہا.....؟"

"نہیں ایک بوڑھا ملازم بھی تھا۔"

"کیا وہ بھی جنازے میں شریک تھا۔"

"جی ہاں ..... وہی پانچوں تو لے گئے تھے۔"

"بقیہ تین کہاں سے آئے تھے۔"

"پتہ نہیں ..... میں نے انہیں پہلی بار دیکھا تھا۔ اُوہ آپ تو اس طرح پوچھ رہے ہیں ان کے شناسا بھی نہ ہوں ..... پھر ..... یہاں ..... کیوں؟"

"اوہ ..... دراصل ..... ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ وہ خود کو عیسائی ظاہر کر کے کیوں آ بسے تھے۔"

"اس لئے کہ ہر آدمی کو حق حاصل ہے۔ خدا کی بنائی ہوئی زمین پر جہاں چاہے رہے۔" کی آواز جوش کی شدت سے کانپ رہی تھی۔ "اس عمارت کا چونا گارا اینٹس وغیرہ کوئی بھی اپنی ماں کے پیٹ سے ساتھ نہیں لایا تھا۔"

"دیکھو .....!" مالک مکان نے پھر کچھ کہنا چاہا۔

"پلیز .....!" فریدی نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید کچھ کہنے سے باز رکھا۔

لڑکی کہتی رہی۔ "وہ یہاں رہنا چاہتے تھے۔ انہیں یہ بستی پسند تھی، لہٰذا انہیں یہاں کرنے کے سلسلے میں تھوڑا سا فراڈ بھی کرنا پڑا۔ میں پوچھتی ہوں آخر ان کے یہاں قیام سے عیسائیت یا عیسائیوں کو کیا نقصان پہنچا۔ کوئی بتائے مجھے۔ یا کب وہ عیسائیوں سے معلوم ہوئے تھے۔ اگر گھر میں ایک موت نہ ہو جاتی تو قیامت تک کسی کو اُن کی اصلیت نہ چل سکتا ..... یا خدا اب تو عیسائیوں کے دم لگا کر پیدا کیا کرتا کہ وہ آسانی سے سنے جا سکیں۔"

"خاموش رہو۔" مالک مکان مٹھیاں بھینچ کر چیخا۔

"آپ ذرا میرے ساتھ آیئے۔" فریدی اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر برآمدے کے زینے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

حمید اور وہ لڑکی انہیں کار کی طرف جاتے دیکھتے رہے۔

"تمہاری گاڑی بڑی شاندار ہے۔" لڑکی نے کہا۔

"ایئر کنڈیشنڈ لنکن.....!" حمید کے لہجے میں لاپروائی تھی۔

"تم لوگ کون ہو؟"

"ہمیں سوسائٹی کے دفتر سے اس کام پر معین کیا گیا ہے۔"

"کس کام پر۔"

"یہ معلوم کریں کہ وہ فراڈ کر کے یہاں کیوں آ بسے تھے۔"

"صورت سے ذہین آدمی معلوم ہوتے ہو اور کرسچین بھی نہیں معلوم ہوتے۔"

"ہاں تو..... مرنے والی کا شوہر..... کیا اُس کے متعلق کچھ نہ بتاؤ گی۔ صورت سے مراد ہے میری۔"

"خوبصورت تھا۔" وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ "اپنی بیوی کی طرح تو نہیں لیکن بہر حال وجیہہ تھا۔ پچیس اور تیس کے درمیان سمجھ لو۔"

"کوئی خاص پہچان.....!"

"نہیں کوئی ایسی نمایاں خصوصیت تو نہیں تھی..... متوسط قد تھا..... جسامت معمولی تھی۔ البتہ خوش لباس اور جامہ زیب تھا۔ اس خصوصیت کی بناء پر لڑکیاں ضرور اُس کی طرف متوجہ ہو سکتی تھیں۔"

"اور ملازم.....!"

"بوڑھا اور صورت حرام تھا۔ خاموشی سے بھی دیکھتا تھا تو ایسا معلوم ہوتا جیسے کاٹنے دوڑے گا۔"

"اس کی کوئی نمایاں خصوصیت۔"

"یہی سب سے بڑی نمایاں خصوصیت تھی شکل دیکھ کر کٹکھنے کتے کا تصور ذہن میں ابھرتا تھا۔"

"تو وہ لڑکی پسند تھی آپ کو.....؟"

"بہت..... مجھے بہت اچھی لگتی تھی..... لیکن اُس سے مل بیٹھنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا۔ بس ہم شناساؤں کی طرح ایک دوسرے کو دیکھ کر سر ہلاتے تھے۔ مجھے اس کی

بہت بہت اچھی لگتی تھی۔"

"کم ملنے جلنے والے بھی آتے ہوں گے۔"

"میں نے ایک کے علاوہ اور کسی کو نہیں دیکھا۔ وہ اکثر رات کو آتا تھا اور وہ اُس کی لمبی گاڑی میں بیٹھ کر کہیں جاتی تھی۔"

"اس ملنے والے کا حلیہ۔"

"حلیہ کیا بیان کروں..... میرا خیال ہے کہ میں اسے پہچانتی ہوں۔"

"یعنی..... کون تھا۔"

"وزارت خارجہ کا کوئی بڑا آفیسر.....!"

"کیا.....؟"

"میرا خیال ہے میں نے کہیں اُس کی تصویر بھی دیکھی تھی۔ عہدہ یاد نہیں رہا۔ اُس کی نمبر پلیٹ پر منسٹری آف فارن افیئرس بھی تحریر تھا۔"

"اوہ تو آپ اس کی ٹوہ میں بھی رہتی تھیں؟"

"اُسے دیکھ کر ایک خواہش پیدا ہوتی تھی دل میں۔"

"کیسی خواہش.....!"

"یہی کہ..... کاش خدا نے مجھے مرد بنایا ہوتا۔"

"اسی لئے آپ اس کی ٹوہ میں رہتی تھیں۔"

دفعتاً سڑک کی طرف سے ایک غراتی ہوئی سی آواز آئی۔ "جولی۔"

اور وہ بوکھلا کر مڑی۔ حمید بھی دیکھنے کے لئے مڑا تھا۔

ایک قد آور اور گھنی مونچھوں والا آدمی لڑکی کو گھور رہا تھا

"او..... ڈیڈی.....!" وہ مردہ سی آواز میں بولی۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو۔"

"کک..... کچھ نہیں..... بس یونہی.....!" وہ تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

حمید نے دونوں کو وہاں سے جاتے دیکھا۔ پھر وہ قریب ہی کی ایک عمارت میں

داخل ہوگئے۔

ایک ٹھنڈی سانس حمید کے گھٹے ہوئے سینے سے آزاد ہوئی۔ لڑکی کے چلنے کا انداز بہ

اور وہ تصویر

مالک مکان اور فریدی پھر برآمدے کی طرف واپس آرہے تھے۔ دروازے کے قر رکتے ہوئے فریدی نے مالک مکان سے کہا۔ "آپ ہر پوچھنے والے سے یہی کہیں گے کہ سوسائٹی کے دفتر کی ہدایات پر عمل کررہے ہیں۔"

"بہت بہتر جناب۔" مالک مکان نے سہمے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

فریدی نے رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے حمید سے کہا۔ "تم یہیں ٹھہرو..... ابھی آیا۔"

حمید سر کو جنبش دے کر مالک مکان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

وہ الجھن میں تھا۔ آخر اتنی جلدی وہ ٹھیک اسی جگہ کیسے آپہنچے جہاں پر واردات ہوئی تھی ویسے وہ اس لڑکی کو دیکھ لینے کے بعد کسی قسم کی الجھن میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ اُس سریلی آواز کی بازگشت اب بھی کانوں میں گونج رہی تھی۔

وہ چند لمحے پر تفکر انداز میں مالک مکان کے چہرے پر نظر جمائے رہا پھر بولا۔ "یہ لو کون تھی؟"

"جولی وکٹر.....!" مالک مکان نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"کہاں رہتی ہے؟"

"سامنے.....!" اُس نے سڑک کی جانب ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"اور وہ آدمی جس نے اُسے آواز دی تھی؟"

"جیری وکٹر..... اس کا باپ.....؟"

"کیا کرتا ہے۔"

"انجینئر ہے۔"

"سرکاری یا پرائیویٹ.....!"

"پرائیویٹ..... ذاتی ورکشاپ رکھتا ہے۔"

"کیا مرنے والی سے لڑکی کی دوستی تھی۔"

"پتہ نہیں؟" مالک مکان نے اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا وہ کہہ تھی۔"

حمید نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "میرا اندازہ ہے؟"

"ہو سکتا ہے۔" مالک مکان کے لہجے میں بیزاری تھی۔ "میں بہت مصروف آدمی ہوں ی خبر ہوتی ہے کہ گردو پیش کیا ہو رہا ہے۔ ویسے میرا خیال ہے کہ اس مخبوط الحواس لڑکی آپ سے بہت سی باتیں کی ہیں۔"

"مخبوط الحواس کیوں؟"

"وہ مذہب کا مضحکہ اڑاتی ہے..... کہتی ہے کہ کرائسٹ بھی آدمی ہی تھا..... جو انسانیت کو زندہ رکھنے کے لئے سولی پر چڑھ گیا۔"

"وہ خود کیا کرتی ہے؟"

"باتیں بنانے کے علاوہ اور کبھی کچھ کرتی نہیں دکھائی دی۔" مالک مکان نے تلخ لہجے میں کہا۔

"آپ اُس سے بہت ناراض معلوم ہوتے ہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"اُس سے یہاں کوئی بھی خوش نہیں ہے۔ وہ جو بوڑھوں کا مضحکہ اڑائے اسے کیا کہیں گے۔"

"اوہ.....!"

"ابھی کل ہی کی بات ہے..... مسٹر برکت مسیح جو بہت بوڑھے ہیں ادھر سے گزر رہے تھے ان کا راستہ روک کر کہنے لگی۔ آخر اب کس امید پر جی رہے ہو۔ وہ بیچارے پریشان ہو گئے..... لیکن انہوں نے ہنس کر بات اڑانی چاہی بس سر ہی تو ہو گئی کہنے لگی..... اب جلدی سے مر جاؤ..... کسی توانا جسم کے حصے کی روٹیاں کیوں ضائع کر رہے ہو۔"

"جینئس معلوم ہوتی ہے....." حمید پر تحسین لہجے میں بولا۔

"پاگل ہے۔" مالک مکان نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ مزید کچھ کہنے والا تھا کہ فریدی کی کار آکر رکی اور وہ دونوں اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

کار سے اتر کر وہ سیدھا برآمدے ہی میں آیا۔ اس کے ہاتھ میں کچھ کاغذات تھے اُن میں سے ایک اس نے مالک مکان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اسے پڑھ کر دستخط کر دیجئے۔"

"یہ کیا ہے؟" اس نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

"سی آئی بی کے سربراہ سے آپ کی درخواست۔ آپ نے اس میں ہمارے محکمے کو اس فراڈ سے آگاہ کرتے ہوئے تشویش ظاہر کی ہے کہ وہ لوگ آپ کے مکان میں کوئی غیر قانونی حرکت کرتے رہے ہیں۔"

"اس سے کیا ہو گا؟"

"میں فوری طور پر مکان کی تلاشی لے سکوں گا۔"

"لل..... لیکن.....!"

"فکر نہ کیجئے..... اس کی ذمہ داری آپ پر نہ ہو گی۔ اسی لئے تو میں آپ سے ضابطے کی کاروائی کے لئے استدعا کر رہا ہوں۔"

مالک مکان نے کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد اس پر اپنے دستخط کر دیئے۔

اب فریدی مقفل دروازے کی طرف متوجہ ہوتا ہوا حمید سے بولا۔ "تم دوسرے پڑوسیوں سے پوچھ گچھ کر سکتے ہو۔"

"یعنی اب ہم ہاؤسنگ سوسائٹی کے دفتر کی طرف سے پوچھ گچھ نہیں کر رہے؟" حمید نے پوچھا۔

"نہیں.....!" فریدی نے دروازے کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

"جناب عالی.....!" دفعتاً مالک مکان گھگھیایا۔ "اب اسے دوسروں کے لئے سوسائٹی کی جانب سے رہنے دیجئے۔"

"کیوں.....؟"

"صبح سے لوگوں کے سوالات کے جواب دیتے دیتے تنگ آ گیا ہوں، اگر انہیں یہ معلوم ہو گیا کہ محکمہ سراغ رسانی خود بخود اس طرف متوجہ ہو گیا ہے تو میں انہیں اس کی وجہ کیا بتاؤں گا۔"

فریدی فوراً ہی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے حمید سے کہا۔ "اچھی بات ہے اسے سوسائٹی ہی کی حد تک رکھو۔"

حمید سڑک کی طرف مڑا..... سامنے والی عمارت کی ایک کھڑکی میں جولی کا چہرہ دکھائی دے رہا تھا اور وہ اُسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

دفعتاً اس نے ہاتھ اٹھا کر کچھ اس قسم کا اشارہ کیا جیسے اُسے عمارت کی پشت پر آنے کو کہہ رہی ہو۔ حمید سر کی جنبش سے اس تجویز پر صاد کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔"

وہ عمارتوں کے درمیانی راستے سے گذرتا ہوا ٹھیک اُسی عمارت کی پشت پر رکا۔

غالباً یہیں اس بستی کا اختتام ہوا تھا۔ عمارت سے تھوڑے ہی فاصلے پر زمین ڈھلوان ہوتی تھی اور پھر کھیتوں کے سلسلے شروع ہو گئے تھے۔

لڑکی ایک دروازے سے نکلتی دکھائی دی..... اور اُس نے پھر ہاتھ اٹھا کر غالباً کھیتوں کی طرف اشارہ کیا۔

حمید نے اپنی گدی سہلائی اور آگے بڑھ کر ڈھلان میں اترتا چلا گیا..... یہ کوئی خشک نالہ تھا جس کی تہہ اتنی ہی نیچی تھی کہ وہاں تک پہنچ جانے کے بعد عمارتوں کی صرف چھتیں نظر آ رہی تھیں۔

حمید وہیں رک گیا..... لڑکی تیزی سے نیچے اتر رہی تھی۔ پھر وہ اس کے قریب بھی پہنچ گئی لیکن خاموش کھڑی ہانپتی رہی۔ شاید دوڑتی ہوئی ڈھلان کے سرے تک آئی تھی۔

سانسوں کے ساتھ جسم کا اتار چڑھاؤ بڑا دلآویز معلوم ہو رہا تھا۔ وہ براہِ راست حمید کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی اور حمید احمقانہ انداز میں پلکیں جھپکا رہا تھا۔ آخر وہ خود ہی بولی۔

"دیکھو..... میری زبان سے ایک غلط بات نکل گئی تھی۔"

"کون سی بات.....!" حمید نے پوچھا۔

"میں نے اُس آدمی کی تصویر کہیں نہیں دیکھی تھی..... میرا اندازہ ہے کہ وہ کوئی بہت بڑا آفیسر ہے۔"

"تو پھر نمبر پلیٹ والی بات بھی.....!"

"نہیں..... نہیں..... وہ بالکل ٹھیک ہے۔ گاڑی کی نمبر پلیٹ پر منسٹری آف فارن افیئرز لکھا ہوا تھا۔"

"لیکن اندازے سے آپ اسے کوئی بڑا آفیسر کس بناء پر سمجھ سکتی ہیں۔"

"شاندار آدمی ہے..... بے حد وجیہہ.....!"

"میرے ساتھی سے بھی زیادہ.....!" حمید نے پوچھا۔

"اُوہ..... تمہارا ساتھی۔" لڑکی نے طویل سانس لی اور خاموش ہو گئی پھر تھوڑی دیر بعد بولی۔ "نہیں اتنا شاندار نہیں تھا۔"

"بہت خوب.....!" حمید مضحکانہ انداز میں ہنس پڑا۔

"کیوں.....؟" اس نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"وہ میرا کلرک ہے..... اور میں ایڈووکیٹ ہوں۔"

"ہوں.....!" وہ بُرا سا منہ بنا کر رہ گئی۔

"لہٰذا یہ قطعی غلط ہے کہ شاندار اور وجیہہ آدمی بڑے آفیسر ہو سکتے ہیں۔"

"لیکن تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو۔"

"آپکی ہاؤسنگ سوسائٹی کے سیکریٹری نے ہمیں اس معاملے کی تفتیش پر مامور کیا ہے۔"

"تب تو میں ہرگز تم سے اس لڑکی کے متعلق گفتگو نہیں کروں گی۔"

"کیوں.....؟"

"میری مرضی۔"

"پھر کیوں دوڑی آئی تھیں۔"

"محض اسی سے متعلق گفتگو کرنے کیلئے۔ مجھے اس کی موت سے گہرا صدمہ پہنچا ہے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ اُس سے ملنا جلنا بھی نہیں تھا اور گہرا صدمہ بھی پہنچا ہے۔"

"لڑکیوں کی سمجھ میں نہیں آتیں ایسی باتیں۔"

"میں شاعر بھی ہوں۔"

"غزل وزل کہہ لیتے ہو گے۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

"مجھے افسوس ہے کہ اس وقت بحث کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں ورنہ آپ سے الجھ پڑتا۔"

"اردو ادب پر گہری نظر ہے میری۔"

"آپ نے مجھے یہاں کیوں بلایا تھا۔" حمید نے جھنجھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

"تمہارے ساتھی کے بارے میں کچھ پوچھنے کے لئے۔"

"ہائیں..... میرے ساتھی سے تمہیں کیا سروکار.....!"

"زیادہ مرنے والی کا کوئی عزیز ہے۔"

"کیوں.....؟"

"اس لڑکی کی آنکھیں بھی ایسی ہی خوابناک تھیں..... اور مجھے دراصل اس کی آنکھیں بہت زیادہ اچھی لگتی تھیں۔"

حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور منہ چلانے لگا۔

"مگر وہ بہت مغرور معلوم ہوتا ہے۔" لڑکی کہتی رہی۔ "اس نے ایک بار بھی میری طرف نہیں دیکھا تھا۔ میں چاہتی تھی کہ کم از کم ایک بار تو نظریں ملتیں۔"

"ارے..... ارے..... تم یہ سب کیا کہہ رہی ہو۔"

"سچ مچ..... یہ میری خواہش تھی۔ محض یہ تجربہ کرنا چاہتی تھی کہ میرے جسم میں بجلیاں دوڑتی ہیں یا نہیں جیسی اس سے نظر ملتے ہی دوڑ جاتی تھیں۔"

"اچھا بس اب کام کی باتیں کرو۔"

"کیا مطلب.....!"

"مطلب یہ کہ تم نے مجھے یہاں کیوں بلایا تھا۔"

"اُس سے کسی طرح ایک بار نظر ملوادو۔" لڑکی گھگھیائی۔

"کیا تم میرا مذاق اڑا رہی ہو۔" حمید نے آنکھیں نکالیں۔

"نہیں..... ہرگز نہیں۔"

"بس ختم کرو۔" حمید کا لہجہ بے حد خشک تھا۔ "اگر کسی نے ہمیں یہاں اس نالے میں کھڑے دیکھ لیا تو۔"

"میں نہیں ڈرتی ان چیزوں سے۔" وہ ہنس کر بولی۔ "بلکہ اگر کوئی کسی قسم کے شبہے میں مبتلا ہو کر میرے بارے میں کوئی ایسی ویسی بات کہتا ہے تو ایک خاص قسم کی لذت محسوس کرتی ہوں۔"

"ارے تم تو لذتوں کی فیکٹری معلوم ہوتی ہو۔"

"اچھا جملہ ہے..... پسند آیا۔"

"یہ بڑی مونچھوں والا کون تھا جسے دیکھتے ہی دم دبا کر بھاگی تھیں؟"

مسٹر جیری وکٹر..... مائی فادر..... مسٹر وکٹر اور فادر کے قوانی کیسے رہے! کیوں؟"

"میرا وقت نہ برباد کرو....." حمید چڑھائی کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"ٹھہرو.....!" وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "اگر میری مرضی کے خلاف ایک قدم بھی اٹھایا تو بڑی زحمت میں پڑ جاؤ گے وکیل صاحب۔"

"کیا مطلب.....!"

"اگر تمہارا گریبان پکڑ کر چیخنا شروع کر دوں تو کیسی رہے۔"

"مزہ آجائے۔" حمید آنکھیں بند کر کے بولا۔ "میں خود کو لذتوں کا پرنٹنگ پریس محسوس کرنے لگوں گا۔"

"اچھا جاؤ دفع ہو جاؤ..... میں تمہیں دیکھ لوں گی۔"

حمید سچ مچ یہی سوچ رہا تھا کہ اگر کسی نے انہیں یہاں اس نالے میں کھڑے دیکھ لیا تو

رہا ہو جائے گا۔ کیونکہ ابھی تک اس نے کرسچین ہاؤسنگ سوسائٹی کے لوگوں کے بُری افواہیں نہیں سنی تھیں۔ عام طور پر خیال تھا کہ یہاں کے لوگ پڑھے لکھے مہذب ع کردار کے مالک ہیں۔

وہ چپ چاپ چڑھائی کی طرف بڑھتا چلا گیا..... مڑ کر دیکھنے کی بھی زحمت گوارہ کی۔

وہ سوچ رہا تھا کہ آخر پڑوسیوں سے کیا پوچھتا پھرے۔ ہو سکتا ہے فریدی کا اشارہ صرف کی کی طرف رہا ہو۔

لیکن یہ لڑکی؟

کچھ دیر بعد وہ پھر اُسی عمارت کے سامنے نظر آیا جہاں فریدی کو چھوڑا تھا..... لیکن کار کہاں تھی؟ دروازہ بھی مقفل نظر آیا..... مالک مکان کا کہیں پتہ نہ تھا۔

کیا مصیبت ہے؟ جھنجھلاہٹ میں مبتلا ذہن سوچنے لگا۔ کوئی تک ہے اس زیادتی کی؟ اب کے لئے ٹیکسی تلاش کرتے پھریئے۔

دفعتاً مالک مکان پھر اسی عمارت کے پھاٹک پر نظر آیا جہاں پہلے دیکھا گیا تھا۔ حمید تیزی ل کی طرف بڑھا۔

"اوہ..... آپ ابھی یہیں ہیں جناب.....!" اس نے حمید سے پوچھا۔

"جی ہاں..... کیا..... میرے لئے کوئی پیغام ہے؟"

"جی نہیں..... کیسا پیغام۔" مالک مکان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"مطلب یہ کہ..... کرنل صاحب۔"

"جی نہیں..... انہوں نے مجھ سے آپ کے لئے کچھ نہیں کہا۔ مکان کے بارے میں گئے ہیں کہ اُسے محکمے کی اجازت حاصل کئے بغیر دوبارہ نہ تو کھولا جائے اور نہ وہاں کی کسی ہاتھ لگایا جائے۔"

"کیا انہوں نے کہا تھا کہ آپ مجھ تک یہ اطلاع ضرور پہنچائیں؟"

"جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔"

حمید وہاں سے ہٹ کر پھر سڑک پر آگیا۔ سوچ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ کیا پاس کے لوگوں سے پوچھ گچھ کرنا ضروری ہے؟

لیکن کیا پوچھ گچھ کی جائے؟ اوہ ٹھیک..... اُس کار کے بارے میں جس کا تذکرہ نے کیا تھا؟ لیکن ضروری نہیں کہ وہ سچ ہی بول رہی ہو۔

حمید پھر مالک مکان کی طرف پلٹا۔

"ایک بات.....!" وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "کیا یہاں کبھی آپ نے کوئی ایسی کار دیکھی ہے جس کے نمبر پلیٹ پر منسٹری آف فارن افیئرز لکھا رہا ہو۔"

"اکثر دکھائی دیتی تھی....." مالک مکان نے اکتائے ہوئے لہجے میں لاپروائی سے

"کیا وہ کوئی بہت وجیہہ آدمی تھا۔"

"ارے بھئی صاحب ہوتے تھے اُس پر.....!"

"کون بھئی.....؟"

"ممکن ہے آپ نہ جانتے ہوں..... وہ تو بہت مشہور آدمی ہیں۔ بہت سوشل میں نہیں جانتا کہ ان کا عہدہ کیا ہے۔"

"کار خود ڈرائیو کرتا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ خود ہی ڈرائیو کرتے تھے۔"

"لڑکی اس کے ساتھ باہر بھی جاتی تھی۔" حمید نے پوچھا۔

اُس نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "دیکھئے میں دل کا مریض ہوں۔ آج بہت زیادہ ذہنی جھٹکے لگے ہیں۔ براہِ کرم یہ بتا دیجئے کہ آ محکمہ اچانک اس طرف کیسے متوجہ ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ خود کو عیسائی ظاہر کر کے کوئی مکان پر حاصل کر لینا ایسا بڑا جرم نہیں ہے جس کے لئے محکمہ سراغ رسانی کو حرکت میں آنا پڑے"

"آپ کو یہ سوال میرے چیف سے کرنا چاہئے تھا۔"

"آپ ہی کرم کیجئے میرے حال پر ورنہ مجھ پر دل کا دورہ بھی پڑ سکتا ہے۔"

"مجھے افسوس ہے اپنی لاعلمی پر۔"

"آپ نہیں جانتے۔"

"قطعی نہیں۔ ہم جیسے لوگ تو صرف احکامات کے پابند ہوتے ہیں۔"

"اُوہ.....!"

پھر وہ کچھ اور بھی کہنے والا تھا کہ حمید تیزی سے دوسری طرف مڑ گیا۔ چرچ روڈ تک ہی جانا تھا کیونکہ دور دور تک کوئی ٹیکسی نہیں دکھائی دیتی تھی۔

وہ سوچ رہا تھا کہ فارن آفس کے کسی ایسے بھٹی کا پتہ لگانا دشوار نہ ہوگا جو بہت سوشل فی الحال اتنی ہی معلومات کافی ہیں یہاں سر کھپانے سے کیا فائدہ۔

اچھی طرح اندھیرا پھیل گیا تھا اور سڑک کے کنارے لگے ہوئے الیکٹرک پولس کے بلگانے لگے تھے۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا چرچ روڈ کی طرف جا رہا تھا کہ اچانک بائیں جانب ایک اسکوٹر ور ہلکے سے قہقہے کی آواز آئی۔ آواز جانی پہچانی تھی۔ اس لئے بے ساختہ مڑنا پڑا۔

جولی وکٹر مضحکانہ انداز میں ہنس رہی تھی۔ لیکن حمید کو اتنا ہوش کہاں تھا کہ کسی کے پر دھیان دیتا۔ وہ اس کے سانچے میں ڈھلے ہوئے جسم کو دیکھتا رہ گیا۔ سیاہ جین اور ہلکی شرٹ میں گویا قیامت سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

"آؤ..... کہاں جانا چاہتے ہو..... میں پہنچا دوں۔" اُس نے بڑے بے تکلفی سے

"تت..... تم پہنچا دو گی۔"

"ہاں آؤ جلدی کرو"

"صبح کے اخبارات خوب فروخت ہوں گے۔"

"کیا مطلب.....!"

"میں نے ابھی تک اس شہر میں ایسی کوئی بدعت نہیں دیکھی۔"

"جلدی سے صاف صاف کہو..... کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"تم پیچھے بیٹھو گی..... میں چلاؤں گا۔"

"کیوں.....؟"

"لوگ کہیں گے کیسا نامعقول شوہر یا بوائے فرینڈ ہے کہ خود پیچھے بیٹھا ہوا ہے۔"

"اب تو تمہیں پیچھے ہی بیٹھنا پڑے گا۔"

"کوئی زبردستی ہے..... میں پیدل جاؤں گا۔"

"زحمت میں پڑو گے..... اگر میرا کہنا نہ مانا۔"

"کیا کرو گی تم.....!"

"وہی پرانا حربہ..... شور مچانا شروع کر دوں گی۔ لوگ اکٹھا ہو جائیں گے۔"

حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "اچھی بات ہے.... لیکن.....!"

لیکن جملہ "لیکن" سے آگے نہ بڑھ سکا۔

حمید کو اس مضحکہ خیزی پر ہنسی آ رہی تھی۔ لوگ انہیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے اور اسکوٹر برق رفتاری سے اڑا جا رہا تھا۔

وہ قطعی خاموش تھا۔ دیکھنا چاہتا تھا کہ لڑکی اسے کہاں لے جاتی ہے۔ لے کہاں جاتی..... یونہی بے مقصد شہر کی مختلف سڑکوں پر لئے پھر رہی تھی۔

کچھ دیر بعد حمید نے محسوس کیا کہ وہ سچ مچ تماشہ بن کر رہ گئے ہیں۔ کئی جگہ تو آوارہ قسم کے لوگوں نے آوازے بھی کسے تھے لیکن وہ اسی طرح ڈھیٹ بنا بیٹھا رہا۔

آخر ایک جگہ وہ اسکوٹر روک کر جھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔ "اے..... کیا پٹرول مفت ملتا ہے۔ مجھے تم بتاتے کیوں نہیں کہ کہاں جانا ہے۔"

"تار جام.....!" حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "پٹرول اور ڈلوائے لیتے ہیں۔"

"دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔ میں تمہیں تار جام لے جاؤں گی۔"

"اچھا تو پھر میں تمہیں لے جاؤں گا۔"

"اترو نیچے۔"

"ہرگز نہیں..... یہاں تم شوق سے شور مچا سکتی ہو۔ بھیڑ تو پہلے ہی لگ گئی ہے۔"

حقیقتاً دس بارہ آدمی اُن سے تھوڑے ہی فاصلے پر رک کر انہیں گھورے جا رہے تھے۔

جولی ٹھنڈی پڑ گئی اور آہستہ سے بولی۔ "آخر تم چاہتے کیا ہو۔"

"تار جام جانا چاہتا ہوں۔"

"مجھے دس بجے سے پہلے گھر پہنچنا ہے۔ ڈیڈی دس بجے کے بعد مجھے گھر سے باہر نہیں نکلنے دیتے۔"

"اچھا چلو..... دس بجے ہی تک کے لئے۔"

جولی نے ٹھنڈی سانس لی اور اسے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے اپنی حماقت پر اب پشیمانی محسوس کر رہی ہو۔ پھر اس کی پیشانی پر چند شکنیں نمودار ہوئیں اور وہ مسکرا کر بولی۔ "ایک تدبیر سمجھ میں آئی ہے۔ اس طرح ہم پوری رات گھر سے باہر گذار سکیں گے۔ تمہاری آواز میرے خالہ زاد بھائی گیسپر سے بہت مشابہ ہے۔ تم ڈیڈی سے فون پر کہہ دو کہ ممی نے جولی کو روک لیا ہے..... وہ صبح آئے گی۔"

حمید کی باچھیں کھل گئیں..... جلدی سے بولا۔ "بتاؤ..... بتاؤ..... نمبر بتاؤ..... وہ سامنے ہی تو ہے ٹیلی فون بوتھ..... ابھی کال کر کے آیا۔"

"زیادہ بات نہ کرنا۔"

"میں سمجھتا ہوں..... نمبر بتاؤ۔"

"سیون فائیو ڈبل ون سیون سکس..... بھولنا نہیں..... تمہارا نام گیسپر ہے اور ممی نے جولی کو روک لیا ہے۔"

"سمجھ گیا۔"

حمید اسکوٹر سے اتر کر ٹیلی فون بوتھ کی طرف جھپٹا۔ بوتھ اتفاق سے خالی ہی ملا۔ دروازہ بند کر کے فون میں سکہ ڈالا اور نمبر ڈائیل کرنے لگا۔

دوسری طرف سے دہاڑتی ہوئی سی آواز آئی۔ "ہلو.....!"

"مم..... میں گیسپر بول رہا ہوں۔"

"گیسپر.....!" دہاڑ کچھ اور وزنی ہو گئی۔ "سور کے بچے! تم باز نہیں آؤ گے۔"

حمید نے بوکھلا کر نہ صرف سلسلہ منقطع کر دیا بلکہ جولی وکٹر کو ایک گندی سی گالی بھی دی۔ فوری طور پر خیال آیا تھا کہ وہ اسے بیوقوف بنا گئی اور حقیقت بھی یہی تھی۔ بوتھ سے باہر نکل کر دیکھا تو اسکوٹر کا کہیں پتہ نہ تھا۔

وہ دانت پیستا ہوا پھر بوتھ کی طرف مڑ گیا۔

وہی نمبر پھر ڈائیل کئے۔ دہاڑ پھر سنائی دی اور حمید نے کسی عورت کی سی آواز میں کہا۔

"میں جولی ہوں۔"

"تم کہاں ہو۔"

"گیسپر کے ساتھ۔"

"کیا.....؟ تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔"

"ڈیڈی..... یہ ظلم ہے۔"

"ڈیڈی کی بچی..... اب میں تجھے ماروں گا۔"

حمید ماؤتھ پیس ہی میں کھانسنے لگا۔ مقصد یہ تھا کہ دوبارہ بولنے پر آواز کچھ بھرائی ہوئی سی ہو تاکہ دوسری طرف سے بولنے والا کسی قسم کے شبہے میں نہ مبتلا ہو سکے۔ لیکن دوسری طرف سے فوراً ہی آواز آئی۔ "تم کھانس رہی ہو..... تو اُس حرامزادے نے بالآخر تمہیں بھی چرس پینا سکھا ہی دیا۔ آج تمہاری خیریت نہیں، فوراً واپس آؤ۔"

"ڈیڈی.....!"

"واپس آؤ.....!"

"اچھا....." حمید نے مردہ سی آواز میں کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

اس بار بوتھ سے باہر نکلا تو ایسا خوش و خرم نظر آ رہا تھا جیسے اچانک کسی خوشخبری نے دل کی کلی کھلا دی ہو۔

ٹیکسی میں بیٹھ کر گھر واپس آیا۔ فریدی لائبریری میں کسی چارٹ پر جھکا ہوا ملا۔

قبل اس کے کہ وہ کچھ پوچھتا حمید نے خود ہی اپنی کارگذاریوں کا راگ الاپنا شروع کر دیا۔ لیکن کہانی کا وہ حصہ صاف اڑا گیا جس میں جولی وکٹر اپنے سکوٹر سمیت داخل ہوئی تھی۔

"بھٹی.....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا زیر لب بڑبڑایا۔ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "ایسے ایک بھٹی کو جانتا ہوں جو بہت سوشل تھا..... ثقافتی تحریکوں میں حصہ لیتا رہتا تھا..... لیکن.....!"

"لیکن کیا.....؟" حمید نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" اُس نے کہا اور اُس میز کی طرف بڑھا جس پر فون رکھا ہوا تھا۔ کسی کے ڈائیل کر کے ماؤتھ پیس میں بولا۔ "منسٹری آف فارن افیئرز کے مسٹر بھٹی کی ایکس آر موبیر چاہئے۔ ہاں میں گھر سے بول رہا ہوں..... ہوں ٹھیک ہے..... بیس منٹ کافی ہوں گے۔"

سلسلہ منقطع کر کے وہ حمید کی طرف مڑا۔ آنکھیں گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

"اس مکان کی تلاشی کا کیا نتیجہ نکلا؟" حمید نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں..... انہوں نے کوئی نشان نہیں چھوڑا۔"

"لاش کے سر ہتھیلیوں اور پنجوں کے متعلق کیا خیال ہے؟"

"وہ کسی سوٹ کیس میں بہ آسانی لے جائے جا سکے ہوں گے۔"

"اسی طرح لاش بھی ٹھکانے لگائی جا سکتی تھی۔ اس گھڑاگ کی کیا ضرورت تھی۔ اس طرح تو کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔"

"اس طرح لے جانے کے لئے لاش کے بھی ٹکڑے کرنے پڑتے۔"

"پھر بھی یہ حماقت..... میری سمجھ میں تو نہیں آ رہی۔" حمید نے پائپ میں تمباکو ٹھونستے ہوئے کہا۔ لاش کو مکان ہی میں چھوڑ کر لاپتہ ہو سکتے تھے۔ آخر اس طرح شارع عام پر لے جانے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟"

"فی الحال صرف یہی ایک الجھاؤ ہے۔" فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے غمزدہ انداز میں کہا۔

"فکر ہوگا۔" حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔ "آپ اتنی جلدی ٹھیک اُسی جگہ جا پہنچے تھے۔"

"سامنے کی بات تھی۔"

"یعنی.....!"

"خود ہی ذہن پر زور دو۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"کیا ضرورت ہے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور پائپ سلگانے لگا۔

یہ جملہ ادا کرتے وقت جنازے کا خیال آیا۔ پھر مذہبی نقطہ نظر سے جنازے کو چالیس قدم پہنچانے کی تاکید یاد آئی اور پھر تو ذہن فراٹے بھرنے لگا۔

ذرا ہی سی دیر میں یہ بات سمجھ میں آگئی کہ فریدی اتنی جلدی ٹھیک اسی جگہ کیسے پہنچ گیا تھا جہاں سے جنازہ اٹھایا گیا تھا۔

وہ یہ بھی جانتا تھا کہ جی۔ سی۔ ایچ سوسائٹی میں کوئی غیر عیسائی نہیں رہتا۔ اس کا بھی یہ ارادہ تھا کہ مکانات کرایہ پر حاصل کرنے کے لئے مالک کی بجائے سب سے پہلے سوسائٹی کے ذمہ دار سے رابطہ قائم کرنا پڑتا ہے۔ وہاں سے کھل کر یہ جواب تو نہیں ملتا کہ کسی غیر عیسائی کو مکان کرایہ پر نہیں دیا جاسکتا بلکہ خواہشمند کے نام سے مذہب کا اندازہ کر کے اُسے کسی حیلے سے ٹال دیا جاتا ہے۔

فریدی نے اس نیک دل آدمی سے خاص طور پر پوچھا تھا کہ اس جنازے پر اس کی نظر کہاں پڑی تھی۔ مقام کے تعین پر بار بار زور دے رہا تھا۔ بہر حال یہ معلوم کر لینے کے بعد کہ اس نے وہ جنازہ چرچ روڈ کے کراسنگ پر دیکھا تھا جائے واردات کا پتہ لگا لینا حقیقتاً مشکل نہیں تھا۔ اس جگہ اسے جنازے کے ساتھ صرف پانچ آدمی نظر آئے تھے اس کا مطلب یہ تھا کہ جنازہ کسی قریبی ہی بستی سے روانہ ہوا ہوگا اور وہ بستی بھی ایسی ہی ہو سکتی تھی جہاں دوسرے مذاہب کے لوگ آباد رہے ہوں۔ ورنہ جنازے کے ساتھ صرف پانچ ہی آدمی نہ ہوتے۔ ایسے موقع پر ہر مسلمان کو جنازے کو چالیس قدم پہنچانے کا فرض یقینی طور پر ادا کرنا ہے چاہے وہ کتنا ہی آزاد خیال کیوں نہ ہو۔ لہٰذا یہ بات طے پا گئی کہ وہ کسی ایسی بستی سے روانہ ہوا ہوگا جہاں مسلمان آباد نہ رہے ہوں۔ شہر میں جی۔ سی۔ ایچ سوسائٹی کے علاوہ اور ایسی کوئی بستی نہیں تھی۔ چرچ روڈ کے کراسنگ سے قریب بھی تھی..... جنازے کے ساتھ صرف

پانچ آدمیوں کا ہونا یہ بھی ثابت کرتا تھا۔ کراسنگ تک پہنچنے کے لئے اُس نے کوئی لمبا راستہ نہیں طے کیا۔ ورنہ کتنے ہی مسلمان راہگیر اس کے ساتھ ہوتے۔

حمید نے طویل سانس لی اور فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیوں.....؟ کیا سوچ رہے ہو۔" فریدی مسکرایا۔

"یہی کہ میں دیدہ و دانستہ اچھا کارگذار نہیں بننا چاہتا۔"

"کیونکہ کارگذاری کا تعلق اس سے ہے۔" فریدی نے کنپٹی پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

"ہوگا.....!" حمید نے لاپروائی سے شانے جھٹکائے۔ "کارگذار گدھوں پر ناکارہ لوگوں کا بوجھ بھی لاد دیا جاتا ہے۔"

"ہوں..... تو تم اس لئے بھن رہے ہو کہ میں اطلاع ملتے ہی خود کیوں دوڑ پڑا تھا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اتنے میں فون کی گھنٹی بجی..... فریدی نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا اور ہاتھ پیس میں بولا۔ "ہیلو..... ہاں..... ہاں..... ٹھیک ہے..... میں چرچ روڈ کراسنگ پر منتظر رہوں گا۔"

ریسیور رکھ کر وہ حمید کی طرف مڑا۔

"شاید ہمیں پھر وہیں جانا پڑے۔" اس نے کہا۔

"ضرور تشریف لے جایئے۔" حمید کا لہجہ بے حد سعادت مندانہ تھا۔

"اوہ تو تم اس سے یہ بھی نہیں معلوم کرنا چاہتے کہ وہ تمہیں اس طرح کیوں چھوڑ گیا تھا۔"

"کیا مطلب.....!" حمید کے لہجے میں تلخی بھی تھی اور حیرت بھی۔

"میں جولی وکٹر کی بات کر رہا تھا۔"

"لعنت ہے میری زندگی پر.....!" حمید پیر پٹخ کر بولا۔

"غلط نہ سمجھو..... وہ محض ایک اتفاق تھا کہ کسی نے تمہیں دیکھ لیا، خاص طور پر کسی کے لئے ہدایت نہیں دی گئی تھی..... چلو....." فریدی اسے دروازے کی طرف گھسیٹتا ہوا بولا۔

اب وہ پھر چرچ روڈ کے کراسنگ کی طرف جا رہے تھے۔

ایک جگہ فریدی نے گاڑی روکی..... بائیں جانب والے فٹ پاتھ سے ایک آدمی گاڑی کی طرف آیا اور فریدی کو زرد رنگ کا ایک لفافہ دے کر آگے بڑھ گیا۔

گاڑی پھر چل پڑی۔

کچھ دیر بعد حمید کی دانست میں وہ پھر مالک مکان کو بور کر رہے تھے۔

فریدی نے جیب سے وہی زرد لفافہ نکالا جو اُسے راستے میں کسی نے دیا تھا..... لفافے سے ایک تصویر برآمد ہوئی۔

"ذرا دیکھئے....." فریدی نے اُسے مالک مکان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ نے اسی بھٹی کا تذکرہ کیا تھا.....؟"

مالک مکان نے اُس پر اچٹتی سی نظر ڈال کر کہا۔ "جی ہاں..... جی ہاں۔"

"آپ نے اسے آخری بار یہاں کب دیکھا تھا۔"

"یہ تو کل رات بھی آئے تھے ان لوگوں کے پاس۔"

"عورت کا شوہر بھی موجود تھا.....؟"

"جی ہاں..... کل وہ بھی کہیں باہر ہی سے آیا تھا۔"

"اچھا شکریہ.....!" فریدی اس سے تصویر لے کر جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ "مزید تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔"

"خدارا بتا دیجئے کیا چکر ہے۔ میں دل کا مریض ہوں۔" مالک مکان نے گھگھیا کر کہا۔

"اوہ فکر نہ کیجئے۔ آپ کے لئے کوئی پریشان کن بات نہیں ہو سکتی۔" فریدی اس کا شانہ تھپک کر بولا۔

واپسی پر حمید نے جولی وکٹر کے مکان پر اچٹتی سی نظر ڈالی۔ کسی کھڑکی میں بھی روشنی نہ دکھائی دی۔

دوسری طرف فریدی کہہ رہا تھا۔ "اور یہ بھٹی پچھلے سال ایک حادثے کا شکار ہو کر مر چکا ہے۔"

"مر چکا ہو گا..... لیکن میری نیندیں حرام کرنے کے لئے اسے دوبارہ پیدا ہونا پڑا۔" حمید نے جلے بھنے لہجے میں کہا۔

غیر معمولی کھوپڑی

فریدی کچھ نہ بولا۔ کار تیز رفتاری سے شہر کی سڑکوں پر دوڑتی رہی..... پھر حمید سنے لگا۔

پھر کہیں گاڑی رکی تھی اور فریدی نے اُسے جھنجھوڑ کر ہوشیار کیا تھا۔

"میں جاگ رہا ہوں۔" وہ پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولا۔ ان دنوں نہ جانے کیوں اس کے ذہن پر جھلاہٹ طاری رہتی تھی۔ کبھی کبھی موڈ اچھا بھی ہوتا..... لیکن زیادہ تر شگوار اثرات ہی ذہن پر چھائے رہتے۔

"اترو.....!" فریدی نے اُسے دوسری جانب کے دروازے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

حمید اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں۔ ویسے وہ اپنے نیم غنودہ ذہن پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ساتھ ہی یہ بھی سوچ رہا تھا کہ بسور بسور کر کام کرنے سے تھکن کا احساس بڑھ جاتا ہے پھر کیوں نہ ہنسی خوشی جہنم میں بھی چھلانگ لگا دی جائے۔

لہٰذا اب اس نے گاڑی سے چھلانگ لگائی اور سامنے والی عمارت کے پھاٹک میں گھستا چلا گیا۔

"کہاں جا رہے ہو.....!" فریدی غرایا۔

حمید بالکل کسی فلمی مسخرے کے سے انداز میں مڑا اور اس طرح پلکیں جھپکانے لگا جیسے کسی غیر ملکی زبان میں کہی ہوئی بات کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"واپس آؤ.....!"

"بہت بہتر جناب۔" وہ گاڑی کا چکر کاٹ کر فریدی کے قریب پہنچتا ہوا بولا۔

"سدھرے ہوئے موڈ میں نظر آرہے ہو۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"قطعی.....!"

"تب تو میں نے بدل دی اپنی اسکیم..... ادھر دیکھو..... سامنے اس کھڑکی میں.....وہ آدمی بیٹھا ہوا ہے۔"

حمید نے مڑ کر دیکھا..... کھڑکی سے کسی کا سر نظر آرہا تھا۔ چہرہ دوسری طرف تھا۔ وہ پھر فریدی کی طرف مڑا۔

فریدی بولا۔ "تم کھڑکی کے قریب جاکر اسے اپنی طرف متوجہ کرو گے اور اسے ایک گندی سی گالی دے کر تیزی سے گاڑی کی طرف پلٹ آؤ گے۔"

"جی.....!" حمید کی آنکھیں بھی "جی" کی طوالت کے ساتھ ہی پھیلتی چلی گئیں۔

"جلدی کرو.....!" فریدی اُس کے شانے پر ہاتھ مار کر بولا۔

"مم..... مطلب یہ کہ.....!"

"چلو.....!"

حمید ٹھنڈی سانس لے کر پھاٹک کی طرف چل پڑا..... سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ فریدی کیا کرنا چاہتا ہے۔

وہ طوعاً و کرہاً کھڑکی کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

قریب پہنچ کر چوکھٹ کے نچلے حصے پر ہاتھ رکھے اور پنجوں کے بل کچھ اور اوپر اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ کوئی ٹھنڈی سی چیز گدی سے آلگی۔ ساتھ یہ بھی محسوس ہوا جیسے فریدی کی گاڑی کا انجن اسٹارٹ ہوا ہو اور وہ آگے بھی بڑھ گئی ہو۔

ایک گندی سی گالی حمید نے خود اپنی ذات سے منسوب کرتے ہوئے چپ چاپ دونوں ہاتھ اٹھا دیئے۔ کیونکہ گدی سے چپک جانے والی ٹھنڈی چیز کسی ریوالور کی نال ہی ہو سکتی تھی۔

"بائیں طرف مڑو....." کسی نے آہستہ سے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

مڑنا ہی پڑا..... لیکن وہ خوفزدہ نہیں تھا۔ ہوتا بھی کیسے..... فریدی کے اس رویہ پر جو آگیا تھا اور یہ غصہ اتنا شدید تھا کہ اس پر مرگ ناگہاں کا خوف بھی غالب نہ آسکا۔

پھر جھونک دیا..... اٹھا کر جہنم میں۔ واہ رے قربانی کے بکرے، وہ سوچتا اور نامعلوم کی ہدایات کے مطابق چلتا رہا۔

برآمدے سے گزر کر وہ ایک راہداری میں داخل ہوئے۔ زیادہ دور نہیں چلنا پڑا..... واسی کمرے میں داخل ہو رہے تھے جہاں کھڑکی کے قریب حمید نے کسی کا سر دیکھا تھا۔

وہ اب بھی کھڑکی کے قریب ہی ایک کرسی پر نظر آیا..... اور اب اُس کا چہرہ بھی جاجا سکتا تھا۔

پچاس پچپن سال کا ایک صحت مند آدمی تھا۔ لیکن سر کی بناوٹ غیر معمولی تھی۔ اسی پر حمید کو سوجھی بھی خوب..... آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس آدمی کو دیکھنے لگا۔

اُس نے بے حد پرسکون لہجے میں پوچھا۔ "یہ کون ہے۔"

حمید کو یہاں تک لانے والے نے پشت سے جواب دیا۔ "یہ ایک گاڑی سے اتر کر پھاٹک کھول پڑا تھا..... کسی نے اسے آواز دی تھی۔ یہ پھر پلٹ گیا تھا۔ دونوں گاڑی کے قریب آہستہ آہستہ گفتگو کرتے رہے تھے۔ یہ پھر اندر آیا تھا اور کھڑکی میں جھانکنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔"

"دوسرا کہاں ہے۔" کھڑکی کے قریب بیٹھے ہوئے آدمی نے پوچھا۔

"وہ گاڑی میں بیٹھ کر نکل گیا۔"

"خدا غارت کرے میرے اس شوق کو....." حمید بھرائی ہوئی آواز میں بڑبڑایا۔

وہ آدمی اُسے گھورنے لگا کچھ بولا نہیں۔

ریوالور کی نال حمید کی گردن سے ہٹ چکی تھی۔ لیکن اسے استعمال کرنے والا اب بھی اس کے پیچھے موجود تھا۔

"لیکن تم انہیں زبردستی یہاں کیوں لائے۔" کھڑکی کے قریب بیٹھے ہوئے آدمی نے اس سے پوچھا۔

"ان صاحب کا کوئی قصور نہیں جناب۔" حمید نے نہایت ادب سے کہا۔ "میں نے حرکت ہی ایسی کی تھی۔"

"یعنی.....!"

"بس کیا عرض کروں اپنے اس خبط کے ہاتھوں برباد ہوں۔"

"اس خبط کا تذکرہ میرے لئے بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔" وہ آدمی مسکرا کر بولا۔

"کاسۂ سر کی بناوٹ کا مطالعہ۔"

"اوہ..... تو آپ کو میری کھوپڑی دور ہی سے قابل توجہ نظر آئی تھی۔"

"یہی بات ہے..... میں نے اپنے ساتھی سے گاڑی روکنے کو کہا تھا اور اُسے کچھ بتائے بغیر پھاٹک میں گھس پڑا تھا۔"

"لیکن ساتھی کیوں بھاگ گیا.....؟"

"ظاہر ہے مجھے اس طرح پکڑے جاتے دیکھ کر وہ کیسے رک سکتا تھا۔ ویسے اُس بیچارے نے تو مجھے اس حرکت سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔"

"بہر حال اب آپ کو قریب سے مطالعہ کرنے کا موقع مل گیا۔" اس آدمی نے کہا اور دوسرے سے بولا۔ "تم جاسکتے ہو۔ کافی کے لئے کہتے جانا..... آپ تشریف رکھئے جناب۔"

حمید شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔

"قریب آجایئے۔" پر شفقت لہجے میں کہا گیا۔ "کرسی کھسکانے کی زحمت بھی آپ ہی کو کرنی پڑے گی۔"

"کوئی بات نہیں۔" حمید اپنی کرسی اس کے قریب کھسکا لایا۔

لیکن وہ متحیرانہ انداز میں اس کے سر ہی کی طرف دیکھے جارہا تھا۔

"اس ایکٹنگ پر میں تمہیں سو میں سے پچانوے نمبر دے سکتا ہوں کیپٹن حمید۔" دفعتاً اس آدمی نے بے حد خشک لہجے میں کہا۔

اُس کی زبان سے اپنا نام سن کر حمید سناٹے میں آگیا۔ پھر قبل اس کے کہ ذہن کوئی دوسری قلابازی کھاتا وہ آدمی بولا۔ میں کرنل فریدی کو اتنا گھٹیا آدمی نہیں سمجھتا تھا۔

"اوہ..... تو کیا..... عجیب اتفاق ہے۔" حمید نے سنبھالا لینا چاہا لیکن حالات کا علم نہ کی بناء پر کوئی ڈھنگ کی بات نہ سوجھی۔

"قطعی نہیں۔" وہ آدمی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "کسی قسم کی صفائی کی ضرورت نہیں۔ اب پشن پولیس ہی تمہیں یہاں سے لے جائے گی۔"

"دیکھئے غلط نہ سمجھئے۔ کرنل صاحب کا اس واقعہ سے کوئی تعلق نہیں۔ یقین کیجئے میں تو کے نام تک سے واقف نہیں۔"

وہ آدمی کچھ بولے بغیر حمید کو اس طرح گھور تا رہا جیسے اُس کی کہی ہوئی بات کو تولنے کی کر رہا ہو۔

"میں یقین نہیں کر سکتا۔" کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

"میں نہیں جانتا کہ آپ دونوں کے درمیان کیا ہے۔ لیکن اگر مجھے کرنل ہی نے بھیجا اس کا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟" حمید بولا۔

"یہ بھی تمہی بتاؤں گے۔"

حمید کچھ کہنے والا تھا کہ کافی کی ٹرالی آگئی۔

عجیب چکر ہے۔ اس نے سوچا۔ ابھی اینٹی کرپشن پولیس کی دھمکی دی تھی اور اس سے انی منگوا چکا تھا۔

کافی کی ٹرالی اس کے قریب لگا دی گئی اور وہ اپنے لئے کافی بنانے لگا۔ اب حمید نے دیکھا پ ایک ہی تھا۔ پکا سور معلوم ہوتا ہے۔ اس نے سوچا اور پھر اپنی اس خوش فہمی پر تاؤ آنے اس نے رسمی اخلاق کا مظاہرہ کرنے کے لئے کافی طلب کی تھی۔

وہ خاموشی سے کافی کی چسکیاں لیتا اور حمید کو گھورتا رہا۔ اس کی عمر پچاس سے تجاوز تھی لیکن ہاتھ پیر سے مضبوط معلوم ہوتا تھا۔ کھوپڑی انڈے کے چھلکے کی طرح شفاف لیکن اس کی بناوٹ کی بناء پر ہزاروں میں پہچانا جاسکتا تھا۔

کافی ختم کر کے اس نے پائپ سلگایا اس دوران میں حمید پر سے ایک پل کے لئے بھی نظر ہٹائی تھی۔

حمید نے بھی جیب سے تمباکو کی پاؤچ اور پائپ نکالا..... پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ "آپ کی صحت بہت اچھی ہے لیکن آپ تنہا کافی پی پی کر اسے تباہ کرلیں گے۔"

"میں دشمنوں کو کافی نہیں آفر کرتا۔" اُس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"آخر میں بھی تو سنوں کہ دشمنی کی نوعیت کیا ہے۔"

"پچھلے سال سوئٹزر لینڈ میں ہمارا جھگڑا ہو گیا تھا۔"

حمید کو یاد آیا کہ فریدی پچھلے سال صرف ایک ہفتے کے لئے باہر گیا تھا لیکن آج پہلی پہل یہ معلوم ہوا کہ اُس نے وہ ایک ہفتہ سوئٹزر لینڈ میں گذارا تھا۔ پھر جب اس نے یہی نہیں بتایا تھا کہ وہ گیا کہاں تھا تو اس سفر کی غرض و غائت کا علم حمید کو کیسے ہوتا۔

"سوئٹزر لینڈ جیسے ٹھنڈے مقام پر بھی جھگڑے ہو سکتے ہیں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"وہ معاملہ بے حد گرم تھا۔" جواب ملا۔ لیکن کہنے کے انداز سے پتہ لگانا دشوار تھا کہ یہ جملہ مزاحاً کہا گیا ہے یا سنجیدگی سے۔

"شہسواری کا مقابلہ؟" حمید نے پوچھا۔

"جی نہیں..... ایک لڑکی کا معاملہ تھا..... ایک ماہ سے وہ میرے ساتھ تھی اچانک آپ آکودے۔"

"یعنی کرنل فریدی۔" حمید اچھل پڑا۔

"کیوں..... تمہیں حیرت کیوں ہے؟"

"کچھ نہیں..... یونہی۔"

وہ زہریلی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "میں سمجھتا ہوں یہاں اُس کا ہر شناسا متحیر رہ جائے اس بات پر..... پارسائی کے جھنڈے گاڑ رکھے ہیں نا یہاں۔"

"تو..... اُس لڑکی کے لئے۔"

"ہاں..... اُسے میرے ہٹ سے زبردستی اٹھا لے گیا تھا۔"

"قرب قیامت کی نشانی.....!" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"تم نہیں تھے اُس کے ساتھ۔"

"اجی استغفراللہ..... یہ حقیر فقیر دوسرے ٹائپ کا واقع ہوا ہے..... دیسی ہی پر کرتا ہے۔ سوئٹزر لینڈ وغیرہ کون بھاگتا پھرے۔"

"تم دونوں ہی.....!"

"بس جناب..... ہوتی ہے۔ اگر آپ نے میری شان میں کوئی نازیبا کلمہ زبان سے ادا کیا تو....." حمید جملہ پورا کئے بغیر ہی کرسی سے اٹھ گیا۔

"کیا کرو گے تم.....!"

"کر گذرنے کے بعد ہی غور کرتا ہوں کہ کیا کر گذرا۔"

"مجھے پہچانتے ہو.....؟" وہ آنکھیں نکال کر غرایا۔

"یہی بہتر ہے کہ نہیں پہچانتا ورنہ ہو سکتا تھا کہ مروت آجاتی۔"

"میں نیشنل اسمبلی کا ممبر ہوں..... راٹھور..... نام سنا ہے کبھی۔"

"نہیں.....!" حمید نے کہا تو لیکن نام سن کر سناٹے ہی میں آگیا تھا۔ مشہور لیڈروں میں اس کا شمار تھا۔ اگر تصویریں چھپوانے کا شائق ہوتا تو حمید نے یقیناً اسے پہچان لیا ہوتا۔ ملک کے بڑے صنعت کاروں میں سے بھی تھا۔

"ہوں.....!" وہ غرایا۔ "خیر اب پہچان لو گے۔"

چبھن

یہ کس مصیبت میں پھنسا دیا جناب نے..... حمید کا سر چکرانے کے لئے اسٹارٹ لینے لگا تھا کہ اچانک مزاح کی حس بھی بیدار ہو گئی اور اس نے بڑے پرجوش لہجے میں کہا۔ "فخر کرنا چاہئے اپنی اس صلاحیت پر۔"

"کس صلاحیت پر.....!" طنزیہ لہجے میں پوچھا گیا۔

"وہ کوئی معمولی کھوپڑی نہیں تھی جسے دیکھ کر میں بے قابو ہو گیا تھا۔"

"میرا مذاق اڑا رہے ہو.....!" وہ دہاڑا

"ہرگز نہیں..... بلکہ اس قدر خوش ہوں کہ اظہار خیال کے لئے مناسب الفاظ نہیں مل رہے..... ارے کاسہ سر کی بناوٹ..... میرے خدا کاش میں آپ کو دنیا کے دوسرے بڑے آدمیوں کی کھوپڑیوں کے نمونے دکھا سکتا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ مستقبل قریب میں کیا ہونے والے ہیں۔ صدر مملکت..... نہیں..... یہ عہدہ تو صرف ملک ہی تک محدود ہے..... لکھ لیجئے کہ آپ ایک بین الاقوامی شخصیت بننے والے ہیں۔"

راٹھور نے ٹیلی فون کی طرف ہاتھ بڑھایا اور حمید جلدی جلدی بولنے لگا۔ "میں یہاں تک بتا سکتا ہوں کہ آپ کن حادثات سے دوچار ہوں گے اور کس طرح گلو خلاصی حاصل کر سکیں گے..... اور..... اور یہ بھی بتا.....!"

ماؤتھ پیس میں اس کی "ہلو" کی دہاڑ سن کر یک بیک خاموش ہو گیا۔ راٹھور بھی تیز تیز سے بول رہا تھا۔ لیکن وہ شائد گجراتی میں کچھ کہہ رہا تھا اور حمید کو گجراتی قطعی نہیں آتی تھی لہٰذا وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

راٹھور ریسیور رکھ کر غصیلے انداز میں اُس کی طرف مڑا۔

"اب میری باری ہے سمجھے۔"

"میری بھی ایک گذارش ہے..... وہ یہ کہ ..... پلیز..... ایک منٹ ٹھہریئے... مجھے بات پوری کر لینے دیجئے..... شکریہ۔ ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آپ کرنل فریدی کا غصہ مجھ غریب پر کیوں اتارنا چاہتے ہیں۔ میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں گا کہ کار میں میرے ساتھ وہ نہیں تھے۔"

"میں الجھنا چاہتا ہوں کرنل فریدی سے۔"

"ضرور الجھئے..... لیکن مجھے درمیان سے ہٹ جانے دیجئے۔"

"میں پوچھتا ہوں تم اس کمپاؤنڈ میں بغیر اجازت کیوں داخل ہوئے تھے۔"

"کہہ تو رہا ہوں کہ بے اختیاری میں یہ حرکت سرزد ہو گئی تھی..... اگر پھاٹک پر

بھی نظر پڑی ہوتی..... تو..... ارے توبہ توبہ۔" حمید اپنا منہ پیٹنے لگا۔

"تو پھر میں تمہیں اینٹی کرپشن پولیس کے حوالے نہ کروں۔"

"جی ہاں..... میں تو یہی چاہوں گا کہ ایسا نہ ہو۔"

"تو پھر تمہیں..... ایک تحریر دینی ہو گی۔"

"کیسی تحریر.....!"

"تم اعتراف کرو گے کہ تمہارے ساتھ ایک لڑکی تھی دونوں بہت زیادہ شراب پیئے تھے اور گوشہ عافیت کی تلاش میں میری کمپاؤنڈ میں آ گھسے تھے۔ تم دونوں کو میرے نے ناگفتہ بہ حالت میں پکڑا تھا۔"

"ناگفتہ بہ حالت میری سمجھ میں نہیں آئی۔" حمید اپنی معمولی قسم کی کھوپڑی سہلاتا ہوا

"بکواس مت کرو۔"

"اچھی بات ہے..... پھر اس کے بعد کیا ہو گا۔"

"میں تمہیں جانے دوں گا۔"

"یعنی..... یعنی..... وہ تحریر.....!"

"میرے پاس رہے گی۔"

"کیا فائدہ ہو گا اس سے..... میں تو کہتا ہوں کہ آپ مجھے جانے دیجئے اس سے بھی اگفتہ بہ حالت لکھ کر بذریعہ ڈاک آپ کے پاس بھجوا دوں گا۔"

"تم یوں نہیں مانو گے.....!" راٹھور نے پھر فون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"ٹھہریئے..... ایک منٹ.....!"

"بکو..... جلدی سے۔"

"میں تحریر دے دوں گا..... کاغذ قلم منگوایئے۔"

اور پھر حمید کو ایک ایسی تحریر دینی پڑی کہ سارے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ چھوٹ پڑا۔ سوچ رہا تھا اچھا ہے بھگتیں گے وہی حضرت جو مجھے کچھ بتائے بغیر جہاں چاہتے ہیں

جھونک دیتے ہیں۔

راٹھور معمولی آدمی نہیں تھا۔ حمید اچھی طرح جانتا تھا کہ ایسی کسی پچویشن میں پڑ کر فادر ہارڈاسٹون کی پیشانی بھی پسیجے بغیر نہ رہ سکی۔ راٹھور سے ٹکراؤ کا مطلب تھا براہِ راست حکومت سے ٹکراؤ۔

اُسے اچھی طرح یاد نہیں کہ وہ وہاں سے کس طرح رخصت ہوا تھا۔ ہوش تو سڑک پہنچنے کے بعد آیا تھا جب پسینے سے بھیگے ہوئے کپڑوں سے ٹھنڈی ہوا ٹکرائی تھی۔

پتہ نہیں وہ کس سمت جارہا تھا۔ اپنے جوتوں کی کھٹ کھٹ کے علاوہ اس وقت اور کچھ نہیں سنائی دے رہا تھا۔ کتنی ہی خالی ٹیکسیاں قریب سے گذر گئیں لیکن وہ اسی طرح چلتا رہا۔

انداز بالکل ایسے فلمی ہیرو کا سا تھا جو ہیروئن کو کھو دینے کے بعد افق کے پار چلا جانا چاہتا ہے۔

اس سے قبل بھی کئی بار فریدی نے اُسے آزمائشوں میں ڈالا تھا لیکن اس حادثے کی نوعیت ہی الگ تھی۔

آخر اس حرکت کا مقصد کیا تھا..... لیکن فریدی کی وہ اسکیم کامیاب کہاں ہوئی تھی..... زبان ہلانے سے پہلے ہی وہ دھر لیا گیا تھا..... اگر گالی دے کر بھاگتا تو کیا صورت ہوتی۔ کیا وہی چھپا ہوا آدمی فائر نہ کر دیتا جس نے اس کی گردن پر ریوالور کی نال رکھ دی تھی اور پھر یہ راٹھور..... سوئٹزر لینڈ میں کیا ہوا تھا۔ کیا حقیقتاً فریدی وہ ہے جو خود کو ظاہر کرتا ہے۔ کسی لڑکی کے لئے جھگڑا؟ انہونی ہی سی معلوم ہوتی ہے۔ حمید کو اچھی طرح یاد تھا کہ پچھلے سال ایک ہفتہ کے لئے ملک سے باہر گیا تھا لیکن واپسی پر یہ بتانے سے گریز کرتا رہا تھا کہ وہ مدت اُس نے کہاں گذاری۔

حمید سوچتا رہا..... جھلاہٹ بڑھتی رہی..... قدم تیزی سے اٹھتے رہے..... منزل کا تعین کئے بغیر۔

کبھی کبھی قریب سے کوئی تیز رفتار گاڑی گذر جاتی۔

بات کہاں سے شروع ہوئی تھی اور کہاں ختم ہوئی۔ مگر ختم کہاں ہوئی۔

کون جانے کہ آنے والے لمحات اسی قصے کو اور کتنا طول دے دیں۔

قصہ؟ لیکن قصہ کیا تھا؟ بھٹی کی تصویر کی شناخت کے لئے وہ جی سی ایچ سوسائٹی گئے تھے اور فریدی نے بتایا تھا کہ وہ تو عرصہ ہوا کسی حادثہ کا شکار ہو کر مر چکا تھا۔ پھر یہ مسٹر بھٹی پچھلی رات تک مقتولہ کے مکان میں دیکھا گیا تھا کون تھا۔ جی سی ایچ سوسائٹی سے واپسی کے بعد حرکت.....؟ کیا مقصد تھا اس کا.....؟

پھر اس کا ذہن صرف لفظ "مقصد" کی تکرار کرتا رہا۔

سڑک پر ٹریفک زیادہ نہیں تھا اور یہ پیدل چلنے والا تو شائد تنہا ہی تھا۔ دور دور تک کسی دوسرے آدمی کی پرچھائیں بھی نہ دکھائی دیتی تھی۔

دفعتاً ایک تیز رفتار گاڑی اس کے قریب سے گذری اور کچھ ہی دور جا کر اُس کے بریک چرچرائے۔ جھٹکے کے ساتھ رکی تھی اور پھر وہ ریورس گیئر میں ڈالی گئی۔

دوسرے ہی لمحے میں حمید کو بھی رک جانا پڑا کیونکہ وہ اس کے قریب ہی آکر پھر رک گئی تھی۔

"کیپٹن حمید.....!" اندر سے آواز آئی۔ "گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔"

آواز راٹھور کی تھی۔ حمید کچھ نہ بولا۔ ساکت و صامت کھڑا رہا۔ گاڑی کے اندر روشنی ہوگئی۔ راٹھور اسٹیئرنگ تھامے بیٹھا اُسے گھورے جارہا تھا۔

"مجھے افسوس ہے، تم پیدل جارہے تھے، جہاں کہو پہنچا دوں۔" اُس نے کہا۔

"شکریہ..... میں چلا جاؤں گا....." حمید بھنا کر بولا۔

"یار تم تو بڑے خوش مزاج مشہور ہو۔" راٹھور نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

"صرف خوبصورت لڑکیوں کی حد تک۔"

"مجھے معلوم ہے۔ مجھے معلوم ہے۔" راٹھور نے قہقہہ لگایا۔ "آؤ بیٹھ جاؤ۔"

حمید بُری طرح بھنایا ہوا تھا۔ اس نے سوچا..... چلو بیٹھو دیکھا جائے گا۔

اُس نے پچھلی نشست کا دروازہ کھولنا چاہا لیکن راٹھور اگلی نشست کا دروازہ کھولتا ہوا بولا۔ "نہیں ادھر ہی آؤ۔"

حمید نے بیٹھتے ہوئے دروازہ بند کیا اور راٹھور نے سوئچ دبا کر گاڑی کے اندر بھی روشنی کر دی۔

گاڑی چل رہی تھی اور حمید کنکھیوں سے اُسے دیکھے جا رہا تھا۔ راٹھور نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ رکھے تھے۔

دفعتاً اُس نے اپنے ہاتھ سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہ لو۔"

"کیا ہے.....؟"

"تمہارا اعتراف نامہ۔"

"کیوں.....؟"

"فضول ہے میرے لئے۔ میں یونہی جب چاہوں تم لوگوں سے نپٹ سکتا ہوں۔"

"آپ خواہ مخواہ مجھے کیوں کھسیٹ رہے ہیں۔ آپ کا جھگڑا کرنل فریدی سے ہوا تھا۔ مجھ پر اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔"

"ہاں ہاں..... کچھ اس خیال سے بھی۔ بہر حال تم اسے ضائع کر سکتے ہو۔"

حمید نے کاغذ کی تہہ کھولی..... وہ تحریر تھی جو کچھ دیر پہلے زبردستی اس سے لی گئی تھی۔

"نہیں.....!" وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "میں اسے ضائع کرنے کی بجائے اپنی حماقت کی یادگار کے طور پر رکھوں گا۔"

"تمہاری مرضی.....!" راٹھور نے لاپروائی سے کہا۔

حمید نے اُسے بڑی احتیاط سے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔

گاڑی چلتی رہی..... رفتار خاصی تیز تھی..... لیکن ابھی تک حمید نے اس سے یہ پوچھنے کی زحمت نہیں کی تھی کہ وہ اسے کہاں لے جا رہا ہے۔

"ہائے.....!" پچھلی سیٹ سے ایک سریلی سی خواب آلود آواز آئی۔

حمید چونک کر مڑا۔

آہا..... اس کے الفاظ میں تو پچھلی سیٹ پر قیامت ہی سو رہی تھی اور اُسی نے کراہ کر کروٹ بدلی تھی۔

بھرے بھرے سے ہونٹ کسی قدر کھل گئے تھے جن سے سامنے کے شفاف دانت ل رہے تھے۔ ایک پتلی سی لٹ گال پر خم کھا کر دہانے کے گوشے تک چلی آئی تھی۔ حمید یا محسوس ہونے لگا جیسے خود اس کی ریڑھ کی ہڈی میں فوارے چھوٹ رہے ہوں۔

وہ جلدی سے پھر سیدھا ہو بیٹھا اور کنکھیوں سے راٹھور کی جانب دیکھا وہ پہلے ہی کے انداز میں ونڈ شیلڈ پر نظر جمائے ہوئے تھا..... اس سے قطعی بے تعلق کہ دوسرے کس میں ہیں

حمید نے کھنکار کر اُسے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا لیکن اس کی پوزیشن میں کوئی تبدیلی ئی۔

آخر اُسے بولنا ہی پڑا۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں۔"

"رات بڑی خوش گوار ہے..... گھر میں جی نہیں لگ رہا تھا کہیں بھی چلے چلیں "

حمید پر پھر جھلاہٹ کا دورہ پڑ گیا۔ لیکن زبان نہ کھل سکی۔ سوچتا رہا..... واہ اُلو کے اتنی بے تکلفی سے فرما رہے ہو جیسے ہم بہت دنوں سے ایک دوسرے کو جانتے ..... اور یہ پیچھے کیا تمہاری خالہ محترمہ استراحت فرما رہی تھیں۔

"لیکن یہ رات میرے لئے تو بے حد ناخوشگوار ثابت ہوئی ہے۔" حمید نے کچھ دیر کہا۔

"اماں چھوڑو بھی..... ابھی تک اُسی ادھیڑ بن میں پڑے ہوئے ہو۔ تم جیسے لوگوں کو پیچھے مڑ کر دیکھنا ہی نہ چاہئے۔"

"اتفاقاً نظر اٹھ گئی تھی۔"

"اُوہ..... میرا مطلب تھا گذری ہوئی باتوں کی فکر ہی نہ کرنا چاہئے۔ اُسے تو تم بار بار

مڑ کر دیکھ سکتے ہو۔"

"شکریہ.....!" حمید نے سعادت مندانہ انداز میں کہا اور باقاعدہ طور پر پچھلی سیٹ کی طرف مڑ گیا۔ لڑکی اب بھی اسی طرح سو رہی تھی..... فرق صرف اتنا ہوا تھا کہ گال پر کھائی سی لٹ اب ہاتھ کے نیچے دب گئی تھی۔

"دیکھتے رہو۔" راٹھور سنجیدگی سے بولا۔ "اس کے ساتھ ہی ذاتی طور پر امپورٹ ہوئی پرتگالی شراب بھی ہے۔"

"مزید شکریہ۔" حمید نے کہا۔ اب وہ پچھلی سیٹ پر باقاعدہ جھکا ہوا اس طرح سونے کا جائزہ لے رہا تھا جیسے خس و خاشاک کے ڈھیر میں گری ہوئی سوئی تلاش کر رہا ہو۔

راٹھور ہنس کر بولا۔ "واقعی بڑے سور ہو۔"

پھر یک بیک سنجیدہ ہو کر غصیلی آواز میں کہا۔ "تمہیں میرا احترام کرنا چاہئے۔"

"اکثر میرے والد صاحب بھی یہی کہا کرتے ہیں۔" حمید سیدھا بیٹھتا ہوا بولا۔ "مگر کروں عورتوں کے معاملے میں مجبور ہوں..... آدم کی مجبوری سے بھی آپ واقف ہوں گے۔"

بار برداری کے تین بڑے ٹرک سامان سے لدے ہوئے اُن کے قریب سے گذر گئے اب گاڑی رک گئی تھی۔

راٹھور نے حمید سے کہا۔ "اسے جگادو.....!"

گاڑی میں اب اندھیرا تھا..... حمید نے ہاتھ بڑھا کر اُسے جھنجھوڑا..... وہ اچھل پڑی۔ ساتھ ہی حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے ہتھیلی میں کوئی چیز چبھ گئی ہو..... اُس نے "سی" کر کے ہاتھ کھینچ لیا۔

راٹھور غرا رہا تھا۔ "اٹھئے رانی صاحبہ..... ایسی بھی کیا نیند۔"

حمید اپنی ہتھیلی میں سوزش سی محسوس کر رہا تھا..... اور عجیب سی سنسنی اس کے سارے جسم میں پھیل گئی تھی۔

راٹھور اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے ایک طرف چلنے لگا۔ وہ بس اس کے ساتھ چلا جا رہا تھا۔

خالی الذہنی کا سا عالم تھا۔ پیر نہیں لڑکھڑا رہے تھے۔ وہ مضبوطی سے زمین پر قدم رکھ

تھوڑی دیر بعد وہ ایک عمارت میں داخل ہوئے جو تاریک نہیں تھی۔ بڑے بڑے بکس لیمپوں نے اُسے بقعۂ نور بنا رکھا تھا۔

حمید بولنے کے موڈ میں تھا۔ بولے جا رہا تھا لیکن یہ عجیب بات تھی کہ اُسے اپنی آواز سنائی دیتی تھی۔ لڑکی ہنس رہی تھی۔ تھرک رہی تھی..... ناچ رہی تھی۔

کئی قسم کے ساز بج رہے تھے۔

نغمہ و نور کا سیلاب تھا کہ چاروں طرف سے امنڈ آیا تھا..... حمید محسوس کر رہا تھا اس لڑکی کا وجود پورے ماحول پر چھا گیا ہو۔

وہ بولے جا رہا تھا بے تکان۔ یہ سمجھے بغیر کہ کیا کہہ رہا ہے' اور سامنے بیٹھا ہوا راٹھور بالکل چغد معلوم ہو رہا تھا۔

ایک بار لڑکی تھرکتی ہوئی راٹھور کے قریب سے گذری اور اُس نے اسے حمید پر دھکیل دیا..... دونوں لڑکھڑاتے ہوئے ایک دوسرے پر گرے..... اندھیرا ہو گیا..... اور ساز بھاگو گئے..... پھر پتہ نہیں کیا ہوا کہ حمید کا ذہن بھی اُسی اندھیرے میں ڈوبتا چلا گیا۔

سورج طلوع ہو چکا تھا اور شائد کھلی ہوئی کھڑکی سے براہِ راست آنے والی شعاعوں کی تپش اپنے چہرے پر محسوس کر کے ہی وہ جاگ پڑا تھا۔ لیکن یہ کیا.....؟ اُس کے کپڑے غائب تھے۔ وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا..... چاروں طرف نظر دوڑائی لیکن اس کمرے میں کہیں کوئی تبدیلی نہ دکھائی دی جس سے برہنگی کا ازالہ ہو سکتا۔ بستر پر چادر بھی نہیں تھی۔ وہ آنکھیں پھاڑ کر چاروں طرف دیکھتا رہا۔

یہاں ایک مسہری تھی، ایک میز اور دو کرسیاں۔ ملبوسات کی الماری بھی تھی اس کے برابر ہی چھوٹے سے اسٹول پر فون رکھا ہوا تھا۔

وہ جھپٹ کر الماری کی طرف آیا۔ الماری کا ہینڈل گھماتے وقت پھر فون پر نظر پڑی۔

اس کے ریسیور پر سرخ حروف میں "نیاگرا" تحریر تھا۔

اوہ..... تو کیا یہ نیاگرا ہوٹل کا کوئی کمرہ ہے..... اُس نے سوچا..... لیکن وہ پچھلی رات والی عمارت نیاگرا کی تو ہرگز نہیں تھی۔

الماری کا دروازہ کھل گیا۔ لیکن وہ خالی تھی۔ نہ تو اُسے اپنے کپڑے نظر آئے اور نہ کوئی ایسی چیز جس سے ستر پوشی کی جاسکتی۔

اب وہ سیدھا غسل خانے میں جا گھسا..... خدا کی پناہ۔ یہاں بھی کچھ نہیں تھا۔ ایک تولیہ ہی مل گیا ہوتا..... اب کیا کیا جائے۔

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور وہ جھپٹ کر باہر نکلا۔ ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔ "کیا آپ کمرے ہی میں ناشتہ پسند فرمائیں گے۔"

"اُوہ..... ہاں.....!" حمید جلدی سے بولا۔ "دیکھو بھئی..... میں اس کمرے کا نمبر بھول گیا ہوں۔"

"سکنڈ فلور..... تھرٹی سکس..... جناب.....!"

"شکریہ..... میں ابھی ناشتے کے لئے خود ہی رنگ کروں گا۔"

"بہت بہتر جناب۔" دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی بھی آواز آئی اور حمید نے بھی ریسیور رکھ دیا۔

سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ آخر اُسے یہاں کس طرح لایا گیا ہوگا۔ اگر وہ ہوش میں ہوتا تو اس طرح کسی کے قابو ہی میں کیوں آتا۔ ظاہر ہے کہ اُسے اپنی سدھ نہ رہی ہوگی۔ تو کیا وہ اسے اسٹریچر پر ڈال کر یہاں لائے ہوں گے۔ رجسٹر میں نام کس کا درج کرایا ہوگا۔

"راٹھور..... راٹھور..... میں تمہیں دیکھ لوں گا۔" وہ دانت پیس کر بڑبڑایا۔

پھر فون کی طرف بڑھا۔ ہوٹل کے ایکسچینج سے رابطہ قائم کر کے ماؤتھ پیس میں بولا۔

"کاؤنٹر پلیز.....!"

کاؤنٹر کنکٹ ہو جانے کے بعد اُس نے کاؤنٹر کلرک سے پوچھا۔ "سیکنڈ فلور کے روم

نرٹی سکس میں کون مقیم ہے۔"

"آپ کون صاحب ہیں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"سم بوڈی فرام سی۔ آئی۔ بی۔" حمید نے جواب دیا۔

"مجھے افسوس ہے جناب..... یہ بات آپ کو سپروائزر ہی سے معلوم ہو سکے گی۔"

سپروائزر..... حمید نے ریسیور رکھتے ہوئے سوچا۔ وہ تو اُسے اچھی طرح جانتا ہے..... پھر کیا کیا جائے۔ شائد آواز بھی پہچان لے۔

دوبارہ فون کا سلسلہ سپروائزر سے ملوا کر آواز بدلتے ہوئے وہی سوال کیا جو کاؤنٹر کلرک سے کیا تھا۔

"آپ کون صاحب ہیں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"سم بوڈی فرام سی۔ آئی۔ بی۔"

"آپ یہاں تشریف لائیے..... اپنا آئیڈنٹی کارڈ دکھائیے پھر بتایا جاسکے گا۔"

"کیا بات ہوئی۔" حمید غرایا۔

"قوانین جناب..... میں مجبور ہوں۔" کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

حمید تھوڑی دیر تک سر پکڑے بیٹھا رہا پھر ریسیور رکھ کر دوبارہ سپروائزر ہی سے سلسلہ ملایا اور اُس بار اپنی اصل آواز میں اُسے مخاطب کرتا ہوا بولا۔ "مسٹر شرما..... میں کیپٹن حمید بول رہا ہوں۔"

"اُوہ..... تو آپ جاگ رہے ہیں۔ ابھی ابھی کسی نے فون پر آپ کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہا تھا..... آپ ہی کے محکمے کا حوالہ دے کر لیکن میں نے فی الحال ہوٹل کے قوانین کی آڑ لے کر ٹال دیا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اب وہ خود ہی آرہا ہو۔"

"فکر نہ کرو..... بس جلدی سے میرا ایک کام کر دو۔ ایک پتلون ایک قمیض اور ایک نیان اپنے اسٹور سے لے کر بھجوا دو۔ قیمت نیچے آکر ادا کر دوں گا۔"

"سائز بتائیے..... ابھی بھجواتا ہوں۔"

حمید نے اُسے سائز بتا کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

اب وہ دروازے کے قریب کھڑا کپڑوں کا منتظر تھا۔

پھر کپڑے بھی آگئے جو دروازے میں تھوڑا سا درہ کر کے باہر کھڑے ہوئے ویٹر سے لے لئے گئے تھے۔

کپڑے پہن لینے کے بعد جان میں جان آئی اور وہ باہر نکلا۔ پہلی منزل سے اُتر کر سیدھا سپروائزر کے کمرے میں آیا۔ شائد وہ اس کا منتظر ہی تھا اور کسی قدر مضطرب بھی۔

"تشریف رکھئے..... جناب۔ پچھلی رات تو میں آپ کی حالت دیکھ کر بوکھلا گیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ آپ نے پہلے کبھی اتنی زیادہ نہ پی ہوگی۔"

"میرے ساتھ کون تھا۔"

"دو حضرات..... جنہیں میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔"

"کیا یہ کمرہ میرے نام سے لیا گیا تھا۔"

"جی ہاں..... انہوں نے کہا تھا کہ وہ آپ کے ہمدرد ہیں۔ آپ ڈیوٹی پر تھے اور آپ نے بہت زیادہ پی لی، وہ دونوں ہمدرد نہیں چاہتے تھے کہ آپ کے محکمے کا کوئی آدمی آپ کو اس حال میں دیکھے۔ لہٰذا وہ آپ کو سیدھے یہیں لیتے چلے آئے۔"

ہوں..... کیا وقت تھا.....!"

"غالباً ساڑھے تین بجے تھے۔"

"تمہاری ڈیوٹی کس وقت سے شروع ہوئی تھی۔"

"تین بجے سے۔" سپروائزر مسکرا کر بولا۔ "ادھر میں نے بھی تھوڑی سی احتیاط برتی، آپ کا اصل نام رجسٹر میں درج نہیں ہونے دیا۔"

"بہت بہتر۔"

"لیکن ایک بات اور سنو..... وہ لوگ اُس کمرے سے بیڈ شیٹ تک اٹھا لے گئے ہیں۔ کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جس سے میں..... مطلب یہ کہ..... میرے لئے تو تم نے ہی کپڑے بھجوائے تھے۔"

"اوہ..... یعنی..... اس کا مطلب یہ.....!"

"ہاں نہ صرف میرا پرس لے گئے بلکہ کپڑے بھی۔"

"تو کیا وہ آپ کے لئے اجنبی تھے۔"

"میں نے کسی کی شکل نہیں دیکھی..... یہاں کے ایک ہوٹل میں کولڈ ڈرنک سپ کیا تھا..... پھر مجھے کچھ بھی یاد نہیں۔"

"اوہ..... تو یہ..... کوئی۔"

"بہتر ہے کہ اس سلسلے میں اپنی زبان بند ہی رکھنا۔ مجھے کوئی خواب آور دوا دی گئی تھی ڈرنک میں..... خیر..... ہاں تو میں کچھ دیر بعد کپڑوں کی قیمت ادا کر دوں گا..... کس نام پر انگیج رہے گا۔"

"بہت اچھے۔" فریدی نے قہقہہ لگایا۔ حمید نے شاید پہلی بار اسے اس طرح ہنستے دیکھا تھا۔ اب بھی اُس کی مصیبت بھری داستان پر آئی تھی۔ لہٰذا اس کا بھی شعلہ جوالہ بن جانا بے حد طبعی تھا۔

اپنا سینہ پیٹ پیٹ کر چیخنے لگا۔ "میں اُلو کا پٹھا ہوں اگر اب آپ کا کوئی غیر سرکاری حکم ٹالا۔ ارے اگر وہ مجھے بحالت بے ہوشی قتل ہی کر دیتے تو کیا ہوتا۔"

"کیا تم مجھے اتنا بے خبر سمجھتے ہو؟"

"اوہ..... تو وہ سب کچھ آپ کے علم میں ہوا تھا۔"

"ہاں..... آں..... صرف نیاگرہ پہنچ کر میں نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔"

"اس راٹھور کو اگر میں نے شارع عام پر ننگا نہ کیا تو کچھ بھی نہ کیا۔"

"نہیں نہیں..... بغیر سمجھے بوجھے اتنا بڑا عہد ہرگز نہ کرو۔ وہ تو اس بے چارے نے ہمدردی کا مظاہرہ کیا تھا۔"

"زندہ دلی.....!"

"ہاں بھئی..... وہ خود کو بہت خوش مزاج اور زندہ دل تصور کرتا ہے۔"

"لیکن آپ اُسے گالی کیوں دلوانا چاہتے تھے....." حمید حلق کے بل چیخا اور اسے کھانسی آنے لگی۔

"صبر..... صبر..... فرزند....." فریدی اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اس نے اپنی حفاظت کے لئے کس قسم کے انتظامات کر رکھے ہیں۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ ہونٹ ہلنے سے پہلے ہی تمہاری گردن دبوچ لی جائے گی۔"

"اور اگر وہ گولی ہی مار دیتا تو۔"

"اس سے پہلے خود اس کا جسم چھلنی ہو جاتا۔"

حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے بُرا سا منہ بنایا لیکن کچھ بولا نہیں۔

دفعتاً اُسے فریدی کے متعلق وہ انکشاف یاد آگیا جس نے حمید کو بڑی دیر تک متحیر رکھا تھا۔

"راٹھور سے بنائے مخاصمت کیا ہے۔" دفعتاً اُس نے سر اٹھایا۔

"کیا اس نے نہیں بتایا۔" فریدی مسکرایا۔

"آپ کی زبان سے سن کر زیادہ محظوظ ہو سکوں گا۔" حمید نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"جھگڑا ہوا تھا ایک لڑکی کے لئے۔"

"ہا.....!" حمید نے آنکھیں بند کر کے ٹھنڈی سانس لی۔ "رس گھولتے رہئے میرے کانوں میں..... مکرر ارشاد.....!"

"ایک لڑکی کیلئے جھگڑا ہوا تھا اور میں اسے زبردستی اٹھا لے گیا تھا اس کے ہٹ سے۔"

"یہ شعر تو مطلع سے زیادہ زوردار ہے..... اس لئے سہ کرر ارشاد.....!"

"بڑی خوب صورت لڑکی تھی....." فریدی سپاٹ لہجے میں بولا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ حمید کی باتوں پر دھیان دیئے بغیر یہ سب کچھ کہہ رہا ہے۔

"بڑی خوبصورت لڑکی تھی حمید صاحب..... لیکن وہ کوئی سوئیس لڑکی نہیں تھی۔"

"بہر حال لڑکی تھی۔" حمید پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "سوئیس لڑکیوں میں بھی

پرزوں سے زیادہ نہیں لگے ہوتے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ اب وہ خاموش ہو کر سگار سلگانے لگا تھا۔ حمید نے بھی سوچا کہ اب موضوع بدل دینا چاہئے۔ کئی سوال تھے ذہن میں..... بات بڑھتی تو ان سوالوں سے تعلق رکھنے والی الجھنیں بدستور قائم رہتیں..... اس نے ایش ٹرے میں پائپ خالی کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن آپ اس معاملے کو چھوڑ کر ایک بیک راٹھور پر کیوں چڑھ دوڑے تھے۔"

فریدی کی نظر میز کے پائے سے ہٹ کر اُس کے چہرے پر جم گئی اور اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ "بھٹی نے سوئٹزر لینڈ میں اسی کے ہٹ میں دم توڑا تھا اور اس بات کا علم چند آدمیوں کے علاوہ کسی اور کو نہیں تھا۔ میں جانتا تھا..... راٹھور جانتا تھا اور ہمارا سفیر برائے سوئٹزر لینڈ اور دو آدمی اور بھی تھے۔"

"بھٹی کے گھر والے تو جانتے ہی ہوں گے۔" حمید نے کہا۔

"اس کا کوئی قریبی عزیز موجود نہیں جسے اس کی موت یا زندگی سے دلچسپی ہو۔"

"لیکن بھٹی کی موت صیغہ راز میں کیوں رہی۔"

"بعض بین الاقوامی پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی تھیں۔"

"کیا وہ اتنا ہی اہم تھا۔"

"نہیں..... اس سے تعلق رکھنے والے کچھ فرائض کی اہمیت نے اس پالیسی پر مجبور کیا۔ اس کی تنخواہ اب تک الگ رہی ہے اور اس کی وصولیابی بھی بھٹی ہی کے جعلی دستخط سے ہوئی ہے۔ لہٰذا اس بھٹی کا تذکرہ سن کر راٹھور کی طرف متوجہ ہونا ضروری تھا۔"

"اور وہ سفیر صاحب۔"

"وہ اب بھی سوئٹزر لینڈ میں ہے۔"

"لیکن آپ تو یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ راٹھور کتنا محتاط ہے۔"

"ہاں.....!"

"اس کا یہ مطلب ہوا کہ اس پر پہلے ہی سے نظر تھی آپ کی۔"

"تو کیا تم سچ مچ یہی سمجھتے ہو کہ میں پچھلے سال سوئٹزر لینڈ عیاشی ہی کے لئے گیا تھا۔"

"خداسب کو نیک توفیق دے۔" حمید نے کہااور مسمسی صورت بنائے بیٹھا رہا۔

"مجھے یہاں سے بھیجا گیا تھا..... بھٹی کی موت کے بعد۔"

"اور آپ وہاں جاکر لڑکیاں اٹھانے لگے تھے۔"

"ہاں..... آں.....!" فریدی تلخ لہجے میں بولا۔ "لڑکیوں کے معاملے میں ہم اپنے فرائض سے غافل ہو جاتے ہیں..... مثال کے طور پر تم نے پچھلی رات راٹھور بالتفصیل پورے دن کی رپورٹ دے دی تھی۔"

"میں نے.....!" حمید متحیرانہ انداز میں اچھل پڑا۔

"جناب نے.....!"

"ہرگز نہیں.....!"

"برخوردار تم نے اسے یہاں تک تو بتایا تھا کہ بھٹی کی تصویر شناخت ہو جانے کے بعد ہم لوگ سیدھے اسی کی طرف گئے تھے۔"

"خدا کی قسم مجھے یاد نہیں آرہا۔" حمید نے کہا۔ لیکن دفعتاً اُسے اپنی وہ کیفیت یاد آئی جب ہتھیلی میں کوئی چیز چبھنے کے بعد ہوئی تھی۔ اسے یاد آگیا کہ وہ اس کے بعد ہی سے بے تکا بولے جارہا تھا۔ لیکن اسے خود اپنی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اسے ایسا محسوس ہو تا رہا جیسے تلوؤں سے آندھیاں سی کھوپڑی کی طرف جارہی ہوں۔

"میرے خدا.....!" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور رحم طلب نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہوں.....!" فریدی غرایا۔ "اب کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"صرف ایک بات..... کہ میں ہوش میں نہیں تھا۔" حمید نے کہا اور پوری کہانی دہرادی۔ کہانی کے اختتام پر فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسیور اٹھالیا۔ کچھ سنتا رہا پھر بولا۔ "نہیں جناب..... وہ پچھلی رات سے غائب ہے..... ابھی تک مجھے اطلاع نہیں دی کہ کہاں ہے۔ بہتر..... جی ہاں..... فوراً مطلع کردوں گا۔"

خود ہی لے کر آؤں گا۔"

پھر وہ ریسیور رکھ کر حمید کی طرف مڑا۔

"شاید تمہارا اعتراف نامہ راٹھور نے ڈی۔ آئی۔ جی تک پہنچا ہی دیا۔ براہِ راست طلبی کا تو مطلب ہو سکتا ہے۔ اچھا برخوردار جتنی جلد ممکن ہو شہر ہی سے نکل جاؤ..... چھوٹی کس کے نمبر اور رنگ حسب ضرورت تبدیل ہوتے رہتے ہیں گیراج میں موجود ہے۔ کوئی نہ کوئی مل ہی ہوگی۔ تارجام کے ہوٹل روانو میں میرے پیغام کے منتظر رہنا۔"

حملہ

یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اس سے پہلے بھی کئی بار وقتی ضرورت کے تحت وہ افسران سے دور بھاگ چکا تھا۔ لیکن اس بار وہ وحشت زدہ تھا اپنی اس تحریر کی بناء پر جو اسے راٹھور کو دینا پڑی تھی۔ وہ اعتراف نامہ اس کے کیریئر کو داغدار بنادیتا۔

چھوٹی آسٹن تارجام والی سڑک پر ساٹھ اور ستر میل کی رفتار سے دوڑی جارہی تھی۔ اس نے عقب نما آئینے پر نظر ڈالی۔ وہی سکوٹر پھر دکھائی دیا جو شہر ہی سے اس کے پیچھے لگ گیا تھا لیکن اس پر کوئی عورت تھی۔ فاصلہ اتنا زیادہ رہا تھا کہ عورت پہچانی نہیں جاسکتی تھی۔ اس کو ضروری نہیں کہ وہ اسکا تعاقب کررہی ہو۔ بہتیری خواتین بھی اب ایڈونچر کی تلاش میں ہزاروں لمبے لمبے سفر کرتی ہیں۔

اس نے اپنی گاڑی کی رفتار کچھ اور تیز کردی اور فوراً ہی محسوس کیا کہ اسکوٹر کی رفتار بھی مناسبت سے بڑھادی گئی ہے۔

دونوں کا درمیانی فاصلہ اب بھی اتنا ہی تھا کچھ دور چلنے کے بعد حمید نے آہستہ آہستہ کم کرنی شروع کی اور اس عورت کی مشاقی پر عش عش کرتا رہا کیونکہ اس طرح بھی

دونوں گاڑیوں کے فاصلے میں کوئی فرق نہ ہونے پایا۔

"اونہہ.....!" کچھ دیر کے بعد وہ سر جھٹک کر بڑبڑایا۔ "وہ لیڈی ڈاکٹر انسپکٹر ریکھا ہرگز نہیں ہو سکتی..... پھر ہوا کرے کوئی..... دیکھا جائے گا۔"

رودانو تار جام کے اچھے ہوٹلوں میں تھا جیسے ہی اس کی گاڑی پورچ میں رکی ایک پورٹر نے تیزی سے آگے بڑھ کر گاڑی کا دروازہ کھولا۔

حمید نے پچھلی نشست پر پڑے ہوئے سوٹ کیس کی طرف اشارہ کیا۔

"کاؤنٹر پر آؤ.....!"

پھر وہ گاڑی سے اُتر ہی رہا تھا کہ وہ سکوٹر بھی کمپاؤنڈ میں داخل ہوتا ہوا دکھائی دیا۔ اور..... اور..... وہ اس لڑکی کو پہلی ہی نظر میں پہچان گیا تھا۔ یہ جولی وکٹر تھی۔

اس نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور سیڑھیاں طے کرتا ہوا برآمدے میں داخل ہو گیا۔

صدر دروازے سے گزر کر کاؤنٹر پر آیا۔

پھر جب وہ کاؤنٹر کلرک سے سنگل بیڈ روم کے لئے کہہ رہا تھا دفعتاً پشت سے آواز آئی۔

"نہیں..... ڈبل بیڈ روم۔"

آواز جولی وکٹر کی تھی اور اس میں بیویوں کی سی غصیلی آواز کی جھلکیاں تھیں۔

بالکل ایسے ہی معلوم ہوتا تھا جیسے بیوی نے اپنے شوہر کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا ہو۔

حمید چونک کر مڑا تھا اور پھر اس کے چہرے پر کچھ اس قسم کا اضمحلال طاری ہوا جیسے واقعی وہ اس کا نالائق شوہر ہی ہو۔

"ہوں..... ہوں..... ڈبل بیڈ.....!" اُس نے رقت آمیز لہجے میں کہا۔

"بہت بہتر جناب۔" کاؤنٹر کلرک رجسٹر کھولتا ہوا بولا۔ "کیا نام لکھا جائے۔"

"مسٹر اور مسز گیسپر.....!" جولی نے تیز آواز میں کہا اور پھر پتہ بھی اپنے ہی مکان کا لکھوا دیا۔

گیسپر کے نام پر حمید کی جان نکل گئی۔ اسے یاد آیا کہ اس نے خود کو جولی پوز کر کے اس کے باپ سے فون پر گیسپر کے متعلق بات کی تھی اور اس کے باپ نے جواب میں کہا تھا کہ وہ اسے مارے گا۔

جولی اس پورٹر سے جو حمید کا سوٹ کیس لایا تھا کہہ رہی تھی۔ "گاڑی اور اسکوٹر دونوں ہی گیراج میں رہیں گے۔"

"بہت بہتر جناب.....!" پورٹر نے جواب دیا۔

"کمرہ نمبر ۲۷ جناب۔" کلرک حمید کی طرف کنجی بڑھاتا ہوا بولا۔

کچھ دیر بعد دونوں کمرہ نمبر ۲۷ میں کھڑے ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔

"کیا حرکت تھی.....؟" کچھ دیر بعد حمید نے غصیلی آواز میں کہا۔

"تمہیں اطلاع دینے آئی تھی کہ میں اس وقت سچ مچ چرس کے نشے میں ہوں۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو۔"

"میری پشت پر تین نیلی دھاریاں ہیں۔ میں تمہارا خون پی جاؤں گی۔"

"شائد تم بہت زیادہ چرس پی گئی ہو۔"

"ڈیڈی کے ہاتھوں پٹ جانے کے بعد میں نے سوچا کہ تم بہت بڑے سور ہو۔ اور پھر ڈیڈی کو بتانا ہی پڑا کہ تم لوگ کون تھے لیکن یہ بتاتے وقت وہ بے حد خائف تھے۔ پھر مجھے احساس ہوا کہ وہ غیر معمولی آنکھوں والا کون تھا اب میں تم سے سمجھ لوں گی۔ کیپٹن حمید صبح ہی سے تمہاری کوٹھی کے آس پاس منڈلاتی رہی تھی۔"

"جانتی ہو کتنا بڑا جرم ہے محکمہ سراغ رسانی کے کسی آفیسر کی ٹوہ میں رہنا۔"

"ختم کرو..... اب ہم صرف مسٹر اینڈ مسز گیسپر ہیں۔"

"زبردستی۔"

"اس وقت تک رہیں گے جب تک کہ میری پشت سے نیلی دھاریاں غائب نہ ہو جائیں۔"

"اب کیا مجھے بھی اپنے ڈیڈی سے پٹوانے کا ارادہ ہے۔"

"مجھے ان کی یہ عادت سخت ناپسند ہے۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

"حیرت ہے کہ تم اسے برداشت کیسے کرتی ہو۔"

"مجھے خود بھی حیرت ہے؟" اس نے معصومانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

"بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہی ہو۔"

"قطعی نہیں..... یہ دیکھو کہ میں نے ابھی تک شادی نہیں کی..... عورتوں کا احترام کرنے والے مہذب لوگ قطعی سخت ناپسند ہیں۔ میں ایسا شوہر چاہتی ہوں جو مجھ پر غصہ آنے کے بعد درگذر نہ کرے بلکہ تھپڑوں اور گھونسوں کی بارش کر دے۔"

"کیا اس نقلی ازدواجی زندگی میں بھی یہی چلے گا۔" حمید نے اپنے بازوؤں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

"اوہ..... یہ تو..... یہ تو میں نے تمہیں نروس کرنے کے لئے مسٹر اینڈ مسز گیم لکھوا دیا تھا۔"

"لیکن کاؤنٹر کلرک تو یہی سمجھا ہوگا کہ تم شوہر کو کڑی نگرانی میں رکھنے والی کوئی خاتون ہو۔"

"اونہہ.....!" اس نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

اتنے لمبے سفر کے بعد بھی اس کے چہرے کی تازگی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

حمید اسے دیکھتا اور سوچتا رہا کہ اس سلونی رنگت کے لئے بیلے کی ادھ کھلی کلیاں کتنی مناسب رہیں گی۔ کاش اس کے بال بھی اتنے لمبے ہوتے کہ جوڑا سجا سکتی جوڑے میں بیلے کی کلیاں۔ بھرے ہوئے بھرپور ہونٹ..... اوپری ہونٹ پر ہلکی سی سبزی مائل روئیدگی..... اور سانچے میں ڈھلا ہوا جسم۔

دفعتاً وہ بولی۔ "میں تمہارے لئے تمہارا پیچھا نہیں کر رہی۔"

"کیا مطلب.....!"

"تمہارے چیف کے لئے۔"

"میں اب بھی نہیں سمجھا۔" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

"خفا ہونے کی ضرورت نہیں۔" وہ ہنس پڑی۔

"چیف میری جیب میں نہیں رکھا رہتا..... تم اسے وہیں کوٹھی میں ہی چھوڑ آئی ہو۔"

"اوہ سنو.....!" وہ یک بیک سنجیدہ ہو کر بولی۔ پھر کچھ سوچتی رہی۔ اس کے چہرے پر تذبذب کے آثار تھے۔ آخر کچھ دیر بعد بولی۔ "میں تنہا ہی نہیں منڈلا رہی تھی کوٹھی کے آس پاس ایک اور آدمی بھی تھا اور وہ صورت سے کوئی اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔"

"کیا اس نے میرا تعاقب کیا تھا۔"

"نہیں ایسا تو نہیں ہوا تھا۔"

حمید نے طویل سانس لی اور فریدی کے متعلق سوچنے لگا۔

لنکن پھاٹک سے نکل کر سڑک پر آئی۔ فریدی نے جیسے ہی اسے قریبی موڑ پر موڑنا چاہا دوسری طرف سے ایک تیز رفتار گاڑی کے بریک چڑچڑائے۔ فریدی نے فوراً ہی بریک نہ لگائے ہوتے تو ٹکر لازمی تھی۔

دوسری گاڑی کے اسٹیئرنگ پر کوئی عورت تھی۔ جس کے قریب ایک مرد بھی بیٹھا تھا۔

آستین سمیٹتا ہوا بڑے غصے میں گاڑی سے اترا۔

"کیوں جناب..... دیکھ کر نہیں.....!"

"غلطی میری نہیں تھی۔" فریدی نے اس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی کہا۔

"اوہ..... ڈارلنگ..... میرا دل۔" دفعتاً گاڑی سے عورت کی منمناتی ہوئی سی آواز آئی اور وہ گاڑی کی طرف دوڑا۔

فریدی ابھی تک اپنی گاڑی سے نہیں اُترا تھا۔ اس نے دیکھا کہ عورت دونوں ہاتھوں سے بایاں پہلو دبائے کھڑکی پر جھک گئی ہے۔ کار وہی ڈرائیو کر رہی تھی اس لئے اچانک دھچکے کی وجہ سے اس کے اعصاب پر بُرا اثر بھی پڑ سکتا تھا۔

اب تو از راہ ہمدردی فریدی کو بھی گاڑی سے اترنا پڑا۔

ابھی وہ اس کھڑکی کے قریب پہنچا بھی نہیں تھا کہ بائیں شانے پر شاید ایک بالشت کی اونچائی سے طوفان گزر گیا۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ زمین پر تھا۔ پھر لڑھکتا ہوا سڑک کے نیچے چلا گیا۔

ٹامی گن سے نکلی ہوئی گولیوں کی بوچھاڑ بند ہو چکی تھی۔ سڑک کے دوسرے کنارے پر کھڑی ہوئی جیپ جس سے گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی تھی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

چند سیکنڈ کے اندر ہی اندر یہ سب کچھ ہوا۔ شاید ہی کسی کی سمجھ میں آسکا ہو کہ یہ سب کیا تھا۔

فریدی نے گرتے گرتے اندازہ کر لیا تھا اس کار والے عورت اور مرد دونوں ہی چھلنی ہو گئے ہوں گے۔ حملہ آوروں نے غالباً انہیں پہلے ہی ختم کر دینے کی کوشش کی تھی ورنہ اس وقت فریدی کو شاید دنیا کی کوئی طاقت نہ بچا سکتی۔

وہ دوسری گاڑی پر دھیان دیئے بغیر اپنی گاڑی کی طرف جھپٹا۔

جیپ ابھی نظر میں ہی تھی..... لیکن بھی تیزی سے آگے بڑھی۔ ساتھ ہی فریدی نے ڈیش بورڈ پر لگا ہوا ایک بٹن دبایا اور بولنے لگا..... "ہیلو..... ہیلو..... ہیڈ کوارٹر..... تھرٹین سٹریٹ پر سیاہ رنگ کی ایک تیز رفتار جیپ شمال کی طرف جا رہی ہے..... اس نے ٹامی گن چلا کر کچھ لوگوں کو زخمی کر دیا ہے..... ہو سکتا ہے کہ وہ مر ہی گئے ہوں..... ہلو..... ہلو..... میں فریدی آف سی آئی بی بول رہا ہوں۔ میں تعاقب کر رہا ہوں..... اس جیپ کا۔"

وہ خاموش ہو گیا۔ کچھ دیر بعد ڈیش بورڈ سے آواز آئی۔ "ہلو..... ہلو..... کرنل ہی پلیز..... فلائنگ سکوارڈ روانہ کر دیا گیا ہے۔"

"شکریہ.....!" فریدی بولا اور اس کی نظر ونڈ سکرین پر جمی رہی۔

ڈیش بورڈ سے پھر آواز آئی۔ "ہلو..... ہلو..... کرنل پلیز..... کیا آپ جیپ کا پیچھا کرنے میں کامیاب ہو سکے ہیں۔"

"نہیں..... وہ بہت فاصلے پر ہے..... میں اس کی پوزیشن سے مطلع کرتا رہوں گا۔" فریدی نے جواب دیا۔

"شکریہ جناب.....!"

یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ اسے ان راستوں سے گزرنا پڑا جہاں ٹریفک سگنل نہیں تھے۔ لگتا تھا جیپ والے دیدہ دانستہ ان راستوں کو نظر انداز کر رہے ہوں۔

جلد ہی وہ ایک ویران سڑک پر مڑ گئی جو شہر سے باہر جاتی تھی۔ فریدی نے ٹرانسمیٹر پر ہیڈ کوارٹر کو اس سچویشن کی بھی اطلاع دی۔

اب جیپ کی رفتار پہلے سے بھی زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ فریدی کم از کم اتنا فاصلہ برقرار رکھنا چاہتا تھا کہ ٹامی گن کا شکار نہ ہو سکے۔

وہ سوچ رہا تھا کہ وہ اسے ایسی جگہ لے جانا چاہتے ہیں جہاں سے اسے کوئی راہ فرار نہ ملے۔

دفعتاً اس نے محسوس کیا کہ جیپ کی رفتار کم ہو گئی تھی۔ اس نے بھی ایکسیلیٹر پر دباؤ کم کیا۔ ان کی چال اچھی طرح سمجھ میں آگئی تھی۔ وہ اسے زد پر لے کر فائرنگ کرنا چاہتے تھے۔

ہلکی سی مسکراہٹ فریدی کے ہونٹوں سے نمودار ہوئی اور اس نے اسٹیئرنگ کے قریب سے دروازے کے ہینڈل کے قریب لگے ہوئے بٹن پر انگلی رکھ دی۔ دروازے ہی میں ایک رخنہ ظاہر ہوا جس میں ہاتھ ڈال کر اس نے ٹامی گن نکالی اور اسے گود میں رکھ کر اس طرح تھپکنے لگا جیسے وہ کوئی چہیتا کتے کا پلا ہو۔ اس وقت عجیب سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر تھی۔ اس مسکراہٹ میں طنز بھی تھا، حقارت بھی تھی اور سفاکی بھی۔

جیپ دفعتاً اس طرح رکی جیسے اچانک کوئی سامنے آگیا ہو۔ پورے بریک لگے تھے۔ مگر فوری طور پر فریدی نے بھی پورے بریک لگائے اور گاڑی کا دروازہ کھول کر ٹامی گن سمیت ڈھلان میں چھلانگ لگادی۔

فوراً ہی دوسری طرف سے ٹامی گن کی تڑتڑاہٹ سنائی دینے لگی۔ ڈھلان میں گھنی جھاڑیاں تھیں جن کی بناء پر فریدی زیادہ دور تک نہیں پھسلا تھا۔ ورنہ یہ چھلانگ اُسے ڈھلان کے اختتام ہی تک لے جاتی۔

وہ جلد سے جلد کسی مناسب سی جگہ مورچہ سنبھال لینا چاہتا تھا۔ کیونکہ اگر وہ خود اوپر آنکلتے تو بچاؤ بے حد مشکل ہو جاتا۔ وہ انہیں سڑک پر ہی روکے رکھنا چاہتا تھا۔

شاید وہ لوگ بھی خائف تھے کیونکہ انہوں نے جیپ کی اوٹ ہی میں پوزیشن لے لی تھی اور ڈھلان کی طرف آنے کی ہمت نہیں کی تھی۔

اب فریدی ایک تناور درخت کی اوٹ میں پہنچ کر اس مقام کو بخوبی دیکھ سکتا تھا جہاں سے فائرنگ ہو رہی تھی۔

جیپ کے نیچے سے دوسری جانب ایک متحرک جسم نظر آیا اور فریدی کی ٹامی گن تھوڑی سی گولیاں اگل کر خاموش ہو گئی۔ سناٹے میں ایک وحشت ناک چیخ دور تک گونجتی چلی گئی اور پھر دوسری طرف بھی سناٹا چھا گیا۔

فریدی نے جہاں سے فائرنگ کی تھی اب وہاں نہیں تھا۔ تیزی سے جگہ تبدیل کی تھی۔ اس نے جیپ میں دو آدمی دیکھے تھے ایک تو یقینی طور پر زخمی ہوا تھا یا مر گیا تھا لیکن دوسرا یک بیک اس کی ٹامی گن سے کچھ گولیاں نکلیں اور جیپ کے چاروں ٹائر بیکار ہو گئے۔

ساتھ ہی اُسے اپنی گاڑی کا بھی خیال آیا..... کہیں دوسرا آدمی اُسے نہ لے اڑے۔ کنجی بھی اگنیشن ہی میں رہ گئی تھی۔

وہ اپنی گاڑی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جاگتے ہوئے ذہن نے صحیح رہنمائی کی تھی۔ اگر ایک پل کے لئے بھی چوک جاتا تو وہاں سے واپسی خود اس کے لئے مسئلہ بن جاتی۔

ایک آدمی سینے کے بل رینگتا ہوا اس کی گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا اور ٹامی گن بھی اس کے ہاتھ میں تھی۔ وہ کچھ دور رینگنے کے بعد مڑ کر اسی جانب دیکھنے لگتا جہاں سے فریدی نے فائرنگ کی تھی۔

فریدی نے ٹریگر پر دباؤ ڈالا اور رینگنے والے سے تھوڑے ہی فاصلے پر گرد اڑ کر رہ گئی۔

"ٹامی گن دور پھینک دو..... ورنہ چھلنی کر دوں گا....." فریدی نے چیخ کر کہا۔

رینگنے والے کی ٹامی گن دوسرے لمحے میں دور جا گری اور وہ خود چاروں خانے چت ہو گیا۔

قتل یا خودکشی

اس کے دونوں ہاتھ ادھر اُدھر پھیلے ہوئے تھے اور وہ پلکیں جھپکائے بغیر آسمان کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

فریدی کی ٹامی گن کا رخ اس کے سینے کی طرف تھا۔

ٹھیک اسی وقت مخالف سمت سے فلائنگ اسکوئیڈ کی تین کاریں آتی دکھائی دیں۔ ان میں سے اگلی گاڑی کا سائرن چیخنے لگا تھا۔

فریدی نے بایاں ہاتھ اٹھا کر اشارہ کیا۔ تینوں گاڑیاں تھوڑے فاصلے پر لنگن کے قریب رک گئیں۔ مسلح کانسٹیبل نیچے اتر آئے۔

سڑک پر چت پڑے ہوئے آدمی کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال کر وہ جیپ کے قریب پڑے آدمی کی طرف متوجہ ہوئے۔

وہ بے ہوش تھا..... دونوں رانوں کی ہڈیاں چور چور ہو گئی تھیں۔

فلائنگ اسکوئیڈ کے کمانڈر نے فریدی کو بتایا کہ تھرٹین اسٹریٹ والی کار کے قریب دو لاشیں ہیں جن کے سینے چھلنی تھے۔ ان میں سے جو مرد تھا سڑک پر گرا تھا..... اور

عورت آدھے دھڑ سے کار کی کھڑکی کے باہر لٹکی ہوئی تھی۔

بہر حال فریدی کا یہ خیال درست نکلا کہ وہ محض اُن ہی دونوں کی وجہ سے بچ گیا تھا ورنہ حقیقتاً مرنا تو خود اسے چاہئے تھا۔

اور پھر جب کچھ دیر بعد ہیڈ کوارٹر میں حملہ آور سے پوچھ گچھ شروع ہوئی تو پوری بات کھل کر سامنے آئی۔

اس نے بتایا کہ وہ ریٹائرڈ فوجی ہے۔ اس کام پر آمادہ کرنے والے نے اس کے لئے ہ گن اور ایک جیپ مع ڈرائیور مہیا کی تھی۔ ڈرائیور کو اس نے آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا..... اس سے کہا گیا تھا کہ ایک گاڑی فریدی کی کار کا راستہ اس طرح روکے گی کہ ہو ایکسیڈنٹ ہی ہو جائے۔ اس کے بعد اس کا کام ہو گا کہ وہ فریدی سمیت دوسری کار والوں بھی صفایا کر دے۔ لیکن وہ یہ نہ بتا سکا کہ اس نے فریدی سے پہلے ان ہی دونوں کو ختم کرنا کیو مناسب سمجھا تھا۔ وہ اس کا جواب نہ دے سکا۔ اول تو اسے اس سلسلے میں کوئی واضح ہدایت نہ ملی تھی کہ حملے کی پہل کس سے کرے دوسرے وہ خود فوری طور پر کوئی فیصلہ نہیں کر سکا تھا اسے کیا کرنا چاہئے۔

اور پھر جب اس نے اس کام پر اکسانے والے کا نام لیا تو سبھی متحیر رہ گئے۔ وہ ا مشہور اور نیک نام ڈی۔ ایس۔ پی تھا۔ شہرت اس سلسلے میں رکھتا تھا کہ نہ صرف مجرد کی زند بسر کر رہا تھا بلکہ اپنی فقیرانہ زندگی کی بناء پر عوام میں مقبول بھی تھا۔ حاضرین کو اپنی سماعت یقین ہی نہ آسکا۔ لیکن فریدی کے ہونٹوں پر ایک پراسرار سی مسکراہٹ دیکھی گئی۔

"اب کیا خیال ہے۔" اس نے ایس۔ پی ہومی سائیڈ سے پوچھا۔

"سمجھ میں نہیں آتا..... اس سلسلے میں بیراگی صاحب کا نام....." وہ مضطربانہ انداز میں ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

"دیکھنا تو پڑے گا....." فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

ایس۔ پی ہومی سائیڈ نے فون پر نمبر ڈائیل کر کے کسی کو مخاطب کیا اور شاید جواب

کسی قدر متحیر بھی ہوا۔ ریسیور رکھ کر فریدی سے بولا۔ "وہ اپنی سیٹ پر موجود نہیں ہیں۔"

"گھر کے نمبر معلوم کیجئے۔" فریدی نے کہا۔

گھر کے نمبر اس نے دوبارہ فون کر کے کسی سے معلوم کئے تھے۔ انہیں بھی آزمایا۔ لیکن جواب نہ ملا۔ دوسری طرف گھنٹی بج رہی تھی لیکن شاید ریسیور اٹھانے والا کوئی نہ تھا۔

"کیا خیال ہے۔" فریدی نے کہا۔ "میری دانست میں تو ہمیں خود ہی ان کے بنگلے تک چلنا چاہئے۔"

"لک..... کیا آپ کسی خاص نتیجے پر پہنچے ہیں۔"

"ہاں..... آں..... میرا خیال ہے کہ مسٹر بیراگی کا قتل ہمیں خودکشی ہی کی شکل میں ملے گا۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"ہمیں دیر نہ کرنی چاہئے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

فلائنگ اسکوئڈ کی گاڑیاں ایک بار پھر حرکت میں آگئیں۔

ڈی۔ ایس۔ پی جو اپنے نام کے ساتھ بیراگی بھی استعمال کرتا تھا صرف اسی نام سے مشہور تھا۔ رہائش ایک چھوٹے سے صاف ستھرے بنگلے میں تھی۔ بالکل تنہا رہتا تھا۔ حد یہ ہے کہ سرکاری اردلی تک نہیں رکھتا تھا۔ اردلی کو حکم تھا کہ اپنے گھر پر پڑا عیش کیا کرے اور تنخواہ سرکاری خزانے سے وصول کرے۔ اپنے سارے کام خود اپنے ہاتھوں انجام دیتا تھا۔

بنگلے کا آمد و رفت والا دروازہ کھلا ہوا ملا۔ ایس۔ پی نے کال بل کا بٹن دبایا لیکن جواب ندارد۔ کچھ دیر انتظار کر کے وہ بالآخر بنگلے میں داخل ہو گئے۔

بنگلہ تین کمروں پر مشتمل تھا۔ ڈرائنگ روم میں پہنچ کر ایس۔ پی نے اسے بلند آواز میں پکارا۔ لیکن بازگشت کے علاوہ اور کچھ نہ سن سکا۔

اور پھر بیڈ روم میں بیراگی کی لاش چھت سے لٹکتی ہوئی نظر آئی۔ گلے میں رسی کا پھندا پڑا ہوا تھا اور رسی کا دوسرا سرا چھت کے کڑے سے بندھا ہوا تھا۔

تھوڑی دیر تک وہاں قبرستان کا سا سناٹا طاری رہا۔ پھر ایس۔پی فریدی کی طرف مڑا جو فرش پر پڑے ہوئے سیلنگ فین کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"کرنل.....!" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "یہ پیشین گوئی تھی یا آپ کو پہلے سے علم تھا۔"

"بیراگی جیسے لوگ بظاہر خود کو بے داغ رکھنا چاہتے ہیں اور ایسے حالات میں انہیں یہی کرنا پڑتا ہے۔"

"لیکن یہ خودکشی..... آپ نے کہا تھا کہ قتل خودکشی کے روپ میں پیش کیا جاسکتا ہے۔"

"یہی ہوا ہے..... یقین کیجئے..... بیراگی کو گلا گھونٹ کر مارنے کے بعد اس طرح لٹکا دیا گیا ہے۔"

"لیکن..... لیکن.....؟"

"ادھر دیکھئے....." فریدی نے فرش پر پڑے ہوئے سیلنگ فین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "خودکشی کرنے والے آسان سے آسان طریقہ اختیار کرتے ہیں چھت سے سیلنگ فین اتارنا اور اس کی جگہ کڑے میں رسی باندھنا..... وقت چاہتا ہے کپتان صاحب..... جسے زہر میسر آسکے..... وہ رسی کے پھندے سے اجتناب ہی کرے گا۔ ذہنی یا جسمانی اذیتوں سے بچنے کے لئے ہی لوگ خودکشی کی طرف جاتے ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہاں اس خواب گاہ میں خواب آور گولیوں کی کئی شیشیاں موجود ہیں، دو تو بالکل ہی نئی ہیں ان کی سیل تک نہیں توڑی گئی۔ یہ دو شیشیاں خودکشی کے لئے کافی نہ ہوتیں۔"

"لیکن ضروری نہیں کہ اس تک قانون کا ہاتھ پہنچنے سے پہلے ہی خواب آور گولیاں کام کر جاتیں..... مضبوط اعصاب کے لوگوں پر یہ ذرا دیر سے اثر انداز ہوتی ہیں۔" ایس پی نے کہا۔

"اول تو مضبوط اعصاب کے لوگوں کو خواب آور گولیوں کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

دوسرے اگر وہ جلد سے جلد مرنا چاہتا ہے تو اس نے ڈرائنگ روم والی چھت کے کڑے کو یوں نہیں استعمال کیا۔ ڈرائنگ روم میں چھت کے پنکھے کی بجائے پیڈسٹل فین استعمال ہوتا ہے کڑا بالکل خالی تھا..... یہاں دراصل قاتل یا قاتلوں نے جلد بازی سے کام لیا ہے۔ یہاں اسے گلا گھونٹ مارا..... وہیں خودکشی کا منظر بھی ترتیب دے دیا۔ ہو سکتا ہے وہ بنگلے میں پہلی بار آئے ہوں۔ بیراگی کو چھت سے پنکھا اتارنے سے قبل ڈرائنگ روم کا خالی کڑا یاد آتا..... اور وہ پنکھا اتار کر خودکشی کرنے کی حماقت کبھی نہ کرتا۔

ایس پی کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ پھر اگر وہ قتل ہے تو اس کا مطلب ہوا کہ بیراگی بھی درمیانی آدمی ہے۔"

"صرف یہی نہیں بلکہ درمیانی آدمی کا خاتمہ اصل مجرم کو تاریکی میں رکھنے کا باعث بھی ہو سکتا ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ پھر اس نے یک بیک چونک کر کہا۔ "وہ کار اور دونوں لاشیں ان کے لئے آپ نے کیا کیا؟"

"لاشیں ابھی تک شناخت نہیں ہو سکیں۔ گاڑی پر نصیر آباد کی نمبر پلیٹ ہے۔ نصیر آباد سے فون پر رابطہ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس نمبر کی گاڑی وہاں سے پچھلی رات کو چوری ہوئی تھی۔ میں نے گاڑی کے مالک کو یہاں طلب کیا ہے۔

پھر ایس پی نے اپنے ساتھیوں سے مڑ کر کہا۔ "یہاں کی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگایا جائے۔"

"اب مجھے اجازت دیجئے۔" فریدی نے اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ٹھہریئے کرنل۔" وہ مضطربانہ انداز میں بولا۔ "اگر یہ قتل ہی ہے تو آپ خطرے میں ہیں۔"

"میں ہر وقت خطرے میں رہتا ہوں۔" فریدی مسکرایا۔ "اور دروازے کی طرف چل دیا۔"

حمید نے ایک بار پھر فون پر فریدی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی اور وہ مل ہی گیا۔

"میں کئی بار کوشش کر چکا ہوں۔" حمید نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "اوہ اچھا..... میں آپ کو ایک اطلاع دینا چاہتا ہوں وہ یہ کہ کوٹھی کی نگرانی ہو رہی ہے جس وقت میں روانہ ہو تھا ایک آدمی..... آپ کو معلوم ہے..... اور تو پھر مجھے یہ اطلاع کسی دوسرے سے ملی تھی..... ہائیں..... آپ کو کیسے معلوم ہوا' اور تو کیا یہاں کوئی اور بھی موجود ہے۔ اوہ وہی لڑکی ہے..... پچھلی رات والی..... وہ جس کے سکوٹر پر..... کیا.....؟ جی نہیں..... وہ کہہ رہی ہے کہ میں تمہارے چیف کے لئے تمہارے پیچھے لگی ہوں۔ آپ کی آنکھوں کے متعلق کچھ کہہ رہی تھی۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتا۔ کیا؟ کمال کرتے ہیں آپ بھی..... کیسے پیچھا چھڑاؤں۔ وہ اس وقت بھی سامنے کھڑی اپنے مخصوص انداز میں مسکرا رہی ہے..... کیا؟ لاشیں..... اوہ..... لیکن وہ کیا کر سکے گی..... اگر وہ اس پر تیار ہو تو..... اچھی بات ہے..... ٹھہریئے پوچھتا ہوں۔"

حمید ماؤتھ پیس کو ہتھیلی سے بند کر کے جولی وکٹر کی طرف مڑا۔

"میرا چیف کہتا ہے کہ وہاں دو لاشیں ملی ہیں..... اس کا خیال ہے کہ تم انہیں شناخت کر سکو گی۔"

"مم..... میں.....!" وہ ہکلائی پھر ہنس کر بولی۔ "تم مذاق کر رہے ہو۔"

"نہیں..... یہ حقیقت ہے۔ یہ چیف کا خیال ہے کہ وہ دونوں غالباً وہاں آتے جا رہے ہوں گے جہاں سے لڑکی کا جنازہ اٹھا تھا۔"

"بھلا خواہ مخواہ خیال کیسے پیدا ہوا۔"

"مرد کی لاش کی شناخت مالک مکان مسٹر جیمز نے کی ہے۔ اس کے بیان کے مطابق لڑکی کے شوہر کی لاش ہو سکتی ہے۔ اب تمہیں عورت کی لاش کی شناخت کرنی ہے؟"

"دونوں لاشیں ساتھ ملی ہیں۔" جولی نے پوچھا۔

"ہاں ایسا ہی ہوا ہے؟"

"لیکن میں اب شہر واپس نہیں جانا چاہتی۔"

"تمہیں بذریعہ سمن بھی لاش شناخت کے لئے طلب کیا جا سکتا ہے۔"

"کیا کسی دوسرے طریقے سے یہی کام نہیں لیا جا سکتا..... مثلاً جیمز.....!"

"جیمز نے عورت کی لاش سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔"

"تو کوئی اور پڑوسی۔"

"میرے چیف کا خیال ہے کہ چونکہ تم اس کی ٹوہ میں رہتی تھیں اس لئے تم نے خصوصیت سے وہاں آنے والی عورتوں پر نظر رکھی ہو گی۔"

"کیا بات ہوئی؟ بھلا عورتوں ہی پر خصوصیت سے کیوں نظر رکھی ہو گی۔"

"کیونکہ تم لڑکوں کی بجائے لڑکیوں سے محبت کرتی ہو۔ یہ بھی میرے چیف ہی کا خیال ہے ورنہ میں اتنا بھی ناامید نہیں تمہاری طرف سے۔"

"تم بھی اُلو ہو..... اور تمہارا چیف بھی۔" وہ کسی قدر جھینپ کر بولی۔

حمید نے پہلی بار اُسے جھینپتے دیکھا تھا۔

"میرا چیف ہو سکتا ہے۔" حمید نے سر ہلا کر کہا۔ "کیونکہ وہ کسی سے بھی محبت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔"

"میں نہیں جا سکتی..... اور تم یہ کیا بکواس کر رہے تھے کہ میں اس کے لئے تمہارے پیچھے لگی تھی۔"

"تم نے کہا تھا..... یا یہ غلط ہے۔"

"میں تمہارے لئے تمہارے پیچھے لگی ہوں۔" وہ اس کے چہرے کی طرف انگلی اٹھا کر بولی۔ "کیونکہ تمہاری شکل الہڑ لڑکیوں سی ہے۔"

حمید نے ماؤتھ پیس سے ہاتھ ہٹا کر کہا۔ "سنا آپ نے..... چونکہ میری شکل الہڑ لڑکیوں کی سی ہے اس لئے وہ مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔ خدا کی قسم..... کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔ آپ کے بارے میں اس نے جو کچھ کہا قطعی غلط ہے..... کیا؟ کیوں؟ ارے باپ رے؟ ہاں؟ ہاں؟ نہیں..... ہوں..... اچھی بات ہے" وہ ریسیور رکھ کر مڑا اور تھوڑی

دیر تک اسے غور سے دیکھتے رہنے کے بعد بولا۔ "اب مجھ سے بچ کر کہاں جاؤ گی۔"

ساتھ ہی پتلون کی جیب سے اعشاریہ دو پانچ کا پستول بھی نکل آیا۔

پستول کا رخ جولی کی طرف تھا اور حمید کہہ رہا تھا۔ "تم لوگ سمجھتے ہو کہ ہم اتنی آسانی سے مار لئے جائیں گے..... ہتھکڑیاں لگا کر یہاں سے شہر لے جاؤں گا۔"

"کک..... کیا مطلب.....!" جولی اس کی سنجیدگی پر بوکھلا گئی۔

"بیٹھ جاؤ.....!" حمید نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں.....!" وہ ہنس پڑی۔ "تم مذاق کر رہے ہو۔"

"میں تمہیں گولی مار دینے کی حد تک سنجیدہ ہوں۔"

"کیا یہ پاگل پن نہیں ہے۔"

"دو آدمی ہماری کوٹھی کی نگرانی کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک تم تھیں۔ تم میرے پیچھے آئیں اور اُدھر جب میرا چیف باہر آیا تو اس پر قاتلانہ حملہ ہوا۔"

"نہیں.....؟" وہ بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔

"میں غلط نہیں کہہ رہا۔ اس پر ٹامی گن سے حملہ ہوا تھا۔ جس کار نے رستہ بلاک کیا تھا اس پر ایک عورت اور ایک مرد بیٹھے تھے۔ دونوں شکار ہو گئے۔ چیف اپنی پھرتی کی وجہ سے بچ گیا۔"

"زخمی بھی نہیں ہوا؟"

"نہیں.....!"

جولی نے طویل سانس لی اور مسکراتی ہوئی بیٹھ گئی۔ پھر دفعتاً بولی۔ "اور وہ مرد اس لڑکی کے شوہر کی حیثیت سے شناخت کیا جا چکا ہے۔"

"ہاں..... مالک مکان نے اس کی لاش شناخت کی ہے۔"

"میں ضرور چلوں گی..... لیکن وعدہ کرو کہ مجھے اپنے ساتھ واپس لاؤ گے۔"

"میں تو یہاں سے ہل بھی نہیں سکتا۔"

"کیوں.....؟"

"ڈیوٹی..... ڈیوٹی ہے..... یہاں ہمارا ایک آدمی موجود ہے..... وہ تمہیں لے جائے گا۔"

کچھ دیر بعد وہ اس پر رضامند ہو گئی۔ لیکن حمید اس سے یہ نہ معلوم کر سکا کہ وہ واپسی پر کس بضد ہے۔ چلتے چلتے کہہ گئی "میں تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گی۔"

سارجنٹ رمیش یہاں حمید کی دیکھ بھال کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ وہی جولی کو اسی کے ساتھ شہر لے گیا۔

حمید سوچتا رہا آخر کیا چکر ہے۔ کہانی ایک بے سر کی لاش سے شروع ہوئی تھی پھر وہ اس جگہ تک پہنچے تھے جہاں سے جنازہ اٹھا تھا۔ پھر ایک سال کے مردے مسٹر بھٹی کے زندہ ہونے کی اطلاع ملی تھی۔ پھر چلا تھا راٹھور کا چکر..... اور اب یہ نیا حادثہ۔ ان دو مرنے والوں میں ایک لاش اس لڑکی کے شوہر کی حیثیت سے شناخت کی گئی تھی اور اب عورت کی شناخت کے لئے فریدی نے جولی وکٹر کو طلب کیا تھا۔

جولی کے چلے جانے کے بعد تنہائی بُری طرح کھل رہی تھی۔ وہ سوچنے لگا کیا وہ پھر واپس آئے گی۔ یہ لڑکی ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔ کیا وہ بھی مجرموں کے گروہ سے تعلق رکھتی ہے۔

نو بجے رات کو اُسے اطلاع ملی کہ جولی صرف مرد کی لاش شناخت کر سکی ہے۔ اس سلسلے میں اس نے مالک مکان کی تائید کی ہے۔ عورت کو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ اطلاع جو اُسے دی تھی جو تنہا واپس آیا تھا۔ جولی وکٹر کے بارے میں وہ کچھ نہ بتا سکا۔

سنہری بوچھاڑ

ڈیل آئی۔ جی نے فریدی کو طلب تو کیا تھا لیکن اب خاموش بیٹھا اسے اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے گفتگو کے لئے نقطہ آغاز کی تلاش ہو۔ بالآخر کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "کیا تم مجھ سے

کھل کر گفتگو کرنا پسند کرو گے۔"

"یہ آپ کیا فرما رہے ہیں..... کھل کر گفتگو نہ کرنے کی جسارت کیسے کر سکتا ہوں۔"

"تم کسی بھی کیس کے سلسلے میں اس وقت تک کھل کر گفتگو نہیں کرتے جب تک کہ حالات کو پوری طرح اپنی گرفت میں نہ لے لو۔"

"اکثر میں نے اپنے اوہام تک گوش گزار کر دیئے ہیں۔"

"اس میں بھی کوئی مصلحت رہی ہوگی۔" ڈی۔ آئی۔ جی مسکرایا۔

"ایک گزارش میری بھی ہے۔"

"کہو....."

"حمید کو آپ نے براہِ راست کیوں طلب فرمایا تھا۔"

"اوہ..... وہ ایک ذاتی مسئلہ تھا۔"

"کیا اس کے خلاف کوئی اہم رپورٹ ملی ہے۔"

"نہیں بھئی..... دراصل ایک رشتے کے سلسلے میں اس کے ایک خاندان کے متعلق معلومات حاصل کرنی ہیں۔ وہ ان لوگوں کو قریب سے جانتا ہے۔"

"اوہ.....!"

"کیا وہ ابھی واپس نہیں آیا۔"

"جی نہیں..... میرا خیال ہے کہ جی۔ سی۔ ایچ سوسائٹی والے کیس کی کوئی کڑی ہاتھ آگئی ہے اور وہ مجھ سے مشورہ لئے بغیر الجھ گیا ہے۔"

"میں اس وقت دراصل اسی کیس کے متعلق گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"فرمایئے۔"

"آخر اس لاش کو اس طرح منظر عام لانے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے جس طرح انہوں نے اس کے سر اور ہاتھ پیر غائب کر دیئے تھے اسی طرح لاش کے ٹکڑے کر کے اسے باآسانی عمارت سے ہٹا سکتے تھے۔ پھر خود بھی غائب ہو جاتے۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔"

"اس کیس میں سب سے زیادہ دلچسپ پوائنٹ یہی ہے۔"

"تم کس نتیجے پر پہنچے ہو۔"

"یقین فرمایئے..... یہی سوال میرے ذہن میں بھی موجود ہے۔ لیکن ابھی تک اس کا کوئی معقول جواب نہیں مل سکا۔"

"پھر تم ٹھیک اسی عمارت میں جا پہنچے ہو..... جہاں سے جنازہ اٹھایا گیا تھا اور دوسرے تم پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے۔ تم بچ جاتے ہو لیکن وہ دونوں مارے جاتے ہیں جنہوں نے تمہارا راستہ روکا تھا اور ان میں سے ایک جی۔ سی۔ ایچ سوسائٹی والی مقتولہ کا مبینہ شوہر ثابت ہوتا ہے۔"

وہ خاموش ہو کر کچھ دیر تک فریدی کے چہرے پر نظر جمائے رہا پھر بولا۔ "تم حملہ آوروں کا تعاقب کر کے ایک کو زخمی کر دیتے ہو اور دوسرا تمہارے ہی ہاتھوں گرفتار ہو جاتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ کسی نے تم پر حملہ کرایا تھا۔ تم اس آدمی کے لئے بھی فوری طور پر پیشین گوئی کر دیتے ہو کہ اب تک وہ بھی قتل کیا جا چکا ہوگا اور اس قتل کو خودکشی کا رنگ دینے کی کوشش بھی کی گئی ہوگی۔ اس طرح پولیس کی رسائی ڈی۔ ایس۔ پی بیراگی کی لاش تک ہوتی ہے۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ تمہاری پیشین گوئی سے مختلف کہانی نہیں سناتی۔ یہ سب کیا ہے.....؟ مجھے بتاؤ۔"

"میں کیا عرض کروں..... بعض اوقات قیاس بھی حقیقت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ مجرم اس قسم کی سازشیں کرتے ہیں انہیں پل پل کی خبر رہتی ہے۔ اسی اندازے کی بناء پر میں نے بیراگی کے قتل کی پیشین گوئی کی تھی۔"

"بہرحال تم نے بیراگی کو درمیانی آدمی سمجھ کر ہی پیشین گوئی کی ہوگی۔"

"جی ہاں..... میں جانتا تھا کہ بیراگی کو مجھ سے کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہو سکتی۔"

"پھر وہ کون ہو سکتا ہے..... جس کیلئے وہ اس حد تک جانے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔"

"یہی تو دیکھنا ہے....." فریدی نے جواب دیا۔

"میں تمہارے اس جواب سے مطمئن نہیں ہوں۔" ڈی۔ آئی۔ جی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

فریدی نے طویل سانس لے کر کہا۔ "میں آپ کو بتاؤں بھی تو کیا..... خیر سنئے..... آپ کو وزارت اُمور خارجہ کا بھٹی یاد ہی ہوگا۔"

"وہ جس کی موت کی تفتیش کے سلسلے میں تم سوئٹزرلینڈ گئے تھے۔"

"جی ہاں..... وہی.....!" فریدی نے کسی قدر اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔ "اس کے جنازے کے سلسلے میں چھان بین کرتے وقت ایک حیرت انگیز چیز سامنے آئی۔ وہ تھی مسٹر بھٹی کی عدم آباد سے واپسی؟"

"کیا مطلب.....؟" ڈی۔ آئی۔ جی چونک کر بولا۔

فریدی نے اسے اس کے بارے میں تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا۔ "بھٹی کی موت کی خبر چھپائی گئی تھی..... آج بھی بہت کم لوگ اس سے واقف ہیں۔"

"لیکن یہ تو سوچو کہ اس کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"کیا آپ کو علم ہے کہ بھٹی کی موت کی خبر عام کیوں نہیں ہوئی تھی۔"

"غالباً کوئی بین الاقوامی چکر تھا۔"

"میں آج آپ کو بتا رہا ہوں کہ یہ ایسی کوئی بات نہیں تھی..... یہ چیز انہیں باور کرائی گئی تھی جو بھٹی کی موت سے واقف تھے۔ ان سے کہا گیا تھا کہ وہ اس کی موت کا تذکرہ کسی سے نہ کریں۔ کیونکہ اس سے بعض بین الاقوامی پیچیدگیاں ہو سکتی ہیں۔"

"پھر کیا بات تھی.....؟" ڈی۔ آئی۔ جی مضطربانہ انداز میں آگے جھک گیا۔

"بات..... میرا خیال ہے کہ ابھی میں اس سلسلے میں کچھ نہ بتا سکوں گا۔"

"کیوں.....!"

"ایک بہت بڑے آفیسر کا نجی معاملہ ہے۔"

"اوہ..... سمجھ گیا.....؟ تم وزارت اُمور خارجہ کے سیکریٹری کی درخواست پر بھیجے گئے تھے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ ڈی۔ آئی۔ جی کے چہرے پر کسی قدر جھنجھلاہٹ اور شرمندگی کے ملے جلے آثار تھے۔



حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔ تو ڈی۔ آئی۔ جی کے یہاں براہِ راست طلبی کا راٹھور والے واقعات سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

یہ بات اُسے فون پر فریدی نے بتائی تھی۔ لیکن واپسی کے لئے کچھ نہیں کہا تھا۔ تو پھر اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ ویسے تار جام کا ہوٹل روواتو ایسی ہی جگہ تھی کہ جب تک سہولت ہو وہاں قیام کیا ہی جائے۔

پڑھی لکھی خوبصورت لڑکیاں سرو کرتی تھیں۔ رات کے کھانے کے اوقات میں فلور شو ہوتا تھا۔ کیبرے ڈنر کے لئے الگ انتظام تھا۔ اگر کوئی میز پر تنہائی محسوس کرتا تو اس کے لئے ساتھی کا انتظام بھی بطریق احسن ہو جاتا تھا۔

کچھ بھی ہو۔ اس نے سوچا اب یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ فریدی کی زندگی خطرے میں تھی۔ اسے راٹھور یاد آیا۔ کیا یہ حرکت اسی کی ہو سکتی ہے..... خون کھولنے لگا اپنی بے بسی یاد کر کے۔

کاؤنٹر پر حساب بے باق کر کے وہ سوٹ کیس سنبھالے ہوئے باہر آیا۔ گیراج سے کار نکالی اور شہر کی طرف چل پڑا۔ لیکن گھر جانے کا ارادہ نہیں تھا۔

شہر میں داخل ہونے سے پہلے وہ اپنے ریڈی میڈ میک اپ میں آگیا۔ یعنی وہی دونوں نتھنوں میں رکھ لئے جن کے کھچاؤ سے ناک کی نوک کے ساتھ بالائی ہونٹ بھی کسی قدر اوپر اٹھ جاتا تھا اور سامنے کے دو دانت مستقل طور پر دکھائی دینے

لگتے تھے۔

پھر تاریک شیشوں کی عینک کا اضافہ تو گویا اس میک اپ کا فنشنگ ٹچ تھا۔ اب کون تھا جو حمید کو قریب سے بھی پہچان لیتا۔

یہ سب کچھ ہوا۔ لیکن وہ ابھی تک فیصلہ نہ کر سکا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ شہر پہنچ کر ہی اس نے سوچا کہ اسے نیاگرا کی طرف جانا چاہئے۔ جہاں دوسری منزل کے کمرہ نمبر ۳۶ میں وہ اسی نام سے قیام کر سکے گا جو سپروائزر نے اس کے لئے منتخب کیا تھا۔

اس نے ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ کے قریب گاڑی روکی اور اتر کر بوتھ میں آیا۔ فون پر نیاگرا سے رابطہ قائم کر کے پروفیسر شرما سے وہ نام دریافت کیا جس کے لئے کمرہ بک کیا تھا۔

"شاہد پرویز.....!" وہ سلسلہ منقطع کرتا ہوا بڑبڑایا۔ "نام تو اچھا خاصا ہے مگر فی الحال صورت ایسی نہیں ہے۔"

اس میک اپ کے بعد وہ آئینہ دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا۔

تو اب وہ شاہد پرویز تھا اور یہ تو اس نے نیاگرا کے اس کمرے میں پہنچنے کے بعد ہی سوچا تھا کہ آخر اس کی ضرورت ہی کیا تھی۔ سیدھا گھر چلا جاتا۔ لیکن چھٹی حس کو کیا کرتا جو کسی طرح بھی گھر کی جانب رغبت نہیں ہونے دیتی تھی۔

اس نے سوچا آخر وہ گھر کیوں نہیں جانا چاہتا۔ گھر کے بارے میں سوچتے ہوئے جولی وکٹر پھر یاد آئی اور وہ سوچنے لگا کیوں نہ اسے فون کیا جائے اس کے گھر کے فون نمبر وہ بھولا نہیں تھا۔

ہوٹل کے ایکسچینج سے رابطہ قائم کر کے نمبر بتایا۔ یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ دوسری طرف سے جولی کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو..... کون ہے؟"

"پہچانو.....!" حمید احمقانہ انداز میں مسکرایا۔ ناک سے اسپرنگ نکال لیے تھے اس لئے مسکرانے میں کوئی خاص دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

"اوہ..... تم ہو..... کہاں سے بول رہے ہو۔"

"نیاگرہ کے کمرہ نمبر ۳۶..... دوسری منزل شاہد پرویز نام ہے۔"

"میں آرہی ہوں..... کہیں جانا مت....." آواز آئی اور فوراً ہی سلسلہ بھی منقطع ہو گیا۔

حمید ریسیور کریڈل میں رکھتے وقت سوچ رہا تھا کہ اس لڑکی سے ایک کیس کی تفتیش کے دوران ملاقات ہوئی تھی۔ وہ خود ہی مل بیٹھی تھی۔ کیا یہ ضروری ہے کہ اس کا بھی ان واقعات سے کوئی تعلق ہو۔

"بالکل نہیں.....!" وہ دل کو سمجھانے لگا۔ وہ ایک کھلنڈری سی لڑکی ہے۔ ایسی لڑکیاں کسی کی منتظر نہیں رہتیں کہ کوئی کسی سے ان کا تعارف کرائے۔ وہ خود ہی مل بیٹھتی ہیں۔ ہو سکتا ہے ہم دونوں میں سے کوئی اس کیلئے اتنا ہی پرکشش ثابت ہوا ہو کہ بے اختیار کھنچی چلی آئے۔

وہ کمرے میں ٹہلتا اور تمباکو پھونکتا رہا۔ آدھے گھنٹے میں کئی بار پائپ بھرا گیا تھا۔ ٹھیک آدھے گھنٹے کے بعد کسی نے دروازے پر دستک دی۔

حمید نے جھپٹ کر دروازہ کھول دیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں بوکھلا کر پیچھے ہٹ جانا پڑا۔ دروازے میں کھڑے ہوئے آدمی کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کا رخ بھی حمید ہی کی طرف رہا ہوگا۔ گٹھیلے جسم کا دراز قد آدمی تھا۔ عمر تیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ چہرے کی رنگت سے ظاہر ہوتا تھا کہ کشیدنی منشیات کا عادی ہے۔

"پیچھے ہٹو.....!" وہ غرایا۔

حمید اپنے ہاتھ اٹھائے ہوئے پیچھے ہٹتا چلا گیا۔ ساتھ ہی وہ اندر آگیا تھا۔ اس نے حمید کی طرف رخ کیے ہوئے لات مار کر دروازہ بند کیا اور ریوالور والے ہاتھ کو وحشیانہ انداز میں جنبش دے کر بولا۔ "میں تمہیں جانتا ہوں..... تم محکمہ سراغ رسانی کے ایک آفیسر ہو۔ لیکن میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"خواہ مخواہ.....!" حمید سر جھٹک کر بولا۔

"خواہ مخواہ نہیں..... میں نے آج تک بلاوجہ قتل نہیں کیا۔"

"میرے قتل کر دینے کی وجہ بھی جلد ہی بیان کرو۔ کیونکہ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ ابھی ایک لڑکی یہاں آ رہی ہو گی۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ یہاں میری لاش دیکھے۔ اگر تم نے کوئی معقول وجہ بیان کر دی تو ہم یہاں سے کہیں اور چلے چلیں گے اور پھر تم مجھے قتل کر دینا۔"

"بلف کر رہے ہو۔" وہ آنکھیں نکال کر بولا۔ "یہاں کوئی نہیں آئے گا۔"

"ارے یار تم وجہ بیان کرو..... شائد میں تمہاری غلط فہمی رفع کر سکوں۔ اس سے پہلے بھی کئی حضرات محض غلط فہمی کی وجہ سے چڑھ دوڑے ہیں اور پھر انہیں شرمندہ ہونا پڑا ہے۔"

"کیا آج کل تم جولی وکٹر کے ساتھ نہیں دیکھے جاتے۔"

"میرا خیال ہے کہ تم اس کے والد نہیں ہو۔" حمید نے ترشروئی سے کہا۔

"تو تمہیں اعتراف ہے....." وہ دانت پیس کر بولا۔

"ارے مجھے ڈر ہے کسی کا..... وہ خود ہی تو ملی تھی مجھ سے۔ میں نے کوشش نہیں کی تھی کہ وہ میری طرف متوجہ ہو..... اور پھر تم ہو کون۔"

جواب میں وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ کسی نے دروازے کو دھکا دیا۔ بس پھر وہ دروازے کی طرف متوجہ ہوا ہی تھا کہ حمید نے نہ صرف اس کے ریوالور پر ہاتھ ڈال دیا بلکہ بائیں کنپٹی پر اس زور کا مکہ رسید کیا کہ وہ لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

اب ریوالور حمید کی گرفت میں تھا..... اور جولی وکٹر دروازے میں کھڑی متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکا رہی تھی۔

دفعتاً اجنبی نے اس بات کی پرواہ کئے بغیر کہ خود نہتا ہو چکا ہے حمید پر چھلانگ لگائی۔ حمید یہاں گولی نہیں چلانا چاہتا تھا..... اور پھر بجلی کی طرح یہ خیال ذہن کے تاریک گوشوں سے ابھرا کہ ریوالور خالی معلوم ہوتا ہے۔

اب دونوں فرش پر آ رہے تھے۔ اچانک جولی وکٹر چیخی۔ "گیسپر..... گیسپر..... یہ کیا ہو رہا ہے..... الگ ہٹو..... ہٹ جاؤ..... ہٹو۔"

حمید نے محسوس کیا کہ گیسپر ڈھیلا پڑتا جا رہا ہے۔ اس نے اسے دوسری طرف اچھال اور خود تیزی سے اٹھ بیٹھا۔ گیسپر نے بھی اٹھنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ لیکن جولی ان کے درمیان آتی ہوئی دھاڑی۔ "یہ کیا ہو رہا ہے..... تم یہاں کیوں آئے ہو؟"

وہ کچھ نہ بولا۔ سر جھکائے کھڑا رہا۔

"تم میری..... ٹوہ میں رہتے ہو..... کیوں؟" وہ اس کا شانہ جھنجھوڑ کر بولی۔

اس نے سر اٹھا کر اس کے چہرے پر نظر ڈالی اور پھر پلکیں جھپکائیں۔

"خاموش کیوں ہو..... بولو" اس نے اسے پھر جھنجھوڑا۔

"مم..... میں..... ٹوہ..... میں..... نن..... نہیں تھا۔" وہ ہکلایا۔ "کسی نے فون پر اطلاع دی تھی کہ تم اس کے ساتھ ہو۔"

"کس نے اطلاع دی تھی۔"

"مم..... میں نہیں جانتا..... اس نے نام نہیں بتایا تھا۔"

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم اتنے کمینے ہو۔ کیا میں اس سے شادی کرنے جا رہی ہوں۔ جاؤ..... نکلو یہاں سے..... چلے جاؤ..... اب کبھی اس سے الجھنے کی کوشش نہ کرنا۔"

وہ سر جھکائے ہوئے دروازے کی طرف مڑ گیا۔ حمید نے اُسے باہر نکلتے ہوئے دیکھا اور حیرت انگیز تبدیلی کے متعلق سوچتا رہا۔

جولی وکٹر نے دروازہ بند کر کے بولٹ کر دیا اور حمید کی طرف مڑ کر بولی۔ "مجھے افسوس ہے..... یہ گیسپر تھا..... مجھے شدت سے چاہتا ہے۔ میرا کزن بھی ہے۔ ڈیڈی اسے پسند نہیں کرتے۔ یہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ خطرناک قسم کا غنڈہ ہے۔ کثرت سے چرس پیتا ہے۔ ویسے تو کوئی ایسی بات نہیں۔ میں اس سے شادی کر لیتی..... لیکن تم نے ابھی دیکھا ہے۔"

"کیا دیکھا ہے....." حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"دم دبا کر بھاگ گیا۔"

"پھر کیا کرتا.....؟"

"ایک بھرپور ہاتھ میرے منہ پر رسید کرتا اور بال پکڑ کر گھسیٹتا ہوا یہاں سے لے جاتا۔ مجھے عاشق نہیں چاہئے..... مسٹر کیپٹن..... میں مرد چاہتی ہوں۔"

"مرد ہی خطرناک غنڈے ہوتے ہیں۔"

"نہیں..... مرد وہ ہے جو اپنی توہین کسی طرح بھی برداشت نہ کر سکے..... اگر معاملے میں عورت، مرد، بیوی یا محبوبہ کی تخصیص نہ کرے..... کیا سمجھے۔"

"تو پھر یہاں کیوں آئی ہو۔"

"تمہاری زندگی تھی اس لئے قدرت کی طرف سے انتظام ہو گیا۔"

"اوہ..... کیا مجھے اتنا گیا گذرا سمجھتی ہو۔"

"کیا اس نے تمہیں ریوالور سے کور نہیں کر رکھا تھا..... اگر میں نہ آجاتی تو تمہیں اس پر حملہ کرنے کا موقع ہی نہ ملتا۔"

"اسے کس نے مطلع کیا ہو گا۔"

"ہو گا کوئی.....!" جولی نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

"لیکن مجھے تو دیکھنا ہی پڑے گا کہ کون ہے۔"

"کیوں.....؟"

"غالباً وہ گیسپر کے مزاج سے اچھی طرح واقف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کس قسم کی خبر اُسے فوری طور پر اتنا مشتعل کر دیں گی کہ وہ قتل تک کر گذرے۔ ابھی کل ہی میرے چیف بھی قاتلانہ حملہ ہو چکا ہے۔"

"ہاں اس نقطہ نظر سے تو سوچنا پڑے گا۔" جولی نے کہا اور اس کی آنکھوں سے گہرا تفکر مترشح ہونے لگا۔

"چلو ختم کرو..... تم اپنے ہی متعلق مجھے کچھ بتاؤ۔"

"اپنے بارے میں کیا بتاؤں۔"

"میرے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو۔"

"اوہ..... تو کیا میں تمہیں اچھی نہیں لگتی۔"

"ادھر دیکھو..... تمہارے علاوہ اور کسی کو یہ نہیں معلوم کہ میں یہاں شاہد پرویز کے نام سے مقیم ہوں۔"

"ہوں..... سمجھی۔" وہ سر ہلا کر بولی۔ "لیکن یہ تو سوچو ڈیئر کیپٹن کہ مجھے اس سے کیا فائدہ کہ میں خود ہی تم پر حملہ کراؤں اور پھر خود ہی بچانے بھی دوڑی آؤں۔"

"قطعی فائدہ ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "تم الٹی کھوپڑی رکھتی ہو۔ اکثر فلموں میں تم نے دیکھا ہو گا کہ ہیروئن غنڈوں میں گھری ہوئی ہے کہ اچانک کسی طرف سے ہیرو نمودار ہو کر ٹوٹ پڑتا ہے ان پر۔ پھر تو ہیروئن کو اس سے محبت کرنی ہی پڑتی ہے۔"

"تو میں نے جناب کا دل جیتنے کے لئے یہ حرکت کی ہو گی۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ "کبھی آئینے میں بھی دیکھی ہے لومڑی جیسی شکل۔"

"تو پھر بکو جلدی سے کیا بات تھی..... میرے پاس وقت نہیں ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ میں..... ان لوگوں کے گروہ سے تعلق رکھتی ہوں جو تمہیں یا تمہارے چیف کو قتل کر دینا چاہتے ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ اُسے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے کہی ہوئی بات کا وزن معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

دفعتاً جولی نے جھپٹ کر گیسپر کا ریوالور اٹھا لیا جو اس ہنگامے کے دوران حمید کے ہاتھ سے نکل کر ایک گوشے میں جا گرا تھا۔

"اب بتاؤ.....!" وہ اس کا رخ حمید کی جانب کرتی ہوئی بولی۔

"ریوالور خالی ہے.....!" حمید مسکرایا۔

"تمہارا خیال غلط ہے..... یہ دیکھو.....!"

بے آواز ریوالور کی گولی نے میز پر رکھے ہوئے بلوری ایش ٹرے کے ہزاروں ٹکڑے کر دیئے۔

حمید خاموش ہو گیا۔ جولی مسکرا کر بولی۔ "تم سمجھے تھے شاید گیسپر نے ریوالور کی پرواہ نہ کر کے تم پر اس لئے چھلانگ لگائی تھی کہ وہ خالی تھا..... شش..... وہ ایسا ہی بے جگر ہے..... جب اس پر خون سوار ہوتا ہے تو عقل اس سے دور بھاگتی ہے..... یہ لو۔"

اس نے ریوالور حمید کی طرف اچھال دیا۔



فریدی بہت غور سے اس کی کہانی سن رہا تھا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی بولا۔ "پھر کیا ہوا۔"

"ریوالور میری طرف اچھال کر غصے میں بھری ہوئی کمرے سے نکل گئی تھی۔" حمید نے طویل سانس لے کر کہا۔ "میں جہاں تھا وہیں رہا..... پھر بڑی دیر بعد اپنے اعصاب پر قابو پا سکا تھا۔ وہ جا چکی تھی..... میں نے نیاگرا کی پوری عمارت چھان ماری۔ دیکھنا یہ ہے کہ گیسپر کو فون پر اطلاع کس نے دی تھی۔"

"ظاہر ہے کہ وہ یا تو سپر وائزر ہو سکتا ہے یا پھر وہ لوگ جو تمہیں اس رات نیاگرا میں چھوڑ گئے تھے۔"

"راٹھور.....!" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"کوئی بھی ہو سکتا ہے..... لیکن وہ جولی اور گیسپر سے اچھی طرح واقف ہے۔"

"آپ کیا کر رہے ہیں۔"

"عنقریب ایک بڑا کھیل دیکھو گے۔" فریدی مسکرایا۔

"کیا یہ کوئی ایسا ہی اہم معاملہ ہو سکتا ہے کہ ہم دونوں کو ختم کر دینے کی ضرورت محسوس کی جائے۔"

"کیوں نہیں..... خود سوچو..... میں نے بھٹی کی لاش نہیں دیکھی تھی اسے وہیں دفن کر دیا گیا تھا اور میں تدفین کے بعد سوئٹزر لینڈ پہنچا تھا۔ بہر حال اب وہی بھٹی یہاں زندہ

پایا جا رہا ہے اور ایک صاحب ایسے بھی ہیں جو تم پر کوئی نشیلی دوا استعمال کر کے تم سے دن بھر رپورٹ حاصل کر لیتے ہیں۔"

"اور یہ کہانی اس بے سر و پا لاش سے شروع ہوئی تھی۔" حمید نے کہا۔

"ہاں..... آں..... اسی کے توسط سے تو بھٹی زندہ ہوا ہے۔"

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ بھٹی کے سلسلے میں آپ نے سوئٹزر لینڈ میں کیا کیا تھا۔"

"صبر کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا۔"

"آپ کو وہاں بھیجنے کا مقصد کیا تھا۔"

فریدی جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ ریسیور اٹھا کر وہ کچھ کہنے ہی لگا تھا اور پھر "ٹھیک ہے" کہہ کر ریسیور رکھ دیا تھا۔

"مقصد.....!" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "تم مجھ سے یہ کیوں نہیں پوچھتے جولی وکٹر تمہارے پیچھے کیوں پڑ گئی ہے۔"

"بھلا یہ میں آپ سے کیوں پوچھنے لگا۔"

"یہ بھی معقول بات ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

حمید تھوڑی دیر تک خاموشی سے پائپ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا پھر بولا۔

"تو بھٹی..... راٹھور کے ہٹ میں مرا تھا۔"

"ہاں..... اُسے الیکٹرک شاٹ لگا تھا۔ راٹھور کا بیان ہے کہ وہ اس وقت اپنے ہٹ میں موجود نہیں تھا۔ بھٹی بحیثیت مہمان وہاں مقیم تھا۔"

"کسی سرکاری کام سے وہاں گیا تھا۔"

"نہیں وہ چھٹی پر تھا۔"

"پھر آپ کے بھیجے جانے کی وجہ سمجھ نہیں آتی۔"

فون کی گھنٹی پھر بجی اور فریدی اُسے جواب دینے کی بجائے فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس بار بھی اس نے پہلے ہی کی طرح خاموشی سے کال ریسیور کی اور سلسلہ منقطع کرنے سے

پہلے صرف اتنا ہی کہا کہ "اُسے جلد از جلد حالات سے مطلع کیا جائے۔"

حمید کی الجھن بڑھتی جا رہی تھی اور سوالات کا ایک ریلا تھا جو ذہن کے تاریک گوشوں سے اُبھر کر شعور میں ہلچل مچائے ہوئے تھا۔

دفعتاً اس نے فریدی کو عجیب نظروں سے گھورنا شروع کیا۔

"خیریت.....!" فریدی مسکرایا۔

"وہ لڑکی.....!" حمید انگلی اٹھا کر بولا۔ "اس لڑکی کے بارے میں تو پوچھ کر ہی رہوں گا جسے آپ راٹھور کے ہٹ سے اٹھالے گئے تھے۔ مم..... میرا مطلب ہے لگ کیوں اٹھالے گئے تھے۔ لفظ اٹھالے جانا ہی میرے لئے بے حد ہیجان انگیز ہے..... اس لئے مم..... میری ہکلاہٹ کو معاف..... نف..... فرمایئے گا۔"

"وہ بھٹی کی محبوبہ تھی۔"

"اوہ..... تو مردے کا مال سمجھ کر اٹھا کر لے گئے تھے۔ استغفراللہ۔"

فریدی مسکراتا رہا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "وہ بھی حادثہ کے وقت ہٹ میں موجود نہیں تھی۔"

"تو اس سے پوچھ گچھ کرنے کے لئے اٹھالے گئے ہوں گے۔"

"لفظ اٹھالے جانا سچ مچ تمہارے لئے کافی لذت انگیز ثابت ہو رہا ہے۔" فریدی خشک لہجے میں بولا اور کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک تصویر نکال کر حمید کے سامنے ڈال دی۔

"کیا یہی تھی۔" حمید نے بے ساختہ پوچھا۔ فریدی نے اثبات میں سر کو جنبش دی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ حمید تصویر کا جائزہ لیتا رہا۔ وہ نازک خدوخال والی ایک صحت مند لڑکی تھی۔

"جولی وکٹر اور اس کے پڑوسی تصویر کو شناخت کر چکے ہیں۔" فریدی کھڑکی سے نظر ہٹائے بغیر بولا۔

"اوہ.....!" حمید اچھل پڑا۔ "تو وہ بے سروپا لاش اس کی تھی۔"

"قطعی طور پر یہی کہا جا سکتا ہے۔"

"لیکن..... لیکن..... آپ کو اچانک اسی کا خیال کیسے آیا۔"

"اس مکان میں جہاں سے جنازہ اٹھا تھا..... انگلیوں کے نشانات کی تلاش کی مہم کے دوران میں اس کی انگلیوں کے نشانات بھی ملے تھے۔"

"تو کیا تصویر ہی کے ساتھ اس کی انگلیوں کے نشانات بھی آپ کے ریکارڈ میں موجود تھے۔"

"یقیناً..... ورنہ اتنی جلدی اس نتیجے پر کیسے پہنچتا۔" فریدی سگار کا گوشہ توڑتا ہوا بولا۔ "تمہیں یہ معلوم کر کے مزید حیرت ہوگی کہ اس لڑکی کا تعلق دنیا کی خطرناک ترین تنظیم سے بھی تھا۔"

"تب تو آپ نے سوئٹزر لینڈ سے واپسی کے بعد بھی اس پر نظر رکھنے کی کوشش کی ہوگی۔"

"میں ایسا نہیں کر سکا تھا۔ کیونکہ وہ سوئٹزر لینڈ میں ہی مجھے جل دے کر غائب ہو گئی تھی۔ میں اسے راٹھور کے ہٹ سے زبردستی لے گیا تھا۔ ایک خاص معاملے کے متعلق اس سے پوچھ گچھ کرنی تھی لیکن بالآخر وہ میرے ہاتھ سے بھی گئی اور میں اپنے مقصد میں ناکام رہا۔"

"کس معاملے میں پوچھ گچھ کرنی تھی۔"

"مجھے افسوس ہے حمید صاحب۔ اس معاملہ میں اس وقت تک کچھ نہ بتا سکوں گا جب تک صاحب معاملہ اس کی اجازت نہ دے۔"

"اچھا..... اچھا.....!" حمید نے سر ہلایا اور بولا۔ "ایک بات اور..... کیا اس لڑکی کو بھی بھٹی کی موت چھپائی گئی تھی۔"

"یقیناً.....!"

"مجھے حیرت ہے۔ بھٹی کوئی اہم سرکاری خدمت بھی انجام نہیں دے رہا تھا۔ چھٹی پر

تھا اس کے باوجود بھی آج تک سرکاری کاغذات میں زندہ ہے اور اس کی تنخواہ بھی لگ رہی ہے..... دوسری طرف آپ کہتے ہیں کہ یہ ایک بڑے آفیسر کا نجی معاملہ ہے۔ مجھے بتایئے کیا یہ جرم نہیں ہے۔ اس بڑے آفیسر کو کب یہ حق پہنچتا ہے کہ.....!"

"میری بات سنو۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "بھٹی کی موت وقتی طور پر چھپائی گئی تھی۔ اس کے بعد اسے سرکاری کاغذات میں زندہ رکھنے کی ذمہ داری صرف مجھ پر ہے۔ میرے مشورے پر ایسا کیا گیا ہے۔"

"پہلے تو آپ نے کہا تھا کہ بھٹی کی موت کی خبر پھیلنے پر بعض بین الاقوامی پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔"

"اس وقت میں بحث کے موڈ میں نہیں تھا۔"

"جہنم میں جائے۔" حمید گردن جھٹک کر بولا۔ "میں بھی اس وقت بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔ یہ بتایئے کہ آپ گیسپر کے لئے کیا کر رہے ہیں۔"

"اب اس کی نگرانی بھی کی جائے گی۔"

ڈی۔ایس۔پی بیراگی کی حیرت انگیز موت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی تھی۔ اخبارات نے تفصیل کے ساتھ واقعات پر روشنی ڈالتے ہوئے خیال ظاہر کیا تھا کہ یہ سب کچھ کسی بین الاقوامی گروہ کی سازشوں کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ دشمن ممالک کے جاسوس عرصہ سے کوشش کر رہے ہیں کہ محکمہ سراغ رسانی کے بین الاقوامی شہرت رکھنے والے ایک آفیسر کو اپنے راستے سے ہٹا دیں۔ ڈی۔ایس۔پی بیراگی غالباً انہیں کا ایجنٹ تھا۔ سازش ناکام رہی۔ اس لئے اس کے پشت پناہوں نے اسے بھی ختم کر کے خود کشی اسٹیج کر ڈالی۔ انہیں خدشہ تھا کہ بیراگی ان کی نشاندہی کر دے گا۔ خیال ہے کہ آفیسر مذکور کو سازش کا علم ہو گیا تھا۔ ورنہ وہ بیراگی کی موت کی پیشین گوئی کیسے کر سکتا۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی

ہی کہتی ہے کہ بیراگی کی موت رسی کے پھندے سے نہیں واقع ہوئی۔

دوسری طرف حمید سوچ رہا تھا کہ اگر یہ غیر ملکی جاسوسوں کی حرکت تھی تو اس کی پبلسٹی ں کی جا رہی ہے۔ پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔ اس کے برعکس انہیں تو چپ چاپ ٹھکانے لگا نے کی کوشش کی جاتی تھی۔

حمید نے یہی سوال فریدی سے کیا تھا؟ جواب ملا۔ "بے پر کی اڑاتے ہیں..... یہ لوگ "

اس جواب پر بھنا کر خاموش ہو گیا تھا۔ پھر بات آگے نہیں بڑھی تھی اور حمید صرف ڈاکٹر کے متعلق سوچتا ہوا گھر سے رخصت ہو گیا تھا۔

کیا چیز ہے۔ ایسی پرکشش لڑکیاں شاذ و نادر ہی نظر سے گزری تھیں۔ ذہنی اعتبار سے عجیب ہی تھی۔ حمید سوچ رہا تھا اگر اس کی بکواس پر یقین کر لیا جائے تو وہ کھلی ہوئی مسائی ت کی حامل تھی۔ اسے رام گڑھ کی تتاریہ یاد آئی جو اپنے وحشیانہ قتل کے تصور سے بھی ں اندوز ہوا کرتی تھی۔

کچھ دیر بعد اس نے ایک پبلک فون بوتھ سے جولی ڈاکٹر کو متوجہ کرنا چاہا۔ لیکن دوسری ن سے غراتی ہوئی آواز سن کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

"اب کیا کرے۔ اس وقت تنہا نہیں رہنا چاہتا تھا۔ ساتھی کی تلاش تھی اپنے محکمے یا پیشے تعلق کچھ سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔"

بہر حال وہ اسی طرح بور ہوتا ہوا کیفے نوروز آ پہنچا۔ یہاں کاؤنٹر کلرک ایک لڑکی تھی۔ پر نظر پڑتے ہی حمید نے سوچا کہ اسے تو لڑکی کے بجائے "چشمی" کہنا چاہئے۔ آخر کس بناء ی کہتا جب کہ اس کے جسم میں بڑی بڑی آنکھوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔ خاص ں کاجل لگایا ہوا کاجل ان کی جسامت کچھ اور بڑھا کر انہیں پورے جسم پر حاوی کر دیتا تھا۔

"چشمی صاحبہ۔" اس نے کاؤنٹر کے قریب پہنچ کر کہا۔ "ذرا ٹیلی فون ڈائریکٹری عنایت "

"میرا نام شمی ہے۔" لڑکی ناخوشگوار لہجے میں بولی اور ڈائریکٹری اس کی طرف سرکاتی ہوئی رجسٹر پر جھک پڑی۔

"صرف چ کے اضافہ سے آپ بالکل واضح ہو جاتی ہیں۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"جی.....!" لڑکی نے تیکھی نظروں سے دیکھا۔

"میں اپنی غلط فہمی پر نادم ہوں محترمہ۔" حمید نے نہایت ادب سے کہا۔

"نہیں پہلے کیا کہا تھا۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔

"یہی کہ میری یادداشت اب قابل اعتماد نہیں رہی..... شمی میں چ کا اضافہ اس کی دلیل ہے۔"

"میں بے وقوف نہیں ہوں مسٹر۔" اس نے ڈائریکٹری اپنے طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ "ٹیلی فون خراب ہے..... لائن ڈیڈ ہو گئی ہے۔"

"مجھے کال نہیں کرنی..... صرف ایک نمبر کی تلاش ہے۔"

"تعارف حاصل کرنے کا گھٹیا طریقہ۔"

"خدا تمہیں تندرستی عطا کرے۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور دروازے کیطرف مڑ گیا۔

باہر نکلتے نکلتے ایک آدمی اس طرح اس کے پہلو سے رگڑتا ہوا گزرا کہ بے اختیار تاؤ آ گیا۔ لیکن پھر سنبھل جانا پڑا۔ مخصوص قسم کا اشارہ تھا۔ اس نے اپنے کوٹ کی جیب پر مخصوص قسم کا دباؤ محسوس کیا تھا۔ مڑ کر دیکھے بغیر وہ آگے بڑھتا چلا گیا۔ اس طرح دھکا دے کر گزرنے والے نے کوئی چیز اس کی جیب میں ڈالی تھی۔

اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ٹٹولا۔ کاغذ کا ایک ٹکڑا تھا۔ اس نے اسے جیب ہی میں پڑا رہنے دیا اور خود آگے بڑھتا چلا گیا۔

لیکن اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی ایسے طریقے کب اختیار کرتا ہے۔

گاڑی اسی کیفے کے سامنے چھوڑ کر وہ دوسری سڑک پر آیا اور ہوٹل ڈی فرانس کے ہال

میں داخل ہوتے ہی سیدھے باتھ روم کا رخ کیا۔

پرچہ جیب سے نکال کر پڑھتے وقت باقاعدہ طور پر سانس پھول رہی تھی۔ لکھا تھا۔

"عمل نمبر گیارہ..... وزیر صنعت و تجارت کی کوٹھی..... نو بجے رات۔"

اس نے پرچہ پھاڑ کر گولی سی بنائی اور اُسے فلش میں ڈال کر بہا دیا۔ اس قسم کی پیغام رسانی کا مطلب یہ تھا کہ فریدی نے اس کے گھر چھوڑ دینے کے بعد ہی کوئی اہم فیصلہ کیا تھا اور یہ خود حمید کی نگرانی بھی اس کے محکمے ہی کے آدمی کرتے رہے تھے۔ اس قسم کی پیغام رسانی اس وقت ہوتی تھی جب شبہ ہو کہ خود مجرم سراغ رساں کی ٹوہ میں ہوں گے۔

شاذ و نادر ہی اس کی نوبت آتی تھی۔ لیکن ایسے مواقع پر انہیں ہمیشہ موت کے جبڑوں میں ہاتھ دے دینا پڑتا تھا۔

اس نے ہوٹل ڈی فرانس میں کافی پی اور بیٹھا سوچتا رہا کہ ابھی تو دو گھنٹے باقی ہیں۔ دیکھا جائے گا..... ویسے اب اسے بہت زیادہ محتاط رہنا تھا..... دیکھنا تھا کہ اس کی نگرانی تو نہیں ہو رہی۔ اصول کے مطابق اس تک اس پیغام کے پہنچنے کے بعد سے محکمے کے آدمیوں نے اس پر نظر رکھ بھال بند کر دی ہو گی تاکہ وہ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو سکے۔ یعنی نامعلوم تعاقب کرنے والوں کو محکمے سے متعلق سمجھ کر دھوکا نہ کھا سکے۔

ساڑھے سات بجے وہ ہوٹل ڈی فرانس سے اٹھا اپنی گاڑی وہیں رہنے دی جہاں چھوڑی تھی اور عمل نمبر گیارہ کی تکمیل کے لئے پیدل ہی چل پڑا۔

عمل نمبر گیارہ کا مطلب تھا ایک مخصوص ٹھکانے پر میک اپ کر کے بتائی ہوئی جگہ کے لئے روانگی۔ شہر میں بہتیرے ایسے ٹھکانے تھے۔ ان میں سے اکثر کی کنجیاں حمید کے پاس رہتی تھیں۔ وہ ان میں سے کسی ایک جگہ پہنچ کر میک اپ کر سکتا لیکن اس عمل نمبر گیارہ کا سب سے مشکل مرحلہ تھا کسی عمارت میں چوروں کی طرح داخل ہونا۔

ایسے میں اگر اچانک صاحب خانہ سے ملاقات ہو جائے تو فوری طور پر "السلام علیکم" ہی کہہ سکتا ہے۔ وہ کم از کم "وعلیکم السلام" کے بعد ہی کسی قسم کی کاروائی کے امکانات کا جائزہ

لے گا۔

لیکن کوئی نہیں جانتا کہ مالک مکان کے علاوہ کتے کتنے ہوں گے۔ کتے جو سلام ریسیو کرنے سے پہلے ہی مزاج پرسی کر بیٹھتے ہیں اور پھر یہاں تو وزیر تجارت و صنعت کی کوٹھی کا معاملہ تھا۔ دو عدد مسلح سنتریوں کی خوفناک شکلیں بھی آنکھوں میں پھر گئیں۔ سنتری آزاد علاقے سے تعلق رکھتے تھے اور پہلی ہی آواز پر جواب نہ ملنے پر گولی مار دینا ہی ان کی سب سے بڑی خصوصیت تھی۔

حمید نے طویل سانس لی اور آہستہ آہستہ چلتا رہا۔

کئی ایسی گلیوں میں گھسا جہاں اس کا اندازہ بخوبی ہو سکتا کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے یا نہیں۔

منزل مقصود تک پہنچتے پہنچتے وہ بالکل مطمئن ہو گیا کہ اس کا تعاقب نہیں کیا گیا۔ لیکن سب سے بڑا سوال تو یہ تھا کہ وزیر موصوف کی کوٹھی میں گھسنے کے بعد اسے کیا کرنا ہوگا۔

میک اپ کر لینے کے بعد کوٹھی کے قریب بھی پہنچ گیا لیکن اس سوال کا کوئی مناسب جواب نہ مل سکا۔

گیٹ کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس نے خونخوار قسم کے سنتریوں پر نظر ڈالی۔ ایک شاید پہلے سے وہیں کھڑا تھا اور دوسرا بھی ابھی اندر کا راؤنڈ لے کر وہاں پہنچا تھا۔

حمید آگے بڑھتا چلا گیا۔

عمارت کے گرد تقریباً دس فٹ اونچی چہار دیواری تھی۔ پورا چکر لے کر وہ عمارت کی پشت پر آ رکا۔

اب کیا نقب لگانی پڑے گی۔ وہ سوچنے لگا۔ لیکن ٹھیک اسی وقت پشت سے ہلکی سی سیٹی سنائی دی۔ اگر سیٹی کا انداز نہ پہچانتا ہوتا تو مڑتے وقت ریوالور ضرور نکل آتا۔

آواز کی جانب بڑھتا گیا۔ حتیٰ کہ جھاڑیوں کے قریب پہنچ گیا۔ جہاں سے دیوار دوسری جانب مڑی تھی۔ وہاں ہی جانا پڑا۔ کیونکہ اب وہ فریدی کی سرگوشی صاف سن سکتا تھا۔

"ادھر ہی چلے آؤ۔"

حمید جھاڑیوں میں گھس پڑا۔ فریدی دیوار سے لگا کھڑا تھا۔ اندھیرے میں شکل نہ دکھائی دی۔ اس لئے یہ اندازہ کرنا دشوار تھا کہ وہ بھی میک اپ ہی میں ہے یا نہیں۔

"اس دروازے میں.....!" وہ حمید کا ہاتھ پکڑتا ہوا بولا۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ چہار دیواری کے اندر تھے۔ فریدی نے مڑ کر دروازہ مقفل کیا۔ پھر حمید اندھیرے میں اس کے ساتھ چلتا رہا۔

یہ بڑی اچھی بات تھی کہ کمپاؤنڈ میں داخل ہونے کے بعد سے ابھی تک اس نے کسی کتے کی غراہٹ نہیں سنی تھی۔ ورنہ ہاتھ پیر پھول جاتے۔ اندھیرے میں کتوں کی غراہٹ اسے ایسی ہی معلوم ہوتی تھی جیسے بیک وقت ہزاروں خبیث روحیں گونج پڑی ہوں۔

اس کا ہاتھ فریدی کے ہاتھ میں تھا اور وہ اندھوں کی طرح چل رہا تھا۔ کمپاؤنڈ کے تاریک ہی حصوں سے گزرتے ہوئے وہ بالآخر رہائشی عمارت میں داخل ہوئے۔

پھر اندھیرے ہی میں انہوں نے زینے بھی طے کیے اور عمارت کی تیسری منزل پر پہنچے۔

سر پر تاروں بھرا آسمان صدہا سال پرانی کشت و خون کی کہانیاں سنا رہا تھا۔ ایسے مواقع پر حمید کو اس عظیم خلاء کی بے کراں پہنائیاں ایسی کہانیاں ضرور یاد دلاتی تھیں اور وہ خود کو بھی ہزارہا سال پرانا آدمی تصور کرنے لگتا تھا۔ سوچتا آج بھی تو سب ایک دوسرے کی گھات میں ہیں۔ خون ضرور بہے گا خواہ وہ قانون ہی کے نام پر کیوں نہ ہو۔

فریدی اس سے کہہ رہا تھا۔ "یہاں اس ٹیپ ریکارڈر کی تمہیں حفاظت کرنی ہے۔ وزیر موصوف کو نہیں معلوم کہ یہاں کوئی ٹیپ ریکارڈر بھی لایا گیا ہے۔"

"آپ کی موجودگی کا علم ہے انہیں۔"

"ہاں میری موجودگی کا علم ہے انہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ کسی کیس کے سلسلے میں ان کا نام آئے۔ لیکن مجھے اپنا بچاؤ بھی تو مد نظر ہے۔"

"کیا چکر ہے۔"

"میں یہاں ..... بھٹی کا منتظر ہوں۔ خیر..... تم سنو..... سرخ رنگ کا بلب روشن ہوتے ہی ریکارڈ کو چلا دینا اور اس کا بھی خیال رکھنا کہ تم پر کسی کی نظر نہ پڑنے پائے۔"

"کیا بھٹی یہاں آئے گا..... اس چھت پر۔"

"بچوں کی سی باتیں مت کرو۔"

"اوہ..... تو مجھے یہاں تنہا رہنا پڑے گا۔"

"چلو بیٹھو.....!" فریدی اس کے شانوں پر دباؤ ڈالتا ہوا بولا۔

حمید نے طویل سانس لی اور تن بہ تقدیر ہو گیا۔ اضمحلال تو پہلے ہی سے طاری تھا ذہن پر..... وہ سوچ رہا تھا کہ یہ معرکہ اس کی آنکھوں کے سامنے سر نہ ہو سکے گا۔

یہ کمرہ بالکل تاریک تھا۔ یہاں فریدی تنہا نہیں تھا۔ ایس پی ہومی سائیڈ بھی اس کے قریب ہی کھڑا اس کمرے میں جھانکنے کی کوشش کر رہا تھا' جہاں وزیر صاحب تنہا ٹہل رہے تھے۔ ان کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے۔

"انہیں علم نہیں ہے کہ یہاں میرے علاوہ اور کوئی بھی ہے۔" فریدی نے سرگوشی کی۔

"اس لئے آپ محتاط رہئے گا۔"

"بہتر ہے۔" ایس پی بولا۔

ہومی سائیڈ والوں کو ایس۔ پی بیراگی کے قتل کے بعد سے چکر پر چکر آ رہے تھے۔ شاید اسی لئے فریدی نے ان کے ایس۔ پی کو بھی اس مہم میں شریک کر لیا تھا۔

دفعتاً دوسرے کمرے سے کسی کے کھکھارنے کی آواز آئی اور فریدی پوری طرح اس طرف متوجہ ہو گیا۔

بھٹی پردہ ہٹا کر کمرے میں داخل ہوا تھا۔ وزیر صاحب ٹہلتے ٹہلتے رک گئے۔ ان کے چہروں پر زردی چھائی ہوئی تھی۔

بھٹی نے انہیں گھورتے ہوئے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالی اور بولا۔ "کیا فیصلہ کیا!"

"میں ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کر سکا۔" وزیر صاحب کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

"میرے پاس وقت نہیں ہے۔" بھٹی غرایا۔

"لیکن..... لیکن ..... یہ تو سوچو کہ اس کے نتائج کیا ہوں گے اور تمہیں اس سے کیا فائدہ ہو گا۔"

"فائدہ.....!" بھٹی زہر خند کے ساتھ بولا۔ "آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مجھے اس سے کیا فائدہ ہو گا۔"

"اچھی بات ہے..... جو تمہارے دل میں آئے کر لو۔" وزیر صاحب نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "ملک و قوم سے غداری کا مرتکب نہیں ہو سکوں گا۔"

"اچھی بات ہے..... تو پھر کل صبح۔"

"نہیں..... ابھی اور اسی وقت مسٹر بھٹی۔" فریدی نے دروازے کو دھکا دے کر کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور کا رخ بھٹی کی طرف تھا۔ ایس پی ہومی سائیڈ جہاں تھا وہیں رہا۔

بھٹی ایک پل کے لئے چونکا تھا پھر اس کی آنکھوں میں طنزیہ سی مسکراہٹ ناچنے لگی۔ اس نے کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے تنا کھڑا رہا۔

"ہاتھ اوپر اٹھاؤ.....!" فریدی تحکمانہ لہجے میں بولا۔

بھٹی کے ہاتھ جیبوں سے نکل کر اوپر اٹھتے چلے گئے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی بائیں جانب چھلانگ لگائی۔ ایک پل کے لئے بھی غفلت برتی ہوتی تو سامنے والی میز ہی کی طرح اس کے بھی پرخچے اڑ گئے ہوتے۔ شاید اس نے بھٹی کے ہاتھ میں وہ عجیب و غریب وضع کا ریوالور دیکھ لیا تھا۔ بے آواز..... اور چنگاریاں برسانے والا..... اس کی نال سے نکلی چنگاریوں کی دھار سی نکل کر میز سے ٹکرائی تھی اور میز کے چیتھڑے اڑ گئے تھے۔

"خبردار.....!" ایس پی ہومی سائیڈ نے دوسرے کمرے سے للکارا تو لیکن کھلے ہوئے

دروازے کے سامنے آنے کی ہمت نہ کر سکا۔ آواز ہی پر بھٹی کے عجیب و غریب ریوالور کا رخ دروازے کی طرف پھر گیا تھا۔ چنگاریوں کی دھار نکل کر دروازے سے گزر گئی اور ایسا کڑاکا ہوا جیسے بجلی چمکی ہو۔ ایس پی نے اپنی پشت والی دیوار میں ایک فٹ قطر کا سوراخ ہوتے دیکھا۔ بجلی کا سا کڑاکا اسی وقت ہوا تھا جب چنگاریاں دیوار سے ٹکرائی تھیں۔

ٹھیک اسی وقت اس نے پے در پے تین فائروں کی آواز سنیں اور پھر ایک طویل چیخ کوئی دھم سے گرا تھا۔

وزیر صاحب کی خوفزدہ آواز آئی "اوہ..... اوہ یہ کیا ہوا.....؟"

"اب آجایئے..... کیپٹن۔" فریدی نے اونچی آواز میں کہا تھا اور ایس۔پی بھی تیزی سے اُس کمرے میں داخل ہوا تھا۔

بھٹی فرش پر چت پڑا ہوا تھا..... اور فریدی دوسرے کمرے کی دیوار میں ہو جانے والے سوراخ کو گھورے جا رہا تھا۔ ایس پی لاش پر جھک پڑا۔ دل کے مقام پر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تین گولیاں لگی تھیں جن سے ابھی تک خون ابل رہا تھا۔

"آپ لوگ محفوظ ہیں۔" ایس پی نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں ان سے پوچھا۔

"بالکل.....!" فریدی مسکرایا۔ لیکن وزیر صاحب دل پر ہاتھ رکھے ہوئے آگے پیچھے جھولتے ہوئے بولے۔ "مجھے ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔"

فریدی نے جھپٹ کر انہیں سنبھالا۔ ورنہ وہ بھی لاش کے برابر ہی لیٹ گئے ہوتے۔



چار بجے صبح فریدی کے دفتر میں اس کے ساتھیوں نے اُسے گھیر رکھا تھا۔ وہ اس سے معلوم کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ اسے وزیر موصوف کے قتل کی سازش کا علم کیونکر ہوا تھا اور حمید سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی نے بھٹی کو مار کیوں ڈالا۔ بھٹی تنہا تھا اور تنہا مجرم خواہ کتنا ہی زبردست حربہ کیوں نہ رکھتا ہو فریدی کے کھیلنے کی چیز تھی۔ وہ ایسے ہی مجرموں کو زندہ

پکڑنے کے لئے اپنی جان تک کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔

دفعتاً وہ سب بوکھلا کر ادھر اُدھر منتشر ہو گئے کیونکہ ڈی۔ آئی۔ جی فریدی کے دفتر میں داخل ہوا تھا۔

"یہ یہ..... تم نے کیا کیا۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں فریدی کو مخاطب کیا۔

"میں نہیں سمجھا جناب۔" فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"تم دونوں میرے ساتھ آؤ۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے حمید کی طرف بھی دیکھا۔

کمرے میں سناٹا چھا گیا تھا۔ وہ ڈی۔ آئی۔ جی کے پیچھے چلتے ہوئے آفس کی لائبریری میں آئے۔ یہاں انہیں ایس۔پی ہومی سائیڈ کے علاوہ اور کوئی نظر نہ آیا۔ جو انہیں دیکھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"تم بتاؤ..... وہ لاش کس کی ہے۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے ایس پی سے پوچھا۔

"مسٹر راٹھور..... ایم پی کی۔" ایس پی نے کہا۔

"نہیں.....!" فریدی متحیرانہ لہجے میں چیخا۔

"جی ہاں۔"

"آپ نے مجھے وہیں کیوں نہیں بتایا تھا۔" فریدی نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"مم..... میں خود بھی نہیں پہچان سکا تھا..... وہ تو ہسپتال میں مطلب یہ کہ وہاں وہ خول چہرے سے اتارا گیا تو..... وہ راٹھور صاحب تھے۔"

"میک اپ.....!" فریدی کے لہجے کی حیرت اب بھی برقرار تھی۔

"جی ہاں..... حیرت انگیز میک اپ..... میں نے آج تک اتنا کامیاب پلاسٹک میک اپ نہیں دیکھا۔"

کچھ دیر کے لئے سناٹا چھا گیا۔ حمید نے ڈی۔ آئی۔ جی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ دیکھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ایس پی سے کہا۔ "اب آپ جا سکتے ہیں۔"

ایس پی نے ایڑیاں بجائیں اور باہر چلا گیا۔

"کیا تم نے مجھ سے بھٹی کی موت کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے پوچھا۔

"جی ہاں کیا تھا..... اور یہ بھی بتایا تھا کہ وہ سوئٹزرلینڈ میں مر جانے کے باوجود بھی یہاں دیکھا گیا ہے ظاہر ہے کہ مجھے تو اس کا تعاقب کرنا ہی تھا۔"

"مجھ سے بھی وہی باتیں۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے آنکھیں نکال کر بزرگانہ انداز میں کہا۔

"اب میں کیا عرض کروں۔ بھٹی کی موت کے متعلق پوری دنیا میں چند افراد کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔ میں' آپ' راٹھور، سفیر صاحب اور سیکریٹری وزارت خارجہ..... آپ نے بھٹی کی موت کی خبر آج تک اپنی ہی ذات تک محدود رکھی تھی۔ لہٰذا اب میں جو کچھ آپ کو بتانے جا رہا ہوں اسے بھی آپ اپنی ہی ذات تک محدود رکھیں گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں؟"

"میں ابھی صاحب معاملہ سے فون پر اجازت لے چکا ہوں۔ میں نے اُن سے کہا تھا کہ ڈی۔ آئی۔ جی صاحب کو بتائے بغیر کام نہیں چلے گا۔ کیونکہ وہ بھی سوئٹزرلینڈ میں بھٹی کی موت سے واقف ہیں۔ انہوں نے اجازت دے دی ہے لیکن استدعا بھی کی ہے کہ آپ اس معاملے کو بھی اپنی ہی ذات تک محدود رکھیں۔ بھٹی بہت بڑا بلیک میلر تھا۔ ملک کی بڑی بڑی شخصیتوں کی بعض ایسی کمزوریاں اسے معلوم تھیں جن کی بناء پر وہ انہیں بلیک میل کر سکتا تھا۔ ان میں دو شخصیتیں بے حد نمایاں تھیں ایک تو سفیر صاحب جو سوئٹزرلینڈ میں تھے اور دوسرے وزارت خارجہ کے سیکریٹری صاحب اور یہ دونوں حضرات کسی ایک ہی معاملے میں بلیک میل کئے جا رہے تھے۔ بھٹی نے انہیں دہلا رکھا تھا۔ غالباً اس نے اپنے سبھی شکاروں سے کہہ رکھا تھا کہ اگر وہ کسی طرح اچانک مر گیا تو اُن کے معاملات کھل کر منظر عام پر آجائیں گے کیونکہ اُن کے خلاف سارے ثبوت ایک ایسی ہستی کے پاس محفوظ ہیں جو دنیا کی ایک خطرناک تنظیم سے تعلق رکھتی ہے۔ اگر اُن کے راز اس تنظیم کے ہاتھوں پہنچ گئے تو پھر ان کا کہیں ٹھکانا نہ ہوگا۔ لہٰذا جیسے ہی سفیر کی دی ہوئی اطلاع سیکریٹری صاحب کو پہنچی اُن کے ہاتھ

پھول گئے اور اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ رہ گیا کہ وہ کسی پر اعتماد کریں۔ نظر انتخاب مجھ پر پڑی۔ لیکن یہ کسی طرح ممکن نہیں تھا کہ آپ کے علم میں لائے بغیر میں ملک سے باہر جا کر اس معاملے کی تفتیش کر سکتا۔ بہر حال میرے پہنچتے پہنچتے بھٹی دفن کیا جا چکا تھا۔ ہم نے راٹھور صاحب کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ بھٹی کی موت کا تذکرہ کسی سے بھی نہ کریں، انہیں بتایا کہ بھٹی کی موت کی خبر پھیلنے سے بعض بین الاقوامی پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ انہوں نے بڑے خلوص سے وعدہ کیا تھا اور اس پر قائم بھی رہے۔ موت اس خیال سے چھپائی گئی تھی کہ اُس ہستی کو خبر نہ ہونے پائے جس کے پاس بھٹی کے بیان کے مطابق اس کے شکاروں کے خلاف ثبوت محفوظ تھے۔ پھر یہ مشہور کرنے کی کوشش کی گئی کہ بھٹی یورپ کے کسی ملک میں کسی اہم فرض کی انجام دہی کے سلسلے میں مقیم ہے۔ اس کی تنخواہ بھی لگتی رہی اور جعلی دستخط سے اس کی وصولیابی کا انتظام بھی کیا گیا۔"

"لیکن اب اس کے لئے کیا جواز پیش کرو گے۔" آئی۔ جی نے پوچھا۔

"سیکریٹری صاحب جانیں۔ مجھے اس سے کیا سروکار..... ہاں تو مجھے لڑکی پر اسی ہستی کا شبہ ہوا تھا جس کی طرف بھٹی نے اشارہ کیا تھا۔ میں نے اس کے سلسلے میں چھان بین شروع کی اور دو تین دن ہی میں اس کا ثبوت فراہم کر لیا کہ وہ عالمی پیمانے پر منشیات کی غیر قانونی تجارت کرنے والے گروہ مافیا سے تعلق رکھتی ہے۔ ایک شام میں اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ راٹھور صاحب اکڑ گئے کیونکہ وہ بھٹی کی موت کے بعد بھی انہیں کے یہاں مقیم رہی تھی۔ مجبوراً مجھے اس کو وہاں سے زبردستی اٹھا لے جانا پڑا۔"

"زبردستی۔"

"جی ہاں..... مجبوری تھی۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ راٹھور صاحب سائے کی طرح اس کے ساتھ لگے رہتے تھے۔ بہر حال میں اسے اپنی قیام گاہ پر لایا تھا لیکن چند گھنٹوں کے بعد وہ وہاں سے غائب ہو گئی۔ اس کے بعد پھر میں نے پچھلے دنوں اس کی لاش اس حالت میں دیکھی تھی کہ سر غائب تھا۔ ہتھیلیاں اور پنجے کاٹ لئے گئے تھے۔"

"تت تو وہ اسی کی لاش تھی۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے حیرت سے کہا۔

"میرا تو یہی خیال ہے۔ بھٹی کی دریافت کے بعد فوراً ہی میں نے مکان سے لئے گئے انگلیوں کے نشانات سے لڑکی کی انگلیوں کے نشانات کا موازنہ کرایا تھا۔ کچھ نشانات ان سے مل گئے تھے۔"

کچھ دیر خاموش رہ کر فریدی نے بھٹی کی دوبارہ دریافت سے لے کر حمید کے راٹھور کے پنجے میں پھنسنے تک کی داستان سنائی اور ڈی۔ آئی۔ جی کی اجازت سے سگار سلگا کر بولا۔

"بھٹی کا نام آتے ہی راٹھور کا خیال آیا تھا۔ کیونکہ آنا قدرتی بات تھی۔ میں جانتا تھا کہ حمید کو اچانک اپنی کوٹھی میں دیکھ کر وہ کیا کرتے ہیں۔ لڑکی والے واقعے کے بعد سے وہ حضرت مستقل طور پر میری تاک میں رہتے تھے اور میں بھی ان کی طرف سے غافل نہیں رہا تھا اور اس رات تو خصوصیت سے توجہ دینی پڑی تھی۔"

"تو تم جانتے تھے کہ بھٹی کے روپ میں وہ راٹھور ہی تھا۔" ڈی۔ آئی۔ جی نے پوچھا۔

"راٹھور یا اسی کا کارندہ۔"

"ہرگز نہیں.....!" ڈی۔ آئی۔ جی مسکرایا۔ "اگر تمہیں اس کے راٹھور ہونے کا یقین نہ ہوتا تو اسے مار نہ ڈالتے۔"

"چلئے یہی سمجھ لیجئے۔ بلکہ حقیقت بھی یہی ہے۔ میں نے سوچا اگر زندہ گرفتار کرتا ہوں تو ہو سکتا ہے کہ الٹی آنتیں گلے پڑ جائیں۔ پتہ نہیں اور کن کن بڑی شخصیتوں کو بلیک میل کرتا رہا ہو۔ ان پر ردّار کھ کر اپنا بچاؤ کر ہی لے۔ وزیر صنعت و تجارت کا حال آپ نے دیکھ ہی لیا۔"

"لیکن تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ وزیر صنعت کو بھی بلیک میل کر رہا ہے۔"

"حمید کو جب اس نے اپنی کوٹھی میں پکڑا تھا۔ تو اس سے ایک ایسی تحریر لی تھی جس کی بناء پر وہ مستقبل میں اسے بلیک میل کر سکتا۔ یہیں سے میرا یہ شبہ یقین تک پہنچا کہ بھٹی کے روپ میں اب راٹھور ہی اس بزنس کو چلا رہا ہے۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ وہ ایک بڑا صنعت کار

بھی تھا اور لیڈر بھی۔ لہٰذا اس کی بلیک میلنگ سیاسی اور اقتصادی ہی نوعیت کی ہوتی ہو گی۔ بھٹی کی موت کے بعد صرف دو شکاروں کا اس سے پیچھا چھوٹ گیا تھا۔ سفیر برائے سوئٹزر لینڈ اور وزارت خارجہ کے سیکریٹری۔ چونکہ بقیہ دنیا کے لئے وہ مر چکا تھا اس لئے راٹھور بہ آسانی بھٹی کے روپ میں ان دونوں کے علاوہ اور سب کو دھوکا دیتا رہا۔ انہیں تو پھر چھیڑا نہیں گیا تھا بہرحال میں نے قیاس کیا کہ وزیر صنعت پر بھی اس نے جال ڈالنے کی کوشش کی ہو گی لائسنس اور پرمٹ کے چکر میں..... اندازہ غلط نہ نکلا۔ وہ حقیقتاً انہیں بلیک میل کر رہا تھا اور اتفاق سے انہیں دنوں نئی تجارتی پالیسی سے متعلق کچھ ایسے نکات ان سے معلوم کرنے کی کوشش کر رہا تھا جن کا منظر عام پر آنا ملک و قوم کے لئے سود مند نہ تھا۔ میں نے بڑی مشکل سے وزیر موصوف کو بولنے پر آمادہ کیا تھا۔ انہیں یقین دلایا تھا کہ اس واقعہ کو دوسرا رنگ دینے کی کوشش کی جائے گی۔ کچھ اس وجہ سے اور بھی میں اسے زندہ نہیں گرفتار کر سکا۔"

"لیکن..... وہ لڑکی..... کیوں قتل کی گئی..... اور لاش کی تشہیر کا کیا مطلب تھا۔" ڈی۔ آئی۔ جی بولا۔

"اس کا صحیح جواب تو راٹھور ہی دے سکتا تھا۔ لیکن میرا قیاس ہے کہ کسی زمانے میں راٹھور بھی بھٹی کے شکاروں میں رہا ہو گا اور اس نے بھی یہی قیاس کیا ہو گا کہ وہ لڑکی بھی بھٹی کی ہمراز ہو سکتی ہے۔ لہٰذا بھٹی کی موت کے بعد وہ خود ہی بھٹی بن بیٹھا۔ صرف ان لوگوں کے سامنے بحیثیت بھٹی نہیں آیا جنہیں بھٹی کی موت کا علم تھا اور پھر غالباً اس نے خصوصیت سے اپنے مطلب کے شکاروں کو الگ کر کے بقیہ کو نظر انداز کر دیا تھا۔ اس کی بھی ایک مثال میرے سامنے آئی تھی۔ خیر اسے چھوڑیئے۔ آپ لڑکی کے قتل اور لاش کی تشہیر کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ میرا خیال ہے کہ لڑکی کو بھی شبہ ہو گیا تھا کہ یہ بھٹی نہیں ہے اس لئے وہ ان ثبوتوں کو دبا بیٹھی ہو گی جو راٹھور سے متعلق تھے۔ اس لئے کہ بھٹی راٹھور ہی کے یہاں سے غائب ہوا تھا۔ لڑکی سے اس وقت سفیر صاحب نے یہی کہا تھا کہ وہ بے حد ضروری کام کے سلسلے میں فوری طور پر کسی دوسرے ملک کے لئے روانہ ہو گیا ہے پھر میں زبردستی اسے

اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اُن وجوہات کی بناء پر اسے شبہ ہو گیا ہو گا کہ وہ کسی سازش سے دوچار ہے بہر حال راٹھور نے اسے اس وقت تک زندہ رکھا جب تک کہ اس کے قبضے سے وہ مواد نہیں نکال لیا جو خود اس کے خلاف تھا۔ رہی لاش کی تشہیر تو یہ اس کے کارکنوں کی حماقت کا نتیجہ بھی ہو سکتی ہے۔ انہوں نے سوچا ہو گا کہ اس طرح وہ بہ آسانی لاش سے پیچھا بھی چھڑا لیں گے اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو گی۔ ہو سکتا ہے اسی خطا کی پاداش میں وہ شخص مارا گیا ہو جو اس کے شوہر کا رول ادا کرتا رہا تھا۔"

ڈی۔ آئی۔ جی کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر ضابطے کی کاروائی کے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ راٹھور کا وہ عجیب و غریب پستول بھی زیر بحث آیا۔

"میں نے تو ایسے پستول صرف فلموں میں دیکھے ہیں۔" حمید بڑبڑایا۔ "غالباً مریخ کے باشندے ایسے ہی پستولوں سے اپنا کھانا پکاتے ہیں۔"

"اسی پستول کی بناء پر مجھے کہنے دیجئے کہ راٹھور زیرولینڈ کا جاسوس بھی تھا۔" فریدی نے طویل سانس لے کر کہا۔ "ڈی۔ ایس۔ پی بیراگی کے یہاں سے ایسے کچھ کاغذات بھی ملے ہیں۔"

ڈی۔ آئی۔ جی حیرت سے منہ کھولے اُسے دیکھ رہا تھا۔ جلدی سے بولا۔ "ہاں کہو خاموش کیوں ہو گئے۔"

"فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بارہ بجے تک آپ کو پوری رپورٹ مل جائے گی۔"

مگر واپس جاتے ہوئے حمید نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔ "آخر مجھے اس طرح وزیر صاحب کی کوٹھی میں طلب کرنے کا کیا مطلب تھا۔ میں تو سمجھا تھا شاید چوروں کی طرح کوٹھی میں گھسنا پڑے گا۔"

"راٹھور کے آدمی ہر وقت میری نگرانی کرتے تھے۔ ہماری کوٹھی کے گرد اس کے گرگوں کا جال پھیلا ہوا تھا۔ اگر اسے اس کی اطلاع ہو جاتی کہ میں کسی طرح بھی وزیر صاحب کی کوٹھی میں داخل ہوا ہوں تو وہ ہرگز وہاں نہ آتا۔ پہلی بار جب وزیر صاحب سے ملا تھا تب

ھی نگرانی کرنے والوں کو دھوکا دینا پڑا تھا۔ بہر حال مجھے یقین تھا کہ تم کوٹھی میں گھسنے کا راستہ
ش کرتے ہوئے عمارت کی پشت پر ضرور آؤ گے۔"

"اور وہ لڑکی.....!" حمید نے پھر ٹھنڈی سانس لی۔

"غالباً تمہارا اشارہ جولی وکٹر کی طرف ہے۔ اُس نے تم سے جتنی بھی باتیں کی تھیں
ب بکواس..... دراصل اس سے بھی مجھے بڑی مدد ملی ہے جب پہلے پہل ہم اس مکان کے
نے مالک مکان سے گفتگو کر رہے تھے وہ ہم تک پہنچی تھی اور ہمیں اچھی طرح پہچانتی بھی
ی۔ انجان اس لئے بنی تھی کہ بھٹی کی نشاندہی کرنا چاہتی تھی۔ وزارت خارجہ کی گاڑی کا
ذکرہ سب سے پہلے اسی نے کیا تھا۔ لیکن بھٹی کا نام بتانے سے گریز کرتی رہی تھی۔

"اوہ تو کیا وہ اسے ایک بلیک میلر ہی کی حیثیت سے جانتی تھی۔"

"ہاں..... کیونکہ ایک سال پہلے تک وہ اس کے باپ سے بھی سہ ماہی وصول کرتا رہا
لہ اُس کے کسی راز کو راز رکھنے کے صلے میں..... وہ اپنے شکاروں سے اسی طرح سہ ماہی
قم وصول کرتا تھا۔ اس کا باپ اس سے بے حد خائف رہتا تھا۔ بہر حال وہ سامنے والے
کان میں اسے اکثر دیکھتی لیکن اسے حیرت ہوتی کہ آخر وہ حسب سابق ان کی طرف رخ
یوں نہیں کرتا۔ اس نے اس کا تذکرہ اپنے باپ سے بھی کیا تھا لیکن وہ خوفزدہ ہو کر بولا تھا
"مت دیکھو اس کی طرف..... بھول جاؤ اُسے..... خدا کرے وہ مجھے بھی بھول گیا ہو۔
ل کے پاس جو مواد میرے خلاف ہے خدا کرے ضائع ہو گیا ہو۔ ضرور ایسا ہی ہے تبھی وہ
یہاں نہیں آتا۔ ظاہر ہے اصل بھٹی تو مر چکا تھا اور راٹھور نے بحیثیت بھٹی صرف انہیں
لوں سے سروکار رکھا تھا جو اس کیلئے بہت اہم تھے۔ یعنی بھٹی کی طرح وہ رقومات نہیں وصول
تا تھا بلکہ ان سے اپنے مفاد میں کام لیتا تھا۔ مثال کے طور پر وزیر صنعت کا معاملہ لے لو۔"

"آپ نے جولی سے یہ سب باتیں کب معلوم کیں۔"

"گیسپر والے معاملے کے بعد..... گیسپر کو کسی نامعلوم آدمی نے تمہارے متعلق
ا پر نہیں بتایا تھا بلکہ یہ ان دونوں کی ملی بھگت تھی۔ جولی ہی نے گیسپر کو بھیجا تھا اور پھر خود

ہی بیچ بچاؤ کرانے چلی آئی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ ہم لوگ اس مکان کے لوگوں کے خلاف اپنی مہم پہلے سے بھی تیز کردیں حالانکہ اس کا یہ فعل قطعی احمقانہ تھا۔"

حمید جس کی پلکیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں جھومتا ہوا بولا۔ "تو پھر اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ گیسپر سے محبت کرتی ہے۔"

"ہوں.....!" فریدی غرایا۔ "تم اسی مسئلے پر اپنی رپورٹ لکھ ڈالو۔ ماہنامہ دلدار میں چھپوا دوں گا۔"

"اُوہ..... معاف کیجئے گا۔" حمید چونک کر بولا۔ "شاید میں اونگھ رہا تھا۔ ہمیں بھلا محبت وحبت سے کیا سروکار..... ہم تو صرف اس لئے پیدا ہوئے تھے کہ شہر کی سڑکوں پر رات رات بھر مکھیاں مارتے پھریں۔ لیکن وہ زیرولینڈ والا پستول؟"

"راٹھور کی موت نے بڑی مشکلات میں مبتلا کردیا ہے لیکن اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ میں نے وزیر صنعت سے وعدہ کرلیا تھا کہ بلیک میلنگ کی کہانی منظر عام پر نہ آنے پائے گی۔ راٹھور کی زندگی میں یہ ناممکن ہو جاتا۔ اب صبح کے اخبارات وزیر صنعت کے خلاف ہلاکت خیز سازش کی خبر سنائیں گے اور مجھے اس سازش کی اطلاع پہلے ہی مل گئی تھی۔ لہٰذا میری بروقت مداخلت نے اُن کی جان بچالی۔ آئندہ سال تک سرکاری کاغذات میں بھٹی بھی مرجائے گا۔"

"جولی وکٹر....." حمید بصد سوز و گداز گنگنایا۔

"اُسے بھول جاؤ..... وہ لڑکی کریک ہے۔"

"مجھے آج تک کوئی ایسی لڑکی نہیں ملی جو کریک نہ رہی ہو۔" حمید نے جماہی لے کر کہا اور پھر اونگھنے لگا۔

ختم شد

ابنِ صفی

جلد نمبر 32

جاسوسی دنیا

96- سہمی ہوئی لڑکی

97- قاتل کا ہاتھ



پیشرس

ٹنڈو آدم کے ایک ٹیلی فون آپریٹر صاحب کا خیال ہے کہ میرا پچھلا ناول ''آتشی بادل'' محض ''بکواس'' تھا۔

ان کی دانست میں ناول کا نام تو شاندار تھا لیکن اس کے اعتبار سے کہانی پھس پھسی ہے۔ چلئے تسلیم! میں تو ہر بات تسلیم کر لینے کا عادی ہوں۔ محض اس لئے کہ میرے پڑھنے والے ہر طبقے اور ہر عمر سے تعلق رکھتے ہیں لہٰذا ان کے ٹیسٹ میں اختلاف ہوسکتا ہے۔

ٹیلی فون آپریٹر صاحب نے ''سہ رنگا شعلہ'' میں ''آتشی بادل'' کا اشتہار دیکھ کر اس کے بارے میں کچھ اس قسم کی کہانی خود بنائی ہوگی کہ آگ برساتا ہوا ایک بادل پورے شہر پر مسلط ہوگیا۔ عمارتیں دھڑا دھڑ جلنے لگیں۔ لیکن اُس عمارت پر ذرہ برابر بھی اثر نہ ہوا جس میں عمران مقیم تھا۔ جب ساری عمارتیں جل کر خاک ہوچکیں تو عمران شور نالہ و بکا پر قہقہے لگاتا ہوا اپنی پناہ گاہ سے برآمد ہوا اور ہزاروں میل دور کے پہاڑوں میں فروکش اس سائنٹسٹ کا ٹیٹوا جا دبایا جو ایک بہت بڑی مشین کے ذریعے آتشی بادل بنا بنا کر فضا کو سپلائی کر رہا تھا۔

یار ٹنڈو آدمی صاحب! خود ہی لکھ کر پڑھ لیا کرو۔ میرے پڑھنے

والوں میں فن کے قدردانوں کی کمی نہیں اس لئے مجھے محتاط رہنا پڑتا ہے۔

ابھی حال ہی میں میرے ایک معزز ہمدرد نے مشورہ دیا ہے کہ میں کبھی کبھی ایک آدھ ناول اپنے لئے بھی لکھ لیا کروں۔ ''صرف پبلک کے بے حد اصرار'' ہی کا شکار ہوکر نہ رہ جاؤں۔ میرے لئے یہ مشورہ بہت دقیع ہے..... ویسے بھی اب ''طلسم ہوشربا'' قسم کی کہانیاں لکھنے میں میرا جی نہیں لگتا اور یقین کیجئے میں وہی لکھوں گا جو میرا جی چاہے گا۔ پہلے بھی کسی کا مشورہ قبول کئے بغیر لکھتا رہا ہوں۔ لیکن آخر آپ یہ کیوں چاہتے ہیں کہ میں ویسی ہی کہانیاں لکھوں جیسی پہلے لکھ چکا ہوں۔ اب بھی جو کچھ لکھ رہا ہوں اگر اس میں نیا پن نہ ہو تو مجھے گولی مار دیجئے اور اپنے ذوق کی تسکین کے لئے دوسروں کو پڑھئے۔ اب میں اکیلا تو نہیں۔ میرے بے شمار ''ناتحقیق بھائی'' منظر عام پر آگئے ہیں یہ اور بات ہے کہ وہ بھی ''صفی'' ہی کی چھاؤں میں پناہ لیتے ہیں۔

ٹنڈو آدمی صاحب آپ جہاں بھی جائیں گے مجھے ہی پائیں گے۔ ورنہ پھر میرے اس مشورے پر عمل کیجئے کہ خود ہی لکھا اور پڑھ ڈالا۔

خیر ختم کیجئے..... کہاں تک لکھتا رہوں اس کے متعلق۔

ایک صاحب نے کسی ایسے مصنف کے بارے میں لکھا ہے جو اپنی کہانیوں میں میرے کردار استعمال کرتا ہے اس نے اپنی کسی کتاب کے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ وہ میری اجازت سے میرے کردار استعمال کر رہا ہے اور میں نے اُسے اس سلسلے میں مفید مشورے بھی دیئے ہیں۔

بھئی اس سلسلے میں اس کے لئے میرا مفید مشورہ یہی ہوسکتا تھا کہ وہ میرے کردار استعمال کرنے کے بجائے اپنی صلاحیتوں پر بھروسہ کرے۔

ویسے ان صاحب سے درخواست ہے کہ مجھے اس کتاب کا نام اور ادارے کا پتہ لکھ بھیجیں جہاں سے وہ کتاب شائع ہوئی ہے تاکہ میں اس غلط بیانی کی وجہ معلوم کرسکوں۔

اب آیئے ''سہمی ہوئی لڑکی'' کی طرف..... یہ بھی عجیب کہانی ہے کہ جہاں کہانی ختم ہوتی ہے وہیں سے اس کی شروعات ہوتی ہے۔ ہے نا عجیب بات۔

میں اس پلاٹ کو ایک ہی جلد کے ضخیم ناول میں بھی پیش کرسکتا تھا لیکن زیادہ تر پڑھنے والے مجھے اس سے باز رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ کہانی خواہ دس جلدوں میں پھیلے لیکن ہر جلد کی قیمت زیادہ نہ ہونی چاہئے۔ ان کے خیال کے مطابق چونکہ میں ایک ''عوامی مصنف'' ہوں اس لئے مجھے عوام کی جیبوں کا وزن بھی مدنظر رکھنا چاہئے۔

چونکہ اس کہانی کا اختتام ہی دراصل اس کی شروعات ہے اس لئے بعض حضرات کے لئے یہ اطلاع تکلیف دہ بھی ہوسکتی ہے کہ کہانی آگے بڑھ گئی۔ وہ مجھے پھر کچھ اسی قسم کے خطوط لکھیں گے کہ میں ''ہوس زر'' کا شکار ہوگیا ہوں۔ حالانکہ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ کسی کہانی کی طوالت کی بناء پر کتابوں کی تعداد اشاعت پر تو اثر پڑتا نہیں۔

بہرحال خیال اپنا اپنا.....!

ابن صفی

۲۳/اپریل ۱۹۶۶

اچھوتا خیال

ہال میں احمقوں کا ہجوم تھا اور اسٹیج پر ایک امریکی گلوکارہ حلق پھاڑ رہی تھی۔ ہر احمق کے چہرے پر کچھ ایسے ہی تاثرات پائے جاتے تھے جیسے وہ اس کی فنکارانہ صلاحیتوں سے پوری طرح محظوظ ہو رہا ہو۔ موسیقی کے اُتار چڑھاؤ پر احمقوں کے سر اس طرح جنبش کرتے جیسے وہ ان کے ریشے ریشے میں رچی بسی ہو۔ آغوش مادر میں بھی انہوں نے دیسی لوریوں کی بجائے یہی سب کچھ سنا ہو۔

ان احمقوں میں وہ سب سے بڑا احمق بھی شامل تھا جس کی عقل ہمیشہ معدے ہی میں مقیم رہنے پر مصر رہتی تھی۔

دوسروں کو محظوظ ہوتے دیکھ کر وہ بھی محظوظ ہونے کی کوشش کرتا لیکن خالی پیٹ کی قراقر کی طرف توجہ زیادہ تھی اور وہ کسی قدر اُداس بھی تھا۔ اداس اس لئے تھا کہ پہلو میں ''حمید بھائی'' کی بجائے ''گلہری خانم'' مقیم تھیں۔

آج کل وہ قاسم کو تنہا باہر نہیں نکلنے دیتی تھی۔ مقصد یہی تھا کہ کیپٹن حمید کا ساتھ نہ ہونے پائے۔ اس کا خیال تھا کہ قاسم کا دماغ خراب کرنے میں پچھتر فیصد اسی کا ہاتھ ہے اور یہی بات اس نے عاصم صاحب کو بھی سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ اس پر عاصم صاحب نے گرج کر اپنے فرزند ارجمند کو حکم دیا تھا کہ اب وہ تنہا باہر نہ نکلا کرے۔

قاسم نے حیرت سے آنکھیں پھاڑی تھیں اور ''قہا'' تھا ''ارے یہ میرے ساتھ قہاں بندھی پھریں گی۔ میں تو دن بھر گھر سے باہر رہتا ہوں۔''

بیوی تڑ سے بولی تھی۔ ''تمہاری بھلائی کے لئے میں یہ تکلیف بھی گوارا کرلوں گی۔''

پھر باپ کے آگے قاسم صاحب کی کہاں چلتی۔ ''گلہری خانم'' تعویذ بن کر گلے میں لٹک گئی تھیں اور قاسم کا خیال تھا کہ اب وہ چوبیسوں گھنٹے سلگ سلگ کر بالآخر بھسم ہی ہو جائے گی۔

بعض اوقات جھلاہٹ میں ایسی حرکتیں کرتا جسے کوئی باسلیقہ آدمی برداشت نہیں کرسکتا۔ لیکن بیوی شائد اس پر تل گئی تھی کہ ہرگز پیچھا نہ چھوڑے گی۔ وہ اس وقت بھی سوچ رہا تھا کہ پروگرام ختم ہونے پر کھانا کسی نانبائی کی دوکان پر کھائے گا۔ پھر دیکھو کیسے بیٹھتی ہیں بیگم صاحبہ میرے ساتھ۔ سڑک کے کنارے گندی سی بنچ پر اور کیسے کھاتی ہیں میرے ساتھ گندی سی میز پر۔

خدا خدا کر کے ساڑھے آٹھ بجے۔ غیر ملکی موسیقی کا وہ مظاہرہ ختم ہوا۔ دونوں ہال سے باہر آئے اور قاسم نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''بھوخ لگی ہے۔''

''اب تم مجھے کھا جاؤ۔'' قاسم کی بیوی جھلا کر بولی۔ ''جب دیکھو تب بھوخ لگی ہے۔''

''میں تو بھینس کے پائے اور تنوری روٹی کھاؤں غا.....!''

''کیا کہا.....؟''

''وہی جو تم نے سنا.....!'' قاسم نے منہ بگاڑ کر کہا۔ ''بہادر شاہ روڈ پر فجا نانبائی کی دوکان ہے۔''

''فجا نانبائی کی دوکان؟''

''غاں.....!'' قاسم غرایا۔

''اچھا گھر چلو میں منگوا دوں گی۔''

''نائیں.....وہیں بیٹھ کر کھاؤں غا۔''

''کیا.....؟'' بیوی اچھل پڑی۔

''سڑک کے کنارے میزیں اور بنچیں پڑی رہتی ہیں۔''

''اور تم سڑک کے کنارے بیٹھ کر کھاؤ گے۔''

''تم بھی بیٹھو غی میرے ساتھ.....!''

''ہوش میں تو ہو.....!''

''نہیں بے ہوش پڑا ہوں.....تم بھی خاؤ غی.....میں بھی خاؤں غا.....!''

''میں بھی خاؤں غا.....!'' بیوی نے جھلاہٹ میں منہ ٹیڑھا کر کے نقل اتاری۔

''بس دیکھنا.....!''

گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی سڑکوں سے گذرتی رہی۔ پھر وہ علاقہ بھی نظر آیا جہاں کئی نان بائیوں کی دوکانیں تھیں۔

قاسم نے ایک جگہ گاڑی روک دی۔

''تو تم نہیں مانو گے۔'' قاسم کی بیوی نے کپکپاتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''یعنی بھوکا مر جاؤں تمہارے کہنے پر۔'' قاسم نے آنکھیں نکالیں۔

''اچھی بات ہے۔'' بیوی نے طویل سانس لے کر کہا۔ لیکن اتنا تو کرو کہ گاڑی یہاں سے کچھ آگے بڑھا کر کھڑی کرو۔

''اچھا.....اچھا.....!'' قاسم نے دوبارہ انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

گاڑی کچھ دور تک رینگی اور پھر رک گئی۔

''چلو اترو.....!'' قاسم نے کہا۔

''میں.....دماغ تو نہیں چل گیا۔ تم جاؤ.....میں یہیں رہوں گی۔''

''اے الا.....تو پھر میری نگرانی کیسے ہوگی۔'' وہ جلے کٹے زنانہ انداز میں بولا۔ ''اگر کسی دیگچی یا پتیلی نے مجھے آنکھ ماردی تو قیا ہوگا۔''

لیکن پھر وہ بیوی کے جواب پر دھیان دینے کی بجائے دوسرے منظر میں کھو گیا۔ بائیں جانب ایک دوکان میں ایک درزی جو صورت سے تو شاعر نہیں معلوم ہوتا تھا ایک دبلی پتلی خاتون کی کمر کی پیمائش کر رہا تھا۔

وہاں سے نظر ہٹ کر سائن بورڈ پر آ ٹھہری۔

''منصور اینڈ سنز.....لیڈیز ٹیلرس.....!''

''قیا بات ہے۔'' قاسم نے ٹھنڈی سانس لی۔

وہ سوچ رہا تھا الا قسم یہ ہے زور دار دھندا..... قیا مشکل ہے۔ عیش ہیں سالوں کے۔

''اب کیا سوچ رہے ہو۔'' دفعتاً بیوی چیخنائی۔ ''یا تو اُترو یا گھر چلو.....!''

''اچھا..... اچھا.....!'' قاسم جلدی سے سر ہلا کر بولا۔

انجن پھر اسٹارٹ ہوا اور گاڑی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

''تو یہ سب کچھ میری جان جلانے کے لئے تھا۔''

''ارے نہیں..... ہی ہی ہی ہی! وہ تو مذاخ تھا.....!''

''مذاق بھی کر لیتے ہو۔'' بیوی نے ٹھنڈی سانس لے کر پوچھا۔

''قیوں نہیں..... قیوں نہیں۔ وہ تو میں بہت کر لیتا ہوں..... اور ہاں دیکھو اب میں کل سے گھر سے باہر نہیں نقلوں غا.....!''

''خیریت..... اچانک یہ تبدیلی کیوں۔''

''قچھ نہیں..... بس یونہی..... اب میں تمہیں پریشان نہیں کروں گا۔ تم تو بہت اچھی ہو۔''

''اللہ خیر کرے..... وہ تو..... وہ تو..... میں بھی سوچتا ہوں کہ اب مجھے کچھ کرنا چاہئے..... کچھ سیکھنا چاہئے۔''

''یعنی گھر ہی میں رہ کر.....!'' بیوی نے خوش ہو کر پوچھا۔

''اور قیا..... شریف آدمی کا بچہ ہوں۔'' قاسم کے لہجے میں اکڑن تھی۔

''بھلا کیوں سیکھو گے۔''

''تم مجھے کپڑا کاٹنا سکھا دو۔'' قاسم گھگھیایا اور بیوی ہنسی کے مارے دوہری ہوگئی۔

ہنستی ہی رہی آخر قاسم جھنجھلا گیا۔

''ذرا یہ تو بتاؤ کہ یہ نئی سوجھی کیسے.....؟''

''شوک ہے اپنا اپنا.....!'' قاسم نے بے حد خشک لہجے میں کہا۔

''پہلے تو نہیں تھا..... یہ اچانک کیوں.....؟''

''اب کھاموش رہو.....!'' وہ غرایا۔

گھر آ کر بھی وہ اسی کے متعلق سوچتا رہا تھا۔ جب بے چینی بہت بڑھی تو ڈرائینگ روم میں آ کر فون پر کرنل فریدی کے نمبر ڈائیل کئے۔

دوسری طرف سے جواب ملنے پر کیپٹن حمید سے گفتگو کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ وہ بھی شائد گھر ہی پر موجود تھا۔

''اُوہ..... اچھا..... آپ ہیں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''اب دکھائی کیوں دیتے آج کل۔''

''بڑی مصیبت میں پھنس غیا ہوں حمید بھائی۔''

''کوئی نئی محبت.....!''

''ہائے! اب ایسا کہاں ہے مکدر۔''

''پھر کیا مصیبت ہے۔''

''وہی تمہاری آپا جان..... نہیں نہیں صرف آپا..... آپا.....!''

''جان نہیں.....؟'' دوسری طرف سے سوال کیا گیا۔

قاسم کا چہرہ بگڑ گیا اور اس نے حلق کے بل کہا۔ ''نہیں.....!''

''خیر چلو..... اس وقت بور کرنے کا مقصد.....؟''

''ایک نئی ترقیب.....!''

''کاہے کی ترکیب.....!''

''ہم تم دونوں مل کر درزی کی دوکان قرلیں.....!'' قاسم نے کہا اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کرنے کی آواز سنی۔

''بند قر دیا سالے نے۔'' وہ پرتشویش لہجے میں بڑبڑایا اور نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر نمبر ڈائیل کرنے لگا۔

''ابے پاگل تو نہیں ہوگیا۔'' دوسری طرف سے حمید دہاڑا۔

''اَمے تو کھفا ہونے کی کیا بات ہے۔'' قاسم نے گھگھیا کر کہا۔ ''پوری بات تو سن لو۔

قوئی فون میں گھس کر تم پر چڑھ تو نہیں بیٹھوں گا۔''



حمید ریسیور رکھ کر ہنستا ہوا مڑا..... دروازے میں فریدی کھڑا اُسے عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''غالباً اب یہ بالکل ہی پاگل ہو جائے گا۔'' حمید بولا۔

''کیا کہہ رہا تھا.....؟''

''شرکت میں درزی کی دوکان کرلو.....؟ لیڈیز ٹیلرنگ شاپ..... کہتا ہے میں نے بیوی کو راضی کرلیا ہے وہ کل سے مجھے کپڑے کاٹنا سکھائے گی۔''

''پھر کیا خیال ہے تمہارا.....؟''

حمید اس کے لہجے کی سنجیدگی پر چونک پڑا۔ آنکھیں پھاڑ کر نیچے سے اوپر تک جائزہ لینے کے بعد کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''اُسے اتفاق ہی کہنا چاہئے کہ قاسم نے بھی تمہارے لئے وہی سوچا جو میں سوچ رہا تھا۔''

''اوہ تو کیا آپ کی شرکت میں دوکان رکھنی پڑے گی۔'' حمید نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''نہیں تنہا..... ویسے قاسم کو بھی شریک کرنا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اس طرح تمہارا جی بھی بہلتا رہے گا۔''

حمید نے سوچا آج بڑے اچھے موڈ میں نظر آرہے ہیں حضرت! کیا قصہ ہے.....؟ وہ لاپروائی سے شانوں کو جنبش دے کر دوسرے دروازے کی طرف مڑا ہی تھا کہ فریدی بولا۔

''ٹھہرو..... تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔''

حمید نے اس کی طرف مڑ کر طویل سانس لی اور ہونٹ بھینچ لئے۔

''دوکان ویل فرنشڈ ہے..... چار عدد پاور مشینیں ہیں اور بھی جو لوازمات ہوتے ہیں سب ہی موجود ملیں گے۔''

حمید نے ایک بار پھر اُسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی لیکن اس سے بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس وقت سنجیدہ نہیں ہے۔

''یعنی..... یعنی..... کہ آپ.....!''

''ہاں..... عزیز القدر..... میں سنجیدہ ہوں۔''

''اور اس گھٹیا کام کی نگرانی میرے سپرد ہوگی۔''

''تم سے زیادہ قابل اعتماد آدمی کوئی دوسرا نظر نہیں آتا۔'' فریدی پھر مسکرایا۔

''عزت افزائی کا شکریہ۔'' حمید حلق کے بل کراہا تھا۔

''کیوں.....؟ کیا بات ہے۔ کیا تم کچھ بیمار ہو۔ میں تو سمجھا تھا کہ تمہارے مذاق کی چیز ہے۔''

''یعنی میں خواتین کا ٹیلر ماسٹر بن بیٹھوں گا۔''

فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سر کو اثباتی جنبش دی۔

''اور یہ میرے مذاق کی چیز ہے۔!'' حمید نے جھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''قاسم لحیم شحیم ہے..... لیکن عقل نہیں رکھتا۔ تم مختصر ہو لیکن عقلمندی کے ساتھ..... اس کے علاوہ اور کیا فرق ہے تم دونوں میں۔''

''شکریہ۔'' حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر پوچھا۔ ''اور کچھ۔''

''کل تمہیں کاریگروں کا انٹرویو لینا ہے وہیں دوکان پر۔ کارخانہ حال ہی میں قائم ہوا ہے۔ چار آدمی تو مشینوں پر کام کرنے کے لئے ہوں گے دو آدمی کٹنگ کے لئے۔ دو بازار دیکھنے والے اور تم منیجر..... صرف زنانہ ملبوسات کا کارخانہ..... آج کے سارے بڑے اخبارات میں اشتہار آئے ہیں۔''

''میں نہیں سمجھ سکتا۔''

''کیا نہیں سمجھ سکتے۔''

''اگر یہ اسکیم کسی قسم کی تفتیش سے تعلق رکھتی ہے تو اچانک آج ہی یہ بم مجھ پر کیوں پھٹا..... یعنی کل ہی مجھے انٹرویو لینے ہے..... دو دن پہلے ہی بتا دیا ہوتا۔ کل اتوار ہے۔ اگر میرے کچھ انگیج منٹس ہوئے تو۔''

''کوئی انگیج منٹ نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں۔''

''آپ یقین کے ساتھ کیسے کہہ سکتے ہیں۔''

''مجھے علم ہے۔ تمہارے بارے میں کیا نہیں جانتا۔''

''میں کل دن بھر شہر سے باہر رہوں گا۔''

''اس کا فیصلہ تم نے ابھی اور اسی وقت کیا ہے۔ پہلے سے کوئی پروگرام نہیں تھا۔''

''کچھ بھی سہی..... میں تو.....!''

''کل اتوار ہی سہی لیکن تم ڈیوٹی پر ہو۔''

''اے خدائے لم یزل.....!'' حمید چھت کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''اب ان کی بھی ڈیوٹی کہیں لگوا ہی دے..... کیچوؤں تک کے جوڑے لگائے ہیں تو نے..... مگر ان کی بار کیوں دیر اتنی کر دی۔''

''کل ٹھیک گیارہ بجے..... مارسٹن روڈ..... شاپ نمبر گیارہ.....!'' فریدی دروازے کی طرف مڑتا ہوا بولا۔

وہ جا چکا تھا اور حمید سر تھامے بیٹھا سوچ رہا تھا کہ آیا اسی شکل و صورت میں اُسے یہ نامعقول ڈیوٹی انجام دینی پڑے گی۔

کئی ماہ سے کوئی خاص کام حصے میں نہیں آیا تھا۔ اُس نے سوچا شائد اب اس کی کسر نکلنے والی ہے۔

لیکن یہ درزی خانے کی کیوں سوجھی۔ اس کی دانست میں تو اس دوران میں سرے سے کوئی ایسا کیس آیا ہی نہیں تھا جس کے لئے اس قسم کے کھڑاگ کرنے پڑتے۔

وہ وہاں سے اٹھ کر لائبریری میں آیا۔ آج کے کئی اخبار میز پر پڑے ہوئے تھے۔

''ضرورت ہے۔'' کے کالموں پر نظر دوڑانی شروع کی اور بالآخر وہ اشتہار مل ہی گیا۔ انداز کہہ رہا تھا کہ کئی دن سے شائع ہوتا رہا ہے۔

ٹپ ٹاپ لیڈیز ٹیلرز کو کچھ کاریگروں اور کٹرز کی ضرورت تھی۔ پتہ وہی تھا جو کچھ دیر قبل فریدی نے بتایا تھا۔ شاپ نمبر گیارہ مارسٹن روڈ۔

''بھنگی بھی بننا پڑے گا کسی روز۔'' حمید بڑبڑاتا ہوا لائبریری سے نکل آیا۔

بہر حال یہ رات تو میری ہے۔ اس نے سوچا۔ اُوہ..... قاسم کیوں نہ اُسے بھی اسی راہ پر لگایا جائے۔ وقت اچھا گذرے گا۔

کچھ دیر بعد اس نے قاسم کے فون کے نمبر ڈائیل کئے۔ دوسری طرف سے اُس کی آواز سن لینے کے بعد اس نے کہا۔ ''اب تمہیں اپنی نجی دوکان کھولنے کی ضرورت نہیں۔ اخبارات کے وانٹ والے کالم میں دیکھو۔ مارسٹن روڈ کی شاپ نمبر گیارہ میں ٹپ ٹاپ ٹیلرز ہیں۔ انہیں کاریگروں کی ضرورت ہے۔ کل گیارہ بجے وہ انٹرویو لیں گے۔ عرضی لے کر چلے آنا۔''

''مغر..... مغر..... ابھی تو مجھے قچھ بھی نہیں آتا۔ یعنی کہ کپڑا کاٹنا وغیرہ۔''

''رہے نرے گھامڑ ہی..... ابے ساری رات پڑی ہے..... بیوی سے سیکھ لے..... فی الحال جمپر اور شلوار کافی ہوں گے۔''

''اچھا..... اچھا..... مغر..... میں نوقری قروں غاقیسے..... مطلب یہ کہ ابا جان۔''

''بھیس بدل دیا جائے گا..... بس کل صبح ہی صبح کسی طرح نکل بھاگو۔'' حمید نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

ذہنی جھٹکے

''میں کہتی ہوں تمہیں آخر ہو کیا گیا ہے۔'' قاسم کی بیوی چیخنائی۔

''بس شلوار کا نٹا اور سکھا دو۔''

''تین بج رہے ہیں..... گھڑی کی طرف بھی دیکھو.....!''

''ب..... بس..... جلدی سے سیکھ لوں گا۔ ٹانگیں ہی ٹانگیں تو ہوتی ہیں اس میں۔''

''میں کہتی ہوں تمہیں یہ سوجھی کیسے.....؟''

''پھر وقت کیسے کٹے غا سالا.....!''

''تو یہ وقت کاٹنے کے لئے رت جگا ہو رہا ہے۔''

''غاں..... غاں.....!''

''ایسی کی تیسی..... میں تو سونے جا رہی ہوں۔''

''کس کی ایسی کی تیسی..... میری.....؟'' قاسم نے غرا کر پوچھا۔

''سب کی ایسی کی تیسی.....!'' قاسم کی بیوی نے نیند کی جھونک میں کہا۔

''یعنی ابا جان تی بھی.....!''

''ہاں.....!'' نیم غنودہ ذہن کا جواب تھا۔

قاسم نے اتنے زور سے قہقہہ لگایا کہ وہ پوری طرح ہوش میں آ گئی۔

''کیوں دہاڑیں مار رہے ہو.....!'' وہ غصیلی آواز میں بولی۔

''ابا جان..... ہاہاہا..... ہی ہی ہی ہی۔''

''کہاں..... کدھر.....؟'' وہ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔

قاسم ہنستا ہی رہا..... اور وہ جھلا کر کمرے سے چلی گئی۔

''یہ تو گھپلے والی بات ہے۔'' قاسم اپنی ہنسی روک کر بڑبڑایا۔

پھر اُس نے اُس کے کمرے کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنی اور اُس کے چہرے پر مایوسی کے بادل چھا گئے۔

لیکن پھر یک بیک آنکھیں چمک اٹھیں۔

''وہ مارا..... قاسم بن گیا۔'' وہ دیدے چمکا کر بڑبڑاتا رہا۔ ''اتنی دیر جاگی ہے۔ اب دس بجے سے پہلے نہیں اٹھ سکے گی۔ بس منہ اندھیرے نقل بھاگوں غا..... پتہ بھی نہ چلے گا چپاتی بیغم تو.....!''

اور یہی ہوا بھی۔ وہ اپنے چٹکیاں لے لے کر جاگتا رہا۔ ساڑھے پانچ بجے چپ چاپ کوٹھی سے نکلا اور کچھ دور پیدل چلنے کے بعد ایک ٹیکسی پکڑ لی۔ پھر یہ اور بات ہے کہ ڈرائیور کو فریدی کی کوٹھی کا پتہ بتا کر پچھلی سیٹ پر خراٹے لینے لگا ہو۔ اب ذہن پر قابو ہی نہیں رہ گیا تھا۔

ٹیکسی کا انجن راستے بھر اتنا زیادہ شور مچاتا آیا تھا کہ قاسم کے خراٹے ڈرائیور کے کانوں میں نہیں پڑے تھے۔

لہٰذا فریدی کی کوٹھی کے قریب پہنچ کر جب اس نے ٹیکسی روکی تو بُری طرح بوکھلا گیا۔ قاسم ہی کی طرح اُس کے خراٹے بھی عجیب تھے۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دو کتے ایک دوسرے پر جھپٹ پڑنے سے پہلے غرا رہے ہوں۔

ٹیکسی باہر ہی اس لئے روکنی پڑی تھی کہ پھاٹک بند تھا۔

''صاحب..... صاحب۔'' اس نے قاسم کو آواز دی۔ لیکن قاسم کو ہوش کہاں۔ پوری رات جاگتے رہنے کے بعد سویا تھا۔ نیند بھی بے ہوشی ہی کی طرح ہوئی تھی۔ وہ غل غپاڑے کو کب خاطر میں لاتی۔ ڈرائیور نے کئی بار آوازیں دیں۔ لیکن صرف خراٹے سنتا رہا۔ آخر اس نے ہاتھ بڑھا کر اُسے جھنجھوڑنا شروع کیا۔

ایک بار خراٹے رک گئے۔ قاسم نے منہ چلاتے ہوئے ''غاؤں غاؤں'' اور پھر خراٹے شروع کر دیئے۔

''کیا مصیبت ہے۔'' ڈرائیور بے بسی سے بڑبڑایا اور پھر اُسے جھنجھوڑنے لگا۔ لیکن نتیجہ معلوم۔ صرف اتنا ہوتا کہ چند لمحوں کے لئے خراٹے رک جاتے اور ''غاؤں غاؤں'' شروع ہو جاتی۔ ہاتھ پیر اس طرح ہلتے جیسے کوئی ضدی بچہ کسی بات پر مچل رہا ہو۔

جب ٹیکسی ڈرائیور کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو اُس نے زور زور سے ہارن بجانا شروع کر دیا۔ لیکن قاسم کی نیند نہ ٹوٹی..... فریدی لان پر چہل قدمی کر رہا تھا۔ ہارن کی مسلسل آوازیں سن کر پھاٹک کے قریب آیا۔

اب کسی قدر اُجالا پھیل گیا تھا۔

ڈرائیور نے فریدی سے کہا۔ ''صاحب یہ یہاں آئے تھے اب سو گئے ہیں تو اٹھتے ہی نہیں کسی طرح۔''

''یہاں آئے تھے۔''

''جی ہاں..... یہیں کا پتہ بتایا تھا۔''

فریدی پھاٹک کھول کر باہر آیا۔ قاسم پر نظر پڑتے ہی طویل سانس لے کر بولا۔ ''اندر لے چلو گاڑی۔''

حمید شائد ابھی تک سو ہی رہا تھا۔ گاڑی کمپاؤنڈ سے گزر کر پورچ میں آ رُکی۔

فریدی نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر پہلے تو قاسم کو جھنجھوڑ کر اٹھانے کی کوشش کی پھر بائیں کان کے نیچے انگوٹھے سے دباؤ ڈالا۔

''ارے باپ رے۔'' یک بیک قاسم دھاڑ کر سیدھا ہو بیٹھا اور پھر عجیب طرح کی آوازیں اس کے حلق سے نکلنے لگیں۔ جن میں خوفزدگی اور بوکھلاہٹ دونوں ہی شامل تھیں۔

''جج..... جی..... غوپ..... ہی ہی ہی ہی۔''

''کیا بات ہے؟''

''میں سو گیا تھا شائد۔''

''تو اب نیچے تو اُتر آؤ۔''

''جج..... جی ہاں..... غاں.....!''

قاسم نے ٹیکسی سے اُتر کر کرایہ ادا کیا۔

ذہن اب پوری طرح جاگ اٹھا تھا اور قاسم کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس وقت آنے اور اس طرح ٹیکسی میں سو رہنے کی وجہ کیا بتائے گا۔

''سب خیریت ہے۔'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

''اجی کھیریت ویریت کہاں۔'' قاسم نے مغموم لہجے میں جواب دیا۔ ''بڑی مصیبت میں پڑ گیا ہوں۔''

''کیسی مصیبت.....!''

''بڑے بُرے خواب دکھائی دیتے ہیں۔ رات بھر نیند نہیں آتی۔''

''خوب..... بتاؤ میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں۔''

''آپ میرے لئے..... ہی ہی ہی ہی..... قیا بتاؤں قچھ سمجھ میں نہیں آتا۔''

''بہر حال آئے تو کسی مقصد ہی کے تحت ہو گے۔''

''جی غاں..... وہ حمید بھائی۔''

''اوہ تو اُن خوابوں کا تعلق اُسی سے ہے۔''

''جی غاں..... غاپ..... نن نہیں۔''

''وہ ابھی سو رہا ہے۔''

''میں التجا کروں غا.....!''

''کیا اُس نے تمہیں بلایا تھا۔''

''جی ہاں..... جی ہاں۔''

''کیوں.....؟''

''پپ پتہ نہیں..... جی ہاں..... بب بالکل پتہ نہیں۔''

''تو اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو.....؟''

''ق.....قید خانے سے نقل بھاگا ہوں۔'' قاسم نے جلدی سے کہا۔ پھر سنبھل کر زیر لب بڑبڑایا۔''ارے باپ رے یہ کیا کہہ دیا۔''

''ہوں.....؟''

''جی کچھ نہیں۔''

''کس قید خانے سے نکل بھاگے ہو۔''

''مجھے بہت زور سے نیند لگ رہی ہے..... یاد نہیں کہ ابھی میں نے کیا کہا تھا۔''

''جی..... ہاں.....!''

''اور یہ کس قید خانے کا تذکرہ تھا۔''

''پتہ نہیں۔'' قاسم تھوک نگل کر بولا۔''مجھے یاد نہیں۔''

''میرا خیال ہے کہ آج شائد اُس سے تمہاری ملاقات نہ ہو سکے۔ وہ بہت مشغول رہے گا۔''

''تو پھر بلایا قیوں تھا.....؟'' قاسم جھنجھلا گیا۔

''ہوں.....اچھا.....!'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔''بہتر یہی ہے کہ تم بھی کچھ دیر سولو۔''

''الاقسم.....میرا بھی یہی جی چاہتا ہے۔''

''تو آؤ میرے ساتھ۔'' فریدی نے دروازے کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

عرفان کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا۔ سڑک کے اُس پار دور تک بکھرے ہوئے سرسبز درخت کہر کی ہلکی سی چادر میں لپٹے ہوئے تھے۔ سڑک سنسان پڑی تھی اور یہ چھوٹی سی عمارت جس کی ایک کھڑکی سے عرفان باہر دیکھ رہا تھا اس ویرانے میں بڑی عجیب سی لگ رہی تھی۔ دور دور تک آبادی کا نام ونشان تک نہیں تھا۔

یہ عمارت دوسری جنگ عظیم کے دوران بنائی گئی تھی۔ اس سڑک سے فوجی گاڑیوں کے قافلے گزر کر اندرون ملک جاتے تھے اور ہر پچاس میل پر ایسی ایک عمارت ضرور ملتی تھی۔

بعد میں ان میں سے کچھ تو منہدم ہو گئی تھیں اور کچھ محکمہ جنگلات کے کام آئی تھیں۔ لیکن یہ عمارت عرفان نے بڑی کوششوں کے بعد خرید لی تھی۔ وہ ایک کمرشل آرٹسٹ تھا۔ جب شہر کے ہنگاموں سے اکتا جاتا تو اِدھر ہی کا رخ کرتا۔ شہر میں اس کا اچھا خاصا کاروبار تھا تجارتی حلقوں میں اس کا کام بہت مقبول تھا۔

جنگل کے دوران قیام میں وہ خالص آرٹ کے نکتہ نظر سے پینٹنگ بھی کیا کرتا تھا اور یہ پینٹنگس یا تو اُس کے ڈرائنگ روم کی زینت بنتیں یا مخصوص دوستوں میں تقسیم ہو جاتیں۔ وہ انہیں فروخت نہیں کرتا تھا۔ اس کا مقولہ تھا کہ وہ تخلیقات جو کسی جذباتی لگاؤ کا نتیجہ ہوں ترازو میں نہیں تل سکتیں۔ ان کی اصل قیمت ذوق سلیم ہوتا ہے۔

ان دنوں بھی وہ تجارتی کاموں سے تھک کر یہاں اس ویرانے میں آپڑا تھا اور کینواس پر ایک اچھوتے خیال کو رنگوں میں مقید کرنے کی کوشش جاری تھی۔

وہ ایک خوش شکل اور خوش لباس آدمی تھا۔ عمر پینتیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ چند اصولوں کے تحت زندگی بسر کرنے کا قائل تھا۔ اپنے دوسرے ہم پیشہ لوگوں کی طرح لاأبالی پن کا شکار نہیں تھا۔ تجارتی کاموں سے اتنا کما لیتا تھا کہ اس کے متعلقین اطمینان اور آسائش کی زندگی بسر کرتے تھے۔

شہر سے یہاں تک وہ اپنی چھوٹی سی اسٹیشن ویگن میں آتا تھا اور جتنے دن قیام کرنے کا ارادہ ہوتا اسی کی مناسبت سے ضروریات زندگی بھی اس کے ساتھ ہوتیں، روزمرہ کے کام بھی خود ہی انجام دیتا تھا۔ اگر اس کے لئے مددگار کو بھی ساتھ لاتا تو تنہائی کیسے برقرار رہتی۔ تنہائی جو اس کے منفرد تخلیقی کارناموں کی ماں تھی۔ تنہائی جو اس کی تفریح بھی تھی اور آرام جان بھی۔

حسب معمول وہ آج بھی طلوع آفتاب سے پہلے ہی بیدار ہوا تھا اور ضروریات سے فارغ ہو کر اب اسٹوو پر چائے کے لئے پانی رکھنے جا رہا تھا۔

دفعتاً اُسے محسوس ہوا جیسے کمرے کے صحن میں کوئی وزنی چیز کافی بلندی سے گری ہو۔ وہ چونکا ہی تھا کہ اب پہلی آواز سے مشابہ کسی قدر ہلکی آواز سنائی دی۔

وہ تیزی سے صحن میں آیا اور اُس کے ہونٹ سیٹی بجانے کے سے انداز میں سکڑ کر رہ گئے۔ آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

وسط صحن میں چمڑے کا ایک چھوٹا سا سوٹ کیس پڑا نظر آیا۔ اُس سے تھوڑے ہی فاصلے پر کاسنی رنگ کا ایک لیڈیز کوٹ بھی پڑا تھا۔

اس کی نظر سامنے والی دیوار کی طرف اٹھ گئی۔ جس کے عقب سے ایک انسانی سر اُبھر کر آہستہ آہستہ بلند ہو رہا تھا۔

عرفان کے ہونٹ کھل گئے آواز نہ نکلی..... یہ کوئی عورت تھی۔ دھندلکے میں چہرہ صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ پتہ نہیں اس نے بھی عرفان کو دیکھ لیا تھا یا نہیں۔

پھر دیوار کے اوپر پہنچ کر اس نے صحن میں چھلانگ لگا دی۔

دیوار کم از کم تیرہ فٹ ضرور اونچی رہی ہوگی۔

وہ اس طرح صحن میں آ گری تھی کہ خود سے اٹھنا محال ہی معلوم ہو رہا تھا۔ عرفان اس کی طرف جھپٹا۔

لیکن قریب پہنچتے پہنچتے چھلانگ لگانے والی کا جسم ساکت ہو چکا تھا۔

عرفان نے جھک کر دیکھا۔ سانس کی رفتار نارمل تھی۔

''بیہوش ہوگئی۔'' وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

نبض دیکھی وہ بھی معمول کے مطابق چل رہی تھی۔

بالآخر وہ اُسے کمرے میں اٹھا لایا۔ کمرے میں ابھی تک کیروسین لیمپ روشن تھا۔

اب وہ اس کے خدوخال واضح طور پر دیکھ سکا۔

رنگت سے یوریشین معلوم ہوتی تھی۔ بال سرخی مائل بھورے تھے۔ جسم متناسب۔ عمر زیادہ سے زیادہ چوبیس یا پچیس سال رہی ہوگی۔

جسم پر اسکرٹ اور بلاؤز تھے۔ پیروں میں اسٹاکنگس ضرور تھے لیکن جوتے ندارد۔

عرفان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُسے ہوش میں کس طرح لائے۔ پتہ نہیں کہاں چوٹ آئی ہو۔ ہڈیوں کو گزند پہنچنے کا احتمال تھا۔ دیوار کافی بلند تھی۔

کچھ دیر بعد وہ کسمسائی۔ زبان بھی ہلی تھی اور آواز میں ایک بامعنی لفظ کی تکرار تھی۔

''زنجیر..... زنجیر.....!''

اور پھر سکوت طاری ہوگیا تھا۔ آنکھوں کے پپوٹے متحرک تھے۔ لیکن وہ کھلی نہیں تھیں۔

بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ گہری نیند میں بڑبڑا کر پھر خاموش ہوگئی ہو۔

عرفان دم بخود کھڑا رہا۔

وہ صورت سے یوریشین لگ رہی تھی۔ لیکن لفظ ''زنجیر'' کی تکرار اردو ہی میں ہوئی تھی۔

لہجہ بھی دیسیوں ہی جیسا تھا۔

تقریباً بیس منٹ بعد وہ پوری طرح ہوش میں آ گئی۔ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھ کر کراہتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔

''میں..... کک..... کہاں ہوں۔''

''آپ..... آپ.....!'' عرفان کی سمجھ میں نہ آیا کہ اُسے کیا بتائے۔

''اُوہ..... خدا کے لئے مجھے بچایئے۔'' وہ کہتی ہوئی اچھل کر پلنگ سے اُتر آئی۔ ''مجھے کہیں چھپایئے..... وہ بھیڑیا یہاں ضرور آئے گا۔''

''کون.....؟''

''مجھے چھپایئے..... میں پھر بتاؤں گی۔ یہ جگہ اُس کی نظر سے پوشیدہ نہ رہ سکے گی۔''

''مم..... میں کہاں چھپاؤں؟''

''میرے ہینڈ بیگ..... میرے جوتے..... میرا کوٹ.....!''

''وہ سب وہیں صحن میں پڑے ہوئے ہیں۔'' عرفان نے کہا۔

''انہیں بھی چھپایئے..... مجھے بھی چھپایئے..... جلدی سے کچھ کیجئے۔ ورنہ آپ کو بعد

میں افسوس ہوگا۔ وہ مجھے مار ڈالے گا۔''

''کون.....؟''

''خدا کے لئے وقت نہ ضائع کیجئے۔ رحم کیجئے میرے حال پر۔''

''یہاں.....یہی دو کمرے ہیں اور ایک کوٹھری۔''

''مجھے اس میں مقفل کر دیجئے.....جلدی کیجئے۔ صحن کدھر ہے۔ میری چیزوں کو بھی اس کی نظر میں نہ آنا چاہئے۔''

عرفان اُسے صحن میں لایا اور وہ مضطربانہ انداز میں اپنی چیزیں سمیٹنے لگی۔ کوٹ اٹھاتے ہی اُس میں لپٹے ہوئے بغیر ایڑیوں والے سپاٹ جوتے نکل کر فرش پر آ رہے۔ وہ انہیں اٹھانے کے لئے پھر جھکی۔

''ٹھہریئے.....میں اٹھائے لیتا ہوں۔'' عرفان بولا۔

کچھ دیر بعد وہ اُس چھوٹی سے کوٹھری میں بند کی جا رہی تھی جس کا مصرف ہی آج تک عرفان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

کنڈی چڑھا کر عرفان نے اُس میں قفل لگا دیا۔

اس کی حیرت ابھی تک برقرار تھی۔

اس سنسان جنگل میں اُس لڑکی کا کیا کام..... بوریشین معلوم ہوتی تھی لیکن اردو کسی اہل زبان کی طرح بولتی تھی۔ اُسے اچھی طرح یاد تھا کہ اس پوری گفتگو کے دوران انگریزی کا ایک لفظ بھی اس کی زبان سے نہیں نکلا تھا اور پھر بے ہوشی کے عالم میں بھی اردو ہی کے الفاظ زبان سے ادا ہونے کا مطلب یہی تھا کہ وہ بیداری کی حالت میں سرے سے انگریزی بولتی ہی نہیں۔ ورنہ اپنے یہاں کے دوغلی نسل والے سفید فاموں کی ثانوی زبان تو اردو ہو سکتی لیکن روزانہ زندگی میں وہ انگریزی ہی بولتے ہیں۔

ابھی وہ اسی الجھن میں تھا کہ کوئی باہر سے دروازہ پیٹنے لگا۔

''یہاں کون ہے.....دروازہ کھولو.....!'' ایک گونجیلی اور بھاری آواز بھی آئی۔

عرفان کی رگوں میں خون کی روانی تیز ہو گئی۔

''کون ہے.....؟'' خود اُس نے اونچی آواز میں پوچھا۔

''ہے.....دروازہ کھولو.....!'' وہی آواز پھر آئی۔

عرفان کمرے سے گذر کر صدر دروازے تک آیا اور کانپتے ہوئے ہاتھ سے کنڈی کھول دی۔ کوئی دروازے کو دھکا دیتا ہوا اندر گھس آیا۔ اگر عرفان اچھل کر پیچھے نہ ہٹ گیا ہوتا تو پیشانی یقیناً زخمی ہو جاتی۔

''یہ کیا لغویت ہے.....!'' اُس نے غصیلی آواز میں کہا۔

''یہاں کوئی لڑکی آئی ہے۔'' آنے والے نے غرا کر پوچھا۔

''کیسی لڑکی.....تم کون ہو اور اس طرح.....!''

''خاموش رہو.....صرف میری بات کا جواب دو۔'' آنے والے نے کہا۔

عرفان نے اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھا۔ خاصے تن و توش کا آدمی تھا۔ جبڑے بھاری تھے اور پیشانی کی وریدیں اُبھری ہوئی تھیں۔

''کیا میں تم سے پوچھ سکتا ہوں کہ تم اس طرح یہاں کیوں گھس آئے۔'' عرفان نے اپنے لہجے میں سختی پیدا کر کے کہا۔ وہ خائف نہیں تھا۔

''میں پوچھ رہا ہوں یہاں کوئی لڑکی آئی ہے۔''

''نہیں.....یہاں میں تنہا رہتا ہوں۔''

''میں خود دیکھنا چاہتا ہوں.....!'' وہ آگے بڑھتا ہوا بولا۔

''ٹھہرو۔'' وہ آگے بڑھ کر کمرے کے دروازے کے درمیان حائل ہوتا ہوا بولا۔ ''میں جنگل میں مقیم ضرور ہوں لیکن جنگل کے قانون کے آگے سر نہیں جھکا سکتا۔''

''اوہ.....!'' اجنبی ایک قدم پیچھے ہٹ کر اُسے گھورنے لگا۔

پہلے تو اُس کے چہرے پر کرختگی نظر آئی پھر آہستہ آہستہ وہ کرختگی ایک لمبی سی مسکراہٹ میں تبدیل ہو گئی۔ دہانہ آدھے گالوں تک پھیل گیا تھا اور دانت نظر آنے لگے تھے۔ عرفان

فیصلہ نہ کر پایا کہ یہ مسکراہٹ تھی یا کسی کٹکھنے کتے نے دانت نکالے تھے۔

''میں اطمینان کرنا چاہتا ہوں۔'' اس بار اجنبی نے کسی قدر نرم لہجے میں کہا۔

''سنئے جناب۔'' عرفان ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''میں شہر سے یہاں ہمیشہ تنہا آتا ہوں اور اس قسم کا آرٹسٹ نہیں ہوں جیسے عام طور پر ہوتے ہیں۔ مجھے لڑکیوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔''

''اوہ..... تو تم آرٹسٹ ہو۔''

عرفان نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سر کو اثباتی جنبش دی۔

''میرا مطلب تھا کہ یہاں اچانک کوئی لڑکی تو نہیں آئی۔''

''یہاں اچانک۔!'' عرفان نے لہجے میں تحیر پیدا کر کے کہا۔ ''اس جنگل میں۔''

''یہاں..... یہاں..... کیا تم نہیں جانتے کہ یہاں سے پانچ میل کے فاصلے پر ایک ریلوے لائن بھی گذرتی ہے۔''

''میں نہیں جانتا۔'' عرفان بولا۔

''وہ دراصل بہت بڑی مالیت کے زیورات چرا کر بھاگی ہے۔ بذریعہ ریلوے ٹرین ادھر ہی آئی تھی۔ ایک دیہاتی اسٹیشن پر اترنے کی خبر ملی تھی۔ خیال ہے کہ اُس نے انہیں جنگلوں میں پناہ لی ہے۔''

''اوہ..... آیئے..... بیٹھئے.....'' عرفان نے کمرے میں داخل ہو کر کرسیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''مجھے افسوس ہے..... اگر آپ پہلے ہی بتا دیتے تو۔''

''کوئی بات نہیں ہے..... اس لڑکی کی وجہ سے ہمیں بہت پریشانیاں اٹھانی پڑی ہیں..... اس لئے۔''

''ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے۔'' عرفان سر ہلا کر بولا۔ ''گھریلو ملازمائیں بڑی پریشانیوں کا باعث بن جاتی ہیں۔''

''آپ غلط سمجھے ہیں۔ وہ کوئی گھریلو ملازمہ نہیں۔ ایک خوش شکل اور جواں سال یورپین ہے۔''

''نہیں۔'' اس بار عرفان نے بہت زیادہ حیرت ظاہر کی۔

''دراصل ہماری فرم زیورات کی تجارت کرتی ہے۔ یہ لڑکی ہمارے شوروم میں سیلز گرل تھی اور جواہرات کا کاؤنٹر اس کے سپرد تھا۔ لاکھوں کی مالیت کے جواہرات لے اڑی ہے۔''

''اوہ.....!'' عرفان سوچ میں پڑ گیا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر اس نے کہا۔ ''اس ویرانے میں اس عمارت کے علاوہ اور کوئی ایسی جگہ نظر نہیں آتی جہاں وہ پناہ لے سکے۔ ہوسکتا ہے بھوک اور پیاس اُسے ادھر آنے پر مجبور کرے۔''

''ممکن ہے..... ممکن ہے.....؟'' عرفان مضطربانہ انداز میں بولا۔

''تو پھر مجھے یہیں ٹھہرنا چاہئے اور اس طرح کہ اُسے علم نہ ہونے پائے اور یہ عمارت اس کے لئے چوہے دان بن جائے۔''

''جی..... ای..... کیا مطلب.....؟''

''ایک چور کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے میرے ہاتھ بٹایئے۔''

''لیے..... یعنی..... کہ آپ یہاں قیام کریں گے۔''

''ہاں..... کیا حرج ہے۔ میں آپ کے مشاغل میں حارج نہیں ہوں گا۔ ویسے بھی مجھے مصوری سے لگاؤ ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ لیکن کیا اُسے کچھ اور آدمی بھی تلاش کر رہے ہیں۔''

''نہیں..... صرف میں ہی۔''

''تب تو یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ادھر ہی کا رخ کرے ممکن ہے کسی اور طرف نکل جائے۔ اگر دو چار اور بھی اس جنگل کی نگرانی کر رہے ہوتے تب تو آپ کا یہاں قیام کرنا یقیناً مفید ثابت ہوتا۔''

''مجھ سے بحث نہ کرو سمجھے..... میں چاہتا تھا کہ مجھے سختی نہ کرنی پڑے۔ لیکن اگر تم مجھے اس پر مجبور کرتے رہے تو.....!''

''اوہ..... یہ بات ہے۔'' عرفان اٹھتا ہوا بولا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' اجنبی غرایا۔

اور عرفان اس کے ہاتھ میں سیاہ رنگ کا ریوالور دیکھ رہا تھا جس کا رخ اُسی کی طرف تھا۔

خون کی لکیر

حمید نے آئینے میں شکل دیکھی اور پائپ کا کش لے کر مخصوص انداز میں ہونٹوں سے دھواں نکالتا رہا۔ اُسے اپنی ننھی سی فرنچ کٹ ڈاڑھی گراں نہیں گذر رہی تھی۔ باریک ترشی ہوئی مونچھیں بھی کسی قدر آرٹسٹک ہی تھیں۔ آنکھوں پر ریم لیس فریم والی عینک..... یہ میک اپ اس نے خود ہی کیا تھا۔

کارخانہ بہرحال جم گیا تھا۔ کچھ لڑکیاں آئی تھیں انٹرویو کے لئے۔ حمید کو اس سلسلے میں فریدی سے کوئی ہدایت نہیں ملی تھی کہ کاریگروں کے انتخاب میں کسی خاص صنف کا خیال رکھا جائے لہٰذا اس چھوٹ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے ایک بھی مرد کاریگر کا انتخاب نہیں کیا تھا۔

ایک لڑکی تو اُسے اتنی اچھی لگی تھی کہ لڑ بھڑ کر اس کا انتخاب تو یقیناً کرتا۔ کٹنگ کے لئے ایک معمر اور بہت تجربہ کار عورت رکھی گئی تھی۔

کارخانہ تو قائم ہو گیا تھا۔ لیکن سوال تھا کام کا فوراً ہی کام بھی کہاں سے ٹپک پڑتا۔

اس وقت حمید بحیثیت منیجر ان لڑکیوں کو کچھ ہدایات دیتے دیتے خاموش ہو گیا تھا اور پائپ کو راکھ دان میں خالی کر کے تازہ تمباکو بھرتے ہوئے سوچا تھا کاش قاسم کو بھی اس دھندے میں شامل کرنے کی اجازت ملی ہوتی۔

وہ بے چارا اسی کے لئے رات بھر جاگتا رہا تھا۔ لباس تراشی کی مشق بہم پہنچائی تھی اور منہ اندھیرے اس کے پاس دوڑا آیا تھا۔ لیکن فریدی نے اپنی خواب گاہ میں سلا کر اس کی بیوی کو فون کر دیا تھا کہ وہ وہاں سو رہا ہے۔ لیکن جب تک نیند پوری نہ کر لے اُسے جگایا نہیں جا سکے گا۔

حمید کو گیارہ بجے ٹیلرنگ ہاؤس میں کاریگروں کا انٹرویو لینا تھا اس لئے اُسے اس کے بیدار ہونے سے پہلے ہی چلا جانا پڑا تھا۔ اب اس وقت وہ سوچ رہا تھا کہ اگر کہیں سے قاسم ہاتھ لگے تو جی بھی بہلے۔ ورنہ یہ ٹیرلنگ شاپ تو اُس کی زندگی تباہ کر ڈالے گی۔

لڑکیاں سیدھی سادھی معلوم ہوتی تھیں۔ وہ جو زیادہ پسند آئی تھی اپنے رویئے میں کسی قدر شوخی کی جھلکیاں ضرور رکھتی تھی۔ لیکن محتاط بھی معلوم ہوتی تھی۔ پھر پہلا دن ہی تو تھا۔ ادھر یہ احساس کہ اسے اُن لڑکیوں پر بالادستی حاصل ہے اور یہی احساس تفریح کر کری کر دینے کے لئے کافی تھا۔

اُسے تو عموماً ایسی لڑکیوں سے دلچسپی ہوتی تھی جو اُس کی پہنچ سے باہر ہوں اور ان تک پہنچنے کے لئے اُسے خاصی جدوجہد کرنی پڑے۔

بہرحال صبر کے علاوہ چارہ ہی کیا تھا۔

دفعتاً اُس نے محسوس کیا کہ وہ لڑکی جو اُسے زیادہ پسند آئی ہے کچھ کہنا چاہتی ہے۔

''کیا بات ہے؟ کیا مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہو؟''

''جی ہاں..... بشرطیکہ آپ اسے پسند فرمائیں۔''

''کیا پسند فرماؤں.....؟''

''مطلب یہ کہ.....!''

''بات کم سے کم الفاظ میں ہونی چاہئے۔''

''ایک مرد کٹر بھی ضروری ہے یہاں کے لئے.....!''

''کیوں.....؟''

''اس لئے کہ یہاں صرف خواتین کے ملبوسات تیار کئے جائیں گے۔''

''میں اب بھی نہیں سمجھ سکتا کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو۔''

''نفسیاتی نکتہ نظر سے اس مسئلے پر غور کیجئے۔''

''اب درزی خانے میں بھی نفسیات چلے گی۔'' حمید نے کسی قدر غصیلے لہجے میں کہا۔

''ہاں جناب.....زندگی کے ہر شعبے میں نفسیات کو دخل ہے؟''

''تو پھر یہاں کپڑے سینے کیوں آئی ہو۔ کسی کالج والج کی لیکچرر شپ کے لئے دوڑ دھوپ کی ہوتی۔''

''سخت نفرت ہے اس زندگی سے ورنہ آپ کی اطلاع کے لئے میں نے پچھلے ہی سال نفسیات میں ایم اے کیا ہے۔''

''تو پھر آپ اس درزی خانے ہی کو کلاس روم بنا کر رکھ دیں گی۔''

''مجھے دستکاری سے دلچسپی ہے۔''

''تو پھر نفسیات میں کیوں جھک مارتی رہی تھیں۔''

''اوہ.....ٹھہریئے۔ وہ دیکھئے کچھ خواتین ادھر آ رہی ہیں۔ کم سے کم اُجرت بتایئے۔''

''میں نے ٹیلرنگ میں ڈاکٹریٹ لی تھی۔'' حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

تین عورتیں دوکان میں داخل ہوئیں۔ مختلف ملبوسات کی اجرتوں کے بارے میں پوچھتی رہیں اور جلد ہی واپس آنے کا وعدہ کر کے واپس چلی گئیں۔

حمید نے دیکھا کہ وہ لڑکی منہ پر دوپٹہ رکھ کر ہنس رہی ہے۔

اس کا نام رضیہ تھا۔

''کیا یہ بھی کوئی نفسیاتی لمحہ ہے۔'' حمید نے بُرا سا منہ بنا کر پوچھا۔

''آپ اُن سے بالکل کسی پروفیسر کے انداز میں گفتگو کر رہے تھے۔''

''میں پیرس کی ایک بہت بڑی دوکان پر کام کر چکا ہوں۔'' حمید نے فخریہ لہجے میں کہا۔

''اوہ.....لیکن میرا اب بھی یہی خیال ہے کہ آپ جسموں کی پیمائش کے شوق میں اس طرح دربدر ہوئے ہیں۔''

''کیا مطلب..... ہائیں۔'' حمید نے آنکھیں نکالیں۔ ''پہلے ہی دن اتنی بے تکلفی..... میں اسے پسند نہیں کرتا۔''

''معافی چاہتی ہوں جناب.....نفسیاتی مسائل زبان پر ضرور آ جاتے ہیں۔ آخر ایم اے

کیا تھا نفسیات میں اور میں تو یہاں تک کہہ سکتی ہوں کہ آپ کا غصہ قطعی مصنوعی ہے۔ آپ نے پسند فرمائی ہے میری بے تکلفی۔''

''ارے.....ارے.....!''

''اگر سینے کا کپڑا ہوتا تو میری زبان اس ''حجامیت'' سے باز رہتی۔''

''حجامیت.....میں نہیں سمجھا۔''

''حجام سے بنائی ہے۔ درزی کی قینچی خاموشی سے چلتی ہے اور حجام کی قینچی کے ساتھ زبان بھی چلتی رہتی ہے۔''

''معلوم ہوتا ہے کہ تم مجھے دوبارہ لوئر پرائمری میں داخل کراؤ گی۔''

''ویسے آپ بھی مجھے خوش مزاج ہی معلوم ہوتے ہیں۔''

''محترمہ.....محترمہ.....آپ میری ماتحتی میں کام کریں گی اسے نہ بھولئے۔''

''یہ بھی نفسیاتی۔''

''جہنم میں گئی نفسیات.....اب خاموش رہو۔''

''اتنی جلدی غصہ آ جانے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔'' وہ پرتفکر لہجے میں بڑبڑائی۔ ''غالباً بچپن کا کوئی کومپلکس.....!''

پھر حمید سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ ''کیا آپ کے والدین سخت گیر تھے۔''

''اٹھائی گیر تھے.....تم سے مطلب.....؟''

''لیکن کمال ہے کہ غصے کے عالم میں بھی آپ اس قسم کے ٹکڑے لگا سکتے ہیں۔ بہت ذہین آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ سخت گیر.....اٹھائی گیر.....واہ سبحان اللہ۔''

''میں کہتا ہوں اب چپ بھی رہو۔''

دوسری لڑکیاں انہیں حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔ کبھی کبھی کسی کو اپنی بے ساختہ ہنسی پر قابو پانے کے لئے دوسری طرف بھی مڑ جانا پڑتا۔

دفعتاً معمر عورت بولی۔ ''تم واقعی بہت بولتی ہو۔ یہ مناسب نہیں۔ صاحب ٹھیک تو کہتے

ہیں..... تم چاہے جتنی قابل ہو تمہیں ان کی ماتحتی میں کام کرنا ہے۔''

''ارے تو تمہیں کیوں الجھن ہو رہی ہے۔'' رضیہ اُس کی طرف مڑی۔

''ارے میرے منہ نہ لگنا۔ میں نے نفسیات وفسیات نہیں پڑھی لیکن بولتوں کو چپ کرا دینا اچھی طرح جانتی ہوں۔''

''صورت ہی سے ظاہر ہے۔''

''اچھا..... بڑی آئی صورت والی..... جھوٹا پھونک دوں گی.....!''

''اے زبان سنبھال کے.....!''

''چل چکی دوکان۔'' حمید بے بسی سے بولا۔ ''خدا کے لئے خاموش رہو۔ ورنہ یہ گوشت کی دوکان مشہور ہو جائے گی۔''

''اس بڑھیا کو چپ کرائیے۔'' رضیہ بولی۔

''اے لڑکی ہوش میں ہے یا نہیں۔'' معمر عورت رضیہ کی طرف جھپٹی لیکن حمید ان کے درمیان آ گیا۔

''میں کہہ رہا ہوں تم دونوں ہی خاموش رہو ورنہ ابھی ایک دن کی تنخواہ دے کر رخصت کر دوں گا۔ اوہ..... دیکھو..... وہ خواتین واپس آ رہی ہیں۔ غالباً کپڑا خرید لائیں۔''

دونوں ہی خاموش ہو کر سڑک کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

عرفان دم بخود رہ گیا تھا۔

چپ چاپ اس نے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے اور خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

''میں یہیں قیام کروں گا۔'' اجنبی ایک ایک لفظ پر زور دیتا ہوا بولا۔

عرفان خاموش رہا۔ وہ اب بھی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ لڑکی کے بارے میں اُسے بتائے یا نہ بتائے۔ لیکن وہ آخر کتنی دیر اس چھوٹی سی کوٹھری میں بند رہ سکے گی۔ اگر یہ آدمی ریوالور کے زور پر یہاں رہ ہی پڑا تو لڑکی کی موجودگی کتنی دیر چھپی رہ سکے گی۔

''تم کیا سوچنے لگے۔'' اجنبی غرایا۔

''کچھ نہیں.....!''

''کیا اب مجھے یہ ریوالور ہاتھ ہی میں لئے رہنا پڑے گا۔''

''آپ اسے جیب میں رکھ لیجئے.....!'' عرفان نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن شریف آدمی ریوالور تو نہیں لئے پھرتے۔''

اجنبی نے قہقہہ لگایا اور بولا۔ ''کیا تم محکمہ پولیس کے لوگوں کو شریف نہیں سمجھتے۔''

''پولیس..... اُوہ.....!'' عرفان نے طویل سانس لے کر کہا اور اپنے ہاتھ نیچے گرا دیئے۔ چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ ''تب تو..... تب تو مجھے آپکے ناشتے کا انتظام کرنا چاہئے۔''

''خوب..... یہ اتنی دیر میں پہلی کام کی ہوئی ہے۔ میں رات سے بھوکا ہوں میرے دوست۔''

اس نے ریوالور جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

''ناشتہ مجھے خود ہی تیار کرنا پڑے گا۔''

''ہم دونوں مل کر کریں گے۔'' اجنبی جلدی سے بولا۔

عرفان سوچ میں پڑ گیا اگر وہ اس مقفل کوٹھری کے بارے میں سوال کر بیٹھا تو کیا ہوگا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں باورچی خانے میں نظر آئے۔ وہ عرفان سے کہہ رہا تھا۔ ''میں پراٹھے بہت اچھے پکا سکتا ہوں۔''

''اور میں انڈے تلنے کا ماہر ہوں۔'' عرفان نے پھیکی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

''تم یہاں اس ویرانے میں کیوں آئے ہو۔''

''کبھی کبھی چلا آتا ہوں کچھ دنوں کے لئے..... ہر آدمی کو کبھی کبھی سکون کی تلاش ضرور ہوتی ہے۔''

''اور اگر یہاں لٹ جاؤ تو۔''

''ارے ہوتا ہی کیا ہے میرے پاس۔ جو کچھ بھی ہوگا خود ہی نکال کر لوٹنے والے کے حوالے کر دوں گا۔''

''تصویریں بناتے ہو۔''

''ہاں مصوری میرا پیشہ ہے۔''

''ویسے یہ جگہ بڑی پُر فضا ہے۔ اگر ہم دونوں دوست بن گئے تو میں بھی کبھی کبھی آیا کروں گا۔''

''ضرور.....ضرور.....!'' عرفان نے سر ہلا کر کہا۔

ناشتے سے فارغ ہو کر وہ باہر ہی کے کمرے میں آ بیٹھے۔ اجنبی مقفل کوٹھری کے قریب سے بھی گذرا تھا لیکن اس کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔

ناشتے کے بعد وہ ایک بدلا ہوا آدمی نظر آتا رہا تھا۔

ادھر عرفان سوچ رہا تھا کہ وہ لڑکی بھی بھوکی ہوگی۔ آخر اس کے لئے کیا کیا جائے؟ پتہ نہیں کیوں وہ اُسے چور تسلیم کرنے پر تیار نہیں تھا۔

''میں پچھلی رات جاگتا رہا ہوں.....!'' دفعتاً اجنبی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''کیا یہ ممکن ہے کہ تم اس معاملے میں بھی میری مدد کرو۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''اگر میں کچھ دیر کے لئے سو جاؤں تو تم اس کا خیال رکھو گے۔''

''کس کا.....؟''

''اوہ.....اتنی جلدی بھول گئے۔ میں اس چور لڑکی کے بارے میں کہہ رہا تھا۔''

''ارے ہاں.....اچھا تو میں کس طرح خیال رکھوں گا۔''

''اگر وہ یہاں پناہ لینا چاہے تو اُسے اندر آنے دینا۔ پھر میں دیکھ لوں گا۔ لیکن اسے اس کی اطلاع نہ ہونے پائے کہ کوئی اس کی تلاش میں یہاں پہلے ہی سے موجود ہے۔''

''بہت اچھا.....!''

''تو پھر مجھے وہ جگہ دکھاؤ جہاں مجھے سونا ہے۔'' اجنبی اٹھتا ہوا بولا۔

نشست کے کمرے کے برابر ہی وہ کمرہ تھا اور وہاں صرف ایک ہی بستر تھا۔ عرفان اُسے وہاں لایا۔

پھر شائد دس ہی منٹ گذرے ہوں گے کہ اُس کے خراٹے گونجنے لگے۔ وہ چپ چاپ اٹھا دبے پاؤں چلتا ہوا کمرے کے دروازے تک آیا اور آہستگی سے پٹ کھینچ کر بند کئے اور دروازے کو باہر سے بولٹ کر دیا۔ دوسری طرف نکاسی کی کوئی راہ نہیں تھی۔ لہٰذا اطمینان تھا کہ اگر وہ جاگ بھی پڑا تو اس کی مدد کے بغیر کمرے سے باہر نہیں نکل سکے گا۔

اب عرفان اس کی کوٹھری کی طرف جا رہا تھا جہاں وہ لڑکی بند تھی۔

قفل کھولا.....لڑکی جھپٹ کر دروازے کے قریب آ گئی۔

''کک.....کیا وہ چلا گیا.....؟'' اس نے آہستہ سے پوچھا۔

''نہیں.....دوسرے کمرے میں سو رہا ہے۔''

''کیوں؟ کیا آپ اُسے پہلے سے جانتے تھے؟'' لڑکی کی آواز کانپ رہی تھی۔

''ہرگز نہیں۔ وہ تو زبردستی دھرنا دے بیٹھا ہے۔ کہتا تھا کہ تم ادھر ضرور آؤ گی پناہ لینے کیلئے۔''

''اوہ.....پھر آپ نے کیا کیا.....؟''

''مجبوری تھی۔ اس نے ریوالور نکال لیا تھا۔ جسمانی قوت میں بھی شائد مجھ پر حاوی ہے۔''

''آپ نے اچھا کیا.....؟ لیکن اُس نے میرے بارے میں آپ کو کیا بتایا۔''

''اُسے چھوڑو۔ پہلے تم ناشتہ کر لو۔ پتہ نہیں کب سے بھوکی ہو۔ ارے ہاں تمہاری چوٹ اب کیسی ہے۔''

''درد ہے بائیں پیر میں۔''

''میرا خیال ہے کہ تم اس کوٹھری تک محدود رہو۔ میں تمہارے لئے کچھ لاؤں۔''

''وہ کہاں سو رہا ہے۔''

''کمرے میں۔ میں نے باہر سے دروازہ بولٹ کر دیا ہے۔''

''آپ نے بہت اچھا کیا۔ آپ بہت اچھے آدمی ہیں۔''

''وہ کہہ رہا تھا کہ اس کا تعلق محکمہ پولیس سے ہے۔''

''وہ جھوٹا ہے اور تب تو اُس نے میرے بارے میں کوئی ایسی ہی کہانی سنائی ہوگی جس سے آپ مجھے ایک مفرور ملزمہ سمجھیں۔''

''ہاں.....ایسی ہی کوئی بات تھی۔ بہرحال اب تم کچھ کھا پی لو۔'' وہ اُسے وہیں چھوڑ کر باورچی خانے میں چلا آیا۔

فرائنگ پین کو مٹی کے تیل کے چولہے پر رکھتے ہوئے اس نے سوچا یہ لڑکی چور ہرگز نہیں ہوسکتی۔ پتہ نہیں کیا معاملہ ہے۔ اور وہ سُور کا بچہ بھی محکمہ پولیس سے متعلق نہیں معلوم ہوتا۔ پھر اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔

پراٹھے گرم کرنے کے بعد دو تین انڈے بھی فرائنگ پین میں توڑے۔ اس میں تقریباً دس پندرہ منٹ صرف ہوئے تھے۔

کوٹھری میں واپس آیا لیکن وہ وہاں نہیں تھی۔ ناشتے کی ٹرے وہیں چھوڑ کر وہ کمرے کی طرف جھپٹا۔ سونے والے کمرے کا دروازہ کھلا نظر آیا۔

پیروں تلے سے گویا زمین نکل گئی۔ سر چکرانے لگا۔ تو گویا وہ خود ہی موت کے منہ میں جا کودی تھی۔

وہ تیزی سے اس کمرے کی طرف بڑھا اور.....اور.....!

''اوہ.....؟'' وہ جہاں تک تھا وہیں رہ گیا۔

اجنبی پلنگ کے نیچے منہ کے بل پڑا نظر آیا اور خون کی ایک متحرک لکیر اُس کے نیچے سے نکل کر دیوار کی جڑ تک پہنچ رہی تھی۔ عرفان کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اب وہ خود اس جگہ سے ہل بھی نہ سکے گا۔ اسی حالت میں کئی منٹ گذر گئے۔

پھر دفعتاً اس نے باہر کسی موٹر کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی اور بے تحاشہ بیرونی

دروازے کی طرف بھاگا۔

اس کی اسٹیشن ویگن بڑی تیز رفتاری سے شہر کی جانب چلی جا رہی تھی۔ وہ دیوانہ وار اس کے پیچھے دوڑ پڑا۔

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔

حمید نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔ ''کیا تم کسی عرفان آرٹسٹ کو جانتے ہو۔''

''عرفان.....یاد نہیں آتا.....کچھ اور بھی بتایئے۔''

''تم کبھی قاسم کو کسی آرٹسٹ کے پاس لے گئے تھے۔''

''اوہ.....اچھا ہاں۔ ایک بار اُسے مصوری کا خبط ہوا تھا۔ میں نے کہا تھا اگر سیکھنا ہی ہے تو چلو کسی آرٹسٹ سے ملوا دوں۔ مقصد یہ تھا کہ بیچارے آرٹسٹ ہی کا بھلا ہو جائے گا۔''

''تو تم عرفان کو اچھی طرح جانتے ہو۔''

''بس جان پہچان کی حد تک.....وہ جانتا ہے کہ میں کون ہوں۔''

''جان پہچان کس سلسلے میں ہوئی تھی۔''

''کوئی خاص بات ہے کیا.....؟''

''میری بات کا جواب دو۔''

''مجھے یاد نہیں کہ کب اور کہاں اُس سے متعارف ہوا تھا۔ اس کے بعد جب بھی کہیں ملاقات ہوئی وہ محض مزاج پرسی ہی تک محدود رہی۔''

''تم اس کے بارے میں اور کیا جانتے ہو۔''

''کیا قاسم کی کسی حماقت کی داستان آپ تک پہنچی ہے۔''

''میں تم سے کیا پوچھ رہا ہوں۔''

''میں اپنے حواس میں نہیں ہوں۔ یہ خواتین بار بار آپس میں لڑ پڑتی ہیں۔ ہاں تو آپ نے کیا پوچھا تھا.....؟''

''تم عرفان کے بارے میں کیا جانتے ہو۔''

''کچھ بھی نہیں.....قاسم سے پیچھا چھڑانے کیلئے اُسکے حوالے کر دیا تھا، اور بس.....!''

''خیر.....تم ٹھیک سات بجے دوکان بند کر کے پرنسٹن کے چوراہے پر مجھے مل جاؤ سات بج کر پندرہ منٹ پر.....!''

''یعنی دن بھر کی اس تھکن کے باوجود بھی.....!''

دوسری طرف سے کوئی جواب ملنے کے بجائے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سنائی دی۔

حمید ریسیور رکھ کر سر تھامے ہوئے کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔

''کوئی خاص پریشانی جناب۔'' رضیہ نے چہک کر پوچھا۔

حمید کچھ نہ بولا۔

''کیا میں آپ کی کوئی مدد کر سکتی ہوں جناب۔ دوسروں کی الجھن کے حل تلاش کرنا میری ہابی ہے جناب.....!''

''فی الحال میری سب سے بڑی الجھن تم ہو۔ باس تمہارے تقرر کی منظوری دے چکا ہے .....اس لئے مجبور ہے۔ ورنہ.....ورنہ.....!''

''ورنہ آپ مجھے اس ملازمت سے پہلے ہی دن سبکدوش کر دیتے۔''

''نہیں میں تمہارے لئے کچھ اور سوچتا۔''

''میرا خیال ہے کہ آپ سوچتے تو کچھ بھی نہیں۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اب یہی دیکھئے کہ اس وقت بھی آپ کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار ہیں۔ وہ لوگ

جو زیادہ سوچنے کے عادی ہوتے ہیں انہیں جھلاہٹ کا مظاہرہ کرنے کی فرصت کہاں۔''

''میں پھر کہوں گا کہ یہ نفسیات کی کلاس نہیں بلکہ درزی خانہ ہے۔''

''میں پھر یہی عرض کروں گی کہ نفسیات.....!''

''ارے بابا.....بس.....!'' حمید میز پر ہاتھ مار کر دہاڑا۔ ''میں بھی آدمی ہی ہوں پتھر کی دیوار نہیں ہوں۔''

''آپ آدمی ہیں.....اسی لئے تو نفسیات.....!''

حمید نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور معمر عورت دوسری لڑکیوں کی طرف دیکھ کر آہستہ سے بولی۔ ''اتراتے ہی نہیں بنتا بیچاری سے۔''

''ارے تم نے پھر بکواس کی.....!'' رضیہ اس کی طرف پلٹی۔

''صاحب.....بس اب حد ہو چکی۔'' معمر عورت نے حمید سے کہا۔ ''میں یہیں اس سے نپٹ لوں گی۔ پھر اب کچھ نہ کہئے گا۔''

''ہاتھا پائی کرو گی تم.....!'' رضیہ اوپری ہونٹ بھینچ کر بولی۔

''خاموش.....خاموش.....!'' حمید نے میز کھٹکھٹائی۔

''مجھ سے تو جناب ایسی نوکری نہیں ہو سکے گی۔!'' معمر عورت نے حمید سے کہا۔ ''جہاں کل کی لونڈیاں میرے منہ آئیں۔''

''ارے تو احسان کیا ہے کسی پر چھوڑ جاؤ.....!'' رضیہ تڑ سے بولی۔ ''ایسی ہی نازک دماغ تھیں تو گھر سے باہر کیوں نکلی تھیں۔''

''آپ سن رہے ہیں۔'' معمر عورت نے حمید کو مخاطب کیا۔

حمید نے بے بسی سے سر کو اثباتی جنبش دی۔

''اور آپ کچھ نہیں کہیں گے اسے.....؟''

''میں.....بھلا میں عورتوں کے معاملات میں کیسے دخل انداز ہو سکتا ہوں۔''

''اچھا تو جناب! میں چلی، کٹنگ کرنے والے کی بالادستی ہر کارخانے میں تسلیم کی جاتی

ہے۔ یہاں رہ کر میں اپنی بے عزتی نہیں کراؤں گی جا رہی ہوں۔'' معمر عورت نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازے پر آ کھڑی ہوئی۔

''اوہو..... یہ مطلب نہیں.....!'' حمید گڑبڑا گیا۔

''نہیں جناب..... شکریہ..... میں ایک پل کے لئے بھی نہیں رک سکتی۔''

''تو یہ جو کپڑا آیا ہے اُسے کون کاٹے گا.....؟''

''میں کاٹ لوں گی۔'' رضیہ تڑ سے بولی۔ ''آپ فکر نہ کیجئے۔''

''تم سے تو میں اچھی طرح سمجھوں گی۔'' معمر عورت نے اُسے گھونسہ دکھا کر کہا۔

''یا خدا..... کیا خواتین میں بھی غنڈہ گردی فروغ پا رہی ہے۔'' حمید چھت کی طرف دیکھ کر بولا۔

معمر عورت دوکان کے نیچے اتر گئی۔

''یہ تم نے کیا کیا.....؟'' حمید نے رضیہ سے کہا۔

''آپ کی ایک غلطی کی اصلاح کی ہے۔ اب جلدی سے ایک مرد کٹر کا انتظام کیجئے۔ ورنہ دوکان ہرگز نہ چلے گی۔ خواتین ادھر کا رخ نہ کریں گی۔''

''ارے تو کیا تم اسے نفسیات خانہ ہی بنا کر رکھ دو گی۔''

''بٹھیار خانہ بننے سے بہتر ہے کہ نفسیات خانہ ہی بنے۔ فی الحال میں ان کپڑوں کی کٹنگ کئے دیتی ہوں۔ لیکن آپ آج ہی ایک مرد کٹر کا انتظام کیجئے۔ خوش پوش اور خوش شکل ہونا چاہئے۔ خوش مزاج بھی ہو تو کیا کہنا۔ تاکہ ناپ لیتے وقت لطیفے اور چٹکلے بھی چھیڑ سکے۔ نفسیاتی نکتہ نظر سے۔''

''بس بس.....!'' حمید ہاتھ اٹھا کر غرایا۔

اندھیرے میں

فریدی کی لنکن شمال کی جانب بڑھ رہی تھی۔ سڑک سنسان تھی۔ اس لئے رفتار بھی خاصی

تیز تھی۔

حمید ٹھیک سوا سات بجے پرنسٹن کے چوراہے پر پہنچ گیا تھا۔ لنکن وہیں ایک جانب کھڑی ملی تھی۔ فریدی اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھا تھا۔ پچھلی سیٹ پر بھی کوئی تھا جس کی شکل اندھیرے میں دکھائی نہیں دی تھی۔

حمید گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔

اُسے قطعی علم نہ ہو سکا کہ جانا کہاں ہے۔

راستے میں حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

''پچھلی سیٹ پر کون ہے۔''

''عرفان آرٹسٹ.....؟''

''اوہ..... تو کیا.....؟''

''ہاں یہ حضرت تمہارے ہی حوالے سے مجھ سے ملے تھے۔''

''کوئی خاص بات.....؟''

''جہاں جا رہے ہیں وہیں پہنچ کر معاملے کی نوعیت کا اندازہ ہو سکے گا۔'' پھر بات جہاں کی تہاں رہ گئی تھی۔

منزل مقصود حمید کے توقعات کے خلاف نکلی۔ عمارت کے چاروں طرف جنگل بکھرے ہوئے تھے۔

فریدی نے ٹارچ روشن کی اور وہ آگے بڑھنے لگے۔ عمارت میں بھی اندھیرا تھا۔ عرفان نے کیروسین لیمپ روشن کیا۔

''اُدھر اس کمرے میں جناب۔'' عرفان نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

وہ دوسرے کمرے میں آئے۔

''میرے خدا.....؟'' عرفان نے عجیب سی آواز میں کہا اور ہونقوں کی طرح فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

''ہوں..... کہاں ہے وہ لاش؟'' فریدی کا لہجہ پرسکون تھا۔

''مم..... میں کیا بتاؤں جناب..... وہ یہیں پڑی تھی اور خون بہہ بہہ کر اس دیوار تک پہنچ رہا تھا۔''

کیروسین لیمپ کی روشنی دھندلی تھی۔ فریدی نے پھر ٹارچ روشن کی اور جھک کر کچے فرش کا جائزہ لیا۔

پھر کچھ دیر بعد سیدھے ہوتے ہوئے پوچھا۔ ''وہ لڑکی کہاں تھی؟''

''اُدھر کوٹھری میں..... چلئے میں دکھاؤں.....!'' عرفان بولا۔ اس کی آواز شدت سے کانپ رہی تھی۔

حمید الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا۔ آخر قصہ کیا ہے۔ اُدھوری باتوں سے اتنا اندازہ تو ہو ہی گیا تھا کہ وہاں کچھ دیر پہلے کوئی لاش تھی۔ پھر کسی لڑکی کا تذکرہ ہوا۔

تو کیا وہ لاش کسی لڑکی کی تھی؟

اب وہ ایک چھوٹی سی کوٹھری میں داخل ہوئے۔

''اندازاً وہ یہاں کتنی دیر تک بند رہی ہوگی۔'' فریدی نے عرفان سے پوچھا۔

''شائد ڈیڑھ گھنٹے.....!''

''آپ نے فائر کی آواز سنی تھی؟''

''جی نہیں..... اسی پر تو حیرت ہے..... اگر اس کمرے میں فائر ہوا ہوتا تو باورچی خانے میں اس کی آواز ضرور سنی جا سکتی۔''

''لیکن مرنے والے کی چیخ تو سنی ہی ہوگی۔''

''ہرگز نہیں جناب..... اگر چیخ کی آواز سن لی ہوتی تو اپنی گاڑی سے بھی ہاتھ نہ دھونا پڑتا۔''

''آپ شہر تک کیسے پہنچے تھے۔'' فریدی نے پوچھا۔ اس کی نظریں کوٹھری کا جائزہ لینے میں مصروف تھیں۔

''مجھے ہوش نہیں کہ کتنی دور تک اپنی وین کے پیچھے دوڑا تھا۔ ویسے میری رفتار خاصی تیز

تھی۔ کیونکہ وین کافی دور تک مجھے نظر آتی رہی تھی۔ پھر میں تھک کر گر گیا تھا۔ گھسٹتا ہوا سڑک کے کنارے جا پڑا۔ پتہ نہیں کتنی دیر بعد اُدھر سے ایک لوڈنگ ٹرک گذرا تھا۔ میری درخواست پر ڈرائیور نے مجھے شہر پہنچانا منظور کر لیا۔''

''ٹرک کا نمبر یاد ہے آپ کو.....؟''

''مجھے اس کا ہوش کہاں تھا جناب۔''

''اپنی گاڑی کی گمشدگی کی رپورٹ تو درج کرا ہی دی ہوگی۔''

''نہیں جناب..... میں نے آپ کے علاوہ اور کسی کو بھی یہ واقعہ نہیں بتایا۔ میں جانتا تھا کہ صرف آپ ہی مجھے کسی قسم کے الزام سے بچا سکیں گے۔''

''خیر..... اب میں وہ دیوار دیکھنا چاہتا ہوں جس پر سے اس نے صحن میں چھلانگ لگائی تھی۔''

''ادھر سے تشریف لائیے جناب۔'' عرفان کوٹھری سے نکل کر ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔

دیوار پر ٹارچ کی روشنی کا دائرہ رینگتا رہا۔ عرفان نے اُسے بتایا کہ سوٹ کیس اور کوٹ کہاں گرے تھے اور کس طرح ان کے گرنے کی آوازیں سن کر وہ صحن میں آیا تھا۔

''اوہ تو کیا کوئی لڑکی کودی تھی دیوار پر سے۔'' حمید نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

''جی ہاں جناب.....!''

حمید منہ چلا کر رہ گیا۔ فریدی ٹارچ کی روشنی میں گرد و پیش کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر بولا۔

''دیوار کے اُس طرف کیا ہے؟''

''کچھ بھی نہیں..... جنگل ہے.....؟''

''دیوار پر وہ کس طرح چڑھی ہوگی بلندی خاصی ہے۔''

''میں اس طرف آج تک گیا ہی نہیں۔''

''خیر..... اب دیکھے لیتے ہیں۔''

مکان کی پشت پر پہنچنے کے لئے انہیں گھنی جھاڑیوں کے درمیان سے گزرنا پڑا۔ بھائیں بھائیں کرتے ہوئے تاریک جنگل کے لئے ٹارچ کی روشنی ناکافی سی لگ رہی تھی۔

حمید کے ہاتھوں میں کئی جگہ کانٹے چبھ گئے۔

''کیا یہ آپ کی مستقل قیام گاہ ہے عرفان صاحب۔'' اس نے جھنجھلا کر پوچھا۔

''نہیں جناب..... کبھی کبھی تبدیل آب و ہوا کی غرض سے یہاں چلا آتا ہوں۔''

''زبان تک بدل جاتی ہوگی یہاں تو.....؟''

''میں نہیں سمجھا جناب۔''

''مثال کے طور پر اس وقت میرا بھونکنے کو جی چاہتا ہے۔'' حمید نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ہوں..... اُوہ.....!'' اس نے فریدی کی آواز سنی۔ ''وہ دیکھئے..... دیوار پر چڑھنا تو بے حد آسان ہے۔ دیکھئے کتنی اینٹیں نکلی ہوئی ہیں۔''

پھر وہ اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا آگے بڑھا۔ ٹھیک دیوار کے نیچے پہنچ کر اس نے ٹارچ کا رخ ان دونوں کی جانب پھیر دیا۔

دونوں کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ لیکن حمید نے محسوس کیا جیسے اُس نے پھرتی سے جھک کر کوئی چیز اٹھائی ہو۔

کچھ دیر بعد وہ پھر مکان کے اندر واپس آئے۔

''تو پھر آپ کیا چاہتے ہیں۔'' فریدی نے عرفان سے پوچھا۔

''مم..... میں کیا بتاؤں جناب..... وہ لاش.....!''

حمید نے دیکھا کہ فریدی نے جیب سے ہلکی ہتھکڑیوں کا جوڑا نکال لیا ہے۔

''آپ کو عدالت میں اس کی جواب دہی کرنی پڑے گی کہ آپ نے میرا قیمتی وقت کیوں ضائع کرایا تھا۔''

''مم..... میں.....؟''

''ہتھکڑیاں پہن لیجئے۔''

''مم..... میں..... خدا کی قسم میں بے قصور ہوں۔''

''تو پھر دکھایئے نا..... وہ لاش کہاں ہے؟''

''اب..... مم..... میں کیا بتاؤں۔ میری عدم موجودگی میں کسی نے اُسے یہاں سے ہٹا دیا۔''

''عدالت ہی میں ثابت کیجئے گا۔'' فریدی نے کہتے ہوئے ہتھکڑیاں لگا دیں۔

''جناب..... جناب..... کرنل صاحب۔''

''مجبوری ہے..... قانون.....!''

''ایسا بُرا برتاؤ تو شاید کسی تھانے پر بھی نہ ہوتا۔''

''وہ اس سے زیادہ بُرا برتاؤ کرتے۔ ایسے حالات میں.....!''

''آخر قصہ کیا ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''قصہ بھی یہی بتائیں گے تمہیں۔ تم انہیں شہر لے جاؤ۔ اپنے محکمے کے لاک اپ میں رکھنا۔''

''سنئے تو سہی..... جناب.....!'' عرفان کے لہجے میں کسی قدر جھنجلاہٹ تھی۔

''عرفان صاحب جو کچھ میں کر رہا ہوں اسی میں آپ کی عافیت ہے۔ محکمہ سراغ رسانی کا لاک اپ آرام دہ ثابت ہوگا۔ سول پولیس کے لاک اپ سے بدرجہا بہتر..... اچھا شب بخیر.....!''

''کیا آپ ہمارے ساتھ نہیں جائیں گے۔'' حمید نے پوچھا۔

''بڑی پُر فضا جگہ ہے۔ صبح جیپ بھجوا دینا۔ ہاں میں یہاں رات بسر کروں گا۔''

پھر فریدی نے مخصوص اشاروں میں اُسے سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ عرفان سے اس کی کہانی سن کر اُسی وقت پریس میں دیدے اور یہ ظاہر کرے کہ عرفان کی کہانی باور نہیں کی گئی۔ لہٰذا اُسے اسی لئے حراست میں لیا گیا ہے کہ اُس حرکت کا اصل مقصد معلوم کیا جا سکے۔

واپسی پر حمید کار ڈرائیو کر رہا تھا اور عرفان بھرائی ہوئی آواز میں اپنی کہانی سناتے سناتے خاموش ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ ''مجھ سے زبردست غلطی سرزد ہوئی ہے۔''

''کیسی غلطی.....؟'' حمید نے پوچھا۔

''لاش کو گھسیٹ کر جنگل میں پھینک آتا۔'' عرفان نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''خیال اچھا ہے۔''

''آپ خود سوچئے..... کسی کو کیا پتہ چلتا..... میں نے خود ہی مصیبت مول لی ہے۔ یا پھر مجھے ہی عقل آ گئی ہوتی۔ اس آدمی کو بتا دیتا کہ وہ کوٹھری میں موجود ہے کیونکہ وہ یقیناً چور تھی نہ صرف چور بلکہ ایک سرد مزاج قاتلہ تھی۔''

''یہ بھی ممکن تھا کہ تم اُس صورت میں اس لڑکی ہی کی لاش دیکھتے۔''

''ہرگز نہیں۔''

''اچھا تو پھر بتاؤ کہ وہ لاش کہاں غائب ہوگئی؟''

''یہی سوال تو مجھے بھی پاگل کئے دے رہا ہے۔''

''لاش غائب ہو جانے کا مطلب تو یہی ہوسکتا ہے کہ لاش کی تشہیر ہونے میں کسی راز کے فاش ہو جانے کا خدشہ تھا۔''

''کسے خدشہ تھا.....؟''

''یہ آپ سوچ کر بتایئے۔''

''میں بتاؤں.....؟'' عرفان اچھل پڑا۔

''قطعی.....!''

''میں کیا بتا سکتا ہوں۔ دونوں ہی میرے لئے اجنبی تھے۔''

''اکثر بدمزاج لوگوں کی بیویاں پڑوس کے آرٹسٹوں سے محبت کرنے لگتی ہیں۔ اب فرض کیجئے ایسی ہی کوئی بیوی کسی آرٹسٹ کے پاس جاتی ہے۔ شوہر پہنچ جاتا ہے۔ ہاتھا پائی ہوتی ہے۔ شوہر ختم ہو جاتا ہے۔ لاش ٹھکانے لگا دی جاتی ہے۔ بیوی اپنی راہ لیتی ہے لیکن آرٹسٹ صاحب کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ کمزور دل کے واقع ہوئے ہیں۔ ایک کہانی گڑھتے ہیں۔''

''بس..... بس..... خدا کے لئے بس کیجئے۔ نہ میں کمزور دل کا ہوں اور نہ پڑوس کی بیویوں پر جان دیتا ہوں۔ اوہ..... میرے خدا..... میرے حالات کے چوکھٹے میں یہ کہانی فٹ ہوسکتی ہے اور شاید آپ یہ کہیں کہ میں اچھی طرح کہانی کا تانا بانا نہیں بنا سکا۔ اسی لئے

مجھے فائر کی آواز نہیں سنائی دی تھی۔''

''یہ قطعی ممکن ہے کہ تم فائر کی آواز نہ سن سکو۔ سائیلنسر لگے ہوئے ریوالور سے فائر کی آواز نہیں نکلتی..... صرف گولی نکلتی ہے۔''

''بہرحال..... ہوسکتا ہے میں رات بھر میں پاگل ہو جاؤں۔''

''لیکن کہانی تو پاگل ہونے سے پہلے سنائی تھی۔''

''کیپٹن پلیز..... میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔ دیکھا جائے گا۔ میرا ضمیر مطمئن ہے۔''

''یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ میں بھی خاموش ہی رہنا چاہتا ہوں۔''

کار تیزی سے راستہ طے کر رہی تھی۔ دفعتاً حمید کو رفتار کم کر دینی پڑی۔

دور مخالف سمت میں کسی گاڑی کے ہیڈ لیمپ چمک رہے تھے۔

کچھ دیر بعد وہ گاڑی قریب سے گذر گئی۔ حمید نے دیکھا کہ عرفان گردن موڑ کر اُسے دیکھے جا رہا تھا۔

''خدا کی قسم.....!'' وہ اچھل پڑا۔ ''وہ میری وین تھی۔ موڑیئے..... اُدھر ہی موڑیئے۔''

''خاموش بھی رہو یار..... اگر تمہاری کہانی پر یقین آ گیا ہوتا تو میں اپنی رات برباد کرنے پر تیار نہ ہوتا۔''

''میں کہتا ہوں آپ غلطی کر رہے ہیں۔ اس گاڑی کا تعاقب کیجئے۔''

''اندھیرے میں گاڑی کیسے پہچان لی۔''

''نمبر..... نمبر پلیٹ تو روشن تھی۔ ٹی اے فور سکس تھری فور..... میری گاڑی کا نمبر ہے۔ کیپٹن پلیز.....!''

لیکن حمید پرواہ کئے بغیر ایکسیلریٹر پر دباؤ بڑھاتا رہا۔ گاڑی پھر ہوا سے باتیں کرنے لگی تھی۔

''تم سب درندے ہو..... وحشی ہو..... مجھے پھانسی کے تختے تک لے جانے کی کوشش کر رہے ہو۔''

عرفان چیخنے لگا۔

''لاش ملے بغیر تم پھانسی کے تختے تک نہیں پہنچ سکتے۔ مطمئن رہو۔''

''میں کہتا ہوں.....وہ میری گاڑی تھی۔''

''رہی ہوگی۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔ ''میرے چیف نے مجھ سے صرف یہ کہا تھا کہ تمہیں حوالات میں دے کر آرام سے سو جاؤں۔''

''سچ مچ درندے ہو.....!''

''ہمیں ہمارے فرائض سب کچھ بنا دیتے ہیں۔''

''میں کہتا ہوں.....!''

''کچھ دیر پہلے تم کہہ رہے تھے کہ خاموش رہنا چاہتے ہو۔''

عرفان سیٹ کی پشت گاہ سے ٹک کر ہانپنے لگا۔

حمید نے دیر سے پائپ نہیں پیا تھا۔ اُس نے سوچا کچھ دیر کے لئے رکنا چاہئے۔

ایک جگہ رفتار کم کر کے گاڑی سڑک کے کنارے اتار دی۔

''مسٹر عرفان حالانکہ قانوناً درست نہیں.....لیکن اگر تم سگریٹ وغیرہ پینا چاہو تو مجھے اعتراض نہ ہوگا۔''

''شکریہ.....میں سگریٹ نہیں پیتا۔'' عرفان نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ ''میں نے دیر سے پائپ نہیں پیا۔''

''کیپٹن.....تم نے مجھ پر ایک بہت بڑا الزام لگایا ہے۔ میں موت سے نہیں ڈرتا۔ بے وجہ بھی مر سکتا ہوں۔ لیکن یہ الزام کہ وہ کسی پڑوسی کی بیوی تھی۔ خدا کی پناہ.....اگر اس قسم کی کوئی کہانی پریس میں آئی تو مجھے خودکشی ہی کرنی پڑے گی۔''

''ارے تم کیسے آرٹسٹ ہو.....میں نے کئی آرٹسٹوں کو کہتے سنا ہے کہ اس قسم کے اسکینڈل ان کے فن کو زندگی بخشتے ہیں۔''

''وہ بہروپئے ہیں آرٹسٹ نہیں۔ کوئی بھی فن معصومیت اور پاکیزگی کے بغیر پروان نہیں چڑھ سکتا۔''

''کیا تم نے کبھی کسی کو نہیں چاہا۔''

''چاہا ہے.....لیکن جسے چاہا ہے اُسے کبھی اس کا علم نہ ہو سکا۔''

''کیا بات ہوئی۔''

''اگر میں اس چاہت کو لذت اظہار کی نذر کر دیتا تو وہ میرے فن کی رگوں میں دوڑتا ہوا گرم لہو نہ بن سکتی۔''

''واہ یار تم تو الفاظ میں بھی مصوری کر سکتے ہو۔''

''کیپٹن.....خدا کے لئے اس قسم کا کوئی اسکینڈل نہ بننے دینا۔''

''ہوں.....!'' حمید طویل سانس لے کر بولا۔ ''تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے اگر کسی کو چاہا بھی ہے تو محض اپنے فن کی خاطر۔ لہٰذا تم نے اپنے فن کے علاوہ اور کسی کو نہیں چاہا۔''

''مختلف چاہتیں فن کو آگے بڑھانے کا ذریعہ بنتی رہی ہیں۔ مجھے اس کا اعتراف ہے کسی بھی درخت کو بڑھنے کے لئے کئی برساتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔''

''بہت اچھا خیال ہے عرفان صاحب.....وہ جو آج کسی دوسرے کی بیوی بنی بیٹھی ہے اس کا لہو بھی تمہارے فن میں شامل ہے۔''

''بیوی.....بیوی.....بیوی.....!'' وہ جھلا کر بولا۔ ''آخر یہ بیوی کیوں سوار ہوگئی ہے تم پر۔''

''ختم کرو.....چلو تسلیم کہ تمہارے فن میں کسی بکری کا لہو بھی شامل ہے۔''

''میں اب قطعی نہیں بولوں گا۔'' عرفان جھلا کر بولا۔

''ٹھیک ہے.....میں تمباکو نوشی بھی ختم کر چکا ہوں۔ اب ہم خاموشی سے اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔''

انجن جاگا اور گاڑی جھٹکے کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

کچھ دیر بعد عرفان بڑبڑایا۔ ''میں کیسے یقین کر لوں کہ یہ ایک ڈراؤنا خواب نہیں ہے۔''

''تم شائد اونگھ رہے ہو۔ سو جاؤ۔'' حمید نے کہا اور ہونٹ بھینچ لئے۔

کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اچانک اس طرح گھٹا اٹھے گی اور موسلا دھار بارش شروع ہو جائے گی۔ فریدی کو باہر کی فضا کا اندازہ نہیں تھا۔ وہ تو انہیں دونوں کمروں تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔

کیروسین لیمپ کی ناکافی روشنی میں خواب گاہ کی ایک ایک انچ زمین کا جائزہ لینے کے بعد وہ سگار سلگا کر آرام کرسی میں نیم دراز ہو جانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ بارش کے شور سے فضا گونجنے لگی تھی۔

یکلخت بڑی بڑی بوندیں آئی تھیں اور پھر اُن کا زور بڑھتا ہی گیا تھا۔

اس نے سگار سلگا کر روشنی کم کر دی اور آرام کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گیا۔

عرفان کی کہانی کے بارے میں وہ اب تک کوئی صحیح رائے قائم نہیں کر سکا تھا۔ سب سے پہلے تو وہ یہی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آخر اس ویرانے میں آرام کرنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ شہر کے آس پاس بہتیری ایسی جگہیں تھیں جہاں وہ ذہنی سکون حاصل کر سکتا۔

وہ آنکھیں بند کئے کرسی پر نیم دراز تھا۔ سگار کے جلتے ہوئے سرے سے دھوئیں کی پتلی سی لکیر نکل کر فضا میں بل کھا رہی تھی۔

دفعتاً وہ چونک کر سیدھا بیٹھ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے کسی قسم کی آواز سنی ہو۔ حالانکہ فضا بالکل بارش کے شور سے گونج رہی تھی۔

پھر وہ بڑی پھرتی سے اٹھا اور کھلے ہوئے دروازے کی اوٹ میں دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ سامنے چھوٹی میز پر کیروسین لیمپ دھیمی لو سے روشن تھا۔

دفعتاً فریدی کی جیب سے ریوالور بھی نکل آیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کسی نادیدہ دشمن کے اچانک حملے کا منتظر ہو۔

بارش کے زور میں کمی نہیں ہوئی تھی۔ اسے یاد آیا کہ اس نے صدر دروازے کی کنڈی

نہیں لگائی اور اب یہ احساس یقین کی شکل اختیار کر چکا تھا کہ اس وقت اس مکان میں اس کے علاوہ بھی اور کوئی موجود ہے۔

یہ خیال صحیح نکلا۔ ٹھیک دروازے کے قریب اس نے کسی آدمی کی تحیر زدہ سی آواز سنی۔ پھر کوئی کھکارا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''یہاں کون ہے؟''

فریدی کچھ نہ بولا۔

پھر کوئی دروازے سے گذر کر کمرے کے وسط تک چلا گیا۔ یہ ایک طویل قامت اور چوڑے شانوں والا آدمی تھا۔

کمرے کے وسط میں رک کر پھر دروازے کی طرف مڑا۔

فریدی کے ریوالور کی نال اس کے سینے کا نشانہ لے رہی تھی۔

''اوہ.....!'' آنے والے کے حلق سے خوفزدہ سی آواز نکلی۔

''اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔'' فریدی کی تیز قسم کی سرگوشی کمرے میں گونجی۔

''مم.....میں.....مطلب یہ کہ.....!'' اُس نے ہکلاتے ہوئے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

''میں تمہیں وقت دے سکتا ہوں؟'' فریدی بولا۔

''وقت کک.....کیسا وقت.....؟''

''اس طرح یہاں داخل ہونے کے جواز میں کچھ کہنے کے لئے؟''

اُس نے خوفزدہ سی ہنسی کے ساتھ کہا۔ ''اُس امریکن ٹورسٹ نے کہا تھا کہ وہ مکان اس وقت خالی ہوگا.....لل.....لیکن مجھے لیمپ کی روشنی نظر آئی.....اور.....؟''

''یہ جواز تو نہ ہوا.....!''

''مم.....مطلب یہ کہ.....میں یہاں اس کا پرس تلاش کرنے آیا ہوں جس میں اس کا پاسپورٹ اور ضروری کاغذات تھے۔''

''تو پھر کرو تلاش.....میں تمہاری مدد کروں گا۔''

''میرا خیال ہے کہ.....!'' وہ طویل سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

''کیا خیال ہے.....؟'' فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا اور وہ آنکھیں چرانے لگا۔ جوان آدمی تھا۔ عمر زیادہ سے زیادہ پچیس سال رہی ہوگی۔ صورت سے بُرا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔

''شاید میں کسی جال میں پھنس گیا ہوں.....؟''

''اس کی وضاحت زیادہ مناسب ہوگی۔''

''کیا آج آپ نے کسی امریکن ٹورسٹ خاتون کو یہاں مدعو کیا تھا۔''

''کہے جاؤ..... جہاں غلطی کرو گے میں ٹوک دوں گا۔''

''میں کچھ نہیں جانتا کیا چکر ہے..... آج چار بجے شام کو..... ہوٹل ڈی فرانس میں چائے پی رہا تھا۔ وہ آئی اور میری ہی میز کے قریب کرسی کھینچ کر بیٹھتی ہوئی بولی۔ میں تمہارے دیس میں اجنبی ہوں۔ تارجام سے آئی ہوں۔ اب یہاں سے سیدھی اپنے وطن واپس جاؤں گی۔ میں نے کہا آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔ پھر میں نے اس سے استدعا کی کہ وہ میرے ساتھ چائے پیئے۔ اس نے کہا میں اس پر مجبور ہوں کیونکہ اپنا پرس کھو بیٹھی ہوں جس میں نہ صرف ایک بڑی رقم تھی بلکہ سفر سے متعلق ضروری کاغذات بھی تھے۔ میں نے افسوس ظاہر کیا اور اُسے اپنے ساتھ قیام کرنے کی دعوت بھی دی۔ جو بلا عذر قبول کر لی گئی۔ میں سیدا سٹریٹ کے ایک فلیٹ میں تنہا رہتا ہوں۔ بہرحال میں اُسے اپنے فلیٹ لے گیا۔ وہ ایک اسٹیشن ویگن میں سفر کر رہی تھی۔ اُس نے مجھ سے کہا کہ وہ اسٹیشن ویگن تارجام سے بہت سستی خریدی تھی اور وطن واپس جاتے وقت وہ اُسے مجھے تحفتاً دے جائے گی۔ خیر میں تو محض انسان ہمدردی کے تحت اُس کی مدد کرنے پر آمادہ ہوا تھا۔ میرے فلیٹ میں پہنچ کر اُس نے بتایا کہ اگر میں اُس کی مدد کروں تو شائد وہ اپنا پرس حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اُس کے بیان کے مطابق وہ تارجام سے ایک آدمی کے ساتھ شہر جانے کے لئے روانہ ہوئی تھی۔ جو اُسے کچھ دیر کے لئے اس مکان میں لایا تھا اور دوپہر کا کھانا انہوں نے یہیں بیٹھ کر کھایا تھا اور پھر شہر کے لئے روانہ ہو گئے تھے۔ شہر میں وہ ایک جگہ اتر گیا تھا۔ وہ اس کا پتہ نہیں جانتی۔ نام بھی یاد نہیں رہا۔ مجھے

اس نے بتایا کہ مکان اس وقت مقفل ہوگا۔ میں نے کہا میں تالا توڑ سکوں گا۔ بہرحال اس کا خیال تھا کہ پرس یا تو اس مکان میں کہیں گر گیا یا مکان کی پشت والے جنگل میں جہاں وہ کچھ دیر کے لئے گئے تھے۔ خدارا بتایئے کیا آپ وہی آدمی ہیں۔ اس مکان کے مالک۔ یا مجھ سے کوئی جرم سرزد ہوا ہے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ خاموشی سے اس کی آنکھوں میں دیکھے جا رہا تھا۔

سراغ

بارش تو شہر میں بھی ہوئی تھی۔ لیکن ایسی شدید نہیں جیسی کچھ دیر پیشتر فریدی جھیل چکا تھا۔

اس وقت وہ دونوں شہر میں داخل ہو رہے تھے۔ فریدی نے وین کے نمبروں سے اندازہ لگایا تھا کہ وہ عرفان ہی کی ہو سکتی ہے۔ لیکن فی الحال اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ لاک اپ تک جا کر اس کی مزید تصدیق کر سکتا۔

فریدی کے ساتھ جو نوجوان سفر کر رہا تھا اس نے اپنا نام طارق بتایا تھا۔

سیدا سٹریٹ میں پہنچ کر فریدی نے گاڑی روک دی۔ وہ خود ہی ڈرائیو کرتا رہا تھا۔

''میرے ساتھ آیئے۔'' طارق نے گاڑی سے اترتے ہوئے کہا۔

فریدی نے اب تک اُسے اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔

دونوں گاڑی سے اتر کر ایک عمارت میں داخل ہوئے۔ طارق پر وحشت سی طاری تھی۔ چلتے وقت اس کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ ایک فلیٹ کے سامنے رک کر اس نے دروازے پر دستک دینی چاہی لیکن ہاتھ لگتے ہی دروازہ کھلتا چلا گیا۔ سامنے والا کمرہ بالکل خالی تھا۔

''آپ کہاں ہیں محترمہ؟'' طارق نے کمرے میں داخل ہو کر آواز دی۔ جملہ انگریزی میں ادا کیا گیا تھا۔ لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ اُس نے پھر پکارا اور آگے بڑھتا چلا گیا۔ دوسرا

دروازہ کھولا۔ اسی طرح فلیٹ کے تینوں کمرے دیکھ ڈالے لیکن لڑکی کا کہیں پتہ نہ تھا۔

''اب فرمایئے؟'' فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔

''کک..... کیا..... عرض کروں..... سمجھ میں نہیں آتا۔''

''فرض کیجئے آپ کو پرس مل بھی جاتا تو.....!''

''کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔'' وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

''بھلا قانون کو اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے کہ آپ کی سمجھ میں کچھ آتا بھی ہے یا نہیں۔''

''پھر بتایئے..... میں کیا کروں۔''

''چپ چاپ میرے ساتھ حوالات تک چلئے۔ کیونکہ آج اس مکان میں ایک قتل ہو چکا ہے اور وہ وین چوری کی ہے جو آپ کو بخشی جانے والی تھی۔''

''آپ مجھے خواہ مخواہ خوفزدہ کر رہے ہیں۔''

''اگر وہ کوئی امریکن ٹورسٹ ہوتی تو آپ سے بھیک مانگنے کی بجائے سیدھی اپنے سفارت خانے کا رخ کرتی۔''

''میں نے بھی یہی سوچا تھا۔ لیکن پھر خیال آیا تھا کہ اُسے اپنا پرس مل جانے کی توقع ہے اسی لئے ابھی سفارت خانے سے رجوع نہیں کرنا چاہتی۔''

''بہرحال یہ وین جس پر تم سفر کرتے رہے ہو ایک جگہ سے چرائی گئی تھی۔''

''آپ کون ہیں۔ کیا آپ اس مکان کے مالک نہیں ہیں؟''

فریدی نے اپنا کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

''کرنل اے کے فریدی۔'' اس نے بہ آواز بلند اُسے پڑھا اور ہکا بکا رہ گیا۔

''لیج..... یعنی.....'' اس نے تھوک نگل کر کہا۔ ''میں کسی بڑی مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔''

''یقیناً.....!''

کچھ دیر تک کمرے کی فضا پر سکوت طاری رہا پھر فریدی نے کہا۔ ''تم گردن تک دلدل میں پھنس گئے ہو۔''

''خدا کیلئے مجھے بتایئے جناب ورنہ میرا مستقبل تباہ ہو جائے گا۔ سول سروس کا امتحان دیا تھا۔ بڑی اچھی پوزیشن میں پاس ہوا ہوں۔ اب وائیوا رہ گیا ہے۔ کرنل صاحب..... مجھے بچایئے۔''

وہ بُری طرح گڑگڑا رہا تھا۔

''اچھی بات ہے۔ میں دیکھوں گا۔ لیکن تم مجھے مطلع کئے بغیر شہر نہیں چھوڑو گے۔ سمجھے۔''

''ہرگز نہیں..... یقین کیجئے جناب۔''

''اگر وہ شہر میں کہیں بھی نظر آ جائے مجھ سے فون پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرنا۔ کارڈ پر وہ نمبر درج ہیں جن پر میں مل سکوں گا۔ محض تمہارا کیریئر خراب ہو جانے کے خیال سے تمہیں چھوڑ رہا ہوں۔ ورنہ اس کا کوئی جواز نہیں۔ کیونکہ ایک مسروقہ کار تمہارے قبضے میں رہی ہے۔''

''میں ہمیشہ احسان مند رہوں گا جناب۔ آپ پولیس والوں سے مختلف ہیں۔''

''گاڑی میں لے جا رہا ہوں۔''

''بہت بہتر جناب۔''

پھر وہ فریدی کو رخصت کرنے کے لئے سڑک تک آیا تھا۔ فلیٹ سے باہر آنے سے قبل فریدی نے ایک بار پھر فلیٹ کے گوشے گوشے کا جائزہ لیا تھا۔

''ہائیں..... گگ..... گاڑی..... گاڑی کہاں گئی۔'' وہ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''یہیں تو کھڑی کی تھی۔''

دور دور تک کسی گاڑی کا پتہ نہیں تھا۔

''تم فلیٹ میں واپس جاؤ۔'' فریدی نے اس سے کہا۔

''یقین کیجئے جناب۔''

''مجھے یقین ہے۔''

وہ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے مڑا اور عمارت کی طرف چلا گیا۔

پھر تقریباً دس منٹ بعد فریدی کو ایک خالی ٹیکسی ملی تھی۔

گھر واپس آیا تھا تو دوسری حماقتیں پذیرائی کے لئے موجود تھیں۔

برآمدے میں ایک اتنی لمبی چوڑی عورت نظر آئی کہ وہ ہکا بکا رہ گیا اور اس عورت کی "ہی ہی ہی" تو کسی طرح رکنے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔ حمید ایک اسٹول پر کسی بت کی طرح بے حس و حرکت بیٹھا تھا۔

"یہ کیا بیہودگی ہے۔" فریدی نے جھلاہٹ میں حمید کو مخاطب کیا۔ لیکن اُس کی پوزیشن میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ دیدے تک پتھرائے ہوئے سے معلوم ہوتے تھے۔

دفعتاً فریدی نے اس کی گردن دبوچی اور اسٹول سے اٹھا دیا۔

"انہیں معاف کر دیجئے۔" گرانڈیل عورت بولی۔ "میں نے کہا تھا ان سے۔ الاقسم بار نہیں بنا رہے تھے عورت۔"

"تم یہاں آئے کیوں تھے؟" فریدی اس پر الٹ پڑا۔

"میں اپنی جندگی سے تنگ آ گیا ہوں!" عورت بولی۔

"آ گئی ہوں بے.....!" حمید نے تصحیح کی۔

"ہوں.....تو زندگی سے تنگ آ کر ساڑھی باندھ لی ہے۔"

"جی غاں.....!"

"بچے بھی پیدا کرے گا۔" حمید نے گرہ لگائی اور بے تعلقی سے چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

"اے مجاخ نہ اڑاؤ میرا۔"

"قاسم کہیں تم پاگل نہ ہو جانا۔" فریدی بولا۔

"اللہ کرے میں تو مر ہی جاؤں۔"

"چھاتی پر دو ہتھڑ چلا کر۔" حمید نے کسی فلم ڈائریکٹر کی طرح ہانک لگائی اور قاسم نے سچ مچ وہ جملہ اسی حرکت کے ساتھ دوبارہ ادا کیا۔

فریدی حمید کو خونخوار نظروں سے گھورتا ہوا اندر چلا گیا۔

"اے تو ان کا قیا بگڑتا ہے۔" قاسم نے حمید سے پوچھا۔

"اب جاؤ مجھے نیند آ رہی ہے۔"

"قیا میں اس طرح گھر جاؤں گا۔" قاسم نے حیرت سے کہا۔

"کیا حرج ہے.....بیوی سے بھی اس میک اپ کی داد وصول کرلاؤ۔"

"سالی دیکھ کر جل جائے گی۔"

"اسی لئے تو کہہ رہا ہوں۔ جلے بھنے گی تو تم اپنے دل میں ٹھنڈک محسوس کرو گے۔"

"اور اگر اُس نے ابا جان کو فون قر دیا تو.....؟"

"تم ٹھکو پٹو گے اور وہ اپنے دل میں ٹھنڈک محسوس کرے گی۔"

"اے جاؤ.....سالے وہی ڈوب جانے والا مشورہ دو گے۔"

"مجھے نیند آ رہی ہے قاسم.....!" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"میں بھی یہیں آرام پھرماؤں گی۔" قاسم نے شرارت آمیز لہجے میں کہا۔

"تمہارے سائز کا کوئی بستر موجود نہیں ہے۔"

"دو بستر مال کر قام چل جائے گا۔"

پھر حمید اُسے وہیں چھوڑ کر اپنی خواب گاہ کی طرف جھپٹا تھا۔ قاسم نے اُس کا تعاقب ضرور کیا لیکن وہ اُسے کافی پیچھے چھوڑتا ہوا۔ کمرے میں داخل ہوا اور دروازہ بند کر کے بولٹ کر دیا۔

کچھ دیر تک قاسم دروازہ پیٹتا رہا پھر سناٹا چھا گیا۔

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ حمید نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔ "یہ کیا لغویت پھیلائی ہے تم نے۔"

"خدا کی قسم میں آج میں نے نہیں بلایا۔ خود ہی آیا تھا۔ کہنے لگا میں نے شلوار میں الاسٹک ڈالنا بھی سیکھ لیا ہے۔ اب ٹپ ٹاپ ٹیلرز کے یہاں نوکری دلوادو۔ میں نے کہا وہاں صرف عورتیں کام کرتی ہیں۔ کہنے لگا تمہارے لئے کیا مشکل ہے۔ بنا دو مجھے عورت۔ ٹھیک اسی وقت ایک نیا خیال آیا۔ آپ بھی سنئے۔ ممکن ہے آپ بھی اس سے متفق ہوں۔ دوکان کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنا پڑے گا۔ اس کا اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں کہ قاسم کو ماڈل بنایا جائے۔

ایسی لحیم شحیم عورت آج تک نہ دیکھی گئی ہوگی۔ غرارہ سوٹ پہنا کر عین دروازے پر کھڑا کر دوں گا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بورڈ ہوگا۔ جس پر تحریر ہوگا۔ میرے ملبوسات کی فٹنگ آسان نہیں۔ لیکن یہ دیکھئے۔''

دوسری طرف سے فریدی کی زہریلی سی ہنسی سنائی دی اور اس نے کہا۔ ''تو تمہیں یقین آ گیا ہے کہ میں پیشہ تبدیل کرنا چاہتا ہوں۔''

''نفسیاتی نکتہ نظر سے ممکن ہے۔'' حمید نے رضیہ کی نقل اتارنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''اتنی زبردست فاقہ کشی کے بعد لمبے دسترخوان ہی کی سوجھے گی۔''

''بکومت..... سنجیدگی سے سنو..... وہ لڑکی جس کا تذکرہ تم نے کیا تھا بہت ذہین معلوم ہوتی ہے لہٰذا تمہیں ایک مردکٹر کا بھی انتظام کرنا ہے۔ لیکن وہ قاسم نہیں ہوگا۔ ہوسکتا ہے کل کوئی مردکٹر بھی ملازمت کی تلاش میں تمہارے پاس پہنچے۔ اس بار مت چوکنا۔ پہلے ہی تمہیں ایک مردکٹر ضرور رکھنا چاہئے تھا۔ خیر.....! البتہ قاسم کے ماڈل بنائے جانے پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن اس پر تمہاری شخصیت ہرگز نہ ظاہر ہونی چاہئے۔''

''میں سمجھتا ہوں..... لیکن کیا آپ اس ذہین لڑکی کو مجھ پر مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے سوچا تھا آج اُسے چھٹی دے دوں گا۔''

''ایسا ہرگز مت کرنا کیونکہ اس پیشے میں تم قطعی نئے ہو۔''

''آپ کی اطلاع کے لئے..... وہ لڑکی بھی ماہر نفسیات ہے۔''

''تب تو ہر قسم کی بخیہ گری کرے گی۔ بہرحال اُسے رہنا ہے۔ قاسم سارے گھر میں دندناتا پھر رہا ہے۔ اس کے لئے کوئی انتظام کرو۔''

''میں تو سونے جا رہا ہوں۔''

''جہنم میں جاؤ۔'' فریدی نے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا اور حمید نے لمبی تانی۔

دوسری صبح وہ قاسم کو سوتا چھوڑ کر گھر سے نکل گیا۔ لیکن اس کے نام ایک پرچہ چھوڑ جانے میں غفلت نہیں کی تھی۔ اُس نے اُسے ہدایت دی تھی کہ وہ زنانہ لباس میں ٹھیک دس بجے ٹپ

ٹاپ ٹیلرز کی دوکان پر پہنچ جائے۔ ساتھ ہی فریدی سے کہتا گیا تھا کہ میک اپ وہی کر دے تو بہتر ہے اور پلاسٹک میک اپ ہی اس کے خاردار گالوں کی اصلیت چھپا سکے گا۔''

گھر سے جلد بھاگنے کے باوجود بھی دوکان پر کسی قدر دیر سے پہنچا۔ لڑکیاں دوکان کے سامنے منتظر تھیں۔ رضیہ چہک کر بولی۔ ''بہت دیر سے تشریف لائے ہیں آپ۔ دوکان کی کنجی میرے پاس بھی ہونی چاہئے۔''

''صرف دس منٹ دیر سے آیا ہوں۔''

''دس منٹ بہت ہوتے ہیں۔''

''پیشہ آبا سپہ گری رہا ہے۔ سمجھیں..... کسی پشت میں کوئی خیاط نہیں ہوا۔ یہ تو مقدر کی بات ہے کہ لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد ٹیلرنگ شاپ کی منیجری حصے میں آئی ہے۔''

''ایک نفسیاتی کمزوری..... آپ اس پیشے کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ احساس برتری کا شکار یہ مرض آدمی کو پاگل پن تک لے جا سکتا ہے۔''

''دوکان کھولنے دو گی یا.....!'' حمید جھلاہٹ میں اس سے آگے نہ کہہ سکا۔

''چچ چچ..... یہ غصہ آپ کو لے ڈوبے گا.....!''

''اب خاموش رہو۔''

حمید نے دوکان کھولی۔ سب اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئیں۔ لیکن رضیہ حمید کے پاس آ بیٹھی۔

''کیوں.....؟'' حمید نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں پوچھا۔

''کام ہوگا تو مشین پر جا بیٹھوں گی۔''

''اور کام نہ ہونے پر اس کی اور رہالنگ کرو گی۔'' حمید نے اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''یہ بھی ضروری ہے..... ورنہ آپ پورے کاروبار کو غرق کر دیں گے۔''

''باس کو مجھ پر اطمینان ہے۔ تم فکر نہ کرو۔''

''لیفٹیننٹ کرنل صاحب یہ میدان جنگ نہیں ہے۔ درزی کی دوکان ہے، مشینیں کاشن پریڈ نہیں کرتیں انہیں چلانا پڑتا ہے۔''

''میرا اندازہ ہے کہ تم زبان کے علاوہ اور کچھ نہیں چلا سکتیں۔''

''کبھی کبھی ہاتھ بھی چلتے ہیں۔''

''بدتمیزی برداشت کرنا میرے بس سے باہر ہے۔''

''لیکن قیافہ کہتا ہے کہ آپ عورتوں کے سلسلے میں سب کچھ برداشت کر سکتے ہیں۔''

''صرف عورتوں کے سلسلے میں۔ نفسیات کی کتابوں کی الماری میری دانست میں سوختنی ہے۔''

''اتنی گاڑھی اردو نہ بولئے۔ میں نے نفسیات انگریزی میں پڑھی تھی۔''

''جہنم میں گئی نفسیات.....!'' حمید میز پر ہاتھ مار کر بولا۔ ''تم ہٹو یہاں سے۔''

ہاتھ اتنے زور سے مارا تھا میز پر کہ وہ بے ساختہ اچھل پڑی تھی۔ پھر تشویش کن انداز میں اپنی نبض دیکھ کر بولی تھی۔ ''دوران خون تیز ہو گیا۔ نفسیاتی نکتہ نظر سے اعصابی نظام.....!''

حمید اتنی دیر میں دوکان چھوڑ کر فٹ پاتھ پر اُتر آیا تھا۔



فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے کسی نے اس سے گفتگو کرنے کی خواہش ظاہر کی۔

''آپ کون ہیں.....؟'' فریدی نے پوچھا۔

''طارق..... کرنل صاحب سے بس اتنا کہہ دیجئے۔''

''طارق..... اُوہ..... یہ میں ہی ہوں۔''

''کرنل صاحب..... ابھی وہ پھر آئی تھی۔ لیکن گاڑی کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ ویسے یقین ہے کہ یہ وہی وین تھی جس میں ہم نے پچھلی رات سفر کیا تھا۔ نمبر پلیٹ بھی بدل دی

ہے۔ نمبر نوٹ فرمایئے۔ کے اے ایف ایک تین چار چھ۔''

''ایک سیکنڈ ٹھہرو.....!'' فریدی نے کہہ کر پنسل اٹھائی اور سامنے پڑے ہوئے پیڈ پر نمبر تحریر کئے اور پھر بولا۔ ''گاڑی کا رنگ کیسا ہے۔''

''چھت سرمئی اور بقیہ حصہ گہرا سیاہ۔''

''اس وقت کیوں آئی تھی اور گاڑی اس طرح غائب ہو جانے کا کیا جواز پیش کیا تھا۔''

''اس کا ایک ہم وطن یاد آ گیا تھا جو شہر ہی میں مقیم ہے۔ اس کی تلاش میں چلی گئی تھی۔ وہ مل گیا۔ اُس کے ڈرائیور کو میرا پتہ بتا کر بھیجا..... گاڑی کے نمبر بھی بتائے تھے۔ وہ بے قوف مجھ سے ملے بغیر باہر ہی سے گاڑی لے کر چلا گیا۔ یہ اسی کے الفاظ ہیں جناب.....!''

''پھر وہ اس وقت کس لئے آئی تھی۔''

''یہی معلوم کرنے کے لئے کہ پرس ملا یا نہیں۔ قفل توڑنے میں کوئی دشواری تو پیش نہیں آئی تھی۔ میں نے کہا پرس تو نہیں ملا۔ قفل بھی آسانی سے ٹوٹ گیا تھا۔ لیکن خود میرا ایک کام نکل گیا۔ اگر میں اتفاقاً اس سڑک سے نہ گزرتا تو میرے ایک عزیز کو سخت پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ وہ انہیں اطراف میں شکار کھیلنے گئے تھے۔ انکی جیپ خراب ہو گئی تھی۔ جنگل میں بھٹکتے پھر رہے تھے۔ مستزاد یہ کہ بارش بھی ہونے لگی تھی۔ بہر حال میری وجہ سے شہر تک پہنچ سکے۔''

''تم بہت ذہین معلوم ہوتے ہو طارق..... تم نے بہت اچھا کیا۔ لیکن تمہیں اس کا خیال کیسے آیا تھا۔''

''اس طرح اچانک گاڑی کے غائب ہو جانے کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ وہ فلیٹ سے چلے جانے کے بعد بھی آس پاس ہی منڈلاتی رہی تھی۔ لہٰذا اُس نے آپ کو میرے ساتھ ضرور دیکھا ہوگا۔''

''بہت اچھے۔''

''سول سروس کے امتحان کے لئے ذہن کو مخصوص قسم کی تربیت دینی پڑتی ہے۔ امیدواروں میں کم از کم اتنی سوجھ بوجھ تو ہونی ہی چاہئے۔''

''یقیناً..... یقیناً..... اچھا تو پھر تمہارے اس جواب پر اس نے کیا کہا۔''

''کچھ نہیں۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتے رہنے کے بعد بولی تھی کہ اب اُسے سفارت خا سے دوبارہ مغز پچی کرنی پڑے گی۔ میں نے اپنی خدمات پیش کی تھیں۔ مسکرا کر شکریہ ادا تھا۔ میں نے پوچھا تھا کیا وہ پھر ملے گی جواب میں اس نے کہا تھا بشرط فرصت اور چلی گئی بس مجھ سے ایک غلطی ہوئی ہے جناب..... کہ میں نے اس کا موجودہ پتہ نہ پوچھا۔''

''کوئی بات نہیں۔ بہرحال تم نے بروقت مجھے اطلاع دی اس کا شکریہ۔ میرے اچھے معاون ثابت ہوئے ہو۔''

فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر کسی کے نمبر ڈائیل کئے طارق کے بتائے ہوئے گاڑی کے نمبر دہراتے ہوئے کہا ''وین کی چھت سرمئی ہے اور نچلا حصہ سیاہ۔ خاص طور پر نظر رکھی جائے۔ ریڈیو کارز کو اطلاع دے دو۔''

سلسلہ منقطع کر کے اس نے سگار سلگایا اور سامنے رکھے ہوئے فائیل کی ورق گردانی کرنے لگا۔

اس کی دانست میں اس عورت نے طارق پر نہ صرف پچھلی رات والے واقعات کا ردعمل معلوم کرنا چاہا تھا بلکہ اس کا اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی۔ اس واقعہ کے بعد عرفان پر کیا گذری۔ کیا وہ پولیس تک خود ہی جا پہنچا ہوگا۔

ویسے عرفان کی کہانی تو آج کے اخبارات کا خاص موضوع تھی اور کھلے ہوئے الفاظ میں اس کے حراست میں لئے جانے کی تشہیر کی گئی تھی۔

لیکن ساتھ ہی محکمہ سراغ رسانی کے ذمہ دار آفیسروں کا یہ نظریہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ کس قسم کی پیش بندی بھی ہوسکتی ہے۔ ممکن ہے کہ وہاں سرے سے کسی لاش کا وجود ہی نہ ہو۔ ایسی کوئی عورت عرفان سے نہ ٹکرائی۔ فریدی کو اس خبر کی ترتیب پسند آئی تھی۔ اس نے اس کی محنت کی داد دینے کے لئے فون پر دوکان کے نمبر ڈائیل کئے۔

''کہو دوکانداری کیسی ہو رہی ہے۔''

''لاجواب.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''اب کسر اس بات کی رہ گئی ہے کہ میں بھی ساری لپیٹ کر اس تکا فضیحتی میں شامل ہو جاؤں۔ ارے دماغ چاٹ کر رکھ دیا ہے اس ماہر نفسیات نے میرا۔ پتہ نہیں یہ کس سنہ عیسوی کے گناہوں کی سزا مل رہی ہے۔''

''حوصلہ بلند رکھو..... جیت تمہاری ہوگی۔''

''اگر میں باقی بچا تو۔''

''بہت دل برداشتہ معلوم ہوتے ہو۔''

''ایسا ویسا.....؟''

''تمہیں کیا تکلیف ہے۔''

''لو وہ بھی کہہ رہے ہیں کہ بے ننگ و نام ہے۔ صاحب اس سے بہتر تو یہ تھا کہ آپ مجھے ایک بھینس خرید دیتے اور بین خود خرید لیتا۔''

''عرفان والی کہانی کی سیٹنگ کے سلسلے میں مبارک باد قبول کرو۔''

''پسند آئی۔''

''بہت زیادہ..... اچھا دیکھو تمہیں خصوصیت سے ایک لڑکی کو ذہن میں رکھنا ہے۔ صورت سے غیر ملکی معلوم ہوتی ہے۔ کسی سفید نسل سے متعلق۔ امریکی لہجے میں انگریزی بولتی ہے اور اردو پر بھی کسی اہل زبان ہی کی طرح قادر ہے۔ بال اخروٹ کی رنگت کے ہیں۔ ٹھوڑی پر بائیں جانب ابھرا ہوا سرخ رنگ کا تل ہے۔ بالوں کی رنگت تبدیل کی جاسکتی ہے اور سرخ رنگ والا تل بھی سیاہی اختیار کرسکتا ہے۔''

''پھر.....!''

''ایک اصول بناؤ..... غیر ملکی عورتوں کے ملبوسات کی پیمائش تم خود ہی کرو گے۔''

''اب آپ میری قبر کی ناپ بھی ملاحظہ فرمائیے..... لمبائی چھ فٹ اور چوڑائی ڈھائی فٹ.....!''

''بکومت سنجیدگی سے سنو..... قریب سے تم اندازہ کرسکو گے کہ تل کی رنگت تبدیل کی گئی ہے۔''

''ارے تو یہی دوکان کس حکیم نے لکھ دی ہے نسخے میں..... ارے خدا غارت کرے تمہیں نفسیات کی بچی۔''

''کیا بک رہے ہو.....؟''

''معاف کیجئے گا آپ سے مخاطب نہیں تھا۔ کل تک اکیلے وہی دماغ چاٹتی تھی۔ آج سب مل کر چاٹ رہی ہیں..... اور ہاں سنئے وہ ماڈل پہنچ گیا ہے۔ فٹ پاتھ پر کئی بار بھیڑ لگ چکی ہے..... چالان کا ڈر ہے۔''

''بہت زیادہ مضحکہ خیز بننے کی کوشش مت کرنا..... سمجھے؟''

''مطمئن رہئے..... ہاں تو..... وہ امریکن.....!''

''میرا خیال ہے کہ اب اُسے مقامی ملبوسات ہی میں دیکھا جاسکے گا۔ خیر بہرحال آنکھیں کھلی رکھنا۔''

سلسلہ منقطع کرکے وہ اٹھ ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔

''ہیلو.....!'' اس نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

''فریدی اسپیکنگ.....!''

''اس وقت وہ گاڑی مغرب کی سمت عابد روڈ پر جارہی ہے۔ نمبر وہی ہیں جو ہمیں تھے لیکن باڈی پورا کا پورا سرمئی ہے۔''

''کون ڈرائیو کررہا ہے؟''

''کوئی عورت.....!''

''غیر ملکی ہے۔''

''نہیں جناب..... مقامی ہی معلوم ہوتی ہے۔''

''کس بناء پر مقامی معلوم ہوتی ہے۔''

''یہ معلوم کرنا پڑے گا۔ ہم نے ایک ریڈیو کار سے رابطہ قائم کررکھا ہے۔''

''میں ہولڈ ان کئے ہوں۔''

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر آواز آئی۔

''ہیلو.....!''

''ہاں..... کہو.....!'' فریدی بولا۔

''وہ ساری میں ملبوس ہے۔ آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک ہے۔ چہرے کی رنگت سفید..... بالوں کا رنگ سیاہ۔''

''اب وہ کدھر جارہی ہے۔''

''عابد روڈ سے تھرٹین اسٹریٹ میں مڑی ہے۔''

''اچھا..... اس ریڈیو کار کو اطلاع دو کہ میں تین منٹ بعد اس سے براہِ راست رابطہ قائم کرلوں گا۔ سوئچ آن رکھے۔''

ٹیلی فون کا سلسلہ منقطع کرکے وہ اٹھا اور کمرے سے نکل کر پارکنگ شیڈ کی طرف چل پڑا۔

ایک ریڈیو کار کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے ہوئے بڑی تیزی سے انجن اسٹارٹ کیا اور ریڈیو کا سوئچ آن کرکے مائیک میں کہا۔

''ہیلو..... ہیلو..... فریدی اسپیکنگ.....!''

''یس سر.....!''

دوسری طرف سے آواز آئی۔

''پریذنٹ پوزیشن.....!''

''وہ مے پول ہوٹل میں داخل ہوئی ہے جناب.....!''

''سوئچ آن رکھو.....!''

''اوکے سر.....!''

فریدی نے کار بیک کرکے پارکنگ شیڈ سے نکالی اور اُسے پھاٹک سے گزارتا ہوا سڑک پر آگیا۔

ریڈیو کا سوئچ کھلا ہوا تھا۔

کار کا حادثہ

ایک ہفتہ کے اندر ہی اندر اتنا کام آ گیا کہ حمید کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ اس کی دا
میں وقت پر اُن کا پورا ہونا محال ہی تھا۔ رضیہ چہکتی رہتی۔ اس کی بوکھلاہٹوں کا مضحکہ اڑاتی
وہ تاؤ کھاتا۔

قاسم بھی بدستور موجود تھا۔ دوکان کی پبلسٹی کا باعث وہی تو تھا۔ ایک سرخ و سپید لحیم
عورت جو عورتوں کو اس طرح ندیدے پن سے گھورتی کہ وہ جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگ
اور اس کے دانت نکل پڑتے۔

دروازے کے قریب کھڑا ہوتا۔ جسم پر کبھی ساری ہوتی اور کبھی غرارہ سوٹ۔ پبلسٹی کا
اٹھائے کبھی کبھی بسورتا بھی دکھائی دیتا۔ ہاتھ دکھ جاتے لیکن حمید کا حکم تھا کہ ایک گھنٹے کے
ہی سے وہ اپنے ہاتھوں کی پوزیشن بدل سکے گا۔

آج صبح ہی صبح دونوں میں جھڑپ بھی ہوئی تھی۔ حمید نے کہا تھا کہ وہ اُس کا
کر دے گا۔ اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

''یہ قیسے ممکن ہے..... میں تو نہیں..... جاؤں غا..... ارر..... غی.....!''

''بورڈ اُدھر رکھ دو۔'' حمید نے ڈانٹ کر کہا تھا۔

''ابھی تو قچھ ہوا ہی نہیں بورڈ کیسے رکھ دوں۔''

''کیا نہیں ہوا.....!''

''مطلب یہ کہ دھندا ابھی چلا کہاں ہے؟''

''بس اتنی ہی پبلسٹی کافی ہے۔''

''قون قہتا ہے.....!'' قاسم نے اس طرح کہا تھا جیسے اس سلسلے میں وہ خود بھی کوئی
رکھتا ہو۔

''ارے دماغ تو نہیں چل گیا تمہارا۔''

''ختم کیجئے۔'' رضیہ بیچ بچاؤ کی غرض سے بولی تھی۔ ''کچھ دن اور سہی آخر آپ اتنا گھبراتے کیوں ہیں..... نفسیاتی نکتہ نظر سے۔''

''نفسیاتی نقطہ نظر کی ایسی کی تیسی۔ تم کیوں دخل اندازی کر رہی ہو۔''

''میں یہی مناسب سمجھتی ہوں کہ یہ ماڈل کچھ دنوں اور کام کرے اس کے بعد میں خود اس کے لئے کوئی دوسرا کام تلاش کروں گی۔ مجھے ہمدردی ہے اس بیچاری سے.....!''

''ہے نا.....!'' قاسم کی باچھیں کھل گئیں۔

رضیہ پھر فراکوں کے گلے بنانے لگی تھی۔ وہ صرف گلے ہی بناتی تھی۔ خود کو اس کی اسپیشلسٹ کہتی تھی۔

اس وقت وہ بیکار بیٹھی۔ پیشانی پر سلوٹیں تھیں اور ہونٹ کسی قدر سکڑے نظر آ رہے تھے۔

دوسری لڑکیاں اپنے اپنے کاموں میں مشغول تھیں۔ کٹر سامنے پڑے ہوئے کپڑے پر نشانات لگا رہا تھا اور حمید دانتوں میں پائپ دبائے پُرتفکر انداز میں قاسم کا جائزہ لے رہا تھا جس نے ابھی ابھی پوزیشن تبدیل کی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ قاسم اسے پہچان لے تو اس کا رویہ کیا ہوگا۔

ویسے قاسم کی وجہ سے ایک الجھن بڑھ گئی تھی۔ وہ تھی اس کی ذہنی رو..... جس کے تحت وہ خود کو کبھی مذکر بولتا تھا اور کبھی مؤنث! حمید کا خیال تھا کہ رضیہ اس کے بارے میں مطمئن نہیں۔ پھر زنانہ اور مردانہ آوازوں میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ قاسم بھلا اپنی آواز پر قابو کیسے پا سکتا جب کہ ذہن ہی قابو میں نہیں تھا۔

بہر حال حمید کے لئے ایک پریشان کن مسئلہ تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اب قاسم کو چلتا کرے۔ دوکان کی خاصی پبلسٹی ہو چکی تھی اور وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس دوکان کے قیام کا مقصد سچ مچ تجارت ہی ہوگا۔ کسی خاص اسکیم کے تحت ہی ایسا ہوا تھا۔

فریدی کی پرانی عادت تھی کہ تفتیش کے دوران میں کسی خاص نتیجے پر پہنچے بغیر اپنے بعض افعال کی وضاحت نہیں کرتا تھا۔

حمید خیالات کی رو میں بہتا رہا۔

''اے مجھے اس طرح کیا گھور رہی ہو.....؟'' اس نے رضیہ کی آواز سنی اور چونک پڑا۔ قاسم کے دانت نکل پڑے تھے اور وہ اب بھی رضیہ ہی کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

''اُدھر کیوں دیکھ رہی ہو۔'' حمید نے قاسم کو للکارا۔

''آنکھیں پھوڑ دو.....!'' قاسم جل کر بولا۔ ''قیوں نہ دیکھوں.....!''

''پتھر ماروں گی سر پھٹ جائے گا۔'' رضیہ چیخنائی۔

''نفسیاتی پتھر.....!'' حمید سر ہلا کر بولا۔

''ہاں..... ہاں.....نفسیاتی.....!'' رضیہ بھنا کر بولی۔ ''اس حرام زادی کی جنس بدل جائے گی۔ دیکھئے گا.....!''

''قیا.....قہا.....حرام زادی.....!'' قاسم نے غصیلے لہجے میں کہا۔ پھر ہنس پڑا اور بولا۔ ''جو حرامزادی ہو وہ بُرا مانے.....!''

''خاموش رہو..... خاموش رہو.....!'' حمید جلدی سے بول پڑا۔ ''یہ درزی خانہ ہے بھٹیار خانہ نہیں۔''

قاسم ہنستا رہا۔

رضیہ حمید سے بولی۔ ''اب یہاں یا میں رہوں گی یا یہ.....!''

''اے واہ بی بی۔'' قاسم نے ناک پر انگلی رکھ کر لچکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''ابھی میری تر پھداری کر رہی تھیں اور اب آپے سے باہر ہو گئیں۔ اللہ تیری کدرت۔''

''یہ میرا فیصلہ ہے جناب.....!'' رضیہ نے حمید سے کہا۔

''نفسیاتی نکتہ نظر سے.....!'' حمید نے کہا۔

''میں سنجیدگی سے کہہ رہی ہوں اور آپ بھی سنجیدگی سے سنئے۔''

حمید جواب نہیں دے پایا تھا کہ ایک گاہک دوکان میں داخل ہوئی۔ ادھیڑ عمر کی پر وقار عورت تھی۔ لمبی سی قریبی ماڈل کی ایک گاڑی سے اُتری تھی۔

''میرے کپڑے.....!'' اس نے حمید سے کہا۔

''جی ہاں.....تیار ہیں.....!'' حمید کی بجائے رضیہ نے جواب دیا اور اٹھ کر شوکیس سے ایک جوڑا نکالا۔

عورت کچھ دیر تک جوڑے کا جائزہ لیتی رہی پھر کھنکھناتی ہوئی آواز میں بولی۔ ''موریاں بنائی ہیں شلوار کی یا مونگ کے پاپڑ بیلے ہیں۔''

''میں نہیں سمجھی محترمہ.....!''

''بکرم ہے اس میں.....؟'' عورت غرائی۔

''جی ہاں.....؟'' رضیہ نے کہا۔

''یہ سراسر بکواس ہے.....!'' عورت نے حمید کو مخاطب کیا۔

''وہ کیا جانیں۔'' رضیہ بولی۔ ''موریاں میں نے بنائی تھیں۔''

''تب تو بہتر یہی ہوگا کہ تم نہ بنایا کرو۔''

''کیا میں اُدھیڑ کر دکھاؤں بکرم آپ کو۔'' رضیہ نے بھی کسی قدر تیز ہو کر کہا۔

''نہیں نہیں تم خاموش رہو۔ ممکن ہے یہ خاتون درست کہہ رہی ہوں۔'' حمید جلدی سے بول پڑا۔ ''آپ کل لے لیجئے گا محترمہ۔ میں دوسرا بکرم رکھوا دوں گا۔ وہ کیا کہتے ہیں گھوڑے کی دُم کے بالوں والا۔''

''اور ستیاناس کرو گے۔''

''اچھا پھر جیسے آپ فرمائیں۔''

''میں کہتی ہوں اس میں بکرم نہیں ہے۔ یہ لڑکی جھوٹ بولتی ہے۔''

''بہت ہو چکا۔'' رضیہ تیور بدل کر بولی۔ ''بہتر ہے آئندہ آپ کسی اور سے سلوائیں۔''

''ارے ارے.....دماغ تو نہیں چل گیا۔'' حمید بوکھلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ''معاف فرمایئے گا.....بات دراصل یہ ہے کہ یہ لڑکی نفسیات کا شکار ہے۔ میں ان موریوں کو دوبارہ بنواؤں گا۔''

''میں تو ہرگز نہیں بناؤں گی۔''

''تم پھر بولیں۔'' حمید کو سچ مچ غصہ آ گیا تھا۔

''تم ایسے بدتمیز لوگوں کو رکھتے ہی کیوں ہو۔'' عورت نے رضیہ کو خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

''اے.....!'' دفعتاً قاسم کی للکار سنائی دی۔ ''بدتمیز وتمیز نہ کہنا اچھا.....نہیں تو.....!''

''تم سب بے ہودہ ہو۔'' عورت نے پیر پٹخ کر کہا۔ ''اُسے ٹھیک کرو۔ اچھا میں کل اپنے ملازم کو بھیجوں گی.....تیار ملے۔''

''جی بہت اچھا محترمہ.....!'' حمید نے بڑے ادب سے کہا۔

عورت رضیہ کو خونخوار نظروں سے گھورتی ہوئی چلی گئی۔

حمید اس وقت قطعی بھول گیا تھا وہ حقیقتاً کون ہے۔ رضیہ پر اس شدت سے غصہ آیا تھا اُس میں اور ایک درزی خانے کے بھڑکے ہوئے منتظم میں کوئی فرق نہیں رہ گیا تھا۔

''میں اب تمہیں نہیں برداشت کرسکتا۔'' وہ غصہ سے ہانپتا ہوا بولا۔

''ہم دونوں تو رہنا پڑے گا.....!'' قاسم باہر سے غرایا۔

''تم چپ رہو۔''

''اے..... جبان سنبھال کے..... ورنہ اٹھاؤں گا کرسی سے اور توڑ مروڑ کر سڑک پھینک دوں غا.....غی.....غی.....غی.....!''

''آپ لوگ جھگڑا نہ کریں۔'' ایک لڑکی بڑے نرم لہجے میں بولی۔ ''بکرم کا کام اب میں کیا کروں گی۔ میرے کام سے آج تک کسی کو بھی شکایت نہیں ہوئی۔''

اس لڑکی کا نام فرزانہ تھا۔ بہت ہی کم سخن تھی۔ حمید نے تو ابھی تک اُسے قہقہہ لگاتے نہیں دیکھا تھا۔ بہت زیادہ ہنسی کی بات ہوتی تو بس ہونٹوں میں خفیف سا کھنچاؤ پیدا ہوتا جسے مسکراہٹ بھی سمجھا جاسکتا تھا اور دوسرے ہنسنے والوں کی بے عقلی پر ماتم بھی۔

''نہیں..... اس گدھی کی بچی کی موریوں میں تو بکرم میں ہی رکھوں گی۔'' رضیہ کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''اس کے بعد پھر جو چاہے انتظام ہو..... پلاسٹک کا بکرم رکھوں تاکہ پریس کرتے وقت مزہ آجائے بیگم صاحبہ کو۔''

''کیا میں اُلو کا پٹھا ہوں۔'' حمید جھلاہٹ میں سر سے پاؤں تک ہل کر رہ گیا۔

''میں اپنی زبان سے نہیں کہہ سکتی۔''

''میں بھی نہیں کہہ سکتی۔'' قاسم نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''لیکن اگر مجھے یہاں سے نقالا گیا تو کہنا ہی پڑے گا۔''

''شٹ اپ.....!''

رضیہ نے قاسم کو اشارہ کیا کہ وہ خاموش رہے۔ بات اس کی سمجھ میں بھی آگئی اور وہ ہونٹ بھینچے ہوئے سڑک کی جانب مڑ گیا۔

اس کے بعد سناٹا چھا گیا تھا۔

حمید کچھ دیر تک بے حس وحرکت بیٹھا رہا پھر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ دو تین کش لینے کے بعد اُسے خیال آیا کہ وہ درزی نہیں بلکہ محکمہ سراغ رسانی کا ایک ذمہ دار آفیسر ہے اور چونکہ یہ کسی قسم کا ڈرامہ ہی ہے اس لئے کبھی کبھی اس قسم کا نیچرل ٹچ اُسے ناگوار نہ گذرنا چاہئے۔

اس نے رضیہ کی طرف دیکھا جو مشین کے قریب سر جھکائے بیٹھی کچھ سوچ رہی تھی۔

پائپ کے مزید دو تین کش غصے کو بالکل ہی زائل کردینے میں ممد ومعاون ثابت ہوئے اور اس نے مسکرا کر کہا۔ ''اگر تم نفسیاتی نکتہ نظر سے اپنے الفاظ واپس لے لو تو میں.....!''

''میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں۔'' رضیہ نے سر اٹھا کر کہا۔

''الاقسم بالکل بہت بے وقوف ہو تم.....!'' قاسم بے ساختہ بول پڑا۔ ''میں تو اپنے الفاظ واپس نہیں لوں غی۔''

حمید اُسے نظر انداز کر کے بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ بکرم والا کام تم فرزانہ ہی کے سپرد کردو۔''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

''ہت تیری کی.....!'' قاسم نے پیلٹی بورڈ پھینک کر اپنی رانوں پر دوہتھڑ چلایا اور چند لمحے رضیہ کو گھورتے رہنے کے بعد بولا۔ ''بہت بجدل ہو..... الفاظ بھی واپس لئے اور اب کوئی

اعتراض بھی نہیں ہے۔''

''ارے تم اپنا کام کرو میرے پیچھے کیوں پڑ گئیں بوا.....!''

''اے جبان سنبھال کے..... بوا ہوگی تم.....!''

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے.....تم تو باؤ ہو'' رضیہ ہنس پڑی۔

''یہ تم نے بورڈ کیوں گرا دیا'' حمید نے آنکھیں نکالیں۔

''اپھسوس کے مارے.....!'' قاسم نے سڑا سا منہ بنا کر جواب دیا۔

''اٹھاؤ بورڈ.....!''

قاسم نے جھک کر بورڈ اٹھایا۔لیکن بورڈ سمیت دوبارہ سیدھے ہوتے وقت توازن نہ رکھ سکا.....چلا آیا منہ کے بل نیچے۔

آس پاس کے لوگ دوڑ پڑے۔

لڑکیاں بے تحاشہ ہنس رہی تھیں اور قاسم چنگھاڑ رہا تھا۔''کھبر دار جو قسی نے ہاتھ لا دور ہٹو.....دور ہٹو.....میں کھد اُٹھ جاؤں غی.....غرے.....غرے.....باپ رلغ.....!''

بدقت تمام اٹھا اور بورڈ کو ایک کنارے رکھ کر دوکان کے اندر چلا آیا۔

''اب قسی کے منہ سے نہ پھوٹے غا کہ میں بھی جرا سا آرام کرلوں۔'' وہ ہانپتا ہوا بولا ایک کرسی پر بیٹھ کر پہلے سے بھی زیادہ ہانپنے لگا۔

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔حمید اٹھ کر اندرونی کمرے میں چلا آیا۔

''ہیلو.....!'' ماؤتھ پیس میں پائپ کا دھواں چھوڑتا ہوا بولا۔

''قاسم کو وہاں سے ہٹا دو۔'' دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔

''میرے بس سے باہر ہے۔لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔میں صبح سے کوشش ہوں کہ اب اس سے نجات مل جائے۔''

''میں ابھی بلوائے لیتا ہوں۔''

''شکریہ.....بہت بہت شکریہ۔''

''اور کوئی خاص بات.....؟''

''ابھی تک تو ایسی عورت نظر نہیں آئی جس کا تذکرہ کیا تھا آپ نے۔''

''اب اس کی فکر نہ کرو۔اب وہ میری دسترس میں ہے۔'' فریدی نے کہا اور پھر سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔

اور وہ عورت تو چھلاوہ تھا۔ادھر آئی اور اُدھر گئی۔ایک ہفتہ سے فریدی اس کی نگرانی کر رہا تھا لیکن ابھی تک کسی کو بھی موقع نہ مل سکا تھا کہ قریب سے اس کی ٹھوڑی کے تل کا جائزہ لیتا۔ویسے سیاہ رنگ کا تل دور سے بھی دیکھا جا سکتا تھا۔بالوں میں لگا ہوا خضاب بھی اعلیٰ درجے کا تھا۔کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس کے بالوں کی اصل رنگت سیاہ نہ ہوگی۔

اب وہ اُس وین میں بھی نہیں دیکھی جاتی تھی جس کے بارے میں شبہ تھا کہ وہ عرفان آرٹسٹ کی ہو سکتی ہے۔آج کل اس کے پاس سرخ رنگ کی چھوٹی سی اسپورٹ کار تھی۔

اس وقت بھی وہ سرخ رنگ کی گاڑی تار جام والی سڑک پر تیز رفتاری کے ریکارڈ توڑ رہی تھی اور فریدی اس کا تعاقب کر رہا تھا۔اُسے علم تھا کہ وہ تار جام جائے گی۔

پچھلے دن اس کی نگرانی کرنے والوں نے اطلاع دی تھی کہ وہ ایک آدمی سے ملنے کے لئے تار جام جائے گی۔اطلاع دینے والے نے بہت قریب سے وہ گفتگو سنی تھی جس کے مطابق دونوں تار جام میں ملنے والے تھے۔

فریدی کو اس کی قیام گاہ کا علم بھی تھا۔اس ایک ہفتے کے دوران میں اس لڑکی کے سلسلے میں بہت کچھ ہوا تھا۔محکمہ سراغ رسانی کے ایک فوٹو گرافر نے اسپائی کیمرے سے اس کی تصویر لی تھی۔یہ تصویر عرفان کو دکھائی گئی۔عرفان نے بتایا کہ وہ اس واردات والی لڑکی سے کسی قدر مشابہت رکھتی ہے۔بالوں کی رنگت اور تل کے بارے میں فریدی کو عرفان ہی نے بتایا تھا اور

طارق نے بھی اس کی تصدیق کی تھی۔ لیکن اسپائی کیمرہ تصویر میں تل کو واضح نہ کر سکا۔ فریدی کا خیال تھا کہ کسی قدر مشابہت والی بات کیمرے کے غلط زاویئے کی بناء پر تھی۔ اگر زاویہ صحیح ہوتا تو عرفان اسے یقینی طور پر پہچان لیتا۔

بہرحال اب دیکھنا یہ تھا کہ وہ کرنا کیا چاہتی ہے۔ فی الحال اس کے خلاف عرفان کی شکایت کے علاوہ اور کوئی ثبوت نہیں تھا۔ وہ لاش بھی تو برآمد نہیں ہو سکی تھی۔

فریدی اس وقت ایک ایسی ریڈیو کار میں سفر کر رہا تھا جو بظاہر ریڈیو کار نہیں معلوم ہوتی تھی۔ دوسری ریڈیو کار اس سے ایک میل پیچھے تھی جس میں امر سنگھ تھا۔ وہی اُسے ڈرائیو کر رہا تھا۔

اور یہ آج کوئی نئی بات نہیں تھی۔ پچھلے دو ماہ سے فریدی اپنی نگہداشت کے لئے کچھ ماتحتوں کو اپنے آس پاس ہی رکھتا رہا تھا۔ لیکن کسی کو اس کی وجہ نہیں بتائی تھی۔ حمید کو تو شائد اس کا بھی علم نہیں تھا کہ فریدی نے اس قسم کا کوئی انتظام کیا ہے؟

لڑکی کے بارے میں فریدی نے محسوس کیا تھا کہ وہ سچ مچ خائف ہے ورنہ وہ اس نگرانی کو طول نہ دیتا۔

دفعتاً ایک تیز رفتار گاڑی قریب سے آگے نکل گئی۔ اس کی رفتار سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ آگے جانے والی اسپورٹ کار کو بھی پیچھے ہی چھوڑ جائے گی۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ سچ مچ اسپورٹ کار کے برابر پہنچی اور اسپورٹ کار بے تحاشہ سڑک کے کنارے اترتی چلی گئی۔ فریدی نے اسے الٹتے دیکھا۔ ساتھ ہی وہ مائیک میں چیخا۔ ''امر سنگھ..... ہیلو..... امر سنگھ..... اسپورٹ کار پر فائر ہوئے ہیں۔ وہ بائیں جانب کچے میں الٹ گئی ہے۔ اسے دیکھو۔ میں فائر کرنے والوں کا تعاقب کر رہا ہوں۔''

مائیک کو ہاتھ سے رکھتے ہوئے اس نے گیئر بدل کر ایکسیلریٹر پر دباؤ بڑھا دیا۔ وہ آندھی اور طوفان کی طرح آگے بڑھتی رہی۔

اور پھر وہ گاڑی نظر آ ہی گئی جس سے فائر ہوئے تھے۔ اب دونوں کا درمیانی فاصلہ زیادہ

سے زیادہ ڈیڑھ سو گز رہا ہوگا۔ فریدی نے یہی رفتار قائم رکھی۔

ایک بڑی خوش لباس اور خوبصورت لڑکی قاسم سے سرگوشیاں کر رہی تھی۔ قاسم کافی نیچے جھک کر اپنا بایاں کان اس کے منہ کے قریب لایا تھا۔ سرگوشیوں کے دوران میں وہ کبھی الوؤں کی طرح دیدے نچانے لگتا اور کبھی بے ساختہ اس کے دانت نکل پڑتے اور کسی بات کے اعتراف میں سر تو مستقل طور پر ہلے جا رہا تھا۔

حمید کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں اور کام کرنیوالی لڑکیاں بھی کچھ کم متحیر نہیں تھیں۔

دفعتاً قاسم سے سرگوشیاں کرنے والی لڑکی پیچھے ہٹی اور قاسم سیدھا ہوتا ہوا حمید کی طرف مڑا۔ اس کے ہونٹوں پر تنفر آمیز کھنچاؤ صاف دیکھا جا سکتا تھا۔ لڑکی اب فٹ پاتھ پر دکھائی دی۔

قاسم چند لمحے حمید کو اسی طرح گھورتا رہا پھر آگے بڑھا اور اُس کے سامنے ہی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

''قردو حساب..... ٹھینگے سے.....؟'' اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''وہ کون تھی.....؟'' حمید نے سنی ان سنی کر کے سوال کیا۔

''میری والدہ تھی..... تم سے مطلب۔ کردو میرا حساب..... میں جارغارغی ہوں۔''

''کہاں جا رہی ہو۔'' رضیہ نے پوچھا۔

''دوسری جگہ..... تمہارا بھی انتظام کردوں گی۔ یہ سالے اس کابل نہیں ہیں کہ کوئی شرپسند عورت ان کے یہاں قیام کرے۔''

''کیا بکتی ہو.....؟'' حمید غرایا۔

''اب کھاؤ قسم کہ تم سارا دن ان گریبوں کو نہیں گھورتے رہتے۔''

''کیوں بکواس کر رہی ہو۔''

''جہاں سنبھالو منیجر صاحب.....ورنہ چٹنی بنا کر رکھ دوں گا.....گی.....گی.....!''

''کر بھی دیجئے حساب.....!'' فرزانہ بول پڑی جو بہت کم سخن تھی اور کسی معاملے میں دخل اندازی نہیں کرتی تھی۔

حمید نے سوچا خس کم جہاں پاک اور اس کا حساب کر کے جتنی رقم بنتی تھی حوالے کی۔

قاسم نے جاتے جاتے ساری لڑکیوں کو مخاطب کر کے کہا۔ ''دیکھو.....اس آدمی سے ہوشیار رہنا.....ڈاڑھی بڑھا کر شکار کھیلتا ہے سالا.....!''

''نکل جاؤ.....!'' حمید پیر پٹخ کر دہاڑا۔

قاسم ہنستا ہوا سیڑھیوں سے فٹ پاتھ پر اتر گیا۔

''پتہ نہیں یہ کون تھی.....اور کیا کہہ گئی کہ یک بیک دماغ ہی الٹ گیا بیچاری کا.....'' ایک لڑکی بولی۔

رضیہ حمید کی طرف دیکھ رہی تھی اور اسکے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ لرز رہی تھی۔

''کیوں جناب.....کیا آپ اس کے خیال سے متفق نہیں۔'' اس نے حمید سے کہا۔

''ہاں.....نفسیاتی نکتہ نظر سے۔'' حمید کا جواب تھا۔ لیکن خود اُسے سخت الجھن تھی کہ آخر یک بیک یہ ہوا کیسے۔ وہ لڑکی کون تھی.....اور اس سے کیا کہتی رہی تھی۔

''سخت بدتمیز عورت تھی۔'' رضیہ ہنس کر بولی۔ ''بصیغہ جمع ہی اس کا تذکرہ کرنا مناسب ہوگا یا پھر عورت کے بجائے غورت کہلائی جاسکتی ہے۔''

دفعتاً حمید کو یاد آیا۔ فریدی نے کہا تھا کہ وہ قاسم کو بلوالے گا۔ تو پھر وہ لڑکی.....ہاں.....ایسے ایسے چاند کے ٹکڑے بھی پڑے ہوئے ہیں اس تارک لذات کی جھولی میں۔ ''خدایا میری تقصیر کیا تھی؟''

اگلی گاڑی والوں کو شائد احساس ہوگیا تھا کہ پیچھے نظر آنے والی گاڑی ان کے تعاقب میں آئی ہے۔ لہٰذا اس گاڑی کی رفتار اور تیز ہوگئی۔ فریدی سوچ رہا تھا چلو کہاں تک جاؤ گے۔ خود اس کی گاڑی کی ٹنکی لبریز تھی اور کئی گیلن پٹرول ڈکے میں بھی موجود تھا۔

اس نے ایکسیلریٹر پر مزید دباؤ ڈالا۔ اتنے میں ریڈیو سے آواز آئی۔ ''ہیلو.....کرنل سر.....ہیلو.....ہیلو.....!''

فریدی نے بائیں ہاتھ سے مائیک اٹھا کر کہا۔ ''یس اٹ از.....!''

''اُسے گولی نہیں لگی۔ کہیں کوئی زخم بھی نہیں ہے۔ بے ہوش ہے۔ گاڑی کے باڈی میں متعدد سوراخ ہیں۔ شائد انہوں نے ٹامی گن سے گولیاں برسائی تھیں۔ اب ہمارے لئے کیا حکم ہے۔''

''اسے طبی امداد پہنچانے کی کوشش کرو.....سختی سے نگرانی رہے.....اور مجھ سے بھی رابطہ قائم رکھو۔''

''بہت بہتر جناب۔''

فریدی نے مائیک رکھ دیا۔ اب اس کا بایاں ہاتھ بھی اسٹیئرنگ پر تھا۔

یک بیک اگلی گاڑی ایک کچے راستے پر مڑ گئی۔ فریدی نے اپنی گاڑی کی رفتار کم کرتے ہوئے بائیں ہاتھ سے ڈیش بورڈ کا ایک بٹن دبایا۔ اس کے قریب ہی ایک خانہ ظاہر ہوا۔ فریدی اس میں ہاتھ ڈال کر کچھ تلاش کرنے لگا۔ ساتھ ہی گاڑی بھی کچے راستے پر موڑ دی۔

اگلی گاڑی کی رفتار اب کسی قدر کم ہوگئی۔ دونوں کا درمیانی فاصلہ اب بمشکل تمام پچاس گز رہا ہوگا۔ ڈیش بورڈ کے خانے سے فریدی کا بایاں ہاتھ چار سو دس بور کی ایک چھوٹی سی بندوق سمیت باہر آیا۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ اُسے سیدھی کر پاتا اگلی گاڑی یکلخت بائیں جانب مڑی اور اس کی ایک کھڑکی سے گولیوں کی بوچھاڑ شروع ہوگئی۔ اگر فریدی نے بھی پھرتی سے اپنی گاڑی کا رخ نہ بدل دیا ہوتا تو ونڈ اسکرین کے پرخچے اڑ گئے ہوتے اور پھر اس کا جو حشر ہوتا ظاہر ہے۔

اس کی گاڑی نے رخ بدل کر ایسی پوزیشن اختیار کر لی تھی کہ وہ ایک پل کے لئے محفوظ ہوگیا۔ لیکن اس نے فائر کرنے والے کی بجائے اس کی گاڑی کے ٹائروں پر فائر کئے اور پھرتی

سے نیچے چھلانگ لگادی۔

حملہ آور کی گاڑی کے دونوں ٹائر بیکار ہو گئے تھے۔

اپنی گاڑی کی اوٹ لے کر فریدی نے بغلی ہولسٹر سے اعشاریہ چار پانچ کا ریوالور ..... بندوق گاڑی ہی میں رہ گئی تھی۔

دوسری گاڑی سے فائروں کی بوچھاڑ رک گئی۔

اب فریدی کی گاڑی سے اس کا فاصلہ بمشکل بیس بائیس گز رہا ہوگا۔ دفعتاً اس نے دیکھا کہ دو آدمیوں نے اس گاڑی سے چھلانگ لگائی اور مخالف سمت میں دوڑنے لگے۔

اس کا انجام

فریدی گاڑی کی اوٹ سے نکل کر انکی طرف جھپٹا۔ لیکن وہ ریوالور کی رینج سے باہر تھے۔

''ٹھہر جاؤ..... ٹھہرو..... ورنہ فائر کردوں گا۔'' فریدی نے انہیں آواز دی۔

لیکن وہ بدستور دوڑتے رہے۔ فریدی ملک الموت کی طرح ان کے پیچھے تھا اور پھر جیسے ہی اس کے اندازے کے مطابق وہ ریوالور کی رینج میں آئے ٹریگر پر ٹھہری ہوئی انگلی نے دو جنبش کی۔

وہ دونوں لڑکھڑاتے ہوئے دو چار قدم دوڑے اور پھر ڈھیر ہو گئے۔

فریدی نے ان کے قریب پہنچ کر دیکھا کہ ایک تڑپ رہا ہے اور دوسرا بالکل بے حرکت ہے۔ تڑپنے والے کی ران میں گولی لگی تھی اور دوسرا اوندھا پڑا تھا۔

فریدی جھک کر اُسے سیدھا کرنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ اُس کے دونوں ہاتھ اس کی گردن پر آئے اور دیکھتے ہی دیکھتے گردن پوری طرح ان ہاتھوں کی گرفت میں آ گئی۔

فریدی اپنے ریوالور کو پہلے ہی ہولسٹر میں رکھ چکا تھا۔ بے دھیانی میں توازن برقرار

رکھ سکا۔ جھٹکے کے ساتھ گرے ہوئے آدمی پر آ پڑا۔

گردن پر اس کی گرفت بتدریج مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔ ساتھ ہی یہ کوشش بھی جاری تھی کہ وہ فریدی کو نیچے گرا دے۔

یک بیک فریدی نے اپنا جسم ڈھیلا چھوڑ دیا لیکن گردن کے مسلز کو بدستور اکڑائے رہا۔

اب دونوں ایک دوسرے کے مقابل زمین پر پڑے ہوئے زور آزمائی کر رہے تھے۔ وہ اسے نیچے گرا دینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ خود فریدی ہی نے جسم ڈھیلا چھوڑ کر اس کے لئے موقع فراہم کیا تھا۔

یک بیک اس کے حلق سے کریہہ سی آواز نکلی اور بتدریج فریدی کی گردن پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑتی گئی۔

فریدی کا داہنا ہاتھ اس کی ناک پر تھا۔

فریدی کی گردن چھوڑ کر وہ مچلا اور اٹھ کھڑا ہوا..... ناک سے خون کی دھار بہہ نکلی تھی۔

لیکن وہ پھر جھپٹ پڑا۔ پھر اس بار بھی اس کی ناک ہی پر قیامت ٹوٹی تھی۔

دونوں ہاتھوں سے ناک دبائے ہوئے گرا تو پھر نہ اٹھ سکا۔

ناک کے علاوہ کوئی عضو زخمی نہیں تھا۔ اس کے تو سرے سے گولی لگی ہی نہیں تھی۔ غالباً اس کا اندازہ ہو جانے کے بعد کہ تعاقب کرنے والا تنہا ہے اس نے فریدی سے نپٹ لینے کی سوچی تھی۔

گولی سے زخمی ہونے والا اب بے ہوش ہو چکا تھا۔

''تم دونوں زیر حراست ہو۔'' فریدی نے اپنے شکار کو مخاطب کیا۔ جواب بھی چت پڑا اس طرح پلکیں جھپکا رہا تھا جیسے اس کے چاروں طرف گہرا اندھیرا ہو۔

وہ کچھ نہ بولا۔ دونوں ہاتھ اب بھی ناک ہی پر جمے ہوئے تھے۔



عین دروازے کے سامنے ایک ٹیکسی آ کر رکی اور حمید نے دیکھا کہ قاسم دروازہ کھول کر باہر آ رہا ہے۔

وہ خاموش بیٹھا رہا۔

قاسم مسکین سی صورت بنائے ہوئے دوکان میں داخل ہوا۔ لڑکیاں خاموشی سے اُسے دیکھتی رہیں۔

''میں اب اپنا حساب دینا چاہتی ہوں۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''کیا مطلب.....؟''

''مطلب یہ کہ میں پھر یہیں نوقری قروں غی۔''

''بھاگ جاؤ۔''

''الاقسم.....رحم قرو.....میرے حال پر.....وہ سالی چونا لگا گئی۔''

''کیوں کیا ہوا.....؟'' رضیہ نے حیرت ظاہر کی۔

''ارے.....وہ حرامزادی جو آئی تھی نا.....مسقرا مسقرا کر باتیں کر رہی تھی۔ قہنے لگی میرے ساتھ چلو.....میرے قارخانے میں قام قرو.....میرے ہی ساتھ رہنا بھی۔ میں اپنے فلیٹ میں تنہا رہتی ہوں۔ بس میں نگوڑ ماری چلی گئی۔''

''نگوڑ ماری۔'' اس نے ایسے انداز میں کہا تھا کہ حمید کو ہنسی آ گئی۔

''تو پھر ہوا کیا.....؟'' رضیہ نے پوچھا۔

''پتہ بتایا تھا حرافہ نے لیکن وہ گلت نقلا.....نہ کارخانہ ملا.....اور فلیٹ میں ایک مولبی صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ قہنے لگے یہاں کوئی دردانہ بیگم نہیں رہتی۔ میں نے قہا رہتی ہیں..... بولے اچھی زبردستی ہے۔ پھر آس پاس والوں نے بتایا کہ مولبی صاحب وہاں تنہا رہتے ہیں۔''

''کان نہ کھاؤ.....جاؤ یہاں سے۔'' حمید نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

''پھر رکھ لیجئے منیجر صاحب۔'' قاسم گھگھیا کر بولا۔

''نہیں جاؤ۔''

''اچھا اگر میں مرد ہو جاؤں تو.....کپڑے کاٹنا بھی آتا ہے مجھے.....!''

''مرد ہو جاؤ.....کیا مطلب.....؟'' حمید نے بے انتہا حیرت ظاہر کی۔

''اور آپ کیا سمجھتے ہیں جناب کہ یہ عورت ہے۔'' رضیہ نے حقارت سے کہا۔

''کیا مطلب.....؟'' حمید اس کی طرف مڑا۔

''سچ کہتی ہوں بڑے بھولے ہیں آپ۔ کسی دہقانی دوشیزہ کی طرح.....کاش آپ کے چہرے پر ڈاڑھی نہ ہوتی۔''

''یہ کیا مذاق ہے۔'' حمید جھلا کر کھڑا ہو گیا۔

''خفا ہونے کی بات نہیں۔ میں یہ کہنا چاہتی تھی کہ یہ عورت نہیں ہے اور اب اس نے خود ہی مرد بن جانے کا سوال اٹھایا ہے۔''

''کیوں.....!'' حمید قاسم کی طرف دیکھ کر غرایا۔

قاسم پہلے تو ''ہی ہی ہی'' کرتا رہا پھر شرما کر بولا۔ ''الاقسم میں عورت نہیں ہوں۔ یہاں نوقری کرنے کے لئے.....ہی ہی ہی ہی.....!''

''ہوں.....اچھا.....میں ابھی پولیس کو فون کرتا ہوں۔ تم لوگ دیکھتی رہو بھاگ کر جانے نہ پائے۔''

''ارے.....یعنی.....ارے باپ رے.....اے سنو تو سہی.....الاقسم.....ہو ہو ہو۔''

حمید دوسرے کمرے کی طرف جھپٹا اور قاسم بدحواسی میں دوکان سے اتر کر سڑک کی طرف دوڑنے لگا۔

لڑکیاں ہکا بکا کھڑی تھیں۔ قاسم نے شائد ٹیکسی چھوڑی نہیں تھی۔

پتہ نہیں کس طرح ٹیکسی کا دروازہ کھول کر اس میں ''ٹھنس'' گیا۔ انداز کچھ ایسا ہی تھا کہ اس کے لئے لفظ ''ٹھنسنا'' ہی مناسب ہوگا۔

ٹیکسی تیزی سے آگے بڑھ گئی تھی۔

دوسرے کمرے میں حمید ٹیلی فون کے قریب دم بخود کھڑا تھا۔ اُسے علم تھا کہ قاتل بھاگا ہے۔ مقصد بھی یہی تھا۔

''اب آپ اپنی ڈاڑھی کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔'' پشت سے رضیہ کی آواز آئی جو اتنی بلند نہیں تھی کہ دوسرے کمرے میں بیٹھی ہوئی لڑکیوں تک بھی پہنچ سکتی۔

''کیا مطلب.....؟'' حمید جھلا کر پلٹا۔

''مطلب کا ہوکا لگا ہے آپ کو شائد..... آدھے گھنٹے میں تقریباً ڈیڑھ ہزار بار آپ لفظ مطلب دہرایا ہوگا؟''

''میں اس بے تکلفی کی اجازت نہیں دے سکتا۔''

''ڈاڑھی اگر مصنوعی نہ ہو تب سوال پیدا ہوتا ہے توہین کا..... بہرحال اس وائے نفسیاتی تجزیہ۔''

''نفسیاتی تجزیہ۔'' حمید اوپری ہونٹ بھینچ کر غرایا۔ ''اب میرے نفسیاتی کفن دفن کی کسر باقی رہ گئی ہے۔ چلی جاؤ یہاں سے۔''

''میں اصلی والی عورت ہوں سمجھے جناب۔''

''میں کہتا ہوں مجھے تنہا چھوڑ دو۔''

''ایکٹنگ اچھی کر لیتے ہیں آپ..... اگر میں اتنی دلکش نہ ہوتی تو آپ مجھے ملازمت نہ دیتے۔''

''دلکش.....!'' حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''لاحول ولا قوۃ..... پھٹکار برس رہی چہرے پر۔''

وہ ابھی کچھ اور کہنا چاہتا کہ اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ ریسیور اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے ایک بار پھر اُس نے بُرا سا منہ بنایا۔

دوسری طرف سے فریدی کہہ رہا تھا۔ ''فوراً سول ہسپتال پہنچ جاؤ۔ امر سنگھ نے ایک

لڑکی کو وہاں داخل کرایا ہے۔ اس بات کا خاص خیال رہے کہ اس عورت کو قتل کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ لہٰذا اب اُسے زہر بھی دیا جا سکتا ہے۔''

''اور پھر..... یہاں کا کیا ہوگا.....؟''

''رضیہ کو اپنے بعد ذمہ دار بنا کر چلے جاؤ۔''

''کیا آپ اُس سے مل چکے ہیں۔''

''بکواس مت کرو..... جو کہہ رہا ہوں کرو۔ ویٹس آل.....!''

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر حمید نے بھی ریسیور رکھ دیا۔

''کون ڈانٹ رہا تھا.....!'' رضیہ نے پوچھا۔

''کیا..... مم.....!'' حمید صرف آنکھیں نکال کر رہ گیا۔ لفظ ''مطلب'' زبان سے نہ نکل سکا۔

''کوئی مطلب نہیں ہے..... ذرا آپ کے چہرے پر.....!''

''خاموش رہو۔ میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ میری عدم موجودگی میں یہاں کی ساری ذمہ داری تم پر ہوگی۔''

''زہے نصیب..... جناب نے اس قابل سمجھا۔''

''میں کہتا ہوں زیادہ باتیں مت کیا کرو۔''

''نفسیاتی نکتہ نظر سے۔''

''شٹ اپ.....!''

سول ہسپتال میں اُسے جنرل وارڈ میں رکھا گیا تھا۔ ہوسکتا ہے یہ اسی خیال کے تحت ہوا ہو کہ وہاں محفوظ رہے گی۔

ڈاکٹر نے حمید کو بتایا وہ کئی بار ہوش میں آ کر غافل ہو چکی ہے۔ اس وقت بھی جاگ رہی تھی۔

امر سنگھ وہیں موجود تھا۔

''کیا چکر ہے.....؟'' حمید نے اس سے پوچھا۔

''پتہ نہیں..... میں حسب ہدایت اپنی ڈیوٹی انجام دے رہا تھا کہ کرنل صاحب نے اطلاع دی کہ ایک اسپورٹ کار آگے الٹ گئی ہے اُسے دیکھو.....!''

''کہاں ڈیوٹی انجام دے رہے تھے۔''

''نگرانی.....!''

''کس کی نگرانی.....!''

''کرنل صاحب کی۔''

''کیا..... مم..... مطلب.....!'' حمید کو رضیہ یاد آئی اور زبان لڑکھڑا گئی۔

''آپ نہیں جانتے۔''

''کیا نہیں جانتا۔''

''پچھلے دو ماہ سے کوئی نہ کوئی کرنل صاحب کے آس پاس موجود ہوتا ہے جب بھی وہ نکلتے ہیں۔''

حمید اپنی گدی سہلانے لگا۔ حقیقتاً اُسے اس کا علم نہیں تھا۔

''یہ لڑکی کون ہے؟''

''یہ میں نہیں جانتا۔ البتہ یہ بتا سکتا ہوں کہ عرفان آرٹسٹ سے اس کا کوئی تعلق ضرور ہے۔''

''اُوہ.....!''

''اُسے بلوایا گیا ہے..... اوہ..... وہ آ ہی گیا۔''

راہداری کے سرے پر عرفان دکھائی دیا۔ اس کے ساتھ ایک سادہ لباس والا بھی تھا۔ عرفان نے ہاتھ اٹھا کر حمید کو سلام کیا۔ امر سنگھ نے زخمی لڑکی تک اس کی رہنمائی کی۔

''وہی ہے..... خدا کی قسم وہی ہے۔'' عرفان بے ساختہ بولا۔ لیکن پھر کسی قدر اضمحلال کے ساتھ کہا۔ ''مگر بال..... اس کے بال اخروٹ کی رنگت کے تھے۔''

''ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے۔'' امر سنگھ نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔ ''چلو.....!''

''لیکن مجھے کب تک اس حال میں رہنا ہوگا۔'' عرفان بڑبڑایا۔

''اس کے ہوش میں آنے تک۔'' حمید بولا۔ ''بس اب جاؤ۔''

عرفان سادہ لباس والے کے ساتھ چلا گیا۔ امر سنگھ اور حمید بے ہوش لڑکی کے بستر کے قریب ہی ٹھہرے رہے۔

''اب آپ اسے دیکھئے گا۔'' امر سنگھ مسکرا کر بولا۔ ''میرا کام عرفان سے اس کی شناخت کرا دینے کے بعد ختم ہو گیا۔''

حمید نے لاپرواہی سے سر کو جنبش دی اور امر سنگھ باہر چلا گیا۔

لڑکی کے خدوخال دلکش تھے۔ ہر چند کے بالوں اور بھنوؤں کی سیاہ رنگت خضاب کی مرہون منت تھی لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہمیشہ ہی سے اس کی عادی نہیں رہی ہے۔

حمید نے اخروٹ کی رنگت کے بالوں کا تصور کیا۔ اس سے نہ صرف دلکشی میں اضافہ ہو گیا بلکہ یہ بھی محسوس ہوا کہ بالوں کی اصلی رنگت میں یہ چہرہ کچھ اور کمسن نظر آتا ہوگا۔

بستر کے قریب پڑی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس نے سوچا اگر وہ سچ مچ قاتلہ ہے تو اُسے افسوس ہوگا۔

کچھ دیر بعد اس نے کراہتے ہوئے کروٹ لی اور آنکھیں کھول دیں۔ حمید نے محسوس کیا کہ وہ اس کے چہرے پر نظر تو جمائے ہوئے ہے لیکن شائد واضح طور پر دیکھ نہیں سکتی۔

''کیا تمہیں کچھ چاہئے۔'' حمید نے آگے جھک کر آہستہ سے پوچھا۔

''مورفیا کا انجکشن..... میں اپنی ریڑھ کی ہڈی میں تکلیف محسوس کر رہی ہوں۔'' لڑکی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ زبان اردو ہی تھی اور لہجہ بالکل دیسیوں ہی جیسا تھا۔

حمید نے وارڈ کے سرے پر کھڑی ہوئی نرس کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔

''اوہ.....نہیں.....!'' لڑکی پھر بولی۔''ہرگز نہیں۔ میں انجکشن نہیں لوں گی۔ کسی
دوا نہیں پیوں گی۔''

حمید نے اس کی طرف پرتشویش نظروں سے دیکھتے ہوئے نرس سے کہا۔''ڈا
بلاؤ.....یہ ہوش میں آ گئی ہے۔''

''پولیس کیس.....؟'' نرس نے پوچھا۔

''کیا تم مجھ سے بحث کرو گی۔''

''وہ.....دراصل ڈاکٹر.....!''

''جاؤ.....!''

نرس نے بُرا سا منہ بنایا اور وہاں سے چلی گئی۔

لڑکی آنکھیں پھاڑے حمید کو گھورتی رہی۔

''یہ نرس ابھی کیا کہہ رہی تھی۔'' اس نے حمید سے پوچھا۔''کیسا پولیس کیس.....؟''

''بکواس کر رہی تھی۔ تم اپنے ذہن کو نہ تھکاؤ۔''

''تم کون ہو.....؟''

''ایک ہمدرد.....!''

''میں کہاں تھی.....؟''

''ایک اسپورٹ کار کے نیچے جو الٹ گئی تھی۔''

''ہاں.....مجھے یاد ہے.....اچانک بریک فیل ہو گئے تھے۔''

حمید کو پورے واقعات کا علم نہیں تھا اس لئے وہ خاموش ہی رہا۔ لڑکی کے چہرے پر
تشویش کے آثار تھے۔

اتنے میں ڈاکٹر آ گیا۔

''یہ اپنی ریڑھ کی ہڈی میں تکلیف بتاتی ہیں۔'' حمید نے ڈاکٹر سے کہا۔

''نہیں.....نہیں.....وہ میرا وہم تھا۔'' لڑکی جلدی سے بولی۔''میں بالکل ٹھیک ہوں۔

''لیکن چہرے پر یہ کرب کے آثار.....؟'' حمید نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

''سر میں درد ہے۔''

''میں ابھی ایک ٹیبلٹ اور کیپسول بھجواتا ہوں۔'' ڈاکٹر نے اس کی نبض دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں شکریہ.....میں کچھ کھاؤں پیوں گی نہیں۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''میں دواؤں کی ضرورت نہیں محسوس کرتی۔''

''حفظ ماتقدم کے طور پر.....بعض اوقات اندرونی چوٹیں کئی دن بعد گل کھلاتی ہیں۔''

''جب کچھ ہوگا.....دیکھا جائے گا۔''

''ذہن پر بھی اثر معلوم ہوتا ہے۔'' حمید نے ڈاکٹر سے کہا۔

''ممکن ہے۔!'' ڈاکٹر نے پرتشویش انداز میں سر کو جنبش دی۔

''اوہ.....تو کیا اب تم لوگ میرے ذہنی توازن کے بگڑ جانے کے امکانات پر غور
کر رہے ہو۔ ارے میں صحیح الدماغ ہوں۔''

''بالکل.....بالکل.....!'' حمید سر ہلا کر بولا۔

''خیر میں دیکھوں گا.....!'' ڈاکٹر نے حمید سے کہا اور وارڈ سے چلا گیا۔

نرس پھر وارڈ کے سرے پر جا ٹھہری۔

لڑکی حمید کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے پلکیں جھپکاتی رہی۔

''آخر یہ چکر کیا ہے۔'' حمید نے جھلا کر پوچھا۔

جواب میں فریدی صرف مسکرا کر رہ گیا۔

''کم از کم مجھے اس لڑکی کے بارے میں تو معلوم ہونا ہی چاہئے جو میرے چارج میں گئی ہے۔''

''تمہارے چارج میں جو لڑکی دی گئی ہے وہ ایک لڑکی ہے.....!''

''میں اُسے کریم کیک تو سمجھتا نہیں.....!''

''یہ لڑکی ایک اسپورٹ کار میں سفر کر رہی تھی۔ دوسری گاڑی سے اس پر گولیاں بوچھاڑ ہوئی۔ بچ کر نکل جانے کی کوشش میں کار قابو سے باہر ہوگئی اور کچے میں جا کر الٹ گئی۔''

''لیکن وہ تو کہتی ہے بریک فیل ہوگئے تھے۔ سامنے سے آنے والی کسی گاڑی کو بچانے کے لئے اس نے اسٹیئرنگ بائیں جانب گھما دیا تھا۔''

''حالانکہ سامنے سڑک بالکل سنسان تھی۔''

''اور یہ وہی لڑکی ہے جس کے بارے میں عرفان آرٹسٹ نے بتایا تھا۔''

''مجھے یہی اطلاع ملی ہے کہ عرفان نے اُسے شناخت کرلیا ہے۔''

''تو یہ وہی قاتلہ ہے.....؟''

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر کچھ سوچتے رہنے کے بعد کہا۔ ''تمہیں یقین ہے کہ اس نے تمہاری باتوں پر یقین کرلیا ہے؟''

''یقین نہ کرتی تو میرے ساتھ چلی کیوں آتی۔''

''تم نے اُسے کہاں رکھا ہے؟''

''ایگل بیچ والے ہٹ میں۔''

''اور تم یہاں بیٹھے ہو۔''

''وہ مجھے ڈوج دے کر نہیں جاسکتی۔'' حمید نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

''آخر یہ اطمینان کس بناء پر۔''

''میں ماہر ''لڑکیات'' ہوں۔'' حمید اکڑ کر بولا۔

''اسی لئے ایک ماہر نفسیات تمہیں خودکشی کی طرف لے جانے کا ارادہ رکھتی ہے۔''

''اوہ..... وہ..... خدا کی قسم ایسی لڑکی آج تک میری نظروں سے نہیں گزری تھی۔ کھوپڑی چاٹ گئی۔''

''حالانکہ جناب نے ہی اس کا انتخاب فرمایا تھا۔''

''ان لڑکیوں میں اس سے زیادہ..... مطلب کہ..... کارآمد..... یعنی کہ کارگذار.....!''

''جی میں سمجھ گیا..... مزید وضاحت کی ضرورت نہیں۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

''سوال یہ ہے کہ آپ نے اُس پر اس حد تک اعتماد کیسے کرلیا۔''

''کس حد تک۔''

''یعنی کہ دوکان ہی اُسے سونپ دی۔''

''تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہوگیا۔ بھلا اس دوکان کی اہمیت ہی کیا ہے۔''

''بالکل خراب ہوگیا ہے۔ جب اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے تو..... یہ کھڑاگ..... میرے خدا.....'' کہہ کر اُس نے برآمدے سے جو دوڑ لگائی تو ٹھیک اسی جگہ آ کر رکا جہاں گاڑی کھڑی کی تھی۔

جھپٹ کر گاڑی میں بیٹھا۔ انجن اسٹارٹ کیا۔ گاڑی ریورس گیئر میں ڈالی اور پھاٹک سے نکل کر سڑک پر آ گیا۔

اور پھر گاڑی کا رخ دوسری طرف مڑ ہی رہا تھا کہ فریدی کی آواز آئی۔

''ٹھہرو.....!''

اتنی دیر میں وہ بھی پھاٹک تک پہنچ چکا تھا۔

''اسے اچھی طرح ذہن نشین کرلو.....'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''اس لڑکی پر ٹامی گن سے فائرنگ ہوئی تھی اور میں نے تمہیں اسی خدشے کے تحت سول ہسپتال بھیجا تھا کہ کہیں اسے زہر نہ دے دیا جائے۔''

''میں جانتا ہوں۔'' حمید نے منہ ٹیڑھا کر کے کہا اور اسکی گاڑی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

لیکن یہ مسئلہ ابھی تک ذہن میں صاف نہیں ہوا تھا کہ اگر اس لڑکی کے لئے اتنی ہی

احتیاط کی ضرورت تھی تو وہ اس طرح اس کے حوالے کیوں کر دی گئی تھی۔

جب یہ یقین ہو گیا تھا کہ لڑکی کی حالت مخدوش نہیں ہے تو فریدی نے حمید کو ہدایت دی تھی کہ وہ اُسے اپنے ساتھ کہیں لے جائے لیکن اپنی اصلیت اس پر ظاہر نہ ہونے دے۔ لہٰذا وہ اُسے ایگل بیچ والے ہٹ میں لے گیا تھا اور وہاں سے فریدی کو بذریعہ فون اس کی اطلاع دینا چاہی تھی۔ لیکن وہ ایسا نہ کر سکا۔ فون کی لائن ہی ناکارہ ثابت ہوئی تھی۔

• اس نے سوچا تھا کیوں نہ خود ہی جا کر اطلاع دے آئے۔ بعض مسائل پر فریدی سے الجھنا بھی تو تھا اور اب مزید الجھنیں لے کر دوبارہ ایگل بیچ کی طرف واپس جا رہا تھا۔

درزی خانہ بُری طرح ذہن پر سوار تھا۔ اگر یہ کسی تفتیش ہی کے سلسلے میں قائم کیا گیا تھا تو اصل معاملہ کیا ہوگا

یہی سب کچھ سوچتا اور بور ہوتا ہوا وہ ایگل بیچ تک جا پہنچا۔

ہٹ کے سامنے گاڑی کھڑی کی اور اتر کر برآمدے میں آ رکا۔

صدر دروازہ اندر سے بند تھا۔ کال بیل کا بٹن دبایا۔ گھنٹی کی گونج اندر سنائی دی۔

اس نے پھر گھنٹی بجائی اور ساتھ ہی آواز بھی دی۔ ''ارے میں ہوں۔ ساجد۔''

''کون ساجد.....؟'' اندر سے لڑکی کی آواز.....

''وہی ساجد یعنی کہ وہ ساجد جو تمہیں یہاں لایا تھا۔''

''اوہ.....اچھا.....کیا بات ہے؟''

''ارے تو کیا دروازہ نہیں کھولو گی۔''

''میں تمہاری آواز نہیں پہچانتی۔ دروازہ بند ہونے کی وجہ سے شکل بھی نہیں دیکھ سکتی۔''

''دروازہ کھول کر میری شکل دیکھی جا سکتی ہے۔''

''اگر تم ہو تو واپسی کی کیا ضرورت تھی۔''

''کیا مطلب.....؟''

''مجھ پر احسان جتانے آئے ہو۔''

''نہیں.....اس ہٹ کے مالکانہ حقوق تمہارے نام منتقل کرنے کے لئے آنا ہی پڑا۔''

''مجھے تنہا چھوڑ دو۔ ہٹ کا کرایہ جس شرح سے چاہو مقرر کر سکتے ہو۔''

''بڑے مزے کی باتیں کر رہی ہو تم تو.....!''

''تم کیا چاہتے ہو.....؟''

''ایک ہفتے بعد بتا سکوں گا۔''

''کیوں پریشان کر رہے ہو مجھے۔''

''تمہارے لئے ایک بھیانک اطلاع ہے۔''

''میرے لئے.....؟ کوئی بھیانک اطلاع ہے.....میں نہیں سمجھی۔''

''پولیس کو میری بھی تلاش ہے اور تمہاری بھی۔ تم نے تو بریک فیل ہونے کی کہانی سنا کر جان چھڑائی تھی۔ لیکن میں کیا جواب دوں گا۔''

''پتہ نہیں تم کیا کہہ رہے ہو.....!'' لڑکی نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

حمید کمرے میں داخل ہوا۔ لڑکی نے دروازہ بند کر کے پھر چٹخنی چڑھا دی۔

''بولو.....جلدی بتاؤ.....کیا بات ہے۔''

''پولیس کا خیال ہے کہ تم نے اصل واقعہ نہیں بتایا۔''

''پولیس جھک مارتی ہے۔''

''تمہاری گاڑی کے بریک فیل ہو گئے۔ تم نے سامنے سے آنے والی ایک گاڑی کو بچانے کے لئے اپنی گاڑی سڑک کے نیچے اتار دی۔ تمہاری گاڑی الٹ گئی۔ لیکن الٹ جانے کے بعد بھی اس کا انجن چلتا رہا تھا۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ تم سڑک کے نیچے اترتے ہی انجن کا سوئچ آف کر دیتیں۔''

''ہاں.....ہونا تو یہی چاہئے تھا۔ لیکن میرے ہاتھ پیر پھول گئے تھے۔ اتنی نروس ہو گئی تھی کہ ہینڈ بریک کو بھی نہ آزما سکی۔''

''چلو یہ بھی سہی.....لیکن پولیس کو تو اس پر تشویش ہے کہ گاڑی کا باڈی ٹامی گن کی

گولیوں سے چھلنی ہو کر رہ گیا ہے۔''

لڑکی کے چہرے پر پہلے تو شکست خوردگی کے آثار نظر آئے پھر وہ ہنس پڑی۔

''اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔'' حمید نے حیرت ظاہر کی۔

''پولیس کی غلط فہمی پر ہنسی آ رہی ہے۔ گولیوں کے وہ نشانات کئی ماہ پرانے ہیں۔ میرے بھائی نے اس پر نشانہ بازی کی مشق کی تھی اور وہ گولیاں فورٹی فائیو کیلیبر کے ریوالور کی تھیں۔ ٹامی گن کی نہیں۔ میرا بھائی فوجی ہے۔ اکثر بہت زیادہ پی جانے کے بعد ایسی ہی حرکتیں کرتا ہے۔''

''ہو سکتا ہے..... لیکن کیا تم اس کی وضاحت کرنے کے لئے کوتوالی تک چل سکو گی۔''

''میں کیوں جاؤں۔ میں تو ہرگز نہیں جاؤں گی۔''

''پھر میری گردن پھنسے گی۔ کیونکہ میں نے اپنا بالکل صحیح نام اور پتہ لکھوایا تھا۔''

''تم تو بڑے ذہین آدمی معلوم ہوتے ہو۔ جوابدہی کر لینا۔ ذہانت اور خوبصورتی مشکل سے یکجا ہوتی ہیں۔''

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بڑے دلآویز انداز میں مسکرائی۔

''خدایا..... رحم.....!'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

''کیوں کیا ہوا.....؟''

''کچھ نہیں! قدر دانی کا شکریہ۔ زندگی میں پہلی بار کسی خاتون کی زبانی اپنے لئے ایسے الفاظ سنے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنے کفن دفن کا انتظام خود کروں یا اس کی ذمہ داری محلے والوں پر ڈال دوں۔''

''سچ کہتی ہوں..... مذاق نہیں..... بڑے پیارے لگتے ہو۔''

''محترمہ میں اتنا زبردست اُلو نہیں جتنا صورت سے معلوم ہوتا ہوں۔''

''تو اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے۔''

''پولیس کو کئی دن سے ایک ایسی لڑکی کی بھی تلاش ہے جس کے بال اخروٹ کی رنگت کے ہیں۔ ٹھوڑی پر سرخ رنگ کا ایک اُبھرا ہوا تل ہے۔''

''تو پھر میں کیا کروں.....!'' لڑکی نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

''کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تمہارے سر کے پچھلے حصے کے تھوڑے سے بالوں کی اصلی رنگت نکل آئی ہے اور تم نے آئینہ کب سے نہیں دیکھا۔ تل پر جو تم نے سیاہی چڑھائی تھی وہ بھی اُتر چکی ہے۔''

''نہیں.....!'' لڑکی ٹھوڑی پر ہاتھ رکھ کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

''اور..... ذرا اس لٹ کو بھی ملاحظہ کرو۔'' حمید نے اس کے سر کے پچھلے حصے کی لٹ آگے کی طرف کھسکاتے ہوئے کہا۔ ''اخروٹ کی رنگت۔''

''یہ..... یہ..... اررر..... تمہیں بھی..... غلط فہمی ہوئی ہے..... اور پپ..... پولیس کو بھی۔'' اس نے ہانپتے ہوئے کہا اور ایک اسٹول پر بیٹھ گئی۔

''کئی دن ہوئے میں نے اخبار میں کسی آرٹسٹ کی کہانی بھی دیکھی تھی اور اس کہانی کی ہیروئن کا حلیہ تیسرے دن کے اخبارات میں شائع ہوا تھا۔''

''میں نے کوئی کہانی نہیں پڑھی۔''

''بہرحال تم مجھے بتاؤ کہ پھر تم کیا بلا ہو..... ظاہر ہے کہ آسمان سے تو ٹپکی نہ ہو گی۔ نہ زمین پھاڑ کر برآمد ہوئی ہو گی۔ بتاؤ کچھ اپنا اتا پتا۔''

''مم..... میرا نام سارہ رحمان ہے۔ نصیر آباد میں ایک انڈسٹریل ہوم چلاتی ہوں۔''

''انڈسٹریل ہوم.....!'' حمید اچھل پڑا۔

''ہاں..... سلائی وغیرہ کا کام سکھایا جاتا ہے اور تجارتی پیمانے پر بھی سلائی ہوتی ہے۔''

''یعنی کہ..... یعنی کہ..... درزی خانہ۔''

''ہاں..... درزی خانہ..... لیکن میں دیکھ رہی ہوں کہ درزی خانہ کے نام پر تم کچھ نروس سے ہو گئے ہو۔''

''نن..... نہیں تو..... میں تو خاندانی درزی ہوں۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اپنے یہاں بھی کچھ اسی قسم کا کام ہوتا ہے۔گارمنٹ فیکٹری۔''

''تھانوں کا کام ہے یا کٹ پیس کا.....!''

''ہم صرف ملٹری کے ٹھیکے لیتے ہیں۔'' حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔

پھر وہ خاموش ہوگئے۔

سارہ رحمان سر جھکائے کچھ سوچ رہی تھی اور حمید اُسے ایک ٹک دیکھے جا رہا تھا۔

دفعتاً اس نے کہا۔''یہ سارہ رحمان کیسا نام ہے۔''

''میرے ماں انگریز تھی.....اور باپ دیسی.....میں یوریشین ہوں۔''

''تب تو تمہیں حق حاصل ہے جب چاہو انگریز بن جاؤ اور جب چاہو اس حد تک دیسی بن جاؤ کہ بال بھی رنگ ڈالنا پڑیں۔''

''میں ایسی تبدیلیوں کی شائق ہوں۔''

''عرفان آرٹسٹ والی کہانی کے بارے میں کیا کہتی ہو۔''

''میں نہیں جانتی کہ وہ کیا بلا ہے۔''

''لیکن حلیہ.....جو پولیس کی طرف سے جاری کیا گیا ہے؟''

''تصویر تو نہیں شائع ہوئی کہ تم اتنے وثوق کے ساتھ کہہ رہے ہو۔''

''مگر یہ سرخ رنگ کا تل اور اخروٹ کی رنگت کے بال.....!''

''اس کی کوئی اہمیت نہیں۔''

''چلو بال تم نے خضاب سے رنگ لئے.....لیکن میں نے آج تک نہیں سنا کہ کسی خاتون نے اپنے تلوں کی رنگت میں تبدیلی کرنے کی کوشش کی ہو۔''

''لحظہ بہ لحظہ تبدیلیاں مجھے زیادہ خوش رکھتی ہیں۔''

''بس تو اب اپنے کان اکھاڑ کر ناک کی جگہ چپکاؤ اور ناک مجھے دے دو۔ میں اُسے خشک کر کے کسی شاعر کے مقبرے پر رکھ آؤں گا۔''

''اگر تم نے میری کسی طرح مدد کی ہے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میرا مضحکہ بھی اڑاؤ۔''

''میں بتاؤں.....میری ایک تجویز ہے.....میں بھی مطمئن ہو جاؤں گا اور تم بھی اپنی پوزیشن صاف کر سکو گی۔''

''میں اس کی ضرورت نہیں سمجھتی۔''

''لیکن میری پوزیشن.....!''

''تمہارے لئے اس میں کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔''

''میں بتا چکا ہوں کہ ہسپتال میں میرا نام اور پتہ بھی لکھ لیا گیا تھا۔ جب تمہاری الٹی ہوئی گاڑی میں گولیوں کے بنائے ہوئے سوراخ دیکھے گئے تو پولیس میری تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ میں تمہیں اپنی شہری قیام گاہ میں نہیں لے گیا تھا۔اس ہٹ کے وجود کا علم کسی کو بھی اس طرح نہیں کہ یہ میرے نام سے منسوب کیا جا سکے۔''

حمید نے محسوس کیا کہ اُس کے چہرے پر پائے جانے والے بے اطمینانی کے آثار اچانک مٹ گئے ہیں اور ان کی جگہ بشاشت نے لے لی ہے۔لیکن اس سلسلے میں اس نے جو کچھ کہا اس کا مفہوم یہی ہو سکتا ہے کہ وہ بات اس کے لئے کسی خاص اہمیت کی حامل نہیں۔

حمید اُسے بغور دیکھتا رہا۔ دفعتاً دونوں کی نظریں ملیں اور وہ ہنس پڑی۔

''بہت مسرور نظر آ رہی ہو۔''

''اب میں کچھ دن اسی ہٹ میں گذاروں گی۔''

''شوق سے.....لیکن مجھے شہر چھوڑ کر کہیں اور چلا جانا پڑے گا۔''

''کیوں.....؟''

''ارے تو کیا پولیس سے اپنی جان نچواؤں گا۔''

''تم بھی یہیں رہو.....شہر کی طرف جاؤ ہی مت۔''

''لاپتہ ہو جاؤں۔'' حمید آنکھیں نکال کر بولا۔''اور میرے بھائی بند مجھے مردہ سمجھ کر میرے کاروبار پر قبضہ کر لیں۔''

وہ اس پر کچھ کہنے کی بجائے گنگنانے لگی۔

''آؤ ٹوئیسٹ کریں۔''

ٹھیک اُسی وقت اندر کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک طویل قامت نوجوان اس کمرے میں داخل ہوا۔

جیسے ہی سارہ کی نظر اُس پر پڑی بوکھلا کر اسٹول سے اٹھ گئی۔

''تت.....تم.....!''

حمید کا ہاتھ بے اختیار جیب کی طرف گیا تھا اور دوسرے ہی لمحے میں اس کا ریوالور اجنبی کے سینے کا نشانہ لے رہا تھا۔

اجنبی جہاں تھا وہیں ٹھٹک گیا۔

''اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔'' حمید غرایا۔

اجنبی نے جس کے چہرے پر ذہنی پراگندگی ظاہر ہو رہی تھی چپ چاپ ہاتھ اٹھا دیئے اور مڑ مڑ کر اس دروازے کی طرف دیکھتا رہا جس سے داخل ہوا تھا۔

''تم نے بغیر اجازت اندر آنے کی جرأت کیسے کی۔'' حمید نے اس سے پوچھا۔

لیکن وہ صرف اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

''کیا پچھلا دروازہ تم نے کھولا تھا۔'' حمید نے سارہ سے پوچھا۔

''نہیں.....نہیں تو.....!''

''کیا تم نے قفل توڑا ہے۔'' وہ پھر اجنبی کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''یہ کون ہے.....؟'' حمید نے سارہ کو مخاطب کیا۔

''مم.....میں.....!''

''نہیں.....تم اس سے انکار نہیں کر سکو گی۔ ابھی کچھ ہی دیر پہلے اس کی آمد پر تمہاری زبان سے ایسے الفاظ نکلے تھے جن میں حیرت بھی تھی اور شناسائی کا اعتراف بھی۔''

''یہ ایک فراڈ لڑکی ہے جناب۔'' اجنبی نے کہا۔ اس وقت یہ فراک اور شلوار میں

رہی ہے بڑی اچھی اردو بول رہی ہے۔ لیکن پچھلے ہفتے اس نے مجھے بتایا تھا کہ یہ ایک امریکن ورسٹ ہے۔ بال اس نے رنگ ڈالے ہیں ورنہ یہ اخروٹی رنگ کے تھے۔''

''یہ جھوٹ ہے۔''

''اور اس نے مجھے ایک طوفانی رات میں ایک خاص مہم پر بھیجا تھا۔ ایک ویران مکان میں.....گھنے جنگل کے درمیان.....اس کے لئے۔''

اجنبی نے جیب سے ایک چرمی پرس نکالتے ہوئے کہا۔ جس کی ایک طرف کی سطح سنہری تھی۔ سارہ بے ساختہ اس پر جھپٹ پڑی۔ پرس چھین لیا اور اُسے اپنے جمپر کے گریبان میں ٹھونستی ہوئی پیچھے ہٹ آئی۔

دفعتاً حمید کو پھر اُسی دروازے کی طرف متوجہ ہو جانا پڑا جس سے اجنبی آیا تھا۔

عرفان آرٹسٹ.....یہ عرفان آرٹسٹ تھا۔

حمید سارہ کی طرف مڑا جس کا چہرہ بے حد زرد ہو چکا تھا۔

''یہی ہے.....وہ قاتلہ.....!'' عرفان ہاتھ اٹھا کر چیخا۔

پھر وہ بیرونی دروازے کی طرف جھپٹی ہی تھی کہ حمید نے چھلانگ لگائی اور دونوں کے درمیان حائل ہو گیا۔

''بھاگو.....!'' اُس نے تیز قسم کی سرگوشی کی۔ ''اُن کے پیچھے پولیس بھی ہوگی۔''

''پیچھے ہٹو.....!'' حمید نے اُسے دھکا دیتے ہوئے کہا۔

''کیا کر رہے ہو تم۔'' وہ دانت پیس کر بولی۔ ''تم بھی پھنسو گے۔''

''پھنس جانا میری ہابی ہے.....اور پھر جب.....!'' حمید بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔

''یہ مذاق نہیں ہے۔'' وہ بپھر گئی اور پھر دروازے کی طرف جھپٹی۔ حمید نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور وہ وحشیانہ انداز میں ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے اوپر گرنے لگی۔ لیکن کلائیوں پر حمید کی گرفت مضبوط تھی۔

''میں ایک پولیس آفیسر ہوں احمق۔'' حمید نے اسے پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا۔

''پپ..... پولیس.....!''

اس کے ہاتھ یکلخت ڈھیلے پڑ گئے اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ توازن کی حس کھو ہو۔ کمر میں ہاتھ دے کر سنبھال نہ لیتا تو یقینی طور پر اُس کے ساتھ ہی خود بھی گرا ہوتا۔

سارہ کی آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔

حمید نے عرفان سے کہا۔ ''وہ اسٹریچر بچھا دو۔''

اُسے اسٹریچر پر لٹا دیا گیا۔ بے ہوش ہوگئی تھی۔

دانت اتنی سختی سے ایک دوسرے پر جمے تھے کہ جبڑوں کی وریدیں اُبھر آئی تھیں۔

ہٹ کے باہر تھوڑے فاصلے پر محکمہ سراغ رسانی کے بہترین نشانہ باز موجود تھے۔

اس طرح پھیلایا گیا تھا کہ مشکل ہی سے ان کے بارے میں کسی کو کسی قسم کا شبہ ہو سکتا۔

اور فریدی ہٹ کے عقبی دروازے میں کھڑا دور دور تک کا جائزہ لے رہا تھا۔ دوربین لٹک رہی تھی۔ کبھی کبھی وہ دوربین آنکھوں کی قریب لاتے ہوئے اس کا رخ طرف پھیر دیتا۔

کچھ دیر بعد پشت پر قدموں کی چاپ سن کر مڑا۔

''اوہ..... طارق..... کیا بات ہے؟''

''وہ بے ہوش ہوگئی ہے جناب۔'' لمبے آدمی نے جواب دیا۔

''میرے اسسٹنٹ نے کیا برتاؤ کیا تمہارے ساتھ.....؟''

''ارے صاحب انہوں نے تو ریوالور نکال لیا تھا۔''

''ہوں تو..... وہ بے ہوش ہوگئی۔ پرس کہاں ہے۔''

''اس نے دیکھتے ہی جھپٹ لیا تھا۔ اس وقت اسکے جمپر کے گریبان میں موجود ہے۔''

''ٹھیک ہے..... اب تم جا سکتے ہو۔''

''جب بھی کوئی ضرورت ہو آپ اسی فون نمبر پر یاد فرما سکتے ہیں۔''

''شکریہ۔'' فریدی نے کہا اور طارق باہر چلا گیا۔

فریدی نے ہاتھ اٹھا کر اپنے ماتحتوں کو کسی قسم کا اشارہ کیا اور پیچھے ہٹ کر دروازہ مقفل کرتے ہوئے اس طرح ساکت و سامت ہوگیا جیسے اچانک کوئی خاص بات یاد آئی ہو۔

سیدھا ہو کر چند لمحے قفل کے سوراخ کو گھورتا رہا پھر اندر جانے کے لئے مڑا۔

حمید سارہ کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مار رہا تھا اور عرفان اسٹریچر کے قریب کچھ ایسے انداز میں کھڑا تھا جیسے خود اُس سے کوئی بہت بڑی خطا سرزد ہوئی ہو۔

''وہ کھڑکی کھول دو.....!'' فریدی نے بائیں جانب والی کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

حمید سے پہلے عرفان کھڑکی کی طرف جھپٹا تھا۔

''ابھی کچھ دیر پہلے کسی قدر ہوش کے آثار نظر آئے تھے۔ لیکن اب پھر غافل ہوگئی ہے۔''

''جی.....!'' فریدی سارہ کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے بولا۔ لہجہ طنزیہ تھا۔ حمید چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''بے ہوشی خطرناک صورت اختیار کر چکی ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''ذرا قینچی تو لاؤ۔''

''قینچی.....!'' حمید نے حیرت سے کہا۔

''ہاں سر کے سارے بال اتارنے پڑیں گے۔ ورنہ خدشہ ہے کہ کہیں یہ بے ہوشی پاگل پن کی شکل میں نہ ختم ہو۔''

''اچھا..... اچھا.....!'' حمید نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا۔ تیز قدموں سے چلتا ہوا دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

سارہ کے جسم کو جنبش ہوئی پھر ہلکی سی کراہ نکلی۔ آہستہ آہستہ آنکھیں کھلیں اور بالآخر پھیل کر رہ گئیں۔

چت پڑی چھت کو تاکے جا رہی تھی۔ پھر دیدوں نے دائیں بائیں جنبش کی اور وہ جھٹکے کے ساتھ اُٹھ بیٹھی۔ فریدی سامنے کھڑا تھا۔ اس سے نظریں ملیں اور سارہ کا جسم اس طرح ہل کر رہ گیا جیسے الیکٹرک شاک لگا ہو۔

اب وہ بغلیں جھانک رہی تھی۔ اتنے میں حمید قینچی لئے ہوئے واپس آیا۔

''اوہ..... گڈ.....!'' وہ چٹکی بجا کر بولا۔ ''لیکن اطمینان کر لیجئے..... کہیں بیہوشی پن ہی پر ختم نہ ہوئی ہو۔''

''نہیں..... میں بالکل صحیح الدماغ ہوں۔'' اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

''یقین نہ کیجئے گا..... ہر پاگل یہی کہتا ہے۔'' حمید بول پڑا۔

فریدی اس کی طرف توجہ دیئے بغیر سارہ کے چہرے پر نظر جمائے رہا۔ فضا پر بوجھل خاموشی طاری تھی۔ عرفان بھی ایک ٹک سارہ کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

دفعتاً سارہ بولی۔ ''میں..... میں نے اپنی جان بچانے کے لئے اُسے قتل کر دیا تھا۔''

''کسے قتل کر دیا تھا۔'' فریدی نے بے حد نرم لہجے میں پوچھا۔

''نصیر آباد کے مشہور بدمعاش رزم خان کو.....!''

''اوہ..... لیکن کہاں قتل کیا تھا.....؟''

''اس شریف آدمی کے مکان میں جو نئی سڑک کے کنارے جنگل کے درمیان واقع ہے۔''

''تو ان کا بیان صحیح تھا.....؟''

''ہاں..... بالکل.....!''

''لیکن ہمیں تو وہاں کوئی لاش نہیں ملی۔''

''لاش کے بارے میں بھی یہی بتا سکیں گے۔ وہ سو رہا تھا۔ کوٹ اتار کر کرسی پر ڈال دیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ کوٹ کی جیب میں ریوالور ضرور ہوگا۔ میں نے ریوالور نکال کر دل کی جگہ سینے پر رکھا اور ٹریگر دبا دیا۔ یہ بھی میری خوش قسمتی تھی کہ ریوالور میں سائیلنسر لگا ہوا تھا اس لئے فائر کی آواز نہیں ہوئی تھی ورنہ میں اتنی آسانی سے فرار نہ ہو سکتی۔''

''لیکن وہ تمہیں کیوں مار ڈالنا چاہتا تھا۔''

''بتا بھی دوں تو اس سے کیا فائدہ.....؟''

''تم ایک ذمہ دار آفیسر کو بیان دے رہی ہو۔'' حمید ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

''آفیسر..... ہونہہ.....!'' وہ بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

''ہونہہ کا کیا مطلب.....!'' حمید گرجا۔

''میں موت کے منہ سے بہت قریب ہوں۔'' سارہ نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''اس لئے سنو۔ تم سب ناکارہ اور غیر ذمہ دار ہو۔ تمہاری آنکھوں کے سامنے بڑی سے بڑی غیر قانونی حرکتیں ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن تمہارے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ یا تم مجرموں سے خائف ہوتے ہو یا لمبی رشوتیں لے کر چشم پوشی کرتے ہو یا اس لئے پہلو تہی کرتے ہو کہ تم سے بھی بڑے کسی آفیسر کی سفارش تمہارے ہاتھ روک دے گی۔''

''یہ تو تم سچ کہہ رہی ہو۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔

سارا اور زیادہ جوش و خروش کا مظاہرہ کرنے لگی۔

''گولڈن ایرو تنظیم کے لئے تم نے کیا کیا..... مجھے بتاؤ کیا وہ تنظیم پوری قوم کو تباہی کی طرف نہیں لے جا رہی۔ ملک کا کون سا ایسا شہر ہے جہاں اس کا کاروبار نہ چل رہا ہو۔''

''گولڈن ایرو..... مگر وہ تو محض کہانی ہے۔'' فریدی نے کسی قدر حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

''اخاہ..... تو عوام کی طرح پولیس بھی اس کے بارے میں یہی نظریہ رکھتی ہے۔''

''ہاں آں..... عام طور پر یہی خیال پایا جاتا ہے کہ ملک کے کسی شہر میں چند آدمیوں نے اسی نام سے یہ کاروبار چلایا تھا۔ وہ پکڑے گئے۔ دوسروں کو موقع ہاتھ آیا انہوں نے بھی یہی نام اختیار کر کے اسی قسم کے کاروبار چلائے۔ پھر یہ وبا تیزی سے پورے ملک میں پھیل گئی۔ انفرادی کاروبار کرنے والوں نے بھی اسی نام کی آڑ لی۔ پکڑے گئے تو گولڈن ایرو تنظیم کا نام لے دیا.....؟''

''افسوس کہ آپ لوگ ایک بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔''

''خوب.....!'' فریدی مسکرایا۔ لہجہ ایسا ہی تھا جیسے اس طفلانہ خیال کی تضحیک کرنا مقصود ہو۔

سارہ اور زیادہ تیز ہو کر بولی۔ ''میں خود اسی تنظیم کی ماری ہوئی ہوں۔ میں جو اسی تنظیم کی ایک رکن بھی ہوں۔''

''ہوں.....ہوں.....ہوگا.....؟'' فریدی نے اکتاہٹ کا اظہار کیا۔

''تنظیم کے سربراہ کو شبہ ہو گیا ہے کہ میں اس سے واقف ہوں۔ اس لئے وہ مجھے کوئی علم نہیں کرا دینا چاہتا ہے۔ رزم خان اور اس کے تین گرگے میرے پیچھے تھے۔ رزم خان کو تو میں نے ہی موت کی نیند سلا دیا اور گرگوں کے بارے میں نہیں جانتی کہ ان کا کیا حشر ہوا۔''

وہ خاموش ہو کر حمید کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''ہاں میری کار کی باڈی گولیوں سے چھلنی ہو گئی..... کسی نے دوسری گاڑی سے مجھ پر فائرنگ کی تھی۔ لہٰذا جب میں جان بچا کر نکل جانا چاہتی تھی الٹ جانے کے بعد گاڑی کا انجن کیسے بند ملتا۔''

''کیا تم بتا سکو گی کہ رزم خان کی لاش کیوں نہ برآمد ہو سکی۔'' فریدی نے پوچھا۔

''میں یہ سب کچھ محکمہ پولیس کو صرف ایک آفیسر کو بتا سکتی ہوں۔ میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔ اُسی سے ملنے کے لئے تارجام جا رہی تھی کہ مجھ پر حملہ ہوا۔''

''ہوں..... کیا نام ہے اس کا۔''

''کرنل فریدی.....!'' سارہ نے جواب دیا۔

''تارجام میں ملنا چاہتی تھیں.....؟'' فریدی نے حیرت سے کہا۔

''میرے ایک شناسا نے کرنل سے میرے لئے وقت لیا تھا اور ملاقات تارجام میں ٹھہرنے تھی۔''

''اور وہی آدمی پھر تمہارے لئے موت کا فرشتہ بن گیا تھا۔''

''اس بے چارے کا کیا قصور..... وہ بھی گولڈن ایرو تنظیم سے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔''

''خیر..... فی الحال وہ حراست میں ہے اور وہ دونوں بھی جنہوں نے تمہاری گاڑی

بگ کی تھی۔''

''اُس بے چارے کو کس بناء پر حراست میں لیا گیا ہے۔''

''اس لئے کہ تم پر گولیاں برسانے والے اُسے کے آدمی تھے۔''

''نہیں.....؟''

''اور وہ تمہیں مجھ سے ملانے کے لئے تارجام لے جا رہا تھا۔ حالانکہ مجھے اس اپائنمنٹ کا

''آپ سے.....!'' وہ بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔

''تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتی تھیں۔''

وہ آنکھیں پھاڑے خلاء میں گھورتی رہی پھر یک بیک دوبارہ اسٹریچر پر جا گری۔

اب وہ کسی ننھی بچی کی طرح بلک بلک کر رو رہی تھی۔

حمید بے بسی سے ہاتھ ملتا ہوا فریدی سے بولا۔ ''اب.....نف.....فرمایئے۔''

فریدی نے اشارے سے اُسے خاموش رہنے کو کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

''اب آپ جا سکتے ہیں۔'' اس نے عرفان آرٹسٹ سے کچھ دیر بعد کہا۔

''میں بے حد شکر گذار ہوں جناب۔ حوالات میں مجھے کسی قسم کی بھی تکلیف نہیں ہوئی۔ ویسے جب بھی آپ یاد فرمائیں گے حاضر ہو جاؤں گا۔''

''شکریہ۔'' فریدی نے کہتے ہوئے اس کے لئے دروازہ کھولا اور ایک طرف ہٹ گیا۔

عرفان دروازے سے نکل کر بائیں جانب مڑا۔ پھر فریدی دروازہ بند ہی کر رہا تھا کہ کوئی سنسناتی ہوئی دروازے سے گذر کر کمرے میں داخل ہوئی۔ ساتھ ہی ایک تیز قسم کی چیخ سے کمرے کی دیواریں جھنجھنا اٹھیں۔

یہ بے ہوش سارہ کی چیخ تھی اور ایک تیر اس کے پہلو میں پیوست تھا۔

سامنے والے ہٹ کی کھڑکی زوردار آواز کے ساتھ بند ہوئی۔

دوسرے ہی لمحے میں فریدی باہر تھا۔ پے در پے دو فائر اس نے کھڑکی پر کئے تھے۔

اس کے وہ ماتحت جو مختلف مقامات پر پھیلے ہوئے تھے اسے اس عالم میں دیکھ پڑے۔ ہٹ کو گھیرے میں لے لیا گیا۔

کھڑکی کے شیشوں میں دو سوراخ تھے اور دوسری طرف کمرے میں ایک لاش پڑی تھی۔ فریدی کی ایک گولی نے اس کی پیشانی میں سوراخ کیا تھا اور دوسری سینے پر بیٹھی قریب ہی ایک کمان پڑی نظر آئی۔ کھڑکی کے نیچے والی چھوٹی میز پر دو تیر رکھے ہوئے تھے

کچھ دیر بعد وہ پھر اپنے ہٹ میں واپس آیا۔ یہاں سارہ دم توڑ چکی تھی۔

حمید برآمدے ہی میں کھڑا ملا۔

''یہ کیا ہوا.....؟'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''ساری احتیاطی تدابیر خاک میں مل گئیں۔'' فریدی نے کہا۔ ''اس وقت اس کی آواز زخمی شیر کی غراہٹ سے مشابہ تھی۔''

''کیا وہ نکل گیا.....؟''

''ہاں..... بالکل اسی طرح ہاتھ سے نکل گیا کہ اب میرے کسی سوال کا جواب نہ دے سکے گا۔''

''مر گیا.....؟''

''دونوں گولیاں کارگر ہوئی تھیں۔ اوہ.....وہ پرس.....!''

''میرے پاس ہے۔'' حمید نے کوٹ کی جیب پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''میں اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا لیکن جس انداز سے وہ اس پر جھپٹی تھی مجھے اس کی اہمیت کا احساس دلانے کے لئے کافی تھا۔''

''اس نے اسی پرس کیلئے طارق کو وہاں بھیجنے کا خطرہ مول لیا تھا۔ تمہیں یاد ہوگا کہ مکان کی پشت پر بھی گیا تھا اور اس دیوار کا جائزہ لے رہا تھا جس پر چڑھ کر وہ صحن میں کودی تھی۔''

''مجھے یاد ہے۔ محض اس لئے یاد ہے کہ آپ نے میرے ساتھ ایک زیادتی کی تھی۔ ٹارچ کی روشنی اس طرح میرے چہرے پر ڈالی تھی کہ میں جھنجھلا اٹھا تھا۔''

''اور اسی وقت میں نے وہ پرس زمین سے اٹھا کر اپنی جیب میں ڈال لیا تھا۔ پھر تم لوگوں کی روانگی کے بعد جب پرس کا جائزہ لیا تو مجھے وہاں رکنا ہی پڑا۔ پرس کی سادہ سطح پر ایک نشان موجود ہے اور یہی نشان میری دلچسپی کا باعث بنا تھا۔''

حمید نے پرس کو جیب سے نکالا۔ اس کی ایک طرف کی سطح سنہری تھی اور دوسری طرف کی سطح سادہ۔ لیکن اس طرف تیر اور کمان کا نشان تھا اور تیر کا پھل نوکیلا ہونے کی بجائے گول تھا۔

''گولڈن ایرو تنظیم سے تعلق رکھنے والے یہی نشان استعمال کرتے ہیں۔ لیکن خیر۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ پرس میں کوئی ایسی بڑی رقم موجود نہیں تھی جس کے لئے وہ اس قسم کا خطرہ مول لیتی۔''

''لیکن یہ گولڈن ایرو کا نشان۔''

''تم جانتے ہو کہ یہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ عوام تک جانتے ہیں کہ وہ نشان گولڈن ایرو تنظیم سے تعلق رکھتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتی تھی اور تنظیم سے تعلق رکھنے والے اس کی زندگی کے گاہک کیوں بن گئے تھے۔ لاؤ یہ پرس مجھے دے دو۔''

فریدی نے اُسے الٹ پلٹ کر دیکھا اور جیب میں ڈال لیا۔

''اب کیا کیجئے گا۔''

''ہمارے محکمے کے سارے ذمہ دار آفیسروں کا یہی خیال ہے کہ گولڈن ایرو ایک ایسا خیالی ہوا ہے جو مجرموں کا پشت پناہ بن جاتا ہے۔ حقیقتاً اس کا کوئی وجود نہیں۔ یہ کوئی منظم گروہ نہیں بلکہ مختلف لوگ اسی نام کی آڑ لے کر اپنا کاروبار چلا رہے ہیں۔ میں اُن آفیسروں سے کبھی متفق نہیں رہا۔ عرصہ سے اس تنظیم کے سربراہ کو منظر عام پر کھینچ لانے کی سعی کرتا رہا ہوں۔''

''اوہ.....تو کیا.....گروہ کے وہ لوگ جو پکڑے جاتے ہیں اس کی نشاندہی نہیں کر سکتے۔''

''انہوں نے اس کی شکل نہیں دیکھی کیونکہ وہ سرتا پا سیاہ پوش ہوتا ہے اور چہرہ نقاب میں چھپا ہوتا ہے۔ احکامات فون پر ملتے ہیں اور وہ آدمی بھی اُس کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا

جس نے لڑکی کو مجھ سے ملانے کا فریب دے کر تارجام کا سفر کرنے کی ہدایت دی تھی۔"

"وہ غریب اسے اپنا ہمدرد سمجھتی رہی تھی۔"

"ہوں.....اُوں.....!" فریدی کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

اُس کے ماتحت لاشوں کو وہاں سے ہٹانے کے لئے انتظامات کرتے رہے۔

کچھ دیر بعد فریدی بولا۔ "اب ہمیں نصیر آباد جانا پڑے گا۔ رزم خان اور اس لڑکی کے بارے میں وہیں سے معلومات حاصل ہوسکیں گی۔ رزم خان کی لاش عرفان کے گھر سے ہٹا کر غائب کردی گئی تھی۔ ممکن ہے رزم خان سرگروہ سے واقف رہا ہو۔ بڑے دل گردے کا آدمی تھا۔"

"کیا میں خود کو درزی خانے سے سبکدوش تصور کروں۔"

"ہرگز نہیں۔ کیونکہ وہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ثابت ہوا ہے۔"

"اوہ.....ٹھیک یاد آیا۔ لڑکی نصیر آباد میں ایک انڈسٹریل ہوم چلا رہی تھی۔ کاروباری حیثیت سے اس میں درزی خانہ شامل تھا۔"

"یہ اطلاع اس سلسلے میں سودمند بھی ہوسکتی ہے۔" فریدی نے پرتفکر لہجے میں کہا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 97

قاتل کا ہاتھ

(دوسرا حصہ)

پیش رس

''قاتل کا ہاتھ'' حاضر ہے۔ کسی قدر تاخیر ہوئی۔ اُمید ہے کہ آپ کچھ خیال نہ فرمائیں گے، ویسے بھی توقع ہے کہ آپ نے خود ہی خیال نہ فرمایا ہوگا کیونکہ آپ میں سے زیادہ افراد ''امتحانات'' کے چکر میں رہے ہوں گے لہٰذا تفریحی کتب کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی گناہ سمجھا ہوگا۔ ہونا بھی یہی چاہئے۔ تفریحی کتب اسی لئے ہوتی ہیں کہ ان سے صرف ذہنی تھکن دور کرلی جائے۔ انہیں اوڑھنا اور بچھونا بنالینا کسی طرح بھی درست نہیں۔ یہ بات پہلے بھی کئی بار آپ کو سمجھانے کی کوشش کرچکا ہوں۔ توقع ہے کہ آپ نے بھی اس پر عمل کرنے کی کوشش کی ہوگی۔

ادھر پیشرس میں ''تبصرے'' کے شوق میں پڑھنے والوں نے عجیب قسم کے خطوط کی بھرمار کر رکھی ہے۔ یہ اتنے عجیب ہیں کہ اگر فرداً فرداً تبصرہ کرنے بیٹھوں تو ایک ضخیم کتاب الگ سے تیار ہوجائے۔

ان میں سے بہتیرے حضرات نے میری ''ذاتیات'' سے متعلق بھی بے تکے قسم کے سوالات کئے ہیں، میں کہتا ہوں کہ آخر اس سے پڑھنے والوں کو کیا سروکار کہ مجھے کریلے پسند ہیں یا

نہیں یا صرف نیم چڑھے کریلے پسند آتے ہیں۔ ''میٹھا میٹھا ہپ اور کڑوا تھو'' کی عادت میں تو مبتلا نہیں۔ میرے کتنے بچے ہیں؟ دوسری شادی کی ضرورت پیش آئی تو پہلی بیوی تحریری اجازت نامہ دینے سے انکار تو نہیں کرے گی۔ اگر انکار کرے تو آپ کیا کریں گے؟ کونسی پیتے ہیں؟ نہیں پیتے تو وجہ لکھئے۔ کتابوں کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ آپ عشق و محبت کے قائل نہیں؟ آخر ایسا کیوں ہے؟ کیا کبھی کوئی گہری چوٹ کھائی تھی؟

''بہت بڑی چوٹ کھائی تھی یارو..... کہ پیدا ہوگیا تھا اور اب آپ جیسوں سے نپٹ رہا ہوں۔''

ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

ایک بار ایک عجیب حرکت اور بھی ہوئی ہے کسی صاحبزادے نے کتابوں کی پشت پر چھپنے والی میری حالیہ تصویر میں بڑی خوبصورت ڈاڑھی اور مونچھوں کا اضافہ کرکے ''برائے فوری توجہ'' مجھے بھجوائی ہے۔ لہٰذا ان کی تشفی کے لئے میں نے اس بار تصویر کا پوز بدل دیا ہے۔ ممکن ہے انہیں یکسانیت گراں گذری ہو۔ ہر معاملے میں مجھ سے نئے پن کے متوقع رہتے ہیں یارلوگ۔

اس ناول میں زیادہ تر پڑھنے والوں کی ایک خواہش پوری کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ سچ پوچھئے تو اسی خواہش کے احترام میں اس کہانی کی داغ بیل ڈالی گئی تھی۔ بہرحال جنہوں نے اس خواہش کا اظہار نہیں کیا تھا وہ بھی کم از کم یہ تو کہہ ہی سکیں گے کہ ایسا ہونا چاہئے تھا۔

ابن صفی

لڑکی اور دھماکہ

دور کی پہاڑیوں پر برف چمک رہی تھی اور غروب ہوتے ہوئے سورج نے ا
ڈھیروں رنگ بکھیر دیا تھا۔ چمکدار نارنجی رنگ جس کی چھوٹ میلوں گہری وادی میں پڑ رہی
موسم سرما کا چل چلاؤ تھا۔ خودرو جھاڑیوں میں رنگا رنگ کلیاں پھوٹنے لگی تھیں اور
سارا دن چھوٹے چھوٹے پرندے منڈلایا کرتے۔

رام گڈھ میں سیاحوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ ہوٹل آباد ہونے لگے تھے
والوں میں اندرون ملک کے لوگوں کی تعداد زیادہ تھی۔ غیر ملکی سیاح خال خال ہی
دیتے۔ ویسے اس وقت تو ان کی بہتات ہوتی ہے جب میدانوں میں گرم ہوائیں چلنے لگتی

بہرحال دور کی پہاڑیوں میں برف چمک رہی تھی اور کیپٹن حمید فزارو کی بالکنی میں
سوچ رہا تھا کہ آخر وہ برف کب پگھلے گی جو خود اس کی کھوپڑی میں جمی ہوئی ہے۔ برف
شاید سمجھ میں آ سکے کہ وہ یہاں کیوں پایا جاتا ہے۔

چند راتیں گذریں وہ اپنی خواب گاہ میں سو رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجنی شروع ہوئی۔

کر پہلے کان دبائے جب اس سے بھی مقصد حاصل نہ ہوا تو تکیہ سر کے نیچے سے اوپر آ گیا لیکن گھنٹی کی آواز کہاں پیچھا چھوڑنے والی تھی۔ بالآخر جھلا کر اٹھ بیٹھا تھا اور ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں اس طرح دھاڑا تھا کہ اس کی دانست میں دوسری طرف والے کے کان کا پردہ خطرے میں پڑ گیا ہوگا۔

لیکن دوسری طرف کی ٹھنڈی سی آواز نے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑا دی۔ آواز فریدی کی تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔ ''فوراً لیبارٹری میں آ جاؤ۔'' بے اختیار حمید کی نظر ٹائم پیس پر پڑی۔ تین بجے تھے۔ وہ دانت پیس کر رہ گیا۔

''کیا پھر سو گئے۔'' دوسری طرف سے پوچھا گیا تھا۔

''نہیں..... اعمال نامہ اٹھائے میدان حشر کی طرف دوڑ لگا رہا ہوں۔''

''دس منٹ کے اندر اندر پہنچو۔'' دوسری طرف سے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا گیا اور پھر جب وہ لیبارٹری میں پہنچا تو..... پہنچ تو گیا تھا کسی نہ کسی طرح..... اونگھتے ہوئے زینے طے کئے تھے لیکن لیبارٹری سے واپسی پر ایک بار پھر آئینہ دیکھا تھا۔ حیرت سے آنکھیں پھاڑی تھیں اور جھلا کر کہا تھا ''معاف کیجئے گا میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔''

فریدی نے پلاسٹک کے ٹکڑے چپکا چپکا کر اس کی شکل اس حد تک تبدیل کر دی تھی کہ اُسے اپنی آنکھوں میں اجنبیت نظر آنے لگی تھی۔

نہ صرف صورت بدلی تھی بلکہ نام تک بدل گیا تھا۔ اب وہ کیپٹن ساجد حمید کی بجائے میجر سعید تھا اور اس کی جیب میں دو گھنٹے بعد والی فلائٹ کا ٹکٹ بھی موجود تھا۔ فریدی نے بتایا تھا کہ رام گڈھ کے ہوٹل فزارو میں اس کے لئے اسی نام پر کمرہ کل سے بک ہے۔ بس اُسے وہاں پہنچ کر اپنی آمد کی اطلاع دینی پڑے گی۔ ظاہر ہے اس نے مقصد معلوم کرنے کی کوشش ضرور کی ہوگی لیکن وہ اب بھی اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔

اسے عافیت اسی پر نظر آئی تھی کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے چپ چاپ اس پر عمل کرے۔ وہ فریدی تھا۔ اُسے گوشت کی کسی دوکان پر بٹھا کر قیمے کی مشین کا ہینڈل گھمانے پر بھی مجبور کر سکتا تھا۔

آخر کچھ دنوں پہلے تک وہ ایک لیڈیز ٹیلرنگ شاپ کی منیجری کرتا ہی رہا تھا۔ اس کا ہاتھ میں کان کو چٹکی میں دبائے آہستہ آہستہ مسلتے رہنے کی عادی تھی۔ لہٰذا یہ حرکت اب بھی جاری ہوئے بغیر کہ اس کا مقصد کیا ہے درزیوں اور درزنوں کے ساتھ سر کھپاتا رہا تھا۔ پھر اچانک ایک دن درزی خانے میں تالا پڑ گیا تھا اور حمید کو پھر یہ نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ اس میں کام کرنے والوں اور والیوں کو زمین ہڑپ کر گئی تھی یا وہ عالم بالا کی طرف پرواز کر گئے تھے۔ ماہر نفسیات شاپ میں وہ دن بھر اس سے الجھتی رہتی تھی۔ اکثر گاہکوں سے بھی لڑ بیٹھتی۔ حمید کو وہ پروقار لڑکی رضیہ اکثر یاد آتی جس سے وہ خار بھی کھاتا تھا اور کسی قدر لگاؤ بھی محسوس کرتا تھا۔ پھر اعورت یاد تھی جس سے اس کا جھگڑا شلوار کی موریوں پر ہوا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ موریوں میں نے کتنا ہی سر مارا تھا کہ اس حماقت کے آغاز و انجام کے بارے میں کچھ معلوم کر سکے لیکن بکرم نہیں رکھا گیا۔ رضیہ بضد تھی کہ عورت غلط کہہ رہی ہے۔

کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ فریدی اس کی بات صاف اڑا جاتا۔ بہر حال درزی خانے سے رام گڑھ کے ہوٹل تک پہنچنے کا وقفہ دو ماہ سے زیادہ نہیں تھا۔ آخر کار دوسری لڑکی فرزانہ نے اس دن سے بکرم کا کام خود سنبھال لیا تھا اور پھر مستقل طور پر وہی اس فرض کو انجام دیتی رہتی تھی اور یہ بھی حقیقت ہی تھی کہ اس کے بعد سے بکرم کے سلسلے میں کوئی شکایت نہیں آئی تھی۔

ابھی فزارو کے سارے کمرے آباد نہیں ہوئے تھے، پھر بھی خاصی چہل پہل تھی۔ فزارو میں قدم رکھتے ہی اُسے اچانک ذہنی جھٹکے سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ اس ذہنی جھٹکے کا سبب لڑکی تھی جسے رضیہ کے نام سے وہ پہلے ہی سے جانتا تھا۔ وہی ٹیلرنگ شاپ والی رضیہ جو دراصل بات یہ تھی کہ اس کی شکل دیکھتے ہی کوئی نفسیاتی بکھیڑا کر بیٹھنے کو جی چاہتا تھا۔ لیکن وہ تو 'نفسیات' پر بور کیا کرتی تھی۔ حمید کو خیال تھا کہ یہاں اس کی اجنبیت اس کے لئے سوہان روح بن جائے گی۔ اس کی طرف متوجہ تک نہیں ہوئی تھی۔

لیکن وہ رضیہ یہاں فزارو کے ڈائننگ ہال میں اور ہی دھج میں نظر آئی تھی۔ جدید تراش خراش کے مغربی لباس میں تھی۔ سرخی پاؤڈر پر بہت زیادہ زور دیا گیا تھا۔ حالانکہ درزی خانے میں جب حمید نے اس کے چہرے پر کبھی پاؤڈر کی ہلکی سی تہہ بھی نہیں دیکھی تھی۔ لپ اسٹک تو سرے سے استعمال ہی نہیں کرتی تھی لیکن اب خدا کی پناہ..... ہونٹ تھے یا خون کبوتر۔ آرائش گیسو کا انداز بھی بدلا ہوا تھا۔ بہر حال حمید اس کو رضیہ باور کر لینے سے ہچکچایا بھی تھا۔

ویٹروں سے وہ انگریزی میں گفتگو کرتی تھی لہجہ ایرانیوں کا سا تھا۔ حمید کو تو خیر وہ یوں بھی نہ پہچان سکتی کیونکہ درزی خانے میں بھی وہ میک اپ ہی میں رہا تھا۔ وہ اسے بار بار آنکھ پھاڑ کر دیکھتا۔ کبھی سوچتا رضیہ ہی ہے کبھی خود کو یقین دلانے کی کوشش کرتا کہ دو افراد میں اس قدر مشابہت بھی ممکن ہے کہ کارخانہ قدرت میں کوئی بات بھی انہونی نہیں۔

لیکن پھر اس کی ایک کمزوری بھی یکلخت مشاہدے میں آئی۔ رضیہ کچھ سوچتے وقت اپنی

ہاں تو اس وقت حمید فزارو کی دوسری منزل کی بالکنی پر کھڑا ڈوبتے ہوئے سورج کی رنگ افشائیوں میں کھویا ہوا تھا۔ بڑی خوبصورت شام تھی۔ پوری گھاٹی پر افق سے ابھرنے والے نارنجی رنگ کی چھوٹ پڑ رہی تھی۔

دفعتاً اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس طوفان رنگ و نور کا کوئی حصہ اپنے سلسلے سے کٹ کر متحرک ہو گیا ہو۔ نارنجی رنگ کا وہ حصہ تیزی سے فزارو ہی کی طرف بڑھتا آ رہا تھا۔ حمید نے گردن سے لٹکی ہوئی دوربین سنبھالی اور اُسے آنکھوں تک لایا۔

''اوہ..... واہ.....!'' بے اختیار اس کی زبان سے نکلا۔

وہ تو ایک دبلی پتلی سی لڑکی تھی۔ نارنجی رنگ کے کوٹ میں ملبوس..... اور جب دوربین کے شیشے پوری طرح ایڈجسٹ ہو گئے تو وہ گڑیا سی لڑکی بڑی دلکش نظر آئی۔ بہت ہی دلکش۔ اتنی دلکش کہ بے اختیار زبان سے ''حق ہے'' کا نعرہ سرزد ہو گیا۔

وہ فزارو کی حدود میں داخل ہوگئی تھی۔ لیکن یہ کیا..... کوئی اور بھی تو تھا جیسے وہ نا
والی لڑکی کی بے خبری میں اس کے پیچھے لگ گئی ہو۔ کیونکہ نارنجی کوٹ والی لڑکی دفعتاً
رک کر پیچھے مڑی تھی اور تعاقب کرنے والی اس طرح زمین پر جھک گئی تھی جیسے کوئی گر
چیز اٹھا رہی ہو۔

نارنجی کوٹ والی لڑکی پھر تیزی سے عمارت کی طرف چل پڑی۔

تعاقب کرنے والی اب سیدھی کھڑی تھی۔ حمید نے دوبارہ شیشے ایڈجسٹ کئے ا
پڑا۔ تعاقب کرنے والی وہی لڑکی رضیہ تھی۔ ایسی مشابہت ابھی تک تو اس کے تجربے
آئی تھی کہ عادات واطوار تک ایک دوسرے سے مماثلت رکھتے ہوں۔

یہ نارنجی کوٹ والی لڑکی جس کا تعاقب کر رہی تھی ابھی تک فزارو میں نہیں دکھائی د
ہوسکتا تھا کہ اس کے دوران قیام سے قبل وہاں آتی رہی ہو۔

اس نے اپنے کمرے میں واپس آ کر دوربین رکھی اور نیچے جانے کی تیاری کرنے
اس دبلی سی لڑکی کو قریب سے دیکھنا چاہتا تھا۔

وہ ڈائننگ ہال کی ایک میز پر نظر آئی۔ سامنے چائے دانی رکھی تھی۔ لڑکی کا چہرہ
تھا۔ ایسا نہیں لگتا تھا کہ اُسے اس تعاقب کا علم رہا ہو۔

ڈائننگ ہال میں رضیہ کہیں نہ دکھائی دی اس وقت پورے ہال میں حمید سمیت صرف
افراد تھے۔

حمید نے لڑکی کو چائے انڈیلتے دیکھا۔ کچھ عجیب سا چہرہ تھا اس کا جو کسی زاویئے
بے حد معصوم نظر آتا تھا اور کسی زاویئے سے اس میں جہاندیدگی کی جھلکیاں بھی دکھائی د
ہونٹوں میں رہ رہ کر ہلکی ہلکی جنبش ہوتی اور بالکل ایسا ہی لگتا جیسے ذہن میں چکرانے وا
بات کو ہونٹوں تک آنے سے روک دینے کی کوشش کر رہی ہو۔

حمید نے اپنے لئے اس کے قریب ہی کی ایک میز منتخب کی تھی اور اسے اچھی طرح
سکتا تھا۔ چائے کی پہلی چسکی لے کر اس نے بُرا سا منہ بنایا اور شکردان سے شکر نکالنے لگی۔

شکر ڈالنا بھول گئی تھی۔

خفیف سی مسکراہٹ اور سوچ میں ڈوبی ہوئی آنکھوں نے اس کے چہرے پر کچھ عجیب سا تاثر پیدا کر دیا تھا۔

وہ اُسے چائے پیتے دیکھتا رہا۔ کیا وہ کہیں باہر سے آئی ہے؟ اس نے سوچا لیکن باہر سے آئی ہوتی تو پیدل نہ ہوتی۔ اسٹیشن سے یہاں تک مسافت رکشے کے بغیر طے کرنا مشکل ہی تھا۔

دفعتاً عمارت کے کسی گوشے میں ایک زور دار دھماکہ ہوا اور وہ اچھل پڑی۔ پیالی ہاتھ سے چھوٹ کر اس کے اوپر الٹ گئی تھی۔

اور دوسرے ہی لمحے میں بھلا حمید اس کے قریب کیوں نہ نظر آتا۔

''ٹھہریئے ٹھہریئے۔'' اس نے جلدی سے کہا۔ ''یونہی بیٹھی رہیئے، ورنہ یہ نامعقول چائے۔'' پھر رومال جیب سے نکال کر اس کی طرف جھکا ہی تھا کہ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''شکریہ میں ٹھیک ہوں۔'' وہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔ ''یہ دھماکہ کیسا تھا۔''

''دھماکہ۔'' حمید نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ''کیسا دھماکہ۔''

''یہ بھی ہوا تھا۔''

''میں نے دھیان نہیں دیا۔''

''دھماکے ہی کی بناء پر تو۔''

''اچھی بات ہے۔ ٹھہریئے۔ میں دیکھتا ہوں۔''

اتنی دیر میں کاؤنٹر کلرک اپنی جگہ سے غائب ہو چکا تھا۔ بقیہ تین آدمی بھی آواز کی طرف دوڑ گئے تھے۔

ہال میں اب ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

دفعتاً وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''ٹھہریئے..... میں تنہا رہ جاؤں گی۔''

''جی ہاں..... واقعی..... کیسی بھول ہونے والی تھی مجھ سے۔''

''وہ لوگ جو گئے ہیں معلوم ہی کر لیں گے۔''

''جی ہاں..... یہ بات تو ہے۔''

''کیا میں آپ کو خوفزدہ معلوم ہوتی ہوں۔''

''ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ آپ ایک باہمت لڑکی معلوم ہوتی ہیں۔''

''شکریہ۔ اب یہیں بیٹھ جایئے۔'' نارنجی کوٹ والی نے کہا اور خود بھی بیٹھ گئی۔ حمید رومال اس کے ہاتھ میں تھا جسے وہ اپنے کوٹ کے دامن پر پھیرے جا رہی تھی اور وہ سوچ کہ لڑکیوں کے معاملے میں واقعی اس کے ستارے بے حد شاندار ہیں۔ لیکن وہ دھماکہ دھماکہ کیسا تھا۔ عمارت کے کسی قریبی ہی حصے سے آواز آئی تھی۔

ذرا ہی سی دیر بعد کاؤنٹر کلرک نے کاؤنٹر کے قریب کھڑے ہو کر بلند آواز میں کہا ''پریشانی کی بات نہیں جناب۔ کچن میں ایک آئیل اسٹوو پھٹ گیا تھا۔ کسی قسم کا نقصان نہیں ہوا۔''

''اوہ.....!'' لڑکی نے ایک طویل سانس لی اور خواہ مخواہ ہنس پڑی۔

''دیکھا آپ نے۔'' حمید نے اس سے کہا۔ ''اسی لئے میں نے اس کی طرف توجہ نہ کا حق محفوظ رکھا تھا۔''

وہ پھر ہنس دی اور بولی۔ ''میں نسلاً چنگیزی ہوں۔''

''یقیناً ایسا ہی ہوگا۔ کچھ دیر پہلے میں بہت خوفزدہ تھا۔''

''کیوں.....؟''

''آپ کو دیکھ کر ہیبت سی چھا گئی تھی مجھ پر۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے دل کے بغداد تاتاریوں نے ہلہ بول دیا ہو۔''

اس کی بے آواز ہنسی بڑی دلکش تھی۔

''یہ اسٹوو کیسے پھٹ جاتے ہیں؟'' اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

''میرا خیال ہے کہ اس کا بوائیلر.....!''

''اسٹوو میں بوائیلر کا کیا کام.....!''

''نہیں ہوتا.....؟'' حمید نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

''قطعی نہیں۔''

''تب تو شاید میں جانتا ہی نہیں کہ اسٹوو کیا چیز ہے۔ پھر آپ کو کس طرح بتاؤں کہ کیسے پھٹ جاتا ہے۔''

''مجھے غصہ بہت جلد آ جاتا ہے۔''

''اب تاوقتیکہ مجھے غصے کی صحیح تعریف نہ معلوم ہو جائے اپنی زبان بند ہی رکھوں گا۔''

''ارے.....!'' وہ یک بیک چونک کر بولی۔ ''آپ مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہے ہیں..... کیوں؟ اپنی میز پر جایئے؟''

''بہت بہتر۔'' حمید نے سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا اور اپنی میز پر واپس آ گیا۔ وہ دوسری طرف دیکھتی رہی۔ پھر تھوڑی دیر بعد اس کی جانب دیکھ کر مسکرائی۔ نہ صرف مسکرائی بلکہ اٹھ کر سیدھی اسی کی میز پر چلی آئی۔

''اب آپ مجھے بھگا دیجئے۔'' وہ کرسی کھینچ کر بیٹھتی ہوئی بولی۔ ''بدلہ ہو جائے گا۔''

''میں چنگیزی نہیں ہوں۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''اوہو..... آپ تو سچ مچ بُرا مان گئے۔ مین بہت پریشان ہوں۔''

''چہرے سے تو پریشانی نہیں ظاہر ہوتی۔''

''بس میں ہر وقت خود کو خوش رکھنے کی کوشش کرتی ہوں۔ آپ کہاں سے آئے ہیں۔''

''چیف پورٹ سے۔''

''شکاری ہیں۔''

''لاحول ولا قوۃ۔''

''کیا مطلب.....؟''

''کیا میں صورت سے شکاری لگتا ہوں۔''

''نہیں صورت سے تو شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں۔'' وہ ہنس پڑی۔

''میں ایک بہت بڑے شکاری کا سیکریٹری ہوں۔''

''شکاری بھی سیکریٹری رکھتے ہیں۔''

''شکاری ہی تو سیکریٹری رکھتے ہیں۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''آپ یہیں مقیم ہیں۔'' حمید نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

''ہاں.....!''

''لیکن میں نے تو آج ہی دیکھا ہے۔''

''زیادہ تر اپنے کمرے میں پڑی رہتی ہوں۔''

''آپ بھی باہر ہی سے آئی ہیں۔''

''جی ہاں.....نصیر آباد سے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ میرے ڈیڈی جھکی ہیں۔ ورنہ اس درجہ حرارت چاہئے اور وہ اس درجہ حرارت کی تلاش میں سطح سمندر سے کچھ اور اوپر چلے گئے میں یہاں کیوں آتے۔ رام گڈھ کی سردیاں تو رہ رہ کر پلٹتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لومڑیوں کے ہیں۔ ان پہاڑوں پر جہاں اب بھی برف دکھائی دیتی ہے کیا سمجھے۔''

شکاری ابھی تک یہاں مقیم ہیں۔''

''شکاری ہیں۔''

''ارے نہیں۔ وہ بے چارے تو نصیر آباد کے نیشنل کالج میں کیمسٹری پڑھاتے ہیں۔''

''خوب.....!''

''آپ کو یقین نہیں آیا۔''

''بالکل آ گیا۔ نہ آنے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے۔''

''میں آپ کی آنکھوں میں بے اعتباری دیکھ رہی ہوں۔''

''آنکھوں پر نہ جایئے۔ یہ عموماً دھوکا ہی دیتی ہیں۔''

''میں لوگوں کی آنکھوں سے پہچان لیتی ہوں کہ وہ کیسے ہیں۔''

''اور اگر کسی بیچارے کی ایک ہی آنکھ ہو تو.....!''

''اوہ تو کیا میں سارے زمانے کی آنکھیں دیکھتی پھرتی ہوں۔''

''میری آنکھوں میں کیا نظر آیا آپ کو۔''

''آپ بہت اچھے آدمی ہیں۔''

''ایک آنکھ پتھر کی ہے۔ واضح رہے۔''

''نہیں.....نہیں تو۔'' وہ ہنس پڑی۔

''غور سے دیکھئے۔''

وہ آگے جھک آئی اور حمید نے بوکھلا کر کہا۔ ''کہیں آپکے ڈیڈی نہ آ جائیں۔ سیدھی بیٹھئے۔''

''ڈیڈی یہاں نہیں ہیں۔''

''پھر کہاں ہیں۔''

''کیمسٹری کے سلسلے میں کوئی نیا تجربہ کر رہے ہیں۔ اس کے لئے فضا میں ایک مخصوص

وہ مضحکہ اڑانے کے انداز میں ہنسنے لگی۔

''آپ کو یہاں تنہا چھوڑ گئے ہیں۔''

''میں تنہا کب ہوں۔ اتنے لوگ اور موجود ہیں۔''

''میں نے یہاں ایک غیر ملکی لڑکی بھی دیکھی ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''غالباً ایرانی ہی ہوسکتی ہے۔''

''اونہہ.....!'' وہ بُرا سا منہ بنا کر رہ گئی۔

''کیوں؟ کیا آپ کو اس کا تذکرہ بھی ناگوار گذرا ہے۔''

''بالکل۔ مجھے نک چڑھے لوگ پسند نہیں۔ وہ بہت مغرور معلوم ہوتی ہے۔''

''مغرور.....یہ کیسے کہہ سکتی ہیں آپ۔''

''میں نے ایک آدھ بار اُسے متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس کا رویہ توہین آمیز ہو گیا تھا۔''

''اوہ.....تو کیا اس نے آپ سے گفتگو کرنا پسند نہیں کیا تھا۔''

''بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگی تھی۔''

''ممکن ہے اُسے اردو نہ آتی ہو۔''

''تو کیا آپ نے اُسے اردو میں مخاطب کیا تھا۔''

''انگریزی آتی ہے آپ کو۔'' حمید نے چڑانے کے لئے حیرت ظاہر کی۔

''اب آپ میرا مضحکہ اڑانے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

''آپ غلط سمجھیں۔ دراصل آپ صورت سے یعنی کہ..... کہنے کا مطلب یہ کہ آپ کی شکل بالکل مولویوں جیسی ہے اس لئے میں نے سوچا۔''

''یہ مولویوں جیسی شکل کیسی ہوتی ہے۔'' اس نے قدرے ترش لہجے میں پوچھا۔

''مولویوں جیسی..... یعنی کہ بس..... مولویوں جیسی۔''

اس اجمال کی تفصیل حمید کے بس سے باہر تھی۔ اس لئے ہکلانا ہی پڑا۔ اس پر لڑکی نے کئی ایسے مولویوں کے نام گنوائے جنہیں انگریزی آتی تھی۔ لہٰذا حمید نے تسلیم کرلیا کہ اس کی شکل مولویوں جیسی نہیں تھی۔

''مجھے ایسے لوگ پسند نہیں جو مولویوں کا مضحکہ اڑاتے ہیں۔'' لڑکی نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

حمید نے یہ سوچ کر بات اڑا دینی چاہی کہ بعض لوگ مذہب کے معاملے میں بہت جذباتی ہوتے ہیں۔

''نہیں آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ غلط راستے پر ہیں۔'' وہ جھنجھلا کر بولی۔

''بھلا آپ کو میرے راستے کا علم کیونکر ہوا۔''

''آپ ان لوگوں میں سے معلوم ہوتے ہیں جو مولویوں کی جہالت کا ماتم کرتے ہوئے اپنی لاشوں پر سے بھی گذر جاتے ہیں۔''

''بھئی یہ فلسفہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ ویسے یہ ڈائیلاگ تھا کچھ فلمی انداز کا۔''

''کیا آپ فلمیں بہت دیکھتی ہیں۔''

''یقیناً دیکھتی ہوں۔ پھر.....!''

''آپ غلط رستے پر ہیں۔''

''کیوں.....؟''

''مولویوں سے پوچھئے۔''

وہ چند لمحے حمید کو گھورتی رہی پھر ہنس کر بولی۔ ''دراصل میں بہت باتونی ہوں کئی دنوں سے کوئی ملا نہیں تھا۔''

وہ خواہ مخواہ ہنستی رہی۔

''اچھا تو اب ہم اس ایرانی لڑکی کے بارے میں باتیں کرینگے۔'' حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔

''کیوں..... کیوں.....!''

''وہ یہاں کب سے مقیم ہے۔''

''میں کیا جانوں۔ جب میں آئی تھی تو اُسے یہیں دیکھا تھا۔''

''اسی دن یا دوسرے دن۔''

مجھے یاد نہیں۔ وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ ''میری نظروں میں اس کی کیا اہمیت ہے کہ اس طرح یاد رکھتی۔''

''کیا خیال ہے۔ وہ تنہا ہی ہے یا اور کوئی بھی اس کے ساتھ ہے۔''

''ارے تو کیا میں اس کی ٹوہ میں رہتی ہوں۔''

''قدرتی بات ہے محترمہ۔ اس کا سلوک آپ سے اہانت آمیز تھا۔''

''میں جوتے کی نوک پر مارتی ہوں ایسوں کو۔ میں کیوں رہنے لگی ٹوہ میں۔''

''خیر..... خیر..... گولی ماریئے۔''

''میں شکاری نہیں ہوں۔'' وہ مسکرائی۔

''اچھا اگر وہ آپ کی ٹوہ میں رہتی ہو تو پھر.....!''

''میں کہتی ہوں اس کا قصہ ختم کیجئے۔ ورنہ میں اٹھ کر چلی جاؤں گی۔''

''ختم..... ختم..... بالکل ختم.....!''

''میں نے بھی آپ کو آج سے پہلے یہاں نہیں دیکھا۔ آپ کب سے مقیم ہیں۔'' لڑ
نے پوچھا۔

''کئی دن سے۔'' حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''لیکن میرے ڈیڈ
نے ایسی کوئی ہدایت نہیں دی تھی کہ اپنے کمرے ہی تک محدود رہوں۔''

''تو میرے ہی ڈیڈی نے کب دی ہے؟'' وہ پھر جھنجھلا گئی۔

''درجہ حرارت بڑھ رہا ہے۔ خدا آپ کو بھی سطح سمندر سے کافی اونچائی پر پہنچائے۔''

''میں اب قطعی نہ بولوں گی۔''

''پھر آپ کس قسم کی باتوں ہیں۔''

وہ سچ مچ کچھ نہ بولی۔ چہرے پر کبیدگی کے آثار تھے۔

''اب میں شدت سے بور ہو رہا ہوں۔'' حمید کچھ دیر بعد بولا۔

''کیوں.....؟''

''کس سے باتیں کروں۔''

وہ ہنس پڑی۔ حمید کو عجیب سی لگی وہ لڑکی۔ موڈ تبدیل ہونے میں دیر ہی نہیں لگتی تھی اور
ابھی شکن ہے ماتھے پر اور ابھی آنکھیں کنول کی طرح کھل گئیں ان میں مسرت ناچنے لگی۔

''دفعتاً وہ اچھل کر کھڑی ہوگئی۔''

''ڈیڈی.....!'' وہ اس کی چیخ ہی تھی۔ پھر حمید نے اُسے صدر دروازے کی طرف جھپٹتے دیکھا۔

اجنبی

صدر دروازے میں ایک عجیب الخلقت آدمی کھڑا نظر آیا۔ اس کا قد پونے پانچ فٹ سے
زیادہ نہ رہا ہوگا۔ ڈاڑھی اور سر کے بال بے تحاشہ بڑھے ہوئے تھے۔ نحیف الجثہ بھی تھا۔

لیکن سب سے زیادہ عجیب بات یہ تھی کہ اس کا پورا چہرہ ڈاڑھی سمیت خون سے تر تھا۔

دو آدمی سہارا دیئے ہوئے اس کو ڈائننگ ہال میں لا رہے تھے۔

''ڈیڈی..... یہ کیا ہوا۔ یہ کیا ہوا۔'' وہ پھر چیخی۔

''ادھر ہٹئے۔'' حمید نے اس کا بازو پکڑ کر ایک طرف ہٹاتے ہوئے کہا۔ ''آپ دیکھ نہیں
ہیں کہ وہ خود سے چل بھی نہیں سکتے۔ کمرے کی طرف چلئے۔''

حمید محسوس کر رہا تھا کہ بوڑھے پر نیم بیہوشی کی سی کیفیت طاری ہے۔ آنکھیں پھٹی ہوئی
تھیں اور وہ اس طرح پلکیں جھپکا رہا تھا جیسے کچھ سجھائی نہ دے رہا ہو۔ ان کا کمرہ بھی دوسری ہی
منزل پر تھا اس لئے بوڑھے کو ہاتھوں پر اٹھا کر زینے طے کئے گئے۔

کمرے میں پہنچ کر لڑکی نے بڑی تیزی سے بستر درست کیا۔ فزارو کا منیجر بھی ان کے
ساتھ یہاں تک آیا تھا اور بوڑھے کو گہری تشویش کے ساتھ دیکھتا رہا تھا۔

''یہ ہوا کیسے.....؟'' اس نے ان دونوں آدمیوں سے پوچھا جو پروفیسر کے ساتھ آئے تھے۔

''یہ ہمیں بھرتو نالے کے قریب پڑے ملے تھے۔'' ایک نے جواب دیا۔ ''ہوش میں تھے
اور انہوں نے خود ہی ہمیں یہاں کا پتہ دیا تھا۔''

حمید نے بوڑھے کی طرف دیکھا۔ وہ اب بستر پر چت پڑا تھا۔ آنکھیں بند تھیں۔ حمید
نے منیجر سے کہا۔ ''ڈاکٹر کو فون کیجئے۔''

''میرے لئے کوئی نئی بات نہیں۔'' اس نے لاپروائی سے جواب دیا۔

''کیا کہا..... کیا مطلب.....!''

''ارے صاحب آپ اپنا کام کیجئے۔ آپ سے کیا سروکار.....!''

''آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔''

''بالکل ہوش میں ہوں اور آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ خواہ مخواہ دوسروں کے معاملات
میں دخل اندازی مت کیجئے۔''

حمید نے لڑکی کی طرف دیکھا۔ ویسے منیجر کا لہجہ اُسے اتنا گراں گزرا تھا کہ شاید اُسے مار

بیٹھتا لیکن اس بے تکی سچویشن کو سمجھنا بھی تو تھا۔

''یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' لڑکی بولی۔

''کیا ٹھیک کہہ رہے ہیں۔''

''یہ ڈیڈی کو اچھی طرح جانتے ہیں۔''

''میں کچھ نہیں سمجھا۔''

''آپ لوگ براہِ کرم میرے ساتھ آیئے۔'' منیجر نے دروازے کی طرف بڑھتے کہا۔ اشارہ ان دونوں کی طرف بھی تھا جو بوڑھے کو یہاں تک لائے تھے۔ حمید نے مناسب سمجھا کہ فی الحال اسی کے مشورے پر عمل کیا جائے، معاملات کو سمجھنا بھی تو تھا۔

لیکن اُسے یقین تھا کہ لڑکی یہ نہیں چاہتی۔ کم از کم وہاں اس کی موجودگی کی متمنی نہ تھی نے لاپروائی سے شانے جھٹکائے اور منیجر کے پیچھے چل پڑا۔

پھر وہ تینوں منیجر کے آفس میں داخل ہوئے۔ لیکن حمید کے قدم ٹھٹکے تھے۔ رضیہ موجود تھی۔ ایک آرام کرسی پر نیم دراز کوئی کتاب دیکھ رہی تھی۔

''اوہ آپ یہاں ہیں۔'' منیجر نے انگریزی میں جرت ظاہر کی۔

''ہاں آں.....!'' اس نے لاپروائی سے جواب دیا۔ ''ادھر نکلی آئی تھی۔ تم نہیں نے کتاب اٹھالی اور دیکھنے لگی۔ کیا یہاں میری موجودگی غیر ضروری ہے۔''

''نہیں.....نہیں.....ایسی کوئی بات نہیں آپ بیٹھیے۔'' منیجر جلدی سے بولا۔

رضیہ.....رضیہ.....حمید ایک بار پھر الجھن میں پڑ گیا۔ یہ سو فیصدی رضیہ کی آواز صرف لہجہ بدلا ہوا تھا وہ پھر کتاب کی طرف متوجہ ہوگئی۔

منیجر نے ان دونوں سے پوچھا۔ ''آپکی دانست میں اسکا معاوضہ کم سے کم کتنا ہونا چاہئے

''ہمارے بیس روپے خرچ ہوئے ہیں یہاں تک لانے میں۔''

منیجر نے میز کی دراز سے دس دس کے تین نوٹ نکالے اور ان کی طرف بڑھاتا ہوا

''تیس لے جایئے شکریہ۔''

ایک نے ہاتھ بڑھا کر روپے لئے اور انہیں جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ ''میرا پتہ لکھ لیجئے۔ پولیس وغیرہ کا کوئی چکر ہو تو ہمیں بلوا لیجئے گا۔''

''وہ سب ٹھیک ہے۔'' منیجر نے دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

وہ دونوں چلے گئے اور حمید نے محسوس کیا کہ منیجر اسے اکتائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا ہے۔

''اب آپ فرمایئے جناب۔'' بالآخر اس نے اُس سے پوچھا۔

''میں آپ سے کچھ سننا چاہتا ہوں۔'' حمید کا جواب تھا۔

''کیا سننا چاہتے ہیں۔''

''یہ سب کیا تھا۔''

''میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کو کیا پریشانی ہے۔ آپ یہاں کب سے مقیم ہیں۔''

''تین دن سے۔''

''ان لوگوں کو کب سے جانتے ہیں۔''

''آپ کو اس سے کیا سروکار۔'' حمید جھنجھلا گیا۔

''پس ثابت ہوا کہ آپ ان لوگوں کو صرف تین دن سے جانتے ہیں۔''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔''

''میں تین سال سے جانتا ہوں۔'' منیجر میز پر ہاتھ مار کر دھاڑا۔

''اے تو اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے۔''

''کیا تم لوگ جھگڑا کر رہے ہو۔'' رضیہ نے چونک کر انگریزی میں پوچھا۔ اس کے ماتھے پر سراسیمگی کے آثار تھے۔

''جی نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔'' منیجر نے دانت نکال دیئے۔

''آپ مجھ سے گفتگو کیجئے۔'' حمید نے اُسے پھر اپنی طرف متوجہ کرلیا۔

''آپ سے کیا گفتگو کروں۔ جایئے آرام کیجئے۔''

''ابھی میرے آرام کا وقت بہت دور ہے۔'' حمید نے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''میں کہتا ہوں آخر آپ.....!''

''بس.....!'' حمید نے ہاتھ اٹھا کر اُسے گھورتے ہوئے کہا۔ ''یہاں پتہ نہیں ڈرامہ ہو رہا ہے۔ کیا یہ آپ کا فرض نہیں ہے کہ آپ اس حادثہ کی اطلاع پولیس کو دیں۔''

''آپ سے مطلب.....!'' منیجر نے پھر آنکھیں نکالیں۔

''اچھا تو اب میں خود ہی.....!''

''جی..... جی..... تو پھر آپ خود ہی..... کیا.....؟''

حمید نے محسوس کیا کہ وہ ایک نروس قسم کا آدمی ہے۔ اس کی دونوں ہاتھ کانپ اور مضطربانہ انداز میں میز پر رکھی ہوئی چیزوں کی جگہیں تبدیل کر رہا تھا۔

''میں خود ہی اس واقعہ کی اطلاع پولیس کو دے دوں گا۔'' حمید نے پرسکون لہجہ

''پھر آپ جانئے۔ جب تک وہ زخمی آدمی خود ہی اپنی کیفیت بتانے کے قابل نہ ہو آپ کو کن کن مراحل سے گزرنا پڑے گا۔''

''آپ ایسا نہیں کر سکتے۔''

''مجھے کون روکے گا۔''

''میں کہتا ہوں آپ کو اس سے کیا۔ سب سے زیادہ فکر اس کی لڑکی کو ہونی چاہئے

''لڑکیاں فکر کرنے کے لئے نہیں پیدا ہوئیں۔ انہیں بے غم دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''تو پھر اسی سے جا کر پوچھئے۔ میں کچھ نہیں جانتا۔''

''اچھی بات ہے۔ میں اُسی سے پوچھوں گا۔''

''ہرگز نہیں۔ آپ میرے کسی بھی گاہک کے آرام میں خلل نہیں ڈال سکتے۔''

''کون روکے گا مجھے۔''

''دیکھئے..... دیکھئے حضرت میں نہیں جانتا آپ کون ہیں۔ لیکن یہ نہ بھولئے کہ بہت ہی خطرناک قسم کے شکاری بھی مقیم ہیں جن سے میں دوستانہ تعلقات رکھتا ہوں۔''

''بہت خوب..... میں ان کی زیارت سے بھی محروم نہ رہوں گا۔'' حمید نے طنزیہ

کہا۔ وہ یہاں کے شکار اور شکاریوں سے بخوبی واقف تھا۔ سردیوں بھر یہاں بڑے بالوں والی لومڑیوں کا شکار ہوتا ہے۔ ملک کی تجارتی فرموں کے ملازم پیشہ ور شکاری اس میں حصہ لیتے ہیں۔ اس سلسلے میں مخالفتیں بھی ہوتی ہیں۔ پھر رائفلوں کا رخ لومڑیوں کی طرف سے آدمیوں کی طرف پھر جاتا ہے۔ شکاریوں کی تعداد کم ہوتی رہتی ہے لیکن لاشیں تو اسی وقت ملتی ہیں جب برف پگھلتی ہے۔

حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا پھر بولا۔ ''اب یہیں بیٹھ کر کسی شکاری کا انتظار کروں گا۔ ویسے جب میں شکار کھیلتا ہوں تو یہ نہیں دیکھتا کہ شکار ہونے والا منیجر ہے یا باورچی۔''

''آپ میری توہین کر رہے ہیں۔'' منیجر غرایا۔

لیکن حمید کچھ کہے بغیر رضیہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ بدستور کتاب میں مستغرق تھی۔ چہرے سے ہرگز مترشح نہیں ہوتا تھا کہ وہ ان کی گفتگو سنتی اور سمجھتی رہی ہے۔ لہٰذا ایک بار پھر حمید کو سوچنا پڑا کہ کہیں وہ اس کے بارے میں غلط فہمی میں تو مبتلا نہیں۔

''آپ کی تعریف.....!'' دفعتاً حمید نے کنکھیوں سے رضیہ کی طرف اشارہ کر کے منیجر سے پوچھا اور منیجر متحیرانہ انداز میں منہ کھول کر رہ گیا۔ پھر حمید کسی قدر مسکرایا اور بائیں آنکھ بھی دبائی بس پھر کیا تھا۔ منیجر کی حیرت جھلاہٹ میں تبدیل ہو گئی۔

''صاحب آپ کس قماش کے آدمی ہیں۔'' اس نے کھرکھراتی ہوئی آواز میں کہا۔

''کیا موضوع کی تبدیلی پسند نہیں آئی آپ کو۔'' حمید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''خدا کے لئے تشریف لے جایئے ورنہ.....!''

''ورنہ کیا.....؟''

''ورنہ یہ کہ ہم اپنے بزنس کے حقوق محفوظ رکھتے ہیں۔ کسی لمحہ بھی آپ کو ہوٹل چھوڑ دینے کا نوٹس مل سکتا ہے۔''

''کون نوٹس لیتا ہے ایسی باتوں کا۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔

وہ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے حمید کو گھورتا رہا۔

''تعارف ہوجائے تو کیسی رہے۔'' حمید آہستہ سے بولا۔

''یہ عیاشی کا اڈا نہیں ہے۔ تشریف لے جایئے۔'' اس بار اس نے بہت زیادہ نرم مظاہرہ کیا۔

''اے جناب۔ خود کو قابو میں رکھئے کیا میں کوئی عیاش آدمی ہوں۔''

''دی مین از اے سوشل اینمل..... دوسروں سے جان پہچان پیدا کئے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔''

''میں کہتا ہوں تشریف لے جایئے۔'' وہ مٹھیاں بھینچ کر بولا۔

''میں آپ دونوں کو تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔''

''کیا مطلب.....؟'' وہ میز پر ہاتھ مار کر دھاڑا۔

''پلیز.....!'' رضیہ کی ہم شکل اچھل پڑی۔ ''میں اختلاج قلب کی مریضہ ہوں۔''

''میں خمیرہ مروارید لاؤں۔'' حمید نے چہک کر پوچھا۔ لیکن وہ بُرا سا منہ بنائے ہوئے پھر کتاب کی طرف متوجہ ہوگئی۔ سچ مچ بے حد مغرور معلوم ہوتی تھی۔

''اب آپ چلے ہی جایئے۔ ورنہ اچھا نہ ہوگا۔'' منیجر اٹھتا ہوا بولا۔ اس کے ہاتھ اب زیادہ کانپنے لگے تھے۔

حمید نے سوچا بات نہ بڑھانی چاہئے۔ پتہ نہیں فادر ہارڈ اسٹون نے اسے یہاں کس مقصد کے تحت بھیجا ہو۔

جب وہ دروازے سے گزر رہا تھا منیجر نے پھر اُسے بلند آواز میں مخاطب کیا۔ ''وارننگ ہے کہ اس وقت انہیں ڈسٹرب نہ کیا جائے۔''

اس نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور دروازے سے گزر گیا۔

بہرحال بات الجھن پیدا کرنے والی تھی۔ نہ تو اس نے خود ہی زخمی کے لئے طبی امداد فراہم کی تھی اور نہ یہی چاہتا تھا کہ کوئی دوسرا اس معاملے میں دخل اندازی کرے۔

حمید پھر ڈائننگ ہال میں واپس آ گیا۔ اب کافی اندھیرا پھیل گیا تھا۔ ہال کی زیادہ تر میزیں آباد ہو چکی تھیں۔

وہ سیدھا کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ کاؤنٹر کلرک اپنے پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔ حمید نے اپنے تمباکو کی پاؤچ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''کبھی پرنس ہنری بھی ٹرائی کیجئے۔''

''شکریہ جناب..... اچھا ہاں۔ تعریف سنی ہے اس برانڈ کی..... بہت بہت شکریہ۔''

وہ پاؤچ سے تمباکو نکال کر اپنی ناک کے قریب لے گیا اور پھر اُسے پائپ میں بھرتا ہوا بولا۔ ''عمدہ چیز ہے۔ یہاں تو ملتی ہی نہیں۔''

''کیوں صاحب! اگر یہ اپنا دیسی تمباکو پائپ میں جلایا جائے تو کیسی رہے۔ لیکن وہ تو ایک ہی کش میں بھک سے اڑ جائے گا۔ پتہ نہیں پائپ کے تمباکو میں نمی کیسے پیدا کرتے ہیں۔''

حمید کچھ نہ بولا اور کاؤنٹر کلرک خاموش ہو کر پائپ سلگانے لگا۔ کچھ دیر بعد حمید نے پوچھا۔ ''یہ آئیل اسٹوو کیسے پھٹ گیا تھا۔''

''پتہ نہیں جناب۔''

''اوہ..... خوب یاد آ گیا۔ وہ کون صاحب تھے۔ زخمی تھے پتہ نہیں اب کیا حال ہو۔''

''میرا خیال ہے کہ شائد آپ بھی ان کے ساتھ اوپری منزل پر گئے تھے۔''

''ہاں آں..... گیا تھا۔ اس سے قبل اس لڑکی ہی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ لیکن میں ان لوگوں کو جانتا نہیں۔ اُنکے ناموں سے بھی واقف نہیں۔ لڑکی سے کچھ دیر پہلے ہی ملاقات ہوئی تھی۔''

''بڑی شریف لڑکی ہے۔'' کاؤنٹر کلرک بولا۔

''پتہ نہیں بھلا اتنی جلدی کیسے رائے قائم کی جاسکتی ہے۔'' حمید نے بے تکلفی سے کہا۔

''میں تو جانتا ہوں۔ یہ لوگ ہر سال سردیوں میں آتے ہیں۔''

''شکاری ہیں۔''

''نہیں جناب۔ اسی پر تو مجھے حیرت ہے۔ وہ زخمی جسے آپ نے دیکھا تھا یعنی لڑکی کا باپ نصیر آباد کے کسی کالج میں پروفیسر ہے۔ پروفیسر ندیم چنگیزی..... عالم آدمی ہے۔ بھلا اسے لومڑیوں کے شکار سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے۔''

''لیکن سردیاں گذارتا ہے یہاں۔''

''جی ہاں.....ابھی تک تو یہی دیکھنے میں آیا ہے۔''

''لڑکی بھی ساتھ ہوتی ہے؟''

''جی ہاں .....وہ بھی ہوتی ہے۔لیکن آج تک میں نے اُسے رنگ رلیوں میں مصروف نہیں دیکھا۔''

''اس کا بھی کوئی ایسا ہی نام ہوگا۔تبسم چنگیزی۔مجسم چنگیزی وغیرہ۔''

''پتہ نہیں۔ویسے بوڑھا اُسے مونی کہہ کر پکارتا ہے۔''

''ممکن ۔بہ اصل نام معینہ ہو۔''

''معینہ تو خوبصورت نام نہیں کہلایا جاسکتا۔'' کلرک نے بجھے ہوئے پائپ کو جلاتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر حمید نے کہا۔''بڑی حیرت کی بات ہے کہ ابھی تک زخمی کو میڈیکل ایڈ نہیں آئی۔''

''لیکن اس کے باوجود وہ صبح کو بالکل تروتازہ نظر آئے گا۔''

''کیا پہلے بھی ایسا ہوتا رہا ہے۔''

''پچھلے سال کم از کم پندرہ بار ایسی ہی غیر معمولی حالتوں میں باہر سے واپس آیا تھا۔''

''اچھا تب تو اس نے خود ہی منیجر کو اس سے متعلق کچھ مخصوص ہدایات دے رکھی ہوں گی۔''

''کیسی مخصوص ہدایات۔''

''یہی کہ اگر وہ خراب حالت میں واپس آئے تو اُسے تنہا چھوڑ دیا جائے۔میڈیکل وغیرہ کی فکر قطعی نہ کی جائے۔''

''ہوسکتا ہے جناب۔میری معلومات اس سے زیادہ نہیں ہیں۔مجھے غیر ضروری باتوں کی فکر قطعی نہیں ہوتی۔اپنے کام سے کام رکھتا ہوں۔''

''یہ بڑی اچھی بات ہے۔آپ ایک بااصول آدمی ہیں۔''

''اصول کی تو بات ہی نہ کیجئے۔اب یہی دیکھ لیجئے پورے بیس سال سے معمول ہے کہ صبح اٹھ کر پہلے گرم پانی سے غرارے کرتا ہوں اور پھر سرسوں کے تیل سے دانت مانجھتا ہوں۔آج تک دانتوں میں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔''

''سرسوں کے تیل کا کیا کہنا۔میرا خیال ہے کہ یہاں کسی سے ان کی شناسائی بھی نہ ہوگی۔''

''کس کی شناسائی۔''

''پروفیسر اور اس کی لڑکی کی بات کر رہا تھا۔''

''میں نے اس پر غور نہیں کیا۔لیکن ٹھہریئے۔'' وہ خاموش ہوکر کچھ سوچنے لگا۔

پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔''اکثر اجنبیوں سے میں نے بوڑھے کو گفتگو کرتے دیکھا ہے۔''

''اجنبی.....اجنبیوں سے کیا مراد ہے آپ کی۔''

''یہی کہ وہ قیام کرنے والوں میں سے نہیں ہوتے۔''

''اچھا.....اچھا.....سمجھ گیا۔''

کچھ دیر کے لئے وہ پھر خاموش ہوگئے۔حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

''آپ تو غالباً شکاری بھی نہیں ہیں۔'' کاؤنٹر کلرک نے کہا۔

''نہیں میں ایک شکاری کا دوست ہوں۔شکاری صاحب ابھی یہاں نہیں پہنچے۔''

''لیکن اب تو سیزن ختم ہو رہا ہے۔''

''دراصل اگلے سال یہاں شکار کھیلے گا۔فی الحال امکانات کا جائزہ لے گا۔''

''شکار ہی شکار ہے جناب یہاں۔امکانات کا کیا سوال۔میں آپ کے دوست کو ایک پرانے اور مقامی شکاری سے ملوادوں گا۔''

حمید نے اپنے سر کو جنبش دے کر اظہار تشکر کیا اور نہایت پرتفکر لہجے میں بولا۔''میں اس بوڑھے پروفیسر کے لئے پریشان ہوں۔پتہ نہیں کس حال میں ہو۔''

''بات دراصل یہ ہے جناب! آپ کے ساتھ منیجر صاحب بھی تھے اور مجھ سے یا آپ سے زیادہ اس سلسلے میں انہیں تشویش ہونی چاہئے۔''

''اسی بات کا تو غم ہے کہ انہیں بھی تشویش نہیں۔''

''بس تو پھر آپ بھی بے فکر ہو جایئے۔''

حمید نے طویل سانس لی اور غمناک انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھ کر سر جھکا

''صاحب آپ واقعی بہت رحم دل آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ یہاں تو کوئی شکار

میں ایسی باتوں پر دھیان نہیں دیتا۔ خون بہتا ہی رہتا ہے۔ لاشیں گرتی ہی رہتی ہیں۔''

''میرے دوست نے ان اطراف میں کبھی شکار نہیں کھیلا۔''

''تب پھر وہ کھیل بھی نہ سکیں گے۔ یہاں سے لے کر ٹیکم گڈھ تک یہی کچھ ہو

اس سیزن میں نہ کوئی چیخوں پر چونکتا ہے اور نہ خون بہتے دیکھ کر کسی کے کان پر جوں رینگتی

''بھئی کس مصیبت میں آ پھنسا۔'' حمید نے اکتاہٹ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

''میرے لئے یہیں کافی منگوا دیجئے۔ کھانا اپنے کمرے میں کھاؤں گا۔ آہا..... اور وہ

''کونسی لڑکی جناب۔ اچھا سمجھ گیا۔ آپ کا اشارہ شاید اُن ایرانی خاتون کی طرف

''ایرانی.....؟ لاحول ولا قوۃ..... میں ترک سمجھا تھا۔''

''جی نہیں..... ایران سے آئی ہیں۔ مصنفہ ہیں۔ بھلا سا نام ہے۔''

''ٹھہریئے..... رجسٹر میں دیکھ کر بتاتا ہوں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ کلرک رجسٹر کی ورق گردانی کرتا رہا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ''نا

اتنا ہی حسین ہے یاسمین قزلباش۔''

''حسین ہے۔'' حمید نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

''کیا نہیں ہے؟'' کلرک آہستہ آہستہ بے تکلف ہوتا جا رہا تھا۔

''ہٹاؤ یار..... مجھے تو یاسمین کے نام پر ہمیشہ لفتھلین کی گولیاں یاد آ جاتی ہیں۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔'' کلرک نے بڑے خلوص سے تشویش ظاہر کی۔

دفعتاً پروفیسر کی لڑکی مونی دکھائی دی جو تیزی سے اُسی طرف آ رہی تھی۔ نہ صرف

نے بلکہ کاؤنٹر کلرک نے بھی خاموش اختیار کر لی۔ وہ ان کے قریب پہنچ کر رکی اور بار

دونوں کی طرف دیکھا۔

''پروفیسر اب کیسے ہیں..... کچھ بولے۔'' حمید نے پوچھا۔

''پہلے سے بہتر ہیں۔ لیکن خاموش۔ میرے کمرے میں خوب گرم کافی بھجوایئے اور فون

کرایئے۔ خراب ہو گیا ہے۔ مجھے خواہ مخواہ دوڑ کر نیچے آنا پڑا۔''

''یہ تو بہت بُری بات ہے۔'' حمید نے کاؤنٹر کلرک کی طرف دیکھ کر کہا۔

''میں ابھی انتظام کرتا ہوں۔'' وہ جلدی سے بولا۔ ''آپ بے فکر رہیں۔ کافی بھی بھجواتا ہوں۔''

''میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بے تکلفی سے فرمایئے۔'' حمید نے مونی سے کہا۔

''شکریہ۔ فی الحال کچھ نہیں۔ آپ کا کمرہ بھی تو غالباً اسی لائن میں ہے۔ اگر ضرورت

ئی تو ضرور تکلیف دوں گی۔''

حمید نے اس واقعے کے متعلق فوری طور پر پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔

وہ چلی گئی۔ پھر تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد حمید اپنے کمرے میں پہنچا تھا۔

دروازہ کھلا ہی رہنے دیا۔ اُسے توقع تھی کہ لڑکی ضرور آئے گی۔

تھوڑی ہی دیر بعد باہر قدموں کی چاپ سنائی دی اور کوئی کمرے کے سامنے ہی رُکا۔

دروازے میں پردہ لٹک رہا تھا اس لئے حمید اُسے دیکھ نہ سکا۔

''آ جاؤ..... میں موجود ہوں۔'' اس نے اونچی آواز میں کہا۔

پردہ ہٹا۔ لیکن ساتھ ہی حمید کو بھی اچھل کر کھڑا ہو جانا پڑا..... وہ مونی نہیں تھی۔ ایک قد

آور مرد تھا خونخوار آنکھوں والا۔ پردہ ہٹا کر بڑے اطمینان سے کمرے میں داخل ہوا۔

''کیا مطلب.....؟'' حمید اسے نیچے سے اوپر تک گھورتا ہوا بولا۔

''تمہاری اجازت سے آیا ہوں..... اس لئے کسی جھگڑے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ کیا

تم کسی کے منتظر تھے۔''

''لیکن اس کرم فرمائی کا مطلب۔ ظاہر ہے کہ ہم ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہیں۔''

''بس اتنا کہنے آیا تھا کہ لڑکی سے دور ہی رہنا۔''

''کس لڑکی کی بات کر رہے ہو۔''

''مونا چنگیزی..... پروفیسر ندیم چنگیزی کی لڑکی۔''

''میں اس نام کی کسی لڑکی کو نہیں جانتا۔''

''حالانکہ ابھی کچھ ہی دیر پہلے تم کاؤنٹر کے قریب اس سے گفتگو کرتے رہے۔ شائد تم نے یہ شام بھی اسی کے ساتھ گزاری تھی۔''

''اچھا وہ..... تمہارا بہت شکریہ۔'' حمید خوش ہو کر بولا۔ ''بڑا پیارا نام ہے۔ اس نے اپنا نام نہیں بتایا تھا۔''

آنے والے نے اُسے قہر آلود نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ ''سنجیدگی اختیار کرو۔ تمہاری لاش تک کا پتہ نہ چلے گا۔''

''یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ اس طرح تو کفن کے پیسے بھی بچیں گے اور میں اُن سے پرائز بانڈ خرید لوں گا۔'' حمید نے زہریلی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ویسے وہ محسوس کر رہا تھا آنے والے نے دل ہی دل میں فوری طور پر کوئی فیصلہ کیا ہے۔

پھر وہ اس کی چھلانگ کی زد پر کیسے آ جاتا۔ بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹا تھا اور حملہ آور منہ کے بل فرش پر جا گرا تھا اور دوبارہ اٹھنے ہی والا تھا کہ خود حمید نے اس پر چھلانگ لگائی۔ حملہ آور کی پیشانی فرش سے ٹکرائی۔ اس ٹکراؤ سے پیدا ہونے والی آواز نے کمرے کی محدود فضا میں اچھی خاصی گونج پیدا کی تھی۔

''میجر سعید۔ مجھے لوگ میجر سعید کہتے ہیں۔'' حمید اُسے فرش پر رگڑتا ہوا بولا۔ اس کی گردن میں قینچی ڈال دی تھی اور مسلسل دباؤ ڈال رہا تھا۔ حملہ آور کی پیشانی فرش ہی سے لگی رہی۔

مرنے والا

پھر فرش سے ٹکرانے کا عمل جاری ہی تھا کہ حمید نے مونا کی آواز سنی۔

''کیا میں اندر آ سکتی ہوں۔''

''یقیناً.....!'' حمید نے اس بار زیادہ قوت صرف کی تھی۔ مغلوب کی قوت مدافعت ختم ہو گئی۔ ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے۔

''یہ..... یہ..... کک..... کیا ہو رہا ہے؟'' مونا کی آواز اس بار قریب سے آئی تھی۔

حمید اپنے شکار کو چھوڑ کر ہٹ گیا۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ لیکن حمید کا خیال تھا کہ اُس نے مصلحتاً ہاتھ پیر ڈال دیئے ہیں۔

مونا حیرت اور خوف کے زیرِ اثر کھڑی کانپتی رہی۔

''تم..... تم.....!'' اس کی زبان سے اس کے علاوہ اور کچھ نہ نکل سکا۔

''فکر نہ کرو۔'' حمید نے جھک کر بے ہوش آدمی کو چت کرتے ہوئے کہا۔

اُس نے دیکھا کہ اُس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ لڑکھڑاتی ہوئی کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔ خوفزدہ آنکھوں میں اعتراف شناسائی کی جھلکیاں بھی موجود تھیں۔

''یہ کون ہے؟'' حمید نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

''مم..... یہ..... مل..... لیکن..... یہ یہاں کیوں آیا تھا.....؟''

''دھمکی دینے کہ اگر اب میں نے تم سے ملنے کی کوشش کی تو میرا سر توڑ دے گا۔''

''اُوہ.....!''

''لہٰذا مجھے اس کے جغرافیے سے واقف ہونا چاہئے۔''

''خدا کے لئے تم چپ چاپ یہاں سے بھاگ جاؤ۔''

''کیوں.....؟''

''بس یونہی..... میری بات مانو۔ تم نے اچھا نہیں کیا۔ یہاں کئی آدمی ایسے ہیں جو اس کے لئے جہنم کا دہانہ کھول دیں گے۔''

''خوب.....!'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

''میں کہتی ہوں ہوش میں آؤ۔ فوراً چلے جاؤ یہاں سے۔''

''مناسب یہ ہے کہ اس کے ہوش میں آنے سے قبل تم ہی یہاں سے چلی جاؤ اور میری

فکر نہ کرو۔''

''میرے خدا..... میں کیا کروں۔'' وہ دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیاں تھپتھپا

''کیا تم ہماری ہلاکت کا باعث بننا چاہتے ہو۔''

''مونا..... پلیز..... گٹ آؤٹ۔'' حمید نے دروازے کی جانب ہاتھ ہلا کر کہا۔

''دیکھو..... خدا کے لئے۔''

''جاؤ۔'' وہ غصیلے لہجے میں کہہ کر اُس کی طرف جھپٹا۔ مونا بوکھلا کر دروازے کی مڑ گئی۔

پھر اُس کے باہر نکل جانے پر حمید نے دروازہ بند کیا اور چٹخنی چڑھا دی۔

ویسے یہ احساس اب بھی ذہن کے کسی گوشے میں موجود تھا کہ وہ راہداری میں دروازے کے سامنے ہی رک گئی ہے۔

اس نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور بیہوش آدمی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

جامہ تلاشی کے نتیجے میں ایک بھرا ہوا ریوالور اور ایک پرس اُس کے پاس سے برآ تھا۔ پرس میں معمولی رقم اور کچھ کاغذات تھے۔

حمید اس کے دوبارہ ہوش میں آنے کا منتظر تھا۔

ریوالور گود میں رکھے بیٹھا سوچ رہا تھا کوئی خطرناک کھیل معلوم ہوتا ہے۔ آخر یہ کیوں نہیں چاہتے کہ بوڑھے کو طبی امداد مل سکے۔ پہلے منیجر نے دھمکیاں دی تھیں پھر کلرک اسی مسئلے پر بڑی لاپروائی سے گفتگو کرتا رہا تھا اور اب یہ۔

بیہوش آدمی نے کراہ کر کروٹ بدلی تھی۔ حمید نے ریوالور سنبھال لیا۔ جس کا رخ اس طرف تھا۔

اجنبی کی آنکھیں آہستہ آہستہ کھل رہی تھیں۔

یک بیک وہ اچھل کر اٹھ بیٹھا۔

حمید ریوالور کی نال کلائی پر رکھے اُسے گھورے جا رہا تھا۔

''میں تمہیں اُس کرسی پر بیٹھنے کی اجازت دی سکتا ہوں۔'' اُس نے چند لمحوں کے بعد کہا۔ اجنبی چپ چاپ اٹھا اور میز کے قریب والی کرسی پر جا بیٹھا۔

حمید نے کہنا شروع کیا۔ ''میں قطعی نہیں جانتا کہ وہ لڑکی کون ہے یہ بھی نہیں جانتا کہ تم سے اُس کا کیا تعلق ہے۔ سرِ شام میں نے ایک زخمی آدمی کو دیکھا تھا جسے دو آدمی سہارا دے کر یہاں لائے تھے۔ لڑکی اُس وقت میری ہی میز پر تھی۔ اُس سے مجھے معلوم ہوا کہ وہ اس کا باپ تھا۔''

حمید خاموش ہو گیا۔ اجنبی بھی خاموشی سے اُسے گھورتا رہا۔ کبھی کبھی اُس کی آنکھیں حمید کے چہرے سے ہٹ کر ریوالور کی نال پر جا ٹھہرتیں۔

''میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔'' حمید تھوڑی دیر بعد پھر بولا۔ ''یہاں کے لوگ یہ کیوں نہیں چاہتے کہ بوڑھے کو میڈیکل ایڈ ملے۔''

''میرے لئے یہ ایک بالکل ہی نئی اطلاع ہے۔'' اجنبی نے آہستہ سے کہا۔

''کیا تمہیں منیجر نے میرے خلاف نہیں اکسایا۔''

''ہرگز نہیں۔ میں اُسے اس سے زیادہ نہیں جانتا کہ وہ اس ہوٹل کا منیجر ہے۔''

''پھر تم مجھ پر کیوں چڑھ دوڑے۔''

''میں اسے برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی مرد مونا سے قریب ہونے کی کوشش کرے۔''

''اور اس کے لئے تم اس حد تک بھی جا سکتے ہو۔''

''یقیناً.....!''

''لیکن اگر اس کا باپ مر رہا ہو تو اس کیلئے طبی امداد تک فراہم کرنے کے روادار نہیں۔''

''مجھے اس کا کچھ علم نہیں۔ میں نے صرف اتنا سنا تھا کہ وہ واپس آ گیا ہے۔''

''کہاں سے واپس آ گیا ہے؟''

''پتہ نہیں۔ تین دن پہلے کہیں باہر گیا تھا۔''

''کیا وہ تمہیں جانتا ہے۔''

''نہیں.....وہ مجھے نہیں جانتا۔''

''تو تم اُسے مرجانے دو گے۔''

''میں کچھ بھی نہیں جانتا اس بارے میں۔اگر میں اس کے لئے کچھ کرنا بھی چاہوں مونا اس پر تیار نہیں ہوگی۔وہ مجھ سے بےانداز نفرت کرتی ہے۔''

''یہ کیوں.....؟''

''یہی دستور ہے دنیا کا۔'' وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔''جنہیں اپنانا چاہو وہ بھاگتے ہیں جن کی پرواہ نہ کرو وہ سائے کی طرح ساتھ لگے رہتے ہیں۔''

''ہوں.....اُوں.....!'' حمید نے سر کو جنبش دی اور اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

''میں اُس وقت سے اس کے پیچھے ہوں جب وہ صرف دس سال کی تھی۔''

''اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''میں نہیں جانتا کہ وہ مجھے پسند کرتی ہے یا نہیں۔''

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔'' حمید بولا۔''ایسی کیفیت میں زندگی گزارنے والے شہید کہلاتے ہیں۔اگر اسی کیفیت میں شادی بھی ہو جائے تو جورو کے غلام کہلانے لگتے ہیں۔''

''تم آخر ہو کون.....؟'' اجنبی نے حمید کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

''سعید.....میجر سعید کہلاتا ہوں۔نہ ابھی تک شہادت کے درجے پر فائز ہو سکا ہوں اور نہ ڈومیسٹک کمیشن ہی لیا ہے.....لہٰذا.....!

ویسے تم کوئی شریف ہی آدمی معلوم ہوتے ہو۔'' حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''بعض مجبوریاں اکثر بُرا بھی بنا دیتی ہیں۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''نصیر آباد کے معزز ترین آدمیوں میں میرا شمار ہے۔عام طور پر لوگ میرے بارے میں بہت اچھی رائے رکھتے ہیں لیکن اس فعل پر میرا ضمیر مجھے کبھی معاف نہیں کر سکتا۔''

''کس فعل پر.....!''

''یہی مونا والا معاملہ.....!''

''پروفیسر سے شادی کی درخواست کرو۔''

''لیکن وہ مجھے پسند نہیں کرتی۔متنفر ہے مجھ سے۔اوہ میرے خدا.....تم نے مجھ کو بتایا تھا کہ پروفیسر کو طبی امداد کی ضرورت ہے.....اور کچھ لوگ اس میں حارج ہو رہے ہیں۔''

''یہاں کا منیجر.....!''

''مجھے کچھ کرنا چاہئے۔لاؤ میرا ریوالور واپس کر دو۔وہ غیر قانونی طور پر نہیں رکھا گیا ہے۔میرے پاس.....اوہ.....میرا پرس بھی۔''

وہ اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا۔حمید نے پرس اس کی طرف اچھالتے ہوئے کہا۔

''گن لو اپنی رقم.....!''

لیکن اُس نے اُسے ہاتھوں پر روک کر جائزہ لئے بغیر جیب میں ڈال لیا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ وہ بہت مطمئن نظر آ رہا ہے۔ہر چند کہ ریوالور کا رخ اب بھی اُسی کی طرف تھا۔

''اچھی بات ہے۔'' حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔''ریوالور ہال میں پہنچ کر تمہارے حوالے کر دوں گا۔''

''میں بہت بُرا ہوں۔لیکن کینہ توز نہیں.....!'' اجنبی اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

حمید اس کے پیچھے چل رہا تھا۔

نیچے پہنچ کر اس نے ریوالور اُسے واپس دیتے ہوئے کہا۔''کیا اب تم منیجر کے کمرے میں چلو گے۔''

''نہیں! اُس سے پہلے میں کسی ڈاکٹر کو لاؤں گا۔منیجر سے بعد میں نپٹوں گا۔''

''اُس نے مجھے دھمکی دی تھی کہ کئی خطرناک قسم کے شکاری میری راہ میں حائل ہوں

گے۔ اگر میں نے پروفیسر کو ڈسٹرب کرنے کی کوشش کی۔"

"خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔" اجنبی غرایا۔ "آؤ..... میرے ساتھ۔"

پھر وہ تیزی سے منیجر کے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔

منیجر اپنے کمرے میں تنہا ملا۔ ایرانی مصنفہ یاسمین قزلباش یا حمید کی دانست میں رضیہ وہاں نہیں تھی۔

اجنبی اور منیجر ایک دوسرے کو گھورتے رہے۔ پھر منیجر کی نظر حمید پر پڑی اور اُس نے کہا کر پوچھا۔ "فرمائیے..... میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"پروفیسر ندیم چنگیزی کیلئے میڈیکل ایڈ کیوں نہیں فراہم کی گئی۔" اجنبی نے تیز لہجہ میں کہا

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ.....!"

"شٹ اپ..... میں اپنی بات کا جواب چاہتا ہوں۔"

"میں اس کا پابند نہیں ہوں۔ ہوٹل کا انتظام میری ذات سے تعلق رکھتا ہے۔ جنا جناب۔ اگر آپ کو ہمدردی ہے پروفیسر سے تو جائیے اور کیجئے میڈیکل ایڈ کا انتظام۔ اگر کوئی حادثہ پیش بھی آیا ہے تو وہ ہوٹل کی حدود سے باہر..... میرے فرائض کی حدود سے پروفیسر کی لڑکی چاہتی تو خود ہی میڈیکل ایڈ حاصل کر سکتی تھی۔ سب مجھ ہی سے پوچھنے دوڑ آتے ہیں۔ جہنم میں گیا پروفیسر اور اس کے معاملات۔"

"میں نے سنا ہے کہ تم نے انہیں دھمکی دی تھی۔" اجنبی نے حمید کی طرف اشارہ کر کے کہا

"ضروری تھی۔ کیونکہ انہوں نے یہاں بیٹھی ہوئی ایک معزز خاتون کے لئے کچھ نا الفاظ استعمال کئے تھے۔"

"برجستہ جھوٹ..... خدا کے غضب سے ڈر۔" یدآ نکھیں نکال کر بولا۔

"اگر وہ خاتون اردو سمجھ سکتی ہوتیں تو بتاتا۔"

"تم مجھ سے گفتگو کرو۔" اجنبی پھر غرایا۔

"جناب آپ کا لہجہ۔"

"اچھی بات ہے۔ اب پولیس ہی تم سے سب کچھ پوچھ لے گی۔"

"میں کہتا ہوں آئر.....!" بک بک منیجر کے چہرے سے احساس بے بسی کا اظہار ہونے لگا۔

"میں جو کچھ بھی کہتا ہوں کر گزرتا ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔ ضرور پولیس کی مدد حاصل کیجئے۔ میں کہہ رہا ہوں جا کر پروفیسر کی لڑکی سے بات کیجئے۔ اس کی موجودگی میں مجھے کیا حق حاصل ہے کہ میں کچھ کر سکوں۔"

"اچھی بات ہے۔ میجر سعید۔" اجنبی نے حمید سے کہا۔ "آپ یہیں ٹھہریئے۔ میں ڈاکٹر کو لے کر آتا ہوں۔"

"یہاں..... یعنی منیجر کے آفس میں۔"

"جی ہاں..... میں اس معاملے کو سمجھنا چاہتا ہوں۔"

وہ باہر چلا گیا۔ حمید اور منیجر خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

"میں بری الذمہ ہوں پیارے۔" حمید کچھ دیر بعد مسکرا کر بولا "اس آدمی کا تو میں نام تک نہیں جانتا۔"

"میں سب سمجھتا ہوں۔"

"کیا سمجھتے ہیں۔"

"آپ سب مل کر میری زندگی کے خواہاں ہو گئے ہیں۔"

"تو آپ ایسا کیوں سمجھتے ہیں۔"

"پتہ نہیں۔ یہ بوڑھا مردود یہیں کیوں آ مرتا ہے۔ میں کثیر العیال اور دل کا مریض ہوں۔ خدا رحم کرے میرے حال پر۔"

"جب یہ بات ہے تو اس قسم کی ذمہ داریاں کیوں لیتے ہیں اپنے سر۔" حمید نے بڑے ہمدردانہ انداز میں کہا۔ بس اندھیرے میں ایک تیر پھینکا تھا اس توقع پر کہ نتیجہ کارآمد ہی ثابت ہوگا۔

منیجر چند لمحے ہانپتا رہا پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔ "تین سال پہلے کی بات ہے

یہ بوڑھا پہلی بار یہاں آیا تھا۔ جس رات آیا تھا اُسی رات کو کچھ لوگ زبردستی مجھے ہ
کمپاؤنڈ میں اٹھا لے گئے تھے۔ جہاں لے گئے تھے وہاں ایک سیاہ پوش پہلے سے موج
مجھے دیکھتے ہی اُس نے ایک بڑا سا چاقو نکالا اور کہا کہ میں اس بوڑھے پروفیسر کو اچھی
ذہن نشین کرلوں۔ جب بھی وہ فرارو میں قیام کرنا چاہے مجھے اس کے لئے کمرہ مہیا
پڑے گا۔ خواہ ہوٹل کے اسٹاف ہی کے کسی آدمی کا کمرہ کیوں نہ خالی کرانا پڑے۔ پھر بڑی
دھمکیوں کے ساتھ دوسری ہدایت ملی تھی۔''

منیجر خاموش ہوکر ہانپنے لگا۔ حمید اُسے بغور دیکھ رہا تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ منیجر جھوٹ
بول رہا۔

''دوسری ہدایت کیا تھی۔'' اُس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

''وہی جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ وہی جو میرے لئے پھانسی کا پھندہ بن گئی ہے۔ یعنی
بوڑھے کو کوئی حادثہ پیش آئے تو حتی الامکان اُسے پولیس سے دور ہی رکھا جائے۔ یا
میڈیکل ایڈ بھی اُس وقت مہیا کی جائے جب پروفیسر یا اس کی بیٹی خود اس کی خواہش
کریں۔ اس سلسلے میں جو بھی اخراجات ہوں ان کا حساب الگ رکھا جائے۔ ادائیگی پائی پائی
حساب کرکے دی جائے گی اور میں بھگت رہا ہوں۔ بھگت رہا ہوں۔ پتہ نہیں کب تک بھگتنا پڑے

''ایک بار اس نے دھمکایا تھا اور آپ تین سال سے وہی سب کچھ کرتے چلے آرہے ہیں

''جی نہیں۔ بوڑھے کے دوران قیام میں اکثر وہ سامنے آتا رہتا ہے۔ ابھی پچھلی رات
ہی میری خواب گاہ میں داخل ہوا تھا۔ پتہ نہیں کس طرح دروازے کے قفل تک کھول لیتا ہے

''ہوں.....!'' حمید کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''کیا اُس نے یہ کہا
کہ اس کے بارے میں کسی کو کچھ بتایا نہ جائے۔''

''یقیناً کہا تھا۔ لیکن میں کیا کروں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ اب میں کہیں رہ
برباد ہوں گا۔ میرے خدا کیسی بھیانک زندگی ہے۔ کیسی بھیانک زندگی ہے اور وہ ایرانی عورت
میں اُس سے بہت زیادہ خائف ہوں۔''

''کیوں.....اُس سے کیوں خائف ہیں۔''

''بے حد پُر اسرار معلوم ہوتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ اُسی سیاہ پوش سے کسی قسم کا تعلق
ضرور رکھتی ہے۔ یقیناً یہی بات ہے۔ میں کیا کروں.....میں کیا کروں۔''

حمید نے محسوس کیا کہ اب اُسے اپنے اعصاب پر قابو نہیں رہا۔ پورا جسم بُری طرح کانپ
رہا تھا۔

''آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔'' حمید نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

''ہے تو.....لیکن میں کیا کروں؟''

''آپ کیا سمجھتے ہیں۔ اگر اُسے معلوم ہوگیا تو وہ کیا کرے گا۔''

''مجھے پھر اُسی طرح اٹھوالے جائے گا اور اذیتیں دے کر ہلاک کردے گا۔ یہی نہیں بلکہ
میرے خاندان والے بھی اُس کے مظالم سے محفوظ نہ رہ سکیں گے۔''

''یہی دھمکی دی تھی اُس نے۔''

''جی ہاں۔''

''تب میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ آپ آرام کیجئے۔ میں ساری رات آپ کے کمرے
کی نگرانی کروں گا۔''

''لیکن میرے خاندان کے دوسرے افراد شہر میں رہتے ہیں اُن کا کیا ہوگا۔''

''ارے تو اُسے معلوم ہی کیسے ہوگا کہ آپ یہ سب کچھ مجھے بتا چکے ہیں۔''

''لیکن وہ صاحب تو پروفیسر کے لئے ڈاکٹر لانے گئے ہیں۔ اُس کا کوئی مخبر اُس تک اس
کی اطلاع پہنچا دے گا۔''

''خیر اس کے لئے بھی کچھ کرلیا جائے گا۔ ویسے آخر یہ بوڑھا پروفیسر ہے کیا بلا۔''

''خدا اُسے غارت کرے۔ یقین کیجئے آج تک اس سے زیادہ گفتگو کا موقع نہیں ملا۔
ضروری باتوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں۔''

''ہمیشہ سردیوں میں آتا ہے۔''

''جی ہاں۔'' منیجر نے خوفزدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ذرا آہستہ بولئے۔''

''دروازہ بند کردوں.....!'' حمید نے پوچھا۔

''نن.....نہیں.....کھلا رہنے دیجئے۔''

''میری موجودگی میں خود کو محفوظ سمجھئے۔ میں بھی ایک ماہر نشانہ باز ہوں۔ فوجی ہوں۔''

''میرے مرنے کے بعد آپ نے دس لاشیں گرا بھی دیں تو کیا۔''

''خیر.....کیا آپ کو کچھ اندازہ ہے کہ بوڑھا سردیوں میں یہاں کیوں آتا ہے۔''

''میں قطعاً کچھ نہیں جانتا۔ خدا کے لئے اب اس تذکرے کو ختم کر کے مجھے سوچنے دیجئے کہ اب کیا ہوگا۔''

''سوچئے۔'' حمید نے بے بسی سے کہا۔

منیجر تھوڑی دیر تک سر پکڑے بیٹھا رہا پھر بولا۔ ''آخر میں کیا سوچوں۔ میرے ساتھ سے کیا ہوگا۔ وہ یقیناً میرے خاندان والوں کو پریشان کرے گا۔ مجھے مار ڈالے گا۔ بڑا خوفناک آدمی ہے۔ آواز ہے اُس کی یا شیر کی دھاڑ۔ خدا کی پناہ۔ وہ جب بھی یاد آتا ہے اُس کی آواز کانوں میں ضرور گونجتی ہے۔''

''آپ تو مجھے بھی دہلائے دے رہے ہیں جناب۔'' حمید نے کہا۔

منیجر ابھی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ وہی اجنبی کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے پیچھے ایک اور بھی تھا۔ چھوٹا سا بیگ ہاتھ میں لٹکائے ہوئے۔

''میں ڈاکٹر لے آیا ہوں۔'' اُس نے حمید سے کہا۔ ''لیکن میرا جانا مناسب نہیں۔ تم جاؤ۔ لیکن وہاں ٹھہرو گے نہیں۔''

''اچھی بات ہے۔'' حمید نے کرسی سے اٹھتے ہوئے طویل سانس لی اور ڈاکٹر سے بولا۔ ''میرے ساتھ آیئے جناب۔''

پروفیسر کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ حمید نے دستک دی۔ کسی نے دروازہ کھولا۔

ورمونا کا خوفزدہ چہرہ نظر آیا۔

''تم.....!'' اُس نے سرگوشی کی۔ ''کیوں.....لیکن کیوں؟''

''ڈاکٹر صاحب آ گئے ہیں۔ اپنے ڈیڈی کو دکھایئے۔'' حمید نے کہا اور ڈاکٹر کیلئے راستہ چھوڑتا ہوا بولا۔ ''کچھ دیر ضرور ہوگئی لیکن یہی مناسب رہے گا کہ آپ اپنا اطمینان کرلیں۔''

اُس نے لڑکی کے چہرے پر اطمینان کے آثار دیکھے۔

''میری موجودگی ضروری نہیں؟'' حمید نے ڈاکٹر سے کہا۔ ''میں وہیں منیجر کے آفس میں آپ کا منتظر رہوں گا۔''

پھر لڑکی نے شاید کچھ کہنے ہی کے لئے ہونٹ ہلائے تھے لیکن آواز نہیں نکلی تھی۔

''سب ٹھیک ہے۔'' حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ ''شب بخیر۔''

وہ پھر منیجر کے کمرے میں واپس آ گیا۔ اجنبی وہیں موجود تھا۔ اُس نے سوالیہ نظروں سے حمید کی طرف دیکھا۔

''سب ٹھیک ہے۔ میں ڈاکٹر کو وہاں چھوڑ آیا ہوں۔'' حمید بولا۔

''شکریہ۔'' اجنبی نے کہا اور سامنے والی دیوار پر نظر جمائے ہوئے کچھ سوچتا رہا۔ حمید نے منیجر کی طرف دیکھا۔ اس کی حالت اچھی نہیں تھی۔ منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور ہونٹوں پر پپڑیاں سی نظر آنے لگی تھیں۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد تھوک نگلنے کی ''ٹرچ'' صاف سنائی دیتی۔

''اب آپ لوگ بھی آرام فرمائیں۔'' اُس نے یک بیک بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''آرام.....!'' حمید نے حیرت سے کہا اور اجنبی کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ بھی منیجر کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

''میں ڈاکٹر کی واپسی کا منتظر ہوں۔'' اُس نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تو پھر آپ ضرور آرام کیجئے۔'' اجنبی کا لہجہ زہریلا تھا۔ ''غالباً آپ ڈاکٹر کی رپورٹ نہیں سننا چاہتے۔''

''میں کیوں نہ سننا چاہوں گا۔'' منیجر کی آواز میں جھلاہٹ بھی تھی اور بے بسی بھی۔

اجنبی نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

حمید نے فی الحال کچھ بولنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ اس لئے خاموش ہی رہا۔ محسوس کر رہا تھا کہ منیجر کو سچ مچ آرام کی ضرورت ہے۔

''ہم ہال میں بھی ڈاکٹر کا انتظار کر سکتے ہیں۔'' حمید نے اجنبی سے کہا۔

''نہیں..... یہیں کریں گے۔ مجھے یہ بھی تو دیکھنا ہے کہ آخر یہ سب ہوا کیوں؟''

منیجر نے پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور تھوک نگل کر رہ گیا۔

''میرا خیال ہے کہ اس شریف آدمی کو سچ مچ آرام کی ضرورت ہے۔'' حمید نے کہا۔

اجنبی جواب دینے کی بجائے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

اتنے میں قدموں کی چاپ سنائی دی اور ڈاکٹر کمرے میں داخل ہوا۔

''کیوں.....؟'' اجنبی نے کرسی سے اٹھتے ہوئے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

''حالت مخدوش ہے۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''لوگوں نے بہت دیر کر دی۔ غیر معمولی طور پر خون ضائع ہوا ہے۔ یہاں تو کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔ انہیں آپ سنٹرل ہاسپٹل لے جائیں۔''

''سنا تم نے.....!'' اجنبی منیجر کی طرف مڑ کر دھاڑا۔

اور وہ غریب کرسی سمیت الٹتے الٹتے بچا۔

''جو کچھ بھی کرنا ہے جلدی کیجئے۔'' ڈاکٹر بولا۔ ''کہئے تو میں یہیں سے ایمبولینس کے لئے فون کر دوں۔ جلد سے جلد ہاسپٹل لے جایئے۔''

''یقیناً فون کر دیجئے۔'' اجنبی نے منیجر کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''اب میں دیکھتا ہوں کہ کس طرح جواب دہی کرتے ہو۔''

منیجر نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ جسم کا رعشہ پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گیا۔

ڈاکٹر فون پر نمبر ڈائیل کرنے لگا۔

حمید محسوس کر رہا تھا کہ اب شاید خود منیجر کو بھی طبی امداد کی ضرورت پیش آ جائے۔ ہوا بھی۔

ڈاکٹر ماؤتھ پیس میں ایمبولینس کے لئے کہہ رہا تھا کہ منیجر کا سر کرسی کی پشت گاہ سے ڈھلک گیا۔ دونوں ہاتھ ادھر اُدھر جھول گئے۔

''اب اسے بھی دیکھئے۔'' حمید نے پرسکون لہجے میں ڈاکٹر کو مخاطب کیا۔

''یہ..... یہ کیا مطلب.....!'' ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے ڈاکٹر کا ہاتھ کانپ گیا۔ پھر وہ جھپٹ کر منیجر کے قریب پہنچا۔

''میرے خدا.....!'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''یہ تو..... یہ تو ختم ہو گیا۔''

''کیا.....؟'' اجنبی بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

''سڈن ہارٹ فیلیور.....!''

''پپ..... پھر کیا ہو گا.....؟''

''میں کیا بتا سکتا ہوں۔'' ڈاکٹر نے اپنے ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا اور باتھ روم کی طرف روانہ ہو گیا۔

اجنبی اور حمید خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھے جا رہے تھے۔ پھر حمید ٹیلی فون کی طرف متوجہ ہوا۔ قریبی پولیس اسٹیشن کے نمبر اسے یاد تھے۔ رابطہ قائم ہونے میں دیر نہ لگی۔

''بوڑھے کے بارے میں کچھ نہ کہنا۔'' اجنبی جلدی سے بولا۔ ''ورنہ لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔''

حمید نے سر کو جنبش دی اور منیجر کے فیلیور کے بارے میں کہتا رہا۔

اجنبی اُسے بغور دیکھ رہا تھا۔ حمید ریسیور رکھ کر اس کی طرف مڑا۔

''کیوں.....؟'' اُس نے پوچھا۔ ''بوڑھے کے متعلق بھی بتا دینے میں کیا حرج تھا۔''

''پھر تمہیں یہ بھی بتانا پڑتا کہ بوڑھے کے متعلق اتنی دیر میں کیوں اطلاع دی گئی۔''

''تو تم بوڑھے کو ہسپتال پہنچاؤ گے۔''

''اس کے علاوہ اور کیا چارہ ہے۔''

''ہسپتال والے پولیس کے علم میں لائے بغیر داخل نہ کریں گے کیونکہ وہ زخمی ہے۔''

حمید نے کہا۔ ''اور پھر یہ ڈاکٹر.....!''

''اس ڈاکٹر کو میں دیکھ لوں گا۔''

''جیسا مناسب سمجھو۔'' حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور وہ منیجر کی

دیکھنے لگا۔ مرنے کے بعد اُس کے چہرے پر خوفزدگی کے آثار صاف پڑھے جاسکتے تھے

نے اس کے خاندان والوں کے لئے ہمدردی محسوس کی اور سوچنے لگا کیا یہاں اُس کی موت

- ان واقعات سے بھی تعلق رکھتی ہے۔ یہ سب کچھ اتفاقاً پیش آیا ہے۔

''آخر یہ اس طرح مر کیوں گیا؟'' اجنبی کچھ دیر بعد بڑبڑایا۔

''اسی پر تو مجھے بھی حیرت ہے۔ پروفیسر کے لئے میڈیکل ایڈ کی مخالفت کرنا

میڈیکل ایڈ آئی تو اس حد تک احتجاج کیا کہ دنیا ہی سے چلا گیا۔''

''مخالفت کی کوئی وجہ بھی بتائی تھی۔''

''کچھ بھی نہیں۔ تمہاری عدم موجودگی میں یہی تو معلوم کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ سب بے سود۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔'' اجنبی نے سر کو جنبش دے کر کہا۔

لیکن حمید نے اس کے چہرے پر تشویش کے آثار نہ دیکھے۔

کشمکش

دوسرے دن گیارہ بجے تک پروفیسر ندیم چنگیزی کو ہوش نہیں آیا تھا۔ ہسپتال میں ان

مسلسل آکسیجن دی جارہی تھی۔ اُسے جنرل وارڈ میں رکھا گیا تھا اور مونا کو وہاں اس کے پاس

رہنے کی اجازت بھی مل گئی تھی۔

حمید سے ٹکرانے والا اجنبی ہر وقت ہسپتال ہی کے کسی نہ کسی حصے میں دیکھا جاتا۔ حمید

ہیں تھا۔ لیکن اس نے کوشش کی تھی کہ اجنبی کی نظر اُس پر نہ پڑنے پائے۔

ہوٹل کے منیجر کی لاش پوسٹ مارٹم کے لئے روک لی گئی تھی۔ اُس کے سلسلے میں پولیس

نے ہوٹل میں بہت ہی سخت قسم کی پوچھ گچھ کی تھی۔ یاسمین قزلباش بھی اس سے بچی نہ رہ سکی۔

کسی نے کہہ دیا ہوگا کہ وہ زیادہ تر منیجر کے آفس میں دیکھی جاتی رہی تھی۔

بہرحال پولیس نے سختی سے تاکید کی تھی کہ لاش کا پوسٹ مارٹم ہوجانے سے قبل کوئی بھی

ہوٹل کی رہائش ترک نہ کرے۔

پروفیسر ندیم چنگیزی کے بارے میں ابھی تک کوئی سوال نہیں اٹھا تھا۔ وہ ایک بہت زیادہ

بیمار آدمی کی حیثیت سے ہسپتال میں پہنچایا گیا تھا۔ ویسے حمید کے خیال کے مطابق یہ بھی ممکن تھا

کہ اس پراسرار اجنبی نے اپنی حکمت عملی کی بناء پر کسی قسم کا شبہ پیدا نہ ہونے دیا ہو۔ ڈاکٹر نے تو

پچھلی رات ہی اپنا بیان دیتے وقت پروفیسر یا اس کی علالت کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ

یہ اجنبی ہی کے اشارے پر ہوا ہوگا۔ ورنہ ڈاکٹر کی موجودگی میں بھی منیجر سے اس مسئلے پر بحث

ہوچکی تھی۔

یہ اجنبی کون ہے؟ کیا بلا ہے آخر۔ حمید سوچ رہا تھا۔ دفعتاً ایک نئے شبہے نے ذہن میں

سر اُبھارا..... کہیں اجنبی بھی تو وہی مقصد نہیں رکھتا جس کے لئے منیجر کی جان گئی۔ منیجر یہی تو

چاہتا تھا کہ پروفیسر کا معاملہ پولیس تک نہ پہنچ سکے اور اجنبی کی مداخلت کی بناء پر وہ ہسپتال تو

پہنچ گیا تھا لیکن پولیس کو اس کی ہوا بھی نہیں لگنے پائی تھی۔

تو کیا یہ اُسی سیاہ پوش کا کوئی گرگا ہوسکتا ہے۔

اسی نہج پر سوچتے ہوئے حمید نے فیصلہ کیا کہ وہ اجنبی کے علم میں لاکر مونا سے ملنے کی

کوشش کرے گا۔

اور پھر جنرل وارڈ کے صدر دروازے پر دونوں کا ٹکراؤ ہو ہی گیا۔

''تم کہاں جارہے ہو۔'' اجنبی نے راستہ روکتے ہوئے کہا۔

''اندر.....!'' حمید نے لاپروائی سے جواب دیا۔

''دیکھو.....مجھ سے نہ الجھو.....ورنہ پچھتاؤ گے۔''

''میں لڑکی ہی سے پروفیسر کی خیریت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔''

''اُسے ابھی ہوش نہیں آیا۔''

''میں نے کہا تھا کہ میں مونا ہی سے اس کی خیریت دریافت کرنا چاہتا ہوں۔''

''تم ایسا نہیں کر سکتے۔ مجھے غصہ نہ دلاؤ۔''

''کیا پچھلی رات والا تلخ تجربہ یاد نہیں رہا۔'' حمید مسکرا کر بولا۔

''پچھلی رات میں کسی قدر نشے میں تھا۔''

''اچھی بات ہے.....اب تم جب تک اپنا میڈیکل سرٹیفکیٹ نہیں لاؤ گے میں تمہیں لگی مارو گا۔''

''خاموش رہو۔'' اجنبی کی بھویں تن گئیں۔

''واہ پیارے۔'' حمید بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔ ''ہم کو بعض اوقات غصے پر قطعی پیار نہیں آ جاتا تھا۔

''تو پھر مجھے تمہارا بھی انتظام کرنا ہی پڑے گا۔''

''تم کیا کر سکو گے میرا انتظام۔ منسٹری آف ڈیفنس نے تو یہ کیا تھا میرا انتظام کہ مجھے مستعفی ہو جانے کی درخواست کی تھی۔''

''اوہو.....تو نکالے گئے تھے۔'' یک بیک اجنبی کا رویہ بدلتا محسوس ہوا۔

''جناب.....!'' حمید سینے پر ہاتھ رکھ کر کسی قدر جھکتا ہوا بولا۔

''کیوں نکالے گئے تھے۔''

''بہتیری چھوٹی چھوٹی وجوہات تھیں۔ لیکن سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ مجھے اپنے کرنل کی بیوی سے عشق ہو گیا تھا۔ اور وہ بھی چودھویں کے چاند میں چرخے اور بڑھیا کی بجائے ہر تصویر دیکھنے لگی تھی۔''

''خوب.....!'' وہ حمید کو اوپر سے نیچے تک دیکھتا ہوا بولا۔ ''تو اب ذریعہ معاش کیا؟''

''بدمعاشی۔''

''وضاحت کرو۔''

''دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔'' حمید کا موڈ یک لخت بدل گیا۔

''کیا مطلب.....؟''

''میں مونا کے پاس جا رہا ہوں۔ سامنے سے ہٹ جاؤ۔''

''میں یہاں جھگڑا کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن تمہیں دیکھ لوں گا۔'' اجنبی ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔

حمید دروازے سے گزر کر آگے بڑھتا چلا گیا۔ اُسے بیڈ نمبر کا علم تھا۔ اس لئے ٹھیک اسی جگہ پہنچ کر رکا جہاں وہ دونوں موجود تھے۔ بوڑھا چت پڑا تھا۔ آکسیجن کے سلنڈر سے ربڑ کی نلکی اس کے چہرے تک آئی تھی اور اس کا سینہ معمول کے مطابق پھول پچک رہا تھا۔

مونا بستر کے قریب ہی بیٹھی ہوئی تھی۔

رات بھر جاگتے رہنے کی وجہ سے چہرے پر اضمحلال کے علاوہ اور کسی قسم کا تاثر نہیں پایا جاتا تھا۔

حمید کو دیکھ کر وہ چونک پڑی تھی اور پھر حمید کے شانے سے اُس کے عقب میں دیکھا تھا۔ ایسا کرتے وقت دیکھنے کا انداز بالکل بدل گیا تھا۔ آنکھوں میں سہم جانے کی سی کیفیت پائی جاتی تھی۔

حمید پھرتی سے مڑا اور سچ مچ اس کا خون کھولنے لگا۔ وہی اجنبی اُس سے دو یا تین فٹ کے فاصلے پر کھڑا تھا۔

وہ پھر مونا کی طرف مڑ کر بولا۔ ''میں تمہارے لئے بہت دکھی ہوں مونی بتاؤ میں کیا کروں۔''

مونا کچھ نہ بولی لیکن اُس کی آنکھوں سے جھانکنے والے خوف میں اضافہ ہو گیا تھا۔

''کس وقت ہوش آیا تھا پروفیسر کو۔'' حمید نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

مونا نے نفی میں سر کو جنبش دی۔ زبان سے پھر بھی کچھ نہ کہا.....

''اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو بے تکلفی سے کہو۔'' حمید نے کہا۔ اب اُس نے اجنبی کی طرف پشت پھیر لی تھی۔

''کک..... کچھ نہیں۔'' وہ ہکلائی۔ اب بھی حمید کے شانے کے اوپر دیکھ رہی تھی۔

دفعتاً حمید نے پھر اُس کی آنکھوں میں تغیر سا محسوس کیا اور ساتھ ہی کوئی ٹھوس چیز کمر سے آ لگی۔

حمید نے مڑے بغیر کنکھیوں سے پیچھے دیکھنے کی کوشش کی۔ اجنبی اُس سے لگا کھڑا تھا۔

''دروازے کی طرف۔'' اجنبی سرد لہجے میں بولا۔

وہ ٹھوس چیز ریوالور کی نال کے علاوہ اور کیا ہو سکتی تھی۔ ریوالور اجنبی کے کوٹ کی جیب میں تھا اور نال جیب ہی سے چبھوئی جا رہی تھی۔

حمید بے چون و چرا دروازے کی طرف مڑ گیا۔ اس کی اور اجنبی کی رفتار میں کوئی فرق نہیں تھا اور ریوالور کی نال بدستور کمر سے لگی ہوئی تھی۔

جنرل وارڈ سے نکل کر انہوں نے طویل برآمدہ طے کیا۔ اسی طرح عمارت سے ہوتے ہوئے سڑک پر نکل آئے۔

حمید خاموش تھا اور اس کے ہونٹ مضبوطی سے ایک دوسرے پر جمے ہوئے تھے۔ کچھ چلنے کے بعد کتھئی رنگ کی ایک چھوٹی سی کار کھڑی نظر آئی۔ ڈرائیور کی سیٹ پر ایک بھدا آدمی بیٹھا سگار پی رہا تھا۔ انہیں اپنی طرف آتے دیکھ کر اُس نے سگار پھینک دیا اور تھوک پچکاری مارتا ہوا گاڑی سے اُتر آیا۔

پھر اُن کے لئے پچھلی سیٹ کا دروازہ اُسی نے کھولا تھا۔ حمید کو اسی طرح گاڑی میں پڑا اور بیٹھ جانے کے بعد بھی وہ ریوالور کی نال کا دباؤ اپنے پہلو میں محسوس کرتا رہا۔

''کیا ارادے ہیں۔'' حمید نے خود کو لاپرواہ ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

''کسی ویرانے میں پہنچ کر بات کریں گے۔'' اجنبی غرایا۔

''دیکھو دوست۔'' حمید طویل سانس لے کر بولا۔ ''میں کہتا ہوں..... خیر جانے دو..... مجھے دیکھنا ہے کہ تم کیا چاہتے ہو۔ اپنا مطمع نظر تو میں تم پر پہلے ہی واضح کر چکا ہوں۔''

''چپ چاپ بیٹھے رہو۔''

حمید نے پھر ہونٹ بھینچ لئے۔ اب اُسے پوری طرح یقین ہو گیا تھا کہ معاملہ محض رقابت سے تعلق نہیں رکھتا۔ پروفیسر بے ہوش ہے اس سے کچھ پوچھا نہیں جا سکتا۔ مونا ہی کسی قسم کی معلومات کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ لہٰذا کسی غیر متعلق آدمی کا اس تک پہنچنا کسی نامعلوم آدمی یا خود اسی اجنبی کو پسند نہیں۔

اس کی نظر عقب نما آئینے پر پڑی۔ پیچھے کئی اور گاڑیاں بھی تھیں۔ سڑک اتنی کشادہ نہیں تھی کہ گاڑیاں برابر سے چل سکتیں۔ لہٰذا جب بھی اس کار کی رفتار کم ہوتی پچھلی گاڑیوں کے ہارن چنگھاڑنے لگتے۔

اچانک ایک دوراہے پر پہنچ کر کار بائیں جانب مڑ گئی۔ کچھ دیر بعد حمید نے یونہی بغیر ارادہ پھر عقب نما آئینے کی طرف دیکھا۔ اب بھی ایک گاڑی پیچھے نظر آ رہی تھی۔ اُس نے ایک طویل سانس لی اور آنے والے لمحات کے بارے میں سوچنے لگا۔

دفعتاً پچھلی گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔ یہ سڑک کسی قدر کشادہ تھی۔ اس کار کی رفتار کچھ کم ہوئی اور پچھلی گاڑی کو راستہ دینے کے لئے ایک طرف کر لیا گیا۔

دوسری گاڑی برابر سے گزری چلی گئی۔ اس کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔

تھوڑی دیر بعد اسی کار سے ہارن دینے کی ضرورت پیش آ گئی جس میں حمید سفر کر رہا تھا۔ ڈرائیور پے در پے ہارن دیتا رہا۔ لیکن اگلی گاڑی نے نہ تو راستہ ہی دیا اور نہ اس کی رفتار ہی تیز ہوئی۔

''پاگل ہو گیا ہے مردود۔'' اجنبی غرایا۔

''فائر کر دو پچھلے کسی وہیل پر۔'' حمید نے مشورہ دیا۔

''شاید یہی کرنا پڑے۔'' اجنبی نے کہا۔ پھر یک بیک چونک کر حمید کو گھورنے لگا۔ ڈرائیور نے پھر ہارن دیا لیکن بے سود۔ اگلی گاڑی پہلے ہی کے سے انداز میں چلتی رہی۔

''تم مجھے اس طرح کیوں گھور رہے ہو۔'' حمید بولا۔

''تمہیں یہاں کتنے لوگ جانتے ہیں۔''

''تم جانتے ہو۔ مونا جانتی ہے اور تیسرا تو چل ہی بسا۔''

''اگلی گاڑی میں کون ہے؟''

''غالباً لیڈی ماؤنٹ بیٹن.....!''

''سنجیدگی اختیار کرو۔ ورنہ ٹریگر دب جائے گا۔'' اجنبی نے کہا اور حمید بائیں پہلو میں ریوالور کی چبھن کچھ اور زیادہ محسوس کرنے لگا۔

''میں نہیں جانتا۔ اور سنو..... اگر یہ سب کچھ محض مونا کی وجہ سے ہو رہا ہے تو یقین کرو کہ میں اب اُس سے کبھی نہ ملوں گا۔''

''اب اتنی آسانی سے گلو خلاصی نہیں ہو سکتی۔'' اجنبی نے طنزیہ سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

''یعنی..... کیا مطلب.....!''

''اب میں یہ دیکھوں گا کہ تم حقیقتاً کون ہو۔''

''اس کے لئے مجھے کیا کرنا ہوگا؟''

''مجھے ہی کچھ کرنا ہوگا..... تمہیں تکلیف نہیں اٹھانی پڑے گی۔'' اجنبی نے کہا۔ جھلائے ہوئے لہجے میں ڈرائیور سے بولا۔ ''کھکھیڑ..... کھکھیڑ۔''

حمید اس بے معنی لفظ پر چونکا تھا۔ لیکن قبل اس کے کہ کچھ سمجھ بھی سکتا اگلی کار کے دائیں جانب ایک دھماکہ ہوا اور وہ بائیں جانب دبتی چلی گئی۔

اس کار کے ڈرائیور نے ڈیش بورڈ کے خانے سے کوئی چیز نکال کر پھینکی تھی۔ اب دوبارہ وہی کرنے جا رہا تھا۔

پھر دھماکہ ہوا لیکن اس بار اگلی گاڑی بائیں جانب دبنے کی بجائے سڑک پر آڑی ہو کر رک گئی اور ڈرائیور کی سیٹ سے کسی نے چھلانگ لگائی۔

حمید والی گاڑی کے ڈرائیور نے پورا بریک نہ لگایا ہوتا تو وہ اگلی گاڑی سے جا ٹکراتی ہوتی۔ صرف دو فٹ کے فاصلے پر رکی تھی۔

پھر دفعتاً حمید نے محسوس کیا کہ اسکے بائیں پہلو پر اجنبی کے ریوالور کا دباؤ ختم ہو گیا؟

جنبی کا ریوالور والا ہاتھ اب کھڑکی کے باہر تھا۔ اُس نے اگلی کار کے ڈرائیور کو کور کر رکھا تھا۔

حمید والی گاڑی کا ڈرائیور نیچے اُتر کر اگلی کار کے ڈرائیور کی طرف بڑھ رہا تھا۔ یک بیک حمید کو ہوش آ گیا اور وہ بیٹھے ہی بیٹھے اجنبی پر ٹوٹ پڑا۔ ریوالور والا ہاتھ پر خاص طور سے نشانہ دیا تھا۔ لہٰذا ریوالور سڑک پر جا پڑا۔

ڈرائیور دوسرے ڈرائیور کی طرف جانے کی بجائے تیر کی طرح ریوالور کی طرف جھپٹا تھا۔

لیکن اُسے کامیابی نہ ہوئی وہ ریوالور کو اٹھانے کے لئے جھکا ہی تھا۔ دوسری گاڑی کے ڈرائیور کی ٹھوکر اس کی ٹھوڑی پر پڑی اور وہ چیختا ہوا دوسری طرف الٹ گیا۔

اور پھر نہ اٹھ سکا۔ دونوں ہاتھوں سے ٹھوڑی دبائے ہوئے پیر پٹختا رہا۔

ادھر حمید محسوس کر رہا تھا کہ اس کا حریف بھی کمزور نہیں ہے اور اُس نے اپنے بارے میں غلط نہیں کہا تھا کہ وہ پچھلی رات پیئے ہوئے تھا۔

دفعتاً باہر سے آواز آئی۔ ''تم لوگ بھی اُتر آؤ۔ ورنہ خون ہو جائے گا ایک آدھ کا۔''

حمید نے محسوس کیا کہ اجنبی ڈھیلا پڑ گیا ہے۔

دوسری گاڑی کا ڈرائیور پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولے کھڑا تھا اور اُس کے داہنے ہاتھ میں حمید نے اجنبی کا ریوالور بھی دیکھا۔

اُس نے اجنبی کو دھکا دیا اور وہ سڑک پر جا پڑا لیکن پھر فوراً ہی تن کر کھڑا ہو گیا تھا۔

حمید گاڑی میں بیٹھا رہا۔ اُس نے محسوس کیا کہ دوسری گاڑی کے ڈرائیور کی توجہ اس کی طرف تھی بھی نہیں۔ وہ تو صرف اجنبی کو کور کئے کھڑا تھا اور اجنبی کی گاڑی کا ڈرائیور تو اس طرح گر کر پڑا تھا کہ پھر جنبش ہی نہ کی۔ پتہ نہیں بیہوش ہو گیا تھا یا یونہی بنا پڑا تھا۔

''تم لوگوں نے یہ پٹاخے کیوں پھینکے تھے۔'' اگلی کار کا ڈرائیور غرایا۔

یہ ایک قد آور اور توانا جسم کا آدمی تھا۔ آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک تھی اور ڈرائیوروں والی وردی میں ملبوس تھا۔

''تم ہمیں راستہ کیوں نہیں دے رہے تھے۔'' اجنبی نے سخت لہجے میں کہا۔

''اس پر تم نے پٹاخے پھینکے..... کیوں.....؟ اگر گاڑی کھڈ میں جا پڑتی تو۔''

''میں کہتا ہوں اپنی راہ لو..... ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔'' اجنبی دانت پیس کر بولا۔

''اب تنہا تو جاؤں گا نہیں۔ تم بھی جاؤ گے میرے ساتھ۔''

''کیا مطلب.....؟''

''میجر سعید..... پلیز.....!'' ڈرائیور نے حمید کو مخاطب کر کے کہا۔ ''کیا آپ نیچے اس شریف آدمی کے ہاتھ پیر نہیں باندھیں گے۔''

حمید نیچے اُتر آیا۔ وہ اُس ڈرائیور کو پہلے ہی گھورتا رہا تھا۔

''میری گاڑی سے ڈور کا لچھا نکال لیجئے۔ آپ کو تکلیف تو ہوگی۔ ڈگی میں ہے۔''

''تو یہ سب کچھ.....!'' اجنبی نے کچھ کہنا چاہا۔ لیکن اُس کی آواز ڈرائیور کی گونجیلی اپ میں دب کر رہ گئی۔

حمید اگلی کار کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ ڈکے اٹھا کر ریشمی ڈور کی لچھی نکالی اور پھر ان طرف پلٹ آیا۔

''اپنے دونوں ہاتھ پشت پر لے جاؤ۔'' ڈرائیور اجنبی سے کہہ رہا تھا۔

''یہ ناممکن ہے۔ مجھے حلوہ نہ سمجھو۔'' اجنبی غرایا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں حمید نے ڈور کا لچھا پھینک کر اس کی کنپٹی پر ایک زوردار جڑ دیا۔ اجنبی لڑکھڑایا پھر سنبھلنے نہیں پایا تھا کہ ٹھیک اُسی جگہ دوسرا ہاتھ پڑا۔

اس بار وہ اس طرح لڑکھڑا کر گرا تھا جیسے توازن کی حس کھو بیٹھا ہو۔

''کافی ہے۔'' ڈرائیور ہاتھ ہلا کر بولا۔

کنپٹی کی یہ ضرب کلوروفارم سے بھی زیادہ مؤثر ثابت ہوا کرتی تھی۔

وہ بیہوش ہو گیا۔

''بڑا سدھا ہوا ہاتھ تھا۔'' ڈرائیور بولا۔

''مرشد کا فیض ہے۔'' حمید نے کہا اور جھک کر اُس کے ہاتھ پیر باندھنے لگا۔ اجنبی

گاڑی کے ڈرائیور کے ساتھ بھی یہی رویہ اختیار کیا گیا۔

''آپ ان دونوں کو میری گاڑی تک پہنچانے میں مدد دیجئے۔'' ڈرائیور نے کہا۔

''کیا ہم پہلے بھی کبھی مل چکے ہیں۔'' حمید نے ڈرائیور کو گھورتے ہوئے کہا۔

''جناب نے پرورش ہی میری گود میں پائی ہے۔'' ڈرائیور کا جواب تھا۔

حمید اچھل پڑا۔ سخت غصہ آیا اپنے ڈیوٹ پن پر..... لیکن وہ کرتا بھی کیا۔ میک اپ میں تو فریدی کا پورا ڈھانچہ ہی بدل کر رہ جاتا تھا۔ نہ قد کا صحیح سراغ ملتا اور نہ تن و توش کا۔ چلنے کا انداز تک بدل جاتا تھا۔ پھر آواز کیا پہچانی جا سکتی۔

''اوہ.....!'' حمید ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ ''تو ایک بار پھر میں چارے کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہوں۔''

''وقت نہیں ہے۔ جلدی کرو۔ اگر کوئی اور گاڑی ادھر آ نکلی تو زحمت ہوگی۔ لو یہ لفافہ رکھو..... اطمینان سے دیکھنا.....!''

''ان دونوں کو میری گاڑی تک پہنچاؤ اور تمہیں اسی گاڑی سے واپس جانا ہے۔ جہاں سے اس پر بیٹھے تھے وہیں چھوڑ دینا۔''

پھر بیہوش ڈرائیور کے ہاتھ پیر بھی باندھے گئے اور ان دونوں کو فریدی کی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈال دیا گیا۔

''آپ یہاں کب سے ہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''جب سے تم ہو.....!''

''میں نہیں سمجھا۔''

''ہم دونوں ایک ہی جہاز سے یہاں پہنچے تھے۔''

''میرے خدا.....!'' حمید منہ کھول کر رہ گیا۔

''بس اب جاؤ۔'' فریدی نے کہا اور اپنی گاڑی میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کر دیا۔

مجبوراً حمید کو بھی واپس ہونا پڑا۔ بہتیرے چبھتے ہوئے سوالات گھٹ کر رہ گئے تھے۔ وہ

اس اندھا دھند بھاگ دوڑ کے بارے میں تفصیلات معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اچانک وہ لفا
لیکن وہ راستے میں نہیں رکنا چاہتا تھا۔

ہسپتال کے قریب پہنچ کر رفتار کم کردی۔ فریدی کی ہدایت کے مطابق گاڑی کو
جگہ چھوڑنا چاہتا تھا جہاں سے روانہ ہوئی تھی۔

ہسپتال کے لان میں ایک گوشے میں بیٹھ کر اس نے لفافہ چاک کیا۔ اس میں
پرچہ ہی نہیں بلکہ تیر کی شکل کی ایک سنہری ٹائی پن بھی تھی۔

وہ چند لمحے اُسے الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا پھر اس کے ساتھ والی تحریر دیکھنے لگا۔
فریدی ہی کی تھی لکھا تھا۔

''پروفیسر کی لڑکی سے قریب تر ہونے کی کوشش جاری رکھو۔ وہ سارہ رحمان کو
قریب سے جانتی تھی۔ فی الحال ایک نامعلوم آدمی اس کی نگرانی کررہا ہے۔ میرا خیال ہے
نہیں چاہتا کہ کوئی اجنبی اس لڑکی سے کسی قسم کا تعلق رکھے۔ پروفیسر میرے لئے نئی دریافت
اسے بھی دیکھنا پڑے گا۔ یہ ٹائی پن ہر وقت تمہارے استعمال میں رہنا چاہئے۔ اگر غیر
حالات سامنے آئیں تو حیرت کا اظہار نہ ہونا چاہئے۔ وقتاً فوقتاً تمہیں ہدایات ملتی رہیں گی۔''

حمید نے پرچے کا پرزہ پرزہ کرکے ایک طرف اچھال دیا اور ٹائی پن کو پھر گھورنے لگا۔

سنہرا تیر..... اوہ..... گولڈن ایرو..... تو اب اُسے اس نشانی سمیت منظر عام پر آنا
گا۔ یعنی وہ خود کو اُسی گروہ سے متعلق ظاہر کرنے کی کوشش کرے گا۔

''سارہ رحمان۔'' وہ بڑبڑایا اور ایک طویل سانس لے کر خلاء میں گھورنے لگا۔
آرٹسٹ کا معصوم چہرہ یاد آیا..... وہ قاتلہ یاد آئی جس نے اپنی جان بچانے کے لئے
خطرناک آدمی کو قتل کردیا تھا۔ جسے افسوس تھا کہ اس کی وجہ سے ایک معصوم آدمی کو پولیس
جیل میں ڈال رکھا ہے۔ وہ جس نے اپنا گمشدہ پرس حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے
آدمی کو آلہ کار بنایا تھا۔ وہ جو فریدی سے ملنا چاہتی تھی اور اسی دھوکے میں اپنے انجام کو
کہ وہ فریدی سے ملنے جارہی تھی۔

اُس کا پرس یاد آیا جو اب بھی فریدی کے پاس تھا۔ لیکن کیا تھا اُس پرس میں۔ ایک
معمولی سی رقم جس کی گمشدگی ایک مفلس ترین آدمی کے لئے بھی اتنی باعث تشویش نہ ہوتی کہ
وہ اُسے دوبارہ حاصل کرنے کے لئے کسی قسم کا خطرہ مول لے بیٹھتا۔

اگر اُس پرس کی اہمیت تیر کے نشان کی وجہ سے تھی تو یہ بات بھی سمجھ میں آنے والی
نہیں۔ گولڈن ایرو کا نام اُن دنوں اسی طرح مشہور تھا جیسے عالمی تنظیم مافیا کے بارے میں دنیا کا
ہر آدمی کسی قدر معلومات ضرور رکھتا ہے۔

''اونہہ.....!'' اُس نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

کچھ دیر بعد چونکا۔ ٹائی پن اب بھی مٹھی میں دبا ہوا تھا۔ اُس نے اپنا ٹائی پن ٹائی سے
نکال کر جیب میں ڈال لیا اور اس کی جگہ لفافے سے برآمد ہونے والا پن لگاتے ہوئے سوچا
اگر مونا اس کی اہمیت سے واقف ہے تو اب وہ اُس سے بھی دور بھاگے گی۔ جیسے اُس اجنبی
سے کتراتی رہی تھی۔ کتنی خوفزدہ نظر آتی تھی اُس کی موجودگی میں۔

پائپ کا تمباکو راکھ ہوچکا تھا۔ حمید نے فیصلہ کیا کہ وہ مونا کی موجودگی میں تیر نما ٹائی پن
استعمال نہیں کرے گا۔

پائپ کی راکھ جھاڑ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اب وہ پھر جنرل وارڈ کی طرف جارہا تھا۔

مونا اُسے دیکھ کر کھڑی ہوگئی۔ منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ کچھ دیر قبل بھی حمید نے اُسے
دیکھا تھا۔ اتنی بُری حالت تو نہیں تھی۔ اب تو ایسا لگتا تھا جیسے برسوں کی بیمار ہو۔

''تت..... تم..... واپس آگئے۔'' وہ بدقت ہکلائی۔

''مظلوموں کی حمایت اور حفاظت کرنا ہمیشہ سے میرا اصول رہا ہے۔''

''مظلوموں..... کیا مطلب.....!'' وہ خوفزدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''میں نے اس دوران میں بہت کچھ محسوس کیا ہے۔''

''کک..... کیا محسوس کیا ہے۔''

''یہی کہ تم خائف ہو۔ مجھے اس آدمی کے بارے میں بتاؤ جو مجھے یہاں سے لے گیا تھا۔''

''وہ.....وہ کہاں ہے.....وہ.....!''

''تم نے محسوس کیا ہوگا کہ میں نے کسی چوہے کی طرح اُس کے حکم کی تعمیل کی تھی۔''

''مم.....میں نے محسوس کیا تھا۔''

''وہ مجھے دیوالور کے زور پر یہاں سے لے گیا تھا۔''

''میں نے یہی محسوس کیا تھا۔'' وہ مضطربانہ انداز میں بولی۔ ''پھر کیا ہوا۔''

''تین سوفٹ گہری کھڈ اس کا مقدر بن گئی۔''

''کک.....کیا.....کک.....کیسے.....!''

''اُس نے مجھ پر گولی چلائی تھی.....تین فائر کئے تھے۔ پھر میں نے اُسے اٹھا کر کھ
پھینک دیا۔''

''اب کیا ہوگا.....میرے خدا.....!'' اُس نے کہا اور آنکھیں بند کر کے آگے
جھولنے لگی۔

''اے.....ہوش میں آؤ۔'' حمید نے اُس کا شانہ پکڑ کر ہلاتے ہوئے کہا۔

پھر وہ بالکل اسی طرح چونک پڑی تھی جیسے گہری نیند سے جاگی ہو۔

''تت.....تم نے اُسے مار ڈالا.....!''

''ہاں.....میں ہر اس آدمی کو مار ڈالوں گا جو تیر کی شکل کا ٹائی پن استعمال کرتا ہو۔''

''خ.....خدا کے لئے آہستہ بولو.....!'' وہ چاروں طرف دیکھتی ہوئی گڑگڑائی۔

حمید نے تفہیمی انداز میں سر کو جنبش دی اور اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

''تت تم کیوں مار ڈالو گے ہر اس آدمی کو.....!''

''میں اپنی اس معصوم دوست کی موت کو کبھی نہیں بھلا سکتا جس کے پہلو میں ایک زہ
تیر پیوست ہو گیا تھا۔ میرے خدا وہ کتنی اچھی تھی۔ اس نے ان لوگوں کے جال سے نکلنا چ
اور انہوں نے اُسے مار ڈالا۔''

''تم کس کی باتیں کر رہے ہو۔'' مونا ہانپتی ہوئی بولی۔

''تھی ایک لڑکی.....بہر حال میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تمہاری وجہ سے ایک ایسا آدمی
ے ہاتھ لگا جو گولڈن ایرو بطور ٹائی پن استعمال کرتا تھا۔''

''مم.....میں کچھ نہیں سمجھی۔''

''تم سمجھ کر کیا کرو گی۔ اُس نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ تمہیں بہت چاہتا ہے۔ لیکن تم اس
ے نفر ہو اور وہ تمہیں اتنا زیادہ چاہتا ہے کہ تمہارے قریب کسی دوسرے مرد کی موجودگی
داشت نہیں کر سکتا۔''

''سب بکواس تھی۔'' وہ بے ساختہ بولی اور پھر خوفزدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔

''پھر.....!'' حمید نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''اُسے تم سے کس قسم کا
گاؤ تھا۔''

''میں نہیں جانتی.....میں کچھ نہیں جانتی۔'' وہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر بولی۔

''تو پھر میں یہ سمجھ لوں کہ تم بھی انہیں لوگوں سے تعلق رکھتی ہو۔''

''نہیں.....نہیں.....ہرگز نہیں۔'' وہ چہرے پر سے ہاتھ ہٹاتی ہوئی بولی۔

''خیر.....خیر.....تم بہت پریشان ہو۔ میں اب تم سے کچھ نہیں پوچھوں گا۔ لیکن سارہ کے
اتل اب مجھ سے نہیں بچ سکتے۔''

''سارہ.....!'' وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''سس.....سارہ رحمان تو نہیں۔''

''کیا.....؟ کیا تم اُسے جانتی تھیں۔'' حمید نے حیرت ظاہر کرنے کی بہت شاندار اداکاری کی۔

وہ پھر بیٹھ گئی اور کسی بت کیطرح ویران ویران آنکھوں سے خلاء میں گھورے جا رہی تھی۔

وہ غار

دوسری صبح حمید الجھن میں تھا کہ فریدی کو اُن واقعات سے کیسے آگاہ کرے جو پچھلے دن

پیش آئے تھے۔

ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد اُس نے ناشتے کے لئے فون کیا اور کو
قریب جا کھڑا ہوا۔ مطلع ابر آلود تھا۔ سردی پچھلے دن سے کچھ زیادہ ہی محسوس ہو رہی تھی

کچھ دیر بعد ویٹر ناشتے کی ٹرے رکھ کر چلا گیا۔ اور حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا
قریب آ بیٹھا۔ پچھلے دن کے واقعات اب بھی اس کے ذہن میں گونج رہے تھے۔

تمباکو بھر کر پائپ ایک طرف رکھتے ہوئے اس نے ناشتے کی ٹرے پر نظر ڈالی
بجانے کے سے انداز میں ہونٹ سکوڑ لئے۔

چاکلیٹ کا پیکٹ..... اُس سے پہلے تو کبھی ناشتے کے ساتھ چاکلیٹ کا پیکٹ نہیں
اُس نے اُسے الٹ پلٹ کر دیکھا اور پُرتفکر انداز میں اُس پر سے کور اتارنے لگا۔ یہ اس
خاص خیال کے تحت نہیں کیا تھا لیکن دوسرے ہی لمحے میں پیکٹ کی اہمیت اُس پر واضح ہو گ
کور کی نچلی سطح پر سیاہ روشنائی سے تحریر تھا۔

''ناشتہ کر کے لباس تبدیل کرو۔ پارکنگ شیڈ میں گہرے براؤن رنگ کی ایک ٹو
کا نمبر ایم پی اے سات سو گیارہ ہے تمہارے ہی لئے مہیا کی گئی ہے۔ چابی ڈیش بو
خانے میں ہے۔ بس سیدھے بھرتو نالے کی طرف چلے آؤ اور ہاں وہ ٹائی پن لگانا مت بھ

حمید نے طویل سانس لی اور کور کو پرزے کر کے آتشدان میں ڈال دیا۔ تو جنا
پوری طرح جال بچھا رکھا ہے۔ اُس نے سوچا..... اور ناشتے کی ٹرے کی طرف پھر متوجہ ہو
کافی فلیور نہ جانے کیوں اچھا نہ لگا۔ سینڈوچ اچھے تھے..... جوں توں ناشتہ ختم
لباس تبدیل کیا۔

ٹو سیٹر جس کا تذکرہ پیغام میں تھا پارکنگ شیڈ میں موجود تھی۔ حمید نے اُسے دیکھ
محسوس کیا کہ وہ غیر معمولی ساخت رکھتی ہے۔

ڈیش بورڈ میں گاڑی کی کتاب اور کنجیاں موجود تھیں۔ کتاب کھول کر دیکھی تو پتہ
گیا۔ یہ میجر حامد سعید ہی کے نام کی تھی۔ پتہ رام گڈھ زون کے ہل اسٹیشن کا تھا۔

اُس نے کنجی کے لچھے سے اگنیشن کی منتخب کی اور گاڑی کو اسٹارٹ کر کے پارکنگ شیڈ
سے نکال لایا۔

اب وہ بھرنالے کی طرف جا رہا تھا۔

نالہ کہلاتا تھا لیکن حقیقتاً تھا ایک انتہائی پُرشور پہاڑی دریا، جو رام گڈھ اور ٹیکم گڈھ کے
درمیان خط تقسیم کا کام بھی دیتا تھا۔

میلوں تک بہاؤ اتنا تیز تھا کہ اسے پار نہیں کیا جا سکتا تھا۔

یہی سڑک جس پر حمید سفر کر رہا تھا ایک جگہ پل پر سے گزرتی ہوئی ٹیکم گڈھ کی سرحد میں
داخل ہوتی تھی۔

حمید سوچ رہا تھا کیا اُسے پل تک جانا ہوگا۔ ویسے سڑک تو کئی جگہ بھرتو نالے کے قریب
سے بھی گذرتی تھی۔

''اونہہ.....!'' وہ سر جھٹک کر بڑبڑایا۔ ''دیکھا جائے گا۔''

لیکن یہ کنجیوں کا لچھا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اگنیشن اور گاڑی کے دوسرے قفلوں
کے لئے عموماً ایک ہی کنجی ہوتی ہے پھر یہ سات عدد کنجیاں کیسی ہیں جن کی بناوٹوں میں بھی
نمایاں فرق ہے۔

کار تیز رفتاری سے پہاڑی سڑک طے کرتی رہی۔ ابر ہونے کی وجہ سے خنکی بڑھ گئی تھی۔
غنیمت یہی تھا کہ ہوا تیز نہیں تھی۔ ورنہ ڈرائیونگ وبال جان بن جاتی۔ پھر بھی ہاتھوں پر
دستانے تو تھے ہی ورنہ ٹھنڈے اسٹیئرنگ نے ہتھیلیوں کا خون منجمد کر دیا تھا۔

اُسے پھر کنجیوں کا خیال آیا۔ اُس نے سوچا کہ رکنا چاہئے کسی مناسب سے مقام پر اور
دیکھنا چاہئے کہ کہیں ''یہ حجرہ ہائے سفت بالا'' کی کنجیاں تو نہیں ہیں۔

سات عدد کنجیاں طلسم ہوشربا کے سات حجروں کی کنجیاں بھی ثابت ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ ان
کا تعلق فادر ہارڈ اسٹون سے ہے۔ فادر ہارڈ اسٹون جو اپنی جسامت اور قد و قامت تک بدل کر
رکھ دیتا ہے۔

خدا کی پناہ..... پچھلے دن آنکھوں نے کیسا دھوکا کھایا تھا۔

اُس نے ایک جگہ سڑک کے کنارے تھوڑا سا مسطح ٹکڑا دیکھ کر گاڑی وہیں روک دی ڈیش بورڈ کا جائزہ لینے لگا۔ لیکن وہاں کوئی غیر معمولی بات نظر نہ آئی۔

پھر گاڑی کے دوسرے حصوں کی طرف متوجہ ہوا۔

دروازے کچھ غیر معمولی سے لگے اُن کی موٹائی غیر معمولی تھی۔ ویسے بھی جب حمید اس گاڑی کو پارکنگ شیڈ میں دیکھا تھا تو ذہن کے کسی گوشے میں یہ احساس موجود تھا کہ وہ ٹوسیٹر گاڑیوں سے مختلف ہے۔

دروازہ کھولنے کے لئے ہینڈل گھمایا ہی تھا کہ ہینڈل کے نیچے ایک مخصوص کٹاؤ والی نظر آئی۔

''ہوں.....!'' اُس نے تفہیمی انداز میں سر کو جنبش دی اور اس خلاء میں مختلف کنجیاں کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ پھر ایک لگ ہی گئی اور اسی دروازے کا استر کھل کر سیٹ پر آ استر کے پیچھے ایک ٹائٹ قسم کا خانہ تھا جس میں ایک ٹامی گن رکھی ہوئی تھی اور اس کے لئے راؤنڈ بھی تھے۔ حمید نے فوراً ہی استر اس کی جگہ لگا کر اُسے دوبارہ مقفل کر دیا۔

پھر وہ دوسرے دروازوں کو بھی آزمانے ہی جا رہا تھا کہ ایک تیز رفتار گاڑی قریب گزر گئی۔ پھر چند ثانیوں کے بعد دوسری بھی گزری لیکن اس بار حمید کو الرٹ ہو جانا پڑا۔ گاڑی کو یاسمین قزلباش ڈرائیو کر رہی تھی اور تنہا تھی۔

حمید نے اپنی گاڑی بھی اسٹارٹ کی اور اسی رفتار سے چل پڑا جس رفتار سے یاسمین گاڑی گزری تھی۔

دونوں گاڑیوں کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ سو گز رہا ہوگا۔ حمید نے دیدہ و دانستہ یہ فاصلہ برقرار رکھا ورنہ چاہتا تو اُس سے اور بھی قریب رہ سکتا تھا۔

پھر یک بیک ایک موڑ پر اگلی گاڑی نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ بہت ہی خطرناک قسم کا موڑ تھا۔ حمید کو رفتار بہت کم کر دینی پڑی۔ ذرا سی بے احتیاطی گاڑی کو سینکڑوں فٹ گہری کھائی

لے جاتی۔ لیکن وہ عورت..... یاسمین قزلباش یا تو پاگل تھی یا خود اعتمادی کے معاملے میں اب نہیں رکھتی تھی۔

موڑ تک پہنچتے پہنچتے حمید کی گاڑی رینگنے لگی تھی۔ بہت احتیاط سے اس نے نصف دائرہ کیا اور پھر کشادہ سڑک پر پہنچ گیا۔ لیکن حد نظر تک یاسمین کی گاڑی کا پتہ نہیں تھا۔

حمید نے گیئر بدل کر ایکسیلیٹر پر دباؤ بڑھا دیا۔ گاڑی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔

لیکن پھر تو انجن ہی بند کر دینا پڑا تھا۔ بڑی گہری ڈھلان تھی۔ شاید یہ ڈھلان حمید کی دراثت سے محو ہو گئی تھی۔ ورنہ وہ اُس موڑ سے گزر جانے کے بعد بھی رفتار کا اعتدال قائم رکھتا۔

اس کے بعد پھر چڑھائی تھی۔ سلف لگا کر انجن دوبارہ اسٹارٹ کیا۔

اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد کچھ فاصلے پر اُسے دو گاڑیاں نظر آئیں ایک سڑک پر آڑی کھڑی تھی اور دوسری سیدھی۔ یہ یاسمین ہی کی گاڑی تھی۔ لیکن وہ جو آڑی کھڑی تھی صاف ظاہر ہوتا تھا جیسے اُسی کو روکنے کے لئے وہ اُس پوزیشن میں لائی گئی ہو۔

حمید نے بھی قریب ہی پہنچ کر گاڑی روکی۔ یاسمین والی گاڑی خالی تھی۔ لیکن اگلی گاڑی کے قریب ایک آدمی کھڑا نظر آیا۔

''معاف فرمایئے گا جناب۔'' اس آدمی نے حمید کو مخاطب کر کے کہا۔ ''میں ایک منٹ میں آپ کیلئے راستہ بناتا ہوں۔ پکنک کیلئے نکلنے والے عموماً اپنے دماغ گھر ہی چھوڑ آتے ہیں۔''

''کیا میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔'' حمید گاڑی سے اترتا ہوا بولا۔

''شکریہ۔'' دوسرے آدمی نے جواب دیا۔ کافی جگہ ہے صرف گاڑی کی پوزیشن بدلنی پڑے گی۔

حمید اتنی دیر میں اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔

اس نے محسوس کیا کہ دوسرے آدمی کی نظر اُس کی ٹائی پن پر ہے۔ پھر اُس نے حمید کے چہرے پر سوالیہ نظر ڈالی۔

حمید نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اپنے سر کو اثباتی جنبش دی۔

''بائیں جانب.....!'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''راستہ بنا ہوا ہے۔''

''یہ گاڑی سیدھی کرلو۔ خواہ مخواہ..... لوگ شبہات میں مبتلا ہوں گے۔'' حمید بڑبڑا گاڑی کے پاس سے ہٹ گیا۔

دوسرا آدمی انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی کی پوزیشن تبدیل کرنے لگا۔ حمید نے اُس میں تیر نما پن دیکھا۔

بائیں ڈھلان پر ایک پتلی سی اور کسی قدر گہری نالی نظر آئی۔ اُس نے سوچا غالباً پگڈنڈی کو اُس نے راستہ کہا تھا اور یقیناً یہ راستہ کسی خاص جگہ تک جاتا ہوگا۔

اس نالی کی گہرائی ایک یا ڈیڑھ بالشت سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ لیکن یہ انسانی ہاتھ کارنامہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔

حمید اُسی نالی کے سہارے ڈھلان میں اترتا رہا۔ ایک جگہ وہ نالی پہاڑی سڑک طرح گھومی ہوئی نظر آئی اور اُس موڑ سے گزرتے ہوئے اُس نے محسوس کیا کہ شاید تحت ہی میں اس کا اختتام ہو کیونکہ آگے پھر موڑ تھا۔

ایسے ہی تین موڑ اور ملے اور پھر وہ گہری پگڈنڈی ایک غار میں داخل ہوگئی۔ پگ داخل ہوگئی ہوگی۔ حمید تو دہانے ہی پر ٹھٹک گیا تھا۔

پھر ابھی سنبھلا بھی نہیں تھا کہ ایک مگر کی اوٹ سے ایک ریوالور نکل کر اسکے سینے سے آ

''سامنے آؤ.....!'' حمید غرایا۔

ریوالور مگر کی اوٹ سے باہر آ گیا۔ حمید نے پہلے اُسے تیکھی نظروں سے دیکھا او اپنے ٹائی پن کی طرف دیکھنے لگا۔

''آئی ایم سوری۔'' وہ گڑبڑا کر بڑبڑایا اور ریوالور کی نالی حمید کے سینے سے ہٹ گئی۔

''راستہ دکھاؤ..... میں دھام نگر سے سیدھا چلا آ رہا ہوں۔'' حمید بولا۔

''آیئے..... آیئے..... ایک منٹ یہاں ٹھہریئے تاکہ آنکھیں اندھیرے کی ہو جائیں۔''

''ساری رات جاگتا رہا ہوں.....!'' حمید آہستہ سے بولا۔ ''ہوسکتا ہے مجھے تمہارے ے کی بھی ضرورت ہو۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''میرے قدم لڑکھڑا رہے ہیں۔ مجھے سہارا دے کر وہاں تک پہنچاؤ۔''

''کیا کوئی نیا حکم ہے۔''

''یقیناً..... ورنہ مجھے بھی کیوں آنا پڑتا اور پھر یہی نہیں یہ حکم بھی حالات کا رخ معلوم نے کے بعد ہی تم تک پہنچایا جاسکتا ہے۔ ورنہ میں یونہی واپس جاؤں گا۔''

''بہتر ہے..... آیئے.....!'' اُس نے حمید کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

کچھ دور چلنے کے بعد حمید کی آنکھیں اندھیرے کی عادی ہوگئیں۔

''میں نہیں سمجھ سکتا۔'' حمید کا ساتھی بڑبڑا رہا تھا۔ ''اب کیا حکم ہوسکتا ہے۔ لیکن یہ بھی سنئے ہمارے پاس ایک شکار بھی ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''فزارو میں ٹھہری ہوئی ایک ایرانی لڑکی..... جو ہمارا تعاقب کر رہی تھی۔''

''خوب..... ہاں..... فزارو میں ہے ایک لڑکی..... میں نام نہیں جانتا۔'' حمید سر کھجاتا ہوا ا ''میرا قیام بھی وہیں ہے۔''

''اوہ تو آپ..... لیکن آپ ہسپتال میں تو نہیں تھے۔''

''بتایا نا کہ میں پچھلی رات دھام نگر طلب کرلیا گیا تھا.....!'' حمید نے کہا اور سوچ میں گیا کہ آخر اس نے ہسپتال کا حوالہ کیوں دیا؟ انہیں اس کا علم تھا کہ پچھلے دن وہ اجنبی ہسپتال ما بیہوش پروفیسر اور اس کی نگرانی کرتا رہا تھا۔ لیکن شاید یہ آدمی اُس اجنبی کو صورت سے نہیں پہچانتا اور نہ ہسپتال کا نام نہ لیتا۔

بہرحال حمید اس کے ساتھ چلتا رہا۔ زیادہ دور نہیں چلا تھا لیکن راستہ اتنا دشوار گزار تھا کہ مسافت کی طوالت کا احساس ہوتا تھا۔

اور پھر ایک جگہ تیز روشنی کی ایک کرن نظر آئی۔ چٹان کے کسی رخنہ سے غالباً لیمپ کی روشنی پھوٹ رہی تھی۔

حمید نے سوچا ممکن ہے وہاں کوئی ایسا مل جائے جو اُس اجنبی کو پہچانتا رہا ہو جائے گا۔ اس کے زیر بغل ہولسٹر میں بھرا ہوا ریوالور موجود تھا۔

دو عدد پیٹرومیکس لیمپوں سے غار کا یہ حصہ پوری طرح روشن تھا۔

حمید مونا چنگیزی کو دیکھ کر چونک پڑا۔ دو آدمیوں کے درمیان سہمی کھڑی تھی اور نے یاسمین قزلباش کا بازو پکڑ رکھا تھا۔

حمید کی آمد پر وہ سب ہی چونکے تھے۔ لیکن دونوں لڑکیوں کے چہروں کے تاثر سے مختلف تھے۔ مونا نے متحیرانہ انداز میں منہ کھولا تھا اور پھر بند کرلیا تھا۔ یاسمین کی میں چمک سی لہرائی تھی۔

گہرے سناٹے کو توڑتے ہوئے حمید نے کہا۔ ''آپ لوگ اپنا کام جاری رکھیں۔''

تینوں نے سوالیہ انداز میں اُس آدمی کی طرف دیکھا جو حمید کو یہاں تک لایا تھا۔

نیا حکم لائے ہیں۔'' اس نے جماہی لے کر کہا۔

''اور وہ حکم حالات کے تحت ہے۔'' حمید جلدی سے بولا۔ ''آپ لوگ اپنا کام جاری رکھ

وہ کوشش کررہا تھا کہ مونا سے نظر نہ ملنے پائے۔

''ہم اس سے پوچھ رہے ہیں کہ اُس نے منیجر سعید نامی آدمی کو کیا بتایا ہے۔'' اُ سے ایک بولا۔

''ٹھیک ہے۔ اگر اس نے نہ بتایا تو میں تم تک دوسرا حکم پہنچا دوں گا۔'' حمید نے سے پائپ اور تمباکو کی پاؤچ نکالی۔ وہ محسوس کررہا تھا کہ یاسمین اُسے عجیب نظروں گھورے جارہی تھی۔

''اور یہ ہمارا تعاقب کررہی تھی۔'' دوسرے نے یاسمین کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

''خاصی ہے۔ اسے میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔

''تم.....!'' دفعتاً ایک آدمی اس کی طرف مڑا۔ ''تم کون ہو؟''

''کیا یہ سوال ضابطے کے مطابق ہے۔'' حمید غرایا۔

''اور اظہار خیال کا یہ انداز کہاں تک درست ہے۔''

''خیر..... خیر..... یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ تم اپنا کام جاری رکھو۔''

مونا نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا رکھا تھا اور چہرے پر اندرونی کشمکش کے آثار تھے۔

''یہ کچھ نہیں بتاتی۔''

''بتائے گی۔'' حمید نے پائپ اور پاؤچ کو دوبارہ جیب میں رکھتے ہوئے کہا اور بغل کے نیچے ہاتھ لے جاکر ریوالور نکال لیا۔

''بتاؤ..... تم نے میجر سعید کو کیا بتایا تھا۔'' حمید نے ریوالور کا رخ مونا کی طرف کرتے ہوئے کہا اور پھر فائر بھی کردیا۔

وہ چیخ مار کر لہرائی اور ادھر اُدھر کھڑے ہوئے آدمیوں نے اُسے ہاتھوں پر سنبھال لیا۔

''یہ..... یہ..... کیا.....!'' تیسرا آدمی ہکلایا۔

''خاموش رہو.....!'' حمید کا لہجہ اتنا ڈراؤنا تھا کہ پھر کسی کے حلق سے آواز نہ نکلی۔ مونا کی آنکھیں بند تھیں اور وہ آگے پیچھے جھول رہی تھی۔

گولی کا گزر اُس کے سر سے کئی انچ اونچائی سے ہوا تھا۔

''سیدھی کھڑی کرو..... نشانہ خطا ہوا۔'' حمید زور سے دہاڑا اور مونا نے آنکھیں کھول دیں۔ حمید کہہ رہا تھا۔ ''اس بار دل کا نشانہ لوں گا جو کبھی خطا نہیں کرتا..... بتاؤ..... تم نے میجر سعید کو کیا بتایا تھا۔''

''مم..... میں نے۔'' وہ ہانپتی ہوئی بولی۔ ''یہی بتایا تھا کہ میرے ڈیڈی سنکی ہیں۔ ہر سال سردیوں میں یہاں آتے ہیں مجھے ہوٹل میں چھوڑ کر کئی کئی دن غائب رہتے ہیں۔ لیکن مجھے نہیں بتاتے کہ وہ اُن دنوں کہاں غائب رہتے ہیں۔''

''اور کیا بتایا تھا.....؟''

''اور کچھ بھی نہیں..... کچھ بھی تو نہیں..... رحم کرو میرے حال پر۔''

''ٹھیک ہے۔'' حمید نے ریوالور والا ہاتھ جھکاتے ہوئے کہا اور پھر فاتحانہ انداز میں چاروں کی طرف دیکھ کر بائیں ہاتھ سے جیب میں پڑے ہوئے پائپ کو ٹٹولنے لگا۔

''اس طرح تو ہم بھی.....!'' ایک بولا۔

''عقل چاہئے..... کام کرنے کیلئے..... خیر..... اب میں ان دونوں کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔''

اُن چاروں میں سے کوئی کچھ نہ بولا۔ اب حمید یاسمین کی طرف متوجہ نظر آنے لگا۔ نے انگریزی میں مخاطب کیا۔

''میں نے تمہیں فزارو میں دیکھا تھا۔''

''ہاں میں وہیں مقیم ہوں.....!'' غصیلی آواز میں جواب ملا۔

''ان لوگوں کا تعاقب کیوں کیا تھا۔''

''دماغ خراب ہوگیا ہے تم لوگوں کا۔ میں تعاقب کیوں کرنے لگی۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔ انہیں غلط فہمی ہوئی تھی۔ میں نے سنا ہے کہ تم مصنفہ ہو۔''

''تم نے غلط نہیں سنا۔'' نہایت غصے کے عالم میں جواب دیا گیا۔

''ایرانی ادب میں جمود تو نہیں ہوا.....!''

''جمود..... جمود کیوں ہونا ہے۔''

''یہ بڑی اچھی بات ہے۔ ہمارے یہاں تو بالکل ہوگیا ہے۔ عالم یہ ہے کہ آج بڑے بڑے شاعر اور انشاء پرداز خواتین کے ساتھ بیٹھے آلو چھیلا کرتے ہیں۔''

''تم کیا بکواس کر رہے ہو۔ مجھے جانے دو ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔''

''مجھے بھی ساتھ لے چلو۔ سب اچھا ہی اچھا ہوگا۔ لیکن ایک بات ہے ان لوگوں سے غلطی ہوئی ہے اس کا تذکرہ کسی سے بھی نہ کرنا۔ محض اس لئے تمہارے ساتھ یہ رعایت ہے غیر ملکی ہو اور تمہیں ہمارے معاملات سے سروکار نہیں ہوسکتا۔ اگر کسی مقامی آدمی کو ہم نے سے بھی اس طرح روکا ہوتا تو زندہ واپس نہ جانے دیتے۔''

یاسمین ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی۔

''تم نے بھی مجھے فزارو میں دیکھا ہوگا۔'' حمید نے کہا۔

''مجھے دھیان نہیں۔''

''اور آئندہ بھی دیکھو گی۔ لیکن تمہاری زبان بند رہنی چاہئے۔ اس تکلیف دہی کے سلسلے ہم تمہاری خدمت میں کوئی بڑا تحفہ پیش کریں گے۔''

''مجھے ضرورت نہیں ہے۔'' وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

''تت..... تو آپ انہیں لے جائیں گے۔'' ایک آدمی نے پوچھا۔ حمید جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک آدمی غار کے دہانے کی طرف سے انکے سامنے آ گرا۔ پھر وہ اٹھ ہی رہا تھا کہ حمید نے اُسے پہچان لیا۔ یہ وہی آدمی تھا جس نے سڑک پر اُسے اس غار کا راستہ بتایا تھا۔

اس کے فوراً بعد ہی ایک گونجیلی آواز سنائی دی۔ ''اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔''

ایک دراز قد آدمی دہانے کے قریب ٹامی گن سنبھالے کھڑا تھا۔

حمید کے ہاتھ بھی غیر ارادی طور پر اوپر اٹھتے چلے گئے۔ ریوالور تو وہ پہلے ہی ہولسٹر میں رکھ چکا تھا۔

''میجر سعید کے علاوہ اور سب اپنے ہاتھ گرا دیں۔''

حمید نے سوچا شاید یہ بھی اُسے نہیں پہچانتا۔ اس لئے یہ نفسیاتی طریقہ اختیار کیا۔ لہٰذا سب کے ساتھ ہی اُس نے بھی اپنے ہاتھ گرا دیئے۔

''میجر سعید.....!'' ٹامی گن والا غرایا۔

حمید اب بھی دوسروں ہی کی طرح انجان بنا کھڑا رہا۔

''میں تم سے کہہ رہا ہوں۔ کیا تم نے سنا نہیں۔'' اس بار اُس نے خاص طور پر حمید کی طرف ٹامی گن کی نال گھما دی۔

''گھاس تو نہیں کھا گئے۔'' حمید نے جی کڑا کر کے کہا۔

''میں تم لوگوں سے کہہ رہا ہوں کہ یہ میجر سعید ہے اس کے ہاتھ پیر باندھ کر ڈال دو۔''

''تم کون ہو۔'' اُن میں سے ایک آدمی نے پوچھا۔

''میں تم ہی میں سے ایک ہوں۔''

''لل.....لیکن.....یہ بھی تو.....ٹائی پن.....!''

''سب فراڈ ہے۔تم اسے باندھ لو۔کیوں لڑکی۔بتاؤ یہ کون ہے ورنہ تمہارا جسم چھلنی رہ جائے گا۔'' اُس نے مونا کو مخاطب کیا۔

''مم.....میں نہیں جانتی۔''

''تم بکتی ہو۔اچھی طرح جانتی ہو کہ یہ میجر سعید ہے۔''

مونا کچھ نہ بولی۔اب وہ بہت زیادہ خوفزدہ نظر آ رہی تھی۔حمید کے فائر پر بھی اس کے چہرے پر اتنی مردنی نہیں چھائی تھی۔

''بتاؤ.....ورنہ ٹریگر پر دباؤ ڈالتا ہوں۔'' وہ پھر غرایا۔اب ٹامی گن کا رخ مونا کی طرف تھا۔

مونا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''دیکھو.....!'' اُس نے دوسروں سے کہا اور وہ حمید پر ٹوٹ پڑے۔

''نہیں.....احتیاط سے.....صرف باندھ لینا ہے۔ہم دیکھیں گے کہ یہ کون ہے۔میجر سعید.....ہوش میں آؤ.....ورنہ ہمیشہ کے لئے اپاہج ہو جاؤ گے۔''

یاسمین کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔لیکن وہ دم بخود کھڑی رہی۔مونا بُری طرح کانپ رہی تھی۔ذرا ہی سی دیر میں انہوں نے حمید کے ہاتھ پیر ٹائیوں سے باندھ دیئے۔

''اب تم سب میرے ساتھ چلو گے.....اوہ.....یہ.....دوسری لڑکی کون ہے۔'' ٹامی والے نے پوچھا۔

''یہ ایک ایرانی سیاح ہے.....فزارو میں ٹھہری ہوئی ہے اس نے ہمارا تعاقب کیا تھا۔''

''کیوں.....؟ تم نے ان کا تعاقب کیا تھا۔''

''پتہ نہیں۔تم کیا پوچھ رہے ہو۔'' یاسمین نے انگریزی میں کہا۔''میں تمہاری زبان نہیں سمجھتی۔''

''کیا تم نے ان لوگوں کا تعاقب کیا تھا۔'' اس بار اس نے انگریزی میں سوال کیا۔

''یہ سراسر بکواس ہے۔میں یہاں بغرض تفریح آئی ہوں۔ایک گاڑی کرائے پر حاصل کی ہے اور ادھر اُدھر گھومتی پھرتی ہوں۔آج اتفاقاً ادھر نکل آئی تھی۔میرے ساتھ بہت بُرا سلوک ہوا ہے۔میں اپنے سفارتخانے سے شکایت کروں گی۔''

''اگر تم مجھے اطمینان دلا سکیں کہ تم سچ مچ غیر ملکی ہو تو ہم تمہیں جانے دیں گے ورنہ پھر کچھ سوچنا پڑے گا۔''

''میرا پاسپورٹ گاڑی میں موجود ہے۔''

''اچھی بات ہے یہ بھی دیکھ لیں گے۔'' ٹامی گن والے نے کہا پھر دوسروں سے بولا۔''اسے اٹھا کر گاڑی تک لے چلو۔''

اشارہ حمید کی طرف تھا۔

دس منٹ بعد وہ سڑک پر تھے۔گاڑیوں میں ایک اور اضافہ ہو گیا۔ٹامی گن والے نے یہ ہدایت دی تھی کہ وہ حمید کو اس کی گاڑی میں ڈال دیں۔پھر اُس نے یاسمین سے پاسپورٹ طلب کیا تھا۔

حمید اُس کی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر پڑا سوچ رہا تھا شاید یہ آخری سفر ثابت ہو۔مونا کو وہ نہیں لے جا رہا تھا۔پتہ نہیں اب کن لوگوں سے سابقہ پڑے۔یہ آدمی اُسے پہچانتا تھا ورنہ ان دونوں کو تو لے ہی نکلا تھا۔

دفعتاً اس نے اسی آدمی کی آواز سنی۔''لڑکی کو میری گاڑی میں بٹھا دو۔''

پھر اس نے دیکھا کہ مونا اگلی سیٹ پر بیٹھ رہی ہے۔

''تم سب میرے پیچھے آؤ۔'' اسی آدمی نے دوسروں سے کہا۔

''لیکن جناب آپ نے کیسے یقین کر لیا کہ وہ واپس پہنچ کر پولیس کو اطلاع دے گی۔'' کسی نے پوچھا۔

''جہنم میں جائے جتنی دیر میں وہ پولیس تک پہنچے گی ہم نہ جانے کہاں ہوں گے۔چلو

بیٹھو اپنی گاڑی میں..... اور ہاں ایک آدمی میجر سعید کی گاڑی کو سنبھالے گا۔"

پھر حمید نے اُسے اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھتے دیکھا۔ انجن اسٹارٹ ہونے کی آ
اور گاڑی چل پڑی۔

عقب نما آئینہ ونڈ اسکرین کے اوپر لگا ہوا تھا۔ حمید اس میں پیچھے آنے والی دونوں
کو دیکھتا رہا۔ تیسری یاسمین کی گاڑی کہیں نہ دکھائی دی۔

حمید مونا کا چہرہ بھی دیکھ سکتا تھا۔ وہ بار بار مڑ کر اُس کی طرف دیکھتی تھی۔ آنکھ
عجیب سی غم آلود نرمی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اپنی غلطی پر نادم ہو۔

"تم دونوں اگر چاہو تو گفتگو بھی کر سکتے ہو۔" ڈرائیو کرنے والا دفعتاً بولا اور
کھوپڑی ناچ کر رہ گئی۔ سخت غصہ آیا۔ دل چاہا کہ چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھالے
فریدی ہی کی آواز تھی۔

حمید کو وہ رگڑے اور گھسے یاد آئے جو ان لوگوں نے اُسے باندھتے وقت دیئے

"ارے..... تم کچھ بول نہیں رہے میجر سعید۔ حالانکہ بہت خوش مزاج مشہور ہو۔"

"میجر سعید کی ایسی کی تیسی..... میں نہیں سمجھ سکتا۔" وہ اس سے زیادہ نہ کہہ سکا۔

"خفگی کی وجہ برخوردار.....!"

"کیا میں گدھا ہوں۔" حمید نے حلق پھاڑنے کی کوشش کی لیکن غصے کی زیادتی
اس میں بھی کامیابی نہ ہوئی۔

"گدھے تو ہو لیکن اچھی نسل کے.....!"

"میں مونا کو نکال لاتا.....!" حمید نے بدستور خوشگوار لہجے کو برقرار رکھا۔

"تم صرف مونا کو نکال لاتے..... اور میں ان پانچوں کو بھی اپنے ساتھ لے جاتا
عقل استعمال کرنا سیکھو فرزند..... اگر ہم انہیں باندھ لیتے تو کتنی مشقت برداشت کرنی
اپنی پشت پر لاد کر اتنی چڑھائی طے کر کے سڑک تک پہنچنا پڑتا۔ پھر ڈرائیو کرنے والے
ہوتے اور گاڑیاں تین تھیں۔ ظاہر ہے کہ سڑک پر کوئی گاڑی چھوڑی نہ جا سکتی۔ خواہ مخ

پہلی اس سے۔ بہر حال تم خود ہی دیکھ لو کہ وہ اپنے آپ بڑی خوشی سے موت کے منہ میں چلے
رہے ہیں۔ تمہیں تھوڑی بہت چوٹیں ضرور کھانی پڑی ہیں..... لیکن یہ آسانی ان چوٹوں سے
ہیں زیادہ قیمتی ہے۔ کیا خیال ہے تمہارا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ کھوپڑی ایک بار پھر ناچ گئی تھی۔ بالکل سامنے کی بات تھی لیکن اس کی
بھ میں نہ آ سکی۔ فادر ہارڈ اسٹون کا کوئی کام مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ سچ مچ اگر دو ایک کو
ہی پیٹھ پر لاد کر چڑھائی چڑھنی پڑتی تو اس وقت وہ بے دم پڑا ہوتا۔

فریدی پھر بولا۔ "میں نے تمہیں اس لئے طلب کیا تھا کہ مونا سے حاصل کی ہوئی
علومات مجھ تک پہنچ سکیں۔ جب تمہیں دیر ہوئی تو خود چل پڑا۔ یہاں تمہاری گاڑی نظر آئی۔
ایک آدمی ان گاڑیوں کی نگرانی کر رہا تھا۔ اُسے مجبور کیا کہ وہ سب کچھ اگل دے۔ اُسے راستہ
کھانے کے لئے ساتھ لے جانا پڑا۔ لیکن وہاں اُن کی تعداد دیکھ کر اسکیم ہی بدل دینی پڑی۔
خیر ہاں تو تمہیں زیادہ چوٹیں تو نہیں آئیں۔"

"کھلنے کے بعد جائزہ لوں گا۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

گفتگو اردو ہی میں ہوتی رہی تھی۔ بار بار مونا کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آتے اور
وہ انہیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگتی۔

"یہ..... یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ کیا ہو رہا ہے۔" وہ بالآخر ہذیانی انداز میں بولی۔

"فکر نہ کرو..... اب کوئی پریشانی کی بات نہیں۔" حمید نے کہا۔

"میرے ڈیڈی کا کیا حال ہوگا۔ تم لوگ آخر ہو کون۔"

"میں اپنے بارے میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں اور یہ شخص میرا فادر ہے۔ حالانکہ عمر
میں مجھ سے تین یا چار سال سے زیادہ بڑا نہ ہوگا۔"

"مجھے ڈیڈی کے پاس پہنچا دو۔ خدا کے لئے رحم کرو۔"

"تمہارے ڈیڈی ہر طرح محفوظ ہیں۔" فریدی بولا۔ "لیکن اگر اب تم واپس گئیں تو
تمہارا انجام بھی سارہ رحمان کے انجام سے مختلف نہ ہوگا۔"

''سارہ رحمان۔'' وہ کانپ کر رہ گئی۔

ہنسی اور دستانے

سارہ رحمٰن کے انجام کے حوالے پر مونا کی حالت بگڑنے لگی تھی۔

حمید نے نرم لہجے میں کہا۔ ''ہم پر اعتماد کرو۔ تمہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ ہسپتال واپس جانے کی صورت میں شاید تم اپنے ڈیڈی کے لئے بھی خطرہ بن جاؤ۔''

مونا کچھ نہ بولی۔ ایک بار پھر اُس کے چہرے پر زردی دوڑ گئی تھی۔ ہونٹ خشک تھے۔ گاڑی تیز رفتاری سے راستہ طے کرتی رہی۔ دفعتاً حمید کو یاسمین قزلباش یاد آئی۔

''اوہو..... آپ نے اُسے کیوں نکل جانے دیا۔'' وہ بول پڑا۔

''کس کی بات کر رہے ہو۔''

''یاسمین قزلباش کی۔''

''اوہو تو اسے کیا کرتا..... وہ ایک ایرانی ہے۔''

''جناب..... جناب..... سب سے پہلے تو یہ گذارش ہے کہ وہ ایرانی نہیں۔ قطعی یہیں کی باشندہ ہے یہ اور بات ہے کہ وہ ایرانیوں کے سے لہجے پر قدرت رکھتی ہو۔ آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ وہ بھی مونا کا تعاقب کرتی رہی ہے۔''

''نہیں.....!'' مونا اچھل پڑی۔

''یقین کرو..... میں نے دیکھا ہے۔ اس شام کو بھی وہ تمہارا تعاقب کرتی ہوئی آئی تھی۔ جب فزارو کے کچن میں آئل اسٹوو پھٹنے سے دھماکا ہوا تھا۔''

''مجھے اس کا علم نہیں ہے۔''

''میں نے دیکھا تھا.....!''

''یہ تمہارا وہم بھی ہو سکتا ہے۔''

''اور..... دوسری بات..... نہیں بلکہ میرا دعویٰ ہے کہ وہ رضیہ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔''

''کون رضیہ.....؟''

''وہی جو ہمارے درزی خانے کی روح رواں تھی۔''

''گھاس تو نہیں کھا گئے۔''

''آپ نے وہاں اسے دیکھا تھا۔''

''نہیں۔''

''تو پھر میرے حواس خمسہ پر اعتماد کیجئے۔ وہ سو فیصد رضیہ ہے۔''

''اگر یہ بات ہے تو پھر دیکھنا پڑے گا۔'' فریدی کے لہجے میں تشویش تھی۔ پھر اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔ ''تم نے اُس پر یہ تو نہیں ظاہر کیا کہ اُسے پہچانتے ہو۔''

''نہیں..... میں نے کافی احتیاط برتی ہے۔''

''یہ بڑی اچھی بات ہے۔''

پھر وہ خاموش ہو گئے۔ نالے کے پل کے قریب پہنچ کر انہوں نے پچھلی گاڑیوں سے لگاتار پے در پے ہارن کی آوازیں سنیں۔

''کیا قصہ ہے۔'' فریدی بڑبڑایا۔

عقب نما آئینے میں اُن دو گاڑیوں کے علاوہ اور کسی تیسری گاڑی کی جھلک بھی نہ دکھائی دی۔

فریدی نے اپنی گاڑی سڑک کے کنارے لگا کر کھڑی کر دی۔

پچھلی دونوں گاڑیاں بھی رک گئی تھیں۔ ایک آدمی اُتر کر فریدی کی گاڑی کے قریب آیا۔

''صاحب..... ہم یہ پل کراس نہ کر سکیں گے۔'' اس نے کہا۔

''ہاں..... ہاں..... میں جانتا ہوں..... لیکن یہ میرا حکم ہے۔ باس کے لیفٹیننٹ حسب ضرورت ان احکامات میں تبدیلیاں بھی کر سکتے ہیں۔''

''آپ جانئے۔''

''میں یہ اپنی ذمہ داری پر کر رہا ہوں۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ ''جاؤ.....!''

اس نے پھر انجن اسٹارٹ کیا۔ وہ آدمی گاڑی کے پاس سے ہٹ گیا تھا۔

گاڑی چل پڑی۔ اُس نے بھرتونالے کے اس پل کو بھی پار کرلیا جو ٹیکم گڈھ اور ر کو منسلک کرتا تھا۔ حمید عقب نما آئینے میں پچھلی گاڑیوں کو دیکھتا رہا۔

''میرا کیا حشر ہونے والا ہے۔'' مونا بڑبڑائی۔

''مطمئن رہو بے بی..... تم بالکل محفوظ ہو.....!'' فریدی نے کہا۔

''میں ڈیڈی کے لئے پریشان ہوں..... یہ کیسی بیہوشی ہے۔''

''میں تمہیں اطمینان سے بتاؤں گا۔ فکر نہ کرو۔ میں پروفیسر کی حفاظت کی ذمہ دا لے سکتا ہوں۔''

''آپ لوگ کون ہیں.....؟ خدارا بتایئے۔''

''کیا تمہیں میری باتوں پر یقین نہیں آیا تھا۔'' حمید بولا۔

''میں نے تو آج تک نہیں دیکھا کہ دوستی کے لئے کسی نے اتنا کچھ کیا ہو۔''

''ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے۔ بہت کچھ دیکھو گی۔''

''سنجیدگی سے گفتگو کرو میجر سعید۔ میں بہت پریشان ہوں۔''

''اور میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ تھوڑی سی عقل بھی استعمال کرو۔''

''میں کیا کروں.....؟ میری سمجھ میں نہیں آتا۔''

''فی الحال خاموش رہو۔'' حمید بولا۔ ''مجھے دیکھو کتنے صبر وسکون کے ساتھ اتنی د بندھا پڑا ہوں۔''

گاڑیوں نے ٹیکم گڈھ میں داخل ہوکر تقریباً دو ڈھائی میل کا فاصلہ طے کرلیا تھا ایک جگہ فریدی نے ہاتھ باہر نکال کر پچھلی گاڑیوں کو رکنے کا اشارہ کیا اور خود بھی رفتار کم گاڑی روک دی۔

مونا اور حمید کے علاوہ اور سب گاڑیوں سے اُتر آئے تھے۔ یہاں کچھ عجیب سی چٹانیں تھیں اور یہ راستہ عام سڑک سے ہٹ کر تھا۔

''شکار کو اٹھا کر میرے ساتھ چلو۔'' فریدی نے شکاریوں سے کہا اور وہ حمید کو کھینچ کھانچ کر باہر نکالنے لگے۔

حمید بہت بُرے لہجہ میں کہہ رہا تھا۔ ''دیکھنا تم لوگ اپنا انجام.....رونا چاہو گے لیکن آنسو نکلیں گے۔ چیخنا چاہو گے لیکن حلق بند ہوجائیں گے۔''

ان میں سے کوئی کچھ نہ بولا۔ فریدی مونا کا ہاتھ پکڑے دو چٹانوں کے درمیان درے میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ سب حمید کو کاندھوں پر اٹھائے اس کے پیچھے چلتے رہے۔

راستہ دشوار گزار تھا۔ حمید کو خدشہ تھا کہ اُن میں سے کہیں کوئی لڑکھڑا کر گر نہ پڑے۔

بہرحال وہ اپنے ہاتھ پاؤں کی سلامتی کی دعائیں مانگتا ہوا ان کے کاندھوں پر سفر کرتا رہا۔ کچھ دور چلنے کے بعد فریدی نے ایک جگہ ٹھہرنے کو کہا۔

یہاں بھی ایک غار ہی سے سابقہ پڑا تھا۔ فریدی نے ٹارچ روشن کی اور وہ سب غار کے دہانے میں داخل ہوگئے۔ قدموں کی چاپوں نے گونجتا ہوا تاریک غار کچھ عجیب سا ماحول پیدا کر رہا تھا۔

لیکن یہ تاریکی جلد ہی غائب ہوگئی۔ اب وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں کئی پیٹرومیکس کیمپ روشن تھے۔ دو تین آدمی بھی پہلے سے موجود تھے۔

انہوں نے بڑے بے تعلقانہ انداز میں ان کا استقبال کیا تھا۔

حمید کو انہوں نے زمین پر ڈال دیا۔ حمید کو بے ساختہ برف کے بھوتوں کے کیس والے غار یاد آگئے۔ وہ سوچ رہا تھا کہیں یہ بھی انہیں غاروں میں سے نہ ہوں۔ جنہیں انسانی ہاتھوں نے تراشا تھا اور جہاں زمانہ قدیم میں بدھ بھکشو رہا کرتے تھے۔

یہاں گھٹن کا احساس نہیں تھا۔

دفعتاً فریدی نے انہیں لوگوں سے کہا۔ ''اب اسے کھول دو۔''

''ہمیں کتنی دیر ٹھہرنا ہوگا۔'' اُن میں سے ایک نے پوچھا۔

''کیا مطلب.....؟''

''مطلب یہ کہ ہم کتنی دیر بعد واپس جائیں گے اور یہاں کس مقصد کے تحت لائے گئے

''واپسی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''کیا مطلب.....؟''

اس سوال کے جواب میں فریدی نے ٹامی گن سیدھی کر لی اور ان آدمیوں کو مخ کر کے بولا جو وہاں پہلے سے موجود تھے۔ ''اب ان کے ہتھکڑیاں لگا دو۔''

ہتھکڑیوں کے نام پر سبھی چونک پڑے تھے۔

''جس نے بھی اپنی جگہ سے جنبش کی وہ ڈھیر ہوا۔'' فریدی نے ٹامی گن کو جنبش دے کر

پھر دیکھتے ہی دیکھتے اُن کے ہتھکڑیاں لگ گئی تھیں۔

اب حمید بھی ان کی طرف سے اتنا لاپرواہ نظر آ رہا تھا جیسے پہلے انہیں کبھی دیکھا ہی

''یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ ہم تو نہیں سمجھ سکتے۔'' قیدیوں میں سے ایک نے کہا۔

لیکن فریدی نے اُسے کوئی جواب دینے کی بجائے اپنے آدمیوں سے کہا۔ ''انہیں لے

کچھ دیر بعد غار کے اُس حصے میں صرف حمید فریدی اور مونا ہی رہ گئے؟

''بیٹھ جاؤ۔'' فریدی نے مونا سے کہا۔ ''تم بھوکی ہوگی۔''

مونا نے نفی میں سر ہلا دیا۔ چند لمحے سر جھکائے کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ ''ہتھکڑ

صرف پولیس والے ہی استعمال کرتے ہیں۔''

''تم اس فکر میں نہ پڑو۔ میں پروفیسر کی حفاظت کا انتظام بھی کر چکا ہوں۔ یہ بہت

ہوا کہ تم اس طرح ہم لوگوں تک آ پہنچیں۔''

''ورنہ کیا ہوتا.....ورنہ کیا ہوتا۔''

''آپ اس بے چاری کو فی الحال آرام ہی کرنے دیجئے۔''

''کیا واقعی تم اتنی تھکن محسوس کر رہی ہو کہ میرے سوالات کے جواب نہ دے

ی نے اُس سے پوچھا۔

''نہیں میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔''

''سارہ رحمان کے بارے میں کچھ۔''

''میں سب کچھ انہیں بتا چکی ہوں۔'' مونا نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

''میں اپنے طور پر کچھ سوالات کروں گا۔''

''پوچھئے۔''

''تم اُسے کب سے جانتی تھیں۔''

''ہم ساتھ ہی پلے بڑھے اور جوان ہوئے تھے۔ مسٹر رحمان میرے ڈیڈی کے گہرے

وں میں سے تھے۔ چونکہ اُن کی مصروفیات کچھ اس قسم کی تھیں کہ سارہ کی تربیت پر دھیان

ے سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اسے بھی ہمارے ہی گھر بھیج دیا تھا۔ میرے ڈیڈی

اُسے تعلیم دلوائی اور اُسے اس قابل بنایا کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکے، اسی دوران میں

رحمان کا انتقال ہو گیا۔ انہوں نے سارہ کے لئے معقول رقم چھوڑی تھی۔''

مونا خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔

''اُس نے اپنا انڈسٹریل ہوم کب قائم کیا تھا۔'' فریدی نے پوچھا۔

''پانچ سال پہلے کی بات ہے۔''

''کاروبار کیسا چل رہا تھا۔''

''بہت اچھا.....نصیر آباد کے اونچے طبقے میں اُس کے یہاں کا کام بہت مقبول تھا۔''

''تم نے ان پانچ برسوں کے دوران میں کوئی خاص تغیر محسوس کیا تھا اس میں۔''

''تغیر.....!'' وہ ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئی۔ چند لمحے خلاء میں گھورتی رہی پھر

ائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''میں نے اُس میں کئی قسم کے تغیرات محسوس کئے تھے۔ کاروبار

روع ہونے کے دو سال بعد تک وہ معمول کے مطابق ہی نظر آتی رہی تھی۔ لیکن اس کے بعد

ں نے اُسے ہمیشہ ایک اعصاب زدہ لڑکی ہی کے روپ میں دیکھا۔ ذرا سی آواز پر اس طرح

چونک پڑتی تھی جیسے قریب ہی کہیں بم گرا ہو۔''

''تم نے اُس کی وجہ ضرور پوچھی ہوگی۔''

''یقیناً.....لیکن اس نے کبھی کوئی تشفی بخش جواب نہیں دیا تھا۔''

''کیا تم سچ بول رہی ہو؟'' فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا اور وہ بوکھ دوسری طرف دیکھنے لگی۔ فریدی کا لہجہ خوشگوار نہیں تھا۔

''اوہ.....تو تم نے مجھے بھی سچی بات نہیں بتائی تھی۔'' حمید نے اپنے مخصوص لہجے میں شکوہ

''میں کیا کروں.....میں کیا کروں۔'' وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے بال نوچنے لگی۔

''قانون کے ہاتھ مضبوط کرو۔'' فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔

''تو کیا.....آپ لوگ.....!''

''ہاں.....ہم قانون کے محافظ ہیں۔''

''میرے ڈیڈی.....میرے ڈیڈی۔''

''میں کہہ چکا ہوں کہ انہیں محفوظ سمجھو۔ البتہ قدرتی موت سے تو انہیں کوئی بھی نہ بچا سکے'

مونا کچھ نہ بولی۔ فریدی کہتا رہا۔ ''اپنے ذہن کو اُس کے لئے تیار کرو.....ورنہ کتنے اچھے لوگ سارہ کی طرح موت کے گھاٹ اتر جائیں گے۔''

مونا پھر بھی خاموش رہی۔

''بہتر ہوگا کہ تم کچھ دیر آرام کرو۔'' حمید نے کہا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں اور اس کی ضرورت نہیں محسوس کرتی۔ بس آپ لوگ کسی ط مجھے ڈیڈی کے پاس پہنچا دیجئے۔''

''جب تک وہ بھیڑیا آزاد ہے یہ نہ ہو سکے گا۔'' فریدی بولا۔ ''میں تمہارا خون اپنی گر پر نہیں لے سکتا۔''

''پھر میں کیا کروں۔''

اس سلسلے میں جو کچھ بھی جانتی ہو من وعن مجھے بتا دو۔ اسی میں سب کی بہتری ہے۔''

مونا کچھ دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔ سارہ ایک لڑکے کو چاہتی تھی۔ اس بُری طرح کہ فروہی اُس کی تباہی کا باعث بھی بن گیا۔ اگر وہ درمیان میں نہ ہوتا تو سارہ بھی آج زندہ ں۔'' وہ خاموش ہوگئی۔ فریدی نے بات کو آگے بڑھانے کے لئے کچھ نہ کہا۔ تھوڑی دیر بعد خود ہی بولی۔ ''جس زمانے میں وہ بہت زیادہ نروس نظر آنے لگی اکثر کہا کرتی تھی کہ واجد اُسے بہت بڑے جنجال میں پھنسا دیا ہے۔ لیکن اس کی وضاحت اُس نے کبھی نہیں کی۔''

''ایک منٹ۔'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''واجد کون تھا.....؟''

''نصیر آباد کی کسی فرم کا پرچیز آفیسر تھا۔ فرم کا نام مجھے یاد نہیں۔ اتنا جانتی ہوں کہ وہ درآمد برآمد کا کاروبار کرتا ہے۔''

''اُن کی دوستی انڈسٹریل ہوم قائم ہونے سے پہلے ہوئی تھی یا بعد میں۔''

''بعد میں۔''

''یہ یقین کے ساتھ کیسے کہا جا سکتا ہے۔''

''سارہ نے مجھ سے کبھی کوئی بات نہیں چھپائی۔ اگر اُن کی دوستی پہلے ہوئی تھی تو مجھے اُس بارے میں کئی سال بعد کیوں بتاتی۔''

''بہرحال جب سے اُس نے اپنی اُس پریشانی کا تذکرہ کیا تھا میں نے اُسے کبھی خوش نہ دیکھا۔ ہر وقت کسی سوچ میں گم رہتی تھی۔''

''اس کے بعد سے اُن دونوں کے تعلقات میں بھی فرق آیا ہوگا۔''

''نہیں ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ بُری طرح جان دیتی تھی اُس پر۔ اگر کسی دن اس سے ملاقات نہیں ہوتی تھی تو وہ پاگلوں کی طرح شہر کی گلیوں کی خاک چھانتی پھرتی تھی۔''

مونا خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس اجمال کے لئے تفصیل ترتیب دے رہی ہو جسے کہی ہوئی بات کے لئے بطور دلیل پیش کر سکے۔

''مجھے حیرت ہے۔'' حمید بڑبڑایا۔ ''کم از کم میں تو کسی ایسی ہستی کا وجود برداشت نہیں کر سکتا جو میرے لئے الجھن کا باعث بنے۔''

''آپ عورت نہیں ہیں۔'' مونا اُسے گھورتی ہوئی بولی۔

''عورتوں سے بھی بدتر۔'' فریدی نے سگار کا گوشہ توڑتے ہوئے کہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ خود ہی موجودہ موضوع سے ہٹنے کی کوشش کر رہا ہو۔

''کسی عورت کی موجودگی میں تو میری توہین نہ کیجئے۔''

''تمہیں وہ عورت تو یاد ہی ہوگی فرزند جس نے تمہاری نازک کلائیوں کی شان میں کہا تھا۔''

حمید سمجھ گیا تھا کہ فریدی کسی مقصد کے تحت موضوع گفتگو بدلنا چاہتا ہے۔ لیکن اُسے بات پسند نہ آئی کہ اس سلسلے میں وہ خود ہی نشانہ بنے۔

''جی ہاں..... جی ہاں۔'' اُس نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''اور وہ عورت بھی یاد ہی ہوگی جسے تمہارے شرمانے کی ادا ایسی بھائی تھی کہ وہ تمہیں سہیلی بنانے پر آمادہ ہوگئی تھی۔''

''وہ بھی یاد ہے۔'' حمید نتھنے پھلا کر بولا۔

مونا اُسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

''لہٰذا متحیر ہونا چھوڑ دو عورتوں کی باتوں پر۔'' فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔

''بہت بہتر..... بہت بہتر۔'' حمید اس طرح سر ہلا کر بولا جیسے دیر سے اس ہدایت کا منتظر رہا ہو۔

''ہاں بے بی۔'' دفعتاً فریدی مونا کی طرف مڑ کر بولا۔ ''کیا سارہ نے اُس جنجال کو پھنسایا تھا پروفیسر کو۔''

''سس..... سارہ..... نہیں تو۔'' مونا گڑبڑا گئی۔ ''لل..... لیکن جنجال..... ڈیڈی تو کسی جنجال

''یہ کسی طرح بھی تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ مجھے علم ہے کہ پروفیسر اُسے تم سے بھی زیادہ چاہتا

''آپ..... آپ کیا جانیں۔''

''علم ہے۔ لیکن پروفیسر کا دوسرا روپ حال ہی کی دریافت ہے۔ یہاں آنے

علوم ہوا کہ پروفیسر بھی اس جنجال سے الگ نہیں۔''

''میں کچھ نہیں جانتی۔ کچھ نہیں جانتی..... خدا کے لئے مجھ سے کچھ نہ پوچھئے۔''

''کیا تمہیں اپنے وطن سے محبت نہیں ہے۔''

''لیکن میں کیا جانتی ہوں جو آپ کو بتاؤں گی۔ ڈیڈی نے مجھے کبھی کچھ نہیں بتایا۔ وہ ہر ل سردیوں میں ہی رام گڈھ آتے ہیں۔ لیکن میں نے ہمیشہ یہ محسوس کیا ہے جیسے کوئی نظر نہ نے والا پھندا ان کی گردن میں پڑا ہوا ہے اور وہ کشاں کشاں رام گڈھ کی طرف لے جائے رہے ہوں۔''

''یہ بھی نہیں بتایا تمہیں کہ ایسے سخت موسم میں یہاں آنے کا کیا فائدہ۔''

''وہ کیمسٹری کے پروفیسر ہیں۔ آئے دن طرح طرح کے تجربات کرتے رہتے ہیں۔ ک ایک تجربے کے لئے انہیں کئی سال سے ایک مخصوص درجہ حرارت کی ضرورت پیش آتی ہے۔ تجربہ ابھی تک مکمل نہیں ہوا۔ اس لئے انہیں سردیوں میں یہاں آنا پڑتا ہے۔''

''خوب.....!'' فریدی اسکی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''پروفیسر نے تمہیں یہی بتایا ہے۔''

''جی ہاں۔''

''حالانکہ اس ترقی کے دور میں کوئی سا بھی درجہ حرارت حاصل کرنے کے لئے موسم یا سطح ندر سے بلندی کا منہ نہیں دیکھنا پڑتا..... کیا خیال ہے تمہارا.....!''

''یہی تو میں بھی سوچتی رہی ہوں۔''

''لیکن تم نے کبھی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی۔''

''میں ڈیڈی کو غصہ دلانا پسند نہیں کرتی۔ اُن کے اعصاب کمزور ہیں۔''

''ویسے تم نے یہ تو محسوس ہی کیا ہے جیسے وہ جبراً و قہراً آتے ہو

''جی ہاں..... میں یہی محسوس کرتی رہی ہوں۔''

''اچھا..... اس تجربے سے پہلے بھی کبھی تم لوگ رام گڈھ آتے رہے ہو۔''

''جی نہیں..... میری اپنی یادداشت میں تو نہیں۔''

''اب دو ایک سوالات میں بھی کرنا چاہتا ہوں۔'' حمید بول پڑا۔

فریدی نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے سر کو جنبش دی اور مونا حمید کی طرف متوجہ ہوگئی

''تم اُس آدمی سے بہت زیادہ خائف تھیں۔ نہ صرف خائف تھیں بلکہ اُس کے بار میں خاصی معلومات بھی رکھتی تھیں۔ اُس رات جب تم نے اُسے میرے کمرے میں بیہوش پڑ دیکھا تو مجھ سے کہا تھا کہ وہ فزارو میں تنہا نہ ہوگا۔ اس کے ساتھی جہنم کا دہانہ کھول دیں گے۔''

''لیکن ڈیڈی کو اُس سے کیا سروکار۔ وہ تو شاید اُسے جانتے بھی نہ ہوں۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اُس کا تعلق تو سارہ والے معاملے سے تھا۔''

''ہوں.....!'' فریدی بولا۔ ''لیکن تم خائف تھیں۔''

''وہ.....وہ دراصل واجد کا بڑا بھائی ہے۔ اس کا خیال تھا کہ واجد کے قتل میں سا ہاتھ تھا۔''

''قتل.....کس کا قتل.....!''

''واجد کا قتل.....!''

''یہ کب کی بات ہے۔''

''آٹھ یا دس ماہ پہلے کی۔ اُسی کے بعد تو سارہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی تھی۔ پھ دنوں کے بعد اُس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ کس جنجال میں پھنسی رہی تھی۔ اُس نے مجھے بتایا تھ واجد کو اُس کی آنکھوں کے سامنے ایک درندے نے قتل کر دیا تھا۔ گردن میں چھری مار کر جھٹکا دیا تھا۔ نرخرے کے دو ٹکڑے ہو گئے تھے اور خون کی موٹی سی دھار اچھل پڑی تھی۔ مے بتاؤں کہ وہ کیسے انداز میں اس کا تذکرہ کرتی تھی۔''

وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی اور پھر جھرجھری سی لے کر بولی۔ ''میں نہیں سمجھ سکتی کہ اچانک اتنی کیوں بدل گئی تھی۔ واجد کے قتل سے پہلے وہ ایک اعصاب زدہ سی لڑکی تھی لیکن کے بعد میں نے محسوس کیا تھا جیسے اُس سے زیادہ نڈر اور فولادی قسم کی قوت فیصلہ رکھنے والی

رت میری نظر سے گزری ہی نہ ہو۔ وہ ان لوگوں سے انتقام لینے کیلئے نکل کھڑی ہوئی تھی۔''

''لیکن تم واجد کے بھائی سے کیوں خائف تھیں۔''

''جب تک سارہ زندہ رہی تھی وہ اس کی نگرانی کرتا رہا تھا۔ اُسے مجبور کرتا رہا تھا کہ وہ ے واجد کے قاتل کے بارے میں بتا دے پھر ایک دن سارہ کے قتل کی خبر اخبارات میں ئع ہوئی اور وہ میرے پیچھے لگ گیا۔ اس طرح ہمارے بنگلے کی نگرانی کرنے لگا جیسی ہم کہیں رہو جانے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ مجھ سے کہا تھا کہ سارہ نے تمہیں ضرور بتایا ہوگا کہ واجد کو کس قتل کیا تھا۔ مجھے بتاؤ ورنہ میں ساری زندگی تمہارے پیچھے لگا رہوں گا۔ وہ نصیر آباد کے متمول ن آدمیوں میں سے ہے۔ بدنام بھی ہے۔ بہت سے غنڈے پال رکھے ہیں۔ کبھی تنہا نہیں ا چار بدمعاش ساتھ ہوتے ہیں۔ اسی لئے میں نے تم سے کہا تھا کہ اس سے نہ الجھو..... یقین ہے کہ وہ فزارو میں تنہا نہ رہا ہوگا۔ نصیر آباد سے میرا تعاقب کرتا ہوا رام گڈھ آیا تھا۔''

''پروفیسر کو علم تھا اس کا۔''

''نہیں.....میں نے اس کے بارے میں انہیں کبھی کچھ نہیں بتایا۔ وہ یونہی بہت پریشان تے تھے اور سارہ کے قتل کے بعد سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اپنے حواس ہی میں نہ ہوں۔''

''کیا وہ خائف تھے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''بہت زیادہ.....ڈرے ڈرے سہمے سہمے.....لیکن انہوں نے کبھی اس کی وجہ نہیں بتائی۔ ا پوچھتی تھی تو یہی جواب ملتا کہ تمہیں وہم ہو گیا ہے۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔''

''ہوں.....!'' فریدی نے پرتفکر انداز میں سر کو جنبش دی۔

مونا خاموش ہو گئی تھی۔ حمید پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔

کچھ دیر بعد فریدی نے پوچھا۔ ''سارہ کن لوگوں سے انتقام لینا چاہتی تھی۔''

''اُس نے کھل کر کبھی نہیں بتایا۔ ایک بار اپنا پرس میرے سامنے پھینک دیا تھا اور اس پر نہ ہوئے سنہرے تیر کی طرف اشارہ کر کے بولی تھی کہ ان سے.....! پھر قطعی طور پر خاموش ئی تھی۔ میں نے بہت کوشش کی تھی کہ مجھے اس کے متعلق صاف طور پر بتائے۔ لیکن ایسا نہ

ہوا۔ پھر ایک بار اُس نے کہا تھا کہ میرا یہ پرس میرے لئے اپنی جان سے بھی زیادہ قیمتی ہے کیونکہ اس میں وہ راز پوشیدہ ہے جو میرے واجد کے قاتل کو جہنم میں پہنچا دے گا۔''

فریدی جو اُسے پرتشویش نظروں سے دیکھتا رہا تھا بولا ''اور تم یہ ساری باتیں پہلی بار بتا رہی ہو۔''

''نہیں..... انہیں بھی بتائی تھیں۔'' مونا نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

''اس کے علاوہ.....!''

''کسی کو بھی نہیں۔ حتیٰ کہ واجد کے بھائی ساجد کو بھی نہیں بتائیں۔ نہ جانے کیوں اُسے دیکھ کر مجھے غصہ آجاتا تھا اور میں اپنے ہونٹ سی لیتی تھی۔''

''کیا یہی پرس تھا۔'' فریدی نے سارہ رحمان والا پرس جیب سے نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

حمید نے اُسے بُری طرح چونکتے دیکھا۔

''یہ..... یہ..... آپ کو کہاں سے ملا..... کہاں سے ملا۔'' وہ مضطربانہ انداز میں بولی بے چینی سے فریدی کے جواب کی منتظر رہی۔

''تم اچھی طرح دیکھ کر بتاؤ کہ یہ وہی پرس ہے یا نہیں۔''

''یقیناً وہی ہے۔'' وہ اُسے الٹ پلٹ کر دیکھتی ہوئی بولی ''آپ کو کہاں سے ملا بتایئے مجھے''

''سارہ سے۔''

''اوہ..... میرے خدا..... وہ ہمدردوں کے درمیان پہنچ جانے کے بعد بھی زندہ نہ رہ سکی''

''میں نہیں سمجھا۔''

''یقیناً..... آپ اس کے ہمدردوں میں سے ہیں۔ تبھی تو اُس کے لئے.....!''

''لیکن میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ پرس..... تم ہی بتاؤ..... بھلا اس میں کیا ہے۔ جب میرے ہاتھ آیا تھا تو اس میں چند سکوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔''

''جتنی بات میں نے اُس کی زبان سے سنی تھی آپ کو بتا دی۔ اس سے زیادہ اور

کچھ نہیں جانتی۔''

فریدی چند لمحے خلاء میں گھورتا رہا پھر بولا۔ ''واجد کے قتل کے سلسلے میں اُس نے پولیس کو کوئی بیان نہیں دیا تھا۔''

''یہی تو بڑی عجیب بات ہے..... اس معاملے میں اس کے بھائی ساجد کا رویہ بھی حیرت انگیز رہا ہے۔ اُس نے بھی تو پولیس کو اس سلسلے میں مطلع نہیں کیا کہ سارہ اس کے بھائی کے قتل کے متعلق کچھ جانتی ہے۔''

''خیر..... کچھ اور بتاؤ سارہ کے بارے میں..... ہاں تو اس نے قاتل کے متعلق اور کیا بتایا تھا۔''

''وہ نقاب پوش تھا..... چہرہ نہیں دیکھ سکی تھی اور کچھ دستانوں کا بھی تذکرہ تھا۔ دستانوں کا ذکر کرتے ہوئے وہ پاگلوں کی طرح ہنسی بھی اور بڑی حقارت سے کہا اب میرے ہاتھوں سے بچ کر کہاں جائے گا۔''

فریدی نے تفہیمی انداز میں سر کو جنبش دی۔

پہاڑ خانم

حمید پھر فزارو کی طرف واپس جا رہا تھا۔ لیکن میک اپ میں نہیں تھا۔ اب اُسے حمید ہی کی حیثیت سے فزارو میں قیام کرنا تھا۔ البتہ فریدی کی ہدایت تھی کہ وہ رجسٹر میں اصل نام اور پتہ بیان نہ کرائے۔

حمید سوچ رہا تھا۔ آخر اس کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اگر وہ میجر سعید کے میک اپ میں اب نہیں رہ سکتا تھا پھر کوئی دوسرا روپ اختیار کرنے کی ہدایت ملی تھی۔ آخر کھل کر سامنے آجانے کا کیا مقصد ہو سکتا تھا۔

''اوہو.....!'' اُس کے ہاتھ اسٹیئرنگ پر سخت ہو گئے اور وہ بڑبڑایا۔ ''تو یہ بات ہے۔''

نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے ہوئے وہ ونڈ اسکرین پر نظر جمائے رہا۔

تو پھر ایک بار اُسے چارے کے طور پر استعمال کیا جانے والا ہے۔ وہ سوچ رہا تھا۔ رحمان فریدی کی موجودگی میں قتل ہوئی تھی۔ مجرموں کو علم تھا کہ وہ فریدی سے ملنا چاہتی پھر کیا مجرموں کو فریدی یا اُس سے متعلق لوگوں کی تلاش نہ ہوگی۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو فریدی اتنی احتیاط سے کیوں کام لیتا۔

سارہ رحمان..... حمید نے طویل سانس لی۔ سارہ رحمان مر جانے کے بعد اور زیادہ انگیز ثابت ہوئی تھی۔ بات کہاں سے کہاں پہنچی۔ اس کا پرس بہرحال الجھن کا باعث تھا۔ لیکن آخر فریدی نے قاتل اور اس کے دستانوں کے تذکرے کے بعد خاموشی کیوں کر لی تھی۔ مونا سے پھر مزید پوچھ گچھ کیوں نہیں کی تھی۔ خود حمید کے ذہن میں تو اس وقت نئے سوالوں نے سر ابھارا تھا۔

فریدی نے مونا سے کہا تھا کہ اب اسے آرام کرنا چاہئے لیکن وہ مصر تھی کہ اُسے بھجوا دیا جائے۔

بمشکل تمام حمید نے اُسے کم از کم دو دن کیلئے پروفیسر سے الگ رہنے پر آمادہ کیا تھا کار تیزی سے راستہ طے کرتی رہی۔ یہ وہی کار تھی جس سے حمید نے صبح سفر کیا فریدی نے اُس کی مختلف کنجیوں کے بارے میں اُسے بتاتے ہوئے کہا تھا ''تم اگر ضرورت کی ساری چیزیں پاؤ گے۔ بس اسے ذہن نشین کر لو کہ کونسی کنجی کہاں لگے گی۔''

اس کے بعد حمید کافی دیر تک کنجیوں سے متعلق مشق کرتا رہا تھا۔

اُسے اُن کھپاؤں کا خیال آیا جن میں ان دنوں فریدی کا قیام تھا۔ اسی جگہ وہ تعداد آٹھ تھیں۔ دو کھپاؤں میں قیدی تھے جن کی تعداد ڈیڑھ درجن کے قریب تھی۔ ان میں سے صرف انہیں لوگوں کو پہچان سکا جنہیں پہلے دیکھ چکا تھا۔ بقیہ اسکے لئے اجنبی تھے۔ فریدی نے اُسے ان کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔

واپسی پر اسے سڑک پر صرف اپنی ٹوسیٹر کھڑی دکھائی دی تھی۔ دوسری گاڑیاں وہاں نہیں تھیں۔ پھر اُس نے ان کے متعلق فریدی سے کچھ پوچھا ہی نہیں تھا۔ پوچھ کر کرتا بھی کیا۔ فریدی سے تعلق رکھنے والی ہر بات حیرت انگیز تھی۔

حیرت ظاہر کرنے کے بعد اگر کسی سوال کا جواب نہ ملے تو ذہنی تھکن کچھ اور بڑھی سی محسوس ہونے لگتی ہے۔

اور پھر ذہنی تھکن کا خیال آتے ہی سچ مچ اُسے اپنے ذہن پر ایک بوجھ سا محسوس ہونے لگا۔ سیٹی میں کوئی دھن نکالنے کے لئے ہونٹ سکوڑے لیکن سمت مخالف کی تیز ہوا نے آواز نہ نکلنے دی۔

تب وہ اپنے ذہن کو ڈھیلا چھوڑ کر خوب صورت لڑکیوں کے بارے میں سوچنے لگا۔ مایا کی چال بڑی دلکش ہے لیکن جب تیزی سے چلتی ہے تو کسی قدر بھدی لگتی ہے۔

تہمینہ سر کو پیچھے جھٹک کر مسکراتی ہے تو..... تو..... کوئی تشبیہہ سوجھ نہ سکی اور وہ براہِ راست یاسمین قزلباش کی طرف آ گیا۔ پھر رضیہ یاد آئی۔ وہ اسے پسند تھی۔ نفسیات کے سلسلے میں اس کی چھیڑ چھاڑ وقتی طور پر گراں گذرتی تھی لیکن پھر وہ اکثر اس کے بارے میں سوچا کرتا تھا۔

یاسمین قزلباش..... اس نے طویل سانس لی۔ اگر وہ رضیہ ہی ہے تو اداکاری میں اپنا جواب آپ رکھتی۔ یہ بات اس نے پہلے بھی کئی بار سوچی تھی۔ اُسے خوشی تھی کہ اب وہ اپنے پچھلے میک اپ میں واپس نہیں جا رہا..... ورنہ بڑی دشواری پیش آتی۔ وہ اسے دیکھتے ہی بھڑک اٹھتی۔

فلیٹ پر پہنچ کر وہ اپنی گاڑی پارکنگ شیڈ کی طرف لیتا چلا گیا اور اسی وقت اس کی نظر پولیس کی لاری پر پڑی۔ دو تین مسلح کانسٹیبل لان پر بھی نظر آئے۔

''کیا مصیبت ہے۔'' حمید نے بڑبڑاتے ہوئے انجن بند کیا۔

گاڑی سے اُتر کر سیدھا دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

کاؤنٹر پر دو سب انسپکٹر دکھائی دیئے، جو شاید کاؤنٹر کلرک سے کسی قسم کی پوچھ گچھ کر رہے تھے۔ کلرک ان سے معذرت طلب کر کے حمید کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس نے بتایا کہ قیام کے

لئے کمرہ مل سکے گا۔

''گاڑی سے میرا سامان منگوا لیجئے۔'' حمید نے کہا اور اسے اپنی گاڑی کے نمبر
رجسٹر میں اپنا نام عبدالرشید اور پیشہ کمیشن ایجنسی درج کرایا۔

ہر چند کہ وہ نام اُسے پسند نہیں تھا لیکن زبان سے یہی نکلا تھا۔ اس لئے اب
عبدالرشید ہی محسوس کر رہا تھا۔

پھر کچھ دیر بعد وہاں پولیس کی موجودگی کی وجہ بھی معلوم ہوگئی۔

یہ ہنگامہ یاسمین قزلباش نے برپا کرایا تھا۔ اس نے پولیس کو اطلاع دے دی تھی
لوگ میجر سعید کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہے تھے۔

پھر ایک پارٹی یاسمین قزلباش کے ساتھ غالباً اسی جگہ کی تلاش میں روانہ ہوئی تھی
واقعہ پیش آیا تھا۔

اس نے پولیس کو مونا کے بارے میں بھی بتایا تھا۔

حمید کو اس کے برابر ہی کمرہ ملا تھا جس میں وہ میجر سعید کی حیثیت سے مقیم رہا تھا

تھوڑی دیر بعد وہ نیچے ڈائننگ ہال میں واپس آیا۔ شام ہوگئی تھی اور اب دھندلکا پھیلنے

حمید نے سوچا کہ مزید معلومات کیلئے کاؤنٹر کلرک ہی سے ربط وضبط بڑھانا بہتر ہ

اس وقت کاؤنٹر کلرک کے پاس غالباً اس کا کوئی دوست بیٹھا وقوعے کے متعلق گ
تھا۔ حمید کاؤنٹر سے ٹک کر پائپ سلگانے لگا۔ اس کی نظریں سامنے پڑے ہوئے لائف
کے سرورق پر تھیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اس پر چھپی ہوئی تصویر میں بہت زیا
لے رہا ہو۔

کاؤنٹر کلرک اپنے دوست سے کہہ رہا تھا۔ منیجر صاحب کا ہارٹ فیل اسی رات
جب بوڑھا پروفیسر خراب و خستہ حالت میں واپس آیا تھا۔ پتہ نہیں کیا چکر تھا۔ وہ پرو
بیزار بھی تھے اور اس سے ڈرتے بھی تھے۔ جب وہ بیہوش پڑا تھا تو ان کی کوشش یہی تھی
میڈیکل ایڈ نہ مل سکے۔ تب میجر سعید اور مسٹر ساجد پرویز ایک ڈاکٹر کو بلا لائے۔ میرا

ہر 32
ں سلسلے میں منیجر صاحب سے ان کی جھڑپ بھی ہوئی تھی۔ پھر ڈاکٹر نے جیسے ہی یہ اطلاع
لہ پروفیسر کی حالت غیر یقینی ہے ان کے قلب کی حرکت بند ہوگئی۔ اب تم اس سے جو نتیجہ
افذ کرو۔''

اس نے خاموش ہو کر حمید پر نظر ڈالی اور پھر مخاطب کو جواب طلب نظروں سے دیکھنے لگا۔

دوسرے آدمی نے کہا۔ ''اور یہ میجر سعید اور پروفیسر کی لڑکی والا معاملہ۔''

''کوئی بہت بڑا چکر ہے۔ پروفیسر کو ہوش ہی نہیں آ چکتا۔ اس وقت اس کے بستر کے
چار مسلح پولیس آفیسر موجود ہیں۔ مونا اور میجر سعید کی تلاش جاری ہے جنہیں کچھ
اش پکڑ لے گئے ہیں۔''

کچھ دیر کے لئے وہ پھر خاموش ہوگئے اور حمید لائف میگزین کے ورق الٹتا رہا۔

''آخر وہ ایرانی عورت وہاں کیسے جا پہنچی تھی۔'' دوسرے آدمی نے پوچھا۔

''تفریح کے لئے نکلی تھی۔ آگے وہ لوگ اپنے گاڑی میں مونا کو لئے جا رہے تھے۔ ایک
انہوں نے اپنی گاڑی اسی طرح روکی کہ مس یاسمین کو بھی گاڑی روک دینی پڑی چونکہ مس
ں یہیں مقیم ہیں اس لئے انہیں تعاقب کا شبہ ہوا اور انہوں نے انہیں بھی پکڑ لیا۔ مونا سمیت
غار میں پہنچے۔ مس یاسمین کا بیان ہے کہ وہ مونا سے میجر سعید کے متعلق پوچھ رہے تھے۔ وہ
ا چاہتے تھے کہ مونا نے میجر سعید سے کس قسم کی باتیں کی ہیں اور اسے اپنے بارے میں کیا
ہے۔ وہ لوگ کبھی اردو میں گفتگو کرنے لگتے تھے اور کبھی انگریزی میں۔ ورنہ وہ بے چاری تو
ہ بھی نہ سمجھ سکتیں۔ انہیں اردو آتی ہی نہیں۔ بہرحال یہ پوچھ گچھ جاری ہی تھی کہ میجر سعید
رت انگیز طور پر وہاں پہنچ گیا اور اس نے مونا پر ریوالور سے فائر کئے پھر ایک اور آدمی آیا
ل کے ہاتھ میں ٹامی گن تھی۔ اس کے حکم پر ان لوگوں نے میجر سعید کو باندھ لیا اور مونا سمیت
ے اپنے ساتھ لے گئے۔ مس یاسمین پر اتنی مہربانی کی کہ ان کے کاغذات دیکھ لینے کے بعد
ٹنا جانے دیا۔ لیکن دھمکی دی تھی کہ اگر انہوں نے پولیس کو کچھ بتایا تو ان کی خیر نہیں۔ یار
ڑے جگرے کی عورت ہے۔ اب تو اسے ضد ہوگئی ہے۔ سب کچھ پولیس کو بتا دیا ہے اور اب

پولیس والوں کے ساتھ ان لوگوں کی تلاش میں ماری ماری پھر رہی ہے۔"

"کیا خیال ہے تمہارا.....!" دوسرے آدمی نے پوچھا۔ "کیا یہ میجر سعید بھی کوئی آدمی ہے۔"

"میں کیا بتاؤں۔" کاؤنٹر کلرک طویل سانس لے کر بولا۔ "میرے ساتھ تو بڑی سے پیش آیا تھا۔ پرنس ہنری کے تمباکو کی وافر مقدار مجھے دی تھی۔ تم نے کبھی ٹرائی کیا پرنس ہنری۔ میری دانست میں تو اس سے اچھا کوئی اور تمباکو ہے ہی نہیں۔"

"کیپسٹن کیا بُرا ہے؟"

"بکواس ہے..... میں تو اپنے ایک جہازی دوست سے خط و کتابت کر رہا ہوں کہ بھی آئے میرے لئے دو درجن ڈبے لیتا آئے۔"

"کیپسٹن کے مقابلے کا نہیں۔ مانو میری بات۔"

"خواہ مخواہ بحث نہ کرو۔"

"لارڈ بوگر ڈوگر بھی کیپسٹن ہی کا تمباکو استعمال کرتے ہیں۔"

اس پر کاؤنٹر کلرک صاحب نے لارڈ بوگر ڈوگر کی والدہ کی شان میں بہت بڑی گ فرمائی اور مخاطب کے چہرے پر بھی کسی قدر برافروختگی کے آثار نظر آئے۔ لیکن وہ نچلا دانتوں میں دبائے دوسری طرف دیکھتا رہا۔

کاؤنٹر کلرک بُرا سا منہ بنا کر رجسٹر کی ورق گردانی کرنے لگا۔ پھر شاید دوسرے آد اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس نے لہجے میں دوستانہ نرمی پیدا کر کے پوچھا۔

"پھر میجر سعید کا کیا ہوا.....؟"

"میجر سعید کی.....!"

لیکن قبل اس کے کہ وہ میجر سعید کی والدہ کو بھی نواز بیٹھتا حمید جلدی سے بولا پڑا۔ "یہ کون کون سے اخبار آتے ہیں۔"

"اخبار.....!" کاؤنٹر کلرک جھلا کر مڑا۔ لیکن پھر شاید یاد آنے پر کہ اب وہ ایک گ

سے مخاطب ہے سنبھل کر بولا۔ "کئی اخبار آتے ہیں جناب، سب آپ کو ریڈنگ روم میں مل جائیں گے۔ مجھے چونکہ اخبارات سے دلچسپی نہیں ہے اس لئے ان کے نام بھی یاد نہیں رہتے۔"

"خیر..... خیر..... ابھی ابھی آپ نے پرنس ہنری کے تمباکو کے متعلق جو رائے ظاہر کی تھی میں اُس سے متفق ہوں۔"

"ہے نا.....!" وہ جھک کر بولا۔ پھر دوسرے آدمی سے بولا۔ "دیکھو..... جسے ذرا بھی تمیز ہے مختلف تمباکوؤں میں..... وہ یہی کہے گا۔"

"میاں پیچھا چھوڑ دو میرا۔" دوسرا آدمی ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "جہنم میں جائے پرنس ہنری۔"

"ہٹ دھرمی سلامت رہے۔" کاؤنٹر کلرک نے بُرا سا منہ بنایا اور پھر رجسٹر کی ورق گردانی کرنے لگا۔

"اگر آپ پینا چاہیں تو میں آپ کو پرنس ہنری کا ڈبہ دے سکتا ہوں۔" حمید بولا۔

"ایک ڈبہ۔" کاؤنٹر کلرک نے حیرت سے کہا۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔

"لیکن وہ بہت مہنگا ہوگا۔"

"میں تحفتاً پیش کروں گا۔"

"ارے نہیں..... آپ کو کمی پڑے گی۔"

"قطعی نہیں۔ میرے بڑے بھائی ایک بار بردار جہاز پر چیف انجینئر ہیں۔ ہر ماہ میرا کوٹہ بھجوا دیتے ہیں اس میں سے بھی کئی ڈبے بچ رہتے ہیں لہٰذا احباب کا بھی بھلا ہو جاتا ہے۔"

"تب تو میں آپ سے درخواست کروں گا کہ ایک ڈبہ مجھے بھی عنایت فرمایئے اور پھر ان حضرت کو بھی دکھائی جائے یہ بھی کیا یاد کریں گے۔"

"جی نہیں شکریہ۔" دوسرا آدمی ناخوشگوار لہجے میں بولا۔ "مجھے اپنا ہی برانڈ بھلا لگتا ہے۔"

اس طرح حمید نے کاؤنٹر کلرک سے دوبارہ اچھی خاصی جان پہچان پیدا کر لی۔ اب وہ یاکمین کے بارے میں بہت زیادہ تشویش میں پڑ گیا تھا۔ اگر اس کا تعلق مجرموں ہی سے ہوتا تو وہ پولیس کو ہرگز بیان نہ دیتی۔

لیکن اس کے برعکس بھی تو ہوسکتا تھا۔ وہ فریدی ہی کے کام کرنے والی کوئی لڑکی ہوسکتی تھی۔ اس کے امکانات پر بھی حمید نے بار ہا غور کیا تھا۔ پھر یہ سوچ کر اس نظریئے کو رد کردیا تھا کہ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو خود اس سے راز داری برتنے کا کیا مقصد ہوسکتا تھا۔ دونوں مل کر کیوں نہ کام کرتے۔ اگر یہ یاسمین درحقیقت رضیہ ہی تھی تو درزی خانے میں وہ ایک دوسرے کے لئے کیوں اجنبی بنے رہتے۔ کیا مصلحت تھی اس میں۔ لیکن آخر وہ کم بخت درزی خانہ ہی کس مرض کی دوا تھا۔ کیا مقصد تھا اس کے قیام کا اور پھر وہ اس طرح بند کیوں کردیا گیا۔

حمید پائپ میں تمباکو بھر کر اُسے دیا سلائی دکھانے ہی والا تھا کہ یاسمین قزلباش ڈائننگ ہال میں داخل ہوئی۔ حمید نے اُسے دیکھ کر اتنی گہری سانس لی تھی کہ کاؤنٹر کلرک کو بھی اس طرف متوجہ ہوجانا پڑا تھا۔

''آخر کس جنگل کا جانور ہے؟'' حمید نے کاؤنٹر کلرک سے پوچھا۔ ''خدوخال مشرقی لگتے ہیں لیکن لباس ٹھیٹھ مغربی ہے۔''

''ایرانی ہیں جناب۔ یہی تو ہیں مس قزلباش جن کو یہ واقعہ پیش آیا تھا.....؟''

''اوہو.....اچھا.....اچھا.....ایرانی ہیں۔ خوب۔ ایرانی لڑکیاں میری کمزوری ہیں۔''

کاؤنٹر کلرک نے دانت نکال دیئے۔

یاسمین کی نظر حمید پر پڑی اور حمید نے محسوس کیا جیسے وہ ایک پل کے لئے ٹھٹکی ہو۔ پھر آگے بڑھتی چلی گئی۔

''قق.....قق.....قیامت ہے۔'' حمید مضحکانہ انداز میں ہکلایا۔

''بے حد سنجیدہ عورت ہے۔ میں نے ابھی اُسے مسکراتے نہیں دیکھا۔'' کاؤنٹر کلرک بولا۔

''میں تمہیں اس کے لئے پاگل ہوکر دکھادوں گا۔'' حمید نے کہا۔

''آپ ایسے ہی معلوم ہوتے ہیں جناب.....!'' دوسرے آدمی نے طنزیہ لہجہ میں کہا تھا۔

حمید نے مسکرا کر اُسے آنکھ ماری اور کسی گھٹیا قسم کے عیاش آدمی کی طرح اپنی جیب کا ہاتھ پھیرنے لگا۔

''نہ بزور دنہ بزاری نہ بزرمی آئید.....!'' دوسرے آدمی نے کہا۔

''مجھے فارسی نہیں آتی۔ مطلب بھی سمجھاؤ۔'' حمید غصیلے لہجے میں بولا۔

''یہ بڑی بدتمیزی کی بات ہے کہ بغیر تعارف کسی سے بے تکلف ہوا جائے۔'' کاؤنٹر کلرک نے دوسرے آدمی سے کہا اور پھر معذرت طلب نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

''کوئی بات نہیں۔'' حمید ہنس کر بولا۔ ''ہم تو یاروں کے یار ہیں۔''

''یہ بات ہے تو لاؤ ادھر ہاتھ۔'' دوسرا آدمی اپنا ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ حمید نے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ''بس اسی طرح ہنس بول کر دن گزارتے ہیں۔''

دوسرا آدمی تحسین آمیز نظروں سے اس کا جائزہ لیتا رہا۔ اس کا ہاتھ ابھی تک حمید ہی کے ہاتھ میں تھا۔

''اچھی بات ہے دوست۔'' اس نے بالآخر کہا ''ہمارا وقت اچھا ہی گزر جائے گا۔''

''یہ مسٹر شفقت ہیں.....!'' کاؤنٹر کلرک نے تعارف کراتے ہوئے کہا۔

''رام گڈھ کے مشہور گلوکار.....اپنا ثانی نہیں رکھتے۔''

''بڑی خوشی ہوئی۔'' حمید ایک بار پھر گرم جوشی سے اس کا ہاتھ دباتا ہوا بولا۔ ''مجھے رشید لتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ میں وائلن بہت اچھا بجاتا ہوں۔''

''ضرور.....ضرور.....انگلیاں یہی کہہ رہی ہیں۔''

اتنے میں یاسمین پھر دکھائی دی۔ کاؤنٹر ہی کی طرف آتی معلوم ہوتی تھی۔

حمید کا اندازہ درست ہی نکلا۔ اس نے قریب آکر کاؤنٹر کلرک سے وقت پوچھا تھا اور اپنی گھڑی ملائی تھی۔

''کہئے.....کچھ سراغ ملا۔'' کاؤنٹر کلرک نے بڑے ادب سے پوچھا۔

''نہیں! ہم ان غاروں میں بھی دیکھ آئے اور پل تک بھی گئے۔ ان کا کہیں سراغ نہیں ملا۔ بے چاری لڑکی۔ پتہ نہیں وہ درندے کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔''

''میرا خیال ہے شاید آپ اب واپس چلی جائیں۔''

''ناممکن..... مجھے یہ ایک دلچسپ لیکن ڈراؤنا قصہ معلوم ہوتا ہے۔ اب تو میں تفصیل معلوم کرنے کے لئے بہر حال ٹھہروں گی۔''

''جی ہاں..... جی ہاں.....!'' وہ سر ہلا کر بولا۔ ''آپ کو پلاٹ مل جائے گا۔ اچھا۔ آپ کہانیاں ہی تو لکھتی ہیں۔''

''میں رات کا کھانا اپنے کمرے میں کھاؤں گی۔'' اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا اور واپسی کے لئے مڑ گئی۔

''ناک پر مکھی ہی نہیں بیٹھنے دیتی سالی۔'' کاؤنٹر کلرک بڑبڑایا۔

زینوں کے قریب پہنچ کر وہ ایک بار پھر مڑی تھی۔ حمید نے محسوس کیا جیسے اس بار مرکز نگاہ صرف وہی رہا ہو۔

اُن دونوں نے بھی شاید اُسے محسوس کر لیا تھا اور پر معنی انداز میں مسکرا رہے تھے۔

''واقعی آپ بلا کے سجیلے ہیں جناب۔'' کاؤنٹر کلرک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''کیوں.....؟ کیوں بھئی۔''

''شاید ہی کسی کو اس نے نظر بھر کر دیکھا ہو..... کمال ہو گیا۔''

''کیا کمال ہو گیا۔'' حمید نے انجان بن کر پوچھا۔

''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ وہ مڑ مڑ کر آپ کو دیکھتی رہی تھی۔''

''وہم ہو گا.....!'' حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور پھر چونک کر بولا۔

''اوہ..... میں آپ کے لئے تمباکو تو لیتا آؤں۔''

پھر ان کی کوئی بات سنے بغیر وہ بھی زینوں کی طرف بڑھ گیا۔

تیزی سے زینے طے کئے اور اپنے کمرے والی راہداری میں مڑ ہی رہا تھا کہ آواز آئی ''ٹھہریئے۔''

حمید چونک کر مڑا۔ یاسمین قزلباش دوسری راہداری کے سرے پر کھڑی تھی۔

حمید کے مڑنے پر اس نے کہا۔ ''میں بس ایسی معمولی ہی سی اردو جانتی ہوں۔''

''بڑی خوشی ہوئی کہ آپ اردو جانتی ہیں۔'' حمید نے اردو ہی میں کہا۔

''وہ میرا کمرہ ہے۔'' یاسمین نے ایک جانب ہاتھ اٹھا کر کہا۔

''چلئے۔'' حمید دوسری راہداری میں مڑ گیا۔

یاسمین اس کے پیچھے چل رہی تھی۔ لیکن کمرے میں داخل ہونے میں اس نے پہل کی۔

''وہ لوگ کہہ رہے تھے کہ آپ بہت مغرور ہیں۔'' حمید نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔

''میں خود کو لئے دیئے رہنے کی عادی ہوں۔''

''انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ آپ ایران سے تعلق رکھتی ہیں۔''

وہ کچھ نہ بولی۔ خاموشی سے اُسے دیکھتی رہی۔

''کیا میں اس ملاقات کو تقریب کا رنگ دے سکتا ہوں۔'' حمید نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

اب وہ انگریزی ہی میں گفتگو کر رہا تھا۔

''میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں کیا اسکیم میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے۔'' اس بار یاسمین قزلباش نے اردو میں پوچھا۔

''کچھ دیر مجھے اور ٹھہرنے دیجئے یہاں۔ آپ تو لاطینی بھی بولنے لگیں گی۔''

''میں پوچھتی ہوں آپ میک اپ کے بغیر کیوں نظر آ رہے ہیں۔''

''کومپلیکس کی گرانی..... میکس فیکٹر کی لپ اسٹک کا عادی تھا۔ دوسرے برانڈ قطعی پسند نہیں۔''

''سنجیدگی سے گفتگو کیجئے۔''

''کیا ایرانی مرد.....!''

''پلیز کیپٹن حمید۔''

''عبدالرشید نام ہے خاکسار کا۔''

''مجھے کرنل صاحب سے آپ کی شکایت کرنی پڑے گی۔'' اس نے ناخوشگوار لہجے میں کہا

''محترمہ رضیہ..... آپ خود کو کیا سمجھتی ہیں۔''

''میرا نام رضیہ بھی نہیں ہے۔'' وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''محترمہ.....لفاتن.....ہیں.....!''

وہ تھوڑی دیر تک خاموشی سے حمید کو گھورتی رہی پھر بولی۔ ''اسی خدشے کے تحت کہ آپ پر میری اصلیت نہیں واضح کی تھی کہ پھر کام نہیں ہو سکے گا۔''

''اب تو کام تمام ہو گیا نا۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

''اچھی بات ہے.....آپ جا سکتے ہیں۔''

''نفسیات پر کچھ نہیں ہوئی۔ بہت دنوں سے کان پیاسے ہیں۔''

وہ ہنس پڑی اور بولی۔ ''آپ کی ڈاڑھی اکثر یاد آتی تھی اور وہ پہاڑ خانم۔''

''قاسم.....!''

''جواب نہیں ہے اس کا بھی۔'' اس نے کہا اور پھر چونک کر بولی۔ ''الجھا لیا آ.....میں پوچھ رہی تھی کہ آپ میک اپ کے بغیر کیوں نظر آ رہے تھے۔''

''پہلے تم مجھے اپنا جغرافیہ سمجھانے کی کوشش کرو۔''

''میرا تعلق نصیر آباد آفس سے ہے۔ میں نے ایک معاملے میں کرنل سے مدد طلب کی''

''نصیر آباد آفس.....!'' حمید نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''تم لیڈی انسپکٹر نہیں ہو۔''

''ہاں یہی ہے میرا نام.....!''

''تذکرہ سنا تھا۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''اور کوشش بھی کی تھی کہ کچھ دنوں لئے آن ڈیپوٹیشن نصیر آباد چلا جاؤں۔''

حمید نے سوچا درزی خانے والا چکر بھی لگے ہاتھوں سمجھ لینا چاہئے۔ لیکن پھر خامو رہا۔ کیا وقعت رہ جاتی اس کی نظروں میں۔ کرنل فریدی اپنے ماتحتوں پر اعتماد نہیں کرتا۔ حالات سے بے خبر رکھتا ہے۔

''آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔'' زیبا نے کہا۔

''جو حکم ملا۔ اس پر عمل کر ڈالا گیا۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں جانتا۔ وقت اتنا کم تھا کہ اس کی وجہ بھی نہ معلوم کی جا سکی۔ ورنہ صبح تک تو میک اپ ہی میں تھا۔''

''کہاں تھے؟''

''کچھ وقت تو تمہارے ساتھ بھی گزرا تھا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اسی غار میں محترمہ زیبا جس کی زیارت کرانے لے گئی تھیں۔ آپ یہاں کے ٹھگوں کو۔''

''میں اب بھی نہیں سمجھی۔''

''میجر سعید محترمہ۔''

''وہ.....وہ.....آپ تھے؟'' زیبا کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

''جناب.....!''

''لل.....لیکن.....پھر آپ کیسے رہا ہوئے.....اس مردود نے تو پانسہ ہی پلٹ دیا تھا آ کر.....؟''

''جی.....یہ آپ نے کس مردود کا تذکرہ کیا ہے۔''

''وہی.....جو آپ کو بندھوا لے گیا تھا۔''

حمید نے قہقہہ لگایا اور دیر تک ہنستا رہا پھر بولا۔ ''اگر اس بیچارے کو علم ہو جائے کہ آپ نے اُسے کن الفاظ میں یاد فرمایا تھا تو شاید وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ جنگل کی راہ لے۔''

''پلیز کیپٹن.....مجھے الجھن میں نہ ڈالئے۔''

تب حمید نے اُسے پوری داستان سنائی اور وہ بڑی دیر تک متحیرانہ انداز میں حمید کی طرف دیکھتی رہی۔

پھر بولی۔ ''خدا کی قسم! میرے تو ہاتھ پیر پھول جاتے کہ آدمیوں کو کیسے باندھ لے جاؤں؟ اُن کے ذہن کو کون پا سکتا ہے۔''

''مجھے اس پر حیرت ہے کہ انہوں نے تم کو رخصت کرتے وقت کوئی ہدایت کیوں نہیں

دی اور تم نے یہ سب کچھ اپنی مرضی سے کیسے کر ڈالا۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ یہی چاہتے تھے جو کچھ میں نے کیا ہے۔"

"کیوں؟ کس بناء پر.....؟"

"میرا دل مطمئن ہے؟ کیا آپ ٹیلی پیتھی میں یقین نہیں رکھتے۔"

"صرف اسی حد تک کہ وہ دو دلوں کا معاملہ ہو۔"

حمید نے محسوس کیا کہ وہ جھینپ کر دوسری طرف دیکھنے لگی ہے۔

دفعتاً راہداری سے کچھ عجیب قسم کے شور کی آواز آئی وہ چونک پڑے۔ شاید کوئی وزنی چیز گھسیٹی جا رہی تھی۔

ساتھ ہی کوئی کہتا جا رہا تھا۔ "ابے خانا نہیں خاتے قیا تم لوغ..... جرا سا ہولڈال نہیں اٹھا سکتے.....قیوں.....؟"

"صاحب آپ خواہ مخواہ لائے ہولڈال..... یہاں بستر وغیرہ سب ملتا ہے۔" کسی نے جواب میں کہا تھا۔

"تمہارے بستروں کا قیا ٹھکانا.....کل قوئی بھنگی ونگی لیٹا ہوا اس پر تو.....!"

"ارے یہ یہاں کیسے۔" حمید نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"پہاڑ خانم ہی ہے نا.....آواز ویسی ہی ہے۔"

"بالکل وہی مردود ہے۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا.....وہ مجھے پہچان لے گا۔"

"لیکن اُسے کیسے معلوم ہوا کہ میں یہاں ہوں؟" حمید نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

"کیا یہ ضروری ہے کہ وہ آپ ہی کے لئے آیا ہو۔"

"ہاں.....دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو وہ کسی تگڑی سی عورت کا تعاقب کرتا ہوا یہاں آیا ہے یا پھر یہاں میری موجودگی کا علم ہو گیا ہے اس کو.....خیر میں دیکھتا ہوں۔ جب تک واپس نہ آؤں کمرے سے باہر نہ نکلنا۔"

حمید نے دروازے کی طرف مڑتے وقت ریڈی میڈ میک اپ کا سامان جیب سے نکال

وہ دونوں

دو پورٹر ایک بہت بڑے اور وزنی ہولڈال کو گھسیٹتے ہوئے ایک کمرے کے دروازے سے نے کی کوشش کر رہے تھے اور قاسم قریب ہی کھڑا انہیں غیرت دلا رہا تھا۔

"اور.....زور لغا کے..... ہاں..... یا علی..... اور جور سے..... ہت تیری قی.....اچھا بس دبخ لیا.....میرے طرح بھینس کا دودھ پیا قرو.....!"

دونوں پورٹر الگ ہٹ گئے اور قاسم نے جھک کر اس ہولڈال کو اس طرح اٹھالیا جیسے بذا اٹھاتے ہیں۔ لیکن اس سمیت وہ دروازے سے تو نہیں گزر سکتا۔

"اب دیکھو حرامی پن.....!" وہ جھلا کر بولا۔ "سالوں نے یہ جرا جرا سے دروازے بنائے قیے گھسوں اور قیسے گھسیڑوں۔"

پورٹروں نے منہ دبا کر ہنسنا شروع کر دیا۔

"ابے ہنستے ہو بے شرمو" قاسم نے اس وزنی ہولڈال کو اُسی طرح اٹھائے ہوئے کہا۔ اتنی ترقی کر رہی ہے اور یہ لوغ ٹھیک سے دروازے بھی نہیں بنا سقتے۔"

"صاحب..... پہلے ہولڈال کو اندر پھینک دیجئے۔"

"اور پھر خود گھس جاؤں قیوں.....؟" قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

"اور کیا حضور عالی.....؟"

"اے ہاں ٹھیخ تو ہے؟" قاسم آہستہ سے بڑبڑایا اور ہولڈال کو اٹھا کر اندر پھینک دیا۔

"اور اب آپ.....!"

''ابے ہاں گھس رہا ہوں۔'' قاسم پھر جھلا کر بولا۔ ''جلدی قیا ہے؟''

''کچھ نہیں صاحب..... کچھ نہیں..... اچھا اب اجازت دیجئے۔''

''خانے میں قیا ملے گا.....!''

''صاحب یہ تو بابو صاحب ہی بتا سکیں گے۔''

پورٹروں نے آنکھیں پھاڑ کر ایک دوسرے کو دیکھا اور چپ چاپ زینوں کی طرف بڑھ گئے۔

حمید بھی آہستہ آہستہ چلتا ہوا زینوں کے قریب پہنچ چکا تھا۔ زینے طے کرتے وقت اس نے ناک کے نتھنوں سے اسپرنگ نکال لئے۔ پھر اُسے تمباکو کا ڈبہ یاد آ گیا اور اُسے اپنے پاؤں واپس ہونا پڑا۔

کچھ دیر بعد وہ پھر کاؤنٹر پر دکھائی دیا۔ کاؤنٹر کلرک اب تنہا ہی تھا۔ تمباکو کا ڈبہ سنبھالتے ہوئے اس نے بڑی لجاجت سے حمید کا شکریہ ادا کیا تھا۔

''ابھی مجھے زینوں کے قریب ہی ایک دیوزاد نظر آیا تھا..... یہ کون ہے۔''

''ارے صاحب حد ہوگئی۔'' وہ رازدارانہ لہجے میں بولا۔ ''میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ کیسے حیرت انگیز واقعات پیش آ رہے ہیں۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا۔ حد ہوگئی۔''

''کیوں کیا ہوا.....؟''

''وہ صاحب ضروری کارروائیوں کے بعد اوپر گئے ہی تھے کہ ایک محترمہ تشریف لائیں کہنے لگیں کہ انہیں ان صاحب کے برابر والا کمرہ دیا جائے۔ یہ بے حد ضروری ہے اور وہ کے لئے مجھے کوئی معقول رقم بطور انعام بھی دے سکیں گی۔ حالانکہ ایک کمرہ اس کے برابر خالی ہے لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔''

''دے دو نا..... مفت کے پیسے ہاتھ آئیں گے۔'' حمید آہستہ سے بولا۔

''نہیں صاحب.....! وہ اس کی بیوی ہوگی چھپ کر اس کی مصروفیات کا جائزہ لینا چاہتی ہوگی۔''

''ہاں معلوم تو بیوی ہی ہوتی ہیں۔ کچھ ہی کم ہوں گی ان صاحب سے۔ لیکن

ن۔ چہرے مہرے کی بھی اچھی ہیں۔ اپنا نام ثریا لکھا گئی ہیں۔''

''یعنی تمہارا خیال ہے کہ قد و قامت میں کچھ ہی کم ہوگی۔''

''جی ہاں.....!''

حمید نے پرتشویش انداز میں سر کو جنبش دی۔

''اب بتایئے کیا خیال ہے۔''

''میری دانست میں تو تمہارا کوئی نقصان نہیں اس میں اگر برابر والا کمرہ خالی ہے۔''

''خالی ہے جناب۔''

''دے دو.....!''

کلرک طویل سانس لے کر بولا۔ ''اچھی بات ہے۔ آپ کہتے ہیں تو دے دوں گا۔''

''تم فکر نہ کرو۔ میں ان پر نظر رکھوں گا۔ کوئی گڑبڑ دیکھی تو تمہیں آگاہ بھی کر دوں گا۔''

''بہت بہت شکریہ جناب۔'' وہ کھسیانی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ ''لیکن جناب کسی سے ہ گا نہیں کہ مجھے اس کے لئے پیسے ملتے ہیں۔ آپ کو اپنا سمجھ کر بتا دیا۔''

''تم فکر نہ کرو۔ ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔''

''بہت بہت شکریہ جناب۔''

واپسی پر حمید نے دونوں اسپرنگ پھر نتھنوں میں فٹ کر لئے۔ ناک کی نوک اوپر اٹھ گئی ی کیساتھ اوپری ہونٹ بھی اس طرح اوپر اٹھتا چلا گیا کہ سامنے کے دانت دکھائی دینے لگے۔

زیبا کے کمرے کے دروازے کے سامنے رک کر اس نے ادھر اُدھر دیکھا اور پھر ہینڈل ا کر دروازے کو دھکا دیا۔ وہ اندر سے مقفل نہیں تھا۔ اس لئے اُسے بے تحاشہ کمرے میں ا جانے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔

زیبا نے اُسے دیکھا اور اچھل کر کھڑی ہوگئی۔ اس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہوگیا تھا۔

''یہ کیا بیہودگی ہے۔ کون ہو تم..... اس طرح بغیر اجازت.....!''

حمید کچھ نہ بولا۔ خاموش کھڑا اُسے گھورتا رہا۔

دفعتاً زیبا نے اپنے بلاؤز کے گریبان سے اعشاریہ دو پانچ کا پستول نکال لیا۔

''کون ہو تم.....!'' اس بار اس کا لہجہ پہلے سے بھی زیادہ سخت تھا۔

''ایں ک اداس اور تنہاں آدمیں.....!'' حمید ناک کے بل بولا۔

''نکلو باہر.....نکل جاؤ.....اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ.....!''

حمید نے ہاتھ اٹھائے تو لیکن وہ صرف چہرے تک آ کر رہ گئے۔ اس نے اپنا منہ
تھا اور پھر جب ہاتھ چہرے سے ہٹے تو دونوں اسپرنگ نتھنوں سے نکل کر مٹھی میں آ چکے

''ارے.....!'' زیبا لڑکھڑاتی ہوئی کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔

حمید بڑی سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

''کمال ہے۔'' زیبا اٹک اٹک کر بولی۔ ''کیا یہ جادو تھا۔''

''نہیں.....ہماری روحانی قوت کا کرشمہ۔ بولو کیا چاہتی ہو۔''

''نہیں بتایئے۔ میں نے ایسی حیرت انگیز تبدیلی آج تک نہیں دیکھی۔''

''کیا آپ اپنی ناک کی نوک اس طرح اٹھا سکتی ہیں۔''

''نہیں..... یہ ناممکن ہے۔ قطعی ناممکن..... نتھنے پھلائے جا سکتے ہیں.....لیکن ناک
طرح اوپر نہیں اٹھائی جا سکتی۔''

''اونچی ناک والے ہیں۔''

''خدا کی قسم دو گھنٹے متواتر دیکھتے رہنے کے بعد بھی نہ پہچان سکتی۔''

''اب اس قصے کو ختم کرو۔ میں سنجیدگی سے کچھ دیر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔''

''سنجیدگی سے۔'' زیبا نے مصنوعی حیرت ظاہر کی۔ ''آپ اور سنجیدگی۔'' ''یہ بھی آپ
جانیں۔ میں کیا بتا سکوں گی۔''

''دوسرا چکر اور بھی ہے۔''

''وہ کیا.....؟''

''میں سمجھتا تھا کہ وہ کسی عورت کا تعاقب کرتا ہوا یہاں آیا ہے لیکن معاملہ برعکس ہے

''یعنی.....!''

''کوئی عورت اس کا تعاقب کرتی ہوئی یہاں آئی ہے۔''

''میں پھر نہیں سمجھی۔''

حمید اُسے اپنی اور کاؤنٹر کلرک کی گفتگو کا ماحصل بتاتا ہوا بولا۔ ''اب دیکھنا ہے کہ وہ
عورت کون ہے۔''

''عورتیں ہی آتی ہیں آپ کے حصے میں۔'' زیبا اٹھلائی۔

''نفسیاتی نکتہ نظر سے۔''

''اوہو.....تو اب آپ کو بھی دلچسپی ہو گئی ہے نفسیات سے۔''

''یہ بھی ایک نفسیاتی نکتہ ہے..... جب کوئی پوسٹ گریجویٹ درزن دل کے چاک رفو
کرتی ہے تو اکثر ایسا ہو جاتا ہے۔''

''کیا اب ہم رومانی قسم کی گفتگو کریں گے۔'' زیبا نے حیرت سے کہا۔

''ڈیپارٹمنٹ کے رولز اینڈ ریگولیشن میں کہیں اس کا تذکرہ موجود نہیں کہ ڈیپارٹمنٹ کی
خواتین سے رومانی گفتگو نہ کی جائے۔''

''اوہ..... ہاں.....تو آپ کیا کہہ رہے تھے اس عورت کے متعلق۔''

''کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔'' حمید نے پرتفکر لہجے میں کہا۔ پھر چونک کر بولا۔ ''کیا تم
پروفیسر اور اس کی لڑکی کی نگرانی کرتی رہی تھیں۔''

''ہاں..... میں نصیر آباد ہی سے ان کا تعاقب کرتی ہوئی آئی تھی اور کرنل صاحب کو اس
کی اطلاع دی تھی۔''

''آخر پروفیسر اور اس کی لڑکی پر تمہیں کس بات کا شبہ تھا۔''

''گولڈن ایرو سے متعلق ہونے کا۔''

''کس بناء پر۔''

''سارہ رحمان پروفیسر ہی کی پروردہ تھی اور میں نے کچھ مشتبہ آدمیوں کو پروفیسر سے ملتے

بھی دیکھا تھا اور یہ بھی محسوس کیا تھا کہ پروفیسر اُن سے ملنے کے بعد بہت زیادہ خوفزدہ نظر آنے لگتا ہے۔ یہاں آ کر ایک دن پروفیسر اچانک غائب ہوگیا۔ لڑکی تنہا رہ گئی۔ لیکن وہ مطمئن نظر آتی تھی۔ مجھے دیکھنا تھا کہ پروفیسر کہاں غائب ہوگیا۔ ہوسکتا تھا کہ لڑکی اس سے باخبر ہوتی۔ لہٰذا وہ جب بھی باہر جاتی تھی میں اس کی نگرانی کرتی رہتی تھی۔''

''پھر تم نے کیا دیکھا.....!''

''کچھ بھی نہیں.....وہ ہر شام باہر ٹہلنے جاتی تھی اور ساجد بھی اُس کی نگرانی کیا کرتا تھا۔ وہ بھی نصیر آباد ہی کا تھا۔ میرا خیال ہے کہ میں نے اُسے ایک بار آپ کے ساتھ بھی دیکھا تھا۔ اگر آپ واقعی میجر سعید کے میک اپ میں تھے۔''

''اس آدمی کے بارے میں تم کیا جانتی ہو۔''

''ساجد نام ہے.....نصیر آباد کا ایک متمول آدمی ہے۔ لیکن نیک نام نہیں۔''

''کیا خیال ہے؟ وہ بھی گولڈن ایرو سے تعلق رکھتا ہوگا۔''

''یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتی۔''

''اس کا کوئی بھائی واجد نامی بھی تھا۔'' حمید نے پوچھا۔

''یقیناً تھا اور بڑی بے دردی سے قتل کر دیا گیا تھا۔''

''پھر قاتل کا کیا بنا۔''

''ابھی تک تو نصیر آباد کی پولیس اس کیس کو حل نہیں کر سکی۔''

پھر وہ سارہ رحمان کے متعلق کچھ پوچھنے ہی والا تھا کہ دفعتاً فریدی کا خیال آ گیا۔ پتہ نہیں وہ اسے پسند کرے یا نہ کرے۔

چند لمحے خاموشی رہی پھر زیبا نے پوچھا۔ ''آپ نے واجد کے بارے میں کیوں پوچھا تھا۔''

''کہیں نام سنا تھا۔''

''کہاں سنا تھا.....؟''

''کیوں.....؟'' حمید نے اُسے گھور کر دیکھا۔

''بس یونہی.....میرا خیال ہے کہ آپ نے اسکا نام سارہ رحمان کے سلسلے میں سنا ہوگا۔''

''شاید.....؟ پھر.....!''

''دونوں گہرے دوست تھے؟''

''پھر تو پولیس نے اُسے گھیرا ہوگا؟''

''صرف سوالات کئے تھے۔ میرے محکمے نے انہیں ہدایت دی تھی کہ اُسے زیادہ پریشان نہ کیا جائے۔ دراصل وہ ہم لوگوں کی نگرانی میں تھی۔''

''اُس کے باوجود بھی نکل بھاگی نصیر آباد سے.....؟''

''میری عدم موجودگی میں ماتحتوں نے میری ہدایات پر عمل نہیں کیا ورنہ وہ ایک پل کے بھی نظروں سے اوجھل نہ ہوسکتی۔''

''لیکن تمہیں درزن بننے کے شوق نے گھیرا تھا۔''

''ہمیں ایک تجربہ کرنا تھا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ بات نازک مرحلے پر آ پہنچی تھی۔ وہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ اُسے اس کے بارے میں علم نہیں تھا۔

کمرے کی فضا پر پھر خاموشی چھا گئی۔ حمید جیب سے پائپ نکال کر اس میں تمباکو بھرنے لگا۔

''اب اس کا مسئلہ سمجھ میں نہیں آتا۔'' زیبا کچھ دیر بعد بولی۔

''کس کا.....!''

''اسی موٹے کا.....غائب قسم کا ذہن رکھتا ہے۔ مجھے دیکھتے ہی رضیہ کا نعرہ لگا بیٹھے گا۔ یہ سوچے بغیر کہ وہ خود میرے سامنے ہمیشہ ایک عورت کے میک اپ میں آتا رہا ہے۔''

''یہ بات تو ہے؟'' حمید کا لہجہ پرتشویش تھا۔ ''تم آخر میک اپ میں کیوں نہیں رہتیں۔''

''اس کا سلیقہ ہی نہیں ہے؟ ویسے بھی میں صرف اپنا ذہن استعمال کرنے کی قائل ہوں۔''

''چوٹ کر رہی ہو ہم پر.....کیوں؟''

''نہیں.....اپنی ایک کمزوری کا اظہار کر رہی ہوں۔''

"حالات جب ایسے ہوں تو سبھی کچھ کرنا پڑتا ہے۔" حمید نے کسی قدر ناخوشگوار لہجہ

"آپ تو بُرا مان گئے۔ میں نے یونہی کہہ دی تھی یہ بات۔"

"تم سے زبردست حماقت سرزد ہوئی۔ تمہیں اس واقعہ کی پبلسٹی نہ کرنی چاہئے تھی چپ چاپ ہوٹل تبدیل کر دیتیں۔ پروفیسر اور اس کی نگرانی کا معاملہ تو کھٹائی میں پڑ گیا یہ لوگ زیادہ باخبر معلوم ہوتے ہیں۔ ان میں سے کوئی نہ کوئی تو تمہیں جانتا ہی ہوگا۔"

"انہیں شبہے میں ڈالنے ہی کے لئے تو یہ ایرانی بہروپ ہے۔"

"لیکن مجھے یقین تھا کہ تم رضیہ ہی ہو۔"

"اس خیال کی تصدیق کے لئے کبھی مجھے مخاطب کرنے کی ہمت تو نہیں پڑی تھی۔"

"میجر سعید کے میک اپ میں یہ ایک احمقانہ حرکت ہوتی۔ کیا تم مجھے بھی قاسم سمجھتی

"ارے جایئے۔"

"خیر چھوڑو..... ہٹاؤ..... یہ بتاؤ کہ میں تمہیں کیسا لگا۔"

"بے حد بور.....!" وہ ہنس پڑی۔

"زندگی تلخ کر دوں گا۔"

"ارے حمید صاحب۔" زیبا نے مضحکانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔

"اچھی بات ہے۔ دیکھ لینا۔"

"بہت دیکھے ہیں حمید صاحب۔"

"نفسیاتی نکتہ نظر سے نہ دیکھے ہوں گے۔ اچھی بات ہے۔ اب میں جا کر اس کا لوں۔ بہتر ہوگا کہ تم اپنے کمرے ہی تک محدود رہو۔"

"بہت بہتر حمید صاحب۔"

حمید اس کے طنزیہ لہجے پر بھنا گیا لیکن کچھ بولا نہیں۔ دروازے کے قریب پہنچ اسپرنگ پھر نتھنوں میں فٹ کر لئے۔

راہداری سنسان پڑی تھی۔ قاسم والے کمرے میں اندھیرا تھا۔ وہ نکلا چلا گیا

کمرے میں آ کر وہ جیکٹ نکالی جسے الٹ کر بھی پہنا جا سکتا تھا۔ استر کچھ اس انداز میں لگایا گیا تھا کہ وہ بھی اپر ہی معلوم ہوتا تھا۔ اس انتظام کے ساتھ وہ ڈائننگ ہال میں اس طرح داخل ہوا جیسے کوئی مقامی گاہک ہو۔ اس کے لئے اُسے عقبی زینے استعمال کرنے پڑے تھے اور صدر دروازے سے ہال میں داخل ہوا تھا۔

قاسم کو کاؤنٹر کے قریب کھڑے دیکھا۔ وہ بلند آواز میں کلرک سے گفتگو کر رہا تھا۔ "ابے تم دنبہ مسلم نہیں سمجھتے اور بیٹھے ہو کاؤنٹر پر۔"

"جناب عالی یہ ہمارے مینو میں شامل نہیں ہے۔"

"نہ ہوگا..... اب شامل ہو سکتا ہے۔ ایک دنبہ منگوالو..... میں خود ذبح کر دوں گا۔ کھال بھی خود ہی اتار دوں گا..... حالانکہ میں اُکڑوں نہیں بیٹھ سکتا۔"

"حضور والا..... آپ کیوں خواہ مخواہ یہ ساری تکالیف اٹھائیں۔"

"بھوخوں مریں حضور والا سالے.....!" قاسم جل کر بولا۔ "دل کشا والے پچھلے سال میرے لئے دنبہ مسلم تیار کراتے تھے۔"

حمید نے کاؤنٹر کے قریب ہی کی ایک میز منتخب کی۔ ناک میں اسپرنگ موجود تھے اس لئے وہ بہ آسانی قاسم کے قریب ہی رہ سکتا تھا۔

"کیا مرغ مسلم سے کام نہیں چلے گا۔" کاؤنٹر کلرک نے پوچھا۔

قاسم کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا..... "کھیر چلو یہی سہی..... مالوم کراؤ کتنے تیار ہیں۔"

"آخر آپ کو کتنے درکار ہوں گے۔"

"بیس..... اور کچھ اسٹیک وسٹیک کھا کر کام چلا لوں گا۔"

کاؤنٹر کلرک دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیٹھ گیا۔

"قیا سوچ رہے ہو۔"

"جناب عالی..... بارہ روپے کا ایک بیٹھتا ہے۔"

"ابے ہاں اتنی ارتھمیٹک مجھے بھی آتی ہے۔ دو سو چالیس روپے ہوئے بیس کے۔"

''اور آپ دو سو چالیس روپے ایک وقت میں.....!''

''روپے نہیں چباؤں گا..... مرغ کھاؤں غا..... جالدی..... کارو.....!''

''بب بہت بہتر جناب۔'' کاؤنٹر کلرک نے سہمے لہجے میں کہا۔

اتنے میں حمید نے دیکھا کہ ایک قد آور اور تندرست عورت کاؤنٹر کے قریب آ کھڑی ہوگئی ہے۔ چہرے مہرے کی اچھی تھی۔ رنگت سرخ و سفید آنکھیں خاصی دل کش تھیں۔

ساتھ ہی حمید نے یہ بھی محسوس کیا کہ قاسم صاحب اس کے قرب کی بناء پر شدید ترین بوکھلاہٹ میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

''یہاں کمروں کی سروس کا انتظام کیسا ہے۔'' عورت نے کاؤنٹر کلرک سے پوچھا۔

''مناسب ہی ہے محترمہ..... آپ کسی قسم کی تکلیف محسوس نہ کریں گی۔''

''پتہ نہیں میرے پڑوسی کیسے ہوں۔'' عورت نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

''روم نمبر گیارہ ہے آپ کا شاید.....!''

''جی ہاں۔''

''ٹھہریئے میں بتاتا ہوں۔'' کاؤنٹر کلرک نے کہا اور رجسٹر کے ورق الٹنے لگا پھر بولا۔

''وہ ایک تو آپ ہی ہیں۔'' اس نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔

''اوہ..... اچھا.....!'' عورت نے اس طرح کہا جیسے پہلی بار قاسم پر نظر پڑی ہو۔ پھر وہ مسکرائی اور مصافحے کے لئے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھاتی ہوئی بولی۔ ''مجھے ثریا کہتے ہیں۔ یہاں کے مناظر پینٹ کرتی ہوں۔''

قاسم اضطراری طور پر اس سے مصافحہ کرتا ہوا ہکلایا۔ ''قق..... قق..... قاسم.....!''

''یعنی قاسم صاحب۔''

''جی ہاں..... جی ہاں۔'' قاسم کے دانت ''نقل'' پڑے۔

''آپ کا کیا مشغلہ ہے۔'' عورت نے پوچھا۔

''میں بھی..... پپ..... پینٹ کرتا ہوں۔''

''خاص موضوع کیا ہے۔''

''بب..... بالکل ہی کھاس موجوع ہے۔''

''وضاحت بھی تو کیجئے؟'' وہ ہنس کر بولی۔

''وضاحت..... وضاحت..... جی..... دراصل مجھے بھوخ لغی ہے..... کھانا کھا کر..... لردوں گا۔''

''یعنی بھوک کی حالت میں آپ گفتگو نہیں کر سکتے۔''

قاسم نے بے بسی سے سر ہلا دیا۔

اس پر پتہ نہیں کتنے قہقہے حمید کے پیٹ میں گھٹ کر رہ گئے۔

''یہ تو بڑی عجیب بات ہے.....!'' عورت بولی۔

''بب..... بُرا نہ مانئے غا۔'' قاسم لجاجت سے بولا۔ ''بھوکا ہوتا ہوں تو بے وقوفی کی نیں کرنے لگتا ہوں۔''

''بہت دلچسپ ہیں آپ.....!'' عورت منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسی اور قاسم بھی جھینپے ہوئے نداز میں ''ہی ہی ہی'' کرنے لگا۔

اتنے میں ایک ویٹر نے آہستہ سے کاؤنٹر کلرک سے کچھ کہا اور اس کے چہرے پر تشویش کے آثار پائے جانے لگے۔

پھر وہ قاسم کی طرف متوجہ ہوگیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اس سے کچھ کہنا تو چاہتا ہو لیکن کسی خدشے کے تحت کہہ نہ سکتا ہو۔

قاسم نے بھی اُسے محسوس کر لیا تھا شاید۔ لہٰذا بھاڑ سا منہ پھیلا کر بولا۔

''قیا بات ہے؟''

''جج..... جناب عالی..... صرف بارہ عدد تیار ہیں۔''

''میں قچھ نہیں جانتا..... سمجھے..... بیس عدد..... قیا سمجھے؟''

''حضور والا..... کل صبح نو بجے سے پہلے مزید مرغوں کا انتظام نہیں ہو سکتا۔''

''ہائیں تو کیا میں کل صبح نو بجے تک بھوخا بیٹھا رہوں غا.....!''

''میں کیا عرض کرسکتا ہوں جناب۔''

''میں اس ہوٹل کو نیلام قرادوں غا.....سمجھے.....قیا سمجھتے ہو۔''

''میں بھی اس کے ساتھ ہی نیلام ہونے کو تیار ہوں۔لیکن اس سلسلے میں کچھ نہیں کرسکتا۔'' کلرک نے بھی کسی قدر ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

قاسم کو بہت زور سے غصہ آ گیا تھا۔لیکن عورت جلدی سے بول پڑی۔

''کیا قصہ ہے.....آپ کیوں خفا ہو رہے ہیں۔''

''بیس مرغوں سے کم میں میرا قام نہیں چلے غا.....!''

''پالیں گے؟''

''ہی ہی ہی.....آپ تو مزاغ کرتی ہیں۔''

''پھر.....؟''

''ارے خاؤں غا.....میں نے تو دمبہ مسلم مانگا تھا.....مگر یہ مرغ دیتے ہیں۔پھر پور بیس بھی نہیں۔بارہ عدد.....رات بھر بھوخ کے مارے نیند نہیں آئے گی۔''

''بیس مرغ کھائیں گے آپ.....!'' عورت نے حیرت سے کہا۔

''اور کچھ اسٹیک وغیرہ بھی کھا کر کام چلا لیتا۔''

''بیس مرغ اور کچھ اسٹیک وغیرہ۔''

''مجبوری ہے.....ورنہ ایک دمبے سے کام چل سکتا ہے۔چھوٹی چھوٹی چیزوں سے پیٹ تو بھر جاتا ہے مگر جی نہیں بھرتا.....ایک ایک مرغ اٹھا کر کھا رہے ہو.....کچھ پتہ ہی نہیں کدھر گئے۔''

''کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں۔''

''جی ہاں.....!''

''تب تو آپ کے کھانے کا منظر دلچسپ ہوتا ہوگا۔''

''اجی میں کیا.....ہی ہی ہی۔'' قاسم خاکسارانہ انداز میں ہنسا۔

''تو ایسا کیجئے.....بارہ مرغ.....کچھ اسٹیک.....اور بقیہ سلائیز وغیرہ سے کام چلایئے۔''

''نہیں چلے غا.....!'' قاسم کا لہجہ بے حد مغموم تھا۔

''بتایئے.....میں آپ کے لئے کیا کرسکتی ہوں۔'' عورت یک بیک سنجیدہ ہوگئی۔

''م.....میرے لئے۔یعنی کہ آپ ہی ہی ہی ہی۔'' قاسم نے دانتوں میں انگلی دبائی لیں چھپائیں۔

حید کا جی چاہا کہ اٹھ کر کم از کم پچاس جوتے رسید کرے۔

''یہاں میری ایک عزیزہ کے پاس گیارہ درجن بطخیں ہیں جب تک آپ بارہ مرغ ختم گے میں آٹھ بطخیں منگوالوں گی۔''

''بطخ بھی لذیج ہوتی ہے۔'' قاسم نے کہا اور اس طرح منہ چلانے لگا جیسے بطخ کے گوشت ئی دانتوں کے درمیان ہو۔

''آپ کہاں تکلیف کریں گی محترمہ۔'' کاؤنٹر کلرک جلدی سے بول پڑا۔

''ہمارے پاس گوشت سے تیار کی جانے والی اور بھی بہت سی اشیاء مل سکیں گی۔صاحب ں سے کچھ منتخب کرلیں گے۔''

''ارے تو تمہارا دم کیوں نکل رہا ہے۔'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

''حضور عالی.....ہوٹل کے کچھ قوانین بھی ہیں۔''

''پہلے ہم ہیں.....پھر کوانین اور کواناں ہیں۔'' قاسم سینے پر ہاتھ مار کر دہاڑا اور کاؤنٹر رک کی گھگھی بندھ گئی۔

''جانے دیجئے.....جانے دیجئے۔'' عورت آہستہ سے بولی اور قاسم یکلخت نرم پڑ گیا۔

عورت نے پھر کہا۔''ممکن ہے یہاں گاہکوں کی لائی ہوئی چیزیں نہ پکائی جاتی ہوں۔''

''یہی بات ہے محترمہ۔'' کلرک نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

''چلئے.....آج اس طرح گزارا کرلیجئے۔کچھ کولڈ بیف وغیرہ لے لیجئے گا۔''

''اللہ مالک ہے۔'' قاسم نے ٹھنڈی سانس لی پھر جھلا کر بولا۔ ''تو وہ بارہ مرغے کو
دو نا..... بھوخ کے مارے میرا دم نکلا جا رہا ہے۔''

''یہیں یا اپنے کمرے میں کھانا پسند کریں گے۔''

''چلئے..... وہیں اوپر چلیں۔'' عورت نے کہا۔ پھر کاؤنٹر کلرک سے بولی۔ ''میرا کھانا
اوپر ہی بھجوایئے۔''

''بہت بہتر محترمہ۔''

پھر حمید نے دیکھا کہ قاسم لڑکھڑاتا ہوا اس عورت کے پیچھے چلا جا رہا ہے۔ اس دو
میں حمید نے کافی منگوائی تھی اور اب ٹھنڈی کافی کی چسکیاں اُسے گراں گذرنے لگی تھیں۔
سوچ رہا تھا کہ عورت قاسم کے لئے بالکل ہی اجنبی نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ اُسے اپنے قریب
کر بُری طرح گڑبڑا گیا تھا۔ اس کا مطلب یہی ہوسکتا تھا اس نے پہلے بھی کہیں اسے دیکھا
اوہ تو کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ خود قاسم ہی اس کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک پہنچا ہو اور اس تما
کی ترغیب خود عورت ہی کی طرف سے ہوئی ہو جسے قاسم جیسا کوڑھ مغز ترغیب کی حیثیت
نہ سمجھ سکا ہو۔

عورت اس معاملے میں فطری طور پر تربیت یافتہ ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے
مادہ جانوروں کے جسم کی بو میلوں دور تنہا بھٹکنے والے نر جانوروں کو ان کی طرف کھینچ لاتی
بالکل یہی ہوا ہے۔ وہ خود ہی اُسے اپنے پیچھے لگا لائی۔

حمید مٹھیاں بھینچ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

فائر

کافی ختم کر کے حمید پھر اٹھا..... کاؤنٹر پر جا کر کافی کی قیمت ادا کی اور باہر نکل آیا۔

اپنی شکل میں دوبارہ ڈائننگ ہال میں واپس جانا چاہتا تھا اس لئے ضرورت تھی کہ جیکٹ کو
لٹ لیا جائے۔ لہٰذا وہ کسی ایسی جگہ کی تلاش میں چل پڑا جہاں کسی کی نظر نہ پڑ سکے۔

تھوڑے ہی فاصلہ سے ڈھلان شروع ہوگئی تھی جس کے سرے پر چیڑ کے درختوں کی
نظار نصف دائرے کی شکل میں دور تک پھیلتی چلی گئی تھی۔ اس نے سوچا ادھر ہی سہی۔ دیکھنے
والے سمجھیں گے رات کے کھانے کے بعد چہل قدمی ہو رہی ہے۔ لہٰذا وہ ٹہلتا ہوا اسی طرف
چل پڑا۔

آسمان میں بادل نہیں تھے اس لئے اندھیرا گہرا نہیں تھا۔ دفعتاً حمید نے محسوس کیا جیسے
پیڑوں کے درختوں کے درمیان کوئی ڈھلان میں اتر رہا ہو۔

تھا وہ دھندلا سا ہیولیٰ ہی لیکن انداز ایسا تھا جیسے اُسے بھی دیکھ لئے جانے کا خدشہ لاحق ہو۔

حمید ایسی جگہ پہنچ چکا تھا جو فزارو کی روشنیوں کی زد سے دور تھی۔ لہٰذا وہ بڑی پھرتی سے
سینے کے بل زمین پر لیٹ گیا۔

پھر سینے کے بل زمین سے لگ کر آگے گھسٹنے کی رفتار خاصی تیز تھی۔

ہر چند کہ وہ سایہ اب نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا لیکن حمید کو اندازہ تھا کہ وہ ڈھلان کے
سرے پر کسی جگہ غائب ہوا ہے۔ وہ رینگتا ہوا ٹھیک اسی جگہ جا پہنچا۔ نیچے تک ڈھلان صاف
نظر آ رہی تھی جیسے ہی اُس نے سر کو اٹھا کر دور تک دیکھنے کی کوشش کی نیچے سے آواز آئی! ''چلے
آؤ فرزندہ۔''

''لاحول ولا قوۃ.....!'' وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ ''کیا مصیبت ہے۔ یہ بھی وہ حضرت
نکلے..... کہیں بھی دھول دھپے کا موقع میسر نہیں آتا..... آخر ہاتھ پیر میں جان کیسے آئے گی۔''
وہ تیزی سے آواز کی جانب ڈھلان میں اترتا چلا گیا۔

دوسرا سایہ گھٹنوں کے بل بیٹھتا نظر آیا..... حمید نے اس کے قریب ہی پہنچ کر دم لیا۔

''سخت قسم کی نالائقیاں سرزد ہو رہی ہیں تم سے۔'' سائے یا فریدی نے کہا۔ ''یہی اطلاع
دینے کے لئے اس وقت میں نے تمہیں اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔''

''میرا قصور.....!'' حمید کے لہجے میں زہریلا پن تھا۔

''تم اس کے کمرے میں کیوں گئے تھے؟''

''اس نے مجھے اشارہ کیا تھا۔ اُسے تشویش تھی کہ آپ کی کسی اسکیم کے برخلاف میں یہاں میک اپ کے بغیر کیوں پایا جاتا ہوں۔''

''اور پھر اس نے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہوگا۔''

''جناب! صرف زیبا ہی نہیں بلکہ ایک عدد ثریا کا سہرا بھی میرے ہی سر ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''قاسم کو دیکھا آپ نے.....؟''

''ہاں..... مجھے حیرت ہے۔''

''اوہ..... گرانڈیل عورت بھی نظر سے گزری یا نہیں۔''

''ہاں..... آں..... اُسے بھی دیکھا تھا۔''

''اس نے ہوٹل کے رجسٹر میں اپنا نام ثریا درج کرایا ہے اور میرا دعویٰ ہے کہ وہ قاسم کو اپنے ساتھ لائی ہے۔''

پھر حمید نے ان دونوں کے بارے میں جو کچھ سنا اور دیکھا تھا دہراتے ہوئے کہا۔ ''میرا تو یہی خیال ہے کہ عورت کی ترغیب خفی ہی اُسے یہاں تک لائی ہے اور وہ احمق یہی سمجھ رہا ہوگا کہ وہ اس کے علم میں آئے بغیر اُس کا تعاقب کرتا رہا ہے۔''

''ہوسکتا ہے۔'' فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ ''لیکن ایسے حالات میں یہ محض اتفاق تو نہیں ہوسکتا۔''

''کیسے حالات میں۔''

''میں کیا بتاؤں کہ زیبا سے کتنی بڑی غلطی سرزد ہوئی ہے۔ درزی خانہ ختم ہونے کے بعد اُسے ایسی مہمات میں میک اپ کا سہارا ضرور لینا چاہئے تھا۔''

''درزی خانہ.....!'' حمید نے طویل سانس لی۔

''اُس کے متعلق بھی تمہیں سب کچھ معلوم ہو چکا ہوگا۔''

''اُسے کیا پڑی تھی کہ خود ہی بتاتی..... اور میں اس شرمندگی کی وجہ سے پوچھ نہیں سکا کہ یال کرتی..... یہی نا کہ کرنل فریدی کو اپنے نائب پر اعتماد نہیں۔''

''خاصے عقل مند ہوتے جا رہے ہو۔ حالانکہ میں نے تمہیں محض اس بناء پر نہیں بتایا تھا یں تم آزادانہ طور پر اپنی عقل نہ استعمال کر بیٹھو اور کھیل بگڑ جائے۔ اچھی بات ہے۔ آؤ ے ساتھ۔ اب تمہیں بھی بتا ہی دوں۔''

پھر وہ دونوں ڈھلان پر اترتے چلے گئے۔ حمید پیچھے تھا اور فریدی اندھیرے میں بھی ایسی آسانی سے راستہ طے کر رہا تھا جیسے بارہا دیکھا بھالا راستہ ہو۔

حمید خاموشی سے اُس کی تقلید کرتا رہا۔ کئی بار گرتے گرتے بچا تھا۔ آخر جھنجھلا کر بولا۔

ہاں جانا ہے۔ کب تک چلنا پڑے گا۔''

''بس زیادہ دور نہیں۔'' فریدی نے جواب دیا۔ آواز میں تھکن کے آثار نہیں پائے نے تھے۔

پھر جلد ہی حمید کو اپنا بچپن یاد آ گیا۔ یاد یوں آیا کہ اب وہ گھٹنوں اور ہتھیلیوں کے بل ار کے چھوٹے سے دہانے میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُس سے قبل فریدی سے ہی حرکت سرزد ہوئی تھی۔ وہ آگے تھا اور ٹارچ کی روشنی میں حمید کو راستہ دکھاتا جا رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ایسی کشادہ جگہ پہنچ گئے جہاں حمید اطمینان کی سانس لے سکتا تھا۔

''یہاں اطمینان سے گفتگو کر سکیں گے۔'' فریدی نے کہا اور ٹارچ بجھا دی۔

''اندھیرے ہی میں۔''

''کیا اندھیرا تمہاری شجاعت پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔''

''آپ کی صورت دیکھے بغیر باتوں میں مزا نہیں آتا۔ ہائے جب پھول کی پنکھڑیوں کے سے ہونٹ جنبش کرتے ہیں اور کسی بات پر زور دیتے وقت اوپری ہونٹ نیم دائرے کی شکل تیار کرتا ہے تو کچھ نہ پوچھئے کہ دل پر کیا گزرتی ہے۔''

''شٹ اپ..... وقت کم ہے میں تمہیں کچھ ہدایات دینا چاہتا ہوں۔ غور سے سنو۔ اب

زیبا سے دور ہی رہنا۔ تمہارے لئے میک اپ میں ہونا چنداں ضروری نہیں ہے۔ البتہ اپ
والے میک اپ کو جب چاہو بروئے کار لا سکتے ہو۔ قاسم سے دور ہی رہنے کی کوشش کر
اسپرنگ والے میک اپ کو تم اس سے بچے رہنے کے لئے استعمال کر سکتے ہو۔ پھر تمہیں
دیکھنا ہے کہ وہ عورت اُسے یہاں کیوں لائی ہے۔''

''میں درزی خانے کے بارے میں کچھ سننے کا منتظر ہوں۔''

''ہوں.....اوں.....بتاؤں گا۔'' فریدی نے کہا اور کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔ ''میں
دیر سے گولڈن ایرو کی فکر میں تھا اور گولڈن ایرو والے بھی میری فکر میں تھے۔ انہیں دو آدمی
اپنی راہ سے ہٹانا تھا اور اتفاق سے وہ دوسرا آدمی بھی میں ہی ہوں۔''

''کیا مطلب.....!''

''انہیں فریدی کی فکر بھی ہے اور اُس دوسرے آدمی کی زندگی کے بھی خواہاں ہیں
نے اُن کے مقابلے میں گولڈن ایرو ہی کے نام سے اپنا کاروبار بھی چلا رکھا ہے۔''

''میرے خدا.....تو اب آپ چرس فروشی پر اتر آئے ہیں۔''

''سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔ بہرحال میں عرصہ سے اُن کی فکر میں تھا۔ اسی دوران میں
نے مجھ سے مدد طلب کی۔ اُس کا خیال ہے کہ گولڈن ایرو کا ہیڈ کوارٹر نصیر آباد ہی میں
اُس نے اُن کی تجارت کا ایک طریقہ کار دریافت کرلیا تھا۔ حالانکہ وہ طریق کار پہلے ہی
میرے علم میں تھا۔ بہرحال اُس کے ایک نئے نظریئے کی تصدیق کرنے کے لئے مجھے
خانہ قائم کرنا پڑا تھا۔'' فریدی خاموش ہوگیا۔

''میں جاگ رہا ہوں۔'' حمید بولا۔

''وہ درزی خانوں کے ذریعے بھی کاروبار کرتے ہیں۔ یہ میں پہلے سے جانتا تھا۔
اس پر مصر تھی کہ جب بھی کہیں کوئی نیا درزی خانہ قائم ہوتا ہے گروہ کا کوئی فرد اس میں ضرور
بنالیتا ہے۔ اس طرح کہ درزی خانے کے مالک یا دوسرے ملازموں کو اس کی خبر تک نہیں ہوتی

''اوہو.....تو کیا ہمارے یہاں بھی ایسا کوئی آدمی تھا۔''

''بالکل تھا.....تھا نہیں بلکہ تھی۔''

''کون.....!''

''سب سے زیادہ متین اور سنجیدہ لڑکی فرزانہ۔''

''اوہو.....یہ کیسے ممکن ہے۔ مطلب یہ کہ کیا ہمارے درزی خانے کے ذریعے بھی یہ کام
ہے۔''

''قطعی ہو چکا ہے۔''

''یہ کیسے ممکن ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے۔'' حمید مضطربانہ بڑبڑایا۔

''وہ دن یاد کرو جب ایک گاہک عورت نے شلوار کی موریوں کے بارے میں شور مچایا
کا کہنا تھا کہ موریوں میں بکرم نہیں رکھا۔ موریاں زیبا ہی بناتی تھی۔ دونوں میں جھڑپ
۔ تم زیبا پر بگڑے تھے اور فرزانہ نے یہ کہہ کر بات ختم کرادی تھی کہ اب موریاں وہی
ے گی اور وہ اس کی ایکسپرٹ ہے۔ پھر اُس کے بعد ہی سے وہ کاروبار شروع ہوگیا تھا۔
احب بکرم کی تہہ میں کوکین رکھی جاتی تھی۔''

''سر پیٹ لینے کو جی چاہ رہا ہے اس وقت۔'' حمید نے کھسیانے انداز میں کہا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر اُس نے کہا۔

''اس تجربے کے بعد درزی خانہ ختم کر دیا گیا اور فرزانہ محکمے کی حوالات کے سپرد کر دی گئی۔''

''تو کیا عورتوں میں کوکین بہت زیادہ رواج پا رہی ہے۔''

''کپڑے سلوانے والیاں براہِ راست گاہک نہیں ہوتیں بلکہ وہ بھی گروہ ہی سے تعلق
یں۔ گولڈن ایرو کی منشیات دراصل کئی ہاتھوں سے گزر کر گاہکوں تک پہنچتی ہیں۔ یہی وجہ
ہے کہ ابھی تک سرگروہ پر ہاتھ نہیں ڈال سکا۔''

''تو یہ کھڑاگ اسی لئے پھیلایا ہے آپ نے کہ سرگروہ پر ہاتھ ڈال سکیں۔''

''یقیناً.....اس کے بغیر گروہ نہیں ٹوٹ سکتا۔''

فریدی شاید کچھ سوچنے لگا تھا۔ حمید بھی کچھ نہ بولا۔ اب اس کا ذہن سارہ رحمان کی

طرف منتقل ہو گیا تھا۔ وہ بھی تو گولڈن ایرو ہی کا شکار ہوئی تھی۔ اُس کا کیا قصہ تھا..... اور پروفیسر.....!

''اب تم سارہ رحمان کے متعلق سوچ رہے ہو گے۔'' دفعتاً فریدی بولا۔

''خدا کی پناہ..... اندھیرے میں آپ کو اس قدر سجھائی دیتا ہے؟'' حمید بوکھلا کر بولا

''اُس کے بارے میں پھر بتاؤں گا۔ وقت کم ہے۔ اب آؤ قاسم کی طرف۔ یہ ہے کہ وہ یاسمین قزلباش کی شناخت کے لئے یہاں لایا گیا ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''تم بھی شبہے میں مبتلا رہ چکے ہو کہ وہ رضیہ ہی ہو سکتی ہے۔''

''یقیناً.....!''

''تو پھر کیا وہ بھی اس فکر میں نہ ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ فرزانہ کی گرفتاری ان سے نہ ہو گی۔''

''پوشیدہ تو صرف مجھ سے رہی ہے۔'' حمید جل کر بولا

''سچ پوچھو تو مجھے اسکے بعد سے کبھی اتنی فرصت ہی نصیب نہیں ہوئی کہ تمہیں کچھ بتا

''اب مجھے کیا کرنا ہے۔''

''زیبا کو فرزانہ سے ہٹا دو..... اگر وہ اُسے اغواء کر لینے میں کامیاب ہو گئے تو شاید ہی نہ چھوڑیں۔''

''ہٹا کر کہاں لے جاؤں؟''

''تم خود اُسے دلکشا تک پہنچا آؤ..... پھر وہاں سے کہیں اور منتقل کرا دوں گا۔ تم اسپرنگ والے میک اپ میں رہ کر انجام دے سکتے ہو۔ اس کا خیال رہے کہ اُسے دلکشا لے جاتے وقت کوئی تمہارا تعاقب نہ کر سکے۔''

''تو پھر اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ بھی میک اپ میں ہو۔''

''جو مناسب سمجھو کرو.....!''

''اُسے میک اپ کرنا نہیں آتا اور..... اور میں کسی نامحرم عورت کے گال کیسے چھو سکوں گا۔ معاذ اللہ.....!''

''اٹھو اور باہر نکلو.....!'' فریدی ٹارچ روشن کرتا ہوا بولا۔ ''تم فرزانہ ہی میں مقیم رہو گے۔ بغیر میک اپ.....!''

''قاسم..... میری جان کو آ جائے گا۔''

''پرواہ مت کرو..... تمہیں اُس سے یہ بھی تو معلوم کرنا ہے کہ وہ یہاں پہنچا کس طرح۔ دوسری بات۔ کل یہاں کی پولیس مونا چنگیزی کو تلاش کرے گی اور پولیس ہیڈ آفس میں کیپٹن حمید کا انتظار کیا جائے گا۔ کیپٹن حمید کے علاوہ اور کوئی اس کا بیان نہیں لے سکے گا۔''

''واقعی..... یہ دوسری ہوئی۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''میرا سارا دھیان تو زیبا کی طرف ہو گا۔ مونا میں کیسے دلچسپی لے سکوں گا۔''

''بکو مت..... وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ تمہیں محتاط رہنا پڑے گا۔ بیان من وعن لکھنا..... جرح مت کرنا۔''

''ظاہر ہے آپ کے بیان پر جرح کی ہمت کسے ہو سکے گی۔''

''چلو.....!'' فریدی نے اُسے غار کے دہانے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

غار کے دہانے پر پہنچ کر فریدی نے اُس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ پھر حمید نے وہیں اپنی جیکٹ الٹی تھی اور فرزانہ کی طرف چل پڑا تھا۔

ڈائیننگ ہال خاصہ آباد تھا۔ حمید کاؤنٹر کی طرف توجہ دیئے بغیر زینوں کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ پھر اچھی طرح یقین ہو جانے کے بعد کہ اُس کا تعاقب نہیں کیا جا رہا اُس نے زیبا کے دروازے پر دستک دی تھی۔

زیبا نے اُس وقت تک دروازہ نہیں کھولا تھا جب تک اُس کی آواز نہیں سن لی۔

حمید نے اُسے فریدی کی ہدایات کے متعلق بتاتے ہوئے کہا ''میک اپ کا معمولی سا سامان میرے پاس موجود ہے۔ اگر کہو تو.....؟''

''میں پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ مجھے اس کا سلیقہ نہیں۔''

''تو پھر میں کیسے کرسکوں گا۔''

''کیوں.....آپ کیوں نہ کرسکیں گے۔''

''ارے بھئی.....یہ گال وال سب چھونے پڑیں گے؟''

''تو کیا ہوا.....؟''

''اگر کچھ نہیں ہوا.....تو.....تو.....تو.....!''

''حمید صاحب ہم دونوں کا عہدہ ایک ہی ہے۔''

''لیکن ایسے حالات میں میرے لئے عہدہ برآ ہونا مشکل ہوگا۔''

''الفاظ سے نہ کھیلئے.....کام کیجئے۔''

''کک.....کام.....اچھی بات ہے۔ میں ابھی آیا۔'' اس نے کہا اور وہاں سے نکل کر اپنے کمرے میں چلا آیا۔

پھر ایک گھنٹہ بعد وہ اس کے ساتھ فزارو سے اس طرح باہر نکل رہا تھا جیسے وہ دونوں ہی ریکریئشن ہال میں بیٹھ کر بہت زیادہ پی گئے ہوں۔ حمید کی ناک کے نتھنوں میں اسپرنگ موجود تھے اور زیبا کی شکل بدلی ہوئی تھی۔

وہ اپنا سارا سامان اُسی کمرے میں چھوڑ آئی تھی۔ دلکشا سے فون پر فزارو کے کاؤنٹر کلرک کو آگاہ کیا کہ وہ رات باہر ہی گزارے گی۔

دلکشا کے ڈائننگ ہال میں بھی گھنی آبادی نظر آئی تھی۔ شاید ایک بھی میز خالی نہ رہی ہوگی۔ اس لئے انہیں ریکریئشن ہال کا رخ کرنا پڑا۔ یہاں ٹوئیسٹ ہو رہا تھا۔

''ناچو گی.....!'' حمید نے پوچھا۔

''ایسی احمقانہ حرکتوں سے مجھے دلچسپی نہیں ہے۔''

''لیکن نفسیاتی نکتہ نظر سے۔''

''سب بکواس ہے۔ آپ یہ بتایئے کہ اب مجھے کیا کرنا ہے۔ سامان کے بغیر کمرہ حاصل

32

دوسروں کو شبہات ہی میں مبتلا کرنا ہوگا۔''

''اور اگر شبہات کو یقین میں بدلنا ہو تو پھر ہمیں کمرہ لے ہی لینا چاہئے۔''

''کیپٹن.....پلیز شٹ اپ.....میں الجھن میں ہوں۔ مجھے کیا سوجھی تھی کہ آپ کو خواہ اشارہ کیا تھا۔''

''کمرہ حاصل کرنے کے لئے۔''

''خدا کی قسم ہاتھ چھوڑ دوں گی۔ انسپکٹر ریکھا نہ سمجھنا۔''

''اچھا تو اب میں چلا.....!''

''ہرگز نہیں.....!''

''ارے.....تو پھر کیا کروں۔''

''چلو ٹوئیسٹ کریں گے۔''

''میری شکل دیکھ رہی ہو.....!''

''سچ.....بڑی کریہہ شکل ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ کیسے ممکن ہے۔ ناک کی نوک کیسے اٹھ ہے اوپر.....!''

''محترمہ.....پہلی ملاقات میں سب کچھ نہیں معلوم ہو جایا کرتا۔''

پھر انہیں سچ مچ تھوڑی دیر تک ٹوئیسٹ کرنا پڑا تھا اور جب راؤنڈ ختم ہو جانے کے بعد وہ میزوں کی جانب بڑھ رہے تھے ایک آدمی نے حمید سے ٹکرا کر آہستہ سے کہا تھا۔ ''باہر آؤ۔'' آواز فریدی کی تھی۔ لیکن حمید اس کی شکل نہیں دیکھ سکا تھا۔ کیونکہ وہ تیزی سے دوسری طرف مڑ کر بھیڑ میں گم ہو گیا تھا۔

حمید زیبا کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی جانب بڑھنے لگا۔

''کیا بات ہے.....کہاں.....؟''

''بس چلی آؤ.....زحمت سے بچ گئیں.....!'' حمید نے کہا۔

''کیا مطلب.....؟''

''بس چلی آؤ.....کان نہ کھاؤ۔''

وہ باہر آئے۔ سیاہ رنگ کی ایک چھوٹی سی گاڑی کے قریب کھڑے ہوئے آدمی نے انہیں اشارہ کیا۔ حمید پھر شبہے میں پڑ گیا کہ وہ فریدی ہے بھی یا نہیں۔ کیونکہ یہ پچھلی دو ملاقاتوں والا چہرہ نہیں تھا اور ڈھلان پر اندھیرے میں صحیح طور پر اُس کی صورت نہیں دیکھ سکا تھا۔ روشنی میں بھی اس کی پوزیشن کچھ ایسی ہی رہی تھی کہ صورت نہیں دکھائی دی تھی۔

گاڑی کے قریب پہنچ کر حمید بولا۔ ''پہلے کچھ گنگنا کر سنائیے.....پھر یقین کرلوں گا۔''

''زیبا گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔'' اُس نے حمید کی بات کا جواب دینے کی بجائے کہا اور حمید کو یقین آ گیا وہ فریدی ہی ہے۔

''اچھی بات ہے۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر زیبا کو مخاطب کیا۔

''قسمت میں ہے تو پھر ملیں گے۔''

گاڑی چلی گئی۔ حمید کھڑا حسرت بھری نظروں سے اندھیرے میں گھورتا رہا۔ زیبا پسند تھی۔ اس نے سوچا تھا تنہائی کا احساس کچھ دنوں کے لئے رفع ہو جائے گا۔ لیکن قاسم نے کھیل بگاڑ دیا۔

''اچھی بات ہے۔'' وہ مٹھیاں بھینچ کر بڑبڑایا۔ ''اب اس بھینسے کو ذبح کرنا ہی پڑے گا۔''

اُسے یقین تھا کہ اس وقت قاسم فزارو کے ریکریئیشن ہال میں رتجگا منا رہا ہوگا۔

فزارو پہنچ کر اس کا اندازہ غلط نہ نکلا۔ قاسم اور ثریا ریکریئیشن ہال ہی میں موجود تھے۔ بھی ایک دلچسپ اتفاق ہی تھا کہ حمید کو ٹھیک اُن کے قریب ایک میز خالی مل گئی۔

اس وقت حمید کے نتھنوں میں اسپرنگ نہیں تھے اور وہ دور سے بھی پہچانا جا سکتا تھا۔ میز کے قریب کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے حمید اپنے مخصوص اسٹائل میں کھکارا۔ قاسم نے چونک اس کی طرف دیکھا اور پھر دیکھتا ہی رہ گیا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُس کی روح قبض کرلی گئی ہو۔ ایک ٹک دیکھے جا رہا تھا۔ حمید محسوس کیا کہ اُس کی اس از خود رفتگی کی بناء پر ثریا بھی اس کی طرف متوجہ ہوگئی ہے۔ اب وہ

قاسم کی طرف دیکھتی تھی اور کبھی حمید کی طرف۔

آخر وہ قاسم کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ ''آپ کیا سوچ رہے ہیں۔''

قاسم چونک کر بڑبڑایا۔ ''کک.....کچھ نہیں۔''

پھر شاید اُس نے آہستہ سے یہی پوچھا تھا کہ وہ کون ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ قاسم کے ہونٹ ہلتے حمید ایک بار پھر کھکارا۔ اس بار کھکارنے کا انداز وارننگ کا سا تھا۔

دفعتاً قاسم اُسے گھونسا دکھا کر بولا۔ ''کھکارے جاؤ سالے.....میں بھی دیخ لوں گا۔''

''ارے ارے.....یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔'' ثریا جلدی سے بولی۔

''اگر آپ کی جان پہچان کے ہوں تو انہیں بھی یہیں بلا لیجئے۔''

''ہرگز نہیں۔ اس سالے پر تو میں دس میل سے بھی پیشاب نہیں کروں گا۔''

''آپ فکر نہ کیجئے محترمہ۔'' حمید نے ہنس کر کہا۔ ''اُن کی بیوی میری آپا جان ہیں۔''

''اُف فو.....!'' ثریا گڑبڑا گئی۔ پھر اُس نے قاسم کی طرف دیکھا۔

''جھوٹا ہے سالا.....وہ میرے چچا کی لڑکی ہے اور یہ کسی اور کا لڑکا نہیں ہے۔''

''ہاں ہاں میں تو آسمان سے ٹپکا ہوں۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔ پھر ثریا کو مخاطب کر کے کہا۔ ''شاید یہ حضرت آپ کو یہ یقین دلانے کی کوشش کرتے رہے ہیں کہ ابھی تک ان کی شادی نہیں ہوئی۔''

''ابے چوپ.....!''

''آپ بھی یہیں آ جائیے نا.....!'' ثریا نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

حمید اٹھ کر اُن کی میز کے قریب جا بیٹھا۔ قاسم قہر آلود نظروں سے اُسے گھورے جا رہا تھا اور شاید ثریا کی مخالفت کرنے کی ہمت نہیں پڑی تھی۔ لیکن چہرے سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ لاوا پھٹ پڑنے کو زور مار رہا ہے۔

بالآخر وہ دانت پیس کر گھونسا دکھاتا ہوا بولا۔ ''تم سالے میری قبر میں بھی گھس آنا.....اچھا۔''

''آپ خاموش بھی رہئے کچھ دیر۔'' ثریا بولی اور قاسم نے کچھ بدبداتے ہوئے دوسری طرف پھیرا۔

''شاید آپ ان کے کوئی بے تکلف دوست ہیں۔'' ثریا نے حمید سے کہا۔

''اجی لانت بھیجو ایسی دوستی پر.....!'' قاسم پھر پلٹ پڑا۔

''آپ میری بات نہیں مانیں گے۔''

''مانو غا.....!'' قاسم نے غرا کر پھر منہ پھیر لیا۔

''میں ان کا بے حد بے تکلف دوست ہوں۔ اتنا کہ ان کی بیوی کو بھابھی کی بجائے جان کہتا ہوں۔''

''سچ مچ ان کے سالے ہیں.....؟''

''آپ یقین کرلیں گی اگر اس نے ہاں کہہ دیا۔'' قاسم پھر بول پڑا۔

''پیارے بھائی میں خواہ مخواہ ہاں کہنے ہی کیوں لگا۔'' حمید نے بے حد نرم لہجے میں کہا لیکن قاسم پھر اینٹھ کر منہ پھیر چکا تھا۔

''آپ لوگ انہیں تنہا کیوں سفر کرنے دیتے ہیں۔'' عورت نے پوچھا۔

''کیوں.....کیا ہوا.....؟'' حمید نے بوکھلاہٹ ظاہر کی۔

''کچھ نہیں.....ویسے اگر میں دخل اندازی نہ کرتی تو انہوں نے فزارو کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا ہوتا۔ بیس عدد مرغ طلب کررہے تھے اور فی الوقت بارہ سے زیادہ دستیاب نہیں تھے۔ پہلے پورا دمبہ مانگا تھا۔''

''اس کے باوجود بھی آدمیوں کو کھانے دوڑتا ہے۔'' حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

''بس چلے جاؤ۔'' قاسم مٹھیاں بھینچ کر کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ ''میں کہتا ہوں چلے جاؤ۔''

''ارے.....ارے.....بیٹھئے.....یہ کیا ہے۔ لوگ کیا کہیں گے۔'' ثریا منمنائی۔

دفعتاً ایک فائر ہوا۔ ہال کے کسی گوشے سے ایک چیخ اُبھری اور قاسم ہانپتا ہوا بیٹھ گیا حمید اچھل کر کھڑا ہوگیا تھا۔ پھر ہال میں بھگدڑ مچ گئی۔

خون کے دھبے

عجیب افراتفری کا عالم تھا۔ لوگ ایک دوسرے پر گر رہے تھے اور میزیں دھڑا دھڑ اُلٹ رہی تھیں۔

''شروع ہوگیا۔'' قاسم حمید کو گھونسہ دکھا کر بولا۔ ''ابے منحوسو تم لوغ جہاں جاؤ گے۔''

پھر حمید کی گونجدار ''شٹ اپ'' میں اس کی آواز دب کر رہ گئی۔ ثریا بُری طرح بدحواس نظر آرہی تھی۔

''چلو.....نقلو یہاں سے۔'' قاسم اس کا بازو پکڑ کر بولا۔ ''نہیں تو ابھی یہ سالا یہاں تے سارے دروازے بند کرادے گا۔''

حمید اُن دونوں کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ دراصل سوچ رہا تھا کہ اس موقع پر اپنے اختیارات استعمال کرے یا خود بھی تماشائی بنا رہے۔

پتہ نہیں کس نے فائر کیا تھا اور وہ چیخ کس کی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے پورا ہال خالی ہوگیا۔ ہوٹل کے عملے اور حمید کے علاوہ اب وہاں اور کوئی نہیں تھا۔

ان میں وہ کاؤنٹر کلرک بھی شامل تھا جس سے حمید کی گفتگو ہوتی رہی تھی۔

''کیوں جج جناب۔'' وہ حمید کے قریب آکر ہکلایا۔ ''کک کیا ہوا۔''

''میں خود بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ کیا ہوا.....؟''

''آپ نے بھی فائر کی آواز سنی تھی۔''

''بالکل سنی تھی۔''

''اور چیخ بھی۔''

''ہاں ہاں چیخ بھی سنی تھی۔''

''لل.....لیکن.....نہ کوئی لاش نہ کوئی زخمی.....!''

''یہ بھی کوئی سوچنے کی بات ہے؟'' حمید نے تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''کیوں.....؟ کیوں.....؟''

''میں تو صرف یہ سوچ رہا تھا کہ لڑکیاں جب خوفزدہ ہوکر بھاگتی ہیں تو دیکھنے کی چیز ہوتی ہیں۔''

کاؤنٹر کلرک نے پہلے تو آنکھیں پھاڑ کر اُسے دیکھا پھر زیرِ لب کچھ بڑبڑاتا ہوا اسسٹنٹ منیجر کی طرف متوجہ ہوگیا جو اُس سے کچھ کہہ رہا تھا۔

''یس سر.....!'' اب وہ اُس کا بہت احترام کرنے لگا تھا کیونکہ مرحوم منیجر کی جگہ اُسی نے سنبھالی تھی۔

''دیکھو.....کونا.....کونا.....تلاش کرو.....؟''

حمید نے منیجر کی طرف غور سے دیکھا اور یہ پوچھے بغیر نہ رہ سکا کہ اُسے کس چیز کی تلاش ہے۔

''لاش جناب.....!''

''کیا ضروری ہے۔''

''ایسے مقامات پر جب بھی فائر ہوتے ہیں تو مقصد قتل ہی ہوتا ہے۔'' منیجر نے کسی قدر ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''اچھی بات ہے تو تلاش کیجئے۔''

''آپ کون ہیں.....؟''

حمید نے اپنا کارڈ جیب سے نکال کر اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''لیکن یہاں میں عبدالرشید ہوں.....اس کا خیال رہے۔''

منیجر کا وہ ہاتھ کانپ رہا تھا جس میں کارڈ تھا۔ اُس نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''جی بہت اچھا جناب۔''

اور کارڈ حمید کو واپس کردیا۔ کاؤنٹر کلرک نے منیجر کی بدلتی ہوئی حالتوں سے اندازہ کرلیا تھا کوئی خاص بات ہے۔ اس لئے اب حمید کو عجیب نظروں سے گھورے جارہا تھا۔

''بات یہ ہے جناب عالی۔'' منیجر کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ بولا۔ ''شکاریوں سے کچھ بعید نہیں ہے۔ پچھلے سال نشاط میں اسی طرح ایک فائر ہوا تھا۔ لیکن اُس وقت کچھ نہیں معلوم ہوا

پھر دوسری صبح کچن میں ایک لاش پائی گئی تھی۔ جس کی کھوپڑی میں سوراخ تھا۔''

''اچھا تو پھر میں بھی اس تلاش میں حصہ لینا پسند کروں گا۔''

وہ آگے بڑھے۔ حمید کا رخ ایک کھلی ہوئی کھڑکی کی طرف تھا۔ کھڑکی میں سلاخیں نہیں تھیں۔ کا اندازہ تھا کہ وہ عمارت کے باہر سے زمین کی سطح سے پانچ فٹ کی بلندی پر ضرور ہوگی۔

قریب پہنچنے پر چوکھٹ کے پاس تازہ خون کا دھبہ دکھائی دیا۔

''دیکھئے.....!'' منیجر کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''میرا خیال غلط تو نہیں تھا۔ لاش یقینی طور ری طرف پڑی ملے گی۔''

باہر اندھیرا تھا۔ منیجر کی تجویز تھی کہ انہیں دوسری طرف چل کر دیکھنا چاہئے۔ ریکریئیشن سے بھاگنے والے باہر نہیں گئے تھے اس لئے ڈائننگ ہال میں تل رکھنے کی بھی جگہ نہیں رہ فی۔

''میرا خیال ہے کہ انہیں روکے رکھا جائے۔'' حمید نے منیجر سے کہا۔

ویسے یہاں اس وقت بھی دو ڈیوٹی کانسٹیبل موجود تھے۔ میجر سعید اور ساجد پرویز کے راں کی نگرانی اُن کے ذمے تھے۔ انہوں نے یہاں کی بھگدڑ کے بارے میں قریبی پولیس ن کو بذریعہ فون مطلع کردیا تھا۔

''میرے بارے میں کسی کو کچھ نہ معلوم ہونا چاہئے۔'' حمید نے منیجر سے کہا۔ ''آپ ان لوں سے اپنے طور پر کہہ دیجئے کہ کسی کو باہر نہ جانے دیں۔''

''بہت بہتر جناب۔''

حمید اس وقت خود باہر نہیں نکلنا چاہتا تھا۔ اُس نے سوچا ہوسکتا ہے خود اُسی کے لئے کسی کا جال بچھایا گیا ہو۔

اُسے تو اس بھیڑ میں قاسم کی تلاش تھی۔ وہ اُسے ڈائننگ ہال میں ڈھونڈھتا پھرا لیکن یابی نہ ہوئی۔ پھر اُس نے سوچا وہ عورت اُسے اوپر لے گئی ہوگی۔

زینے طے کرکے وہ اس راہداری میں پہنچا جس میں قاسم کا کمرہ تھا۔ دروازہ کھلا نظر آیا۔

پردے کے پیچھے روشنی تھی اور قاسم بڑے زور شور کے ساتھ اپنے ''ٹھائیں ٹھوئیں'' کے بیان کر رہا تھا۔

حمید نے دروازے کے قریب رک کر اونچی آواز میں کہا۔ ''کیا میں اندر آ سکتا ہوں۔''

اندر خاموشی چھا گئی۔ پھر قدموں کی چاپ سنائی دیا ور کسی نے پردہ ہٹایا۔ یہ ثریا تھی۔

''اوہ..... آپ.....!'' وہ چہک کر بولی۔ ''اندر تشریف لائیے..... ہم دونوں آپ ہی کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ پتہ نہیں کیوں قاسم صاحب آپ کو پسند نہیں کرتے۔ اُن کا ہے کہ آپ سچ مچ ایسے ہی منحوس ہیں..... جہاں چلے جائیں وہاں لاشوں کے علاوہ اور دکھائی نہیں دیتا۔''

''اس کا خیال بالکل درست ہے۔ اُسکے خاندان کے مردے ہماری ہی فرم دفن کرتی ہے

''آیئے..... آیئے..... اطمینان سے باتیں ہوں گی۔''

حمید کمرے میں داخل ہوا۔ قاسم منہ پھلائے اُسے قہر آلود نظروں سے گھورے جا رہا تھا

''تشریف رکھئے۔'' ثریا نے کہا اور حمید قاسم کے موڈ کی پرواہ کئے بغیر کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا

کمرے کی فضا پر بوجھل سا سکوت مسلط ہو گیا تھا۔ آخر حمید ہی نے خاموشی توڑی۔

''میں مخل تو نہیں ہوا.....؟''

''قطعی نہیں! ویسے ہم یہ معلوم کرنے کیلئے بے چین ہیں کہ ریکریئیشن ہال میں کیا ہوا تھا

''ایک فائر..... ایک چیخ..... اُس کے بعد ہال خالی ہو گیا۔ نہ یہ معلوم ہو سکا کہ فائر نے کیا تھا اور نہ یہی پتہ چلا کی چیخ کس کی تھی۔''

''قاتل و مقتول کی تلاش جاری ہے۔''

''تو تم..... کیا یہاں بینگن چھیلنے آئے ہو..... کاتل و مکتول کی تلاش جاری ہے۔'' منہ ٹیڑھا کر کے جلے کٹے لہجے میں بولا۔

''پتہ نہیں آپ لوگوں کے تعلقات کس قسم کے ہیں۔'' عورت ہنس پڑی۔

''میری جان کا دشمن ہے۔'' قاسم دانت پیس کر بولا۔

''پیارے بھائی کیوں خفا ہو مجھ سے۔'' حمید گھگھیایا۔

''اے جاؤ..... دگا بازی والی باتیں نہ کرو..... بڑے آئے قہنے والے پیارے بھائی۔ باہر سے بھائی اندر سے قصائی..... لغایا کرو جھوٹ موٹ میرے جی کو۔''

''کیا جھوٹ بات کہی ہے..... پیارے بھائی میں نے۔''

''ابے تو قیا یہ سچ ہے کہ میری شادی ہو گئی ہے۔'' قاسم نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں ایک خاموش اپیل تھی۔

''تم تو مذاق کا بُرا مان جاتے ہو۔ ابھی تو تمہارے والد صاحب کی بھی شادی نہیں ہوئی۔ تمہاری کہاں سے ہو جائے گی۔''

''والد صاحب کی بھی نہیں ہوئی۔'' عورت ہنس پڑی۔

''مطلب یہ کہ بیوی ہو کے مرنے کے بعد انہوں نے اب تک دوسری شادی نہیں کی۔ کہتے ہیں پہلے بیٹے کی ہو جائے پھر میں کروں گا۔''

''اچھا.....!'' عورت سر ہلا کر بولی اور قاسم بے حد ہشاش بشاش نظر آنے لگا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں حمید کا شکریہ ادا کرتا رہا۔

''آپ کا مشغلہ کیا ہے؟'' عورت نے حمید سے پوچھا۔

''یہ..... یہ..... تو.....!'' قاسم شاید تعارف کرانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ لیکن اُس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی حمید بول اٹھا۔ ''کمیشن ایجنٹ ہوں ایک فرم کا۔''

''بہت بڑے کمیشن ایجنٹ۔'' قاسم نے سر ہلا کر تائید کی اور حمید نے اطمینان کی سانس لی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ابھی تک قاسم نے اس کے بارے میں عورت کو کچھ نہیں بتایا۔

''پتہ نہیں..... نیچے کیا ہو رہا ہے۔'' عورت نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

''چلئے چل کر دیکھیں۔''

''اب یہیں بیٹھے رہو۔'' حمید بولا۔ ''دروازے بند کرا دیئے گئے تھے۔ پولیس ریوالور کے لئے جامہ تلاشیاں لے رہی ہوگی اور اب شاید کمروں کی بھی تلاشی لی جائے۔''

''تم نے بند کرائے ہیں دروازے۔'' قاسم نے پوچھا۔

''عقل کے ناخن لو..... میں کیوں بند کراتا۔''

''ارے ہاں..... توبہ..... ہی ہی ہی ہی..... بھول جاتا ہوں کہ تم کمیشن ایجنٹ ہو۔''

''اگر کمروں کی بھی تلاشی لی جائے گی تو پھر مجھے اپنے ہی کمرے میں ہونا چاہئے۔'' عورت بولی۔

''بالکل..... یہی میرا بھی خیال ہے.....!'' حمید نے کہا۔

''برابر ہی میں تو ہے ان کا کمرہ.....!'' قاسم ہنس کر بولا۔

عورت تیزی سے اٹھی اور باہر نکل گئی۔ حمید مضحکانہ انداز میں قاسم کی طرف دیکھتا رہا۔ قاسم کے چہرے پر زلزلے کے آثار تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اب رویا اور تب رویا۔

آخر کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''حمید بھائی..... میں تمہارا غلام ہوں..... مجھے جندہ رہنے دو گے یا نہیں۔''

''جگ جگ جیو میرے لال..... تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں تمہاری زندگی کا خواہاں ہوں۔''

''پھر یہ سب کیا ہے۔''

''بہتر ہوگا کہ تم کاؤنٹر کلرک سے معلوم کرلو..... میں یہاں پہلے سے مقیم ہوں۔''

''تو پھر یہ بھی تو ظلم ہی ہوا نا کہ اکیلے اکیلے چلے آئے۔''

''میں ڈیوٹی پر ہوں۔ لیکن اگر تم نے میرے بارے میں اپنی محبوبہ کو کچھ بتایا تو اچھا نہیں ہوگا۔''

''الاقسم میں نے کچھ بھی نہیں بتایا..... چغد تھوڑا ہی ہوں۔''

''اُس نے تو ضرور پوچھا ہوگا کہ آخر تم مجھے منحوس کیوں سمجھتے ہو۔''

''بس غلطی سے نکل گیا تھا زبان سے؟''

''کیا نکل گیا تھا۔''

''یہی کہ تم خفیہ پولیس کے آدمی ہو۔''

''تب پھر کیا باقی چھوڑا تم نے ڈیوٹ۔''

''ابے نام تھوڑا ہی بتایا ہے..... نام پوچھا تھا..... میں نے کہہ دیا عبدالغفور.....!''

''حالانکہ میرا نام عبدالرشید ہے۔''

''ایک میں عبدل ایک میں عبدر..... ٹھینگے سے..... دیکھا جائے گا۔''

''کیا دیکھا جائے گا۔''

''کہہ دوں غا کہ اُسے ٹھیک سے یاد نہیں۔ میں نے تو عبدالرشید کہا تھا۔''

''دوستی زیادہ پرانی نہیں معلوم ہوتی؟''

''بس آج ہی ملاقات ہوئی ہے۔''

''خدا کرے تمہارا یہ رومان کامیاب ثابت ہو۔''

''سچ دل سے کہہ رہے ہو حمید بھائی۔'' قاسم نے گلوگیر آواز میں پوچھا۔

''بالکل..... میں تمہارے لئے بہت مغموم رہتا ہوں۔''

قاسم نے شدت جذبات سے بے قابو ہو کر اس کے دونوں ہاتھ پکڑے اور انہیں بے اختیار چومتا رہا۔

''ابے..... بے یہ میں ہوں۔ حمید..... وہ تو کب کی جا چکی ہے۔''

''حمید بھائی..... الاقسم..... دنیا میں تمہارے علاوہ اور کوئی ہمدرد نہیں دیکھائی دیتا۔ کبھی کبھی چاہوں قاش تم ہی میرے باپ بھی ہوتے۔''

''خیر..... خیر..... میں کوشش کروں گا۔ اس بار تمہاری زندگی سدھر جائے۔''

''حمید بھائی..... وہ بھی تو کچھ کچھ..... یعنی کہ.....!''

''میں سمجھ گیا..... وہ بھی تم پر مرمٹی ہے..... کیوں.....؟''

''لیکن کرو..... تمہارے آنے سے پہلے کہہ رہی تھی کہ اگر واقعی تمہاری شادی نہیں ہوئی تو میں تمہیں اپنے ڈیڈی سے ملاؤں گی۔''

''تب تو وہ مارا.....؟''

''ہے نا.....!'' قاسم کی باچھیں کھل گئیں۔ آنکھیں اس طرح چمکنے لگی تھیں جیسے پورے

جسم کی قوت ان میں کھنچ آئی ہو۔

حمید کچھ نہ بولا۔ قاسم یہی کہتا رہا۔ ''یار اس دن میرے ستارے بڑے شاندار تھے جب میں نے اُسے آرلیکچو میں دیکھا تھا۔ میری میز کے قریب ہی والی میز پر بیٹھی تھی۔ دو بار نظریں ملی تھیں اور ہائے..... حمید بھائی کیا پوچھتے ہو..... دل تھا کہ یوں یوں..... یوں۔''

یہاں قاسم نے دل کی حالت ہاتھوں سے بیان کرنے کی کوشش کی تھی۔

''اچھا تو پھر.....!'' حمید نے پوچھا۔

''اُس کے ساتھ ایک بوڑھی عورت تھی۔ وہ اس سے کہہ رہی تھی کہ وہ کل آٹھ بجے ٹرین سے رام گڈھ جائے گی۔ تنہا سفر کرنا پڑے گا اس لئے اس کا دل گھبرا رہا ہے۔ بوڑھی عورت اُسے سمجھانے لگی تھی کہ ڈرنے کی بات نہیں۔ اکثر عورتیں تنہا سفر کرتی ہیں۔ میں نے اپنے دل میں قہا ہرگز نہیں..... وہ تنہا سفر نہیں کرے گی۔ میں بھی اس کی دیکھ بھال کے لئے ٹرین سے سفر کروں گا۔''

قاسم خاموش ہو کر مسکرایا اور آنکھ مارنے کی کوشش کی۔ لیکن دونوں آنکھیں ''مر گئیں'' وہ صرف ایک آنکھ بند کر لینے پر قادر نہیں تھا۔ ساتھ ہی دوسری بھی بند ہو جاتی تھی۔

حمید نے ہونٹ بھینچ کر سر کو جنبش دی اور قاسم کو تیز نظروں سے گھورتا رہا۔ پھر تھوڑی بعد بولا۔ ''تو اس کا یہ مطلب ہے کہ تم وہیں سے اس کا تعاقب کرتے ہوئے آئے ہو۔''

''اور یہ دیکھو کہ ٹھیک اُسی جگہ پہنچ گیا جہاں اُسے آنا تھا۔''

''غالباً اُس نے بوڑھی عورت سے یہ بھی بتایا ہوگا کہ وہ رام گڈھ میں کہاں ٹھہرے گی۔''

''بلقل بتایا تھا۔ ورنہ میں سیدھا یہیں کیسے چلا آتا۔ بولو کیسی رہی..... اب بھی ہماری کھوپڑی کو یا نہیں۔ اس طرح پیچھا کیا کہ پتہ ہی نہ چل سکا۔ اس کو اور اب سمجھتی ہے دونوں بس اتفاق سے مل بیٹھے ہیں۔''

''یقیناً..... یقیناً.....!'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''تمہاری کھوپڑی لاجواب ہی نہیں بلکہ حساب ہے۔''

''ہے نا.....!'' قاسم اُس کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر بولا۔

''لیکن.....!'' یک بیک حمید مغموم نظر آنے لگا۔

''لیکن ویکن کچھ نہیں۔ سالے حمید بھائی گھپلا نہ کرو.....!''

''تم سمجھتے نہیں۔ اس کی طرف سے نہیں بلکہ تمہاری طرف سے تشویش ہے مجھے۔''

''ٹھینگے پر گئی تمہاری تفتیش وفتیش.....! میں سمجھائے دیتا ہوں ہاں۔''

''ابے تفتیش نہیں..... تشویش.....!''

''کیا فرق پڑتا ہے..... پہلے تشویش..... پھر تفتیش..... سالے ہزار کیڑے نقال کر رکھ دو..... میں کچھ نہیں سنوں غا.....!''

''تمہارے بھلے کو کچھ کہنے جا رہا تھا۔ نہیں سننا چاہتے تو جہنم میں جاؤ۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

قاسم نے اُسے روکا نہیں تھا۔ وہ باہر نکلا چلا آیا۔ راہداری سنسان پڑی تھی۔ اُس نے کمرے کی راہ لی۔

پھر تقریباً ایک گھنٹے کے بعد کسی نے اس کے دروازے پر دستک دی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ خانہ تلاشی لینے والے ہی ہوں گے۔

لیکن دروازہ کھولنے پر اُسے حیرت ہوئی۔ وہ ثریا تھی۔ قاسم کی نئی دریافت۔

''کیا میں اندر آ سکتی ہوں؟'' اُس نے کہا۔

''ضرور..... ضرور.....!''

''ناوقت تکلیف دہی کی معافی چاہتی ہوں.....!''

''تشریف رکھئے..... میرے لئے وقت اور ناوقت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ رام گڈھ کا مقصد ہی یہی ہوتا ہے کہ کچھ دنوں کے لئے معمولات زندگی سے پیچھا چھڑا لیا جائے۔''

''دیکھئے جناب..... آپ کا اندازہ غلط نکلا۔ وہ لوگ تو نیچے ہی پوچھ گچھ کر کے واپس چلے گئے۔ کمروں کی تلاشیاں نہیں ہوئیں۔''

''میرا تو یہی خیال تھا۔ ان کی جگہ میں ہوتا تو یہی کرتا۔ تو کیا وہ لوگ چلے گئے۔''

''جی ہاں..... گئے..... ریکریئیشن ہال کی ایک کھڑکی پر انہوں نے تازہ خون کا دھبہ دیکھا تھا۔ دوسری طرف دیوار پر بھی خون کی کچھ چھینٹیں ملی ہیں۔ باہر کچھ دور تک انہیں کہیں کہیں خون کے دھبے ملے..... اُس کے بعد پھر کوئی سراغ نہ مل سکا۔ اُن کا خیال ہے کہ زخمی ہو والا فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہوگا۔''

حمید نے جماہی لی اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

ثریا پھر بولی۔ ''اُن لوگوں کا خیال ہے کہ رام گڈھ کے لئے یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں یہاں آئے دن یہی کچھ ہوتا رہتا ہے۔''

''ہوتا ہوگا..... مجھے کیا۔''

''آپ ان کو کب سے جانتے ہیں۔''

''کن صاحب کو.....؟''

''میرا مطلب ہے قاسم صاحب کو۔''

''بہت دنوں سے۔''

''کیا سچ مچ اُن کی شادی ہوگئی ہے۔''

''نہیں..... وہ تو میں اُسے چھیڑتا رہا تھا۔ کسی کی شامت آئی ہے جو اسے بیٹی دے گا

''کیوں..... کیا.....؟''

''ارے گنگال ہو جائیں گے سسرال والے، اگر ایک وقت بھی اسے کھلانا پڑا۔'' وہ ہنس

''آپ کب سے جانتی ہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''آج یہیں ملاقات ہوئی ہے۔ سچ پوچھئے تو ان کی خوراک ہی نے مجھے ان کی طر متوجہ کیا تھا۔''

''پھر اب کیا خیال ہے؟''

''کیا مطلب.....؟''

''مطلب یہ کہ پیٹو آدمی کی دوستی سے یہ اچھا ہے کہ آدمی کھیتی باڑی کو ذریعہ معاش بنا

''میرا کیا بگڑتا ہے اگر کوئی پیٹو ہے؟''

''معمولی جسامت کی لڑکیاں اُس سے خوف کھاتی ہیں۔ اسی لئے اب تک اس کی شادی نہیں ہو سکی۔''

''یہ تو بڑی عجیب بات ہے؟''

''یہ تو آپ نے دیکھا ہی ہوگا کہ وہ کتنا سیدھا سادھا آدمی ہے۔''

''میں تو انہیں آدمی سمجھتی ہی نہیں۔ وہ صرف سیدھے سادھے ہیں۔''

''آپ کہاں سے تشریف لائی ہیں۔''

''جہاں سے قاسم صاحب آئے ہیں۔''

''اوہو..... تو ساتھ ہی آئے ہیں آپ دونوں۔''

''میرا اندازہ تو یہی ہے کہ ہم دونوں ایک ہی ٹرین سے آئے ہیں۔''

حمید نے پھر جماہی لی اور اکتائے ہوئے انداز میں دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔

ٹھیک اُسی وقت کسی نے پھر دروازے پر دستک دی۔

''کم ان.....!'' حمید کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

دوسرے ہی لمحے میں کسی نے دروازے کو نہ صرف دھکا دیا بلکہ بے تحاشا کمرے میں گھستا چلا آیا۔

قاسم کے علاوہ اور کون ہوتا؟ کمرے میں داخل ہو کر اُس نے اُن دونوں پر نظر ڈالی اور کسی بت کی طرح ایک ہی جگہ پر استادہ ہو کر رہ گیا۔

اب وہ پلکیں جھپکائے بغیر حمید کو گھورے جا رہا تھا۔

اور حمید کا یہ عالم تھا کہ پینترہ بدلنے کے لئے تیار۔ اچھی طرح جانتا تھا کہ جس طرح بگڑے ہوئے ہاتھی کو قابو میں لانا مشکل ہوتا ہے اُسی طرح قاسم کی ذہنی رو بہک جانے کے بعد اس کا سنبھالنا بھی کارے دارد.....!

دفعتاً حمید نے ثریا کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''آپ خود دیکھئے۔ کون کہہ سکے گا کہ یہ شخص ابھی

تک کنوارا ہے؟ جو دیکھتا ہے شادی شدہ سمجھتا ہے؟''

قاسم کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ پھر عجیب شرمیلی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر نمودار ہوئی۔ ساتھ ہی ایک انگلی بھی دانتوں میں جا دبی۔

''اب دیکھئے۔'' حمید پھر بولا۔ ''اس میں اور ایک کنواری پردہ نشین میں کیا فرق باقی رہا ہے۔''

ثریا ہنس پڑی اور حمید نے قاسم سے کہا۔ ''میں انہیں بہت دیر سے باور کرانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ ابھی تمہاری شادی نہیں ہوئی۔ میں نے تو محض چھیڑنے کے لئے اپنی کسی آپا جان کا تذکرہ کیا تھا۔''

''تو میں کیا جانوں۔'' قاسم نے بدستور دانتوں میں انگلی دبائے ہوئے اور نظریں نیچی کر کے کہا۔

''اب یہ دیکھئے۔'' حمید دانت پر دانت جما کر بولا۔ ''اگر میری شادی نہ ہوگئی ہوتی تو خود اُس سے شادی کر لیتا۔''

''قاسم بالکل لونڈیوں ہی کے سے انداز میں ''کھی کھی کھی'' کرتا ہوا باہر نکل گیا۔

ثریا دونوں ہاتھوں سے پیٹ دبائے بُری طرح ہنس رہی تھی۔

ادھر حمید نے ایسی سنجیدگی اختیار کر رکھی تھی جیسے ابھی ابھی اپنے کسی عزیز کو دفن کر کے ہو۔ ثریا ہنستی رہی۔ بدقت خاموش بھی ہوئی تو کافی دیر تک پیٹ دبائے بیٹھی رہی۔

''یہ آپ کو کیا سوجھی تھی۔'' آخر اُس نے حمید سے پوچھا۔

''یہی حربہ..... وقت پر کارآمد ثابت ہوا تھا۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''اگر وہ پہاڑ غصے میں مجھ پر آپڑتا تو کیا ہوتا..... یہ بھی سوچا آپ نے۔''

''لیکن یہ شادی وادی کی بات کیوں چھیڑی تھی آپ نے۔''

''پہلے بھی مجھ پر خفا ہوتا رہا تھا کہ میں نے ایک غلط بات آپ کے سامنے کیوں کہہ دی۔''

''بھلا مجھے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے ان باتوں سے۔'' ثریا نے کسی قدر ناخوشگوار لہجے میں

''آپ کو ہو یا نہ ہو دلچسپی لیکن وہ تو ہر اُس عورت پر عاشق ہو جاتا ہے جو اس کی خوراک کے بارے میں اُس کے ساتھ ہمدردانہ رویہ رکھتی ہو۔''

''آپ کو شرم آنی چاہئے۔ اتنی بے تکلفی سے آپ اس قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔''

''بے تکلفی کے بغیر کسی قسم کی بھی باتیں نہیں ہو سکتیں۔''

''مجھ سے غلطی ہوئی جو آپ کے پاس آئی.....!'' وہ پیر پٹخ کر اٹھتی ہوئی بولی۔

''آپ کی مرضی۔'' حمید نے جماہی لے کر لاپروائی سے کہا۔

وہ چلی گئی۔ حمید نے دروازہ بند کر کے اندر سے بولٹ کر دیا۔

گھڑی دیکھی صبح کے پانچ بج رہے تھے۔ پھر اُس نے سوٹ سمیت بستر پر چھلانگ لگا دی۔ غشی کی طرح نیند آئی تھی اور پھر آنکھ کھلی تھی ٹیلی فون کی گھنٹی کی آواز سے۔ وہ ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں دھاڑا تھا۔

''مسٹر عبدالرشید.....!'' دوسری طرف سے کہا گیا۔

''ہاں..... کون ہے؟''

''پولیس ہیڈ کوارٹر پلیز..... ایس پی کوائمنز.....!''

''اچھا.....!'' حمید نے کہا اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

شکار شکاری

رام گڈھ پولیس کے ہیڈ کوارٹر میں حمید مونا کا بیان لے رہا تھا۔ تین مختلف اسٹینو گرافرز اسے لکھتے جا رہے تھے۔ یہ بیان وہاں تک قطعی صحیح تھا جہاں سے فریدی نے اُن لوگوں پر قبضہ کیا تھا اور میجر سعید یعنی حمید کے ہاتھ پیر باندھ کر اس نامعلوم آدمی کی گاڑی میں ڈال دیا گیا تھا اور

مونا کو اس نے اپنے پاس ہی بٹھایا تھا۔

''پھر.....!'' مونا طویل سانس لے کر بولی۔ ''گاڑیاں چل پڑی تھیں۔ میجر سعید پچھلی سیٹ پر پڑا ان لوگوں کو بے تحاشہ گالیاں دے رہا تھا۔ پھر شاید چار پانچ ہی میل گئے ہوں گے کہ اچانک چاروں طرف سے فائرنگ ہونے لگی۔ پہلے ہی ہلے میں ہماری گاڑی کے دونوں ٹائر بیکار ہوگئے۔ وہ آدمی خود ہی ڈرائیو کر رہا تھا۔ گاڑی روکی تھی اور ڈھلان میں کود گیا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے میجر سعید کی چیخ بھی سنی تھی۔ عجیب افراتفری کا عالم تھا۔ پچھلی سیٹ کا دروازہ تو کھلا ہی ہوا تھا۔ بوکھلاہٹ میں میں بھی باہر نکل کر ڈھلان میں دوڑتی چلی گئی۔ مجھے ہوش نہیں کہ میں کتنی دور دوڑی تھی۔ بس فائروں کی آوازوں کا دھیان تھا۔ پھر میں نے خود کو ایک بالکل ہی ویران جگہ پر پایا تھا اور فائروں کی گونج بہت ہی مدہم ہو کر میرے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ اس کے بعد میں سارا دن انہیں چٹانوں میں بھٹکتی رہی تھی۔ صبح ہوتے ہی پولیس پارٹی مل گئی اور اب میں یہاں ہوں۔''

حمید کو فریدی کی ہدایت یاد آئی اور اس نے بیان پر جرح نہیں کی۔

ایس پی کرائمز کے آفس میں یہ بیان لیا گیا۔ حمید پر تفکر انداز میں ایس پی کرائمز کی طرف دیکھتا رہا۔

دفعتاً ایک آدمی کچھ ٹیلی پرنٹیڈ چٹیں لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوا اور انہیں ایس پی کی میز پر رکھ کر چلا گیا۔

حمید نے اُسے تیز نظروں سے دیکھا اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ ایس پی جو چٹوں کو دیکھ رہا تھا سر اٹھا کر بولا۔

''اوہ.....آپ کے لئے پیغام ہے۔''

پھر اُس نے ان چٹوں کو بلند آواز میں پڑھنا شروع کیا۔ پیغام فریدی کی طرف سے تھا۔ حمید کو ہدایت دی گئی تھی کہ پیغام موصول ہوتے ہی وہ مونا سمیت دھام نگر کیلئے روانہ ہو جائے۔

حمید نے طویل سانس لی اور مونا کی طرف دیکھنے لگا۔

''مجھے کہیں بھی جانا ہو۔'' مونا بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''مجھے پرواہ نہیں۔ لیکن خدارا ایک نظر ڈیڈی کو دیکھ لینے دیجئے۔''

''ڈیڈی.....کیا مطلب.....!''

''کیا آپ کو نہیں معلوم کہ میرے ڈیڈی ہسپتال میں بیہوش پڑے ہیں۔''

''اوہ.....محترمہ..... مجھے افسوس ہے کہ اس سلسلے میں کچھ نہ کر سکوں گا۔ باس کے پیغام میں ایسی کوئی ہدایت موجود نہیں ہے۔''

''میں انسانیت کے نام پر آپ سے التجا کرتی ہوں؟''

''کیا حرج ہے کیپٹن.....!'' ایس پی بولا۔ ''ہسپتال راستے ہی میں پڑے گا۔ میری دانست میں تو آپ کو کوئی دشواری نہیں ہوگی۔''

''آپ نہیں سمجھ سکتے.....!''

''آپ کی مرضی.....!'' ایس پی کا لہجہ کسی قدر ناخوشگوار تھا۔

''کیوں.....؟'' حمید چونک کر بولا۔ ''کیا آپ چاہتے ہیں کہ ایسا کیا جائے۔''

''میرا خیال ہے کہ آپ خود ہی لڑکی کے لئے ہمدردی محسوس کریں گے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے.....لیکن.....خیر آپ کہتے ہیں تو دو چار منٹ کے لئے ہسپتال میں رک جائیں گے۔''

مونا نے گلوگیر آواز میں اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔

ایس پی صاحب اب حمید کی طرف نہیں دیکھ رہے تھے۔ لیکن حمید کی نظریں اُسی کے چہرے پر تھیں۔

دفعتاً اس نے کہا۔ ''کیا ان چٹوں میں صرف اتنا ہی سا پیغام ہے۔''

''ہمارا ریسیونگ سیٹ ان دنوں کچھ گڑبڑایا ہوا ہے۔'' ایس پی بولا۔ ''لہٰذا غیر ضروری حروف بھی چھاپ ڈالتا ہے.....یہ دیکھئے۔''

اس نے پرنٹڈ چٹیں حمید کی طرف بڑھا دیں۔ حمید انہیں بغور دیکھتا رہا۔ غیر ضروری

حروف بھی تھے۔لیکن ان کے ساتھ ہی ایک پوشیدہ پیغام اور بھی تھا جسے ایس پی نے غیر ضروری حروف کے زمرے میں شامل کر کے نظر انداز کر دیا تھا۔

فریدی نے اپنے وضع کئے ہوئے کوڈ میں اُسے مطلع کیا تھا کہ وہ ایس پی سے ہوشیار رہے۔

''واقعی.....!'' حمید طویل سانس لے کر بولا۔''آپ لوگوں کو بڑی دشواری پیش آئی ہوگی۔مرمت کیوں نہیں کراتے اس کی۔''

''کئی بار ہو چکی ہے.....اب ایجنسی کا خیال ہے اس کی جگہ دوسرا سیٹ لگا دے۔''

حمید نے سر کو جنبش دی اور گھڑی پر نظر ڈالتا ہوا مونا سے بولا۔''تو چلئے۔''

''اگر آپ کسی اور کو بھی ساتھ لے جانا چاہیں تو.....!''

''نہیں شکریہ۔'' حمید نے ایس پی کی بات کاٹ دی۔''اگر یہ ضروری ہوتا تو پیغام میں اس کی وضاحت ہوتی۔''

''آپ کی مرضی.....!''

پھر حمید مونا سمیت اپنی اس ٹوسیٹر میں آ بیٹھا جس میں دو کی بجائے چار دروازے تھے اور وہ ایک مینکنزم کو حرکت میں لانے سے فور سیٹر کنورٹیبل بھی بن سکتی تھی۔

پچھلے دروازوں میں باہر کی طرف ہینڈل نہیں تھے۔

مونا اپنی جانب والی کھڑکی پر جھک گئی۔حمید نے انجن اسٹارٹ کیا۔گاڑی جھٹکے کے ساتھ آگے بڑھی اور مونا بایاں پہلو دبائے سیدھی بیٹھ گئی۔

''کیوں.....کیا بات ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''میرا دل کمزور ہے.....اور آپ کو گیئر بدلنے کا سلیقہ نہیں۔''

''مجھے افسوس ہے۔''

پھر ہسپتال تک کا راستہ خاموشی سے طے ہوا تھا۔ان کی گاڑی کمپاؤنڈ میں داخل ہی ہوئی تھی کہ ایک جیپ بھی اُن کے برابر ہی رکی۔

''ہوں.....!'' حمید نے ہونٹ بھینچ کر طویل سانس لی۔

پھر قبل اس کے مونا اور حمید گاڑی سے اترتے ایس پی کرائمز جیپ سے اتر کر سیدھا ان کی طرف چلا آیا۔

''مجھے ابھی فون پر اطلاع ملی ہے کہ ڈاکٹر کو ہوش آ گیا ہے؟'' اس نے حمید سے کہا۔

''اوہ.....!'' مونا نے پرمسرت آواز میں چیخ کر دروازے کا ہینڈل گھمانا چاہا۔لیکن ایس پی نے باہر کے ہینڈل کو مضبوطی سے پکڑتے ہوئے کہا۔''نہیں محترمہ۔اب آپ واپسی ہی پر ڈاکٹر سے مل سکیں گی۔''

''کیوں.....کیوں.....؟''

''ہوسکتا ہے کہ آپ پر نظر پڑتے ہی وہ کسی قسم کے جذباتی ہیجان میں مبتلا ہو کر دوبارہ اسی ذہنی کیفیت میں نہ مبتلا ہو جائیں۔''

''میرا خیال ہے کہ ایس پی صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' حمید بولا۔''میں بھی یہی کہوں گا کہ اس وقت آپ پروفیسر کے سامنے نہ آئیے۔شاید ہم شام تک واپس آ جائیں۔میرا چیف غالباً اپنے طور پر جرح کرنا چاہتا ہے۔ورنہ آپ کو تکلیف نہ دی جاتی۔''

''میرے خدا میں کیا کروں۔'' مونا ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ کر بڑبڑائی۔

حمید نے دوبارہ انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی پھاٹک کی طرف موڑ لی۔گاڑی کا انجن زیادہ شور نہیں مچاتا تھا اس لئے وہ مونا کی ہچکیاں اور سسکیاں صاف سنتا رہا۔

اس نے سوچا بعض پیشے آدمی کو پتھر بنا دیتے ہیں۔اگر وہ پتھر نہیں ہے تو کم از کم انہیں ظاہر تو یہی کرنا پڑتا ہے کہ وہ پتھر ہی ہیں۔

''پتھر.....!'' اس نے بڑبڑا کر طویل سانس لی۔وہ کسی طرح اسے دلاسا دینا چاہتا تھا۔لیکن کیا کرتا۔اس وقت اس کے لئے بالکل ہی اجنبی تھا۔کیپٹن حمید! میجر سعید کی حیثیت سے تو وہ اس سے کسی قدر بے تکلف بھی تھا اور شاید وہ بھی اس سے گفتگو کرتے وقت اپنے ذہن کو اکیلا چھوڑ دیتی تھی۔

اس نے سوچا کچھ بھی ہو وہ اُسے اس طرح نہ رونے دے گا۔فادر ہارڈ اسٹون خواہ کچھ

کہے۔ پھر اس سے فرق بھی کیا پڑے گا۔ اگر وہ اسے بتا دے کہ میجر سعید بھی خود ہی تھا۔

''مونی.....!'' اس نے بالآخر اُسے نرم لہجے میں مخاطب کیا۔ اور غالباً لہجے ہی کی بناء پر وہ نہ صرف چونک پڑی تھی بلکہ اس کی سسکیاں بھی تھم گئی تھیں۔

''مونی.....ضبط کرنے کی کوشش کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ مجھے حق حاصل ہے کہ میں تمہیں اس لہجے میں مخاطب کروں۔ کیونکہ ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے بالکل ہی اجنبی نہیں ہیں۔''

''مم.....میں.....نہیں سمجھتی۔'' مونی بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''میں میجر سعید ہوں۔''

''میجر سعید.....!'' وہ اچھل پڑی اور اُسے اس طرح گھورنے لگی جیسے کسی ریچھ نے اپنے مہاتما ہونے کا اعلان کیا ہو۔

''لل.....لیکن آپ تو.....!''

''کیپٹن حمید! اسی ٹیم سے تعلق رکھتا ہوں جس سے سارہ رحمان ملنا چاہتی تھی۔''

''لیکن میجر سعید.....آپ دونوں کی شکلوں میں ذرا سی بھی مطابقت نہیں۔''

''اسے میک اپ کا کمال کہتے ہیں۔ میرا چیف اولڈ اسکول کے اس نصاب سے آج تک پیچھا نہیں چھڑا سکا۔''

''لیکن میرا خیال ہے کہ آپ کی آواز سن کر میجر سعید کی آواز یاد آئی تھی مجھے۔''

''ہمیں بعض اوقات بڑے عجیب و غریب حالات سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس لئے سبھی کچھ کرنا پڑتا ہے۔ ہاں تو تم پولیس پارٹی کے ہاتھ کیسے لگیں۔''

''آپ کے ساتھی نے مجھے وہیں پہنچا دیا تھا جہاں پولیس پارٹی بھٹکتی پھر رہی تھی اور پھر میں نے وہی سب کچھ کیا جو انہوں نے مجھے سمجھا دیا تھا۔''

''ایک بات پوچھوں؟ صحیح جواب دو گی۔''

''پوچھئے۔''

''تمہارا پہلا بیان جو تم نے میجر سعید کو دیا تھا اس سے بڑی حد تک مختلف تھا جو بعد کو تم نے میرے ساتھی کو دیا تھا اس کی کیا وجہ تھی۔''

مونا فوراً ہی کچھ نہ بولی۔ اس کے چہرے پر گہرے تفکر کے آثار تھے۔ پھر یک بیک اس کی آنکھوں میں کچھ ایسی چمک نظر آئی جیسے اس نے کوئی اہم فیصلہ کیا ہو۔

''ہاں آپ ٹھیک کہتے ہیں اور یہ بھی سنئے کہ میں نے آپ کے ساتھی کو بھی پوری بات نہیں بتائی۔''

''اوہو.....تب تو تم نے میری عزت رکھ لی۔'' حمید بے حد خوشی کا اظہار کرتا ہوا بولا۔

''بھلا اس میں خوشی کی کیا بات ہے۔''

''میرا وہ ساتھی دراصل میرا چیف تھا جو مجھے بالکل اُلو سمجھتا ہے۔ بڑے عجیب انداز میں دیکھتا تھا جب میں تم سے شکوہ کرتا کہ تم نے فلاں بات مجھے نہیں بتائی۔''

''اوہ تو اس کا یہ مطلب کہ وہ کرنل فریدی تھے۔'' مونا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''ہاں.....آں.....!'' حمید نے طویل سانس لیتے ہوئے گاڑی کی رفتار کم کر دی اور پھر سڑک کے کنارے لگا کر روک بھی دیا۔

ڈیش بورڈ کے ایک خانے سے کنجیوں کا لچھا نکالا اور اپنی طرف کے دروازے کے ہینڈل کو گھما کر کنجی لگائی۔ دروازے کا استر الگ ہو گیا۔ مونا حیرت سے یہ کارروائی دیکھ رہی تھی۔ پھر اچانک اس کی نظر پڑی جسے حمید خانے سے نکال کر اپنی گود میں رکھ رہا تھا۔

''یہ.....یہ.....کک.....کیوں.....؟'' وہ ہکلائی۔

''فکر نہ کرو۔ احتیاطاً.....آخر مجھے بھی تو سوچنا چاہئے کہ میرے چیف نے خواہ مخواہ دھماکم کیوں طلب کیا ہے؟''

''اب تو میں بھی اسی الجھن میں پڑ گئی ہوں۔'' وہ کانپ کر بولی۔ ''دیکھئے۔ میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔ کیا لڑائی جھگڑے کا امکان ہے۔ آپ کا وہ فائر مجھے کبھی نہ بھولے گا۔ میں تو سمجھی تھی کہ اس کا خاتمہ ہوا۔''

''وہ تو مجبوری تھی۔ اتنی شاندار ایکٹنگ کے بغیر میں کامیاب نہ ہوسکتا۔'' حمید نے کہا اور گاڑی اسٹارٹ کر کے پھر سفر شروع کر دیا۔ مونا خاموشی سے ٹامی گن کو گھورے جا رہی تھی۔

''بہرحال۔'' حمید کچھ دیر بعد بولا۔ ''تم نے اچھا ہی کیا.....؟''

''کیا اچھا کیا.....؟''

''یہی کہ تم نے میرے چیف کو اصل واقعات کی ہوا بھی نہیں لگنے دی۔''

''یہ تو میں نے نہیں کہا۔ میں نے غالباً یہ کہا تھا کہ پوری بات انہیں بھی نہیں بتائی۔''

''لیکن اگر اب مجھے بتا دو تو کیسی رہے۔''

''مجھے بھی اب یہی سوچنا پڑا ہے کہ ڈیڈی سے کیا ہوا عہد توڑ دوں..... آخر کب تک لوگوں پر اسی قسم کے مظالم ہوتے رہیں گے۔ اگر میں اب بھی زبان بند رکھوں تو اسے وطن دشمنی ہی کہیں گے۔''

''بالکل.....!'' حمید سر ہلا کر بولا۔

''سارہ کے پرس کا راز میں نے آپ کے چیف کو بتا دیا تھا.....!''

''ہاں..... وہ تو میرے سامنے ہی.....!''

''جی نہیں..... وہ تو اس کی اہمیت بتائی تھی۔ راز اب آپ کو بھی بتا دوں گی۔ قاتل چمڑے کے دستانے پہنے ہوئے تھا۔ واجد سے کشمکش کے دوران میں داہنے ہاتھ کا دستانہ اتر گیا تھا۔ اس پر قابو پانے کے بعد اس نے اسی ننگے ہاتھ سے چاقو نکال کر اس کا نرخرہ کاٹ دیا۔ اس کا ہاتھ خون سے تر ہوگیا۔ پھر وہ بے خیالی میں وہی ہاتھ زمین پر ٹیک کر اس کی لاش پر سے اٹھا جلدی میں چاقو اٹھایا اور کھڑکی سے باہر کود گیا۔ سارہ جائے واردات پر موجود تھی۔ لیکن دست و پا..... سہمی کھڑی رہی تھی۔ پھر کچھ دیر بعد جب اُسے ہوش آیا تھا اور اس نے دیکھا کہ قاتل ایک پرانے اخبار پر اپنے خون بھرے ہاتھ کا نشان چھوڑ گیا ہے۔ گروہ کے لوگوں کا خیال ہے کہ پولیس کے پاس اس کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ اسی لئے وہ اس طرح دندناتا پھر رہا ہے۔ جب جسے چاہا مار ڈالا۔ یہ ساری باتیں مجھے سارہ ہی نے بتائی تھیں۔ بہرحال سارہ

دانست میں اگر اس کے ہاتھ کا نشان پولیس تک پہنچ جاتا تو وہ اُسے ڈھونڈ نکالتی۔ لیکن اس نے یہ خیال بھی ظاہر کیا تھا کہ اس قسم کے گروہ پولیس کا تعاون حاصل کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ لہٰذا اسے کسی ایمان دار پولیس آفیسر کی تلاش تھی۔ وہ کہتی تھی کہ اگر وہ کسی طرح کرنل فریدی تک پہنچ جائے تو اس کی یہ مشکل ضرور آسان ہوجائے گی۔ خدا اس کی روح کو سکون بخشے اس کی یہ آرزو بہرحال پوری ہوگئی۔ میں نے شاید آپ کو یہ نہیں بتایا تھا کہ واجد اس گروہ سے تعلق رکھتا تھا۔ سارہ اس سے لاعلم تھی۔ جب واجد نے یہ محسوس کرلیا کہ وہ اس کے بغیر ایک لمحہ بھی نہیں گزار سکتی تو اس کو اسی راہ پر لگانے کی کوشش کی اور اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی رہا۔ سارہ کا فادر ٹیریل ہوم منشیات کی تجارت کا ذریعہ بن گیا اور سارہ ایک اعصاب زدہ لڑکی جیسی زندگی گزارنے پر مجبور ہوگئی۔ اُسے نفرت تھی اس کاروبار سے.....!''

سارہ خاموش ہوکر کچھ سوچنے لگی۔ حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔ ''آخر سرگروہ نے واجد کو مار کیوں ڈالا تھا۔''

''اس کی وجہ خود سارہ کو بھی نہیں معلوم تھی۔ حادثے کی رات کو واجد کو اپنی گاڑی میں اس کے گھر پہنچانے گئی تھی۔ واجد نے خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ کچھ دیر اس کے ساتھ ٹھہرے۔ اس نے مکان کا قفل کھولا تھا اور وہ اندر گئے تھے۔ لیکن ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب انہوں نے اس مقفل مکان کے اندر سیاہ پوش کو اپنا منتظر پایا۔ سارہ اس کی حیرت انگیز صلاحیتوں کے قصے پہلے ہی سن چکی تھی۔ لہٰذا اس کی موجودگی نے اُسے معمول سے زیادہ نروس کر دیا۔ اُسے یہ بھی یاد نہیں رہا تھا کہ ان دونوں کے درمیان گفتگو ہوئی تھی اور سیاہ پوش اس پر اچانک ٹوٹ کیوں پڑا تھا۔''

کچھ دیر پھر خاموشی رہی۔

''یہ تو بتاؤ..... آخر تمہارے ڈیڈی کا کیا معاملہ ہے؟'' حمید نے پوچھا۔

''یہی تو میں نے آپ کے چیف کو بھی نہیں بتایا۔''

''ہرگز نہ بتانا۔''

''کیوں.....؟'' سارہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

''مطلب یہ کہ اس کا علم پہلے مجھے ہونا چاہئے۔''

''کچھ دیر پہلے میں نے فیصلہ کیا تھا کہ آپ کو بتادوں.....لیکن اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔''

''تمہیں ٹوئیسٹ کرنا چاہئے.....غم غلط کرنے کا بہترین طریقہ.....!''

''مجھے کچھ اچھا نہیں لگتا.....کچھ بھی تو نہیں.....خلاء میں جھول رہی ہوں؟ نہ پیر رکھنے کے لئے زمین ملتی ہے نہ بازوؤں میں قوت پرواز.....میرے خدا میں کیا کروں۔ کہاں جاؤں۔''

''میں نے تو دراصل تمہارا دھیان بٹانے کی کوشش کی تھی۔'' حمید نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ ''لیکن تم خود ہی ایسے قصے کو نکال بیٹھیں۔''

''کیسے نہ نکال بیٹھتی جب کہ میں خود بھی امی کہانی کا ایک کردار ہوں۔''

''اوہو.....میں تو تمہیں بالکل معصوم سمجھتا تھا۔''

''براہِ راست نہیں.....میں ڈیڈی کے واسطے سے اس کہانی کا کردار بنی ہوں۔ میں نے ان لوگوں کے لئے کبھی کوئی کام نہیں کیا۔ لیکن ڈیڈی.....اوہ.....میں.....کیا بک رہی ہوں۔''

''دل کا غبار نکالنا بے حد ضروری ہے مونی.....ورنہ تم بیمار پڑ جاؤ گی۔''

''میں تو مر ہی جانا چاہتی ہوں۔'' اس نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپاتے ہوئے کہا۔

اس کے بعد حمید پھر اس کی ہچکیاں اور سسکیاں سنتا اور شدت سے بور ہوتا رہا۔ وہ تو سمجھ تھا کہ باپ کے ہوش میں آنے کی خبر سن کر وہ کسی قدر بشاش نظر آئے گی اور یہ سفر نمونہ سفر ثابت ہوگا۔

''سنو.....میری طرف دیکھو.....اب تمہیں کیا پریشانی ہے۔ تم اپنے ڈیڈی کے ہوش میں آنے کی خبر بھی سن چکی ہو۔ ان کی حالت بہتر ہوگی۔''

''میں اُن کی زندگی نہیں چاہتی۔'' یک بیک مونا چیخ کر بولی۔ ''ان کی موت کی خواہاں ہوں۔''

''اوہ.....!'' حمید سنجیدہ ہوگیا۔

مونا کی ہچکیاں اور سسکیاں بھی رک گئیں تھیں۔ دفعتاً اس نے چیخ چیخ کر بکنا شروع کیا۔

''وہ ایک باعزت آدمی ہیں۔ اپنی رسوائی برداشت نہ کرسکیں گے۔ اس لئے میں چاہتی کاش وہ ہوش میں آنے سے پہلے ہی مرجاتے۔ سنو۔ انہوں نے مجھے اپنی بے بسی کی ان سنائی تھی اور خواہش ظاہر کی تھی کہ میں کم از کم ان کی زندگی میں اس کا تذکرہ کسی سے نہ ں۔ تم مجھے ان کی موت کی خبر سنادو۔ میں سب کچھ بتادوں گی۔''

''کاش میں تمہارے کسی کام آسکتا.....؟ اب کچھ نہ پوچھوں گا۔''

پھر راستہ خاموشی سے طے ہوتا رہا۔ بھیگی بھیگی سی دھوپ چٹانوں پر بکھری ہوئی تھی اور ونڈ ڈ سے ٹکرانے والی ہوا سرد تھی۔

دفعتاً انہوں نے ہیلی کوپٹر کا شور سنا۔ بائیں جانب سے وہ سیدھا اسی طرف چلا آرہا تھا۔ از نیچی تھی۔

''دیکھو.....یہ کدھر جاتا ہے۔'' حمید نے مونا سے کہا۔

گاڑی اس سے آگے نکل آئی تھی۔ مونا نے کھڑکی سے سر نکال کر دیکھا اور بولی۔ ''ٹھیک ارے پیچھے ہے۔''

''میرا چیف غافل نہیں ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اوپر سے ہماری دیکھ بھال ہو رہی ہے۔'' حمید نے کہا اور مزید کچھ کہنے والا تھا کہ ایک ردار دھماکہ ہوا۔ گاڑی کو دھچکا سا لگا اور حمید بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''میرے خدا..... ڑا بلاسٹ تھا۔''

ایکسیلریٹر پر مزید دباؤ غالباً اس دھچکے ہی کا نتیجہ تھا اور گاڑی کی رفتار غیر ارادی طور پر ہ گئی تھی۔

پھر تو وہ رفتار بڑھاتا ہی گیا۔ ایک دھماکہ پھر ہوا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے۔'' مونا کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

''فکر نہ کرو۔ میرا چیف اتنا احمق نہیں ہوسکتا کہ اس قسم کا مذاق کرے۔ یہ ہیلی کوپٹر ہمارے دشمنوں ہی کا ہوسکتا ہے۔''

''اب کیا ہوگا..... یہ تو..... یہ تو.....!''

''تیسرے دھماکے نے مونا کا جملہ پورا نہ ہونے دیا۔''

''واقعی ثامت ہے۔ نہ گاڑی روک سکتا ہوں اور نہ اس رفتار سے چل ہی سکتا ہوں۔ کیونکہ آگے موڑ ہی موڑ ہیں..... المدد یارب السموات..... المدد.....!''

ٹھیک اُسی وقت کسی طیارے کی آواز پھر سنائی دی اور اب کے گاڑی کے قریب اس زور کا دھماکہ ہوا کہ اسٹیئرنگ پر حمید کے ہاتھ بہک گئے۔ لیکن ساتھ ہی بریک پر بھی پیر پڑا اور گاڑی سڑک کے نیچے اُتر کر ایک چٹان سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ دوسری طرف بھی اگر قدآدم چٹان ہوتی تو اس رفتار پر اچانک بریک لگنے پر گاڑی الٹ ہی جاتی۔

حمید کو اتنا ہوش تھا کہ بریک پر دباؤ کم کئے بغیر انجن بند کر دیتا۔

ہیلی کوپٹر ان کے سروں پر سے گزر گیا۔

''مونا..... مونا.....!'' حمید اُسے جھنجھوڑ کر بولا۔ ''تم ہوش میں ہو یا نہیں۔''

مونا کی آنکھیں تو کھلی ہوئی تھیں لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھی ہو۔

حمید نے اپنی طرف کا دروازہ کھولا اور تیزی سے نیچے اُتر آیا۔ ٹامی گن بھی اس کی گود سے نکل کر باہر گری تھی۔

اب وہ مونا کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اسے بھی نیچے اتارنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہیلی کوپٹر کچھ دور جا کر پھر ان کی طرف مڑا۔ اس بار اس کی پرواز پہلے سے بھی نیچی تھی۔

حمید نے سوچا اب خیریت نہیں۔ مونا بیہوش ہوگئی تھی اور اس نے اُسے اپنے ہاتھوں پر سنبھال رکھا تھا۔

''اوہو..... یہ..... یہ.....!'' بے اختیار اس کی زبان سے نکلا۔ اس نے ایک طیارے

ہیلی کوپٹر پر ڈائیو کرتے دیکھا اور پھر وہ اس پر فائرنگ کرتا ہوا اوپر اٹھتا چلا گیا تھا۔ ہیلی کوپٹر کا رخ مڑ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ طیارے کی زد سے بچ نکلنا چاہتا ہو۔ طیارے نے چکر کاٹ کر پھر اس کے اوپر غوطہ لگایا لیکن اس بار فائرنگ نہیں کی۔

اب حمید نے ہیلی کوپٹر کو ڈھلان میں اترتے دیکھا۔ وہ نیچے تقریباً تین سو فٹ کی گہرائی میں جا رہا تھا۔

حمید نے مونا کو وہیں زمین پر ڈال دیا اور ٹامی گن سنبھال لی۔ جلد ہی اس نے ہیلی کوپٹر کو لینڈ کرتے دیکھا۔

طیارہ اب بھی اوپر فضا میں چکر لگا رہا تھا۔ حمید نے مناسب یہی سمجھا کہ لینڈ کئے ہوئے ہیلی کوپٹر پر فوراً فائرنگ شروع کر دے۔ اُسے اندازہ نہیں تھا کہ ہیلی کوپٹر میں کتنے آدمی ہیں۔ اس وقت خود حمید کی پوزیشن محفوظ تھی۔ وہ ہیلی کوپٹر کو صاف دیکھ سکتا تھا۔ لیکن ہیلی کوپٹر والے اس کا نشانہ نہیں لے سکتے تھے۔

ٹامی گن کے پہلے ہی ہلے نے ہیلی کوپٹر کے سواروں کو ہیلی کوپٹر سے باہر نہ نکلنے دیا۔

حمید سوچ رہا تھا کاش مونا کو جلدی سے ہوش آجاتا۔ وہ اپنی جگہ چھوڑ کر ہٹ نہیں سکتا تھا کیونکہ ضروری تھا کہ اس کی ٹوسیٹر کے دوسرے دروازے کا پوشیدہ خانہ کھولا جاتا جس میں بہت طاقتور قسم کے تین عدد دستی بم رکھے ہوئے تھے۔ دانش مندی کا تقاضا یہی تھا کہ ہیلی کوپٹر تباہ کر دیا جاتا۔ فضا میں چکر لگانے والا جہاز مددگار ہی سہی لیکن شاید اس میں کوئی ایسا انتظام نہ تھا جس سے ہیلی کوپٹر پر تباہ کن حملہ کیا جاسکتا۔

حمید نے تھوڑی دیر ٹھہر کر ایک بار پھر ٹامی گن کا ٹریگر کھینچ دیا۔ گولیوں کی بوچھاڑ نکلی اور اس نے ہیلی کوپٹر کی چھت میں سوراخ ہوتے دیکھے۔

اتنے میں مونا بھی کراہ کر اٹھ بیٹھی۔

''کیا ہے..... یہ سب کیا ہے..... ارے یہ گاڑی..... تم کیا کر رہے ہو۔'' وہ ہذیانی انداز میں بولتی چلی گئی۔

حمید نے پرسکون لہجے میں کہا۔ ''خود کو قابو میں رکھو اور ادھر میرے قریب بیٹھے رہو۔ کھسک آؤ۔ اٹھنا نہیں..... دوسری طرف دشمن ہے۔''

پھر اس نے ٹامی گن سے کچھ فائر کئے۔ وہ دراصل نہیں چاہتا تھا کہ ہیلی کوپٹر کے باہر آئیں۔ باہر نکل کر وہ چٹانوں کی اوٹ لے لیتے اور پھر ان پر قابو پانے میں دشواری ہوتی۔

مونا گھسٹتی ہوئی اس تک پہنچی اور حمید نے اُسے کنجیوں کا گچھا دیتے ہوئے کہا۔ ''اس طرح میں نے اپنی سائیڈ کے دروازے کا استر نکال کر..... لیکن ٹھہرو..... احتیاط کی ضرورت ہے۔ تین ہینڈ گرنیڈ رکھے ہوئے ہیں اس خانے میں۔ ایک ایک کر کے نکال لاؤ۔ اسی طرح بیٹھے بیٹھے گاڑی تک جاؤ..... شاباش.....!''

''مم..... میں..... ہینڈ گرنیڈ..... نہیں نہیں۔ مجھ سے نہیں ہوگا۔''

''تو پھر ہم دونوں ہی جہنم رسید ہوں گے۔'' حمید جھنجھلا کر بولا اور پھر ہیلی کوپٹر پر فائر کئے۔

''جاؤ..... میں انہیں روکے ہوئے ہوں۔ اگر ہرمنٹ پر فائر نہ کر سکا تو وہ ہیلی کوپٹر سے باہر نکل آئیں گے۔ پھر ہماری خیر نہیں۔''

''کک..... کونسی کنجی ہے.....؟'' مونا نے روہانسی آواز میں پوچھا۔

حمید نے اُسے کنجی کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا۔ ''ڈرو نہیں..... سیفٹی کیچ ہٹائے بغیر پھٹ نہیں سکتے۔ خوبصورت لڑکیاں بہادر بھی ہوتی ہیں۔ دادا جان مرحوم اکثر کہا کرتے تھے۔''

مونا گھسٹتی ہوئی گاڑی تک گئی۔ خفیہ خانہ کھولا اور ایک ایک کر کے تینوں دستی بم نکال لائی۔

''ارے ادھر تو دیکھو۔'' دفعتاً وہ سڑک کی جانب ہاتھ اٹھا کر بولی۔

فضا میں ایک پیراشوٹ نظر آیا۔ کسی نے طیارے سے چھلانگ لگائی تھی اور آہستہ آہستہ نیچے آ رہا تھا۔

پوزیشن ایسی تھی کہ شاید ہیلی کوپٹر والے اسے دیکھ بھی نہ سکے ہوں۔

جہاز کی پرواز زیادہ اونچی نہیں تھی۔

حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور پھر ہیلی کوپٹر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس

ٹامی گن پھر گولیاں اگل رہی تھی۔

ہیلی کوپٹر سے نہ تو فائرنگ ہی ہوئی اور نہ اس کا انجن ہی جاگا..... حمید نے ٹامی گن رکھ دی اور ایک دستی بم کا سیفٹی کیچ ہٹانے ہی لگا تھا کہ مونا چیخی۔ ''ارے وہ ادھر ہی آ رہا ہے۔ زمین پر آ گیا۔''

حمید نے مڑ کر دیکھا..... نہ صرف دیکھا بلکہ اپنی طرف دوڑ کر آنے والے کو پہچانا بھی۔ یہ کرنل فریدی تھا۔

وہ ہاتھ اٹھائے کہہ رہا تھا۔ ''اوہ احمق یہ کیا کر رہے ہو۔ سارا کھیل بگاڑ دو گے۔ خبردار گرنیڈ مت پھینکنا۔ ساری محنت برباد ہو جائے گی۔''

حمید نے طویل سانس لی اور ہاتھ ڈھیلے چھوڑ دیئے۔

آخری دھماکہ

فریدی اس وقت میک اپ میں نہیں تھا۔ اس نے جھک کر چیختی ہوئی چٹان کی دراڑ سے دوسری طرف دیکھا۔ ہیلی کوپٹر جوں کا توں وہیں موجود تھا۔

''میں نے ابھی تک کسی کو بھی باہر نہیں نکلنے دیا۔'' حمید نے گردن اکڑا کر کہا۔ ''اور اب اسے تباہ کرنے جا رہا تھا۔''

مونا حیرت سے آنکھیں پھاڑے فریدی کو دیکھ رہی تھی۔ یہی شخص اوپر چکرانے والے طیارے سے کودا تھا۔ کون ہے یہ..... جو کیپٹن حمید سے اس انداز میں گفتگو کر رہا ہے۔

''تم سے حماقت سرزد ہوئی۔'' فریدی نے بدستور دراڑ سے دوسری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ذرا ایک گرنیڈ مجھے دینا۔''

حمید نے ایک دستی بم اُسے تھما دیا۔ اس کی نظر ہیلی کوپٹر ہی پر تھی۔ وہ فریدی کی طرف

نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس نے اسے بم پھینکتے ہوئے بھی نہیں دیکھا۔ لیکن اُسے بڑی حیرت ہوئی جب اس نے فریدی کا نشانہ خطا کرتے دیکھا۔ بم ہیلی کوپٹر سے کافی فاصلے پر گرا تھا۔ اتنا فاصلہ تھا دونوں کے درمیان کہ وہ دھوئیں میں بھی نہ چھپ سکا۔

دوسرے ہی لمحے میں اس نے دو آدمیوں کو ہیلی کوپٹر سے باہر چھلانگ لگاتے دیکھا۔ دونوں خاکی لباس میں تھے لیکن فاصلہ زیادہ ہونے کی بناء پر ان کے خدوخال واضح طور پر نظر نہیں آ رہے تھے۔

''ٹوپسن مجھے دو۔'' فریدی نے کہا اور ٹامی گن اس کے ہاتھ سے لے لی۔ وہ دونوں ایک چٹان کی اوٹ لینے ہی والے تھے کہ فریدی نے ان سے کچھ دور ہٹا کر فائر کئے۔ وہ اچھل کر دوسری طرف بھاگے۔

''میگزین.....!'' فریدی غرایا اور پھر ٹریگر دبا دیا۔

حمید گاڑی کی طرف جھپٹا۔ ٹامی گن والے خانے سے مزید میگزین نکالا اور ڈیش بورڈ کے ایک خانے سے ٹیلی سکوپ بھی نکالتا ہوا پھر فریدی کی طرف پلٹ آیا۔

فریدی تھوڑے تھوڑے وقفے سے برابر فائر کئے جا رہا تھا۔ حمید نے قریب پہنچ کر پوزیشن دیکھی اور اب اس فائرنگ کا مقصد اس کی سمجھ میں آ گیا۔

فریدی انہیں دوڑا دوڑا کر تھکا رہا تھا۔ جب بھی وہ کسی جانب بڑھتے فریدی اسی رخ ان سے کچھ دور فائر کر کے ان کا منہ پھیر دیتا۔ وہ دوسری طرف بھاگتے اور ادھر بھی ان کا یہی حشر ہوتا۔ ان میں سے ایک کا تو یہ حال تھا کہ گر گر پڑتا تھا۔ اسی طرح وہ دونوں ہیلی کوپٹر سے کافی دور نکل آئے تھے۔

''تم ہیلی کوپٹر کو تباہ کرنا چاہتے تھے۔'' فریدی نے حمید سے پوچھا۔

''یقیناً.....!''

''تمہارے پاس صرف دو بم ہیں۔ میں تمہاری مہارت دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''تباہ کر دوں.....؟''

''ہاں..... کیونکہ میں کچھ دیر اس مردود کے رقص سے لطف اندوز ہونا چاہتا ہوں۔''

حمید کا پھینکا ہوا پہلا ہی بم ٹھیک نشانے پر بیٹھا۔

مونا تھر تھر کانپ رہی تھی۔ لیکن اس وقت شاید وہ دونوں ہی اُسے بھولے ہوئے تھے۔

فردوہ گھسٹتی ہوئی گاڑی تک گئی اور اس سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

ادھر ہیلی کوپٹر سے دھوئیں کے مرغولے اٹھ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد ایک دھماکہ اور ہوا۔ پہلے دھماکے سے کہیں زیادہ زوردار تھا۔ غالباً اس کا آئیل ٹینک پھٹا تھا۔

نیچے پناہ تلاش کرنے والے اوندھے منہ زمین پر گر گئے تھے۔

حمید نے دوربین کے شیشے ایڈجسٹ کئے اور ان دونوں کو دیکھتا رہا۔ دفعتاً ان میں سے کہنیاں ٹیک کر اٹھتا ہوا نظر آیا۔

''اوہ..... اس کے چہرے پر تو خاکی نقاب ہے۔'' حمید بڑبڑایا۔

''صرف آنکھوں کی جگہ دو سوراخ ہیں۔ بقیہ چہرہ بالکل چھپا ہوا ہے۔''

''اسی لئے مجھے افسوس ہوتا اگر تم میرے پہنچنے سے قبل ہیلی کوپٹر کو تباہ کر دیتے۔'' فریدی نے کہا۔

''تو آپ جانتے تھے کہ وہ ہیلی کوپٹر میں موجود ہے۔''

''گمان غالب تھا کہ اس بار یہی ہوگا۔ اس کے تحت کام کرنے والے تو لڑکی پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے تھے اور وہ پھر نکل بھاگنے کی فکر میں ہے۔''

فریدی نے خاموش ہو کر فائر کئے لیکن اس بار بھی گولیاں اس سے کچھ دور ہٹ کر پڑی تھیں۔ وہ بوکھلا کر دوسری طرف مڑا اور پھر گر پڑا۔

دوسرا آدمی تو پہلے جہاں گرا تھا وہاں سے جنبش بھی نہیں کر سکا تھا۔

''کیا دوسرا مر ہی گیا۔''

''ہو سکتا ہے۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ ''ہیلی کوپٹر کے ٹکڑے دور دور تک پھیلے تھے۔''

''وہ پھر اٹھ رہا ہے۔'' حمید نے آنکھوں سے دوربین لگائے ہوئے کہا۔

''میں دیکھ رہا ہوں۔'' فریدی نے کہا اور ٹریگر پھر کھینچ دیا۔ کئی گولیاں نقاب پوش کے قریب ہی گریں اور وہ دوبارہ زمین سے چپک گیا۔

''کب تک یہ کھیل جاری رہے گا۔'' حمید نے کہا۔

''فکر نہ کرو۔ مونا کو ہوش میں لانے کی کوشش کرو۔ کئی دھماکے سنے ہیں اس لئے بہری ہوگئی ہے۔''

اب حمید کو مونا یاد آئی اور وہ گاڑی کی طرف مڑا۔ مونا کے ہاتھ ادھر اُدھر پھیلے ہوئے تھے اور وہ گاڑی سے ٹکی نیم دراز تھی۔ آنکھیں بند تھیں اور دانت اتنی سختی سے بھنچے ہوئے تھے کہ جبڑوں کی رگیں ابھری ہوئی سی معلوم ہوتی تھیں۔

لیکن وہ اُسے ہوش میں کیسے لاتا۔ منہ پر چھینٹے دینے کے لئے پانی تک تو تھا نہیں۔ پھر احمقوں کی طرح شانہ ہلا کر اُسے آوازیں دیتا رہا۔

فریدی نے اس دوران میں مزید دو بارہ فائر کئے تھے۔

''میں اسے کس طرح ہوش میں لاؤں.....!'' حمید کچھ دیر بعد منمنایا۔

''اور میں یہ سوچ رہا ہوں کہ یہ مردود..... کہیں پھر نہ نکل بھاگے۔''

''کیا مطلب.....!'' حمید چونک کر بولا۔ ''اور کیا پہلے بھی کبھی بھاگا تھا۔''

''کیا تمہیں یاد نہیں؟''

''کیا یاد نہیں۔''

''زیادہ دن تو نہیں گزرے حمید صاحب۔ یادداشت پر زور دو۔''

''فی الحال ذہن اس قابل نہیں۔ میں اُسے ہوش میں کیسے لاؤں۔''

''چھوڑ دو..... خود ہی ہوش میں آئے گی۔''

حمید پھر اس چٹان کی طرف پلٹ آیا جس کی دراڑ سے وہ دوسری طرف دیکھ سکتا تھا۔ دوربین آنکھوں کے قریب آئی۔

''اوہو..... کیا یہ بھی چل بسا۔'' اس نے کہا۔

''ہاں..... دیر سے نہیں اٹھا۔'' فریدی بولا۔ ''غالباً سمجھ گیا ہے کہ حملہ آور اُسے ہلاک نہیں کرنا چاہتا۔''

''تو پھر.....؟''

''مسلح بھی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حربہ دور تک مارنے والا نہیں ہوسکتا۔''

''یہ کس بناء پر کہہ سکتے ہیں آپ.....!''

''اگر یہ بات نہ ہوتی تو کچھ نہ کچھ میگزین اس نے بھی ضائع کیا ہوتا۔''

''ارے تو ہاتھ کیسے آئے گا۔''

''جاؤ پکڑ لاؤ..... سر ڈالے اوندھا پڑا ہوا ہے۔'' فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔

''اوہ..... تو اس کا یہ مطلب کہ ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ جب ہم قریب پہنچیں گے تو اچانک فائرنگ شروع کر دے گا۔''

''سوچے جاؤ بچوں کی طرح۔ ایک لڑکی کے ساتھ سفر کرتے رہے ہو نا.....!''

''سفر زندگی کی ابتداء بھی ایک لڑکی ہی کی وجہ سے ہوئی تھی۔''

''اچھا برخوردار بس یہ بات یہیں ختم کر دو۔ ورنہ تم یہ بھول جاؤ گے کہ کہاں ہو۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ بُرا سا منہ بنائے ہوئے نشیب میں دوربین کو گردش دیتا رہا۔

ملزم بے حس و حرکت اوندھا پڑا تھا۔ حمید نے سوچا ممکن ہے آخری بار فریدی کا ہاتھ بہک گیا ہو۔ گولیاں اُسے چھلنی کر گئی ہوں۔ اس نے تھوڑی دیر بعد اپنے اس خیال کا اظہار بھی کر دیا۔

''ہوں..... تو دیکھو.....!'' فریدی نے کہا اور پھر ٹریگر دبا دیا۔

''اوہو.....!'' بیساختہ حمید کے منہ سے نکلا۔ کیونکہ اس نے اُسے اچھل کر دوسری طرف جاپڑتے دیکھا تھا۔

''پھر اس نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔''

''گڈ.....!'' فریدی پراطمینان لہجے میں بولا۔

''اب اسے کور کئے ہوئے نیچے اتر چلئے۔'' حمید نے کہا۔

"قطعی احمقانہ بات ہے حمید صاحب۔ وہ سمجھ چکا ہے کہ میں اُسے زندہ گرفتار کرنا چاہتا ہوں۔"

"اتنا محتاط میں نے آپ کو کبھی نہیں دیکھا۔"

"بہت دنوں سرگرداں رہنا پڑا ہے اس کے لئے۔ اور بڑی مشکلوں سے آج اسے اس کی کمین گاہ سے باہر نکالنے میں کامیاب ہوا ہوں۔ خیر تم دیکھو۔ گاڑی کا لاؤڈ اسپیکر ٹیسٹ کرو۔ مائیک سے کافی لمبا تار اٹیچ ہے۔ اُسے یہاں تک لاؤ..... جلدی کرو۔"

حمید پھر گاڑی کی طرف بڑھا۔ اس نے دیکھا کہ مونا نے بھی ٹھیک اسی وقت کراہ کر اپنے پیروں کو جنبش دی تھی۔

"مونا.....!" حمید نے اس کا شانہ ہلا کر آواز دی اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"اٹھو..... ہم نے اُسے گھیر لیا ہے۔" حمید نے اس سے کہا۔

"کسے گھیر لیا ہے.....؟" وہ نقاہت آمیز لہجے میں بولی۔

"مجرم کو..... اصل مجرم کو..... وہی نقاب پوش؟"

"خدایا! ڈیڈی مر گئے ہوں..... مر گئے ہوں۔ میرے ڈیڈی۔ اے میرے اللہ..... یہ میری آخری دُعا ہے۔ پھر کبھی کوئی دعا نہیں مانگوں گی۔ اسے قبول کر میرے مالک۔"

"مونا.....مونا.....!" حمید نے اُسے جھنجھوڑ کر آواز دی۔

"مائیک.....!" چٹان کے قریب سے فریدی غرایا اور حمید بوکھلا کر گاڑی میں گھس گیا۔

کچھ دیر بعد مائیک فریدی کے ہاتھ میں تھا اور وہ نقاب پوش کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔

"اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے اوپر چلے آؤ..... آخری وارننگ.....!"

حمید پھر مونا کی طرف پلٹ آیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کیا اس لڑکی کا ذہنی توازن ڈانوا ڈول ہے۔

"مونا دیکھو..... میرے چیف نے اُسے جکڑ لیا۔" حمید نے ایک بار پھر اس کا شانہ ہلا کر کہا۔ مونا نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ آنکھوں سے اس طرح آنسو ابل رہے تھے جیسے کسی ندی کا بند ٹوٹ گیا ہو۔

"تمہیں خوش ہونا چاہئے..... تمہیں خوش ہونا چاہئے۔" حمید نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"میں خوش ہو جاؤں گی..... تم بھی دعا کرو کہ ڈیڈی مر گئے ہوں؟"

"آخر کیوں.....؟"

دفعتاً فریدی کی آواز پھر پہاڑیوں میں گونجی۔

"اٹھو..... ورنہ پرخچے اڑ جائیں گے۔"

حمید اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ مونا بھی اُدھر ہی دیکھنے لگی تھی۔

"نہیں..... دونوں ہاتھ بھی اوپر اٹھاؤ.....!" فریدی کی آواز پھر چٹان سے ٹکرائی۔

"دیکھو..... شاید اب وہ اوپر آ رہا ہے۔" حمید نے مونا سے کہا۔

"اور اب ڈیڈی کی گردن شرم سے جھک جائے گی۔ وہ ان کے بارے میں بھی سب کچھ نادے گا۔ یا خدا..... ڈیڈی مر گئے ہوں..... مر گئے ہوں۔"

"حمید میرے پاس آؤ.....!" فریدی نے مائیک سے منہ ہٹا کر کہا۔

"اسے سنبھالو.....!" اس نے ٹامی گن اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ حمید دراڑ سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے ٹامی گن فریدی سے لے کر اس کا رخ اس طرف کر دیا۔ نقاب پوش دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے ہوئے ڈھلان پر چڑھا آ رہا تھا۔ کبھی کبھی اس کے قدم لڑکھڑاتے لیکن وہ ہاتھوں کو نیچے گرائے بغیر ہی سنبھلنے کی کوشش کرتا۔

"ہوشیاری سے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور چٹان کے اس سرے کی طرف چلا گیا جدھر سے گزر کر آنے والا ان تک پہنچتا۔

جیسے ہی آنے والے نے اس سطح پر قدم رکھا جہاں وہ کھڑے ہوئے تھے فریدی نے بڑی پھرتی سے اُس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔

"میں اپنی شکست تسلیم کرنے نہیں آیا۔" حمید نے اس کی غراہٹ سنی اور چونک پڑا۔ کان آشنا سے معلوم ہوئے۔ کہاں اور کب سنی تھی یہ آواز..... اس نے ٹامی گن کا رخ اس کی طرف کرتے ہوئے سوچا۔

نقاب پوش کے دونوں ہاتھ فریدی کی گرفت میں تھے اور وہ انہیں چھڑا لینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔

''نہیں ..... چھچھورے ناول نویس..... اس بار ناممکن ہے؟''

فریدی نے زہریلی سی ہنسی کے ساتھ کہا اور حمید بیساختہ اچھل پڑا۔ اب اسے یاد آیا کہ اسے یہ آواز جانی پہچانی سی کیوں محسوس ہوئی تھی۔

تو یہ قلندر بیابانی[1] ! وہ جو ایک بار فریدی کی گرفت میں آ کر نکل گیا تھا۔ حمید پہلے سے بھی زیادہ الرٹ ہو گیا۔

پھر دفعتاً مونا کے حلق سے ڈری ڈری سے آوازیں نکلنے لگیں۔

نقاب پوش فریدی کو ہلائے ڈال رہا تھا لیکن اپنے ہاتھ اس کی گرفت سے کسی طرح بھی آزاد نہ کرا سکا۔

''حمید اس کی جامہ تلاشی لو.....!'' فریدی نے کہا۔

اور حمید ٹامی گن ایک طرف ڈال کر اس کی طرف بڑھا۔ تلاشی بھی لے ڈالی۔ لیکن اس کے پاس سے ایک بہت بڑے چاقو کے علاوہ اور کچھ بھی نہ برآمد ہو سکا۔ چاقو پر نظر پڑتے ہی مونا کی چیخیں پہلے سے بھی زیادہ تیز ہو گئیں۔ بس ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس پر چیخنے کا دورہ پڑ گیا ہو۔

''اب میری دائیں جیب سے ہتھکڑیاں نکالو.....!'' فریدی نے پھر حمید کو مخاطب کیا۔

حمید نے ہتھکڑیاں تو نکال لیں لیکن انہیں قلندر کے ہاتھوں میں نہ ڈال سکا۔ کیونکہ ہاتھ چھڑانے کے لئے جدوجہد میں پہلے سے بھی زیادہ تیزی آ گئی تھی۔

پھر حمید پر جھلاہٹ کا دورہ پڑا..... اس نے ہتھکڑیاں زمین پر ڈال دیں اور جھپٹ کر ٹامی گن اٹھائی اور اس کے بٹ سے تین چار گہری ضربیں قلندر کی گدی پر لگائیں۔ فریدی ہاں ہاں ہی کرتا رہ گیا۔

قلندر کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے اور وہ لہرا کر ڈھیر ہو گیا۔ پھر حمید نے اس کی پرواہ کئے

[1] اس کہانی کے لئے ساتواں جزیرہ اور شیطانی جھیل جلد نمبر 31 ملاحظہ فرمائیے۔

بغیر فریدی اُسے بُرا بھلا کہہ رہا ہے بیہوش ملزم کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں۔

''یہ تم نے کیا کیا.....؟'' فریدی کی آواز غصیلی تھی۔

''مت بور کیجئے مجھے۔ اپنے اصول اپنے پاس رکھئے۔ اگر کچھ دیر پہلے اس کا پھینکا ہوا بم گاڑی پر پڑا ہوتا تو کیا میں اس وقت تبلیغ اخلاق کے کسی جلسے کی صدارت کر رہا ہوتا۔''

غصے میں بگڑی ہوئی حمید کی صورت دیکھ کر فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

اب وہاں رکھا ہی کیا تھا۔ ہیلی کوپٹر کے پرخچے اڑ چکے تھے۔ قلندر کا ساتھی سچ مچ مر چکا اس طیارے کا بھی اب کہیں پتہ نہ تھا جس سے فریدی بذریعہ پیراشوٹ وہاں اُترا تھا۔

مونا اب بالکل خاموش تھی۔ اس کی آنکھوں میں خوف اور استعجاب کی ملی جلی کیفیت پائی تھی۔

خوش قسمتی سے گاڑی میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوئی تھی۔ وہ دونوں اُسے دھکیلتے ہوئے پر چڑھا لے گئے۔

قلندر کو رام گڈھ پہنچنے سے پہلے ہی ہوش آ گیا تھا۔ لیکن وہ بھی خاموش ہی بیٹھا رہا۔ حمید کا خیال تھا کہ ہوش آتے ہی وہ گاڑی سے چھلانگ لگا دینے کی کوشش کرے گا۔

''تمہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔'' فریدی نے قلندر سے پوچھا۔

''نہیں شکریہ۔ صرف میرے چہرے سے نقاب ہٹا دو۔ اب اس کی ضرورت نہیں۔''

فریدی نے خاکی کپڑے کا وہ خول کھینچ لیا جو اس کے چہرے پر منڈھا ہوا تھا۔ مونا جو اگلی سیٹ پر حمید کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

قلندر نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی اور بولا۔ ''میرا کھیل ختم ہو چکا ہے۔ کرنل فریدی تم میرے توسط سے میرے گروہ کے کسی آدمی پر ہاتھ نہیں ڈال سکو گے۔ میں نہیں ان میں سے کسی کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔''

''وہ خود ہی آ آ کر سب کچھ بتا دیں گے۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔ وہ تم سے خائف ہیں اور ڈرتے ہیں۔''

''یہ غلط ہے۔وہ مجھ سے خائف تو ہو سکتے ہیں لیکن متنفر نہیں۔''

''پھر ایسے آدمی تو میں پیش کر سکتا ہوں جو تم سے متنفر ہی نہیں بلکہ تمہارے خون کے پیاسے ہیں۔مثال کے طور پر تمہارا وہی لیفٹیننٹ پیش کیا جا سکتا ہے جو تمہارے لئے آپریٹ کرتا ہے۔کیا سمجھتے ہو۔وہ تمہارا آدمی ہے؟''

''اوہ.....تو کیا پولیس.....؟''

''قطعی نہیں.....اب وہ اس گروہ کیلئے بھی کام کرتا ہے جو گولڈن ایرو کے مقابل کھڑا ہوا ہے۔''

''ہوگا؟'' قلندر نے لاپروائی سے کہا۔

''اور وہ گروہ میرا ترتیب دیا ہوا ہے۔''

''نہیں.....؟'' قلندر چونک پڑا۔

''تمہیں تمہارے بل سے نکالنے کے لئے بہت کچھ کرگزرنا پڑا ہے۔''

''تمہارے علاوہ مجھے اور کسی کی پرواہ نہیں تھی۔''

''پروفیسر کا کیا قصہ تھا؟ کیا یہ بھی نہیں بتاؤ گے؟''

''سب کچھ میرے ساتھ ہی دفن ہو جائے گا۔میں کسی کے بارے میں کچھ نہ بتاؤں گا۔ اس کا مجھے اعتراف ہے کہ میں نے گولڈن ایرو کے تحت کروڑوں کا بزنس پھیلا رکھا تھا۔خواہش تھی کہ اُسے مافیا سے بھی بڑا کاروبار بنا دوں۔''

''تم نے واجد کو کیوں قتل کیا تھا.....؟''

''ہاں.....ایسے سوالات کے جوابات دے سکتا ہوں۔وہ بے ایمانی پر اتر آیا تھا۔ ایسے انہیں زندہ نہیں چھوڑتا جو بزنس کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔''

''سارہ رحمان کیوں قتل کی گئی.....؟''

''مجھے اطلاع ملی تھی کہ وہ تم سے ملنا چاہتی ہے۔واجد کے قتل کا منظر اس نے دیکھا تھا۔ مجھے شبہ تھا اس کے پاس کوئی ایسا ثبوت موجود ہے جس سے میری شخصیت پر روشنی پڑ سکے گی۔''

''اوہ وہ یقیناً تھا اس کے پاس.....!''

''کیا تھا.....؟'' قلندر نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

''تمہارے خون سے بھرے ہوئے ہاتھ کا نشان۔ایک پرانے اخبار پر۔''

''آپ کو کیسے معلوم ہوا.....؟'' حمید بے ساختہ بول پڑا۔''مونا نے آپ کو یہ بات نہیں بتائی تھی۔''

''جتنا بھی اس نے بتایا تھا اسی سے میں نے اندازہ کر لیا تھا کہ وہ مجھ تک وہی خونی نشان پہنچانا چاہتی تھی۔''

''لیکن وہ تو.....آپ تو کہہ رہے تھے کہ پرس میں کچھ بھی نہیں تھا۔''

''یہ میں نے لڑکی سے کہا تھا؟ محض یہ معلوم کرنے کے لئے کہ واقعی اس پرس کی کوئی اہمیت تھی یا نہیں۔اس نے مجھے نقاب پوش اور اس کے دستانوں کی کہانی سنائی اور میں اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ اس کے دوست کے قاتل ہی کے ہاتھ کا نشان تھا۔''

''لیکن وہ آپ کو کب ملا تھا.....!''

''پرس ہاتھ آتے ہی.....!''

''لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس وقت بھی آپ نے یہی کہا تھا کہ اس میں چند سکوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں۔''

''ہاں.....وہ اسی وقت تک کی معلومات تھیں اس کے بعد پرس کا بغور معائنہ کرنے کے بعد معلوم ہوا تھا کہ وہ دوہرے پلاسٹک سے بنایا گیا ہے۔لہٰذا میں نے اسکی دونوں تہیں الگ کر دی تھیں اور اخبار کا وہ ٹکڑا دونوں تہوں کے درمیان رکھا ہوا مل گیا تھا۔میں نے اُسے منگر پرنٹ سیکشن کے حوالے کر دیا۔پرانے ریکارڈوں سے اس کا موازنا کرنے کے بعد یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی تھی کہ وہ قلندر بیابانی کے علاوہ اور کسی کے ہاتھ کا نشان نہیں ہو سکتا۔پھر جب اس نقاب پوش کی کہانی مجھ تک پہنچی تو!''

فریدی خاموش ہو گیا۔قلندر آنکھیں پھاڑے خلاء میں گھور رہا تھا۔

کچھ دیر بعد فریدی نے کہا۔''اور یہ بھی سن لو کہ اس وقت میں نے تمہیں کیونکر گھیرا تھا۔

تمہارے آدمی اس لڑکی کو اغواء کر لینے کی فکر میں تھے۔ میں نے ان کی اسکیموں کو ناکام بنا دیا۔ تم جھلا گئے۔ تم نے اپنے اس لیفٹیننٹ کو سخت وست کہا جو تمہارے لئے آپریٹ کرتا تھا اور اسے ہدایت کی کہ اب لڑکی کا سراغ پانے کے بعد تمہیں اطلاع دی جائے۔ تم خود ہی اس معاملے کو دیکھو گے۔ تمہارے لیفٹیننٹ نے مجھے اس سے آگاہ کر دیا۔ میں نے لڑکی کو اس پولیس پارٹی کے پاس بھجوا دیا جو اُسے تلاش کر رہی تھی۔ تمہارے لیفٹیننٹ نے تمہیں اطلاع دی کہ وہ پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچ چکی ہے اور کیپٹن حمید اس کا بیان لے گا۔ پھر دوسری اطلاع تمہیں یہ ملی کہ میں نے کیپٹن حمید کو لڑکی سمیت دھام نگر طلب کیا ہے۔ پھر تم نے اپنے اسی لیفٹیننٹ کے توسط سے ایئر فورس کے ایک اسکوڈرن لیڈر رائیڈورڈ مائیلز سے رابطہ قائم کیا۔ مائیلو بھی اس گندے بزنس میں شریک تھا۔ کسی طرح اس نے تمہاری اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک ہیلی کوپٹر کی پرواز کا جواز پیدا کر لیا۔

''اب مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ کوئی واقعہ کیونکر ہوا۔'' قلندر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر فریدی نے کہا۔ ''تم میری گردن بھی کاٹ دینے کی فکر میں تھے؟''

''یقیناً تھا..... مجھے تمہاری بھی فکر تھی اور اس آدمی کی تلاش بھی، جس نے گولڈن ایرو کے مقابلے میں نہ صرف کاروبار کھڑا کیا تھا بلکہ گولڈن ایرو کی ملکیت پر ڈاکے بھی ڈالا کرتا تھا۔ اگر کہیں مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ کرنل فریدی کہ وہ بھی تم ہی تھے تو تم اس وقت بڑھ چڑھ کر باتیں نہ کر رہے ہوتے۔ صرف تمہیں ختم کر دینا، کتنی بڑی بات تھی۔ میری مصروفیات دو مختلف سمتوں میں بٹ گئی تھیں۔ اپنی دانست میں تنہا دو مخالف قوتوں سے جنگ کر رہا تھا۔ کاش میں نے صرف تم پر ہی دھیان دیا ہوتا۔''

''ہیئر .....ہیئر .....!'' حمید نے نعرہ لگایا۔ پھر زہریلی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔

''اسی حیرت انگیز صلاحیت کا نام تو کرنل فریدی ہے۔''

کوئی کچھ نہ بولا۔ تھوڑا سا راستہ خاموشی سے طے ہوا تھا پھر کرنل فریدی نے کہا۔ ''کیا سچ

ھے پروفیسر کے بارے میں نہ بتاؤ گے۔''

''ہرگز نہیں۔'' قلندر غرایا۔

ں تمہاری عزت کرنے پر مجبور ہوں بُرے آدمی۔ مونا روہانسی آواز میں بولی۔ ''وہ زندہ ے گے۔ انہیں سوال و جواب کی ندامت سے بچالو۔''

''انگاروں کا بستر بھی میری زبان نہیں کھلوا سکے گا۔'' قلندر نے کہا اور سختی سے اپنے بھینچ لئے۔

پھر رام گڈھ پہنچ کر انہیں اطلاع ملی کہ پروفیسر مر چکا ہے۔ ہوسکتا تھا کہ کچھ دیر کے لئے ں آنا افاقت الموت ہی رہا ہو اور یہ بھی ممکن تھا کہ اس کے جسم میں زہر انجکٹ کر دیا گیا رحال فریدی نے مشورہ دیا تھا کہ اس کی لاش کا پوسٹ مارٹم ضرور کیا جائے۔

فریدی ہی کے اختیارات خصوصی کی بناء پر ایس پی کرائمز کی گرفتاری بھی عمل میں آئی اس کے خلاف اس کے پاس بہتیرے ثبوت تھے۔

باپ کے مرنے کی خبر سن کر مونا پہلے تو روتی رہی تھی پھر حمید نے اس کے چہرے پر ایسا دیکھا تھا جیسے خود اس نے دوسری زندگی پائی ہو۔ دوسری زندگی جس میں زندگی کے ے اور مستقبل کے لئے پریشان کن خیالات نہ ہوں۔

اور پھر اس نے بالکل ہی غیر جذباتی انداز میں وہ کہانی سنائی تھی جسے اب تک چھپاتی آئی تھی۔

''ڈیڈی سارا کو بہت چاہتے تھے۔ مجھ سے بھی زیادہ اور وہ بھی اُن کا بہت خیال رکھتی فرصت کے اوقات میں ان کے لئے لیبارٹری اسسٹنٹ کے فرائض بھی انجام دیتی۔ کیمیائی تجربات کا خبط تھا۔ وہ کینسر کا علاج دریافت کرنے کی فکر میں تھے۔ کوئی ایسی دوا نا چاہتے تھے جو اس کے لئے تیر بہدف ہوتی۔ اسی سلسلے میں ایک نشیلا سفوف تیار ہو گیا۔ فوف جس کا اثر دوسری منشیات کے مقابلے میں کہیں زیادہ دیر پا ثابت ہوتا تھا۔ یہ ایک ں درجہ حرارت میں تیار ہوتا تھا۔ خشک لکڑی پر کوئی محلول چھڑکا جاتا تھا اور ایک مخصوص درجہ ت میں نمی کے ساتھ وہ لکڑی رکھی جاتی تھی۔ کچھ عرصہ بعد لکڑی کی سطح پر پھپھوندی جمنے لگتی

ہے اور اس کی سطح تیزی سے موٹی ہوتی جاتی۔ پھر اس پھپھوندی کو خشک کر کے سفوف کی شکل میں تبدیل کرلیا جاتا۔ سارہ سے حماقت یہ سرزد ہوئی کہ اس نے اس کا تذکرہ واجد سے کردیا۔ واجد نے یہ بات نقاب پوش تک پہنچائی اور بالآخر نقاب پوش نے سارہ کو اغواء کرلیا۔ ڈیڈی کی کمشدگی کی بناء پر اپنے حواس کھو بیٹھے۔ تب انہیں اسی مردود کا دھمکی آمیز خط ملا۔ اس نے لکھا تھا کہ اگر ڈیڈی نے فارمولا اسے نہ بتایا تو وہ سارہ کو قتل کردے گا۔ اس خط نے ان پر بہت برا اثر ڈالا اور ان کا نروس بریک ڈاؤن ہوگیا۔ بمشکل ان کی حالت سدھری اور وہ نقاب پوش سے اس کی بتائی ہوئی جگہ پر ملے۔ بڑی دشواریوں سے انہوں نے اسے اس پر آمادہ کیا کہ وہ اس کے لئے وہ سفوف تیار کرتے رہیں گے لیکن فارمولا نہیں بتائیں گے۔ اس طرح وہ اپنی دانست میں سارہ کی جان بچا سکے تھے۔ برقیاتی ٹمپریچر سے اتنے اعلیٰ پیمانے پر سفوف کی تیاری ناممکن تھی۔ اس کے لئے باقاعدہ طور پر کارخانہ قائم کرنا پڑتا اور بات چھپی نہ رہ سکتی۔ اس لئے اس مخصوص درجہ حرارت کے لئے رام گڈھ کا انتخاب کیا گیا۔ برف گرنے سے پہلے وہ لکڑی کے بڑے بڑے لٹھوں کو محلول سے تر کرادیتے۔ پھر ان لٹھوں پر برف گرتی اور جب برف پگھلنے لگتی تو انہیں پھر رام گڈھ آنا پڑتا۔ دو مختلف ہوٹلوں میں ان کے ٹھہرنے کا انتظام ہوتا تھا۔ ہوٹل والے سمجھتے کہ وہ موسم گرما ہی میں وہاں قیام کرتے ہیں اور فزارو والے انہیں پاگل سمجھتے کہ موسم سرما میں رام گڈھ آتے ہیں۔ یہ انتظام اسی نقاب پوش نے کیا تھا۔ رام گڈھ میں اکثر کئی کئی دن کے لئے غائب ہوجاتے۔ جب واپس آتے تو حالت بہت خراب ہوتی۔ بات یہ تھی کہ اس جگہ تک پہنچنے کا راستہ بے حد دشوار گذار تھا جہاں لکڑی کے لٹھوں پر وہ کیمیائی عمل ہوتا تھا۔ اس بار وہ بیماری سے اٹھے تھے۔ واپسی کے سفر میں نقاہت کی وجہ سے کہیں گر کر بے ہوش ہوگئے ہوں گے۔ یہ تھی میرے ڈیڈی کی بے بسی کی کہانی..... اللہ انہیں معاف کرے۔"

حمید اس لڑکی کے لئے بے حد مغموم تھا۔

شام تک فزارو پہنچنے کی نوبت آئی۔ قاسم کی نئی محبوبہ بھی حراست میں لی جاچکی تھی۔ فریدی کا یہ خیال قطعی درست ثابت ہوا تھا کہ وہ قاسم کو اسی لئے اپنے ساتھ رام گڈھ لگا لائی تھی

کہ رضیہ یا زیبا کی شناخت ہوسکے۔ ان لوگوں نے قاسم کو عورت کے میک اپ میں پہچان لیا تھا فرزانہ کی گرفتاری سے یہ بات بھی ان پر عیاں ہوگئی تھی کہ اس سارے سیٹ اپ کا بانی یہی تھا۔

قاسم نے حمید کو دیکھا اور چڑھ دوڑا۔ کچھ عجیب سی کیفیت تھی۔ غصے میں بل بھی کھا رہا تھا آنکھیں بھی ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔

"خدا غارت کرے تم لوغوں کو۔" وہ اُسے گھونسہ دکھا کر بولا۔ "اس بار میں نے خدا کا شکر کیا تھا اور تمہیں بتائے بغیر چپ چاپ یہاں چلا آیا تھا۔ لیکن سالے تم شیطان ہو۔ خبیث..... تمہیں کسی طرح پتہ چل گیا..... اے الامیاں اگر بتاؤں تو مشکل نہ بتاؤں تب بھی میرا ہی مرگ ہوجاتا ہے۔ میں سالا قیا کروں..... اب تو موت ہی دے دے..... یا پھر ان سالوں کا بالہ قرادے..... ہائے۔"

حمید نے اسی میں عافیت سمجھی کہ اب اس سے دو چار گز کے فاصلے ہی پر رہے۔

وہ زیبا کے بارے میں سوچ رہا تھا جو عجیب سی خلش اس کے ذہن میں چھوڑ گئی تھی اور جو اسے اس طرح غائب ہوئی تھی جیسے فضا میں تحلیل ہوگئی ہو۔

ختم شد

جلد نمبر
33

ابنِ صفی

جاسوسی دنیا

98- رلانے والی

99- تصویر کا دشمن



پیشرس

رلانے والی مجھے رلاتی رہی اور کتاب اس بار لیٹ ہوگئی۔ اس کتاب کے اشتہار میں آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ فریدی حمید کو دیکھ کر متحیر رہ جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ فریدی سے زیادہ حمید خود فریدی کے معاملے میں متحیر تھا۔

عمران سیریز کے ناول ''گیت اور خون'' زیادہ تر پڑھنے والوں کو پسند آیا تھا اور پسندیدگی کے اظہار کے لئے اتنے خطوط آئے تھے کہ فرداً فرداً ہر خط کا جواب لکھنا آدمی کے بس کی بات نہیں۔ اس لئے اتنے لکھے کو بہت جانئے اور میرا شکریہ قبول فرمایئے۔ دو چار خطوط میں ناپسندیدگی بھی ظاہر کی گئی تھی۔ بہرحال اُن حضرات کا بھی شکریہ۔

اسی ناول میں کہیں میں نے ''دُرِیتیم'' لکھا تھا۔ لہٰذا ایک صاحب نے اس کے معنی پوچھے ہیں ''یتیم'' کے لغوی معنی ہیں ''اکیلا''..... خاص قسم کا بڑا موتی جو صدف میں ایک ہی ہوتا ہے..... اسے ''گوہر یکدانہ'' اور ''درشہوار'' بھی کہتے ہیں۔

تنبیہہ..... درشہوار ''نام کی خواتین بھی ہوتی ہیں۔ اگر آپ نے انہیں ''دُرِیتیم'' کہنا شروع کر دیا تو نتیجے کے آپ خود ذمہ دار ہوں گے۔

جاسوسی دنیا کے پلاٹینم جوبلی نمبر کے لئے ابھی سے تقاضے شروع ہوگئے ہیں۔ مطمئن رہئے۔ پڑھنے والوں کی خواہشات کے احترام میں اس کے لئے بھی کچھ کیا جائے گا۔

ضخیم ناول ''دیو پیکر درندہ'' کا شوشہ میں نے یونہی نہیں چھوڑا تھا۔ دیگر احوال یہ ہے کہ رسائل اور اخبارات کی قیمتیں بڑھ رہی ہیں۔ کتابیں بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ آخر وہی سب کچھ تو کتابوں کی تیاری میں بھی استعمال ہوتا ہے جس کی گرانی کی بناء پر اخبارات اور رسائل کے دام بڑھائے گئے ہیں۔ فی الحال یہ حقیر پر تقصیر حالات کا مقابلہ کر رہا ہے لیکن کب تک..... ہوسکتا ہے عمران سیریز اور جاسوسی دنیا کی قیمتوں میں بھی اضافہ کرنا پڑے۔ لہٰذا کچھ خیال نہ فرمایئے گا۔

ابن صفی

۱۱/۱۰/۱۹۶۶

حیرت کے لمحات

ہائی سرکل نائٹ کلب کے ڈائننگ ہال میں مدہم سی سبز مائل روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ میزیں آباد تھیں۔ ہونٹ ہلتے نظر آتے۔ ہاتھ متحرک ہوتے لیکن ملی جلی آوازوں کا آہنگ ہلکی سی بھنبھناہٹ سے آگے نہ بڑھنے پاتا۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے جب ہلکی موسیقی ہال میں گونجتی تو پھر آوازیں بالکل ہی دب کر رہ جاتیں۔

کیپٹن حمید اپنی میز پر تنہا تھا۔

تنہا اور اداس..... تنہا اس لئے کہ ابھی شادی نہیں ہوئی تھی اور اداس اس لئے کہ شادی ہوجانے کے بعد بچے بھی ہوتے ہیں اور انہیں گھر پر چھوڑ کر خود کلب چلے آنا اس بات کی دلیل ہے کہ کلبوں میں مارے پھرنا کوئی معقول حرکت نہیں۔ لہٰذا وہ شادی کرے گا اور نہ اسے نامعقولیت کے احساس سے دوچار ہونا پڑے گا۔

تنہائی اور اداسی برحق ہے۔

اُس نے ایک طویل سانس لی اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

ایک اسپینی نغمہ لاؤڈ اسپیکر سے منتشر ہو رہا تھا۔ فضا میں ایک مانوس سی خوشبو رچی بسی تھی۔

اسی ہال میں اُس نے صدہا خوشگوار شامیں گذاریں تھیں..... تنہا بھی اور دوسروں کے ساتھ بھی..... لیکن یہ شام..... نہ جانے کیوں عجیب سی لگ رہی تھی۔

نہ اُسے کسی کا انتظار تھا اور نہ کسی خاص مقصد کے تحت یہاں آیا تھا..... نہ اداسی لائی تھی اور نہ تنہائی۔ اداس تو وہ یہاں پہنچ کر ہو گیا تھا۔

اس نامعلوم سی اداسی کا دورہ اکثر پڑتا تھا۔ اب اس وقت اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس تاثر کو ذہن سے جھٹک دینے کے لئے کیا کیا جائے۔

دفعتاً کلب کے منیجر پر نظر پڑی جو اُسی کی طرف آ رہا تھا۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور آنکھیں پرتپاک انداز میں چمک رہی تھیں۔

''میری خوش قسمتی ہے جناب کہ آپ کبھی کبھی تشریف لاتے رہتے ہیں۔'' اس نے قریب پہنچ کر کہا۔ ''بقول شاعر۔''

''ایک منٹ.....!'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''شعر سنائے بغیر بھی تم مقصد بیان کر سکتے ہو۔''

''جی ہاں..... جی ہاں۔'' وہ دانت نکالے ہوئے بیٹھ گیا۔

''ہوں..... کیا بات ہے؟'' حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میں دراصل یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ عاقر قرحا کسے کہتے ہیں۔''

''ہوش میں ہو یا نہیں۔'' حمید آنکھیں نکال کر بولا۔ ''میں کوئی موٹر مکینک ہوں۔''

اس پر وہ ہنسی کے مارے دوہرا ہو گیا۔

حمید اُسے شرارت آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا پلکیں جھپکاتا رہا۔ کچھ دیر ہنسی پر قابو پانے میں لگی۔ پھر وہ ہانپتا ہوا بولا۔ ''ارے جناب! بھلا اس کا موٹر یا اس کے میکنزم سے کیا سروکار..... یہ تو ایک حکیم صاحب کے لکھے ہوئے نسخے کی چیز ہے۔''

''اوہ.....!'' حمید نے ایسا منہ بنایا جیسے اپنی غلط فہمی پر نادم بھی ہو اور جھلاہٹ میں بھی مبتلا ہو گیا ہو۔

''کئی دن سے ایک نچلی ڈاڑھ میں تکلیف ہے؟'' منیجر نے بسور کر کہا۔

''لاحول ولا قوۃ.....!''

''جی.....!'' وہ چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

''ڈاڑھ.....!'' حمید کے لہجے میں حقارت تھی۔ ''تم خود کو شاعر کہتے ہو۔''

''کک..... کیوں.....!''

''ایسے کریہہ الصوت الفاظ تمہاری زبان سے ادا کیسے ہوتے ہیں۔''

''واہ جناب..... تو پھر ڈاڑھ کو کیا کہوں۔''

''مت بور کرو۔'' حمید بُرا سا منہ بناتے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

''پتہ نہیں آج آپ کا موڈ کیا ہے؟''

حمید جھنجھلا کر پلٹا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''میں آج بہت اداس ہوں۔ ہے کوئی علاج تمہارے پاس۔''

''علاج.....!'' منیجر نے قہقہہ لگایا اور پھر یک بیک سنجیدہ ہو کر دونوں ہاتھوں سے اپنا بایاں پہلو دبائے ہوئے کہا۔ ''میں بھول جاتا ہوں کہ دل کا مریض بھی ہوں اور مجھے اتنے زور سے نہ ہنسنا چاہئے۔''

''کاش تم کچھ دیر اور اسی طرح ہنستے رہتے۔''

''تو آپ چاہتے ہیں کہ میں مر جاؤں۔''

''اکثر بیویاں اپنے شوہروں سے ایسے سوالات کرتی ہیں۔''

''اچھی بات ہے۔'' منیجر اٹھتا ہوا بولا۔ ''میں تو نیکی کرنے آیا تھا..... یہاں ..... یہ بقول شاعر..... ہونہہ.....!''

''بیٹھ جاؤ.....!'' حمید نے اس کا ہاتھ پکڑ کر تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''نہیں صاحب! میں تو دشمن ہوں..... بقول.....!''

''شعر اب بھی نہیں سنوں گا.....!'' حمید نے اس کی کلائی پر اپنی گرفت مضبوط کرتے

ہوئے کہا۔

''نہیں صاحب! میرے پاس وقت نہیں ہے۔'' منیجر نے کلائی چھڑانے کیلئے زور لگایا۔

''ٹوٹ جائے گی۔'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''لاحول ولا قوۃ۔'' منیجر نے جھینپے ہوئے لہجے میں کہا اور اس طرح ادھر اُدھر دیکھنے لگا جیسے اندازہ کرنا چاہتا ہو کہ کسی نے اس کو اس حال میں دیکھا تو نہیں۔ کچھ دیر بعد اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''براہِ کرم ہاتھ چھوڑ دیجئے۔ میں نہیں اٹھوں گا۔''

''یہ لو.....!'' حمید نے ہاتھ چھوڑتے ہوئے کہا۔ ''اور موڈ ٹھیک ہونے کے لئے صرف دو منٹ دے سکتا ہوں..... تم نہیں جانتے کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ ملحوظ خاطر رہے کہ اگر محبوب سے چھیڑ چھاڑ بھی نہ ہوتی رہے تو پھر محبت کا فائدہ ہی کیا..... بقول شاعر.....!''

منیجر بے بسی سے ہنس پڑا۔

اب ہال میں ایک طربیہ نغمہ گونج رہا تھا۔

قریب کی میز سے تازہ کافی کی بھاپ حمید کے نتھنوں تک پہنچی اور اس نے منیجر کا ہاتھ سہلاتے ہوئے کہا۔ ''تو آج کل نیس کافی چل رہی ہے۔ لیکن یہ امپورٹ تو ہوتی نہیں۔''

''ہرگز نہیں جناب۔ ہم پولسن کے علاوہ اور کوئی برانڈ نہیں استعمال کرتے۔''

''کرتے ہو بھی تو کیا..... جسے ہم چاہیں.....!'' حمید جملہ پورا کرنے کی بجائے صرف بائیں آنکھ دبا کر رہ گیا۔

''مجھے آپ کی دوستی پر فخر ہے جناب..... لیکن معاف کیجئے گا آپ حضرات نے اس کرائم رپورٹر کو بہت سر چڑھا رکھا ہے۔''

''انور کی بات کر رہے ہو۔''

''جی ہاں۔'' منیجر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ ''وہ حضرت مجھے بلیک میل کرنے کی کوشش فرماتے ہیں۔''

''ایک شکایت لکھ کر میرے حوالے کرو۔ کل ہی بند کرائے دیتا ہوں۔''

''خیر ہٹائیے..... میں نہیں چاہتا کہ بات اس حد تک بھی بڑھے۔''

''تمہاری مرضی۔''

''کیا میں آپ کے لئے کافی منگواؤں۔'' منیجر نے کچھ دیر خاموش رہ کر پوچھا۔

''نہیں میں جنجر پیوں گا۔ جب بھی معدہ چوپٹ ہوتا ہے تنہائی کے احساس کے ساتھ ہی اداسی بھی بڑھ جاتی ہے۔''

''جواب نہیں ہے آپ کا بھی۔ خیر چھوڑیئے۔ جس طرح آپ حق دوستی ادا کرتے ہیں اسی طرح اس وقت میں بھی اپنے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔''

''یعنی..... تم مجھے ایک بوتل جنجر پلا کر سبکدوش ہو جاؤ گے۔'' حمید نے آنکھیں نکالیں۔

''سمجھنے کی کوشش کیجئے۔'' منیجر بے حد سنجیدہ ہو کر بولا۔

حمید نے حیرت ظاہر کرنے کے لئے جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں اور استفہامیہ انداز میں اُسے دیکھتا رہا۔

''کل یہاں ایک حیرت انگیز منظر دیکھنے میں آیا۔'' منیجر حمید کی طرف دیکھے بغیر بولا۔

حمید نے پھر کچھ نہ کہا۔ منیجر نے خاموش ہو کر اُس کی آنکھوں میں غالباً اپنے جملے کا ردِعمل پڑھنے کی کوشش کی تھی۔

اب حمید سر جھکائے اپنے پائپ کو اس طرح سہلا رہا تھا جیسے وہ پھدک کر اخلاقاً منیجر کی گود میں جا بیٹھے گا۔

''اور وہ منظر.....!'' منیجر کچھ دیر بعد بولا۔ ''خدا کی قسم میرے لئے تو بے حد حیرت انگیز تھا کیونکہ اس سے پہلے میں نے کبھی انہیں ایسی حالت میں نہیں دیکھا۔''

''کیا ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر بانگ دے رہے تھے۔''

''اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز..... ارے وہ ایک عورت کی آنکھوں میں ایسی محبت سے دیکھ رہے تھے کہ میں نے سوچا کاش میں بھی عورت ہوتا۔''

''کسی نے ہوائی چھوڑی ہوگی۔'' حمید بے اعتباری سے ہنسا۔

''قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔''

حمید جانتا تھا کہ وہ قسمیں کھانے کا عادی نہیں لہٰذا اُسے سنبھل کر بیٹھ جانا پڑا۔

''لیکن اتنی خوبصورت عورت بھی میں نے آج تک نہیں دیکھی۔''

''تمہیں یقین ہے۔''

''کاش میں اُس کے حسن کے بارے میں الفاظ کے انتخاب پر قادر ہوتا۔'' منیجر نے ٹھنڈی سانس لی۔

حمید نے پائپ سلگا کر جلدی جلدی دو تین کش لئے اور پھر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''لیکن میں نے دیکھا ہے کہ وہ بھی ایک سحر زدہ کی طرح کرنل کے بازوؤں میں آ گئی تھی۔''

''تم اُونگھ تو نہیں رہے۔'' حمید نے پھر آنکھیں نکالیں۔

''یا خدا..... اگر میں جھوٹ بول رہا ہوں تو مجھے غارت کر دے۔''

''اچھا..... اٹھو..... چلو اپنے آفس میں چلو۔'' حمید اُس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بڑے پیار سے بولا۔

منیجر کے چہرے پر کچھ ایسی سنجیدگی طاری تھی جیسے وہ اس انکشاف کے بعد دنیا کی اہم ترین شخصیت بن گیا ہو۔

وہ آفس میں آئے..... یہاں اُن کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ منیجر کی حالت میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ بھنویں آنکھوں پر جھکی آ رہی تھیں اور ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔ حمید اسکی طرف ایک بار سے زیادہ دیکھنے کی ہمت نہ کر سکا۔ اُس کے چہرے کی کسی نئی تبدیلی پر پتہ نہیں کب ہنسی آ جائے۔

''آپ کو یقین نہیں آ رہا۔'' وہ تھوڑی دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''مجھے بھی اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا تھا۔ لیکن حقیقت بہر حال حقیقت ہے۔ اُسے کسی طرح بھی جھٹلایا نہیں جا سکتا۔''

''میں جانتا ہوں کہ تم جھوٹ نہیں بولتے لیکن حیرت کا اظہار تو مجھے بھی کرنا ہی پڑا تھا۔''

''کیا چہرہ تھا..... کیا آنکھیں تھیں..... ہائے وہ ہونٹ تو بھلائے نہیں بھولتے۔ یاقوت کے تراشے تھے۔ بقول شاعر..... پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے۔''

''اب بس کرو..... آج بب بھی باندھ کر نہیں آیا..... رال ٹپکنے لگی تو کوٹ کا ستیاناس ہو جائے۔!'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

''وہ ایسی ہی تھی کپتان صاحب..... لیکن جب کرنل صاحب نے اس سے رقص کے لئے درخواست کی تھی تو ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ اُن مقناطیسی بانہوں میں کسی ہلکی پھلکی سوئی کی طرح کھنچی چلی آئی ہو..... پھر رقص شروع ہوا تھا۔ کرنل ہولے ہولے کچھ کہہ رہے تھے اور وہ خواب گوں آنکھوں سے اُن کا چہرہ تکے جا رہی تھی۔ خود اُس کے ہونٹ ساکت تھے اور مجھے اُس کے دل کی دھڑکن بہت فاصلے سے بھی محسوس ہو رہی تھی۔''

''مجھ سے زیادہ خوش قسمت ہو۔ مجھے تو بعض اوقات اپنے ہی دل کی دھڑکنیں بھی محسوس نہیں ہوتیں۔''

''اڑا لیجئے مذاق.....!'' منیجر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''اُسے آپ نے دیکھا ہی نہیں ورنہ آپ بھی اس وقت کہیں اور ہوتے۔''

''خیر ہاں تو پھر کیا ہوا.....؟''

''اُدھر وہ دونوں نغمے کی لہروں میں بہے جا رہے تھے اور ادھر ایک آدمی بُری طرح بیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اُس نے کئی فورک توڑ ڈالے کئی چھریاں موڑ دیں۔ کئی پلیٹیں مکے مار مار کر توڑ ڈالیں..... سنگ مرمر کی میز پر گھونسہ مارا وہ بیچ سے دو ٹکڑے ہو گئی..... پھر مجھے کھانے دوڑا تھا۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔ کون تھا وہ.....!''

''خان وجاہت..... نجم الدولہ کے صاحبزادے۔''

''یہ کن جانوروں کی بات کر رہے ہو۔ میں اس نسل سے واقف نہیں ہوں۔''

''نجم الدولہ کو نہیں جانتے..... کئی آئرن فیکٹریوں کے مالک..... جنہیں لوہے کا خبط

ہے۔لڑکے کا نام فولاد خان رکھا تھا.....سنتا ہوں بیگم صاحبہ نے وجاہت کہنا شروع کر دیا تھا۔ اس پر تین سال تک ان کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ خاندانی لوگ ہیں.....نوابی گئی تو سرمایہ داری اختیار کی۔ بہرحال اب ہیں تو بنئے ہی لیکن اکڑفوں وہی ہے.....صاحبزادے پانچ چھ سال ٹیکساس میں رہ کر آئے ہیں تو معلوم ہوتا ہے جیسے پیدا بھی وہیں ہوئے ہوں.....اردو بھی امریکی لہجے میں بولتے ہیں۔ بات بات پر ایسا منہ بنائیں گے جیسے کسی نے گالی دے دی ہو۔ مگر ہے جناب طاقتور.....میز پر ایک ہی گھونسہ مارا تھا کہ بیچ سے دو ٹکڑے ہوگئی۔''

''تو وہ کیوں تاؤ کھاتا رہا تھا۔''

''عورت دراصل اُسی کے ساتھ تھی۔ کرنل نے اُس کی پرواہ کئے بغیر رقص کے لئے اس کی طرف ہاتھ بڑھائے تھے.....اور وہ اُن کے بازوؤں میں کھنچی چلی گئی تھی۔''

حمید کی بھنویں تن گئی تھیں اور وہ بجھا ہوا پائپ سلگانے لگا تھا۔

''پھر میں نے خان وجاہت کو بڑی بڑی قسمیں کھاتے سنا تھا.....شائد کرنل صاحب کو پہچانتا نہیں.....اس لئے کہہ رہا تھا وہ کوئی بھی ہو میں اُسے جان سے مار دوں گا۔''

''اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ راؤنڈ ختم ہونے کے بعد کیا ہوا تھا۔'' حمید نے اکتا کر کہا۔

''پھر وہ رقص کرنے والوں کی بھیڑ سے تنہا واپس آتی دکھائی دی تھی۔کرنل صاحب تو کہیں نظر نہ پڑے تھے۔''

''تم بتانا کیا چاہتے ہو.....؟''

''کمال ہوگیا.....آپ ابھی تک سمجھے ہی نہیں۔''

''میں کچھ نہیں سمجھا۔''

''کیا.....؟'' حمید نے آنکھیں نکالیں۔

''کیا میں ہر ایک کی دم سے بندھا پھرتا ہوں۔''

''میرا خیال ہے کہ تم بھی اُس عورت میں دلچسپی لیتے رہے ہو ورنہ اس کے بارے میں اتنی تفصیل سے کیسے بتا سکتے۔ یہ ضروری تو نہیں کہ تم ہر وقت ڈائننگ ہال یا ریکریئیشن ہال کے

چکر لگاتے پھرو۔''

''یہ سراسر اتہام ہے۔''

''بقول شاعر.....!'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

''آپ کی آنکھوں میں مروت نہیں ہے۔'' منیجر اتنی دیر میں غصے سے ہانپنے لگا تھا۔

''خیر میں تو معلوم ہی کرلوں گا کہ چکر کیا ہے.....پھر دیکھنا۔''

''کیا دیکھوں گا.....؟''

''کچھ نہیں۔'' حمید نے کہا اور آفس سے باہر نکل آیا۔

منیجر سے ملی ہوئی اطلاع دلچسپ بھی تھی اور تشویش ناک بھی.....اس کا خیال تھا کہ کبھی نہ کبھی آتش فشاں سے لاوا ضرور پھٹے گا۔فطرت سے کب تک جنگ جاری رکھی جاسکتی ہے۔

وہ عجیب سی بے چینی میں مبتلا ہوگیا تھا۔ایک بے نام سی خلش.....لاحول ولا قوۃ.....

اُس نے سوچا.....بھلا اُسے کیا؟

فریدی صاحب بھی آدمی ہیں.....محاورۃً لوہے کے بنے ہوں گے،لیکن رگوں میں تو خون دوڑ رہا ہے اور دل بھی محاورۃً ہی پتھر کا ہوسکتا ہے لیکن اس کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ دوسروں کی محبوباؤں پر ہاتھ ڈالتے پھریں گے۔

لیکن آخر وہ عورت کیسی ہوسکتی ہے جس نے ایسے ثقہ آدمی کو اس بے راہ روی پر مجبور کردیا۔

منیجر کم از کم اُس سے اس کے بارے میں جھوٹ نہیں بول سکتا۔

لاحول ولا قوۃ.....اس نے ایک بار پھر اپنے ذہن کو جھٹکارنے کی کوشش کی۔ بھلا اُسے کیا؟ ہوگا کچھ.....!

بوریت بڑھتی جارہی تھی۔

اُس نے سوچا کیوں نہ قاسم کو بلالیا جائے۔اس کے ساتھ وقت بہرحال اچھا کٹتا ہے۔

کاؤنٹر سے اُسے فون کیا۔گھر ہی پر موجود تھا لیکن چھوٹتے ہی بولا۔

''میں اس وقت نہیں آ سکتا۔''

''آخر کیوں.....؟''

''میری بیگم ایک استانی سے ایمبرائیڈری کا کام سیکھ رہی ہیں۔''

''بیگم سیکھ رہی ہیں نا.....تم چلے آؤ۔''

''نہیں میں دیکھ رہا ہوں.....کہیں الٹا سیدھا نہ سکھا دے۔''

''کیسی ہے.....؟''

''لاحول ولا کوت.....سالے ہمیشہ گندی بات سوچو گے۔''

''ضرور تمہارے معیار کی ہے تبھی.....!''

''اچھا بس.....!'' دوسری طرف سے جھلائی ہوئی سی آواز آئی اور سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

حمید نے بھی ریسیور رکھ دیا.....وہ سوچ رہا تھا.....عورت.....عورت ہر طرف عورت ..... چہار جانب اسی کے تذکرے.....لعنت ہے.....اور تو اور.....میں خود بھی.....تو کیا اب میں خود اپنے ہی سر پر جوتے لگاؤں۔ ارے حد ہوگئی..... یہ بوڑھے.....عورتوں کی بے راہ روی کا تذکرہ تو منہ بگاڑ کر کریں گے لیکن تفصیل کے ساتھ.....رال ٹپکاتی ہوئی آنکھیں اس وقت دیکھنے کے قابل ہوتی ہیں جب وہ اُن کے چست لباس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ہونٹوں میں تو تنفر آمیز کھنچاؤ ہوتا ہے لیکن آنکھیں بھیک مانگتی نظر آتی ہیں اور پھر آخر تفصیل میں جانے کی کیا ضرورت ہوتی ہے۔ کیا اتنا کہہ دینا کافی نہیں ہوتا کہ آج کل کی عورت خود نمائی کے سلسلے میں سخت نامعقولیت کا ثبوت دے رہی ہے.....اُوہ.....عورت.....عورت.....!

اُس نے اپنے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر جھٹکا دیا۔ کس طرح نکلے عورت ذہن سے۔ کیا ضروری ہے کہ بوڑھوں اور اُن کی ذہنی کجروی کے بارے میں سوچا ہی جائے۔ ضرور سوچا جائے گا.....کیونکہ عورت کا معاملہ ہے۔ ہزار بار لعنت.....خداوندا میں کیا کروں.....آدمی کی پسلی سے کسی حوا کی پیدائش کی کیا ضرورت تھی.....تو بڑی شان والا ہے.....صرف آدم سے ہی کام چلا لیا ہوتا۔ نہیں چلی.....عورت کے بغیر تیری بھی نہیں چلی۔

پھر اُس کا جی چاہا کہ اپنے کپڑے چیر پھاڑ کر پاگلوں کی طرح چیختا ہوا وہاں سے نکل بھاگے۔ شاید ایسا کر بھی گذرتا..... لیکن دوسرے ہی لمحے میں ایک عورت نظر آئی۔ صدر دروازے سے ہال میں داخل ہو رہی تھی۔ غیر ملکی تھی اور کسی سفید فام نسل سے تعلق رکھتی تھی۔ لیکن خدا کی پناہ.....حسن بے پناہ کی تصویر۔ حمید تو بس دیکھتا ہی رہ گیا اور پھر یہ بھی بھول گیا کہ ابھی عورت ہی کے تصور سے پیچھا چھڑانے کیلئے دیوانہ پن کی سرحدوں کو چھونے لگا تھا۔

وہ اُسے دیکھتا رہا۔

رفتار کا تو جواب ہی نہیں تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے لہروں میں کنول ڈول رہا ہو۔ اس کے علاوہ کسی اور پر نظر نہ تھی۔

اُس نے اسے ڈائننگ ہال سے گزر کر ریکریئیشن ہال میں داخل ہوتے دیکھا۔ نظروں سے اوجھل ہو جانے کے باوجود ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ہلکے ہلکے ہلکورے لیتی آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

دفعتاً وہ کسی کی سرگوشی پر چونکا.....مڑ کر دیکھا تو منیجر نظر آیا.....وہ اب بھی اس طرح جھکا کھڑا تھا جیسے اس کے کان ہی میں کچھ کہنا چاہتا ہو۔ اس نے سرگوشی کی۔

''دیکھا آپ نے.....!''

حمید نے اثباتی انداز میں اپنے سر کو جنبش دی اور ریکریئیشن ہال کے دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔

''ارے کرنل صاحب بھی.....!'' اس نے منیجر کی بوکھلائی ہوئی آواز سنی۔

حمید پھر اُس کی طرف مڑا.....فریدی پر نظر پڑی.....وہ صدر دروازے سے داخل ہو کر اسی طرف آ رہا تھا۔

حمید نے ہونٹ بھینچ لئے اور منیجر کو اس طرح گھورنے لگا جیسے مار بیٹھے گا۔

شائد اُس کی اسی حرکت کی بناء پر فریدی سیدھا اسی طرف چلا آیا تھا۔

''کیا بات ہے۔'' اُس نے نیچے سے اوپر تک حمید کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

''کک..... کچھ نہیں جناب.....!'' منیجر ہکلایا۔

''تو پھر.....!''

''کچھ نہیں جناب عالی.....!'' منیجر نے کہا اور تیزی سے اپنے آفس کی طرف مڑ گیا۔

حمید اب فریدی کی آنکھوں میں بغور دیکھ رہا تھا۔ فریدی کے چہرے پر گہری سنجیدگی کے آثار تھے۔

دفعتاً اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میں تمہارے آفیسر کی حیثیت سے حکم دیتا ہوں کہ یہاں سے فوراً چلے جاؤ۔''

دوسری خبر

کچھ دیر بعد لان کی کھلی ہوا میں حمید کو ہوش آیا..... ورنہ اُسے تو یاد نہیں کہ وہ ہال سے باہر کیسے آیا تھا۔ خود آیا تھا یا.....

اس نے دو چار گہری گہری سانسیں لیں اور بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ غالباً وہ خود ہی یہاں تک پہنچا تھا۔ اس نے سوچا..... آخر اس طرح تاؤ کھانے کی کیا ضرورت تھی کہ ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ لیکن فریدی کا تحکمانہ انداز شائد اپنے اندر اظہار تنفر بھی رکھتا تھا۔ غالباً وہ سمجھ گیا تھا کہ منیجر نے اُسے اس عورت کے بارے میں ضرور بتایا ہوگا..... تو پھر..... کیا اُسے اسی طرح پیش آنا چاہئے تھا..... اسی طرح.....

ایک بار پھر اس کی مٹھیاں بھنچ گئیں اور بڑھتے ہوئے غصے کے اثر سے ذہن قلابازیاں کھانے لگا۔

اچھی بات ہے فریدی صاحب۔ اُس نے سوچا اگر آپ بہکے ہیں تو میرے ہاتھوں آپ کو کافی پریشان ہونا پڑے گا۔

اور پھر اُسے وہ عورت یاد آ گئی جو اُس کے ذہن پر ایک خوابناک سا تاثر چھوڑ گئی تھی۔

''اچھی بات ہے فریدی صاحب۔'' اس بار وہ اپنے سر کو جنبش دے کر بڑبڑایا تھا۔

پارکنگ شیڈ سے اُس نے اپنی موٹر سائیکل نکالی اور بس چل پڑا۔ منزل کا تعین کئے بغیر.....

کچھ دیر بعد ایک بھری پُری سڑک سے گذرتے وقت اُس نے پبلک ٹیلی فون بوتھ کے قریب موٹر سائیکل روکی اور اُتر کر بوتھ میں آیا۔

دوسرے لمحے میں وہ ہائی سرکل نائٹ کلب کے منیجر کے نمبر ڈائیل کر رہا تھا۔

''ہیلو.....!'' دوسری طرف سے منیجر ہی کی آواز آئی۔

''میں تمہارا مخلص ترین دوست بول رہا ہوں۔'' حمید نے کہا۔

''یعنی..... اوہ کپتان صاحب۔''

''ہاں..... پیارے..... اب کیا احوال ہیں۔''

''ابھی میں نے ریکریئشن ہال میں جھانکا تھا..... دونوں الگ میزوں پر تنہا ہیں۔''

''اور وہ نجم الدولہ کے فرزند رشید.....!''

''وہ تو ابھی تک نہیں دکھائی دیا۔''

''دونوں میزوں کے درمیان اندازاً کتنا فاصلہ ہوگا.....!'' حمید نے پوچھا۔

''اتنا فاصلہ کہ کچھ بھی تو نہیں ہوسکتا۔'' مضطربانہ انداز میں جواب ملا۔

''پھر بھی.....!''

''دو میزیں حائل ہیں بیچ میں۔''

''اگر حائل نہ ہوتیں تو تمہاری دانست میں کیا ہوتا۔'' حمید نے غصیلے لہجے میں سوال کیا۔

''کک..... کیا ہوتا..... یعنی کہ..... عجیب سوال ہے۔''

''بتاؤ.....!'' حمید غرایا۔

ارے واہ جناب..... یہ اچھی رہی۔''

''میں جواب چاہتا ہوں۔''

''اچھا تو وہی ہوتا جو ہونا چاہئے۔'' غالباً منیجر بھی طیش میں آ گیا تھا۔

''کیا بک رہے ہو.....!'' حمید چیخا۔

لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ حمید نے دانت پیستے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔

چند لمحے خاموش کھڑا رہا..... پھر دوسرے سکے کا فون کرنے کے بعد دوبارہ ہائی سرکل سے رابطہ قائم کر سکا۔

''خفا ہو گئے..... پیارے دوست.....!'' اُس نے بڑے پیار سے کہا۔

''آپ باتیں ہی ایسی کرتے ہیں جناب۔'' منیجر کی آواز میں ابھی اکڑ باقی تھی۔

''تھوک دو غصہ مری جان..... ایسی سہانی راتیں بار بار نہیں آتیں۔''

''جی..... جی..... جناب..... یعنی کہ..... ہی ہی ہی..... آپ تو..... ہی ہی..... بقول شاعر۔''

''خیر..... خیر..... سنو بات..... تمہیں ہمارے کرنل صاحب پر نظر رکھنی ہے..... بڑے پارسا بنتے تھے بے چارے۔''

''لل..... لیکن..... اگر انہیں معلوم ہو گیا تو.....!''

''وہ میں دیکھ لوں گا..... تم فکر نہ کرو۔''

''بہت اچھا جناب.....!''

حمید سلسلہ منقطع کر کے بوتھ سے باہر نکل آیا۔ لیکن اب سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ پھر اُس نے سوچا کیا حماقت ہے؟ میری بلا سے۔ لیکن آخر اس بے تکے رویے کی کیا ضرورت تھی۔ دم سے تو بندھا نہ رہتا..... یا حضرت کو خیال تھا کہ میں آپ کی منظور نظر کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ لاحول ولا قوۃ..... لیکن ہے زور دار..... کچھ عجیب سا انداز رکھتی ہے۔ آنکھیں کتنی پُر اسرار تھیں..... اتنی گہری سیاہ آنکھیں اس سے پہلے کسی سفید فام نسل میں نظر نہیں آئی تھیں..... اُوہ..... جہنم میں جائے۔ وہ گردن جھٹک کر موٹر سائیکل کی طرف بڑھ گیا۔

لیکن تھوڑی دیر تک مختلف سڑکوں پر چکراتے رہنے کے بعد اُس نے سوچا کہ اُسے خان

وجاہت کے بارے میں معلومات حاصل کرنی چاہئیں۔ وہ قاسم کے طبقے سے تعلق رکھتا ہے۔ ممکن ہے وہ اُس سے متعلق کچھ بتا سکے۔

بس پھر موٹر سائیکل کا رخ عاصم لاج کی طرف ہو گیا۔

تقریباً پندرہ بیس دن سے قاسم سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ حمید کو توقع تھی کہ اچھے ہی موڈ میں ملے گا۔ لیکن پھر خیال آیا کہ کچھ ہی دیر پہلے وہ فون پر اپنی بیوی کی کسی استانی کا تذکرہ کر چکا ہے جو ان دنوں اُسے ایمبرائیڈری سکھا رہی ہے۔

بہر حال..... اُس نے سوچا دیکھا جائے گا۔ قاسم کی چڑچڑاہٹ بھی تو پر لطف ہوتی ہے اور اس وقت وہ تفریح کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتا تھا۔

قاسم کی کوٹھی پہنچ کر اُسے اطلاع ملی کہ ''صاحب بزی ہیں.....'' لیکن ملازم یہ اطلاع دیتے وقت مخصوص انداز میں مسکرایا تھا۔ وہ حمید سے واقف تھا۔ دونوں کے تعلقات کا بھی اُسے علم تھا۔

''بے حد ضروری کام ہے۔'' حمید بولا۔

''صاحب..... انہوں نے کہا ہے کہ کسی سے بھی نہیں مل سکیں گے۔''

''مجھ سے بھی نہیں۔''

''آپ ہی کے لئے تو خاص طور پر کہا ہے۔''

''اچھی بات ہے..... تو یہ پرچہ انہیں دے آؤ.....!'' حمید نے کہا اور اپنی پاکٹ بک کے ایک صفحے پر لکھنے لگا۔ ''رام گڈھ والے واقعات تمہاری بیوی کو بتا دیئے جائیں گے۔''

صفحہ نوٹ بک سے پھاڑ کر تہہ کرتے ہوئے اُس نے ملازم سے کہا۔ ''اُن کے علاوہ اور کسی کے ہاتھ میں نہ دینا ورنہ نتیجے کے خود ذمہ دار ہو گے۔''

''بہت اچھا صاحب۔''

ملازم چلا گیا اور حمید پورچ میں کھڑا مدھم سروں میں سیٹی بجاتا رہا۔

کچھ دیر بعد قاسم دندناتا ہوا باہر آیا۔ نوکر اس کے پیچھے تھا۔

''تم جاؤ.....!'' حمید نے ملازم سے کہا اور اُس نے اُس کے چہرے پر مایوسی کے آثار دیکھے۔ قاسم کے ملازمین تک اُس کے بہکنے کے منتظر رہا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ خاصی تفریح مہیا کرتا تھا بہک کر۔

وہ چلا گیا.....قاسم اب بھی خاموش کھڑا حمید کو گھورے جا رہا تھا۔

''تم سے ایک آدمی کے بارے میں معلومات حاصل کرنی ہیں۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔

''میں تم سے پوچھتا ہوں.....تم نے دھمکی کیوں دی۔'' قاسم آنکھیں نکال کر غرایا۔ ''وہ میری جورو ہے۔ میں اُس کی ٹانگیں چیر کر پھینک دوں گا۔''

''یہ نیک کام جلد سے جلد کر ڈالو تا کہ میں تمہارے لئے دوسری جورو کا انتظام کر سکوں۔'' حمید نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

''میں بھڑے میں نہیں آؤں گا.....چغد نہیں ہوں۔''

''اب اتنی بے اعتباری.....میں تو تمہارے لئے یہاں تک.....!''

حمید جملہ پورا نہیں کر پایا تھا کہ قاسم کی بیوی بھی پہنچ گئی اور قاسم نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہنا شروع کیا۔ ''ابے چوب.....ابے چوپ.....!''

بیوی دونوں کو خاموشی سے گھورے جا رہی تھی۔

''ہاں.....تو تم.....خان وجاہت کو جانتے ہو.....!'' حمید نے اس کی بیوی کی طرف توجہ دیئے بغیر پوچھا۔

''گفتگو کا موضوع بدلنے کی ضرورت نہیں۔'' قاسم کی بیوی نے تیز لہجے میں کہا۔

''کیا مطلب.....؟'' حمید نے چونکنے کی ایکٹنگ کی۔ پھر جلدی سے بولا۔

''آداب.....آداب.....بلکہ تسلیمات بھی.....قاسم صاحب تو اب اتنے بداخلاق ہو گئے ہیں کہ بیٹھنے کو بھی نہیں کہتے۔''

''تو م.....!'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ ''تم تو یہیں پورچ کی سیڑھیوں پر بیٹھو گے۔''

''اب ایسی بھی کیا بداخلاقی.....!'' بیوی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''جلقل .....سالا کہہ رہا ہے بیوی کی ٹانگیں چیر کر پھینک دوں۔ میں دوسری شادی کرادوں گا۔''

حمید بوکھلا گیا۔ ویسے ہی وہ سمجھتی تھی کہ قاسم کی ذہنی بے راہ روی میں اسی کا ہاتھ ہے۔ لہٰذا اس بات پر بھی اُسے یقین آ جائے گا۔

پھر قبل اس کے کہ قاسم کی بیوی اُس سے کچھ کہتی اُس نے جھپٹ کر موٹر سائیکل اسٹارٹ کر دی اور دونوں میاں بیوی کی آوازیں اس کے شور میں دب کر رہ گئیں۔ حمید کا اندازہ تھا کہ دونوں ہی کچھ نہ کچھ بک رہے تھے۔

موٹر سائیکل فراٹے بھرتی ہوئی پھاٹک سے گزر گئی۔

''یہ زندگی ہے؟'' اُس نے سوچا۔ ''اور اپنے ہی ہاتھوں.....پھر کیا کیا جائے۔''

''عیش.....!'' ذہن کے کسی گوشے سے آواز آئی اور اُس نے اگلی ہی سڑک سے موٹر سائیکل کا رخ نیاگرا کی طرف موڑ دیا۔

رات کے نو بجے تھے۔ شہر سے باہر نکلتے ہی ایسا محسوس ہوا جیسے ساری ذہنی گھٹن خلاء کی وسعتوں میں تحلیل ہو گئی ہو۔

موٹر سائیکل خاصی تیز رفتاری سے راستہ طے کر رہی تھی۔ نیاگرہ تک پہنچتے پہنچتے اس کا موڈ بالکل ہی بدل گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ شام ہی سے کافی ہشاش بشاش رہا ہو۔

نیاگرہ حسب دستور زندگی سے بھرپور تھا۔ ہال میں بہتیری جانی پہچانی شکلیں نظر آئیں۔ بعض لوگوں نے اُسے اپنے ساتھ بیٹھنے کی بھی دعوت دی۔ لیکن وہ.....وہ تو اس وقت نہ جانے کیا چاہتا تھا۔

بس ایک ایسی میز منتخب کی جو دور افتادہ ہونے کے ساتھ ہی ساتھ ایسی جگہ تھی جہاں سے ہال کی ساری میزوں کا جائزہ لیا جا سکتا تھا۔

اتنے بڑے ہال میں ساری ہی میزیں تو انگیج ہو نہیں سکتی تھیں۔ دراصل یہی خیال اُسے نیاگرہ تک لے آیا تھا۔ ورنہ شہر کے ہوٹلوں میں اس وقت تل دھرنے کی جگہ بھی نہیں ہوتی۔

اُس نے ایک بار پورے ہال کا جائزہ لیا اور پھر ویٹر کی طرف متوجہ ہوگیا۔ رات کا کھانا بھی ابھی تک نہیں کھایا تھا۔

سوپ پیتے وقت وہ سوچ رہا تھا اتنی واہیات شام گذارنے کا اتفاق اس سے پہلے شائد کبھی نہیں ہوا۔ پہلے فریدی نے سخت توہین کی پھر قاسم پر پھینکا ہوا جوتا خود اپنے منہ پر آ پڑا..... لہٰذا اب محتاط رہنا چاہئے.....ستارہ گردش میں معلوم ہوتا ہے۔

کھانا ختم کر کے اُس نے کافی طلب کی اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ ویٹر مینو کے ساتھ ریکریئشن ہال کا پروگرام بھی لایا تھا۔

اُس میں ایک نیگریس کی تصویر دیکھ کر دل باغ ہوگیا۔ یہ گلوکارہ مصر سے آئی تھی اور آج کل نیاگرہ میں اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

رنگت جیسی بھی ہو۔ حمید نے سوچا لیکن خدوخال کچھ ایسے بُرے نہیں۔ آنکھیں خاصی پرکشش ہیں۔

اُس نے کاؤنٹر پر جا کر اپنے لئے ریکریئشن ہال میں ایک میز مخصوص کرائی اور پھر اپنی جگہ آ بیٹھا۔ کافی کا انتظار تھا.....ویسے کافی ریکریئشن ہال میں بھی پی جاسکتی تھی لیکن وہ ویٹر کو اس کے لئے ہدایت نہیں دے سکا تھا۔

رات سسک سسک کر رینگتی رہی۔

آخر وہ یہ سب کچھ کیوں کرتا پھر رہا ہے۔ اُس نے سوچا اور کافی کے گھونٹ پہلے سے بھی زیادہ تلخ محسوس ہوئے۔

کس کی تلاش ہے اُسے۔ کیا کسی عورت کی ہم نشینی کا خواہش مند ہے۔ شہر میں ایک نہیں درجنوں ایسی تھیں جو محض فون کال پر دوڑی آئیں۔ یہ بھی نہیں تو پھر کیا چاہتا ہے؟

''تبدیلی.....محض تبدیلی.....'' اُس کا ذہن کسی بچے کی طرح چیخ پڑا۔

معمولات زندگی کی یکسانیت بغیر کمائے ہوئے چمڑے کے جوتوں کی طرح تکلیف دہ ہوگئی تھی۔ تو پھر شاید یہ تبدیلی؟ دفعتاً ایک بے ساختہ قسم کی مسکراہٹ اُس کے چہرے کو دمکا گئی

اور وہ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا کہ کہیں کسی نے اُسے اس طرح خواہ مخواہ مسکراتے تو نہیں دیکھ لیا۔

یہاں کا حساب بے باق کرنے کے بعد اُس نے ریکریئشن ہال کی راہ لی۔ نہ جانے کیوں آج یہاں بھی آبادی معمول سے کچھ کم رہی تھی۔ پھر اس کی وجہ بھی اُس کی سمجھ میں آ گئی۔ نیم عریاں جسموں والا کیبرے تو تھا نہیں۔ ایک سیاہ فام نسل کی لڑکی اپنی گلوکاری کا مظاہرہ کرنے والی تھی۔ بھلا اُس سے کسی کو کیا دلچسپی ہوسکتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد رمبا کے لئے موسیقی شروع ہوگئی۔ حمید اپنی میز پر تنہا ہی رہا۔

رقص کرنے والے جوڑے اٹھ اٹھ کر چوبی فرش پر جانے لگے۔

حمید بے دلی سے اس ہنگامہ رنگ وصوت کی طرف متوجہ رہا۔ راؤنڈ ختم ہونے کے تھوڑی دیر بعد مائیک پر معلن نے کہا۔

''خواتین وحضرات.....اب ماموزیل صفورا کلاسوری تشریف لا رہی ہیں۔ موصوفہ نے مغربی اور عرب موسیقی میں کچھ دلچسپ تجربات کئے ہیں۔ اس وقت وہ دونوں کے امتزاج سے اختراع کی ہوئی ایک چیز سنائیں گی اور رقص کے لئے آپ کو اس کے اسٹیپ بھی بتائیں گی۔ ماموزیل صفورا کلاسوری۔''

اور پھر وہ اسٹیج پر نمودار ہوئی۔ سانچے میں ڈھلا ہوا جسم تھا۔ آبنوسی رنگت بعض زاویوں سے چمکتی ہوئی سی لگتی تھی اور سفید لباس میں تو بس وہ ہی وہ نظر آ رہی تھی پورے ہال میں۔

پھر جب کچھ کہنے کے لئے لب کشائی ہوئی تو حمید کو تشبیہ نہ سوجھ سکی۔ کیونکہ کالے بادلوں کے دامن میں کوندے کی لپک تو بہت پرانی تشبیہ ٹھہری۔

وہ اُس گیت کے بارے میں کچھ بتانے لگی جسے پیش کرنا تھا۔ اس کے بعد رقص کے لئے اسٹیپ سمجھانے لگی تھی۔ کچھ جوڑے اپنی میزوں کے قریب ہی کھڑے ہوکر بتائے ہوئے اسٹیپ کی آزمائش پر اُتر آئے۔ رقص اور گیت.....گیت اور رقص.....بڑا خوابناک ماحول تھا۔

ذرا ہی سی دیر میں صفورا کسی دوسری دنیا کی مخلوق معلوم ہونے لگی۔ حمید کے ذہن پر ہلکی سی

غنودگی طاری تھی اور وہ نیم وا آنکھوں سے اسٹیج کی طرف تکے جا رہا تھا۔

صفورا جو کچھ بھی گا رہی تھی وہ انگریزی ہی میں تھا۔ لیکن کہیں کہیں اس کی لے نخلستان، خیموں کی بستیوں اور کاروانوں کی جھلکیاں بھی دکھا دیتی تھی۔

کتنا سکون تھا..... کتنی طمانیت تھی..... حمید کو ذرہ برابر بھی احساس نہ رہا کہ وہ کچھ دیر پہلے اداسی اور اکتاہٹ کا شکار رہا تھا۔ وہ رقاصوں کی طرف بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ تو بس نغمگی کی اُس جنت میں کھویا ہوا تھا جہاں سرور و کیف کی نہریں جاری تھیں۔

پھر کچھ دیر بعد وہ اپنی میز سے اٹھا۔ لیکن اس میں اس کے ارادے کو دخل نہیں تھا۔ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اسٹیج کے قریب اُس جگہ آ پہنچا جہاں آرکسٹرا بیٹھا تھا۔

یہ جسم کی کشش نہیں تھی۔ ایک عجیب سے تاثر کے تحت حمید از خود رفتگی کے عالم میں یہاں تک آ پہنچا تھا۔

مغنیہ نے پہلے تو اس پر اچٹتی سی نظر ڈالی..... پھر دوسری بار دیر تک اُسے دیکھتی رہی اور جب گیت ختم ہو گیا تو اُس نے حمید کو بہت غور سے دیکھا اور مسکرا کر اپنے سر کو جنبش دیتی ہوئی پردے کے پیچھے غائب ہو گئی۔

حمید پھر اپنی میز پر واپس آ گیا۔ رقاص ابھی چوبی فرش ہی پر تھے کہ آرکسٹرا نے رقص کے لئے کوئی اور دھن شروع کر دی اور اب صرف رقص ہی جاری رہا۔ تھوڑی دیر بعد حمید نے ایک ویٹر سے معلوم کیا کہ وہ روزانہ صرف ایک ہی گیت گاتی ہے..... اور اس وقت اپنے کمرے میں واپس گئی ہو گی۔ اسکے گرد مداحوں کی بھیڑ نہیں رہتی۔ الگ تھلگ زندگی گذارتی ہے۔

حمید نے طویل سانس لی اور پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے سوچنے لگا۔ ''خاصی تفریح رہے اگر اس سے دوستی ہو جائے اور میں اُسے اپنے ساتھ ہائی سرکل لے جاؤں گا..... ہاہا.....'' اُس نے دل ہی دل میں قہقہہ لگایا اور اداسی کے بادل چھٹنے لگے۔

کمرے کا نمبر بیرے سے معلوم کر چکا تھا۔ پائپ سلگا کر تھوڑی دیر تک ہلکے ہلکے کش لیتا رہا پھر اُسے راکھدان میں جھاڑ کر اٹھ گیا۔

لفٹ کے ذریعہ دو منزلیں طے کیں اور ٹھیک اسی کمرے کے سامنے آ رکا جہاں صفورا مقیم تھی۔

دروازے پر آہستہ آہستہ دستک دی۔

''کون ہے؟'' اندر سے آواز آئی۔ ''ایک منٹ ٹھہرو۔ میں لباس تبدیل کر رہی ہوں۔''

اور پھر ٹھیک ایک منٹ بعد اس نے دروازہ کھولا تھا اور حمید کو دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی۔

''آٹوگراف.....!'' اس نے مسکرا کر پوچھا۔

حمید نے خاموشی سے سر کو نفی میں جنبش دی۔

''پھر.....!''

''میں نہیں جانتا کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور صفورا اُسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگی۔

''اسٹیج کے قریب تم ہی کھڑے تھے۔'' اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

''ہاں..... شائد میں ہی تھا۔''

''یقین نہیں ہے۔'' وہ اُس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی۔

''میں کچھ نہیں جانتا..... جب مجھے ہوش آیا تھا تو میں نے محسوس کیا تھا کہ اسٹیج کے قریب کھڑا ہوں اور مجھے بڑی شرمندگی ہوئی تھی۔''

''اُوہ..... معاف کرنا..... میں نے ابھی تک تمہیں اندر آنے کو نہیں کہا۔''

''کیا ضرورت ہے..... میں یہیں سے واپس چلا جاؤں گا۔''

''پھر آئے کیوں تھے؟''

''میں یہ بھی نہیں جانتا۔''

''عجیب آدمی ہو..... آؤ..... اندر آؤ..... میں تمہارے دیس میں اجنبی ہوں۔''

''میں تو اپنے ہی دیس میں اجنبی ہوں۔'' حمید طویل سانس لے کر بولا۔

''واقعی عجیب ہو..... آؤ..... آؤ.....!'' وہ پیچھے ہٹتی ہوئی بولی۔ ''لیکن میرا خیال ہے کہ موسیقی سے دلی لگاؤ رکھتے ہو۔''

''شائد.....!''

حمید اندر آ کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور وہ میز کے گوشے سے ٹک گئی تھی۔ اس کے جسم پر زرد رنگ کا سلیپنگ گاؤن کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ کالی رنگت کچھ اور زیادہ نکھر گئی تھی۔

حمید نے سوچا آنکھیں یقیناً خوبصورت ہیں۔

''تو بس تم مجھ سے ملنا چاہتے تھے۔''

''یہی بات معلوم ہوتی ہے.....!'' حمید نے اس طرح کہا جیسے اس کے بیان کی تصدیق کے لئے اپنے ذہن کو ٹٹول رہا ہو۔

''اچھا تو ملو.....!'' وہ ہنس پڑی۔ اس ہنسی میں بھی بلا کی نغمگی تھی۔ اگر حمید آنکھیں بند کر کے یہ آواز سنتا تو اور زیادہ محظوظ ہوتا۔

''میں یہی تو نہیں جانتا کہ لوگ کس طرح ملتے ہیں۔''

''تم کون ہو.....؟''

''میرا نام حمید ہے.....ساجد حمید.....!''

''کیا کرتے ہو۔''

''جب سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں تو رونے لگتا ہوں۔''

''تم نشے میں تو نہیں ہو۔''

''میں شراب نہیں پیتا.....!'' حمید نے کسی قدر ترشروئی سے کہا۔

وہ تھوڑی دیر تک اُسے بغور دیکھتی رہی پھر پوچھا۔ ''کیوں نہیں پیتے۔''

''اس لئے کہ مسلمان ہوں۔''

''تو مذہبی آدمی ہو۔''

''یقیناً.....!''

''کتنی بیویاں ہیں۔''

''ایک بھی نہیں.....؟''

''تعجب ہے.....ہمارے یہاں تو بیویوں کی تعداد.....!''

''نہیں.....!'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''بیوی کے موضوع پر کچھ نہیں سننا چاہتا۔''

وہ پھر کچھ دیر خاموشی سے اُسے دیکھتی رہنے کے بعد بولی۔ ''میں نے محسوس کیا ہے کہ تم لوگ بھی سفید فام نسلوں کی طرح ہمیں اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے۔''

''میں نہیں سمجھا.....!''

''تم پہلے آدمی ہو جو مجھ سے ملنے آئے ہو۔''

''یہ بات نہیں ہے.....تم غلط سمجھیں.....ہمارے یہاں کے لوگوں کو.....!''

''خیر.....ہٹاؤ.....میں تو یہاں بات کرنے کو بھی ترس گئی۔''

''کیا تم اکیلی ہی آئی ہو۔''

''ہاں.....!''

''کوئی منیجر تو ہوگا ہی۔''

''نہیں کوئی بھی نہیں۔''

''اور آرکسٹرا.....!''

''وہ بھی میرا اپنا نہیں ہے۔''

''یہ تو بہت بُری بات ہے۔ آدمی کو تنہائی کا احساس نہ ہونا چاہئے۔ ورنہ وہ بعض اوقات خودکشی تک کر لیتا ہے۔''

''میں ایسے کسی احساس سے آج تک دو چار نہیں ہوئی۔''

''ضرور ہوئی ہوگی.....لیکن یہ ضروری نہیں کہ اُسے سمجھ بھی سکو.....!''

''تم کیا کہنا چاہتے ہو.....!''

''کچھ بھی نہیں۔ بس میں بھی احساس تنہائی کا مارا ہوا ہوں۔''

''کیا سچ مچ بیوی بچے نہیں ہیں۔''

حمید نے مایوسانہ انداز میں سر کو جنبش دی۔ وہ کچھ نہ بولی۔ اب حمید کی طرف نہیں دیکھ

رہی تھی۔

کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ ''میں تمہارے شہر کو دیکھنا چاہتی ہوں لیکن کوئی ساتھی نہیں ملتا۔''

''اگر میں اپنی خدمات پیش کروں تو.....!''

''بصد خوشی قبول کی جائیں گی.....!'' اُس نے حمید کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ جو بڑی محبت سے ہاتھ میں لیا گیا تھا۔

''اچھی بات ہے..... میں کل سے تمہیں شہر دکھانے کی مہم شروع کروں گا۔''

''پھر اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''مطلب یہ کہ تم جو اتنی مہربانی سے پیش آ رہے ہو اس کا بدل میں کس طرح دے سکوں گی۔''

''ناک دبا کر مرغ کی بولی بولو..... تین بار.....!'' حمید نے کسی قدر غصیلے انداز میں کہا۔

وہ مسکرا دی اور اُسے عجیب سی نظروں سے دیکھتی رہی۔

حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ''کیا تم ہماری زبان..... اردو سمجھ سکتی ہو۔''

''نہیں..... اسی بات کا افسوس ہے۔ لیکن یہاں تو سبھی انگریزی بول سکتے ہیں۔''

''ہاں..... آں.....! بعض اوقات تو اپنی زبان بھی انگریزی ہی لہجے میں بولنے کی کوشش کر ڈالتے ہیں۔''

''پھر تم مجھے اپنا گھر بھی دکھاؤ گے..... کیوں؟ میں تم لوگوں کا گھریلو رہن سہن بھی دیکھنا چاہتی ہوں۔''

''ضرور..... ضرور.....!'' حمید نے کہا۔ وہ سوچ رہا تھا کیوں نہ اس کو اسی وقت گھر دکھا دیا جائے۔

''کیا میں تمہارا فون استعمال کر سکتا ہوں۔''

''یقیناً..... بڑی خوشی سے۔''

حمید نے آپریٹر کو ہائی سرکل کے نمبر بتائے اور دوسرے ہی لمحے میں منیجر سے رابطہ قائم

کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

''ہلو.....!'' دوسری طرف سے گھٹی گھٹی سی آواز آئی۔ ''آپ کہاں سے بول رہے ہیں جناب عالی۔''

''کہیں سے بھی بول رہا ہوں۔ تمہیں اس سے کیا؟ میری بات کا جواب دو۔ کیا اب بھی کرنل وہاں موجود ہیں۔''

''ایسے ویسے موجود ہیں..... بقول شاعر..... میرا خیال ہے کہ آج ہی رات کو میرا بیڑا غرق ہو جائے گا۔''

''وہ کس طرح عزیز از جان۔''

''عمارت کے چپے چپے پر مشتبہ آدمی نظر آ رہے ہیں اور وہ حضرت ناچے جا رہے ہیں دنیا و مافیہا سے بے خبر..... لڑکی آج تنہا ہے۔ خان وجاہت کا دور دور تک پتہ نہیں۔''

''کیا وہ آج آیا ہی نہیں۔''

''جناب..... اسی وجہ سے تو تشویش ہے..... کئی خونخوار قسم کے اجنبی میں نے کرنل کے آس پاس دیکھے ہیں اور وہ حضرت ہیں کہ گرد و پیش سے بے خبر..... گویا کیف و سرور کے دھارے میں بہے جا رہے ہیں بقول شاعر.....!''

حمید کی آنکھوں سے گہری تشویش کے آثار نظر آئے اور اُس نے جھٹکے کے ساتھ ریسیور کریڈل میں رکھ دیا۔

اُس کی کہانی

فی الحال تو اسکیم خاک ہی میں مل گئی تھی اور اب پھر اُس کی موٹر سائیکل سنسان سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی۔ وہ شہر واپس جا رہا تھا۔ چاہتا تھا کہ جلد سے جلد ہائی سرکل نائٹ کلب تک

جا پہنچے۔

فریدی کے بارے میں یہ بات آج ہی اس کے علم میں آئی تھی۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ پچھلی رات وہ رنگین حادثہ اچانک ہوا ہو۔ پتہ نہیں کب سے چکر چل رہا ہو۔ شہر میں ہائی سرکل ہی تو ایک تفریح گاہ نہیں۔ ویسے یہ ممکن ہے کہ خان وجاہت نے اُن دونوں کو پہلی بار اس حالت میں دیکھا ہو۔

''آہ..... کرنل مرحوم..... ہارڈ اسٹون آنجہانی.....!'' اس نے بڑبڑا کر اپنے ہونٹ بھینچ لئے۔ چٹانیں جب پگھل کر لاوا بنتی ہیں تو پھر انہیں دنیا کی کوئی طاقت اُن کے مقام تک واپس نہیں لے جاسکتی۔ سالہا سال کا تجرد شائد اپنے معیار کی چیز کا متلاشی تھا۔ اب دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ فریدی صاحب..... اور دھینگا مشتی بسلسلہ رومان..... خداوند بڑی شان والا ہے تو.....؟ عظموں کے پہاڑ اپنی جگہ سے اکھڑ کر دلدل میں پھنسنے کے لئے پستیوں کی طرف لڑھکتے آرہے ہیں۔

حمید کو ہوش نہیں کہ وہ نیاگرہ سے ہائی سرکل تک کتنی دیر میں پہنچا تھا۔ کمپاؤنڈ میں موٹر سائیکل کھڑی کی۔ برآمدے میں آیا۔ لیکن فوری طور پر ہال میں داخل ہونے کی ہمت نہیں پڑی۔ اس لئے سیدھا منیجر کے آفس کی طرف چلا گیا۔ وہ موجود تھا۔ لیکن چہرے پر اضطراب کی لہریں تھیں۔ بہت زیادہ پریشان نظر آرہا تھا۔

''میں واقعی بالکل گدھا ہوں۔'' وہ حمید کو دیکھتے ہی میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

''تم پہلے بھی مجھ سے اس کی تصدیق کرسکتے تھے۔'' حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

''نہیں..... مجھ جیسے احمق کو زندہ نہ رہنا چاہئے۔''

''بتاؤ کس طرح مرنا پسند کرو گے۔''

''میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔''

''سنجیدگی سے ماروں گا..... تم مطمئن رہو۔''

''میں اپنا سر دیوار سے ٹکرادوں گا..... سمجھے۔'' وہ روہانسی آواز میں چیخا۔

''بقول شاعر.....

سنگ و آہن بے نیاز غم نہیں
دیکھ ہر دیوار و در سے سر نہ مار

منیجر کچھ نہ بولا۔ ایک طرف گردن ڈالے فرش کو گھورتا رہا۔

''آخر کچھ معلوم بھی تو ہو.....!'' حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

''صاحب..... یہ سب میری عقل کا فتور ہے..... کسی کو الزام نہیں دیتا۔'' منیجر نے جھلائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''مجھے تم سے ہمدردی ہے۔'' حمید نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔

''میری بیوی قہر خداوندی ہے۔ جو مجھ پر نازل ہوا ہے۔''

''صرف تمہاری ہی نہیں۔ ہر آدمی ہفتے میں کم از کم ایک بار ضرور یہ سوچتا ہے۔''

''میری سچ مچ عذاب الٰہی ہے..... آپ سے کیا پردہ۔''

''چلو خیر تسلیم..... لیکن بات کیا ہے۔''

''وہ کرنل والی بات زبان سے نکل گئی تھی اور نکلتی کیوں نہ۔ آپ کے چلے جانے کے بعد میرا گلا جو دبایا تھا اس نے..... میں آپ سے کہہ رہا تھا کہ خدارا شکوک وشبہات والی باتیں نہ کیجئے۔ بہرحال سب کچھ اگلنا پڑا۔ پھر یہ بتایا کہ آج خان وجاہت نہیں آیا لیکن کچھ اجنبی دوسرے ممبروں کے مہمانوں کی حیثیت سے داخل ہوئے ہیں اور ان دونوں کی نگرانی کررہے ہیں۔ بس پھر کیا تھا۔ لگ گئی اُن کی ٹوہ میں..... ابھی کچھ دیر پہلے جب کرنل اور وہ لڑکی ایک ساتھ باہر جارہے تھے میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میں ان لوگوں کا تعاقب کروں گی۔ کیونکہ وہ اجنبی بھی اُنکے ساتھ ہی اٹھ گئے ہیں..... میں نے لاکھ منع کیا..... خوشامد کی لیکن کون سنتا ہے۔''

''بھلا وہ محترمہ تعاقب کر کے کیا کریں گی.....!'' حمید پرتشویش لہجے میں بڑبڑایا۔

''جی ہاں..... آپ خود سوچئے بھلا۔''

''کچھ اندازہ ہے کہ وہ لوگ کدھر گئے ہوں گے۔''

''اندازہ..... کمال کرتے ہیں جناب آپ بھی..... یہاں اس کمرے میں بیٹھ کر مجھے کیا اندازہ ہوسکتا ہے۔''

''اچھا..... اچھا..... میں سمجھا۔ غالباً محترمہ دھمکیاں بھی دے گئی ہوں گی۔ یعنی اُن کی ٹوہ میں تم نہ رہو۔''

''خدا سمجھے۔'' منیجر نے کہا اور بُرا سا منہ بنائے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور منیجر نے اس طرح ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا جیسے فون ہی کو اٹھا کر پٹخ دے گا۔

کال ریسیو کرتے ہی منہ کچھ اور بگڑ گیا تھا۔ لیکن پھر حمید نے محسوس کیا جیسے بگڑے ہوئے خدوخال آہستہ آہستہ معمول پر آ رہے ہوں..... وہ صرف ''ہوں! ہاں.....!'' کرتا جا رہا تھا۔ کبھی کبھی دزدیدہ نظروں سے حمید کی طرف بھی دیکھتا۔ بالآخر اُس نے ریسیور کریڈل پر رکھ کر طویل سانس لی اور حمید سے بولا۔

''واپس تشریف لا رہی ہیں محترمہ..... سنسان سڑک پر تعاقب کرنے کی ہمت نہیں پڑی۔ فرمایا ہے اگر کیپٹن حمید کی کال آئے تو انہیں اطلاع دے دی جائے۔''

''کیسی اطلاع.....!''

''یہی کہ لڑکی اپنی گاڑی میں ہے۔ اُس کے پیچھے کرنل صاحب اپنی گاڑی میں ہیں اور ان کی گاڑی کے پیچھے ایک اسٹیشن ویگن ہے جس میں وہ چھ آدمی ہیں جو یہاں اُن دونوں کے آس پاس منڈلاتے رہے تھے۔''

''بہت بہت شکریہ.....!'' حمید دروازے کی طرف جھپٹتا ہوا بولا۔

''سنئے تو..... مطلب یہ کہ.....!''

لیکن حمید اب کچھ بھی سننے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اُس کی موٹر سائیکل اب پھر نیاگرہ کی طرف جا رہی تھی۔

میاں عشق کرنا تھا تو اپنے ہی خادم قدیم سے بھی مشورہ لے لیا ہوتا۔ اُس نے سوچا۔ اب یہ کچھ اُس قسم کا عشق تو ہے نہیں کہ بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق! کبھی نہ کبھی ایسی چوٹ کھانی ہی پڑتی ہے تو پھر کیوں نہ ہر وقت اور ہر زمانے میں عشق کرنے کے لئے تیار رہا جائے۔

اب بندے خاں ہیں جس رفتار سے چاہیں عشق کر سکتے ہیں۔ ٹھوکر کھانے کا امکان نہیں۔ یقیناً وہ چھ آدمی خان وجاہت ہی کے غنڈے ہوں گے۔ اب چونکہ اناڑی ہیں اس میدان میں لہٰذا رقیب روسیاہ کا چہرہ محبوبہ کی جلوہ جہاں تاب میں گم ہو گیا ہوگا۔

آندھی اور طوفان کی طرح موٹر سائیکل راستہ طے کر رہی تھی لیکن ابھی تک وہ تینوں گاڑیاں نظر نہیں آئی تھیں۔

پھر وہ نیاگرہ تک جا پہنچا۔ پارکنگ شیڈ میں فریدی کی لنکن کھڑی دیکھی۔ حمید نے طویل سانس لی اور سوچا چلو یہاں تک تو خیریت سے پہنچ گئے۔ بائیں بازو کے نیچے بغلی ہولسٹر کو تھپکی دیتا ہوا وہ ڈائننگ ہال میں داخل ہوا۔

یہاں ان میں سے کوئی بھی نظر نہ آیا۔ یقیناً ریکریئیشن ہال میں ہوں گے۔ اس نے سوچا اور کاؤنٹر کی طرف بڑھا۔ یہاں اس نے کلرک سے کہا کہ وہ صفورا کے کمرے سے فون کنکٹ کر دے۔

صفورا جاگ رہی تھی۔ پہلے تو وہ سمجھ ہی نہ سکی کہ کال کرنے والا کون ہے۔ لیکن پھر حمید کے وضاحت کرنے پر چہکنے لگی۔

''تم تو چلے گئے تھے۔''

''ہاں! لیکن دیر تک نہ ٹھہر سکا۔ پتہ نہیں کیوں یہ رات مجھے زندگی سے بھرپور نظر آ رہی ہے۔ کیا تم نیچے نہ آؤ گی۔''

''آ جاؤں۔''

''یقیناً..... میں ڈائننگ ہال میں تمہارا منتظر ہوں۔ پھر بال روم چلیں گے۔''

''اُو..... کے.....!'' سلسلہ منقطع ہو گیا۔

کتنی مترنم آواز ہے۔ حمید نے سوچا۔ ''دیکھے بغیر چاہا جا سکتا ہے۔''

وہ ایک خالی میز کے قریب بیٹھ کر اُس کا انتظار کرنے لگا۔

صفورا نے ڈائننگ ہال تک پہنچنے میں دیر نہیں لگائی۔ ساری نظریں اُسی کی طرف اٹھ

گئیں۔ سفید بلاؤز اور نارنجی اسکرٹ میں بہت نمایاں ہوگئی تھی۔

حمید نے اٹھ کر اُس کا استقبال کیا۔

''تم شہر جا کر واپس بھی آ گئے۔''

''تمہاری آواز راستے بھر کانوں میں گونجتی رہی تھی۔''

''اُوہو..... تو کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میری آواز کا جادو تم پر چل گیا ہے۔ اسکی آنکھیں چمکنے لگیں۔''

حمید نے اپنے سر کو اثباتی جنبش دی اور پائپ میں تمباکو بھرتا رہا۔ اس وقت اُس کا ذہن فریدی میں الجھا ہوا تھا۔

''تم کیا سوچ رہے ہو..... اُوہو..... تم تو میری طرف دیکھ بھی نہیں رہے۔ پھر کیوں واپس آ گئے..... اپنے ذہن میں میری آواز کی بازگشت محسوس کرتے رہتے۔''

''اُوہو..... تم غلط سمجھیں۔'' حمید جلدی سے بولا۔ ''آؤ..... بال روم میں چلیں۔ میں دراصل یہ سوچ رہا تھا کہ شہر کے کس گوشے سے کل ہم شروعات کریں۔''

حمید نے بال روم کے لئے دو ٹکٹ خریدے اور ایک بار پھر اسی سیل رنگ و آہنگ میں ڈوب گیا۔ صفورا اُس کے بازوؤں میں تھی..... اور وہ نہ جانے کیوں زندگی میں پہلی بار خود کو بے حد پرسکون محسوس کر رہا تھا۔ بھیڑ بہت زیادہ تھی۔ وہ سب اتنے قریب قریب تھے کہ موسیقی کی عدم موجودگی میں وہ ایک دوسرے کی سرگوشیاں بھی صاف سن سکتے۔

ذرا ہی سی دیر میں حمید یہ بھی بھول گیا کہ وہ یہاں کیوں آیا تھا۔ وہ تو بس اس سیاہ فام لڑکی کے بارے میں سوچے جا رہا تھا جس نے اس کی ایک شرارت آمیز اسکیم کو بھی خلوص سمجھ لیا تھا۔ نغمگی کے سیلاب میں بہہ جانا اور بات تھی۔ لیکن آج سے پہلے وہ کسی نیگرس کے قرب کے تصور کو بھی مضحکہ خیز سمجھتا لیکن یہ کیا احساس تھا۔ کتنی طمانیت تھی اس قرب میں۔ وہ اس کی سرگوشیاں سن رہا تھا۔ خود بھی بھرائی ہوئی آواز میں کبھی کبھی کچھ کہہ دیتا اور صفورا کے ہونٹوں پر خوابناک سی مسکراہٹ انگڑائیاں لینے لگتی۔ بھرے بھرے سے ابھرے ہوئے ہونٹ بڑے

جاندار لگ رہے تھے۔ نہ رنگت سے متعلق احساس متنفر باقی رہا تھا اور نہ اپنی پسند کے معیار سے گرے ہوئے خدوخال ہی کسی ناخوشگوار ذہنی کیفیت کا باعث بنے تھے۔ اُسے تو بس ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی نورانی حلقے میں گھرا ہوا خلاء میں پرواز کر رہا ہو۔ صفورا پہلی ہم رقص تھی جس نے اس کی روح کو بھی جھنجھوڑا تھا۔

ایک سیاہ فام اور بدشکل لڑکی نے اُس کی روح کو جھنجھوڑا تھا۔

کیا وہ خود کم متحیر ہوا ہوگا۔ پتہ نہیں کب تک انہیں احساسات کے تانے بانے میں الجھا رہتا۔ اگر اچانک فریدی پر نظر نہ پڑ گئی ہوتی۔ وہ اُس سے تھوڑے فاصلے پر تھا اور اس کی ہم رقص وہی عورت تھی جسے ہائی سرکل میں دیکھ کر وہ کچھ دیر سکتے کے عالم میں رہا تھا۔

وہ سر اٹھائے ایک ٹک فریدی کی آنکھوں میں دیکھے جا رہی تھی اور فریدی کی پلکیں تو اس طرح جھکی ہوئی تھیں جیسے کسی تیز قسم کی شراب کے نشے نے انہیں بوجھل کر دیا ہو۔

''خدایا رحم.....!'' دفعتاً صفورا کی آواز سرگوشی کی حدود سے نکل اُس کے کانوں سے ٹکرائی اور وہ چونک پڑا۔

''کیوں؟ کیا بات ہے!''

''کچھ نہیں..... کچھ نہیں۔''

حمید نے اُسے غور سے دیکھا۔ وہ کچھ سراسیمہ سی نظر آنے لگی تھی اور پھر اس نے محسوس کیا کہ وہ بھی بار بار فریدی اور اُس کی ہم رقص کو دیکھے جا رہی ہے۔

''کیا وہ لڑکی تمہیں بھی اچھی لگ رہی ہے.....!'' حمید نے اُس سے پوچھا اور وہ اس طرح چونک پڑی جیسے ابھی تک سوتی رہی ہو۔

''چلو..... یہاں سے چلو اچھے دوست.....!'' وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

''کیوں.....؟ تمہیں اچانک یہ کیا ہو گیا۔''

''بس میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔''

''لیکن میں تو یہاں ٹھہرنا چاہتا ہوں۔''

''تم ٹھہرو..... لیکن مجھے جانے دو۔'' وہ لجاجت سے بولی۔ ''تم جس وقت بھی چاہو میرے کمرے میں آسکتے ہو۔''

''میں اکیلا رہ جاؤں گا۔''

''میں اپنے پیروں میں کمزوری محسوس کر رہی ہوں۔ زیادہ دیر تک کھڑی نہیں رہ سکتی۔''

''چلو تو..... اُدھر کنارے کہیں بیٹھ جائیں۔''

''ہاں..... یہ ممکن ہے۔''

وہ موسیقی کا ساتھ دیتے ہوئے ہی اُس بھیڑ سے نکل کر بائیں بازو والی میزوں تک پہنچے تھے۔

''پتہ نہیں ہم کس کی میز پر بیٹھ رہے ہیں۔'' صفورا بولی۔

''فکر نہ کرو..... اُن کے آتے ہی ہم شرافت سے اٹھ جائیں گے۔'' حمید نے کہا اور اُسے غور سے دیکھنے لگا۔ صفورا کے چہرے پر اب بھی سراسیمگی کے آثار تھے اور وہ بار بار خوفزدہ نظروں سے رقاصوں کی بھیڑ کی طرف دیکھنے لگتی تھی۔

''کیا بات ہے..... تم بہت پریشان نظر آ رہی ہو۔''

''کک..... کچھ نہیں..... مم..... میں کچھ پینا چاہتی ہوں۔''

''شیری منگواؤں۔''

''میں بھی تمہاری ہی طرح مسلمان ہوں..... قطعی نہیں پیتی..... کافی منگواؤ۔''

حمید نے ایک ویٹر کو اشارے سے بلا کر آرڈر دیا۔ چند لمحے پھر اُسے خاموشی سے دیکھتے رہنے کے بعد بولا۔ ''کیا وہ لڑکی پریشانی کا باعث بنی ہے۔''

اور اُس نے ایک بار پھر اُسے چونکتے دیکھا۔

''وہ..... وہ..... رلانے والی ہے..... میں نے اُسے پہچان لیا..... رلانے والی..... خدا کی قسم وہی ہے۔''

''میں نہیں سمجھا۔ رلانے والی سے کیا مراد ہے تمہاری۔''

''پہلے مجھے کافی پی لینے دو..... میرا حلق خشک ہو رہا ہے۔''

حمید نے عجیب قسم کا اضطراب محسوس کیا اور اُس کی نظریں رقاصوں کی بھیڑ میں فریدی کو تلاش کرنے لگتیں۔

وہ اُن لوگوں کو شکلوں سے نہیں پہچان سکتا تھا جن کا ذکر ہائی سرکل کے منیجر سے سنا تھا۔ پھر اُسے کیا کرنا چاہئے۔ وہ یقیناً فریدی کے آس پاس ہی موجود ہوں گے۔ آخر وہ لڑکی ہے کون؟ اور یہ صفورا جو ابھی حال ہی میں مصر سے آئی ہے اُسے پہچانتی ہے۔

ویٹر نے کافی لانے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

کافی کے پہلے ہی گھونٹ نے صفورا کے اعصاب پر اچھا اثر ڈالا تھا۔ حمید نے اُس میں نمایاں تبدیلی محسوس کی۔

''پچھلے سال میں نے اُسے شکاگو میں دیکھا تھا۔ بریس مین نامی کیفے میں۔ وہ رات میرے لئے موت اور زندگی کی کشمکش والی رات تھی۔'' صفورا نے رک رک کر کہا اور اپنی پیالی میں دوسری بار کافی انڈیلنے لگی۔

حمید خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔

''میں بہت زیادہ ذہین نہیں ہوں۔'' صفورا کچھ دیر بعد بولی۔

''یہ بہت اچھی بات ہے..... زیادہ ذہین عورتیں مخلص نہیں ہوتیں۔''

''اور بہت زیادہ ذہین مرد.....'' صفورا نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''اب مردوں کے بارے میں اپنی زبان سے کیا کہوں..... ہاں وہ بھی خاصے سُور ہوتے ہیں۔ اچھا تو پھر کیا ہوا تھا۔ تم کسی بھیانک رات کا تذکرہ کر رہی تھیں۔''

''ہاں تو میں بریس مین کیفے میں تھی۔ وہ لوگ اپنے گاہکوں کو صرف میرے گیت سنوانا چاہتے تھے۔ شکل نہیں دکھانا چاہتے تھے کیونکہ اُن دنوں وہاں نسلی کشیدگی پھیلی ہوئی تھی۔ میں ایک جگہ مائیک پر پوشیدگی میں گا رہی تھی کہ کسی طرح ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو پتہ چل گیا کہ میں ایک نیگریس ہوں۔ بس انہوں نے وہاں توڑ پھوڑ مچا دی۔ ہوٹل کے مالکوں سے مطالبہ کیا کہ مجھے اُن کے حوالے کر دیا جائے۔ میں نے محسوس کیا کہ اگر میں ان کے ہاتھ لگ گئی تو وہ

مجھے قتل کر دیں گے۔ مالکوں نے جو تھے تو سفید فام ہی لیکن سویڈن کے باشندے تھے ان کا مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا۔ میں اس کمرے میں تنہا تھی جہاں سے میں نے گیت گائے تھے۔ اپنی دانست میں تو میں نے دروازہ بند کر لیا تھا لیکن نہ جانے کیسے ایک آدمی کمرے میں گھس آیا۔ میں بُری طرح سہمی ہوئی تھی۔ وہ مجھے دلاسہ دینے لگا۔ کہنے لگا کہ وہ مجھے بڑی صفائی سے نکال لے جائے گا..... تم کافی نہیں پیو گے کیا.....؟''

''نہیں..... میں خواہش نہیں محسوس کر رہا۔'' حمید نے کہا۔ ''اپنی کہانی جاری رکھو۔''

''کہانی..... ہاں..... پلٹو اوپر چلو..... مجھے نیند آ رہی ہے۔ وحشت ہو رہی ہے اس ماحول میں..... اپنے کمرے میں سناؤں گی کہانی۔''

''کسی وجہ سے میں ابھی نہیں اٹھنا چاہتا۔'' حمید نے پھر رقاصوں کی بھیڑ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''یقین کرو..... بُری طرح نیند آ رہی ہے..... یہ دیکھو میری پلکیں۔ بوجھل ہوئی جا رہی ہیں۔''

دفعتاً حمید نے اس کی آواز میں اجنبیت سی محسوس کی اور وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''کیا ہوا ہے تمہیں۔''

''یقین کرو..... میں یہیں سو جاؤں گی۔''

''اچھا تو پھر تم جاؤ..... میں تھوڑی دیر بعد.....!''

''شکریہ..... تم بہت اچھے ہو..... کل میں تمہارا انتظار کروں گی۔''

وہ اٹھ گئی..... حمید اُسے جاتے دیکھتا رہا۔ چال میں لڑکھڑاہٹ تھی۔

ادھوری کہانی سنا کر وہ اُسے الجھن میں ڈال گئی تھی۔

''رلانے والی ہو نہہ.....!'' وہ منہ ٹیڑھا کر کے بڑبڑایا اور مضطربانہ انداز میں رقاصوں کی بھیڑ کا جائزہ لینے لگا۔ بڑا سست رو نغمہ آرکسٹرا سے منتشر ہو رہا تھا اور رقص کرنے والے ایسے لگ رہے تھے جیسے وہ نیند میں جھولے لے رہے ہوں۔

فریدی پھر نظر آیا..... اور حمید نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے اُسے دیکھتا رہا۔ یقین ہی

نہیں آتا تھا کہ وہ فریدی ہے۔ سر جھکائے اپنی ہم رقص کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا وہ آہستہ آہستہ کچھ کہتا جا رہا تھا اور ہم رقص کے ہونٹوں پر نشیلی سی مسکراہٹ تھی۔ کبھی کبھی وہ بھی کچھ کہتی اور آنکھیں بند کر لیتی اور پھر وہی خوابناک سی مسکراہٹ۔

''لعنت ہے..... لعنت ہے۔'' حمید زور زور سے اپنی کھوپڑی سہلانے اور سوچنے لگا۔ آہا..... بے چارہ کرنل فریدی..... بہہ گیا نا آخر اس عمومی سیلاب میں..... بات تیری کی..... ساری سنگلاخیت دھری رہ گئی۔ اس کا دل چاہا کہ ہاتھ منہ پر رکھ کر ''پُر پُر'' کی آوازیں نکالے۔

لیکن اس کی بجائے وہ پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ غالباً رقص ختم ہونے والا تھا۔ پتہ نہیں کس کی میز پر اس نے قبضہ کر رکھا تھا۔ لہٰذا مناسب یہی تھا کہ ویٹر کو کافی کے دام ادا کر کے وہاں سے اٹھ جاتا۔

بہرحال رقص ختم ہوا تو وہ ریکریئیشن ہال کے صدر دروازے کے قریب کھڑا تھا۔

اُس نے فریدی اور اُس کی ہم رقص کو میزوں کی طرف واپس آتے دیکھا۔ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے وہ اس طرح چل رہے تھے جیسے برسوں پرانے ساتھی ہوں۔ حمید کے سینے سے ایک گھٹی گھٹی سی آہ نکل گئی۔ پتہ نہیں کیوں وہ اتنا بے چین تھا۔

حمید کے قریب ہی ایک آدمی اور بھی کھڑا انہیں گھور رہا تھا۔ حمید کو ذرا دیر میں اس کا احساس ہوا۔ وہ بڑی تیزی سے رقاصوں کی بھیڑ کی طرف بڑھا تھا۔ پھر حمید نے اُسے ٹھیک انہیں دونوں کے قریب رکتے دیکھا۔

ایک جھٹکے کے ساتھ اس نے لڑکی کا ہاتھ فریدی کے بازو سے نکالا تھا اور اب اُسے اس طرح صدر دروازے کی طرف لا رہا تھا جیسے جبراً وہاں سے نکال لے جانا چاہتا ہو۔

دوبارہ فریدی پر نظر گئی..... وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہ گیا تھا۔ اجنبی اس لڑکی کو کھینچتا ہوا حمید کے قریب ہی سے گزر گیا۔ حمید نے اُسے کنکھیوں سے دیکھتے وقت اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا تھا۔

پھر اُس نے فریدی کو ایک میز کی طرف بڑھتے دیکھا اور خود بھی اسی جانب تیزی سے

قدم بڑھائے۔ فریدی بیٹھ چکا تھا۔ اُس نے حمید پر اچٹتی سی نظر ڈالی اور مشروبات کی فہرست کی طرف متوجہ ہوگیا۔

''عجیب اتفاق ہے۔'' حمید نے بھی کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے طویل سانس لی۔ ''یہاں بھی آپ سے ملاقات ہوگئی۔ کہئے تو یہاں بھی میری موجودگی غیر ضروری ہو جائے۔''

پھر اُس نے فریدی پر اپنے اس جملے کا ردعمل معلوم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن وہاں کیا تھا۔ اُس کے چہرے سے تو ایسا لگتا تھا جیسے اُس نے ابھی ابھی ریکریئیشن ہال میں قدم رکھا ہو۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ ابھی کچھ ہی دیر پہلے وہ ایک بڑی خوبصورت لڑکی کا ہمرقص رہا ہوگا اور پھر اُس کے بعد ہی اس کے لئے کسی قسم کی شرمندگی کا بھی سامنا کرنا پڑا ہوگا۔

ہمیشہ کی طرح سوچ میں ڈوبی ہوئی آنکھیں..... وہی پرسکون چہرہ..... اور وہی دمکتی ہوئی پرعظمت کشادہ پیشانی۔

اب وہ اس طرح حمید کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا جیسے حمید کی بات اس کی سمجھ میں نہ آئی تھی۔

''میں نے یہ عرض کیا تھا کہ مجھے ڈھٹائی کی تربیت کب سے دے رہے ہیں۔'' حمید جل کر بول پڑا۔

''میں اب بھی نہیں سمجھا.....؟'' فریدی کی آواز بھی معمول کے مطابق تھی۔ حمید نے اس میں موڈ کی خرابی کا شائبہ بھی نہ پایا۔

بالآخر وہ خود کھسیا کر رہ گیا اور جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''کھینچ کر لے گیا آپ کھڑے منہ دیکھتے رہے۔''

''اوہ.....!'' فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اُس نے کہا۔ ''وہ حق بجانب تھا کیونکہ حقیقتاً وہ اُسی کی محبوبہ ہے۔''

''ارے تو یہ کوئی بات ہی نہ ہوئی۔'' حمید کی جھنجھلاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔

''کیا بات ہوئی..... ارے بھئی اس کی محبوبہ میری ہم رقص تھی..... اُسے یہ بات پسند نہ آئی کھینچ کر لے گیا۔''

''تو کیا حکیم نے نسخے میں لکھ دیا ہے کہ کسی دوسرے ہی کی محبوبہ آپ کی ہم رقص بنے۔''

''میری اپنی تو کوئی ہے نہیں۔'' فریدی نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔ ''اور تمہاری ہم رقص اس قابل نہیں تھی۔''

حمید نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر رہ گیا۔ کچھ بولا نہیں۔

فریدی نے ویٹر کو اشارے سے بلا کر کافی کے لئے کہا اور اس کے چلے جانے پر حمید سے بولا۔ ''یہ نیگریس کہاں سے ہاتھ لگی ہے۔''

''صرف آپ ہی تقدیر کے اکلوتے نہیں ہیں۔''

''کافی میں شکر زیادہ لینا۔'' فریدی نے پرتشویش لہجے میں کہا۔ ''منہ کا مزہ خراب معلوم ہوتا ہے۔''

''منہ لگنے کی بات ہے..... یہاں تو شکر بھی منہ نہیں لگتی۔''

''بہت چبا چبا کر بول رہے ہو۔''

''منہ لگائی ڈومنی گائے تال بے تال.....!''

''تو کیا اب محاورات اور ضرب المثل ہی میں گفتگو ہوگی۔''

''آپ جیسے عظیم آدمی سے معمولی الفاظ میں کیا گفتگو کی جائے۔''

فریدی اُس کے اس کٹیلے طنز کو بھی نظر انداز کر گیا۔

ویٹر کافی لانے کے معاملے میں بے حد پھرتیلا ثابت ہوا تھا۔ لہٰذا بات آگے نہ بڑھ سکی۔ دونوں خاموشی سے کافی پیتے رہے۔ حمید نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ فریدی سے اُس لڑکی کے بارے میں کچھ بھی نہ پوچھے گا۔ لیکن پھر تھوڑی ہی دیر بعد پیٹ میں چوہے کودنے لگے۔ کیونکہ اسے صفورا کا حیرت انگیز رویہ یاد آ گیا تھا۔

''آپ ابھی اُس نیگریس کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔'' حمید نے کہا۔

''غالباً..... پوچھا تھا میں نے۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

''لیکن میں اس کے بارے میں کچھ بتانے سے پہلے آپ سے یہ معلوم کرنا چاہوں گا کہ

آپ کو اُن چھ آدمیوں کا علم ہے یا نہیں جو ہائی سرکل سے آپ کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک آئے تھے۔''

''مجھے علم ہے۔'' خشک لہجے میں جواب ملا۔

''کیا وہ اب بھی یہاں موجود ہیں۔''

''تم جانو.....!''

''میں نے ان کی شکلیں نہیں دیکھیں..... مجھے اطلاع ملی تھی کہ چھ آدمی آپ دونوں کا تعاقب کر رہے ہیں۔''

حمید نے اس بار بھی فریدی کے چہرے پر حیرت کے آثار نہ دیکھے اور نہ اُس نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ حمید کو تعاقب کی اطلاع کس ذریعہ سے ملی تھی۔

لیکن جب حمید نے کالی لڑکی کی کہانی چھیڑی اور داستان کے اس حصے پر پہنچا جہاں ''رلانے والی'' کا تذکرہ کر کے بدحواسی کا شکار ہوگئی تو اُس نے فریدی کے چہرے پر کسی قدر بے چینی کے آثار دیکھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کہانی کا انجام کم سے کم الفاظ میں سننا چاہتا ہو۔ لیکن کہانی تو پہلے ہی ادھوری رہ گئی تھی۔

''اٹھو.....!'' وہ حمید کے ہاتھ پر ہاتھ مارتا ہوا بولا۔ ''مجھے اس کے کمرے تک لے چلو۔''

''خدا سمجھے آپ سے..... اب کیا آپ مجھے کلائیوں سے بھی محروم کر دینا چاہتے ہیں۔''

''حمید بکواس نہیں..... جلدی کرو۔''

وہ ریکریئیشن ہال سے نکل کر لفٹ کی طرف بڑھے تھے۔ حمید اس کی جلد بازی کو حیرت سے دیکھ رہا تھا اور پھر اُس نے سوچا ممکن ہے سب فریب نظر ہو۔

زور کی چٹکی بھی لی تھی اُس نے اپنے بازو میں ''سی'' کر کے رہ گیا تھا۔ مطلب یہ کہ جاگ ہی رہا تھا۔

وہ سب کچھ خواب نہیں تھا۔

دوسری ملاقات

کمرے کا دروازہ بند تھا۔ لیکن کنجی قفل ہی میں موجود تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ نیند کے دباؤ کی بناء پر اُسے قفل کے سوراخ سے نکالنا ہی بھول گئی ہو۔ فریدی نے ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر دروازے کو دھکا دیا۔ دروازہ کھل گیا۔ لیکن..... کمرہ خالی تھا۔ دونوں اندر داخل ہوئے۔ بیڈ روم کا دروازہ پہلے ہی سے کھلا ہوا تھا اور یہاں بھی انہیں کوئی نظر نہ آیا۔

''کیا غسل خانے میں جاسوئی ہے۔'' حمید بڑبڑایا۔ اتنی دیر میں فریدی غسل خانہ بھی کھول چکا تھا۔ لیکن وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔

اب وہ کمرے کی چیزوں کی طرف متوجہ ہوا۔

''ممکن ہے کچھ دیر کے لئے باہر گئی ہو۔'' حمید نے کہا۔

''کنجی قفل ہی میں نہ چھوڑ جاتی۔'' فریدی میز پر جھکا ہوا بولا۔ حمید اکتائی ہوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

''ہوں..... خواہ مخواہ کام بڑھا گئی ہے۔'' اُس نے کچھ دیر بعد فریدی کو کہتے سنا۔ پھر اُس نے قریب آ کر کاغذ کا ایک ٹکڑا اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ملاحظہ فرمایئے۔ انگریزی میں گھسیٹی ہوئی تحریر تھی۔

''ڈیئر ساجد حمید

میں بہت جلدی میں یہاں سے رخصت ہو رہی ہوں۔ یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ میں تمہارے شہر سے واقف نہیں ہوں۔ تم سے رخصت ہو کر میں اپنے کمرے میں جانے کی بجائے باہر گئی تھی۔ وہاں ایک ٹیکسی

خالی مل گئی۔ میں نے اس کا نمبر نوٹ کرلیا ہے۔ PHC 12342

یہاں واپس آ کر تمہیں لکھ رہی ہوں۔ بات کچھ ایسی ہی ہے کہ میں اس کے بعد یہاں ٹھہر نہیں سکتی۔ میں نہیں جانتی کہ وہ مجھے کہاں لے جائے گا۔ چونکہ یہاں سے شہر تک ایک طویل سنسان راستہ ہے۔ اس لئے میں نے اُسے یہ نہیں بتایا کہ میں یہاں اجنبی ہوں۔ شہر پہنچ کر ہی اُسے بتاؤں گی کہ مجھے کسی اچھے ہوٹل میں قیام کرنا ہے اور وہ اس سلسلے میں میری مدد کرے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ تم ٹیکسی ڈرائیور کو تلاش کر کے میری رہائش کے بارے میں معلوم کرسکو۔ جو وقت تمہارے ساتھ گذرا بہترین تھا۔

صفورا۔''

''کافی ذہین معلوم ہوتی ہے۔'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بڑبڑایا۔

''ہوگی..... خواہ مخواہ اُسے یہ غلطی فہمی کیونکر ہوئی کہ میں ٹیکسی ڈرائیور کو تلاش کرتا پھرو گا۔ لیکن آخر یہاں سے کیوں گئی۔ یہاں کنٹریکٹ پر آئی تھی۔ معاہدے کا کیا ہوگا۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کی آنکھیں گہری سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔

کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ ''دیکھنا ہے کہ تمہاری یہ حماقت میرے لئے کس حد تک کارآمد ثابت ہوتی ہے۔''

حمید چونک کر اُسے دیکھنے لگا۔ لیکن فریدی اُس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

''میری حماقت..... کیا مطلب.....!''

''اس سے پہلے کبھی میں نے تمہارے ساتھ کوئی بدصورت لڑکی نہیں دیکھی۔ یقیناً میرا مضحکہ اڑانا چاہتے تھے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ منتظر تھا کہ فریدی کچھ اور کہے گا۔ لیکن وہ پھر میز کی طرف متوجہ تھا۔ اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ حمید فون کی طرف بڑھا ہی تھا کہ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''نہیں۔''

فون کی گھنٹی بجتی رہی اور وہ اس کو اسی حال میں چھوڑ کر کمرے سے باہر آ گئے۔ راہداری سنسان نہیں تھی۔ مختلف جگہوں پر کچھ لوگ کھڑے نظر آئے۔ ان میں سے کوئی سگریٹ سلگا رہا تھا کوئی جھکا ہوا جوتے کے اندر پیر کھجانے کی کوشش کر رہا تھا۔ کوئی دیوار سے لگی ہوئی کسی پینٹنگ کا جائزہ لیتا ہوا نظر آیا اور حمید نے فریدی کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ دیکھی۔

''کیا یہی لوگ ہیں۔'' حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

''ہوں.....!'' فریدی نے سر کو خفیف سی جنبش دی اور لفٹ کی طرف جانے کے بجائے زینوں کی جانب چل پڑا۔

زینے بہت اطمینان سے طے کئے گئے۔ لیکن اُن کے پیچھے کوئی بھی نہیں آیا تھا۔ لیکن جیسے ہی وہ ڈائننگ ہال میں پہنچے حمید نے ان لوگوں کو پہچان لیا جو کہ کچھ دیر پہلے اوپر ملے تھے۔ غالباً وہ لفٹ کے ذریعہ سے نیچے پہنچ گئے تھے۔

''اب میں فکر کے مارے پھٹ جاؤں گا۔'' حمید نے فریدی سے کہا۔

''تم غالباً آج موٹر سائیکل لے کر نکلے تھے۔'' فریدی بولا۔

''شامت تھی کہ نکلا ہی تھا۔''

''اُسے یہیں چھوڑو..... میرے ساتھ چلو۔''

''کہیں میں آپ کے مشاغل میں مخل نہ ہوں۔'' حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

''دماغ خراب ہوگیا ہے۔''

''نہیں..... آج شام سے بے حد رومانٹک ہو رہا ہے۔''

''ابھی کیڑے جھاڑ دوں گا۔''

وہ عمارت سے نکل کر پارکنگ شیڈ تک آئے۔ فریدی نے حمید کیلئے لنکن کا دروازہ کھولا۔

''تشریف رکھئے۔''

''آپ نے مجھے پہچان لیا ہے نا..... میں حمید ہوں..... ساجد حمید۔''

''چل بیٹھ.....!'' فریدی نے اُسے دروازے میں دھکا دیا۔

گاڑی کمپاؤنڈ سے نکل کر سڑک پر آ گئی تھی۔

کچھ دور چلنے کے بعد حمید نے مڑ کر دیکھا۔ کسی دوسری گاڑی کے ہیڈ لیمپ چمکتے ہوئے نظر آئے۔

''غالباً وہی ہیں۔'' حمید بڑبڑایا۔

''جہنم میں جائیں۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

''کیا مطلب.....؟''

''مطلب یہ کہ وہ میرے لئے قطعی بے ضرر ہیں۔ اسلئے ہمیں ان کی قطعی فکر نہ کرنی چاہئے۔''

''اپنے آدمی.....!''

''نہیں.....!''

''تو پھر.....؟''

''کان نہ کھاؤ.....!''

''اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

''گھر.....!'' فریدی نے کہا اور حمید نے سوچا کہ اس وقت اُسے واضح قسم کی گفتگو آمادہ نہیں کیا جا سکتا۔

پھر راستہ خاموشی سے طے ہوتا رہا۔

شہر پہنچ کر حمید نے محسوس کیا فریدی یونہی خواہ مخواہ راستے کو طول دے رہا ہے۔ کبھی ایک گلی سے گذر کر دوسری سڑک پر آ نکلتا اور کبھی دوسری سے تیسری پر.....!

''کیا چکر ہے.....؟'' وہ خواب آلود آواز میں بڑبڑایا۔

''نہیں باور تو کرا دوں کہ میں اس تعاقب سے بے خبر نہیں ہوں۔''

''مجھے بھی کچھ باور کرا دیجئے۔''

''تم کیا باور کرانا چاہتے ہو۔''

''یہی کہ میں وہیل مچھلی کا انڈا نہیں ہوں۔''

''کیا بات ہوئی.....؟''

''عقل کی باتوں ہی نے مجھے سر کے بل کھڑا کر رکھا ہے۔ بدھو ہوتا تو شادی کرتا اور بچے جنتا.....اوہ.....کیا بک رہا ہوں۔''

''نیند آ رہی ہے ننھے بچے کو۔''

''آپ مجھے اتنا احمق کیوں سمجھتے ہ

''احمق تو ہو.....لیکن اندازے کی غلطی مجھ سے بھی ہو سکتی ہے۔''

''میں جلد از جلد گھر پہنچنا چاہتا ہوں۔''

''بس اب گھر ہی چلیں گے۔''

حمید پھر اونگھنے لگا۔

دوبارہ اُسی وقت چونکا تھا جب گاڑی رکی تھی۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا۔ گاڑی اپنی ہی کمپاؤنڈ میں رکی تھی۔

''اتریئے.....نواب صاحب۔'' فریدی کی آواز کان کے قریب ہی سنائی دی۔

''شکریہ.....!'' وہ دروازہ کھول کر اترا اور فریدی کا انتظار کئے بغیر پورچ کی طرف بڑھ گیا۔ پتہ نہیں کیوں گاڑی پورچ تک نہیں لائی گئی تھی۔

اپنے سونے کے کمرے میں داخل ہو کر اُس نے دروازہ بولٹ کیا اور کپڑوں جوتوں سمیت مسہری پر ڈھیر ہو گیا اور پھر ذرا ہی سی دیر بعد وہ خراٹے لے رہا تھا۔

پتہ نہیں کیسے کیسے اوٹ پٹانگ خواب دیکھتا رہا۔ ایک ایسی لڑکی دیکھی جس کا چہرہ آدھا سیاہ تھا اور آدھا سفید۔ چہرہ اُس کی طرف بڑھتا آ رہا تھا۔ چہرے کے دونوں روپ جانے پہچانے سے تھے۔ پھر ہونٹوں میں دفعتاً سوئی سی چبھ کر رہ گئی۔ اُس نے چیخنا چاہا لیکن آواز نہ نکلی۔ البتہ اُس چہرے سے کچھ ایسی آواز آئی جیسے گھنٹی بج رہی ہو۔ تیز قسم کی گھنٹی کان کے پردے پھٹتے سے محسوس ہونے لگے اور آنکھ کھل گئی۔ چہرہ غائب ہو چکا تھا۔ لیکن گھنٹی تو اب بھی بجے جا رہی تھی۔

''اُو.....حرام خور.....!'' وہ مکا تان کر فون کی طرف جھپٹا۔

''ہالو.....!'' ماؤتھ پیس میں دہاڑا تھا۔

''صبح کے ساڑھے آٹھ بجے ہیں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''اچھا تو پھر.....!'' وہ پہلے ہی کے سے انداز میں دہاڑا۔

''کمرے سے باہر آؤ۔'' تحکمانہ لہجے میں کہا گیا۔

حمید نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا اور اب اپنے اعصاب پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔ گھنٹی کی تیز آواز سے جاگنے پر قابو پانے میں کچھ دیر لگی اور اُس نے میز پر رکھی ہوئی ٹائم پیس پر نظر ڈالی۔ واقعی ساڑھے آٹھ بج رہے تھے لیکن سویا بھی تو تھا تین بجے۔

طوعاً و کراہاً کمرے سے نکلا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی ناشتے کی میز ہی پر ہوگا۔ اُسے اخبار بینی میں مصروف دیکھ کر کھنکارا اور اُس کے متوجہ ہونے پر بولا۔ ''باتھ روم تک جانے کی اجازت ہے یا پھر یہیں.....!''

فریدی نے پیشانی پر بل ڈالے اور پھر اخبار پر نظریں جما دیں۔

پھر پندرہ یا بیس منٹ بعد حمید دوبارہ ڈائننگ روم میں داخل ہوا۔ لیکن فریدی اب وہاں نہیں تھا۔ البتہ وہ اس کے لئے کچھ چھوڑ گیا تھا۔ کاغذ کا ایک ٹکڑا.....جس کا کچھ حصہ کافی پاٹ کے نیچے دبا ہوا تھا۔

تحریر تھی۔

''فرزند ارجمند.....اگر تم ہوٹل مے پول کے کمرہ نمبر ایک سو تراسی تک پہنچ سکو تو مراد کو شگفتہ پاؤ گے۔ ابھی اور اسی وقت روانہ ہو جاؤ۔''

''ہوں.....!'' وہ نتھنے پھلا کر بولا۔ ''تو پتہ لگا لیا کہ اس نے کس ہوٹل میں قیام کیا ہے۔''

پھر ناشتے سے فارغ ہو کر اُس نے پائپ سلگاتے ہوئے سوچا۔ آخر پچھلی رات وہ مجھے ڈھونڈھ ہی نکالا۔ ورنہ کون ایسی زحمتیں مول لیتا ہے۔ آخر کار طور پر اتنا بے مایہ ہو کر کیوں رہ گیا تھا۔ فریدی کو ایک لڑکی کے ساتھ رقص کرتے دیکھ کر یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ وہ اپنی ڈگر سے ہٹ گیا ہے۔ کون جانے کوئی بڑا کھیل ہو۔ اس سے پہلے بھی

کئی بار وہ اُسے اعلیٰ درجہ کی رومانی اداکاری کرتے دیکھ چکا تھا.....اگر وہ اتنا ہی کامیاب اداکار ہے تو.....نہیں وہ اداکاری نہیں تھی۔ حمید کسی طرح بھی اس سلسلے میں اپنے ذہن کو مطمئن نہ کر سکا تھی تو کوئی چیز ایسی جس کی بناء پر وہ اُسے خالص اداکاری تسلیم کر لینے سے ہچکچا رہا تھا۔

''ابے تو تجھے کیا.....؟'' بالآخر اس نے جھلا کر اپنے سر پر دو ہتھڑ رسید کیا اور خواب گاہ میں آ کر لباس تبدیل کرنے لگا۔

تو وہ مے پول ہوٹل میں ٹھہری ہوئی تھی۔ شائد فریدی نے پچھلی رات ہی سے اُس کی تلاش شروع کرا دی ہوگی۔ ٹیکسی کا نمبر معلوم ہو جانے کے بعد یہ کوئی ایسا مشکل کام بھی نہیں تھا۔

آدھے گھنٹے کے اندر حمید مے پول جا پہنچا۔ یقیناً صفورا کا وجود فریدی کے لئے اہمیت اختیار کر چکا تھا ورنہ وہ اس کی طرف دھیان ہی کیوں دیتا اور اس اہمیت کی وجہ یہی ہو سکتی تھی کہ وہ اس کی ہم رقص کے بارے میں کچھ جانتی تھی.....تو پھر وہ ہم رقص.....جہنم میں جائے۔

حمید نے گردن اکڑا کر سر کو جھٹکا دیا۔ کمرہ نمبر ایک سو تراسی اندر سے مقفل تھا۔ اس نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔

دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''کون ہے؟'' آواز صفورا ہی کی تھی۔

''رات کا ساتھی۔'' حمید دروازہ سے منہ لگا کر بولا۔

''حمید.....ساجد حمید.....!'' مزید وضاحت طلب کی گئی۔

''ہاں.....وہی.....دروازہ کھولو.....!''

دروازہ کھلا۔ وہ سامنے ہی کھڑی نظر آئی۔ آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی اور چہرے کی رنگت میں پہلے سے بھی زیادہ گاڑھا پن آ گیا تھا۔ غالباً یہ وفور مسرت کا اظہار تھا۔

''خدا کی قسم.....!'' وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔ ''تم ایک مخلص دوست ہو۔ آخر کار

''اچھا.....پیچھے تو ہٹو۔ مجھے اندر آنے دو۔''

''آؤ.....آؤ۔'' اُس نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر اندر کھینچ لیا۔

دروازہ بند کر کے وہ حمید کی طرف مڑی۔

''تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں کوئی نہیں..... ٹیکسی ڈرائیور نے مجھے بہتیری زحمتوں سے بچا لیا تھا۔ واقعی تم لوگ بہت اچھے ہو۔ حالانکہ وہ میری زبان نہیں سمجھ سکتا تھا پھر بھی اتنا ذہین تو تھا ہی کہ مجھے یہاں تک لے آیا۔''

''آخر اس طرح بھاگنے کی کیا ضرورت تھی۔ تم کہتیں تو میں ہی تمہیں کسی ایسی جگہ پہنچا دیتا، جو ہماری دانست میں محفوظ ہوتی۔''

''اُوہ تو تم سمجھ گئے ہو کہ میں نے کسی خوف کے تحت ایسا کیا تھا۔''

''تمہارا خط ملنے کے بعد اس کے علاوہ کیا سوچتا۔''

''میرا خیال ہے کہ وہ بھی نیاگرا ہی میں مقیم ہے۔''

''پتہ نہیں۔'' حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

''تو بیٹھو نا..... کھڑے کیوں ہو۔ یہاں کافی بہت اچھی ملتی ہے۔ شائد خود ہی ہار کراتے ہیں۔''

''ہوں..... اُوں.....!'' حمید اس طرح کرسی میں ڈھیر ہو گیا جیسے بہت تھک گیا ہو۔

وہ اُسے چند لمحے پرتشویش نظروں سے دیکھتی رہی پھر بولی۔ ''کیوں طبیعت کیسی تمہاری۔ آنکھیں بند ہوئی جا رہی ہیں۔''

حقیقتاً حمید نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ کیونکہ وہ اُسے دیکھے بغیر اُسکی آواز سننا چاہتا تھا۔

''ہاں..... آں..... درد ہے سر میں..... اتنے بڑے شہر میں کسی ٹیکسی ڈرائیور کو ڈھونڈ نکالنا کوئی آسان کام تو نہیں۔''

''اُوہ..... تم نے میرے لئے بڑی تکلیف اٹھائی۔ اسپرین لینا پسند کرو گے۔''

''شکریہ..... تھوڑی دیر بعد ٹھیک ہو جاؤں گا۔''

پھر وہ خاموش ہو گئے۔ حمید نے بدستور آنکھیں بند رکھیں۔ آواز ہی تو سننا چاہتا تھا۔

شکل دیکھ کر کیا کرتا۔ اس لڑکی سے مل بیٹھنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ فریدی کو چڑایا جائے۔ اس کے رومان کا مضحکہ اڑایا جائے۔ حالانکہ پہلے ہی اُسے فریدی کے بارے میں سنجیدگی سے کوئی فیصلہ نہ کر لینا چاہئے تھا۔ آخر اب اچانک ذہن کو جھٹکا لگا ہی۔

اُسے اس اتفاق پر ہنسی بھی آ رہی تھی۔ کیا یہ ضروری تھا کہ جس لڑکی سے وہ خود ٹکرایا تھا فریدی کی ہم رقص کے بارے میں کچھ جانتی ہی ہوتی۔

اور اب یہ نامعقول نیگریس جو محض تفریح کی خاطر دریافت کی گئی تھی ارتھمیٹک کے کسی اکتا دینے والے مسئلے کی طرح حلق میں اٹک کر رہ جائے گی۔ واہ ری قسمت..... اُسے ایک بار پھر اپنی عقل پر غصہ آنے لگا۔ گویا اُس وقت بچوں کا سا ذہن ہو گیا تھا۔ جب اُس نے فریدی کی بے راہ روی کے بارے میں سوچا تھا۔ وہ ایسا تو نہیں تھا کہ خواہ مخواہ ایک عیاش آدمی کی حیثیت سے اپنی تشہیر کرتا پھرتا۔

''کیوں..... کیسی طبیعت ہے۔'' دفعتاً صفورا بولی اور حمید اچھل پڑا۔

''کیا تم بھی ڈر گئے ہو.....!'' وہ ہنس کر بولی۔

''مم..... میں نہیں تو..... بھلا میں کیوں ڈروں گا۔''

''میں تو اب یہ سوچ رہی ہوں کہ چپ چاپ اس شہر سے رخصت ہو جاؤں۔''

''آخر کیوں؟ وہ کون تھی؟ تم اس سے کیوں خائف ہو۔''

''میں پچھلی رات تمہیں اس کے بارے میں بتا رہی تھی کہ یک بیک میرے ذہن پر خوف مسلط ہو گیا۔ میں نے سوچا کہ مجھے یہاں سے ہٹ جانا چاہئے۔ جتنی جلد ممکن ہو۔''

''تو کیا وہ بھی تمہیں جانتی ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''اچھی طرح..... اس نے مجھے ایسی اذیتیں دی ہیں کہ میں ساری زندگی انہیں یاد کر کے لرزتی رہوں گی۔ شکاگو میں کون ہے جو ''رلانے والی'' کو نہ جانتا ہو۔ اُس زمانے میں اس کا گروہ کئی ریاستوں پر چھایا ہوا تھا۔''

''گروہ.....؟''

''ہاں.....وہ ایک بہت بڑے گروہ کی سربراہ تھی۔''

''گروہ کس قسم کا تھا.....!''

''ویسا ہی جیسے وہاں عام طور پر ہوتے ہیں۔ قمار خانے چلانے والے، منشیات کی ناجائز تجارت کرنے والے، اور اس عورت نے تو شائد قحبہ خانے بھی قائم کر رکھے تھے۔ بڑے بڑے غنڈے کانپتے تھے اس کے نام سے۔ میں نے سنا ہے کہ اس کے دور اقتدار میں شکاگو کے دوسرے چھوٹے موٹے گروہ ٹوٹ کر اسی کے گروہ میں ضم ہوگئے تھے اور جنہوں نے اس کی اطاعت قبول نہیں کی تھی انہیں نہ صرف شکاگو سے بلکہ ان ریاستوں سے بھی منہ موڑ لینا پڑا تھا جہاں جہاں اس کا اثر تھا۔''

''تم کیسے پھنس گئی تھیں.....؟''

''وہی تو بتا رہی تھی پچھلی رات کو.....وہ بوڑھا آدمی مجھے کسی طرح بریس بین کیفے سے نکال لے گیا تھا۔ دو دن تک اس نے مجھے ادھر اُدھر چھپائے رکھا پھر میں اسی ''رلانے والی'' کے سامنے پیش کر دی گئی تھی۔ مجھے یاد پڑتا ہے اس رات وہ بھی تھی کیفے میں.....!''

''نام کیا ہے اس کا.....!''

''یہ تو مجھے آج تک نہیں معلوم ہو سکا۔ وہ اُسے رلانے والی ہی کہتے تھے۔''

''اچھا تو پھر تم اس کے سامنے پیش کر دی گئیں۔''

''اس نے مجھ پر نفرت انگیز نظریں ڈالیں تھیں اور کہا تھا کہ میں اُسے کچھ گا کر سناؤں۔ یقین کرو.....وہ رات بھر وہیں بیٹھی شراب پیتی رہی تھی اور میں گاتی رہی تھی۔ اتنی اذیت پسند عورت آج تک میری نظروں سے نہیں گذری۔ صبح ہوتے ہوتے اُس نے مجھ سے کہا کہ اپنے سارے کپڑے اتار دوں۔ مجھے غصہ آ گیا اور میں مرنے مارنے پر آمادہ ہوگئی۔ لیکن اُس کے دو آدمیوں نے اُس کے حکم کی تعمیل کی اور پھر جب میں سکڑی سہمی خود کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی اس نے مجھے چمڑے کے چابک سے مارنا شروع کیا۔ میرا پورا جسم لہولہان ہو کر رہ گیا تھا۔ پھر تین دن تک میری تیمار داری ہوتی رہی تھی۔ ابھی پچھلے ہی زخم نہیں مندمل ہوئے تھے کہ

چوتھے دن پھر اس نے میرے ساتھ وہی برتاؤ کیا۔ بس اب کیا بتاؤں۔ مجھے تو اپنی زندگی کی اُمید نہیں رہی تھی۔ جب وہ مجھے چابک سے پیٹتی تھی تو اُسکی آنکھوں میں کچھ ایسی ہی طمانیت نظر آتی تھی جیسے جھلسا دینے والی گرمی میں اُس نے کسی ٹھنڈے مشروب کا پہلا گھونٹ لیا ہو۔''

''پھر تم اس کے پنجے سے کس طرح آزاد ہوئی تھیں۔''

''یہ.....یہ تو.....میں کبھی نہ بتاؤں گی۔ کسی کو بھی نہیں۔'' اُس نے کسی قدر رک رک کر کہا اور حمید نے اس کے چہرے پر مجبوبیت کے آثار دیکھے۔ لہٰذا اُس نے اسی خاص نکتے پر مزید گفتگو مناسب نہ سمجھی۔

''کیا اُس زمانے میں بھی تمہاری ایسی ہی شہرت تھی۔''

''شہرت تو نہیں تھی۔ لیکن ایک بار بھی جو میرے گیت سن لیتا تھا پسند کرنے لگتا تھا اور اس وقت لوگ مجھے رینی کے نام سے جانتے تھے۔''

''تو یہ نام.....میرا یہ مطلب ہے صفورا.....تم نے خود اختیار کیا ہے۔''

''ہاں.....یہ میرا پروفیشنل نام ہے ورنہ گھر والے تو اب بھی رینی ہی کے نام سے پکارتے ہیں۔''

''تب تو پھر پروگرام میں تمہارا نام دیکھ کر اس عورت نے تمہاری طرف دھیان ہی نہ دیا ہوگا۔''

''صورت تو یاد ہوگی اُسے۔ کیونکہ اس نے مجھے بڑی اذیتیں دی ہیں۔ میں سوچتی ہوں آخر یہاں اس کی موجودگی کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔''

''ہوگا کچھ.....ہمیں اس سے کیا سروکار.....میں تو دراصل اپنا وعدہ پورا کرنے آیا ہوں.....تمہیں شہر دکھانا ہے۔''

''کیا یہ ممکن ہے.....!'' اُس نے حمید کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میرے لئے کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔''

''وہ کس طرح.....؟''

''تم تو اس سے بُری طرح خائف معلوم ہوتی ہو۔ جیسے وہ کوئی خبیث روح ہو۔''

''یقین جانو میں یہی سمجھتی ہوں۔''

''ارے بس.....!'' حمید گردن جھٹک کر بولا۔

''ویسے تم بہت اچھے ہو۔ یقیناً تمہیں موسیقی سے سچا لگاؤ ہے۔ ورنہ تم کیوں میرے لئے اتنی تکلیف برداشت کرتے۔''

''کیا تم یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہو کہ یہ وہی عورت ہے۔''

''جس طرح کہ میں اپنے بارے میں یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ میں رینی ہول صفورا ہوں۔''

''ہوں.....!'' حمید نے پُرتفکر انداز میں سر کو جنبش دی۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ''فرض کرو.....وہ تمہیں دیکھ پائے اور پہچان لے تو کیا ہوگا۔''

''وہ.....وہ مجھے جان سے مار ڈالے گی جیسا کہ دوسروں کے ساتھ کرتی تھی۔''

''اوہو.....تو کیا دوسروں کے ساتھ بھی۔''

''وہ سچ مچ کوئی خبیث روح ہے۔ تم یقین نہ کرو گے۔ کیونکہ تم اُس کا معصوم چہرہ دیکھ چکے ہو۔ اُس کے حسن سے متاثر بھی ہوئے ہو۔ کیونکہ تم نے ہی میری توجہ اُس کی طرف مبذول کرائی تھی۔ ارے وہ پتہ نہیں کیا ہے۔ جس آدمی کے ذریعہ مجھے اُس کے پنجے سے رہائی ملی تھی پھر وہ بھی وہاں نہیں رکا تھا۔ میکسیکو بھاگ گیا تھا۔ وہ اس کی بوٹیاں اڑا دیتی۔ میں نے ایک خوبصورت نوجوان کا انجام اپنی آنکھوں سے خود دیکھا تھا۔ اس نے اُس کے کپڑے اتار دیئے تھے اور چابک لے کر پل پڑی تھی۔ اس کے تین گرگے ریوالور تانے کھڑے تھے۔ نوجوان پٹ رہا تھا۔ جسم سے خون کے فوارے چھوٹ رہے تھے جب تک ہوش میں رہا چابک پڑتے رہے تھے۔ پھر تیسرے دن میں نے سنا کہ وہ مرگیا۔ مجھے رہائی دلانے والے نے بتایا تھا کہ وہ درجنوں لڑکیوں اور نوجوانوں کو اسی طرح ختم کر چکی ہے۔''

''آخر اس کا مقصد کیا تھا۔''

''اذیت پسند طبیعت کی تسکین۔ کیا تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ مجھے تو

کے ایک ماہر نفسیات نے اس کے متعلق بہت کچھ بتایا تھا۔''

''اچھا فرض کرو وہ تمہیں پہچان بھی لیتی ہے تو.....کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ وہ یہاں بھی تمہارے ساتھ کوئی ایسی حرکت کر سکے گی۔''

''سوال تو یہ ہے کہ وہ یہاں کیا کر رہی ہے۔''

''نوادرات کی تلاش میں آئی ہوگی۔''

''کیا اپنی اصلی حیثیت میں.....کیا تمہاری حکومت ایسے بدنام افراد کو ملک میں داخلے کی اجازت دے دیتی ہے۔ وہ اپنے صحیح نام اور پتہ کے ساتھ تو یہاں ہرگز نہ آئی ہوگی۔ تب پھر وہ کس طرح پسند کرے گی کہ یہاں کوئی اس کی اصلیت جاننے والا بھی موجود ہو۔''

حمید نے تفہیمی انداز میں سر کو جنبش دی اور اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

''اچھی بات ہے۔'' اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''میری دانست میں تمہاری احتیاط حق بجانب ہوگی۔ اب میں دیکھوں گا کہ تمہیں اس شہر کی سیر کس طرح کرائی جائے۔ لیکن تم اُس کنٹریکٹ کے بارے میں کیا کرو گی۔''

''میں نے رات ہی نیاگرہ کے منیجر کو فون کر دیا تھا کہ میں شہر میں ہی ہوں۔ صبح فون کیا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں اس لئے شائد میں شام کو وہاں نہ پہنچ سکوں۔''

''اگر وہ تمہاری عیادت کو دوڑا آیا تو.....!''

''دردسر کو آج تک کون دیکھ سکا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ میں تمہیں جلد ہی بتاؤں گا کہ تمہیں کیا کرنا چاہئے۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

''اوہ.....تو کیا جا رہے ہو۔''

''ہاں.....آں.....مجھے کچھ کرنا ہے اس سلسلے میں۔''

''کیا کرو گے۔''

''میرا ایک دوست پولیس آفیسر ہے۔ اُس سے مشورہ کروں گا۔ لیکن میں یہ بھی تو نہیں جانتا کہ اس کا قیام کہاں ہے۔ نیاگرہ میں تو نہیں ہوسکتا کیونکہ تم وہاں پروگرام میں حصہ لیتی

رہی ہو۔ کبھی نہ کبھی تو اس نے تمہیں دیکھا ہی ہوتا اور تم سکون سے نہ رہ سکتیں۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن اُسے کہاں تلاش کرو گے۔''

''فکر نہ کرو..... اپنے کمرے ہی تک محدود رہنا۔'' حمید دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

تھوڑی دیر بعد وہ سڑک پر تھا۔

بیس منٹ بعد دفتر میں فریدی کو رپورٹ دے رہا تھا۔

''وہم ہے اس کا۔'' فریدی اختتام پر مسکرا کر بولا اور پھر سامنے پڑے ہوئے فائل کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''جی..... یعنی کہ.....!''

''میں نے بے شمار ہم شکل دیکھے ہیں۔''

''اللہ رحم کرے آپ کے حال پر.....!'' حمید نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہو۔ ٹھنڈی سانس لی اور تیزی سے مڑ کر کمرے سے نکل بھاگا۔

دھماکہ

وہ سمجھا تھا شائد فریدی اُسے صفورا کے بارے میں کچھ ہدایات دے گا۔ لیکن یہاں بات کرنے کی گنجائش نہ رہی تھی۔ پھر آخر اُس نے ٹیکسی ڈرائیور کو ڈھونڈ نکالنے کی زحمت کیو گوارا کر لی تھی؟

اگر صفورا جھوٹی تھی تو اس جھوٹ کی ضرورت پر بھی غور کرنا لازم تھا۔ آخر اُس نے اس کے سلسلے میں اتنا بڑا جھوٹ..... نہیں یہ ناممکن ہے۔ یہ جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا یہی بات ہو ہے کہ پرانی عادت کے مطابق حضرت اُسے اندھیرے ہی میں رکھنا چاہتے ہیں۔ اچھی بات ہے جناب آپ بھی دیکھ ہی لیں گے۔ حمید کے ذہن میں وہی قدیم چھپکلی کلبلائی تھی، جو

اُسے پریشانیوں ہی میں مبتلا کرتی رہی تھی۔

وہ اُسی دن پھر صفورا سے ملا۔

''ہم دیکھیں گے کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں۔'' اُس نے اُس سے کہا۔

''میں نہیں سمجھی۔''

''ہم معلوم کریں گے کہ وہ کہاں رہتی ہے۔''

''ہم سے کیا مراد ہے تمہاری..... کیا میں بھی۔''

''بالکل..... بالکل..... لیکن وہ ایک فٹ کے فاصلے سے تمہیں نہ پہچان سکے گی۔''

''بھلا وہ کیسے.....؟''

''میک اپ.....!''

''ایسا میک اپ.....'' صفورا کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ہاں..... ہاں..... ہم دونوں ہی کی شکلیں تبدیل ہو جائیں گی۔''

''کیا تمہیں اس میں دخل ہے۔''

''ماہر ہوں..... ماہر.....!'' حمید اکڑ کر بولا۔ ''دراصل میں اسٹیج ایکٹر ہوں۔ اکثر فلموں میں بھی میں نے اپنا میک اپ دیا ہے۔''

''تب تو بڑی اچھی بات ہے۔ لیکن مجھے خوف معلوم ہوتا ہے۔ میں ایک غیر ملکی ہوں۔ اگر پولیس کو علم ہو گیا کہ میک اپ میں ہوں تو مجھ سے ضرور جواب طلب کر لیا جائے گا۔''

''میرا وہ دوست..... پولیس آفیسر پھر کب کام آئے گا۔ تم مطمئن رہو۔ ڈرو نہیں۔ میں اسی کے مشورے سے ایسا کرنے جا رہا ہوں۔ میں نے اُسے بتایا تھا۔ اُسے بھی تشویش ہو گئی ہے۔''

''تب تو پھر ٹھیک ہے۔ اس طرح گویا میں یہاں کی پولیس کی مدد کروں گی۔''

''بالکل..... بالکل.....!''

''پتہ نہیں کیسی شکل بناؤ میری۔''

''بناؤں گا نہیں..... بدلوں گا۔''

''رنگت بھی بدل دو گے۔''

''میرا باپ بھی نہیں بدل سکتا۔''

''پھر.....؟''

''ارے صرف خدوخال بدلوں گا۔بس تم اُس حیثیت سے پہچانی نہ جاسکو گی جس میں اُس نے تمہیں دیکھا تھا۔''

''تم اپنی شکل کیوں بدلو گے.....؟''

''ارے تم اتنے بہت سے سوالات کیوں کر رہی ہو۔''

''میں سمجھ گئی۔'' اُس نے مضمحل سی آواز میں کہا۔''تم ایک کالی لڑکی کے ساتھ دیکھا جانا پسند نہیں کرتے۔''

''میں تو کلوٹیوں کے ساتھ دفن ہونا بھی پسند کروں گا۔''

''تو غصہ کیوں آرہا ہے.....؟''

''ارے باپ رے۔'' حمید اردو میں بڑبڑایا۔''میرے سر پر سوار ہوجانے کی کیا ضرورت ہے۔''

''دیکھو.....دیکھو.....اپنی زبان میں مجھے بُرا بھلا کہہ رہے ہو۔تمہیں یقیناً غصہ آرہا ہے۔''

''اب آجایئے گا ورنہ خاموش رہو۔میں کچھ سوچنا چاہتا ہوں۔''حمید نے انگریزی میں کہا۔

''اچھا تو سوچو.....!'' وہ بے بسی سے بولی اور حمید یہ سوچنے لگا کہ وہ سچ مچ بالکل اُلو کا پٹھا ہے۔کیا ضرورت ہے کہ اس حماقت میں پڑا جائے۔

دفعتاً کسی نے دروازے پر دستک دی۔

''کون ہے۔'' صفورا بوکھلا کر اٹھتی ہوئی بولی۔

کسی نے باہر سے کچھ کہا اور وہ حمید کی طرف جھک کر آہستہ سے بولی۔''نیاگرہ کا اسسٹنٹ منیجر معلوم ہوتا ہے۔''

حمید بھی اٹھا اور دیوار کی طرف مڑ گیا۔صفورا نے دروازہ کھول کر آنے والے کو اندر آنے

کے لئے کہا۔پھر جب حمید اُن دونوں کی طرف مڑا تو صفورا کی آنکھیں حیرت سے پھیلی رہ گئیں۔کیونکہ اتنی دیر میں حمید نے اپنا وہ ریڈی میڈ میک اپ استعمال کر ڈالا تھا جو ہر وقت ہی جیب میں پڑا رہتا تھا۔یعنی وہ اسپرنگ جو ناک کے نتھنوں میں فوری طور پر فٹ کئے جاسکتے تھے۔ناک کی نوک اوپری ہونٹ سمیت اوپر اٹھتی چلی گئی تھی اور سامنے کے دانت دکھائی دینے لگے تھے۔

نیاگرہ کا اسسٹنٹ منیجر اُسے پرتشویش نظروں سے دیکھتا ہوا بیٹھ گیا۔صفورا نے شائد اُس کے ذہن میں پیدا ہونے والے سوال کو پڑھ لیا تھا۔اس لئے جلدی سے بولی۔

''یہ مسٹر احمد ہیں.....میرے پن فرینڈ.....تین سال سے انہیں جانتی ہوں لیکن ملاقات کل ہی ہوئی تھی۔خط و کتابت کے ذریعے غیر ملکیوں کو دوست بنانا میری ہابی ہے۔''

''دلچسپ ہابی ہے۔میں سعید ہوں۔''اس نے حمید کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

حمید مصافحہ کرتے وقت آہستہ سے کچھ بڑبڑایا جسے وہ دونوں سن نہ سکے اور پھر چند رسمی باتوں کے بعد کاروباری گفتگو شروع ہوگئی۔حمید خاموش بیٹھا رہا۔صفورا منیجر سے کہہ رہی تھی وہ کم از کم تین دن قطعی آرام کرنا چاہتی ہے۔اسسٹنٹ منیجر کہہ رہا تھا کہ وہ صرف خیریت دریافت کرنے آیا ہے۔اس کی خواہش منیجر تک پہنچا دے گا اور منیجر ہی اُس کا فیصلہ کر سکے گا کہ وہ تین دن آرام کر سکتی ہے یا نہیں۔''

دس منٹ بعد وہ اٹھ کر چلا گیا اور صفورا پھر پہلے ہی کے سے متحیرانہ انداز میں حمید کی طرف متوجہ ہوئی۔

''تم تو حیرت انگیز صلاحیتوں کے مالک ہو۔بھلا اتنی جلدی یہ کیسے ہوا۔''

''کہاں.....؟ کیا ہوا.....؟''حمید نے کہا اور ناک سہلانے کے بہانے ہاتھ اوپر لے گیا اور پھر ہاتھ ہٹا ہے چہرے سے تو سب معاملہ ٹھیک ٹھاک ہی تھا۔

''ارے.....!'' وہ اچھل پڑی۔

''کہیں مجھے بھی کوئی خبیث روح نہ سمجھ لینا۔''

''خدا کی قسم مجھے حیرت ہے۔ بھلا اس طرح اوپر کا ہونٹ ناک سمیت کیسے اٹھ سکتا ہے۔''

''تم کوشش مت کرنا۔ تمہارا ہونٹ پہلے ہی کافی اٹھا ہوا ہے۔ ناک غائب ہو جائے گی۔''

''نہیں مجھے بتاؤ۔ یہ تم نے کیسے کرلیا تھا۔''

''جب تم یہاں سے واپس جانے لگو گی سب کچھ بتادوں گا۔''

''میں الجھن میں رہوں گی۔''

''اس طرح کم از کم مجھے یاد تو رکھو گی۔''

''کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہیں یاد رکھوں۔''

''ہاں.....!'' حمید پھر جھلا گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر اس قسم کے رومانٹک جملے اس کی زبان سے کیوں نکل رہے ہیں۔

''آخر تمہارا مزاج کس قسم کا ہے۔ میں سمجھ ہی نہ سکی ابھی تک۔''

''نہ سمجھنا ہی بہتر ہے۔ پچھلے سال ایک لڑکی نے سمجھنے کی کوشش کی تھی۔ لہٰذا آج کل وہ کچھ دیر تک تو بھونکتی رہتی ہے اور پھر کاٹنے بھی دوڑتی ہے۔''

وہ اس طرح منہ کھولے اُسے دیکھتی رہی جیسے بات سمجھ ہی میں نہ آئی ہو۔

اس دن حمید پھر فریدی سے نہیں ملا تھا۔ شام ہونے کا منتظر رہا۔ میک اپ میں صفورا کی شکل بالکل ہی بدل کر رہ گئی تھی۔

شام کو اس نے بحیثیت کیپٹن حمید ہائی سرکل کے منیجر کو فون کیا۔

''دیکھو دوست! میرا ایک معزز فلپینی دوست ایک افریقی لڑکی کے ساتھ آئے گا۔ اتنا ہی انٹروڈکشن کافی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تم کسی فلپینی کو پہچان نہ سکنے کا عذر کرسکو لیکن کسی سیاہ فام نیگریس کو تو لاکھوں میں شناخت کرسکو گے۔''

''کیا مجھے ان کے ساتھ کسی خاص قسم کا برتاؤ کرنا ہے۔'' منیجر نے پوچھا۔

''نہیں.....بس تم ان سے یہ نہ پوچھو گے کہ وہ کس باقاعدہ ممبر کے ساتھ آئے ہیں۔''

''کیا یہ سرکاری حکم ہے۔''

''قطعی.....اور ان کی ٹوہ میں بھی نہ رہنا سمجھے۔''

''بہت بہتر جناب.....کیا آپ تشریف نہیں لا رہے۔''

''ہرگز نہیں.....کیونکہ میری تشریف آوری تمہارے لئے مصیبت ہی بن جاتی ہے۔''

''جیسی جناب کی مرضی.....اور کچھ.....!''

''بس شکریہ۔''

اس کے بعد اُس نے خود پر کسی فلپینی کا میک اپ کیا تھا۔ پلاسٹک میک اپ جس سے آنکھوں کے نیچے کا حصہ بالکل سپاٹ ہوگیا تھا۔

''واقعی.....تم ماہر ہو۔'' صفورا نے کہا۔

''اب تم روزی ہو اور میں مسٹر سانگ فی.....میرا نام نہ بھولنا۔ سانگ فی اور تم روزی.....ہم انگلش ہی میں گفتگو کریں گے۔ بس اب تیار ہو جاؤ۔''

پھر وہ ٹیکسی میں بیٹھ کر ہائی سرکل کی طرف روانہ ہوگئے۔

حمید سوچ رہا تھا کہ پچھلی شام بیزاری اور اداسی لے کر آئی تھی لیکن اس وقت ذہن کی کیا کیفیت ہونی چاہئے۔ کیا اب وہ کتوں کی طرح بھونکنا شروع کردے۔ تنہائی اگر اسی طرح رفع ہوتی ہے تو ایسی زندگی کو سات سلام.....بہرحال یہ بلا خود ہی اپنے گلے ڈالی تھی لہٰذا بھگتان تو ہوگا ہی۔

ہائی سرکل کے ڈائننگ ہال میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے منیجر سے ملاقات ہوئی۔

''جناب عالی.....ادھر تشریف لائیے.....اس میز پر.....اگر آپ عزت مآب کیپٹن حمید کے مہمان ہیں۔''

''ہاں.....ہاں.....!'' حمید بھرائی ہوئی آواز میں بولا اور پھر انہوں نے اس کی بتائی ہوئی میز پر قبضہ کرلیا تھا۔

''یہ کس کیپٹن حمید کا حوالہ دے رہا تھا۔ کون تھا.....؟''

''وہ اس کلب کا منیجر ہے۔'' حمید نے جھنجھلا کر کہا۔ ''اُس نے اسی پولیس آفیسر کا حوالہ دیا

تھا جس کی ہم مدد کر رہے تھے اور کیا پوچھنا ہے۔ سب کچھ ایک ساتھ پوچھ لو۔"

"تم خفا کیوں ہو رہے ہو۔"

"کچھ نہیں..... سب ٹھیک ہے۔"

"تم نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔"

"دل کی آنکھیں کھولنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" حمید بے بسی سے کراہا۔

"پتہ نہیں تم کیا سوچ رہے ہو۔ کیا کہہ رہے ہو؟"

"بس تم بولے جاؤ۔ مجھ سے جواب نہ طلب کرو۔" حمید نے آنکھیں کھولے بغیر جواب دیا اور سوچا اے پاک پروردگار جو عذاب خود ہی اپنے اوپر نازل کیا جائے اس کے لئے کس سے فریاد کی جائے اور کس منہ سے کی جائے۔

"میں ملک شیک پیوں گی۔"

"دہی کی لسی منگواؤں۔" حمید نے جل کر پوچھا۔

"یہ کیا چیز ہے۔"

"یہاں کا خاص مشروب ہے جسے پی کر آدمی خود کو چغد محسوس کرنے لگتا ہے۔"

"شکد..... کیا چیز ہے۔"

"شکد نہیں..... چغد.....!" حمید نے جھلا کر تصحیح کی۔

"چلو وہی سہی..... کیا چیز ہے۔"

"میں چغد ہوں۔"

"ہوگا..... مجھے کیا..... تم پتہ نہیں کیوں غصے میں بھر گئے ہو۔"

حمید نے اپنا دماغ ٹھنڈا کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ آخر اس بے چاری کا کیا قصور..... خواہ مخواہ جھلاہٹ کا مظاہرہ کیوں کیا جائے۔ وہ خود ہی تو اس کی طرف بڑھا تھا۔ وہ نہیں آئی تھی اُس کے پاس۔

اس نے ویٹر کو بلا کر صرف ایک گلاس ملک شیک کے لئے کہا۔

"کیا تم نہیں پیو گے۔"

"جب تک مجبوراً پینا پڑا تھا پیتا رہا تھا اس کے بعد سے تو پھر اس سے شوق نہیں کیا۔"

"اچھی چیز ہے روزانہ ایک گلاس ضرور پیا کرو۔"

حمید بُرا سا منہ بنا کر رہ گیا۔ کچھ بولا نہیں۔

ملک شیک آیا۔ وہ پیتی رہی اور حمید سوچتا رہا کہ وہ سچ مچ چغد ہے۔ جس کیلئے یہ سارا کھڑاگ کیا اسے ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں۔ حد یہ ہے کہ اس عورت کے بارے میں بھی کچھ نہیں بتایا۔

اُس نے طویل سانس لی اور صدر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ یہ غالباً چھٹی حس ہی تھی جس نے صدر دروازے کی طرف دیکھنے پر مجبور کیا تھا۔ ورنہ اُسے کیا پتہ کہ وہ عورت ہال میں داخل ہو رہی ہے۔

حمید سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

عورت کے ساتھ وہی مرد نظر آیا جو پچھلی رات اُسے نیاگرہ سے گھسیٹ لے گیا تھا۔

بس وہی دونوں تھے آگے پیچھے اور کوئی نظر نہ آیا۔ ہوسکتا ہے اُن کے لئے میز پہلے ہی سے مخصوص رہی ہو کیونکہ وہ کسی کی رہنمائی کے بغیر ہی اُس میز تک جا پہنچے تھے۔ فاصلہ حمید کی میز سے زیادہ نہیں تھا لیکن اتنے قریب بھی نہیں تھے کہ وہ اُن کی گفتگو سن سکتا۔

غالباً یہی خان وجاہت ہے، حمید نے سوچا۔ آدمی ٹیڑھا معلوم ہوتا ہے۔

عورت کچھ اکتائی اکتائی سی نظر آ رہی تھی۔

"تم اُسے اس طرح نہ گھورو.....!" حمید نے صفورا سے کہا اور وہ چونک کر پھر ملک شیک کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"میں انگاروں پر کھڑی ہو کر کہہ سکتی ہوں کہ یہ "رلانے والی" ہی ہے۔"

"میرا دل کھنچا جا رہا ہے اس کی طرف۔" حمید بڑبڑایا۔

"خدا کے لئے اپنی آنکھیں بند کر لو۔ مت دیکھو اس کی طرف۔"

"ارے واہ..... یہ کیا بات ہوئی۔"

''مت بھولو کہ تم ایک پولیس آفیسر کے بھیجے ہوئے یہاں آئے ہو۔''

''بس بس اب اُس کا نام نہ لینا۔''

''اللہ رحم کر.....!'' صفورا گڑگڑائی۔ ''اس خبیث عورت سے ہر ایک کو دور رکھ۔''

''میرا دل چاہ رہا ہے کہ اُس کے ساتھی کو کرسی سے دھکیل کر خود اس کی جگہ بیٹھوں۔''

''تم چلو یہاں سے اٹھو.....!''

''کہاں جاؤں.....؟''

''کہیں بھی چلو.....لیکن یہاں نہیں بیٹھیں گے۔ میں اتنے اچھے دوست کو موت کے منہ میں جاتے ہوئے نہ دیکھ سکوں گی۔''

''ارے تم ہوش میں ہو یا نہیں۔ مجھے وہ عورت بہت اچھی لگتی ہے۔''

''اچھی بات ہے۔'' صفورا طویل سانس لے کر بولی۔ ''تم مجھے اُس پولیس آفیسر کا نام اور پتہ بتاؤ۔ میں خود اس سے مل کر گفتگو کروں گی۔''

حمید کا دل چاہا کہ فریدی کا نام اور پتہ لکھ کر اُس کے حوالے کرے۔ لیکن پھر یہ سوچ کر اس سے باز رہا کہ کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔ پتہ نہیں کیا چکر تھا۔ بہر حال وہ اس عورت کو دیکھتا ہی رہا اور صفورا اس سلسلے میں اپنی پریشانی کا اظہار کرتی رہی۔

''ارے بس کرو.....زندہ رہنے دو گی مجھے یا نہیں۔''

''میں پھر کہتی ہوں۔ اس کی طرف سے نظر ہٹالو۔''

حمید جھنجھلا کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی نظر آیا۔ وہ تنہا ہی تھا اور اس نے دونوں کے قریب ہی کی ایک میز منتخب کی۔ حمید نے عورت کے چہرے پر تغیر دیکھا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے یک بیک کھل اٹھی ہو۔ اس کے ساتھی کی بھنویں تنی ہوئی تھیں۔ یہ سارے تغیرات کچھ اتنے واضح قسم کے تھے کہ صفورا نے بھی انہیں محسوس کر لیا تھا۔

''یہ کون ہے؟'' اس نے حمید سے پوچھا۔ اشارہ فریدی کی طرف تھا۔

''دوڑ کر پوچھ آؤں؟''

''کمال کرتے ہو۔ مطلب یہ کہ وہ خبیثہ اُسے دیکھ کر مسرور نظر آنے لگی ہے۔ لیکن اُس کے ساتھی کی آنکھوں میں کینہ اور نفرت ہے۔''

''ارے تو پھر میں کیا کروں۔'' حمید روہانسی آواز میں بولا۔ ''کوئی میں نے ٹھیکہ لیا ہے سارے زمانے کا۔''

''اے.....اب تم اپنا موڈ ٹھیک کر لو، ورنہ میں اٹھ کر چلی جاؤں گی۔''

حمید نے طویل سانس لی اور خاموشی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے سوچا کہ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے کے لئے یہاں نہیں آیا۔ لہٰذا پھر اُن لوگوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اب فریدی اور خان وجاہت براہِ راست ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔ حمید نے محسوس کیا کہ عورت خان وجاہت کی توجہ اُس کی طرف سے ہٹانے کی کوشش کر رہی ہے۔ بار بار وہ اس سے کچھ کہتی لیکن وہ صرف سر ہلا کر رہ جاتا۔ لیکن آنکھیں بدستور فریدی کے چہرے ہی پر جمی ہوئی تھیں۔

نہ جانے کیوں حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے دو بچوں کے درمیان پلکیں نہ جھپکانے کا مقابلہ شروع ہو گیا ہو۔

''چلو یہاں سے.....!'' صفورا حمید کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر مضطربانہ انداز میں بولی۔ ''یہ دونوں ہی خوفناک معلوم ہوتے ہیں۔ یہاں یقیناً جھگڑا ہو گا۔''

''خاموش بیٹھی رہو۔''

''میں کہتی ہوں۔''

''چپ رہو..... جب ان دونوں کے درمیان جھگڑا شروع ہو گا، میں اسے آسانی اٹھا لے جاؤں گا۔''

''کس کو.....!''

''اُس عورت کو.....منہ پر ہاتھ رکھوں گا اور کاندھے پر اٹھا کر لے بھاگوں گا۔''

''ارے.....! تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ ہوش میں آؤ۔''

''احمق لڑکی.....تم اس کے چابک لگاؤ گی.....انتقام لوگی اپنا یا نہیں۔''

''نہیں.....نہیں.....میں کسی زحمت میں نہیں پڑنا چاہتی۔'' صفورا کی آواز خوف مارے کانپ رہی تھی۔

اب حمید اُن کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا کہ خان وجاہت اُس عورت سے گفتگو کر رہا ہے لیکن فریدی اب بھی اُس کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

''یہ آدمی کون ہوسکتا ہے۔'' صفورا پھر بڑبڑائی۔

''کس آدمی کی بات کر رہی ہو۔''

''وہی جو تنہا ہے اپنی میز پر۔''

''میں نہیں جانتا۔'' حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔ ''تم آخر اب اُس کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو۔''

''اس کی آنکھیں عجیب ہیں.....ایسا لگتا ہے جیسے اُسے کسی بات کی پرواہ ہی نہ ہو۔''

''ہوں.....!'' حمید غرایا۔

''کیوں؟ کیا بات ہے۔''

''میں اپنے پاس بیٹھنے والی لڑکی سے کسی دوسرے کی آنکھوں کے بارے میں کچھ سننا پسند نہیں کرتا۔ کیا میری آنکھیں عجیب نہیں ہیں۔''

''ارے واہ.....یہ کیسی باتیں شروع کر دیں تم نے.....میں تو یہ کہہ رہی تھی.....کچھ اس قسم کی آنکھیں ہیں جنہیں خوفناک بھی کہا جاسکتا ہے۔''

''خوفناک..... پوہ.....اس کی آنکھیں تو ایسی ہیں جیسے ابھی ابھی یہیں بیٹھے بیٹھے سو جائے گا۔''

''خدا کی پناہ.....کیا تم ایسی آنکھوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ میں نے زولولینڈ کے ایک ظالم و جابر بادشاہ ''چاکا'' کی تصویر دیکھی تھی۔ ایسی ہی آنکھیں تھیں۔ بالکل ایسی ہی آنکھیں.....آنکھوں کی یہ کیفیت خون کی پیاس کا پتہ دیتی ہیں۔''

''لیکن یہاں تو وہ تمہاری ہی طرح ملک شیک پیتا نظر آئے گا۔''

''اوہ.....دیکھو.....وہ شاید اٹھ رہا ہے۔'' صفورا مضطربانہ انداز میں بولی۔

حمید نے دیکھا۔ فریدی سچ مچ اٹھ گیا تھا۔ حمید نے اُسے صدر دروازے کی طرف جاتے دیکھا۔ پھر یہ بھی دیکھا کہ عورت کے چہرے پر کسی قدر اضمحلال پیدا ہوگیا ہے۔

عورت اور خان وجاہت وہیں بیٹھے رہے۔ فریدی صدر دروازے سے گذر کر باہر جاچکا تھا۔

''میں کہتی ہوں.....اب تم بھی چلو یہاں سے۔'' صفورا بولی۔ ''ہم آخر اس کی قیام گاہ کا پتہ لگا کر کریں ہی گے کیا۔''

''میں نے آج بہت محنت کی ہے۔ بہت وقت برباد کیا ہے۔ لہٰذا کچھ نہ کچھ تو ہونا ہی چاہئے۔''

''چھوڑو بھی۔ تم نے مجھے شہر کی سیر کرانے کو کہا تھا۔''

''میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ تمہارے ہی مشورے سے میں نے اس کا تذکرہ اپنے اُس دوست پولیس آفیسر سے کیا تھا۔ لہٰذا اس وقت میں اسی کے لئے کام کر رہا ہوں۔ تم چاہو تو اپنے ہوٹل واپس جاسکتی ہو۔''

''تم نے یہ خطرہ میری وجہ سے مول لیا ہے۔ لہٰذا میں ساتھ نہیں چھوڑوں گی۔''

''تمہاری مرضی.....اچھا میں دس منٹ میں آیا۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

''کہاں چلے.....کیا میں تنہا بیٹھوں گی۔''

''صرف دس منٹ.....ایک ضروری کام۔''

پھر وہ اُس کی بات سننے کے لئے وہاں رکا نہیں تھا۔ باہر آیا۔ کمپاؤنڈ کے باہر سڑک کے کنارے تھوڑے فاصلے پر ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ تھا۔ یہاں سے ہائی سرکل کے منیجر کے نمبر ڈائیل کئے۔ فوراً ہی جواب ملا۔

''میں حمید بول رہا ہوں ڈیئر۔'' اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

''اوہ.....آداب بجا لاتا ہوں جناب۔ آپ کے مہمان بہت خوش ہیں۔ کہئے اور کوئی

خدمت میرے لائق۔ کچھ دیر پہلے جناب کرنل صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ اب تشریف لے گئے۔ خان وجاہت اور وہ محترمہ ابھی یہاں موجود ہیں۔''

''مجھے اُن سے کوئی دلچسپی نہیں۔'' حمید نے کہا۔ ''تمہیں تھوڑی تکلیف اور دوں! تمہاری گاڑی غالباً پارکنگ شیڈ میں موجود ہے؟''

''موجود ہے عالی جناب۔''

''اُس کی کنجی اگنیشن میں موجود ملنی چاہئے۔ شاید میرے مہمان اُسے کچھ دیر کے لئے استعمال کریں۔''

''مم.....مگر جناب.....!''

''فکر نہ کرو.....ذمہ داری میری ہے۔ اگر کوئی ٹوٹ پھوٹ ہوئی تو مرمت کرائے کر تمہیں واپس نہ کی جائے گی۔''

''بہت بہتر جناب۔'' مردہ آواز میں کہا گیا۔ ''کیا کنجی مہمان کی خدمت میں پیش کردی جائے''

''نہیں اسے اگنیشن میں لگا کر چھوڑ دو۔ بس شکریہ۔''

حمید نے سلسلہ منقطع کردیا۔

پھر کمپاؤنڈ تک پہنچنے میں کم از کم اتنی دیر لگائی کہ اُس کے اندازے کے مطابق اس دوران میں کار سے متعلق ہدایات پر عمل کیا جاچکا ہو۔

ڈائننگ ہال میں واپسی پر اُس نے دونوں کو وہیں پایا۔ دونوں ہی ایک دوسرے سے کشیدہ نظر آرہے تھے۔

کچھ دیر بعد اُس نے عورت کو اٹھتے دیکھا۔ خان وجاہت اُس سے کچھ کہہ رہا تھا اور وہ انکار میں سر ہلا رہی تھی۔ انداز سے ایسا لگتا تھا جیسے وہ وہاں سے جانا چاہتی ہو اور خان وجاہت رکنے کے لئے کہہ رہا ہو۔

پھر وہ بھی اٹھ گیا۔

''جب وہ صدر دروازے سے گذر جائیں تو ہم بھی اٹھ جائیں گے۔'' حمید نے صفورا سے کہا۔

''پتہ نہیں تم کیا کرنا چاہتے ہو۔'' وہ پرتشویش انداز میں بڑبڑائی۔

پھر یہ دونوں بھی باہر آئے تھے اور پارکنگ شیڈ سے ان کی گاڑی نکل ہی رہی تھی کہ حمید نے منیجر کی گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے صفورا سے بیٹھنے کو کہا۔

''ارے.....ارے.....ہم تو غالباً ٹیکسی میں آئے تھے۔'' صفورا بوکھلا کر بولی۔

''پولیس آفیسر نے اپنی گاڑی ہمارے لئے بھجوادی ہے۔'' حمید نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

اب وہ خان وجاہت کی گاڑی کا تعاقب کررہا تھا۔

''وہ دونوں.....کیا ہم ان کا پیچھا کررہے ہیں۔'' صفورا ہانپتی ہوئی بولی۔

''تم اب خاموش ہی رہو تو بہتر ہے.....!'' حمید غرایا۔

''ارے.....ارے.....!''

لیکن حمید نے ''ارے.....ارے.....'' کا کوئی جواب نہ دیا۔ کان کھا رہی تھی اتنی دیر سے۔ اب خاموش ہی رہتی تو اچھا تھا۔

پتہ نہیں وہ خائف تھی یا بوریت محسوس کرنے لگی تھی کہ سچ مچ پھر وہ بولی ہی نہیں۔ وہ شہر ہی کی سڑکوں سے گذر رہے تھے۔

''مجھے تو اب نیند آرہی ہے.....!'' صفورا منمنائی۔

''پچھلی رات بھی تمہیں نیند آرہی تھی جس کی بناء پر آج میں اس حال کو پہنچ گیا.....اب اس وقت کی نیند شائد کل مجھے مونگ پھلیاں بیچنے پر مجبور کردے۔''

''مجھے میرے ہوٹل پہنچا دو۔''

قبل اسکے کہ حمید کچھ کہتا ایک زوردار دھماکہ ہوا اور اگلی گاڑی کی ڈکے دھواں اگلنے لگی۔

آس پاس کئی چیخیں بھی ابھری تھیں۔ پھر افراتفری سی مچ گئی۔ حمید کے اوسان بحال تھے۔ وہ اپنی گاڑی آگے نکالے لیتا چلا گیا۔

بوکھلاہٹ

''ارے.....ارے.....روکو.....روکو.....دیکھو کیا ہوا'' صفورا ہذیانی انداز میں بولی۔

''خاموش بیٹھی رہو۔''

''یعنی.....یعنی.....!''

''شٹ اپ.....!''

صفورا نے پھر کچھ کہنا چاہا لیکن صرف ہونٹ ہل کر رہ گئے۔ حمید گاڑی کی رفتار تیز سے تیز تر کرتا رہا اور پھر وہ آرلکچو کے سامنے رک گئی۔

''نیچے اُترو.....!'' حمید نے کہا۔

''یہ کہاں لائے ہو'' صفورا نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

''بھوکا ہوں.....تمہیں کھاؤں گا۔''

''مجھے ڈراؤ نہیں۔''

''میں کوئی خبیث روح نہیں.....یہ میرا پسندیدہ ہوٹل ہے، یہاں کھانا کھائیں گے۔ چلو اترو.....بھوک چمک اٹھی ہے۔''

وہ سہمی ہوئی سی گاڑی سے اُتری اور حمید کے ساتھ چلنے لگی۔

آرلکچو کا ڈائننگ ہال خاصا آباد تھا۔ لیکن حمید کو اتنا ہوش کہاں تھا کہ وہ اس پر دھیان دیتا۔ وہ تو بہت ہی جذباتی انداز میں اُس دھماکہ کے متعلق سوچے جا رہا تھا۔ دھماکہ خان وجاہت کی گاڑی کی ڈکے میں ہوا تھا اور گاڑی ہائی سرکل کلب کے پارکنگ شیڈ میں کھڑی رہی تھی۔ فریدی اور خان وجاہت ہائی سرکل کے ڈائننگ ہال میں ایک دوسرے کو خونخوار نظروں

سے گھورتے رہے تھے۔ پھر فریدی وہاں سے چلا گیا۔ وجاہت اور وہ عورت باہر نکل کر اپنی گاڑی میں بیٹھ گئے تھے اور حمید نے ان کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔ پھر دھماکہ.....اور وہ اپنی گاڑی آگے نکال لے گیا تھا۔ کیا تھا یہ سب کچھ؟ فریدی؟ کیا یہ پچھلی رات والی توہین کا انتقام تھا۔ حمید سوچتا رہا اور پھر وہ ویٹر کی آمد پر چونکا تھا۔ مینو سے کچھ یونہی اوٹ پٹانگ سی چیزیں منتخب کیں اور آرڈر دے دیا۔

''میں پوچھتی ہوں.....تم رکے کیوں نہیں تھے۔'' صفورا کچھ دیر بعد کانپتی ہوئی سی آواز میں بولی۔

''میں نے تمہاری عقل پر تو میک اپ کیا نہیں تھا پھر اتنی احمقانہ باتیں کیوں کر رہی ہو۔ ہم دونوں غیر ملکی ہیں۔ مطلب یہ کہ اس میک اپ میں اگر ہم رکتے تو یقینی طور پر پولیس ہمیں بطورِ گواہ استعمال کرنے کی کوشش کرتی۔''

''لیکن تمہارا وہ دوست پولیس آفیسر.....!''

''یہ کارروائی نجی طور پر تھی۔ اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں۔ اب میں نجی طور پر اُسے اس حادثے سے مطلع کر دوں گا۔''

''ہاں.....یہ تو درست ہے۔ ہم دشواری میں پڑ جاتے۔'' وہ کچھ سوچتی ہوئی بولی اور حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

صفورا تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔ ''تو تم مجھ سے کیوں خفا ہو گئے ہو۔''

''خفا نہیں ہو گیا.....بھوکا ہوں.....اور بھوک کی حالت میں پتہ نہیں کیسی کیسی ہستیوں کو چبا گیا ہوں۔ پھر میں یہ نہیں دیکھتا کہ گوشت کی رنگت کیسی ہے؟''

''میں بڑی دیر سے تمہاری باتوں میں درندگی محسوس کر رہی ہوں۔''

''بس اب خاموش رہو۔ کھانے کے بعد مزید گفتگو ہو گی۔ ہر موضوع پر بے تکان بول سکوں گا۔''

وہ اُسے عجیب نظروں سے دیکھتی ہوئی خاموش ہو گئی۔ پھر کھانا آ گیا تھا۔ کھانے کے بعد

کافی کا دور چلا لیکن صفورا خاموش ہی رہی اور حمید تو اب اس سلسلے میں کسی قسم کی گفتگو کرنا نہیں چاہتا تھا۔

''بہرحال ہم شہر نہ دیکھ سکے۔'' صفورا روانگی کے لئے اٹھتی ہوئی بولی تھی۔

''دیکھ لیں گے شہر بھی۔''

''آخر تمہارا موڈ کیوں خراب ہوگیا ہے۔ شام تک تو اچھے خاصے تھے۔''

''اب بھی ٹھیک ہوں بابا..... کان نہ کھاؤ۔''

اور پھر وہ اُسے مے پول کے قریب چھوڑ کر ہائی سرکل واپس آ گیا تھا۔ یہاں پارکنگ شیڈ میں منیجر کی گاڑی چھوڑی تھی اور واپسی کیلئے مڑ ہی رہا تھا کہ منیجر سے مڈبھیڑ ہوگئی۔

''گاڑی نے کوئی تکلیف تو نہیں دی جناب عالی۔''

''نہیں.....!'' حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور گیٹ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

اب وہ سیدھا گھر جانا چاہتا تھا۔ اتفاقاً ٹیکسی بھی جلد ہی مل گئی ورنہ آس پاس ٹیکسی کے لئے کچھ دیر بھٹکنا ہی پڑتا تھا۔

فریدی گھر پر موجود نہیں تھا۔ حمید نے سوچا ظاہر ہے گھر پر موجودگی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن انتقام لینے کا یہ طریقہ اُسے پسند نہیں آیا تھا۔ ارے کہیں للکار کر مارا ہوتا۔ لیکن یہ عورت..... رلانے والی۔

جہنم میں جائے..... اس نے سوچا۔ پھر کیا کیا جائے۔ اگر اسے علم ہوتا کہ فریدی گھر پر موجود نہیں ہے تو بارہ ایک بجے سے پہلے گھر واپس نہ آتا۔ صفورا کو مے پول میں چھوڑ کر کہیں بھی جا سکتا تھا۔

اکتاہٹ اور جھلاہٹ میں مبتلا ہو کر اُس نے خواہ مخواہ فون پر اوٹ پٹانگ کالیں کرنی شروع کیں۔ کبھی کسی جنرل مرچنٹ سے ریزر بلیڈ کے دام پوچھتا، کبھی کسی سینما ہاؤز کے منیجر سے پوچھتا کہ وہ تین ماہ بعد کون کون سی فلم اکزبٹ کرے گا۔

پھر یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ کسی نے حمید کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ چونک کر مڑا۔

فریدی کی شکل دیکھتے ہی ایسا بُرا منہ بنایا جیسے خودکشی کر لینے کی حد تک بور ہوگیا ہو۔

''شعر و سخن کا ذوق رکھتے ہو تو آدمیوں میں بیٹھا کرو۔ ان بیچاروں نے کیا قصور کیا ہے۔''

''انہیں کے ساتھ میری بھی پرورش ہوئی ہے۔'' حمید نے زہریلے لہجے میں کہا۔

''اُوہو.....!'' فریدی اُسے کھینچ کر لپٹاتا ہوا بولا۔ ''بے بی روہانسا ہو رہا ہے۔ چچ چچ..... آؤ فیڈ تیار ہے۔''

''چھوڑ دیجئے مجھے.....!'' حمید مچلا۔

''چلو سیدھی طرح..... ورنہ.....!'' فریدی اسکی گردن پکڑ کر پورچ کی طرف گھماتا ہوا بولا۔

حمید بادل ناخواستہ چلنے کی ایکٹنگ کرتا ہوا ساتھ دیتا رہا۔ وہ برآمدے میں آ بیٹھے۔

حمید اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

''وہ خوبصورت ہے حمید۔'' فریدی کچھ دیر بعد بولا۔

''میں فی الحال اُس کی والدہ ماجدہ کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ ممکن ہے وہ خاتون اس سے بھی زیادہ خوبصورت رہی ہوں۔ لہٰذا مجھے بور نہ کیجئے۔''

''بکواس بند کرو۔ میں اس سے پہلے کئی بار تمہاری روداد عشق سن چکا ہوں۔ میں تو بور نہیں ہوا تھا۔''

''تو گویا یہ سچ ہے.....!'' حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

لیکن فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ سر جھکا کر سگار سلگانے لگا۔ حمید ایک پل کے لئے رک کر پھر بولنے لگا تھا۔ ''یا تو اتنا اجتناب..... یا پھر ساری منزلیں ایک ساتھ طے کر ڈالیں۔ یعنی نہ صرف عشق بلکہ رقابت بھی۔ خدا کی پناہ..... بڑی شان والا ہے تو پاک پروردگار چاہے تو گھوڑے کو بھی لاطینی بولنے پر مجبور کر دے۔''

فریدی نے طویل سانس لی اور مسکرا کر حمید کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

''آپ نے مجھے سخت مایوس کیا ہے۔'' حمید خشک لہجے میں بولا۔

''بھلا وہ کیسے فرزند.....؟''

''وہ شخص جو کل تک قانون کا محافظ تھا آج ایک عورت کے لئے قانون شکن بن بیٹھا۔''

''میں نہیں سمجھا.....!''

''آپ نے جوش انتقام میں یہ بھی نہ سوچا کہ آپکی منظور نظر بھی اسی گاڑی میں ہوگی۔''

''کیا بک رہے ہو۔ صاف صاف کہو۔''

''آپ نے اُن کی گاڑی کے ڈکے میں غالباً ٹائم بم رکھوا دیا تھا۔''

''تو پھر.....؟''

''دھماکہ ہوا تھا.....لیکن میں اُن کا انجام دیکھنے کے لئے رکا نہیں تھا۔''

''تم تعاقب کر رہے تھے؟''

''جی ہاں.....اور میں نے ہائی سرکل میں آپ دونوں کو خونخوار قسم کے موڈ میں بھی دیکھا تھا اور پھر آپ چپ چاپ اٹھ کر چلے گئے تھے۔ گویا آپ خان وجاہت کو جتانا چاہتے تھے کہ اب اس کی خیر نہیں..... میں آپ کو ایسا نہیں سمجھتا تھا۔ ارے مارنا ہی تھا تو للکار کو مارا ہوتا۔ پچھلی رات بہترین موقع تھا جب اُس نے اس کا بازو آپ کے بازو سے زبردستی کھینچ لیا تھا۔ کل تو کھڑے منہ دیکھتے رہے تھے۔''

''یہ دھماکہ کس جگہ ہوا تھا حمید صاحب۔''

''زیرو روڈ اور ایگل روڈ کے چوراہے کے قریب.....!''

''ہوں.....اچھا.....!'' فریدی اٹھتا ہوا بولا اور مزید کچھ کہے بغیر اندر چلا گیا۔

حمید وہیں بیٹھا سوئنگنگ چیئر میں جھولتا رہا۔ ذہن پر ناخوشگوار سی کیفیت طاری تھی۔

تھوڑی دیر بعد فریدی پھر واپس آ گیا۔ لیکن اس کے ہونٹوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ تھی۔

حمید نے اُسے استفہامیہ انداز میں دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔

''وہاں ایک دھماکہ سنا ضرور گیا تھا اور گاڑی کی ڈکے سے دھواں بھی نکلتا دیکھا گیا تھا۔ وہ گاڑی رکی بھی تھی۔ لیکن پھر جلد ہی زیرو روڈ پر مڑ گئی تھی۔ پولیس کو اس گاڑی کی تلاش ہے۔ نمبر بھی کوئی نہیں دیکھ سکا تھا۔''

''تو یہ اطلاع آپ مجھے کیوں دے رہے ہیں۔''

''اگر وہ ٹائم بم تھا تو گاڑی کے پرخچے اڑ جانے چاہئے تھے۔ تم کہتے ہو کہ ڈکے سے صرف دھواں نکلتا ہوا دیکھا تھا تم نے.....حد یہ ہے کہ ڈکے کھلا تک نہیں، کم از کم اُسے ہی قبضوں سے اکھڑ جانا چاہئے تھا۔ غالباً اس دھوئیں کی نمائش کے لئے وہ پہلے ہی پوری طرح بند نہ کیا گیا ہوگا۔''

''آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔''

''آج کل میں نہیں جانتا کہ میں کہاں ہوں۔'' فریدی نے چڑانے کے سے انداز میں کہا۔

''مجھے بھی وہیں بلوا لیجئے.....!'' حمید ملتجیانہ بولا۔

''نہیں.....تم نہیں..... یہ معاملہ تمہارے معیار سے کہیں زیادہ اونچا ہے۔''

''اُوہ.....لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں نے وہ بلا محض آپ کی وجہ سے گلے لگائی ہے۔ آج شام اُس نے پورے یقین کے ساتھ اپنے پچھلے بیان کی تائید کی تھی۔ وہ وہی ہے جو شکاگو میں رلانے والی کہلاتی ہے۔ فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید اُسے گھورتا رہا۔ فریدی اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اس نے سر اٹھا کر کہا۔ کل صبح دس بجے تک میں تمہیں بتا سکوں گا کہ تمہاری نئی دوست کا بیان صحیح ہے یا غلط.....!''

''بھلا وہ کس طرح۔''

''حمید کیا تم کافی کے لئے کہہ سکو گے۔''

''آپ گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں ہائی سرکل میں نہیں۔''

فریدی خود ہی اٹھا اور کچن کی طرف چلا گیا۔

حمید ایک بار پھر ڈانوا ڈول ہو رہا تھا۔ یہ عشق اور رقابت کا چکر ہرگز نہیں ہوسکتا۔ ہارڈ اسٹون بدستور بنجر ہے۔ پھر کیا قصہ ہے۔ وہ سوچتا رہا اور پھر دفعتاً چونک پڑا۔ تیز قسم کی روشنی چہرے پر پڑی تھی۔

کسی کی گاڑی پھاٹک میں داخل ہو رہی تھی۔ کون ہوسکتا ہے اس وقت۔ قاسم کی طرف

خیال گیا۔ ممکن ہے دماغ میں کھجلی اٹھی ہو۔

بہرحال گاڑی سیدھی پورچ میں چلی آئی۔ حمید اٹھ گیا۔ نہ صرف اٹھ گیا بلکہ الرٹ بھی ہوگیا۔ کیونکہ گاڑی اُسی کے محکمے کے سپرنٹنڈنٹ کی تھی۔

وہ گاڑی سے اُتر ہی رہا تھا کہ فریدی بھی اندر سے آ گیا۔

''اوہ..... آپ.....!'' وہ اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

''ہاں..... مجھے ہی آنا پڑا۔'' سوپر نے برآمدے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''تشریف رکھئے جناب.....!'' فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

''شکریہ.....!'' اس نے بیٹھتے ہوئے کہا اور حمید کی طرف اس طرح دیکھا جیسے وہاں اس کی موجودگی غیر ضروری سمجھتا ہو۔

''تم ذرا کہہ دو..... کافی جلدی چاہئے۔'' فریدی نے حمید سے کہا اور حمید نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے وہاں سے رخصت ہوگیا۔

''جہنم کی کسی بھٹی پر کیتلی رکھوا دو۔'' وہ راہداری سے گزرتا ہوا بڑبڑایا تھا۔

سیدھا اپنے کمرے میں آیا۔ مقصد حقیقتاً کافی کے لئے جلدی نہیں تھی بلکہ اُسے وہاں سے ٹالنا ہی مقصود تھا۔ وہ اب فریدی کے بارے میں کچھ بھی نہیں سوچنا چاہتا تھا۔ لہٰذا پھر ٹیلی فون پر ٹوٹ پڑا۔ خواہ مخواہ کسی نہ کسی سے جھگڑا کرنے کو جی چاہ رہا تھا۔ بس قاسم کے نمبر ڈائیل کئے۔ جانتا تھا کہ قاسم کا ایک انسٹرومنٹ خواب گاہ میں بھی رہتا ہے۔

تین بار نمبر ڈائیل کرنے کے بعد دوسری طرف سے قاسم کی دہاڑ سنائی دی تھی۔

''قون ہے..... میں سو رہا ہوں۔''

''بالکل اُلو کے پٹھے ہو۔'' حمید نے آواز بدل کر کہا۔

''قیا..... ابے ہوش..... ہوش میں تو ہے۔''

''تمیز سے بات کرو ورنہ مار مار کر بھس بھر دوں گا۔'' حمید نے کہا۔

جواب میں قاسم نے شائد گالیاں ہی دینے کی کوشش کی تھی۔ لیکن غصے اور بوکھلاہٹ میں

وہ گالیاں معنویت کی حامل نہیں ہو سکی تھیں۔

''یہ کتوں کی طرح کیا بھونک رہا ہے۔'' حمید نے کہا۔ غالباً قاسم سانس لینے کے لئے رک گیا تھا۔ لیکن پھر دوسری طرف سے آواز نہیں آئی۔ ویسے سلسلہ بھی منقطع نہیں کیا گیا تھا۔

''ابے ریسیور ہاتھ میں لئے ہی سو گیا کیا۔'' حمید نے پھر کہا۔

''ابے قون..... سالے.....!'' قاسم کی دہاڑ سنائی دی۔ غالباً پہلے وہ غصہ اور حیرت کی زیادتی کی بناء پر کچھ نہ کہہ سکا ہوگا۔

''میں قوئی بھی ہوں..... لیکن تمہیں آج رات بھر سونے نہیں دوں گا۔''

''اُوع..... غرامی..... قون ہے توع.....!'' اس بار قاسم حلق کے بل چیخا تھا۔

حمید اس کی عادت سے واقف تھا کہ ہار مان کر ریسیور نہیں رکھے گا۔ جتنی دیر چاہو الجھائے رہو۔ اس سے پہلے بھی اکثر وہ جی بہلانے کے لئے ایسی حرکتیں کر چکا تھا۔ لیکن کبھی قاسم کو اس کا علم نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ حرکت اسی کی ہوتی ہے۔

''میں تمہارا خون پی لوں گا ورنہ زبان کو لگام دو سُور کے بچے۔'' حمید نے کہا۔

''جبان..... ابے اپنی جبان بھی تو دیخ..... اللہ غارت کردے اسے سالا..... اپنی جبان نہیں دیتا۔''

''تمہیں تمیز ہی سے گفتگو کرنی چاہئے..... میں چاہے کتنی ہی گالیاں کیوں نہ دوں۔''

''تیرے باپ کے دادا کی دھونس ہے قوئی۔'' قاسم کی دہاڑ سنائی دی۔

''صرف میں ہی کافی ہوں تمہارے لئے۔ باپ دادا کو کون تکلیف دے۔ اُلو کے پٹھے۔''

''بہت جلد مرے غا سالا تم..... دو ماہ بعد پھر جی جلانے قو جگایا ہے مجھے۔''

''اب تو روز جگاؤں گا..... مرغی کے تخم.....!''

''ابے..... ابے..... یہ کیا غالی ہوئی..... مرغی کے تخم.....!'' غالباً قاسم کی ذہنی رو بہک گئی تھی۔

''ترکی زبان میں یہی چلتی ہے۔''

''چلتی ہوگی.....مگر تم.....!''

''میں ایک لڑکی ہوں.....آواز بدل سکتی ہوں۔''

''نہیں.....!''

''ہاں..... پیارے۔'' اس بار حمید نے باریک سی نسوانی آواز نکالی اور جواب میں دوسری طرف سے قاسم کی ''ہی ہی ہی ہی'' سنائی دینے لگی اور پھر اس نے کہا۔''تو تم مجھے غالیاں.....قیوں دیتی رہتی ہو۔''

''محبت میں پیارے.....چڑانے کے لئے۔''

''تو آواز بھاری کرنے کی قیا جرورت ہے.....اپنی میٹھی والی آواز میں غالیاں دیا قرو.....الاقسم ہنس ہنس کر سنوں گا۔ ہی ہی ہی۔''

''واقعی اُلو کے پٹھے معلوم ہوتے ہو۔'' حمید نے نسوانی ہی آواز میں کہا۔

''بُلقل.....بلقل.....ہی ہی ہی۔''

''تم مجھے دیکھتے ہی رہتے ہو لیکن کبھی نہ جان سکو گے کہ وہ میں ہی ہوں۔'' حمید نے کہا۔

''اللہ قسم بتادو.....تمہیں میری جان کی قسم.....!'' قاسم صاحب گھیل پیل ہونے لگے۔

''نہیں.....ہرگز نہیں.....یہ تو نہیں بتاؤں گی۔'' حمید نے کہا اور ٹھیک اسی وقت فریدی نے اس کی گردن دبوچ لی اور ریسیور اس کے ہاتھ سے چھین کر خود سننے لگا۔ اس وقت قاسم کہہ رہا تھا۔''الاقسم بتادو میں تمہیں اپنی دل قی رانی بنالوں گا.....بولو.....ہائے بولتی رہو نا.....کھاموشی کیوں ہوگئیں.....!''

''اب میں اس ناہنجار کا باپ بول رہا ہوں۔'' فریدی غرایا۔

''ارے باپ رے.....غوپ.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسلہ منقطع ہوگیا۔

فریدی بھی ریسیور رکھ کر حمید کی طرف مڑا۔

''آخر کب تک اس بچپنے اور حماقتوں میں زندگی بسر کرو گے۔''

''غالباً ایس پی صاحب کافی ہی پینے آئے ہوں گے۔'' حمید نے سنی ان سنی کر کے کہا۔

''نہیں.....وہ مجھے اطلاع دینے آئے تھے کہ خان وجاہت نے کچھ دیر پہلے میرے خلاف ایک تحریری رپورٹ انہیں دی ہے۔''

''کس سلسلے میں.....!''

''میں ان کی گرل فرینڈ پر ڈورے ڈال رہا ہوں اور انہیں حراساں کرنے کیلئے میں نے ان کی گاڑی کے ڈکے میں دھماکے کے ساتھ پھٹنے والا کوئی مادہ رکھوا دیا تھا.....وغیرہ وغیرہ۔''

''ثبوت کیا ہے اُس کے پاس.....!''

''کل رات نیاگرہ میں کچھ آدمیوں نے دیکھا تھا کہ وہ اپنی گرل فرینڈ کو میرے پاس سے گھسیٹ لے گیا تھا اور آج شام کو تمہاری ہی طرح کچھ اور لوگوں نے بھی ہائی سرکل کلب میں مجھ کو اُسے خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے دیکھا ہوگا۔''

''کیا ان گواہوں کے نام بھی رپورٹ میں درج ہیں۔''

''اُوہو.....اُس کے بغیر تو وہ رپورٹ کوئی وقعت ہی نہ رکھتی۔''

''لہٰذا اب تو مجھے بتا دیجئے کہ یہ کیا چکر ہے۔''

''کل بتاؤں گا.....اس سے پہلے نہیں۔''

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ کسی نے خواب گاہ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

''کون ہے.....آجاؤ۔'' فریدی نے بلند آواز میں کہا۔

ایک ملازم کمرے میں داخل ہوا۔

''کیا بات ہے؟''

''ڈرائینگ روم میں.....ایک صاحبہ۔''

''کون ہے؟''

''سمجھ میں نہیں آتا صاحب۔ انگریزی بھی فراٹے والی ہے۔ کوئی انگریز ہی ہیں۔''

حمید جو فریدی سے پہلے ہی دروازے کے قریب پہنچ چکا تھا بولا۔''مجھے پوچھ رہی ہوں گی۔''

پھر وہ ''بطرز سرپٹ'' ڈرائینگ روم تک آیا تھا۔ لیکن دروازے میں داخل ہوتے ہی

بریک لگ گئے۔ جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ ساتھ ہی دل میں یہ خواہش ہوئی کہ کار کے بریک کی طرح اس کے جسم کا کوئی حصہ بھی چڑ چڑا دیا ہوتا۔ کیونکہ یہ وہی محترمہ تھیں جن کی وجہ سے اس کی دوسری رات بھی غارت ہوئی جا رہی تھی۔

وہ حمید کو دیکھ کر کھڑی ہوگئی۔

''مم..... میں کمال سے ملنا چاہتی ہوں.....!'' اس نے حمید کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور حمید کھڑا احمقانہ انداز میں پلکیں جھپکاتا رہا۔ اتنے میں فریدی بھی اندر آ گیا۔

''کمال.....!'' وہ اس کی طرف جھپٹی اور پھر حمید نے دیکھا کہ فریدی نے اُس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے ہیں۔

''وہ درندہ ہے کمال ..... پتہ نہیں خود کو کیا سمجھتا ہے۔ ابھی مجھے معلوم ہوا کہ اُس نے پولیس کو تمہارے خلاف کوئی رپورٹ دی ہے اور مجھے یہ بھی کچھ ہی دیر پہلے معلوم ہوا ہے کہ تم ایک پولیس آفیسر ہو..... یقین جانو خود اسی نے گاڑی میں کوئی ایسی چیز رکھی ہوگی جو دھماکے سے پھٹ جائے..... وہ جنگلی ہے۔''

''تمہیں یقین ہے کہ اُس نے میرے خلاف کوئی رپورٹ کی ہے۔''

''ارے مجھے ساتھ لے گیا تھا اُس پولیس آفیسر کے پاس۔''

''تو تم نے بھی اُس سے کچھ کہا تھا۔ میرا مطلب ہے پولیس آفیسر سے۔''

''میں کیا کہتی..... وہ دونوں ملکی زبان میں گفتگو کرتے رہے تھے اور اُس نے وہ رپورٹ بھی انگریزی میں نہیں لکھی تھی۔ بس مجھے بتا دیا تھا کہ اُس کا مقصد کیا ہے۔''

''تم نے احتجاج کیا ہوگا۔''

''یقیناً..... میں دراصل اسی کے ساتھ یہاں آئی تھی۔ ہم نیویارک میں ملے تھے۔ مجھے عرصہ سے مشرق کی سیر کا شوق تھا۔ میں نے وجاہت میں صرف اس حد تک کشش محسوس کی تھی کہ اس سے دوستی کرلوں۔ میں نے اسے کبھی چاہا نہیں۔ ہاں تو میں مشرق کی سیر کرنا چاہتی تھی وہ اپنے وطن واپس آ رہا تھا۔ میں نے سوچا یہ بہت اچھا موقع ہے۔ مجھے اس کے ساتھ ہی جانا

چاہئے۔ اس طرح اس خواہش کی تکمیل میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔''

''میں نے پوچھا تھا کیا تم نے احتجاج کیا تھا اس رپورٹ کے خلاف۔''

''ہاں ہاں..... میں نے اُسے باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔''

''پھر اُس نے کیا کہا۔''

''اُس نے مجھے دھمکیاں دیں۔ کہنے لگا کہ وہ یہاں کے بااثر لوگوں میں سے ہے۔ میں اس کا کچھ نہ بگاڑ سکوں گی اگر وہ زبردستی پر اتر آیا۔ میں بھی سوچ کر خاموش رہ گئی کہ خواہ مخواہ بات بڑھانے سے کیا فائدہ۔ لیکن اب وہاں سے بھاگ آئی ہوں۔ میں نے ٹیکسی ڈرائیور کو تمہارا پتہ دیا تھا وہ مجھے یہاں چھوڑ گیا۔''

''اب اگر خان وجاہت کو اس کا علم ہوا تو۔''

''تو کیا ہوگا..... مجھے اُسی پولیس آفیسر کے پاس لے چلو جسے تمہارے خلاف درخواست دی گئی ہے۔ میں اس سے کہہ دوں گی کہ میں خان وجاہت کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ تمہارے ساتھ رہوں گی۔''

فریدی کچھ نہ بولا اور حمید تو شروع ہی سے اپنی کھوپڑی سہلاتا رہا تھا۔ کبھی وہ فریدی کی طرف دیکھتا اور کبھی اس چاند کے ٹکڑے کی طرف۔ فریدی سر جھکائے خاموش کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر گہری تشویش کے آثار تھے۔

''تم کیا سوچ رہے ہو۔'' دفعتاً عورت بولی۔

''خان وجاہت واقعی بااثر آدمی ہے اور خطرناک بھی۔''

''تو تم اُس سے ڈر گئے ہو۔ میں تو تمہیں ایسا نہیں سمجھی تھی۔''

''میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ حکومت کے ذمہ داروں سے اُس کے خاندان والوں کے مراسم ہیں۔ وہ میرے خلاف بہت کچھ کر سکے گا۔''

''میں کہتی ہوں مجھے اُس پولیس آفیسر کے پاس لے چلو۔ میں صاف کہہ دوں گی۔''

''اُس سے کچھ نہیں ہوگا۔''

''پھر میں کیا کروں..... بتاؤ..... تمہارے ملک میں تنہا ہوں۔ مجھے اُس درندے پنجے سے رہائی دلاؤ۔''

''تم اپنے سفارت خانے سے کیوں نہیں رجوع کرتیں۔''

''لیکن میں کہوں گی کیا جب کہ سفارت خانے کو اس سے پہلے ہی مطلع کر چکی ہوں اپنے دوست خان وجاہت کے ساتھ قیام کروں گی۔''

پھر دفعتاً وہ حمید کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔ ''یہ کون ہے؟''

''میرا اسسٹنٹ.....!''

''کیا ہر معاملے میں تمہیں اسسٹ کرتا ہے۔''

''ہاں.....!''

''لیکن یہاں تو اس کی موجودگی ضروری نہیں ہے۔'' وہ مضحکانہ انداز میں مسکرائی۔ نے بھنا کر کچھ کہنا ہی چاہا تھا کہ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''جاؤ..... آرام کرو۔''

اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اُسے بہت بلندی سے نیچے پھینک دیا ہو۔ تیزی وہ دروازے کی طرف مڑا تھا اور خواب گاہ میں آ کر کئی چیزیں توڑ ڈالیں تھیں۔ اپنے بال مٹھ میں جکڑ کر سر کو کئی جھٹکے دیئے تھے۔ پھر حلق پھاڑ کر چیخنے کو جی چاہا لیکن اس خواہش کو عملی جا پہنا سکا۔

دل کا بخار نکالنے کے لئے زبان اینٹھی جا رہی تھی۔ دفعتاً فون پر نظر پڑی اور وہ ایک پھر قاسم کے نمبر ڈائیل کرنے لگا۔ اب کے جواب ملنے میں دیر نہیں لگی تھی۔

غالباً قاسم پھر نہیں سویا تھا۔

''اُو موٹے حرامزادے۔'' حمید نے ماؤتھ پیس میں دہاڑ مار کر کہا۔ لیکن جواب میں ''ہی ہی ہی ہی'' سنائی دی۔

''کیا تمہاری بیوی مر گئی ہے کہ اس طرح رو رہے ہو۔!'' حمید نے کہا۔

''ارے مربھی تو چکے قسمی صورت سے..... میں تو ہنس رہا تھا۔''

''اسی طرح ہنستے ہو۔'' حمید نے ڈپٹ کر پوچھا۔

''اب نہیں آؤں غا دھوکے میں چاہے جتنی بھاری آواز میں بولو۔ ہی ہی ہی ہی''

پھر حمید اُسے بے تحاشہ گالیاں دیتا رہا اور دوسری طرف سے ''ہی ہی ہی ہی'' کے علاوہ اور کچھ نہیں سنائی دیا تھا۔

گمشدگی

دوسری صبح حمید کو یاد نہیں آ رہا تھا کہ پچھلی رات اُسے نیند کیسے آ گئی تھی۔ غصے کے مارے آگ ہو رہا تھا۔ آنکھ کھلتے ہی دروازے کی طرف جھپٹا۔ ہینڈل گھما کر جھٹکا دیا۔

دروازہ کھل گیا۔ چند لمحے کھلے ہوئے دروازے سے راہداری میں گھورتا رہا پھر دروازہ بند کر کے بستر پر جا بیٹھا۔

پچھلی رات نیند آ جانے پر اُسے حیرت تھی۔ کیونکہ انتہائی جھلاہٹ کے عالم میں نیند کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

پچھلی رات قاسم کو فون پر گالیاں دینے کے بعد اُس نے پھر کمرے سے باہر نکلنا چاہا تھا لیکن دروازے کو باہر سے مقفل پا کر تلوے سے لگی تھی اور سر پر بجھی تھی۔ غصہ کے مارے قریب قریب پاگل ہو گیا تھا۔

پھر یاد نہیں کس طرح غصہ فرو ہوا تھا اور اُسے نیند آ گئی تھی۔ بہر حال اب وہ سوچ رہا تھا کہ ڈیوٹی پر حاضری برحق لیکن اب وہ اپنی راتیں اس چھت کے نیچے نہیں گذارے گا۔ کوئی بات نہیں۔ اتنا ذلیل سمجھ لیا ہے کمرہ باہر سے مقفل کر دیا گیا تھا۔ جیسے وہ مخل ہوتا۔ لعنت ہے۔ زندگی میں پہلی بار ایسی کوئی حماقت ہو جائے تو یار لوگ مربھکوں کی طرح گرتے ہیں۔ یہاں کیا غم ہے۔ اتنے قریب آ کر پھر پلٹ جانی والی لڑکیوں کی صحیح تعداد بھی اُسے یاد نہ ہوگی ہونہہ!

وہ چونک پڑا۔ کسی نے باہر سے دروازے کو کھٹکایا تھا۔

''کون ہے.....آ جاؤ۔'' وہ غرایا۔

آنے والا حمید کا منہ لگا ملازم شریف تھا۔ حمید نے اُسے خونخوار نظروں سے دیکھا۔

''صاحب دے گئے ہیں؟'' اس نے ایک لفافہ حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''بھاگ جاؤ۔'' حمید نے لفافہ اُس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا اور وہ چپ چاپ کھسک گیا۔

لفافے سے برآمد ہونے والی تحریر تھی۔

''حمید.....عزیزم.....تمہاری خفگی حق بجانب ہے.....لیکن بعد میں تمہیں اپنے غصے پر ندامت بھی ہوسکتی.....لنکن چھوڑے جا رہا ہوں۔ تم اسی سے ایگل بیچ والے ہٹ میں آ جاؤ.....میری تحریر ضائع کر دو۔

فریدی۔''

اس نے غیر ارادی طور پر خط کو دیا سلائی دکھا دی۔ کاغذ جل گیا۔ لیکن اُس کا ذہن اب بھی اپنے طور پر بھٹک رہا تھا۔ ایگل بیچ پر عیش ہو رہے ہیں۔

بہر حال تحریر نے ذہن پر اچھا ہی اثر ڈالا تھا۔ اُس نے سوچا کہ یہ بھی حماقت ہی ہے کہ غصے کی بناء پر ناشتہ کہیں باہر کیا جائے۔ لہٰذا وہ ضروریات سے فارغ ہو کر ڈائننگ روم میں آیا۔ شریف یہاں بھی دکھائی دیا۔ حمید سمجھ گیا کہ وہ اُسے کچھ بتانا چاہتا ہے۔

''ابے کیوں میری جان کو آ گیا۔ دوسری بار تیری شکل دیکھ رہا ہوں۔'' حمید نے اُس سے کہا۔

''میں اب بے ہوش ہو جاؤں گا صاحب.....؟''

''میری طرف سے تو جان بخش بھی ہوسکتا ہے۔''

''نہیں صاحب مذاق نہیں.....رات آپ پتہ نہیں کہاں تھے۔ یہاں کیا کچھ نہیں ہو گیا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''وہ میم صاحب تو آپ کے سامنے ہی آئی تھیں۔''

''ہاں تو پھر.....!''

''ٹھیک دو بجے رات کو ڈی آئی جی صاحب پہنچے۔ اُن کے ساتھ ایک آدمی اور بھی تھا اور ڈی آئی جی صاحب سے برابر کہے جا رہا تھا میرا دعویٰ ہے کہ وہ یہیں ہوگی۔ صاحب سوئے نہیں تھے۔ پتہ نہیں ڈی آئی جی صاحب سے انگریزی میں کیا بات چیت ہوتی رہی۔ دوسرا آدمی غصے میں بھرا ہوا تھا۔ بار بار صاحب کی طرف مکا ہلاتا تھا۔ لیکن کمال ہو گیا صاحب کو ذرا سا بھی غصہ نہیں آیا تھا۔ وہ مسکراتے رہے تھے۔''

''اور وہ عورت کہاں تھی۔'' حمید نے پوچھا۔

''کسی کمرے میں رہی ہوگی۔ کیونکہ بعد میں صاحب اُسے ڈرائینگ روم میں لائے تھے۔''

''ان کے جانے کے بعد.....؟''

''صاحب ان کی موجودگی ہی میں.....عورت دوسرے آدمی کو دیکھ کر کچھ ڈر سی گئی تھی۔ اُس نے جھپٹ کر اُس کا ہاتھ پکڑا تھا.....وہ چیخنے لگی تھی اور چیختے چیختے بے ہوش ہو گئی تھی۔ ڈی آئی جی صاحب ہمارے صاحب کو غصیلی نظروں سے گھورتے رہے تھے۔ پھر انگریزی میں کچھ کہتے ہوئے انہیں لوگوں کے ساتھ چلے گئے۔''

''کن لوگوں کے ساتھ.....!''

''عورت اور دوسرے آدمی کے ساتھ۔ وہ بیہوش عورت کو ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے تھا۔''

''اور پھر.....!''

''صاحب کچھ دیر ٹھہرے تھے اور مجھے خط دے کر وہ بھی کہیں باہر چلے گئے تھے۔ آپ والی موٹر سائیکل لے گئے ہیں۔ مجھ سے کہا تھا صبح جب آپ جاگیں اُسی وقت ان کا خط آپ کو دیا جائے۔''

حمید نے طویل سانس لی اور ناشتے کی طرف متوجہ ہوا۔

''وہ عورت کون تھی صاحب۔''

''اخاہ.....اب آپ کو یہ بھی بتایا جائے۔''

''ہم سب بہت پریشان ہیں صاحب۔ اپنے صاحب کے بارے میں کبھی کسی سے کوئی بُری بات نہیں سنی۔''

''جاؤ.....کان نہ کھاؤ۔''

وہ بُرا سا منہ بنائے ہوئے چلا گیا۔ پھر حمید نے محسوس کیا کہ سارے ہی ملازم دل گرفتہ نظر آ رہے ہیں۔

اب اس کے ذہن میں بھی پہلا سا غبار باقی نہیں رہا تھا۔ ڈی آئی جی کی آمد۔ وہ دوسرا آدمی یقیناً خان وجاہت رہا ہوگا اور پھر اُن محترمہ کی بے ہوشی.....ناشتے کے بعد اس نے پھر شریف سے اس سلسلے میں پوچھ گچھ شروع کی اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اس عورت کا رول مشتبہ بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ آخر ڈی آئی جی کی موجودگی میں اس کا صرف چیخ چلا کر بے ہوش ہو جانا کیا معنی رکھتا تھا۔ شریف یا دوسرے ملازمین انگریزی نہیں سمجھ سکتے تھے۔ لیکن انہیں کم از کم اس کا سلیقہ تو تھا ہی کہ وہ بے معنی چیخ پکار اور کچھ کہے جانے میں فرق کر سکتے۔

یقیناً کوئی بڑا چکر تھا جسے فریدی اپنے طور پر نپٹانا چاہتا تھا۔ آہستہ آہستہ حمید کی عقل راہ پر آتی گئی اور وہ فریدی کی ہدایت پر عمل کرنے کے لئے گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

لنکن کوٹھی کی کمپاؤنڈ سے نکل کر سڑک پر ہولی اور حمید نے تھوڑی ہی دیر بعد محسوس کیا کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔

ایگل بیچ پہنچتے پہنچتے شبہ یقین میں تبدیل ہوگیا تھا۔ ایک لمبی سی سیاہ گاڑی کوٹھی کے قریب ہی سے لگی چلی آئی تھی۔

ہٹ کے سامنے لنکن روکتے وقت وہ اس کے برابر ہی سے گذری چلی گئی تھی۔ اس میں صرف ایک ہی آدمی تھا اور وہی اسے ڈرائیو کر رہا تھا۔

حمید گاڑی سے اُتر کر ہٹ کے دروازے پر آیا۔ محافظ نے پہلے ہی اُسے دیکھ لیا تھا۔ لپکتا ہوا اس کے قریب آ کر بولا۔ ''سلام صاحب.....بڑے صاحب کا فون آیا تھا۔''

''کیا وہ یہاں نہیں ہیں۔''

''نہیں صاحب۔''

''کب سے نہیں آئے۔''

''ایک مہینہ ہوتا ہے صاحب.....بس تھوڑی دیر کے لئے آئے تھے۔''

''خیر.....خیر.....دروازہ کھولو۔''

چوکیدار نے قفل کے سوراخ میں کنجی لگاتے ہوئے کہا۔ ''صاحب نے فون پر کہا تھا کہ آپ جب آئیں تو تین چار سات گیارہ پر انہیں فون کریں۔''

''تین چار.....سات گیارہ.....!'' حمید نے یادداشت پر زور دیتے ہوئے دہرایا۔ اس کی دانست میں یہ نمبر پہلے کبھی اس کے علم میں نہیں آئے تھے۔

بہرحال کچھ دیر ٹھہر کر اس نے فون پر چوکیدار کے بتائے ہوئے نمبر ڈائیل کئے۔

''ہیلو.....تھری فور سیوں ڈبل ون۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ لیکن یہ آواز تو فریدی کی نہیں تھی۔

''کیپٹن حمید اسپیکنگ.....!''

''پلیز ہولڈ آن.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی اور کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر اس نے فریدی کو کہتے سنا۔ ''ٹھیک ہے۔''

''کیا ٹھیک ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''یہی کہ تم غالباً اس کا مقصد سمجھ ہی گئے ہوگے۔''

''نہ سمجھوں تو زندہ رہنے کا فائدہ ہی کیا.....؟''

''بہرحال تم نے دیکھا ہے کہ اب ہم لوگوں کا تعاقب کیا جائے گا۔ تحکماتی طور پر بھی اور ان لوگوں کی طرف سے بھی۔''

''کن لوگوں کی بات کر رہے ہیں۔''

''ختم کرو.....فی الحال میں تمہاری کارگذاریوں پر خوش ہو رہا ہوں۔''

''اس طنز کا تعلق میری کس حماقت سے ہے۔''

''بصدقِ دل کہہ رہا ہوں فرزند..... تمہاری حماقتیں زیادہ تر میرے لئے کارآمد ہوتی رہی ہیں۔ اس بار بھی اتفاقاً ایسا ہی ہوا ہے۔''

''وضاحت فرمایئے..... ورنہ میں خوشی کے مارے پاگل نہ ہوسکوں گا۔''

''وہ نیگریس..... صفورا.....!''

''اس پر تو کرم ہی کیجئے..... اب کیا میں اتنے کا بھی حقدار نہیں۔''

''خیر گولی مارو..... میں دشواریوں میں پڑ گیا ہوں۔''

''کیا مطلب.....؟''

''خان وجاہت کی گاڑی کی ڈکی میں میری انگلیوں کے نشانات پائے گئے ہیں۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اور دوسری طرف وہ عورت بھی میرے ہی گھر سے برآمد ہوئی۔''

''شریف نے مجھے بتایا تھا۔ لیکن بات میرے پلے نہیں پڑی۔''

''عزیز القدر..... وہ تو بڑی عجیب سچویشن تھی۔''

''اب جلدی سے کہہ ڈالئے..... ورنہ میرے دم نکل آئے گی۔''

''بھئی وہ پناہ لینے کے لئے میرے پاس آئی تھی..... لہٰذا میں نے ایک کمرے میں اس کے لئے انتظام کرادیا تھا۔ ڈھائی بجے رات کو خان وجاہت ڈی آئی جی صاحب کے پاس آ پہنچا..... وہ مطالبہ کر رہا تھا اس کا۔ میں نے اُسے بلوایا اور وہ پاگلوں کی طرح چیختی ہوئی۔ ہوش ہوگئی۔ اب تم خود سمجھو فوری طور پر ان لوگوں نے کیا سمجھا ہوگا۔''

''اب کیا خیال ہے ان کا.....!''

''وہ ہوش میں آ گئی ہے لیکن زبان بند ہے۔ کچھ بولتی ہی نہیں۔''

''میں جا کر زبان کھلوا دوں۔'' حمید نے چہک کر پوچھا۔ ''ہے کہاں.....؟''

''سول ہسپتال میں۔''

''تو پھر آپ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔''

''فی الحال آرام کر رہا ہوں..... میرے متعلق کسی کے بھی سوال کا صحیح جواب نہ دو۔ سوال کرنے والے خواہ ہمارے آفیسر ہوں خواہ ملنے جلنے والے۔''

''آخر چکر کیا ہے..... خان وجاہت کی گاڑی کی ڈکی میں آپ کی انگلیوں کے نشانات..... کیونکر ملے۔''

''ظاہر ہے کہ وہ میری ہی انگلیوں کے نشانات تھے۔''

''اوہو..... تو وہ آتشگیر مادہ۔''

''وہ صرف ایک آٹو میٹک پٹاخہ تھا..... مقصد یہ تھا کہ وہ دونوں کسی کھلی جگہ میں گاڑی سے باہر نکل آئیں۔''

''آخر کیوں؟''

''عورت کی تصویر لینی تھی۔''

''میری سمجھ میں نہیں آیا۔''

''احمق ہو..... تمہاری اس نیگریس دوست کے بیان کی تصدیق کرنی تھی۔''

''تو کیا.....؟''

''ہاں..... تصدیق ہوگئی ہے۔ اس کا بیان درست معلوم ہوتا ہے۔ وہ نیک نام عورت نہیں ہے۔ کسی دور دراز اسٹیٹ سے نام بدل کر پاسپورٹ حاصل کیا ہوگا اس نے..... بہرحال شکاگو پولیس کی رپورٹ اس کے بارے میں اچھی نہیں۔''

''کیا چکر ہے۔''

''کچھ بھی ہو کیس کی کامیابی کا سہرا تمہارے ہی سر رہے گا مطمئن رہو۔''

''لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ ڈکی میں آپ نے اپنی انگلیوں کے نشانات کیسے چھوڑے۔''

''جان بوجھ کر۔ فی الحال تم اس چکر میں نہ پڑو۔ ویسے تمہیں عام طور پر ظاہر یہی کرنا ہے کہ تم میری گمشدگی کی وجہ سے پریشان ہو۔''

''کیا قیام یہیں رہے گا۔''

''ضروری نہیں ہے۔ میں تو صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تمہارا تعاقب کیا جاتا ہے یا نہیں۔''

''ایک بات اور بتا دیجئے۔ کیا وہ عورت کسی کیس کی تفتیش کے دوران میں دریافت ہوئی تھی۔''

''نہیں.....بس یونہی اتفاقاً.....دریافت نہیں ہوئی تھی بلکہ اب تو یہی کہنا چاہئے کہ اس نے مجھے دریافت کیا تھا۔''

''نام کیا ہے۔''

''نوما اسکراٹا کے نام سے شکاگو پولیس جانتی ہے۔ یہاں ایلی نور کے نام کے پاسپورٹ پر آئی ہے۔ خیر ہاں تو سنو۔ تم جب بھی چاہو اسی فون نمبر پر مجھ سے رابطہ قائم کر سکتے ہو۔ میں نہ ملوں تو پیغام لکھوا دو۔''

''کچھ اور.....!''

''نہیں بس.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

حمید نے طویل سانس لی اور ریسیور رکھ کر کھڑکی کے قریب آ کھڑا ہوا۔

آسمان پر بادل تھے اور سمندر کی طرف سے آنے والی ہوا خنک تھی۔ بہرحال بحیثیت مجموعی وہ دن خوشگوار کہا جا سکتا تھا۔ اس نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے سوچا یقیناً وہ لوگ فریدی کو کسی جال میں پھانسنا چاہتے ہیں۔ مگر خدا کی پناہ.....یہ عورتیں.....اُس کے انداز میں کتنی سپردگی تھی جب وہ فریدی کے ساتھ رقص کر رہی تھی۔ آنکھوں میں گویا محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ ایسا لگتا جیسے وہ اپنے وجود کو فریدی کے وجود میں سمو دینا چاہتی ہو۔ پھر کیسی کربناک کیفیت اس کی آنکھوں میں نظر آئی تھی جب خان وجاہت اُسے فریدی کے پاس سے گھسیٹ لے گیا تھا۔ خداوندا یہ سب کچھ کیا ہے۔ یہ صلاحیت تو نے صرف عورتوں میں کیوں ودیعت کی ہے۔ پھر اسے صفورا یاد آئی اور اسے تسلیم کر لینا پڑا کہ خود قدرت ہی فریدی پر مہربان ہے۔ ورنہ کیا یہ ضروری تھا کہ وہ اس کی ضد میں کسی ایسی عورت سے جا ٹکراتا جو اس عورت نوما اسکراٹا سے اس حد تک واقف ہوتی۔ بہرحال صفورا کے بیان کردہ حالات جاننے سے قبل فریدی

نوما اسکراٹا کے بارے میں کوئی صحیح رائے قائم نہیں کر سکا تھا۔ کیا کہا جا سکتا ہے اس اتفاق کو۔

اس حد تک تو حمید کی الجھن رفع ہو گئی تھی کہ اس کہانی میں فریدی کسی قسم کا رول ادا کر رہا ہے لیکن اب یہ فکر تھی کہ فریدی اس سلسلے میں کرے گا کیا۔

وہ کافی دیر تک کھڑکی کے قریب کھڑا پائپ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا تھا۔ اس کے بعد جو شامت نے گھیرا تو دریافت حال کے لئے سرجنٹ رمیش کو فون کر بیٹھا۔ اس نے کہا فوراً آفس پہنچو ورنہ تم بھی لاپتہ قرار دے دیئے جاؤ گے۔

اور پھر جب وہ آفس پہنچا تو وہاں کافی سنسنی پھیلی ہوئی تھی۔ فریدی کے حریف آفیسروں نے اُسے گھیر لیا اور وہی افواہ سننے میں آئی جس کا خدشہ تھا۔ اغواء بالجبر اور ایسی زبردستی کہ وہ ہوش و حواس ہی کھو بیٹھی۔ ایک انسپکٹر نے تو کھل کر کہا تھا کہ فریدی صاحب کا تجرد رنگ لایا ہے۔ بالآخر بوکھلا گئے حضرت۔ ساری بندشیں ٹوٹ گئیں۔ ایسے خبط الحواس ہوئے کہ سالہا سال کی نیک نامی کو داغ لگا بیٹھے۔ حمید کیا بولتا۔ بس سنتا اور لطف لیتا رہا تھا۔ پھر ایک صاحب کی کسی بات کا جواب دیتے ہوئے مزے لے لے کر بولا تھا۔ ''بس کیا پوچھتے ہیں صاحب۔ مجھے تو صبح ہی علم ہو سکا جب چڑیاں کھیت چگ چکی تھیں۔ ویسے رات کو ڈیڑھ بجے آنکھ کھلی تھی اور میں نے کسی ضرورت سے باہر نکلنا چاہا تھا لیکن نہیں نکل سکا تھا کیونکہ میرے کمرے کا دروازہ باہر سے مقفل کر دیا گیا تھا۔ یقین کیجئے میرے فرشتوں کو بھی اصل واقعہ کا علم نہیں تھا ورنہ چیخ چیخ کر پوری کوٹھی سر پر اٹھا لیتا۔ مجھے تو صبح نوکروں سے معلوم ہوا تھا.....اوہ.....میں نہیں جانتا کہ اب وہ کسی کو منہ دکھا بھی سکیں گے یا نہیں۔''

پھر اسے براہ راست ڈی آئی جی کے آفس میں طلب کر لیا گیا۔ ڈی آئی جی کے سامنے پیشی ہوئی اور اس نے وہی سب کچھ بتایا جو اس سے پہلے دوسروں کو بتا چکا تھا۔

ڈی آئی جی کے استفسار پر اس نے کہا۔ ''جناب عالی یقین فرمایئے۔ میں ایسی کسی عورت کے وجود کا علم نہیں رکھتا تھا۔ مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے یہ سب کچھ خواب ہے۔''

''مجھے بے حد افسوس ہے.....ایسا شاندار آفیسر جسے محکمے کی ناک کہنا چاہئے اس طرح

ضائع ہوگیا۔ اب کیا ہوسکتا ہے..... اگر وہ اپنی صفائی میں کچھ کہنے کے لئے سامنے نہیں آ
کوئی کیا کر سکے گا۔ کچھ بھی تو نہیں۔"

ڈی آئی جی سچ مچ رنجیدہ معلوم ہوتا تھا۔ حمید کے ذہن پر بھی خواہ مخواہ افسردگی طا
ہونے لگی۔

"اچھی بات ہے۔" ڈی آئی جی نے ملاقات ختم ہونے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
"کم از کم ہر وقت محکمے کی پہنچ ہی میں رہنا۔"

"بہتر جناب۔" حمید نے کہا تھا اور سلام کر کے رخصت ہوگیا تھا۔

گورکھ دھندا

دو دن جوں توں گذرے اور تیسرے دن تو حمید کا دم گھٹنے لگا۔ فریدی کے بتائے ہ
نمبروں پر فون کر کے پیغامات نوٹ کراتا رہا تھا۔ خود اس سے ایک بار بھی گفتگو نہیں ہوسکی تھ

تیسرا دن گذرانا مشکل ہوگیا اور اب تو اُسے بھی ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے فر
فریدی سے اس گھناؤنے جرم کا ارتکاب ہوگیا ہو۔ گھٹن کی وجہ غالباً یہی احساس تھا۔ ا
اُسے اطلاع ملی کہ خان وجاہت نے محکمے کے بعض آفیسروں کو بُرا بھلا کہا تھا اور اُن پر یہ
واضح کی تھی کہ اگر مجرم دو دن کے اندر اندر نہ پکڑا گیا تو وہ اس معاملے کو آگے بڑھا
پریس کو بھی مطلع کر دے گا کہ خود قانون کے محافظ کس طرح قانون کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

اس کا دل چاہا کہ خان وجاہت کو راہ چلتے للکار دے۔ لیکن پھر یہ سوچ کر خاموش
تھا کہ پھر قانون کے محافظوں کی غنڈہ گردی کے حوالے بھی دیئے جانے لگیں گے۔ ویسے
نہیں سوچتا کہ قانون کے محافظ بھی آدمی ہی ہوتے ہیں اور ذاتی توہین پر انہیں بھی غصہ آ

اسی شام کو وہ ہائی سرکل نائٹ کلب میں جی بہلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ خان وجاہت سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ اس کے ساتھ دو آدمی بھی تھے۔ اُن میں سے ایک نے حمید کی طرف اشارہ کیا اور وہ تینوں سیدھے اسی کی میز کی طرف بڑھتے چلے آئے۔

وہ اپنی میز پر تنہا تھا۔ تین کرسیاں خالی تھیں۔ وہ اس کی اجازت حاصل کئے بغیر بیٹھ گئے۔ حالانکہ یہ کلب کے ضوابط کے خلاف تھا۔

"تم کیپٹن حمید ہو۔" خان وجاہت نے توہین آمیز لہجے میں کہا۔

"ہاں..... اور بدتمیزوں کا جبڑا توڑ دینے کے لئے شہرت رکھتا ہوں۔"

"کیا مطلب.....؟"

"ہمارے معاشرے میں ایسا طرز تخاطب بدتمیزی کے مترادف ہے۔"

"میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ فریدی کہاں ہے۔" خان وجاہت میز پر گھونسہ مار کر بولا۔

"تم ہو کون.....؟" حمید آنکھیں نکال کر دہاڑا۔

"شٹ اپ.....!"

حمید اچھل کر کھڑا ہوگیا اور ٹھوکر مار کر کرسی ایک طرف گرادی۔ ساتھ ہی اس کا ہاتھ بغلی ہولسٹر پر پہنچ گیا تھا۔

وہ تینوں بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

دفعتاً اُن میں سے ایک آدمی نے خان وجاہت کی طرف مڑ کر لجاجت سے کہا۔ "باس بات بڑھانے سے کیا فائدہ..... کیپٹن حمید بہت اچھے آدمی ہیں۔"

"اچھا تو پھر تم ہی گفتگو کرو۔" خان وجاہت نے کہا۔ لیکن اس بار بھی اس کا لہجہ پھاڑ کھانے کا سا تھا۔

"بیٹھ جایئے کیپٹن.....!" اُسی آدمی نے حمید کی گرائی ہوئی کرسی سیدھی کرتے ہوئے کہا۔ "اب گفتگو دوستانہ ماحول میں ہوگی۔ باس ہمارے معاشرے سے کافی دنوں دور رہے ہیں۔"

اس اچانک تبدیلی کے لئے حمید تیار نہیں تھا۔ وہ تو سمجھتا تھا کہ دوسرے ہی لمحے میں ہولسٹر

سے ریوالور نکال لینے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ ہوگا۔ بہرحال اُسے طوعاً و کرہاً بیٹھنا پڑا۔ اتنے میں منیجر بھی دوڑا آیا تھا۔ لیکن وجاہت نے ہاتھ کے بے ڈھنگے اشارے سے اُسے واپس جانے کو کہا۔ وہ بے بسی سے حمید کی طرف دیکھتا ہوا چپ چاپ چلا گیا۔

''مادام ایلی نور..... ہوش میں آ گئی ہیں۔'' وجاہت کے ساتھی نے کہا۔ ''مطلب یہ کہ اب وہ گفتگو بھی کر سکتی ہیں۔ ہم نے اُن سے انکی خیریت معلوم کرنی چاہی۔ لیکن انہوں نے کہا کہ وہ کرنل فریدی کے اسسٹنٹ ہی کی موجودگی میں گفتگو کریں گی جو اس وقت وہاں موجود تھا۔''

''تو پھر آپ حضرات سیدھے میرے ہی پاس کیوں چلے آئے۔ کرنل فریدی کے اسسٹنٹ اور بھی ہیں۔ سارجنٹ رمیش اور سردار امر سنگھ.....''

''ان دونوں حضرات کے تعارف پر وہ اُن سے اپنی ناواقفیت کا اظہار کر چکی ہیں۔''

''پھر یہ قطعی غلط ہے کہ اُن کی مراد مجھ سے ہوگی..... میں تو بے خبر سو رہا تھا۔''

''یہ تو وہ بیان ہے جو آپ نے اپنے محکمے کو دیا ہے۔'' دوسرا آدمی اپنی آنکھ دبا کر مسکرایا۔

''میرے پاس دوسرا کوئی بیان نہیں ہے۔''

''اچھا تو پھر از راہِ انسانیت ہماری یہ خواہش پوری کر دیجئے۔ وہ باس کی مہمان تھیں۔ اس حادثے سے باس کی سخت توہین ہوئی ہے۔''

''بھائی..... میں تو اس توہین کا ذمہ دار نہیں اور پھر چونکہ یہ معاملہ ایک کیس کی حیثیت حاصل کر چکا ہے لہٰذا میں اپنے سپرنٹنڈنٹ کی اجازت کے بغیر ایسا کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا۔''

''ہم آپ کے لئے اجازت نامہ ہی لائے ہیں..... ملاحظہ کیجئے۔'' اُس نے جیب سے ایک کاغذ نکالتے ہوئے کہا۔

یہ اُس کے لئے سپرنٹنڈنٹ کا حکم نامہ ہی تھا جس میں کہا گیا تھا کہ مس ایلی نور کا بیان بند کرے۔

''ہمیں سپرنٹنڈنٹ صاحب ہی سے معلوم ہوا تھا کہ آپ یہاں ملیں گے۔'' وہی آدمی بولا اور حمید نے پرتشویش انداز میں اپنے سر کو جنبش دی۔ ڈی آئی جی کے حکم کے مطابق

کل وہ محکمے کو اپنی نقل و حرکت سے باخبر رکھتا تھا۔ لہٰذا یہاں سے بھی اُس نے فون پر ایک ذمہ دار آفیسر کو مطلع کیا تھا کہ وہ اس وقت یہاں موجود ہے۔

''تو یہ کہئے۔'' حمید طویل سانس لے کر بولا۔ ''مجھے کارروائی شناخت کے لئے وہاں لے جایا جا رہا ہے۔''

''اب جو کچھ بھی سمجھئے۔ حکم نامہ آپ کے حوالے کر چکا ہوں۔''

''ہوں..... اُوں.....!'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔ ''چلئے..... لیکن ٹھہریئے۔ میں یہاں سے روانگی کی اطلاع بھی اپنے محکمے کے ایک ذمہ دار آفیسر کو دوں گا۔''

''آپ کی مرضی۔''

حمید اُن تینوں آدمیوں کے ساتھ منیجر کے کمرے میں آیا۔ وہاں سے اپنے آفس کو اطلاع دی کہ وہ سپرنٹنڈنٹ کے تحریری حکم کے مطابق خان وجاہت اور اُس کے دو ساتھیوں کے ہمراہ خان وجاہت کی قیام گاہ پر جا رہا ہے اور پھر وہ باہر آ گئے۔ خان وجاہت کے ساتھی نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ہوش آ جانے کے بعد وہ ہسپتال سے خان وجاہت کی کوٹھی میں منتقل کر دی گئی ہے۔

اور خان وجاہت کی کوٹھی کے اُس کمرے میں پہنچ کر جہاں وہ عورت موجود تھی حمید پر یہ حقیقت روشن ہوگئی کہ اُس کے لئے باقاعدہ طور پر جال بچھایا گیا تھا۔ کیونکہ وہاں اس نے ڈی آئی جی کو بھی بیٹھے پایا۔ عورت ایک آرام کرسی پر نیم دراز تھی اور پہلے سے کہیں زیادہ حسین دکھائی دیتی تھی۔

''ہاں..... یہی ہے۔'' اس نے حمید کو دیکھتے ہی کہا۔ ''یہ آدمی اس وقت وہاں موجود تھا۔''

ڈی آئی جی نے قہر آلود نظروں سے حمید کی طرف دیکھا اور حمید سمجھ گیا کہ سچ مچ اس سے پہلے امر سنگھ اور رمیش کی شناختی پریڈ ہو چکی ہے۔

''میرا خیال ہے کہ آپ نے خواب دیکھا تھا۔'' حمید ڈھٹائی سے بولا۔

''فضول بکواس مت کرو۔'' ڈی آئی جی نے غضب ناک ہو کر کہا۔

حمید نے خاموشی اختیار کی اور اندر ہی اندر کھولتا رہا۔اب اس عورت نے بولنا شروع کیا۔ بالتفصیل ایسے دل ہلا دینے والے واقعات بیان کررہی تھی کہ شیطان کے کان بھی بہرے ہوجائیں۔

ڈی آئی جی کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔آخر اُس نے اُسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔''اب تم کیا کہو گے۔''

''جناب عالی! میں کیا عرض کروں۔ میں نے پہلے بھی ساری باتیں دوسروں سے سنی تھیں اور یہ واقعہ ان کی زبانی سن رہا ہوں۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر کرنل صاحب ایسے ہی بہیمانہ موڈ میں تھے تو انہیں اس کا ہوش کیسے رہا ہوگا کہ ان سے میرا بھی تعارف کراتے۔انہیں یہ بتاتے کہ یہ میرا اسسٹنٹ ہے اور اگر انہوں نے خود ہی اندازہ لگایا تھا کہ میں ان کا اسسٹنٹ ہوں تو پھر یہی کہا جاسکتا ہے کہ میں نے اس نامعقولیت میں بھی انہیں اسسٹ کیا ہوگا۔''

''تم کیا بکواس کررہے ہو۔'' خان وجاہت بول پڑا۔

''شٹ اپ یور ڈرٹی سوائین.....میں صرف اپنے آفیسر کو جواب دہ ہوں۔'' حمید کا پارہ ایک دم چڑھ گیا۔

ٹھیک اسی وقت ایک ملازم ہانپتا کانپتا کمرے میں داخل ہوا۔

''سرکار وہ چلے آرہے ہیں.....روکے نہیں رکتے۔'' اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

''کون.....!'' خان وجاہت دروازے کی طرف جھپٹا ہی تھا کہ دو آدمی اندر داخل ہوئے۔اُن میں سے ایک نے فلٹ ہیٹ اتارتے ہوئے ڈی آئی جی کو سلام کیا۔

''تم.....!'' ڈی آئی جی بوکھلائے ہوئے انداز میں کھڑا ہوگیا۔''اس طرح۔''

حمید کا تو سر ہی گھوم کر رہ گیا تھا۔اس نے سوچا ممکن ہے فریدی کو یہاں ڈی آئی جی کی موجودگی کا علم نہ رہا ہو اور وہ ہر قسم کی احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر خان وجاہت سے نپٹنے کے لئے اس طرح زبردستی گھس آیا ہو۔

''جناب عالی.....!'' فریدی نرم لہجے میں بولا۔''اس نازک موقع پر میری موجودگی بہت

ضروری تھی۔''

پھر اس نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھ کر کہا۔''یہ ہیں مسٹر مائیکل برگ شکاگو پولیس کے انسپکٹر بکارخاص۔''

''مائیکل برگ.....!'' عورت اچھل پڑی۔

''ہاں کتیا.....اب کہاں جاؤ گی بچ کر۔'' فریدی کا ساتھی بولا۔

اب حمید نے غور سے دیکھا وہ یقیناً ایک سفید فام غیر ملکی تھا۔

''یہ کیا گورکھ دھندا ہے۔'' ڈی آئی جی فریدی کی طرف متوجہ ہوکر بڑبڑایا۔

''مائیکل برگ.....یہاں سے چلے جاؤ۔'' دفعتاً عورت اٹھتی ہوئی بولی۔''یہ شکاگو نہیں ہے۔''

''آج پہلی بار تمہارے خلاف ایک واضح ترین ثبوت ہاتھ آیا ہے۔کیا سمجھتی ہو تم۔ میں اس موقع سے فائدہ نہ اٹھاؤں گا۔''

''کیسا ثبوت.....؟''

''شکاگو کی نوما کم از کم شکاگو کے لئے نوما ہی رہے گی۔ایلی نور نہیں بن سکتی۔تم نے نام بدل کر جعلی پاسپورٹ پر سفر کیا ہے۔دو حکومتوں کو دھوکا دیا ہے۔تم پر ہاتھ ڈالنے کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے۔باقی ہم خود ہی اگلوالیں گے۔''

''تم کوئی بھی ہو نکل جاؤ یہاں سے ورنہ دھکے مار کر نکال دوں گا۔'' خان وجاہت دہاڑا۔

''میری موجودگی میں بھی۔'' فریدی استہزائیہ انداز میں مسکرایا۔

ڈی آئی جی بالکل خاموش تھا۔

خان وجاہت انسپکٹر مائیکل کی طرف گھونسہ تان کر بڑھا۔

''ہوش میں آؤ۔'' فریدی انکے درمیان آتا ہوا غرایا۔''مجھے علم ہے کہ تم بہت طاقتور ہو۔''

''اچھا تو پہلے تم ہی لو۔'' خان وجاہت نے فریدی پر ہاتھ چھوڑ دیا۔لیکن وہی ہاتھ پل بھر میں فریدی کی گرفت میں تھا۔وجاہت نے بائیں ہاتھ کو کام میں لانا چاہا لیکن وہ بھی فوری طور پر پکڑ لیا گیا۔پھر شروع ہوئی زور آزمائی۔

''یہ کیسا ظلم ہے.....؟'' دفعتاً نوما بولی۔ ''ایک بڑے آفیسر کے سامنے ماتحت کی جرأت.....!''

''فریدی.....!'' ڈی آئی جی کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

''براہِ کرم فی الحال مداخلت نہ کیجئے۔ میرا خصوصی اجازت نامہ محفوظ ہے اور وہ مواقع پر کام آتا ہے۔ خان وجاہت اگر تم نے جھٹکا دے کر اپنی کلائیاں چھڑانے کی کوشش کی کلائی کی ہڈیوں کی ضمانت نہ دی جاسکے گی۔''

خان وجاہت کسی بپھرے ہوئے بھیڑیئے کی طرح غرا رہا تھا۔ لیکن شاید اس نے بھی محسوس کرلیا تھا کہ فریدی نے غلط نہیں کہا۔ اسی لئے اب جھٹکے سے کلائی چھڑا لینے کی کوشش نہ کردی تھی اور اُس پر پلا پڑ رہا تھا۔

دفعتاً فریدی ڈی آئی جی سے کچھ کہنے کے لئے اس کی طرف مڑا۔ ساتھ ہی نوما پر بھی پڑی جس نے پستول نکال لیا تھا۔

''ہاتھ اٹھاؤ سب.....!'' تیز سیٹی کی سی آواز میں چیخی تھی اور فریدی نے بڑی پھرتی خان وجاہت کو پستول کی زد پر موڑ دیا تھا۔

''چھوڑ دو اسے ورنہ فائر کردوں گی۔''

''خاموش رہو میری توہین نہ کرو۔'' خان وجاہت غرایا۔

''نوما! پستول زمین پر ڈال دو۔'' انسپکٹر مائیکل کی آواز تھی۔

''اچھا تو پہلے تم ہی سہی۔'' نوما کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ہی فریدی نے خان وجاہت دھکا دیا۔ فائر کی آواز ہوئی اور خان وجاہت کراہا۔

فریدی نے اُسے اس طرح دھکیلا تھا کہ وہ نوما اور مائیکل کے درمیان آ گیا تھا۔ اس وقت نوما نے مائیکل پر فائر بھی جھونک مارا تھا۔ لیکن اسے دوسرے فائر کی مہلت نہ ملی کیونکہ اس کے بعد فریدی اس کی طرف جھپٹا تھا۔ نوما نے خان وجاہت کو لڑکھڑاتے دیکھا تھا۔ ٹھٹکی تھی پھر اس کا پستول فریدی کے ہاتھ میں نظر آیا تھا۔ ایک ہاتھ سے اس نے اس کا پستول سنبھالا

اور دوسرے ہاتھ سے بازو پکڑ کر اُسے مائیکل کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا تھا۔ ''لو اسے سنبھالو۔''

مائیکل نے اس کے سر کے بال مضبوطی سے پکڑتے ہوئے دو تین جھٹکے دیئے اور وہ چوٹ کھائی ہوئی کتیا کی طرح بلبلانے لگی۔

خان وجاہت کے بائیں شانے میں گولی لگی تھی۔

''حمید.....!'' فریدی بولا۔ ''خان وجاہت کو محکمے کی حوالات میں دینا ہے۔''

''تم جو بھی کر رہے ہو۔'' ڈی آئی جی نے کچھ کہنا چاہا لیکن فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''خصوصی اجازت نامہ کا حوالہ دینے کے بعد ذمہ داری مجھ پر ہوتی ہے۔ بہرحال میں کچھ دیر بعد آپ کو بھی مطمئن کرنے کی کوشش کروں گا۔''

خان وجاہت نے پھر مزاحمت کرنی چاہی تھی لیکن فریدی نے بڑی سنجیدگی سے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ زخمی ہے اگر اسکے ہاتھوں سے بھی مزید زخم پہنچے تو اسے افسوس ہوگا۔

دوسری شام کو حمید فریدی کے مہمان خانے میں انسپکٹر مائیکل کے لئے کاک ٹیل بنا رہا تھا۔ مائیکل اور فریدی سگار سے شغل کر رہے تھے اور صفورا مہم سروں میں ایک گیت گا رہی تھی۔

حمید اسے یہاں لے آیا تھا لیکن اپنے بارے میں نہ جانے کیوں یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ خود بھی ایک آفیسر ہے۔ فریدی کو اپنے اس دوست پولیس آفیسر کی حیثیت سے متعارف کرایا تھا۔ جس کے کہنے پر مبینہ طور پر انہوں نے نوما کا تعاقب کیا تھا۔

ابھی تک حمید کو یہ نہیں معلوم ہوسکا تھا کہ آخر خان وجاہت کیوں حوالات میں دیا گیا ہے۔ وہ کہہ سکتا تھا کہ وہ بھی نوما کے دھوکے میں آ گیا تھا۔ اس کی اصلیت سے واقف نہیں تھا۔

دفعتاً فریدی نے اردو میں کہا۔ ''برخوردار..... اب اپنی اس عنبر فام کو رخصت کیجئے۔''

حمید نے صفورا سے کہا۔ ''تم سانپ دیکھنا چاہتی تھیں۔ آؤ چلو میرے ساتھ۔'' حمید صفورا کو عمارت کے اس حصے میں لایا جہاں سانپ تھے۔ راستے میں شریف مل گیا۔ اس نے صفورا کو اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ ''تم اس کے ساتھ جاؤ۔ میں ابھی آتا ہوں۔'' اور پھر سانپ خانے کی طرف پلٹ آیا۔ اسے یقین تھا کہ فریدی اس وقت مائیکل سے کسی اہم معاملے پر گفتگو کر رہا ہوگا۔ اسی لئے صفورا کو وہاں سے ہٹایا تھا۔ اس کا خیال غلط نہ نکلا۔ فریدی انسپکٹر مائیکل سے کہہ رہا تھا۔

''نوما یہاں خان وجاہت کی مدد سے اپنے کاروبار کو مزید وسعت دینا چاہتی تھی۔ اس طرح دنیا میں ایک بالکل ہی نیا بین الاقوامی گروہ منشیات کی ناجائز تجارت کے لئے تشکیل پا جاتا۔ نوما اُس کی سربراہ ہوتی اور ہمارے ملک کی ناجائز تجارت کی سربراہی خان وجاہت کے حصے میں آتی۔ یہاں کے جرائم پیشہ میرے بارے میں کبھی کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہوئے۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مجھے راستے سے ہٹائے بغیر وہ کسی بڑے جرم کا ارتکاب نہیں کر سکتے۔ لہٰذا نوما کو مشورہ دیا گیا کہ کسی طرح مجھے الجھا دیا جائے تاکہ وہ اطمینان سے بزنس آرگنائز کر سکیں۔ خان وجاہت کی موٹی عقل میں یہ تدبیر آئی کہ خود مجھے ہی کسی معاملے میں ملوث کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس کی دانست میں مجھے اپنی برأت کی فکر ہوتی اور میں چاروں طرف سے توجہ ہٹا کر اپنے ہی الجھیڑوں میں پڑ جاتا۔ بہرحال نوما خود ہی میری طرف آئی اور خان وجاہت نے رقابت کا ڈھونگ رچایا تھا۔ مجھے پہلے ہی شبہ ہو گیا تھا کہ کوئی چکر ہے۔ معاملے کی تہہ تک پہنچنے کے لئے میں بھی نوما کی طرف جھکتا چلا گیا۔ لیکن خان وجاہت کی رقابت مجھے کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچنے دے رہی تھی۔ اچانک قدرت مہربان ہوئی مجھ پر اور اس کالی لڑکی خود بخود عقدہ کشائی کا باعث بن گئی۔ میں نے تم سے رابطہ قائم کیا اور تم اس خوشی میں دوڑے چلے آئے کہ تمہیں پہلی بار نوما کے خلاف ایک واضح ترین ثبوت مل رہا ہے۔''

''میں تمہارا شکر گذار ہوں..... پیارے دوست۔'' مائیکل بولا۔ ''لیکن ہمیں اس کا قطعی

علم نہ تھا کہ نوما اتنی اذیت پسند بھی ہے۔ ہم تو اُس کے کالے کاروبار کے متعلق کوئی واضح قسم کا ثبوت فراہم کرنے کی فکر میں رہے تھے۔''

''لیکن پھر وہ شکاگو میں رلانے والی کے نام سے کیوں مشہور ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''بلاشبہ..... وہاں اس کو اسی نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ لیکن وجہ دوسری ہے۔ بھولے بھالے نوجوانوں سے عشق کا ڈھونگ رچاتی ہے اور پھر کچھ دنوں کے بعد انہیں ٹھکرا دیتی ہے اور وہ شراب خانوں میں بیٹھے نشہ کی حالت میں روتے دیکھے جاتے ہیں۔''

''خان وجاہت کے خلاف آپ کے پاس کیا ثبوت ہے۔'' حمید نے فریدی سے پوچھا۔

''وہ تو کسی صورت سے بچ ہی نہیں سکتا کیونکہ اُس نے یہاں کے پرانے جرائم پیشہ لوگوں سے ساز باز شروع کر دی تھی۔ انہیں منشیات کی ناجائز تجارت کے سائنٹیفک طریقوں پر لیکچر دیا کرتا تھا۔ باقاعدہ کلاس لیتا تھا۔ حمید صاحب وہ سب میری گرفت میں آ گئے ہیں۔ چار دنوں تک یہی سب کچھ تو کرتا رہا ہوں۔ خان وجاہت کو مطمئن کر دیا تھا میں نے کہ میں پوری طرح اس کے چکر میں پھنس گیا ہوں۔ اسی یقین دہانی کے لئے میں نے اس گاڑی کے ڈکے میں انگلیوں کے نشانات چھوڑے تھے۔ وہ سمجھا شائد مجھ پر بھی رقابت سوار ہو گئی ہے۔ اسی لئے وہ مجھے نوما کے ساتھ ملوث کرنے میں جلد بازی سے کام لے گیا۔ میرے غائب ہو جانے پر سمجھا کہ میں شہر ہی سے چلا گیا ہوں کیونکہ اُس کی دانست میں فوری طور پر اپنی صفائی نہیں پیش کر سکتا تھا۔ بہرحال وہ میری طرف سے مطمئن ہو کر اپنے کام میں لگ گیا اور میں اس کا تعاقب کرتا رہا۔''

''مجھے حیرت ہے کہ آپ نے اتنی جلدی یہ سب کچھ کیسے کر لیا۔''

''بیسویں صدی میں بیٹھ کر حیرت کا اظہار کر رہے ہو۔ ارے نوما کی تصویر اسی رات کو لاسلکی کے ذریعہ شکاگو بھجوا دی تھی اور دوسری صبح اسی ذریعے سے جواب وصول کر لیا تھا اور مائیکل ہوائی ایئر پہنچے ہیں یہاں۔''

''آخری سوال..... سوچ سمجھ کر جواب دیجئے گا۔'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''آپ نے اس رات میرا کمرہ باہر سے مقفل کیوں کر دیا تھا۔''

''میں اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ کیوں آئی ہے۔ مجھے یقین تھا کہ زبردستیوں والا ڈرامہ اسٹیج کیا جائے گا۔ لہٰذا میں نے سوچا کہیں تم کوئی حماقت نہ کر بیٹھو..... عقل مند بننے کی کوشش نہ کرڈالو..... کھیل بگڑ جاتا اور اس طرح۔''

''ہوں..... اُوں.....!'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''ایک بات اور ہے..... خیر..... پھر کبھی تنہائی میں پوچھ لوں گا۔''

مائیکل ہنسنے لگا۔ فریدی سگار سلگا رہا تھا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 99

تصویر کا دشمن

(مکمل ناول)

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

پیش رس

یہ کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کا 99واں ناول ''تصویر کا دشمن'' ہے۔ اس کہانی میں آپ بالکل نئے انداز کا سسپنس محسوس کریں گے۔ حیرت انگیز واقعات کے ساتھ شروع ہونے والی یہ کہانی اس طرح ختم ہوتی ہے کہ کیپٹن حمید پر تو حیرتوں کے پہاڑ ہی ٹوٹ پڑتے ہیں۔

اس کے بعد انشاء اللہ جاسوسی دنیا کا آئرن جوبلی نمبر پیش کروں گا۔ اس سلسلے میں بے شمار تجاویز موصول ہوئی ہیں۔ ایک بات پر قریب قریب سبھی نے زور دیا ہے کہ اسے پچھلے ''خاص الخاص'' نمبروں کی طرح باتصویر نہ ہونا چاہئے کیونکہ ہر پڑھنے والے کے ذہن میں کرداروں سے متعلق مختلف قسم کے تصورات ہیں لہٰذا تصاویر میں اُن سے مطابقت نہ دیکھ کر جھنجھلاہٹ ہوتی ہے۔

بات پتے کی ہے۔ یقیناً ایسا ہی ہوتا ہوگا۔ مجھے اس کا اندازہ اپنے ایک ریڈیائی ڈرامے کے سلسلے میں ہو چکا ہے۔ اس

ڈرامے میں سبھی چوٹی کا صدا کار تھے۔ لیکن سننے والوں کو اس لئے مزا نہ آیا کہ اُن کی آوازیں سننے والوں کی اپنی متصورہ آوازوں سے مطابقت نہ رکھتی تھیں۔

لہٰذا زیادہ سے زیادہ پیسہ خرچ کر کے بھی روسیاہی کون مول لے۔ پس اے عزیزانِ گرامی آئرن جوبلی نمبر میں تصاویر نہیں شائع ہوں گی۔

یہ بھی آپ ہی کی خواہشات کے احترام میں ہے..... دو چار حضرات جو اس نکتے سے آگاہ نہیں ہوسکتا ہے اس پر شور مچائیں، لیکن مجھے تو اکثریت ہی کا ساتھ دینا ہے۔

پچھلی کتاب کے پیشرس میں میں نے گذارش کی تھی کہ میرا وقت بہت قیمتی ہے اور کچھ ملنے والوں کے لئے وقت کے تعین کا تذکرہ بھی تھا۔ اس پر بے شمار خطوط موصول ہوئے ہیں۔ کچھ خفا ہیں اور کچھ ایسے ہیں جنہوں نے میرے خیال کو سراہا ہے۔ کچھ ایسے بھی ہیں جو روزانہ آ کر بڑی دیر تک پوچھتے رہتے ہیں کہ میں اوقات کار کا بورڈ کب نصب کرا رہا ہوں۔

اللہ رحم کرے میرے حال پر۔

ابنِ صفی

۲۰/۰۴/۱۹۶۷

دھماکہ

دیکھنے والے صرف اتنا ہی دیکھ سکے کہ اس نے جھپٹا مارا.....اور یہ جا.....وہ جا.....انسپکٹر آصف کی بدبختی ہی سمجھئے یہ واردات اسی دوکان پر ہوئی جس کی نگرانی وہ خود کر رہا تھا۔

ویسے اس نے پھرتی تو بہت دکھائی تھی۔ موٹر سائیکل اسٹارٹ کی تھی اور اس کا پیچھا کیا تھا۔ پیدل بھاگنے والے کا تعاقب موٹر سائیکل پر ..... بظاہر بات مضحکہ خیز تھی لیکن وہ بے چارہ کرتا بھی کیا۔ بھاگنے والا ایسا ہی تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ بھی پٹرول کی ہی مدد سے بھاگا ہو۔ اپنے پیروں کو تکلیف دیئے بغیر.....!

انسپکٹر آصف خود ہی اس کیس کا انچارج بھی تھا۔ اس لئے اُسے تو جان تک کی بازی لگا دینی پڑی۔

چاروں طرف پولیس کی سیٹیاں بج رہی تھیں اور اسی سڑک پر ایک پٹرول کار بھی حرکت میں آ گئی تھی۔

سڑک پر ٹریفک بھی تھا اور فٹ پاتھوں پر پیدل چلنے والوں کی بھیڑ بھی بھاگنے والے نے

جیسے ہی محسوس کیا کہ پٹرول کار قریب آ گئی ہے وہ تیزی سے ایک گلی میں مڑ گیا۔ پٹرول کار آگے نکلی چلی گئی۔ پھر جتنی دیر میں یوٹرن لے کر اس گلی میں داخل ہوتی وہ گلی پار کر کے دوسری سڑک پر پہنچ چکا تھا۔

بہر حال آصف تو موٹر سائیکل ہی پر تھا۔ لیکن وہ گلی میں تیز رفتاری نہ دکھا سکا اور پھر جتنی دیر میں وہ سڑک پر پہنچتا، بھاگنے والا راہگیروں کی بھیڑ میں مل کر گویا ناپید ہو چکا تھا۔

آدھے گھنٹے تک آس پاس کے علاقوں میں ہنگامہ برپا رہا۔

یہ آج کوئی نئی بات نہیں تھی۔ کسی نہ کسی سڑک پر روزانہ ہی اس کا ''ظہور'' ہوتا تھا۔ بس وہ کسی بک سٹال پر جھپٹ پڑتا۔ ایک کتاب اٹھاتا اور اسے چیرتا پھاڑتا ہوا دوڑتا چلا جاتا۔ ابھی تک تو اسے کوئی پکڑ نہیں سکا تھا۔

ایسی افراتفری مچتی کہ بعض اوقات ٹریفک کے حادثات ہو جاتے۔ لوگوں کی جیبیں صاف ہو جاتیں اور بعض دوکانوں سے قیمتی اشیاء اٹھالی جاتیں۔ لوگوں میں عام طور پر یہ خیال پایا جاتا تھا کہ وہ کوئی دیوانہ ہے، لیکن قانون کے محافظوں کی دور رس نگاہیں کچھ اور دیکھ رہی تھیں۔ محکمہ پولیس کے ذمہ داران کا خیال تھا کہ وہ کوئی بڑا گروہ ہے جس میں ہر فن کے پیشہ ور قانون شکن شامل ہیں۔ افراتفری سے فائدہ اٹھا کر وہ جیب تراشیاں اور بڑی بڑی چوریاں کرتے ہیں۔

پھر جہاں اس قسم کے سائنٹیفک انداز کے جرائم کی بو پھیل رہی ہو۔ محکمہ سراغ رسانی کیسے نچلا بیٹھ سکتا ہے۔

اس بار قرعہ فال انسپکٹر آصف کے نام نکلا تھا اور انسپکٹر آصف نے وہ اُدھم مچایا کہ خدا کی پناہ۔ نہ صرف سفید پوش سپاہی سارے شہر میں بکھیرا دیئے تھے بلکہ سول پولیس والوں کا بھی ناک میں دم آ گیا تھا۔ وہ جہاں بھی بیٹھتے انسپکٹر آصف کی سات پشتوں کو نواز کر رکھ دیتے۔ ایسے توصیفی کلمات ایجاد کرتے کہ گوش فلک نے بھی نہ سنے ہوں۔

قریب قریب پندرہ دن سے یہ ہنگامہ برپا تھا۔ لیکن ابھی تک تو اس گروہ کا ایک چوہا بھی

ہاتھ نہ لگا تھا اور تو اور وہی نہ پکڑا جا سکا جو بھرے بازار میں کسی نہ کسی کتب فروش کے کاؤنٹر پر چیل کی طرح جھپٹا مارتا اور اڑنچھو ہو جاتا۔

اور آج تو خود آصف ہی کو اُس سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ اس کے باوجود بھی وہ صاف نکل گیا۔

آصف پر گویا دیوانگی سی طاری ہوگئی تھی۔ اس کے غائب ہو جانے کے باوجود بھی موٹر سائیکل کا پٹرول پھونکتا رہا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اپنے شکار کے جسم کا ایک ایک ریشہ چاروں طرف سے چھنتا پھر رہا ہو۔

پھر ایک جگہ اس نے موٹر سائیکل روکی اور سگریٹ کے لئے جیبیں ٹٹولنے لگا۔ سگریٹ شائد ختم ہی ہوگئے تھے۔ موٹر سائیکل کو فٹ پاتھ سے لگا کر وہ ایک سگریٹ فروش کے خوانچے کے قریب جا کھڑا ہوا۔ سگریٹ خریدے اور ایک نکال کر ہونٹوں میں دبایا ہی تھا کہ بائیں جانب سے دیا سلائی کا شعلہ سگریٹ کی طرف بڑھا۔

فطری ردعمل کے مطابق پہلے سگریٹ سلگانا ہی چاہئے تھا۔ اس کے بعد اس نے دیا سلائی پیش کرنے والے کی طرف نظر اٹھائی اور کباب ہوگیا۔

کیپٹن حمید اپنی تمام تر سنجیدگی سمیت مؤدب کھڑا تھا۔

''کیا مطلب.....؟'' آصف کی زبان سے جھلاہٹ میں بے ساختہ صرف یہی دو لفظ ادا ہو سکے۔

''میں اپنے کسی بھی بزرگ کو دیا سلائی نکالنے کا موقع نہیں دیتا۔ اگر کہیں آس پاس ہی خود بھی موجود ہوں۔'' حمید نے نہایت ادب سے کہا۔

''میں اسے پسند نہیں کرتا۔''

''تب تو آئندہ ایسی غلطی نہ ہوگی۔ میں معافی چاہتا ہوں جناب عالی.....!''

''تم میرا تعاقب کرتے رہے ہو۔'' آصف پیر پٹخ کر بولا۔

''عجیب اتفاق ہے۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''ہر موڑ پر آپ سے مڈبھیڑ ہوئی ہے اور یہ بھی اتفاق ہی ہے کہ آپ کے یہاں پہنچنے سے صرف تین سیکنڈ پہلے میں نے سوچا تھا کہ مجھے دیا سلائی خرید لینی چاہئے۔''

''کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ ہر موڑ پر یہ اتفاق کیوں پیش آیا۔''

''یہ آپ کرنل ہارڈ اسٹون سے پوچھئے گا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''انہوں نے مجھے ہدایت کی ہے کہ میں ایسے ہنگاموں کا جائزہ لے کر انہیں مفصل رپورٹ پیش کروں۔''

''فریدی کو کیا سروکار اس سے۔'' آصف کسی بدمزاج کتے کی طرح غرایا۔

''اس کا تو آپ کو علم ہی ہوگا کہ ایک اسسٹنٹ صرف چڑی کا غلام..... مم مطلب یہ کہ صرف حکم کا غلام ہوتا ہے۔ اُسے کب حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی حکم کی وجہ بھی دریافت کر سکے..... اور.....!''

آصف جو بُرا سا منہ بنائے اُس کی بات سنتا رہا تھا بھنا کر بولا۔ ''کہہ دینا کہ میں اپنے معاملات میں دخل اندازی برداشت نہ کر سکوں گا۔''

''کیا دیا سلائی دکھانا دخل اندازی ہے۔'' حمید نے نہایت ادب سے پوچھا۔

''خاموش رہو۔'' آصف نے کہا اور اپنی موٹر سائیکل کی طرف مڑ گیا۔

پھر وہ موٹر سائیکل پر بیٹھنے ہی والا تھا کہ حمید آگے بڑھ کر بولا۔ ''کیا آپ میرے ساتھ چائے پینا پسند کریں گے آج سردی بڑھ گئی ہے۔''

''ضرور پیئوں گا۔'' آصف غرایا۔ ''میں خود چاہتا تھا کہ کچھ باتیں تم دونوں کے گوش گذار کر دوں۔''

''تو پھر آیئے..... کینٹین میں وہائٹ جیسمین پیئیں گے۔''

کافی کینٹین اسی فٹ پاتھ سے ملحق اور قریب ہی تھا۔

آصف نے غصیلے انداز میں موٹر سائیکل کی سیٹ چھوڑی اور حمید کے ساتھ اس طرح چل پڑا کہ اُس سے ایک قدم آگے ہی رہے..... اس وقت اس پر ''سینیارٹی'' چھٹی پڑ رہی تھی۔

کینٹین میں ایک میز بھی خالی نہ دکھائی دی۔

''کیا مصیبت ہے!'' حمید بڑبڑایا۔ ''خالی جگہوں پر بنچیں ہی ڈلوا دی ہوتیں۔ خیر ا
ہم..... یوکوہاما چلیں گے۔''

''نہیں! سان فرانسسکو.....!'' آصف آنکھیں نکال کر بولا۔ ''جو باتیں کہنا چاہتا ہو
فٹ پاتھ پر کھڑے ہوکر بھی کہی جاسکتی ہیں۔''

''کم از کم چائے کی مٹھاس تو ہونی ہی چاہئے آپ کی باتیں سنتے وقت۔''

''تم کتنی ہی بکواس کیوں نہ کرو۔'' آصف واپسی کے لئے صدر دروازے کی طرف مڑ
ہوا بولا۔ ''تمہیں تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ بعض اوقات تم دونوں بے حد تکلیف دہ ہوجاتے ہو۔

''میں پھر عرض کروں گا کہ صرف ایک ہی کو کہئے۔ آپ اسسٹنٹ کو کوئی الزام نہیں دے
سکتے۔ وہ بے چارہ تو صرف احکامات بجالاتا ہے۔'' حمید بولا۔

اور وہ پھر فٹ پاتھ پر نظر آئے۔

آصف ختم ہوتے ہوئے سگریٹ سے دوسرا سگریٹ سلگانے لگا تھا۔

''نیاگرہ کیوں نہ چلیں۔'' حمید نے کہا۔

''دماغ تو نہیں خراب ہوگیا۔ میں نیاگرہ جاؤں گا آپ کے ساتھ..... اس سردی میں۔

''موٹر سائیکل یہیں چھوڑ دیجئے۔ گاڑی ہے میرے ساتھ۔''

''نہیں مجھے جو کچھ کہنا ہے یہیں کہوں گا۔''

''آخر آپ مجھ سے خفا کیوں رہتے ہیں جب کہ میں آپ کا اتنا احترام کرتا ہوں۔''

دفعتاً آصف نرم لہجے میں بولا۔ ''یہی تو میں بھی اکثر سوچتا ہوں۔''

''آپ کو سوچنا ہی پڑے گا..... یا پھر مجھے میرا قصور بتا دیجئے۔''

''قصور.....!'' آصف ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''قصور صرف یہ ہے کہ تم ایک بددما
اور مغرور آدمی کے ماتحت ہو اور تمہیں اس کی ہاں میں ہاں ملانی پڑتی ہے۔''

''یہ میرا نہیں بلکہ میرے مقدر کا قصور ہے جناب۔''

''ہاں..... ہاں..... یہ بھی درست ہے کسی حد تک۔''

''تو آپ براہِ راست مجھ سے خفا نہیں ہیں؟''

''میرا یہی خیال ہے۔'' آصف نے کہا۔

''تو پھر میری دعوت رد نہ کیجئے۔ نیاگرہ میں بڑا عمدہ پروگرام ہے۔''

''خیر چلو.....!'' آصف ڈھیلی ڈھالی آواز میں بولا۔

پھر موٹر سائیکل وہیں چھوڑ دی گئی اور وہ نیاگرہ کی طرف روانہ ہوگئے۔

حمید فریدی کی لنکن ڈرائیو کر رہا تھا۔

وہ دونوں ہی خاموش تھے۔ تھوڑی دیر بعد آصف بڑبڑایا۔ ''واقعی حیرت انگیز طور پر تیز
رفتار ہے۔''

''لنکن کا جواب نہیں ہے جناب۔'' حمید بولا۔

''میں گاڑی کی بات نہیں کر رہا..... اُس کا تذکرہ ہے جو کتابیں اٹھا کر بھاگ جاتا ہے۔''

''اوہ.....!''

''عجیب اتفاق ہے..... آج وہ اسی بک سٹال پر حملہ کر بیٹھا جس کے قریب میں بھی
موجود تھا۔''

''اچھا.....؟''

''چھلاوا ہے چھلاوا..... کتاب جھپٹی اور وہ گیا.....!''

''اور سنا ہے کہ اُسے چیر پھاڑ کر پھینک بھی دیتا ہے۔'' حمید نے کہا۔

''ابھی تک کی رپورٹ تو یہی ہے۔''

''آپ نے تو آج بچشم خود دیکھا ہوگا۔''

''یہ کون دیکھ سکا تھا..... میں تو آج اُسے پکڑ ہی لینا چاہتا تھا۔''

''میرا خیال ہے کہ غیر متوقع طور پر سامنا ہوجانے کی بناء پر آپ نے بہت زیادہ جلد
بازی سے کام لیا ہوگا۔'' حمید بولا۔

''یہی سمجھ لو۔''

''آپ سے بچ کر کہاں جائے گا۔''

آصف کچھ نہ بولا۔ شائد وہ حمید کے اس جملے میں خلوص تلاش کرنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔

پھر راستہ خاموشی سے طے ہوتا رہا۔ وہ شہری آبادی کو پیچھے چھوڑ چکے تھے۔

رات سرد اور تاریک تھی۔ کہر کی ہلکی سی تہہ فضائے بسیط پر مسلط تھی اور سڑک سنسان۔

آصف نے پھر سگریٹ سلگائی اور ایک طویل کش لے کر دھواں چھوڑتا ہوا بولا۔ ''موٹر سائیکل پر تو واقعی شامت ہی آجاتی..... غضب کی سردی ہے۔''

''بیئر وئیر کھایا کیجئے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اس عمر میں پرندوں کا گوشت صحت کے لئے مفید ہے۔''

''چلو بیئر ہی کھاؤں گا۔''

''آپ میرے مہمان ہیں..... کچھ بھی کھایئے۔''

جواب میں آصف کی ''ہوں'' معنی خیز تھی۔

پھر نیاگرہ تک پہنچنے کے دوران میں کچھ نہیں بولے تھے۔ نیاگرہ حسب دستور پوری طرح آباد تھا۔ ڈائیننگ ہال میں کھڑے ہو کر تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ یہ ہوٹل شہر سے کافی فاصلے پر واقع ہے۔

''ہوں..... رک کیوں گئے؟'' آصف نے حمید سے کہا، جو صدر دروازے کے قریب رک کر چاروں طرف نظریں دوڑا رہا تھا۔

''دیکھ رہا ہوں کوئی معقول سی میز۔''

''معیار کیا ہے آپ کی معقولیت کا۔'' آصف نے زہریلے لہجے میں پوچھا۔

''میز کے آس پاس جاندار اور متحرک نباتات ہونی چاہئے۔''

''بے ہودگی میرے ساتھ نہیں چلے گی۔''

''تو پھر آپ ہی منتخب کیجئے۔'' حمید نے پھر سعادت مندی کا مظاہرہ کیا۔

آصف نے ایسی میز منتخب کی جو نہ صرف دور افتادہ تھی بلکہ حمید کے نکتہ نظر سے آس پاس کی ''زرخیزی'' سے بھی محروم تھی۔

پھر حمید نے کافی کا آرڈر دیا ہی تھا کہ آصف بول پڑا۔ ''بیئروں کی بات کرتے رہے تھے تم۔''

''نباتات کے بغیر بیئریں۔'' حمید مردہ سی آواز میں بڑبڑا کر رہ گیا۔

لیکن پھر اُسے کہنا ہی پڑا تھا۔

بیئریں وہاں کی ''خاص ڈش'' سمجھی جاتی تھیں۔

آرڈر کی تعمیل ہو جانے کے بعد آصف نے حمید کو ایسی نظروں سے دیکھنا شروع کیا جیسے اب اس دعوت کا مقصد بھی معلوم کرنا چاہتا ہو۔

''کیسی ہیں بیئریں.....؟'' حمید نے پوچھا۔ ''ہائیں آپ نے تو ابھی شروع ہی نہیں کیا۔''

''شروع کرنے سے پہلے مقصد معلوم کرنا چاہوں گا۔''

''کاہے کا مقصد.....؟''

''اسی دعوت کا.....!''

''ارے..... آپ ہی نے تو کہا تھا کہ کہیں بیٹھ کر اطمینان سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔''

''وہ گفتگو تو کل پر بھی ٹل سکتی تھی۔''

''سچ کہتا ہوں جناب۔ آپ سے جیتنا بھی مشکل ہے اور ہارنا تو ایسا ہے جیسے.....!''

''بیئریں ٹھنڈی ہو رہی ہیں۔'' آصف بات کاٹ کر بولا۔ ''کم سے کم الفاظ میں مقصد بیان کر دو۔''

''میں متواتر چھ سات دنوں سے اس لڑکی کو دیکھ رہا ہوں یا اُس کے بارے میں رپورٹیں سُن رہا ہوں؟''

''یہ کیا بکواس شروع کر دی۔'' آصف بگڑ کر بولا۔ ''کیا اس کا خیال بھی نہیں رکھ سکتے کہ میں عمر میں تم سے کتنا بڑا ہوں۔''

''اب تو یقیناً ٹھنڈی ہو جائیں گی بیئریں۔'' حمید بڑبڑایا۔ پھر اونچی آواز میں بولا۔

''کیا آپ کو یاد نہیں کہ ایک لڑکی نے سارا کھیل بگاڑا تھا۔''

''کہاں کی ہانک رہے ہو.....!'' آصف نے ایک بیئر کو فورک سے اٹھاتے ہوئے کہا۔

''خیر اگر آپ نے نہیں دیکھا تھا تو پھر اس تذکرے کی ضرورت ہی نہیں۔'' حمید نے فورک سنبھالتے ہوئے کہا۔

''میں پوچھ رہا ہوں کہ کس لڑکی نے کون سا کھیل بگاڑا تھا۔''

''اب تو میں بڑی دشواری میں پڑ گیا ہوں۔'' حمید نے بہ آواز بلند سوچا۔

''کیسی دشواری.....؟''

''جب آپ کو ایک بات کا احساس ہی نہ ہو سکا تھا تو پھر میں خواہ مخواہ یقین دہانی کے میں کیوں پڑوں.....؟''

''صاف صاف کہو.....!''

''وہ لڑکی جو موٹر سائیکل کے سامنے آئی تھی۔''

''کہاں.....؟ کب.....؟''

''یہ اس گلی کے موڑ کی بات ہے جہاں آپ نے اس دیوانے کا سراغ کھو دیا تھا۔''

''کیا تم سچ کہہ رہے ہو۔'' آصف نے فریدی کے سے انداز میں حمید کی آنکھوں دیکھنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔

حمید نے سر کو اثباتی جنبش دی۔

''تب تو..... مجھے سوچنے دو۔'' آصف نے پرتفکر انداز میں کہا اور خلاء میں گھورتا رہا آہستہ سے بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ وہ کوئی لڑکی ہی تھی.....اوہ میرے خدا۔''

''یہی نہیں..... بلکہ میں تو اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وہ ہمیشہ اسی لڑکی کی وجہ سے بچ نکلتا ہے۔''

''تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ.....!''

''کھاتے رہئے.....ورنہ بیئریں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ جی ہاں یہ میری عادت ہے۔''

''لیکن کیس میرے پاس باقاعدہ طور پر نہ آئے تب بھی اس میں میری دلچسپی برقرار رہتی ہے اور میں اس کے سلسلے میں کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہوں۔ پچھلے دنوں کی بات ہے میں نے انسپکٹر ملک کو ان کے کیس کے بارے میں ایسی ٹپ دی تھی کہ ہمیشہ یاد رکھیں گے۔''

آصف کچھ نہ بولا۔ خاموشی سے کھاتا رہا۔ کافی ختم کر چکنے کے بعد بھی اُس کے ہونٹ بھنچے رہے۔ غالباً وہ مسلسل سوچے جا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ ''تم نے کتنی بار اس لڑکی کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔''

''تین بار.....!'' حمید نے جواب دیا اور پائپ سلگانے لگا۔

''تم نے یقیناً اس کا تعاقب کیا ہوگا؟''

''دو بار.....آج تو میں آپ کو اس کے بارے میں بتانا چاہتا تھا۔''

''فریدی سے بھی تذکرہ کیا ہوگا۔''

''یقیناً.....لیکن انہوں نے ذرہ برابر بھی دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ آج کل وہ پھر لائبریری نشین ہو رہے ہیں۔ آفس کے اوقات کے علاوہ اور سارا وقت کتب بینی میں صرف کر رہے ہیں۔''

''بہرحال تم باقاعدہ طور پر اس لڑکی کی ٹوہ میں رہے ہوگے۔''

''میں اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ لڑکی غیر معمولی طور پر حسین بھی ہے۔''

''ظاہر ہے.....ویسے میرا یہ مقصد نہیں تھا کہ آپ کو اس کے حسن سے متاثر کرنے کی کوشش کروں۔''

آصف نے اُسے گھور کر دیکھا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ حمید بھی دوسری طرف دیکھنے لگا تھا اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی۔

دفعتاً وہ اچھل پڑا.....اس طرح چونکنے پر آصف دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ پھر اس کی نظروں کا تعاقب کرتی ہوئی اس کی نگاہ اس لڑکی تک بھی جا پہنچی۔

حمید اسے متحیرانہ انداز میں دیکھے جا رہا تھا۔

یہ لڑکی ابھی ابھی ہال میں داخل ہوئی تھی۔

آصف نے پھر حمید کی طرف دیکھا۔ اب حمید آنکھوں میں وہی متحیرانہ تاثر لئے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''کیوں..... کیا بات ہے؟'' آصف نے پوچھا۔

''مجھے حیرت ہے۔''

''کس بات پر.....؟''

''کافی اور پیجئے۔''

''میں پوچھ رہا ہوں تمہیں کس بات پر حیرت ہے۔'' آصف آنکھیں نکال کر بولا۔

''وہ بھی پہنچ گئی۔''

''کون.....؟''

''وہی لڑکی.....!''

''کیا بکتے ہو۔'' آصف نے کہا اور پھر لڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا جو اب ایک خالی کے قریب کھڑی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے لڑکی کو بھی کسی کا انتظار ہو۔

دفعتاً حمید آہستہ سے بولا۔ ''اس طرح نہ دیکھئے اس کی طرف..... شائد ہمارا تعاقب ہوئی یہاں تک آئی ہے۔''

آصف اس طرح حمید کی طرف دیکھنے لگا جیسے مشورے کی معقولیت میں شبہ رہا ہو۔ سر جھکا کر بجھا ہوا پائپ سلگانے لگا تھا۔

آصف کبھی کبھی کنکھیوں سے لڑکی کی طرف دیکھ لیتا۔ اب وہ تنہا نہیں تھی۔ متوسط ایک قوی ہیکل آدمی بھی اس کی میز پر تھا۔

''بل ادا کر دو۔'' آصف نے حمید سے کہا۔

''کیوں..... کیا بیٹھیں گے نہیں؟'' حمید بولا۔

''جو کہہ رہا ہوں کرو۔ میں تمہارے اندیشے کی تصدیق کرنا چاہتا ہوں۔''

''اچھی بات ہے۔'' حمید نے کہہ کر طویل سانس لی اور بولا۔ ''ٹھیک ہے۔ تصد

کر لیجئے۔ ہو سکتا ہے میں آپ کو گمراہ کر رہا ہوں۔''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ میں صرف اطمینان کرنا چاہتا ہوں۔''

''او کے.....!'' حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور ویٹر کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔ بل ادا کر کے وہ اٹھ گئے۔ باہر سردی بڑھ گئی تھی۔

آصف اس دوران میں دور ہی کھڑا رہا تھا۔ لنکن پارکنگ شیڈ سے جیسے ہی باہر آئی وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا اور دروازہ کھول کر حمید کے قریب بیٹھتا ہوا بولا۔ ''وہ بھی پارکنگ شیڈ کی طرف آ رہے ہیں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ گاڑی کو کمپاؤنڈ کے پھاٹک کی طرف لیتا چلا گیا۔

''تمہیں سانپ کیوں سونگھ گیا ہے؟'' آصف نے کچھ دیر بعد کہا اور پھر مڑ کر پیچھے دیکھنے لگا۔

''کیا میں اس محاورے کی تشریح کروں؟'' حمید بولا۔

''میرا خیال ہے پیچھے آنے والی گاڑی میں وہی دونوں ہیں۔''

''خدا کرے ایسا ہی ہو۔ ورنہ آپ نہ جانیں کیا سوچیں۔''

آصف کچھ نہ بولا۔ راستہ طے ہوتا رہا۔ پشت پر صرف ایک گاڑی کے ہیڈ لیمپ نظر آ رہے تھے۔ اس کے پیچھے دور دور تک اور کوئی گاڑی نہیں تھی۔

''تو تم اس لڑکی کے ٹھکانے سے واقف ہو گے۔'' آصف نے کہا۔

''ایک عمارت سے واقف ہوں لیکن یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ وہیں رہتی بھی ہو گی۔''

''دونوں بار وہ اسی عمارت میں گئی تھی۔''

''جی ہاں۔''

''تو پھر اس کے علاوہ اور کیا کہو گے وہ وہیں رہتی ہو گی۔''

''خدا جانے۔'' حمید نے بے دلی سے کہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اب وہ اس موضوع پر گفتگو نہ کرنا چاہتا ہو۔

شہر میں داخل ہو جانے کے بعد بھی وہ گاڑی اُن کے پیچھے لگی رہی اور ایک بار پھر آصف

نے اپنے شبہ کی تصدیق کرنی چاہی۔

اس کے لئے انہیں گاڑی روک کر آرلکچو میں داخل ہونا پڑا تھا اور اس بار آصف نے کا آرڈر دیتے ہوئے حمید سے کہا تھا۔

''تم بھی کیا یاد کرو گے۔''

''میں تو ایسے بزرگوں کو ہر وقت یاد رکھتا ہوں۔'' حمید بولا۔

آصف صدر دروازے کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد نیا گرا والی لڑکی یہاں دکھائی دی۔ بھاری بھرکم آدمی اس کے پیچھے تھا۔

آصف نے طویل سانس لی اور پُرمعنی انداز میں سر ہلانے لگا۔

''اب کیا خیال ہے.....!'' حمید نے پوچھا۔

''یقین کرنا ہی پڑے گا۔'' آصف پرتشویش لہجے میں بولا۔ ''تو یہ مردود مجھے شیڈو کر رہے ہیں۔''

''میرے طرف سے اسے ٹپ ہی سمجھئے۔'' حمید بولا۔ ''اب آپ مجھے اپنے معاملات میں دخل اندازی کرتا ہوا نہ پائیں گے۔''

''میں نے تمہاری حد تک کبھی بھی بُرے خیالات نہیں رکھے۔''

''میں سمجھتا ہوں۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔

''فریدی سے بھی کوئی ذاتی پرخاش نہیں..... بس اکڑ نہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور نہ مجھے۔''

''بھلا میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔ ماتحت کا تو مقدر ہی یہی ہے کہ ہر قسم کی اکڑ برداشت کرتا رہے۔''

پھر حمید نے شائد زبردستی ہی کافی زہر مار کی تھی۔ کافی ختم کر کے اُس نے کہا۔ ''چلئے آپ کو موٹر سائیکل تک پہنچا دوں۔''

''ابھی ٹھہرو..... میں ان دونوں کی نگرانی کا انتظام تو کرا دوں۔'' آصف اٹھتا ہوا بولا۔

''بہرحال اب میرا کام ختم ہو گیا..... آپ جانیں۔''

آصف کاؤنٹر کی طرف بڑھتا چلا گیا تھا۔ یہاں ان دنوں گاہکوں کے لئے الگ ٹیلی فون

بوتھ کا انتظام ہو گیا تھا جس کی کنجی کاؤنٹر کلرک کے پاس رہتی تھی۔ یہ تبدیلی انتظامی اُمور کے تحت حال ہی میں ہوئی تھی۔ ورنہ پہلے گاہک بھی کاؤنٹر ہی کا فون استعمال کر لیتے تھے۔

آصف کنجی لے کر بوتھ کی طرف چلا گیا۔

اپنے کسی ماتحت کو فون پر اُن دونوں کا حلیہ ذہن نشین کرانے کے بعد اُس نے کہا۔ ''دس منٹ کے اندر اندر آرلکچو کے گیٹ پر پہنچ جاؤ۔ میں فریدی کی لنکن میں ہوں گا اور اُن دونوں کی گاڑی لنکن کا تعاقب کر رہی ہوگی۔''

ریسیور رکھ کر وہ باہر نکلا۔ بوتھ مقفل کر کے کنجی کاؤنٹر کلرک کے سپرد کی اور پھر میزوں کی طرف مڑا ہی تھا کہ حمید کو اپنی جانب بڑھتے دیکھا۔

''کمال ہو گیا۔'' قریب پہنچ کر وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''وہ دونوں تو چلے گئے لیکن ان کا وینٹی بیگ۔''

آصف کی نظر اُن دونوں کی میز کی طرف گئی۔ لڑکی کا سفید وینٹی بیگ رکھا دکھائی دیا اور قبل اس کے کہ وہ مڑ کر حمید سے کچھ کہتا..... ایک زوردار دھماکہ ہوا اور وینٹی بیگ کے چیتھڑے اڑ گئے۔

آبلے

دھماکے کے ساتھ ہی کئی چیخیں بھی بلند ہوئی تھیں۔ میزوں کے الٹنے کی آوازیں بھی سنائی دیں۔ لیکن کسے ہوش تھا کہ وہ اُن کے الٹنے کے مناظر بھی دیکھتا۔ خود آصف کے اعصاب اس دھماکے سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے تھے۔

لوگ چیخ رہے تھے۔ اٹھ اٹھ کر بھاگ رہے تھے اور دھوئیں کا حجم تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ وہ بھاگ بھی رہے تھے اور کھانس بھی رہے تھے۔

آصف کو اچھی طرح یاد نہیں کہ وہ کیسے عمارت سے باہر نکلا تھا اور کس طرح حمید نے اسے لنکن میں ٹھونس دیا تھا۔

گاڑی خاصی تیز رفتاری سے روانہ ہوئی تھی۔ سرد ہوا کے تھپیڑوں نے اسے احساس دلایا کہ وہ کسی نہ کسی طرح آرلکچو کی عمارت سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

''اب ہم کہاں جا رہے ہیں۔'' اُس نے پھنسی پھنسی سی آواز میں پوچھا۔

''وہیں جہاں آپ کی موٹر سائیکل چھوڑی تھی۔'' حمید نے جواب دیا۔

''لیکن ہم وہاں سے کیوں چلے آئے۔''

''رک ہی کر کیا کرتے؟''

''پھر بھی موقع واردات سے اس طرح بھاگ نکلنا ہمارے لئے مناسب نہیں تھا۔''

''اب کیا ہو سکتا ہے۔ آپ کو وہیں خیال دلانا چاہئے تھا۔''

آصف کچھ نہ بولا۔

بالآخر لنکن وہیں آ پہنچی جہاں موٹر سائیکل کھڑی کی گئی تھی۔

''میں سوچتا ہوں موٹر سائیکل کسی کے حوالے کر کے یہ رات تمہارے ہی ساتھ گزار دوں۔'' آصف نے کچھ سوچتے ہوئے کہا اور حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔

''میرے ساتھ..... ارے جناب یہ رہیں مونچھیں..... یہ ڈاڑھی..... پینٹ اور جیکٹ ہوں۔ شلوار اور جمپر میں نہیں۔''

''شٹ اپ.....!'' آصف خفت آمیز لہجے میں غرایا۔

''میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔'' حمید نے بے بسی سے کہا۔

''اب تم جہاں بھی چلنا چاہو مجھے اپنے ساتھ پاؤ گے۔''

''بن گئی درگت.....!'' حمید کراہا۔

''کیا مطلب.....؟''

''ظاہر ہے کہ آپ میرے ساتھ گھر جانے سے تو رہے۔''

''تمہاری راتیں زیادہ تر گھر سے باہر ہی گذرتی ہیں۔''

''آپ جیسوں کے ساتھ تو نہیں گذرتیں۔''

''کیا مطلب.....؟'' آصف نے آنکھیں نکالیں۔

''مم..... مطلب یہ کہ..... بب..... بزرگوں کے ساتھ تو نہیں گذرتیں۔''

''آج یہی سہی۔'' آصف سر ہلا کر مسکرایا اور حمید طویل سانس لے کر رہ گیا۔

پھر آصف نے دوسری سڑک سے ایک سفید پوش کانسٹیبل کو بلا کر موٹر سائیکل اس کے حوالے کی اور دوبارہ لنکن میں آ بیٹھا۔

''چلو اب کہاں چلتے ہو۔'' اُس نے حمید سے کہا اور حمید اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔

''تم نے سنا نہیں۔''

''بھلا میں آپ کو کہاں لے جاؤں۔''

''یہی تو میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ محکمہ سراغ رسانی کے لائق آفیسر اپنی راتیں کہاں گذارتے ہیں۔''

حمید کے چہرے پر تشویش کے آثار صاف دیکھے جا سکتے تھے۔ آصف اسے تیکھی نظروں سے دیکھتا ہوا دوبارہ بولا۔ ''کوئی ایسی پریشانی کی بات نہیں۔ میں تمہارے مشاغل میں خلل نہیں ڈالوں گا۔''

''یہ بات نہیں..... آپ دراصل بوریت محسوس کریں گے۔''

''فکر نہ کرو..... چلو.....!'' آصف اُس کے شانے پر تھپکی دے کر بولا۔

حمید نے گاڑی اسٹارٹ کی اور نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے اسٹیئرنگ کرتا رہا۔ خود اس نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ لیکن آصف بولے جا رہا تھا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان لوگوں کی اس حرکت کو کس خانے میں فٹ کروں۔''

''میں تو سب کچھ غسل خانے میں فٹ کرتا ہوں۔'' حمید بول پڑا۔

''مضحکہ اڑا رہے ہو میرا۔''

''آپ سمجھے نہیں۔غور وفکر کے لئے غسل خانے سے بہتر اور کوئی مقام نہیں۔''

آصف ناخوشگوار لہجے میں کچھ بڑبڑایا تھا جسے حمید نہ سن سکا۔

گاڑی پھر شہری آبادی کو پیچھے چھوڑ رہی تھی۔

''اب کہاں جا رہے ہو۔'' آصف نے چونک کر پوچھا۔

حمید کچھ نہ بولا۔

''کیا تم اونگھ رہے ہو۔میری بات کا جواب دو۔''

''سمجھ میں نہیں آتا.....آج کس گناہ کی سزا مل رہی ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''نیکی کرنے کی بجائے کنویں میں چھلانگ لگا دینا چاہئے۔''

''اخاہ.....تو مجھ پر کارگذاری کا رعب ڈالا جا رہا ہے۔''

''نہیں.....انکل ڈیئر.....میں تو اپنی قسمت کو رو رہا ہوں۔''

''میں پوچھ رہا ہوں تم جا کہاں رہے ہو۔''

''میں آج کل رات بھر خانہ بدوشوں کی سی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ چھ ماہ سے کوئی رات چھت کے نیچے نہیں گذاری۔''

''پھر بھی.....ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

''وہ دیکھئے سامنے روشنی نظر آ رہی ہے.....وہی ہے میری منزل۔''

''اوہ.....ہے تو.....یہاں اس ویرانے میں.....یہ کیا بلا ہے!''

''بے فکروں کا کیمپ۔''

''کیا مطلب.....؟''

''بس دیکھ لیجئے گا۔''

گاڑی پختہ سڑک سے کچے میں اتر رہی تھی۔

آصف پھر بڑبڑانے لگا تھا۔لیکن حمید اس کی طرف دھیان دیئے بغیر اسٹیئرنگ کرتا رہا۔

پھر وہ ان خیموں کے درمیان جا پہنچے جہاں کئی پٹرومیکس لیمپ روشن تھے۔ایک جگہ بہت بڑا الاؤ جل رہا تھا جس میں لکڑی کے بڑے بڑے کندے چٹخ رہے تھے۔

کچھ لوگ الاؤ کے گرد کرسیاں ڈالے بیٹھے نظر آئے۔

وہ دونوں گاڑی سے نہیں اُترے تھے۔آصف نے حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پرمعنی انداز میں پوچھا۔''یہاں کیا ہو رہا ہے۔''

''سب کنوارے ہیں۔آپ بے فکر رہیں۔'' حمید نے جواب دیا۔

''میری باتوں کا جواب دیتے وقت محتاط رہا کرو۔'' آصف جھنجھلا کر بولا۔

حمید نیچے اُترنے کے لئے دروازے کا ہینڈل گھما رہا تھا۔

مجبوراً آصف کو بھی اس کا ساتھ دینا پڑا۔الاؤ کے گرد بیٹھے ہوئے لوگ انہیں دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔

''ارے.....اپنا کیپٹن ہے۔'' ان میں سے کسی نے بہ آواز بلند کہا۔

اور پھر انہوں نے آگے بڑھ کر دونوں کو گھیرے میں لے لیا۔

''کیپٹن.....ایک واردات ہو گئی ہے۔'' ان میں سے ایک بولا۔

''واردات کو جہنم میں جھونکو۔'' دوسرا کسی قدر غصیلی آواز میں بولا۔''یہ صاحب جوان کے ساتھ آئے ہیں کنوارے نہیں معلوم ہوتے۔''

آصف نچلا ہونٹ کاٹ کر رہ گیا۔

''کنوارے ہی ہیں۔'' حمید لاپروائی سے بولا۔''کس قسم کی واردات ہوئی ہے؟''

''ایک شادی شدہ آدمی کی موجودگی میں ہم گفتگو نہیں کریں گے۔'' وہی آدمی غرایا جس نے آصف کی موجودگی پر اعتراض کیا تھا۔

''یہ کیا بکواس ہے؟'' آصف حمید پر الٹ پڑا۔

''میں نے پہلے ہی آپ سے عرض کیا تھا کہ وہ جگہ آپ کے لئے مناسب نہ ہوگی۔ جہاں میں آج کل رات بسر کرتا ہوں۔''

''واپس چلو۔''

''میرا خیال ہے۔'' حمید نے کچھ کہنا چاہا لیکن ایک آدمی نے بیچ ہی سے اس کی بات اچک کر آصف سے کہا۔ ''صاحب! آپ کی بیوی مر چکی ہو تب بھی ہم آپ کو برداشت کرلیں گے۔''

''کیا بیہودگی ہے۔'' آصف حمید کو پھاڑ کھانے دوڑا۔

''یقیناً آپ کی بیوی زندہ ہے ورنہ آپ بھی ہماری ہی طرح ٹھنڈے دماغ والے ہوتے۔'' ایک کنوارا بولا۔

''شٹ اپ.....!'' آصف نے تن کر اُسے للکارا اور وہ مضحکہ اڑانے والے انداز میں ہنس کر خاموش ہو رہا۔

اب وہ سب ہی خاموش کھڑے آصف کو اس طرح گھور رہے تھے جیسے وہ کسی دوسری دنیا کی مخلوق ہو۔

''بعض حالات میں اصولوں سے انحراف بھی کیا جاسکتا ہے۔'' حمید نے مخاطب کیا۔

''وہ کس قسم کے حالات ہو سکتے ہیں مسٹر کیپٹن.....؟'' ایک نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

''فرض کرلو.....میں صرف نام کا شوہر ہوں۔''

''یو ڈرٹی میٹ.....!'' آصف دانت پیس کر بڑبڑایا۔

لیکن حمید اس کی طرف دھیان دیئے بغیر کہتا رہا۔ ''کچھ لوگ والدین کے ڈر سے شادی کر لیتے ہیں.....دل سے شوہر نہیں ہوتے۔''

''تم بکواس بند نہیں کرو گے۔'' آصف نے حمید کی ٹائی پکڑ کر جھٹکا دیا۔

''ارے صاحب! خفا ہونے کی ضرورت نہیں۔'' ان میں سے ایک نے آصف کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ ''ہم کیپٹن حمید کی خاطر آپ کو برداشت کرنے پر تیار ہیں۔''

پھر آصف نے سوچا کہ خواہ مخواہ نکو بننے سے فائدہ.....اُسے دماغ ٹھنڈا رکھنا چاہئے۔ ورنہ یہ لوگ اُسے چٹکیوں میں اڑا دیں گے۔ اُس نے حمید کی ٹائی چھوڑ کر جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور بُرا سا منہ بنائے ہوئے الاؤ میں چٹختے ہوئے کندوں کی طرف دیکھنے لگا۔

''صاحب.....غصہ بُری چیز ہے۔'' ایک کنوارا کہہ رہا تھا۔ ''لیکن شادی شدہ لوگوں کا طرہ امتیاز بند کر رہ جاتا ہے۔''

آصف کچھ نہ بولا۔ وہ سگریٹ سلگا رہا تھا۔

پھر اُن لوگوں نے حمید کے بکرے کی خیریت دریافت کی اور یہ معلوم کر کے کہ وہ ان دنوں زکام میں مبتلا ہے اُسے تسلیاں دیتے رہے۔

''جوشاندہ ہرگز نہ پلانا۔'' ایک بولا۔ ''نزلہ خشک ہو جائے گا۔''

دوسرا بولا۔ ''حکیم وحید کو دکھا دو۔ بکروں کی نفسیات کے بھی ماہر ہیں۔ ابھی حال میں ہی بکروں کی پرورش و پرداخت کے بارے میں ایک رسالہ بھی نکالا ہے۔''

''کس بے درد کا تذکرہ چھیڑ دیا تم نے۔'' تیسرے نے کہا۔ ''خمیرہ مروارید میں مروارید کے علاوہ اور سب کچھ ڈلواتے ہیں۔ البتہ پیکنگ شاندار ہوتا ہے۔ لہٰذا میرا خیال ہے کہ تم بکرے کو بہتر سے بہتر لباس پہناؤ۔ اللہ نے چاہا تو نزلہ رفع ہو جائے گا اور قوم بھی تمہاری اس دانشمندی پر واہ واہ کرے گی۔''

''آپ کی کتیا کا کیا حال ہے؟'' حمید نے اس سے پوچھا۔

''مارتھا نام ہے اُس کا۔'' اُس نے بُرا مان کر کہا۔

''آئی ایم سوری.....محترمہ مارتھا کے مزاج کیسے ہیں۔''

''دن رات بھونکتی رہتی ہے۔ پتہ نہیں کیا دکھ ہے بے چاری کو۔''

''میں کہتا ہوں میرے آرتھر.....!'' ایک نے کچھ کہنا چاہا لیکن ''مارتھا'' والا بھڑک اٹھا۔

''بس خاموش۔ اس کتے کی بات نہ کیجئے۔''

''آرتھر نام ہے۔'' وہ غرایا۔

''کیوں کیپٹن تم نے دیکھا ہے اُس خارش زدہ کتے کو جس کا نام انہوں نے آرتھر رکھا ہے۔''

''بس بس بہت ہو چکا۔''

''کیا کریں گے آپ۔'' دوسرے نے نتھنے پھلائے۔

''اب کیا کتوں کے والدین لڑ پڑیں گے آپس میں۔'' آصف نے بے حد زہریلے لہجے میں کہا۔

''جی ہاں..... آپ سے اپنے بچے نہیں پالے جاتے۔ ہم کتے پالتے ہیں اور انہیں بہترین تربیت دیتے ہیں۔ طنز نہ فرمایئے ہم پر.....!''

''حمید تم کتنی دیر ٹھہرو گے یہاں؟'' آصف غرایا۔

''ذرا ایک صاحب کی بلیوں کی خیریت بھی دریافت کرلوں۔'' حمید نے ایک خیمے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ''آپ بھی آیئے۔''

خیمے میں پیٹرومیکس جل رہا تھا۔ یہاں دو آدمی نظر آئے۔ لیکن وہ ان کی طرف متوجہ نہیں ہوئے تھے۔ معمر آدمی سامنے بیٹھے ہوئے نوجوان کو کچھ سمجھا رہا تھا۔

حمید نے ہانک دہل ایک عدد ''سلام'' رسید کر کے ان کی خیریت دریافت کی۔

''صاحب زادے کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔'' معمر آدمی نے سلام کا جواب دیئے بغیر نوجوان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''کب.....؟'' حمید نے معصومیت سے پوچھا۔

''بہت دنوں سے خراب تھا۔ مجھے آج ہی معلوم ہوا ہے۔'' معمر آدمی نے جواب دیا۔

اس نے انہیں بیٹھنے کو بھی نہیں کہا تھا۔ حمید نے خود ہی آصف کے لئے کینواس کی ایک فولڈنگ کرسی پیش کرتے ہوئے کہا۔ ''تشریف رکھئے۔''

معمر آدمی نے آصف کی طرف دیکھا تک نہیں۔ وہ تو اس نوجوان کو اب بھی گھورے جا رہا تھا۔ دفعتاً وہ اس پر برس پڑا۔

''عقل کے ناخن لو برخوردار..... محبت اپنی جگہ پر ایک ہمہ گیر جذبہ ہے۔ اگر تمہیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ تم اس لڑکی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے تو یہ محبت ہرگز نہیں ہے بلکہ رقابت کا خوف ہے۔ کہیں کوئی اور نہ لے اڑے۔ اگر کوئی اور لے اڑا تو اس سے تمہاری انا کو ٹھیس لگے گی اور تم خودکشی کرلو گے۔''

''مجھے اس سے پاک محبت ہے۔'' نوجوان بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''ابھی تک محبت تھی۔ اب پاک بھی ہوگئی۔ تو کیا کوئی ناپاک محبت بھی ہوتی ہے۔''

نوجوان کچھ نہ بولا۔

''جواب دو۔'' بوڑھا غرا کر کھڑا ہوگیا۔

''ارے صاحب جانے دیجئے۔'' آصف جلدی سے بول پڑا۔ ''صاحب زادے ہیں۔ آپ نے بھی اپنی عمر میں.....!''

''جی نہیں۔ اگر میں نے اپنی عمر میں کچھ کیا ہوتا تو یہ ''میرے'' صاحب زادے ہوتے۔ کیپٹن حمید پلیز..... کیا آپ کسی شادی شدہ آدمی کو ہمارے کیمپ میں لائے ہیں۔''

''بیوی مر چکی ہے۔'' حمید تڑ سے بولا۔

''شٹ اپ..... یو ایڈیٹ.....'' آصف کو سچ مچ غصہ آ گیا۔

''خدا کی قسم یہ شخص شادی شدہ معلوم ہوتا ہے اور بیوی بھی زندہ ہے۔''

''خاموش رہو۔'' آصف آنکھیں نکال کر بولا۔ ''میں بے تکلفی کا عادی نہیں۔ ہوسکتا ہے تم کیپٹن حمید کے دوست ہو۔ لیکن میں تمہارے لئے اجنبی ہوں۔''

''بالکل شادی شدہ۔ میں شرط لگا سکتا ہوں۔'' بوڑھا سر ہلا کر بولا۔

''چلو یہاں سے۔'' آصف حمید کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑتا ہوا چیخا۔

پھر وہ اسے کھینچتا ہوا خیمے سے باہر نکال لایا۔

''کل ہی ان مردودوں سے سمجھ لوں گا۔'' وہ گاڑی میں بیٹھ کر ہانپتا ہوا بولا۔

''دنیا کے مظلوم ترین لوگ ہیں جناب۔'' حمید نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

''جرائم پیشہ معلوم ہوتے ہیں۔ کل ہی سے نگرانی شروع کراتا ہوں ان کی۔''

''کیا ہاتھ آئے گا۔''

''کس کی اجازت سے انہوں نے کیمپنگ کی ہے؟''

''وہ اپنی زمین پر جو کچھ چاہیں کر سکتے ہیں۔ کیا آپ نے نواب مشرف کو پہچانا نہیں۔''

''نواب مشرف۔''

''ہاں.....شہر کا سب سے بڑا کنوارا۔''

''تو وہ بوڑھا نواب مشرف تھا۔''

''جی ہاں۔''

''یہ کیا لغویت پھیلا رکھی ہے اس نے۔''

''شہر کے نامی گرامی کنواروں کا کلب بنا ڈالا ہے۔ان میں کوئی بھی معمولی حیثیت کا نہیں ہے۔''

''تم مجھے یہاں اُلو بنانے لائے تھے۔''

''کس طرح یقین دلاؤں کہ میں آج کل یہیں رات بسر کرتا ہوں۔''

''تمہارے قبلہ وکعبہ بھی تو نامی گرامی کنواروں میں سے ہیں۔وہ نہیں تشریف رکھتے یہاں۔''

''وہ شخص تو ہر معاملے میں عدیم المثال ہے۔ خیر چھوڑیئے۔ اب میں آپ کو بے حد دلچسپ جگہ پر لے چلوں گا۔''

''نہیں ..... مجھے گھر پہنچا دو۔!'' آصف نے غصیلی آواز میں کہا۔

''یہی کمزوری ہے ازدواجی کی.....!''

''بکواس کرو گے مجھ سے۔''

''مجھے تسلیم کہ آپ میرے بزرگ ہیں۔ سینئر بھی ہیں۔ لیکن میری طرح قلندری نہیں کر سکتے۔ میں تو کہتا ہوں بیوی بچوں کو ماریئے گولی۔''

''کبھی اپنے باپ سے بھی یہی کہو۔''

''کئی بار کہہ چکا ہوں کہ مرد بنئے۔ والدہ محترمہ کی سلواتیں کان دبا کر نہ سنا کیجئے۔ لیکن سر میں جوئیں ہوں تو ایک آدھ کان پر بھی رینگے۔''

''یہ کدھر موڑ رہے ہو گاڑی.....میں گھر جاؤں گا۔''

''یہ کیسے ممکن ہے.....اب تو میں آپ کو خوش کر دوں گا۔''

''نہیں نہیں.....میرے چھوٹے بچے کی طبیعت ٹھیک نہیں۔''

''چھوٹے بچے کو بھی ماریئے گولی۔ کیا وہ بڑا ہو کر جورو کا غلام نہ کہلائے گا۔''

''کیا تم میرے ہاتھوں پٹنا چاہتے ہو۔''

''دس جوتے مار لیجئے۔ لیکن اب تو بیوی بچوں کو چھوڑنا ہی پڑے گا۔''

''شٹ اپ.....!''

''آپ جیسے سنجیدہ اور باوقار آدمیوں کو بیوی بچے بالکل سوٹ نہیں کرتے۔ واہ یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ انسپکٹر آصف آف سنٹرل انٹیلی جنس کسی چنے منے کے ابا کہلائیں۔ لاحول ولا قوۃ!''

''اگر اب تم نے بکواس بند نہ کی تو.....!''

''میں آپ کے لئے ایک عدد محبوبہ بھی مہیا کر سکتا ہوں۔''

''حمید میں بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔'' اس بار آصف نے ایسے لہجے میں کہا جس میں غصے کی جھلک تو موجود تھی لیکن یہ خواہش بھی اس سے مترشح ہوتی تھی کہ وہ اس قسم کی گفتگو کئے ہی جائے۔

''انگریزی فلموں کے سراغ رسانوں کو دیکھئے.....ایک ہاتھ میں بوتل ہے تو دوسرے میں کسی چھپکلی نما پرکٹی کا بازو.....موڈرن بنئے موڈرن.....انکل ڈیئر ورنہ زندگی محال ہو جائے گی۔''

''یعنی تمہاری طرح کلبوں اور ہوٹلوں میں ناچتا پھروں۔''

''میرے خدا.....؟'' دفعتاً حمید چونک کر بولا۔''ہم آخر کیا کرتے پھر رہے ہیں۔''

''کیا مطلب.....؟''

''کیا آپ اس دھماکے کو بھول گئے۔''

''نہیں.....مجھے یاد ہے اور میں سوچ رہا ہوں کہ یہ بھی تمہاری ہی شرارت تھی۔''

''میری شرارت.....؟''

''یقیناً.....کیا یہ ممکن نہیں کہ تم نے پہلے ہی سے کوئی ایسی لڑکی تیار کر رکھی ہو جو میری توجہ اپنی طرف مبذول کرا سکے۔''

''بھلا میں ایسا کیوں کرنے لگا۔''

''کیونکہ یہ حیرت انگیز کیس تمہارے باس کے سپرد نہیں کیا گیا۔ لہٰذا تم مجھے غلط راہ پر ڈالنا چاہتے ہو۔''

حمید نے قہقہہ لگایا اور بولا۔ ''سچ پوچھئے تو میں یہی سوچ رہا تھا کہ آپ فوری طور پر نتیجے پر پہنچے ہوں گے۔''

''کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟'' آصف نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

''شائد میں فی الحال آپ کی غلط فہمی رفع نہ کرسکوں۔''

''لونڈے ہو..... یہ انداز گفتگو مجھے مطمئن نہیں کرسکتا۔''

''اچھا جناب.....!'' حمید طویل سانس لے کر رہ گیا۔

گاڑی شہری آبادی کے قریب ہوتی رہی۔

حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''انکل ڈیئر..... میں واقعی بڑا احمق ہوں۔ مجھے کیا ضرورت آپ سے تذکرہ کرنے کی۔''

''بات نہ بناؤ..... میں ایک ایک کو دیکھ لوں گا۔''

''تو پھر میں آپ کو گھر چھوڑ دوں۔''

''ہاں.....!'' آصف کی غراہٹ حمید کو بھی شائد گراں گذری تھی اور اس نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے تھے۔

حمید نے گاڑی دوسری طرف سڑک پر موڑ دی۔ سڑک سنسان تھی۔ دور دور تک ٹریفک کا پتہ نہیں تھا۔ یہ سڑک ایسی بستی سے گذرتی تھی جہاں متوسط طبقے کے لوگ آباد تھے۔

دفعتاً حمید نے عقب نما آئینے میں تیز قسم کی روشنی دیکھی اور اس کی آنکھیں چندھیا لگیں۔ گاڑی کی پوزیشن بھی ساتھ ہی تبدیل کرنی پڑی تھی۔ کیونکہ وہ پیچھے آنے والی اس رفتار گاڑی کو راستہ دینا چاہتا تھا جس کے ہیڈ لیمپس کی روشنی نے عقب نما آئینے کے ذریعہ اس کی آنکھوں میں چکا چوند پیدا کی تھی۔

گاڑی قریب سے گذر کر بالکل اس کے سامنے آ گئی۔ لیکن بے خیالی میں اس کے

لگا رہا۔ اس نے ذرہ برابر بھی اُسے اہمیت نہیں دی تھی۔ لہٰذا اس سے بے خبر رہا کہ آہستہ آہستہ اس کی رفتار کم ہوتی جارہی ہے۔ پھر ایک ایسا مرحلہ بھی آیا جہاں خود اُسے ہارن دے کر اگلی گاڑی سے آگے نکل جانے کی ضرورت پیش آئی۔

اگلی گاڑی نے اپنی پوزیشن برقرار رکھتے ہوئے اُسے راستہ بھی دے دیا۔ حمید نے بڑی احتیاط سے اسٹیئرنگ گھمایا اور شائد صرف چھ انچ کے فاصلے سے آگے نکل جانے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ آصف چیخ مار کر دھڑام سے اس پر آ گرا۔

اسٹیئرنگ پر ہاتھ بہکا اور گاڑی دائیں جانب کچے میں اتر کر ایک مکان سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ بڑے سچے بریک لگے تھے۔

اس نے غیر شعوری طور پر انجن کا سوئچ آف کر دیا۔

آصف ڈیش بورڈ سے سر ٹکائے بُری طرح کراہ رہا تھا۔ حمید نے گاڑی کے اندر روشنی کردی۔

''ارے مرا..... ارے مرا..... ہاسپٹل..... ہاسپٹل.....!'' آصف نے بدستور سر جھکائے ہوئے چیخ کر کہا۔ اس چیخ سے تکلیف کی شدت صاف ظاہر ہو رہی تھی۔

''کیا ہوا..... کیا بات ہے؟''

''آگ لگی ہوئی ہے..... پورے چہرے میں..... میں آنکھیں نہیں کھول سکتا۔''

''آخر ہوا کیا؟''

''چلو.....!'' وہ بدستور سر جھکائے ہوئے چیخا۔

اور حمید نے اضطراری طور پر انجن اسٹارٹ کر کے ایکسیلریٹر پر دباؤ ڈالا۔ گاڑی جھٹکے کے ساتھ آگے بڑھی اور اس کا بمپر سامنے والی دیوار سے ٹکرا ہی گیا۔ لیکن پھر بڑی پھرتی سے اس نے بریک لگائے تھے۔ ورنہ بمپر کے بعد باڈی ہی کی باری ہوتی۔

ریورس گیئر میں گاڑی کو ڈال کر وہ پھر سڑک تک آیا اور اب پھر گاڑی کا رخ شہر ہی کی طرف تھا۔

''ارے میرے خدا.....!'' آصف کراہا۔ ''آگ لگی ہوئی ہے۔'' پھر وہ اپنے ذہن کو قابو

میں رکھنے سے عاری نظر آنے لگا تھا۔ جو کچھ منہ میں آ رہا تھا کہے جا رہا تھا۔ ذلیل کمینے..... تیری بدولت..... تیری بدولت..... ہائے شائد میں اپنی آنکھیں بھی کھو بیٹھا ہوں۔''

''آصف صاحب..... جناب مجھے بتایئے..... کک..... کیا بات ہے؟'' حمید بوکھلا گیا۔

''جلد سے جلد..... ہاسپٹل..... ہائے.....!''

حمید نے رفتار بڑھائی۔ اب زیادہ تر سڑکیں قریب قریب سنسان ہی ہو چکی تھیں۔ اس لئے حمید کو کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ لیکن فراٹے بھر رہی تھی۔

''اوہ..... کیا تم سچ مچ میری موت چاہتے ہو۔'' آصف کچھ دیر بعد چیخا۔

''ہر امکانی کوشش کر رہا ہوں جناب۔'' حمید نے کہا۔

''جلدی..... جلدی..... جلدی.....!''

''جادوئی اژن قالین لاؤں آپ کے لئے۔'' حمید جھنجھلا گیا۔

''میں تمہیں جان سے مار دوں گا..... ذلیل..... خاموش رہو۔''

''آصف صاحب بہت ہو چکا..... اب زبان کو قابو میں رکھئے۔''

آصف کی زبان سے پھر مغلظات کا طوفان امنڈ پڑا۔

حمید متحیر تھا۔ آصف کا اس حد تک جانا بھی غیر معمولی ہی بات تھی۔ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ آہستہ آہستہ اُس کی آواز ڈھیلی پڑتی گئی اور پھر وہ بالکل ہی خاموش ہو گیا۔

اور پھر سول ہسپتال پہنچ کر تو حمید کے پیروں تلے سے زمین ہی نکل گئی۔ آصف کا چہرہ چھوٹے بڑے آبلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور اس پر مکمل بے ہوشی طاری تھی۔

ڈیڈی

کرنل فریدی کیپٹن حمید کو قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔ حمید کبھی اس کی طرف دیکھتا اور

کبھی اس کی نظروں کی تاب نہ لا کر آنکھیں چرانے لگتا۔

''تم سے کس نے کہا تھا کہ آصف کے لئے اطلاعات فراہم کرو۔'' بالآخر وہ گمبھیر آواز میں بولا۔

''کک..... کسی نے بھی نہیں۔''

''کیا میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ اس کے معاملات میں دخل اندازی کرو۔''

''نہیں تو.....!''

''تو پھر.....؟''

''تم یہ سب کچھ کیوں کر گذرے۔''

''ب..... بس یونہی۔''

''لوگ کہہ رہے ہیں کہ آصف میری کسی سازش کے تحت اس حال کو پہنچا ہے۔''

''آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ لوگوں سے ہمیں کیا سروکار..... اُن لوگوں کا داماد تو بننا نہیں ہے ہمیں کہ کسی قسم کی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔''

''شٹ اپ.....!''

''اوکے باس.....!'' حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

فریدی کے چہرے پر درشتی کے آثار تھے۔ دوسری طرف منہ پھیر کر اُس نے بجھا ہوا سگار سلگایا اور کھڑکی سے باہر دیکھتا ہوا کسی خیال میں الجھ کر رہ گیا۔

آہستہ آہستہ درشتی کے آثار غائب ہوتے جا رہے تھے۔ حمید کنکھیوں سے اُسے دیکھتا رہا اور جب یقین ہو گیا کہ اب اس کا ذہن کسی اور معاملے میں الجھ گیا ہے تو اس نے زیرِ لب کچھ گنگناتے ہوئے اپنے پائپ میں تمباکو بھرنا شروع کیا۔

اور پھر جب وہ پائپ سلگا رہا تھا فریدی اُس کی طرف متوجہ ہوا۔

''کیا آج تم آصف کو دیکھنے گئے تھے۔''

''نہیں..... ابھی نہیں جا سکا۔'' حمید بولا۔

''چہرے کے آبلوں نے گہری نیلی رنگت اختیار کر لی ہے اور ایک آنکھ سے وہ قطعی نہیں دیکھ سکتا۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میرا اس میں کیا قصور ہے۔''

''قصور.....!'' فریدی اُسے گھور کر رہ گیا۔

''شہر میں کچھ غیر معمولی وارداتیں ہو رہی تھیں۔ کیا میری تشویش غیر فطری تھی۔ میں نے ان چیزوں کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کر لیں جن کا علم آصف کو بھی نہیں تھا۔ پھر اگر میں نے اُسے آگاہ کر دیا تو اس میں کیا برائی تھی۔''

''اگر ایک لڑکی بھی ان معلومات میں شامل نہ ہوتی تو مجھے یقین ہے کہ تم بڑی بے تکلفی سے اپنی راہ لگتے۔''

''چلئے یہی سہی۔''

''تسلیم کرو جو کچھ میں کہہ رہا ہوں۔''

''اچھی بات ہے۔'' حمید نے طویل سانس لی۔

''اور کیا جانتے ہو اس کیس کے بارے میں؟'' فریدی نے کسی قدر طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

''لڑکی.....لڑکیاں.....لڑکیوں.....!''

''شٹ اپ.....!''

حمید نے شانوں کو جنبش دی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''اس کیس کا اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ وہ صرف ایک ہی مصنف کی ایک کتاب کا مخصوص ایڈیشن بک اسٹالوں پر سے اٹھاتا پھر رہا ہے۔''

''نہیں.....!'' حمید کے لہجے میں بے اعتباری تھی۔

''صرف ایک کتاب..... مجھے حیرت ہے کہ آصف نے اس پر دھیان نہیں دیا۔''

''تو آپ پہلے ہی سے اس کیس میں دلچسپی لیتے رہے ہیں۔''

''ہرگز نہیں۔'' میں نے اس کی طرف دھیان بھی نہیں دیا تھا۔

''تو پھر.....!''

''پچھلے دو دنوں سے مجھے اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا ہے.....وہ بھی تمہاری وجہ سے..... نہ تم اپنی ٹانگ اڑاتے اور نہ مجھے اپنی موجودہ مصروفیات ترک کرنی پڑتیں۔''

''تو وہ ایک کتاب ہے۔''

''ہاں..... جبرالڈ آرتھر کی کتاب ''سلور بلٹ'' کا پہلا ایڈیشن.....جس کے سرورق پر ایک بوڑھی عورت کی تصویر ہے اور ایک لاش کی.....عورت کے ہاتھ میں پستول ہے۔''

''لیکن آپ اتنی جلدی اس نتیجے پر کیسے پہنچ گئے کہ وہ ابھی تک صرف ایک ہی مصنف کی کوئی مخصوص کتاب اٹھاتا آ رہا ہے۔''

''آنکھیں کھلی رکھ کر کام کیا جائے تو اہم ترین نکتے فوراً ہی سامنے آ جاتے ہیں۔ میں نے ان سارے بک سیلرز سے رابطہ قائم کیا جن کے اسٹالوں پر واقعات پیش آئے تھے اور اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ ایک کتاب اٹھائی جاتی رہی ہے۔''

فریدی نے میز کی ایک دراز سے ایک کتاب نکال کر حمید کے سامنے ڈال دی۔

''سلور بلٹ'' جبرالڈ آرتھر کی تازہ ترین کتاب تھی۔ سرورق خوبصورت تھا۔ پیش منظر میں ایک بوڑھی عورت کی تصویر تھی جس کے ہاتھ میں پستول تھا اور پس منظر میں ایک آدمی اوندھا گرتا نظر آ رہا تھا۔ جس کے نیچے خون پھیلا ہوا تھا اور ایک دروازہ..... دروازے کے باہر کافی فاصلے پر ایک دھندلا سایہ.....حمید اُسے یونہی بے خیالی میں دیکھتا رہا پھر ایک طرف سرکاتا ہوا بولا۔ ''گٹ اپ خاصا اچھا ہے۔''

''ابھی تک ایک بھی بک سیلر ایسا نہیں ملا جس نے اس کتاب کے علاوہ کسی اور کے بارے میں اٹھایا جانا بتایا ہو۔''

''صرف ایک کاپی؟''

''ضروری نہیں.....ایک دوکان پر تلے اوپر دس کاپیاں رکھی ہوئی تھیں اور اس نے ساری نہ اٹھا لے جانے کی کوشش کی تھی۔''

''اور آصف اس بات کو نظر انداز کر گیا تھا۔''

''جب کوئی خاص نظریہ قائم کر لیا جائے تو پھر اُسی سے متعلق تفاصیل پر نظر رہتی ہے اور جانب خیال جاتا ہی نہیں۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

ان وارداتوں سے متعلق عام نظریہ یہی تو ہے نا کہ چوروں اور گرہ کٹوں کا بہت بڑا اس حرکت کے سہارے اپنا کام کر جاتا ہے..... کتاب اٹھا کر بھاگنے والے کی وجہ سے افراتفری مچتی ہے اور لوگوں کی جیبیں کٹ جاتی ہیں۔ دوکانوں سے قیمتی اشیاء غائب ہو جاتی ہیں۔''

''میرا خیال ہے کہ آصف بھی یہی نظریہ رکھتا ہے۔'' حمید بولا۔

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے بولنے والا بات وہ غالباً گہری توجہ سے سن رہا تھا کیونکہ اس کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئی تھیں۔ خود اُس کچھ نہیں کہا تھا۔ صرف ''ہوں..... ہوں'' کرتا جا رہا تھا۔

پھر ریسیور رکھ کر اُس نے ایک طویل سانس لی اور مسکرا کر بولا۔

''وہ صرف اس تصویر کا رسیا معلوم ہوتا ہے۔''

''کون..... کس تصویر کا رسیا.....؟''

''کیا تم اونگھ رہے ہو.....!''

''نہیں تو۔''

فریدی چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ ''ابھی ہم اس آدمی ہی کے متعلق تو گفتگو کر رہے تھے جو بک اسٹالوں سے کتابیں لے بھاگتا ہے۔''

''جی ہاں..... مجھے اچھی طرح یاد ہے۔''

''یہ تصویر.....!'' فریدی نے کتاب کے سرورق کی طرف اشارہ کیا۔

''کیا مطلب.....؟'' حمید چونک پڑا۔

''تازہ ترین اطلاع ہے کہ وہ صرف یہ تصویر پھاڑ لے جاتا ہے اور کتاب راستے ہی

کہیں پھینک دیتا ہے۔''

''میں یقین کرنے پر تیار نہیں۔'' حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

''اس کی وجہ بلند اقبال؟''

''آپ شروع سے تو اس کیس کو دیکھتے نہیں رہے۔ پھر وہ تفصیلات کہاں سے ہاتھ لگیں جن کی طرف آصف نے بھی توجہ نہیں دی تھی۔''

''اپنے اپنے ذرائع ہوتے ہیں۔''

حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتے رہنے کے بعد بولا۔ ''پھر بھی کیا بات بنی اس تصویر میں کیا رکھا ہے۔''

''یہی تو دیکھنا ہے۔''

''آپ ہی دیکھیں گے۔''

''قطعی..... باضابطہ طور پر نہ دیکھ سکا تو نجی طور پر دیکھنا پڑے گا۔ شائد تم نے ساتھیوں کی چہ میگوئیاں نہیں سنیں۔''

''کیسی چہ میگوئیاں.....؟''

''سب کا یہی خیال ہے کہ آصف میری وجہ سے اس حال کو پہنچا ہے اور خود آصف بھی یہی سوچ رہا ہے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ راکھ دان میں پائپ جلا ہوا تمباکو جھاڑ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی پھر بولا۔ ''لیکن یہ سب کچھ بے حد مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔''

''مضحکہ خیز کیوں؟''

''ہوٹل والا دھماکہ..... اور آصف کے ساتھ یہ حرکت..... کیا یہ غیر ضروری اور بے مقصد نہیں معلوم ہوتا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ اس نے خود بھی کئی بار یہی سوچا تھا۔ آخر دھماکہ کیوں؟ کیا مقصد تھا اس کا..... اور پھر آصف کے چہرے پر کوئی زہریلا مادہ پھینکا گیا۔ آخر کیوں؟ اگر وہ اتنے ہی

جیالے ہیں تو پھر فائر ہی کر دینے میں کیا دشواری تھی ان لوگوں کو..... سائیلنسر لگے ہو ریوالور سے گولی بھی اسی آسانی کے ساتھ چلا سکتے تھے جس طرح زہریلا مادہ پھینکا گیا۔

''کیا سوچنے لگے؟'' دفعتاً فریدی بولا۔

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ.....!''

فریدی سگار سلگانے لگا تھا۔ حمید اُسے بغور دیکھتا رہا۔ نظریں ملیں تو خشک لہجے میں بولا۔

''اس لڑکی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟''

''آنکھیں ذرا کچھ اور بڑی ہوتیں تو غضب کی چیز تھی۔''

''دماغ تو نہیں چل گیا۔'' فریدی آنکھیں نکال کر بولا۔

''کیوں.....؟''

''بکواس مت کرو۔''

''کیا میں نے کوئی غلط بات کہہ دی۔''

''تم اس قابل ہی نہیں ہو کہ تم سے بات کی جائے۔''

''اچھا صاحب۔ وہ لڑکی نہیں میدے کی بوری ہے۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

''شٹ اپ..... کمرے سے باہر نکل جاؤ۔''

حمید نے اب تک دماغ ٹھنڈا رکھا تھا لیکن فریدی کے لہجے نے اُسے بھی بھنا جانے پر مجبور کر دیا۔ لہٰذا نکل آیا کمرے سے باہر اور جب کمپاؤنڈ کے پھاٹک سے باہر نکلا تو لنگن کی بجائے اس گاڑی کے اسٹیئرنگ پر ہاتھ تھے جس کے رنگ اور نمبر حسب ضرورت وقتاً فوقتاً تبدیل ہوتے رہتے تھے۔

ذہن میں کوئی خاص اسکیم نہیں تھی۔ ویسے سوچ کر یہی نکالا تھا کہ آج کچھ نہ کچھ کر گذرنا ہے۔

آصف کو پیش آنے والے حادثے کے بعد کی تیسری رات تھی اور اُس کے بعد سے اُس لڑکی کا سراغ نہیں ملا تھا۔ جن جگہوں پر حمید اُسے پہلے دیکھ چکا تھا وہاں پھر نہ دکھائی دی۔ لڑکی کے ساتھ جو آدمی حادثے والی رات کو نظر آیا تھا اس کا بھی کہیں پتہ نہ تھا۔

اس نے فریدی کو وہ مقامات بتا دیئے تھے جہاں جہاں وہ لڑکی دیکھی گئی تھی۔ اقامتی عمارت کی نشاندہی بھی کر دی تھی۔ لیکن یقین کے ساتھ تو نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ سچ مچ وہیں رہتی بھی ہوگی۔ بس یونہی اندازہ تھا۔

بہرحال فریدی نے اس سلسلے میں کیا کیا تھا اس کا علم اُسے نہیں تھا۔ ویسے اس وقت کی گفتگو سے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ فریدی لڑکی کے معاملے میں کوئی واضح رائے نہیں رکھتا یا پھر کسی قسم کے شبہے میں مبتلا ہو۔

خود حمید کو بھی ان معاملات میں لڑکی کی موجودگی کچھ عجیب سی لگتی رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ پولیس کی راہ میں رکاوٹ بننے کے علاوہ اُسے اپنی طرف متوجہ کرتے رہنے کی کوشش کرتی رہی ہو۔ حمید نے کئی بار محسوس کیا تھا جیسے لڑکی اس سے بھی باخبر ہو کہ کوئی اس کا تعاقب کر رہا ہے۔

ہوٹل والا دھماکہ اسی بات کا غماز تھا کہ وہ پولیس کو کسی قسم کی دھمکی دینا چاہتے تھے اور بس کیونکہ دھماکے کے بعد ہوٹل سے کوئی ایسی اطلاع نہیں ملی تھی جس سے دھماکے کا کوئی مقصد سامنے آ سکتا۔

آصف کے چہرے پر زہریلا مادہ پھینکے جانے کا مقصد بھی ظاہر تھا۔

دھمکی..... پولیس کو دھمکی۔

پھر کرنا کیا چاہیے۔ حمید کے ذہن کو یہ سوال بڑی دیر سے ڈس رہا تھا۔ اس لڑکی یا اس کے ساتھی کو کہاں تلاش کیا جائے۔

وہ دونوں اُسے یقینی طور پر پہچانتے تھے ورنہ اس کا تعاقب کیوں کرتے۔ لیکن یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ پہلے ہی سے پہچانتے تھے یا آصف کی وساطت سے پہچانا تھا۔

اُسے وہ سچویشن یاد آئی جب آصف پر زہریلا مادہ پھینکا گیا تھا۔ اس کا کچھ حصہ اس کے چہرے کو بھی داغدار بنا سکتا تھا۔ اتفاق ہی تو تھا کہ صرف آصف ہی کا چہرہ اس کی زد پر آیا۔

اتفاق..... اس نے طویل سانس لی اور اسی لفظ ''اتفاق'' کے تحت اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ

دیا اور ذہن کو آزاد چھوڑ دینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ''اتفاقات'' کے بے شمار وقوع پے در پے آتے چلے گئے اور یادداشتوں کے اسی ریلے میں ایک سچویشن ذہن کی سطح پر چمک اٹھی۔

اب اس وقت اس کی بڑی اہمیت تھی.....ورنہ پہلے تو اس کا شمار ضمنیات میں ہی ہوتا

ان دنوں جب وہ اس لڑکی کا تعاقب کر رہا تھا ایک رات اُس نے اُسے کسی سے فو گفتگو کرتے سنا تھا۔

کچھ ہی دیر پہلے اس رات بھی کتاب والا ہنگامہ ہو چکا تھا۔حمید نے اُسے ان لوگو راہ روکتے بھی دیکھا تھا جنہوں نے اس دیوانے کو پکڑنے کی کوشش کی تھی۔

اس کے بعد وہ اس کا تعاقب کرتا ہوا مے پول تک گیا تھا۔لڑکی اس رات تنہا ہی اس نے ہوٹل کے کاؤنٹر پر سے کسی کو فون کیا تھا اور اس سے کہا تھا کہ وہ ہر رات نو بجے پول میں ضرور ہوتی ہے۔

حمید نے سوچا اگر وہ ہر رات نو بجے مے پول میں موجود ہوتی ہے تو پھر اُسے وہیں نہ دیکھا جائے۔

ابھی نو بجنے میں بیس منٹ باقی تھے.....دس منٹ میں وہ مے پول تک پہنچ سکتا تھا۔

اس نے اپنی کوٹ کی جیبیں ٹٹولیں.....اسپرنگ والا ریڈی میڈ میک اپ ایک جیب موجود تھا۔

دو چھوٹے چھوٹے اسپرنگ تھے۔جنہیں نتھنوں میں فٹ کر لینے سے نہ صرف نا نوک اوپر اٹھ جاتی تھی بلکہ اوپری ہونٹ بھی اس طرح کھل جاتا تھا کہ سامنے کے دو دکھائی دینے لگتے تھے۔اگر ایسے میں وہ آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک بھی لگا لیتا رات کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے تک اُسے پہچان نہیں سکتے تھے۔

مے پول کے قریب پہنچتے پہنچتے وہ دونوں اسپرنگ نتھنوں میں فکس کر لئے گئے اور شکل حیرت انگیز طور پر تبدیل ہوگئی۔

پھر وہ مے پول کے ڈائننگ ہال میں داخل ہوا۔

عجیب بات تھی کہ سب سے پہلے اسی لڑکی پر نظر پڑی.....وہ ایک میز پر تنہا تھی اور اس کے قریب کی تین میزیں خالی تھیں۔حمید نے ان میں سے ایک کو منتخب کیا اور اپنی نشست کی پوزیشن کچھ ایسی رکھی کہ لڑکی کی پشت اسی کی طرف رہے۔

وہ خاموش بیٹھی تھی۔

حمید سوچنے لگا کہ وہ یا تو بہت دلیر ہے یا پھر خود کو کسی قسم کے شبہے سے بالاتر سمجھتی ہے۔ ورنہ اس دھماکے اور آصف کی درگت کے بعد اسی طرح آزادانہ مے پول میں نہ بیٹھ سکتی۔

وہ بے تعلقانہ انداز میں بیٹھا رہا.....پھر ٹھیک نو بج کر پانچ منٹ پر ایک آدمی لڑکی کی میز کی جانب بڑھتا نظر آیا۔ یہ لنگڑا تھا.....دائیں بغل کے نیچے بیساکھی تھی۔پوشش اور صحت کے اعتبار سے کھاتا پیتا آدمی معلوم ہوتا تھا۔عمر چالیس سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔

لڑکی نے اٹھ کر اُسے بیٹھنے میں مدد دی تھی۔

''میں بہت تھک گیا ہوں.....!'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''کیا مجھے اس پر اظہار افسوس کرنا چاہئے۔''

حمید نے لنگڑے کے چہرے پر ناگواری کے آثار دیکھے۔جو دوسرے ہی لمحے میں غائب ہو گئے اور اس نے مسکرا کر کہا۔''اظہار افسوس کرنے والے تو بہت ہیں۔تم تو بس مسکراتی رہا کرو۔''

''کل سے ہم یہاں نہیں ملیں گے۔''

''کیوں.....؟''

''بس یونہی..... پاپا جلد جلد اپنی زندگی میں تبدیلی چاہتے ہیں۔دو ماہ سے زیادہ کسی مکان میں نہیں رہتے۔''

''پاپا.....؟'' لنگڑے نے طویل سانس لی۔

''پاپا کے نام پر تم ہمیشہ بُرا سا منہ بناتے ہو۔''

''نہیں.....ایسی کوئی بات نہیں۔''

''بالکل یہی ہے..... مجھے بتاؤ..... آخر تمہیں ان کا تذکرہ کیوں گوارہ نہیں۔''

''میں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔''

''اگر وہ نہیں چاہتے کہ میں تم سے ملوں..... تو کیا.....؟''

''میری بات سمجھنے کی کوشش کرو روحی۔''

''میں نے تمہیں کیا سمجھا تھا اور تم کیا نکلے۔''

''میرے خدا میں کیا کروں۔'' لنگڑا دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر رہ گیا۔

''سنجیدگی سے سنو۔'' لڑکی ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''میں دل کے ہاتھوں مجبور ہوں ورنہ کیا رکھا ہے..... اب تو یہ بیسا کھی دن رات میرے ذہن میں کھٹ کھٹ کرتی رہتی ہے۔ دو ماہ پہلے ہم ملے تھے اور کیا سے کیا ہو گیا۔''

''روحی..... خدا کے لئے.....!'' لنگڑے کی آواز بھرا گئی۔

''جذباتی بننے کی ضرورت نہیں۔'' لڑکی کہتی رہی۔ ''تم خود سوچو کبھی کوئی عورت تمہ سکتی ہے۔''

''تم آخر کہنا کیا چاہتی ہو۔ خدارا مجھے بتاؤ۔''

''میں کیا کہنا چاہتی ہوں..... تم اچھی طرح جانتے ہو۔''

''یعنی میں تمہارے پاپا کے دربار میں حاضری دیا کروں۔'' اس بار اُس کے لہ نرمی نہیں تھی۔

''میں چاہتی ہوں کہ تم اُن سے ملو۔''

''آخر کیوں؟''

''اس لئے کہ مجھے تم سے محبت ہے۔'' یک بیک لڑکی جذباتی انداز میں بولی۔

حمید نے بائیں آنکھ دبا کر سر ہلایا۔

لنگڑے کے چہرے پر عجیب سے آثار تھے۔ کچھ خجالت تھی اور کچھ ایسے تاثرا فوری طور پر قربان ہو جانے کا ارادہ رکھتا ہو۔

''مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔'' لڑکی پھر بولی۔

لنگڑا کچھ نہ بولا۔ اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

لڑکی اب اس ویٹر سے آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہی تھی جو اس کی میز کے قریب ہاتھ باندھے جھکا کھڑا تھا۔

لنگڑے نے رومال نکال کر ایسے انداز میں آنکھیں خشک کیں جیسے یونہی بے وجہ ان میں نمی آ گئی ہو۔

ویٹر رخصت ہو گیا اور حمید کو اپنی میز اٹنڈ کرنے والوں کی طرف توجہ دینی پڑی۔ رات کا کھانا ابھی نہیں کھایا تھا لیکن کھانے کے لئے آرڈر پلیس کرنا مناسب نہ سمجھا۔ پتہ نہیں وہ دونوں کب اٹھ جاتے اور وہ کھانا چھوڑ کر ان کے پیچھے نہ دوڑ سکتا۔ لہٰذا کافی اور سینڈوچ ہی پر قناعت کرنی پڑی۔ یہ چیز دوسری میز والوں کے آرڈر کی تعمیل ہونے سے پہلے ہی آ گئیں۔ ان دونوں کے لئے غالباً کھانا آ رہا تھا۔

حمید نے اپنے ویٹر کے توسط سے ایک پیکٹ سگریٹ بھی منگوالیا تھا۔ کیونکہ اس میک اپ میں وہ احتیاطاً پائپ نہیں استعمال کرنا چاہتا تھا۔

''تم خاموش کیوں ہو گئے؟'' لڑکی لنگڑے سے کہہ رہی تھی۔ ''میں کیا بتاؤں جب بھی تمہارا سامنا ہوتا ہے میں اپنے اعصاب کو قابو میں نہیں رکھ سکتی۔''

''ٹھیک ہے..... میں کچھ نہ کہوں گا۔'' لنگڑا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''لیکن تمہیں اداس بھی تو نہیں دیکھ سکتی۔ اچھا ہنسو.....!''

لنگڑے کے ہونٹوں پر بے جان سی مسکراہٹ نظر آئی۔

''یوں نہیں۔'' لڑکی بولی۔ ''مجھے زندگی سے بھرپور مسکراہٹ چاہئے۔''

''زندگی.....!'' وہ ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

''میں کہتی ہوں اب جلدی سے موڈ ٹھیک کر لو۔ ورنہ میں اٹھ کر چلی جاؤں گی۔''

''میرا سر چکرا رہا ہے..... ذرا ٹھہرو۔'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''کتنے امراض لاحق ہیں تمہیں..... سوچتی ہوں تو خود پر غصہ آتا ہے۔ یہ کیا کر بیٹھی ہوں۔ آج اگر میرے نصف درجن خواہش مندوں کو معلوم ہو جائے کہ میں نے ایک لنگڑے سے محبت کی ہے تو وہ میرا مضحکہ اڑا اڑا کر مجھے خودکشی پر مجبور کر دیں۔''

''مجھے الزام نہ دو۔'' لنگڑے نے کھسیا کر کہا۔ ''تم خود ہی آئی تھیں میری طرف..... میں تو جرأت بھی نہ کر سکتا۔''

''میرا ذہن بھی عجیب ہے۔'' لڑکی ہنس کر بولی۔ ''پہلے میں تمہاری اس صلاحیت کی بہت بڑی قدر داں تھی کہ تم مرغ اچھا پکا سکتے ہو..... پھر یہ تصور پیدا ہوا کہ تم دنیا میں واحد شخص ہو جسے مرغ اچھا پکانے کا سلیقہ ہے۔ پھر میں تم سے محبت کرنے لگی۔''

''ہاں..... ہاں..... میرا دعویٰ ہے۔'' لنگڑا اکڑ کر بولا۔ ''ساری دنیا میں مجھ سے بہتر مرغ اور کوئی نہیں پکا سکتا۔''

''غالباً..... بیگم نصیر کے یہاں مرغ پکایا تھا تم نے۔''

''ہاں..... مجھے وہ دن اچھی طرح یاد ہے۔'' لنگڑا طویل سانس لے کر بولا۔

''جب ہم پہلی بار ملے تھے تم اور تمہارے ڈیڈی بیگم نصیر کے یہاں مدعو تھے اور بیگم نصیر نے مجھ سے استدعا کی تھی کہ مرغ میں اپنی نگرانی میں تیار کراؤں۔ مرغ تمہیں بے حد اچھا لگا تھا۔ تم نے کھانے کی میز پر اس کی تعریف کی تھی اور بیگم نصیر نے ہمارا تعارف کرا دیا تھا۔''

''کیا خیال ہے..... کیسا تھا وہ دن.....؟'' لڑکی نے چہک کر پوچھا۔

''میرے لئے خوش نصیبی کا پیامبر تھا وہ دن۔ میں وہ لمحات کبھی نہ بھلا سکوں گا جب میرے پکائے ہوئے مرغ کی تعریف کر رہی تھیں۔''

''لیکن تم مجھے ترکیب نہیں بتاؤ گے۔''

''محض ترکیب سے کچھ نہیں ہوتا۔''

دفعتاً لڑکی اچھل کر بولی۔ ''ارے ڈیڈی۔''

''کک..... کہاں.....؟'' لنگڑا بھی بوکھلا گیا تھا اور حمید نے اُس کی بیساکھی گرنے

آواز بھی سنی تھی۔ اس کا جسم کانپ رہا تھا اور وہ سہمے ہوئے انداز میں کبھی لڑکی کی طرف دیکھتا اور کبھی صدر دروازہ کی طرف۔

جھگڑا

صدر دروازے میں ایک اچھے تن و توش کا بھاری بھرکم آدمی نظر آیا اور یہ آدمی جب کچھ اور قریب آیا تو حمید نے اُسے پہچان بھی لیا۔ یہ وہی تھا جو دھماکے والی رات کو اسی لڑکی کے ساتھ دیکھا گیا تھا۔

پھر ایسا معلوم ہوا جیسے لڑکی پر اس کی نظر اچانک پڑی ہو۔ وہ ٹھٹکا بھی تھا اور پھر تو تیر کی طرح آیا تھا ان دونوں کی میز کی طرف۔

لڑکی کھڑی ہو گئی تھی۔ نروس نظر آ رہی تھی اور لنگڑا سر جھکائے بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

''کیا یہ محض اتفاق ہے۔'' دفعتاً وہ غرایا۔

''وہ..... وہ..... ڈیڈی..... یہ تو..... یہ تو..... یہ تو قیر صاحب ہیں۔ بیگم نصیر کے یہاں مرغ پکایا تھا۔''

''تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔''

''کیوں ڈیڈی..... کیوں؟''

''باورچیوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا قابل فخر بات ہے؟'' اُسکے ڈیڈی کی آنکھیں نکل پڑیں۔

''باورچی..... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ڈیڈی۔ آپ بھول گئے۔ بیگم نصیر نے تعارف کرایا تھا۔ آپ تو شہر کے بڑے رئیسوں میں سے ہیں۔''

''اُوہ.....!'' وہ اُسے گھورتا رہا۔

''آپ ہمارے ساتھ بیٹھ سکتے ہیں۔'' لڑکی نے کچھ دیر بعد کہا۔

''اوہ..... اچھا..... اچھا.....!'' اس نے کہا اور بیٹھ گیا۔ اب ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اپنے رویئے پر شرمندہ ہو۔

لنگڑا اب بھی سر جھکائے بیٹھا تھا۔ لڑکی کے ڈیڈی نے کچھ دیر بعد کھنکار کر کہا۔

''مسٹر توقیر..... مجھے افسوس ہے۔ حافظہ کمزور ہے میرا۔ اب یاد آ رہا ہے کہ کہیں پہلے آپ سے ملاقات ہو چکی ہے۔''

''کک..... کوئی بات نہیں ہے جناب.....!'' توقیر نے آہستہ سے کہا۔

''نہیں۔ آپ مجھے معاف کر دیجئے۔''

''میں نے معاف کر دیا نا جناب۔'' توقیر زبردستی ہنسا۔

اب وہ لڑکی سے بولا۔ ''جہاں مجھے جانا تھا کسی وجہ سے نہیں جا سکا۔ گھر واپس آ معلوم ہوا کہ تم یہاں ملو گی۔''

''ہاں ڈیڈی..... میں یہاں اکثر بیٹھتی ہوں۔ آج توقیر صاحب نے مجھے بلا لیا۔ اب ان سے مرغ پکانے کی وہ ترکیب معلوم کر کے ہی رہوں گی۔''

''ضرور..... ضرور.....!'' وہ اخلاقاً ہنس کر بولا۔

''یقیناً بتائی جا سکتی ہے ترکیب..... لیکن آپ اتنی مشقت برداشت نہ کر سکیں گی۔'' توقیر بولا

''اچھا بھئی۔'' آنے والا اٹھتا ہوا بولا۔ ''میں تمہیں مطلع کرنا چاہتا تھا کہ میں شہر ہی ہوں لیکن رات گھر پر نہ گذار سکوں گا۔''

''جب آپ جا ہی نہیں سکے تو پھر رات گھر سے باہر کیوں گذاریں گے۔''

''ایک ضروری کام ہے۔ اچھا مسٹر توقیر اب اجازت دیجئے۔ پھر ملاقات ہو گی۔''

وہ لنگڑے سے مصافحہ کر کے رخصت ہو گیا۔

کچھ دیر تک وہ دونوں ہی خاموش رہے پھر لڑکی بولی۔ ''آخر تم ڈیڈی سے کیوں نہیں چاہتے تھے۔''

''اب تو میں اسے اپنی بدنصیبی ہی سمجھوں گا کہ تمہارے ڈیڈی سے پہلے کیوں نہ ملا۔''

''کیوں.....؟''

''یہ تو بہت اچھے آدمی ہیں۔''

''تم نے پہلے بُرا کیوں سمجھا تھا۔''

''بیگم نصیر کے یہاں تعارف ہونے کے بعد سے یہ پہلی ملاقات تھی۔ اس سے قبل کبھی اس طرح ملنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اور بیگم نصیر کے یہاں تو میں نے ان کے بارے میں بہت بری رائے قائم کی تھی۔ اچھا تم ہی بتاؤ کتنا خشک لہجہ معلوم ہوتا ہے ان کا۔ چہرے پر کتنی سختی ہے۔ بیگم نصیر کے یہاں ہماری ملاقات صرف مصافحہ ہی تک محدود رہی تھی۔ بہرحال ایسے حالات میں اُن سے دوبارہ ملنے کا حوصلہ کیونکر ہوتا۔''

''خیر..... خیر..... چھوڑو..... اب تو تم نے دیکھ لیا۔''

''دیکھ لیا..... اور اب مطمئن ہوں۔''

''اب آیا کرو گے ہمارے گھر.....!''

''ضرور..... ضرور..... کہو تو وہیں ڈیرا ڈال دوں۔''

''توقیر.....!'' لڑکی نے ٹھنڈی سانس لے کر مغموم لہجے میں کہا۔ ''لیکن دوسروں کے سامنے یہ کبھی نہ ظاہر ہونے دینا کہ ہمارے درمیان دوستی سے زیادہ کوئی اور چیز موجود ہے۔''

''کیوں.....؟''

''تمہارا لنگڑا پن مجھے مضحکہ خیز بنا دے گا۔ وہ لوگ میرا مذاق اڑائیں گے۔ جو میرا دل نہیں جیت سکے۔''

حمید نے لنگڑے کے چہرے پر گہرا اضمحلال دیکھا۔

حمید سگریٹ پر سگریٹ پیتا رہا۔

کچھ دیر بعد لڑکی نے لنگڑے کو مخاطب کیا۔

''تم کچھ اداس سے نظر آ رہے ہو..... کیا میری کسی بات سے تکلیف پہنچی ہے۔''

''روحی.....! اکثر میں سوچتا ہوں کہیں تم خود ہی تو میرا مضحکہ نہیں اڑا رہیں۔''

''ایسا سوچنے کی وجہ؟''

''احساس کمتری میں مبتلا ہوں۔ لنگڑے پن کی وجہ سے۔''

''اگر تم لنگڑے نہ ہوتے تو میں تم سے محبت بھی نہ کرتی۔ اگر تم میرے بعض طلب گار کو دیکھو تو تمہاری آنکھیں کھلی رہ جائیں۔''

''پھر تم نے انہیں کیوں مایوس کیا.....؟''

''میں صرف اسی سے محبت کر سکتی ہوں جو کسی نہ کسی طرح میرا محتاج بھی ہو۔ تاکہ اس پر رحم کر سکوں۔''

''تو تم رحم کر رہی ہو مجھ پر۔''

''یقیناً.....!''

''بڑی عجیب ہو تم۔ میں تمہیں ابھی تک نہیں سمجھ سکا۔''

''اس سے پہلے میں نے ایک ستر سالہ بوڑھے سے محبت کی تھی۔''

''کیوں جلا رہی ہو مجھے۔'' وہ کھسیانی ہنسی کے ساتھ بولا۔

''یقین کرو..... لیکن اب وہ بالکل ہی اپاہج ہو گیا ہے۔ اس لئے اسے چھوڑنا پڑا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ اُسے گود میں اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا سکوں۔''

''خدا کے لئے کبھی تو سنجیدہ ہوا کرو۔''

''جس کی قسم کہو کھا جاؤں..... میں نے اُسے اس لئے بھی چھوڑ دیا ہے کہ اب اس بینائی جواب دے گئی ہے اور وہ بہت زیادہ اونچا سننے لگا ہے۔ اب نہ وہ مجھے دیکھ سکتا ہے اور میری گنگناہٹ سن کر بل کھا سکتا ہے۔''

''بس اب ختم کرو یہ باتیں۔ میرا دل ڈوبا جا رہا ہے۔''

''میں تمہیں اتنا دکھی دیکھنا چاہتی ہوں کہ میرا رحم بلبلا اٹھے۔''

''رحم ہی کرو مجھ پر اور خاموش ہو جاؤ۔''

اس دوران میں انہوں نے کھانا کھایا۔ کھانا ختم کر کے کافی طلب کی تھی۔ ساتھ ہی حمید نے بھی دوبارہ کافی کے لئے کہا تھا۔

کچھ دیر بعد لڑکی نے توقیر سے کہا۔ ''چلتے ہو میرے گھر۔''

''گ.....گھر.....یعنی کہ.....!''

''ہاں..... ہاں..... تم پریشان کیوں ہو گئے۔ ڈیڈی تو رات بھر ہوں گے ہی نہیں۔''

''میرا خیال ہے کہ ان کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ پہلے بھی تم نے کہا تھا کہ وہ شہر کے باہر گئے ہیں لیکن.....!''

''خیر..... خیر..... گھر تو دیکھو گے تم میرا۔''

''یقیناً..... ابھی چلیں گے..... لیکن گھر کے اندر اسی وقت داخل ہوں گا جب تمہارے ڈیڈی بھی موجود ہوں۔''

''چلو یونہی سہی..... تو اب ہمیں اٹھنا چاہئے۔''

''اتنی جلدی.....!'' لنگڑے کے لہجے میں مایوسی تھی۔

''جیسی تمہاری مرضی۔''

وہ دونوں پھر خاموش ہو گئے۔ حمید اپنا سر سہلا رہا تھا۔ لڑکی اُسے پسند آئی تھی۔ لیکن یہ کیا چکر تھا۔ اتنی دیر میں وہ بھول ہی گیا تھا کہ اس سے پہلے لڑکی کو کس روپ میں دیکھ چکا ہے۔

لڑکی بڑی دلکش تھی اور شوخی سے بھرے ہوئے انداز تکلم نے تو حمید کے ذہن پر خاصا اثر چھوڑا تھا۔ اس نے سوچا ''میں تمہاری ہمدردیاں حاصل کئے بغیر نہ رہوں گا..... تمہیں کچھ دن اس دل بے خانماں پر بھی رحم کھانا پڑے گا۔''

کچھ دیر بعد اُس نے پھر لڑکی کی آواز سنی..... وہ لنگڑے سے کہہ رہی تھی۔

''توقیر..... کیوں نہ ہم دور چلے جائیں..... اس دنیا سے دور..... جہاں ہمارا مضحکہ اڑانے والے نہ ہوں۔''

''ایک ٹانگ سے۔'' توقیر نے ہنس کر پوچھا۔ لیکن حمید کو اس کی یہ ہنسی درد میں ڈوبی ہوئی کراہ سی لگی تھی۔

''توقیر..... کبھی کبھی میں سوچتی ہوں۔''

''کیا سوچتی ہو۔''

''اگر بلی کا سر چیل کے سر سے مشابہ ہوتا تو بلی کیسی لگتی؟''

توقیر کے چہرے پر کھسیاہٹ اور جھلے پن کا عجیب سا امتزاج نظر آیا۔

رومانی موڈ میں تھا لیکن لڑکی کے اس بے تکے جملے نے شائد اس کی اس ذہنی کیفیت درہم برہم کر دیا تھا۔

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد لڑکی پھر بولی۔

''اب تو یہ زندگی ہی تھکن معلوم ہونے لگی ہے۔''

''میں اب کچھ نہیں بولوں گا..... ورنہ تم پھر میرا مضحکہ اڑاؤ گی۔''

''مضحکہ.....!'' لڑکی حیرت سے بولی۔ ''نہیں تو..... میں نے تو کوئی ایسی بات نہیں کی۔''

''تم نے یک بیک بلی اور چیل والی بات کیوں کہی تھی۔''

''اے بس وہ تو میرا ذہن ہی ایسا ہے۔ اب اسی وقت میں تمہارے لئے رحم کے جذبے سے بھرپور بھی ہوں اور یہ بھی سوچ رہی ہوں کہ اگر تمہاری ٹانگیں سرے سے ہوتی ہی نہیں تو خاصی دلچسپ چیز ہوتے۔''

''دیکھو! مجھے تم سے محبت ہی سہی لیکن میں اتنی توہین برداشت نہیں کر سکتا۔''

''ارے بُرا مان گئے..... نہیں نہیں نہیں..... مائی سوئیٹسٹ میں تو یونہی چھیڑ رہی تھی تمہیں ہائے غصے میں بڑے پیارے لگتے ہو۔''

حمید نے محسوس کیا جیسے توقیر نے بچوں کی طرح منہ پھلا لیا ہو۔

''ہے ہے۔'' لڑکی پھر بولی۔ ''تمہاری آنکھیں بالکل بچوں کی سی ہیں۔ کتنی معصومیت ہے۔''

حمید نے محسوس کیا کہ لنگڑا شرما رہا ہے۔

''اب تو تمہیں چلنا ہی پڑے گا میرے ساتھ۔'' لڑکی بولی۔

''کہاں.....؟''

''میرے گھر.....!''

''میں کہتا ہوں کہیں تمہارے ڈیڈی۔''

''پلیز..... شٹ اپ..... چلو اٹھو۔''

''مم..... مطلب یہ کہ..... بل تو ادا کر دیں۔''

''تم ادا کرو گے؟''

''کیوں نہیں!''

''آج پھر جھگڑا کرو گے۔ کل کیا کہا تھا میں نے۔''

''مجھے یہ کچھ اچھا نہیں لگتا کہ تم بل ادا کرو۔''

''خاموش رہو۔'' لڑکی نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ ''پہلے میں نے تمہیں چاہا ہے تم نے نہیں اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ کتنا مردانہ وار چاہا ہے۔ لہٰذا تمہارا رول ایک عورت کا سا ہونا چاہئے۔''

''پاگل بنا دو گی تم مجھے۔'' لنگڑا اپنی پیشانی مسلتا ہوا بولا۔

لڑکی نے اشارے سے ویٹر کو بلا کر بل مانگا تھا اور پھر خود ہی اس کی قیمت بھی ادا کی تھی۔

لنگڑا منہ ہی دیکھتا رہ گیا تھا۔

''اور تم میری گاڑی میں چلو گے..... اپنی گاڑی واپس بھجوا دو۔'' لڑکی نے کہا۔

''پھر میری واپسی کیسے ہوگی؟''

''میں تمہیں چھوڑ آؤں گی۔ تم اس کی پرواہ نہ کرو۔''

لنگڑا شائد سوچ میں پڑ گیا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔

''کیا سوچنے لگے۔'' روحی ٹھنک کر بولی۔

''مم..... کچھ نہیں۔''

''تو چلو اٹھو نا.....!''

''چلو.....!'' لنگڑے نے طویل سانس لے کر بیساکھی سنبھالی۔

حمید بھی اس دوران میں بل کی ادائیگی کر ہی چکا تھا۔ اس لئے تعاقب کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔

لڑکی نے لنگڑے کو سہارا دے کر اپنی ہی گاڑی میں اگلی سیٹ پر بٹھایا اور خود اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کس قسم کا چکر ہو سکتا ہے۔ لڑکی آرلیکچو والے دھماکے میں ملوث تھی۔ لہٰذا وہ محض تفریح کی خاطر اس طرح کھلے بندوں شہر میں نہ پھر سکتی۔

اگلی کار شہر کی مختلف سڑکوں سے گذرتی ہوئی بالآخر موڈل کالونی والی سڑک سے آ لگی۔

موڈل کالونی پہنچ کر لڑکی نے ایک عمارت کے سامنے گاڑی روکی تھی اور حمید اپنی گاڑی آگے نکالتا چلا گیا۔ ویسے اسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ واپسی میں وہ اُس عمارت کو پہچان لے گا جہاں کار روکی گئی تھی۔

ہوا بھی یہی..... کچھ دور آگے جا کر اُس نے یوٹرن لیا اور پھر ٹھیک اسی عمارت کے سامنے آ پہنچا۔ وہ کار اب بھی عمارت کے کمپاؤنڈ کے باہر موجود تھی۔ لیکن اس کا رخ اب شہر کی طرف تھا۔ حمید اندازہ نہ کر سکا کہ کار خالی ہے یا کوئی اندر موجود ہے۔

وہ پھر اپنی گاڑی آگے نکالتا چلا گیا۔ وہ عمارت معلوم ہو چکی تھی جہاں اب ان لوگوں کا قیام تھا۔ نگرانی کے لئے نقطہ آغاز کا تعین ہو چکا تھا۔ اس لئے اب وہاں ٹھہر کر کیا کرتا۔

اپنی دھن میں شہر کی جانب رواں دواں تھا کہ برابر سے وہی کار جس کا تعاقب کرتا ہوا آیا تھا آگے نکلی چلی گئی۔

اس نے سوچا ممکن ہے روحی لنگڑے توقیر کو اپنی قیام گاہ دکھا دینے کے بعد اس کے گھر چھوڑنے جا رہی ہو لہٰذا ان توقیر صاحب کا جغرافیہ بھی کیوں نہ معلوم کر لیا جائے۔

اس نے اپنی گاڑی کی رفتار تیز کر دی اور پھر دونوں گاڑیوں کے درمیان صرف پچاس

ن کا فاصلہ رہ گیا۔

سڑک سنسان تھی اس لئے تعاقب میں کوئی دشواری پیش آنے کا امکان نہیں تھا۔

شہر کے بڑے دولت مندوں میں کسی لنگڑے توقیر کی دریافت حمید کے لئے نئی تھی۔ اگر وہ واقعی دولت مند تھا تو اپاہج ہونے کے باوجود اس کی آنکھوں میں اتنی پیاس نہ ہونی چاہئے تھی۔ حمید کو ایسا محسوس ہوا تھا جیسے پہلے پہل کوئی عورت اس سے اتنی قریب آئی ہو۔ اس نے اس کی آنکھوں میں پیاس بھی دیکھی تھی اور ایسی معصومانہ چمک بھی جو کسی بچے ہی کی آنکھوں میں اس وقت نظر آ سکتی ہے جب کوئی مرغوب ترین چیز متوقع طور پر ہاتھ آ گئی ہو۔

وہ توقیر کے بارے میں سوچتا رہا۔ پتہ نہیں کیوں لڑکی کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں تھی۔

تعاقب جاری رہا۔ لیکن اگلی گاڑی کا رخ اب شہر کے کسی ایسے حصے کی طرف ہرگز نہیں تھا جہاں توقیر کی قیام گاہ کی موجودگی کا امکان ہوتا۔ اس سڑک کا اختتام ساحل پر ہوتا تھا۔

بالآخر اگلی کار ساحلی علاقے کے ایک ہوٹل کے سامنے رک گئی۔ حمید نے اپنی گاڑی کی رفتار کم کر دی تھی۔ پھر وہ گاڑی روکنے بھی نہ پایا تھا کہ ایک شدید ذہنی جھٹکے سے دوچار ہونا پڑا۔

کار سے توقیر یا روحی کے بجائے اس کا ڈیڈی اترا تھا۔

حمید نے بریک لگائے اور انجن بند کر دیا۔ اس کی گاڑی اگلی کار سے دس بارہ گز پیچھے رکی تھی۔ روحی کا ڈیڈی اس کی طرف توجہ دیئے بغیر ہوٹل میں چلا گیا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔

روحی تو قیر کو یہ کہہ کر اپنے گھر لے گئی تھی کہ وہاں اس وقت سناٹا ہوگا اور اس کا ڈیڈی بھی اُسے یہی اطلاع دینے مے پول آیا تھا کہ وہ رات گھر سے باہر گذارے گا۔ لیکن حالات اس کے برعکس تھے۔ وہ ان دونوں کے وہاں پہنچنے تک گھر ہی پر موجود رہا تھا اور پھر جب وہ دونوں عمارت میں داخل ہو گئے تھے تو گاڑی لے کر ادھر چلا آیا تھا۔ تو کیا توقیر وہاں ٹھہرے گا۔ روحی نے اُس کی کار بھی واپس بھجوا دی تھی۔

''ہونہہ توقیر.....!'' حمید بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑایا ''جہنم میں جائے۔''

اُسے تو ان دونوں سے غرض تھی۔ تو قیر کوئی درمیانی کردار تھا۔ قطعی غیر متعلق جس سے محکمہ سراغ رسانی کو کوئی دلچسپی نہیں ہوسکتی تھی۔

وہ گاڑی سے اُتر کر خود بھی ہوٹل میں چلا آیا..... متوسط درجے کے اس ہوٹل میں زیادہ تر جہاز راں ہی نظر آتے تھے۔

روحی کا ڈیڈی کاؤنٹر پر کہنیاں ٹکائے جھکائے کھڑا کاؤنٹر کلرک سے کچھ کہہ رہا تھا۔

• حمید نے سوچا کہ اُسے اس وقت تک انتظار کرنا چاہئے جب تک کہ وہ کہیں بیٹھ نہ جائے۔ کئی میزیں خالی تھیں اور وہ اس پر قریب سے نظر رکھنا چاہتا تھا۔

وہ سوچ ہی رہا تھا کہ خواہ مخواہ کھڑے رہنے کے لئے کیا جواز پیدا کرے کہ اُس نے اسے ایک میز کی طرف بڑھتے دیکھا۔ لیکن وہ خالی نہیں تھی۔ اس پر پہلے ہی سے تین جہاز راں موجود تھے۔ انہوں نے گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا تھا اور چوتھی کرسی اُسے پیش کی تھی۔

حمید اس کے قریب ہی کی ایک خالی میز کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ ان کے درمیان تاش کے کسی کھیل کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی اور روحی کا ڈیڈی بھی اس گفتگو میں شامل ہو گیا تھا۔

حمید کو کاؤنٹر پر جا کر اپنا آرڈر پلیس کرنا پڑا۔ یہاں کا یہی دستور تھا۔

تھوڑی دیر بعد ویٹر طلب کی ہوئی چیزیں اس کی میز پر لگا گیا۔

ان کی گفتگو آہستہ آہستہ پرجوش انداز اختیار کرتی جا رہی تھی۔ ایک جوتن وتوش میں ان دونوں سے زیادہ تھا روحی کے ڈیڈی سے الجھ پڑا تھا۔ وہ دونوں کوشش کر رہے تھے کہ بات نہ بڑھنے پائے لیکن قد آور جہاز راں بار بار روحی کے ڈیڈی کو للکار رہا تھا۔

حمید نے روحی کے ڈیڈی کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ دیکھی۔ لیکن اُسے کوئی معنی نہ پہنا سکا۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے قد آور جہاز راں کا گریبان اُس کی گرفت میں تھا۔ دوسرے جہاز راں کرسیوں سے اٹھ گئے۔ قد آور جہاز راں کا ہاتھ بھی اب روحی کے ڈیڈی کے کوٹ کے کالر پر نظر آیا۔ دونوں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے ایک دوسرے کے گریبانوں پر زور صرف کرتے رہے۔

پورے ہال پر سناٹا طاری تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس زور آزمائی کا انجام وہاں کی فضا کے لئے کوئی اہم ترین فیصلہ ثابت ہوگا۔ ویٹر جہاں تھے وہیں رک گئے تھے۔ لوگوں نے اپنی مصروفیات ترک کر کے اس زور آزمائی کی طرف متوجہ ہو جانا جیسے بے حد ضروری سمجھا ہو۔

اتنے میں بڑے ہال میں دیوار سے لگے ہوئے کلاک کی ٹک ٹک ہر گوشے سے سنی جا سکتی تھی۔

کاؤنٹر کلرک کے چہرے پر کچھ ایسی بدحواسی نظر آ رہی تھی جیسے وہ اچانک کسی طوفان میں گھر گیا ہو۔ دفعتاً حمید نے دیکھا کہ قد آور جہاز راں اپنی نشست سے اکھڑ رہا ہے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ میز پر اوندھا لیٹا نظر آیا۔ روحی کے ڈیڈی نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی تھی۔

"بریوو.....!" ہر طرف سے نعرے بلند ہوئے۔

قد آور جہاز راں کا گریبان اب بھی اس کی گرفت میں تھا اور وہ خود میز پر اوندھا پڑا تھا۔ پھر دفعتاً اس طرح پڑے پڑے اُس نے میز الٹ دی لیکن اس مرحلے پر بھی روحی کا ڈیڈی بے حد پھرتیلا ثابت ہوا۔

جہاز راں کی اس حرکت کا مقصد یہی تھا کہ وہ میز کے نیچے دب کر رہ جائے لیکن وہ اس سے کئی گز دور کھڑا اُسے تحقیر آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

جہاز راں نے الٹی ہوئی میز پر سے اٹھنے کی کوشش کی..... لیکن پہلی بار کامیاب نہ ہو سکا۔ اتنے بڑے ڈیل ڈول کو یکجا کرنا بھی تو آسان نہیں تھا۔

اب ہال میں خاصا شور ہو رہا تھا۔ لوگ اونچی آوازوں میں گفتگو کر رہے تھے۔ ہنس رہے تھے اور آوازے کس رہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دوسرے جہازیوں کو اُس جہازی سے ذرہ برابر بھی ہمدردی نہ رہی ہو۔ بلکہ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اس کی شکست پر مسرور ہوں۔

اچانک وہ اٹھا اور روحی کے ڈیڈی پر ٹوٹ پڑا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے دو جنگلی بھینسے ایک دوسرے کو ٹکریں مار رہے ہوں۔

کاؤنٹر کلرک بدحواسی میں کاؤنٹر پر چڑھ کر شور مچا رہا تھا۔ کبھی "پولیس پولیس" کا نعرہ لگاتا

اور کبھی دونوں ہاتھوں سے رانیں پیٹنے لگتا۔

میزیں الٹ رہی تھیں۔ کرسیاں چڑ چڑا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو رہی تھیں۔ میزوں کے اوپر پر ٹوٹنے والی کراکری کی چھنچھناہٹ بھی فضا میں گونجتی۔ حمید اپنی میز سے اٹھ کر قریبی دیوار سے جا لگا تھا۔

دفعتاً اس نے جہاز راں کو دروازے کی طرف بھاگتے دیکھا۔ روحی کا ڈیڈی اس کے پیچھے تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے آج وہ اس قد آور جہاز راں کو زندہ نہ چھوڑے گا۔ حمید نے باہر گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی اور روحی کے ڈیڈی کے پیچھے ہی پیچھے خود بھی باہر نکل آیا۔ خود باہر نکل آیا اور یہ دیکھ کر پیروں تلے کی زمین نکل گئی کہ بھگوڑا جہاز راں فرار ہونے کے لئے اسی کی گاڑی استعمال کر بیٹھا ہے۔

آس پاس روحی کے ڈیڈی کی گاڑی کے علاوہ اور کوئی گاڑی بھی نہیں تھی۔ اس نے دیکھا کہ وہ اپنی گاڑی کا انجن اسٹارٹ کر رہا ہے۔ حمید نے آؤ دیکھا نہ تاؤ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولتا ہوا اندر بیٹھ گیا۔

''کون ہے.....؟'' روحی کا ڈیڈی غرایا۔

''جناب عالی.....آپ کا شکار میری گاڑی لے بھاگا ہے۔'' حمید منمنایا۔

ناک میں اسپرنگ پھنسے ہونے کی وجہ سے آواز بھی کچھ ناک کے بل ہی نکلتی تھی۔

''تو جناب یہ سمجھتے ہیں کہ میں اس کے پیچھے جاؤں گا۔'' وہ غرایا۔

''پپ.....پھر.....!''

گاڑی حرکت میں آ چکی تھی اور غالباً وہ جلد از جلد یہاں سے چلا جانا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے حمید کی ''پھر'' کا جواب نہیں دیا تھا۔

فی الحال گاڑی اسی سمت جا رہی تھی جدھر جہاز راں گیا تھا۔

حمید خاموش بیٹھا رہا۔

''تو جناب.....کنجی اگنیشن ہی میں چھوڑ آئے تھے۔'' اس نے زہریلے لہجے میں پوچھا۔

''جی ہاں.....زندگی میں پہلی بار ایسی غلطی ہوئی ہے۔''

''جلدی میں.....!''

''جج.....جی ہاں۔''

''بھلا کس بات کی جلدی تھی۔'' اُس نے گاڑی کو بائیں جانب کچے راستے پر اتارتے ہوئے کہا اور پھر گاڑی قریب کی بستی کی ایک گلی میں داخل ہو گئی۔

''جواب دو۔'' وہ غرایا۔

''میں آپ سے گذارش کروں گا کہ مجھ پر خفا نہ ہوئیے.....میری گاڑی۔''

''جہنم میں گئی تمہاری گاڑی.....کیا میں اس کے لئے گرفتاری کا خطرہ مول لوں گا۔ اب تم میرے ساتھ میرے گھر چلو۔''

''اور میری گاڑی۔''

''خاموش رہو.....ورنہ دھکا دے کر نیچے اتار دوں گا اور تم اس وقت یہاں ٹیکسی یا رکشا بھی حاصل نہ کر سکو گے۔''

''اللہ میرے حال پر رحم کر۔'' حمید بے بسی سے منمنایا۔

روحی کا ڈیڈی زہریلے انداز میں ہنس رہا تھا۔

''اب میں تمہیں اپنی جلد بازی کا ایک شاہکار دکھاؤں گا۔'' اُس نے کچھ دیر بعد بڑے گمبھیر لہجے میں کہا۔

شاہکار

حمید اپنی گدی سہلانے لگا پھر بولا۔ ''میں جناب کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''جناب کا مطلب جناب ہی ہے۔''

''میں اب بھی نہیں سمجھا۔''

''کچھ دیر بعد سمجھ جاؤ گے۔ فی الحال ذرا یہ دیکھتے رہو کہ کوئی گاڑی پیچھے تو نہیں آ رہی۔''

''بہت بہتر جناب۔'' حمید نے کہا اور بیک سکرین سے پیچھے دیکھنے لگا۔ گاڑی اونچے نیچے راستے پر ہلکورے لیتی آگے بڑھتی رہی۔ حمید کو افسوس ہو رہا تھا۔ اپنی اس غیر دانشمندانہ حرکت پر۔

خواہ مخواہ بیٹھ گیا تھا اس کی گاڑی میں۔ ہوسکتا ہے شامت ہی نے آواز دی ہو۔ اس سے پہلے بھی اکثر ایسی حرکتیں جو بے خیالی میں سرزد ہوئی ہوں اس کے لئے پریشانیوں کا باعث بن چکی تھیں۔

''اونہہ.....!'' اس نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور سوچا ''دیکھا جائے گا۔ کرنل ہارڈ اسٹون کی طرح کون احتیاط برتتا پھرے۔ ٹکراؤ.....اور فنا کر دو یا فنا ہو جاؤ۔''

لیکن پھر خیال آیا کہیں یہ حماقت کرنل ہارڈ اسٹون کے لئے دشواریاں نہ پیدا کرے۔ ویسے ابھی تک فریدی نے اعتراف نہیں کیا تھا کہ یہ کیس باضابطہ طور پر اس کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ وہ تو اس میں دلچسپی لینے پر مجبور ہوا تھا کہ آصف نے سارا الزام اسی کے سر رکھ دیا تھا۔

بہر حال اب تو جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ لیکن اگر وہ کسی جال میں پھنس کر فریدی کو ان لوگوں کے بارے میں اطلاع نہ دے سکا تو کیا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ آصف والا واقعہ ہو جانے کے بعد سے خود اُس نے ان لوگوں کا سراغ کھو دیا تھا۔ پھر فریدی ان تک کیسے پہنچ سکے گا۔

آصف کے واقعہ کے بعد انہوں نے اپنی رہائش گاہ بدل دی تھی۔ موڈل کالونی کی ایک عمارت میں قیام کیا تھا۔

کچھ دیر بعد حمید نے محسوس کیا کہ وہ اونگھ رہا ہے۔ لہٰذا کئی بار آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اندھیرے میں گھورنا پڑا۔

گاڑی اب تک اندھیری گلیوں میں گھستی پھر رہی تھی۔ شائد وہ شہر پہنچنے کے لئے نامانوس راستے اختیار کر رہا تھا۔

بہر حال وہ بھٹکتے رہے۔

''کیا آپ استراحت فرما رہے ہیں جناب۔'' اگلی سیٹ سے روحی کا ڈیڈی غرایا۔

''نہیں جناب..... دیکھ رہا ہوں کہ کوئی گاڑی پیچھے تو نہیں آ رہی..... آپ ہی نے یہ خدمت میرے سپرد کی ہے۔''

''اچھا.....اچھا.....میں سمجھا تھا شائد سو گئے۔''

''نیند آئے گی ایسی صورت میں جب کہ میری گاڑی۔''

''گاڑی.....گاڑی.....امپالا تھی؟''

''نہیں.....آسٹن اڑتالیس موڈل۔''

''لاحول ولا قوۃ.....کھٹارے کے لئے اتنے بے چین ہو۔''

''خاندانی چیز ہے جناب۔ بڑی محنت سے مین ٹین کی گئی ہے۔ آپ دیکھتے تو ایسا نہ کہتے۔''

''خیر.....خیر..... مجھے کیا۔ میں تو تمہیں اپنی جلد بازی کا شاہکار دکھانا چاہتا ہوں۔''

''وہ کیا چیز ہے جناب.....اشتیاق اتنا نہ بڑھایئے کہ میرا دم گھٹنے لگے۔''

''کیا تمہاری آواز کی منمناہٹ پیدائشی ہے۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''مطلب صاف ہے۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ عیب پیدائشی ہے یا کسی مرض کا نتیجہ۔''

''پیدائشی ہے۔'' حمید نے بہت زیادہ غصہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

''میں تمہاری شکل دیکھنا چاہتا ہوں۔ تمہاری ناک میں یقیناً غدود ہوں گے۔''

''جہنم میں گئے تم اور تمہاری گاڑی..... مجھے یہیں اتار دو۔ میں پیدل چلا جاؤں گا۔''

''میری قوت کا اندازہ تو تمہیں ہو ہی گیا ہوگا؟'' نہایت سرد لہجے میں کہا گیا۔

اور حمید کی ریڑھ کی ہڈی میں برقی رو سی دوڑ گئی۔ لیکن پھر بھی وہ جی کڑا کر کے بولا۔

''اچھا تو پھر.....؟''

''کچھ نہیں.....اسے ذہن میں رکھو گے تو آرام سے رہو گے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ صرف ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

روحی کا ڈیڈی بھی اب خاموش ہو گیا تھا۔

کار بالآخر موڈل کالونی آ پہنچی..... لیکن اب جس عمارت کے سامنے رکی تھی وہ کوئی اور تھی۔ وہ عمارت تو ہرگز نہیں ہو سکتی تھی جہاں کچھ دیر پہلے روحی اور تو قیر رُکے تھے۔

دفعتاً کار کے اندر روشنی ہو گئی اور روحی کا ڈیڈی مڑ کر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

ایک پل کے لئے حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اُسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔

''کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے تمہیں پہلے بھی کہیں دیکھا ہو۔'' اُس نے کہا۔

''دیکھا ہو گا۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔ ''میں اکثر اس ہوٹل میں بیٹھتا ہوں۔''

''خیر..... اُترو نیچے۔''

حمید گاڑی سے نیچے اُتر آیا۔ وہ بھی اگلی نشست کا دروازہ کھول کر باہر آیا تھا۔

''میرے ساتھ آؤ۔'' اُس نے ایک جانب بڑھتے ہوئے کہا۔

پھر وہ دونوں پیدل ہی چل پڑے۔ کار وہیں رہ گئی جہاں روکی گئی تھی۔

''تم سب کچھ خاموشی سے دیکھو گے۔'' روحی کا ڈیڈی بولا۔

''کیا خاموشی سے دیکھوں گا۔''

''وہی جو کچھ نظر آئے۔''

''اگر مناظر نے مجھے کتوں کی طرح بھونکنے پر مجبور نہ کر دیا تو خاموشی ہی سے دیکھوں گا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''بعض مناظر مجھے کھوپڑی سے باہر کر دیتے ہیں۔''

''مثلاً.....!''

''مثلاً یہ کہ اگر میں کسی کو بریانی یا رائتہ کھاتے دیکھ لیتا ہوں تو بے اختیار یہی جی چاہتا ہے کہ اس کے ایک چپت رسید کر کے پلیٹ چھین لوں۔''

''کیوں.....؟''

''صاحب وجہ تو آج تک میری سمجھ میں نہ آ سکی۔ کوئی نفسیاتی گرہ ہو گی۔ مثال کے طور پر لاشعور.....!''

''میں لاشعور کو نہیں مانتا۔''

''جناب یہ کوئی پیر یا فقیر نہیں ہے..... لاشعور ذہن کے اس حصے کو کہتے ہیں.....!''

''بس بس.....!'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''مجھے نفسیات سے چڑ ہے۔ کیونکہ اب ہر کس و ناکس تھوڑی سی نفسیات پڑھ کر ماہر نفسیات ہونے کا دعویٰ کرنے لگتا ہے۔''

حمید نے سوچا ویسے بھی اسے زیادہ نہ بولنا چاہئے۔ ہو سکتا ہے کوئی ایسی بات زبان سے نکل جائے جس کی بناء پر اس پر کسی قسم کا شبہ کرنے لگے۔ خدا خدا کر کے وہ وقت تو آیا کہ وہ ان نگاہ پروروں سے اتنا قریب ہو گیا ہے۔

پھر خاموشی سے چلتے ہوئے وہ اس عمارت تک آ پہنچے جسکے سامنے روحی نے کار روکی تھی۔

''ہم بہت آہستگی سے اندر داخل ہوں گے۔'' روحی کا ڈیڈی چپکے سے بولا۔

''آپ مجھے کہاں لئے جا رہے ہیں؟''

''خاموشی سے میرے حکم کی تعمیل کرو۔ میں تمہیں اپنی جلد بازی کا نتیجہ ضرور دکھاؤں گا۔''

''میں نہیں دیکھنا چاہتا۔''

''تمہیں دیکھنا پڑے گا۔ کیونکہ یہ بات میری زبان سے نکل گئی تھی۔''

''کوئی زبردستی ہے۔''

''میں اسی کا عادی ہوں کہ جو کچھ میری زبان سے نکلے ضرور پورا ہو۔''

''خداوندا کہیں میں کسی پاگل کے ہتھے تو نہیں چڑھ گیا ہوں۔''

''شٹ اپ..... جان سے مار دوں گا۔'' روحی کا ڈیڈی غرایا۔

''چچ..... چلئے جناب.....!'' حمید خوف سے لرزنے کی ایکٹنگ کرتا ہوا بولا۔

پھاٹک سے گذر کر وہ کمپاؤنڈ میں داخل ہوئے۔

''پنجوں کے بل چلو..... ذرا سی بھی آواز نہیں ہونی چاہئے۔'' روحی کا ڈیڈی آہستہ سے بولا۔

حمید بے چوں و چرا وہی کرتا رہا جو کہا جا رہا تھا۔ وہ بیرونی برآمدے میں داخل ہو
روحی کے ڈیڈی نے ہینڈل گھما کر ایک دروازہ کھولا۔ اندر گہری تاریکی تھی۔

''میرے شانے پر ہاتھ رکھے چلے چلو۔'' روحی کے ڈیڈی نے سرگوشی کی۔ حمید نے
دبا کر اس کے کہنے پر عمل کیا۔

روحی کا ڈیڈی بے آواز چل رہا تھا اور اس کے بائیں شانے پر حمید کا داہنا ہاتھ۔

''میں سگریٹ سلگا لوں۔ بہت دیر سے نہیں پیا۔'' حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

''ایسی حماقتوں کی طرف سے آنکھیں بند کر لو۔''

''بند ہی سمجھو! اندھیرے میں کیا سجھائی دیتا ہے۔''

''ٹھہرو دیکھو! اب یہاں سے ہم زینوں پر چڑھیں گے۔ محتاط رہنا۔''

''یار کس عذاب میں پھنس گیا ہوں۔'' حمید نے جھنجھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

''بس ذرا ہی سی دیر میں تم کافی سکون محسوس کرو گے۔''

زینے طے کر کے وہ ایک بالکنی میں پہنچے۔

شائد اس طرف ایک ہی لائین میں کئی کمرے تھے۔ ایک کمرے کی کھڑکی کے شیشے روشن
نظر آئے۔

روحی کے ڈیڈی نے حمید کا ہاتھ دبایا جس کا مطلب شائد یہی تھا کہ اب اور زیادہ احتیاط
سے کام لیا جائے۔

پھر وہ اُسے وہیں روک کر آگے بڑھا اور روشن نظر آنے والی کھڑکی سے کمرے کے اندر
جھانکنے لگا۔

کچھ دیر بعد اس کے اشارے ہی پر حمید کھڑکی کے قریب گیا تھا۔ کمرے کے اندر
منظر..... خدا کی پناہ۔

روحی کم سے کم کپڑوں میں تھی..... اس سے تھوڑے فاصلے پر توقیر بیساکھی کے سہارے
کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں عجیب سی ہو رہی تھیں۔ چہرہ سرخ تھا۔

''آؤ نا.....!'' روحی ٹھنکی۔

وہ آگے بڑھا اور روحی ہنستی ہوئی پیچھے ہٹ گئی۔ کمرے کا چکر کاٹ کر روحی پھر ایک
کونے میں رک گئی۔ دونوں کے درمیان خاصا فاصلہ تھا۔

''آؤ نا.....!'' روحی پھر ٹھنکی۔

توقیر ہانپ رہا تھا۔ وہ پھر آگے بڑھا۔ روحی بڑے پھرتیلے پن کا مظاہرہ کر رہی تھی۔
کترا کر بالکل اس کے قریب سے نکل جاتی اور وہ ہاتھ پھیلائے رہ جاتا۔

ایک بار ایسے ہی موقع پر اس نے بیساکھی کو ٹھوکر ماری اور بیساکھی توقیر کی بغل سے نکل
کر کچھ دور تک فرش پر پھسلتی چلی گئی اور وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ اس بار حمید نے اس کے چہرے پر
شدید ترین جھنجھلاہٹ کے آثار دیکھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کی متشنج انگلیاں فرش کا پلاسٹر
کھا ڈالیں گی۔ روحی دور کھڑی اٹھلا اٹھلا کر ہنس رہی تھی۔

''روحی.....!'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''آؤ نا.....!'' اس بار روحی کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔

وہ چند لمحے روحی کو گھورتا رہا پھر کسی بے بس کتے کی طرح اس کی طرف گھسٹنے لگا۔

جیسے ہی قریب پہنچا وہ اچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔ نہ صرف پیچھے ہٹی بلکہ بیساکھی بھی اٹھاتی
لے چلی گئی۔

''روحی.....!'' وہ حلق پھاڑ کر چیخا۔ لیکن روحی کا قہقہہ اس کی چیخ پر بھی بھاری پڑا تھا۔ وہ
فرش پر کہنیاں ٹکائے ہانپتا رہا۔

کچھ دیر بعد روحی پھر اس کے قریب آئی اور سرہانے بیٹھ کر اس کا سر سہلانے لگی۔ وہ
فرش پر سر ڈالے پڑا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

''ارے ..... تم رو رہے ہو۔ میری طرف دیکھو..... ہائے..... یہ آنسو..... توقیر.....
نہیں..... ان آنسوؤں کو اسی طرح پلکوں میں تھرتھرانے دو۔''

''روحی.....!'' وہ گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔

''نہیں..... میں اپنے ارادے میں اٹل ہوں۔ بیساکھی استعمال کئے بغیر مجھے پکڑ لو تو.....''

''روحی.....!'' وہ حلق پھاڑ کر چیخا اور روحی پھر اچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔ حمید اس طرح ہو کہ گردوپیش کی خبر نہ رہی۔ خود اس کی سانس بھی پھولنے لگی تھی۔

دفعتاً روحی کے ڈیڈی نے اس کے شانے پر تھپکی دی اور وہ اچھل پڑا۔

''آؤ چلیں.....!'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف کھینچتا ہوا آہستہ سے بولا۔ ''وہ اسی طرح تھکا تھکا کر بے حال کر دے گی۔''

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُسے اس موقع پر یا اس جملے پر کس طرح اظہار خیال کرنا چاہئے۔ وہ اس کے ساتھ چلتا ہوا عمارت کے ایک دور افتادہ گوشے میں آیا۔ روحی کے ڈیڈی نے سوئچ دبا کر وہاں روشنی کر دی۔ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس کی فضا کسی تہہ خانے کی گھٹی گھٹی فضا سے مشابہ تھی۔

''یہ تھا میری جلد بازی کا شاہکار.....!'' اس نے گھمبیر لہجے میں کہا۔

''میری تو عقل ہی خبط ہوئی جا رہی ہے جناب عالی..... یہ کیا اسرار ہے۔'' حمید نے اپنے ہونٹ پر زبان پھیر کر کہا۔

''بیٹھ جاؤ.....!'' روحی کے ڈیڈی نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

حمید نے بیٹھتے ہوئے طویل سانس لی اور جیب میں سگریٹ کا پیکٹ تلاش کرنے لگا۔

''وہ میری لڑکی ہے..... اور میں نے کچھ ایسی جلدی میں اس کی تربیت کی ہے کہ اب میرے لئے ہی مصیبت بن گئی ہے۔''

''جناب اب تو آپ کی باتیں بھی میری سمجھ میں نہیں آ رہیں۔'' حمید نے کہا۔ ''جلدی میں تربیت کیونکر ہوتی ہے۔''

''بس کیا بتاؤں۔ ایسے سمجھ لو میرا رویہ اس کے ساتھ ہمیشہ سے یہ رہا ہے جیسے میری لڑکی چھوٹنے والی ہے..... ادھر آیا اُدھر گیا..... میں اس کی طرف خاص توجہ نہیں دے سکا۔''

''اتنی ذرا سی بات بتانے کے لئے آپ مجھے یہاں لائے ہیں۔''

''تم اسے اتنی ذرا سی بات کہہ رہے ہو۔''

''پھر کیا کہوں.....؟''

''ارے وہ اس طرح کے کومپلکسز کی شکار ہوگئی ہے۔ اسے صرف لنگڑے پسند آتے ہیں۔ صرف لنگڑوں سے اس کی دوستی ہے۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں وہ کسی لنگڑے ہی سے شادی کرنے پر نہ اڑ جائے۔''

''وہ لنگڑا کون تھا۔''

''اس کا دوست۔''

''آپ کس طرح برداشت کرتے ہیں یہ سب کچھ..... ایسا باپ بھی میں نے آج تک نہیں دیکھا۔''

''جوانی میں میں بھی بہت آوارہ تھا۔ اب کس منہ سے اُسے روکوں۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔''

''عجیب وجیب کچھ بھی نہیں۔ اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے۔ ظاہر ہے جوانی میں جن نظریات کے تحت میں نے اپنی آوارگی کا جواز پیدا کیا تھا اُسی طرح کے کچھ نظریات وہ بھی رکھتی ہوگی۔''

''لیکن یہ رجحان..... خدا کی پناہ..... مجھ کو بے چارے لنگڑے پر رحم آ رہا تھا۔ میں بھی نفسیات کا طالب علم رہ چکا ہوں۔ لیکن آج تک کوئی ایسا کیس میری نظر سے نہیں گذرا۔''

''کیسا کیس.....؟''

''کسی اپاہج کی بے چارگی سے محظوظ ہونا۔''

''واقعی یہ بڑی عجیب بات ہے۔'' روحی کا ڈیڈی پرتشویش انداز میں سر ہلا کر بولا اور حمید اُسے اس طرح دیکھنے لگا جیسے وہ بھی کوئی عجوبہ ہے۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

''آخر لنگڑے ہی کیوں؟''

''میں خود نہیں سمجھ سکتا۔''

"سختی سے روکیے۔ آئندہ کسی لنگڑے سے نہ ملنے دیجئے۔"

"رو رو کر جان دے دے گی۔"

"مر ہی جانا چاہئے ایسی اولاد کو۔"

"شٹ اپ..... تم ایک باپ سے کہہ رہے ہو ایسی بات۔"

"ساتھ ہی باپ کو بھی مر جانے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔"

"تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ ہڈیاں پسلیاں توڑ کر رکھ دوں گا۔"

"ایسے مناظر دیکھنے سے تو یہی بہتر ہے کہ میں ہڈیوں اور پسلیوں کا ڈھیر بن جاؤں کوئی بات ہے۔ صاحبزادی لنگڑے سے شغل فرما رہی ہیں اور آپ مجھے بور کر رہے ہیں۔"

"چلے جاؤ یہاں سے۔"

"پیدل.....!"

"میں سچ مچ.....!" وہ مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔ جملہ بھی پورا نہ کر سکا غصے کی زیادتی کی بناء پر

"اگر تم میرے باپ ہوتے تو میں تمہیں گولی مار دیتا سمجھے۔"

"کیوں.....؟" وہ غرایا۔

"تم جیسے نامعقول باپوں نے ہی یہ باسٹرڈ سوسائٹی پیدا کی ہے۔ اپنے کلچر کی ایک بھی صحیح و سلامت نہ رہنے دی۔ ابھی ابھی تم نے اپنی جگر پارہ کے جسم پر جو لباس دیکھا برداشت کیا تھا کیا تمہارے باپ تمہاری بہن کے جسم پر برداشت کر سکتے؟"

"خاموش رہو..... دقیانوس کے بچے۔ تم پڑھے لکھے جاہل معلوم ہوتے ہو۔ پھر کیوں مغربی اقوام سے پیچھے رہ جاؤ۔"

"جی ہاں..... اسی لنگوٹی ہی کی وجہ سے تو مغربی اقوام آگے ہیں ہم سے۔" حمید جل کر بولا

"کیا مطلب.....؟"

"خواتین کی کم لباسی ہی انہیں چاند پر لے جا رہی ہے۔ سوچتے ہوں گے جب یہ زمین کے چاند ایسے ہیں تو وہ چاند کیسا ہوگا جسے لنگوٹی بھی میسر نہیں۔"

"ہوش میں رہو۔ جانتے ہو تم کس سے باتیں کر رہے ہو۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"سر فضل مجید آف بونگا اسٹیٹ۔"

"آئی ایم ویری سوری سر..... یہ بونگا اسٹیٹ کہاں ہے۔"

"شمالی پہاڑی سلسلوں کے درمیان۔ نہ ہوئی میری اسٹیٹ..... کھال کھنچوا لینا۔"

"لنگڑے کی.....؟"

"شٹ اپ.....!" اس نے حمید کا گریبان پکڑ کر جھٹکا دیا۔ اتنا ہی زبردست جھٹکا تھا کہ بید کرسی سے اٹھتا چلا گیا۔ ساتھ ہی کنپٹی پر ایک ہاتھ بھی پڑا تھا۔ حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے سر سے شہاب ثاقب کا کوئی ٹکڑا ٹکرایا ہو۔ آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں۔

پتہ نہیں کتنی دیر تک دونوں ہاتھوں سے سر تھامے رہا تھا اور اس کا جسم گویا فضا میں چکراتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

کچھ دیر بعد آنکھیں کھولیں اور خود کو پسینے سے نہایا ہوا بھی محسوس کیا۔

سر فضل مجید سامنے کھڑا اُسے خونخوار نظروں سے گھورے جا رہا تھا۔

"اٹھو.....!" اس نے غرا کر کہا۔

حمید چپ چاپ وہاں سے اٹھ گیا۔ اس کی طاقت کا تجربہ بھی ہو چکا تھا۔ اس لئے کوئی غیر دانشمندانہ فیصلہ نہ کر سکا۔

"چلے جاؤ..... اگر پھر کبھی شکل دکھائی دی تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔"

حمید چپ چاپ دروازے کی طرف مڑ گیا۔

"ٹھہرو.....!"

حمید رک گیا۔

"تم ایک گھنٹے بعد ہمیں یہاں نہ پاؤ گے۔ اسلئے پولیس اسٹیشن تک جانے کی زحمت نہ کرنا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔

''پولیس میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ تمہارے سول سرونٹ ہمیں جھک کر سلام کرتے ہیں بس نکل جاؤ۔''

حمید چل پڑا۔ عقب سے سر فضل ٹارچ کی روشنی میں اُسے راستہ دکھا رہا تھا۔ کیونکہ عمارت کے دوسرے حصے بالکل تاریک تھے۔

حمید کو اچھی طرح یاد نہیں کہ وہ باہر کی کھلی فضا میں کتنی دیر بعد پہنچا تھا۔

سر فضل عمارت سے باہر نہیں آیا تھا۔ سڑک پر چند قدم چل کر حمید پھر رک گیا۔ غصے کے مارے اس کا سارا جسم جھلسا جا رہا تھا۔ پھر یک بیک اس کے ذہن میں ایک خاص قسم کی کلبلاہٹ ہوئی۔ غالباً وہی پرانی چھچلی متحرک ہوئی تھی جو اسے آنکھیں بند کر کے اندھے کنوئیں میں بھی چھلانگ لگا دینے پر مجبور کر دیتی تھی۔

اُس نے سوچا کہ وہ سر فضل مجید آف بونگا اسٹیٹ ہی کی گاڑی کیوں نہ لے بھاگے۔

اس خیال کے تحت وہ بڑی تیز رفتاری سے اس طرف چل پڑا تھا جہاں سر فضل نے گاڑی کھڑی کی تھی۔

اتنی تیز رفتاری سے چلا تھا کہ وہاں تک پہنچتے پہنچتے سانس پھول گئی اور وہاں پہنچ کر تو جی چاہا کہ اپنی دھجیاں اڑا کر رکھ دے۔ گاڑی وہاں سے غائب تھی۔ سڑک پر دور دور تک سناٹا تھا اور موڈل کالونی شہر سے تقریباً چار میل کے فاصلے پر تھی۔

چلنا ہی پڑا..... فی الحال یہاں رکنا نہیں چاہتا تھا۔ سب سے بڑی خواہش اس وقت یہ تھی کہ کسی طرح فریدی کو ان حالات سے آگاہ کر دے۔

چلتا رہا۔ پھر یہ اتفاق ہی تھا کہ ایک میل پیدل چلنے کے بعد ایک آٹو رکشا خالی مل گیا۔ بھاگم بھاگ گھر پہنچا۔ پھاٹک ہی پر نصیر سے مڈبھیڑ ہوئی۔

''صاحب لائبریری میں ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''لیکن سختی سے منع کیا ہے کہ کوئی راہداری سے بھی نہ گذرے۔''

''کب کی بات ہے۔''

''شام کو آپ کے جاتے ہی کوئی صاحب آئے تھے۔ انہیں لے کر لائبریری میں چلے گئے تھے۔''

''کون صاحب تھے؟''

''پتہ نہیں.....!''

''کیوں بکواس کرتا ہے۔''

''یقین کیجئے صاحب۔ وہ پہلے کبھی یہاں نہیں آئے۔''

''خیر..... میں دیکھوں گا۔''

''میں نے آپ کو آگاہ کر دیا ہے۔ اب آپ جانیں..... محض اسی لئے جاگتا رہا کہ آپ کو آگاہ کر دوں۔''

''آپ آگاہ فرما چکے..... اب ہٹئے سامنے سے۔'' حمید نے خشک لہجے میں کہا اور اُسے ایک طرف ہٹاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ احتیاطاً پہلے فون پر رابطہ قائم کرنا چاہئے۔ فادر ہارڈ اسٹون ہی ٹھہرے۔ پتہ نہیں کس موڈ میں ہوں۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر اُس نے ریسیور اٹھایا۔

دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''ڈسٹرب نہ کرو۔''

''لہجہ اتنا خراب تھا کہ حمید نے مزید کچھ کہے بغیر ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا اور بستر پر گر کر سوٹ اور جوتوں سمیت سونے کی کوشش کرنے لگا۔

پھر پتہ نہیں کب آنکھ لگ گئی۔ بے خبر سوتا رہا۔ آنکھ کھلی تو ذہن ہوا میں اڑا جا رہا تھا اور کانوں میں فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔

جھلا کر ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

دوسری طرف سے فریدی بول رہا تھا۔ ''ہاں تو تم کیا کہنا چاہتے تھے۔''

''بونگا.....!'' حمید نے ماؤتھ پیس میں دہاڑ کر ریسیور میز پر پھینک دیا اور پھر لیٹ گیا

کان دبا کر۔

اب کیا ہوگا؟

فریدی نے پرتشویش انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''بونگا اسٹیٹ کا وجود ہے اور سر فضل مجید وہاں کا حکمران بھی تھا۔ اب اس کی حیثیت ایک بڑے زمیندار کی سی ہے۔''

''آپ ذاتی طور پر واقف ہیں اُس سے؟''

''نہیں۔''

حمید ناشتے کی میز پر دیر سے پہنچا تھا۔ توقع نہیں تھی کہ فریدی سے ملاقات ہوجائے گی لیکن وہ موجود ملا۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے انداز میں بے تعلقی پائی جارہی ہو۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ناشتہ کرتے وقت اخبارات میں کھو گیا ہو اور پھر ناشتے کے وقت بھی اُن سے نجات نہ ملی ہو۔

لیکن حمید تو بے چین تھا کہ کسی طرح پچھلی رات کی کہانی اس کو سنا دے۔ بات شروع کرنے میں کیا دیر لگتی۔ فریدی خاموشی سے سنتا رہا اور پھر اتنا ہی بولا تھا کہ اُسے بونگا اسٹیٹ اور اُس کے والی کا علم ہے۔

حمید منتظر رہا کہ شائد وہ کچھ اور بھی کہے لیکن وہ تو پھر اخبار میں کھو گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اُس نے سر اٹھا کر کہا۔ ''آصف والے کیس کے سلسلے میں ایک نئی بات معلوم ہوئی ہے۔''

''کیا.....؟'' حمید ہمہ تن گوش ہوگیا۔

''جن جن دوکانداروں کا نقصان ہوا تھا اُنہیں اس کا معاوضہ کسی نہ کسی صورت میں مل گیا ہے۔''

''میں نہیں سمجھا.....!''

''کتاب کی قیمت..... جس دوکان سے جتنی کاپیاں اٹھائی گئیں اُن کی قیمت بذریعہ پوسٹل آرڈر کسی گم نام آدمی کی طرف سے اُس دوکان پر پہنچ گئی ہے۔''

''اور اُن جوہریوں کا کیا بنا جن کے زیورات غائب ہوئے تھے۔''

''حمید صاحب! میں اس نظریئے کا قائل نہیں ہوں کہ ایک گروہ یہ سارے کام انجام دے رہا ہے۔ وہ کوئی اور ہیں جو اس ہنگامے سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ لیکن یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آصف کی مرمت ہوجانے کے بعد سے پھر کوئی کیس نہیں ہوا۔ نہ وہ کتاب کسی اسٹال سے اٹھائی گئی اور نہ لوٹ مار کی کوئی واردات ہوئی۔''

''جہنم میں جھونکئے سب کو..... میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ وہ لڑکی لنگڑوں میں کیوں اتنی دلچسپی لیتی ہے۔''

''اذیت پسندی کی سب سے بھیانک قسم..... اپوزٹ سکس کو جنسی بے چارگی میں مبتلا کردینے کا رجحان اکثر قتل و غارت گری تک بھی لے جاتا ہے۔ ایسی ہستیاں خود بھی آہستہ آہستہ غیر شعوری طور پر جنسی جنون میں مبتلا ہوتی چلی جاتی ہیں۔ ایسے لوگ اپنا تختہ مشق بنانے کے لئے یا تو جسمانی اپاہجوں کو تلاش کرتے ہیں یا ذہنی اپاہجوں کو۔''

''ذہنی اپاہج..... یہ نئی اصطلاح سننے میں آرہی ہے۔''

''میں ذہنی اپاہج اُنہیں کہتا ہوں جن کا کوئی جذبہ کسی خیال کے تحت اچانک سرد پڑ جاتا ہے۔ یا خیال اُس جذبے پر اس شدت سے حاوی ہو کہ جذبے کے اظہار کی راہ میں دیوار بن جائے اور یہ بھی یاد رکھو کہ ذہنی اپاہج بنائے جاتے ہیں۔ اس قسم کی اذیت پسند عورتیں اس کے لئے اپوزٹ سکس کا کوئی ایسا فرد منتخب کرتی ہیں جس کے متعلق یہ یقین ہو کہ وہ بااصول آدمی ہے۔ وہ اُس پر بڑی محنت کرتی ہیں۔ اُسے پوری طرح سمجھنے کی کوشش کرتی ہیں اور پھر انتہائی ہیجانی لمحات میں اُس کے ذہن کی کسی دکھتی ہوئی رگ پر انگلی رکھ دیتی ہیں اور وہ اسی لنگڑے کی طرح بل کھاتا رہ جاتا ہے۔''

''ذرا ٹھہریئے۔'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''آخر اتنی دردسری کیوں مول لیتی ہیں۔''

''یہ وہ عورتیں ہیں حمید صاحب جنہیں اپنے آس پاس کی زندگی میں اپنی بے وقعتی کا شدت سے احساس ہونے لگتا ہے۔ اگر وہ ذہین بھی ہوئیں تو اس قسم کے طریقے اختیار کر کے اپنی انا کی تسکین کرتی ہیں۔ جب وہ کسی کو جنسی بے بسی میں مبتلا دیکھتی ہیں تو انہیں اپنی اہمیت کا احساس ہوتا ہے اور وہ اپنی گھریلو بے وقعتی کو تھوڑی دیر کے لئے بھول جاتی ہیں۔ آہستہ آہستہ یہی چیز ان کی تسکین کا ذریعہ بھی بنتی چلی جاتی ہے۔ یعنی مقابل کو بے بسی میں مبتلا کرتے وقت وہ خود جس قسم کے ہیجان میں ہوتی ہیں وہی ان کے لئے سب کچھ ہوتا ہے۔''

''بس کیجئے..... ورنہ میرا دماغ الٹ جائے گا۔ میں سیدھا سا آدمی ہوں اور سیدھی سادھی عورتیں مجھے پسند آتی ہیں۔''

''آپ ہی جیسے حضرات ایسی عورتیں پیدا کرتے ہیں حمید صاحب۔'' فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''مجھے ان بے چاریوں سے ہمدردی ہے۔ صدیوں سے یہ اس احساس کا شکار رہی ہیں کہ ان کا صرف ایک ہی مصرف ہے۔ حالانکہ ان کی بھی شخصیت ہوتی ہے۔ ایک سوچتا ہوا ذہن بھی رکھتی ہیں۔ اگر ان کی ایک کے علاوہ دوسری جبلتوں کو نظر انداز نہ کیا گیا ہوتا تو آج کی بعض عورتیں ایسی ذہنی یا جسمانی بے راہ روی کا شکار ہرگز نہ ہوتیں۔ گھریلو بے وقعتی بھی انہیں اس راہ لے جاتی ہے۔ وہ تھوڑی ہی دیر کے لئے خود کو دنیا کی اہم ترین عورتیں محسوس کر کے ایک طرح کی طمانیت حاصل کر لیتی ہیں۔''

''بس صاحب۔'' حمید دونوں ہاتھوں سے اپنے کان بند کرتا ہوا بولا۔

''میں کچھ نہیں سننا چاہتا اور پھر کسی ایسے آدمی سے عورتوں کے بارے میں کیا سنوں جس کا علم ان کے متعلق محض کتابی ہے۔ تجربے کا مرہون منت نہیں۔''

''تجربہ کار صاحب۔ کسی دن عقل ٹھکانے آ جائے گی۔''

''خدا وہ وقت نہ لائے کہ سوگوار ہوں میں۔ لیکن کیا مردوں میں ایسے جانور نہیں پائے جاتے۔''

''یقیناً پائے جاتے ہوں گے۔''

''آپ نے اپنے بارے میں بھی کبھی کچھ سوچا۔''

''اپنے لئے فرصت کا ایک لمحہ بھی میرے پاس نہیں۔''

''خیر.....!'' حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ ''میں انتقام لینا چاہتا ہوں۔''

''کس سے؟''

''سر فضل مجید والئی بونگا اسٹیٹ سے۔'' حمید ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔

''بکواس نہ کرو۔''

''آخر وہ مردود مجھے اپنے ساتھ کیوں لے گیا تھا۔''

''میں کیا بتا سکتا ہوں؟'' فریدی نے کہا اور پھر اخبار دیکھنے لگا۔

''خیر..... میرا معاملہ ہے۔ میں ہی دیکھ لوں گا۔''

''آپ کی قوت پرواز سے میں بخوبی واقف ہوں۔'' فریدی نے اخبار سے نظر ہٹائے بغیر سرد لہجے میں کہا۔

''آپ دیکھیں گے۔''

''جی ہاں..... یہی دیکھوں گا کہ حمید صاحب بھی لنگڑاتے پھر رہے ہیں۔''

''یقیناً..... ان لوگوں تک پہنچنے کا واحد ذریعہ یہی ہے۔ میں دیکھوں گا کہ وہ لڑکی میری بے بسی سے کس طرح محظوظ ہوتی ہے۔''

''خواہ مخواہ وقت نہ ضائع کرو۔''

''پلیز..... میری یہ خواہش پوری کر دیجئے۔ اُس مردود نے میرے ساتھ کوئی اچھا برتاؤ نہیں کیا تھا۔''

''سوچ لو..... بارسوخ آدمی ہوگا۔ ورنہ اس طرح کھلے بندوں نہ پھرتا۔''

''اب شائد مجھے اپنے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالنا پڑے گا۔'' حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''وہ کس لئے فرزند۔''

''آپ کی زبان سے ایسا جملہ سننا پسند نہیں کرتا۔ ارے ہم اس لئے پیچھے ہٹ جائیں کہ

کہیں وہ بارسوخ نہ ہو۔''

''لنگڑا بننا اتنا آسان نہیں ہے جتنا کہ ہکلانا۔ میڈیکل ایگزامینیشن لنگڑے پن کا پول کھول سکتا ہے۔'' فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

''کیا وہ میرا میڈیکل ایگزامینیشن کرانے بیٹھے گا۔'' حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

''ناممکن تو نہیں ہے اور پھر ایسی صورت میں جبکہ وہ تمہیں بتا بھی چکا ہے کہ لنگڑے اس کی لڑکی کی کمزوری ہیں۔ یہ نہ بھولو کہ وہ کسی نہ کسی جرم میں بھی ملوث ہے۔ لہٰذا اپنے قریب آنے کی کوشش کرنے والے ہر نئے آدمی کو پرکھنے کا خیال ضرور آئے گا اس کے دل میں۔''

''تو پھر میں کیا کروں..... مجھے بتایئے۔''

''خیر از راہِ ہمدردی تمہاری ٹانگ توڑنے کی کوشش کروں گا۔''

''جی.....!''

''سچ مچ لنگڑے ہو جاؤ گے کچھ دنوں کے لئے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''ایک ٹانگ کے پٹھے کچھ دنوں کے لئے اکڑ جائیں گے اور دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا ڈاکٹر بھی نہ کہہ سکے گا کہ پٹھوں کی ناکارگی مصنوعی ہے۔''

کھٹ..... کھٹ..... کھٹ..... بیساکھی فرش پر بج رہی تھی اور مے پول کے ڈائننگ ہال میں روزانہ کے بیٹھنے والوں میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں کہ آخر یہ ہوٹل لنگڑوں کا اڈہ کیوں جا رہا ہے۔ پہلے تو ایک ہی آتا تھا اب ایک اور آنے لگا ہے۔

حمید تین دن سے آ رہا تھا۔ آج چوتھا دن تھا۔ وہ پچھلے دنوں اُن دونوں سے پہلے

وہاں پہنچتا رہا تھا۔

حمید آج دیر سے پہنچا..... روحی اور توقیر اُس سے پہلے ہی آ چکے تھے۔ پچھلے دنوں حمید نے قطعی کوشش نہیں کی تھی کہ روحی سے دو باتیں ہی کر لینے کا موقع ہاتھ آ جائے لیکن اس نے محسوس کیا تھا کہ وہ اس میں دلچسپی لے رہی ہے۔ ہونا بھی چاہئے تھا۔ وہ توقیر سے کہیں زیادہ خوبرو نوجوان ''لنگڑا'' تھا۔ چہرے پر فریدی نے پلاسٹک میک اپ کیا تھا اور حمید کی درخواست پر اس کا بھی خاص طور پر خیال رکھا تھا کہ ''گلفامیت'' اصل سے بھی بڑھ جائے۔

آج بھی روحی اس کی بیساکھی کی کھٹ کھٹ پر چونک کر اس کی طرف مڑی تھی اور توقیر اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے کبھی اُسے گھورنے لگتا تھا اور کبھی حمید کو۔

ان کے قریب سے گذرتے وقت حمید کی بیساکھی آج کی اسکیم کے مطابق میز کے پائے سے ٹکرائی اور وہ لڑکھڑا کر گرنے ہی والا تھا کہ روحی نے جلدی سے اٹھ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔ توقیر نے بھی اٹھنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن روحی نے تحکمانہ انداز میں اُسے روک دیا تھا۔

بازو کا سہارا دیئے ہوئے اس نے حمید کو اپنی ہی میز پر بیٹھنے کی پیش کش کی۔

''شش..... شکریہ محترمہ..... ہم تو ردی کی ٹوکری کی چیز ہیں۔'' حمید بیٹھ کر ہانپتا ہوا بولا اور پھر اس طرح چاروں طرف دیکھنے لگا جیسے اپنی اس حالت پر شرمندہ ہو اور یہ معلوم کرنا چاہتا ہو کہ لوگوں نے اُسے اس حال میں دیکھا تو نہیں۔''

''نہیں..... نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں۔'' روحی نے خالص ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ ''سوسائٹی کا ہر فرد اپنی جگہ اہمیت رکھتا ہے۔''

''لیکن میری کوئی اہمیت نہیں۔'' حمید کے لہجے میں درد تھا۔

''کیوں جناب..... آپ کی کوئی اہمیت کیوں نہیں۔'' توقیر نے زہریلے لہجے میں کہا۔

''میں اس بھری دنیا میں بالکل تنہا ہوں۔''

''شاعر بھی معلوم ہوتے ہیں۔'' توقیر کا لہجہ اب بھی طنزیہ تھا۔ حمید نے بظاہر اس کا کوئی نوٹس نہ لیا لیکن دل ہی دل میں کباب ہوتا رہا۔

البتہ روحی کے چہرے پر کبیدگی کے آثار تھے اور وہ اُسے بُری طرح گھور رہی تھی۔ حمید نے محسوس کیا کہ اب توقیر اس سے نظریں چرا رہا ہے۔

''میں آپ کو کئی دن سے یہاں دیکھ رہی ہوں۔'' دفعتاً وہ حمید کی طرف مڑ کر بولی۔

''جی ہاں..... آپ کی وجہ سے۔'' حمید نے توقیر کی طرف سے اشارہ کیا۔

''میری وجہ سے کیوں.....؟'' توقیر چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

''خفا ہونے کی ضرورت نہیں جناب۔'' حمید نے مغموم لہجے میں کہا۔ ''آپ کے شہر میں اجنبی ہوں اور اپنے ہی جیسے اپاہجوں کی تلاش ہمیشہ رہتی ہے مجھے۔''

''دل چھوٹا نہ کیجئے..... دنیا اتنی بُری جگہ نہیں ہے۔'' روحی بولی۔

''میں پیدائشی اپاہج نہیں ہوں خاتون..... دنیا اچھی طرح دیکھی ہے۔ تین سال گذرے یہ ٹانگ بیکار ہوئی ہے۔ تین سال سے میں ان کی شکلیں دیکھنے کو ترس گیا ہوں جو ہر وقت مجھ سے قریب رہنے کی کوشش کرتے تھے۔''

''تو کیا آپ کے سارے دوست آپ کو چھوڑ گئے۔''

''سب چھوڑ گئے..... اب میں ہوں اور میرے تین ملازم..... ایک سیکریٹری ایک باورچی اور ایک اٹنڈنٹ..... بغرض علاج یہاں آیا ہوں۔''

''علاج..... تو کیا یہ قابل علاج بھی ہے۔''

''ابھی تک ڈاکٹروں نے لاعلاج ہی بتایا ہے۔ لیکن میں نا اُمید نہیں ہوں۔ میرا خیال ہے کہ یہاں کوئی نہ کوئی اسپیشلسٹ ضرور میری مشکل حل کرے گا۔''

''یقیناً..... یقیناً.....!'' روحی کا لہجہ بے حد ہمدردانہ تھا۔

''ہاں تو جناب.....!'' حمید نے توقیر کو مخاطب کر کے کہا۔ ''میں آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔''

''لیکن میرا ساتھ تو کسی نے بھی نہیں چھوڑا.....!'' توقیر نے سرد لہجے میں کہا۔

''توقیر.....!'' روحی نے اُسے آنکھیں دکھائیں۔

''خیر..... خیر.....!'' توقیر زبردستی مسکرا کر اپنا ہاتھ حمید کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ''خاتون روحی کی یہی خواہش ہے تو میں بھی دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔''

''شکریہ جناب۔'' حمید کا لہجہ بہت زیادہ دردناک تھا۔

''آپ کچھ خیال نہ کیجئے گا مسٹر.....!'' روحی بولی۔

''ساجد میرا نام ہے۔'' حمید نے کہا۔

''توقیر دل کے بُرے نہیں ہیں..... میرا نام روحی ہے۔''

''بیگم توقیر..... میں ذرا ذرا سی بات پر رنجیدہ ہو جاتا ہوں۔''

''آپ غلط سمجھے۔'' روحی ہنس پڑی۔ ''یہ میرے شوہر نہیں ہیں۔ صرف دوست ہیں۔''

''اچھا..... اچھا..... میں معافی چاہتا ہوں محترمہ۔''

''کوئی بات نہیں۔''

''جب سے یہاں آیا ہوں لوگوں سے بات کرنے کو ترس رہا تھا۔ ملازمین تو اس دکھ کا مداوا نہیں ہو سکتے۔''

''جی ہاں قطعی.....! آپ بالکل فکر نہ کریں۔ ہمیں اپنا بہترین دوست پائیں گے۔ توقیر بہت اچھے آدمی ہیں۔'' روحی بولی۔

پھر مقامی ڈاکٹروں کی بات چل پڑی تھی لیکن وہ فیصلہ نہ کر سکے کہ کس ڈاکٹر سے اس سلسلے میں رابطہ قائم کیا جائے۔

''آپ فکر نہ کریں ساجد صاحب۔'' روحی نے کہا ''جو کچھ بھی ممکن ہوگا آپ لئے کیا جائے گا۔''

''شکریہ۔'' حمید بولا۔ اب وہ ایک زندہ دل آدمی کی طرح چہک رہا تھا۔ لیکن یہ تبدیلی بتدریج ہوئی تھی۔ دوسروں کو یہی معلوم ہوا ہوگا جیسے دل پر سے غم کے بادل آہستہ آہستہ چھٹے ہوں۔''

کوٹھی شاندار تھی۔ حمید بیساکھی کی مدد سے طویل برآمدے میں لنگڑاتا پھر رہا تھا۔

سے پول میں روحی سے مل بیٹھنے کو آج تیسرا دن تھا۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ آج ا
کی قیام گاہ پر ملے گی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ مردود بھی نہ ساتھ لگا چلا آئے۔

اس قیام گاہ کا انتظام فریدی نے کیا تھا۔ ملازمین بھی اسی نے فراہم کئے تھے اور یہ ا
افراد تھے جن کی شکلیں حمید نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ ان میں دو قوی ہیکل مرد تھے اور ایک
بوڑھی عورت جو حمید کی سیکریٹری کے فرائض انجام دیتی تھی۔ مردوں میں ایک باورچی تھا ا
دوسرا اوپر کے دوسرے کام کرنے والا۔ ایک کا نام طاہر تھا اور دوسرے کا رشید۔

اس وقت حمید یہ بھی سوچ رہا تھا کہ خواہ مخواہ کس مصیبت میں پڑ گیا۔ ظاہر تھا کہ روحی
ساتھ زیادہ سے زیادہ دو چار گھنٹے گذارے جا سکتے تھے۔ اس کے بعد بقیہ وقت کو لنگڑے پن
نذر کر دینا کہاں کی عقلمندی تھی۔

یقیناً عقلمندی نہیں تھی۔ لیکن وہ کر بھی کیا سکتا تھا۔ کوشش بھی کرتا تو دوسری ٹانگ کو جنبش
دے سکتا۔ فریدی نے کئی گھنٹے تک اس ٹانگ میں کسی قسم کے سیال کی مالش کرائی تھی اور بڑ
پر یقین انداز میں کہا تھا۔ ''کم از کم پندرہ دن کے لئے بے کار ہوئے تم..... کسی دن کوئی لڑکی
تمہاری موت کا باعث بھی بنے گی۔''

ٹانگ بالکل ہی بے حس ہو کر رہ گئی تھی۔ بیساکھی کے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتا تھا
اُسے یاد آیا۔ فریدی نے یہ بھی تو کہا تھا کہ بڑا سے بڑا میڈیکل ایگزامینیشن بھی اس
کو کارآمد ثابت نہیں کر سکے گا۔

وہ ٹہلتا اور سوچتا رہا..... ٹھیک چھ بجے روحی کی گاڑی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ حمید
بیساکھی کی ''کھٹ کھٹ'' رک گئی تھی۔

''اونہہ..... مردود.....!'' وہ توقیر کو بھی گاڑی میں دیکھ کر بڑبڑایا۔

توقیر بھی اُس کے ساتھ آیا تھا اور وہ اُسے سہارا دے کر گاڑی سے اتار رہی تھی۔

حمید نے جلد از جلد اپنا موڈ ٹھیک کر لینے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب بھی ہو گیا۔

دونوں کو ڈرائینگ روم میں لاتے وقت اس نے کہا۔ ''یہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی ہے کہ آپ
توقیر صاحب کو بھی ساتھ لائی ہیں۔''

''ارادہ تو نہیں تھا۔'' وہ توقیر کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور بولی ''لیکن شرط ہو گئی ہے ان سے۔''

''شرط..... کیسی شرط۔''

''ذرا اطمینان سے بیٹھ جائیں تو بتاؤں..... اوہ..... یہ بوڑھی عورت کون ہے۔''

''میری سیکریٹری۔''

''سیکریٹری۔'' روحی کے لہجے میں حیرت تھی۔

''جی ہاں.....!''

''کیا کوئی جوان عورت نہیں ملی تھی۔''

حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور اُس کی آنکھوں میں غم کی ایک لہر سی نظر آئی پھر کھسیانے
انداز میں مسکرا کر بولا۔ ''اب مجھ میں تاب نہیں رہی..... اس بیماری سے قبل ایک جوان ہی
سیکریٹری تھی۔ لیکن مرض کا حملہ ہونے کے بعد وہ ملازمت چھوڑ گئی۔ تب سے میں نے عہد کیا
ہے کہ بوڑھی ہی عورت رکھوں گا..... وہ مجھے ماں سا پیار دیتی ہے..... وہ اس طرح کبھی مجھ سے
الگ نہیں ہو گی کہ میرا دل ٹوٹ جائے۔''

''واقعی آپ بہت دکھی ہیں۔''

توقیر اس دوران میں اپنا نچلا ہونٹ چباتا رہا تھا۔ اُن کے خاموش ہوتے ہی بول پڑا۔

''ہمیں وقت نہ ضائع کرنا چاہئے..... پونے سات بجے کا وقت مقرر ہوا تھا۔''

''کہیں چلنا ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''ہاں.....!'' روحی نے مغموم لہجے میں کہا۔ ''لیکن میں ابھی تمہیں نہیں بتاؤں گی تمہیں
دکھ ہو گا اور میں تمہیں مغموم دیکھنا پسند نہیں کرتی۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ توقیر ہی کو مایوسی ہو گی۔''

''بات کیا ہے؟''

''ابھی نہیں بتاؤں گی۔''

''جیسی آپ لوگوں کی مرضی..... اچھے دوستوں کے لئے میں جان بھی دے سکتا ہوں۔ اگر کہیں پونے سات بجے پہنچنا ہے تو ہم کافی کا ایک کپ تو پی ہی سکیں گے۔''

''ہاں اگر یہ پندرہ منٹ کے اندر اندر ممکن ہو۔'' توقیر نے خشک لہجے میں کہا۔

حمید نے بوڑھی عورت سے کافی کے لئے کہا اور وہ چلی گئی۔

''میں کتنا خوش ہوں آپ لوگوں کی آمد پر..... بیان نہیں کر سکتا۔''

دونوں میں سے کوئی بھی کچھ نہ بولا۔ حمید کو ان کی یہ خاموشی کچھ عجیب سی لگ رہی تھی لیکن اس نے کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔

کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ''آپ نے کسی شرط کا تذکرہ کیا تھا۔''

''فی الحال ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں بتائیں گے۔ کیا ایک دوست کی حیثیت سے تم مجھ پر اعتماد نہیں کر سکتے۔'' روحی نے کہا۔

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا بے اعتمادی کا۔''

اتنے میں کافی آ گئی۔ شائد پانی پہلے ہی سے تیار تھا۔

کافی ختم کر لینے کے بعد حمید نے کہا۔ ''کیا میں اپنی گاڑی بھی نکلواؤں؟''

''کیا ضرورت ہے۔ میری گاڑی میں چلو۔''

کچھ دیر بعد گاڑی کمپاؤنڈ سے باہر نکل رہی تھی۔ دونوں لنگڑے پچھلی سیٹ پر تھے اور روحی گاڑی ڈرائیو کر رہی تھی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ خاصی مضحکہ خیز اور دلچسپ سچویشن ہے۔ ہنسنے کو جی چاہا تھا لیکن پھر وقت کی نزاکت کا خیال کرتے وقت اس خواہش کا گلا گھونٹ دینے ہی میں مصلحت نظر آئی۔

ویسے اُسے الجھن بھی تھی۔ اس شرط کا خیال آیا جس کا تذکرہ روحی نے کیا تھا۔ تو کیا یہ وقت کا سفر اُسی شرط سے تعلق رکھتا ہے۔ پھر تھوڑی ہی دیر بعد اس کی الجھن دور ہو گئی۔ گاڑی

ایک ڈاکٹر کے مطب کے سامنے رکی۔

''تو یہ بات ہے۔'' اس نے سوچا۔ توقیر نے شائد اسے بنا ہوا لنگڑا ثابت کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اپنی موجودگی میں طبی معائنہ کرانا چاہتا ہے۔

''یہ ایک ماہر معالج ہے۔'' روحی بولی۔ ''میرا خیال ہے کہ تمہارا معقول علاج کر سکے گا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔

وہ سوچ رہا تھا۔ ضروری نہیں کہ فریدی کا ہر دعویٰ درست ہی ثابت ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس سیال کا اثر زائل ہو چکا ہو جس کی مالش کچھ دن پہلے اس ٹانگ میں کی گئی تھی۔

بہر حال وہ تن بہ تقدیر ہو کر مختلف قسم کے آلات سے دوچار ہوتا رہا۔ ویسے وہ ڈاکٹر کے چہرے پر گہری تشویش کے آثار ضرور محسوس کرتا رہا تھا۔

پھر کچھ دیر بعد اس نے ڈاکٹر کا ریمارک بھی سنا۔

''مسلس بالکل بیکار ہو چکے ہیں۔ کچھ شریانیں بھی خشک ہو گئی ہیں۔ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ دوبارہ چل سکیں گے یا نہیں۔''

حمید نے دیکھا کہ توقیر کا منہ لٹک گیا ہے۔ روحی نے ڈاکٹر کی فیس ادا کی تھی اور پھر گاڑی میں آ بیٹھے تھے۔

توقیر کچھ نہ بولا۔ اس نے حمید کو متوجہ کر کے کہا۔ ''توقیر صاحب کا خیال تھا کہ تم بن رہے ہو تا کہ دوسروں کی ہمدردیاں حاصل کر سکو۔''

''اوہ.....!'' حمید نے کہا اور آنکھیں بند کر کے پشت گاہ سے ٹک گیا۔

توقیر ہولے ہولے اس کا شانہ تھپک رہا تھا۔ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''مجھے اپنے اس توہم پر شرمندگی ہے میرے دوست۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ البتہ اپنا نچلا ہونٹ اس طرح دانتوں میں دبا لیا تھا جیسے امنڈنے والے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کر رہا ہو۔

''مناسب یہی ہے کہ اب تم اپنی زبان نہ کھولو۔'' روحی نے توقیر کو مخاطب کیا تھا۔

تو قیر صرف کھنکار کر رہ گیا۔

گاڑی تیز رفتاری سے راستہ طے کر رہی تھی۔

''اب ہم کہاں جا رہے ہیں۔'' تو قیر نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

''تمہیں تمہارے گھر چھوڑیں گے۔'' روحی نے سرد لہجے میں جواب دیا۔

''کک..... کیوں.....؟''

''میں آج ساجد کو اپنی لائبریری دکھاؤں گی۔''

''مم..... میں بھی چلوں گا۔''

''تم پہلے ہی دیکھ چکے ہو..... اس لئے تمہاری موجودگی ضروری نہیں۔''

حمید نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے سوچ رہا تھا دیکھئے اب کیا ہو؟

لنگڑوں کی شامت

''ہوں.....!'' فریدی پر تفکر انداز میں بولا۔ ''تو تم نے اس کی لائبریری دیکھی۔''

''یہ لڑکی..... میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔''

''کیوں.....؟''

گھر لے گئی اور منہ پھلائے بیٹھی رہی۔ میں نے پوچھا لائبریری کب دکھاؤ گی۔ کہنے لگی مجھے ڈر ہے کہ کہیں مجھے لنگڑوں سے نفرت نہ ہو جائے۔ میں نے اس خدشے کی وجہ پوچھی تو بولی۔ تو قیر ہی کی طرح تم بھی حاسد اور کمینے ثابت ہو سکتے ہو۔ وہ چاہتا ہے کہ میں صرف اُس تک محدود رہوں۔ میں نے کہا یہ زیادتی ہے اس پر اس نے سڑا سا منہ بنا کر کہا کچھ دنوں بعد تم بھی مجھے اپنی ملکیت سمجھنے لگو گے۔ حالانکہ مجھے صرف بے بسی سے پیار ہے۔ یہ بے بسی مجھے کسی خارش زدہ کتے میں بھی نظر آ سکتی ہے اور میں اُسے بھی گلے لگا سکتی ہوں۔''

''ہوں.....!'' فریدی سر ہلا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میری کیا حیثیت ہے۔'' حمید جھنجھلا کر بولا۔

''کیا مطلب.....؟''

''اس کیس میں میری کیا حیثیت ہے۔''

''کیس.....!'' فریدی نے حیرت سے کہا اور پھر اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ''میں نے یہ دردسر محض تمہاری خواہش کی بناء پر مول لیا ہے۔ تم فضل مجید اور روحی سے انتقام لینا چاہتے تھے۔''

''تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ.....!''

''میرا وقت نہ برباد کرو..... یہ بتاؤ کہ اب کیا چاہتے ہو۔''

''میری ٹانگ کا میڈیکل اگزامینیشن ہو چکا ہے۔ اب زیادہ دیر تک لنگڑاپن برداشت نہیں کر سکتا۔''

''ٹھیک ہے..... اب اس کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر تم اس کھیل کو فوری طور پر ختم نہیں کرنا چاہتے تو تمہیں خود کو لنگڑا ہی پوز کرتے رہنا پڑے گا۔''

''آخر کب تک.....؟''

''حمید! تم ہوش میں ہو یا نہیں۔ کیا تم میری کسی اسکیم پر عمل کر رہے ہو۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کر بیٹھا ہوں۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''اس بار کچھ کر بیٹھنے کے بعد بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہا ورنہ عموماً تم اس کے عادی رہے ہو کہ کوئی حرکت کر بیٹھنے کے بعد ہی.....!''

''خدا کے لئے میرے ذہن کو زیادہ نہ الجھایئے۔'' حمید بات کاٹ کر بولا۔

''اچھا تو پھر تم بھی خاموش بیٹھو..... میں اس وقت کچھ سوچ رہا ہوں۔''

''کیا اسی کیس کے بارے میں.....!''

''اس تصویر کے دشمن کے بارے میں جو کتابوں پر سے صرف ٹائٹل ڈیزائن پھاڑ لے جاتا ہے۔''

حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔



پتہ نہیں کس طرح چھپتا چھپاتا فریدی تک پہنچا تھا۔ لیکن اس کے علاوہ اور کیا حاصل کہ بیکار ہو جانے والی ٹانگ دوبارہ کارآمد ہوگئی تھی۔ دوسرا سیال عجیب تھا۔ جلد سے مس ہوتے ہی ایسا لگا تھا جیسے گوشت اور پٹھوں سے گذرتا ہوا ہڈی سے جا ٹکرایا ہو۔ پھر اُس کا ردِعمل شروع ہوا تھا اور اس نے محسوس کیا تھا جیسے بے جان رگوں اور پٹھوں میں کھنچاؤ پیدا ہو گیا ہو۔

اب اس وقت وہ اپنی عارضی قیام گاہ پر اپنی اس عارضی طور پر مفلوج ہو جانے والی ٹانگ سے باقاعدہ طور پر کام لے رہا تھا۔

کلاک نے جیسے ہی گیارہ بجائے کسی نے باہر وزیٹنگ بیل کا بٹن بھی دبایا اور تیز قسم آواز سے پوری عمارت گونج اٹھی۔

کون ہو سکتا ہے؟ اس نے سوچا۔ آج روحی بھی نہیں آئی تھی۔ کیا اتنی رات گئے وہ آئی ہوگی بہر حال ملازم نے کچھ دیر بعد آ کر اطلاع دی کہ روحی اور توقیر ڈرائنگ روم میں اس منتظر ہیں۔

حمید نے سلیپنگ گاؤن پہنا اور بیساکھی سنبھال کر ڈرائینگ روم کی طرف چل پڑا۔

''آج ہم دونوں ہی بڑے اچھے موڈ میں ہیں۔'' روحی اسے دیکھ کر چہکی۔

''بڑی خوشی ہوئی۔ آپ نے کرم فرمایا۔ مجھے بھی نیند آ رہی تھی۔'' حمید بولا۔

''بور تو نہ ہو جاؤ گے۔''

''کیا بات کرتی ہیں آپ..... آپ لوگوں کی صحبت سے بور ہو جاؤں گا۔''

توقیر خاموش تھا۔ حمید نے اُس کے چہرے پر اچھے آثار نہیں دیکھے تھے۔

''اس سلیپنگ گاؤن میں تم بڑے اچھے لگتے ہو۔'' روحی نے کہا۔

اور حمید شرما جانے کی ایکٹنگ کرتا ہوا دوسری طرف دیکھنے لگا۔ پھر توقیر سے نظریں ملیں اور جھک گئیں۔ اُس نے توقیر کی آنکھوں میں شدید ترین جھلاہٹ دیکھی تھی۔

''لیکن ہم بیکار تو نہیں بیٹھیں گے۔'' روحی نے کچھ دیر بعد کہا۔ حمید اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''میں کہتا ہوں.....!'' توقیر کی آواز پھنس گئی۔

''تم کچھ بھی کہتے نہیں..... کہتے بھی ہو تو میں سننے پر تیار نہیں۔ ضروری نہیں کہ ہم روزانہ ایک ہی قسم کی تفریح کریں۔''

''روحی..... مم..... میرا مطلب تھا.....!''

''اچھا..... اچھا..... میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔''

حمید نے محسوس کیا جیسے روحی کا موڈ بگڑ گیا ہو۔ وہ کچھ دیر تک پھولی بیٹھی رہی پھر غرائی ہوئی سی آواز میں بولی۔ ''تم دونوں ہی کان کھول کر سن لو..... میں ہمیشہ اپنے دوستوں پر چھائی رہنے کی عادی ہوں۔''

''جی ہاں..... میں سمجھتا ہوں..... آپ کے بارے میں میرا یہی اندازہ تھا۔'' حمید نے مسکرا کر کہا۔

''لیکن مجھے تمہارا یہ انداز بھی پسند نہیں۔ جب مجھے غصہ آتا ہے تو میرا کوئی دوست میرے سامنے مسکرانے کی جرأت نہیں کرتا۔''

''بڑی مصیبت ہے۔'' حمید مسکراتا ہوا بولا۔

''کیا مصیبت ہے۔''

''دوسروں کو غصے میں دیکھ کر مجھے ہنسی آتی ہے۔''

''بکواس ہے..... ناممکن.....!''

بچپن ہی سے اس بُری عادت کا شکار رہا ہوں اور اب تو یہ فطرت ثانیہ بن چکی ہے۔ بچپن ہی سے میرے پاپا مجھے ڈانٹتے تھے تو مجھ پر ہنسی کا دورہ پڑ جاتا تھا۔

''میرے ساتھ یہ نہیں چلے گی۔''

''مجبوری ہے محترمہ روحی۔''

''کیا کہا.....؟'' روحی نے غضب ناک انداز میں آنکھیں نکالیں۔

حمید ہنس پڑا۔

''یہ کیا نامعقولیت ہے۔'' دفعتاً توقیر دہاڑا اور حمید سہم جانے کی ایکٹنگ کرتا ہوا اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''کیا تم بالکل ہی غیر صحبت یافتہ ہو۔'' توقیر نے اُس سے پوچھا۔

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''مادام روحی کہہ رہی ہیں کہ انہیں غصے میں کسی کی بھی ہنسی پسند نہیں آتی۔''

''میں سن رہا ہوں مسٹر توقیر.....!'' دفعتاً حمید کا موڈ بھی بدل گیا۔

''تم اپنا لہجہ ٹھیک کرو۔'' توقیر کی آنکھیں گویا ابل سی پڑیں۔

''تم بکواس بند کرو.....اور چلے جاؤ یہاں سے۔'' دفعتاً روحی اُسی پر الٹ پڑی اور توقیر ہکا بکا رہ گیا۔

حمید کو بھی اس پر حیرت ہوئی تھی۔ لیکن اُس نے اس کا اظہار نہ ہونے دیا۔ توقیر تو سناٹے میں آ ہی گیا تھا۔

''تم دونوں ہی ایک دوسرے پر اپنی برتری کبھی نہ جتاؤ گے سمجھے۔'' روحی نے مربیانہ لہجے میں پھر اپنے غصے کا اظہار کیا۔

توقیر نے سعادت مندانہ انداز میں سر جھکا لیا تھا۔ لیکن حمید شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ روحی کو دیکھے جا رہا تھا۔

''تم سچ مچ بچپن میں بھی سرکش رہے ہو گے۔'' روحی نے اُس سے کہا۔

''لنگڑے پن کی وجہ سے میری روح مضمحل نہیں ہوئی۔ کبھی کبھی وقتی طور پر پژمردہ ہو جاتا ہوں۔''

''پتہ نہیں کیوں میں تمہیں اتنا پسند کرنے لگی ہوں۔ ورنہ اپنی خواہشات کے آگے سر نہ جھکانے والے دوستوں کو جوتے کی نوک پر رکھتی ہوں۔''

''میں اُن لوگوں میں سے نہیں ہوں مادام روحی جنہیں عورتیں جوتے کی نوک پر رکھ سکیں۔ لڑکیوں کے نخرے ناپسند ہونے ہی کی بناء پر میں نے بوڑھی سیکریٹری رکھ چھوڑی ہے۔''

''لیکن پہلے تو تم نے اس کی اور کوئی وجہ بتائی تھی۔''

''میں پانچ ہزار لفظ فی منٹ کی رفتار سے جھوٹ بول سکتا ہوں۔''

''تم بالکل مختلف ثابت ہو رہے ہو میرے اندازے سے۔''

''میں پھر کہتا ہوں مادام روحی۔'' دفعتاً توقیر بول اٹھا۔ ''محض آپ کی دوستی حاصل کرنے کے لئے یہ ہماری میز کے قریب لڑکھڑایا تھا۔''

''تم پھر بولے۔ میں نے کہا تھا خاموش رہنا۔''

''میری ہی چھت کے نیچے میری توہین کر رہے ہو۔'' حمید توقیر کو گھورتا ہوا بولا۔

''میں اب کچھ نہ کہوں گا۔'' توقیر نے بہت زیادہ جھلاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''آپ کے خیال سے خاموش ہوں مادام روحی ورنہ بیساکھی مار کر اس کے سر کے دو ٹکڑے کر دیتا۔'' حمید بھنا کر بولا۔

''تم ایسے ہی معلوم ہوتے ہو۔'' روحی مسکرائی۔

توقیر کباب ہو کر رہ گیا تھا اس ریمارک پر.....حمید نے یہی محسوس کیا۔

''کافی یا چائے مادام روحی۔'' حمید نے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر اپنے لئے ایک سگریٹ منتخب کرتے ہوئے کہا۔

''لیکن تم سگریٹ پیتے ہوئے بالکل اچھے نہیں لگتے۔'' روحی منہ بنا کر بولی۔

''سگریٹ تو میں نہیں چھوڑ سکتا۔''

''میں کب کہہ رہی ہوں۔ میں نے تو صرف اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔''

''مجھ سے کبھی کچھ کہہ کر دیکھئے۔'' توقیر بولا۔

''تم اُلو ہو۔'' روحی نے لاپروائی سے کہا اور پھر حمید کی طرف متوجہ ہوگئی۔ حمید نے توقیر کے چہرے پر کھسیاہٹ محسوس کی لیکن توقیر اب اس سے بھی نظریں چرا رہا تھا۔

دفعتاً وزیٹنگ بیل کی تیز آواز ایک بار پھر پوری عمارت میں گونجی اور روحی سوالیہ انداز میں حمید کو گھورنے لگی۔

''کیا اور کوئی بھی ہے اتنی رات گئے آنے والا۔'' اُس نے اس سے پوچھا۔

''کوئی بھی نہیں..... آپ دونوں کے علاوہ اور کسی سے یہاں میری جان پہچان نہیں۔''

''تو پھر..... تو پھر..... وہ ڈیڈی ہی ہوں گے۔'' وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''کل دن سے میری ٹوہ میں ہیں۔''

توقیر بھی اس بات پر کچھ نروس سا نظر آنے لگا۔ حمید نے احمقانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔ ٹھیک اُسی وقت ملازم ڈرائنگ روم میں داخل ہوا اور حمید کی طرف کسی کا وزیٹنگ کارڈ بڑھا دیا۔

''اوہ..... یہ کون صاحب ہیں..... آپ نے یہی نام تو بتا دیا تھا اپنے والد کا۔ سر فضل مجید.....!'' حمید کارڈ پر نظر جمائے ہوئے بڑبڑایا۔

''خدا رحم کرے..... اب میں کیا کروں۔'' روحی بڑبڑائی۔

''آپ دوسرے کمرے میں چلی جائیے۔'' حمید نے تجویز پیش کی۔

''لیکن میری گاڑی تو کمپاؤنڈ میں موجود ہے۔ وہ کسی طرح بھی دھوکا نہ کھا سکیں گے۔''

''اچھا تو پھر میں دوسرے کمرے میں چلا جاتا ہوں۔'' توقیر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''ہاں..... یہ ٹھیک ہے۔ کم از کم یہ تو ہوگا کہ.....!'' وہ جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہوگئی۔

حمید نے بھی بوکھلا جانے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے پچھلے دروازے کی طرف اشارہ کیا اور توقیر اٹھ کر بیساکھی ٹیکتا ہوا پردے کے پیچھے غائب ہوگیا۔

حمید نے ملازم سے کہا۔ ''انہیں یہاں لاؤ۔''

ملازم کے چلے جانے کے بعد حمید اور روحی خاموش ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔

فضل مجید کمرے میں داخل ہوا۔ اُس کی آنکھیں غصے سے اُبلی پڑ رہی تھیں۔

تھوڑی دیر تک قہر آلود نظروں سے دونوں کو دیکھتا رہا پھر بولا۔

''اب یہ دوسرا لنگڑا..... روحی میں تمہیں گولی مار دوں گا۔''

''ڈیڈی پلیز.....!''

''شٹ اپ.....!''

''آپ زیادتی کر رہے ہیں۔''

''میں کہتا ہوں چپ رہو۔''

''اچھی بات ہے..... تو خفا رہئے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''کیا آپ کی دوستی عورتوں سے نہیں۔''

''نہ وہ لنگڑی ہیں اور نہ گونگی بہری ہیں۔''

''تو کیا مجھے اس کا بھی حق حاصل نہیں کہ اپنے پسند کے آدمیوں سے مل سکوں۔''

''ارے تو لنگڑے۔''

''آپ کو میرے دوستوں کی توہین کرنے کا حق حاصل نہیں۔''

''یاد رکھو جائیداد سے محروم کر دوں گا۔''

''میری بھی بہت بڑی جائیداد ہے۔'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا

''تم چپ رہو جی۔''

''ڈیڈی پلیز..... میں التجا کرتی ہوں۔'' روحی پھر ڈھیلی پڑ گئی۔

''میں آج اس کا فیصلہ کر کے رہوں گا۔''

''آپ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے..... میں ساجد سے شادی کروں گی۔''

''کیا کہا.....؟''

''ساجد سے شادی کروں گی۔''

''میں تمہیں ابھی گولی مار دوں گا۔''

''ذرا مار کر تو دیکھو..... فوراً ہی میں بھی خودکشی کر لوں گا۔'' حمید بول پڑا۔

''بہت بہتر..... پہلے آپ خودکشی کر لیجئے..... پھر میں اسے گولی مار دوں گا۔'' سر فضل نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''اتنا اُلو نہیں ہوں۔''

''روحی تمہیں ابھی اور اسی وقت یہاں سے چلنا ہے۔''

''یہ مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہیں۔ اس لئے مجھے حق پہنچتا ہے کہ آپ کے اس رویئے پر احتجاج کروں۔'' حمید چیخ کر بولا۔

''وہ تھپڑ رسید کروں گا کہ سارے دانت باہر آ جائیں گے۔''

حمید نے جواب میں کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔ کیونکہ اس کی طاقت کا اندازہ پہلے ہی سے تھا۔

''ڈیڈی..... ڈیڈی..... ڈیڈی۔''

''بکومت.....!''

''میں عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گی اگر آپ نے مجھے میرا یہ حق استعمال نہ کرنے دیا۔''

''یعنی ایک لنگڑے سے شادی کا.....!''

''بار بار ساجد کی توہین نہ کیجئے۔''

''میں اس کی دوسری ٹانگ بھی بیکار کر دوں گا۔''

حمید کا دل چاہا کہ لنگڑے پن کو بالائے طاق رکھ کر اس پر ٹوٹ پڑے۔ لیکن پھر یہ سوچ کر کہ ایک بڑی دلکش لڑکی کا باپ ہے جہاں تھا وہیں رک گیا۔

''ڈیڈی میں خودکشی کر لوں گی۔''

''بڑی خوشی ہوگی مجھے اگر تم ایسا کر سکو۔''

''آپ سمجھتے کیوں نہیں۔ ساجد بھی کافی دولت مند ہے۔''

فضل مجید خاموش ہو گیا تھا۔ کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ''توقیر سے زیادہ دولت مند

نہ ہوگا۔''

''اچھا چلئے یہی سہی..... لیکن دولت مندی ہی تو سب کچھ نہیں ہے۔''

''تو کیا یہ توقیر سے زیادہ لنگڑا ہے۔'' اُس کے ڈیڈی نے بے حد زہریلے لہجے میں کہا۔

''خدا کے لئے ڈیڈی سمجھنے کی کوشش کیجئے۔''

''تو پھر توقیر سے زیادہ گدھا ہوگا۔''

''ڈیڈی.....!''

''شٹ اپ.....!'' اس نے چیخ کر کہا اور حمید سے بولا۔ ''کیوں شامت آئی ہے تمہاری۔ یہ لڑکی صحیح الدماغ نہیں ہے۔ کل تک توقیر پر جان دیتی تھی۔''

''ڈیڈی.....!'' وہ وحشیانہ انداز میں چیخی۔

''تم پاگل ہو.....!'' فضل مجید دہاڑا۔ ''لنگڑوں کی بے بسی سے اکتساب لذت تمہارا محبوب مشغلہ ہے۔''

''ڈیڈی میں بہت بھیانک ہو جاؤں گی۔''

''کیا اس سے زیادہ جتنی اب ہو بنی نوع انسان کے لئے۔''

''ساجد تم ان کے بہکانے میں مت آنا۔ یہ ہر قیمت پر کوئی بہت زیادہ دولت مند داماد چاہتے ہیں۔''

''میرے پاس کروڑوں کی جائیداد ہے۔!'' حمید نے چھاتی ٹھونک کر کہا۔

''اوہ..... تو تم خود ہی جہنم رسید ہونا چاہتے ہو۔''

''نہیں آپ کا فرزند رشید ہونا چاہتا ہوں..... اب غصہ تھوک دیجئے اور مجھے گلے لگا لیجئے۔''

''شائد تمہارا ابھی دماغ خراب ہو گیا ہے۔''

''روحی اگر میری ایک ایک بوٹی بھی الگ کر دیں گی تو مجھے شکایت نہ ہوگی۔''

فضل مجید ایک کرسی پر گر کر ہانپنے لگا۔

روحی سر جھکائے کھڑی تھی اور حمید اپنی کھوپڑی سہلا رہا تھا۔ وہ تو یہ بھول گیا تھا کہ توقیر

دوسرے کمرے میں موجود ہے۔

کچھ دیر بعد وہ حمید کی طرف مڑ کر مضمحل آواز میں بولا۔ ''اچھا تم دوسرے کمرے میں جاؤ۔ میں روحی سے اس مسئلے پر تنہائی میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔''

''ہرگز نہیں۔ اگر آپ نے میری عدم موجودگی میں انہیں گولی ماردی تو میں کیا کروں گا۔''

''اچھا تو کیا تمہاری موجودگی میں ایسا نہیں کرسکتا۔'' سر فضل مجید نے آنکھیں نکالیں۔

''چلے جاؤ ساجد.....!'' روحی گھگھیائی۔ ''جو کچھ کہہ رہے ہیں وہی کرو۔ اسی پر ہماری آئندہ زندگی کا انحصار ہے۔''

''آپ کہتی ہیں تو چلا جاتا ہوں۔'' حمید بیساکھی ٹیک کر اٹھتا ہوا بولا۔

اُس نے اپنی آنکھوں میں تشویش کے آثار پیدا کئے تھے اور احمقانہ انداز میں باری باری سے ان دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

پھر جیسے ہی وہ پردہ ہٹا کر دوسرے کمرے میں داخل ہوا کسی نے جھپٹ کر اسے دبوچ لیا۔

بے خیالی میں پہلی ٹکر فرش پر لے آئی تھی اور حملہ آور اُس پر سوار ہو کر اُس کا گلا گھونٹنے لگا تھا۔

حمید اس حملے کے لئے تیار نہ تھا۔ جتنی دیر میں وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتا تو قیر کی گرفت اس کی گردن پر بہت سخت ہوگئی اور اب تو وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتا تھا۔

کانوں میں سیٹیاں سی بجنے لگی تھیں پھر آنکھوں میں اندھیرا بھی چھانے لگا۔

دفعتاً اس نے سر فضل مجید کی گرج سنی۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟ تو قیر الگ ہٹو..... اُسے چھوڑ دو۔ ورنہ گولی ماردوں گا..... یہ دیکھو میرے ہاتھ میں ریوالور ہے۔''

حمید کی گردن پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔

''کھڑے ہو جاؤ۔'' فضل مجید پھر گرجا۔

تو قیر اس پر سے اٹھ گیا۔

''پیچھے ہٹو.....!'' فضل مجید دہاڑا۔

اب تو حمید بھی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

''خدا کی پناہ..... یہ تو دونوں ہی لنگڑے نہیں ہیں۔'' فضل مجید نے کہا اور خود لڑکھڑاتا ہوا دیوار سے جا لگا۔

تو قیر کا چہرہ بالکل سرخ ہو رہا تھا۔ آنکھیں اُبلی پڑ رہی تھیں۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی لال لال انگاروں جیسی آنکھوں سے کچھ بجھائی ہی نہ دے رہا ہو۔

حمید بھی بیساکھی کی مدد کے بغیر اپنے پیروں پر کھڑا تھا۔

''یہ کیا ہو گیا.....؟'' روحی دردناک لہجے میں بولی۔

''میں لنگڑوں سے زیادہ مفید ثابت ہوں گا۔'' حمید تڑ سے بولا۔ ''تم چاہو گی تو ٹانگیں رکھنے کے باوجود بھی تمہارے پیچھے گھستا پھروں گا۔ تم سے کبھی نہ پوچھوں گا کہ اس سے پہلے تم کتنے لنگڑوں سے محبت کر چکی ہو۔''

''چپ ہو جاؤ دغا باز.....!'' روحی دانت پیس کر چیخی۔

''بس اتر گیا محبت کا نشہ.....!'' سر فضل نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''آپ مطمئن رہئے محترم۔'' حمید جلدی سے بولا۔ ''شادی کے بعد بھی یہ دو چار لنگڑوں سے محبت کر سکیں گی مجھے اعتراض نہ ہوگا۔''

''شٹ اپ.....!'' روحی اور اُس کا ڈیڈی بیک وقت چیخے تھے۔

''ابے تو چپ رہتا ہے یا نہیں۔'' تو قیر پھر حمید پر جھپٹ پڑا۔ لیکن اس بار سر فضل نے کچھ نہ کہا۔ ریوالور والا ہاتھ بھی اس نے نیچے جھکا دیا تھا۔

حمید اس بار پوری طرح ہوشیار تھا۔ اُس نے بائیں جانب ہٹ کر الٹا داہنا ہاتھ اس کی کنپٹی پر جڑ دیا۔ یہ ہاتھ ایسا سدھا ہوا تھا کہ بھینسا بھی اپنی جگہ سے ہل تو ضرور جاتا۔ لیکن تو قیر پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے وہ ہاتھ کسی ستون پر پڑا ہو۔

تو قیر پھر اس کی طرف گھوما اور حمید نے پینترہ بدلنے کی کوشش کی ہی تھی کہ تو قیر کی ٹانگ چل گئی اور وہ لڑکھڑا کر دیوار سے جا ٹکرایا۔

دفعتاً سر فضل کی آواز گونجی۔ ''مجھے بتاؤ کہ تم دونوں کیا بلا ہو۔ ورنہ زندہ دفن کردوں گا۔''

توقیر جہاں ہو وہیں ٹھہرو..... میں بڑی بے دردی سے گولی مار دیتا ہوں۔''

''مجھے سمجھنے کی کوشش کیجئے ڈیڈی۔'' توقیر نے نرم لہجے میں کہا۔

''تمہیں اب کیا سمجھنے کی کوشش کروں..... ساجد تم بھی اپنی جگہ ٹھہرو..... ہلنا نہیں ورنہ تم جانو۔''

حمید دیوار سے لگا کھڑا رہ گیا کیونکہ سر فضل کا ریوالور پھر ان دونوں کی طرف اٹھ گیا تھا۔

توقیر نرم لہجے میں بولا۔ ''ڈیڈی..... یہ بات اس کمرے سے باہر نہیں نکلے گی کہ میں لنگڑا نہیں ہوں۔''

''تمہیں تو میں جیل بھجواؤں گا۔'' سر فضل غرایا۔

اس پر توقیر مسکرا کر بولا۔ ''جیسے میں تو تمہارے کرتوتوں سے واقف ہی نہیں۔''

حمید نے سر فضل کو چونکتے دیکھا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر توقیر کو گھور رہا تھا۔

پھر دفعتاً وہ توقیر کے دل کا نشانہ لیتا ہوا بولا۔ ''میں سمجھ گیا۔ تم کوئی سرکاری جاسوس ہو۔''

توقیر ہنس پڑا اور حمید کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''میں تو نہیں لیکن یہ ضرور ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''مجھے شبہ تھا اسی لئے اس کی ناکارہ ٹانگ کا طبی معائنہ کرایا تھا۔''

''لیکن ڈاکٹر نے تو اسے ناکارہ ہی قرار دیا تھا۔'' روحی بولی۔

''پھر بھی..... آپ دیکھ ہی رہی ہیں اسے.....!''

''میں تو تمہیں بھی دیکھ رہی ہوں.....!'' روحی زہریلے لہجے میں بولی۔

''تم ملازمین کو دیکھو۔'' فضل مجید توقیر اور حمید کو گھورتا ہوا روحی سے بولا۔ ''میں انہیں یہیں ختم کروں گا۔''

''بہت احتیاط سے ڈیڈی۔''

''تم بے فکر رہو۔'' فضل مجید نے کہا اور روحی اس کمرے سے چلی گئی۔

حمید نے ابھی تک توقیر کے چہرے پر بے اطمینانی یا الجھن کے آثار نہیں دیکھے تھے۔ وہ اس طرح کھڑا تھا جیسے کسی بہت زیادہ دلچسپ گفتگو میں حصہ لے رہا ہو۔

دفعتاً اُس نے ہنس کر کہا۔ ''سر فضل! میں نے روحی کے احترام میں تم سے کھل کر گفتگو نہیں کی تھی۔ تم کم از کم مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''تم آخر سرکاری جاسوسوں سے کیوں خائف ہو۔ ہمیں سرکاری جاسوس ہی سمجھ کر مار کیوں ڈالنا چاہتے ہو۔''

''تم کیا کہنا چاہتے ہو؟'' فضل مجید غرایا۔

''یہی کہ معمولی سی مشابہت ہر ایک کو دھوکہ نہیں دے سکتی۔''

''کیا مطلب.....؟''

''تم سر فضل مجید سابق والئی بونگا اسٹیٹ نہیں ہو۔''

''آ.....ہم.....!'' فضل مجید نے طویل سانس لی۔

''لیکن تم اس کی پرواہ نہ کرو۔ مجھے روحی سے بے اندازہ محبت ہے اور میں قانونی طور پر اُسے اپنا بنانا چاہتا ہوں۔''

''بکواس کر چکے تم..... اب مجھے بھی کچھ کہنے دو۔''

''میں سن رہا ہوں.....!'' توقیر نرم لہجے میں بولا۔

''تم بھی کوئی اچھے آدمی نہیں معلوم ہوتے۔ ورنہ لنگڑے پن کا ڈھونگ کیوں رچاتے۔''

''میں کب کہتا ہوں کہ میں اچھا آدمی ہوں۔''

''لیکن میں فضل مجید والئی بونگا اسٹیٹ ہی ہوں۔''

توقیر نے زہریلے لہجہ میں قہقہہ لگایا اور بولا۔ ''میری معلومات بہت وسیع ہیں دوست! سر فضل مجید اس وقت مغربی برلن میں الیکٹرونکس میں سر کھپا رہا ہوگا۔''

''میں اب تمہیں کسی قیمت پر بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

''میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ اتنی آسانی سے مار لیا جاؤں..... میرا نام توقیر ہے اور یہ بھی سنو کہ تمہارے کرتوتوں سے بھی بخوبی واقف ہوں۔ بیگم نصیر کے پرس سے تجوری کی کنجی تم نے ہی پار

کی تھی۔ یاد کرو جب میں نے تم لوگوں کو اپنے پکائے ہوئے مرغ کھلائے تھے اور پہلی بار میرا تعارف تم لوگوں سے ہوا تھا۔ اسی دن بیگم نصیر کی تجوری سے ہیروں کے دو ہار غائب ہوئے تھے۔"

"روحی کی واپسی تک بکواس کرلو۔ وہ ملازمین کا انتظام کرنے گئی ہے اس کے بعد....."

ہونہہ..... یہ ریوالور بے آواز ہے۔ نال پر چڑھا ہوا سائیلنسر تو تم پہچانتے ہی ہو گے۔"

"تیز آدمی معلوم ہوتے ہو۔ میں تمہیں اپنا بزنس پارٹنر بننے کی پیش کش بھی کرتا ہوں۔"

توقیر مسکرا کر بولا۔

"بزنس پارٹنر.....!"

"ہاں..... آں..... بہت لمبا بزنس ہے میرا۔ اربوں تک نوبت پہنچ جاتی ہے بعض اوقات۔"

"ذرا میں بھی تو سنوں۔"

"پورے مڈل ایسٹ اور فار ایسٹ کے کچھ حصے کا بے تاج بادشاہ سمجھ لو مجھے۔"

"منشیات کی تجارت.....؟" سر فضل نے پوچھا۔

"منشیات کے علاوہ بھی..... سونا اور جواہرات.....!"

"پھر یہ کون ہے؟" سر فضل نے حمید کی طرف اشارہ کیا۔

اتنے میں روحی واپس آ گئی۔

"کیا رہا.....!" سر فضل نے پوچھا۔ جواب میں روحی نے کہا۔ "بے ہوشی ملادی تھی کافی میں۔ تینوں بے ہوش پڑے ہیں۔"

"ویری گڈ..... اب میرے پیچھے کھڑی ہو جاؤ..... میں ان دونوں کا خاتمہ کئے دیتا ہوں۔ خطرناک لوگ معلوم ہوتے ہیں۔ ہم نے بڑا دھوکہ کھایا۔"

"آخر تم کس طرح مطمئن ہو سکتے ہو۔" توقیر نے پرسکون لہجے میں پوچھا۔

اگر میں تمہارے بیان پر یقین بھی کرلوں اور تمہارا پارٹنر بننا بھی منظور کرلوں تو اس کی ضمانت ہے کہ تم بعد کو مجھے اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش نہ کرو گے۔

توقیر کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔ "اس کی تدبیر بھی ہو سکتی ہے۔ ہم دونوں ہی اپنے

جرائم کے اعتراف نامے ایک دوسرے کے حوالے کر دیں۔ اس طرح ہم دونوں ہی کی کور ایک دوسرے سے دبتی رہے گی۔"

"چلو یہ ٹھیک ہے۔ بہت اچھی تجویز ہے۔" سر فضل سر ہلا کر بولا۔

"لیکن یہ بھی ذہن نشین کرلو کہ میں یہ سب کچھ روحی کے حصول کے لئے کر رہا ہوں۔"

"کیا حرج ہے ڈیڈی۔" روحی بول پڑی۔ "بقیہ دنیا کے لئے تو یہ اس کے بعد لنگڑے ہی ہوں گے۔ میں بھی لنگڑا سمجھوں گی۔"

"بڑی اعلیٰ نسل کی کتیا معلوم ہوتی ہو۔" حمید بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"شٹ اپ.....!" سر فضل اور توقیر بیک وقت دہاڑے اور پھر سر فضل غرایا۔ "کیوں نہ اسے ختم کر دیں۔"

"ابھی نہیں۔" توقیر نے حمید کو گھورتے ہوئے کہا۔ "یہ بھی تو دیکھنا ہے کہ یہ حقیقتاً کون ہے؟"

"تو پھر.....؟"

"اسے باندھ کر یہیں ڈال دیں اور جو بات زبانی طور پر ہوئی ہے اُسے تحریر میں آ جانے کے بعد میں اسے دیکھ لوں گا۔"

ذرا ہی سی دیر میں روحی اور توقیر نے اُسے باندھ کر ایک طرف ڈال دیا۔

حمید بڑی گھٹن محسوس کر رہا تھا۔ لڑ جانا چاہتا تھا لیکن اپنی جانب اٹھے ہوئے ریوالور کی نال بھی اُسے صاف نظر آ رہی تھی۔

روحی نے اپنے وینٹی بیگ سے قلم نکالا اور پھر شائد کاغذ کی تلاش میں باہر چلی گئی۔

توقیر اور سر فضل خاموش کھڑے تھے۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ہی سادہ کاغذ کے شیٹ لئے الگ الگ بیٹھے نظر آئے۔ ان کے قلم تیزی سے چل رہے تھے۔ پندرہ منٹ بعد دونوں نے تحریروں کا تبادلہ کیا اور انہیں بغور پڑھنے لگے۔

"بہت بڑے بڑے کارنامے ہیں۔" توقیر طویل سانس لے کر بولا۔

''تم کس سے کم ہو۔'' سر فضل مجید اُسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

دونوں نے ایک دوسرے کے اعتراف نامے تہہ کر کے جیب میں رکھ لئے۔

''دوستی کا ہاتھ.....!'' تو قیر اس کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔

سر فضل نے گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ''طاقت دکھا رہے ہو۔''

''کیا حرج ہے۔'' تو قیر مسکرایا۔ ''روحی اکثر تمہاری جسمانی قوت کی کہانیاں سناتی رہی ہے۔ ہم ایک دوسرے کے جرائم سے تو واقف ہی ہو گئے ہیں..... کیوں نہ ایک دوسرے کی طاقت کا بھی اندازہ کر لیں۔''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں تو قیر.....!'' سر فضل نے کہتے ہوئے جھٹکا دیا اور تو قیر اُس سے آ ٹکرایا۔ پھر دوسرا دھکا اُسے سامنے والی دیوار تک لے گیا۔ حمید ایسی پوزیشن میں پڑا ہوا تھا کہ انہیں بخوبی دیکھ سکتا تھا۔

اس نے تو قیر کی آنکھوں میں شدید ترین جھلاہٹ کے آثار دیکھے۔ وہ غراتا ہوا سر فضل کی طرف بڑھا۔

''اب میرا بھی ایک ہاتھ سنبھالو..... میں غافل تھا۔''

''آؤ..... آؤ.....!'' سر فضل نے پرسکون لہجے میں کہا۔ اُدھر روحی حمید کی طرف جھپٹی اور اُس کے سرہانے بیٹھ کر اس کا سر اپنے زانوں پر رکھ لیا اور سر سہلاتی ہوئی بولی۔ ''انہیں زور آزمائی کرنے دو۔ اس وقت تو تم لنگڑوں سے بھی بدتر نظر آ رہے ہو۔ اس لئے مجھے تم پر پیار آ رہا ہے۔''

''تم کتیا سے بھی بدتر ہو..... اپنی مثال آپ..... اپنی قسم کی پہلی لڑکی..... مجھے بڑا ناز تھا اپنی اس صلاحیت پر کہ میں عورتوں کو سمجھ سکتا ہوں۔ لیکن..... لیکن اب میں اپنے انجام سے بے پروا ہو کر صرف تمہیں سمجھنا چاہتا ہوں۔ اور یہ کیا..... یہ تو سچ مچ مرنے مارنے پر آمادہ نظر آ رہے ہیں۔''

''اُدھر مت دیکھو تم.....!'' روحی نے بدستور اس کا سر سہلاتے ہوئے کہا۔ ''بہت اچھے لگ رہے ہو اس وقت..... بہت پیارے..... کاش میں ڈیڈی کی موجودگی میں تمہیں پیار کر سکتی۔''

''کاش میرے ہاتھ آزاد ہوتے اور میں تمہارا گلا گھونٹ سکتا۔''

''اسی وجہ سے تو پیارے لگ رہے ہو کہ تمہارے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔''

''یہ کیا کر رہے ہو۔'' دفعتاً تو قیر چیخا۔

''اب تمہارے دونوں پیر بیکار کر رہا ہوں..... تو قیر.....!''

سر فضل کی آواز سنائی دی، ساتھ ہی ایک بہت ہی کریہہ چیخ بھی کمرے کی محدود فضا میں گونجی۔

یہ سب کچھ ہو گیا لیکن روحی حمید کا سر سہلاتی رہی۔

''میں پاگل ہو جاؤں گا۔'' حمید بڑبڑایا۔

''ڈیڈی نے اس کے دونوں پیر بیکار کر دیئے..... اب میں اُسے پہلے سے زیادہ چاہوں گی۔ ٹخنے اکھاڑ دیئے ہوں گے۔ اس فن کے ماہر ہیں ڈیڈی۔'' اتنا کہہ کر اس نے جو حمید کے سر کے نیچے سے زانو ہٹایا تو حمید کی آنکھوں میں تارے ناچ گئے۔ سر فرش سے ٹکرایا تھا۔ پھر وہ شدید ترین تکلیف میں مبتلا ہونے کے باوجود بھی ہنس پڑا۔ کیونکہ اب وہ تو قیر کا سر اپنے زانو پر رکھے سہلا رہی تھی۔ تو قیر کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ فرش پر چت پڑا تھا۔

سر فضل قریب ہی کھڑا کہہ رہا تھا۔ ''واقعی تم بہت جیالے ہو تو قیر کہ بے ہوش نہیں ہوئے۔ تمہارے دونوں ٹخنے اکھڑ گئے ہیں اور تم اُسوقت تک اپنے پیروں پر نہیں کھڑے ہو سکو گے جب تک وہ بٹھا نہ دیئے جائیں۔''

لیکن وہ کچھ دیر پہلے والے فضل مجید کی آواز تو نہیں تھی۔

''کیا.....؟'' حمید کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی۔

''فکر کی بات نہیں ہے فرزند.....!'' اس نے فریدی کی اصل آواز سنی۔

''تو قیر کا یہ خیال کیسے غلط ہو سکتا ہے کہ میں فضل مجید کی نقل ہوں۔''

''یعنی..... تو یہ تو قیر.....!''

''ہاں..... عرصہ ہوا اس نے کہا تھا کہ اس کے خلاف کبھی کوئی جرم ثابت نہ کیا جا سکے گا اور پھر اس نے یہ بات مجھ سے کہی تھی۔ لہٰذا تم دیکھ ہی چکے ہو کہ اُس نے خود ہی اپنے جرائم کی

فہرست اپنے دستخط سمیت میرے حوالے کی ہے۔''

''تو کون ہے.....؟'' تو قیر پھنسی پھنسی سی آواز میں چیخا۔

''احمد کمال فریدی.....اور میرا تعلق مرکزی محکمہ سراغ رسانی سے ہے۔''

پھر وہاں قبرستان کا سا سناٹا چھا گیا۔ روحی بھی تو قیر کے پاس سے ہٹ آئی تھی۔

''اور یہ.....!'' کچھ دیر بعد فریدی بولا۔ ''کیپٹن ساجد حمید میرا اسسٹنٹ ہے۔''

''لل.....لیکن.....روحی.....!'' حمید ہکلایا۔

''لیڈی انسپکٹر ریکھا.....تم کتنے احمق ہو.....قریب سے بھی اُسے میک اپ میں نہیں پہچان سکتے۔''

''جی.....!'' حمید جلے کٹے لہجے میں بولا۔ ''اب مجھے آپ کے اس کمال کی تقریباً ایک ہزار بار تعریف کرنی چاہئے۔''

دوسرے دن کرنل فریدی حمید سے کہہ رہا تھا۔ ''تم اُلو ہو۔ میں جب اور جس طرح چاہوں تمہیں استعمال کر سکتا ہوں۔ اگر براہِ راست تمہیں اس کام پر مامور کرتا تو تم سے حماقتیں سرزد ہوتیں۔ نہ تم روحی میں اجنبیت محسوس کر سکتے اور نہ اداکاری میں حقیقت کا رنگ بھر سکتے۔ ریکھا محض تمہیں دکھانے ہی کے لئے اُن لوگوں کی راہ روکتی تھی۔ جو اس دیوانے کو پکڑنے کی کوشش کرتے تھے۔ مقصد تھا کسی طرح وہ تمہیں اپنی طرف متوجہ کرے اور تم اس کے پیچھے لگ جاؤ۔ آر لیچو واالا دھما کہ اسی مقصد میں مزید زور پیدا کرنے کے لئے ہوا تھا۔ البتہ آصف کا زہریلا مادہ مجرموں ہی نے پھینکا تھا۔ یہ ایک لمبی کہانی ہے حمید صاحب۔ پانچ سال سے چل رہی تھی۔ مختلف اوقات میں اس کی کڑیاں بھی ملاتا رہتا تھا۔ تو قیر یہاں کا ایک بڑا تاجر تھا۔

ھی مڈل ایسٹ میں رہتا تھا اور کبھی یہاں آ جاتا تھا۔ پانچ سال پہلے کی بات ہے کہ لنگڑا بن کر پس آیا۔ مشہور کیا کہ اُس پر فالج کا حملہ ہوا تھا ایک ٹانگ بیکار ہوگئی۔ اس بار وہ منشیات کی جائز تجارت کا جال پھیلا کر آیا تھا۔ اس طرح کہ عام کارکنوں کو علم نہ ہو سکے کہ تجارت کا اصل ک کون ہے۔ میں نے چھان بین کی تو سلسلہ تو قیر تک پہنچا۔ لیکن کوئی واضح ثبوت نہ تھا اس ے خلاف اور پھر یہ ایک منسٹر کا بھتیجا بھی تھا۔ دال نہ گل سکی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ لنگڑا بھی نہیں ہے۔ لیکن بغیر کوئی ثبوت ہاتھ آئے اس کا میڈیکل ایکزامینیشن بھی نہیں کرایا جا سکتا تھا۔ لہٰذا ں نے یہ تدبیر اختیار کی۔ لنگڑا بن جانے کے بعد سے وہ عورتوں کی صحبت کو ترس گیا تھا۔ لیکن گوشہ نشینی اختیار کرنے کے بعد سے وہ کسی ایسی عورت کی تلاش میں تھا جو اس سے محبت بھی کر سکے۔ میں نے خود کو سر فضل مجید کی حیثیت سے اس کے حلقہ احباب میں متعارف کرانا شروع کیا۔ ریکھا میری بیٹھی بنی۔ ڈھکے چھپے انداز میں تو قیر پر یہ بھی ظاہر کرتا رہا کہ میں بھی یک عادی مجرم ہوں۔ اُدھر ریکھا بھی اس میں دلچسپی لیتی رہی اور وہ اس پر ہزار جان سے ریفتہ ہوگیا۔ اس کی حالت تو تم دیکھ ہی چکے ہو۔ ریکھا کو میں نے محض اس لئے شریک کیا تھا س کیس میں کہ تو قیر کبھی اور کسی موقع پر اپنے مصنوعی لنگڑے پن کو بھول جائے۔ بس اسی جگہ وہ پوری طرح میری گرفت میں آ جاتا۔ میرا خیال تھا کہ عورت سے متعلق فطری تقاضے اُسے اس قسم کی بوکھلاہٹ میں مبتلا کر سکیں گے کہ وہ کسی نقطے پر اپنا لنگڑا پن قطعی بھلا بیٹھے لیکن تم اُسے رات دیکھ ہی چکے ہو کہ وہ کس طرح اپنا لنگڑا پن برقرار رکھے تھا۔ اس رات وہ سب کچھ پہلی بار نہیں تھا۔ ریکھا اس سے پہلے بھی اس قسم کے حربے اس پر استعمال کر چکی تھی۔ پھر میں نے سوچا کہ وہ رقابت ہی کا جذبہ ہوگا جو اُسے راستے پر لا سکے۔ لہٰذا تمہیں اس طرح الجھانے کی کوشش کی گئی کہ تمہیں اصل بات کا علم نہ ہو سکے۔''

''اگر سچ مچ میرا دم گھٹ جاتا تو.....!'' حمید نے جل کر کہا۔

''اتنی مہلت کب دیتا اُسے۔ سب کچھ میرے اندازے کے مطابق ہوا تھا۔''

''تصویر.....اور تصویر کے دشمن کا کیا چکر تھا۔''

''وہ چکر بھی توقیر کا ہی چلایا ہوا تھا۔ لیکن میں نے اس کی طرف سے آنکھیں قطعی بند کر لی تھیں۔ منشیات کی ناجائز تقسیم کی روک تھام کے لئے عرصہ سے شہر میں سفید پوش کانسٹیبلوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ کچھ دنوں تک توقیر کا گروہ تقسیم کاری کی دشواریوں میں مبتلا رہا۔ پھر اس نے یہ تدبیر کی۔ دیوانہ کتاب اٹھا کر بھاگتا تھا اور عوام کے سفید پوش کانسٹیبل بھی اس کے پیچھے دوڑ پڑتے تھے اور گروہ والوں کو موقع مل جاتا تھا کہ منشیات کے اسٹاک اڈوں پر پہنچا دیں۔''

''لیکن وہ لوٹ مار.....!''

''میرا خیال ہے کہ معمولی چوروں اور اچکوں کی بھی بن آئی تھی ان مواقع پر۔ توقیر کا گروہ اس میں پڑ کر مزید خطرات مول لینے کی جرأت نہ کرتا۔ بہرحال اس دیوانے کو بہت زیادہ پُراسرار بنانے کے لئے ایک مصنف کی ایک ہی کتاب کی کاپیاں اٹھوائی جاتی رہی ہیں اور کتاب کا صرف سرورق پھاڑا جاتا اور کتاب کی قیمت بھی کسی نہ کسی طرح دوکاندار کو بھجوا دی جاتی۔ یہ سب محض اس لئے تھا کہ پولیس اس معمے کو حل کرنے کے چکر میں پڑی رہے اور وہ لوگ بہ آسانی نشہ آور چیزیں تقسیم کے اڈوں تک پہنچاتے رہیں۔ بہرحال توقیر گرفت میں آ ہی گیا۔ اس کا اعتراف جرم تحریر کی شکل میں میرے پاس موجود ہے اور اس کمرے کی ساری کہانی ٹیپ ریکارڈ پر بھی ریکارڈ ہوتی رہی تھی۔ اگر اس نے اعتراف نامے کو پولیس کے جبر کا نتیجہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی تو ریکارڈ کیا ہوا ٹیپ اُسے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھنے دے گا۔''

''اس ساحلی ہوٹل میں ایک جہاز راں سے آپکا جھگڑا کیوں ہوا تھا؟'' حمید نے پوچھا۔

''وہ سارا سٹ اپ تمہیں الجھانے کے لئے تھا۔ وہ چاروں جہاز راں بلیک فورس کے ممبر تھے۔ اسکیم یہ تھی کہ وہ پٹ کر تمہاری گاڑی لے بھاگے گا اور تم مجبوراً میری گاڑی میں آ بیٹھو گے اور میں تمہیں وہ دکھاؤں گا جو دکھانا چاہتا تھا۔ اس کا انتظام بھی پہلے ہی سے کر لیا تھا کہ وہاں کوئی تیسری گاڑی پارک نہ ہونے پائے۔''

''اللہ رحم کرے میرے حال پر.....!'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''اب احساس ہو رہا ہے مجھے کہ میں ایشیا کا عظیم ترین بدھو ہوں۔''

حمید آفس کے کمپاؤنڈ کے پھاٹک پر لیڈی انسپکٹر ریکھا کا منتظر تھا۔ وہ اسکوٹر پر آتی تھی حمید کا ارادہ تھا کہ وہ آصف تک پہنچنے کے لئے اس کا اسکوٹر استعمال کرے اور اس طرح رے کہ وہ اسکوٹر چلا رہی ہو اور حمید تماشا بنا اس کے پیچھے بیٹھا ہوا نظر آئے اور اس خواہش کا ن کسی تحکماتی کارروائی سے نہیں تھا بلکہ وہ آصف کی عیادت سے پہلے بہت زیادہ خوش طبعی مظاہرے کا موڈ بنانا چاہتا تھا۔

جیسے ہی ریکھا کا اسکوٹر قریب پہنچا حمید نے بوکھلائے ہوئے انداز میں دونوں ہاتھ ے۔ اُسے اسکوٹر روکنا پڑا۔

''اس وقت کمپاؤنڈ میں کوئی گاڑی موجود نہیں۔ بے حد ضروری ہے کہ آصف سے کچھ معلوم کی جائیں۔ چلو میرے ساتھ۔'' حمید نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں کیوں جاؤں..... تم گاڑی لے جاؤ۔''

''میرے بازوؤں میں سخت درد ہو رہا ہے۔ ہینڈل کو صحیح طور پر گرپ نہیں کر سکوں گا۔''

''اچھا تو بیٹھو.....!'' وہ جھلا کر بولی۔

اسکوٹر دوسری طرف مڑ ہی رہا تھا کہ ریکھا بولی۔ ''میرے جسم سے الگ ہی رہنا۔''

''اور پرسوں رات جو سر سہلا رہی تھیں میرا، زانو پر رکھے..... آہا ٹھیک ہے وہ تو ڈیڈی کی ت سے تھا۔''

''شٹ اپ.....!''

''اچھا یہ بتاؤ اگر وہ سچ مچ اپنے پیروں پر کبھی کھڑا ہو گیا ہوتا تو کیا ہوتا۔''

''سوچے جاؤ احمقوں کی طرح۔''

''کاش میں لنگڑا ہی ہوتا۔ کم از کم شادی پر تو راضی ہو گئی تھیں۔''

''شٹ اپ.....!''

''اس میک اپ میں پھر کبھی ملو گی۔''

''ضرور.....ضرور..... ہائیں.....ارے.....لو کلچ وائر ٹوٹ گیا۔''

اسکوٹر سڑک کے کنارے رک گیا۔ حمید اُتر پڑا۔

''اب کیا کریں..... یہاں آس پاس کسی آٹو پارٹ ڈیلر کی دوکان بھی نہیں۔ اب تم اسے کھینچ کر لے چلو۔''

''میں کھینچوں؟''

''ارے وہ دیکھو اس طرف.... عادل آٹوز.....وہ رہی دوکان.....دوڑ کر کلچ وائر ہی لے آؤ۔''

''لگائے گا کون.....؟''

''دوکاندار سے معلوم کر لینا.....ہوسکتا ہے وہیں کوئی لگا دے اور پھر اس کا لگانا کون سا بڑا مشکل کام ہے۔''

حمید نے جھپٹ کر سڑک پار کی اور پھر جو مڑ کر دیکھا ہے تو احمقوں کی طرح دیکھتا ہی چلا گیا۔ ریکھا نے دوبارہ اسکوٹر اسٹارٹ کیا تھا اور یہ جا وہ جا۔ دیکھتے ہی دیکھتے نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

خوش طبعی رخصت ہوگئی۔ پہلے تو ذہن پر کھسیاہٹ کا حملہ ہوا پھر جھنجھلاہٹ نے رہے سہے موڈ کا بھی بیڑا غرق کر دیا۔

آصف کی عیادت کو تو جانا ہی تھا کیونکہ فریدی کی طرف سے اس کے لئے ہدایت ملی تھی۔

ایک آٹو رکشا میں آصف تک پہنچا۔

وہ چت لیٹا ہوا تھا۔ ایک آنکھ پر پٹی بندھی تھی۔ چہرے کی حالت ابتر ہی تھی۔ انکی آبلے خشک ہو چلے تھے لیکن ان کی مٹیالی رنگت نے چہرے کو عجیب سا بنا دیا۔ حمید کو دیکھتے ہی وہ غرایا ''چلے جاؤ یہاں سے..... مجھے کسی کی ہمدردی کی ضرورت نہیں۔''

''مجھے تو ضرورت ہے کہ بخیر و عافیت رہوں۔ حکم ملا ہے کہ آپ کی عیادت کو جاؤں لہٰذا حاضری دے رہا ہوں۔''

''تم لوگوں کا یہ کمینہ پن زندگی بھر یاد رہے گا۔''

''آپ خواہ مخواہ اپنے ساتھ میرا ذہن بھی تباہ کر رہے ہیں۔ اس گروہ کے ایک کارکن کا تحریری بیان موجود ہے جس نے آپ پر زہریلا مادہ پھینکا تھا۔ مقصد صرف یہی تھا کہ پولیس اس دیوانے کا معمہ حل کرنے میں لگی رہے۔''

''وہ لڑکی پکڑی گئی یا نہیں۔''

''میں پکڑا گیا تھا اور وہ لڑکی میرا سر سہلا رہی تھی اور ابھی کچھ دیر پہلے ہی مجھے بھی چھوڑ جاگی ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اب آپ جلدی سے اچھے ہو جایئے پھر سارے پرائیویٹ حالات کھول کھول کر بیان کر دیئے جائیں گے۔''

آصف بُرا سا منہ بنائے ہوئے پڑا رہا.....اور حمید سوچ رہا تھا کہ عیادت میں کم سے کم کتنا وقت صرف کیا جانا چاہئے۔

ختم شد

ابنِ صفی

جلد نمبر
34

جاسوسی دنیا

100- دیو پیکر درندہ

101- ٹسڈل کی بیداری

102- خوفناک منصوبہ



جاسوسی دنیا نمبر 100

دیو پیکر درندہ

(پہلا حصہ)

وقار عظیم
پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

پیشرس

جاسوسی دنیا کا آئرن جوبلی نمبر ''دیو پیکر درندہ'' حاضر ہے۔

مجھے بے حد افسوس ہے کہ اسے پیش کرنے میں بہت تاخیر ہوئی۔ لیکن کیا کیا جائے۔ انسانی ذہن ہی ہے۔ بعض الجھنیں اور بعض صدمے ایسے ہوتے ہیں جو اسے کسی کام کا نہیں رکھتے۔ میرے والد صاحب چھ سات ماہ سے شدید علیل تھے بالآخر ۲۷/جون ۱۹۶۷ء کو معبود حقیقی سے جاملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُوْنَ

اُن کی علالت کے سلسلے میں آئے دن نت نئی پیچیدگیوں کا سامنا ہوتا تھا۔ ذہن اُن میں الجھا تھا اور میرا اپنا کام جہاں تہاں رہ جاتا تھا۔

ایسے ہی حالات میں یہ کہانی مکمل ہوئی ہے۔ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ یہ اس نمبر کے شایان شان ہے بھی یا نہیں۔ ویسے میں نے کوشش تو یہی کی ہے کہ میرا اپنا معیار برقرار رہے۔

کہانی اگر پسند آجائے تو فبہا ورنہ میرے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے مجھے معاف کردیجئے گا۔

والسلام

ابن صفی

۰۱_۰۸_۶۷

سفر

فریدی سو رہا تھا..... کسی قسم کی آواز پر جاگ اٹھا۔ کوئی دروازہ پیٹ رہا تھا۔ وہ چپ چاپ اٹھا اور دروازہ کھول دیا۔

ایک طویل قامت اجنبی سامنے کھڑا تھا۔ فریدی پلک جھپکائے بغیر اُسے دیکھتا رہا۔ متحیر تھا کہ وہ کس طرح اس کی خواب گاہ تک پہنچا ہوگا۔

اجنبی نے مسکرا کر کہا۔ ''تمہارے رکھوالی کے السیشین مجھ سے مانوس ہیں۔''

''میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔''

''مجھے کوئی بھی نہیں پہچان سکتا۔'' اجنبی کا لہجہ بے حد مغموم تھا۔

''اندر آجایئے..... کیا سنتریوں نے بھی آپ کو نہیں ٹوکا.....!''

''میں کئی معاملات میں تمہارا راز دار ہوں بیٹے۔'' اجنبی نے گلوگیر آواز میں کہا۔

لہجہ کچھ جانا پہچانا سا محسوس ہوتا تھا۔ فریدی پیچھے ہٹا اور اسے کرسی پیش کی۔

وہ طویل سانس لے کر بیٹھ گیا اور بولا۔ ''بیٹے کہہ کر مخاطب کرنا تمہیں ناگوار گزرا ہوگا۔ کیونکہ تمہارا ہم عمر ہی لگتا ہوں۔''

فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سر کو اثباتی جنبش دی۔

''میں نے ابھی یہ بھی کہا تھا کہ بعض معاملات میں تمہارا راز دار ہوں۔''

''آپ نے کہا تھا.....؟'' فریدی سر ہلا کر بولا۔

''میں جانتا ہوں کہ جب تم کسی کے علم میں لائے بغیر کوٹھی سے باہر جانا چاہتے ہو تو کون سا

راستہ استعمال کرتے ہو۔''

''مجھے اس پر حیرت ہی ہونی چاہئے۔'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''میں بہت بڑی دشواری میں پڑ گیا ہوں۔ کوئی بھی ایسا نہیں جو مجھے یا میری دشواریوں کو سمجھ سکے۔''

فریدی اُسے ایسے انداز میں دیکھتا رہا جیسے اس کے بعد کے جملے کا بھی منتظر ہو۔

''تم کیا سمجھتے ہو۔'' وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''میں کون ہوں؟''

''یادداشت پر بہت زیادہ زور دینے کے باوجود بھی میں آپ کو نہیں پہچان سکا۔'' فریدی کے لہجے سے ندامت کا اظہار ہو رہا تھا۔

''میں تمہارا ڈی آئی جی ہوں۔'' وہ کرسی سے اٹھ کر پرجوش انداز میں بولا۔

''جی.....!'' فریدی کی آنکھیں پر تمسخر انداز میں آہستہ آہستہ پھیل گئیں۔ اور ''جی'' ضرورت سے کچھ زیادہ ہی طویل ہو گیا۔

''کم از کم تمہیں تو یقین کرنا ہی پڑے گا۔ قطعی طور پر..... یہ آخری حد ہے..... اگر تم نے یقین نہ کیا تو مجھے خودکشی کرنی پڑے گی۔''

فریدی براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھے جا رہا تھا۔

''ہاں..... میں یہی چاہتا ہوں۔'' اجنبی بولا۔ ''اب تم جو کچھ بھی کہو سوچ سمجھ کر کہو..... اسی پر میری زندگی کا انحصار ہوگا۔ میں تنگ آ گیا ہوں۔''

''چلئے..... میں خاموش ہی رہوں گا۔ آپ اپنا بیان جاری رکھئے۔''

''خدا کے لئے ایسا لہجہ اختیار نہ کرو۔'' اجنبی ہاتھ اٹھا کر مغموم انداز میں بولا۔

''نہیں میں سنجیدہ ہوں۔''

''تم جانتے ہو کہ میں تین ماہ کے لئے بچوں سمیت وادی سرخاب گیا تھا۔''

''آپ.....!'' فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ہاں..... میں.....!''

''لیکن میں کیسے یقین کر لوں۔ آپ کا قد.....!''

''اوہ..... تو تم یہ سمجھتے ہو کہ میں میک اپ میں ہوں۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔

''میں میک اپ میں نہیں ہوں..... میرے ساتھ وہ حادثہ ہوا ہے کہ جس کا جواب دنیا کی تاریخ میں نہیں ملے گا۔''

فریدی حیرت سے آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھ رہا تھا۔ اجنبی بھی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ دفعتاً فریدی بولا۔ ''میں ابھی یہی سوچ رہا تھا کہ انداز گفتگو کچھ جانا پہچانا سا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن آواز.....؟''

''میرا سب کچھ بدل گیا ہے۔ خود مجھے اپنی آواز اجنبی اجنبی سی لگتی ہے۔''

''لیکن لہجہ.....!''

''میں نے اس پر غور نہیں کیا.....؟'' اجنبی بولا۔

دفعتاً فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ''اصل مقصد بیان کرو۔''

اجنبی کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آئے اور پھر اس کی آنکھیں بے حد مغموم نظر آنے لگیں اور اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''اب مجھے مرنا ہی پڑے گا۔''

فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا اب وہ اُسے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اجنبی نے کہا۔ ''آخر تم کس طرح یقین کرو گے کہ میں وہی ہوں۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ.....!'' فریدی جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گیا۔

''کہو..... کہو..... خاموش کیوں ہو گئے۔''

''کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔''

''اس کا مطلب یہ ہے کہ کشمکش میں پڑ گئے ہو۔''

''یقیناً.....!'' فریدی سر ہلا کر بولا۔

''کس بناء پر.....؟''

''آپ کا لہجہ اور حرکات وسکنات! لہجے کی نقل تو خیر اتاری جاسکتی ہے۔لیکن غیر شعور طور پر جو حرکات سرزد ہوتی ہیں اس کو مستقل طور پر ذہن میں رکھنا قریب قریب ناممکن ہے مثال کے طور پر میرے ڈی آئی جی صاحب جب بھی کسی الجھن میں ہوتے ہیں تو بائیں کا کی لو بائیں ہاتھ کی چٹکی سے مسلسل مسلتے رہتے ہیں اور داہنے پیر کے جوتے کی ٹو رہ رہ کر اٹھ ہے اور زمین سے لگتی ہے۔''

''خدا کی قسم تمہیں یقین آجائے گا۔'' اجنبی خوشی کے مارے اچھل پڑا اور پھر مضطربا انداز میں بولا۔''مجھے یقین تھا..... مجھے یقین تھا کہ تم اس معاملے پر سنجیدگی سے غور کرو گے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔حیرت زندہ نظروں سے اُسے دیکھے جارہا تھا۔

''پوچھو.....! مجھ سے کوئی ایسی بات پوچھو۔'' اجنبی مضطربانہ انداز میں بولا۔''جس کا علم میرے اور تمہارے علاوہ اور کسی کو بھی نہ رہا ہو۔''

فریدی نے سر کو اثباتی جنبش دی اور سگار کیس سے سگار نکال کر اُس کی طرف بڑھاتا ہو بولا۔''آپ کو..... یہ سگار پسند تھے۔''

''ہاں..... مجھے پسند تھے۔اب بھی پسند ہیں۔لیکن میں ترس رہا ہوں۔ذہن تمباکو کی پیاس بڑی شدت سے محسوس کرتا ہے۔میں پیتا ہوں لیکن ایک کش سے زیادہ نہیں لے سکتا۔ کیونکہ وہی کش میرے سینے کو چھیل کر رکھ دیتا ہے اور میں دوسرا کش نہیں لے سکتا۔''

فریدی اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔اس کے خاموش ہوتے ہی بولا۔''پھر بھی..... لیجے ایک ہی کش سہی۔!''

وہ اس سے سگار لے کر سلگانے لگا۔دو تین کش لئے اور فریدی کی طرف دیکھ کر مسکرا ہوا بولا۔''دھواں حلق سے نیچے اتارنے کی ہمت نہیں رکھتا۔''

''خیر..... یونہی سہی..... آپ نے یہاں سے روانہ ہوتے وقت کیس جی آر تھری کس کے سپرد کیا تھا؟''

''پولیس پی کرائمز کے.....اور یہ تمہارے ہی مشورے پر ہوا تھا۔''

یہ ایسا حوالہ تھا جس کے صحیح جواب پر وہ چونکے بغیر نہ رہ سکا اور پھر تو اس نے سوالات کی بوچھاڑ کردی۔لیکن ایک بھی ایسا جواب مارک نہ کرسکا جو غیر تشفی بخش ہوتا۔''

''میری سمجھ سے باہر ہے یہ معاملہ.....!'' فریدی کچھ دیر بعد بڑبڑایا۔

''مجھے خوشی ہے کہ تم اس پر سنجیدگی سے غور کررہے ہو۔'' اجنبی بولا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔

اجنبی نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔''کتنی بڑی ٹریجڈی ہے ہم دونوں ایک دوسرے کو گھورتے ہوئے قریب سے گزر جاتے ہیں۔''

''کون دونوں.....؟''

''میں اور میرا جسم.....!''

''کیا مطلب.....؟''

''میں اور میرا جسم.....تم سمجھتے کیوں نہیں۔وہ جسم جسے تم سلیوٹ کرتے ہو۔''

''یعنی.....ڈی آئی جی صاحب اور آپ دونوں ایک دوسرے کو گھورتے ہوئے قریب سے گزر جاتے ہیں۔''

''ہاں..... بات کو سمجھنے کے لئے تم یہی کہہ سکتے ہو۔''

''کیا میں اپنے اسسٹنٹ کیپٹن حمید کو بھی جگاؤں؟''

''نہیں.....!'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔''ہرگز نہیں.....میں اسے اچھی طرح پہچانتا ہوں۔وہ میرا مضحکہ اڑائے گا کیونکہ جسمانی طور پر مجھے پہچان نہیں سکے گا۔''

فریدی اسے تیکھی نظروں سے گھور رہا تھا۔دفعتاً گونجیلی آواز میں بولا۔''مذاق ختم.....اب تم مجھے اس طرح یہاں آنے کا مقصد بتاؤ گے۔''

اجنبی کے چہرے پر پہلے تو غصے کی سرخی نظر آئی پھر آہستہ آہستہ گہرے اضمحلال نے اس کی جگہ لے لی۔آنکھیں مغموم دکھائی دینے لگی اور وہ صرف اتنا ہی کہہ سکا۔

''فف..... فریدی بیٹے۔'' اور پھر آواز گھٹ کر رہ گئی اور کرسی کے ہتھوں کے گرد اس کی

انگلیاں تشنجی انداز میں کھلنے اور بند ہونے لگیں۔

فریدی اس کے حرکات وسکنات کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ نرم لہجے میں بولا۔ ''تو اب آپ کیا چاہتے ہیں۔''

اجنبی چونک پڑا اور انگلیوں کی وہ تشنجی کیفیت یکلخت زائل ہوگئی۔ اب اُس کی آنکھوں سے حیرت جھانک رہی تھی۔

''آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔

''مجھے میرا جسم واپس چاہئے۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''مجھے اپنے اس جسم کے بارے میں کچھ اور بھی بتایئے۔''

''میرا وہ جسم مجھے اس طرح دیکھتا ہے جیسے میں نے اس سے کچھ چھین لیا ہو۔''

''کیا وہ اس وقت بھی نظر آرہا ہے آپ کو۔''

''فریدی.....!'' اُس کے لہجے میں احتجاج تھا۔

فریدی کے ہونٹوں پر پھر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

اجنبی نے کہا۔ ''تم شائد یہ سمجھتے ہو کہ میں کسی آسیبی خلل کا شکار ہوا ہوں۔''

''پھر میں کیا سمجھوں جناب؟''

''کیا مجھے علم نہیں کہ تم ضعیف الاعتقاد لوگوں میں سے نہیں۔'' اجنبی کسی قدر تلخ لہجے میں بولا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ اب وہ اُسے خالی خالی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اُسے کھانسی آگئی اور جھنجھلاہٹ میں اُس نے سگار کو ایش ٹرے میں مسل دیا اور پھر جھینپی جھینپی ہنسی کے ساتھ بولا۔

''یہ حشر ہوتا ہے اگر دھواں حلق کے نیچے اُتر جائے۔ ہاں تو میں تمہیں اپنے جسم کے بارے میں بتا رہا تھا وہ مجھے کچھ ایسے ہی انداز میں دیکھتا ہے جیسے میں نے بھی اس کا جسم چھین لیا ہو۔''

''وہ ہے کہاں؟'' فریدی نے اکتائے ہوئے سے انداز میں پوچھا۔

''سرخاب ویلی میں..... اسی ہوٹل میں جہاں میرا قیام تھا۔ ہم دونوں کے کمرے برابر

برابر تھے۔ وہ اب بھی وہیں ہے۔''

''آپ نے اپنے بچوں کا تذکرہ کیا تھا۔''

''وہ کچھ دنوں کے بعد اپنے ماموں کے پاس چلے گئے تھے اور اب تک وہیں مقیم ہیں۔ میں وادی سرخاب ہی میں مقیم رہا تھا کہ اچانک ایک صبح میں نے اپنا جسم بدلا ہوا پایا۔ تم خود سوچو جب میں پہلی بار آئینے کے سامنے کھڑا ہوا ہوں گا تو ذہن کو کتنا زبردست دھچکہ لگا ہوگا۔''

''یقیناً..... یقیناً.....!'' فریدی سر ہلا کر بولا۔

''مجھے بہلانے کی کوشش نہ کرو۔'' اجنبی جھنجھلا کر بولا۔ ''تمہاری آنکھوں سے بے چینی جھانک رہی ہے۔''

''میں اپنی آنکھیں خود نہیں دیکھ سکتا۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

''کتنی زبردست ٹریجڈی ہے۔'' اجنبی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''میرے جسم نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ورنہ تم ایسے لہجے میں مجھ سے گفتگو نہ کر سکتے۔''

''مجھے اختیار ہے کہ تمہیں گرفتار کرلوں۔'' فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ''تم میری اجازت حاصل کئے بغیر اس راستے سے میرے مکان میں داخل ہوئے ہو جس کا علم میرے یا میرے ڈی آئی جی کے علاوہ اور کسی کو بھی نہیں۔''

''تو پھر مجھ جیسے اجنبی کے لئے تو اس کا جاننا ناممکن ہی ٹھہرا۔'' اجنبی مسکرایا۔

''ممکن ہے۔'' فریدی تکئے کے نیچے سے ریوالور نکال کر اس کا رخ اجنبی کی جانب کرتا ہوا بولا۔ ''تم ڈی آئی جی پر تشدد کر کے اُن سے معلوم کر سکتے ہو۔ لہٰذا جب تک میں ڈی آئی جی کی خیریت دریافت نہ کرلوں، تمہیں میری نجی حوالات میں رہنا پڑے گا۔''

''بڑی خوشی سے۔'' اجنبی پرمسرت لہجے میں بولا۔ ''یہی طریقہ تمہیں مطمئن کر سکے گا..... میں اچھی طرح جانتا ہوں۔''

فریدی اُسے گھورتا رہا۔ وہ پھر بولا۔ ''ہوٹل فیضان کمرہ نمبر گیارہ میں مقیم ہے میرا جسم اور نمبر بارہ میرا ہے..... وادی سرخاب.....!''

''اٹھو.....!'' فریدی ریوالور کو جنبش دے کر بولا۔

اجنبی کھڑا ہو گیا۔ لیکن اس کے چہرے پر ایسے ہی آثار تھے جیسے وہ اپنی سخت توہین محسوس کر رہا ہو۔

فریدی نے اسے کمرے سے باہر نکالا اور اس کے بائیں پہلو سے ریوالور لگائے ہوئے اُس کے ساتھ چلتا رہا اور کچھ دیر بعد وہ اُسے اپنی زمین دوز حوالات میں منتقل کر رہا تھا۔

اجنبی نے کوئی ایسی حرکت نہ کی جس کی بناء پر کہا جا سکتا کہ فریدی کا یہ رویہ اس کے لئے خلاف توقع رہا ہو۔

فریدی پھر اپنی خواب گاہ میں واپس نہیں گیا۔ ڈرائینگ روم والے ٹیلی فون پر ایک فضائی کمپنی سے رابطہ قائم کر کے اس کی صبح کی پہلی فلائٹ کے متعلق گفتگو کی اور پھر مختلف جگہوں پر دو ایک کالیں اور بھی کیں اور پھر حمید کی خواب گاہ کے لئے ڈائیل کیا۔ کچھ دیر بعد حمید کی جھلائی ہوئی سی ''ہلو'' سنائی دی۔

''بستر چھوڑ دو۔'' فریدی نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

''کیا فرمایا..... سر توڑ دوں؟''

''بستر چھوڑ دو۔''

''کیا کہیں سے اطلاع ملی ہے کہ میرے بستر میں ٹائم بم رکھا ہوا ہے؟''

''تمہیں چھ بجے والے پلین سے وادی سرخاب جانا ہے۔''

''کسی نے یونہی اڑائی ہوگی۔''

''حمید.....؟''

''یس فادر.....!''

''ایمرجنسی..... ہری اپ.....!''

فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

پھر کون سنتا ہے فغان درویش۔ حمید کو وادی سرخاب کے لئے روانہ ہونا پڑا تھا۔

جہاز کے ٹیک آف کرنے سے دس منٹ قبل اگر فریدی بھی ایئر پورٹ نہ پہنچ گیا ہوتا تو حمید یہی سوچتا رہ جاتا کہ آخر اچانک وادی سرخاب کیوں؟

''اب تو بتا دیجئے کہ روزانہ کتنے سرخاب مارنے ہوں گے۔'' حمید گھگھیایا۔

''وقت کم تھا اس لئے میں پہلے ہی تمہیں ہدایات نہیں دے سکا تھا۔ اپنے ڈی آئی جی صاحب غالباً ہوٹل فیضان کے کمرہ نمبر گیارہ میں مقیم ہیں۔ تمہیں ان کی دیکھ بھال کرنی ہے۔''

''دیکھ بھال..... کیا مطلب.....؟ گیا انہوں نے دودھ پینے کے لئے دوبارہ فیڈر کا استعمال شروع کر دیا ہے۔''

''سنجیدگی سے سنو۔'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''تم بس اُن کی نگرانی کرو گے اور ان کی مصروفیات سے مجھے مطلع کرتے رہو گے۔''

''میں بالکل نہیں سمجھا۔'' حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

''تم بالکل اسی طرح ان کی نگرانی کرو گے جیسے کسی ملزم کی کر رہے ہو۔''

حمید گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔ ''صرف سات منٹ رہ گئے ہیں لہٰذا جلدی سے اس کی وجہ بھی بتا دیجئے۔''

جو کچھ میں کہہ رہا ہوں کرو.....!''

حمید نے طویل سانس لی اور بولا۔ ''کیا مجھے میک اپ میں رہنا ہوگا۔''

''ہرگز نہیں..... تم انکے قریب سے بھی گزر سکتے ہو۔ اس طرح کہ وہ تمہیں پہچان سکیں۔''

''اور انہیں سلام کرنا بھی میرے فرائض میں داخل ہوگا۔''

''بالکل..... لیکن تم انکے قریب رک کر اُن سے مزید گفتگو کرنے کی کوشش نہیں کرو گے۔''

''اللہ مالک ہے۔'' حمید پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

دفعتاً ایک ایئر ہوسٹس قریب آ کر بولی۔ ''اب ہمیں اجازت دیجئے کرنل پلیز.....!''

''اوہ..... شکریہ..... شکریہ.....!'' فریدی نے کہا اور جہاز سے نیچے اُتر گیا۔

مائیک سے آواز آئی۔

''براہِ کرم پیٹیاں کس لیجئے۔ جہاز ٹیک آف کرنے والا ہے۔''

حمید نے گردو پیش کا جائزہ لیا۔ اُس کے برابر والی سیٹ خالی تھی۔ اگلی دو سیٹوں پر ایک غیر ملکی جوڑا تھا..... بائیں جانب دو عورتیں تھیں ایک ادھیڑ اور دوسری جوان۔

اپنے برابر کی خالی سیٹ پر اُس نے تمباکو کی پاؤچ اور پائپ رکھ دیئے۔

کچھ دیر بعد جہاز بے کراں خلاؤں میں پرواز کر رہا تھا۔ پچھلی رات کی نیند کا خمار غنودگی بن کر اُس کے ذہن پر مسلط ہوتا رہا۔ سفر بیزاری ہی کے ساتھ شروع ہوا تھا اس لئے ذہن جگائے رکھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

ایک گھنٹہ بعد جہاز نے کریم آباد کے مستقر پر لینڈ کیا اور جہاز کی خالی سیٹیں بھر لگیں۔ حمید کو برابر والی سیٹ سے تمباکو کی پاؤچ اور پائپ اٹھانا پڑا اور پھر جب اُس نے ا قریب رنگین اور ریشمی لہریں محسوس کیں تو دل باغ باغ ہو گیا۔

ظاہر ہے کہ جب وہ لہریں اس کے قریب ہی قیام پذیر بھی ہو گئیں تو تفصیلات معلو کرنے کے سلسلے میں جلد بازی کم از کم حمید کا شعار تو نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ سامنے دیکھ رہا تھا او محسوس کر رہا تھا کہ برابر کی سیٹ پر بیٹھنے والی عورت کی توجہ اُسی کی طرف ہے۔

''کیپٹن حمید۔ کیا تم نے مجھے پہچانا نہیں؟'' آواز دا ہنے کان میں تیر کی طرح اترتی چ گئی اور حمید بے ساختہ چونک پڑا۔

یہ ڈی آئی جی کی منجھلی لڑکی ڈاکٹر سعیدہ تھی۔

''پپ..... پہچانا..... جناب..... آپ کہاں.....؟''

سعیدہ کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آئے..... اور اُس نے کہا۔

''کیا تمہیں علم نہیں کہ میں کریم آباد سے تمہارے ساتھ سفر کرنے والی ہوں۔''

''قق..... قسم لے لیجئے۔''

''عجیب بات ہے۔'' وہ سر ہلا کر بولی۔

حمید اس طرح اُسے دیکھتا رہا جیسے اُس کی باتیں سمجھ میں نہ آئی ہوں۔

''فریدی صاحب نے فون پر مجھے اطلاع دی تھی کہ میرے لئے اس فلائٹ سے کریم آباد سے سیٹ بک کرادی گئی ہے اور تم بھی میرے ساتھ جا رہے ہو۔''

حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''تو شائد اب مجھے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ میں وادی سرخاب کیوں بھیجا جا رہا ہوں۔''

''اوہ..... تو تمہیں نہیں معلوم۔''

''جی نہیں..... مجھ سے تو صرف اتنا کہا گیا تھا کہ وادی سرخاب کے ہوٹل فیضان میں مجھے قیام کرنا ہے اور بس۔ وہاں کیوں قیام کرنیوالا ہوں اس کا علم شائد میرے فرشتوں کو بھی نہ ہو۔''

''عجیب بات ہے؟''

حمید پھر کچھ نہ بولا اس کی روح فنا ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر سعیدہ..... خدا کی پناہ!

وہ صرف دماغ چاٹنے کی اسپیشلسٹ تھی اور پھر جب دماغ چاٹنے والی کوئی ایسی ہستی ہو جس کا اخلاقاً احترام بھی کرنا پڑے تو ذہن زیادہ تر خودکشی ہی کی طرف مائل رہتا ہے۔

سعیدہ تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر بولی۔ ''میں نہیں سمجھ سکتی کہ تمہیں انہوں نے کچھ بتایا کیوں نہیں۔''

''یہ بات آپ کی سمجھ میں نہیں آ سکتی۔''

''کیوں.....؟''

''میری سمجھ میں بھی آج تک نہیں آئی۔''

''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم دونوں ایک ہی ذہنی سطح کے ہیں۔''

''ہو سکتا ہے۔'' حمید بڑھتی بات دیکھ کر گھبرایا۔

''ناممکن.....!''

''ہو سکتا ہے۔''

''کیا ہو سکتا ہے؟''

''دراصل میں اونگھ رہا ہوں۔ پچھلی رات بالکل نہیں سو سکا۔''

''کیا کرتے رہے تھے؟''

''بس یونہی جاگتے رہے تھے۔'' حمید بیزاری سے بولا۔

''ناممکن..... ذرا میری طرف تو دیکھو۔''

حمید نے طوعاً و کرہاً اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور وہ بے ساختہ بولی۔

''انسومینا..... قطعی طور پر انسومینا.....!''

''میں نہیں سمجھا۔''

''تم انسومینا کے مریض ہو۔''

''تو پھر کب تک مرجاؤں گا.....؟''

''میرا مذاق اڑا رہے ہو۔'' وہ اُسے گھور کر بولی۔

''یقین کیجئے۔ میں اس مرض کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ ویسے خیال ہے کہ خطرناک ہی ہوگا۔''

''یقیناً خطرناک ہے۔ اور مرنے کے لئے ابھی تمہیں کئی اسٹیجوں سے گزرنا ہوگا۔ انسومینا کے بعد مالیخولیا ہوگا اور یہ دو طرح کا ہوسکتا ہے۔ یا تو تم بالکل ہی بے حس ہو جاؤ گے یا پھر تمہیں جنون ہو جائے گا۔ جنون کی صورت میں تم کسی اونچی عمارت سے چھلانگ بھی لگا سکتے ہو اور شیو کرتے وقت ریزر سے اپنی گردن بھی کاٹ سکتے ہو۔''

''مجھے یقین ہے کہ عنقریب یہی ہوگا۔'' حمید سر ہلا کر سنجیدگی سے بولا۔

''لہٰذا کیوں نہ اس چیز کو انسومینا ہی کے اسٹیج میں ختم کرنے کی کوشش کرو۔''

''وہ کس طرح؟''

''نیند نہ آئے تو خواب آور ادویات کا سہارا لو۔ کسی نہ کسی طرح سات گھنٹے کی نیند ضرور ہونی چاہئے۔''

''اگر یہی حال رہا تو میں ابدی نیند کو ترجیح دوں گا۔''

''کیسا حال.....؟''

''مطلب یہ کہ.....!''

حمید جملہ پورا نہ کر سکا کیونکہ جہاز پھر ٹیک آف کر رہا تھا۔ اس کے بعد اسے وادی سرخاب ہی میں لینڈ کرنا تھا۔ کچھ دیر خاموشی رہی پھر حمید ہی بولا۔

''فریدی صاحب نے کم از کم آپ کو تو یہ بتایا ہوگا کہ آپ سرخاب ویلی کیوں جا رہی ہیں۔''

''انہوں نے مجھے اطلاع دی ہے کہ ڈیڈی کچھ بیمار ہو گئے ہیں اور مجھے ان کی دیکھ بھال کرنی ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ آپ لوگ تو ڈی آئی جی صاحب ہی کے ساتھ سرخاب ویلی گئے تھے۔''

''ہاں گئے تو تھے۔ لیکن پھر انہوں نے ہمیں ماموں کے پاس کریم آباد بھیج دیا تھا۔''

''تو وہ اس وقت وہاں تنہا ہیں۔''

''ہوں.....!'' وہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ ''لیکن فریدی صاحب نے مجھے اُن کی بیماری کی نوعیت نہیں بتائی۔''

''ہوسکتا ہے انہیں بیماری کی نوعیت کا علم نہ ہو.....!'' حمید نے کہا۔

''میں خود معلوم کرلوں گی۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ڈیڈی اپنی علالت کی اطلاع ہماری بجائے فریدی صاحب کو دیں۔''

''ہوگی کوئی سرکاری قسم کی بیماری۔'' حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب.....؟''

''مطلب..... یہ کہ.....!''

''ہاں..... کہو رک کیوں گئے۔'' وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

''مم..... میرا سر چکرا رہا ہے۔'' حمید اپنی پیشانی تھپکتا ہوا بولا۔

''پہلی بار بیٹھے ہو جہاز پر۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ سوچ رہا تھا یہ بلا کہاں سے پیچھے لگ گئی۔

پھر وہ ڈی آئی جی کے بارے میں سوچنے لگا۔ فریدی نے اُس کے بارے میں کچھ ایسی

ہدایات دیں تھیں جیسے حمید کو اس کی نگرانی کرنی ہے اور سعیدہ کو اس کی بیماری کی اطلاع د
ہوئے کہا تھا کہ حمید اس کے ساتھ جائے گا۔

''تم کیا سوچنے لگے۔'' دفعتاً سعیدہ نے اُسے پھر مخاطب کیا۔

''سوچ رہا ہوں کہ کہیں آپ کو میری تمباکو نوشی گراں نہ گزرے۔''

''یقیناً گراں گزرے گی۔ اگر تم میری ناک کے قریب دھوئیں کے بادل اڑاؤ گے۔''

''تو پھر سچ مچ مجھے مر ہی جانا چاہئے۔''

''یہ مرد آج تک میری سمجھ میں نہیں آ سکے۔'' وہ بڑبڑائی۔

حمید کچھ نہ بولا۔ بدستور بُرا سا منہ بنائے بیٹھا رہا۔

''میں تم سے کہہ رہی ہوں..... ابھی کچھ دیر پہلے تمہارا سر چکرا رہا تھا اور اب تم پائپ چاہتے ہو۔ یہ پائپ تو مجھے بالکل ہی صورت حرام لگتے ہیں۔''

''اچھا میں پائپ نہیں پیوں گا۔'' حمید اکتا کر بولا۔

''کیا ہمیشہ کے لئے ترک کر دو گے؟''

''اگر اُسکے سلسلے میں اتنا ہی بار میرے ذہن پر پڑتا رہا تو یقیناً ہمیشہ کیلئے ترک کر دوں گا۔

''اس جملے کا مطلب.....؟''

''شاید میرا دماغ چل گیا ہے۔'' حمید اپنی پیشانی سے ہتھیلی رگڑتا ہوا بڑبڑایا۔

''میرا بھی یہی خیال ہے..... اب یقیناً تم مائیخولیا کے اسٹیج میں داخل ہو جاؤ گے۔ بھلا راتوں سے نہیں سوئے۔''

حمید نے بے بسی سے ایئر ہوسٹس کی طرف دیکھا جو قریب سے گزر رہی تھی۔

شاید وہ اُسے کسی قسم کا اشارہ سمجھی اور فوراً ہی کسی قدر جھک کر پوچھا۔ ''فرمایئے کیا پیش کروں

''پیراشوٹ.....!'' حمید کراہا اور وہ اخلاقاً ہنستی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

''تم میرا مذاق اڑانے کی کوشش کر رہے ہو۔'' سعیدہ آنکھیں نکال کر بولی۔

''شائد میں ابھی اور اسی وقت مائیخولیا کے اسٹیج میں داخل ہو جاؤں گا۔'' حمید اپنی

ٹولتا ہوا پر تفکر لہجے میں بڑبڑایا۔

''بکواس ہے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ پھیلی پھیلی آنکھوں سے خلاء میں گھورتا رہا۔

''اب تم نے ایکٹنگ شروع کر دی۔'' سعیدہ نے بے حد خشک لہجے میں کہا۔ لیکن حمید اُسی پوز میں نظر آتا رہا۔

پھر ڈاکٹر سعیدہ کے چہرے سے بیزاری کے آثار دکھائی دینے لگے۔

وہ اچھی خاصی قبول صورت لڑکی تھی۔ لیکن طبیعت کا جھکی پن اسے کہیں بھی مقبول نہیں ہونے دیتا تھا۔ میڈیسن اور سرجری کی ڈگریاں رکھتی تھی۔ لیکن کبھی پریکٹس نہیں کی تھی۔ اسے افسوس تھا کہ اس نے ڈاکٹری پڑھ کر اپنی صلاحتیں ضائع کیں۔ اسے تو فلسفے میں کوئی بڑی ڈگری لینی چاہئے تھی۔

موٹے اور بھدے فریم کی عینک لگاتی تھی اور بے ہنگم سے بے ہنگم لباس میں رہتی تھی۔

لہٰذا حمید کو حیرت تھی کہ وہ اس وقت ریشمی ساری میں کیسے نظر آ رہی ہے۔

کچھ دیر بعد وہ پھر حمید کی طرف متوجہ ہوئی اور ایسا لگا جیسے دفعتاً اُسے کوئی بھولی بسری بات یاد آئی ہو۔

''وہ نیلم نامی لڑکی اب کہاں ہے جو تم لوگوں کیساتھ رہتی تھی۔'' اس نے حمید سے پوچھا۔

''وہ کینیڈا میں تعلیم حاصل کر رہی ہے۔''

''کس کے خرچ پر.....؟''

''کرنل صاحب کے۔''

''سمجھی۔'' وہ سر ہلا کر بولی۔ ''پڑھا لکھا کر شادی کریں گے اُس سے۔''

''آپ غلط سمجھی ہیں۔ وہ انہیں انکل اور مجھے فادر کہتی ہے۔''

''تم دونوں ہی سنکی ہو۔''

''الحمدللہ۔'' حمید اپنی خیالی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کر بولا۔

''مجھے چڑاتے ہو۔'' وہ غرائی۔

''غلط سمجھی ہیں آپ۔''

''اچھا بس خاموش رہو۔''

''میں بول کب رہا ہوں؟'' حمید اس طرح چونک کر بولا۔ جیسے سچ مچ ابھی تک خاموش ہی بیٹھا رہا ہو۔

وہ بے حد سنجیدگی سے بولی۔ ''کیپٹن حمید میں تمہیں اٹھا کر باہر پھینک دوں گی۔''

حمید احمقانہ انداز میں بسور کر رہ گیا۔ کچھ بولا نہیں۔

ڈاکٹر سعیدہ اُسے گھورتی رہی۔ پھر ایئر ہوسٹس کو اشارے سے بلا کر اُس سے کہا۔ ''ان کے لئے بہت ٹھنڈا پانی لاؤ۔''

ایئر ہوسٹس چلی گئی اور حمید سوالیہ انداز میں ڈاکٹر سعیدہ کی طرف دیکھنے لگا۔

''ٹھنڈا پانی پیو.....!''

''آخر کس لئے؟''

''ضرورت ہے تمہیں۔ اس طرح احمقانہ انداز میں آنکھیں نہ پھاڑو۔ ایم بی بی ایس کیا ہے میں نے۔''

''لیکن میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔'' حمید بے بسی سے بولا۔

''جب تک تم ڈیڈی کی علالت کے بارے میں نہیں بتاؤ گے ہر پانچ منٹ کے بعد ایک گلاس ٹھنڈا پانی پلواتی رہوں گی۔''

''میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں کہ آپ ہی کی زبانی مجھے اُن کی علالت کی اطلاع ملی ہے۔''

''میں یقین نہیں کر سکتی۔''

''اچھی بات ہے۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''میں ٹھنڈا پانی پیتا رہوں گا۔''

''تمہاری تعریف بہت سنی ہے میں نے.....لیکن.....!''

''لیکن کیا.....؟''

''لیکن یہ کہ حقیقتاً تم بالکل بدھو ہو۔''

''شکریہ۔''

ایئر ہوسٹس پانی لائی۔ حمید کو خواہ مخواہ پینا پڑا۔

''پانچ منٹ بعد پھر.....!'' سعیدہ نے ایئر ہوسٹس سے کہا۔ ''زیادہ بلندی پر خون کے ساتھ ہی ان کا پانی بھی خشک ہونے لگتا ہے۔''

حمید کی کھوپڑی بھنا گئی۔ ڈی آئی جی کی لڑکی نہ ہوتی تو.....تو وہ.....تب بھی صبر ہی کرتا۔ لڑکیوں کے معاملے میں صبر کرنا ہی پڑتا ہے۔ وہ سوچتا رہا.....اور کوشش کرتا رہا کہ اس کا دماغ ٹھنڈا ہی رہے۔

بیس منٹ بعد پلین منزل مقصود پر پہنچنے والا تھا اور ٹھیک پانچ منٹ بعد اُس نے پانی کا دوسرا گلاس پی کر ہاتھ پیر ڈال دیئے۔

''بولو..... بتاتے ہو..... یا پانی ہی پیتے ہوئے سرخاب ویلی پہنچنا چاہتے ہو۔'' ڈاکٹر سعیدہ نے جھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''ایک کی بجائے آدھا گلاس کرا دیجئے۔'' حمید گھگھیایا۔

اس وقت حمید کا حلیہ ایسا تھا کہ کسی کو بھی ہنسی آ سکتی تھی۔ لیکن سعیدہ بالکل ٹس بیٹھی رہی۔ کچھ یہ نہیں.....اس نے دیدہ دانستہ ہنسی روک کر سنجیدگی اختیار کر رکھی تھی۔ بلکہ اُس کا ٹائپ ہی ایسا تھا..... ماحول کی جس چیز پر خصوصی توجہ صرف کرتی صرف اسی کا احساس بھی ہوتا.....اور بقیہ چیزیں گویا شعور کے دائرہ عمل ہی سے خارج ہو جاتی تھیں۔

اگر اس وقت اُسے خیال آ جاتا کہ اُسے اپنی اس حرکت کا ردعمل حمید پر بھی دیکھنا ہے تو وہ یقیناً ہنستی بھی اور کوئی موضوں سا جملہ بھی چست کرنے کی کوشش کرتی۔

گھر والے اُسے جھکی اور سنکی سمجھتے تھے۔

دولت مند لوگ تھے اس لئے کسی کو اس کی فکر نہیں تھی کہ وہ نجی پریکٹس یا کسی ہسپتال میں

ملازمت کیوں نہیں کرتی۔

اب وہ حمید سے بالکل ہی لاتعلق ہوکر بار بار گھڑی دیکھے جارہی تھی۔

ٹھیک پانچ منٹ بعد ایئر ہوسٹس پھر پانی کا گلاس لائی اور حمید نے ایک گھونٹ لے کر گلاس اُسے واپس کردیا۔

ایئر ہوسٹس نے سعیدہ کی طرف دیکھا اور سعیدہ بولی۔ ''اب صرف آدھا گلاس.....!'' پھر اس نے حمید کو خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

''میں نے آدھا کہا تھا۔''

حمید نے پھر گلاس کی طرف ہاتھ بڑھادیا۔

خدا خدا کر کے جہاز کے لینڈ کرنے کا اعلان ہوا اور لوگ اپنے گرد تسمے کسنے لگے۔

جہاز کے لینڈ کرتے ہی پانچ منٹ کا وقفہ بھی پورا ہوگیا اور ایئر ہوسٹس گلاس سمیت سر پر سوار ہوگئی۔ حمید کا دل چاہا کہ اُسے گلاس سمیت ہی باہر پھینک دے۔

''آخری ڈوز.....!'' سعیدہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی اور حمید نے جھلاہٹ میں گلاس اس کے ہاتھ سے لے کر اپنے اوپر الٹ لیا۔

''جہنم میں جاؤ۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی اپنی سیٹ سے اٹھ گئی۔ نہ صرف ایئر ہوسٹس بلکہ وہ لوگ بھی متحیر نظر آنے لگے جو اس وقت حمید کی طرف دیکھ رہے تھے اور سعیدہ تو اس حرکت کے بعد ایسی لگنے لگی تھی جیسے حمید سے جان پہچان ہی نہ رہی ہو۔

پلین سے نیچے اترتے وقت حمید کی عقل ٹھکانے آگئی کیونکہ یہاں بادل چھائے ہوئے تھے۔ ٹھنڈک بھی تھی اور بوندا باندی ہو رہی تھی۔

سر بھیگا ہوا تھا..... قمیض بھی بھیگ گئی تھی۔ نیچے اترتے اترتے پے در پے کئی چھینکیں آئیں۔

سعیدہ اس سے کٹی کٹی چل رہی تھی۔ حمید نے سوچا چلو اچھا ہے شائد اسی طرح پیچھا چھوٹ جائے۔

کچھ دیر بعد ہوٹل فیضان کا ایک پورٹر آ ٹکرایا۔

''ہمیں وہیں تو جانا ہے۔'' سعیدہ قریب آ کر بولی۔

حمید نے صرف سر ہلا دیا۔

فیضان کے پورٹر نے ان کے سوٹ کیس ٹیکسی میں رکھوا دیئے۔ حمید کو پھر پے در پے تین چار چھینکیں آئیں اور سعیدہ بولی۔ ''تھوڑا پانی اور انڈیلو اپنے اوپر۔''

حمید بچکانہ انداز میں بسور کر رہ گیا۔ سعیدہ اُسے گھورتی رہی۔

حمید کی بیزاری اور بڑھ گئی۔ کیونکہ اب وہ محسوس کر رہا تھا کہ سعیدہ پوری طرح اس پر توجہ دے رہی ہے۔

ٹیکسی میں بیٹھتے وقت حمید کو پھر دو چھینکیں آئیں۔

''رومال رکھا کرتے ہیں ناک پر چھینکتے وقت۔'' سعیدہ جھنجھلا کر بولی۔

اور حمید نے جیب سے رومال نکال کر ناک پر رکھ لیا۔

ٹیکسی چل پڑی۔

فضا بڑی خوشگوار تھی۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر گہرے مٹیالے بادل جھکے ہوئے تھے۔ آس پاس کی پہاڑیاں سبزے سے لدی کھڑی تھیں اور فضا میں عجیب سی خوشبو رچی بسی تھی۔

''میں نے یونہی خواہ مخواہ رومال رکھے رہنے کو تو نہیں کہا تھا۔'' سعیدہ پھر کڑکڑائی۔

حمید نے رومال گود میں گرا کر ٹھنڈی سانس لی۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔

سعیدہ اُسے گھورے جارہی تھی۔

ٹیکسی پُرپیچ چڑھائیوں سے گزرتی رہی۔ بارش اب کسی قدر تیز ہوگئی تھی۔

ایک جگہ ڈرائیور نے گاڑی روک دی اور انہیں بتایا کہ تیز بارش کی صورت میں ان سڑکوں پر حادثات کا خطرہ رہتا ہے۔

اس اعلان پر حمید کو دو چار چھینکیں اور آ گئیں۔

سعیدہ منہ بنائے بیٹھی رہی۔ دفعتاً اس نے چیخ کر کہا۔ ''کیا تم اب بھی نہ بتاؤ گے؟''

''خود دیکھ لیں گے چل کر۔''

''کیا.....؟'' سعیدہ نے آنکھیں نکالیں۔

''بارش کا پانی مجھ سے نہ پیا جائے گا۔'' حمید نے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ کر کہا۔

''میں سچ کہتی ہوں، تمہیں اس پر بھی مجبور کردوں گی۔''

''آپ تو اب گولی ماردیجئے مجھے۔'' حمید جھلا کر بولا۔

''اچھی بات ہے.....اچھی بات ہے۔'' وہ سر ہلا کر خاموش ہوگئی اور کھڑکی سے دیکھنے لگی۔

کچھ دیر بعد بارش کا زور کم ہوگیا اور ٹیکسی پھر حرکت میں آ گئی۔

پھر ہوٹل فیضان تک بقیہ سفر خاموشی ہی سے طے ہوا تھا۔

پورٹر ان کے سوٹ کیس اٹھائے ہوئے آگے آگے چلنے لگا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کیوں وہ کسی دوسرے ہوٹل کی راہ لے۔ لیکن پھر یاد آیا کہ وہ تو ہوٹل فیضان ہی میں قیام کرنے لئے بھیجا گیا تھا۔ اُسے ڈی آئی جی کی نگرانی کرنی ہے۔

اس کا ذہن ایک بار پھر الجھ گیا۔ فریدی نے تو کوئی واضح بات بتائی ہی نہیں تھی صاحبزادی فرماتی ہیں کہ وہ بھی فریدی ہی کی بھیجی ہوئی آئی ہیں۔

ہال میں پہنچ کر سعیدہ نے کاؤنٹر کلرک سے ڈی آئی جی کے بارے میں کچھ پوچھا حمید ذرا فاصلے پر تھا اس لئے سن نہ سکا۔

پھر اُس نے اُسے تیزی سے زینوں کی طرف بڑھتے دیکھا۔ پورٹر اس کا سوٹ کیس اٹھائے ہوئے اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ حمید کا سوٹ کیس اس نے شائد سعیدہ کی ہدایت مطابق ہال میں ہی چھوڑ دیا تھا۔

حمید کاؤنٹر کلرک سے اپنے قیام کے لئے گفتگو کرنے لگا۔

کاؤنٹر کلرک ایک لڑکی تھی۔ اس لئے مختصر سی گفتگو بھی طویل ہوگئی اور وہ گرد و پیش سے بے خبر ہوگیا۔ دفعتاً پشت سے کسی نے اُس کا شانہ جھنجھوڑ ڈالا۔ وہ بوکھلا کر مڑا۔

سعیدہ ہانپتی ہوئی کہہ رہی تھی۔

''وہ...وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھے ہیں۔ مجھے پہچاننے سے انکار کردیا.....اُوہ.....اوہ.....!''

جسم لے گیا

ڈی۔آئی۔جی صاحب سر کے بل کھڑے ہوگئے ہوتے۔ مرغ کی طرح بانگ دینے لگتے۔ یا کتوں کی طرح بھونکنے لگتے اس پر حمید کو اتنی الجھن نہ ہوتی جتنی اس طرح شانہ جھنجھوڑے جانے پر ہوئی تھی۔

سعیدہ کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ کوئی بھیانک خواب دیکھ کر جاگ پڑی ہو۔

حمید نے یونہی اخلاقاً دہرایا۔ ''یادداشت کھو بیٹھے ہیں۔''

''ہاں.....ہاں.....!'' سعیدہ سر ہلا کر بولی۔ ''انہوں نے مجھے پہچاننے سے انکار کردیا۔ یقین کروانہوں نے اس طرح دروازہ بند کیا تھا جیسے کسی غیر متعلق آدمی سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہوں۔''

''کیا وہ اپنے کمرے میں تھے؟''

''ہاں.....!''

''آپ نے بند دروازے پر دستک دی تھی۔''

''ہاں.....انہوں نے دروازہ کھولا تھا اور مجھے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتے رہے تھے۔ میں نے ان کی طبیعت کے بارے میں پوچھا تھا اور انہوں نے یہ کہہ کر دروازہ بند کرلیا کہ وہ مجھے نہیں پہچانتے۔''

حمید پُر معنی انداز میں سر ہلا کر مسکرایا۔

''کیا مطلب.....؟ تم اس طرح کیوں مسکرائے؟''

''کچھ نہیں۔''

''نہیں بتاؤ۔'' وہ سخت لہجے میں بولی۔

حمید اُسے کاؤنٹر کے پاس سے ہٹا لے گیا۔ وہ اسے جواب طلب نظروں سے گھورے جارہی تھی۔

حمید نے آہستہ سے کہا۔

''اچھا یہ تو بتایئے کہ انہوں نے آپ لوگوں کو نصیر آباد کیوں بھیج دیا تھا۔''

''تم کیا کہنا چاہتے ہو؟'' سعیدہ آنکھیں نکال کر بولی۔

''آپ میری بات کا جواب دیجئے۔''

''ہم لوگ خود ہی گئے تھے ضد کر کے۔''

''بس تو پھر اب بھگتئے..... قوم ایک بار آزاد ہو جائے تو پھر عرصہ تک رہنا چاہتی ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''خدا کے لئے کہیں بیٹھنے کا ٹھکانہ کیجئے۔''

''پورٹر کہہ رہا تھا کہ برابر کا ایک کمرہ خالی ہے..... مجھے یقین ہے کہ ڈیڈی کی یادداشت کسی حادثے سے متاثر ہوئی ہے۔ میں نے اُن کی آنکھوں میں وحشت دیکھی تھی۔''

''تو پھر وہی کمرہ آپ اپنے لئے لے لیجئے۔ میں اور کہیں جھک ماروں گا۔''

''ہوں.....ہوں.....!'' وہ کسی سوچ میں گم ہوگئی۔

حمید نے ڈی آئی جی کے کمرے کے برابر والا کمرہ بک کرالیا اور کچھ دیر بعد وہ پھر اسی کمرے میں یکجا ہوئے۔

''کیا میں پھر دستک دوں۔'' سعیدہ نے حمید سے پوچھا۔

حمید اونگھ رہا تھا۔ چونک کر بولا۔ ''کوشش کیجئے۔''

''تم بھی چلو.....!''

''مجھے تو شوٹ نہ کردیں گے۔''

''تم کیا سمجھتے ہو.....؟''

''سمجھ ہی تو خراب ہے میری..... کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔''

''نہیں..... تمہیں چلنا پڑے گا۔''

''میرا خیال ہے کہ ہم اس وقت تک صبر کریں جب تک کہ وہ خود ہی کمرے سے باہر برآمد نہ ہوں۔'' حمید نے کہا اور دوبارہ اونگھ جانے کی تاک ہی میں تھا کہ سعیدہ بولی۔ ''کیا یہ حقیقت ہے کہ فریدی صاحب نے تمہیں ڈیڈی کی علالت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔''

''اب یہ معاملہ اللہ میاں کو ریفر کر دیجئے تو بہتر ہوگا..... میں کسی طرح بھی یقین نہ دلا سکوں گا آپ کو۔''

''اچھا خاموش رہو.....!'' وہ جھنجھلا کر بولی۔

حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔ اس کا ذہن نیند سے بوجھل ہو رہا تھا اور وہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے ہی سو جانا چاہتا تھا۔

اور پھر ہوا بھی یہی..... پتہ نہیں کیوں سعیدہ نے یہی مناسب سمجھا تھا کہ اُسے سو جانے دے۔ بے سدھ ہو کر سویا تھا..... کرسی کی بے آرامی بھی اُس کی نیند میں مخل نہ ہو سکی۔

پھر جب سعیدہ ہی کے جھنجھوڑنے پر جاگا تو کمرے میں ٹیبل لیمپ روشن تھا اور کھڑکی کے باہر اندھیرے کی حکمرانی نظر آئی۔

''تم سچ مچ واہیات ہو۔'' وہ اُسے گھورتی ہوئی کہہ رہی تھی۔ ''تمہیں اس کی بھی فکر نہیں ہے کہ ابھی تک.....!''

وہ جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہوگئی۔ لیکن حمید کو اب بھی گھورے جارہی تھی۔

حمید انگڑائی لے کر سیدھا ہو بیٹھا۔ وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پلکیں جھپکاتا رہا۔

''میں ابھی ڈائننگ ہال میں تھی۔'' سعیدہ تھوڑی دیر بعد بولی۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ جملہ اس نے اس بات کے بجائے کہا ہو جسے پہلے کہنا چاہتی ہو اور کہتے کہتے رک گئی تھی۔

''مرضی کی مختار ہیں..... جہاں چاہیں جا سکتی ہیں۔'' حمید شانے سکوڑ کر بولا۔

''پوری بات سنے بغیر مت بولا کرو۔''

حمید نے یونہی رواروی میں سر ہلا دیا۔

وہ کہتی رہی۔ ''ڈیڈی وہاں موجود ہیں۔ اپنی میز پر تنہا..... میں نے اُن کے قریب ہی ایک میز اپنے لئے منتخب کی اور اس طرح بیٹھی کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو دیکھ سکیں۔ انہوں نے مجھے دیکھا لیکن میری طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ اب بتاؤ کیا کیا جائے۔''

حمید سنبھل کر بیٹھ گیا۔

وہ اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ ''اب تو مجھے بھی تشویش ہونی چاہئے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''ڈائننگ ہال میں بھی نہ پہچانا.....!''

''تو پہلے تم کیا سمجھتے تھے؟''

''چھوڑیئے۔'' حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ ''اپنے ڈی آئی جی صاحب کے بارے میں کوئی ایسی ویسی بات نہ سوچنی چاہئے۔''

''پہلے کیا سوچ رہے تھے تم۔'' وہ آنکھیں نکال کر غرائی۔

''دیکھئے..... بس اب بات نہ بڑھایئے..... مجھے کچھ کرنے دیجئے۔'' حمید نے کہا اور اٹھ گیا۔

ٹھیک پندرہ منٹ بعد وہ ڈائننگ ہال میں جانے کے لئے تیار ہو گیا۔

''میں بھی چلوں.....!'' سعیدہ نے پوچھا۔

''فی الحال آپ یہیں ٹھہریئے۔''

سعیدہ کچھ نہ بولی۔

حمید ڈائننگ ہال میں پہنچ کر کاؤنٹر کے قریب رک گیا۔ ادھر اُدھر نظر دوڑائی۔ بالآخر ڈی آئی جی دکھائی دیا۔ وہ اپنی میز پر تنہا تھا۔ کھانا کھا چکا تھا لیکن ویٹر نے ابھی برتن نہیں ہٹائے تھے۔

حمید آگے بڑھا۔

ڈی آئی جی کے قریب کی ایک میز خالی تھی۔ ڈی آئی جی نے اس کی طرف دیکھا۔

حمید نے ہاتھ اٹھا کر سلام کیا۔ ڈی آئی جی نے سلام کا جواب تو دے دیا لیکن حمید نے اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار صاف پڑھے۔

وہ چپ چاپ خالی میز کے قریب بیٹھ گیا۔ ڈی آئی جی اُسے دیکھے جا رہا تھا۔ حمید نے دو ایک بار پھر اس کی طرف دیکھا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں شناسائی کی ہلکی سی جھلک بھی نہ پائی۔

پھر اُس نے ڈی آئی جی کو اٹھتے دیکھا اور وہ اٹھ کر سیدھا اُسی کی طرف آیا۔

''کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں۔'' حمید نے اس کی بھرائی ہوئی آواز سنی۔ حمید تو پہلے ہی بوکھلا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ گھگھیا کر بولا۔ ''یہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟''

''میں پوچھ رہا ہوں..... کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں۔ بیٹھ جایئے۔''

اور حمید کے بیٹھنے سے پہلے خود کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

حمید پر کچھ عجیب سی سراسیمگی طاری تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ کبھی اس کا ڈی آئی جی اُسے اس طرح مخاطب کرے گا۔

بہر حال وہ بھی بیٹھ گیا۔

''آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا.....؟''

''جناب عالی! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کے اس سوال کو کیا سمجھوں؟''

''ہوں.....!'' وہ اُسے بغور دیکھتا ہوا بولا۔ ''تو اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ مجھے بہت زیادہ جانتے ہیں اور آپ کو میرے اس سوال پر حیرت ہے۔''

''جی ہاں.....!'' حمید نے سر ہلا کر کہا۔ ''مجھے حیرت ہے۔''

''اچھا بتایئے..... میں کون ہوں..... میرا کیا نام ہے؟''

''آپ میرے باس ہیں۔''

''خدا کی پناہ..... اس حد تک جانتے ہیں۔''

''جناب عالی! آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہیں۔''

''میں کس قسم کا باس ہوں.....خدارا بتایئے۔''

''میرے محکمے کے ڈی آئی جی ہیں آپ.....!''

''نہیں.....!'' ڈی آئی جی اچھل پڑا۔

اس حرکت میں ذرہ برابر بھی بناوٹ نہیں تھی۔ وہ کچھ دیر تک پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ''کیا آپ میرے کمرے تک چلنے کی زحمت فرمائیں گے۔''

''یقیناً..... جناب عالی.....!'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

''تشریف لے چلئے جناب۔'' ڈی آئی جی نے ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا۔

''آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔'' حمید جھینپے ہوئے لہجے میں بولا۔

ڈی آئی جی اُسے اپنے کمرے میں لایا اور کئی منٹ تک خاموش کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ بولا۔ ''آپ کا کیا عہدہ ہے جناب.....؟''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح اپنی حیرت کا اظہار کروں۔'' حمید بڑبڑایا۔

''میں نے کیا پوچھا تھا آپ سے؟''

''ارے جناب میں ساجد حمید ہوں.....کرنل فریدی کا اسسٹنٹ.....!''

''یہ نام بھی میرے لئے نیا ہے اور دوسرا بھی۔''

''آپ نے ڈاکٹر سعیدہ کو بھی نہیں پہچانا۔''

''کون ڈاکٹر سعیدہ۔''

''آپ کی منجھلی صاحبزادی۔''

''میری کوئی منجھلی صاحبزادی نہیں.....میں لاولد ہوں.....دو بیویوں میں سے کسی سے بھی کوئی بچہ نہیں ہوا۔''

''صاحب مجھے اب یہ کہتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے کہ مجھے حیرت ہے۔'' حمید پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

وہ دردناک لہجے میں بولا۔ ''میرے ساتھ بہت بڑی ٹریجڈی ہوئی ہے۔ ایک آدمی نے مجھ سے میرا جسم چھین لیا ہے۔ اپنا بوڑھا جسم میرے حوالے کر گیا۔''

حمید فوری طور پر فیصلہ نہ کر سکا کہ اُسے اس بات پر ہنسنا چاہئے یا سر پیٹ لینا چاہئے۔ احمقوں کی طرح جلدی جلدی پلکیں جھپکاتا رہا۔

کچھ دیر بعد ڈی آئی جی پھر بولا۔ ''کیا میری بات سمجھ میں نہیں آئی۔''

''شاید میں پاگل ہو جاؤں اگر یہ یقین کر لوں کہ آپ سنجیدہ ہیں۔''

''میں بالکل سنجیدہ ہوں۔''

حمید نے ایک بار پھر اس کا نیچے سے اوپر تک جائزہ لیا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ کہتا بھی کیا۔ اس کی دانست میں ڈاکٹر سعیدہ کا یہ خیال قطعی درست تھا کہ ڈیڈی اپنی یادداشت کھو بیٹھے ہیں۔

پھر کچھ نہ کچھ بولنا بھی ضروری تھا۔ لہٰذا بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''کیا میں ڈاکٹر سعیدہ کو یہاں بلا لاؤں۔''

''فضول ہے..... اوہ..... خوب یاد آیا..... آج دوپہر کو ایک لڑکی نے دروازہ کھٹکھٹایا تھا.....غالباً ڈیڈی کہہ کر مخاطب بھی کیا تھا۔ لیکن میں اسے نہیں جانتا۔''

''جی ہاں.....ڈاکٹر سعیدہ نے مجھ سے تذکرہ کیا تھا۔''

''کتنی بھیانک ٹریجڈی ہے۔'' وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

حمید پھر کچھ نہ بولا۔

''یہ میری بدنصیبی ہے کہ وہ بھی دفعتاً غائب ہو گیا.....؟''

''کون.....؟'' حمید نے پوچھا۔

''وہی جو مجھ سے میرا جسم چھین لے گیا۔''

''جسم لے گیا.....؟'' حمید نے متحیرانہ لہجے میں دہرایا۔

''جی ہاں.....وہ برابر ہی کے کمرے میں مقیم تھا۔ کل سے غائب ہے۔''

''یہ بات تو بالکل ہی سمجھ میں نہیں آئی۔'' حمید نے کہا۔ پھر سوچا کیوں خواہ مخواہ ایک

پاگل سے سر مار رہا ہے۔ یہ حضرت یقینی طور پر اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے ہیں۔

''اب آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔'' دفعتاً ڈی آئی جی نے بے حد خشک لہجے میں کہا۔

''بہت بہتر جناب۔''

''بہر حال یہ بات میری سمجھ میں آ گئی کہ ایک پولیس آفیسر نے میرے جسم پر ڈاکہ ڈالا ہے۔ میرا جوان جسم لے گیا اور اپنا بوڑھا اور ناکارہ جسم میرے حوالے کر گیا۔''

''اچھا جناب.....!'' حمید نے پیشانی تک ہاتھ لے جا کر اُسے سلام کرتے ہوئے دروازے کی طرف کھسکنا شروع کیا۔

اور پھر جو کمرے سے نکلا ہے تو سرپٹ کی رفتار ہی سے ڈائننگ ہال میں داخل ہوا۔

فوری طور پر اپنے کمرے میں جانے کی ہمت نہیں پڑی تھی۔ کیونکہ جس شخص سے پیچھا چھڑا کر بھاگا تھا وہاں اس کی لڑکی موجود تھی۔

حمید نے سوچا کہ اس خاندان میں پاگل پن کے جراثیم نسلی معلوم ہوتے ہیں۔

صاحبزادی صاحبہ جو ابھی صرف سنکی نظر آتی ہیں آگے چل کر یقینی طور پر ذہنی توازن کھو بیٹھیں گی۔ والد صاحب بھی جوانی میں ایسے ہی رہے ہوں گے۔ اس عمر میں آ کر اچانک پاگل ہو گئے۔ جناب کا جسم ہی کوئی پار کر لے گیا..... ہونہہ.....

وہ کاؤنٹر سے ٹیک لگائے کھڑا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

لیڈی کلرک نے کئی بار اُسے کنکھیوں سے دیکھا لیکن کچھ بولی نہیں۔ ویسے انداز سے ظاہر ہوتا تھا جیسے اُسے اس کا وہاں اس طرح کھڑے رہنا پسند نہ ہو۔

کچھ دیر بعد اس نے لیڈی کلرک سے کہا کہ وہ فون پر اس کے کمرے سے رابطہ قائم کرا دے۔ لیڈی کلرک نے نمبر ڈائیل کر کے ریسیور اس کی طرف بڑھا دیا۔

''ہیلو.....!'' حمید ماؤتھ پیس میں بولا۔ ''براہِ کرم اب ڈائننگ ہال میں آ جایئے۔ وہ چلے گئے اپنے کمرے میں..... شکریہ۔''

ریسیور لیڈی کلرک کو دے کر وہ پھر اسی میز کی طرف چل پڑا جس پر کچھ دیر پہلے تھا۔

سعیدہ نے وہاں پہنچنے میں زیادہ دیر نہ لگائی۔ اس بار وہ ہمہ تن سوال بن کر حمید پر نازل ہوئی تھی۔ حمید نے اُسے بتایا کہ ڈی آئی جی صاحب اُسے بھی نہیں پہچان سکے اور پھر اُس نے پوری روداد دہرا دی۔

ڈاکٹر سعیدہ خلاء میں گھورے جا رہی تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''میں جانتی تھی ایک دن ایسا ضرور ہوگا۔''

''جی.....!'' حمید اُسے گھورتا ہوا بولا۔

''جوانی میں انہیں ایک سرکس گرل سے عشق ہو گیا تھا۔''

''یا ایہا الفرہاد.....!''

''مضحکہ نہ اڑاؤ..... سنجیدگی سے سنو۔''

''جی..... میں سن رہا ہوں۔'' حمید کراہا۔

''سنجیدہ ہو جاؤ۔'' وہ آنکھ نکال کر بولی۔

حمید نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے خاموش بیٹھا رہا۔

''کیا انہوں نے اس وقت یہ نہ سوچا ہوگا کہ کاش وہ، وہ نہ ہوتے جو تھے۔''

''وہ، وہ نہ ہوتے جو تھے.....!''

''ہاں ان کا سوشل اسٹیٹس اس بات کی اجازت نہ دیتا کہ وہ ایک معمولی سرکس گرل سے شادی کر لیں۔''

''سمجھا.....!''

''وہ اب تک یہی سوچتے آئے ہوں گے کہ کاش اُس سے شادی ہو گئی ہوتی۔''

''ممکن ہے۔'' حمید اکتائے ہوئے انداز میں بولا۔

''ممکن نہیں ہے..... یقینی طور پر سوچتے ہوں گے۔''

''چلئے صاحب..... سوچتے ہوں گے۔''

''اور آج اُس لاشعوری خواہش نے انہیں اپنے وجود ہی سے منکر کر دیا۔''

''محترمہ.....وہ تو کہہ رہے تھے کہ اُن کا جسم ہی ہتھیا لیا کسی نے۔''

''کچھ ہی ہو.....وہ ذہنی توازن کھو بیٹھے ہیں.....اور وجہ وہی سرکس گرل ہے۔''

''تو سرکس گرل کی وجہ سے یہ ذہنی قلابازی عالم وجود میں آئی ہے۔''

''سرکس گرل کی رعائت سے ذہنی قلابازی کا استعمال مناسب ہے۔''

''آپ جملوں پر غور کرنے لگیں۔ میں پوچھ رہا تھا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے۔''

''گھر واپس لے چلیں گے۔''

''تماشا بننے کا ارادہ ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''کیوں.....؟''

''اگر ہوٹل کا عملہ انہیں پاگل سمجھتا تو یہاں تنہا قیام ہی کیوں کرنے دیتا۔ پولیس کو اس

اطلاع دی جاتی۔''

''اچھا پھر.....؟''

''دیکھئے..... میں فی الحال آپ کو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کو اپنے لئے علیحٰ

کمرے کا انتظام کرنا پڑے گا۔ جب وہ آپ کو اپنی بیٹی ہی تسلیم کرنے پر تیار نہیں تو پھر آپ

اپنے کمرے میں کیوں قیام کرنے دیں گے۔''

ڈاکٹر سعیدہ فوراً ہی نہیں بولی۔ وہ کچھ سوچنے لگی تھی۔

حمید اس کی رائے کا منتظر تھا۔ جب اس نے بالکل ہی چپ سادھ لی تو پھر بولنا ہی پڑا

''آپ کیا سوچنے لگیں۔''

''یہی کہ آدمی کتنا بے بس جانور ہے۔''

''میں کمرے کی بات کر رہا تھا محترمہ.....!''

''کمرے کی کیا بات تھی.....!'' وہ چونک پڑی۔

''آپ رات کہاں بسر کریں گی۔''

''کیا تم بھی پاگل ہو گئے ہو۔'' ڈاکٹر سعیدہ نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

''ممکن ہے یہاں کی آب و ہوا مجھے بھی پاگل بنا دے۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

''کیوں؟ کہاں چلے؟''

''اب مجھے اپنے باس کو رپورٹ دینی ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''مجھے قیام و آرام کے لئے نہیں بھیجا گیا تھا۔''

''تو اس کا یہ مطلب ہے؟''

''کچھ نہیں.....آپ اسی کمرے میں جا کر آرام کیجئے گا۔''

''اور تم.....!''

''میرے لئے ضروری نہیں کہ رات کمرے میں گزار دوں۔''

وہ سر جھکا کر بڑبڑائی تھی۔ حمید سن نہ سکا۔ وہ دیر سے سوچ رہا تھا کہ اب اس لڑکی سے پیچھا چھڑا کر کچھ وقت کھلی ہوا میں بھی گزارا جائے۔

ہوٹل فیضان کے باہر ایک خالی ٹیکسی مل گئی۔ اُس نے ڈرائیور سے پولیس ہیڈ کوارٹر چلنے کو کہا کیونکہ بذریعہ ٹرانسمیٹر فریدی کو رپورٹ دینی تھی۔

تقریباً ایک گھنٹہ صرف ہو گیا اس بھاگ دوڑ میں۔ اور بھوک اچھی طرح چمک اٹھی۔

پولیس ہیڈ کوارٹر سے واپسی پر وہ ایک ریسٹوران میں داخل ہو گیا۔

سیخ کباب کی خوشبو اُسے یہاں لائی تھی۔

سرخاب ویلی کے سیخ کباب دور دور تک مشہور تھے۔ ہرنوں جیسے سینگ والے پہاڑی بکروں کا گوشت ان کے لئے مخصوص تھا اور یہ کباب کھانے کی معمولی دوکان سے لے کر اعلیٰ درجہ کے ہوٹلوں تک کی زینت تھے۔ بڑا بازار جہاں کھانے کی بے شمار دوکانیں تھیں۔ سرِشام ان انگاروں پر سینکے جانے والے کبابوں کی خوشبو سے مہکنے لگتا۔

اسی مناسبت سے بعض لوگ اسے وادی کباب بھی کہتے تھے۔

حمید ریستوران میں داخل ہوتے ہی بھونچکا رہ گیا۔ کیونکہ اُس نے آج تک کسی کاؤنٹر پر

کباب سینکے جاتے نہیں دیکھے تھے۔ وادی سرخاب بھی پہلی ہی بار آیا تھا۔

لمبے سے کاؤنٹر پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک بجلی کے چولہے رکھے ہوئے اور ان پر کبابوں کی سیخیں چڑھی ہوئی تھیں۔

وہ ایک خالی میز کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

ریستوران میں خاصی بھیڑ تھی۔ زیادہ تر لوگ نان اور کباب ہی کھاتے نظر آئے۔

کئی خوبصورت ''یلایلیاں'' بھی دکھائی دیں۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی تنہا نہیں تھی۔

کچھ دیر بعد حمید نے محسوس کیا کہ ریستوران میں سلف سروس کا طریقہ رائج ہے۔ لوگ خود ہی کاؤنٹر سے چیزیں خرید کر میزوں پر آ بیٹھتے ہیں۔ اسے یہ طریقہ پسند نہیں تھا۔ لیکن کرتا۔ اب تو آ ہی پھنسا تھا۔ اٹھ کر کاؤنٹر سے نان اور کباب خریدے اور ٹرے اٹھائے ہو پھر میز پر آ بیٹھا۔

سر جھکائے کھا رہا تھا کہ ایک اور ٹرے بھی اُسی میز پر آ ٹکی جسے دو خوبصورت ہاتھ تھا ہوئے تھے۔ نظر آہستہ آہستہ ان ہاتھوں سے چہرے کی طرف اٹھی اور دفعتاً حمید کو محسوس ہوا کچلا ہوا نوالہ منہ سے باہر آ جائے گا۔

وہ ڈاکٹر سعیدہ کا خونخوار چہرہ تھا۔

''سس..... سام الیکم.....!'' حمید نے بوکھلاہٹ میں ایک عدد سلام جھاڑ دیا۔

سعیدہ چند لمحے اُسے گھورتی رہی پھر اپنی ٹرے کی طرف متوجہ ہوگئی۔

اپنے آفیسروں کی لڑکیاں حمید کو سخت ناپسند تھیں چاہے وہ چاند کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہوں۔

اُسے حیرت تھی کہ سعیدہ یہاں کیسے آ پہنچی۔

نان اور کباب زہر مار کرتا رہا۔ شائد سعیدہ کو توقع تھی کہ وہ اُس کی موجودگی پر حیرت کرے گا لیکن جب حمید کچھ نہ بولا تو اس نے کھرکھراتی ہوئی آواز میں کہا۔

''اسے بے شرمی کہتے ہیں۔''

''کسے.....؟'' حمید چونک کر بولا۔

''کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میرے اخراجات بھی تمہارے ہی ذمہ ہوں گے۔''

''لاحول ولا قوۃ..... سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

''پھر اس طرح چھپ چھپ کر کیوں کھاتے پھر رہے ہو۔''

''پلیز..... ڈاکٹر.....!''

''تم کسی طرح بھی میرے اس الزام کی تردید نہیں کر سکو گے۔''

''اچھی بات ہے۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''تو یہی سہی۔''

''میں نے تمہارا تعاقب کیا تھا۔''

''آخر اس کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی۔''

''اگر کسی بیوقوف کو کسی نئی جگہ پر تنہا چھوڑ دیا جائے تو وہ اور زیادہ بیوقوف ہو جاتا ہے۔''

''لہٰذا آپ اور زیادہ بیوقوف نہیں ہونا چاہتیں۔'' حمید بھنا کر بولا۔

''کیا.....؟'' وہ ہاتھ سے نوالہ رکھ کر اُسے گھورنے لگی۔

''بات بات پر گھورنا عقلمندی کی علامت نہیں۔''

وہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد جلے کٹے لہجے میں بولی۔ ''مجھے علم ہے کہ آپ بڑے حاضر جواب اور بذلہ سنج واقع ہوئے ہیں۔ لیکن میں اس کی عادی نہیں۔''

''بننا پڑے گا۔'' حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

''کیا مطلب..... تم ہوش میں ہو کہ نہیں؟''

''ڈاکٹر سعیدہ..... میں آپ کا بڑا احترام کرتا تھا..... لیکن.....!''

''لیکن کیا.....؟''

''لیکن یہ کہ اتنی بلندی پر آب و ہوا بالکل بدل جاتی ہے۔''

''فضول باتیں نہیں..... تم اس قابل نہیں کہ تم سے بات بھی کی جائے۔'' سعیدہ غرائی اور پھر اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ ہوگئی۔

حمید نے بھی سوچا بات نہ بڑھے تو بہتر ہے۔ ویسے اُس نے تہیہ کر لیا تھا کہ اگر اُس نے

بہت زیادہ بور کیا تو وہ اپنی اصل روش پر آ جائے گا۔ احترام کی بھی حد ہوتی ہے۔

وہ کھانے میں دیر لگاتا رہا۔ سعیدہ نے جلد ہی اپنی پلیٹ صاف کر دی تھی۔ کھانے بھی اس کا بوجھل انداز برقرار رہا تھا۔

''عورتوں سے بدتر.....!'' وہ کچھ دیر بعد بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑائی۔

لیکن حمید کے کان پر جوں نہ رینگی۔ وہ اسی طرح آہستہ آہستہ کھاتا رہا۔ یہی نہیں اب وہ کاؤنٹر کے قریب کھڑی ہوئی ایک لڑکی کو مسلسل گھورتے بھی جا رہا تھا۔

سعیدہ بھی اُس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

وہ لڑکی کاؤنٹر پر جھکی ہوئی کلرک سے گفتگو کر رہی تھی۔ دفعتاً اس نے کلرک کے منہ پر ہاتھ جھاڑ دیا۔

''ہات تیری کی.....!'' سعیدہ اچھل کر بولی۔

دوسری طرف کاؤنٹر کلرک بھی کرسی سے اٹھ گیا تھا۔

''تم پاگل ہو گئی ہو.....!'' وہ دہاڑا۔

''تم خود پاگل ہو گئے ہو۔'' لڑکی چیخی۔

''چلی جاؤ یہاں سے۔''

''میں تمہارا خون پی لوں گی۔''

''سچ کہتا ہوں..... پولیس کو بلا لوں گا۔''

''بلاؤ پولیس کو.....!'' وہ چیخی۔ ''میں شکیلہ ہوں..... شکیلہ ہوں..... شکیلہ ہوں۔ مجھے دھوکہ دیا۔''

لوگ میزوں سے اٹھ اٹھ کر کاؤنٹر کے قریب جمع ہونے لگے۔

حمید نے بھی اٹھنا چاہا لیکن سعیدہ غرائی۔ ''بیٹھے رہو۔''

''اب اگر کلرک نے بھی اُسے تھپڑ مار دیا تو اس کی گردن ہی ٹوٹ جائے گی۔''

''میں کہتی ہوں بیٹھے رہو۔'' لیکن حمید اٹھ کر بھیڑ میں آ ملا۔

لڑکی چیخے جا رہی تھی۔ ''کمینہ..... ذلیل..... کل تک کہتا تھا کہ میں تمہاری آہٹ پہچان سکتا ہوں اور آج..... مجھے ہی نہیں پہچان سکتا۔''

کلرک نے بے بسی سے مجمع کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''آپ حضرات یقین فرمائیں کہ میں نے اس لڑکی کو آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔''

''تو مجھ سے کہا کرتا تھا کہ اگر تمہاری صورت بھی مسخ ہو جائے تو میرے دل کی دھڑکنیں مجھے تمہاری ہی طرف لے جائیں گی؟''

''میں تمہیں نہیں جانتا.....!'' کلرک حلق پھاڑ کر چیخا۔

اتنے میں بائیں جانب ایک دروازہ کھلا اور ایک دراز قد آدمی اُس سے گزر کر ان کے قریب آ کھڑا ہوا۔ چند لمحے ان کی بک جھک سنتا رہا پھر کاؤنٹر کلرک سے تیز لہجے میں بولا۔

''اٹھو..... اور باہر چلے جاؤ۔''

''جج..... جناب عالی..... یہ بالکل جھوٹ ہے۔'' کلرک ہکلایا۔

''شٹ اپ اینڈ گیٹ آؤٹ۔''

حمید نے کلرک کے چہرے پر بھی جھلاہٹ کے آثار دیکھے۔

وہ کاؤنٹر پر ہاتھ ٹیک کر ادھر کود آیا اور ایک لمحہ کا توقف کئے بغیر باہر نکلا چلا گیا۔

لڑکی اس کے پیچھے تھی۔ حمید نے بھی انہیں کی جانب قدم بڑھائے اور یہ قطعی بھول گیا کہ سعیدہ بھی اس کے ساتھ ہے۔

کلرک اور وہ لڑکی تو تو میں میں کرتے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ حمید اُن سے تھوڑے فاصلے پر تھا۔ اُن کے ساتھ ہی کچھ اور لوگ بھی ریستوران سے نکلے تھے لیکن انہیں وہاں ٹھہرتے نہ دیکھ کر پھر اندر چلے گئے تھے۔

دفعتاً حمید نے کلرک کو رکتے دیکھا۔ لڑکی بھی رکی اور حمید اس طرح بائیں جانب والے نشیب میں اتر گیا جیسے وہ کوئی غیر متعلق راہ گیر ہو اور یہاں سے اس کا راستہ الگ ہو گیا ہو۔

دن بھر کی بوندا باندی کے بعد اس وقت مطلع صاف ہو گیا تھا اور تارے اپنی پوری آب و

تاب کے ساتھ چمک رہے تھے۔

حمید نشیب میں اُترا اور پھر ایک چٹان سے چپک کر رہ گیا۔ وہ دونوں اُسی جگہ کھڑ گفتگو کر رہے تھے۔ حمید کا اندازہ تھا کہ وہ اُسے نہیں دیکھ سکیں گے۔

کلرک کہہ رہا تھا۔ ''میرا خیال ہے کہ تم شکیلہ کی کوئی سہیلی ہو۔''

''اب میں پاگل ہو جاؤں گی۔'' لڑکی دردناک آواز میں بولی۔

''سچ بتاؤ تم کون ہو۔'' کلرک کی آواز آئی۔ ''اور مجھے اس طرح ذلیل کرنے کا کیا تھا۔ جانتی ہو..... تمہاری اس حرکت کی بناء پر میری ملازمت بھی گئی۔''

''میں کیا کروں..... میں کیا کروں۔'' لڑکی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''ارے کون ہے؟ یہ عورت کیوں رو رہی ہے۔'' دفعتاً حمید نے ڈاکٹر سعیدہ کی گونجیلی سنی۔ وہ شائد ان لوگوں کے قریب پہنچ چکی تھی۔

''آپ کون ہیں.....؟'' کلرک نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں پوچھ رہی ہوں.....!''

''اپنا راستہ لیجئے..... آپ ہیں کون پوچھنے والی۔'' کلرک کی آواز آئی۔

عورت نے رونا بند کر دیا تھا۔ حمید نے سوچا کہیں بات بڑھ نہ جائے۔ اُسے شدت سے تاؤ آ رہا تھا۔ آخر دخل اندازی کی کیا ضرورت تھی۔

اُسے اُوٹ سے نکلنا ہی پڑا۔ نشیب سے اوپر چڑھتا چلا گیا۔ تاروں کی چھاؤں دھندلے سائے صاف دیکھے جا سکتے تھے۔

''کیا ہوا..... کیا بات ہے؟'' اُس نے اُن کے قریب پہنچ کر کہا۔

''کچھ نہیں صاحب۔ کوئی بات نہیں۔'' کلرک کے لہجے میں جھلاہٹ ابھی باقی تھی

''میں نے اس لڑکی کو روتے سنا تھا۔'' سعیدہ بول پڑی۔

''ارے آپ قاضی ہیں یا ملا.....!''

''میں قاضی ہوں..... اور یہ ملا نہیں ایک خاتون ہیں۔'' حمید نے کہا۔ ''خفا ضرورت نہیں۔ کیوں شکیلہ کیا بات ہے تم ہی بتاؤ۔''

''شکیلہ.....!'' کلرک اور لڑکی کی زبانوں سے بہ یک وقت نکلا۔ لیکن دونوں ہی کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ہاں شکیلہ..... میں تمہیں اپنی روح کی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔'' حمید بولا۔

''میرے خدا.....!'' کلرک بڑبڑایا۔ ''میں کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو۔''

''تم چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔'' حمید بولا۔ ''تمہاری بدبختی ہے کہ تم شکیلہ جیسی وفادار لڑکی کو اس لئے نہیں پہچان سکتے کہ اس کا جسم کسی نے چرا لیا ہے۔ تم کیسے محبت کرنے والے ہو کہ اس کی روح کی چیخیں نہیں سن سکتے۔''

''تم سب دھوکے باز ہو اور مجھے کسی جال میں پھنسانا چاہتے ہو۔'' کلرک تیز لہجے میں بولا۔

''شکیلہ تم میرے ساتھ چلو۔'' حمید بولا۔

''کیا مطلب.....؟'' سعیدہ غرائی۔

''آپ خاموش رہئے۔'' حمید سخت لہجے میں بولا۔

''آپ لوگ کون ہیں؟'' لڑکی نے کپکپاتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''تمہارے ہمدرد.....!'' حمید نرم لہجے میں بولا۔

''اچھا شمسی میں جا رہی ہوں..... یہ بھیانک رات مجھے ساری زندگی یاد رہے گی اور تم..... اور تم کبھی چین نہ پا سکو گے۔'' لڑکی نے کہا اور پھر حمید سے بولی۔ ''چلئے جناب۔''

''تم پاگل تو نہیں ہو گئے۔'' سعیدہ نے حمید کا بازو پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔

''خاموش رہو۔'' حمید نے اس سے بازو چھڑاتے ہوئے سخت لہجے میں کہا اور لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر پھر ریسٹوران کی طرف چل پڑا۔ سعیدہ ان کے پیچھے تھی۔

کلرک پہلے تو دم بخود وہیں کھڑا رہا..... پھر چیخ چیخ کر گالیاں بکنے لگا۔ ساتھ ہی وہ اپنی ملازمت سے ہاتھ دھو بیٹھنے کا حوالہ بھی دیتا جا رہا تھا۔

ریسٹوران کے قریب انہیں ایک ٹیکسی مل گئی۔ حمید نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر دونوں لڑکیوں سے بیٹھنے کو کہا۔ ڈاکٹر سعیدہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔ دوسری لڑکی کے چہرے سے تو معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہو۔ عجیب ویران ویران سی آنکھیں تھیں۔

''فیضان.....!'' حمید نے ڈرائیور کے برابر بیٹھتے ہوئے کہا۔

ٹیکسی حرکت میں آ گئی..... اور راستہ خاموشی ہی سے گزرا۔

ہوٹل فیضان پہنچ کر حمید انہیں سیدھا اپنے کمرے میں لے گیا تھا۔

دونوں لڑکیاں حمید کو گھورے جا رہی تھیں۔ سعیدہ کی آنکھوں سے غصہ جھانک رہا تھا۔ شکیلہ کی آنکھیں حیرت سے خوف ظاہر کر رہی تھیں۔

''مم..... میں نے پہلے آپ کو کبھی نہیں دیکھا۔'' وہ تھوڑی دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ لیکن حمید کے بولنے سے پہلے ہی سعیدہ بول پڑی۔ ''تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔''

حمید ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ اس کا بس چلتا تو وہ سعیدہ کو اٹھا کر کھڑکی کے باہر پھینک دیتا۔

''خدارا..... بتایئے..... آپ نے مجھے کیسے پہچانا۔'' لڑکی حمید ہی کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسے سعیدہ کی موجودگی کا احساس ہی نہ ہو۔

''میں سب کچھ جانتا ہوں۔''

''کیا جانتے ہیں..... میرا قد، میرا جسم، میرا حلیہ، آخر یہ سب کیسے بدل گئے۔ بلکہ میرے والدین بھی مجھے نہیں پہچان سکتے۔ لیکن نہ جانے کیوں مجھے اس پر طیش آ گیا تھا کہ اس نے بھی مجھے نہ پہچانا..... کیا اس کی محبت صرف اس جسم تک محدود تھی جسے میں کھو چکی ہوں۔ آدمی محض جسم تو نہیں ہے۔ وہ مجھ سے کہا کرتا تھا کہ ہم دونوں کے درمیان ذہنی رشتہ ہے۔ کبھی نہ ٹوٹنے والا رشتہ..... تو پھر اُس نے مجھے کیوں نہ پہچانا۔''

''ذہنی رشتے جسموں ہی کے توسط سے قائم ہوتے ہیں۔'' حمید بولا۔ ''لہٰذا اگر کوئی ذہن اس واسطے کو نہ پہچان سکے تو کس طرح قصوروار ٹھہرایا جا سکتا ہے۔''

وہ چند لمحے خاموش رہ کر مردہ سی آواز میں بولی۔ ''ہاں یہ بھی سوچتی ہوں لیکن میں کیا کروں..... یہ کوئی بھی نہیں بتا سکتا۔''

''تم نے کب محسوس کیا کہ تمہارا جسم بدل گیا ہے۔''

''آج صبح..... جب سو کر اٹھی..... شہد اکٹھا کرنے والی فرم میں ملازم ہوں..... یہاں تنہا رہتی ہوں۔ والدین نصیر آباد میں ہیں۔''

''بالکل تنہا رہتی ہو۔''

''بالکل..... ایک مکان کرائے پر لے رکھا ہے۔ کوئی ملازم بھی نہیں ہے۔ ملازم رکھ ہی نہیں سکتی۔ آمدنی اس کی اجازت نہیں دیتی۔ آج صبح سو کر اٹھی تو پڑوس کی ایک لڑکی آئی اور مجھ سے پوچھنے لگی شکیلہ کہاں ہے۔''

میں سمجھی شائد مذاق کر رہی ہے لہٰذا میں بھی ہنسنے لگی۔ لیکن وہ ایک سنجیدہ لڑکی ہے۔ مجھ سے عمر میں چھوٹی ہے اور میرا بڑا احترام کرتی ہے۔ جب وہ برابر شکیلہ کہاں ہیں شکیلہ کہاں ہیں کی رٹ لگائے رہی تو مجھے غصہ آ گیا۔ اس پر اس نے کہا کہ اگر آپ شکیلہ آپا کی کوئی مہمان ہیں تو آپ کو اتنا بد اخلاق نہ ہونا چاہئے۔ ان سے کہہ دیجئے گا کہ سائرہ آئی تھی۔ میں نے سوچا شائد وہ اچانک پاگل ہو گئی ہے۔ لیکن جب میں نے کچھ دیر بعد آئینہ دیکھا تو میں حیران رہ گئی۔ میں واقعی شکیلہ نہیں تھی۔''

''کل رات آپ اپنے ہی جسم میں سوئی تھیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''جی ہاں بالکل..... اور میں نے پچھلی شام شمسی ہی کے ساتھ گزاری تھی۔ دس بجے گھر واپس گئی۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔ دن بھر میں یہ دوسرا کیس میری نظروں سے گزرا ہے۔''

''اوہ تو کیا اور بھی کوئی.....!''

''آپ کے والد صاحب۔'' حمید نے سعیدہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

''فضول بکواس نہ کرو۔'' سعیدہ غرائی۔ ''وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھے ہیں۔''

''کیا انہیں بھی یہی شکایت ہے کہ اُن کا جسم بدل گیا۔''

''جی ہاں.....اور وہ انہیں یعنی اپنی بیٹی کو بھی نہیں پہچان سکے۔''

''لیکن میں تو اپنے متعلقین کو پہچان سکتی ہوں۔ البتہ وہی مجھے نہیں پہچانتے۔''

''کیوں ڈاکٹر سعیدہ!'' حمید سعیدہ کو گھورتا ہوا بولا۔ ''کیا ان کے سارے متعلقین اپنی یادداشتیں کھو بیٹھے ہیں۔''

''میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتی..... مجھے نیند آ رہی ہے۔'' سعیدہ نے جماہی لی۔

''اچھی بات ہے تو آپ آرام فرمایئے۔ ہم دونوں جا رہے ہیں۔''

''ہوش میں ہو یا نہیں۔''

''بالکل ہوش میں ہوں۔ مجھے اس قسم کی کوئی ہدایت نہیں ملی تھی کہ آپ کی نگہداشت بھی کرنی پڑے گی۔ آیئے شکیلہ صاحبہ چلیں.....!''

''آپ مجھے کہاں لے جائیں گے۔''

''میں آپ کا گھر دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''یہ ناممکن ہے۔''

''کیوں.....؟''

''کبھی شمسی بھی میرے گھر نہیں گیا۔ آپ خود سوچئے..... پڑوسی کیا سمجھیں گے۔''

''جب وہ آپ کو بحیثیت شکیلہ پہچان ہی نہیں سکتے تو پھر کچھ سوچنے کا سوال کب پیدا ہوتا ہے''

''اگر میں بھی ساتھ چلوں تو۔'' دفعتاً سعیدہ نے نرم لہجے میں کہا۔

''لیکن میں گھر جانا ہی نہیں چاہتی۔'' لڑکی بولی۔ ''پڑوسیوں کو کیا جواب دوں گی کہ شکیلہ کہاں ہے۔''

''کہہ دیجئے گا کہ وہ آپ کو مکان میں ٹھہرا کر خود اپنے والدین کے پاس چلی گئی ہے۔ وہ تین دن میں واپس آ جائے گی۔''

وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر سر ہلا کر بولی۔ ''ہاں یہ کہا جا سکتا ہے۔ لیکن آپ

میرے گھر چل کر کیا کریں گے۔''

''ہو سکتا ہے کچھ کر ہی سکوں۔ عالم و عاملِ روحانیت ہوں..... ڈاکٹر زیڈ نام ہے۔''

پھر وہ تینوں ہی کمرے سے نکلے تھے۔ سعیدہ بے حد سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔ چڑچڑا پن رخصت ہو چکا تھا۔ انہیں کچھ دور پیدل چلنا پڑا تھا۔ پھر ٹیکسی مل گئی تھی اور وہ شکیلہ کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

پگھل گیا

میٹرن اس کے کمرے کا دروازہ پیٹ رہی تھی۔ پانچ بجے صبح سے اُس کی ڈیوٹی تھی۔ لیکن اب سات بج رہے تھے۔ میٹرن کو اس کی غیر حاضری کی اطلاع ملی..... نورا اچھی لڑکی تھی۔ میٹرن اُسے پسند کرتی تھی۔ اُس کا تقرر بحیثیت نرس ابھی حال ہی میں ہوا تھا۔ میٹرن نہیں چاہتی تھی کہ اُس کے خلاف کسی قسم کی شکائت ڈاکٹر انچارج تک پہنچے لہٰذا وہ خود ہی اُس کے کمرے کی طرف چل پڑی تھی۔

کافی دیر کے بعد دروازہ کھلا اور ایک اجنبی لڑکی سے مڈبھیڑ ہو گئی۔

''نورا کیا کر رہی ہے۔'' میٹرن نے اُس سے پوچھا۔

''میں شرمندہ ہوں.....!'' وہ جلدی سے بولی۔ ''معافی چاہتی ہوں دیر تک سوتی رہی۔''

''تم کون ہو..... میں نورا کے بارے میں پوچھ رہی ہوں۔''

''میں..... میں.....!'' لڑکی کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ہاں..... نورا کو بلاؤ..... اُس نے میری اجازت حاصل کئے بغیر تمہیں اپنے ساتھ کیوں ٹھہرایا۔''

''میں..... میں نورا ہوں سسٹر.....!''

"لڑکی کہیں تیرا دماغ تو نہیں چل گیا۔ مجھ سے شوخی کرتی ہے جبکہ میں تجھے جانتی بھی نہیں۔"

"سسٹر..... سسٹر.....!"

"نورا کو بلاؤ۔" میٹرن چیخ کر بولی۔

"میں نورا ہوں..... آپ کو کیا ہو گیا ہے۔"

"ادھر ہٹو.....!" میٹرن اُسے ایک طرف دھکیلتی ہوئی اندر گھستی چلی گئی۔

لیکن کمرہ خالی تھا۔ اُس نے غسل خانے کا دروازہ کھولا وہ بھی خالی تھا۔

اب وہ جھلا کر لڑکی کی طرف مڑی۔

"بتاؤ نورا کہاں ہے۔ ورنہ میں پولیس کو اطلاع دے دوں گی۔"

"سسٹر..... سسٹر.....!"

"نورا کہاں ہے۔" میٹرن اس کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑتی ہوئی بولی۔

"سسٹر.....!" لڑکی کو بھی غصہ آ گیا۔

"مارے مارتے حلیہ بگاڑ دوں گی۔" میٹرن نے پھر گریبان پکڑا۔

پھر ذرا ہی سی دیر میں وہاں اچھا خاصا ہلڑ ہو گیا۔ نرس نورا آئینے میں اپنی شکل دیکھ دیکھ کر پچھاڑیں کھا رہی تھی۔

دفعتاً ایک تازہ وارد نرس نے کہا۔ "یہ تو شکیلہ ہے..... گولڈن ہنی ٹریڈرس کی ٹائپسٹ!"

پھر اس نے یہ بھی بتایا کہ وہ اس کی قیام گاہ سے واقف ہے۔

نورا مسحور ہو کر رہ گئی تھی۔

وہ لوگ اسے جہاں لے جاتے چلی جاتی۔ ایک بار اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں صرف اتنا ہی کہا۔ "بلاشبہ میں نورا نہیں معلوم ہوتی لیکن آسمانی باپ کی قسم میں نورا ہوں۔"

بات پھیلتی رہی۔ نوبت بہ ایں جا رسید کہ ایک پولیس سب انسپکٹر وہاں طلب کر لیا گیا۔

اب شام ہو چلی تھی۔ شکیلہ والی بات اس کے علم میں آئی اور اس نے فوراً ہی اس نرس کے بتائے ہوئے پتہ پر لے جانے کا فیصلہ کر لیا۔

اس بستی میں پہنچ کر نرس نے شکیلہ کے مکان کی نشاندہی کی۔

پڑوسیوں نے بھی نورا کو شکیلہ کی حیثیت سے پہچان لیا تھا۔ لیکن وہ برابر یہی کہے جا رہی تھی کہ وہ کبھی ان اطراف میں آئی ہی نہیں.....

مکان کا دروازہ مقفل تھا۔ پولیس نے پڑوسیوں سے تصدیق کے بعد دروازے کا قفل توڑ دیا۔

"اب بتاؤ..... نورا کہاں ہے..... ورنہ میں کسی سخت قسم کی کارروائی پر مجبور ہو جاؤں گا۔" سب انسپکٹر نے لڑکی سے کہا۔

"میں نورا ہوں.....!" لڑکی روہانسی ہو کر بولی۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا میں کیا کروں..... کیسے یقین دلاؤں۔"

پھر پڑوس کی ایک لڑکی نے بتایا کہ آج صبح اس مکان میں اسے ایک اجنبی لڑکی ملی تھی جو خود کو شکیلہ باور کرانے کی کوشش کرتی رہی تھی۔

یہ مسئلہ درپیش ہی تھا کہ قدموں کی چاپیں سنائی دیں اور کیپٹن حمید اپنی دریافت اور ڈاکٹر سعیدہ سمیت کمرے میں داخل ہوا۔

"نورا.....!" میٹرن کی زبان سے بے اختیار نکلا اور حمید کی دریافت دوسری لڑکی کی طرف ہاتھ اٹھا کر چیخی۔ "یہ میں ہوں۔"

"یہ میں ہوں.....!" دوسری لڑکی اس کی طرف جھپٹتی ہوئی بولی۔

اب دونوں ایک دوسری سے دو فٹ کے فاصلے پر کھڑی متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکا رہی تھیں۔

نورا نے کہا۔ "میں شکیلہ ہوں۔"

شکیلہ نے کہا۔ "میں نورا ہوں۔"

"اور آپ کون ہیں جناب.....!" سب انسپکٹر نے حمید سے زہریلے لہجے میں پوچھا۔

"ڈاکٹر ایس ایچ زیڈ.....!"

پھر سب انسپکٹر نے ڈاکٹر سعیدہ کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ میری اسسٹنٹ..... ڈاکٹر سعیدہ ہیں۔" حمید نے جلدی سے کہہ کر اُن دونوں لڑکیوں

کو اس طرح گھورنا شروع کر دیا جیسے کوئی عامل روحانی کسی آسیب زدہ کو گھورتا ہے۔

''آپ! ایک پولیس آفیسر سے گفتگو کر رہے ہیں۔'' سب انسپکٹر نے تیز لہجے میں کہا۔

''بڑی خوشی ہوئی۔'' حمید نے لڑکیوں سے توجہ ہٹائے بغیر اس کی طرف مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

اتنے میں دونوں لڑکیاں بیک وقت بے ہوش ہو کر فرش پر آ رہیں۔

''یہ کیا ہو رہا ہے..... کیا ہو رہا ہے.....؟'' میٹرن بڑبڑاتی ہوئی اُن کی طرف جھپٹی۔

''وہ جو کچھ بھی ہو رہا ہو۔'' انسپکٹر حمید کے شانے پر ہاتھ مار کر بولا۔ ''آپ میری بات کا جواب دیجئے۔''

''فرمایئے جناب.....!'' حمید نے بہ آہستگی اس کا ہاتھ اپنے شانے پر سے ہٹاتے ہوئے کہا۔ ''آپ کا اس لڑکی سے کیا تعلق ہے؟''

''وہی جو ایک آسیب زدہ کا ایک عامل سے ہونا چاہئے۔ میرے پاس گئی تھی..... کہنے لگی میرا جسم بدل گیا ہے۔''

''اس بناء پر آپ اسے آسیب زدہ سمجھے۔''

''ارے انہیں ہوش میں لانے کی تدبیر کرو.....!'' ایک پڑوسی بولا۔

''جی ہاں..... آسیب زدگی ہی سمجھئے اسے..... ٹھہریئے اب مجھے دونوں ہی کو دیکھنا پڑے گا۔'' حمید ان کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

''ٹھہریئے.....!'' سب انسپکٹر کا لہجہ سخت تھا۔

حمید مڑ کر اُسے گھورنے لگا۔

''آپ براہِ کرم ان سے دور ہی رہئے۔''

''وہ میری مریضہ ہے جناب۔''

''کچھ بھی ہو..... یہ پولیس کیس ہے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ اس کے دونوں ہاتھ پتلون کی جیبوں میں تھے اور آنکھیں آہستہ آہستہ

بند ہوتی جا رہی تھیں۔ پھر دفعتاً اس کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی۔ دونوں ہاتھ پتلون کی جیبوں سے نکل کر چہرے پر آئے اور پھر وہ آگے کی طرف جھکتا چلا گیا۔

''کیا ہوا..... تمہیں کیا ہوا؟'' سعیدہ بوکھلا کر اس کی طرف بڑھی اور اس کے شانے پکڑ کر اُسے سیدھا کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

حمید کراہتا ہوا سیدھا ہو گیا۔

''ہائیں.....!'' سعیدہ اچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔

''کیا بات ہے؟'' حمید نے نحیف آواز میں پوچھا۔

''تت..... تمہاری..... شکل بدل گئی ہے۔'' سعیدہ نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

وہ لوگ جو ان دونوں کو ہوش میں لانے کی تدبیریں کر رہے تھے حمید کی طرف متوجہ ہو گئے۔ سبھوں کے چہروں پر حیرت کے آثار تھے اور سب انسپکٹر بھی آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھ رہا تھا۔

حمید کمزور سی آواز میں بولا۔ ''ہو سکتا ہے میری صورت بدل گئی ہو..... وہ ایک مسخرہ جن ہے..... لیکن میں اُسے دیکھ لوں گا۔''

''یہ..... یہ..... کیا ہوا۔'' سب انسپکٹر نے اس کے قریب آنے کی کوشش کی۔

''وہیں ٹھہریئے اور مجھے بتایئے کہ آپ یہاں میری مریضہ کے گھر پر کیسے آئے؟''

''یہ پولیس کیس ہے۔ یہ لڑکی جو خود کو نورا کہتی ہے نورا کے کمرے میں پائی گئی اور یہ لڑکی اس نے خود کو ابھی شکیلہ کہا تھا دراصل نورا ہی ہے۔''

''لیکن یہ حقیقتاً شکیلہ ہے..... یعنی شکیلہ کی روح..... نورا میں حلول کر گئی ہے اور نورا کی روح شکیلہ میں..... اُسے مذاق نہ سمجھئے..... میں بہت دنوں سے اس جن کے تعاقب میں ہوں..... آیئے ڈاکٹر سعیدہ چلیں۔''

''لیکن جناب.....!''

''فرمایئے.....!''

''آپ کی شکل.....!''

''میں ٹھیک کرلوں گا.....اس نے مجھے وارننگ دی ہے۔''

''لیکن آپ کی مریضہ.....!''

''آپ اسے پولیس کیس سمجھتے ہیں تو آپ ہی اسے بھی سنبھالئے گا۔ شب بخیر۔''

وہ سعیدہ کو کھینچتا ہوا باہر نکلا چلا گیا۔ باہر نکل کر بھی اس نے سعیدہ کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا اس کی رفتار خاصی تیز تھی اور سعیدہ تو گویا اس کے ساتھ گھسٹ ہی رہی تھی۔

کئی تاریک اور نیم روشن گلیوں سے گزرنے کے بعد پھر وہ اُسی سڑک پر پہنچ گئے جو فیضان کی طرف جاتی تھی۔ سعیدہ جو بُری طرح ہانپ رہی تھی ایک جگہ رکنے کی کوشش کرتی ممنائی ''اب مجھ سے نہیں چلا جاتا۔''

حمید رک گیا۔ سعیدہ کی سانس پھول گئی تھی۔

''یہاں سے فیضان کا فاصلہ تقریباً چار میل ہوگا۔'' حمید بڑبڑایا۔

سعیدہ کچھ نہ بولی۔

یہاں اس سڑک پر اندھیرا تھا.....حمید نے اپنی ناک کے نتھنوں سے اسپرنگ نکال جیب میں ڈال لئے۔ جنہوں نے فوری طور پر اس کی شکل میں نمایاں تبدیلی کی تھی۔

''چلئے.....!'' حمید نے اُسے ٹہوکا دیا۔

''ٹھہرو.....مم.....میں.....بُری طرح ہانپ رہی ہوں۔''

''کیا فرق پڑتا ہے.....چلتی بھی رہئے اور ہانپتی بھی رہئے۔ یہاں تو ٹیکسی ملنے سے رہا

''تم نے ٹیکسی چھوڑی کیوں تھی۔''

''وہ رکنے پر تیار نہیں تھا.....یہاں تو چلے گی نہیں اپنی دھونس.....!''

''میں پیدل نہیں چل سکتی۔''

''اچھا تو پھر آپ یہیں قیام فرمایئے.....میں جارہا ہوں۔''

''ٹھہرو.....!''

''کچھ کہئے بھی تو.....!''

''کچھ دیر یہاں ٹھہر کر دم لینے دو۔'' وہ جھلا گئی۔

حمید جیب سے پاؤچ نکال کر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا تھا۔

پھر جب وہ پائپ سلگا رہا تھا سعیدہ ''ارے'' کہہ کر پیچھے ہٹ گئی۔

''کیا ہوا.....؟'' حمید نے پوچھا۔

''تمہاری شکل.....؟''

''ہاں فی الحال بگڑ گئی ہے۔''

''ٹھیک ہوگئی.....!''

''الحمدللہ.....!''

''نہیں بتاؤ.....یہ کیا ہوا تھا.....؟''

''خوفناک جن ہے.....ہوسکتا ہے میرے دم بھی نکل آئے۔''

''کیپٹن حمید سنجیدگی سے گفتگو کرو۔''

''گفتگو کروں ہی کیوں.....؟''

حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور پائپ کے کش لیتا رہا۔

سعیدہ کچھ دیر خاموش رہی پھر ''جہنم میں جاؤ'' کہتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

حمید اس کے پیچھے چلنے لگا۔ تقریباً ایک فرلانگ چلنے کے بعد وہ پھر رک گئی۔ حمید دو چار لمبے لمبے ڈگ بھر کے اس کے قریب جا پہنچا۔

''آپ غلط سمت پر جارہی ہیں محترمہ.....!'' اس نے کہا۔

''کیا مطلب.....؟''

''مطلب یہ کہ مشرق نہیں مغرب۔''

''اور تم اب بتا رہے ہو۔'' وہ دانت پیس کر بولی۔

''کیا روانگی سے پہلے آپ نے مجھ سے پوچھا تھا۔''

''کیپٹن حمید.....؟''

''یس مادام.....!''

''میں تمہاری شکایت کروں گی۔''

''بھولے بھٹکوں کو راستہ بتانا میرے فرائض میں داخل نہیں ہے۔''

''اچھی بات ہے۔'' وہ سخت لہجے میں کہہ کر پلٹی اور بڑی تیز رفتاری سے مخالف سمت چل پڑی۔

حمید بھی اسی جانب مڑا۔لیکن وہ زیادہ دور نہ چل سکی.....پھر رک گئی۔

''ٹھیک جارہی ہیں.....ٹھیک جارہی ہیں.....چلتی چلئے۔'' حمید نے ذرا فاصلے ہی ہانک لگائی۔

''کیپٹن حمید اب میں تمہیں مار بیٹھوں گی۔'' وہ جھلا کر بولی۔

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ مخالف سمت سے کسی گاڑی کے ہیڈ لیمپ چمکے اور پھر وہ اس طرح دکھائی دینے لگی۔

حمید اُسے روکنے کے لئے ہاتھ اٹھائے ہوئے سڑک کے کنارے ہوگیا۔

سعیدہ بھی اُس کے قریب ہی کھسک آئی تھی۔حمید ہاتھ ہلا ہلا کر گاڑی کو روکنے کے اشارہ کرتا رہا۔بس ان کے قریب ہی آ کر رکی لیکن ڈرائیور نے بتایا کہ وہ ہوٹل فیضان کی طرف نہیں جائے گی۔

''جہنم ہی میں کیوں نہ جائے.....پیدل تو نہیں چلوں گی۔'' سعیدہ بڑبڑاتی ہوئی بس پر چڑھ گئی۔پھر وہ کریسنٹ نائٹ کلب کے قریب اُترے.....اور بس شمال کی جانب مڑ گئی۔

''اب کیا صورت ہوگی۔'' حمید نے سعیدہ سے پوچھا۔

''دیکھا جائے گا۔'' سعیدہ نے لاپروائی سے کہا۔

سردی بڑھ گئی تھی۔حمید نے محسوس کیا کہ سعیدہ کانپ رہی ہے۔

''میری ایک تجویز ہے.....!'' اس نے کہا۔

''کیا.....؟'' سعیدہ نے نرم لہجے میں پوچھا۔سردی نے غالباً دماغ ٹھنڈا کر دیا تھا۔

''ہم اندر چل کر کافی پئیں اور کسی ایسے آدمی کو دوست بنانے کی کوشش کریں جو ہمیں ہوٹل فیضان تک پہنچا دے.....یہاں بہت سی گاڑیاں پارک ہیں۔''

''کوئی حرج نہیں۔'' سعیدہ بولی۔

وہ دونوں نائٹ کلب میں داخل ہوئے۔ہال میں فلور شو جاری تھا اور زیادہ تر میزیں آباد تھیں۔انہوں نے بیٹھتے ہی کافی طلب کی۔رقاصہ خاصی دلکش تھی۔حمید ہال میں داخل ہوتے ہی اس کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔

''بھلا مجھے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے اس سے۔'' سعیدہ بولی۔

''کس سے.....؟''

''رقص اور رقاصہ سے.....کوئی مرد ناچ رہا ہوتا تو بات بھی تھی۔''

''اور میں جو صبح سے ناچ رہا ہوں۔''

''کیپٹن حمید! ابھی تم آدمی بن سکتے ہو۔''

''کیا مطلب.....؟''

''تھوڑی بہت شرافت کے جراثیم تم میں موجود ہیں۔کوشش کرو تو آدمی بن سکتے ہو۔''

''کوشش کر کے تو میں سبز پری.....اندر سبھا والی بھی بن سکتا ہوں۔اوہو.....اس آدمی کو دیکھو.....!''

''کہے.....کدھر.....؟'' وہ چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''آدمی ہی آدمی ہیں.....جسے مناسب سمجھئے۔''

''کیا بات ہوئی؟''

اتنے میں ویٹر کافی کی ٹرے لایا اور حمید اتنی لاپروائی سے پائپ پیتا رہا جیسے اس پر کسی سوال کا جواب باقی نہ ہو۔سعیدہ اسے گھورے جارہی تھی۔

''میں پوچھ رہی ہوں.....تم نے کیوں کہی یہ بات۔''

''اُوں.....!'' حمید چونک پڑا۔

''سنو.....! میں اچھی طرح سمجھتی ہوں کہ ڈیڈی کا دماغ خراب ہوجانے کی وجہ سے شیر ہو رہے ہو۔''

''آپ غلط سمجھیں محترمہ سعیدہ۔ مجھے اس پر افسوس ہے کہ آپ کو اپنے ڈیڈی کی ذ برابر بھی پرواہ نہیں۔''

''یہ کیسے سمجھ لیا تم نے؟''

''آخر آپ میرے ساتھ کیوں دوڑی آئی تھیں۔''

''انہیں کے کیس سے ملتا جلتا ایک کیس سامنے آنے کی بناء پر.....!''

''کس نتیجے پر پہنچیں.....؟''

''میری سمجھ میں نہیں آتا..... میں نے ان دونوں کو ایک دوسرے کو گھورتے دیکھا تھا بالکل ایسا ہی لگتا تھا جیسے سچ مچ ان کے جسم ایک دوسرے سے بدل گئے ہوں۔''

''کیا یہ کوئی مرض ہے؟''

''نہیں.....اسے مرض نہیں کہہ سکتے۔''

''اور غالباً آپ اسے آسیبی خلل بھی نہ تسلیم کریں.....کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے۔''

''تو پھر میں کیا کروں؟''

''بنایئے.....!''

''میں نے آج تک کسی کے لئے نہیں بنائی۔''

''ارے تو اپنے لئے ہی بنا لیجئے۔''

وہ اپنی پیالی میں کافی انڈیلنے لگی۔حمید خاموش بیٹھا رہا۔

وہ دراصل ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے اس دیوپیکر آدمی کو دیکھ رہا تھا جس نے کچھ دیر قبل ہاتھ پھیلا کر رقاصہ کی کمر تھامنے کی کوشش کی تھی اور رقاصہ اچھل کر پیچھے ہٹی تھی اور تھرکتی ہوئی دوسری طرف چلی گئی تھی۔حمید نے اس کے چہرے پر خوفزدگی کے آثار بھی دیکھے تھے۔

یہ آدمی غیر معمولی طور پر طویل القامت اور جسیم تھا۔حمید کو قاسم یاد آیا لیکن وہ بھی اس قابل نہیں ہوسکتا تھا۔حمید کا خیال تھا کہ اس کا قد کم از کم سات فٹ ضرور ہوگا۔ساتھ ہی ہیلاؤ بھی کم نہیں تھا۔شانوں کی چوڑائی تین فٹ سے کم نہیں معلوم ہوتی تھی۔

سعیدہ غالباً اُسے نہیں دیکھ سکی تھی۔

''اب تمہاری کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے۔'' دفعتاً سعیدہ نے اُسے یاد دلایا اور وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔

''میں کہہ رہی ہوں کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے۔''

''میں نے سن لیا ہے۔'' حمید نے کافی پاٹ کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

رقاصہ اُن کے قریب سے گزر رہی تھی۔حمید نے اُسے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا۔

''یہ کیا بے ہودگی ہے۔'' سعیدہ بولی۔

''کوئی مرد ناچ رہا ہوتا تو اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتا۔''

''فضول باتیں نہ کرو۔تمہیں احساس ہونا چاہئے کہ میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔''

''مجھے افسوس ہے محترمہ.....لیکن شائد میں ابھی تک آپ کا عورت پن محسوس ہی نہیں کرسکا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''آپ مجھے عورت نہیں معلوم ہوتیں۔''

''ہوں.....!'' وہ ہونٹ بھینچ کر رہ گئی۔

رقاصہ آگے بڑھ گئی تھی۔لیکن حمید نے محسوس کیا کہ وہ اس میز سے کتراتی ہوئی نکلنے کی کوشش کر رہی تھی جہاں وہ آدمی بیٹھا تھا۔لیکن وہ آدمی اس کی طرف کب متوجہ تھا۔اس کا ٹھوڑی تو سینے پر ٹکی ہوئی تھی اور ایسا لگتا تھا جیسے وہ اونگھ گیا ہو۔

رقاصہ پھر دوسرے سرے کی طرف جانکلی تھی۔

دفعتاً ہال میں اندھیرا ہوگیا اور مختلف قسم کی اسپاٹ لائیٹس رقاصہ کے جسم پر پڑتی رہیں۔

اسی طرح اُس نے پھر ہال کا ایک چکر لیا۔وہ اس دیوپیکر کے قریب سے گزر رہی تھی کہ پاٹ لائٹ اس پر سے پھسلتی ہوئی اندھیرے میں گم ہوگئی اور ساتھ ہی ایک دلخراش چیخ بھی

ہال کی محدود فضا میں گونجی اور روشنی بھی ہوگئی۔

لوگ بوکھلا کر اپنی جگہوں سے اٹھ گئے تھے۔حمید نے بھی کرسی چھوڑ دی تھی اور اس جگہ گھورے جا رہا تھا جہاں دیو پیکر آدمی نظر آیا تھا۔بڑا عجیب منظر تھا۔وہ دیو پیکر آدمی چاروں خانے چت فرش پر پڑا تھا۔

لیکن رقاصہ.....اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔

جن لوگوں نے دیو پیکر کو اُس سے چھیڑ چھاڑ کرتے دیکھا تھا رقاصہ کو تلاش کرنے لگے اور کچھ لوگ دیو پیکر کے گرد اکٹھا ہوگئے۔ان میں حمید بھی تھا۔

اس نے جھک کر دیکھا۔دیو پیکر یا تو گہری نیند سو رہا تھا یا بے ہوش تھا۔

بہت سے لوگوں کی بیک وقت گفتگو سے ہال گونجنے لگا۔

''خدا کی پناہ.....یہ تو دیو ہے دیو.....!'' سعیدہ حمید کا شانہ ہلا کر بولی۔

حمید اس کی طرف توجہ دیئے بغیر اس دیو کو گھورے جا رہا تھا۔

''شیلا.....شیلا.....تم کہاں ہو؟'' غالباً رقاصہ کو کسی نے آوازیں دیں اور پھر چاروں طرف سے ''شیلا شیلا'' کی آوازیں آنے لگیں۔

اسے تلاش کرنے کے سلسلے میں لوگوں کا جوش وخروش بڑھتا جا رہا تھا۔

ذرا ہی سی دیر میں دیو پیکر آدمی کے قریب سعیدہ اور حمید کے علاوہ اور کوئی بھی نہ رہ گیا۔

''کچھ دیر پہلے اس نے رقاصہ کو پکڑنے کی کوشش کی تھی۔'' حمید نے سعیدہ سے کہا۔

''اچھا.....؟'' سعیدہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

پھر وہ چند لمحے خاموش رہ کر بولی۔''لیکن رقاصہ کہاں گئی؟''

اتنے میں ایک آدمی اُن کے قریب آ کھڑا ہوا۔

''کیا یہ آپ کے ساتھ ہیں؟'' اس نے حمید سے کہا اور جملہ پورا کئے بغیر ہی اس بیہوش دیو پیکر کو غور سے دیکھنے لگا۔

''جی نہیں.....یہ ہمارے ساتھ نہیں تھے۔'' حمید بولا۔

''جانتے ہیں آپ انہیں۔'' اس نے حمید کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

''جی نہیں۔''

''میرے لئے بھی اجنبی ہیں۔'' اُس نے طویل سانس لے کر کہا۔''میں اس کلب کا منیجر ہوں۔''

''بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔'' حمید نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

پہلے اس نے حمید کو غور سے دیکھا اور پھر خالی الذہنی کے سے عالم میں اس سے مصافحہ کیا۔

کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔''آپ نے بھی شیلا کی چیخ سنی تھی؟''

''جی ہاں۔''

''کچھ لوگ کہہ رہے تھے کہ ایک بار اس نے شیلا کی کمر پکڑنے کی کوشش کی تھی۔''

''شائد میں نے بھی اُسے ایسا کرتے دیکھا۔''

''تو پھر یہ تو یہاں پڑا ہے اور شیلا غائب ہوگئی ہے۔''

''ہوسکتا ہے کہ اُسے کوئی پکڑ لے گیا ہو۔''

''لیکن.....یہ.....یہ کیوں بیہوش ہوگیا؟''

''ہوسکتا ہے اس کے اس طرح غائب ہوجانے پر اسے گہرا صدمہ پہنچا ہو۔''

دفعتاً سعیدہ چیخی۔''ارے.....ارے.....یہ تو برف کی طرح پگھل رہا ہے۔'' اور وہ تینوں ہی دیو پیکر آدمی پر جھک پڑے۔

سچ مچ وہ برف کی طرح پگھل رہا تھا۔

چاکلیٹ

آن کی آن میں چاروں طرف یہ بات پھیل گئی کہ بیہوش ہوجانے والا دیو پیکر آدمی پگھل رہا ہے۔

بیس منٹ کے اندر اندر وہاں صرف ایک سوٹ پڑا رہ گیا اور مٹیالے رنگ کا گاڑھا گاڑھا سیال اس کے چاروں طرف دور دور تک پھیلتا چلا گیا تھا۔

''کیوں نہ ہم یہاں سے کھسک ہی جائیں۔'' حمید نے سعیدہ سے کہا۔ ''ورنہ ہوسکتا ہے کہ یہاں بھی پولیس سے مڈبھیڑ ہوجائے۔''

''میں بھی یہی سوچ رہی تھی..... خدا کی پناہ کس شیطانی چرخے میں پھنسے ہیں آ کر۔''

انہوں نے بل ادا کیا اور باہر نکل آئے۔

''کئی لوگ ہمیں گھور رہے تھے۔'' سعیدہ بولی۔

''مزید معلومات حاصل کئے بغیر اُن میں سے کوئی بھی وہاں سے نہیں ٹلے گا۔'' حمید نے کہا۔

''لیکن اب کیا ہوگا.....؟''

''یہاں سے شائد ایک میل سے زیادہ فاصلہ نہ ہوگا ہوٹل فیضان کا۔'' حمید نے تیزی سے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

سعیدہ خاموشی سے اس کے ساتھ چلتی رہی۔ سڑک بالکل سنسان پڑی تھی۔ چڑھائیوں پر سعیدہ ہانپنے لگتی اور حمید سعیدہ سے کہتا کہ وہ کچھ دیر ٹھہر کر دم لے لے۔

پتہ نہیں کس طرح گرتی پڑتی وہ ہوٹل فیضان تک پہنچی تھی۔

حمید سوچ رہا تھا کہ ممکن ہے مقامی پولیس کا کوئی آدمی فیضان میں اُس کا منتظر ہو کیونکہ شکیلہ نے ہوش میں آنے کے بعد پولیس کو اس کا پتہ ضرور بتا دیا ہوگا۔

خیال غلط نہ نکلا۔

کاؤنٹر کے قریب وہی سب انسپکٹر موجود تھا جس سے شکیلہ کے گھر پر ملاقات ہوئی تھی۔

حمید نے سعیدہ کو اشارہ کیا کہ وہ کمرے میں جائے اور خود کاؤنٹر کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

''آپ تو پھر ٹھیک ہوگئے جناب۔'' سب انسپکٹر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''بڑی مشکل سے اس میں کامیاب ہوا ہوں۔'' حمید مردہ سی آواز میں بولا۔

''آپ نے اپنا نام ڈاکٹر زیٹو بتایا تھا لیکن یہاں کے رجسٹر میں ساجد حمید درج ہے۔''

''میں نے ایس ایچ زیٹو بتایا تھا..... ساجد حمید زیٹو.....!''

''یہ زیٹو کیا چیز ہے؟''

''کیا میں آپ کا نام پوچھنے کی جرأت کرسکتا ہوں۔''

''ضرور..... ضرور.....!'' وہ زہریلے انداز میں مسکرا کر بولا۔ ''اسلم بھٹی یہاں شیطان کی طرح مشہور ہے۔''

''ہاں..... شیطان کا نام بھی میرے لئے نیا نہیں ہے لیکن یہ بھٹی کیا چیز ہے؟''

''خیر..... خیر.....!'' وہ غضب ناک ہوکر بولا۔ ''آپ نے اس لڑکی کو شکیلہ کی حیثیت سے کیوں کر پہچان لیا تھا۔''

''روحانی قوت.....!''

''آپ کو پولیس اسٹیشن تک چلنا ہوگا۔''

''صاحب آپ اپنا کام کیجئے..... مجھ سے نہ الجھئے..... اگر مجھے جلال آ گیا تو خود پولیس اسٹیشن کو یہاں تک آنا پڑے گا۔''

حمید نے کاؤنٹر پر رکھے ہوئے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''کیا مطلب.....؟''

''ایس پی کرائمز مسٹر لطیفی سے علیک سلیک.....!''

''چلئے.....!'' سب انسپکٹر نے فون کی طرف اشارہ کرکے بے اعتباری سے کہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ حمید کو پکا فراڈ سمجھ رہا ہو۔

حمید نے نمبر ڈائیل کئے اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ ''ایس پی کرائمز..... مسٹر لطیفی..... پلیز گھر پر ہیں..... گھر کے نمبر..... ہوں..... ہوں..... ہوں..... تھری ایٹ زیرو نائین..... شکریہ۔''

سلسلہ منقطع کرکے اس نے گھر کے نمبر ڈائل کئے اس دوران میں سب انسپکٹر اُسے یقین و شبہے کی کشمکش والی نظروں سے دیکھتا رہا تھا

''ہیلو.....!'' حمید ماؤتھ پیس میں بولا۔ ''کیوں لطیفی صاحب..... آپ کو جاگنا تو نہیں

پڑا تھا..... میں حمید بول رہا ہوں..... جی ہاں میں بھی ابھی تک جاگ ہی رہا ہوں اور وہ آفیسر جو یہاں شیطان کی طرح مشہور ہیں میرے سر پر مسلط ہیں۔ غالباً ڈاکٹر زیٹو کو فراڈ سمجھتے ہیں..... انہیں ریسیور دوں..... اچھا.....!''

حمید نے ریسیور انسپکٹر کی طرف بڑھا دیا۔

انسپکٹر نے ماؤتھ پیس کے قریب منہ لاکر تھوک نگلا اور پھر منہ چلانے لگا۔ جیسے اس طرح کسی خاص قسم کی انرجی حاصل کرے گا۔ جو اُسے ایس پی سے گفتگو کرنے میں مدد دے سکے۔

''یس سر..... یس سر..... جی جی جی..... اچھا سر..... جی بہت اچھا..... لمبا قصہ ہے جناب..... بہت ہی عجیب..... اگر آپ فرمائیں تو خود حاضر ہو جاؤں..... بہت بہتر جناب۔''

ریسیور رکھ کر اس نے طویل سانس لی اور حمید کی طرف دیکھ کر کھسیانی ہنسی کے ساتھ کہا۔

''آپ پہلے ہی بتا دیتے۔''

''خیر کوئی بات نہیں..... لڑکی کو ہوش آ گیا تھا۔''

''جی ہاں..... اسی نے تو آپ کے بارے میں بتایا تھا..... لیکن آخر کار آپ نے اُسے شکیلہ کیوں تسلیم کر لیا تھا؟''

''لمبی کہانی ہے..... آپ کو شائد ابھی لطیفی صاحب کے پاس جانا ہے۔''

''جی ہاں..... جی ہاں.....!'' وہ مصافحہ کر کے تیزی سے صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

کاؤنٹر کلرک اتنی ہی تیزی سے حمید کی طرف بڑھ آئی تھی۔

''کیا قصہ تھا جناب.....؟'' اس نے حمید سے پوچھا۔

''اپنی نوعیت کی پہلی کہانی ہے۔''

وہ اس کے دوسرے جملے کی منتظر معلوم ہوتی تھی۔

حمید نے جیب سے پائپ اور تمباکو کی پاؤچ نکالتے ہوئے کہا۔ ''چند گھنٹے پہلے میں ایک ریستوران میں نان اور کباب سے جی بہلا رہا تھا کہ کاؤنٹر پر ایک لڑکی کو کاؤنٹر کلرک سے جھگڑتے دیکھا..... وہ کہہ رہی تھی کہ وہ شکیلہ ہے، اور کلرک ہکا بکا کھڑا تھا..... بات اتنی بڑھی کہ

ریسٹوران کے مالک نے دونوں سے باہر نکل جانے کو کہا۔ وہ یہ بھی کہہ رہی تھی کہ اُس کی شکل ضرور بدل گئی ہے لیکن وہ شکیلہ ہے! کاؤنٹر کلرک اپنا سر پیٹ رہا تھا کہ وہ اُسے شکیلہ کیسے تسلیم کر لے جبکہ وہ شکیلہ نہیں ہے۔ میں نے اُسے شکیلہ تسلیم کر لیا.....!''

''آپ نے.....!'' لڑکی کے لہجے میں حیرت ہے۔

''کیا کرتا..... بات بھی تو ختم کرانی تھی کسی طرح..... ورنہ وہ تو اپنے اُس بوائے فرینڈ کو جان سے مار دینے پر آمادہ ہو گئی تھی۔''

''تو یہ پولیس آفیسر.....؟''

''میں دراصل اسے اس کے گھر چھوڑنے گیا تھا۔ وہاں ایک دوسری لڑکی ملی جو خود کو نورا کہہ رہی تھی۔''

پھر حمید نے شکیلہ کے گھر پر پیش آنے والے واقعات کے بارے میں اُسے بتایا۔

لڑکی کسی سوچ میں پڑ گئی تھی۔

''تم کیا سوچنے لگیں..... کیا مجھے جھوٹا سمجھتی ہو۔''

''جی.....!'' وہ چونک پڑی۔ ''جی نہیں۔ میں آپ کو جھوٹا نہیں سمجھتی۔ مجھے بھی ایک ایسا ہی واقعہ یاد آ رہا ہے۔''

''اُو..... ہو..... وہ کیا.....؟''

''چھ ماہ گزرے کچھ لوگ پکنک پر ایک جگہ گئے تھے۔ وہاں ایک لڑکی کسی بڑی گہری کھڈ میں گر گئی تھی۔ کھڈ کی گہرائی اتنی تھی کہ وہ لوگ نیچے نہ اُتر سکے اور مدد کے لئے انہیں شہر آنا پڑا۔ اس میں آٹھ دس گھنٹے لگ گئے۔ پھر جب ہیلی کوپٹر کھڈ میں اُترا تو وہاں اس کی لاش نہیں مل سکی تھی۔ پھر ایک ہفتے کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ ایک اجنبی لڑکی اپنے ریٹا ہونے کا دعویٰ کرتی پھر رہی ہے۔ اس کے جاننے والوں نے پولیس کو اطلاع دی۔ ایک ماہ تک یہ جھگڑا چلتا رہا اور پھر لوگوں نے اس کی طرف توجہ دینا ہی چھوڑ دیا۔''

''وہ لڑکی اب کہاں مل سکے گی.....؟'' حمید نے پوچھا۔

''وہ لڑکی.....!'' وہ طویل سانس لے کر مسکرائی۔ ''وہ لڑکی میں ہی ہوں اور میں اپنے آپ سے اب تک مانوس نہیں ہو سکی۔ نہ میرا قد اتنا لمبا تھا اور نہ صورت ہی ایسی تھی۔ شائد کسی اور فام نسل کی.....لڑکی کے جسم میں میری روح حلول کر گئی ہے۔''

''بس محترمہ بس.....، اب میں بیہوش ہو جاؤں گا۔''

لڑکی کی ہنسی بڑی تلخ تھی۔

حمید نے کہا۔ ''جس وقت سے یہاں پہنچا ہوں کسی ایسے آدمی سے ملاقات نہیں ہوئی جس کے جسم میں اس کی اپنی روح ہوتی۔''

لڑکی اسی انداز میں ہنستی رہی۔

''ہنسو نہیں..... میں اس وقت بہت پریشان ہوں..... مجھے ایک کمرہ چاہئے۔''

''کیوں.....؟'' لڑکی نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

''ایک لڑکی بھی ہے میرے ساتھ جس کا باپ یہاں عرصہ سے مقیم ہے۔ میں نے خیال سے صرف ایک ہی کمرہ حاصل کیا تھا کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ رہے گی لیکن باپ اسے پہچاننے سے انکار کر دیا کیونکہ اس کے جسم میں بھی کسی اور کی روح حلول کر گئی ہے کہتا کہ اس کا جسم کوئی اور چھین کر فرار ہو گیا۔''

''اوہو.....تو یہاں بھی کوئی ایسا موجود ہے۔''

''اب تو مجھے سب ہی ایسے نظر آئیں گے۔''

''کیا آپ اور وہ لڑکی ایک ہی کمرے میں قیام نہیں کر سکیں گے۔''

''میں نے آپ سے کمرے کے حصول کے بارے میں پوچھا تھا۔''

''بات دراصل یہ ہے جناب کہ اتنی رات گئے ہمارے یہاں کمرہ دینے کا قاعدہ نہیں باہر سے آنے والے یا تو کمرہ پہلے سے مخصوص کراتے ہیں یا پھر وہ دن ہی دن میں آتے ہیں۔''

''میں بھی دن ہی میں آیا تھا لیکن یہ دشواری آ پڑی۔''

''پھر بتائیے کہ میں کیا کروں.....؟''

''خیر.....میں یہیں کھڑے رہ کر بھی صبح کر سکتا ہوں۔'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔ وہ بھی جواباً مسکرائی۔ اور حمید نے سر ہلا کر کہا۔

''مجھے حیرت ہے.....؟''

''کس بات پر.....؟''

''آخر تمہاری ڈیوٹی کتنے گھنٹوں کی ہوتی ہے۔ جس وقت میں یہاں آیا تھا تم ہی کاؤنٹر پر موجود تھیں اور اب رات کے ڈھائی بج رہے ہیں۔''

''بڑی عجیب بات ہے..... مجھے خود بھی حیرت ہے۔'' وہ سنجیدہ ہو کر بولی۔ ''کئی دن تک مسلسل جاگتی رہتی ہوں لیکن تھکن محسوس نہیں کرتی۔ بس ایسا لگتا ہے جیسے جی بھر کر سونے کے بعد بالکل تر و تازہ اٹھی ہوں۔''

''لیکن مجھ سے تو صبح دو قدم بھی نہ چلا جائے گا.....اگر میں دو تین گھنٹے کی نیند نہ لے سکا۔''

''میں ہر اعتبار سے حیرت انگیز ہو گئی ہوں۔''

''میں کیسے یقین کر لوں۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔

لڑکی اپنا پرس اٹھا کر اس میں کچھ ڈھونڈنے لگی۔ پھر ایک کنجی نکال کر حمید کی طرف بڑھا دی اور بولی۔ ''یہ میرے کمرے کی کنجی ہے۔ جا کر آرام کیجئے۔ آپ کو صبح سے پہلے کمرہ نہ مل سکے گا۔''

''بہت بہت شکریہ۔ نمبر کیا ہے کمرے کا۔''

''لیکن آپ میرے معاملے کا تذکرہ کسی سے بھی نہیں کریں گے.....؟''

''مطمئن رہو.....ایسا ہی ہو گا۔'' حمید نے کہا۔ اسکی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔

کمرے کا نمبر معلوم کر کے وہ وہاں سے چل پڑا تھا۔

لڑکی خاصی دلکش تھی۔ حمید اُسے یوریشین ہی سمجھا تھا۔ لیکن اس نے بڑی شستہ اور شگفتہ اردو میں اسے اور ہی قسم کی کہانی سنائی تھی۔ باور کرانا چاہا تھا کہ وہ خود بھی اپنے اصلی جسم میں نہیں۔

حمید کچھ دیر بعد اس کی مسہری پر چت لیٹا ہوا بڑبڑا رہا تھا۔

''پروردگار.....تو نے یہ پیشہ میرے مقدر میں لکھ دیا تھا۔ لیکن کیا یہ بھی ضروری ہے کہ میں

روحوں کا تعاقب کرتا ہوا ابھی سے تیرے دربار میں آ پہنچوں اور یہ سب کچھ.....!''

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور فریاد جہاں تھی وہیں ٹوٹ کر رہ گئی۔ ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا دوسری طرف سے لیڈی کلرک بول رہی تھی۔

''یہ بڑا اچھا ہوا میں سوچ رہا تھا تمہارا نام کیا ہوسکتا ہے۔'' حمید نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

''ریٹا.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''اور یجنل نام.....!''

''ہاں..... ہاں..... گندمی رنگ کے جسم میں ریٹا کہلاتی تھی۔ موجودہ جسم میں بھی یہی نام برقرار رکھا ہے۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتی تھی کہ آپ کے ساتھ والی لڑکی ابھی آپ کو پوچھ رہی تھی۔ میں نے کہہ دیا مجھے علم نہیں۔''

''یہ تم نے بہت اچھا کیا..... اور اس سے زیادہ بات چیت نہ کرنا۔ فلنی ٹائپ کی لڑکی ہے۔ تمہارا دماغ چھلنی کردے گی۔''

''خیر..... خیر..... اگر آپ بھوک محسوس کر رہے ہوں تو میز کی دراز سے چاکلیٹ کا پیکٹ نکال لیجئے گا۔''

''شکریہ..... شکریہ۔'' حمید نے کہا اور سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

وہ سوچنے لگا اب اُسے سو جانا چاہئے۔ پھر دفعتاً وہ اٹھ بیٹھا۔ ذہن کے کسی گوشے میں کچھ کھٹک تھی۔ فوری طور پر وہ اُسے کوئی معنی نہ پہنا سکا۔ لیکن عجیب سی بے چینی محسوس کر رہا تھا۔

مسہری سے اٹھ کر وہ اس میز کے قریب آیا جس کا تذکرہ ریٹا نے فون پر کیا تھا۔

دراز کھولی۔ اس میں چاکلیٹ کے کئی پیکٹ پڑے دکھائی دیئے۔ وہ ان کی طرف ہاتھ بڑھا ہی رہا تھا کہ پھر فون کی گھنٹی بجی۔

ریسیور اٹھاتے وقت اس نے بُرا سا منہ بنایا تھا۔ دوسری طرف سے ریٹا کی آواز آئی۔

''چاکلیٹ نہ کھانا چاہتے ہو تو کچھ اور بھجواؤں.....؟''

''نہیں ٹھیک ہے۔ چاکلیٹ بہت لذیذ ثابت ہوئے ہیں۔'' حمید منہ چلاتا ہوا بولا۔ ''اس وقت کھا ہی رہا ہوں۔''

''کافی بھجواؤں.....؟''

''نہیں شکریہ..... پھر نیند نہ آئے گی۔ اب میں سو جاؤں گا۔ پلکیں بوجھل ہوئی جارہی ہیں۔'' حالانکہ نیند بالکل غائب ہوچکی تھی۔

سلسلہ منقطع ہوجانے کی آواز سن کر اس نے بھی ریسیور رکھ دیا۔

وہ ریٹا کی دوسری کال کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کیا وہ صرف یہی نہیں معلوم کرنا چاہتی تھی کہ اُس نے چاکلیٹ استعمال کئے یا نہیں۔ گفتگو کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ اس سلسلے میں اپنا اطمینان کرنا چاہتی ہو۔ حمید ریسیور رکھ کر پھر میز کی طرف آیا اور چاکلیٹ کا ایک پیکٹ نکال کر کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔ اس نے ابھی تک کوٹ بھی نہیں اُتارا تھا اور جوتے بھی پہنے ہوئے تھا۔

اسے کیا کرنا چاہئے؟ وہ سوچتا رہا۔

پھر دفعتاً اس نے جیب سے چاکلیٹ کا پیکٹ اور اپنا پرس نکالا۔ پرس سے کوئی چیز نکالی جو باریک باریک تاروں میں لپٹی ہوئی تھی۔ اس نے بڑی پھرتی سے تار پھیلا دیئے۔ پھر تار کا ایک سرا اپنی کلائی کی گھڑی کی چابی سے منسلک کردیا اور دوسرے سرے کی نوک چاکلیٹ میں اتاردی جس چیز کے گرد یہ تار لپٹے ہوئے تھے اس کے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی پر تھی یہ قطب نما کی سوئی کا کوئی آلہ تھا۔ اس کی سوئی کپکپاتی ہوئی سبز رنگ کے ایک نشان پر ٹھہر گئی اور حمید نے تار کھینچ کر تاروں کے دونوں سروں کو متعلقہ چیزوں سے الگ کرکے اُسے پھر پرس میں رکھ لیا۔

اس آلے کی نشاندہی کے مطابق چاکلیٹ میں کسی نشہ آور چیز کی آمیزش تھی۔

چاکلیٹ کا پیکٹ اس نے پھر جیب میں رکھ لیا۔ اور اب وہ اپنے بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکال کر اس کے چیمبر چیک کررہا تھا۔ خطرے کا احساس لحظہ بہ لحظہ بڑھتا رہا۔ فون کی گھنٹی پھر بجی

لیکن اس بار حمید نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔

فون کی گھنٹی بجتی رہی۔ پھر بند ہوگئی۔حمید نے کرسی کا رخ دروازے کی طرف

تا۔کچھ دیر بعد پھر فون کی گھنٹی بجی۔حمید اپنی ہی جگہ پر جما رہا۔

کئی سکنڈ تک گھنٹی کی آواز کمرے میں گونجتی رہی پھر سناٹا چھا گیا۔

اس بار حمید نے اپنے ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑ دیئے تھے اور کرسی کی پشت گاہ پر گردن ڈ

دی تھی۔دل کی دھڑکنیں شمار کرنا ایسے موقعہ پر بہترین مشغلہ ثابت ہوتا ہے۔

کچھ دیر بعد باہر سے قفل میں کنجی گھومنے کی آواز آئی اور حمید آنکھوں میں خفیف سا

کر کے دروازے کی جانب دیکھتا رہا۔

دروازہ کھلا۔ریٹا اندر داخل ہوئی۔اس کے پیچھے دو آدمی تھے۔وہ حمید کے قریب آ

ان میں سے ایک کے ہاتھ میں بڑا سا تھیلا تھا۔اس نے تھیلا حمید کے پیروں کے قریب

دیا۔

''بس نیچے ہی سے بھر لو.....!'' دوسرا آدمی آہستہ سے بولا۔

اور پھر جیسے ہی پہلا تھیلے کا منہ کھولتا ہوا حمید کے پیروں کے قریب جھکا اسکی بھرپو

اس کے چہرے پر پڑی ساتھ ہی بائیں جانب کھڑے ہوئے آدمی کی گردن بغل میں

لی۔پھر قبل اس کے کہ ریٹا کوئی حرکت کرتی.....بغلی ہولسٹر سے ریوالور بھی نکل آیا۔

لات کھانے والا دیوار سے ٹکا کھڑا اپنے چہرے سے خون پونچھ رہا تھا اور ریٹا

کھڑی تھی۔دوسرے آدمی کی گردن پر حمید کے بائیں بازو کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ

بھی نہیں کرسکتا تھا۔پھر حمید نے جھٹکا دے کر اُسے خود سے الگ کر دیا اور وہ بھی لڑکھ

اپنے دوسرے ساتھی کے قریب جا پہنچا۔

''تم بھی دیوار سے لگ کر کھڑی ہو جاؤ.....ریوالور میں سائیلنسر لگا ہوا ہے۔اس

رہے۔'' حمید نے ریٹا سے کہا۔

اُسکے انداز سے لاپروائی ٹپک رہی تھی۔ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ سب کچھ مذاق

ریٹا چپ چاپ اُن دونوں کے قریب جا کھڑی ہوئی۔

حمید ریوالور کا رخ ان کی جانب کئے ہوئے چند لمحے انہیں گھورتا رہا پھر بائیں ہاتھ سے

چاکلیٹ کا پیکٹ نکالتا ہوا ریٹا سے بولا۔''یہ چاکلیٹ اپنے دوستوں کو کھلاؤ۔''

ریٹا جہاں تھی وہیں بے حس و حرکت کھڑی رہی۔

''چلو.....!'' حمید دانت پیس کر غرایا اور وہ اس طرح اس کے قریب آئی جیسے خواب میں

ل رہی ہو۔حمید نے پیکٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''انہیں یہ چاکلیٹ کھانا پڑے گا۔ورنہ گولی.....نہایت آسانی سے تم تینوں کو قتل کر کے

اجاؤں گا۔''

ریٹا پیکٹ لئے اُن کی طرف مڑی۔

عجیب سی فضا تھی کمرے کی۔چہرے سے خون پونچھنے والا بھی اب تن کر کھڑا ہو گیا تھا اور

وں ہی کے چہروں سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ اس پر تیار نہ ہوں گے۔

''سنو دوستو.....یہ محض دھمکی نہیں ہے۔چاکلیٹ نہ کھانے پر میں تمہیں بے دریغ گولی مار

ناہوں۔'' حمید ریوالور کو جنبش دے کر بولا۔

ریٹا اُن کے قریب پہنچ کر پھر حمید کی طرف مڑی۔

''چاکلیٹ کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر کے تم خود انہیں کھلاؤ.....اور تم دونوں اپنے ہاتھ اوپر

ائے رکھو گے۔'' حمید بولا۔

وہ اس کی ہدایت پر عمل کرنے کے لئے دوبارہ ان دونوں کی طرف مڑی۔

''نہیں.....ہاتھ اوپر ہی اٹھائے رکھو تم دونوں۔ریٹا تمہارے منہ میں رکھ دے گی۔''

انہوں نے اپنے منہ کھول دیئے۔پھر ریٹا انہیں چاکلیٹ کھلاتی رہی اور حمید ان پر نظر

ئے رہا۔وہ انہیں چاکلیٹ کھلا کر پھر اُس کی طرف مڑی اور حمید نے کرسی کی طرف اشارہ

تے ہوئے کہا۔

''ادھر بیٹھ جاؤ۔''

وہ چپ چاپ کرسی پر آ بیٹھی۔

''اے! تم لوگ منہ نہیں چلا رہے۔'' حمید نے ان دونوں کو للکارتے ہوئے ایک کر دیا۔ ہلکی سی ''ٹرچ'' کمرے میں گونجی اور ان دونوں کے درمیان دیوار کا پلاسٹر ادھڑ گیا۔ وہ جلدی جلدی منہ چلانے لگے۔

''نکل جاؤ..... جلدی سے..... ورنہ پنڈلیوں کی ہڈیاں توڑ دوں گا۔'' وہ انہیں چلا کچلتے اور نگلتے دیکھتا رہا۔ پھر ذرا ہی دیر میں انہیں جھومتے اور لڑکھڑاتے بھی دیکھا۔

''ریٹا ڈارلنگ.....!'' حمید نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔ ''اب تم اُن دونوں کو مسہری دو۔ چلو تکلف کی ضرورت نہیں۔''

ریٹا نے اُسے متحیرانہ نظروں سے دیکھا اور پھر چپ چاپ کرسی سے اٹھ گئی۔ ایک کر کے دونوں کو مسہری تک لائی اور انہیں لٹا دیا۔ وہ چپ چاپ لیٹ گئے تھے اور ان آنکھیں بند ہوگئی تھیں۔ ریٹا ہمہ تن سوال بنی حمید کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''وہ ریکارڈ پلیئر ہے کیا.....؟'' حمید نے چھوٹی میز کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

ریٹا نے سر کو اثباتی جنبش دی۔

''ریکارڈوں کا ڈبہ کہاں ہے.....!''

''تم کیا کرنا چاہتے ہو۔'' ریٹا نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''یہ مت پوچھو.....!'' حمید نے ریوالور کو ہولسٹر میں رکھتے ہوئے کہا۔ ''رمبا کا ریکارڈ ہو تو لگا دو.....!''

وہ میز کی طرف بڑھی۔ میز کے نیچے ریکارڈ کا ڈبہ تھا۔ وہ فرش پر بیٹھ کر ریکارڈ نکالنے لگی۔ پشت حمید کی طرف تھی۔

دفعتاً وہ بڑی پھرتی سے حمید کی طرف مڑی۔ اس کے ہاتھ میں اعشاریہ دو پانچ کا پولشڈ پستول تھا۔

''اب تم مسہری کے قریب کھڑے ہو جاؤ۔'' وہ دانت پیس کر پھنکاری۔

''اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔''

حمید نے احمقانہ انداز میں پلکیں جھپکاتے ہوئے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے اور آہستہ آہستہ مسہری کی طرف کھسکنا شروع کر دیا۔

وہ پستول کا رخ اُس کی جانب کئے ہوئے دوسری میز کے قریب آئی اور دراز سے چاکلیٹ کا ایک پیکٹ لے کر اُس کی طرف پھینکتی ہوئی بولی۔ ''اب تم کھاؤ گے چاکلیٹ.....!''

''کھانی ہی پڑے گی۔'' حمید نے مردہ سی آواز میں کہا۔

''اٹھاؤ.....!''

''یہ ناممکن ہے..... خود ہی اٹھا کر کھلا دو..... میں اُن دونوں سے کم خوبصورت نہیں ہوں۔''

''میں کہتی ہوں اٹھاؤ۔''

حمید نے دونوں ہاتھ نیچے گرا دیئے اور آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگا۔

''میں گولی مار دوں گی۔'' وہ پیچھے ہٹتی ہوئی بولی۔

''ضرور مار دو۔'' حمید مسکرا کر بولا۔ ''میں خالی اور بھرے ہوئے پستول کا وزن لوگوں کے رول پر دیکھ لیتا ہوں۔''

وہ اُس کی طرف بڑھتا رہا اور وہ کھسکتی کھسکتی دیوار سے جا لگی۔

دوسرے ہی لمحے میں حمید نے اُس سے پستول چھین لیا اور وہ اُس کے داہنے بازو پر جھول گئی۔ ساتھ ہی رونا بھی شروع کر دیا۔ بُری طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

حمید یونہی خواہ مخواہ بائیں ہاتھ سے اس کا شانہ تھپکتا رہا۔ وہ روئے جا رہی تھی۔

کچھ دیر بعد حمید نے نرمی سے کہا۔ ''اگر تم میری ہدایت پر عمل کرتیں تو اس کی نوبت نہ آتی۔ میں نے کہا تھا کہ رمبا کا ریکارڈ لگا دو۔''

وہ یک بیک سیدھی کھڑی ہوگئی۔ آنسو اب بھی تھے آنکھوں میں لیکن ہچکیاں اور سسکیاں رک گئی تھیں۔

''تم کیا چاہتے ہو.....؟'' اس نے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''رمبا.....!''

''کیا یہ مذاق کا وقت ہے۔'' وہ جھنجھلا گئی۔

''میں اندازہ نہیں کر سکتا کہ یہ کس قسم کا وقت ہے۔''

''تم کون ہو.....؟''

''ایک مسافر..... میں کہتا ہوں رمبا کا ریکارڈ لگادو..... ورنہ اب رحم نہ کھاؤں گا گھونٹ دوں گا۔''

وہ اس طرح ریکارڈ پلیئر کی طرف بڑھی جیسے کوئی پیچھے سے دھکیل رہا ہو۔

ریکارڈ نکال کر پلیئر پر لگایا۔

''آواز کم کرو..... اور کم..... اور کچھ اور..... بس ٹھیک.....!'' حمید کہتا ہوا آگے بڑھا اُس کے دونوں ہاتھ تھام لئے۔

''کک..... کیا مطلب.....!'' وہ ہکلائی۔

''ناچیں گے۔''

''تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔'' وہ بوکھلا کر بے ہوش آدمیوں کی طرف دیکھتی ہوئی بولی

''میں جانتا ہوں کہ انہیں کئی گھنٹے تک ہوش نہ آئے گا.....!''

''تم کیسے جانتے ہو.....؟''

''ناچو.....!'' حمید اُسے کھینچ کر رقص کی پوزیشن میں لاتا ہوا بولا۔

اور وہ بالکل ایسے ہی انداز میں ناچنے لگی جیسے کوئی اُسے چاروں طرف سے دھکیلتا پھر رہا ہو

''خدا کے لئے بتاؤ..... تم آخر چاہتے کیا ہو۔'' وہ کچھ دیر بعد منمنائی اور ساتھ ہی رقص بھی ختم ہو گیا۔

''میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ صبح ہونے تک میں اس کمرے میں مقیم رہوں۔ وقت گزارنے کے لئے رمبا ہی سہی..... یا جو رقص تم پسند کرو..... والز ناچنا آتا ہے؟''

''مجھے دو منٹ بیٹھنے دو.....!'' وہ ہاتھ چھڑا کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

پھر اسی طرح دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ لئے جیسے دفعتاً آنکھوں میں اندھیرا آ گیا ہو۔

''کہو تو ان دونوں کو اٹھا کر غسلخانے میں بند کر دوں۔'' حمید بولا۔

''کیا مطلب.....؟'' وہ چونک کر اُسے گھورنے لگی۔

''مجھے غلط نہ سمجھو۔ بہت شریف آدمی ہوں۔ کچھ دیر لیٹوں گا۔ مسہری خالی کرانی ہے۔''

حمید کہتا ہوا مسہری کی طرف بڑھا۔

''ٹھہرو.....!'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔

حمید سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''میں تمہیں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔''

''نہیں..... میں باز آیا.....!'' حمید کانوں پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

''کیوں.....؟''

''بس اتنا ہی جان لینا کافی ہے کہ تم کسی اور کے جسم میں قیام پذیر ہو۔''

''یہ جھوٹ نہیں.....!'' وہ جھنجھلا کر بولی۔

''چلو تسلیم کر لیا میں نے..... لیکن انہیں غسل خانے میں منتقل کر دینے میں کیا قباحت ہے۔''

''ہمیں یہاں سے جلد از جلد نکل چلنا چاہئے۔''

''اب اس طرح کہیں لے جا کر پھنساؤ گی۔'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

''خدا کے لئے مجھ پر اعتماد کرو..... ورنہ ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہ رہ سکے گا۔''

وہ کلائی کی گھڑی دیکھتی ہوئی بولی۔ ''صرف آدھا گھنٹہ رہ گیا ہے۔ اس کے بعد ہم کہیں نہ ہوں گے۔''

''آخر ہے کیا چکر.....؟''

''وقت نہیں ہے۔ میں تفصیل سے کچھ نہ بتا سکوں گی بس اتنا ہی سمجھ لو کہ یہ دونوں بے چارے بھی مفت میں مارے جائیں گے۔''

''اوہو..... تو کیا انہیں بھی ساتھ لے چلنا پڑے گا۔''

''یہ بھی میری ہی طرح ستم رسیدہ ہیں۔ مجبوراً پڑے ہیں اس چکر میں۔''

''ہوں..... تو تم کہاں لے جاؤ گی انہیں۔''

''تم یہاں سے نکلو تو بتاؤں.....!''

''اس جال کا کوئی دوسرا سرا بھی ہوگا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اس طرح نہ پھنس سکوں تو کسی دوسری تدبیر کے ذریعہ کہیں اور.....!''

''میں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر مضطربانہ انداز میں بولی۔

حمید خاموشی سے اُسے گھورتا رہا۔

''میں خود ڈرائیو کروں گی اور تم اپنا ریوالور بخوبی استعمال کرسکو گے۔''

''میں ان دونوں کو لاد کر نیچے نہیں لے جاسکتا۔''

''تم انہیں صرف غسل خانے میں پہنچاؤ گے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اچھا آؤ..... میرے ساتھ میں تمہیں بتاؤں گی۔'' وہ غسل خانے کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

غسل خانے کا دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہوکر بولی۔ ''آؤ.....!''

''بھلا وہ کونسی بات ہوسکتی ہے جو غسلخانے کے علاوہ اور کہیں نہیں بتائی جاسکتی۔''

''تم آؤ تو.....!'' وہ ہاتھ ملتی ہوئی بولی۔ بہت زیادہ نروس نظر آرہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سچ مچ زیادہ تاخیر موت ہی کا سبب بننے والی ہو۔

حمید غسلخانے میں داخل ہوگیا۔

''اب دروازہ بند کردو۔''

''بڑے غیر مناسب آدمی کا انتخاب کیا ہے تم نے۔'' حمید نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے زہریلی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

ریٹا نے خود ہی ہاتھ بڑھا کر دروازے کا ہینڈل کھینچ لیا۔

''اپنی جان پر کھیل جاؤں گا..... یاد رکھنا۔'' حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

وہ نروس سی ہنسی کے ساتھ بولی۔ ''تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو۔''

پھر اس نے واش بیسن کے نیچے ہاتھ لے جاکر کچھ ٹٹولا..... اور غسلخانے کا فرش لفٹ کے سے انداز میں نیچے کی طرف سرکنے لگا۔ حمید پہلے تو لڑکھڑایا پھر فوراً ہی سنبھالا لے کر ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا تھا۔ ریٹا نے اسے گھورتے ہوئے دیکھا۔

''میرے قریب آئیں تم اور میں نے خودکشی کی۔'' حمید نے نسوانی لہجے میں اُسے دھمکی دی۔

وہ پھر ہنس پڑی۔

پھر دفعتاً حمید کے جسم کو جھٹکا سا لگا..... فرش رک گیا تھا۔

حمید نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ غسلخانے کی چھت کا بلب تقریباً ایک سو فٹ کی بلندی پر نظر آرہا تھا۔ اس نے ایسی ہی گھٹن محسوس کی جیسے کسی بہت ہی گہرے کنوئیں کی تہہ میں کھڑا ہو۔

سامنے ایک دروازہ نظر آیا جس کے قریب ایک سوئچ بورڈ لگا ہوا تھا۔ ریٹا نے ایک سوئچ کے پش بٹن پر انگلی رکھ دی۔ دروازہ کھل گیا۔ سامنے ایک طویل سرنگ تھی لیکن اس میں اندھیرا نہیں تھا۔ دور تک چھوٹے چھوٹے ٹیوب روشن تھے۔

دروازے سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک عجیب وضع کی گاڑی کھڑی نظر آئی۔

''ہم انہیں اسی گاڑی پر لے چلیں گے۔'' ریٹا بولی۔

''ضرور..... ضرور.....!'' حمید اس کے بائیں پہلو پر ریوالور کی نال رکھتا ہوا بولا۔ ''یہاں تم میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''وقت نہ ضائع کرو.....!'' اس نے سوئچ بورڈ کے دوسرے پش بٹن کو دباتے ہوئے کہا۔ ''اب غسلخانے کا فرش پھر اوپر کی طرف جارہا تھا۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ اب تو یہ لڑکی خود اُسے ہی نروس کئے دے رہی تھی۔

فرش اوپر اٹھتے اٹھتے اپنی اصلی جگہ پر آ ٹھہرا۔ ریٹا نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا اور وہ دونوں پھر اُسی کمرے میں واپس آ گئے۔ مسہری پر بے ہوش آدمی اب بھی اُسی حال میں پڑے تھے۔

''بس اب انہیں اٹھا اٹھا کر غسل خانے میں پہنچا دو۔'' ریٹا نے کہا۔

''ہم آخر جائیں گے کہاں؟'' حمید بولا۔

''دیکھو..... اگر تم یہاں رہ گئے تو کسی طرح بھی بچ نہیں سکتے۔ کس کے ہاتھوں نہیں سکو گے..... یہ میں نہیں جانتی۔''

''اچھا تو پھر مجھے مرہی جانے دو۔''

''لیکن میں تو نہیں مرنا چاہتی..... یہ دونوں بھی اچھے مستقبل کی اُمید پر جی رہے ہیں۔''

''کیوں نہ تم تینوں کو پولیس کے حوالے کر دیا جائے۔''

''بے مصرف..... قطعی فضول..... اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔''

حمید تھوڑی دیر تک خاموش کھڑا رہا پھر اس نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور مسہری کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ''اچھی بات ہے۔''

دونوں کو یکے بعد دیگرے اٹھا اٹھا کر غسلخانے میں لے گیا اور ایک بار پھر دونوں غسلخانے کے متحرک فرش پر کھڑے تھے۔ چھت کی روشنی لحظہ بہ لحظہ اُن سے دور ہوتی جا رہی تھی۔

پہلے ہی کی طرح وہ پھر اسی پوائنٹ پر پہنچ گئے جہاں سرنگ کا دروازہ تھا۔ ریٹا نے حمید سے کہا کہ وہ اُن دونوں بے ہوش آدمیوں کو گاڑی تک پہنچائے۔ فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ حمید نے ایک منٹ کے اندر اندر یہ کام بھی انجام دے لیا۔

ریٹا کے اسٹیئرنگ وہیل سنبھالتے ہی حمید اُس کے برابر ہی بیٹھ گیا۔

ریوالور گود میں پڑا ہوا تھا لیکن ریٹا اس کی طرف متوجہ تک نہ ہوئی۔

حمید سرنگ کی بناوٹ کا جائزہ لے رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کسی دھات کے وسیع و عریض پائپ کے اندر سے گذر رہے ہوں۔

اُس سرنگ کو روشن رکھنے والے ٹیوب عام طور پر استعمال کئے جانے والے ٹیوبوں سے

مختلف تھے۔ روشنی بھی کچھ عجیب سی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سرنگ کے ٹمپریچر کا تعلق اُس روشنی سے ہو۔ یہاں گھٹن کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ حمید کا ذہن اتنا ہی تازہ تھا جیسے وہ کھلی فضا میں سانس لے رہا ہو۔

گاڑی اس طرح سرنگ میں دوڑ رہی تھی جیسے کسی پرسکون جھیل کی سطح پر کوئی تیز رفتار کشتی۔ گاڑی کا انجن بھی بے آواز تھا۔ اس سفر کے اختتام پر حمید نے گھڑی دیکھی۔ اس میں دو منٹ سے زیادہ صرف نہیں ہوئے تھے۔

سفر کا اختتام سرنگ کا بھی اختتام نہیں ثابت ہوا تھا۔ بلکہ یہ گاڑی ایک دروازے میں داخل ہو کر ایک بہت بڑے ہال میں پہنچی تھی۔

''اب ان دونوں کو گاڑی ہی میں پڑے رہنے دو۔'' ریٹا نے حمید سے کہا۔

''اور میں.....!''

''میرے ساتھ آؤ۔''

''چلو.....!'' حمید نے کہا اور اس کے پیچھے چل پڑا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے اُسے کرنا بھی چاہئے یا نہیں۔

ریٹا ہال سے ملحقہ ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل ہوئی جہاں پیغام رسانی کے آلات کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ ایک ٹرانسمیٹر کے سامنے کھڑی ہو کر فریکوینسی سیٹ کرنے لگی۔ پھر بولی۔ ''ہیلو..... بی آئی بی..... ہیلو..... بی آئی بی۔''

''بی..... آئی بی..... اسپیکنگ.....!'' ریسیور سے آواز آئی۔

''وہ پتہ نہیں کہاں چلا گیا..... ہم جب کمرے میں پہنچے تو مسہری خالی تھی اور اُس نے چاکلیٹ بھی نہیں استعمال کئے تھے..... اُوور.....!''

''تھری سکس کو اس کی اطلاع دو..... اُوور.....!''

ریٹا نے پھر فریکوینسی تبدیل کی اور یہی اطلاع کسی ''تھری سکس'' کو بھی دے کر ٹرانسمیٹر کا سوئچ آف کر دیا۔ ''تھری سکس'' کی طرف سے کچھ نہیں کہا گیا تھا۔

وہ اُسے باہر چلنے کا اشارہ کرتی ہوئی خود بھی دروازے کی طرف بڑھی۔ پھر اُسی لائین کے دوسرے کمرے کا رخ کرتی ہوئی اس سے بولی۔ ''اب ہم بے خوف ہوکر یہاں کچھ دیر ٹھہر سکتے ہیں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ خاموشی سے اُس کمرے میں داخل ہوگیا۔ یہاں ایک مسہری ایک میز اور دو کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ میز پر کئی عدد موٹی موٹی مجلد کاپیاں رکھی نظر آئیں۔

''بیٹھ جاؤ.....!'' ریٹا کرسی کی طرف ہاتھ اٹھا کر مسکرائی۔ ''ابھی ایک بار پھر تمہیں ریوالور نکال لینا پڑے گا۔''

''ہوسکتا ہے.....!'' حمید نے لاپرواہی سے کہا۔

ریٹا نے میز سے ایک کاپی اٹھائی اور حمید کی طرف بڑھاتی ہوئی بولی۔

''تمہارے لئے اس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔''

حمید نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سر کو لایعنی سی جنبش دی اور کاپی کی طرف متوجہ ہوگیا اور پھر وہ ذہنی جھٹکا جو اس کے اوراق الٹتے ہی لگا تھا ایسا نہیں تھا کہ اس کے حواس پر اثر انداز نہ ہوتا۔

پہلے صفحے پر کرنل فریدی کی تصویر تھی اور تصویر کے نیچے اس سے متعلق ایک مختصر نوٹ۔

دوسرے صفحے پر اس نے اپنی تصویر دیکھی..... اسی طرح اس کے محکمے کی دوسری نمایاں شخصیتوں کی تصاویر نظر آئیں۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ دفعتاً اس نے بڑی لاپروائی سے وہ البم میز پر ڈال دیا اور سوالیہ نظروں سے ریٹا کی طرف دیکھنے لگا۔

وہ مسکرائی۔ چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی پھر بولی۔ ''اب نکالو ریوالور.....!''

''اب میں اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔''

''کیوں.....؟''

''میں ہر معاملے میں موڈ کا پابند ہوں۔ اس وقت بہت اچھا موڈ ہے۔ لہٰذا میں کشت

خون کی باتیں نہیں سوچ سکتا۔''

''کیا تم ہم لوگوں کے بارے میں پہلے سے کچھ جانتے تھے.....؟''

''تم لوگ ہو کیا بلا.....؟''

''ہم میں سے شائد ہی کوئی جانتا ہو کہ وہ کیا کر رہا ہے اور کیوں کر رہا ہے؟''

حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ''اب ہم یہاں کیا کر رہے ہیں!''

''بس دو منٹ بعد ایک پیغام ریسیو کرنا ہے۔'' وہ گھڑی دیکھتی ہوئی بولی۔

وہ وہاں سے اٹھ کر پھر آپریشن روم میں آئے۔

ریٹا نے ٹرانسمیٹر کا سوئچ آن کر دیا اور گھڑی دیکھتی رہی۔

دفعتاً ریسیور سے آواز آئی۔ ''ہیلو..... ٹی تھرٹین..... ٹی تھرٹین.....!''

''ٹی تھرٹین.....!'' ریٹا بولی۔

''معلوم کرو کہ وہ تمہارے کمرے سے کہاں گیا تھا۔ اس پر کڑی نظر رکھو..... اُوور.....!''

''اگر وہ ہوٹل ہی سے چلا گیا تو.....!''

''سوال تو یہ ہے کہ اچانک ہوٹل ہی سے کیوں چلا جائے گا۔''

''سوال یہ ہے کہ وہ میرے کمرے ہی سے کیوں غائب ہوگیا۔'' ریٹا جھنجھلا کر بولی۔

''اُوور..... اینڈ آل.....!'' دوسری طرف سے غراہٹ سنائی دی اور ریٹا نے ٹرانسمیٹر کا سوئچ آف کر دیا۔

حمید حد درجہ کا لاپرواہ نظر آ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی ہوش مند آدمی کسی ''بازیچہ اطفال'' سے دوچار ہو۔

ریٹا نے پھر اُسے باہر چلنے کا اشارہ کیا۔ اس بار وہ سیدھے گاڑی کی طرف آئے تھے۔ بے ہوش آدمیوں کی حالت میں کوئی فرق نہیں ہوا تھا۔

''ان کا مسئلہ میری سمجھ سے باہر ہے۔'' ریٹا پرتشویش لہجے میں بولی۔

''کیوں.....؟''

''میں نہیں جانتی کہ یہ کس طرح ہوش میں آئیں گے۔''

''کیا یہ ضروری ہے کہ یہ ہوش میں بھی آئیں۔''

''کیوں نہیں؟''

''تم اب یہاں کتنی دیر تک ٹھہر سکتی ہو۔''

''جتنی دیر چاہوں..... میرا کمرہ اندر سے مقفل ہے اور میں ڈیوٹی بھی ختم کر چکی ہوں۔''

''تو پھر ہم اطمینان سے گفتگو کر سکیں گے۔ ہوسکتا ہے اتنی دیر میں یہ لوگ ہوش میں بھی آجائیں۔''

''تم کس قسم کی گفتگو کرنا چاہتے ہو.....؟''

''ظاہر ہے کہ تم مجھے کچھ بتانا چاہتی ہو..... اور یہ بھی جانتی ہو کہ میں آسانی سے کسی بات پر یقین نہ کرسکوں گا۔''

''کیا اس پر بھی آسانی سے یقین نہیں کرو گے کہ میں تمہیں بے ہوش کر کے کہیں لے جانا چاہتی تھی۔''

''اس پر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔''

''یہ ایک مسلسل اذیت ہے کیپٹن.....!'' وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ ''یہ دونوں بے چارے عرصہ سے دکھ جھیل رہے ہیں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ بھی کسی سوچ میں پڑ گئی تھی۔ دفعتاً اس نے سر اٹھا کر کہا۔ ''یہ حقیقت ہے کہ میں بہت گہری کھڈ میں گر گئی تھی۔ پھر مجھے ہوش نہیں کہ کیا ہوا۔ البتہ ہوش آنے پر میں نے خود کو اس اجنبی جسم میں پایا تھا۔ عجیب سا کمرہ تھا۔ اس ہال اور ان کمروں سے بھی زیادہ عجیب جس کی چھت آسمان معلوم ہوتی تھی۔ میں اس کمرے میں تنہا تھی۔ آنکھ کھلتے ہی اٹھ بیٹھی۔ سامنے قد آدم آئینہ تھا۔ چیخ نکل گئی اپنی شکل دیکھ کر۔ ٹھیک اسی وقت ایک آواز سنائی دی جو کہہ رہی تھی کہ مجھے حراساں نہ ہونا چاہئے۔ مجھے ایک خوبصورت جسم میں منتقل کر دیا گیا ہے۔''

''وہی کہانی جو تم نے مجھے کاؤنٹر پر سنائی تھی۔''

''ہاں..... وہی کہانی..... وہ جھوٹ نہیں تھا۔ میں اپنے اصلی جسم میں نہیں ہوں۔ بہر حال میں نے اپنا اصلی جسم بھی دیکھا تھا جسے پہچاننے میں بھی دشواری ہوئی تھی۔''

''کیا تمہارا اصلی جسم اتنا پرکشش نہیں تھا۔''

''اتنا پرکشش نہیں تھا۔ لیکن مجھے اس سے محبت تھی۔ تم اندازہ نہیں کر سکتے کہ میں اس کی شکستہ حالی پر کس قدر روئی تھی۔ اس آواز نے مجھے بتایا تھا کہ وہ جسم کسی طرح بھی کارآمد نہ ثابت ہوتا اس لئے مجھے دوسرے جسم میں منتقل کر دیا گیا اور اب میں اس نادیدہ آدمی کی ادنیٰ کنیز ہوں جس کی آواز میں نے اس کمرے میں سنی تھی۔''

''ادنیٰ کنیز کیوں؟''

''جو کچھ وہ کہتا ہے مجھے کرنا پڑتا ہے۔ میں کیا سب ہی اسی لئے اُس کے غلام ہیں کہ وہ حیرت انگیز قوتوں کا مالک ہے۔''

''اوہو..... شائد یہ ہوش میں آرہے ہیں۔'' حمید نے بے ہوش آدمیوں کی طرف اشارہ کیا۔

''ہاں..... بس اب خاموش رہو۔ بلکہ یہاں سے ہٹ جاؤ۔ میں ان لوگوں کا عندیہ لئے بغیر نہیں چاہتی کہ انہیں اس سمجھوتے کا علم ہو۔''

''لیکن میرا مشورہ ہے کہ تم انہیں کچھ بھی نہ بتاؤ۔ ان سے کہہ دینا کہ میں نکل بھاگا تھا اور تم انہیں کسی نہ کسی طرح یہاں تک لے آئیں تھیں۔''

دفعتاً حمید فرش پر بیٹھ گیا۔ کیونکہ بے ہوش آدمیوں میں سے ایک سر اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

پھر اس نے اس کی بھرائی ہوئی سی آواز بھی سنی۔ ''میں کہاں ہوں؟''

''تم محفوظ ہو.....!'' ریٹا بولی۔ ''وہ بھاگ گیا..... میں تم دونوں کو کسی نہ کسی طرح یہاں اٹھا لائی۔''

''یہ بہت بُرا ہوا۔'' گاڑی کے اندر سے آواز آئی۔ ''اب ہماری خیر نہیں۔''

''تم گھبراؤ نہیں۔ میں نے اس سے ایک بہت بڑا جھوٹ بولا ہے۔'' ریٹا نے کہا۔

''کیسا جھوٹ.....؟''

''میں نے اُسے آگاہ کردیا ہے کہ کیپٹن حمید نہ تو میرے کمرے میں رکا تھا اور نہ اس نے چاکلیٹ استعمال کی تھی۔ ہم جب کمرے میں پہنچے تو کمرہ خالی تھا۔''

''یہ بہت اچھا کیا تم نے مس ریٹا..... میں ساری زندگی تمہارا احسان مند رہوں گا۔''

اتنے میں دوسرے آدمی کو بھی ہوش آ گیا اور اسے بھی یہی بتایا گیا۔ پہلے آدمی کی طرح اس نے بھی اس پر اظہار مسرت کیا۔ پھر پہلا آدمی بولا۔ ''تم بہت بڑے خطرے میں پڑ گئی ہو مس ریٹا۔''

''کیسا خطرہ.....؟''

''اس جاسوس کے اس طرح نکل جانے سے..... ہم تک تو وہ پہنچ نہ سکے گا لیکن تم ہوٹل کے کاؤنٹر پر بیٹھی ہو اور اُس کے حکم کے بغیر تم وہاں سے بھی نہیں ہٹ سکتیں۔''

''ہاں..... میں خطرے میں ہوں۔''

''پھر کیا کرو گی؟''

''میری فکر نہ کرو۔ تم دونوں اپنے کمروں میں جا کر آرام کرو۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر چاکلیٹ کی مقدار زیادہ ہوتی تو تم کئی گھنٹے تک سر نہ اٹھا سکتے۔''

وہ دونوں گاڑی سے اُترے تھے اور حمید دوسری طرف کھسک گیا تھا۔

''تین چار گھنٹے گزر جانے پر میں تم دونوں کو باہر نکال دوں گی۔'' ریٹا نے انہیں مخاطب کر کے کہا۔

پھر حمید نے انہیں ایک کمرے کی جانب جاتے دیکھا۔ اُن کے پیر لڑکھڑا رہے تھے۔ جیسے ہی انہوں نے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کیا ریٹا نے آہستہ سے حمید کو مخاطب کر کے کہا۔ ''اب تم گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔''

حمید اسی جگہ بیٹھ گیا جہاں پہلے بیٹھا تھا۔ اب اس کی پلکیں نیند کے دباؤ سے بوجھل ہوتی جا رہی تھیں۔ ریٹا نے مشین اسٹارٹ کی اور گاڑی دروازے سے گزرتی ہوئی پھر سرنگ میں

ل ہو گئی۔

حمید نے دوسری طرف ہاتھ اٹھا کر پوچھا۔ ''ادھر کیا ہے؟''

''میں نہیں جانتی۔ وہ دونوں بھی نہیں جانتے۔ ہمیں حکم ہے کہ اس سرنگ میں ہال سے لے نہ بڑھیں۔''

''کبھی بڑھ کر تو دیکھا ہوتا۔''

''ہمت نہیں پڑتی۔''

''آخر کیوں؟''

''پتہ نہیں کیا ہو اس کے آگے۔''

''تو تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ لوگوں کو بے ہوش کر کے یہاں پہنچا دو۔''

''ہاں..... اسکے بعد کا حال میں نہیں جانتی۔ وہ دونوں بھی نہیں جانتے۔''

''اس لڑکی کے باپ کے بارے میں بھی کچھ بتاؤ جو میرے ساتھ تھی۔''

''اُسے بھی میں نے ہی پہنچایا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک آدمی اور بھی تھا دونوں کی ی ہوئی تھی اور وہ دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کو گھورا کرتے تھے۔''

''دوسرا آدمی کس کمرے میں تھا۔''

''اسی کے برابر والے کمرے میں۔ پھر وہ اچانک غائب ہو گیا۔ دو دن سے نہیں دکھائی دیا۔''

''آخر ان حرکتوں کا مقصد کیا ہے؟'' حمید نے پوچھا۔

''مجھ سے تو کام لیا جا رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ مقصد بھی یہی ہے۔ اس طرح وہ لوگ لئے کام کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ میرے لئے یہ دھمکی ہے کہ اگر میں نے ان کے حکم کی ی کی تو اس بار مجھے کسی جانور کے جسم میں منتقل کر دیا جائے گا۔''

''بکری کے جسم میں تم خود کو کیسی لگو گی۔'' حمید نے اس انداز میں کہا جیسے خود ہی اُسے دینے کا ارادہ رکھتا ہو۔

وہ کچھ نہ بولی۔ کسی گہری سوچ میں پڑ گئی تھی۔

البم

کاؤنٹر کے قریب پہنچ کر حمید کے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اُس سے اتنی جلدی ملاقات ہو سکے گی۔ غالباً وہ خاص طور پر کوئی پلین چارٹر کرا کے یہاں آیا ہے شائد کاؤنٹر کلرک سے معلومات فراہم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

حمید اپنے ریڈی میڈ میک اپ میں اس کے قریب سے گزرتا چلا گیا۔ ریٹائرمنٹ سے وہ اسی میک اپ میں برآمد ہوا تھا۔ اس کی شکل دیکھ کر وہ کافی دیر تک ہنستی رہی تھی۔

حمید صدر دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ ویسے فریدی کے قریب سے گزرتے اپنے مخصوص انداز میں کھنکھارا تھا اور ساتھ ہی اُسے اپنی ناک میں رکھے اسپرنگ بھی پڑے تھے۔ کیونکہ کھنکھار کے جھٹکے نے انہیں ان کی جگہ سے کسی قدر ہٹا دیا تھا۔

فریدی نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر کاؤنٹر کلرک سے باتیں کرنے لگا۔

حمید لان پر نکل آیا۔ صبح کا دھندلکا پھیلنے لگا تھا۔

بڑی خوشگوار خنکی تھی۔ فریدی سے مڈبھیڑ ہو جانے کے بعد پھر نیند کہاں۔ معلومات جو اس نے حاصل کی تھیں اس کے ذہن میں لاوے کی طرح ابلنے لگی تھیں۔ جلد از جلد فریدی پر اپنی کارگزاریوں کا رعب ڈال سکے۔

نیند اس طرح آنکھوں سے غائب ہوئی تھی جیسے پچھلی رات ایک پل کے لئے کھلی ہو۔ وہ لان پر ٹہلتا رہا۔ پھر کچھ دیر بعد اس نے دیکھا کہ فریدی صدر دروازے کھڑا سگار سلگا رہا ہے۔

حمید جہاں تھا وہیں رک گیا۔

فریدی اسی کی طرف آ رہا تھا۔ جیسے ہی قریب آیا حمید بول پڑا۔

''یہ ہوٹل ہمارے قیام کے لئے مناسب نہیں۔''

''میں جاوداں میں ٹھہرا ہوں۔'' فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

''مجھے بھی وہیں لے چلئے..... جلدی کیجئے..... ورنہ بے ہوش ہو جاؤں گا۔''

''صورت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔''

''میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں..... جتنی جلد ممکن ہو یہاں سے نکل چلئے۔''

''چلو.....!'' فریدی پھاٹک کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ''جس ٹیکسی سے آیا تھا اُسے انگیج کر لیا تھا۔''

حمید خاموشی سے اُس کے پیچھے چلتا رہا۔ ٹیکسی میں بیٹھ جانے کے بعد بھی وہ خاموش ہی رہا۔

ٹیکسی ہوٹل جاوداں کی طرف جا رہی تھی۔ جاوداں اعلیٰ درجہ کے ہوٹلوں میں سے تھا۔

فریدی نے اپنے لئے ایسا حصہ مخصوص کرایا تھا جس میں تین کمرے تھے۔ ہوٹل پہنچ کر حمید نے سوچنا شروع کیا کہ آخر اپنی یہ اُوٹ پٹانگ کہانی کہاں سے شروع کرے۔

''ڈی آئی جی صاحب سے پھر ملاقات ہوئی تھی یا نہیں۔'' فریدی ہی نے گفتگو کی ابتداء کی۔

''نہیں.....!''

''سعیدہ کہاں ہے؟''

''میرے کمرے میں..... اور میں غریب الوطنی کی زندگی بسر کرتا رہا ہوں۔ اُف فوہ..... آپ نے اس لڑکی کا نام لے کر پھر میری زندگی تلخ کر دی۔''

''کیوں.....؟ کیا ہوا.....؟''

''یہ پوچھئے کیا نہیں ہوا.....؟''

پھر اس نے سعیدہ ہی کے بارے میں بتاتے ہوئے وہ ''طلسم ہوشربا'' شروع کر دی جو خود اُسے اس وقت محض ایک خواب معلوم ہو رہی تھی۔

فریدی صبر و سکون کے ساتھ سنتا رہا۔

''اور اب میں نیند کے سمندر میں غرق ہونے والا ہوں۔'' حمید نے آخر میں کہا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کسی گہری سوچ میں تھا۔ حمید اس کی طرف ملتجیانہ نظروں سے دیکھتا ہوا اونگھنے لگا۔

''لوگوں کو اپنا غلام بنائے رکھنے کے لئے یہ حرکت کی گئی ہے۔ ریٹا کا خیال ہے کہ اگر اس نے ان کیلئے کام کرنے سے انکار کر دیا تو اسے کسی جانور کے جسم میں منتقل کر دیا جائے گا۔''

''کیا ہم شہنشاہ افراسیاب والئی ''طلسم ہوشربا'' سے دوچار ہونے والے ہیں۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ خود ہی جیپ ڈرائیو کر رہا تھا۔

سورج غروب ہونے میں ابھی دیر تھی۔ مغربی افق کے اَبر آلود ہونے کی بناء پر رنگا رنگ دھاریاں دور تک پھیلتی چلی گئی تھیں اور خودرو پھولوں کی مہک سے فضا معمور تھی۔

حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بڑبڑایا۔ ''ویسے کبھی ادھر آنے کی توفیق نہیں ہوئی تھی۔''

''بڑی پُر فضا جگہ ہے۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔ ''شائد تمہارا سکون زیادہ عرصہ تک برقرار نہ رہ سکے۔''

''کیوں.....؟''

''قاسم کو تمہاری تلاش تھی۔ کسی طرح علم ہو گیا ہے اُسے کہ تم نے کہیں کے لئے فلائی کیا ہے۔ لہٰذا مختلف فضائی کمپنیوں کے دفتروں کے چکر کاٹتا پھر رہا تھا۔''

''آنے دیجئے۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''ہاں..... دیکھو تم اُس لڑکی سے دور ہی رہو گے۔''

''کس لڑکی سے.....؟''

''وہ..... ریٹا.....!''

''کیا آپ اس سے ملے تھے؟''

''فی الحال ضرورت نہیں سمجھی۔''

''آخر یہ ہے کیا چکر.....؟''

''دیکھیں گے۔''

''آپ کو ان حالات کا علم کیسے ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ آپ کو پہلے ہی اطلاع مل چکی تھی۔ اس لئے آپ نے مجھے اس طرح بے سروسامانی کی حالت میں روانہ کر دیا تھا۔''

''بہتر ہے۔'' فریدی کچھ دیر بعد بولا۔ ''تم جا کر سو جاؤ۔''

''اللہ آپ کو لاتعداد سالیوں اور سالوں سے نوازے۔'' حمید ہاتھ اٹھا کر اُسے دعا دیتا ہوا خود بھی اٹھ گیا۔

بیڈ روم میں آیا اور جوتوں، کپڑوں سمیت بستر پر گر گیا۔ ایک آدھ کپ چائے لینے کی بھی زحمت گوارا نہ کی۔ لیٹتے ہی خراٹے لینے لگا۔

پھر شام کے چار بجا دیئے تھے۔ فریدی نے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگایا تھا۔

''عذاب قبر کا سزاوار نہیں تھا۔'' وہ آنکھیں ملتا ہوا بڑبڑایا۔ ''لیکن خیر.....!''

''تم ابھی زندہ ہو فرزند..... ہوش میں آؤ۔''

''کتنا خوبصورت خواب تھا۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''میں نے دیکھا جیسے آپ الزبتھ ٹیلر کے جسم میں منتقل کر دیئے گئے ہوں۔''

''تمہیں بیس منٹ کے اندر اندر تیار ہو جانا ہے۔'' فریدی اس کی بکواس پر دھیان نہ دیتا ہوا بولا۔

''غالباً میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ ان لوگوں کے پاس ہماری تصویریں بھی موجود ہیں۔'' حمید نے پرتفکر لہجے میں کہا۔

''ہاں میں جانتا ہوں..... تم سے جو کچھ کہا ہے اس پر عمل کرو۔''

فریدی نے ایک جیپ کار ایک ہفتہ کے لئے کرائے پر حاصل کی تھی۔ وہ دونوں بیس پچیس منٹ بعد وہاں سے روانہ ہوئے۔

''آپ ملے ڈی آئی جی صاحب سے۔'' حمید نے پوچھا۔

''ملا تھا..... لیکن میں ان کے لئے قطعی اجنبی ثابت ہوا۔''

''آخر یہ سب ہے کیا.....؟''

''میری دانست میں تو اس لڑکی ریٹا کا خیال بالکل درست ہے۔''

''کس سلسلے میں.....؟''

''ہاں مجھے علم تھا کہ کوئی غیر معمولی واقعہ ہوا ہے۔''

''سعیدہ کا خیال ہے کہ ڈی آئی جی صاحب ذہنی توازن کھو بیٹھے ہیں۔''

''عام حالات میں یہی سمجھا جائے گا۔''

''شکیلہ اور نورا کے کیس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟''

''آج میں نے ان دونوں کے معاملات کی تصدیق بھی کر لی ہے۔ دونوں ہسپتال میں ہیں۔''

''میرا خیال ہے کہ اگر میرے جی بہلنے کا کوئی سامان نہ ہوا تو میں بھی پاگل ہو جاؤں گا۔''

''تمہیں ہوٹل فیضان ہی میں مقیم رہنا ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اگر اس طرح وہاں سے غائب ہو گئے تو اس لڑکی ریٹا کی زندگی خطرے میں پڑ جا۔ گی۔ کوئی بہت بڑا کھیل ہے۔ ہمیں محتاط رہنا پڑے گا۔''

''میں رہ جاؤں گا..... لیکن ڈاکٹر سعیدہ؟''

''اسے بھی برداشت کرو..... کسی نہ کسی طرح۔''

''بے موت مر جاؤں گا۔''

''کچھ بھی ہو۔''

''لیکن اس کمرے میں تو قیام نہیں کر سکتا۔''

''صرف دو دن اور ٹھہرو وہاں۔ تا کہ لڑکی ان لوگوں کے شبہے سے بالاتر ہو جائے۔''

''پھر بھی..... مجھے دوسرا کمرہ چاہئے۔''

''اس کا انتظام بھی میں نے کر دیا ہے۔''

''سعیدہ کو واپس بھجوا دیجئے نا.....!''

''وہ اپنے باپ کو اس حال میں چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہے۔''

''تو ہم کہاں جا رہے ہیں اس وقت.....!''

''فیضان.....!''

''اور آپ.....؟''

''میں وہیں جا داں میں قیام کروں گا۔''

''ساتھ کیوں نہ رہیں۔''

''مناسب نہیں سمجھتا..... کیا تم خائف ہو.....؟''

''ہرگز نہیں..... میں تو جنت الفردوس کے خواب دیکھ رہا ہوں۔''

''نہیں..... کچھ حراساں نظر آ رہے ہو۔''

''مجھے سعیدہ سے بچایئے ورنہ خودکشی کر لوں گا۔''

''کیا بہت بور کرتی ہے۔'' فریدی مسکرایا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ بُرا سا منہ بنائے بیٹھا رہا۔ فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ''میں نے اس پر معمولی جسامت رکھنے والے آدمی کے بارے میں بھی چھان بین کی تھی۔''

''وہ کون تھا.....؟ وہ اس طرح پگھل کیوں گیا تھا۔''

''دونوں ہی باتیں نہیں معلوم ہو سکیں۔''

''پھر کیا چھان بین کی تھی آپ نے؟''

''کلب میں پہلی ہی بار دیکھا گیا تھا۔ رقاصہ کا پتہ ابھی تک نہیں چل سکا۔ تمہیں یقین ہے کہ تم نے اُسے رقاصہ کی طرف ہاتھ بڑھاتے دیکھا تھا۔''

''جی ہاں..... اور وہ خود کو بچا گئی تھی۔ لیکن پھر جو اس کی طرف نظر اٹھی تھی تو میں نے اُسے اونگھتے پایا تھا۔ سر سینے پر جھکا ہوا تھا۔''

فریدی ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا کر رہ گیا۔

جیپ ہوٹل فیضان کے پھاٹک پر روک دی گئی۔ فریدی نے حمید سے اُترنے کو کہا۔

''اور آپ.....؟''

''میں واپس جاؤں گا۔ اس وقت کاؤنٹر پر ریٹا ہی موجود ہے۔ وہ تمہیں تمہارے کمرے کی کنجی دے گی۔ کچھ دیر کاؤنٹر پر رک کر اس سے چھیڑ چھاڑ ضرور کرنا۔''

''کیا مطلب.....؟'' حمید کی آنکھیں پھیل گئیں۔

''چھیڑ چھاڑ کا ترجمہ کس زبان میں چاہتے ہو۔'' فریدی نے بے حد خشک لہجے میں

حمید گاڑی سے نیچے اُتر کر کچھ کہے سنے بغیر آگے بڑھتا چلا گیا۔ مڑ کر دیکھا بھی

فریدی موجود ہے یا چلا گیا۔

صدر دروازے سے ڈائینگ ہال میں داخل ہوا۔ شام کے ساڑھے پانچ بج رہے

زیادہ تر میزیں ابھی خالی تھیں۔

کاؤنٹر کی طرف مڑا ہی تھا کہ ڈی آئی جی اور سعیدہ پر نظر پڑی۔ وہ کاؤنٹر کے قریب

کی ایک میز پر تھے۔ کسی مسئلہ پر الجھ گئے تھے۔ شائد گفتگو کے انداز سے جوش و خروش ظاہر

تھا۔ ریٹا بھی انہیں کی طرف متوجہ تھی۔

''میرے لئے کوئی کمرہ بک ہوا ہے۔'' حمید نے ریٹا سے پوچھا۔

''آپ کا نام جناب.....؟'' وہ مسکرائی۔

''کیپٹن ساجد حمید۔''

''جی ہاں۔'' اس نے دراز سے کنجی نکال کر کاؤنٹر پر ڈال دی۔ اتنے میں سعیدہ

اُسے اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ وہ کرسی سے اٹھ کر اس کے قریب آئی اور گھورتی ہوئی بولی۔

کہاں تھے؟''

''مجھے اس وقت بھی نہیں معلوم کہ میں کہاں ہوں۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر

''مجھ سے بے تکی باتیں نہیں چلیں گی۔''

اتنے میں ڈی آئی جی بھی اٹھ کر اُن کے قریب آ گیا۔

''سنئے جناب۔'' اس نے حمید سے کہا۔ ''ان صاحبزادی نے میری زندگی تلخ کر

دی ہے۔ میں انہیں کس طرح سمجھاؤں کہ یہ جسم ان کے باپ کا ہوسکتا ہے لیکن میں ان کا

نہیں ہوسکتا۔ میری عمر اتنی زیادہ نہیں کہ ان جیسی بیٹی کا تصور بھی کرسکوں۔''

''آپ مجھ سے کیا کہہ رہے ہیں جناب۔'' حمید جھنجھلا کر بولا۔ ''انہوں نے مجھے

زندہ رہنے کے قابل چھوڑا ہے۔''

''کیا مطلب.....؟'' سعیدہ نے آنکھیں نکالیں۔

''کک.....کچھ نہیں.....!'' حمید نے گڑبڑا کر کہا اور ریٹا کی طرف متوجہ ہوگیا۔

''ادھر دیکھو میری طرف.....!'' سعیدہ اس کا شانہ پکڑ کر اپنی جانب موڑتی ہوئی بولی۔

''خدارا.....میری خطائیں معاف کردیجئے۔'' حمید گھگھیایا۔

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی اور ریٹا نے ریسیور اٹھالیا۔ سعیدہ حمید کو گھورے جارہی تھی۔

''کوئی صاحب آپ کو پوچھ رہے ہیں۔'' ریٹا نے ماؤتھ پیس میں ہاتھ رکھ کر حمید سے کہا۔

''کیا پوچھ رہے ہیں.....؟''

''کہ فیضان میں کیپٹن حمید نام کے کوئی صاحب مقیم ہیں یا نہیں۔''

''آپ نے کیا کہا۔''

''یہی کہ رجسٹر دیکھ کر بتا سکوں گی۔ ہولڈ آن کیجئے۔''

حمید سوچنے لگا۔ کون ہوسکتا ہے۔ فریدی تو اس طرح پوچھ نہیں سکتا کیونکہ وہ خود ہی ابھی

ابھی اُسے یہاں چھوڑ کر گیا تھا۔ پھر کون ہوسکتا ہے۔

اس نے ریٹا سے ریسیور لینے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔

''ہیلو.....!'' اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ''کون صاحب ہیں۔''

''قاسم صاحب۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''قبر میں بھی تم مجھے چین نہ لینے دو گے؟''

''قون .....حمید بھائی۔'' دوسری طرف سے چہک کر پوچھا گیا۔ پھر فوراً ہی کسی قدر

ناخوشگوار لہجے میں کہا گیا۔ ''سالے وہ رات بھول گئے جب تم نے وعدہ کیا تھا۔''

''کیسا وعدہ.....؟'' حمید نے نتھنے پھلائے۔

''یہی کہ جب بھی کسی اچھی جگہ پر جاؤ گے مجھے جرور.....ضرور ساتھ لے جاؤ گے۔''

''یہاں ہرگز مت آنا ورنہ جان سے مار دوں گا۔''

''ابے جاؤ..... تمہارے باپ کا ہوٹل ہے نا کہ نہ آؤں گا.....!''

حمید نے ریسیور کریڈل پر پٹخ کر سعیدہ سے کہا۔ ''اب میری زندگی محال ہے۔''

''کون تھا.....؟'' سعیدہ نے پوچھا۔

''ابھی معلوم ہو جائے گا۔'' حمید نے کہا اور پھر ڈی آئی جی کی طرف مڑ کر بولا۔ ''آپ کے لئے مناسب یہی ہے کہ آپ زیادہ سے زیادہ آرام کریں۔''

''میں بیمار تو نہیں ہوں۔'' ڈی آئی جی نے کسی قدر ترش لہجے میں کہا۔

''آپ کی مرضی.....!'' حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور میزوں کے درمیان سے دوسرے سرے تک بڑھتا چلا گیا۔

بالکل دیوار کے قریب کی ایک جگہ پر ایک میز اپنے لئے منتخب کر کے ویٹر کو کافی کا آرڈر دیا۔ سعیدہ ڈی آئی جی کو چھوڑ کر اس کے پیچھے چل پڑی تھی۔

''میں نے بھی ابھی تک شام کی چائے نہیں پی۔'' وہ کرسی کھینچ کر بیٹھتی ہوئی بولی۔

''آپ کے کمرے میں بھجوا دی جائے گی۔ آپ کے لئے بھی میرا مشورہ یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ آرام کیجئے۔''

''تم تھے کہاں.....؟''

''محترمہ..... میرے حال پر رحم کیجئے۔''

''کیا مطلب؟ تم آخر مجھ سے اس انداز میں گفتگو کیوں کر رہے ہو؟''

''آج صبح آپ نے لباس کیوں تبدیل نہیں کیا.....؟''

''تم سے مطلب.....؟''

''بس تو پھر آپ بھی میرے معاملات میں کوئی سروکار نہ رکھئے۔''

''تمہیں کرنل فریدی نے یہاں کیوں بھیجا تھا؟''

''اس کا جواب میں صرف کرنل ہی کو دے سکوں گا۔''

''تم میرا ہاتھ نہیں بٹا رہے؟''

''بٹا تو رہا ہوں..... آپ کے والد صاحب اپنے کمرے میں تشریف لے گئے۔''

''وہ تو میں نے ہی روک رکھا تھا انہیں۔ تمہارے مشورے پر انہوں نے عمل نہیں کیا۔''

''آپ چاہتی کیا ہیں؟''

''میری نظروں کے سامنے رہو۔''

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ویٹر کافی لایا۔

''میں بھی کافی ہی پی لوں گی۔'' سعیدہ بولی۔

''اور لاؤ.....!'' حمید نے ویٹر سے مردہ سی آواز میں کہا۔

''ود کریم.....!'' سعیدہ بولی۔

ویٹر چلا گیا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ آخر اس مصیبت سے کیونکر نجات ملے گی اور پھر وہ موٹا مردود بھی تھوڑے ہی سی دیر میں یہاں دھرا ہوگا۔

''ٹھہرو..... میں ابھی آتی ہوں۔'' وہ اٹھتی ہوئی بولی۔

''میں نے کافی کے لئے کہہ دیا ہے۔''

حمید منہ کھولے دیکھتا رہ گیا۔ وہ تیز تیز چلتی ہوئی نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔

تھوڑی دیر بعد اس کی کافی بھی آ گئی اور ٹھنڈی ہوتی رہی۔

سعیدہ کی واپسی بیس منٹ سے پہلے نہ ہو سکی۔ دھانی ساری میں تھی اور چہرے پر اس طرح پاؤڈر پف کیا تھا کہ دور سے دکھائی دیتا تھا۔ ہاتھ میں وینٹی بیگ بھی نظر آیا۔ جو اس سے قبل اس کے پاس نہیں تھا۔ وہ بیٹھ کر سانس درست کرنے لگی۔ غالباً بہت تیز چل کر آئی تھی۔ حمید اُسے تحیر آمیز نظروں سے دیکھتا رہا۔ اس دوران میں سعیدہ نے اپنی عینک بھی اتار کر میز پر رکھ دی تھی۔

''کافی تو ٹھنڈی ہو گئی۔'' حمید نے کہا۔

''دوسری منگواؤ.....!'' سعیدہ مسکرائی اور حمید کا دل دھڑکنے لگا۔ اس کی مسکراہٹ اُسے بڑی عجیب لگی تھی۔

''بہتر ہے۔'' اس نے اشارے سے ویٹر کو بلا کر دوسری کافی کے لئے کہا۔ سعیدہ بیگ سے آئینہ اور پف نکال کر چہرے کا پاؤڈر ہموار کرنے لگی تھی۔

حمید نروس قسم کے انداز میں کھنکارا۔ آنکھیں پھاڑے حیرت سے اُسے دیکھتا رہا۔ پاؤڈر ہموار کر کے وہ بولی۔ ''لپ اسٹک کافی پی کر لگاؤں گی۔''

''یعنی کہ آپ..... آپ کے پاس تو شائد وینٹی بیگ تھا ہی نہیں۔''

''آج ہی خریدا ہے۔'' وہ چہک کر بولی۔

''کیا میں اس بد پرہیزی کی وجہ پوچھ سکتا ہوں۔''

''بس یونہی..... تم نے کہا تھا نا کہ زندگی کی یکسانیت سے ہر آدمی اکتا جاتا ہے۔ بھی اکتا گئی ہوں۔''

حمید دیر تک سر ہلاتا رہا۔

سعیدہ اب بھی آئینے میں اپنے چہرے کا جائزہ لئے جا رہی تھی۔ دوسری کافی آئی اس کے لئے کافی بنانے پر آمادہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔ آخر سعیدہ نے خود ہی کہا۔

''کیا تم میرے لئے کافی نہیں بناؤ گے۔''

''ب..... بناؤں گا۔''

''تم اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟''

''وہ..... وہ.....!'' دفعتاً حمید کی نظر صدر دروازے کی طرف اٹھ گئی تھی اور اس نے قاسم کو داخل ہوتے دیکھا تھا۔

''کک..... کون.....؟'' سعیدہ نے بھی اُدھر ہی دیکھتے ہوئے کہا اور پھر یک لخت ساکت ہو گئی۔

قاسم نے کاؤنٹر کے قریب رک کر چاروں طرف نظریں دوڑائی تھیں اور حمید کو دیکھ کر دانت نکال دیئے تھے۔

''ارے..... وہ تو ہماری ہی طرف آ رہا ہے۔ اللہ خیر.....!'' سعیدہ بوکھلا کر بولی۔

''تو پھر کیا کروں.....؟'' حمید جھنجھلا گیا۔

''ارے تم دیکھو تو ویسا ہی ہے جیسا پچھلی رات وہاں پگھل گیا تھا۔''

''آپ کافی بنا کر پیجئے۔ میں اُسے دیکھ لوں گا۔'' حمید نے کہا اور قاسم کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی اٹھ کر کھڑا ہوا اور ہاتھ ہلا ہلا کر قاسم سے کہنا شروع کر دیا۔ ''بھاگ جاؤ..... بھاگ جاؤ..... ورنہ پگھل کر بہہ جاؤ گے۔ یہاں کی آب و ہوا موٹے آدمیوں کو راس نہیں آتی۔''

''ہی ہی ہی ہی.....!'' قاسم کھڑا احمقانہ انداز میں ہنستا رہا۔ حمید کے ساتھ ایک لڑکی کو دیکھ کر زوں ہو چکا تھا۔

''تم نے سنا نہیں..... میں کہتا ہوں بھاگ جاؤ۔ پگھل جاؤ گے اور صرف تمہارا سوٹ ہی پڑا رہ جائے گا۔''

''ارے باپ رے۔'' قاسم یک بیک بدحواس نظر آنے لگا۔

''سچ کہتا ہوں..... بھاگ جاؤ۔''

''یقین..... یقین.....!''

''یقین ویقین کچھ نہیں..... بس بھاگ جاؤ۔''

حمید نے دیکھا کہ سعیدہ بھی کرسی سے اٹھ رہی ہے۔ وہ قاسم ہی کی طرف متوجہ رہا اور سعیدہ چپ چاپ وہاں سے کھسک گئی۔

''بیٹھ جاؤ.....!'' حمید نے کرسی کی طرف اشارہ کر کے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''چلی..... گئی.....!'' قاسم ہانپتا ہوا بولا۔

''جانے دو..... بیٹھو..... میں تمہارے لئے کافی بنا رہا ہوں۔''

''تو پھر ابھی کیوں بھگا رہے تھے۔'' قاسم نے بُرا مان جانے کے سے انداز میں کہا۔

''ابے وہ تو جن تھا۔ یہاں آتے ہی سر پر سوار ہو گیا تھا۔''

''مجھے نہیں کہہ رہے تھے۔'' قاسم نے طفلانہ حیرت کے ساتھ پوچھا۔

''ہرگز نہیں..... جن بھی بھاگ گیا۔''

''اے جاؤ.....اُلو نہ بناؤ.....وہ لونڈیا تھی یا جن.....!''

''عورت کے بھیس میں تھا.....!''

''بس بس.....نہیں چلے گا بھیس ویس.....اب جن بھی سالے سراغ رساں ہونے کے بھیس بدلیں گے۔''

اتنی دیر میں حمید کافی بنا چکا تھا۔ پیالی اس کی طرف سرکاتا ہوا بولا۔ ''لو پیو.....!''

اس کی نگاہ صدر دروازے کی طرف اٹھ گئی۔

اس بار سچ مچ اسی قسم کا دیو پیکر آدمی جھک کر صدر دروازے سے اندر داخل ہو رہا تھا جو پچھلی رات کو نائٹ کلب میں نظر آیا تھا۔

قاسم نے بھی اسکی طرف دیکھا اور نہ جانے کیوں جھینپے ہوئے انداز میں منہ چلانے لگا۔

ریٹا اپنی کرسی سے اٹھ گئی تھی اور خوفزدہ نظروں سے اس دیو پیکر کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

پہلا میک اپ

شاید ابھی تک اس کی نظر ریٹا پر نہیں پڑی تھی اور ہال میں اس وقت ریٹا کے علاوہ کوئی عورت نہیں تھی۔

دفعتاً حمید نے قاسم سے کہا۔

''دیکھو تو تمہیں کیسا گھور رہا ہے۔''

''ہاں.....سالا نہیں تو.....لیکن.....مجھ سے لمبا معلوم ہوتا ہے۔''

''ابے.....کچھ نہیں.....للکار دے۔''

''قیوں.....کھوانکھوا.....!''

''تمہاری مرضی.....دھاک بیٹھ جائے گی.....دیکھو سب ہی اُسے غور سے دیکھ رہے

اور وہ لڑکی جو کاؤنٹر کے پیچھے کھڑی ہے۔''

''اے.....ہاں ہے تو۔'' قاسم نے کہا اور منہ چلانے لگا۔

''تو پھر.....ارے لو.....وہ تو وہیں بیٹھ گیا۔ کاؤنٹر کے قریب۔''

''بیٹھ جانے دو۔ اے.....تم خوامخواہ مجھے اس سے کیوں لڑا دینا چاہتے ہو۔ کیا بگاڑا ہے اس نے میرا۔''

''تمہاری مرضی.....!'' حمید یونہی رواروی میں بولا۔ وہ پوری طرح اس دیو ہیکل آدمی کی طرف متوجہ تھا۔

اس نے ویٹر کو اشارے سے بلا کر کچھ کہا۔

ویٹر خوفزدہ انداز میں سر ہلاتا ہوا کچن کی طرف واپس چلا گیا۔

ہال کے سب ہی لوگ اس کی طرف متوجہ تھے۔ کبھی وہ قاسم کی طرف دیکھتے تھے اور کبھی اس کی طرف۔ قاسم کی آمد پر بھی وہ سب ہی چونکے تھے۔

پچھلی رات کا واقعہ آج کے اخبارات میں شائع ہوا تھا اور لوگوں کو اس حیرت انگیز حادثے کا علم ہو چکا تھا جو پچھلی رات ایک نائٹ کلب میں وقوع پذیر ہوا تھا۔

دفعتاً کاؤنٹر کے فون کی گھنٹی بجی اور وہ دیو پیکر چونک کر آواز کی جانب مڑ گیا۔

پھر حمید نے اُسے اٹھتے دیکھا۔

وہ کاؤنٹر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ریٹا اچھل کر کاؤنٹر سے دور ہٹ گئی۔ کاؤنٹر کی چوڑائی زیادہ نہیں تھی اور وہ کاؤنٹر پر جھک کر بہ آسانی ریٹا کو پکڑ سکتا تھا۔ غالباً ارادہ بھی کچھ اسی قسم کا رکھتا تھا۔ اس نے ریٹا کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا کہ ریٹا کی چیخ نکل گئی۔

''ابے او.....حرامزادے۔'' قاسم اُسی جگہ سے دہاڑا۔

اور پھر وہ اٹھ کر اس کی طرف جھپٹا بھی تھا۔ حمید نے اُسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ بھی اسکے پیچھے پیچھے کاؤنٹر کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ لوگ اپنی کرسیوں سے اٹھ گئے تھے۔

دفعتاً قاسم نے قریب پہنچ کر پیچھے سے اُس کے کوٹ کا کالر پکڑ لیا۔

نہ صرف کالر پکڑا تھا بلکہ پوری قوت سے اُسے پیچھے بھی کھینچا تھا۔ وہ کسی جڑ سے اکھڑے ہوئے تناور درخت کی مانند فرش پر آ پڑا۔

''سالے نہیں تو.....!'' قاسم اپنے ہاتھ ملتا ہوا بڑبڑایا۔

اب وہ فاتحانہ انداز میں ریٹا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ لوگ چاروں طرف سے دوڑ پڑے۔ دیو پیکر فرش پر چت پڑا تھا۔ آنکھیں بند تھیں، اور وہ گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

دفعتاً قاسم خوش ہو کر بولا۔ ''لو..... پیشاب کر رہا ہے سالا.....!''

لیکن حمید محسوس کر رہا تھا کہ اس کا جسم آہستہ آہستہ پگھل رہا ہے۔

کسی نے پولیس اسٹیشن فون کر دیا۔

دفعتاً حمید کو خیال آیا کہ قاسم کو وہاں سے ہٹا دینا چاہئے۔ لیکن اب یہ قطعی ناممکن تھا۔ کیونکہ لوگوں نے قاسم کو بھی گھیرے میں لے لیا تھا۔ دیو پیکر آدمی کا جسم پگھلتا رہا۔

اتنے میں قاسم کی بھی آنکھیں کھلیں۔ وہ بھی حیرت سے اس ڈراؤنے منظر کو دیکھتا رہا۔

''ارے..... بب..... باپ..... غمید بھائی..... ارے باپ رے۔ مجھے سنبھالو..... بب.....بیہوش.....!''

اور پھر وہ جو لہرا کر گرنے لگا ہے تو حمید کے سنبھالنے کے باوجود بھی ڈھیر ہی ہوتا چلا گیا۔ حمید کو سنبھالا دینے سے اتنا ہوا کہ دھڑام سے گرنے کی بجائے بہت احتیاط سے لمبا لمبا لیٹ گیا تھا۔

پھر کسی نے ٹیلی فون کھڑکھڑا کر پولیس کو اطلاع دی کہ دوسرا بھی بیہوش ہو گیا۔

حمید اسے ہوش میں لانے کی تدبیر کر رہا تھا۔

''یہ آپ کیا کر رہے ہیں جناب؟'' ایک آدمی نے اُسے ٹوکا۔

''آپ فکر نہ کریں۔ یہ پگھلنے والوں میں سے نہیں ہے۔''

''یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟''

''اس لئے کہ اسے سالہا سال سے جانتا ہوں۔ یہ کاؤنٹر گرل کو بچانے کے لئے اُس

سے الجھ پڑا تھا۔''

''پھر بھی آپ الگ ہٹ جائیں تو بہتر ہے۔''

''آپ اپنا کام کیجئے۔ خواہ مخواہ مجھے کیوں بور کر رہے ہیں۔'' حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

''میں نے پولیس کو فون کیا ہے۔''

''میں کب کہتا ہوں کہ کسی فلم اسٹار کو کیا ہے۔''

''آپ عجیب آدمی ہیں؟'' وہ گردن جھٹک کر دوسری طرف چلا گیا۔

دیو پیکر بدستور پگھل رہا تھا اور گاڑھا گاڑھا سیال فرش پر پھیلنے لگا تھا اور یہ سیال پھیلتا ہوا قاسم تک بھی پہنچ سکتا تھا۔ اس لئے حمید اُسے وہاں سے ہٹا لے جانے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن قاسم تنہا اس کے بس کا روگ تو نہیں تھا۔ کچھ لوگوں سے مدد بھی طلب کی۔ مگر کون اُسے ہاتھ لگانے کو تیار ہوتا..... وہ سب ہی اُس کے بھی پگھل جانے کے منتظر تھے۔

اتنے میں پولیس بھی آ گئی اور اُس کے ساتھ فریدی کو بھی دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی۔ وہ سیدھا قاسم ہی کی طرف آیا تھا۔

''یہ کیسے ہوا.....؟'' اس نے حمید سے پوچھا۔

''میں اسے یہاں سے ہٹانا چاہتا ہوں..... اُدھر دیکھئے۔'' حمید نے پگھلتے ہوئے آدمی کی طرف اشارہ کیا۔ گاڑھا سیال اب قاسم سے دو یا تین فٹ سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔

''اُدھر ہٹو.....!'' فریدی نے اُسے ایک طرف ہٹاتے ہوئے کہا اور جھک کر قاسم کو دونوں ہاتھوں سے اٹھا لیا۔

دیکھنے والوں کے لئے تیسرا عجوبہ۔

وہ سب اُسے حیرت سے گھور رہے تھے اور اس نے قاسم کو کاؤنٹر پر لٹا دیا۔ ریٹا ایک بار پھر سہم کر پیچھے ہٹ گئی۔ فریدی نے حمید کو اشارہ کیا کہ وہ قاسم کے پاس ٹھہرے اور خود پگھلتے ہوئے آدمی کے قریب جا کر کھڑا ہوا۔ حمید نے دیکھا کہ ایس پی کرائمز آہستہ آہستہ اُس سے کچھ کہہ رہا ہے۔ فریدی کا سر پر تشویش انداز میں ہل رہا تھا۔

پھر فریدی کی عقابی نظریں تماشائیوں کا جائزہ لینے لگیں۔

حمید قاسم کی طرف متوجہ تھا۔ اتنے میں دو کانسٹیبل ایک اسٹریچر کاؤنٹر کے قریب لائے۔

''تم اسے اپنے کمرے میں لے جاؤ۔'' فریدی نے حمید سے کہا۔ ''میں ابھی وہیں آتا ہوں۔''

''پانچ چھ آدمیوں نے مل کر قاسم کو اسٹریچر پر ڈالا تھا اور پورٹر کی رہنمائی میں اُسے ہو
کے کمرے تک لائے تھے۔''

حمید اسے مسہری پر ڈلوا کر خود کسی عیالدار بیوہ کے سے انداز میں اُس کے سرہانے بیٹھ گیا

حمید کا کمرہ اُسی کوریڈر میں تھا جس میں ڈی آئی جی اور سعیدہ کے کمرے تھے۔

کچھ دیر بعد سعیدہ کمرے میں داخل ہوئی۔ اب اُس نے لپ اسٹک بھی لگالی تھی۔

خاصی دلکش لگ رہی تھی اس وقت..... لیکن حمید بھنا کر رہ گیا۔

''یہ کیا ہوا؟ تم اسے یہاں کیوں اٹھوا لائے ہو؟'' سعیدہ نے پوچھا۔

''بے ہوش ہو گیا ہے مردود..... لیکن کسی طرح پگھلنے کا نام نہیں لیتا۔''

''میں نے سنا ہے کہ دوسرا ہال میں پگھل رہا ہے۔''

''سنی سنائی باتوں پر یقین کر لینا حماقت ہے۔ خود جا کر دیکھ آؤ۔''

''تم چاہتے ہو کہ میں یہاں سے چلی جاؤں..... کیوں؟''

''ارے نہیں صاحب..... آپ یہ کمرہ بھی مجھ سے چھین لیجئے اور میں در بدر کی ٹھوکریں
کھاتا پھروں۔''

''کاٹ کھانے کو کیوں دوڑ رہے ہو..... یہ مرد کبھی میری سمجھ میں نہ آ سکیں گے۔''

''ناقص العقل ہوتے ہیں کم بخت۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔

''یقیناً..... بیسویں صدی کے مرد سو فیصد ناقص العقل ہیں۔''

''تو اب اکیسویں صدی میں بھی پیدا ہونے کی کوشش کروں گا۔''

اتنے میں ریٹا بوکھلائی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ چند لمحے کھڑی ہانپتی رہی پھر
ہکلانے لگی۔

''یہ کک..... کیا ہوا..... مم..... میرے خدا۔''

حمید نے اس کے لئے کرسی خالی کر دی اور اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ ''بیٹھ جاؤ..... فکر نہ
کرو..... تم پر کوئی بات نہ آئے گی۔ میں تو موجود تھا وہاں۔''

''اور آپ صدر مملکت ہیں۔'' سعیدہ نے زہریلے لہجے میں کہا۔ لیکن حمید اس کی طرف
دھیان دیئے بغیر ریٹا کا شانہ تھپکتا رہا۔

کمرے میں دو بجلیاں تھیں۔ دوسری پر سعیدہ جم گئی۔ وہ ریٹا کو کھا جانے والی نظروں
سے دیکھتی رہی تھی۔ لیکن ریٹا تو قاسم کی طرف متوجہ تھی۔

''کیا یہ تمہارا کوئی شناسا ہے۔'' ریٹا نے کچھ دیر بعد حمید سے پوچھا۔

''ہاں..... بہت پرانا..... اس وقت اسی نے فون پر میرے بارے میں پوچھا تھا۔''

''لیکن..... وہ..... دوسرا.....؟''

''ہوں..... تو اس نے تمہیں پکڑنے کی کوشش کی تھی۔'' حمید نے پوچھا۔

''یقیناً..... اگر تمہارا دوست اُسے پیچھے نہ کھینچ لیتا تو میں آ گئی تھی اس کی گرفت میں۔''

''اس سے پہلے کبھی تم نے اُسے نہیں دیکھا۔''

''کبھی نہیں..... میری یادداشت میں تو وہ کبھی یہاں نہیں آیا۔''

''کیا تم اور کیا تمہاری یادداشت.....!'' سعیدہ بڑبڑائی۔

''ڈاکٹر سعیدہ! اگر کوئی حرج نہ ہو تو اسے دیکھ لو۔'' حمید نے اس سے کہا۔

''میں کوئی حکیم تو نہیں کہ نبض دیکھ لوں۔ یہاں میرے پاس سامان نہیں ہے۔''

اتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی اور دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ یہ فریدی تھا۔

''تمہیں جو کچھ بھی کہنا ہے جلدی سے کہہ جاؤ۔'' فریدی نے حمید سے کہا۔

''بس اتنا ہی عرض کروں گا کہ اب دو بلائیں جان کو چمٹ گئی ہیں۔''

''تمہارا نجی معاملہ ہے۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

''کل یہ حضرت رات بھر اور آج دن بھر غائب رہے تھے۔'' سعیدہ نے حمید کی طرف

ہاتھ اٹھا کر فریدی سے کہا۔

فریدی نے اس ریمارک پر صرف سر ہلا دیا۔

پھر حمید نے اُسے ڈائننگ ہال والی کہانی سنائی۔

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر حمید کو وہیں رکنے کا اشارہ کرتا ہوا باہر چلا گیا

''یہ صاحب! کون تھے؟'' ریٹا نے حمید سے پوچھا۔

''تعجب ہے کہ تم انہیں نہ پہچان سکیں جبکہ تمہارے البم میں ان کے بھی تصویر موجود

شائد سب سے طویل نوٹ انہیں کے بارے میں لکھا گیا ہے اس میں۔''

''اچھا.....!'' وہ تفہیمی انداز میں سر ہلا کر رہ گئی۔

پھر کمرے کی فضا پر بوجھل سا سکوت طاری ہو گیا۔

قاسم اس وقت لمبی لمبی سانسیں لے رہا تھا۔ آنکھوں کے پپوٹے تھرتھرا رہے تھے

ایک گال بھی پھڑکنے لگا۔

''کیا یہ مر رہا ہے۔'' سعیدہ نے کہا اور اٹھ کر مسہری کے قریب آ گئی۔

''اسکی نبض پر ہاتھ ہی رکھ دو تا کہ یہ سکون سے مر سکے۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر

''میں جان کنی کا منظر نہیں دیکھ سکتی۔'' ریٹا بوکھلا کر اٹھ گئی۔

حمید نے اُسے بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا۔ سعیدہ قاسم کی نبض دیکھ رہی تھی اور قاسم کا

گال بھی پھڑکنے لگا تھا۔

یک بیک اس نے آنکھیں کھول دیں اور سعیدہ اس کا ہاتھ چھوڑ کر پیچھے ہٹ آئی۔

قاسم نے چاروں طرف دیدے گھمائے اور پھر چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ سعیدہ

آہستہ سے حمید سے کہا۔ ''ہوش آ گیا ہے۔''

ریٹا اپنی کرسی دور کھسکا لے گئی۔

ٹھیک اسی وقت فریدی پھر دستک دے کر کمرے میں داخل ہوا۔

''ڈاکٹر سعیدہ! میری دانست میں آپ نصیر آباد واپس چلی جاتیں تو بہتر تھا۔'' اس نے

''یہ کیسے ممکن ہے..... ڈیڈی کو اس حال میں تنہا نہیں چھوڑا جا سکتا۔ وہ اپنی یادداشت کھو

بیٹھے ہیں۔''

''انہیں ہسپتال میں داخل کرا دیا جائے گا۔''

''اس کے باوجود بھی میں اپنی موجودگی ضروری سمجھتی ہوں۔''

''جیسی آپ کی مرضی! لیکن میں ان کے گرد بھیڑ بھاڑ پسند نہیں کروں گا۔ خاندان کے

دوسرے افراد کو یہاں بلانے کی کوشش نہ کیجئے گا۔''

''وہ تو میں خود بھی پسند نہ کروں گی۔ ان کے ذہن پر بہت زیادہ بار ان کے لئے نقصان

دہ ثابت ہوگا۔''

''کیا اسے ہوش آ گیا.....؟'' فریدی نے حمید سے پوچھا۔

''خدا جانے..... آنکھیں تو کھول رکھی ہیں۔''

''ہائے میرا مکدر.....!'' دفعتاً قاسم بھوں بھوں کرتی ہوئی روہانسی آواز میں بولا۔ ''میں

خود ہی اپنا کباڑ کر لیتا ہوں..... میں سمجھا سالا پیشاب کر رہا ہے۔ مگر وہ تو..... ارے باپ

رے..... ہو ہو ہو ہو.....!''

اس کے حلق سے ڈری ڈری آوازیں نکلنے لگیں۔

سب اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ لہٰذا کسی کو بھی پتہ نہ چل سکا کہ کب غسل خانے کا

دروازہ کھلا اور کب ایک نقاب پوش ٹامی گن سنبھالے ہوئے کمرے میں داخل ہو گیا۔

''موٹے آدمی کے علاوہ اور سب کمرے سے باہر نکل جائیں۔'' دفعتاً نقاب پوش نے

چیخ کر للکارا اور وہ سب چونک کر اُس کی طرف مڑے۔

''بھائی کیا تکلیف ہے تمہیں۔'' حمید نے مضحکانہ انداز میں اس سے پوچھا۔

''موٹے آدمی کے علاوہ اور سب کمرے سے باہر نکل جائیں۔'' اس نے پھر اپنے الفاظ

دہرائے۔

''آخر کیوں.....؟'' فریدی نے پرسکون لہجے میں پوچھا۔

''دس تک گننے کے بعد میں فائرنگ شروع کردوں گا۔ ورنہ باہر جاؤ۔ ایک.....
تین.....چار.....اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ.....دروازے کی طرف مڑو.....پانچ.....!''

سبھوں نے ہاتھ اٹھا لئے۔

''مجھے دروازہ کھولنے کی اجازت دو.....ورنہ یہ لوگ باہر کیسے نکلیں گے۔'' فریدی نے

''اجازت ہے۔'' وہ غرایا۔

فریدی ان لوگوں کو ہٹاتا ہوا دروازے تک جا پہنچا۔

پھر حمید نے چشم زدن میں جو کچھ بھی دیکھا ہوش اڑا دینے کے لئے کافی تھا۔ فریدی جھک کر بائیں ہاتھ سے دروازے کا ہینڈل گھماتے ہوئے بڑی پھرتی سے ریوالور نکالا اور اس کو بائیں بغل کے نیچے سے دوسری طرف لے جا کر محض اندازے سے فائر کر دیا تھا۔

ایک طویل کراہ کے ساتھ نقاب پوش دیوار سے جا ٹکرایا۔ ٹامی گن ہاتھوں سے نکل مسہری کے قریب آ گری تھی۔ جو جہاں تھا وہیں رہ گیا۔

حمید کی دانست میں فریدی نے بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ اُس کے ریوالور سے نکلی ہوئی گولی ریٹا اور سعیدہ کے درمیان سے گذری تھی اور ان دونوں کا فاصلہ بمشکل آٹھ یا نو انچ ہوگا۔ وہ دونوں اس سے بے خبر تھیں کہ فریدی کیا کرنے جا رہا ہے۔ لہٰذا ان میں سے کوئی بھی ادھر اُدھر ہو سکتی تھی۔ ان دونوں کو تو جیسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ زندہ ہیں۔

نقاب پوش دو یا تین سیکنڈ دیوار سے ٹکا رہا پھر دھم سے فرش پر آ رہا۔

خود حمید میں ابھی تک اتنی سکت پیدا نہیں ہو سکی تھی کہ وہ اپنی جگہ سے جنبش بھی کر سکتا۔

دفعتاً انہوں نے فریدی کی آواز سنی۔ ''اب تم سب باہر چلے جاؤ۔''

وہ دروازے کی طرف بڑھے۔ فریدی قاسم کو سہارا دے کر مسہری سے اٹھا رہا تھا۔ قاسم نے اٹھنے میں بڑی پھرتی دکھائی۔

حمید دروازے کے قریب پہنچ کر پھر پلٹ آیا۔

''کیا میں بھی جاؤں.....؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں.....!''

''لیکن جناب.....!'' ریٹا کمزور سی آواز میں بولی۔ ''آپ کے ساتھ یہاں میری موجودگی ضروری ہے۔ ورنہ آپ کوئی غلطی بھی کر سکتے ہیں۔''

فریدی نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا اور حمید سے کہا کہ وہ سعیدہ کے کمرے میں اس کا منتظر رہے۔

ریٹا آہستہ سے بولی۔ ''وہ کمرہ مناسب ہے۔''

قاسم احمقانہ انداز میں ایک ایک کی شکل دیکھ رہا تھا۔ حمید انہیں ساتھ لے کر راہداری میں نکل آیا۔

فریدی نے ریوالور میں سائیلنسر لگا رکھا تھا ورنہ اس وقت راہداری سنسان نہ ہوتی۔

قاسم بڑبڑا رہا تھا۔ ''اب زندہ رہا تو لعنت بھیج دوں گا۔ دوستی دوستی پر شروع ہوگئی ٹھائیں ٹھوئیں۔ سالا اپنا مکدر ہی خراب ہے۔ اب لو سالے پگھل رہے ہیں۔ پڑے ہوئے.....ایک ہاتھ بھی تو نہیں مارا تھا۔ ارے باپ رے۔''

دفعتاً وہ اچھل پڑا اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہیں پر جم سا گیا ہو۔

''اب کیا ہوا.....؟'' حمید جھنجھلا کر بولا۔

''جرا یہ تو بتاؤ.....اس نقاب پوش نے یہ قیوں کہا تھا کہ موٹے کے علاوہ اور سب کمرے سے باہر نکل جائیں۔''

''اب ہوش آیا ہے؟'' حمید نے آنکھیں نکالیں۔ ''چلو سیدھی طرح ورنہ۔''

''نہیں بتاؤ مجھے۔''

''ارے پیارے بھائی.....وہیں چل کر بتاؤں گا۔''

''کہاں چل کر.....؟''

''ان کے کمرے میں۔'' حمید نے سعیدہ کی طرف اشارہ کیا اور قاسم اس طرح چونک پڑا جیسے پہلی بار اس کی موجودگی کا احساس ہوا ہو۔

''اچھا..... اچھا..... چلو چلو۔'' قاسم نے کہا اور اپنے مقدور بھر تیز چلنے کی کوشش کرنے لگا۔

ڈاکٹر سعیدہ اس طرح خاموش تھی جیسے گھگھی بندھ گئی ہو۔

وہ اپنے کمرے میں داخل ہو کر کرسی پر گر گئی تھی۔

قاسم مسہری کی طرف بڑھ رہا تھا کہ حمید نے ٹوک دیا۔

''اب تم ہوش میں آ گئے ہو اس لئے کرسی پر بیٹھو۔''

''ہاں..... ہاں..... ٹھیک ہے۔'' وہ جلدی سے سر ہلا کر بولا۔

وہ خاموش بیٹھے رہے۔ قاسم کبھی حمید کی طرف دیکھتا اور کبھی نظریں چرا کر سعیدہ کی طرف دیکھنے لگتا۔

''حمید..... بھائی اب تو بتاؤ۔'' وہ کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''تمہاری محبوبت میں جہاں بھی جاتا ہوں کچھ نہ کچھ گھپلا ہو جاتا ہے۔''

''بڑی دکھ بھری داستان ہے۔''

''مجھے بتاؤ۔'' وہ کنکھیوں سے سعیدہ کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''خدا کے لئے جلدی بتاؤ میری جان..... نقل جائے غی.....!''

''اچھا..... ادھر آؤ۔'' حمید نے کرسی سے اٹھ کر کہا اور اسے الگ لے جا کر سرگوشی شروع کر دی۔ ''یہ لڑکی بے چاری بڑی مصیبت میں پڑ گئی ہے۔ کچھ لوگ اسے اٹھا لے جانا چاہتے ہیں اور اس کو کسی طرح یقین ہی نہیں آتا کہ دنیا میں اس کا کوئی ہمدرد بھی ہے۔''

''تم اس کو یکین دلا دو کہ میں اس کا ہمدرد ہوں۔'' قاسم چھاتی ٹھونک کر بولا۔

''میاں یقین کرے تو کس طرح۔''

''اچھا میں ہی یقین دلا دوں گا۔'' قاسم سر ہلا کر بولا۔ ''لیکن یہ ہے قون.....؟''

''یہ بھی تو نہیں بتاتی۔''

''میں پوچھ لوں غا.....؟''

وہ پھر اپنی اپنی جگہوں پر آ بیٹھے۔ حمید نے اپنے چہرے پر سوگ سا طاری کر لیا تھا۔

قاسم بار بار سعیدہ کی طرف دیکھنے لگتا تھا۔

ایک بار جیسے ہی دونوں کی نظریں ملیں قاسم بول پڑا۔ ''آپ قون ہیں؟''

''جی..... ای..... ای.....!'' سعیدہ نے جی کو طویل کرتے ہوئے کہا۔

''آپ کچھ خیال نہ کیجئے گا ڈاکٹر سعیدہ۔'' حمید تڑ سے بولا۔ ''یہ بھی ذرا فلاسفر قسم کے آدمی ہیں تکلفات کی ان کی نظر میں کوئی وقعت نہیں۔''

''پھر بھی میں اس قسم کی بدتمیزی پسند نہیں کرتی۔''

''تھوڑا تکلف برتو.....!'' حمید نے قاسم سے کہا۔

''بہت اچھا.....!'' قاسم سعادت مند بچوں کے سے انداز میں سر ہلا کر بولا۔

''کیپٹن حمید..... اگر کرنل فریدی نے تمہیں یہاں نہ بھیجا ہوتا تو میں تمہیں باہر نکال دیتی۔''

''صدمے سے پریشان ہیں یہ۔'' حمید نے قاسم سے معذرت طلب لہجے میں کہا۔

''قوئی بات نہیں۔ قوئی بات نہیں۔''

''میں کمرے میں خاموشی چاہتی ہوں۔''

حمید نے قاسم کی طرف دیکھ کر اس طرح سر ہلایا جیسے کہہ رہا ہو۔ ''تم کچھ خیال نہ کرنا۔''

قاسم نے بھی اپنے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ پھر دونوں بے حد سنجیدگی سے ہونٹ پر ہونٹ جمائے خاموش بیٹھے رہے۔ ویسے وہ احمقانہ انداز میں ایک دوسرے کو دیکھے بھی جا رہے تھے۔

پھر کچھ دیر بعد حمید نے قاسم سے کہا۔ ''چلو ہم دونوں غسل خانے میں چل کر باتیں کریں۔''

''میرا مذاق اڑا رہے ہو۔'' سعیدہ غرائی۔

''ہرگز نہیں..... آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔''

''جی ہاں..... جی ہاں۔'' قاسم بھی سر ہلا کر بولا۔ ''حمید بھائی تو بہت اچھے آدمی ہیں۔''

''میں آپ سے نہیں پوچھ رہی۔''

''تو اس میں کھفا ہونے کی قیا بات ہے؟''

''قاف، قاف، قاف، آخر آپ کاف کے بجائے قاف کیوں بولتے ہیں۔''

''قدرت ہے خدا کی.....'' قاسم ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''سارتر کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟''

''قون.....سارتر.....؟''

''وہ کوئی باقاعدہ قسم کا تھنکر تو ہے نہیں۔'' حمید جلدی سے بول پڑا۔ ''لہٰذا قاسم صاحب کیا جانیں اُسے۔ انہیں کہانیوں اور ڈراموں سے لگاؤ نہیں۔''

''پھر کیسے جانتے ہیں؟''

''قس کو نہیں جانتا۔'' قاسم اکڑ کر بولا۔ ''مس مادھوری سے لے کر سائرہ بانو تک کو جانتا ہوں۔ میرے بچپن میں ایق کمن بائی بھی تھیں۔''

''کیا مطلب.....؟'' سعیدہ نے حمید کی طرف دیکھ کر متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

''مطلب یہ کہ انہوں نے غیر معروف تھنکرز تک کو پڑھ ڈالا ہے۔''

دفعتاً دروازے پر دستک ہوئی اور حمید نے اونچی آواز میں کہا۔

''کم ان پلیز.....؟''

ریٹا گھبرائی ہوئی اندر داخل ہوئی اور حمید کو مخاطب کر کے بولی۔ ''ذرا میرے ساتھ آیئے۔''

حمید قاسم کو وہیں بیٹھے رہنے کا اشارہ کر کے اس کے ساتھ راہداری میں نکل آیا۔

''انتہائی درجہ غیر دانش مندانہ بات ہوئی ہے۔'' ریٹا ہانپتی ہوئی بولی۔

''کیا ہوا.....؟''

''کرنل فریدی! میرے منع کرنے کے باوجود بھی غسل خانے والی لفٹ سے نیچے اُتر گئے۔''

بے آواز فائر

حمید سناٹے میں آ گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فریدی اچانک اس قسم کا کوئی قدم

اٹھائے گا۔

ریٹا کہتی رہی۔ ''انہوں نے مقتول کا لباس اتار کر خود پہنا، نقاب لگائی اور اسی کے سے انداز میں ٹامی گن لے کر نیچے اُتر گئے۔''

''یہاں کتنے کمروں میں لفٹ موجود ہے۔''

''میں تو یہی سمجھتی تھی کہ صرف دو کمروں میں ہے۔ ایک میرے کمرے میں اور دوسری ایک کمرے میں جہاں وہ دونوں رہتے ہیں۔''

''کون دونوں؟''

''وہی جنہیں پچھلی رات ہم نے سرنگ والے ہال میں چھوڑا تھا۔''

''مجھے کچھ کرنا چاہئے۔'' حمید مضطربانہ انداز میں بولا۔

''تم کیا کر سکو گے.....وہاں قدم قدم پر موت ہے۔ آج تک ہم تینوں میں سے کسی نے بھی اس ہال سے آگے بڑھنے کی ہمت نہیں کی۔''

''تم لوگ بہت زیادہ خائف ہو۔ لفٹ استعمال کرنے کا طریق کار تم نے ہی بتایا تھا۔''

''نہیں.....میرے بتانے سے پہلے ہی وہ واش بیسن کے نیچے لفٹ کا بٹن تلاش کر چکے تھے۔ خدا کی پناہ۔ ایسا پھرتیلا آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گذرا۔ جانتے ہو نقاب پوش کے ٹھیک دل کی جگہ سینے پر گولی لگی تھی۔''

''اس قسم کی حرکتیں وہ نشانہ لئے بغیر بھی کر سکتے ہیں۔''

وہ کسی سوچ میں پڑ گئی۔ پھر بولی ''اچھا اب میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔''

''ایک بات اور.....!'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''مقتول کو تم پہچانتی تھیں؟''

''نہیں.....!'' ریٹا تھوک نگل کر بولی۔ ''میرے لئے بالکل اجنبی تھا۔ میں تو صرف انہیں دونوں کو جانتی ہوں۔''

''اور کسی کو بھی نہیں۔''

''نہیں.....!''

''اس ہوٹل کا مالک کہاں ملے گا.....؟''

''اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔ انہیں لوگوں کی طرف سے مجھے ہدایت ملی تھی کہ میں اسی ہوٹل میں ملازمت حاصل کرنے کی کوشش کروں.....اور وہ نہایت آسانی سے مل گئی تھی۔''

''منیجر کہاں ہے؟''

''وہی تو تھا جو تم سے الجھ گیا تھا۔''

''اُوہ.....وہی جس نے پولیس کو فون کیا تھا.....؟''

''ہاں.....اور وہی تمہیں مالک کے بارے میں بھی بتا سکے گا۔''

''بڑی عجیب بات ہے کہ تم نے مالک کے بارے میں کچھ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی۔''

''کیپٹن حمید.....بچوں کی سی باتیں کر رہے ہو تم.....مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ غیر ضروری باتوں میں پڑ کر خود کو ہلاکت میں ڈالوں۔''

''اب تم اپنے کمرے میں جا کر کیا کرو گی۔''

''پھر کہاں جاؤں؟'' وہ جھنجھلا کر بولی۔ ''منیجر نے کاؤنٹر سے ہٹا دیا ہے۔ گاہکوں کے بیانات لئے جا رہے ہیں۔''

''نہیں نہیں.....تم اپنے کمرے میں ضرور جاؤ۔ مجھے دراصل تمہاری طرف سے تشویش ہو گئی ہے۔''

''فکر نہ کرو.....دیکھا جائے گا۔'' ریٹا نے کہا اور مردہ سی چال کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

حمید دروازے کی طرف مڑا۔ ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا اور اندر نظر پڑتے ہی ٹھٹک کر رہ گیا۔ عجیب منظر تھا۔ قاسم دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو رہا ہے اور سعیدہ اس کے قریب رومال لئے کھڑی تھی۔

حمید کے اندر داخل ہوتے ہی اس نے کہا۔ ''اب دیکھو.....میری سمجھ میں تو کچھ آتا نہیں رہا۔''

وہ بہت زیادہ نروس معلوم ہوتی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے قاسم سے بھی کچھ اوٹ پٹانگ قسم کی باتیں کر چکی ہو۔

''لیکن یہ رو کیوں رہا ہے؟''

''میں کیا جانوں.....میں نے تو صرف اتنا پوچھا تھا کہ انہوں نے بوطیقا بھی پڑھی ہے یا نہیں۔''

''میں سمجھا.....!'' حمید سر ہلا کر بولا۔

''کیا سمجھے! جلدی بتاؤ.....مجھے الجھن ہو رہی ہے۔''

''اس کی بیوی جو ابھی حال ہی میں فوت ہوئی ہے بوطیقا کا ترجمہ اردو میں کر رہی تھی۔'' قاسم نے اور زیادہ زور و شور کے ساتھ رونا شروع کر دیا۔ اب سسکیوں کے ساتھ آوازیں بھی نکلنے لگی تھیں۔

''اب یہ چپ کس طرح ہوں گے۔'' سعیدہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

''میری الجھن بڑھتی جا رہی ہے۔''

''دیکھئے میں کوشش کرتا ہوں.....آپ ذرا.....ایک منٹ کے لئے باہر چلی جائیے۔''

سعیدہ اس طرح کمرے سے نکل بھاگی تھی جیسے قید سے رہائی ملی ہو۔

''بیٹا۔ اب چپ بھی ہو جاؤ۔'' حمید نے قاسم کے قریب پہنچ کر کہا۔ ''ورنہ بتا دوں گا اسے کہ ابھی اس کی بیوی فوت نہیں ہوئی اور اسکے باپ نے بھی کبھی بوطیقا کا نام نہ سنا ہوگا۔''

قاسم نے گریہ زاری میں بریک لگانے کی کوشش کی لیکن فوری طور پر کامیابی نہ ہوئی۔

''اب تم تھوڑی دیر تک بالکل خاموش رہو گے۔ اُس کی کسی بات کا جواب مت دینا۔''

''سالے.....تم ہمیشہ مجھے کسی نہ کسی مصیبت میں پھنسا دیتے ہو۔'' قاسم روتا ہوا بولا۔ ''میں کیا جانوں پھلسفا وغیرہ۔ میرے باپ نے مجھے اکنومکس پڑھوائی تھی۔''

''پھر کیا کہتا پیارے؟ وہ پڑھی لکھی اور لیڈی ڈاکٹر ہے۔''

''لیڈی ڈاکٹر ہے۔'' قاسم نے چہک کر پوچھا۔ یک بیک ذہنی رو بہک گئی۔ روتے

روتے مسکرانے لگا۔ شرارت آمیز قسم کی مسکراہٹ تھی۔

دفعتاً حمید کی طرف جھک کر آہستہ سے بولا۔ ''اچھا تو پھر میں بیمار بنا جاتا ہوں..... میرا علاج کروادو.....!''

''بیماری کیا بتاؤں بیٹے۔''

''کہہ دینا بیوی کے غم میں روتے روتے بواسیر ہوگئی ہے۔ بواسیر ارے نہیں وہ کیا کہتے ہیں اُسے..... نکسیر..... نکسیر..... کیوں نکسیر ہی کہتے ہیں نا اُسے جس میں منہ سے خون آنے لگتا ہے۔''

''اُسے تو شہتیر کہتے ہیں۔'' حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

''ابے جاؤ..... اب میں اتنا چکد نہیں ہوں..... شہتیر تو ہاتھی اٹھاتے ہیں میں نے جغرافیہ میں پڑھا تھا۔''

''اچھا بس ختم..... اب میں اُسے بلا رہا ہوں۔'' حمید نے کہا اور آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ لیکن سعیدہ راہداری میں نہیں تھی۔

اس نے سوچا ممکن ہے باپ کے کمرے میں چلی گئی ہو۔ لہٰذا وہ پھر کمرے میں واپس چلا آیا۔

قاسم ٹکٹکی لگائے خلاء میں گھورے جا رہا تھا۔ اُس پر یہ کیفیت اسی وقت طاری ہوتی جب وہ کوئی اسکیم بنا رہا ہوتا۔

حمید خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔ دفعتاً دروازے پر کسی نے دستک دی۔

''آ جاؤ.....!'' حمید بولا۔

دروازہ کھول کر اندر داخل ہونے والا فریدی تھا۔

''آپ.....؟'' حمید متحیرانہ انداز میں بولا۔

''ریٹا کہاں ہے؟'' فریدی نے پوچھا۔

''اپنے کمرے میں۔''

''وہ نکل گئی ہوگی۔ چلو میرے ساتھ۔ قاسم اٹھو..... جتنی جلد ممکن ہو سکے اس عمارت سے نکل بھاگو۔''

''کچھ بتایئے بھی تو.....!''

''وقت نہیں ہے..... سعیدہ کہاں ہے؟''

''اپنے باپ کے کمرے میں ہوگی۔''

''ان دونوں کو بھی نکالو یہاں سے۔''

فریدی کے لہجے کی بناء پر قاسم بھی بوکھلا کر اٹھا اور وہ تینوں کمرے سے باہر نکل آئے۔

پھر حمید نے دیکھا کہ فریدی ڈی آئی جی کے کمرے کا دروازہ بُری طرح پیٹ رہا ہے۔

ڈی آئی جی نے دروازہ کھول کر جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''کیوں زندگی حرام کر رکھی ہے تم لوگوں نے..... اس لڑکی کو یہاں سے لے جاؤ..... ورنہ میں یا تو اُسے جان سے مار دوں گا یا خودکشی کر لوں گا۔''

''آپ دونوں ہی چلئے۔ ورنہ سچ مچ آپ کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔'' فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر کھینچتے ہوئے کہا۔ سعیدہ اس کے پیچھے کھڑی تھی۔ وہ بھی بوکھلا کر باہر نکل آئی۔ فریدی نے ڈی آئی جی کو زینوں کی طرف لے جانا چاہا لیکن اس نے اپنا جسم ایک دم اکڑا لیا تھا۔

دفعتاً فریدی بڑی پھرتی سے نیچے جھکا اور ڈی آئی جی کو اٹھا کر اپنے کاندھے پر ڈال لیا۔

پھر اس نے جو زینوں کی طرف دوڑ لگائی ہے تو قاسم جیسے لمڈھیگ کو بھی اس کا ساتھ دینا پڑا اور اب تو حمید بھی بوکھلا گیا تھا۔ وہ دوڑتے ہی ہوئے ڈائننگ ہال میں پہنچے۔ یہاں ایس پی کرائسز ابھی گاہکوں کے بیانات لے رہا تھا۔

فریدی نے اُسے مخاطب کر کے بلند آواز میں کہا۔

''ایس پی صاحب اگر اس عمارت میں ایک بھی متنفس رہ گیا تو تھوڑی دیر بعد اس کا خون آپ کی گردن پر ہوگا۔ یہاں سے باہر نکل کر جتنا تیز دوڑ ناممکن ہو دوڑیئے۔ بہت دور نکل جایئے۔''

''ہائے میں کیسے نکل جاؤں..... مجھ سے دوڑا نہیں جاتا۔'' قاسم چنگھاڑا۔ لیکن گھسٹتا ہی سہی کسی نہ کسی طرح اُن کے پیچھے۔ وہ ہوٹل سے باہر نکل آئے۔

''یہ کیا دیوانگی ہے..... کچھ تو بتاؤ۔'' سعیدہ چیخی۔ حمید اُسکا ہاتھ پکڑے کھینچے لئے جا

''میں اس کا باپ نہیں ہوں..... میں اس کا باپ نہیں ہوں۔'' فریدی کے کاندھے

ہوا آدمی ہذیانی انداز میں چیخے جا رہا تھا۔

باہر اندھیرا تو پھیل گیا تھا لیکن آسمان صاف ہونے کی وجہ سے گہری تاریکی نہیں

راستہ تو سجھائی ہی دیتا تھا۔

''میرے پیچھے چلے آؤ۔'' فریدی نے بلند آواز میں انہیں مخاطب کیا۔

''ایسی کی تیسی۔'' قاسم دہاڑا۔ ''میں تو نہیں دوڑوں گا۔ ان لوگوں کا دھندا یہی ہے

کوئی کچھ نہ بولا۔

اتنے میں انہوں نے ہوٹل کے لاؤڈ اسپیکر پر کسی کی آواز سنی۔ ''عمارت سے با

جائیے..... فوراً..... عمارت کو خطرہ ہے..... جتنی جلد ممکن ہو عمارت سے بہت دور ہٹ جا

زبردست خطرہ ہے۔ باہر نکلئے عمارت سے۔''

پھر یہی اعلان انگریزی میں بھی ہوا کیونکہ ہوٹل میں کچھ غیر ملکی بھی مقیم تھے۔

فریدی نے اب سڑک چھوڑ دی تھی اور ایک ڈھلان میں اتر رہا تھا۔

سعیدہ لڑکھڑانے لگی تھی۔ دفعتاً حمید نے بھی اس کے ساتھ وہی رویہ اختیار کر

فریدی نے اس کے باپ کے لئے اختیار کیا تھا۔

اب وہ اس کے کاندھے پر پڑی ہوئی ''ارے ارے'' کئے جا رہی تھی اور حمید

قدموں کے ساتھ ڈھلان میں اُتر رہا تھا۔

فریدی اس سے قریباً دس گز آگے رہا ہوگا۔ البتہ قاسم کا کہیں پتہ نہ تھا۔

عمارت سے نکل بھاگنے والوں کا شور صاف سنائی دے رہا تھا۔

اچانک حمید نے چیخ کر کہا۔ ''ارے کہیں رکئے گا بھی یا نہیں۔''

''بس ڈھلان ختم ہوتے ہی رک جائیں گے۔''

شائد وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا لیکن ایک زوردار دھماکے نے زمین ہلا دی۔

حمید منہ کے بل گرا اور لڑھکتا ہوا نیچے چلا گیا۔ سعیدہ اور دوسروں پر کیا گزری اس کا ہوش

ے کہاں تھا۔

ایک دھماکہ اور ہوا اور حمید لڑھکتا ہوا ایسی جگہ جا پہنچا جہاں سے مزید لڑھکنا ممکن نہیں تھا۔

ابھری ہوئی چٹان رکاوٹ بن گئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔

حمید محسوس کر رہا تھا جیسے ہاتھ پیروں میں جنبش کرنے کی سکت ہی نہ رہ گئی ہو۔

''حمید..... حمید..... سعیدہ.....!'' فریدی اُسے کہیں دور سے آواز دے رہا تھا۔

حمید نے جواب دینا چاہا لیکن آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی۔ منہ بالکل خشک تھا۔ زبان

سے لگ گئی تھی اور حلق میں پھندا تھا۔

وہ اُسی طرح پڑا ہانپتا رہا۔ سردی کے باوجود پورا جسم پسینے سے شرابور تھا۔

ساری حسیات بیدار تھیں۔ وہ اوپر سے اٹھنے والا شور بھی سن رہا تھا۔ بس حرکت نہیں کر سکتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد جھلسا دینے والی ہوا کا تھپیڑا جسم کو لگا اور دھوئیں کی بدبو سے دماغ پھٹنے

سانس لینے میں بھی دشواری محسوس ہونے لگی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے منوں غبار پھیپھڑوں

ر آیا ہو۔ وہ کھانسنے لگا۔

فریدی کی آواز پھر آئی۔ ''حمید..... حمید.....!''

اس بار آواز کسی قدر قریب سے آئی تھی۔

حمید پھیپھڑوں کے بل چیخ کر رہ گیا۔ آواز الفاظ کی شکل نہیں اختیار کر سکی تھی۔ بس وہ

اپنی موجودگی سے آگاہ کر دینا چاہتا تھا۔

''گھبرانا نہیں..... میں آ رہا ہوں۔'' آواز اور زیادہ قریب سے آئی۔

''پانی..... پانی.....!'' حمید نے محسوس کیا کہ صرف یہی لفظ وہ آسانی سے ادا کر سکتا

لہٰذا اس کا جواب دیتا ہوا ذہن اسی لفظ کے دہراتے رہنے پر اکساتا رہا۔

اور پھر آہستہ آہستہ اُس پر غفلت طاری ہوتی گئی۔ بے ہوشی یا موت اس کا اندازہ تو اسی

کر سکا تھا جب سورج کی کرن اُس کے چہرے پر پڑی تھی۔

اس نے بوکھلا کر آنکھیں کھول دیں۔ اوپر کھلا ہوا آسمان تھا اور چاروں طرف پہاڑیاں ہوئی تھیں۔ فوری طور پر اٹھ بیٹھنا چاہا لیکن ممکن نہ ہوا۔ پورا جسم پھوڑے کی طرح دکھ رہا پھر اُس نے دائیں بائیں نظر دوڑائی۔ بائیں جانب تھوڑے ہی فاصلے پر سعیدہ پڑی نظر آئی۔ ڈی آئی جی اس کے قریب ہی اوندھا پڑا تھا۔ لیکن فریدی کہیں نہ دکھائی حمید بڑی کوششوں کے بعد اٹھ کر بیٹھ سکا۔ سر بُری طرح چکرا رہا تھا۔ ایسا معلوم جیسے وہ شانوں پر ٹھہر ہی نہ سکے گا۔

کچھ دیر تک دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا رہا پھر اٹھ کھڑے ہونے کی کوشش کر سورج کافی چڑھ گیا تھا اور وہ پوری طرح دھوپ میں پڑے تھے۔ وہ اپنی ٹانگوں کرتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے محسوس کیا کہ اب وہ کھڑا ہو سکتا ہے۔

اٹھ گیا اور پنجوں پر زور دیتا رہا۔ پھر ڈی آئی جی کی طرف بڑھا۔

''جناب عالی..... جناب عالی.....!'' اس کا شانہ ہلا ہلا کر آوازیں دیتا رہا۔

لیکن ڈی آئی جی سے پہلے اس کی ان آوازوں پر سعیدہ جاگی تھی۔

''حمید.....!'' بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا اور لیٹے ہی لیٹے اس کی جانب کوشش کرنے لگی۔

''وہیں لیٹی رہو..... ڈی آئی جی صاحب کو جگا رہا ہوں۔''

''تم..... تم ٹھیک ہو.....!''

''ہاں..... آں.....!'' اس نے کہا اور پھر ڈی آئی جی کو جھنجھوڑنے لگا۔

''انہیں یونہی رہنے دو۔''

''ڈاکٹر سعیدہ..... خاموش رہو۔''

''مجھے پیاس لگی ہے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ بالکل احمقانہ انداز میں ڈی آئی جی کو ہلائے جا رہا تھا۔

''وہ دیکھو.....!'' دفعتاً سعیدہ بول پڑی۔ ''وہ کون لوگ ادھر آ رہے ہیں۔''

حمید نے اس طرف نظر اٹھائی جدھر سعیدہ نے اشارہ کیا تھا۔

کچھ لوگ پہاڑی سے اُتر رہے تھے۔

''جہنم میں جائیں۔'' حمید جھلا کر بولا۔ ''آخر ڈی آئی جی صاحب جاگتے کیوں نہیں۔''

''کہیں تم بھی تو پاگل نہیں ہو گئے۔''

''کیوں.....؟'' حمید غرایا۔

''ہوش میں نہیں ہیں..... ورنہ کبھی کے جاگ گئے ہوتے۔''

''ان کے فرشتوں کو بھی اٹھنا پڑے گا۔ میں جگا رہا ہوں۔''

''ہٹو..... ہٹ جاؤ..... ان کے پاس سے۔'' سعیدہ زور لگا کر اٹھتی ہوئی بولی۔

دفعتاً حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ابھی تک سوتا رہا ہو پھر اُسے اپنی اس حماقت پر افسوس بھی ہوا کہ ایک بے ہوش آدمی کو خواہ مخواہ جھنجھوڑے ڈال رہا ہے۔

ذہن کی عجیب سی حالت تھی۔ کبھی سوچتا سمجھتا ہوا سا معلوم ہوتا اور کبھی بہکنے لگتا۔

چڑھائی پر سے آنے والے قریب آتے جا رہے تھے۔ سات آدمی تھے۔ اُن کے ساتھ ایک اسٹریچر بھی تھا۔

کچھ اور قریب آنے پر حمید نے فریدی کو پہچان لیا۔ وہ ایک دبلے پتلے پستہ قد غیر ملکی کے برابر بھی چل رہا تھا اور دونوں کے درمیان گفتگو بھی جاری تھی۔ وہ بالکل قریب آ گئے۔

فریدی نے حمید کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرا کر سر کو جنبش دی اور نحیف الجثہ سفید فام غیر ملکی سے انگریزی میں کہا۔ ''یہ ہے وہ بے ہوش آدمی جو اپنی یادداشت کھو بیٹھا تھا۔''

''اور یہ اُسی دھماکے کی وجہ سے بے ہوش ہوا تھا۔'' غیر ملکی نے پوچھا۔

''ہاں ڈاکٹر ٹسڈل۔''

''تب تو یہ بھی ممکن ہے کہ ہوش میں آنے کے بعد اس کی یادداشت واپس آ جائے۔ بہرحال اب اسے یہاں سے لے چلنا چاہیے۔''

ڈی آئی جی کو اسٹریچر پر ڈال دیا گیا۔ سعیدہ خاموشی سے سب کچھ دیکھتی رہی تھی۔

چلتے وقت اس کے قدم لڑکھڑانے لگے۔

''اسے سہارا دو۔'' فریدی نے حمید سے کہا۔

''سہارا.....؟''

''تم بھی ہوش میں ہو یا نہیں۔''

''قاسم کہاں ہے؟'' حمید نے پوچھا۔

''پتہ نہیں۔'' فریدی نے کہا اور سعیدہ کا بازو پکڑ لیا۔ وہ چلتے چلتے پھر لڑکھڑائی تھی۔

''مجھ سے تو اس پہاڑی پر نہیں چڑھا جائے گا۔''

''کوشش کرو۔'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا اور اُس کا بازو پکڑے چلتا رہا۔

چڑھائی دشوار گذار نہیں تھی۔ اسٹریچر اٹھانے والے تو اسی طرح چل رہے تھے جیسے ہموار زمین پر چل رہے ہوں۔ نحیف الجثہ غیر ملکی حمید کے برابر چل رہا تھا۔

''تم تینوں کا طبی معائنہ بہت احتیاط سے کرنا پڑے گا۔'' اُس نے حمید سے کہا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ بولنے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ دو تین دن آرام کے بغیر وہ کسی قابل بھی نہیں ہو سکے گا۔

کچھ اوپر جا کر راستہ کسی قدر دشوار ہو گیا تھا۔

''کیا تم چڑھائی پر کچھ گھٹن سی محسوس کر رہے ہو۔'' غیر ملکی نے حمید سے پوچھا۔

''نہیں تو.....!''

''یہ اچھی علامت ہے۔ مضبوط اعصاب کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔''

حمید خاموشی سے راستہ طے کرتا رہا۔

اوپر پہنچ کر انہیں کچھ دور ڈھلان پر اُترنا پڑا۔ پھر وہ ایک مسطح قطعے میں داخل ہوئے۔ یہاں اُگی ہوئی نباتات کو بڑے سلیقے سے سنوارا گیا تھا۔ سبزے کے درمیان خوبصورت روشیں تھیں اور وسط میں لکڑی اور پتھر سے بنی ہوئی ایک چھوٹی سی عمارت تھی جس کا بیشتر حصہ خشک پیچاں کی بیلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔

حمید کی آنکھوں میں ٹھنڈک سی دوڑ گئی۔

عمارت کے برآمدے تک پہنچے تو یہ کیفیت ہوئی جیسے فرش ہی پر لیٹ کر سو جائے گا۔''

نحیف الجثہ غیر ملکی جسے فریدی ڈاکٹر ٹسڈل کہہ کر مخاطب کرتا رہا تھا حمید کی کمر تھپتھپا کر بولا۔ ''نہیں جوان..... پہلے تم گرم پانی سے غسل کرو گے۔ پھر میں تمہیں ہلکا ناشتہ دلواؤں گا اس کے بعد تم متواتر تین دن تک سوتے رہنا۔ مجھے ذرہ برابر بھی پرواہ نہ ہوگی۔''

حمید نے بڑے سعادت مندانہ انداز میں سر کو جنبش دی اور اُس کے ساتھ چلتا رہا۔

وہ نشست کے کمرے میں بیٹھ گئے۔ یہاں ایک بڑی معصوم صورت لڑکی نے انہیں خوش آمدید کہی تھی اور ڈاکٹر ٹسڈل نے اُسے اپنی بیٹی کی حیثیت سے متعارف کرایا۔

خدوخال کی دلکشی حمید کے معیار کے مطابق تھی۔ لیکن اس وقت دوبارہ سو جانے کی خواہش کے علاوہ اور کوئی لگن نہیں تھی۔

ڈاکٹر ٹسڈل کی ہدایات پر عمل کر کے ہی وہ خواب گاہ تک پہنچ سکا۔

نیند ذہن پر کسی تیز قسم کے نشے کی طرح طاری ہوئی تھی اور اُس نے خواب کے دھندلکوں میں دیکھا تھا جیسے وہ اتنا موٹا ہو گیا ہے کہ اپنی جگہ سے جنبش نہیں کر سکتا۔

اس نے خواب ہی میں قہقہہ لگا کر کہا۔ ''یہی ہے میری جنت۔''

پھر آنکھ کھلی تو کانوں میں مینڈولن کا ایک طربیہ نغمہ گونجنے لگا تھا۔

ڈاکٹر ٹسڈل کی بیٹی ربیکا خواب گاہ کے ایک گوشے میں کھڑی مینڈولن بجا رہی تھی۔

حمید کے بیدار ہو جانے پر وہ ہاتھ روک کر آگے بڑھی اور معذرت طلب لہجے میں بولی۔

''ڈیڈی نے کہا تھا کہ تمہیں شام کی چائے کے لئے جگا دیا جائے۔ لیکن چونکہ تم ذہنی جھٹکوں کا شکار ہوئے ہو اس لئے جگانے کے لئے کوئی خوشگوار طریقہ اختیار کیا جائے۔''

''تم مینڈولن بہت اچھا بجاتی ہو۔'' حمید مسکرایا۔

''شکریہ..... میں بچپن ہی سے مشق کرتی آئی ہوں۔''

چائے کے بعد وہ فریدی کے ساتھ باغیچے میں آ بیٹھا تھا۔

''آخر یہ سب کیا تھا.....؟'' اس نے اس سے پوچھا۔

''میرا ایک اندیشہ جو سو فیصد درست نکلا۔''

حمید سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھتا رہا۔ فریدی چند لمحے خاموش رہ کر پھر بولا۔ ''مجھے یقین تھا کہ ہوٹل میں کہیں نہ کہیں ڈائنا مائٹ ضرور لگائے گئے ہوں گے تاکہ ضرورت پڑنے پر راستے تباہ کئے جاسکیں جو ہوٹل سے سرنگ تک جاتے تھے۔''

''کیا اس آدمی کے مارے جانے کی بناء پر انہوں نے راستے تباہ کر دیئے۔''

''ریٹا کی فریب دہی پر۔''

''ریٹا کی فریب دہی؟'' حمید چونک پڑا۔

''تمہیں حیرت کیوں ہے؟''

''وہ تو آپ کے لئے بہت پریشان تھی۔ آپ لفٹ کے ذریعے نیچے چلے گئے تو وہ بوکھلائی ہوئی میرے پاس آئی تھی اور کہا تھا کہ کرنل صاحب نے بہت بُرا کیا۔ تنہا سرنگ میں نہیں جانا چاہئے تھا۔''

''اچھا.....!'' فریدی کے ہونٹوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ نظر آئی۔

''کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟'' حمید جھنجھلا گیا۔

''وہ میرے ساتھ اس کمرے میں رہ گئی تھی۔ تم یہی سمجھے ہو گے کہ شاید میری رہنمائی کرنا چاہتی ہوگی۔ کیونکہ میں بھی یہی سمجھا تھا لیکن میں ابھی لاش کا جائزہ ہی لے رہا تھا کہ اس نے شیشے کی ایک گیند جس میں گیس بھری ہوئی تھی میرے قریب فرش پر پٹخ دی۔ میں فوری طور پر اس سے متاثر ہو کر بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔ وہ اطمینان سے سرنگ میں داخل ہوئی اور اپنے باس کو نقاب پوش کے مارے جانے کی اطلاع دے دی۔ ظاہر ہے کہ پھر وہ ہوٹل والے راستے کیسے برقرار رکھ سکتے تھے۔ اگر میں کچھ دیر اور ہوش میں نہ آتا تو ہوٹل سے ایک آدمی بھی زندہ باہر نہ نکل سکتا۔ اب وہاں ملبے کے ڈھیر کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔''

حمید سناٹے میں آ گیا۔ ایک بار پھر وہ دونوں دھماکے اس کے ذہن میں گونجے اور وہ

آنکھیں بند کر کے کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گیا۔

توبہ

حمید نے تھوڑی دیر بعد آنکھیں کھولیں۔ چند لمحے خلاء میں گھورتا رہا پھر فریدی کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

''یہ لوگ کون ہیں؟''

''ڈاکٹر ٹسڈل ایک مشنری ڈاکٹر ہے۔ میں نے بڑی دشواری سے تم تینوں کو اس جگہ پایا۔ کیونکہ تم تینوں ہی بیہوش ہو گئے تھے۔ صبح پیاس محسوس ہوئی تو تم لوگوں کو وہیں چھوڑ کر پانی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ تھوڑی دیر تک بھٹکتے رہنے کے بعد یہ عمارت نظر آئی۔ ڈاکٹر دل نرم دل آدمی ثابت ہوا۔ بہر حال اس کی خدا ترسی کے نتیجے میں تم خود کو یہاں دیکھ رہے ہو۔ ڈی آئی جی صاحب ہوش میں تو آ گئے ہیں لیکن ذہنی حالت پہلے سے بھی زیادہ سقیم ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر ان کی حالت کا گہرا مشاہدہ کر رہا ہے۔''

''آخر یہ ہے کیا چکر.....؟'' حمید اپنا سر سہلاتا ہوا بولا۔ ''آپ نے مجھے یہاں کیوں بھیجا تھا اور مجھے یہ کیوں نہیں بتایا تھا کہ مجھ پر سعیدہ کی دیکھ بھال کی بھی ذمہ داری ہوگی۔''

''میں نے تم دونوں کو صرف یہ معلوم کرنے کے لئے بھیجا تھا کہ وہ تمہیں پہچان بھی سکتے ہیں یا نہیں۔''

''پھر فریدی مختصراً اس رات کی کہانی دہراتا رہا۔ جب ایک اجنبی چور دروازے سے اس کی کوٹھی میں داخل ہوا تھا اور اسے باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ وہ ڈی آئی جی ہے اور کس طرح اس کا جسم کسی دوسرے کے جسم سے بدل گیا ہے۔''

حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھتا رہا تھا۔ اس کے خاموش ہو جانے کے بعد

بھی کچھ دیر تک اس کی یہی حالت رہی۔ پھر طویل سانس لے کر وہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ ہیلی کوپٹر کے شور کی طرف متوجہ ہوگیا جو شائد اسی باغیچے میں اُتر رہا تھا۔

''چلو اندر چلیں۔'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

حمید طوعاً و کرہاً اٹھا تھا۔ جی نہیں چاہتا تھا کہ کھلی فضا چھوڑ کر کمروں کی گھٹن میں واپس جائے۔

نشست کے کمرے میں سعیدہ اور ربیکا مچھلیوں کی اقسام پر گفتگو کر رہی تھیں۔ انہیں کر خاموش ہوگئیں۔ پھر سعیدہ ہیلی کوپٹر کی آواز کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''انکل گراہم ہوں گے۔'' ربیکا بولی۔ ''وہ ہمیشہ ہیلی کوپٹر ہی کے ذریعے یہاں ہیں۔ تم نے تو نام سنا ہوگا۔ کرنل گراہم کا۔ تمہاری فوج کے پہاڑی ڈویژن کے تربیت حیثیت سے یہاں مقیم ہیں۔''

''مجھے فوج وغیرہ سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اس لئے نام سننے کا بھی سوال نہیں پیدا ہوتا۔''

ربیکا اٹھ کر برآمدے میں چلی گئی۔ وہ لوگ وہیں بیٹھے رہے۔

ہیلی کوپٹر لینڈ کر چکا تھا اور ہوا کا جھکڑ کمرے کے اندر بھی محسوس ہوا تھا۔

کچھ دیر بعد ربیکا ایک بلڈاگ قسم کے آدمی کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی۔

نووارد اُن تینوں کو دیکھ کر دروازے کے قریب ہی ٹھٹک گیا۔ اس کے جبڑے غیر معمولی طور پر بھاری تھے اور کوتاہ گردن ہونے کی بناء پر ایسا لگتا تھا جیسے ٹھوڑی سینے پر لٹکی آ رہی ہو۔ آنکھیں چھوٹی اور چمکیلی تھیں۔ سر پر گھنے بال تھے جنہیں بڑھے سلیقے سے پیچھے کی طرف موڑا گیا تھا۔

''یہ وہی لوگ ہیں..... اس حادثے کے شکار۔'' ربیکا بولی۔

نووارد نے پرتفکر انداز میں سر کو جنبش دی۔ پھر اس کی نظر فریدی پر پڑی اور وہ اُسے گھورنا فریدی بھی پلکیں جھپکائے بغیر اُسے دیکھے جا رہا تھا۔

پھر یہ منظر حمید اور سعیدہ دونوں ہی کے لئے دلچسپی کا باعث بن گیا۔ ایسا معلوم تھا جیسے دو درندے ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑنے کے لئے زاویہ تلاش کر رہے ہوں۔

دفعتاً اجنبی نے کھنکار کر فریدی کے چہرے سے نظر ہٹالی اور ربیکا سے بولا۔

''یہ بہت نیک کام ہے کہ حادثات کا شکار ہونے والوں کی دیکھ بھال کی جائے۔ ڈاکٹر کہاں ہے؟''

''وہ اندر ایک مریض کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔ وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا ہے۔''

''تم انہیں میری آمد کی اطلاع دے دو۔''

ربیکا اندر چلی گئی۔

نووارد نے حمید سے کہا۔ ''میں گراہم وِنڈ شیلڈ ہوں۔ کرنل جی ڈبلیو شیلڈ..... یہاں پہاڑی دستوں کے انسٹرکٹر کی حیثیت سے تمہاری حکومت نے میری خدمات حاصل کی ہیں۔''

''ڈلائیٹڈ ٹو میٹ یو.....!'' حمید مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ ''میں ڈاکٹر زیٹو ہوں..... اور یہ کرنل ہارڈ اسٹون۔''

اس نے اٹھ کر فریدی سے مصافحہ کیا اور سعیدہ کی طرف دیکھنے لگا۔

''مس بالڈ اسپیروٹ.....!'' حمید بولا۔

''میرا نام سعیدہ رحمان ہے۔'' سعیدہ غرائی۔ ''یہ آدمی کریک ہے۔ نہ اس نے اپنا صحیح نام بتایا ہے اور نہ دوسروں کا۔''

کرنل گراہم پر تشویش نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

''یہ درست ہے۔'' فریدی بولا۔ ''پچھلی رات کے دھماکوں نے اس کے ذہن پر اثر ڈالا ہے۔ میرا نام احمد کمال فریدی ہے اور اس کا ساجد حمید۔''

''واقعی وہ دھماکے حیران کن تھے۔'' کرنل گراہم بولا۔ ''آپ کا کیا خیال ہے ان کے متعلق.....؟''

''کیا کہا جا سکتا ہے۔ پچھلی شام اس ہوٹل میں ایک حیرت انگیز واقعہ ہوا۔'' فریدی نے کہا اور ایک آدمی کے پگھل کر بہہ جانے والی کہانی سنانے لگا۔ پھر بولا۔

لہ گنجی گوریا

''اس کے بعد اچانک پولیس آفیسروں نے اعلان کیا کہ ہوٹل کی عمارت خطرے میں ہے لہٰذا لوگ وہاں سے نکل کر جتنا تیز دوڑ سکتے ہوں دوڑیں اور عمارت سے دور پہنچنے کی کوشش کریں۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔'' کرنل گراہم سر ہلا کر بولا۔ ''میں نے آج کا اخبار نہیں دیکھا۔''

''دیکھتے بھی تو کیا ہوتا۔ اخبارات تو صرف اغواء اور عصمت دری کے واقعات سے بھرے ہوتے ہیں اور انداز بیان اتنا لذت انگیز ہوتا ہے کہ آج کل فحش ناول نگار بیٹھے کھیاں مارا کرتے ہیں۔'' حمید سانس لئے بغیر بولتا چلا گیا۔ ''کیا خیال ہے آپ کا؟ اخبارات کی روش کی بناء پر چٹ پٹے ناولوں کی سیل کم ہوگئی ہے اور بازاروں میں حیرت انگیز کیپسولوں کی بھرمار ہوگئی ہے۔ ایک کیپسول کھا لیجئے اور چار پائی سر پر اٹھا کر میلوں دوڑتے چلے جائیے..... بارہ مسالے کی چاٹ۔''

اسکے خاموش ہوتے ہی فریدی مغموم لہجے میں بولا۔ ''دھماکوں سے پہلے اچھا خاصا تھا۔''

''تمہاری خوش قسمتی ہے کہ تم ڈاکٹر ٹسڈل تک پہنچ گئے۔'' کرنل گراہم بولا۔ ''اس پر مسیح کی رحمت ہے۔ وہ مردہ تنوں میں جان ڈال دیتا ہے۔''

''چینی طریقہ علاج بھی مردوں میں جان ڈال دیتا ہے۔'' حمید غصیلے لہجے میں بولا۔ ''کسی ماہر طب چین سے مل کر دیکھو۔''

''کیا یہ شخص کمیونسٹ ہے۔'' گراہم نے فریدی سے پوچھا۔

''نہیں تو.....؟''

''پھر کیوں چین کی بات کر رہا ہے؟''

''طب چین کا تذکرہ کر رہا تھا۔'' فریدی حمید کو گھورتا ہوا بولا۔ ''چین والے طب چین کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔ یہ بھی ہماری ایجاد ہے۔''

''تمہارے ذہن پر بھی کچھ اثر معلوم ہوتا ہے۔'' گراہم فریدی کو عجیب سی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

اتنے میں ربیکا اندر سے آ گئی۔ اس نے اطلاع دی کہ ڈاکٹر ٹسڈل ابھی مریض کو دیکھ رہا ہے۔

حمید سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس سے پہلے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔

''آپ نے ابھی میرے بارے میں بھی کچھ اظہار خیال کیا تھا۔'' دفعتاً فریدی نے کرنل گراہم کو غصیلے انداز میں مخاطب کیا۔

اور وہ چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

''میں اتنے کمزور اعصاب کا آدمی نہیں ہوں۔ آپ مجھے بھی کیا سمجھتے ہیں۔'' حمید یکلخت کھڑا ہو کر دہاڑا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' کرنل گراہم ہاتھ ہلا کر غرایا۔

''میں تمہیں چیلنج کرتا ہوں..... باہر چلو۔'' حمید نتھنے پھلا کر بولا۔

گراہم نے فریدی کی طرف دیکھا۔

''یہ کیا کر سکتا ہے۔'' فریدی نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

حمید کھڑا گراہم کو للکارتا رہا اور ربیکا بڑے نروس انداز میں کبھی اُس کی طرف جاتی اور کبھی راہم کی طرف۔ کبھی بے بسی سے فریدی کی جانب دیکھتی اور سعیدہ کی طرف تو ایسے ملتجیانہ از میں دیکھتی کہ بس۔

''کیا تم پاگل ہو۔'' وہ اُسے جھنجھوڑ کر بولی۔

حمید خاموشی سے خلاء میں گھورے جا رہا تھا۔

''جواب دو۔'' اُس نے پھر اس کے کالر کو جھٹکا دیا۔

''میں کیا عرض کر سکتا ہوں محترمہ۔'' حمید آہستہ سے بولا۔ ''جب تک ایک لڑکی بھی ے زمین پر موجود ہے میں صحیح الدماغ نہیں ہو سکتا۔''

''مجھ سے بکواس کی تو اچھا نہ ہوگا۔''

''کہیں جان نہیں چھوٹتی۔ تم تو جان کو لگی ہی ہوئی تھیں۔ اس ڈاکٹر ٹسڈل کے بچے کے ل بھی ایک عدد موجود ہے۔ واہ کیا نام ہے ربیکا..... ربیکا..... ایسا لگتا ہے جیسے کوئی سلیم الطبع لگنڈ یاں چوس رہی ہو۔''

''ہوش کی باتیں کرو..... تم مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتے۔'' وہ پھر کالر کو جھٹکا دے کر بولی

''اب زندہ رہنے دو گی مجھے یا نہیں۔''

''میں تمہیں جان سے مار دوں گی۔'' وہ دانت پیس کر بولی اور کالر چھوڑ دیا۔

وہ باغیچے کے وسط میں کھڑے تھے اور بقیہ لوگ برآمدے میں کھڑے انہیں گھور جا رہے تھے۔ ان میں ڈاکٹر ٹسڈل بھی تھا۔

حمید کنکھیوں سے ان کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ یکا یک سعیدہ اُسے وہیں چھوڑ کر آ بڑھ گئی۔ حمید اسی جگہ کھڑا رہا۔ لیکن فریدی نے اُسے نہ صرف آوازیں دیں بلکہ اُسے آ جانے سے روکنے کے لئے خود بھی برآمدے سے نیچے اُتر آیا۔

وہ جاتے جاتے مڑ کر چیخی تھی۔ ''میں پاگلوں کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔''

فریدی نے تیزی سے قدم بڑھائے اور اُسے جالیا۔

''ڈاکٹر سعیدہ.....!'' اس نے آہستہ سے کہا۔ ''ہم بڑے عجیب حالات سے دو ہیں۔ بچوں کی سی ضد نہ کرو۔ اس سے ایک حماقت ہوگئی ہے لہٰذا نباہنا پڑے گا۔''

''آپ کیسے برداشت کرتے ہیں ایسے اول جلول آدمیوں کو۔''

''خیر اس بحث کو دوسرے وقت کے لئے اٹھا رکھو..... واپس چلو۔''

سعیدہ بہت بُرا سا منہ بنائے ہوئے اس کے ساتھ واپس آ گئی۔

حمید جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔

ڈاکٹر ٹسڈل نے فریدی سے کہا۔ ''وہ جو کچھ کر رہا ہے کرنے دو۔ کسی بات پر مجبور نہ کرو۔''

''یہ ناممکن ہے ڈاکٹر کہ میں یہاں کھڑا رہ کر اس کی نگرانی کرتا رہوں۔'' فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''تم اس کی فکر نہ کرو۔ ربیکا اُسے سنبھالے گی۔''

''خدا ربیکا کو سنبھالے۔'' سعیدہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑائی۔

فریدی ڈرائینگ روم میں چلا گیا۔

''تم اسے بہلاؤ..... ہم کمرے میں بیٹھ کر گفتگو کریں گے۔'' ڈاکٹر ٹسڈل نے ربیکا سے کہا۔

اور وہ اندر سے اپنا مینڈولین اٹھا لائی۔ پھر باغیچے کے ایک گوشے میں طربیہ نغمہ گونجنے لگا۔

وہ لوگ ڈرائینگ روم میں چلے گئے تھے۔

حمید کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ اُسے بڑے رومینٹک انداز میں دیکھتا رہا۔ پھر ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''ذرا ٹھہرو۔''

ربیکا نے تاروں پر سے مضراب ہٹالی۔

''کیا تمہیں وہ دن یاد ہیں۔'' حمید نے سرگوشی کی۔

''کون سے دن.....؟''

''اب سے ہزاروں سال پہلے کی بات ہے۔ دریائے دجلہ کے کنارے ہمارا گاؤں تھا۔ ہمارا باپ بڑا جابر آدمی تھا اور مجھے تم سے محبت تھی۔ ہم دجلہ کے کنارے ملتے تھے۔ یاد کرو۔ ب پر کونسا گیت گایا کرتی تھیں۔''

''مجھے تو یاد نہیں؟'' ربیکا نے آہستہ سے کہا۔

''مجھے یاد ہے..... تم گاتی تھیں..... میری اونٹنی کی کاجل بھری آنکھیں دو ایسے چشمے ما جن کے کنارے شام ہوگئی ہو اور اسکے پیروں کے گھنگھرو ایسے گیت فضاؤں میں بکھیرتے ما کہ پانی بھرے سیاہ بادل کھجوروں کی چوٹیوں کو چھونے لگتے ہیں۔ کیوں؟ یاد آیا تمہیں؟''

''ہاں..... ہاں..... یاد آ گیا مجھے۔''

''اچھا تو..... وہی گیت سنا دو..... پورا گیت..... میں اُسے ذہن نشین کر لینا چاہتا ہوں۔''

''وہ..... وہ تو..... پورا گیت..... تم ہزاروں سال پہلے کی بات کر رہے ہو۔''

''ہاں..... اس دور کی بات جب دجلے کے دونوں کناروں پر ''بنی تلقل'' کی بادشاہت ما اور ''بنی طنبورا'' کی بیوہ عورتیں اونٹ کی مینگنیاں اچھال اچھال کر بنی قلقل کو بددعائیں دیا تی تھیں۔''

''ہاں..... ہاں.....!'' ربیکا بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔

''تو پھر سنا دو وہی گیت۔''

''مگر اب میں عربی تو گا نہیں سکتی۔ ہزاروں سال پہلے کی بات ہے۔''

''انگریزی میں سنا دو..... کوئی بات نہیں۔''

''لیکن..... لیکن.....؟''

''لیکن..... ویکن کچھ بھی نہیں۔ مجھے یاد ہے۔ ایک بار تمہارے باپ ''ابن غلیلی'' تمہیں میرے قریب گاتے سن لیا تھا۔ میرے خدا کتنا بھیانک دن تھا۔ اس نے اپنے خنجر تمہاری ناک کاٹ دی تھی۔''

ربیکا بوکھلا کر اپنی ناک ٹٹولنے لگی اور پھر احمقانہ انداز میں ہنس پڑی۔ حمید کہتا رہا۔ مجھے قتل کر کے میری لاش دجلہ کی لہروں کے حوالے کر دی تھی۔ لیکن جانتی ہو۔ اس وقت میری روح تمہارے گیت میں مگن تھی اور جب تک تم بھی جسم کی قید سے آزاد ہو کر ''این لل'' کے حضور میں نہیں پہنچ گئی تھیں میری روح تمہارے گرد منڈلاتی رہتی تھی۔ ہر چند تمہاری ناک کٹ چکی تھی اور تمہارے گیتوں میں ہلکی سی منمناہٹ بھی شامل ہو گئی تھی۔ میری روح اسی ذوق و شوق کے ساتھ اس گیت پر رقص کرتی رہی تھی۔''

''اے لڑکی.....!'' دفعتاً سعیدہ کی آواز سنائی دی اور وہ دونوں چونک پڑے۔

سعیدہ ربیکا سے کہہ رہی تھی۔ ''اس کی باتوں میں نہ آنا..... خود کو تباہ کر بیٹھو گی۔''

''اے.....!'' حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔ ''یہ پھر میرا دماغ چاٹ رہی ہے۔ اسے یہاں سے ہٹاؤ..... ورنہ میں کسی اونچی چٹان سے چھلانگ لگا دوں گا۔''

وہ سب دوڑتے ہوئے کمرے سے باہر آئے اور ڈاکٹر ٹسڈل غضب ناک آنکھوں سے سعیدہ کو گھورنے لگا۔ پھر اس نے بے حد غصیلے لہجے میں فریدی سے کہا۔ ''تم اس لڑکی کو لے جاؤ ورنہ میں اس کو کسی کمرے میں بند کر دوں گا۔''

''سعیدہ.....!'' فریدی اُسے گھورنے لگا۔

سعیدہ سر جھکائے خاموش کھڑی اپنے ہونٹ چبا رہی تھی۔

ایک خوش رنگ پرندہ سریلی آوازیں نکالتا ہوا اُن کے سروں پر سے گزر گیا۔

قاسم بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ لیکن گرتا پڑتا بھاگا ہی جا رہا تھا کہ پہلا دھماکہ اُسے منہ کے بل زمین پر لے آیا اور دوسرے دھماکے نے اس کے ہوش و حواس ہی غائب کر دیئے۔ اپنی سدھ نہ رہی۔

پھر ہوش آنے پر یقین ہی نہیں آتا تھا کہ زندہ بھی ہے یا نہیں؟ دو تین بار آنکھیں کھول کھول کر بند کر لیں تھیں۔ نیم بیدار ذہن پر عذاب قبر کا خوف مسلط تھا۔ سہما ہوا تھا کہ نکیریں پتہ نہیں کس قسم کے سوالات کریں۔

پھر یک بیک وہ بڑبڑانے لگا۔ ''ارے باپ رے..... مجھے عربی تو آتی ہی نہیں۔ اے فرشتو بھائیو! اردو میں پوچھنا جو کچھ پوچھنا ہو..... الاقسم میں بالکل بے گناہ ہوں۔ یہ سالے ادھر اُدھر والے بہکا دیتے تھے۔''

اتنے میں کہیں سے گھنٹی بجنے کی آواز آئی اور وہ گڑگڑانے لگا۔ ''آ گئے..... آ گئے..... ہائے قبر میں بھی گھنٹی لگی ہوئی ہے..... آ جایئے..... قون صاحب ہیں۔ جناب.....؟''

کسی نے اس کا شانہ پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا اور قاسم آنکھیں کھولے بغیر گھگھیاتا رہا۔ ''حضور عالی..... جناب والا..... میرا رب وہی ہے جو آپ کا ہے۔ مگر میں سالا بڑا گنہگار ہوں۔ مافی..... دلوا دیجئے..... الاقسم پھر جو کبھی کسی کے بہکائے میں آؤں۔''

''اٹھو کیا بکواس لگا رکھی ہے۔'' ایک بڑی سریلی آواز اس کے کانوں میں رس گھول گئی اور وہ آنکھیں کھولے بغیر دونوں ہاتھوں سے کلیجہ دبا کر کراہا۔ ''ہائے تم بھی عورت بن کر آئے

ہو.....اب میں قیا.....قروں.....!''

''یہ اس طرح آنکھیں نہ کھولے گا۔'' نسوانی آواز پھر سنائی دی۔''اس پر ایک بالٹی پانی الٹ دو۔''

''ہائیں تو کیا الا میاں کے یہاں بھی بالٹی ہوتی ہے۔'' قاسم نے کہا اور مارے حیرت کے نہ صرف اٹھ کر بیٹھ گیا بلکہ آنکھیں بھی کھول دیں۔بس ذہنی رو بہک گئی تھی۔

سامنے ایک خاصے تن و توش والی عورت کھڑی نظر آئی۔عمر زیادہ سے زیادہ چھبیس ستائیس سال رہی ہوگی۔جین اور جیکٹ میں ملبوس تھی۔قاسم اسے دیکھ کر منہ چلانے لگا۔

پھر جلدی سے دونوں گال پیٹ کر رکھ دیئے۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' عورت نے پوچھا۔

قاسم نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔''الا ماف کرے۔''

''منہ کیوں پیٹ رہے ہو؟''

''کیسے فرشتے ہو..... پتہ لگاؤ۔''

''فرشتے.....؟''

''عورت بن کر کیوں آئے ہو؟ میرا امتحان لینے.....!''

''تم ہوش میں ہو یا نہیں؟''

''میں بہت اچھا آدمی ہوں.....بس کبھی کبھی سنک جاتا ہوں۔''

''کیا بک رہے ہو؟''

''اچھا لے لو امتحان.....دیکھو.....کتنا شریف آدمی ہوں.....تم ایسی پتلون پہنے ہوئے ہو.....پھر بھی میں کھاموش ہوں۔''

''ہوش کی باتیں کرو ورنہ الٹے لٹکا دیئے جاؤ گے۔''

''میں تو یہ کہہ رہا تھا.....کہ دیکھو.....میں کتنا شریف آدمی ہوں.....ہی ہی ہی ہی۔''

''کہیں یہ تو نہیں سمجھ رہا ہے کہ یہ مر گیا ہے۔'' پیچھے کھڑے ہوئے آدمی نے کہا۔

''تو قیا نہیں مر گیا۔'' قاسم نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ہنسے۔

''اے خدا کیلئے مجھے بہکاؤ نہیں۔تم دونوں منکر نکیر ہو۔بھیس بدل کر آئے ہو میرا امتحان لینے.....الا قسم میں تو عورتوں سے دور بھاگتا ہوں۔وہ سالا حمیدا کثر مجھی پھنسوا دیتا ہے۔''

''دیکھو دوست.....!'' عورت کے پیچھے کھڑے ہوئے مرد نے کہا۔''تم سو فیصد زندہ ہو فکر نہ کرو۔''

''کس بات کی فکر نہ کروں۔''

''مطلب یہ کہ یہاں آرام سے رہو۔''

''مجھے بھوک لگی ہے۔''

''تو اٹھو.....ڈرائنگ روم میں میز تیار ملے گی۔''

قاسم کراہتا ہوا اٹھا۔جوڑ جوڑ دکھتا محسوس ہوتا تھا۔مرد نے سہارا دیا اور لڑکھڑاتا ہوا چل پڑا۔

اس کمرے کی ساخت عجیب تھی۔کسی بحری جہاز کا بہت بڑا کیبن معلوم ہوتا تھا۔دوسرے کمرے تک پہنچنے کے لئے وہ جس راہداری سے گذرے وہ بھی کچھ اسی قسم کی تھی۔

قاسم میز پر لگا ہوا سامان دیکھ کر بھونچکا رہ گیا اور اُس پر ایک بار پھر ہیبت طاری ہونے لگی۔

''نن.....نہیں.....مم.....میں مر چکا ہوں۔''

''تم زندہ ہو.....یہ دیکھو۔'' عورت نے اُس کے زوردار چٹکی لی۔

''کس.....سی.....ارے باپ رے۔'' قاسم اچھل پڑا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' مرد نے تحکمانہ لہجے میں کہا اور اُس کے لئے کرسی مناسب جگہ پر رکھنے لگا۔

''جی بہت اچھا۔'' قاسم روہانسا ہو کر بولا اور بیٹھ گیا۔عجیب سی شکل ہو رہی تھی اس وقت۔بسورے بھی جا رہا تھا اور کھانا دیکھ کر ندیدے بچوں کی طرح منہ بھی چلانے لگتا تھا۔

''تم کھانے کی میز پر بیٹھے ہو اور یہ سب مرنے کے بعد کہاں میسر.....!'' عورت بولی۔

''تو پھر تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں اتنا خانا خاتا ہوں.....اور یہ سب کھاتا ہوں؟'' قاسم

نے کھانوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

میز پر بکرے کی مسلم ران..... تین مرغ مسلم اور تقریباً پانچ چھ پاؤنڈ کولڈ بیف موجود

اور ایک طرف تنوری روٹیوں کا ڈھیر نظر آ رہا تھا۔

''اچھا..... اچھا..... یہ بات ہے۔'' مرد ہنس پڑا۔

''ہے نا یہی بات۔''

''نہیں یہ بات نہیں۔ تم یہاں کل ہی پہنچے تھے نا..... اور تم نے نیشنل میں قیام کیا اور

دوپہر کا کھانا وہیں کھایا تھا۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔''

''بالکل ٹھیک ہے بھائی صاحب۔''

''بس تو پھر کھاؤ۔ تم ہمارے مہمان ہو۔ ایک جگہ بے ہوش پڑے تھے ہم لاوارث سمجھ

اٹھا لائے؟''

''ہاں..... ہاں..... میں لاوارث ہی ہوں۔'' قاسم آبدیدہ ہو کر بولا۔

''اب کھاؤ بھی نا۔'' عورت اس کا شانہ تھپک کر بولی۔ ''ورنہ پھر رونے لگو گے۔''

قاسم کھانے پر ٹوٹ پڑا۔ وہ دونوں اس کے قریب ہی کھڑے رہے۔ لیکن قاسم

انہماک کا یہ عالم تھا کہ انہیں رسماً بھی کھانے کو نہ پوچھا۔

آدھے گھنٹے میں وہ کھا چکا تھا اور دونوں اتنی دیر تک وہیں کھڑے رہے تھے۔

''اب قیا قروں..... بھائی صاحب۔'' قاسم نے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

''آرام.....!'' عورت مسکرائی۔

''یکین نہیں آتا کہ آپ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔''

''چلو یہی سہی..... لیکن عذاب کے فرشتے نہیں ہو سکتے۔ اس کا اندازہ تو تمہیں ہو ہی گیا ہوگا۔''

''کھیر..... خیر..... چلئے آرام بھی قرلوں۔'' قاسم اٹھتا ہوا بولا۔

وہ اس کمرے سے نکل آئے لیکن اب ان کا رخ اُدھر نہیں تھا جہاں سے قاسم کو لائے تھے

طویل راہداری سے گزر کر وہ ایک عجیب سی جگہ جا پہنچے۔ چاروں طرف بڑے بڑے

کمرے تھے جن میں عجیب الخلقت عورتیں بند تھیں۔ لیکن ان کے انداز وحشیانہ تھے۔ آنکھوں

میں ہوشمندی نہیں معلوم ہوتی تھیں۔

جیسے وہ وہاں پہنچے کٹہروں سے قہقہے بلند ہونے لگے۔ وحشیانہ قہقہے۔ بالکل ایسا ہی معلوم

ہوتا تھا جیسے بہت سے بندر بیک وقت چیخنے لگے ہوں۔

''یہ..... یہ..... قیا ہے۔'' قاسم کی آواز ان کے شور میں دب کر رہ گئی۔ پھر قاسم اپنے

قدموں کی طرف مڑا اور اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ دونوں وہاں نہیں تھے۔

وہ اس طرف کے دروازے پر جھپٹا جس سے گزر کر یہاں پہنچا تھا لیکن دروازہ بند ملا۔

کے ہینڈل پر کافی زور آزمائی کرنے کے باوجود بھی وہ وہاں سے نکل بھاگنے میں کامیاب

نہ ہو سکا۔

وحشی عورتوں کا شور بڑھتا جا رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ان کٹہروں کو توڑ کر باہر

آنا چاہتی ہوں۔

''ارے کیوں میرے کان کھا رہی ہو..... چوپ راؤ.....!'' قاسم غصہ سے سرخ ہو کر دہاڑا۔

لیکن پھر یکایک ذہنی رو بہک گئی اور وہ بے حد خوفزدہ نظر آنے لگا۔

''یہ ہے عذاب..... ارے باپ رے..... اب قیا قروں..... میں واکئی مر گیا ہوں۔ کتنا

ظلم پڑھتا تھا زندگی میں کہ یلالیلوں کا خیال نہ آئے۔ مگر آتا تھا سالا۔ اب یہ عورتیں.....

ارے باپ رے..... الامیری توبہ۔''

وہ زور زور سے منہ پیٹنے اور گڑگڑانے لگا۔ شور بڑھتا رہا پھر ایک کٹہرے کا دروازہ خود

بخود کھٹاکے کے ساتھ کھل گیا اور ایک عورت اس میں سے نکل کر قاسم کی طرف جھپٹی۔

''ارے..... ارے.....!'' قاسم بوکھلا کر پیچھے ہٹا۔

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کٹہرے کی طرف کھینچنے لگی۔

''الاقسم..... توبہ ہے توبہ..... ماف کرو۔''

عورت نے اس کے گریبان پر جھپٹا مارا اور اس کی قمیض کے چیتھڑے اڑ گئے۔ قاسم کسی

خوفزدہ چوپائے کی طرح ہانپ رہا تھا۔

آہستہ آہستہ اس کا ذہن بھی تاریکی میں ڈوبتا رہا پھر اُسے ہوش نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا تھا۔

جھپٹتی ہے

حمید کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ شام ہی سے اس نے محسوس کرنا شروع کر دیا تھا کہ وہ کسی الجھاوے میں پڑنے والے ہیں۔ کرنل جی ڈبلیو شیلڈ اُسے اچھا آدمی نہیں لگا تھا۔

وہ خود اب بھی یہی ظاہر کر رہا تھا کہ کسی قسم کے ذہنی فتور میں مبتلا ہو گیا ہے کیونکہ نے اس کی اس حرکت پر سرزنش نہیں کی تھی۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے مرضی کے خلاف نہیں۔

وہ اپنے کمرے میں تنہا تھا۔ ڈی آئی جی اور سعیدہ ایک کمرے میں رکھے گئے فریدی کا بستر بھی حمید ہی والے کمرے میں تھا لیکن رات کے کھانے کے بعد حمید، فریدی ڈاکٹر ٹسڈل کو کسی بحث میں الجھا چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔

پھر دو گھنٹے گزر جانے کے بعد بھی اس کی واپسی نہ ہوئی۔

حمید اس وقت کھڑکی کے قریب کھڑا باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں گھور رہا تھا۔ معمول کے مطابق تھی۔ حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے وقت سوچا آخر یہ ڈاکٹر ٹسڈل اس ویرانے میں کیوں مقیم ہے۔ ویسے وہ اسے ایک خدا ترس اور شریف آدمی معلوم ہوا تھا اس کی لڑکی؟ اس کا کیا پوچھنا۔ وہ تو اس کے پاگل پن میں بڑی شدت سے دلچسپی تھی۔ لیکن آخر سعیدہ کی برافروختگی کا کیا مطلب تھا۔ وہ کیوں خفا ہو رہی تھی اس حرکت پر

دفعتاً وہ کسی قسم کی آواز سن کر چونک پڑا۔ آواز کی طرف مڑا ہی تھا کہ فریدی کو دروازہ بند کرتے دیکھا۔

"تم ابھی تک جاگ رہے ہو۔" اس نے حمید سے پوچھا۔

"کیا مجھے سو جانا چاہئے تھا۔"

"اتنا احمق تو نہیں سمجھتا تمہیں۔"

"کیا مطلب.....؟"

"ہم خطرے میں ہیں۔"

"ہمیشہ خطرے میں ہی رہتے ہیں۔" حمید بیزاری سے بولا۔ "کوئی نئی بات کہئے۔"

"نئی بات یہ کہ سعیدہ اپنے کمرے میں بے خبر سو رہی ہے۔ لیکن ڈی آئی جی صاحب کا بستر خالی ہے۔ میں نے انہیں پوری عمارت میں ڈھونڈ ڈالا۔"

"اور وہ دونوں باپ بیٹی؟"

"وہ بھی ایک کمرے میں سوئے پڑے ہیں۔"

"تو پھر.....؟"

"یہی دیکھنا ہے کہ اب کس کا بستر خالی ہوتا ہے۔ تم پائپ بجھا کر لیٹ جاؤ۔"

"تو کیا مجھے ہی پہلے بجھوایئے گا۔"

"فضول باتیں مت کرو..... یہ اچھا ہے کہ تم نے کپڑے نہیں اُتارے۔ اسی طرح لیٹ کر کمبل تان لو..... ریوالور لوڈ کر لینا۔"

"حمید اس کی ہدایت پر عمل کرتا ہوا بڑبڑایا۔ "لیکن میں اب یہاں سے کہیں اور جانا پسند نہیں کروں گا۔"

"میں تمہارے دکھ درد سے واقف ہوں فرزند..... صبر کرو..... تم پر تو قدم قدم پر دکھوں کے پہاڑ ٹوٹتے ہیں..... ایک ریٹا ملی تھی وہ اس طرح ضائع ہوئی۔ اب ربیکا عذاب کے فرشتے کی طرح تم پر نازل ہوئی ہے۔"

فریدی نے بھی لیٹ کر کمبل تان لیا۔

''کیا روشنی گل کردوں.....؟''

''پیٹرومیکس ہے فرزند.....!'' دوبارہ روشن کرنے میں دشواری ہوگی۔ بس یونہی بند کرلو۔''

پھر آدھے گھنٹے تک وہ بالکل خاموش پڑے رہے تھے۔ اس کے بعد حمید بولا تھا۔

''کیا مصیبت ہے..... خاموش پڑے رہنے سے نیند آنے لگی ہے۔''

''لیٹے رہو چپ چاپ.....!'' فریدی غرایا۔

پندرہ منٹ اور گزرے پھر ایسا لگا جیسے کسی نے دروازہ کھولا ہو۔ حمید ایسی پوزیشن میں کہ پلکوں میں درہ کر کے دروازے کی طرف بہ آسانی دیکھ سکتا تھا۔

دروازہ کھولنے والے نے اندر داخل ہوکر پھر دروازہ بند کرلیا۔

یہ ڈی آئی جی تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ان کی مسہریوں کے درمیان آ کھڑا ہوا پہلے فریدی ہی اٹھا تھا۔

''آپ کہاں چلے گئے تھے؟'' اس نے ڈی آئی جی سے پوچھا۔

''میں..... میں..... میں بھاگ جانا چاہتا تھا۔ بڑی دیر تک بھٹکتا رہا۔ پھر واپس آنا پڑا۔ اگر اس کمرے میں روشنی نہ ہوتی تو انہیں پہاڑیوں میں سر ٹکراتا رہتا۔''

''آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔'' فریدی بولا۔

''مجھے تو اب خودکشی ہی کرلینی چاہئے۔''

''مایوسی گناہ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کا جسم واپس ہی مل جائے۔''

''تمہارے ساتھی نے مجھے بتایا تھا کہ یہ ایک بڑے پولیس آفیسر کا جسم ہے۔''

''جی ہاں..... یہ درست ہے۔''

''لیکن یہ ہوا کیسے؟ یہ کیسے ممکن ہے؟''

''بیٹھ جایئے۔'' فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

حمید بھی اٹھ بیٹھا اور دل ہی دل میں خوش ہونے لگا کہ اب یہاں سے نکل بھاگنے

خدشہ نہیں رہا۔ ربیکا اُسے پسند آئی تھی اور وہ کچھ دن اس کے ساتھ گزارنا چاہتا تھا۔

ڈی آئی جی کی بازیابی کی بناء پر اب کچھ دن یہاں قیام کرنے کے امکانات پیدا ہوگئے تھے۔

ڈی آئی جی جواب طلب نظروں سے فریدی کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

''سب کچھ ممکن ہے اس ایٹمی دور میں۔'' فریدی بولا۔

''کس طرح ممکن ہے؟''

''اسے دیکھنا پڑے گا۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں..... اگر اس صورت میں گھر واپس گیا تو مجھے کون قبول کرے گا۔''

''یقیناً یہ ایک پیچیدہ مسئلہ ہے۔ لیکن میں آپ کو مشورہ دونگا کہ آپ اس طرح بھاگے نہیں۔''

''میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔'' وہ سر جھکا کر اپنی پیشانی مسلنے لگا۔

فریدی نے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک لفافہ نکالا اور لفافے سے ایک تصویر نکال کر اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ''ذرا اسے دیکھئے۔''

ڈی آئی جی نے ہاتھ بڑھا کر تصویر لی اور بیساختہ اچھل پڑا اور اس کے سارے جسم میں تھرتھری سی پڑ گئی۔

''یہی ہے..... یہی ہے..... یہ میں ہوں..... خدا کی قسم میں ہوں..... تمہیں یہ تصویر کہاں سے ملی۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے کبھی اس قسم کی تصویر کھنچوائی ہو۔''

''لایئے..... مجھے واپس کردیجئے۔''

ڈی آئی جی سے تصویر لے کر وہ تھوڑی دیر تک اُسے تفکر آمیز نظروں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ ''میں چاہتا ہوں کہ آپ کو کسی محفوظ مقام پر بھجوادوں۔''

''ہاں..... ہاں.....!'' ڈی آئی جی سر ہلا کر بولا۔ ''میں اچھی طرح جانتا ہوں یا تو تم لوگ مجھے جیل بھجوادو گے یا پاگل خانے میں رکھو گے۔''

''ایسی کوئی بات نہیں..... دراصل یہ آپ کو بعض لوگوں سے محفوظ رکھنے کیلئے کیا جا رہا ہے۔''

''اس کی فکر نہ کرو.....اس جسم کے ساتھ زندہ رہنے پر میں موت کو ترجیح دوں گا۔''

''خیر فی الحال آپ آرام کیجئے۔ صبح دیکھیں گے کہ آپ کے لئے کیا کیا جا سکتا ہے۔''

''میں وہاں اس لڑکی کے ساتھ رات نہیں بسر کر سکتا۔ حقیقتاً اُسی سے وحشت زدہ ہو کر میں نے بھاگ جانا چاہا تھا۔''

''اچھی بات ہے۔ آپ یہاں اس پلنگ پر آرام کیجئے۔'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

''اب آپ مجھے وحشت زدہ دیکھنا چاہتے ہیں۔'' حمید بول پڑا۔

''میں جا رہا ہوں۔ لیکن تم جاگتے رہو گے۔'' فریدی نے کہا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

حمید اُسی طرح لیٹا رہا۔ ڈی آئی جی کرسی ہی پر بیٹھا رہا۔ آخر حمید بولا۔ ''لیٹ جایئے جناب۔''

''یونہی ٹھیک ہوں۔''

''خیر تو پھر دو گھنٹے بعد مجھے جگا دیجئے گا۔''

''اچھی بات ہے۔'' ڈی آئی جی نے کہا اور کرسی ہی پر بیٹھا رہا۔

سچ مچ حمید کی پلکیں نیند سے بوجھل ہوئی جا رہی تھیں۔ وہ دو منٹ کے اندر اندر گہری نیند سو گیا۔

پھر وہ کسی قسم کے جھٹکے ہی تھے جنہوں نے اسے جگایا تھا۔ آنکھیں کھلنے پر معلوم ہوا کہ ڈی آئی جی اُسے بُری طرح جھنجھوڑ رہا ہے۔

''سنو.....سنو.....گولیاں چل رہی ہیں۔'' ڈی آئی جی کانپتا ہوا بولا۔ حمید کا ذہن فوری طور پر صاف ہو گیا اور وہ اٹھ بیٹھا۔

تھوڑے تھوڑے وقفے سے فائر ہو رہے تھے۔ پھر انہوں نے پے در پے کئی نسوانی چیخیں سنی۔ حمید کھڑا ہو گیا۔ اُس کا ریوالور اس کے ہاتھ میں تھا۔

''آپ پلنگ کے نیچے لیٹ جایئے جناب۔'' حمید نے ڈی آئی جی کو پلنگ کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

وہ بے چون و چرا پلنگ کے نیچے گھس گیا۔ اس کے بعد حمید نے جو سب سے پہلا کام کیا وہ یہ تھا کہ پیٹرومیکس بجھا دیا۔ پھر کھڑکی کے قریب والا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا اب وہ باغیچے کے بائیں بازو میں تھا۔

عمارت کے باہر سے بھی فائر ہو رہے تھے اور اندر سے بھی۔ یہ اندازہ کرنا دشوار تھا کہ فریقین میں کون کہاں ہوگا۔ وہ دیوار سے چپکا کھڑا رہا۔

اندھیرے میں مار کھا جانے کا خدشہ زیادہ تھا۔ پھر یہ علاقہ بھی دیکھا بھالا نہیں تھا۔ اس نے سوچا مناسب یہی ہے کہ وہ اسی جگہ ٹھہرے اور حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہے۔

دفعتاً فائروں کی آوازیں آنا بند ہو گئیں۔ ایک منٹ کے اندر اندر ایسا سناٹا چھا گیا جیسے کبھی کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

پھر اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی اُسے کمرے میں آہستہ آہستہ آوازیں دے رہا ہو۔ وہ کھڑکی کے قریب کھسک آیا۔ کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ لیکن کمرے میں اندھیرا ہونے کی وجہ سے کوئی بجھائی نہ دیتا تھا۔

اس بار اُس نے آواز پہچان لی۔ یہ فریدی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

حمید نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا اور آہستہ سے بولا۔ ''میں ادھر ہوں۔''

''ڈی آئی جی صاحب کہاں ہیں؟''

''آپ کی چارپائی کے نیچے۔''

''انہیں ساتھ لے کر جلدی سے نکل چلو۔''

حمید نے اندر جا کر ڈی آئی جی کو پلنگ کے نیچے سے نکالا۔

''کک.....کیا بات ہے؟''

''یہاں سے نکل چلئے.....خطرہ ہے۔''

''مم.....مجھے بتاؤ کیا بات ہے؟''

''اے چلو۔'' حمید اُسے دروازے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔

دونوں باہر نکلے۔ اندھیرے میں فریدی کا ہیولیٰ نظر آیا۔ وہ کاندھے پر کسی کو اٹھائے ہوئے تھا۔

''میرے پیچھے چلے آؤ۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔

''اس عذاب کو تو یہیں چھوڑ چلئے۔'' حمید بولا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید نے سوچا شائد سعیدہ بے ہوش ہے ورنہ اس کے اس ریمارک پر ہزاروں سناتی۔

''چلو یار.....!'' حمید ڈی آئی جی کی گردن پر ہاتھ رکھ کر اُسے آگے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا

''چل تو رہا ہوں۔''

باغیچے سے نکل کر وہ ڈھلان میں اترنے لگا۔ لیکن اس کا رخ اس جانب نہیں تھا سے وہ اس عمارت میں آئے تھے۔ بالکل ہی مخالف سمت میں یہ کارواں چل رہا تھا۔

قاسم کو ہوش آیا تو خود کو ایک کٹہرے میں پا کر دوبارہ بیہوش ہو جانے کا ارادہ کر رہا کہ اچانک عقل ٹھکانے آ گئی۔ تکیہ سمجھا تھا جس چیز کو وہ اس وحشی عورت کا زانو نکلا اور وہ پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔

پوری سچویشن سمجھ میں آتے ہی قاسم کی گھگھی بندھ گئی۔ فوراً ہی اپنے گناہ پھر یاد آ اکثر اپنی بیوی کا جی جلانے کے لئے دعا مانگا کرتا تھا کہ یا اللہ مرنے کے بعد مجھے وہاں جہاں عورتیں ہی عورتیں ہوں چاہے وہ جہنم ہی کیوں نہ ہو۔

''ارے باپ رے باپ..... یا اللہ توبہ..... یا اللہ توبہ.....وہ تو میں یونہی مذاق قرتا تھا۔''

پھر وہ منہ بھی پیٹنے ہی والا تھا کہ عورت دونوں ہاتھوں سے اس کے گال سہلانے لگی

''اے اللہ.....مم.....مم..... ماف کردے میرے گناہ۔ اب نہیں قہوں گا۔ ارے

رے..... یا باپ.....ہپ.....ہپ..... یا اللہ ماف کردے۔''

''تمہیں کیا ہو گیا ہے.....کیوں اتنے پریشان ہو۔'' عورت بولی۔

''ہائیں.....تم بول بھی سکتی ہو۔ اردو بول سکتی ہو۔ یعنی کہ..... میں تو سمجھا تھا..... افریقہ وفریقہ سے پکڑ کر لائی گئی ہو۔''

''نہیں ڈیئر..... میں یہیں کی پیداوار ہوں اور اردو میں فرسٹ کلاس فرسٹ ایم اے ہوں..... پوری فیکلٹی میں ٹاپ کیا تھا میں نے۔''

قاسم بوکھلا کر اٹھ بیٹھا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیوتی جیسی اس عورت کو دیکھنے لگا جو بجائے خود ایک پوری فیکلٹی معلوم ہو رہی تھی۔

''تو پھر.....تو پھر..... پاگلوں کی طرح ہنس کیوں رہی تھیں۔''

''اتنے دنوں کے بعد ایک مرد دکھائی دیا تھا۔ خوشی کے مارے پاگل ہو رہی تھی۔''

''کتنے دنوں بعد.....؟''

''پورے پانچ سال بعد.....اور یہاں تو سب جھنگرا لئے ہیں۔''

''ہی ہی ہی ہی.....!'' قاسم نے دانت نکال دیئے اور پھر بڑے فخریہ انداز میں اپنے ڈیل ڈول کا جائزہ لینے لگا۔

''یقین..... یہ اور بہت سی عورتیں.....!'' اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا اور ایک بار پھر اس پر کپکپی طاری ہو گئی۔ کیونکہ اس نے وہاں رکھے ہوئے ہر کٹہرے میں خود کو اور اسی عورت کو دیکھا۔

''ارے باپ رے۔'' قاسم کے حلق سے بے ساختہ قسم کی چیخ نکلی اور وہ سجدے میں گر کر گڑگڑانے لگا۔ ''اے الا ماف کردے۔ مجھے ماف کردے۔ میں توبہ کرتا ہوں.....اب کبھی کسی ٹکڑی سی عورت پر نہیں للچاؤں گا.....اے الامیاں میری مغفرت کرو.....ارے ہو ہو ہو ہو۔''

''کیا ہو گیا ہے تمہیں؟'' عورت اُسے جھنجھوڑتی ہوئی بولی۔

''گھپلا نہ کرو.....گھپلا نہ قرو.....شاید الا ماف ہی کردے۔''

پھر اُس عورت نے ایسی حرکت کی کہ قاسم بوکھلا کر سجدے سے اٹھ گیا اور اُسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔

''تم اتنے اُلو کیوں ہو ڈیئر۔''

''اے الا.....!'' قاسم اس کی طرف دھیان دیئے بغیر آنکھیں بند کر کے گڑگڑایا۔ ''مجھے آجمائش.....آزمائش میں نہ ڈال.....میں اُلو کا پٹھا بالکل گنہگار ہوں۔ مجھے ماف کردے۔''

''اب میں تمہیں نوچ کھسوٹ کر رکھ دوں گی۔ پانچ سال کی گھٹن مجھ میں درندگی پیدا کردینے کے لئے بہت کافی ہے۔'' وہ اس کے بال پکڑ کر جھنجھوڑتی ہوئی بولی۔

''اے الا.....اب میں قیا قروں۔'' قاسم دہاڑیں مار مار کر رونے لگا۔

''اے.....!'' اس نے اس کے بالوں پر گرفت مزید سخت کرتے ہوئے جھٹکا دیا۔

''اچھا.....اچھا.....!'' قاسم دہاڑیں مارتا ہوا بولا۔ ''آج تو ماف ہی کردو۔''

''میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گی.....!'' وہ دانت پیس کر بولی۔

''کچھ بھی قرو.....الا مجھے ماف کردے.....تو پھر.....دیکھا جائے گا۔''

''نہیں.....!''

''الا میاں.....!'' وہ حلق پھاڑ کر چیخا۔

اتنے میں سامنے والا دروازہ کھلا اور وہی عورت داخل ہوئی جس نے قاسم کو یہاں تک پہنچایا تھا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' وہ کٹہرے کے قریب آ کر بولی۔

''اے فرشتے بھائی۔'' قاسم ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ''مافی دلوا دو نا.....!''

''تم اسے پریشان کر رہی ہو؟''

''بالکل نہیں.....پتہ نہیں.....کیوں تو بہ تلا کر رہا ہے۔''

''اچھا.....تم باہر آؤ۔'' اس نے قاسم سے کہا۔

''نہیں یہ باہر نہیں جائے گا۔'' کٹہرے والی عورت غرائی۔

''ہوش میں ہے یا نہیں۔''

''چل.....چل.....!'' وہ ہاتھ جھٹک کر بولی۔

''ٹھہرو.....بتاتی ہوں۔'' اس نے کہا اور جیب سے ایک چھوٹی سی ٹارچ نکالی۔

''نہیں.....نہیں۔'' کٹہرے والی عورت ہاتھ اٹھا کر چیخی۔

''بس خاموشی سے پیچھے ہٹ جاؤ۔''

''وہ پیچھے ہٹتی ہٹتی دیوار سے جا لگی اور جین جیکٹ میں ملبوس عورت نے کٹہرے سے لگا ہوا ایک پش سوئچ دبایا۔ کٹہرے کا دروازہ اوپر سرکتا چلا گیا۔

پھر قاسم کے اٹھ کر بھاگنے کا منظر کچھ ایسا ہی مضحکہ خیز تھا کہ دونوں ہی ہنس پڑی تھیں۔

کٹہرے سے نکلتے نکلتے ٹھوکر کھائی اور منہ کے بل فرش پر آ گرا۔ اس کے بعد کٹہرے کا دروازہ خود بخود اپنی جگہ پر واپس آ گیا تھا۔

جین والی عورت نے قاسم کو سہارا دے کر اٹھایا۔

''پیارے بھائی.....الا قسم بچالو.....مجھے بچالو۔'' وہ گڑگڑایا۔

''میں عورت ہوں مرد نہیں۔''

''نہیں.....اب مجھے اور زیادہ نہ چھکاؤ.....تم فرشتے ہو.....اگر یہ دوسری دنیا نہیں ہے تو ہر طرف میں ہی میں کیوں نظر آ رہا ہوں۔''

''ارے یہ.....!'' عورت ہنس پڑی۔ ''یہ تو آئینے میں.....!''

''نہیں.....!'' قاسم اچھل پڑا۔

''اچھا ادھر آؤ.....یہاں کھڑے ہو کر دیکھو۔''

قاسم نے اس کی بتائی ہوئی جگہ پر کھڑے ہو کر چاروں طرف نظر دوڑائی۔ کٹہرے ہی کٹہرے نظر آئے۔ لیکن اب جو غور سے دیکھا تو ہر کٹہرے میں صرف وہی عورت دکھائی دی جس کے ساتھ کچھ دیر پہلے جھک مارتا رہا تھا۔

''یہ کیا قصہ ہے؟'' قاسم نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''یہ آئینے اسی طرح ترتیب دیئے گئے ہیں۔''

''پہلے میں سمجھا تھا کہ بہت سی عورتیں کٹہرے میں بند ہیں۔''

''نہیں صرف ایک ہے۔''

''لیکن آوازیں تو بہت سی تھیں۔''

''صرف اسی ایک کی آواز تھی..... لیکن سسٹم یہ ہے کہ ہر آئینے کے پیچھے لاؤڈ سپیکر ہو ہوا ہے اور اس کا ہر قہقہہ ریکارڈ ہو کر ایک ایک سیکنڈ کے وقفے سے ہر آئینے کے پیچھے سنائی دیتا ہے۔''

''ہائیں دوسری دنیا میں بھی لاؤڈ اسپیکر۔''

''اس وہم سے اپنا پیچھا چھڑاؤ کہ یہ دوسری دنیا ہے۔ تم زندہ تھے اور اب بھی زند ہو..... لیکن یہ ماحول تمہارے لئے نیا ہے۔''

''قہیں میں پاغل نہ ہو جاؤں۔''

''اپنے دماغ کو ٹھنڈا رکھو..... تم دنیا کے بہت بڑے آدمی بننے والے ہو۔''

''اس کٹہرے میں بڑا آدمی بنوں غا.....!'' قاسم نے خوفزدہ انداز میں کٹہرے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''ہوسکتا ہے.....!''

''قیا ہوسکتا ہے؟''

''یہی کہ یہ کٹہرا ہی تمہیں بڑا آدمی بنا دے۔''

''میں قچھ نہیں جانتا..... پہلے مجھے یکین دلاؤ کہ مرجانے کے بعد مجھ پر عذاب نہیں ہوگا۔''

''اچھی بات ہے..... یقین دلا دیا جائے گا۔''

''مجھے پھر بھوخ لگ آئی ہے۔''

''کیا کھاؤ گے؟''

''ابھی ہلکی ہی لگی ہے۔ بس تین ساڑھے تین سیر کولڈ بیف کافی ہوگا۔''

''چلو اس کا انتظام بھی ہو جائے گا۔''

''میں چلوں نا یہاں سے۔'' قاسم نے پلٹ کر کٹہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''چلو..... سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کسی بات پر یقین کیوں نہیں کرتے۔''

وہ اُسے پھر ڈائیننگ روم میں لائی۔ لیکن میز خالی تھی۔

''تم یہاں ٹھہرو..... میں انتظام کرتی ہوں.....!'' عورت نے کہا اور ڈائیننگ روم سے باہر چلی گئی۔

قاسم اس کا منتظر رہا۔ لیکن دس منٹ بعد اُس عورت کی بجائے ویسا ہی ایک دیو پیکر آدمی کمرے میں داخل ہوا جیسا ہوٹل فیضان میں اس کے دیکھتے ہی دیکھتے پگھل گیا تھا۔

وہ چند لمحے کھڑا قاسم کو گھورتا رہا پھر گرج کر بولا۔ ''تم کون ہو؟''

بڑی بھاری اور گونجیلی آواز تھی۔ ایسی آواز خود قاسم پھیپھڑوں کا سارا زور صرف کر کے بھی نہ نکال سکتا۔

''اے جاؤ.....!'' قاسم ہاتھ جھٹک کر بولا۔ ''دھونس کسی اور پر جمانا۔ میرا نام قاسم ہے ام۔ وہاں ہوٹل فیضان میں تم جیسا ایک ہی ہاتھ میں پانی ہو گیا تھا۔''

دیو پیکر نے ہاتھ گھما دیا۔ قاسم پیچھے نہ ہٹ جاتا تو گال ہی پر پڑا ہوتا۔ تاؤ آ گیا قاسم ..... لپٹ پڑا اور ہونے لگا زور۔

کچھ دیر بعد قاسم نے محسوس کیا کہ وہ قوت میں اس سے کہیں زیادہ ہے۔ لہٰذا وہ اس کشش میں لگ گیا کہ وہ اُسے زیر نہ کر سکے۔ دو تین منٹ اسی طرح گزر گئے۔ پھر وہ عورت سب میں اُبلے ہوئے گوشت کا ٹکڑا لئے کمرے میں داخل ہوئی۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' وہ چیخی۔

دفعتاً قاسم نے محسوس کیا جیسے مقابل ڈھیلا پڑ گیا ہو۔ بلکہ وہ تو اب قاسم سے پیچھا چھڑا کر عورت کی طرف متوجہ ہو جانا چاہتا تھا۔ قاسم بُری طرح تھک گیا تھا۔ وہ خود بھی چاہتا تھا کہ کسی طرح یہ قصہ ختم ہو۔ لہٰذا اس کی گرفت ہی ڈھیلی پڑ گئی اور دیو پیکر آدمی لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹا۔ عورت بڑی لاپروائی سے آگے بڑھ کر میز پر گوشت کی قاب رکھ رہی تھی۔

''لو کھاؤ۔'' اس نے بڑے پیار سے قاسم سے کہا۔

''کھک .....کھاتا ہوں۔'' قاسم ہانپتا ہوا بولا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔

دیو پیکر دیوار سے لگا کھڑا ہانپتا رہا۔ پھر کچھ دیر بعد وہ اپنی جگہ سے ہلا اور میز کے ا
کھڑی ہوئی عورت کی طرف آہستہ آہستہ بڑھنے لگا۔

قاسم اٹھ کھڑا ہوا اور دہاڑ کر بولا۔ ''ابے کیا ہے تیرے دل میں؟''

لیکن وہ قاسم کی طرف دھیان دیئے بغیر عورت پر جھپٹ پڑا۔ عورت پیچھے ہٹی ا
اپنے ہی زور میں زمین پر آ رہا۔ قاسم اس پر سوار ہو جانے کی نیت سے آگے بڑھا ہی
عورت نے ہاتھ اٹھا کر اُسے ایسا کرنے سے روک دیا۔

قاسم متحیرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

دیو پیکر جیسے گرا تھا ویسے ہی پڑا رہا۔ اس نے دوبارہ اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''تم بیٹھ جاؤ.....کھاتے کیوں نہیں؟'' عورت نے قاسم سے کہا۔

''یہ اٹھ کر کہیں تمہیں پریشان نہ کرے۔''

''نہیں تم اس کی فکر نہ کرو.....بیٹھ جاؤ۔''

قاسم نے بیٹھ کر کھانا شروع کر دیا۔ لیکن وہ پرتشویش نظروں سے دیو پیکر ہی کو دیکھے جا
اس کی پوزیشن میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ ہاتھ پیر تک تو ہلا نہیں سکا تھا
عورت اس کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے قاسم ہی کو دیکھے جا رہی تھی۔

دفعتاً قاسم نوالا ہاتھ سے چھوڑ کر ''پگھل رہا ہے۔'' کہتا ہوا کرسی سے اٹھ گیا۔

نکل گئے

وہ ایک غار کے دہانے کے قریب بیٹھے پو پھوٹنے کا منظر دیکھ رہے تھے۔ بقیہ را

ی چلنے گزری تھی اور وہ ایک مناسب سی جگہ رک گئے تھے۔

فریدی کا خیال تھا کہ وہ تھوڑے چکر سے شہر کے راستے پر لگ جائے گا لیکن وہ ان چٹانوں کی بھول بھلیوں میں کھو گئے اور اب اندازہ کرنا دشوار تھا کہ وہ ڈاکٹر ٹسڈل کے مکان سے کتنے فاصلے پر ہیں یا اب شہر کے راستے پر لگ بھی سکیں گے یا نہیں۔

حمید کے ذہن پر جھلاہٹ طاری تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر کل دن ہی دن میں فریدی نے شہر پہنچنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔ غالباً سعیدہ بھی یہی سوچ رہی تھی کیونکہ جیسے ہی یہ خیال حمید کے ذہن میں آیا تھا وہ فریدی سے یہی سوال کر بیٹھی تھی۔

''میں کیا کرتا۔'' فریدی بولا۔ ''تمہارے ڈیڈی کی حالت ایسی نہیں تھی کہ انہیں تنہا چھوڑ دیا جاتا۔''

''میں اس کا کوئی نہیں ہوں۔'' ڈی آئی جی غصیلے لہجے میں بولا۔

''اس کا فیصلہ پھر ہوگا۔'' فریدی نے کہا۔ ''آپ یہ بتایئے کہ آپ یہاں کس سلسلے میں آئے تھے؟''

''میں یہاں ہر سال سیزن گزارنے آتا ہوں۔''

''کبھی ان اطراف میں بھی آنے کا اتفاق ہوا ہے؟''

''کیوں نہیں!''

''کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ شہر پہنچنے کے لئے کونسی سمت اختیار کی جائے۔''

''میرا خیال ہے اگر کوشش کروں تو شہر پہنچنا آسان ہوگا۔''

''کمال ہے بھئی۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''تو کیا ہم یہاں کدو کی کاشت کے لئے زمین گوڈتے پھر رہے تھے۔''

''کیپٹن حمید!'' سعیدہ غضب ناک ہو کر بولی۔ ''تمہیں شرم آنی چاہئے۔ تم اپنے آفیسر سے اس لہجے میں گفتگو کر رہے ہو۔''

''اگر یہ مجھے اپنا ماتحت قبول کر لیں تو میں آپ کو بھی انگلستان کی شہزادی تسلیم کر لوں گا۔''

''فضول باتیں مت کرو۔'' فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔

سعیدہ اور حمید ایک دوسرے کو پھاڑ کھانے والی نظروں سے دیکھتے رہے۔

فریدی گہری سوچ میں تھا اور ڈی آئی جی خلاء میں گھورے جا رہا تھا۔

سورج ابھی پہاڑیوں کی اوٹ میں تھا اور مشرقی افق حد نظر تک گہرے سرخ دھند میں ڈوبا ہوا تھا۔ سرد ہوا کے جھونکے رات بھر کی تھکن کو گویا تھپکیاں سی دے رہے تھے۔

حمید کا دل چاہا کہ وہاں اسی طرح بیٹھے بیٹھے سو جائے۔ سعیدہ کو اس پر غصہ آ گیا لیکن خود اس کا ذہن کسی قسم کے بھی جذبے کا بوجھ سہارنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اس نے بے بے توجہی سے ان سب کے چہروں پر نظریں ڈالیں اور وہاں سے اٹھ گیا۔

کسی نے بھی کچھ پوچھنے کی اس سے ضرورت نہیں سمجھی اور وہ ڈھلان میں اترتا چلا گیا۔ ایک چھوٹی سی مسطح چٹان کے قریب رک کر اُس نے دو چار گہری گہری سانسیں لیں اور پھر اسی چٹان پر لیٹ گیا۔ آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔ اونگھتے ہوئے اس نے محسوس کیا کہ اس کے ساتھیوں میں سے کسی نے اوپر سے اُسے دیکھا ہے اور پھر وہ سو گیا۔

سورج اوپر چڑھا..... دھوپ پھیلی..... لیکن اس کی نیند نہ ٹوٹی۔ رات بھر کی تھکن ایک ختم ہونے والے سکون کی طرح اس کے وجود پر مسلط ہو گئی تھی۔ لیکن اس سکون کا خاتمہ بالآ ہو ہی گیا۔ کسی نے بُری طرح جھنجھوڑا اور اُس کی آنکھیں کھل گئیں۔ پھر فوراً ہی بھینچ بھی گئیں کیونکہ سورج ٹھیک آنکھوں پر چمک رہا تھا۔

جھنجھوڑنے والی سعیدہ تھی۔

''کیا اب مجھے خودکشی ہی کرنی پڑے گی۔'' حمید اٹھتا ہوا بڑبڑایا۔

دور نہیں جانا پڑے گا خودکشی کے لئے..... یہیں سے چھلانگ لگا دو۔'' سعیدہ مسکرائی بہت کم مسکراتی تھی اور اس کی مسکراہٹ پتہ نہیں کیوں حمید کو زہر ہی لگتی تھی۔ اُسے ایسا محسوس جیسے وہ اس کا مضحکہ اڑا رہی ہو۔ اسے یاد آیا کہ حادثے والی رات کو اس نے ہوٹل فیضان ایک فیشن ایبل الٹرا موڈرن لڑکی بننے کی کوشش کی تھی لیکن خود حمید کو اتنی مہلت نہیں ملی

کہ وہ اس سے اس کی وجہ دریافت کر سکتا۔

''کیا ابھی تمہاری جھلاہٹ دور نہیں ہوئی۔'' وہ پھر مسکرائی۔

''تم ہی اس مصیبت کا سبب بنی ہو۔''

''میں کیسے بنی ہوں.....؟'' وہ تنک کر بولی۔

''نہ تم اتنی سیدھی نپ اسٹک لگاتیں اور نہ ہوٹل فیضان اس طرح تباہ ہوتا۔''

''فضول باتیں نہ کرو.....!'' اُس کی مسکراہٹ اس بار شرمندگی سے عاری نہیں تھی۔

''تم نے مجھے جگایا کیوں.....؟'' حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

''کرنل نے کہا تھا۔''

''اچھا یہ تو بتاؤ پچھلی رات کیا ہوا تھا.....؟''

''مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ جب میری آنکھ کھلی تھی تو میں نے محسوس کیا تھا کہ اندھیرے میں کچھ لوگ لڑ پڑتے ہیں۔ پھر فائروں کی آوازیں سنتی رہی تھی۔ بے حس و حرکت پڑی رہی۔ کچھ دیر بعد پھر کوئی کمرے میں داخل ہوا اور میری کنپٹیاں دبائیں۔ میں بے ہوش ہو گئی۔ پھر کچھ یاد نہیں کہ کیا ہوا۔''

''تم نے کرنل سے پوچھا نہیں کہ کیا بات تھی۔'' حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔

''خالی پیٹ پائپ پیو گے تو آنتیں حلق میں آ جائیں گی..... اُسے رکھ دو۔'' وہ اس کے ہاتھ سے پائپ چھینتی ہوئی بولی۔ ''انہوں نے مجھے اتنا ہی بتایا ہے کہ کچھ نامعلوم لوگ مجھے اٹھا لے جانا چاہتے تھے۔''

''یہ شخص ہمیشہ دوسروں کے معاملات میں ٹانگ اڑا کر بعض لوگوں کی دشمنیاں بڑھا دیتا ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اگر وہ لوگ تمہیں اٹھا لے گئے ہوتے تو تم اس وقت میرا دماغ نہ چاٹ رہی ہوتیں۔''

''تم بیہودہ ہو.....!'' سعیدہ کو پھر غصہ آ گیا۔

''پائپ مجھے دو۔''

''جہنم میں جاؤ تم اور تمہارا پائپ بھی۔'' وہ پائپ پٹخ کر وہاں سے چلی گئی۔

حمید نے پائپ میں دوبارہ تمباکو بھری اور پہلا ہی کش لیا تھا کہ اوپر سے فریدی کی آواز آئی۔ ''کیا یہیں پڑے رہنا ہے۔''

''حاضر جناب۔'' حمید نے کسی طالب علم کے سے انداز میں اُسے اپنی موجودگی کی اطلاع دی اور وہاں سے اٹھ کر چڑھائی پر چڑھنے لگا۔

اوپر پہنچ کر معلوم ہوا کہ اب وہ لوگ شہر پہنچنے کے لئے جدوجہد شروع کرنے والے ہیں۔

''اگر آج ہی پہنچ جانے کا امکان ہو تب تو ٹھیک ہے ورنہ ابھی میری نیند پوری نہیں ہوئی۔'' فریدی کچھ نہ بولا۔ سعیدہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا کر رہ گئی تھی۔

دن کے دس بج رہے تھے۔ بھوک سے سعیدہ کا چہرہ اتر گیا تھا۔ لیکن اس نے ابھی تک بھوک کی شکائت نہیں کی تھی۔

ڈی آئی جی نے کافی سوچ بچار کے بعد ایک سمت اشارہ کیا اور وہ اسی طرف چل پڑے۔

کچھ دور چلنے پر حمید کی بھوک بھی چمک اٹھی تھی اور اُسے ڈی آئی جی پر غصہ آنے لگا۔ جی چاہتا تھا دونوں باپ بیٹی کے سر اس وقت تک ٹکراتا رہے جب تک کہ دم نہ نکل جائے۔

چلنے میں سعیدہ کے کولہوں کی ہلنت اُسے اچھی لگتی تھی لیکن اس وقت اُسی سے ایسی طرح لگ رہی تھی کہ بس جی چاہتا تھا کمر پر اتنی زوردار لات رسید کرے کہ وہ پتھروں اور چٹانوں سے لڑھکتی ہوئی ہزاروں فٹ گہری کھڈ میں جا پڑے۔ ہڈیاں چور چور ہو جائیں اور گوشت چیتھڑوں کی شکل میں دور دور تک بکھر جائے۔ لیکن وہ سینے پر صبر کی سل رکھے چلتا رہا۔ بیزاری حد سے بڑھ گئی تو اس نے فریدی سے کہا۔ ''آخر آپ ان حضرات کا کچھ انتظام بھی کریں گے یا ہمیں گلے میں ڈھول کی طرح لٹکائے پھرنا ہوگا۔''

''شہر پہنچ کر ہی کچھ کیا جا سکے گا۔'' مختصر سا جواب دیا۔

''مجھے تو یقین نہیں کہ اس طرح شہر پہنچ سکیں۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔

وہ چلتے رہے۔ دفعتاً ایک جگہ حمید رک گیا اور نتھنے سکوڑ کر اس طرح سانسیں لینے لگا جیسے کچھ سونگھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

وہ بھی رک گئے۔ فریدی نے اُسے گھور کر دیکھا۔ پھر وہ بھی اسی کے سے انداز میں کچھ سونگھنے لگا۔ پھر مسکرا کر بولا۔ ''ہاں..... کہیں آس پاس انگاروں پر گوشت بھونا جا رہا ہے۔''

''اب دیکھنا ہے کہ اس امریکہ کی دریافت کا سہرا کس کولمبس کے سر رہتا ہے۔'' حمید بولا۔

''تم واقعی بہت بھوکے معلوم ہوتے ہو۔''

''نہیں صاحب۔ افواہ ہوگی۔ قوم کے خادموں کو بھوک پیاس کب لگتی ہے۔ یہ تو عوامی قسم کی بدعتیں ہیں۔''

''نہیں بھوکے ہی معلوم ہوتے ہو۔ جب ادب اور سیاست ایک ساتھ حملہ آور ہوں تو یہی سمجھنا چاہئے۔ خیر چلو پہلے یہی دیکھ لیں کہ یہ خوشبو کہاں سے آ رہی ہے۔''

پھر چند لمحے کچھ سوچتے رہنے کے بعد وہ ایک سمت چل پڑا۔ دوسرے بھی اس کا ساتھ دیتے رہے۔ سعیدہ کے چہرے کی مردنی بھی کسی حد تک کم نظر آنے لگی تھی۔

وہ چلتے رہے اور اشتہا انگیز خوشبو بتدریج قریب ہوتی رہی اور پھر جب وہ اس جگہ پہنچے جہاں سے دھواں اٹھ رہا تھا تو امیدوں پر اوس پڑ گئی۔

وہ تو ایک بہت بڑا اور گہرا کنواں تھا۔ کنواں ہی کہنا چاہئے۔ کیونکہ نیچے تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا تھا۔

اس گہری وادی کا قطر کم از کم دو ڈھائی فرلانگ ضرور رہا ہوگا۔ وہ بے بسی سے نیچے دیکھتے رہے۔ وہاں کئی خیمے نظر آ رہے تھے اور جگہ جگہ سے دھواں اٹھ رہا تھا اور آگ پر بھونے جانیوالے مسلم جانوروں کے گوشت کی سوندھی خوشبو اوپر تک آ کر فضا میں منتشر ہو رہی تھی۔

''کیا آپ اسکے بارے میں کچھ بتا سکیں گے۔'' فریدی نے ڈی آئی جی کو مخاطب کیا۔

''میری دانست میں یہ شکاریوں کا کیمپ ہے۔'' وہ دوسری جانب اشارہ کر کے بولا۔ ''ادھر سینگوں والے دمبوں اور بڑے بالوں والی بکریوں کا شکار ہوتا ہے۔''

''لیکن نیچے کا راستہ تو نظر نہیں آتا۔''

''یہاں کئی جگہ ایسی چھوٹی چھوٹی گھاٹیاں ہیں اور شکاری ہی انکے راستے جانتے ہیں۔''

''میں تو لگاتا ہوں چھلانگ۔ اللہ مالک ہے۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''کہیں واقعی ان کے ذہن پر کوئی بُرا اثر نہ ہو۔'' سعیدہ نے فریدی سے کہا۔

''دس منٹ بعد پاگل ہوجاؤں گا..... بالکل.....!'' حمید اُسے گھورتا ہوا بولا۔ گھور رہا

رہا اور پھر نہایت سنجیدگی سے کہنے لگا۔ ''ابوقلزم کی اونٹنی کی قسم تم وہی ہو..... بالکل وہی.....

تمہیں یاد ہے کہ تم تین ہزار سال پہلے بعلبک میں جرجی یوس کی بکریاں چرایا کرتی تھیں

مقدس طلائی اہابیل نے تمہارے گرد چکر لگانا چھوڑ دیا تھا اور تم کاہن اعظم کے پیروں کی دھو

اپنے سر پر ڈال ڈال کر بین کرتی تھیں۔ لیکن انہوں نے تمہیں معاف نہ کیا۔ وہ میں ہی تھا جم

نے تمہیں زیتون کی ہری ٹہنی دی تھی اور تمہیں یقین دلا کر مژدہ سنایا تھا کہ میں اس بھرے

میں تمہاری پاکیزگی پر یقین رکھتا تھا۔ میں نے تمہارے لئے کیا نہیں کیا۔ لیکن تم اپنی وہ بُرا

عادت نہ چھوڑ سکی تھیں۔ بکریوں کے تھنوں میں منہ لگا کر ان کا سارا دودھ چوس لیتی تھیں۔''

''اسے منع کیجئے ورنہ سر پھاڑ دوں گی۔'' سعیدہ فریدی سے کہہ کر پتھر اٹھانے کیلئے جھکی۔

''اب سے تین ہزار سال پہلے بھی تم یہی کرتی تھیں۔''

وہ پتھر ہاتھ میں لئے اُسے گھورتی رہی۔

فریدی اور ڈی آئی جی انہیں وہیں چھوڑ کر نیچے جانے کا راستہ تلاش کرنے کے لئے

آگے بڑھ گئے تھے۔

حمید نشیلی آنکھوں سے اس کی آنکھوں میں دیکھے جارہا تھا۔ پتھر اس کے ہاتھوں سے

چھوٹ گیا اور وہ بے بسی سے ہنستی ہوئی بولی۔ ''تمہیں اس کا بھی احساس نہیں ہے کہ خود کس

حال میں ہو۔''

''میں تو ہزار ہا سال سے اسی حال میں ہوں۔ بھوکا پیاسا۔ میری پیاس شائد آب حیات

پی کر امر ہوگئی ہے۔''

''خدا کے لئے خاموش رہو۔ مجھے الجھن ہو رہی ہے۔''

''دیوتاؤں کے دور سے خدا کے دور میں پہنچ جانے کے باوجود بھی نہ پیاس بجھی ہے اور

نہ.....!''

''پلیز.....!'' وہ دونوں کان بند کر کے چیخی۔

فضا فریدی تیزی سے چلتا ہوا ان کی طرف پلٹ آیا۔

''یہ کیا بیہودگی مچا رکھی ہے۔'' اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ارے..... یہ کون مردود گھس آیا۔'' حمید سکڑتا سمٹتا ہوا عورتوں کے سے انداز میں بولا۔

''میں ماروں گا اب تمہیں۔''

فریدی پلٹ آیا تھا۔ لیکن ڈی آئی جی راستے کی تلاش میں گھاٹی کا چکر لے رہا تھا۔

''شرم نہیں آئے گی عورتوں پر ہاتھ اٹھاتے ہوئے۔''

''کیا بک رہے ہو۔'' وہ اس کا کالر پکڑ کر جھنجھوڑتا ہوا بولا۔

''لو اور لو..... کیا بک رہے ہو۔ جیسے میں مرد ہوں۔''

''حمید.....!''

''آج نہ جانے کس نگوڑ مارے کی شکل دیکھی تھی۔ نام بھی رکھ دیا۔ میں کیوں ہوتی حمید۔

میرا نام تو عطیہ خاتون ہے۔''

''حمید.....!'' اس بار لہجہ بے حد سخت تھا۔

''اے جناب..... آپ براہِ کرم یہاں سے چلے جایئے۔ میرے اللہ میں کیا کروں۔''

حمید نے سر پیٹ پیٹ کر رونا شروع کر دیا۔ فریدی نے سعیدہ کی طرف دیکھا۔ لیکن وہ

بھی ہکا بکا کھڑی تھی۔

حمید نے روتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ''اے اللہ..... یہ کیا ہوگیا۔ میں تو مردوں جیسے

کپڑے پہنے ہوئے ہوں۔ ارے غضب..... ہائے..... یہ کونسی جادونگری ہے۔''

اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اپنا جسم ٹٹول کر رکھ دیا۔

فریدی کی آنکھوں میں الجھن کے آثار نظر آئے اور اس نے سعیدہ سے کہا کہ وہ ٹھہرے اور خود اس گہری وادی کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

''چلا گیا۔'' حمید بسورتا ہوا بولا۔ ''اللہ تیرا شکر ہے۔''

''کچھ دیر پہلے تو تم مردوں کی سی باتیں کر رہے تھے۔'' سعیدہ بولی۔

''مجھ سے اکل کھرے پن کی بات نہ کرنا..... پتہ نہیں تم لوگ کون ہو۔ ہائے اللہ کہاں ہوں۔ ابھی تو میں باورچی خانے میں بیٹھی بینگن چھیل رہی تھی۔''

''خدا کی پناہ۔'' سعیدہ بڑبڑائی۔ ''شائد اسے بھی وہی مرض لگ گیا ہے۔''

فریدی اور ڈی آئی جی دو الگ الگ جگہوں پر راستے کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ فریدی ہاتھ اٹھا کر اونچی آواز میں بولا۔ ''یہ رہا۔'' اور پھر اس نے سعیدہ اور ڈی آئی جی کی طرف آنے کا اشارہ کیا۔

سعیدہ نے حمید کو وہیں چھوڑا اور اس طرف چل پڑی۔ حمید اب زمین پر اکڑوں بیٹھا اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام رکھا تھا۔

فریدی دور ہی کھڑا سب کچھ دیکھتا رہا پھر خود ہی حمید کی طرف بڑھا۔

''چلو اٹھو.....!'' اس نے قریب پہنچ کر کہا۔

''میں گھر جاؤں گی؟''

''حمید ہوش میں آؤ۔''

''اے اللہ یہ کیا ہو گیا۔ میرا جسم بھی مرد کا ہو گیا ہے اور نام بھی۔ خدا کے لئے مجھے میرے گھر بھجوا دیجئے۔'' حمید گڑگڑایا۔

فریدی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھتا رہا۔ پھر کچھ دیر بعد بولا۔ ''اچھی بات ہے۔ تمہیں گھر بھجوا دوں گا۔ یہاں سے تو اٹھو۔''

''اے بھائی..... تمہیں اللہ رسول کا واسطہ۔'' حمید اٹھتا ہوا گھگھیایا۔ ''میری حفاظت کرنا۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید لنگڑاتا ہوا اس کے پیچھے چلنے لگا تھا۔ وہ اس جگہ پہنچے جہاں فریدی

نے راستے کی نشاندہی کی تھی۔ سعیدہ اور ڈی آئی جی پہلے ہی وہاں پہنچ چکے تھے۔

یہ کسی غار کا دہانہ تھا۔

ڈی آئی جی نے پرتشویش لہجے میں کہا۔ ''میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ یہی راستہ ہے۔''

''میرا خیال ہے دیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔'' فریدی نے دہانے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ لوگ یہیں ٹھہریں۔''

انہوں نے اُسے دہانے میں داخل ہوتے دیکھا۔

''یا اللہ ساتھ خیریت کے واپس لائیو..... تیری امان میں۔'' حمید نے خالص زنانہ لہجے میں کہا۔

سعیدہ اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ حمید مسلسل عورتوں ہی کی طرح بولتا رہا۔ دفعتاً ڈی آئی جی کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔

''میرا مذاق اڑا رہے ہو تم۔'' وہ گھونسہ تان کر حمید کی طرف جھپٹا۔

''ڈیڈی..... ڈیڈی..... پلیز.....!'' سعیدہ اُن کے درمیان آتی ہوئی بولی۔

''یہ بھی شائد اپنی یادداشت کھو بیٹھے ہیں۔ یہ مرض یہاں کی فضا میں وبائی شکل میں موجود ہے۔''

''تم ہٹ جاؤ سامنے سے۔''

''اے تو اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے۔'' حمید ناک پر انگلی رکھ کر بولا۔

''خدا کے لئے تم ہی خاموش رہو۔'' سعیدہ حمید کی طرف مڑی۔

ٹھیک اسی وقت فریدی نے انہیں غار کے دہانے سے آواز دی۔ ''آ جایئے..... میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ یہ راستہ ہمیں نیچے وادی میں لے جائے گا۔''

وہ سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔



قاسم بڑی سی آرام کرسی میں پڑا ہانپ رہا تھا اور قریب ہی جین اور جیکٹ والی عورت کھڑی اُسے پرتشویش نظروں سے دیکھے جا رہی تھی۔

دیوپیکر کے پگھلنے سے قاسم کی حالت غیر ہونے لگی تھی۔ منہ سے نوالے اُگلے پڑ رہے تھے۔ تب وہ اُسے وہاں سے ہٹا لائی تھی اور اب قاسم کو سانس لینے میں بھی دشواری محسوس ہونے لگی تھی۔

کچھ دیر تک وہ اسی حالت میں پڑا رہا پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''مجھے بتاؤ..... یہ کیا چکر ہے؟''

''کچھ نہیں..... کوئی خاص بات نہیں۔ اب تم آرام کرو۔''

''ایسے میں..... میرا باپ بھی آرام نہیں کر سکتا۔''

''کوشش کرو..... یہاں کے عجائبات کے لئے خود کو تیار کرنا پڑے گا۔ ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔''

''میں نے ہوٹیل فیضان میں بھی ایک ایسے ہی آدمی کو پگھلتے دیکھا تھا۔''

''ضرور دیکھا ہوگا۔''

''اس کے بھی ایک ہاتھ جھاڑ دیا تھا اور وہ پگھلنے لگا تھا۔''

''وہ تمہارے ہاتھ جھاڑنے کی وجہ سے نہیں پگھلا تھا۔''

''پھر.....؟''

''بس کچھ ایسی ہی بات ہے۔ تم اس فکر میں نہ پڑو۔''

''تو پھر میں یہاں کیوں لایا گیا ہوں؟''

''اس کے بارے میں بھی نہ سوچو..... تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ جو چاہو گے ملے گا۔''

''جو چاہوں گا.....؟'' قاسم نے خوش ہو کر پوچھا۔

''ہاں..... ہاں.....!''

''ہی، ہی، ہی، ہی.....!''

''بس اب اپنی مسہری پر لیٹ کر سو جاؤ۔''

''قسم لے تو یہاں مجھے بہت ڈر لگے گا۔''

''تو پھر.....؟'' عورت اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی۔

''کچھ نہیں۔'' قاسم تھوک نگل کر پھنسی پھنسی آواز میں بولا۔

وہ کھڑی ہنستی رہی اور قاسم نروس ہوتا رہا۔

''سچ بتاؤ..... کیا چاہتے ہو؟''

''مجھ تو..... نیند آ رہی ہے۔'' قاسم غیر معمولی طور پر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''اچھا میں ابھی آئی۔'' عورت نے کہا اور کمرے سے باہر چلی گئی۔

قاسم آرام کرسی سے اٹھ کر مسہری پر سجدے میں گر گیا اور گڑگڑانے لگا۔ ''پاک پروردگار..... میں پھر سبق رہا ہوں..... سنبھالیو..... یہ پتہ نہیں قیا چکر ہے۔ میں تو سمجھا تھا کہ تیرے دربار میں حاجری ہوگئی ہے۔ مگر یہ قوئی بہت بڑا گھپلا معلوم ہوتا ہے۔ پاک پروردگار اب اگر میرے ساتھ قوئی گھپلا ہوتا ہے تو مجھ پر اس کی ذمہ داری نہیں۔ پہلے سے بتائے دیتا ہوں۔ اب یہ سالی جین اور جیکٹ..... واہ بھئی..... یہ بھی کوئی پہناوا ہے..... بس خانخاہ۔''

پھر وہ خاموش ہو گیا۔ لیکن سجدے سے نہیں اٹھا۔

تھوڑی دیر بعد سجدے ہی میں دہاڑا۔ ''ان..... سالوں کے چکر میں جب پڑو ایسی تقا فضیحتی ہوتی ہے۔ ہاں..... ہاں..... گلتی میری ہی ہے۔ میں سالا قیوں دوڑا آیا تھا۔''

پھر آہستہ آہستہ اس کی بڑبڑاہٹیں غیر واضح ہوتی گئیں اور وہ سجدے ہی میں گہری نیند سو گیا تھا۔

لیکن سو جانے کے بعد سجدہ برقرار کیسے رہ سکتا تھا ویسے یہ اور بات ہے کہ آنکھ کھلتے ہی

سجدے سے زیادہ اُسے مسہری کی فکر پڑ گئی تھی۔ کیونکہ وہ مسہری کے بجائے ننگے فرش پر
اور شائد کسی نے اُسے جگایا تھا۔ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔ ایک بڑی طویل راہداری تھی جہاں
تھا۔ دو آدمی نظر آئے۔ ایک کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور دوسرے کے ہاتھ میں چمڑے کا

''میں کہاں ہوں.....؟'' قاسم انہیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہوا بولا۔

''چلو اٹھو..... ہمارے ساتھ چلو۔'' ریوالور والا گرج کر بولا۔

''اے جاؤ..... بڑے آئے..... آنکھیں دکھانے والے۔'' قاسم اٹھتا ہوا بولا۔

''سڑاک .....!'' اس کی پیٹھ پر چمڑے کا چابک پڑا اور وہ تلملا کر دوسرے آدمی
طرف پلٹا۔

''خبردار..... گولی ماردوں گا..... میرے ہاتھ میں ریوالور ہے۔''

پہلے آدمی نے دھمکی دی۔ قاسم جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ دونوں اسے کسی طرف لے
چاہتے تھے اور ریوالور کے زور پر انہوں نے اسے چلنے پر مجبور کر دیا۔

اسے بہت دور تک چلنا پڑا اور پھر انہوں نے ایک بیہوش آدمی کو اُس پر لادا تھا اور وا
اسی طرف سے ہوئی تھی جہاں قاسم نے خود کو پڑا پایا تھا۔ بیہوش آدمی کو ایک کمرے میں ڈا
وہ لوگ قاسم کو پھر اسی راہداری میں لے آئے تھے۔

''تم کو یہاں کی حکومت نے ڈپٹی کمشنر بنا دیا ہے۔'' ریوالور والے نے کہا۔

''ابے میں باز آیا ایسی ڈپٹی کمشنری سے..... سالے مردے ڈھلواتے ہیں۔''

وہ دونوں ہنسنے لگے۔ پھر ریوالور والے نے کہا۔ ''بس تم اسی جگہ رہو گے اور جیسے ہی
سامنے والی گھنٹی بجے وہیں دوڑ جانا اور دوسرے کو بھی اٹھا کر یہیں لانا۔''

''ٹھیغا لانا.....!'' قاسم گردن جھٹک کر بولا اور ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بدبدانے لگا

ڈپٹی کمشنر

غار کا دہانہ وادی تک پہنچنے کا راستہ ہی ثابت ہوا تھا۔ وادی میں تو پہنچ گئے تھے۔ لیکن
اب محسوس ہوا کہ خیموں تک پہنچنا بھی آسان کام نہیں۔ تھوڑے فاصلے پر ایک چٹان راہ میں
حائل ہوگئی تھی اور اس پر چڑھنا بھی اتنا ہی مشکل معلوم ہو رہا تھا جتنا پہلے پہل وادی میں اترنا
محسوس کیا گیا تھا۔

یہاں بھی فریدی ہی کی ذہانت کام آئی اور یہ مشکل بھی کسی طرح آسان ہوئی۔ بہرحال
وہاں سے خیموں تک پہنچنے میں پورا ایک گھنٹہ صرف ہو گیا۔

چار آدمی الاؤ کے قریب بیٹھے ہوئے دو مسلم دنبوں کو الٹ پلٹ کر سینک رہے تھے۔
انکی رائفلیں انکے قریب رکھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے ان لوگوں کو بڑی حیرت سے دیکھا۔

''ہم بھوکے ہیں۔'' ڈی آئی جی بول پڑا۔

''آیئے..... آیئے..... یہ ابھی تیار ہوئے جاتے ہیں۔'' اُن میں سے ایک آدمی اٹھتا
ہوا بولا۔ ''آپ لوگ بہت زیادہ تھکے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔''

دوسرا جو سعیدہ کو گھورے جا رہا تھا بولا۔ ''انہیں خیموں میں لے چلو۔''

وہ دونوں انہیں ایک خیمے میں لائے۔ قدرتی بات تھی کہ وہ اُن سے اس طرح بھٹکتے
پھرنے کا سبب دریافت کرنا چاہتے تھے۔ فریدی نے انہیں بتایا کہ وہ ہوٹل فیضان میں مقیم تھے۔
اچانک انہوں نے لاؤڈ اسپیکر پر خطرے کا اعلان سنا اور ہوٹل سے نکل بھاگے۔ ہوٹل کی عمارت دو
زبردست دھماکوں کے ساتھ تباہ ہوگئی۔ تب سے وہ اس ویرانے میں بھٹکتے پھر رہے ہیں۔

ڈاکٹر ٹسڈل کے یہاں قیام کے بارے میں فریدی نے انہیں کچھ نہ بتایا۔

''اور ہمارا یہ ساتھی۔'' اس نے حمید کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''ان دھماکوں کی وجہ سے بے ہوش ہو گیا تھا پھر ہوش آنے پر اس نے ہوش کی باتیں
نہیں کیں۔ یادداشت کھو بیٹھا ہے۔ ہمیں بھی نہیں پہچانتا اور عورتوں کے سے انداز میں گفتگو

کرنے لگا ہے۔''

''عورتوں کے سے انداز میں گفتگو کرنے لگا ہے۔'' ایک نے بہت زیادہ دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے سوالیہ لہجے میں دہرایا۔

''جی ہاں.....!''

دوسرے نے پہلے سے کہا۔ ''کیا وجہ ہوسکتی ہے۔ تم تو نفسیات میں بھی خاصا دخل رکھتے ہو۔''

پہلا پُرتفکر انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔ پھر کچھ دیر بعد اُس نے فریدی سے پوچھا۔

''کیا یہ شادی شدہ ہیں؟''

''جی نہیں.....!'' فریدی نے جواب دیا۔

''صنف مخالف سے متعلق کیا رویہ رہا ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ یہ ہر وقت صرف عورتوں ہی کے متعلق سوچتا رہتا تھا۔''

''تب تو ٹھیک ہے۔ محرومی نے خود اُسے ہی عورت بنا دیا۔''

''بھئی یہ باتیں اب ختم کرو۔'' ڈی آئی جی بولا۔

''اوہ.....معاف کیجئے گا۔'' دوسرا آدمی اٹھتا ہوا بولا۔ ''میں ابھی لایا.....بھول ہی گیا کہ آپ لوگ بھوکے ہیں۔''

وہ خیمے سے باہر چلا گیا اور وہ شکاری جو اپنے ساتھی کے خیال کے مطابق نفسیات میں دخل رکھتا تھا وہیں بیٹھا رہا۔ وہ حمید کو بڑے غور اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا اور حمید کا یہ عالم تھا کہ شرم سے زمین میں گڑا جا رہا ہو۔ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ کبھی نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیتا اور گہری گہری سانسیں لینے لگتا۔

جس جگہ خیمے لگائے گئے تھے زمین مسطح تھی اور زمین ہی پر کئی بستر پڑے ہوئے تھے۔

شکاری نے بتایا کہ وہاں اس وقت تیرہ آدمی تھے۔ چار خیموں کی حفاظت کے لئے وہیں رہ گئے تھے اور نو آدمی شکار کی تلاش میں آس پاس کے جنگلوں میں گھوم پھر رہے تھے۔ ان میں زیادہ تر پیشہ ور شکاری تھے اور جانوروں کی کھالیں حاصل کرنا شکار کا مقصد تھا۔

کھانے کے بعد انہیں تنہا چھوڑ دیا گیا۔ اب ان کی آنکھیں نیند میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ لیکن حمید کے چہرے سے نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ بھی سو جانا چاہتا ہو۔ فریدی سعیدہ اور ڈی آئی جی مختلف بستروں پر لیٹ گئے۔ لیکن حمید جہاں پہلے بیٹھا تھا وہیں بیٹھا رہا۔

فریدی نے اس سے کہا تھا کہ وہ بھی کچھ دیر آرام کر لے لیکن اُس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

سعیدہ اور ڈی آئی جی جلد ہی سو گئے۔ فریدی لیٹا تو ہوا تھا لیکن اس کی آنکھیں بند نہیں تھیں۔ کسی گہری سوچ میں تھا۔

کئی گھنٹوں سے اس نے تمباکو نہیں پیا تھا۔ ڈاکٹر ٹسڈل کی قیام گاہ سے فرار ہوتے وقت اس کی جیب میں صرف ایک سگار تھا۔ جو صبح ہوتے ہوتے ختم ہو گیا لیکن اس کے چہرے پر وہ بے رونقی نہیں تھی جیسی عام طور پر تمباکو کے مفارقت زدگان کے چہروں پر پائی جاتی ہے۔

''میں کہتا ہوں تم بھی کچھ دیر آرام کرو۔'' فریدی نے پھر حمید سے کہا۔

''بس ٹھیک ہے۔'' حمید آہستہ سے بولا۔ ''اللہ عزت آبرو سے اٹھائے۔ کیا پتہ آنکھ لگ ہی جائے۔ آدمی کے ساتھ شیطان بھی تو لگا ہوا ہے اور آپ ایسے فرشتے بھی نہیں معلوم ہوتے۔''

فریدی کو ہنسی آ گئی اور وہ اسے گھونسہ دکھا کر بولا۔ ''اب ٹھیک ہو جاؤ۔ ورنہ سچ مچ ماروں گا۔''

''جان چلی جائے۔ لیکن وہ نہیں ہو سکتا جو آپ چاہتے ہیں۔''

''جہنم میں جاؤ۔''

''میں جانتی ہوں اگر سو گئی تو جہنم ہی میں جانا پڑے گا۔''

''مت بکواس کرو۔'' فریدی نے اس کی طرف کروٹ بدلتے ہوئے کہا۔

''اللہ عزت تیرے ہاتھ ہے۔''

''تم خاموش نہیں رہو گے۔'' فریدی پھر اس کی طرف مڑا۔

''کبھی فرصت ملے تو بہشتی زیور بھی پڑھ لیجئے گا۔''

''آخر ان حماقتوں سے کیا فائدہ۔ تم مجھے باور نہیں کرا سکتے کہ تمہاری شخصیت بھی بدل گئی ہے۔''

''پتہ نہیں آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتیں۔''

اتنے میں اُن چاروں میں سے ایک شکاری خیمے میں داخل ہوا اور فریدی اٹھ کر بیٹھ گیا

''اور کسی چیز کی تو ضرورت نہیں۔'' اس نے سعیدہ کو گھورتے ہوئے فریدی سے پوچھا

''نہیں شکریہ..... اب آپ ہمیں شہر کا راستہ بتا دیتے تو اچھا تھا۔''

''اس طرح آپ لاکھ برس بھی نہ پہنچ سکیں گے۔''

''تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہئے۔''

''کل صبح ہم میں سے دو آدمی شہر واپس جائیں گے۔ آپ انہیں کے ساتھ جائیں تو بہتر ہو گا

''اوہو..... تو کیا رات یہیں بسر کرنی پڑے گی۔''

''کیا حرج ہے۔''

''نا بابا.....!'' حمید کانوں پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ''میں تو ہرگز یہاں نہ رہوں گی رات کو۔''

شکاری ہنس پڑا اور فریدی حمید کو گھورنے لگا۔ حمید نچلا دانت ہونٹوں میں دبائے نیچے

رہا تھا۔

''واقعی ان کی حالت قابل رحم ہے۔'' شکاری ہنسی روک کر بولا۔

''ہمدردی ہی کی باتیں کر کے لوگ لوٹ لیتے ہیں۔'' حمید سر جھکائے ہوئے بولا اور

ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑانے لگا۔

فریدی نے اُس شکاری کو اشارہ کیا کہ وہ اسے نہ چھیڑے۔

شام تک سارے شکاری واپس آ گئے تھے۔ فریدی محسوس کر رہا تھا کہ اُن سبھوں کی

نظریں سعیدہ پر تھیں۔

رات بسر کرنے کے لئے یہ طے پایا کہ ایک خیمے میں وہ لوگ رہیں گے اور شکاری بقیہ

خیموں میں بٹ جائیں گے۔

''یہ بہت اچھا ہوا۔'' حمید نے فریدی سے کہا۔ ''میں تو ہرگز اُن کے ساتھ نہ رہتی۔

آپ کا بھی کیا..... سارے مرد ایک جیسے ہوتے ہیں۔''

''بھئی..... مت دماغ چاٹو میرا۔'' فریدی اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''اسے لکھ لیجئے..... عطیہ جان دے دے گی..... لیکن.....!''

''شٹ اپ.....!''

پھر بات آگے نہیں بڑھی تھی۔ رات کا کھانا بھی بھنے ہوئے گوشت پر مشتمل تھا۔

کھانے کے بعد شکاریوں نے تاش اور شطرنج کی بازیاں شروع کر دیں۔ فریدی وغیرہ کو

بھی دعوت دی لیکن حمید نے کسی کو بھی خیمے سے باہر نہیں نکلنے دیا۔

شکاری بھی اسے سمجھا کر تھک ہار گئے تھے۔

حمید نے اس وقت بھی لیٹے سے انکار کر دیا تھا۔

وہ اپنے بستروں پر لیٹے دوسرے خیموں سے بلند ہونے والا شور سنتے رہے۔

فریدی نے ایک بار پھر حمید سے کہا تھا کہ وہ بھی سو جائے۔ لیکن وہی مرغے کی ایک

ٹانگ۔ اُس ''عفیفہ'' کو چونکہ اپنی حفاظت کی پڑی تھی اس لئے سو رہنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا

تھا۔ فریدی پر دوراتوں کی تھکن مسلط تھی اس لئے جلد ہی سو گیا۔

خیمے میں کیروسین لیمپ کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

آہستہ آہستہ دوسرے خیموں کا شور کم ہوتا گیا اور کچھ دیر بعد فضا میں پہاڑی جھینگروں کی

''زرّچ'' کے علاوہ اور آواز باقی نہ رہی۔

حمید کبھی اُکڑوں بیٹھتا اور کبھی ٹانگیں پھیلا لیتا۔

لیمپ کی روشنی سعیدہ کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ خدوخال کی بناوٹی کرختگی غائب ہو چکی

تھی اور اس وقت وہ بڑی معصوم نظر آ رہی تھی۔ بالکل ایک ننھی سی بچی کی طرح معصوم۔ جو تھک

کر ماں کی گود میں سو گئی ہو۔

کچھ دیر بعد کسی نے باہر سے آواز دی۔ ''کہو بھائی کیا سو گئے؟''

حمید چپ چاپ لیٹ گیا۔ لیکن آنکھیں کھلی رہنے دیں۔

پکارنے والے نے پھر پکارا۔ لیکن حمید دم سادھے لیٹا رہا۔ ویسے اُس نے اپنا سائیلنسر لگا

ہوا ریوالور ہولسٹر سے نکال کر گرفت میں لے لیا تھا۔ تیسری آواز پر بھی وہ کچھ نہ بولا۔

اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے خیمے میں زلزلہ آ گیا۔ حمید بڑبڑاتی سے اٹھا اور اُسے جھنجھوڑنے لگا۔

فریدی اٹھ بیٹھا اور حمید نے ایک انگلی ہونٹوں پر رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ ہوئے اُسے خیمے کی حالت دکھائی پھر آہستہ سے بولا۔ ''وہ خیمہ گرادیں گے۔ اور پھر سعیدہ کو اٹھا لے جائیں گے۔''

فریدی بڑی پھرتی سے اٹھ بیٹھا۔

خیمے کا ایک گوشہ ڈھیلا پڑ چکا تھا۔ اس نے سعیدہ اور ڈی آئی جی کو جگایا۔

''میں سراپردہ کی ڈوریاں کھولتا ہوں۔'' وہ آہستہ سے بولا۔ ''نکل چلنے کے لئے رہو۔ اگر ہم الاؤ کے پیچھے والی چٹان تک پہنچ گئے تو پھر وہ ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔''

''اب کیا ہو رہا ہے؟'' سعیدہ بوکھلا کر بولی۔

''اے بی بی..... وہ مجھے اور تمہیں..... ناس جائے حرامیوں کا۔''

فریدی نے سراپردہ کی ڈوریاں کھول دی تھیں۔ پھر اس نے سعیدہ کو کاندھے پر اٹھا لیکن وہ نہیں نہیں کرتی ہوئی پیچھے ہٹ گئی۔

''بکومت۔'' فریدی نے سخت لہجے میں کہا اور اس کو زبردستی بائیں کاندھے پر ڈالا ہوں گے۔''

اور داہنے ہاتھ میں ریوالور تھا۔

پھر وہ باہر نکلے چلے گئے۔

''ارے ارے۔'' کی بہت سی آوازیں گونجیں اور حمید نے پلٹ کر ایک فائر کر دیا۔

چیخ فضا میں گونجی لیکن فائر کی آواز نہ ہونے کی بناء پر شکاری چیخ کی طرف متوجہ ہوگئے لڑکھڑا کر گرا۔

''یہ کیا ہوا..... یہ کیا ہوا۔'' کئی آوازیں سناٹے میں اُبھریں۔

لیکن وہ ان کی طرف توجہ دیئے بغیر چٹانوں کی طرف بھاگتے رہے۔

چٹانوں میں پہنچ کر فریدی نے سعیدہ کو کاندھے سے اُتار دیا اور ایک مناسب مقام سے خیموں کی طرف دیکھنے لگا۔

مطلع صاف تھا اس لئے شکاریوں کے متحرک ہیولے دور سے بھی دیکھے جا سکتے تھے۔ وہ خیموں کے آس پاس ہی نظر آتے رہے۔

''وہ چیخ کیسی تھی؟'' فریدی نے حمید سے پوچھا۔

''یہ مُوا چل گیا تھا۔'' وہ اسے ریوالور دکھا کر بولا۔

''یہ اچھا نہیں ہوا۔''

''لو صاحب..... میں نے انہیں اپنے پیچھے آنے سے روک دیا اور آپ کہتے ہیں یہ اچھا نہیں ہوا۔ سچ کہتی ہوں سارے ہی مرد ناقص العقل ہوتے ہیں۔''

''اچھا بکومت.....!''

''اب وہ ڈر کے مارے آگے نہ بڑھ سکیں گے۔'' حمید بولا۔

''یہاں ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں۔'' فریدی نے پرتفکر لہجے میں کہا۔

''تو چلئے..... دہانے کی طرف نکل چلئے۔''

''سوچے سمجھے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھایا جا سکتا۔ ان میں کچھ لوگ یقینی طور پر اُدھر ہی گئے

''اے لو..... میں کیا جانوں یہ داؤں گھات کی باتیں۔''

''تم تو خاموش ہی رہو۔''

''عورتوں کو تو بس اللہ ہی خاموش کر سکتا ہے۔'' حمید بھک کر بولا۔

''آخر ہم اس طرح کیوں بھاگے؟'' ڈی آئی جی نے آہستہ سے پوچھا۔

''وہ خیمے کی رسیاں کاٹ رہے تھے۔'' فریدی بولا۔

''آخر کیوں؟ ہمیں کہیں چین کیوں نہیں ملتا۔ وہ ڈاکٹر پہلے تو بہت اچھی طرح پیش آیا پھر رات کو گولیاں چلنے لگیں اور اب یہ لوگ۔''

''ارے یہ مرد.....!'' حمید دانت پیس کر بولا۔

''تم چپ رہو۔''

حمید ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا کر رہ گیا۔

کچھ دیر بعد فریدی نے کہا۔ ''میں اُدھر کی خبر لینے جا رہا ہوں۔ تم لوگ یہیں ٹھہرو۔''

''اور اگر انہوں نے آ کر ہماری خبر لے لی تو کیا ہوگا۔'' حمید بولا۔

لیکن فریدی مزید کچھ کہے بغیر نیچے اُتر گیا۔ وہ تینوں تھوڑا تھوڑا سر اُبھارے خیموں کی طرف دیکھتے رہے۔ یہاں سے خیموں تک راستہ صاف تھا اور اُدھر کا ایک آدمی بھی اس طرف کا رخ کرتا تو وہ اُسے بہ آسانی دیکھ سکتے تھے۔

تھوڑی دیر بعد کئی ٹارچوں کی روشنیاں ملگجے سے اندھیرے میں ادھر اُدھر چکرانے لگیں۔

''اب آئی شامت۔'' حمید بڑبڑایا۔ ''رینج سے باہر ہیں ورنہ پھر ایک رسید کر دیتی۔''

''تمہیں آخر ہو کیا گیا ہے۔'' سعیدہ اس کے شانے پر ہاتھ مار کر بولی۔

''اس جسم کے ساتھ ہی یہ موا بھی ہاتھ آیا تھا..... اور اللہ کا شکر ہے کہ اُس نے اس کے استعمال کی تدبیر بھی سمجھا دی۔''

''تم بن رہے ہو..... تمہارا دماغ نہیں الٹا۔''

''دماغ نہیں الٹا کایا پلٹ ہوگئی ہے۔ اب اطمینان ہے..... ارے..... یہ کوئی موا اِدھر کی طرف آ رہا ہے..... رینج میں آ جائے تو پھر.....!''

پھر بیک وقت انہوں نے ایسا محسوس کیا جیسے زمین ہل رہی ہو۔

''ارے یہ کیا.....!'' حمید نے لڑکھڑا کر ایک پتھر کا سہارا لیا۔ سعیدہ اور ڈی آئی جی دھڑام دھڑام گرے تھے۔

کچھ عجیب سی بو تھی جو حمید کے نتھنوں میں گھس کر ذہن کو ماؤف کیے دے رہی تھی۔

''یہ کک..... کیا مصیبت ہے۔'' وہ ہکلایا اور اس کا دم گھٹنے لگا۔ وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن ہر لحظہ یہی محسوس ہوتا جیسے اب ذہن جسم کا ساتھ چھوڑ دے گا۔''

وہ دھب سے زمین پر بیٹھ گیا۔ ہاتھ پیر ہلانے کی بھی سکت نہیں رہی تھی۔ آہستہ آہستہ اس کا ذہن تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

اسے یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ اس کے ساتھیوں پر کیا گزری۔

قاسم نے جب بہت غل غپاڑہ مچایا تو اسے ایک اور آدمی کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ وہ ایک گٹھیلے جسم کا مضبوط غیر ملکی تھا۔ رنگت کی بناء پر قاسم اُسے انگریز سمجھا۔ وہ ہر سفید چمڑی والے غیر ملکی کو انگریز سمجھتا تھا اور جب اس انگریز نے بہت ہی فصیح و بلیغ اردو میں اُسے مخاطب کیا تو انتہائی غصے کے عالم میں اس کے دانت نکل پڑے۔

''تمہیں کیا شکایت ہے۔'' اس نے پوچھا۔ ''کیا پیٹ بھر کر کھانا نہیں مل رہا۔''

''یہ بات نہیں ہے مسٹر۔ مجھے بتاؤ یہ کیسی ڈپٹی کمشنری ہے۔ میں نے تو آج تک کوئی ایسا ڈپٹی کمشنر نہیں دیکھا جو اپنی پیٹھ پر بے ہوش آدمیوں کو لاد لاد کر ادھر سے اُدھر لے جاتا ہو۔''

''تم فکر نہ کرو..... کچھ دنوں کے بعد تمہیں گورنر بنا دیں گے۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''اور سالا گورنر کیا کرتا ہے..... یہ بھی تو بتاؤ..... کپڑے دھوتا ہوگا..... قیوں؟''

''دیکھو..... اگر سیدھی طرح کام نہیں کرو گے تو مار پڑے گی۔ ویسے اگر پیٹ بھر کر کھانا نہ ملتا ہو تو مجھے بتاؤ۔''

''کھانا تو اچھا ملتا ہے۔'' قاسم کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''بلیغن.....!''

''ہاں..... ہاں..... کہو..... کہو.....!''

''تم لوگ قون ہو..... پہلے مجھے ایک جنگلی عورت سے بھڑا دیا گیا۔ پھر ایک دیو سے لڑوایا اور اب مردے ڈھلوا رہے ہو۔''

''ہم لوگ دنیا کی بھلائی کے لئے ایک بہت بڑا کام کر رہے ہیں۔ تم بھی اُس میں
لو۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم بہت دولت مند آدمی ہو۔''

''اچھا تو پھر.....؟''

''پھر کچھ بھی نہیں.....اسی لئے ہم نے تمہیں ڈپٹی کمشنر بنایا ہے۔ ورنہ چپراسی ہو

''اے بس جان نہ جلاؤ میری۔ اور وہ کہاں گئی.....وہ جو تھی.....جین اور جیکٹ وا

''کیوں.....؟ کیا وہ تمہیں پسند ہے۔''

''ارے.....ہی ہی ہی ہی.....بس جین و جیکٹ پسند ہے۔''

''اچھی بات ہے۔ وہ تمہارے پاس بھیج دی جائے گی۔''

''قہاں بھیج دی جائے گی۔'' دفعتاً قاسم کو غصہ آ گیا۔ ''وہاں اُس گلی میں جہاں میں
ہوتا ہوں۔ وہاں بھی تو سالے سونے نہیں دیتے۔ جگا جگا کر مردے ڈھلواتے ہیں۔''

''یہ تو ٹریننگ مل رہی ہے تمہیں۔''

''اور اس کے بعد غورنر بنا دیا جاؤں غا۔'' قاسم نے جھلا کر طنزیہ لہجے میں کہا۔

''اچھا اب جاؤ.....اور سیدھی طرح کام کرو.....ورنہ گولی مار دی جائے گی۔'' غیر
نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

''اچھی زبردستی ہے۔''

''لے جاؤ اسے.....!'' غیر ملکی نے قاسم کے دونوں نگرانوں سے کہا۔

چابک والا بل کھولنے لگا اور دوسرے نے ریوالور کی نال سیدھی کی۔ قاسم چپ
دروازے کی طرف مڑ گیا۔

اب وہی طویل راہداری تھی اور قاسم تھا۔ دیوار سے ٹیک لگا کر فرش ہی پر بیٹھ گیا
کے دونوں نگران اسٹولوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ قاسم انہیں دیکھتا اور جھلستا رہا۔ پھر بولا۔ ''
ڈپٹی کمشنر ہوں.....اور تم سالو بادشاہ سلامت معلوم ہوتے ہو۔''

''ہم چپراسی ہیں۔'' ان میں سے ایک نے مسکرا کر کہا۔

''دیکھو.....اتنی جان نہ جلاؤ کہ مجھے واقعی غصہ آ جائے۔''

''اچھا جی.....تو تم کیا کرو گے؟''

قاسم کچھ کہنے ہی والا تھا کہ گھنٹی بجی اور دونوں نگران اٹھ کھڑے ہوئے۔

''چلو اٹھو.....!'' انہوں نے قاسم سے کہا۔

''میں تو نہیں اٹھوں گا۔''

دوسرے آدمی نے فائر کیا۔

''ارے باپ رے۔'' قاسم ایک طرف لڑھکتا ہوا دہاڑا۔

''مرے نہیں تم.....اٹھ جاؤ.....ورنہ مر بھی سکتے ہو۔''

قاسم کانپتا ہوا اٹھ گیا۔ وہ اس طرح پلکیں جھپکا رہا تھا جیسے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ
ہا ہو۔

''اُدھر کہاں.....اس طرف چلو.....داہنی طرف۔''

''وہ داہنی طرف مڑ گیا اور چلتا رہا۔''

بس چل رہا تھا اور اس کے علاوہ اور کوئی احساس ذہن میں نہیں تھا کہ اُس کے پیچھے دو
آدمی چل رہے ہیں جن میں سے ایک کے ہاتھ میں ریوالور بھی ہے۔

اسی طرح چلتے چلتے اس مقام تک آ پہنچا جہاں سے بے ہوش آدمیوں کو اٹھایا کرتا تھا۔

لیکن یہاں ایک بیہوش عورت کو دیکھ کر ساری بے حسی رخصت ہو گئی۔

''میں نہیں اٹھاؤں غا۔'' دفعتاً وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''قیوں.....؟'' ان دونوں نے بیک وقت اسی کے لہجے کی نقل اُتاری۔

''یہ آدمی نہیں.....عورت ہے۔''

''تو پھر.....؟''

''میں کسی عورت کو اپنی پیٹھ پر نہیں لاد سکتا۔''

''چلاؤں گولی۔''

''اے اللہ تو دیکھ رہا ہے۔'' قاسم نے چھت کی طرف دیکھ کر کہا۔

پھر عورت کو اٹھانے کے لئے جھکا اور جھکا ہی رہ گیا۔

چہرہ کچھ جانا پہچانا سا لگا تھا۔

دفعتاً اُسے یاد آ گیا کہ اس نے اسے کہاں دیکھا تھا۔ یہ لڑکی حمید کے ساتھ تھی۔

''کیا کرنے لگے؟'' نگران غرایا۔

''ق..... کچھ نہیں.....!''

قاسم نے اُسے ہاتھوں پر اٹھالیا۔

''یہ کیسے اٹھایا ہے..... پیٹھ پر لادو۔''

''دیکھو..... مجھے پریشان نہ کرو..... میں ایسے بھی لے جاسکتا ہوں۔''

''اوروں کو بھی اس طرح کیوں نہیں لے گئے تھے۔''

''میری مرضی۔''

وہ اسے اسی طرح اٹھائے ہوئے چلتا رہا اور اس کمرے میں پہنچا دیا جہاں دوسروں کو پہنچاتا رہا تھا۔

اس کے بعد راہداری میں واپس آیا ہی تھا کہ پھر گھنٹی بجی۔ لیکن اس بار وہ خود ہی داہنی سمت چل پڑا تھا۔ نگرانوں کو کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔

اس بار ایک اجنبی اس کی پشت کی زینت بنا اور قاسم بے حد مضمحل نظر آنے لگا۔

اس نے سوچا تھا کہ شائد حمید وغیرہ بھی پکڑ لئے گئے ہیں اور یہاں لائے جارہے ہیں۔

اس نے اُسے بھی اٹھا کر اُسی کمرے میں پہنچا دیا۔ لیکن اب وہ لڑکی وہاں نہیں تھی۔

راہداری میں واپس آتے ہی پھر گھنٹی بجی اور قاسم خود بخود نظروں سے ان دونوں طرف دیکھنے لگا۔ لیکن جیسے ہی ریوالور والے کا ہاتھ داہنی سمت اٹھا وہ بھی اسی طرف مڑ گیا۔

چلتا رہا..... اور وہاں پھر ایک آدمی کو اوندھا پڑا دیکھا۔

''چلو سالے تم بھی چلو..... آج رات بھر ڈھونے پڑیں گے۔'' قاسم اُسے سیدھا کر

بڑبڑایا۔

لیکن پھر یکا یک اس کی باچھیں کھل گئیں۔ بڑے ضبط سے اُس نے خود کو کچھ کہنے سے روکا تھا۔ ویسے دل ہی دل میں کہہ رہا تھا۔

''ہائے! پیارے حمید بھائی۔ تم بھی آ گئے۔ اب مجا آئے گا۔''

ہلتی چٹانیں

فریدی دہانے تک پہنچ گیا اور ایسی تدابیر اختیار کیں جن سے چھپے ہوئے لوگ بہ آسانی ظاہر ہو سکتے لیکن ایسی کوئی بات نہ ہوئی۔ وہاں بدستور سناٹا چھایا رہا۔

کچھ دیر اور انتظار کر کے وہ ان چٹانوں کی طرف واپس ہوا جہاں اپنے ساتھیوں کو چھوڑا تھا۔

اونچے نیچے پتھروں کی اوٹ لیتا ہوا تیزی سے اس طرف بڑھتا رہا اور جب اُن چٹانوں میں پہنچا تو وہاں عجیب سی بو محسوس ہوئی اور اُن لوگوں کا کہیں پتہ نہ تھا۔ وہ انہیں آوازیں دیتا ہوا پیچھے ہٹتا چلا گیا۔ عجیب قسم کی بو اس کے لئے پریشان کن تھی۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اگر تیزی سے پیچھے نہ ہٹ آیا تو یہ بو یقینی طور پر اُسے بے دست و پا کردے گی۔ اپنے پورے جسم میں کچھ اس قسم کی سنسناہٹ محسوس کر رہا تھا کہ ایک جگہ اُسے بیٹھ ہی جانا پڑا۔

وہ بو کی زد سے نکل آیا تھا لیکن ایسا محسوس کر رہا تھا جیسے اس کے ذہن پر نیند کا غلبہ ہو رہا ہو۔ آنکھیں بند ہوتی جارہی تھیں۔ وہ ایک پتھر سے ٹک گیا اور گہری گہری سانس لینے لگا۔ نیند ہلکی سی غنودگی سے آگے نہ بڑھ سکی اور وہ کچھ دیر بعد پھر معمول پر آ گیا۔

وہ سوچ رہا تھا کیا وہ لوگ اُن کے ہاتھ لگ گئے۔ اس نے اپنے ریوالور کے چیمبر چیک کئے اور سینے کے بل خیموں کی طرف رینگنے لگا۔ زمین ناہموار تھی اور کہیں کہیں پر دیکھ لئے جانے

کا خدشہ بھی پیدا ہوتا تھا۔ وہ اسی طرح رینگتا ہوا خیموں کے قریب جا پہنچا۔ وہ سب غالباً اکٹھے ہی خیمے میں اکٹھا تھے اور کسی کے کراہنے کی آواز آ رہی تھی۔

اچھی طرح اطمینان کر لینے کے بعد کہ اسکا کوئی آدمی خیموں کے باہر تو موجود نہیں ہے، وہ آہستگی اس خیمے میں داخل ہو گیا۔ ایک آدمی فرش پر پڑا تھا اور بارہ آدمی اُسے گھیرے بیٹھے تھے۔

''تم سب اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔'' وہ فریدی کی آواز پر چونک پڑے۔

''ہاتھ اوپر اٹھاؤ..... میں نے کہا ہے۔'' فریدی پھر غرایا۔

انہوں نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے اور ایک بولا۔ ''احسان کا یہی بدلہ ہے؟''

''ہاں..... احسان کے بدلے میں ہم کوئی بڑا نقصان اٹھاتے..... کیوں!'' فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ''میرے ساتھی کہاں ہیں؟''

''ہم سے پوچھ رہے ہو؟''

''صرف ایک منٹ دیتا ہوں۔ اگر ان کا پتہ معلوم نہ ہوا تو تم میں سے ایک کو بھی زندہ چھوڑوں گا۔''

''ہم کچھ نہیں جانتے۔''

''ایک منٹ۔''

''ہم نہیں جانتے..... یقین کرو۔'' وہ شکاری بولا جسے نفسیات میں دخل تھا۔ وہ کہتا رہا ''یہ سب کچھ چند ایسے لوگوں کی وجہ سے ہوا ہے جو شراب پی کر ہوش کھو بیٹھے تھے۔ ہم ندامت ہے اس حرکت پر۔''

''میں اپنے ساتھیوں کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔''

''ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں کہ تمہیں یقین دلا سکیں۔ ہمیں تمہارے ساتھیوں کی تلاش تھی لیکن وہ ہمیں نہیں ملے۔''

فریدی پھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اسی قسم کی بو پھر اُسے محسوس ہوئی۔ اس نے بوکھلا کر خیمے سے باہر نکلنا چاہا۔ لیکن اُسے انہیں لوگوں پر دھکیل دیا گیا۔

اس نے اُن پر گرتے ہوئے دیکھا کہ خیمے کے سرا پردہ کے قریب جو دو آدمی گیس ماسک پہنے کھڑے ہیں ایک کے ہاتھ میں ٹامی گن تھی اور دوسرے کے ہاتھ میں ایک ایسی مشین جس سے گیس فضا میں منتشر کی جاتی ہے۔ گیس سلنڈر اس کے شانے پر لٹکا ہوا تھا۔ گیس کی خاصی مقدار اس کے پھیپھڑوں میں بھر گئی اور ذہن ماؤف ہوتا جا رہا تھا۔

صرف اس کا نہیں۔ سبھوں کی یہی کیفیت نظر آتی تھی۔ جو جہاں بیٹھا تھا بیٹھا ہی رہ گیا۔

آہستہ آہستہ فریدی کا ذہن تاریکی کی دلدل میں پھنستا چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد اُسے نہ اپنی خبر رہی اور نہ گرد و پیش کی۔

دوبارہ آنکھ کھلنے پر اس نے خود کو ایک چھوٹے سے کمرے میں پایا تھا۔ کمرہ کیا قبر ہی کہنا چاہئے۔ نہ کوئی کھڑکی تھی اور نہ کوئی دروازہ۔ لیکن گھٹن کا احساس نہیں تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک بے حس و حرکت پڑا رہا پھر اٹھ بیٹھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے پوری نیند لینے کے بعد تر و تازہ اٹھا ہو۔

اُسے اپنے ساتھیوں کی فکر تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ چٹانوں میں بھی اسی قسم کی بو پھیلی ہوئی تھی جیسی خیمے میں پھیلائی گئی تھی اور وہ سب بے حس و حرکت ہو گئے تھے۔ تو کیا وہ اسی انڈر گراؤنڈ تعمیرات میں آ پہنچا ہے جن کا تذکرہ ریٹا اور حمید نے کیا تھا۔

وہ مسہری سے اٹھ کر اس قبر نما کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ دفعتاً کمرے میں ایک آواز گونجی۔

''خوش آمدید کرنل فریدی۔ اگر تم مجھ سے گفتگو کرنا پسند کرو تو تمہاری آواز مجھ تک پہنچ سکے گی۔''

''بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر۔'' فریدی بولا۔

''تم بڑے مشہور آدمی ہو۔ عرصہ سے سوچ رہا تھا کہ تمہیں شرف باریابی بخشوں..... لہٰذا یہ طریقہ اختیار کیا۔ تمہارے محکمے کے ڈی آئی جی کا جسم ایک دوسرے آدمی کے جسم سے بدل دیا۔ میں جانتا تھا کہ وہ سیدھا تمہارے پاس ہی جائے گا۔''

''یہ جان کر خوشی ہوئی۔''

''کرنل فریدی! تم کسی خوش فہمی میں مبتلا نہ ہونا۔''

''میں نہیں سمجھا..... تم کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''یہاں سے نکل جانا ناممکن ہوگا..... اگر تم مجھے شکست دینے کی سوچ رہے ہو تو ہ
وقعت دیوانے کے خواب سے زیادہ نہ ہوگی۔''

''میں فی الحال صرف اتنا سوچ رہا ہوں کہ میرے ساتھی کہاں ہیں۔''

''وہ بھی تمہاری ہی طرح آرام سے ہیں۔''

''یعنی یہیں ہیں۔''

''ہاں..... وہ تم سے پہلے پہنچ گئے تھے۔''

''یہ کمرہ مجھے پسند نہیں ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''اتنا تو ہو جس میں ایک مسہری کے علا
دو تین کرسیاں اور ایک میز رکھی جا سکے۔''

''واقعی دلیر ہو..... اچھی بات ہے۔ تمہاری یہ خواہش پوری کی جائے گی۔ خود کوئی
دیکھ کر پسند کر لو۔ جس مسہری پر بیٹھے ہو اس کے سرہانے کے بائیں جانب والے پائے
گھماؤ..... باہر نکلنے کا راستہ مل جائے گا۔''

''شکریہ۔'' فریدی نے کہا اور مسہری کے اُسی پائے پر نظر جما دی جس کے بارے میں
گیا تھا۔ چند لمحے خاموش بیٹھا رہا پھر اٹھ گیا۔ اس کے بعد پھر وہ آواز نہیں آئی۔

بتائی ہوئی تدبیر کے مطابق اس نے باہر نکلنے کے لئے راستہ بنایا۔ بائیں جانب کمر
کی پوری چوڑائی خلاء میں تبدیل ہوگئی۔ پھر جیسے ہی وہ اس خلاء سے گزر کر باہر آیا دیوار
برابر ہوگئی۔ اب وہ ایک طویل راہداری میں کھڑا تھا۔

یہاں بھی کوئی کھڑکی یا دروازہ نہ دکھائی دیا لیکن گھٹن کا احساس یہاں بھی نہیں تھا۔
اتنی لمبی راہ داری میں جس کی آخری حدیں نگاہوں سے اوجھل تھیں صرف ایک آ
دکھائی دیا وہ بھی فرش پر چت پڑا ہوا تھا۔

''قاسم.....!'' وہ اس کے قریب پہنچ کر بڑبڑایا۔

قاسم بے خبر سو رہا تھا۔ فریدی نے جھک کر اُسے جھنجھوڑا..... جھنجھوڑتا رہا لیکن قاسم کی

نیند میں ہی نہ آتی تھی۔

''غاؤں..... غاؤں.....!'' کر کے کروٹ بدلتا اور پھر خراٹے لینے لگتا۔ آخر فریدی نے
اس کے نتھنے دبائے اور جب دم گھٹنے لگا تو وہ گردن جھٹک کر اٹھ بیٹھا۔

''سالو چین نہیں لینے دو گے۔'' وہ حلق کے بل دہاڑا۔

''ہوش میں ہو یا نہیں۔''

قاسم چونک کر اپنی آنکھیں ملنے لگا اور پھر اُسے اس طرح گھورا جیسے آنکھوں پر یقین نہ
آ رہا ہو۔

''آپ..... آپ..... یعنی..... نقل پڑے آپ.....؟'' وہ ہکلایا۔

''کیا بک رہے ہو۔''

''آپ یہاں..... قیسے آ گئے۔ میں نے جس جس کو پہنچایا ہے پھر اس کی صورت نہیں
دکھائی دی۔''

''سمجھ میں نہیں آیا کہ تم کیا کہہ رہے ہو.....؟''

''اچھا قیا میں آپ کو ڈپٹی کمشنر معلوم ہوتا ہوں۔''

''کیا تم ذہنی فتور میں مبتلا ہو گئے ہو۔''

''نہیں..... ان سالوں نے مجھے ڈپٹی کمشنر بنا دیا ہے اور گدھوں کی طرح مردے ڈھویا
کرتا ہوں۔''

''مجھے پوری بات بتاؤ۔''

قاسم کچھ دیر خاموش رہ کر منہ چلاتا رہا پھر شروع سے اپنی کہانی دہرانے لگا۔ فریدی کے
چہرے پر نہ تو حیرت کے آثار تھے اور نہ ہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ کہانی اس کے لئے دلچسپ ثابت
ہوئی ہے۔ قاسم کے خاموش ہو جانے پر وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''تو تم مجھے بھی
اسی جگہ سے اٹھا کر لے گئے تھے؟''

''جی آں..... اور پھر تو لائن لگ گئی تھی۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اس کھیپ میں آپ سمیت چودہ آدمی تھے اور ایک آدمی کے کھون بھی بہہ رہا تھا۔''

''اُن لوگوں کے لباس کیسے تھے؟'' فریدی نے پوچھا۔

''خاکی..... خاکی کمیض اور خاکی پتلونیں.....!''

فریدی اس کے علاوہ اور کیا سوچتا کہ وہ شکاری ہی ہوں گے۔ اُن کی تعداد تیرہ تھی اُن میں ایک زخمی بھی تھا۔

''اُس سے پہلے.....!'' قاسم مسکرا کر بولا۔ ''حمید بھای کی یلایلی..... اررر..... مطلب..... یہ کہ وہ جو لڑکی حمید بھائی کے ساتھ تھی..... وہ آئی تھی۔ پھر ایک آدمی اور.....!''

''وہ آدمی کیسا تھا..... حلیہ بتاؤ۔''

قاسم نے ڈی آئی جی ہی کا حلیہ بتاتے ہوئے کہا۔ ''اور پھر اس کے بعد حمید بھائی لیقن آپ نقل قیسے آئے۔ کیا ان سالوں کا کباڑا قر دیا۔''

''ابھی تو نہیں۔''

''مجھے ڈپٹی کمشنر بنا دیا ہے..... اور تو اور..... چپراسی سالے اسٹولوں پر بیٹھیں اور زمین پر بیٹھوں..... وہ دیکھئے..... وہ آ رہے ہیں۔''

فریدی بائیں جانب مڑا۔ دو آدمی اُسی طرف چلے آ رہے تھے۔ انہوں نے فریدی کی طرف توجہ نہ دی اور قاسم کو بڑے ادب سے سلام کر کے سامنے والے اسٹولوں پر بیٹھ گئے۔

''اب دیکھئے..... دیکھا آپ نے۔'' قاسم جل کر بولا۔ ''یہ سالے چپراسی ہیں اور میں ڈپٹی کمشنر..... یہ سالے کہاں ہیں اور میں کہاں ہوں۔ الا کی کدرت۔''

''آپ خواہ مخواہ خفا ہو رہے ہیں جناب..... ڈپٹی کمشنر عوام کا خادم ہوتا ہے یہ نہ بھولئے۔''

''اور آپ جناب۔'' قاسم نے نسوانی انداز میں چمک کر کہا۔

''ہم ملازم نہیں رکھے جاتے بلکہ ہمارا الیکشن ہوتا ہے۔'' دونوں میں سے ایک بولا۔

''لو اور سنو..... لیڈر ہیں سالے۔''

''اور آپ جناب عالی..... ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر مقرر کئے گئے ہیں۔'' اُسی آدمی نے فریدی سے کہا۔

''بن جایئے..... بن جایئے۔'' قاسم فریدی کو آنکھ مارنے کی کوشش کرتا ہوا مسکرایا۔

وہ دونوں خاموش بیٹھے انہیں حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

فریدی بے تعلقانہ انداز میں کھڑا اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

اتنے میں گھنٹی بجی اور قاسم بڑی گندی گندی گالیاں بکتا ہوا فرش سے اٹھ گیا۔

''یہ کیا بکواس شروع کر دی تم نے.....!'' فریدی نے اُسے ڈانٹا۔

''ایڈیشنل کو بھی ڈھونے پڑیں گے..... بہت کھش نہ ہوئیے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''جب ڈپٹی کمشنر مردے ڈھوتا ہے تو ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر قیسے نہ ڈھوئے غا۔''

''یہ کیا کہہ رہا ہے؟'' فریدی نے اُن دونوں سے پوچھا۔

''صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں..... آپ بھی چلئے۔''

''چلو کہاں چلنا ہے۔''

قاسم کا منہ حیرت سے کھل گیا اور اس نے بالآخر کہا۔ ''ارے آپ! یعنی کہ آپ بھی پھنس ہو گئے۔''

''چلو..... بکواس نہ کرو۔'' فریدی نے اُسے دھکیلتے ہوئے کہا۔

''جب آپ ہی.....!''

''میں کہتا ہوں چپ چاپ چلو۔'' فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

اب اُن میں سے ایک فریدی کے ساتھ چلنے لگا اور دوسرا قاسم کے ساتھ۔ اُس نے قاسم سے کہا۔ ''یہ بُری بات ہے کہ ایک ایڈیشنل..... ڈپٹی سے ایسے لہجے میں بات کرے۔''

''میرا مغز نہ خاؤ.....!'' قاسم جھلا کر بولا۔

''مجھے کیا..... آپ کا ماتحت ہے..... آپ جانیں۔''

''بیٹا..... ایک دن آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی..... دھری رہ جائے گی ساری ہوا
واتحتی..... مرغی کی بولی بولو گے..... سالو سب کے سب۔''

وہ چلتے رہے..... ایک جگہ فرش پر ایک آدمی دکھائی دیا۔

''آپ اٹھا کر لے چلیں گے یا بڑے صاحب۔'' فریدی کے ساتھ والے آدمی نے
سے پوچھا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ اس کے قریب پہنچ گئے تھے۔

''اُوہ.....!'' اس کے قریب پہنچ کر فریدی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

یہ وہی شخص تھا جس نے چور دروازے سے اس کی کوٹھی میں داخل ہو کر اُسے باور کرا
کی کوشش کی تھی کہ وہ اس کا ڈی آئی جی ہے اور وہ شہر سے چلتے وقت اُسے اپنے محکمے
حوالات میں دے آیا تھا۔ پھر وہ اس حال میں یہاں کیونکر پہنچا۔

''کرنل فریدی۔'' اچانک وہی آواز راہداری میں گونجی۔ جسے وہ کچھ دیر پہلے اپنے قید
کمرے میں سن چکا تھا۔

فریدی سیدھا کھڑا ہو گیا۔ آواز پھر آئی۔

''تمہیں اس پر حیرت ہوگی..... اس آدمی کو تم اپنے محکمے کی تحویل میں دے آئے
تھے..... کرنل فریدی میں چاہتا تو تمہیں بھی اسی طرح اٹھوا منگواتا۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔

آواز پھر نہ آئی۔ نگران نے فریدی سے کہا۔ ''اٹھایئے صاحب۔''

''میرے سامنے تو یہ ناممکن ہے۔'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ ''میں اٹھاؤں غا۔''

''تم رہنے دو۔'' فریدی نے کہا۔

''معاف کیجئے گا..... میں آپ کا یہ کہنا نہیں مانوں غا.....!'' قاسم نے کہا اور جھک
بے ہوش آدمی کو اٹھا لیا۔

ایسی سچویشن سے دوچار ہونے کا پہلا موقعہ تھا۔

وادی سرخاب کی شہری آبادی اس وباء سے بے حد خائف تھی۔ لوگ ایک دوسرے کے
گریبان پکڑ لیتے اور پاگلوں کی طرح چیختے کہ ایک نے دوسرے کا جسم چھین لیا ہے۔

پولیس ابھی تک ہوٹل فیضان والے دھماکے کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں کر سکی تھی۔

ایس پی کرائمز جس کے اعلان کے مطابق ہوٹل کے مسافر عمارت چھوڑ کر بھاگے تھے
اس سے زیادہ اور کچھ نہیں بتا سکا تھا کہ اس نے وہ ہنگامی اعلان مرکزی محکمہ سراغ رسانی کے
سینئر کرنل فریدی کے کہنے پر کرایا تھا۔

اخبارات چیخ رہے تھے۔ ''کرنل فریدی کہاں ہے؟''

ہوٹل فیضان کی عمارت کی جگہ اب ملبے کے ڈھیروں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔

ملبا ہٹایا جا رہا تھا۔ خیال تھا کہ کچھ لوگ یقیناً دب گئے ہوں گے۔

جہاں جہاں سے ملبہ اس حد تک ہٹا دیا گیا تھا کہ زمین کی سطح نظر آنے لگے کچھ عجیب
حالات پائے گئے تھے۔ ماہرین کا خیال تھا کہ وہ کوئی غیر معمولی قدرتی صورت حال تھی جس کی
وجہ اوپر دھماکہ ہوا تھا۔ ورنہ پتھروں کے پگھلنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا۔ اس جگہ کی زمین ایسی
لگ رہی تھی جیسے آتش فشاں کا لاوا ٹھنڈا ہو کر دوبارہ جم گیا ہو۔

سوال یہ ہے کہ آخر کرنل فریدی کو اس قسم کے کسی حادثے کا علم قبل از وقت کیسے ہو گیا
تھا؟ پھر وہ خود کہاں غائب ہو گیا؟

ایس پی کرائمز نے پریس کو اپنا بیان دیتے وقت خیال ظاہر کیا تھا کہ کرنل فریدی شائد
جسموں کے بدل جانے والی وباء کے سلسلے میں معلومات حاصل کرنے یہاں آیا تھا۔ کیپٹن
حمید سے اُسے صرف اسی قدر معلوم ہو سکا تھا کہ وہ یہاں اس لئے بھیجا گیا تھا کہ اپنے محکمے کے
ڈی آئی جی کی دیکھ بھال کر سکے۔

ایس پی کرائمز نے پریس رپورٹروں کو بتایا کہ مرکزی محکمہ سراغ رسانی کا ڈی آئی جی بھی

اسی تبدیلی جسم والی وباہ کا شکار ہوگیا تھا اور کیپٹن حمید اُس کی نگرانی کر رہا تھا۔

پگھلتے ہوئے دیو پیکروں کی کہانی بھی شہری آبادی میں گشت کر رہی تھی۔ خصوصاً ہوٹل فیضان والا واقعہ کچھ اس طور پر بیان کیا جاتا۔ جیسے اُس دیو پیکر کے پگھلنے ہی سے پوری عمارت دھماکوں کے ساتھ ڈھیر ہوگئی ہو۔

تبدیلی جسم کے متعدد واقعات پولیس کے علم میں آئے۔ پولیس متعلقہ لوگوں کی تلاش کرتی رہی۔ پھر وہ اس طرح غائب ہوگئے کہ ان کے متعلقین بھی اُن کی نشاندہی نہ کر سکے۔

پوری وادی عجیب ہیجان میں مبتلا تھی۔

تبدیلی جسم کا ایک واقعہ تو پولیس کے لئے دردِ سر ہی بن کر رہ گیا تھا۔ شہر کے دو سرمایہ دار جو ایک دوسرے کے جانی دشمن بھی تھے اس وباء کا شکار ہوگئے اور ان کا جھگڑا عدالت تک بڑھا کہ صدر مملکت تک بات جا پہنچی۔

آہستہ آہستہ پورے ملک میں سنسنی پھیل گئی۔ اگر وہ کوئی وباء تھی تو پورے ملک میں پھیل سکتی تھی۔

خصوصیت سے وادی میں ہنگامی حالات کا اعلان کرتے ہوئے حکومت نے مارشل لاء نفاذ کر دیا۔ شہر کا نظم و نسق سنبھالنے والوں کی طرف سے منادی کرادی گئی کہ اس قسم کا کوئی کیس کسی کی بھی نظر سے گزرے تو وہ اس کی اطلاع فوراً ملٹری حکام کو دے۔ خلاف ورزی کرنے والے کے لئے بہت بڑی سزا مقرر کی گئی تھی۔

ملک بھر کے ذہنی امراض کے ماہر وادی میں اکٹھا ہوگئے تھے اور ہنگامی طور پر ایک تجربہ گاہ قائم کر دی گئی تھی۔ اس وباء کے شکار وہاں لائے جاتے اور ماہرین ان کا معائنہ کرتے لیکن ابھی تک کسی خاص نتیجے پر پہنچنا ممکن نہ ہوا تھا۔

اگر کوئی ایک شخص یہ دعویٰ کرتا کہ کسی نے اس کا جسم چھین لیا تو اُسے کسی قسم کا ذہنی باور کرلیا جاتا۔ لیکن وہاں تو ایسے لوگوں کے جوڑے پہنچ رہے تھے جو ایک دوسرے پر حیرت

ڈاکہ زنی کا الزام رکھتے۔

پھر دفعتاً پورے ملک میں کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کی تلاش شروع ہوگئی۔ ڈی آئی جی کا حلیہ بھی جاری کیا گیا۔ لیکن فریدی کے محکمے کے دوسرے حکام اپنے سرپیٹ رہے تھے کیونکہ اس بار فریدی نے اپنے آئی جی کو اپنی مصروفیات سے لاعلم نہیں رکھا تھا۔ اس نے باقاعدہ طور پر اپنی رپورٹ پیش کی تھی اور بتایا تھا کہ وہ وادی سرخاب کا سفر کیوں کر رہا ہے اور اس آدمی کو باضابطہ طور پر اپنے محکمے کی حوالات میں دیا تھا۔ جس کا دعویٰ تھا کہ وہ ڈی آئی جی ہے اور کسی دوسرے شخص نے اس کا جسم چھین لیا ہے۔

لہٰذا جب وہ شخص حوالات سے پُراسرار طور پر غائب ہوگیا تو محکمے کے حکام کو سر پیٹنے ہی پڑے۔

فریدی اور حمید کہاں ہیں؟ ملک بھر کے اخبارات اسی ایک سوال پر زور دے رہے تھے۔ محکمہ صحت کو لتاڑا جا رہا تھا کہ اُس نے اس وباء کی طرف دھیان کیوں نہیں دیا۔ مختلف انداز فکر رکھنے والے طرح طرح کی باتیں کرتے۔

کچھ لوگ قرب قیامت کی بھی باتیں کر رہے تھے۔ عجیب سے شب و روز گزر رہے تھے۔ وادی کا ہر شخص سہما ہوا تھا۔ پتہ نہیں کب اُسے بھی اس دیوانگی کا شکار ہونا پڑا۔

فریدی کی ریسٹ واچ کے مطابق یہ پانچواں دن تھا اور وہ قاسم کے ساتھ اسی راہداری میں پڑا رہتا۔ بیہوش عورتوں اور مردوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانا اُن دونوں کا کام تھا۔

اب وہ دونوں آدمی بھی نہ ہوتے جنہیں قاسم چپراسی کہتا تھا۔ جیسے ہی گھنٹی بجتی وہ دونوں اس طرف روانہ ہوجاتے جہاں سے بے ہوش آدمیوں کو لانا ہوتا تھا۔ کھانے کے اوقات میں اُسی راہداری میں دروازہ نمودار ہوتا اور وہ اُس سے گزر کر ایک کمرے میں داخل ہوتے جہاں

میز پر کھانا چنا ہوا ملتا۔ قاسم کی پوری پوری خوراک موجود ہوتی اور وہ شکم سیر ہو کر کھاتا۔ فریدی اس کے برانڈ کے سگار بھی ملتے تھے۔

آج جب وہ اسی کمرے میں ناشتہ کر رہے تھے آواز آئی۔ ''کرنل فریدی تمہارا اسسٹنٹ میرے لئے مسئلہ بن گیا ہے۔''

''میرے لئے ہمیشہ سے رہا ہے۔'' فریدی لاپروائی سے بولا۔

''وہ خواہ مخواہ عورتوں کے سے انداز میں گفتگو کر رہا ہے۔ حالانکہ اس پر وہ عمل نہیں ہوتا جس کی بناء پر جسم بدل جاتے ہیں۔''

''اس کا یہ مرض نفسیاتی بھی ہو سکتا ہے۔'' فریدی بولا۔ ''عورتوں کی تمنا اور اُن سے محرومی اکثر مردوں کو عورت بنا دیتی ہے۔''

''میں نہیں سمجھ سکتا کہ ایسی کوئی بات ہوگی۔ جب کہ یہاں آنے سے قبل بھی ایک عورت اس کے ساتھ تھی۔''

''اس نے خود ہی حرام کر رکھی ہیں اپنے اوپر۔''

''یہ کیا بات ہوئی؟''

''اُسے دراصل روح کائنات سے پیار ہے۔ اگر وہ کبھی عورت کے روپ میں ڈھل گئے تو میرے اسسٹنٹ کی پیاس بھی بجھ جائے گی۔''

''میرا خیال ہے کہ موجودہ صدمے نے تم دونوں ہی کے ذہنوں پر بُرا اثر ڈالا ہے۔''

فریدی کچھ کہنے کی بجائے سگار سلگانے لگا۔

''کیا تم اس سے ملنا چاہتے ہو.....!'' کچھ دیر بعد آواز آئی۔

''یقیناً..... میں اُس کے لئے فکر مند ہوں۔''

''تمہارے تینوں ساتھی کچھ دیر بعد تم تک پہنچ جائیں گے۔''

''شکریہ۔''

قاسم حیرت سے منہ پھاڑے یہ ساری گفتگو سن رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ بولا۔

''آپ مجھے تو کچھ بتاتے ہی نہیں۔''

''تمہیں کیا بتاؤں؟''

''یہی کہ حمید بھائی عورتوں کی طرح کیوں باتیں کرنے لگے ہیں۔''

''تمہارا بھی یہی حشر ہونے والا ہے۔''

''میرا قیوں.....؟''

''بس دیکھ لینا.....!''

قاسم کچھ کہنے ہی والا تھا کہ حمید بوکھلایا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ وہ دونوں کرسیوں سے اٹھ گئے۔ فریدی اور حمید خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھے جا رہے تھے اور قاسم اس طرح کا منہ بنائے ہوئے تھا جیسے جلد ہی پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دے گا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' فریدی نے حمید سے کہا۔

اس میز کے گرد کئی کرسیاں تھیں۔ حمید خاموشی سے بیٹھ گیا۔

''کوئی نئی کہانی۔'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

حمید نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''تم کچھ بولتے کیوں نہیں؟''

''بہت سی لونڈیاں دیکھ لی ہوں گی۔'' قاسم بول پڑا اور پھر اسکے دانت بھی نکل پڑے۔

حمید نے اُسے گھور کر دیکھا۔

''سنو.....!'' فریدی نے اُسے مخاطب کر کے سنجیدگی سے کہا۔ ''مجھے دھمکی ملی ہے کہ اگر تمہارے اسسٹنٹ نے نسوانی طرز گفتگو نہ چھوڑا تو اُسے سچ مچ عورت بنا دیا جائے گا۔''

''اب میں خدا کے فضل سے بالکل ٹھیک ہوں۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

دفعتاً ڈی آئی جی اور سعیدہ بھی کمرے میں داخل ہوئے۔

''فریدی.....!'' ڈی آئی جی اس کی طرف جھپٹا اور دونوں بغل گیر ہو گئے۔

''میرے بیٹے۔'' ڈی آئی جی نے گلوگیر آواز میں کہہ رہا تھا۔

''بالآخر تمہاری کوششوں سے مجھے میرا جسم واپس مل گیا۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس سے علیحدہ ہو کر اُسے بغور دیکھنے لگا۔ ڈی آئی جی کے چہرے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔

سعیدہ کے چہرے پر پھر پہلی ہی سی کر ختگی طاری ہو گئی تھی۔

تباہ کن منصوبہ

وہ سب خاموش بیٹھے تھے۔ کچھ دیر بعد ڈی آئی جی بولا۔ ''سمجھ میں نہیں آتا یہ سب کیا ہے؟'' اس نے جملہ فریدی ہی کو مخاطب کر کے ادا کیا تھا۔ لیکن فریدی کچھ نہ بولا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ ''کیا آپ کو یاد ہے کہ آپ محکمے کی حوالات سے کس طرح یہاں پہنچے تھے۔''

''قطعی کچھ نہیں معلوم کہ یہ کیونکر ہوا۔ ایک رات سویا تھا۔ جب آنکھ کھلی تو خود کو یہیں پایا اور میرا جسم مجھے واپس مل چکا تھا۔''

''اچھا آپ لوغ بیٹھئے۔ میں جا رہا ہوں۔'' قاسم اٹھتا ہوا بولا۔ ''کہیں گھنٹی نہ بج جائے۔ بڑی مشکل سے ان حرامزادوں سے پیچھا چھوٹا ہے۔''

ڈی آئی جی نے قاسم کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

فریدی نے سر کو جنبش دی۔ قاسم کے باہر نکلتے ہی حمید بھی اٹھ گیا اور راہداری میں دونوں کی یادگار ملاقات ہوئی۔

''ابے یہ منہ کیوں پھولا ہوا ہے؟'' حمید نے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔

''تمہاری محبت میں مرے..... ڈھور ہا ہوں۔''

''کیا بات ہوئی۔''

قاسم تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر اُبل پڑا۔ شروع سے آخیر تک کی بپتا دہرا دی۔

حمید کبھی ہنستا اور کبھی سنجیدہ نظر آنے لگتا۔ اُس کے خاموش ہوتے ہی بولا۔

''تو وہ جین اور جیکٹ والی کہاں گئی؟''

''پتہ نہیں..... اس کے بعد سے سامنا نظر ہی نہیں آئی۔''

''اور وہ وحشی عورت.....؟''

''ارے باپ رے۔ مت یاد دلاؤ حمید بھائی۔ کلیجہ منہ کو آتا ہے۔''

''ابے تو تم ڈر گئے تھے اُس سے۔''

''ڈر نہ جاتا تو کیا نچوا کھسٹو اڈالتا اپنے کو۔''

''اور وہ ایم اے ان اردو والی بات۔''

''لیکن نہیں آتا۔'' قاسم کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''پروفیسروں اور طالب علموں کو بھنبھوڑ کر رکھ لیا ہوگی۔''

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ راہداری میں ایک قہقہہ گونجا پھر آواز آئی۔

''تم غلط سمجھے ہو..... آج سے پانچ سال پہلے وہ ایک چھوٹی سی دبلی پتلی لڑکی تھی۔''

''جھوٹ..... بالکل جھوٹ۔'' قاسم دونوں ہاتھ اٹھا کر شور مچانے لگا۔

''یہ میرا کمال ہے کہ اب وہ ایک وحشت زدہ دیوانی معلوم ہوتی ہے۔''

آواز سن کر فریدی ڈی آئی جی اور سعیدہ بھی راہداری میں نکل آئے تھے۔

''اب وہ ایک وحشت زدہ دیوانی ہے۔ اپنے جوڑے کی تلاش میں۔''

''جوڑے کی تلاش.....!'' قاسم نے بوکھلا کر دہرایا۔ ایک پل کے لئے چہرے پر فکر کے آثار نظر آئے اور پھر ''ارے باپ رے۔'' کہہ کر دونوں ہاتھوں سے منہ پیٹنے لگا۔

''لیکن تمہارے دیو پیکروں میں ایک بڑی خامی رہ گئی ہے۔'' فریدی نے اونچی آواز میں کہا۔

''وہ کیا کرنل فریدی؟''

''جنسی جذبے کو نہیں سہار پاتا۔''

''تم کیا جانو.....؟''

''مختلف شہادتوں کی بناء پر میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں۔ وہ قاسم جیسے لوگوں سے کا
ہیں لیکن وہ اسی وقت تک کارآمد ہیں جب تک کسی عورت پر اُن کی نظر نہ پڑے۔''

کچھ دیر سناٹا رہا پھر کھکھارنے کی آواز کے ساتھ کہا گیا۔ ''تم واقعی بہت ذہین
ٹھیک نتیجے پر پہنچے..... اچھی بات ہے کرنل فریدی۔ میں تمہیں اپنے عجائبات ضرور دکھاؤں

فریدی کچھ نہ بولا۔ قاسم احمقانہ انداز میں منہ چلا رہا تھا۔ اس کے بعد پھر کچھ نہ کہا

فریدی وغیرہ پھر اسی کمرے میں چلے گئے۔

''اب بتاؤ بیٹا۔ اگر جوڑا لگا دیا اس نے تو کیا ہوگا'' حمید نے قاسم سے کہا۔

''اے بس..... ایسی خرافات مت نقالو زبان سے۔ کبھی کبھی کا قہا ہوا ہو بھی جاتا۔

''تم تو مر رہے تھے اس آرزو میں۔''

''توبہ قرو..... توبہ..... تم نے دیکھا کہاں ہے اُسے۔ چوکڑی بھول جاتے..... وہ
نہیں بلکہ..... بلکہ غورت ہے۔''

''غورت..... کیا بات ہوئی؟''

''غین بڑی ہوتی ہے عین سے..... ڈبل ایک دم ڈبل۔ ارے باپ رے۔''

''تم بہت خائف ہو اس سے۔''

''اب قیا بتاؤں تم سے۔''

''بتاؤ..... بتاؤ..... کوئی حرج نہیں۔''

اتنے میں گھنٹی بجی اور قاسم بوکھلا کر دوسری طرف دوڑ پڑا۔ حمید اُس کے پیچھے تھا۔

دونوں اُس جگہ پہنچے جہاں بیہوش آدمی ملا کرتے تھے۔

لیکن اس وقت یہاں کوئی بھی نہیں تھا البتہ دیوار میں ایک جگہ دروازہ نظر آ رہا تھا۔

وہ دونوں دروازے کے سامنے رک گئے۔ دفعتاً قاسم کی باچھیں کھل گئیں۔

کمرے میں ایک لحیم شحیم عورت دکھائی دی۔ وہ جیکٹ اور جین میں ملبوس تھی۔

''یہی ہے۔'' قاسم نے آہستہ سے کہا۔

''کون..... وہ وحشی عورت۔''

''اے نہیں..... وہی جین اور جیکٹ والی جس نے کھانا کھلایا تھا۔''

''اسی لئے یاد بھی رہ گئی کہ کھانا کھلایا تھا۔''

''قیا مطلب.....؟'' قاسم نے آنکھیں نکالیں۔

''جھگڑا نہیں پیارے بھائی۔'' حمید آہستہ سے بولا۔ ''وہ تمہیں دیکھ کر مسکرا رہی ہے۔''

اتنے میں عورت دروازے کے قریب آ کر بولی۔ ''تشریف لائیے۔''

''دونوں.....؟'' قاسم نے بوکھلا کر پوچھا۔

''ضرور..... ضرور.....!''

''جرور ورور کی قوئی بات نہیں..... سب چلتا ہے۔ یعنی کہ اگر ان کو نہ بلانا چاہو تو کوئی
بات نہیں۔''

''نہیں صاحب..... آپ دونوں آئیے۔''

''چلو سالے۔'' قاسم حمید کو گھورتا ہوا غصیلے لہجے میں بولا۔ حمید نے اس کا یہ جملہ کچھ ایسے
ہی انداز میں سنا جیسے خود اس نے بھی اس سے ''تشریف'' لے چلنے کی استدعا کی ہو۔

دونوں کمرے میں داخل ہوئے اور دیوار خود بخود برابر ہوگئی۔

حمید نے پلٹ کر دیکھا اور پھر عورت کی طرف دیکھنے لگا۔

''آپ کیا پئیں گے؟'' عورت نے خوش اخلاقی سے پوچھا۔

''ابھی تو چائے پی چکے ہیں۔'' قاسم مسکرا کر بولا۔ ''تکلف نہ کیجئے۔''

حمید خاموش ہی رہنا چاہتا تھا۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ پرسکون رہے۔ قطعی نہیں چاہتا
تھا کہ قاسم کسی بات پر بے لگام ہو جائے۔

''در..... دروازہ..... پھر بند۔'' قاسم بڑبڑایا۔ ''اس کھل بند سے تو میں تنگ آ گیا ہوں۔''

''کوئی پریشانی کی بات نہیں۔'' عورت مسکرائی۔ ''تم جب چاہو گے پھر کھل جائے گا۔ کیا

تم نے مجھے اپنے لئے مانگا تھا؟''

''وہ..... وہ..... بب..... بات یہ ہے کہ.....!'' قاسم کی سانس پھولنے لگی۔ اور عورت ہنس کر بولی۔ ''لہٰذا مجھے تمہاری خدمت پر مامور کیا گیا ہے۔''

''اب دیکھو.....!'' قاسم حمید سے بولا۔ ''ہم تو مردے ڈھوتے ڈھوتے مارے جا رہے ہیں اور یہ بیچاری ہماری کھدمت قریں غی۔''

حمید کچھ نہ بولا۔

''آپ نہیں سمجھ سکتے۔'' عورت کچھ دیر بعد بولی۔ ''یہ انسانیت کی بہت بڑی خدمت ہے۔''

''مردے ڈھونا۔'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

''میں بھی سمجھنا چاہتا ہوں۔ اس انسانیت کو۔'' حمید بولا۔

''تمہیں کچھ سمجھنے کی ضرورت نہیں۔'' قاسم جھنجھلا گیا۔

''کیوں نہیں..... سب کو سمجھنا چاہئے۔'' عورت نے کہا۔

''ارے واہ..... سب کو کیسے سمجھنا چاہئے..... میں نے مانگا تھا تمہیں بادشاہ سلامت سے..... اور پھر میں تو ڈپٹی کمشنر ہوں..... اور یہ سالا۔'' قاسم جملہ پورا کرنے سے پہلے ہی خاموش ہو گیا۔ کیونکہ حمید کی زبان سے اُسے بوکھلا دینے والا کوڈ ورڈ ''گلہری'' نکل گیا تھا۔

دفعتاً عورت کو مخاطب کر کے پرشور انداز میں بولا۔ ''یہ میرا بہت پیارا دوست ہے۔ سمجھاؤ..... اسے بھی سمجھاؤ..... اور قیا۔''

''آپ دونوں میرے ساتھ آیئے۔'' وہ ایک جانب بڑھتی ہوئی بولی۔

حمید نے سامنے کی دیوار میں خلاء پیدا ہوتے دیکھا لیکن یہ نہ دیکھ سکا کہ وہ اس عورت کے کسی فعل کا نتیجہ تھا یا خود بخود ایسا ہوا تھا۔ وہ خود آگے چل رہی تھی اس کے پیچھے قاسم تھا اور پھر حمید۔ جیسے ہی حمید دوسرے کمرے میں داخل ہوا اُسے ٹھٹک جانا پڑا۔ ایک دیو پیکر آدمی سامنے ہی فرش پر چت پڑا سو رہا تھا۔

''اب اور دیکھو.....!'' قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

حمید اس دیو پیکر کو دیکھنے میں محو تھا۔ اُسے احساس ہی نہ ہو سکا کہ عورت کب وہاں سے کھسک گئی۔ قاسم تو تھا ہی غائب غلا قسم کا آدمی اُسے کیسے پتہ چلتا۔ کچھ دیر بعد حمید عورت سے کچھ پوچھنے کے لئے مڑا اور پھر اچھل پڑا۔ نہ صرف یہ کہ عورت وہاں موجود نہیں تھی بلکہ دیوار کا خلاء بھی غائب ہو گیا تھا۔ قاسم کی عقل بھی ٹھکانے آ گئی اور وہ خوفزدہ نظروں سے سوئے ہوئے دیو پیکر کو دیکھنے لگا۔ پھر تھوک نگل کر آہستہ سے بولا۔ ''ارے باپ رے..... اب قیا ہوگا۔''

''اگر سالا جاگ پڑے تو..... وہ بھی چلی گئی ورنہ پگھلنے لگتا۔ قرنل صاحب نے یہی تو کہا کہ عورت کو دیکھ کر پگھل جاتا ہے۔''

''کیا تم ڈرتے ہو.....؟''

''اللہ قسم ہاتھی ہے ہاتھی۔ بڑی مشکل ہو جاتی ہے۔ دم الٹنے لگتا ہے۔''

''بزدلی کی باتیں نہ کرو۔'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''دیکھ لینا..... شائد اسی کے ہاتھوں میری موت لکھی ہے۔''

دفعتاً ایک بہت ہی کریہہ اور تیز قسم کی آواز اس قبر نما کمرے میں گونجی اور سونے والا لاکر اٹھ بیٹھا۔

''ہوشیار ہو جاؤ۔'' قاسم حمید کا بازو پکڑ کر آہستہ سے بولا۔

دیو پیکر آدمی پہلے تو انہیں آنکھیں پھاڑے گھورتا رہا پھر غراتا ہوا اٹھا۔ بالکل ایسا معلوم ہوا تھا جیسے کسی گوریلے کی نیند اچٹ گئی ہو اور وہ اس واقعے پر پیچ و تاب کھا کر خاک اڑانے لگا ہو۔

''قاسم ہمت نہ ہارنا۔'' حمید نے اُس کے شانے پر تھپکی دی۔

''اللہ مالک ہے۔'' قاسم نے کہا اور پھر آگے بڑھ کر بولا۔ ''خبردار۔''

دیو پیکر اُس پر جھپٹ پڑا۔



فریدی اور ڈی آئی جی وغیرہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئے اُن کے عقب کا
بند ہوگیا اور سامنے کی دیوار میں آگے جانے کا راستہ بن گیا۔ فریدی بے دھڑک آگے بڑ
گیا تھا اور اُن دونوں نے اُس کی تقلید کی تھی۔

دوسرا کمرہ بھی پہلے ہی جیسا تھا۔ اُس کمرے میں داخل ہوتے ہی بائیں جانب
دیوار میں دروازہ نمودار ہوا اور وہ اس سے بھی گزر کے چلے گئے۔ اسی طرح چار کمروں سے
کر وہ ایک بہت بڑے ہال میں داخل ہوئے جو نصف دائرے کی شکل کا تھا۔ ایک غیر ملکی
آگے بڑھ کر اُن کا استقبال کیا۔ وہاں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ ہال کی بناوٹ
آڈیٹوریم قسم کی تھی۔ دفعتاً اس دیوار میں ایک اسٹیج نمودار ہوا جو نصف دائرے کے ایک گو
سے دوسرے گوشے تک خط مستقیم بناتی تھی اور اس اسٹیج پر تین آدمی نظر آئے۔ جن میں سے
حمید اور قاسم تھے اور تیسرا ایک دیو پیکر آدمی تھا۔ حمید ایک گوشے میں دیوار سے لگا کھڑا تھا
دونوں آپس میں زور کر رہے تھے۔ دیو پیکر کے چہرے پر بلا کی درندگی ظاہر ہو رہی تھی اور
ہر چند کہ اُسکے خلاف اپنی پوری قوت صرف کر رہا تھا لیکن اسکے چہرے پر سراسیمگی کے آثار
''کیا یہ کوئی اچھی بات ہے۔'' فریدی نے غیر ملکی کو مخاطب کر کے انگریزی میں کہا
اس کا لہجہ بے حد ناخوشگوار تھا۔

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں جناب۔'' غیر ملکی نے اردو میں جواب دیا۔ ''
آپ کی مرضی کے مطابق ہی ہوگا۔''

فریدی پھر اسٹیج کی طرف ہوگیا۔ اس کی آنکھوں میں گہری تشویش کے آثار تھے
دفعتاً غیر ملکی نے سعیدہ سے کہا۔ ''محترمہ آپ اُس طرف چلی جایئے۔ میرا خیال
یہ تماشا آپ کو پسند نہیں آ رہا۔''

اجنبی نے بائیں جانب والے ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا تھا۔

سعیدہ نے فریدی کی طرف دیکھا اور فریدی نے سر کی جنبش سے اس مشورے پر عمل
کرنے کا اشارہ کیا۔ سعیدہ وہاں سے چلی گئی۔ اب وہ ایسی جگہ تھی جہاں سے کم از کم اسٹیج
والوں کو تو نہ نظر آ سکتی۔ دیو پیکر کے حلق سے عجیب سی آوازیں نکل رہی تھیں اور ایسا معلوم ہوتا
تھا جیسے وہ قاسم کو پیس کر رکھ دے گا۔

قاسم نے ایک گھٹنا فرش پر ٹیک دیا تھا اور دیو پیکر اُس پر چھا گیا تھا۔

قاسم شائد اس کوشش میں لگا ہوا تھا کہ اس کی پیٹھ فرش سے نہ لگنے پائے۔ دفعتاً غیر ملکی
بیچ کی طرف دوڑتا چلا گیا۔ قریب پہنچ کر اس نے جیب سے ایک چھوٹی سی ٹارچ نکالی اور اس
ارخ دیو پیکر کی طرف کر دیا۔ ٹارچ سے گہری نیلے رنگ کے غبار کی لکیر سی نکل کر دیو پیکر کے
م پر پڑی اور وہ قاسم کو چھوڑ کر بلبلاتا ہوا دیوار سے جا لگا۔

''تم دونوں نیچے آ جاؤ۔'' غیر ملکی نے قاسم اور حمید کو مخاطب کر کے کہا۔

قاسم فرش پر دو زانو بیٹھا جھوم رہا تھا۔ حمید جلدی سے آگے بڑھا اور اُسے جھنجھوڑ کر وہاں
سے اٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔ بدقت تمام وہ قاسم کو اسٹیج سے ہال میں لا سکا تھا۔ قاسم کی
آنکھیں بُری طرح پھول رہی تھی۔ چہرہ سرخ ہوگیا تھا اور آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں۔ سفید فام
غیر ملکی نے قاسم کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف لے جاتے ہوئے کہا۔

''چلو..... اب میں تمہیں گورنر بنا دوں۔''

''نہیں جاتا۔'' قاسم نہ صرف رک گیا بلکہ جھٹکے کے ساتھ اُس سے اپنا ہاتھ بھی چھڑا لیا۔

''گورنر بن جانے کے بعد تم اُس کی ٹانگیں چیر کر پھینک دو گے۔'' غیر ملکی بولا۔

''یہ بات ہے تو چلو.....!'' قاسم غرایا۔

وہ دونوں ایک دروازے میں داخل ہو کر نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

''ڈاکٹر سعیدہ کہاں ہیں؟'' حمید نے فریدی سے پوچھا۔

''پتہ نہیں..... سعیدہ کو یہاں سے ہٹا دیا گیا تھا۔''

''چلو اُسے ڈھونڈیں۔'' ڈی آئی جی نے مضطربانہ لہجے میں کہا۔

''آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم کتنے بے دست و پا ہیں۔ اگر وہ خود نہ چاہیں تو ہم ان تک بھی سعیدہ تک نہ پہنچ سکیں گے۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں صبر سے کام لینا چاہئے۔''

ڈی آئی جی کچھ نہ بولا۔ لیکن وہ بہت بے چین نظر آ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد صرف قاسم ہال میں داخل ہوا۔ غیر ملکی اس کے ساتھ نہیں تھا۔ سب کی نظریں اسٹیج کی طرف تھیں۔ جہاں دیو پیکر آدمی اب بھی دیوار سے لگا کھڑا تھا۔ قاسم نے اسے اٹھا کر اسے للکارا۔ ''آ رہا ہوں سالے..... ہوشیار۔'' اور پھر وہ تو سب ہی متحیر رہ گئے۔ قاسم ہلکے پھلکے آدمی کی طرح چوکڑیاں بھرتا ہوا اسٹیج پر جا کودا تھا۔

دیو پیکر اُس کی طرف جھپٹا۔ لیکن دیکھنے والوں کو اندازہ ہی نہ ہو سکا کہ قاسم نے کس طرح پکڑ کر اپنے سر سے اونچا اٹھا لیا تھا۔ اتنی پھرتی کی توقع اس سے نہیں کی جا سکتی دیکھتے ہی دیکھتے اس نے اُسے فرش پر دے مارا اور پھر بڑی پھرتی سے جھک کر اسے دوبارہ طرح سر سے اونچا اٹھا کر ایک اور پٹخنی دی۔ اس طرح متواتر پانچ پٹخنیاں دینے کے بعد کر اسے دیکھا اور سیدھا کھڑا ہوتا ہوا دہاڑا۔ ''دیکھ لو..... آخر جان نقل گئی سالے کی میں واکئی گورنر ہو گیا ہوں۔''

حمید نے اسٹیج کی طرف بڑھنا چاہا لیکن فریدی نے ہاتھ پکڑ لیا۔ اتنے میں اسٹیج کو ڈھانپ سرکتے ہوئے سلیب نے ڈھک لیا تھا۔ قاسم کا اب کہیں پتہ نہ تھا۔ وہ خاموش کھڑے تھے دفعتاً اسٹیج والی دیوار کا ایک حصہ سینما کے اسکرین کی طرح روشن ہو گیا اور آواز آئی۔

''کرنل فریدی..... اب تم مجھے دیکھو گے۔''

اسکرین پر ایک کمرہ دکھائی دیا۔ جس میں اعلیٰ درجے کا فرنیچر نظر آ رہا تھا اور دو کھڑے دکھائی دے رہے تھے۔ لیکن ان کے رخ دوسری طرف تھے۔ اس لئے صورتیں نہیں آ رہی تھیں۔ دفعتاً وہ ان کی طرف مڑے اور حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔ یہ ڈاکٹر ٹسڈل تھا گراہم تھے۔ کرنل گراہم باوردی اور مسلح تھا اور ڈاکٹر ٹسڈل کے پیچھے اس طرح کھڑا تھا

اس کا باڈی گارڈ ہو۔

''تم نے دیکھا۔'' ڈاکٹر ٹسڈل مسکرایا۔ اس مسکراہٹ میں پہلے ہی جیسی معصومیت تھی اور آنکھوں میں شفقت کا وہی انداز تھا جسے وہ غریب الوطنی کے عالم میں اس کے گھر میں بھی دیکھ چکے تھے۔ لیکن اُس کا یہ روپ کم از کم حمید کو تو بڑا بھیانک لگا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ ان حرکات کی ذمہ داری ڈاکٹر ٹسڈل جیسے فرشتہ صورت آدمی پر ہو گی۔

''تم نے دیکھا اپنے ساتھی کو..... اس نے پہاڑ جیسے آدمی کو سچ مچ مار ڈالا۔ اب تم اُسے دیو پیکر درندہ کہہ سکتے ہو۔'' ڈاکٹر ٹسڈل پھر بولا۔ ''میرے بنائے ہوئے دیو پیکر لوگ مشینی اور کیمیائی عمل کا نتیجہ ہیں۔ یہ معمولی قد اور معمولی جسامت کے لوگ تھے میں انہیں اس جسامت تک لایا۔ لیکن جنسی ہیجان والا سقم رہ گیا۔ ان کا اعصابی نظام اس جذبے کو برداشت نہیں کر پایا۔ اس کے برخلاف اسی قسم کی عورت اس جذبے کی شدت کو برداشت کر سکتی ہے۔''

''لیکن اس کا مقصد کیا ہے ڈاکٹر ٹسڈل.....!'' فریدی نے بے حد نرم لہجے میں پوچھا۔

''کسی قسم کا تجربہ بجائے خود ایک مقصد ہوتا ہے۔''

''بھلا اس تجربے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟''

''موجودہ انسانی نسل بیکار ہو چکی ہے۔ تم مجھے دیکھ ہی رہے ہو۔ میں آدمی سے زیادہ آدمی کی پرچھائیں معلوم ہوتا ہوں۔ میرے قویٰ مضبوط نہیں۔ میرا باپ بھی ایسا ہی تھا۔ دادا اس سے کچھ توانا تھا۔ لیکن پردادا کے متعلق سنا ہے کہ وہ بڑے بڑے درختوں کو جڑ سے اکھاڑ دیا کرتا تھا۔''

''محض اتنی سی بات کے لئے ڈاکٹر ٹسڈل.....؟''

''تم اُسے اتنی سی بات کہہ رہے ہو۔ حالانکہ آج دنیا میں اسی بناء پر تباہی پھیلی ہوئی ہے۔ ایٹم اور ہائیڈروجن بم بن رہے ہیں۔ زہریلی گیس دریافت کی جا رہی ہے۔ کیا یہ سب اس لئے نہیں ہو رہا کہ دشمن سے نپٹنے کے لئے اپنی قوت بازو پر اعتماد نہیں رہا۔ ابتداء میں آدمی ایک دوسرے سے اس طرح گتھ جاتے ہوں گے جیسے کتے لڑ پڑتے ہیں پھر جیسے جیسے وحشت اور

طاقت گھٹتی گئی اور دشمن سے کچھ دور رہ کر وار کرنے کی سوچتا گیا اسی طرح وہ لٹھوں اور ڈنڈوں سے بتدریج ایٹمی دور تک آ پہنچا۔ مجھے دیکھو میں ایٹمی دور کا آدمی ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اگر ایک گھونسہ میری پیشانی پر رسید کردو تو مجھے گھنٹوں ہوش نہ آئے گا۔"

"ایسے گریٹ آدمی کی پیشانی تک میرا ہاتھ پہنچے ہی کیوں لگا۔ لیکن ڈاکٹر یہ شخصیتیں بدلنے کی وباء تو کوئی معنی نہیں رکھتی۔"

"یہ میری تفریح بھی ہے اور اس سے ایک ضرورت بھی پوری ہوتی ہے۔ جب ان کے جسم بدل جاتے ہیں تو ان پر بدحواسی کا دورہ پڑتا ہے۔ کچھ دنوں تک انہیں ادھر اُدھر بھٹکنے دیتا ہوں پھر یہیں بلوا کر ایک بار پھر انہیں ان کی اصل شخصیتیں واپس کردیتا ہوں۔ محض یہ بتانے کے لئے کہ ایسا کردینا میرے امکان میں ہے۔ اس کے بعد پھر اُن کے جسم بدل دیتا ہوں۔ وہ روتے ہیں۔ گڑگڑاتے ہیں اور میں ان سے ایک معاہدہ کرتا ہوں جس کے تحت وہ میرے کام کرنا منظور کرلیتے ہیں۔ اس مدت تک کام کرلینے کے بعد انہیں ان کی اصل شخصیتیں واپس کردی جائیں گی۔ تمہارے ساتھ میں نے ایسا کوئی برتاؤ نہیں کیا۔ میں جانتا ہوں کہ تم ہم ذہین آدمی ہو معاملے کی نوعیت کو سمجھتے ہوئے یونہی میرے لئے کام کرنے پر آمادہ ہوجاؤ گے۔"

فریدی مسکرایا۔ ٹیلی ویژن اسکرین پر ڈاکٹر ٹسڈل بھی مسکراتا نظر آیا۔ پھر وہ بولا۔ "مگر فریدی تمہاری مسکراہٹ بڑی دلآویز ہے۔"

"میرے سپرد جو خدمت کی گئی ہے اُسے بخوبی انجام دے رہا ہوں۔"

"لیکن میرے ذہن کے کسی گوشے میں اب بھی تمہارا خوف موجود ہے۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔"

"اور اسی خلش سے پیچھا چھڑانے کے لئے میں نے تمہیں یہاں دیکھنا پسند کیا ہے۔ اپنے دوست جیرالڈ شاستری کا حشر یاد ہے۔"

"اوہو..... تو تم اس اسکول سے تعلق رکھتے ہو۔"

"ہرگز نہیں۔ میں دنیا کو جنت بنانا چاہتا ہوں۔"

"آخر کس طرح ڈاکٹر ٹسڈل۔"

"یہ پھر بتاؤں گا۔ تم نے یہ نہیں پوچھا کہ تمہارا دوست یک بیک اتنا طاقتور کیسے ہوگیا۔"

"تمہارے لئے کیا مشکل ہے جبکہ تم ایک کا دماغ دوسرے کے جسم میں منتقل کرسکتے ہو۔"

ڈاکٹر ٹسڈل کا قہقہہ خاصا جاندار تھا۔ اس نے کہا۔ "خیر..... دیکھو اپنے ساتھی کو۔"

اسکرین پر ڈاکٹر ٹسڈل وغیرہ غائب ہوگئے اور ایک دوسرا کمرہ دکھائی دیا۔

"اوہ..... یہ تو ریٹا ہے۔" حمید آہستہ سے بولا۔

ریٹا ایک آرام کرسی پر نیم دراز نظر آئی۔

"اُوہ.....!" فریدی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"کیا بات ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"کوئی بات نہیں۔" فریدی نے کہا اور سگار نکال کر اس کا گوشہ توڑنے لگا۔ اسکرین پر ایک دروازہ آہستہ آہستہ کھل رہا تھا۔ قاسم کی شکل دکھائی دی اس نے کمرے کا دروازہ بند کردیا۔ ریٹا چونک کر کرسی سے اٹھ گئی تھی۔ قاسم کے دانت نکل پڑے۔ وہ ریٹا کی طرف جھپٹا اور ریٹا چیخ مار کر پیچھے ہٹ گئی۔ قاسم بہت زور سے دہاڑا۔ وہ اس سے کہہ رہا تھا کہ وہ شور نہ مچائے لیکن وہ چیختی رہی۔ دفعتاً قاسم نے جھلا کر اسے زور سے دھکا دیا اور وہ دیوار سے جا ٹکرائی۔

"خدا کی قسم یہ قاسم نہیں ہوسکتا۔" حمید مضطربانہ انداز میں بولا۔ "اس میں تو شیطان کی روح حلول کرگئی ہے۔"

ریٹا دیوار سے ٹکرا کر فرش پر گری تھی اور ایسی بے دم ہوئی کہ خود سے اٹھنا محال معلوم ہورہا تھا۔ قاسم نے اسکی گردن دبوچی اور سیدھا کھڑا کردیا۔ وہ "نہیں..... نہیں" چیخے جارہی تھی۔

"چپ حرامزادی۔" قاسم اُسے سر سے اونچا اٹھاتا ہوا دہاڑا۔ "ساری زندگی بس..... نہیں..... نہیں سنتا رہوں گا۔" اور پھر اُس نے بڑی بے دردی سے اُسے فرش پر پٹخ دیا۔ بڑی دلدوز چیخ تھی۔ پھر وہ نہ اٹھ سکی۔ اُس کے ہاتھ پیروں میں تشنج شروع ہوگیا اور منہ سے ڈھیروں خون نکل نکل کر فرش پر پھیلنے لگا تھا۔

''کتا نہیں تو.....!'' قاسم دونوں ہاتھ جھاڑتا ہوا بڑبڑایا۔

فریدی کا چہرہ غصہ سے سرخ ہوگیا تھا۔ آنکھیں اُبلی پڑ رہی تھیں۔ اس نے اپنا نچ
ہونٹ اتنی شدت سے دانتوں میں دبایا تھا کہ وہ زخمی ہوگیا تھا اور باچھوں سے خون کی بوند
ٹپکنے لگی تھیں۔

اسکرین پر سے وہ منظر آناً فاناً غائب ہوگیا اور پھر ڈاکٹر ٹسڈل..... وہ کہہ رہا تھا۔ ''یہ
کی غداری کی سزا تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ شائد مجھے اس معاہدے کا علم نہیں جو اس نے کیپٹن جو
سے کرلیا تھا۔ وہ مرچکی ہے کرنل فریدی۔ میرے بازوؤں میں بھلا اتنی طاقت کہاں کہ کسی
اپنے ہاتھوں سے سزا دے سکوں۔ تم خاموش کیوں ہو کرنل فریدی کچھ بولتے کیوں نہیں۔''

''سعیدہ کہاں ہے..... سعیدہ کہاں ہے۔ اُسے تلاش کرو۔'' دفعتاً ڈی آئی جی بوکھلا
ہوئے انداز میں بولا۔

''ڈی آئی جی صاحب۔'' ڈاکٹر ٹسڈل بولا۔ ''وہ بطور یرغمال یہاں رہے گی۔ آپ وا
بھجوا دیئے جائیں گے اور اپنے آفس میں رہ کر میرے مفادات کی نگرانی کریں گے اور
آپ دیکھ ہی چکے ہیں کہ آپ کو آپ کے دوسرے جسم سمیت میں نے کس طرح آپ کے گ
کی حوالات سے نکلوالیا تھا۔''

''تت..... تم..... کیا کہنا چاہتے ہو۔'' ڈی آئی جی ہکلایا۔

''میرے احکامات آپ کو اپنے آفس ہی میں ملتے رہیں گے اور آپ ہر وقت اس با
کا خیال رکھیں گے کہ اپنی لڑکی کو میرے پاس چھوڑے جا رہے ہیں۔''

''نف..... فریدی..... میں کیا کروں۔'' ڈی آئی جی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''آپ وہی کیجئے جو ڈاکٹر کہہ رہا ہے..... اس کے علاوہ اور کر ہی کیا سکتے ہیں۔''

''یعنی کہ..... یعنی کہ۔''

''آپ خود سمجھ دار ہیں۔''

''لل..... لیکن سعیدہ۔''

''جناب عالی..... سب کچھ خدا پر چھوڑیئے۔ اس کے علاوہ چارہ نہیں۔''

ڈی آئی جی کچھ نہ بولا۔ اس کے چہرے پر مردنی چھا گئی تھی۔

''کرنل فریدی۔'' ڈاکٹر ٹسڈل بولا۔ ''تم نے دیکھا کہ تمہارے احمق دوست کی نیچر کتنی
بدل گئی ہے۔ میری معلومات کے مطابق وہ عورتوں کے قرب کا متمنی تو ضرور رہتا تھا لیکن کسی عورت
سے گفتگو کرتے وقت اکثر سانس پھولنے لگتی تھی اور وہ نروس ہوجاتا تھا اور اب دیکھا تم نے۔''

''ہاں دیکھا.....!'' فریدی لاپرواہی سے بولا۔

''اب یہ اس قابل ہوگیا ہے کہ میری اسکیم کو عملی جامہ نصیب ہوسکے۔ میں اسے اور اُس
لڑکی عورت کو ایک غیر آباد جزیرے میں بھجوا دوں گا اور ایک ہزار سال بعد وہ ایک نئی نسل کے
آدم و حوا کہلائیں گے۔ میں اپنے دور کے آدمی سے سخت بیزار ہوں۔''

''ڈاکٹر ٹسڈل میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔'' فریدی نے تھکی تھکی سی آواز میں کہا۔

''ضرور..... ضرور..... تمہیں بھی یہاں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔''

''اور ڈاکٹر صاحب..... میرے بارے میں کیا ارشاد ہوتا ہے۔'' حمید نے لہک کر پوچھا۔

''تم بھی آرام کرو۔''

اسکرین پر سے منظر غائب ہوگیا۔ ڈی آئی جی کی حالت ابتر تھی۔

''میں دیر تک کھڑا نہیں رہ سکتا۔'' اس نے کہا اور فرش پر اکڑوں بیٹھ گیا۔ انہیں معلوم نہیں
تھا کہ اب وہ کہاں جائیں گے۔ دفعتاً اسکرین کے پیچھے سے پھر کھڑکھڑاہٹ کی آواز آئی اور وہ
اسی کی طرف متوجہ ہوگئے۔ ایک کمرہ دکھائی دیا۔ سعیدہ وسط میں کھڑی پھٹی پھٹی آنکھوں سے
چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ اتنے میں ڈاکٹر ٹسڈل کی آواز آئی۔ ''اس کو اُسی وقت تک محفوظ
رکھو جب تک میرے احکامات کی تعمیل ہوتی رہے گی۔ کرنل فریدی اپنے آفیسر سے کہو کہ پانچ
منٹ کے دروازے میں داخل ہوجائے۔ ڈی آئی جی نے وحشت زدہ نظروں سے فریدی کی
طرف دیکھ کر کہا۔ ''ہرگز نہیں..... میں یہیں مرجاؤں گا لیکن اُسے تنہا چھوڑ کر نہیں جاسکتا۔''

''مجبوری ہے جناب۔'' فریدی خشک لہجے میں بولا۔

اسکرین پھر سادہ رہ گیا اور کوئی آواز بھی نہ آئی۔

''کچھ کرو فریدی۔''

''صاحب آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ مجھے اپنی ہی مصیبتوں سے فرصت نہیں۔ ا
نہیں کس کام پر لگایا جاؤں۔ کبھی وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ زندگی کے کسی حصے میں اتنا
ہو جانا پڑے گا۔ مناسب یہی ہے کہ آپ دروازہ نمبر پانچ میں داخل ہو جائیں۔ ڈاکٹر
بدعہد نہیں معلوم ہوتا اگر آپ وفادار رہے تو سعیدہ بھی محفوظ رہے گی۔''

''یہ تم کہہ رہے ہو فریدی۔''

''جناب عالی میں بہت پریشان ہوں۔ آپ اپنا معاملہ خود دیکھئے۔''

''تو پھر میں جاؤں؟''

''دانشمندی کا تقاضا یہی ہونا چاہئے۔'' فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔

ڈی آئی جی سر جھکائے ہوئے پانچ نمبر کے دروازے کی طرف چل پڑا۔ حمید نے
کے داخلے کے بعد دروازہ بند ہوتے دیکھا۔ اب وہاں کا ایک بھی دروازہ کھلا ہوا نہیں
دیتا تھا۔ فریدی سگار سلگانے لگا۔ خود حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا ہوگا۔ دفعتاً تم
کا دروازہ کھلا اور وہی غیر ملکی ہال میں داخل ہوا اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

''میں تم دونوں کی جامہ تلاشی لینا چاہتا ہوں۔'' اُس نے قریب پہنچ کر سخت لہجے میں

''کیوں.....؟'' فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

''بس یونہی.....!''

''بھلا کیا بات ہوئی؟''

''دونوں اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔''

''کیا بات ہے؟'' ڈاکٹر ٹسڈل کی آواز گونجی۔

حمید نے محسوس کیا کہ غیر ملکی اور زیادہ سراسیمہ ہو گیا ہے۔

''مم.....میرا پنچر (Pincher) کھو گیا ہے۔'' وہ خوفزدہ سی آواز میں بولا۔

''تو تم ان کی جامہ تلاشی کیوں لینا چاہتے ہو۔''

''ہو سکتا ہے انہوں نے ہی غائب کر دیا ہو۔ کیونکہ موٹے آدمی کو ساتھ لے کر میں ان
کے قریب سے گزرا تھا۔''

''کیوں کرنل فریدی؟''

''ڈاکٹر میں جامہ تلاشی دینے کو تیار ہوں۔''

''گلبرٹ.....!''

''یس باس.....!'' غیر ملکی گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔

''یہاں غفلت کی سزا موت ہے۔ کہیں تمہارا پنچر قاسم ہی کے ہاتھ نہ لگا ہو۔ یہی ہو سکتا
ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ وہ کیسی تباہی لا سکتا ہے۔''

''مم.....میں کک.....کیا بتاؤں.....؟''

''کرنل فریدی۔''

''یس ڈاکٹر۔''

''اسے مار ڈالو.....غفلت کی سزا موت ہے۔''

فریدی نے گلبرٹ پر چھلانگ لگائی اور وہ چیختا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن فریدی نے
سرے حملے میں اُسے دبوچ ہی لیا اور جسمانی جدوجہد جاری رکھے ہوئے آہستہ آہستہ اس
کان میں کہتا رہا۔ ''تھوڑی سی جدوجہد کے بعد میں تمہیں گرا کر تمہارا گلا گھونٹوں گا۔ تم ایسی
آوازیں حلق سے نکالنا جیسے تم سچ مچ مر رہے ہو۔ پھر ڈھیلے پڑ جانا۔''

حمید ذرا فاصلے پر تھا اس لئے سن نہ سکا۔ ویسے وہ اُس کے ہونٹ ہلتے تو دیکھ ہی رہا تھا۔
خر گلبرٹ فرش پر نظر آیا۔ فریدی اس کا گلا گھونٹ رہا تھا اور اس کے حلق سے خرخراہٹ کی
آوازیں نکل رہی تھیں۔ پھر سناٹا چھا گیا۔ گلبرٹ بے حس و حرکت فرش پر پڑا تھا۔

''بہت اچھے کرنل فریدی۔'' ٹسڈل کی آواز آئی۔ ''اب اسے مردہ خانے میں لے
جا۔ اس جسم کو دوسرا کارآمد ذہن عطا کروں گا۔''

''میں نہیں جانتا کہ مردہ خانہ کہاں ہے۔''

اسے اٹھا کر دروازہ نمبر چار میں داخل ہو جاؤ۔ تم وہیں جا پہنچو گے اور اسے الماری گیارہ میں رکھ دینا۔

''تم یہیں ٹھہرو۔'' فریدی نے حمید سے کہا اور گلبرٹ کو کاندھے پر اٹھائے ہوئے پڑا۔ دروازہ نمبر چار گذر کر مردہ خانے میں داخل ہوا۔ یہاں ریفریجریٹر قسم کی متعدد الماریاں رکھی ہوئی تھیں۔

گلبرٹ اس کے کاندھے سے پھسل کر فرش پر کھڑا ہو گیا۔

''اب ہم خطرے سے باہر ہیں۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔ ''یہاں نہ ٹیلی ویژن کیمرے ہیں اور نہ آواز کے ٹرانسمیشن کا کوئی سسٹم.....!''

''لیکن بچاؤ کی کیا صورت ہوگی۔'' فریدی نے پوچھا۔

''بس تم یہاں سے چلے جاؤ۔''

''اُسے پتہ چل گیا تو دونوں مارے جائیں گے۔''

''اب تم فکر نہ کرو۔ میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔ وہ پاگل ہو گیا ہے۔ جلدی کرو یہاں سے چلے جاؤ۔ میں جانتا ہوں کہ کن گوشوں میں محفوظ رہ سکوں گا۔ جلد ہی تم سے ملوں گا۔''

فریدی مردہ خانے سے نکل کر پھر ہال میں پہنچا۔ لیکن اب حمید یہاں تنہا نہیں تھا۔ ایک عورت اس کے قریب کھڑی تھی۔ پشت اُسی کی طرف تھی اس لئے شکل نہ دیکھ سکا۔

''یہ..... یہ..... مل گئیں۔'' حمید اس کی طرف ہاتھ اٹھا کر ہکلایا اور وہ بھی فریدی کی طرف مڑی۔ یہ معصوم صورت ربیکا تھی۔

''اُوہ..... ہلو بے بی۔'' فریدی لہک کر بولا۔

دونوں کے درمیان کچھ دیر رسمی گفتگو ہوتی رہی پھر ربیکا نے اُن سے کہا کہ وہ انہیں ان کی قیام گاہ تک پہنچانے کے لئے آئی ہے۔ وہ دونوں اس کے ساتھ چل پڑے۔ ربیکا کچھ مغموم نظر آ رہی تھی۔

''تم بہت چپ چاپ سی ہو۔'' حمید نے اُس سے کہا۔

''جب بھی کوئی ایسا واقعہ ہوتا ہے کئی دن تک حواس درست نہیں رہتے۔''

''کیسا واقعہ.....؟''

''ابھی کچھ دیر پہلے ایک غدار لڑکی کو سزا ملی تھی۔ ہم سب کو ایسے لوگوں کا انجام ضرور دکھایا جاتا ہے۔''

''وہی تو نہیں جسے ایک دیو پیکر درندہ.....!''

''ہاں..... ہاں..... وہی..... بس اب اُس کا تذکرہ نہ کرو۔''

''تمہیں کیوں خوف معلوم ہوتا ہے جبکہ تم ڈاکٹر ٹسڈل کی بیٹی ہو۔''

''میں اس کی پرسنل سیکریٹری ہوں..... بیٹی نہیں۔''

''اُوہ.....!''

ایک جگہ وہ رکی اور انہیں بھی رکنے کا اشارہ کیا اور آہستہ سے بولی۔ ''یہاں کچھ جگہیں ایسی ہیں جہاں مائیکروفون اور کیمرے پوشیدہ نہیں ہیں۔ یہ جگہ بھی ایسی ہی ہے۔ میں تم سے کچھ گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔ یہاں کے رازوں سے صرف گلبرٹ اور میں واقف تھی۔ گلبرٹ تمہارے ہاتھوں مارا گیا اور اب صرف میں رہ گئی ہوں۔ تم بھی کیا کرتے اگر تم اُسے نہ مارتے تو تمہیں بھی موت کی گود میں سونا پڑتا۔''

''تم کہنا کیا چاہتی ہو۔''

''آزادی چاہتی ہوں میں۔ میں آج تمہیں دکھاؤں گی کہ ڈاکٹر حقیقتاً کیا ہے۔ اگر تم اس کے حالات کو سمجھ لینے کے بعد کوئی تدبیر کر سکو تو ہم سب پر احسان کرو گے۔''

''تم صرف یہاں سے نکلنے کا راستہ بتا دو۔ پھر میں سب کچھ کر لوں گا۔'' فریدی بولا۔

''تم کچھ نہ کر سکو گے۔ کیونکہ اس پر کرنل گراہم کا پہرہ رہتا ہے۔ تم آج رات اور خاموش رہو۔ یہ دیکھو کہ حالات سے کس طرح فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ وہ تم سے بہت خائف رہا ہے اور اب بھی ہے۔ محض اپنا خوف دور کرنے کے لئے تمہیں بے بسی سے اپنے حکم کی تعمیل

کرتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہے۔"

"ایسا ہی ہے تو مجھے مار ڈالے۔ ظاہر ہے کہ ان دیکھے حملوں سے کس طرح بچاؤ کر سکوں گا۔"

"وہ خبطی ہے۔ جھکی ہے۔ کچھ سوچ رکھا ہوگا تمہارے بارے میں بھی۔ اچھا اب چلو۔ بس کمرے میں تم دونوں کو قیام کرنا ہے۔ وہاں بھی ٹیلی ویژن اسکرین اور مائیکروفون موجود ہے۔ لہٰذا آپس میں گفتگو کرنے کے معاملے میں محتاط رہنا۔"

وہ اسے اس کمرے میں پہنچا کر چلی گئی۔ پھر حمید ایسی گفتگو کرتا رہا جس سے ظاہر ہوتا کہ فریدی کو نکل چلنے کی تدبیر سوچنے کی ترغیب دے رہا ہے لیکن فریدی مسلسل اسے جھڑکتا رہا تھا۔ گھڑیوں کے مطابق رات آئی۔ دن اور رات کا اندازہ یہاں گھڑیوں ہی سے ہو سکتا تھا۔ رات کا کھانا ان کے لئے ایک بوڑھی سی مقامی عورت لائی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ گونگی اور بہری ہو۔ اس نے ان کی کسی بات کا جواب ہی نہیں دیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد وہ ربیکا کے منتظر رہے۔ دفعتاً ڈاکٹر ٹسڈل کی آواز آئی۔

"کرنل فریدی گلبرٹ کا پنچر تمہارے دوست کے پاس بھی نہیں ملا۔"

"یہ پنچر کیا بلا ہے؟ کیا تم مجھے بتاؤ گے۔"

"وہی آلہ جس کے ذریعہ میرے بنائے ہوئے دیو کی گرفت سے قاسم کو آزادی دلائی گئی تھی۔"

"اُوہ..... وہ ٹارچ کی شکل کی کوئی چیز۔"

"ہاں..... ہاں..... اسے تلاش کرنے کے سلسلے میں میری مدد کرو۔"

"یہ اُسی صورت میں ممکن ہے ڈاکٹر جب تمہارے سب آدمی میرے سامنے ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔ اسے کل پر رکھو۔ لیکن کیا یہ ممکن نہیں کہ تم نے ہی اسے غائب کروایا ہو۔"

"ڈاکٹر میں گلبرٹ کو بھی جامہ تلاشی دینے پر تیار تھا اور اب بھی تم جسے چاہو بھیج دو۔"

"نہیں..... میں تم پر اعتماد کرنے لگا ہوں۔"

"بھلا کیوں ڈاکٹر.....؟"

"تم مجھ سے متاثر معلوم ہوتے ہو۔ تم سوچ رہے ہو کہ ہمیشہ کے لئے مجھ سے منسلک

ہو جاؤ۔"

"نہیں ڈاکٹر..... ابھی تو کوئی ایسی بات نہیں سوچی۔"

"تم اس فیصلے پر مجبور ہو جاؤ گے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ آواز پھر نہ آئی۔ حمید فریدی کو آنکھ مار کر مسکرانے لگا۔

"احمقانہ حرکتیں نہ کرو۔ یہ حقیقت ہے کہ ڈاکٹر ٹسڈل نے مجھے متاثر کیا ہے۔"

"نکل بھاگنے کی فکر کیجئے ورنہ اگر کہیں اس نے آپ کا بھی جوڑا لگا دیا تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جائیں گے۔"

"حمید بکواس بند کرو۔ میرا دماغ خراب نہ کرو۔ ورنہ میں ڈاکٹر ٹسڈل سے کہہ کر تمہیں کہیں پھلوا دوں گا۔"

"اللہ رحم کرے آپ کے حال پر۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

فریدی پھر کچھ نہ بولا۔ دفعتاً اسکرین روشن ہو گیا اور پھر ایک کمرے کا منظر پیش نظر تھا۔ ایک خواب گاہ تھی ڈاکٹر ٹسڈل کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور ربیکا اُس کے قریب کھڑی تھی۔ ڈاکٹر ٹسڈل سر اٹھائے اُسے لگاوٹ کی نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔ ربیکا اس کا سر سہلانے لگی۔ وہ اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اپنا ایک ہاتھ اس کی کمر کے گرد ڈال دیا اور پھر پٹ سے ٹسڈل پر آ گرا۔ فریدی مضطربانہ انداز میں اٹھ کھڑا ہوا۔ ساتھ ہی اسکرین کے پیچھے سے آواز آئی۔ "تم نے دیکھا کرنل۔ یہ خود بھی اس جذبے کو نہیں سہار سکتا۔ اس کے اعصاب اسے مداخلت ہی نہیں کرنے دیتے۔ اب یہ ایک گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آ سکتا۔"

"یہاں آ کر مجھے اُس کمرے میں لے چلو۔"

"یہ ناممکن ہے۔ میں اس کے لئے مامتا بھی محسوس کرتی ہوں۔ مجھے صرف اس کی حرکتوں سے نفرت ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ یہاں کے قیدی کسی طرح رہا ہو جائیں۔"

"تم آؤ تو۔"

"اچھی بات ہے۔ میں آ رہی ہوں۔"

اسکرین تاریک ہوگیا اور پھر وہ تین منٹ کے اندر اندر وہاں پہنچ گئی۔ فریدی سے
اس کا استقبال کیا تھا۔

''بیٹھ جاؤ۔ مجھے جلد ہی واپس جانا ہے۔ لیکن میں پھر کہتی ہوں کہ تمہیں اس ٹکر
لے جاسکوں گی۔''

''پھر بتاؤ میں تمہارے لئے کیا کرسکتا ہوں۔''

''سچ کہتی ہوں۔ ٹسڈل بے قصور ہے۔ کرنل گراہم اپنے ملک کے لئے اس سے
کام لے رہا ہے۔''

''کیا کام لے رہا ہے؟''

''دماغوں کی تبدیلی۔ ایک کا دماغ دوسرے کی کھوپڑی میں رکھ دیتا ہے۔ تمہاری
کے بہترین آفیسر اس تبدیلی کا شکار ہو چکے ہیں۔ ان کی کھوپڑیوں میں گراہم کے آدمیوں
دماغ رکھ دیئے گئے ہیں۔ ایسے آدمی جو تمہاری زبان اہل زبان کی طرح بول سکتے ہیں۔ گرا
اپنے ملک کے لئے یہ سب کچھ کر رہا ہے۔ وہ جب چاہے یہاں اپنے ملک کی موافقت
انقلاب لاسکتا ہے۔''

''لیکن بیچارے شہری کیوں پریشان کئے جارہے ہیں۔ انکی شخصیتیں کیوں بدلی جارہی ہیں

''ایک مجبوری کی بناء پر۔ گراہم کا ایک آدمی جو تمہاری فوج کا ایک بڑا آفیسر ہے
دنوں بعد اس تبدیلی سے تنگ آ گیا اور اس نے گراہم سے خواہش ظاہر کی کہ اُس کا جسم
واپس کردیا جائے۔ گراہم اس پر آمادہ نہ ہوا۔ اس پر اس کا دماغ ہی الٹ گیا۔ فوجیوں ملما
پھرا کہ وہ جو کچھ نظر آتا ہے حقیقتاً نہیں ہے۔ اس کا جسم اس سے چھین لیا گیا ہے۔ اس
میں اس نے گراہم کا بھی نام لیا تھا اور گراہم نے اسے پاگل خانے بھجوا دیا پھر اس نے
کیوں نہ ظاہر کیا جائے کہ یہ دماغی خرابی وباء کی شکل میں پھوٹ پڑی ہے۔ لہٰذا شہریوں
یہ عمل آزمایا جانے لگا۔ اس سے پہلے کچھ شہریوں پر یہی تجربہ کیا گیا تھا لیکن اس کا مقصد
یہ تھا کہ انہیں اس طرح اپنے لئے کام کرنے پر آمادہ کیا جائے۔ اسی دوران میں کچھ

شہریوں پر بھی یہ عمل کیا گیا ہے جو بڑی پوزیشنوں کے مالک ہیں۔ اس طرح یہ بات پورے
ملک میں پھیل گئی ہے۔ یعنی سب ہی اس وباء سے سہمے ہوئے ہیں۔ غالباً گراہم نے یہاں اپنی
پسند کی کا انقلاب لانے کی پوری تیاری کرلی ہے۔ اسی لئے عوام میں بھی ہیجان پیدا کرنے کی
کوشش کر رہا ہے۔ لوگ حکومت سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ وہ اس وباء کو ختم کرنے کے لئے جلد
ہی کوئی قدم اٹھائے لیکن بے چاری حکومت کیا کر سکے گی اس سلسلے میں۔ لہٰذا حکومت کے خلاف
بددلی پھیلے گی اور پھر فوج میں تو گراہم کے دماغ موجود ہی ہیں۔''

''خدا کی پناہ..... تب تو گراہم اور ٹسڈل دونوں ہی کو زندہ رہنا چاہئے۔ ورنہ میرے
ملک کے بے شمار آدمی غیروں کے ذہنوں سمیت زندہ رہنے پر مجبور ہوجائیں گے۔''

''اور یہ مت سمجھنا کہ ٹسڈل تم کو پسند کرنے لگا ہے۔ میں نے اُسے مجبور کیا ہے کہ تمہیں
زندہ رہنے دے اور مستقبل میں تمہاری صلاحیتوں سے فائدہ اٹھائے۔ اس نے یہ بات گراہم کو
سمجھائی ہے۔ ٹسڈل کو تو تم گراہم کا مائیکروفون ہی سمجھو۔ وہ تو صرف ایک بڑا سائنٹسٹ ہے۔
اس کو اس سے دلچسپی نہیں کہ اس کی یہ ایجاد کسے کیا فائدہ یا نقصان پہنچا رہی ہے۔''

''اچھا ان دیو پیکروں کی تخلیق کا کیا مقصد ہے۔''

''اس نے تمہیں اس کا مقصد غلط بتایا تھا۔ یہ اس کی تفریح ہے۔ جب وہ دماغوں کی
تبدیلی کے متعلق تجربات کر رہا تھا یہ چیز اتفاقاً دریافت ہوگئی تھی کہ وہ آدمیوں کی جسامت بھی
حیرت انگیز طور پر بڑھا سکتا ہے۔ اس نے یہ تجربہ بھی مکمل کرنا چاہا۔ گراہم کو کیا اعتراض ہوسکتا
تھا جبکہ خود اس کا مقصد حاصل ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر ٹسڈل کی اعصابی کمزوری سے تو تم واقف ہی
ہو چکے ہو۔ اس نے جو دیو پیکر آدمی بنائے اس کی بدقسمتی سے ان میں یہ خامی دوسری طرح
ظاہر ہوئی۔ وہ پگھل جاتے ہیں۔ دراصل جو بات خود اس میں نہیں ہے وہی دوسروں میں وہ
انتہائی شکل میں دیکھنا چاہتا ہے۔ اسی لاشعوری خواہش نے اُسے دیو پیکر مرد اور عورتیں بنانے پر
مجبور کردیا۔ اتفاقاً تمہارا دیو پیکر دوست اس کے ہاتھ لگ گیا اور اُس نے اسے ایک خاص قسم کا
انجکشن دے کر وحشی اور درندہ بنا دیا۔ خدا کی قسم میں ریٹا کی موت کبھی نہ بھولوں گی۔ ٹسڈل سے

شدید ترین نفرت محسوس کی تھی میں نے لیکن اس وقت جب وہ بے ہوش ہو گیا تو میری ماما جاگ اٹھی۔ شائد اس کے ساتھ رہتے رہتے میں بھی اسی کی طرح کسی ذہنی مرض کا شکار ہو گئی ہوں اور وہ دیکھو..... تم نے ابھی تک کچھ نہیں سوچا۔ اب مجھے جانا چاہئے۔''

''میں یہی نہیں سمجھ سکا کہ تم چاہتی کیا ہو؟''

''انسانیت کی سربلندی۔''

''میں سیاسی آدمی نہیں ہوں ربیکا۔ اس لئے سیاسی اصطلاحات نہ استعمال کرو۔ بتاؤ تم کیا چاہتی ہو۔''

''میں صرف ٹسڈل کو بچالینا چاہتی ہوں۔ ایک ننھے منے بچے کی طرح اس کی نگہداشت کرنا چاہتی ہوں۔''

''تو پھر جلدی کرو..... مجھے وہاں لے چلو۔ اُس کی بے ہوشی کا وقفہ بڑھنا ہی چاہئے۔ تاکہ مجھے کچھ کرنے کے لئے وقت مل سکے۔''

وہ کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ اچھا چلو۔'' وہ انہیں اس کمرے میں لائی جہاں ڈاکٹر ٹسڈل بیہوش پڑا تھا۔ فریدی نے اس کی نبض دیکھی اور پھر دونوں کنپٹیاں ٹٹولنے لگا۔ حمید جانتا تھا کہ وہ کنپٹی کی کوئی مخصوص رگ دبا کر آدمی کو کم از کم تین چار گھنٹے تک بیہوش رکھ سکتا ہے۔ میں پھر کہتی ہوں کہ ٹسڈل سے زیادہ گراہم کی اہمیت ہے۔ لیکن میں نہیں جانتی کہ وہ اس وقت کہاں ہوگا۔ کاش گلبرٹ زندہ ہوتا۔ وہ یہاں اس کا نائب تھا اور دن رات رہتا تھا۔''

''مجھے ان مقامات کے بارے میں بتاؤ جہاں تمہارا مواصلاتی نظام موجود نہیں ہے۔''

''کیوں.....؟''

''گلبرٹ انہیں میں سے کہیں ہوگا۔''

''کیا مطلب.....؟''

فریدی نے اُسے گلبرٹ کی کہانی سناتے ہوئے کہا۔'' حالات سے تقدیر موافق ہی معلوم ہوتی ہے۔ چلو جلدی کرو۔''

ربیکا کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی تھی۔ وہ تینوں اُسے تلاش کرتے پھرے اور بالآخر ایک جگہ وہ مل گیا۔ فریدی نے اس سے پوچھا کہ وہ اب کیا کرنا چاہتا ہے۔ وہاں سے نکل بھاگنے کے علاوہ اور کیا چاہتا۔ لیکن اس نے بتایا کہ گراہم ہی اپنے ساتھ کسی کو لے جاسکتا ہے۔ راستے کے نگراں کسی اور کو باہر نہیں نکلنے دیتے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ گراہم اس وقت وادی کے سلور مون کلب میں برج کھیل رہا ہوگا۔ فریدی کو دفعتاً کچھ یاد آ گیا۔ اس نے ربیکا سے پوچھا کہ کچھ دیو پیکر آدمی ان تہہ خانوں سے باہر کیوں نکالے گئے تھے۔

''ٹسڈل نے سوچا تھا ممکن ہے کھلی فضا میں ان کا وہ انجام نہ ہو جو عام طور پر ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں تھا۔''

پھر انہوں نے تہہ خانوں کے متعلق گفتگو شروع کر دی۔ گلبرٹ نے بتایا کہ وہاں جگہ جگہ ڈائینا مائیٹ لگے ہوئے ہیں تاکہ جب بھی ضرورت ہو سب کچھ تباہ کر دیا جائے۔ فریدی گلبرٹ کو اس جگہ لایا جہاں سے وہ ڈائینا مائیٹ کنٹرول ہوتے تھے۔ فریدی نے نہ صرف سوئچ بورڈ ہی وہاں سے ہٹا دیا بلکہ تاروں کو بھی اس قابل نہیں رہنے دیا کہ انہیں دوبارہ جوڑا جاسکتا۔ اس سے نپٹ کر اُس نے سعیدہ اور قاسم کے بارے میں پوچھا۔ پھر اُن کی تلاش جاری ہی تھی کہ فریدی کا گزر ایک ایسے کمرے سے ہوا جہاں میک اپ کا سامان بھی موجود تھا۔ اُس نے گلبرٹ کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے اُسے بتایا کہ وہ اُسے بہ آسانی گراہم کا ہم شکل بنا سکے گا اور بیس منٹ کے اندر اندر اُس نے اپنا یہ دعویٰ پورا کر دکھایا۔ گلبرٹ نے اُسے بتایا کہ گراہم بھی میک اپ کا ماہر ہے لیکن اپنی شکل کا دوسرا آدمی وہ بھی نہیں بنا سکتا۔ ربیکا بھی متحیر رہ گئی تھی اور حمید ٹھنڈی آہیں بھر رہا تھا۔ اب اسکیم یہ تھی کہ گلبرٹ بحیثیت گراہم انہیں باہر لے جائے گا۔ گراہم نے بتایا کہ نکلنے کے کئی راستے ہیں۔ اس لئے بعض پہرے داروں کو علم نہیں ہوسکتا کہ وہ کس راستے سے آیا اور کس راستے سے واپس چلا گیا۔ دفعتاً فریدی اس سے پنجر کے متعلق پوچھ بیٹھا۔

''یہ ہمارے ملک کی ملٹری انٹیلی جنس کی ایجاد ہے۔ اس سے نکلنے والی غبار آمیز شعاع انسانی جسم پر الیکٹرک شاک کی طرح لگتی ہے اور پورے جسمانی نظام کو کچھ دیر کے لئے درہم

برہم کر دیتی ہے۔ ہم لوگوں کے پاس صرف دو پنجر ہیں۔ ایک مستقل طور پر گراہم کے پاس رہتا ہے اور دوسرا میرے پاس رہتا تھا جسے میں وقتاً فوقتاً دوسرے ماتحتوں کو بھی دے دیتا تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس پر کس نے ہاتھ صاف کر دیا۔ وہ چلتے رہے اور گلبرٹ فریدی کو پنجر کے متعلق اور بہت سی باتیں بتاتا رہا۔ پھر اس نے کہا کہ وہ انہیں اس راستے سے لے چلے گا ڈاکٹر ٹسڈل کے پہاڑی کاٹیج میں نکلتا تھا کیونکہ وہیں قریب ہی ایک جگہ ہر وقت ایک ہیلی کاپٹر موجود رہتا ہے۔ جیسے ہی وہ نکاسی کے راستے کے قریب پہنچے پہرہ داروں نے گلبرٹ کو سلیوٹ کیا اور ان کے سربراہ نے ایک سوئچ بورڈ کے کسی سوئچ پر انگلی رکھ دی۔ چھت کے قریب ایک سلیب سرکتا دکھائی دیا۔ پھر چند لمحوں کے بعد وہ اسی عمارت میں کھڑے تھے جہاں ڈاکٹر ٹسڈل نے ڈی آئی جی کی تیمارداری کی تھی۔ دو کمروں میں روشنی نظر آئی۔ گلبرٹ ٹھٹک گیا اور اس نے فریدی وغیرہ کو پھر رکنے کا اشارہ کیا۔ اتنے میں انہوں نے کسی عورت کی چیخیں سنیں جو برابر والے کمرے سے اُبھری تھیں۔ پھر انہوں نے گراہم کی غراہٹ سنی جو کہہ رہا تھا "اگر تم میری بات نہ مانی تو تمہارا حشر ریٹا ہی کا سا ہوگا۔ تم نے دیکھا تھا ٹیلی ویژن اسکرین پر کس طرح اُس نے اُسے مار ڈالا تھا۔"

فریدی "سعیدہ" کہتا ہوا دروازے کی طرف جھپٹا۔ دروازہ بند تھا۔ اس نے پیچھے ہٹ کر دروازے پر ٹکر ماری۔ دروازہ چڑچڑاہٹ کے ساتھ ہلا تھا۔

"کون ہے.....؟" وہ اندر سے دہاڑا۔ لیکن اتنی دیر میں دوسری ٹکر دروازے پر پڑ چکی تھی۔ فریدی دروازے سمیت کمرے کے اندر جا پڑا تھا۔

"اُوہ.....!" اس نے اس کی غراہٹ سنی اور بڑی پھرتی سے اٹھ بیٹھا۔ ویسے اٹھتے اٹھتے اُس نے دیکھ لیا تھا کہ گراہم نے کوئی چیز جیب سے نکالی ہے اور پھر اس کی پھرتی ہی نے اُسے بچایا۔ گراہم کے مٹھی سے نکلنے والی غبار آلود شعاع اس سے ایک فٹ کے فاصلے پر دیوار پر پڑی تھی۔ پھر ویسی ہی ایک شعاع فریدی کی مٹھی سے بھی نکل کر گراہم کے اس ہاتھ پر پڑی جس سے شعاع نکلی تھی۔ گراہم کے حلق سے ایک بے ساختہ قسم کی چیخ نکلی اور وہ اچھل کر دیوار

سے جا لگا۔ پنجر بھی اس کے ہاتھ سے نکل کر فرش پر آ گرا تھا۔ جسے فریدی نے جھپٹ کر اٹھا لیا۔

سعیدہ ایک گوشے سے دوڑتی ہوئی آئی اور فریدی کے بازو سے جھول گئی۔ حمید نے آگے بڑھ کر اسے ہٹایا۔ لیکن وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ حمید اسے ایک طرف ہٹا لے گیا۔ گراہم دیوار سے لگا کھڑا ہانپ رہا تھا۔ دفعتاً اس کی نظر گلبرٹ پر پڑی اور وہ بوکھلا گیا۔ یہ اور بات ہے کہ اس نے گلبرٹ فریدی کو قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔

"تو یہ تم ہی تھے۔" گلبرٹ دانت پیس کر غرایا۔

"ہاں دوست میں نے ہی تمہارا پنجر اس وقت تمہاری جیب سے غائب کر دیا تھا۔ جب قاسم کے ساتھ میرے قریب سے گزرے تھے۔"

"تم کون ہو؟" گراہم نے گلبرٹ سے پوچھا۔

"میں گلبرٹ ہوں کرنل..... جسے تمہارے حکم سے مار ڈالا گیا تھا۔ اس شخص نے مجھے ہوکر دیا۔ اس نے میرا گلا نہیں گھونٹا تھا۔ اس طرح مجھے اپنا احسان مند بنا لیا اور تمہاری طرف سے میرے دل میں کینہ بیٹھ گیا تھا۔ کیونکہ تم نے محض پنجر گم کر دینے کی سزا موت ٹھہرائی تھی۔"

"اس لئے تم غداری پر آمادہ ہو گئے۔" گراہم آنکھیں نکال کر غرایا۔

"اس نے مجھے دھوکا دیا تھا۔ اب میں پھر تمہارے ساتھ ہوں۔ غداری ریکا نے کی ہے۔"

"کیوں ریکا.....؟"

"ہاں..... میں پوری انسانیت کے ساتھ غداری نہیں کر سکتی۔ میرے ملک میں کتنے آدمی ہیں کہ اُن کے لئے میں ساری دنیا کو جہنم بنا دینے کی سازش میں شریک رہوں۔"

دفعتاً گلبرٹ نے فریدی پر چھلانگ لگائی۔ اس نے اُسے ہاتھوں ہی پر روک کر سر سے اوپر اٹھا لیا۔ اس نے گردن پکڑنے کی کوشش کی ہی تھی کہ فریدی نے اُسے فرش پر پٹخ دیا۔ وہ دوبارہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگا اور اس بار فریدی کی ٹھوکر اس کی پیشانی پر پڑی۔ یہ ٹھوکر ایسی تھی کہ وہ دوبارہ نہ اٹھ سکا۔

"اب تم بتاؤ گراہم کیسی موت مرنا چاہتے ہو۔" فریدی نے گراہم کو گھورتے ہوئے کہا۔

''مگر نہیں پہلے یہ بتاؤ کہ میرا دوسرا ساتھی کہاں ہے۔''

''تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ میں سب کچھ تباہ کردوں گا۔'' گراہم نے یہ کہہ کر سے لگے ہوئے سوئچ بورڈ کی طرف دوسرا ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ غبار آلود شعاع اس پر پڑی بے ساختہ بلبلاتا ہوا دوسری طرف ہٹ گیا۔

''حمید اسے باندھ لو۔'' فریدی نے حمید سے کہا جو بے ہوش سعیدہ کو دیوار کے بٹھا چکا تھا۔

''خبردار..... میرے قریب نہ آنا۔ ورنہ پچھتاؤ گے۔'' گراہم چیخا۔ اس وقت ایک فٹ کے فاصلے سے جسے چاہوں ختم کردوں۔

''احمقانہ دھمکی ہے گراہم..... اگر تم ایسا کرسکتے تو ہمیں اپنے قریب آنے فریدی مسکرا کر بولا۔ دفعتاً دوسرے کمرے سے آواز آئی۔ ''ارے تم کہاں گئیں۔'' قاسم تھی اور ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ گہری نیند سے بیدار ہوکر کسی کو آوازیں دے رہا ہو پکارے ہی جارہا تھا اور پکارتا ہوا بالآخر اس کمرے میں گھس آیا۔

''ہائیں.....!'' وہ آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔

''میرے دوست مارو ان سبھوں کو۔'' گراہم نے لپک کر کہا۔ ''دو لڑکیاں تمہاری منتظر

''قیسی باتیں کررہے ہو بیٹا۔ میں اپنے بھائیوں کو ماروں گا۔''

ربیکا کھل کھلا کر ہنس پڑی اور بولی۔ ''انجکشن کا اثر عارضی تھا گراہم۔ اب وہ پورا ہوش میں ہے۔ یہ تو ڈاکٹر کا کھیل تھا۔''

''تم کتیا بہت چبا چبا کر باتیں نہ کرو۔ تمہیں بھی دیکھ لوں گا۔''

حمید آہستہ آہستہ گراہم کی طرف بڑھ رہا تھا کہ قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ حمید بھائی۔ میں سالے کو اٹھا کر پٹخے دیتا ہوں۔''

''تم مجھے نہیں پاسکتے۔'' گراہم اپنی قمیض کا کالر چباتا ہوا بولا۔ پھر کالر کو دانتوں کر فاتحانہ انداز میں بولا۔ ''تم جو میری طرف بڑھ رہے ہو کبھی مجھ تک نہیں پہنچ سکو

پھر اس کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ ایسا لگا جیسے اس کا سر چکرا گیا ہو۔ لہرا کر زمین پر آرہا۔

''ختم ہوگیا۔'' فریدی بڑبڑایا۔

''کیا مطلب.....؟'' حمید احمقانہ انداز میں اس کی طرف مڑ کر بولا۔

''کالر میں کوئی بہت ہی سریع الاثر زہر تھا۔'' پھر فریدی نے آگے بڑھ کر دیکھا اس کا کالر سلا ہوا نہیں تھا بلکہ دو پرتوں کے درمیان بٹن لگے ہوئے تھے۔ فریدی نے کالر کی نوک کے قریب سے شیشے کے کیپسول کی کرچیں نکالیں۔ زہر اسی کیپسول میں تھا۔

اس کے بعد گلبرٹ کو ہوش میں لانے کی تدبیریں کی گئیں اور ہوش آجانے پر مجبور کیا گیا کہ وہ فریدی کو اس جگہ پہنچائے جہاں ہیلی کوپٹر موجود ہے۔ اس سے پہلے اس نے اچھی طرح اس کی جامہ تلاشی لے لی تھی کہ کہیں اُس نے بھی زہر نہ چھپا رکھا ہو۔ ہیلی کوپٹر ہاتھ آجانے کے بعد اس نے حمید کو وہیں چھوڑا تھا اور گلبرٹ کو باندھ کر ہیلی کوپٹر میں ڈال دیا تھا اور خود ہیلی کوپٹر کو پائیلٹ کرتا ہوا شہر پہنچا تھا۔ پھر ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر پہاڑیوں میں درجن سے زائد ہیلی کوپٹروں کا لرزہ خیز شور گونجنے لگا تھا۔ ٹسڈل زندہ ہی ہاتھ لگا۔ وہ ابھی تک بے ہوش تھا۔ اب ربیکا کی حالت بھی غیر ہونے لگی تھی۔ اس نے حمید سے کہا۔ ''اب جن حالات سے دوچار ہونا پڑے گا اُن سے بچنے کے لئے میں بھی خودکشی کرسکتی تھی۔ لیکن میں ٹسڈل کے لئے زندہ رہنا چاہتی ہوں میں دنیا کو بتاؤں گی کہ وہ بے قصور تھا۔ اور تمہاری حکومت سے اُس کے لئے رحم کی اپیل کروں گی۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ اُس کا ذہن سن ہوکر رہ گیا تھا۔

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 101

ٹسڈل کی بیداری

(دوسرا حصہ)

پیش رس

''ٹسڈل کی بیداری'' ایک ایسی عورت کی کہانی ہے، جسے ٹسڈل کی بے چارگی سے پیار تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ٹسڈل اس اعصابی مرض سے نجات پاسکے، وہ اسے جان سے زیادہ عزیز رکھتی تھی لیکن اُسے صحت یاب نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ ہے نا عجیب بات۔

انسانی ذہن ایک ایسا معمہ ہے جس کا حل بسا اوقات ماہرین نفسیات کے بس کا روگ بھی نہیں رہتا۔ ہوسکتا ہے کہ ربیکا کی یہ ذہنی کیفیت کسی قسم کے فوبیا سے تعبیر کی جائے لیکن یہ فوبیا ایسا تو نہیں ہوسکتا کہ آدمی کو خودکشی کی طرف لے جائے۔ صنفی زندگی سے متعلق فوبیاز اتنے بھیانک نہیں ہوسکتے۔

اس کہانی میں ایک سرد مزاج قاتل سے ملئے جسے ہر قتل کے بعد ایک عورت کی ضرورت پیش آتی ہے۔

فریدی کا قتل اس کے مشن کا خاص جزو تھا۔ اپنے ہیڈ کوارٹر سے بڑی لاف گزاف کے ساتھ فریدی کے قتل کا تہیہ کر کے چلتا ہے۔ لیکن فریدی بھی کسی بہت بڑے معمے سے کم نہیں۔ وہ اسے ایک بڑی بھیانک سزا دیتا ہے۔ لیکن ٹسڈل کا علاج کر کے وہ

پشیمان ہوا ہے۔

آپ فریدی کی نیچر سے بخوبی واقف ہیں کہ وہ لاف و گزاف کرنے والے مجرموں کو ہمیشہ بڑی خاموشی سے زک دیتا ہے۔ وہ انہیں اس طرح بے بس کرتا ہے کہ اپنی ہی بوٹیاں نوچتے رہ جاتے ہیں۔

کیپٹن حمید (خدا ان کی مغفرت کرے) پتہ نہیں کیوں اتنے ''شریف'' ہوگئے ہیں کہ بعض چہرے انہیں بزرگانہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور کردیتے ہیں۔ نگہت کچھ اسی قسم کی شخصیت ہے۔

لیکن اس کہانی میں تو انہیں صرف ڈاکٹر علوی کے گھریلو جھگڑوں سے دلچسپی رہی ہے۔ لہٰذا اس بار تو انہیں معاف ہی کردیجئے۔ فی الحال ان کے سلسلے میں مجھ سے استفسار نہ فرمایئے گا کہ وہ اتنے بجھ کیوں گئے ہیں۔

جاسوسی دنیا کے آئندہ ناول میں وہ آپ کو ایک بالکل ہی نئے روپ میں نظر آئیں گے۔

ابن صفی

۱۶ر دسمبر ۱۹۶۷

کچلی ہوئی لاش

گہری تاریکی میں گاڑی کی ہیڈ لائٹ نیزے کی طرح پیوست ہوتی چلی جارہی تھی۔

رات کے بارہ بجے تھے۔ لیکن ابھی تک انہیں شب بسری کے لئے جگہ نہ مل سکی تھی۔

وہ تین تھے اور غیر قانونی طور پر پڑوسی ملک کی سرحد پار کرکے وادی سرخاب میں داخل ہوئے تھے۔

دو مرد اور ایک عورت.....!

عورت بڑی دیر سے بولے جارہی تھی۔ موضوع تھا ''چاندنی.....!'' وہ کہہ رہی تھی کہ شمالی سرسبز پہاڑیوں میں جب چاندنی ہولے ہولے ڈھلانوں سے اترتی ہے تو روحیں عشق کے دیوتا کے حضور سربسجود ہوجاتی ہیں۔

''تم باقاعدہ طور پر شاعری کیوں نہیں شروع کردیتیں۔'' اس کے برابر بیٹھے ہوئے مرد نے کہا۔

''جس دن میں نے یہ محسوس کرلیا کہ ڈی ایس ایلیٹ کے انداز میں لکھ سکوں گی ضرور

شاعری شروع کردوں گی۔''

اگلی سیٹ سے ڈرائیور غرایا۔ ''تم لوگ بے تکی باتیں کر کے میرا دماغ کیوں چاٹ رہے

وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ ایسا لگتا تھا جیسے انہیں اس کا طرز تخاطب ناگوار گزرا ہو۔

یہ تینوں مغربی ممالک سے تعلق رکھتے تھے اور انگریزی میں گفتگو کر رہے تھے۔

عورت نے جھک کر آہستہ سے مرد کے کان میں کہا۔ ''مجھ اس سے خوف معلوم ہوتا ہے

''ہشت.....!''

یہ دونوں اسمگلر تھے اور گاڑی ڈرائیو کرنے والا دو دن پہلے اُن کے لئے قطعی اجنبی

پیکسی اینڈ ہورلیس کے نام سے یہ دونوں سرحد پار کے ملک میں بزنس کرتے تھے۔ یہ کار

غیر قانونی نہیں تھا اور وہ دونوں وہاں معزز ہی سمجھے جاتے تھے لیکن وہ ان کا اصل بزنس

نہیں تھا۔ وارے نیارے تو اسمگلنگ میں ہو رہے تھے۔

پیکسی اور ہورلیس صرف پارٹنر تھے۔ لیکن عام طور پر انہیں شوہر اور بیوی سمجھا جاتا تھا۔

پیکسی بڑی دلکش عورت تھی۔ سوسائٹی میں مقبول بھی تھی۔ اونچے طبقے میں بہتیرے لوگ

اس کے خواہش مند بھی تھے۔

کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ ان دونوں کی طرف انگلی بھی اٹھا سکتا۔

دو دن پہلے وہ اپنے آفس میں بیٹھے ہوئے کسی مسئلے پر گفتگو کر رہے تھے کہ یہ اجنبی وہاں

آیا..... ان دونوں کے ایک شناسا کا تعارفی خط لایا تھا اور پھر دو ہزار پونڈ کے نوٹوں کی گڈی

نکال کر ان کے سامنے رکھ دی تھی۔

دوست نے انہیں لکھا تھا کہ وہ اُسے سرحد پار کرا دیں اس کے لئے دو ہزار پونڈ

پیش کش تھی۔

ہورلیس ایسے راستوں سے واقف تھا کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو..... وہ تو اکثر قافلے

وادی سرخاب تک چلا جاتا تھا۔ اس بار ارادہ تھا کہ پیکسی کو بھی اپنے ساتھ لے جائے۔ اچانک

یہ پیش کش سامنے آئی اور پھر تعارفی خط لکھنے والا اس کے گہرے دوستوں میں سے تھا۔

پیش کش منظور کر لی گئی۔ اجنبی کے ساتھ اس کی گاڑی بھی تھی۔ اُس نے ان سے کہا تھا کہ وہ وادی سرخاب پہنچ کر اپنی گاڑی بھی انہیں بخش دے گا۔

ہورلیس نے سرحد پار ہو جانے تک خود گاڑی چلائی تھی اور اُس کے بعد اسٹیئرنگ وہیل ان کے سامنے کر کے خود پچھلی سیٹ پر پیکسی کے پاس جا بیٹھا تھا۔

''بس یہی سڑک ہمیں وادی سرخاب تک پہنچائے گی۔'' اس نے اجنبی سے کہا۔

اور اس کے بعد وہ دونوں ہی اس سے بد دل ہو گئے تھے۔ سرحد پار کرتے ہی جیسے وہ بدل گیا ہو۔ ان سے اس طرح گفتگو کرنے لگا تھا جیسے وہ اس کے زر خرید غلام ہوں۔

''تم سمجھتے کیوں نہیں۔'' پیکسی آہستہ سے اُن کے کان میں بولی۔

''وہ بدل گیا ہے۔''

''تو ہمارا کیا بگاڑ لے گا۔'' ہورلیس نے جواب دیا۔

پیکسی نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے ہوئے اندھیرے میں گھورتی رہی۔

''اب کتنی دور ہے سرخاب ویلی۔'' اجنبی اگلی سیٹ سے غرایا۔

''پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ صبح ہوتے ہی پہنچیں گے۔'' ہورلیس بولا۔

''تم نے یہ بھی تو کہا تھا کہ راستے میں کہیں رک کر آرام کر سکیں گے۔''

''وہ ابھی دور ہے۔''

''تو پھر ہم چلتے ہی رہیں گے۔'' اجنبی بولا۔

''لیکن میں تو آرام کرنا چاہتی ہوں۔'' پیکسی نے جھنجھلا کر کہا۔

''بکواس مت کرو۔'' اگلی سیٹ سے آواز آئی۔

''دیکھو دوست.....!'' ہورلیس آگے جھک کر سرد لہجے میں بولا۔ ''تم حد سے بڑھتے جا رہے ہو۔''

''شٹ اپ.....!''

''میرا ریوالور ہر وقت بھرا رہتا ہے۔''

''میں کہتا ہوں خاموش بیٹھو۔''

ہورلیس سختی سے ہونٹ بھینچے ہوئے سیٹ کی پشت گاہ سے ٹک گیا۔

پیکسی کی مٹھیاں بھی بھینچ گئی تھیں۔

کار پہاڑی سڑک پر چکراتی ہوئی تیز رفتاری کے ریکارڈ توڑ رہی تھی۔

''دماغ ٹھنڈا رکھو۔'' دفعتاً پیکسی ہورلیس کی طرف جھک کر آہستہ سے بولی۔

ہورلیس کچھ نہ بولا۔ اس کا دماغ تپنے لگا تھا۔

دفعتاً پیکسی نے محسوس کیا کہ گاڑی کی رفتار کم ہو رہی ہے۔ اُس نے ہورلیس کا شانہ
لیکن ہورلیس نے اپنے شانے کو تیز قسم کی جنبش دے کر اس کا ہاتھ ہٹا دیا پھر کچھ دور چل
گاڑی رک گئی اور اجنبی ہورلیس کی طرف مڑ کر بولا۔ ''دوست..... کیا تم خفا ہو گئے۔''

ہورلیس کچھ نہ بولا۔

اجنبی نے اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''غصہ تھوک دو۔ ہم بہت اچھے دو
ثابت ہو سکتے ہیں۔''

ہورلیس نے غیر ارادی طور پر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔

اس کے مصافحے میں خاصی گرم جوشی تھی۔

''نہیں کوئی ایسی بات نہ تھی۔'' ہورلیس مصافحے کے بعد بائیں ہاتھ سے اپنی ہتھیلی سہلا
ہوا بولا۔ ''کبھی کبھی ہم غیر شعوری طور پر بہت زیادہ خود پسند ہو جاتے ہیں۔''

''ذہین آدمی معلوم ہوتے ہو۔'' اجنبی نے خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''
نام پنڈو ہے۔ ولیم پنڈو.....!''

''میں ڈریک ہورلیس ہوں۔ تم پہلے ہی سے جانتے ہو۔'' ہورلیس بولا۔

وہ اب بھی اپنی ہتھیلی سہلائے جا رہا تھا۔

اجنبی نے دوبارہ انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی چل پڑی۔

پیکسی اس دوران میں بالکل خاموش بیٹھی رہی تھی۔ نہ جانے کیوں اجنبی کی یہ

اور زیادہ نفرت انگیز معلوم ہوئی۔

وہ ہورلیس سے بھی کچھ نہ بولی۔ اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہوئی جا رہی تھیں۔ نیم
غنودہ ذہن مسلسل یہی دہرائے جا رہا تھا کہ اُسے ان لوگوں کے ساتھ ہرگز نہ آنا چاہئے تھا۔ خود
پیکسی نے پہلی ہی بار سرحد پار کی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ اونگھنے لگی۔

پھر پتہ نہیں کب گاڑی رکی تھی اور اس کے جھٹکے سے نیند اچٹ گئی تھی۔

''کیا پوری رات ختم ہو جائے گی اس سفر میں۔'' ولیم پنڈو نے مڑ کر پیکسی سے پوچھا۔

''میں کچھ نہیں جانتی۔'' پیکسی کے لہجے میں جھنجھلاہٹ تھی۔

''مسٹر ہورلیس.....!''

''وہ شائد سو رہا ہے۔'' پیکسی بولی۔

''جگاؤ..... اور پوچھو۔'' پنڈو کا لہجہ سرد تھا۔

پیکسی نے ہورلیس کا شانہ ہلایا۔ پھر آوازیں بھی دیں لیکن وہ نہ جاگا۔

''اتنی گہری نیند.....!'' پنڈو نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

اب وہ اُسے زور زور سے جھنجھوڑ کر آوازیں دے رہی تھی۔

''بتی جلاؤ۔'' دفعتاً وہ ہذیانی انداز میں پنڈو سے بولی۔

پنڈو نے گاڑی کے اندر روشنی کر دی۔

اور پھر پیکسی کی چیخ سناٹے میں دور تک لہراتی چلی گئی تھی۔

''کیا بات ہے..... کیا ہوا۔'' پنڈو کے انداز میں بوکھلاہٹ تھی۔

''یہ..... یہ..... کیا ہو گیا اسے..... کیا ہو گیا۔''

پنڈو پچھلی سیٹ پر جھک کر ہورلیس کو گھورنے لگا۔ اس کی آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں۔

''اوہ.....!'' وہ چند لمحوں بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''یہ تو..... یہ تو..... شائد.....
اوہ..... یہ تو.....!''

''مر گیا.....!'' وہ دیوانہ وار چیخی۔ ''تم نے اسے مار ڈالا۔''

''میں نے.....؟ تم پاگل ہوگئی ہو۔''

''ہاں تم نے اسے مار ڈالا۔'' وہ روتی ہوئی ہورلیس پر گر گئی۔

پنڈو خاموش بیٹھا پلکیں جھپکاتا رہا۔

''میں واپس جاؤں گی۔ میں واپس جاؤں گی۔'' دفعتاً وہ چیخنے لگی۔ چیخے جارہی تھی۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے مردہ ساتھی کی طرف دیکھے جارہی تھی۔ جواب بھی ایسا لگ رہا جیسے بیٹھے بیٹھے سوگیا ہو۔

''بھلا میں نے اُسے کس طرح مار ڈالا۔'' پنڈو بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

وہ کچھ نہ بولی۔ بس ہذیانی انداز میں ہچکیاں لیتی رہی۔ پنڈو پھر بولا۔

''میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ تم دونوں ہی سوگئے ہو..... اس لئے خاموشی سے ڈرائیو کرتا تھا۔ یہ میری بدقسمتی ہے کہ کچھ دیر پہلے ہمارے درمیان تیز کلامی ہوچکی تھی۔''

''میں کچھ نہیں جانتی..... واپس چلو۔''

پنڈو نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے پھر سختی سے بھینچ لئے۔

پیکسی کی ہچکیاں سسکیوں میں تبدیل ہوتی جارہی تھیں۔

''تم یہ تو دیکھو.....!'' پنڈو تھوڑی دیر بعد نرم لہجے میں بولا۔ ''آخر میں نے اسے کر طرح مار ڈالا۔ اگر گلا بھی گھونٹتا تو وہ مچلتا ضرور اور تمہیں معلوم ہوجاتا۔''

پیکسی خاموش رہی۔ پنڈو بھی کچھ نہ بولا۔ گاڑی کے باہر گہرے سناٹے اور اندھیرے کی حکمرانی تھی اور گاڑی کی دھندلی روشنی میں ہورلیس کا چہرہ بڑا ڈراؤنا لگنے لگا تھا۔

''مجھے واپس لے چلو۔'' پیکسی کچھ دیر بعد کراہی۔

''کیا تم اس جگہ کی نشاندہی کرسکو گی جہاں سے ہورلیس نے گاڑی اس سڑک پر نکالی تھی۔''

''مجھے یاد نہیں۔''

''بدقسمتی سے میں بھی گاڑی کو اس راستے پر نہ لگا سکوں گا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''یقین کرو..... میں پہلی بار ان اطراف میں آیا ہوں۔''

''تو کیا..... تو کیا میری واپسی.....!''

''تمہاری واپسی حالات پر منحصر ہوگی۔ میں کوشش کروں گا کہ تم کسی طرح واپس چلی جاؤ۔''

''میرے خدا..... یہ کیا ہوگیا۔'' پیکسی نے دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ لیا۔

''میں کیا کہوں۔'' پنڈو بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''یہ ایک بہت بڑی الجھن ہے۔ اب ں لاش کا کیا ہوگا۔''

''لاش.....!'' پیکسی نے چہرے سے ہاتھ ہٹالئے اور ایسے انداز میں اُسے دیکھنے لگی ہے وہ اس کے لئے قطعی اجنبی ہو۔

''ہاں..... یہ لاش..... اس کے ساتھ سرخاب ویلی میں داخل ہونا مزید الجھنوں کو دعوت ینا ہوگا۔''

''تو پھر.....؟''

''اسے یہیں کہیں؟''

''نہیں..... نہیں..... یہ نہیں ہوسکتا۔''

''ہم پکڑ لئے جائیں گے۔''

''کچھ بھی ہو۔''

پنڈو نے ڈیش بورڈ کے ایک خانے سے ایک بوتل اور گلاس نکالا۔

''یہ لو.....!'' اُس نے گلاس میں شراب انڈیل کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یہ کیا ہے؟''

''برانڈی..... ورنہ تمہارے اعصاب بالکل ہی جواب دے جائیں گے۔''

پیکسی نے ہاتھ بڑھا کر گلاس لے لیا اور دو تین گھونٹوں میں خالی کر کے اُسے واپس کرتی ہوئی بولی۔ ''میرے جسم میں جان نہیں رہی۔''

''تم جلد ہی تقویت محسوس کرو گی۔''

''ہوریس دل کا بُرا نہیں تھا..... وہ تمہاری دوستی کی قدر کرتا۔ لیکن کیسے مرگیا..... سمجھ میں نہیں آتا۔ میں کیسے باور کرلوں۔''

''وہ جہاں بھی ہوتا اس وقت زندہ نہ رہتا۔ میں قضا وقدر کا قائل ہوں۔''

''یقین نہیں آتا..... یقین نہیں آتا..... میں کیا کروں۔''

''دماغ ٹھنڈا رکھو اور عقل سے کام لو.....!''

پیکسی دونوں ہاتھوں سے کنپٹیاں دباتی رہی۔

پنڈو تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''اب ہمیں جلدی کرنی چاہئے۔''

''ہم کیا کریں؟''

''لاش کو ٹھکانے لگانے کا۔''

''اس ویرانے میں اس کی قبر بنائیں گے۔'' وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

''قبر کھودنے کا سامان نہیں ہے میرے پاس۔'' پنڈو نے کسی قدر ترشی سے کہا۔

پھر.....؟''

''ظاہر ہے کہ ہم اُسے نشیب میں لڑھکا کر آگے بڑھ جائیں گے۔''

''نہیں..... نہیں۔''

''فضول باتیں نہ کرو..... اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔''

''لیکن یہ انسانیت سے بعید ہے۔''

''نہ میں خود انسان ہوں اور نہ تمہیں سمجھتا ہوں۔'' پنڈو نے کہا اور دروازہ کھول کر نیچے آیا۔ پھر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر لاش باہر نکال ہی رہا تھا کہ پیکسی نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

''نہیں..... نہیں۔''

''خاموش رہو۔'' وہ اُس کا ہاتھ جھٹک کر غرایا۔ لاش باہر نکلی اور نامعلوم گہرائیوں کی طرف لڑھکتی چلی گئی۔ پھر گاڑی اسٹارٹ ہونے میں بھی دیر نہیں لگی تھی۔

پیکسی پچھلی سیٹ پر بے حس وحرکت پڑی ہوئی خلاء میں گھورے جارہی تھی۔

ہوریس تھا جسے اس نے اپنی زندگی سے بھی زیادہ عزیز رکھا تھا۔ دونوں گردن تک خون میں غرق تھے۔ لیکن ایک دوسرے کے مخلص تھے۔ ہوریس جو تنہا دس پر بھاری تھا۔ اتنی بے بسی سے مرگیا اور کسی مردہ جانور کی طرح پھینک دیا گیا۔

پیکسی کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اسکے سر کے اندر برف کا ایک بڑا سا ٹکڑا رکھ دیا گیا ہو۔

کار پھر پہلے ہی کی سی تیز رفتاری سے راستہ طے کرنے لگی تھی۔

پیکسی کی آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں اور اُسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ بے کراں اندھیرا خود میں سمایا جارہا ہو۔

کچھ دیر بعد پنڈو نے اونچی آواز میں پوچھا۔ ''کیا تم سو رہی ہو.....؟''

''نہیں.....!'' پیکسی کو اپنی آواز اجنبی اجنبی سی لگ رہی تھی۔

''میرا خیال ہے کہ ہم کسی بستی کے قریب ہیں۔''

پیکسی کچھ نہ بولی۔

''کیا تم وہاں رک کر رات گزارنا پسند کروگی۔'' پنڈو نے پوچھا۔

''میں کچھ نہیں جانتی..... میرے ذہن پر سوالات کا بار نہ ڈالو۔''

کچھ دور بلندی پر روشنی نظر آرہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے جا بہ جا چراغ روشن ہوں۔

لیکن پیکسی نے محسوس کیا کہ وہ روشنیاں متحرک ہیں اور پھر دفعتاً اُسے یاد آیا کہ ہوریس نواح اطراف کے رہزنوں کا تذکرہ کیا کرتا تھا۔

''ٹھہرو..... ٹھہر جاؤ۔'' وہ پنڈو کا شانہ جھنجھوڑ کر بولی۔

گاڑی ڈگمگائی..... پھر بریک چڑچڑائے۔

''خطرہ ہے۔'' پیکسی بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''کیا مطلب.....؟''

''دیکھو..... وہ روشنیاں حرکت کررہی ہیں؟''

''ہاں تو پھر.....؟''

''وہ رہزن معلوم ہوتے ہیں۔ مشعلیں لئے ہوئے۔''

''تم نے تو کہا تھا ادھر کبھی نہیں آئیں۔''

''تذکرہ سنا ہے.....وہ بے رحم اور بے باک ہوتے ہیں۔''

پنڈو ان روشنیوں کو گھورنے لگا۔ وہ سچ مچ متحرک تھیں اور آہستہ آہستہ اُن کی

بڑھتی آ رہی تھیں۔

''ہوسکتا ہے تمہارا خیال درست ہو۔'' اس نے پیکسی کو مخاطب کیا۔

''وہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔''

''میرا خیال ہے کہ وہ تمہیں اٹھا لے جائیں گے'' پنڈو ہنس کر بولا۔ ''اور مجھے

ماردیں گے۔''

''اسے مذاق نہ سمجھو۔'' پیکسی جھنجھلا گئی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ اُس

ہورلیس کی زبانی ان پہاڑی رہزنوں کی سفاکیوں کے قصے سنے تھے۔

''انہوں نے آگے کہیں سڑک روک دی ہوگی۔''

''وہ کس طرح؟''

''بڑے بڑے پتھر رکھ دیئے ہوں گے۔''

''اچھی بات ہے.....تو نیچے اُتر چلو.....!'' پنڈو نے انجن بند کرتے ہوئے کہا۔

''کیا کرو گے تم.....؟'' پیکسی نے پوچھا۔

''میں نے تم سے کہا تھا کہ نیچے اُتر جاؤ۔'' پنڈو غرایا۔

اس نے دروازہ کھولا اور کانپتے ہوئے پیروں سے نیچے اُتر گئی۔ حالانکہ سردی اتنی نہیں

کہ اعصاب پر قابو نہ رہتا۔ پھر بھی بُری طرح کانپ رہی تھی۔ پنڈو نے ٹارچ روشن کی

نشیب میں اترنے لگا۔ ڈھلان معمولی سی تھی۔ وہ ایک بڑے سے پتھر کی اوٹ میں چلے

تھے۔ پیکسی روشنیوں کی طرف دیکھے جارہی تھی۔ جلد ہی اس کا اندیشہ درست ثابت ہوا

گاڑی کے گرد آٹھ دس مشعلیں نظر آئیں۔

آنے والوں کے چہرے خوفناک تھے اور اُن کے کاندھوں سے رائفلیں لٹکی ہوئی تھیں۔

پیکسی سہم کر اس کے بازو سے لگ گئی۔ کچھ ایسی سراسیمگی کا شکار ہوئی کہ موجودہ پچویشن

کے علاوہ اور کوئی تاثر ذہن میں باقی نہ رہا۔ وہ یہ بھی بھول گئی کہ کچھ دیر پہلے اسی آدمی کو ہورلیس

کا قاتل ٹھہرا چکی تھی۔ پنڈو کا ہاتھ اس کی کمر کے گرد حلقہ کر چکا تھا۔

آنے والے مشعلیں اونچی کر کر کے چاروں طرف نظریں دوڑا رہے تھے۔ پھر وہ انہیں کی

ڑی نشیب میں اُترنے لگے۔ انہوں نے اپنے شانوں سے رائفلیں اُتار لی تھیں۔

پنڈو کا بایاں ہاتھ پیکسی کی کمر سے ہٹ گیا اور دوسرے ہی لمحے میں اُس نے اپنے قریب

ہی خامی گن کی تڑتڑاہٹ سنی۔

ساری مشعلیں بیک وقت نشیب میں لڑھکتی چلی آئیں۔ وہ سب آوازیں نکالے بغیر

ڈھیر ہوگئے تھے۔ مشعلیں زمین پر پڑی جل رہی تھیں اور دس مردہ آدمی ان کی روشنی میں ہزار ہا

سال پرانی کہانی ایک بار پھر دہرا رہے تھے۔ ''جہد البقا'' کی کہانی۔ ایک آدمی نے زندہ رہنے

کے لئے انہیں مار ڈالا تھا۔

دفعتاً پیکسی کو اپنے خون میں گرمی محسوس ہوئی۔ ایک عجیب سی تحریک تھی جس کے تحت وہ

بے ساختہ ہنس پڑی۔

''آؤ.....!'' پنڈو پھر اس کی کمر میں ہاتھ ڈالتا ہوا بولا۔

پھر وہ اسی طرح اس کے ساتھ گاڑی تک گئی تھی جیسے وہ سالہا سال سے ایک دوسرے کو

اچھی طرح جانتے رہے ہوں۔ پنڈو نے اس کے لئے اگلی ہی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ وہ چپ

چاپ بیٹھ گئی۔ پنڈو دوسری طرف نہیں بیٹھا تھا۔

کچھ دیر بعد اُس نے اندھیرے میں دیکھا جیسے وہ نشیب سے کوئی وزنی چیز گھسیٹتا ہوا

سڑک پر لا رہا ہو۔ لیکن اس نے زبان نہیں کھولی۔ خاموش بیٹھی رہی۔ اس وقت اس کا ذہن

بالکل سپاٹ تھا نہ ماضی یاد تھا اور نہ مستقبل کی فکر تھی۔

اُسے یہ بھی نہ محسوس ہوسکا کہ پنڈو کتنی دیر بعد واپس آ کر گاڑی میں بیٹھا تھا۔ البتہ جب

اُس نے گاڑی کے ہیڈ لیمپ روشن کئے تو سامنے سڑک پر دس لاشیں برابر سے پڑی نظر آ
اور پھر گاڑی انہیں کچلتی ہوئی آگے بڑھتی چلی گئی۔ ایک بار پھر اس کے ذہن کو جھٹکا لگا
سوچنے لگی آخر اس کی کیا ضرورت تھی۔ لاشیں جہاں تھیں وہیں پڑی رہنے دی جاتیں
سڑک پر ڈال کر کچلنے کی کیا ضرورت تھی۔

اس کے جسم پر پھر لرزہ طاری ہوگیا۔ پنڈو خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ پھر اُسے بھا
یاد آیا۔ اس کی موت یاد آئی۔ کتنی بے بسی سے مرگیا تھا۔ پتہ نہیں پنڈو نے اُسے مار ڈالنے
لئے کون سا طریقہ اختیار کیا ہو۔

وہ آنکھیں بند کر کے سیٹ کی پشت گاہ سے ٹک گئی۔ گاڑی تیز رفتاری سے راستہ
کر رہی تھی۔

دفعتاً پنڈو بولا۔ ''کیا تم سو رہی ہو۔''

''نہیں.....!''

''میرا خیال ہے کہ تم اتنی خاموش طبع بھی نہیں ہو۔''

''میں کچھ بھی نہیں ہوں۔'' وہ مردہ سی آواز میں بولی۔

''بولتی رہو..... بہت دنوں بعد میں اتنے اچھے موڈ میں آیا ہوں۔''

''ہوں.....!''

''تین سال سے میری زندگی بڑی بے بسی کے ساتھ گزرتی رہی ہے۔ اس وقت ایسا
رہا ہے جیسے ابھی ابھی جاگا ہوں۔ تین سال کی طویل نیند سے نجات ملی ہے۔''

''لیکن تم نے ہورلیس کو کیوں مار ڈالا..... اس نے تمہارا کیا بگاڑا تھا۔''

پنڈو نے قہقہہ لگایا۔

''اوہ..... تو..... میرا شبہ درست ہے۔''

''حقیقتاً اسی نے مجھے جگایا ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اس نے مجھے دھمکی دی تھی کہ وہ ہر وقت بھرا ہوا ریوالور رکھتا ہے۔''

''اتنی ذرا سی بات پر تم نے اُس کا گلا گھونٹ دیا۔''

''یہ غلط ہے..... میں نے اس کا گلا نہیں گھونٹا۔''

''تم نے اُسے مار ڈالا۔''

''یہ درست ہے۔''

''تم نے.....!'' وہ ہذیانی انداز میں چیخی۔

پنڈو نے گاڑی کی رفتار کم کردی۔ پیکسی کا جسم پھر کانپنے لگا تھا۔

''پچھلی سیٹ پر چلو۔'' پنڈو غرایا۔

''نن..... نہیں۔''

''پچھلی سیٹ پر چلو۔'' اس بار لہجہ بے حد خونخوار تھا۔

پیکسی نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا اور نیچے اُتر گئی۔ پھر بالکل
مشینی طور پر اُس نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا تھا اور اندر بیٹھ گئی تھی۔

پنڈو نے بھی اگلی سیٹ چھوڑ دی۔

لومڑی کی تلاش

پھر وہ دبوچ لی گئی۔ خونخوار شکاری کتے نے اُس پر چھلانگ لگائی تھی۔ کیپٹن حمید نے قہقہہ
لگایا۔ صبح سے اس پہاڑی لومڑی کا تعاقب کرتا رہا تھا۔ دو تین فائر بھی کئے تھے۔ سب خالی
گئے۔ لیکن بالآخر تربیت یافتہ بلڈ ہاؤنڈ نے اس پر قابو پا ہی لیا۔

فریدی کی ہدایت تھی کہ لومڑی زندہ ہی ہاتھ آنی چاہئے۔

بمشکل تمام وہ اُسے کتے سے چھڑا کر کینوا س کے تھیلے میں منتقل کر سکا۔ لومڑی بُری طرح

غرائے جارہی تھی۔ تھیلا اٹھا کر چلنا شروع کیا تو بلڈ ہاؤنڈ پریشان کرنے لگا۔ جس سمت ہو تھا اُدھر جانے کی بجائے دوسری طرف غرا غرا کر دوڑنا شروع کر دیا۔

حمید نے جھلاہٹ میں اس کے پٹے پر ہاتھ ڈال دیا۔ اب ایک طرف تو وہ ہانپتا اچھل کود رہا تھا اور دوسرے ہاتھ میں پائے جانے والے تھیلے میں لومڑی مچل رہی تھی۔

وہ آسمان کی طرف منہ اٹھا کر بولا۔ ''پروردگار..... اگر وہ شخص پاگل ہوگیا ہے تو بیچارا کچھ دنوں کے لئے کم از کم ملیریا ہی میں مبتلا کر دے۔''

پھر تھیلا اس نے زمین پر ڈالتے ہوئے کتے کو گھونسہ دکھا کر کہا۔ ''تو تربیت یافتہ ہے میں کورا ہوں اسے ہمیشہ یاد رکھنا۔''

کتے پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ بدستور ایک طرف بھاگ نکلنے کے لئے زور لگائے جارہا تھا۔

حمید کا جانا پہچانا کتا تھا۔ جسے خود فریدی نے تربیت دی تھی اور وہ اس سے پہلے بھی کئی بار اُسے شکار میں استعمال کر چکا تھا۔ یہ اچھل کود بے معنی نہیں ہوسکتی۔ ممکن ہے آس پاس کہیں لومڑیاں بھی پائی جاتی ہوں۔ تو پھر ایک ہی پر کیوں اکتفا کیا جائے۔ جتنی بھی مل سکیں پکڑ کر گاڑی میں بھر لی جائیں۔ کیا یاد کریں گے ڈیئر ہارڈ اسٹون ایک کی جگہ دس لومڑیاں۔

لومڑی چاہئے..... وہ بھی زندہ..... ہونہہ..... سچ مچ دماغ الٹ گیا ہے اس شخص کا ڈاکٹر ٹسڈل پر خود کوئی تجربہ فرما رہے ہیں۔ لومڑی کا خون چاہئے اس کے لئے..... کل بھینس پیشاب طلب فرمائیں گے اور بیچارہ حمید ہاتھوں میں تسلہ لئے بھینس کے پیشاب کی تلاش سرگرداں نظر آئے گا جو پیشاب کرنے کا ارادہ رکھتی ہو۔

''ایسی کی تیسی۔'' وہ جھلا کر بولا اور کتے کا پٹہ چھوڑ دیا۔

لومڑی اور تھیلا وہیں چھوڑ کر خود بھی کتے کے پیچھے دوڑنے لگا۔ کتا اُسے دشوار گزار راستوں پر لئے جارہا تھا۔

ایک جگہ رک کر اُس نے پھر اچھلنا شروع کر دیا۔ مسلسل بھونکے جارہا تھا۔

حمید سمجھ گیا کہ آگے راستہ نہیں ہے۔ قریب پہنچ کر اندازہ ہوا کہ نیچے رسائی ممکن نہیں

ہیں بائیس فٹ نیچے ایک آدمی چاروں خانے چت پڑا نظر آیا۔ وہ یقیناً مردہ تھا اور کوئی سفید فام آدمی معلوم ہوتا تھا۔ حمید نے طویل سانس لی اور کتے کو اس طرح گھورنے لگا جیسے دوسرے ہی لمحے میں اُسے بھی گولی مار دے گا۔

اس نے پھر اس کے پٹے پر ہاتھ ڈالا اور گھسیٹتا ہوا اس طرف چلنے لگا جہاں لومڑی کا تھیلا ڈالا تھا۔ کتے کا جوش و خروش کم ہو چکا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اپنا فرض ادا کرنے کے بعد سبکدوش الذمہ ہوگیا ہو۔

لومڑی کا تھیلا اٹھا کر حمید سڑک تک پہنچنے کے لئے راستہ تلاش کرنے لگا۔ بھاگ دوڑ میں یہ بھی بھول گیا تھا کہ سڑک کس جگہ سے چھوڑی تھی۔

کچھ دیر بعد کامیابی ہوئی۔ سڑک پر پہنچ گیا۔ لیکن اپنی گاڑی کہیں نہ دکھائی دی۔

پہاڑی سڑک تھی۔ پتہ نہیں کہاں اور کس نشیب میں گاڑی ہو! آخر کس طرف رخ کیا جائے۔

دفعتاً دو گاڑیاں بائیں جانب سے آتی دکھائی دیں۔ حمید نے انہیں پہچان لیا۔ وہ پولیس کی کاریں تھیں۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر انہیں رکنے کا اشارہ کیا۔ ٹسڈل والے واقعے کے بعد سے وادی سرخاب کے سارے ہی پولیس آفیسر اُسے پہچاننے لگے تھے۔ ایک سب انسپکٹر گاڑی سے اتر کر اُس کے قریب آیا۔

''میری جیپ تو اُدھر نہیں ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''جی نہیں۔ اس طرف تو کوئی گاڑی نہیں ہے۔''

''تو پھر اُدھر ہوگی۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔ پھر بولا۔ ''نیچے اُدھر ایک لاش پڑی ہوئی ہے۔''

''لاش..... وہاں بھی..... ابھی تو دس لاشیں۔''

''دس لاشیں۔''

''جی ہاں..... اُس طرف دس لاشیں..... غالباً کسی گاڑی کے نیچے کچلی گئی ہیں؟''

حمید متحیرانہ نظروں سے اُسے دیکھتا رہا۔

سب انسپکٹر نے بتایا کہ دس کچلی ہوئی لاشیں سڑک پر پائی گئی ہیں۔ اس کے خیال کے

مطابق انہیں گولی مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔ پھر لاشیں کسی گاڑی سے کچلی گئی تھیں۔

''مقامی لوگ.....!'' حمید نے پوچھا۔

''جی ہاں۔''

''اُدھر.....!'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''وہ کوئی سفید فام غیر ملکی معلوم ہوتا ہے۔'' ا

اُسے وہ جگہ بتائی جہاں لاش دیکھی تھی۔ پھر وہ انہیں چھوڑ کر مخالف سمت میں چل پڑا۔

اس کی جیپ اگلے ہی نشیب میں مل گئی تھی۔ اب اُسے ہیلی کوپٹر اسٹیشن پہنچنا تھا۔

وادی سرخاب اُس کے لئے سوہان روح بن کر رہ گئی تھی۔ اب وہاں ان کے

مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ ڈاکٹر ٹسڈل کو راہِ راست پر لایا جا سکے۔

وہ کسی طرح بھی اس پر آمادہ نہیں ہو رہا تھا کہ اُن لوگوں پر دوبارہ اپنی مشاقی م کرے جن کی شخصیتیں وہ پہلے بدل چکا تھا۔ ربیکا نے بھی اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن بس اپنی بات پر اڑ گیا تھا۔ کہتا تھا خواہ اُسے گولی ہی کیوں نہ مار دی جائے۔ وہ دوبارہ د کو اصل جسموں میں منتقل نہیں کرے گا۔

اسی دوران میں فریدی نے حمید کو اطلاع دی کہ اب وہ اپنی سائنس ڈاکٹر ٹسڈل آزمائے گا۔

جو کچھ بھی وہ اس سلسلے میں کرنا چاہتا تھا اُس کے لئے لومڑی کے خون کی ضرورت تھی

وہ لومڑی کے تھیلے اور شکاری کتے سمیت ہیلی کوپٹر اسٹیشن پر اُتر گیا۔ یہاں سے ہیلی کو کے ذریعہ ڈاکٹر ٹسڈل کے بنگلے تک پہنچا تھا۔ فریدی کا قیام وہیں تھا اور بنگلے کے گرد دور فوجی پہرہ رہتا تھا۔

ڈاکٹر ٹسڈل کے ساتھ کچھ مقامی ڈاکٹر اور سرجن بھی رکھے گئے تھے تا کہ ٹسڈل کے آجانے کے بعد وہ آپریشنوں میں نہ صرف اس کی مدد کر سکیں بلکہ اس طریقے کا مطالبہ کر سکیں جس کے تحت وہ انہونی عمل میں آتی تھی۔

اکثر اُن ڈاکٹروں کے لواحقین بھی ہیلی کوپٹر اسٹیشن سے ٹسڈل کے بنگلے تک جانے

فریدی نے اُن کے لئے اپنے دستخطی پاس ایشو کئے تھے۔ لیکن ٹسڈل کی زیرِ زمین تجربہ گاہ میں خصوصین کے علاوہ اور کوئی نہیں جا سکتا تھا۔

بہر حال حمید کو ڈاکٹر ٹسڈل کے بنگلے میں قیام کرنا پڑا تھا۔ جس کے چاروں طرف ویرانیاں ہی بکھری پڑی تھیں۔ اگر شہر میں قیام ہوتا تو ذرہ بھر بھی بوریت نہ محسوس ہوتی۔ اب تو سردیوں کی آمد آمد تھی۔ وادی سرخاب میں سردیوں کی آمد آمد کا مطلب تھا برف باری کی ابتداء ورنہ سردیاں تو وہاں سال بھر مقیم رہتی تھیں۔ حمید سوچتا اس ویرانے میں کیونکر زندہ رہے گا۔

ہیلی کوپٹر اسٹیشن پہنچ کر جیپ سے اُتر ہی رہا تھا کہ فریدی پر نظر پڑی۔ وہ اسی طرف آرہا تھا۔ رک جانا پڑا۔

''کیا ہوا.....؟'' اس نے قریب آ کر پوچھا۔

''مل گئی.....!'' حمید نے خواہ مخواہ خوشی ظاہر کی۔

''ہوں..... اچھا..... اُسے ساتھ لے جاؤ..... میں شہر جا رہا ہوں۔''

''کھانے کی میز پر مسلم چاہئے..... یا تکے لگوا دوں۔''

''میری واپسی تک اس کی نگہداشت کرو۔ کتے کو گاڑی ہی میں رہنے دو۔ تھیلا نکال لو۔''

پھر وہ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے جیپ میں بیٹھا تھا اور جیپ اسٹارٹ کر کے اس کا رخ سڑک کی طرف موڑ دیا تھا۔

حمید تھیلا اٹھائے ہوئے ہیلی کوپٹر کی طرف بڑھا۔ یہ ہیلی کوپٹر فریدی کو بنگلے سے لایا تھا اور اب پھر پرواز کے لئے تیار تھا۔ قریب پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ اڑان میں وہ تنہا مسافر نہیں ہے۔ ہیلی کوپٹر میں دو خواتین اور ایک نوعمر لڑکا پہلے سے موجود ہیں۔

وہ بھی تھیلا سنبھالے ہوئے اندر جا بیٹھا۔ تھیلا پیروں کے پاس رکھ لیا۔

اندر لومڑی پھدکی اور مسافر تھیلے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ لیکن کسی نے حمید سے کچھ پوچھا نہیں۔

نوعمر لڑکا اُسے بڑی توجہ اور دلچسپی سے دیکھے جا رہا تھا۔ حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

اس ہیلی کوپٹر میں ان کی موجودگی کا یہی مطلب تھا کہ اُن کی منزل بھی ٹسڈل کا بنگلہ ہی

ہے۔لیکن اس سے پہلے کبھی وہ تینوں وہاں نہیں دکھائی دیئے تھے۔

عورتوں میں ایک ادھیڑ عمر کی تھی اور دوسری نوجوان۔ دونوں میں خاصی مشابہت تھی ماں بیٹی معلوم ہوتی تھیں۔لڑکے میں بھی اُن کی ہلکی سی جھلک ملتی تھی۔لڑکی خوش لباس اور گلابی چہرے والی تھی۔

وہ جلد ہی منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ ہیلی کوپٹر بنگلے کے قریب ایک مسطح چٹان پر اُترا تھا۔

''آیئے..... میں آپ لوگوں کو لے چلوں۔'' حمید تھیلا سنبھالتا ہوا بولا۔''آپ شاید پہلی بار یہاں آئے ہیں۔''

''جی ہاں.....!'' معمر عورت بولی۔''میرے شوہر ڈاکٹر علوی کسی سرکاری کام کے سلسلے میں یہاں مقیم ہیں۔''

''اچھا.....اچھا.....آیئے.....ملاقاتیں میرے ہی ذمے ہیں۔''

''آپ.....؟''

''جی ہاں.....میرا مطلب یہ کہ میری اجازت حاصل کئے بغیر ملاقاتیں نہیں ہوسکتیں۔''

''اس تھیلے میں کیا ہے جناب؟'' لڑکے نے حمید سے پوچھا۔

''لومڑی۔''

اس بار لڑکی نے بھی تھیلے کو بھرپور نظروں سے دیکھا اور پھر حمید کو دیکھنے لگی۔

وہ ہیلی کوپٹر سے اُتر کر بنگلے کی طرف چل پڑے تھے۔

''میں نے آج تک کوئی لومڑی قریب سے نہیں دیکھی۔'' لڑکا بولا۔

''لومڑی کبھی قریب آتی ہی نہیں۔'' حمید نے کہا۔

''آپ اس کا کیا کریں گے۔''

''میرے چیف کا خبط ہے..... ہفتے میں ایک لومڑی۔''

''وہ کیا کرتے ہیں؟''

''پتہ نہیں۔''

وہ بنگلے میں پہنچ گئے۔حمید نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔

''کتنی دیر بعد ملاقات ہوسکے گی۔'' معمر خاتون نے پوچھا۔''وہ کہاں ہیں؟''

''یہ بتانا مشکل ہے۔البتہ آپ کی آمد کی اطلاع انہیں دی جاسکتی ہے۔''

''کیا یہ لومڑی تھیلے ہی میں بند رہے گی۔'' لڑکے نے پوچھا۔

''نہیں.....ابھی باورچی خانے میں پہنچا دی جائے گی۔''

''باورچی خانے میں۔'' تینوں کی زبان سے بیک وقت نکلا۔

حمید نے مغموم انداز میں سر کو جنبش دی۔

''یہ آپ کے چیف کس مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔'' معمر خاتون نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

''مذہب کی بات نہیں محترمہ.....آدمی کسی مذہب سے بھی تعلق رکھتا ہو.....لیکن اُسے مہذب ہونا چاہئے۔''

''کیا بات ہوئی؟''

''اب میں کیا عرض کروں۔''

''ملاقات کتنی دیر بعد ہوسکے گی۔'' لڑکی پہلی بار بولی۔

''میں ابھی فون کرتا ہوں.....آپ لوگ یہیں تشریف رکھیں۔'' حمید نے کہا اور اٹھ کر کمرے میں آیا جہاں سے تہہ خانوں کو راستہ گیا تھا۔

فون پر ڈاکٹر علوی کو اطلاع دے کر وہ پھر ڈرائینگ روم میں واپس آ گیا۔

لومڑی اب بھی تھیلے میں بندھی پڑی تھی۔

''تو اب اسے آزاد کر دیجئے نا۔'' لڑکی نے تھیلے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''یہ اتنی مہذب نہیں ہے کہ آزاد ہوجانے کے بعد شائستگی سے صوفے پر جا بیٹھے۔''

''بتایئے نا اس کا مصرف کیا ہے۔''

''میرا چیف ڈاکٹروں پر تجربات کر رہا ہے۔''

''کیا مطلب.....؟'' لڑکی نے چونک کر کہا۔

''اب میں کیا عرض کروں۔ گھن آتی ہے۔''

اتنے میں ڈاکٹر علوی ڈرائینگ روم میں داخل ہوا۔ یہ چھوٹے قد کا فربہ اندام آدمی تھا۔ حمید نے تھیلا اٹھایا اور کمرے سے نکل آیا۔ اب وہ اُس کمرے کی طرف چل پڑا جہاں سے ڈکٹافون پر سارے کمروں کی آوازیں سنی جاسکتی تھیں۔

یہ کام بھی اُسی کے ذمہ تھا کہ آنے جانے والوں کی نگرانی کرے۔

کمرے میں پہنچ کر اُس نے ڈکٹافون کا سوئچ آن کردیا۔ دوسری طرف سے معمر عورت کی کھرکھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔ بڑے زہریلے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''خود تو یہاں آکر چین سے بیٹھ گئے اور اپنی زندگی اجیرن ہوگئی ہے۔ آپ کی اماں ہمیں جینے نہ دیں گی۔''

''کیوں..... کیا..... کیا ہوا۔'' ڈاکٹر علوی کی سہمی سی آواز آئی۔

''اتنا نہ بنئے..... جیسے جانتے نہیں۔''

''پھر بتایئے میں کیا کروں۔'' ڈاکٹر علوی کی کپکپاتی ہوئی سی آواز آئی۔

ہیلی کوپٹر کے شور نے آگے کی بات نہ سننے دی۔ شائد وہ اسٹیشن پر واپس جارہا تھا۔

حمید نے بُرا سا منہ بنایا اور کان اسی طرف لگائے رکھنے کی کوشش کی۔ تھوڑی دیر بعد لڑکے کی آواز آئی۔ ''ڈیڈی..... وہ آدمی لومڑی کیوں لایا ہے؟''

''کون آدمی.....؟''

''وہ جو ابھی یہاں سے گیا ہے۔''

''کیپٹن حمید۔''

''جو کوئی بھی ہو..... کہہ رہا تھا..... کہ اس کا چیف ڈاکٹروں پر کسی قسم کا تجربہ کررہا ہے۔ ایک لومڑی تھیلے میں بند کرکے رکھی تھی۔ کہہ رہا تھا کہ وہ باورچی خانے میں بھیجی جائے گی۔''

''میں کچھ نہیں جانتا۔''

''آخر یہاں کیا ہورہا ہے؟'' بیگم علوی کی آواز آئی۔

''مجھے کچھ معلوم نہیں!''

''ارے آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔ آپ کس سے باتیں کررہے ہیں۔''

''بیگم.....!'' ڈاکٹر علوی کی سہمی ہوئی سی آواز آئی۔ ''یہ گھر نہیں ہے۔ محتاط رہئے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''مطلب یہ کہ سرکاری راز ہے۔ آپ اس کے بارے میں کچھ نہ پوچھئے۔''

''لو..... اب مجھ سے بھی سرکاری درباری چلے گی۔''

''بیگم..... پلیز.....!''

''میں کچھ نہیں جانتی۔'' وہ ایک دم سے بھڑک اٹھی۔ ''میں تمہاری ماں کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ آج ہی بچوں کو لے کر جدھر سینگ سمائیں گے چل دوں گی۔''

''ممی.....!'' لڑکی کی آواز آئی۔

''تم چپ رہو..... حد ہوتی ہے..... بڑھاپا آگیا انہیں کم بختوں میں۔ اب میں کسی کی بھی نہیں سنوں گی۔''

''نگی بیٹی..... انہیں سمجھاؤ.....!'' ڈاکٹر علوی کی آواز آئی۔

''اچھا تو اب میرے پیٹ کے کیڑے مجھے سمجھائیں گے۔''

''بیگم سمجھنے کی کوشش کرو۔''

''ممی لومڑی۔'' لڑکا بول اٹھا۔

''جہنم میں گئی لومڑی۔ تم بھی خاموش رہو۔''

''ممی..... ہیلی کوپٹر تو واپس چلا گیا۔ اب ہم واپس کیسے جائیں گے۔'' لڑکی کی آواز آئی۔

''ہائیں واپس چلا گیا۔'' ڈاکٹر علوی کی آواز آئی۔

''کمال ہے! آپ نے آواز نہیں سنی۔ ہمارے سروں سے چنگھاڑتا ہوا گزرا تھا۔''

''اگر وہ چلا گیا ہے تو پھر پتہ نہیں کب آئے۔''

''ہاں..... تم تو چاہتے ہو جتنی جلد دفع ہوجاؤں اچھا ہے۔'' بیگم پھر اُبل پڑی۔

''مم.....میرا مطلب یہ نہیں ہے۔''

''پھر اور کیا بات ہے۔''

''اب میں کیا کروں؟''

''ڈیڈی بتایئے نا وہ لومڑی۔'' لڑکی کی آواز آئی۔

''بیٹے میں کچھ نہیں جانتا۔ وہ کیپٹن حمید..... بہت دلچسپ آفیسر ہے۔ اس نے جو کچھ کہہ دیا ہوگا۔''

''نہیں.....لومڑی تھی تھیلے میں۔''

''تم نے دیکھا تھا۔'' لڑکی کی غصیلی آواز آئی۔

''پھر کیا چیز تھی؟''

''تم سے مطلب.....خاموش بیٹھو۔''

''بولنے دو..... بولنے دو۔'' ڈاکٹر علوی کی آواز آئی۔

''جی ہاں.....وہ بولتا رہے تاکہ میں نہ بول سکوں۔'' بیگم علوی پھر بھڑک اٹھیں۔ ''تو نا بول.....میرا تو مقدر ہی ایسا ہے۔''

''ممی مقدر کسے کہتے ہیں.....لفظ مقدر پر مجھے ایسا لگتا ہے جیسے ڈیڈی ایک تخت پر گاؤ بدھ'' اسٹائل میں آنکھیں بند کئے بیٹھے ہوں۔''

ڈاکٹر علوی کی نروس سی ہنسی سنائی دی۔

''ان کم بختوں کو بھی شوخ کر دیا ہے آپ نے۔'' بیگم علوی کی للکارتی ہوئی آواز سنائی دی۔ ''مقصد یہ ہے کہ مجھے کسی طرف سے بھی سکھ نصیب نہ ہو۔''

''انور تم کیوں بکواس کر رہے ہو۔'' لڑکی کی آواز آئی۔

''میں نے کیا کہا ہے.....لفظ مقدر مجھے ایسا ہی لگتا ہے۔''

''اچھا بس خاموش رہو۔''

حمید نے طویل سانس لی اور لومڑی کے تھیلے کی طرف دیکھنے لگا۔

حمید نے سوچا ڈاکٹر علوی دشواری میں پڑ گیا ہے۔ اس کی مدد کرنی چاہئے اور یہ مدد اسی وقت میں ہو سکتی ہے کہ اس کی بیوی کو بولنے سے روک دیا جائے۔ وہ پھر لومڑی والا تھیلا اٹھائے ہوئے ڈرائینگ روم میں داخل ہوا۔ ڈاکٹر علوی کے چہرے پر تازگی نظر آنے لگی۔ جیسے اسے کوئی ایسا ہی معلوم ہوا جیسے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا مل گیا ہو۔

''اوہو.....!'' وہ چونک کر بولا۔ ''تو واقعی اس میں لومڑی ہے۔''

''ہاں ڈاکٹر.....!'' حمید تھکی تھکی سی آواز میں بولا۔

''آخر اس کا مصرف.....!''

''کچھ لاشعوری گرہیں ہوتی ہیں جو آدمی کو غیر معمولی بنا دیتی ہیں۔ میرے چیف کے ساتھ بھی یہی ہوا ہے۔''

''آپ کرنل فریدی کے بارے میں کچھ کہہ رہے ہیں؟'' ڈاکٹر علوی کے لہجے میں حیرت تھی۔

''جی ہاں.....جی ہاں۔''

''میں کچھ نہیں سمجھا۔''

''سمجھا تو میں بھی نہیں ہوں۔ حالانکہ ہر ہفتے ایک لومڑی پکڑ کر لاتا ہوں۔''

اب وہ سب ہی ہمہ تن توجہ بن گئے تھے اور حمید کسی ماہر داستان گو کی طرح محض اپنے لہجے کے اُتار چڑھاؤ سے اُن کا اشتیاق بڑھائے جا رہا تھا۔ آخر ڈاکٹر علوی نے کھنکھار کر پوچھا۔ ''کیا نشانے بازی کی مشق کرتے ہیں؟''

''اب میں کیا عرض کروں۔'' حمید نے مصنوعی کھسیاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

''ارے تو بتایئے نا.....!'' بیگم علوی بول پڑیں۔

''صاحب کیا کہا جائے.....وہ اس لومڑی کو دلہن بنائیں گے۔''

''کیا.....؟'' بیک وقت سب کی زبانوں سے نکلا۔ لیکن حمید ان کی طرف توجہ دیئے بغیر بدستور مغموم لہجے میں کہتا رہا۔ ''اس کے چاروں پیر باندھ دیں گے اور سر پر ریشمی دوپٹہ اس طرح ڈالیں گے جیسے دلہنوں کے گھونگھٹ نکالے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر علوی۔ یہ ایک دردناک

کہانی ہے۔ کوئی ماہر نفسیات ہی اس کی توجیہہ کر سکے گا۔ وہ اس کے گھونگھٹ میں جھانکتے ہیں..... مسکراتے ہیں..... پھر اچانک پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیتے ہیں۔''

آخری جملے پر حمید کی آواز گلوگیر ہوگئی اور موٹے موٹے قطرے آنکھوں سے نکل کر ڈھلک آئے۔

ایک غم ناک سی خاموشی کمرے کی فضا پر مسلط ہوگئی تھی۔

''بڑی عجیب بات ہے.....!'' دفعتاً لڑکی بولی۔ ''میں نفسیات کی طالبہ ہوں..... لیکن یہ لومڑی.....''

''کرنل فریدی غیر شادی شدہ ہیں غالباً۔'' ڈاکٹر بولا۔

''اوہ..... تب تو.....!'' لڑکی مضطربانہ انداز میں بولی۔ لیکن اُس نے جملہ پورا نہیں کیا۔

''کیا آپ روشنی ڈال سکیں گی..... از روئے نفسیات۔'' حمید نے مغموم لہجے میں پوچھا۔

''ممکن ہے..... لومڑی کسی چالاک عورت کی علامت ہوسکتی ہے جس نے کبھی اُن کو دھوکہ دیا ہو۔''

حمید نے اس طرح آنکھیں پھاڑ کر اس کا یہ جملہ سنا جیسے خود بھی اسی کے امکان پر غور کر رہا ہو۔ وہ آہستہ سے بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ وہ لومڑی کی شکل کی عورت تھی۔''

''لومڑی کی شکل کی عورت.....؟''

''جی ہاں۔ بعض چہروں کو دیکھ کر نہ جانے کیوں لومڑیاں یاد آتی ہیں۔''

''جی نہیں! لومڑی صرف کسی چالاک اور مکار عورت کا سمبل ہوسکتی ہے۔''

''بڑی قابل ہو تم..... بس خاموش رہو۔'' بیگم علوی نے بیٹی پر آنکھیں نکالیں۔

''نگی ٹھیک کہہ رہی ہے بیگم۔'' ڈاکٹر علوی بولا۔

اتنے میں پھر ہیلی کوپٹر کی آواز سنائی دی اور وہ خاموش ہوگئے۔ لڑکا چھپ کر کھڑکی کی طرف بڑھا۔ ''یہیں اتر رہا ہے۔'' اس نے چیخ کر کہا۔

بیگم علوی ڈاکٹر کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھ رہی تھی اور حمید نے تہیہ کر لیا کہ اب ڈرائینگ روم سے نہیں ٹلے گا۔ دفعتاً برآمدے میں قدموں کی آواز سنائی دیا اور فریدی

ڈرائینگ روم میں داخل ہوا۔

''لومڑی۔'' حمید نے تھیلے کی طرف اشارہ کیا۔

فریدی نے جھک کر اُسے اٹھایا اور دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ وہ سب ہکا بکا حمید کی طرف دیکھتے رہے۔

''یقین نہیں آتا۔'' ڈاکٹر علوی نے کچھ دیر بعد بھرائی آواز میں کہا۔ ''اتنا شاندار آدمی اور یہ۔''

''آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔'' بیگم علوی نے ڈاکٹر کو گھورتے ہوئے کہا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ سب ہی اچھل پڑے۔ کیونکہ کہیں قریب ہی سے ایک کربناک چیخ سنائی دی تھی۔

نیلی ٹائیاں

سب سے پہلے حمید ہی دروازے کی طرف جھپٹا۔ آواز برابر کے کمرے سے آئی تھی لیکن اس میں کچھ بھی نہیں تھا۔ تیسرے کمرے میں پہنچا۔ وہ بھی خالی ملا۔ یہاں سے بھی روانگی کے لئے تیار تھا کہ دروازے میں لڑکی اور لڑکا کھڑے نظر آئے۔

''یہ کیسی آواز تھی۔'' لڑکی نے پوچھا۔

''پتہ نہیں۔'' حمید نے پرتشویش لہجے میں جواب دیا۔

وہ دونوں پیچھے ہٹ گئے اور حمید چوتھے کمرے کی طرف بڑھا۔ اس کا دروازہ بند تھا۔ حمید نے ہینڈل گھمانے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ دروازہ خود بخود کھل گیا۔ لیکن کرنل فریدی راہ میں حائل تھا۔ اس نے حمید کو عجیب نظروں سے دیکھا۔ ''کیا ہے۔''

''میں شہر جانا چاہتا ہوں۔'' حمید بھنا کر بولا۔

''دفع ہو جاؤ۔'' فریدی نے کہہ کر دروازہ بند کر دیا۔

حمید نے موقع غنیمت جانا..... کئی دنوں بعد ''دفع ہو جاؤ'' کی خوشگوار نوید ملی تھی۔

وہ ڈرائینگ روم میں آیا۔ ڈاکٹر علوی نے اس سے اس آواز کے بارے میں پوچھا۔

''پتہ نہیں لومڑی کے ساتھ کیسا برتاؤ ہوا ہے۔'' حمید نے مسمسی صورت بنا کر کہا۔

دفعتاً علوی کے لڑکے نے پوچھا۔ ''ڈیڈی یہ وہی کرنل فریدی تو نہیں ہیں جنہوں نے میں دلمین کی مشینی آندھی کا پتہ لگایا تھا۔''

''ہاں..... وہی ہیں..... اور یہ ان کے اسسٹنٹ کیپٹن حمید۔''

''اوہ..... اوہ.....!'' لڑکا مضطربانہ انداز میں حمید کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ ''تو بہت اچھے آدمی ہیں۔ اگر ہم دوست بن جائیں تو۔''

''مجھے خوشی ہوگی۔'' اُس نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

لڑکا نٹ کھٹ معلوم ہوتا تھا۔ ویسے حمید نے محسوس کیا کہ اُس کی بہن اُس کی اس حرکت کو پسندیدگی سے نہیں دیکھ رہی تھی۔

''ارے..... بھئی.....!'' دفعتاً ڈاکٹر علوی چونک کر بولا۔ ''کہیں ہیلی کوپٹر نہ چلا جائے۔''

ہیلی کوپٹر سے وہ اسٹیشن تک آئے تھے۔ اسٹیشن پر ڈاکٹر علوی کی گاڑی موجود تھی۔ نے وہ جیپ سنبھالی جس سے کچھ دیر پہلے سفر کیا تھا۔

اُس نے جیپ اسٹارٹ کی ہی تھی کہ علوی کا لڑکا دوڑا ہوا آیا۔ ''ہم دونوں دوست ہیں نا۔'' اس نے کہا۔

''بالکل ہو گئے ہیں۔''

''تو پھر شام کی چائے ہمارے ساتھ پیجئے گا۔''

''تمہاری ممی بڑی خنخوار معلوم ہوتی ہیں۔''

''صرف ڈیڈی اور دادی جان کے لئے۔''

''اچھا..... اچھا.....!''

''بس ہماری گاڑی کے پیچھے چلے آیئے..... باجی کی ڈرائیونگ بڑی اچھی ہے۔''

''ہوں..... اچھا..... بہت بہت شکریہ۔''

لڑکا اپنی گاڑی کی طرف چلا گیا۔ حمید منتظر رہا کہ ڈاکٹر علوی کی گاڑی آگے نکل جائے۔ ولی ڈرائیو کر رہی تھی۔

خاصی قبول صورت لڑکی تھی۔ شائستہ بھی معلوم ہوتی تھی۔ لیکن اپنے ماحول سے اکتائی ہوئی سی لگتی تھی۔ کچھ دیر بعد اس کی جیپ ڈاکٹر علوی کی گاڑی کے پیچھے جا رہی تھی۔ اس پوائنٹ پر جہاں حمید نے لاش دریافت کی تھی پولیس والوں کی بھیڑ نظر آئی۔ وہ آنے جانے والی گاڑیوں کو روک رہے تھے اور ان کی تلاشیاں لی جا رہی تھیں۔ ڈاکٹر علوی کی گاڑی بھی رکوائی گئی۔ اس کے پیچھے حمید کی جیپ خود بخود رک گئی۔ وہ جیپ سے اُتر کر اُن لوگوں کی طرف بڑھا۔ ایک سب انسپکٹر لڑکی سے کچھ کہہ رہا تھا۔ حمید کو قریب دیکھ کر وہ اس کی طرف مڑا۔

''یہ لوگ میرے ساتھ ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''آپ کون ہیں جناب۔'' انسپکٹر کے لہجے میں کسی قدر تلخی تھی۔ حمید نے اپنا وزیٹنگ کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا۔

''اوہ..... اچھا.....!'' وہ مسکرایا۔ ''مجھے بھی صورت جانی پہچانی سی معلوم ہوئی تھی۔ کرنل صاحب کچھ دیر پہلے یہیں تھے۔''

وہ پیچھے ہٹ گیا۔ حمید نے لڑکی سے کہا۔ ''چلئے..... کوئی خاص بات نہیں ہے۔''

لڑکی نے گردن ہلا کر کار اسٹارٹ کی اور حمید اپنی جیپ کی طرف پلٹ آیا۔

تقریباً دو ڈھائی میل چلنے کے بعد پھر پولیس والوں کی بھیڑ نظر آئی۔ حمید نے سوچا ممکن ہے یہ وہی جگہ ہو جہاں دس عدد کچلی ہوئی لاشیں پائی گئی تھیں۔

سڑک پر کئی جگہ چاک سے لگائے ہوئے نشانات نظر آ رہے تھے۔ ڈاکٹر علوی کی گاڑی روکوائی گئی اور حمید کو پھر دخل اندازی کرنی پڑی۔ وہیں ڈاکٹر علوی کی بیوی نے جھلا کر پوچھا۔

''آخر بات کیا ہے..... اس جگہ تو آتے وقت بھی ہم نے پولیس کی بھیڑ دیکھی تھی۔ لیکن کسی نے ہمیں نہیں روکا تھا۔''

"کوئی خاص بات نہیں بیگم صاحبہ..... گھر چل کر بتاؤں گا۔ میرے دوست نے مجھے شام کی چائے پر مدعو کیا ہے۔"

حمید لڑکے کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

گاڑیاں پھر چل پڑیں۔ شہر پہنچ کر حمید اپنی جیپ اُن کی گاڑی کے پیچھے ہی لگائے رہا۔ تو محض تبدیلی کے لئے شہر آیا تھا۔ کسی خاص مقصد کے تحت یہ مراجعت نہیں ہوئی تھی۔

کچھ دیر بعد ڈاکٹر علوی کی گاڑی ایک خوبصورت سے بنگلے کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ حمید کی جیپ بھی اس کے پیچھے ہی رکی تھی۔

"کیپٹن میں سب سے پہلے آپ کو اپنا چڑیا گھر دکھاؤں گا۔" لڑکے نے حمید سے کہا۔

"ضرور..... ضرور.....!"

ماں بیٹی بھی گاڑی سے اُتر کر اُن کے قریب آ کھڑی ہوئیں۔

"آخر ہماری گاڑی کیوں رکوائی تھی۔" بیگم علوی نے حمید سے پوچھا۔

"پہلی جگہ کچھ دیر پہلے میں نے ایک لاش دریافت کی تھی اور دوسری جگہ خود اُن لوگوں کچھ لاشیں ملی تھیں۔"

"کچھ لاشیں۔" لڑکی کے لہجے میں تحیر تھا۔

"جی ہاں..... پوری دس لاشیں..... کچلی ہوئی لاشیں۔"

"پتہ نہیں کیا ہو رہا ہے یہاں.....!" بیگم علوی نے جھنجھلا کر کہا۔ پھر حمید سے بولی۔ اچھا ہوا آپ ہمارے ساتھ تھے ورنہ وہ لوگ پتہ نہیں کس قسم کے سوالات کرتے ہم سے۔"

"مجھے پہلے ہی سے معلوم تھا کہ اب اس راستے پر مسافروں کو پریشان کیا جائے گا لئے میں ساتھ چلا آیا تھا۔"

"کیا علوی صاحب کو آپ پہلے سے جانتے ہیں۔"

"اچھے آدمیوں کو جاننے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ شناسائی کی مدت طویل ہو ذرا ہی سی دیر میں نیرسٹ اور ڈیئرسٹ بن جاتے ہیں۔"

بیگم علوی نے بُرا سا منہ بنایا اور لڑکے سے بولی "تم اپنا چڑیا گھر ہر ایک کو دکھاتے اس میں ہے کیا۔"

"آیئے..... کب تک یہاں کھڑے رہیں گے۔" لڑکی عمارت کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

"ہاں..... آیئے۔" بیگم علوی نے کہا اور اس "ہاں آیئے" میں حمید یہی تلاش کرتا رہ گیا چلہ کس جذبے کے تحت کہا گیا تھا۔ لہجہ کچھ عجیب سا لگا تھا۔

وہ ڈرائینگ روم میں آئے۔ لڑکی اندر چلی گئی تھی۔ لڑکا اور بیگم علوی وہیں بیٹھے رہے۔

بیگم علوی نے اس قسم کے سوالات کرنے شروع کئے کہ حمید اکتا گیا۔ پھر اُسے چوکنا پڑا آہستہ وہ ایسے سوالات کی طرف آ رہی تھی جن کے جوابات وہ سب کچھ اُس پر منکشف ے جو ڈاکٹر علوی سے معلوم کرنا چاہتی تھی۔

دفعتاً ایک معمر خاتون ڈرائینگ روم میں داخل ہوئی۔ انہوں نے چاروں طرف دیکھتے ے آخر میں حمید پر نظریں گاڑ دیں۔

"یہ کون ہیں.....!" انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں بیگم علوی سے پوچھا۔

"میرے دوست ہیں۔" بیگم علوی نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

حمید نے بڑی بی کے چہرے پر ناگواری کے آثار دیکھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بیگم علوی جواب نے انہیں تکلیف پہنچائی ہو۔

"وہ کب آئے گا۔"

"میں نہیں جانتی۔"

"تم نے نہیں پوچھا۔"

"ضرورت نہیں سمجھی۔"

بیگم علوی کے جوابات پر حمید حیران رہ گیا۔ وہ اپنی ساس کو جلانے کی کوشش کر رہی تھی۔

دفعتاً انہوں نے حمید سے پوچھا۔ "ہاں تو ہم پہلا شو دیکھ رہے ہیں یا دوسرا.....؟"

"جج..... جی.....!" حمید ہکلایا۔ "جو..... آپ مناسب سمجھیں۔" اُسے بڑی بی پر رحم

آ رہا تھا۔

وہ چپ چاپ چلی گئیں اور حمید مستفسرانہ نظروں سے بیگم علوی کی طرف دیکھتا رہا۔

''یہ عذاب کا فرشتہ ہے، جو مجھ پر نازل ہوا ہے۔'' بیگم علوی بڑبڑائیں اور پھر انہوں نے اپنی ساس کی شان میں قصیدے پڑھنا شروع کئے اور حمید بور ہوتا رہا۔ پھر لڑکی دکھائی دی۔ وہ چائے کی ٹرالی دھکیلتی ہوئی کمرے میں لا رہی تھی۔ بیگم علوی اُس کی طرف متوجہ ہوئی ہی تھیں کہ لڑکا بول پڑا۔ ''کیپٹن..... مجھے ولیمن کی مشینی آندھی کے بارے میں بتایئے۔''

''ضرور..... ضرور.....!'' حمید طویل سانس لے کر بولا اور اُسے بتانے لگا کہ ان لوگوں نے کس طرح اس آندھی پر قابو پایا تھا۔

لڑکی ان کے لئے چائے بناتی رہی۔ وہ بڑی توجہ اور دلچسپی سے حمید کی کہانی سن رہی تھی۔ یوں تو بیگم علوی بھی سن رہی تھی، لیکن اُن کے چہرے سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ اپنی ساس پانے پر انہیں کچھ الجھن ہو رہی ہے۔ حمید نے اندازہ کر لیا تھا کہ وہ ہر ایک کے سامنے رونا لے بیٹھنے کی عادی ہیں۔ ویسے اُسے تو وہ بے چاری بڑی ہی مظلوم لگی تھیں۔ انہوں پابندیوں میں زندگی بسر کی ہوگی اس لئے بچوں کی آزادی یقینی طور پر اُن کے لئے تکلیف رہی ہوگی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آدمی کو خود اپنے ہاتھوں کتنے دکھ جھیلنے پڑتے ہیں۔ اپنے زمانے میں اپنے سے اگلوں کے ظلم و ستم سہتا ہے، پھر اپنے بعد والوں کی حرکتیں برداشت کرتا ہے زندگی اسی چکر میں ختم ہو جاتی ہے۔

اس نے لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ بھی کچھ پوچھنا چاہتی تھی۔

جیسے ہی ولیمن کی کہانی ختم ہوئی اُس نے فریدی اور لومڑی کا ذکر چھیڑ دیا۔

''آپ اسٹڈی کریں اس کیس کو۔'' حمید بولا۔

''بس بس.....!'' بیگم علوی ہاتھ اٹھا کر بولیں۔ ''کان پک گئے۔ نفسیات نفسیات سن کر۔ یہ کیا اسٹڈی کرے گی۔ اسے آتا جاتا کیا ہے۔''

لڑکی طنزیہ انداز میں مسکرائی لیکن ماں کی بات کی تردید نہیں کی۔ پھر بیگم علوی

مزدرت کے تحت وہاں سے اٹھ گئی تھیں۔

''نفسیات بڑا دلچسپ سبجیکٹ ہے۔'' لڑکی کچھ دیر بعد بولی۔

''جی ہاں.....!'' حمید نے بڑے خلوص سے تائید کی۔

''نفسیاتی نکتہ نظر سے بتایئے باجی کہ ممی اور دادی جان کو کیا ہو گیا ہے۔'' لڑکے نے پوچھا۔

''تم بے تکی باتیں نہ کیا کرو۔''

''نفسیاتی نکتہ نظر سے آپ کے اس جواب کو کیا کہیں گے۔''

بات آگے بڑھ جاتی لیکن بیگم علوی جلد ہی واپس آ گئیں۔

''ہاں تو بیگم صاحبہ کون سی فلم دیکھی جائے۔'' حمید نے ان سے پوچھا۔

''فلم..... بھئی..... اب تو بڑی تھکن محسوس ہونے لگی ہے۔''

''نہیں ممی دیکھیں گے۔ آپ نے پہلے کیوں کہا تھا۔'' لڑکا بول پڑا۔

بیگم علوی نے اُسے گھور کر دیکھا۔ لیکن وہ اپنی ہی بات پر اڑا رہا۔

''بھئی..... ہم تم چلیں گے۔'' حمید نے اُسے سمجھانا چاہا۔

''تو پھر باجی بھی چلیں گی نفسیاتی نکتہ نظر سے۔''

''میں تھپڑ مار دوں گی۔'' لڑکی بھنا گئی۔

''نفسیاتی نکتہ نظر سے۔''

''انور..... خاموش بیٹھو۔'' بیگم علوی نے پھر آنکھیں دکھائیں۔

''بھئی انور میاں..... بس ہم تم چلیں گے۔'' حمید مسکرا کر بولا۔

''تو پھر اٹھئے..... کچھ دیر گھومیں پھریں گے۔''

''چلئے نا ممی.....!'' لڑکی نے کہا۔

''میں نے کہہ دیا کہ میں آج نہیں جا سکتی۔''

''تو آپ بھی چلئے انور میاں کے ساتھ۔'' حمید بولا۔

''نہیں۔'' بیگم علوی کا لہجہ سخت تھا۔ پھر وہ یک بیک نرم پڑ کر بولیں۔ ''آپ ان دونوں کو

کنٹرول نہیں کر سکیں گے۔ ہر وقت اور ہر جگہ لڑتے رہتے ہیں۔''

''میں بالکل خاموش رہوں گا۔ وعدہ کرتا ہوں۔'' لڑکا بولا۔

بیگم علوی تذبذب میں پڑ گئی تھیں۔ آخر طویل سانس لے کر بولیں۔

''اچھا تو میں بھی چلتی ہوں۔''

حمید نے بھی طویل سانس لی لیکن کچھ بولا نہیں۔

''تو پھر چلئے۔'' لڑکا اٹھتا ہوا بولا۔

''ارے تو اتنی جلدی کیوں ہے؟''

پھر وہ تینوں ڈرائینگ روم سے چلے گئے اور حمید تنہا بیٹھا رہا۔

کچھ دیر بعد صرف انور اور اُس کی بہن نگہت اندر سے واپس آئے۔ دونوں ہی مضطرب نظر آ رہے تھے۔ نگہت قریب آ کر آہستہ سے بولی۔ ''جلدی سے نکل چلئے۔''

''کیا مطلب.....؟'' حمید نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

وہ کچھ نہ بولی۔ بھائی کا ہاتھ پکڑے ہوئے تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ حمید نے احمقانہ انداز میں شانوں کو جنبش دی اور اُن کے پیچھے چل پڑا۔ نگہت اپنی گاڑی میں بیٹھی اور بھائی کو اپنے برابر ہی بٹھایا تھا۔

حمید جیپ کی طرف بڑھ ہی رہا تھا۔ انور نے اُسے آواز دی۔

''ادھر ہی آ جایئے..... اپنی گاڑی یہیں رہنے دیجئے۔''

حمید جھلاتا ہوا مڑا۔ پیشانی پر شکنیں ڈالے ہوئے اُن کی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ نگہت انجن اسٹارٹ کر چکی تھی۔ گاڑی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

''بیگم صاحبہ نہیں آئیں۔'' حمید کچھ دیر بعد بولا۔

''جی نہیں۔'' نگہت بولی۔ ''ان دونوں میں ٹھن گئی ہے۔ اور اب میں ممی کو سبق دینا چاہتی ہوں۔ اُن دونوں کو الجھا کر ہم کھسک آئے۔''

''اوہو..... میری کیا پوزیشن ہوگی۔''

''آپ فکر نہ کیجئے..... ذمہ داری مجھ پر ہوگی۔'' نگہت ہنس کر بولی۔

''ممی کو دادی جان کی عائد کردہ پابندیاں پسند نہیں اور میں اُن کی حد بندیوں سے نفرت کرتی ہوں۔ وہ محض اس لئے تیار ہو گئی تھیں کہ مجھے آپ کے ساتھ تنہا نہیں بھیجنا چاہتی تھیں۔ وہ کبھی ڈیڈی کے بھی کسی دوست سے بے تکلف نہیں ہوئیں۔ محض دادی جان کو جلانے کے لئے آپ کو اپنا دوست اور سینما چلنے کی تجویز پیش کی۔''

''اور اب آپ انہیں جلانا چاہتی ہیں۔'' حمید نے طویل سانس لے کر کہا۔

''یقیناً..... اگر وہ دادی جان کے ساتھ سمجھوتا نہیں کر سکتیں تو پھر میں کیوں کروں اُنکے ساتھ۔''

''ہیئر..... ہیئر.....!'' انور نے تالیاں بجائیں۔

''انور چین سے بیٹھو۔''

''ڈیڈی..... بیچارے سچ مچ گوتم بدھ ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ اُن کی ماں کا دل دکھے۔ لیکن ممی سے بھی روح فنا ہوتی ہے۔''

''خدا رحم کرے ڈاکٹر کے حال پر۔'' حمید بولا۔

''بلکہ خدا کو میرا یہ مشورہ ہے کہ ایسے ڈرپوک آدمی پیدا کرنا ہی چھوڑ دے جو نہ دنیا کے کام کے اور نہ دین کے۔''

''ارے باپ رے۔''

''کیوں؟ آپ کو کیا ہوا؟''

''میں اور میرا چیف ہی بھلے..... شادی ہی نہیں کی اسی خوف سے۔''

''یہ بزدلی کی اسفل ترین قسم ہے۔''

''مزید ارے باپ رے..... کیونکہ میں آپ سے ہرگز اس کی وضاحت نہیں چاہوں گا۔''

''نفسیاتی نقطہ نظر سے..... آپ دونوں واقعی بزدل ہیں۔ اسے مذاق نہ سمجھئے۔''

''باجی خدا کیلئے نفسیات نہ چھیڑو۔ ورنہ تفریح دھری رہ جائے گی۔'' انور نے بے بسی سے کہا۔

''میں اپنے کانوں کے قریب صرف تفریحی گفتگو چاہتا ہوں۔''

''تم گدھے ہو۔'' نگہت بولی۔

''یہ کون سا کومپلکس ہے باجی۔''

''شٹ اپ.....!''

''آپ کہاں چل رہی ہیں باجی.....؟''

''بس گھومیں گے پھریں گے۔ فلم بینی تھکا دینے والی تفریح ہے۔''

''تب تو میں بیکار آیا۔'' انور بولا۔

''آدمی بنو..... میں نہیں سمجھ سکتی کہ فلموں میں لوگ کیا دیکھتے ہیں۔''

''نفسیاتی نکتہ نظر سے تمہیں کیا ہو گیا ہے باجی۔''

''ٹھیک کہتی ہیں تمہاری باجی..... میری سمجھ میں بھی آج تک نہ آ سکا کہ فلموں میں رکھا ہوتا ہے۔''

''مجھے یہیں اتار دیجئے آپ لوگ..... پیدل گھر واپس جاؤں گا۔''

''میں سچ مچ اُتار دوں گی۔''

''نفسیاتی نکتہ نظر سے ممی چپل اتار لیں گی۔''

حمید نے سوچا کہیں گاڑی کا رخ دوبارہ گھر کی طرف نہ ہو جائے لہٰذا وہ انور کو بہلانے کی کوشش کرنے لگا۔ اُسے یاد آیا کہ اُس نے آج کے اخبار میں ایک مقامی ہوٹل کا اشتہار دیکھا تھا جس میں وہاں کے کسی میجک شو کا تذکرہ کیا گیا تھا۔

اُس نے میجک شو دیکھنے کی تجویز پیش کی۔

''ہاں یہ ممکن ہے۔'' نگہت بولی۔

''چلو یہی سہی۔'' انور نے کہا۔ ''حالانکہ میجک شو بکواس ہوتے ہیں۔''

''کوئی غیر ملکی بازی گر ہے۔''

''احمق ہر ملک میں پائے جاتے ہیں۔'' انور بولا۔

''کہاں ہے میجک شو.....!'' نگہت نے پوچھا۔

''ریالٹو چلئے..... پانچ بج رہے ہیں۔'' حمید گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔

ریالٹو اعلیٰ درجے کا ہوٹل تھا۔ انور اور نگہت یہاں شائد پہلی بار آئے تھے۔

ہال میں خاصی چہل پہل تھی۔ میجک شو ایک گھنٹے بعد شروع ہونے والا تھا۔ حمید نے بتایا کہ یہاں کی مچھلی مشہور ہے۔ بڑی لذیز ڈش تیار کی جاتی ہے۔

نگہت کچھ کھانے پر تیار نہیں تھی۔ لیکن حمید کے اصرار پر مان گئی۔

ساڑھے چھ بجے اسٹیج کا پردہ سرکا۔ بازی گر سیاہ سوٹ میں ملبوس خالص دیسی انداز میں جھک کر تماشائیوں کو سلام کرتا نظر آیا۔

کھیل پیش کرنے سے پہلے اُس نے ایک مختصر سی تقریر میں الفاظ کی بازی گری بھی کی۔ حمید کا اندازہ تھا کہ وہ کوئی فرانسیسی ہی ہو سکتا ہے۔

مچھلیاں کھا چکنے کے بعد حمید نے کافی طلب کی۔ کافی دوسرے ویٹر نے سرو کی تھی۔ اس نے شکر دان اس طرح حمید کے سامنے رکھا تھا کہ حمید کو اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

ویٹر جا چکا تھا اور حمید شکر دان کے اندر پڑے ہوئے چھوٹے سے کارڈ کو گھورے جا رہا تھا جس پر سیاہ بلی کی تصویر تھی۔ بلیک فورس کا نشان۔

اُس نے اُسے وہیں پڑا رہنے دیا اور خود ہی شکر دان سے شکر نکال نکال کر پیالیوں میں ڈالتا رہا۔ جب وہ دونوں پوری طرح بازیگر کی طرف متوجہ ہو گئے تو اس نے شکر دان سے کارڈ نکال کر اُس کی پشت پر نظر ڈالی۔ پنسل سے باریک حروف میں لکھا ہوا تھا۔

''نیلی ٹائیوں والے آپ کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں آئے ہیں۔ اپنے ساتھیوں کو تنہا مت کیجئے۔ آپ کی جیپ تھوڑی دیر بعد یہیں موجود ملے گی۔''

حمید نے طویل سانس لی اور کارڈ کو جیب میں ڈال کر تکھیوں سے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ بائیں جانب تیسری میز کے گرد تین آدمی نظر آئے۔ جن کی ٹائیاں نیلے رنگ کی تھیں۔ اُن میں ایک غیر ملکی تھا اور دو مقامی لوگ۔

حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور کھیل کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ایک گھنٹے تک بازی گری کے مختلف آئیٹم چلتے رہے۔ اسکے بعد حمید نے تجویز پیش
لوگ اسے ساتھ لئے بغیر گھر واپس جائیں۔ نگہت کو یہ تجویز کچھ عجیب سی لگی۔ لیکن جب
کہا کہ ان حالات میں وہ ان کی ممی کا سامنا نہیں کر سکے گا۔ انور اس کی تائید کرتا ہوا بولا
نہیں چاہتا کہ اتنا اچھا دوست ہم سے بددل ہو جائے۔ لہٰذا کیپٹن ہی کی بات مان لی جا

پھر وہ دونوں اٹھ کر باہر چلے گئے تھے اور حمید وہیں بیٹھا رہا تھا۔ نیلی ٹائی والوں میں
کوئی بھی اپنی میز سے نہیں اٹھا۔ ویسے ان تینوں کی نظروں نے صدر دروازے تک انور اور
کا تعاقب کیا تھا۔

وہ دونوں

حمید نے کچھ دیر بعد پھر کافی طلب کی۔ ویٹر وہی تھا۔ لیکن اس بار شوگر پاٹ میں
شکر ہی تھی۔

وہ سوچ رہا تھا کہ پھر کچھ شروع ہو رہا ہے۔ ٹسڈل کو استعمال کرنے والوں کے وسا
لامحدود تھے۔ وہ کب اسے گوارا کر سکتے تھے کہ ٹسڈل اُن کے قبضے سے نکل جائے۔ غالباً
خدشے کے تحت فریدی نے وہاں بلیک فورس کا جال بچھا دیا تھا۔

کافی طلب کر کے حمید نے بل طلب کیا اور ادائیگی کے بعد اٹھ گیا۔ لیکن باہر جا
بجائے سیدھا کاؤنٹر کی طرف آیا۔ کاؤنٹر کلرک سے ٹیلی فون ڈائریکٹری لے کر ڈاکٹر علو
فون نمبر تلاش کئے۔

فون پر بیگم علوی سے رابطہ قائم کرنا چاہتا تھا۔

اتفاق سے دوسری طرف بیگم علوی ہی نے ریسیور اٹھایا۔

''مجھے بے حد افسوس ہے۔'' اُس نے کہا۔ ''بچے گھر پہنچ گئے ہوں گے۔ مجبوراً انہیں

پڑا۔ مجھے ایک ضروری کام یاد آ گیا تھا۔''

''ہماری وجہ سے آپ کو تکلیف اٹھانی پڑی۔'' بیگم علوی نے دوسری طرف سے کہا۔ لیکن اُن کا لہجہ اچھا نہیں تھا۔

''کیا میری گاڑی وہاں سے چل چکی ہے۔''

''دیر ہوئی..... اچھا شب بخیر.....!'' کہہ کر بیگم علوی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

حمید ریسیور رکھ کر مڑا تو ایک نیلی ٹائی والے کو بھی اپنے قریب کھڑا پایا۔ وہ کاؤنٹر کلرک سے پوچھ رہا تھا کہ وہاں کے بار میں بوربن کیوں نہیں ملتی۔

جیپ اُسے باہر کھڑی ہوئی ملی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب کہاں جائے۔

بلیک فورس کی فراہم کی ہوئی اطلاع کا مطلب یہی تھا کہ نیلی ٹائی والے اس کا تعاقب کرتے رہے ہوں گے اور فورس کا کوئی ممبر خود ان کی نگرانی کرتا رہا ہوگا۔

جیپ میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے اُس نے سوچا اب کسی دوسری تفریح گاہ کا رخ کرنا چاہئے۔

قریب ہی ایک نائٹ کلب تھا۔ حمید نے جیپ اسی کی کمپاؤنڈ میں روکی۔

ہال میں رقص کی موسیقی گونج رہی تھی اور رقاص جوڑے فرش پر ہلکورے لیتے پھر رہے تھے۔ حمید ایک کنارے کھڑا ہو کر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

ذرا ہی سی دیر میں اُس نے محسوس کر لیا کہ وہ گھیرا جا رہا ہے۔ نیلی ٹائی والے اُس کے اُس پاس آ کر اسی طرح رک گئے تھے۔

حمید نے اپنی پوزیشن کا جائزہ لیتے ہوئے سوچا اگر اتفاقاً ہال کی لائٹ غائب ہو جائے تو وہ تینوں ایک ہی چھلانگ میں اُس پر آ پڑیں گے۔

تمباکو بھر کر اُس نے پائپ سلگایا نہیں بلکہ کوٹ کی جیب میں ڈال لیا۔ اب اُسے کسی ایسی عورت کی تلاش تھی جس کو کسی نے بھی لفٹ نہ دی ہو۔

بالآخر بائیں جانب کی گیلری میں ایک پریشان عورت کھڑی نظر آئی۔

عمر چالیس پینتالیس سے کسی طرح کم نہ رہی ہوگی۔ حمید اس کی طرف بڑھا اور قریب جا کر بڑے ادب سے رقص کے لئے درخواست کی۔ اس نے اسے نیچے سے اوپر تک دیکھا اور عجیب انداز میں مسکرائی۔ حمید فوری طور پر اُس مسکراہٹ کو کوئی معنی نہ پہنا سکا۔

پھر اُس نے حمید کی طرف ہاتھ بڑھا دیئے۔ لیکن دو ہی قدم چلنے کے بعد حمید کو احساس ہوا کہ اُس سے غلطی سرزد ہوئی ہے۔ وہ تو بُری طرح نشے میں دھت تھی۔

خالی لحیم شحیم ہونے کی بناء پر حمید ذرا ہی سی دیر میں تو بہ بول گیا۔ بڑی قوت صرف کرنی پڑ رہی تھی اُسے سنبھالے رکھنے میں۔

''کچھ بولو بھی.....!'' وہ کچھ دیر بعد اس کے کان کے قریب منہ لے جا کر منمنائی۔

''میں صرف گانا جانتا ہوں۔''

''ہی ہی ہی.....تو پھر گاؤ.....!''

حمید نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے اپنے مقدر کو کوستا رہا۔ شائد اس سے حماقت ہی سرزد ہوئی تھی۔ کیونکہ اب تعاقب کرنے والے بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔

اس نے سوچا اب کیا کیا جائے۔ ہوسکتا ہے فورس یہی چاہتی رہی ہو کہ وہ کھلی سڑکوں پر مارا مارا پھرے اور تعاقب کرنے والوں پر نظر رکھی جا سکے۔

''شائد تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے.....!'' حمید نے اپنی ہم رقص سے کہا۔

''میں بالکل ڈرائی جن ہو رہی ہوں.....ہشاش بشاش.....!''

''اب تم گرو گی.....چلو اپنی میز پر۔''

''میری کوئی میز نہیں ہے۔ میں.....میں نہیں جانتی.....میں کچھ نہیں جانتی.....جہاں چاہو لے چلو۔''

''میری بھی کوئی میز نہیں ہے.....اچھا چلو میں تمہیں اور پلاؤں۔'' حمید نے کہا۔ وہ جلد از جلد اس سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔

''پلاؤ گے؟'' اس نے دانت نکال دیئے۔

''شراب کے حوض میں غرق کر سکتا ہوں تمہیں۔''

''میں نہیں ڈوب سکتی.....تیرنا آتا ہے مجھے۔''

''اچھا ذرا تیرتی ہوئی بار تک چلی چلو.....ورنہ اب خود میں ہی غرق ہو جاؤں گا.....!''

ہانپتا ہوا بولا۔ اس کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئی تھیں۔ بڑی وزنی عورت تھی اور سارا بوجھ حمید پر ڈال رکھا تھا۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی اس کے ساتھ چلنے لگی۔ حمید کو ایسا لگ رہا تھا کہ ساری آنکھیں انہیں ہی گھور رہی ہوں۔ وہ اسے سنبھالتا ہوا بار کے کاؤنٹر پر لایا اور خالی سٹول پر بٹھاتا ہوا بار ٹنڈر سے بولا۔ ''لارج وہسکی۔''

''نہیں.....!'' عورت آنکھیں بھینچ کر منمنائی۔ ''ڈرائی جن! دو بڑے پگ۔''

''میں تو اس وقت صرف بھینس کا دودھ پیتا ہوں۔'' حمید جلدی سے بولا۔

''اچھا تو دونوں پگ میرے ہی گلاس میں ڈال دو.....!'' وہ بار ٹنڈر کے چہرے کی طرف انگلی اٹھا کر بولی۔

بار ٹنڈر نے حمید کو الگ بلا کر آہستہ سے کہا۔ ''میں اسے شراب تو دے دوں گا لیکن براہِ کرم یہاں سے اٹھا لے جایئے گا۔''

''کیوں؟''

''صاحب وہ بالکل آؤٹ ہو رہی ہے.....دو پگ اور پی کر تو طوفان برپا کر دی گی.....ہماری کی کسر رہ گئی ہے اس کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا جائے۔''

''کچھ کرو.....دوست.....میں اس سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہوں۔'' حمید پانچ کا نوٹ بڑھاتا ہوا بولا، جو شکریہ کے ساتھ قبول کر لیا گیا۔

''آپ دونوں پگوں پر پیسے نہ ضائع کیجئے۔'' اس نے مشورہ دیا۔ ''میں اسے باتوں میں لگاتا ہوں آپ چپ چاپ نکل جایئے۔ اسکے بعد شائد آج ہی اس کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا جائے۔''

پھر وہ عورت کے سامنے آ کھڑا ہوا اور اُس سے ڈرائی جن کے علاوہ اور کسی قسم کی شراب کے بارے میں پوچھنے لگا۔

"نہیں.....وہی چاہئے۔"

"ڈرائی جن تو ختم ہو چکی ہے۔"

حمید نے اس سے آگے سننے کی کوشش نہیں کی۔ الٹے پاؤں کھسکتا ہوا گیلری تک آیا۔ جو وہاں سے بھاگا ہے تو پلٹ کر نہیں دیکھا۔

اس کی جیپ ایک بار پھر شہر کے بازاروں میں چکراتی پھر رہی تھی۔ ایک تمباکو فروش کی دوکان کے سامنے اس نے گاڑی روک کر جیب سے پائپ نکالا اور اُسے سلگا کر نیچے اُتر گیا۔

دوکان میں پہنچ کر پرنس ہنری کا ڈبہ طلب کیا۔ یہاں رکنے کا مقصد اس کے علاوہ اور نہیں تھا کہ تعاقب کرنے والوں کو دیکھ سکے۔ ایک لمبی سی سیاہ گاڑی جیپ سے تھوڑے فاصلے رکی تھی۔ لیکن اس پر سے کوئی اُترا نہیں تھا۔ گاڑی کسی قدر اندھیرے میں تھی اس لئے اندر بیٹھنے والے بھی نہ دکھائی دیئے۔

ڈبہ خرید کر وہ پھر جیپ میں آ بیٹھا اور عقب نما آئینے میں کالی گاڑی پر نظر جمائے ہوئے انجن اسٹارٹ کیا۔ جیپ جھٹکے کے ساتھ آگے بڑھی۔ حمید کی توجہ عقب نما آئینے کی طرف بھی تھی۔ اُس نے کالی گاڑی کو حرکت کرتے دیکھا۔ وہ اسی کے پیچھے آ رہی تھی۔ دفعتاً حمید کو وقت ٹسڈل کے بنگلے کی طرف چل دینے کی سوجھ گئی ورنہ پہلے تو اُس نے سوچا تھا کہ رات شہر ہی میں گزارے گا۔



ولیم پنڈو اُن کے درمیان ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے وہ سب اس کے زر خرید غلام ہوں۔ اس کے سامنے قطار باندھے کھڑے تھے۔

وہ تعداد میں چھ تھے اور سبھوں نے نیلی ٹائیاں باندھ رکھی تھیں۔

"رپورٹ.....!" دفعتاً پنڈو غرایا۔

ان چھ آدمیوں میں ایک سفید فام غیر ملکی بھی تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر کہا۔ "ہم اس پر ڈالنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔"

"کیوں.....؟" اس نے خونخوار آنکھوں سے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"اچانک ہمیں احساس ہوا تھا کہ ہمارا بھی تعاقب کیا جا رہا ہے۔"

"اوہ.....!" وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتا ہوا بولا۔ چند لمحے خاموش رہ کر اس نے ایک کے علاوہ اور سب کو جانے کا اشارہ کیا۔ پانچوں دیسی کمرے سے چلے گئے۔

پنڈو دوسرے غیر ملکی کو گھورتا رہا.....وہ کچھ بوکھلایا ہوا سا نظر آنے لگا تھا۔

"ہام.....!" پنڈو کرسی سے اٹھتا ہوا بولا۔ "اس کا تعاقب ترک کر کے پھر کیا کیا تم نے؟"

"ہم دوسرے راستے پر مڑ گئے۔"

"اور تمہارا تعاقب جاری رہا۔"

"تعاقب جاری رہا.....لیکن ہم انہیں ڈاج دے کر نکل آئے۔"

"تمہیں اطمینان کیونکر ہوا کہ ڈاج دے کر نکل آئے ہو۔"

"ب.....بس.....!"

"شٹ اپ.....!" پنڈو دہاڑا۔

"د.....دیکھئے مسٹر پنڈو۔" سفید فام ترشی سے بولا۔ "اس سے پہلے گراہم ہمارا چیف لیکن اُس نے کبھی مجھ سے ایسے لہجے میں گفتگو نہیں کی۔"

پنڈو کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور آنکھیں وحشیانہ انداز میں چمکنے لگیں۔ پھر وہ کسی سانپ کی طرح پھپھکارا۔ "سچ مچ تمہاری عزت کرنے کو دل چاہتا ہے..... بہادر۔"

لیکن وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔

"قریب آؤ.....!" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا غرایا۔

اور وہ کسی سحر زدہ آدمی کی طرح آہستہ آہستہ پنڈو کی طرف بڑھنے لگا اور جیسے ہی پہنچا آنکھوں میں ستارے ناچتے چلے گئے۔ پنڈو کا بھرپور ہاتھ اس کی پیشانی پر پڑا تھا۔ وہ طرح اچھل کر دور جا گرا جیسے کارک کا مجسمہ رہا ہو۔

''یہ فرق ہے مجھ میں اور کرنل گراہم میں۔'' پنڈو کا لہجہ بے حد سرد تھا۔ مارکھا فرش پر چت پڑا ایسے انداز میں پلکیں جھپکائے جا رہا تھا جیسے وہ نہ صرف بینائی سے محروم ہو۔ بلکہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی کھو بیٹھا ہو۔

پنڈو بے تعلقانہ انداز میں بیٹھ کر سگریٹ سلگانے لگا۔

اسی عمارت کے ایک کمرے میں پیکسی آرام کرسی میں نیم دراز..... ویران آنکھوں سے چھت کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے تھے اور ہو خشک..... ایسا لگتا تھا جیسے برسوں سے بیمار ہو۔ دفعتاً پنڈو کمرے میں داخل ہوا اور وہ اٹھ گئی۔

''تم نے ابھی تک لباس تبدیل نہیں کیا.....؟'' وہ غرایا۔

''مم..... میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہو جائے گی۔''

''خدا کے لئے مجھے واپس بھجوا دو۔''

''خدا ہی چاہے گا تو واپسی بھی ہو جائے گی۔''

''میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔''

''پیکسی.....!''

وہ سر جھکائے ہوئے دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ اس کے پیر لڑکھڑا رہے تھے۔ پنڈو وہیں کھڑا سگریٹ کے گہرے گہرے کش لیتا رہا۔

کچھ دیر بعد وہ واپس آئی۔ اس نے لباس بھی تبدیل کیا تھا اور میک اپ بھی کیا تھا۔ لیکن آنکھوں کے اضمحلال سے پیچھا نہ چھڑا سکی تھی۔

پنڈو اُسے تیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ ''چند ہی دنوں میں مجھے برداشت کرنے کی عادی ہو جاؤ گی۔''

یک بیک پیکسی کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار نظر آئے۔

''دیکھو میں پھر کہتی ہوں کہ تم مجھے مرعوب نہیں کر سکتے۔ ہورلیس بھی کسی گرجے سے تعلق نہیں رکھتا تھا۔''

''ایسی ہی عورتیں پسند ہیں مجھ کو.....!'' پنڈو مسکرایا۔ ''اگر تم دس لاشیں دیکھ کر بے ہوش ہو جاتیں تو میں تمہیں بھی وہیں پھینک آتا۔''

پیکسی نے بُرا سا منہ بنا کر شانوں کو جنبش دی۔

''چلو شہر دیکھ آئیں۔''

پیکسی کچھ کہے بغیر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ وہ اسے گھورتا ہوا اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ راہداری میں ایک جگہ وہ رک گیا اور پیکسی کو بھی رکنے کو کہا۔

بائیں جانب سوئچ بورڈ پر ایک پش سوئچ کا بٹن دبایا۔ راہداری کے فرش کا ایک بلاک اپنی جگہ سے سرک گیا۔ خلاء میں ایک فٹ نیچے سیڑھیاں نظر آئیں۔

پنڈو نے فرش پر ظاہر ہونے والے خلاء کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''چلو.....!''

پیکسی نے اُسے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے جتانا چاہتی ہو کہ نہ تو وہ اس سے خوفزدہ ہے اور نہ ایسے پُر اسرار حالات کی پرواہ کرتی ہے۔ پھر وہ خلاء میں اترتی چلی گئی۔ پنڈو اس کے پیچھے سیڑھیاں طے کر رہا تھا۔ سیڑھیوں کے اختتام پر رک کر اس نے بائیں جانب والے سوئچ بورڈ پر پھر ایک سوئچ کو چھیڑا اور اوپر سے سرکا ہوا بلاک پھر اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ یہاں روشنی

بھی ہوگئی تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے دو تین فٹ کے فاصلے پر خاموش کھڑے تھے۔

دفعتاً پنڈو بولا ''مجھے ہر اُس عورت سے محبت ہو جاتی ہے جس پر کوئی قتل کر دینے کے نظر پڑے۔''

''اور میں ہر اس مرد پر تھوک دیتی ہوں جو اس طرح مردانگی جتاتا ہے۔''

''پیکسی.....!''

''ہاں میں جانتی ہوں کہ تم بے حد کمزور آدمی ہو..... اتنے کمزور کہ خود پر قابو نہ پا کر تم کر دیتے ہو۔''

''پیکسی.....!''

پیکسی ہنس پڑی اور بولی۔ ''قتل کر دو مجھے۔ لیکن میں سوچ رہی ہوں کہ اگر تم جیسا جانو پالنے میں کامیاب ہوگئی تو بقیہ زندگی آرام سے گزر جائے گی۔''

''اوہ.....!''

پیکسی نے پھر قہقہہ لگایا۔ پنڈو کے چہرے سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کر رہا ہو۔

''مجبوری ہے۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''میں تمہیں قتل نہیں کر سکتا۔''

''کیوں..... کیسی مجبوری؟''

''جب تک کوئی دوسری عورت نہ مل جائے میں تمہیں قتل نہیں کر سکتا اور ویسے بھی ابھی مجھے ذرا ہاتھ روک کر کام کرنا ہے۔ کیونکہ مجھے کچھ گدھوں کا انچارج بنایا گیا ہے۔ مجھ سے پہلے والا انچارج ان گدھوں سے بھی زیادہ بڑا گدھا تھا۔''

''یہاں کیا کر رہے ہو تم لوگ.....؟''

''تم مجھے اسمگل کر کے یہاں لائی ہو۔ لہٰذا تم ہی بتاؤ کہ مجھے یہاں کیا کرنا چاہئے۔''

''خیر نہ بتاؤ..... مجھے اس کی بھی فکر نہیں۔''

''میں نے پہلے ہی اندازہ کر لیا تھا کہ تم کس حد تک میرا ساتھ دے سکتی ہو۔''

''مجھ سے محتاط رہنا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''میں کسی وقت بھی تمہیں قتل کر سکتی ہوں۔''

پنڈو نے قہقہہ لگایا۔ طویل قہقہہ جو اس تہہ خانے کی محدود سی فضا میں بڑا بھیانک لگ رہا تھا۔

پیکسی تنی کھڑی اُسے گھورتی رہی۔

''آؤ.....!'' وہ بالآخر اُس کا بازو پکڑ کر کھینچتا ہوا بولا۔

وہ ایک سرنگ سے گزرتے ہوئے کسی دوسری عمارت میں پہنچے۔ یہاں ایک دراز قد ہبرلکی نے اس کا استقبال کیا۔ لیکن وہ کچھ متحیر سا نظر آ رہا تھا۔

''یہ گدھوں کا فارم ہے اور کچھ نہیں.....!'' پنڈو اُسے گھورتا ہوا غرایا۔

''میں نہیں سمجھا چیف.....!'' دوسرے غیر ملکی کے لہجے میں تحیر تھا۔

''جیرالڈ نے مجھے اطلاع دی تھی کہ کرنل فریدی کا اسسٹنٹ شہر میں دکھائی دیا ہے۔ میں نے کہا اُسے گھیرنے کی کوشش کرو۔ کئی گھنٹے ضائع کرنے کے بعد کچھ دیر ہوئی واپس آ کر طلاع دی کہ اس کا بھی تعاقب کیا جا رہا تھا۔ لہٰذا وہ اپنے آدمیوں سمیت واپس آ گیا۔''

دراز قد غیر ملکی نے پرتشویش انداز میں سر کو جنبش دی۔

''اس عمارت سے سب کچھ یہاں منتقل کر دو۔ لاشیں وہیں چھوڑ دینا۔''

''لاشیں.....؟'' دراز قد غیر ملکی اچھل پڑا۔

''وہ جیرالڈ سمیت تین تھے جنہوں نے اس کا تعاقب کیا تھا۔''

''جج..... جیرالڈ.....!''

''جیرالڈ اور دو مقامی آدمیوں کی لاشیں وہیں پڑی رہنے دینا۔'' پنڈو نے اس طرح کہا جیسے وہ لاشیں غیر ضروری سامان کی حیثیت رکھتی ہوں۔

''آپ نے..... جج..... جیرالڈ کو مار ڈالا۔''

''غیر ضروری باتیں نہیں.....!'' پنڈو ہاتھ اٹھا کر سرد لہجے میں بولا۔

''میں کچھ ضروری باتیں بھی گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔'' دراز قد آدمی کا لہجہ کرخت اور ناخوشگوار تھا۔

''بکو.....!'' پنڈو کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولا اور خود دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔

پیکسی کھڑی رہی۔ اُس نے اُس سے بیٹھنے کو بھی نہ کہا۔

دراز قد کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''آپ آج ہی آئے ہیں، حالات کا جائزہ کیسے لے پائے ہوں گے۔''

''اچھا تو پھر.....؟''

''فریدی اور اس کے آدمی خطرناک لوگ ہیں۔ صرف خطرناک ہی نہیں بلکہ ذہین بھی۔''

''ہوں.....تو پھر.....؟''

''پہلے حالات کو سمجھ لیجئے۔''

''میں صرف قتل کرنے آیا ہوں۔'' پنڈو میز پر گھونسہ مار کر بولا۔ ''حالات سے مجھے کوئی سروکار نہیں۔''

''اس طرح تو آپ ہم سب کو خطرے میں ڈال دیں گے۔''

''جہنم میں جاؤ۔'' وہ اٹھتا ہوا بولا اور پیکسی کا بازو پکڑ کر دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ''میں کچھ دیر کے لئے باہر جا رہا ہوں۔ تمہیں اس عمارت کو اس جگہ سے بے تعلق کرنا ہے اور بس.....!''

حمید نے کچھ دور جانے کے بعد محسوس کیا کہ اب اس کے پیچھے اور کوئی گاڑی نہیں ہے۔ اپنی جیپ ایک طرف روک کر وہ پیچھے مڑا۔ دور تک سڑک تاریک پڑی تھی۔

فتاً اُسے اپنے اوپر بے تحاشہ غصہ آیا۔ آخر اس طرح نکل بھاگنے کی کیا ضرورت تھی۔ وں کی بہم پہنچائی ہوئی اطلاع کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ گوشہ عافیت کا رخ کرتا۔ کم از کم یکھنا ہی چاہئے تھا کہ وہ لوگ تعاقب کس مقصد کے تحت کر رہے تھے۔

یک بیک بھنا کر اُس نے گاڑی پھر شہر کی طرف موڑ دی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ سیدھے وہی چلنا چاہئے۔ اگر یہ معاملہ ٹسڈل ہی سے تعلق رکھتا ہے تو نپٹنا ہی پڑے گا۔

ایک دم سے سر پر چھپکلی سوار ہوگئی۔ لفظ ''نپٹنا'' اس طرح ذہن میں آیا تھا جیسے وہ ذاتی کا سوال ہو۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ وہ اسی پر مطمئن ہو جاتا کہ تعاقب کرنے والے بلیک کے کسی ممبر کی نظر میں آ چکے ہیں۔

وہ مارا مار شہر کی طرف بڑھتا رہا۔ ان دنوں اس کے ذہن کی عجیب حالت تھی۔ وہ ہمہ جہتی بھائی چارے کا قائل نہیں رہا تھا۔ اُس کی خواہش تھی کہ کسی طرح ساری دنیا کی رنگ دار متحد ہو کر سفید اقوام کے چیتھڑے اڑا دیں..... یہی وجہ تھی کہ وہ ٹسڈل والے معاملے کو ابھی تک ذاتی معاملہ سمجھنے لگا تھا۔ وہ نسلی اور قومی جذبات سے بھرپور ہو کر سوچے جا رہا تھا اور طوفان کی طرح اڑی جا رہی تھی۔

پھر وہ ریالٹو کے سامنے ہی جا کر رکا اور گاڑی سے اترتے اترتے قومی جذبات کو خفیف لگا۔ کیونکہ ایک سفید فام عورت سے نظریں چار ہوئی تھیں۔ عورت حمید کو دلکش لگی تھی۔ نے سوچا ساری دنیا کی عورتیں ایک ہی قوم ہیں اور اس قومیت میں رنگ و نسل کو دخل نہیں پھر وہ اس کے ساتھی کو دیکھنے لگا۔

وہ بھاری بھرکم اور چوڑے شانوں والا تھا۔ اس سے نظر ملتے ہی خواہ مخواہ حمید کو احساس ہوا جیسے وہ اس کو چیلنج کر رہا ہو۔ غیر ارادی طور پر حمید نے کسی لڑاکے مرغ کی طرح گردن اکڑائی۔ دونوں ہی ایک دوسرے کو گھورتے ہوئے کچھ دور چلے پھر وہ اپنی ساتھی کی کسی بات پر قہقہہ لگا کر ہو گیا۔ وہ لوگ آگے پیچھے ہال میں داخل ہوئے۔ اب یہاں فلور شو ہو رہا تھا۔

حمید نے اس جوڑے کے قریب ہی والی ایک میز منتخب کی۔ عورت کا انداز حمید کو کچھ غیر

فطری سا لگ رہا تھا۔ مرد رقاصہ کی طرف متوجہ تھا۔

دفعتاً حمید نے دیکھا کہ عورت پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی ہے۔

حمید کی چیخ

حمید نے اس کے ساتھی کے رویے کو بڑی حیرت سے دیکھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اُسے اس کی پرواہ ہو اور نہ اس کی فکر کہ اس مجمع میں لوگ اس کے بارے میں کیا سوچیں گے۔

وہ برابر منہ ڈھانپے روئے جا رہی تھی۔

دفعتاً حمید اپنی جگہ سے اٹھا اور ان کی میز کے قریب پہنچ کر بڑے ادب سے جھکا اور نرم لہجے میں بولا۔ ''خاتون..... آپ کو کیا تکلیف ہے۔''

اس کا ساتھی ایک دم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

حمید بڑے خوبصورت اسٹائل میں اس کی طرف مڑا تھا۔

''جناب..... آپ ہمارے مہمان ہیں۔''

''تو پھر.....!''

''میں آپ لوگوں کی کیا خدمت کر سکتا ہوں..... اگر خاتون کسی تکلیف میں مبتلا ہیں ان کے لئے ڈاکٹر لاؤں۔''

دفعتاً حمید نے اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ دیکھی، خطوط کا تیکھا پن رخصت ہو چکا تھا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے.....!'' وہ قریب کی کرسی کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔

حمید اس کا شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔

''انہیں کوئی خاص تکلیف نہیں ہے۔'' عورت کے ساتھی نے کہا۔ ''یہاں آرکسٹرا

بھی شامل ہے۔''

''واکن.....!'' حمید میوزک کی طرف توجہ مبذول کرتا ہوا بولا۔ ''ہاں..... ہے تو.....!''

''واکن کی آواز کا ان کے ذہن پر خاص اثر ہوتا ہے۔''

''کوئی ٹریجڈی۔''

''ہاں..... ان کا ایک آرٹسٹ دوست واکن بجاتے بجاتے مر گیا تھا۔''

عورت اب بھی روئے جا رہی تھی۔

''عورت کے ذہن کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

عورت نے چہرے سے ہاتھ ہٹائے اور اس کی طرف دیکھنے لگی۔ آنسوؤں سے بھری بڑی بڑی آنکھیں عجیب سی دلکشی کی حامل نظر آ رہی تھیں۔ حمید اس تاثر کو فوری طور پر الفاظ نہ دے سکا۔ پھر اس نے رومال سے آنسو خشک کر ڈالے اور حمید ہی کو گھورتی رہی۔

''کیا تم گائیڈ ہو۔'' مرد نے حمید سے پوچھا۔

''ہوں تو نہیں..... لیکن دوستوں کے لئے گائیڈ کے فرائض بھی انجام دے سکوں گا۔''

''لیکن یہاں تو کوئی ایسی جگہ نہیں جس کے لئے گائیڈ کی ضرورت پیش آئے۔''

''یہاں دو قبریں ہیں۔''

''قبریں.....!''

''ہاں دو محبت کرنے والوں کی قبریں۔ جن کے گیت گھر گھر گائے جاتے ہیں۔''

''کیا خاص بات ہے اُن قبروں میں؟''

''ہماری قوم کے پاگل پن کی تاریخ پوشیدہ ہے ان قبروں میں۔''

''میں نہیں سمجھا۔'' مرد نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

''ہماری قوم محبت کرنے والوں کو مار ڈالتی ہے..... دفن کر دیتی ہے۔ پھر اُن کے لئے مقبرے تعمیر کرتی ہے پھر..... شاعر اُن پر گیت لکھتے ہیں پھر مصنف ان کی کہانیاں لکھتے ہیں۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔''

''ہے نا پاگل پن۔''

''بالکل.....!''

''لیکن نہیں..... یہ ہمارا فلسفہ ہے..... وہ دونوں اگر مل بیٹھتے تو صرف شکار کرتے..... گیتوں اور کہانیوں کا موضوع نہ بن سکتے..... جی بہلانے کے لئے اور خواب کے لئے کہانیاں بھی تو قومی ضروریات میں شامل ہیں۔''

''سمجھ دار آدمی معلوم ہوتے ہو۔'' وہ حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''کیا پیو گے؟''

''خدا نے میری قوم پر صرف ٹھنڈا پانی اُتارا ہے۔''

''تو تم بھی قوم پرست ہو۔''

''بڑے فخر کے ساتھ۔'' حمید نے گردن اکڑائی۔

اس نے ویٹر سے رائی کی وہسکی اور شامپین لانے کو کہا۔

''میں بھی پیوں گی۔'' عورت بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''تمہاری قوم پر تو خدا نے ٹھنڈا پانی نہیں اُتارا۔'' وہ مضحکانہ انداز میں ہنسا۔ وہ کچھ بولی نہیں پھر وہ حمید سے بولا۔ ''پھر یہاں بیکار بیٹھنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اپنی میز پر جاؤ۔''

عورت نے مرد کو گھور کر دیکھا اور پھر حمید سے بولی۔ ''نہیں تم یہیں بیٹھو گے۔ ہم نئی دوستی کا خیر مقدم کرتے ہیں۔''

مرد نے اسے کچھ عجیب سی نظروں سے دیکھا تھا اور اس کی آنکھوں میں اس وقت جذبے کی جھلکیاں تھیں، حمید صحیح طور پر اندازہ نہ کر سکا۔

شراب آئی، وہ دونوں پیتے رہے اور حمید پائپ کے کش لیتا رہا۔ اس نے اپنے لئے طلب کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

اس کی آنکھیں تو اب ویٹر کو ڈھونڈ رہی تھیں جس نے کچھ دیر پہلے اس تک بلیک فوکس کا پیغام پہنچایا تھا۔

کرنل فریدی نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ ٹھیک گیارہ بج کر پانچ منٹ پر وہ ٹرانسمیٹر کے ذریعے پیغام رسانی کیا کرتا تھا۔

اس نے ٹرانسمیٹر کا سوئچ آن کر دیا جیسے ہی بڑی سوئی پانچ پر پہنچی ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔ ''ہیلو ہارڈ اسٹون..... ہیلو ہارڈ اسٹون۔''

''ہارڈ اسٹون.....!'' فریدی بولا۔

''کوڈ تھری سیون سر.....!'' آواز آئی۔ ''اٹ از بلیک۔''

فریدی نے کاغذ اور پنسل سنبھال لئے۔ پھر دوسری طرف سے کوڈ ورڈ میں کوئی پیغام سنائی دیتا رہا اور فریدی کی پنسل تیزی سے کاغذ پر چلتی رہی۔

''اُوور اینڈ آل.....!'' کچھ دیر بعد دوسری طرف سے آواز آئی۔

فریدی بولا۔ ''جواب کا انتظار کرو۔''

اس کے بعد اُس نے پھر کچھ لکھنا شروع کیا اور پھر دو ہی منٹ گزرے تھے کہ اس نے دوسری طرف سے بولنے والے کو متوجہ کر کے کہا۔ ''ہیلو..... بلیک.....!''

دوسری طرف سے جواب مل جانے پر بولا۔ ''معلوم کر کے مطلع کرو کہ وہ پھر کیوں واپس چلا گیا اور اس سے کہو کہ وہ دوسری ہدایات پہنچنے تک کسی ہوٹل میں قیام کرے۔ اُوور اینڈ آل۔''

ٹرانسمیٹر کا سوئچ آف کر کے وہ بنگلے سے باہر آیا اور اچھی طرح اطمینان کر لینے کے بعد کہ پہرہ قاعدے سے جاری ہے ٹسڈل کی زیر زمین قیام گاہ میں داخل ہوا۔ یہاں کا نظام جوں کا توں چل رہا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ گراہم کے آدمیوں کی جگہ فریدی کے محکمے کے چند مخصوص آفیسروں نے لے لی تھی۔

ٹسڈل کی سیکریٹری ریکا بھی یہیں رکھی گئی تھی اور پہلے ہی کی طرح ٹسڈل کی سیکریٹری کے فرائض انجام دے رہی تھی۔

فریدی اس کمرے کی طرف بڑھا جس میں بیٹھ کر کام کرتا تھا، ربیکا وہاں موجود تھی۔ اس کے چہرے پر افسردگی تھی اور آنکھیں ویران ویران سی نظر آ رہی تھیں۔

''اُوہ.....تم.....!'' فریدی دروازے ہی میں رک گیا۔

''میں پوچھنے آئی ہوں کہ تم یہ کیا کر رہے ہو۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''تم نے اس سے کہا ہے کہ اس کا وہ مرض قابل علاج ہے۔''

''ہاں.....ہاں.....!'' فریدی سر ہلا کر بولا۔ ''مشرقی طب بعض اوقات ناممکنات سے ٹکرا جاتا ہے۔''

''میں جانتی ہوں.....لیکن تمہیں اس سے کیا فائدہ۔''

''ارے کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہمارے درمیان ایک سمجھوتہ ہوا ہے۔''

''کیسا سمجھوتہ۔''

''وہ اسی شرط پر بگاڑی ہوئی شخصیتیں درست کر دینے پر آمادہ ہوا ہے کہ میں اُس کے مرض کا علاج کر دوں۔''

''تم کرو گے علاج۔''

''ہاں.....کیوں نہیں۔''

''تب شائد مجھے خودکشی کرنی پڑے۔'' وہ ویران ویران آنکھوں سے خلاء میں گھورتی ہوئی بولی۔

''کیوں.....؟'' فریدی کے لہجے میں تحیر تھا۔

''مجھے اُس کی بے بسی سے پیار ہے۔ مجھے اس سے شدید ترین نفرت ہو جائے گی اگر اس کی وہ بیچارگی رفع ہو گئی۔''

''تم بھی کسی معالج کے لئے مسئلہ بن سکتی ہو۔'' فریدی کے لہجے میں حیرت برقرار رہی۔

''میں تم سے استدعا کرتی ہوں کہ تم ایسا نہ کرو۔''

''اور یہ جو اپنی شخصیتیں کھو بیٹھے ہیں ساری زندگی بھٹکتے پھریں۔''

''پھر بتاؤ میں کیا کروں۔'' ربیکا نے کہا اور دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا۔

''اپنے سکھ قربان کئے بغیر آدمی دوسروں کے دکھ نہیں بانٹ سکتا۔''

ربیکا کچھ نہ بولی۔ بدستور چہرہ چھپائے رہی۔ فریدی پہلے ہی کے سے انداز تحیر میں کھڑا اسے جھکائے جا رہا تھا۔ دفعتاً ربیکا اٹھی اور کمرے سے نکل گئی۔

فریدی دروازے کی طرف دیکھتا رہا.....پھر جیب سے سگار نکال کر سلگایا اور اس میز کی طرف متوجہ ہو گیا جس پر شیشے کے کچھ آلات رکھے ہوئے تھے۔

عورت نے حمید کے لئے کافی منگوائی تھی اور مرد ان دونوں کو باری باری گھورے جا رہا تھا۔ حمید نے محسوس کیا کہ عورت اس سے ذرہ برابر بھی اثر نہیں لے رہی۔ کچھ دیر بعد مرد اٹھا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا کاؤنٹر تک جا پہنچا۔ حمید اُسے کنکھیوں سے دیکھتا رہا۔ کبھی کبھی عورت کی طرف متوجہ ہو جاتا جو آہستہ آہستہ شراب کی چسکیاں لے رہی تھی۔ اس کی آنکھیں کچھ کھوئی کھوئی سی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ کسی خیال میں ڈوب کر اپنے آس پاس سے بے خبر ہو گئی ہو۔

حمید نے دیکھا کہ مرد کاؤنٹر پر کسی کو فون کر رہا ہے۔ فی الحال یہ اس کے لئے کوئی ایسی اہم بات نہیں تھی جو اُسے اس شخص کی طرف متوجہ رکھتی۔ اُس نے عورت سے کہا۔ ''آپ کے ساتھی کچھ چڑچڑے معلوم ہوتے ہیں۔''

''اُوں.....!'' وہ چونک پڑی۔

''کیا میں مخل ہو رہا ہوں محترمہ۔''

''نہیں.....ایسی کوئی بات نہیں۔'' عورت نے لاپروائی سے کہا اور پھر شراب کی چسکیاں

لینے لگی۔

مرد جلد ہی واپس آ گیا۔ اب حمید نے اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔ بدستور عورت سے باتیں کئے چلا گیا۔ وہ اسے ارد گرد کے دوسرے خوبصورت علاقوں کے بارے میں بتا رہا اور وہ بھی اسی طرح سن رہی تھی جیسے ایک ایک لفظ ذہن نشین کر لینا چاہتی ہو۔

دفعتاً مرد میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

''مجھے ایسی اکتا دینے والی باتوں سے دلچسپی نہیں۔''

''اپنے کان بند کر لو۔'' عورت کے لہجے میں لاپروائی تھی۔

''پیکسی.....!''

''بور مت کرو۔''

حمید نے محسوس کیا کہ وہ اندر ہی اندر بُری طرح پیچ و تاب کھا رہا ہے۔ اس نے نچلا ہونٹ سختی سے دانتوں میں دبا لیا تھا اور مٹھیاں بھینچ لی تھیں۔

ٹھیک اسی وقت ایک دراز قد سفید فام اجنبی ان کی میز کے قریب آیا۔

''کیوں.....؟'' مرد اس کی طرف دیکھ کر غرایا۔

اور وہ سر ہلاتا ہوا چوتھی کرسی پر بیٹھ گیا۔ یہ حمید کے مقابل تھا۔

''یہ شریف آدمی ابھی ابھی ہمارا دوست بنا ہے۔'' اس نے حمید کی طرف اشارہ کر کے نووارد سے کہا۔

''خوب.....!'' نووارد مسکرایا۔

''میرا نام زیٹو ہے.....ڈاکٹر زیٹو.....!'' حمید موڈ میں آ کر چہکا۔

''میں ولسن ہوں.....جیری ولسن.....!'' نووارد نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

حمید اس سے مصافحہ کر کے اپنی داہنی ہتھیلی سہلانے لگا۔ نووارد کے داہنے ہاتھ پر پڑی۔ وہ کئی انگشتریاں پہنے ہوئے تھا۔

''تمہاری کسی انگشتری کا جوڑ کھل گیا ہے۔'' حمید نے اس سے کہا۔

''کیوں.....؟'' اس نے انگشتریوں پر نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''میری ہتھیلی میں چبھی تھی۔''

''تم کیا پیو گے جیری۔'' عورت کے ساتھی نے نووارد سے پوچھا۔

دفعتاً حمید کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ اُس نے محسوس کیا جیسے یک بیک اُس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے ہوں اور ریڑھ کی ہڈی کو سیدھا رکھنا اس کے بس سے باہر ہو اور ذرا ہی سی دیر میں یہ عالم ہو گیا کہ وہ دیکھنے اور سننے کے علاوہ اور کسی قسم کی حس خود میں نہیں پا رہا تھا۔

دفعتاً نووارد نے اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا۔ ''کیوں دوست کیا نشہ ہو گیا ہے۔''

حمید نے کچھ کہنا چاہا لیکن زبان نے جنبش بھی نہ کی۔ ریڑھ کی ہڈی سے عجیب قسم کی سنسنی پورے جسم میں منتشر ہو کر قوت ارادی پر اثر انداز ہو رہی تھی۔

وہ کسی بے بس چوپائے کی طرح پلکیں جھپکاتا رہا۔

عورت بھی اُسے متحیرانہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''تمہیں کیا ہو گیا.....؟'' بالآخر اس نے بھی پوچھا۔

''بعض لوگ کافی پی کر بھی مدہوش ہو جاتے ہیں۔'' اس کے ساتھی کی مسکراہٹ حمید کو اچھی نہ لگی۔ لیکن خود میں اتنی سکت نہیں تھی کہ اس ناپسندانہ مسکراہٹ کا جواب دے سکے۔

''ہم کب تک یہاں بیٹھے رہیں گے۔'' دفعتاً مرد نے عورت سے کہا اور عورت نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

حمید سوچ رہا تھا دیکھیں اپنا کیا حشر ہو؟ کیا وہ اسے یہیں چھوڑ کر جائیں گے یا.....''یا!'' کے ساتھ اسے نووارد کی انگشتری کی چبھن یاد آئی۔ تو کیا.....کیا.....وہ پھنس گیا ہے۔ پھر اسے یاد آیا کہ ریالٹو میں بلیک فورس کا کوئی ممبر بھی موجود ہے۔ وہ مطمئن ہو گیا۔

بڑی عجیب بات تھی۔ وہ سوچ سکتا تھا۔ اس کی یادداشت برقرار تھی۔ صرف جسم شل ہو کر رہ گیا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا بھی نہ رہ سکے گا۔

اس نے دیکھا کہ نووارد اور عورت کا ساتھی ایک دوسرے کو تیز نظروں سے دیکھ رہے

ہیں۔ویٹر کو بل ادا کرنے کے بعد وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

''چلو اٹھاؤ.....!'' عورت کے ساتھی نے حمید کے بائیں پہلو پر پہنچتے ہوئے نووارد سے کہا۔ دونوں نے اس کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اٹھایا۔ ہال کے دوسرے لوگ ان کی طرف متوجہ ہوگئے۔عورت کا ساتھی بہ آواز بلند کہہ رہا تھا۔''اپنی قوت کا اندازہ کئے بغیر پیتے چلے جاتے ہیں یہ لوگ۔''

حمید کی دونوں ٹانگیں گویا فرش پر گھسٹ رہی تھیں۔ وہ لوگ اپنی قوت سے اُسے اٹھائے ہوئے تھے۔اُسے غیر ملکی کی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈال دیا گیا۔ دراز قد اجنبی ان کی گاڑی میں نہیں بیٹھا تھا۔

لمبی سی گاڑی، جھٹکے کے ساتھ سڑک پر اترتی چلی گئی۔حمید بے حس وحرکت پچھلی سیٹ پر پڑا ہوا تھا۔اس کے اندازے کے مطابق اس سفر کا اختتام پندرہ منٹ بعد ہوگیا۔

گاڑی رکتے ہی حمید نے کسی اور گاڑی کے رکنے کی آواز بھی سنی۔

پھر وہی دراز قد اجنبی دروازہ کھولتا ہوا نظر آیا جس نے اسے گاڑی میں بٹھایا تھا۔

دونوں نے مل کر حمید کو گاڑی سے نکالا اور ایک عمارت کی طرف لے چلے۔عورت ان کے پیچھے چل رہی تھی۔

حمید کا ذہن دھواں دھواں ہو رہا تھا۔وہ بس ان کے ساتھ گھسٹتا جا رہا تھا۔ نہ حال کی خبر تھی اور نہ مستقبل کی فکر۔وہ اسے ایک بڑے کمرے میں لائے جہاں بہت ہی عمدہ قسم کا فرنیچر سلیقے سے رکھا گیا تھا۔حمید کو ایک صوفے پر ڈال دیا گیا۔

عورت کا ساتھی اسے فاتحانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''وہ پوری طرح ہوشیار ہیں۔'' دراز قد آدمی بولا۔

''کیوں.....؟'' عورت کا ساتھی چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

''کسی نے تعاقب کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے فائر کر کے ٹائر پھاڑ دیا تھا دوسری گاڑی کا.....وہ رک گئے تھے۔ پھر یہاں تک کوئی دوسری گاڑی نہیں دکھائی دی۔''

''ہوں.....!'' عورت کا ساتھی پھر حمید کو گھورنے لگا۔

''لیکن.....!'' دراز قد اجنبی متفکرانہ لہجے میں بولا۔''کچھ دیر پہلے تین آدمیوں نے اس کا تعاقب کیا تھا۔ یہ ہیلی کوپٹر اسٹیشن کی طرف واپس جا رہا تھا۔ تعاقب کرنے والوں کو اچانک معلوم ہوا کہ ان کا بھی تعاقب کیا جا رہا ہے لہٰذا وہ وہیں سے پلٹ آئے۔''

''تو پھر.....؟'' عورت کا ساتھی آنکھیں نکال کر بولا۔

''یہ دوبارہ ریالٹو میں کیوں پایا گیا.....؟''

''سوچتے رہو۔'' عورت کے ساتھی نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور جھک کر حمید کی نبض دیکھنے لگا۔حمید دراز قد آدمی کے چہرے پر گہرے تفکر کے آثار دیکھ رہا تھا۔

دفعتاً عورت کے ساتھی نے اس کی طرف مڑ کر کہا۔''اب اسے معمول پر آجانا چاہئے۔''

''بہت بہتر۔'' دراز قد آدمی نے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔

حمید نے آنکھیں بند کر لی تھیں کیونکہ کمرے کی تیز روشنی ناقابل برداشت محسوس ہو رہی تھی۔تھوڑی دیر بعد دراز قد آدمی واپس آ گیا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں بڑی سی ہائپو ڈرمک سرنج تھی۔

اس نے حمید کے بازو میں کسی قسم کا سیال انجکٹ کیا۔حمید کو ایسا محسوس ہوا تھا جیسے بازو میں گولی لگی ہو۔ پھر آہستہ آہستہ تکلیف کم ہوتی گئی تھی۔

اس کی جسمانی بے بسی بھی حیرت انگیز طور پر زائل ہونے لگی تھی۔ پھر پندرہ یا بیس منٹ لگے ہوں گے معمول پر آنے میں۔وہ پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''دوستو.....!'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔''مجھے کیا ہو گیا تھا اور میرا وہ مرض کس طرح دور ہوا۔''

''اب معاملے کی بات پر آجاؤ۔'' عورت کے ساتھی نے لمبے آدمی سے کہا۔

''گراہم کے کاغذات کہاں رکھے گئے ہیں؟'' لمبے آدمی نے حمید کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

''اوہ.....!''

''فوراً اگل دو.....!'' عورت کا ساتھی غرایا! ''ورنہ الیکٹرک شاک دینا میرا محبوب تر

مشغلہ ہے۔''

''تو یہ بات ہے۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔

''گراہم کے کاغذات.....!''

''میں نہیں جانتا.....اتنی اہم چیزیں صرف میرے چیف کی ذات تک محدود ہوتی ہیں۔''

''تم جھوٹے ہو۔''

''اچھی بات ہے تو تم الیکٹرک شاک لگانے کی تیاریاں شروع کردو، میں تکلیف سے بلبلا کر جھوٹ بولتا رہوں گا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''ظاہر ہے جب مجھے معلوم ہی نہیں تو اس تکلیف سے پیچھا چھڑانے کے لئے میں اوٹ پٹانگ مقامات کے نام لیتا رہوں گا اور تمہارے آدمی پریشان ہوتے پھریں گے۔''

تھوڑی دیر تک کوئی کچھ نہ بولا۔ پھر لمبے آدمی نے عورت کے ساتھی کو کچھ اشارہ کیا اور وہ دونوں ہی دروازے کی طرف بڑھے۔ دروازے پر رک کر عورت کا ساتھی حمید کی طرف مڑا۔

''اگر تم نے کمرے سے باہر نکلنے کی جرأت کی تو اپنی موت ہی کو دعوت دو گے۔''

''میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا اور عورت کو دیکھ کر مسکرانے لگا۔ عورت کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔

اس نے مڑ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں جا چکے تھے۔

''عجیب احمق دوستوں سے سابقہ پڑا ہے۔'' حمید بولا۔

''تم کون ہو اور یہ لوگ تم سے کیا چاہتے ہیں۔'' عورت نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''اس سوال کا جواب اتنا مختصر نہ ہوگا۔ کیا تم نہیں جانتیں۔''

''میں نہیں جانتی.....لیکن پنڈو خطرناک آدمی ہے۔''

''پنڈو کون.....؟''

''میرا ساتھی.....اگر تم وہی ہو جس کا کچھ دیر پہلے تعاقب کیا گیا تھا تو یقیناً کوئی بہت ہی

آدمی ہو۔''

''کیوں.....؟''

''پنڈو نے ان تینوں کو مار ڈالا جو تم پر ہاتھ ڈالنے میں ناکام رہے تھے۔''

حمید نے سیٹی بجانے کے سے انداز میں ہونٹ سکوڑے اور اسے ٹٹولنے والی نظروں سے

تکتا رہا۔

اتنے میں وہ دونوں واپس آ گئے۔ پنڈو نے عجیب نظروں سے عورت کو دیکھا تھا۔ حمید اندازہ نہ کر سکا کہ اُس وقت اس کی آنکھوں سے کسی جذبے کا اظہار ہوا تھا لیکن وہ یقین کے ساتھ کہہ سکتا تھا کہ وہ کیفیت خوشگوار نہیں تھی۔

دفعتاً پنڈو نے حمید کو مخاطب کر کے کہا۔

''اگر تم نہیں جانتے تو تمہارا روکنا فضول ہے۔''

''میں نے سچی بات تمہیں بتا دی۔'' حمید بولا۔

''لیکن تم اس طرح نہیں جا سکو گے کہ اس عمارت کی نشاندہی کرنے کے قابل رہ جاؤ۔''

''کیا مطلب.....؟''

''میں تمہیں اندھا کر کے کسی سڑک پر پھینکوا دوں گا۔''

''جب تک میرے بازوؤں میں سکت ہے یہ ناممکن ہے۔'' حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں لمبے آدمی نے کوئی لجلجی سی چیز اس کی آنکھوں پر کھینچ ماری۔

عجیب وحشت ناک سی چیخ حمید کے حلق سے نکلی تھی اور وہ اوندھے منہ فرش پر چلا آیا تھا۔

اہم کاغذات

کرنل فریدی بالکل ایسے انداز میں یہ کہانی سن رہا تھا جیسے وہ حمید کی اپنی کہانی نہ ہو بلکہ وہ

سے کسی ناول کا پلاٹ سنا رہا ہو۔ حمید بھنا کر خاموش ہو گیا۔

''پھر تم یہاں کیونکر پہنچے۔'' فریدی نے سوال کیا۔

''کیا خیال ہے۔ قبرستان پہنچنا چاہئے تھا اس بار۔ معاف کر دیجئے آئندہ ادھر نہ آیا کروں گا۔''

''کیوں..... یک بیک دماغ کیوں خراب ہو گیا۔''

حمید نے سوچا کہ وہ اس طرح بھڑک اٹھنے کا کوئی منطقی جواز نہیں رکھتا۔ محض اس کے انداز کی بناء پر اس کی چڑچڑاہٹ کسی طرح بھی درست نہیں۔ لہٰذا وہ اپنا موڈ درست کرنے کے لئے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ فریدی اسے دیکھے جا رہا تھا۔

حمید اپنی آواز میں ڈھیلا پن پیدا کر کے بولا۔ ''اس کے بعد انہوں نے کوئی لچ لچی سی میرے چہرے پر پھینک ماری۔ بس ایسا ہی لگا تھا جیسے میری دونوں آنکھیں پھوٹ گئی ہوں مجھے ایک گاڑی میں ڈالا گیا۔ گاڑی حرکت میں آئی اور کسی طرف چل پڑی۔ آنکھوں میں شدید تکلیف تھی کہ میں ان کی دھمکی کی تصدیق بھی نہیں کر سکتا تھا۔''

''کیسی دھمکی.....!''

''یہی کہ وہ مجھے اندھا کر دیں گے۔ تکلیف کے مارے آنکھیں کھول ہی نہیں سکتا تھا بہر حال ایک جگہ مجھے گاڑی سے نیچے دھکیل دیا گیا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ کہاں پھینکا گیا ہوں تقریباً آدھے گھنٹے بعد اس قابل ہوا تھا کہ آنکھیں کھول سکوں۔ بڑے شریف لوگ تھے۔ مچ اندھا نہیں کر دیا تھا۔''

حمید اس طرح خاموش ہو گیا جیسے ان کی شرافت کا اعتراف و احترام کچھ دیر خاموش رہ کر بھی کرنا چاہتا ہو۔

''تو وہ صرف یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ گراہم کے کاغذات کہاں رکھے گئے ہیں۔''

''جی ہاں..... اور مجھے قطعی نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہیں۔ ورنہ میں کسی حال میں بھی جھوٹ نہ بولتا۔ آخر خفا کو بھی منہ دکھانا ہے۔ ویسے پنڈو صورت سے بھی خطرناک لگتا ہے۔''

''کون.....!'' فریدی چونک پڑا۔

''پنڈو.....!''

فریدی کرسی سے اٹھ گیا۔

''کیا اس نے تمہیں بتایا کہ وہ ولیم پنڈو ہے۔''

''اوہو..... آپ پورے نام سے واقف ہیں۔''

''جو کچھ میں پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔''

''جی نہیں۔ جب وہ دونوں کمرے سے چلے گئے تھے اس کی ساتھی عورت نے اس کا نام لیا تھا۔''

''تو یہ بات ہے۔'' فریدی بڑبڑایا۔

''عورت بڑے دھڑلے کی معلوم ہوتی ہے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئی تھیں۔ کسی گہری سوچ میں تھا۔

حمید بھی پائپ سلگا کر دوسری طرف دیکھنے لگا تھا۔ دفعتاً فریدی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

''برا خیال ہے کہ ولیم پنڈو شمالی سرحد عبور کر کے غیر قانونی طور پر یہاں داخل ہوا ہے۔''

''مرضی کے مالک ہیں آپ جدھر سے چاہیں داخل کر دیں۔''

''کل والی گیارہ لاشیں اسی طرف اشارہ کرتی ہیں۔''

''کیا آپ اُسے جانتے ہیں؟''

''جن لوگوں سے سابقہ ہے.....!'' فریدی جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گیا۔ حمید اُسے متفکرانہ نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔

''یہ بہت بُرا ہوا کہ پچھلی رات اُن لوگوں نے ان کا سراغ کھو دیا۔'' فریدی کچھ دیر بعد بولا۔ ''دوسری گاڑی سے فائر کر کے ان کی گاڑی کا ایک وہیل بیکار کر دیا گیا تھا۔''

''آپ گیارہ لاشوں کی بات کر رہے تھے۔'' حمید بھنا کر بولا۔

''وہ پنڈو کا ہی کارنامہ ہو سکتا ہے۔ مجھے اطلاع ملی تھی کہ وہ ایک پڑوسی ملک تک پہنچ گیا ہے۔''

''صاحب مجھے یہ بتایئے کہ.....!'' حمید بھی کچھ کہتے کہتے رک گیا اور فریدی ہی کے

اسٹائل میں خلاء میں گھورنے لگا۔

''کیا سوچنے لگے.....؟''

وہ فریدی ہی کے سے انداز میں چونک کر اپنے انداز میں بولا۔ ''بڑے دھڑلے کی عورت تھی۔''

''بکواس مت کرو۔'' فریدی کا منہ بگڑ گیا۔

''پنڈو مجھے اتنا دلکش نہیں لگا تھا کہ اسی کی باتیں کیے جاؤں۔''

فریدی کھڑکی کی طرف مڑ گیا۔ اس وقت وہ دونوں ٹسڈل کے پہاڑی بنگلے میں تھے۔ حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور بجھتا ہوا سگار سلگانے لگا۔

دفعتاً فریدی کمرے سے چلا گیا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اُسے پھر شہر ہی واپس جانا چاہئے یک بیک ڈاکٹر علوی کے گھرانے کی یاد آئی تھی۔ پچھلی رات اُسے اس طرح آزادی نصیب ہوجانے کا مطلب یہی تھا کہ وہ لوگ فریدی کو اپنی راہ پر لگا کر گھیرنا چاہتے ہیں۔ ہوسکتا ہے عورت نے خاص طور پر پنڈو کا نام لیا ہو۔ پنڈو جو فریدی کے لئے بھی اہم تھا۔

حمید کمرے سے باہر نکلنے کے لئے دروازے کی طرف مڑا ہی تھا کہ فریدی داخل ہوا اس کے ہاتھ میں ایک فائل تھا۔

حمید نے اس طرح گردن سہلائی جیسے کسی بڑے بوجھ سے اس کے ٹوٹ جانے کا خطرہ درپیش ہو۔ فریدی نے قریب پہنچ کر ایک فارم نکالا جس کے اوپر بائیں گوشے میں ایک تصویر چپکی ہوئی تھی۔ تصویر پر نظر پڑتے ہی حمید چونک پڑا۔

''کیوں یہی تھا.....؟'' فریدی نے پوچھا۔

''سو فیصد یہی تھا..... عورت نے اسی کا نام لیا تھا۔''

''ولیم پنڈو.....!'' فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''گراہم کے ملک کا سیکرٹ سروس کا ایک ممبر ہے۔ اٹلی کا باشندہ ہے۔ وہاں کی حکومت اُسے قتل کی چار وارداتوں میں ملوث قرار دے چکی ہے لیکن وہ وہاں سے فرار ہوکر گراہم کے ملک میں جا

ہاں کی سیکرٹ سروس کے سربراہ نے اس کی خدمات اپنے لئے حاصل کرلیں۔ میرا ایجنٹ ے اس کا تعاقب کرتا ہوا پڑوسی ملک کے دارالحکومت تک پہنچا تھا۔ لیکن وہاں سے اس کا سراغ کھو دیا۔ اس گمشدگی کی اطلاع اس نے مجھے تین چار دن پہلے دی تھی۔

''اور آپ کا یہ ایجنٹ.....!''

''تم اس کی فکر نہ کرو..... بلیک فورس ایک عالمی تنظیم ہے۔''

''کیا.....؟'' حمید اچھل پڑا۔

''میرے ایجنٹ نے اطلاع دی تھی کہ ولیم پنڈو کو یہاں کے معاملات صاف کرنے کے لئے متعین کیا گیا ہے۔ وہ لوگ ٹسڈل کی بازیابی یا موت کے خواہاں ہیں اور شائد اب میرا وجود ان کی آنکھوں میں کھٹکنے لگا ہے۔''

''آپ نے گیارہ لاشوں کا تذکرہ کیا تھا۔''

''میرا خیال ہے کہ پنڈو پڑوسی ملک سے غیر قانونی طور پر یہاں داخل ہوا ہے۔ اس کے نے وہیں کے کسی باشندے سے مدد حاصل کی ہوگی۔ غیر ملکی کی لاش جو تم نے دریافت ، فنی پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق کسی سریع الاثر زہر کا کارنامہ تھی۔ زہر خارجی طور پر داخل کیا گیا تھا۔ ہتھیلی کے ایک باریک سے زخم کے ذریعہ خون میں شامل ہوا تھا۔''

''تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جس نے اُسے سرحد پار کرائی اُسے بھی اس نے ختم دیا۔''

''میرا یہی خیال ہے اور پھر مقامی رہزنوں نے اسکی راہ روکنے کی کوشش کی اور مارے گئے۔ ان کے جسموں میں ٹامی گن کی گولیاں برآمد ہوئی ہیں۔ پنڈو کی بہت پرانی عادت ہے کہ قتل کرنے کے بعد بالکل پاگلوں کی طرح لاشوں کو ادھیڑ ڈالنا چاہتا ہے۔ انہیں مسخ کردیتا ہے۔''

''اور اس نے مجھے بخش دیا.....!'' حمید سر ہلا کر بولا۔

''اب معلوم ہوا کہ وہ گراہم کے کاغذات بھی حاصل کرنا چاہتا ہے۔''

''ان کی کیا اہمیت ہے؟''

''کچھ کاغذات کو ڈورڈز میں تحریر کیے گئے ہیں اور میں ابھی تک اس کوڈ کو حل نہیں کر سکا۔''

''آپ اور حل نہیں کر سکے؟'' حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

''دراصل مجھے اس کی طرف دھیان دینے کا موقع ہی نہیں مل سکا اور اب بھی مجھے اتنی فرصت نہیں کہ پنڈو کی طرف توجہ دے سکوں۔ جلد از جلد ٹسڈل کو اس قابل کر دینا ہے کہ وہ اپنا کام شروع کر دے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''تم ان الجھیڑوں میں پڑنے کی بجائے اس پر غور کرو کہ پنڈو نے تمہیں پکڑنے کے بعد اس طرح چھوڑ کیوں دیا۔''

''قتل کر دیتا تو آپ کو حیرت نہ ہوتی۔'' حمید متحیرانہ لہجے میں بولا۔

''قطعی نہیں۔'' فریدی سفاک سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''اب میں کوشش کروں گا کہ وہ مجھے قتل کر دے۔''

''یقیناً کرو گے..... کیونکہ اس کے آس پاس کوئی دھڑلے کی عورت بھی پائی جاتی ہے۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

حمید نے فخریہ انداز میں گردن اکڑائی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

فریدی فائل اٹھا کر پھر باہر چلا گیا۔



ولسن مضطربانہ انداز میں ٹہل رہا تھا۔ کمرے میں تنہا تھا اور اُس نے ساری کھڑکیاں بند کر رکھی تھیں۔ دفعتاً ایک آدمی آہستہ سے اندر داخل ہوا۔ یہ بھی ولسن ہی کی طرح سفید فام تھا۔

درست و توانا جسم کا مالک تھا۔ لیکن چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ پچھلی رات اُس نے موڈی کو دو مقامی آدمیوں سمیت مار ڈالا ہے۔'' اس نے ولسن کو مخاطب کر کے کہا۔

''تم نے صحیح سنا ہے۔'' ولسن بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''آخر کیوں.....؟''

''یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ ان کا تعاقب کیا جا رہا ہے وہ اس کی قیام گاہ میں داخل ہو گئے تھے۔''

''لیکن تعاقب کرنے والوں کو موڈی نے ڈاج دیا تھا۔ مجھے اچھی طرح علم ہے۔ تعاقب کرنے والوں نے اُسے عمارت میں داخل ہوتے نہیں دیکھا تھا۔''

''اُسے کون سمجھاتا..... پتہ نہیں کس وحشی کو ہم پر مسلط کر دیا گیا ہے۔''

''یہ صورت حال برداشت نہیں کی جا سکتی۔''

ولسن نے اسے بیچارگی سے دیکھا۔

''کیا تم برداشت کر سکتے ہو۔'' نووارد نے اس سے سوال کیا۔

''کوئی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔''

''پھر تم کیا کر رہے ہو اس کے لئے؟''

''میں.....؟'' وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔ ''میں کیا کر سکتا ہوں۔''

''دیکھو دوست.....!'' اجنبی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''گراہم کے بعد سے تم ہمارے سربراہ رہے ہو اور تم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی اس کے بعد سے غافل نہیں رہا۔ پھر کسی نئے آدمی کو بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔''

''یہ تو ہیڈ کوارٹر ہی جانے۔''

''کچھ بھی ہو..... یہ ناقابل برداشت ہے۔''

''خاموشی سے دیکھتے رہو۔''

''اور یونہی کسی معمولی سی غلطی یا غلط فہمی کی بناء پر دوسری دنیا کو سدھار دو۔'' وہ طنزیہ لہجے میں بولا۔

ولسن اس کے قریب آ کر آہستہ سے بولا۔ ''مجھے اس کی دماغی صحت میں شبہ ہے۔''

''اس کے علاوہ بھی اور کچھ.....؟'' نووارد نے پوچھا۔

ولسن تھوڑی دیر تک اُسے خاموشی سے دیکھتا رہا پھر بہت نیچی آواز میں جلدی جلدی کیپٹن حمید کی گرفتاری اور رہائی کی داستان دہرانے لگا۔

''مقصد کیا تھا.....؟'' نووارد نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

''پاگل پن کے علاوہ اور کچھ نہیں..... میں اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اگر اسے پکڑ لیا ہے تو چھوڑ دینا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ یا تو ختم کر دو یا پھر اتنا تشدد کرو کہ وہ تمہارے ہار کر سب کچھ بتا دے۔ لیکن وہ تو اس کے انکار پر اس طرح ایمان لایا تھا جیسے خود بھی اسی پر یقین رکھتا ہو۔''

''اُن لوگوں سے کچھ اگلوا لینا آسان نہیں۔''

''ہیڈ کوارٹر نے انتہائی غیر دانشمندانہ قدم اٹھایا ہے۔'' ولسن پر تفکر لہجے میں بولا۔ ''ہنڈ کے بارے میں میری معلومات یہ ہیں کہ وہ عقل کی بجائے ہاتھ سے کام لینا زیادہ پسند کرتا ہے۔ ایک سفاک قسم کا قاتل ہے اور بس.....!''

نووارد کچھ نہ بولا۔ ولسن تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔ ''ابھی تک میں آزادانہ باہر آتا جاتا رہتا تھا لیکن اب یہ ناممکن ہو جائے گا۔ فریدی کے آدمیوں کا جال سارے شہر میں بچھا ہوا ہے۔''

''میں کہتا ہوں..... ہم سب بڑی دشواریوں میں پڑ جائیں گے۔ اُسے سمجھانے کی کوشش کرو۔''

''سنو..... مجھے کوئی مشورہ نہ دو..... یہ کام تم خود بھی کر سکتے ہو۔ اب میری اور تمہاری حیثیت برابر کی ہے۔''

''کیا وہ تمہاری بات نہیں سنتا.....؟''

''خود دیکھ لینا۔''

''میرا خیال ہے کہ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔'' نووارد نے اُسے گھور کر کہا۔

''میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں..... پھر اب میری ضرورت بھی کیا رہی۔ میں ذہنی جنگ ہار چکا ہوں..... جسمانی طور پر ملوث ہونا پسند نہیں کرتا۔''

دفعتاً عمارت کے کسی گوشے سے ایک نسوانی چیخ اُبھری اور وہ دونوں ہی چونک پڑے۔

''اوہ..... تو کیا وہ اُسے بھی مارے ڈال رہا ہے۔'' ولسن کہتا ہوا دروازے کی طرف لپکا۔ نووارد اس کے پیچھے تھا۔

دوسرے ہی کمرے میں پنڈو سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ وہ وہاں تنہا تھا۔ انہیں دیکھ کر اس کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔

''کیا ہے؟'' اس نے پھاڑ کھانے کے سے انداز میں ولسن سے پوچھا۔

''وہ..... وہ..... آواز.....!''

''پیکسی گا رہی تھی..... جاؤ اپنا کام کرو.....!'' وہ غرایا۔

''ب..... بہت بہتر۔'' ولسن نے کہا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔ نووارد اس سے پہلے کمرے سے نکل چکا تھا۔

وہ پھر اسی کمرے میں واپس آ گئے۔ لیکن خاموش کھڑے ایک دوسرے کی شکل دیکھتے رہے۔

تھوڑی دیر بعد قدموں کی آہٹ پر چونکے۔ پیکسی کمرے میں داخل ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کہیں باہر جانے کے لئے تیار ہوئی ہو۔ لیکن اس کے چہرے پر کرب اور بے چینی کے آثار تھے۔

''کک..... کیا آپ چیخی تھیں مادام.....!'' ولسن نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''ہاں..... وہ مجھے تنہا باہر بھیجنا چاہتا ہے۔ میں یہاں اجنبی ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہاں جاؤں۔ میں نے انکار کیا تو اس نے میرے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا۔''

''باہر کہاں بھیجنا چاہتا ہے۔'' ولسن نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

''بس یونہی بے مقصد ماری ماری پھروں۔''

''کیا میں ساتھ چلوں.....!'' نووارد نے آگے بڑھ کر مودبانہ لہجے میں پوچھا۔

''نہیں.....!'' دروازے سے غراہٹ سنائی دی۔

وہ بوکھلا کر مڑے۔ پنڈو دروازے میں کھڑا انہیں گھور رہا تھا۔

وہ دونوں اس طرح دور ہٹے جیسے پیکسی ان کیلئے کوئی بہت خطرناک آتش گیر مادہ ہو۔

''تم جاؤ.....!'' پنڈو پیکسی کو مخاطب کر کے غرایا۔

وہ باہر نکل گئی۔ پنڈو وہیں کھڑا اُن دونوں کو خونخوار نظروں سے گھورتا رہا۔

''اپنے کام سے کام رکھو۔'' اس نے بالآخر بے حد خشک لہجے میں کہا اور واپسی کے لئے مڑ گیا۔

کیپٹن حمید پھر شہر کی طرف بھاگ نکلا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ ڈاکٹر علوی کے گھر تک جانے کے لئے ایک بہانہ ہاتھ آ گیا تھا۔ فریدی نے اس علاقے میں ہر قسم کے لوگوں کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا تھا۔ ڈاکٹروں کے متعلقین بھی اب وہاں نہیں پہنچ سکتے تھے۔

اس نے سوچا اچھا خاصا جواز ہاتھ آ گیا ہے۔ ڈاکٹر علوی کے خاندان میں دوبارہ پہنچنے کے لئے۔ اس نے جیپ ڈاکٹر علوی کی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں روکی اور اتر ہی رہا تھا کہ انور کی آواز سنائی دی۔ وہ قہقہے لگاتا ہوا اس کی طرف دوڑا آ رہا تھا۔

''بڑا مزہ آیا کیپٹن.....!'' وہ اس سے پرجوش انداز میں مصافحہ کرتا ہوا بولا۔

''باجی نے ببانگ دہل اعلان کر دیا ہے کہ اب وہ ہر شام ریالٹو میں گزارا کریں گی۔''

''ارے..... کیوں.....؟''

''کیا ہم نے شام اچھی نہیں گزاری تھی..... چلئے..... یہاں کیوں کھڑے ہیں۔''

وہ حمید کو ڈرائینگ روم میں لایا۔

''ٹھہریئے۔ ممی وغیرہ کو اطلاع دیتا ہوں۔'' اس نے کہا اور اندر چلا گیا۔

حمید سوچ رہا تھا پتہ نہیں پچھلی رات یہاں کس قسم کے ہنگامے ہوئے ہوں اور اس کا کس طرح استقبال کیا جائے۔ ڈاکٹر کی اولاد تو دادی کی طرف دار معلوم ہوتی ہے لہٰذا وہ والدہ صاحبہ یقینی طور پر تنور بنی ہوئی نظر آئیں گے۔ اطلاع دے کر بھاگ نکلنا ہی بہتر ہوگا۔

بیگم علوی نے ڈرائینگ روم تک پہنچنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ حمید نے تیور ہی سے اندازہ لگا لیا کہ بہت رکھائی سے پیش آئیں گی۔ لہٰذا اٹھ کر آداب کیا اور شوہر سے ملنے پر پابندی لگ جانے کی اطلاع دے کر دروازے کی طرف مڑ گیا۔

''ارے سنئے تو سہی۔''

''جی نہیں..... پھر کبھی..... آدھے گھنٹے کے اندر اندر بہتیرے خاندانوں کو مطلع کرنا ہے۔'' حمید نے کہا اور تقریباً سرپٹ کی رفتار سے کمپاؤنڈ تک آ پہنچا۔ حالانکہ کسی کو بھی اس تبدیلی سے مطلع کرنا اس کے فرائض میں سے نہیں تھا۔

شام تک شہر میں چکراتا پھرا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کہاں جائے۔ دفعتاً ریالٹو کی سوجھی۔ اس نے سوچا ممکن ہے انور نے جو کچھ کہا تھا سچ ہی ہو۔

ریالٹو کے باہر جیپ روک کر اُترا تو بڑی تھکن محسوس کر رہا تھا۔

بے مصرف ادھر اُدھر مارے پھرنے میں تھکن کے علاوہ اور کیا ہاتھ آتا ہے۔

ڈائننگ ہال میں داخل ہوتے ہی اندیشے کی تصدیق ہوگئی۔ دونوں بھائی بہن براجمان تھے۔ انور شائد دروازے ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ حمید پر نظر پڑتے ہی زور سے ہاتھ ہلائے۔

حمید ان کی میز کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ وہ دونوں اس کے قریب پہنچنے پر اٹھ گئے۔ حمید نے ہاتھ ہلا کر انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور شکریہ ادا کر کے تیسری کرسی پر خود بیٹھ گیا۔

''پتہ نہیں کیوں۔ مجھے یقین تھا کہ آپ سے یہاں ضرور ملاقات ہوگی۔'' انور چہک کر بولا۔

حمید اس پر صرف مسکرا دیا۔ کچھ بولا نہیں۔ پھر اس نے نگہت کی خیریت دریافت کی۔

''جب تک اکڑی رہیں گی خیریت ہی سے رہیں گی۔'' انور بول پڑا۔

''تم فضول بکواس نہ کیا کرو۔'' نگہت دانت پیس کر بولی۔

''میں غلط تو نہیں کہہ رہا..... ابھی ذرا نرم ہو جاؤ چڑھ بیٹھیں گی۔''

''انور.....!''

''انور میاں بُری بات ہے۔ ہر جگہ بے تکلفی مناسب نہیں ہوتی۔'' حمید نے مربیانہ لہجہ اختیار کیا۔

''آپ کیا پئیں گے؟'' انور نے پوچھا۔

''عزیزم یہ مجھے آپ سے پوچھنا چاہئے۔ کیونکہ میں یہاں تم دونوں کا بزرگ ہوں۔''

''بزرگ ہی تو نہیں لگتے ورنہ آپ کو بھی دور سے سلام کرتے۔'' انور بولا۔

''آپ کچھ خیال نہ کیجئے گا۔'' نگہت بولی۔ ''یہ بہت بکواس کرتا ہے۔''

''کوئی بات نہیں۔''

دفعتاً ایک عورت ان کی میز کے قریب آ کھڑی ہوئی۔ حمید نے سر اٹھا کر دیکھا اور چونک پڑا۔ یہ تو وہی تھی۔ پچھلی رات والی عورت جو ولیم پنڈو کے ساتھ تھی۔

''دخل اندازی کی معافی چاہتی ہوں۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''لیکن یہاں اس شہر میں تمہارے علاوہ اور کسی کو نہیں جانتی۔''

''بیٹھو بیٹھو.....!'' حمید نے اس سے کہا اور ان دونوں سے بولا۔ ''اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو۔''

''ضرور.....ضرور.....!'' دونوں بیک وقت بولے۔

وہ چوتھی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس وقت حمید اُس عورت میں کوئی عجیب بات محسوس کر رہا تھا جو پچھلی رات نہیں محسوس کر سکا تھا۔

عورت تھوڑی دیر تک ان تینوں کو باری باری سے دیکھتی رہی پھر بولی۔ ''میرا نام پیکسی ہے نسلاً جرمن ہوں۔''

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد حمید کو مخاطب کر کے بولی۔ ''پچھلی رات کے حالات کا تقاضا تو یہی ہونا چاہئے کہ تم بُری طرح پیش آؤ..... لیکن میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ وہ لوگ میرے لئے قطعی اجنبی ہیں اور میں یہ بھی نہیں جانتی کہ وہ تم سے کیا چاہتے ہیں۔''

''فرض کرو..... میں نے یقین کر لیا پھر.....؟'' حمید مسکرا کر بولا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟''

حمید کچھ نہ بولا اور پیکسی نے اپنی کہانی شروع کر دی۔ حمید متحیرانہ انداز میں منہ کھولے سنتا رہا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی سختی سے ہونٹ بھینچ لئے اور پھر شائد کوئی سوال کرنے ہی جا رہا تھا کہ پیکسی بول پڑی۔ ''آج صبح اس نے مجھے زبردستی تنہا باہر بھیج دیا..... کچھ دیر بعد جب میں واپس گئی تو وہ عمارت بالکل سنسان پڑی تھی۔ کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ بارہ بجے سے اس وقت تک وہیں ٹھہری رہی تھی۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی نہ پلٹا۔ تھک ہار کر میں پھر وہاں سے نکل آئی۔ مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔ میرا خیال ہے کہ تم کوئی پولیس آفیسر ہو۔''

''تمہارا خیال غلط نہیں ہے۔'' حمید مسکرا کر بولا۔

''میں باضابطہ طور پر اپنے جرم کی سزا بھگتنے کو تیار ہوں۔'' پیکسی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

حمید عجیب سی کشمکش میں پڑ گیا۔ ان دونوں کی موجودگی میں یہ کہانی چھیڑی گئی تھی اور وہ دونوں ہی پھٹی پھٹی آنکھوں سے پیکسی کو دیکھے جا رہے تھے۔ حمید نے سوچا اب پیکسی سمیت ہال سے اٹھ ہی جانا چاہئے۔ پتہ نہیں وہ لوگ کس قسم کا جال ان کے گرد بن رہے ہیں۔

''اٹھو.....!'' اس نے خود بھی اٹھتے ہوئے پیکسی سے کہا۔

''ارے..... ارے..... آپ جا رہے ہیں؟'' دونوں نے بیک وقت کہا۔

''ہاں بے بی..... ضروری کام ہے..... پھر کبھی۔''

حمید اور پیکسی ریالٹو سے نکلے چلے گئے۔

یہ کیا ہوا؟

حمید نے پولیس ہیڈ کوارٹر کے آپریشن روم سے بذریعہ ٹرانسمیٹر فریدی سے رابطہ قائم کر کے پیکسی کی کہانی سنائی۔

''میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ مجھے فرصت نہیں..... جو مناسب سمجھو کرو۔''

''کیا مطلب.....؟''

''میں تمہیں اس کیس کا انچارج بناتا ہوں۔''

حمید نے بہت تیزی سے اپنی کھوپڑی سہلائی اور سلسلہ گفتگو ختم کر دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا پیکسی کو مقامی پولیس کے سپرد کر دے۔ کافی دیر سوچ بچار کے بعد یہ طے کیا کہ یہ مناسب نہ ہوگا۔ کیوں نہ پیکسی کی نشاندہی پر ان دونوں عمارتوں کی تلاشی لی جائے اور اُسے ساتھ ہی رکھا جائے۔ پنڈو اُسے چھوڑ گیا تھا..... کچھ نہ کچھ مقصد ضرور تھا اُس کا..... ورنہ وہ اس سے بھی اسی طرح پیچھا چھڑا سکتا تھا جیسے ہورلیس کو ختم کر دیا تھا۔ اُسے اس لئے زندہ نہ رکھتا کہ وہ اس کی کہانی سناتی پھرے۔

عمارتوں پر چھاپہ مارنے کے لئے اُس نے ایک پولیس پارٹی ترتیب دی۔ پہلے اس عمارت پر چھاپہ مارا گیا جس میں پیکسی نے پہلی بار قیام کیا تھا۔ وہاں کچھ بھی نہ ملا۔ حتیٰ کہ وہ تینوں لاشیں بھی نہ مل سکیں جن کا تذکرہ پیکسی نے پنڈو کی زبانی سنا تھا۔

سرنگ کا دہانہ ظاہر کرنے والے سوئچ بورڈ کا سراغ نہ مل سکا۔ ایسا لگتا تھا جیسے سوئچ بورڈ کو وہاں سے ہٹا کر تاروں کا سلسلہ چھپانے کے لئے اس جگہ دیوار پر دوسرے ٹائیل لگا دیئے گئے ہوں۔ آس پاس کے ٹائیل اکھاڑنے پر اس خیال کی تائید بھی ہوگئی۔ تاروں کو ہلانے پر فرش کا سلیب اپنی جگہ سے سرک گیا لیکن خلاء بڑے بڑے پتھروں سے پُر نظر آیا۔

اس عمارت کو بند کر کے سیل کر دیا گیا۔ اس کے بعد دوسری عمارت پر بھی یلغار ہوئی۔ یہاں بھی کچھ ہاتھ نہ آیا۔ لیکن اس سرنگ کا دوسرا دہانہ مل گیا جو اُن دونوں عمارتوں کو ملاتی تھی۔

واپسی پر حمید پھر سوچ رہا تھا کہ پیکسی کے لئے کیا کرے۔ دفعتاً فریدی کے الفاظ یاد آئے۔ ''میں تمہیں اس کیس کا انچارج بناتا ہوں۔'' اور یہ کیس تھا..... گیارہ لاشوں کا۔

پنڈو پر فی الحال قتل کی گیارہ وارداتوں کا الزام تھا اور تین مزید وارداتوں کا شبہ بھی۔ اُس نے غیر قانونی طور پر سرحد پار کی تھی۔

کیس کا انچارج بن جانے کا یہ مطلب تھا کہ اب اُسے ٹسڈل کے بنگلے کا رخ بھی نہیں کرنا۔

پولیس ہیڈ کوارٹر سے وہ پیکسی سمیت پھر ریالٹو واپس آیا۔ یہ یہاں کے اچھے رہائشی ہوٹلوں میں سے بھی تھا۔ ریالٹو میں اُس نے دو کمرے حاصل کئے۔ جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ دو کمروں کا سوٹ تھا۔

''تم نے مجھے حوالات میں نہیں دیا۔'' پیکسی کے لہجے میں حیرت تھی۔

''عورتوں کے معاملے میں بہت نازک دماغ واقع ہوا ہوں۔'' حمید نے جواب دیا۔

''میں نہیں سمجھی۔''

''حوالات میں مچھروں اور کھٹملوں کی بہتات ہوتی ہے اور تم شاید ان کی عادی نہیں۔''

''اگر میں یہاں سے بھاگ جاؤں تو۔''

''لوگ مجھے عقل مند سمجھیں گے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''میرا خیال ہے تم بہت تھک گئی ہو۔ اپنے کمرے میں جاؤ۔''

پیکسی اس کا شکریہ ادا کر کے وہاں سے دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ حمید سوچ رہا تھا آخر پنڈو کا انجام کیا ہوگا۔ پنڈو نے پیکسی کو بھی نکال باہر کیا۔ حالانکہ اس کا بھی خاتمہ کر سکتا تھا۔ اپنے خلاف ایک گواہ کو آزادی دے دینا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ وہ چاہتا کیا ہے؟

اس کے ذہن پر آہستہ آہستہ غنودگی طاری ہوتی رہی اور پھر وہ سو گیا۔ اس نے پیکسی کے کمرے کی طرف کے دروازے کو بولٹ نہیں کیا تھا۔

دوبارہ اس کی آنکھ کسی کے جھنجھوڑنے پر کھلی تھی۔ وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔ پیکسی ہانپتی ہوئی

بولی ''کوئی میرے کمرے کے دروازے پر دستک دے رہا ہے۔''

''تو پھر.....؟''

''میں نہیں سمجھ سکتی۔''

''کیا نہیں سمجھ سکتیں؟''

''اتنی رات گئے کون میرے کمرے کے دروازے پر دستک دے سکتا ہے۔ جب کہ یہاں کسی کو یہاں جانتی بھی نہیں اور پنڈو کے علاوہ مجھے کون جانتا ہے۔''

''پنڈو.....!'' حمید دانت پیس کر بڑبڑایا اور اس دروازے کی طرف بڑھا جس پر پیکسی کے بیان کے مطابق دستک ہوئی تھی۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر اپنے کمرے کی طرف پلٹ آیا..... تکیے کے نیچے سے ریوالور نکالا اور دوبارہ دروازے کی طرف چل پڑا۔

پھر دروازے کے قریب رک کر بلند آواز میں پوچھا۔ ''کون ہے۔'' جواب نہ ملنے پر پیکسی کی طرف دیکھا۔ وہ آہستہ سے بولی۔ ''دستک ہوئی تھی۔ متواتر ہوتی رہی تھی۔''

حمید نے یہی مناسب سمجھا کہ اپنے کمرے کی طرف کا دروازہ کھول کر دیکھے۔ لیکن پوری راہداری سنسان پڑی تھی۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک کوئی بھی نہ دکھائی دیا۔ البتہ پیکسی کے کمرے کے دروازے کے قریب ایک کارڈ پڑا نظر آیا جس پر بنی ہوئی سیاہ بلی کی تصویر دور سے بھی دیکھی جاسکتی تھی۔ وہ کارڈ اٹھانے کے لئے جھپٹا۔

کارڈ کی پشت پر کسی نے لکھا تھا۔ ''نیچے پھاٹک کے قریب سیاہ رنگ کی شیورلٹ کھڑی ہے اس میں بیٹھ جایئے۔ اس طرح اپنے کمرے سے وہاں تک جایئے کہ کوئی آپ کو پہچان نہ سکے۔''

حمید نے گھڑی دیکھی۔ دو بج رہے تھے۔ اپنے کمرے میں آ کر اُس نے کوٹ پہنا اور اس پر السٹر پہن کر کالر اوپر اٹھا دیا۔ فلٹ ہیٹ کا گوشہ چہرے پر جھکائے ہوئے پیکسی سے کہا کہ وہ اطمینان سے سو جائے۔ اس کی واپسی غالباً صبح سے پہلے نہ ہو سکے گی۔

''میں.....لل.....لیکن.....!'' پیکسی ہکلائی۔

حمید کچھ کہے بغیر کمرے سے نکل آیا۔ زینوں تک پہنچتے پہنچتے اس کے چلنے کا انداز بدل گیا۔ اب کم از کم چلنے کے انداز سے تو وہ نہیں پہچانا جاسکتا تھا۔ چہرہ السٹر کے اٹھے ہوئے کالر اور فلٹ ہیٹ کے گوشے کی اوٹ میں ہو گیا تھا۔

پھاٹک پر سیاہ شیورلٹ کھڑی نظر آئی۔ ڈرائیور کی سیٹ پر کوئی تھا۔ حمید نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور چپ چاپ اندر بیٹھ گیا۔

گاڑی چل پڑی۔ جیب سے پائپ نکال کر وہ اس میں تمباکو بھرنے لگا۔ پتہ نہیں کہاں جانا ہوئی ہے۔ وہ سوچ رہا تھا۔ اس شخص کا طریق کار بعض اوقات دوسروں کو زندگی ہی سے بیزار کر دیتا ہے۔ روزانہ زندگی میں ڈرامائی انداز اختیار کرنے کا خبط اسی طرح دوسروں کے لئے وبال جان بن جاتا ہے۔ وہ دل ہی دل میں سلگتا ہوا کسی نامعلوم منزل کی طرف اڑا جا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد گاڑی ایک عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ ڈرائیور نے اسے پورچ میں روکا اور اتر کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولنے لگا۔

پورچ میں روشنی تھی اور صدر دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ حمید گاڑی سے اُتر کر عمارت میں داخل ہو گیا۔ لیکن جیسے ہی ایک بغلی کمرے کا دروازہ کھلا اُس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ ولیم پنڈو اپنے ہونٹوں میں سفاک سی مسکراہٹ لئے کھڑا نظر آیا۔ ''دوسری بار خوش آمدید۔'' اس نے حمید کی طرف مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

حمید اس کے لئے قطعی تیار نہیں تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ خود ہی کسی جال میں پھنسنے جا رہا ہے۔

''حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔'' پنڈو خشک لہجے میں بولا۔ ''کل رات جب تم ہمارے ہتھے لگے تھے بلی والا کارڈ تمہارے کوٹ کی جیب سے برآمد ہوا تھا۔ اس پر جو تحریر تھی مٹا کر نیا مضمون لکھ دیا گیا۔ میں بہت زیادہ محنت کرنے کا قائل نہیں ہوں۔''

''تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔'' حمید نے دلیر بننے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''تمہاری لاش میرے قبضے میں ہے۔''

''تم اپنے ساتھ اسے قبر میں بھی لے جاسکتے ہو..... مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔''

حمید نے مڑ کر صدر دروازے کی طرف دیکھا۔ وہاں ایک آدمی ٹامی گن سنبھالے کھڑا تھا۔ اُسے اپنی غفلت پر غصہ آنے لگا۔

بلیک فورس کا علامتی کارڈ اُسی وقت ضائع کر دینا چاہئے تھا جب وہ اُسے ملا تھا۔ جیب میں ڈال کر بھول جانا بہت بڑی غلطی تھی۔ اس کا خمیازہ اب اسے بہر حال بھگتنا تھا۔ اُسے یاد تھا کہ کارڈ اب بھی وہ وہیں کہیں چھوڑ آیا ہے۔

''چلو..... چلتے رہو۔ ہم کہیں اطمینان سے بیٹھ کر گفتگو کریں گے۔'' پنڈو نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

مسلح آدمی ان کے پیچھے چل رہا تھا۔ پنڈو اسے ایک بڑے کمرے میں لایا۔ وہاں دو خوبصورت یورپین لڑکیاں پہلے سے موجود تھیں۔

حمید سوچ رہا تھا کہ اُسے یقینی طور پر کسی خطرناک مرحلے سے گزارا جائے گا۔

''یہ پہلے ہی سے موجود ہیں۔'' پنڈو نے لڑکیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''تمہارا دم ان کی گود میں نکلے گا۔''

''معاملہ فہم آدمی معلوم ہوتے ہو۔'' حمید بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔ ''میرے بارے میں خاصی معلومات فراہم کر رکھی ہیں۔''

''اور آج تم مجھ سے سچ بولو گے.....!'' پنڈو نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

''میں نے جھوٹ پہلے بھی نہیں بولا تھا۔ مجھے آج بھی علم نہیں ہے کہ گراہم کے کاغذات کہاں ہیں؟''

''تم نے اس کا تذکرہ اپنے چیف سے یقیناً کیا ہوگا۔''

حمید نے جھرجھری سی لی اور سر ہلا کر بولا۔ ''میں نے کیا تھا۔''

''پھر.....؟''

''ہم بڑی دیر تک کاغذات کے بارے میں گفتگو کرتے رہے تھے۔''

''کس قسم کی گفتگو.....؟''

''میرا خیال ہے کہ میرے چیف کی نظر میں ان کاغذات کی کوئی اہمیت نہیں۔ البتہ

کاغذات کے بارے میں کہا تھا کہ وہ کوڈ ورڈ میں ہیں۔''

''اور اس نے انہیں ڈی کوڈ کر لیا ہے۔''

''میں نے یہ نہیں پوچھا۔''

''حالانکہ فطری طور پر تمہیں پوچھنا چاہئے تھا۔''

''یقیناً پوچھنا چاہئے تھا.....؟ لیکن میرا ذہن الجھا ہوا تھا۔ بُری طرح الجھا ہوا تھا اور اب الجھا ہوا ہے۔''

''مجھے بتاؤ کیا بات ہے!'' پنڈو نے نرم لہجے میں پوچھا۔

''کئی باتیں ہیں..... اول تو یہ کہ تم نے میری بات پر یقین کیسے کر لیا تھا۔ دوسرے یہ کہ اگر دینے کی دھمکی کے باوجود حقیقتاً اندھا نہیں کیا اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ تم نے کے بارے میں کچھ بھی نہیں پوچھا تھا۔''

''ٹسڈل کی فکر نہیں ہے۔ سب سے پہلے میں تمہارے چیف کو قتل کروں گا۔''

''پھر مجھے خواہ مخواہ کیوں بور کر رہے ہو..... میں صرف احکامات کی تعمیل کرتا ہوں۔''

''تو یہ اسی کا حکم ہے کہ تم پیکسی سمیت ریالٹو میں قیام کرو۔''

''اس قسم کا کوئی حکم مجھے نہیں ملا..... البتہ اُس نے تمہارے کیس کا انچارج بنایا ہے مجھے۔''

''میرا کیس.....؟''

''ہاں اس کا خیال ہے کہ تم نے ہمارے ملک کی حدود میں داخل ہو کر گیارہ قتل کئے ہیں۔''

''کیا ثبوت ہے اس کے پاس.....!''

''پیکسی..... ثبوت تو خود تم نے اس کے حوالے کیا ہے اور اب یہ ایک نئی الجھن پیدا ہے میرے لئے کہ تم نے پیکسی کو کیوں چھوڑ دیا۔''

''پھر اُس کا کیا کرتا..... میں نے آج تک کسی عورت کو قتل نہیں کیا۔ میرے اصول کے ہے۔''

''اچھا اب اگر ثابت کر دوں خود کو بھی عورت تو.....؟''

پنڈو اس کے شانے پر ہاتھ مار کر ہنسا اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے شانے پر آ گرا ہو۔

اس کے بعد پنڈو بے حد سنجیدہ نظر آنے لگا تھا۔ حمید کو اس طرح گھورے جا رہا تھا جیسے فوری طور پر اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا چاہتا ہو۔

دوسری صبح فریدی کو اطلاع ملی کہ حمید رات سے غائب ہے۔ اطلاع بلیک فورس کے نمبر نے دی تھی۔

فریدی نے اس پر اُس سے باز پرس نہیں کی تھی کہ حمید کے معاملے میں غفلت کیوں ہو گئی۔ حالانکہ اس نے بلیک فورس کے ممبروں کو تاکید کر دی تھی کہ بہت محتاط رہ کر حمید اور پیکسی کی نگرانی کی جائے۔

وہ ایک ملٹری آفیسر کے میک اپ میں ریالٹو پہنچا۔ سارجنٹ رمیش اس کے ساتھ تھا۔ پیکسی اب بھی انہیں کمروں میں مقیم تھی۔ اُس نے فریدی کو پچھلی رات کے واقعات بتاتے ہوئے کہا۔ ''راہ داری میں میرے کمرے کے دروازے پر ایک کارڈ ملا تھا۔ وہ کمرے سے جاتے وقت اس کارڈ کو میز پر چھوڑ گیا تھا۔ جواب بھی وہیں ہے۔''

فریدی کمرے میں آیا۔ میز پر بلیک فورس کا امتیازی نشان دور سے چمک رہا تھا۔

پھر آن واحد میں یہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی کہ کیا ہوا ہوگا۔

وہ سارجنٹ رمیش کی طرف مڑا جو حیرت سے اُس کارڈ کو دیکھے جا رہا تھا۔

وہ پھر پیکسی کے کمرے میں آیا۔

''کیا اس قسم کا کوئی کارڈ پہلے بھی تمہاری نظر سے گزرا ہے۔'' فریدی نے اُسے غور

سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''مجھے یاد پڑتا ہے کہ پنڈو نے اس رات ایک ایسا ہی کارڈ اس کی جیب سے نکالا تھا۔''

پیکسی نے نظریں نیچی کئے ہوئے جواب دیا۔

''اچھی بات ہے۔'' فریدی نے طویل سانس لے کر کہا۔ ''اب تمہیں باقاعدہ طور پر پولیس کی کسٹڈی میں رہنا پڑے گا۔''

''جیسا مناسب سمجھا جائے۔'' پیکسی کا جواب تھا۔

فریدی رمیش کو اس کے بارے میں ضروری ہدایات دے کر مزید چھان بین کے لئے ریالٹو کے ہال میں داخل ہوا۔

کاؤنٹر کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ ایک آدمی اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھماتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ جب تک وہ اسے روک کر کچھ پوچھتا وہ دروازے سے باہر نکل چکا تھا۔

اس نے شانوں کو خفیف سی جنبش دی اور لفافہ چاک کرنے لگا۔ لفافے سے جو چیز برآمد ہوئی اس کے لئے نئی نہیں تھی۔ لیکن شانِ نزول یقیناً حیرت انگیز تھی۔

یہ بلیک فورس کا سیاہ بلی والا کارڈ تھا۔ جس کی پشت پر پنسل سے لکھی ہوئی عبارت تھی۔

''پھاٹک پر کھڑی ہوئی سیاہ شیورلٹ میں بیٹھ جاؤ..... شوفر سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں۔''

فریدی باہر نکلا۔ پھاٹک کے قریب سیاہ رنگ کی لمبی سی شیورلٹ کھڑی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔

کار چل پڑی۔ اسے یقین تھا کہ بلیک فورس کا کوئی ممبر اسے اس میک اپ میں نہیں پہچان سکتا۔ وہ سوچ رہا تھا شائد حمید نے اس مسخرے کو ان کارڈوں کے بارے میں کوئی نئی کہانی سنائی ہے۔

کچھ دیر بعد کار ایک عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ ڈرائیور نے نیچے اُتر کر بڑے ادب کے ساتھ اس کے لئے دروازہ کھولا۔ پورچ اور برآمدے میں سناٹا تھا۔ صدر دروازے میں بھی کوئی نہ دکھائی دیا۔ وہ کسی ہچکچاہٹ کے بغیر عمارت میں داخل ہوا۔

طویل راہداری میں کسی جانب کا بھی کوئی دروازہ کھلا نظر نہ آیا۔ راہداری کا اختتام ایک وسیع ہال پر ہوا۔ جہاں سب سے پہلے حمید پر نظر پڑی۔ وہ ایک سیٹی پر دو سفید فام لڑکیوں کے درمیان اس طرح بیٹھا تھا جیسے ابھی ابھی ان کے حقوق ملکیت اس کی طرف منتقل ہوئے ہوں۔

''ہلو کیپٹن.....!'' اس نے خشک لہجے میں کہا۔ ''کیا بات ہے؟''

حمید نے اُسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ وہ اپنی ہی فوج کا کوئی میجر تھا لیکن اسے پہلے کبھی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ وہ سیٹی سے اٹھ گیا۔ لڑکیاں بدستور بیٹھی رہیں۔

''کیا بات ہے.....؟'' حمید اُسے گھورتا ہوا بولا۔

''مجھے کیوں بلایا گیا ہے۔''

دفعتاً پشت سے قہقہہ سنائی دیا۔ وہ چونک پڑے۔ ایک دروازے میں پنڈو کھڑا تھا اور اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور کا رخ آنے والے ملٹری آفیسر کی طرف تھا۔

''کیا مطلب ہے؟'' فریدی نے بھونچکا رہ جانے کی ایکٹنگ کی۔

''کوئی بات نہیں۔'' پنڈو بولا۔ ''تم بھی بیٹھ جاؤ..... لیکن نہیں..... پہلے اپنے دونوں ہاتھ اٹھاؤ۔''

فریدی نے ہاتھ اٹھا دیئے۔ پنڈو نے لڑکیوں کو اشارہ کیا۔ وہ آگے بڑھیں اور ان میں سے ایک نے فریدی کے ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا۔

''میں نہیں سمجھ سکتا۔'' فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر غصیلے لہجے میں کہا۔

''میں بتاؤں گا.....!'' پنڈو غرایا۔ ''اب تم بیٹھ جاؤ۔''

حمید کبھی حیرت سے اس ملٹری آفیسر کی طرف دیکھتا اور کبھی پنڈو کی طرف۔

''تم نے مجھے بتایا تھا۔'' پنڈو نے حمید سے کہا۔ ''تمہارا چیف آج کل اسی نشان کے ذریعہ پیغام رسانی کر رہا ہے۔ اسکے سارے ماتحت اس سے آگاہ ہیں۔ اس سلسلے میں میرا یہ خیال بھی درست ثابت ہوا کہ وہاں لگی ہوئی ملٹری کا انچارج بھی کرنل فریدی ہی کے ہاتھ میں ہے۔''

''بڑی تیزی سے ترقی کر رہے ہو سی نور پنڈو.....!'' حمید ہنس کر بولا۔

''یہ آفیسر..... ریالٹو میں تمہاری گمشدگی کے سلسلے میں چھان بین کر رہا تھا۔'' پنڈو نے حیرت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''اور اب تم اسے یہاں دیکھ رہے ہو۔''

''لیکن کس طرح.....؟''

''تم کس طرح یہاں پہنچے تھے۔'' پنڈو نے خشک لہجے میں سوال کیا۔

حمید صرف طویل سانس لے کر رہ گیا۔

اب فریدی بہت توجہ اور دلچسپی سے پنڈو کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس خصوصی توجہ کو پنڈو بھی نظر انداز نہ کر سکا۔

دفعتاً فریدی نے خالص بدیسی لہجے میں پوچھا۔ ''کیا..... تم گراہم.....!'' جملہ پورا نہیں کیا تھا اس نے۔ پنڈو نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے سر کو اثباتی جنبش دی۔ فریدی نے پلٹ کر حمید کی طرف دیکھا اور پھر پنڈو کو کچھ اس قسم کا اشارہ کیا جیسے اسے الگ لے جا کر کچھ کہنا چاہتا ہو۔

پنڈو نے ریوالور کا رخ اس کی طرف کئے ہوئے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

فریدی دروازے کی طرف بڑھا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ پنڈو پوری طرح ہوشیار ہے۔ اس وقت اس پر ہاتھ ڈال دینا آسان کام نہ ہوگا۔

وہ اسے ایک کمرے میں لایا اور سامنے کھڑا ہو کر گھورنے لگا۔

''میں.....!'' فریدی رازدارانہ لہجے میں بولا۔ ''میجر فضل الرحمان نہیں ہوں۔''

''کیا مطلب.....؟''

''میں کرنل مکلارنس ہوں۔'' فریدی چاروں طرف دیکھ کر آہستہ سے بولا۔

''کرنل مکلارنس.....!'' پنڈو نے غالباً یادداشت پر زور دیتے ہوئے دہرایا۔ پھر جیب سے ایک نوٹ بک نکال کر بائیں ہی ہاتھ پر اُسے سنبھالتے ہوئے انگوٹھے سے ورق گردانی کرتا رہا۔ ریوالور کا رخ اب بھی فریدی ہی کی طرف تھا۔

کچھ دیر بعد اس نے نوٹ بک پھر جیب میں ڈال لی اور فریدی کو چند لمحے گھورتے رہنے کے بعد بولا۔ ''تم وہیں موجود ہو۔ لیکن پھر بھی کچھ نہ کر سکے.....!''

''مجھے صرف اپنے مشن سے سروکار ہے۔'' فریدی نے کسی قدر ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''یہ مت بھولو کہ اسی مشن کے لئے میں نے اپنے جسم سے دستبردار ہو کر اس نفرت انگیز جسم میں رہنا قبول کیا تھا۔''

''ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے..... یہ کام تو مجھے ہی کرنا ہے۔''

''میں تمہیں وہاں تک لے جاسکتا ہوں..... اور بس.....!''

''کیا تم تہہ خانوں کے راستے سے واقف ہو۔''

''تہہ خانوں تک میں تمہیں پہنچا دوں گا..... لیکن اگر تم یہ چاہو کہ میں تمہارا ہاتھ بھی بٹاؤں تو یہ ناممکن ہے۔''

''تم مجھے بس اس شخص تک پہنچا دو۔''

''نسڈل تک.....!'' فریدی نے پوچھا۔

''کرنل فریدی تک..... جسے دنیا نے اساطیری کردار بنا رکھا ہے۔'' پنڈو نے انتہائی نفرت انگیز لہجے میں کہا۔

''میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہوگا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''وہاں صرف اس کا حکم چلتا ہے۔ ویسے ممکن ہے کہ وہ تہہ خانوں ہی میں رہتا ہو..... میں نے آج تک اسکی شکل نہیں دیکھی۔ لیکن ٹھہرو..... میں بھلا تمہیں وہاں کیسے لے جاسکوں گا۔''

فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

''تم کیا سوچنے لگے؟'' پنڈو جھنجھلا کر بولا۔

''میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اگر تمہیں ملٹری کی وردی میں لے بھی جاؤں تو تمہارا غیر ملکی ہونا کیونکر چھپ جائے گا۔''

''تم اس کی پرواہ مت کرو..... میری رنگت گندمی بھی ہوسکتی ہے اور آنکھیں تو پہلے ہی سے سیاہ ہیں۔''

''اگر تم ایسا کرسکو تو تمہیں وہاں تک پہنچا دینا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوگا۔'' فریدی نے قدر جوش کے ساتھ کہا اور پھر ایک پل کے لئے خاموش ہو کر بولا۔ ''تم نے اس کے ی کو کیوں پکڑ رکھا ہے۔ اس نے اپنے ایک حکم کے ذریعہ مجھے ریالٹو بھیجا تھا کہ میں اس ندگی کے سلسلے میں چھان بین کروں۔''

''تم اس کے بارے میں بھی کچھ نہ سوچو۔ بس مجھے وہاں پہنچا دو۔''

نسڈل کے بنگلے میں سناٹا تھا۔ فریدی اور پنڈو داخل ہوئے۔ بنگلے کے سناٹے پر پنڈو ہرت ظاہر کی تھی۔

''آدھے گھنٹے تک تمہیں ٹھہرنا پڑے گا۔'' فریدی نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیوں.....؟''

''آدھے گھنٹے بعد تم اُن لوگوں کے لئے رات کا کھانا لے جاؤ گے۔ لیکن قائدے کے تمہیں اپنا ریوالور یہیں چھوڑ جانا پڑے گا۔''

''مجھے منظور ہے۔'' پنڈو بولا۔ وہ اس وقت ایک دیسی فوجی معلوم ہو رہا تھا۔ کسی قسم کا استعمال کرنے سے اس کے چہرے گردن اور ہاتھوں کی رنگت گندمی ہوگئی تھی۔

فریدی نے اُسے مشورہ دیا کہ وہ ایک بار پھر تہہ خانوں کے نقشے کو اچھی طرح ذہن نشین لے۔

پنڈو نے نقشہ جیب سے نکال کر میز پر پھیلا دیا اور دونوں اس پر جھک پڑے۔

''یہ دیکھو.....!'' فریدی ایک جگہ انگلی رکھ کر بولا۔ ''یہ طویل راہداری ہے۔ اس کمرے کا کھانا رکھو گے..... دونوں سپاہیوں کو کھانے کے قریب ہی چھوڑ کر تم اس جگہ آؤ گے۔

یہاں سوئچ بورڈ پر کئی رنگوں کے بٹنوں والے پش سوئچ ہیں۔ تم سرخ رنگ کا بٹن دبانا جیسے ہی دروازہ ظاہر ہو اندر چلے جانا۔ یہی ایسا کمرہ ہے جہاں ٹیلی ویژن کیمرے یا [illegible] نہیں ہیں۔''

''ٹھیک ہے..... میں سب دیکھ لوں گا۔ تم مطمئن رہو۔'' پنڈو اس کے شانے پر ہاتھ مار کر بولا۔

ساڑھے سات بجے ہیلی کوپٹر کی آواز دوبارہ سناٹے میں گونجی تھی اور تھوڑی دیر بعد فوجی کھانے کے بڑے بڑے خوان اٹھائے ہوئے بنگلے میں داخل ہوئے تھے۔ انہوں نے پاسورڈ ''گن پاؤڈر'' دہراتے ہوئے خوان ایک طرف رکھ دیئے تھے اور فریدی کو سلیوٹ کیا تھا۔

فریدی نے پنڈو کو پھر ہدایات دیں۔ اسے اور دونوں فوجیوں کو غیر مسلح کر کے تہہ خانے میں داخل کر دیا۔ کچھ دور چلنے کے بعد پھر پہرہ ملا۔ پنڈو پاسورڈ دہراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ نقشے کے مطابق پہلے اُسے اس کمرے میں داخل ہونا پڑا جہاں ان دونوں فوجیوں کو کھانے کے لئے چھوڑ دینا تھا۔

باہر نکلا تو راہداری دور تک سنسان نظر آئی۔ وہ بہت اطمینان سے آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا۔ اس پر فریدی کو قتل کر دینے کا جنون اس بُری طرح طاری تھا کہ اپنے غیر مسلح ہونے کی بھی پرواہ نہیں تھی۔

فریدی کے بتائے ہوئے مقام پر رک کر اُس نے سوئچ بورڈ پر سرخ رنگ کا بٹن دبایا اور ظاہر ہونے والے دروازے میں بے دھڑک داخل ہو گیا۔ لیکن پھر اُسے اس کی بھی سدھ نہ رہی کہ دیوار خود بخود برابر ہو گئی ہے اور یہاں سے نکل جانے کے لئے اُسے کیا کرنا پڑے گا۔

وہ تو اس دیو پیکر عورت کو گھورے جا رہا تھا جو غالباً اُسے دیکھ کر ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اس قدر جثہ کا کوئی مرد بھی آج تک پنڈو کی نظر سے نہیں گزرا تھا چہ جائیکہ عورت۔

دفعتاً وہ عورت اس پر جھپٹ پڑی۔ پنڈو بوکھلا کر ایک طرف ہٹ گیا۔

وہ گرتے گرتے سنبھلی اور جھکائی دے کر اس بار پنڈو کی کلائی پکڑ لی اور جھٹکا دے کر اپنی

طرف کھینچا۔ لاکھ سنبھلنے کے باوجود پنڈو کے پاؤں زمین سے اکھڑ گئے اور وہ کسی ہلکے پھلکے بچے کی طرح اس سے جا ٹکرایا۔ اور پھر شدید غصے کے عالم میں ایک گھونسہ پوری قوت سے اس کے سر پر جڑ دیا۔ اس طرح اس کی بائیں کلائی اس دیونی کی گرفت سے آزاد ہو سکی۔

ٹھیک اسی وقت ایک آواز کمرے میں گونجی۔

''نہیں ولیم پنڈو..... یہ زیادتی ہے۔ خطرناک مہمات میں ایک عورت ضرور تمہارے ساتھ ہوتی ہے۔ یہاں میں نے اس کا انتظام کر دیا ہے تمہارے لئے۔''

اس آواز پر عورت جہاں تھی وہیں تھم گئی۔

''مکلارنس..... یہ کیا مذاق ہے۔'' پنڈو مٹھیاں بھینچ کر دہاڑا۔

''یہاں میرے پاس پیکسی بھی موجود ہے ولیم پنڈو..... یہ دیکھو۔''

آواز کی سمت دیوار پر ایک اسکرین روشن ہو گئی۔ کرنل مکلارنس اور پیکسی اس پر کھڑے نظر آئے۔ عورت نے تصویریں دیکھ کر قہقہہ لگایا اور پھر پنڈو کو دیکھنے لگی جس نے بڑی سختی سے دانت پر دانت جما رکھے تھے۔

''میں پوچھتا ہوں یہ کیا مذاق ہے۔'' پنڈو پھر دہاڑا۔

''تم جیسے مسخروں سے میں مذاق ہی کرتا ہوں ولیم پنڈو..... اب پیکسی تمہاری بے بسی کا تماشا دیکھنا چاہتی ہے۔ فرزانہ اس نے ابھی تمہارے منہ پر گھونسہ مارا تھا۔''

''ہاں مارا تو تھا.....!'' دیونی بھی انگریزی میں بولی۔

''ولیم پنڈو..... اب میں دیکھوں گا کہ تم کتنے طاقتور ہو۔ میں تم جیسے ہر کولیس ٹائپ کو ہتھیار استعمال کئے بغیر ہی ختم کر سکتا ہوں۔''

''کیا مطلب..... تم کون ہو۔'' پنڈو بوکھلا کر بولا۔

''کرنل فریدی..... جس کی ہڈیاں توڑ دینے کا گیت گاتے تم اپنے ہیڈ کوارٹر سے چلے تھے۔ اب غالباً تمہیں معلوم ہو گیا ہو گا کہ میں نے گراہم کے وہ کاغذات بھی کوڈ کر لئے ہیں۔ جنہیں میرے اسسٹنٹ کو پہلی بار محض اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ وہ مجھ سے کاغذات کے بارے

میں معلومات حاصل کرے۔ مجھے یقین تھا کہ تم اسے دوبارہ پکڑ واؤ گے۔ محض یہ معلوم کرنے کے لئے کہ میں کوڈ ورڈز میں ترتیب دی ہوئی فہرست کو ڈی کوڈ کر سکا ہوں یا نہیں۔''

پنڈو کی سانس تیزی سے چل رہی تھی۔ غصے کے مارے پاگل ہوا جا رہا تھا۔

اسکرین کی روشنی غائب ہوگئی۔ ساتھ ہی عورت نے اُس پر پھر چھلانگ لگائی۔ اس بار پنڈو کو سنبھلنے کا موقع نہ مل سکا۔ وہ پوری طرح اس کی گرفت میں تھا اور اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے سارے جسم کی ہڈیاں کڑکڑا کر ٹوٹ جائیں گی۔



حمید کو تو اس وقت حالات کا اندازہ ہو سکا جب پولیس نے اس عمارت میں یلغار کر دی۔ ورنہ تو یہی سمجھ رہا تھا کہ فوج کی کوئی کالی بھیڑ پنڈو کو فریدی پر چڑھا لے گئی۔ کیونکہ وہاں سے رخصت ہوتے وقت پنڈو نے اسے آگاہ کر دیا تھا کہ کس طرح وہ فریدی پر چھلانگ لگانے جا رہا ہے۔ اس عمارت میں پائے جانے والے سارے افراد گرفتار کر لئے گئے اور حمید پھر رمیش واپس پہنچ گیا کیونکہ رمیش کی زبانی فریدی کی طرف سے یہی ہدایت ملی تھی۔

دوسرے دن اسے گیارہ آدمیوں کی ایک لسٹ ملی۔ فریدی کی ہدایت کے مطابق انہیں حراست میں لینا تھا۔ یہ سب فوجی عہدیدار تھے اور سب کے سب وہیں موجود نہیں تھے۔ ملک کے مختلف حصوں سے ان کی گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں۔

پورے ایک ہفتہ بعد حمید سرخاب ویلی میں واپس پہنچ سکا۔ اب اس کی منزل ڈاکٹر ٹسڈل کا پہاڑی بنگلہ تھا۔ لیکن بنگلے میں قدم رکھتے ہی اُس پر شدید ترین بوکھلاہٹ کا دورہ پڑ گیا۔

فریدی ایک آرام کرسی پر نیم دراز تھا اور ولیم پنڈو پیچھے کھڑا کسی مشاق مالشیے کی طرح اُس کے سر پر چمپی کر رہا تھا۔

فریدی نے نیم باز آنکھوں سے حمید کی طرف دیکھا اور عجیب سے انداز میں مسکرانے لگا۔

''بیٹھ جاؤ حمید۔'' اُس نے اُس سے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔

حمید تیزی سے اپنی گدی سہلاتا ہوا سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

ولیم پنڈو پہلے ہی کے سے بے نیازانہ انداز میں فریدی کے سر پر مالش کے ماہرانہ داؤں آزما رہا۔

یکایک فریدی نے پھر آنکھیں کھولیں اور حمید سے پوچھا۔ ''تم بھی مالش کراؤ گے؟''

''اگر میں خواب نہیں دیکھ رہا تو یقیناً پاگل ہو گیا ہوں۔'' حمید اُن دونوں کو گھورتا ہوا بولا۔

''ولیم پنڈو.....!'' فریدی نے اُسے اس طرح آواز دی جیسے وہ بہرہ ہو گیا ہو۔ حمید نے ولیم پنڈو کو چونکتے بھی نہ دیکھا۔ فریدی نے پھر آواز دی۔ لیکن ولیم پنڈو کچھ بولے بغیر بدستور اس کے سر میں مالش کرتا رہا۔ پھر حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے دوسرے کمرے کے فرش پر کوئی وزنی چیز رگڑ کر گھسیٹی جا رہی ہو۔

دوسرے ہی لمحے میں ایک بڑا بدصورت اور بوڑھا آدمی کہنیوں کے بل گھسٹتا ہوا اس کمرے میں داخل ہوا۔ اس کی دونوں ٹانگیں بالکل مفلوج تھیں اور وہ غالباً کہنیوں کے بل ہی اپنا کارہ جسم کو گھسیٹ سکتا تھا۔

اُس نے آنکھیں پھاڑ کر ولیم پنڈو کی طرف دیکھا اور انگریزی میں حلق پھاڑنے لگا۔

''میرا جسم..... میرا جسم..... میرا جسم واپس کر دو..... حرامی..... سُوَر کے بچے..... میرا جسم..... یہ میرا جسم ہے۔''

حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ یہ ایسا زبردست ذہنی جھٹکا تھا کہ اس کا پورا جسم کانپنے لگا۔

ولیم پنڈو نے اس مفلوج بوڑھے کی طرف دیکھا اور فریدی سے ملتجیانہ انداز میں کہنے لگا۔ ''حضور کرنل فریدی صاحب، خدا کے لئے اس نفرت انگیز جسم کو میری آنکھوں کے سامنے سے ہٹوائیے۔''

حمید کا سر چکرانے لگا اور پھر وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس ذہنی کیفیت کے ساتھ کھڑے رہنا

دشوار تھا۔

فریدی نے مفلوج بوڑھے کو انگریزی میں کہا ''ولیم پنڈو میں تمہیں اس جسم سے تمہارے ہیڈ کوارٹر میں بھجوا دوں گا..... مطمئن رہو۔ تمہارا اصل جسم جس ذہن کو عطا کر رہا ہے۔ وہ بڑا اچھا مالشیا ہے..... تھکے ہوئے ذہنوں کو سکون بخش سکتا ہے۔ اس لئے انسانیت کو اس کی ضرورت ہے۔''

بات پوری طرح حمید کی سمجھ میں آ چکی تھی۔ فریدی نے پنڈو کا مغز ایک مفلوج آدمی کی کھوپڑی میں رکھوا دیا تھا اور مفلوج آدمی کے ذہن کو پنڈو کے جسم میں منتقل کر دیا گیا۔

مفلوج نے چیختے چیختے ایک طرف گردن ڈال دی اور بے سدھ ہو کر پڑ گیا۔

حمید کا حلق خشک ہو گیا تھا اور وہ بار بار ہونٹوں پر زبان پھیرے جا رہا تھا۔

دفعتاً فریدی نے اُس سے پوچھا۔ ''کیا رپورٹ ہے؟''

''وہ سب گرفتار کر لئے گئے..... لیکن یہ آپ نے کیا کیا ہے؟''

''پنڈو کے ہیڈ کوارٹر کے لئے تحفہ۔'' اس نے مفلوج بوڑھے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ایک مفلوج آدمی کو توانا جسم کی ضرورت تھی کہ اس سے یہ اپنی روزی کمائے گا۔

پھر اُس نے مالشیئے سے کہا کہ اب وہ آرام کرے۔ وہ فریدی کے بانوں میں کنگھا کر کے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

پنڈو وہیں سر ڈالے پڑا رہا۔ ایسا لگتا تھا جیسے چیخ چیخ کر بیہوش ہو گیا ہو۔

فریدی بولا۔ ''وہ گیارہ ایسے افراد ہیں جن کے سروں میں غیر ملکی دماغ منتقل کئے گئے تھے اور گراہم نے اپنی یادداشت کے لئے ان کی فہرست کوڈ ورڈ میں تیار کی تھی۔ پھر غالباً اس کی ایک نقل اپنے ہیڈ کوارٹر کو بھی روانہ کر دی تھی۔ میرا خیال ہے کہ ان لوگوں سے رابطہ قائم کرنا بھی پنڈو کے مشن میں شامل تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ان گیارہ آدمیوں کو قبل از وقت چھیڑوں۔ ویسے ان کی نگرانی جاری تھی۔ بہر حال اب ٹسڈل نے اپنا کام مکمل کر لیا ہے۔ ان ذہنوں اور جسموں کی تبدیلیاں عمل میں لائی جا چکی ہیں جو ایک دوسرے کے دعوے دار تھے۔''

اس کا یہ مطلب ہوا کہ ٹسڈل کا علاج بھی کامیاب رہا۔

''نہ ہوتا تو میں اسے اس پر آمادہ نہ کر سکتا۔'' فریدی طویل سانس لے کر بولا۔

حمید اُسے ایسی نظروں سے دیکھے جا رہا تھا جیسے وہ الہ دین کے چراغ کا جن ہو۔

دفعتاً ڈاکٹر علوی کمرے میں داخل ہوا۔ وہ بہت زیادہ گھبرایا ہوا نظر آ رہا تھا۔ آتے ہی وہ بولا۔ ''کرنل..... فوراً.....!''

''کیا بات ہے۔''

''اس نے خودکشی کر لی۔''

''کس نے.....؟'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

''ٹسڈل کی سیکریٹری ربیکا نے..... سر میں گولی مار لی۔''

''ٹسڈل کہاں ہے؟''

''اپنے ریٹائرنگ روم میں سو رہا ہے۔ اُسے اس کا علم نہیں۔''

فریدی تہہ خانے کی طرف جھپٹا۔ حمید اس کے پیچھے تھا۔ ڈاکٹر علوی نے اس جگہ تک ان کی رہنمائی کی جہاں اُس نے ربیکا کی لاش دیکھی تھی۔ بڑا متاثر کن منظر تھا۔ وہ فرش پر پڑی تھی۔ کنپٹی سے بہا ہوا لہو سر کے آس پاس پھیلا ہوا تھا۔ قریب ہی ریوالور پڑا نظر آیا۔

''یہ کیا ہوا.....؟'' حمید نے پوچھا۔ لیکن فریدی خاموشی سے دروازے کی طرف مڑ گیا۔ حمید نے اس کی آنکھوں میں پشیمانی دیکھی تھی۔

وہ دوسرے کمرے میں آئے۔ فریدی بڑبڑایا۔ ''میں مجبور تھا۔ کیا کرتا..... میں اسی وعدہ پر دوبارہ آپریشن پر آمادہ کر سکا تھا کہ اس کی اعصابی کمزوری کا علاج طب یونانی کے ایک نسخے کے ذریعہ کر دوں گا۔ ربیکا نہیں چاہتی تھی کہ اس میں کوئی تبدیلی ہو۔ وہ اپنے ہمدردی کے جذبے کو مامتا کا نام دیتی تھی۔ بڑی ہی عجیب عورت تھی۔ میں اس کے لئے مغموم ہوں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔

کچھ دیر بعد ٹسڈل کو بھی اس حادثے کا علم ہو گیا۔ اس نے فریدی سے درخواست کی تھی

کہ اُسے اس کی لاش دکھائی جائے۔

فریدی نہیں چاہتا تھا لیکن دوسرے ڈاکٹروں کی سفارش پر اسے اجازت دینی پڑی۔ یہ کچھ اچھا نہ ہوا۔ فریدی کی اسکیم تھی کہ اپنے ڈاکٹروں کو ٹسڈل سے اس آپریشن کی تربیت دلانے کی کوشش کرے گا۔ لیکن پھر ٹسڈل کسی کام کا نہ رہا۔ بے ہوش ہو کر ربیکا کی لاش پر گرا اور دوبارہ ہوش میں آنے کے بعد ہوش مند نہیں کہلایا جا سکتا تھا۔

تمام شد

خوفناک منصوبہ

(مکمل حصہ)

وقار عظیم
پاکستانی پوائنٹ
ڈاٹ کام

پیش رس

جاسوسی دنیا کا ایک سو دوسرا ناول ''خوفناک منصوبہ'' ملاحظہ فرمایئے۔ ''باعث تاخیر'' جو کچھ بھی تھا اُس سے آپ کو کوئی دلچسپی نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا بس تاخیر ہوگئی اور آپ تو میری اس ''عادت'' کے عادی ہو گئے ہیں۔

''خوفناک منصوبہ'' جاسوسی دنیا کے سلسلے میں ایک نیا تجربہ ہے۔ اس سے پہلے ہر باب کا ایک عنوان ہوا کرتا تھا لیکن اس بار عمران سیریز کے ناولوں کی طرح یہ ناول بھی بغیر عنوانات کے ابواب پر مشتمل ہے۔ میرا اپنا خیال ہے کہ اس طرح کہانی کا تسلسل کچھ اور اُبھر آیا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

پچھلی بار صرف گرانی کا رونا رونے کے بعد کتاب کی قیمت بڑھانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا لیکن فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ قیمت بڑھائی جائے یا نہ بڑھائی جائے۔ پھر اچانک یکم جولائی سے محصول ڈاک میں بھی پچاس فیصد کا اضافہ ہوگیا۔ لہٰذا اب فی کتاب پچیس پیسے کا اضافہ قبول فرمایئے۔

اس بار تبصرے کے لئے بے شمار خطوط میری میز پر موجود ہیں۔ ان میں زیادہ تر نصیحت نامے ہیں۔ یا پھر کچھ اس قسم کے کہ ___ آپ کا نوٹس ملا یہ روز روز قیمت بڑھا دینے کی دھمکی کیوں؟ ارے بڑھا بھی چکئے کسی صورت۔ لیکن شرط یہ ہے کہ کتاب ہر ماہ پابندی سے آنی چاہئے۔

ایک صاحب نے میری ایک بہت بڑی غلطی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ مجھے خود بھی اُس غلطی کا احساس تھا لیکن یہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے اس پر دھیان دیا۔ بہرحال مجھے اپنی غلطی تسلیم۔

فریدی کے والد صاحب کا نام نواب عزیز الدین خاں تھا۔ اگر ''فریدی اور لیونارڈ'' میں نواب عابد علی خاں درج ہے تو براہِ کرم اُسے قلمزد کر کے عزیز الدین خاں ہی لکھ دیجئے۔ نواب عابد علی خاں تو فریدی کے تایا زاد ماموں کے بھتیجے تھے۔ تھے کیا..... اب بھی ہیں۔ پاپوش نگر میں رہتے ہیں۔ پاپوش نگر کراچی کی ایک بستی ہے۔ سنا ہے اب اُس کا نام بھی بدل کر الطاف نگر کر دیا گیا ہے۔

ابنِ صفی

۱۳ر جولائی ۱۹۶۸



وہ بہ آہستگی ایک ایک زینہ طے کر کے اوپری منزل کی طرف جا رہا تھا۔ سرتا پا سیاہ پوش..... چہرے پر بھی سیاہ غلاف چڑھا ہوا تھا جس میں صرف آنکھوں کی جگہ دو سوراخ تھے۔

ہر چند کہ آشیانہ بلڈنگ کے زینے اس وقت سنسان پڑے تھے لیکن پھر بھی اُس کا اطمینان قابل داد تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُسے اس ہیئت کذائی میں اپنے دیکھ لئے جانے کا خدشہ نہ ہو۔

اس وقت اگر اچانک زینے پر کوئی تنہا آدمی اُسے دیکھ لیتا تو چیخ چیخ کر پوری عمارت سر پر اٹھا لیتا۔ وہ طویل قامت اور چوڑے شانوں والا تھا۔ زینے طے کرنے کے انداز سے معلوم ہوتا تھا جیسے وہ پوری قوت سے زمین پر پیر رکھنے کا عادی ہو۔

اوپری منزل کی راہداری بھی سنسان پڑی تھی۔ وہ ایک فلیٹ کے سامنے رکا۔ چند لمحے

بے حس و حرکت کھڑا رہا پھر راہداری کی روشنی کا سوئچ آف کر دیا۔

پوری راہداری تاریکی میں ڈوب گئی تھی۔

فلیٹ کے دروازے کے قریب پہنچ کر قفل کے سوراخ کو انگلی سے ٹٹولتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے اُس میں ایک کنجی لگائی۔ قفل بہ آسانی کھل گیا۔

ہینڈل گھما کر دروازے کو بہ آہستگی کھولا اور کمرے میں داخل ہو گیا۔

اب وہ دروازہ بند کر کے اُسے اندر سے مقفل کر رہا تھا۔

کمرے میں گہری تاریکی تھی۔ چند لمحے وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا پھر جیب سے ٹارچ نکال۔ روشنی کا دائرہ دوسرے دروازے پر پڑا۔ یہ بھی بند تھا۔

سیاہ پوش نے دوسری کنجی نکالی۔ وہ دروازہ بھی کھلا اور تاریکی میں گہری سبز روشنی کا ہیولیٰ کچھ عجیب سا تاثر پیش کرنے لگا۔

یہ کسی کی خواب گاہ تھی۔ وہ اندر داخل ہوا بائیں جانب مسہری پر ایک دیو قامت آدمی سو رہا تھا۔ سیاہ پوش وہیں رک گیا اور اس دیو قامت سونے والے کو گھورتا رہا۔

خود اُس کا وجود اُسکے سامنے صفر ہو کر رہ گیا تھا۔ محاورۃً گویا اونٹ پہاڑ کے مقابل آیا تھا۔

اب وہ پستول کو بائیں ہاتھ میں سنبھال کر داہنی جیب سے چمڑے کا چابک نکالنے لگا جو کوڑے کی شکل میں لپٹا ہوا تھا۔

''شائیں۔'' اُس نے چابک سے دیو قامت آدمی پر وار کیا اور وہ پہلی ہی ضرب پر کراہتا ہوا اٹھ بیٹھا۔

''ہوش میں آؤ۔'' سیاہ پوش غرایا۔

اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہ دیو قامت سچ مچ ہوش میں آ گیا ہو۔

پھاڑ کھانے کا سا انداز رکھنے والی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا تھا۔

''کک..... کیا بات ہے۔ بب باس.....!'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں ہکلایا۔ اس کی نظر چابک کی بجائے پستول پر جمی ہوئی تھی۔

''تیرے لئے ایک کام ہے۔'' سیاہ پوش نے سرد لہجے میں کہا۔

''کک.....کام.....!'' وہ سر سے پیر تک کانپ گیا۔

''کیوں کیا بات ہے۔تو کانپ رہا ہے۔''

''انجکشن باس.....وہ انجکشن ہی سب سے بڑا کام ہے۔ میں بے موت مرجاتا ہوں۔ مجھ سے کہو میں کسی ریلوے انجن سے ٹکر لے لوں۔لیکن وہ انجکشن.....!''

''ہاں.....وہ انجکشن ضروری ہے۔''

''میں جان کنی میں مبتلا ہو جاتا ہوں باس۔ رگیں کھینچتی ہیں۔ ہڈیاں چٹختی ہیں جسم کا ریزہ ریشہ پھوڑا بن جاتا ہے۔''

''تو انکار کر رہا ہے؟'' دفعتاً سیاہ پوش کی آواز بلند ہوگئی۔

''نن نہیں تو باس.....میں نمک حرام نہیں ہوں۔اس پہاڑ سے جسم کے لئے تم ہی تو دوا مہیا کرتے ہو۔''

''تو پھر تیار ہو جا۔''

''ذرا مجھے ایک گلاس ٹھنڈا پانی پی لینے دو باس۔ کیونکہ میں جہنم میں چھلانگ لگانے جا رہا ہوں۔میرے خدا.....وہ انجکشن.....!''

''لیکن تو یہ نہیں دیکھتا کہ اسکے بعد ایک بلڈ ہاؤنڈ سے بھی زیادہ ذکی الحس ہو جاتا ہے۔''

''بعد کی باتیں ہیں باس.....پہلے تو.....!''

''بس اب خاموش رہ۔'' سیاہ پوش کی آواز پھر بلند ہوگئی۔''میں بہت جلد اس میں تبدیلیاں کرنے والا ہوں کہ یہ اتنا تکلیف دہ نہ رہ جائے گا۔''

''مگر.....ابھی تو.....!''

''شٹ اپ.....اٹھو اور وہاں چلو جہاں سے تمہیں پانی پینا ہے۔''

دیو قامت آدمی کراہتا ہوا اٹھا۔سیاہ پوش ایک طرف ہٹ گیا تھا۔

لیکن پستول کا رخ دیو قامت ہی کی طرف رہا اور اس کی خوفزدہ آنکھیں بھی پستول ہی

پر ہوئی تھیں۔

اُس نے بائیں جانب والا دروازہ کھولا۔سیاہ پوش اس کے پیچھے چل رہا تھا۔

ڈرائنگ روم کے ایک گوشے میں ریفریجریٹر دکھائی دیا۔دیو قامت آدمی نے اُس میں سے پانی کی بوتل نکال کر ہونٹوں سے لگائی۔

بڑے بڑے گھونٹوں کی آواز کمرے میں گونج رہی تھی۔ بوتل خالی کر کے فریج پر رکھتے ہوئے اس نے قمیض کی آستین سے ہونٹ خشک کئے اور سیاہ پوش کی طرف مڑا۔

''باس.....!'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔''کتنی خواہش ہے کہ کبھی میرا ہاتھ تمہاری گردن تک بھی پہنچ سکے۔''

''میرے لئے بھی وہ دن دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔'' سیاہ پوش کا لہجہ سرد تھا۔

''ہوں.....!'' دیو پیکر آدمی کی غراہٹ سے کمرہ گونج اٹھا۔ پھر اس کے بھاری جبڑے ہل گئے۔دہانہ کسی قدر کھلا اور ایک پل کے لئے دانتوں کی بہیانہ چمک دکھائی دی۔

''خاموشی سے بیٹھ جاؤ۔'' سیاہ پوش نے پستول کی نال سے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

اس پر دیو قامت آدمی اس طرح چونکا تھا جیسے اس دوران میں وہ پستول اُس کے ذہن سے محو ہوگیا ہو۔آنکھوں میں خوفزدگی کے آثار پھر نظر آنے لگے۔

وہ چپ چاپ اُس کرسی پر جا بیٹھا جس کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔لیکن چہرے سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اُس سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔

سیاہ پوش نے جیب سے ایک پیکٹ نکالا اور اُسے میز پر رکھ کر کئی قدم پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

''ٹیپ ریکارڈر بیگ میں موجود ہے۔''

''مم.....مگر باس۔''

''بکو جلدی سے.....میرے پاس وقت نہیں ہے۔''

''مم.....میں سارا سامان.....یہاں سے ہٹا دوں۔پچھلی بار میری پیشانی زخمی ہوگئی تھی۔''

''ہوں.....اچھا.....اجازت ہے۔لیکن میں اس کے لئے دس منٹ سے زیادہ نہیں

دے سکتا۔ پانچ منٹ میں سامان ہٹاؤ اور پانچ منٹ کے دوران خون کو دوبارہ معمول پر لا
کے لئے کافی ہوں گے۔ بس اب جلدی کرو۔''

سیاہ پوش دروازہ چھوڑ کر ایک طرف ہٹ گیا اور دیو قامت نے اس کمرے کا
دوسرے کمرے میں منتقل کرنا شروع کر دیا۔ وہ بہت بھاری بھرکم تھا لیکن حیرت انگیز پھرتی
ساتھ اس نے سارا کام صرف تین منٹ میں نپٹا دیا۔

''اسے بھی ہٹاؤ گے۔'' سیاہ پوش نے فریج کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''نہیں۔'' دیو پیکر آدمی نے سختی سے کہا۔ اُس کے چہرے پر پھر جھلاہٹ کے آثار
آنے لگے تھے۔

''اچھا تو سرنج اٹھاؤ۔'' سیاہ پوش نے پستول والے ہاتھ کو جنبش دے کر کہا۔

دیو پیکر نے میز پر رکھے ہوئے پیکٹ سے سرنج نکالی جس میں کسی قسم کا سیال بھرا ہوا تھا۔

''جب تک تم میری گرفت میں نہیں آتے..... پھر دیکھنا۔'' وہ سیاہ پوش کی طرف انگلی ا
کر غرایا۔

''چلو.....!'' پستول کو پھر جنبش ہوئی اور دیو پیکر کی توجہ سیاہ پوش سے ہٹ کر صرف پستو
کی طرف مبذول ہوگئی۔ اس کی آنکھوں سے پھر خوف جھانکنے لگا۔

''جلدی کرو۔'' اس بار پستول کی جنبش دھمکی سے بھرپور تھی۔

دیو قامت آدمی نے بائیں بازو میں سرنج کی سوئی چبھائی اور آہستہ آہستہ پسٹن دبا
رہا۔ حتیٰ کہ سرنج بالکل خالی ہوگئی۔

اب وہ سرنج کو پھینک کر آہستہ آہستہ الٹے پاؤں پشت والی دیوار کی طرف جا رہا تھا۔

سیاہ پوش نے جھک کر فرش سے سرنج اٹھائی اور اُسے دوبارہ پیکٹ میں رکھ کر جیب میں
ڈال لیا۔

دیو قامت آدمی دیوار سے لگا کھڑا اس طرح ہانپ رہا تھا جیسے کسی بہت بڑے وزن کے
ساتھ سینکڑوں میل پیدل طے کئے ہوں۔ پھیلی ہوئی آنکھوں سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ پھ

اس کے حلق سے ایک بے ہنگم سی چیخ نکلی اور وہ دھڑام سے فرش پر آ گرا۔

سیاہ پوش اچھل کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے دیو قامت آدمی نے
چھلانگ کر اُس پر چھلانگ لگائی ہو اور وہ اپنے بچاؤ کے لئے پیچھے ہٹ گیا ہو۔

وہ دونوں ہاتھوں کے بل فرش پر گرا تھا اور دوبارہ اٹھنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ پھر چیخا
اچھل کر دوسری طرف جا پڑا۔ اس کے بعد تو وہ چیخیں دورے کی شکل اختیار کر گئی تھیں اور ہر
اس کے پہاڑ جیسے جسم کو ایک جگہ سے دوسری جگہ اچھال دیتی۔

سیاہ پوش بھی اس دوران میں کسی ایک جگہ نہیں کھڑا رہا تھا۔ کرب میں مبتلا دیو قامت
دی کی پوزیشن کے ساتھ ہی اس کی پوزیشن بھی تبدیل ہوتی رہی تھی اور وہ تھوڑی تھوڑی دیر
گھڑی بھی دیکھنے لگتا تھا۔

پندرہ منٹ بعد اُس دیو قامت آدمی پر وہ تشنجی دورہ ختم ہوگیا اور اب وہ فرش پر سجدے کی
حالت میں پڑا ہوا تھا اور اُسکے حلق سے نکلنے والی آواز ایک مسلسل غراہٹ میں تبدیل ہوگئی تھی۔
وناک آواز تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے اپنے جھنڈ سے بچھڑا ہوا کوئی غضبناک بھیڑیا غرا رہا ہو۔

سیاہ پوش نے اپنی جگہ سے جنبش کی اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے قریب آ پہنچا۔

پھر دیو قامت آدمی کی پیشانی آہستہ آہستہ فرش سے اٹھتی ہوئی نظر آئی۔ ساتھ ہی
راہٹ بھی مدہم پڑتی جا رہی تھی۔ اسی انداز میں بالآخر کمرے کی محدود فضا خاموشی میں ڈوب گئی۔

سیاہ پوش نے اپنے اوورکوٹ کی جیب سے کاغذ کا ایک چھوٹا سا بنڈل نکالا اور اُسے دیو
قامت آدمی کے سامنے ڈالتا ہوا بولا۔

''اسے کھولو.....!''

دیو قامت آدمی جو اب دوزانو بیٹھا ہوا تھا اُسے کھولنے لگا۔ کاغذ کی تہہ کے نیچے سے سیاہ
نگ کا ایک مفلر برآمد ہوا تھا۔ وہ اُسے بالکل کتوں کے سے انداز میں سونگھنے لگا۔

''تمہیں اس کی گردن توڑ دینی ہے۔'' سیاہ پوش نے آہستہ سے کہا۔

دیو قامت اُسے بدستور سونگھے جا رہا تھا۔

"تمہیں اُس کی گردن تو دینی ہے۔" سیاہ پوش نے پھر سرگوشی کی۔

دیو قامت نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔

"تمہیں اُس کی گردن توڑ دینی ہے۔" سیاہ پوش کی سرگوشی جاری رہی۔

"تمہیں اس کی گردن توڑ دینی ہے۔"

وہ عجیب لڑکی تھی۔ ہائی سرکل کلب میں اُس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ غصے کی حالت میں غیر متوقع حرکتیں کر بیٹھتی ہے۔ لیکن کیپٹن حمید نے اُسے آج تک غصے میں نہیں دیکھا تھا۔

بڑی خوبصورت مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں پر ہر وقت کھیلتی رہتی۔ اکثر وہ اپنے میز پر تنہا بھی نظر آتی۔ لیکن اُس وقت بھی خواہ مخواہ مسکراتی رہتی۔ کسی طرف متوجہ ہوئے بغیر۔

اُس کی ٹھوڑی کا گڑھا حمید کو بہت پسند تھا۔ وہ اکثر سوچتا کہ اُسے چاہِ زنخداں کیوں کہتے ہیں۔ یہ لفظ تو کچھ گالی سا لگتا ہے۔ کوئی خوبصورت سا نام ہونا چاہئے تھا۔

اُس نے اُسے ہمیشہ مسکراتے دیکھا تھا لیکن آج وہ اُسے عجیب عالم میں نظر آئی۔

ہال میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے اُس پر نظر پڑی تھی کیوں نہ پڑتی جب کہ وہ ایک میز پر سر کے بل کھڑی بے تحاشہ چیخے جا رہی تھی۔ نسلاً انگریز تھی۔ اس لئے جو کچھ بھی اُس کی زبان سے نکل رہا تھا آسانی سے سمجھ میں نہیں آ سکتا تھا۔ پھر بھی حمید نے اندازہ کر لیا کہ غصے ہی میں ہو سکتی ہے۔

اس کے باوجود بھی ہال میں کسی قسم کی ابتری نہ دکھائی دی۔ لوگ اپنی جگہوں پر بیٹھے یا

رہے تھے یا اُسے تنفر آمیز نظروں سے گھور رہے تھے۔ حمید نے سوچا کہ اس وقت تو یہ جین اور جیکٹ میں ملبوس ہے اگر کبھی اسکرٹ میں غصہ آ گیا تو کیا ہوگا۔

ہائی سرکل کلب کا ننھا سا منیجر اپنے آفس کے دروازے پر کھڑا اس طرح خلاء میں گھورے جا رہا تھا جیسے بحالت بیداری کوئی خواب دیکھ رہا ہو۔

حمید نے اُس کے قریب پہنچ کر اُسے ٹھوکا دیا اور وہ بوکھلا کر اس کی طرف پلٹ پڑا۔

"اوہ.....!" اُس کے منہ سے ایسے انداز میں نکلا جیسے اب جان میں جان آئی ہو۔ پھر احمقانہ ہنسی کے ساتھ بولا۔ "دیکھئے..... ذرا دیکھئے کپتان صاحب! ایسے غصے پر پیار آ جائے کسی شاعر کو تو خدا کی قسم اپنی بیاض پھاڑ دوں۔"

"لیکن اس غصے میں کس پیار کی شامت پوشیدہ ہے۔" حمید نے لڑکی کی طرف ہاتھ اٹھا کر پوچھا۔

"کچھ نہیں جناب..... کچھ خاص بات نہیں۔ بس غلطی سے ویٹر نے میز پر نمک گرا دیا تھا۔"

"مجھے تو اُس کا نام تک نہیں معلوم۔" حمید نے کہا اور منیجر نے اُسے اس طرح نیچے سے اوپر تک دیکھ ڈالا جیسے حمید نے اپنے چغد ہونے کا اعلان کیا ہو۔

"یقین کرو! میں نہیں جانتا۔" حمید بولا۔

"جناب..... نام ہی روز اایپ سائیڈ ڈاؤن ہے۔"

"نیچے سے اُسے یہ دنیا کیسی نظر آتی ہوگی۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر مغموم لہجے میں کہا۔

منیجر کچھ نہ بولا۔ وہ پھر اُس لڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

دفعتاً ایک اور آدمی بھی اُن کے قریب آ کھڑا ہوا۔ ادھیڑ عمر کا ایک غیر معمولی طور پر خوبصورت آدمی تھا۔ لباس کے رکھ رکھاؤ میں نفاست پسندی کا عادی معلوم ہوتا تھا۔ جامہ زیب اور وجیہہ بھی تھا۔

اُس نے منیجر کے شانے پر ہاتھ رکھ کر غصیلے لہجے میں کہا۔ "میں نے تمہیں سمجھا دیا تھا۔"

منیجر شاید اُس کی موجودگی سے بے خبر تھا جیسے ہی اُس نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھا وہ اچھل پڑا تھا۔

''جج..... جناب عالی میں بے بس ہوں۔''

''میں نے تم سے کہا تھا کہ اُسے غصہ نہ آنے پائے۔''

''درست ہے..... درست ہے..... لیکن بقول شاعر۔''

''نہیں تم نے احتیاط نہیں برتی۔''

''چلئے میں اپنی غلطی تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن اب تو انہیں کسی طرح سیدھا کیجئے۔ ورنہ یہاں کے گرد بھیڑ اکٹھا ہو جائے گی۔''

''میں کچھ نہیں کر سکتا۔'' نووارد ہاتھ ملتا ہوا مایوسانہ لہجے میں بولا۔

''معاف کیجئے گا غلطی آپ سے ہوئی ہے۔'' منیجر نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''کیا مطلب.....؟''

''میں غلط نہیں کہہ رہا۔ آپ کو انہیں یورپ سے یہاں نہ لانا چاہئے تھا۔ یہاں کی عورتیں غصے میں خود سر کے بل کھڑی نہیں ہوتیں بلکہ دوسروں کو کر دیتی ہیں۔ لہٰذا ہماری سوسائٹی میں محترمہ عجوبہ بن کر رہ گئی ہیں۔ کچھ تعجب نہیں کہ یہاں کے مرد انہیں دیوی سمجھ کر پوجنے لگیں۔''

''چھوڑو..... ختم کرو..... یہ بتاؤ اس وقت کیا کیا جائے۔''

''میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔'' منیجر نے کسی قدر ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ ''میں تو محض آپ کی مروت میں سب کچھ برداشت کر رہا ہوں۔ ارے جناب..... ابھی کل ہی کی بات ہے ایک پر ہنسی کا دورہ پڑا تھا۔ مسلسل دو گھنٹے تک ہنستی رہی تھی۔ چلئے ہنسنے کی بات ایسی نہیں کہ کسی کو اعتراض ہو سکے۔''

''تو اس پر کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔'' دفعتاً حمید بگڑ کر بولا۔

''جی.....!'' بیک وقت دونوں کی زبانوں سے نکلا۔

''جی ہاں.....!'' حمید باقاعدہ طور پر چڑھ دوڑا۔ ''اگر وہ اپنی میز پر سر کے بل کھڑی

ہنستی ہے تو کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔''

''آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں جناب۔'' منیجر گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔

''وہ دیکھو۔'' حمید ایک طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''دیوار پر وہ فریم جس میں تحریر ہے آہستہ بولئے۔''

''میں دیکھ رہا ہوں۔'' منیجر بولا۔

''کیا تم دوسرے فریم کا انتظام نہیں کر سکتے تھے جس میں تحریر ہوتا کہ یہاں سر کے بل کھڑا ہونا منع ہے۔''

''کیا بات کرتے ہیں جناب آپ بھی۔'' منیجر جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔

''یہ بات آپ اپنے کلب کے قوانین میں شامل کر سکتے ہیں۔ اُس کے بعد اگر کوئی ایسی حرکت کرے تو آپ کو احتجاج کا حق پہنچتا ہے۔ دوسری صورت میں قطعی نہیں۔''

''آپ کی تعریف جناب۔'' دفعتاً نووارد حمید کی طرف مصافحے کیلئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔

''میرا نام ساجد حمید ہے اور میں محکمہ داخلہ سے تعلق رکھتا ہوں۔'' حمید نے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اور دخل درنا معقولات میرے فرائض میں داخل ہے۔ یقین کیجئے کلب کے قوانین میں کوئی ایسی دفعہ نہیں جو کسی شہری کو سر کے بل کھڑے ہونے سے روک سکے۔''

''بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر جناب۔'' نووارد سنجیدگی سے بولا۔

''لہٰذا اب مجھے اجازت دیجئے۔'' منیجر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا اور اپنے آفس میں چلا گیا۔

اُن دونوں نے مڑ کر اُسے جاتے دیکھا تھا لیکن اس کے بارے میں کچھ کہا نہیں تھا۔

نووارد نے حمید کو سگریٹ پیش کئے۔

''شکریہ..... میں پائپ پیتا ہوں۔''

''یہ لڑکی میرے لئے مصیبت بن گئی ہے۔'' نووارد بولا۔

''آپ سے کیا تعلق اس کا۔'' حمید نے حیرت ظاہر کی۔

''صرف مجھ سے متعلق ہے یہاں اور کسی سے بھی نہیں۔''

''آپ کی باتیں بھی دلچسپ ہیں۔'' حمید نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک میز کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ لڑکی اب بھی اُسی طرح میز پر سر کے بل کھڑی تھی۔

وہ دونوں بیٹھ گئے۔ نووارد حمید سے کہہ رہا تھا۔ ''میں نے اکثر آپ کو یہاں دیکھا ہے لیکن آپ سے تعارف حاصل نہیں تھا۔''

''تعارف ہوتے کتنی دیر لگتی ہے جناب۔'' حمید پاؤچ سے تمباکو نکال کر پائپ میں بھرتا ہوا بولا۔ ''تعارف حاصل کرنے کے ایسے گھٹیا طریقے تو اختیار نہیں کر سکتا۔''

دوسرا جملہ اُس نے لڑکی کی طرف ہاتھ اٹھا کر ادا کیا تھا۔

''اوہ..... نہیں..... ایسا نہ کہئے۔ یہ بچی مظلوم ہے۔'' نووارد نے مغموم لہجے میں کہا۔

حمید اُسے استفہامیہ انداز میں دیکھتا رہا۔ کچھ دیر بعد نووارد پھر بولا۔ ''وہ بیمار تھی۔ تبدیلی آب و ہوا کے لئے انگلینڈ سے یہاں لایا ہوں۔''

''دوست ہیں آپ کی؟''

''میرے ایک دوست کی بیٹی ہے۔'' نووارد نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''مرض چونکہ شرقی تھا اس لئے میں اُسے یہاں لایا ہوں۔''

''شرقی.....!'' حمید نے حیرت سے کہا۔ ''میں نہیں سمجھا۔''

''بھئی..... یہ بچپن ہی سے ایسی کہانیوں کی دلدادہ رہی تھی جو مشرق سے متعلق ہوں۔ بعض انگریز مصنفوں نے مشرق کے بارے میں بڑی پُر اسرار کہانیاں لکھی ہیں۔ انہیں پڑھ پڑھ کر یہ مشرق کے جنون میں مبتلا ہوگئی۔ حالانکہ اُن بیچارے مصنفین کی معلومات کا یہ عالم ہے کہ ایک صاحب نے اپنے ناول میں ایک مشرقی شہزادے کی آن بان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہاتھی پر حقہ کس دیا گیا اور شہزادہ اپنے قیمتی لباس کو سنبھالتا ہوا حقے پر جا بیٹھا۔''

''حقے پر.....!'' حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

''جی ہاں..... مصنف صاحب کو ہودے کی بجائے حقہ ہی یاد آیا تھا لکھتے وقت۔''

حمید ہنس پڑا۔ لیکن نووارد کی تیوریاں بدستور چڑھی رہیں۔

''صاحب ان مصنفین نے بیچاروں کو طرح طرح کے ذہنی امراض میں مبتلا کر رکھا ہے۔ یہاں وہ خود کو مہارانی کہنے لگی تھی۔ مہاراجہ ڈونگا بونگا کی دھرم پتنی۔ بدقت تمام ایک ماہر نفسیات نے اُسے بتایا کہ وہ صرف روز اپ سیڈ اوَن ہے۔''

''لیکن منیجر نے تو روز اپ سائڈ ڈاوَن نام بتایا تھا۔''

''مرض سے صحت پانے کے بعد وہ خود کو یہی کہنے لگی ہے۔ ویسے وہ اپ سیڈ اوَن خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ مشرق کے متعلق اس کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ یوگا پر اتھارٹی سمجھئے۔''

''لیکن اب یہ سیدھی کس طرح ہوگی۔''

''کچھ نہیں کہا جا سکتا۔''

''ان کی ذمہ داری آپ پر ہے۔ کچھ سوچئے۔'' حمید نے کہا۔

''آپ ہی کچھ سوچ کر بتایئے۔''

دفعتاً منیجر دکھائی دیا۔ وہ تیزی سے انہیں کی طرف آ رہا تھا۔

''آپ کا فون ہے جناب۔'' اُس نے میز کے قریب پہنچ کر حمید سے کہا۔

حمید اٹھ کر اُس کے ساتھ دفتر کی طرف جاتا ہوا بولا۔ ''دنیا کے کسی گوشے میں بھی مجھے لانا نصیب نہیں ہو سکتا۔ تم نے کہہ کیوں نہیں دیا کہ میں یہاں موجود نہیں ہوں۔''

لیکن دفتر میں داخل ہوتے ہی منیجر آہستہ سے بولا۔ ''میں نے تو اسی بہانے آپ کو وہاں بلوایا تھا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''فون کے بہانے۔ کیا آپ اُس آدمی سے واقف ہیں۔''

''نہیں۔'' حمید اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''کیا اُس نے آپ کو اپنا نام نہیں بتایا۔''

''میں نے پوچھا ہی نہیں۔''

''ناصر مرزا.....!''

''طاہر مرزا بھی ہوسکتا ہے۔تو پھر.....!''

''خدا کی پناہ۔کیا یہ نام آپ کے لئے چونکا دینے والا نہیں ہے۔''

''تم کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''وہ آدمی ہے کہ پل بھر میں آپ کا عہدہ وغیرہ سب خاک میں ملا سکتا ہے۔ملکی بہت اونچی اونچی شخصیتوں سے اُس کے مراسم ہیں۔''

''یہ تم مجھے اس کے سامنے بھی بتا سکتے تھے۔''

''آپ تو پتہ نہیں کس قماش کے آدمی ہیں۔''منیجر جھنجھلا کر بولا۔

''بقول شاعر.....نیکی برباد.....گناہ لازم۔''

''تم مجھے وہاں سے کیوں اٹھا لائے ہو۔''حمید نے سخت لہجے میں پوچھا۔

''صاحب تشریف لے جایئے۔جان چھوڑیئے میری۔''منیجر اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتا ہوا بولا۔

''تمہیں بتانا پڑے گا۔''

''ارے جناب میں یہ بتانا چاہتا تھا کہ اُس پر آپ کے محکمے یا عہدے کا رُعب نہیں پڑسکتا۔جب چاہے آپکے ڈی آئی جی صاحب ہی کا بستر گول کرا سکتا ہے۔آپ یہ نہ سمجھئے گا۔''

اُس نے بات پوری نہیں کی تھی کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

منیجر نے ریسیور اٹھالیا اور حیرت سے منہ پھاڑے کچھ سنتا رہا۔پھر پھٹی پھٹی سی آواز میں بولا۔''تم کون ہو.....ہیلو.....ہیلو.....!''

یک بیک وہ اچھل پڑا اور مجنونانہ انداز میں حمید سے بولا۔''کوئی اُسے مارے ڈال رہا ہے۔اُس کا گلا گھونٹ رہا ہے۔''

حمید نے ریسیور اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا اور اب وہ بھی ایسی ہی آواز سن رہا تھا جیسی کسی گھٹتے ہوئے گلے سے نکلتی ہے۔

پھر وہ آواز آنی بند ہوگئی۔لیکن سلسلہ منقطع نہیں ہوا تھا۔حمید نے ریسیور کریڈل پر رکھنے کی بجائے میز پر ڈال دیا۔منیجر اب بھی حیرت سے آنکھیں پھاڑے ہکا بکا کھڑا تھا۔

''کون ہوسکتا ہے۔''حمید نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''پتہ نہیں.....لل لیکن.....میرا دعویٰ ہے کہ کوئی بڑا حادثہ ہوا ہے۔''

''ریسیور کو میز ہی پر پڑا رہنے دو۔میں ابھی آیا۔''حمید نے کہا اور آفس سے باہر نکل آیا۔

اب وہ بڑی تیزی سے اُس گوشے کی طرف بڑھ رہا تھا جہاں گاہکوں کے استعمال کے لئے ٹیلی فون بوتھ واقع تھا۔

فون پر اُس نے ایکس چینج کے نمبر ڈائیل کئے اور اپنے محکمے کے حوالے سے گفتگو کرتا ہوا بولا۔''فوری طور پر بتاؤ کہ فون نمبر تین دو پانچ چھ کس نمبر سے ملا ہوا ہے۔''

''بہت بہتر جناب۔''دوسری طرف سے آواز آئی۔''ہولڈ آن کیجئے۔''

اور پھر کچھ دیر بعد نمبر بھی بتا دیا گیا۔اس کے بعد حمید نے اُس نمبر کے پتے کا مطالبہ کیا۔

''تھری سیون تھری.....جہانگیر روڈ۔''دوسری طرف سے آواز آئی۔

حمید سلسلہ منقطع کر کے پھر منیجر کے آفس میں واپس آیا۔وہ اب بھی وہیں کھڑا فون کے ریسیور کو گھورے جا رہا تھا۔

''سیون فائیو ٹو ایٹ پر کون ہے۔''حمید نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

''جی.....!''وہ اچھل پڑا۔

حمید نے پھر اپنا سوال دہرایا اور منیجر میز پر جھک کر ایک ڈائری کی ورق گردانی کرنے لگا پھر سیدھا کھڑا ہو کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔''وہ تو.....وہ تو.....ایک غیر ملکی ہے۔''

''نام بتاؤ۔''حمید غرایا۔''پتہ بھی چاہئے۔''

''تھری سیون تھری جہانگیر روڈ.....نام آرتھر چیمپن.....!''

حمید نے پھر ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔دوسری طرف سے اب بھی رابطہ قائم تھا۔ٹیلی فون ہی کی ''ٹوں ٹوں'' کے علاوہ اور کچھ سنائی نہیں دیتا تھا۔

''بھلا اس آرتھر چیمپن نے اس وقت تمہیں فون کیوں کیا۔''

''میں.....میں.....وہ دراصل.....عجیب چکر ہے۔''

''جلدی بتاؤ..... کسی تمہید کی ضرورت نہیں۔''

''وہ روزانہ فون کر کے اس لڑکی کے بارے میں پوچھتا ہے۔''

''کس لڑکی کے بارے میں۔''

''وہی جو میز پر سر کے بل کھڑی ہے۔''

''تم نے اُس کا پتہ کیوں لکھ رکھا ہے اپنی ڈائری میں۔''

''وہ مجھ سے دوستی کا خواہاں ہے۔ زبردستی نوٹ کرایا تھا اپنا پتہ۔''

حمید پھر ہال میں واپس آ گیا تھا۔ لیکن اب اُسے نہ وہ لڑکی نظر آئی اور نہ اُس کا میزبان ناصر مرزا۔

وہ صدر دروازے کی طرف بڑھا۔ پھر برآمدے میں قدم رکھا ہی تھا کہ ٹھٹک جانا پڑا۔ وہ دونوں برآمدے میں کھڑے ناخوشگوار لہجہ میں گفتگو کر رہے تھے۔

لڑکی کہہ رہی تھی۔ ''تمہاری مہمان ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ میں تمہاری پابند ہو کر رہوں سمجھے''

''دیکھو سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں یہاں تمہارا مربی ہوں۔ تمہارے باپ سے میں نے وعدہ کیا تھا کہ ہر طرح تمہاری دیکھ بھال کروں گا۔''

''بس میں نے آخری بات کہہ دی۔ میرے پیچھے نہ آؤ۔''

ناصر مرزا نے مایوسانہ انداز میں سر کو جنبش دی اور لڑکی آگے بڑھ گئی۔ ناصر مرزا نے مڑ کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا لیکن پھر سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔

لڑکی اب برآمدے سے اُتر کر پارکنگ شیڈ کی طرف جا رہی تھی۔

ناصر مرزا جہاں تھا وہیں کھڑا رہا اور حمید اُس کے پاس سے نکلا چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اُس لڑکی کا تعاقب کر رہا تھا۔ لڑکی ایک چھوٹی سی کار ڈرائیو کر رہی تھی اور حمید لنکن میں تھا۔

دفعتاً اُسے پھر فون کا خیال آیا اور وہ سوچنے لگا کہ آخر اُسے اس سے کیا سروکار۔ کسی نے منیجر سے فون پر رابطہ قائم کیا تھا لہٰذا وہ منیجر کا ذاتی معاملہ ٹھہرا۔ اسے کیا پڑی ہے کہ اس کے

سر کھپاتا پھرے۔ البتہ یہ لڑکی اس کی زندگی میں چند خوشگوار لمحات کا اضافہ کر سکے گی۔

تعارف جاری رہا۔ وہ لڑکی سے متعارف ہونا چاہتا تھا۔ عرصہ سے زندگی یکسانیت کا شکار ہو رہی تھی۔ کہیں بھی تو کوئی ناولٹی نہیں۔ زندگی گویا ہڈیوں کا پنجر ہو کر رہ گئی تھی۔

اگر اس لڑکی سے متعارف ہو گیا تو شائد کچھ دنوں کے لئے انواع اقسام کی بورتیوں سے نجات مل جائے۔ کیا چیز ہے؟ غصہ آیا تو سر کے بل کھڑی ہو گئی۔ اس کی پرواہ کئے بغیر کہ وہ ایک بھرے پُرے کلب میں موجود ہے۔

لڑکی تیز رفتاری سے راستہ طے کر رہی تھی۔ کچھ دیر بعد حمید نے محسوس کیا کہ وہ بتدریج گاڑی کی رفتار کم کرتی جا رہی ہے۔ پھر اُس نے اُسے چوراہے سے جہانگیر روڈ پر مڑتے دیکھا اور ایک طویل سانس لی۔

تعاقب جاری رہا۔ لیکن زیادہ دیر تک نہیں۔ لڑکی نے اپنی گاڑی ایک چھوٹی سی عمارت کے سامنے روکی تھی۔ حمید اپنی گاڑی آگے لیتا چلا گیا اور کچھ دور جا کر یوٹرن لیتا ہوا پھر اُسی طرف چلا آیا۔ سڑک کی دوسری جانب ٹھیک لڑکی کی گاڑی کے سامنے لنکن پارک کرنے کے بعد وہ جائے گاہ سے ٹک کر بجھا ہوا پائپ سلگانے لگا۔

لڑکی کی گاڑی خالی تھی۔

دفعتاً وہ چونک پڑا۔ یہ جہانگیر روڈ تھی۔ منیجر نے فون کال کے سلسلے میں جہانگیر روڈ کی بات نمبر تین سو تہتر ہی کا تو تذکرہ کیا تھا اور یہ..... یہ عمارت..... اوہ..... نمبر اتنے فاصلے سے بھی صاف پڑھے جا سکتے تھے۔ پھاٹک کے ایک ستون پر تین سو تہتر تحریر تھا۔

حمید نے متحیرانہ انداز میں ہونٹ سکوڑے اور لنکن سے نیچے اُتر آیا۔ اب وہ نیم پلیٹ بھی دیکھ سکتا تھا جس پر آرتھر چیمپئن لکھا ہوا تھا۔ وہ پھاٹک کی طرف بڑھا۔ اُس کے پاس اُس مکان میں داخل ہو جانے کے لئے جواز موجود تھا۔ کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں تھی۔

پھاٹک دوسری طرف سے بولٹ نہیں تھا۔ دھکا دینے پر کھلتا چلا گیا۔ پھاٹک کے بعد بائیس فٹ چوڑا لان تھا جس کا اختتام اصل عمارت کے قریب ہوا تھا۔

صدر دروازہ کھلا ہی ہوا ملا۔ ابھی وہ داخل بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ روزا سامنے سے دوڑتی آئی اور اس سے ٹکرا گئی۔ اُسے گرنے سے بچانے کے سلسلے میں وہ خود بھی گرتے گرتے بچا۔

روزا بُری طرح ہانپتی ہوئی گھٹی گھٹی سی آواز میں بولی۔ ''قتل..... قتل..... پولیس.....''

اور پھر وہ بیہوش ہو کر حمید کے ہاتھوں میں جھول گئی۔

پل بھر کیلئے حمید کی قوت فیصلہ جواب دے گئی۔ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ پھر خیال آیا کہ مکان میں روزا کے علاوہ اور کوئی بھی اس وقت موجود نہیں ورنہ وہ بھی اس کے پیچھے ہی نظر آتا۔ تو وہاں کسی کی لاش تھی۔

اُسے دیکھنا چاہئے۔ لیکن روزا..... وہ اب بھی اُس کے ہاتھوں پر تھی۔

اُسے ایک کمرے میں صوفے پر لٹا کر وہ دوسرے کمروں کی تلاشی لینے لگا۔

لاش ڈرائنگ روم میں ملی تھی۔ ٹیلی فون والی میز کے قریب۔ جسم پر کہیں بھی کوئی زخم نہیں تھا البتہ ایسا لگتا تھا جیسے گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی ہو۔ مرنے والا جوان العمر تھا۔ زندگی میں اُس کے خدوخال کافی دلکش رہے ہوں گے۔ کسی سفید فام نسل کا فرد تھا۔

ٹیلی فون کا ریسیور میز کے نیچے جھولتا نظر آیا۔ میز کے قریب والا صوفہ الٹا پڑا تھا۔ اس کے علاوہ اور کسی قسم کی بدنظمی کمرے میں نہیں پائی جاتی تھی اور اب حمید سوچ رہا تھا کہ اگر لڑکی بھی اس کیس میں ملوث ہوگئی تو اس کی تفریحات کا کیا ہوگا۔

لہٰذا اس نے فوری طور پر ایک فیصلہ کیا اور اس کمرے کی طرف چل پڑا جہاں لڑکی کو لایا تھا۔

اُس کے منہ پر پانی کے چھینٹے دیئے۔ کوشش کر رہا تھا کہ اسے جلد از جلد ہوش آجائے۔ ناکامی نہیں ہوئی۔ ہوش آتے ہی لڑکی نے پھر ''قتل قتل'' کی رٹ لگادی۔

''خاموش رہو'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''میری بات غور سے سنو۔ میں ایک پرائیویٹ پولیس آفیسر ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم کون ہو۔ میرا مشورہ ہے کہ چپ چاپ یہاں سے چلی جاؤ۔''

''لیکن..... لیکن.....!''

''ہاں..... کیا کہنا چاہتی ہو۔'' حمید اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''وہ..... وہ میرا دوست تھا۔''

''تمہیں کیسے اطلاع ملی تھی کہ وہ قتل کر دیا گیا؟''

''مجھے کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ میں تو بس اس سے ملنے آئی تھی۔''

''ٹھیک ہے..... اب تم جاؤ..... اور اس سلسلے میں قطعی طور پر اپنی زبان بند رکھو گی۔ کسی بھی تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔''

''کیوں..... آخر کیوں؟''

''میں تمہیں ایک زحمت سے بچانا چاہتا ہوں۔ اگر تم نے کسی سے تذکرہ کیا تو قانون کی رو میں تم خود بھی شبہے سے بالاتر نہیں ہوگی۔''

''م..... میں کیوں؟''

''تم یہی بیان دو گی نا کہ تم اُس سے ملنے آئی تھیں۔ لاش دیکھ کر پولیس کو اطلاع دینے کیلئے بھاگیں۔''

''یقیناً میں یہی بیان دوں گی۔''

''لیکن اس پر کون یقین کرے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تم یہاں کسی اور کے ساتھ آئی ہو۔ اس میں لڑائی ہوئی ہو۔ ایک مارا گیا۔ مارنے والا بھاگ نکلا اور تم۔ تم نے اس کے بعد سوچا ہو بہت بُرا ہوا۔ لہٰذا اب تمہیں پولیس کو اطلاع دے دینی چاہئے اور تم وہی کچھ کہتی ہو جو کہہ چکا ہے۔ یعنی تم قاتل کو پولیس کی دسترس سے بچانا چاہتی ہو۔''

روزا نے متحیرانہ انداز میں جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں اور بولی۔ ''لیکن تم نے میرے بارے میں کیوں یقین کرلیا۔''

''اس لئے کہ میں نے کچھ دیر پہلے تمہیں ہائی سرکل میں دیکھا تھا اور وہیں سے تمہارا پیچھا کرتا ہوا یہاں تک پہنچا ہوں۔''

''تم نے میرا تعاقب کیوں کیا تھا۔'' وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

''میری دانست میں تو اُن سبھوں کو تمہارا تعاقب کرنا چاہئے تھا جو اس وقت ہال میں موجود تھے۔''

''ہوں۔'' وہ ناخوشگوار لہجے میں بولی۔ ''اکثر لوگ میرے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ اچھا شکریہ۔ آفیسر..... میں جا رہی ہوں۔''

وہ ایک غیر ملکی کے قتل کا معاملہ تھا اور اس کی اطلاع حمید سے ملی تھی اس لئے فریدی جائے واردات پر تنہا نہیں تھا۔ اُس کے محکمے کا سپرنٹنڈنٹ بھی وہاں موجود تھا۔ حمید نے فریدی کو فون پر اطلاع دی تھی اور فریدی نے بڑے خشک لہجے میں اس سے کہا تھا کہ وہ براہِ راست سپرنٹنڈنٹ کو رپورٹ دے۔ پھر مزید کچھ کہے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد سپرنٹنڈنٹ سے دوبارہ اس کی اطلاع ملنے پر ہی وہ جائے واردات کی طرف روانہ ہوا تھا۔ وہیں سپرنٹنڈنٹ سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔ فریدی اچھی طرح جانتا تھا کہ سپرنٹنڈنٹ نے موقع واردات پر پہنچنے کے بعد ہی اُسے طلب کیا ہوگا اور حمید کے متعلق تو سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ اُس نے سپرنٹنڈنٹ سے اس قسم کی گفتگو کی ہو جس سے وہ اندازہ لگا سکے کہ سب سے پہلے اُس نے فریدی کو اطلاع دی ہوگی۔

حمید اپنا بیان پہلے ہی درج کرا چکا تھا۔ لیکن اُس میں لڑکی کا تذکرہ نہیں تھا۔ لڑکی کے بارے میں تو اُس نے فریدی کو بھی نہیں بتایا تھا۔

محکمہ کے فوٹو گرافر مختلف جگہوں کی تصویریں لیتے رہے۔ فنگر پرنٹس کی تلاش جاری تھی۔

''کیا خیال ہے۔'' سپرنٹنڈنٹ نے فریدی کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیا عرض کروں..... یہ آدمی بہت تندرست تھا لہٰذا گردن کا اس طرح ٹوٹنا ہم

میں ایک غیر معمولی واقعہ ہے۔''

''تو پھر.....!''

''فوری طور پر اظہار خیال بھی ممکن نہیں۔''

سپرنٹنڈنٹ خاموش ہو گیا۔ پتہ نہیں کیوں وہ ان دنوں فریدی سے الجھ نہیں رہا تھا۔

جائے واردات پر بھی زیادہ دیر تک نہیں ٹھہرا۔ فریدی کو بڑے مربیانہ انداز میں کیس سے متعلق کچھ ہدایات دیتا ہوا وہاں سے رخصت ہو گیا تھا۔

فنگر پرنٹ والوں کے ساتھ ہی حمید نے بھی وہاں سے کھسک جانا چاہا لیکن فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''تم ٹھہرو گے۔''

حمید نے ایک طویل سانس لی اور جہاں تھا وہیں رک گیا۔

لاش بھی اٹھوائی جا چکی تھی اور اب وہاں اُن دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

''میں نے ہائی سرکل کے منیجر کو یہیں بلوایا ہے۔'' فریدی نے حمید سے کہا۔

''کیوں.....؟''

''اس لئے کہ میں خود وہاں نہیں جانا چاہتا۔''

''کوئی خاص وجہ۔''

''وقت بچانا چاہتا ہوں۔''

''کیا خیال ہے؟ اُس کی گردن کس طرح ٹوٹی ہوگی۔''

''از روئے رمل بتاؤں یا جوتش کے مطابق۔'' فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

اتنے میں کسی نے باہر سے گھنٹی بجائی اور فریدی خود ہی صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

آنے والا ہائی سرکل کلب کا منیجر تھا۔ اس نے بڑے ادب سے فریدی کو سلام کیا۔

''کیا آپ اس سے پہلے یہاں آ چکے ہیں۔'' فریدی نے اُس سے پوچھا۔

''نہیں جناب عالی! پہلی بار..... آپ کے طلب کرنے پر حاضر ہوا ہوں۔'' منیجر نے لاش کی طرف دیکھ کر کہا۔

''میں آپ ہی کی زبان سے سننا چاہتا ہوں۔'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

''بس جناب وہ زبردستی مجھ سے جان پہچان پیدا کر بیٹھا تھا۔''

''کسی خاص مقصد کے تحت.....!'' فریدی اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

''جی ہاں.....وہ روز اپ سائیڈ ڈاؤن کے بارے میں پوچھا کرتا تھا۔''

''یہ کیا بلا ہے؟''

منیجر نے حمید کی طرف دیکھا اور حمید بے نیازانہ انداز میں دوسری طرف دیکھنے لگا۔

''وہ دراصل.....!'' منیجر کھنکار کر بولا۔ ''وہ.....وہ جناب عالی ایک لڑکی ہے۔ مسٹر ہارمرزا کی مہمان۔ مرنے والا کلب میں اس کی موجودگی کے بارے میں پوچھا کرتا تھا۔ بس یوں سمجھئے کہ وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ناصر مرزا بھی اُس کے ساتھ ہے یا وہ تنہا کلب آئی ہے۔ ہارمرزا کو آپ جانتے ہی ہوں گے۔''

''جانتا ہوں۔'' فریدی نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آج کی پوزیشن بتایئے۔''

اس سوال پر حمید اس طرح کھکھارا جیسے منیجر کو وارننگ دے رہا ہو۔

''آج.....جی ہاں.....وہ دونوں ہی کلب میں موجود تھے۔ فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے ریسیور اٹھایا۔ پہلے تو ٹھیک ہی آواز آئی تھی پھر ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی اُس کا گلا گھونٹ رہا ہو۔''

''تو آپ نے اُس کی آواز پہچان لی تھی۔''

''نہیں جناب.....اُس وقت کپتان صاحب میرے پاس ہی کھڑے تھے۔ میں نے ریسیور اُن کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔''

''کیا آپ نے حمید سے پہلے کبھی اُس لڑکی کا تذکرہ کیا تھا۔''

''جناب تذکرہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ وہ تو خود ہی ایک قسم کا چلتا پھرتا اشتہار ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''جس وقت میں وہ منحوس کال ریسیو کر رہا تھا وہ ڈرائنگ ہال میں ایک میز پر سر کے بل کھڑی ہوئی تھی۔''

''کیا مطلب.....؟'' فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

منیجر کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ اُسے بتانے لگا کہ لڑکی اکثر کس قسم کی بے تکی حرکتیں کیا کرتی ہے۔ وہ اُس کے بارے میں بتاتا رہا اور فریدی حمید کو گھورتا رہا۔ منیجر کے خاموش ہوتے ہی اُس نے حمید کو مخاطب کیا۔

''تم یہاں کس طرح پہنچے تھے؟''

''ایکس چینج سے یہاں کے نمبر معلوم کئے تھے اور ان نمبروں کی بناء پر منیجر سے مکان نمبر معلوم ہو سکے۔''

''اب آپ جا سکتے ہیں جناب۔'' فریدی نے منیجر سے کہا۔ ''بہت بہت شکریہ۔ ہو سکتا ہے آپ کو پھر تکلیف دی جائے۔''

''میں ہر وقت حاضر ہوں جناب۔'' منیجر نے بڑے ادب سے کہا اور سلام کے لئے ہاتھ اٹھا کر دروازے کی طرف مڑ گیا۔

اس کے جانے کے بعد چند لمحات خاموشی سے گزرے پھر فریدی بولا۔ ''تو تم اُس لڑکی کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے تھے۔''

''حد ہو گئی۔'' حمید نے جھنجھلاہٹ کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔ ''ارے جناب میں نے ایکس چینج سے نمبر معلوم کئے تھے۔''

''اگر اُس لڑکی کی ذات بھی ملوث نہ ہو گئی ہوتی تو تم ہرگز ایکس چینج سے نمبر نہ معلوم کرتے۔''

''ہو سکتا ہے۔'' حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

''اعتراف کر لو کہ تم لڑکی کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے تھے۔''

''خواہ مخواہ۔''

''تم محض اُس فون کال کی وجہ سے یہاں تک نہیں آ سکتے تھے۔''

''اتنے وثوق کے ساتھ کوئی بات نہ کہا کیجئے۔''

''وہ بیہوش ہو گئی تھی۔'' فریدی حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''اور تم نے اُسے اٹھا

کر اس صوفہ پر لٹا دیا تھا۔"

حمید بوکھلا کر اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا۔ پھر بڑی ڈھٹائی سے بولا۔ "غالباً اب میں یہ سننا چاہتا ہوں کہ آپ پہلے ہی سے ان لوگوں کی نگرانی کرتے رہے ہیں۔"

"جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔" فریدی کا لہجہ خشک تھا۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا۔ حمید کے چہرے پر غبار سا چھا گیا تھا۔

دفعتاً فریدی بولا۔ "آخر اس لڑکی کا تذکرہ نہ کرنے میں کیا مصلحت تھی حمید صاحب۔"

"میں نے مناسب نہیں سمجھا تھا۔"

"آخر کیوں میرے شرلاک۔"

"فی الحال میں یہ بھی نہیں بتانا چاہتا۔"

"احمقانہ باتیں نہ کرو۔ اگر اُس نے تمہاری نادانستگی میں کوئی بیان دے دیا تو۔"

"کیا مطلب؟" حمید بوکھلا کر سیدھا ہو گیا۔

"فرض کرو وہ اس بیان کے ساتھ کسی بھی تھانے پر جا پہنچی ہے کہ وہ اپنے دوست کی لاش دیکھ لینے کے بعد پولیس کو اطلاع دینا چاہتی تھی لیکن ایک اجنبی نے خود کو پولیس آفیسر ظاہر کرتے ہوئے اُسے کسی قسم کا بیان دینے سے روک دیا۔"

"نہیں..... نہیں..... ایسا نہیں ہو سکتا۔"

"ہوں..... تو تم نے اُسے بیان دینے سے بھی روکا تھا۔" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

حمید کچھ نہ بولا۔

"تمہاری حماقتوں سے میں تنگ آ گیا ہوں۔ کیا اُس نے کہا تھا کہ وہ پولیس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی۔"

"اُس نے کوئی ایسی بات نہیں کہی تھی۔ میں ہی اُسے مزید پریشانیوں سے بچانا چاہتا تھا۔"

"کیوں.....؟"

"میں نے کہا اتنی خوبصورت لڑکی بیچاری کہاں پریشان ہوتی پھرے گی۔"

"شٹ اپ.....!" فریدی نے کہا اور اُس صوفہ کی طرف متوجہ ہو گیا جس کی طرف کچھ پہلے اشارہ کیا تھا۔

حمید خاموشی سے اُسے دیکھے جا رہا تھا۔ وہ صوفہ کے قریب پہنچ کر جھکا اور اُس پر سے کوئی ایسی چیز اٹھائی جو اتنی دور سے حمید کو نظر نہیں آ رہی تھی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اُس کے پاس آیا اور اپنا ہاتھ اُس کے چہرے کے برابر لا کر بولا۔ "ملاحظہ فرمائیے۔"

سنہرے رنگ کے تین چار لمبے لمبے بال اُس کی چٹکی میں دبے ہوئے تھے۔

حمید ہنس پڑا۔ "واقعی آپ بہت اونچے جا رہے ہیں۔"

انداز مضحکہ اڑانے کا سا تھا۔

"بکواس مت کرو۔ یہ اُسی لڑکی کے بال ہیں جسے تم نے گود میں اٹھا کر اس صوفے پر لٹایا تھا۔"

"یہی سرے سے غلط ہے کہ میں نے کسی لڑکی کو اس صوفے پر لٹایا تھا۔"

"اگر تم نے اسے بیہوشی کی حالت میں صوفے پر نہیں لٹایا تھا تو پھر تم کسی کمینگی کے مرتکب ہوئے ہو۔" فریدی غرایا۔

"آپ کس بناء پر یہ ساری باتیں اتنے وثوق سے کہہ رہے ہیں۔"

"اپنے ٹائی پن کو غور سے دیکھو۔"

حمید نے بوکھلا کر سر جھکا لیا اور پھر احمقانہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ اُس کے ٹائی پن سے بھی اُسی قسم کے کئی بال الجھے ہوئے نظر آئے تھے۔

پھر اُسے سب کچھ اگل دینا پڑا۔

"تم آخر اتنے ڈفر کیوں ہوتے جا رہے ہو۔" فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔

"میں خود بھی نہیں جانتا۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر دردناک لہجے میں کہا۔

"وہ اس وقت کہاں ملے گی۔" فریدی نے اُسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں نہیں جانتا! آج تو پہلی ہی ملاقات تھی۔ جو ایسے حالات میں ہوئی۔"

دفعتاً باہر سے کسی نے گھنٹی بجائی۔ فریدی چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

''تم یہیں ٹھہرو۔'' اُس نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

صدر دروازہ کھولتے وقت تیز خوشبو کی لپٹ ہوا کے جھونکے کے ساتھ اندر آئی۔

چست لباس میں ایک سفید فام لڑکی باہر کھڑی تھی۔ فریدی کو دیکھ کر اُس نے متحیرانہ انداز میں جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں اور بولی۔ ''کیا آرتھر موجود ہے۔''

''آیئے.....!'' فریدی نے ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا۔

وہ اندر آ گئی۔ فریدی اُسے وہیں لایا جہاں حمید کو چھوڑ کر گیا تھا۔

''آرتھر کہاں ہے۔'' لڑکی نے اُن دونوں کو باری باری سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''آرتھر.....!'' فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ ''مجھے افسوس ہے محترمہ۔ کسی نے انہیں مار ڈالا۔''

''کیا.....؟'' وہ تقریباً چیخ پڑی۔

''یا پھر ہوسکتا ہے کہ کسی حادثے ہی کی بناء پر اُن کی گردن ٹوٹ گئی ہو۔ ہمارا تعلق مقامی پولیس سے ہے۔''

''مم.....مار.....ڈالا.....!'' وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُس پر غشی سی طاری ہو رہی ہو۔ آنکھیں آہستہ آہستہ بند ہوتی جا رہی تھیں۔

فریدی جہاں تھا وہیں کھڑا بغور اُس کی حالت کا جائزہ لیتا رہا۔

دفعتاً حمید بولا۔ ''وہ گئی.....ارے سنبھالئے۔''

لیکن فریدی اُسے فرش پر گرتے بھی دیکھتا رہا

''ہو گئی بیہوش.....!'' حمید ہنس کر بولا۔ ''اب اسے آپ گود میں اٹھایئے اور جس صوفے پر دل چاہے لٹا دیجئے۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔''

''اوہ.....تو کیا یہ.....!''

''جی نہیں.....البتہ اس کے بالوں کی رنگت بھی ویسی ہی ہے۔''

فریدی بیہوش ہو جانے والی لڑکی کو پرتفکر نظروں سے دیکھتا رہا۔

''اگر خود ہمت نہ کر سکتے ہوں تو مجھے اجازت دیجئے۔''

''اوں.....!'' فریدی چونک پڑا۔

''اٹھاؤں۔''

''بکومت۔'' فریدی نے کسی قدر تلخی کے ساتھ کہا اور پھر لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔

حمید پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا اور اُس کی نظریں فریدی کے چہرے پر تھیں۔

دفعتاً کسی نے پھر گھنٹی بجائی۔

''اب تم دیکھو.....!'' فریدی نے حمید کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''میں آپکو اس مصیبت میں تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔'' حمید نے شریر سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''جاؤ.....!'' فریدی نے سخت لہجے میں کہا اور حمید وہاں سے چلا گیا۔

ادھر بیہوش لڑکی کے جسم میں کسی قدر جنبش پیدا ہو چلی تھی۔ فریدی اُسے بغور دیکھتا رہا۔

پھر جیسے ہی حمید نے اُس کمرے میں قدم رکھا وہ اس طرح اٹھ بیٹھی جیسے یونہی تفریحاً [illegible] کی ایکٹنگ کرتی رہی ہو۔

حمید کے ساتھ ایک غیر ملکی بھی تھا۔ لڑکی اُسے دیکھتے ہی چیخ پڑی۔ ''ڈیڈی.....وہ مار ڈالا گیا۔'' ساتھ ہی وہ اُس کی طرف جھپٹی بھی تھی۔

اور اب وہ اس کے سینے پر سر رکھے ہوئے کسی ننھی سی بچی کی طرح پھوٹ پھوٹ کر [illegible] جا رہی تھی۔ وہ ویسے بھی اُس کے سامنے ایک ننھی سی بچی معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ طویل [illegible] اور خاصے پھیلاؤ والے جسم کا مالک تھا۔ سن رسیدہ ہونے کے باوجود بھی مضبوط قویٰ [illegible] والا معلوم ہوتا تھا۔

''یہ کیسے ہوا.....کب ہوا.....؟'' نووارد غیر ملکی نے لڑکی کی پیٹھ تھپکتے ہوئے فریدی سے پوچھا۔

''موت کے وقت کا تعین تو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ہی کر سکے گی۔'' فریدی نے اُسے

پر تجسس نظروں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''یہ میری لڑکی ہے۔ اسے گہرا صدمہ پہنچا ہے۔ بے بی..... بے بی۔''

''کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم کون ہو اور مرنے والے سے تمہارا کیا تعلق تھا۔''

وہ کچھ نہ بولی۔ فریدی اُسے جواب طلب نظروں سے دیکھتا رہا اور لڑکی بدستور اُس کے سینے سے لگی ہوئی سسکیاں لیتی رہی۔

فریدی نے پھر اپنا سوال دہرایا۔

وہ لڑکی کو الگ کرتا ہوا بولا۔ ''میرا تعلق ایک غیر ملکی سفارت خانے سے ہے اور میں اپنے سفیر کے علم میں لائے بغیر تم سے اس سلسلے میں کسی قسم کی گفتگو نہیں کر سکتا۔''

''بات قاعدے کی ہے۔'' فریدی بولا۔ ''اچھی بات ہے۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔''



حمید کو اُس نے روزا پر نظر رکھنے کی ہدایت دی تھی اور خود اُن دونوں کے ساتھ چلا گیا تھا اور حمید کو مرنے والے کی قسمت پر رشک کرنے ہی سے فرصت نہیں مل رہی تھی۔ کیونکہ اُس کے لئے ایک نہیں بلکہ دو لڑکیاں بیہوش ہوئی تھیں۔

دو کیا اگر آدھی لڑکی بھی خود اُس کے لئے بیہوش ہونے پر تیار ہو سکتی تو کھڑے کھڑے جان دینے پر آمادہ ہو جاتا۔ وجہ یہ تھی کہ عام طور پر لڑکیاں اُس سے فلرٹ کرتی تھیں۔ کسی نے بھی کبھی سنجیدگی سے چاہنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

پیار کا بھوکا..... ازلی بھوکا۔

ناصر مرزا کی رہائش گاہ کی طرف جاتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ مقدر ہی میں بور

ہی ہوئی ہے۔ جہاں دلچسپی کے امکانات نظر آئے راہ میں کوئی دیوار بھی حائل ہو گئی۔ بھلا یہ ضروری تھا کہ آرتھر آج ہی مار ڈالا جاتا اور پھر وہی لڑکی اُس سے کسی نہ کسی طرح متعلق ہوتی جس نے کچھ دیر پہلے حمید کی توجہ اپنی طرف منعطف کرائی تھی۔

ناصر مرزا اپنی کوٹھی میں موجود تھا۔ حمید کو اُس تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔

''اوہ جناب.....!'' وہ پرتپاک انداز میں اُس کا استقبال کرتا ہوا بولا۔ ''آپ نہ جانے کہاں غائب ہو گئے تھے۔ کتنا تلاش کیا تھا میں نے۔ آیئے..... آیئے خوش آمدید۔''

''شکریہ جناب..... آپ کا اخلاق ہی مجھے یہاں تک کھینچ لایا ہے۔''

''تشریف رکھئے۔ آپ دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ دوستی کے لئے بڑھا ہوا میرا ہاتھ قبول کیجئے۔''

حمید نے دوبارہ بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔

''کیا پئیں گے آپ.....؟'' ناصر مرزا نے پوچھا۔

''شکریہ۔ فی الحال کچھ بھی نہیں۔''

''میرے لائق اور کوئی خدمت۔''

''دراصل آپ کی مہمان کی کہانی بڑی دلچسپ تھی۔'' حمید بولا اور اُس نے محسوس کیا کہ ناصر مرزا ایک بیک سنجیدہ نظر آنے لگا ہے۔

''اُس میں کون سی دلچسپی محسوس کی ہے آپ نے۔'' اس نے بے حد خشک لہجے میں پوچھا۔

''وہی یوگا وغیرہ کا چکر۔''

''سب بکواس ہے۔ وہ صرف مجھے بور کرنے کے لئے یہ سب کچھ کرتی ہے۔''

''میں نہیں سمجھا جناب۔''

''وہ چاہتی ہے کہ میں اس کے پیچھے نہ لگا رہوں۔ مثال کے طور پر آج جب اُس نے ہلٹن سرکل کے ہال میں مجھے دیکھا تو سر کے بل کھڑی ہو گئی۔ مقصد یہ تھا کہ میں بوکھلا کر وہاں سے چلا جاؤں۔''

''بات تو ٹھیک ہے۔ آپ کی جگہ اگر میں بھی ہوتا تو ایسی صورت میں یہی چاہتا کہ وہاں میرا اس سے کسی قسم کا تعلق نہ ظاہر ہونے پائے۔''

''لیکن اب میں اس کی پرواہ نہیں کرتا۔'' ناصر مرزا نے کسی قدر غصیلے لہجے میں کہا۔ ''آپ نے دیکھا ہی ہے کہ میں وہاں سے ٹلا نہیں تھا اور آپ سے اس کے بارے میں گفتگو بھی کی تھی۔''

''جی ہاں..... مجھے یاد ہے۔ لیکن آخر وہ ایسا کیوں چاہتی ہیں۔''

''سنئے جناب..... میں ایک ذمہ دار آدمی ہوں اور کوئی بھی ذمہ دار آدمی کسی نیم دیوانے کو اس کے حال پر نہیں چھوڑ سکتا۔''

''میں نہیں سمجھا جناب۔''

''وہ لڑکی نیم دیوانی ہے۔ اس لئے باہر بھی مجھے اس کی نگرانی کرنی پڑتی ہے اور کیا میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ آپ اس کے پیچھے کیوں گئے تھے؟''

''میں.....!'' حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

''جی ہاں..... آپ۔''

''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہوگی جناب۔''

''بتاؤ۔'' ناصر مرزا چیخ کر کھڑا ہوگیا۔ ''تمہارے ڈی آئی جی تک کے کان کھینچ سکتا ہوں۔ تم کیا چیز ہو۔''

''کان آپ صرف اوپر ہی والوں کے کھینچ سکتے ہوں گے۔ ہم بیچارے اس قابل کہاں۔''

''میں پوچھ رہا ہوں تم نے روزا کے ساتھ کیا کیا ہے۔''

''یقیناً آپ کسی بڑی غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں مرزا صاحب۔''

''کیا مجھے کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔'' ناصر مرزا کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔

''دیکھئے..... یہ طریقہ نہیں ہے بات کرنے کا۔'' حمید اس کے غصے کی پرواہ کئے بغیر نرم لہجے میں بولا۔ ''پہلے کھل کر الزام لگائیے۔ پھر میں دیکھوں گا کہ اُس میں کہاں تک صداقت ہے۔''

''کیپٹن حمید میں بہت بُرا آدمی ہوں۔''

''میں اپنی زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

پھر آہستہ آہستہ اُس کے بگڑے ہوئے خط و خال معمول پر آتے گئے اور تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ ''واپسی پر وہ بہت خائف نظر آتی تھی اور ابھی تک اپنے کمرے میں بند ہے۔ لاکھ کوششوں کے باوجود بھی اُس نے دروازہ نہیں کھولا۔''

حمید نے طویل سانس لی اور ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہنے لگا۔

''میں یہیں موجود ہوں۔ انہیں بلا لائیے۔ اگر وہ کہہ دیں کہ مجھے پہچانتی ہیں تو پھر آپ کو اختیار ہے۔ کھینچ لیجئے گا میرے ڈی آئی جی کے کان۔''

''تم نیک نام نہیں ہو۔''

''کچھ ایسا زیادہ بدنام بھی نہیں ہوں۔ دنیا میں شائد ہی کوئی ایسی لڑکی مل سکے جس نے کبھی میری وجہ سے اپنے کمرے میں اس طرح بند ہونا پسند کیا ہو۔''

''تم کہنا کیا چاہتے ہو۔''

''مرزا صاحب میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔''

''اس وقت یہاں کیوں آئے ہو۔''

''روزا اپ سیڈاؤن کی کہانی نامکمل رہ گئی تھی۔ اشتیاق تھا کہ ان کے بارے میں کچھ اور معلوم کروں۔''

''تم نے اُس کا تعاقب کیوں کیا تھا۔''

''انہیں سے پوچھ لیجئے۔''

''وہ دروازہ ہی نہیں کھولتی۔''

''کبھی تو کھولیں گی اور میں کوئی ایسا غیر معروف آدمی بھی نہیں ہوں کہ دوبارہ ہاتھ نہ ملائیں۔ لیکن جب آپ اُن کی نگرانی کیا ہی کرتے ہیں تو اُس وقت کیوں چوک گئے۔ جب کہ ان کے پیچھے جا رہا تھا۔''

''پتہ نہیں کیوں مجھے اُس پر غصہ آ گیا تھا اور میں نے کہا تھا جہنم میں جائے۔''

''کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہر وقت اُن کی نگرانی کرتے رہیں۔''

''کیوں نہیں..... اُس کی ذمہ داری ہے مجھ پر۔''

''لیکن یہ آپ کے لئے ممکن نہیں..... ظاہر ہے کہ بے حد مصروف آدمی ہیں۔''

''ہاں..... یہی بات ہے۔''

''اچھی بات ہے۔ اب آپ بے فکر ہو جائیے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''میں آپ کے لئے اُن کی نگرانی کروں گا۔''

''تم.....؟''

''ہاں..... ہاں..... آپ کو حیرت کیوں ہے؟''

''نہیں نہیں۔ میں خالہ بلی سے گوشت کی رکھوالی نہیں کرا سکتا۔''

''افسوس.....!'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''دنیا نے مجھے بالکل نہیں سمجھا ہے۔''

ناصر مرزا کچھ نہ بولا۔ کسی گہری سوچ میں معلوم ہوتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر آہستہ سے بولا۔ ''مجھے منظور ہے۔ لیکن تم صرف نگرانی کرو گے۔ اُس کے تحفظ کے نکتہ نظر سے۔ اُس سے مل بیٹھنے کی کوشش نہیں کرو گے۔''

''لاحول ولا قوۃ..... بھلا مل کر کیا کروں گا۔''

ناصر مرزا نے اُسے گھور کر دیکھا لیکن وہ احمقانہ انداز میں اس طرح اُس کی طرف دیکھے جا رہا تھا جیسے اپنے سوال کا جواب چاہتا ہو۔

ناصر مرزا نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ''نہیں تم رہنے دو۔ میں اس سلسلے میں کرنل فریدی سے گفتگو کروں گا۔''

حمید نے طویل سانس لی۔

''لیکن.....!'' وہ سنجیدگی اختیار کرتا ہوا بولا۔ ''آپ اس لڑکی سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''آپ جانتے ہی ہوں گے کہ کرنل نے ابھی تک شادی نہیں کی۔''

''پھر.....؟''

''نہیں ایک ایسی عورت کی تلاش ہے جو عام عورتوں سے مختلف ہو۔'' حمید کئی ٹھنڈی لے کر بولا۔ ''اور آپ کی روزا اپ سیڈاؤن تو مختلف ترین ہیں۔''

''برا مذاق اڑانا چاہتے ہو۔'' ناصر مرزا پھر بھڑک گیا۔

''جی نہیں..... میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس سلسلے میں مجھ سے زیادہ قابل نہیں ہو سکتے۔''

''فضول باتیں ختم کرو۔'' ناصر مرزا ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''آخر وہ اتنی خوفزدہ کیوں ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ آپ وقت ضائع کر رہے ہیں۔'' حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

''کیا مطلب.....؟''

''جتنی جلد ممکن ہو سکے اُن سے اس کی وجہ معلوم کیجئے۔''

''وہ دروازہ ہی نہیں کھولتی۔'' ناصر مرزا کے لہجے میں بے بسی تھی۔

''میں کوشش کروں۔'' حمید نے لہک کر پوچھا۔

''چلو اٹھو..... مجھے بڑی تشویش ہے۔''

روزا کی خواب گاہ کے قریب پہنچ کر رک گئے۔

نے دروازے پر دستک دی۔ لیکن اندر سے جواب نہ ملا۔

کے سوراخ سے جھانک کر دیکھا۔ وہ سامنے مسہری پر چاروں خانے چت پڑی تھی۔

سے ڈھلک گئی تھی۔

''ذرا دیکھئے۔'' حمید ایک طرف ہٹ کر قفل کے سوراخ کی جانب انگلی اٹھا کر بولا۔

مرزا نے بھی جھانک کر دیکھا اور حمید کو اُس کے چہرے پر گہری تشویش کے آثار نظر آئے۔

ناصر مرزا زور سے دروازہ پیٹ رہا تھا۔ حمید نے پھر قفل کے سوراخ سے آنکھ لگا دی۔

اس شور وغل کے باوجود بھی روزا کی پوزیشن میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔

''یہ کیا مصیبت ہے۔'' ناصر مرزا بالآخر بے بسی سے بولا۔

''دروازہ کھولنے کی فکر کیجئے جناب..... حالات غیر معمولی ہیں۔ گہری سے گہری نیند کا سلسلہ بھی اس شور قیامت سے ٹوٹ جاتا۔''

''یعنی..... تت..... تت..... تو کیا.....؟''

''کوئی رائے قائم کرنے میں جلدی نہ کیجئے۔ دروازہ کھلوایئے۔''

''کوئی دوسری کنجی نہیں۔''

''اچھا تو ٹھہریئے۔'' حمید نے کہا اور کوٹ کی اندرونی جیب سے پرس نکالا۔ اس کے خانے میں کئی نوکیلے اور باریک اوزار نظر آرہے تھے۔ حمید نے ایک اوزار منتخب کرتے پوچھا۔ ''اجازت ہے؟''

''ہاں ہاں..... میاں جلدی کرو۔ خدا کرے کھل جائے۔''

حمید نے ذرا ہی سی دیر میں قفل کھول لیا۔

ناصر مرزا بڑے بیتابانہ انداز میں اندر داخل ہوا تھا۔ روزا اب بھی جوں کی توں پڑی نظر آئی۔ قریب پہنچ کر ناصر نے اُسے جھنجھوڑا اور پھر آوازیں دیں۔ لیکن اس کی آنکھوں کے پپوٹوں میں جنبش تک نہ ہوئی۔ سانس چل رہی تھی اور ہاتھ پیر ڈھیلے تھے۔

''کیپٹن حمید..... اب کیا کریں۔'' ناصر مرزا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''فوراً کسی اچھے ڈاکٹر کو طلب کیجئے۔'' حمید نے کہا اور متجسسانہ نظروں سے اِدھر اُدھر طرف دیکھنے لگا۔

دفعتاً اُس نے سیٹی بجانے کے سے انداز میں ہونٹ سکوڑے اور روزا کے سرہانے جھک کر تکیے کے نیچے سرخ رنگ کی ایک شیشی جھانک رہی تھی۔ اُس نے اُسے نکال کر لیبل پڑھا اور ناصر مرزا کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''یہ شیشی بالکل خالی ہے۔ اگر روزا نے اسے خالی کیا ہے تو جلدی کیجئے..... ورنہ اس کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کیا کرنا چاہئے۔''

پھر بڑی بوکھلاہٹ کے عالم میں انہوں نے اُس کو ایک گاڑی میں ڈالا تھا اور قریبی ہسپتال کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

''کیپٹن حمید پلیز.....!'' ناصر مرزا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''اب میری عزت تمہارے ہاتھ ہے۔''

''میں نہیں سمجھا جناب۔''

''یہ اقدام خودکشی کا کیس نہ بننے پائے۔''

''پھر آپ ڈاکٹر کو کس طرح مطمئن کریں گے۔''

''میں کچھ نہیں جانتا۔ سب کچھ تمہیں کرنا ہے۔''

''آپ نے مجھے دشواری میں ڈال دیا ہے۔'' حمید پرتشویش لہجے میں بولا۔

کرنل فریدی حمید کہ کہانی بغور سنتا رہا۔ جب وہ لڑکی کو ہسپتال لے جانے والے حصے پر پہنچا تو اُس نے اُسے ٹھہرنے کا اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ''بس اب صرف اتنا بتا دو کہ وہ زندہ ہے یا مر گئی۔''

''زندہ ہے..... لیکن ابھی تک ہوش میں نہیں آئی۔''

''بھلا تم ناصر مرزا کی مدد کیسے کرو گے۔''

''ہمتِ مرداں مددِ خدا۔''

''اوہ..... تو تم اسے اقدام خودکشی کا کیس نہیں بننے دو گے۔''

''ناصر مرزا بُری طرح گڑگڑا رہا تھا۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔

حمید محسوس کر رہا تھا کہ وہ بہت اچھے موڈ میں ہے۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''تم فکر نہ کرو..... میں ڈاکٹر سعید کو اس پر آمادہ کرلوں گا کہ وہ اسے مرگی کے کیس کی حیثیت سے رجسٹر کرلے۔''

''تھینک یو باس.....!'' حمید نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں اور پھر بولا۔ ''آپ اتنے مہربان کیوں ہیں۔''

''ناصر مرزا کے گھرانے سے ہمارے قدیم تعلقات ہیں۔''

''آپ نے اُن دونوں کے بارے میں کیا معلوم کیا۔''

''باپ بیٹی۔ سفارت خانے کا آفیسر ہے۔ لڑکی اردو پڑھنے کی بے حد شائق ہے۔ مقتول آرتھر چیمپئن اُس کا کلاس فیلو رہ چکا ہے۔ دونوں میں گہری دوست تھی۔''

''کیا اردو پڑھنے کے شوق کا تذکرہ بھی کوئی اہمیت رکھتا ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''اردو میں تم مجھ سے زیادہ قابل ہو۔ ٹیوٹر کی حیثیت سے تمہارا تذکرہ کردیا ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''تم اُسے اردو پڑھاؤ گے۔''

''لیکن میں تو روزا.....!''

''فکر نہ کرو..... اگر وہ بچ بھی گئی تو کافی عرصہ تک بستر سے اٹھ بھی نہ سکے گی۔''

''کیوں.....؟''

''جس خواب آور دوا کا تذکرہ تم نے کیا تھا وہ ایسی ہی ہے۔''

''کیا آپ کسی نتیجے پر پہنچے ہیں۔''

''ابھی تک تو ایسی کوئی بات نہیں۔''

''آپ کسی خاص نتیجے پر پہنچے بغیر.....!''

''ختم بھی کرو۔'' وہ اُس کی بات کاٹ کر بولا۔ ''اب ہمیں سونا چاہئے۔ کتنی رات گزر گئی۔''

حمید نے بھی اس سارے کارنامے کو اپنے ذہن سے نکال دینے کی کوشش شروع کردی تھی۔ یہ اتنا آسان نہیں تھا کیونکہ اس کہانی میں ایک لڑکی کا مزید اضافہ ہوگیا تھا اور وہ اردو پڑھنے کی شائق تھی۔ اگر حمید نے اُسے دیکھا نہ ہوتا تو شائد اردو پڑھانے کا خود بھی اتنا شائق نہ ہوتا کہ دیکھنے والے اُسے بے خوابی کا مریض سمجھ بیٹھتے۔ وہ اپنی خواب گاہ میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔

اس نے فون کا ریسیور اٹھا کر ایک بار ڈائیل گھمایا۔

دوسری طرف سے ریسیور اٹھانے کی آواز آئی۔

''میر تقی میر نے پریشان کر رکھا ہے۔'' حمید نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ''میں اس وقت اردو پڑھانا چاہتا ہوں۔''

''سو جاؤ.....'' دوسری طرف سے فریدی کی بھرائی ہوئی آواز آئی۔ ''بور مت کرو۔''

اور پھر سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سنائی دی۔ حمید نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا اور بستر پر بیٹھ کر سوچنے لگا۔ پتہ نہیں روزا کن حالات سے گزر رہی ہوگی۔

اُس نے ہسپتال فون کرکے اُس کے بارے میں معلوم کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

لیکن اب سوچ رہا تھا کہ کم از کم ناصر مرزا سے فون پر ضرور رابطہ قائم کرنا چاہئے۔

اُس نے گھر کی لائنوں کا پلگ فون سے نکال کر ڈائریکٹ لائن کا پلگ لگا دیا اور ناصر مرزا کے نمبر ڈائیل کرنے لگا۔ دوسری طرف سے فوراً ہی جواب ملا تھا لیکن جواب دینے والے نے ناصر مرزا سے رابطہ قائم کرنے کے لئے کوئی اور نمبر بتایا تھا۔

حمید نے وہ نمبر بھی ڈائیل کئے اور ناصر مرزا کا نام لیا۔ کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔ ''کون ہے۔''

''مسٹر ناصر مرزا۔''

''ہاں ہاں..... میں ہی بول رہا ہوں..... تم کون ہو۔''

''کیپٹن حمید۔''

''اوہ.....زندہ باد پیارے.....زندہ باد.....میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں یہ سب کچھ نشے میں بک رہا ہوں۔ تم بہت پیارے آدمی ہو۔''

''روزا کا کیا حال ہے۔''

''وہ ہوش میں آ گئی ہے۔ ڈاکٹر کا خیال ہے کہ اُسے پندرہ بیس دن تک آرام کرنا چاہئے۔ بستر سے بھی نہ ہلے اور سنو.....معاملہ مرگی کے دورے پر ٹل گیا ہے۔ واقعی تم حیرت انگیز ہو۔ ڈاکٹر نے مجھ سے کہا مرزا صاحب آپ فکر نہ کیجئے۔ اکثر مرگی کے دورے خطرناک بھی معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہوتا۔ کیپٹن حمید میں تمہارا شکر گزار ہوں۔''

''کرنل صاحب سے بھی آپ لوگوں کے بہت اچھے تعلقات ہیں۔''

''میں کمال سے نہیں کہنا چاہتا تھا..... پتہ نہیں کیوں اُس کے سامنے کسی معاملے میں بھی زبان نہیں کھلتی حالانکہ مجھ سے عمر میں بہت چھوٹا ہے۔''

''میرے لائق اور کوئی خدمت.....!''

''گھر پڑے کیا کر رہے ہو۔ یہاں آ جاؤ.....اس وقت میں اپنی بہشت میں ہوں۔ یہ جنت میرے والد حضور نے تعمیر کرائی تھی۔''

''پتہ بتایئے۔''

''رافیلہ منزل۔''

''وہ.....وہ.....آپ کی ہے.....اوہو.....عرصہ سے خواہش تھی، بڑے تذکرے سنے ہیں اُس کے۔''

''یہ جنت میرے والد حضور نے اپنی محبوبہ کے لئے تعمیر کرائی تھی۔ اُس وقت اس کا نام گل نسرین تھا۔ نسرین دراصل اُن کی محبوبہ کا نام تھا۔''

''آپ نے نام کیوں بدل دیا۔''

''بھئی نہ وہ خود رہے اور نہ وہ نسرین صاحبہ۔ میں نے کہا میں اب کیوں نہ اسے اپنی

نام سے منسوب کر دوں۔''

''تو یہ رافیلہ.....آپ کی۔''

''ہاں یہ میری محبوبہ ہے۔''

''بڑا عجیب سا نام ہے۔''

''نام ہی کی طرح وہ خود بھی عجیب ہے۔ تم باتوں میں وقت ضائع کر رہے ہو۔ آنا ہو تو آج کا پاسورڈ فرزین ہے۔''

''پاسورڈ.....!''

''ہاں.....ہاں.....تمہیں حیرت کیوں ہے۔ یہ جرم تو نہیں ہے کیپٹن حمید۔ میں نہیں چاہتا یہاں ہر قسم کے لوگ پہنچ سکیں۔ لہٰذا میں نے داخلے کے لئے پاسورڈ سسٹم رکھا ہے اور یہاں تمہیں بہت اونچے اونچے لوگ ملیں گے اور تمہیں آگاہ کیا جاتا ہے کہ تم اُن سے کا سلوک کرو گے۔ رافیلہ منزل میں سب برابر ہیں۔''

''میں ابھی آیا۔'' حمید نے کہا اور ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

گھڑی ایک بجا رہی تھی۔ اُس نے بڑی تیزی سے لباس تبدیل کیا اور کمرے سے نکل ہال کی طرف چل پڑا۔

کیڈی باہر ہی کھڑی ہوئی ملی۔ جیسے ہی اُس کے قریب پہنچا اندر سے آواز آئی۔

''لب رکھئے جناب۔''

حمید بھنا کر رہ گیا۔

''آپ میری کالیں ٹیپ کرتے ہیں۔'' وہ پھاڑ کھانے کے انداز میں بولا۔

''میری خوش قسمتی ہے کہ آج کا پاسورڈ اس طرح معلوم ہو گیا۔'' فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔ ''آپ ہی کی طرح مجھے بھی رافیلہ منزل دیکھنے کا عرصہ سے اشتیاق تھا۔ بیٹھ جائیے.....بیٹھ جائیے۔''

''اب تو ہرگز نہ جاؤں گا۔''

''ضد نہ کرو.....وہاں تنہا جانے کا میرے پاس کوئی جواز نہیں۔ ورنہ.....!''

حمید نے اس کے برابر بیٹھنے کی بجائے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور دھم سے بیٹھ گیا گاڑی پھاٹک سے گزرتی چلی گئی۔ حمید کا غصہ ابھی تک فرو نہیں ہوا تھا۔ بس وہ سوچے جا رہا تھا کہ فریدی نے اُس کی پرائیویٹ کال کیوں سنی۔

''دماغ ٹھنڈا ہوا یا نہیں۔'' اگلی سیٹ سے فریدی کی آواز آئی۔

''آخر اس کا مطلب کیا ہے۔''

''کوئی نہ کوئی مطلب تو ضرور رہا ہوگا۔ کیونکہ میں تمہاری طرح وقت ضائع کرنے کا عادی نہیں۔''

اس بار فریدی کے لہجے کی سنجیدگی نے اُسے آہستہ آہستہ ٹھنڈا کر دیا لیکن وہ بھنچی ہونٹ پر ہونٹ جمائے خاموش بیٹھا رہا۔

''بولتے رہو.....ورنہ مضمحل ہو جاؤ گے۔'' فریدی نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''بُرا ماننے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہاری کم از کم ایک کال ضرور ٹیپ کرنا چاہتا تھا اور وہ کال ناصر مرزا کیلئے ہوئی۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی بھی خاموش ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد حمید نے کہا۔ ''آپ صرف پاسورڈ معلوم کرنا چاہتے تھے۔''

''ہاں.....!''

''کیا آپ براہِ راست ناصر مرزا سے نہیں معلوم کر سکتے۔ کیا آپ اُس سے خواہش کا اظہار کر سکتے تھے کہ آپ اُس جنت کو دیکھنا چاہتے ہیں جو اُسکے باپ نے اپنی محبوبہ کیلئے بنوائی تھی۔''

''نشے میں بکواس کر رہا تھا یہ عمارت اُسی نے بنوائی ہے۔''

''بہرحال آپ اُس کی اجازت سے وہاں جا سکتے تھے۔''

''بکواس مت کرو۔ جو میں مناسب سمجھتا ہوں کرتا ہوں۔''

رافیلہ منزل ایک بہت بڑی عمارت تھی۔ کئی ایکڑ کے رقبے میں ایسی ہی چار دیواری سے گھری ہوئی عمارت جیسی قدیم زمانے کے قلعوں کے گرد تعمیر کی جاتی تھیں۔

داخلے کا پھاٹک بھی خاصے تزک و احتشام کا مظہر تھا۔ دو باوردی اور مسلح سنتری ہر وقت پہرے پر رہا کرتے۔

فریدی نے پھاٹک کے سامنے گاڑی روکی۔ ایک سنتری اُن کے قریب آیا۔

حمید نے کھڑکی سے منہ نکال کر پاسورڈ دہرایا۔

''کیپٹن حمید سر.....!'' سنتری نے پوچھا۔

''کرنل فریدی اینڈ کیپٹن حمید۔'' حمید بولا۔

''صرف کیپٹن حمید جناب۔ ہمیں آپ کے لئے ہدایت ملی ہے۔''

''یہ کیا بات ہوئی۔'' حمید کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

دفعتاً فریدی اُس کی طرف مڑ کر بولا۔ ''نہیں ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔ میں یہاں تمہارا انتظار کروں گا۔''

حمید نے اُسکے لہجے میں کوئی خاص بات محسوس کی لیکن فوری طور پر اُسے معنی نہ پہنا سکا۔

وہ چپ چاپ گاڑی سے اُتر گیا۔ پھر اُسی سنتری کی رہنمائی میں وہ پھاٹک سے گزرا تھا۔

اندر داخل ہوتے ہی اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے مغل طرز کے کسی باغ میں قدم رکھا ہو۔

سنتری کی حد ختم ہو چکی تھی اور اب ایک مرصع لباس خادم اس کی رہنمائی کر رہا تھا۔ حمید کا خیال تھا کہ ناصر مرزا نے اُس کی آسانی کے لئے اُس خادم کو وہاں بھیجا ہوگا۔

اس طویل و عریض چہار دیواری کے اندر جگہ جگہ چھوٹی چھوٹی خوبصورت عمارتیں بھی نظر آ رہی تھیں۔ روشنی کا ایسا اچھا انتظام تھا کہ شائد ہی وہاں کا کوئی گوشہ تاریک رہا ہو۔

چاروں طرف سرسبز قطعات کے درمیان سرخ بجری والی روشوں کے جال بچھے نظر آ رہے تھے۔ خادم اُسے درختوں کے ایک جھنڈ سے گزارتا ہوا ایسی جگہ لایا کہ اُس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

یہ ایک چھوٹی سی مصنوعی جھیل تھی۔ جس میں کئی خوبصورت کشتیاں تیر رہی تھیں۔ پوری جھیل پر ایسی روشنی تھی کہ دن کا گمان گزرتا تھا۔

خادم اُسے کنارے سے لگی ہوئی ایک کشتی کے قریب لایا۔ اُس کشتی میں ناصر مرزا تنہا تھا۔ اُس کے قریب سرخ رنگ کی ایک بڑی سی بلی بیٹھی ہوئی تھی۔

''آؤ.....آؤ.....میرے دوست.....میں تمہارا منتظر تھا۔'' ناصر مرزا نے اپنی نشے میں ڈوبی ہوئی آنکھیں اوپر اٹھائیں۔

حمید کشتی میں اُتر گیا۔ وہ اُس کے بوجھ سے ڈولی تھی۔ اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے حمید نے اس کا شکریہ ادا کیا۔

خادم اب مؤدبانہ انداز میں خشکی پر کھڑا تھا۔

''چلو.....!'' ناصر مرزا نے اس کی طرف ہاتھ ہلا کر کہا اور وہ کشتی میں آ کر بیٹھا۔ چپو سنبھال لئے۔ کشتی آہستہ آہستہ گہرے پانی میں تیر گئی۔

حمید نے ناصر مرزا کو بتایا کہ فریدی باہر موجود ہے۔

''بن بلائے مہمانوں کو برداشت کرنا میرے بس سے باہر ہے کیپٹن حمید۔'' ناصر مرزا کا لہجہ خشک تھا۔

ایسی بے مروتی کی توقع حمید کو نہیں تھی۔ وہ تو سمجھا تھا کہ فریدی کا نام سنتے ہی ناصر مرزا خود ہی استقبال کے لئے دوڑا جائے گا۔

کشتی آہستہ آہستہ تیرتی رہی۔ دوسری کشتیوں پر بھی لوگ نظر آ رہے تھے۔ اُن میں سے بہتیرے حمید کے لئے اجنبی نہیں تھے۔ کوئی کسی وزارت کا سیکریٹری تھا کوئی کسی محکمہ کا ڈائریکٹر جنرل۔ کچھ غیر ملکی بھی دکھائی دیئے۔

''تم کون سی پیتے ہو کیپٹن.....!'' ناصر مرزا نے کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا اور حمید کے جواب پر حیرت زدہ نظر آنے لگا۔ کچھ اس طرح اُسے دیکھے جا رہا تھا جیسے اچانک اُس کے دم نکل آئی ہو۔

دفعتاً چاروں طرف تیز قسم کی موسیقی گونجنے لگی۔ الیکٹرک گیٹار پر بڑی خوشگوار دھن چھیڑ دی گئی تھی۔

ناصر مرزا اپنی سرخ رنگ کی بلی کی پشت پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

''اس رنگ کی بلی میرے لئے عجوبہ ہے۔'' حمید بولا۔

''یہ رافیلہ ہے۔''

''رافیلہ.....یعنی کہ.....!''

''ہاں اسی کے نام سے منسوب ہے یہ جگہ۔''

''لیکن آپ نے تو.....!''

ناصر مرزا کے قہقہے نے اُسے جملہ پورا نہ کرنے دیا۔

''کیپٹن حمید.....یہی ہے میری محبوبہ۔''

''کہیں کوئی سبز رنگ کی ملے تو مجھے بھی دلوا دیجئے۔''

''اس کی عادت ہے کہ وقت ضرورت اپنی کھال بدل دیتی ہے۔ ہوسکتا ہے کبھی تم اسے [illegible] رنگ میں بھی دیکھو۔''

حمید محسوس کر رہا تھا کہ اس وقت وہ ایک بے فکرے کے سے انداز میں گفتگو کر رہا ہے۔ [illegible] بدنے روزا کا ذکر چھیڑنا چاہا لیکن ناصر مرزا ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''غیر ضروری باتیں نہیں۔ اس [illegible] ت میں سب کچھ بھلا دیا جاتا ہے۔ تم بھی یہ نہ سوچو کہ فریدی اس وقت پھاٹک پر کھڑا احمقوں [illegible] طرح سر کھجا رہا ہوگا۔''

''آپ کی کشتی میں کوئی لڑکی نہیں ہے۔ حالانکہ دوسری کشتیوں میں نظر آ رہی ہیں۔''

''میری محبوبہ کسی عورت کا وجود برداشت نہیں کر سکتی۔''

''تو آپ اپنی کشتی پر تنہا ہوتے ہیں۔''

''تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ میں تنہا کب تھا۔ رافیلہ تھی میرے ساتھ۔''

''فلمی گانوں کی نقل اتار سکتی ہے یا نہیں۔''

''کیا تم میرا مذاق اڑانے کی کوشش کر رہے ہو۔''

''چھلانگ لگا دوں گا کشتی سے اگر آپ نے میری نیت پر شبہ کیا۔ میں نے اتنی محبت آج

تک اور کسی سے نہیں محسوس کی جتنی آپ سے کر رہا ہوں۔''

ناصر مرزا نے اس طرح اس کی طرف دیکھا جیسے اپنے کانوں پر یقین نہ ہو۔

موسیقی کی دھن بدل گئی تھی۔ غالباً چا چا قسم کی کوئی پرشور موسیقی تھی اور اب اس میں کئی ساز شامل ہو گئے تھے۔

''آپ کا آرکسٹرا بھی شاندار ہے۔'' حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

''سب کچھ شاندار ہے لیکن کسی طرح بھی سکون قلب حاصل نہیں۔''

''آپ بلی بدل دیجئے۔ کتنے عرصہ سے ہے آپ کے پاس۔''

''تم سے مطلب.....!'' ناصر مرزا جھنجھلا گیا۔

''آپ کے بھلے کو کہہ رہا تھا۔ آپ بگڑ گئے۔''

''بور مت کرو کیپٹن حمید۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ اُس کی نظر قریب سے گزرنے والی ایک کشتی پر پڑ گئی تھی اور اس نے متحیرانہ انداز میں اپنے ہونٹ سکوڑے تھے۔ اُسے اس کشتی میں وہی لڑکی دکھائی دی تھی جس کے متعلق فریدی نے اُسے بتایا تھا کہ وہ اردو پڑھنا چاہتی ہے۔

اُس نے سوچا کیا آرتھر کی موت میں ناصر مرزا ہی کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔ ناصر مرزا روزانہ کی نگرانی کرتا تھا اور روزانہ اُس سے پیچھا چھڑانے کے لئے پبلک مقامات پر بھی ایسی حرکتیں کر گزرتی تھی جو اُس کے شایان شان نہیں تھیں۔

آرتھر سے غالباً وہ اُس کی لاعلمی میں ملتی تھی اور آرتھر ہائی سرکل کے منیجر سے اُس کے بارے میں معلومات حاصل کرتا تھا۔

''وہ لڑکی مجھے گھور رہی ہے۔'' دفعتاً حمید نے خوفزدہ لہجے میں ناصر مرزا سے کہا۔

''کون لڑکی.....!'' ناصر مرزا چونک پڑا۔

حمید نے لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

''اوہ.....وہ.....کلارا ہے۔''

''بڑی واہیات کلارا ہے۔ پچھلے سال میں نے ایک کلارا دیکھی تھی وہ تو ایسی نہیں تھی۔''

ناصر مرزا اپنی بلی کو گھورے جا رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اُس پر کلارا کے تذکرے کا اثر دیکھنا چاہتا ہو۔

اتنے میں وہ کشتی قریب آ گئی حمید نے اُس غیر ملکی کو بھی پہچانا جو اُس لڑکی کے بعد آرتھر مکان میں داخل ہوا تھا۔

''ہلو مرزا.....!'' غیر ملکی نے ناصر مرزا کو مخاطب کیا۔

''ہیلو.....ڈیل۔''

''تم کچھ بجھے بجھے سے نظر آ رہے ہو۔''

''نہیں ایسا تو نہیں۔ ایک بہت زندہ دل آدمی میرے پاس موجود ہے۔''

بوڑھا بھی حمید کی طرف دیکھنے لگا پھر بولا۔ ''کچھ جانی پہچانی سی شکل ہے۔''

''یہی تو خاص بات ہے اس شکل میں۔'' حمید نے مسکرا کر کہا اور جیب سے تمباکو کی تھیلی نکال کر پائپ بھرنے لگا۔

دونوں کشتیاں ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔ دفعتاً لڑکی نے ناصر مرزا سے کہا۔ ''اس زندہ آدمی کو ہمارے پاس بھیج دو۔ ہم بور ہو رہے ہیں۔''

''اگر اس شریف آدمی کو کوئی اعتراض نہ ہو۔'' ناصر مرزا حمید کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ حمید پائپ سلگا رہا تھا۔

''مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ مرزا صاحب۔'' حمید نے ہونٹوں سے پائپ نکال کر کہا۔ ''خوشی ہوگی اگر آپ کے مہمانوں کو انٹرٹین کر سکوں۔''

ناصر مرزا کے اشارے پر خادم نے کشتی دوسری کشتی سے ملا دی اور حمید اُس پر اُتر گیا۔

''خوش آمدید۔'' لڑکی مسکرائی۔

''شکریہ۔'' حمید نے معمر آدمی کی طرف مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''کیپٹن ساجد حمید۔''

''روپن ڈیل.....اور یہ کلارا ڈیل ہے.....میری بیٹی۔ ہم غالباً پہلے بھی مل چکے ہیں۔''

''ہاں.....!'' حمید نے ناصر مرزا کی کشتی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ جو اب اُن سے کافی فاصلے پر تھی۔

''لیکن یہ یاد نہیں آ رہا کہ کہاں دیکھا تھا۔''

''دن کی بات ہے۔ ہم آرتھر چیمپئن کے مکان پر ملے تھے لیکن اُس وقت وہاں اُس کی لاش موجود نہیں تھی۔''

''اوہ.....خدا کی پناہ.....یہ ذکر کیوں نکل آیا۔'' ڈیل نے کلارا کی طرف دیکھ کر کہا۔

''کوئی بات نہیں ڈیڈی۔'' کلارا نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''وہ میرا بڑا اچھا دوست تھا۔ وقتاً فوقتاً یاد آتا ہی رہے گا۔''

''مجھے بے حد افسوس ہے۔'' حمید نے اپنے چہرے پر غمناک تاثر پیدا کرتے ہوئے کہا۔

''اُوہ.....نہیں.....بھول جاؤ۔ میں ہنسنا چاہتی ہوں۔'' لڑکی جلدی سے بولی۔ ''تمہارے ساتھ جو آفیسر تھا۔''

''وہ میرا چیف تھا۔''

''بہت نرم دل اور مہربان آدمی ہے۔ بڑا عجیب تھا وہ.....!''

حمید کباب ہو کر رہ گیا۔ کچھ بولا نہیں۔

دفعتاً بوڑھے نے کہا۔ ''میں تو اب تھک گیا ہوں۔''

''میں ابھی کچھ دیر اور جھیل میں رہنا چاہتی ہوں۔'' کلارا نے کہا۔

''میں بار میں بیٹھوں گا.....تم وہیں آ جانا۔''

کشتی کنارے جا لگی۔ بوڑھا اُتر گیا۔ اب حمید اور لڑکی تنہا رہ گئے۔ کشتی کھینے والا تو ایسا لگ رہا تھا جیسے گونگا اور بہرا ہو۔

''یہاں کی پولیس بڑی شائستہ ہے۔ تمہارے چیف نے مجھ سے کچھ بھی تو نہیں پوچھا۔'' کلارا بولی۔

''میں نے بھی تو کچھ نہیں پوچھا۔''

''ہاں.....تم نے بھی نہیں پوچھا۔''

''پھر تم چیف ہی کی تعریفیں کیوں کئے جا رہی ہو۔''

''تمہیں تو میں ابھی جانتی ہی نہیں۔''

''اور اُسے کتنے سال سے جانتی ہو۔''

''اوہ کیا بتاؤں.....بڑی عجیب شخصیت تھی۔ مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اُسے سالہا سال سے جانتی ہوں۔ زندگی کے ہر موڑ پر وہ مجھے نظر آیا ہو۔''

''پلیز.....مس ڈیل.....بس.....!''

''کیا مطلب.....؟''

''جہاں اُس شخص کا تذکرہ ہوتا ہے وہیں آ دھمکتا ہے اور میں اس وقت اُس کی موجودگی قطعی پسند نہ کروں گا۔''

''آخر کیوں.....؟''

''وہ عورتوں سے ڈرتا ہے اور مجھے بھی ڈراتا رہتا ہے۔''

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔''

''ارے ابھی پچھلے ہی سال کی بات ہے ایک عورت نے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ تڑ سے گرے اور بیہوش ہو گئے۔ تین دن ہسپتال میں پڑے رہے تھے۔''

کلارا ہنس پڑی اور پھر اُسے منہ چڑھا کر بولی۔ ''اوہ تم بڑے جیالے ہو۔''

''اس میں کوئی شبہ نہیں۔ دیکھو تم سے کتنے مزے سے گفتگو کر رہا ہوں۔ ہکلایا ہوں ایک بار بھی؟''

''اوہ تو کیا تمہارا چیف.....!''

''عورتوں سے گفتگو کرتے وقت بُری طرح ہکلاتا ہے اور تم سمجھ رہی ہو کہ ازراہ مہربانی تم سے کچھ نہیں پوچھا تھا۔''

''اچھا بس ختم کرو۔ اب میں تمہارے بارے میں گفتگو کروں گی۔''

نہ جانے کیوں حمید کو جھرجھری سی آئی۔ وہ یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ اُس نے سوچا کیوں نہ کام کی باتیں کی جائیں۔

روزا اُس کے ذہن میں کھٹک رہی تھی۔ اُس نے سوچا ممکن ہے کہ یہ لڑکی اس کے بارے میں کچھ بتا سکے۔

''مرزا کے دوست عجیب و غریب ہیں۔'' کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔

''کیوں؟ ہم میں کون سی عجیب بات نظر آئی۔'' لڑکی چونک کر بولی۔

''تمہاری بات نہیں۔ مرزا کے ساتھ میں نے ایک عجیب و غریب لڑکی دیکھی ہے۔''

''اوہ سمجھی..... وہ اپ سائیڈ اَون.....!''

''ہے نا عجیب..... اِدھر غصہ آیا اور اُدھر وہ سر کے بل کھڑی ہو گئی۔ اکثر لوگوں کی زبانی اس کے حسن کی بھی تعریف سنی ہے۔ لیکن کیا تم اُسے حسین کہہ سکتی ہو۔''

''پتہ نہیں..... میں نے اُسے کم ہی دیکھا ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ تم اُس سے کہیں زیادہ حسین ہو۔ جب تم ہنستی ہو تو تمہارے گالوں میں خفیف سے گڑھے پڑ جاتے ہیں۔ بالکل ایسا لگتا ہے جیسے کوئی فاختہ پُھر سے اڑ گئی ہو۔''

''بڑی عجیب تشبیہہ ہے۔''

''تشبیہات کا بادشاہ ہوں۔ لیکن کیا وہ لڑکی پاگل نہیں ہے۔''

''تم نے اس لڑکی کا ذکر کیوں نکالا ہے۔''

''مرزا اُس کی وجہ سے بہت نروس رہتا ہے۔''

''اُس کے کسی دوست کی لڑکی ہے۔'' کلارا بولی۔

''آج میں نے اُسے ہائی سرکل میں سر کے بل کھڑے دیکھا تھا۔''

''میں کہتی ہوں کیا تم اُسی کے تذکرے کے لئے اس کشتی پر آئے تھے۔''

''میں معافی چاہتا ہوں مس ڈیل۔ دراصل ہماری زندگیاں بورتیوں ہی میں بسر ہوتی

نمبر 34

میں ڈر رہا تھا کہ کہیں آرتھر چیمپین کا ذکر نہ نکل آئے۔ اسی لئے ادھر اُدھر کی ہانک رہا

جب تک چیمپین کا قاتل ہاتھ نہ آ جائے ہمارے ذہن الجھے رہیں گے۔''

''اوہو..... کیا وہ ہارٹ فیلیور کا کیس نہیں ہو سکتا۔''

''نہیں مس ڈیل..... پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق اُس کی گردن کی ہڈی توڑی گئی

کسی اچانک حادثہ کی بناء پر اُس کی موت واقع نہیں ہوئی۔''

''یہ بڑی حیرت انگیز بات ہے کیپٹن۔ میں اُسے بچپن ہی سے جانتی تھی۔ وہ ایسا تو نہیں

کہ کوئی اُس کی گردن آسانی سے توڑ سکتا۔''

''تم اُس کے کسی دشمن سے واقف ہو۔''

''نہیں قطعی نہیں۔ وہ طاقت ور ضرور تھا لیکن جھگڑالو نہیں۔''

''یہاں وہ کب سے مقیم تھا۔''

''غالباً تین چار سال سے۔ مجھے تو معلوم بھی نہیں تھا کہ وہ یہاں ہے۔ ہم لوگ تو چار ماہ

قبل یہاں پہنچے ہیں۔ بس اچانک ایک جگہ اُس سے ملاقات ہو گئی تھی۔''

''وہ کیا کرتا تھا۔''

''ٹیوب ویل لگانے والی ایک کمپنی میں انجینئر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ میں اُس کی

موت پر بے حد مغموم ہوں۔ بہت اچھا دوست تھا۔ ڈیڈی کو بھی گہرا صدمہ پہنچا ہے۔''

فریدی نے لنکن جہاں پارک کی تھی وہیں کھڑی رکھی۔ خود بھی اندر ہی بیٹھا سگار پیتا رہا۔ مالک کے پہرے داروں کا رویہ غیر متعلقانہ تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اُس کی کار کی موجودگی اُن کے لئے کوئی معنی نہ رکھتی ہو۔

گھڑی کی چھوٹی سوئی تین پر تھی اور بڑی سوئی بارہ پر۔ فریدی نے اُس پر اچٹتی ہوئی سی نظر ڈالی اور پھر پھاٹک کی طرف دیکھنے لگا۔

ٹھیک اُسی وقت ایک گاڑی پھاٹک سے برآمد ہو کر لنکن کی طرف بڑھتی چلی آئی اور قریب پہنچ کر اُس کے بریک چڑچڑائے۔ اُس کے ہیڈ لیمپس کی روشنی پہلے ہی فریدی کے چہرے پر پڑی تھی اور اُس نے منہ پھیر لیا تھا۔

''کمال میاں۔'' گاڑی سے ناصر مرزا کی بھرائی ہوئی سی آواز آئی میں نے یہ جنت بے فکروں کیلئے تعمیر کی ہے۔ تم جیسے بااصول آدمیوں کیلئے نہیں۔ ویسے اگر اب تم اندر جانا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ تمہارا اسسٹنٹ اس وقت ایک خوبصورت لڑکی کے ساتھ جھیل میں تیر رہا ہے۔''

''عنایات کا شکریہ۔'' فریدی نے نرم لہجہ میں کہا۔ ''میں ضرور جاؤں گا۔''

''اور ہاں سنو..... کسی بڑی شخصیت سے مرعوب نہ ہونا۔ سینہ تان کر چلنا۔ میری جنت میں کوئی کسی سے افضل نہیں ہے۔ پاسورڈ دہراتے ہوئے گاڑی سمیت اندر چلے جاؤ۔''

اس کے بعد اُس کی گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی ایک طرف نکلی چلی گئی تھی۔

فریدی حسب ہدایت چہار دیواری کے اندر پہنچا۔ ایک جگہ بہت سی کاریں پارک تھیں۔ لنکن بھی وہیں کھڑی کر کے وہ ایک ایسی عمارت کی طرف بڑھا جہاں سب سے زیادہ روشنی نظر آ رہی تھی۔ قریب پہنچنے پر ٹوئسٹ کی موسیقی سنائی دی۔

یہ ایک بہت بڑا ہال تھا۔ یہاں متعدد جوڑے ٹوئسٹ کر رہے تھے۔

ہال کے ایک گوشے میں بار تھی جہاں کئی معمر لوگ اسٹولوں پر بیٹھے شراب پی رہے تھے۔

فریدی کو یہاں زیادہ تر جانی پہچانی صورتیں نظر آئیں۔ لیکن وہ خصوصیت سے کسی طرف متوجہ نہیں تھا۔

رقص کی موسیقی بتدریج تیز ہوتی جا رہی تھی اور رقاص جوڑے گویا آپے سے باہر ہو رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ برقی قوت سے چلنے والی مشینوں میں تبدیل ہو گئے ہوں۔

ٹھیک اُسی وقت کیپٹن حمید بھی کلارا کے ساتھ ہال میں داخل ہوا اور وہ دونوں بھی رقاصوں

میں شامل ہو گئے اور اُسی رفتار سے شامل ہوئے جس رفتار سے اس وقت رقص جاری تھا۔

فریدی کے ہونٹوں پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ نظر آئی۔

پھر موسیقی نقطۂ عروج پر پہنچ کر تھم گئی۔ بالکل ایسا ہی محسوس ہوا جیسے زمین کی گردش رک گئی ہو۔ ایک پل کے لئے قبرستان کا سا سناٹا چھا گیا۔

پھر آہستہ آہستہ لوگ اونچی آوازوں میں گفتگو کرنے لگے۔

اور ٹھیک اسی وقت لاؤڈ سپیکر سے آواز آئی۔ ''کرنل فریدی پلیز..... آپ کی فون کال ہے۔''

فریدی بار کے کاؤنٹر کی طرف دیکھنے لگا۔ فون وہیں رکھا تھا اور غالباً مائیک بھی کاؤنٹر کے پیچھے تھا۔ ریسیور کاؤنٹر پر پڑا نظر آیا۔ فریدی بچے تلے قدموں سے چلتا ہوا کاؤنٹر کے قریب

''ہیلو..... فریدی اسپیکنگ.....!'' اُس نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

''میں ناصر مرزا ہوں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''فرمایئے۔''

''یہ ناممکن ہے کہ کیپٹن حمید نے تمہیں روزا کے بارے میں نہ بتایا ہو۔''

''آپ کا خیال درست ہے۔''

''روزا ہسپتال میں نہیں ہے۔''

''اس کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں۔''

''ڈاکٹر نے کہا تھا کہ وہ کم از کم پندرہ دن تک بستر سے ہلے بھی نہیں۔''

''مجھے تفصیلات کا علم نہیں۔''

''ہسپتال میں کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں گئی۔''

''تو پھر.....!''

''کیا کیپٹن حمید وہاں موجود ہے۔''

''جی ہاں۔''

''ذرا اُسے فون پر بلاؤ۔ میں اچھوں کے لئے اچھا ہوں اور بُروں کے لئے بُرا۔''

فریدی کی پیشانی پر شکنیں نظر آئیں اور اُس نے اچھا کہہ کر ریسیور کاؤنٹر پر ڈال دیا۔ پھر اُس آدمی سے حمید کو کال کرنے کے لئے کہا جو مائیک کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔

حمید نے حیرت سے فریدی کو دیکھ کر کچھ کہنا چاہا لیکن فریدی نے فون کی طرف اشارہ کیا۔ اُس کے چہرے پر پائے جانے والے آثار خوشگوار نہیں تھے۔

حمید نے کال ریسیور کی اور زیادہ تر حیرت کا اظہار کرتا رہا پھر غصیلے لہجے میں بولا۔ ''مرزا صاحب! میں کسی ایسی لڑکی پر نظر ڈالنا بھی اپنی توہین سمجھتا ہوں جس کا کوئی دعویدار پہلے سے موجود ہو۔'' اور اسی جملے کے اختتام پر اُس نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

''خواہ مخواہ سر ہو رہا ہے یہ شخص۔'' وہ فریدی کی طرف دیکھ کر بولا۔

فریدی دوسری طرف منہ پھیر کر سگار سلگانے لگا۔

''آپ سے کیا کہا تھا اُس نے؟'' اُس نے فریدی کو پھر مخاطب کیا۔

''اُس کے علاوہ اور بھی کچھ کہہ دیا تھا کہ اُسکے غائب ہو جانے کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔''

''ہاں مردود کہتا ہے کہ تم نے اُسے بلیک میل کر کے کہیں اور پہنچا دیا ہے۔''

''بس تو پھر صفائی پیش کرنے کی تیاری کرو۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

''صفائی..... ضرور..... اُس کے سر پر جو تھوڑے سے بال باقی بچے ہیں اُن کے لئے بار بر تک کہلانے کو تیار ہوں۔''

''بچوں کی سی باتیں نہ کرو۔ ذرا اپنے آس پاس کی بھیڑ کا بھی جائزہ لینے کی کوشش کرو۔ یہ کون لوگ ہیں۔''

''بہت اونچے اونچے لوگ۔'' حمید حقارت آمیز لہجے میں بولا۔ ''آپ بھی بہت بڑے آدمی ہیں۔ لیکن میں کیا اور کیا میری بساط۔ جس کے سر پر کہئے پانچ جوتے رسید کر کے پھانسی پر چڑھ جاؤں۔''

''اب چلو یہاں سے۔'' فریدی اُس کا بازو پکڑ کر دروازے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔

تھوڑے ہی فاصلے پر کلارا نے اُن کا راستہ روک لیا۔

''اوہو..... آپ بھی ہیں یہاں۔'' اُس نے فریدی کو مخاطب کر کے اس اچانک ملاقات کا اظہار مسرت کیا۔ فریدی بھی چند رسمی جملے ادا کرتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔

حمید کا بازو اب بھی اُس کی گرفت میں تھا۔ وہ عمارت سے نکل آئے۔

''آپ نے بداخلاقی کا ثبوت دیا ہے۔'' حمید بڑبڑایا۔

''چلتے رہو خاموشی سے..... اگر وہ ہسپتال سے غائب ہو گئی ہے تو اُس کی زندگی خطرے میں ہو گی۔''

''جہنم میں جائے۔''

''لیکن تم تو نکلو اس جنت سے۔''

''آپ اندر آئے کیسے؟''

''ناصر مرزا کی اجازت سے۔''

''مجھ سے تو صاف انکار کر دیا تھا کہہ رہا تھا کہ بن بلائے مہمان اُس کے لئے ناقابل برداشت ہوتے ہیں۔ آخر یہ کس قسم کے خاندانی تعلقات ہیں۔''

''مجرم اور قانون کے محافظ ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔''

''نئی اطلاع ہے۔'' حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔

''دونوں ہی آدم کی اولاد ہیں..... بیٹے۔''

''تو کیا آپ کا خیال ہے کہ آرتھر کے کیس میں مرزا ہی کا ہاتھ ہے۔''

''ہو سکتا ہے..... کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اُسے دونوں کا چھپ کر ملنا پسند نہ رہا ہو اور ہو سکتا ہے کہ خود وہی روزا کی گمشدگی کا بھی ذمہ دار ہو۔''

وہ لنکن میں آ بیٹھے۔ حمید کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ جب لنکن چہار دیواری کے پھاٹک سے گزر رہی تھی وہ چونک کر بولا۔ ''کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ ہی نے اُسے غائب کرا دیا ہو۔''

''بہت دور کی کوڑی لائے ہو لیکن غلط۔'' فریدی نے ونڈ اسکرین پر نظر جمائے ہوئے

کہا۔ ''میں نے صرف اتنا کیا ہے کہ تمہاری طرح غافل نہیں رہا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''وہ جہاں بھی لے جائی گئی ہوگی کچھ دیر بعد مجھے اس کا علم ہو جائے گا۔''

''اُوہ.....تو آپ اس کی نگرانی کراتے رہے ہیں۔''

''یقیناً..... مجھے سوچنا پڑا تھا کہ اُس نے خودکشی کی کوشش کیوں کی؟''

''اکثر محبت کرنے والے محبوب کی موت نہیں برداشت کر سکتے۔''

''کہانیاں ہیں فرزند..... جب ایک ماں جوان بیٹے کی موت کے بعد بھی زندہ رہ سکتی ہے تو یہ سب کچھ قطعی بکواس ہے۔''

''بہتیرے واقعات ہیں۔''

''موت کے واقعات ہوں گے وہ صرف جدائی کے قصے ہوتے ہیں۔ اگر تمہاری محبوبہ تم سے جدا ہو کر کسی اور کے پہلو میں پہنچ جائے تو تم یقیناً خودکشی کر لو گے۔ لیکن وہ محبت نہیں ہوگی۔ وہ تو ٹھیس لگے گی تمہاری مردانگی.... کو تمہاری انا مجروح ہوگی اور غیرت خودکشی پر آمادہ کر دے گی۔''

''میں اس وقت لیکچر سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔''

''تو پھر ایسی غیر سائنٹیفک بکواس نہ کرو۔''

''مجھے نیند آ رہی ہے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ لیکن سنسان سڑکوں پر تیز رفتاری کے مظاہرے کرتی ہوئی بالآخر ایک عمارت کے سامنے آ کر رکی اور فریدی نے حمید کو جھنجھوڑا۔

''آپ..... آپ..... اپنی خواب گاہ میں تشریف لے جایئے۔'' حمید نے چونک کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میں گاڑی ہی میں سو جاؤں گا۔''

''آنکھیں کھولو..... ہم گھر میں نہیں ہیں..... دودھ پیتے بچے؟''

حمید بوکھلا کر سیدھا ہو گیا۔ چند لمحے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھتا رہا پھر

آواز میں بولا۔ ''واقعی میں بہت احمق ہوں۔''

''چلو اعتراف تو کیا تم نے..... اُترو.....!''

''اب صرف یہ بتا دیجئے کہ آپ نے میری کال کیسے ٹیپ کی تھی۔ جب کہ میں نے ریلوائن کا پلگ انسٹرومنٹ سے نکال دیا تھا۔''

''بہت دیر سے چونکے۔'' وہ اُسے نیچے اُترنے کے لئے دھکیلتا ہوا بولا۔ ''ساری ہی باتیں بتانے کی نہیں ہوا کرتیں۔ اگر ایسا نہ کروں تو تم پتہ نہیں کب اور کہاں غرق ہو جاؤ۔''

حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے گاڑی سے اُتر گیا۔

''سامنے والی عمارت کے برآمدے میں جاؤ۔'' فریدی کہہ رہا تھا۔ ''دروازے کی چوکھٹ کی گھنٹیوں کے پش سوئچ ہیں جن کے پش بٹن مختلف رنگوں کے ہیں۔ سرخ رنگ والے پش کو تین بار دبا کر انتظار کرنا۔''

''مجھے وہاں چھوڑ کر کھسک تو نہیں جائیں گے۔''

''اندر سے کوئی آئے گا تم صرف ''ہارڈ اسٹون'' کہہ کو واپس چلے آنا۔''

''اگر وہ کوئی کتا ہوا اور اُس نے میری ٹانگ پکڑ لی تو کیا ہوگا۔''

''وقت نہ ضائع کرو۔''

حمید عمارت کے برآمدے میں آیا۔ سرخ رنگ کے پش سوئچ کو تین بار استعمال کرنے کے بعد اندر سے کسی کی آمد کا منتظر رہا۔

جلد ہی دروازہ کھلا اور حمید نے دروازہ کھولنے والے کی شکل دیکھے بغیر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''ہارڈ اسٹون'' اور واپسی کے لئے مڑ گیا۔

گاڑی پر بیٹھتے وقت اُس نے محسوس کیا کہ کوئی اور بھی پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہے لیکن نہ جانے کیوں اُس کا رویہ کچھ ایسا ہو رہا تھا کہ جیسے مڑ کر دیکھے گا تو پتھر کا ہو کر رہ جائے گا۔

فریدی نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے اونچی آواز میں کہا۔ ''کیا خبر ہے۔''

پچھلی سیٹ سے کھنکارنے کی آواز آئی۔ لیکن حمید نے اب بھی مڑ کر نہ دیکھا۔

''جناب عالی.....!'' پچھلی سیٹ سے کسی نے کہنا شروع کیا۔''انہوں نے نگراں نرس کو بھاری رشوت دی تھی۔ لہٰذا نرس کی مدد سے وہ اُسے نکال لے گئے اور جناب عالی اُسی عمارت میں جس کی نگرانی ہم دو ماہ سے کرتے رہے ہیں۔''

''اوہ.....!'' فریدی کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

کار کی رفتار تیز نہیں تھی۔ حمید نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

''فی الحال اُس عمارت میں کتنے آدمی ہیں۔'' فریدی نے پوچھا۔

''تین.....لڑکی سمیت چار۔''

''کوئی عورت بھی ہے۔''

''جی ہاں دو عورتیں.....ایک مرد.....اور وہ لڑکی۔''

''غیر ملکی ہیں؟''

''عورتیں غیر ملکی ہیں۔ مرد دیسی۔ لیکن جناب عالی وہ پورا دیو ہے۔ ایسی جسامت کا آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔ میرا خیال ہے کہ وہ اُن کی رکھوالی کے لئے وہاں رکھا گیا ہے۔ اور.....اور.....!''

''ہوں.....کہو خاموش کیوں ہو گئے۔''

''وہ کسی شکاری کتے کی سی قوت شامہ رکھتا ہے۔''

''تم نے پہلے ایسے کسی آدمی کی اطلاع نہیں دی۔'' فریدی بولا۔

''جناب عالی.....وہ پچھلی دوپہر کو پہلی بار وہاں دیکھا ہے۔''

''کیا خیال ہے۔ لڑکی کی زندگی خطرے میں ہے۔'' فریدی نے سوال کیا۔

''کچھ کہا نہیں جا سکتا جناب عالی۔ لڑکی کے وہاں پہنچنے کے بعد سے ہم اپنے بنائے ہوئے راستے کے ذریعہ عمارت تک نہیں پہنچ سکے۔''

''کیوں؟''

''وہی دیو زاد جناب۔ اس طرح عمارت سے باہر آتا تھا جیسے ہماری بو سونگھ لی ہو۔ عجیب

ناک آنکھیں ہیں۔''

فریدی چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔''صبح ہونے سے پہلے اُس لڑکی کو عمارت سے برآمد کر لینا ہے۔''

پچھلی نشست پر بیٹھا ہوا آدمی کچھ نہ بولا۔

شائد حمید کی نیند غائب ہو چکی تھی۔ لیکن اُس نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ رکھے تھے۔ غالباً زبان ہلانے کی ضرورت نہیں محسوس کر رہا تھا۔ ہو رہے گا جو کچھ ہونا ہے۔ اُسکی بلا سے۔

کچھ دیر بعد فریدی نے اُسے ٹھوکا۔''کیا سو گئے۔''

''جی نہیں.....صبح سات بجے سو کر کیا کروں گا۔'' حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

''ویسے کیا آپ کو یقین ہے کہ ان لوگوں نے اُسے زندہ چھوڑا ہوگا۔ اگر وہ اُسے کسی راز کی پردہ پوشی کی خاطر لے گئے ہیں تو میری دانست میں اس کا امکان نہیں۔''

''سب کچھ ممکن ہے۔''

''تو میں یہ عرض کروں گا کہ آپ کی غفلت پر اُس کی موت کی ذمہ داری ہوگی۔''

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔''

''سوچتے ہی رہیں گے یا کچھ کرنے کا بھی ارادہ ہے۔''

''شائد تم پھر اونگھنے لگے۔''

''بائیں جانب موڑیئے جناب۔'' پچھلی سیٹ سے آواز آئی۔

فریدی نے گاڑی بائیں طرف موڑ دی۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''پھر اونگھنے لگے تم.....کیا روزا کی لاش برآمد نہیں کرو گے اُس عمارت سے۔''

حمید بھنا کر رہ گیا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ کسی لڑکی کے بارے میں ایسا بے دردانہ اظہار خیال اُسے اچھا نہیں لگا تھا۔

''حلقے کے تھانے میں ہسپتال سے اُس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرادی گئی ہے یا

نہیں۔'' فریدی نے پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے اجنبی کو مخاطب کیا۔

''جی ہاں..... آپ کی تشریف آوری سے صرف بیس منٹ پہلے مجھے اطلاع ملی تھی کہ ناصر مرزا نے ہسپتال سے اُس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی تھی۔''

''ٹھیک..... میں ابھی اس کی تصدیق کئے لیتا ہوں۔'' فریدی نے کہا اور ایک دوا فروش کی دوکان کے سامنے گاڑی روک دی۔

آس پاس کے چھوٹے موٹے چائے خانے کھل گئے تھے اور میڈیکل اسٹور تو رات بھر ہی کھلے رہتے تھے۔ اُس نے میڈیکل اسٹور سے فون کر کے متعلقہ تھانے سے ناصر مرزا کی رپورٹ کے بارے میں تصدیق کی اور پھر گاڑی میں آ بیٹھا۔

اس بار گاڑی دیر تک نہیں چلتی رہی تھی۔ موڈل کالونی کی سڑک پر اُسے روکا گیا۔

''یہیں رکنا مناسب تھا۔'' پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے اجنبی نے کہا۔

فریدی نے پھر حمید کو ٹہوکا دیا ''اترو.....!''

گاڑی وہیں چھوڑ کر وہ ایک طرف چل پڑے۔ اجنبی آگے چل رہا تھا۔ یہاں حمید نے اچھی طرح اس کی شکل دیکھی۔ لیکن یہ یاد نہ آیا کہ پہلے بھی کبھی اُسے دیکھا ہو۔

اُس نے سوچا ممکن ہے بلیک فورس کا کوئی ممبر ہو۔

وہ کالونی کے اُس حصے میں آ پہنچے جہاں عمارتیں ایک دوسری سے کسی قدر فاصلے پر واقع تھیں اور بہت زیادہ دولت مند لوگ ان میں آباد تھے۔

''اب ادھر بائیں جانب سے نکل چلئے جناب۔'' اجنبی بولا۔ ''میں آپ کو اُسی طرف لے چلوں گا جدھر سے عمارت میں داخلہ ممکن ہے۔''

''کیا تم نے ''البرٹو'' کے اندر سے کوئی راستہ بنایا ہے۔''

''جی ہاں۔''

''البرٹو نام کے شبانہ کلب سے حمید بھی واقف تھا۔ لیکن کبھی وہاں جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔''

وہ اُس کے گیٹ میں داخل ہو ہی رہے تھے کہ فریدی نے دونوں ہاتھ پھیلا کر انہیں آگے بڑھنے سے روک دیا۔

''پیچھے ہٹو..... روشنی سے بچ کر۔''

وہ ایک طرف تاریکی میں سرک گئے۔

''کیا بات ہے۔'' حمید نے کسی قدر جھنجھلاہٹ کے ساتھ پوچھا۔ اُس کے ذہن پر پھر بند کا غلبہ ہوا تھا۔

''کلارا ڈیل.....!''

''کہاں.....؟''

''برآمدے میں..... ہم سے پہلے ہی پہنچ گئے یہ لوگ یہاں۔''

''تو کیا.....؟''

''غیر ضروری باتیں نہیں۔'' فریدی آہستہ سے غرایا۔ پھر ہمراہی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ ''تمہیں یقین ہے کہ خود تمہارا تعاقب نہیں کیا جاتا رہا۔''

''ہم پوری طرح محتاط رہے ہیں جناب عالی اور اس وقت بھی میں نے خاص طور پر اس طرف دھیان دیا تھا۔''

''ہاں..... مجھے علم ہے۔ اس وقت ہمارا تعاقب نہیں کیا گیا۔'' فریدی بولا۔

''ضرورت ہی نہ سمجھی گئی ہوگی تعاقب کی۔'' حمید نے نیند سے بچاؤ کے لئے بار بار آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔ ''کیا وہ ناصر مرزا کی کال نہیں ٹیپ کر سکتے جب انہوں نے سنا ہوگا کہ ہمیں روزا کی گمشدگی کی اطلاع مل گئی ہے تو یقیناً سمجھ گئے ہوں گے۔''

''کیا سمجھ گئے ہوں گے۔''

''مجھے سوچنے دیجئے۔ نیند سے سارا مواد گڈمڈ ہوگیا۔ ہاں تو وہ سمجھ گئے ہوں گے کہ ہم اس اطلاع پر کدھر کا رخ کریں گے اور اگر ناصر مرزا بذات خود ان حرکات کی پشت پر ہے تو پھر یہ کام اور زیادہ آسان ہو جاتا ہے۔''

''خارج از بحث تو نہیں ہے وہ بھی۔'' فریدی پر تفکر لہجے میں بولا۔ ''لیکن یہاں کب تک کھڑے رہیں گے۔'' حمید نے کہا'' کہئے تو میں اندر جا کر حالات کا جائزہ لوں۔ میرا ریڈی میڈ میک اپ ہر وقت جیب میں پڑا رہتا ہے۔''

''ٹھہرو.....!'' فریدی نے کہا اور ہمراہی کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''اب تم یہ بتاؤ البرٹو کی عمارت سے ہم کس طرح وہاں تک پہنچ سکیں گے۔''

''لیوٹری والے کا ریڈر کا اختتام ایک دروازے پر ہوتا ہے جو عمارت کی پشت پر کھلتا ہے۔ دروازے کے قریب ہی باہر کھلے ہوئے زینے ہیں جو البرٹو کی چھت پر جاتے ہیں۔ ساتواں زینہ دوسری عمارت کی چہار دیواری ہی کے لیول پر ہے اور چہار دیواری کا اُس سے فاصلہ ایک گز سے زیادہ نہ ہوگا۔

چند لمحے خاموشی رہی پھر فریدی نے حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''تم اندر جاؤ..... اور اُسے باتوں میں الجھانے کی کوشش کرو۔''

البرٹو کے ہال میں خاصی رونق تھی۔ فلور شو ہو رہا تھا۔ بیک وقت تین لڑکیاں میزوں کے درمیان تھرکتی پھر رہی تھیں۔ حمید نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ کلارا ڈیل ایک میز پر تنہا تھی۔ اُس کا باپ کہیں نہ دکھائی دیا۔ حمید اُس میز کی جانب بڑھتا رہا۔ دفعتاً کلارا سے نظریں ملیں اور لڑکی کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔'' اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور حمید مسکراتا ہوا اُس کے مقابل بیٹھ گیا۔

اور اب وہ نیم وا آنکھوں سے اُسے دیوانہ وار دیکھے جا رہا تھا۔

''تت..... تم یہاں.....!'' وہ ہکلائی۔ ''اُس کی سانسیں تیزی سے چل رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بہت زیادہ ڈر گئی ہو۔''

''اگر کوئی لڑکی پسند آ جائے تو میں قبرستان میں بھی پایا جا سکتا ہوں۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اب مطلب بھی میں ہی سمجھاؤں۔''

''میں سمجھی۔'' دفعتاً اُس نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ''ہماری نگرانی کی جا رہی ہے شائد۔ کیا سمجھے ہو تم لوگ۔''

''لوگ نہیں..... صرف میں..... اور میں تمہیں اس سال کی خوبصورت ترین لڑکی سمجھتا ہوں۔''

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔''

''تمہارے ڈیڈی تو آس پاس موجود نہیں۔''

''کیوں.....؟''

''اُن سے ڈر معلوم ہوتا ہے۔''

''تم نشے میں تو نہیں ہو۔''

''میرا چیف کہہ رہا تھا کہ تم اردو پڑھنا چاہتی ہو۔''

''ہاں تو پھر.....!''

''میں تمہیں میر تقی میر سے میرا جی تک سب کچھ پڑھا دوں گا۔''

''یہ کون ہیں۔''

''اردو کے دو بہت بڑے شاعر۔''

''فضول باتیں نہ کرو۔ تمہیں ہم پر چیمپئن کے قتل کے سلسلے میں شبہ ہے۔''

''کیا پولیس والوں کو اس کا حق حاصل نہیں کہ وہ کسی کو چاہ سکیں۔''

''اُوہ.....!'' اُس نے متحیرانہ انداز میں ہونٹ سکوڑے اور پھر ہنس پڑی۔

''تم ہنس رہی ہو۔'' حمید کا لہجہ دردناک تھا۔

''تو پھر کیا مجھے رونا چاہئے۔ ہمارے یہاں کے پولیس والے تو اپنی بیویوں تک کو چاہنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔''

''کیوں.....؟''

''پولیس والے ہی جانیں۔ میں بھلا کیا بتا سکوں گی؟'' اس نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔

اور حمید نے اُس کا دل رکھنے کے لئے اتنے زور سے قہقہہ لگایا کہ آس پاس کے لوگ چونک پڑے۔

''کیا اس شہر میں کوئی سکون کی جگہ نہیں ہے۔'' کلارا نے کچھ دیر بعد کہا۔

''سکون ہی سکون۔'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔ ''میں ایسی جگہوں سے بھی واقف ہوں جہاں سکون ہی سکون ہے۔''

''کیا تم مجھے وہاں لے چلو گے۔''

''اپنے ڈیڈی سے اجازت لے لو۔ ہم مشرقی لوگ والدین کی مرضی کو مقدم جاننے کے عادی ہیں۔''

''ڈونٹ بی سلی! میں بچی نہیں ہوں۔''

''اچھا.....!'' حمید نے کہا اور ویٹر کو اشارے سے بلا کر سینڈوچز طلب کئے۔

''کیا تم بھوکے ہو۔'' کلارا نے پوچھا۔

''پیدائشی بھوکا ہوں..... جب میں پیدا ہوا تھا تو میری ماں روزے سے تھی۔''

''بہت مذہبی تھی تمہاری ماں۔''

''ہمارے یہاں ہر ماں مذہبی ہوتی ہے۔ خواہ مذہب کے بارے میں کچھ بھی نہ جانتی ہو۔''

فریدی اور اُس کا ہمراہی دیوار سے لگے کھڑے تھے۔ اس حصے میں گہری تاریکی تھی۔

فریدی نے اُس سے کہا۔ ''اب تم جاؤ اور لیبوٹری کے سرے والے دروازے کا جائزہ لے کر مجھے بتاؤ کہ وہ مقفل تو نہیں ہے۔''

''بہت بہتر جناب۔'' اُس نے کہا اور آہستگی سے آگے بڑھ گیا۔

فریدی وہیں دیوار سے لگا کھڑا رہا۔ دفعتاً پشت سے کسی نے اُس پر چھلانگ لگائی اور وہ تیزی سے جھپٹ کر ایک طرف ہٹ گیا۔ چھلانگ لگانے والا زمین پر آ رہا تھا۔

بجلی کی سی سرعت کے ساتھ فریدی نے بغلی ہولسٹر سے ریوالور کھینچا اور حملہ آور کے سر پر رکھ کر آہستہ سے بولا۔ ''ریوالور بے آواز ہے۔''

ریوالور کی نال حملہ آور کی گردن سے جا لگی تھی۔ حملہ آور بے حس و حرکت پڑا رہا۔ جلد ہی فریدی کو کسی غیر فطری پن کا احساس ہوا۔ اُس نے بائیں ہاتھ سے اس کی پیشانی چھوئی ہی تھی کہ چونک پڑا۔ انگلیاں گھنیرے بالوں سے الجھی تھیں۔

وہ عورت نکلی اور غالباً بیہوش تھی۔ اتنے میں فریدی کا ہمراہی بھی واپس آ گیا۔

''آپ کہاں ہیں جناب۔'' اُس نے دیوار کے قریب پہنچ کر آہستہ سے کہا۔

''ادھر.....!'' فریدی بولا اور پنسل ٹارچ کی روشنی عورت کے چہرے پر ڈالی۔

''اوہ.....!'' ہمراہی کی زبان سے بے اختیار نکلا۔ ''یہ تو وہی ہے جس کیلئے ہم.....!''

''تمہیں یقین ہے۔'' فریدی نے ٹارچ کچھ اور قریب کرتے ہوئے کہا۔

روشنی پوری طرح بیہوش عورت کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔

''جی ہاں..... یہ وہی ہے جسے ہسپتال سے اغواء کیا گیا تھا۔''

فریدی نے طویل سانس لے کر ٹارچ بجھا دی اور مڑ کر اندھیرے میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔ پھر اُس نے ہمراہی کو وہیں چھوڑا تھا اور خود اُسی سمت بڑھ گیا تھا جدھر سے اُس عورت نے اُس پر چھلانگ لگائی تھی۔

کچھ دور چل کر رک گیا۔ وہ اُس عمارت کے پھاٹک پر تھا جس کے بارے میں اُسے اطلاع ملی تھی کہ روزا وہیں لے جائی گئی۔ سلاخوں دار پھاٹک بند تھا اور کمپاؤنڈ تاریک پڑی تھی۔ کسی کھڑکی یا روشندان میں بھی روشنی نہیں دکھائی دیتی تھی۔

چند لمحے وہاں رک کر وہ پھر اُسی طرف پلٹ آیا جہاں اُن دونوں کو چھوڑا تھا۔

''اُسے گاڑی تک لے چلنے کی فکر کرو۔''

''اب یہ ہوش میں ہے جناب۔ لیکن خائف معلوم ہوتی ہے۔''

ہمراہی نے سہارا دے کر روزا کو زمین سے اٹھایا۔ اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ فریدی نے بھی اس کا ایک بازو پکڑ لیا۔

''ایسے راستوں سے چلو جو زیادہ روشن نہ ہوں۔'' فریدی نے کہا۔ پھر رک کر بولا۔ ''نہیں یہ نہیں چل سکے گی۔ کنجی لو اور گاڑی یہیں لے آؤ۔''

گاڑی وہاں تک پہنچنے میں تین چار منٹ سے زیادہ صرف نہیں ہوئے تھے اور اس دوران میں فریدی روزا کو اپنے بازو میں سنبھالے رہا تھا۔

''اس عمارت کی نگرانی بدستور جاری رہے گی۔'' اُس نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے ہمراہی سے کہا۔

پھر ہمراہی وہیں رہ گیا تھا اور گاڑی تیز رفتاری سے آگے بڑھ گئی تھی۔ روزا فریدی کے برابر اگلی ہی سیٹ پر نیم دراز تھی۔

''کیا تم جاگ رہے ہو۔'' فریدی نے کچھ دیر بعد اسے مخاطب کیا۔

''میں جاگ رہی ہوں۔'' اُس نے نحیف سی آواز میں جواب دیا۔

''تم نے مجھ پر حملہ کیوں کیا تھا۔''

''حملہ..... نہیں تو..... میں بے تحاشہ دوڑ رہی تھی۔ اندھیرے میں تم سے ٹکرا گئی۔''

''کیا تم دوڑ سکتی ہو۔''

''کیوں نہیں۔''

''لیکن ڈاکٹر تو تمہاری نقاہت کی حیرت انگیز کہانی سناتے ہیں۔''

''ڈاکٹر..... میں نہیں سمجھی۔''

''تمہاری جان بچالی گئی تھی۔ لیکن ڈاکٹر کا خیال تھا کہ تمہیں کم از کم پندرہ دن تک بستر سے بھی نہ اٹھنا چاہئے۔''

''تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہیں۔''

''کیا تم روزا اپ سیڈاؤن نہیں ہو۔''

''میں روزا اپسیڈاؤن نہیں ہوں۔''

''پھر تم کون ہو۔''

''میں کون ہوں؟ ہاں مجھے سوچنا چاہئے کہ میں کون ہوں۔''

''تم پر اقدام خودکشی کا بھی الزام ہے اس لئے جو کچھ بھی کہو سوچ سمجھ کر کہو اور تم اس ایک پولیس آفیسر سے ہم کلام ہو۔''

''میری سمجھ میں نہیں آ رہیں تمہاری باتیں۔''

''کیا تمہیں ناصر مرزا کے پاس پہنچا دیا جائے۔''

''ناصر مرزا..... ناصر مرزا کیا چیز ہے۔''

''کیا تم مسٹر ناصر مرزا کی مہمان نہیں تھیں۔''

''میرے خدا..... میں کسی ناصر مرزا کو نہیں جانتی۔''

''خوب.....!'' فریدی مسکرایا۔ ''تو تم آرتھر چیمپئن کو بھی نہ جانتی ہوگی جس کی لاش دیکھ

کر تم نے خودکشی کی ٹھانی تھی۔''

''تم پتہ نہیں کیسی باتیں کر رہے ہو۔ یہ سارے نام میرے لئے نئے ہیں۔''

''اچھی بات ہے۔ تم یہی بتا دو کہ اس وقت کہاں سے آئی تھیں۔''

''اسکے علاوہ اور کچھ نہیں جانتی کہ اس وقت میں تیزی سے دوڑ رہی تھی۔ تم سے ٹکرا گئی۔''

''پھر آگاہ کرتا ہوں کہ تم ایک پولیس آفیسر سے مخاطب ہو۔''

''مجھے ڈرانے کی کوشش نہ کرو۔ میں تمہاری ہر بات مان لوں گی۔''

''یہ کیا بات ہوئی۔''

''ہر عورت کے لئے ایک مرد ضروری ہے۔ حالانکہ میں نے ابھی تک تمہاری شکل نہیں دیکھی۔ لیکن تم رحم دل آدمی معلوم ہوتے ہو۔''

''لیکن ہر مرد کے لئے عورت ضروری نہیں ہے۔''

''پھر وہ خود بھی عورت ہی ہوگا۔'' لڑکی نے قہقہہ لگایا۔

''اچھی بات ہے۔'' فریدی نے کہا اور نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔

دفعتاً عقب نما آئینے پر نظر پڑی۔ پیچھے کئی گاڑیوں کے ہیڈ لیمپس نظر آ رہے تھے اور پھر اُس نے پولیس کی گاڑی کا سائرن بھی سنا۔

دونوں ہونٹ سختی سے بھینچ کر اُس نے سر کو جنبش دی اور ایکسیلریٹر پر دباؤ کم کر دیا۔

''اب دیکھنا..... تمہاری وجہ سے کن دشواریوں میں پڑتا ہوں۔''

''میں اُسے مرد ہی نہیں سمجھتی جو کسی عورت کے لئے دشواری میں پڑنے سے ڈرتا ہو۔''

''میں ایسا مرد نہیں ہوں جس کے لئے عورت ضروری ہو۔''

''لیکن تم ایک رحم دل آدمی ضرور ہو۔''

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ سائرن بجاتی ہوئی پولیس کار اُس کی گاڑی سے آگے نکل کر کسی قدر ترچھی ہوئی اور اُس کے بریک چرچرائے۔ اگر فریدی نے بھی پورے بریک نہ لگائے ہوتے تو ٹکراؤ یقینی تھا۔ دونوں گاڑیوں کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ دو فٹ رہا ہوگا۔

پھر دو گاڑیاں اور بھی لنکن کی دونوں جانب آ رکیں۔

فریدی نے اپنی گاڑی کا انجن بند کر دیا۔

اگلی گاڑی میں دو بہت زیادہ جانے پہچانے چہرے نظر آئے تھے۔ ان میں سے ایک خود [illegible] کے محکمے کا آئی جی تھا اور دوسرا ناصر مرزا۔

''جی ہاں..... وہ ہے..... موجود ہے گاڑی میں۔'' ناصر مرزا کی آواز سنائی دی۔ ساتھ [illegible] گاڑی کا دروازہ کھلا اور وہ دونوں نیچے اُتر آئے۔

لنکن کے قریب بھی پہنچ گئے لیکن فریدی جوں کا توں بیٹھا رہا۔ ویسے اُس نے گاڑی کے پہلے ہی روشنی کر دی تھی۔

''ملاحظہ فرمایئے۔'' ناصر مرزا نے ڈی آئی جی کو مخاطب کر کے طنزیہ لہجے میں کہا۔

لنکن کی دونوں جانب والی گاڑیوں میں مسلح پولیس کے جوان نظر آ رہے تھے۔

فریدی نے کنکھیوں سے دونوں جانب دیکھا اور پھر ناصر مرزا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''یہ کیا قصہ ہے انسپکٹر۔'' ڈی آئی جی غرایا۔

وہ ہمیشہ فریدی کو انسپکٹر ہی کہہ کر مخاطب کرتا تھا اور اُس کے لہجے میں احساس کمتری کی [illegible] ملتی تھیں۔

''میں اس وقت اسپیشل ڈیوٹی پر ہوں۔ براہِ کرم گاڑی سامنے سے ہٹوا دیجئے۔'' فریدی [illegible] بے حد نرم لہجے میں کہا۔

لیکن ڈی آئی جی کا پارہ پہلے ہی سے چڑھا ہوا تھا کیونکہ فریدی نے گاڑی سے اتر کر تعظیم [illegible] دی تھی۔

''فضول باتیں نہیں۔'' ڈی آئی جی نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''تم اس وقت ریڈ ہینڈڈ پکڑے [illegible] ہو۔''

''کس سلسلے میں جناب۔'' فریدی کا لہجہ بے حد سرد تھا۔

''یہ لڑکی کون ہے؟''

''فی الحال یہ اپنے متعلق کچھ بھی نہیں بتا سکی۔''

''روزا۔ اب تم محفوظ ہو نیچے اُتر آؤ۔'' ناصر مرزا بھرائی ہوئی آواز میں بولا لیکن اُس نے اُس کی طرف دیکھا تک نہیں۔

''اسے گاڑی میں بٹھاؤ۔'' ڈی آئی جی نے پولیس کار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فریدی سے کہا۔

''میں پھر گوش گزار کروں گا کہ میں اس وقت اسپیشل ڈیوٹی پر ہوں اور یہ مجھے خاص حالات میں محکمہ خارجہ کی طرف سے تفویض ہوتی ہے۔''

''تمہارا کوئی ہتھکنڈا کام نہیں آئے گا۔'' ناصر مرزا بول پڑا۔

''مسٹر مرزا۔'' فریدی کے لہجے میں دھمکی تھی۔

دفعتاً ناصر مرزا نے روزا کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ ''نیچے اُتر آؤ۔''

''ناصر مرزا.....!'' فریدی غرایا اور ساتھ ہی ہاتھ بڑھا کر اسے اس زور سے دھکا دیا کہ وہ لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم پیچھے ہٹتا چلا گیا۔

ڈی آئی جی کی غضب ناکی بالآخر پھٹ پڑی۔

''احمد کمال فریدی۔ میں تمہیں معطل کرتا ہوں۔'' وہ دہاڑا۔

''ہر چند کہ میں اس وقت صدر مملکت کے علاوہ کسی اور کو جوابدہ نہیں پھر بھی گوش گزار کروں گا کہ آپ اتھارٹی ٹی سی تھرٹین کے بارے میں سیکریٹری برائے اُمور خارجہ سے ضرور معلومات حاصل کرلیں۔''

اُس نے بڑی پھرتی سے اپنی گاڑی ریورس گیئر میں ڈالی تھی اور گاڑی بہت تیزی سے پیچھے ہٹتی چلی گئی تھی۔

اتفاق ہی تھا کہ سڑک سنسان پڑی تھی اور وہ اسی رفتار سے سہ راہے تک آ گئی تھی۔

فریدی نے تیزی سے اُسے بائیں جانب موڑ دیا۔

اب لنکن تیز رفتاری کے ریکارڈ توڑ رہی تھی۔

''یہ سب کیا ہو رہا ہے۔'' روزا منمنائی۔

''میں نے تم سے کہا تھا کہ تمہاری وجہ سے دشواریوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔''

''یہ لوگ کون تھے اور مجھ سے کیا چاہتے تھے۔''

''جس نے تمہارا ہاتھ پکڑا تھا وہ کون تھا۔''

''میں تمہیں کس طرح یقین دلاؤں کہ میرے لئے اجنبی تھا۔ لیکن گفتگو اس طرح کر رہا ہے جیسے خاصی جان پہچان ہو۔''

''ہوں.....!'' فریدی کے ہونٹ پھر سختی سے بھینچ گئے تھے۔

اُس نے ڈیش بورڈ کے ایک خانے سے وائرلیس ٹیلی فون کا ریسیور نکالا اور اُسے کان سے لگالیا اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ ''ہیلو.....ہیلو.....فلائینگ اسکوارڈن آپریشن۔''

''ہیلو.....!'' کوئی بولا۔ ''ہواز دیٹ.....؟''

''فریدی اسپیکنگ.....ٹو ڈی آئی جی.....پلیز.....!''

چند لمحوں بعد ڈی آئی جی کی غصیلی آواز سنائی دی۔

فریدی نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ''میرے تعاقب کا سلسلہ ختم کیا جائے ورنہ آپ دشواری میں پڑیں گے۔ آخری بار استدعا کر رہا ہوں۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں کبھی کوئی غیر قانونی قدم نہیں اٹھاتا۔''

ڈی آئی جی کی آواز آئی۔ ''میں نے چاہا تھا کہ یہ معاملہ مجھ سے آگے نہ بڑھے۔ لیکن کیا ناصر مرزا سے واقف نہیں۔''

''پشت ہا پشت سے واقفیت چلی آ رہی ہے۔ آپ اس کی فکر نہ کریں۔ میں ایک بار پھر عرض کر رہا ہوں کہ اتھارٹی ٹی سی تھرٹین کے متعلق آپ وزارت خارجہ سے دریافت فرمالیں۔ ہر چند کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ میری کارکردگی کے اس پہلو سے بھی آگاہ ہوں لیکن میں نہیں چاہتا کہ میرے کسی آفیسر کے دل میں میری طرف سے ملال پیدا ہو۔ بس اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا مجھے۔ اس وقت کی آویزش پر افسوس ہے۔''

فریدی نے سوئچ آف کر کے ریسیور پھر ڈیش بورڈ کے خانے میں رکھ دیا۔

لنکن یکساں رفتار سے بھاگی جا رہی تھی اور اُس کا رخ ایگل بیچ کی طرف تھا۔ عقبی آئینے پر بار بار فریدی کی نظر جاتی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ ساحلی علاقے میں داخل ہو رہے تھے چاروں طرف ملگجا سا اُجالا پھیل گیا تھا اور مشرقی افق میں گہرے سرخ لہریئے نظر آ رہے تھے۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں۔'' روزا نے پوچھا۔ وہ مسلسل فریدی کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے تھی۔

''تمہارے لئے ایک چھت فراہم کرنی ہے۔ ظاہر ہے کہ دنیا میں تمہارا کوئی نہیں۔''

''شکریہ..... تم نے مجھے سمجھنے کی کوشش تو کی۔''

''لیکن یہ بہت بُری بات ہے کہ تمہارا کوئی نہیں ہے۔''

''مجھے خود پریشانی ہے..... پتہ نہیں کب سے اپنا نام یاد کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔''

''چھوڑو..... آج سے تمہارا نام کورنیلیا ہے۔''

''بہت اچھا نام ہے۔ ہاں یہ نام میرے لئے مناسب رہے گا۔''

لنکن ایگل بیچ میں پہنچ کر فریدی کے ہٹ کے سامنے رکی۔

''اوہو..... یہاں کون ہے۔'' اُس کی زبان سے بے اختیار نکلا۔ کیونکہ ساری کھڑکیاں روشن نظر آ رہی تھیں۔

''تم یہیں ٹھہرو۔'' اُس نے روزا سے کہا اور خود گاڑی سے اُتر کر دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازے پر دستک دی۔ کچھ دیر بعد اندر قدموں کی چاپ گونجی اور ساتھ ہی کسی نے پوچھا۔ ''کون ہے؟''

''اُوہ..... دروازہ کھولو۔''

دروازہ کھلا اور.....

''ارے آپ.....!'' یہ حمید کی آواز تھی۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو۔''

''وہ..... وہ..... وہ بھی ہے۔''

''کون.....؟''

''کلارا..... کلارا.....!'' حمید پر بدحواسی طاری تھی۔

''کیا مطلب.....؟''

''وہ میرے ساتھ یہاں چلی آئی ہے۔''

''تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔''

''آپ نے کہا تھا کہ اُسے باتوں میں الجھاؤں اور وہ اس طرح الجھی کہ یہاں تک چلی آئی۔ لیکن آپ یہاں اس وقت کیسے۔''

''میری گاڑی میں روزا ہے۔''

''وہ مارا..... اب تو آپ کو کوئی اعتراض نہ ہونا چاہئے۔''

''بکواس مت کرو۔'' فریدی نے کہا اور پھر چند لمحوں کے لئے حمید نے یہی محسوس کیا ہوگا کہ وہ ذہنی طور پر غیر حاضر ہو گیا ہو۔ اس کے بعد وہ اسی طرح چونکا تھا جیسے غنودگی طاری رہی ہو۔

اُجالا اچھی طرح پھیل گیا تھا۔ وہ حمید کو وہیں چھوڑ کر لنکن کی طرف پلٹا۔ روزا اُسی طرح ٹکٹکی لگائے دیکھ رہی تھی۔

''آؤ..... اُتر آؤ..... دیکھو یہ کتنا پرفضا مقام ہے۔ اب تم کچھ دن یہیں قیام کرو گی۔'' فریدی نے کہا۔

روزا کسی ننھی سی بچی کی طرح خوش نظر آ رہی تھی۔

''واقعی بڑی خوبصورت جگہ ہے اور تم..... تم بھی بہت خوبصورت ہو۔ ایسا دوسرا کوئی مرد آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔''

وہ دونوں ہٹ کے دروازے میں داخل ہوئے۔ حمید پیچھے ہٹ گیا۔

''یہ کون ہیں۔'' روزا نے بچگانہ انداز میں حمید کے بارے میں سوال کیا۔

''خوب.....اتنی جلد بھول گئیں۔'' حمید پر معنی انداز میں مسکرایا۔

لیکن فریدی نے روزا کی آنکھوں میں الجھن کے آثار دیکھے۔

''نہیں.....تم انہیں نہیں جانتے۔'' فریدی اس کا بازو پکڑ کر آگے بڑھاتا ہوا بولا۔

دوسرے کمرے میں کلارا موجود تھی۔ اُس کی پلکیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں لیکن

پر نظر پڑتے ہی وہ اس طرح چونکی جیسے اس کی محرک کوئی گرج دار آواز ہو۔

''یہ.....یہ تو روزا ہے۔'' وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں بولی۔

''کیوں.....کیا تمہیں اسے یہاں دیکھ کر حیرت ہوئی ہے۔'' فریدی نے اُسے تو

والی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''نن.....نہیں تو۔''

''میں کورنیلیا ہوں۔'' روزا غصیلے لہجے میں بولی۔

کلارا نے حمید کی طرف دیکھا۔ لیکن نہ جانے کیوں حمید اُس کی طرف متوجہ نہ ہوا۔

اُس پر بھی کسی قسم کی بوکھلاہٹ طاری تھی۔

''اب تم آرام کرو.....!'' فریدی نے روزا سے کہا۔ ''آؤ میں تمہیں تمہارا

دکھاؤں۔''

حمید اور کلارا اُس کمرے میں تنہا ہو گئے۔

''یہ تمہارا چیف کیسا آدمی ہے۔'' کلارا نے اُس کے قریب آ کر آہستہ سے پوچھا۔

''یہی معلوم کرنے کے لئے تو اس مخمصے میں جھک مار رہا ہوں کہ میرا چیف کیسا آد

ہے۔ ورنہ جاسوسی ناول نگاری کا پیشہ بھی کچھ بُرا نہیں تھا۔''

''کیا وہ ہمیں یہاں رہنے دے گا۔''

''اب نہ رہنے دینے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ خود بھی فارغ البال نظر آ رہا ہے۔''

وہ پھر کچھ کہنے والی تھی کہ فریدی واپس آ گیا۔

''اب بتاؤ۔'' وہ حمید کو گھورتا ہوا بولا۔

''کیا عرض کروں جناب۔''

''اُسے یہاں کیوں لائے ہو۔''

''آپ اُسے یہاں کیوں لائے ہیں۔''

''وہ ذہنی طور پر بیکار کر دی گئی ہے۔''

''اور یہ جسمانی طور پر بالکل چوپٹ ہے۔''

''فضول باتیں نہ کرو۔''

''میں اسی لئے اردو سیکھنا چاہتی ہوں۔'' کلارا بول پڑی۔ ''تمہاری آپس کی باتیں نہیں سمجھ سکتی۔''

''کیا مسٹر ڈیل کو تمہاری یہاں موجودگی کا علم ہے۔'' فریدی نے سوال کیا۔

''نہیں.....ضروری نہیں۔'' اُس نے لاپروائی سے جواب دیا۔

''یہ تمہیں کہاں ملی تھی۔'' فریدی حمید کی طرف متوجہ ہوا۔

''البرٹو میں۔''

''کیا تم نے اس کا تعاقب کیا تھا۔'' فریدی کا لہجہ ناخوشگوار تھا۔

''ہاں.....اس سلسلے میں قصوروار ہوں۔''

''میں تم سے تنگ آ گیا ہوں۔''

''کچھ قصور اس کا بھی ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''یہ مجھے اتنی اچھی کیوں لگتی ہے۔''

''حمید.....!''

گفتگو انگریزی میں ہو رہی تھی اور کلارا کے چہرے پر کچھ اس قسم کے تاثرات پائے جاتے تھے جیسے اس پر اس کا کوئی اثر نہ ہو۔

حمید کے کچھ کہنے سے پہلے ہی بول پڑی۔ ''میں اپنی خوشی سے یہاں آئی ہوں۔ تبدیلی چاہتی ہوں۔''

حمید نے ٹکڑا لگایا۔ ''اور یہاں چاروں طرف تبدیلی ہی تبدیلی ہے۔''

''تبدیلی.....!'' فریدی مسکرایا۔ ''تبدیلی زندگی کو آگے بڑھاتی ہے۔''

''ہم زندگی کو سرپٹ دوڑائیں گے۔'' حمید سینے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

''لیکن صرف ماحول کی تبدیلی سے کچھ نہیں ہوتا..... حمید چوکیدار کہاں ہے۔''

''وہ ہمارے لئے ناشتہ تیار کر رہا ہوگا۔''

''جاؤ..... تم بھی اُس کی مدد کرو۔''

حمید نے طویل سانس لی اور دوسرے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔

اور اب وہ نہایت اطمینان سے قفل کے سوراخ کے ذریعہ اُس کمرے کا جائزہ لے سکتا تھا۔ لیکن اُس نے سوچا شائد اُن دونوں کی آوازیں واضح طور پر نہ سن سکے۔

فریدی کچھ کہہ رہا تھا۔ اُس کی آواز تو سنائی دے رہی تھی لیکن الفاظ حمید کے کانوں تک نہیں پہنچ رہے تھے۔ کلارا بڑی سنجیدگی سے سر ہلا ہلا کر سن رہی تھی۔ پھر حمید نے اُسے ہنستے دیکھا۔ فریدی بھی مسکرا رہا تھا۔

اب وہ بھی کچھ کہہ رہی تھی اور فریدی بڑے سکون سے سن رہا تھا۔

کچھ دیر بعد فریدی اٹھ گیا اور اسی دروازے کی طرف بڑھا۔

اس کی بعد اُن دونوں کی ملاقات کچن میں ہوئی۔ فریدی نے چوکیدار کو بیچ ہوٹل سے کچھ چیزیں لانے کے لئے بھیج دیا اور حمید سے بولا۔ ''وہ سونے گئی ہے فی الحال ناشتہ نہیں کرے گی۔ میں جا رہا ہوں۔''

''دیکھئے میں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ بہت سی عورتیں ہوں..... بس ایک ہی کافی ہے۔'' حمید سعادت مندانہ لہجے میں بولا۔

''موقع محل دیکھا کرو۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

''فرمائیے..... سن رہا ہوں۔'' حمید مردہ سی آواز میں بولا۔

''میں جا رہا ہوں۔ تم بھی یہاں نہیں ٹھہرو گے۔ برابر والے ہٹ کی کنجی یہ رہی۔'' اُس نے جیب سے پرس نکال کر اس میں سے ایک کنجی نکالی۔

''برابر والے ہٹ کی کنجی۔'' حمید نے اُس سے کنجی لیتے وقت متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

''ہاں..... آں..... وہاں ایک فون بھی ہے اور یہاں کے فون سے منسلک ہے۔ اس ہٹ کے فون پر کی جانے والی گفتگو تم اُس فون پر سن سکو گے۔''

''میں اب بھی نہیں سمجھا۔''

''میں نے کلارا سے کہہ دیا ہے اُسے اور روزا کو شام تک تنہا رہنا پڑے گا۔ کیونکہ ہم دونوں شام سے پہلے یہاں نہ پہنچ سکیں گے۔''

''لیکن اس کا مقصد کیا ہے۔''

''تمہیں دیکھنا ہے کہ وہ فون پر کسی سے رابطہ تو نہیں قائم کرتی۔''

''سمجھا۔''

''اتنے سینڈوچز اپنے لئے بنالو کہ شام تک کے لئے کافی ہوں۔''

''آخر ان ہٹوں کی ٹیلی فون لائین ایک ہی کیوں ہے۔''

''دوسرا ہٹ بھی میرا ہے..... اس لئے۔'' فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

''اور میں آج تک اس سے لاعلم رہا۔''

''بہت محدود ہے تمہارا علم۔''

''آپ کرنا کیا چاہتے ہیں۔''

''بس دیکھتے جاؤ۔''

فریدی کے چلے جانے کے بعد حمید نے اُس کمرے میں جھانکا جہاں وہ دونوں سو رہی تھیں۔

فریدی نے اُسے بتایا تھا کہ کلارا نے نیند ہی سے مجبور ہو کر ناشتہ ملتوی کر دیا تھا۔

لیکن وہ اُسے بستر پر جاگتی ہوئی نظر آئی۔ چت لیٹی تھی اور آنکھیں چھت سے لگی ہوئی تھیں۔ حمید چپ چاپ ہٹ سے باہر آ گیا اور تھوڑی دیر بعد وہ برابر والے ہٹ میں ٹہل ٹہل کر اپنی نیند بھگانے کی کوشش کر رہا تھا پچھلی رات جاگتا ہی رہا تھا لہٰذا اس وقت ناشتہ کر لینے کے بعد مزید جاگتے رہنا کچھ دشوار ہی سا لگ رہا تھا لیکن بہرحال اُسے بیدار رہ کر فریدی کے احکامات کے مطابق کام کرنا تھا۔ وہ اُس کمرے میں ٹہلتا رہا جہاں فون رکھا تھا۔

تقریباً دس بجے فون کی گھنٹی اس طرح بجنے لگی جیسے اُسی لائن کے کسی دوسرے انسٹرومنٹ پر کہیں اور کے نمبر ڈائیل کئے جا رہے ہوں۔ گھنٹی کی آواز سنتے ہی حمید نے ریسیور اٹھا لیا۔

ایک مردانہ آواز آئی۔ ''ہیلو.....!''

''کلارا اسپیکنگ.....!'' یہ کلارا ہی کی آواز تھی۔

''کہاں سے بول رہی ہو۔'' مردانہ آواز۔

''ایگل بیچ سے۔ میں کامیاب ہو گئی ہوں۔ دونوں کے رومال میں نے اڑا دیئے ہیں۔''

''بہت خوب.....تو پھر آ جاؤ۔''

حمید نے جواب میں کلارا کی ہنسی سنی۔ پھر وہ دوسری طرف سے بولنے والے کو پچھلی رات کی روداد سنانے لگی تھی۔ اس کے بعد اُس نے بتایا کہ کس طرح فریدی بھی روزا کے ساتھ وہیں آ پہنچا تھا۔

''تم تو بہت اچھی رہیں۔'' مردانہ آواز۔

''لیکن روزا کو کیا ہوا ہے۔''

''اُسے عرصہ تک یاد نہ آ سکے گا کہ وہ کون ہے اور کیا ہے؟''

''برین واشنگ۔''

''ہاں.....تم جلد سے جلد پہنچنے کی کوشش کرو۔''

''میرا خیال ہے کہ میں اُن لوگوں کو اُلو بنانے میں کامیاب ہو گئی ہوں۔ فریدی مجھ سے کہہ رہا تھا کہ محض ماحول کی تبدیلی سے کام نہیں چلتا۔ آدمی کو چاہئے کہ خود کو بدلنے کی کوشش کرے۔ لہٰذا وہ میرے لئے اپنے یہاں کی عورتوں کا سا لباس اور نقاب فراہم کرنے گیا ہے۔ جسے کہتے ہیں اُسے برقعہ..... برقعہ۔''

''فضولیات میں نہ پڑو۔'' مردانہ آواز آئی۔ ''بہت احتیاط سے نکل آؤ۔ تفریح کے لئے ابھی زندگی پڑی ہے۔ رومال مجھ تک جلد پہنچنے چاہئیں۔''

پھر سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر حمید نے بھی ریسیور رکھ دیا۔

اب وہ بڑی تیزی سے اپنی جیبیں ٹٹول رہا تھا۔ سچ مچ اُس کا رومال غائب تھا۔

یہ کیا چکر ہے۔ خصوصیت سے اُس نے رومالوں کے تذکرے کے ساتھ کسی کو اپنی کامیابی کی اطلاع دی تھی۔ گویا کامیابی یہی تھی کہ اُس نے اُن دونوں کے رومال اڑا دیئے۔

عجیب سی وحشت حمید کے ذہن پر طاری ہو گئی۔ فریدی نے فوری رابطہ قائم کرنے کے لئے اُسے نمبر دیئے تھے اور کہا تھا کہ کسی دوسرے فون پر انہیں آزمایا جائے۔

حمید چھپتا چھپاتا اُس ہٹ سے نکلا اور بیچ ہوٹل کی طرف چل پڑا۔

کلارا بہ آسانی وہاں سے فرار ہو سکتی تھی کیونکہ اس کی گاڑی وہیں موجود تھی۔

پچھلی رات کلارا ہی کی گاڑی انہیں ایگل بیچ لائی تھی جسے کلارا خود ہی ڈرائیو کر رہی تھی۔

بیچ ہوٹل پہنچ کر حمید نے بتائے ہوئے نمبر پر فریدی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی لیکن اس نمبر سے اُسے دوسرا نمبر بتا دیا گیا۔ اس طرح پانچویں نمبر پر اُس سے ملاقات ہو سکی تھی۔

حمید نے اُسے کلارا کی فون کال کے بارے میں بتاتے ہوئے پوچھا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔

''اُس وقت تک ہٹ میں نہ جانا جب تک کہ کلارا وہاں سے نہ چلی جائے۔ دوسرے ہٹ میں رہ کر تم بہ آسانی اُسے جاتے دیکھ سکو گے۔'' فریدی نے جواب دیا۔

''اُس کے بعد۔''

''روزا کی دیکھ بھال تمہارے ذمہ ہوگی۔ میرا خیال غلط نہیں تھا کہ اُس کی برین واشنگ

کی گئی ہے۔''

''میرا برین بھی عنقریب کھوپڑی کے باہر ہونے والا ہے۔''

''کیوں تمہیں کیا تکلیف ہے۔''

''پچھلی رات سے اب تک جاگ رہا ہوں۔''

''کیا پریشانی ہے..... ایگل بیچ کا رخ تم نے اسی لئے کیا تھا کہ جب اختر شماری کا موقع ہاتھ سے نکل جائے تو سمندر کی لہریں گن سکو۔''

''اور کچھ.....؟'' حمید نے جھنجھلا کر پوچھا۔

''بس اتنا ہی کافی ہے۔''

حمید نے سلسلہ منقطع کر کے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔

آشا بلڈنگ کی اوپری منزل کے زینے ہمیشہ کی طرح آج بھی تاریک تھے اور وہ بڑے اطمینان سے ایک ایک زینہ طے کرتا ہوا اوپر جا رہا تھا۔ سرتا پا سیاہ پوش..... چہرے پر بھی سیاہ غلاف تھا جس میں آنکھوں کی جگہ دو سوراخ تھے۔

آشا بلڈنگ بڑی پرانی عمارت تھی۔ باہر سے دیکھنے میں خستہ حال نظر آتی تھی لیکن اندر سے اس کے فلیٹوں کی سجاوٹ قابل دید تھی۔ یہاں زیادہ تر شہر کے متمول تاجر آباد تھے۔

اس وقت پوری عمارت سناٹے اور تاریکی میں گم تھی۔ کہیں کہیں کسی کھڑکی یا روشندان سے گہری نیلی روشنی جھانکتی نظر آتی اور اپنے گرد پھیلے ہوئے اندھیرے میں مدغم سی ہوتی محسوس ہوتی۔

عمارت کا مالک بھی یہیں ایک فلیٹ میں رہتا تھا۔ بے حد کنجوس تھا۔ دس بجے کے بعد

راہداریوں کی روشنیاں گل کرا دیتا تھا۔ حتیٰ کہ زینے بھی تاریک رہتے تھے۔ کرایہ دار اُس کے چڑچڑے پن کی وجہ سے خاموش ہی رہتے۔ صاف صاف کہہ دیتا تھا ان سے کہ اگر انہیں وہاں تکلیف ہے تو فلیٹ چھوڑ دیں۔

بہرحال نصف شب کے بعد وہاں اُلو بولنے لگتے تھے اور وہاں کی تاریک راہداریوں میں اب تو کیا دس ایسے سیاہ پوش چکراتے پھرتے تو کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔

سیاہ پوش نے دیو پیکر آدمی کے فلیٹ کا دروازہ کھولا اور بہ آہستگی اندر داخل ہو گیا۔ یہ کمرہ تاریک پڑا تھا۔ لیکن دوسرے کمرے کے دروازے کے شیشے روشن نظر آ رہے تھے۔ اُس نے شیشوں سے جھانک کر دیکھا۔ دیو پیکر آدمی کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر بے چینی کے آثار تھے۔

سیاہ پوش نے جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھولا۔ ساتھ ہی ہولسٹر سے اُس کا عجیب وضع والا پستول بھی نکل آیا تھا۔ دیو پیکر ٹہلتے ٹہلتے رک گیا۔

''تم کچھ پریشان سے نظر آ رہے ہو۔'' سیاہ پوش نے نرم لہجے میں کہا۔

دیو پیکر آدمی خاموش کھڑا تھا اور اس کی نظر پستول والے ہاتھ کی طرف تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُس سے وہ سوال پستول ہی نے کیا ہو اور وہ سوچ رہا ہو کہ اُسے کیا جواب دینا چاہئے۔

''تم کیا سوچ رہے ہو۔'' سیاہ پوش نے پوچھا اور جیب سے ایک ڈبہ نکال کر میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ ''میرے پاس وقت کم ہے۔''

''تو پھر.....!'' دیو پیکر آدمی غرایا۔

''مجھے چابک نکالنے پر مجبور نہ کرو..... چپ چاپ جلدی سے انجکشن لے لو۔''

''ناممکن..... اتنی جلدی میں دوبارہ اس اذیت کے لئے تیار نہیں ہوں۔''

''بھوکا مر جائے گا۔''

''پرواہ نہیں..... میں تنگ آ گیا ہوں اس زندگی سے۔ پتہ نہیں تم مجھ سے کون سا کام لے رہے ہو۔ انجکشن لینے کے بعد اور اس کا اثر زائل ہونے کے وقفے میں مجھے ہوش نہیں

رہتا۔ مجھے کچھ یاد نہیں رہتا کہ میں نے اس وقفے میں کیا کیا۔''

''یہ دیکھنا اور تمہاری حفاظت کرنا میرا کام ہے۔ تم آج اس قسم کی باتیں کیوں کر رہے ہو۔''

''میں کچھ نہیں جانتا۔ لیکن انجکشن لینے کے بعد والی اذیت مجھے ہر وقت یاد رہتی ہے۔''

''تو پھر اُس سے بھی بڑی اذیت کے لئے تیار ہو جاؤ۔'' اُس نے پستول کو جنبش دے کر کہا اور ٹھیک اُسی وقت دیو پیکر آدمی نے اس پر چھلانگ لگا دی لیکن سیاہ پوش حیرت انگیز پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا تھا۔ دیو پیکر اپنے ہی زور میں دھڑام سے فرش پہ آ رہا۔

پھر وہ دوبارہ سنبھلنے بھی نہیں پایا تھا کہ پستول کی نال سے گہرے سرخ رنگ کی پھلجھڑیاں سی چھوٹ کر اس کے جسم سے ٹکرائیں اور وہ کسی زخمی بھینسے کی طرح ڈکرانے لگا۔ ساتھ ہی وہ تڑپے بھی جا رہا تھا ایسا لگتا تھا جیسے اعصاب پر قابو ہی نہ ہو کہ دوبارہ اٹھنے کی کوشش کرتا۔

''چیخے جاؤ..... میں نے اسی دن کے لئے اس فلیٹ کو ساؤنڈ پروف کرایا تھا۔'' سیاہ پوش ہنس کر بولا۔

''معاف کر دو..... معاف کر دو..... اب یہ نہ کرنا..... میں انجکشن لے لوں گا۔'' وہ اُسی طرح تڑپتا ہوا چیخا۔

اس وقت سیاہ پوش اسی دروازے کے قریب کھڑا تھا جس سے داخل ہوا تھا۔ اُس کی تمام تر توجہ دیو پیکر آدمی کی طرف تھی۔

دفعتاً وہ دروازہ تھوڑا سا کھلا۔ ہلکی سی آواز بھی نہ ہوئی اور ایک ہاتھ دروازے سے نکل کر سیاہ پوش کے پستول پر پڑا۔

پھر دروازہ زور دار جھٹکے کے ساتھ پورا کھل گیا تھا اور سیاہ پوش اس سے ٹکرا کر اپنا توازن نہ برقرار رکھ سکا تھا۔

جیسے ہی وہ فرش پر گرا کمرے میں داخل ہونے والے نے اپنے ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا۔

یہ کرنل فریدی تھا۔ اُس نے اس کا پستول جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔ ''تمہارے ہی بیان کے مطابق یہ کمرہ ساؤنڈ پروف ہے اور نہ ہوتا تب بھی کیا فرق پڑتا۔ تم دیکھ ہی رہے ہو کہ

ریوالور میں سائیلنسر لگا ہوا ہے۔''

سیاہ پوش فرش پر چت پڑا تھا اور اس کی سرخ سرخ آنکھیں فریدی کو گھورے جا رہی تھیں۔

دوسری طرف دیو پیکر آدمی کی چیخیں تھم گئی تھیں اور وہ فرش ہی پر پڑا حیرت سے آنکھیں پھاڑے فریدی کی طرف نگران تھا۔

''تم دونوں پولیس کی حراست میں ہو۔'' فریدی بولا۔

''آخر کیوں.....؟'' نقاب پوش غرایا۔ اُس نے اٹھنے کی کوشش بھی کی تھی لیکن فریدی نے جنبش دے کر کہا۔ ''یہ حرکت بھی تمہیں دوسری دنیا میں پہنچا دینے کے لئے کافی ہوگی۔ چپ پڑے رہو۔''

''یہ کون ہے باس۔'' دفعتاً دیو پیکر آدمی نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''یہ جو کوئی بھی ہو..... اگر نکل گیا تو۔''

''تو کیا ہوگا باس.....!''

''تم پھانسی کے تختے پر نظر آؤ گے۔''

''کیوں؟ میں نے کیا کیا ہے۔''

''فضول باتوں میں نہ پڑو..... اس سے ریوالور چھین لو۔''

فریدی اُن کی گفتگو پر اس طرح مسکراتا رہا تھا جیسے دو ننھے بچے آپس میں لاف و گزاف کر رہے ہوں۔

''اے مسٹر۔'' دفعتاً دیو پیکر نے فریدی کو مخاطب کیا۔ ''میرے مکان میں پولیس کا کیا کام۔''

''تمہارے مکان میں اس آدمی کا کیا کام۔'' فریدی نے ریوالور کی نال سے سیاہ پوش کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ..... یہ..... میرا مالک..... میرا باس۔''

''لیکن تم آج تک اس کی شکل نہیں دیکھ سکے۔''

''لیکن..... ضرورت بھی کیا ہے شکل دیکھنے کی۔ روٹی ہاتھوں سے ملتی ہے شکل سے نہیں۔''

''تم کب سے ملازم ہو اس کے۔'' فریدی نے پوچھا اور پھر دفعتاً سیاہ پوش کو بھی للکارا اُسے اپنی طرف غیر متوجہ سمجھ کر اٹھ بیٹھنے کی فکر میں تھا۔

''یقین کرو دوست..... اگر تم بے حس و حرکت نہ پڑے رہے تو تمہارے چہرے کے غلاف پر تیسرا سوراخ بھی نمودار ہو سکتا ہے۔''

کوئی کچھ نہ بولا۔ کئی لمحے خاموشی سے گزرے..... پھر فریدی نے دیو قامت آدمی مخاطب کیا۔

''تم کچھ دیر پہلے کسی انجکشن کا ذکر کر رہے تھے؟''

''ہاں..... آں.....!'' یک بیک وہ ہنس پڑا۔ پھر سنجیدگی اختیار کر کے غصیلے لہجے بولا۔ ''وہ انجکشن میرے لئے جہنم کا دروازہ کھول دیتا ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ میز پر رکھے ہوئے سیاہ ڈبے میں انجکشن ہی کا سامان ہے۔''

''ہاں.....!'' دیو پیکر آدمی نے طویل جماہی لی۔

''تو پھر کیا تم اپنے باس کو سبق نہ دو گے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''آج تم اسے انجکشن دے سکتے ہو..... اگر مزاحمت کرے گا تو گولی مار دوں گا۔''

''تم آخر ہو کون۔''

''ایسے کالے چوروں کے پیچھے کون لگ سکتا ہے۔ اب جلدی کرو..... میرے پاس کم ہے۔''

''میں بھوکا نہیں مر سکتا۔'' دیو پیکر آدمی بولا۔ ''مجھے کہیں ملازمت بھی نہیں ملتی۔ آ توش میں کوئی بھی مجھے اچھا سمجھنے پر تیار نہیں ہوتا۔''

''اگر تم بہت طاقتور ہو تو تمہاری کفالت میں کر سکتا ہوں۔''

''میں بہت طاقتور ہوں..... دس سال سرکس میں کام کیا ہے۔''

''میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم کتنے طاقتور ہو۔ اپنے باس کا چہرہ مجھے دکھاؤ۔''

''جس نے بھی مجھے ہاتھ لگانے کی کوشش کی موت کے گھاٹ اُتر جائے گا۔'' سیاہ پوش بولا۔ اس کی آنکھوں کی سرخی پہلے سے زیادہ بڑھ گئی تھی۔

''میں جانتا ہوں۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔ ''تمہارے پاس کیا کچھ ہو سکتا ہے۔''

''اگر کسی نے مجھے پکڑنا بھی چاہا تو.....'' جملہ پورا کئے بغیر اُس نے قہقہہ لگایا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے بے خبری میں زبان سے نکل جانے والی کسی بات کو اس قہقہے کی آڑ میں گھوٹ گیا ہو۔

دیو پیکر آدمی اٹھ بیٹھا تھا اور سیاہ پوش کو اس طرح گھورے جا رہا تھا جیسے اُس پر چھلانگ لگانے کا ارادہ رکھتا ہو۔

''ٹھہرو.....!'' فریدی بایاں ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''اس کے قریب بھی مت جانا۔''

''کیوں.....؟'' وہ بھاڑ سا منہ کھول کر فریدی کی طرف مڑا۔

''اس کی دھمکی غلط نہیں ہو سکتی۔ اگر کسی نے بھی اسے ہاتھ لگایا تو وہ دوسری سانس نہ لے سکے گا۔''

''پھر میں کیا کروں.....؟''

''جہاں ہو وہیں بیٹھے رہو۔''

''تم آخر ہو کون.....؟''

''تمہیں بتایا جا چکا ہے کہ اس وقت تم دونوں پولیس کی حراست میں ہو۔''

''آخر کیوں.....؟''

''تم نے آج تک اپنے باس کی شکل نہیں دیکھی..... آخر کیوں۔''

''وہی جانے میں کیا جانوں؟''

''محض اسلئے نہیں دیکھ سکے کہ وہ تم سے تمہاری لاعلمی میں کوئی غیر قانونی کام لیتا رہا ہے۔''

''مجھے تو یاد نہیں کہ میں نے کبھی کوئی غیر قانونی کام کیا ہو۔''

''اچھی بات ہے تم مجھے اس انجکشن کے بارے میں بتاؤ جس کا تذکرہ ابھی تمہارا باس

کر رہا تھا۔ اوہ.... تم نے پھر حرکت کی..... لیٹے رہو ورنہ سچ مچ فائر کر دوں گا۔''

لیکن سیاہ پوش اُس کی دھمکی کی پرواہ کئے بغیر اٹھ کھڑا ہوا۔ فریدی نے بڑی پھرتی سے اس کے بائیں پیر پر فائر کیا۔ لیکن ایسا محسوس ہوا جیسے گولی کسی ٹھوس چیز سے ٹکرا کر مخالف سمت میں جا پڑی ہو۔

اور نقاب پوش نے آگے بڑھنے کے لئے وہی پیر اٹھایا جس پر فریدی نے فائر کیا تھا۔

پھر اگر فریدی نے ایک لمحہ بھی ضائع کیا ہوتا تو اُس کی خیر نہیں تھی۔ کیونکہ سیاہ پوش نے اس پر چھلانگ لگائی تھی۔ لیکن اس سے پہلے خود اس کا پستول فریدی کے جیب سے نکل آیا تھا۔

ٹریگر دبتے ہی اُس کی نال سے پھلجھڑیاں سی چھوٹیں..... سیاہ پوش چنگھاڑتا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ اب وہ بھی دیو پیکر آدمی ہی کی طرح فرش پر تڑپ رہا تھا۔

دیو پیکر نے قہقہہ لگایا۔ ہنستا رہا..... اور اپنی ہنسی پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔

''یہ..... یہ تم نے..... بہت اچھا کیا..... بہت اچھا..... کیا..... کیوں باس اب کیا حال ہے۔''

سیاہ پوش کسی تازہ ذبح کئے ہوئے مرغ کی طرح تڑپتا اور قلابازیاں کھاتا رہا۔

اسی عالم میں اُس نے اپنا سیاہ چغہ اتار پھینکا۔ چہرے پر چڑھے ہوئے غلاف کو بھی نوچ ڈالا۔

''اُوہ..... تو یہ تم ہو..... مسٹر ڈیل..... مگر میں اس عالم میں بھی تمہاری اداکارانہ صلاحیتوں کا اعتراف ضرور کروں گا۔'' فریدی نے کہا۔ ایک طویل سانس لی اور پھر بولا۔ ''تم اردو کسی اہل زبان ہی کی طرح بول سکتے ہو..... خود ہی کلارا کو اردو پڑھائی ہوتی۔ ٹیوٹر کی تلاش کیوں تھی تمہیں۔''

وہ بدستور چیختا، کراہتا اور تڑپتا رہا..... اُس نے سارے جسم پر فولادی بلٹ پروف چڑھا رکھے تھے۔

''بچاؤ..... بچاؤ.....!'' وہ حلق پھاڑتا رہا۔ ''میرے بلٹ پروف اتار دو..... اتار دو..... خدا کے لئے..... ورنہ میں کباب ہو جاؤں گا۔''

''میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ تم پر ایک فائر کروں تمہارے پستول سے۔'' فریدی ہنس کر بولا۔

''نہیں..... نہیں.....!'' وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر حلق کے بل چیخا۔

''لیکن کچھ دیر پہلے تم نے وارننگ دی تھی تمہارے جسم میں ہاتھ لگانے والا زندہ نہیں رہے گا۔''

''جھوٹ تھا..... بچاؤ..... بچاؤ..... بچاؤ غ..... غرغرغرٹ.....!''

اور پھر وہ ایک دم ساکت ہو گیا۔

فریدی متحیرانہ انداز میں اُس کی طرف جھپٹا۔ ساتھ ہی اُس نے محسوس کیا کہ دیو پیکر آدمی دروازے کی طرف بڑھ رہا ہے۔

''ٹھہر جاؤ۔'' وہ اُس کی طرف مڑ کر بولا۔

لیکن ایسا لگتا تھا جیسے اُس نے فریدی کی للکار سنی ہی نہ ہو۔ دروازے کے ہینڈل پر اس کا ہاتھ پہنچا ہی تھا کہ فریدی نے بڑی پھرتی سے پستول جیب میں ڈالا اور جھپٹ کر اُس کی کمر تھام لی۔ پھر اس زور سے جھٹکا دیا کہ وہ دروازے کے قریب سے جھٹک کر کمرے کے وسط میں چلا آیا۔

''طاقت دکھا رہے ہو مجھے۔'' وہ فریدی کو گھورتا ہوا غرایا۔

''میں نے کہہ دیا تھا تم سے کہ خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھے رہو۔''

''روک لو..... اگر روکتے بنے۔''

فریدی نے پھر سیاہ پوش والا پستول نکال لیا اور بولا۔ ''میں نہیں جانتا کہ دوسری بار تم پر اس کا استعمال تمہیں کہاں پہنچائے گا۔''

''نہیں.....!'' وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر خوفزدہ انداز میں چیخا۔ ''یہ نہیں۔''

''تو پھر سکون سے بیٹھے رہو۔''

وہ ہانپتا ہوا ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

فریدی ڈیل کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ اب بھی پہلے ہی کی طرح بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔

''دیکھو یہ زندہ ہے یا مر گیا۔'' فریدی نے دیو پیکر آدمی سے کہا۔

وہ اٹھا اور اس کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔ جھک جھک کر اُس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

''مم..... مسٹر..... یہ تو انگریز معلوم ہوتا ہے۔'' وہ فریدی کی طرف مڑ کر بولا۔

''زندہ ہے..... یا مر گیا۔''

اُس نے اُس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر ہلانے جلانے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔

''مسٹر یہ تو پتھر ہو چکا ہے۔ جسم اکڑ گیا ہے..... تم نے کیا کیا اس کے ساتھ۔''

''صرف ایک بار استعمال کیا تھا یہ پستول..... تم دیکھ ہی رہے تھے۔''

''لیکن یہ تو مر چکا ہے۔''

''ہوگی کوئی وجہ..... تم خاموشی سے پھر اپنی جگہ جا بیٹھو۔''

اس نے چپ چاپ تعمیل کی اور اب فریدی کی توجہ کا مرکز بھی صرف وہی تھا۔

''اب مجھے اُس انجکشن کے بارے میں تفصیل سے بتاؤ۔'' اُس نے کہا۔

''وہ اُس ڈبے میں۔'' دیو پیکر نے میز پر رکھے ہوئے ڈبے کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔ ''خود دیکھ لو..... میں اس کے بارے میں اس سے زیادہ نہیں جانتا کہ اس کے لگنے کے بعد کم از کم چوبیس گھنٹے بیہوش رہتا ہوں۔''

وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ ''پچھلی رات اُس نے کہا تھا کہ یہ انجکشن لگنے کے بعد تم کسی شکاری کتے کی طرح ذکی الحس ہو جاتے ہو۔''

''اوہ.....!'' فریدی کی نظر اس کے چہرے سے ہٹ کر ڈیل کے سیاہ لبادے پر جا رکی اور پھر وہ تیزی سے اُس کی طرف بڑھا۔

اُسے اٹھا کر دیکھنے لگا۔ دونوں جانب دو جیبیں تھیں۔ ان میں خاصا وزن معلوم ہوتا تھا۔ جیبوں سے دو مزید ڈبے برآمد ہوئے۔ یہ کسی وزنی دھات کے بنے ہوئے تھے۔

فریدی نے ایک ایک کر کے انہیں کھولا۔ ہر ڈبے میں صرف ایک تہہ کیا ہوا رومال رکھا نظر آیا۔ اُس نے اپنا رومال پہچان لیا اور دوسرا یقینی طور پر حمید کا رہا ہوگا۔

اُس نے ایک طویل سانس لی اور دیو پیکر آدمی کی طرف دیکھنے لگا۔

جس دن کلارا ایگل بیچ والے ہٹ سے غائب ہوئی تھی حمید اور فریدی کی شکل نہیں دکھائی پھر شام تک حمید ایگل بیچ والے ہٹ میں روزا کی دیکھ بھال کرتا رہا تھا۔

سورج غروب ہونے سے پہلے ہی فریدی کی کال آئی تھی۔ اُس نے حمید کو ہدایت دی تھی کہ سات بجے ایگل بیچ والا ہٹ چھوڑ دے۔ روزا دوسروں کی نگرانی میں دی جا رہی ہے۔

حمید نے وہاں سے ایک ٹیکسی پکڑی تھی اور سیدھا گھر پہنچا تھا۔

نیند کے مارے ذہن کی وہ حالت ہو رہی تھی کہ ہزاروں روزاؤں اور لاکھوں کلاراؤں کو کچلتا ہوا اپنے بستر تک جا پہنچا۔

ساری رات گھوڑے بیچ کر سویا تھا اور دوسری صبح آنکھ کھلتے ہی گدھوں کی طرح کلارا کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔ وہ کہاں گئی۔ اُن دونوں کے رومال کیوں لے گئی تھی۔ گویا وہ صرف مایا اڑا دینے کی تاک میں وہاں تک چلی آئی تھی۔

اونہہ..... جہنم میں جائے۔ اُس نے سوچا اور کاندھے پر تولیہ ڈال کر غسل خانے میں جا گھسا۔

ناشتے کے بعد پھر طبیعت بھاری ہوگئی تھی۔ لہٰذا سارجنٹ رمیش کو فون پر اطلاع دینے بھر کہ وہ آفس نہ پہنچ سکے گا پھر خواب گاہ میں جا گھسا۔ کبھی سوتا..... کبھی جاگتا..... اور کبھی ساونگھتا رہتا۔ ایک بار فون کی گھنٹی نے جگایا۔ پھر اس کے بعد سونا نصیب نہ ہوا کیونکہ وہ الی کال تھی اور وہ اُسے فوری طور پر ہوٹل ڈی فرانس میں طلب کر رہی تھی۔

حمید نے تابڑ توڑ تیاری کی اور گیراج سے لنکن نکال کر ہوٹل ڈی فرانس کی طرف روانہ ہا۔ فریدی خود غائب تھا لیکن گاڑی گیراج ہی میں موجود تھی۔

کلارا بھی لان ہی پر ٹہلتی مل گئی۔ اُس نے بڑے پرجوش انداز میں حمید کا استقبال کیا تھا

''ہیلو کیپٹن..... تم مجھ سے ضرور ناراض ہو گئے ہو گے۔''

''کس بات پر۔''

'میں اُس دن تمہیں بتائے بغیر ایگل بیچ سے چلی آئی تھی۔ مگر تم تھے ہی کہاں اُ وقت..... تمہاری عدم موجودگی ہی نے مجھے اکتاہٹ میں مبتلا کر دیا تھا اور میں بھاگ نکلی تھی

''کوئی بات نہیں..... اب کیا حکم ہے خادم کے لئے۔''

''میں بہت پریشان ہوں کیپٹن..... دو دن سے میرے ڈیڈی لاپتہ ہیں۔''

''لاپتہ ہیں..... کیا مطلب.....؟''

''پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ وہ میرے علم میں لائے بغیر اس طرح غائب رہے ہوں میری مدد کرو..... میں بہت پریشان ہوں۔''

''سفارت خانے کی طرف سے اُن کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرادی گئی ہے یا نہیں۔

''نہیں..... میری سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔''

''اپنے سفیر کو تو اطلاع دے ہی دی ہوگی۔''

''نہیں ابھی یہ بھی نہیں کیا گیا۔'' کلارا نے طویل سانس لے کر کہا۔ پل بھر خاموشی پھر بولی۔ ''مجھے تم پر اعتماد ہے..... تم ایک اچھے دوست ثابت ہوئے ہو۔''

''شکریہ۔''

''میں تمہیں ایک جگہ لے چلنا چاہتی ہوں..... ڈیڈی ایک بُری عورت کے چکر پڑ گئے ہیں۔ وہ ایک اطالوی رقاصہ ہے..... وہاں دیکھ لینے کے بعد ہی میں پولیس یا سفارت خانے کو ان کی گمشدگی کی اطلاع دے سکوں گی۔''

حمید نے چند لمحے پرتفکر انداز میں اپنی گردن سہلائی پھر بولا۔ ''میں تیار ہوں ہر قسم کی کے لئے۔''

کلارا اپنی گاڑی نہیں لائی تھی اس لئے یہ سفر لنکن کے ذریعہ شروع ہوا۔ کلارا اُس

پاس اگلی سیٹ پر بیٹھی تھی۔

''میں یہاں کی سڑکوں کے نام سے بخوبی واقف نہیں ہوں۔'' کلارا نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''بس دائیں بائیں کہتی رہوں گی۔ فی الحال سیدھے ہی چلو۔''

حمید مطمئن تھا کہ فریدی حسب عادت اُس کی اور کلارا کی نگرانی کرا رہا ہوگا۔ ماضی میں ایسا ہوا تھا۔ وہ خود بیک بیک غائب ہو جاتا اور حمید کو قربانی کا بکرا بنا کر مجرموں کو رنگے ہاتھوں پکڑنے کی کوشش کرتا۔''

لاپروائی ظاہر کرنے کے لئے حمید نے گنگنانا بھی شروع کر دیا۔

گاڑی کچھ دیر بعد شہر کے باہر نکل آئی اور جیسے ہی ایک کراسنگ پر پہنچی بائیں جانب سے آتی ہوئی ایک بڑی سی سیاہ رنگ کی بند گاڑی اس طرح رکی کہ حمید کو بھی بریک لگانے پڑے۔ اُس کا ڈرائیور اپنی سیٹ سے کود کر گالیاں بکتا ہوا لنکن کی طرف جھپٹا۔

''کیا بکواس کر رہا ہے غلطی تیری ہے۔'' حمید غرایا۔

''باہر نکلو تو بتاؤں۔''

''پیچھے ہٹتا ہے یا.....!''

دفعتاً اُسی سیاہ گاڑی سے ایک لحیم شحیم آدمی بھی کودا اور کلارا والی سائیڈ میں آ کھڑا ہوا۔

اب حمید کا ہاتھ بے ساختہ ہولسٹر پر جانا چاہئے تھا۔ لیکن وہ ایسا نہ کر سکا کیونکہ اُس کی سائیڈ پر کھڑے ہوئے آدمی نے اُس کی توجہ ہٹتے ہی اُس کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لئے تھے۔ اُس نے جدوجہد کرنی چاہی لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ فولادی پنجے رہے ہوں جن کے دباؤ سے کلائی کی ہڈیاں چٹختی ہوئی سی لگ رہی تھیں۔

حمید کو اس زور کا طیش آیا تھا کہ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر اُس آدمی کے ٹکڑے اڑا دینے پر تل گیا تھا۔ اسی حالت میں وہ کھڑکی سے باہر کھینچ لیا گیا۔

اور پھر اُسے ہوش نہیں رہ گیا کہ کس طرح وہ اُس بند گاڑی میں پہنچا تھا۔ کلارا بھی تھی اور ایک دیوپیکر آدمی جس کے چہرے سے درندگی ٹپک رہی تھی۔ وہ غالباً ان دونوں کی نگرانی کر رہا تھا۔

حمید نے محسوس کیا کہ اس دوران میں اس کا بغلی ہولسٹر بھی خالی ہو چکا ہے۔ دفعتاً اُس نے کلارا کی آواز سنی اور بھونچکا رہ گیا کیونکہ وہ بہت صاف اور شستہ اردو میں اُس لحیم شحیم آدمی سے کہہ رہی تھی۔ ''کہیں تو پاگل تو نہیں ہو گیا۔ یہ کیا حرکت تھی۔''

''ہائیں..... تم تو بڑی اچھی اردو بول سکتی ہو۔'' حمید اُس آدمی کے کچھ بولنے سے پہلے ہی بول پڑا۔ لیکن وہ حمید کی طرف دھیان دیئے بغیر اُس درندہ نما انسان کو گھورتی رہی۔

''باس کا حکم مسی..... اس وقت میں ہوش میں ہوں۔'' وہ کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''ڈیڈی کہاں ہیں۔''

''جہاں ہیں وہیں لے جا رہا ہوں۔''

حمید نے طویل سانس لی اور اس طرح منہ چلانے لگا جیسے دیدہ دانستہ کوئی بدمزہ چیز کھا گیا ہو۔ لیکن وہ مطمئن تھا کہ فریدی کی بلیک فورس یقینی طور پر جاگ رہی ہوگی۔

کلارا اب اُس سے بے توجہی برت رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کبھی کی جان پہچان ہی نہ ہو۔ حمید نے بھی بڑے اطمینان سے تمباکو کی پاؤچ نکالی اور پائپ بھرنے لگا۔

پھر شائد پندرہ یا بیس منٹ بعد گاڑی رکی تھی۔ اُس کا پچھلا دروازہ کھلا تھا اور ڈرائیور نے انہیں نیچے اُترنے کا حکم دیا تھا۔

وہ ایک کمرے میں پہنچائے گئے۔ حمید کو ایک سیاہ پوش نظر آیا جو دیوار سے لگا کھڑا تھا۔ چہرے کے سیاہ غلاف سے صرف دو خونخوار آنکھیں جھانک رہی تھیں۔

''یہ سب کیا ہے ڈیڈی۔'' کلارا نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

''میں مجبور ہو گیا ہوں۔ کرنل فریدی کی قید میں ہوں۔'' سیاہ پوش نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''کیا مطلب.....؟''

''میرے..... میرے..... اعصاب جواب دے چکے ہیں۔ میں دیر تک بات نہیں

رسکتا۔ اس نے وعدہ کیا ہے بات پھیلے گی نہیں..... تم اُسے سب کچھ بتا دو..... مم..... میری زز..... زبان اینٹھی جا رہی ہے۔ تمفر ریف..... رپیف..... فررفرر..... فرپ.....!''

اور وہ خاموش ہو گیا۔ حمید نے ایک زور دار قہقہہ لگایا اور بولا۔ ''کلارا ڈیئر دیکھا تم نے..... تم لوگ ہمیں پس ماندہ سمجھتے ہو..... لیکن اب میرے چیف کی سائنس دیکھو۔''

''کیا ہوا ہے..... ڈیڈی تمہیں۔'' کلارا اُس کی طرف بڑھی ہی تھی کہ بد زبان ڈرائیور نے جھپٹ کر اُس کا بازو پکڑ لیا۔

''مرنے کا ارادہ ہے۔'' وہ کسی چڑچڑے آدمی کی طرح بولا۔

''ہاتھ لگایا تم نے اور اس زور کا الیکٹرک شاک لگے گا کہ ہڈیاں چور ہو جائیں گی۔''

حمید پھر ہنس پڑا۔ کلارا اُسے خونخوار نظروں سے گھور رہی تھی۔

ڈرائیور نے کلارا کو دروازے کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''لیکن تم فکر نہ کرو..... یہ مر نہیں سکتا۔''

وہ اُس کمرے سے نکل آئے۔ لحیم شحیم آدمی اُسی کمرے میں سیاہ پوش کے ساتھ رہ گیا تھا۔ وہ دوسرے کمرے میں لائے گئے۔ ڈرائیور انہیں وہاں بٹھا کر باہر چلا گیا۔ حمید خاموش تھا۔ معاملات ابھی تک اُس کی سمجھ سے باہر تھے۔ پندرہ یا بیس منٹ بعد فریدی کمرے میں داخل ہوا۔ بہت زیادہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ اُس نے حمید کی طرف دیکھا تک نہیں۔

کلارا کے سامنے بیٹھتے ہوئے بیحد خشک لہجے میں بولا۔ ''میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔''

''کیا پوچھنا ہے۔'' کلارا غرائی۔

''ناصر مرزا کی کیا پوزیشن ہے؟''

''کچھ بھی نہیں..... وہ صرف روزا کا میزبان تھا۔ روزا ہمارے ہی اسٹاف سے تعلق رکھتی ہے۔ ناصر مرزا کو اس کا علم نہیں اور یہ بھی غلط نہیں کہ وہ اس کے ایک دوست کی بیٹی ہے۔ تم نے میرے باپ کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔''

''تم صرف میرے سوالات کے جواب دو گی۔''

''پوچھو.....!'' کلارا کا لہجہ بھی اچھا نہیں تھا۔

''روزا کا کیا رول رہا ہے۔''

''اُسی کتیا کی بدولت یہ دن دیکھنا نصیب ہوا ہے۔ اُس کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ کچھ بڑے لوگوں کے عادات و اطوار اور مشاغل کا مطالعہ کر کے ہمیں رپورٹ دے۔ یہ رپورٹ وہ چیمپئن کے توسط سے ہم تک پہنچایا کرتی تھی۔ یہ اس لئے تھا کہ ہمارا اور اس کا تعلق ظاہر نہ ہونے پائے۔ پھر وہ چیمپئن کو چاہنے لگی اور اسی حرکت نے ہمیں تباہی کی طرف دھکیلا..... غیر معینہ اوقات میں بھی چیمپئن سے ملنے لگی۔ اسی بناء پر ناصر مرزا کو دونوں کے تعلقات کا علم ہوا اور وہ چونکہ اُسے اپنی ذمہ داری پر یہاں لایا تھا لہٰذا وہ اُسی کی دیکھ بھال کے سلسلے میں اس کا تعاقب کرنے لگا۔ روزا اس بُری طرح چیمپئن پر فریفتہ ہوئی تھی کہ سارا ہی وقت اُس کے ساتھ گزارنے کی سوچنے لگی۔ لہٰذا جب بھی اُسے علم ہو جاتا کہ ناصر مرزا اُس کا تعاقب کر رہا ہے وہ پبلک مقامات پر ایسی حرکتیں کر بیٹھتی کہ ناصر مرزا وہاں سے بھاگ کھڑا ہوتا۔ میں نے سنا ہے کہ وہ اکثر بڑے ہوٹلوں اور ریسٹورانوں کی میزوں پر سر کے بل کھڑی ہوگئی ہے۔ اس سے یہ فائدہ ضرور ہوا تھا کہ وہ لوگ خود ہی اُس کی طرف متوجہ ہونے لگے تھے جن کی نگرانی اُس کے ذریعہ کرانی مقصود تھی۔''

''کن لوگوں کی نگرانی.....؟''

''تمہارے کچھ سرکاری آفیسر ہمارے ملک کے مفاد کے خلاف سوچنے لگے ہیں۔ ایک ایک کر کے ہم اُن کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں۔''

اس جواب پر کچھ دیر کے لئے خاموشی چھا گئی پھر فریدی نے کہا۔ ''تم نے روزا کو ختم کیوں نہیں کر دیا۔''

''چیمپئن کے خاتمے کے بعد ہم اسی کے امکانات پر غور کر رہے تھے کہ خود ہی اُس نے خودکشی کی کوشش کر ڈالی۔ چیمپئن کو ہم نے سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ بھی پاگل ہو رہا تھا۔ مجبوراً اُس کا خاتمہ ہی کرنا پڑا۔ روزا کی برین واشنگ ہی پر اکتفا کی گئی۔ یہ ہم نے اس لئے کیا

کہ تم لوگ روزا کے معاملے میں الجھ جاؤ اور ہم تمہارا ہی خاتمہ کر دیں۔ ناصر مرزا بارسوخ ہی ہے۔ ہم نے سوچا کہ روزا کے معاملے میں وہ تمہیں نچا کر رکھ دے گا اور اسی دوران ہم ہارا خاتمہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ لیکن تم ڈیڈی پر کس طرح ہاتھ ڈال سکے۔''

''آشا بلڈنگ میں.....!'' فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''تمہیں چاہئے تھا ہمارے رومال غائب کر دینے کے بعد چپ چاپ وہاں سے رخصت ہو جاتیں۔ اپنے بڑی سے فون پر گفتگو کرنے کی جو حماقت تم سے سرزد ہوئی تھی وہی تم پر میری گرفت کا باعث ہوگئی۔ جس وقت تم ایگل بیچ سے روانہ ہوئی ہو اُسی وقت سے تمہارا تعاقب شروع کر دیا گیا تھا۔ پھر جہاں تم اس کے بعد گئی تھیں اُس عمارت سے برآمد ہونے والے ہر شخص کا تعاقب کیا جا رہا اور بالآخر تمہارے ڈیڈی آشا بلڈنگ میں اُس وقت پکڑے گئے جب وہ شفقت دی انجکشن دے کر ہمارے رومال سنگھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ شفقت بھی اب میرے قبضے میں ہے۔ اُس کی کہانی بھی ضرور سنوں گا۔ تمہارے ڈیڈی کو میں معاف کر دوں گا بشرطیکہ تم جھوٹ نہ بولو۔''

''مجھے حیرت ہے کہ ڈیڈی نے خودکشی کیوں نہ کر لی۔''

''میری گرفت میں آنے والا صرف میرے ہی ہاتھوں مارا جا سکتا ہے۔ عام طور پر وہ خودکشی پر بھی قادر نہیں ہوتا۔''

کلارا کچھ دیر خاموش رہی پھر طویل سانس لے کر بولی۔ ''شفقت ایک انجکشن کے تحت نہ صرف اپنی پچھلی زندگی بھول جاتا تھا بلکہ کسی شکاری کتے کی طرح ذکی الحس اور انتہائی درجہ کا تو بھی ہو جاتا تھا۔ جس طرح کسی بلڈ ہاؤنڈ کو کسی کی بو پر لگایا جا سکتا ہے اُسی طرح اس انجکشن کے تحت آئے ہوئے ذہنوں سے بھی کام لیا جا سکتا ہے۔ وہ تمہارے رومال کی بو سونگھتا اور چوبیس گھنٹے کے اندر تمہیں تلاش کر کے تمہاری گردن توڑ دیتا۔ محض مشق کے لئے اس سے کئی قتل کرائے گئے ہیں۔ چیمپئن اُس کا آخری شکار تھا۔ تمہارے اُن آفیسروں کی گردنیں بھی وہی اڑتا جو ہمارے ملک کے مفاد کے خلاف سوچتے ہیں۔ انجکشن کا اثر زائل ہوتے ہی وہ بھول

جانا تھا کہ وہ انجکشن لگنے کے بعد سے اس وقت تک کیا کچھ کر چکا ہے۔ لیکن مجھے حیرت ہے کہ وہ مجھے ایسی حالت میں کیونکر پہچان سکا جب انجکشن کے اثرات کے تحت نہیں تھا کیونکہ نارمل ہونی حالت میں اُس نے مجھے یا ڈیڈی کو کبھی نہیں دیکھا۔ وہ ہمیشہ اُس سے نقاب ہی میں ملتے رہے۔"

"اب اپنے ڈیڈی کے اس پستول کے بارے میں بتاؤ۔"

"میں اس کے بارے میں کیا بتاؤں۔"

"کیا اُس سے کسی کی موت واقع ہو سکتی ہے۔"

"نہیں..... اُس کا فائر وقتی طور پر اعصابی تشنج میں مبتلا کر دیتا ہے۔"

"کسی حال میں بھی نہیں مر سکتا۔"

وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر یک بیک چونک پڑی اور فریدی کو خوفزدہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"تت..... تم..... اس پر کیوں اتنا زور دے رہے ہو۔"

"یونہی اپنی معلومات میں اضافہ کے لئے۔"

"تت تم نے ڈیڈی پر..... تو اس سے فائر نہیں کیا تھا۔"

"تم کیا کہنا چاہتی ہو۔"

"ڈیڈی بلٹ پروف پہنتے تھے سیاہ لبادے کے نیچے۔ کسی بھی دھات پر اس کی لہریں پڑ جائیں تو دھات ہی میں مقید ہو کر رہ جاتی ہیں اور آدھے گھنٹے تک اس پر ان کا اثر رہتا ہے۔ خدا کی پناہ..... کیا تم نے ڈیڈی کو مار ڈالا۔ بلٹ پروف اُن کے لئے جہنم بن گئے ہوں گے۔ بتاؤ..... بتاؤ۔"

وہ پاگلوں کی طرح چیختی ہوئی فریدی کی طرف جھپٹی تھی لیکن حمید اُن کے درمیان آتا ہوا بولا۔ "تم ہوش میں ہو یا نہیں۔ ابھی اپنے ڈیڈی سے گفتگو کر چکی ہو۔"

وہ جہاں تھی وہیں رک گئی اور تھوڑی دیر بعد بولی۔ "اب ہمیں جانے دو، میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ تمہاری حکومت اس معاملے کو منظر عام پر لانا پسند نہ کرے گی۔ زیادہ سے زیادہ یہ

کر سکتی ہے کہ ہمیں ناپسندیدہ قرار دے کر سفارت خانے سے واپس کرا دے۔ رہ گئے قتل تو وہ ان کی جوابدہی کے لئے شفقت کو روک سکتی ہے..... اور اُسے قتل کی وارداتوں کے بارے میں کچھ بھی یاد نہیں۔"

"میرے ساتھ آؤ۔" فریدی دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

وہ انہیں ایک ایسے کمرے میں لایا جسے سرد خانہ ہی کہا جا سکتا تھا اور وہاں..... تو کلارا سچ مچ پاگل ہو گئی۔ کیونکہ اُس کے باپ کی لاش سامنے ہی ایک اسٹریچر پر رکھی ہوئی نظر آئی۔

وہ چیختی رہی اور چیختے چیختے بالآخر بیہوش ہو کر گر پڑی۔

حمید اس طرح اپنی کھوپڑی سہلا رہا تھا جیسے دماغ پر گرمی چڑھ گئی ہو۔ فریدی نے اُسے سفاک سی مسکراہٹ کے ساتھ دیکھا اور بولا۔ "وہ سیاہ پوش میں خود تھا۔ صرف یہ دیکھنے کے لئے کلارا کو یہاں اس طرح بلوایا تھا کہ وہ مجھے اس سلسلے میں کیا بتا سکے گی۔ ضروری نہیں تھا کہ وہ اپنے باپ کے ہر راز میں پوری طرح شریک ہوتی۔ اگر اُس پر پہلے ہی ظاہر ہو جاتا کہ اُس کا باپ مر چکا ہے تو وہ کبھی زبان نہ کھولتی۔"

"اور یہ ناصر مرزا.....!"

"دل کا بُرا نہیں ہے۔ پشتینی دولت مند عموماً احمق اور مخلص ہوتے ہیں۔ اُن لوگوں نے اُسے اس طرح آلہ کار بنایا تھا کہ اُسے اس کا علم بھی نہ ہو سکے اور اس کا انتخاب اس لئے کیا تھا کہ سارے ہی بڑے آفیسر اور ذمہ دار لوگوں سے اُس کی دوستی ہے۔ اُس کے توسط سے روزانہ آسانی ان تک پہنچ سکتی۔ وہ خود ہی اس کی طرف متوجہ ہوتے رہے ہوں گے۔ کیا خیال ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا اور وہ پرتشویش نظروں سے بیہوش کلارا کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اُس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "پتہ نہیں کیا بات ہے جسے بھی چاہتا ہوں آخر کار فراڈ ثابت ہوتی ہے۔"

"کیا تم فراڈ نہیں ہو۔ کیا میں فراڈ نہیں ہوں۔ ضرورت بُری بلا ہے۔ کیا میرا یہ فعل کسی بھی اخلاق ضابطے کی رو سے پسندیدہ قرار دیا جا سکتا ہے کہ میں ایک بیٹی کے مردہ باپ کی جگہ

لے کر اُس سے کچھ معلوم کروں اور پھر اُسے اس کی لاش کے پاس لے آؤں۔"

حمید خاموش رہا۔

فریدی نے تھوڑی دیر بعد ایک طویل سانس لی اور بولا۔"لیکن یہ میں نے اپنے لئے نہیں کیا.....ملک وقوم کے تحفظ کے لئے بعض اوقات سارے ضوابط تہہ کر کے طاق نسیاں پر رکھ دینے پڑتے ہیں۔"

کمرے کا سکوت کسی قبرستان کے سناٹے سے کم نہیں تھا۔

ختم شد

وقار عظیم
پاکستانی پوائنٹ
ڈاٹ کام

ابن صفی

نمبر 3

جاسوسی دنیا

103- تباہی کا خواب

104- مہلک شناسائی

105- دھواں ہوئی دیوار



پیشرس

جاسوسی دنیا کا ایکسو تیسرا ناول ''تباہی کا خواب'' ملاحظہ فرمایئے۔

کہانی کی ابتداء قاسم سے ہوتی ہے، لیکن پھر وہ مضحکہ خیز حالات آہستہ آہستہ سنجیدہ صورت اختیار کرتے چلے گئے ہیں اور اختتام پر آپ سوچیں گے کہ یہ کیا ہو گیا؟ اور پھر خود آپ کا ذہن ایک کہانی کی بنیاد ڈالنے لگے گا..... قاسم کی حماقت مآبیاں آپ کو ہنسائیں گی..... اور حمید صاحب تو ''سوتے جاگتے کی کہانی بن کر رہ گئے ہیں..... سوچتے ہی رہ جاتے ہیں کہ خود اس کہانی کو کہاں سے شروع کریں؟

بہرحال یہ خالص ''سسپنس'' کی کہانی ہے..... اور اگر آپ کا ذہن اس کے بعد کے واقعات خود بخود ترتیب دینے لگا ہے تو یقین رکھیے کہ اس کے بعد کی کہانی ''مار دھاڑ'' سے بھرپور ہوگی..... اور آپ کی اسی متوقع خواہش کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کے بعد کا ناول بھی خاص نمبر ہی ہو تا کہ آپ پوری طرح مطمئن ہو سکیں۔ اصل میں انگریزی کی اسپائی اسٹوریز پر مبنی فلموں نے بعض پڑھنے والوں کا ٹیسٹ بگاڑ دیا ہے اور وہ مجھ سے بھی یہی چاہتے ہیں کہ میرا ہیرو بھی ہر حال میں ''فولاد کا پٹھا'' ثابت ہو..... اوپر ہوائی جہاز نیچے توپیں۔ دائیں سمندر، بائیں آتش فشاں کبھی وہ بموں سے بچتا ہے کبھی توپ کے گولوں سے..... توپیں چلیں اور وہ دھم سے گر پڑا..... ارض وسما سمجھے شاید قصہ پاک ہوا لیکن..... یہ کیا؟..... اس نے تو ایک توپ کے دہانے میں چھلانگ لگائی تھی اور اس کی دُم کی طرف سے نکل کر سمندر کی ایک کشتی میں جا بیٹھا..... توپیں منہ دیکھتی رہ گئیں..... ہوائی جہازوں نے منہ کی کھائی! آتش فشاں منہ پیٹنے لگا اور قاری کا منہ دیکھنے کے قابل..... لیکن..... وہ ہیرو دوبارہ بھی منہ دکھاتا ہے..... میں باز آیا..... خدا مجھے معاف کرے! اور آپ اس قسم کی فرمائش کرنا چھوڑ دیئے۔ میں تو کہانی کی دلچسپی کا قائل ہوں کہ آپ کچھ ہی دیر کے لیے سہی..... اپنی الجھنوں سے نجات پالیں..... اور بس!

ابن صفی

خوابوں کا بیوپاری

عجیب وضع کا آدمی تھا.....

ڈھیلے ڈھالے لبادے میں ملبوس اور ایک لمبی سی چھڑی ہاتھ میں لیے چیخ رہا تھا.....!

''اے لوگو! میں خوابوں کا بیوپاری ہوں۔ میری طرف آؤ، جیتی جاگتی زندگی کے دکھوں کا مداوا کرو۔ اے لوگو.....!''

اور پھر اس کی آواز گھنٹیوں کے شور میں دب کر رہ گئی! تیراکوں کی جیت پر گھنٹیاں بجانے والے اس کی طرف کھنچ آئے تھے اور اسے ایک لفظ بھی نہیں بولنے دے رہے تھے۔ جیسے ہی وہ ایک جملہ پورا کر کے آگے کچھ کہنا چاہتا وہ نہ صرف گھنٹیاں بجاتے بلکہ منہ سے بھی بھانت بھانت کی آوازیں نکال کر اس کا مضحکہ اڑاتے اور وہ اس طرح ہونٹ بھینچ لیتا جیسے کوئی بردبار باپ اپنے ناسمجھ بچوں کو جھڑک دینے کے بجائے اپنی ہی بوٹیاں نوچ ڈالنے کے امکانات پر غور کرنے لگا ہو.....!

ایگل بیچ کے ساحل پر تیراکی کے مقابلے جاری تھے۔ یہ سالانہ مقابلے ایک طرح کا موسمی تہوار سا بن کر رہ گئے تھے۔

ہفتوں ایگل بیچ پر میلا سا لگا رہتا۔ سارے ہٹ آباد ہو جاتے۔ اور ساحل پر جا بجا مقامی ہوٹلوں کی رنگ برنگی چھتریاں نظر آتیں۔ جن کے نیچے تیراک یا تماشائی سارا دن بیٹھے مختلف قسم کی تفریحات میں مشغول رہا کرتے.....!

اتنے بڑے مجمع کو سنبھالنا صرف بیچ ہوٹل کے بس کا روگ نہیں تھا۔ اس لیے شہر کے

دوسرے اچھے ہوٹل یہاں اپنی گشتی سروس بھی شروع کرا دیا کرتے تھے۔ ان کی ٹرالیاں چاروں طرف دوڑتی پھرتیں.....!

جا بجا بجلی سے چلنے والے جھولے نصب کئے جاتے جن کے گرد بچوں کی بھیڑ نظر آتی۔

کہیں بازاری دواء فروش مجمع لگاتے اور کہیں سپیرے بین بجاتے دکھائی دیتے.....!

سپیروں کے قریب زیادہ تر غیر ملکی لوگوں کی بھیڑ نظر آتی! وہ ان کی تصویریں کھینچتے اور ان سے زہر مہرے کے نام پر سیاہ رنگ کے چمکدار پتھر خریدتے.....!

لیکن یہ خوابوں کا بیوپاری.....؟

سرمئی رنگ کے لبادے میں عجیب لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بڑی چمکیلی تھیں اور چہرے پر غیر معمولی صحتمندی کے آثار پائے جاتے تھے!..... ڈھلکی ہوئی گھنی مونچھیں اس کی شخصیت کو کچھ اور زیادہ پراسرار بنا دیتی تھیں۔

دفعتاً اس نے اپنی لمبی سی چھڑی آسمان کی طرف اٹھائی اور پہلے سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ چیخنے لگا۔

گھنٹیاں بھی اسی مناسبت سے ہلائی جانے لگیں تھیں اور لوگ حلق پھاڑنے لگے تھے۔

اچانک ایک گرجدار آواز اس شور پر غالب آ گئی!

''چوپ راؤ سالو.....نہیں تو ایک ایک کا خون پی لوں گا.....!''

اور پھر وہ مجمع میں سے نکل کر اس اونچی جگہ پر جا پہنچا جہاں خوابوں کا بیوپاری کھڑا اپنی چھڑی مسلسل لہرائے جا رہا تھا.....!

اس کا یہ ہمدرد.....گرانڈیل احمق قاسم تھا.....!

اس نے مُکّا تان کر مجمع کو للکارا.....''تم سب دفان ہو جاؤ یہاں سے.....ورنہ.....ورنہ.....پھر دیکھ ہی لینا.....!''

لوگ ایک ایک کر کے کھسکنے لگے۔ پہلوان نما آدمی کے تیور انھیں خطرناک نظر آئے تھے! ذرا ہی سی دیر میں وہ دونوں وہاں تنہا رہ گئے!

''مجھے کہنے دیجئے!'' خوابوں کا بیوپاری بڑی شائستگی سے بولا۔''آپ نے میرا مجمع خراب کر دیا.....!''

''کیا مطلب.....؟'' قاسم نے آنکھیں نکالیں۔

''آپ نے میرا بزنس تباہ کر دیا.....! میرے خواب تباہ کر دیئے!''

''اے تم آدمی ہو یا.....!''

''صبر صبر.....!'' وہ ہاتھ ہلا کر بولا۔''پہلے پوری بات سن لیجئے.....!''

''سناؤ.....!'' قاسم نے سر جھٹک کر کہا۔

''یہ شور مچانے والے میری پبلسٹی کا ذریعہ ہیں.....!''

''وہ کس طرح.....؟'' قاسم کا غصہ تیز ہوتا جا رہا تھا۔

''ان کے شور پر.....دور دور کے لوگ اس طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ آخر آپ بھی تو ان کے شور ہی کی وجہ سے اس طرف کھنچے چلے آئے تھے.....!''

قاسم دل میں تو قائل ہو گیا لیکن ظاہری طور پر اتنی جلدی ہار مان لینے میں اسے اپنی توہین نظر آئی!

''اے تم چار سو بیس ہو.....سمجھے.!'' اس نے جھلاہٹ کا مظاہرہ کیا.....!

''اتنے سخت الفاظ استعمال نہ کیجئے.....!''

''نہیں تو میں تمہیں حلوہ کھلاؤں گا خوش ہو کر.....خوابوں کے بیوپاری ہیں.....ہنہ.....!''

''جی ہاں.....میں خوابوں کا بیوپاری ہوں.....'' وہ تن کر بولا۔

''کسی اور کو بیوقوف بنانا.....!''

''مجھے افسوس ہے کہ پڑے لکھے ہو کر اس قسم کی گفتگو کر رہے ہیں.....!''

قاسم سوچنے لگا..... اچھا تو کیا وہ صورت ہی سے پڑھا لکھا معلوم ہوتا ہے اگر یہ بات ہے تو اسے سوچ سمجھ کر گفتگو کرنی چاہئے.....!

''اے تو مجھے سمجھاؤ نا.....کسی طرح خوابوں کا بیوپار کرتے ہو.....!''

''ہاں اب آپ نے قاعدے کی بات کی ہے۔ اچھا چلئے میرے ساتھ!''

''کہاں چلوں.....!''

''میں بیچ ہوٹل کے ایک کمرے میں مقیم ہوں!''

''وہاں کیوں چلوں۔ یہیں بتاؤ نا.....سب کے سامنے.....!''

''کئی باتیں میری سیکریٹری بتائے گی!''

''تمہاری سیکریٹری.....؟''

''جی ہاں.....میری سیکریٹری.....!''

قاسم اس طرح منہ چلانے لگا جیسے سیکریٹری پیٹ بھرنے کی کوئی چیز ہو

''اچھا وہ بوڑھی کھوسٹ.....!'' اس نے اپنی دانست میں بڑی چالاکی کا ثبوت دیا۔

''جی نہیں.....! اس کی عمر زیادہ سے زیادہ بیس سال ہوگی!''

''اچھا اچھا.....تو وہ کسی اور کی سیکریٹری ہوگی۔ کھیر جناب چلئے!''

بیچ ہوٹل یہاں سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔

کمرہ نمبر گیارہ میں پہنچ کر قاسم نے سوچا اچھا ہوا کہ بات بڑھی نہیں تھی ورنہ اتنی عمدہ سیکریٹری کیسے دیکھنے کو ملتی۔ لیکن یہ عورت تو کسی طرح معلوم ہی نہیں ہوتی..... بالکل لونڈوں کی طرح انگریزی بال کٹوا رکھے ہیں۔ ویسے ہے تگڑی.....اسکرٹ کی بجائے پتلون پہنتی تو اور زیادہ اچھی لگتی.....!

''تشریف رکھئے جناب.....!'' خوابوں کے بیوپاری نے کہا اور قاسم چونک پڑا۔ کیونکہ وہ تو کمرے میں قدم رکھتے ہی سیکریٹری میں کھو گیا تھا۔

''جی ہاں..... جی ہاں.....!'' اس نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور دھم سے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کے بوجھ سے صوفے کے اسپرنگ بول اٹھے تھے.....!

''آپ میرے بزنس کے بارے میں کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں!'' خوابوں کے بیوپاری نے پوچھا۔

''میں.....میں.....جی.....آپ جو مناسب سمجھیں.....معلوم کرا دیں، ہی.....ہی.....ہی.....!''

قاسم سیکرٹری کو دیکھ کر ریشہ خطمی ہوا جا رہا تھا۔

''میں خوابوں کا بیوپاری ہوں!''

''جی.....اچھا.....!'' قاسم نے سیکریٹری کو کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے سعادت مندانہ انداز میں کہا۔

''آپ شاید مجھ سے بحث کرنے آئے تھے!''

''نہیں تو..... اِلّا قسم..... یہ قِس نے کہہ دیا۔'' قاسم نے حیرت ظاہر کی۔

''پھر آپ کس لیے آئے ہیں؟''

''بیوپار دیکھنے.....!''

''میں خواب فروخت کرتا ہوں!''

''کر دیجئے دو چار میرے ہاتھ فروخت.....!'' قاسم نے دانت نکال دیئے اور وہ اب بھی بار بار کھنکھیوں سے سیکریٹری کو دیکھنے لگتا تھا۔

''کمال کرتے ہیں آپ بھی یہ تو پوچھئے کہ فروخت کس طرح کرتا ہوں۔''

''کوئی پرواہ نہیں۔ جس طرح بھی کرتے ہوں کر دیں.....!''

''ہوں.....!'' وہ طویل سانس لے کر کسی سوچ میں پڑ گیا پھر بولا۔

''کیا آپ نے کبھی کوئی ادھورا خواب دیکھا ہے۔''

''ادھورا خواب؟ ادھورا کیسا ہوتا ہے بھائی صاحب!''

''مطلب یہ کہ کبھی کوئی اچھا سا خواب دیکھتے دیکھتے آنکھ کھل گئی ہو اور آپ نے سوچا ہو کاش ابھی آنکھ نہ کھلتی اور خواب جاری رہتا.....!''

''ہاں۔ ہاں۔ بہت دیکھے ہیں ایسے خواب!'' قاسم خوش ہو کر بولا۔

''کیا آپ ان خوابوں میں سے کسی کو دہرانا چاہتے ہیں.....!''

''یعنی پھر سے دیکھنا چاہتا ہوں.....!'' قاسم نے پوچھا۔

''جی ہاں.....یہی مطلب ہے.....!''

''جرور.....جرور.....اگر ایسا ہے تو پھر آپ مجھے نوشابہ والا خواب دکھا دیجئے.....!''

''نوشابہ والا.....؟''

''جی ہاں..... جی ہاں..... ابھی پرسوں ہی نوشابہ کو خواب میں دیکھا تھا لیکن پوری طرح نہیں دیکھ سکا تھا۔''

''ہوں.....!'' وہ پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔

اب وہ قاسم کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا لہٰذا قاسم کو موقع مل گیا کہ پھر اُس کی سیکریٹری کو گھورنا شروع کر دے.....!

یہ لڑکی دیسی ہی تھی لیکن اس نے بغیر آستینوں کا بلاؤز پہن رکھا تھا۔ خوبصورت بھی تھی اور صحت مند بھی.....!

کچھ دیر بعد بیوپاری نے کہا۔ ''ڈھائی سو روپے!''

قاسم چونک پڑا اور اس طرح اسے دیکھنے لگا جیسے محض آواز پر چونکا ہو بات سمجھ میں نہ آئی ہو!

''ڈھائی سو روپے.....!'' بیوپاری نے دہرایا۔

''یقین..... لیکن انھوں نے تو کچھ پوچھا نہیں۔'' قاسم نے شرما کر سیکریٹری کی طرف اشارہ کیا۔

''کیا مطلب؟''

''تم نے ہی تو کہا تھا کہ کچھ یہ بھی سمجھائیں گی!''

''اب کیا ضرورت ہے۔ آپ تو خود بخود ہی سب کچھ سمجھ گئے!''

''کھیر..... کھیر.....!'' قاسم سر ہلا کر بولا۔ ''مجھے دکھاؤ نوشابہ کا خواب!''

''چلئے.....!'' خوابوں کا بیوپاری اٹھتا ہوا بولا۔

''کہاں چلوں؟''

''اپنے ٹھکانے پر جہاں آپ آرام سے لیٹ کر سو سکیں!''

''ارے میں تو یہاں..... اس صوفے پر لیٹ کر سو سکتا ہوں!''

''جی نہیں..... یہاں مناسب نہیں ہے!''

''تو پھر چلئے.....!'' قاسم اٹھتا ہوا مردہ سی آواز میں بولا۔

دروازے کے قریب پہنچ کر وہ پھر مڑا تھا اور سیکریٹری پر الوداعی نظر ڈالتے ہوئے اس نے ٹھنڈی سانس لی تھی۔

قاسم سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔ ٹھینگے پر گئے خاب واب! میں تو سیکریٹری کو دیکھنے اور اس سے باتیں کرنے گیا تھا۔ یہ سالا بھلا خواب کیسے دکھائے گا۔

''ہاں کدھر چلوں جناب.....؟'' دفعتاً خوابوں کے بیوپاری نے پوچھا وہ ہوٹل سے باہر

آ گئے تھے!

''میں کیا جانوں.....!'' قاسم جھنجھلا گیا۔

''کیا بات ہوئی جناب؟''

''نہ ہوئی ہو.....!'' قاسم نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

''پھر آپ نے میرا وقت کیوں برباد کرایا۔''

''تم کس طرح دکھاؤ گے خواب!''

''آپ تو مطمئن ہو گئے تھے۔ اب کیوں یہ سوال اٹھایا ہے!''

''مرضی کا مالک ہوں چاہے اٹھاؤں سال، چاہے بٹھاؤں سوال!''

''آپ میرا مذاق تو نہیں اڑا رہے!''

''اے تم مجھے اُلّو بنا رہے ہو۔ پہلے کہا تھا کہ سکریٹری بھی بات کرے گی۔ اب ٹہلا رہے ہو.....!''

''پتہ نہیں آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ اگر آپ نے یہ نہ کہا ہوتا کہ ساری باتیں آپ کی سمجھ میں آ گئی ہیں تو شاید سیکرٹری ہی آپ کو سمجھاتی! میرے پاس اتنا وقت کہاں ہوتا ہے کہ کسی سے مفصل گفتگو کر سکوں!''

''تو اب سمجھوا دو نا چل کر.....!''

''آپ آخر چاہتے کیا ہیں.....!''

''خواب دیکھنا چاہتا ہوں!''

''تو میں کب کہہ رہا ہوں کہ نہ دکھاؤں گا..... چلئے اپنے ٹھکانے پر!''

''اچھا چلو.....!'' قاسم غرّایا۔

وہ اسے اپنے ہٹ میں لے آیا..... پورے علاقے میں دو چار ہی ایسے شاندار ہٹ رہے ہوں گے.....!

''یہ آپ کا اپنا ہٹ ہے!''

''بالکل.....!''

''خیر..... ہاں تو اب آپ سونے کی تیاری کیجئے!''

''یعنی کہ..... سلیپنگ سوٹ پہن لوں.....!''

''یقیناً..... آپ کو آرام سے لیٹ جانا ہوگا.....''

''اچھی بات ہے.....'' قاسم نے کہا اور دوسرے کمرے میں چلا گیا!

آج کل وہ مستقل طور پر یہیں مقیم تھا۔ بیوی اپنے والدین کے پاس تھی۔ اس لیے کھلی چھٹی مل گئی تھی قاسم کو.....!

تھوڑی دیر بعد وہ سلیپنگ سوٹ پہنے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

''ہاؤں جی..... اب پھر ماؤ.....!'' اس نے خوابوں کے بیوپاری کو گھورتے ہوئے کہا۔

''تشریف رکھئے..... دو چار باتیں اور ہیں۔''

''اے تو کیا باتیں ہی کئے جاؤ گے۔ اسی لیے تو کہہ رہا تھا کہ دو چار باتیں سیکریٹری سے بھی کرا دو.....!''

''فون ہے یہاں.....؟''

''قیوں نہیں.....!''

''اپنے ہٹ کا نمبر بتایئے سیکریٹری کو یہیں بلوائے دیتا ہوں!''

''بیاسی..... نمبر بیاسی.....!'' قاسم خوش ہو کر بولا۔ ''اور آپ کیا پئیں گے جناب.....! کافی یا چائے.....!''

قاسم اسے بیڈ روم میں لایا..... فون بھی وہیں تھا۔

اتنے میں کسی نے دروازے پر سے دستک دی۔

''ہائے کون آ مرا اس وقت.....!'' قاسم کراہا..... اسے بیوی کا خوف تھا شہر سے باہر تو نہیں گئی تھی کسی وقت بھی مائیکے سے ادھر کا رخ کر سکتی تھی! وہ خوابوں کے بیوپاری کو بیڈ روم ہی میں چھوڑ کر صدر دروازے تک آیا۔ کسی نے پھر دستک دی۔ قاسم نے ایسا ہی منہ بنایا جیسے کوئی گھنی عورت خاموشی سے کسی پر کلکلائی ہو.....!

دروازہ کھولا تو کھوپڑی ناچ کر رہ گئی!

سامنے کیپٹن حمید کھڑا مسکرا رہا تھا.....!

''ہاں..... ہاں.....!'' قاسم نے بھاڑ سا منہ کھول کر کہا۔ ''سب سالے اسی وقت آن

مریں گے.....!''

''کیا کچھ دیر پہلے کوئی اور سالا بھی مر چکا ہے۔'' حمید کہتا ہوا اندر آ گیا۔ غالباً اس نے تاڑ لیا تھا کہ قاسم جھلاہٹ میں دروازہ بند کر دے گا۔

اس کے تیور ہی ایسے تھے.....!

''چلے جاؤ..... یہاں سے.....!'' قاسم دھاڑا۔

''تم آخر اتنے بداخلاق کیوں ہو رہے ہو!''

''ٹھینگے پر گیا اخلاق دوخلاق بس تم یہاں سے چلے جاؤ.....!''

حمید نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''یہاں کون ہے.....؟''

''تمہارا باپ.....!'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

''اچھا تو اب تم یہاں سے چلے جاؤ!''

''قیوں.....!''

''باپ میرا ہے کہ تمہارا.....!''

''میں کہتا ہوں..... بات نہ بڑھاؤ.....!''

''اپنے باپ سے ملے بغیر نہیں جا سکتا۔ کئی سال سے ملاقات نہیں ہوئی!'' اتنے میں باہر سے ایک نسوانی آواز آئی۔ ''کیا ہٹ نمبر بیاسی یہی ہے!''

قاسم جھپٹ کر آگے بڑھا اور جلدی جلدی بولنے لگا۔ ''جی ہاں..... تشریف تشریف لایئے..... آپ کے وہ اندر بیٹھے ہوئے ہیں!''

''ارے تو وہ ہیں اندر.....!'' حمید آہستہ سے بولا۔

''تم چپ رہو!'' قاسم پلٹ کر غرایا۔

اور ایک الٹرا موڈرن لڑکی کمرے میں داخل ہوئی! حمید نے اس کا جائزہ لیتے وقت جلد جلد پلکیں جھپکائیں.....!

''مسٹر ولیجاہ کہاں ہیں!'' لڑکی نے قاسم سے پوچھا۔

''ویسے..... ادھر..... وہاں..... اس کمرے میں جایئے!'' قاسم نے بوکھلائے ہوئے انداز میں دوسرے کمرے کے دروازے کی طرف اشارہ کیا، لڑکی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

''تو یہ بات ہے!'' حمید نے طویل سانس لی۔

''تم سے مطلب؟''

''یہ مسٹر ولیجاہ کون ہیں؟''

''میں قہتا ہوں چلے جاؤ یہاں سے!''

''کیوں شامت آئی ہے!''

''اچھا تو تم قیا قر لو غے.....!'' غصے میں قاسم آستین چڑھانے لگا۔

''ابھی بھیجتا ہوں.....!'' حمید دروازے کی طرف مڑا۔

''قس قس.....کس قو.....!''

''تم اچھی طرح جانتے ہو!'' حمید نے اس کی طرف مڑے بغیر کہا۔

''میں تو نہیں جانتا.....!''

''یہ بھی کہہ دوں گا کہ اب تو وہ تمہیں جانتا تک نہیں!''

''قیوں گھپلا کر رہے ہو.....!'' قاسم تھوک نگل کر بولا۔

''مسٹر ولیجاہ کی شکل دیکھے بغیر میں یہاں سے واپس نہیں جاؤں گا، سمجھے.....!'' وہ کہتا ہوا قاسم کی طرف مڑا۔

''دیخ لینا.....دیخ لینا.....آہستہ بولو.....!''

''چلو منظور.....آہستہ ہی بولوں گا.....!''

''بیٹھ جاؤ.....!'' قاسم اسے صوفے کی طرف گھسیٹتا ہوا بولا۔

دونوں قریب قریب بیٹھ گئے اور قاسم کچھ کہنے کے لیے طرح طرح کے منہ بناتا رہا پھر بولا۔ ''ابے ہاں.....ہے تو بے وقوفی ہی.....لیقن میں نے کہا دیکھوں تو کیا چکر ہے!''

''کوئی بھی چکر ہو.....!'' حمید نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''امے ہاں.....!'' قاسم آہستہ سے راز دارانہ لہجے میں بولا۔ ''سالا کہتا ہے خواب دکھا سکتا ہوں!''

''اچھا.....!''

''میں نے اس سے ایک خواب دیکھنے کو کہا.....بس ہے ایک خواب اس کے بارے

میں نہیں بتاؤں گا۔ ایک بار تھوڑا سا دیکھا تھا۔ بہت باقی رہ گیا تھا۔''

''ہوں.....!'' حمید نے طویل سانس لے کر ہونٹ بھینچ لیے اور قاسم کہتا رہا۔ ''وہ کہتا ہے تم سونے کے لیے لیٹ جانا۔ میں تمہیں وہی خواب پھر سے دکھادوں گا۔ پورا خواب..... بالکل پورا.....!''

''اب مجھے ان کی زیارت بھی کرا دو.....!'' حمید نے کہا۔

قاسم کسی قدر پس وپیش کے بعد اسے اس کمرے میں لایا جہاں وہ دونوں موجود تھے۔

''یہ میرے حمید بھائی ہیں۔!'' قاسم نے جھینپے ہوئے انداز میں کہا۔

''اچھا.....؟'' ولی جاہ کے لہجے میں لاپروائی تھی۔

''آپ کی تعریف.....'' حمید نے پوچھا۔

''میں ولی جاہ ہوں.....!'' اس نے پروقار لہجے میں کہا۔ ''اور یہ میری سیکریٹری عالیہ نریمان.....!''

''آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی.....!'' حمید نے سیکریٹری کی طرف مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

اس کا ہاتھ کسی ہچکچاہٹ کے بغیر قبول کیا گیا تھا اور ولی جاہ قاسم کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''اب جلدی کیجئے.....!'' اس نے کہا۔

''جی ہاں.....جی ہاں.....'' قاسم بولا۔

''آپ خواب دکھاتے ہیں۔'' حمید نے اس سے پوچھا۔

''جی ہاں.....!'' پرسکون لہجے میں جواب دیا گیا۔

''اس کے لیے کونسا طریقہ اختیار کرتے ہیں آپ!''

''عمل تنویم.....!''

''اچھا اچھا.....لیکن یہ تو کسی خاص قسم کا خواب دیکھنا چاہتے ہے.....!''

''یہ ان کی اپنی مرضی پر منحصر ہے۔ جس وقت میں انھیں ٹرانس میں لا رہا ہوں گا جو کچھ سوچیں گے وہی خواب میں بھی دیکھیں گے!''

''تو قیا مجھے ہی سوچنا بھی پڑے گا.....!'' قاسم نے پوچھا۔

''یقیناً جناب..... بھلا میں کیا جانوں کہ آپ کس قسم کا خواب دیکھنا چاہتے ہیں.....!''

قاسم نے سیکریٹری کی طرف دیکھا، لیکن وہ دوسری طرف دیکھ رہی تھی لہٰذا پھر وہ ولی جاہ ہی کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

وہ کہہ رہا تھا۔ ''اب آپ آرام سے بستر پر لیٹ جایئے!''

''اور..... اور..... انھیں کیوں بلوایا ہے۔'' قاسم نے شرمیلے انداز میں سیکریٹری کی طرف اشارہ کیا۔

''آپ بھول رہے ہیں جناب! آپ ہی نے اس پر اصرار کیا تھا ورنہ ان کی موجودگی ضروری نہیں تھی!'' ولی جاہ نے خشک لہجے میں کہا۔

''لیکن میری موجودگی یہاں ہر حال میں ضروری ہوگی۔'' حمید بولا۔

''قیوں..... نہیں..... قیوں نہیں.....!'' قاسم نے فراخدلی کا مظاہرہ کیا.....!

''اچھا اچھا..... بس لیٹ جاؤ۔'' حمید نے قاسم کا بازو پکڑ کر بستر کی طرف لے جاتے ہوئے کہا۔

دفعتاً قاسم کچھ سراسیمہ سا نظر آنے لگا۔ بس ذہنی رو ہی تو ہے! بہک گئی ہوگی اور پھر قاسم کی ذہنی رو.....!

اس نے بڑی بے بسی سے کہا۔ ''حمید بھائی! تم میرے پاس ہی موجود رہنا.....!''

''ہاں ہاں..... تم فکر نہ کرو.....!''

قاسم لیٹ گیا۔ اور ولی جاہ بولا۔ ''اب آپ وہی سوچنا شروع کر دیجئے جو کچھ خواب میں دیکھنا چاہتے ہوں.....!''

''تمہیں تو نہیں معلوم ہو گا کہ میں قیا سوچ رہا ہوں۔'' قاسم نے کھسیانی ہنسی کے ساتھ پوچھا۔

''جی نہیں..... بھلا مجھے کیونکر معلوم ہو گا۔''

''بس تو پھر ٹھیک ہے.....!''

ولی جاہ نے کرسی آگے کھسکائی اور مسہری کے قریب اس طرح بیٹھ گیا کہ بہ آسانی قاسم کی آنکھوں میں دیکھ سکے!

''میں سوچ رہا ہوں!'' قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''آپ کو نیند آ رہی ہے.....!'' ولی جاہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا آہستہ سے بولا۔

''آپ گہری نیند سو جائیں گے اور اپنا سوچا ہوا خواب دیکھیں گے.....!''

قاسم نیند اسی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

ولی جاہ کہہ رہا تھا۔ ''خواب کی تکمیل کے بعد آپ خود بخود جاگیں گے..... آپ سو رہے ہیں.....!''

قاسم کی آنکھیں بند ہو گئیں اور ولی جاہ کہتا رہا۔ ''نیند گہری ہوتی جا رہی ہے..... گہری..... اور گہری.....!''

پھر وہ اس کے بستر کے پاس سے ہٹ آیا اور حمید کو دوسرے کمرے میں چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے اپنی سیکریٹری کو ساتھ آنے کو کہا۔

وہ تینوں نشست کے کمرے میں آ بیٹھے.....!

''آپ تو بڑے باکمال آدمی ہیں جناب.....!'' حمید بولا۔ سیکریٹری عالیہ نریمان اسے بھی اچھی لگی تھی.....!

ولی جاہ کچھ نہ بولا۔ اس کی چمکیلی آنکھیں کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں.....!

''آدمی بیوقوف معلوم ہوتا ہے۔!'' وہ تھوڑی دیر بعد بڑبڑایا۔ ''دولت مند بھی ہے..... اس سے کام نکل سکتا ہے.....!''

''جی.....!'' حمید چونک کر اسے گھورنے لگا۔

وہ بھی اب حمید کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

''کیا آپ نے مجھ سے کچھ پوچھا۔''

''اس سے کون سا کام نکل سکتا ہے۔ آپ کا.....!''

''وہ میری مدد کر سکتا ہے! اگر چاہے گا تو بزنس میں بھی حصہ دے دوں گا.....!''

''بزنس..... کس قسم کا بزنس.....!''

''میرا اپنا بزنس! یہی جو کر رہا ہوں!''

''کیا اس نے معاوضہ ادا کر دیا.....!'' عالیہ نریمان نے انگریزی میں پوچھا۔

''نہیں ابھی نہیں..... میں نے اس سے ڈھائی سو کہے تھے۔ جتنا اس کا جی چاہے گا دے دے گا۔ میں اس سے بحث نہیں کروں گا۔''

''ڈھائی سو! ایک خواب دکھانے کے.....!'' حمید نے حیرت سے کہا۔

''جی ہاں..... کیوں کیا یہ زیادہ ہے.....!''

''عقل کے ناخن لیجئے جناب..... کون ایک ماہ کی تنخواہ ایک خواب کے عیوض آپ کے حوالے کر دے گا۔''

''ڈھائی سو والے جاگتے ہی میں خواب دیکھ لیتے ہیں انھیں اسکی ضرورت نہیں۔ اور پھر میرا کام بڑی وسعت رکھتا ہے۔ میں گمشدہ چیزیں تلاش کرنے میں بھی مدد دے سکتا ہوں۔''

''وہ کیسے جناب؟''

''بسا اوقات کوئی بہت ہی قیمتی چیز کہیں رکھ کر بھول جاتے ہیں آپ کو خواب کے ذریعہ یاد دلایا جا سکتا ہے کہ وہ چیز کہاں رکھی تھی۔''

''ہاں یہ ہوئی کسی قدر کام کی بات.....!''

''بہت وسعت ہے میرے طریق کار میں۔ لیکن افسوس یہاں ہر کام کے ماہر ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں! کوئی نہیں پوچھتا اور میں ایک فٹ پاتھی حکیم کی طرح جگہ جگہ مجمع لگاتا پھرتا ہوں!''

''اس کے باوجود بھی ایک سیکریٹری کے بغیر کام نہیں چلتا۔''

''اُوہ تو کیا میں بھوکوں مرتا ہوں۔!'' وہ برا سامنہ بنا کر بولا۔ ''اس عالم میں بھی سات آٹھ ہزار روپے ماہوار سے کم نہیں کماتا.....!''

دفعتاً دوسرے کمرے سے قاسم کی چیخیں سنائی دیں۔

''ارے..... ارے..... باپ رے..... ارے میں نہیں ہوں..... ہائے ہائے..... مار ڈالا..... ارے بچاؤ..... بچاؤ..... اللہ قسم معاف کر دو۔ ہائے..... ارے.....!''

سرخ دُھواں

پھر وہ تینوں ہی اس کمرے میں گھس پڑے تھے جہاں قاسم سویا تھا.....!

سو تو وہ اب بھی رہا تھا لیکن بیٹھے بیٹھے..... چیخ بھی رہا تھا اور اس کے ہاتھ اس طرح خلاء میں ناچ رہے تھے جیسے چوٹیں بچانے کی کوشش کر رہا ہو.....!

حمید نے آگے بڑھنا چاہا لیکن ولی جاہ نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

''ٹھہریئے.....!'' وہ آہستہ سے بولا۔ ''خود ہی بیدار ہونے دیجئے ورنہ ذہن پر برا اثر پڑے گا۔''

دفعتاً قاسم اسی حالت میں اچھل کر کھڑا ہو گیا اور اس کی آنکھیں بھی کھل گئیں.....!

پہلے تو بوکھلائے ہوئے انداز میں ایک ایک کی شکل دیکھتا رہا۔ پھر آنکھیں ملنے لگا اور اب جو آنکھیں کھولیں تو ولی جاہ پر جھپٹ ہی پڑا۔

''ارے..... ارے.....!'' ولی جاہ بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا اور حمید نے دونوں کے درمیان آتے ہوئے کہا۔ ''یہ کیا بدحواسی ہے۔ ہوش میں آؤ.....!''

''نہیں ماف کروں غا۔ میرے ساتھ چار سو بیس ہوئی ہے۔ ہٹ جاؤ سامنے سے.....!''

''تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔ سوتے سوتے غل غپاڑا مچانے لگے!''

''میں قہتا ہوں یہ چار سو بیس ہے!''

''جناب..... جناب.....'' ولی جاہ کی آواز سنائی دی۔

''خاموش رہو..... تم جھوٹے ہو.....!''

''آپ میری توہین کر رہے ہیں.....!'' اب ولی جاہ بھی آگے بڑھتا ہوا چیخا..... اور سیکریٹری اس کا بازو پکڑ کر پیچھے کھینچنے لگی۔

''ہاں..... ہاں..... تم نے میرے ساتھ چار سو بیس کی ہے۔ میں نے کب کہا تھا کہ نوشابہ کے باپ کو بھی دکھا دو.....!''

''کیا.....؟'' حمید کا منہ کھل گیا۔

''ہاں..... ہاں..... اس سالے نے مجھے غنڈوں سے گھروا لیا تھا۔''

''تم کیا بک رہے ہو.....!'' حمید.....اس کا شانہ پکڑ کر جھنجھوڑتا ہوا بولا.....!

''اے ہاں۔ بس میں اس سے میٹھی میٹھی باتیں کر ہی رہا تھا کہ اس کا باپ آ گیا اور سالے نے دھوکے سے گھیر لیا۔''

عالیہ ہنس پڑی۔ حمید بھی مسکرایا تھا لیکن ولی جاہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

دفعتاً وہ دہاڑا۔ ''آپ نے سونے سے پہلے اس کے بارے میں کیوں سوچا تھا؟''

''مم.....ہاں سوچا تو تھا۔''

''پھر مجھے کیوں الزام دے رہے ہیں!'' وہ پہلے ہی کے سے انداز میں چیخا.....!

''یہ نوشابہ کون ہے؟'' حمید نے قاسم کے شانے پر ہاتھ مار کر پوچھا۔

''ہے! تم نہیں جانتے!'' قاسم نے ولی جاہ کی طرف سے توجہ ہٹائے بغیر کہا۔

وہ کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ پھر وہ سر تھامے ہوئے بستر پر جا بیٹھا۔

وہ تینوں ہی اب اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد قاسم بستر سے اٹھا اور ہینگر پر لٹکے ہوئے کوٹ کی جیب سے پرس نکال کر ان کی طرف آیا۔

''یہ لو ڈھائی سو روپے.....پچھلے خواب کے.....اور یہ ڈھائی سو پیشگی دوسرے خواب کے.....اب کے نپٹ لوں غا.....سالوں سے.....چلو پھر سلاؤ.....دھوکے سے مار لیا تھا حرامیوں نے.....اب دیکھوں غا.....!''

''دماغ خراب ہوا ہے.....!'' حمید نے آنکھیں نکالیں۔

''میں سچ کہتا ہوں کسی کی بھی نہیں سنوں غا۔ آخر سالوں نے سمجھا کیا ہے.....میں کوئی دبلا پڑتا ہوں کسی سے.....!''

''قاسم.....قاسم.....ہوش میں آؤ.....!'' حمید نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

''تعلقات خراب ہو جائیں گے۔ اگر اس معاملے میں دخل دیا۔'' قاسم اسے خونخوار آنکھوں سے گھورتا ہوا بولا۔

تیور بڑے خراب تھے۔ اس کی یہ حالت حمید کے لیے نئی نہیں تھی! وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اب کسی کی نہیں سنے گا۔ جو ٹھانی ہے کر گزرے گا.....!

دفعتاً ولی جاہ نے حمید کے شانے پر تھپکی دی اور وہ اس کی طرف مڑا۔

ولی جاہ اسے الگ لے جا کر آہستہ سے بولا۔ ''واقعی آپ خاموش ہی رہئے جو کہہ رہے ہیں۔ وہی کریں گے۔ میں انھیں دوبارہ ٹرانس میں لاؤں گا۔ اگر ان کی یہ خواہش نہ پوری ہوئی تو ہو سکتا ہے پاگل ہی ہو جائیں.....!''

''بہت بہتر.....'' حمید غرایا۔ ''پانچ سو تو آپ کی جیب میں پہنچ چکے ہیں.....!''

''جہالت کی باتیں نہ کرو'' ولی جاہ نے کہا۔ دونوں کی نظریں ملیں اور حمید کے سارے جسم میں جھنجھناہٹ سا ہوا اور اسے اپنی توانائی زائل ہوتی محسوس ہوئی۔

وہ چپ چاپ ایک طرف ہٹ گیا۔ ولی جاہ آہستہ آہستہ قاسم کے بستر کی طرف بڑھتا رہا اور کچھ دیر بعد ایک بار پھر وہ اسے ٹرانس میں لانے کی کوشش کرتا نظر آیا۔

قاسم چپ چاپ لیٹا پلکیں جھپکا رہا تھا۔ دس منٹ گزر گئے لیکن اس پر نیند طاری نہ ہوئی۔ آخر ولی جاہ نے جھنجھلا کر کہا۔ ''اب ان لوگوں کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیجئے۔ صرف یہ سوچئے کہ آپ کو نیند آ رہی ہے۔''

قاسم نے سر کو جنبش دی اور خاموشی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

اب آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں پھر نیند کے غبار سے دھندلانے لگی تھیں۔ دیکھتے دیکھتے وہ دوبارہ سو گیا اور وہ تینوں پھر نشست کے کمرے میں آ گئے!

''کیا آپ انکم ٹیکس ادا کرتے ہیں۔'' حمید نے ولی جاہ سے پوچھا۔

''اگر آپ کا تعلق اس محکمے سے ہو تو آپ کو دس خواب مفت دکھانے کے لیے تیار ہوں۔'' ولی جاہ مسکرا کر بولا۔

''شکریہ.....میں عملی آدمی ہوں۔ خواب نہیں دیکھتا۔''

''عملی آدمیوں کی تھکن بھی خواب ہی اتارتے ہیں!''

''پھر بھی آپ کا یہ بزنس پوری طرح میری سمجھ میں نہیں آیا۔''

ولی جاہ حمید کی سنی ان سنی کر کے اپنی سیکریٹری کی طرف متوجہ ہو گیا.....!

''تم اب جا سکتی ہو.....!''

وہ اٹھی اور باہر نکل گئی! حمید نے مناسب نہ سمجھا کہ قاسم کو اس حال میں چھوڑ کر اس کے پیچھے جائے۔ ورنہ وہ ایسی چیز نہیں تھی کہ حمید کچھ دُور تک اس کا تعاقب نہ کرتا۔

''ہاں تو مسٹر ولی جاہ.....'' وہ پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔

''آپ اس سے پہلے کہاں پائے جاتے تھے.....!''

''کیا آپ میرا مذاق اڑانے کی کوشش کر رہے ہیں!''

قبل اس کے حمید کوئی جواب دیتا عالیہ نریمان بوکھلائی ہوئی دوبارہ کمرے میں داخل ہوئی..... بری طرح ہانپ رہی تھی..... ایسا لگتا تھا جیسے بہت تیز دوڑتی ہوئی آئی ہو.....!

''کیا بات ہے.....؟'' ولی جاہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

''سرخ دھواں.....!'' وہ بدستور ہانپتی ہوئی بولی۔

''کہاں.....؟''

''مشرق کی طرف.....!''

ولی جاہ دروازے کی طرف جھپٹا۔ لیکن عالیہ جہاں تھی وہیں کھڑی رہی، حمید اسے بغور دیکھے جا رہا تھا اور وہ نظریں چرا رہی تھی۔ دفعتاً وہ دروازے کی طرف مڑی۔

''ٹھہرو.....!'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''کیا.....؟'' وہ اس انداز میں پلٹی تھی جیسے اسے کچا ہی کھا جائے گی۔

''تم نہیں جا سکتیں۔''

''کیا مطلب.....؟''

''جب تک وہ بیدار نہیں ہوتا تم یہیں رکو گی!''

''ضروری نہیں ہے.....!''

''اگر بیدار ہونے کے بعد وہ ہوش میں نہ رہا تو!''

''کچھ بھی ہو۔ مجھ پر اس کی ذمہ داری نہ ہو گی.....!''

''تمہارا باس کہاں گیا؟''

''میں نہیں جانتی.....!''

''میری طرف دیکھو..... میں بہت برا آدمی ہوں۔''

''دنیا میں بے شمار برے آدمی ہوں گے۔ پھر مجھے کیا.....!''

''کیا مسٹر ولی جاہ واپس آئیں گے.....؟''

''مرضی کے مالک ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ واپس آئیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ نیویارک فلائی کر جائیں.....!''

''کیا مطلب.....؟''

''نیویارک کا مطلب نیویارک ہی ہو سکتا ہے واشنگٹن نہیں.....!''

''زندہ دل معلوم ہوتی ہو.....!'' حمید مسکرایا۔

''لیکن اگر وہ سچ مچ نیویارک فلائی کر گئے تو میرے لیے بیروزگاری کا مسئلہ مصیبت بن جائے گا۔''

''کیا سچ مچ نیویارک.....؟''

''یقین کیجئے.....! وہاں ان کا بزنس بہت چمکے گا۔ کرائے میں صرف چار سو کی کمی تھی..... اس وقت ایکسو سے بھی زیادہ مل گئے ہیں۔''

''اور تم بے روزگار ہو گئیں.....!''

اس نے مغموم انداز میں سر کو جنبش دی۔

''یہ تو اچھا نہیں ہوا.....!''

''مقدارات جناب.....!'' اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔

''لیکن یہ سرخ دھواں کیا چیز تھی.....!''

''سرخ دھواں.....!'' عالیہ نریمان نے ٹھنڈی سانس لی اور خاموش ہو گئی۔

''آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔'' حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔

''کیا جواب دوں۔ میں سرخ دھواں کی بجائے سرخ بھیڑیا بھی کہہ سکتی تھی.....؟''

''کیا مطلب؟''

''یہ اس لیے تھا کہ مسٹر ولی جاہ اچانک اٹھیں اور یہاں سے چل دیں!''

''اوہ..... تو یہ فراڈ.....!''

''پلیز.....!'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''اسے آپ فراڈ نہیں کہہ سکتے.....!''

''آنکھوں میں دھول جھونکتے ہیں آپ لوگ!'' حمید کی کنپٹیاں گرم ہو گئیں۔

''اوہو..... اگر اپنی جان بچانے کے لیے کوئی بھاگ نکلے تو اسے فراڈ کیونکر کہیں گے۔''

''آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟''

''میں یہ عرض کرنا چاہتی ہوں کہ اس بار وہ صاحب پتہ نہیں اپنے خواب میں کیا کچھ شامل کر لیں اور آنکھ کھلتے ہی دوڑ پڑیں ہپناٹسٹ پر.....آپ خود سوچئے.....!''

''اُوہ.....!''

''پچھلی بار ایسا ہی ایک واقعہ ہو چکا ہے۔ مسٹر ولی جاہ نے کافی بلندی سے کود کر اپنی جان بچائی تھی۔''

''آپ بیٹھ جایئے۔ کھڑی کیوں ہیں۔''

''شکریہ.....!'' وہ بیٹھتی ہوئی بولی۔ ''مسٹر ولی جاہ کا پیشہ حقیقتاً بہت خطرناک ہے.....!''

''کچھ کچھ سمجھ رہا ہوں.....!'' حمید نے بیڈروم کے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ویسے اسے اچھی طرح محسوس ہو رہا تھا کہ عالیہ نریمان ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہی ہے۔

دفعتاً بیڈروم سے ہلکی ہلکی غراہٹ کی آواز آنے لگی تھی۔ حمید اٹھ کر دروازے کی طرف جھپٹا۔ قاسم بستر پر چت پڑا تھا اور غراہٹ کی آوازیں اس کے حلق سے نکل رہی تھیں۔

عالیہ بھی حمید کے پاس آ کھڑی ہوئی اور آہستہ سے بولی۔ ''کیا آپ مجھے بچا لیں گے!''

''میں نے سمجھا! آپ کیا کہنا چاہتی ہیں.....!''

''مطلب یہ کہ ہوسکتا ہے وہ پھر اپنی توقعات کے خلاف کچھ دیکھ کر بھڑک اٹھیں.....!''

''آپ سے کیا سروکار.....!''

''میں بہرحال مسٹر ولی جاہ سے متعلق ہوں!''

''ارے نہیں۔ عورتوں کے معاملے میں وہ بے حد فراخ دل واقع ہوا ہے۔ ویسے یہ ممکن ہے کہ اب آپ کے بارے میں کوئی خواب دیکھنے پر اصرار کر بیٹھے۔''

دفعتاً قاسم چیخ مار کر اچھلا اور پھر دوبارہ اس طرح بستر پر ڈھیر ہو گیا جیسے کسی نے اس پر حملہ کر کے گرا دیا ہو.....لیکن اس بار اس کی آنکھیں کھلنے میں دیر نہیں لگی تھی۔

''پھر گھپلا ہو گیا۔'' وہ آہستہ سے بولا۔

عالیہ اور حمید بستر کے قریب آ گئے تھے۔

''اب کیا ہوا.....؟'' حمید نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

قاسم اٹھ بیٹھا اور کھسیانی ہنسی کے ساتھ بولا۔ ''سالا اپنا مقدر ہی کھراب ہے.....!''

''کیا ہوا جناب؟'' عالیہ نے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''جی کچھ نہیں.....وہ.....وہ.....کہاں ہیں.....؟''

''آپ مجھے بتایئے.....کیا بات ہے.....!''

''اس بار میں نے نقاب پوش بن کر سالوں پر حملہ کیا تھا۔ بڑے زور کی لڑائی ہوئی۔ ایسی تلوار چلائی ہے.....میں نے کہ بس مزا آ گیا۔ لیقن لیقن.....!''

''لیکن کیا.....؟'' حمید دہاڑا۔

''اے تو مجھ پر قیوں آنکھیں نکالتے ہو۔ میں نے ہرگز نہیں سوچا کہ آخر میں نوشابہ ہی میرے سر پر لٹھ رسید کر دے.....!''

یہ جملہ مکمل کرتے ہی اچانک قاسم کا موڈ خراب ہو گیا اور وہ بہت زور سے دہاڑا۔

''کہاں غیا وہ کھوابوں کا بیوپاری۔''

''پوری بات بتاؤ.....!'' حمید اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''میں نے ہرگز نہیں سوچا تھا..... بالکل نہیں سوچا تھا.....!''

''کیا نہیں سوچا تھا.....!''

''میں نقاب پوش بن کر نوشابہ کے باپ اور اس کے غنڈوں سے جنگ کر رہا تھا۔ اچانق نوشابہ نے پیچھے سے میرے سر پر لٹھ مار دیا.....!''

''پلیز.....اچھا اب میری بات سنئے.....!'' عالیہ بولی۔

''جی آپ کی بات..... جرور سنوں گا۔'' قاسم کا موڈ جتنی تیزی سے خراب ہوا تھا اتنی ہی تیزی سے سُدھر بھی گیا۔ دانت نکلے پڑ رہے تھے!

''یہ نوشابہ کون ہے.....؟''

''جی.....جی.....میری ایک گرل فرینڈ.....!''

''اس کے باپ سے آپ کے کیسے تعلقات ہیں!''

''تعلقات ہی نہیں ہیں۔''

''وہ کیا کرتے ہیں.....!''

''پہلوان ہیں.....دودھ کا کاروبار کرتے ہیں!''

''نوشابہ کی تعلیم کہاں تک ہے!''

''ساتویں کلاس تک پڑھی ہوئی ہے.....!''

''کیا اس نے کبھی آپ سے کہا تھا کہ وہ آپ کے سر پر لٹھ رسید کر دے گی.....!''

''اجی.....ہی ہی ہی.....وہ کہا ہی کرتی ہے.....جب مسکرا کر اس قی طرف دیکھتا ہوں.....چپنا کر یہی تو کہتی ہے۔''

حمید دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا تھا۔

''بس تو پھر جناب! جب بھی آپ سونے سے قبل اس کے بارے میں سوچتے اس کا لٹھ آپ کے خواب میں ضرور شامل ہوسکتا تھا۔لیکن یہ کیسی گرل فرینڈ ہے جو محض مسکرا کر دیکھنے سے لٹھ مار دینے کی دھمکی دیتی ہے.....!''

قاسم کچھ نہ بولا۔اب حمید اسے گھور رہا تھا۔

''قیا بات ہے.....!'' قاسم نے جھینپے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''اب سچ مچ تمہاری شامت آ گئی ہے.....!''

''قیوں.....؟'' قاسم کو پھر غصہ آ گیا۔

''جوتے کھانے کے خواب تو میں ہی دکھا سکتا تھا تم نے ناحق پانچ سو برباد کئے.....!''

''اے.....جبان.....سنبھال کے۔'' قاسم اٹھ کھڑا ہوا۔

''میرا مطلب نہیں سمجھے.....!''

''میں کچھ نہیں سمجھنا چاہتا.....چلے جاؤ یہاں سے.....!''

''چلئے اٹھئے.....'' حمید نے اٹھتے ہوئے عالیہ سے کہا۔

''نہیں یہ نہیں جائیں گی.....!''

''دماغ خراب ہوا ہے۔''

''جناب! میں یہاں رک کر کیا کروں گی!'' عالیہ بولی۔

''میں ایک خواب اور دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''میں تو نہیں دکھاتی خواب.....مسٹر ولی جاہ تشریف لے گئے.....!''

''انھیں بلا لائیے.....!''

عالیہ نے بے بسی سے حمید کی طرف دیکھا۔

''وہ نیویارک تشریف لے گئے اور جانے سے پہلے مجھے انکا اسسٹنٹ بنا گئے ہیں۔''

حمید نے عالیہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

''میں قہتا ہوں چلے جاؤ یہاں سے۔''

''جا تو رہے ہیں.....!''

''صرف تم.....!'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

دفعتاً وہ تینوں ہی چونک کر دروازے کی طرف مڑے۔

ایک اجنبی کھڑا انہیں گھور رہا تھا۔

اس کے ہاتھ میں ریوالور بھی تھا اور ریوالور کا رُخ عالیہ نریمان کی طرف تھا۔

''ولی جاہ کہاں ہے؟'' اس نے کڑک کر پوچھا، زبان انگریزی استعمال کی تھی اور وہ غیر ملکی ہی معلوم ہوتا تھا۔

''میں نہیں جانتی.....!'' عالیہ نے بڑی لاپرواہی سے جواب دیا۔

''تم سب ہاتھ اٹھاؤ.....!'' اجنبی نے ان دونوں کو بھی للکارا.....اور ان کے ہاتھ اٹھ گئے.....عالیہ نے بھی ہاتھ اٹھا دیئے تھے۔

''تم تنہا تو نہیں ہوسکتیں!'' اجنبی زہریلے لہجے میں بولا۔

''مجھے جو کہنا تھا کہہ چکی۔''

''یہ لوگ کون ہیں؟''

''ہمارے گاہک.....!''

''کیوں.....؟'' وہ قاسم اور حمید کی طرف دیکھ کر غرایا۔

''یہ ٹھیک کہہ رہی ہیں.....!'' حمید بولا۔

''کیا ولی جاہ یہاں نہیں ہے۔''

''نہیں.....کچھ دیر پہلے یہیں تھا۔''

وہ الٹے پاؤں کمرے سے نکل گیا۔اسی طرح کہ ریوالور کا رُخ انھیں کی طرف رہا۔پھر

اس نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔ ''اگر پانچ منٹ سے پہلے کسی نے بھی باہر نکلنے کی کوشش کی تو زندگی سے ہاتھ دھوئے گا.....!''

دروازہ بند ہوگیا اور وہ جہاں تھے وہیں کھڑے رہے۔

جھگڑا بڑھ گیا

قاسم کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسے اپنے گردوپیش کی خبر ہی نہ ہو۔ بس پلکیں جھپکائے بغیر سامنے والی دیوار کو گھورے جا رہا تھا.....!

دفعتاً حمید نے محسوس کیا کہ عالیہ بھی وہاں سے جلد از جلد نکل بھاگنے کی فکر میں ہے...

حمید نے اسے گھور کر دیکھا اور وہ بغلیں جھانکنے لگی۔

''اب کیا خیال ہے۔'' حمید نے اسے مخاطب کیا۔

''میں یہاں سے جانا چاہتی ہوں۔''

''اگر وہ باہر سے دروازہ بولٹ نہ کر گیا ہو تو ضرور جاؤ!'' حمید بولا۔ اور پھر اس نے قاسم کی آواز سنی۔

''اب آ کھرمی تمنا ہے!'' قاسم کا لہجہ دردناک تھا۔

''وہ بھی بیان کر دو.....!'' حمید اس کے علاوہ اور کیا کہتا۔

''میں ایسی جگہ چلا جانا چاہتا ہوں جہاں تمہاری شکل نہ دکھائی دے۔'' قاسم حلق پھاڑ کر دھاڑا۔

''میرا قصور پیارے بھائی.....؟'' حمید نے نرم لہجے میں کہا۔

''تم کیوں آئے تھے یہاں؟''

''تمہاری خیریت دریافت کرنے.....!''

''میری خیریت کی.....!'' قاسم نے بے تکان جملہ پورا کر دیا تھا یہ سوچے بغیر کہ ایک لڑکی بھی وہاں موجود ہے اور ہر قسم کی ''اردو'' سمجھ سکتی ہے.....!

''شیطان بہرہ ہوگیا ہوگا۔ اس وقت!'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

''میں جاؤں گی.....!'' عالیہ چیخ کر بولی۔

''آپ تو..... آپ کو کوئی تکلیف نہ ہوگی۔'' قاسم ہکلایا۔ ''مم..... میں دراصل غصے میں تھا۔ مافی چاہتا ہوں۔ آپ اس آدمی کو نہیں جانتیں جہاں یہ جاتا ہے اس کے پیچھے پیچھے پستول چلتے ہیں..... بندوقیں چلتی ہیں اب تو خدا مجھے بھی غارت کر دے اور اس کو بھی غارت کر دے.....!''

''میں کچھ نہیں جانتی.....!'' اس نے کہا اور دروازے پر ٹوٹ پڑی لیکن وہ حقیقتاً باہر سے بولٹ تھا۔

حمید قاسم کو آنکھ مار کر مسکرایا۔

''میں تمہارا سر پھاڑ دوں گا اغراب مجھے آنخ ماری!''

دفعتاً عالیہ ان کی طرف مڑ کر سخت لہجے میں بولی۔ ''اگر دروازہ نہ کھلا تو میں چیخنا شروع کر دوں گی۔''

''الا قسم ایسا نہ کیجئے گا۔'' قاسم نے ہانپتے ہوئے کہا۔ ''پتہ نہیں لوگ کیا سمجھیں گے۔''

''لوگ اتنے اُلو نہیں ہیں کہ تمہارے بارے میں کچھ سمجھیں گے!'' حمید ہنس کر بولا۔

''قیا مطلب.....؟''

''قچھ بھی نہیں.....'' حمید نے اسی کے لہجے کی نقل اتار دی۔

عالیہ پھر پلٹ کر دروازہ پیٹنے لگی تھی۔

''بس.....!'' اچانک حمید ہاتھ اٹھا کر غرّایا۔ اسکے لہجے میں یہ تبدیلی فوری طور پر عالیہ کے ہاتھ روک دینے کا باعث بنی تھی۔ لیکن اس نے قہر آلود نظروں سے حمید کی طرف دیکھا۔

''کتنی دیر تک بیوقوف بنانے کی کوشش کرتی رہو گی۔''

''کیا مطلب.....؟''

''تم ایک ٹھگ کی سیکریٹری ہو! کچھ اور لوگ بھی اس طرح اس ٹھگ کی تلاش میں ہیں کہ دوسروں سے پوچھ گچھ کرتے وقت ریوالور تک نکال لیتے ہیں۔''

''میں نہیں جانتی..... کہ یہ آدمی کون تھا۔''

''سلاخوں کے پیچھے پہنچ کر ہی تمہاری یادداشت کارآمد ثابت ہو سکے گی۔''

''اے جاؤ.....'' قاسم دخل دے بیٹھا۔ ''بڑے آئے سلاخوں ولاخوں والے..... یہ میری سیکریٹری ہیں.....!''

''بکواس مت کرو.....!'' احمید سخت لہجے میں بولا۔

''اچھا جی.....!''

''قاسم ہوش میں رہو!''

''نہیں..... میں نے تو کنستر بھر پی رکھی ہے۔ بھلا ہوش میں کیسے رہوں غا..... لیکن تم چلتے پھرتے نظر آؤ..... جاؤ.....!''

''تمہارے بھی ہتھکڑیاں لگا دوں گا.....!''

''لغا کر تو دیکھو.....!''

''آپ کون ہیں جناب.....!'' عالیہ نے بوکھلائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''ایک پولیس آفیسر.....!''

''تم فکر نہ کرو.....!'' قاسم سر ہلا کر بولا۔ ''ہوگا پولیس آفیسر میں سب دیکھ لوں گا۔''

''اگر آپ پولیس آفیسر..... ہیں.....!'' عالیہ نے ڈھیلے ڈھالے لہجے میں نامکمل جملہ ادا کیا اور مردہ سی چال کے ساتھ پھر کرسی پر آ بیٹھی۔

''بالکل ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے.....!'' قاسم بولا۔

''میں تحفظ چاہتی ہوں.....!'' عالیہ نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

''کس سے.....؟''

''انھیں لوگوں سے جو اس کے خون کے پیاسے ہیں۔ شکاری کتوں کی طرح اس کی بو سونگھتے پھر رہے ہیں.....!''

''یعنی..... ولیجاہ کے خون کے پیاسے ہیں.....!''

''ہاں، اگر وہ اسے پانے میں ناکامیاب ہوئے تو مجھے چھلنی کر کے رکھ دیں گے.....''

''مر گئے چھلنی کرنے والے.....!'' قاسم سر ہلا کر بولا۔ ''سالوں کی ایسی کی تیسی کر کے رکھ دوں گا۔''

''تبھی اس وقت سانپ سونگھ گیا تھا۔'' حمید نے اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا اور بجھا ہوا

پائپ سلگانے لگا۔

''اب تو کوئی آ کر دیکھے..... اس وقت میں اونگھ رہا تھا۔''

''تم ہمیشہ ایسے ہی مواقع پر اونگھنے لگتے ہو۔''

''اونگھنے لگتا ہوں۔ تمہاری طرح مرتو نہیں جاتا۔''

''مرو بھی کسی طرح کہ جھگڑا ختم ہو.....!''

''اب سالے کوسنے لگے۔ جرا دیکھئے مس آلیہ۔ یہ سالے پولیس آفیسر ہیں۔ لونڈیوں کی طرح کوستے ہیں۔''

''پلیز.....!'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''میں بہت پریشان ہوں!''

''بالکل فکر نہ کرو.....!''

''کیسے فکر نہ کروں۔ اب کیا ہوگا.....!''

''آپ آج سے میری سیکریٹری ہیں.....!'' قاسم لہک کر بولا۔

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا.....!''

''وہ لوگ اس کا پیچھا کیوں کر رہے ہیں!'' حمید نے پوچھا۔

''میں نہیں جانتی..... لیکن ان کے تیور اچھے نہیں ہیں.....!''

''ہوسکتا ہے کہ اس نے انھیں بھی الٹے سیدھے خواب دکھائے ہوں!''

''میں کہتی تو ہوں کہ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی.....!''

''کیا تم دونوں مستقل طور پر یہیں رہتے ہو!''

''نہیں..... تین دن گزرے ہم ایران سے یہاں آئے ہیں.....!''

''اور یہ لوگ ایران ہی سے تمہارے پیچھے لگے ہیں!''

''نہیں جرمنی سے..... مغربی جرمنی سے.....!''

''تمہاری قومیت کیا ہے.....؟''

''میں ایرانی ہوں۔ لیکن اپنے باس کے بارے میں آج تک نہ معلوم کر سکی کہ وہ کہاں کا باشندہ ہے!''

''بڑی عجیب بات ہے.....!''

''اس میں ذرّہ برابر بھی جھوٹ نہیں ہے!''

''تم کب سے اس کے ساتھ ہو.....؟''

''تین سال سے.....!''

''مغربی جرمنی میں تم لوگ کیا کر رہے تھے.....!''

''ہمارا بزنس وہاں بھی یہی تھا.....!''

''اب پھر سرخ دھواں والی بات پر آ جاؤ.....!''

''سُرخ دھواں ہمارا کوڈ ورڈ ہے۔ ہم کسی بھی خطرے کی صورت میں یہی لفظ استعمال کرتے ہیں۔ جب یہاں سے جانے کے لیے باہر نکلی تھی مشرق کی طرف مجھے انھیں لوگوں میں سے ایک دکھائی دیا تھا۔ میں نے واپس آ کر کوڈ ورڈ میں مسٹر ولی جاہ کو اطلاع دی اور وہ نکل گئے۔ لیکن.....اب میرا کیا ہوگا۔''

وہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر سسکیاں لینے لگی۔

قاسم حمید کو قہر آلود نظروں سے گھورے جا رہا تھا۔ انداز سے ایسا لگتا تھا جیسے اس نے یہ ساری گفتگو سنی ہی نہ ہو اور سنی بھی ہو تو اسے ذرہ برابر بھی اہمیت دینے پر تیار نہ ہو.....!

اچانک وہ حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''میں تمہارے ہاتھ جوڑتا ہوں، ہم کو ہمارے حال پر چھوڑ دو اور یہاں سے چلے جاؤ.....!''

''دروازہ باہر سے بولٹ کر دیا گیا ہے!'' حمید نے عذر پیش کیا۔

''دو تین ٹکروں میں توڑ دوں گا۔ تم فکر نہ کرو.....!''

''میری بات سمجھنے کی کوشش کرو یہ کوئی خطرناک معاملہ ہے!''

''تم یہاں نہ آتے تو بالکل خطرناک نہ ہوتا۔ ہائے.....تم اتنے منحوس کیوں ہو.....؟''

حمید کچھ نہ بولا۔ اب وہ پھر عالیہ نریمان کی طرف متوجہ ہو گیا تھا جو پہلے ہی کی طرح روئے جا رہی تھی۔

دفعتاً پھر کسی نے باہر سے دروازے کا بولٹ سرکایا۔ لیکن قبل اس کے کہ دروازہ کھلتا حمید ایک ہی جست میں ایسی جگہ پہنچ گیا کہ باہر سے آنے والے کی نظر اس پر نہ پڑ سکتی.....!

دروازہ کھلا اور وہ اس کی اوٹ میں ہو گیا۔

اس بار دو آدمی اندر داخل ہوئے تھے جن میں سے ایک وہی تھا جو انھیں بند کر گیا تھا۔

اب بھی اس کا ہاتھ خالی نہیں تھا۔ جیسے ہی وہ حمید کو ڈھونڈنے کے لیے مڑا حمید نے اس کے ریوالور والے ہاتھ پر ہاتھ ڈال دیا۔

حملہ غیر متوقع تھا اس لیے ریوالور دور جا گرا اور ریوالور والا ریوالور کے پیچھے جانے کی بجائے حمید سے لپٹ پڑا۔ البتہ اس کا ساتھی ریوالور کی طرف جھپٹا تھا.....!

اس کی راہ قاسم نے اس طرح کھوٹی کی کہ اس کی پنڈلی پر زور دار ٹھوکر رسید کر دی۔ پنڈلی کی ہڈی کی چوٹ یوں بھی تکلیف دہ ہوتی ہے۔ چہ جائیکہ وہ کسی ارنے بھینسے کی لات سے پہنچی ہو۔ وہ کراہ کر منہ کے بل فرش پر گرا ہی تھا کہ قاسم اسے چھاپ بیٹھا.....!

پھر جب ہرن پر ہاتھی سوار ہو جائے تو چوکڑیاں بھلانی ہی پڑتی ہیں.....!

وہ اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ادھر حمید نے اپنے حریف کو کمر پر لاد کر دے پٹکا۔

''شاباش.....!'' قاسم نے نعرہ لگایا اور اس کا شکار اس کے نیچے چیخنے لگا۔ ''چھوڑ دو مجھے.....میں مر جاؤں گا.....!''

اس کی زبان بھی انگریزی ہی تھی۔

حمید نے اپنے مغلوب کی گردن پر گھٹنا ٹیکتے ہوئے قاسم کو مخاطب کیا.....!

''دیکھنا کہیں سچ مچ نہ مر جائے.....!''

''کوئی طوطا مینا ہے کہ زندہ رکھ کر پالوں گا سالے کو.....!''

''نہیں.....ذرا ہوشیار رہ کر.....!'' حمید نے پھر اسے للکارا خود اس کا حریف بھی کچھ کمزور نہیں تھا۔ ایک بار تو اس نے اُسے بھی جھٹک ہی دیا تھا اور پھر جھپٹا تھا ریوالور کی طرف لیکن حمید نے بڑی پھرتی سے اس کی ٹانگ پکڑ لی تھی اور وہ پھر منہ کے بل فرش پر آ رہا تھا۔

''قاسم اسے باندھ لینے کی کوشش کرو۔'' حمید نے دوبارہ اپنے حریف پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے کہا۔

اتنے میں عالیہ نریمان دروازے کے قریب پہنچ چکی تھی۔

''ٹھہرو.....!'' حمید نے اسے للکارا۔

لیکن اب وہ کمرے سے باہر تھی اور اس نے بھی دروازہ بند کر کے باہر سے بولٹ کر

دیا تھا۔

''کیا ہوا.....؟'' قاسم کی پھنسی پھنسی سی آواز سنائی دی۔

''کچھ نہیں تم فکر نہ کرو.....!''

''نہیں.....نہیں.....وہ چلی گئی.....!'' قاسم نے دردناک لہجے میں کہا۔

''رومینٹک بننے کی ضرورت نہیں۔ تم نے اس وقت اس کے دشمن کو دبوچ رکھا ہے۔'' حمید نے اسے ہوشیار کرنے کی کوشش کی۔ قاسم ہی تھا، ذہنی رو بہکتے کتنی دیر لگتی۔

اور ہوا بھی یہی وہ اپنے مغلوب کو چھوڑ چھاڑ کر الگ ہٹ گیا۔ لیکن اس بیچارے کا اتنے ہی میں کچومر نکل گیا تھا۔ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکا۔ پتہ نہیں اس رگڑے میں کہاں چوٹ آئی تھی.....!

''ٹھینگے پر ہے سب کچھ!'' قاسم بولا۔ ''جب وہی نہیں تو قاہے کو جھک مرائیں..... ہاں نہیں تو.....!''

حمید نے بوکھلائے لہجے میں کہا۔ ''ارے وہ ریوالور تو اٹھا لو۔''

''جہنم میں غیر ریوالور..... مجھے قوئی دلچسپی نہیں.....!'' قاسم نے برا سا منہ بنا کر کہا اور بستر پر جا بیٹھا۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ اس کے حریف نے نیچے اس کی ٹانگ بڑی مضبوطی سے پکڑ رکھی تھی اور برابر اسی کوشش میں لگا ہوا تھا کہ کسی طرح اسے الٹ دے۔

حمید نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اس کے ساتھی کو دیکھا جو آہستہ آہستہ کھسکتا ہوا ریوالور کی طرف جا رہا تھا اور قاسم اس طرح منہ پھلائے ہوئے بیٹھا تھا جیسے سارے زمانے سے روٹھ گیا ہو.....!

''قاسم ریوالور.....!'' حمید پھر گھگھیایا۔

لیکن قاسم کی کھوپڑی پر بدستور برف جمی رہی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کی نظروں میں اس معاملے کی اہمیت ہی ختم ہو گئی ہو.....!

اس کا مغلوب اب ریوالور سے زیادہ دُور نہیں تھا۔ شاید اس کی ٹانگوں میں ایسی چوٹیں

آئی تھیں کہ وہ کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے چہرے پر اندرونی کرب کے آثار تھے لیکن وہ کہنیوں کے بل آہستہ آہستہ رینگے جا رہا تھا۔

''قاسم.....!'' حمید جھلاہٹ میں چیخا۔

''مر گیا قاسم.....!'' وہ دوسری طرف منہ پھیر کر زہریلے لہجے میں بولا۔

''اچھا تو پھر اب مرے گا ہی!'' حمید دانت پیس کر بولا۔

''کیا.....؟'' قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ شاید حمید کا لہجہ ناگوار گزرا تھا۔

اور اس کے بعد ہی ایسا لگا جیسے وہ گہری نیند سے چونکا ہو! قریب تھا کہ فرش پر گھسٹنے والے کا ہاتھ ریوالور تک پہنچ جاتا قاسم نے جھپٹ کر اس کی ایک ٹانگ پکڑی اور مخالف سمت میں دور تک گھسیٹتا لیتا چلا گیا اور پھر پہلے ہی کی طرح بستر پر آ بیٹھا۔

''ریوالور.....!'' حمید نے یاد دہانی کرائی۔

''کوئی جرورت نہیں.....'' قاسم شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ''میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہ بیٹا جی اب کتنی دیر میں ریوالور تک پہنچتے ہیں.....!''

''میں کہتا ہوں ریوالور اٹھا لو۔ جب تک تم اسے دھمکی نہیں دو گے یہ میری ٹانگ نہیں چھوڑے گا۔''

''ہاہا.....ٹانگ پکڑ رکھی ہے.....!'' قاسم نے قہقہہ لگایا۔ اس کی آنکھیں غیر معمولی طور پر چمک رہی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے پچھلی ساری باتیں یکسر بھلا دی ہوں۔

''قاسم.....!'' حمید کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔

''آج ہی تو پھنسے ہو بیٹا..... ہاہا.....!'' قاسم نے پہلے سے بھی زیادہ زُور وشور کے ساتھ اظہار مسرت کرتے ہوئے کہا اور پھر اس آدمی کی طرف متوجہ ہو گیا جسے گھسیٹ کر دروازے کے قریب چھوڑ آیا تھا۔

وہ بے بسی سے قاسم ہی کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

''آؤ.....آؤ..... ہاں..... ہاں.....اٹھا لو ریوالور.....'' قاسم اُسے چڑھاتا ہوا بولا۔

حمید نے سوچا کہ اسے اب اپنا دماغ ٹھنڈا ہی رکھنا چاہئے۔ یہ تو ہاتھ سے گیا۔

اس نے پھر جدوجہد شروع کر دی لیکن شاید اس کا حریف بھانپ گیا تھا کہ اگر ٹانگ

اس کی گرفت سے نکل گئی تو خود اس کا حشر اچھا نہیں ہوگا۔

دفعتاً پھر دروازے کا بیرونی بولٹ کھڑکا۔ پھر دروازہ بھی کھلا اور اس ہٹ کا چوکیدار بوکھلائے ہوئے انداز میں اندر گھس آیا۔

اس کے بعد اس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے کمرے کے منظر نے اسے اور زیادہ بوکھلا دیا ہو۔

''قیا بات ہے؟'' قاسم نے پرسکون لہجے میں اس سے پوچھا۔

''خوچہ ساب..... بیگم ساب.....!'' وہ اٹک اٹک کر بولا۔

''ہائیں..... کدھر..... کہاں.....؟'' قاسم بستر سے اٹھ گیا۔

''ادھر جھولے پر تھا..... اِدھر آتا پڑا ہے۔''

''ابے تو پھر کھڑا جھک کیوں مار رہا ہے۔ باہر سے تالا ڈال کر اِدھر اُدھر نکل جا.....!''

''مگر..... مگر..... ساب..... یہ کیا..... ہوتا.....!'' چوکیدار نے کمرے کے موجودہ حالات کی طرف اشارہ کیا۔

''او..... یہ ہاہا..... قچھ..... نہیں..... ہملوگ مسخری کرتا پڑا ہے۔ تم باہر تالا مارو..... اور لمبے پڑو..... جھٹ پٹ..... ابے کھڑا منہ کیا دیکھ رہا ہے.....!''

''قاسم..... یہ کیا کر رہے ہو تم؟'' حمید پھنسی پھنسی سی آواز میں بولا۔

''سب ٹھیک ہے!'' قاسم نے پراطمینان انداز میں سر کو جنبش دی اور پھر بستر پر جا بیٹھا۔''

چوکیدار جا چکا تھا..... حمید کا دل چاہا کہ اپنے حریف کا گلا گھونٹ کر قصہ ہی ختم کر دے لیکن وہ بہرحال ایک ذمہ دار آفیسر تھا اور حریف بھی شاید اس بات کو اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ وہ اپنی ٹانگ چھڑا لینے کے لیے اس حد تک نہیں جا سکتا کہ اس کی گردن ہی دبا دے ورنہ یہ تو بہت آسان تھا کہ حمید کے دونوں ہاتھ آزاد تھے۔

حریف یقیناً کوئی اناڑی نہیں تھا ورنہ اب تک اس کی ناک تو حمید کی گرفت میں آ ہی گئی ہوتی۔ حمید کئی بار کوشش کر چکا تھا کہ ناک پر دباؤ ڈال کر اس کے اوسان پر حملہ آور ہو سکے۔

''ابے او.....!'' دفعتاً قاسم نے پھر اس آدمی کو للکارا جو دروازے کے قریب اوندھا پڑا کبھی آنکھیں کھولتا تھا اور کبھی بند کر لیتا تھا۔

''بس دم نقل گیا.....'' قاسم اس سے کہہ رہا تھا۔ ''اتنے ہی میں چٹنی بن گئی۔ میں نے تو

قچھ کیا بھی نہیں تھا اور وہ قرنل صاحب کے دمچے اپنی ٹانگ تک نہیں چھڑا سکتے۔''

''بکے جاؤ تم دیکھوں گا.....!'' حمید بھنا کر بولا۔

''میں تم سے انتقام لے رہا ہوں.....!''

''کس بات کا.....؟''

''وہ سالا چھوڑ کر بھاگ گیا تھا..... میری سیکریٹری ہو جاتی.....!''

''تمہارا دماغ چل گیا ہے!''

''ہاں دماغ ہی تو چل گیا ہے..... تم تینوں کو باندھ کر تھانے لے جاؤں غا.....!''

''کیا مطلب.....؟''

''بس دیکھ لینا.....'' قاسم کہتا ہوا بستر سے اٹھ گیا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا ریوالور کے پاس پہنچا..... جھک کر اسے اٹھایا اور ان دونوں کی طرف مڑتا ہوا گرجا..... ''الگ ہٹ جاؤ..... تم دونوں..... ورنہ دونوں کو گولی مار دوں گا.....!''

اور جب اس نے دیکھا کہ ان دونوں کی پوزیشن میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی تو آگے بڑھ کر حمید کے حریف کے پہلو پر ایک لات رسید کر دی.....!

وہ گھٹی گھٹی سے آواز میں کراہا اور ساتھ ہی حمید نے اپنی ٹانگ پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑتی محسوس کی۔

پھر وہ بڑی پھرتی سے اچھل کر الگ ہٹ گیا تھا لیکن جیسے ہی دوبارہ اس کی طرف بڑھنا چاہا تھا۔ قاسم کی آواز کمرے میں گونجی تھی۔

''نہیں.....! تم بھی اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ.....!''

''کیا بکواس ہے!'' حمید جھلا کر اس کی طرف مڑا۔

''بکواس نہیں قاسم!'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ ''اب میں اس سے کہوں گا کہ تمہارے گلے سے ٹائی کھول کر تمہارے ہاتھ پشت پر باندھ دے آج میں تمہارے ساتھ وہی سب کچھ کروں گا جو تم دوسروں کے ساتھ کرتے ہو.....!''

''آخر کیوں.....؟ ابے تم ہوش میں ہو یا نہیں.....!''

''بالکل ہوش میں ہوں..... یہی ہوگا..... پھر اس کے بعد ریوالور تو ڈالوں گا جیب میں

اور اس کے ہاتھ پیر خود باندھوں گا.....!''

اور پھر اس نے سچ مچ اس آدمی کو انگریزی میں مخاطب کر کے حمید کے ہاتھ باندھنے کہا اور حمید سے بولا۔ ''ہلنا نہیں اپنی جگہ سے ورنہ فائر کر دوں گا.....!''

''ارے بیگ چھوڑ گئی ہے اپنا.....'' حمید یک بیک خوش ہو کر دوسری طرف مڑا۔

''قہاں.....؟'' قاسم بھی غیر ارادی طور پر ادھر مڑا ہی تھا کہ حمید ایک ہی جست میں اس کے ہاتھ ریوالور جھپٹتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ اس کا حریف جہاں تھا وہیں رکا رہا.....!

''اب بتاؤ.....!'' حمید قاسم کو گھورتا ہوا غرایا۔

''ہی ہی ہی ہی..... میں تو مزاخ کر رہا تھا.....!''

''چلو..... جلدی سے اس کی ٹائی کھول کر اس کے ہاتھ پشت پر باندھ دو.....!''

قاسم اس کے لیے آگے بڑھا ہی تھا کہ اس کا چوکیدار پھر اندر گھس آیا.....!

''ساب.....!'' وہ ہانپتا ہوا بولا۔ ''پولیس.....! زبردستی تالا کھلوا دیا..... ساب.....! اندر آ رہے ہیں.....!''

داؤں پیچ

اور پھر سچ مچ چند لمحوں کے بعد ایک سفید فام آدمی دو پولیس آفیسروں کے ساتھ بیڈ روم میں گھس آیا تھا.....!

لیکن حمید نے اپنی پوزیشن میں کوئی تبدیلی نہ کی..... ریوالور اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ قاسم کو پہلے ہی کی طرح حکم دیئے جا رہا تھا۔

''ریوالور زمین ڈال دو.....!'' دونوں آفیسروں نے بیک وقت ریوالور نکالتے ہوئے کہا۔

یہ دونوں سب انسپکٹر ایگل پیچ کے اسٹیشن ہی سے تعلق رکھتے تھے۔

ان کے ساتھ آنے والا غیر ملکی زخمی آدمی کو فرش سے اٹھانے کی کوشش کرنے لگا تھا۔

پہلی بار زخمی کی آواز آئی..... یہ گالیوں کا وہ طوفان تھا جو حمید اور قاسم کے لیے اس کی

زبان سے امنڈ پڑا تھا۔

''ریوالور گرا دو.....!'' ایک انسپکٹر پھر غرایا۔

''اپنا ریوالور سنبھالو۔'' حمید نے اپنے حریف کی طرف ریوالور بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یہ میرا نہیں ہے.....!'' اس کا حریف غرایا اور پھر دونوں آفیسروں کی طرف دیکھ کر چیخنے لگا! ''یہ دونوں ہمیں ریوالور دکھا کر یہاں لائے اور ہمیں لوٹنا چاہتے تھے! شاید میرے ساتھی کے پیر کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے..... یہ ڈاکو ہیں.....!''

حمید نے یہ سوچا کہ یہ دونوں انسپکٹر اس کے لیے اجنبی ہیں اور شاید وہ بھی اُسے نہیں پہچانتے..... پھر ان کے ساتھ آنے والا غیر ملکی کچھ جانا پہچانا سا لگ رہا تھا..... ہوسکتا ہے کسی سفارتخانے سے متعلق ہو.....!

زخمی اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہوسکتا تھا.....!

''تم اب یہ جتانا چاہتے ہو کہ یہ ریوالور تمہارا نہیں ہے۔ میں حکم دیتا ہوں کہ اسے زمین پر ڈال دو.....!'' ایک انسپکٹر پھر غرایا۔

حمید نے ریوالور زمین پر ڈال دیا۔

''اے تم بالکل احمق ہو کیا.....!'' قاسم نے غصیلے لہجے میں کہا۔ اور پھر یک بیک ہنس کر بولا۔ ''میں سمجھ گیا۔ تم ان سالوں کو حیران کرنا چاہتے ہو.....!''

''تم خاموش رہو.....!''

''اچھی بات ہے.....!'' قاسم نے سعادتمندانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔

ایک سب انسپکٹر نے آگے بڑھ کر ریوالور فرش سے اٹھا لیا تھا۔

''تم دونوں کو حراست میں لیا جاتا ہے۔'' دوسرے انسپکٹر نے کہا۔ اس پر قاسم بے اختیار ہنس پڑا اور حمید اسے قہر آلود نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ ''مجھے تو یہ آدمی پاگل معلوم ہوتا ہے۔''

''کیوں؟ کیا تم اسے نہیں جانتے.....!''

''قطعی نہیں..... میں سمجھا تھا کہ ہٹ خالی ہے!''

''اوہ تو یہ یہاں پہلے سے موجود تھا۔''

''آپ مجھے پولیس اسٹیشن لے چلئے اس آدمی کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں.....''

''تم بھی چلو.....!'' انسپکٹر قاسم کو نیچے سے اوپر تک دیکھتا ہوا غرایا.....!

''میں کہہ رہا ہوں یہ غیر متعلق آدمی ہے۔'' حمید بولا۔

''تم خاموش رہو!''

''بہت بہتر جناب!''

''اے تم اتنے چگد ہو میں نہیں جانتا تھا۔'' قاسم بھنا کر بولا۔

ادھر حمید سوچ رہا تھا کہ یہ کوئی بہت ہی پیچیدہ معاملہ معلوم ہوتا ہے۔ اگر ولی جاہ اور عالیہ نریمان برے لوگ تھے تو آخر ان تینوں کی اصلیت کیوں چھپائی جا رہی ہے۔ تیسرا آدمی جو پولیس کے ساتھ آیا ہے، رہزنی کی کہانی کیوں سنا رہا ہے۔

اس نے سوچا کہ اسے محتاط رہنا چاہئے اور کم از کم ان تینوں کی موجودگی میں نہ کھلنا چاہئے۔

اتنے میں قاسم سے نظر ملی اور اس نے بائیں آنکھ دبا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

بہر حال قاسم بھی اس پر کچھ کچھ رضا مند نظر آنے لگا کہ ان کے ساتھ تھانے تک چلا جائے۔ ویسے اسے اطمینان ضرور رہا ہوگا کہ حمید حوالات میں تو بند ہو نہیں سکتا۔

باہر نکل کر دونوں نے اپنے زخمی ساتھی کو ایک گاڑی میں ڈالا اور سب انسپکٹروں سے یہ کہتے ہوئے رخصت ہو گئے کہ وہ زخمی کے لیے طبی امداد فراہم کرنے کے بعد تھانے پہنچ رہے ہیں.....!

سب انسپکٹر نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ گاڑی اسٹارٹ بھی ہوئی اور روانہ بھی ہو گئی.....!

''اگر یہ واپس نہ آئے تو؟'' حمید نے سب انسپکٹروں سے پوچھا۔

''تمہیں اس سے کیا۔'' ان میں سے ایک آنکھیں نکال کر غرایا۔

''واہ دوست.....تو تم ہمیں یونہی خواہ مخواہ لے کر جا کر بند کر دو گے۔''

''وہ واپس آئے گا.....!''

''کیا ان میں سے کسی کا نام معلوم ہے تمہیں.....!''

''تمہیں اس سے کیا؟'' دوسرے نے پھر آنکھیں نکالیں۔

''خفا ہونے کی ضرورت نہیں۔'' حمید نرم لہجے میں بولا۔ ''شاید ٹریننگ لے کر سیدھے

ادھر ہی چلے آئے ہو.....!''

''تم سیدھی طرح چلتے ہو یا نہیں.....!''

حمید نے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال کر اپنا کارڈ نکالتے ہوئے کہا۔ ''اگر ان میں کوئی واپس آ جائے تو مجھے اس پتہ پر مطلع کر دینا۔''

اس نے کارڈ لے کر اس پر نظر ڈالی اور اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

قاسم ایک ہاتھ سے منہ دبائے بے آواز ہنس رہا تھا۔

''تم میں سے کسی ایک کو ان کے ساتھ جانا چاہئے تھا۔'' حمید بولا۔

''آپ.....آپ نے پہلے کیوں.....نن.....نہیں بتایا.....'' وہ ہکلایا۔

''میرا کھیل خراب ہو جاتا.....وہ مجھے نہیں جانتے.....جاؤ.....اب تم بھی اپنی زبان بند رکھنا یقین کرو کہ وہ آدمی دوبارہ تمہارے پاس نہیں آئے گا جو تمہیں یہاں لایا تھا.....!''

''ہمیں شرمندگی ہے جناب.....!'' دونوں بیک وقت بولے۔

''نئے آئے ہو.....!''

''جی ہاں.....ٹریننگ کے بعد ادھر ہی آئے ہیں۔ ہمارے ساتھ ایک تجربہ کار آفیسر بھی ہونا چاہئے تھا جناب لیکن یہاں ہم ہی دونوں ہیں.....!''

''اس طرح بھی اس وقت تم دونوں میں سے ایک کو تھانے ہی پر ہونا چاہئے تھا.....اتنا تو تم بھی سمجھتے ہو گے.....لیکن کیا کیا جائے کہ سفید چمڑی ابھی تک ہم لوگوں کو بوکھلا دیتی ہے.....!''

''ہم نادم ہیں جناب.....!''

''تشریف لے جائیے لیکن اگر ان میں سے کوئی پلٹ کر نہ آئے تو اپنی زبان بند ہی رکھنا۔''

یہ دونوں چلے گئے اور حمید نے قاسم کی کمر تھپتھپا کر کہا۔

''چلو اب تمہاری ہونے والی سیکریٹری کو تلاش کریں.....!''

''میں اقبلے کر لوں گا.....آپ تر شیف لے جائیں.....!''

''خفگی دور نہیں ہوئی اب تک.....!''

''اے.....اب میں سمندر میں پھاند پڑوں گا۔ میرا پیچھا چھوڑو.....!''

''اچھا اتنا ہی بتا دو کہ ولی جاہ کو کہاں سے لائے تھے.....!''

''بیچ ہوٹل سے.....اچھی بات ہے چلو۔ میں چل رہا ہوں لیکن تم ہو بہت منحوس۔''

''ہاں..... مجھے احساس ہے۔ جب بھی کوئی پسندیدہ لڑکی تمہارے زندگی میں داخل ہونے والی ہوئی ہے.....ریوالور ضرور نکل آئے ہیں۔''

''اور تمہیں اس پر افسوس ہے.....'' قاسم نے جھٹ سے پوچھا۔

''یقیناً.....!''

''اچھا تو پھر اس بار پھیسلا میرے حق میں کرا دو.....!''

''اچھی بات.....بس چلو.....!''

وہ بیچ ہوٹل پہنچے..... قاسم نے ولی جاہ کے کمرے کی طرف رہنمائی کی اور جب وہ وہاں پہنچے تو عالیہ نریمان نے انھیں پہچاننے سے انکار کر دیا۔

وہ کہیں جا رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں چھوٹا سا اٹیچی کیس تھا بلاؤز اور اسکرٹ کی جگہ شلوار اور جمپر نے لے لی تھی۔ گلے میں دوپٹہ بھی تھا۔ ہیئر اسٹائل بھی بدلا ہوا نظر آیا.....!

''ہم مسٹر ولی جاہ سے ملنا چاہتے ہیں.....!'' حمید بولا۔

''میں کسی ولی جاہ کو نہیں جانتی.....ایک طرف ہٹئے.....مجھے باہر جانا ہے.....!''

''ارے تو کیا مجھے بھی نہیں پہچانتیں.....!'' قاسم نے دردناک لہجے میں پوچھا۔

''جی نہیں.....!'' سخت لہجے میں جواب ملا۔

قاسم اور حمید ایک طرف ہٹ گئے اور وہ نکلی چلی گئی!

حمید آہستہ آہستہ اسی سمت چل پڑا۔

''دیکھا تم نے دیکھا.....!''

''ہاں دیکھا.....اور اب تم میرے ساتھ نہیں آؤ گے.....!''

''کیا مطلب.....!''

''نہ وہ تمہیں پہچانتی ہے اور نہ مجھے.....!''

''تو پھر تم کیوں جا رہے ہو اس کے پیچھے.....!''

حمید اس کی بات کا جواب دیئے بغیر تیزی سے آگے بڑھتا چلا گیا۔

قاسم تیز نہیں چل سکتا تھا، وہ اسے آوازیں ہی دیتا رہ گیا۔

عالیہ بھی خاصی تیز رفتاری سے باہر گئی تھی اور جب حمید عمارت سے باہر نکلا تو وہ تھوڑے سے فاصلے پر ایک ٹیکسی میں بیٹھی ہوئی نظر آئی۔

ٹیکسی فوراً ہی حرکت میں آ گئی تھی اور پھر جتنی دیر میں وہ اسٹینڈ سے نکل کر سڑک پر پہنچی، حمید بھی ایک ٹیکسی میں بیٹھ چکا تھا۔

''اس ٹیکسی کے پیچھے چلو.....!'' حمید نے ڈرائیور سے کہا۔

''اچھا صاحب!'' ٹیکسی ڈرائیور نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

حمید نے آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک لگائی اور اسپرنگ والے ریڈی میڈ میک اپ میں آ گیا۔ یہ دو عدد ننھے ننھے اسپرنگ تھے جو ناک کے نتھنوں میں رکھ لیے جائے تھے اور ان کی وجہ سے نہ صرف ناک کی نوک کسی قدر اٹھ جاتی تھی بلکہ اوپری ہونٹ تک پر ان کا کھنچاؤ پڑتا تھا اور آگے کے دانت دکھائی دینے لگتے تھے.....!

اگلی ٹیکسی چوراہے پر پہنچ کر شہر کی طرف جانے کی بجائے بائیں جانب مڑ گئی۔

یہ سڑک.....حمید نے سوچا.....یہ سڑک تو کچھ دور جانے کے بعد مسدود ہو جائے گی۔ تو پھر کیا.....وہ کسی کچے راستے پر سفر کرنے کا ارادہ رکھتی ہے لیکن یہاں اس سڑک پر تو وہ آسانی اندازہ کر سکے گی کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے.....!

''اونہہ دیکھا جائے گا.....'' اس نے سوچا اور جیب سے پائپ نکال کر اس میں تمباکو بھرنے لگا۔

ٹیکسی سچ مچ دائیں جانب والے ایک کچے راستے پر مڑ گئی!

''ادھر کیا ہے بھئی.....!'' حمید نے ٹیکسی ڈرائیور کو مخاطب کیا۔

''آپ پہلے کبھی ادھر نہیں گئے!'' ڈرائیور نے پوچھا۔

''نہیں.....!''

''تب پھر میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ اُدھر نہ جایئے، وہ کوئی بہت ہی خراب عورت معلوم ہوتی ہے.....!''

''میں بھی زیادہ اچھا مرد نہیں ہوں.....!''

''پھر بھی صاحب آپ دنگا فساد پسند کرنے والے مرد نہیں ہو سکتے میں آپ کو بہتر جگہوں پر لے جا سکتا ہوں.....!''

''پہلے ادھر دیکھ لیں.....!''

''میں آپ کی مدد نہیں کر سکوں گا..... یہ بھی سوچ لیجئے!''

''آخر وہاں کیا ہو گا جس کے لیے مجھے کسی دوسرے کی مدد درکار ہو گی.....!''

''دادا قسم کے بروکر آپ کو گھیر لیں گے۔ کوئی ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچے گا اور کوئی گریبان پکڑ کر..... رحمو دادا کا نام سنا ہے کبھی۔''

''ہاں سنا ہے.....!''

''اس کی حکومت ہے ادھر.....!''

''چلو دیکھتے ہیں.....!''

''اب آپ کی مرضی.....!''

دفعتاً اگلی ٹیکسی بائیں جانب مڑ گئی!

''ہائیں..... اب یہ کدھر جا رہا ہے؟'' ٹیکسی والا بڑبڑایا۔

''کیوں..... کیا بات ہے.....؟''

''اب تو یہ ادھر نہیں جا رہے۔ آگے ٹیلوں کے پیچھے تارجام والی سڑک ہے.....!''

''پرواہ مت کرو..... چلتے رہو..... خواہ تارجام ہی کیوں نہ چلنا پڑے.....!''

''صاحب! ٹیکسی پر ملازم ہوں، میری اپنی نہیں ہے۔'' ڈرائیور بولا۔

''تو پھر.....؟''

''تین بجے مجھے ٹیکسی واپس کرنی ہو گی اور اس پر دوسرا ڈرائیور کام کرے گا.....!''

''اچھا تم سڑک تک تو چلو.....!''

''معاف فرمائیے گا..... یہ مجبوری نہ ہوتی تو میں ضرور لے جاتا آپ کو!''

''کوئی بات نہیں..... تم مجھے سڑک پر چھوڑ دینا۔ وہاں میں کسی سے لفٹ لے لوں گا..!''

ٹیکسی آگے بڑھتی رہی لیکن اگلی ٹیکسی ٹیلوں کے قریب پہنچتے ہی رک گئی اور عالیہ نیچے اترتی دکھائی دی۔ پھر اس نے ہاتھ اٹھا کر حمید والی ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ کیا.....!

''لیجئے سرکار کام بن گیا.....'' ڈرائیور ہنس کر بولا اور اس نے گاڑی روک دی۔ عالیہ تیز قدموں سے چلتی ہوئی ان کی طرف آ رہی تھی ٹیکسی کے قریب پہنچ کر بولی۔

''دوہرا کرایہ خرچ کرنے سے کیا فائدہ۔ میری ہی ٹیکسی میں آ جاؤ!''

''بہت بہت شکریہ.....!'' حمید خوش ہو کر بولا۔

لیکن وہ اس کی شکل دیکھ کر ٹھٹک گئی! حمید اتنے میں گاڑی سے اتر چکا تھا.....!

''تم..... تم.....!'' وہ ہکلائی۔

''ان دونوں کا نمائندہ ہوں۔ تم بالکل فکر نہ کرو!'' حمید نے کہا اور دس کا ایک نوٹ ٹیکسی ڈرائیور کی طرف بڑھاتا ہوا خالص امریکی لہجے میں بولا۔ ''کیپ دی چینج.....!''

پھر وہ عالیہ سے پہلے ہی اگلی ٹیکسی تک پہنچا تھا ٹیکسی چل پڑی، عالیہ اسے کنکھیوں سے دیکھے جا رہی تھی.....!

''میں یہی دیکھنے کے لیے اس طرف آئی تھی کہ کہیں میرا تعاقب تو نہیں کیا جاتا.....!'' اس نے کچھ دیر بعد کہا۔

''تمہیں فوراً ہی بھاگ نکلنا چاہئے تھا اتنی دیر تم ہوٹل میں کیا کرتی رہی تھیں.....!'' حمید نے پوچھا۔

''اوہ تو تم بہت کچھ جانتے ہو!''

''شاید.....!''

''تم کن دونوں کے نمائندے ہو!''

''جن سے تمہارے باس نے پانچ سو ہتھیائے تھے!''

''وہ ایک کھلا ہوا بزنس تھا.....!''

''مجھے اس سے سروکار نہیں!'' حمید پائپ سلگاتا ہوا بولا۔

''پھر تم کیا چاہتے ہو؟''

''موٹا آدمی چاہتا ہے کہ اب تم اس کی ملازمت کر لو۔ تمہارا باس تو گیا.....!''

''میں سوچوں گی.....!''

ٹیکسی اب تارجام والی سڑک پر پہنچ گئی تھی اور اس کا رخ تارجام ہی کی طرف تھا۔

''تم تار جام جا رہی ہو.....!'' حمید نے پوچھا۔

''ہاں.....!''

''میں بھی وہیں رہتا ہوں۔ تمہیں قیام کی دشواری نہ ہوگی۔''

''شکریہ..... میں کسی ہوٹل میں ٹھہر جاؤں گی.....!''

''مشکل ہی ہے کہ تمہیں کہیں کوئی کمرہ خالی مل سکے۔ وہ ایک صنعتی علاقہ ہے.....!''

وہ اسے گھور کر رہ گئی کچھ بولی نہیں!

''کیا تم بھی خواب دکھا سکتی ہو.....!'' حمید نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

''مجھے دیکھ کر ہی لوگ خواب دیکھنے لگتے ہیں۔ بشرطیکہ انھوں نے تاریک شیشوں کی عینکیں نہ لگا رکھی ہوں.....!''

حمید نے طویل سانس لے کر عینک اتار دی۔

اس نے اسے غور سے دیکھا اور چونک پڑی۔

''تب..... تمہاری..... آنکھیں.....!''

''کافی خوبصورت ہیں.....!'' حمید مسکرایا۔

''اس آدمی کی سی ہیں..... لباس بھی ویسا ہی ہے۔''

''کس آدمی کی بات کر رہی ہو.....!''

''وہ جو اس آدمی کے ساتھ تھا.....!''

''ہوسکتا ہے.....!'' حمید لاپرواہی سے بولا۔

''یقین کرو..... مسٹر ولی جاہ فراڈ نہیں ہیں.....!''

''میں نے یقین کر لیا..... لیکن ہیں کیا.....؟''

''ایک ماہر ہپناٹسٹ.....!''

''چلو یہ بھی تسلیم..... لیکن وہ اس طرح بھاگ کیوں گیا.....؟''

''کیا ان دونوں نے تمہیں سب کچھ بتا دیا ہے.....!''

''ہاں..... اور تمہاری گفتگو لفظ بلفظ دہرائی گئی تھی میرے سامنے لہٰذا اب میں تمہارے دشمنوں کے بارے میں معلوم کرنا چاہوں گا.....!''

''میں نہیں جانتی کہ وہ لوگ مسٹر ولی جاہ سے کیا چاہتے ہیں۔ یقین کرو.....!''

''یہاں اور کسی کو بھی جانتی ہو.....!''

''کسی کو بھی نہیں.....!''

''اس لیے تمہیں مضبوط سہاروں کی ضرورت ہے.....!''

''میں ایران واپس جاؤں گی.....!''

''لیکن ان حالات کی روشنی میں تمہاری واپسی آسان نہ ہوگی!''

''کیا تم کوئی بلیک میلر ہو.....!''

''ہرگز نہیں..... میں ایک شریف آدمی ہوں اور معاملات کی تہہ تک پہنچنا چاہتا ہوں۔''

وہ بڑے دلآویز انداز میں مسکرائی اور بولی۔ ''اگر تمہارا اوپری ہونٹ ایسا نہ ہوتا تو کافی خوبصورت آدمی ہوتے.....!''

''فرض کرو یہ عیب دور ہو جائے تو تم میرے ساتھ کیسا برتاؤ کرو گی.....!''

''یقیناً میرے برتاؤ میں فرق آ جائے گا۔''

''کوشش کروں گا.....!'' حمید نے کہا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔ کچھ دیر بعد اس کا داہنا ہاتھ چہرے کی طرف گیا اور اسپرنگ نتھنوں سے نکل کر جیب میں پہنچ گئے.....!

''اوہ.....!'' وہ چونک کر مضطربانہ انداز میں بولی۔ ''ناممکن..... قطعی ناممکن.....!''

''کیا مطلب؟''

''یہ کیسے کر رکھا تھا تم نے۔ کیا میں خواب دیکھ رہی ہوں، ناک اور ہونٹ کا اس طرح اٹھے رہنا بالکل ناممکن ہے.....!''

''یہ میری روحانی قوت کا کرشمہ تھا، چاہوں تو ابھی میرے دم بھی نکل آئے اور تمہارے بھی.....!''

''نہیں..... سچ بتاؤ.....!''

''دیکھنا چاہتی ہو..... مجھے یقین ہے کہ ولی جاہ نے اس موٹے کے خواب خاطر خواہ نہ ہونے دیئے.....!''

''ولی جاہ کی بات نہ کرو..... اب میرا اس سے کوئی تعلق نہیں!''

''پھر اب تم کہاں جا رہی ہو.....!''

''جہاں میری زندگی کو کوئی خطرہ نہ ہو!''

''تار جام پہلے بھی کبھی گئی ہو.....؟''

''ہاں ولی جاہ نے ایک آدھ بار وہاں بھی قیام کیا تھا!''

''کہاں.....؟''

''اس کا ایک دوست ہے.....!''

''اور اس وقت تم وہیں جا رہی ہو!''

''قدرتی بات ہے۔ اس کے علاوہ میں یہاں اور کسی کو نہیں جانتی.....!''

''کسی کو جاننے میں کتنا وقت صرف کرتی ہو تم.....!''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ میرے ساتھ کتنا وقت گزارنے کے بعد مجھ پر اعتماد کر سکو گی۔''

''تم پیچھے کیوں پڑ گئے ہو میرے۔''

''ایسی ناک اور ایسی آنکھیں رکھنے والے!'' حمید اس کے چہرے کی طرف انگلی اٹھا کر بولا۔ ''پتہ نہیں کیوں مجھے اپنے کزن لگتے ہیں.....!''

''تم آخر ہو کون.....؟''

''راستے بھٹکے ہوئے لوگوں کا ہمدرد..... میری روحانی قوت.....!''

''میں روحانی قوتوں کی قائل نہیں.....!''

''اچھی بات ہے..... اگر دُم نکل آئے تو پھر مجھ سے شکایت نہ کرنا.....''

ٹیکسی شفاف سڑک پر تیرتی چلی جا رہی تھی..... مطلع ابر آلود تھا۔ پل پل دھوپ چھاؤں کے مناظر گزر رہے تھے.....!

''ولی جاہ کے ذمے تمہاری کوئی رقم واجب الادا تو نہیں تھی۔'' حمید نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

''نہیں وہ لین دین کا پکا تھا.....!''

''پتہ نہیں کیوں تمہاری ایک بات پر اعتبار کرنے کو جی نہیں چاہتا۔''

''کون سی بات.....؟''

''یہی کہ تم ان لوگوں سے واقف نہیں جو تمہیں موٹے کے ہٹ سے لے جانا چاہتے تھے۔''

''یہ حقیقت ہے..... تم یقین کرو یا نہ کرو..... میں نہیں جانتی کہ وہ کون ہیں اور ولی جاہ سے کیا چاہتے ہیں.....!''

''اگر تم سچ کہہ رہی ہو تو خود کو کہیں بھی محفوظ نہ سمجھو.....'' حمید کچھ سوچتا ہوا بولا اور چند لمحے خاموش رہ کر آہستہ سے پوچھا۔

''کیا یہ ٹیکسی ڈرائیور خود ہی تمہاری طرف بڑھا تھا.....!''

وہ کسی سوچ میں پڑ گئی پھر بولی۔ ''میرا خیال ہے..... وہ خود ہی میری طرف بڑھا تھا وہاں کئی ٹیکسیاں تھیں۔''

''خیر اب خاموش بیٹھو.....!''

''سوال یہ ہے کہ تم پر ہی کیوں اعتماد کر لیا جائے۔''

''پھر کس خیال کے تحت مجھے اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی تھی!''

''اپنے ذہن پر کسی قسم کا بار رکھنا پسند نہیں کرتی۔ الجھن تھی کہ کوئی میرا تعاقب کر رہا ہے..... لہٰذا اس الجھن کو رفع کر ڈالا۔''

''رفع ہو گئی الجھن.....؟''

''کسی قدر..... اس حد تک کہ اگر تم دشمن بھی ہو تو شائستگی ہی سے پیش آؤ گے.....!''

''دشمن سمجھے جاؤ گی.....!''

''یقیناً تاوقتیکہ دوستی کا ثبوت نہ ملے۔''

دفعتاً ایک زوردار دھماکہ ہوا..... بریک چڑچڑائے اور گاڑی میں بھونچال سا آ گیا۔ گاڑی کا کوئی ٹائر برسٹ ہوا تھا۔

کشمکش

''یہ کیا ہوا.....؟'' عالیہ کی آواز کانپ رہی تھی.....!

''ٹائر برسٹ ہوا ہے!'' حمید بولا۔

ٹیکسی ڈرائیور ان کی طرف مڑ کر بڑبڑایا۔ ''اسی لیے کہے میں نہیں جاتے ہم لوگ۔''

''اس وقت تم تو کہے پر ہی چل رہے تھے۔'' حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔

''نیچے اتریئے! میں پہیہ تبدیل کروں گا۔'' ڈرائیور کا لہجہ اچھا نہیں تھا۔

حمید نے عالیہ کو اترنے کا اشارہ کیا۔ ڈرائیور ڈکے سے جیک نکالنے لگا تھا۔

حمید اور عالیہ سڑک کے کنارے کھڑے ہو گئے! وہ ڈرائیور کی حرکات وسکنات کا بغور مشاہدہ کر رہا تھا۔ جیسے ہی وہ جیک لگانے کے لیے جھکا حمید نے آگے بڑھ کر اس کی ڈھیلی ڈھالی پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔

وہ بڑی پھرتی سے نہ صرف پلٹا تھا بلکہ جیک ہی سے حمید پر حملہ بھی کر دیا تھا۔ اگر حمید ایک پل کے لیے بھی غافل ہوتا تو سر کے کئی ٹکڑے ہو گئے ہوتے۔

ٹیکسی ڈرائیور کی جیب سے برآمد ہونے والا پستول اب حمید کے ہاتھ میں تھا.....!

''جیک زمین پر ڈال دو.....!'' اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

ڈرائیور نے بے چون وچرا تعمیل کی۔ لیکن اس کی آنکھوں سے بے پناہ نفرت اور غصے کا اظہار ہو رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے موقع ملتے ہی حمید کو چیر پھاڑ کر رکھ دے گا۔

''لائسنس ہے تمہارے پاس اس پستول کا۔'' حمید نے آہستہ سے پوچھا.....!

''تم سے مطلب؟''

''ہر شہری کو دوسرے سے یہ سوال کرنے کا حق حاصل ہے!''

اتنے میں ایک لمبی سی گاڑی کے بریک چڑچڑائے اور قاسم دہاڑتا ہوا اس پر سے اتر

نظر آیا۔

''سالے مجھ سے بچ کر تہاں جاؤ گے.....!'' اس نے بڑے تاؤ میں کہا تھا لیکن ا

تفصیلی نظر پڑتے ہی جہاں تھا وہیں ٹھٹک گیا۔

''اس آدمی کو زبردستی اپنی گاڑی میں بٹھاؤ.....'' حمید نے قاسم سے کہا۔

''قیوں.....؟''

''تمہاری ہونے والی سیکریٹری کو اڑا لے جاتا اگر میں نے اس کا پیچھا نہ کیا ہوتا

پستول اسی کا ہے.....!''

''اب تو کتے کے پلے بھی پستول لٹکا کر گھومیں گے تمہارا قدم جو بیچ میں آ پڑا ہے۔ سالے اب ترق وطن کر جاؤں گا.....'' وہ اسے گھونسہ دکھا کر بولا۔ ''چاہے انگلینڈ میں بیراگری ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ میں اب یہاں نہیں رہوں گا.....!''

''فی الحال وہ کرو جو میں کہہ رہا ہوں۔''

''اچھی بات ہے.....اس کے بعد تم سے سمجھوں گا.....!''

قاسم جھومتا ہوا ٹیکسی ڈرائیور کی طرف بڑھا اور اسکے اوپر اٹھے ہوئے ہاتھ پکڑ لیے۔

قاسم کی پشت حمید کی طرف تھی۔ دفعتاً ٹیکسی ڈرائیور کا داہنا گھٹنا تیزی سے اوپر اٹھا اور قاسم ''ارے باپ رے'' کا نعرہ بلند کر کے لڑکھڑاتا ہوا حمید پر جا پڑا۔

پھر حمید سے وہ ''ڈیڑھ ٹن'' کی لاش کسی طرح بھی نہ سنبھل سکی اور وہ بھی لڑکھڑاتا ہوا دوسری طرف لڑھک گیا لیکن گرتے گرتے اسکا خیال رکھا تھا کہ کہیں قاسم کے نیچے نہ آ جائے۔

ادھر ٹیکسی ڈرائیور نے سڑک کے نیچے چھلانگ لگائی۔ حمید اٹھ کر اس کے پیچھے دوڑا۔ اس افراتفری میں ہاتھ والا پستول گر گیا تھا۔ پھر جتنی دیر میں وہ اپنے بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکالتا ٹیکسی ڈرائیور جھاڑیوں کے لامتناہی سلسلوں میں غائب ہو چکا تھا.....!

دفعتاً قاسم کراہتی ہوئی آواز میں دہاڑنے لگا۔ ''ارے.....ارے.....اے.....یہ قیا.....اے وہ غئی.....!''

حمید نے مڑ کر دیکھا..... نہ صرف دیکھا بلکہ دوڑ بھی پڑا۔ لیکن قاسم کی امپالا برق رفتاری سے آگے بڑھ گئی.....!

عالیہ اسے لے اڑی تھی.....!

''ابے تو اب مجھے اٹھاؤ نا.....خدا تمہیں غارت کرے!'' قاسم حلق پھاڑنے لگا۔

وہ زمین پر چت پڑا تھا اور اس کے چہرے پر کرب کے آثار تھے! اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھاتا ہوا وہ کراہا۔ ''جب تک تم سے.....تم سے.....ملاکات نہیں ہوتی.....چین سے رہتا ہوں.....میں خود ہی سالا منحوس ہو گیا ہوں.....!''

حمید بدقت اسے بیٹھ جانے کی پوزیشن میں لا سکا.....!

اس کے بعد اس نے ٹیکسی ڈرائیور والا پستول تلاش کرنا شروع کیا لیکن آس پاس تو

کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔

''ابے تو مجھے اٹھاؤ نا..... پتہ نہیں کیا چیز چبھ رہی ہے!'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

''اب خود سے اٹھنے کی کوشش کرو.....!'' حمید نے بھنا کر کہا اور پھر بائیں جانب والی ڈھلان میں دوڑا چلا گیا۔

کچھ دور جھاڑیوں میں گھسا لیکن ٹیکسی ڈرائیور کا کہیں پتہ نہ تھا، تھک ہار کر پھر پلٹا۔ قاسم خود ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا اور زمین پر پڑے ہوئے پستول کو خوفزدہ نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔

جیسے ہی حمید قریب پہنچا اس سے لپٹ کر گھوں گھوں کرنے لگا۔

''یہ..... یہ..... پستول..... مم..... میرے نیچے دبا ہوا تھا۔ ارے باپ رے..... اگر چل جاتا تو قیا ہوتا.....!''

جواب میں حمید نے ایسی بات کہی کہ قاسم نے کچکچا کر اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔ پھر کھسیانی ہنسی کے ساتھ بولا۔ ''بس جی جلایا کرو میرا.....!''

''جیک لگا کر پہیہ تبدیل کرو ٹیکسی کا..... ورنہ تمہاری گاڑی بھی جہنم رسید ہوئی.....!''

حمید اس کے شانے پر ہاتھ مار کر بولا۔

''مجھ سے تو اکڑوں نہ بیٹھا جائے گا۔ اس وقت.....!'' قاسم نے ہانپتے ہوئے کہا۔

حمید نے پستول اٹھا لیا اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

''ارے..... یہ تو نقلی ہے.....!'' دفعتاً اسی کی زبان سے نکلا۔

''اچھا.....؟'' قاسم چہک کر بولا۔ ''یا اللہ تیرا شکر ہے۔ چل بھی جاتا تو کچھ نہ ہوتا۔''

''لیکن سوال یہ ہے کہ اگر نقلی تھا تو وہ اس طرح بھاگا کیوں!''

''امے..... اے ہوش کی دوا کرو.....!'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ ''میں قرنل فریدی نہیں ہوں کہ مجھ سے اس طرح پوچھ رہے ہو۔ اچھا ہوا سالا بھاگ گیا۔''

''خاموش رہو..... وہ کمبخت جل دے گئی..... ٹیکسی ڈرائیور اسی کا ساتھی تھا۔ اگر اتفاقاً وھیل برسٹ نہ ہو جاتا تو.....!''

''اے زبان سنبھال کے کمبخت ہو گے تم..... کوئی لفنگا ٹیکسی ڈرائیور کیوں ہونے لگا بڑے جاسوس کے دمچے بنے پھرتے ہیں ہونہہ.....!''

''تم ہوش میں ہو یا نہیں..... وہ تمہاری گاڑی اڑا لے گئی!''

''تمہاری تو نہیں اڑا لے گئی..... تم قیوں مرے جاتے ہو.....!''

''اچھی بات ہے تو اب میں تمہیں یہیں چھوڑ کر چل دوں گا.....!''

قاسم ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑاتا رہا اور حمید وھیل بدلنے بیٹھ گیا۔

اور وھیل بدل جانے کے بعد قاسم ایسے بوکھلائے ہوئے انداز میں ٹیکسی میں بیٹھا تھا جیسے خدشہ رہا ہو کہ حمید اسے وہیں چھوڑ کر بھاگ نکلے گا۔

''اے سنبھل کے.....'' حمید غرایا..... ''کہیں چیسس نہ ٹوٹ جائے۔''

قاسم اس کے جملے کو نظر انداز کر کے بولا۔ ''تارجام ہی کی طرف گئی ہے.....!''

حمید نے انجن اسٹارٹ کیا اور کچھ دور چل کر پھر گاڑی روک دی۔ روانگی سے پہلے وہ گاڑی کی تلاش لینا چاہتا تھا۔

''اب قیا ہوگیا.....!''

''تم خاموش بیٹھو.....!'' حمید نے کہا اور ڈیش بورڈ کے خانے کھولنے لگا۔ گاڑی کی کتاب موجود تھی۔ وہ اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔

''اوہو..... یہ تو تارجام ہی کے کسی آدمی کی ملکیت ہے!'' وہ بڑبڑایا۔

''امے تم یہ سب دیکھ رہے ہو اور وہ نہ جانے کہاں جا پہنچی ہو۔'' قاسم بولا.....!

''میں کہتا ہوں خاموش بیٹھو.....! وہ جائے جہنم میں۔''

''تم خود جاؤ جہنم میں..... مزاج ہی نہیں ملتے.....!''

کوئی قابل اعتراض چیز ہاتھ نہ لگی۔ بالآخر تلاشی کا سلسلہ ختم کر کے اس نے پھر انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی چل پڑی۔ گاڑی کی کتاب اس نے اپنی جیب میں ڈال لی تھی۔

قاسم پشت گاہ سے ٹک گیا۔ سیٹ کے اسپرنگ آواز کے ساتھ بیٹھ گئے تھے.....!

''خدا ہی پہنچائے تارجام تک.....!'' حمید کراہا۔

''آمین.....'' قاسم ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

گاڑی تیزی سے راستہ طے کرتی رہی۔

تارجام سے کچھ ادھر ایک اعلیٰ درجے کا ہوٹل تھا..... اس کے قریب سے گزرتے وقت

قاسم نے نعرہ لگایا..... ''وہ رہی.....!''

''کیا.....؟''

''میری گاڑی.....ہوٹل کے کمپاؤنڈ میں.....!''

حمید نے بریک لگائے اور گاڑی کو بیک کرنے لگا۔

پھر وہ ہوٹل کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوئے۔

''تم یہیں ٹھہرو.....میں اندر جاتا ہوں.....'' حمید نے قاسم سے کہا۔

''اب یہ نہیں ہو سکے گا.....!''

''میری بات سمجھنے کی کوشش کرو.....اگر کوئی ٹیکسی بھی لے اڑا تو!''

''تو تم بیٹھے رہو ٹیکسی میں.....میں اندر جا کر دیکھ لوں غا.....''

''تم دیکھو گے یا خود کو دکھاتے پھرو گے!''

''میں قحبہ بھی کروں.....!''

''جہنم میں جاؤ.....!'' حمید نے کہا اور ٹیکسی سے اتر کر عمارت کی طرف چل پڑا۔ مڑ کر دیکھا ہی نہیں کہ قاسم کیا کر رہا ہے۔

ڈائننگ ہال میں چاروں طرف نظر دوڑائی لیکن عالیہ کا کہیں پتہ نہ تھا۔ پھر کاؤنٹر پر قیام کرنے والوں کے بارے میں پوچھ گچھ کی لیکن عالیہ کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا۔

پھر اس نے سوچا ہو سکتا ہے کسی اور کے ساتھ مقیم ہو۔ یا یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ولی نے ایگل بیچ سے فرار ہونے کے بعد یہیں پناہ لی ہو.....!

وہ مزید پوچھ گچھ کے لیے سلسلۂ گفتگو شروع ہی کرنے والا تھا کہ قاسم جھومتا ہوا کاؤنٹر کے قریب آ کھڑا ہوا۔ حمید کا دل چاہا کہ مارتے مارتے اس کا حلیہ بگاڑ دے۔ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے وہ اسے گھورتا رہا۔

''قیا پتہ نہیں چلا.....!'' قاسم نے آہستہ سے پوچھا۔

''نہیں.....!''

''یہاں ڈائننگ ہال تو ہوگا ہی.....'' قاسم نے پوچھا۔

''وہاں دیکھ چکا ہوں۔''

''چلو ایک بار پھر دیکھ لیتے ہیں۔'' قاسم نے کہا اور منہ چلانے لگا۔ اس کے بعد اس نے مضبوطی سے حمید کا بازو پکڑا اور بولا۔ ''چلو ڈائننگ ہال میں.....!''

حمید نے اسے خونخوار نظروں سے دیکھا اور چپ چاپ چلنے لگا یہاں ہاتھا پائی نہیں کر سکتا تھا اور پھر وہ قاسم کی گرفت میں تھا۔

ڈائننگ ہال میں پہنچ کر اس نے حمید کو ایک کرسی پر بٹھا دیا۔ لیکن اس کا بازو نہیں چھوڑا۔

ایک ویٹر کو اشارے سے قریب لا کر کہا۔ ''دو مرغ تگڑے والے۔''

''کیا شروع کر دیا تم نے.....!'' حمید نے آنکھیں نکالیں۔

''بھاگ دوڑ میں بھوک لگ آئی ہے.....!''

''اگر وہ نکل گئی تو.....؟''

''اتنی جلدی نہیں نقل سکتی۔ تم چین سے بیٹھے رہو.....!''

''میرا بازو چھوڑ دو.....!''

''بازو تو نہیں چھوڑوں گا چاہے ایک ہی ہاتھ سے کھانا پڑے!''

''تم سرکاری کام میں مداخلت کر رہے ہو اتنا سمجھ لو.....!''

''اچھا جی.....یہ میں سرکار کب سے ہو گیا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''کام میرا ہے یا سرکار کا.....؟''

''وہ کوئی بڑی مجرمہ معلوم ہوتی ہے!''

''الا قسم بازو کی ہڈی توڑ دوں گا۔'' قاسم نے نہ صرف دھمکی دی بلکہ بازو پر زور بھی ڈالا۔

''اب میرا بھی گھٹنا ہی چلے گا۔''

''ابے نہیں.....!'' قاسم بھڑک کر پیچھے ہٹا اور بوکھلاہٹ میں حمید کا بازو بھی چھوڑ دیا۔

پھر وہ اسے اتنی مہلت کہاں دے سکتا تھا کہ دوبارہ اس کا ہاتھ پکڑ سکتا۔

بڑی تیزی سے ڈائننگ ہال سے نکلا تھا اور کمپاؤنڈ کی طرف چل پڑا تھا۔

ٹیکسی وہاں موجود نہیں تھی۔ لیکن قاسم کی امپالا اب بھی وہیں موجود تھی جہاں پہلے نظر آئی تھی.....!

حمید اس کی طرف لپکا..... کنجی اگنیشن میں لگی نظر آئی۔ اس سے بہتر اور کوئی تدبیر ہو سکتی تھی کہ اب وہ اسے لے بھاگتا۔ آخر قاسم کو بھی تو سزا دینی ہی تھی۔

اس نے مڑ کر عمارت کے صدر دروازے کی طرف دیکھا۔ قاسم کا دور دور تک پتہ نہ تھا۔ غالباً وہ اس کے پیچھے آیا ہی نہیں تھا۔ دو مرغوں کا آرڈر تو دے بیٹھا تھا.....!

حمید اس کی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ انجن اسٹارٹ کر کے اسے کمپاؤنڈ سے باہر نکال لایا۔ ٹیکسی کی کتاب اس کی جیب میں موجود تھی۔

تارجام کا چپہ چپہ اس کا دیکھا ہوا تھا۔ لہٰذا کتاب میں لکھے ہوئے پتے پر پہنچنے میں اسے کوئی دشواری پیش نہ آئی۔

یہ ایک سال خوردہ عمارت تھی لیکن پائیں باغ میں خاص سلیقے کو دخل معلوم ہوتا تھا۔

حمید نے پھاٹک ہی پر گاڑی روک دی اور نیچے اتر کر کال بل کا بٹن تلاش کرنے لگا لیکن پھاٹک کے ستونوں میں ایسی کوئی چیز نظر نہ آئی۔

بالآخر اسے پھاٹک ہلانا پڑا..... پھاٹک کے ایک ستون پر صرف نمبر پڑے ہوئے تھے۔ نام کی تختی موجود نہیں تھی.....!

پھاٹک لوہے کی چادر کا تھا۔ خاصا شور ہو رہا تھا اس کے ہلانے سے، لیکن حمید کوشش جاری رکھی.....!

دفعتاً کسی نے دوسری طرف سے پھاٹک کو ایک جھٹکے کے ساتھ کھول دیا.....!

یہ ایک طویل قامت آدمی تھا۔ آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک تھی اور چہرہ اتنا شفاف تھا جیسے ابھی ابھی شیو کیا ہو.....!

''لیکن آپ وہ تو نہیں ہیں.....!'' اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''پھر کیوں خواہ مخواہ پھاٹک ہلا رہے ہیں.....!''

''میں نہیں سمجھا.....!''

''لیکن میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ کوئی اور ہے کیونکہ پھاٹک ہلانے میں وہ ربط اور تو نہیں تھا جس کے لیے ہدایت کی گئی تھی.....!''

''آپ پتہ نہیں کیا فرما رہے ہیں جناب.....!''

''تو آپ ہی فرمائیے کہ آپ کیا فرمانا چاہتے ہیں!'' اس نے تلخ لہجے میں کہا۔

''میں ساجد ہوں.....!''

''یہ آپ لکھ کر بذریعہ ڈاک بھی بھجوا سکتے تھے۔ خواہ مخواہ پھاٹک ہلانا کیوں شروع کر دیا۔''

''آپ سی۔ بی شاہ ہیں!'' حمید نے پوچھا۔

''تب آپ جاہل بھی معلوم ہوتے ہیں.....!''

''کیا مطلب.....؟''

''شاہ نہیں شا.....سی۔ بی شا۔ سیسل براؤن شا.....!''

''یہ میری نہیں بلکہ کسی اور کی جہالت ہے۔'' حمید نے شدید غصے کے عالم میں کہا اور جیب سے ٹیکسی کی کتاب نکال کر اس کے چہرے کے قریب لے جاتا ہوا بولا۔ ''عینک اتار کر دیکھوں تو زیادہ بہتر ہوگا.....!''

''اوہ.....تو میری ٹیکسی مل گئی.....!'' وہ پرمسرت لہجے میں بولا۔

''کیا مطلب.....؟''

''ظاہر ہے ٹیکسی مل گئی تبھی تو یہ کتاب.....معاف کیجئے گا آپ شاید کوئی پولیس آفیسر ہیں۔''

''ٹھیک سمجھے.....!'' کیا ہم کہیں بیٹھ کر گفتگو نہیں کر سکتے۔

''ضرور.....ضرور.....اندر تشریف لائیے۔'' وہ ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔

طویل روش طے کر کے وہ برآمدے میں پہنچے تھے اور وہیں بید کی کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے۔

''میری ٹیکسی کب اور کہاں ملی.....؟'' اس نے مضطربانہ انداز میں حمید سے پوچھا۔

''آپ نے کب رپورٹ درج کرائی تھی؟''

''ابھی ایک گھنٹہ پہلے کی بات ہے.....!''

''اور آپ کو معلوم کب ہوا تھا کہ ٹیکسی لاپتہ ہے!''

''آج صبح جب ڈرائیور اسے واپس نہیں لایا تو تشویش ہوئی تھی! پہلے اپنے طور پر ڈرائیور کو تلاش کراتا رہا۔ جب وہ نہیں ملا تو رپورٹ درج کرا دی لیکن واقعی پولیس کی کارکردگی سے مجھے متاثر ہونا پڑا ہے۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر پتہ لگا لیا.....!''

''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے.....!''

''کیا مطلب.....؟''

''یہ کتاب مجھے سڑک پر پڑی ملی تھی۔ میں نے سوچا آپ کو پہنچا ہی دوں اور اس سلسلے میں کسی معاوضے کا طلبگار نہیں.....!''

''ظاہر ہے امپالا رکھنے والا دس بیس کا طلبگار کیوں ہونے لگا۔'' سی۔ بی شا نے بڑے تلخ لہجے میں کہا۔

''لیکن اگر آپ معاوضہ ادا ہی کرنا چاہتے ہیں تو اس کی دوسری صورت بھی ہو سکتی ہے''

''وہ کیا جناب.....؟'' لہجے کی تلخی بدستور قائم رہی۔

''میں پھاٹک ہلانے سے متعلق آپ کی عجیب وغریب گفتگو کا مفہوم سمجھنے کے لیے بے چین ہوں.....!''

''مجھے یاد نہیں کہ میں نے کیا کہا تھا.....!''

''آپ نے کہا تھا کہ جب تم وہ نہیں ہو تو پھاٹک کیوں ہلا رہے ہو!''

''اوہاں..... میں اس لیے ایک آدمی کو معاوضہ ادا کرتا ہوں کہ ایک خاص وقت پر آ کر پھاٹک ہلایا کرے.....!''

''آخر کیوں.....؟''

''مینڈکوں پر مختلف قسم کی آوازوں کے اثرات کا مشاہدہ کر رہا ہوں۔''

''اوہ تو آپ.....!''

''جی ہاں..... میں بیالوجسٹ ہوں.....!''

''بھلا اس سے مینڈکوں کو کیا فائدہ پہنچے گا.....''

''میرا وقت برباد نہ کیجئے.....!'' وہ ہاتھ اٹھا کر خشک لہجے میں بولا۔

''مجھے بھی مینڈکوں سے دلچسپی ہے.....!''

''وہ کس قسم کی دلچسپی ہے جناب؟''

''ہر قسم کی دلچسپی..... مثلاً مینڈکوں کو کس طرح ناشتہ کرنا چاہئے۔ یا ناشتے میں کس قسم کے مینڈک پیش کیے جائیں.....!''

''کیا آپ میرا مذاق اڑانا چاہتے ہیں.....!''

''ہرگز نہیں جناب! میں بھی آپ ہی کی طرح بیالوجسٹ ہوں اور میرا موضوع ہے جھینگر!''

''آپ جھینگر کے بارے میں کیا جانتے ہیں۔''

سی۔ بی شا کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

''یہی کہ وہ جھینگے کا بدل ثابت ہو سکتا ہے۔ چائے کے ساتھ اگر دو چار جھینگر بھی دم کر دیئے جائیں تو دمے کے مریضوں کو خاصا فائدہ پہنچ سکتا ہے.....!''

''آپ براہ کرم تشریف لے جائیں۔ ورنہ.....!''

''کیا آپ مجھے اپنے ٹیکسی ڈرائیور کا حلیہ بتا سکیں گے.....!''

''میں نے عرض کیا نا کہ آپ براہ کرم تشریف لے جائیں.....!''

''اگر آپ نے ٹیکسی ڈرائیور کا پتہ نہ بتایا تو ممکن ہے کہ آپ کسی جرم میں ملوث ہو جائیں.....!''

''آپ آخر ہیں کیا بلا.....!'' سیسل شا اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

''آپ کی ٹیکسی اغواء کے کیس میں پکڑی گئی ہے۔ ڈرائیور فرار ہو گیا۔''

''میں پوچھ رہا ہوں آپ کون ہیں.....!''

اتنے میں تین چار بڑے بڑے مینڈک پھدکتے ہوئے برآمدے میں آ گئے.....!

''اوہو.....!'' حمید پرمسرت لہجے میں چیخا۔ ''کتنے توانا اور فربہ مینڈک ہیں یقین کیجئے میں نے آج تک اتنے خوبصورت مینڈک نہیں دیکھے تھے یہ نر ہیں یا مادہ.....!''

''آپ کو پسند آئے؟'' سیسل شا کے دانت بھی نکل پڑے۔

''بہت زیادہ..... مجھے حیرت ہے..... واللہ یہ مینڈک ہیں..... یا مینڈھے.....!''

''عراق سے منگوائے گئے تھے اور اب میں یہاں ان کی نسل بڑھا رہا ہوں ان کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی اوپری کھال مختلف قسم کی آوازوں سے متاثر ہو کر رنگ بدلتی ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ میں یونیورسٹی کے شعبہ سائنس میں بھی آپ کا تذکرہ سن چکا ہوں۔''

''اچھا.....!'' سیسل شا کھلا پڑ رہا تھا اور حمید کے بہکنے کی وجہ دراصل یہ تھی کہ اسے ایک کھڑکی میں پل بھر کے لیے ایک رنگین سا سایہ دکھائی دیا تھا اندر سے ایک بڑی کھٹکتی ہوئی سی چھینک کی گونج بھی سنائی دی تھی.....!

''آپ چائے پئیں گے یا کافی.....!''سیسل شا نے پوچھا۔

''ارے اس کی زحمت کیوں کرتے ہیں.....!''

''نہیں کوئی بات نہیں.....اندر چلئے!''

حمید تو یہ چاہتا ہی تھا۔اس کھنکتی ہوئی چھینک کی گونج اب بھی اس کے کانوں میں ٹپکا رہی تھی۔بس تو پھر.....وہ اس کے ساتھ ڈرائینگ روم میں آیا.....!

پھر سیسل اسے وہیں چھوڑ کر اندر چلا گیا۔

ڈرائینگ روم کی دیواروں پر مختلف قسم کے مینڈکوں کی تصاویر آویزاں تھیں۔

دیواروں سے نظر ہٹ کر اس دروازے پر ٹھہری جس سے اس کا میزبان اندر گیا تھا اور وہیں ٹھہری رہ گئی کیونکہ وہاں نظر آنے والا السیشین اسے اچھے تیوروں سے نہیں دیکھ رہا تھا۔

حمید کا کارنامہ

السیشین بے حد خونخوار معلوم ہوتا تھا اور اب اس کے حلق سے ہلکی ہلکی غراہٹ بھی نکلنے لگی تھی۔

حمید نے بغلی ہولسٹر پر ہاتھ رکھ لیا دن بھر بندھا رہنے والا رکھوالی کا کتا معلوم ہوتا تھا تو پھر کیا یہ اس وقت اسی کے لیے چھوڑا گیا ہے۔

حمید اگر پوری طرح ہوشیار نہ ہوتا تو کتے نے پہلی ہی جست میں اس کی گردن لی ہوتی۔ وہ اچھل کر دروازے کے پاس جا پہنچا اس کے بعد برآمدے ہی میں ہوتا لیکن ایکدم مترنم سی آواز نے کتے کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

ایک بڑی اسمارٹ لڑکی کتے کو ڈانٹ رہی تھی.....!

''جیک.....شپ اپ.....گٹ ان.....گٹ ان.....!''

کتا دم ہلاتا ہوا پھر اندر چلا گیا۔

لڑکی جین اور جیکٹ میں ملبوس تھی اور سیسل شا کی طرح بالکل دیسی نہیں معلوم ہوتی اگر شا کی ہی لڑکی تھی تو اس کی ماں یقینی طور پر کسی سفید فام نسل سے تعلق رکھتی ہوگی۔

''پلیز سٹ ڈاؤن.....''اس نے حمید سے کہا۔''ڈیڈی از بنری ان دی کچن.....!''

''ڈیٹس آل رائٹ.....!''حمید بیٹھتا ہوا مسکرایا۔

''وہ صرف دھمکیاں دیتا ہے.....خطرناک نہیں ہے!''لڑکی بدستور مسکراتی ہوئی بولی۔

''کون.....؟''

''جیکی.....؟''

''اوہو.....میں سمجھا شاید آپ مسٹر شا کے بارے میں کہہ رہی ہیں.....!''

''وہ دھمکیاں نہیں دیتے۔لیکن خطرناک ہیں اور اسی لیے میں نے مناسب سمجھا کہ میں ہی تم سے گفتگو کروں۔ٹیکسی کا کیا قصہ ہے.....؟''

''ایک کتاب مجھے سڑک پر پڑی ملی تھی۔میں نے سوچا اسے مالک تک پہنچا دوں۔پھر معلوم ہوا کہ مسٹر شا بیالوجسٹ ہیں۔مجھے بھی بیالوجی سے دلچسپی ہے.....!''

''اُوہو.....تبھی وہ آپ کے لیے خود چائے تیار کر رہے ہیں۔''

''کیا مطلب.....؟''

''آپ نے یقیناً ان کے مینڈکوں میں دلچسپی لی ہوگی!''

''جی ہاں.....اور یہ حقیقت ہے کہ ڈاکٹر شا.....!''

''پروفیسر شا.....!''لڑکی نے تصحیح کی!''وہ پروفیسر ہی کہلانا پسند کرتے ہیں.....!''

''میں آئندہ بھی ان کے مینڈکوں میں دلچسپی لیتا رہوں گا۔''حمید نے بڑے خلوص سے کہا۔اور وہ اسے شرارت آمیز نظروں سے دیکھنے لگی۔پھر بے حد سنجیدہ ہو کر بولی۔''کیا تم ہم لوگوں کو بے وقوف سمجھتے ہو.....!''

''میں اپنے علاوہ اور کسی کو بھی بیوقوف نہیں سمجھتا.....بڑے پائے کا بیوقوف ہوں میں.....بعض مواقع پر آپ مجھ سے مل کر بے حد خوش ہوں گی.....اوہ.....وہ دیکھئے آپ کا ٹیکی مجھے پھر کینہ توز نظروں سے دیکھ رہا ہے۔''

لڑکی دروازے کی طرف مڑی اور کتے کو وہاں دیکھ کر جی۔''جیکی گٹ ان.....ٹھیک انفرنل بیسٹ.....!''

اسی وقت برآمدے سے بھاری قدموں کی آواز آئی اور کسی نے کہا.....''کیا میں

اندر آ سکتا ہوں.....؟''

''یس پلیز.....!'' لڑکی کرسی سے اٹھتی ہوئی بولی اور پھر ایک باوردی پولیس آفیسر ڈرائینگ روم میں داخل ہوا.....!

حمید نے طویل سانس لی اور کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

آنے والے نے حمید پر نظر ڈالی پہلے کسی قدر ٹھٹکا اور پھر لاتعلقی کا مظاہرہ کرتا ہوا لڑکی سے بولا۔

''پروفیسر کہاں ہیں؟''

''بیٹھیے! میں انھیں بھیجتی ہوں.....!''

آنے والے نے حمید کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا اور حمید نے مسکرا کر اپنی بائیں آنکھ دبائی۔

اتنے میں پروفیسر کمرے میں داخل ہوا۔

''یہی ہے وہ آدمی.....انسپکٹر!'' وہ حمید کی طرف ہاتھ اٹھا کر دہاڑا۔

''اوہ.....!'' انسپکٹر نے حمید کو گھور کر دیکھا اور حمید احمقانہ انداز میں جلدی جلدی پلکیں چھپکانے لگا.....!

''اس سے پوچھئے کہ اسے میری ٹیکسی کی کتاب کہاں ملی تھی.....!''

''کیوں جناب.....!'' انسپکٹر نے حمید سے سوال کیا۔

''پروفیسر ہی سے پوچھئے کہ میں نے انھیں کیا بتایا تھا.....!''

''میں آپ ہی کی زبان سے سننا چاہتا ہوں!''

''سڑک پر پڑی ملی تھی.....!''

''کہاں.....کس جگہ.....!''

''اس طرح بتانا مشکل ہے.....آپ کو میرے ساتھ چلنا پڑے گا.....!''

''کتاب کہاں ہے؟''

''میرے پاس.....!'' پروفیسر کوٹ کی جیب سے کتاب نکالتا ہوا بولا۔

اب حمید کو یاد آیا کہ اس نے باتوں ہی باتوں میں کتاب اس کے حوالے کر

حالانکہ اسے اس کے پاس ہونا چاہئے تھا.....!

''لائیے کتاب.....مجھے دیجئے.....میں دیکھوں گا اس معاملے کو۔'' انسپکٹر نے اس کے ہاتھ سے کتاب لیتے ہوئے کہا اور پھر حمید سے بولا۔ ''مجھے وہ جگہ دکھائیے جہاں آپ کو کتاب ملی تھی.....!''

حمید اٹھ گیا۔

''یہ امپالا آپ کی ہی ہے.....!'' انسپکٹر نے پوچھا۔

''جی ہاں.....!''

''اچھا پروفیسر.....!'' انسپکٹر سیسل شا سے بولا۔ ''میں اپنا اسکوٹر یہیں چھوڑے جا رہا ہوں.....!''

''اچھی بات ہے.....!''

ان دونوں نے خاموشی سے روش طے کی اور گاڑی میں آ بیٹھے۔ جب گاڑی حرکت میں آ گئی تو انسپکٹر نے پوچھا۔ ''کیا قصہ ہے، تمہارا گرانڈیل دوست ابھی کچھ ہی دیر پہلے بڑی دیر تک میرا دماغ چاٹتا رہا تھا۔ یہ گاڑی شاید اسی کی ہے.....!

''ہاں.....آں.....لاؤ وہ کتاب مجھے دے دو اور پروفیسر کے بارے میں جو کچھ بھی جانتے ہو بتاؤ.....!''

سب انسپکٹر مقصود پہلے حمید ہی کے محکمے سے تعلق رکھتا تھا پھر اسے سول پولیس میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ ان دنوں وہ تارجام کے تھانے میں سیکنڈ آفیسر کے فرائض انجام دے رہا تھا۔

حمید نے اس سے ٹیکسی کی کتاب لے لی۔

''اس وقت قاسم کہاں ہے.....!''

''گرینڈ ہوٹل کے کمرہ نمبر گیارہ میں.....!''

''اس نے تمہیں کیا بتایا ہے.....!''

''یہی کہ تم دونوں گرینڈ میں چائے پی رہے تھے۔ اچانک تم پیشاب کرنے کے بہانے اٹھے اور اس کی گاڑی لے بھاگے.....!''

حمید نے طویل سانس لی اور سوچا بالکل ہی عقل سے پیدل نہیں ہے۔

''ٹیکسی کی کتاب کا کیا قصہ ہے.....!''

''تم فکر نہ کرو..... پروفیسر سے کہہ دینا کہ کتاب تمہارے پاس موجود ہے ٹیکسی کی بازیابی پر ہی اسے مل سکے گی.....!''

''تمہاری مرضی.....!'' مقصود نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی!

''اور میرے بارے میں اسے یقین دلانے کی کوشش کرنا کہ میں نے اس سے جھوٹ نہیں بولا تھا.....!''

''اور فِلّی کے بارے میں کیا خیال ہے!'' مقصود نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

''کون فِلّی.....؟''

''پروفیسر کی لڑکی.....اوفلیا براؤن شا.....عرف عام میں فِلّی کہلاتی ہے.....!''

''میں نے پوچھا تھا پروفیسر کے بارے میں کیا جانتے ہو!''

''وہ تین سال سے اسی عمارت میں مقیم ہے.....!''

''ذریعہ معاش.....؟''

''ریس میں گھوڑے دوڑتے ہیں.....اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتا اوفلیا بڑی اچھی جاکی بھی ہے۔ اکثر وہ خود ہی پروفیسر کے گھوڑے دوڑاتی ہے.....!''

''وہ بیالوجسٹ بھی ہے.....؟'' حمید نے پوچھا۔

''کہتا تو یہی ہے.....!''

''ٹیکسی کی گمشدگی کی رپورٹ اس نے کسی وقت درج کرائی تھی!''

''تین بجے کے قریب.....اور ٹھیک ساڑھے چار بجے مجھے فون کیا تھا کہ ایک مشتبہ آدمی گمشدہ ٹیکسی کی کتاب لایا ہے۔ وہ اور اس کی بیٹی اسے باتوں میں الجھائے ہوئے ہیں۔''

''ہوں.....تمہیں تھانے ہی پر اتار دوں.....!''

''تم اب کہاں جاؤ گے.....رات یہیں گزارو.....گرینڈ میں کبیرے دیکھیں گے۔ کوئی غیر ملکی طائفہ ہے.....!''

''پھر کبھی.....مجھے فوراً واپس جانا ہے!''

''تمہاری مرضی.....ہاں مجھے تھانے ہی پر اتار دینا.....!''

تھانے پر اسے چھوڑ کر حمید نے گرینڈ کی راہ لی۔ قاسم اسے دیکھتے ہی پھاڑ کھانے دوڑا لیکن حمید کے کڑے تیور دیکھ کر بات آگے نہیں بڑھائی تھی.....!

''میں تم سے کہہ رہا تھا کہ ٹیکسی میں بیٹھو لیکن تم نے سارا کھیل بگاڑ دیا میں باہر نکلا تو بسی غائب تھی مجبوراً تمہاری گاڑی لے جانی پڑی.....!''

''چلو کھیر.....قوئی بات نہیں.....وہ بھی ملیں یا نہیں۔ نالیہ اریمان۔''

''نالیہ اریمان نہیں.....عالیہ نریمان.....!''

''چلو چلو ٹھیک ہے.....!''

''اب کیا ارادہ ہے.....!''

''اللہ جانے.....'' کہہ کر قاسم نے جماہی لی۔ اتنے میں فون کی گھنٹی بجی اور حمید نے ریسیور اٹھالیا۔

''روم نمبر گیارہ.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''آپکی کال ہے ہولڈ آن کیجئے۔''

''ہلو.....کون بول رہا ہے.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی اور اس بار والی آواز نے حمید کا خون خشک کر دیا.....!

وہ تھوک نگل کر ماؤتھ پیس میں بولا۔ ''حمید۔''

''قاسم کہاں ہے.....؟''

''یہیں.....میرے ساتھ.....!''

''تم دونوں فوراً واپس آؤ.....!'' کہہ کر دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا اور حمید نے بھی ریسیور رکھ کر طویل سانس لی۔

''قون تھا.....؟'' قاسم نے قریب آکر پوچھا۔

''کرنل.....!''

''ارے باپ رے.....کیا خبر ہوگئی ان کو.....!''

''چوکیدار نے تمہارے باپ کو اطلاع دی ہوگی۔ وہ مجھے بھی پہچانتا ہے۔ ظاہر ہے کہ معاملہ دو غیر ملکیوں کا تھا! پھر دو پولیس انسپکٹر آئے تھے اس کے بعد ہم دونوں بھی غائب ہو

گئے۔تمہارے باپ نے کرنل کا بھیجا چاٹا ہوگا.....خدا ایسا باپ گدھے کو بھی نہ دے!''

''اور کیا..... ہائیں.....کیا کہا تم نے۔زبان سنبھال کر.....!''

''میرا ایسا باپ ہوتا تو میں خودکشی کر لیتا.....!''

''ہاں..... ہاں.....تم تو چاہتے ہی ہو کہ میں مر جاؤں!''

''تمہاری بیوی بھی اس جملے پر یہی کہتی.....!''

''ہرگز نہ کہتی سالے.....سب کچھ تم خود ہی کہتے ہو!''

''اچھا اچھا چلنے کی تیاری کرو.....!''

''میں تو نہیں جاتا.....لیقن یہ کسی کو کیا مالوم کہ ہم یہاں تار جام میں ہیں.....!''

''تمہیں کس طرح معلوم ہوا تھا کہ میں تار جام کی طرف گیا ہوں.....؟''

''اس ٹیکسی والے سے جو تمہیں لے جا رہا تھا.....!''

''تم جیسی گوبر عقل رکھنے والا تو یہ معلوم کر لے اور کرنل فریدی اس سے محروم رہ جائے!''

''اے تم خود گوبر عقل..... بلکہ کتے کا گُوہ عقل.....! بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں!

کچھ نہیں بولتا تو.....!''

''بیٹا چلنے کی تیاری کرو ورنہ ہتھکڑیاں لگ جائیں گی!''

''قیوں کیا میں نے کہیں ڈاکہ ڈالا ہے!''

''جہنم میں جاؤ.....!'' حمید نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

''اچھا.....اچھا ٹھہرو.....چلتا ہوں!''

کچھ دیر بعد وہ پھر شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

حمید خاموش تھا۔اس بھاگ دوڑ میں دوپہر کا کھانا بھی نصیب نہیں ہوا تھا.....!

شہر پہنچتے پہنچتے اندھیرا پھیل گیا۔

''پہلے میرے گھر چلو.....!'' قاسم بولا۔

''حکم ہوا ہے کہ قاسم سمیت سیدھے یہیں پہنچو!''

''میں قیاقسی کے باپ کا نوکر ہوں!''

''قاسم اگر یہ بات بڑھ گئی تو مزید مصیبت میں پڑ جاؤ گے تمہیں معلوم ہونا چاہئے

نے دو سفید فام غیر ملکیوں کو اپنے کمرے میں بند کر کے مارا تھا۔ایک کی ٹانگ توڑ دی تھی۔''

فریدی سے برآمدے ہی میں ملاقات ہوئی۔وہ آرام کرسی پر نیم دراز کوئی کتاب دیکھ رہا تھا.....!

''تم فوراً اپنے باپ کو فون پر اطلاع دو کہ یہاں پہنچ گئے ہو!'' اس نے قاسم سے کہا۔

''گھر ہی قیوں نہ چلا جاؤں!''

''جی نہیں.....آپ وہی کیجئے جو میں کہہ رہا ہوں.....!''

''بہت بہتر.....!'' قاسم نے ایسے لہجے میں کہا جیسے طوعاً و کرہاً فریدی اس کے مشورے پر عمل کرنے جا رہا ہو.....!

قاسم اندر چلا گیا اور فریدی حمید کو گھورنے لگا۔

''ایک سفارت خانے کے کلچرل سیکرٹری نے تمہاری شکایت کی ہے کہ تم نے اس کے مہمانوں پر تشدد کیا ہے.....!''

''ٹانگ قاسم نے توڑ دی تھی.....میں تو یہی سوچتا رہ گیا تھا کہ کہیں میری اپنی ہی ٹانگ نہ ٹوٹ جائے۔''

''کیا بکواس ہے؟''

''کیا باضابطہ طور پر شکایت ہوئی ہے!''

''نہیں.....وہ میرا شناسا ہے.....!''

''آہا تو کیا وہ مجھے پہچانتا ہے۔اب یاد آیا کہ وہ کس سفارت خانے سے تعلق رکھتا ہے۔''

''غیر ضروری باتیں نہ کرو۔مجھے بتاؤ کیا بات تھی؟''

اتنے میں قاسم آ گیا اور حمید نے اس سے کہا۔''تم جا کر میرے کمرے میں آرام کرو۔''

''بہت اچھے.....'' وہ ہاتھ نچا کر بولا۔''میں جا قر آرام کروں اور تم جھوٹی سچی لگاؤ میرے لیے.....!''

''ٹھیک ہے تم بھی بیٹھو.....!'' فریدی بولا۔

حمید نے اپنی کہانی قاسم کے ہٹ سے شروع کی اور پروفیسر شاکے بنگلے پر ختم کر دی۔

''اور یہ رہا وہ نقلی پستول.....ٹیکسی کی کتاب بھی لیتا آیا ہوں۔'' اس نے ٹیکسی کی کتاب

ہی کے ساتھ تمباکو کی پاؤچ بھی نکالتے ہوئے کہا۔

فریدی نے پستول اور ٹیکسی کی کتاب لے کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیئے اور قاسم کی طرف متوجہ ہوا۔

قاسم کے چہرے پر گویا زلزلہ آ گیا تھا۔ ہونٹ اپنے انداز میں پھڑک رہے تھے اور آنکھیں اپنے انداز میں آڑی ترچھی ہو رہی تھیں.....!

اس نے ہکلا ہکلا کر بدقت اپنی داستان سنائی۔

''ہوں.....اور وہ بھول گئے.....!'' حمید اس کے خاموش ہوتے ہی بولا۔

''تم چپ رہو.....!'' قاسم جھینپ کر بولا۔

''اس نے دوسری بار خواب دیکھنے کے لیے خوشی سے اس کے ہاتھ پر ڈھائی سو روپے رکھ دیئے.....!''

''ہاں ہاں.....رکھ دیئے تھے تو پھر.....تمہارے باپ کے رکھ دیئے تھے!''

''شور نہ مچاؤ.....!''

''آپ اسے کیوں نہیں منع کرتے.....!''

''تم نے مجھے پوری بات کیوں نہیں بتائی تھی۔''

قاسم کچھ نہ بولا۔ کسی نک چڑھی لڑکی کی طرح اس نے سر جھکا کر منہ پھلا لیا تھا۔ پھر حمید ہی کہانی کا وہ ٹکڑا بھی سناتا ہوا بولا۔ ''اپنے ہونے والے گھوسی فادران لا سے انتقام لینے کے لیے برخوردار دوسری بار خواب دیکھنا چاہتا تھا.....!''

''اب برداشت نہیں کر سکتا۔'' قاسم اچھل کر کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ ''تم برخوردار۔ تمہاری سات پشتیں برخوردار ہاں نہیں تو.....میں لحاظ کرتا ہوں اور آپ ہیں کہ سر پر چڑھے آ رہے ہیں۔''

''بیٹھ جاؤ.....!'' فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔

''اسے بھی تو سمجھایئے.....!'' قاسم دوبارہ بیٹھتا ہوا بولا۔

''کیا تمہیں لیڈی سیکریٹری کی ضرورت ہے۔'' فریدی نے نرم لہجے میں پوچھا.....!

''بالکل نہیں.....مجھے کیوں ہونے لگی جرورت.....کیا میرے باپ نہیں ہے.....یہی سکھایا پڑھایا کرتا ہے مجھے.....کہنے لگا.....اچھی تو ہے اب تم اسے نوکر رکھ لو.....!''

حمید اس کے جھوٹ پر نہ صرف دنگ رہ گیا بلکہ بغلیں جھانکنے لگا۔

''کیوں.....!'' فریدی اس کی طرف مڑا۔

''اور کہہ رہا تھا کچھ دن تم نوکر رکھنا اور کچھ دن میں رکھوں گا۔'' قاسم نے دوسرا ٹکڑا لگایا۔

''کیوں بکواس کر رہا ہے.....!''

''ہاں اب قرنل صاحب کے سامنے یہی تو کہو گے۔ صرف انھیں سے تو نانی مرتی ہے اور ساری دنیا میں دندناتے پھرتے ہو!''

''اچھا اب تم اپنے گھر جاؤ.....!'' فریدی نے اس سے کہا۔

''گھر پر قیا رکھا ہے.....اس وقت تو کچھ کھانے کو بھی نہیں ملے گا۔''

''کیا کھاؤ گے.....؟''

''آپ نے بھی تو کتے پال رکھے ہیں۔ بھیڑ بکریاں پالی ہوتیں.....!'' حمید بول پڑا۔

''تم چپ رہو.....!'' قاسم اسے گھونسہ دکھا کر بولا۔ ''میں مرغیاں پالنے کو کہہ رہا تھا۔''

''مرغ کھاؤ گے.....!'' فریدی نے پوچھا۔

قاسم منہ چلانے لگا۔

''میرا باورچی فریج میں کافی سامان رکھتا ہے.....مرغ بھی ہوں گے تین کافی ہوں گے تمہارے لیے.....یا اور.....!''

''جی بس ٹھیک ہے.....!''

''تم کچن میں جا کر کہہ دو.....!'' فریدی نے حمید سے کہا۔

''اس کے لیے.....؟ میں جاؤں گا.....!''

''نہیں.....میرے لیے کیوں جاؤ گے۔ اس کے لیے کر رہے تھے بھاگ دوڑ دیکھا آپ نے.....!''

''کسی دن تمہیں مسلم روسٹ کروں گا.....!''

''دیکھئے.....دھمکی دی جا رہی ہے مجھے.....!''

فریدی نے پھر کتاب اٹھالی تھی.....حمید کچن کی طرف چلا آیا۔

اب وہ بڑی بوریت محسوس کر رہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ تار جام ہی کی طرف نکل بھاگے

اور پروفیسر شا کے بنگلے پر پہنچ کر دم لے۔ مینڈکوں کے بارے میں اس کی معلومات کو چیک کرے اور وہ کیا نام بتایا تھا مقصود نے..... اوفلیا براؤن شا..... فلی کہلاتی ہے.... فلی، ہاہا کیس بن جائے تو مزہ آ جائے گا..... اونہہ کیس نہ بنے تب بھی مجھے مینڈکوں سے بہرحال دلچسپی ہے.....!

کھانے کی میز پر بھی اس کا ذہن تار جام ہی میں بھٹکتا رہا تھا حالانکہ فریدی کا لیکچر بھی ساتھ ہی ساتھ جاری تھا۔ وہ ان دونوں کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ آدمی کو ہمیشہ اپنے کام سے کام رکھنا چاہئے اور ولی جاہ کوئی فراڈ قسم کا ہپناٹسٹ تھا.....!

کھانے کے بعد قاسم رخصت ہو گیا اور حمید سوچ رہا تھا کہ اب اسے مزید بور ہونا پڑے گا لیکن خلاف توقع فریدی نے اسے روکا نہیں تھا.....!

وہ اپنے کمرے میں آیا اور لباس تبدیل کر کے جو گرا ہے پلنگ پر تو پھر دوسرے ہی دن کا سورج دیکھا تھا..... ساری رات گہری نیند سوتا رہا تھا۔

صبح اٹھا تو فریدی سے ناشتے کی میز پر بھی ملاقات نہ ہوئی۔

دفتر پہنچا تو معلوم ہوا کہ فریدی صبح سات بجے ہی دفتر پہنچ گیا تھا اور اس وقت فوٹو گرافی کے شعبے کی عمارت میں موجود ہے۔

حمید اپنے کمرے میں جا کر بیٹھ گیا جو فریدی کے کمرے سے ملحق تھا.....!

کچھ دیر بعد فون کی گھنٹی بجی..... اس نے ریسیور اٹھا لیا۔

دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔ ''کیا دفتر پہنچ گئے.....؟''

''اگر آپ کو یقین آ سکے تو.....!''

''میں تم سے بہت خوش ہوں..... کل تم نے ایک بڑا کارنامہ انجام دیا ہے.....!''

''میں بے ہوش ہو جاؤں..... یا بغلیں بجاؤں.....!''

''سیدھے تار جام چلے جاؤ..... تمہیں وہیں رہ کر پروفیسر پر نظر رکھنی ہے.....!''

تلاش

فوری طور پر حمید کچھ نہ کہہ سکا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس نے کونسا کارنامہ

انجام دیا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی تو ہاتھ نہیں لگا تھا۔ حتیٰ کہ ٹیکسی ڈرائیور بھی اسے جل دے گیا تھا۔

''میں نہیں سمجھ سک..... سکتا.....!'' وہ ماؤتھ پیس میں ہکلایا، ''مم..... میں نے کونسا کارنامہ انجام دیا ہے۔''

''یقین کرو میں سچ کہہ رہا ہوں.....'' دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔ ''تمہارا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ تم نے وہ نقلی پستول مجھ تک پہنچا دیا اچھا ٹھہرو..... دس منٹ بعد مجھ سے میرے کمرے میں مل سکتے ہو.....!''

حمید نے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر ریسیور رکھ دیا..... پستول..... اس نے سوچا بھلا اس میں کیا ہو سکتا ہے۔ اونہہ یہاں تو لتے کا بھی سانپ بن سکتا ہے۔ پستول کے بجائے گوبھی کا پھول بھی ہاتھ آیا ہوتا تو اس کی پینڈی میں انھیں ایٹم کی شہزادی نظر آتی۔ وہ ہاتھ ہی ایسے تھے کہ ان میں جو چیز پہنچتی جادو کا پٹارا بن گئی۔ اب ہو سکتا ہے وہ نقلی پستول ایک ایسی توپ ثابت ہو کسی خاص میکنزم کو حرکت دینے سے تین انچ کے گولے اگلنے لگتی ہو۔ جہنم میں جائے..... ہاں تو وہ اوفلیا براؤن شا عرف فلی۔ تار جام..... اسے فوراً تار جام روانہ ہو جانا چاہئے تھا آخر خواہ مخواہ وضاحت کیوں طلب کرنے بیٹھ گیا۔ اب دس منٹ بعد ان کے کمرے میں حاضری دو اور اس تلخ مرحلے سے گزرو کہ ''فی الحال'' میں نے اپنی اسکیم بدل دی ہے اب تم تار جام جانے کی بجائے ڈیڑھ سیر بھنڈیاں خرید لاؤ۔''

دس منٹ بعد وہ فریدی کے کمرے میں پہنچا لیکن وہ وہاں موجود نہیں تھا۔ پھر وہ انتظار کے لیے بیٹھنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی..... اس نے ریسیور اٹھا لیا۔

''غالباً تم میرے منتظر ہو گے.....'' دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی.....!

''یقیناً جناب عالی.....!''

''لیکن میں فی الحال تم تک نہیں پہنچ سکتا..... تم تار جام جا سکتے ہو۔''

''لیکن میں وہاں کروں گا کیا.....؟''

''گمشدہ ٹیکسی کی تلاش..... مقصود اس سلسلے میں تمہاری مدد کرے گا.....!''

''آپ مجھے بچوں کی طرح بہلانے کی کوشش کر رہے ہیں!''

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

''اچھی بات ہے.....!'' حمید ریسیور کریڈل پر پٹختا ہوا بڑبڑایا۔ ''میں تارجام ہوں۔ نتیجے کے ذمہ دار آپ خود ہوں گے.....!''

وہاں سے اٹھ کر وہ پھر اپنے کمرے میں آیا اور میز کے گوشے سے ٹک کر پائپ تمباکو بھرنے لگا۔

ایک بار پھر وہ نقلی پستول اس کے ذہن میں کلبلایا۔ اگر وہ کوئی ایسی ہی اہم چیز اُسے اندھے کے ہاتھ میں بیٹر لگنا ہی کہا جا سکتا ہے۔

''جہنم میں کیا پستول.....!'' وہ بڑبڑایا مزید کچھ اور بڑبڑانے والا تھا کہ فون کی بجی۔ جھنجھلا کر ریسیور اٹھا لیا۔

''قہو ملی یا نہیں.....!'' دوسری طرف سے سوال کیا گیا۔

''مل گئی.....!'' حمید نے نتھنے پھلا کر قاسم ہی کے لہجے کی نقل اتاری.....!

''تو پھر اب کیا ارادہ ہے؟''

''عاصم صاحب کے پاس بھجوا رہا ہوں.....!''

''کیا مطلب.....؟''

''تمہارے تو باپ موجود ہے.....وہ بے چارے یتیم ہیں۔ اُن کے لیے ضرور لیڈی سیکریٹری.....!''

''دیکھو.....دیکھو.....فون پر گالیاں دینا منع ہے ورنہ بتاتا تم کو.....اچھا بیٹا وہاں پہنچ رہا ہوں.....!''

''خفا کیوں ہو رہے.....!''

''تم باپ دادا کیوں چڑھ رہے ہو!''

''تمہیں نے پچھلی رات کرنل سے کہا تھا کہ میرے تو باپ ہے مجھے کیا ضرورت لیڈی سیکریٹری کی.....!''

''اے وہ تو میں یونہی گڑبڑا کر کہہ گیا تھا۔ سچ مچ تھوڑا ہی کہا تھا۔ باپ ہو یا نہ ہو سیکریٹری ضرور ہونی چاہئے۔ میں آ رہا ہوں.....!''

حمید نے ریسیور رکھ دیا اور اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر دروازہ کی طرف لپکا۔ قاسم کے پہنچنے سے قبل ہی یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔

پارکنگ شیڈ میں فریدی کی لنکن موجود نہیں تھی۔ اس نے اپنی موٹر سائیکل سنبھالی اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

تارجام جانے کی اجازت ملی تھی لیکن وہاں کی مدت قیام کے بارے میں کچھ نہیں کہا گیا تھا اس کا یہ مطلب تھا کہ اسے پوری تیاری کے ساتھ جانا چاہئے۔ ضروری نہیں تھا کہ ٹیکسی ڈرائیور جلد ہی ہاتھ آ جاتا۔

گھر پہنچ کر اس نے سوٹ کیس میں کپڑے رکھے اور روانگی کے لیے تیار ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجی.....!

اس نے ریسیور اٹھا لیا.....دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔ ''میرے اندازے کے مطابق تم اب گھر پہنچ چکے ہوں گے.....!''

''نہیں میں جنت الفردوس سے بول رہا ہوں۔'' حمید نے بھنا کر کہا۔

''اب تم تارجام نہیں جا رہے.....!''

''کسی نے اڑائی ہو گی.....میں تو سنر کے بل جا رہا ہوں.....!''

''سنجیدگی سے سنو.....اس نمبر کی ٹیکسی کل جو آدمی چلا رہا تھا اس وقت گریر روڈ کے اصفہانی ہوٹل میں بیٹھا چائے پی رہا ہے وہاں زیادہ بھیڑ نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ایک آدمی اور بھی ہے اگر تم شناخت کر سکو تو فوراً گرفتار کر لینا۔ ہتھکڑیاں ساتھ لیتے جاؤ!''

''اچھا جناب.....!'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور ریسیور رکھ کر سوٹ کیس کو زور کی لات رسید کی کہ وہ پھسلتا ہوا دروازے سے جا ٹکرایا.....!

پھر وہ کمپاؤنڈ میں آیا۔ گیراج سے اپنی گاڑی نکالی اور گرین روڈ کی طرف روانہ ہو گیا۔

اصفہانی ہوٹل ایک تیسرے درجے کا چائے خانہ تھا۔ یہاں میزوں کی کثرت تھی۔ بارہ پیسے فی کپ والی چائے چلتی تھی۔ کاؤنٹر پر ایک فربہ اندام ایرانی بیٹھا گاہکوں سے پیسے وصول کرتا رہتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد حمید وہاں جا پہنچا۔ گاڑی فٹ پاتھ سے لگا دی یہیں سے وہ اندر بیٹھے

ہوئے تمام لوگوں کا جائزہ بہ آسانی لے سکتا تھا.....!

نظر ایک میز پر پڑی، بلاشبہ یہ وہی آدمی تھا لیکن فریدی کی فراہم کردہ اطلاع کے خلاف اس میز پر تنہا تھا۔ ہوسکتا تھا دوسرا آدمی کچھ دیر پہلے ہی اٹھ گیا ہو.....!

وہ گاڑی سے اتر کر تیر کی طرح اس کی طرف گیا اور اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

اس نے اسے دیکھ کر اٹھنا چاہا لیکن حمید نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور آہستہ سے بولا۔ ''اگر یہاں اپنی بے عزتی گوارہ ہو تو ہاتھ پیر ہلانے کی کوشش کرنا۔''

''کیا بات ہے؟'' اس نے آنکھیں نکالیں۔

''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ کیا بات ہے اور مجھے بھی پہچان لیا ہوگا۔ میرا تعلق پولیس سے ہے۔''

''میں نے کیا کیا ہے؟''

حمید نے دوسرے ہاتھ سے ہتھکڑیوں کی جوڑی نکالی اور میز پر رکھ دی۔

''میں چل رہا ہوں.....'' وہ مردہ سی آواز میں بولا۔ ''میں چل رہا ہوں۔ لیکن بالکل بے قصور ہوں.....!''

''اگر ایسا ہی ہے تو تمہیں قطعی نہ ڈرنا چاہئے۔''

وہ اس کے ساتھ چلنے پر تیار تھا حمید نے ہتھکڑیوں کی جوڑی دوبارہ جیب میں رکھ لی۔

وہ اسے گاڑی میں بٹھا کر دفتر لے آیا۔ پارکنگ شیڈ میں فریدی کی لنکن کھڑی نظر آئی۔ اس کا یہی مطلب تھا کہ وہ اس وقت اپنے کمرے میں موجود ہے۔

حمید ٹیکسی ڈرائیور کو سیدھا وہیں لیتا چلا گیا۔

''ٹھیک ہے.....یہی آدمی ہے.....!'' حمید نے اس سے کہا۔

فریدی نے حمید کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ڈرائیور کھڑا رہا۔ کچھ دیر بعد فریدی نے فائل سے نظر ہٹالی اور ڈرائیور کو گھورنے لگا۔

''حضور.....میں بے قصور ہوں.....!'' ٹیکسی ڈرائیور کانپتا ہوا بولا۔ ''وہ پستول مجھے اس عورت نے دیا تھا.....!''

''اسے کب سے جانتے ہو.....!''

''پرسوں رات سے حضور.....ان دونوں نے ٹیکسی تارجام ہی سے لی تھی۔ ایگل بیچ آئے تھے اور مجھے ٹھہرنے کو کہا تھا۔ کرایہ کے علاوہ سو روپے انعام دینے کو کہا۔ پچاس پیشگی دے دیئے تھے! پھر مرد وہیں رہ گیا تھا اور عورت نے تارجام واپس چلنے کو کہا تھا۔ کچھ دور چلنے کے بعد بولی ایک آدمی میرے پیچھے لگا ہوا ہے۔ اگر تم تھوڑی سی ہمت کرو تو اسے پکڑ کر لے چلیں۔ تارجام پہنچ کر پولیس کے حوالے کر دیں گے۔ اسی وقت اس نے مجھے پستول دے کر کہا تھا کہ میں اسے بہلا پھسلا کر اس گاڑی میں بٹھانے کی کوشش کروں گی اگر وہ راستے میں کوئی گڑبڑ کرے تو تم پستول نکال لینا۔ میری شامت آئی تھی کہ میں نے اس کی بات مان لی۔''

''پستول بھرا ہوا تھا.....؟'' فریدی نے پوچھا۔

''میں کچھ نہیں جانتا حضور.....زندگی میں پہلی بار ہاتھ لگایا تھا پستول کو.....اور یہ ٹیکسی میرے چچا چلاتے ہیں۔ پرسوں رات ان کی طبیعت خراب ہوگئی تھی۔ اس لیے گاڑی میرے حوالے کی۔ اس گاڑی پر دو ڈرائیور ہیں.....ایک دن کا اور ایک رات کا.....میرے چچا رات کے ڈرائیور ہیں.....!''

''ٹیکسی کے مالک نے ٹیکسی کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی ہے۔''

''ضرور کرائی ہوگی سرکار.....صبح نو بجے تک ٹیکسی ان کے پاس واپس پہنچ جانی چاہئے تھی لیکن ان دونوں کم بختوں نے مجھے الجھائے رکھا۔ میرا چچا بھی پریشان ہوگا.....!''

''اپنے چچا کا پتہ بتاؤ.....!''

اس نے ایک پتہ حمید کو لکھوایا.....کچھ دیر بعد فریدی نے پھر سوالات شروع کیے!

''کیا ان دونوں کا پتہ تمہارے چچا نے بتایا تھا.....!''

''جی نہیں.....میں گاڑی لے کر نکلا ہی تھا کہ وہ دونوں سڑک پر مل گئے! لیکن انھوں نے وہاں مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ کتنی دیر تک کے لیے ٹیکسی کر رہے ہیں ورنہ میں انکار کر دیتا۔ یہ تو ایگل بیچ پہنچ کر انہوں نے چکر چلایا تھا.....!''

''ہوں.....!'' فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''اسے محکمے کی حوالات میں دے دو۔''

''سرکار میں بے قصور ہوں.....رحم کیجئے۔'' وہ گڑگڑانے لگا۔ ''تب سے اب تک گھر نہیں گیا۔''

''جب تک تمہارے بیان کی تصدیق نہ ہو جائے تمہیں حوالات ہی میں رہنا پڑے گا۔ تمہارے گھر اطلاع پہنچا دی جائے گی.....!''

حمید اسے حوالات میں دے کر پلٹا تو فریدی نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ خود کسی کے مطالعے میں غرق تھا۔

''تو پھر اب چلا جاؤں تارجام.....!'' حمید نے پوچھا۔

''ایک منٹ ٹھہرو.....!'' فریدی فائل سے نظر ہٹائے بغیر بولا۔

حمید نے برا سا منہ بنایا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔ کچھ دیر بعد فائل بند کر کے اس کی طرف توجہ دی!

''مقصود نے فون پر ٹیکسی کی بازیابی کی اطلاع دی ہے۔ وہ ایک ویران جگہ کھڑی تھی۔ اس نے پوچھا ہے کہ ٹیکسی کا کیا کیا جائے!''

''تو آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ ٹیکسی کا کیا جائے.....'' حمید نے خوش ہو کر کہا۔

''غیر ضروری باتیں نہیں.....!'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ ''تم اب تارجام جا ہو۔ گاڑی کی کتاب لیتے جاؤ!''

''اور وہ نقلی پستول!''

''بات نہ بڑھاؤ.....جتنی جلد ممکن ہو سکے چلے جاؤ! تم پروفیسر کو بتا سکتے ہو کہ تم ہو۔ ٹیکسی کے اصل ڈرائیور تک پہنچنا بھی ضروری ہے.....!''

''بہت بہتر.....اب میں پستول کے بارے میں نہیں پوچھوں گا!''

''وقت نہیں ہے.....پھر بتاؤں گا تم جلدی کرو.....!''

اس بار اس نے حمید کو اتنا موقع بھی نہیں دیا تھا کہ وہ گھر جا کر سوٹ کیس ساتھ لیتا۔ اس نے بھی لاپرواہی سے شانے جھٹکائے اور روانہ ہو گیا۔

تارجام پہنچ کر اس نے سب سے پہلے ٹیکسی ڈرائیور کے بتائے ہوئے پتے پر اس کے چچا سے ملنے کی کوشش کی تھی.....!

اس کا بیٹا ملا اور اس نے اُسے بتایا کہ وہ پچھلے دو دنوں سے ٹیکسی سمیت غائب ہے۔

''میں پہلے ہی تھانے پر بیان دے چکا ہوں.....!'' اس نے کہا

''تم نے جھوٹا بیان دیا ہے.....!'' حمید سخت لہجے میں بولا۔

لڑکے کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور وہ بدقت ہکلایا۔ ''جی.....وہ ٹیکسی لے کر..... گئے.....اور وہ.....واپس نہیں آئے.....!''

''پھر جھوٹ.....!''

''صص.....صاحب.....!''

''شریف تمہارا کون ہے؟''

''چچ.....چچا کا لڑکا ہے.....!'' لڑکے کی سانس پھولنے لگی تھی اور وہ بار بار ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

''شریف جیل میں ہے۔ اب تم اپنے باپ کا پتہ بتاؤ.....!''

دفعتاً وہ بھاگ کھڑا ہوا اور گھر میں گھس کر دروازہ بند کر لیا۔ حمید دروازے کے قریب آ کر بلند آواز میں بولا۔ ''رحمت کو گھر سے باہر نکالو ورنہ تم سب جیل جاؤ گے۔ شریف بیان دے چکا ہے.....!''

پھر کچھ ہی دیر کی کوشش بارآور ہوئی تھی۔ رحمت مکان ہی سے برآمد ہوا۔ اس وقت بھی اسے بخار تھا۔ اس نے اپنے بھتیجے شریف کے بیان کی تصدیق کرتے ہوئے کہا۔ ''اکثر ایسا ہوا ہے۔ وہ گاڑی لے جاتا تھا اور وقت پر واپس لاتا تھا لیکن یہ بات کبھی شاہ صاحب پر نہیں ظاہر ہونے پائی.....!''

''شریف کیسا آدمی ہے.....!''

''کیا اس نے کوئی جرم کیا ہے حضور.....!''

''اس کے پاس بغیر لائسنس کا پستول تھا.....!''

''باپ رے.....!'' رحمت اپنا منہ پیٹنے لگا۔ پھر بولا۔ ''یقین نہیں آتا صاحب..... شریف بہت نیک آدمی ہے۔ پتہ نہیں کس نے وہ پستول اس کے پاس رکھا ہو۔ یہی ہو سکتا ہے صاحب.....وہ خود ایسا نہیں ہے.....روزے نماز کا پابند ہے.....!''

''کیا اس نے روانہ ہونے سے قبل تمہیں بتایا تھا کہ اسے معقول انعام کے وعدے پر پورے وقت کے لیے انگیج کر لیا گیا ہے۔''

''نہیں صاحب ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ اس نے مجھے کچھ بھی نہیں بتایا۔''

''پورے وقت کے کرائے کے علاوہ مبلغ سو روپے.....!''

''باپ رے.....! سچ بتایئے کیا وہ کسی غلط کام کے سلسلے میں پکڑا گیا ہے.....!''

''اس کے خلاف صرف یہی چارج ہے کہ اس کے پاس سے پستول برآمد ہوا ہے.....!''

''میرے اللہ یہ کیا ہو گیا.....!'' وہ روہانسا ہو کر بولا۔

''کیا تمہیں کبھی کوئی ایسا مسافر یہاں ملا ہے جس نے تمہارے پورے وقت کا سودا کیا ہو؟''

''دو ایک بار ایسا ہوا ہے صاحب.....نہیں مجھے یاد ہے تین بار ایسا ہو چکا ہے۔ ایک پچیس پچیس روپے بخشش کے ملے تھے.....!''

''ایک ہی آدمی تھا تینوں بار.....!''

''جی ہاں.....وہ کوئی پادری صاحب ہیں! وہ اور ان کی لڑکی ہے شائد تینوں بار انہوں نے میرے پورے وقت کا سودا کیا تھا.....!''

''وہ کہاں رہتا ہے؟''

''مشن روڈ پر جناب.....گرجا گھر کے قریب ہی رہتے ہیں! بنگلہ نمبر تراسی ہرے رنگ سے رنگا ہوا ہے.....گرین کاٹج نام ہے شاید.....!''

حمید نے ولی جاہ اور عالیہ نریمان کے حلیے بیان کر کے تصدیق چاہی۔

''جی ہاں.....وہ ایسے ہی ہیں.....!''

حمید نے رحمت کو مشورہ دیا کہ اسے بدستور غائب ہی رہنا چاہئے شریف کو بھی جیل میں کوئی تکلیف نہ ہونے پائے گی اور خود وہ اس معاملے میں اپنی زبان بالکل بند رکھے۔ براؤن شا کو پہنچا دی جائے گی!

اس کے بعد وہ وہاں سے سیدھا مشن روڈ پہنچا تھا۔ گرین کاٹج تلاش کرنے میں بھی دقت نہ ہوئی۔ برآمدے میں پہنچ کر اس نے کال بل کا بٹن دبایا۔ لیکن کئی منٹ گزر جانے کے بعد بھی اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔

اس نے دروازے کا ہینڈل گھما کر دھکا دیا۔ دروازہ کھلتا چلا گیا.....!

احتیاطاً اس نے بلند آواز میں نامعلوم صاحب خانہ کو پکارا.....لیکن اس کے باوجود

اندر سے کسی قسم کی آواز نہ آئی.....!

اس نے ادھر ادھر دیکھا اور کاٹج میں داخل ہو گیا۔ تین کمروں کے اس مختصر سے گھر میں ہر قسم کا سامان تو موجود تھا لیکن کہیں کوئی آدمی نہ دکھائی دیا.....!

نشست کے کمرے میں دیوار پر ولی جاہ کی بڑی سی تصویر نظر آئی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے بحالت مراقبہ اس کی یہ تصویر کھینچی گئی ہو.....!

اس کمرے میں فون بھی موجود تھا اس نے اس پر انسپکٹر مقصود کے نمبر ڈائیل کیے!

دوسری طرف سے جواب دینے والا مقصود ہی تھا۔

''میں مشن روڈ کے بنگلہ نمبر تراسی سے بول رہا ہوں۔''

''تم کون ہو.....؟''

''حمید.....! یہاں تمہارا انتظار کر رہا ہوں!''

''کون حمید.....؟''

''تمہارا باپ.....کیپٹن حمید فرام سینٹرل انٹیلیجنس بیورو.....!''

''وہاں تم.....؟ کیا کر رہے ہو.....!''

''تمہیں بلا رہا ہوں.....!''

''یار مت بور کرو.....موڈ ٹھیک نہیں ہے.....!''

''گھر سے چلتے وقت چھوٹے بچے نے وردی پر پیشاب کر دیا ہو گا۔''

''میں آ رہا ہوں.....!''

حمید نے سلسلہ منقطع کر دیا.....!

مقصود نے وہاں پہنچنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ حمید اسے بیرونی برآمدے میں ملا تھا.....!

''یہاں کیا کر رہے ہو!'' اس نے پوچھا۔

''اسی ٹیکسی کے سلسلے میں یہاں آیا تھا.....!''

''اماں کمال کرتے ہو.....ٹیکسی تو تھانے میں کھڑی ہے اور پروفیسر شاہد ہر دس منٹ بعد اس کی واگزاری کے لیے فون کر رہا ہے۔ کتاب لائے ہو.....!''

''کتاب موجود ہے.....اندر چلو.....!''

''آخر چکر کیا ہے.....!''

حمید اسے اسی کمرے میں لایا جہاں ولی جاہ کی تصویر تھی!

''اس آدمی کو کبھی دیکھا ہے.....!'' اس نے تصویر کی طرف اشارہ کیا۔

''تارجام میں رہنے والے ہر آدمی کو پہچاننا تو ضروری نہیں ہے میرے لیے!''

''مرچیں چبا رکھی ہیں کیا.....؟''

''موڈ ٹھیک نہیں ہے.....خدا کی قسم تم بہت اچھے ہو!''

''بہت دیر میں اطلاع ملی۔''

''نہیں سچ کہہ رہا ہوں۔ اس زمانے میں شادی کرنے سے بہتر ہے کہ آدمی کسی اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگا دے.....!''

''دیکھو فی الحال اس آدمی کو تلاش کرنے کے سلسلے میں میری مدد کرو۔ اس کے بعد میں تمہیں بیوی بچوں سمیت کسی اندھے کنوئیں میں دھکیل دوں گا!''

''کچھ اتا پتا بتلاؤ.....!''

''ولی جاہ نام ہے..... ہپناٹسٹ ہے..... ہپناٹزم کے ذریعے لوگوں کے مسائل حل کرتا ہے۔ پروفیشنل ہے.....اس کی ایک سیکریٹری بھی ہے عالیہ نریمان.....!''

''اس کی تصویر دکھاؤ.....!''

''اس کی تصویر ابھی تک نہیں مل سکی.....!''

''مجھ سے اڑتے ہو.....!'' مقصود بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔

''فضول باتیں نہ کرو.....!''

''بھلا جناب کو ہپناٹسٹ سے کیا سروکار..... نہ ہپناٹسٹ ہونا غیر قانونی ہے اور نہ عالیہ نریمان نام کی کوئی سیکریٹری رکھنا.....!''

حمید نے خاموشی سے اس کا یہ ریمارک سنا تھا اور عمارت کی تلاشی لینے میں مصروف ہو گیا تھا۔

دفعتاً اس نے مقصود کی آواز سنی! وہ اسے دوسرے کمرے میں چھوڑ آیا تھا۔ مقصود کسی سے اونچی آواز میں گفتگو کر رہا تھا۔ حمید کمرے کی طرف جھپٹا۔

لیکن کمرے میں مقصود تنہا نظر آیا اور حمید کے استفسار پر اس نے بتایا کہ وہ تو خاموشی سے الماری کی کتابیں الٹ پلٹ رہا تھا نہ اس نے کسی سے گفتگو کی اور نہ وہاں اس کے علاوہ اور کوئی تھا.....!

''لیکن میں نے تو تمہاری آواز سنی تھی.....!'' حمید بولا۔

''تمہارے کان بجے ہوں گے.....!''

''اچھا ہٹ جاؤ.....اس الماری کے پاس سے!'' حمید نے کہا اور آگے بڑھ کر الماری کا جائزہ لینے لگا..... کچھ کتابیں نکالیں۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے الماری کا تختہ ہلا ہو۔ ساتھ ہی برابر والے کمرے سے دو آدمیوں کے بولنے کی آوازیں آئیں۔ مقصود اُدھر بڑھا..... دروازہ کھول کر دوسرے کمرے میں جھانکا اور پھر حمید کی طرف مڑ کر نفی میں سر ہلا دیا۔

''کوئی نہیں ہے.....!'' حمید نے پوچھا۔

''کوئی بھی نہیں.....؟''

اس نے پھر الماری کے تختے پر دباؤ ڈالا اور آوازیں پھر سنائی دیں اس بار مقصود اچھل کر بولا۔ ''دیوار کے اندر لاؤڈ اسپیکر معلوم ہوتا ہے.....''

حمید نے طویل سانس لی اور اس خانے کی ساری کتابیں فرش پر گرا دیں.....!

تباہی

کرنل فریدی آفس سے اٹھ ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسیور اٹھا لیا۔

''ہیلو..... کون..... ہاں ہاں..... اوہ مقصود..... کیا بات ہے۔ ہوں ہاں..... میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ مقصود سے مدد لینا..... ہوں..... اچھا..... ہوں.....!'' وہ کچھ دیر تک دوسری طرف سے بولنے والے کی بات سنتا رہا۔ پھر پیشانی پر شکنیں ڈال کر پوچھا..... 'الماری کے تختے پر دباؤ پڑنے سے!''

''جی ہاں.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''پھر حمید نے اس تختے کی ساری

کتابیں فرش پر ڈال دیں اور الماری کو اس کی جگہ سے ہٹا کر شاید یہ دیکھنے کی کوشش کر
لگے کہ اس کا سلسلہ کہاں سے ہے۔ میں دروازے میں اس طرح کھڑا تھا کہ دونوں کر
میں نظر رکھ سکوں۔ دفعتاً الماری کے قریب ایک زور دار دھماکہ ہوا اور میں بوکھلا کر دو
کمرے میں بھاگا۔ میرا ہٹنا ہی تھا کہ الماری والے کمرے کی چھت نیچے آ رہی۔ میں بد
میں عمارت ہی سے باہر نکل گیا اور سڑک پر پہنچ کر میں نے دو دھماکے سنے.....!''

• ''حمید کہاں ہے.....؟'' فریدی ماؤتھ پیس میں چیخا۔ ''حج..... جی..... پوری عما
ڈھیر ہوگئی ہے۔ میں نے انھیں باہر نکلتے نہیں دیکھا تھا.....!''

فریدی نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا اور دروازے کی طرف جھپٹا۔

وہ پارکنگ شیڈ کی طرف دوڑ رہا تھا۔ اپنی گاڑی کی طرف جانے کی بجائے وہ
حصے میں آیا جہاں سائرن والی پٹرول کاریں کھڑی تھیں.....!

ان میں سے ایک کی کنجی واچ مین سے طلب کی۔ فیول کی پوزیشن دیکھی اور تا
کے لیے روانہ ہوگیا۔ سائرن کا سوئچ آن کر دیا تھا اور گاڑی طوفانی رفتار سے شہر کی سڑ
طے کرتی ہوئی ویرانے میں نکل آئی تھی۔ سائرن والی کار کا انتخاب اس لیے کیا تھا کہ ٹر
اس کی رفتار میں خلل انداز نہ ہو سکے.....!

اور شاید زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ وہ اس طرح بدحواسی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

اس نے تو جلدی میں مقصود سے اس عمارت کا پتہ تک نہیں معلوم کیا تھا جو اس کے
کے مطابق ڈھیر ہوگئی تھی.....!

آندھی اور طوفان کی طرح تارجام پہنچا اور تھانے کا ایک سپاہی اسے موقع واردات
لے گیا۔

مقصود نے اس سے پہلے ہی ملبہ ہٹانے کیلئے درجنوں آدمی کام پر لگا دیئے تھے.....
اس نے فریدی کو دیکھتے ہی شاید اسے کچھ اور بتانے کا ارادہ کیا تھا لیکن فریدی ہا
کر بولا۔ ''مجھے صرف وہ جگہ بتاؤ جہاں دھماکہ ہوا تھا.....'' مقصود نے بے بسی سے ملبے
ڈھیر کی طرف دیکھا۔ ایسی صورت میں نشاندہی مشکل تھی.....!

''آدمی کم ہیں..... اور آدمیوں کو لگاؤ.....!'' فریدی نے کہا اور خود بھی مزدوروں

شامل ہوگیا۔ مقصود جو محض کام کی نگرانی کر رہا تھا اسے بھی اس کا ساتھ دینا پڑا تھا.....!

پھر کچھ دیر بعد وہ اندازہ کر سکا تھا کہ دھماکہ کس جگہ ہوا تھا اس نے یادداشت کے سہارے نشاندہی کی اور فریدی اسی جگہ کی صفائی پر زیادہ زور دینے کو کہتا ہوا ملبے کے ڈھیر پر سے اتر آیا۔ اس نے مقصود کو بھی اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا تھا۔

''تو..... تم نے ولی چاہ کی تصویر دیکھی تھی.....'' فریدی نے اس سے پوچھا۔

''جی ہاں.....! لیکن میں نے اسے گوشت و پوست میں کبھی نہیں دیکھا۔''

وہاں بہت زیادہ بھیڑ ہوگئی اور شور کی وجہ سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ اس لیے وہ بہت زیادہ اونچی آواز میں گفتگو کر رہے تھے۔

دفعتاً ایک آدمی نے مقصود کے کاندھے پر زور سے ہاتھ مارا اور جھلا کر اس کی طرف مڑا۔

''اوہ..... پروفیسر شا.....!'' مقصود کا لہجہ ناخوشگوار تھا۔

''جب ٹیکسی مل گئی ہے تو واپس کیوں نہیں کی گئی!'' وہ تلخی سے بولا۔

'آپ دیکھ رہے ہیں یہاں یہ حادثہ ہوگیا ہے.....!''

''میں تمہیں تمہارا فرض یاد دلا رہا ہوں۔ حادثات ہوتے ہی رہتے ہیں دنیا کے کام تو نہیں رک جاتے ان کی وجہ سے.....!''

''آپ براہِ کرم اس وقت تشریف لے جائیے۔ بعض کارروائیوں کے بغیر ٹیکسی واپس نہیں کی جائے گی.....!''

''اچھی بات ہے..... میں دیکھوں گا.....!'' پروفیسر نے غصیلے لہجے میں کہا اور وہاں سے ہٹ کر بھیڑ میں غائب ہوگیا۔

دفعتاً ملبے پر کام کرنے والے مزدور چیخنے لگے.....!

''کیا بات ہے؟'' فریدی چونک کر ان کی طرف متوجہ ہوگیا۔

پھر وہ دونوں اُسی طرف بڑھے چلے گئے.....!

یہ ایک کنوئیں کی سی گہرائی رکھنے والا غار تھا۔ اور اسی غار کے گرد کھڑے مزدور چیخے جا رہے تھے.....!

''وہ گر گیا..... وہ گر گیا..... کوئی ادھر نہ آئے!''

یہ غار ملبے کا ڈھیر اس جگہ سے ہٹنے پر نمودار ہوا تھا جہاں کی نشاندہی مقصود نے کی تھی!

''کون گر گیا.....!'' فریدی نے بلند آواز میں پوچھا۔

جواب میں انھوں نے اپنے ساتھیوں میں سے کسی کا نام لیا۔

''خدا کی پناہ.....!'' مقصود کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''یہ اسی کمرے کا فرش ہے جہاں دھماکا ہوا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ فرش کے ٹائیلز کا ڈیزائین یہی تھا.....!''

''لیکن یہ غار کسی دھماکے کا نتیجہ ہرگز نہیں ہوسکتا.....!'' فریدی نے غار میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''یہ کنواں ہے، بہت ہی سلیقے سے بنایا ہوا۔ کیا تم گہرائی میں چاروں طرف پلاسٹر نہیں دیکھ رہے!''

''میرا سر چکرا رہا ہے جناب! کچھ سمجھ میں نہیں آتا.....'' مقصود بڑبڑایا۔

دھماکے کے ساتھ ہی اسے محسوس ہوا تھا جیسے وہ زمین میں دھنسنے لگا ہو، پھر یاد نہیں کہ کیا ہوا تھا.....!

دوبارہ ہوش آنے پر گھٹن کا احساس ہوا۔ چاروں طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی.....!

کچھ دیر تک آنکھیں بند کیے پڑا رہا۔ پھر اندھیرے میں ادھر اُدھر ٹٹولنے لگا.....!

اس نے سوچا پتہ نہیں کہاں پڑا ہے۔ پھر دفعتاً اسے وہ دھماکا یاد آیا اور وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا.....! تو کیا ملبے کے نیچے دبا پڑا ہے۔ اس خیال کے تحت وہ مشینی طور پر اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ چاروں طرف ہاتھ نچائے لیکن وہ خلاء میں ہی جھولتے رہے۔ کسی چیز سے ٹکرائے نہیں.....!

آخر وہ کہاں ہے..... مقصود..... مقصود بھی تو ساتھ تھا۔ وہ مقصود کو آوازیں دینے لگا لیکن اپنی آواز کی گونج کے علاوہ اور کچھ نہ سن سکا.....!

لیکن تھوڑی ہی دیر بعد کسی جگہ سے ایک نسوانی آواز ابھری!

''کیوں شور مچا رہے ہو.....؟''

''بھوکا ہوں.....!'' حمید جھلا کر بولا۔ ''تم کہاں سے بول رہی ہو۔''

''مجھے نہیں معلوم.....!'' جواب ملا۔

''تمہاری آواز تو اب چاروں طرف سے آتی محسوس ہو رہی ہے!''

''خاموش رہو۔ مجھے شور پسند نہیں ہے!''

''لیکن تمہاری آواز تو کچھ جانی پہچانی سی لگ رہی ہے!''

''میں عالیہ نریمان ہوں اور تم خواب دیکھ رہے ہو.....!''

''کاش تم بھی میرے اس خواب میں شامل ہوتیں!''

''صرف میری آواز شامل ہے!''

''ایک لطیفہ سنو گی.....!''

''اس سے پہلے تم یہ بتاؤ کہ وہ پستول کہاں ہے جو تم نے ٹیکسی ڈرائیور کی جیب سے نکالا تھا۔''

''پستول؟ کہیں تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ وہ پستول تھا۔''

''پھر کیا تھا؟''

''مجھے حیرت ہے کہ ٹیکسی ڈرائیور بھاگا کیوں تھا۔ جبکہ پستول نقلی تھا۔''

''ہاں نقلی ہی تھا۔ لیکن وہ ہے کہاں؟''

''میں نے اسی سے اُس پر فائر کرنا چاہا تھا۔ جب فائر نہ ہوا تو جھلا کر بغور اس کا جائزہ لیا۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ کتنا تاؤ آیا تھا اس پر۔ پستول ہی پھینک مارا تھا اس جگہ جہاں وہ جھاڑیوں میں غائب ہوا تھا.....!''

''پھینک دیا تھا.....!''

''اور نہیں تو کیا گلے میں لٹکائے پھرتا.....!''

''تم حقیقتاً کون ہو؟'' عالیہ نریمان کی آواز آئی۔

''پہلے تم بتاؤ کہ تم کہاں ہو اور میں تم تک کس طرح پہنچ سکوں گا کیونکہ یہ ساری

مصیبتیں تمہارے ہی لیے برداشت کر رہا ہوں.....!''

''میرا خیال ہے کہ دو چار دن اور برداشت کرو گے اور اس کے بعد تمہیں اس کشاکش سے نجات مل جائے گی.....!''

''کیا مطلب؟''

''تمہارا جسم روح سے خالی ہو جائے گا.....!''

''خواب میں.....!''

''کیپٹن حمید.....! اگر وہ پستول واپس نہ ملا تو تم یہیں ایڑیاں رگڑ کر مر جاؤ گے.....!''

''بڑی خوشی ہوئی کہ تم مجھے جانتی ہو!''

''ہمیں پستول واپس چاہئے اور ہم کچھ نہیں چاہتے!''

''جب وہ تمہاری نظروں میں اتنا ہی قیمتی تھا تو تم نے اسے ٹیکسی ڈرائیور کے حوالے کیوں کر دیا.....!''

''میں تمہیں کوئی لفنگا سمجھی تھی۔ میں نے سوچا شاید تم کسی بے ہودگی پر اتر آؤ.....!''

''کیا وہ ٹیکسی ڈرائیور زیادہ قابل اعتماد معلوم ہوا تھا.....''

''غیر ضروری باتوں سے کیا فائدہ!''

''پھر تمہیں میری اصلیت کیسے معلوم ہوئی!''

''جب تم نے اس انسپکٹر کو ہمارے مکان میں طلب کیا.....!''

''کیا تم لوگ وہاں اس وقت موجود تھے!''

''یقیناً تھے.....لیکن کمروں کے فرش کے نیچے.....!''

''آخر تم لوگ کیا کرتے پھر رہے ہو!''

جواب میں عالیہ نریمان کا قہقہہ سنائی دیا اور وہ بولی۔ ''کیا تم اس سے مطمئن ہو کہ وہ جاہ ایک پیشہ ور ہپناٹسٹ ہے!''

''میں قطعی مطمئن ہوں.....لیکن تم.....تمہارا جغرافیہ سمجھ میں نہیں آتا.....!''

''میں اس کی سیکریٹری ہوں!''

''ایک ہپناٹسٹ کو اس کی کیا ضرورت ہے کہ وہ مکانات کے نیچے تہہ خانے بنوائے

پھرے.....اور پھر وہ دھما کا کیسا تھا!''

''دھما کا نہیں.....دھما کے کہو.....تین دھما کے ہوئے تھے اور عمارت ڈھیر ہو گئی تھی!''

''مقصود کہاں ہے۔ مطلب کہ وہ انسپکٹر.....!''

''خوش قسمت تھا بچ نکلا.....!''

''اور میں خواب دیکھ رہا ہوں!''

''بچوں کی سی باتیں نہ کرو.....تم بہت بڑے خطرے میں گھرے ہوئے ہو.....!''

''فی الحال میں بھوکا ہوں۔ کیا کھانے کو کچھ مل سکے گا۔''

''بھوکے مرنے ہی کے لیے یہاں لا ڈالے گئے ہو.....'' عالیہ نے کہہ کر قہقہہ لگایا۔

حمید جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ اتنا گہرا اندھیرا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا تھا۔ اس میں رہی تھی.....! کچھ دیر بعد اس نے پھر عالیہ کو آواز دی لیکن جواب نہیں ملا.....!

فریدی رسی کے سہارے کنوئیں میں اتر رہا تھا۔ کسی اور کو نہیں اترنے دیا تھا۔ حالانکہ دو انسپیکٹروں نے اس کے لیے اس سے اجازت مانگی تھی۔

بعد میں مزدوروں نے اسے بتایا تھا کہ لوہے کی ایک ٹوٹی مڑی چادر کے نیچے سے یہ کنواں برآمد ہوا تھا.....!

اوپر سے اس کی تہہ صاف نہیں دکھائی دی تھی۔ اس لیے اندازہ کرنا دشوار تھا کہ وہ کوئی ٹنک کنواں ہے یا اس میں پانی بھی موجود ہے.....!

پھر وہ تہہ تک بھی جا پہنچا۔ نیچے پہنچ کر اس نے ٹارچ روشن کی اور حیرت سے چاروں

طرف دیکھنے لگا۔ اوپر کے ملبے کا تھوڑا سا حصہ بھی تہہ تک نہیں پہنچ سکا تھا اور وہ ایک شفاف جگہ پر کھڑا تھا اور یہ سطح بھی کسی دھات ہی کی تھی۔ مزید یقین کرنے کے لیے اس نے زور سے اپنا پیر فرش پر مارا..... اس کنوئیں کا مقصد.....؟

وہ سوچ میں پڑ گیا..... یہاں بڑی گرمی تھی۔ لباس پسینے سے بھیگ گیا تھا۔ وہ چاروں طرف نیچے اوپر ٹارچ کی روشنی ڈالنے لگا۔ یہ سوال مسلسل اس کے ذہن پر ہتھوڑے چلا رہا تھا کہ حمید کہاں گیا! اوپر کے ملبے میں تو اس کا سراغ نہیں ملا تھا۔

گھٹن اور گرمی کا احساس بڑھتا گیا۔ لیکن وہ یہاں کسی کنوئیں کی موجودگی کا مقصد کیے بغیر واپس نہیں جا سکتا تھا، فریدی ہی تھا..... اور پھر معاملہ تھا حمید کی گمشدگی کا.....!

ٹارچ کی روشنی چاروں طرف آڑی ترچھی لکیریں بناتی رہی! دفعتاً ایک جگہ سے چند ابھری ہوئی چھوٹی چھوٹی لکیریں نظر آئیں.....! ان کی اونچائی اتنی زیادہ نہیں تھی کہ ہاتھ نہ پہنچ سکتا۔ وہ پنجوں کے بل اٹھ کر انھیں قریب سے دیکھنے کی کوشش کرنے لگا.....!

وہ تین لکیریں تھیں، ایک سرخ رنگ کی تھی دوسری زرد رنگ اور تیسری سبز رنگ کی۔

سرخ رنگ کی لکیر کے قریب انگلی لیجاتے لیجاتے رک گیا۔ اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ انگلی سبز رنگ کی لکیر کی طرف ہٹ آئی اور جیسے اس سے مس ہوئی۔ ایک عجیب جھنکار اس کمرے میں گونجی..... بائیں طرف ایک مستطیل خلاء نمودار ہوئی۔ مستطیل کی لمبائی اور چوڑائی کے اعتبار سے اتنا تھا کہ ایک قد آور آدمی بہ آسانی اس سے گزر سکتا تھا۔

فریدی نے ٹارچ کی روشنی اس مستطیل خلاء میں ڈالی جو دُور تک پھیلتی ہوئی اندھیرے میں گم ہو گئی.....!

تو یہ ایک سرنگ تھی.....!

اس نے بے خوف وخطر سرنگ کے دہانے میں قدم رکھ دیا.....!

یہ حمید کا معاملہ تھا..... اس کی زندگی اور موت کا سوال تھا.....! لہٰذا اس وقت وہ فریدی اور دانشمند فریدی نہیں رہا تھا جہنم میں بھی چھلانگ لگا دیتا اس کے لیے۔ اس نے اسے اپنی زندگی کی پرواہ نہیں رہی تھی.....! صرف ایک خیال ذہن پر مسلط تھا کسی طرح تک جا پہنچے.....!

وہ بڑی تیز رفتاری سے سرنگ طے کر رہا تھا.....! یہاں اس کنوئیں سے زیادہ گھٹن اور گرمی تھی۔ گھٹن میں تیز رفتاری پھیپھڑوں کا کیا حال کرتی ہے اس کا وہی اندازہ کر سکتے ہیں جنھیں کبھی ایسے حالات سے دوچار ہونے کا اتفاق ہوا ہو.....!

اچانک سرنگ بائیں جانب مڑی اور چند قدم کے بعد راستہ مسدود ہو گیا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سرنگ کا دوسرا دہانہ بڑے بڑے پتھروں سے پاٹ دیا گیا ہو..!

وہ پھر سوچ میں پڑ گیا۔ آخر وہ مزدور کہاں گیا جو کچھ ہی دیر پہلے کنوئیں میں گرا تھا..... لہٰذا پتھروں کا یہ بھراؤ بھی دھوکا ہی ہو سکتا ہے کوئی اور راستہ..... کوئی اور راستہ..... وہ پھر پلٹا..... دائیں بائیں روشنی ڈالتا ہوا وہ تیزی سے چل رہا تھا.....!

ایک جگہ اسے رک جانا پڑا..... زمین کچھ غیر مسطح سی تھی۔ جھک کر دیکھا ایسا لگتا تھا جیسے کسی نے جوتے کی نوک سے ٹھوکر مار مار کر مٹی ہٹائی ہو!

اس نے بھی جوتے کی نوک ہی سے آس پاس کی مٹی کریدنی شروع کی۔ دفعتاً کوئی سخت سی چیز جوتے کی نوک سے ٹکرائی..... ساتھ ہی اوپر سے ایسی آواز آئی جیسے کوئی وزنی شے کسی دوسری چیز سے رگڑ کھائی ہوئی ایک طرف سے دوسری طرف نکل گئی ہو.....!

فریدی پھرتی سے پیچھے ہٹا اور اس نے ٹارچ بھی بجھا دی.....!

اوپر تاروں بھرا آسمان نظر آ رہا تھا..... ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا اس کے جسم سے ٹکرایا۔

نکاسی کا راستہ..... اس نے سوچا، اور بڑی احتیاط سے آگے بڑھنے لگا.....!

کچھ دیر تک وہ عالیہ نریمان کو آوازیں دیتا رہا تھا۔ پھر تھک کر بیٹھ گیا تھا۔ اندھیرا..... گہرا اندھیرا..... پورا جسم بری طرح دکھ رہا تھا اور بھوک کے مارے پیٹ میں بھی اینٹھن سی ہونے لگی تھی.....!

پھر پتہ نہیں کب اسی عالم میں اس پر دوبارہ غفلت طاری ہوگئی.....!

پھر دوبارہ کسی نے اسے جھنجھوڑ کر ہی جگایا تھا.....وہ اچھل کر کھڑا ہوگیا.....!

دو ٹارچیں روشن نظر آئیں.....لیکن دونوں آدمیوں کے چہرے تاریکی میں تھے.....!

''کیا بات ہے؟'' حمید نے گرج کر پوچھا۔''کیوں میری نیند خراب کی.....!''

''ہمارے ساتھ چلو.....!'' ایک آواز آئی۔

''تمہاری آواز بھدّی ہے۔'' حمید نے خشمگیں لہجے میں کہا۔''تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا.....کوئی سریلی آواز لاؤ۔''

''کیا تم پاگل پن کا ڈھونگ رچاؤ گے.....؟''

''شٹ اپ.....بدتمیزی نہیں.....!''

''تم اسے دھکے دیتے ہوئے لے چلو!'' دوسری آواز آئی۔''میں روشنی دکھاؤں گا.....''

''اچھی بات ہے۔تو یہ بھی کر کے دیکھ لو.....!'' حمید کڑک کر بولا۔

پھر جیسے ہی ایک ٹارچ بجھی حمید تڑ سے بولا۔''برا مان گئے.....میں تو مذاق کر رہا تھا.....چلو کہاں چلتے ہو.....!''

کوئی سخت سی چیز بائیں پہلو میں چبھی جو ریوالور کی نال کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوسکتی تھی۔

وہ ان کے ساتھ چل پڑا۔آگے چلنے والا ٹارچ روشن کیے ہوئے تھا۔حمید کو اب اندازہ ہوسکا کہ وہ کسی غار میں چل رہا ہے.....!

جلد ہی وہ کھلے میں نکل آئے اور صبح کی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے حمید کا چہرہ سہلاتے ہوئے گزرنے لگے۔

اس وقت وہ ایک چھوٹے سے جزیرے میں کھڑا تھا۔ایسے لگتا تھا جیسے کچھ دن پہلے اسے زلزلے نے تباہ کر دیا ہو! جگہ جگہ ٹوٹی پھوٹی چٹانوں کے ڈھیر نظر آرہے تھے اور انھیں کے درمیان غاروں کے دہانے دکھائی دیئے.....!

اوڑ پھر چاروں طرف حد نظر تک پانی ہی پانی.....!

وہ ان دونوں کی طرف مڑا۔یہ موٹے ہونٹ اور چھوٹی ناک والے سیاہ فام لوگ تھے۔

انھوں نے غار میں اس سے انگریزی میں گفتگو کی تھی اور لہجے کے اعتبار سے وہ اسے

غیر ملکی ہی معلوم ہوئے تھے.....!

''میں کہاں ہوں.....'' اس نے دفعتاً ان سے سوال کیا۔

''تم جہاں کہیں بھی ہو مرتے دم تک وہیں رہو گے۔یہاں سے نکل نہیں سکتے.....یہ پانی لامحدود گہرائیوں تک ہے.....!''

''کیا تم مجھے یہی دکھانے لائے ہو.....!''

''یقیناً.....تاکہ تم معاملے کی اہمیت کو سمجھ سکو.....!''

''اس وقت میرے لیے ناشتے سے زیادہ اور کوئی چیز اہم نہیں!''

''بس چلتے رہو.....!'' ریوالور والے نے اسے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا.....!

وہ ڈھلان میں اترتے چلے گئے۔حمید کو احساس تھا کہ وہ دونوں مسلح ہیں اور احساس نہ ہوتا تب بھی وہ یہاں سے نکل جانے کے امکانات کا جائزہ لیے بغیر کوئی حرکت نہ کرتا اور پھر اسے تو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ ہے کہاں.....!

پانی کے قریب پہنچ کر وہ رک گئے۔حمید خاموش تھا۔کئی منٹ تک وہ یونہی کھڑے رہے۔پھر ان میں سے ایک بولا۔''مچھلیاں پکڑو اور کھاؤ اسکے علاوہ یہاں اور کچھ نہیں ہوتا۔''

''تم لوگ بھی مچھلیاں ہی کھاتے ہو!''

''ہم ایسی غذائیں کھاتے ہیں جو ہمیں کڑی محنت کے لیے تیار کرسکیں!'' دوسرا بولا اور اپنے تھیلے سے انڈے کا سینڈوچ نکال کر کھانے لگا۔دوسرا بھی ایک پتھر سے ٹک کر اپنا تھیلا ٹٹولنے لگا تھا۔اس نے کاغذ میں لپٹا ہوا ایک اسٹیک نکالا اور کھانے لگا.....!

اوہ.....تو یہ بات ہے.....حمید نے سوچا۔مجھے اس طرح پریشان کر کے اس پستول کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں گی.....!

انھیں کھاتے دیکھ کر اس کے خالی معدے کی اینٹھن میں اضافہ ہوگیا۔لیکن وہ خاموش کھڑا رہا۔

کچھ دیر بعد انھوں نے تھرموس سے کافی انڈیلی اور کچھ ایسے انداز میں پینے لگے جیسے حمید کو چڑا رہے ہوں.....!

وہ بیزاری سے دوبارہ اسی طرف مڑ گیا جدھر سے وہ آئے تھے۔وہ اس پر معترض نہ

ہوئے.....حمید پھر اس جگہ آ پہنچا جہاں سے چلا تھا.....!

اس نے مڑ کر دیکھا.....وہ دونوں سیاہ فام آدمی اس کے پیچھے نہیں آئے تھے.....!

وہ آگے بڑھتا چلا گیا۔ جیسے ہی وہ پتھروں کے ڈھیر کے قریب سے بائیں جانب ہوا کا ایک مہکتا ہوا جھونکا اس کے ذہن کو جھنجھوڑ گیا ایسا محسوس ہوا جیسے کہیں قریب ہی گوشت تلا جا رہا ہو.....!

اس کے قدم ہوا کے رخ پر تیزی سے اٹھنے لگے اور بالآخر وہ اس جگہ جا پہنچا جہاں گوشت کے پارچے تلے جا رہے تھے.....!

اس نے عالیہ نریمان کو دیکھا۔ وہ کینوا س کے ایک فولڈنگ اسٹول پر بیٹھی فرائنگ پین میں پارچے الٹ پلٹ رہی تھی.....اور اس کے قریب ہی ایک مسلح سیاہ فام آدمی براجمان تھا۔ حمید خاموشی سے کھڑا انھیں دیکھتا رہا.....!

عالیہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ بڑے انہماک سے فرائنگ پین میں سرخ ہوتے پارچوں کو دیکھ رہی تھی.....!

سیاہ فام آدمی نے حمید کی آہٹ پر سر اٹھا کر اس طرف دیکھا تھا اور پھر وہ بھی فرائنگ پین ہی کی طرف متوجہ ہو گیا تھا.....!

جب پارچے سرخ ہو گئے تو عالیہ نے فرائنگ پین اسٹوو پر سے اٹھا لیا اور سارے پارچے پانی میں پھینک آئی.....!

''کیا تم پاگل ہو گئی ہو.....؟'' حمید نے اونچی آواز میں کہا۔

''نہیں.....!'' اس نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ ''ادھر کی مچھلیاں کچا گوشت نہیں کھاتیں۔''

''خوب.....!'' حمید نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے اُسے گھورتا رہا۔

عالیہ نے فرائنگ پین پھر اسٹوو پر رکھ کر اس میں مکھن ڈالا۔ ''چھن چھن'' کی خوش آہنگی ایک بار پھر حمید کے کان سہلائے۔ پارچوں کی دوسری کھیپ فرائنگ پین میں پہنچ گئی تھی۔

حمید آہستہ آہستہ اسٹوو کی طرف بڑھنے لگا.....!

''اگر تم نے مداخلت کی تو یہ کالا آدمی تمہیں گولی مار دے گا۔'' عالیہ نریمان نے فرائنگ پین پر نظر جمائے ہوئے کہا۔

''مداخلت.....کیسی مداخلت.....؟'' حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔ ''میں تو تمہارا ہاتھ بٹانا چاہتا ہوں۔ ہمارے یہاں تو مچھلیوں کو دل کھلائے جائے ہیں۔ میرے دادا کے تالاب میں ایسی مچھلیاں تھیں جو صرف انناس کا مربہ کھاتی تھیں.....اور میرے ذاتی تالاب کی مچھلیوں کا کیا پوچھنا جب تک کوئی حسین چہرہ نہیں دیکھ لیتیں ناشتہ ہی نہیں کرتیں.....!''

''میں کہتی ہوں قریب نہ آنا.....وہ گونگا اور بہرہ ہے.....!''

حمید نے مڑ کر سیاہ فام آدمی کی طرف دیکھا! اس نے ریوالور نکال لیا تھا اور اسے خونخوار نظروں سے گھورے جا رہا تھا۔

ایک آدمی سے نپٹ لینا اس کے لیے مشکل نہیں تھا۔ لیکن اس کے بعد وہ اسے گھیر کر کسی خارش زدہ گیدڑ کی طرح مار لیتے۔ وہ نکل کر جاتا کس طرف!

لہٰذا دوسرا قدم نہ اٹھ سکا۔ ٹھنڈی سانس لے کر اسی جگہ بیٹھ گیا۔ عالیہ بدستور فرائنگ پین کی طرف متوجہ رہی.....!

''میرا خالی پٹ تمبا کو پینا تمہیں ناگوار تو نہیں گزرے گا۔'' اس نے کچھ دیر بعد عالیہ سے پوچھا۔

وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور بولی۔ ''خود تمہارے لیے نقصان دہ نہ ہو تو ضرور پیو۔''

''ہو سکتا ہے نقصان ہی پہنچائے لہٰذا ارادہ ملتوی کرتا ہوں!''

عالیہ پھر اٹھی اور اس بار کے تلے ہوئے پارچے بھی پانی میں پھینک آئی۔

''کتنے ہزار ٹن پارچے روزانہ تل ڈالتی ہو گی.....!'' حمید نے اس سے پوچھا۔

''کبھی تول کر نہیں تلنے بیٹھی.....!''

''میں مسٹر ولی جاہ سے ملنا چاہتا ہوں.....!''

''کیوں.....؟''

''میں ناشتے کا خواب دیکھنا چاہتا ہوں!'' حمید شرما کر بولا۔

''پستول کی واپسی کے بغیر ناممکن ہے.....!'' عالیہ نے خشک لہجے میں کہا۔

''مجھے وہاں لے چلو.....جہاں پھینکا تھا۔ تلاش کر دوں گا.....!''

''تم جھوٹے ہو.....!''

''یقین کرو تلاش کر دوں گا.....!''

''بکواس ہے۔ پستول کرنل فریدی کے پاس پہنچ چکا ہے!''

''تب تو انھیں پکڑوا ہی بلواؤ ورنہ.....!''

''پستول تم نے ہی اس کے حوالے کیا تھا.....!''

''مسٹر ولیجاہ تو ہپناٹسٹ ہیں وہ مجھے ٹرانس میں لا کر حقیقت معلوم کر سکتے ہیں.....''

عالیہ نے تیسری بار فرائینگ پین میں پارچے ڈالے اور حمید جلدی سے بولا۔''مچھلیوں کو بدہضمی نہ ہو جائے تمہیں ان کی صحت کا بھی خیال رکھنا چاہئے.....!''

عالیہ پھر بھی کچھ نہ بولی اور حمید اپنی خوش مزاجی برقرار رکھنے کے لیے مدہم سروں میں سیٹی بجانے لگا۔ ویسے دل تو یہ چاہ رہا تھا کہ ان دونوں کو اٹھا کر پانی میں پھینک دے اور پارچے تلنے بیٹھ جائے.....!

کچھ دیر بعد عالیہ نے سر اٹھا کر کہا۔''جانتے ہو تم کہاں ہو؟''

''شاید افریقہ کے کسی ہیبت ناک حصے میں!''

وہ ہنس پڑی۔

''بھلا اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟''

''تم تارجام سے زیادہ دور نہیں ہو.....!''

''بکواس ہے.....وہاں آس پاس ایسا کوئی علاقہ نہیں ہے.....!''

''پہلے نہیں تھا لیکن اب ہے.....اور تم اچھی طرح جانتے ہو!''

''کیا جانتا ہوں.....؟''

''یہ تم ہی لوگوں کا کارنامہ ہے۔'' وہ چاروں طرف انگلی نچا کر بولی۔

''میں نہیں سمجھا.....!''

''کیا یہ جھیل اس وقت نہیں بنی تھی جب جیرالڈ شاستری کی زیرزمین دنیا تباہ ہوئی تھی۔''

''لڑکال جنگل.....!'' حمید اچھل پڑا۔

''ہاں.....یہ وہی جھیل ہے.....ادھر کوئی نہیں آتا.....چاروں طرف گھنے جنگل

اور تم یہاں ایڑیاں رگڑ کر مر جاؤ گے.....!''

''آخر یہ ولی جاہ ہے کیا بلا.....؟''

''تم دیکھ ہی لو گے۔ اپنے کارناموں پر بہت زیادہ مغرور ہو گئے ہو تم لوگ.....!''

''میرا کارنامہ ہے میرا کوئی کارنامہ نہیں.....میں جو آج تک کسی کے دل میں اپنے لیے محبت نہیں پیدا کر سکا۔ کوئی کارنامہ کیا انجام دوں گا.....!''

''معلوم ہوتا ہے اب بھوک کی سہار نہیں ہو رہی.....!''

''تمہارا خیال غلط نہیں ہے.....!''

''اچھا میں پارچے اچھالتی ہوں انھیں خلاء میں ہی دانتوں سے پکڑنے کی کوشش کرو.....اگر ہاتھ لگایا تو گولی ماردی جائے گی.....!''

''کیا بات ہوئی.....!''

''ورزش بھی ہو جائے گی۔ تم روزانہ صبح ورزش کرنے کے عادی معلوم ہوتے ہو...!''

حمید نے سوچا اگر مار ڈالنا ہوتا تو پہلے ہی مار ڈالتے یقیناً کسی مقصد کے تحت اسے زندہ رکھا گیا ہے.....لہٰذا جس طرح بھی ہو سکے پہلے پیٹ بھرنے کی کوشش کرو.....!

عالیہ نے ہاتھ نچا نچا کر سیاہ فام آدمی کو کچھ اشارے کیے اور وہ مستعد ہو کر کھڑا ہو گیا.....ریوالور اس نے سیدھا کر لیا تھا۔

''ہاں تو اچھالوں پارچہ.....!'' عالیہ نے حمید سے پوچھا۔

''ضرور.....! ضرور.....!''

عالیہ نے ایک پارچہ اچھالا جو پہلے اس کی ناک پر پڑا اور پھسلتا ہوا زمین پر چلا آیا.....

حمید جھینپ کر اپنا چہرہ صاف کرنے لگا اور وہ دونوں ہنسنے لگے۔

حمید نے غصے کو دبانے کی کوشش کی اور ڈھٹائی سے ہنس کر بولا۔''چلو دوسرا پھینکو اس بار غلطی نہیں ہو گی.....!''

عالیہ نے کافی بلندی پر پارچہ اچھالا اور حمید اس کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے سیاہ فام آدمی پر ٹوٹ پڑا۔ وہ پارچے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

حمید پہلی ہی بار اندازہ کر چکا تھا کہ اس کی نظر پارچے کی طرف رہتی ہے لہٰذا وہ بہ

آسانی اس کے ہاتھ سے ریوالور جھپٹتا ہوا دوسری طرف نکلا گیا۔

''اب تم دونوں اپنے ہاتھ اٹھاؤ.....!'' وہ پلٹ کر غرایا۔ ''اگر کسی کی زبان سے ایک لفظ بھی نکلا تو بے دریغ گولی مار دوں گا۔ پھر اپنا حشر خواہ کچھ ہو۔''

وہ دونوں ہاتھ اٹھائے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکا رہے تھے۔

''اور اب تم اسٹوو کے پاس سے ہٹ جاؤ.....!'' حمید نے عالیہ سے کہا۔ وہ خاموشی سے ہاتھ اوپر اٹھائے ہوئے اسٹوو کے پاس سے ہٹ گئی.....!

''اسی طرح ہاتھ اٹھائے کھڑے رہو تم دونوں۔ اگر آواز نکلی تو فائر کر دوں گا.....!''

اور پھر وہ بائیں ہاتھ سے پارچے نکال نکال کر کھاتا رہا اور..... داہنے ہاتھ سے انھیں کور کیے رہا.....!

فرائینگ پین سے تازہ نکلے ہوئے تیز گرم پارچوں کو منہ میں رکھ کر چلنا کوئی آسان کام تو نہیں تھا..... طرح طرح کے منہ بن رہے تھے۔ کبھی سر بائیں جانب جھکتا اور کبھی دائیں جانب.....!

عالیہ غالباً اس کی ہیئت کذائی پر ہی ہنسی تھی.....!

''ہنسے..... جاؤ.....!'' حمید منہ چلاتا ہوا بولا۔

پارچے ختم کر کے وہ اٹھ گیا اور عالیہ سے بولا..... ''اور تلو.....!''

وہ ہنستی ہوئی پھر اسٹوو کے قریب آ بیٹھی.....!

حمید نے سیاہ فام آدمی سے پوچھا۔ ''کیا واقعی تم گونگے اور بہرے ہو.....؟''

وہ پہلے ہی کی سی حالت میں خاموش کھڑا رہا.....!

فریدی کا چہرہ سُتا ہوا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے ساری رات جاگتا رہا ہو۔ اس وقت وہ ڈی آئی۔ جی کے آفس میں بیٹھا اس سے گفتگو کر رہا تھا۔

''جھاڑیوں میں مزدود کی لاش مل گئی..... لیکن حمید.....!''

''ملبہ صاف ہو گیا.....!'' ڈی آئی جی نے پوچھا۔

''جی ہاں.....!''

''تو اس سرنگ کا راستہ جھاڑیوں میں نکلتا ہے!''

''جی ہاں..... اور اصل عمارت سے زیادہ فاصلہ نہیں تھا.....!''

''پھر اب کیا سوچا ہے۔ میں نے پہلے کبھی تمہیں اتنا پریشان نہیں دیکھا۔''

''جی ہاں..... میں پریشان ہوں.....'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا اور خلاء میں گھورنے لگا۔

پھر کچھ دیر بعد بولا۔ ''میں آپ کو پوری کہانی سنا چکا ہوں.....!'' میرے لیے اب اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں کہ اس کلچرل سیکریٹری کے گریبان پر ہاتھ ڈال دوں.....!''

''مجھے معلوم ہے کہ تمہارے پاس ایک مخصوص اجازت نامہ ہے جس کے تحت تم صرف صدر مملکت کو جوابدہ ہو..... لیکن بعض سفارت خانوں کے معاملات میں براہِ راست مداخلت نہیں کر سکو گے۔ اس کے لیے تمہیں باقاعدہ منظوری لینی پڑے گی.....!''

''اسی لیے میں استعفٰے دینا چاہتا ہوں.....!''

''استعفٰے.....؟''

''جی ہاں..... میں چاہتا ہوں کہ بعض بین الاقوامی حالات کی بناء پر مجھے اجازت نہیں ملے گی.....!''

''استعفٰے دے دینے کے بعد تم کیا کر سکو گے!''

''اُس وقت میں ایک ذمہ داری آدمی نہ رہوں گا اور ایک عام آدمی کی طرح قانون شکنی کر سکوں گا.....!''

''کیا مطلب؟''

''کلچرل سیکریٹری اسٹیفن بروس پر تشدد کیے بغیر میں ولی جاہ کے بارے میں کچھ بھی نہ معلوم کر سکوں گا.....!''

''شاید حمید والے صدمے نے تمہیں ذہنی طور پر مفلوج کر دیا ہے۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے کرنل فریدی.....!''

''میرا استعفیٰ منظور کیجئے.....!''

''بچوں کی سی باتیں نہ کرو.....آرام کرنے کیلئے طویل مدت کی رخصت پر جا سکتے ہو۔''

دفعتاً فریدی کی نیم غنودہ آنکھوں میں عجیب سی چمک لہرائی اور وہ کرسی سے اٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر اضمحلال بھی نہیں تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نئے خیال کے تحت اچانک اس کی شخصیت ہی بدل گئی ہو۔

''میں آپ کا شکر گزار ہوں جناب!'' وہ مسکرا کر بولا۔ ''نہ میں استعفیٰ دوں گا اور نہ طویل رخصت چاہوں گا.....!''

ڈی، آئی، جی اسے حیرت سے دیکھے جا رہا تھا۔ یہ اچانک تبدیلی ہی غالباً حیرت کا باعث تھی۔

''آپ مجھے ہمیشہ سیدھی راہ دکھاتے ہیں.....!''

''مجھے تم سے یہی امید تھی.....!'' ڈی۔ آئی۔ جی کھل اٹھا۔ ''تم اطمینان رکھو، بعافیت ہو گا، ورنہ مزدور ہی کی طرح اس کی لاش بھی مل جاتی۔''

''لاش.....!'' فریدی کا چہرہ پھر زرد ہو گیا۔

''میرا مطلب تھا..... وہ بخریت ہی ہو گا۔'' ڈی۔ آئی۔ جی بھی اٹھتا ہوا بولا۔ مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

ڈی۔ آئی۔ جی کے آفس سے نکل کر وہ کوٹھی کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ کوٹھی پہنچ کر تجربہ گاہ کی طرف جا رہا تھا کہ ملازم نے ایک لفافہ پیش کیا۔

''ایک صاحب دے گئے تھے.....!'' اس نے کہا۔

فریدی نے اس پر اچٹتی سی نظر ڈالی۔ اس کا نام اور پتہ اس پر ٹائپ تھا.....تجربہ گاہ کی طرف بڑھتے ہوئے اُس نے اسے چاک کر کے پرچہ نکالا.....اور اس کے قدم رک گئے۔

پرچے پر انگریزی حروف میں ٹائپ تھا۔

''اگر تم اس پستول کے راز سے واقف ہو گئے ہو تو پستول سمیت اسے اپنی ہی حد تک محدود رکھو ورنہ کیپٹن حمید کو قتل کر دیا جائے گا.....!''

تو وہ زندہ ہے..... پیشانی سے تشویش کی لکیریں غائب ہو گئیں اور وہ پھر پہلے ہی

پرسکون فریدی نظر آنے لگا.....!

تجربہ گاہ میں پہنچ کر اس نے فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کیے اور ماؤتھ پیس میں بولا۔

''اٹ از ہارڈ اسٹون..... بروس کے بارے میں کوئی اطلاع.....!''

''کوئی مشتبہ حرکت ابھی تک نہیں دیکھی گئی!''

''اس وقت وہ کہاں ہے؟''

''اپنے بنگلے میں.....!''

''اس کا تعاقب جاری رکھا جائے.....اور جس وقت وہ ہاف مون کلب میں پہنچے مجھے فوراً اطلاع دی جائے!''

''بہت بہتر جناب.....!''

فریدی نے ریسیور رکھ کر سگار سلگایا اور آرام کرسی میں نیم دراز ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔

کچھ دیر بعد فون کی گھنٹی بجی.....اس نے ریسیور اٹھایا۔

دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''وہ اپنے بنگلے سے نکلا ہے۔ اس کے ساتھ ایک عورت بھی ہے۔ سیاہ رنگ کی ڈاج نمبر ڈی۔ ایف۔ تھری سکس نائن ون، تعاقب جاری ہے۔''

''ٹھیک ہے.....!'' کہہ کر فریدی نے ریسیور رکھ دیا۔

پارچوں کی دوسری کھیپ کا بھی صفایا کر دینے کے بعد اس نے کافی طلب کی.....!

''اس کے لیے تمہیں کچھ دور چلنا ہو گا۔'' عالیہ اٹھلائی۔

''او کے۔ او کے.....!'' حمید بڑی شرافت سے بولا۔ ''اور اب تم اپنے اس محافظ سے کہو کہ ہاتھ نیچے گرا کر مجھ سے اپنا ریوالور واپس لے پھر مجھ سے دوستانہ انداز میں مصافحہ کرے۔''

عالیہ نے حمید کو غور سے دیکھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اس کے بارے میں صحیح اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی ہو۔ پھر وہ سیاہ فام آدمی کو اشارے کرنے لگی.....!

اس نے اپنے ہاتھ نیچے گرا دیئے اور حمید کی طرف بڑھا، حمید نے ریوالور اسے واپس کرتے ہوئے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا جسے بڑی گرم جوشی سے قبول کیا گیا۔

اس کے بعد وہ بڑی دیر تک خاموشی سے کھڑے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے، سیاہ فام آدمی نے ریوالور ہولسٹر میں مدھ لیا تھا اور بت بنا کھڑا تھا.....!

''کافی پلیز.....!'' حمید نے عالیہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

''چلو.....!'' وہ بائیں جانب مڑتی ہوئی بولی۔

حمید اس کے برابر چل رہا تھا۔

''اب مجھے بتاؤ.....اس نقلی پستول کیلئے مجھے اتنی اذیت کیوں دی جا رہی ہے.....!''

''کیا تمہارے باس نے تمہیں نہیں بتایا۔''

''وہ مجھے کبھی کچھ نہیں بتاتا لیکن پستول تو میں نے جھاڑیوں میں پھینک دیا تھا.....!''

''تم جھوٹے ہو.....پستول اس کے قبضے میں ہے!''

''میں سمجھ گیا.....!''

''کیا سمجھ گئے.....؟''

''اگر وہ کوئی خاص اہمیت رکھتا ہے تو جھاڑیوں سے پرلگا کر اڑا ہو گا اور سیدھا میرے باس کی گود میں جا گرا ہو گا۔ ہر وہ چیز جو اس کے لیے اہمیت رکھتی ہے حیرت انگیز طور پر اس کے پاس پہنچ جاتی ہے۔ عورت کی اس کی نظروں میں کوئی اہمیت نہیں ہے اس لیے آج تک کوئی عورت اڑ کر بھی اس کے پاس نہیں پہنچ سکی.....!''

''عورت کا کیا ذکر تھا یہاں.....!''

''عورت کا ذکر میں ہر جگہ نکال لیتا ہوں۔ یہ میرا کمال ہے۔ حد یہ ہے کہ عبادت کے بعد جو دعا مانگتا ہوں اس میں بھی عورت شامل ہوتی ہے۔ میں گڑگڑاتا ہوں اے میرے معبود میرے لیے اسپیشلی ایک ایسی عورت تخلیق کر دے جس میں بیوی بننے کی صلاحیت نہ ہو۔''

''بھوکے تھے تو ڈھنگ کی باتیں کر رہے تھے.....!''

''ناشتے کے بعد سے دوپہر کے کھانے تک مجھے کبھی بیوی کی پرواہ نہ ہو گی.....اسے لکھ لو.....!''

اب وہ مغرب کی طرف ڈھلان میں اتر رہے تھے۔ ایک جگہ عالیہ رکی اور وہ وہیں سے بائیں جانب مڑ گئی۔ جب حمید بھی مزید نشیب میں اترا تو اسے کسی غار کا دہانہ دکھائی دیا جس میں عالیہ داخل ہو رہی تھی۔

حمید نے بھی اس کی تقلید کرنی چاہی لیکن سیاہ فام آدمی راہ میں حائل ہو گیا۔

اس نے اسے وہیں ایک طرف بیٹھ جانے کا اشارہ کیا تھا۔

حمید نے اسے گھور کر دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔ ویسے وہ دہانے سے ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

کچھ دیر بعد ایک اور سیاہ فام آدمی غار کے دہانے سے برآمد ہوا جس کے ہاتھوں پر کافی کی کشتی تھی.....!

گونگے بہرے محافظ نے آگے بڑھ کر کشتی اس کے ہاتھوں پر سے اٹھالی اور اسے ایک طرف زمین پر رکھ کر خود کافی بنانے بیٹھ گیا۔ دوسرا آدمی پھر غار کے اندر واپس چلا گیا تھا۔

محافظ نے ایک کپ اپنے لیے تیار کیا اور دوسرا حمید کے لیے۔

حمید نے اپنی کافی ابھی ختم بھی نہیں کی تھی کہ عالیہ نریمان غار کے دہانے سے برآمد ہوئی۔ لیکن اب وہ غوطہ خوری کے لباس میں تھی.....!

''ہائیں.....کیا مطلب؟'' حمید بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔ مگر وہ اتنی دیر میں کنارے پر پہنچ کر پانی میں چھلانگ لگا چکی تھی.....!

پھر حمید نے اسے دوبارہ ابھرتے نہ دیکھا۔ پتہ نہیں کن گہرائیوں میں گم ہو گئی تھی۔

سیاہ فام محافظ ان سارے معاملات سے بالکل ہی بے تعلق نظر آ رہا تھا۔

حمید کافی ختم کر کے وہیں بیٹھ رہا.....!

مقصود کا تبادلہ فریدی کے محکمے میں بارہ گھنٹے کے اندر اندر ہوا تھا اور اس پر عجیب سی وحشت طاری تھی! وہ سوچ رہا تھا کہ اب اس کے دن رات اس کے اپنے نہ رہیں گے۔ صرف

محکمے ہی تک کی بات ہوتی تو خیر کوئی مضائقہ نہیں تھا لیکن کرنل فریدی کے تحت کام کرنا..... خ
کی پناہ اس طرح چاق و چوبند رہنا پڑتا تھا جیسے دوسرے ہی لمحے میں قیامت آنے والی ہو۔

اس وقت وہ فریدی ہی کے احکام پر ہاف مون نائٹ کلب کی کمپاؤنڈ میں سیاہ رنگ کی ڈاج کے قریب کھڑا تھا اور اس کے جسم پر..... ڈرائیوروں کی مخصوص وردی تھی.....!

فریدی ہی نے اس کا میک اپ کیا تھا اور سمجھا دیا تھا کہ وہ اس کار کے ڈرائیور کی جگہ لے رہا ہے اور کار کے مالک کو اسے فریدی کے بتائے ہوئے پتہ پر پہنچانا ہوگا.....!

گاڑی کے اصل ڈرائیور کا جو بھی حشر ہوا ہو۔ اسے تو گاڑی خالی ہی ملی تھی اور گاڑی کی کنجی فریدی نے اسے دیتے ہوئے کہا تھا۔ ''بہت ہوشیاری کی ضرورت ہے..... ایک مرد اور ایک عورت..... دونوں شراب کے نشے میں دھت ہوں گے..... اور اگر ایسا نہ ہو تو بھی انھیں وہاں تک پہنچانے کی ذمہ داری تم پر ہوگی۔ موقع کے لحاظ سے اپنی عقل استعمال کرنا!''

اور اب مقصود گاڑی کے قریب کھڑا سوچ رہا تھا کہ اگر اپنی عقل چوپٹ ہو گئی یا عین وقت پر بیوی کی کوئی زیادتی یاد آ گئی تو پھر وہ کہاں ہوگا.....!

ٹھیک بارہ بج کر سترہ منٹ پر ایک عورت اور ایک مرد گاڑی کی طرف آتے دکھائی دیئے۔ عورت کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ لیکن مرد کی چال معمول کے مطابق تھی۔ مقصود نے آگے بڑھ کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ مرد نے عورت کو اندر بٹھا دیا اور مقصود سے بولا۔

''تم میم صاحب کو بنگلے پر چھوڑو۔ پھر ادھر آؤ..... ہام ادھر ہی ہے.....!''

مقصود کا سر گھوم گیا..... وہ اس غیر ملکی کو واپس جاتے دیکھ رہا تھا۔

اس کے عمارت میں داخل ہو جانے کے بعد اس نے پچھلی سیٹ پر نظر ڈالی..... عورت لیٹ گئی تھی اور غالباً اس کی آنکھیں بھی بند تھیں۔

''اب میں ان میم صاحب کو کہاں لے جاؤں۔ میرے معبود.....!'' وہ اگلی سیٹ پر بیٹھتا ہوا بڑبڑایا..... فریدی نے اسے ان دونوں کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا تھا.....!

مقصود نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے سوچا کاش میں نے ولی جاہ کی تصویر نہ دیکھی ہوتی۔ اسی قصور کی بناء پر اسے اس محکمے میں دوبارہ واپس آنا پڑا تھا.....!

اُسے اس کام سے دلچسپی تھی لیکن بیوی کی وجہ سے اسے اپنا تبادلہ سول پولیس میں کرانا

پڑا تھا۔ وہ راتوں کو اس کی گھر سے غیر حاضری پر طوفان اٹھا دیا کرتی۔ کسی طرح یقین ہی نہ کرتی کہ وہ ڈیوٹی پر تھا.....!

وہ گاڑی کو کمپاؤنڈ سے نکالتا ہوا بولا۔ ''زندگی جہنم بن جائے گی۔''

لیکن وہ جائے کہاں..... پتہ نہیں عورت اہم تھی کہ مرد..... وہیں چلنا چاہئے بہرحال.....!

گاڑی تیزی سے راستے طے کرتی ہوئی فریدی کے بتائے ہوئے پتے پر جا پہنچی۔ گاڑی رکتے ہی مقصود پچھلی سیٹ کی طرف مڑا تھا۔ عورت بے خبر سوئی ہوئی نظر آئی۔ وہ اسے گاڑی ہی میں چھوڑ کر نیچے اتر آیا اور عمارت کی طرف بڑھا۔

برآمدے میں پہنچ کر گھنٹی کا بٹن دبانے کے بعد اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا۔ دروازہ کھلا اور دروازہ کھولنے والا فریدی ہی تھا.....!

''عورت بے ہوش پڑی ہے جناب!'' مقصود بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا.....!

''اور مرد.....؟''

''وہ کلب ہی میں ہے!'' مقصود نے کہا اور کہانی دہرا دی۔

''اچھی بات ہے۔ اسے اٹھوا کر اندر لانے میں میری مدد کرو.....!''

عورت عمارت کے اندر لائی گئی اور جیسے ہی فریدی نے مقصود سے کچھ کہنا چاہا تھا فون کی گھنٹی بجی تھی.....!

فریدی نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھایا۔ مقصود اسی کی طرف دیکھ رہا تھا دفعتاً اس نے محسوس کیا جیسے دوسری طرف سے بولنے والے کی بات سن کر اس کے چہرے پر پہلے تو حیرت کے آثار پیدا ہوئے ہوں۔ پھر آنکھوں سے گہری تشویش جھانکنے لگی ہو!

اس نے ریسیور رکھ دیا اور مقصود سے بولا۔ ''اسے پھر اٹھا کر گاڑی ہی میں لے چلو!''

مقصود میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہ اس سے اس تبدیلی کی وجہ پوچھ سکتا.....!

بے ہوش عورت دوبارہ گاڑی تک لائی گئی اور فریدی نے مقصود سے کہا۔ ''تم اب اسی عمارت میں ٹھہرو..... میری واپسی تک باہر نہ نکلنا۔''

اس بار فریدی ہی کار ڈرائیو کر رہا تھا اور مقصود عمارت میں واپس آ گیا.....!

فریدی نے اسٹیفن بروس کی گاڑی بے ہوش عورت سمیت ہاف مون نائٹ کلب
دی۔اس کا اہتمام پہلے ہی کرلیا تھا کہ گاڑی میں مقصود کی انگلیوں کے نشانات نہ پائے جائیں
اور پھر وہ کلب کی عمارت میں داخل ہوا.....رات کا ڈیڑھ بجا تھا ہال میں ایک
خالی نظر نہیں آتی تھی.....اسٹیج پر تین لڑکیاں تھرک رہی تھیں.....!

فریدی نے اسٹیفن بروس کو اپنی میز پر تنہا دیکھا۔لیکن وہ پوری طرح اسٹیج کی
متوجہ نہیں تھا۔چہرے پر خوفزدگی کے آثار تھے جنہیں شاید وہ بڑی کوششوں سے چھپانے
باوجود بھی نہیں چھپا سکا تھا۔فریدی آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کی میز کے قریب پہنچا اور
اس طرح اچھل پڑا جیسے موت سر پر پہنچ گئی ہو.....!

پھر اچانک ایسا معلوم ہوا جیسے اس کی آنکھوں سے مسرتوں کے سوتے پھوٹ نکلے ہوں
''خوش آمدید.....خوش آمدید کرنل''۔وہ اس کے استقبال کے لیے اٹھتا ہوا بولا۔
تم میری میزبانی قبول کروں گے۔''

''میں تمہارے ہی لیے آیا ہوں.....!'' فریدی اس سے مصافحہ کرکے سامنے والی
پر بیٹھتا ہوا بولا۔''مجھے اطلاع ملی تھی کہ تم خوفزدہ ہو۔''

''مم.....میں.....خ.....خوفزدہ.....!''

''ہاں.....آں.....جس دن تم نے کیپٹن حمید کی شکایت کی تھی اس دن سے تمہاری
نگرانی کراتا رہا ہوں.....!''

''کک.....کیوں.....کیا میں نے جھوٹ کہا تھا.....!''

''بہتیری سچی باتیں چھپا گئے تھے.....!''

''کک.....کچھ بھی نہیں.....،کیا پئو گے.....!''

''مجھ سے زیادہ تمہیں اس کی ضرورت ہے!'' فریدی مسکرایا۔''لیکن بہت دیر
اپنے لیے منگانے کی ہمت نہیں کر سکے۔''

''کک.....کیا مطلب؟''

''تمہیں ڈر ہے کہ کہیں اس بار زہر آلود شراب نہ ملے۔تمہاری سیکریٹری کو پہلے ہی
شراب میں بے ہوشی کی دوا دی جا چکی ہے۔وہ لوگ شاید تمہیں زندہ لے جانا چاہتے ہیں...!''

''مم.....میں.....کچھ نہیں سمجھا.....!''

''ٹھہرو.....میں خود اپنی نگرانی میں تمہارے لیے پگ تیار کراؤنگا۔''

اسٹیفن بروس حیرت سے آنکھیں پھاڑے فریدی کو دیکھتا رہا.....!

فریدی اٹھ کر شرابوں کے کاؤنٹر پر آیا۔ایک سربند بوتل خود منتخب کی اور سوڈے کے سائفن
کی بجائے سوڈے کی بوتلیں طلب کیں انھیں خود ہی لیے ہوئے اسٹیفن کی میز پر آ گیا۔

پھر خود ہی اسٹیفن کیلئے گلاس بھی تیار کیا تھا۔اسٹیفن دم بخود یہ سب کچھ دیکھتا رہا تھا۔

''پیئو.....!'' فریدی اس کی طرف گلاس کھسکاتا ہوا بولا۔''تاکہ تمہارے منتشر حواس
یکجا ہوسکیں۔میں دوستوں کا دوست ہوں.....!''

اسٹیفن نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے گلاس پکڑ کر ہونٹوں سے لگا لیا۔پھر وہ کسی ایسے
آدمی کی طرح اسے خالی کر گیا تھا۔جو کئی دنوں سے پیاسا رہا ہو۔گلاس میز پر رکھ کر اس نے
رومال سے ہونٹ خشک کیے اور خاموش بیٹھا رہا لیکن وہ فریدی سے نظریں چرانے کی کوشش کر
رہا تھا.....!

''تمہاری سیکریٹری اب بھی گاڑی میں بے ہوش پڑی ہے.....!'' فریدی بولا۔

''لل.....لیکن.....وہ تو گھر.....!''

''گاڑی یہیں کمپاؤنڈ میں موجود ہے۔ان کا خیال تھا کہ تم دونوں ساتھ ہی جاؤ گے۔
یعنی جب تم دیکھو گے کہ اسے نشہ ہو گیا ہے تو تم اسے خود ہی لے جاؤ گے اور وہ تمہیں گھیر لیں
گے لیکن جب تم اسے گاڑی میں ڈال کر خود یہاں آ بیٹھے تو.....لیکن یہ تو بتاؤ کہ تمہیں خطرے
کا احساس کیونکر ہوا.....!''

''جج.....جب میں واپس آیا تو.....!''

''ہاں.....ہاں کہو.....!''

''سامنے والی میز پر چار آدمیوں کو دیکھ رہے ہو!''

''ہاں.....اُوہ.....!''

''یہ مجھے کینہ توز نظروں سے دیکھ رہے تھے جب میں واپس آیا.....!''

''کیا تم انھیں پہچانتے ہو.....!''

''نن.....نہیں.....لیکن نظریں پہچانتا ہوں.....!''

''فکر نہ کرو.....کیا میں تمہیں گھر پہنچا دوں.....!''

''میں بہت بڑے خطرے میں گھر گیا ہوں.....!''

''باقاعدہ پولیس سے مدد طلب کرو.....!''

''ناممکن.....کوئی جواز نہیں ہے.....!''

''میں نجی طور پر تمہاری مدد کرنے کو تیار ہوں.....!''

''شکریہ.....لیکن.....!''

''فکر نہ کرو.....اگر خود کو اپنی کوٹھی میں غیر محفوظ سمجھو تو میرے ساتھ چلو.....وہاں پر بھی پر نہیں مار سکتا.....!''

''لیکن میری سیکریٹری.....تم کہہ رہے تھے کہ وہ باہر گاڑی میں ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ انھوں نے تمہارے ڈرائیور کو ملا رکھا تھا۔ جیسے ہی میرے آدمیوں نے گاڑی پر قبضہ کرنا چاہا وہ اسٹیرنگ چھوڑ کر بھاگ گیا!''

''اوہ.....اُوہ.....!''

''اب تم جو چاہو تمہارے لیے کرنے کو تیار ہوں!''

''میری سمجھ میں نہیں آتا.....زندگی میں پہلی بار پراگندہ ذہنی کا شکار ہوا ہوں.....!''

''اکثر ہوتا ہے.....میرا خیال ہے تھوڑی سی اور لو.....!'' فریدی گلاس میں انڈیلتا ہوا بولا۔ پھر سوڈے کی بوتل کھولی اور اس کے لیے دوسرا گلاس تیار کر دیا۔

''شکریہ.....!''

دوسرا گلاس اس نے تھوڑا تھوڑا کر کے خالی کیا تھا۔

''میں یہی بہتر سمجھتا ہوں کہ تمہارے ساتھ چلوں!''

''تو چلو اٹھو.....وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ!''

اسٹیفن نے پھر اس میز کی طرف دیکھا جس پر وہ چاروں نامعلوم آدمی اب بھی موجود تھے.....وہ بھی ان دونوں ہی کی طرف متوجہ تھے!

''تم ان کی فکر نہ کرو.....! یہاں میرے آدمی بھی موجود ہیں جو تمہاری نگرانی کرتے رہے تھے!'' کہتا ہوا فریدی اٹھ گیا اور اسٹیفن نے اٹھتے وقت بوتل اٹھائی.....!

جب وہ دروازے کے قریب پہنچے تو تین آدمی ان کے پیچھے تھے.....!

''یہ میرے آدمی ہیں.....!'' فریدی آہستہ سے بولا۔ ''چلتے رہو.....!'' وہ اسے اس کی گاڑی کے قریب لایا.....!

وہ دونوں اگلی سیٹ پر بیٹھے.....فریدی نے اسٹیرنگ سنبھالا اور گاڑی پھاٹک سے گزر کر سڑک پر آ نکلی۔

اسٹیفن نے مڑ کر دیکھا ایک اور گاڑی بھی پھاٹک سے نکل رہی تھی!

''اوہو.....تم کیوں پریشان ہو.....میرے آدمی ہیں۔ اطمینان سے بیٹھو.....!'' فریدی بولا۔ ویسے اس نے اسٹیفن کے تھوک نگلنے کی آواز صاف سنی تھی.....!

بالآخر کار اسی عمارت کے سامنے آ کھڑی ہوئی جہاں اسے کچھ دیر پہلے مقصود لایا تھا...!

''بیٹھے رہو.....!'' فریدی نے آہستہ سے کہا اور مڑ کر دیکھنے لگا۔ دوسری گاڑی بھی اس کے پیچھے آ رکی تھی اور ایک تیسری گاڑی تیزی سے گزرتی چلی گئی تھی.....!

''دیکھا تم نے.....!''

اسٹیفن کچھ نہ بولا۔

پچھلی گاڑی والوں نے بے ہوش عورت کو عمارت میں پہنچا دیا تھا کچھ دیر بعد فریدی اور اسٹیفن بروس ایک کمرے میں تنہا رہ گئے.....!

''اب تم مجھ سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھو گے.....!'' اسٹیفن نے جھینپی ہوئی ہنسی کے ساتھ کہا۔

''قدرتی بات ہے.....مجھے قطعاً دلچسپی نہ ہوتی.....لیکن کیپٹن حمید کم از کم مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتا خواہ وہ باہر کچھ بھی کر آیا ہو.....!''

''وہ ایک قطعی نجی قسم کا جھگڑا تھا، کیپٹن خواہ مخواہ دخل دے بیٹھا۔''

''لیکن اب مجھے ولی جاہ کی تلاش ہے!'' فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے

''کیوں؟ تمہیں اس سے کیا سروکار.....!''

''اسٹیفن کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اس سے محفوظ رہ سکو!''

''یقیناً..... فی الحال میں ایسی پوزیشن میں نہیں ہوں کہ اس معاملے کو اپنی ذا
آگے بڑھا سکوں!''

''تم مجھ پر اعتماد کرو.....!''

''اس سے پہلے اپنی پوزیشن صاف کرنے کی کوشش کروں گا۔ ولی جاہ سے
بہت پرانا ہے۔ جب میں مغربی جرمنی میں تھا تب کی بات ہے!''

''جھگڑے کی نوعیت!'' فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''بہت ہی نجی قسم کی بات ہے!''

''اس کے لیے وہ یہاں دوڑا چلا آیا..... کیا خیال ہے وہ آخر اس طرح خوابوں
کیوں کرتا پھرتا ہے!''

''یہی تو بزنس ہے اس کا.....!''

''بڑی عجیب بات ہے..... لیکن وہ بھی تو تم سے خائف معلوم ہوتا ہے ایسا
کہ پھر نہ دکھائی دیا.....!''

''میں کیا بتاؤں کتنا نجی معاملہ تھا۔ بس یہ سمجھ لو ایک عورت کی بات تھی۔ لیکن
بالآخر مر گئی! اسی کی گولی کا نشانہ بنی تھی لیکن وہ مجھے مار ڈالنے کے درپے ہو گیا تھا.....''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ سگار سلگا رہا تھا۔ اس کے بعد وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ
بولا۔ ''اب نیند آ رہی ہے..... پتہ نہیں لڑی ہوش میں آئی یا نہیں!''

''اسے سونے ہی دو..... بے ہوشی کے بعد وہ سکون سے سوتی رہے گی۔ تم
تمہیں سونے کا کمرہ دکھا دوں.....!''

اسٹیفن اٹھ کر اس کے ساتھ چلنے لگا..... فریدی ایک جگہ رُکا اور اسٹیفن سے

''پہلے ایک چیز دیکھ لو.....!''

''ہوں..... ہوں.....!'' اسٹیفن نروس سی ہنسی کے ساتھ بولا۔

''تمہارے بارے میں تو سُن رکھا تھا کہ تمہارے پاس نوادرات کا بہت بڑا ذخیرہ
ہے..... میں ضرور دیکھوں گا.....!''

فریدی اسے قریب والے کمرے میں لے گیا۔ یہاں صرف دو تین..... کرسیاں پڑی
تھیں اور دیوار پر فلم کی اسکرین کا سا پردہ بنایا گیا تھا اور اس کے مقابل دوسری دیوار کے
قریب آٹھ ملی میٹر کا ایک پروجیکٹر اسٹینڈ پر رکھا ہوا تھا!

''بیٹھ جاؤ.....!'' فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

''کیا کوئی فلم دکھاؤ گے.....!'' اسٹیفن نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں..... اور اس کا شمار بھی تم نوادرات میں ہی کرو گے!''

''ضرور دکھاؤ.....!''

فریدی نے کمرے کی روشنی کا سوئچ آف کر کے پروجیکٹر کا سوئچ آن کر دیا.....! وہ
ہلکی سی آواز کے ساتھ چل پڑا تھا اور سامنے والا اسکرین روشن ہو گیا تھا۔ تصویریں
لرزنے لگیں..... جنگل کا سین تھا..... دو آدمی چلے جا رہے تھے۔

کیمرہ ان کے پیچھے تھا..... آہستہ آہستہ کیمرہ ان کے قریب ہوتا گیا۔ بار بار کسی
درخت کی شاخ یا کوئی جھاڑی ان کے اور کیمرے کے درمیان آ جاتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا
کہ یہ فلم بندی جھاڑیوں میں چھپ کر کی گئی ہو! وہ دونوں چلتے چلتے رک گئے انھوں نے اپنی
پشتوں پر بڑے بڑے تھیلے اٹھا رکھے تھے.....!

پھر انہوں نے وہ تھیلے زمین پر رکھ دیئے اور انکے چہرے اب کیمرے کے سامنے تھے.....!

''اُوہ.....!'' اسٹیفن اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

''بیٹھے رہو..... بیٹھے رہو.....!'' فریدی پرسکون لہجے میں بولا۔ ''تمہیں پوری ریل
دیکھنی پڑے گی اور یہ سب کچھ دوستانہ فضا میں ہو رہا ہے تم مطمئن رہو.....!''

اسٹیفن خاموشی سے بیٹھ گیا۔

فلم اس دوران میں چلتی رہی تھی! ان دونوں آدمیوں میں سے ایک خود اسٹیفن بروس
تھا۔ اس نے تھیلے سے ایک ٹرانسمیٹر نکالا۔ اور اس پر کسی سے گفتگو کرنے لگا۔ دوسرا آدمی
ادھر ادھر پُرتجسس نظریں ڈال رہا تھا.....! ٹرانسمیٹر بند کر کے اسٹیفن نے تھیلے سے ایک

چھوٹی سی مشین نکالی اور اپنے ساتھی کو وہیں چھوڑ کر آگے بڑھنے لگا۔ کیمرہ اس کے ا
حرکت کرتا رہا.....!

گھنی جھاڑیوں کے درمیان یہ ایک پگڈنڈی سی تھی۔ جس پر وہ چل رہا تھا۔
نے ایک سائن بورڈ کی بھی تصویر لی تھی۔ جس پر ''ممنوعہ علاقہ'' لکھا تھا۔ لیکن اسٹیف
اس سائین بورڈ کو پیچھے چھوڑتا ہوا آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

بورڈ پر یہ تحریر انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں تھی.....! اسٹیفن کی تصویر
ہوتے ہوتے بالکل غائب ہوگئی.....! اور فریدی نے پروجیکٹر کا سوئچ آف کر کے کمر
دوبارہ روشنی کر دی.....!

اسٹیفن بروس کا چہرہ تاریک ہو گیا تھا۔ ہونٹ خشک تھے!

''کیا میں تمہارے لیے گلاس تیار کراؤں!'' فریدی نے نرم لہجے میں پوچھا۔

''دیکھو.....دوست.....!'' اسٹیفن بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''ہم شکار کا جا
اُدھر گئے تھے.....!''

''مجھے اس سے قطعی سروکار نہیں ہے کہ تم ادھر کیوں گئے تھے!''

''پھر تم کیا چاہتے ہو اور اس کا کیا مقصد تھا.....!''

فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا.....!

''ولی جاہ یہاں کیا کر رہا ہے.....تم اچھی طرح جانتے ہو!'' اس نے کہا۔
مسکراہٹ اب بھی اس کے لبوں پر کھیل رہی تھی!

''مم.....میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ وہ میری تلاش میں ہے اور مجھے مار ڈالنا چاہتا

''اگر یہ بات ہوتی تو وہ لوگ کیمرے کی بجائے رائفل استعمال کرتے اور تم
یہاں باتیں نہ بنا رہے ہوتے.....!''

''کیا مطلب؟'' وہ پھر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

''یہ فلم انھیں لوگوں میں سے ایک کے پاس سے برآمد ہوئی تھی۔ بیٹھ جاؤ
سے سوچو کہ تمہیں اب کیا کرنا چاہئے.....!''

اسٹیفن کسی ہارے ہوئے جواری کے سے انداز میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

فریدی نے سوئچ بورڈ پر لگے ہُوئے ایک پش سوئچ پر انگلی رکھ دی کہیں دُور سے گھنٹی
بجنے کی آواز آئی اور دوسرے ہی لمحے میں ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا۔

''وہسکی سوڈا'' فریدی نے اس سے کہا اور وہ الٹے پاؤں واپس چلا گیا۔

اسٹیفن خاموش بیٹھا کسی خیال میں گم تھا۔

اس آدمی کی واپسی جلد ہی ہوئی۔ اس کے ہاتھوں پر ایک کشتی تھی جس میں بوتلیں اور
گلاس تھے.....! کارنر ٹیبل پر کشتی رکھ کر وہ فریدی کی طرف مڑا۔

''ٹھیک ہے.....میں بلیک کافی پیوں گا!'' فریدی کہتا ہوا میز کی طرف بڑھا اور اسٹیفن
کے لیے گلاس تیار کرنے لگا۔

''نہیں.....اب میں نہیں پیوں گا'' اچانک اسٹیفن سر اٹھا کر بولا۔

''تمہیں اس کی ضرورت ہے!'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

اسٹیفن نے نہیں نہیں کرتے ہوئے یہ گلاس بھی کسی ازلی پیاسے کے سے انداز میں خالی
کر دیا۔

فریدی خاموشی سے سگار کے کش لیتا رہا۔ بظاہر وہ اسٹیفن کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

تھوڑی دیر بعد اسٹیفن بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''میری پوزیشن بے حد خراب ہوگئی ہے۔''

فریدی خاموش ہی رہا۔ اسٹیفن کہتا رہا۔ ''ولی جاہ اور اس کی سیکریٹری دونوں جرمن
ہیں.....ایرانی نہیں.....اور ولی جاہ ہمارے مخالف کیمپ کا ایجنٹ ہے۔''

اس نے خاموش ہو کر پھر شراب کی بوتل کی طرف دیکھنا شروع کیا۔

''اور تمہاری بھی اصل حیثیت ایک جاسوس کی ہے۔ کلچرل سیکریٹری کی نہیں.....!''

''کچھ بھی ہو کرنل فریدی! تمہارا ملک اصولاً ہمارے ہی کیمپ سے متعلق ہے۔''

''یہ سب کچھ سیاستدان جانیں!'' فریدی نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دیتے ہوئے
کہا۔ ''میرا کام صرف قانون کی حفاظت کرنا ہے.....!''

''میں نے کب کہا ہے کہ تم ایسا مت کرو.....!''

''ولی جاہ کے بارے میں سب کچھ بتا دینے میں تم دیر لگا رہے ہو!''

''میں بتا رہا ہوں.....جیسے ہی وہ مجھے یہاں نظر آیا تھا میں نے اُسے مار ڈالنے کی

کوشش کی تھی.....!''

''میرا خیال ہے کہ پہلے تم اُسے نظر آئے تھے۔لیکن اس نے تمہیں مار ڈالنے کی کوشش نہیں کی تھی! یہ فلم اسی بات کا ثبوت ہے۔ کیا تم بتا سکو گے کہ اس نے تمہیں مار ڈالنے کی کوشش کیوں نہیں کی.....!''

اسٹیفن کے ہونٹ ہلے لیکن پھر سختی سے ایک دوسرے پر جم گئے! ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بے ساختہ طور پر نکل جانے والے کسی جملے کو اس نے روکا ہو.....!

فریدی اُسے جواب طلب نظروں سے دیکھتا رہا۔

''میں تمہیں تفصیل سے بتانے کی کوشش کروں گا!''

''چلو تفصیل ہی سے بتاؤ.....!'' فریدی نے ٹھنڈی سانس لی۔

''وہ اعلیٰ درجے کا ہپناٹسٹ ہے۔'' اسٹیفن نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر ایک سگریٹ منتخب کرتے ہوئے کہا۔''جہاں بھی جاتا ہے خوابوں کے بیوپاری کی حیثیت سے اپنی پبلسٹی کرتا ہے اور سرکاری حلقوں میں خاص طور پر متعارف ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ میں تمہیں مغربی جرمنی کا ایک واقعہ سناؤں۔ کئی سال پہلے کی بات ہے۔ وہ وہاں ایک پیشہ ور ہپناٹسٹ کی حیثیت سے پریکٹس کرتا تھا۔ بہتیرے لوگ محض تفریحاً اس کے پاس خواب دیکھنے آیا کرتے تھے۔ایک دن ایک بڑا سرکاری آفیسر بھی اس کے پاس جا پہنچا وہ کچھ بہت ہی اہم کاغذات کہیں رکھ کر بھول گیا تھا۔ ولی جاہ نے اسے خواب میں وہ جگہ بتا دی جہاں کاغذات رکھے ہوئے تھے۔ بس پھر کیا تھا بہت ہی اعلیٰ حلقوں میں وہ متعارف ہو گیا اور اس کے بعد جانتے ہو کیا ہوا.....!''

وہ خاموش ہو کر فریدی کی طرف دیکھتا ہوا سگریٹ سلگانے لگا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ سگریٹ سلگا کر کش لیتے ہوئے اسٹیفن نے اس طرح آنکھیں سکوڑیں جیسے حافظے پر زور دے رہا ہو.....!

''اُس نے بہت بہت بڑے بڑے سرکاری راز اڑائے۔'' اسٹیفن بالآخر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔''تم جانتے ہی ہو گے کہ آدمی ٹرانس میں آ جانے کے بعد ہر طرح ہپناٹسٹ کے قبضے میں ہوتا ہے بحالت خواب ہپناٹسٹ کے سوالوں کے بالکل درست جواب دیتا ہے

اس طرح ولی جاہ نے اہم ترین راز اہم ترین شخصیتوں سے معلوم کیے اور انھیں مخالف کیمپ تک پہنچا دیا جس کا وہ ایجنٹ ہے!''

''میں بالکل سمجھ گیا!'' فریدی نے طویل سانس لے کر کہا۔''لیکن یہ تو تم اس کے طریق کار کے بارے میں بتا رہے ہو..... میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ وہ یہاں کیا کر رہا ہے.....اور وہ تم کسی ممنوعہ علاقے میں کیوں داخل ہوئے اور ایسا کرنے پر اس کے آدمیوں نے تمہاری تصاویر کیوں لیں.....!''

''مجھے پھر شراب کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے!''

''اب نہیں.....!'' فریدی مسکرایا۔

''کیوں.....؟'' اسٹیفن بھی مسکرا کر بولا۔''اب اتنے غیر متواضع کیوں ہو گئے...!''

''میں محسوس کر رہا ہوں کہ اس گلاس کے بعد تم زیادہ نشہ ہو جانے کی ایکٹنگ شروع کر دو گے اور کام کی بات جہاں تہاں رہ جائے گی!''

''بہت چالاک ہو.....!'' وہ بھرّائی ہوئی آواز میں بولا۔

چند لمحے خاموش رہ کر اس نے پوچھا۔''کیا تم جانتے ہو کہ ممنوعہ علاقہ کون سا ہے!''

''میں ابھی فیصلہ نہیں کر سکا۔'' فریدی نے جواب دیا۔

''اب اگر یہاں میں تمہیں بہکا دوں تو.....!'' اسٹیفن انگلی اٹھا کر ہنسا لیکن اس کی یہ ہنسی بے جان اور کھوکھلی تھی.....!

''تم مجھے نہیں بہکا سکتے.....!''

''وہ کس طرح.....!''

''جس بورڈ پر ''ممنوعہ علاقہ'' لکھا ہوا ہے۔ وہ مخصوص ساخت کا ہے۔ مجھے صرف یہ دیکھنا پڑے گا کہ اس ساخت کے بورڈ کس علاقے میں استعمال کیے گئے ہیں.....!''

وہ بے بسی سے اسے دیکھتا رہا۔

کئی منٹ گزر گئے۔ اسٹیفن کسی گہری سوچ میں معلوم ہوتا تھا آخر کار وہ سر اٹھا کر بولا۔

''میں اپنی شکست اس شرط پر تسلیم کر سکتا ہوں کہ تم اس معاملے کو آگے نہ بڑھاؤ..... مطلب یہ کہ میرے معاملے کو.....!''

''میں نہیں سمجھا.....!''

''میں یہاں سے ناپسندیدہ فرد قرار دے کر نہ نکالا جاؤں۔ خود ہی چلا جاؤں گا.....!''

''میں سمجھتا ہوں، اس طرح تم کسی دوسری جگہ کام کرنے کے قابل نہ رہو گے کوئی ملک تمہارا وجود برداشت نہ کر سکے گا.....!''

اسٹیفن نے پرتفکر انداز میں اپنے سر کو اثباتی جنبش دی۔

• ''اچھی بات ہے اسٹیفن..... یہ میرا وعدہ ہے کہ تمہیں یہاں سے بے داغ نکل جانے دوں گا.....!''

''ویجاہ..... لڑکال جنگل کی اس جھیل میں دلچسپی لے رہا ہے جو جیرالڈ شاستری کی زیر زمین دنیا تباہ ہونے سے وجود میں آئی تھی.....!''

''اُوہ.....!'' کرسی کے ہتھوں پر فریدی کے پنجے سختی سے جم گئے اور چند لمحوں کے بعد بولا۔ ''اب یاد آیا اس ساخت کے بورڈ اُسی ''ممنوعہ علاقے'' میں لگائے گئے تھے.....!''

''اس کی پارٹی وہاں کسی چیز کی تلاش میں ہے!''

''اور تم خود بھی.....!'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''ہاں..... میں بھی..... تلاش کی پہل میری ہی پارٹی نے کی تھی۔ پھر وہ پتہ نہیں کس طرح سے آ کودا.....!''

''اس فلم کا یہی مطلب ہوسکتا ہے کہ وہ تمہاری تلاش و جستجو سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے!''

''میں بھی اب یہی سوچنے پر مجبور ہوں!''

''تمہیں کس چیز کی تلاش تھی اسٹیفن.....!''

''یہ میں نہیں بتاؤں گا.....!''

''اسٹیفن اب اس بات پر نہ اڑو..... ورنہ ہوسکتا ہے تمہارے مخالف کیمپ کو پہنچ جائے۔ تم خود کیا کر سکتے ہو یہ تو میں نے دیکھ ہی لیا۔''

اسٹیفن کے چہرے پر اندرونی کشمکش کے آثار تھے.....!

آنکھوں کی جنگ

حمید اور گونگا بہرہ محافظ وہیں بیٹھے رہے تھے اور سورج چڑھ آیا تھا۔ دفعتاً محافظ نے حمید کو وہاں سے اٹھنے کا اشارہ کیا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ یہاں ان لوگوں کے پاس غوطہ خوری کے لباس بھی موجود ہیں اگر ایک سوٹ بھی ہاتھ آ جائے تو کیا کہنا۔ یہ تو اسے معلوم ہی ہو چکا تھا کہ وہ لڑکال جنگل میں ہے۔!

محافظ اسے لے کر ایک غار میں داخل ہوا۔ اس نے ٹارچ روشن کر لی تھی، یہاں دن کی روشنی میں بھی گہرا اندھیرا تھا۔ غیر مسطح اور ناہموار راستہ جلد ہی ختم ہو گیا اور وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جسے کمرہ ہی کہا جا سکتا ہے.....!

اسے جیرالڈ شاستری کی زیر زمین دنیا کی عمارت یاد آئی..... تو کیا ان دھماکوں نے عمارات کے کچھ حصوں کو توڑے پھوڑے بغیر کسی قدر اوپر پہنچا دیا تھا۔

جس کمرے میں وہ داخل ہوئے تھے وہاں کار بائیڈ کے چراغ روشن تھے! لیکن کوئی کھڑکی یا دروازہ نہ ہونے کے باوجود بھی گھٹن کا احساس نہیں ہوتا تھا.....!

فرش پر کئی خالی بستر پڑے ہوئے تھے.....!

حمید ایک پرنیم دراز ہو گیا۔ ذہن پر عجیب سا سناٹا طاری تھا۔ پھر وہ نہایت اطمینان سے نہ صرف لیٹ گیا تھا بلکہ اس کی آنکھ بھی لگ گئی تھی.....!

دوپہر کے کھانے کے لیے اسے باقاعدہ طور پر جگایا تھا لیکن جگانے والا کوئی محافظ نہیں بلکہ ولی جاہ خود تھا۔

''ناشتے کے بعد ہی تم قیلولہ شروع کر دیتے ہو!'' اس نے پوچھا۔

''نہیں..... ایک قیلولہ مجھ پر ڈیو تھا۔ میں نے سوچا موقع اچھا ہے میرا باس چونکہ قیلولے کا قائل نہیں ہے اس لیے کبھی کبھار چھپ کر ہی کرنا پڑتا ہے.....!''

''سیاہ فام آدمی کھانے کے خوان اٹھائے وہیں لائے تھے اور ان دونوں نے ایک بستر

ہی پر بیٹھ کر کھانا شروع کر دیا تھا.....!

''وہ موٹا آدمی کون تھا؟'' ولی جاہ نے پوچھا۔

''موٹا.....!'' حمید ہنس کر بولا۔ ''ہے ایک ڈیوٹ!''

''مالدار آدمی ہے.....!''

''بہت زیادہ.....! تمہاری سیکریٹری کے لیے بڑی دوڑ دھوپ کر رہا تھا.....!'' حمید نے کہا اور مختصراً قاسم کی بوکھلاہٹوں کا تذکرہ کرتا رہا۔

''اگر میں تمہیں مار ڈالوں تو.....!'' دفعتاً ولیجاہ نے سوال کیا۔

''یہ اب پوچھ رہے ہو۔ پہلے ہی مار ڈالا ہوتا۔ خیر اب مجھے ایک گلاس پانی پی لینے دو!''

''نہیں میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں!''

حمید نے پانی کا گلاس ختم کر کے ڈکار کے ساتھ ''الحمد للہ'' کہتے ہوئے اس سے کہا۔

''اب مار ڈالو.....!''

ولی جاہ اُسے تیکھی نظروں سے دیکھتا رہا..... پھر ہنس پڑا۔

''ہنس ہنس کر مارو چاہے رو رو کر..... مجھے تو بہر حال مرنا ہے!''

''کیوں؟ تم مرنا کیوں چاہتے ہو.....!''

''اس لیے کہ میرا تمبا کو ختم ہو گیا ہے۔ پرنس ہنری کے علاوہ اور کوئی تمبا کو نہیں پیتا۔''

''میں تمہیں بہت عمدہ سگریٹ پلا سکتا ہوں۔ تم پسند کرو گے۔ تمبا کو میں خود تیار کرتا ہوں اور سگریٹ بھی خود ہی بناتا ہوں.....''

''نکالو..... میرا سر گھوم رہا ہے.....!''

سونے کا خوبصورت سگریٹ کیس جیب سے نکال کر حمید کی طرف بڑھا دیا گیا۔ سگریٹ بڑے سلیقے سے بنائے گئے تھے لیکن ان پر ٹریڈ مارک نہیں تھا۔ حمید نے ایک سلگایا۔ دو تین کش لیے اور بولا۔ ''واقعی نفیس ہیں'' ولی جاہ بھی کھانا ختم کر چکا تھا۔ اُس نے سیاہ فام آدمیوں کو اشارہ کیا..... وہ برتن اٹھائے گئے!

''حمید کش پر کش لیتا اور تمبا کو کی تعریفیں کرتا رہا..... سگریٹ ختم کر کے وہ لیٹ گیا۔

''کیا ہوا..... کیا بات ہے؟'' ولی جاہ نے پوچھا۔

''سر چکرا گیا ہے.....!''

''تمہیں اتنے گہرے کش نہ لینے چاہئیں تھے!''

''ابھی ٹھیک ہو جاؤں گا.....!''

''لیکن تمہیں تو نیند آ رہی ہے.....!''

''ہاں..... ہاں..... مجھے..... نیند..... آ رہی ہے.....!''

''گہری نیند آ رہی ہے.....!''

''گہری نیند آ رہی ہے!'' حمید نے آنکھیں کھولے بغیر اس کے الفاظ دہرائے.....!

''لیکن تم گہری نیند کے باوجود میرے سوالات کے جواب دو گے!''

''میں سوالات کے جواب دوں گا.....!''

''کیا تم بالکل سو گئے.....!''

''میں بالکل سو گیا ہوں.....!''

ولی جاہ نے اسکی پیشانی پر کئی بار زور زور سے انگلی ماری لیکن حمید کی آنکھیں نہ کھلیں۔

''کیپٹن حمید.....!'' اس نے بھاری آواز میں کہا۔ ''تم میری آواز سن رہے ہو.....!''

''ہاں میں سن رہا ہوں.....!''

''تم نے وہ نقلی پستول جھاڑیوں میں پھینکا تھا۔''

''نہیں.....!''

''پھر وہ کہاں ہے؟''

''میں نے کرنل فریدی کو دے دیا تھا.....''

''اس نے تم سے اس کے متعلق کیا گفتگو کی!''

''یہی کہ میں نے وہ پستول اس تک پہنچا کر ایک بڑا کارنامہ انجام دیا ہے.....!''

''کیا تمہیں اس جواب پر حیرت نہیں ہوئی تھی!''

''ہوئی تھی لیکن انھوں نے میری حیرت رفع نہیں کی۔ میرے لیے وہ اب بھی ایک ٹوائے پسٹل ہے!''

''کیپٹن حمید! اگر تمہاری زندگی خطرے میں ہو تو فریدی کیا کرے گا۔''

''آگ کے سمندر میں بھی چھلانگ لگا دیں گے.....!''

''کیا تمہاری گردن پر خنجر رکھ کر اس سے کوئی بات منوائی جا سکتی ہے!''

''اگر وہ اصولاً اسے غلط سمجھیں گے تو انھیں اس کی پرواہ نہیں ہو گی! تم میری گردن پر خنجر رکھ کر ان سے کوئی غلط کام نہیں لے سکتے!''

''میں نے اسے دھمکی دی ہے کہ اگر پستول کا راز اس سے آگے بڑھا تو میں تمہیں قتل کر دوں گا.....اس دھمکی کا اس پر کیا اثر ہو گا۔''

''پستول کا راز ان سے آگے نہیں بڑھے گا.....!''

''تمہیں یقین ہے؟''

''ہاں مجھے یقین ہے.....وہ تنہا تمہاری تلاش میں نکل پڑیں گے!''

ولی جاہ نے قہقہہ لگایا.....اور بولا۔''اچھا اب تم آرام سے سوتے رہو.....!''

حمید بدستور گہری گہری سانسیں لیتا رہا.....اس کا چہرہ پرسکون تھا۔

لڑکال جنگل کے محافظوں کی پہلی چوکی پر دو ایسے شکاری پکڑ کر لائے گئے تھے جن کے پاس نہ تو بندوقوں کے لائیسنس تھے اور نہ شکار کھیلنے کا اجازت نامہ! ان میں سے ایک تو ہیکل بوڑھا تھا اور دوسرا جوان آدمی۔ بوڑھے کے سر اور ڈاڑھی کے بال برف کی طرح سفید تھے لیکن چہرے کی جلد پر کہیں ہلکی سی شکن بھی نہیں تھی۔ آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ ایسا توانا بوڑھا شاذ و نادر ہی دیکھا گیا ہو گا۔ جوان آدمی گستاخ اور منہ پھٹ معلوم ہوتا تھا۔ بوڑھے کے دبانے کے باوجود بھی چوکی کے انچارج سے ٹرائے جا رہا تھا.....!

''تم نہیں جانتے ہم کون ہیں!'' وہ آنکھیں نکال نکال کر کہہ رہا تھا۔''کیا سمجھتے ہو تم دو ٹکے کے آدمی۔ ہمارے لائسنس اور پرمٹ ہمارے کیمپ میں رہ گئے! تم ہمیں نہیں روک سکتے.....!''

''میں کچھ نہیں جانتا.....!'' انچارج غرّایا۔''تم لوگ یہاں سے ہل نہیں سکتے.....!''

اتنے میں اس کے اسسٹنٹ نے اسے اشارے سے ایک طرف بلا کر سرگوشی کی!

''صاحب احتیاط سے کام لیجئے! مجھے تو یہ ڈاکو معلوم ہوتے ہیں اس وقت چوکی میں صرف ہم دونوں ہیں.....انھیں دلاسہ دے کر کچھ دیر یہی روکے رکھنے کی کوشش کیجئے۔ مسلح گارڈ آنے ہی والے ہونگے.....پھر دیکھ لیں گے.....!''

''تم ٹھیک کہتے ہو.....!'' انچارج بولا اور پھر ان دونوں کی طرف پلٹ آیا۔

''دیکھئے جناب!'' اس نے کچھ دیر بعد بوڑھے سے نرم لہجے میں کہا۔

''ہم مجبور ہیں یہ ہمارا فرض ہے!''

''کوئی بات نہیں.....کوئی بات نہیں.....!'' بوڑھے نے سر ہلا کر کہا۔''ہو سکتا ہے کچھ دیر بعد ہماری پارٹی کے لوگ ادھر آ نکلیں.....!''

''کیا مطلب؟'' انچارج اچھل پڑا۔

''آپ گھبرا کیوں گئے!'' نوجوان مضحکہ اڑانے والے انداز میں ہنسا۔

''کچھ نہیں.....کوئی بات نہیں! ہو سکتا ہے آپ ٹھیک کہتے ہوں۔ اچھی ہی بات ہے کہ آپ یہاں کچھ دیر ستا لیں.....!''

نوجوان ہنسنے لگا اور بوڑھے نے غصیلے لہجے میں اُسے خاموش رہنے کی تاکید کی.....!

انچارج اور اس کا نائب دونوں ہی بڑے غیر مطمئن سے نظر آ رہے تھے! ہر چند کہ ان دونوں کے ہولسٹروں میں ریوالور موجود تھے! لیکن پھر بھی انھیں مزید مسلح آدمیوں کا انتظار تھا! ان دونوں کی بندوقوں پر تو وہ پہلے ہی قبضہ کر چکے تھے! دفعتاً اسسٹنٹ کو خیال آیا کہ اس نے ان دونوں کی جامہ تلاش ابھی تک نہیں لی۔ آہستہ سے اس نے یہ بات انچارج کے کان میں کہی اور انچارج نے بڑے نروس انداز میں بوڑھے کی طرف دیکھا اور پھر ہولسٹر سے ریوالور نکال کر ان دونوں کی طرف اٹھاتا ہوا بولا۔''آپ دونوں جامہ تلاشی کیلئے تیار ہو جائیں..!''

''حد ہو گئی.....'' نوجوان آدمی پیر پٹخ کر بولا۔''انھیں یہ فرض بھی ادا کرنے دو!''

سب سے پہلے اسسٹنٹ نوجوان آدمی کی طرف بڑھا۔

انچارج ریوالور تانے ہوئے آگے بڑھ آیا تھا۔ دفعتاً بوڑھے نے نہ صرف اس کے

ریوالور پر ہاتھ ڈال دیا بلکہ بائیں ہاتھ سے پڑنے والا گھونسہ اسے سامنے والی دیوار تک لے گیا۔

''آواز نہ نکلے!'' بوڑھا غرایا۔ اور اسسٹنٹ سے بولا۔''تم بھی دیوار سے لگ کھڑے ہو جاؤ.....!''

وہ دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے دیوار سے جا لگے۔ بوڑھے نے نوجوان سے کہا۔ ''بندوقیں اٹھاؤ اور اس کھڑکی سے نکل جاؤ.....تم جانتے ہو کہ تمہیں کہاں پہنچنا ہے!''

''ڈاکو.....ڈاکو.....!'' ان دونوں کی زبانوں سے بہ یک وقت نکلا۔ نوجوان بوڑھے کی ہدایت پر عمل کرتا ہوا کھڑکی سے دوسری طرف کود گیا۔ بوڑھے نے ان دونوں سے کہا۔''میرے جانے کے بعد یہاں کوئی ہنگامہ نہ ہونے پائے ورنہ.....!''

''تم ڈاکو ہو.....!'' انچارج چیخا۔

''خاموش.....! ورنہ گولی کھوپڑی میں اتر جائے گی!'' وہ الٹے پیروں کھڑکی کی طرف ہٹتا ہوا بولا۔ ٹھیک اسی وقت باہر کسی گاڑی کے رکنے کی آواز آئی اور وہ دونوں چیخنے لگے۔ فائر ہوئے.....اور بوڑھے نے کھڑکی سے باہر چھلانگ لگا دی.....!

انچارج اور اسسٹنٹ دونوں ایک دوسرے پر گر گئے تھے!

بھاری قدموں کی آوازیں باہر سے آئیں۔ شاید کچھ لوگ دوڑتے ہوئے ادھر آ رہے تھے۔ انچارج اور اس کا نائب اٹھنے کی کوشش کر رہے تھے! دفعتاً تین مسلح گارڈ اندر گھسے اور اُن دونوں کو فرش سے اٹھایا.....!

''ادھر.....'' انچارج.....کھڑکی کی طرف ہاتھ اٹھا کر چیخا۔''مفرور۔ ڈاکو.....!''

گارڈ کھڑکی کی طرف جھپٹے.....سامنے والی جھاڑیوں سے پھر ایک فائر ہوا۔ تینوں گارڈ جلدی سے بیٹھ گئے!

''باہر نکل کر گھیرو.....دو آدمی ہیں.....ایک میرا ریوالور لے گیا۔'' انچارج چیخا۔

پھر تھوڑی ہی دیر میں وہاں خاصا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ دوسری چوکیوں سے ٹرانسمیٹر کے ذریعے رابطہ قائم کر کے انھیں اطلاع دی گئی اور دس منٹ کے اندر اندر وہاں چالیس گارڈ اکٹھا ہو گئے! انچارج اور اس کے نائب کو بہت دیر بعد یقین ہو سکا تھا کہ وہ

زندہ ہیں بلکہ زخمی تک نہیں ہوئے!

حمید سو کر اٹھا تو تازہ دم تھا اور اُسے قطعی یاد نہیں تھا کہ اُسے نیند کس طرح آئی تھی! کمرے میں کارنائیڈ لیمپ بدستور روشن تھا۔ بستر چھوڑ کر وہ نکاسی کے راستے کی طرف بڑھا۔ لیکن دو سیاہ فام آدمیوں نے اسے کمرے سے نہ نکلنے دیا۔ حمید نے وجہ پوچھی تو جواب بھی نہ ملا۔

اس کے بعد وہ بستر کی طرف پلٹ آیا تھا۔ گھڑی دیکھی..... پانچ بجے تھے.....!

''چائے کا وقت ہے.....!'' وہ ان دونوں پہرہ داروں کی طرف ہاتھ اٹھا کر چیخا۔

وہ بت بنے کھڑے رہے۔ حمید سوچ رہا تھا آخر انھیں اب کیا خدشہ ہے.....تیر کر یہ جھیل پار نہیں کی جا سکتی.....غیر مسلح بھی ہوں، پھر اتنی کڑی نگرانی کی کیا ضرورت ہے.....!

آہستہ آہستہ اسے سونے سے قبل کی باتیں یاد آنے لگیں۔ ولی جاہ نے بتایا تھا کہ اس نے اس کے سلسلے میں فریدی کو دھمکی دی تھی۔ وہ فریدی کی فطرت سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس دھمکی کے باوجود اگر اسے علم ہو جائے تو وہ تنہا ہی لڑکال جنگل میں گھس پڑے گا۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ اسے علم کیونکر ہو گا۔ جبکہ خود اسے علم نہیں تھا کہ وہ تار جام کے اس مکان سے یہاں تک کیسے پہنچا تھا اور.....دفعتاً پشت سے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی اور وہ چونک کر مڑا۔

عالیہ نریمان دروازے میں کھڑی اُسے گھورے جا رہی تھی۔

''خالی ہاتھ آئی ہو.....!'' حمید مسکرا کر بولا۔''شام کی چائے بھی مچھلیوں کے لیے ضروری ہے۔''

لیکن وہ اسے پہلے ہی کے سے انداز میں خاموشی سے گھورتی رہی۔ بے حد سنجیدہ نظر آ رہی تھی!

''اُدھر فریدی نے ان اطراف میں قدم رکھا اور ادھر تمہیں گولی مار دی جائے گی!'' اس نے کچھ دیر بعد سخت لہجے میں کہا۔

''کاش فریدی کو علم ہوتا.....!'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

''کس بات کا علم ہوتا۔'' اس نے تلخ لہجے میں سوال کیا۔

''یہی کہ میں یہاں سے واپس نہیں جانا چاہتا.....!''

''ہونہہ.....ہم میں کوئی بھی جیرالڈ شاستری کی طرح احمق نہیں ہے.....!''

''میں یہاں سے اس لیے واپس نہیں جانا چاہتا کہ.....''

''بس.....!'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''آج دوپہر دو ڈاکو ان جنگلوں میں گھس آئے تھے۔ مسلح گارڈ انھیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ کیا خیال ہے تمہارا.....؟ وہ پلکیں جھپکائے بغیر راہِ راست حمید کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی.....!''

''گھس آئے ہوں گے!'' حمید نے لاپرواہی سے کہا۔

''کیا یہ تمہارا باس نہیں ہوسکتا۔''

''میرا باس ڈاکو نہیں ہے۔'' حمید نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

وہ زہریلی سی ہنسی کے بعد بولی ''لیکن پوز یہی کرنا چاہتا ہے تاکہ ہم مطمئن بیٹھے رہیں اور وہ اچانک ہم پر ٹوٹ پڑے.....!''

اتنے میں پھر قدموں کی چاپ سنائی دی اور ولی جاہ داخل ہوا۔

''کیا خبر ہے!'' اس نے عالیہ سے پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں..... میں زندگی بھر شرمندہ رہوں گی۔ میں نے پستول ٹیکسی ڈرائیور کو کیوں دیا تھا۔ اور یہ اسی شخص کی بدولت ہوا تھا۔ اب میں اُسے زندہ نہیں دیکھنا چاہتی.....''

''اُوہ.....کچھ بھی نہیں.....اُسے بھول جاؤ!'' ولی جاہ لاپرواہی سے بولا۔ ''مجھے اطلاع ملی ہے کہ فریدی چار بجے شام تک سنگ سنگ بار میں دیکھا گیا ہے۔ اور ڈاکوؤں والا ہنگامہ صبح دس بجے برپا ہوا تھا اس وقت سے اب تک مسلح محافظ انھیں ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے فائروں کی آوازیں آتی ہیں۔''

''کچھ بھی ہو.....یہ شخص.....!''

''یہ شخص میرے لیے کام کرے گا۔ کیوں دوست!'' ولی جاہ حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

''تم مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہو!''

''باورچیوں کی مدد کرو۔ وہ کہتے ہیں کہ انھیں کوئی پڑھا لکھا اور ذہین آدمی چاہئے...!''

''میں کہتی ہوں اُسے زندہ رکھنا ٹھیک نہیں!''

''میں اسے ٹھیک کرلوں گا.....!''

''تم جانو.....!'' عالیہ نے برا سا منہ بنا کر کہا اور وہاں سے چلی گئی!

ولی جاہ نے حمید کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''میں نہیں سمجھ سکتا کہ مس نریمان مجھ سے اچانک ناراض کیوں ہوگئیں'' حمید بیٹھتا ہوا بولا۔

''کوئی خاص بات نہیں وہ تم دونوں کی شہرت سن چکی ہے۔''

''لیکن میں تو بے بس ہوں۔'' حمید نے کہا اور تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر بولا۔

''ڈاکوؤں کا کیا قصہ ہے.....!''

''شاید کچھ مفرور مجرموں نے جنگل میں پناہ لی ہے۔ اکثر آجاتے ہیں۔ اور میں انھیں پکڑ کر مزدور بنا دیتا ہوں.....وہ یہاں سکون سے میرے لیے کام کرتے ہیں اور ان کا مستقبل محفوظ ہوجاتا ہے.....!''

''تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو.....!''

''جیرالڈ نے زیرِ زمین دنیا تعمیر کی تھی.....میں پانی میں شہر بسا رہا ہوں۔''

حمید نے بے اعتباری سے اس کی طرف دیکھا! اور وہ ہنسنے لگا ہنسنے کے انداز سے پتہ چلانا مشکل تھا وہ اس کی کم عقلی پر ہنسا یا فخریہ طور پر۔

حمید کے اندازے کے مطابق اس جزیرے میں یہ اس کا دسواں دن تھا۔ اور اسے سچ مچ باورچیوں کی مدد کرنی پڑتی تھی۔ ولی جاہ بھانت بھانت کے کھانے تیار کراتا تھا۔

دنیا کا شاید ہی کوئی ملک بچا ہو جس کے مخصوص کھانے وہاں نہ تیار کیے جاتے ہوں اس کے لیے کتابوں سے مدد لینی پڑتی تھی۔ لیکن باورچی ناخواندہ تھے.....!

حمید دن بھر معمولی آدمیوں کی طرح باورچیوں سے مغز پچی کرتا رہتا لیکن کھانا اسے ولی

جاہ ہی کے ساتھ کھانا پڑتا تھا۔ کبھی کبھی عالیہ بھی ان کے ساتھ ہوتی.....!

اس وقت وہ دوپہر کا کھانا کھا رہے تھے! ولی جاہ کے چہرے پر فکر مندی کے تھے! عالیہ نے کچھ دیر بعد اسے ٹوکا۔

''ہاں میں فکر مند ہوں۔'' ولی جاہ نے طویل سانس لے کر کہا۔ ''آج کل کے میری سمجھ میں نہیں آ رہے.....!''

''کیسے حالات؟''

''اسٹیفن بروس یہاں سے انڈونیشیا بھیج دیا گیا! حالانکہ یہ سمجھ میں آنے والی نہیں..... اس سے کیا نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے!''

اسٹیفن بروس کے نام پر حمید کے کان کھڑے ہوئے لیکن اس نے اپنے چہرے کچھ نہ ظاہر ہونے دیا.....!

''یقیناً یہ الجھن کی بات ہے!'' عالیہ بولی اور اس نے گھور کر حمید کی طرف دیکھا۔

''اس طرح مت گھورو..... میں بھی الجھن میں پڑ گیا ہوں!''

''کیوں.....؟''

اس دن ایگل بیچ پر ان دونوں کو چھڑانے کے لیے اسٹیفن بروس پولیس آفیسر ساتھ آیا تھا.....!''

''وہ ہمارا دشمن ہے!'' ولی جاہ بولا۔

''تب پھر اس میں پریشانی کی کیا بات ہے اگر وہ یہاں سے کہیں اور بھیج دیا گیا''

''یہ اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جب ایسا کرنے کے لیے یہاں کی حکومت پڑے اور یہاں کی حکومت اسی صورت میں دباؤ ڈال سکتی ہے جب اسے اس کی مصر علم ہو جائے!''

''ارے تو تم اپنا معدہ کیوں خراب کر رہے ہو۔ بھگتنے دو اُسے اور ہماری حکومت کو''

''کیپٹن حمید میں سنجیدہ ہوں۔ فریدی نے میری دھمکی کی پرواہ نہیں کی اس نے پر اسٹیفن بروس کو چھیڑا ہے!''

''مجھے چین سے کھا لینے دو..... میں اپنا معدہ چوپٹ کرنا نہیں چاہتا.....!''

''کیپٹن حمید اگر تمہاری وجہ سے ڈھنگ کا کھانا نہ مل رہا ہوتا تو میں تمہیں مار ڈالتا..... یقین کرو.....!''

''مسٹر ولی جاہ..... اگر فریدی کو یقین ہو گیا کہ تم ہمارے ملک کے مفاد کے خلاف کچھ کر رہے ہو تو ہزاروں کیپٹن حمید قربان کر کے بھی تمہاری گردن آدبوچے گا.....!''

''مجھے غصہ نہیں آ سکتا۔ بہت ٹھنڈا دماغ رکھتا ہوں ویسے مار ڈالنا میرے لیے کوئی بڑی بات نہیں۔ فی الحال تم میری زبان کے چٹخارے کے لیے مفید ہو اس لیے زندہ رہو گے!''

''ان دونوں ڈاکوؤں کا کیا ہوا۔ ہاتھ لگے تمہارے.....'' حمید نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

''ایک ملا ہے..... دوسرا نہیں مل سکا..... وہ کہتا ہے کہ اسکے باپ کے گولی لگی تھی..... اور محافظوں کی ایک ٹولی اس کے پیچھے ہے۔ وہ پیشہ ور ڈاکو نہیں..... انھوں نے خاندانی جھگڑوں کی بناء پر تین قتل کیے تھے! پولیس ان کے پیچھے تھی!''

''میرا خیال ہے کہ تمہارے آدمی بھی جنگلوں کی خاصی کڑی نگرانی کر رہے ہیں۔!'' حمید بولا۔

''ہم پوری طرح تیار رہتے ہیں۔ ہر وقت..... ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے..... اب اپنے باس کی بے چارگی ملاحظہ کرو..... تارجام کے چکر کاٹ رہا ہے! پروفیسر شا اور اس کے مینڈکوں کے پیچھے پڑ گیا ہے۔ بے چارہ سمجھتا ہے کہ وہ ہونق بھی میری ہی پارٹی سے تعلق رکھتا ہے!''

''تم اس حد تک واقف ہو میرے باس کی مصروفیات سے!''

ولی جاہ جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک سیاہ فام محافظ گھبرایا ہوا اندر داخل ہوا..... اور ولی جاہ سے جلد جلد کچھ کہنے لگا۔ اس کی زبان حمید کی سمجھ میں نہ آ سکی۔

عالیہ اور ولی جاہ دونوں پہلے ہی کھانا چھوڑ کر اٹھ گئے تھے!

ولی جاہ نے حمید سے کہا۔ ''اگر تم نے یہاں سے ہلنے کی بھی کوشش کی تو تمہارے پرخچے اڑ جائیں گے.....!''

پھر وہ سب بڑی تیزی سے وہاں سے چلے گئے تھے!

حمید دسترخوان پر تنہا رہ گیا..... دسترخوان سے اٹھ بھی نہ سکا! وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں

اس کمرے میں بھی ڈائنامائٹ نہ موجود ہو.....وہ خاموش بیٹھا رہا.....!

تھوڑی دیر بعد ایک شکستہ حال آدمی کمرے میں داخل ہوا اور حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے قریب آ کر آہستہ سے بولا۔ ''وہ سب غوطہ خوری کے لباس میں تھے اور پانی میں گئے! تم محتاط رہنا.....میں مقصود ہوں!''

اتنا کہہ کر وہ تیزی سے دوڑتا ہوا پھر باہر نکل گیا۔ حمید جہاں تھا وہیں بیٹھا رہ گیا۔ نہیں کس قسم کا کھیل شروع ہوا تھا.....معلوم نہیں وہ کس قسم کی احتیاط کی تاکید کر گیا تھا۔ تھا بہر حال جلدی میں۔

اچھی بات ہے تو اس کے لیے احتیاط کا تقاضہ یہی ہو سکتا ہے کہ وہ ولی جاہ کی ہدایت عمل کرے۔ جہاں بیٹھا ہے وہیں بیٹھا رہے۔

جب سے اس کمرے میں قدم رکھا تھا دوبارہ آسمان دیکھنا نصیب نہیں ہوا تھا۔ غار کے اندر ہی اندر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دیا جاتا۔ کسی کمرے میں باورچی خانہ تھا تو میں کچھ لوگ مختلف قسم کے کام کرتے ہوئے نظر آتے اور یہ کاریگر سب کے سب مقامی تھے۔ حمید نے انھیں کبھی آپس میں گفتگو کرتے نہیں دیکھا تھا۔ مفلوک الحال اور ستم رسیدہ معلوم ہوتے تھے! ہو سکتا ہے غیر قانونی حرکتیں کر کے لڑکال جنگل میں پناہ لینے والے رہے ہوں۔ ولی جاہ نے ایسے لوگوں کا تذکرہ بھی کیا تھا لیکن یہ مقصود کہاں سے آ گیا.....اس کی شکستہ حالی اور بڑھے ہوئے شیو کی وجہ سے پہچان نہیں سکا تھا۔ ہو سکتا ہے میک اپ میں رہا ہو!

ایک گھنٹہ گزر جانے کے بعد پھر کئی قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور ولی جاہ دو فام آدمیوں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔

''اُوہ.....تم ابھی تک باورچی خانے میں نہیں گئے!'' اس نے حمید سے کہا۔

''تمہاری ہدایت کے مطابق میں یہاں سے ہلا بھی نہیں.....!''

''باورچی خانے میں جاؤ.....!'' ولی جاہ کا لہجہ تحکمانہ تھا۔

حمید نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا کیونکہ ابھی تک ولی جاہ اس سے دوستانہ لہجے میں گفتگو کرتا رہا تھا.....!

''کیا تم نے نہیں سنا!''

''جا رہا ہوں.....!'' حمید اسے گھورتا ہوا اٹھ گیا! لیکن آج یہ نئی بات تھی کہ سیاہ فام گارڈ اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ ورنہ اس سے پہلے وہ تنہا ہی کئی کمروں سے گزرتا ہوا باورچی خانے پہنچتا تھا۔

باورچی خانے میں بھی وہ اس پر مسلط رہا۔ اب حمید کا ذہن مقصود میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ مقصود کی موجودگی کا مطلب تو یہی تھا کہ فریدی بھی یہاں موجود ہے! مقصود نے ولی جاہ کی تصویر دیکھی تھی! ہو سکتا ہے فریدی نے اسی بناء پر اسے ساتھ رکھا ہو.....!

وہ اپنے کام میں لگا رہا۔ باورچیوں کو بھی شاید مسلح آدمی کی موجودگی پر حیرت تھی! لیکن وہ خاموشی سے کام کرتے رہے۔ باورچیوں سے نپٹنے کے بعد جیسے ہی حمید اپنے کمرے میں جانے کے لیے مڑا۔ محافظ نے مضبوطی سے اس کا بازو پکڑ لیا۔ حمید اسے تیکھی نظروں سے دیکھ کر رہ گیا تھا۔ فوراً خیال آیا کہ اسے محتاط رہنے کی ہدایت ملی ہے.....!

محافظ اسے کھینچتا ہوا ایک طرف لے چلا.....لیکن یہ راستہ اس کمرے کی طرف نہیں جاتا تھا.....! حمید خاموشی سے چلتا رہا۔ کوئی دوسرا موقعہ ہوتا تو اس سیاہ فام آدمی کا ایک آدھ دانت ضرور ٹوٹا ہوتا۔

حمید کو زیادہ دیر تک نہیں چلنا پڑا تھا۔ وہ ایک ایسے کمرے میں جا پہنچا جو دوسرے کمروں سے بڑا تھا۔ یہاں ولی جاہ، عالیہ نریمان کے علاوہ چھ سیاہ فام آدمی بھی موجود تھے!

''آیئے.....آیئے.....شہزادے صاحب!'' ولی جاہ نے اسے دیکھ کر طنزیہ لہجے میں کہا!

''میں نہیں سمجھ سکتا کہ تم اچانک بدل کیوں گئے ہو!'' حمید نے ولی جاہ کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

دفعتاً کمرے میں ایک آواز گونجی اور حمید چونک پڑا۔ یہ تو مقصود کی آواز تھی۔ وہی جملے تھے جو اس نے اس سے ولی جاہ کی عدم موجودگی میں کہے تھے!

''کیا خیال ہے؟'' ولی جاہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا غرایا۔

اور حمید کی نظر اُس ٹیپ ریکارڈر پر پڑی جس سے یہ آواز نکلی تھی غالباً یہ ٹیپ ریکارڈر اس سے قبل اسی کمرے میں کہیں پوشیدہ رہا تھا۔ جہاں مقصود سے ملاقات ہوئی تھی.....!

حمید دم بخود رہا.....!

''مقصود کون ہے؟'' ولی جاہ دہاڑا۔

''وہ کوئی بھی ہو لیکن مجھ پر اس کی ذمہ داری نہیں!''

ولی جاہ نے اسی سیاہ فام آدمی سے کچھ کہا جو حمید کو یہاں لایا تھا اور وہ اپنے سر کو جنبش دے کر وہاں سے چلا گیا!

''آج ایک موٹر بوٹ دکھائی دی تھی!'' ولی جاہ حمید کو کڑی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ ''جو اس جزیرے کا چکر کاٹ کر پھر واپس چلی گئی!''

''میں اس کے بارے میں کیا بتا سکتا ہوں!''

''ابھی تم سب کچھ اگل دو گے!'' عالیہ نریمان نے نفرت آمیز لہجے میں کہا۔

تھوڑی دیر بعد باورچیوں اور کاریگروں کی ایک فوج اندر داخل ہوئی اور ولی جاہ کڑک کر بولا۔ ''مقصود ان میں سے کون ہے؟''

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے اب کیا کرنا چاہئے! ان لوگوں میں وہ آدمی موجود تھا جس نے خود کو مقصود بتا کر حمید سے چند جملے کہے تھے لیکن حمید نے غور سے دیکھا تو محسوس کیا کہ وہ اپنی شکل سے بحیثیت مقصود نہیں پہچانا جا سکتا تھا لیکن آواز تو مقصود ہی کی تھی! غالباً وہ میک اپ میں تھا.....!

''بتاؤ.....!'' ولی جاہ دہاڑا۔

حمید نے مقصود کی آنکھوں میں بے چینی کے آثار محسوس کیے۔ ٹھیک اسی وقت تین آدمی غوطہ خوری کے سوٹ میں ملبوس اندر آئے اور ولی جاہ ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ان کے چہرے ڈھکے ہوئے تھے صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں..... ان میں سے ایک نے گیس ماسک چہرے سے ہٹا کر کہا۔

''کشتی پر جنگل کے محافظوں کی ایک ٹیم تھی! غالباً انھیں اس بوڑھے آدمی کی تلاش تھی جو اس کے ساتھ تھا.....!'' اس نے مقصود کی طرف اشارہ کیا.....!

''ان دونوں کو لے جا کر جھیل میں غرق کر دو.....!'' ولی جاہ نے حمید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اگر تمہارا باس میری بات مان لیتا تو میں تمہیں زندہ رہنے دیتا۔''

''تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ میرے باس نے تمہاری بات نہیں مانی.....!''

''یہ آدمی..... مقصود اس کا ثبوت ہے!'' ولی جاہ نے مقصود کی طرف دیکھ کر کہا۔ اسے کچھ دیر تک گھورتا رہا پھر سوال کیا۔ ''تمہارا بوڑھا باپ کون بنا تھا؟''

''کرنل فریدی!'' مقصود نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

''ہوں..... تو یہی بات تھی.....!''

''بالکل یہی بات تھی.....!'' مقصود بولا۔ ''اور اب تم مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ...!''

''اُوہ..... لے جاؤ..... انھیں..... اور ڈبو دو.....'' ولی جاہ غرایا۔

''ایک منٹ.....!'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''اس سے کیا فائدہ..... اُوہ مس نریمان تم کچھ نہیں بول رہیں۔ میں کہتا ہوں مجھے تو تم پال لو۔ زندگی بھر تمہارے پیچھے دُم ہلاتا پھروں گا...!''

''شٹ..... اَپ.....!''

دفعتاً ایک سیاہ فام آدمی دوڑتا ہوا اندر آیا..... اور جلدی جلدی کچھ کہنے لگا.....!

اس کے خاموش ہوتے ہی ولی جاہ ایک جانب جھپٹا تھا اور دیوار کے قریب کسی پوشیدہ میکنزم کو چھیڑا تھا۔

دیوار ایک جانب سرکتی چلی گئی اور اس طرح ظاہر ہونے والے خانے سے ولی جاہ غوطہ خوری کے لباس نکال نکال کر فرش پر ڈالنے لگا۔

اچانک اُن غوطہ خوروں میں سے ایک پیچھے ہٹا جو کچھ دیر پہلے یہاں آئے تھے..... اور اس نے ریوالور نکال کر اپنا ماسک ہٹاتے ہوئے اونچی آواز میں کہا۔ ''ٹھہرو.....!''

ولی جاہ چونک کر اسکی طرف مڑا اور جھلا کر بولا۔ ''روڈی کیا تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے!''

''میں روڈی نہیں..... کیپٹن حمید کا باس ہوں!'' سناٹے میں پر ہیبت آواز گونجی.....

ایک پل کے لیے ایسا معلوم ہوا جیسے ان میں سے کوئی بھی زندہ نہ ہو..... سناٹا..... گہرا سناٹا..... صرف پلکیں جھپک رہی تھیں اور سانسیں چل رہی تھیں.....!

''حمید.....!'' دفعتاً فریدی بولا۔ ''ملکی لوگوں کو باہر نکال دو!''

''تم اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کرو گے!'' ولی جاہ نے ہاتھ اٹھائے ہوئے حمید کو گھور کر کہا۔ دونوں کی نظریں ملیں اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اُسے اُس کا حکم ماننا ہی پڑے گا..!

''کرنل فریدی.....!'' ولی جاہ گونجیلی آواز میں بولا۔''میری طرف دیکھو!''

فریدی نے زہریلی ہنسی کے ساتھ کہا۔''تمہاری یہ خواہش ضرور پوری کروں گا.....!''

حمید نے دیکھا کہ دونوں پلکیں جھپکائے بغیر ایک دوسرے کو گھورے جا رہے ہیں پھر یک بیک ولی جاہ لڑکھڑاتا ہوا دیوار سے جا لگا تھا۔

اس کی سانسیں تیزی سے چل رہی تھیں اور چہرہ پسینے سے تر ہو گیا تھا.....اسے فریدی نے بائیں ہاتھ سے اپنے قریب کھڑے ہوئے غوطہ خور کی گردن پر گھونسہ رسید کر دیا وہ لڑکھڑاتا ہوا دور جا گرا شائد اس نے فریدی کے ریوالور پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی!

''خاموشی سے تم لوگ خود کو گرفتاری کیلئے پیش کر دو!'' فریدی نے انھیں مخاطب کیا۔

''اور میں تم سے کہتا ہوں کہ ریوالور زمین پر ڈال دو۔'' ولی جاہ کی آواز سنائی دی۔

''میرا ہاتھ اس بٹن پر ہے جس کے دباتے ہی ہم سب فنا ہو جائیں گے.....!''

''نہیں نہیں ایسا نہ کرنا۔'' یہ عالیہ نریمان کی آواز تھی۔ حمید چونک پڑا۔ وہ تو اس کے وجود ہی کو فراموش کر بیٹھا تھا اس نے عالیہ کی طرف دیکھا اور کوئی عجیب سی بات محسوس کی اور پھر وہ عجیب سی بات اس کی سمجھ میں آ گئی! جب وہ یہاں آیا تھا تو عالیہ کے چہرے تاریک شیشوں والی عینک نہیں تھی.....!

''نہیں! میں سب کچھ تباہ کر دوں گا.....!''

''نہیں نہیں.....!'' عالیہ گھگھیائی۔''میں ان لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کروں گی کہ یہ لوگ دشمن نہیں ہیں۔ اصل دشمن اسٹیفن بروس تھا جسے ان لوگوں نے نکل جانے دیا.....!''

''بیکار ہے!'' ولی جاہ بولا۔''یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آئے گی!''

''مجھے کوشش کرنی چاہئے!''

حمید نے محسوس کیا کہ فریدی نے صرف ایک ہی بار عالیہ کی طرف دیکھا تھا اور پھر ولی جاہ کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

''تم خاموش رہو!'' ولیجاہ نے جھلائے ہوئے لہجے میں عالیہ نریمان سے کہا تھا۔

''اُوہ.....ٹھہرو.....'' فریدی بولا۔''تو کیا سمجھوتے کی بھی کوئی صورت ہے؟ ضرور سنوں گا.....!''

''ہم تمہارے ملک کے مفاد کے خلاف کچھ نہیں کر رہے!'' عالیہ نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

''اس پر کس طرح یقین کر لیا جائے۔''

''عالیہ.....فضول باتیں ختم کرو.....!'' ولی جاہ چیخا۔''جزیرے کو پولیس نے گھیر لیا ہو گا.....میں بٹن دبانے جا رہا ہوں.....!''

پھر دفعتاً وہ چیخ مار کر نیچے گر گیا۔ فریدی کے ریوالور سے ہلکی سی 'سرچ' کی آواز نکلی تھی...!

ولی جاہ کی چیخ کے ساتھ ہی ایک دھماکہ بھی ہوا۔ اور کمرے میں گہرا دھواں پھیل گیا۔

وہ سب چیخنے لگے.....حمید کا سر چکرایا تھا اور اس نے محسوس کیا تھا کہ لوگ ایک دوسرے پر دھڑام دھڑام گر رہے ہیں! اس سے بھی کوئی ٹکرایا تھا اور اسے ساتھ لیتا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا تھا۔ پھر ہوش و حواس کھونے سے قبل ہی اُسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ دھماکہ اس کی زندگی کا آخری ہی دھماکا ہو سکتا تھا.....!

دوسری بار آنکھ کھلی تو کارنائیڈ کے چراغوں کے بجائے بجلی کے گلوب نظر آئے.....اور بستر نرم و گرم محسوس ہوا اور ایک بڑا خوبصورت چہرہ اس پر جھکا ہوا تھا.....!

''مم.....میں.....!'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔''میں جنت میں ہوں یا جہنم میں..!''

''آپ قومی زنانہ ہسپتال میں ہیں جناب!'' خوبصورت چہرے سے جواب ملا.....!

حمید نے پھر آنکھیں بند کر لیں.....!

مرنے کے بعد اعمال کی جزا یا سزا سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اُس نے سوچا.....لیکن قومی زنانہ ہسپتال.....کیا بات ہوئی.....اس نے پھر آنکھیں کھول دیں.....

اس بار دو خوبصورت چہرے اس پر جھکے ہوئے تھے!

''میں زنانہ ہسپتال میں کیوں ہوں!'' اس نے آہستہ سے پوچھا۔

''ہوش میں ہیں.....!'' ایک نے دوسری سے کہا۔

''میری بات کا جواب دو.....!'' حمید نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''آپ لیٹے رہئے جناب.....قریب ترین میڈیکل ایڈسینٹر ہونے کی بناء پر آپ یہاں ہیں ورنہ اور کوئی خاص بات نہیں.....!'' نرس نے جواب دیا اور اس تختی کی طرف دیکھنے لگی

جس پر تحریر تھا۔ ''زچہ خانے میں زیادہ دیر ٹھہرنے سے اجتناب کیجئے.....''

حمید نے بھی تختی کی طرف دیکھا تھا اور بھنّا کر اٹھ بیٹھا تھا۔

''قریب ترین میڈیکل ایڈسینٹر میں.....یہی جگہ رہ گئی تھی میرے لیے!'' وہ اپنا اوپر ہونٹ بھینچ کر بولا۔

''کہیں کوئی بیڈ خالی نہیں تھا جناب!''

''میں اطلاع دے دوں.....!'' ایک نرس کہتی ہوئی باہر چلی گئی اور دوسری نے کمرے میں کوئی مشروب حمید کو پیش کیا۔

''آرگٹ مکیچر.....!'' حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ارے نہیں جناب!'' وہ کھسیانی ہنسی کے ساتھ بولی۔

اتنے میں کرنل فریدی کمرے میں داخل ہوا.....حمید نے اُسے گھور کر دیکھا۔ وہ حسبِ معمول مطمئن اور پرسکون نظر آ رہا تھا.....!

''تم جا سکتی ہو.....!'' فریدی نے نرس کی طرف دیکھے بغیر کہا اور وہ باہر چلی گئی۔

''کیا اس وقت ہم عالم بالا کے کسی زچہ خانے میں پائے جاتے ہیں!'' حمید نے برا سا منہ بنا کر پوچھا۔

''بھئی تار جام میں قریب ترین ہسپتال یہی تھا۔''

''کتنے مرے.....؟'' حالانکہ آپ نے فائر کرنے میں پُھرتی دکھائی تھی لیکن پھر بھی اس نے بٹن دبا ہی دیا تھا.....!

''کیسا بٹن.....وہاں تو کچھ بھی نہیں تھا.....اُس نے خواہ مخواہ دھمکی دی تھی.....!''

''تو پھر وہ دھماکہ.....؟''

''گیس کا چھوٹا سا دستی بم تھا.....جو غالباً اس کی سیکریٹری نے استعمال کیا تھا۔ میں نے دھواں دیکھتے ہی چہرے پر ماسک چڑھا لیا تھا۔ اور بقیہ لوگ بے ہوش ہو گئے تھے۔ وہ نکل گئی.....اور وہ دونوں بھی جو غوطہ خوری کے لباس میں تھے.....!''

''کیا ولی جاہ مر گیا؟''

''زندہ ہے.....میں نے اس کے پیر پر فائر کیا تھا۔ اس وقت تک آپریشن کر کے گولی

نکال لی گئی ہو گی.....!''

''لیکن اگر عالیہ نریمان نکل گئی تو میں قاسم کو کیا منہ دکھاؤں گا!''

''قاسم.....!'' فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ ''وہ اب ساری دنیا کو تباہ کر دینا چاہتا ہے!''

''کیوں.....؟''

''بقول اس کے عاصم صاحب نے اس کی دنیا تباہ کر رکھی ہے۔ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ اگر اب ولی جاہ مل گیا تو میں اپنے باپ کی ''تباہی کا خواب'' دیکھوں گا۔ چاہے پچاس ہزار ہی کیوں نہ دینے پڑیں۔ اچھا اٹھو یہاں سے.....اگر کوئی ڈلیوری کیس آ گیا تو تمہیں پریشانی ہو گی.....!''

ہسپتال کی کمپاؤنڈ میں لنکن موجود تھی! وہ دونوں اگلی سیٹ پر آ بیٹھے اور دفعتاً حمید پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا! فریدی اُسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

''کیا دماغ خراب ہو گیا ہے۔''

''ارے صاحب.....!'' حمید پیٹ دبائے ہوئے کراہا۔ ''اس بار تو آپ نے کمال ہی کر دیا۔ وہ جنگ لڑی ہے آپ نے کہ عورتوں کے علاوہ اور کسی کے بس کا روگ نہیں.....!''

''کیا بکواس ہے؟''

''آنکھوں کی جنگ.....!'' حمید نے کہہ کر پھر قہقہہ لگایا اور بولا۔ ''میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ دوسروں کی للکار پر بہت زیادہ سینہ سپر ہونے لگے ہیں.....! اس نے آنکھیں لڑانے کے لیے للکارا اور آپ ڈٹ گئے.....!''

''اُوہ.....!'' فریدی بھی ہنس پڑا.....''وہ مجھے اپنی قوت ارادی کے تحت لانا چاہتا تھا میں نے کہا یہ بھی سہی.....!''

''حضور مجھے ڈر ہے کہیں اب آپ کے کارناموں کی پیروڈیاں نہ لکھی جانے لگیں! ویسے مجھے یقین ہے کہ آپ آنکھوں کی جنگ کے بھی ماہر ہیں۔ میں نے ولی جاہ کو لڑکھڑا کر پیچھے ہٹتے دیکھا تھا۔ لیکن افسوس وہ نکل گئی۔ لیکن کیسے گئی۔ اس جزیرے سے نکل جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ کیا باہر سے وہ جگہ گھیرے میں نہیں تھی.....!''

''حمید صاحب..... میں بالکل تنہا تھا.....'' فریدی نے کہا اور ولی جاہ کی دھمکی کا تذ
کرتا ہوا بولا۔ ''میں اتنا بڑا خطرہ نہیں مول لے سکتا تھا یقین کرو کہ اگر پہلے سے اسے وہا
میری موجودگی کا علم ہو جاتا تو وہ تمہیں زندہ نہ چھوڑتا.....'' فریدی نے کہا اور انجن اسٹارٹ
دیا۔ گاڑی ہسپتال کی کمپاؤنڈ سے نکل کر ایک طرف روانہ ہوگئی اور فریدی پھر بولا۔

''میرا خیال ہے کہ وہ انھیں دونوں غوطہ خوروں کے ساتھ جھیل میں اتر گئی ہوگی.....!''

''ولی جاہ نے مجھے بتایا تھا کہ وہ پانی میں شہر تعمیر کر رہے ہیں!''

''بکواس ہے۔ کتنی دیر وہ پانی میں رہ سکیں گے..... اس وقت پوری جھیل پر ہمارے
موٹر بوٹ چکراتے پھر رہے ہوں گے.....!''

''یہ غالباً پچھلی ہی رات کا واقعہ ہے اور اس وقت دس بجے ہیں!''

''اُوہ ختم کرو۔ ولی جاہ ہمارے قبضے میں ہے وہ اگر نکل بھی گئی تو کیا ہے!''

''اوہ..... میرے خدا.....!'' دفعتاً حمید چونک کر بولا۔ ''وہ منحوس نقلی پستول، کیا آپ
اب بھی اس کے بارے میں نہ بتائیں گے۔''

''مجھے موقع کب مل سکا تھا کہ تمہیں اس کے بارے میں بتاتا۔ وہ پستول نہیں کیمر
ہے۔ آٹھ ملی میٹر کا مووی کیمرہ۔ اس میں ایک عدد ایکسپوزڈ ریل بھی موجود تھی اور حمید
صاحب وہی ریل تم تک پہنچنے کا ذریعہ بنی ورنہ میرے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو سکتا کہ وہ لوگ
تمہیں کہاں لے گئے ہیں۔'' پھر وہ اسے بروس کی کہانی سنانے لگا۔ خاموش ہوا تو حمید بولا۔

''کیا وہ ولی جاہ ہی کے آدمی تھے جنھوں نے ہاف مون میں اسٹیفن کو گھیرنا چاہا تھا.....!''

''نہیں سب اپنے ہی آدمی تھے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ وہ مدہوش عورت کو گاڑی
تک پہنچا کر واپس آ گیا ہے تو انھوں نے اسے یونہی خواہ مخواہ غصے میں گھورنا شروع کر دیا
اسٹیفن سمجھا شائد وہ خطرے میں ہے لہٰذا بہت زیادہ بدحواس نظر آنے لگا۔ مجھے اس کی اطلاع
فون پر ملی اور میں نے اصل اسکیم سے ہٹ کر موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دوسرا ڈرامہ
ڈالا۔ اصل اسکیم تو زبردستی اس کا اغواء تھی! اور اس کی ضرورت یوں پیش آئی تھی کہ اس سے
پوچھ گچھ کرنے کے لیے مجھے اُوپر سے اجازت لینی پڑتی لیکن تمہاری وجہ سے میرے پاس اتنا
کا وقت نہیں تھا.....!''

''ولی جاہ کہہ رہا تھا کہ اسٹیفن بروس کو اچانک انڈونیشیا بھیج دیا گیا! اور اسی سے اس
نے اندازہ لگایا تھا کہ آپ اصل حالات سے واقف ہو چکے ہیں.....!''

''ہاں یہ ٹھیک ہے! اس نے اسی وعدہ پر مجھے سب کچھ بتایا تھا کہ میں اسے خاموشی سے
نکل جانے دوں گا۔ اُسے ایک سیکرٹ ایجنٹ کی حیثیت سے بدنام کر کے اس کے ملک کو
واپس نہ کیا جائے گا.....!''

حمید کچھ دیر خاموش رہا پھر چونک کر بولا۔ ''یہ تو بتایئے..... کہ آپ اور مقصود ڈاکوؤں
کے بھیس میں جنگلوں میں آ گھسے تھے پھر ولی جاہ کو کیونکر اطلاعات ملتی رہی تھیں کہ آپ شہر سے
باہر نہیں نکلتے کبھی سنگ سنگ بار میں دیکھے گئے اور کبھی کہیں اور.....!''

''ڈاکوؤں کے روپ میں ادھر جانے کے لیے ضروری تھا کہ شہر میں ایسا آدمی چھوڑا
جائے جو میرا رُول ادا کر سکے۔ لہٰذا بلیک فورس کا ایک ممبر میری پراکسی کرتا رہا تھا۔ بہرحال
مقصود ولی جاہ کے آدمیوں کے ہاتھ لگا۔ میں بھی اسی طرح اس کے آدمیوں کے ہاتھ لگ سکتا
تھا لیکن جنگلوں کے محافظ ہمیشہ آڑے آتے رہے۔ مجھے ان سے بچنا تھا اور ولی جاہ کے
آدمیوں تک پہنچنا تھا! بہرحال اس ہنگامے کی بناء پر مزید محافظ دوسری جگہوں سے طلب کئے
گئے اور میرے آدمیوں کو اس کا موقع مل سکا کہ وہ بھی انھیں محافظوں میں شامل ہو کر جنگلوں
میں داخل ہو جائیں۔ بہرحال مجھے شبہ تھا کہ جھیل کے درمیان خشکی کا جو حصہ ہے وہی ان
لوگوں کی پناہ گاہ ہو سکتی ہے لہٰذا میرے آدمیوں نے اندازہ کرنے کے لیے محافظوں کے روپ
میں خشکی کے اس حصے کا ایک چکر لگایا انھوں نے اس حصے تک پہنچنے سے پہلے ہی دوربینوں
کے ذریعے دیکھا تھا کہ کچھ لوگ پانی میں کود رہے ہیں! تمہارے بیان کے مطابق ولی جاہ کے
لیے ان سب حرکتوں کا مقصد محض ان ڈاکوؤں کی تلاش تھا میں بھی اسے یہی باور کرانا چاہتا
تھا۔ مختصراً یہ کہ شام تک اتفاق سے میں اس جگہ جا پہنچا جہاں ولی جاہ کے کچھ غوطہ خور موجود
تھے! ان میں سے ایک میرے ہاتھ لگا اور میں نے اسے بے بس کر کے اس کا غوطہ خوری والا
لباس حاصل کر لیا۔ وہ جدوجہد کے دوران ہی میں مر گیا تھا اس لیے اس کی جگہ لینے میں اور
بھی آسانی ہوئی!''

''اتنی جلدی میں آپ نے اس کا میک اپ کر لیا تھا.....!''

''قطعی نہیں! ضرورت ہی کیا تھی۔ چہرے تو ان دونوں کے بھی نقاب ہی میں چھپے ہوئے تھے۔ وہ غالباً اسی کشتی کے بارے میں چھان بین کرنے اس کنارے تک آئے تھے!''

''لیکن سنئے تو سہی۔ اس نے تو کوئی نام لے کر آپ کو مخاطب کیا تھا جب آپ نے ماسک ہٹایا تھا چہرے سے.....!''

''اور اسی بات سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ اپنے آدمیوں کو ان کے لباس پر لگے ہوئے نمبروں سے پہچانتا ہے۔ ان کے چہرے سے نہیں۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ بے شمار لوگ اس کیلئے کام کر رہے ہیں۔ ان کے نمبروں کے توسط سے صرف ان کے نام یاد ہیں!''

''خیر.....چھوڑیئے! مجھے الجھن ہو رہی ہے۔ لیکن یہ ضرور پوچھوں گا کہ یہ لوگ یہاں کیا کر رہے تھے؟''

''اسٹیفن بروس کی فراہم کردہ اطلاع کے مطابق جیر الڈ شاستری نے اس کے ملک سے ریڈیم کا ایک بہت بڑا ذخیرہ غائب کر دیا تھا۔ یہ ذخیرہ اس وقت بھی اس کی زیر زمین دنیا میں موجود تھا جب وہ تباہ ہوئی تھی۔ بروس کا کہنا تھا کہ چونکہ وہاں ریڈیم کی تابکاری کے آثار نہیں ملے لہٰذا خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ذخیرہ اب بھی پانی میں کہیں محفوظ ہے! بروس بھی اس کی تلاش میں تھا کہ اسے ولی جاہ کی موجودگی کا علم ہوا۔ لیکن میرے نظریئے کے مطابق ولی جاہ کی پارٹی بہت پہلے سے نہ صرف اس کے چکر میں تھی بلکہ اسٹیفن بروس کی بھی نگرانی کرتی رہی تھی.....!''

''جہنم میں جائے!'' حمید بڑبڑایا۔ ''ریڈیم.....ریڈیم سب بکواس ہے۔ ان سبھوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ مجھے نیند آ رہی ہے.....!'' پھر وہ سچ مچ اونگھنے لگا تھا اور آہستہ آہستہ اس پر گہری نیند مسلط ہو گئی!

شہر پہنچ کر فریدی نے اسے جگایا۔ ان کی گاڑی آرلکچو کی کمپاؤنڈ میں رکی تھی! وہیں انھوں نے دوپہر کا کھانا کھایا اور پھر چل پڑے۔

''اب کہاں جا رہے ہیں.....!''

''ولی جاہ سے نہیں ملو گے.....وہ پولیس ہاسپٹل میں ہے!''

''اس منحوس سے مل کر کیا کروں گا۔ عالیہ نریمان تو نکل ہی گئی!'' حمید بولا۔

ولی جاہ کا آپریشن ہو چکا تھا اور وہ ہوش میں تھا۔ البتہ اس کے چہرے پر کرب کے آثار تھے جو فریدی کو دیکھ کر اور زیادہ گہرے ہو گئے۔

فریدی اسے خاموشی سے گھورتا رہا پھر بولا۔ ''کیا تم نے ریڈیم کے ذخیرے کا پتہ لگا لیا ہے.....!''

''ریڈیم کا ذخیرہ.....کیسا ریڈیم کا ذخیرہ!'' ولی جاہ کی آنکھوں میں کرب کے ساتھ ہی حیرت کے آثار بھی نظر آئے۔ پھر وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''خدا کے لیے مجھے اس کی موت کی خبر نہ سنانا۔''

''کس کی موت کی خبر.....؟''

''عالیہ نریمان کی.....!''

''ارے...وہ...! اُس نے گیس کا دستی بم استعمال کیا تھا اور بڑی صفائی سے نکل گئی تھی۔''

''مجھے تمہارے رحم وکرم پر چھوڑ کر.....!'' ولی جاہ متحیرانہ انداز میں چیخا۔

''فضول باتیں ختم کرو۔ ریڈیم کے ذخیرے کی بات کرو۔ جسے جھیل میں تلاش کر رہے تھے!''

''میں کسی ریڈیم کے ذخیرے کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا۔ وہ تو پانی میں ایک شہر تعمیر کرا رہی تھی! لیکن وہ بے وفا نکلی۔ میں اس کا ایک ادنیٰ غلام بن کر رہ گیا تھا۔ اوہ اولیویا.....تم مجھے اس طرح چھوڑ گئیں.....!''

''اولیویا.....لیکن اس کا نام تو عالیہ تھا!''

''نہیں۔نہیں۔نہیں۔ اس کا نام اولیویا نارمن تھا وہ جرمن تھی میں ایرانی ہوں۔ میری محبت میں اس نے اپنا نام اولیویا نارمن تھا وہ جرمن تھی میں ایرانی ہوں۔ میری محبت میں اس نے اپنا نام اولیویا نارمن سے بدل کر عالیہ نریمان رکھ لیا تھا.....'' پھر ولی جاہ نے ایک متحیر کن کہانی شروع کی۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔ ''بظاہر وہ میری سیکریٹری کا رول ادا کرتی تھی۔ لیکن حقیقتاً میری مالکہ تھی۔ اتنی ذہین اور چالاک عورت شائد روئے زمین پر دوسری نہ مل سکے! تم کیا سمجھتے ہو کہ تم اتفاقاً ہم لوگوں کے پیچھے لگے تھے ہرگز نہیں! وہ خود ہی چاہتی تھی کہ تمہیں اپنی طرف متوجہ کرے۔ وہ اُولیویا نارمن ہے دنیا کی چالاک ترین عورت.....کیا

اس سے ایسی حماقت سرزد ہو سکتی تھی کہ کوئی ایسا مووی کیمرہ جس میں ہمارا راز پوشیدہ ہو کسی معمولی ٹیکسی ڈرائیور کے سپرد کر دیتی۔ مقصد یہی تھا کہ ٹیکسی ڈرائیور کسی موقع پر اسے استعمال کرنا چاہے اور کیپٹن حمید اس سے وہ پستول نما کیمرہ چھین لے۔ اس طرح اس نے ایک تیر چال میں دو بساطیں الٹیں۔ اسٹیفن بروس کو تمہاری نظروں میں لائی اور تمہیں اپنے پیچھے بھی لگایا لیکن یہ سب کچھ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ اسٹیفن بروس کو تو وہ اپنے راستے سے ہٹانا چاہتی تھی لیکن آخر تمہیں کیوں اپنی طرف متوجہ کیا؟ وہ کہتی تھی کہ تم اس کے بہت پرانے شناسا ہو۔'' وہ خاموش ہو گیا اور فریدی کے چہرے پر حمید نے عجیب سے کیفیتیں دیکھیں۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی بھیڑیے نے آس پاس شکار کی بو سونگھ پائی ہو۔ آخر کار ولی جاہ کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا غرایا۔ ''کیا تم اسے بہت چاہتے ہو!''

''بہت زیادہ لیکن ہمیشہ یہ دھڑکا لگا رہا ہے کہ وہ کہیں نہ کہیں ضرور میری گردن کٹوا دے گی۔ سو دیکھ لو۔ خود نکل گئی اور میں تمہارے رحم و کرم پر پڑا ہوا ہوں!''

''کیا تمہارے پاس اُس کی کوئی تصویر ہے؟''

''تھی۔ میری جیکٹ کی جیب میں۔ ہسپتال والوں نے مجھے میری جیکٹ واپس نہیں کی۔ اس کی تصویر ہر وقت میرے پاس رہتی ہے۔ اس کی موجودگی میں بھی اور عدم موجودگی میں بھی.....!''

فریدی نے وہیں جیکٹ طلب کرائی! ولی جاہ کا بیان غلط نہیں تھا۔ ایک جیب سے عالیہ نریمان کی تصویر برآمد ہوئی اور فریدی بے ساختہ چونک کر بولا۔ ''بیشک'' پھر حمید نے اسے دروازے کی طرف دوڑتے دیکھا۔ حمید بھی لپکا تھا۔ لیکن جتنی دیر میں برآمدے تک پہنچتا لنکن اسٹارٹ بھی ہوئی اور تیزی سے احاطہ کے باہر بھی نکل گئی۔

''میں بہت تھک گیا ہوں!'' حمید برا سا منہ بنا کر بڑبڑایا۔ ''متحیر رہ جانے کی بھی سکت نہیں رہی مجھ میں۔''

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 104

مہلک شناسائی

(دوسرا حصہ)

پیش رس

آج میں خدا کو حاضر ناظر جان کر آپ کو یہ اطلاع دے رہا ہوں کہ میں نے ہابیل قابیل والی ٹریجڈی سے پہلے کوئی کوئی جاسوسی ناول نہیں لکھا تھا لیکن کوا بیچارہ آج تک پشیمان ہے۔ اس نے حضرت آدم کو مٹی کھود کر دفن کر دینے کا فن کیوں سکھایا۔ کوے کا خیال ہے کہ اُس کی اس غلطی کی بناء پر آج اولاد آدم، آدمی ہی کو زندہ دفن کر دینے کے فن میں طاق ہوگئی ہے۔

اوپر کی عبارت کا مفہوم مع سیاق و سباق سلیس اردو میں لکھئے اور اردو ادب کے ان چودھریوں کو روانہ کر دیجئے جو یہ فرماتے ہیں کہ جرائم کی تعداد میں اضافہ ہونے کا سبب جاسوسی لٹریچر ہے۔ یقین کیجئے کہ وہ آپ کے اس حل شدہ پرچہ امتحان کی رسید تک نہ دیں گے۔ کیونکہ پرچہ ان کا اپنا سیٹ کیا ہوا نہیں ہے یا ہوسکتا ہے وہ آپ کو لکھ بھیجیں کہ ہابیل اور قابیل والی ٹریجڈی غلط فہمی کی بناء پر ہوئی تھی۔ وہ دونوں سمجھے تھے کہ اب کوئی دوسری عورت پیدا ہی نہ ہوگی۔

لیکن وہ کبھی اس کا اعتراف نہ کریں گے کہ سارے ہی جرائم کسی نہ کسی غلط فہمی کی کوکھ سے جنم لیتے ہیں۔

مستقبل سے مایوسی غلط فہمی ہی کی پیداوار ہے اور یہی آدمی کو جرائم کی طرف لے جاتی ہے۔

مستقبل سے مایوس ہوکر یا تو آدمی جرائم کرتا ہے یا پھر کسی ایسے کرنل فریدی کی تلاش میں ذہنی سفر کرتا ہے جو قانون اور انصاف کیلئے بڑے سے بڑے چہرے پر مکا رسید کر سکے۔

اور یہی تلاش ہیروازم کی کہانیوں کو جنم دیتی ہے۔ خیر چھوڑیئے.....! یہ سب بھی ان باتوں کو مجھ سے زیادہ سمجھتے ہیں لیکن اس موضوع پر اظہار خیال کے لئے یہ ارزاں ترین نسخہ ہے کہ لٹریچر نشانہ ملامت بنایا جائے۔

بات ہونی چاہئے تھی ''مہلک شناسائی'' کی۔ لہٰذا اب ادھر آیئے ..... فریدی کی کہانیوں میں آپ اسے منفرد پائیں گے۔ یہ کہانی لکھتے وقت مجھے بے شمار مشورے موصول ہوئے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ ان پر عمل کروں۔

اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔

ابن صفی

۱۹۶۸/۱۱/۲۷

علامتی شاعری

بات ملٹری انٹیلی جنس تک جا پہنچی تھی اور ان دونوں کو ہیڈ کوارٹر میں طلب کرلیا گیا تھا۔

آج کرنل قادری کے سامنے پیشی تھی۔ کرنل فریدی نے بجھے ہوئے سگار کو ڈسٹ بن میں ڈالتے ہوئے کیپٹن حمید سے کہا۔ ''تم اپنی زبان بند رکھو گے۔''

''جنرل صاحب اتنے خوبصورت ہرگز نہ ہوں گے کہ مجھے اپنی زبان کھولنے کی ضرورت پیش آئے۔''

''سنجیدگی سے سنو! تم اپنے بیان میں اتنے ہی حالات تک محدود رہو گے جن سے دوچار ہوئے تھے۔

''ظاہر ہے..... بال بچے دار تو ہوں نہیں کہ جنرل قادری کو منے میاں کے آشوب چشم کے تشویش ناک حالات سنانے بیٹھ جاؤں۔''

''اور اس سے کسی بات پر الجھنا مت۔''

''یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔''

''اس کی کسی بات کی تردید نہ کرنا..... جہاں اس کی نوبت آئے تم اس بات کو مجھ پر چھوڑ سکتے ہو۔''

''مثلاً اگر وہ مجھے گدھا کہے تو میں آپ کی طرف دیکھنے لگوں۔''

فریدی اُسے تیکھی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ ''پچھلے مہینے کی بات ہے اس کا ایک ماتحت

دوران گفتگو میں کسی طرح آلو کے ذکر کا گنہگار ہوگیا تھا۔ قادری نے پوچھا تم نے آ
درخت دیکھا ہے۔ اس نے کہا جناب عالی درخت نہیں پودا..... اس نے کہا درخت
پودے کا فرق سمجھاؤ وہ ہکلایا اور قادری نے بھرپور مکا اس کے منہ پر رسید کر دیا۔ تین دا
نوٹ گئے تھے اس کے۔''

''کیا وہ میرے ساتھ بھی اس قسم کا برتاؤ کرسکتا ہے۔''

''کریک ہے۔''

''لیکن یہ بات ملٹری انٹیلی جنس تک کیسے آ پہنچی۔''

''مجھے رپورٹ دینی تھی..... وے دی۔ کیس ادھر ریفر کرنے میں میرے مشور
دخل نہیں۔ جیرالڈ شاستری والا کیس بھی ادھر سے متعلق تھا لہٰذا یہ معاملہ بھی ادھر ہی آیا۔''

''اوہ..... وہ دیکھئے..... وہ کرنل ادھر ہی آ رہا ہے..... شائد جنرل قادر
اسسٹنٹ ہے۔'' حمید نے بجھا ہوا پائپ جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔

''کرنل فریدی پلیز.....!'' آنے والے نے اُن کے قریب پہنچ کر کہا۔

''یس .....تھینک یو.....!'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

اور پھر وہ میں قادری کے روم میں آئے۔ حمید نے اس پر تفصیلی نظر ڈالی تھی۔ وہ ایک
بڑی میز کے پیچھے بیٹھا انہیں گھورے جا رہا تھا۔ بدنمائی کی حد تک لحیم شحیم آدمی تھا۔ موٹی
گردن پر شفاف کھوپڑی والا چہرہ۔ عجیب بھی تھا اور ڈراؤنا بھی..... حمید نے سوچا کہ ا
کے ماتحت اس کا سامنا کرنے سے کتراتے ہوں گے۔ ٹھوڑی کی بناوٹ اذیت پسند طبیعت
غماز تھی۔ آنکھیں چھوٹی اور چمکیلی تھیں۔

حمید کی طرف ہاتھ اٹھا کر وہ غرایا۔ ''تم کرنل فریدی ہو۔''

''یس سر.....!'' حمید نے ایڑیاں بجائیں۔

فریدی دم بخود رہ گیا۔

''بیٹھ جاؤ..... وردی میں کیوں نہیں آئے؟''

حمید اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ''آنریری کرنل ہوں جناب۔''

فریدی کھکارا لیکن حمید کی کھوپڑی پر جیسے برف جم گئی تھی۔

''مجھے علم ہے۔'' جنرل قادری کا لہجہ حقارت آمیز تھا۔

حمید تنا بیٹھا رہا۔ فریدی اس سے چند قدم پیچھے خاموش کھڑا تھا اور جنرل قادری نے اس کی طرف توجہ تک نہیں دی تھی۔

''تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ اُس جھیل میں ریڈیم کا ذخیرہ موجود ہے؟'' جنرل قادری نے میز پر گھونسہ مار کر پوچھا۔

''وہ پستول نما کیمرہ.....اور.....وہ ریل.....!''

''اور وہ آدمی.....اسٹیفن بروس.....!'' جنرل نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''جی ہاں.....وہ بھی۔'' حمید مردہ سی آواز میں بولا۔

''وہ کہاں ہے؟''

''انڈونیشیا.....چلا گیا.....!''

''اس کے نکل جانے سے پہلے یہ معاملہ کیوں نہیں ریفر کیا گیا۔''

''اس کا جواب ہمارے ڈی آئی جی صاحب ہی دے سکیں گے۔''

''اتنی عقل میں بھی رکھتا ہوں۔'' جنرل نے پھر میز پر گھونسہ رسید کیا۔

''تت.....تو پھر آپ ان سے پوچھئے۔'' حمید نے بوکھلائے ہوئے انداز میں فریدی کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ کون ہیں؟'' جنرل نے فریدی کو گھورتے ہوئے پوچھا۔ پھر یک بیک نہ صرف کرسی چھوڑ کر اٹھ گیا بلکہ اٹھتے اٹھتے میز پر ایک اور گھونسہ بھی رسید کر دیا۔

''اوہ.....اٹ از نتھنگ جنرل.....!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''میرا اسسٹنٹ آپ کی شخصیت سے بہت زیادہ مرعوب ہوگیا ہے۔''

جنرل نے پھر حمید کو گھور کر دیکھا.....اور حمید بڑی پھرتی سے اٹھا اور فریدی کے قریب جا کھڑا ہوا۔

یہاں صرف ایک کرسی تھی۔ فریدی آگے بڑھا اور جنرل سے مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھا دیا۔

جنرل نے مصافحہ تو کیا لیکن حمید کو بدستور گھورتا رہا۔ لیکن پھر شائد اپنے ہاتھ پر فریدی کی گرفت ہی محسوس کر کے اُسے دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا تھا۔

''اس نے غالباً سن رکھا تھا کہ آپ اپنی کسی بات کی تردید سننا پسند نہیں کرتے۔'' فریدی پرسکون لہجے میں بولا۔

''بکواس ہے..... بیٹھ جاؤ۔'' اس نے کہا اور خود بھی ایک جھٹکے کے ساتھ بیٹھ گیا۔

حمید ''اٹین شین'' ہو گیا تھا۔

''تمہاری موجودگی غیر ضروری ہے۔'' جنرل حمید کی طرف ہاتھ اٹھا کر دہاڑا۔

حمید سلیوٹ کر کے ایڑیوں پر گھوما اور نکاسی کے دروازے کی طرف مارچ کر گیا۔

باہر نکل کر اس نے دو تین لمبی لمبی سانسیں لی تھیں اور پھر اسی کمرے میں واپس آیا جہاں کچھ دیر پہلے وہ دونوں بیٹھے رہے تھے۔

اس نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے سوچا۔ عجیب وحشی آدمی معلوم ہوتا تھا۔ کسی زمانے میں وہ خود بھی فوجی زندگی بسر کر چکا تھا لیکن کبھی ایسے خونخوار آفیسر سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔ آدمی کیا تھا بپھرا ہوا گوریلا تھا۔ لیکن اس نے فریدی کے رویئے میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں محسوس کی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کسی اداکار کی فنی صلاحیتوں کا جائزہ لینے کے لئے وہاں گیا ہو۔

حمید پائپ سلگا رہا تھا کہ وہی کرنل پھر کمرے میں داخل ہوا جو انہیں جنرل کے آفس میں لے گیا تھا۔

حمید نے عہدے کے لحاظ سے احتراماً اپنا پائپ چھپانا چاہا۔

''اوہ..... نونو..... ڈیئر..... کیری آن اسموکنگ.....!'' کرنل ہنس کر بولا۔

''میرا نام اے ایچ عشقی ہے۔''

اس نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا۔

''میں ساجد حمید ہوں جناب۔'' حمید نے گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

''آئی نو..... آئی نو..... تعریف سن چکا ہوں تمہاری..... بہت زندہ دل آدمی ہو ادبی ذوق بھی رکھتے ہو۔''

حمید کی جان نکل گئی آخری جملے پر..... نام ہی سے شاعر معلوم ہوئے تھے یہ حضرت۔ اب کیا ہوگا؟

''تم پائپ پی سکتے ہو کیپٹن حمید۔'' کرنل صاحب اس کا شانہ تھپک کر بولے۔

''بہت بہت شکریہ جناب۔''

''بیٹھو..... بیٹھو میں جانتا تھا کہ جنرل قادری تمہیں رخصت کر دیں گے۔ وہ ایک ت میں اپنے قریب ایک ہی آدمی کی موجودگی پسند کرتے ہیں۔ تم نے صرف ایک ہی کرسی ں کی میز کے سامنے دیکھی ہوگی۔''

''جی ہاں.....!''

''چلو کینٹین میں بیٹھیں۔''

''چلئے.....!'' حمید اٹھ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کینٹین میں پہنچ کر کہیں بیاض نہ نکل آئے۔

کینٹین زیادہ فاصلے پر نہیں تھی۔ چھوٹے سے ہال میں چند آدمی مختلف میزوں پر نظر آئے۔ ہلکی آواز سے ریکارڈ بج رہا تھا۔

''گرمئ حسرت ناکام سے جل جاتے ہیں۔
ہم چراغوں کی طرح شام سے جل جاتے ہیں۔''

دفعتاً کرنل صاحب نے قہقہہ لگایا اور حمید حیرت سے انہیں دیکھنے لگا۔

''ذرا ملاحظہ ہو۔'' کرنل صاحب نے کرسی سنبھالتے ہوئے کہا۔ ''اگر ہم فوجی اس قسم کی ٹ پٹانگ باتیں کریں تو کسی حد تک درست ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ خالص قسم کے شاعر..... ے میاں حسرت میں گرمی کہاں ہوتی ہے۔ حسرت تو بیچارگی کی پیداوار ہے اور وہ بھی رت ناکام یعنی پخ کا تودہ..... اور شاعر صاحب ہیں کہ چراغ بن گئے۔ ہوئی نا میر سب سے آگے چھلانگ لگانے کی حسرت ناکام..... ہونہہ..... لاحول ولا.....!''

''جی ہاں..... واقعی.....!'' حمید نے بات ٹالنے کے لئے بے دلی سے ہنس کر کہا۔ رہا تھا کہ کہیں اب یہ اپنا کوئی شعر نہ ٹھونک ماریں۔

کرنل صاحب نے اشارے سے ویٹر کو بلا کر کافی کا آرڈر دیا اور حمید سے بولے اعری جزویست از پیغمبری..... اس کے لئے پیغمبرانہ شعور اور ادراک کی ضرورت ہوتی

ہے۔ یہاں یار لوگ یہی نہیں جانتے کہ حسرت میں ٹھنڈک ہوتی ہے یا گرمی...اور یہ تو علامتی شاعری کا قائل ہوں۔"

"اوہ.....اچھا.....!" حمید خالی الذہنی کے سے انداز میں مسکرایا۔

"ذرا ایک شعر سنو۔"

حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

"انہوں نے شعر رسید کر دیا۔

"ان کا شیوہ نہیں چٹاخ چھنن
چھیڑ بیٹھے تھے ہم پٹاخ چھنن"

حمید نے سنی ان سنی کر کے ستائشی انداز میں سر کو جنبش دی۔

"کیا سمجھے۔"

"بہت خوب.....سبحان اللہ۔"

"میں پوچھ رہا ہوں کیا سمجھے۔" کرنل صاحب نے کڑے تیوروں کے ساتھ کہا

"دراصل.....!"

"تم قطعی نہیں سمجھے۔" کرنل صاحب کا موڈ خراب ہو گیا۔ "سمجھ ہی نہیں سکتے یہاں تو بس وہی پرانی لکیریں پیٹی جا رہی ہیں۔"

"جی ہاں بالکل.....!"

"مثلاً.....؟"

"جی.....!"

"کوئی مثال پیش کرو پرانی لکیر پیٹنے کی.....!"

"وہ.....کیا کہتے ہیں.....لکیر کا فقیر۔"

"جی نہیں....." کرنل صاحب خشک لہجے میں بولے۔ "لکیر کا فقیر محاورہ ہے۔"

"محاورہ بھی تو پرانی لکیر ہے۔"

"لیکن وہ مجبوری ہے.....محاورے بہر حال رائج رہیں گے۔"

"میں مجبوری کا قائل نہیں ہوں۔" حمید بھی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"تو تم محاوروں کے بغیر بھی.....!"

"جی ہاں قطعی.....محاورے نے بھی کوئی چیز ہوئے لاحول ولا قوۃ۔"

"تم پتہ نہیں کیسی باتیں کر رہے ہو.....میں تو تمہیں خوش ذوق آدمی سمجھ رہا تھا۔"

"مجھے جہنم میں جھونکئے.....میں آپ کے شعر کا مطلب سمجھنا چاہتا ہوں۔"

"غالب کا وہ شعر سنا ہے کبھی.....

دھول دھپا اس سراپا ناز کا شیوہ نہیں
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش دستی ایک
دن"

"واہیات شعر ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"ہے نا واہیات.....!" کرنل صاحب چہکے۔ "اس کے مقابلے میں میرا شعر ہے۔"

اس کا شیوہ نہیں چٹاخ چھنن
چھیڑ بیٹھے تھے ہم پٹاخ چھنن

حمید نے ناک بھوں پر زور دے کر دوبارہ یہ شعر سنا اور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ کرنل صاحب بولے۔ "دھول دھپے میں وہ بات کہاں جو چٹاخ چھنن میں ہے.....یہ ہے علامتی شاعری چٹاخ تھپڑ کی آواز اور چھنن چوڑیوں کی چھنکار.....!"

"ایہام الصوت کہتے ہیں اسے.....یہ علامتی شاعری کہاں سے ہوئی۔" حمید نے جی کڑا کر کے کہا۔

"فضول باتیں نہ کرو.....تم کچھ نہیں جانتے۔"

اتنے میں کافی آ گئی اور حمید نے کہا۔ "علامتی شاعری کرنے والوں میں پیش دستی کی جرأت ہی نہیں ہوتی۔ اسلئے وہ شاعری بھی علامتی کرتے ہیں.....غالب کا پیشہ آباء سپہ گری تھا۔ وہ میری طرح آنریری کیپٹن نہیں تھے۔"

"تم مجھ پر چوٹ کر رہے ہو کیپٹن حمید۔"

"جی نہیں.....میں خود بھی علامتی شاعری کرتا ہوں۔"

"اچھا تو سناؤ کچھ.....میں بھی دیکھوں۔" کرنل صاحب غرائے۔

''پہلے کافی پیوں گا۔''

اس نے دو کپ تیار کئے اور ایک کرنل صاحب کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ''علامتی شاعری۔''

''کیا مطلب.....؟''

''ابھی عرض کرتا ہوں.....!'' حمید نے کہا اور کافی کا گھونٹ لے کر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

پھر وہ کافی کی چسکیاں لینے لگا تھا اور کرنل صاحب اسے گھورتے رہے تھے۔ کافی ختم ہوگئی اور حمید پائپ کے کش لیتا رہا۔

''میں منتظر ہوں.....!'' بالآخر کرنل صاحب غرائے۔

''سنئے!'' حمید نے کھنکار کر شعر پڑھا۔

دیکھو تو عجیب ماجرا ہے
فانوس پہ فالسہ دھرا ہے

''کیا مطلب.....؟''

''مطلب کسی ماہر نفسیات سے پوچھئے..... یہاں اگر سنسر نے شعور کو اجازت دی ہوتی تو علامتی شاعری کیوں کرتے۔''

''تم میرا مذاق اڑا رہے ہو۔''

''جی نہیں..... بلکہ آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کی شاعری علامتی ہرگز نہیں۔ آپ محض اس وہم میں مبتلا ہیں کہ آپ کی شاعری علامتی ہے۔''

''میں کرنل عاشق حسین عشقی وہم میں مبتلا ہوں؟'' کرنل صاحب نے سینہ پھلا کر جارحانہ انداز میں سوال کیا۔

''آپ اپنا نام بھی بدلئے..... کرنل کے ساتھ میچ نہیں کرتا..... اتنا ہی عجیب لگتا ہے جیسے مجنوں خود کو چنگیزی لکھنے لگے۔''

''تم گستاخ بھی ہو کیپٹن۔''

''ہم ادب پر بحث کر رہے ہیں جناب۔ اس لئے ڈسپلن کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور اگر ہوتا ہے تو میں آپ کو یہی مشورہ دوں گا کہ شاعری ترک کر دیجئے۔''

کرنل صاحب اُسے گھورتے رہے۔ ان کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا اور ان کی آنکھیں تخلص کی حدود سے نکل کر چنگیزیت کے دائرے میں داخل ہوگئی تھیں۔

دفعتاً وہ اٹھے اور کافی کے دام ادا کئے بغیر کینٹین سے باہر چلے گئے۔

حمید نے طویل سانس لی اور تہیہ کیا کہ وہ کافی کی رقم کرنل صاحب کے ہی حساب میں لکھوائے گا۔ اپنی جیب سے ادا نہیں کرے گا۔

اس نے اٹھ کر باتھ روم کا راستہ لیا۔ باتھ روم میں کوٹ اتارا اور الٹ کر دوبارہ پہن لیا اور اب وہ سوٹ کی بجائے ''میچ'' میں تھا۔

ناک میں ریڈی میڈ والے اسپرنگ رکھے اور تھوڑی دیر بعد باہر نکل آیا۔

اس کی میز خالی تھی۔ دفعتاً کرنل عشقی دکھائی دیا جو بوکھلائے ہوئے انداز میں داخل ہو رہا تھا۔ اس میز کے قریب رک کر وہ مڑا اور کاؤنٹر کلرک کی طرف ہاتھ اٹھا کر چیخا۔ ''اوئے ..... یہ آدمی کدھر گیا۔''

کاؤنٹر کلرک بوکھلا کر کاؤنٹر سے باہر آ گیا۔

''کون جناب.....؟'' اس نے بڑے ادب سے پوچھا۔

''وہ آدمی جو میرے ساتھ تھا۔'' کرنل عشقی نے چاروں طرف نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔ ''اس نے حمید کو بھی دیکھا لیکن یونہی رواروی میں اور پھر کاؤنٹر کلرک کی طرف متوجہ ہوگیا۔''

''وہ جناب..... پتہ نہیں..... میں تو سمجھا تھا آپ دونوں ہی تشریف لے گئے۔''

''نہیں.....!'' کرنل عشقی پیر پٹخ کر بولا۔ ''اسے تلاش کرو..... جلدی ڈبل اپ..... مل جائے تو پکڑ کر گارڈ روم میں لے آؤ۔''

وہ پھر باہر چلا گیا۔

کاؤنٹر کلرک اس طرح منہ بنائے کھڑا تھا جیسے کرنل صاحب اُسے بچہ جننے کا حکم دے کر چلے گئے ہوں۔

حمید نے قریب ہی کی ایک میز سنبھال لی تھی اور کاؤنٹر کلرک کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ شاید اس کی زبان سے کرنل عشقی کے لئے کوئی گندی سی گالی سننے کا متمنی تھا۔ لیکن وہ تو دوسرے ہی لمحے میں میزیں صاف کرنے والے لڑکے پر برس پڑا تھا۔ ''اوحرامی..... ڈبل

اپ.....دس گھنٹے میں ایک میز صاف کرتا ہے۔''

حمید نے ویٹر کو اشارے سے بلا کر پھر کافی طلب کی اور سگریٹ کا ایک پیکٹ منگوایا۔ اب وہ میک اپ میں جیب سے پائپ نہیں نکال سکتا تھا۔

کافی کے دوسرے کپ کے ساتھ اس نے کرنل عشقی کے رویئے پر غور کرنا شروع کر دیا۔ کیا وہ احمق تھا؟ محض اتنی ذرا سی بات پر اس حد تک پہنچ گیا..... خیر دیکھا جائے گا۔

اتنے میں دو لیفٹیننٹ اندر آئے اور حمید کے قریب ہی بیٹھ گئے۔ کسی بات پر بُری طرح ہنس رہے تھے دونوں.....

''مگر یہ ہوا کیسے..... وہ کون تھا.....؟'' دوسرے نے ہنسی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

''کوئی پولیس آفیسر تھا۔ جنرل قادری سے کسی مسئلے پر گفتگو کرنے آیا تھا۔ بات بڑھ گئی ہوگی۔ جنرل صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں دانت نکالے ہوں گے اور اس نے جھلا کر ہاتھ رسید کر دیا ہوگا۔''

''لیکن وہ گیا کہاں.....؟''

''پتہ نہیں..... چھلاوا تھا گویا..... سنا ہے ایک آدمی اور تھا اُس کے ساتھ..... دونوں ہی نکل گئے۔''

''یہاں سے نکل کر کہاں جائیں گے۔ گیٹ پر چیکنگ کے دوران میں پکڑے جائیں گے۔''

''دیکھو..... کیا ہوتا ہے؟''

''ان کی گفتگو سن کر حمید کا دم نکل گیا۔ یہاں سے نکل بھاگنا واقعی آسان کام نہیں تھا۔ ان دفاتر کی حدود میں ان کا داخلہ ایک مخصوص اجازت نامہ کے تحت ہوا تھا۔ واپسی کیلئے بھی وہی اجازت نامہ گیٹ پر دوبارہ دکھانا پڑتا اور وہ اجازت نامہ فریدی ہی کے پاس تھا۔

حمید نے ختم ہوتے ہوئے سگریٹ سے دوسرا سگریٹ سلگایا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کینٹین ہی میں بیٹھا رہے یا باہر نکل کر فریدی کو تلاش کرنے کی کوشش کرے۔

اس نے کنکھیوں سے ان دونوں آفیسروں کی طرف دیکھا۔ اب وہ خاموشی سے کافی پی رہے تھے۔

اتنے میں ملٹری پولیس کے دو جوان کینٹین میں داخل ہوئے اور حمید نے فوری طور پر یہ فیصلہ کر لیا کہ اسے چھپنے کی کوشش نہ کرنی چاہئے۔ لہٰذا اس کے دونوں ہاتھ چہرے کے قریب آئے۔ ایک بلند آہنگ چھینک ہال میں گونجی اور نتھنوں کے اسپرنگ ہاتھوں سے گزرتے ہوئے جیب میں منتقل ہو گئے۔

چھینک ایسی زوردار تھی کہ دوسروں کو اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا تھا۔

ملٹری پولیس کے نوجوان اس کی طرف بڑھے اور یہ تو ہونا ہی تھا..... کیونکہ وہاں اسی کے جسم پر وردی نہیں تھی۔

''آپ کون ہیں جناب؟'' ایک نے اس سے پوچھا۔

حمید نے جیب سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر اس کے حوالے کر دیا۔

''اوہ.....!'' اُس نے کارڈ پر نظر ڈال کر اپنے ساتھی سے کہا۔ ''کام بن گیا۔'' اور اسے بولا۔ ''اٹھئے جناب۔''

''کیوں.....؟'' حمید نے متحیرانہ لہجے میں سوال کیا۔

''گارڈ روم میں آپ کی طلبی ہوئی ہے۔''

''آخر کیوں؟''

''اٹھئے۔'' دوسرے نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''وہیں معلوم ہو جائے گا۔''

''مجھے کافی کا بل ادا کرنا ہے۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا اور پروقار انداز میں چلتا ہوا کاؤنٹر پر گیا۔

کاؤنٹر کلرک اسے حیرت سے دیکھے جا رہا تھا۔ حمید نے پرس سے ایک نوٹ نکال کر کاؤنٹر پر رکھ دیا۔

''آپ تو..... آپ..... جناب..... یعنی کہ.....!'' وہ ہکلایا۔

''کیپ دی چینج.....!'' حمید نے خالص امریکی لہجے میں کہا اور دروازے کی طرف چل دیا۔

وہ ان دونوں کے درمیان چل رہا تھا۔ گارڈ روم میں کرنل عشقی ہی کا سامنا ہوا۔

''اوہو..... آپ ہاتھ آ گئے..... جناب۔'' اس نے زہریلے لہجے میں کہا۔

''لیکن میں اس کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔'' حمید کا لہجہ بھی اچھا نہیں تھا۔

''کرنل فریدی کہاں ہے؟''

''کیا ہم نے انہیں جنرل قادری کے روم میں نہیں چھوڑا تھا۔''

''بہت پہلے کی بات ہے۔''

''اس کے بعد میں آپ کے ساتھ رہا تھا۔''

''یہ کہاں تھا.....؟'' کرنل عشقی نے ان دونوں سے پوچھا۔

''کینٹین میں جناب۔'' ایک نے جواب دیا۔

''میرے اٹھنے کے بعد تم کہاں تھے؟'' کرنل نے حمید کو مخاطب کیا۔

''باتھ روم.....!''

''اوہ.....بیٹھ جاؤ۔'' کرنل عشقی نے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کیا اور

کے اشارے سے ان دونوں کو ''ڈس مس'' کر کے پھر حمید کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''آپ چاہے مجھے گولی ماردیں میں اپنی بات پر اڑا رہوں گا۔ وہ علامتی ش

نہیں ہو سکتی۔'' حمید نے چڑچڑے پن کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔

''جہنم میں گئی شاعری.....تم ہماری حراست میں ہو۔''

''چاہے پھانسی ہو جائے لیکن وہ علامتی شاعری ہرگز نہیں تھی۔''

''میں کہتا ہوں خاموش رہو۔''

''بہت بہتر۔'' حمید نے کہا اور جیب سے پائپ نکال کر بھرنا ہی چاہتا تھا

نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔ ''تم یہاں تمباکو نوشی نہیں کر سکتے۔''

''آخر میری خطا بھی تو معلوم ہو جناب۔''

''تمہارا چیف.....!''

''کیا ہوا میرے چیف کو.....؟''

''وہ جنرل قادری کو زخمی کر کے غائب ہو گیا۔''

''نہیں.....!'' حمید بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔ ویسے اس کی یہ حرکت قطعی طور

تھی کیونکہ اسے تو کینٹین ہی میں اس واقعے کا علم ہو چکا تھا۔

''بیٹھ جاؤ..... ہر چند کہ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں لیکن جب تک کرنل فریدی ہاتھ نہ آ جائے تمہاری گلو خلاصی نہیں ہو سکتی۔''

''اور اس عرصے میں مجھے کیا کرنا ہوگا.....؟''

''ہاں.....آں.....اچھا سوال ہے۔'' کرنل عشقی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا اور پھر چونک کر بولا۔ ''کیوں؟ کیا تم میری غزلیں نہیں سنو گے۔''

''جہاں تمباکو نوشی ممنوع ہو.....وہاں غزلوں کا کیا کام.....بس سیدھا سادھا کلمہ پڑھوا دیجئے مجھے اور پرانا للہ انا الیہ راجعون!''

''بزدلوں کی سی باتیں نہ کرو جوان.....چلو سنو.....سودا کے رنگ میں کہی تھی۔''

''آپ براہِ کرم پہلے یہ بتائیے کہ جنرل صاحب کیسے زخمی ہوئے۔''

''جنرل قادری کبھی تفصیل سے گفتگو نہیں کرتے۔ انہوں نے اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا ہے اور کسی زخمی شیر کی طرح دہاڑ رہے ہیں جب تک کرنل فریدی ہاتھ نہیں آتا.....وہ کمرے کا دروازہ نہیں کھولیں گے.....انہوں نے دھمکی دی ہے۔''

''یہاں سے نکل جانا آسان تو نہیں۔''

''یہی وجہ ہے کہ میں تمہیں اس عرصے میں اپنی چند تازہ غزلیں سنا دینا چاہتا ہوں۔''

''سنائیے صاحب۔'' حمید مردہ سی آواز میں بولا۔ ''لیکن یہ ظلم ہے کہ غزلیں تو ہو جائیں گی اور میں تمباکو نوشی نہیں کر سکوں گا۔''

''اٹھو!'' دفعتاً کرنل عشقی اٹھتا ہوا بولا۔ ''میں کہیں اور چل کر تمہیں غزلیں سناؤں گا۔''

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ چکر کیا ہے۔ کرنل عشقی اتنا احمق تو نہیں ہو سکتا۔

وہ بھی اٹھ گیا اور دونوں باہر آئے۔ اس بار پھر ان کا رخ کینٹین ہی کی طرف تھا۔

کینٹین پہنچ کر حمید نے بے بسی سے کہا۔ ''آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟''

''میاں ہوش میں آؤ! کتنی بار کہوں کہ تمہیں میری تازہ غزلیں سننی پڑیں گی۔ عرصہ دراز کے بعد ایک ایسا آدمی ملا ہے جو میری غزلوں کو سن کر سمجھ بھی سکے گا.....علامتی شاعروں والی بات تو محض امتحان تھا اور تم اس امتحان میں پاس ہو گئے۔''

''کتنے نمبر دیئے۔'' حمید نے خوش ہو کر پوچھا۔

''سٹ پرسنٹ.....چلو بیٹھ جاؤ.....مطلع عرض ہے۔''

اس کے بعد غزل چل پڑی۔

پڑھنے کا انداز ایسا ہی تھا جیسے کوئی کم ظرف آدمی اپنی کھال سے باہر ہوکر اپنے کسی کارنامے کا ذکر کررہا ہو۔

حمید زندگی سے بیزار ہوجانے کی حد تک بور ہوتا اور سنتا رہا۔ پہلی غزل.....دوسری غزل.....تیسری غزل اور چوتھی غزل شروع ہونے سے پہلے ہی وہ ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوگیا۔

''اب گولی مار دینے کا حکم دے دیجئے نا.....سسکا کیوں رہے ہیں۔'' اس نے گڑگڑا کر کہا۔

''کیا مطلب.....؟ یہ کیا.....؟ بیٹھ جاؤ۔''

''میں عہد کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی کسی ادبی بحث میں نہ پڑوں گا۔''

''کیپٹن حمید بیٹھ جاؤ.....یہ میرا حکم ہے۔''

اتنے میں ایک لیفٹیننٹ نے میز کے قریب آکر کرنل کو سلیوٹ کیا۔

''کیا بات ہے؟'' کرنل نے ناخوشگوار لہجے میں پوچھا۔

''جناب.....وہ ایک لوڈنگ ٹرک میں بیٹھ کر فرار ہوگیا۔''

''کیا.....مطلب.....کیا ثبوت ہے؟'' کرنل عشقی کرسی سے اٹھتا ہوا بولا۔

''جناب.....ٹرک ڈرائیور لیٹرین میں بے ہوش پایا گیا ہے.....بالکل برہنہ۔ کسی نے اس کے جسم پر ایک تار بھی نہیں چھوڑا.....اور جناب اس کا ٹرک بھی غائب ہے۔''

کرنل عشقی حمید کو اسی لیفٹیننٹ کی نگرانی میں دے کر بوکھلائے ہوئے انداز میں کینٹین سے باہر چلا گیا۔ اس طرح برحمتِ پروردگار چوتھی غزل کا خطرہ ٹل گیا تھا۔

پھر تقریباً آدھے گھنٹے تک وہ اسی جگہ کھڑا رہا تھا اور حمید خود کو قیدی محسوس کرتا رہا تھا۔

خدا خدا کر کے کرنل عشقی کی واپسی ہوئی اور اس نے لیفٹیننٹ کو چھٹی دی۔ اس کے چلے جانے کے بعد حمید سے بولا۔ ''اب تم لوگ ہم سے کسی قسم کی نرمی کی توقع نہ رکھو۔''

''کیا میرا چیف سچ مچ نکل گیا۔'' حمید نے پرتفکر لہجے میں پوچھا۔

''ہاں نکل گیا اور یقین کرو کہ اُس کی زندگی خطرے میں پڑ گئی ہے۔ ملٹری انٹیلی جنس

کے جس آدمی کے بھی ہتھے چڑھ گیا وہ اسے گولی مار دے گا۔ جنرل کا آرڈر کچھ اسی قسم کا ہے۔''

''یہ تو بہت بُرا ہوا.....!''

''بُرے سے بھی بُرا کیپٹن حمید۔''

''اچھا اگر وہ آسانی سے ہاتھ آجائیں تو.....میرا مطلب یہ ہے کہ پھر تو ان کی زندگی خطرے میں نہیں ہوگی۔''

''میرا خیال ہے کہ اس صورت میں نرمی برتی جائے گی۔''

''اچھی بات ہے.....میں کوشش کروں گا۔''

''کس بات کی کوشش.....؟''

''یہی کہ وہ آسانی سے ہاتھ آجائیں۔''

''ہوں.....!'' کرنل عشقی کچھ سوچنے لگا۔

''لیکن شرط یہ ہے کہ مجھے یہاں سے تنہا جانے دیجئے۔ میں رات کے اندھیرے میں آپ کو وہاں لے چلوں گا جہاں انہوں نے پناہ لی ہوگی۔''

''مجھے بتاؤ کہاں پناہ لی ہوگی۔''

''اب اس بحث میں نہ پڑیئے.....میرے بغیر آپ اُن پر ہاتھ نہ ڈال سکیں گے۔''

''تو تم بھی ساتھ چلو.....ہم رات کا انتظار نہیں کرسکتے۔''

''آپ اور آپ کے ساتھی سادہ لباس میں ہوں گے۔''

''یہ ممکن ہے۔''

''تو پھر دیر نہ کیجئے۔''

بڑی پھرتی سے روانگی کی تیاری ہوئی تھی۔ حمید ہی کی تجویز کے مطابق ملٹری کی جیپوں کے استعمال سے اجتناب کیا گیا تھا۔ ان کی بجائے تین کاریں مہیا کی گئی تھیں اور حمید ہی اس قافلے کو اپنی سرکردگی میں لے نکلا تھا۔

وہ کرنل عشقی کی کار میں اس کے برابر بیٹھا تھا اور یہ کار کرنل عشقی خود ڈرائیو کررہا تھا۔

اس کار میں صرف وہی دونوں تھے۔

''کرنل فریدی کو اس قسم کی کوئی حرکت نہ کرنی چاہئے تھی۔'' عشقی بولا۔

''آنریری کرنلوں سے تو شاعری بھی نہیں ہوسکتی۔ ہمیشہ غیر کرنلانہ حرکتیں کرتے رہے۔''

''شعر سنو.....!''عشقی نے ہانک لگائی۔

''اس سے زیادہ مناسب یہ ہوگا کہ میں جہاں کہوں وہاں آپ گاڑی روک دیں۔''

''کیوں.....؟''

''دو تین جگہ فون کر کے معلوم کرنے کی کوشش کروں گا کہ وہ حضرت کہاں ہیں۔''

''حمید اُسی سڑک کے ایک ایسے ڈرگ اسٹور سے واقف تھا جہاں ایک طرف داخل ہوکر دوسری طرف کی سڑک پر نکل جانے کے امکانات ہوسکتے تھے۔ لیکن یہ ضروری تھا کہ کرنل عشقی اُسے ڈرگ اسٹور میں تنہا جانے دیتا۔''

''کیا آپ مجھے اس کی اجازت دیں گے۔'' حمید نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

''یقیناً..... یقیناً.....!''

''اچھا تو پھر اگلے چوراہے سے گذر کر گاڑی روک دیجئے گا۔'' حمید نے کہا۔ ''میں رہا تھا کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے۔ اگر کرنل عشقی خود بھی ساتھ ہی اُترا تو پھر کہیں اور دینے کی کوشش کی جائے گی۔ وہ بہرحال اُن کے چکر سے نکل جانا چاہتا تھا۔

اگلے چوراہے پر کرنل عشقی نے گاڑی روک دی اور حمید کے ساتھ خود بھی اُتر آیا۔ داہنی جانب والا دروازہ کھول کر اُترا تھا اور حمید بائیں جانب والے دروازے سے ڈرگ اسٹور کی طرف بڑھ گیا تھا۔ اس نے مڑ کر دیکھا ہی نہیں کہ کرنل عشقی بھی آرہا ہے نہیں۔ بس وہ اسٹور میں گھستا چلا گیا۔

کاؤنٹر پر پہنچ کر اس نے مڑ کر دیکھا۔ عشقی ابھی تک اسٹور کے دروازے تک بھی پہنچ سکا تھا۔

اس کی پشت اسٹور کی طرف تھی اور دو فقیر اس سے شائد زیادہ سے زیادہ خیرات کر لینے پر اڑ گئے تھے۔

حمید نے سیلز مین سے ایک ایسی دوا طلب کی جو ان دنوں عنقا ہو رہی تھی اس میں جواب دیا اور حمید نے بڑی تیزی سے دوسری طرف کے دروازے سے نکل جانا چاہا۔

''ٹھہرو.....!'' پشت سے کسی نے للکارا۔

یہ ناممکن تھا کہ عشقی اتنی جلدی وہاں پہنچا ہو۔ پھر بھی حمید نے مڑ کر دیکھا نہیں۔ ایک ہی جست میں وہ فٹ پاتھ پر تھا۔

اس لائین میں دائیں جانب ایک ہیئر کٹنگ سیلون تھا۔ وہ اس میں داخل ہوا اور باربر سے حمام کے لئے کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

حمام اتفاق سے خالی ہی تھا۔ اس نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوگیا۔

اتنا اندازہ تو تھا ہی کہ للکارنے والا اُسے سیلون میں داخل ہوتے نہ دیکھ سکا ہوگا۔ کیونکہ للکار قریب کی نہیں تھی۔

غالباً عشقی کا کوئی آدمی بھی پچھلی گاڑیوں میں سے کسی سے اُترا تھا اور دوسری طرف فٹ پاتھ ہی پر رک کر اس کی نگرانی کرتا رہا تھا۔

یہاں حمام میں وہ بڑے سکون کے ساتھ نہاتا رہا اور اس کے بعد اُسے پتلون اٹلنے کا موقع بھی مل گیا۔

اب وہ بالکل ہی دوسرے رنگ کے سوٹ میں تھا..... ناک کے نتھنوں میں پھر سے رنگ فٹ کئے گئے تھے۔ اس طرح اس نے حمام میں تقریباً بیس منٹ گزارے تھے اور کسی کی دخل اندازی نہیں ہوئی تھی۔

وہ نہایت اطمینان سے باہر نکلا اور باربر کو پیسے دینے کے بعد فٹ پاتھ پر بھی اُتر آیا۔

لاش کی حرکت

فرٹیلا بلڈنگ کے ایک بڑے کمرے میں ایک لاش پڑی ہوئی تھی اور ایک سفید فام عورت اس کے قریب کھڑا بار بار کلائی کی گھڑی دیکھے جا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ اس کے قریب دوزانوں بیٹھ کر اس کی نبض دیکھنے لگا۔ پھر سینے سے کان لگا کر تھوڑی دیر ایسی پوزیشن میں رہا جیسے کسی بھولی بھٹکی دھڑکن کا انتظار ہو۔

اس دوران میں رسٹ واچ پر بھی نظر رہی تھی۔

کچھ لمحے سینے سے کان لگائے رکھنے کے **بعد وہ** لاش کے پاس سے ہٹ کر ا
پر جا بیٹھا۔ نظر اب بھی لاش ہی کی طرف تھی۔

اچانک لاش میں جنبش ہوئی اور وہ کرسی سے اٹھ گیا۔

لیکن جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کی۔

لاش کی حرکت بدستور جاری رہی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُس میں ایک نئی
تھرتھری پڑ گئی ہو۔

یہ کیفیت تین منٹ تک رہی۔ وہ گھڑی ہی پر نظر جمائے رہا تھا۔

لاش پھر پہلے ہی کی طرح ساکت ہوگئی۔ پھر اس نے اسے اٹھتے دیکھا۔

''صبح بخیر کہوں یا شام بخیر.....؟'' لاش نے اس سے پوچھا۔

''رات کے آٹھ بجے ہیں۔'' سفید فام آدمی نے کہا۔

دوسرا آدمی جو ذرا دیر پہلے لاش کی طرح فرش پر پڑا ہوا تھا نسلاً نیگرو معلوم ہو
قوی الجثہ اور قد آور نیگرو.....!

''اُوہو.....! تو یہ کھانے کا وقت ہے۔''

''یقیناً اور تم اس وقت پسندیدہ ڈشیں میز پر پاؤ گے۔''

''چار ہزار سال سے بھوکا ہوں۔''

''تم مطمئن رہو..... سیر ہو کر کھا سکو گے۔''

''تو پھر اچھے آدمی مجھے جلد سے جلد میز تک لے چلو۔'' نیگرو نے ایک
بڑھتے ہوئے کہا۔

سفید فام بائیں جانب والے دروازے کی طرف مڑا تھا اور اسکے قریب پہنچ کر رک

''چلو.....!'' اس نے دروازے کی طرف ہاتھ اٹھائے۔

نیگرو پہلے اس دروازے میں داخل ہوا..... سفید فام اس کے پیچھے چل رہا
وہ دوسرے کمرے میں آئے..... یہاں ایک بڑی سی میز پر کھانا چنا ہوا تھ
بہت زیادہ بھوکے آدمی کی طرح میز کی طرف لپکا تھا۔

سفید فام آدمی نے بھی ایک کرسی سنبھالنی چاہی لیکن نیگرو ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''تم نہیں..... پہلے میں کھالوں۔''

''کیا فرق پڑتا ہے۔'' سفید فام نے کہا۔ ''بہت تھوڑا سا کھاتا ہوں۔''

''نہیں..... قطعی نہیں..... چلے جاؤ..... ہٹ جاؤ..... مجھے ایسا لگتا ہے جیسے چار ہزار سال سے بھوکا ہوں۔''

سفید فام آدمی وہ کرسی میز سے بہت دور ہٹا لے گیا اور اُس پر بیٹھتا ہوا بولا.....

''اچھی بات ہے..... جیسی تمہاری مرضی۔''

نیگرو نے بڑی تیزی سے کھانا شروع کیا اور تین چار منٹ کے اندر ہی اندر پوری میز کا صفایا کر دیا..... ساری ہی پلیٹیں خالی ہو چکی تھیں..... سفید فام آدمی اُسے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے اب کھانے کے بعد شائد اسی کی باری آ جائے۔

''اور..... اور کیا ہے؟'' نیگرو نے بھاری بھرکم آواز میں پوچھا۔

''اور کافی..... جو کچھ دیر بعد پیش کی جائے گی۔'' سفید فام آدمی آہستہ سے بولا۔

''لیکن یہاں نہیں۔''

''تو پھر اب کہاں چلنا پڑے گا؟''

''تمباکو نوشی کے کمرے میں!''

''چلو.....!'' وہ اٹھتا ہوا دہاڑا۔ ''لیکن اے میرے ہمدرد میں تمہیں نہیں پہچان سکا۔''

''ہمدردی کے لئے جان پہچان ضروری نہیں۔'' سفید فام آدمی مسکرایا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' نیگرو نے پوچھا۔

''پیٹر مچکوٹ.....!''

''میں مائیکل ہوں.....!'' نیگرو نے اپنا بھاری بھرکم ہاتھ مصافحے کے لئے آگے بڑھایا۔ سفید فام پیٹر مچکوف کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں کسی ننھے سے بچے کا ہاتھ لگ رہا تھا۔

پھر وہ دونوں اس کمرے سے تیسرے کمرے میں پہنچے۔ یہاں کئی آدمی ایک بڑی میز کے گرد بیٹھے کافی پی رہے تھے۔ یہ سب بھی سفید فام ہی تھے۔

میز کے قریب کوئی کرسی خالی نہیں تھی۔ نیگرو نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں لیکن

یہاں ان کرسیوں کے علاوہ اور کوئی تھی ہی نہیں۔

پیٹر مچکوٹ آہستہ سے بولا۔ ''موسیو مائیکل..... یہاں تمہیں زبردستی کرسی حاصل کرنی ہوگی۔ یہ لوگ بدتمیز معلوم ہوتے ہیں۔ خود سے کرسی پیش نہیں کریں گے۔''

''کیا میں ان مسخوں کو اٹھا اٹھا کر باہر پھینک آؤں۔''

''نہیں..... اس کی ضرورت نہیں۔ صرف اپنے لئے ایک کرسی حاصل کرو۔''

''اچھی بات ہے۔'' مائیکل کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے اونچی آواز میں کہا۔ ''شریف آدمیو! بہتر یہ ہے کہ ایک کرسی میرے لئے خالی کردی جائے۔''

انہوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

کمرے کی فضا پر عجیب سی خاموشی مسلط ہوگئی۔ وہ اسے دیکھے جارہے تھے۔ لیکن کسی نے بھی اس کے لئے کرسی خالی نہیں کی۔

''دوسری بار کچھ کہنے کا عادی نہیں ہوں۔'' مائیکل نے کہا اور جھومتا ہوا ان کی طرف بڑھنے لگا۔

وہ سب اپنی جگہوں پر جمے رہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے انہوں نے اس کی بات سنی ہی نہ ہو۔ دفعتاً مائیکل جھکا اور ایک آدمی کی کمر تھام کر اُسے اپنے سر سے اونچا اٹھائے ہوئے پھر اسی جگہ پلٹ آیا یہاں پہلے کھڑا تھا۔

اُسے بہ آہستگی ایک طرف کھڑا کر کے پھر میز کی طرف پلٹ آیا۔ لیکن اس بار ان سبھوں نے بہ یک وقت اس پر چھلانگ لگائی۔

پھر تو ایسا معلوم ہونے لگا جیسے بھونچال آ گیا ہو۔

پیٹر مچکوف پہلے ہی کمرے سے نکل بھاگا تھا۔

مائیکل کسی بپھرے ہوئے شیر کی طرف دہاڑتا ہوا ان لوگوں کو اٹھا اٹھا کر پٹخ رہا تھا۔

پھر ان میں سے ایک نے اس پر چاقو سے وار کیا۔ خون کا فوارہ اس کے بازو سے پھوٹ نکلا۔

لیکن جس نے چاقو سے وار کیا تھا اس کی گردن بھی دوسرے ہی لمحے میں ٹوٹ گئی۔ ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھ سکا۔ وہ پھر اُس سے لپٹ پڑے..... اُس کے خون کی چھینٹیں اُن کے

چہروں پر پڑ رہی تھیں اور وہ چیخ رہے تھے۔ پھر ذرا ہی سی دیر میں تنہا مائیکل کھڑا رہ گیا۔ وہ سب ڈھیر ہو گئے تھے۔ بے حس و حرکت۔

دفعتاً مائیکل زور سے دہاڑا۔ ''تم کہاں چلے گئے..... پیٹر مچکوف۔'' اور وہ بھی اسی طرح آوازیں دیتا ہوا اس کمرے سے چلا گیا۔

دروازہ خود بخود بند ہو گیا تھا۔

کچھ دیر بعد بائیں جانب والا دروازہ کھلا اور پیٹر مچکوف ایک عورت کے ساتھ اندر داخل ہوا۔

''یہ دیکھئے مادام.....!'' اس نے بڑے مؤدبانہ انداز میں عورت سے کہا۔

''کیا ثبوت ہے کہ یہ سب اُسی کی وجہ سے مرے ہوں گے..... اوہ..... وہ دیکھو مادام اس کی گردن ٹوٹی ہے۔''

''صرف ایک مادام..... وہ جس نے چاقو سے اس پر حملہ کیا تھا۔ صرف وہی آدمی اس قوت کا شکار ہوا تھا۔ بقیہ لوگ اسی طرح مرے ہیں۔''

عورت جھک کر ان لاشوں کو دیکھنے لگی۔ اُن کے جسموں کو ٹٹولتی بھی جارہی تھی۔

کچھ دیر بعد سیدھی ہو کر بولی۔ ''تو تمہارا تجربہ کامیاب رہا۔''

''ہاں..... مادام..... میں تو یہی سمجھتا ہوں۔''

''وہ کہاں گیا.....؟''

''اس کے زخم کی مرہم پٹی کی جارہی ہوگی۔''

''کیا خود اسے اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا.....؟''

''نہیں مادام..... آپ دیکھ ہی لیں گی..... اور صبح تک اس کا وہ زخم بھی حیرت انگیز طور پر بھر جائے گا۔''

وہ دونوں چھ لاشیں اس کمرے میں چھوڑ کر راہداری میں نکل آئے۔ عورت پروقار انداز میں چل رہی تھی اور پیٹر مچکوف اس کا ایک ادنیٰ غلام معلوم ہوتا تھا۔

وہ پھر اسی کمرے میں آئے جہاں نیگرو مائیکل کچھ دیر پہلے ایک بے جان لاش کی طرح سے پڑا رہا تھا۔

یہاں اس کمرے میں صرف ایک ہی کرسی تھی..... عورت اُس پر بیٹھتی ہوئی بولی۔

''آج کی رپورٹ.....؟''

''آج ایک حیرت انگیز واقعہ پیش آیا مادام.....!''

''بیان کرو.....!'' وہ خشک لہجے میں بولی۔ ''کہانیوں کا سا انداز نہ اختیار کیا کرو۔

''بہت بہتر مادام..... آج کرنل فریدی اور اس کے اسسٹنٹ کو ملٹری ہیڈ کوارٹر طلب کیا گیا تھا۔''

''پھر تم رکے..... جلد کہو۔'' عورت تیز لہجے میں بولی۔

''جنرل قادری کے روم میں کسی قسم کا ہنگامہ ہوا اور تھوڑی دیر بعد کرنل فریدی کی شروع ہوگئی..... اطلاع ملی ہے کہ وہ کسی لوڈنگ ٹرک کے ڈرائیور کو بے ہوش کر کے بھیس میں صاف نکل گیا.....!''

''ہوں.....!'' عورت کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔

وہ طویل سانس لے کر کہتا رہا۔ ''اس کے بعد کچھ آفیسر اس کے اسسٹنٹ کو کر اس کی تلاش میں نکلے۔ ایک جگہ وہ بھی انہیں ڈاج دے کر نکل گیا۔ پھر ایک گھنٹے اندر ملٹری والوں نے وہ سارا علاقہ الٹ پلٹ کر رکھ دیا جہاں اسکا اسسٹنٹ غائب ہوا تھا

''جنرل قادری کے روم میں کیا ہوا تھا.....؟'' عورت نے پوچھا۔

''یہ تو ابھی نہیں معلوم ہوسکا۔''

''رپورٹ نامکمل ہے پیٹر.....!'' وہ تیز لہجے میں بولی۔

''بہت جلد معلوم ہوجائے گا مادام..... ہمارے ایجنٹ کی رسائی جنرل قادری تک نہیں ہوسکی۔''

''خود جنرل قادری کو ہمارا ایجنٹ ہونا چاہئے تھا۔ تم لوگ کام نہیں کر رہے ہو۔''

''مادام..... یہ ملک میری سمجھ سے باہر ہے۔ لوگوں کی اقتصادی نہیں..... وہ آپس میں ایک دوسرے کو کاٹتے بھنبھوڑتے رہتے ہیں لیکن کسی دوسرے آلہ کار بننے پر تیار نہیں۔''

''بکواس ہے..... تم نے کوشش ہی نہیں کی۔''

''اس کے علاوہ فی الحال ہمارا اور کام ہی کیا ہے.....؟ دن رات اسی تگ و دو میں رہتے ہیں کہ کسی طرح کچھ مقامی آدمیوں کا تعاون بھی حاصل کریں لیکن بس وہ صرف معمولی قسم کے غیر قانونی کاموں کی حد تک ہوتا ہے..... مادام میں ایک بار پھر عرض کروں گا کہ آپ کے غلاموں میں ولیجاہ بہت کام کا آدمی تھا.....!''

''اُسے بھول جاؤ..... وہ اپنی افادیت کھو چکا ہے۔ اب وہ یہاں کے سرکاری حلقوں پر اثر انداز نہیں ہوسکتا۔''

''پھر بھی مادام.....!''

''نہیں..... بس.....!'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''میں اس کے بارے میں کچھ نہیں سننا چاہتی..... اب نہ مجھے اس کی زندگی سے دلچسپی ہے اور نہ موت سے.....!''

''مادام..... مالک ہیں۔'' پیٹر مچکوف نے ٹھنڈی سانس لی۔

''تم اب صرف یہ معلوم کرنے کی کوشش کرو گے کہ جنرل قادری کے روم میں کیا ہوا تھا؟''

''بہت بہتر مادام.....!''

''بس جاؤ..... لیکن ٹھہرو..... موٹے آدمی کے بارے میں کیا رپورٹ ہے؟''

پیٹر مچکوف نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ''دن بھر آوارہ گردی کرتا ہے اور شام کو آرلیجو میں جا بیٹھتا ہے۔ وہ اس وقت وہیں ہوگا.....! کئی دنوں سے معمول میں فرق نہیں آیا۔''

عورت نے سر کی جنبش سے اُسے چلے جانے کو کہا۔ اسکے بعد بھی وہ وہیں بیٹھی رہی۔ کسی گہری سوچ میں تھی..... کچھ دیر بعد اٹھی اور کمرے سے نکل کر طویل راہداری سے گزرتی ہوئی عمارت سے باہر آ گئی۔ کمپاؤنڈ میں ایک چھوٹی سی کار کھڑی تھی۔

پھر اس کار میں بیٹھ کر وہ قریب ہی کی ایک دوسری عمارت میں پہنچی۔ یہاں اُس نے اپنا لباس تبدیل کیا..... اسکرٹ اور بلاؤز کی بجائے ساڑھی میں نظر آئی۔ ساڑھی میں اس کی دلکشی میں مزید اضافہ ہوگیا تھا۔

پھر قد آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہوکر اس نے اپنی آنکھوں پر کسی قسم کا لوشن لگالیا تھا اور چھوٹے سے میک اپ ٹیبل فین کی ہوا اپنے چہرے پر لیتی رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کی پلکیں کسی قدر متورم ہوگئیں۔ اس طرح اس کی آنکھوں کی بناوٹ میں نمایاں تبدیلی

ہوئی تھی اور یہ تبدیلی بڑی دلکش تھی۔ چہرہ پہلے سے زیادہ حسین ہوگیا تھا اور آنکھوں میں ایک وزنی سے نشیلے پن کی جھلکیاں پائی جانے لگی تھیں۔اس کے بعد وہ پھر باہر نکلی تھی اور اس کی چھوٹی سی کار شہر کے سب سے بارونق علاقے کی طرف روانہ ہوگئی تھی۔

آرلکچو پہنچنے تک اس نے تیز رفتاری کے کمالات دکھائے تھے۔ ڈرائیونگ میں اس کی مشاقی یقیناً قابل داد تھی۔گاڑی آرلکچو کی کمپاؤنڈ میں چھوڑ کر وہ ڈائینگ ہال میں آئی..... زیادہ تر میزیں گھری ہوئی تھیں۔

وہ کاؤنٹر کے قریب رک کر چاروں طرف نظریں دوڑانے لگی اور بالآخر وہ دکھائی دے گیا۔جس کے لئے یہاں آئی تھی۔لیکن اس کے قریب کوئی میز خالی نہیں تھی۔

وہ بڑے انہماک سے گوشت کا ایک بہت بڑا ٹکڑا دونوں ہاتھوں سے تھامے دانتوں میں نوچ نوچ کر کھائے جارہا تھا۔

وہ دیوقامت آدمی اس انداز سے کھاتا ہوا سچ مچ دیو ہی لگ رہا تھا۔

اس نے چند لمحے اسی جگہ کھڑے گزارے اور پھر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کی میز کے قریب آئی۔

دیوقامت اس وقت گوشت نوچ رہا تھا.....اس پر نظر پڑتے ہی اسی حالت میں۔ حس وحرکت ہوگیا۔یعنی ہاتھ بدستور اٹھے رہے اور دانتوں کے نیچے گوشت دبا رہ گیا۔صرف پلکیں جھپک رہی تھیں۔

''کاش اس وقت میرے پاس کیمرہ ہوتا.....!'' عورت نے بڑی مترنم آواز میں آہستہ سے کہا اور دیوقامت آدمی کے ہاتھ سے گوشت کا ٹکڑا چھوٹ پڑا.....!

''ارے باپ.....!'' بے اختیار اس کی زبان سے نکلا تھا اور وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں کھڑا ہوگیا تھا۔

اس کے دونوں ہاتھ مسالے سے سنے ہوئے تھے۔

''او.....ہو.....بیٹھئے.....آپ کے کپڑے خراب ہوگئے.....ارے ارے کیا.....اب کیا آپ یہ دونوں سنے ہوئے ہاتھ اپنے منہ پر پھیر لیں گے۔ٹھہریئے نیپکن لیجئے.....ہاتھ صاف کرلیجئے۔''

''جج.....جی.....غاں.....!'' وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا اور اس کے ہاتھ سے پیپر نیپکنلے کر اپنے ہاتھ صاف کرنے لگا۔

عورت نے اتنی دیر میں اپنے وینٹی بیگ سے رومال نکال لیا تھا۔اُسے اس کی طرف بڑھاتی ہوئی بولی۔''اب اس سے اپنے کپڑے صاف کیجئے!''

''جج.....جی.....نن.....نہیں.....یہ خراب ہوجائے غا.....کتنا اچھا ہے۔'' وہ ہکلایا۔

''آپ اسکی پرواہ نہ کیجئے.....!'' عورت نے کہتے ہوئے زبردستی رومال اُسے تھمادیا۔

اس پر تو گرانڈیل پر گویا بدحواسی کا دورہ پڑ گیا تھا۔ بڑی مشکل سے وہ اپنے سوٹ پر لگے ہوئے دھبوں کو خشک کرسکا۔

''اب کیا مجھ سے بیٹھنے کو بھی نہ کہو گے۔'' وہ اٹھلائی۔

''جرور.....جرور.....سر آنخوں پر.....!''

وہ کھنکتی ہوئی سی ہنسی کے ساتھ بیٹھ گئی اور وہ بھی بیٹھ ہی گیا تھا لیکن اطمینان سے بیٹھا ہوا نہیں لگتا تھا۔بس معلوم ہوتا تھا جیسے مقابل کی زبان سے کچھ نکلتے ہی اٹھ کر بھاگ نکلے گا۔

''تم سوچ رہے ہوگے کہ شائد یہ کوئی فلرٹ ہے۔'' عورت نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''ارے نہیں.....لاحول بلاقوت.....توبہ توبہ.....!'' وہ اپنا منہ پیٹنے لگا۔

''میں قمی ہوں.....قمر سلطانہ.....بے تکلف احباب قمی کہتے ہیں اور تم.....؟''

''ہی ہی ہی.....یہ تو بڑی اچھی بات ہے قاف سے قمی اور قاف سے قاسم.....واہ!''

''تو تمہارا نام قاسم ہے۔''

''بالقل.....بالقل.....!''

''تم سوچ رہے ہوگے کہ میں نے خواہ مخواہ چھیڑ کر جان پہچان کیوں پیدا کرنی چاہی۔''

''نہیں تو بالقل نہیں.....اللہ قسم.....!''

''تب تو تم بڑے عجیب آدمی ہو۔''

''بس میں ایسا ہی ہوں.....!'' قاسم نے لاپرواہی ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

''میں آرٹسٹ ہوں..... تصویریں بناتی ہوں..... تمہیں دیکھ کر ایک بڑا خوبصورت آئیڈیا ذہن میں اُبھرا ہے۔''

''مجھے دیکھ کر.....!'' قاسم نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں تمہیں دیکھ کر..... تم بڑے معصوم ہو.....!''

اور قاسم معصومیت ظاہر کرنے کی کوشش میں اور زیادہ چغد نظر آنے لگا۔

''میں بچپن ہی سے تم ہی جیسے ایک مرد کے خواب دیکھتی آ رہی ہوں۔''

''کیا دیکھا خواب میں.....!'' قاسم کی باچھیں کھل گئیں۔

''بس ایک عام سا خواب کہ میں ایک ایسے ہی آدمی کو کبھی نہ کبھی ضرور چاہوں گی جیسے تم ہو۔''

''مگر..... مگر.....!'' قاسم ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''کیا بات ہے؟''

''کچھ نہیں.....!'' قاسم ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''نہیں مجھے بتاؤ..... تمہارے چہرے پر اندرونی کرب کے آثار ہیں اور تم پہلے سے کچھ زیادہ ہی دلکش نظر آنے لگے ہو۔''

''آپ تو مذاق کرتی ہیں.....!'' قاسم سر جھکا کر اپنی انگلیاں مروڑتا ہوا بولا۔

''یقین کرو..... یہ میرے دل کی آواز تھی..... خدارا مجھے بتاؤ کہ تم یک بیک اداس کیوں ہو گئے۔''

''مم..... میں..... ابھی کچھ اور کھانا چاہتا ہوں۔''

''تو کھاؤ نا..... میں نے بھی ابھی تک رات کا کھانا نہیں کھایا..... لیکن اب تم جو کھاؤ گے وہ میرے ذمہ ہوگا۔''

''ارے واہ..... آپ خود..... میری مہمان ہیں۔''

''نہیں میرا دل نہ توڑو..... آج میرا خواب پورا ہوا ہے۔ میرے خوابوں میں ہر آدمی کی دیکھ بھال بھی شامل رہی ہے میں تمہیں نکھاروں گی..... تمہیں سنواروں گی..... تمہیں..... میں تمہیں۔''

وہ خاموش ہوگئی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے شدت جذبات سے اس کا گلا رندھ گیا ہو۔

''اچھا اچھا..... جو آپ کہیں..... میں بھی جندگی بھر آپ کا کہنا نہیں ٹالوں گا۔''

''بہت بہت شکریہ۔'' وہ ٹھنڈی سانس لے کر پُردرد لہجے میں بولی۔

غالباً گوشت کا وہ ٹکڑا قاسم کے کھانے کی ابتداء ہی تھی..... کیونکہ ایک ویٹر نے قریب آ کر کہا ''دوسرا آئیٹم تیار ہے جناب۔''

''لاؤ..... لاؤ..... اور جو کچھ بیگم صاحب فرمائیں..... وہ بھی لاؤ.....!'' قاسم جلدی سے بول پڑا۔

قمی نے ویٹر سے مینو طلب کیا اور اپنے لئے بھی کچھ چیزیں منتخب کر کے آرڈر دیتے ہوئے قاسم سے بولی۔ ''میں معلوم کرنا چاہوں گی کہ تمہیں کھانے میں کیا مرغوب ہے۔''

''لے آئے غا..... لے آئے غا..... میں پہلے ہی آرڈر دے چکا ہوں۔''

ویٹر چلا گیا۔ تھوڑی دیر تک وہ خاموش رہے پھر قمی بولی۔

''تم آخر اس وقت اداس کیوں ہو گئے تھے۔''

''مم..... میں کیا بتاؤں..... آپ اتنی اچھی ہیں..... اتنی اچھی ہیں کہ میں آپ کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔''

''دھوکہ.....؟'' بھلا دھوکہ کیوں۔

''مم..... میری..... شش..... شادی ہو چکی ہے۔'' اس نے رو دینے والے لہجے میں کہا اور دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپانے کی کوشش کرنے لگا۔

''ہائیں..... تو اس میں رونے کی کیا بات ہے؟'' قمی نے حیرت ظاہر کی۔

''یعنی کہ..... اب آپ ملی ہیں تو میں قیا قروں.....!''

''اُوہو..... تو تم پرانے خیالات کے آدمی معلوم ہوتے ہو..... خیر..... خیر..... ٹھیک کرلوں گی تمہیں۔''

''جی..... میں نہیں سمجھا۔''

''تمہاری دس بیویاں ہوں پھر بھی تمہیں گیارہویں عورت سے محبت کرنے کا حق حاصل ہے۔ یہی چیز تو ہے جو آدمی کو عام جانوروں سے بلند کرتی ہے۔ جانوروں میں صرف نر مادہ رکھنے کا رجحان قدرت کی طرف سے ودیعت ہوا ہے۔''

''اچھا تو آدمی کو اسی لئے وہ کہتے ہیں.....افسر المخلوقات.....!''

''اشرف المخلوقات.....!'' قمی نے تصحیح کی۔

''وہی.....وہی.....! تو مطلب یہ کہ بیوی بھی اور آپ بھی.....!''

''ہاں.....میں تمہیں یہی سمجھانا چاہتی ہوں کہ محبت ان رشتوں سے بالاتر ہے کون روک سکتا ہے مجھ سے محبت کرنے سے۔''

''قوئی بھی نہیں.....روق قر تو دیکھے.....!'' قاسم چھاتی ٹھونک کر بولا۔

''بس ٹھیک ہے.....اب کھانا کھاؤ۔''

ویٹر ان کی طلب کی ہوئی چیزیں لاکر میز پر لگانے لگا تھا۔ اس میں بکرے کی ایک ران بھی تھی۔

انہوں نے کھانا شروع کیا.....عورت بار بار قاسم کے انہماک کو عجیب انداز میں لگتی تھی۔ بکرے کی ران ادھیڑتے وقت شائد وہ اس کے وجود کو بھی فراموش کر بیٹھا تھا۔ اور کچھ دیر بعد جب صرف ہڈی اُس کے ہاتھ میں رہ گئی تو وہ قمی کی طرف متوجہ

''تمہارا ہر انداز خوبصورت ہے۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

قاسم نے یونہی رواروی میں دانت نکال دیئے۔ شائد اس نے سنا ہی نہیں تھا نے کیا کہا ہے۔ کیونکہ وہ تو ران کے ختم ہوتے ہی ویٹر کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

''اب دونوں مرغ لاؤ۔'' اُس نے ویٹر سے کہا۔

بہر حال وہ ایک گھنٹے سے پہلے اپنا کھانا ختم نہیں کر سکا تھا۔ اس کے بعد کافی گئی اور وہ پھر باتوں میں لگ گئے۔

''تمہارے کتنے بچے ہیں.....؟'' قمی نے پوچھا۔

''بچے.....ہی ہی ہی.....ایق بھی نہیں.....ہی ہی ہی.....سوال ہی نہیں پیدا

''میں نہیں سمجھی۔''

''قوئی اور بات کیجئے۔'' قاسم نے گلوگیر آواز میں کہا۔

''اچھا اچھا.....تمہیں آج تک کسی سے محبت بھی ہوئی۔''

''محوبت.....!'' قاسم نے ٹھنڈی سانس لی۔ چند لمحے منہ چلاتا رہا پھر بولا

قمی سے نہیں ہوئی لیقن.....!''

''لیکن کیا.....؟''

''کچھ نہیں جانے دیجئے.....!''

''خیر.....نہیں بتانا چاہتے تو میں مجبور نہیں کروں گی.....میں تو دراصل اپنا شاہکار تخلیق کرنا چاہتی ہوں.....!''

''وہ قیا چیز ہے؟''

''تمہاری تصویر کھانا کھاتے ہوئے.....!''

''آپ مذاخ کر رہی ہیں.....!'' قاسم نے جھینپے ہوئے انداز میں کہا۔

''اوہ یقین کرو.....میں تصویریں بناتی ہوں.....اچھا اگر تمہیں فرصت ہو تو چلو میرے ساتھ.....میں اسی وقت تمہیں اپنا اسٹوڈیو دکھاؤں گی۔''

''جرور.....جرور.....میں جرور چلوں غا.....اٹھئے.....!'' قاسم مضطربانہ انداز میں بولا۔

''کافی تو پیئو.....اطمینان سے چلیں گے.....میں اپنے گھر میں تنہا رہتی ہوں۔''

''ہائیں.....تنہا رہتی ہیں.....قیوں.....!''

''میرا اس دنیا میں کوئی نہیں.....!'' وہ پُر درد آواز میں بولی۔

''اُوہ.....میں آپ کے لئے کیا قروں.....!'' قاسم نے متاسفانہ انداز میں ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

''کچھ نہیں.....میرے لئے کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ میرے والدین ہی کچھ نہ کر سکے۔''

''آپ کے والدین کہاں ہیں؟''

''دوسری دنیا میں.....!''

''آپ کی شش.....شادی.....!''

''مجھے آج تک کوئی اس قدر پسند ہی نہیں آیا کہ اس سے شادی کر لیتی۔''

''مجھے افسوس ہے.....!'' قاسم نے ٹھنڈی سانس لی۔

وہ خاموش ہو کر کافی کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے لگی تھی۔

دفعتاً قاسم کچھ بدبدانے لگا.....ساتھ ہی وہ خوفزدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھتا

بھی جا رہا تھا۔

''کیوں کیا بات ہے.....؟'' قمی نے پوچھا۔

''قق.....قچھ نہیں.....وہ سس سالا.....!''

''کون.....کس کی بات کر رہے ہو.....!''

''قسی کی نہیں.....بب بس یہ سمجھ لیجئے.....کہ اگر کبھی کوئی مردود آپ کو میری طرز سے بہکانے کی کوشش کرے تو اس کو بالقل جھوٹا سمجھئے گا۔''

''کون بہکانے کی کوشش کرے گا۔''

''ہے ایک.....وہ جرور آ کودے گا ہمارے بیچ.....خدا اُسے غارت کرے.....دوست بنتا ہے سالا.....!''

''کوئی دوست ہے تمہارا.....!''

''جی ہاں.....ہے تو دوست ہی.....لیکن طرفداری کرتا ہے میری بیوی کی.....!''

''تو بیوی کا بھی دوست ہوگا.....!''

''گلا دبا دوں سالے کا اَگر یہ معلوم ہو جائے کہ بیوی قا بھی دوست ہے۔''

''تو وہ مجھے بہکانے کی کوشش کرے گا۔اس لئے کہ تمہاری بیوی کا طرفدار ہے۔''

''ہاں ہاں یہی بات ہے۔''

''کیا نام ہے اس کا.....؟''

''حمید.....ساجد حمید.....!'' قاسم نے آگے جھک کر راز دارانہ لہجے میں کہا۔''سراغ رسانی میں ہے.....قرنل فریدی والا حمید.....!''

''مجھے اس سے ضرور ملاؤ.....میں دیکھوں گی کہ وہ مجھے کیونکر بہکا سکتا ہے۔''

''ارے ہرگز نہیں ہرگز نہیں!'' قاسم منہ پیٹتا ہوا بولا۔''وہ بہکا دے گا کسی نہ کسی طرح میں اتنے کچے کانوں کی نہیں ہوں.....اب تو ضرور ملاؤ اس سے۔''

''میں خود ہی اُلو کا پٹھا ہوں۔'' قاسم جھنجھلا گیا۔

''ارے.....ارے.....!''

''ٹھیک ہے.....میں خود ہی اپنی تقدیر پھوڑا کرتا ہوں۔''

''اچھا چلو اٹھو.....!''

وہ اس دوران میں بل کی قیمت ادا کر چکی تھی۔

دونوں ہال سے نکل کر کمپاؤنڈ میں آئے۔قمی نے تجویز پیش کی تھی کہ قاسم اپنی گاڑی وہیں چھوڑ دے۔

''قوئی بات نہیں.....میں آپ کی گاڑی میں چلا چلوں گا.....!'' اس نے احمقانہ انداز میں ہنس کر کہا۔

قاسم شائد مسلسل حمید کے بارے میں سوچے جا رہا تھا۔کیونکہ گاڑی میں بیٹھتے وقت وہ بڑبڑایا۔''اچھا بیٹا.....دیکھتا ہوں کیا قر لیتے ہو.....میں نے خود ہی بتا دیا۔''

''کیا مطلب.....میں نہیں سمجھی۔''

''ارے.....بس قیا بتاؤں.....جبان پر کابو نہیں ہے.....جو قچھ سوچتا ہوں جبان سے بھی نقل جاتا ہے۔''

گاڑی چل پڑی.....قاسم کو اُس نے پچھلی سیٹ پر بٹھایا تھا۔

یہ سفر دس منٹ بعد ختم ہوا تھا.....گاڑی ایک جگہ روکی گئی تھی عورت نے نیچے اُتر کر قاسم کے لئے دروازہ کھولا تھا۔

پھر وہ اس کے ساتھ ایک بڑے خوبصورت ہٹ میں داخل ہوا تھا۔

''یہ میرا اسٹوڈیو ہے.....!'' عورت بولی۔

''یہ تو.....یہ تو.....جنت ہے.....!''

''مجھے خوشی ہے کہ تمہیں پسند آیا.....اچھا تم.....یہ تصاویر دیکھو میں ابھی آئی۔''

''کہاں جا رہی ہیں آپ.....؟''

''ذرا گھر تک جاؤں گی.....!''

''گھر تک.....تو کیا.....!''

''یہ صرف اسٹوڈیو ہے.....یہاں رہتی نہیں ہوں.....!''

''تت.....تو میں یہاں بلقل اکیلا رہوں غا.....!''

''اوہو.....تو کیا تم ڈرتے ہو.....!''

''ہرگز نہیں.....مم.....میں تو یونہی پوچھ رہا تھا۔''

''اچھا تو میں ابھی آئی۔''

وہ اسے ہٹ میں چھوڑ کر پھر اپنی گاڑی میں آ بیٹھی۔

اس کے بعد وہ تیزی سے اس عمارت میں پہنچی جہاں سے میک اپ کر کے آ
تھی۔ بہت جلدی میں معلوم ہوتی تھی۔

اس نے فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کئے اور ماؤتھ پیس میں بولی۔ ''فوراً یہاں آؤ
اور ریسیور رکھ کر میز ہی کے قریب کھڑی کچھ سوچتی رہی۔

تھوڑی دیر بعد کسی نے باہر سے کال بل کا بٹن دبایا تھا اور عمارت کے کسی قر
میں گھنٹی کی آواز گونجی تھی۔

وہ تیز قدموں سے چلتی ہوئی صدر دروازے پر پہنچی اور ہینڈل گھما کر دروازہ کھو
پیٹر مچکوف مؤدبانہ انداز میں باہر کھڑا تھا۔

''اندر آ جاؤ.....!'' کہتی ہوئی وہ پیچھے ہٹ گئی۔

پیٹر مچکوف پہلے کسی قدر خم ہوا تھا پھر اس نے دروازے کے اندر قدم رکھا تھا۔

وہ اسی کمرے میں آئے جس سے کچھ دیر پہلے فون کیا گیا تھا۔ عورت بیٹھ گئی
نے پیٹر سے بیٹھنے کو نہ کہا۔

وہ مؤدبانہ انداز میں ہاتھ باندھے کھڑا رہا۔

''وہ موٹا آدمی اسٹوڈیو میں موجود ہے۔'' عورت نے اس کی طرف دیکھے بغیر

''تو پھر کیا حکم ہے مادام.....؟''

''یہ اُن دونوں سے بہت قریبی تعلقات رکھتا ہے..... میں چاہتی ہوں کہ ا
تجربہ کیا جائے..... یہ میرا آخری حربہ ہوگا۔''

''مادام.....اس کے لئے چھ ماہ درکار ہوں گے۔''

''پرواہ مت کرو.....اور سنو میں اس کہانی سے مطمئن نہیں ہوں۔''

''کس کہانی سے مادام.....!''

''جنرل قادری والی کہانی.....!'' وہ پُرتفکر لہجے میں بولی۔ ''بہرحال موٹے

ں رکھنا ہے.....اس سلسلے میں وہی ہمارے کام آ سکے گا۔''

''بہت بہتر مادام.....!''

''کوئی نئی اطلاع.....؟''

''اس جھیل کو نیوی کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ وہ لوگ بڑی تیزی سے اُس کے گرد
ر تعمیر کر رہے ہیں۔ ایسا انتظام ہو رہا ہے کہ وہاں پرندہ بھی پر نہ مار سکے۔''

عورت زہریلے انداز میں ہنسی.....لیکن کچھ بولی نہیں۔

''اور ہاں مادام ایک اطلاع اور بھی ہے.....!''

''کیا ہے.....؟ رک رک کر باتیں نہ کیا کرو.....!'' وہ جھنجھلا گئی۔

''فریدی کی کوٹھی ملٹری کے نرغے میں ہے۔ اس کا اسسٹنٹ بھی غائب ہو گیا۔''

''ان فضولیات میں نہ پڑو۔''

''لیکن مادام.....!''

''خاموش رہو.....اور سنو.....!'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''میڈونا کو یہاں بھیج دو.....
اب وہ میرا رول ادا کرے گی.....وہ میری ہی طرح روانی سے اردو بول سکتی ہے۔''

پھر اس نے پیٹر مچکوف کو بتانا شروع کیا کہ موٹے آدمی کو وہ کس طرح راہ پر لائی ہے۔

''لیکن یہ سب کیوں مادام.....؟'' مچکوف نے اُس کے خاموش ہوتے ہی پوچھا۔

''مجھے یقین ہے کہ اُن دونوں میں سے کسی نے بھی قاسم کے ساتھ کسی اجنبی عورت کو
کھا تو وہ اس کا تعاقب شروع کر دے گا۔ اس کے علاوہ میری دانست میں فی الحال ان پر ہاتھ
لنے کی اور کوئی تدبیر نہیں..... پہلے میری اسکیم کچھ اور تھی لیکن اب میں اس لائن پر کام
رں گی.....پچھلی اسکیم والے تجربے میں یہ آدمی ضائع ہو جائے گا۔''

''میں نہیں سمجھا.....!''

''ذہنی طور پر ہمارے کام کا نہیں رہے گا.....بہت مالدار آدمی ہے۔ ہوسکتا ہے ہمیں
ل ضرورت بھی پیش آئے۔''

''مناسب ہے مادام.....!''

''بس جاؤ اور میڈونا کو بھیج دو۔''

پیٹر مچکوف چلا گیا اور پندرہ یا بیس منٹ بعد ایک لڑکی اس کمرے میں داخل ہوئی۔ عورت کا سا قد و قامت اور جسامت رکھتی تھی۔ چہرے کی بناوٹ بھی ایسی ہی تھی کہ میک اپ بہ آسانی ہوسکتا۔

وہ اُسے ہدایات دیتی رہی اور وہ اُسے بغور سنتی رہی پھر کچھ دیر کے لئے خاموش ہوگئی۔ لڑکی کسی گہری سوچ میں تھی۔

''کیا تو میری بات نہیں سمجھ سکی.....!'' عورت نے پوچھا۔

''میں سمجھ گئی مادام.....لیکن آپ کی سی مترنم آواز کہاں سے لاؤں گی۔''

''تو اسکی فکر نہ کر.....وہ بالکل گاؤدی ہے۔ تیری آواز کی طرف دھیان بھی نہ دے

فرشتی

قاسم نے کئی بار وہاں کی تصاویر دیکھیں اور مسلسل بور ہوتا رہا۔ اُسے بھلا تصاویر میں دلچسپی ہوسکتی تھی۔ وہ تو اس نعمت غیر مترقبہ کے لئے یہاں چلا آیا تھا۔ وہ جو خود بخود مہربان ہوگئی تھی۔

تصاویر سے الجھن بڑھی تو ان کی طرف سے ذہن ہٹانے کی کوشش کرنے لگا۔ مواقع پر وہ عموماً بہ آواز بلند سوچنے لگتا تھا۔

''میں واقعی اکلمند ہوتا جارہا ہوں.....وہ بیٹا مجھے اسی کی دھمکی تو دیا کرتے جاکر اپنی آپا جان سے جڑ دیں گے۔ اب آ کر جڑیں.....میں نے تو جڑ ہی کاٹ خود ہی بتا دیا کہ میں شادی شدہ ہوں..... ہاہاہا.....اور وہ بھی ایسی عاشق ہوئی پرواہ نہیں.....واہ رے الا میاں.....تھینک یو.....لیکن اب تک پلٹی کیوں نہیں بڑی اچھی بات ہے کہ اس کے ماں باپ نہیں ورنہ سالے گھپلا قرر دیتے.....لونڈیا باپ تو ہونے ہی نہ چاہئیں.....اور میرا بھی نہ ہوتا تو کتنا اچھا تھا.....!''

پھر وہ خاموش ہوگیا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ صدر دروازے کے

اس کا انتظار کرے۔

تقریباً آدھا گھنٹہ گزر گیا لیکن وہ واپس نہ آئی اور قاسم نے سوچنا شروع کیا کہ کہیں کوئی گھپلا نہ ہو۔ لیکن ٹھیک اسی وقت باہر سے کسی گاڑی کے رکنے کی آواز آئی اور وہ دروازہ کھول کر برآمدے میں نکل آیا۔

تاروں کی چھاؤں میں اس نے کسی کو گاڑی سے اترتے دیکھا۔ وہ خراماں خراماں چلی آرہی تھی۔ دل بہت زور سے دھڑکا۔

برآمدے میں پہنچ کر وہ ٹھٹکی ہی تھی کہ قاسم بول پڑا۔ ''میں ہوں۔''

''اوہ.....اندر چلئے۔''

قاسم بوکھلائے ہوئے انداز میں مڑا تھا اور پھر تصاویر والے کمرے میں پہنچ کر ہی دم لیا تھا۔

اس بار وہ ساری کی بجائے جین اور جیکٹ میں آئی تھی۔ قاسم اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

''آپ کی گاڑی یہیں منگوائے لیتی ہوں.....کنجی دے دیجئے۔''

''جرور.....جرور یہ لیجئے۔'' قاسم نے جیب سے اگنیشن کی نکال کر اس کے حوالے کی۔

پھر شائد وہ کنجی کسی اور کے سپرد کرنے باہر گئی تھی اور فوراً ہی واپس آ گئی تھی۔

''یہ جگہ پسند آئی۔'' اس نے قاسم سے پوچھا۔

''بڑی خوبصورت جگہ ہے۔ واہ واہ.....!''

''کیا آپ یہاں ہمیشہ رہنا پسند کریں گے۔''

''کیوں نہیں.....لیکن میری ایسی قسمت کہاں؟''

''کیوں؟ کیا آپ میری چیز کو اپنی نہیں سمجھتے؟'' وہ لگاوٹ کے ساتھ بولی۔

''یہ بات نہیں.....!'' قاسم کا دل بھر آیا۔

''پھر کیوں کہی تھی یہ بات۔''

''کچھ نہیں.....آپ فکر نہ کیجئے میں جب بہت خوش ہوتا ہوں تو رونے لگتا ہوں۔''

''یہ تو فلسفیانہ حرکت ہوئی۔''

''بس ہوجاتی ہے.....میں محبت کا بھوکا ہوں۔''

''بھوکا.....!'' کہتے وقت اسے اچانک محسوس ہوا جیسے اُسے پھر بھوک لگ رہی ہو۔ یہ

تو بہت بُرا ہوا۔ یہ کیا سوچے گی۔ پھر خیال آیا کہ وہ اس کے کھانے ہی کی ادا پر تو عاشق ہوئی تھی اور اسکی ایک ایسی تصویر بنانا چاہتی تھی جس میں وہ کھانا کھا رہا ہو۔ بس کھانے کے خیال جو ذہنی رو بہکی تو یہ بھی بھول گیا کہ پہلے کیا باتیں کرتا رہا تھا۔ لہٰذا دو چار بار منہ چلا کر بولا۔

''منگوایئے کھانا اور میری تصویر بنانا شروع کر دیجئے۔''

''ایسی بھی کیا جلدی..... ابھی تو ہم میل محبت بڑھائیں گے۔''

''بڑھایئے۔'' وہ مردہ سی آواز میں بولا اور دفعتاً بہت زیادہ مضمحل نظر آنے لگا۔

''کیوں..... کیا بات ہے۔'' وہ اُسے گھورتی ہوئی بولی۔ ''یک بیک آپ مرجھا کیوں گئے۔''

''بھوخ لگ رہی ہے۔''

''اوہو..... کچھ ہی دیر پہلے تو اتنا کھا چکے ہو۔''

اس ریمارک پر قاسم بھنا گیا اور تڑ سے بولا۔ ''دیکھئے اگر مجھ سے محبت کرنی ہے میرے کھانے والے میں گھپلا کرنے کی کوشش نہ کیجئے غا۔''

''اچھا سرکار غلطی ہوئی معاف کر دیجئے..... یہاں کھانے کے لئے کچھ نہیں۔ آپ گاڑی آ جائے تو پھر کہیں چلتے ہیں۔''

''آپ کو میری یہ بات بُری تو نہیں لگی۔'' قاسم نے بوکھلا کر پوچھا۔ پہلے وہ یونہی میں بولتا چلا گیا تھا۔

''بالکل نہیں۔''

قاسم نے معاملے کو مزید ''برابر'' کرنے کے لئے کہا۔ ''میری بیوی میرے کھانے سے جلتی ہے۔''

''تب تو واقعی وہ آپ سے محبت نہیں کرتی..... مجھے تو بے تحاشہ کھانے والے مرد بہت اچھے لگتے ہیں۔''

''سچ کہتا ہوں آپ فرشتی ہیں.....!'' قاسم نے کہا اور سوچنے لگا۔ شائد وہ غلط بول ہے لیکن عورت فرشتہ کیونکر ہو سکتی ہے۔ فرشتہ کی مادہ فرشتی تو کہلائے گی..... اوہ سب چلتا ہے۔

''آپ میری معلومات میں اضافہ کر رہے ہیں..... فرشتہ کی تانیث میرے علم میں نہیں تھی۔''

''نہیں بھی ہے تو ہونی چاہئے..... پھر عورت کو کیا کہیں گے.....؟''

''عورت کو عورت کے علاوہ اور کچھ کہنا ہی نہ چاہئے۔''

''جی اچھا.....!'' قاسم بڑی معصومیت کے ساتھ بولا۔ ''اب نہیں قہوں غا.....!''

''آپ واقعی بہت پیارے ہیں۔'' اس نے کہا اور قاسم شرما کر اپنے کوٹ کا دامن مسلنے لگا۔

پھر خاموشی چھا گئی۔ قاسم کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس قسم کی گفتگو کرے۔

دفعتاً وہ خود ہی بولی۔ ''کیا آپ کو اپنی بیوی اچھی نہیں لگتی۔''

''زہر لگتی ہے وہ آفت کی پڑیا۔''

''اتنی ناپسند تھی تو شادی ہی کیوں کی تھی آپ نے۔''

''لو اور سنو..... میں نے کی تھی۔''

''پھر.....؟''

''ارے میرے جالم باپ نے کی تھی۔ آپ بہت اچھی ہیں کہ آپ کے باپ نہیں ہے۔''

''جی ہاں.....!'' وہ ہنس پڑی۔

''اوہو..... توبہ..... میں نے قیا قہہ دیا۔''

''کوئی بات نہیں..... میں بھی آپ ہی کی طرح بہت زیادہ آزاد خیال ہوں.....!''

نے کہا اور پھر دروازے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

قاسم نے بھی ساتھ جانا چاہا تھا..... لیکن اس نے مڑ کر اُسے وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور رے سے چلی گئی۔

''قیا مصیبت ہے۔'' قاسم بڑبڑایا۔ ''یہ آخر چاہتی کیا ہے۔''

وہ جلد ہی پلٹ آئی اور مسکرا کر بولی۔ ''آپ کی گاڑی آ گئی۔''

''ہوں..... اچھا..... ایک بات کہوں..... آپ کو بُرا تو نہیں لگے گا۔''

''کہئے..... بُرا لگے گا بھی تو میں اسے اچھا ہی محسوس کرنے کی کوشش کروں گی۔''

''آپ اتنی انگریز انگریزی کیوں لگتی ہیں؟''

''اوہو..... میں بہت زیادہ رہی ہوں انگلستان میں..... میرے ڈیڈی وہاں تجارت رتے تھے۔''

''اور ایک بات اور..... میں آپ کو قمی نہیں کہنا چاہتا۔''

''کیوں.....بھلا یہ کیا بات ہوئی؟''

''وہ دراصل میں قیمے کی تلی گولیوں کو قتی کہتا ہوں۔'' قاسم نے کہا اور کسی ندیدے کی طرح منہ چلانے لگا۔

''اوہو.....آپ بھوکے ہیں.....میں تو بھول ہی گئی تھی۔ چلئے کہیں چلتے ہیں۔''

''جرور.....جرور.....!'' قاسم اس سے پہلے ہی دروازے کی طرف بڑھتا ہوا

کچھ دیر بعد وہ اپنی امپالا ڈرائیو کر رہا تھا اور لڑکی اس کے قریب ہی بیٹھی ہوئی تھی سوچ رہا تھا کہ اب دیکھنے والے دیکھ کر جلیں گے۔ ہائے جین اور جیکٹ میں کیسی ہے۔ خدا کرے وہ بیٹا بھی کہیں مل جائے تو مزہ آ جائے.....اب میرا کیا بگاڑ سکیں ایسا جلاؤں ایسا جلاؤں کہ بس.....!

''ہاں تو آپ کو میرا نام پسند نہیں۔'' لڑکی بولی۔ ''تو آپ ہی کوئی نام دے دیجئے''

''میں آپ کو نوشابہ کہنا چاہتا ہوں.....بڑا انگڑا نام ہے۔''

''ضرور کہئے.....لیکن ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

''نیاگرہ.....بڑی شاندار جگہ ہے۔''

''مجھے بہت پسند ہے.....آپ کا ٹیسٹ لاجواب ہے۔''

''ہی ہی ہی ہی.....ارے میں قیا.....!''

امپالا تیز رفتاری سے راستہ طے کرتی رہی۔



حمید چھپتا پھر رہا تھا اور یہ کوئی ایسا دشوار مسئلہ بھی نہیں تھا کہ اُسے کسی قسم کا سامنا کرنا پڑتا.....فریدی کی کئی ایسی کمین گاہیں تھیں جن کا علم ان دونوں کے علاوہ نہیں تھا۔ الجھن صرف ایک تھی.....وہ یہ کہ ابھی تک خود اسے فریدی کا سراغ نہ

تھا۔ بہت ہی مخصوص نمبروں پر بھی فون کر کے دیکھ چکا تھا لیکن ناکامی ہی ہوئی تھی۔

اس وقت وہ چیتھم روڈ کی اصفہانی ولا کے ایک شاندار فلیٹ میں مقیم تھا اور یہاں پیٹ بھرنے کے علاوہ اور ہر قسم کی آسائشیں میسر تھیں.....لہٰذا پیٹ بھرنے کیلئے باہر نکلنا پڑا.....حالات ایسے تھے کہ ریڈی میڈ میک اپ سے کام نہ چلتا.....کچھ دیر آئینے کے سامنے محنت کرنی پڑی۔ اس کے بعد وہ سوچنے لگا کہ دن بھر کی کوفت اور بوریت کہاں دور کی جائے۔

سوچتے سوچتے نیاگرا کی ٹھہری.....یہ جگہ شہر سے دور تھی اس لئے وہاں وہ اطمینان سے وقت گزار سکتا تھا۔ اصفہانی ولا کے گیراج میں ان کی ایک جیپ بھی رہتی تھی۔

حمید نے کنجی جیب سے نکالی اور نیاگرا کی طرف روانہ ہو گیا۔

رات بڑی خوشگوار تھی.....تھوڑی ہی دیر بعد وہ شہر کے باہر کھلی ہوا میں پہنچ گئے۔

دن بھر کی کوفت کے متعلق وہ اب کچھ سوچنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ جیپ تیز رفتاری سے نیاگرا والی سڑک پر دوڑتی رہی۔

نیاگرا پہنچ کر گاڑیوں کی تعداد سے اس نے اندازہ لگایا کہ اندر بہت بھیڑ ہو گی۔

ڈائننگ ہال میں آیا.....کوئی میز خالی نہ دکھائی دی۔ وہ کاؤنٹر کے قریب ہی رک گیا تھا۔

اتنے میں کچھ اور لوگ بھی اسی کے قریب آ کھڑے ہوئے۔ تیز قسم کی خوشبو حمید کا ذہن سہلا گئی۔ اس نے بائیں جانب دیکھا اور دم بخود رہ گیا.....وہ ایسی ہی دلکش لڑکی تھی۔ جین اور جیکٹ میں اور بھی دلکش معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن.....لیکن.....یہ قاسم.....اس کے برابر ہی قاسم نظر آیا اور وہ ہنس ہنس کر اس سے باتیں کر رہی تھی.....دل میں سانپ لوٹ گیا۔ لیکن مل بیٹھنے کی کیا صورت ہو گی۔ اس نے سوچا وہ تو میک اپ میں ہے.....دفعتاً قاسم نے لڑکی سے کہا۔ ''یہاں تو ساری میزیں گھری ہوئی ہیں.....چلئے کہیں اور چلیں۔''

''کہیں اور چلنے میں بہت وقت صرف ہو گا.....چلئے ریکریئیشن ہال میں چلیں۔''

حمید تیزی سے ریکریئیشن ہال کی طرف جھپٹا.....عجیب اتفاق تھا کہ جس گیلری میں وہ داخل ہوا تھا اور اُن کے بھی وہیں آنے کی توقع کی جا سکتی تھی۔ اس میں صرف ایک ہی میز خالی نظر آئی.....حمید تیزی سے اس کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ قریب پہنچا لیکن بیٹھا نہیں بلکہ دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔

وہ دونوں بھی اسی گیلری میں داخل ہوئے اور انہوں نے بھی اُسی میز کو تاڑا۔

اب وہ آہستہ آہستہ ٹہلتے ہوئے اس میز کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جیسے ہی قریب پ
حمید نے بڑی پھرتی سے اس پر قبضہ جمالیا۔

''ارے رے..... اَغے.....!'' قاسم آنکھیں نکال کر ہکلایا۔ لڑکی کے چہرے شرمندگی کے آثار نظر آئے۔

حمید دوسری طرف متوجہ ہوگیا تھا۔ لڑکی نے مڑنا چاہا لیکن قاسم اس کا بازو پکڑ کر رو ہوا بولا۔ ''ٹھہریئے..... پہلے ہم نے دیکھا تھا۔''

''نہیں..... نہیں..... کہیں اور دیکھتے ہیں۔'' لڑکی بولی اور حمید چونکنے کی ایکٹنگ ہوا ان کی طرف متوجہ ہوگیا۔

''جناب! ہم آرہے تھے یہاں.....!'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

''تو تشریف رکھئے.....!'' حمید نے اٹھ کر بڑی شائستگی سے کہا۔

''نہیں شکریہ.....!'' لڑکی بولی۔

''اگر آپ تنہا بیٹھنا چاہیں تو میں یہ میز چھوڑ بھی سکتا ہوں..... ویسے دوسری گیلری بھی کوئی میز خالی نہیں ہے..... میں نے شام ہی سے ریزرو کرائی تھی۔''

''کیا خیال ہے.....!'' لڑکی نے قاسم سے پوچھا۔

''ہم اقیلے بیٹھیں گے۔''

''یہ بُری بات ہے ڈیئر..... یہ بہت اچھے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔''

''انہیں آدمی کون کہے گا.....!'' قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا کیونکہ حمید اس میک میں بڑا اسمارٹ لگ رہا تھا۔

''جانور ہی سمجھ کر میری دعوت قبول کر لیجئے جناب۔ ورنہ میں تو میز چھوڑنے پر بھی تیار ہوں۔''

''چلو بیٹھ جاؤ.....!'' لڑکی نے قاسم کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔ ''ایک شریف آ ہم سے استدعا کر رہا ہے۔''

''شریف.....!'' قاسم نے بُرا سا منہ بنا کر حمید کو گھورتے ہوئے زہریلے لہجے میں اور سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ لڑکی اس کے برابر بیٹھی تھی اور پھر حمید بھی بیٹھ گیا تھا۔

آرکسٹرا مدھم سروں میں ساز بجا رہا تھا۔ ابھی رقص کے لئے موسیقی نہیں شروع ہوئی تھی۔ ہوسکتا تھا کہ اس سے قبل کچھ راؤنڈ ہو چکے ہوں۔

ان کے بیٹھ جانے کے بعد حمید نے ان سے بے تعلقی کا مظاہرہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ دوسری طرف متوجہ ہوگیا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ کوئی غیر ملکی زبان بول رہے ہوں۔ ان کی زبانوں سے نکلے ہوئے الفاظ اس کے لئے کوئی معنی ہی نہ رکھتے ہوں۔''

دفعتاً لڑکی نے اُسے مخاطب کر کے کہا۔ ''کیا آپ ہماری دعوت قبول کریں گے۔''

''جیسی آپ کی مرضی! میں تو بے عذر آدمی ہوں۔'' حمید نے مسکرا کر بڑی شائستگی سے کہا۔ پھر اس نے کنکھیوں سے قاسم کی طرف دیکھا جو اسے جلے کٹے انداز میں مسلسل گھورے جا رہا تھا۔ اس کے جواب پر وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑانے بھی لگا تھا۔

''تم کیا کھاؤ گے ڈیئر.....!'' لڑکی نے قاسم سے پوچھا۔

''جوہل جائے.....!'' قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''ملنے کو تو یہاں ہاتھی کے سری پائے بھی مل سکتے ہیں۔'' حمید بولا۔

''جی قیا پھر مایا..... ہاتھی کے سری پائے؟ تو گویا میں ہاتھی کے سری پائے کھاؤں غا!''

حمید سنی ان سنی کر کے لڑکی سے بولا۔ ''پچھلے سال میں نے قاہرہ میں اونٹ کے سری پائے کھائے تھے۔''

''اَمے جاؤ..... مچھروں کے سے ہاتھ پاؤں لئے پھرتے ہو..... اونٹ کے سری پائے کھائے تھے..... ہونہہ.....!''

''آپ کبھی قاہرہ گئی ہیں.....!'' حمید نے پھر اُسے نظر انداز کر کے لڑکی سے پوچھا۔

''کیوں ڈیئر..... ہم تم پچھلے ہی سال تو قاہرہ گئے تھے۔'' اُس نے قاسم سے پوچھا۔

''بلقل بلقل..... اور ہمیں کہیں بھی اونٹ کے سری پائے نہیں ملے تھے۔ یہ آدمی جھوٹا ہے۔'' قاسم نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ کہا۔

''ہمیں کسی کی دل آزاری نہ کرنی چاہئے ڈیئر.....!''

''کھیر جیسے تمہاری مرضی۔ میں نہیں بولوں غا.....!''

''آپ ضرور بولئے جناب آپ کا بولنا کانوں کو آوازوں کا سرکس محسوس ہوتا ہے۔''

حمید نے مسکرا کر کہا۔

''قیا مطلب ہوا اس بات کا.....!'' قاسم نے آنکھیں نکالیں۔

''ڈیئر ان باتوں میں الجھنے سے بہتر یہ ہوگا کہ تم کاؤنٹر پر جا کر آرڈر لکھوا آؤ..... میر نمبر کا حوالہ دے دینا..... پتہ نہیں کیوں دور دور تک کوئی ویٹر نہیں دکھائی دیتا.....!'' لڑکی نے قاسم سے کہا۔

قاسم کا حلیہ پھر بگڑ گیا..... ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُسے لڑکی کا مشورہ گراں گزرا ہو۔

''جی ہاں یہ تو ہے۔'' حمید بولا۔ ''ریکریئشن ہال میں کھانا طلب کرنے کے لئے کاؤنٹ ہی پر آرڈر درج کرانا پڑتا ہے..... یہاں ویٹر صرف مشروبات کے آرڈر لیتے ہیں۔''

''ہم مشروبات ہی کھالیں گے۔'' قاسم اُسے گھورتا ہوا بولا۔

''مشروبات سے مراد پینے کی چیزیں ہیں۔'' حمید نے بڑی شائستگی سے کہا۔

''بڑے قابل کی دُم نہ بنو! ہم نے بھی گھاس نہیں کھودی۔ ہاں.....!''

''تم جھگڑتے ہو..... میں جا رہی ہوں۔'' لڑکی اٹھتی ہوئی بولی۔

''قہاں.....؟''

''آرڈر بک کرانے.....!''

''ٹھیخ ہے.....!'' قاسم نے پراطمینان لہجے میں کہا۔ لڑکی اٹھ کر چلی گئی اور قاسم نے پھر حمید کو گھورنا شروع کر دیا۔

''آپ مجھ سے کچھ ناراض معلوم ہوتے ہیں جناب۔'' حمید مسمسی صورت بنا کر بولا۔

''اَمے تم خدائی فوجدار ہو! خامخاہ سر پر سوار ہو گئے۔ جان نہ پہچان خالا جان.....!''

''آپ کچھ بھول رہے ہیں۔''

''ٹھینگے سے..... تم کھاموش رہو۔''

دفعتاً کوئی سخت سی چیز حمید کے بائیں پہلو میں چبھی اور وہ بیساختہ چونک کر مڑا..... ایک آدمی اس سے لگا کھڑا تھا اور اس کی آنکھوں میں دیکھے جا رہا تھا۔

''خاموشی سے اٹھ چلو.....!'' اُس نے آہستہ سے کہا۔ ''میری پینٹ کی جیب میں ریوالور ہے۔''

اس کا داہنا ہاتھ پتلون کی جیب میں تھا..... اور حمید کے پہلو میں چبھنے والی چیز ریوالور ہی ہو سکتی تھی۔

حمید خاموشی سے اٹھ گیا۔ وہ دونوں نکاسی کے دروازے کی طرف بڑھے اور اجنبی بولا۔

''ریوالور بے آواز ہے..... اور میں جیب سے بھی صحیح نشانہ لے سکتا ہوں..... لہٰذا چپ چاپ چلتے رہو۔''

اسی طرح چلتے ہوئے وہ عمارت سے باہر نکل آئے..... اب اجنبی حمید کو پارکنگ شیڈ کی طرف لے جا رہا تھا۔

سیکڑوں روپ

کیپٹن حمید کو فوری طور پر سوچنا پڑا..... عالیہ نریمان اچھی طرح واقف تھی کہ اس کے اور قاسم کے درمیان اس نوعیت کی چھیڑ چھاڑ جاری ہی رہتی تھی۔ وہ عالیہ نریمان جس کی تصویر فریدی نے پچھلے سارے معاملات کی اہمیت ہی سے انکار کر دیا تھا..... ہر چند کہ اس نے اُسے اس پرانی شناسائی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا..... لیکن یہ ضرور کہتا رہا تھا کہ بینک جو کچھ ہوا ہے اس پر یقین نہ رکھنا چاہئے۔

حمید پوری پوری ہوشیاری سے چل رہا تھا۔ اجنبی پر تو ظاہر کر رہا تھا کہ جیسے وہ اُس سے خائف ہو..... لیکن حقیقتاً اس تاک میں تھا کہ اُسے ذرا سا بھی غافل پائے اور حملہ کر بیٹھے..... اس نے ایک گاڑی کے قریب رکنے کو کہا..... اور بولا۔ ''چالاک بننے کی کوشش کرو گے تو فائر کر دوں گا..... خاموشی سے بیٹھ جاؤ..... ڈرائیو بھی تم ہی کرو گے۔''

بڑی عجیب سچویشن تھی..... ہنگامہ برپا کرتا تو خود اس کے بھی دھر لئے جانے کے امکانات تھے۔ فریدی سے ابھی تک ملاقات نہیں ہوئی تھی کہ آئندہ کیلئے راہ عمل کا تعین ہو سکتا۔

وہ دانت پیستا ہوا اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ گیا..... کنجی اگنیشن میں موجود تھی فوراً ہی انجن اسٹارٹ کر دیا..... مقصد یہ تھا کہ وہ اس آدمی کو گاڑی میں نہ بیٹھنے لیکن وہ تو گیئر بدلنے سے پہلے ہی پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا تھا۔

''ایک بار پھر آگاہ کر رہا ہوں کہ تیزی دکھانے کی کوشش مت کرنا۔'' وہ پچھلی غرایا۔

''کان نہ کھاؤ.....!'' حمید جھلا کر بولا۔ ''تم پتہ نہیں کون ہو..... اور کیا چاہ

''یقین کرو! میں تمہیں کوئی شریف آدمی نہیں سمجھتا۔'' پچھلی سیٹ سے آ

''صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تم پہلے بھی ایسے حالات سے گزر چکے ہو۔ کوئی سیدھا سادھا ہی نہیں سکتا کہ پتلون کی جیب سے استعمال کیا جانے والا ریوالور کیا ہوتا ہے۔''

''سمجھا..... تم پنٹو کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔'' حمید نے پہلے کئی بار کا آزما یہاں بھی آزمانے کی کوشش کی۔

''اچھا تو پھر.....؟''

''لیکن پنٹو کو معلوم ہونا چاہئے کہ اب میرا رستم جی سے کوئی تعلق نہیں۔ پچھلے دنو سونا کسٹم والوں نے پکڑا ہے اسکے سلسلے میں اس نے مجھ پر اور شکور پر الزامات عائد کئے

''میں سن رہا ہوں..... تم گاڑی بیک کر کے شیڈ سے نکالو.....!''

''نکال رہا ہوں اور اب میں تم سے ذرہ برابر بھی خائف نہیں ہوں۔ میں سے ملنا چاہتا تھا۔ رستم جی کے خلاف میرے سینے میں لاوا اُبل رہا ہے۔''

''کیوں.... آخر کیا بات ہوگئی.... ہاں..... گیٹ سے نکال کر بائیں جانب چل

حمید نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے ہوئے اسے دل ہی دل میں ایک گالی دی اور بتائی ہوئی راہ پر گاڑی کو لگاتا ہوا بولا۔ ''میں بیان نہیں کر سکتا کہ رستم سوَر ہے..... چار سال پہلے کی بات ہے کہ ہم دونوں ہی فٹ پاتھوں پر راتیں گزا تھے..... اور آج وہ مجھے کتوں سے بھی بدتر سمجھتا ہے..... اپنے ہتھکنڈوں سے ہی دوستوں کا آقا بن بیٹھا..... کتا..... تھو..... اب میں پنٹو کو بتا سکتا ہوں معاہدوں کے باوجود بھی اس کے خلاف کیا کچھ نہیں کرتا رہا.....!''

''اگلے چوراہے سے داہنی جانب موڑ لینا.....!'' پچھلی سیٹ سے آواز آئی۔

حمید اس بار بلند آواز میں اُسے گالی دیتے دیتے رہ گیا۔ چوراہے سے گزر کر اس نے بتائی ہوئی سڑک پر گاڑی موڑ دی۔

''بولتے رہو..... تم خاموش کیوں ہوگئے۔!'' پچھلی سیٹ سے آواز آئی۔

''بس تم مجھے پنٹو کے سامنے پیش کرو..... وہیں باتیں ہوں گی۔''

''اچھی بات ہے.....!'' پچھلی سیٹ سے آواز آئی اور حمید نے محسوس کیا کہ وہ سڑک اُسے ساحل سمندر کی طرف لے جا رہی ہے۔

''ذرا تیز چلو.....!'' اجنبی نے کچھ دیر بعد کہا۔

سڑک سنسان تھی۔ حمید نے ایکسیلریٹر پر دباؤ ڈالا اور گاڑی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ کسی طرح کچھ کر گزرنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے اونچی آواز میں کہا۔

''میں پیشاب کروں گا۔''

''واقعی جیالے ہو..... بہت دیر بعد ضرورت محسوس کی۔'' پشت سے طنزیہ ہنسی کے ساتھ کہا گیا۔

''اچھی بات ہے۔'' حمید بھنا کر بولا۔ ''میں گاڑی روک رہا ہوں تم فائر کر دو۔''

''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں فائر نہیں کروں گا..... کیا ہاتھا پائی کرنا چاہتے ہو۔''

''کچھ بھی ہو.....!'' حمید نے رفتار کم کر کے بریک لگائے اور انجن بند کر دیا۔

''اور اب شولڈر ہولسٹر سے ریوالور نکال لو.....!'' اجنبی مضحکہ اڑانے والے لہجے میں بولا اور اُس نے اندر کی لائٹ کا سوئچ آن کر دیا۔

وہ بڑے اطمینان سے خالی ہاتھ بیٹھا تھا۔

اب حمید نے اس کا بالتفصیل جائزہ لیا۔

اس کی پیشانی پر زخم کا گہرا نشان تھا..... چہرے سے بے پناہ توانائی ظاہر ہوتی تھی۔ شانے چوڑے تھے۔ گھنی بھنوؤں کے نیچے سرخ سرخ آنکھیں خوفناک لگتی تھیں۔ وہ اسے گھورے جا رہا تھا اور حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے جسم میں جان ہی نہ رہی ہو۔

''بولو..... کیا ارادہ ہے.....!'' اجنبی غرایا۔

''تت.....تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔''

''اچھا تو سنو.....! تم مادام اولیویا نارمن کے قیدی ہو۔''

''میں کسی اولیویا نارمن کو نہیں جانتا۔'' حمید نے متحیرانہ لہجہ اختیار کرنے کی کوشش کی۔

''لیکن وہ تمہیں جانتی ہے۔'' اجنبی نے کہا اور جیب سے کوئی چیز نکال کر اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ''یہ دیکھو..... یہ ہے اُس کا ثبوت۔''

حمید غیر ارادی طور پر آگے جھکا اور اجنبی کا بڑھا ہوا ہاتھ اس کی ناک سے ٹکرا گیا۔ پھر تو ایسا محسوس ہوا جیسے اس نے اس کی ناک میں مرچوں کا باریک سفوف جھونک دیا ہو۔ کھوپڑی جل اٹھی اور سینے میں آگ سی لگ گئی۔ پھر اس کا دم گھٹنے لگا۔

اس کے بعد کا اُسے ہوش ہی نہیں کہ پھر کیا ہوا تھا۔ دوبارہ آنکھ کھلی تو خود کو ساحل سمندر پر پڑا پایا..... چاروں طرف دھوپ پھیلی ہوئی تھی لیکن سورج نکلے دیر نہیں ہوئی تھی۔

وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا اور کپڑوں سے ریت جھاڑنے لگا۔

اس کے بائیں طرف تھوڑے ہی فاصلے پر ایک بوڑھا آدمی اپنی چھڑی ریت میں گاڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لباس سے ذی حیثیت معلوم ہوتا تھا۔ حمید اس کی طرف بڑھا۔ بوڑھے نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر چھڑی پر زور صرف کرنے لگا تھا۔

''کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کون ہیں؟'' حمید نے اونچی آواز میں اُسے مخاطب کیا۔

اس نے پھر سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور انگریزی میں بولا۔ ''تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں نہیں سمجھ سکتا۔''

اب اس نے غور کیا۔ بوڑھے کی آنکھیں کرنجی تھیں اور وہ کسی سفید فام نسل سے تعلق رکھتا تھا۔

''تم کون ہو.....؟'' حمید نے اس بار اسی کی زبان استعمال کی۔

''میں آدمی ہوں.....!''

''لیکن یہ کیا حرکت ہے؟''

''ورزش کر رہا ہوں..... تم کون ہو..... یہاں کیوں پڑے سو رہے تھے۔ میرے جھونپڑے میں چلے آئے ہوتے۔''

''اب چلا چلوں گا..... میری نیند ابھی پوری نہیں ہوئی۔ اس جگہ کا کیا نام ہے۔''

''پانچ سال سے میں یہاں مقیم ہوں لیکن میں بھی نہیں جانتا۔''

''شہر یہاں سے کتنی دور ہے۔''

''کس شہر کی بات کر رہے ہو؟''

حمید نے اُسے گھور کر دیکھا اور اس کے دوبارہ استفسار پر شہر کا نام لیا۔ وہ ہنسنے لگا اور بولا۔ ''اب ملک کا نام بھی بتاؤ..... اس ملک میں تو اس نام کا کوئی شہر نہیں ہے۔''

''تم شائد بہت خوش مزاج آدمی ہو۔'' حمید نے ہنس کر کہا۔ ''خیر اب مجھے اپنے جھونپڑے میں لے چلو۔''

''ورزش مکمل کر لوں تو چلوں..... ویسے تمہیں جلدی ہو تو اُدھر چلے جاؤ۔'' اس نے ایک طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''وہاں میری بیٹی ہوگی۔ اس سے کہنا تمہارے باپ کا مہمان ہوں۔''

حمید بتائی ہوئی سمت میں چل پڑا۔ چڑھائی تھی..... اوپر پہنچ کر لکڑی کے لٹھوں سے بنا ایک چھوٹا سا مکان دکھائی دیا جس کے دروازے پر ایک لڑکی اسٹول ڈالے بیٹھی تھی۔ عمر پچیس سال کی رہی ہوگی۔ صحت مند اور دلکش تھی۔ حمید کو دیکھ کر اچھل پڑی اور چیختی ہوئی آواز میں قہقہہ لگا کر بولی۔ ''بالآخر..... خدا نے کوئی جہاز ادھر بھیج دیا۔''

پھر بڑی گرم جوشی سے وہ حمید کی طرف بڑھی تھی اور قلقاریاں مارتی ہوئی بولی تھی۔ ''میرے پاپا اُدھر کنارے پر ہیں۔''

''تمہارے پاپا ہی نے مجھے اپنا مہمان بنا کر یہاں بھیجا ہے۔''

''اچھا..... اچھا..... اور لوگ کہاں ہیں؟''

''میں تنہا ہوں محترمہ.....!''

''جہاز تو ہے؟''

''کیسا جہاز..... میں نے تو خود کو ساحل پر پڑا پایا تھا۔''

''اوہ.....!'' وہ ایک دم رنجیدہ ہوگئی۔

حمید نے چاروں طرف نظر دوڑائی دور دور تک اس مکان کے علاوہ اور کوئی مکان نہ دکھائی دیا۔

''میں بہت تھکا ہوا ہوں۔ کیا آپ مجھ سے بیٹھنے کو بھی نہ کہیں گے۔ آپ ساحل پر ورزش کر رہے ہیں۔''

''ہوں..... آؤ..... اندر آؤ..... اب ہمارے پاس بھی راشن ختم ہو رہا ہے کے بعد کچھ پتہ نہیں کیا ہو۔''

وہ حمید کو اندر لائی..... یہاں کئی اسٹول پڑے ہوئے تھے۔ شائد اس کمر بیٹھک کے طور پر استعمال کرتے تھے۔

''بیٹھ جاؤ.....!'' وہ مردہ سی آواز میں بولی۔ ''تم بھوکے بھی ہو گے۔ وہ لوگ ظالم ہیں۔ پتہ نہیں کون ہیں۔ شائد اس ویران جزیرے کو زبردستی بسانے کی کوشش کر رہے

''کچھ کھانے کو ہو تو کرم کرو.....!''

''اچھا میں ابھی آتی ہوں.....!'' وہ بڑی بے دلی سے چلتی ہوئی مکان کے حصے میں چلی گئی۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کسی جال میں آ پھنسا ہے۔

تھوڑی دیر بعد بوڑھا آدمی بھی چھڑی ٹیکتا ہوا وہاں آ پہنچا۔

''تمہیں حیرت ہو رہی ہو گی۔'' بوڑھا بولا۔ ''پانچ سال سے یہاں پڑا ہوں۔ رات ہم لوگ اچھے بھلے اپنے گھر میں سوئے تھے..... صبح آنکھ کھلی تو یہاں ریت تھے۔ اس چھوٹے سے جزیرے میں میرے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔''

''کھانے پینے کا کیا ہوتا ہے؟''

''یہ میں نہیں جانتا..... جو چیز کم ہوتی ہے ختم ہونے سے پہلے ہی آ جاتی ہے۔ کس کے قیدی ہو.....؟''

''قیدی.....؟ ہوش کی دوا کرو..... عیش کر رہا ہوں یہاں، فکر ذرا جینی کی اسکی طرف سے بھی بے فکری ہو گئی۔ آسمان والے نے آخر کار اس کا بھی جوڑا بھیج ہی

''جی.....؟'' حمید نے اس طویل ''جی'' کے ساتھ آنکھیں نکالیں اور اپنے سہلانے لگا۔

''وہ بڑی اچھی لڑکی ہے..... بہت اداس رہتی ہے..... اب اس کا جی بہل

بوڑھا آدمی اُس کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔''

''تم نے کبھی یہاں سے نکلنے کی کوشش نہیں کی۔''

''کوشش.....؟ اگر اس کی توقع ہو کہ میں سمندر میں چھلانگ لگا کر تیرتا ہوا آئرلینڈ پہنچ ہوں گا تو میں یہ خطرہ مول لینے کو تیار ہوں۔''

''بہر حال تم اپنی حالت پر مطمئن ہو۔''

''بہت زیادہ..... اپنے گھر پر ہوتا تو کبھی کا مر چکا ہوتا اور اخبارات میں خبر چھپتی کہ قرض نے تقاضوں سے تنگ آ کر خودکشی کر لی!''

''ہوں.....!'' حمید کسی سوچ میں پڑ گیا۔

بوڑھا بھی خاموش تھا۔ اتنے میں لڑکی ایک پلیٹ میں کھانے کے لئے کچھ لائی۔ دوسرے ہاتھ میں کسی مشروب کا گلاس تھا۔

''کھاؤ اور خدا کا شکر ادا کرو۔'' بوڑھے نے کہا اور پھر باہر چلا گیا۔

لڑکی نے ایک اسٹول پر گلاس اور پلیٹ رکھ دیا اور اُسے حمید کے قریب کھسکا لائی۔

''پہلے تم بہت خوش ہو کر ملیں تھیں اور اب اتنی اداس ہو گئی ہو۔'' حمید بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''میں سمجھی تھی شائد کوئی جہاز ادھر آ نکلا ہے اور قید تنہائی سے نجات ملے گی۔''

''آخر کس جرم کی پاداش میں تمہیں یہاں لا پھینکا گیا ہے۔''

''میں کچھ نہیں جانتی..... کیا پاپا نے تمہیں نہیں بتایا۔''

''میں کس طرح یقین کر لوں کہ ایک بے گناہ آدمی ایک رات اپنے گھر سوئے اور اگلی صبح کسی ویران جزیرے میں پایا جائے۔''

''تم نے کون سا جرم کیا ہے..... تم یہاں کیوں پائے جا رہے ہو۔''

''میرا کچھ لوگوں سے جھگڑا ہوا تھا..... لڑائی کے دوران میں بے ہوش ہو گیا دوبارہ آنکھ کھلی تو خود کو یہاں پایا۔''

''ہمارے ساتھ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔'' اس نے ناخوشگوار لہجے میں کہا اور ناگواری سے دروازے سے باہر گھورنے لگی۔

''کیا تم مادام اُولیویا نارمن سے واقف ہو۔'' حمید نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

''نہیں.....!''

''تمہارے پاپا.....؟''

''میں نہیں جانتی انہیں سے پوچھ لو۔'' اس نے کہا اور بوڑھے کو آواز دی۔

''کیا بات ہے؟'' اس نے باہر ہی سے پوچھا اور چھڑی ٹیکتا ہوا اندر آیا۔

''یہ کچھ پوچھ رہے ہیں۔''

''میں یہ پوچھ رہا تھا.....!'' حمید بول پڑا۔ ''کیا آپ لوگ کسی مادام اولیو سے واقف ہیں۔''

بوڑھے کی پیشانی پر سلوٹیں اُبھر آئیں.....شائد وہ حافظے پر زور دے رہا تھا نے سر کو منفی جنبش دیتے ہوئے کہا۔ ''میں کسی اُولیویا نارمن سے واقف نہیں۔''

وہ دیوانہ نیگرو مادر زاد برہنہ شہر کے سب سے بارونق اور گنجان آباد علاقے کی سڑ دوڑتا پھر رہا تھا..... بچے اس کے پیچھے تالیاں بجا رہے تھے اور سمجھدار لوگ شہر کے نظ کے ذمہ داروں کو بُرا بھلا کہہ رہے تھے۔

بالآخر اس پر پتھر چلنے لگے.....عجیب سا ہنگامہ برپا ہوگیا۔ وہ افراتفری مچی کہ رک گیا اور جب ٹریفک رکنے لگا تو انہیں بھی اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ جن کے ذمہ کی حفاظت تھی..... پتہ نہیں کس گاڑی میں کون ہو اور ان کی غفلت پر انہیں رگڑ ڈالے

لحیم شحیم نیگرو کو گھیرا جانے لگا.....لیکن کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اُسے پکڑ کوشش کرتا.....اس کے آگے وہ سپاہی بونے نظر آتے تھے۔

پھر یہ سوچا گیا کہ بہت سے لوگ بیک وقت لپٹ پڑیں.....اور اُسے قابو

اس کے ہاتھ پیر باندھ دیئے جائیں۔ پندرہ بیس آدمی ہمت کر کے آگے بڑھے.....وہ کسی بگڑے ہوئے ہاتھی کی طرح چنگھاڑتا رہا تھا۔

ان میں ایک ایسا آدمی بھی تھا جس کے ہاتھ میں قلم تراش چاقو تھا.....اس نے اتنی صفائی سے اس دیوانے کے بازو پر اس سے شگاف دیا کہ کسی کو علم نہ ہوسکا.....اس کے بعد وہ اس دھاچوکڑی والی بھیڑ سے الگ ہوگیا تھا۔

وہ تیز قدموں سے چلتا ہوا دوسری جانب والے فٹ پاتھ تک آیا اور یہاں سے ایک گاڑی میں بیٹھ کر چیتھم روڈ پر مڑ گیا۔ پھر دوبارہ اس کی گاڑی مے پول ہوٹل کی کمپاؤنڈ میں رکی تھی۔ گاڑی سے اُتر کر وہ سیدھا ڈائننگ ہال میں آیا۔

کاؤنٹر کے قریب رک کر اس نے میزوں کا جائزہ لیا تھا اور پھر ایک گوشے والی میز کی طرف بڑھتا چلا گیا تھا۔

''میں اپنا کام کر آیا ہوں.....موسیو مچکوف.....!'' اس نے میز کے قریب پہنچ کر کہا۔

''خوب.....تو پھر چلو.....!'' پیٹر مچکوف اٹھتا ہوا بولا۔ ''بعد کے حالات کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔ مادام کی طرف سے تمہیں کوئی بڑا انعام ملے گا۔ اگر تم نے یہ کام خوش اسلوبی سے کیا ہوگا۔''

وہ کچھ نہ بولا۔ پیٹر مچکوف اس کے ساتھ باہر آیا.....دونوں گاڑی میں بیٹھے اور اسی طرف روانہ ہوگئے۔ لیکن وہ اس سڑک پر نہیں جاسکے تھے۔

ایک ڈیوٹی کانسٹیبل نے انہیں روک کر بائیں جانب مڑ جانے کو کہا تھا۔

''اُدھر ٹریفک بند ہے۔'' اس نے کہا۔

''کیوں.....؟'' پیٹر مچکوف کے ساتھی نے پوچھا۔

''کچھ گڑبڑ ہے.....بہرحال آپ لوگ اُدھر سے جایئے۔''

گاڑی بائیں جانب والی گلی میں موڑ دی گئی۔ اب وہ پیدل ہی اس سڑک کی جانب چل پڑے تھے۔ جس پر پاگل نیگرو کو گھیرا گیا تھا۔

وہاں انہیں دور تک جم غفیر نظر آیا۔ پولیس والے بھیڑ ہٹانے کی کوشش کر رہے تھے۔

''تم معلوم کرو کیا ہوا.....!'' پیٹر مچکوف نے اپنے ساتھی سے کہا اور وہ آگے بڑھ کر

بھیڑ میں غائب ہوگیا۔

پیٹر مچکوف ایک شوروم کی دیوار سے لگ کر کھڑا ہوگیا تھا۔

وہ اردو اچھی طرح سمجھ سکتا تھا۔ لیکن بولنے پر قادر نہیں تھا۔ اُس نے آس پاس کھڑے ہوئے لوگوں کی باتوں کی طرف کان لگا دیئے۔

کوئی کہہ رہا تھا۔ ''میاں وہ کوئی بدروح تھی..... خدا کی پناہ..... میں نے کبھی بھرا ہاتھی نہیں دیکھا..... لیکن وہ ایسا ہی ہوتا ہوگا۔''

''پندرہ بیس چمٹ گئے تھے.....!'' دوسری آواز سنائی دی۔

''اور اُس نے سبھوں کو روند کر رکھ دیا۔'' تیسری آواز آئی۔

اتنے میں ایک آدمی دوڑتا ہوا ان کے قریب سے گزرا..... اس نے انہی لوگوں سے تھا۔ ''رحیم بھی تھا..... وہ بھی کچلا گیا.....!''

اور وہ لوگ اس کے پیچھے دوڑتے چلے گئے۔

پیٹر مچکوف جیب سے پائپ نکال کر اس میں تمباکو بھرنے لگا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے پہلی اطلاعات سے مختلف باتیں سنیں۔ ایک آدمی دوسرے کہتا ہوا گزرا تھا۔ ''اس نے ان سبھوں کو مار ڈالا۔ دونوں ہاتھوں میں خنجر پکڑے ہوئے تھا۔''

پھر کچھ لوگ کہتے گزرے۔ ''وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ میں قرب قیامت کی دلیل ہوا میں نے غاصبوں کو مار ڈالا۔''

پیٹر مچکوف نے پائپ سلگا کر دھوئیں کے مرغولے چھوڑے اور پُرتفکر نظروں سے سمت دیکھتا رہا جدھر اس کا ساتھی گیا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ واپس آ گیا اور بولا۔ ''چلئے موسیو..... میں پوری رپورٹ پیش کروں گا

پیٹر مچکوف خاموشی سے اس کے ساتھ چلنے لگا۔

وہ گاڑی تک آئے۔ لیکن اس دوران میں کوئی کچھ بولا نہیں تھا۔

پیٹر کا ساتھی گاڑی کو دوسری سڑک پر لگا دینے کے بعد بولا۔ ''گیارہ آدمی مر ہیں..... اور وہ صاف نکل گیا۔''

''نکل گیا.....؟''

''ہاں موسیو.....!''

''اوہ تو گاڑی تیز چلاؤ..... مجھے نصیری بورڈنگ کے قریب اتار کر سیدھے اپنی جگہ پہنچ جانا۔''

''بہت بہتر موسیو۔''

کچھ دیر بعد اس نے گاڑی بتائی ہوئی جگہ پر روک دی اور پیٹر مچکوف اتر گیا۔

کچھ دیر وہ سڑک کے کنارے ہی کھڑا رہا تھا۔ پھر جب گاڑی نظروں سے اوجھل ہوگئی تو وہ بائیں جانب والی گلی میں مڑ گیا تھا۔

گلی کی عمارات میں سے ایک کے صدر دروازے کی کال بل کا بٹن دباتے وقت اس نے پائپ سے جلا ہوا تمباکو جھاڑا اور اُسے کوٹ کی جیب میں ڈال لیا۔

دروازہ کھلنے میں دیر نہیں لگی تھی۔ لیکن جس نے دروازہ کھولا تھا اس کے چہرے سے ایسے آثار نظر آئے جیسے پیٹر مچکوف کی شکل میں ملک الموت سے ملاقات ہوگئی ہو۔

مضطربانہ انداز میں پیچھے ہٹ کر اس نے پیٹر مچکوف کے لئے راستہ چھوڑا تھا۔

''کہو کیا خبر ہے۔'' پیٹر مچکوف نے آگے بڑھتے ہوئے پوچھا۔

دوسرا آدمی اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ اس نے جواب دینے کے لئے منہ کھولا اور پھر سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔

پیٹر مچکوف راہداری طے کر کے ایک کمرے میں آیا۔

دروازہ کھولنے والا بھی اس کے پیچھے پیچھے آیا تھا۔

''تم نے بتایا نہیں.....!'' پیٹر مچکوف کمرے میں پہنچ کر اس کی طرف مڑا۔ ''بتانے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے جناب۔'' اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''ہم اسے پکڑنے میں ناکام رہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''ہم دنیا کی آخری حد تک اس کا پیچھا کرتے لیکن.....!''

''بکو جلدی سے..... لیکن کیا.....؟''

''ہم اُسے گھیرے میں لے کر کسی مناسب سے مقام پر اُسے قابو میں کرنا چاہتے تھے کہ اچانک ایک ٹرک اس کے قریب سے گزرا..... سڑک سے اس پر جال پھینکا گیا..... وہ

الجھ کر گرا اور جال سمیت ٹرک میں کھینچ لیا گیا..... ہم سمجھے شائد آپ ہی نے کوئی دور
کرلیا ہے۔ لیکن پھر بھی ہماری گاڑیاں اس ٹرک کا تعاقب کرتی رہیں اور پھر جب ا
سے ہماری گاڑیوں پر فائر ہوئے تو معلوم ہوا کہ وہ کوئی دوسرے ہی لوگ ہوں گے۔

''ہوں..... اور اس فائرنگ کے بعد تم لوگ وہاں سے بھاگ نکلے۔'' پیٹر غرایا۔

''نہیں موسیو..... بلکہ وہاں سے ایک گز بھی آگے نہیں جا سکے تھے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''انہوں نے ہماری گاڑی کے ٹائروں پر فائر کئے تھے اور انہیں بیکار کر دیا تھا۔''

''پولیس.....!''

''میں سوچ بھی نہیں سکتا موسیو! پولیس کو کیا دلچسپی ہو سکتی ہے ان طریقوں
ہماری گاڑیوں پر فائر کرنے کے بعد بھاگ نہ جاتے..... اگر ہم ایسے ہی مشتبہ تھے
بھی فوراً ہی گرفتار کرنے کی کوشش کی جاتی۔''

''ایڈیٹ.....!'' وہ حلق پھاڑ کر دہاڑا اور بڑی تیزی سے دروازے کی طرف
پھر پلٹا اور پوچھا ''گاڑی موجود ہے۔''

''ہاں..... موسیو..... باہر کھڑی ہے۔''

''کنجی.....!''

اس آدمی نے جیب سے کنجی نکال کر اُس کے حوالے کی۔ پھر شائد اُس نے
میں دوڑتے ہوئے راہداری طے کی تھی۔ سیاہ رنگ کی گاڑی گلی میں کھڑی نظر آئی.....
اور طوفان کی طرح وہ وہاں سے روانہ ہوا تھا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے موت تعاقب کر رہی ہو..... جلد ہی گاڑی شہر کی حدود
نکل آئی اور اس کے بعد رفتار کا کیا پوچھنا..... سمت مقابل سے آنے والی گاڑیوں کو
نہیں دے رہا تھا۔ انہیں ہی کم رفتاری سے دوسری جانب کچے میں اترنا پڑ رہا تھا۔

گاڑی تار جام والی سڑک پر جا رہی تھی۔ پھر وہ نصیر آباد والی سڑک پر مڑ گئی
پھر موڑ سے زیادہ دور نہیں گئی تھی۔

یہاں سڑک کے کنارے کئی بڑے بڑے زراعتی فارم تھے۔ وہ ایک ایسے پھاٹ

مڑ گئی جس پر ''ذاتی تجرباتی فارم'' کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ یہاں دور دور تک چاروں طرف ہرے
بھرے کھیت نظر آ رہے تھے اور ایک جانب ایک چھوٹی سی عمارت تھی۔

اُس نے گاڑی روکی اور دوڑتا ہوا عمارت میں داخل ہو گیا۔ ایک آدمی سے ٹکرایا تھا۔
دروازے میں داخل ہوتے وقت۔

''مجھے افسوس ہے جناب۔'' وہ آدمی بولا۔

''مادام کہاں ہیں.....؟'' پیٹر نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''مکئی کے کھیتوں میں.....!'' اُس نے بڑے ادب سے جواب دیا۔

وہ پھر الٹے پاؤں باہر واپس آیا اور کھیتوں کی طرف دوڑنے لگا۔

مکئی کے کھیتوں کے درمیان ایک سفید فام بوڑھی عورت ملی..... وہ بڑی توجہ اور
انہماک سے پودوں کے درمیان کچھ دیکھتی پھر رہی تھی۔

''مادام.....'' پیٹر مچکوف بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

بوڑھی عورت نے چونک کر سر اٹھایا۔

''کیا بات ہے پیٹر.....؟'' اس نے پروقار لہجے میں پوچھا۔

''بُری خبر ہے مادام.....!''

''پہلے تم اپنی سانسیں درست کرو۔'' وہ تلخ لہجے میں بولی اور پھر بڑے اطمینان سے
دوبارہ مشغول ہو گئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا محدب شیشہ تھا جس کے ذریعے وہ پودوں
کی جڑوں کے قریب کچھ دیکھ رہی تھی۔

پیٹر مچکوف خاموش کھڑا رہا۔

بوڑھی عورت نے ایک بار بھی سر اٹھا کر اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

آخر وہ کچھ دیر بعد کھنکار کر بولا۔ ''میں عرض کر رہا تھا مادام کہ ایک بُری خبر ہے۔ میں
پہلے بھی ان آدمیوں سے مطمئن نہیں تھا جو ہمارے لئے کام کر رہے ہیں۔''

''اس بُری خبر کے سننے سے پہلے میں کسی کے بارے میں کوئی رائے قائم نہیں کر سکتی۔''

''گیارہ آدمی مر گئے..... وہ بھی نکل بھاگا۔ لیکن یہ نالائق اُسے اپنے قابو میں نہ کر سکے۔''

''مر گئے.....!'' بوڑھی عورت نے لاپرواہی سے کہا۔

''لیکن کچھ اور بھی ہوا ہے مادام.....!''

''جلدی بکو۔''

''کسی نے ایک ٹرک سے اس پر جال پھینکا اور کھینچ لے گیا۔ یہی نہیں بلکہ ہمارے آدمیوں کی گاڑیوں پر فائر بھی ہوئے تھے اس ٹرک سے..... ٹائر بیکار ہوگئے اور وہ ٹرک پیچھا نہ کر سکے۔''

''کوئی بات نہیں..... سب کچھ میری مرضی کے مطابق ہو رہا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو بڑی مایوسی ہوتی۔''

پیٹر مچکوف کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آئے۔ اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن پھر کچھ سے ہونٹ بھینچ لئے۔ بوڑھی عورت محدب شیشہ بیگ میں ڈال کر اٹھ گئی تھی۔

اس نے پیٹر مچکوف سے کہا۔

''میرے ساتھ آؤ..... میرے سینکڑوں روپ ہیں..... اور ہر روپ میں میری صلاحیتیں بھی مختلف ہیں..... ہاں..... اس کا کیا ہوا.....؟''

''اسے آپ کے احکام کے مطابق وہیں پہنچا دیا گیا۔''

''ٹھیک ہے.....!''

تھیلے کی اچھل کود

قاسم کی آنکھ کھلی تو اُس نے خود کو کسی دوسری جگہ پایا۔ یہ قمی کا نگار خانہ تو نہیں تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بستر آرام دہ تھا اور خواب گاہ کسی ذی حیثیت فرد کی معلوم ہوتی تھی۔ لیکن پچھلی رات تو وہ قمی کے نگار خانے میں سویا تھا..... وہ اُسے وہاں کچھ دیر کے لئے چھوڑ کر باہر گئی تھی اور قاسم اُس کے جانے کے بعد اونگھنے لگا تھا..... یادداشت پر زور دینے کے باوجود بھی اُسے یاد نہ آسکا کہ وہ اس غنودگی سے پیچھا چھڑا سکا ہو..... وہ تو بس سوہی گیا

تھا..... اور اس کے بعد اس وقت آنکھ کھلی۔

گھڑی پر نظر ڈالی..... تاریخ بھی دوسرے دن کی تھی۔

اُس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں بستر چھوڑ دیا۔

اس کا خیال تھا کہ قمی اسے جان و دل سے چاہنے لگی ہے۔ دل و جان کے علاوہ اس کی چاہت میں معدے کو بھی دخل تھا۔ یعنی ہر وقت قاسم کا پیٹ بھرا رکھتی تھی۔

اس کے علاوہ اُسے اور کیا چاہئے تھا..... ایک چاہنے والی تگڑی سی عورت اور حلق تک ٹھونسنے کے لئے گوشت.....!

اس ایک ہفتے کے دوران میں قاسم صرف ایک بار اپنے گھر گیا تھا اور وہاں اطلاع دی تھی کہ ایک تبلیغی جماعت کے ساتھ باہر جا رہا ہے۔ بیوی کو یقین نہیں آیا تھا اور قاسم نے جھلا کر کہا تھا۔ ''ٹھینگے سے..... اچھا میں لونڈیاں بنانے کا کارخانہ کھولنے جا رہا ہوں..... قرلو جو کچھ کرنا ہو۔''

اور پھر وہ بیوی کی بات سننے کے لئے وہاں رکا ہی نہیں تھا۔

ادھر چار دنوں سے وہ قمی ہی کے ساتھ رہا تھا..... دن بھر وہ دونوں ادھر اُدھر گھومتے پھرتے اور رات کو اسے نگار خانے میں تنہا چھوڑ کر کہیں چلی جاتی..... پھر بے چارہ قاسم سوچتا ہی رہ جاتا کہ آخر اس پر اتنی شدت سے نیند کا حملہ کیوں ہوتا ہے۔ وہ اس سے کہتی ''ٹھہرو میں ابھی آئی۔'' اور وہ اس کا انتظار کرتے کرتے سو جاتا۔ پھر دوسری صبح ہی ملاقات ہوتی اور وہ اس سے کہتی ''آخر ایسی بھی کیا نیند..... میرا انتظار نہیں ہوسکتا۔''

''تو تم نے جگایا قیوں نہیں.....!'' قاسم کہتا۔

''بس اس کی کسر رہ جاتی ہے کہ تمہیں سوتے میں ڈنڈوں سے پٹوایا جائے..... شرافت کے برتاؤ سے تو نہیں جاگتے۔''

اور قاسم فخریہ انداز میں ''ہی ہی'' کر کے کہتا۔ ''میری ہر بات عجیب ہے۔''

وہ رومینٹک لہجے میں کہتی۔ ''ہاں..... تم عجیب ہو..... عام آدمیوں سے بالکل مختلف۔ اسی لئے تو میں تمہیں اتنا چاہتی ہوں..... تم پہلے مرد ہو جس نے میرے ذہن کی پیچیدگیوں کو سمجھا ہے۔''

قاسم غرور سے سینہ پھلائے ہوئے تیکھی نظروں سے دائیں بائیں دیکھتا اور پھر بڑ
سے کہتا۔ ''تو پھر اب ناشتہ کرادو نا بھوخ کے مارے میری جان نقلی جارہی ہے۔''

آج بھی اس نے قمی کو آوازیں دیں۔ لیکن نوشابہ کہہ کر ہی پکارتا رہا۔

ایک عورت خواب گاہ میں داخل ہوئی۔ چند لمحے اُسے حیرت سے دیکھتی رہی پھر بولی
''تم پھر میرا نام بھول گئے۔''

''مم..... میں نہیں جانتا..... آپ قون ہیں.....!'' قاسم ہکلایا۔

لیکن یہ عورت تو قمی سے بھی زیادہ دلکش تھی۔

''ارے تم مجھے نہیں جانتے..... اپنی فوزیہ کو..... تمہیں کیا ہوگیا ہے۔''

''میں خواب تو نہیں دیکھ رہا۔'' قاسم آہستہ سے بڑبڑایا۔ ''پھر اونچی آواز میں بو
''ارے ہاں ہاں.....؟''

''چلو..... حوائج سے فارغ ہوجاؤ جلدی سے۔''

''حوائج.....؟'' قاسم نے احمقانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

''ہاں..... ہاں.....!''

''میرے پاس تو نہیں ہے.....!'' قاسم نے بے بسی سے کہا۔

''کیا نہیں ہے..... تمہارے پاس..... ارے باتھ روم وغیرہ جانے کو کہہ رہی تھی۔''

''اچھا..... اچھا.....!''

''ہاں جلدی کرو..... آج ہماری شادی کی تیسری سالگرہ ہے نا.....!''

''قس قی شادی کی.....؟''

''میری اور تمہاری شادی کی..... ارے تم کیسی بہکی بہکی باتیں کررہے ہو۔''

''میرا قیا نام ہے.....؟'' قاسم نے بوکھلا کر پوچھا۔

''قاسم ہے بابا..... تم روز یہی سوال کرتے ہو..... کہیں دماغ تو نہیں چل گیا۔''

قاسم اس طرح اپنا سر ٹٹولنے لگا کہ اگر واقعی چل گیا ہو تو اُسے فوری طور پر روکنے
کوشش کرے۔

''چلو جاؤ..... جلدی کرو..... ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔'' وہ پھر بولی۔

ناشتے کے نام پر قاسم کو جیسے ہوش آ گیا اور وہ اس دروازے کی طرف بڑھا جو یقینی طور
تھ روم ہی رہا ہوگا..... ہینڈل گھما کر دروازہ کھولتا ہوا آہستہ سے بڑبڑایا۔ ''ٹھینگے
پہلے ناشتہ قرلوں..... پھر دیکھا جائے گا۔''

باتھ روم سے برآمد ہونے پر اس عورت کو وہیں پایا۔

''چلو..... آؤ میرے ساتھ..... ہوسکتا ہے تمہیں ڈائننگ روم کا راستہ بھی نہ یاد
..... میں تو تنگ آ گئی ہوں تم سے..... رات گئے تک گھر سے غائب رہتے ہو..... اور
ح دیر تک سوتے ہو.....!''

''میں.....!'' قاسم نے حیرت سے کہا۔ ''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے محترمہ.....!''

''کیا ہوئی ہے.....؟''

''مطلب یہ کہ آپ کچھ غلط سمجھی ہیں۔''

''ہاں میں تو غلط ہی سمجھا کرتی ہوں..... عقل تو صرف تمہارے حصے میں آئی ہے۔
ارے ارے کہاں چلے جارہے ہو۔ یہی ہے ڈائننگ روم.....!''

قاسم دروازے میں داخل ہوا..... اور پھر اس طرح رک گیا جیسے کسی گاڑی میں دفعتاً
پورے بریک لگے ہوں۔

سامنے ایک بڑی سی میز پر قمی کا سر نظر آیا جو ایک طشت میں رکھا ہوا تھا..... دوسرے
طشت میں بڑی بڑی پنڈلیاں نظر آئیں..... تیسرے میں گدرائی ہوئی باہیں..... اسی طرح
جسم کے مختلف حصے الگ الگ طشتوں میں رکھے ہوئے تھے۔

''یہ..... یہ..... ارے.....؟'' قاسم ہکلایا۔

''ناشتہ ہے..... شروع کردو.....!'' عورت اُسے آگے دھکیلتی ہوئی بولی۔

''خون..... خون..... قتل..... قتل.....!'' قاسم وحشیانہ انداز میں چیخا۔

''پاگل تو نہیں ہوگئے..... چلو جلدی کرو..... ورنہ سموسے ٹھنڈے ہوجائیں گے۔''

''قہاں ہیں سموسے.....!'' قاسم رونی آواز میں دہاڑا۔

''یہ رہے.....!'' اس نے ایک طشت کی طرف اشارہ کیا۔

پھر قاسم نے قہقہے کی آواز سنی..... یہ سو فیصدی قمی ہی کا قہقہہ تھا۔ وہ آواز کی سمت مڑا۔

قمی ایک دروازے میں کھڑی نظر آئی..... بالکل کوئی فلمی روح لگ رہی تھی۔

قاسم کے حلق سے بھانت بھانت کی بے ہنگم آوازیں نکلنے لگیں..... اور

سے فرش پر آ رہا۔



اُس ویران جزیرے میں یہ حمید کا ساتواں دن تھا..... ان سات دنوں میں

برابر بھی الجھن محسوس نہیں ہوئی..... جینی خاصی زندہ دل لڑکی ثابت ہوئی تھی۔

اس وقت بھی وہ دونوں جھونپڑے کے باہر بیٹھے بوڑھے آدمی کی اوٹ پٹانگ

دیکھ رہے تھے۔

''کیا تمہارے پاپا کا کوئی اسکریو ڈھیلا ہے۔'' حمید نے جینی سے پوچھا۔

''پاپا بیچارے بہت ستم رسیدہ ہیں..... میری ماں فضول خرچ تھی۔ ہمیشہ مقر

ہیں..... وہ تو کہتے ہیں کہ میں نے یہاں پہنچ کر دوسری زندگی پائی ہے۔''

''اور تمہارا کیا خیال ہے۔''

''اب میں بھی خوش ہوں..... تنہائی سے اکتاتی تھی..... لیکن تم نے

بارے میں ابھی تک کچھ نہیں بتایا.....!''

''جس دن آیا تھا شاعر تھا..... دوسرے دن طنز نگار بن گیا..... تیس

صحافی..... چوتھے دن نقاد..... پانچویں دن ڈپٹی کلکٹر..... چھٹے دن فری لانسر اور

ساتویں دن خود کو دنیا کا عظیم ترین چغد محسوس کر رہا ہوں۔''

''تمہاری باتیں دلچسپ ہوتی ہیں لیکن بعض اوقات سمجھ میں نہیں آتیں۔''

''تم کون ہو.....؟''

''میں ایک لڑکی ہوں.....!'' وہ ہنس کر بولی۔

''لیکن میں چغد ہوں..... دل بہلاؤ مجھ سے۔''

''پتہ نہیں کیسی باتیں کرنے لگے۔''

''لڑکیوں کو اگر بیوقوف نہ بناؤ تو کچھ دنوں کے بعد سچ مچ چغد ہی سمجھنے لگتی ہیں۔ لہٰذا

میں نے پہلے ہی اپنے چغد ہونے کا اعتراف کر لیا۔''

''سچ کہتی ہوں..... آج تم بے تکی ہانک رہے ہو۔''

''وہ دیکھو.....!'' حمید نے بوڑھے کی طرف اشارہ کیا جو ایک ٹانگ پر کھڑا ہو کر ناچنے

کی کوشش کر رہا تھا۔

''ان حضرت کو ایک عورت چغد سمجھتی رہی تھی۔''

''جاؤ..... اب نہیں بولوں گی..... آج پتہ نہیں کیسی باتیں کر رہے ہو۔''

''یہاں اس ویران جزیرے میں مجھے بولنے دو اور خاموشی سے سنتی رہو..... یہاں نہ

کوئی قانون ہے اور نہ کوئی اخلاقی ضابطہ..... یہاں تم مجھ سے یہ نہیں کہہ سکتیں کہ اگر تمہیں

میرے خلوص پر یقین نہیں تو لو میں ہمیشہ کے لئے جا رہی ہوں۔''

''بولے جاؤ..... میں کچھ نہ کہوں گی۔''

''بلاشبہ یہاں تم کچھ نہ کہو گی..... کہو گی بھی تو پھر پلٹ کر ادھر ہی آنا ہے..... ایک

مجبوری..... یہاں تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں.....!''

دفعتاً بوڑھا زور سے چیخا۔

''لڑکے دیکھو..... میں ایک ٹانگ پر ناچ سکتا ہوں۔''

''ناچے جاؤ.....!'' حمید نے جواب دیا۔ ''اب تمہاری زندگی میں کوئی نچانے والی

نہیں آئے گی تمہیں خود ہی ناچنا ہے۔''

بوڑھا ناچتے ناچتے رک گیا..... پھر تیزی سے چلتا ہوا ان کے قریب آ کر بولا۔ ''کیا

کہا تم نے.....؟''

''کچھ نہیں..... بیٹھ جاؤ..... تھک گئے ہو گے۔''

''پاپا..... آج یہ صبح سے فلسفیوں جیسی گفتگو کر رہا ہے۔'' جینی بولی۔

''تم نے ضرور اُسے کوئی دکھ پہنچایا ہے۔''

''میں نے.....نہیں تو.....!''

''پڑھا لکھا آدمی ہمیشہ اسی وقت فلسفیوں جیسی گفتگو کرتا ہے جب اُسے کسی عورت کی طرف سے دکھ پہنچتا ہے..... یا وہ اُس سے دھوکا کھاتا ہے.....اُسے گالیاں اس لئے نہیں دے سکتا کہ عورت ہی تو ماں بھی ہوتی ہے پس وہ فلسفیوں جیسی گفتگو کرنے لگتا ہے۔''

''اب مجھے بور ہونا پڑے گا.....!'' جینی جھنجھلا کر بولی۔''تم بھی فلسفیوں جیسی باتیں کرنے لگے۔''

''عورت اچھی طرح سمجھتی ہے کہ کسی فلسفے کے پس منظر میں کیا ہے۔اس لئے اسے بور ہونا ہی چاہئے.....لیکن مرد اسی طرح شاعری سے فلسفے کی طرف چھلانگ لگاتا ہے۔''

''اچھا بس.....!'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔''میں تو صرف بور ہی تھا تم مہا بور معلوم ہوتے ہو۔''

''جب تم یہ محسوس کر لیتے ہو کہ لوگ تمہاری باتوں پر متحیر نہیں ہیں تو تم بور ہونے لگتے ہو۔''

''کاش اس وقت میرے ہاتھ میں ٹویلو بور ہوتی۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''میں ساحل پر جا رہا ہوں.....!'' بوڑھا اٹھتا ہوا بولا۔

اس کے چلے جانے کے بعد بھی وہ دونوں خاموش رہے۔

حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا..... بڑی عجیب بات تھی کہ اُسے یہاں پر نس ہنری تمباکو مل رہا تھا.....کئی ڈبے دوسرے ہی دن ساحل پر پڑے ملے تھے.....کھانے پینے کی کوئی تکلیف نہیں تھی..... چھاگلوں میں میٹھا پانی بھی کسی طرح وہاں پہنچ جاتا تھا۔

دو راتیں جاگ کر اُس نے معلوم کرنے کی کوشش کی تھی کہ وہ سارا سامان کہاں سے آتا ہے.....لیکن اُسے کامیابی نہیں ہوئی تھی۔

پھر اُس نے سوچا کچھ دن کاہلی میں گزارنے کے لئے یہ جزیرہ بُری جگہ نہیں.....اس تصور کو قریب نہیں بھٹکنے دیتا تھا کہ یہاں سے رہائی محال ہوگی۔تن بہ تقدیر کبھی نہیں ہوا تھا.....کچھ عجیب سی ذہنی کیفیت سے دوچار تھا۔ہوسکتا ہے یہ سمندری ہوا کا اثر رہا ہو۔

اس نے جینی کی طرف دیکھا وہ منہ پھلائے بیٹھی تھی۔

''کیا تمہیں کوئی بیماری ہوگئی ہے۔'' حمید نے اُسے چھیڑا۔

''ہاں.....ہم دونوں باپ بیٹی کا دماغ الٹ گیا ہے۔''

''دیکھو یہاں اس ویرانے میں جھگڑا نہ کرو.....کبھی کبھی میرا دماغ الٹ جاتا ہے۔''

''آؤ اب مزے مزے کی باتیں کریں.....!''

''مجھے نیند آ رہی ہے۔'' وہ اٹھتی ہوئی بولی۔

''کچھ ہی دیر پہلے تو سو کر اٹھی ہو.....؟''

''پھر سوؤں گی.....!'' اُس نے کہا اور جھونپڑی میں چلی گئی۔

حمید نے پائپ سلگا کر ایک طویل سانس لی اور خلاء میں گھورنے لگا۔

اولیویا نارمن دوبارہ اس پر قابو پانے میں کامیاب ہوگئی۔پہلے بھی اُسے فریدی کے لئے پاگل بنا چکی تھی.....لیکن فریدی کی حکمت عملی نے نہ صرف خود کو اُس سے بچائے رکھا تھا بلکہ اسے بھی اُس کے پنجے سے رہائی دلائی تھی۔

آخر وہ فریدی سے کیا چاہتی تھی۔حمید سوچتا اور پائپ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا۔

قاسم کے ساتھ پائی جانے والی لڑکی یقینی طور پر اُسی سے تعلق رکھتی تھی لیکن حمید تو اس بنت میک اپ میں تھا۔یقیناً اس سے غلطی ہوئی تھی۔اُسے قاسم سے چھیڑ چھاڑ نہ کرنی چاہئے تھی کہ محض اسی بناء پر وہ پہچانا جا سکتا ورنہ اس میک اپ میں پہچان لیا جانا ممکن نہیں تھا۔

پھر اس جزیرے میں ہوش آنے کے بعد اس نے خود کو اپنی اصلی شکل میں پایا تھا۔

اس نے بجھے ہوئے پائپ سے تمباکو جھاڑی اور اٹھ کھڑا ہوا۔بوڑھا آتا دکھائی دے رہا تھا۔پشت پر کوئی وزنی چیز لادر کھی تھی۔

وہ اس کی مدد کرنے کے لئے آگے بڑھا۔

''یہ بھی آیا ہے.....!'' بوڑھا ہانپتا ہوا بولا۔''تم سنبھالو.....میں تو مرا جا رہا ہوں بوجھ سے۔''

وہ ایک بہت وزنی تھیلا تھا.....لمبا اور حجم بھی معمولی نہیں تھے۔

اسے اپنی پشت پر سنبھالتے وقت حمید بُری طرح لڑکھڑایا تھا۔

''اس میں کیا ہے؟'' اس نے بوڑھے سے پوچھا۔

''یہ تو کھولنے ہی پر معلوم ہوگا۔'' بوڑھا ہانپتا ہوا بولا۔

اور پھر حمید کے قدم باقاعدہ طور پر ڈگمگائے تھے۔ کیونکہ اُسے اس تھیلے میں کوئی جسم محسوس ہوا تھا..... اور وہ بے حس و حرکت بھی نہیں تھا..... پھر اس نے اس زور سے پیر چلائے کہ حمید اُسے چھوڑ کر اچھلا اور دور جا کھڑا ہوا۔

''یہ کیا مصیبتیں ڈھونڈتے پھرتے ہو تم۔'' حمید نے اسی سے کہا۔ کیونکہ اس نے زمین پر پڑے پڑے اچھلنا کودنا شروع کر دیا۔

''مم..... میں کیا جانوں.....!'' بوڑھا ہکلایا۔ ''میں تو سمجھا تھا شائد ہمارے کی کوئی چیز بھیجی گئی ہے۔''

''کھولو اسے.....!'' حمید نے کہا۔

''میں تو ہاتھ نہیں لگاؤں گا.....!'' بوڑھا پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

حمید اُسے بُرا بھلا کہتا ہوا خود آگے بڑھا اور بیٹھ کر تھیلے کا منہ کھولنے لگا۔

تھیلے کا منہ کیا کھلا قیامت ٹوٹی..... گالیوں کا ایک طوفان تھا جو اس تھیلے سے ہو رہا تھا۔

حمید پھر پہلے ہی کی طرح اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

''میرے خدا..... میرے خدا.....!'' بوڑھے نے دونوں ہاتھوں سے اپنے کر لئے۔ کیونکہ گالیوں کا یہ طوفان انگریزی ہی میں تھا۔

ایک دلکش چہرہ تھیلے سے برآمد ہوا تھا۔ جینی سے بھی زیادہ خوبصورت لڑکی تھی۔

تھیلے سے باہر آتے ہی اس کی زبان گنگ ہوگئی اور وہ حیرت سے آنکھیں پھا چاروں طرف دیکھنے لگی نہ جانے کیوں حمید کو یہ چہرہ کچھ جانا پہچانا سا لگ رہا تھا۔

بوڑھا بھی ان کے قریب آ کھڑا ہوا۔

''مم..... میں کہاں ہوں.....؟'' لڑکی نے آہستہ سے پوچھا۔

اور پھر حمید کو یاد آیا کہ اس نے اُسے کہاں دیکھا تھا۔ لیکن وہ خاموش کھڑا رہا۔

لڑکی نے انگریزی میں سوال کیا تھا۔ بوڑھا آگے بڑھا اور بولا۔ ''تم وہیں ہو ہیں..... لیکن اب میرے مکان میں گنجائش نہیں رہی تمہیں باہر پڑے رہنا ہوگا۔''

وہ کچھ نہ بولی۔ انداز ایسا تھا جیسے اپنے گردوپیش کے ماحول کو سمجھنے کی کوشش کر

''کیا تم مجھے اپنا نام بتا سکو گی.....؟'' حمید نے آگے بڑھ کر آہستہ سے پوچھا۔

''میڈونا.....!''

''اور تم اردو بھی روانی سے بول سکتی ہو۔''

''میں نہیں جانتی تم کون ہو.....!''

''اولیویا نارمن نے تمہیں کس جرم کی پاداش میں یہ سزا دی ہے۔ یہ ایک ویران جزیرہ ہے میڈونا ڈیئر۔''

''میں نے..... کوئی جرم نہیں کیا..... میں نے کوئی غلطی نہیں کی۔ ہمیشہ اس کی عبادت کی ہے..... تم کون ہو.....!''

''کیا تم تنہا ہو.....؟''

''میں کچھ نہیں جانتی..... مجھے تھیلے میں کس نے بند کیا تھا..... کون ہو تم لوگ.....!'' اس کا پارہ چڑھا جا رہا تھا۔

حمید نے سوچا وہ تنہا تو نہ ہوگی..... ہوسکتا ہے قاسم بھی اس کے ساتھ یہاں پھکوایا گیا ہو۔ پتہ نہیں وہ عورت کس چکر میں ہے..... فریدی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے اس نے یہ کھڑاک کیا..... قاسم کے خواب سے لے کر ریڈیم کے پوشیدہ ذخائر تک ایک عجیب سا گورکھ دھندا پھیلایا تھا..... اگر چپ چاپ ان ذخائر کو نکال لے جانا ہی مقصد تھا تو پھر فریدی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

وہ ان دونوں کو وہیں چھوڑ کر نشیب میں اترتا چلا گیا۔ راستہ وہی تھا جدھر سے بوڑھا تھیلا اٹھائے دکھائی دیا تھا۔

آدھے گھنٹے کے اندر اندر اس نے پورا جزیرہ چھان مارا۔ لیکن قاسم کا سراغ کہیں نہ ملا۔

چار و ناچار پھر جھونپڑے ہی کی طرف پلٹ آیا تھا۔

جینی اور میڈونا جھونپڑے کے باہر اسٹولوں پر بیٹھی نظر آئیں۔

''تم پہلے کہاں گئے تھے.....؟'' جینی نے اُس سے پوچھا۔

''ایک موٹی عقل والے موٹے کو تلاش کر رہا تھا۔''

''کیا مطلب.....؟'' میڈونا چونک کر اُسے گھورنے لگی۔

''کیوں.....؟ کیا تم اُسے جانتی ہو۔'' جینی کو بھی اس کے انداز پر چونکنا پڑا تھا۔

''نہیں میں قطعی نہیں جانتی لیکن اس کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے جیسے مجھے جانتا ہو۔''

''ہاں میں تمہیں جانتا ہوں.....موٹے کو تم نے کہاں چھوڑا تھا۔''

''جہاں میں تھی۔''

''تم کہاں تھیں.....؟''

''تم بتاؤ تم کون ہو.....پھر میں بتاؤں گی۔''

''میں ڈاکٹر زیٹو ہوں..... برما میں مادام اُدلیویا کے لئے کام کرتا تھا۔ انہوں نے میری شادی ایک برمی لڑکی سے کرنی چاہی تھی میں نے انکار کر دیا.....انہوں نے مجھ پاس طلب کر لیا اور کچھ دنوں کے بعد یہ سزا دی۔ یہاں اس ویران جزیرے میں پھکوا دیا لیکن مجھ سے تو کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی۔''

''وہ عجیب عورت ہے.....اُسے کوئی نہیں سمجھ سکتا۔''

''تو تم اس سے پہلے کسی عورت کے ملازم تھے۔'' جینی نے پوچھا۔

''پیدائشی خادم ہوں.....عورتوں کا.....چاہے وہ مجھے تنخواہ دیں یا نہ دیں۔ طالب علمی کے زمانے میں ایک لڑکی کا ٹیوشن کیا تھا.....اس سے ٹیوشن فیس کبھی نہ لی.....گھر سے سلف بھی لا دیا کرتا تھا.....لیکن عجیب حال ہے ان کا.....ان کی پرواہ کرو تو یہ سر پر چڑھ جاتی ہیں..... پرواہ نہ کرو تو بالکل خفا ہو جاتی ہیں۔''

''تو تم اسے بھی پہلے سے جانتے ہو.....؟'' جینی نے میڈونا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یقیناً.....!''

''اب میں تم سے بات نہیں کروں گی۔'' وہ جھلا کر بولی اور اٹھ کر جھونپڑے کے اندر چلی گئی۔ حمید ہنسنے لگا۔

''دیکھا تم نے۔'' اس نے میڈونا سے کہا۔ ''شاید لڑکی سمجھتی ہے کہ میں پیدا ہونے کے بعد سیدھا اسی کے پاس چلا آیا ہوں۔''

''یہ کون لوگ ہیں.....؟'' میڈونا نے پوچھا۔

''کوئی بھی ہوں..... میں سے تو نہیں ہو سکتے۔ بوڑھے نے کبھی مادام کا ذکر نہیں کیا۔''

ہیں نا۔''

''وہ کہہ رہی تھی کہ اس وقت اس جزیرے میں ہم چاروں کے علاوہ اور کوئی نہیں۔''

''ٹھیک کہہ رہی تھی۔''

''آخر کیوں.....؟ میں یہاں کیوں بھیجی گئی ہوں۔''

''سزا کے طور پر..... ہاں ان دنوں تمہارے ذمہ کیا کام تھا؟''

''یہی کہ اس موٹے آدمی کو اپنے ساتھ الجھائے رکھوں۔''

''پچھلی بار تم نے اُسے کب دیکھا تھا؟''

''ارے پچھلی رات ہی ہم دونوں ساتھ تھے.....میں نے اُسے کافی میں خواب آور دوا دی تھی اور باہر چلی گئی تھی۔ پھر تھوڑی دیر بعد واپس آئی تھی اور اسے سوتا چھوڑ کر اپنی خواب گاہ میں چلی گئی تھی۔ دوسری پچھلی راتوں میں بھی یہی کرتی رہی تھی۔''

''بہرحال اس کے بعد آنکھ اس جزیرے میں کھلی۔''

''ہاں.....میری سمجھ میں نہیں آتا۔''

''مادام کو سمجھنا بے حد مشکل ہے۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''اب ہمارا کیا ہوگا۔''

''مجھے تو قطعی پرواہ نہیں ہے۔'' حمید نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

وہ اسے غور سے دیکھتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد حمید بولا۔ ''اگر صرف اس بوڑھے سے ہماری ملاقات ہوئی ہوتی تو میں یقینی طور پر چٹان سے سر ٹکرا کر مر گیا ہوتا۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''کچھ سمجھنے میں جلدی کرنے کی ضرورت نہیں۔ فی الحال تھکن دور کرو۔''

اندر سے جینی نے چیخ کر کہا۔ ''میں کافی نہیں بناؤں گی۔''

''سنا تم نے.....!'' حمید مسکرا کر بولا۔ ''وہ سمجھتی ہے کہ میں تم سے بہت زیادہ متاثر ہوا ہوں۔''

''میں فی الحال تمہاری زندہ دلی برداشت کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔'' میڈونا نے منہ بنا کر کہا۔

جینی نے پھر چیخ کر حمید کو اطلاع دی کہ وہ اس کے لئے کافی نہیں بنائے گی.....اور

حمید اٹھ کر اندر آیا۔ وہ منہ پھلائے کھڑی تھی۔

''کیوں کیا بات ہے..... تمہیں غصہ کیوں آ گیا۔'' حمید نے پوچھا۔

''تم اس سے بے تکلف کیوں ہو رہے ہو جبکہ وہ تمہیں جانتی تک نہیں۔''

''بس اتنی سی بات..... ارے میں تو یونہی اخلاقاً اُسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا، ہم خوش اخلاق لوگ ہیں اسے یہاں کوئی پریشانی نہ ہوگی۔''

''میں اُسے جھونپڑے میں تو نہ رہنے دوں گی..... اپنے لئے کہیں اور انتظام کرلے۔''

''مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ وہ کہاں رہے گی۔ لیکن تم مجھ پر اس زور و شور سے حق کیوں جتا رہی ہو۔''

''نہ جتاؤں۔'' وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

''میں نے یہ تو نہیں کہا..... خیر میں خود ہی کافی بنالوں گا۔''

''باہر چلے جاؤ چپ چاپ..... ورنہ سر توڑ دوں گی.....!'' وہ بپھر گئی اور حمید واقعی چپ چاپ باہر چلا گیا۔ میڈونا اب وہاں نہیں تھی۔ بوڑھا بھی کہیں نہ دکھائی دیا۔

حمید نے ان دونوں کو آوازیں دیں..... لیکن جواب ندارد۔ اس نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی اور اسٹول پر بیٹھ کر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

سمندری ہوا کے نم آلود جھونکے اُس کے چہرے پر چپچپاہٹ سی پیدا کر رہے تھے۔

زہریلا خون

اُس بڑے کمرے میں ہر شخص متفکر نظر آ رہا تھا۔ یہ محکمہ سراغ رسانی کے ڈی آئی جی کی کانفرنس تھی۔ ایک بڑی میز کے گرد محکمہ سراغ رسانی کے آفیسر بیٹھے ہوئے تھے اور ڈی آئی جی صدر نشین تھا۔

دفعتاً اُس نے اپنے سامنے رکھا ہوا فائیل بند کرتے ہوئے کہا۔ ''پوسٹمارٹم کی رپورٹ

بتاتی ہے کہ کسی قسم کی چوٹ ان گیارہ آدمیوں کی اموات کا باعث نہیں بنی تھی..... بلکہ ان کے جسم میں زہر کے اثرات پائے گئے ہیں..... زہر مسامات کے ذریعے جسموں میں جذب ہو کر خون میں شامل ہو گیا تھا۔''

ڈی آئی جی خاموش ہو گیا۔

وہ سب اس کا چہرہ تکے جا رہے تھے..... اور وہ خود تو تھا ہی صورت سوال..... دفعتاً گھنٹی کی ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ سوئچ پر سبز رنگ کا بلب روشن ہو گیا۔

ڈی آئی جی نے سوئچ بورڈ کی طرف دیکھا اور اپنے پی اے سے بولا۔ ''دیکھو.....!''

پی اے اٹھ کر ایک دروازے کی جانب بڑھا اور اُسے کھول کر دوسری طرف چلا گیا۔

ڈی آئی جی پھر حاضرین سے مخاطب ہو گیا۔

''یہ اطلاع کس نے دی تھی کہ اسے بالآخر کوئی اٹھا لے گیا۔'' اس نے سوال کیا۔

''میں نے جناب! یہ محض اتفاق تھا کہ میں اس وقت وہیں موجود تھا۔'' انسپکٹر ملک بولا۔ ''ایک ٹرک سے اس پر جال پھینکا گیا تھا..... پھر اُسی ٹرک سے فائرنگ بھی ہوئی تھی..... اور وہ لوگ اُسے اٹھا کر صاف نکل گئے تھے۔''

''پھر تم نے کیا کیا.....؟''

''میرے پاس اس وقت گاڑی بھی نہیں تھی جناب.....! فوری طور پر کوئی اور ذریعہ بھی ہاتھ نہ آ سکا کہ میں ٹرک کا تعاقب کرتا۔''

''فائرنگ سے کوئی زخمی ہوا تھا.....؟''

''نہیں جناب! میرا خیال ہے کہ انہوں نے دہشت پھیلانے کیلئے ہوائی فائر کئے تھے۔''

اتنے میں ڈی آئی جی کا پی اے واپس آ گیا اور اس نے اُسے ایک چٹ دی۔

چٹ پر نظر ڈالتے ہی ڈی آئی جی اٹھ گیا۔

''آپ لوگ تشریف رکھیں..... میں ابھی آیا۔''

پھر وہ بھی اسی دروازے کی طرف بڑھ گیا جس سے کچھ دیر قبل پی اے گیا تھا۔

دفعتاً انسپکٹر آصف نے جھک کر ملک سے سرگوشی کی۔ ''تم نے ٹرک والی ہوائی چھوڑ کر

''ہوائی.....؟''

''ہوائی ہی کہنا چاہئے.....!'' آصف کے لہجے میں بے اعتباری تھی۔

''کاش تم نے ڈی آئی جی صاحب کے سامنے اپنی رائے ظاہر کی ہوتی۔'' انسپکٹر ملک نے تلخ لہجے میں کہا۔

''تو کیا ہوتا.....؟'' آصف نے آنکھیں نکالیں۔ ''کیا یہاں کوئی ڈسپلن ہے..... قوائد وضوابط کے تحت بھی کوئی کارروائی ہوتی ہے۔''

''یہ تم دوسرا غیر ذمہ دارانہ الزام محکمے کو دے رہے ہو۔''

''الزام.....!'' آصف بدستور خراب لہجے میں بولا۔ ''کیا فریدی کے خلاف کوئی محکمہ جاتی کارروائی ہوئی ہے؟''

''سوال نہیں پیدا ہوتا..... دونوں دو ماہ کی چھٹی پر ہیں..... کیس ملٹری انٹیلی جنس کے ہاتھ میں جاتے ہی انہوں نے دو ماہ کی چھٹی کی درخواست دی تھی جو فوراً منظور کرلی گئی تھی..... ڈیپارٹمنٹل کارروائی اُس وقت ہوتی جب جنرل قادری ڈیپارٹمنٹ سے رجوع کرتے۔ ان کے خلاف باضابطہ طور پر کوئی شکایت ڈیپارٹمنٹ کو موصول نہیں ہوئی اسلئے۔''

''جی ہاں..... جی ہاں..... سب جانتے ہیں..... وہ کبھی کوئی کچا کام تو کرتا ہی نہیں لیکن قدر و عافیت معلوم ہوگی اب..... جنرل قادری بڑا بھیانک اور خودسر آدمی ہے۔ اُس نے ڈیپارٹمنٹ سے رجوع کرنے میں اپنی توہین سمجھی ہوگی۔ خود ہی نپٹے گا۔''

انسپکٹر ملک کچھ نہ بولا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ انسپکٹر آصف کی بکواس کو بکواس ہی نہ رہا ہو۔

اتنے میں ڈی آئی جی واپس آ گیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ آنکھیں غیر معمولی طور پر چمک رہی تھیں۔

وہ چند لمحے خاموش رہا پھر اونچی آواز میں بولا۔ ''وہ نیگرو دیوانہ ہاتھ آ گیا ہے..... اتنا زخمی مینٹل ہسپتال میں ہے۔ ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ اس کا خون زہریلا ہے..... اتنا زہریلا کہ اگر کسی دوسرے جسم پر لگ جائے تو اس کی موت واقع ہوسکتی ہے۔''

اسکے خاموش ہوتے ہی عجیب سا سناٹا طاری ہوگیا۔ کسی میں بھی کسی قسم کا سوال

کرنے کی ہمت نہیں رہی تھی۔ کسی نے اس اطلاع کا ذریعہ بھی معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی۔

اور پھر یہ کیس سپرنٹنڈنٹ جواد کے سپرد کردیا گیا۔

پیٹر مچکوف کی گاڑی شہر کی سڑکوں پر چکراتی پھر رہی تھی۔ اُسے اطلاع ملی تھی کہ اس کا تعاقب کیا جارہا ہے۔ آگے پیچھے درجنوں گاڑیاں رواں دواں تھیں۔ لیکن اُس سفید کار نے اب تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ پیٹر مچکوف نے کئی بار اُسے ڈاج بھی دینے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔

اولیویا نارمن نے اُسے ہدایت کی تھی کہ وہ تنہا باہر نہ نکلے ہمیشہ ایک گاڑی نگرانی کے لئے پیچھے ہونی چاہئے۔

اس وقت اسی گاڑی سے اس تعاقب کی اطلاع ملی تھی اور اُس نے عقب نما آئینے کا زاویہ اس طرح بدلا تھا کہ اس گاڑی پر بھی نظر رکھ سکے۔ اُس نے بایاں ہاتھ اسٹیئرنگ سے ہٹا کر ڈیش بورڈ کے ایک خانے سے ریسیور نکالا اور ماؤتھ پیس میں بولا۔

''ہیلو..... اب کیا پوزیشن ہے تمہاری.....؟''

دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''سفید گاڑی کے پیچھے دو گاڑیاں ہیں اس کے بعد ہم ہیں جناب۔''

''ٹھیک ہے..... یونہی چلتے رہو۔'' اُس نے ماؤتھ پیس میں کہا اور ریسیور کو پھر ڈیش بورڈ کے خانے میں رکھ دیا۔

اب وہ اولیویا نارمن کی دوسری ہدایت پر عمل کرنے جارہا تھا۔

اُس نے کہا کہ جب بھی کوئی اس کا تعاقب کرے سیدھا تجرباتی زراعتی فارم کی طرف آئے۔ اُس نے ایکسیلریٹر پر دباؤ ڈالا اور گاڑی جلد ہی شہر کے باہر نکل آئی..... اب

آگے پیچھے تین گاڑیاں اسی سڑک پر دوڑ رہی تھیں۔

پیٹر مچکوف اپنی کارگذاری پر خوش ہو رہا تھا۔ ضروری نہیں تھا کہ شکار بذات خود ہو گاڑی میں.....اس کا کوئی آدمی ہی سہی.....کسی پر تو ہاتھ پڑے.....اسکے بعد دیکھا جائے۔

سڑک سنسان تھی۔ وہ گاڑی کی رفتار تیز کرتا رہا۔ عقب نما آئینے پر بھی نظر رکھی۔ تینوں گاڑیوں کے درمیان فاصلے یکساں رہے.....اس کی اپنی تیز رفتاری کی بناء پر بھی ان میں فرق نہیں پڑ سکا تھا۔

بالآخر زراعتی فارم تک جا پہنچا اور اپنی گاڑی پھاٹک میں موڑ دی۔ لیکن پھر اُس کا ایکسیلریٹر پر کانپنے لگا کیونکہ سفید گاڑی بھی پھاٹک ہی میں مڑی تھی اور تیسری کو تو مڑنا ہی تھا۔

عمارت کے سامنے گاڑی روکنے سے پہلے ہی اس نے بغلی ہولسٹر سے ریوالور بھی نکال لیا۔ اس کے بعد پچھلی دونوں گاڑیاں بھی رکی تھیں اور پیٹر مچکوف ریوالور لئے ہوئے سیٹ سے کودا تھا۔

دفعتاً سفید گاڑی سے ایک بے حد سریلا قہقہہ سنائی دیا اور پیٹر جہاں تھا وہیں رک گیا۔ اس کی آنکھیں گویا چندھیا گئی تھیں.....وہ ایسا ہی دلکش اور آنکھوں کو خیرہ کر دینے والا چہرہ تھا.....اس کا ریوالور والا ہاتھ کانپ گیا اور وہ ہنستی ہوئی سفید گاڑی سے اُتر آئی۔

''میں کئی دنوں سے تمہارا پیچھا کر رہی ہوں.....!'' وہ دلآویز لہجے میں بولی۔

''کک.....کیوں.....!'' پیٹر مچکوف ہکلایا۔

''لمبی کہانی ہے! کیا تم مجھ سے اندر چلنے کو نہ کہو گے۔''

''اوہ.....ہاں.....ہاں.....چلو.....!'' اس نے ریوالور کی نال سے برآمدے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ بڑی بے نیازی سے برآمدے کی سیڑھیوں پر چڑھتی چلی گئی۔ تیسری گاڑی میں بیٹھے ہوئے آدمی کو بھی اندر آنے کا اشارہ کرتا ہوا وہ اس عورت کے پیچھے چلنے لگا۔

''اب کدھر چلوں.....؟'' اُس نے برآمدے میں رک کر پیٹر سے پوچھا۔

تیسری گاڑی والا بھی اتنی دیر میں ان کے قریب پہنچ چکا تھا۔

اتنی دیر میں پیٹر مچکوف اپنی حالت پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے ریوالور کی نال اس کی طرف اٹھاتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔ ''خاموشی سے دروازے میں داخل ہو جاؤ۔ مڑ کر دیکھے بغیر چلتی رہو۔''

وہ مسکرائی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ پیٹر متحیر تھا۔ اس نے تیسری گاڑی والے کو دروازے ہی میں رکنے کا اشارہ کیا اور اس عورت کے پیچھے چلتا رہا.....اب وہ خود بخود اسی طرف چلی جا رہی تھی جدھر اُسے لے جانا تھا.....وہ اُسے سیدھا اولیو یا نارمن کے کمرے میں لے جانا چاہتا تھا۔

وہ وہیں رک کر اس کی طرف مڑی اور بولی ''تم روز بروز احمق ہوتے جا رہے ہو۔'' پھر بجلی سی کوند پڑی.....اور پیٹر مچکوف ریوالور پھینک کر اُس کے سامنے دوزانو ہو گیا۔

''اٹھو.....!'' وہ سخت لہجے میں بولی اور پیٹر مچکوف اس طرح سیدھا کھڑا ہو گیا جیسے لفظ اٹھو اُسے حرکت میں لے آنے والی مشین کا اسٹارٹنگ سوئچ رہا ہو۔

''مم.....مادام کے سینکڑوں روپ ہیں.....بلا شبہ.....!'' وہ کانپتا ہوا بولا۔ ''میں آپ کو اس وقت پہچانا جب آپ نے اپنے مخصوص لہجے میں مجھے احمق کہا۔''

''اور یہ لہجہ بھی صرف تمہارے لئے مخصوص ہے۔'' وہ لاپرواہی سے بولی۔ ''میرا کوئی چہرہ.....بسا اوقات میں اپنی آواز خود نہیں پہچان سکتی۔''

''از منہ قدیم کے لوگ آپ کو دیوی سمجھتے مادام.....!'' پیٹر گھگھیایا۔

''میں اس وقت تمہیں صرف یہ بتانا چاہتی تھی کہ تم نے اپنی نگرانی کے لئے مناسب انتظام نہیں کیا.....میں نے ہی تمہیں مردانہ آواز میں آگاہ کیا تھا کہ ایک سفید کار تمہارے تعاقب میں ہے.....لیکن تمہارا آدمی بالکل احمق ثابت ہوا.....وہ اندازہ ہی نہ کر سکا کہ میں تمہارا تعاقب کر رہی ہوں۔''

دفعتاً پشت سے کھکارنے کی آواز آئی اور وہ دونوں چونک کر دروازے کی طرف متوجہ ہوئے۔ تیسری کار والا سفید فام آدمی دروازے میں کھڑا نظر آیا۔

''تم یہاں.....؟'' پیٹر غرایا۔ ''میں نے تمہیں برآمدے میں رکنے کو کہا تھا.....!''

''مسیو مچکوف میں معافی چاہتا ہوں.....مجھ سے زبردست غلطی ہوئی۔''

''کیا مطلب.....؟''

''آپ نے مجھ سے یہ قطعی نہیں کہا تھا کہ اگر کوئی عورت بھی تعاقب کرے تو مجھے مطلع

کر دینا۔'' وہ خوفزدہ لہجے میں بولا۔

''موسیو! دوسری بات یہ کہ ابھی ابھی سرخ رنگ کی ایک اسپورٹ کار فارم کے پر رکی تھی.....اور اُسے ڈرائیو کرنے والے نے ٹیلی سکوپ لگا کر اندر کا جائزہ لیا تھا کار تیزی سے آگے بڑھ گئی تھی۔''

''اوہ.....!'' اولیویا نے پیٹر کی طرف دیکھا اور آنکھوں کی جنبش سے کسی قسم کا اشا

''چلو.....!'' پیٹر دروازے کی طرف جھپٹا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر دوڑتا چلا گیا۔

دونوں باہر آئے اور پیٹر نے اس سے بھی اپنی ہی گاڑی میں بیٹھنے کو کہا۔

یہ جگہ اتنی کشادہ تھی کہ گاڑی کو بیک کیا جا سکتا۔

پیٹر خود ہی ڈرائیو کر رہا تھا اور دوسرا آدمی اس کے برابر بیٹھا ہوا تھا۔

پیٹر گاڑی کو پھاٹک تک لایا.....اور دوسرے آدمی نے کہا۔ ''دائیں جانب

''کیا اس گاڑی میں ایک ہی آدمی تھا.....؟'' پیٹر نے گاڑی موڑتے ہو

''ہاں موسیو.....! وہ بہت تیز رفتاری سے گیا تھا۔''

پیٹر نے ایکسیلریٹر پر دباؤ ڈالا اور گاڑی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔

''کیا آپ اس عورت کو وہیں چھوڑ آئے ہیں موسیو۔''

''اپنے کام سے کام رکھو۔''

''آپ نے اس پر ریوالور نکالا تھا۔''

''کُہلر خاموش رہو۔''

''بہت اچھا موسیو.....لیکن میں اپنی اس غفلت پر ہمیشہ نادم رہوں

موسیو.....وہ سفید گاڑی پھر ہمارے پیچھے آ رہی ہے۔''

''میں نے تم سے کہا ہے کہ خاموش بیٹھو۔''

''بہت بہتر موسیو۔''

پیٹر عقب نما آئینے میں مادام اولیویا نارمن کی گاڑی دیکھ رہا تھا۔

اس نے گیئر بدل کر گاڑی کی رفتار میں مزید اضافہ کیا۔

اسپیڈو میٹر کی سوئی ساٹھ اور ستر کے درمیان جھول رہی تھی۔ لیکن کافی

کے بعد بھی سرخ رنگ کی اسپورٹ کار کہیں نہ دکھائی دی۔

''کیا وہ آسمان پر اڑ گئی۔'' پیٹر بڑبڑایا۔

''کون موسیو.....؟''

''تمہاری اسپورٹ کار.....!'' پیٹر جھنجھلا کر بولا۔

''اب کون کہہ سکتا ہے کہ وہ سیدھی ہی گئی ہو.....ہو سکتا ہے کہ وہیں کہیں کسی کچے راستے پر مڑ گئی ہو۔''

''کُہلر.....!''

''ہاں موسیو.....!''

''تم سچ مچ گدھے ہو.....تم اندر کیوں آئے تھے۔ تمہیں وہیں سے اس کا پیچھا کرنا چاہئے تھا۔''

''موسیو.....میں پہلے ہی اپنی نالائقی کا اعتراف کر چکا ہوں۔ اس کام کے لئے قطعی موزوں نہیں۔''

''ہاں.....اب میرا بھی یہی خیال ہے۔''

''تو پھر واپس چلیں موسیو۔''

''خاموش رہو۔'' پیٹر دانت پیس کر بولا۔

دفعتاً ڈیش بورڈ والے ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا اور اس نے خانے سے ریسیور نکال لیا۔ دوسری طرف سے اولیویا کی آواز آئی۔

''ہیلو.....مچکوف.....!''

''یس مادام.....!''

''مناسب ہوگا کہ واپسی کے لئے گاڑی موڑ لو۔''

''بہت بہتر.....!'' مچکوف نے کہا اور گاڑی کی رفتار کم کر دی۔ اب وہ اسے موڑ رہا تھا۔

''موسیو.....موسیو.....!'' کُہلر نے کچھ کہنا چاہا۔

''تم پھر بولے۔''

''معافی چاہتا ہوں موسیو۔''

سفید گاڑی پہلے ہی مڑ گئی تھی۔ پیٹر مچکوف کے چہرے پر ناگواری کے اثرات صاف پڑھے جاسکتے تھے۔

''موسیو.....!'' کُہلر نے کچھ کہنا چاہا۔

''تم زبان بند نہیں رکھ سکتے۔''

''موسیو.....صرف ایک بات.....!''

''بکو.....!''

''کیا سفید گاڑی میں مادام تشریف رکھتی ہیں۔''

''ہاں.....!'' مچکوف کی زبان سے غیر ارادی طور پر نکلا پھر وہ سنبھل کر بولا۔''میں اسے پسند نہیں کرتا کہ میرے آدمی ان معاملات میں الجھیں جن سے انہیں کوئی سروکار نہیں۔''

''بہت بہتر موسیو.....میں شرمندہ ہوں۔''

''شرمندگی تمہارا تکیہ کلام بن کر رہ گئی ہے۔''

''مجھے بچپن ہی سے ٹریننگ ملی تھی کہ اپنی غلطیوں پر نادم ہوا کروں۔''

''نادم ہو بھی چکو کسی صورت سے.....تم نے تو میرا دماغ چاٹ کر رکھ دیا۔''

''مجھے افسوس ہے موسیو! میں اس پر بھی شرمندہ ہوں۔''

''شٹ اپ.....!'' پیٹر مچکوف حلق کے بل چیخا۔

اور کُہلر نے دونوں ہاتھوں سے اپنے ہونٹ بھینچ لئے۔

تھوڑی دیر بعد دونوں گاڑیاں دوبارہ زراعتی فارم کے پھاٹک میں داخل ہوئیں۔

اولیویا سب سے پہلے گاڑی سے اُتر کر اندر گئی تھی۔

''یہ.....یہ.....!'' کُہلر ہکلایا۔''مم.....مم.....مادام.....!''

''کُہلر .....شٹ اپ.....! ورنہ زندگی سے ہاتھ دھوؤ گے۔'' پیٹر اپنی گاڑی سے اترتا ہوا بولا۔''تم یہیں ٹھہرو.....جا کر اپنی گاڑی میں بیٹھو۔''

''بہت بہتر موسیو.....!''

پیٹر مچکوف اسے وہیں چھوڑ کر اندر آیا۔

اولیویا اس کمرے کے وسط میں کھڑی تھی جہاں کچھ دیر پہلے وہ دونوں ملے تھے۔

''یہ آدمی تمہارے پاس کب سے ہے پیٹر.....!'' اس نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''چھ سات سال سے مادام.....!''

''اس عرصے میں یہ اس کی پہلی حماقت تھی یا پہلے بھی اس قسم کی حرکتیں کرتا رہا ہے۔''

''مادام وہ صرف بکواس کرتا ہے.....عملی حماقت اس سے کبھی سرزد نہیں ہوئی۔ میرے ہاں کو فریدی کی تلاش ہے مادام.....اسی لئے اس نے آپ کو نظر انداز کیا ہوگا۔''

''کیا تمہیں یقین ہے کہ اُس نے سرخ رنگ کی اسپورٹ کار کے متعلق صحیح اطلاع دی تھی۔''

''اُس نے کبھی دھوکہ نہیں دیا۔''

''نسلاً جرمن ہی ہے۔''

''ہاں مادام.....!''

''اُسے بلالاؤ۔''

پیٹر مچکوف تیزی سے چلتا ہوا برآمدے میں آیا لیکن باہر کُہلر کی گاڑی موجود نہیں تھی۔

وہ کھڑا احمقانہ انداز میں پلکیں جھپکا رہا تھا۔

پھر پشت پر قدموں کی چاپ سن کر پلٹا.....اولیویا نارمن دروازے پر کھڑی تھی۔

''کیوں.....؟ کیا ہوا.....!'' اولیویا نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

''وہ شائد چلا گیا مادام.....!'' پیٹر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''کیا تم نے اُس سے رکنے کو کہا تھا.....؟''

''ہاں مادام.....اسی پر تو حیرت ہے.....!'' پیٹر مچکوف نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''نے اُسے اندر آنے کو منع کر دیا تھا.....ہوسکتا ہے اُس نے پھر کچھ دیکھا ہو.....ٹھہریئے مادام.....!''

وہ اپنی گاڑی کی طرف لپکا تھا.....اسٹیرنگ سے ایک مڑا تڑا کاغذ پھنسا نظر آیا.....اسے نکال کر پھیلایا.....بغور دیکھا.....مسکرایا اور پھر برآمدے کی طرف بڑھ گیا۔

پھر اُس نے وہ کاغذ اولیویا کی طرف بڑھا دیا۔

''اسپورٹ کار پھر دکھائی دی ہے موسیو! میں اُس کے تعاقب میں جا رہا ہوں۔ ٹرانسمیٹر ابطہ قائم رکھوں گا۔ وہ شہر کی طرف واپس گئی ہے.....!'' اولیویا نے کاغذ کی تحریر اونچی آواز

میں پڑھی۔

''میں تو اب آرام کروں گی۔'' وہ تھکی تھکی سی آواز میں بولی۔

پیٹر مچکوف احتراماً جھکا اور اس کی طرف پشت کئے بغیر الٹا چلتا ہوا زینوں پر تیزی سے مڑ کر گاڑی میں آ بیٹھا۔

پھاٹک پر پہنچنے سے قبل ہی اُس نے ڈیش بورڈ کے خانے سے ٹرانسمیٹر کا ریسیور نکا

''ہیلو..... ہیلو.....!'' وہ ماؤتھ پیس میں بولا۔

''ہیلو..... اٹ از کُہلر..... موسیو.....! وہ پتہ نہیں کس رفتار سے ڈرائیو تار جام والی سڑک کے موڑ تک پہنچ چکا ہوں لیکن ابھی تک اس کا کوئی پتہ نہیں۔ اب ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ یہاں سے شہر کی طرف گیا ہوگا یا تار جام کی طرف.....!

''تم اُس موڑ پر رک کر میرا انتظار کرو..... اُوور اینڈ آل.....!'' پیٹر نے کر کہا اور ریسیور پھر ڈیش بورڈ کے خانے میں رکھ دیا۔

اسکی گاڑی کی رفتار بڑھتی رہی اور بالآخر اُس موڑ تک آ پہنچا۔ سڑک کے کنا گاڑی موجود تھی۔ پیٹر مچکوف نے گاڑی روک دی اور کُہلر دوڑ کر کھڑکی کے قریب

''تمہیں وہم تو نہیں ہوا تھا کُہلر.....!'' وہ اُسے گھورتا ہوا بولا۔

''موسیو..... یقین کیجئے..... ورنہ مجھے خواہ مخواہ کی بھاگ دوڑ سے کیا دلچسپی ہو

''اب میں بُری طرح تھک گیا ہوں کُہلر..... میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ما کیا ہے۔''

''میں دیکھ رہا ہوں موسیو..... آپ کو آرام کی ضرورت ہے..... کیا یہ آپ کچھ دن آرام کر لیں اور میں آپ کے فرائض انجام دوں۔''

''نہیں.....! وہ میرے علاوہ اور کسی پر اتنا اعتماد نہیں کر سکتی۔''

''اور آپ میرے علاوہ اور کسی پر اتنا اعتماد نہیں کر سکتے۔ کوئی فرق نہیں پڑ

''تم نہیں جانتے۔'' وہ مغموم لہجے میں بولا۔ ''میں اُسے دھوکہ نہیں دے ذہن اس کا غلام بن کر رہ گیا ہے..... میں اس سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔''

''میں دھوکہ دینے کو نہیں کہہ رہا ہوں موسیو..... کیا میں آپ کو دھوکہ د

لیکن دو گھنٹے کی نیند کی خاطر آپ سے جھوٹ ضرور بول سکتا ہوں۔''

پیٹر نے اُسے گھور کر دیکھا۔

''لیکن میں نے ابھی تک اپنا نہیں کیا.....!'' کُہلر جلدی سے بول پڑا۔

''میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔'' پیٹر بے اعتباری سے مسکرایا۔

''تو پھر چلئے تھوڑا وقت سیر و تفریح میں گزرنا چاہئے۔''

''کہاں چلوں.....؟''

''جہاں میں لے چلوں.....!''

پیٹر تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر سر ہلا کر بولا۔ ''چلو.....!''

دونوں گاڑیاں تیز رفتاری سے شہر کی جانب روانہ ہوئی تھیں۔ کُہلر کی گاڑی آگے تھی۔

اچانک ایک جگہ اُس نے باہر ہاتھ نکال کر رکنے کا اشارہ کرتے ہوئے پورے بریک لگائے۔ گاڑی شور کے ساتھ رکی۔

پیٹر نے بھی گاڑی روک دی..... اس نے کُہلر کو گاڑی سے اُتر کر بائیں جانب دوڑتے دیکھا۔

وہ کمر کمر تک اونچی جھاڑیوں میں رکا اور مڑ کر پیٹر کے لئے ہاتھ ہلانے لگا۔

پیٹر پہلے ہی گاڑی سے اُتر چکا تھا۔ تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔

''وہ رہی.....!'' کُہلر نے جھاڑیوں میں ایک جانب اشارہ کرتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

سرخ رنگ کی اسپورٹ کار کا کچھ حصہ جھاڑیوں کے درمیان دکھائی دے رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگا۔

قریب پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ گاڑی الٹی پڑی ہے۔ وہ چاروں طرف پھر کر اس کا جائزہ لیتے رہے۔ ایک دروازے سے کپڑے کا ایک ٹکڑا الجھا نظر آیا۔

''شائد..... وہ بچ گیا.....!'' کُہلر نے آہستہ سے کہا۔ ''یہ دیکھئے اس کے نیچے سے نکلتے وقت قمیض پھٹ گئی اور یہ ٹکڑا یہیں الجھ گیا۔''

پیٹر کچھ نہ بولا۔ وہ چاروں طرف نظر دوڑا رہا تھا۔

''میں جانتا تھا کہ اس کی تیز رفتاری ضرور گل کھلائے گی۔'' کُہلر پھر بولا۔

''ہوں.....اُوں.....اگر وہ زیادہ زخمی ہوا ہے تو یہیں کہیں چھپا ہوا ملے گا.....'' پیٹر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''آؤ تلاش کریں.....!''

وہ آگے بڑھے اور کچھ دور جا کر انہوں نے طے کیا کہ مختلف سمتوں میں تلاش جاری رکھی جائے۔

میک اَپ کا ماہر

دس بجے رات کو پیٹر نے اولیویا نارمن کی فون کال ریسیور کی.....وہ اُسے شہر ہی کی ایک عمارت میں طلب کر رہی تھی.....اور دس منٹ کے اندر اندر اُسے وہاں پہنچنا تھا۔

فاصلہ زیادہ نہیں تھا.....لیکن راستے میں کئی چوراہے پڑتے تھے۔ لہٰذا اُسے خدشہ تھا کہ سگنل نہ ملنے کی بناء پر دس منٹ سے زیادہ بھی صرف ہو سکتے تھے۔

بہرحال وہ چل پڑا تھا.....اور اس بار کُہلر کی بجائے اس کا دوسرا اسسٹنٹ بن پولان اس کی نگرانی کر رہا تھا.....یہ ایک ایشیائی پہلوان تھا.....اور مکہ بازی میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا.....ٹھنڈے دماغ کا ہنسوڑ آدمی تھا.....اور کسی حد تک پیٹر سے بے تکلف بھی تھا.....لیکن یہ بے تکلفی اُسی وقت ظاہر ہوتی جب آس پاس کوئی تیسرا موجود نہ ہوتا۔

منزل مقصود پر پہنچ کر پیٹر نے اُسے اشارہ کیا کہ وہ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر اُس کی واپسی کا انتظار کرے۔

وہ عمارت میں داخل ہوا.....صدر دروازہ کھلا ہوا ملا تھا۔ اندر سارے کمرے بھی روشن تھے۔ لیکن کوئی آدمی نہ دکھائی دیا۔

اس نے سوچا ممکن ہے اُسے جال میں پھانسنے کی کوشش کی جا رہی ہو۔ لہٰذا واپسی کے لئے مڑا ہی تھا کہ اولیویا کی آواز آئی۔ ''ٹھہرو۔''

وہ چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگا.....لیکن وہ نہ دکھائی دی۔

''میری باتوں کا جواب دو.....اس وقت تم مجھے دیکھ نہیں سکو گے۔''

''جیسی مادام کی مرضی.....!'' پیٹر نے بڑے ادب سے کہا۔

''کُہلر کہاں ہے.....؟''

''میں اس کی کہانی سنانا چاہتا تھا مادام.....اگر آپ یاد نہ فرماتیں تو خود ہی حاضر ہوتا۔''

''کہاں حاضر ہوتے؟''

''زراعتی فارم میں.....!''

ہلکے سے قہقہے کے ساتھ کہا گیا۔ ''اُسے بھول جاؤ.....اور اب اُدھر کا رخ بھی نہ کرنا.....اب میں وہاں نہ ملوں گی.....!''

''جیسی مادام کی مرضی.....!''

''جلدی کرو.....میرے پاس وقت کم ہے.....کُہلر کی کہانی.....!''

''ہاں مادام.....وہ تارجام والے موڑ پر رک گیا تھا.....فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ اسپورٹس کار شہر کی طرف گئی ہوگی یا تارجام کی طرف.....میرے وہاں پہنچنے پر اُس نے اس دشواری کا ذکر کیا۔ پھر ہم میں طے پایا کہ ہم شہر کی طرف واپس جائیں.....کچھ دور چلے تھے کہ سڑک کے کنارے جھاڑیوں میں ہم نے سرخ رنگ کی ایک اسپورٹ کار الٹی ہوئی دیکھی.....ڈرائیور کا کہیں پتہ نہ تھا.....یقیناً وہ بُری طرح زخمی ہوا ہوگا.....ہم نے جھاڑیوں میں اُس کی تلاش شروع کر دی.....کچھ دور تک ساتھ رہے پھر مخالف سمتوں میں الگ الگ تلاش کرنے کی ٹھہری.....کافی دیر ہوگئی لیکن اس کا سراغ نہ ملا.....میں سڑک پر واپس آ گیا.....کُہلر کی گاڑی خالی تھی۔ آدھے گھنٹے تک اس کا انتظار کرتا رہا لیکن وہ واپس نہ آیا۔ تھک ہار کر میں نے ٹرانسمیٹر پر بن پولان سے رابطہ قائم کر کے اسے وہاں طلب کر لیا۔''

''میں پوچھ رہی تھی کہ کُہلر کہاں ہے؟'' اولیویا کی آواز میں غصے کی جھلکیاں تھیں۔

''مادام.....اس کے بعد سے وہ اب تک لاپتہ ہے۔''

''میں نہیں جانتی تھی کہ تم اتنے ناکارہ ثابت ہو گے۔''

''میرا قصور مادام.....!''

''کُہلر فریدی کا آدمی تھا۔''

''آٹھ سال سے مادام.....!''

''شٹ اپ..... کہلر کے میک اپ میں فریدی کا کوئی آدمی۔''

''اب میں کیا عرض کروں مادام.....!''

''میرے سوالات کے جواب ہوش مندی سے دو..... یہ بتاؤ کہ الٹی ہوئی کار تم نے کس وقت دریافت کی تھی۔''

• ''غالباً تین بج رہے ہوں گے مادام.....!''

''ڈرائیور کی تلاش میں کتنا وقت ضائع ہوا تھا۔''

''دو گھنٹے سے کسی طرح کم نہیں کہا جاسکتا مادام..... میں نے ٹھیک پانچ بجے واپسی کے لئے اپنی گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔''

''اور ٹھیک ساڑھے چار بجے پولیس نے زراعتی فارم پر ریڈ کیا تھا۔'' اولیویا کی آواز آئی۔

''نہیں.....!'' پیٹر اچھل پڑا۔

''انہوں نے کسی مفرور ملزم کی تلاش کا بہانہ کیا تھا۔''

''لیکن آپ کو کوئی نہ پہچان سکا ہوگا۔'' پیٹر خوش ہو کر بولا۔

''خاموشی سے سنو۔'' اولیویا کا لہجہ تلخ تھا۔

پیٹر کچھ نہ بولا۔ اولیویا کہتی رہی۔ ''بنیادی غلطی مجھ سے ہوئی ہے اور اب میں اس کا ازالہ کرنا چاہتی ہوں۔''

پیٹر خاموش رہا۔

''کیا تم سو گئے.....!'' وہ جھنجھلا کر بولی۔

''میں سن رہا ہوں مادام.....!'' وہ مضمحل سی آواز میں کراہا۔

''مجھے تم سے براہِ راست تعلق نہ رکھنا چاہئے تھا۔''

''مادام مجھ سے زیادہ دانش مند ہیں۔''

''طنز کر رہا ہے مجھ پر.....!''

''ہرگز نہیں مادام.....!'' وہ بوکھلاہٹ میں جھکتا ہوا بولا۔ ''میری یہ مجال نہیں! مجھے بھی ہوا تھا کہ براہِ راست تعلق رکھنا مناسب نہیں لیکن آپ کو مشورہ دینے کی ہمت

''میں کئی سال سے فریدی کے چکر میں ہوں لیکن آج تک اُس پر ہاتھ نہیں ڈال سکا..... اب یہ میری زندگی اور موت کا سوال ہے۔''

''اسے تو راہ چلتے گولی ماری جاسکتی تھی مادام.....!''

''احمقانہ خیال ہے..... اس سے پہلے نہ جانے کتنوں نے کوشش کر ڈالی لیکن وہ آج زندہ ہے۔''

''مادام گستاخی ضرور ہے..... لیکن ایک سوال کی اجازت دیجئے.....!''

''کیا بات ہے؟''

''آپ فریدی کو اپنی طرف متوجہ کیوں کرنا چاہتی تھیں۔ خاموشی سے اس پر ہاتھ کیوں نہیں ڈال دیا.....؟''

''جو کچھ ہم جھیل میں تلاش کر رہے تھے اسے چھپ چھپ کر تلاش کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔ کیونکہ اس میں ایک اور پارٹی بھی دلچسپی لے رہی تھی۔ یہاں کی حکومت اس سے بے خبر تھی۔ میں نے سوچا کیوں نہ یہاں کی حکومت ہی اسے تلاش کرائے..... اور جب وہ چیز برآمد ہو جائے تو پھر میں اس پر ہاتھ صاف کر دوں۔''

''عقل و دانش میں مادام کا ہم پایہ کوئی نہ ملا آج تک۔'' وہ پرجوش لہجے میں بولا۔

''فریدی میری اس چال کو سمجھ گیا ہے اور مجھ سے قطعی طور پر پوشیدہ رہ کر میری نگرانی کرنا چاہتا ہے۔''

''لیکن مجھے یقین ہے کہ مادام کے ہاتھوں شکست کھائے گا۔''

''میری شان میں قصیدے پڑھنے کی بجائے اپنے حواس یکجا کرنے کی کوشش کرو۔'' وہ تلخ لہجے میں بولی۔

وہ کچھ نہ بولا۔ اس نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبالیا تھا اور اس کے چہرے پر شرمندگی کے آثار تھے۔

''تم یہ نہ سمجھو کہ اس کی دسترس سے دور ہو..... وہ مجھ پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے تم کو ہرگز نہیں چھیڑے گا۔''

''میں پوری طرح ہوشیار ہوں مادام.....!''

''بکواس بند کرو.....میرا تو خیال ہے کہ کُہلر کے روپ میں فریدی بذات خود

''نن.....نہیں مادام.....!''

''وہ میک اپ کا ماہر ہے.....دنیا کی کئی زبانیں اہل زبان کی طرح بول سکتا

طرح کی آوازیں بدل سکتا ہے۔ حیرت انگیز صلاحیتوں کا مالک ہے۔''

''لیکن اس کی آنکھیں کرنجی تو نہیں ہیں مادام.....کُہلر کی آنکھیں کرنجی ہیں

ماہر ترین میک اپ کرنے والا بھی آنکھوں کی رنگت نہیں بدل سکتا۔''

''پلاسٹک کی دریافت نے یہ مشکل بھی آسان کردی ہے.....صرف مہارت چا

وہ.....تم پھر باتوں میں وقت ضائع کرنے لگے.....وہاں وہ موٹا اب کس اسٹیج میں

''عنقریب پاگل ہوجائے گا.....اُسے بھانت بھانت کے ڈراؤنے اور حیر

حالات سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔ پھر ذہنی توازن کھو دینے کے بعد ہی وہ دوسرے ا

لئے کارآمد ہوسکے گا.....پورے چھ ماہ صرف ہوں گے مادام.....!''

''اوہ ٹھیک یاد آیا.....ابھی تمہاری باخبری اور ہوش مندی کا امتحان بھی ہوا جاتا

ذرا یہ تو بتاؤ اس دیوانے کا کیا ہوا جس پر جال پھینکا گیا تھا۔''

''وہ.....وہ.....مادام.....اس کا تو پھر پتہ ہی نہیں چل سکا تھا۔''

''وہ مینٹل ہاسپٹل میں ہے اور اس کا گہری نظر سے جائزہ لیا جارہا ہے۔ انہوں

بھی معلوم کرلیا ہے کہ اس کا زہریلا خون ہی ان گیارہ آدمیوں کی موت کا سبب بنا تھا۔''

''مم.....مادام.....!''

''بس.....اب مزید بکواس کی ضرورت نہیں۔ میں جب چاہوں گی تم سے رابطہ

کرلوں گی.....اُسے اچھی طرح سمجھ لو کہ تم اپنے ساتھیوں سمیت فریدی کی نظروں

ہو.....لہٰذا اُسے الجھائے رکھو.....طریقہ سنو.....تم خود بہت احتیاط سے اس کا جا

گے کہ تمہارا تعاقب تو نہیں کیا جارہا۔ پھر ایسے لوگوں کا تعاقب کراؤ جو تمہارا تعاقب کر

ہوں۔ اُن کے اڈوں پر حملے کراؤ.....وہ براہِ راست اپنے محکمے سے مدد نہیں لے رہا۔ یہ

لوگ اس کے لئے کام کررہے ہیں.....ان میں ابتری پھیلاؤ۔ تم سن رہے ہو یا نہیں!''

''ہاں مادام.....!''

''کیا خیال ہے؟''

''بہت مناسب ہے مادام.....اب میں یہی کروں گا.....!'' پیٹر مچکوف نے بڑے ادب سے کہا۔

''بس اب جاؤ۔''

وہ ایک بار پھر احتراماً جھکا اور صدر دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ باہر اس کی گاڑی کھڑی تھی۔ لیکن وہ فوراً ہی اس میں نہیں بیٹھ سکا تھا۔ اس وقت کی گفتگو سے اس کے اعصاب پر اچھا اثر نہیں پڑا تھا۔ حالانکہ اسکے ساتھی اُسے فولادی اعصاب کا مالک سمجھتے تھے۔

سارے جسم میں سنسنی سی تھی.....کمزور کردینے والی سنسنی۔ اس کی گاڑی سے دس گز کے فاصلے پر بن پولان نے اپنی گاڑی پارک کی تھی اور سیٹ پر بیٹھا کنکھیوں سے اُسے دیکھے جارہا تھا۔ پیٹر نے اُسے واپسی کا اشارہ کیا اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔

دس منٹ بعد وہ دونوں ہی ایک ایسی عمارت میں داخل ہو رہے تھے جس کے متعلق پیٹر نے فیصلہ کیا تھا کہ اب مستقل طور پر وہیں قیام کرکے اولیویا نارمن کی اسکیم کو عملی جامہ پہنائے گا.....اس کا گمشدہ نائب کُہلر اسی عمارت میں رہتا تھا۔

''بن.....!'' پیٹر مچکوف راہداری میں چلتے چلتے رک کر بن پولان کی طرف مڑ کر بولا ''کُہلر تمہاری دانست میں کیسا آدمی ہے۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا موسیو۔'' بن پولان کے لہجے میں حیرت تھی۔

''مطلب یہ کہ کیا وہ بے وفائی بھی کرسکتا ہے!''

''موسیو! میرا خیال ہے کہ محبوبہ کے علاوہ دنیا میں اور کوئی بے وفائی نہیں کرتا۔''

''بن.....میں سنجیدہ ہوں۔'' وہ ناگواری سے بولا اور پھر راہداری طے کرنے لگا۔

بن پولان نے مضحکانہ انداز میں اپنے شانوں کو جنبش دی تھی اور اُس کے پیچھے خاموشی سے چلنے لگا تھا۔

وہ ایک کمرے میں پہنچے جہاں قدیم وضع کی بہت بڑی بڑی آرام کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔

پیٹر مچکوف ایک آرام کرسی میں گر کر کسی تھکے ہوئے بیل کی طرح ہانپنے لگا

پولان کھڑا رہا۔ آخر مچکوف نے اُسے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''کُہلر کی گمشدگی میرے لئے باعث تشویش ہے۔!''

''لیکن موسیو..... بے وفائی کا خیال کیوں آیا تھا آپ کو.....؟'' بن پولان اُسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''مادام کا خیال ہے کہ کُہلر کے روپ میں فریدی ان دنوں ہمارے ساتھ رہا ہے۔''

بن پولان نے قہقہہ لگایا اور پیٹ دبائے ہوئے ہنستا ہی چلا گیا۔

''شٹ اپ.....!'' مچکوف آخر کار آپے سے باہر ہوکر دہاڑا اور بن پولان سنبھل بیٹھ گیا۔

اتنے میں راہداری سے لڑکھڑاتے ہوئے قدموں کی آواز آئی اور بن پولان دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ مچکوف اٹھ کر تیزی سے آگے بڑھا اور دروازہ کھول دیا۔ سامنے کُہلر کھڑا انہیں وحشت زدہ نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔ اُس کی رنگت زرد تھی شیو بے تحاشہ بڑھا ہوا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے برسوں کا بیمار ہو۔ آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے تھے

''تم.....تم.....!'' مچکوف اُس کی طرف ہاتھ اٹھا کر ہکلایا۔

''مجھے سہارا دیجئے موسیو.....!'' وہ کمزور سی آواز میں بولا۔ سچ مچ ایسا لگ رہا تھا خود سے قدم اٹھاتے وقت وہ چکرا کے گر پڑے گا۔

بن پولان نے آگے بڑھ کر اُس کا بازو تھام لیا اور اُسے ایک آرام کرسی تک لایا۔ اُسے آرام کرسی پر لٹا کر وہ متحیرانہ انداز میں پیٹر مچکوف کی طرف دیکھنے لگا۔ جس جیب سے ریوالور نکال کر اس کا رخ کُہلر کی طرف کر دیا تھا۔

''بن.....!'' وہ غرایا۔ ''اچھی طرح دیکھو..... یہ میک اپ تو نہیں ہے کُہلر.....اگر تم نے ذرا سی بھی مزاحمت کی تو فائر کر دوں گا۔''

جزیرے پر چاندنی کھیت کر رہی تھی۔ موسم بڑا خوشگوار تھا۔ رات کے آٹھ بجے

چاروں جھونپڑے کے باہر بیٹھے اپنے اپنے راگ الاپ رہے تھے۔

بوڑھا میڈونا سے کہہ رہا تھا۔ ''جب سے تم آئی ہو.....میری بیٹی بہت زیادہ اداس رہنے لگی ہے۔ تم اس جوان آدمی سے بے تکلف ہونے کی کوشش نہ کرو۔''

''تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے..... مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔''

''سچ مچ پاپا کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔'' جینی حمید کی طرف جھک کر آہستہ سے بولی۔

''وہ غلط تو نہیں کہتے۔ تم واقعی اداس رہنے لگی ہو۔''

''بکواس ہے! تم پتہ نہیں خود کو کیا سمجھتے ہو۔''

اتنے میں میڈونا بوڑھے کی کسی بات پر بگڑ کر اونچی آواز میں بولی۔ ''مجھے غصہ نہ دلاؤ.....ورنہ تم میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گی۔''

''میں نیوٹرل ہوں.....'' حمید نے زور سے کہا۔

''اے تم اپنی زبان بند رکھو.....!'' وہ حمید کی طرف مڑی۔

''تم کیوں بھونک رہی ہو۔'' جینی مٹھیاں بھینچ کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''ٹھہرو بتاتی ہوں.....!'' میڈونا جھپٹی ہی تھی کہ حمید ان کے درمیان آ گیا..... نتیجے کے پشت پر جینی کا دو ہتھڑ پڑا تھا اور سینے پر میڈونا کا گھونسہ۔

بوڑھا دور کھڑا ''ارے.....ارے'' کر رہا تھا۔

جینی نے ہاتھ بڑھا کر میڈونا کے بال پکڑنے چاہے۔ حمید نے اُسے روکنے کی کوشش کی۔ اسی جدوجہد کے دوران میں خود اس کے بال جینی کی مٹھی میں آ گئے اور قبل اسکے کہ وہ کچھ کرتا اس نے کئی جھٹکے بھی دیئے اور میڈونا کے گھونسے تو اسکے شانوں پر پڑ ہی رہے تھے۔

''لڑکے سنبھلو.....!'' بوڑھا چیخا۔ ''یہ دونوں آپس میں گتھنے نہ پائیں۔ ورنہ جینی اُسے فنا کر دے گی.....ایک آتش خوراں کی بیٹی ہے۔''

''فی الحال تو میرا ہی سیخ کباب تیار کئے دے رہی ہے۔ اسے ہٹاؤ.....فوراً..... ورنہ.....او.....او.....اوغ.....غا.....!''

میڈونا کا ایک گھونسہ اس کے پیٹ پر پڑا اور وہ جھٹکے کے ساتھ دوہرا ہوگیا۔ گرا اور غنودگی میں لڑھکتا چلا گیا۔ تکلیف کے باوجود ٹھنڈی ٹھنڈی ریت بڑی اچھی لگ رہی تھی۔

چاندنی مسکرا رہی تھی اور چاند منہ چڑھا رہا تھا۔

میر تقی میر سے لے کر میرا جی تک سارے شعراء کے دوا وین آنکھوں میں ناچ

درد سا درد تھا..... ہمہ تن درد محسوس کر رہا تھا خود کو۔

پھر اُس نے مچل مچل کر ہنسنا شروع کر دیا..... اس سچویشن پر ہنسی آ رہی تھی۔ کا

اسے اس حال میں دیکھ پاتا۔ اس نے سوچا۔

میڈونا اور جینی کے چیخنے کی آوازیں برابر کانوں کے پردوں پر ضربیں لگا

تھیں۔ بوڑھا بھی چیخ رہا تھا۔

حمید لوٹیں لگاتا ہوا اُن کی حد نگاہ سے نکل گیا اور پھر جو اٹھ کر بھاگا ہے ساحل

تو پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ پتہ نہیں ان دونوں میں سے کون لہولہان ہوا..... میڈونا یقی

جینی سے زیادہ اسمارٹ اور مضبوط تھی۔

وہ پانی پر جھکا اور منہ پر چھینٹے مارنے لگا..... بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ شائد

کچھ خراشیں بھی آئی تھیں جن میں کھارے پانی نے ہلچل مچا دی..... پیچھے ہٹا اور ا

چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

ایک بار پھر اُسے ہنسی آ گئی..... یہ نامعقول عورتیں..... تہہ در تہہ کتنے رد

ہیں۔ اس نے سوچا۔ لیکن اس کے آگے اور کچھ نہ سوچ سکا۔ کسی نے کاندھے پر ہاتھ

وہ اچھل کر مڑا اور بوڑھے کا چہرہ دیکھ کر بھنا گیا۔

لیکن قبل اس کے کہ کچھ کہتا بوڑھا خوفزدہ لہجے میں بولا۔ ''چل کر دیکھو.....

کون ہے۔''

''اب کون ہے.....؟'' حمید نے آنکھیں نکالیں۔

''وہ دوسری طرف سے آیا تھا..... خدا کی پناہ..... آدمی ہے یا پہاڑ.....

ان دونوں نے لڑنا چھوڑ دیا تھا..... ہم خوفزدہ تھے..... لیکن قریب آ کر جیسے ہی

میڈونا کو غور سے دیکھا چیخنے لگا۔''

''کیا چیخنے لگا.....؟''

''بھوت..... بھوت.....!''

''تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔''

''چل کر دیکھ لو..... چیختے چیختے بیہوش ہو کر گر گیا ہے۔''

''ممکن ہے اب تک مر بھی چکا ہو..... چلے جاؤ یہاں سے میں تنہا رہنا چاہتا ہوں۔''

''سنو رحم کرو..... مجھ پر..... چلو لڑکیاں خائف ہیں۔''

''اے..... جو عورتوں کو بھوت سمجھتا ہو اس سے خائف ہونے کی کیا ضرورت

ہے..... اپنا اور میرا وقت نہ خراب کرو..... وہ کوئی بہت بڑا دانشور معلوم ہوتا ہے.....

عورتوں سے بھاگ کر اس ویران جزیرے میں پناہ لی ہوگی لیکن یہاں بھی انہیں موجود پا کر

اسے صدمے کے مر گیا۔''

''تم ایسی باتیں کر رہے ہو..... مجھے حیرت ہے۔''

''حیرت کی کیا بات ہے؟''

''تم تو عورتوں کے بارے میں بڑے خوبصورت خیالات رکھتے تھے۔''

''چلو..... خدا کے لئے چلو..... انہیں تمہاری ضرورت ہے۔''

''عورتوں کو اسی وقت مردوں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جب وہ چوہے یا چھپکلی سے

خائف ہوں..... جاؤ میری تنہائی کو مجروح نہ کرو۔''

''اچھی بات ہے اگر اُن میں سے کوئی مر گئی تو ذمہ داری تم پر ہوگی۔''

''ارے جاؤ..... شائد تم نشے میں ہو..... میں نے آج تک کسی عورت کو ڈر کر مرتے

نہیں دیکھا۔''

''میں تمہارے متعلق بڑی اچھی رائے رکھتا تھا۔'' وہ ناخوشگوار لہجے میں بڑبڑاتا ہوا

پلٹنے کے لئے مڑ گیا۔

حمید جہاں بیٹھ گیا تھا وہیں بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے جیب سے پائپ نکالا اور

تمباکو بھرنے لگا۔ پھر سلگانے جا رہا تھا کہ میڈونا کی آواز سنائی دی۔ وہ اسے پکارتی

ہوئی ٹیلے پر اُتر رہی تھی۔

''کیا ہے.....؟'' حمید نے اس کے قریب آ جانے پر غرا کر پوچھا۔

''وہ دیکھو..... میں ایک دشواری میں پڑ گئی ہوں۔ میری مدد کرو۔''

''یہاں اس ویرانے میں کون کسی دشواری میں پڑسکتا ہے۔''

وہ اس کے قریب بیٹھ گئی اور تھکی تھکی سی آواز میں بولی۔''میں نے آج تک کوئی کام نہیں کیا.....لیکن مجھے اس سیدھے سادھے آدمی سے ہمدردی ہے.....کوئی تدبیر کرو میرا خوف اس کے دل سے نکل جائے۔ وہ مجھے بھوت سمجھتا ہے۔''

''نہایت عقلمند معلوم ہوتا ہے۔''

''مذاق میں نہ اڑاؤ.....سنجیدگی سے سنو! مادام کا ہر آدمی دوسرے پر حق رکھتا ہے۔''

''چلو سن رہا ہوں۔''

''پچھلے دنوں ایک دیو قامت احمق آدمی میرے سپرد کیا گیا تھا۔ مادام کا حکم تھا کہ اُسے الجھانے کی کوشش کروں۔ وہ میرے لئے پاگل ہو رہا تھا۔''

وہ خاموش ہوگئی اور حمید کو یاد آیا کہ بوڑھے نے کسی دیو قامت آدمی ہی کا تذکرہ تھا۔ تو کیا قاسم.....!

وہ اچھل کر کھڑا ہوگیا اور مضطربانہ انداز میں بولا۔''تم خاموش کیوں ہوگئیں؟''

''سوچ رہی تھی کہ اس بات کو آگے کس طرح بڑھاؤں کیونکہ خود بھی اس کے مقصد سے واقف نہیں۔''

''اس کی پرواہ مت کرو.....واقعات.....!''

''پھر اسے خوفزدہ کرنے کی تدابیر ہونے لگیں! میرا ربڑ کا مجسمہ تیار کرکے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے اور وہی سب کچھ اس کے لئے ناشتے کی میز پر لگایا گیا۔ تھوڑے فاصلے سے وہ سب کچھ بالکل اصلی لگتا تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد میں اس کے سامنے لائی گئی وہ بھوت، بھوت چیختا ہوا بے ہوش ہوگیا۔

''کیا وہ اردو بولتا ہے؟''

''ہاں.....!''

''لیکن بوڑھے کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ 'بھوت، بھوت' چیخ رہا تھا۔''

''میں اہل زبان کی طرح اردو بول سکتی ہوں، میں نے اُسے بتایا تھا۔''

''چلو.....میں اسے دیکھوں گا۔'' حمید آگے بڑھتا ہوا بولا۔''لیکن فی الحال اتنا کہ میرا اس کا سامنا نہ ہونے پائے۔''

جیسے ہی وہ اس مقام پر پہنچے جہاں سے ان تینوں کو دیکھ سکتے تھے حمید نے آہستہ سے کہا۔''تم واپس جاؤ.....شائد اُسے ہوش آ گیا ہے.....کیونکہ میں تین افراد کو دیکھ رہا ہوں.....اور وہ اسٹولوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔''

''میں کہاں جاؤں.....؟''

''کچھ دیر ساحل پر ٹھہرو.....!''

وہ پلٹ گئی اور حمید آگے بڑھتا رہا۔

''قاسم.....!'' اس نے قریب پہنچ کر بڑے پیار بھرے لہجے میں آواز دی۔

''ون.....!'' وہ اسٹول سے اٹھتا ہوا بولا۔

''تمہارا سرپرست.....تمہارا مربی اور کون.....؟'' حمید آگے بڑھ کر اس سے ''کمر گیر'' ہوا بولا۔ کیونکہ بغل گیر ہونے کے لئے اس کو اسٹول پر کھڑا ہونا پڑا۔

''غمید بھائی.....ارے میری جان.....میرے پیارے بھائی.....اللہ تیرا شوکر اب دیکھوں گا سالے بھوتوں کو.....اَمے لونڈیاں بن بن کر مجھے چھیڑ رہے ہیں سالے۔''

حمید بڑے پیار سے اس کی کمر تھپکتا رہا۔

آدمی میکر

ان کے ٹرانسمیٹروں پر ہونے والی گفتگو کے سن لئے جانے کے امکانات نہیں تھے اس لئے اب زیادہ تر ٹرانسمیٹر ہی استعمال کئے جا رہے تھے اور یہ ٹرانسمیٹر ان کی مخصوص گاڑیوں سے لگے ہوئے تھے۔ جب بھی اولیویا کوئی خاص پیغام دینا چاہتی تو پہلے فون پر مچکوف سے رابطہ کرکے کہتی''میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔''

فون ریسیور رکھ کر فوراً باہر آتا.....گاڑی نکالتا اور شہر کی سڑکیں ناپنے لگتا۔

اُسی دوران میں اولیویا دوبارہ اُس سے ٹرانسمیٹر پر رابطہ قائم کر لیتی۔ اس وقت بھی یہ ہوا تھا۔ اُولیویا اس سے گفتگو کرنا چاہتی تھی۔ اُسے دوبارہ اتنی جلد کسی اہم پیغام کی توقع نہیں تھی۔ حالانکہ اس کی یہی خواہش تھی کہ کسی طرح اولیویا تک کُہلر کی کہانی پہنچا سکے اور اس کے لئے یہ بہترین موقع تھا۔

اولیویا کی آواز سنتے ہی اُس نے کُہلر کی داستان شروع کرنی چاہی۔

''تم اپنی زبان بند رکھو..... میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔'' وہ جھنجھلا کر بولی۔

''مادام..... کُہلر.....!''

''شٹ اپ.....!''

''ایز یو پلیز.....!''

''تم اس وقت اسی کُہلر کی قیام گاہ میں ہی مقیم ہو شائد۔''

''جی ہاں مادام.....!''

''ہوں..... اچھا..... بکو تم کیا کہنا چاہتے تھے۔''

''کُہلر ایک ہفتے تک کسی کی قید میں رہا ہے مادام..... دو گھنٹے پہلے کی بات ہے۔ بہت بُری حالت میں واپس آیا ہے۔ اُسے یاد نہیں کہ اُسے اس کی قیام گاہ سے کس طرح لے گیا تھا۔ ایک ہفتے تک وہ کسی عمارت میں قید رہا اور آج شام کو اس نے خود کو ایک پلے گارڈرن میں پڑا پایا۔ میں نے فوری طور پر اس کی کہانی پر یقین کر لیا تھا۔ میں نے وہ سارے طریقے آزمائے جو ہر قسم کے میک اپ کو صاف کر دیتے لیکن کُہلر کا چہرہ کُہلر ہی کا ہے مادام۔''

''اب اس کُہلر کو جہنم میں ڈالو.....!'' دوسری طرف سے اولیویا کی آواز آئی۔

''تھرٹیتھ اسٹریٹ میں ایک عمارت عظیم منزل ہے..... اس میں ایک گھنٹے کے اندر اندر بم رکھوا دو..... اس بم کو ٹھیک دو بجے پھٹنا چاہئے۔ اس کے کچھ آدمی وہاں مقیم ہیں۔''

''بہت بہتر مادام.....!''

''احتیاط سے..... میرا خیال ہے کہ تم اس سے مرعوب ہو گئے ہو۔''

''نن..... نہیں تو مادام..... میں ہر وقت اُس سے دوچار ہونے کو تیار ہوں۔''

''ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے لیکن اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ وہ مجھ پر ہاتھ ڈال

فکر میں ہے۔ تم سے نہیں الجھے گا۔ میں اُس کے طریق کار کو اچھی طرح جانتی ہوں۔''

''آپ مطمئن رہیں مادام.....!''

''اچھا بس.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

پیٹر مچکوف نے طویل سانس لے کر ریسیور ڈیش بورڈ کے خانے میں رکھ دیا اور گاڑی قیام گاہ کی طرف موڑ دی۔

بھاگم بھاگ اُن لوگوں کے پاس پہنچا جن سے تخریبی کام لیا کرتا تھا۔ ان تک اولیویا کا پیغام پہنچا کر تاکید کر دی کہ وہ کام ہر حال میں ایک گھنٹے کے اندر اندر ہونا چاہئے۔

آج وہ تنہا نکلا تھا..... اپنی نگرانی کے لئے بن پولان کو ساتھ نہیں لے سکا تھا کیونکہ کُہلر کی حالت ابتر تھی اور بن پولان اس کی تیمار داری کر رہا تھا۔

واپسی پر اس نے اُسے کُہلر ہی کے کمرے میں پایا۔ وہ کُہلر سے کہہ رہا تھا۔ ''خوش قسمت ہو کہ کچھ دن اسی بہانے عیش کر لو گے یہاں تو دوڑتے دوڑتے کل پُرزے ڈھیلے ہو گئے۔''

''اب تم میرے ساتھ آؤ.....!'' پیٹر مچکوف نے اس سے کہا۔

''میں اس کی دیکھ بھال کر رہا ہوں موسیو۔''

''اب یہ خود ہی اپنی دیکھ بھال کر لے گا..... اُٹھو.....!''

بن پولان نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا اور اٹھ گیا۔

کُہلر کے کمرے سے نکل کر پیٹر مچکوف اپنے کمرے کی طرف چل پڑا تھا۔ بن پولان اس کے پیچھے تھا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر وہ بن پولان کی طرف مڑا۔ اُس کے ہاتھ میں ریوالور تھا جس کی نال بن پولان کے سینے کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔

''تمہیں ثبوت پیش کرنا ہے کہ تم بن پولان ہی ہو۔''

وہ ہنس پڑا..... اور بولا۔ ''پہلے آپ اپنے بارے میں ثبوت پیش کیجئے موسیو۔''

''بن پولان.....!''

''ہاں موسیو.....!''

''میں اب کسی پر بھی اعتماد نہیں کر سکتا۔''

''اس کے علاوہ اور کوئی ثبوت نہیں ہے میرے پاس کہ چھ سال سے آپ کی خدمت

کر رہا ہوں۔"

"کہلر آٹھ سال سے میرے پاس تھا.....!"

"تو اس بیچارے کا اس میں کیا قصور ہے۔ اُسے سوتے میں بے ہوش کر کے یہاں لے جایا گیا ہوگا۔"

"اسی طرح بن پولان بھی لے جایا جا سکتا ہے۔"

"کوئی لے جا کر تو دیکھے....." بن پولان سینہ تان کر بولا۔

"بیکار باتوں میں وقت نہ ضائع کرو..... الماری کھول کر لیکوئیڈ نمبر تین نکالو اور یہ ثابت کرو کہ تم بن پولان کے میک اپ میں نہیں ہو۔"

"اُوہ.....!" اس نے طویل سانس لی اور ڈھیلا پڑ گیا۔ ایک طنزیہ سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر کھیل رہی تھی۔

اس نے الماری کھول کر ایک بوتل نکالی جس میں کوئی بے رنگ سیال تھا۔ ہاتھ پر انڈیل کر اُس نے اپنے چہرے پر ملنا شروع کیا۔ پیٹر مچکوف کچھ اور آگے بڑھ آیا تھا۔

وہ اُسے اپنے چہرے کی صفائی کرتے دیکھتا رہا۔

"بس.....!" آخر کار وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "مجھے یقین آ گیا کہ تم بن پولان ہی ہو۔"

"اور جس کی وجہ سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے اگر میرے ہاتھ لگ جائے تو اُس کی ہڈیاں چور کر کے رکھ دوں.....!" بن پولان غصیلے لہجے میں بولا۔

"ہمیں صبر سے کام لینا چاہئے بن..... ایک نہ ایک دن وہ ضرور ہاتھ آئے گا۔"

"مجھے اس وقت گہرا صدمہ پہنچا ہے جناب۔"

"وقتی مصلحت.....! اسے بھول جاؤ.....!" پیٹر آگے بڑھ کر اس کا شانہ تھپکنے لگا۔

"اب میں آرام کرنا چاہتا ہوں موسیو! اس صدمے نے میرے اعصاب پر بُرا اثر ڈالا ہے۔"

"ضرور..... ضرور..... مجھے افسوس ہے بن! اس واقعے کو بھول جاؤ..... تم پہلے ہی کی طرح میرے بہترین رفیق ہو۔"

عظیم منزل تھرٹینتھ اسٹریٹ کی ایک چھوٹی سی خوبصورت عمارت تھی۔

اس کی خوبصورت کا راز اس کے دوسری عمارتوں سے الگ تھلگ واقع ہونے میں مضمر تھا۔ چہار دیواری کے وسط میں رہائشی عمارت تھی اور چہار دیواری نیلے پھولوں والی بیل سے ڈھکی رہتی تھی۔

عمارت کے عقب میں چہار دیواری کے کچھ دور ہٹ کر ایک موٹر گیراج تھا جہاں بیشمار ٹوٹی پھوٹی گاڑیاں کھڑی رہتی تھیں اور دن رات کام ہوتا تھا۔ کتنی ہی گاڑیاں آتی جاتی رہتیں۔

بارہ بج کر پانچ منٹ پر ایک اسپورٹ کار گیراج میں دھکیل کر لائی گئی۔ دو آدمی اسے دھکا دیتے ہوئے گیراج کی حدود میں داخل ہوئے تھے۔

اس میں کوئی خرابی تھی..... ایک آدمی مستری کو اس کے بارے میں بتانے لگا اور دوسرا اس سے کچھ دور ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

مستری نے بونٹ اٹھا کر انجن کا جائزہ لینا شروع کر دیا تھا اور دوسرا آدمی اس تاریک حصے کی طرف چلا گیا جہاں بہت سی ٹوٹی پھوٹی گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔

شائد ہی کسی نے اس کی طرف دھیان دیا ہو۔ اگر کسی نے دیکھا بھی ہوگا تو اس کے علاوہ اور کچھ نہ سوچ سکا ہوگا کہ اُسے اُدھر پیشاب ہی کی حاجت لے گئی ہوگی۔

پندرہ یا بیس منٹ تک گاڑی کے انجن میں کام ہوتا رہا لیکن وہ واپس نہ آیا..... اتنے میں گیراج کی حدود کے باہر عین پھاٹک کے سامنے دو تین آدمی ہاتھا پائی کرتے دکھائی دیئے۔ وہ شور بھی مچا رہے تھے۔ گیراج میں جتنے آدمی تھے سب پھاٹک کی طرف دوڑ پڑے۔

ان میں وہ آدمی بھی شامل تھا جو مستری کے پاس ہی رک کر گاڑی ٹھیک کرا رہا تھا۔

بمشکل تمام ان لوگوں نے ان تینوں کو الگ کیا۔ وہ بُری طرح ہانپ رہے تھے۔

ان میں ایک آدمی مقروض تھا اور بقیہ لوگ قرض خواہ کے طرفدار تھے۔ مستری جو ایک تجربہ کار آدمی کے سے انداز میں گفتگو کرتا تھا انہیں ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

دس پندرہ منٹ اس میں گزر گئے۔ واپسی پر اسپورٹ کار والے نے مستری کو کام کی اُجرت دی اور گاڑی میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کیا۔ اس کے دوسرے ساتھی کا اب بھی کہیں پتہ نہ تھا۔ اس نے کسی سے اُسکے بارے میں پوچھا تک نہیں اور گیراج کی حدود سے باہر نکلا چلا آیا۔

ایک ویران اور تاریک جگہ پر اس نے گاڑی دوبارہ روکی اور نیچے اُتر کر اس کی نمبر پلیٹیں تبدیل کرنے لگا۔

یہاں بھی اس نے اپنے دوسرے ساتھی کا انتظار نہ کیا اور کام کو ختم کر کے دوبارہ گاڑی میں بیٹھا اور تیز رفتاری سے چیتھم روڈ کے چوراہے کی طرف روانہ ہوگیا۔

وہاں سے اس نے گاڑی مل ایریا کی طرف موڑی تھی۔ پھر مل ایریا کو بھی پیچھے چھوڑتا ہوا ایک الگ تھلگ فیکٹری کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوا۔ اس فیکٹری میں کولتار بنایا جاتا تھا۔

گاڑی باہر ہی کھڑی کر کے وہ عمارت میں داخل ہوگیا۔ گاڑی جہاں تھی وہیں کھڑی رہی..... چاروں طرف ہوکا عالم تھا..... فیکٹری کی عمارت میں کہیں کہیں کسی کھڑکی روشندان میں روشنی نظر آ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ روشنیاں بھی غائب ہوگئیں اور چاروں طرف گہرے اندھیرے اور سناٹے کی حکمرانی ہوگئی۔

چوکیدار بھی پھاٹک بند کر کے سونے چلا گیا۔ یہ اسپورٹ کار شائد آخری گاڑی تھی۔

ٹھیک دو بجے رات کو ایک زوردار دھماکہ ہوا اور اس اسپورٹ کار کے چیتھڑے اڑ گئے۔

دھماکہ اتنا زبردست تھا کہ فیکٹری کی دیواریں تڑخ گئیں۔ گاڑی کے قریب کے حصے ڈھیر ہی ہوگئے تھے۔ دھماکہ دور دور تک سنا گیا..... انڈسٹریل ایریا جو قریب ترین علاقہ ایک عجیب سی افراتفری کا شکار ہوگیا۔



وہ ہمیشہ سرہانے فون رکھ کر سوتا تھا اور فون میں کوئی ایسا پرزہ لگا دیا گیا تھا جس کی سے فون کی گھنٹی کی آواز کسی لاؤڈ اسپیکر سے آتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

بس اچانک گھنٹی بجی اور وہ بستر سے اچھل کر فرش پر آ کھڑا ہوا اور بالکل مشینی انداز میں ریسیور کریڈل سے اٹھا کر کان تک لایا۔

''ہیلو.....!'' نیند کے بوجھ سے اس کی آواز دبی جا رہی تھی۔

''عمارت فوراً چھوڑ دو.....!'' دوسری طرف سے اولیویا نارمن کی آواز آئی۔

''کُہلر کو ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں..... اسے وہیں پڑا رہنے دو۔''

''بہت بہتر مادام.....!''

''نمبر گیارہ میں پہنچو..... بن پولان سے محتاط رہنے کو کہنا۔''

پھر پیٹر مچکوف نے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر ہی ریسیور رکھا تھا اور بڑی تیزی سے لباس تبدیل کرنے لگا تھا۔

پھر بن پولان کو بھی جگا کر جلدی سے تیار ہو جانے کی تاکید کرتا ہوا بولا۔ ''یقیناً کوئی خاص بات ہوئی ہے..... لیکن ٹھہرو..... کیا تم جاگتے رہے تھے۔ تمہاری آنکھوں سے نہیں معلوم ہوتا کہ سوئے ہو۔''

''آپ دیکھ رہے ہیں موسیو کہ میں شب خوابی کے لباس میں نہیں ہوں۔''

''کیوں! تم سوئے کیوں نہیں۔''

''میں آپ کی طرح بہت بہادر نہیں ہوں موسیو! کُہلر اسی عمارت سے غائب ہو کر پھر اسی عمارت میں واپس آیا تھا۔''

''آؤ..... جلدی کرو..... تم اپنی گاڑی میں چلو گے۔ ہمیں نمبر گیارہ میں فوراً پہنچنا ہے۔''

دس منٹ کے اندر ہی اندر ان کی گاڑیاں سڑک پر نکل آئی تھیں۔ پیٹر مچکوف کا خیال تھا کہ گاڑی میں بیٹھ جانے کے بعد اُسے ٹرانسمیٹر پر مزید گفتگو کیلئے اشارہ موصول ہوگا لیکن ایسا نہ ہوا..... اُن کی گاڑیاں اُس عمارت تک پہنچ گئیں جسے نمبر گیارہ کہا جاتا تھا۔

صبح کے چار بجے تھے۔ اس عمارت میں موجود ایک فربہ اندام آدمی نے انہیں گاڑیاں گیراج میں لے چلنے کو کہا۔

پیٹر مچکوف کو اس کا لہجہ پسند نہیں آیا تھا۔ ویسے وہ اُس کے لئے قطعی اجنبی تھا۔ سفید فام تھا..... فربہ اندام ہونے کے باوجود بھی اس کے چہرے پر ہلکے پھلکے آدمیوں کی سی توانائی

اور تازگی پائی جاتی تھی۔

اس نے اُن دونوں کو گاڑیوں سے اُترنے کو کہا اور اپنے ساتھ لیکر عمارت میں داخل ہوا۔

''تم دونوں یہیں بیٹھو.....!'' اس نے ایک کمرے کے دروازے پر رکتے ہوئے کہا۔

اندر پہنچ کر پیٹر مچکوف دروازے کی طرف مڑا جو باہر سے بند کرلیا گیا تھا۔ وہ پھر دروازے کی طرف جھپٹا اور اس کے ہینڈل پر زور آزمائی کرنے لگا لیکن دروازہ نہ کھل سکا۔

• وہ مڑ کر بن پولان کی طرف دیکھنے لگا۔

''کیا بات ہے موسیو.....؟'' پولان نے پوچھا۔

''میں نہیں سمجھ سکا۔''

''کیا دروازہ باہر سے مقفل کردیا گیا ہے۔''

''ہاں.....!'' اس نے کہا اور نچلا ہونٹ دانتوں میں دبالیا۔

''اس کا کیا مطلب ہوسکتا ہے موسیو۔''

''میں خود نہیں سمجھ سکتا!'' پیٹر نے کہا۔ بن پولان خاموش تھا۔ پندرہ بیس منٹ گزر گئے۔ دفعتاً اولیویا کی آواز کمرے میں گونجی۔ ''تم بہت تھک گئے ہو پیٹر۔ اب کچھ دن آرام کرو۔''

''میرا قصور مادام.....؟''

''غفلت.....حماقتیں.....جانتے ہو پچھلی رات کیا ہوا۔''

''مم.....میں نہیں جانتا مادام.....!''

''جن لوگوں نے عظیم منزل میں ٹائم بم رکھا تھا پولیس کی حراست میں ہیں۔''

''کیا وہ بم رکھتے ہوئے پکڑے گئے تھے مادام.....!''

''نہیں.....بلکہ وہ بم دوبارہ ان کی گاڑی میں رکھ دیا گیا تھا جو ٹھیک دو بجے پھٹ گیا۔''

''یہ کیونکر ممکن ہے۔''

''اس طرح ممکن ہے پیٹر مچکوف کہ تم اندھے ہو۔ اپنی آنکھیں کھلی نہیں رکھ سکتے۔''

پیٹر کچھ نہ بولا۔ اولیویا کی آواز پھر آئی۔ ''تم خاموش رہو۔ حالانکہ بکواس کی عادت نے تمہاری شخصیت تباہ کرکے رکھ دی ہے۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا مادام یہ کیونکر ہوا.....وہ لوگ اس کام کے ماہر ہیں۔''

''گاڑی کولتار فیکٹری میں پارک کی گئی تھی۔ وہیں دھماکہ ہوا۔ دور دور تک کی عمارتوں کی کھڑکیوں اور دروازوں کے شیشے ٹوٹ گئے۔ فیکٹری کا منیجر بھی حراست میں ہے۔ اب مجھ سے سنو کہ یہ کیونکر ہوا.....سنو اپنے اندھے پن کی داستان.....تمہاری گاڑی کے ٹرانسمیٹر سے ایک اور ٹرانسمیٹر بھی اٹیچ پایا گیا ہے.....اس طرح ہم دونوں کی گفتگو کوئی تیسرا آدمی بھی سنتا رہا ہے۔''

''نن.....نہیں.....!'' پیٹر مچکوف کا چہرہ زرد پڑ گیا۔

''اور اب تم دونوں میکلوڈ کی ماتحتی میں کام کرو گے۔''

''کک.....کون.....میکلوڈ.....!''

''جس نے تمہیں یہاں بند کیا ہے۔ اُسے اختیار دیا گیا ہے کہ تمہیں جس طرح چاہے استعمال کرے۔''

صبح کے آٹھ بجے تھے۔ قاسم بے خبر سو رہا تھا۔ حمید نے اس کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔ پھر وہ چاہتا بھی تھا کہ اس کے اٹھنے سے پہلے اس کے لئے ناشتے کا انتظام کرلے۔ جینی نے صاف انکار کردیا تھا۔ لیکن میڈونا خوشی سے تیار ہوگئی تھی۔ اس کا کھانا پکانے کی ذمہ دار لیتے وقت اس نے کہا تھا۔ ''میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ اب میرا زیادہ تر وقت چولہے کے قریب ہی گزرے گا لیکن مجھے اس کی پرواہ نہیں۔''

ابھی تک وہ قاسم کے سامنے نہیں آئی تھی۔ پچھلی رات جب وہ سوگیا تھا تو وہ چپ چاپ جھونپڑی میں داخل ہوئی تھی اور اپنے بستر پر لیٹ گئی تھی۔

حمید صبح ہی سے محسوس کررہا تھا کہ جینی اور اس کا باپ اُس سے کچھ کھنچے کھنچے سے ہیں۔ اس نے بھی انہیں نہیں چھیڑا تھا۔ میڈونا سے اس نے کہہ دیا تھا کہ جب تک وہ اس

سے نہ کہے اُسے قاسم سے دور ہی دور رہنا پڑے گا۔

جھونپڑے سے نکل کر وہ ساحل کی طرف آیا۔ زیادہ تر وقت ساحل ہی پر گزارتا تھا اس توقع پر کہ شائد نکل بھاگنے کی کوئی سبیل نظر ہی آ جائے۔

روزانہ پورے جزیرے کے دو تین چکر ضرور لگاتا تھا۔ کچھ ہی دور گیا تھا کہ بوڑھے نے مغربی ساحل کی طرف سے دوڑ کر آتے دیکھا۔

وہ قریب آ کر بڑے جوش سے بولا۔ ''رہائش کا مسئلہ بھی حل ہو گیا۔ ہم دونوں اس منحوس جھونپڑے کو خیر باد کہنے جا رہے ہیں۔''

''کیسے حل ہو گیا رہائشی مسئلہ۔''

''میں نے اُدھر ایک خیمہ دیکھا ہے۔ آرام کی ساری چیزیں موجود ہیں۔ ہم دونوں وہیں چلے جائیں گے۔ تم لوگ جہنم میں جاؤ۔'' وہ ہانپتا ہوا بولا اور پھر دوڑتا ہی ہوا اوپر چڑھنے لگا۔

حمید نے بھی کچھ دیر بعد وہ خیمہ دیکھا۔ دو آدمی بڑے آرام سے رہ سکتے تھے۔ خاموشی سے ان دونوں کو اس خیمے میں منتقل ہوتے دیکھتا رہا۔ انہوں نے جھونپڑے کی کوئی چیز اپنے ساتھ نہیں لی تھی۔

انہیں وہیں چھوڑ کر وہ جھونپڑی کی طرف پلٹ آیا۔ قاسم ابھی تک سو رہا تھا اور میڈونا غائب تھی۔ ناشتہ میز پر لگا ہوا نظر آیا۔ اب قاسم کو جگانے کی ٹھہری..... یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ آنکھیں کھولتا اور پھر بند کر لیتا۔ آخر ایک بار جیسے ہی اس نے آنکھیں کھولیں حمید نے کان کے قریب منہ لے جا کر چیخا ''یہاں کھانے کو نہیں ملتا۔ میں تین دن کے فاقے سے ہوں۔''

''قق..... قیا.....!'' وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔

''یہاں بھوکے مرنا پڑے گا۔'' حمید پھر چیخا۔

''اَے نہیں.....!'' قاسم نے ہنسنے کی کوشش کی۔

''یقین کرو پیارے.....!''

''ارے باپ رے..... میں نے تو شائد کئی دن سے کھانا نہیں کھایا۔''

''ہوش آ گیا تمہیں پوری طرح۔''

''ہاں..... ہاں.....!''

''چلو منہ دھو ڈالو..... رفع حاجت تو نہیں کرو گے۔''

''ارے قے تو کھایا ہی نہیں تھا۔'' وہ مردہ سی آواز میں بولا۔

لیکن پھر تھوڑی دیر بعد ناشتہ دیکھ کر اس کی باچھیں کھل گئیں اور موج میں آ کر بولا۔ ''الا بھائی بڑے کھش قسمت ہو..... اَے تمہیں تو قبر میں بھی لونڈیاں ملیں گی۔ قہاں گئی۔''

''چلی گئی اپنے باپ کے ساتھ۔''

''قہاں..... ارے لاحول ولا..... مجھ قو ناشتہ قرنا چاہئے۔ بیکار تمہارا بھیجا چاٹ رہا ..... ہی ہی ہی۔''

پھر اس ''ہی ہی'' کا سلسلہ ایک نوالے ہی سے ٹوٹا تھا۔

ناشتے کے بعد حمید اُسے ڈھب پر لانے کی کوشش کرنے لگا کیونکہ میڈونا کو بھی اسی بڑے میں رہنا تھا..... بوڑھا اور اس کی بیٹی تو اس سے بُری طرح متنفر تھے۔

اس نے قاسم سے بھوتوں والی کہانی بالتفصیل سنی اور بولا۔ ''میں بھی اس چکر میں ..... لیکن میں نے دو بھوتوں کو آدمی بنا لیا ہے۔ یہ ایک ویران جزیرہ ہے..... ہم ں کے علاوہ یہاں اور کوئی نہیں۔''

''لل..... لیکن میں نے قمی کو بھی دیکھا تھا۔'' قاسم بولا۔

''اس کا حلیہ بتاؤ..... اُسے بھی آدمی بنانے کی کوشش کروں گا۔''

''اَے جاؤ اُلو نہ بناؤ..... اب بیٹا جاسوسی چھوڑ کا دعا تعویذ کریں گے۔''

''سنو! میں اُسے آدمی بنا دوں گا۔ لیکن تم اسے میرے بارے میں کچھ نہیں بتاؤ ..... یہی ظاہر کرو گے جیسے پہلی بار مجھ سے ملے ہو۔''

''میں سمجھ گیا..... آدمی بنا کر سالے کی جاسوسی قروانے۔''

''پھر جاسوسی کا نام لیا.....!'' حمید نے آنکھیں نکالیں۔

''اچھا بیٹا..... روزہ نماز کرو گے..... بس.....!'' قاسم نے کہا اور پھر اُس کی ''ہی ہی'' چل پڑی تھی..... لیکن وہ جلد ہی خاموش اور سنجیدہ نظر آنے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کچھ سوچ رہا ہو۔

یک بیک بولا۔ ''تم کیسے پڑ گئے تھے بھوتوں کے چکر میں۔''

''یہ تو اچھی طرح یاد نہیں۔ لیکن ایک بزرگ مل گئے تھے اور انہوں نے کچھ نسخے بتائیں جن پر عمل کر کے سو گیا۔ دوسری بار جاگا تو خود کو اس جزیرے میں پایا..... یہاں بھوت پہلے سے موجود تھے۔ بزرگ والا نسخہ اُن پر آزمایا..... وہ آدمی بن گئے۔''

''لونڈیا زوردار تھی۔'' قاسم منہ چلاتا ہوا بولا۔

''اب تم کسی قمی کا ذکر کر رہے ہو۔''

''یار بس غضب کی تھی..... اگر تم اسے آدمی بنا دو تو جندگی بھر تمہاری گلامی قروں غا۔''

''اچھی بات ہے..... تم کھاؤ..... میں جا کر تدبیر کرتا ہوں۔''

''میں بھی چلتا ہوں..... تدبیر کر کے خود ہڑپ قر گئے تو میں کیا قروں غا۔''

''بکواس مت کرو..... ورنہ تمہیں بھوت بنا دوں گا۔''

''اچھا.....!'' قاسم مردہ سی آواز میں بولا۔ ''جیسی الا کی مرجی! جاؤ۔''

حمید میڈونا کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ وہ اُسے نئے پائے جانیوالے خیمے کے قریب ملی۔ بوڑھے سے کسی بات پر جھگڑا کر رہی تھی۔ جینی بھی موجود تھی۔ لیکن اس کا چہرہ ہر قسم جذبات سے عاری نظر آ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ان کی آوازیں سن ہی نہ رہی ہو۔

حمید نے میڈونا کو وہاں سے ہٹایا اور وہ دونوں جھونپڑے کی طرف روانہ ہو گئے۔

جھونپڑے میں داخل ہوتے وقت اس نے میڈونا کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ قاسم نے دیکھتے ہی پہلے تو چیخ مارنے کے لئے بھاڑ سا منہ کھولا پھر سر کھجانے لگا۔ منہ بند کر کے مسکرانے کی بھی کوشش کی تھی۔

''یہ لو! یہی ہے ناقمی..... میں نے اسے آدمی بنا دیا۔'' حمید سنجیدگی سے بولا۔

''تو ہاتھ چھوڑ دو نا..... یہ کیا بدتمیزی ہے۔'' قاسم نے شرمیلے لہجے میں کہا۔

''ہاتھ چھوڑنے کے لئے نہیں پکڑا گیا۔ یہ اب میری بھتنی بنے گی۔''

''میں قہتا ہوں ہاتھ چھوڑ دو۔'' قاسم آگے بڑھ کر دہاڑا۔

میڈونا نے خود ہی حمید سے ہاتھ چھڑا لیا..... اور آگے بڑھ کر قاسم کی کمر تھپکنے لگی۔

''الاقسم..... مم..... مجھے پھر نیند..... آ رہی ہے۔'' قاسم بھرائی ہوئی آواز میں ہکلایا۔

چمکدار تختی

دروازہ پھر کھلا اور بھاری بھرکم آدمی میکلوڈ اندر داخل ہوا۔ پیٹر کی حالت مارے غصے کے تباہ تھی۔ وہ ابھی تک اس یونٹ کی سربراہی کرتا آیا تھا..... اب یہ نئی اطلاع ملی تھی کہ اسے کسی کی ماتحتی میں رہنا ہوگا۔

بن پولان اس کے پیچھے کھڑا تھا جیسے ہی میکلوڈ کمرے میں داخل ہوا اس نے پیٹر مگلوف کے دونوں بازو مضبوطی سے جکڑ لئے۔

''کک..... کیا مطلب.....!'' مگلوف متحیر رہ گیا۔

''موسیو میکلوڈ.....!'' بن پولان بھاری آواز میں بولا۔ ''دیکھئے..... یہ میک اپ میں تو نہیں ہے۔''

''بن پولان..... یہ کیا بیہودگی ہے۔'' پیٹر مگلوف اس کی گرفت سے نکل جانے کیلئے مچلا۔

''فضول ہے..... موسیو مگلوف..... آپ مجھ سے زیادہ طاقتور نہیں ہیں۔ میں اس بدتمیزی پر نادم ہوں لیکن حالات ایسے ہی ہیں کہ ہم ایک دوسرے پر قطعی اعتماد نہ کریں..... آپ نے بھی تو میرا منہ اس محلول سے دھلوایا تھا۔''

میکلوڈ آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہوا ان کے قریب آیا اور مگلوف کا چہرہ ٹٹولنے لگا۔

''تم ٹھہرو.....!'' اس نے بن پولان سے کہا۔ ''میں ابھی آتا ہوں۔ اس کو اسی طرح پکڑے رکھو۔''

اس کے چلے جانے پر مگلوف غرایا۔ ''یہ تم اپنے حق میں اچھا نہیں کر رہے۔''

''جس طرح آپ کو میرے بارے میں شبہ ہوا تھا میں بھی اُسی نکتہ نظر سے سوچ رہا ہوں۔''

''اتنا یاد رکھو کہ مادام کا یہ فیصلہ عارضی ہے۔ یہاں کے یونٹ کی سربراہی کسی نئے آدمی

کے بس کا روگ نہیں۔''

''میں پہلے ہی کی طرح آپ کی عزت کرتا ہوں موسیو اور ہمیشہ کرتا رہوں گا..... لیکن اس وقت.....!''

اس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی میکلوڈ واپس آ گیا۔

وہ ایک ٹرالی کو دھکیلتا ہوا اندر لایا تھا۔

''پیٹر مچکوف! تمہیں ایک امتحان دینا ہے۔'' میکلوڈ بولا۔

''کیسا امتحان.....؟''

''تمہارے لیفٹیننٹ نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا۔ ہاں جوان تم اس کو اسی طرح جکڑے رہو۔''

ٹرالی مچکوف کے پیروں سے لگا کر کھڑی کر دی گئی اور میکلوڈ نے اس کے پائے سے لگا ہوا ایک پش سوئچ دبایا..... ٹرالی کی اُوپری سطح بلند ہونے لگی۔ اتنی بلند ہوئی کہ مچکوف کے چہرے کے برابر آ گئی اور اس میں بجلیاں سی کوندنے لگیں۔ پیٹر مچکوف کو ایسا لگا جیسے اس کی آنکھوں کے مقابل سورج آ گیا ہو۔ اس نے سختی سے آنکھیں میچ لیں۔ ذہن قابو میں نہ رہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی ختم ہو گئی ہو۔

پھر دفعتاً اولیویا کی آواز کمرے میں گونجی۔ ''تم حقیقتاً کون ہو؟''

''میں پیٹر مچکوف ہوں..... میں پیٹر مچکوف ہوں..... میں پیٹر مچکوف ہوں۔!'' وہ ہذیانی انداز میں چیختا ہی چلا گیا۔

ساتھ ہی وہ بُری طرح مچل بھی رہا تھا۔ غالباً بن پولان توازن برقرار نہ رکھ سکا اور وہ دونوں ہی اس طرح گتھے ہوئے فرش پر آ رہے۔ اس ہڑبونگ میں ٹرالی الٹ گئی۔ ایسی چھنچھناہٹ کمرے میں گونجی جیسے بے شمار شیشے کی پلیٹیں ٹوٹ کر فرش پر بکھر گئی ہوں۔

میکلوڈ پاگلوں کی طرح چیخنے لگا۔ وہ دونوں بھی بوکھلا کر اٹھ گئے۔

''باہر نکلو.....!'' میکلوڈ دروازے کی طرف دوڑتا ہوا چیخا۔

بن پولان پیٹر مچکوف سے پہلے باہر نکلا تھا۔

''عمارت ہی سے نکل چلو۔'' میکلوڈ ہانپتا ہوا بولا۔ ''ذرا سی دیر میں گیس پھیلنی شروع ہو گی۔''

پھر وہ لان پر نکل آئے۔ اس وقت اس عمارت میں تین آدمی اور بھی تھے۔ میکلوڈ نے انہیں آوازیں دے دے کر باہر نکالا تھا۔

''یہ کیا ہوا موسیو میکلوڈ.....!'' پیٹر مچکوف مردہ سی آواز میں بولا۔

''سب تمہاری حماقت کا نتیجہ ہے۔'' میکلوڈ غرایا۔ ''تم نے آئیڈنٹی فائر تباہ کر دیا..... میں نہیں کہہ سکتا کہ اس کی سزا ہمیں کیا ملے۔''

''یہ کیا چیز تھی..... میرے لئے بالکل نئی تھی۔''

''میرے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا کہ اسے کیسے آپریٹ کیا جاتا ہے۔ میں اسی لئے طلب کیا گیا تھا کہ تم دونوں کی تصدیق کروں۔ مادام تمہاری طرف سے غیر مطمئن ہو گئی ہیں۔''

''آخر کیوں..... آخر کیوں؟'' وہ مضطربانہ انداز میں بولا۔

''میں کچھ نہیں جانتا..... اوہ دیکھو گیس کی بو آنے لگی۔ خدا کی پناہ..... اگر ہم ذرا دیر بھی اندر ٹھہرتے تو دم گھٹ جاتا۔'' میکلوڈ کراہا۔

''میں پوچھتا ہوں امتحان ہو گیا یا نہیں۔'' بن پولان نے میکلوڈ کو مخاطب کیا۔

''ہاں ہو گیا..... یہ پیٹر مچکوف ہی ہے..... لیکن تم.....!'' میکلوڈ بن پولان کو گھورتا ہوا بولا۔

''میرے بارے میں آپ کو میرے باس موسیو مچکوف بتائیں گے۔'' بن پولان نے بڑے ادب سے کہا۔

پیٹر مچکوف اتنی دیر میں اپنے حواس پر قابو پا چکا تھا۔ مسکرا کر بولا۔

''کچھ دیر پہلے میرے ذہن میں اس کے خلاف ایک شبہے نے سر اُبھارا تھا۔ لیکن پھر مطمئن ہو گیا تھا۔ یہ بن پولان ہے..... میرا بہترین رفیق..... کسی زمانے میں اسپین کا نامور پہلوان رہ چکا ہے..... اس نے اس وقت میرے ساتھ جو کچھ بھی کیا اچھا ہی کیا۔ مجھے اس کی وفاداری پر شک نہیں۔''

بن پولان سر جھکائے کھڑا رہا۔

''لیکن آئیڈنٹی فائر.....!'' میکلوڈ بڑبڑایا۔ ''اس کا کیا ہو گا۔ جوابدہی میرے سر ہو گی۔''

''مجھے اس مشین کے بارے میں بتاؤ۔''

''اس کی روشنی میں کوئی شخص جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اعصاب پر اس طرح اثر انداز ہوتی

ہے کہ آدمی کسی مشین ہی کی طرح اپنے متعلق سب کچھ بتاتا چلا جاتا ہے..... ہمارے یونٹ میں یہی ایک آئیڈنٹی فائر تھا.....اب کیا ہوگا۔''

مچکوف کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک لوڈنگ ٹرک کمپاؤنڈ میں داخل ہوا اور پورٹیکو کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ ڈرائیور کی سیٹ سے اترنے والا دبلا پتلا آدمی میکلوڈ کو اشارے کر رہا تھا۔ میکلوڈ اس کی طرف جھپٹا۔

دونوں آہستہ آہستہ کچھ کہتے سنتے رہے پھر میکلوڈ نے ان تینوں آدمیوں کو بھی جو اس عمارت سے برآمد ہوئے تھے اشارے سے اپنے پاس بلا لیا۔

پھر وہ سب ٹرک میں بیٹھ گئے اور میکلوڈ نے ہاتھ ہلا کر بلند آواز میں کہا۔ ''تم دونوں تا حکم ثانی یہیں ٹھہرو گے۔''

اس کے بعد ٹرک اسٹارٹ ہوا تھا اور فراٹے بھرتا ہوا کمپاؤنڈ سے نکل گیا تھا۔

''یہ سب کیا ہو رہا ہے.....!'' مچکوف بڑبڑایا۔

''شائد بُرے دن آ گئے موسیو۔'' بن پولان بولا۔

''کیوں آخر کیوں...؟ میرا اس میں کیا قصور ہے۔ مجھ سے کہا گیا کہ ایک عمارت میں ٹائم بم رکھوا دو۔ مجھے تو نہیں رکھنا تھا۔ جو یہ کام کرتے ہیں اُن تک پیغام پہنچا کر میں بَری الذمہ ہو گیا تھا۔ حماقت ان سے سرزد ہوئی اور سزا مجھے مل رہی ہے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے بن پولان۔''

''لیکن آپ کی گاڑی کے ٹرانسمیٹر سے کوئی دوسرا ٹرانسمیٹر بھی اٹیچ پایا گیا ہے۔''

''تو پھر.....؟ میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں کہ یہ حرکت کس کی ہے اور کب ہوئی۔''

''ہم اتنے بے بس کیوں ہو رہے ہیں موسیو۔''

''میں کچھ نہیں جانتا۔ میری زبان نہ کھلواؤ بن پولان۔''

''خیر.....مجھے کیا۔ میں تو براہِ راست صرف آپ کو جوابدہ ہوں مجھے اور کسی سے سروکار نہیں۔''

''اسی لئے تم نے میرے ساتھ ایسا برتاؤ کیا تھا۔'' مچکوف اُسے گھورتا ہوا غرایا۔

''مصلحتِ وقت موسیو! ہم میں سے ایک پر تو اُسے اعتماد ہونا ہی چاہئے۔ آپ کیا سمجھتے ہیں! آپ پر کوئی آنچ آئی تو کیا میں زندہ رہتا..... بن پولان کے حصے میں وفاداری کے علاوہ اور کچھ نہیں آیا۔''

''کچھ دیر خاموش رہو اور مجھے سوچنے دو۔'' پیٹر مچکوف نے کہا اور لان پر بیٹھ گیا۔ بن پولان ٹہلتا رہا۔

کچھ دیر بعد پیٹر مچکوف نے اس کی طرف دیکھا اور اس کے چہرے پر شدید ترین غصے کے آثار پائے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی مسئلے پر اندر ہی اندر کھول رہا ہو۔

''کیوں کیا بات ہے۔'' مچکوف نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

''حد ہو گئی موسیو!'' بن پولان پیر پٹخ کر بولا۔ ''اتنی بے بسی میں نے پہلے کبھی محسوس نہیں کی.....فریدی کیا چیز ہے۔''

''ہاں.....یہی تو میں بھی کہتا ہوں.....لیکن مادام نے تو شطرنج کی بساط بچھا رکھی ہے۔ پتہ نہیں وہ کیا چاہتی ہیں۔''

''سنئے موسیو! میرا مشورہ ہے کہ ہم اس بساط پر پٹ جانے والے مہرے بن کر نہ رہیں۔''

''یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔'' مچکوف کی آواز سے خوفزدگی ظاہر ہو رہی تھی۔

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں.....میری بات غور سے سنئے۔ آدمی کو وفادار ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے تحفظ کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔ مفت میں مارے جانے سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ مادام کی پالیسی میری سمجھ میں آ گئی ہے۔ مادام اور اس کا حریف دونوں ہی ہمیں استعمال کر کے ایک دوسرے کی طرف جھپٹنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا ان کے درمیان بے بسی سے پس جانا مجھے منظور نہیں۔ میں فریدی کو اس کے بل سے نکال کر ماروں گا۔''

''بن پولان.....!''

''موسیو مچکوف.....میں مجبور ہوں۔ میری رگوں میں اس شخص کا خون دوڑ رہا ہے جو ہٹلر انکو سے ٹکرا کر فنا ہو گیا تھا۔''

''اچھا تم کیا کرو گے۔''

''جو آدمی بھی مجھے اپنا تعاقب کرتا ہوا ملا اُسے جان سے ماردوں گا۔ پھر فریدی کو سامنے آنا ہی پڑے گا۔''

''تم سپاہیانہ انداز میں سوچ رہے ہو.....وہ ذہنی جنگ کا ماہر ہے۔''

''تو پھر کیا مجھے خودکشی کر لینی چاہئے.....!'' بن پولان جھلا کر بولا۔

''نہیں! ٹھنڈے دماغ کے ساتھ زندہ رہنے کی عادت ڈالو۔''

بن پولان کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد پیٹر بولا۔ ''تمہیں کیا ہوگیا ہے۔ کچھ بولو چٹکلے چھیڑو..... ہمیں اسی طرح زندہ رہنا ہے۔''

''میری کھوپڑی کی ایک رگ کبھی کبھی چمکنے لگتی ہے اور میں ہفتوں مسکراتا نہیں۔ آپ میری پچھلی زندگی سے پوری طرح واقف نہیں ہیں۔''

''بن پولان جی بہلانے والی باتیں کرو..... یقیناً تمہاری پچھلی زندگی بھی بھرپور ہوگی۔''

''یہی تو ٹریجڈی ہے کہ ایسا نہیں تھا..... میں نے بڑی خوشگوار زندگی گزاری ہے۔''

''پھر تمہارے دماغ کی وہ رگ تمہیں مسکراہٹوں سے کیوں محروم رکھتی ہے۔''

''مجھے اس کا غم ستاتا ہے کہ مجھے کوئی غم نہیں۔ اٹھئے موسیو! ہم کب تک یہاں رہیں گے۔ دن چڑھ آیا ہے اور ہم نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا۔''

''اس نے یہ بھی تو نہیں بتایا تھا کہ ہم کتنی دیر بعد عمارت میں داخل ہوں۔''

''میں بتاؤں موسیو.....! اس عمارت کو جہنم میں جھونکئے۔ کہیں اور چل کر میرے ذہن میں ایک جگہ ہے۔''

''تاحکم ثانی ہمیں یہیں رہنا ہے..... تم نے سنا نہیں۔''

''تاحکم ثانی ہم..... ہم یہاں گھاس پر پڑے رہیں گے۔ کھلے آسمان کے نیچے لگے گی تو گدھوں کی طرح لان پر چرتے پھریں گے۔''

''میرا خیال ہے کہ ہم فی الحال صبر سے کام لیں۔''

''کتنی دیر.....؟''

''بن پولان..... تمہیں اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ میں پریشان ہوں۔''

بن پولان جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ سیاہ رنگ کی ایک لمبی سی کار کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی اور ان کے قریب ہی آ کر رک گئی۔ ایک قد آور آدمی ڈرائیور کی سیٹ سے اُترا..... یہ کوئی مقامی ہی آدمی معلوم ہوتا تھا۔

اس نے ان کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔ ''یہاں کون رہتا ہے۔''

''کیوں؟'' پیٹر اٹھ گیا۔

''باہر نام کی تختی موجود نہیں ہے۔''

''اس سے کیا ہوتا ہے؟''

''بہت کچھ ہوتا ہے مسٹر..... اس علاقے کے لئے ضروری ہے کہ مکانات پر مکینوں کے نام کی تختیاں لگائی جائیں۔''

''اچھی بات ہے..... میں مسٹر میکلوڈ کو آگاہ کردوں گا..... ہم بھی انہیں کے منتظر ہیں..... وہ کہیں باہر گئے ہیں۔''

''براہِ کرم آپ یہ ان تک پہنچا دیں۔'' اس نے ایک لفافہ پیٹر مچکوف کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ پیٹر نے لفافہ لے لیا اور وہ اپنی گاڑی کی طرف واپس چلا گیا۔

وہ اس کی گاڑی کو پھاٹک سے نکلتے دیکھتے رہے۔

اچانک پیٹر اچھل پڑا..... لفافہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ پڑا اور کیوں نہ چھوٹتا جبکہ وہ دھڑا دھڑ جل رہا تھا..... پتہ نہیں اس میں کس طرح آگ لگ گئی تھی۔

لفافہ دیکھتے ہی دیکھتے خاک ہوگیا۔ لیکن اس میں سے برآمد ہونے والی چیز دھوپ میں چمک رہی تھی۔ یہ کسی چمکدار دھات کی چھوٹی سی تختی تھی جس پر سیاہ حروف میں ''کرنل اے کے فریدی'' تحریر تھا۔

بن پولان نے مچکوف کا ہاتھ پکڑ کر جھٹکا دیا۔ ''موسیو!''

وہ ہونقوں کی طرح اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''چلئے.....!'' وہ اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑے ہوئے اپنی گاڑی کی طرف جھپٹا۔ پیٹر مچکوف غیر ارادی طور پر اس کے ساتھ کھنچا چلا جا رہا تھا..... بن پولان نے اگلی سیٹ کا دروازہ کھول کر پہلے اسے بٹھایا۔ پھر تیزی سے گھوم کر اسٹیرنگ والے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اسکے بعد ان کی گاڑی نے بڑی تیزی رفتاری سے کمپاؤنڈ کے پھاٹک کو پیچھے چھوڑا تھا۔

اُسے بائیں جانب موڑ کر بن پولان نے گیئر بدلا اور گاڑی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔

پیٹر مچکوف کا چہرہ ایک بار پھر زرد پڑ گیا تھا۔ ہونٹ خشک تھے اور وہ گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

''وہ دیکھئے.....وہ رہی.....سیاہ گاڑی۔'' بن پولان پرجوش لہجے میں بولا۔

مچکوف نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا تھا.....پھر سختی سے ہونٹ بھینچ لئے تھے۔

تھوڑی دیر بعد بن پولان پھر بولا۔''وہ بلاشبہ فریدی تھا۔ چلنے کا انداز..... کسی قدر ترچھا ہوکر چلتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں.....ایسا کیوں ہے۔

''اچانک کوئی فائر کرے تو بایاں پہلو محفوظ رہے۔ آپ کچھ بولتے کیوں نہیں موسیو!''

''دیکھو! ہم نے مادام کا حکم نہیں مانا اور عمارت سے باہر آ گئے۔'' پیٹر نے مردہ سی آواز میں کہا۔

''اگر یہ ہاتھ آ گیا تو مادام ہماری سات پشتوں کو معاف کردیں گی۔'' بن پولان نے کہا اور گاڑی کی رفتار اور تیز کردی۔ سیاہ گاڑی اب بہت زیادہ دور نہیں تھی۔

''اوہو.....کیا مطلب.....!'' بن پولان متحیر لہجے میں بڑبڑایا۔

''کیوں.....کیا ہوا.....؟'' پیٹر مچکوف چونک کر بولا۔

''وہ....وہ....وہ تو کوئی عورت معلوم ہوتی ہے۔'' بن پولان کی آواز کانپ رہی تھی۔

پیٹر مچکوف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ سچ مچ اگلی کار کو کوئی عورت ڈرائیو کررہی تھی۔

''یہ کوئی دوسری گاڑی ہے۔'' پیٹر بولا۔''وہ تمہیں ڈاج دے کر نکل گیا۔''

''ناممکن موسیو! میں جب بھی کسی گاڑی کا تعاقب کرتا ہوں اس کے نمبر پہلے ہی ذہن نشین کرلیتا ہوں۔ نمبروں پر میں نے اسی وقت توجہ دی تھی جب یہ گاڑی ہمارے پھاٹک سے نکل رہی تھی۔''

''میں پھر کہتا ہوں کہ واپس چلو.....ہوسکتا ہے کہ یہ مادام ہی کی کوئی چال ہو۔ ہمیں سزا دینے کے لئے مزید جواز پیدا کررہی ہوں۔''

''اب میں کچھ نہ بولوں گا موسیو! میں آپکا ماتحت ہوں۔ جو آپ کہیں گے کرتا رہوں گا۔''

''تو میں کہہ رہا ہوں کہ واپس چلو۔''

''مرضی آپ کی۔'' بن پولان نے بُرا سا منہ بنا کر کہا اور گاڑی کی رفتار کم کردی۔

وہ مسلسل کچھ بڑبڑائے جارہا تھا۔ لیکن صاف طور پر الفاظ نہیں سنائی دیتے تھے۔

پیٹر خاموش بیٹھا رہا۔ کچھ دور جاکر بن پولان نے گاڑی موڑ دی اور پھر اسی عمارت کی طرف واپسی کا سفر شروع ہوگیا۔

''تمہاری دل شکنی ہوئی۔'' پیٹر بولا۔

''میں اب اپنی زبان بند ہی رکھوں گا موسیو! خواہ کچھ ہوجائے۔ مجھے کیا..... مالک ہیں۔ لیکن اپنی زندگی کے تحفظ کا حق ہر ایک کو حاصل ہونا چاہئے۔''

''تم بس دیکھتے جاؤ..... مادام بالآخر محسوس کریں گی کہ ہم لوگ کتنے کارآمد ہیں۔ تم نے دیکھا تھا وہ میکلوڈ کتنا بدحواس تھا آئیڈنٹی فائر کے ٹوٹنے پر.....لیکن وہ اسی کی حماقت تھی۔ اُسے چاہئے تھا کہ ہمیں اُس کی اہمیت سے پہلے ہی آگاہ کردیتا۔ خدا کی پناہ! اتنی بھیانک وہ تھی وہ روشنی.....!''

بن پولان کچھ نہ بولا۔

پیٹر مچکوف کہتا رہا۔''ایسی اینٹھن ہوئی تھی سارے جسم میں کہ بیان نہیں کرسکتا۔ مجھے یقین ہے کہ کوئی بھی اس روشنی کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ کیا تم نے اپنی آنکھیں بند کرلی تھیں۔''

''مجھے ہوش ہی نہیں۔ ایک طرف تو ذہن اس میں دھواں ہو رہا تھا کہ میں نے آپ کو دیکھا ہے اور دوسری طرف یہ خیال کہ دیکھئے آپ کیا نکلتے ہیں۔''

''تم نے بُری طرح فریدی کو اپنے حواس پر طاری کرلیا ہے۔''

''موسیو.....پھر گستاخی سرزد ہو رہی ہے۔ آپ بھی تو اپنا ذہن ٹٹولئے۔''

''ہوں.....اُوں.....!'' مچکوف اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے ونڈاسکرین پر نظر جمائے رہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ میکلوڈ والی عمارت میں داخل ہو رہے تھے۔ جیسے ہی انہوں نے پورچ کے سامنے گاڑی روکی ایک باوردی دیسی خادم صدر دروازے سے برآمد ہوکر انکی طرف بڑھا۔

''کس سے ملنا ہے جناب۔'' اس نے آگے بڑھ کر بڑے ادب سے پوچھا۔

اور وہ دونوں حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

پھر پیٹر کھنکار کر بولا۔''کیا مسٹر میکلوڈ موجود ہیں؟''

''جناب..... یہاں کوئی مسٹر میکلوڈ نہیں رہتے۔''

''پھر یہاں کون رہتا ہے۔'' بن پولان غرایا۔

''مسز اُودی گوراں.....!''

''ہم انہیں سے ملیں گے۔''

''آپ کا کارڈ جناب.....!''

''موسیو کارڈ.....!'' بن پولان پیٹر کی طرف مڑ کر بولا۔

''یعنی کہ تم..... بات دراصل یہ ہے.....!'' پیٹر ہکلایا۔

''کارڈ موسیو.....!'' پن پولان کا لہجہ سخت تھا۔

پیٹر نے کارڈ نکال کر اس کے حوالے کیا اور وہ اُسے خادم کی طرف بڑھاتا ہوا

ملاقات اشد ضروری ہے۔''

خادم کارڈ لے کر چلا گیا۔

''یہ تم نے کیا کیا.....؟'' پیٹر مضطربانہ انداز میں ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

''اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔ ہمیں یہیں قیام کرنے کا حکم ملا تھا۔'' بن

لاپرواہی سے بولا۔

''لیکن یہاں تو کوئی بھی نہیں تھا۔''

''یہی تو دیکھنا ہے۔''

''بن پولان تم مادام کو نہیں جانتے..... ہمیں یہاں سے ہٹا لے جانے والا ما

آدمی تھا۔''

''کوئی بھی رہا ہو..... میں اب چوہوں کی سی زندگی نہیں بسر کرسکتا.....

ہوں کہ کبھی مادام کا بھی سامنا ہو۔''

''کیا مطلب.....؟''

بن پولان کھڑا دانت پیستا رہا۔ پیٹر نے محسوس کیا جیسے اس کی یہ حرکت اتی

ہو۔ اسے بھی فوری طور پر غصہ آ گیا۔ گویا بن خود کو اُس پر مسلط کرنے کی کوشش کر رہا

خادم واپس آ گیا اور بڑے ادب سے بولا۔ ''تشریف لے چلئے۔''

وہ دونوں نشست کے کمرے میں لائے گئے اور پھر کچھ دیر بعد مسز اُوڈی گوراں

لائیں۔ یہ ایک سیاہ فام خاتون تھیں۔ مسکرائیں تو بجلیاں چمک گئیں۔ ان کے دانت

سفید تھے اور چہرے کی رنگت اتنی ہی سیاہ۔ غالباً کسی افریقی نسل سے تعلق رکھتی تھیں۔

''کیا بات ہے..... آپ لوگ کہاں سے تشریف لائے ہیں۔'' وہ فرانسیسی انداز میں

ی بول رہی تھیں۔ ''غالباً کین اینڈ بٹلر کمپنی سے آپ لوگوں کا تعلق ہے..... دیکھئے!

نے جو کپڑا دھونے کی مشین سپلائی کی تھی۔ وہ ہمارے لئے کسی طرح بھی کارآمد ثابت نہ

مناسب ہوگا یا تو آپ اُسے تبدیل کر دیں یا بالکل اٹھا لے جائیں۔''

''جی نہیں.....!'' بن پولان بول پڑا۔ ''ہمیں اطلاع ملی تھی کہ آپ کو پولٹری فارمنگ

پسی ہے۔''

''ہاں ہے تو.....!''

''اگر مناسب سمجھیں تو اس کیلئے ہماری خدمات حاصل کریں۔ ہم نے کچھ نئے تجربات

ں۔ آپ چاہیں تو ہمارا فارم بھی دیکھ سکتی ہیں۔ ابھی پچھلے ہی دنوں نائیجیریا کے سفیر کی بیگم

ہمارے فارم پر تشریف لائی تھیں۔ بیحد خوش ہوئیں اور ہمیں خدمت کا موقع بھی دیا؟''

پیٹر اس دوران میں پیچ و تاب کھاتا رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

نے اولیویا نارمن کے سیکڑوں روپ دیکھے تھے۔ یہ سیاہ فام عورت بھی اولیویا نارمن ہی

تھی۔ لیکن بن پولان تو کہیں رکنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ مسلسل بولے جا رہا تھا اور اب

چ رہا تھا کہ کسی مسخرے کو ساتھ رکھنا اپنی گردن کٹوا دینے کے مترادف ہے۔ یا خدا کسی

اس کی زبان روک دے تا کہ یہاں سے نکل بھاگنے کی کوئی تدبیر کی جا سکے۔

''اور مادام.....'' بن کہہ رہا تھا۔

''اور کیا عرض کروں۔ مقامی آدمیوں کو پولٹری فارمنگ کا سلیقہ نہیں ہے۔ حالانکہ دعوے

وڑے کرتے ہیں۔ ابھی پچھلے ہی دنوں ایک احمق سے ملاقات ہوئی۔ کہنے لگا ہم نئے

کر رہے ہیں۔ نوسادر کے محلول سے انڈوں پر جس قسم کے نقش و نگار بنا دیں ویسے ہی

کے پروں پر پائے جائیں گے۔ شش..... یہ لوگ زیادہ تر اونگھتے اور ہوائی قلعے

رہتے ہیں۔''

''میں ضرور چلوں گی تمہارے ساتھ۔'' مسز دی گوراں نے پھر چمکیلے دانتوں کی نمائش

پولٹری فارلنگ میری کمزوری ہے۔ اٹھئے۔''

پیٹر پگلوف کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ اس کا ذہن جواب دینے لگا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا

کہ بن پولان کہاں لے جائے گا۔ وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔ پیٹر اتنا نروس ہو گیا تھا کہ اس کا جسم کانپ رہا تھا۔ بن پولان کے اٹھتے ہی وہ بھی اٹھ گیا۔ لیکن پھر اس کا سر چکرانے کا احساس توازن میں خلل پڑا اور وہ دھڑام سے فرش پر چلا آیا۔ پھر اس کے علاوہ چارونا کہ آنکھیں بند کر لیتا۔ پوری طرح ہوش میں تھا۔ سب کچھ سن رہا تھا۔ لیکن خود سے اپ سکتا تھا۔ گھٹنوں میں عجیب سی کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔

آنکھیں بند کئے پڑا ان کی گفتگو سنتا رہا۔ بن پولان کہہ رہا تھا۔ ''پریشانی کی نہیں۔ یہ ابھی ٹھیک ہو جائیں گے۔ اکثر اس قسم کے دورے پڑ جاتے ہیں۔ جن کا اثر پانچ سے زیادہ نہیں رہتا۔ میرے باس ہیں اور ہر وقت اسی بناء پر مجھے اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔''

''میں ڈاکٹر کو فون کروں۔'' دی گوراں بولی۔

''نہیں مادام..... میں نے عرض کیا نا کہ اس کی ضرورت نہیں۔ میں تدبیر کرتا ہوں۔''

پیٹر نے محسوس کیا جیسے بن پولان اس کے قریب ہی فرش پر بیٹھ گیا ہو۔ پھر اس کا سر سہلانا شروع کیا اور سہلاتے سہلاتے جب اچانک اس نے اس کی ناک چٹکی دبائی تو اُس نے بوکھلا کر آنکھیں کھول دیں۔

''موسیو.....!'' وہ مغموم لہجے میں بولا۔ ''خدا رحم کرے آپ پر۔''

''مجھے اٹھاؤ۔'' مچکوف کراہا۔

''مجھے تم سے ہمدردی ہے۔'' دی گوراں نے نرم لہجے میں کہا۔

''کوئی بات نہیں محترمہ! اب میرے باس بالکل ٹھیک ہیں۔'' بن پولان بولا۔ ''چاہے ابھی چلئے..... دل چاہے پھر کسی وقت ہمیں طلب کر لیجئے۔''

''انہیں اٹھا کر صوفے پر لٹا دو۔'' دی گوراں نے بن پولان سے کہا۔

''شکریہ محترمہ۔''

پھر جب وہ پیٹر کو صوفے پر لٹا کر مڑا تو دروازے میں ایک سیاہ فام آدمی نظر آیا۔ کے ہاتھوں میں ٹامی گن تھی اور اس کا رخ انہیں دونوں کی طرف تھا۔

''پیٹر اٹھ جاؤ۔'' دفعتاً دی گوراں تلخ لہجے میں بولی۔

پیٹر نہ صرف ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ گیا بلکہ دوسرے ہی لمحے میں وہ اس کے

اوندھا پڑا اگڑ گڑا رہا تھا۔ ''مادام میرا کوئی قصور نہیں۔ یہ بن پولان خود سر ہو گیا ہے۔''

''اگر آپ مادام ہیں۔'' بن پولان ادب سے جھک کر بولا۔ ''تو مجھ خادم کے آداب قبول کیجئے۔ کُہلر کا حشر میرے سامنے تھا اس لئے مجھے اپنی عقل استعمال کرنی پڑی۔''

''تم واقعی بہت عقل مند ہو بن پولان..... میں دل سے تمہاری قدر کرتی ہوں۔ لیکن شاید تمہیں علم نہیں کہ میرے آدمی عقل مندی سے زیادہ اطاعت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔''

بن پولان کچھ نہ بولا۔

وہ پیٹر کی طرف مڑ کر بولی۔ ''اٹھو اور سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔''

اس نے فوری طور پر تعمیل کی اور خوفزدہ نظروں سے اس آدمی کی طرف دیکھنے لگا جس کے ہاتھوں میں ٹامی گن تھی۔

وہ پھر بن پولان کی طرف مڑی۔ چند لمحے اسے گھورتی رہنے کے بعد بولی۔ ''وہ میرا ہی آدمی تھا بن پولان جس کا تعاقب تم نے کچھ دیر پہلے کیا تھا۔ دراصل یہ اس لئے ہوا تھا کہ تم دونوں کی گفتگو سننا چاہتی تھی۔ تم اپنی گاڑی میں جتنی دیر بولتے رہے تھے میں تمہاری آواز سنتی رہی تھی۔''

''میری خوش نصیبی ہے مادام کہ آپ نے مجھے قابل توجہ سمجھا۔'' بن پولان پھر جھکا۔

''اور بن پولان! میں نے تمہیں اُس وقت بھی دیکھا تھا جب تم پیٹر کو جکڑے ہوئے میکلوڈ سے کہہ رہے تھے کہ اس کے چہرے کا معائنہ کیا جائے۔''

''میں ایسے حالات میں کیا کرتا مادام جبکہ کُہلر کی مثال سامنے تھی۔ کچھ دیر پہلے موسیو مچکوف نے بھی تو میرا منہ دھلوایا تھا۔''

''تو یہ حرکت انتقاماً نہیں تھی۔'' دی گوراں یا اولیویا نارمن نے پوچھا۔

''ہرگز نہیں مادام..... یہ حرکت بھی مجھ سے اس وقت سرزد ہوئی تھی جب مجھے اطمینان ہو گیا تھا کہ اب انچارج مسٹر میکلوڈ ہوں گے..... ظاہر ہے اس کے بعد موسیو مچکوف میرے برابر آ کھڑے ہوتے۔''

''تمہیں ڈسپلن کا بھی بڑا خیال ہے بن پولان.....؟''

''مادام کی ذرہ نوازی۔''

''بے حد چالاک ہو۔'' وہ مسکرائی اور پھر سنجیدہ ہوکر بولی۔''لیکن بن بولان تم نے آئیڈنٹی فائر کیوں تباہ کردیا۔''

''میں نے.....؟'' بن بولان اچھل پڑا۔

''ہاں.....بن بولان.....میں نے دیکھا تھا.....تم اس کی روشنی سے بچنے کی کوشش کررہے تھے۔تم نے اپنا چہرہ مچکوف کی پشت پر چھپالیا تھا۔''

''مادام.....میں آخر خواہ مخواہ اس اذیت سے کیوں گزرتا جس سے موسیو مچکوف گزرے تھے۔''

''ہوں.....میرا خیال ہے کہ تم آئیڈنٹی فائر کی نوعیت سے واقف تھے۔تم مچکوف سے کہیں زیادہ ذہین اور باخبر ہو.....اور یہ بات مجھے قطعی پسند نہیں۔''

''مادام.....!''

''ہاں.....تم جانتے تھے کہ آئیڈنٹی فائر سے پھوٹنے والی روشنی ٹیلی کاسٹ کرتی ہے۔تمہارے چہرے کا عکس کسی اور ریسیونگ آپریٹس پر دیکھا جاسکے گا۔اصلی چہرے کا عکس.....کرنل فریدی۔''

''کیا.....!'' بن بولان ایک بار پھر اچھل پڑا۔

اولیویا کا قہقہہ کمرے میں گونج رہا تھا اور اسکے چمکیلے دانت بڑے خوفناک لگ رہے تھے۔

''یعنی.....یعنی.....مم.....میں کرنل فریدی۔'' بن بولان خوفزدہ لہجے میں ہکلایا اور اس آدمی کی طرف سہمی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا جس کے ہاتھوں میں ٹامی گن تھی۔

''ہاں.....تم.....کرنل فریدی ہو۔'' وہ خونخوار لہجے میں بولی۔

''میرے خدا.....کیا موسیو.....آپ کیوں خاموش ہیں.....آپ نے تو اس محلول سے میرا منہ دھلوایا تھا۔''

''اس کے بعد تم کتنی دیر تک مچکوف سے الگ رہے تھے۔''

''میں تو سوگیا تھا مادام مجھے یاد نہیں۔''

''تمہیں بہت وقت ملا تھا کرنل فریدی۔''

''حد ہوگئی مادام.....میں یہ توہین نہیں برداشت کرسکتا۔اپنے آدمی سے کہئے کہ وہ گن

ہے میرے جسم پر.....زندہ رہا تو اس توہین کا بدلہ لینے کی کوشش ضرور کروں گا۔''

''آپے سے باہر ہونے کی ضرورت نہیں۔'' اولیویا جھنجھلا کر چیخی۔''اگر تم کرنل فریدی ہو تو میں تمہیں آسمان پر چڑھادوں گی۔خاموش کھڑے رہو.....پیٹر مچکوف.....!''

''مادام.....!'' پیٹر آگے بڑھ کر بولا۔

''اس گلدان کے اندر سے بوتل نکالو.....!'' اس نے بائیں جانب کی کارنر ٹیبل پر رکھے بڑے گلدان کی طرف اشارہ کیا۔

پیٹر نے تعمیل حکم میں بڑی پھرتی دکھائی تھی۔

''بن بولان کے چہرے پر سیال آزماؤ۔'' اولیویا نے پرسکون لہجے میں کہا۔اس کی آنکھوں میں پہلا سا ٹھہراؤ دوبارہ پایا جانے لگا تھا۔

بن بولان بے حس و حرکت کھڑا تھا.....پیٹر نے بوتل سے سیال نکالا اور اس کے چہرے پر لگانے لگا۔

تقریباً پانچ منٹ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔کمرے کی فضا پر بوجھل سا سکوت طاری تھا۔

بن بولان کے چہرے میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔

تب اولیویا نارمن طویل سانس لے کر بولی۔''میں مطمئن ہوں۔''

ٹھیک اسی وقت بن بولان نے دروازے کی طرف چھلانگ لگائی۔وہ آدمی جس کے ہاتھ میں ٹامی گن تھی اچھل کر دروازے کے باہر جا پڑا اور بن بولان ٹامی گن سنبھالے ہوئے اولیویا نارمن کی طرف پلٹا۔

اولیویا کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔بن بولان نے ٹامی گن اس کے قدموں میں ڈال دی اور احتراماً جھکا اور پھر سیدھا ہوکر آہستہ سے بولا۔''یہ پہلے بھی ہوسکتا تھا مادام.....!''

''تم واقعی حیرت انگیز ہو بن بولان.....مجھے ایسے ہی جری آدمی کی ضرورت تھی۔اب تم میرے ساتھ رہو گے۔''

بن بولان سر جھکائے کھڑا رہا۔

اولیویا نے مچکوف سے کہا۔''تم اب تجرباتی زرعی فارم میں رہو گے۔فریدی تمہارے زیر نگرانی رہے گا۔اس کے آدمی اس عمارت کے گرد بھی پھیل گئے ہوں گے۔بن بولان

میرے ساتھ جائے گا اور اب تم دیکھنا ایک ہفتے کے اندر اندر فریدی میری گرفت میں ہ

''کیا مجھے ابھی رخصت ہو جانا چاہئے مادام۔'' مچکوف کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔

''فوراً.....!'' اولیویا سیاہ فام آدمی کی طرف اشارہ کرتی ہوئی بولی۔ ''اسے اپنے لے جاؤ۔''

سیاہ فام آدمی جس سے ٹامی گن چھینی گئی تھی بن پولان کو کینہ توز نظروں سے پیٹر مچکوف کے ساتھ چلا گیا۔

بن پولان اور اولیویا نارمن اس کمرے میں تنہا رہ گئے اور اولیویا کچھ دیر بعد

''میرا خیال ہے کہ تم نے اس دوران میں اپنی آنکھیں کھلی رکھی ہیں۔''

''پیٹر نے میرے بہتیرے مشوروں پر عمل نہیں کیا مادام..... ورنہ فریدی کبھی آ گیا ہوتا۔''

''مثال کے طور پر اپنا کوئی مشورہ دہراؤ۔''

''میں نے اس سے کہا تھا کہ ویسا ہی کوئی دوسرا برہنہ دیوانہ چھوڑا جائے..... بار میں یقینی طور پر فریدی کو پکڑ لیتا۔''

''دوسری بار فریدی خود نہ آتا بن پولان..... اس نے دوسرے امکانی وا سدباب کے لئے باضابطہ طور پر انتظام کرادیا تھا۔ ساری پولیس کاروں میں اس دن سے بڑے بڑے جال رکھے جانے لگے تھے۔''

''خیر..... مجھے آپ کسی طرح بھی پیچھے نہ پائیں گی۔''

''ہمیں فی الحال یہاں سے نکلنے کی سوچنا چاہئے..... اس کے آدمی یقینی طور کی نگرانی کر رہے ہوں گے۔'' اولیویا پُرتفکر لہجے میں بولی۔

''آپ فکر نہ کیجئے میں نے یہاں ایک بند گاڑی بھی دیکھی تھی۔ جہاں کہیں گی لے چلونگا۔''

''یہاں سے نکلنے والے ہر فرد کا تعاقب کیا جائے گا۔''

''آپ دیکھئے گا کہ کتنی آسانی سے تعاقب کرنے والوں کو ٹھکانے لگا دیتا ہوں۔ پیٹر ہمیشہ میری راہ میں حائل ہوتا رہا ہے ورنہ اس وقت حالات کچھ اور ہوتے۔''

وہ کچھ نہ بولی۔ کسی گہری سوچ میں معلوم ہوتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ بن پولان کی طرف مڑی اور اسے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے خواہ مخواہ اس کا وقت ضائع کرا رہا ہو۔

پھر بولی۔ ''فریدی کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔''

بن پولان نے بہت بُرا سا منہ بنایا اور بولا۔ ''گستاخی ضرور ہے مادام! لیکن کہنا پڑتا ہے کہ ہمارا یہ یونٹ بالکل ناکارہ ہے..... اس نے اس بُری طرح فریدی کا ہوا تخلیق کیا ہے کہ بعض اوقات مجھے ہنسی آنے لگتی ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''میں جب چاہوں فریدی پر ہاتھ ڈال دوں۔''

''اوہو.....!'' اولیویا کا یہ انداز چونکنے کا سا تھا۔

''میں نے کئی بار پیٹر مچکوف کو مشورے دیئے لیکن وہ مادام کی بنائی ہوئی لائینوں سے ہٹنا نہیں چاہتا تھا۔''

''تم اسے الزام نہیں دے سکتے۔ وہ پوری طرح میرے احکامات کی تعمیل کر رہا تھا۔''

''تو مادام مشورے نہیں قبول کرتیں۔''

اولیویا نے پھر اسے گھور کر دیکھا اور بولی۔ ''ابھی تک کسی نے خود کو اس کا اہل نہیں ثابت کیا بن پولان۔''

''لیکن آپ کا یہ خادم بن پولان اسی اہلیت اور اہمیت کے حصول کے لئے کوشاں رہا ہے..... اگر مادام میرا قصور معاف کرنے کا وعدہ فرمائیں تو عرض کروں۔''

اولیویا نے پھر اسے عجیب انداز میں گھورتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہیں معاف کر دوں گی۔''

''میں نے پیٹر مچکوف کی اسکیموں سے ہٹ کر بھی کچھ کیا ہے۔ مثال کے طور پر میں نے فریدی کے اسسٹنٹ حمید پر اس وقت ہاتھ ڈال دیا تھا جب میڈونا پہلی بار موٹے آدمی کو

ساتھ لے کر باہر نکلی تھی۔"

"نہیں.....!" اولیویا کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں مادام..... میرے علاوہ اور کسی نے اس طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ وہ میک اپ میں تھا اسکے باوجود میں نے اسکے چلنے کے انداز سے اُسے پہچان لیا اور میرا خیال درست نکلا۔"

"وہ کہاں ہے!" اولیویا نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

"ایک ویران جزیرے میں۔"

"تم نے اتنے دنوں تک کیوں چھپایا۔" اولیویا کا موڈ بگڑ گیا۔

"اہلیت اور اہمیت کا ثبوت پیش کرنے کے لئے مادام۔" وہ خوفزدہ لہجے میں بولا۔

"آپ مجھے پہلے ہی معافی دے چکی ہیں۔"

"ہاں..... ہاں..... ٹھیک ہے۔" وہ مسکرائی۔

"اور دوسری جسارت بھی سن لیجئے۔ پیٹر کو اس کا علم نہیں۔ میں نے میڈونا اور موٹے کو بھی بعد میں اسی جزیرے میں پہنچا دیا تھا۔"

"کیوں.....؟"

"محض یہ دیکھنے کیلئے کہ فریدی کے آدمی کتنے چاق و چوبند ہیں۔ لیکن مجھے کہنے دیجئے کہ ان کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو سکا اور ابھی تک اسی عمارت کے گرد جھک مار رہے ہیں۔"

"تب تو تم میرے اندازے سے بھی زیادہ چالاک نکلے۔"

بن پولان سر جھکائے کھڑا رہا۔

"لیکن بن پولان.....!" وہ کچھ دیر بعد پھر بولی۔ "تم اپنی اہمیت جتا کر کیا حاصل کرنا چاہتے تھے؟"

"مادام کا قرب.....!"

"کس لئے.....؟"

بن پولان نے ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔ "ہر آدمی کا سر کسی نہ کسی کے سامنے ضرور جھکتا ہے۔ اگر آپ میری پچھلی زندگی پر نظر ڈالیں تو میں شروع ہی سے ایک سرکش آدمی نظر آؤں گا۔ یہ سر آج تک کسی کے آگے نہیں جھکا۔ لیکن..... لیکن.....!"

"اُوہ.....!"

"غلط نہ سمجھئے..... یہ سر آپ کے آگے بھی نہیں جھکے گا۔"

"کیا مطلب.....؟"

"کسی زمانے میں "ٹی تھری بی" کے ساتھ "الفانسے" کا نام سنا جاتا تھا۔"

"بکواس بند کرو۔" وہ آپے سے باہر ہو گئی۔

"ولیجاہ جیسے کیڑوں کو اس کا شرف حاصل ہو سکتا ہے لیکن بن پولان.....!"

"خاموش رہو۔"

"بہت بہتر مادام.....!" اس نے سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔

"تم تا حکم ثانی اسی عمارت میں ٹھہرو گے..... میں جا رہی ہوں۔"

"لل..... لیکن آپ مجھے معاف کر چکی ہیں۔" وہ خوفزدہ لہجے میں بولا۔

"تم اگر یہاں سے ہلے تو جان بخشی کا وعدہ وفا نہ ہو سکے گا۔ اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لو۔"

"تب پھر شائد وہ کامیاب ہی ہو جائے۔"

"کون.....؟"

"فریدی.....!"

"کیا مطلب.....؟"

"میں نے اپنی آنکھیں کھلی رکھی ہیں مادام..... نیوی والوں سے بالکل الگ رہ کر فریدی لڑکال جنگل میں ایک جگہ کھدائی کرا رہا ہے۔"

"اوہ.....!" وہ پھر بیٹھ گئی۔

"وہ جگہ اس جھیل سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر ہے..... اور فریدی کی راتیں زیادہ تر وہیں گزرتی ہیں۔"

"تم تو مجھ سے بھی زیادہ باخبر ہو..... بن پولان.....!"

"بن پولان چاند کیلئے کبھی نہیں ہمکا۔ وہ جانتا ہے کہ اُسے کس حد تک جانا چاہئے۔ میری الفانسے کی حیثیت والی تجویز حیثیت سے بڑھ کر آرزو کرنے کے زمرے میں نہیں آ سکتی۔"

''ہوں.....!'' وہ اُسے گھورتی رہی۔

''اگر آپ چاہیں تو میں آج آپ کو وہاں لے جا سکتا ہوں۔''

''تم نے ابھی تک اتنی اہم بات کیوں چھپائی۔''

''بس موقع کا منتظر تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میری کارکردگی پیٹر کے سر کا تاج بنے۔''

''تم مجھے وہاں کیسے لے چلو گے.....ادھر تو آج کل پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔''

''میں آپ کو نیوی کے ایک ہیلی کوپٹر میں لے چلوں گا اور میرے جسم پر ایک نیول آفیسر کی وردی ہوگی۔''

اولیویا بڑی پھرتی سے جھکی اور اپنے پیروں کے پاس پڑی ہوئی ٹامی گن اٹھا کر اس کا رخ بن پولان کی طرف کرتی ہوئی بولی۔ ''تب تم فریدی ہی کے کوئی آدمی ہو۔ دھوکہ دے کر یونٹ میں شامل ہو گئے ہو۔''

''شوق سے میرا جسم چھلنی کر دیجئے۔'' بن پولان مسکرایا۔ ''آپ کی زبان سے دوبارہ یہ الزام سننے سے بہتر یہی ہے کہ تیسری بار کچھ سننے کے قابل نہ رہوں۔''

''تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے بن پولان.....!'' اولیویا نے ٹامی گن کی نال جھکا دی اور بن پولان اسی طرح کھڑا مسکراتا رہا۔

''اگر تم سچے ہو تو.....شائد وہ مقام تمہیں حاصل ہی ہو جائے۔'' اولیویا نے تھوڑی دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''مجھے ہر ہر طرح آزمایئے.....آپ کے وسائل لامحدود ہیں.....آپ اس طرح میری نگرانی کرا سکتی ہیں کہ میرے فرشتوں کو بھی اس کا علم نہ ہو سکے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو.....میں ایسا ضرور کروں گی۔ اچھا تم جہاں جانا چاہو جا سکتے ہو۔''

''تو پھر آج رات.....!''

''میں تیار ہوں۔'' اولیویا بولی۔ ''تم اپنی گاڑی کے ٹرانسمیٹر پر جب چاہو مجھ سے رابطہ قائم کر سکتے ہو۔''

''بہت بہت شکریہ مادام.....آپ مطمئن رہیں.....لیکن میرے ہمراہ صرف آپ ہوں گی.....نیول ہسپتال کے نرس کی وردی میں! اس کا انتظام پہلے سے رکھئے گا۔ میں آپ

...ہیڑ ہی پر بتاؤں گا کہ آپ مجھے کہاں ملیں۔''

...اچھی بات ہے.....!'' اولیویا مسکرا کر بولی۔ ''لیکن اس مسکراہٹ میں بے اعتباری ...تھی۔''

جب آنکھ کھلی

آٹھ بجے رات کو بن پولان نے اپنی گاڑی کے ٹرانسمیٹر پر اولیویا نارمن سے رابطہ قائم ...را سے بتایا کہ وہ اس سے نیول ہسپتال کے قریب ہی ملے گا۔ خود نیوی کے کمانڈر کی ...میں ہوگا.....اس کے چہرے پر فرنچ کٹ ڈاڑھی اور گھنی مونچھیں ہوں گی۔

''لیکن تم مجھے نرس کے لباس میں بھی نہ پہچان سکو گے بن پولان۔'' دوسری طرف سے ...آئی۔

''اسی لئے میں نے آپ کو اپنا حلیہ بتایا ہے کہ آپ مجھے پہچان لیں.....!''

''لیکن نیوی کا وہ کمانڈر.....؟''

''پچھلے ایک ماہ سے میری قید میں ہے اور میں اس کی ڈیوٹی بھی انجام دیتا رہا ہوں ...اس حد تک کیسے جا سکتا.....اس کی طرف سے آپ مطمئن رہیں۔''

''تم جانو.....میرا بال بھی بیکا نہ ہو سکے گا.....آئی گئی تم پر ہی گذرے گی۔''

''میں بزدل نہیں ہوں مادام.....!''

''اچھی بات ہے.....میں کسی وقت تم سے وہاں ملوں۔''

''ٹھیک نو بجے.....کمپاؤنڈ کے مشرقی پھاٹک کے قریب۔''

''اچھی بات ہے۔''

بن پولان نے ریسیور ڈیش بورڈ کے خانے میں رکھ دیا اور گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔ وہ ...شہر کے باہر ایک کچے راستے پر گاڑی چلا رہا تھا۔ دفعتاً ایک جگہ اس نے گاڑی بائیں

جانب جھاڑیوں میں موڑ دی اور دور تک اُسے لیتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ وہ جھاڑیوں میں چھپ گئے۔ پھر اس نے گاڑی کا انجن بند کیا اور نیچے اتر آیا۔ اب وہ جھاڑیوں سے نکلے کچے راستے کی طرف جا رہا تھا۔ کچے راستے کی دوسری طرف جھاڑیوں کے سلسلے تھے بائیں جانب مڑ کر کچھ دور کچے راستے پر چلا اور پھر مخالف سمت والی جھاڑیوں میں ایک جگہ رک کر اس نے ٹارچ کی روشنی چاروں طرف ڈالی اور پھر بائیں جانب چلتا بار وہ جھاڑیوں میں چھپی ہوئی دوسری گاڑی کے قریب رکا تھا۔ اس کے اندر بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کیا اور اُسے کچے راستے پر نکال لایا۔ تھوڑی ہی دور چلنے کے بعد وہ پختہ سڑ پہنچ گیا تھا۔

دو گاڑیاں شام ہی سے اس کے پیچھے لگی رہی تھیں۔ پختہ سڑک پر پہنچ کر ان سے مڈبھیڑ ہوئی لیکن وہ چالاک تھے۔ بن پولان کے علاوہ کوئی دوسرا ہوتا تو ان کے انداز طور پر دھوکا کھا جاتا۔ لیکن اُسے تو علم ہی تھا کہ ان میں سے ایک گاڑی اولیویا نارمن آدمیوں کے تعاقب میں لگی رہی تھی۔ اب شہر پہنچ کر اُسے اُن دونوں کو حکم دینا تھا۔ وہ چا کہ جب وہ نیول ہسپتال پہنچے تو تعاقب کرنے والی گاڑیاں اُس کے پیچھے نہ ہوں۔ انتظام بھی اُس نے پہلے ہی سے کر رکھا تھا۔ نیاگرا پہنچ کر اس نے اپنی گاڑی پارکنگ شیڈ کھڑی کرنے کی بجائے کھلے میں چھوڑی اور صدر دروازے کی طرف بڑھ ہی رہا چوکیدار نے آگے بڑھ کر کہا۔ ''جناب عالی پارکنگ شیڈ میں.....!''

اس نے اونچی آواز میں کہا۔ ''میں ہال میں ایک آدمی کو دیکھوں گا۔ اگر وہ موجود گاڑی پارکنگ شیڈ میں کھڑی کر دوں گا۔ ورنہ یہاں سے واپس جاؤں گا۔''

وہ دونوں گاڑیاں بھی کمپاؤنڈ میں داخل ہو چکی تھیں اور اس سے تھوڑے ہی فاصلے تھیں۔ اس نے یہ جملہ ان میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو سنانے ہی کے لئے اونچی آواز میں تھا۔ وہ تیزی سے صدر دروازے کی طرف بڑھا۔ ہال میں داخل ہو کر کاؤنٹر کے قریب اور چاروں طرف نظریں دوڑانے کے بعد دوبارہ باہر آ گیا۔ پھر گاڑی میں بیٹھ کر پارکنگ شیڈ میں لے جانے لگا۔ ابھی یہاں کافی جگہ خالی پڑی تھی اس نے دیکھا دو گاڑیاں بھی پارکنگ شیڈ کی طرف چل پڑی ہیں۔ وہ اپنی گاڑی کا انجن بند کر کے بڑی

سے نیچے اُترا اور دوسری گاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا اس لائین میں کھڑی ہوئی آٹھویں گاڑی کے پاس آ پہنچا۔ یہ ایک بند وین تھی۔ ابھی دونوں گاڑیاں پارک بھی نہیں ہوئی تھیں کہ وہ اس وین میں بیٹھ کر اس کا انجن اسٹارٹ کر چکا تھا۔ پھر بڑے اطمینان سے اس نے وین پارکنگ شیڈ سے نکالی اور سیدھا گیٹ کی طرف ہولیا۔ اب وہ وین سنسان سڑک پر تیز رفتاری کی نئی مثال قائم کر رہی تھی۔ آج رات کی بھاگ دوڑ کا نقشہ اس نے پہلے ہی سے مرتب کیا تھا۔ اس لئے یہ وین جس کی ''اگنیشن کی'' اسی کے پاس تھی یہاں نیاگرہ کے پارکنگ شیڈ میں پہلے ہی سے پارک کر دی گئی تھی۔ بھاگم بھاگ شہر پہنچا اور یہاں سے نیول ہسپتال کی راہ لی۔ وہ اُس وقت کمانڈر کی وردی میں تھا اور حلیہ وہی تھا جس کی اطلاع اس نے اولیویا نارمن کو دی تھی۔

نو بجنے میں صرف دس منٹ باقی تھے اور اتنی دیر میں وہ نیول ہسپتال تک پہنچ سکتا تھا۔

مشرقی پھاٹک کے قریب وین روکتے ہوئے اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور نیچے اُتر آیا..... اور پھر اس نے ایک تاریک گوشے سے کسی کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا۔

''ہیلو کمانڈر.....!'' مترنم سی آواز سنائی دی۔

''کمانڈر عتیق مادام.....!'' وہ کسی قدر جھک کر بولا۔

بڑی خوبصورت نرس تھی۔ بن پولان نے کہا۔ ''واقعی مادام کے سیکڑوں روپ ہیں۔ میرے فرشتے بھی نہ پہچان سکتے اگر آپ خود ہی مخاطب نہ کرتیں۔''

''لیکن مجھے حیرت ہے بن پولان.....!''

''میں نہیں سمجھا مادام.....!''

''تمہارے تعاقب میں کوئی گاڑی نہیں ہے۔''

''وہ لوگ نیاگرہ میں کافی پی رہے ہوں گے مادام.....!''

''کیا مطلب.....؟'' وہ اُسے گھورتی ہوئی بولی۔

تب بن پولان نے اسے آج کی بھاگ دوڑ کی کہانی سنائی اور ایسی کھسیانی ہنسی کے ساتھ جیسے لگے ہاتھوں اپنی حماقت کا اعتراف بھی کرتا جا رہا ہو۔

''واقعی تم حیرت انگیز ہو..... میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ پیٹر مچکوف جیسے گاڈی کا اسسٹنٹ اتنا چالاک ہوگا۔''

''بس اب ہمیں نیول ایئر بیس کی طرف چل دینا چاہئے۔'' بن پولان بولا۔

''پھر اچھی طرح سوچ لو.....تم کوئی غلطی تو نہیں کر رہے۔''

''اب مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ آپ تو ہیں میرے ساتھ۔ طوفانوں سے ٹکرا جاؤں گا۔''

''خیر.....چلو.....!'' وہ اگلی سیٹ پر اسکے برابر ہی بیٹھ گئی۔ ''ایئر بیس پر تم کیا کرو گے۔''

''ہیلی کوپٹر کے لئے وہاں جانا ہی پڑے گا۔ پچھلے ایک ماہ سے وہ ہیلی کوپٹر کمانڈر عتیق کے لئے مخصوص ہے.....اور کمانڈر عتیق میری قید میں ہے۔''

''بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے تم نے۔''

''اس کے بغیر کام نہیں چلتا مادام.....آپ دیکھئے گا کہ.....!'' وہ جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہوگیا۔ وین تیز رفتاری سے نیول بیس کی طرف بڑھتی رہی۔

''تم واقعی کمال کے آدمی ہو۔ تم نے تنہا یہ سب کچھ کر ڈالا۔ میں بھی بسا اوقات ایسے اقدام کرتی ہوں لیکن میرے ساتھ تنظیم ہوتی ہے۔''

''زندگی میں پہلی بار میں نے اتنا بڑا خطرہ مول لیا ہے۔ محض اس لئے کہ کسی طرح آپ سے قریب ہوسکوں۔''

''سنو بن پولان.....اگر اس طرح فریدی ہاتھ آ گیا تو میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہاری ہر خواہش پوری ہوگی۔''

''شکریہ مادام.....!''

تھوڑی دیر بعد وہ منزل مقصود تک جا پہنچے۔ بن پولان ہر ہر قدم پر خود اعتمادی کا بہترین مظاہرہ کر رہا تھا۔ حتیٰ کہ وہ اس ہیلی کوپٹر تک جا پہنچے جس میں لڑکال جنگل کے لئے روانہ ہونا تھا۔

''تم خود ہی پائلٹ بھی کرو گے۔'' اولیویا نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں مادام.....کمانڈر عتیق خود ہی پائلٹ بھی کرتا تھا۔''

ہیلی کوپٹر شور کے ساتھ بلند ہوا.....اولیویا اس کے برابر بیٹھی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ لڑکال جنگل پر پرواز کر رہے تھے۔

دفعتاً ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔ ''کون ہے؟''

''کمانڈر عتیق.....ایمرجنسی.....ڈارک کارنر.....!''

''نودی نارتھ.....سیونٹی فائیو ڈگری.....!'' ریسیور سے آواز آئی۔

''اوکے.....تھینک یو۔''

ہیڈ فون کا دوسرا سیٹ اولیویا کے استعمال میں تھا۔ اس نے بھی یہ گفتگو سنی۔ بن پولان ہیلی کوپٹر کا رخ موڑا اور کچھ دور چلنے کے بعد پھر آواز آئی۔

''ہواز دیٹ.....؟''

''کمانڈر عتیق.....!''

''نودی.....لائٹ اسپاٹ.....!''

''تھینک یو۔''

کچھ دور نیچے ایک روشن دائرہ نظر آ رہا تھا۔ غالباً اسی کی طرف رہنمائی کی گئی تھی۔ اس بار بن پولان ہیلی کوپٹر کو نیچے اتارنے لگا۔ یہ ایک سرچ لائٹ کا دائرہ تھا جو درخت پر ہوئی تھی۔ روشنی اس جگہ صاف زمین پر پڑ رہی تھی جہاں ہیلی کوپٹر کو اترنا تھا۔ ہیلی کوپٹر کو بن پولان نے اولیویا سے کہا۔ ''اب اس طرف اندھیرے میں آ جایئے.....وہ خود ہی آئے گا۔''

''کون.....؟''

''فریدی.....!''

''تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔''

بن پولان ہنس کر بولا۔ ''اس ایک ماہ کے دوران میں کئی بار میں اس کے لئے پیغامات بھیجوا۔ جنرل قادری سے اس کی لڑائی ایک ڈھونگ تھی مادام.....اچھا دیکھئے.....اب ایک کام آپ کو کرنا ہے۔'' اس نے جیب سے سفید رنگ کی ایک چھوٹی سی گیند نکالی اور اس کے ہاتھ میں دیتا ہوا بولا۔ ''میں اس کو باتوں میں لگاؤں گا اور آپ یہ گیند تاک کر اس کے منہ پر مار دیجئے گا.....دیکھئے.....سنبھالئے اُسے وہ شائد آ رہا ہے۔''

اولیویا نے گیند ہاتھ میں لے لی۔ اس میں کوئی سیال مادہ تھا اور گیند پھٹ جانے والے مسالے سے بنائی تھی۔

قدموں کی آواز قریب ہوتی گئی اور جیسے ہی آنے والا روشنی کے دائرے
اولیویا نے اُسے پہچان لیا۔ یہ بلاشبہ فریدی تھا۔

''ادھر کرنل.....!'' بن پولان نے اُسے آواز دی۔

''ہیلو کمانڈر.....!'' وہ آواز کی طرف بڑھتا ہوا بولا اور پھر جیسے ہی وہ روشن
سے گزر کر تاریکی کی طرف بڑھا اولیویا نے وہ گیند اس کی ناک پر کھینچ ماری.....
نے لڑکھڑا کر سنبھلنا چاہا لیکن پھر مردوں کی طرح ڈھیر ہو گیا۔



وہ بے خبر سو رہے تھے..... اچانک آنکھ کھلی اور انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے زا
ہو۔ زمین ہل رہی تھی۔ پہلے تو وہ اُسے بم کا دھماکا سمجھے تھے لیکن آہستہ آہستہ ذہن
میں آنے کے ساتھ ہی ساتھ اس شور میں تسلسل محسوس کرتے گئے..... اور سب
بستر سے حمید ہی نے چھلانگ لگائی۔

''یہ..... یہ تو..... کسی ہیلی کوپٹر کا شور ہے۔'' اس نے قاسم کے شانے پر ہاتھ ما

''ہیلی کوپٹر.....!'' قاسم نے پلکیں جھپکائیں۔

''ہاں..... وہ موم بتی بجھا دو۔'' حمید نے میڈونا سے کہا اور اس نے پھونک
بتی بجھا دی۔ اتنے میں آواز تھم گئی۔ ''کیا گزر گیا؟'' میڈونا نے پوچھا۔

''ناممکن ہے..... میرا خیال ہے کہ وہ یہیں کہیں اُترا ہے۔'' حمید نے پُرتفکر لہجے

''اسے تو باہر نقل قر دیکھو۔'' قاسم جھلا کر بولا۔

''تم مجھ سے زیادہ بھاری بھرکم ہو..... زیادہ اچھی طرح دیکھ سکو گے۔''

''جھگڑنے کی ضرورت نہیں..... ہم تینوں دیکھتے ہیں۔'' میڈونا بولی۔

''تم قہاں سے بول رہی ہو۔''

میں یہیں ہوں.....!''

س کے قریب۔''

یرے قریب.....!'' حمید بولا۔

یں قہتا ہوں..... فوراً بتی جلاؤ..... ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔''

اغ تو نہیں چل گیا۔'' میڈونا جھنجھلا گئی۔

لنے دو..... زیادہ بکواس کرے گا تو تمہیں پھر بھوت بنا دوں گا۔''

ے... الاقسم!'' قاسم کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''اندھیرے میں ایسی باتیں نہ قرو!''

ے میں دروازے کی جھریوں سے روشنی دکھائی دی۔ شائد کوئی ٹارچ کی روشنی
پر ڈال رہا تھا۔ پھر دروازے کو دھکا دیا گیا۔

ون ہے.....؟'' میڈونا نے پوچھا۔

روازہ کھولو.....!'' باہر سے نسوانی آواز آئی۔

م..... میرے خدا..... یہ تو مادام کی آواز ہے۔'' میڈونا ہکلائی۔

ھرو میں موم بتی جلاتا ہوں۔'' حمید نے دیا سلائی کھینچی اور موم بتی روشن کر دی۔ پھر
یڈونا کو دروازہ کھول دینے کا اشارہ کیا۔ دروازہ کھلا اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے
زلزلہ آ گیا ہو۔ اس نے فریدی کو دیکھا جس کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے
سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس کے پیچھے ایک عورت تھی اور آخر میں نیوی کا کوئی آفیسر

جہاں تھا وہیں رہ گیا کیونکہ نیول آفیسر کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔

میری خطا.....!'' میڈونا کانپتی ہوئی سی آواز میں بولی۔

نہیں..... تمہیں سزا نہیں دی گئی۔ مصلحتاً ایسا ہوا تھا۔'' عورت نے نرم لہجے میں کہا۔

ہتر ہو.....!'' نیول آفیسر نے ریوالور کی نال سے ایک طرف اشارہ کرتے
سے کہا۔

نہ بنا پڑا اور اب اسے خیال آیا کہ اس سے بڑی غلطی ہوئی۔ ابھی تک وہ موم بتی
ہتھ میں تھامے کھڑا رہا تھا۔ چاہتا تو پھونک مار کر اسے بجھا سکتا تھا۔ پھر دیکھ لیا جاتا۔ غالباً اسی

خدشے کے پیش نظر اس آدمی نے اسے موم بتی کے قریب سے ہٹا دیا تھا۔

''اب بتاؤ کرنل فریدی!'' اولیویا نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''تم کہاں کر کرار ہے ہو۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔

''زبان کھولو.....!'' اولیویا غرائی ''ورنہ مانگنے سے بھی موت نہیں ملے گی۔''

''میں کیسے زبان کھولوں.....جبکہ کرنل فریدی نہیں ہوں۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز

''کیا مطلب.....؟''

''آپ لوگ یقین کیجئے کہ میں کرنل فریدی نہیں ہوں۔ مجھ پر کرنل فریدی کا کیا گیا ہے۔''

''بن پولان دیکھو.....!'' وہ حلق پھاڑ کر چیخی اور بلاؤز کے گریبان سے ایک ٹارچ نما کوئی چیز نکال لی۔

بن پولان فریدی کی طرف بڑھا اور اولیویا اس ٹارچ کا رخ حمید کی طرف بولی۔ ''تم جہاں ہو وہاں سے ہلنا بھی مت۔ پوری فوج بھی مجھ پر ہاتھ نہیں ڈال ایک شعاع سب کو خاک کردے گی۔''

''اگر یہ کرنل فریدی نہیں ہے اولیویا نارمن تو یہ سمجھ لو کہ اب اس جھونپڑے نکال سکو گی۔'' حمید نے قہقہہ لگایا۔

بن پولان نے فریدی کے قریب پہنچ کر اس کا چہرہ ٹٹولا اور پھر وہ متحیرانہ لہ

''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے مادام..... پلاسٹک میک اپ۔''

''اب تم بتاؤ کہ کتنے بڑے گدھے ہو.....خیر.....اب تم اپنی حفاظت گے۔ مجھے تو کوئی ہاتھ بھی نہ لگا سکے گا۔ آج فریدی کی موت آئی ہے۔''

''مم.....میں بے حد.....شرمندہ ہوں.....مادام.....!''

''بکواس مت کرو.....انہیں دیکھو.....میں باہر جارہی ہوں۔''

وہ دروازے کی طرف بڑھی ہی تھی کہ بن پولان نے اس کے ٹارچ والے چھینک دیا۔ وہ قاسم پر جھپٹی اور ٹارچ اب بن پولان کے ہاتھ میں تھی۔

''یہ کیا حرکت.....!'' وہ حلق پھاڑ کر چیخی۔

'فریدی کو اسی حربے کے نکلنے کا انتظار تھا.....ورنہ یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی۔''

''نانوتہ.....!'' حمید کی زبان سے بے اختیار نکلا۔

''کیا بکواس ہے۔''

''کھیل ختم ہوگیا نانوتہ.....کہلر کی واپسی کے بعد ہی میں نے بن پولان پر ہاتھ صاف کردیا تھا۔''

''تو.....تم.....فف.....فریدی ہو۔''

''ہاں.....نانوتہ۔''

''لیکن.....لیکن.....صبح تو تم۔''

''صبح بھی میں ہی تھا۔ میرے چہرے پر بن پولان کا مکمل چہرہ ہے۔ صرف پلاسٹک کے ٹکڑے نہیں چپکائے گئے کہ کسی قسم کا سیلوشن انہیں واضح کردے۔ البتہ آئیڈنٹی فائر کو تباہ کرکے میں نے عقل مندی کا ثبوت دیا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ اس سے نکلنے والی روشنی میرے اصل چہرے کو ٹیلی کاسٹ کردے گی۔ میرا چہرہ کہیں کسی ریسیونگ آپریٹس پر دیکھا جاسکے گا۔''

حمید نے پھر قہقہہ لگایا۔

''تت.....تو آپ فریدی صاحب ہیں؟'' قاسم نے لہک کر پوچھا۔

''ہاں.....ہاں.....!''

''تت.....تو.....!'' قاسم شرما کر بولا۔ ''ایک بار پھر اس کو میرے اوپر دھکیل دیجئے۔''

''شٹ اپ.....کیا تم اُسے بھول گئے.....ملکہ ہفت افلاک.....!''

نانوتہ خاموش کھڑی تھی۔ چہرہ سپاٹ تھا۔

دوسرا دن فریدی کے لئے ایک مصروف ترین تھا۔ حمید اور قاسم نے فی الحال جزیرے سے واپس جانے سے انکار کردیا تھا۔ میڈونا اور نانوتہ کو وہاں سے لے جایا گیا تھا۔

جزیرے سے جانے سے انکار کی وجہ حمید کی جھنجھلاہٹ تھی۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ وہ نانوتہ کی بجائے فریدی ہی کا قیدی تھا تو اس کا پارہ آسمان سے باتیں کرنے لگا۔

جینی اور اس کا باپ بلیک فورس کے لوگ تھے اور انہیں محض اس لئے یہاں رکھا گیا تھا کہ حمید کا جی بہلا رہے۔

سرِشام فریدی پھر آیا اور حمید کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ ''فرزند اگر پھر تم اس کے ہاتھ لگ جاتے تو میں اس کے علاوہ اور کچھ نہ سوچ سکتا کہ کس طرح تمہیں رہائی نصیب ہو..... جیسے پہلے ہوا تھا۔ اسی چکر میں وہ ہاتھ سے نکل گئی تھی۔''

''تو اس موٹے مردود کو لانے کی کیا ضرورت تھی۔''

''اسے وہاں سے نہ ہٹاتا تو یہ ہمیشہ کے لئے پاگل ہو جاتا۔''

''ہو جانے دیا ہوتا۔'' قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''اب پھر وہی صبح اور پھر وہی شام.... میرے مکدر کی چار سو بیس ہی ہوتی ہیں سالیاں..... سمجھا تھا قیا.... قیا ہوگیا۔''

''سوال یہ ہے کہ اس طریق کار کی کیا ضرورت تھی۔'' حمید بولا۔

''باضابطہ طریق کار میرے لئے بہتیری دشواریاں پیدا کرتا..... اور نانوتہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتی۔ وہ مجھے پکڑنا چاہتی تھی۔''

''کیوں.....؟''

''تمہیں یاد ہوگا کہ جیرالڈ شاستری کی زیرِ زمین دنیا کا راستہ ایک کولتار فیکٹری سے شروع ہوتا تھا۔''

''یاد ہے.....!''

''میں نے اُسے مسمار کر دیا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ جگہ بھی جنگل کی لپیٹ میں آ گئی۔ جھیل سے الگ تھی وہ جگہ لیکن میرا خیال تھا کہ سرنگ میں پانی بھر گیا ہوگا لیکن ایسا نہیں تھا۔ ریڈیم اسی سرنگ کے ایک حصے میں اب تک محفوظ رہا۔ سیسے کے بڑے بڑے صندوق وہاں اب بھی موجود ہیں جن میں ریڈیم کی بہت بڑی مقدار محفوظ ہے۔ نانوتہ نے پہلے اسے جھیل میں تلاش کرنے کی کوشش کی۔ پھر اُسے کولتار فیکٹری کا خیال آیا۔ لیکن کوئی بھی اس کی نشاندہی نہ کر سکا۔ وہ دراصل مجھ سے یہی معلوم کرنا چاہتی تھی کہ وہ حصہ بھی جھیل ہی بن گیا یا دھماکوں کے

نہیں پہنچا تھا اور بھئی وہ مجھ سے اپنی اس بے بسی کا انتقام بھی لینا چاہتی تھی جب اسے رونے پر مجبور کر دیا تھا۔

''اس وقت آپ مجھے رونے پر مجبور قرار رہے ہیں۔'' قاسم نے کہا۔

''کیوں.....؟''

''کچھ نہیں۔'' وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''ایسے ایسے مقدر والے بھی موجود ہیں عورتیں پکڑوانے کی کوششیں کرتی ہیں..... یا الا.....!''

فریدی بے اختیار مسکرا پڑا۔

''لیکن اس علامتی شاعری سے میرا پیچھا کیونکر چھوٹے گا۔ اگر وہ کرنل صاحب ٹکرا گئے۔''

''پہلے سے پلاننگ کی گئی تھی..... اس ڈرامے میں حقیقت کا رنگ بھرنا تھا۔ اسی لئے ان آگاہ نہیں کیا گیا تھا..... جنرل قادری کو میں اپنا بزرگ سمجھتا ہوں اور وہ بھی میرا خیال کرتے ہیں۔ دراصل ساری دنیا کے ملکوں کے ملٹری سیکرٹ سروس نانوتہ کی تلاش میں ہے کیونکہ وہ ایک ملک کے فوجی راز چرا کر دوسرے ملک کے ہاتھوں فروخت کر دینے کی ماہر ہے۔ اس طرح وہ ''زیرو لینڈ'' کے لئے فنڈ اکٹھا کرتی رہی ہے۔ بہرحال اسی لئے یہ کیس سیکرٹ سروس کو بھی ریفر کر دیا گیا تھا۔''

''کیا خوب شناسائی تھی۔''

''مہلک شناسائی کہو.....!'' فریدی نے کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

ختم شد

اس کہانی کے لئے جاسوسی دنیا کا خاص نمبر ''چاندنی کا دھواں'' پڑھئے۔

جاسوسی دنیا نمبر 105

دھواں ہوئی دیوار

(مکمل ناول)

پیش رس

جاسوسی دنیا کا ایک سو پانچواں ناول ''دھواں ہوئی دیوار'' حاضر ہے۔ آئندہ کہانیوں سے متعلق کچھ تجاویز موصول ہوئی ہیں۔

تجاویز کہانی تو کیا ''پیشرس'' تک کے سلسلے میں موصول ہوتی ہیں یعنی کہ مجھے کس قسم کا پیشرس لکھنا چاہئے۔

ایک صاحب نے لکھا ہے کہ اب آپ نے پیشرس میں پڑھنے والوں کے سوالات کے جواب کا سلسلہ کیوں بند کر دیا ہے۔ نہ صرف یہ پوچھا بلکہ ایک عدد سوال بھی رسید کر دیا ہے اور اس پر مصر ہیں کہ اس کا جواب پیشرس ہی میں دیا جائے۔

سوال یہ ہے کہ آپ سیاست میں کس ''ازم'' کے قائل ہیں۔

ان کی خدمت میں عرض ہے کہ یہ بے چارے دو صفحات آپ کے سوال کے جواب کے متحمل نہ ہو سکیں گے۔

لیکن اگر آپ نے پبلک کے فائدے کے لئے یہ سوال کیا ہے تو مجملاً عرض ہے کہ قریب قریب سارے ہی موڈرن ''ازم'' میرے مطالعہ میں آ چکے ہیں لیکن میں قائل کسی کا بھی نہیں۔

میں تو اللہ کی ڈکٹیٹر شپ کا قائل ہوں۔ اس میں اس کی گنجائش نہیں ہوتی کہ جب جتنے پگ کا نشہ ہوا ویسا ہی بیان داغ دیا۔

آپ بھی کسی ازم وزم کے چکر میں پڑنے کے بجائے اسلام کو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔

اسلام کے علاوہ اور سارے ازم محض وقتی حالات کی پیداوار ہیں اور کسی ایک ازم کی کوئی دشواری کسی زمانے میں دوسرے ازم کی پیدائش کا باعث بنتی رہی ہے۔

اسلام کے علاوہ دنیا کا کوئی ازم اپنے حرفِ آخر ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ اسلامی نظام حیات آج بھی قابل عمل ہے لیکن اس کے لئے انفرادی طور پر ہر آدمی کو ایماندار بننا پڑے گا اور یہ بے حد مشکل کام ہے۔ لیکن اس مشکل کا بھی آسان ترین حل بعض یار لوگ یہ بتاتے ہیں کہ عبادت محمد رسول اللہ کے بتائے ہوئے طریقے پر کرلو اور روٹی کے لئے کسی یہودی کے در پر ہاتھ پھیلاؤ۔ کوئی مضائقہ نہیں۔

لیکن میرے بھائی میں روٹی بھی اسی اصول کے تحت چاہتا ہوں جس کے تحت عبادت کرتا ہوں۔

پس میرا سیاسی رجحان اللہ کی ڈکٹیٹر شپ کا قیام! اور میرا فن سکھاتا ہے قانون کا احترام! والسلام

ابنِ صفی

۱۹۶۶/۰۳/۰۳

بوڑھے کی کمائی

گھوڑے تیزی سے دوڑ رہے تھے اور سواروں کا یہ عالم تھا کہ ان میں سے کئی تو ڈر کے مارے گھوڑوں کی گردنوں سے لپٹ گئے تھے۔

اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ کبھی نہیں! کیونکہ وہ تفریح گاہوں کے سیدھے سادھے ٹھنڈے مزاج والے گھوڑے تھے۔ ایسے بے ضرر کہ اناڑی قسم کے سیاح بھی گھوڑے سواری کا شوق پورا کرسکیں۔

رام گڑھ کے کئی بڑے ٹھیکیدار اس کے لئے گھوڑے پالتے تھے اور سیزن میں اچھا خاصا بزنس کرلیتے تھے۔

سیاحوں کی ٹولیاں ان گھوڑوں کو کرائے پر حاصل کرتیں اور پہاڑوں کی سیر کا لطف اٹھاتیں۔ وہ آہستہ آہستہ راستہ طے کرتے۔ بڑی متانت سے چلتے۔ بالکل ایسا لگتا جیسے یہ گھوڑے بھی فلسفے کے کسی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہوں۔ نہ شوخی نہ شرارت..... اپنے جانے پہچانے راستوں پر خود ہی چلتے رہتے۔ نہ اڑتے اور نہ مہمیز کی ضرورت پیش آتی۔

ایسے گھوڑے جب بے وجہ جی چھوڑ کر بھاگنا شروع کردیں تو بات تشویش ہی کی

ٹھہرے گی۔

اس ٹولی میں آٹھ آدمی شامل تھے۔ ویسے تو وہ سات ہی تھے..... لیکن آٹھواں محض اس لئے شامل ہو گیا تھا کہ ان کے ساتھ دو لڑکیاں بھی تھیں۔ گوری چمڑی والیاں لڑکیاں۔

اور یہ آٹھواں آدمی کیپٹن حمید تھا۔ رام گڑھ آیا تھا ایک سرکاری کام سے۔ لیکن سرکاری کام بھی ہر وقت تو ہوتا نہیں رہتا۔

تنہا تھا اس لئے کٹے ہوئے پتنگ کی طرح ادھر اُدھر ڈولتا پھرتا۔ واپسی میں صرف دو دن باقی تھے لہٰذا اس نے سوچا کہ یہ دو دن غیر سرکاری طور پر گزارے جائیں۔

اس نے خود ہی کوشش کی تھی کہ کام دو دن پہلے ہی نپٹ جائے۔ روانگی کی تاریخ مقرر تھی۔ ورنہ اس کی ضرورت پیش نہ آتی۔

اور روانگی کی تاریخ اس لئے مقرر تھی کہ فریدی نے فضائی سفر کے لئے واپسی ٹکٹ خرید کر دیا تھا اور واپسی کے لئے بھی سیٹ مخصوص کرا دی تھی۔

بہر حال آج اسے اس ٹولی میں دو ایسی لڑکیاں نظر آئیں جن کا سرپرست ایک بوڑھا آدمی تھا۔ بقیہ چار بھی کچھ چغد ہی سے لگ رہے تھے۔

اس نے سوچا اچھا وقت گزرے گا..... ان لوگوں نے گھوڑوں پر سیر کی ٹھہرائی۔

حمید نے آگے بڑھ کر بوڑھے آدمی سے کہا۔ ''اگر آپ لوگ مناسب سمجھیں تو میں بھی اس ٹولی میں شریک ہو جاؤں..... تنہا ہوں۔''

بوڑھے نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا اور لڑکیوں نے ہنس ہنس کر اس کا استقبال کیا تھا اور وہ چاروں آدمی قطعی بے تعلق رہے تھے۔ وہ بھی سفید فام ہی تھے لیکن زندہ دل معلوم نہیں ہوتے تھے۔ ان کے برخلاف بوڑھا ہنسوڑ اور حاضر جواب تھا۔

''تم خود کو تنہا کہتے ہو۔'' وہ حمید کے چہرے کے قریب انگلی نچا کر بولا تھا۔ ''اچھے لڑکے یہاں کوئی بھی تنہا نہیں ہے۔''

''آپ تو فلسفیانہ انداز میں گفتگو کر رہے ہیں۔'' حمید نے یونہی مکھن لگانے کے انداز میں کہہ دیا تھا۔

اور وہ اس کا ہاتھ گرم جوشی سے دباتا ہوا بولا تھا۔ ''بڑھتی ہوئی عمر بہترین استاد ہوتی ہے اسے اپنے اوپر اس طرح نہ طاری کرنا چاہئے کہ آدمی سچ مچ بوڑھا معلوم ہونے لگے۔''

حمید اس جواب پر مگن ہو گیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ خوبصورت لڑکیوں کے سرپرستوں کو بدظن نہ ہونا چاہئے۔

پھر وہ سب گھوڑوں پر بیٹھ گئے تھے اور بوڑھے نے حمید سے کہا تھا کہ وہ اس کے لئے گائیڈ کے فرائض بخوبی انجام دے سکے گا۔ کیونکہ ہر سیزن میں رام گڑھ آتا تھا۔

''اور تم کہہ رہے تھے کہ تنہا ہو..... ارے بیٹے اپنے ماحول سے نکل بھاگنے کی خواہش جب تک زندہ ہے کوئی آدمی تنہا نہیں.....!'' بوڑھے نے کہا تھا۔ تنہا تو صرف وہ ہے جو اپنے دل سے ذہنی فرار بھی نہیں کر سکتا۔

حمید نے بات بڑھائی تھی اور ان لڑکیوں کا تنقیدی جائزہ لیتا رہا تھا۔

گھوڑے معمول کے مطابق چلتے رہے تھے۔

حمید اور بوڑھا آدمی ساتھ ہی تھے۔ لڑکیاں سب سے آگے تھیں۔ بوڑھا اس کے کان کھاتے جا رہا تھا۔

وہ دراصل کسی زمانے میں فٹ بال کا کھلاڑی رہ چکا تھا۔ ایک مشہور کھلاڑی جس کا نام حمید کے لئے بھی نیا نہیں تھا۔ بوڑھا خود ہی اپنے بارے میں اُسے سب کچھ بتانے لگا تھا۔

دونوں لڑکیوں میں سے ایک بھتیجی تھی اور دوسری بیٹی..... بھتیجی کا نام ارما تھا اور بیٹی کا سلومی! بوڑھے نے بتایا کہ اس کی بیوی فرنچ تھی اور وہ خود انگریز ہے۔

''اور یہ چاروں.....!'' حمید نے پوچھا۔

''میں نہیں جانتا..... سچ پوچھو تو ان کے نام بھی یاد نہیں اور نام یاد بھی کیوں رکھے جائیں..... کل میں کہیں اور ہوں گا اور تم کہیں اور..... مجھے تمہارا نام بھی یاد نہیں رہا۔''

''یا تو یہ لوگ بداخلاق ہیں..... یا فطرتاً خاموشی پسند۔'' حمید نے کہا تھا۔

''کچھ بھی ہوں..... آدمی ہیں..... اور آدمی آدمی کا محتاج ہے چاہے وہ اسے ایک آنکھ نہ بھاتا ہو..... ہم سب ایک ہی ہوٹل میں مقیم ہیں۔''

''سچ مچ کے ہوٹل کی بات کر رہے ہو..... یا اس لفظ کو بھی دنیا کی مثال سمجھوں۔''

''نہیں.....!'' بوڑھا اُسے غور سے دیکھتا ہوا ہنس کر بولا تھا۔ ''سچ مچ کے ہوٹل کی بات ہوں۔ اس میں استعارے یا تشبیہہ کو دخل نہیں۔ ویسے تم مجھے ذہین آدمی معلوم ہوتے ہو۔''

''آج موسم اچھا ہے۔'' حمید نے بات کا رخ اپنی طرف مڑتے دیکھ کر کہا۔

''میں سمجھا! تم اپنے بارے میں بات نہیں کرنا چاہتے۔''

''بالکل سامنے کی چیز ہے موسم.....!'' حمید نے بھی ہنس کر کہا تھا۔ ''جب اور جہاں جی چاہے اسے کھینچ مارو۔''

وہ چلتے رہے تھے۔ پھر ان چاروں میں سے ایک کا گھوڑا اچانک بھڑکا تھا اور سب سے آگے چلنے والی لڑکیوں کے گھوڑوں کے درمیان سے نکلا چلا گیا تھا اور پھر سارے ہی گھوڑے بھاگنے لگے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سب اس گھوڑے کا تعاقب کر رہے ہوں۔

بوڑھا چیخ چیخ کر لڑکیوں سے کہہ رہا تھا۔ ''چھٹ جاؤ..... ان کی گردنوں سے چھٹ جاؤ..... لگامیں چھوڑ دو..... چھٹ جاؤ۔''

وہ گھوڑا سب سے آگے جا رہا تھا اور سب اس کے پیچھے تھے۔

یہ ایک پہاڑی سڑک تھی جس پر جگہ جگہ موڑ تھے۔ ڈھلانیں تھیں۔ چڑھائیاں تھیں۔ اطراف میں گہرے کھڈ تھے۔ یہاں اس قسم کی گھوڑ دوڑ جان لیوا ثابت ہو سکتی تھی۔

حمید نے شہسواری کے سارے گُر آزما ڈالے لیکن اس کا گھوڑا کسی طرح قابو میں نہ آیا۔ لڑکیوں کی چیخیں فضا میں گونج رہی تھیں۔ ساتھ ہی بوڑھا بھی چیخ چیخ کر انہیں ہدایات دیتا جا رہا تھا۔

فی الحال غنیمت یہی تھا کہ گھوڑے آگے پیچھے دوڑ رہے تھے اگر ان میں سے کوئی گھوڑا دوسرے کے برابر پہنچنے کی کوشش شروع کر دیتا تو ان میں سے ایک یقینی طور پر سوار سمیت بائیں جانب والی طویل کھڈ میں جا پڑتا۔

بوڑھے کا گھوڑا حمید کے آگے تھا اس نے اس سے چیخ کر کہا۔ ''دیکھو! کوشش کرو کہ گھوڑے برابر سے دوڑنے نہ پائیں۔''

''یہ کیا ہو رہا ہے..... کیوں ہو رہا ہے؟'' بوڑھا حلق پھاڑ کر چیخا۔ ''میری بچیاں۔''

حمید اسے کیا بتاتا کہ کیا ہو رہا ہے جبکہ وہ خود ہی سمجھنے سے قاصر تھا اور رہ گئیں بچیاں تو

اس وقت اسے خود اپنی نانی جان یاد آ رہی تھیں۔ پرائی بچیوں کی کھکھیڑ میں کہاں پڑتا۔

ایسے میں نہ گھوڑے کی زین سے جست لگائی جا سکتی تھی اور نہ ہی لگام ہی کھینچی جا سکتی تھی۔ یہ واقعہ اگر کسی میدانی علاقے میں پیش آیا ہوتا تو گھوڑے پر قابو پانے کی سو تدبیریں ہو سکتی تھیں۔ لیکن یہاں ذرا سی لغزش بھی بائیں جانب والی کھڈ میں لے جاتی اور اب تو اسے گھوڑے کی گردن ہی سے چمٹنا پڑا تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ یہ ہے ایڈونچر۔

''اب کیا ہوگا..... اب کیا ہوگا.....؟'' بوڑھا چیخ رہا تھا۔

ایک بوڑھا کیا..... اب تو حمید کے علاوہ سبھی چیخ رہے تھے۔ سڑک سنسان تھی۔

حمید سوچ رہا تھا کہ اگر آگے سے کوئی گاڑی سامنے آ گئی تب بھی موت ہی کا سامنا ہوگا۔

''کیا کیا جائے..... کیا کیا جائے؟'' پھر وہ سوچنے لگا کہ بھلا یہ موت کس قسم کی ہوگی۔

برخوردار حمید سلمہٗ محض دو خوبصورت چہروں کے لئے جہنم رسید ہوئے۔ ہیہات۔

اور وہ دونوں چہرے اس وقت خوف کے مارے کتنے کریہہ اور ہیبت ناک نظر آ رہے ہوں گے۔ ہلو فیریز کیا اس وقت تم اس ناہنجار میں دلچسپی لینے پر تیار ہو سکو گی۔ ابے آدمی تیری دم میں نمدہ..... ہات تیری کی۔

اور پھر وہ بلند آواز میں خود کو گالیاں دینے لگا۔

''لڑکے..... میرے دوست..... میرے بھائی..... اب بتاؤ کیا کریں۔'' بوڑھا اس کی آواز سن کر چیخا۔

''دو لڑکیاں اور پیدا کرو۔'' حمید دہاڑا۔

''کیا کہہ رہے ہو..... یہ مذاق کا وقت نہیں ہے۔''

''کچھ دیر پہلے بڑا رجائی فلسفہ بکھار رہے تھے..... قہقہے لگاؤ نا۔''

بوڑھا خاموش ہو گیا۔

پھر حمید کو خیال آیا کہ آخر وہ گالیاں کیوں بک رہا ہے۔ اسے تو کلمہ پڑھنا چاہئے۔ سنا ہے مرنے سے پہلے کلمہ پڑھ لینے سے آدمی پر دوزخ کی آنچ حرام ہو جاتی ہے۔

''لیکن میں کس منہ سے کلمہ پڑھوں۔'' وہ حلق پھاڑ کر چیخا۔

''کیا کہہ رہے ہو.....؟'' بوڑھے کی ڈری ڈری سی روہانسی آواز آئی۔

''میں یہ کہہ رہا ہوں کہ تمہاری کمائی مجھے جہنم میں لے جائے گی۔''

''پتہ نہیں کیا کہہ رہے ہو۔''

''آخری دُعا پڑھ ڈالو۔ عنقریب ہم دوسری دنیا میں پہنچنے والے ہیں۔''

''نہیں.....!'' بوڑھا چیخا۔

حمید نے پھر زبان بند کر لی۔

اب گھوڑے ایسی جگہ پہنچ چکے تھے جہاں سڑک کی دونوں جانب اونچی اونچی چٹانوں کے سلسلے تھے۔ حمید کی جان میں جان آئی۔ اسے معلوم تھا کہ اب میلوں تک کھڈوں کی بجائے ایسی ہی چٹانوں کے سلسلے ملیں گے۔

جان میں جان آئی اور ساتھ ہی اس کے ذہن نے بھی قلابازی کھائی۔ کہاں ابھی سوچ رہا تھا کہ گنہگار زبان سے کلمہ کیونکر پڑھے اور کہاں یہ سوچنے لگا کہ عورت اور زندگی سے پیار کرنا گناہ تو نہیں۔ گناہ ہوتا تو آدم کے پہلو سے بی حوا کیوں برآمد ہوتیں۔

''خطرہ ٹل گیا.....!'' اس نے چیخ کر بوڑھے کو مخاطب کیا۔

''کک..... کیا کہہ رہے ہو؟''

''کھڈ میں نہیں گریں گے..... گھوڑے سے چمٹے رہو۔''

''مم..... میری طاقت جواب دے رہی ہے۔''

''ہمت کرو..... اپنے ذہن کو سونے نہ دو۔''

''لیکن یہ کیا ہو رہا ہے۔''

''گھوڑے سے چمٹے رہو اور کسی بات کی پرواہ مت کرو۔ کہیں تو تھک کر رکیں گے یہ مردود۔''

وہ جانتا تھا کہ اب جو چڑھائی آنے والی ہے یقینی طور پر ان گھوڑوں کو تھکا دے گی۔

اور یہی ہوا بھی..... اچانک انہوں نے رکنا شروع کیا..... اور وہ لوگ ایک ایک کر کے گھوڑوں سے کودنے لگے۔ لیکن ان میں ایک آدمی نہیں تھا۔ ویسے فوری طور پر کسی نے اس کی پرواہ نہ کی۔

لڑکیاں زمین پر قدم رکھتے ہی بیہوش ہو گئیں تھیں۔ ایک کو بوڑھے نے سنبھالا تھا دوسری کو حمید نے۔ بقیہ تینوں آدمیوں نے ان کی طرف توجہ تک نہیں دی تھی۔ آٹھوں گئے

تھے لیکن آٹھویں آدمی کا کہیں پتہ نہیں تھا اور یہ آٹھواں آدمی وہی تھا۔ جس کا گھوڑا سب سے پہلے بھڑک کر بھاگا تھا۔

گھوڑے کھڑے ہانپ رہے تھے۔ پھر وہ ایک ایک کر کے گرنے لگے۔ ان کے نتھنوں سے جھاگ اور خون جاری تھا۔

''اب کیا ہوگا..... اب کیا ہوگا؟'' تینوں آدمی چیخنے لگے۔

بوکھلانا تو حمید کو بھی چاہئے تھا۔ لیکن فی الحال وہ سلومی کو ہوش میں لانے کی جدوجہد کر رہا تھا۔

پھر ان تینوں میں سے کوئی بولا۔ ''ارے..... ارے..... وہ کہاں گیا وہ؟''

''ہاں..... ارے وہ.....!'' دوسرا بولا۔

''کون.....؟'' حمید نے چونک کر پوچھا۔

''کوپر.....!''

''ہائیں وہ..... نہیں ہے۔'' بوڑھا بھی چونکا۔

''نہیں..... وہ نہیں..... ہے!'' تینوں نے ایک ساتھ کہا۔

''بچاؤ..... بچاؤ.....!'' دفعتاً سلومی چیخی۔

حمید نے اسے اپنے بازوؤں میں سنبھال رکھا تھا۔

''ہوش میں آؤ..... تم محفوظ ہو..... بعافیت ہو۔'' وہ اس کے کان میں گنگنایا اور سلومی نے آنکھیں کھول دیں۔

''ہم سب محفوظ ہیں۔'' حمید آہستہ سے بولا۔

''ڈیڈی..... اور..... ارما.....؟''

''وہ ٹھیک ہیں۔''

اور پھر وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔ بوڑھا ارما پر جھکا ہوا تھا۔

''سب تم ہٹو..... اسے بھی میں ہی ہوش میں لاؤں گا۔'' حمید اس کے قریب پہنچ کر بولا۔

بوڑھا ارما کو حمید کے حوالے کر کے سلومی کی طرف بڑھ گیا تھا۔ حمید ارما کے کان کے نتھنے لے جا کر بڑبڑانے لگا۔ ''ہوش میں آؤ! بیہوشی تو ہم جیسے اُلو کے پٹھوں کا مقدر

ہے۔ تمہیں سراپا ہوش ہونا چاہئے۔''

لیکن اِرما کی آنکھیں نہ کھلیں۔

اتنے میں بوڑھے نے پھر اُسے آواز دی۔ ''ارے دیکھو یہ پھر بیہوش ہوگئی۔''

''سب ٹھیک ہے۔'' حمید لاپرواہی سے بولا اور ارما کی ہتھیلیاں سہلانے لگا۔

''کیا ٹھیک ہے؟'' بوڑھا جھنجھلا گیا۔

''یہ بیہوشی نہیں ہے، اسے ہماری زبان میں نخرہ کہتے ہیں۔''

''نخرہ کیا.....؟''

''ادھر ہوتا ہے یار تمہاری طرف نہ ہوتا ہوگا۔''

''کیا نہ ہوتا ہوگا۔''

''مجھے نخرے کی انگریزی نہیں معلوم۔''

''خیر..... خیر.... تم نخرے کا علاج بتاؤ۔''

''تھپڑ.....!''

''تم شاید اب بھی خوفزدہ ہو۔''

''نہیں..... بھلا بے ہوش لڑکیوں سے کیا خوف۔ ہاں وہ ضرور خوفناک ہوتی ہیں جو بے ہوشی پوز کرتی ہیں۔''

''پتہ نہیں کیسی باتیں کررہے ہو تم۔''

اتنے میں اِرما کے جسم میں جنبش ہوئی اور حمید نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر بوڑھے کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

بوڑھا پھر سلومی کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔ وہ اس کی بیٹی تھی۔

دفعتاً ارما نے آنکھیں کھول دیں۔

''مبارک ہو.....!'' حمید مسکرایا۔ ''تم محفوظ ہو۔''

''انکل کہاں ہیں..... سلومی کہاں ہے؟''

''وہ دیکھو.....!'' حمید نے بائیں جانب اشارہ کیا۔

''مجھے سہارا دو..... میں خود سے نہیں اٹھ سکتی۔''

حمید نے ہاتھ پکڑ کر اُسے اٹھایا اور اس کے ساتھ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ان دونوں کے پاس آیا۔

''ارے واہ.....!'' حمید بوڑھے کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ''میں نے بے ہوشی دور کی اور تم نخرہ نہیں سنبھال سکے۔''

''تم ہی کوئی تدبیر کرو۔'' بوڑھے نے بے بسی سے کہا۔

''ارما سلومی کے قریب بیٹھ گئی تھی۔ یک بیک اس نے رونا شروع کردیا۔

''ارے..... ارے..... یہ کیا!'' بوڑھا اِرما کا شانہ تھپک کر بولا۔ ''یہ بالکل ٹھیک ہے۔ ابھی ہوش میں آجائے گی۔ اسے چوٹ نہیں آئی۔''

اِرما اور زیادہ بلبلا کر رونے لگی۔

''میں لڑکیوں کو روتے نہیں دیکھ سکتا۔'' حمید نے بوڑھے سے گلوگیر آواز میں کہا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اب وہ بھی رونا شروع کردے گا۔

اتنے میں وہ تینوں بھی ان کے قریب آگئے اور ان کی خیریت دریافت کرنے لگے۔

ایک نے حمید سے کہا۔ ''تم مقامی آدمی ہو۔ ہمیں بتاؤ کہ اب کیا کریں!''

''یہاں سے پیدل شہر کی طرف۔'' حمید نے لاپرواہی سے کہا۔

''لیکن گھوڑوں کی جوابدہی کون کرے گا۔''

دفعتاً حمید چونک پڑا۔

''وہ..... کہاں ہے؟ تمہارا ایک اور ساتھی۔'' اس نے سوال کیا۔

''پتہ نہیں..... لیکن اس کا گھوڑا موجود ہے۔'' ایک بولا۔

''اور اسی کا گھوڑا بھڑک کر بھاگا تھا۔'' دوسرے نے کہا۔

''اور پھر سب ہی بھاگے تھے اس کے پیچھے۔'' تیسرا بولا۔

''کہیں وہ کسی کھڈ میں تو نہیں گر گیا۔'' حمید نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

''خدا جانے..... اپنا ہی ہوش نہیں تھا۔ اس پر کیا دھیان دیتے۔''

''اچھی بات ہے۔ کچھ دیر یہیں ٹھہر کر آسمان سے آنے والی مدد کا انتظار کرنا چاہئے۔''

''لیکن گھوڑوں نے اچانک دوڑنا کیوں شروع کر دیا تھا.....؟'' بوڑھے کھلاڑی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''اگر میں گھوڑا ہوتا تو پہلے ہی بتا دیتا۔''

''تم پتہ نہیں کیسے آدمی ہو.....!'' بوڑھے نے غصیلے لہجے میں کہا اور پھر سلومی کی متوجہ ہو گیا۔

دفعتاً حمید نے ایسے انداز میں ہاتھ اٹھا کر انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا جیسے کی کوشش کر رہا ہو۔ وہ چپ ہو کر حیرت سے اُسے دیکھنے لگے اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد اسی آواز کی طرف متوجہ ہو گئے۔

یہ کسی گاڑی کی آواز تھی۔ حمید نے مایوسی سے مردہ گھوڑوں کی طرف دیکھا۔ جنہوں سڑک کی پوری چوڑائی گھیر لی تھی اور پھر ذرا ہی سی دیر بعد مخالف سمت سے ایک ٹرک گھوڑوں کے قریب آ کر رکا۔ ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھے ہوئے آدمی کا منہ حیرت سے کھ تھا۔ چند لمحے وہ بے حس و حرکت سیٹ پر بیٹھا رہا۔ پھر نیچے اُتر کر ان کے قریب آیا۔

''یہ کیا ہوا صاحب۔'' اس نے حمید سے پوچھا۔

''رام گڑھ سے تفریح کے لئے چلے تھے۔ پتہ نہیں کیسے سارے گھوڑے ہو گئے۔ یہ لاشیں ان کی تیز رفتاری کا نتیجہ ہیں اور ہمارا ایک ساتھی بھی غائب ہے۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔ آخر وہ کس چیز سے بھڑکے تھے۔''

''ہمارے مقدر سے.....اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔''

''لیکن صاحب ٹرک کیسے آگے جائے۔''

''ہم سب اُسے کاندھے پر اٹھا کر لاشیں پار کرا دیں گے۔'' حمید بھنا کر بولا۔

''ناممکن ہے۔'' وہ مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ ''مجھے واپس جانا پڑے گا۔ پرواہ نہیں۔ صرف پندرہ میل کا فرق پڑے گا۔ آج ہی رام گڑھ پہنچنا ضروری ہے۔''

''میاں تو ہمیں بھی لیتے چلو۔'' حمید بولا۔

''شوق سے جناب۔ لیکن بہت دور تک گاڑی ریورس گیئر میں چلانی پڑے گی۔ موڑنے کی جگہ کہاں؟''

''فکر نہ کرو۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

سلومی اب بھی آنکھیں بند کئے پڑی تھی۔

''اور.....اور.....ان کا کیا ہوگا.....؟'' ان میں سے ایک نے مردہ گھوڑوں کی طرف اشارہ کیا۔

''اپنے مسائل خود حل کرلو۔'' حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''جو میری سواری میں تھا میرا نہیں جانتا تھا لہٰذا کیا تم.....!''

پھر بوڑھے کی مدد سے اس نے بیہوش لڑکی کو ٹرک میں ڈالا اور ارما کو بھی سہارا دے کر اوپر چڑھا دیا۔

ٹرک ڈرائیور انجن اسٹارٹ کرتے وقت کچھ بڑبڑایا تھا اور جیسے ہی انجن اسٹارٹ ہوا سلومی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہیں ہوش میں لانے کے لئے ہارس پاور ضروری ہے۔'' حمید نے جھک کر اس کے کان میں کہا تھا۔

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُسے دیکھنے لگا۔

''اُوہ.....میری بچی.....میری بچی۔'' بوڑھا مضطربانہ انداز میں اس پر جھک پڑا اور دوسرے لوگ بھی اس کی خیریت دریافت کرنے لگے۔

''یہ سب کیا ہو رہا ہے۔'' وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

''ابھی کسی کو کچھ نہیں معلوم کہ کیا ہو رہا ہے۔'' حمید کی زبان سے بیساختہ نکل گیا۔

''تم کتنے بیدرد ہو۔'' بوڑھے نے حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''کیا تشفی کے دو بول تمہاری زبان سے نہیں نکل سکتے۔''

''مجھے افسوس ہے.....تو دیکھو بے بی.....اگر فی الحال کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے تو اس کی طرف سے آنکھیں بند کرلو۔ رفتہ رفتہ سب سمجھ میں آ جائے گا۔ دیکھو یہ پہاڑ کتنے خوبصورت ہیں۔ یہاں اگر کھانا نصیب نہ ہو تو آدمی جڑی بوٹیاں کھا کر پیٹ بھر سکتا ہے۔''

''ڈیڈی.....یہ کون ہے اور کیا بک رہا ہے۔'' سلومی نے بوڑھے سے پوچھا۔

''کیا پھر کچھ غلطی ہو گئی۔!'' حمید نے بھی بوڑھے ہی سے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

''خدا کے لئے تم خاموش ہی رہو۔'' بوڑھے نے کہا اور سلومی کو تھپکنے لگا۔

ٹرک الٹا چل رہا تھا۔ حمید نے سوچا کہ اب ادھر ہی دھیان رکھنا چاہئے ورنہ ہوسکتا ہے کہ کسی چٹان سے ٹکر ہو جائے۔ وہ ڈرائیور کو ہدایات دیتا رہا۔

بہت دور تک ریورس گیئر میں چلتے رہنے کے بعد ٹرک ایک پل پر پہنچا۔ جس کی بائیں جانب ڈھلان میں دور تک ایسا راستہ نظر آ رہا تھا کہ ٹرک باآسانی گزر سکتا۔

ٹرک ادھر ہی موڑ دیا گیا اور حمید پھر سلومی کے قریب آ بیٹھا۔

''آج کی تفریح مجھے زندگی بھر یاد رہے گی۔'' بوڑھا بولا۔

''تم اس سے لطف اندوز ہوئے ہو یا تاسف کے ساتھ کہہ رہے ہو۔'' حمید نے سوال کیا اور بوڑھا اس طرح اسے گھورنے لگا جیسے اس کے صحیح الدماغ ہونے میں شبہ ہو۔

''تم کبھی آدمیوں میں رہے ہو۔'' بالآخر اس نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

''یقیناً رہا ہوں..... اور اس پر مجھے افسوس ہے۔'' حمید نے اپنے سر کو مایوسانہ جنبش دی۔

دونوں لڑکیاں اسے گھورے جا رہی تھیں۔

دفعتاً ان تینوں میں سے ایک نے حمید کو مخاطب کر کے کہا۔

''اگر کوپر نہ ملا تو ہم تمہیں بتائیں گے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''یہ سب تمہاری شرارت تھی۔ تم نے اس کے گھوڑے کے ساتھ کوئی حرکت کی تھی۔''

حمید سناٹے میں آ گیا۔ وہ تینوں ہی اُسے خونخوار نظروں سے گھور رہے تھے۔

جانباز ہیرو

ان تینوں کے چہروں پر شدید ترین نفرت کے آثار تھے۔

حمید نے سوچا اگر اس ویرانے میں بات بگڑ گئی تو سنبھالے نہیں سنبھلے گی۔ ا

ئیر 35

ں کل سے رام کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

لہٰذا وہ بوڑھے سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''تم کیوں خاموش ہو۔ میں تو تمہارے ہی ساتھ تھا۔''

''میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ لوگ کیا کہنا چاہتے ہیں۔'' بوڑھے نے متحیرانہ انداز میں پلکیں

ئیں۔

''اس نے کوپر کے گھوڑے کے ساتھ کوئی حرکت کی تھی۔''

''یہ غلط ہے۔ میں اندھا نہیں تھا۔''

''تمہیں ہوش ہی کب رہا ہوگا۔''

''کیا.....؟'' دفعتاً بوڑھا غرایا۔ ''تم کیا سمجھتے ہو مجھے! میں زندگی میں پہلی بار تو گھوڑے

ں بیٹھا تھا۔''

اس کے بعد یہ ہوا کہ بوڑھا اس کی لڑکیاں اور حمید تو ایک طرف اور دوسری طرف وہ

..... اچھی خاصی ٹھن گئی۔

تینوں آپے سے باہر ہو رہے تھے اور حمید ہنس ہنس کر انہیں چڑا رہا تھا۔

بعض جملوں پر بوڑھا بھی ہنس پڑتا اور لڑکیاں تو ہنس ہی رہی تھیں۔

دفعتاً ٹرک کا انجن بہت زیادہ شور مچا کر بالکل خاموش ہو گیا۔ ٹرک دھچکے کے ساتھ رکا تھا۔

''یہ کیا حرامی پن ہو گیا۔'' ڈرائیور کی آواز آئی۔

''کیا ہوا.....؟'' حمید نے پوچھا۔

''انجن بند ہو گیا۔'' ڈرائیور نے نیچے اُتر کر کہا۔

اس خبر سے ان کے آپس کے جھگڑے کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ ڈرائیور نے بونٹ اٹھا دیا تھا

ن پر جھکا ہوا اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ حمید بھی نیچے اُتر آیا۔

''فیول پمپ خراب ہو گیا ہے۔'' ڈرائیور نے اس کی طرف مڑ کر غصیلے لہجے میں کہا۔

''اتنی جلدی فیصلہ نہ کرو۔'' حمید نے نرم لہجے میں کہا۔ ''کاربوریٹر دیکھ لو۔ کہیں اس

ں مٹی آ گیا ہو۔''

''تم مستری بنتے ہو تو خود ہی دیکھ لو نا۔'' ڈرائیور نے آنکھیں نکالیں۔

''غصہ ہونے کی کیا بات ہے پیارے بھائی..... میں دیکھے لیتا ہوں۔''

''نہیں..... انجن کو ہاتھ نہ لگانا..... کچھ اور گھپلا ہو گیا تو خان مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔''

''تو پھر کیا یہ ٹرک کھڑا رہے گا۔''

''نہیں! میں جا رہا ہوں خان کو اطلاع دینے۔''

''پیدل ہی جاؤ گے؟''

''ہاں..... یہ رہا اُدھر..... زیادہ دور تو نہیں۔ آپ لوگ یہیں ٹھہریں۔ ہو سکتا آپ لوگوں کی مدد کر سکیں۔ بہت مہمان نواز آدمی ہے۔''

پھر وہ انہیں وہیں چھوڑ کر بائیں جانب والی ایک چٹان پر چڑھا اور دوسری طرف ہوا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

لڑکیوں کے علاوہ اور سبھی گاڑی سے نیچے اُتر آئے۔

حمید نے انہیں ڈرائیور سے متعلق بتاتے ہوئے کہا۔ ''تم سب لوگوں کو محتاط رہنا ان اطراف میں اچھے لوگ نہیں رہتے۔ یہ بہت بُرا ہوا کہ ہمارے ساتھ لڑکیاں بھی ہیں۔''

''اور تم.....!'' دفعتاً ان تینوں میں سے ایک نے حمید کا گریبان پکڑتے ہوئے کہا۔ ''تم ان بُرے لوگوں کے ساتھی ہو۔''

''یہ کیا بیہودگی..... اپنا ہاتھ ہٹاؤ.....!'' حمید نے کہا اور پھر جیسے ہی حریف کی بدلی ہوئی پائی اس کے جبڑے پر ایک ہاتھ رسید کر دیا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹا تھا اور دونوں ساتھی بھی حمید پر ٹوٹ پڑے تھے۔

بوڑھا چیختا ہی رہ گیا۔

وہ تینوں دیوانوں کی طرح حمید پر حملے کر رہے تھے اور وہ جھکائی دے دے کر گھونسے برسا رہا تھا۔

''ارے..... یہ کیا ہونے لگا۔'' بوڑھا چیختا رہا۔ ''کیا تم سب پاگل ہو گئے جاؤ..... رک جاؤ..... اپنے ہاتھ روکو۔''

حمید اس کشمکش کے لئے تیار نہیں تھا لیکن جب تک ان تینوں کے ہاتھ نہ روکے کو دخل دینا حماقت ہی تھی۔

بالآخر بوڑھے نے لڑکیوں کو شاید اس پر آمادہ کر لیا کہ اس جھگڑے کو ختم

کوشش کریں کیونکہ اچانک وہ دونوں آگے بڑھی تھیں اور ان کے درمیان آ گئی تھیں۔

''بس.....!'' اِرما ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''ختم کرو یہ احمقانہ حرکتیں۔''

وہ تینوں رک گئے۔ بُری طرح ہانپ رہے تھے۔ حمید کا خیال تھا کہ وہ خواہ مخواہ الجھ پڑے ہیں۔ انہیں لڑائی بھڑائی کا تجربہ نہیں۔

''یہ کتنی احمقانہ بات ہے۔'' بوڑھا آگے بڑھ کر بولا۔ ''ہمیں چاہئے کہ ہم خود کو کسی اندیکھے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار کریں نہ کہ آپس میں دست و گریباں ہوں۔''

''کک..... کیسا اندیکھا خطرہ۔'' ان میں سے ایک نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔

''ڈرائیور کی یہ حرکت مشتبہ ہے۔'' بوڑھے نے کہا اور پھر حمید کی طرف مڑ کر پوچھا۔ ''کیا تمہیں یقین ہے کہ فیول پمپ کی خرابی کے بارے میں اس کا بیان صحیح تھا۔''

''وہ اگنیشن کی کنجی ساتھ لے گیا ہے ورنہ اس کی تصدیق ہو جاتی۔'' حمید نے کہا۔

وہ خود کو اس طرح پوز کرنے کی کوشش کر رہا تھا جیسے کچھ پہلے کی لڑائی بھڑائی محض مذاق رہی ہو۔

''میں جانتا ہوں کہ ان اطراف میں زیادہ تر قزاق آباد ہیں۔ انہیں موقع مل جائے تو اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔''

''تم مقامی آدمی ہو۔'' اِرما نے اس کا بازو چھو کر کہا۔ ''ہماری بہتری کیلئے کچھ سوچو۔''

حمید جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ڈرائیور دکھائی دیا۔ وہ بائیں جانب والی چٹان سے نیچے اُتر رہا تھا۔ حمید نے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا..... وہ تینوں اب بھی اُسے کینہ توز نظروں سے دیکھے جا رہے تھے۔

ڈرائیور قریب آ گیا۔ اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے۔

''کیا بات ہے؟'' حمید نے پوچھا۔

''ذرا ٹرک کو دھکا لگوا کر ایک کنارے کرا دیجئے۔ خان خود آ رہے ہیں۔'' ڈرائیور ہانپتا ہوا بولا۔

''تو آنے دو..... بے چارے ٹرک کو پریشان کرنے سے کیا فائدہ۔''

''ان کی جیپ کدھر سے نکلے گی۔ وہ ان مردہ گھوڑوں کو دیکھنے جا رہے ہیں۔''

''میں سمجھا تھا شاید وہ ہم زندہ آدمیوں کو دیکھنے آ رہے ہیں۔'' حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

''بھائی کیوں میری زندگی کے دشمن ہو۔ خدارا اپنے ساتھیوں سے کہو کہ ٹرک
لگوائیں۔ خان بھیانک آدمی ہے۔ اگر ٹرک راستے میں حائل رہا تو مجھے گولی مار دے گا
حمید نے اپنے ساتھیوں کو اس گفتگو سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ ٹرک پر بیٹھ جا
''میں نہیں سمجھا۔'' بوڑھا بولا۔
''باتوں میں وقت نہ ضائع کرو۔ مجھے یقین ہے کہ ٹرک کے انجن میں کوئی خرابی
نہیں ہوئی۔ میں اس سے اگنیشن کی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔'' حمید نے
اچانک ڈرائیور کی طرف مڑ کر ایک بھرپور ہاتھ اس کی کنپٹی پر رسید کر دیا۔
جچا تلا ہاتھ تھا۔ ڈرائیور پر ایسی غشی طاری ہوئی کہ پھر نہ اٹھ سکا۔ اب حمید بڑی
سے اس کی جیبوں کی تلاشی لے رہا تھا۔ بالآخر اگنیشن کی کنجی ہاتھ آ ہی گئی۔
وہ لوگ اس دوران میں ٹرک پر بیٹھ چکے تھے۔ حمید اچھل کر ڈرائیور کی سیٹ پر
اور اگنیشن میں کنجی لگاتے وقت اسے احساس ہوا کہ ارما اس کے برابر ہی بیٹھی ہوئی ہے۔
حمید کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ انجن آسانی سے اسٹارٹ ہو گیا۔ اس نے ٹرک کو پھر
طرف موڑ دیا۔
''اب کدھر چلو گے۔'' اِرما نے پوچھا۔
''سڑک تک پہنچنا ضروری ہے۔ کہیں ہم گھیر نہ لئے جائیں۔''
بڑی تیز رفتاری سے وہ ٹرک کو پل تک لایا اور پھر گاڑی کو سڑک پر موڑ کر مخالف
میں چل پڑا۔
''ادھر کہاں.....؟''
''رام گڑھ کی طرف واپسی ناممکن ہے۔ کیوں نہ ہم آگے ہی بڑھتے جائیں۔ کہیں
کوئی محفوظ جگہ ملے گی۔''
''یہ لوگ تمہارے خلاف ہو رہے ہیں۔''
''تو کیا بگاڑ لیں گے میرا۔ لڑکیوں کی موجودگی مجھے سپر مین بنا دیتی ہے۔ اگر تم
نہ ہوتیں تو یقیناً ان کے ہاتھوں پٹ جاتا۔''
''زندہ دل بھی معلوم ہوتے ہو۔'' ارما مسکرائی۔

''میں نے بہت دیر سے پائپ نہیں پیا۔''
''تو پھر میں کیا کروں؟''
''اگر کچھ دیر اور نہ پیا تو زندہ دلی رخصت ہو جائے گی اور تم مجھے ایک چڑچڑا آدمی کہو گی۔''
''میں کیا کر سکتی ہوں اس سلسلے میں۔''
''میری جیب سے تمباکو کی پاؤچ اور پائپ نکال کر اسے بھرو۔''
اِرما نے اس کی جیب سے پائپ نکالا اور اس میں تمباکو بھرنے لگی۔ دفعتاً پچھلے حصے
بوڑھے نے چیخ کر کہا۔ ''ایک گاڑی ہمارے پیچھے ہے۔''
''فکر نہ کرو۔'' حمید نے کہا اور ایکسیلریٹر پر مزید دباؤ ڈالتا ہوا اِرما سے بولا۔ ''ان کی
ی سے دور..... میں ان سے نپٹ لوں گا۔''
''آخر یہ آدمی کون ہے..... اور کیا چاہتا ہے!''
''ان بستیوں میں عورتوں کی کمی ہے۔''
''کیا مطلب.....؟''
دفعتاً پیچھے سے پھر آواز آئی۔ ''جیپ قریب آتی جا رہی ہے اور شاید وہ ٹرک کے پہیوں
فائر کرنا چاہتے ہیں۔''
''آنے دو..... پرواہ مت کرو..... میں انہیں دیکھ لوں گا۔ تم سب لیٹ جاؤ۔ سر نہ اٹھانا۔''
اور اب سچ مچ اس نے فائر کی آواز سنی اور اِرما سے بولا۔ ''وہ یقیناً ہمیں آلیں گے.....
ریپیٹر بے کار ہوا۔ راستہ اتنا تنگ ہے کہ میں کچھ کر ہی نہیں سکتا۔''
''تو پھر کس برتے پر بھاگ نکلے تھے۔''
''اُس جگہ ہم چاروں طرف سے گھیرے جا سکتے تھے۔''
''پتہ نہیں کس قسم کی مصیبت ہم پر نازل ہوئی ہے۔''
پھر فائر ہوا اور اس بار زبردست دھماکے کے ساتھ ٹرک کو بھی دھچکا لگا۔
حمید نے بریک لگائے اور انجن بند کر کے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر قریبی چٹان پر
جمپنگ لگا دی۔ اِرما چیختی ہی رہ گئی۔
حمید بندروں کی سی پھرتی کا مظاہرہ کرتا ہوا ایسے پتھروں کی اوٹ میں جا پہنچا جہاں

سے اُن لوگوں کو بخوبی دیکھ سکتا۔ لیکن خود اس کے دیکھ لئے جانے کا خدشہ نہیں تھا۔

جیپ ٹرک کے قریب آ رکی اور اس پر سے چار آدمی اُترے۔ ایک کے ہاتھ میں رائفل تھی۔

اس نے رائفل کی نال سے اُن سبھوں کو ٹرک سے اُترنے کا اشارہ کیا۔

حمید کا ہاتھ بغلی ہولسٹر کی طرف گیا تھا۔ وہ سب ٹرک سے اُتار لئے گئے۔

جیپ والے مقامی باشندے تھے اور شاید انگریزی نہیں سمجھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اشاروں کے ذریعے ان سے معلوم کرنے کی کوشش کی کہ ساتواں آدمی کہاں گیا۔

حمید نے دیکھا کہ وہ لوگ اسی طرف اشارہ کر رہے ہیں جدھر سے گزر کر وہ یہاں تک پہنچا تھا۔

رائفل والا آگے بڑھا اور چٹان پر چڑھنے لگا۔ حمید جانتا تھا کہ وہ راستہ اُسے بھی بالآخر وہیں پہنچائے گا جہاں وہ خود چھپا بیٹھا تھا۔ اس نے ہولسٹر سے ریوالور نکالا اور آہستہ آہستہ اس مقام کی طرف بڑھنے لگا جہاں پہنچ کر آنے والا اس کی طرف مڑتا۔ یہاں بھی وہ پتھروں کی اوٹ میں چھپ کر اس کا انتظار کر سکتا تھا۔

حمید اس کے قدموں کی نزدیک ہوتی ہوئی چاپ سن رہا تھا۔ پھر جیسے ہی اس نے پتھروں کی اوٹ سے سر نکالا حمید نے پوری قوت سے ریوالور کا دستہ رسید کر دیا۔

یہ ایسی ہی ضرب تھی کہ وہ صرف منہ کے بل نیچے آ رہا۔ بلکہ بے حس و حرکت بھی ہو گیا۔ حمید نے بڑی پھرتی سے اس کی جامہ تلاشی لے ڈالی۔ کوٹ کی جیب سے رائفل کا سائیلنسر برآمد ہوا۔ اس کے علاوہ اور کوئی کام کی چیز نہ تھی۔ پھر اس نے اس کی رائفل پر قبضہ کیا اور کارتوسوں کی پیٹی بھی اتار لی۔ اپنا ریوالور ہولسٹر میں ڈال کر اس نے رائفل کی نال پر سائیلنسر فٹ کیا اور کارتوسوں کی پیٹی شانے پر ڈال کر پھر اسی مقام کی طرف پلٹا جہاں سے نیچے والوں کو صاف دیکھ سکتا تھا۔

جیپ والوں میں سے دو آدمی اس کے ساتھیوں کے ہاتھ باندھ رہے تھے اور تیسرا ریوالور تانے کھڑا تھا۔

حمید نے رائفل سے جیپ کے ایک پچھلے پہیے کا نشانہ لے کر فائر کر دیا۔ ٹائر دھماکے

کے ساتھ پھٹا اور وہ اچھل پڑے۔ تیسرے آدمی کے ہاتھ سے ریوالور گر گیا تھا۔

حمید پھر خاموش ہو بیٹھا۔

بوکھلائے ہوئے انداز میں اس آدمی نے دوبارہ ریوالور اٹھایا اور چاروں طرف دیکھنے کے ساتھ ہی وہ چیخ چیخ کر اپنے دونوں ساتھیوں سے کچھ کہہ بھی رہا تھا۔ ان میں سے ایک بدحواسی ترک کر کے جیپ کی طرف آیا۔ چند لمحے پھٹے ہوئے ٹائر کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر جیک کر پہیہ نکالنے بیٹھ گیا۔ دوسرا حمید کے ساتھی مردوں کے ہاتھ اُن کی پشت پر باندھ چکا تھا۔

حمید کا خیال تھا کہ وہ صرف لڑکیوں کو لے جانے کی فکر میں ہیں۔ مردوں کو وہیں چھوڑ جائیں گے۔

ٹرک کے ڈرائیور نے علاقے کے کسی خان کا تذکرہ کیا تھا لیکن یہ لوگ ان قبائل سے تعلق رکھنے والے نہیں معلوم ہوتے تھے جن کے سربراہ خان کہلاتے ہیں۔ ان اطراف میں اقوام ایسی بھی آباد تھی جو کسی قدر مہذب ہو جانے کے باوجود بھی خبیث ارواح کی پرستش کرتی تھی اور اسکے افراد اپنی کلائیوں پر انہیں خبیث ارواح کی علامتی تصویریں گھدواتے تھے۔ اس نے کچھ دیر پہلے جس آدمی کو زیر کیا تھا اس کی کلائیوں پر ایسی تصویریں نظر آئی تھیں۔

اس قوم میں عورتوں کی کمی تھی اس لئے عورتوں کا اغوا ان کے یہاں ایک طرح کی مذہبی رسم کی حیثیت رکھتا تھا۔

حمید خاموشی سے حالات کا جائزہ لیتا رہا۔ جیپ کا پہیہ بدلنے میں بڑی پھرتی کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔

پھر وہ تینوں لڑکیوں کے قریب آ کھڑے ہوئے۔ بوڑھا چیخ چیخ کر گالیاں بک رہا تھا اس کے ساتھی بھی انہیں بُرا بھلا کہہ رہے تھے اور اس بات پر جھلا رہے تھے کہ انہیں اپنے مقصد سے آگاہ نہیں کر سکتے تھے۔

یکایک حملہ آوروں نے اس چٹان کی طرف دیکھنا شروع کیا جس پر کچھ دیر پہلے ان کا ساتھی چڑھا تھا۔

حمید سمجھ گیا کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی پھر ادھر ہی کا رخ کرے گا۔ لہٰذا اس نے بیہوش

آدمی کو راستے کے سامنے سے ہٹا دینے میں بڑی پھرتی دکھائی اور وہیں ایک طرف
کسی اور کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔

اس کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اسے قدموں کی چاپ سنائی دی
بار آنے والا محتاط معلوم ہوتا تھا۔ اندھا دھند نہیں چل پڑا تھا۔ دو چار قدم چلتا اور
جاتا۔ لیکن اسے آنا تو اسی طرف پڑتا تھا۔

حمید صبر و سکون کے ساتھ اس کا منتظر رہا اور پھر جیسے ہی وہ زد پر آیا اس نے حملہ
اس بار اس نے رائفل کے کندے سے حریف کے سر پر بھرپور ضرب لگائی تھی۔

اس کے حلق سے نکلنے والی چیخ دور تک سناٹے میں پھیلتی چلی گئی۔ پھر وہ بھی زندہ
لیکن حمید اس کا انجام دیکھنے کے لئے وہاں رکا نہیں تھا۔

دوسرے شکار کی چیخ نیچے والوں نے ضرور سنی ہوگی لہٰذا پھر ان پر نظر رکھنے کی ضرورت نہیں
یہ حقیقت ہے کہ اس کی چیخ پر اس کے دونوں ساتھی بوکھلا کر چٹان کی طرف دوڑ
تھے۔ اب حمید نے رائفل کاندھے پر ڈالی اور ہولسٹر سے ریوالور نکالتا ہوا پھر اسی جگہ پہ
جہاں اس نے پہلے دو شکار کئے تھے۔

وہ اس کے قریب ہی سے گزرتے چلے گئے۔ اس بار اس نے ان پر حملہ نہ کیا
تھا کہ دونوں اپنے بے ہوش ساتھیوں تک پہنچ جائیں۔

ایک تو سامنے ہی پڑا تھا وہ اس پر جھک پڑے اور جو مڑ کر دیکھا تو حمید پر نظر پڑی
وہ ان کی طرف ریوالور کی نال اٹھائے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

''تم دونوں بھی اپنے ہاتھ اٹھاؤ۔'' اس نے کہا اور انہوں نے متحیرانہ انداز میں
جھپکاتے ہوئے حکم کی تعمیل کی۔

''اب نیچے چلو! اگر ذرہ برابر بھی شرارت کی تو جانوں سے ہاتھ دھونے پڑیں گے
وہ اسی طرح ہاتھ اٹھائے ہوئے آگے بڑھے۔ حمید انہیں سڑک پر اُتار لے گیا اور
کر بولا۔ ''میرے ساتھیوں کے ہاتھ کھول دو۔''

''بریوو..... بریوو.....!'' بوڑھا چیخا۔ ''بہادر لڑکے زندہ باد۔''

ان دونوں نے ان کے ہاتھ کھولے اور اب حمید نے اپنے ساتھیوں سے کہا

دونوں کے ہاتھ پیر باندھ کر ٹرک پر ڈال دو۔ اب ہم جیپ استعمال کریں گے۔''

''تم جو کوئی بھی ہو پچھتاؤ گے۔'' ان میں سے ایک غرایا۔ ''ہمارے آدمی تمہیں
صحیح وسلامت نہ جانے دیں گے۔''

''پھر ان دونوں نے کسی مزاحمت کے بغیر اپنے ہاتھ پیر بندھوا لئے تھے۔ انہیں ٹرک
میں ڈال دیا گیا۔

یہاں راستہ اتنا کشادہ تھا کہ جیپ کو ٹرک سے آگے نکالا جاسکتا تھا۔ وہ سب جیپ پر لد
گئے۔ حمید ڈرائیور کی سیٹ پر تھا اور دونوں لڑکیاں اس کے برابر بیٹھی تھیں۔ بوڑھا ان تینوں
کے ساتھ پچھلی سیٹ پر تھا۔

روانگی سے پہلے حمید نے فیول چیک کیا تھا۔ ٹنکی لبریز تھی۔

اس نے انجن اسٹارٹ کیا اور بہت احتیاط سے اُسے ٹرک کے آگے نکال لایا۔

''لیکن اب ہم کہاں جارہے ہیں؟'' بوڑھے نے پوچھا۔

''رام گڑھ پہنچنا ناممکن ہے۔ پھر کیوں نہ آگے ہی چلیں۔'' حمید بولا۔

''کیا آگے کوئی محفوظ جگہ نصیب ہو سکے گی۔''

''صرف بیس بائیس میل کا سفر درپیش ہے۔ اس کے بعد میں بہت کچھ کرسکوں گا۔''

''ارے تمہارا کیا کہنا..... تم نے تو یہیں بہت کچھ کر ڈالا۔'' بوڑھا ہنس کر بولا۔

''لیکن وہ لوگ کیا چاہتے تھے۔'' ان تینوں میں سے کسی نے سوال کیا۔

''تمہیں وہیں چھوڑ کر صرف لڑکیوں کو لے جاتے..... بروبانی قوم کے لوگ تھے۔
دوسری قوموں کی عورتوں کا اغوا ان کے یہاں انتہائی شریفانہ کارنامے کی حیثیت رکھتا ہے۔''

''لیکن یہ لوگ جنگلی تو نہیں معلوم ہوتے تھے۔''

''جنگلی سے کیا مراد ہے تمہاری۔''

''مطلب یہ کہ جیسے تم ہو..... ویسے ہی تو تھے۔''

''میں اس جملے پر خفگی کا اظہار کروں یا ٹال جاؤں۔'' حمید نے ارما سے پوچھا اور وہ
مسکرا کر بولی۔ ''میں تو تمہیں جنگلی ہی سمجھتی ہوں۔ ان کے ان دونوں ساتھیوں کا کیا ہوا جو
پیچھے رہ گئے تھے۔''

''وہیں بیہوش پڑے ہوں گے۔ میرے ہاتھوں پٹنے والے جلد ہوش میں نہیں آتے۔''

''تم نے ان کا اسلحہ بھی چھین لیا.....!'' یہ سلومی کی آواز تھی۔

''رائفل ہی سے تو میں نے جیپ کا ٹائر پھاڑا تھا۔''

''تو وہ بھی تم ہی تھے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ جیپ خاصی تیز رفتاری سے راستہ طے کر رہی تھی۔

''لڑکے تمہارا پیشہ کیا ہے۔'' پچھلی سیٹ سے بوڑھے نے پوچھا۔

''شکار.....!''

''وضاحت کرو۔''

''کھالوں کی تجارت کرنے والی ایک فرم کا ملازم ہوں۔ اس کے لئے بڑے بالوں والے جانوروں کا شکار کرتا ہوں۔''

''کچھ بھی ہو..... ہر اعتبار سے دلچسپ ثابت ہوئے ہو۔''

''تم لوگ مجھے اس آدمی کے بارے میں کچھ بتاؤ جو اس وقت ہم میں نہیں ہے؟''

''اوہ..... کوپر..... پتہ نہیں اس بیچارے کا کیا حشر ہوا ہو۔''

''وہ کب سے تم لوگوں کے ساتھ تھا۔''

''ہم سب ایک ہی ہوٹل میں مقیم ہیں۔''

''میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ تم لوگ اسے کب سے جانتے ہو۔''

اس سوال کے جواب میں کسی نے بتایا کہ وہ اُسے ایک ہفتے سے جانتا تھا اور کسی نے کچھ اور کم مدت ظاہر کی۔

''تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ تم لوگوں کے لئے بھی اجنبی تھا۔''

''تم نے کہاں کی چاتیں چھیڑ دیں۔'' ارما بول پڑی۔ ''اب ہمیں اس سے کیا لینا۔''

''خیر ختم کرو.....!'' حمید نے کہا اور بائیں ہاتھ سے جیب ٹٹولتا ہوا بولا۔ ''اس بھاگ دوڑ میں میرا پائپ کہیں گر گیا۔ اب میں کیا کروں۔''

''یہ تو بُرا ہوا..... کیا تمباکو بھی نہیں ہے۔'' ارما نے پوچھا۔

''پاؤچ تو موجود ہے۔''

''تب تو کام چل جائے گا۔ انکل کے پاس سگریٹ کا کاغذ ہوگا۔ وہ خود ہی رول کرتے ہیں۔''

''میں سگریٹ رول کرنے کے لئے گاڑی نہیں روک سکتا۔''

''میں رول کر دوں گی۔ ایسے جانباز ہیرو کے لئے کیا کچھ نہیں کیا جا سکتا۔'' ارما ہنس کر بولی۔ ''فلموں میں تو لڑکیاں عاشق ہو جاتی ہیں۔''

''کیوں اس شریف آدمی کا مذاق اڑا رہی ہو۔'' سلومی کا لہجہ غصیلا تھا۔

اتنے میں بوڑھے نے حمید کو مخاطب کر کے کہا۔ ''مسٹر گلبرٹ پیشاب کرنا چاہتے ہیں۔''

''دیکھو..... اب کہیں رکنا خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔ ہمیں جلد از جلد گلبار پہنچ جانا چاہئے۔''

''تم پاگل تو نہیں ہو گئے۔ مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔'' ان تینوں میں سے ایک غرایا۔

''اچھا مسٹر گلبرٹ.....!'' حمید نے طویل سانس لی۔ ''جلد ہی فارغ ہونے کی کوشش کرنا۔''

اس نے جیپ کی رفتار کم کر دی اور پھر اسے ایک کنارے روک دیا۔

گلبرٹ نے نہ صرف جیپ سے چھلانگ لگائی بلکہ سڑک کے نیچے اُتر کر ڈھلان میں جا چلا گیا۔

''ارے یہ کہاں بھاگا جا رہا ہے؟'' سب نے بیک وقت کہا۔

لارڈ زوپن ڈیل

ڈھلان سے اُتر کر وہ بکھرے ہوئے بڑے بڑے پتھروں کی اوٹ میں غائب ہو گیا۔

''اُوہ.....!'' بوڑھا ہنس کر بولا۔ ''بہت شرمیلا معلوم ہوتا ہے۔''

''حیرت انگیز بھی۔'' حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ ''ایسی صورت میں چھلانگیں لگانا مجھ جیسے جانباز ہیرو کیلئے بھی ناممکن ہو جاتا۔ ذرا دیکھنا کہیں سیٹ ہی پر تکلیف رفع نہ ہو گئی ہو۔''

کوئی کچھ نہ بولا۔ اس کے بعد حمید نے بوڑھے سے سگریٹ کا کاغذ مانگا اور پاؤچ سے

تمبا کو نکال کر رول کرنے لگا۔

دو تین منٹ گزر گئے لیکن گلبرٹ کی واپسی نہ ہوئی۔ پھر ان دونوں نے بھی جیپ اترنا چاہا۔

''نہیں.....!'' حمید مڑ کر انہیں گھورتا ہوا بولا۔ ''تمہیں سیٹ ہی پر تکلیف رفع کرنا پڑے

''کیا بکواس کر رہے ہو۔ دیکھیں وہ کہاں گیا۔''

''میں تمہاری واپسی کا انتظار نہیں کروں گا۔''

''تو کیا ہم اسے یہیں چھوڑ جائیں؟''

''اچھی بات ہے۔ تم میں سے صرف ایک جائے گا۔''

اس پر دونوں کو غصہ آ گیا۔ لیکن جیپ سے صرف ایک ہی اُترا اور ڈھلان میں اترتا چلا

''آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔'' ارما طویل سانس لے کر بولی۔

''سب میری بداعمالیوں کا نتیجہ ہے۔'' حمید نے غصیلی آواز میں کہا۔ ''نہ آج گھ نکلتا اور نہ اس مصیبت میں گرفتار ہوتا۔''

''کیوں نکلے تھے؟''

''تمہارے لئے۔'' حمید آہستہ سے بولا۔

''انکل.....!'' ارما نے بوڑھے کو مخاطب کیا۔ ''اب یہ مجھے ہیروئن بنانے کی کوشش ہے۔''

''ختم کرو یہ مذاق..... اوہ..... دیکھو وہ تنہا واپس آ رہا ہے۔''

گلبرٹ کی تلاش میں جانے والا سچ مچ تنہا واپس آ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر فکر کے آثار تھے۔

وہ قریب آ کر بولا۔ ''اس کا تو کہیں پتہ نہیں۔''

''بیٹھ جاؤ۔'' حمید بولا۔ ''پچھلی سیٹ پر تین ہی آدمی آرام سے بیٹھ سکتے ہیں۔ تم چار تھے

''پتہ نہیں تم کیسے آدمی ہو۔'' وہ بگڑ کر بولا۔

''تم بھی جہنم میں جاؤ۔'' حمید نے کہا اور انجن اسٹارٹ کر دیا۔ بالکل ایسا ہی معلو تھا جیسے وہ اسے بھی یہیں چھوڑ جائے گا۔

''کیا کرتے ہو۔'' ارما نے اس کا گیئر کی طرف بڑھتا ہوا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

''پھر کیا کروں..... ان کا تو دماغ چل گیا ہے۔''

اتنے میں وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ چکا تھا۔ جیپ پھر چل پڑی۔

''آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ کیا ہو رہا ہے۔'' سلومی نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

وہ کم گو اور سنجیدہ معلوم ہوتی تھی۔

دفعتاً حمید نے بلند آواز میں کہا۔ ''اس وقت تم میں سے کون سب سے زیادہ خائف ہے۔''

کوئی کچھ نہ بولا۔ حمید نے پھر اپنا سوال دہراتے ہوئے کہا۔ ''اگر مجھے اس کا جواب نہ تو میں سب کو یہیں چھوڑ کر آگے بڑھ جاؤں گا۔''

''تم آخر کہنا کیا چاہتے ہو۔'' بوڑھے کی آواز آئی۔

''تم میں سے کوئی اچھی طرح سمجھتا ہے کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔''

''میں تو قطعی نہیں سمجھا۔'' بوڑھے نے کہا اور ان دونوں کی طرف دیکھنے لگا۔

وہ خاموش بیٹھے رہے۔ آخر بوڑھے نے اس آدمی کو مخاطب کیا جو گلبرٹ کی تلاش میں گیا تھا۔

''گلبرٹ اس طرح کیوں بھاگ گیا۔''

''میں کیا بتا سکتا ہوں۔''

''تمہارا کیا خیال ہے؟'' بوڑھے نے دوسرے سے پوچھا۔

''جہنم میں جائے سب کچھ۔'' وہ غصیلے لہجے میں بولا۔ ''نہ مجھے کوپر سے کوئی دلچسپی ہے نہ گلبرٹ سے۔''

''اس تفریح کا مشورہ کس نے دیا تھا۔'' دفعتاً حمید نے پوچھا۔

''ہم سب ہی شامل تھے اس میں۔'' ارما نے کہا۔

''گھوڑا سواری کی تجویز کس کی تھی۔''

''ٹھہرو..... مجھے سوچنے دو۔'' بوڑھے کی آواز آئی۔ ''میرا خیال ہے کہ یہ تجویز گلبرٹ کی تھی۔''

''گلبرٹ کے تعلقات بھی نئے تھے یا پرانے۔''

''میں تو اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا..... البتہ یہ دونوں۔'' بوڑھے نے کہا کی طرف دیکھنے لگا۔

ان دونوں نے بھی اس سے لاعلمی ظاہر کی۔

سورج غروب ہونے سے قبل ہی وہ گلبار پہنچ گئے۔

جب ان کی گاڑی چکراتی ہوئی اس وادی میں اُتر رہی تھی تو ایسا لگتا تھا جیسے پیالے کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کر رہے ہوں اور ارما نے خوش ہو کر کہا تھا۔ ''یہ حادثہ ہم ایسی خوبصورت جگہ کیوں کر پہنچتے۔''

چاروں طرف سرسبز پہاڑیاں تھیں۔ جگہ جگہ خوش رنگ پھولوں کی جھاڑیاں نظر آئیں۔ حمید جیپ کو سیدھا پولیس اسٹیشن کی طرف لیتا چلا گیا تھا۔

پھر آدھے گھنٹے بعد جب وہ وہاں سے ڈاک بنگلے کے لئے روانہ ہوئے تو بوڑھ حمید سے کہا۔ ''میں تمہاری زبان سمجھ نہیں سکتا۔ لیکن پھر بھی میرا اندازہ ہے کہ پولیس آ سے خائف نظر آ رہا تھا۔''

''ارے وہ کچھ نہیں..... بہت شریف آدمی معلوم ہوتا ہے۔ بے چارہ۔'' حمید ہنس کر ا

''میں نے بھی یہ محسوس کیا تھا۔'' ارما نے جھک کر اس کے کان میں کہا۔

''تمہیں تو شروع ہی سے یہ ایک فلمی کہانی محسوس ہوتی رہی ہے۔''

''نہیں تم مجھے بہت پراسرار لگ رہے ہو۔''

''شکریہ.....!''

''اب ہم کہاں جا رہے ہیں۔''

''ڈاک بنگلے میں..... رات وہیں بسر کریں گے اور کل یہاں سے پھر رام گڑھ چلیں گے۔''

''کسی ہوٹل میں کیوں نہ ٹھہریں۔''

''یہاں صرف ایک ہی اچھا ہوٹل ہے اور وہاں کوئی کمرہ نہیں ہے۔ میں نے آفیسر کی وساطت سے معلوم کرایا ہے۔ لیکن ہم کچھ وقت اس ہوٹل میں ضرور گزاریں۔ ڈاک بنگلے میں بستر ناکافی تھے۔ پولیس اسٹیشن کے انچارج نے حمید سے وعدہ

کہ وہ ان کے لئے بستر فراہم کر دے گا۔

ڈاک بنگلے کے چوکیدار کو طلب کر کے حمید نے رات کے کھانے کے متعلق ہدایات دیں اور پھر وہ سب ایک کمرے میں آ بیٹھے۔

چوکیدار نے کیروسین لیمپ پہلے ہی روشن کر دیئے تھے۔ ڈاک بنگلہ حال ہی میں تعمیر ہوا تھا اور یہاں ابھی بجلی کی فٹنگ نہیں ہوئی تھی۔

حمید ان دونوں کی طرف سے مطمئن نہیں تھا۔ ان میں سے ایک بہت زیادہ پریشان نظر آتا تھا۔ وہ اسے وہاں سے اٹھا کر الگ لے گیا۔

''کک..... کیا بات ہے..... تم کیا کہنا چاہتے ہو۔'' وہ ہانپتا ہوا بولا۔

''ڈرو نہیں..... اب سچی بات مجھے بتا دو۔'' حمید نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔

''کک..... کیسی سچی بات..... تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔''

''کوئی سچی بات جس کی بناء پر تم خائف نظر آ رہے ہو۔ تمہارے علاوہ اور کوئی بھی اتنا بدحواس نہیں ہے۔''

''مم..... میں دل کا مریض ہوں۔''

''اچھی بات ہے۔'' حمید نے طویل سانس لی اور اس سمیت پھر اسی کمرے میں واپس آ گیا جہاں سب تھے۔

چند لمحے خاموش رہا پھر گھمبیر آواز میں بولا۔ ''اچھا دوستو! خدا حافظ۔''

''کیا مطلب.....؟'' بوڑھا چونک پڑا۔

''میں جا رہا ہوں۔''

''کہاں جا رہے ہو! یہ ارما کی آواز تھی۔''

''کہیں بھی چلا جاؤں گا..... یہاں نہیں رہوں گا۔''

''آخر کیوں؟ نہیں تم ہمارے ساتھ ہی رام گڑھ واپس چلو گے۔ ہمیں تنہا نہیں چھوڑ سکتے۔'' ارما اٹھتی ہوئی بولی۔

''بات یہ ہے کہ جب تم لوگ مجھ پر اعتماد ہی نہیں کر سکتے تو۔''

''کون کہتا ہے کہ اعتماد نہیں کرتے۔''

''تم لوگوں کا رویہ۔''

''پتہ نہیں تم کیا کہہ رہے ہو۔ میری سمجھ تو نہیں آتا۔''

''مجھے معلوم ہونا چاہئے کہ یہ سب کچھ کس کے لئے ہوا ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''کوپر کے گھوڑے کا بھڑکنا اتفاق ہوسکتا ہے۔ اس کی گمشدگی کو بھی حادثہ سمجھا جاسکتا ہے لیکن گلبرٹ کے فرار کو کس خانے میں فٹ کیا جائے۔''

کوئی کچھ نہ بولا۔ بوڑھا اسے توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس کی نظریں ان دونوں کے چہروں پر پڑیں۔ اب وہ بھی اس شخص کو گھورے جا رہا تھا جسے حمید الگ لے جا کر گفتگو کر چکا تھا۔

''ہم سب کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ شخص خود کو ظاہر کردے۔ ورنہ اسے بھی خود کو غیر محفوظ ہی سمجھنا چاہئے۔''

''مم..... میرا پیچھا چھوڑ دو.....!'' وہ آدمی کرسی میں گر کر ہانپنے لگا۔

''یہاں کوئی تمہارا دشمن تو نہیں ہے۔'' بوڑھا آگے بڑھ کر اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔

''وہ نحوست کہیں بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑتی۔'' اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپالیا۔

حمید سگریٹ رول کرنے لگا تھا۔ اس نے اسے سلگاتے وقت کنکھیوں سے لڑکیوں کی طرف دیکھا۔ ان کے چہروں پر الجھن کے آثار تھے۔

''اگر واقعی کوئی بات ہے۔'' دوسرا آدمی بولا۔ ''تو تمہیں فوراً ظاہر کردینی چاہئے۔ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی کیوں ہلاکت میں ڈال رہے ہو۔''

حمید خاموشی سے سگریٹ کے کش لیتا رہا۔

دفعتاً خوفزدہ آدمی نے چہرے سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا۔ ''تم لوگ میرا مضحکہ اڑاؤ گے۔''

''اس وہم میں نہ پڑو۔'' بوڑھا نرم لہجے میں بولا۔ ''ہم میں شاید ہی کوئی اتنا بُرا آدمی ہو کہ کسی پریشان حال کا مضحکہ اڑا سکے۔''

''میں کئی سال سے اس مصیبت میں مبتلا ہوں۔'' اس نے خوفزدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ان سبھوں نے اپنی کرسیاں اس کے قریب کھسکا لیں۔ لیکن حمید جہاں کھڑا تھا وہیں کھڑا رہا۔

تبھی باہر سے آواز آئی۔ ''کیا میں اندر آسکتا ہوں؟''

''کون ہے۔'' حمید چونک کر دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ''اوہ انسپکٹر آیئے۔''

آنے والا گلبار پولیس اسٹیشن کا انچارج تھا۔

''آپ لوگوں کے لئے بستر لایا ہوں۔'' اس نے کہا اور حمید کی طرف جھک کر آہستہ سے بولا۔ ''جس جیپ پر آپ آئے ہیں یہ چار ماہ پہلے گلبار ہی سے چرائی گئی تھی۔''

''اوہ..... آخر ان بروبانیوں کو اتنا سر اٹھانے کا موقع کیوں دیا جارہا ہے۔''

''میں ان کے خلاف برابر رپورٹیں بھیج رہا ہوں لیکن ان کا نوٹس ہی نہیں لیا جاتا۔''

''خیر..... اب دیکھیں گے۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔''

''میرے لائق اور بھی کوئی خدمت ہو تو بے تکلف ہو کر فرمایئے۔''

''آپ نے سڑک بند ہونے کی اطلاع رام گڑھ بھجوائی ہے یا نہیں؟''

''جی ہاں..... میں نے وہاں فون کیا تھا۔ انہیں اس سے پہلے ہی اطلاع مل چکی ہے گی۔ لاشیں ہٹوانے کا انتظام کررہے تھے۔ میرا خیال ہے اب تک سڑک صاف ہوگی اور انہوں نے ٹرک پر بھی قبضہ کرلیا ہوگا۔''

''کل ہمیں دس بجے تک یہاں سے روانہ ہونا ہے۔''

''آپ فکر نہ کیجئے..... میں ایک مائیکرو بس لایا ہوں اور جیپ خود لے جارہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے..... اچھا..... بہت بہت شکریہ۔'' حمید نے مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

انسپکٹر رخصت ہوگیا۔

''کوئی خاص بات.....؟'' بوڑھے نے حمید سے پوچھا۔

''نہیں..... وہ ہمارے لئے بستر لایا تھا۔ کل دس بجے تک ہم یہاں سے روانہ ہوجائیں گے۔''

اس کے بعد وہ لوگ پھر اسی آدمی کی طرف متوجہ ہوگئے۔

''تم کیا سوچ رہے ہو۔'' بوڑھے نے اُسے مخاطب کیا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کہانی کہاں سے شروع کروں۔''

''جہاں سے بھی شروع کردو۔ کڑیاں ملانا میرا کام ہے۔'' حمید بولا اور ایک کرسی کھینچ

کر وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

''اگر لوگ کسی بھکاری کو بادشاہ کہنا شروع کر دیں تو وہ پہلے تو مذاق سمجھے گا پھر ہو جائے گا۔'' اس آدمی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور خاموش ہو گیا۔

''بولتے رہو.....!'' حمید نے اُسے ٹوکا۔

''میرے ساتھ بھی یہی ہوا ہے۔ میں ایک فرم کا ٹریولنگ ایجنٹ ہوں جس کا ہ لندن میں ہے۔ میرا نام سڈنی اسٹوکر ہے۔ میرا باپ متوسط طبقے سے تعلق رکھتا تھا۔ بس کماتا کھاتا ہوں۔ کسی قدر خوشحال محض اس لئے ہوں کہ تنہا ہوں۔ شادی نہیں کی ایک تجارتی فرم سے تعلق رکھتا ہوں اس لئے میرے جاننے والوں کا حلقہ بہت وسی قریب قریب یورپ کے ہر ملک کے لوگوں سے میری جان پہچان ہے۔''

دفعتاً وہ خاموش ہو گیا اور بائیں پہلو پر اس طرح ہاتھ رکھ لیا جیسے دل میں درد اٹھ

''کیا بات ہے.....!'' بوڑھے نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

لیکن وہ کچھ نہ بولا۔ اس کی آنکھیں بھی آہستہ آہستہ بند ہوتی جا رہی تھیں۔

عجیب سا سناٹا طاری ہو گیا۔ پھر بوڑھے نے اس کا شانہ پکڑ کر ہلایا۔

اس نے آنکھیں کھولیں۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ چہرے پر کرب کے آثار تھے۔

''پانی.....!'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

ارما نے جھپٹ کر اپنے تھیلے سے پانی کی بوتل نکالی۔

دو تین گھونٹ لینے کے بعد وہ آہستہ سے بولا۔ ''شکریہ! آپ لوگ بہت مہربان

''تم مطمئن رہو۔'' بوڑھے نے نرم لہجے میں کہا۔ ''جو کچھ ممکن ہوگا تمہارے لئے کریں

''شکریہ.....! میری بدنصیبی مضحکہ خیز ہے۔'' وہ اٹھتا ہوا بولا اور آہستہ آہستہ ٹہلنے لگا۔

پھر رکا اور ان کی طرف مڑ کر بولا۔ ''پُر اطمینان زندگی بسر کر رہا تھا کہ اچانک نے آ گھیرا۔ پانچ سال پہلے کی بات ہے ایک رات پیرس کے ایک ہوٹل میں کھا کہ ایک شان و شوکت والی عورت میری میز کے قریب آئی اور مجھے ایک ایسے نام کیا جو میرے لئے بالکل اجنبی تھا۔ میں نے اس کی غلط فہمی رفع کرنے کی کوشش

اسی پر مصر رہی کہ میں وہی ہوں جس نام سے اس نے مجھے مخاطب کیا ہے۔ بڑی مشکل سے میں نے اس سے پیچھا چھڑایا۔ لیکن حقیقتاً وہ میری مشکلات کی پہلی رات تھی۔ اس کے بعد پھر تو میری شامت ہی آ گئی تھی۔ بار بار مختلف جگہوں پر اجنبیوں نے مجھے اسی نام سے مخاطب کیا اور اب یہ عالم ہے کہ یہاں تک میرا پیچھا کیا گیا۔ اب انہوں نے مجھے خوفزدہ کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس طرح وہ مجھ سے اعتراف کرانا چاہتے ہیں کہ میں وہی ہوں جو وہ مجھے سمجھتے ہیں۔''

سڈنی سٹوکر دروازے کے قریب کھڑا تھا اور بوڑھا اُسے گھورے جا رہا تھا۔

''آخر وہ تم سے کس بات کا اعتراف کرانا چاہتے ہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''وہ چاہتے ہیں کہ میں تسلیم کر لوں کہ میں لارڈ زوپن ڈیل ہوں۔''

''شٹ اپ.....!'' دفعتاً بوڑھا حلق پھاڑ کر دہاڑا اور گھونسہ تان کر اس کی طرف جھپٹا۔

لیکن وہ تو پہلے ہی چھلانگ مار کر دروازے سے نکل چکا تھا۔ حمید بڑی تیزی سے آگے بڑھا..... لیکن لاحاصل..... باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں وہ کہیں غائب ہو چکا تھا۔

دو تین منٹ بعد حمید واپس آ گیا۔ یہاں بوڑھا تیسرے آدمی کا گریبان پکڑے کہہ رہا تھا۔ ''اب بتاؤ..... تم کون سی حرکت کرو گے۔''

''مم..... میں کچھ نہیں جانتا۔ پتہ نہیں کس قسم کی بیہودگی ہے۔''

''نہیں بتاؤ..... میں اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ تم یہ نہ بتاؤ کہ آخر تم لوگ کیا چاہتے ہو۔''

''مم..... میں کیا بتاؤں مسٹر۔''

''ٹھوکریں مار مار کر ختم کر دوں گا ورنہ بتاؤ۔''

''تم ہٹ جاؤ۔'' حمید اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ''میں اس سے سمجھ لوں گا۔''

''تم.....!'' بوڑھا غرایا۔ ''اگر تم مقامی آدمی نہ ہوتے تو میں تم سے نپٹ لیتا۔''

''دماغ ٹھنڈا رکھو۔'' حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ ''اور اس کا گریبان چھوڑ کر ہٹ جاؤ۔''

بوڑھا اس کا گریبان چھوڑ کر لڑکیوں کے پاس جا بیٹھا۔ ان کے چہرے دھواں ہو رہے تھے۔

''ہاں اب تم مجھ سے بات کرو۔'' حمید نے سڈنی کے ساتھی سے کہا۔

''میں کیا بات کروں؟''

''مار مار کر اَدھ مرا کر دوں گا۔''

''تمیز سے گفتگو کرو مسٹر۔'' اس نے آنکھیں نکالی ہی تھیں کہ حمید نے اس کے منہ پر الٹا ہاتھ رسید کر دیا۔

وہ دونوں ہاتھوں سے ٹھوڑی دبائے فرش پر اکڑوں بیٹھ گیا۔

''نہیں..... یہ دیوانگی ہے۔'' ارما اٹھتی ہوئی بولی۔

''کوئی میرے معاملات میں دخل نہ دے۔'' حمید جھلا کر اس کی طرف مڑا۔

سڈنی کا ساتھی خون تھوک رہا تھا۔

''واقعی..... یہ درندگی ہے۔'' سلومی بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

ارما رومال سے اس کے ہونٹوں سے خون خشک کرنے لگی تھی۔

حمید کھڑا اسے گھورتا رہا۔ پھر بوڑھے کے قریب آ کر بیٹھتا ہوا نرم لہجے میں بولا۔

''تمہیں کیوں غصہ آ گیا تھا۔''

''اس لئے کہ میں لارڈ زوپن ڈیل ہوں۔'' بوڑھے نے پروقار لہجے میں کہا۔

''کیا.....!'' حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور وہ ہکلایا۔ ''لیکن..... لیکن تم تو فٹ بالر ڈلی ہو۔''

''یہ بھی غلط نہیں ہے۔ اپنے ساتھیوں اور ساری دنیا میں ڈلی ہی کے نام سے مشہور ہوں۔ میرے ساتھی فٹ بالر مجھے پیار سے ڈلی کہا کرتے تھے۔!''

''تو یہ سارا ڈرامہ آپ کے لئے اسٹیج کیا جا رہا ہے۔''

''ہاں..... اس تیسرے آدمی کی حرکت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔''

''کیا چوتھے کو میں جان سے مار دوں۔''

''نہیں..... یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا یہ بھی انہیں لوگوں میں سے ہے۔''

حمید اس کی طرف مڑا۔ لڑکیوں نے اُسے اٹھا کر کرسی پر بٹھا دیا تھا اور وہ کینہ توز نظروں سے حمید کو گھورے جا رہا تھا۔

دفعتاً وہ اسے گھونسہ دکھا کر بولا۔ ''میں تمہارا خون پی لوں گا۔ تم نے میری توہین کی ہے۔''

''کیا خیال ہے؟'' حمید نے بوڑھے کی طرف مڑ کر پوچھا۔

''اب تم خاموش رہو۔ مجھے سوچنا پڑے گا۔''

''کیا سوچنا پڑے گا.....؟''

''یہی کہ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں۔''

''تم کوئی بھی ہو.....!'' سڈنی کے ساتھی نے بوڑھے کو مخاطب کر کے کہا۔ ''لیکن کسی خطرے میں گھرے ہوئے معلوم ہوتے ہو۔''

''کیا سچ مچ تمہیں ان حالات سے کوئی سروکار نہیں۔''

''میں تم لوگوں کو کس طرح یقین دلاؤں کہ وہ تینوں میرے لئے اسی طرح اجنبی تھے جیسے تم۔''

''ان دونوں نے بھی یہی باور کرانے کی کوشش کی تھی۔'' بوڑھے نے تلخ لہجے میں کہا۔

''اس کے بارے میں..... میں کیا کہہ سکتا ہوں۔''

''میرا خیال ہے کہ فی الحال اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔'' بوڑھے نے حمید کی طرف جھک کر آہستہ سے کہا۔

''لیکن میں تم سے یہ ضرور پوچھوں گا کہ یہ چکر کیا ہے۔'' حمید اُسے تیکھی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''یہ میرا ذاتی اور نجی معاملہ ہے۔''

''اُن آٹھ گھوڑوں کی موت کا کون ذمہ دار ہوگا۔''

''تمہیں اس سے کیا سروکار.....!''

''دیکھو مائی لارڈ..... اس لہجے میں گفتگو نہ کرو۔'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

''تم بہت جیالے ہو۔ لیکن اتنے بھی نہیں کہ میری بوڑھی ہڈیوں کو چیلنج کر سکو۔''

''ارے تو کیا اب جھگڑے ہی ہوتے رہیں گے۔'' ارما جھلا کر ان کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

''جھگڑا نہیں ہو رہا۔'' حمید نے نرم لہجے میں کہا۔ ''میری جگہ جو بھی ہوتا حقیقت معلوم کرنا چاہتا۔ بہرحال اگر تم چاہتی ہو کہ میں خاموش رہوں تو اب نہیں بولوں گا۔''

''میری بات سمجھنے کی کوشش کرو اچھے لڑکے۔'' بوڑھا اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

''اس وقت میں تمہارے علاوہ اور کسی پر بھی اعتماد نہیں کرسکتا۔''

''شکریہ.....!'' حمید نے احمقانہ انداز میں کہا اور پھر جیب سے تمباکو کی پاؤچ نکال کر سگریٹ رول کرنے کی تیار کرنے لگا۔

وہ پانچوں خاموش تھے۔ دفعتاً چوکیدار نے آ کر پوچھا وہ کتنی دیر بعد کھانا لگائے۔

حمید نے بوڑھے کو اس کی اطلاع دی۔

''جتنی جلد ممکن ہو۔'' اس نے کہا۔ ''میں بہت بھوکا ہوں۔ کیا کھانے کے بعد کافی بھی مل سکے گی۔''

''اس کے لئے مجھے بستی تک جانا پڑے گا۔'' حمید بولا۔

''کافی باہر ہی چل کر پی لیں گے۔''

حمید نے چوکیدار سے کہا کہ وہ کھانا لگائے اور پھر سڈنی کے ساتھی کی طرف متوجہ ہوگیا۔ جو کرسی سے اٹھ کر چوکیدار کے پیچھے جا کھڑا ہوا تھا۔ حالانکہ حمید نے بھی اٹھ جانے میں پھرتی ہی دکھائی تھی لیکن وہ اس پر ہاتھ نہ ڈال سکا کیونکہ چوکیدار بوکھلاہٹ میں اس کے اوپر آ پڑا تھا۔ غالباً بھاگنے والے نے ہی اُسے اس پر دھکیلا تھا۔

لڑکیاں شور مچانے لگیں۔

حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے فرش سے اٹھا اور چوکیدار پر غصہ اتارنے لگا۔

معزز آدمی

حمید نے اس بار بھی باہر نکل کر چوتھے آدمی کو دیر تک تلاش کیا تھا۔ واپس آیا تو وہ تینوں کھانے کی میز پر اس کے منتظر نظر آئے۔ تینوں کے چہرے فکر مند تھے۔ حمید کے بیٹھ جانے ہی پر انہوں نے کھانا بھی شروع کیا۔

حمید خاموشی سے کھاتا رہا۔ وہ خود بولنے میں پہل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کچھ دیر بعد

نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میں تم پر اعتماد کرتا ہوں اچھے لڑکے۔ تم دلیر بھی ہو اور ت پسند بھی۔ تمہاری آنکھوں میں ایمانداری کی جھلک بھی ملتی ہے۔''

''شکریہ.....!'' حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ ''اس تعریف کا مقصد بھی بیان کردو۔''

''تم مجھ سے بہت زیادہ خفا معلوم ہوتے ہو۔'' وہ حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا ۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ''کیا میں تمہیں بے ایمان آدمی معلوم ہوتا ہوں۔

زوپن ڈیل اپنے کردار کی مضبوطی کے لئے سارے یورپ میں مشہور ہے۔''

''میں ڈلی کو صرف ایک اسپورٹ میں کی حیثیت سے جانتا ہوں۔ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم وہ کسی لارڈ گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔ اب میں تمہارے کاغذات دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''دیکھ لینا کاغذات بھی۔ میں اپنے بارے میں تمہیں مطمئن کردینے کے بعد ہی تمہیں ذمہ داری سونپوں گا۔''

''کیسی ذمہ داری؟''

''میرے بعد ان لڑکیوں کی ذمہ داری۔ تم اپنی نگرانی میں انہیں انگلینڈ واپس بھجواؤ گے۔''

''اوہ..... ڈیڈی۔''

''اوہ انکل.....!''

دونوں لڑکیوں کی آوازوں سے غمزدگی جھلک رہی تھی۔

''تم لوگوں کو قطعی خائف نہ ہونا چاہئے۔ ہر آدمی مرنے کے لئے پیدا ہوا ہے۔ ہاں کے اب کوئی چٹکلہ چھیڑو۔ ہمیں ہر حال میں ہنستے مسکراتے رہنا چاہئے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن میں کچھ دیر اپنی پوزیشن پر بھی غور کرنا چاہتا ہوں۔''

پھر کوئی کچھ نہ بولا۔ وہ خاموشی سے کھانا کھاتے رہے۔

حمید سوچ رہا تھا کہ کس جنجال میں پھنس گیا۔ ایسے حالات میں ان لڑکیوں سے دلی ہی فضول ہے۔ پھر وہ کیوں خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع کرے۔ لیکن یہ زوپن ڈیل آخر بلا اور خود کس قسم کے خطرات سے دوچار ہے۔''

کھانا ختم کر کے زوپن ڈیل بولا۔ ''اب کافی کی کیا رہے گی۔''

''کافی کے لئے باہر ہی چلنا پڑے گا۔'' حمید نے بے دلی سے کہا۔

''ضرور چلیں گے..... کیوں؟'' اس نے لڑکیوں کی طرف دیکھا۔

''مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ میں کہیں نہ جاؤں گی۔'' سلومی بولی۔

''میری توہین نہ کرو.....!'' بوڑھے نے سخت لہجے میں کہا۔ ''میں اپنی بیٹی کے جملے کی توقع نہیں رکھتا۔''

''لیکن ڈیڈ..... یہ سب کیا ہے؟ یہ لوگ تمہارے پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہیں۔''

''یہ ایک راز ہے اور میں اسے راز ہی رکھنا چاہتا ہوں۔ لیکن یقین کرو ان میں سے مجھے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔''

حمید بس اس کی باتیں سنے جا رہا تھا۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ اب کسی معاملے میں نہ دے گا۔ کچھ دیر بعد بوڑھا اس سے مخاطب ہوا۔

''تم کیا سوچنے لگے۔''

''کچھ نہیں مائی لارڈ..... میں بڑا خوش قسمت ہوں۔ آج تک کوئی لارڈ نہیں ملا۔ ویسے لارڈ کلائیو سے لے کر لارڈ ماؤنٹ بیٹن تک کے حالات تاریخ میں پڑھے ہیں۔ سوچتا تھا کہ یہ مخلوق کس قسم کی ہوتی ہوگی۔''

''بور مت کرو۔'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''میں کبھی سیاست میں نہیں رہا۔ فٹ بال سے ہمیشہ عوامی زندگی بسر کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج تم مجھے اس حال میں دیکھ رہے ہو۔''

''مائی لارڈ..... اپنا پاسپورٹ نکالئے۔'' حمید نے سخت لہجے میں کہا۔

''میرے کاغذات..... رام گڑھ میں میرے اقامتی ہوٹل میں موجود ہیں۔''

دفعتاً سلومی بول پڑی۔ ''ڈیڈی..... آخر تم کس بناء پر اس آدمی پر اعتماد کر رہے ہو۔''

''اس کی آنکھوں میں مجھے صرف معصومیت اور شرارت نظر آتی ہے۔ شیطنت۔''

''شکریہ مائی لارڈ..... میں بار بار شکریہ ادا کرتا ہوں۔ تو آپ سب کافی پئیں گے یا صرف میں جا کر کافی کا ایک ڈبہ خرید لاؤں۔''

''میں تمہیں تنہا نہیں جانے دوں گا۔ تم ان وحشیوں سے دشمنی مول لے چکے ہو۔ ہے وہ ہمارا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک آ پہنچے ہوں۔''

''میری فکر نہ کیجئے مائی لارڈ..... جب میرے داہنے ہاتھ سے دھماکہ ہوتا ہے

محسوس کرتا ہوں جیسے میں نے ایک خوبصورت نظم لکھ دی ہو۔''

''ہم سب چلیں گے۔'' ارما اٹھتی ہوئی بولی۔

''میں تم سے ہمیشہ خوش رہا ہوں ارما۔ میرا اتنا زیادہ اثر سلومی میں آنا چاہئے تھا۔''

''میں ڈرپوک ہی رہ کر خوش رہ سکتی ہوں۔'' سلومی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''اچھی بات ہے۔ تو تم دونوں جاؤ۔'' زوپن ڈیل نے ارما اور حمید کو مخاطب کر کے کہا۔

''تھرموس لیتے جاؤ..... ہم دونوں کے لئے لیتے آنا۔''

حمید نے جیب میں گاڑی کی چابی ٹٹولی جو اسے پولیس آفیسر سے ملی تھی۔ ارما اس کے ساتھ جانے پر آمادہ تھی۔

''یہ رائفل اور کارتوسوں کی پیٹی اپنے پاس رکھو۔'' حمید نے روپن ڈیل سے کہا اور پھر چوکیدار سے بھی ان کا خیال رکھنے کو کہتا ہوا باہر نکل آیا۔ مائیکرو بس کمپاؤنڈ میں موجود تھی۔

وہ گلریز کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ گلبار کا سب سے اچھا ہوٹل تھا اور یہاں زیادہ تر غیر ملکی ٹورسٹ قیام کرتے تھے۔

''پتہ نہیں کیوں..... انکل تم پر اس قدر اعتماد کر بیٹھے ہیں۔ حالانکہ تم تو ہمارے لئے بالکل ہی اجنبی ہو۔'' ارما نے کہا۔

''لیکن میرا اعتماد متزلزل ہو گیا ہے۔''

''کیوں.....؟ کیا مطلب.....؟''

''کیا تم کو علم تھا کہ یہاں ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑے گا۔''

''ہرگز نہیں..... ورنہ گھوڑا سواری کی کیوں ٹھہرتی۔''

''لیکن شاید تمہارے انکل کو علم تھا۔''

''اس کے بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔''

''اور اگر انہیں علم تھا تو تم دونوں کو ساتھ نہ لانا چاہئے تھا۔ یہ اسپورٹ مین اسپرٹ نہیں دیوانگی ہے۔''

''میں خود بھی ایڈونچر کی رسیا ہوں۔''

''یہ بات نہیں ہے۔ تم اچھی طرح سمجھتی ہو کہ عورتیں تل کر کھائی نہیں جاتیں۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اگر بروبانی تمہیں پکڑ کر بھی لے جاتے تو ناز برداری ہی کرتے۔ گاڑی میں نہ جوت دیتے۔''

''اب تم بکواس پر اُتر آئے ہو۔''

''بکواس پر آئندہ سال نوبل پرائز لے رہا ہوں۔''

''میں ابھی تک نہیں سمجھ سکی کہ تم کس قسم کے آدمی ہو۔''

''گھبراؤ نہیں۔ میں تمہیں یہ طلاع دے کر نہیں بھاگوں گا کہ تم ملکہ وکٹوریہ ہو۔''

''اوہ.....تو تمہیں انکل کے لارڈ زوپن ڈیل ہونے میں شبہ ہے۔''

''اگر مجھے شبہ بھی ہے تو ان کا کیا بگڑے گا۔ میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ تم ارما ہو۔''

''تم کچھ دیر خاموش رہو.....شاید ڈھنگ کی باتیں کرنے لگو۔''

حمید نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے ونڈ اسکرین کی طرف متوجہ رہا۔

گلریز پہنچ کر وہ ہال میں داخل ہوئے۔ یہاں بڑی رونق تھی۔ مدہم سروں میں ساز بج رہے تھے۔ ایک خوبصورت ویٹرس نے ان کی راہنمائی ایک خالی میز تک کی۔

''یہاں کا ماحول بہت حسین ہے۔'' ارما بڑبڑائی۔

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ ویٹرس کو تھرموس دیتے ہوئے اپنے لئے بھی کافی کا آرڈر دے رہا تھا۔

ویٹرس کے چلے جانے کے بعد ارما اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی ہنسی اور بولی۔

''اب پھر بولنا شروع کردو۔ دیکھوں کچھ تبدیلی ہوئی یا نہیں۔''

''مرد ہمیشہ ایک ہی بات رٹتے رہتے ہیں۔ تبدیلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''مجھے اپنے بارے میں کچھ اور بھی بتاؤ۔''

''میں ان دونوں کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔''

''ان کے سامنے سے ہٹ جانے کے بعد میں نے انہیں یکسر بھلا دیا ہے۔ میں تو پل کی زندگی گزارتی ہوں۔ نہ مجھے گزرے ہوئے لمحے کی پرواہ ہوتی ہے اور نہ آنے والے لمحے کی فکر۔ بس جو کچھ ہے تو یہی لمحہ ہے..... یہ لمحہ..... تمہاری آنکھیں بہت خوبصورت ہیں۔''

''مجھے اپنی آنکھوں سے اس کے علاوہ اور کوئی دلچسپی نہیں کہ میں ان سے دیکھ سکتا

نہیں دیکھ رہا ہوں.....تم خوبصورت ہو.....اور وہ اس میز والی لڑکی تم سے بھی زیادہ
ت ہے اور وہ اُدھر جو بیٹھی ہے تم دونوں ہی سے زیادہ بھلی لگتی ہے۔''

''چلو ایک بات تو طے ہوئی کہ ہم دونوں ہی خوبصورتی سے پیار کرتے ہیں۔''

''مجھے اس خوبصورت گلدان سے کوئی دلچسپی نہیں۔ عورت ہی ہونی چاہئے۔''

''اس نکتے پر ہم متفق نہیں ہوسکیں گے۔ مجھے مردوں کے علاوہ خوبصورت کتے بھی پسند

''کتوں کی محبوبائیں بھی بے زبان نہیں ہوتیں۔'' حمید مسکرا کر بولا۔ ''اگر عورتوں کی
کھینچ لی جائیں تو وہ دیویاں کہلائیں گی۔''

''بہت زہر بھرا ہوا ہے تمہارے ذہن میں عورتوں کے خلاف۔ کیا بہت زیادہ دھوکے
ئے ہیں۔''

''دھوکے؟'' حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''دھوکے وہی کھاتا ہے جسے حقیقت کی تلاش ہو۔
حقیقت اسی دھوکے کو کہتے ہیں جس پر سے پردہ نہ اٹھ سکے۔''

''بس.....!'' وہ میز پر ہاتھ مار کر بولی۔ ''فلسفے کے لئے انکل زوپنڈیل ہی بہت ہیں۔
ور کرو گے۔''

''انکل زوپنڈیل مجھے پسند ہیں۔ مجھے ہر وہ آدمی پسند ہے جو شکست کھا جانے کے
بھی شکست تسلیم نہ کرے۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''انکل زوپن ڈیل بوڑھے ہیں لیکن انہوں نے خود پر بڑھاپا طاری نہیں کیا۔'' حمید نے
نکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ لیکن وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔ اچانک وہ اس کی
سرگوشی کر بولی۔ ''وہ دیکھو! بائیں جانب والی میز پر..... یہ تو وہی آدمی ہے۔''

''کون.....؟ اُوہ.....تم نے ٹھیک پہچانا..... یہ تو انہیں دونوں میں سے ایک ہے
بہانہ کر ہم ٹرک میں ڈال آئے تھے۔'' حمید نے کہا اور ویٹرس کی طرف متوجہ ہوگیا۔
نی کی ٹرے میز پر رکھ رہی تھی۔ تھرموس بھی بھر لائی تھی۔

''حیرت ہے کہ تم نے اُسے پہچان لیا۔'' حمید اس کے لئے کافی انڈیلتا ہوا بولا۔

''حالانکہ اس وقت وہ ہر لحاظ سے ایک شائستہ آدمی معلوم ہو رہا ہے۔''

''میری یادداشت بہت اچھی ہے۔''

''قابل رشک کہنا چاہئے۔ پہلے بھی میری اچٹتی سی نظر اس پر پڑی تھی نہیں پہچان سکا تھا۔''

یہ حقیقت بھی تھی کہ وہ اس وقت کوئی نیم وحشی بروبانی نہیں معلوم ہوتا تھا بے داغ سفید تھی۔ بہترین پریس سوٹ پہن رکھا تھا جس کے لئے ٹائی کے انتخاب سلیقہ پایا جاتا تھا۔

''کیا خیال ہے۔'' ارما بولی۔ ''کیا ہمیں دوبارہ گھیرنے کی کوشش کی جائے گی''

''ممکن ہے..... کیا تم گاڑی ڈرائیو کرسکو گی۔''

''پتہ نہیں! ایسے حالات میں خود اعتمادی قائم رکھ سکوں گی یا نہیں۔''

''اچھا تو سکون سے کافی ختم کرو۔ میں اس کا بھی انتظام کئے لیتا ہوں۔''

''کیسے حالات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔'' وہ طویل سانس لے کر بولی۔

''پرواہ مت کرو۔''

''تم کیا کرو گے۔ وہ تنہا تو نہیں ہوگا۔ ہرگز نہیں۔''

''بس دیکھتی جاؤ۔''

''آخر بتاؤ نا.....!'' ارما جھنجھلا گئی۔

''گیلی مٹی سے ایک پتلا تیار کروں گا اور اس کے بعد اس کے ہاتھ میں ے کر کالا جادو آزماؤں گا۔ تم نے یہاں کے قدیم جادوگروں کے بارے میں جو زیادہ تر تمہارے ہی دیس کے مصنفوں کو ملا کرتے تھے۔''

''فضول باتیں نہ کرو۔ اگر انہوں نے ہمارا تعاقب کیا ہے تو انکل بھی خطرے

''تو پھر تم اس سلسلے میں کیا کرسکو گی۔''

کافی کی پیالی خالی کر کے وہ اٹھ گیا۔

''کہاں چلے؟''

''ذرا باتھ روم تک..... تم مطمئن رہو..... یہاں اس ہال میں وہ کوئی جرأت

تم جاؤ..... میں ڈرپوک نہیں ہوں۔'' ارما اکڑ کر بولی۔

اٹھ کر باتھ روم کی طرف روانہ ہوگیا۔ ریڈی میڈ میک اپ کے ذریعے وہ اپنی شکل ل کرسکتا تھا لیکن لباس میں تبدیلی ممکن نہیں تھی۔ ابغلی ہولسٹر کی وجہ سے کوٹ بھی نہیں تا تھا ورنہ کوٹ تہہ کر کے ہاتھ پر رکھتا اور صرف سویٹر پر ہی قناعت کرلیتا۔ آج تو ایسا نہیں تھا جسے الٹ کر پہنا جاسکتا۔

ں پر فی الحال ارما کی ذمہ داری تھی اور وہ ایسے حالات میں اس سے الگ رہ کر ہی ظت کرسکتا تھا۔

ہ روم کے آئینے میں دیکھ کر اس نے اپنے بالوں کی آراستگی کے انداز میں تبدیلی کی میڈ میک اپ والے اسپرنگ ناک کے نتھنوں میں فٹ کر لئے۔

باتھ روم سے نکل کر اس نے ارما کے قریب ہی کی ایک میز سنبھال لی تھی۔ تقریباً گزر گئے تھے۔ ارما بار بار گھڑی دیکھے جارہی تھی۔

نے اس بروبانی کو دیکھا..... پہلے ہی کی طرح پرسکون نظر آرہا تھا۔ جیسے اُسے کسی واہ ہی نہ ہو۔

پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر کاؤنٹر کی طرف آیا اور کاؤنٹر کلرک سے فون مانگتا ہوا بولا۔ کیسے لوگ ہیں..... ملنے کو کہتے ہیں اور انتظار کراتے ہیں۔''

نے فون اٹھا کر کاؤنٹر پر رکھ دیا۔ حمید نے تیزی سے پولیس اسٹیشن کے نمبر ڈائیل ہی طرف انچارج ہی نے کال ریسیور کی تھی۔ حمید نے اُسے موجودہ سچویشن سے تے ہوئے کہا۔ ''ایک لڑکی میرے ساتھ ہے اور بہت زیادہ خائف ہے۔''

آپ فکر نہ کیجئے۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''میں آرہا ہوں۔''

نے ریسیور رکھ کر طویل سانس لی اور پھر اس میز کی طرف پلٹ آیا جہاں سے اٹھا تھا۔ وہ سچ مچ خائف نظر آرہی تھی۔ چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

نے سوچا اسے اس طرح تنہا نہ چھوڑنا چاہئے۔ پھر پولیس اسٹیشن سے مدد بھی طلب تنہا ہوتا تو البتہ یہی ضروری ہوتا کہ اس سے الگ رہ کر اس کی دیکھ بھال کرے۔

اس نے ایک بار پھر باتھ روم کا رخ کیا اور نتھنوں سے اسپرنگ نکال کر اس طرف واپس آیا۔ وہ اسے دیکھ کر کھل اٹھی۔

''میں الجھن میں مبتلا تھی۔'' وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

''کیوں..... کیسی الجھن۔''

''میں سوچ رہی تھی شاید مجھے چھوڑ کر بھاگ گئے۔''

''تنہا بھاگنے کا کیا فائدہ۔''

''نہیں سوچنا پڑتا ہے۔ آخر کب تک ہمارے لئے خود کو خطرات میں ڈالتے

''جب تک خطرہ نہ ٹل جائے۔ یا اسی طرح زندگی ختم نہ ہو جائے۔''

''ایسے ہی ہو۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی۔

وہ کچھ نہ بولا اور پھر اس بروبانی کی طرف دیکھنے لگا جو اب پوری طرح متوجہ تھا۔ ایک بار حمید سے بھی نظر ملی اور اس نے محسوس کیا جیسے وہ اس کی ہڈیاں ہو۔

''اب بیٹھے کیا سوچ رہے ہو۔'' دفعتاً ارما بولی۔ ''ہمیں واپس چلنا چاہئے اور سلومی کے لئے پریشان ہوں۔''

''ذرا دیر اور ٹھہرو۔''

''آخر کیوں؟''

''مصلحتاً..... خطرات میں پڑنا میری ہابی سہی لیکن آنکھیں بند کر کے نہیں۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''کچھ دیر خاموش بھی بیٹھو سوئیٹی۔''

''میں زیادہ دیر خاموش نہیں رہ سکتی۔''

''اچھا تو پھر اپنی ممی اور ڈیڈی کی باتیں کرو۔ ان میں سے کسی کو مرغیاں بھی ہے یا نہیں۔''

''کیا مطلب.....؟'' ارما کے لہجے میں حیرت تھی۔

''مرغیاں..... مرغیاں نہیں سمجھتیں۔''

''اب تم بکواس پر اُتر آئے ہو۔''

''یہ بھی میری ہابی ہے۔''

''میں سمجھی! تم خائف ہو۔''

''جو دل چاہے سمجھو۔ میں تو اس وقت صرف مرغیوں کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ ب میرے پاس سوچنے کو کچھ نہیں ہوتا تو مرغیاں بڑا سہارا دیتی ہیں کیا خیال ہے۔ مرغی ڈے دے کر کسی قدر محفوظ ہوتی ہوگی۔''

''بس اب خاموش رہو۔'' ارما ہاتھ اٹھا کر غصیلے لہجے میں بولی۔

اتنے میں پولیس اسٹیشن کا انچارج کاؤنٹر کے قریب دکھائی دیا۔ حمید نے ہاتھ ہلا کر سے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی اور ٹھیک اسی وقت اس کی نظر بھی ان پر پڑی۔ وہ سیدھا ان کی طرف چلا آیا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' حمید نے دائیں جانب والی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

اور پھر جب اس نے اس بروبانی کی طرف اشارہ کیا تو پولیس آفیسر بیساختہ چونک پڑا۔

''یقیناً آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔'' وہ ہنس کر بولا تھا۔

''کیا مطلب.....؟''

''یہ تو..... یہ تو گلبار کے ایک معزز ترین آدمی خان دارا ہیں۔''

''لیکن میری یادداشت اتنی ناپختہ نہیں ہے۔'' حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''یہ کہنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔ لیکن دو آدمیوں کے درمیان مشابہت تو ہو سکتی ہے۔'' آفیسر بولا۔

حمید نے پھر اس آدمی کی طرف دیکھا۔ وہ جھک کر سگریٹ سلگا رہا تھا۔

''کیا آپ لوگ یہاں سے اٹھنا چاہتے ہیں۔'' آفیسر نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

''ہاں..... اب ہمیں چلنا چاہئے۔''

''تو چلئے..... میری گاڑی آپ کی گاڑی کے پیچھے رہے گی۔''

''میں یہی چاہتا تھا کہ پیچھے سے کوئی حملہ نہ ہو۔''

وہ دونوں اٹھ کر باہر آئے۔ حمید نے اس دوران میں بل ادا کر دیا تھا۔

گاڑی میں بیٹھ جانے کے بعد ارما نے پوچھا۔

''وہ کیا کہہ رہا تھا۔''

''کوئی خاص بات نہیں۔ وہ اسے نظر میں رکھے گا۔''

''پتہ نہیں.....انکل پر کیا گزری ہو۔''

''دیکھے لیتے ہیں چل کر۔''

''آج کا دل زندگی بھر یاد رہے گا۔''

''اور میرا مرکزی کردار ہوگا اس یاد میں۔''

''کیا یہ ضروری ہے کہ تمہیں بھی یاد رکھا جائے۔'' وہ اٹھلائی۔

''ضرورت نہ سمجھو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔''

''تم.....تم بھلانے کی چیز تو نہیں ہو۔''

گاڑی سنسان سڑک پر دوڑ رہی تھی۔

''تم انگلستان کب جاؤ گی؟'' حمید نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

''اس سال تو واپسی ممکن نہیں۔ یہاں دو ماہ گزارنے کے بعد ہم مشرق بعید کی طر جائیں گے۔''

''سفر کا مقصد صرف سیاحت ہے۔''

''بالکل.....!''

ڈاک بنگلے کے قریب پہنچ کر حمید نے رفتار کم کردی۔ عقب نما آئینے میں پولیس آف کی گاڑی کے ہیڈ لیمپ نظر آ رہے تھے۔

پھر برآمدے کے سامنے اس نے گاڑی روک دی۔ ارما اور وہ دونوں نیچے اُتر۔ پولیس آفیسر کی گاڑی بھی پہنچ چکی تھی اور وہ انجن بند کر کے اُتر آیا۔

''وہم تھا آپ کا.....!'' پولیس آفیسر قریب آ کر بولا۔ ''کوئی اور گاڑی ہمارے نہیں آئی۔ اوہ یہاں برآمدے میں تو بڑا اندھیرا ہے۔ ٹھہریئے۔ میں ٹارچ لا رہا ہوں۔''

وہ پھر اپنی گاڑی کی طرف پلٹ آیا۔ واپسی پر اس نے ٹارچ کی روشنی برآمدے ڈالی اور وہ آگے بڑھے۔

ایک لیمپ برآمدے میں بھی رکھنا چاہئے تھا۔'' پولیس آفیسر ناخوشگوار لہجے میں بڑبڑایا۔

اور ارما آگے چل رہے تھے اور وہ عقب سے انہیں روشنی دکھا رہا تھا۔ جیسے ہی صدر دروازے میں قدم رکھا ارما اچھل کر پیچھے ہٹ گئی اور روشنی کا دائرہ فرش پر ہوئے ایک آدمی پر تھم گیا۔

ک بنگلے کا چوکیدار تھا۔

کل.....!'' ارما حلق پھاڑ کر چیخی اور حمید تیزی سے اس کمرے کی طرف جھپٹا جہاں ہوڑ گیا تھا۔

رہ خالی نظر آیا۔ دو کرسیاں الٹی پڑی تھیں۔ ایک جگہ تھوڑا سا خون نظر آیا۔

کل.....!'' حمید نے پھر ارما کی چیخ سنی۔

اڈاک بنگلہ چھان مارا گیا لیکن سلومی اور زوپن ڈیل کا کہیں پتہ نہ تھا۔

اپر غشی طا ہوگئی تھی۔ حمید پولیس آفیسر کو اس کے پاس چھوڑ کر ان دونوں کو تلاش ہا تھا۔ وہ پھر اس جگہ رکا جہاں چوکیدار فرش پر پڑا تھا۔ ٹارچ کی روشنی اس پر ڈالی ر پر چوٹ آئی تھی۔ جس سے خون بھی بہا تھا۔

ا دیکھی۔ اتنے میں پولیس آفیسر بھی ارما کو سہارا دیئے ہوئے وہیں آ پہنچا۔

میرے خیال میں آپ دونوں پولیس اسٹیشن چلئے۔'' اس نے حمید سے کہا۔ ''وہیں ے قیام کا انتظام کردیا جائے گا۔''

بے ہوش چوکیدار کو ان دونوں نے اٹھا کر مائیکرو بس میں ڈالا اور پولیس اسٹیشن کی وانہ ہوگئے۔

ارما نے چپ سادھ لی تھی۔ حمید نے بھی اُسے چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔

چوکیدار کو ہسپتال میں داخل کرانے کے بعد وہ پولیس اسٹیشن پہنچے تھے۔

حمید نے ٹیلی فون پر رام گڑھ پولیس اسٹیشن سے رابطہ قائم کیا اور اسی کے توسط سے سے فوری طور پر وائرلیس کے ذریعے گفتگو کی۔ رام گڑھ پولیس اسٹیشن کا آپریشن روم ریا ملکی مواصلاتی آلات سے لیس تھا۔

بد پرہیزی

ارما کا چہرہ دھواں ہو رہا ہے۔ اپنے بیان کے مطابق وہ دوراتوں سے بالکل نہ
فریدی دوسرے ہی دن گلبار پہنچا تھا۔ لیکن اس سے کسی قسم کی پوچھ گچھ نہیں
آج وہ اس سے اس سلسلے میں سوالات کرنے والا تھا۔

''میرے لئے یہی اطلاع حیرت انگیز تھی کہ تم ایک پولیس آفیسر ہو۔'' ا
مخاطب کر کے مردہ سی آواز میں کہا۔ ''اور اب تم اپنے کسی باس کا ذکر کر رہے ہو

''وہ مجھ سے زیادہ بے ضرر آدمی ہے۔ تم مطمئن رہو۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب کیا ہے۔''

''ہوسکتا ہے میرے باس کی سمجھ میں آجائے۔ البتہ ایک بات میری سمجھ میں

''کیا.....؟''

''کیا لارڈ زوپن ڈیل نے ان چاروں سے اپنا تعارف لارڈ زوپنڈیل کی
نہیں کرایا تھا۔''

''میں نہیں جانتی کہ ان کے معاملات کس نوعیت کے تھے۔ آخر اس سوال کا مطلب

''انہوں نے پہلے مجھے اپنا نام ڈلی بتایا تھا۔ لیکن میں یہ نہیں جانتا تھا کہ
مشہور ترین فٹ بالر کسی لارڈ خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔''

''اس میں میرا کیا قصور ہے؟'' وہ بے دلی سے مسکرائی۔

اتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی۔ حمید نے اٹھ کر دروازہ کھولا
ہوئے انداز میں پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ ''آیئے۔'' اور فریدی کمرے میں داخل ہوا۔
ارما غیر ارادی طور پر اٹھ گئی تھی۔ حمید نے اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے

''بیٹھو.....بیٹھو.....!'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

''یہ مس ارما زوپنڈیل.....اور یہ میرے چیف کرنل فریدی۔''

''ہاؤ ڈو یو ڈو.....؟''

''اُو کے.....تھینکس.....؟''

پھر فریدی حمید سے بولا۔ ''تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔''

''ابھی.....!''

''ہاں.....!''

''م.....میں.....سمجھا تھا.....شاید آپ اس سے پوچھ گچھ کریں گے۔''

''غلط سمجھے تھے۔'' فریدی کا لہجہ بے حد خشک تھا۔

''تو کیا اُسے یہیں چھوڑ جائیں۔''

فریدی اس کی بات کا جواب دیئے بغیر باہر نکل گیا اور حمید نے ارما کی طرف دیکھ کر
نانے سکوڑے۔

''کیا بات ہے؟'' ارما نے پوچھا۔ ''تمہارا چیف کیا کہہ رہا تھا۔''

''کچھ نہیں۔ وہ مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے۔''

''میں تنہا یہاں نہیں رہوں گی۔''

''یہ پولیس اسٹیشن کی عمارت ہے.....یہیں تم محفوظ رہ سکو گی۔''

''لیکن میں تنہا نہیں رہوں گی۔ تمہارے چیف نے تو مجھ سے بات تک نہیں کی۔ تم کہہ
ہے تھے کہ وہ مجھ سے پوچھ گچھ کرنے کے لئے آرہا ہے۔''

''مرضی کا مالک ہے۔''

''مجھے اس کے پاس لے چلو۔ میں اس سے کہوں گی کہ تنہا یہاں نہیں رہ سکتی۔''

''اچھی بات ہے۔ میں اسے بلائے لاتا ہوں۔'' حمید نے پیچھا چھڑانے کے لئے کہا
اور باہر نکل گیا۔

فریدی انچارج کے کمرے میں ملا تھا۔ وہ اسے بتا رہا تھا کہ داہنا ہاتھ بیکار ہو جائے تو
بائیں ہاتھ سے کس طرح نشانہ لینا چاہئے۔ حمید کو دیکھ کر انچارج سے بولا۔ ''اچھا اب ہم
جا رہے ہیں۔ لڑکی کا خیال رکھنا۔''

وہ انہیں رخصت کر کے پھاٹک تک آیا تھا۔

حمید نے جیپ میں رائفلیں اور شکار کے دوسرے لوازمات رکھے دیکھے۔

''بیٹھو.....!'' فریدی نے اُسے جیپ کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

''بیٹھ تو رہا ہوں۔'' حمید بھنا گیا۔

''تھپڑ مار دوں گا اگر مجھ پر آنکھیں نکالیں۔''

''وہ تنہا نہیں رہنا چاہتی۔''

''شٹ اپ.....!''

''جیپ حرکت میں آ گئی..... فریدی خود ہی ڈرائیو کر رہا تھا۔

''اچھی طرح یاد کر کے بتاؤ..... یہ لوگ تمہیں کن حالات میں ملے تھے۔'' اس تھوڑی دیر بعد حمید سے پوچھا۔

''مجھے ہوش نہیں۔''

''نشے میں تھے۔''

''دو آتشہ کا شکار تھا۔''

''تمہاری حالت واقعی قابل رحم ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''جو کچھ کہنا چاہتا ہوں پہلے بھی ہزار بار کہہ چکا ہوں۔''

''میں سمجھ گیا..... غالباً آپ یہی فرمائیں گے کہ لڑکیوں کے چکر میں پڑ کر نہ صرف آوارہ ہوا بلکہ اخلاقاً آپ کو بھی ہونا پڑا۔''

''کیا تمہیں ان کی طرف سے لفٹ ملی تھی۔'' فریدی نے نرم لہجے میں پوچھا۔

''جی نہیں.....! خواہ مخواہ شامت نے گھیرا تھا۔''

''سنجیدگی سے گفتگو کرو۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ لڑکیوں کی طرف سے کوئی حرکت ہوئی تھی جس کی بناء پر تم ان کی طرف متوجہ ہوئے۔''

''جی نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں۔ ورنہ اب تک میں خود بخود ہوش میں آ چکا ہوتا۔

فریدی نے پھر کچھ نہیں پوچھا۔ جیپ سڑک چھوڑ کر ایک ناہموار راستے پر ہو لی تھی۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

''گلمار آئیں اور پہاڑی دمبوں کا شکار نہ کریں۔ بڑی عجیب بات ہوگی۔'' فریدی

شیلڈ سے نظر ہٹائے بغیر کہا۔

''لیکن مجھے تو کوئی دلچسپی نہیں دمبوں کے شکار سے۔'' حمید جھنجھلا کر بولا۔

''دلچسپی لینے سے پیدا ہوتی ہے۔''

''کیا لینے سے۔''

''دلچسپی.....!'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

''میں نے اس سے کہا تھا کہ چیف سے پوچھ کر آتا ہوں۔''

''اور چیف تمہیں شکار پر لے جا رہا ہے۔''

حمید نے سوچا موضوع گفتگو بدل دینا چاہئے۔ ورنہ بوریت میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

''کیا خیال ہے آپ کا۔ آخر گھوڑے کیوں بھڑکے تھے؟'' اس نے پاؤچ میں تمباکو بھرتے ہوئے پوچھا۔

''اس کا جواب تو کوپر ہی دے سکے گا۔ جس کا گھوڑا سب سے پہلے بھڑکا تھا۔''

''اور اسے زمین نگل گئی۔''

''جی نہیں..... ہم اس وقت اسی کے پاس چل رہے ہیں۔ البتہ ان تینوں آدمیوں کا سراغ نہیں مل سکا۔ وہ ابھی تک رام گڑھ بھی نہیں پہنچے۔ ہوٹل میں ان کا سامان موجود ہے۔''

''تو آپ نے زوپن ڈیل کا سامان ضرور چیک کیا ہوگا۔''

''ہاں..... اس کے کاغذات بھی دیکھے ہیں۔ وہ بالکل درست ہیں۔''

''بردہانیوں نے اسے مار ڈالا ہوگا.....!'' حمید بڑبڑایا۔ ''بھلا ان کیلئے اس کا کیا مصرف۔''

فریدی خاموش تھا۔ حمید نے پائپ سلگایا اور جیپ کے جھٹکوں کے مزے لینے لگا۔ وہ ناہموار راستوں پر چل رہی تھی۔

''کوپر کہاں ہے؟'' اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

''خان دارا کی شکارگاہ میں۔''

''خان دارا.....؟'' حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ہاں خان دارا..... کوپر اُسے ایک گڑھے میں بے ہوش پڑا ملا تھا۔''

''کیا..... بہت زیادہ چوٹیں آئی ہیں۔''

''میں ابھی اس سے ملا نہیں ہوں۔ خان دارا نے پولیس اسٹیشن پر اسکی اطلاع بھجوائی تھی۔''

''کیا آپ خان دارا کو پہلے سے جانتے ہیں۔''

''دور ہی سے دیکھا ہے۔ کبھی مل بیٹھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔''

''کیا آپ کا بھی یہی خیال ہے کہ اس کے سلسلے میں مجھے وہم ہوا ہوگا۔''

''گلبار اسٹیشن کے انچارج کا یہی خیال ہے۔''

''اور اس نے میری غلط فہمی کا تذکرہ خان دارا سے ضرور کر دیا ہوگا۔''

''ہوسکتا ہے..... میرا خیال ہے کہ وہ اس کی ہمت نہ کر سکا ہوگا۔''

''کیوں.....؟''

''خان دارا کو اس علاقے کا بادشاہ ہی سمجھو..... بارسوخ اور جابر آدمی ہے۔''

''لیکن میں نے اسے ایک گھٹیا قسم کے بروبانی کے روپ میں دیکھا ہے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید پائپ کے کش لیتا رہا۔

موسم خوشگوار تھا۔ لیکن جیپ کے جھٹکے سارا مزہ کرکرا کئے دے رہے تھے۔ پا
راکھ جھاڑ کر حمید اونگھنے کی کوشش کرنے لگا۔

''پتہ نہیں کیوں..... وہ فریدی کی موجودگی میں خود کو بالکل گاؤدی اور ناکارہ
تھا۔ قدم قدم پر ہدایات کا محتاج..... خود سے کچھ کرنے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔''

ایک بار جھٹکا جو لگا تو فریدی پر آ پڑا۔

''اونہہ.....! وہ اسکے کان میں غرایا۔ سیدھے بیٹھو ورنہ گاڑی کسی کھڈ میں جا پڑے

حمید آنکھیں کھول کر احمقانہ انداز میں بڑبڑایا۔

''ایسی قسمت کہاں؟ قیامت تک دھکے کھاتے پھریں گے۔''

''عورتوں کی ہم نشینی نے آخر کار تمہیں اس حال کو پہنچایا۔''

''کس حال کو.....؟''

''اسی حال کو..... کہ تم سر پر ہاتھ رکھ کر قسمت کا گلہ کرو۔''

''عورتوں کی صحبت نے مجھے کولمبس بنا دیا ہے..... نئی نئی دنیائیں دریافت کر رہا ہ

''خوب..... ذرا اس عاجز کو بھی کسی نئی دنیا سے روشناس کرائیے۔''

خوابوں کی سرزمین..... نیچرل کلرز میں.....!''

اور جناب کو کیا فائدہ پہنچا ہے اس ڈسکوری سے۔''

فی البدیہہ جھوٹ بولنے لگا ہوں..... آج آپ سے جو جھوٹ بولا ہے اسے
یاد رکھوں گا اور چھ ماہ بعد اسی جھوٹ کو ایسے انداز میں دہراؤں گا جیسے میں نے پہلے
کا ذکر آپ سے نہ کیا ہو..... آپ غور کریں گے تو تفصیلات میں سرمو فرق نہ پائیں
رتی بات ہے کہ میرا وہ جھوٹ سچائی کی سند پا جائے گا۔ آپ سوچیں گے کہ جھوٹ
دروغ گو کا حافظہ کسی نہ کسی مرحلے پر ضرور دھوکا دیتا۔''

بکواس بند کرو۔''

کاش آپ اس لذت سے آشنا ہوتے۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

لذت.....؟''

جی ہاں..... وہ جھوٹ بولتی ہیں اور میں ان کے جھوٹ پر اتنا مستحکم پلاسٹر کرتا جاتا
کہ وہ خود بھی کبھی اُسے ثابت کرنے بیٹھیں تو دانتوں پسینہ آ جائے۔''

میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس میں کس قسم کی لذت محسوس کی جاسکتی ہے۔''

کنارے سے کبھی اندازہ طوفان نہیں ہوتا..... اب میں آپ کو کیا بتاؤں۔''

سمجھانے کی کوشش کرو..... شاید سمجھ ہی جاؤں۔''

بدنے حیرت سے اُسے دیکھا..... حیرت کی بات تھی..... فریدی اس کی بے سروپا
اس حد تک دلچسپی نہیں لیتا تھا۔

خاموش کیوں ہو گئے.....؟'' فریدی نے اُسے ٹوکا۔

میں سوچ رہا ہوں کہ.....!''

خیر.....!'' وہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ''ارما کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔''

اگر کسی لارڈ کی بھتیجی نہ ہوتی تو اچھی خاصی تھی۔''

لارڈ کی بھتیجی ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔''

دراصل لارڈ کی ڈال مجھے پسند نہیں ہے۔''

خوب.....!'' تو اب تم الفاظ کی دنیا میں بھی انقلاب لانے کی کوشش کرو گے۔

''یقیناً..... اسے لارف یا لارچ ہونا چاہئے..... لارڈ کی ڈال کر یہہ الصور

''بہت اچھے.....! چلو اسے لارف یا لارچ ہی کی بھتیجی سمجھ کر مجھے اس کے

کچھ اور بھی بتاؤ۔''

''آخر آپ اس کے بارے میں کیا جاننا چاہتے ہیں۔''

''مسکرا کر گفتگو کرتی ہے یا غراتی ہے۔''

''پتہ ہی نہیں چلتا کہ مسکرا رہی ہے یا گفتگو کر رہی ہے۔'' حمید نے کہا اور پھر چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

''آنکھیں یقیناً دل کش ہوں گی؟'' فریدی نے اس کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

''میں سوچ رہا ہوں کہ کہیں آپ کوئی بدپرہیزی تو نہیں کر بیٹھے۔'' حمید بولا۔

''کیسی بدپرہیزی۔''

''اتنی دیر سے ناشائستہ گفتگو کئے جا رہے ہیں۔''

''ناشائستہ گفتگو..... کیا مطلب.....؟''

''کسی عورت کا ذکر.....!''

''میاں ہم بھی دل رکھتے ہیں..... اور دل میں سوز و ساز عشق.....!''

''کیا میں اپنے بازو میں زوردار چٹکی لے کر خود کو ہوش میں ہونے کا یقین

''نہیں اب اس لڑکی کے بارے میں بتاؤ جو زوپن ڈیل کے ساتھ غائب

تھا اس کا.....؟''

''سلومی.....!''

''وہ کیسی تھی.....؟''

''ارما سے بھی زیادہ خوبصورت.....!''

''سراپا بیان کرو۔''

''سراپا.....؟ سراپا تو بین الاقوامی تھا۔ قد جاپانیوں جیسا..... آنکھیں تا

یونانی..... دہانہ مصری..... دانت داروڑوں جیسے غرضیکہ مجھ جیسے خبیث کے لئے بالکل

''کیا دنیا میں کوئی عورت کی ایسی قسم بھی پائی جاتی ہے جو تمہارے لئے

''یہ نہ پوچھئے تو بہتر ہے۔''

''کیوں.....؟''

''میرے جواب سے آپ کے مذہبی جذبات مجروح ہوں گے۔''

''خیر..... خیر.....!'' فریدی نے کہا اور جیپ رک گئی۔ اس نے انجن بھی بند کر دیا اور حمید کو خونخوار نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔ ''اب اگر عورت کا نام بھی زبان پر آیا تو کھال اتار دوں گا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''جیپ کا سفر ختم ہو گیا..... اب پیدل چلنا ہے۔''

''کیا پیدل چلتے وقت عورت کے ذکر سے معدہ خراب ہو جاتا ہے۔!'' حمید نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

''جی نہیں..... پیدل چلتے وقت آپ جاگتے رہیں گے۔ اس لئے عورت کا ذکر ہی فضول ہے..... جیپ میں جھوم جھوم کر مجھ پر گر رہے تھے..... اسٹیئرنگ پر ذرا سا بھی ہاتھ چوکتا تو کسی کھڈ ہی میں نظر آتے۔''

''تو مجھے جگائے ہوئے رکھنے کے لئے جناب نے یہ بدپرہیزی فرمائی تھی۔''

''اس ذکر کے علاوہ اور کوئی موضوع تمہیں اونگھنے سے نہ روک سکتا۔''

حمید تاؤ کھاتا ہوا جیپ سے اُتر گیا۔

پھر انہوں نے کاندھوں سے رائفلیں لٹکائیں۔ کارتوس کی پیٹیاں اور شکاری تھیلے سنبھالے۔

فریدی نے بائیں جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''ادھر چلنا ہے۔''

چٹانوں کے درمیان ایک تنگ سی چڑھائی تھی۔ وہ دونوں چل پڑے۔

آسمان میں بادلوں کے ٹکڑے روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھر رہے تھے اور فضا میں خودرو پھولوں کی خوشبو رسی بسی تھی۔ فریدی نے ایک جگہ رک کر سگار سلگایا اور حمید نے اس سے پوچھا۔

''ان تھیلوں میں کھانے پینے کا بھی کچھ سامان ہے یا نہیں۔''

''بہت کچھ ہے..... تمہیں کیا چاہئے..... چلتے رہو۔''

''میں کافی پینا چاہتا ہوں لیکن اس سلسلے میں چلتے رہنے کی شرط آپ کو ہٹانی پڑے گی۔''

''تمہارے تھیلے میں بھی کافی کا تھرموس موجود ہے۔''

کچھ دور چلنے کے بعد انہیں پھر نشیب میں اترنا پڑا اور وہیں ایک جگہ رک کر حمید نے کافی پی اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

نیچے ایک سرسبز وادی حدنظر تک پھیلی ہوئی تھی۔

''کیا یہی اس کی شکارگاہ ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''ہاں یہی ہے..... اور اس کی اجازت کے بغیر یہاں کوئی شکار نہیں کھیل سکتا۔''

''پھر آپ کیونکر کھیلیں گے۔''

''اس کی اجازت سے۔''

''ضروری نہیں کہ وہ اجازت دے ہی دے۔''

''کان نہ چاٹو..... اٹھو اور چل پڑو۔''

ڈھلان سے اُتر کر وہ کسی قدر مسطح زمین پر پہنچے۔

''اب کدھر جائیں۔'' حمید بڑبڑایا۔ کیونکہ چاروں طرف اونچی اونچی جھاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ کہیں کہیں ان کی بلندی نگاہوں کی راہ میں بھی حائل ہوتی تھی۔

''یہیں کہیں..... ایک چھوٹی سی عمارت ہے۔'' فریدی بولا۔

''کیا آپ پہلے بھی کبھی ادھر آ چکے ہیں۔''

''صرف ایک بار.....!''

رائفل کے کندوں سے جھاڑیاں ہٹا ہٹا کر وہ آگے بڑھتے رہے۔

دفعتاً ایک جگہ ایک آدمی رائفل تانے ہوئے سامنے آ کھڑا ہوا۔ بائیں جانب والی جھاڑیوں ہی سے برآمد ہوا تھا۔

''تم کون ہو.....؟'' اس نے خونخوار لہجے میں سوال کیا۔

''یہی تم سے بھی پوچھا جا سکتا ہے۔'' فریدی بولا۔

''میں شکارگاہ کا محافظ ہوں۔''

''یہ شکارگاہ کس کی ہے؟''

''خان دارا کی..... اور بغیر اجازت جہاں داخلہ ممنوع ہے۔''

''خان دارا کہاں ہے۔''

''میں نہیں جانتا۔''

''ہمیں اس زخمی سے ملنا ہے جو پچھلے دنوں یہاں لایا گیا تھا۔''

''وہ اس وقت بنگلے میں موجود نہیں ہے۔''

''کہاں مل سکے گا.....؟''

''پتہ نہیں..... کہیں گھوم پھر رہا ہوگا۔''

''اس سے ملنا بے حد ضروری ہے..... خان دارا نے اس کے بارے میں گلبار تھانے کو اطلاع دی..... ہم وہیں سے آئے ہیں۔''

''اپنی رائفلیں یہیں رکھ دو..... اور میرے ساتھ چلو۔''

''کیوں.....؟'' حمید بھنا کر بولا۔ ''ہم سرکاری آدمی ہیں۔''

''یہ خان دارا کی سرکار ہے..... یہاں کوئی دوسرا قانون نہیں چلتا۔''

''تم مطمئن رہو..... ہم تمہارے علاقے میں شکار نہیں کھیلیں گے۔''

''یہ خان دارا کا حکم ہے کہ وہ لوگ جو ان کے مہمان نہ ہوں ان کی رائفلیں رکھوالی جائیں۔''

''نہ مجھے یہاں شکار سے دلچسپی ہے اور نہ خان دارا کے ذاتی قوانین سے۔ میں تو اس کے متعلق چھان بین کرنے آیا ہوں۔ کیا وہ تمہارے ہی علاقے میں ملا تھا۔''

''نہیں.....!''

''جہاں ملا تھا وہ جگہ یہاں سے کتنی دور ہے۔''

''زیادہ دور نہیں ہے۔'' وہ شمال کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''ان چٹانوں کے اُدھر۔''

''کیا تم نے وہ جگہ دیکھی ہے؟''

''میں ہی تو اسے اٹھا کر یہاں لایا تھا۔''

''کیا اپنے علاقے سے گزر کر ادھر جانے کی اجازت دو گے۔''

''ہمارے علاقے سے گزرو گے تو رائفلیں یہیں رکھ دینی پڑیں گی۔''

''اچھی بات ہے۔'' فریدی نے طویل سانس لی اور حمید کو اس کا یہ انداز کھل گیا لیکن خاموشی کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا۔

قد آدم جھاڑیوں کے درمیان ایک جھونپڑے میں پہنچ کر انہوں نے اپنی رائفلیں
کے حوالے کردیں۔ وہاں ایک اور آدمی پہلے سے موجود تھا۔

''کوئی اور ہتھیار.....؟'' اس نے سوال کیا۔

''سروس ریوالور.....!'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''وہ بھی نکالو.....!''

''یقیناً تم لوگ صحیح الدماغ معلوم نہیں ہوتے۔'' فریدی نے کسی قدر ناخوشگوار لہجے میں

''کیا بات ہے.....!'' اس نے بھی آنکھیں نکالیں۔

''سروس ریوالور کسی دوسرے ملک کی سرحد ہی پر ہم سے لئے جاسکتے ہیں۔''

''خان کے علاقے میں کوئی مسلح آدمی داخل نہیں ہوسکتا۔''

''خان ملکی قوانین سے بالاتر نہیں ہیں۔''

''یہ گلبار تھانے سے آئے ہیں۔'' محافظ نے دوسرے آدمی سے کہا۔

''کہیں سے بھی آئے ہوں۔'' اس نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

''ریوالور سے یہ شکار نہیں کھیل سکیں گے۔'' محافظ بولا۔

''کوئی مسلح آدمی خان کے علاقے میں داخل نہیں ہوسکتا۔'' وہ ایک ایک لفظ
دے کر بولا۔

''ہمیں اس زخمی کو اپنے ساتھ واپس لے جانا ہے.....اسے یہیں بلالاؤ۔'' فریدی نے

''وہ خان کا مہمان ہے۔ ہم اس کی جرأت نہ کرسکیں گے۔'' محافظ بولا۔

بات بڑھتی رہی اور بالآخر اس بات پر ختم ہوگئی کہ وہ خان کے علاقے سے گزر
جگہ تک نہ جائیں گے جہاں زخمی پایا گیا تھا۔ محافظ انہیں الگ لے جاکر آہستہ سے

''خان اگر موجود ہوتے تو بات اس حد تک نہ بڑھتی۔ سرکاری آدمی بہرحال سرکاری آدمی
خان بھی اس کا خیال رکھتے ہیں۔ میں آپ لوگوں کو دوسری طرف سے اس جگہ لے چلوں گا

انہوں نے اپنی رائفلیں واپس لیں اور پھر ادھر ہی چل پڑے جدھر سے آئے
محافظ ان کے ساتھ تھا۔

''وہ خان کا منہ لگا شکاری ہے کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔ زیادہ تر لوگ اسے ناپسند

!'' اس نے فریدی اور حمید سے کہا۔

جیپ کے قریب پہنچ کر اس نے خوشی ظاہر کی۔

''اب میں بڑی آسانی سے آپ کی رہنمائی کرسکوں گا۔'' اس نے کہا۔ ''گاڑی وہاں
جاسکے گی۔''

اس بار محافظ فریدی کے برابر بیٹھا اور حمید پچھلی سیٹ پر چلا گیا۔ محافظ کے کہنے کے
فریدی نے جیپ دوسری طرف موڑ دی۔

راستہ خراب تھا.....حمید سوچ رہا تھا کہیں کوئی ٹائر فلیٹ نہ ہوجائے۔

تقریباً ایک ڈیڑھ میل چلنے کے بعد محافظ نے ایک جگہ گاڑی روکنے کو کہا۔

''میں نیچے نہیں اُتروں گا۔'' محافظ نے کہا۔ ''آپ کو وہ جگہ اوپر ہی سے دکھادوں گا۔''

وہ بائیں جانب والی ایک چٹان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

پھر وہ جیپ سے اُتر آئے اور اس چٹان پر چڑھنے لگے.....اوپر پہنچ کر حمید نے چاروں
نظر دوڑائیں..... بائیں جانب کافی نشیب میں وہ سڑک دکھائی دی جس پر انہوں نے
دوڑائے تھے۔

''وہ دیکھئے۔'' محافظ بولا۔ ''سڑک کے نیچے.....جہاں وہ دوشاخہ درخت ہے۔ اسی کھڈ
خان کو پڑا ملا تھا۔ میں اس وقت خان کے ہمراہ تھا۔''

حمید نے تھیلے سے دوربین نکالی اور بتائی ہوئی جگہ پر فوکس ایڈجسٹ کرنے لگا۔ دو
درخت کے آس پاس بے شمار چھوٹے چھوٹے غار نظر آرہے تھے۔

اور اس نے وہاں کوئی متحرک چیز دیکھی.....اوہ.....وہ تو کوئی آدمی تھا..... چوپایوں کی
گھٹنوں اور ہاتھوں کے بل چلتا پھرتا دکھائی دے رہا تھا۔

حمید نے دوربین فریدی کی طرف بڑھادی۔

''میرا خیال ہے کہ اب ہمیں نیچے اترنا چاہئے۔'' فریدی بولا اور حمید ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔

پھر انہوں نے رائفلیں کاندھوں سے اُتار کر ہاتھوں میں لیں اور ایسے انداز میں نیچے
لگے جیسے شکار کی تلاش میں ہوں۔

''ادھر خرگوش ملتے ہیں۔'' فریدی بولا۔ ''اگر کوئی مل جائے تو فائر کرنا۔ شائد رات انہیں

اطراف میں گزرے۔''

''وہ کس خوشی میں جناب۔''

''میں خان دارا کی شکارگاہ والی عمارتیں دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''مرے بے موت.....!'' حمید کراہا۔

''ہوسکتا ہے وہاں تمہیں کوئی اچھی شکل نظر آ جائے۔ خان دارا رنگین مزاج آدمی

''پتہ نہیں کیوں اس کا نام سن کر مجھے تاؤ آ جاتا ہے۔''

''قدرتی بات ہے۔ کیونکہ تم جیسے بااختیار آدمی کی رائفل بھی اس کے ملازمو رکھوالی تھی۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

وہ نیچے اترتے رہے تھے اور پھر یک بیک وہ آدمی سیدھا کھڑا ہوگیا۔

''ارے.....!'' حمید بوکھلا کر بولا۔ ''یہ تو..... یہ تو کوپر ہے..... وہی آدمی۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ کوپر سڑک کی جانب والی چڑھائی پر چڑھتا ہوا نظر آیا۔

''وہ جا رہا ہے۔'' فریدی بڑبڑایا۔ ''سڑک پار کر کے دوسری طرف اترے گا اور دارا کے علاقے میں داخل ہو جائے گا۔''

''للکاروں اُسے۔'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں..... جانے دو..... میرا خیال ہے کہ وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ کوپر سڑک پار کر کے دوسری طرف کی ڈھلان میں اتر گیا اور وہ اس جگہ جا پہنچے وہ کچھ تلاش کرتا رہا تھا۔

فریدی ایک پتھر کے قریب رکا..... اس نے حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پتھر والی پتلی سی دراڑ کی طرف اشارہ کیا۔

''وہ اس دراڑ میں ہاتھ ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا۔''

حمید نے بھی کوشش کر ڈالی لیکن کلائی سے آگے ہاتھ نہ لے جا سکا۔

''ہوسکتا ہے وہ پھر واپس آئے۔'' فریدی نے اپنے تھیلے سے ٹارچ نکالتے ہوئے کہا اس نے اس دراڑ میں ٹارچ کی روشنی ڈالی اور کچھ دیر تک اس کے اندر دیکھتا رہا سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ ''اگر ہم اس پتھر کو یہاں سے ہٹا سکیں تو شائد.....!''

''آخر ہے کیا اس کے اندر.....!''

''کوئی ایسی چیز جسے آگ ضائع کر سکے۔''

''یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں آپ.....!''

''اندر ماچس کی جلی ہوئی تیلیاں بھی موجود ہیں لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اس چیز کو دیکھنے کے لئے جلائی گئی ہوں۔''

''دوسرا ہی نظریہ قابل قبول معلوم ہوتا ہے۔''

''دونوں کے امکانات ہیں۔ اچھی بات ہے۔ تم اوپر جا کر دیکھتے رہو کہ وہ کب پلٹتا ہے۔ میں اس پتھر کو کسی قدر کھسکانے کی کوشش کرتا ہوں۔''

حمید نے طویل سانس لی اور اس حکم کی تعمیل میں لگ گیا۔ اوپر سڑک سنسان پڑی تھی۔ دوسری طرف کی ڈھلان میں اترتے وقت حمید کو ایک جگہ نظر آ گئی جہاں بیٹھ کر ان اطراف کی نگرانی کر سکتا تھا اور دیکھ لئے جانے کا خدشہ بھی نہ رہتا۔

بیس پچیس منٹ گزر گئے۔ لیکن وہ واپس نہ آیا۔ پھر اس نے فریدی کی آواز سنی..... وہ نام لے کر اسے پکار رہا تھا۔ حمید اٹھ کر سڑک کی طرف بڑھا۔

''آؤ چلیں.....!'' فریدی بولا۔ وہ سڑک پر کھڑا چاروں طرف نظر دوڑا رہا تھا۔

''کیا رہا.....؟'' حمید نے قریب پہنچ کر پوچھا۔

''آؤ میں تمہیں دکھاؤں۔'' فریدی نے کہا اور نشیب میں اترنے لگا۔

پھر وہ اسی جگہ پہنچے جہاں کچھ دیر پہلے کوپر کو دیکھا تھا۔

''اوہ.....!'' حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ بڑا پتھر اپنی جگہ سے ہٹا ہوا نظر آیا۔ جسے شاید چار آدمی مل کر بھی جنبش نہ دے سکتے۔

''اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کیا دیکھ رہے ہو۔'' فریدی مسکرایا۔

''کچھ نہیں۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

''پتھر کچھ ایسا وزنی نہیں ہے۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

''کبھی ہاتھی پر بھی بیٹھے ہیں آپ۔''

''کیوں نہیں؟''

''اٹھ کر دو چار قدم چل بھی سکا تھا یا نہیں۔''

''ختم کرو..... آؤ کچھ شکار کرنے کی کوشش کریں ورنہ رات کیونکر گزرے گی۔''

''کیا سچ مچ یہیں قیام فرمایئے گا؟'' حمید نے بوکھلا کر پوچھا۔

''یہ تو کرنا ہی پڑے گا۔ میں شکار گاہ والی عمارتوں کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔''

''آپ نے مجھے باتوں میں الجھا لیا..... یہ بتایئے پتھر کے نیچے کیا تھا۔''

فریدی نے تھیلے سے پلاسٹک کا ایک جھنجھنا نکالا اور حمید کو تھما دیا۔ اس کا ہینڈل غیر معمولی طور پر بڑا تھا۔

قریباً ایک فٹ لمبا رہا ہوگا۔

''کیا مطلب.....؟''

''جی یہ اس پتھر کے نیچے سے برآمد ہوا تھا۔''

''نہیں.....!'' حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

''پھر میرے تھیلے میں اس کا کیا کام..... تم شیر خوار تو نہیں ہو کہ تمہیں بہلانے کے لئے جھنجھنا بھی ساتھ لیے پھروں۔''

''میں یقین نہیں کر سکتا.....!'' حمید جھنجھنے کو گھورتا ہوا بولا۔

اس کے گولے کا قطر دو ڈھائی انچ سے زیادہ نہ رہا ہوگا اور یہ ایک جالی سے بنایا گیا تھا..... ایک گھونگرو بھی تھا اس کے اندر۔

حمید اسے بجا بجا کر بچوں کی طرح قلقاریاں مارنے لگا۔ پھر جھلائے ہوئے انداز میں اپنے پیشے کو دو چار گالیاں بھی دے ڈالیں اور جھنجھنا فریدی کو واپس کرتا ہوا بولا۔ ''کیوں نہ اب ہم ٹی وی پر پیش ہو کر بچوں کے کام آئیں۔ اس طرح ٹی وی والوں کو پیروڈی اور بھانڈ پن کا فرق بھی سمجھا سکیں گے۔''

''بکواس بند کر کے شکار کی فکر کرو۔'' فریدی اس سے جھنجھنا لے کر تھیلے میں ڈالتا ہوا بولا۔

''آخر وہ اس جھنجھنے کے لئے اتنی دیر تک کیوں پریشان ہوتا رہا تھا۔''

''چلتے رہو.....!'' فریدی نے اس کے سوال کو جواب دینے کے بجائے کہا۔

کچھ دیر بعد وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں جیپ کھڑی تھی۔

''اب کہاں.....؟'' حمید نے پوچھا۔

''شکار.....!'' فریدی نے کہا اور انجن اسٹارٹ کر دیا۔

جیپ ایک بار پھر ناہموار راستوں پر دوڑنے لگی۔

فریدی رام گڑھ اور اس کے اطراف کے چپے چپے سے واقف تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد نے جیپ ایسی جگہ پہنچا دی جہاں جیپ تو کیا بڑے بڑے ٹرک چھپائے جا سکتے تھے۔

''یہاں سے ہم اس کی شکار گاہ میں بہ آسانی داخل ہو سکیں گے۔'' فریدی بولا۔

''یہ کتنی افسوس ناک بات ہے۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

''کیا مطلب.....؟''

''اس کے ایک معمولی سے چوکیدار نے ہم تیس مار خانوں کو شکار گاہ میں نہیں گھسنے دیا۔''

''اس میں افسوس کی کیا بات ہے فرزند۔''

''افسوس ہی کا نہیں ڈوب مرنے کا مقام ہے۔''

''فضول بکواس نہ کرو۔ محافظوں نے اپنا حق ادا کیا ہے۔''

''خیر آپ کہتے ہیں تو تسلیم کئے لیتا ہوں۔''

''آؤ چلیں۔''

''اب کہاں چلیں؟''

''کچھ شکار وکار بھی ہو جائے۔''

''پیدل.....!''

''جی نہیں..... جیٹ طیارے منگوائے جائیں گے جناب کے لئے۔''

''رات میں قیام کا ارادہ تھا تو کھانے پینے کا سامان بھی لائے ہوتے۔ اب شکار کرتے ہیں اس کے لئے۔'' حمید بھنا کر بولا۔

''چلو.....!'' فریدی نے اسے دھکا دیا۔

چٹانوں میں چکراتے ہوئے وہ دونوں ایک بار پھر سڑک پر آ نکلے۔

''یہاں کہاں ملے گا..... شکار.....!'' حمید نے کہا۔

''میں جانتا ہوں کہ خرگوش کدھر ملیں گے۔ چلو بائیں جانب اتر چلو۔''

سڑک سے اُتر کر وہ ایک تنگ سی دراڑ میں چلتے رہے۔ شکاری تھیلے اور رائفلیں کے کاندھوں پر لٹک رہی تھیں۔

''اگر اب کے جی بچا تو عہد کرتا ہوں کہ!'' حمید جملہ ادھورا چھوڑ کر سر کھجانے لگا

''کس بات کا عہد کرتے ہو۔''

''کسی ایسی لڑکی کے قریب بھی نہ بھٹکوں گا جس سے جان پہچان نہ ہو۔''

''میں سمجھا تھا شائد ان حرکتوں سے توبہ ہی کر لینے کا عہد کر رہے ہو۔''

''پھر زندگی میں ہی باقی کیا رہے گا۔ ویسے ایک بات ہے اگر یہ یقین ہو کہ کل مر گا تو آج توبہ کرنے کیلئے تیار ہوں۔ لائیے ذرا وہ جھنجھنا نکالئے۔ کسی طور جی تو بہلے۔ چاہے جھنجھنے میں ہوں چاہے رقاصہ کی پائل میں..... میرے لئے بڑی کشش رکھتا ہے۔''

اپنی بات کا جواب نہ پا کر حمید نے فریدی کو غور سے دیکھا۔ وہ کسی گہری سوچ میں تھا۔ دفعتاً اس تنگ سے درے کا اختتام ایسی جگہ ہوا جہاں سے پھر چڑھائی شروع ہو گئی

''اب مجھ میں ورزش کی تاب نہیں رہی۔'' حمید چلتے چلتے رک کر بولا۔ ''کیا آسمان پر ملیں گے۔''

''گھبراؤ نہیں..... مجھے صرف اپنی یادداشت تازہ کرنی ہے۔''

''سطح سمندر سے کتنی بلندی پر تازہ ہوتی ہے؟'' حمید نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

فریدی بائیں جانب مڑ گیا اور وہ اس کے پیچھے چلتا رہا۔

داہنی جانب نا قابل عبور چٹانوں کے سلسلے تھے۔

''کیا تم سمجھتے تھے کہ تمہیں ان پر چڑھنا پڑے گا۔'' فریدی نے داہنی جانب ہاتھ اٹھا کر

''آپ جیسے حاکم سے ہر طرح کے حکم کا خدشہ رہنا قدرتی بات ہے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ پھر ایک جانب رکتے ہوئے اس نے دائیں جانب والے کے سلسلے کو بغور دیکھنا شروع کیا۔

''کیا تازہ ہو گئی یادداشت.....!'' حمید بولا۔

فریدی کچھ کہے بغیر پھر چل پڑا۔ حمید دائیں جانب والی چٹانوں کو حیرت سے تھا۔ یہ دیوار کی طرح سیدھی کھڑی تھیں۔

''کیا شکارگاہ ان چٹانوں کے پیچھے ہے۔'' اس نے فریدی سے پوچھا۔

''ہاں..... اور مجھے اس کے راستے کی تلاش ہے۔''

''لیکن ان چٹانوں کی بناوٹ بتاتی ہے کہ میلوں تک ایسا ہی ناقابل عبور سلسلہ پھیلا ہوا ہوگا۔''

''تمہارا یہ خیال بھی درست ہے..... انہیں اطراف میں ایک جگہ ایسا درہ بھی موجود ہے جس سے گزر کر ہم شکاہ گاہ میں پہنچ سکیں گے۔''

''اللہ مالک ہے.....!'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

دفعتاً فریدی چلتے چلتے رک گیا۔

''کچھ دیکھ رہے ہو.....!'' وہ دائیں جانب اشارہ کر کے بولا۔

''خرگوشوں کی فوج۔''

''ہشت..... وہ ادھر دیکھو۔''

''سرمہ سلیمانی لگا رکھا ہوگا آپ نے..... مجھے تو کچھ بھی نظر نہیں آتا۔''

''درہ اسی جگہ تھا۔''

''تو پھر کہاں چلا گیا؟''

''ذرا قریب سے دیکھو۔''

حمید اس کے قریب جا کھڑا ہوا اور ادھر دیکھنے لگا جدھر فریدی دیکھ رہا تھا۔

''یقیناً یہ انسانی ہی کارنامہ تھا۔ راستہ بند کر دیا گیا تھا اور یہ اٹھائی ہوئی دیوار دور سے ان چٹانوں ہی کا حصہ معلوم ہوتی تھی۔''

بڑے بڑے پتھر تلے اوپر رکھ کر جوڑائی کی گئی تھی اور درہ بند ہو گیا تھا۔

''یہ راستہ ایسا تھا کہ اسے اس طرف ہر وقت چوکیدار رکھنے پڑتے تھے۔ کیونکہ دور سے اس حصے کی نگرانی نہیں کی جا سکتی۔ اسی لئے اس نے یہ راستہ بند کر دیا۔''

''پھر اب کیا صورت ہوگی۔''

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر اس دیوار کی طرف بڑھا اور تھیلے سے کوئی چیز نکال کر حمید کی طرف مڑا۔

حمید نے اس کے ہاتھ میں کتھئی رنگ کی ایک چوڑے منہ والی شیشی دیکھی۔

''کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو..... یہاں آؤ۔'' دفعتاً فریدی بولا۔

''حاضر جناب۔'' کہتا ہوا حمید اس کی طرف بڑھا اور فریدی وہ شیشی اس کے حوا کرتا ہوا بولا۔ ''یہ پینٹ کسی چیز سے دیوار پر لگا دو..... ہاتھ نہ بھرنا۔ میرے خیال سے چھ انچ کافی ہوگا۔''

حمید نے شیشی کا پیچ دار ڈھکن کھولا۔ اس میں زرد رنگ کا پینٹ نظر آ رہا تھا۔

اس نے جیب سے قلم نکال کر شیشی میں ڈالا اور اسی سے وہ گاڑھا پینٹ نکال نکال دیوار پر لگانے لگا۔ جب اپنی دانست میں چھ مربع انچ میں پینٹ لگا چکا تو بیٹھ کر جوتے کا فی کھولنا شروع کر دیا۔

''اب کیا کر رہے ہو۔'' پشت سے فریدی کی آواز آئی۔

''ذرا اس کو ناپ کر بھی تو دیکھ لوں کہ چھ مربع انچ ہی میں ہے یا اس سے کمی بیشی میں۔''

پھر اس نے جوتا اُتار کر پینٹ کی ہوئی جگہ پر رکھ دیا اور احمقوں کی طرح منہ کھو فریدی کی طرف دیکھتا رہا۔

''اس حرکت پر ہنسنے کے لئے آس پاس کوئی لڑکی موجود نہیں۔'' فریدی نے خشک لہ میں کہا۔

''آپ تھوڑا سا مسکرا ہی دیجئے..... ویسے میں احمق نہیں ہوں..... یہ دیکھئے۔''

وہ آگے بڑھ کر اسے جوتے کا تلا دکھانے لگا۔ جس میں اتنی ہی جگہ پر پینٹ لگ گیا جتنی جگہ اس نے دیوار پر گھیری تھی۔

''کیا حماقت ہے؟''

''حماقت نہیں عقل مندی۔!'' حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ ''میرا انداز فکر آپ سے مختلف ہے۔ یہاں میرے پاس اسکیل تو موجود نہیں ہے کہ اطمینان کر سکوں گھر پہنچ کر اس تلے والے نشان کو ناپ لوں گا۔''

''وقت نہ ضائع کرو۔'' فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

''مردوں کی صحبت میں عموماً صحت ضائع ہو جاتی ہے۔'' حمید نے اس سے بھی زیادہ منہ بنا کر کہا۔

''کیا مطلب.....؟'' فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

''اگر آپ لڑکی ہوتے تو میری اس حرکت پر ہنس پڑتے اور میرے جسم میں چھٹانک بھر چھٹانک خون کا اضافہ ہو جاتا۔''

''کیا اب پھر گردن میں ہاتھ دینا پڑے گا۔''

''شیشی سنبھالئے!'' حمید اس کی طرف شیشی بڑھاتا ہوا بولا۔ ''اب میں پیدل نہیں چل سکوں گا۔'' اور پھر وہ وہیں دھرنا دے کر بیٹھ گیا۔

''کیا بیہودگی ہے؟''

''میں تو اب ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔ خرگوشوں کو یہیں بلا لائیے۔ کھال اتروا کر آئیں تو اور زیادہ گرمجوشی سے استقبال کروں گا۔''

''حمید.....!''

''جناب.....!'' وہ اٹھتا ہوا بولا۔

''چلو..... ورنہ یہیں چھوڑ جاؤں گا۔''

''وہیں چھوڑ آئے ہوتے تو کیا بگڑتا آپ کا۔''

وہ اٹھ کر اس کے ساتھ چلنے لگا تھا۔ سڑک پر پہنچ کر اس نے پھر ایک کنارے بیٹھ جانے کی کوشش کی اور جیسے ہی فریدی اس کی طرف مڑا تو وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''مجھ میں اتنی بھی سکت نہیں کہ آپ سے اس دیوار پر پینٹ کئے جانے کی وجہ پوچھ سکوں..... مجھ پر رحم کیجئے۔''

فریدی نے جیب سے سگار نکالا اور اس کا گوشہ توڑنے لگا۔

بائیں جانب سے دہقانوں کا ایک قافلہ آ رہا تھا۔ وہ سب پیدل چل رہے تھے اور ان کا سامان ٹٹوؤں اور گھوڑوں پر لدا ہوا تھا۔

وہ دونوں ایک کنارے ہو گئے..... پھر فریدی سگار سلگانے ہی والا تھا کہ اچانک اس قافلے میں عجیب سی ابتری پھیل گئی۔

''ہٹو یہاں سے۔'' فریدی نے حمید کو نشیب کی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ اس نے سگار جیب میں ڈال لیا تھا۔

حمید کی سمجھ ہی میں نہ آسکا کہ معاملہ کیا ہے لیکن اگر فریدی اسے ایک طرف دھکیل نہ دیتا تو وہ پس کر رہ جاتا۔ کیونکہ وہ سارے گھوڑے اور ٹٹو بھڑک کر گویا انہیں دونوں پر چڑھ دوڑے تھے۔

حمید لڑھکتا ہوا ایک بڑے پتھر سے جا ٹکرایا اور ایک طرف دبک کر اندازہ کرنے لگا کہ کہاں کہاں چوٹیں آئی ہیں۔ سب سے پہلے سر ٹٹولا تھا لیکن دکھنے والی جگہ پر خون کی نمی محسوس نہ کرسکا۔ تکلیف سر ہی میں زیادہ تھی۔ لیکن فوری طور پر ذہن کے ہنگامے کی طرف متوجہ ہوجانے کی بناء پر وہ اسے بھول ہی گیا۔

فریدی ایک پتھر سے دوسرے پر چھلانگیں لگاتا ہوا نشیب میں دوڑا جارہا تھا اور کئی گھوڑے اس کے پیچھے تھے۔ تین گھوڑے ٹھوکر کھا کر گرے بھی تھے اور دوبارہ اٹھ جانے کے لئے ٹانگیں چلا رہے تھے۔

پھر اس نے دیکھا کہ فریدی ایک چٹان پر چڑھنے کی کوشش کررہا ہے۔ تھیلے سے دوربین نکال کر وہ اس کا فوکس ایڈجسٹ کرنے لگا۔

قافلے والے اپنے گھوڑوں کے لئے نشیب میں دوڑے جارہے تھے اور ان کے شور سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔

حمید بدستور ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں دبکا رہا تھا۔ اس طرح شاید وہ فریدی کی مدد بھی کرسکتا۔

دوربین کا رخ اس چٹان کی طرف تھا جس پر فریدی نے چڑھنے کی کوشش کی تھی اور بالآخر کامیاب بھی ہوگیا تھا۔ اب گھوڑے پچھلی ٹانگوں پر کھڑے ہوکر اس چٹان پر یلغار کررہے تھے لیکن فریدی ان کی پہنچ سے باہر تھا۔

دفعتاً حمید نے فریدی کو تھیلے سے کوئی چیز نکالتے دیکھا اور پھر وہ متحیر رہ گیا کیونکہ تھیلے سے برآمد ہونے والی چیز وہی جھنجھنا تھی۔

فریدی نے اسے گھوڑوں کی طرف اچھال پھینکا اور حمید کی دوربین کا رخ گھوڑوں کی جانب ہوگیا۔ وہ اس بُری طرح اس جھنجھنے پر ٹوٹ پڑے تھے جیسے اسی کے لئے فریدی کے پیچھے دوڑے ہوں۔ ایک دوسرے پر پلے پڑ رہے تھے۔

فریدی چٹان پر بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ فضا گھوڑوں اور ان کے مالکوں کے شور سے گونج رہی تھی۔

حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے پچھلے وقتوں کے کسی میدان جنگ کی طرف آنکلا ہو۔

پھر وہ پتھروں کی اوٹ لیتا ہوا آہستہ آہستہ اس چٹان کی طرف بڑھنے لگا جس پر فریدی کھڑا رہا تھا۔ اس نے اسے بھی چٹان کی دوسری طرف اترتے دیکھا۔

دیوانگی کی بو

حمید کسی نہ کسی طرح فریدی تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس بار اس کا خاص خیال تھا کہ قافلے والوں کی نظر اس پر نہ پڑنے پائے۔

"چپ چاپ نکل چلو۔" فریدی اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتا ہوا بولا۔

وہ پتھروں کی اوٹ لیتے ہوئے نیچے اترتے چلے گئے اور تھوڑی دیر بعد اسی جگہ جا پہنچے جہاں جیپ چھپائی تھی۔

حمید ایک پتھر سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے اسے کنکھیوں سے دیکھا اور شرارت آمیز انداز میں مسکرانے لگا۔ اچانک حمید کی نظر پڑ گئی اور وہ بھنا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"خیریت.....!"

"خیریت اپنی بتایئے۔" حمید جلے بھنے لہجے میں بولا۔ "اب اس حال کو پہنچ گئے ہیں جناب کہ گھوڑے دوڑا لیتے ہیں۔"

فریدی بدستور مسکراتا رہا۔

"شاید سگار دیکھ کر بھڑکے تھے۔"

"کچھ بھی ہو۔ اگر پکڑے جاتے تو بُرا حشر ہوتا۔"

''کیا حشر ہوتا۔''

''خود تصور کرو..... ضعیف الاعتقاد لوگ ہیں..... جادو دگر سمجھ کر زندہ نہ چھوڑتے۔''

''آخر ہوا کیا.....؟''

''تم لوگوں کے گھوڑے کیوں بھڑکے تھے اور یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اب بھی مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ جبکہ دوربین لگائے دیکھ رہے تھے۔''

''جھنجھنا.....!''

''یقیناً.....!''

''ہوسکتا ہے۔'' حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔ ''جب کرنل فریدی جیسے آدمی کے ہاتھ میں جھنجھنا ہو تو ایک عالم کو دوڑ پڑنا چاہئے۔ بے چارے گھوڑے کیا حقیقت رکھتے ہیں۔''

فریدی اسکی بکواس کی طرف دھیان دیئے بغیر بولا۔ ''کوپر کے پاس وہی جھنجھنا موجود تھا۔''

''اگر موجود تھے تو گھوڑے شروع ہی سے کیوں نہیں بھڑکے تھے۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد اچانک ان کے دماغ کیوں الٹ گئے۔''

''اسے کسی ایسے کیس میں رکھا گیا ہوگا جس سے اس کی بو نکل کر ہوا میں منتشر نہ ہوتی ہوگی۔ جہاں اس نے مناسب سمجھا اسے باہر نکال لیا۔ کبھی نظر سے کوئی ایسا جھنجھنا بھی گزرا ہے جس کا ہینڈل ایک فٹ سے زیادہ لمبا ہو۔''

''میں نے تو واکنگ اسٹک کے سروں پر بھی جھنجھنے لگے ہوئے دیکھے ہیں۔ بعض بادشاہ بزرگ اسی طرح شغل فرماتے ہیں۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ ویسے اس بھاگ دوڑ میں وقت سے پہلے ہی بھوک لگ گئی تھی۔ اس نے تمباکو نوشی کا ارادہ کرکے ٹفن ٹٹولنا شروع کیا۔

''گوشت کا ایک ڈبہ ہاتھ لگا اور وہ دل ہی دل میں سجدہ شکر بجا لایا۔ اس نے سوچا ہڈیاں ملاتے رہو..... میں جسم و جان کا رابطہ مضبوط کرنے جا رہا ہوں۔''

اور پھر اس نے ٹن کٹر سے ڈبہ کھولا اور آدھ کچلی بوٹیاں حلق سے اتارنے لگا۔

فریدی اب بھی خیالات میں گم تھا۔ اس نے آنکھ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔

''جھنجھنا یاد آ رہا ہوگا۔'' حمید منہ چلاتا ہوا بولا۔ ''اب ان ناسمجھ گھوڑوں کو کیا کہوں؟ آپ کے لئے دوسرا منگوا دوں گا۔''

فریدی چونک کر اسے گھورنے لگا پھر خشک لہجے میں بولا۔ ''ابھی سے کھانا شروع کر دیا۔ بہت تھوڑا سامان ہے۔''

''اس کی فکر نہ کیجئے۔ آپ جیسا اقبال مند آدمی ساتھ ہے تو تلے بھنے ہوئے خرگوش چھلانگیں لگاتے ہوئے آئیں گے اور برضا رغبت ہمارے معدوں میں کود جائیں گے۔''

''چلو ختم کرو..... ہم پھر وہیں چلیں گے۔''

''کہاں.....؟''

''جہاں میں نے جھنجھنا پھینکا تھا۔''

''خدا کے لئے رحم کیجئے مجھ پر.....!'' حمید ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ''ایک درجن جھنجھنوں کا وعدہ رہا۔ اب مجھے نہ لے جایئے وہاں۔''

''سنجیدگی اختیار کرو۔''

''کر لی.....!'' وہ خالی ڈبہ پھینکتا ہوا مردہ سی آواز میں بولا۔

رومال سے ہاتھ صاف کیا اور تھیلے کو شانے سے لٹکاتا ہوا اٹھ گیا۔

''ہم واپس ہی کیوں آئے تھے وہاں سے۔'' حمید نے کچھ دیر بعد رو دینے کی ایکٹنگ کی۔

''خدشہ تھا کہ کہیں وہ ہم کو تلاش کرنے کی کوشش نہ کریں اور تم بہت زیادہ تھک گئے تھے۔''

''وہ جھنجھنا کوپر کے خلاف بہترین ثبوت تھا۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''لیکن اب وہ ضائع ہو چکا ہوگا۔''

''کون جانے؟''

وہ پھر چل پڑے۔ حمید سوچ رہا تھا شامت خود اسی کی لائی ہوئی ہے۔ لہٰذا خوش دلی سے بھگتنا بھی چاہئے۔

فریدی بہت احتیاط سے آگے بڑھ رہا تھا اور حمید اس کے پیچھے تھا۔ ایک جگہ فریدی نے رُک کر اسے رکنے کا اشارہ کیا اور خود ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں ہو گیا۔

حمید جہاں تھا وہیں رک گیا۔ فریدی نے کچھ دیر بعد پھر پتھر کی اوٹ سے سر اُبھار کر دوسری طرف دیکھا..... اور حمید کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔

کچھ دور چل کر وہ ایک چٹان کی دراڑ میں اُتر گئے۔ دفعتاً کسی طرف سے ایک فائر ہوا جس کی آواز سناٹے میں دور تک پھیلتی چلی گئی۔

شور مچاتے ہوئے گھوڑوں میں سے ایک ڈھیر ہوگیا۔ یہاں سے وہ نیچے کا منظر بخوبی دیکھ سکتے تھے۔ فائر پھر ہوا..... دوسرا گھوڑا گرا اور ان کے مالک شور مچاتے ہوئے سڑک کی طرف بھاگنے لگے۔

اس کے بعد پے در پے فائر ہوتے رہے اور گھوڑے گرتے رہے۔ پھر سناٹا چھا گیا اور سڑک بھی اب سنسان ہوگئی تھی۔ قافلہ نہ جانے کہاں غائب ہوگیا تھا۔ دور دور تک کوئی نہیں دکھائی دیتا تھا۔

حمید نے اس دراڑ سے باہر نکلنا چاہا۔

''ٹھہرو.....!'' فریدی اس کا بازو پکڑ کر بولا۔ ''میں فائر کی سمت کا اندازہ نہیں کر سکا۔''

''یہ کیا چکر ہے۔''

''گھوڑے مار ڈالے گئے..... اُوہ..... وہ دیکھو..... بائیں جانب والی ڈھلان سے دو آدمی نیچے اُتر رہے ہیں..... ایک کے ہاتھ میں رائفل ہے۔''

پھر اس نے تھیلے سے دوربین نکالی اور اُسے آنکھوں کے قریب لاکر بولا۔ ''اوہ..... کوپر اور خان دارا..... اس جھنجھنے کے حصول کے لئے..... خوب..... اچھی بات ہے دوستو۔''

اس نے دوربین تھیلے میں ڈالی اور کاندھے سے رائفل اتار کر اس سمت اٹھائی جدھر وہ دونوں نظر آرہے تھے۔ فائر ہوا اور حمید نے ان دونوں کو گرتے دیکھا۔

''کیا مار دیا.....؟'' وہ بوکھلا کر بولا۔

''نہیں..... گولی انہیں نہیں لگی..... وہ دیکھو..... کتنی پھرتی سے وہ اس چٹان کی اوٹ میں ہوگئے ہیں؟''

''آخر اس سے فائدہ۔''

وہ جھنجھنا اگر ضائع نہیں ہوا تو میں اسے ان کے ہاتھ تو نہیں لگنے دوں گا۔''

''کھیل خوفناک ہو جائے گا۔''

فریدی نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی اور ادھر ہی دیکھتا رہا۔

اب حمید نے دوربین سنبھال لی تھی..... اور..... اسی چٹان پر فوکس کئے ہوئے تھا جس کے پیچھے وہ دونوں چھپ گئے تھے۔

''فائر نہ کرتے تو بہتر تھا۔'' وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

''کیوں.....؟'' فریدی نے سوال کیا۔

''آپ ہی بتائیے کہ اب اس کا تصفیہ کس طرح ہو سکے گا۔ نہ وہ چٹان کی اوٹ سے نکلیں گے اور نہ.....!''

''اگر تم پوری طرح ہوشیار رہنے کا یقین دلا دو تو میں ابھی تصفیہ کئے دیتا ہوں۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''رائفل سنبھالو اور اس چٹان پر نظر رکھو..... جیسے ہی کوئی اوٹ سے نکلنے کی کوشش کرے فائر کر دو..... کیا تم ان کے قریب کا نشانہ لے سکو گے۔''

''مجھ میں یہ بڑا عجیب ہے کہ اگر نشانہ بگاڑنے کی کوشش کرتا ہوں تو وہ بالکل ٹھیک بیٹھتا ہے۔''

''تب تو معاف رکھو۔''

''اللہ نے چاہا تو کل کا سورج اسی جگہ طلوع ہوگا۔''

فریدی نے پھر ایک فائر کیا۔ لیکن دوسری طرف سے فائر نہیں ہوا۔

ہو سکتا تھا کہ وہ دونوں فائر کی سمت کا تعین نہ کر سکے ہوں۔

''بات بنتی نظر نہیں آتی۔'' حمید بڑبڑایا۔

''تم خواہ مخواہ نروس ہو رہے ہو۔''

''میں نروس نہیں ہوں جناب! سورج غروب ہونے والا ہے۔''

''میں دس راتیں یہیں کھڑے گزار سکتا ہوں۔''

''مجھے تو پہلی رات کو دفن فرما دیجئے گا۔''

''خاموش رہو۔''

حمید نے آنکھوں سے دوربین نہیں ہٹائی تھی۔ دفعتاً اس نے انہیں اوپر چڑھتے دیکھا

اور پھر دوربین فریدی کے حوالے کردی۔

''ٹھیک ہے۔'' فریدی نے بھی دوربین سے دیکھتے ہوئے طویل سانس لی۔

''کیا ٹھیک ہے؟''

''ہوئی نا کوئی بات! سسپنس ختم ہوا..... انہیں جانے دو۔''

''اور اگر وہ اوپر پہنچ کر ہماری تاک میں بیٹھ گئے تو۔''

''فکر نہ کرو..... بس انہیں دیکھتے رہو۔'' فریدی نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

حمید اسی سمت دیکھے جا رہا تھا۔ وہ دونوں بڑی احتیاط سے اوپر جا رہے تھے۔ پھر وہ نظروں سے اوجھل ہوگئے۔ حمید نے وہ جگہ اچھی طرح ذہن نشین کرلی جہاں وہ غائب ہوئے تھے۔

''وہ غائب ہوگئے۔''

اور آنکھوں سے دوربین ہٹا کر اور کچھ کہنا چاہا لیکن فریدی وہاں کب تھا۔

حمید نے رائفل سنبھالی اور اب انسے وہیں ٹھہرے رہ کر اس جگہ کی نگرانی کرنی تھی جہاں وہ دونوں غائب ہوئے تھے۔ فریدی کے لئے الجھن میں مبتلا ہوگیا تھا۔ اگر وہ مردہ گھوڑوں تک پہنچنے کی فکر میں تھا تو ان دونوں کی نظروں سے اوجھل رہنا بھی ایک ناممکن سی بات تھی کیونکہ وہ دونوں اب اتنی اونچائی پر تھے کہ درمیانی کوئی چیز حائل نہیں رہی تھی۔ وہ اس جگہ کا نشانہ بخوبی لے سکتے جہاں مردہ گھوڑے پڑے ہوئے تھے۔

حمید کبھی بلندی کی طرف دیکھتا اور کبھی ادھر جہاں فریدی کے پہنچنے کا امکان تھا۔

جس جگہ وہ دونوں غائب ہوئے تھے وہاں نقل وحرکت کے آثار نہیں پائے جا رہے تھے۔

کئی منٹ گزر گئے۔ اب حمید کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ وہ کہیں اوپر ہی اوپر چلتے ہوئے ان کی پشت پر نہ پہنچ جائیں۔

اس طرح توجہ تین اطراف میں بٹ گئی۔ بڑا جان لیوا سسپنس تھا۔

اچانک دراڑ کے بائیں سرے پر آہٹ ہوئی اور وہ اچھل پڑا۔

''بھڑکو نہیں..... کام بن گیا۔'' فریدی کی آواز آئی۔

''اوہ.....!'' حمید نے طویل سانس لی۔

وہ اس جھنجھنے کا اوپری حصہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ ہینڈل ٹوٹ کر الگ

الگ ہو چکا تھا اوپر جالدار حصہ بھی اگر مڑ جانے والے پلاسٹک کا نہ ہوتا تو اس ہنگامے کی ہوگیا ہوتا۔

''اب یہاں سے نکل چلنے کی کوشش کرو..... ورنہ گھیر لئے جائیں گے۔'' فریدی بولا۔

ا کے ساتھی پہاڑی جنگ کے ماہر ہیں۔''

''جدھر کہیئے..... ادھر نکل چلوں۔'' حمید بے بسی سے بولا اور فریدی ہنس پڑا۔

''آؤ.....!'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بائیں جانب گھسیٹتا ہوا بولا۔

بڑے دشوار گزار راستوں سے وہ اپنی جیپ تک پہنچے تھے۔

حمید چاروں خانے چت لیٹ کر گہری گہری سانسیں لینے لگا۔

''بہت دنوں کے بعد تم اتنے دلکش ایڈونچر سے دوچار ہوئے ہو۔'' فریدی جھک کر اس آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

حمید نے نبض دیکھنے کا اشارہ کیا اور اپنی آنکھوں میں بہت زیادہ نقاہت پیدا کرلینے کی ش کی۔

''نہیں..... تم بہت دن زندہ رہو گی۔ بچوں کی پرورش کرو گی۔ دل چھوٹا نہ کرو۔ اللہ ب الاسباب ہے۔'' فریدی نے مغموم لہجے میں کہا۔

اور حمید اچھل کر بیٹھ گیا۔ اب وہ پیٹ دبائے بُری طرح ہنس رہا تھا۔

فریدی الگ ہٹ کر کھڑا ہوگیا تھا۔ جب حمید کافی دیر تک ہنس چکا تو کراہتا ہوا بولا۔

ب نہیں ہنسا جاتا۔ عورت بن کر بچوں کی پرورش گوارا لیکن کسی جھنجھنے کے لئے جان کی بازی دینا اپنی سمجھ میں تو نہیں آتا..... اس حال کو پہنچ گئے ہیں ہم لوگ کہ گھوڑے اور گدھے بھی آنے لگے۔''

''شش.....!'' دفعتاً فریدی نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

اور ٹھیک اسی وقت حمید نے بھی فائروں کی آوازیں سنیں۔

''غالباً اس کے آدمی چاروں طرف پھیل گئے ہیں..... غیر قانونی طور پر اس نے اچھی ی فوج پال رکھی ہے۔'' فریدی بولا۔

''پتہ نہیں کیوں آپ اس طرح چھپتے پھر رہے ہیں۔''

''مجھے ان دونوں کو زندہ سلامت خان دارا سے واپس لینا ہے۔''

''مجھے بوڑھے کی قطعاً پرواہ نہیں البتہ سلوی کے لئے دُعا گو ہوں۔'' حمید بولا۔ پئیں گے آپ.....!''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ غار کے دہانے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

فائر کی آواز کبھی دور سے آتی اور کبھی قریب سے۔ کچھ دیر بعد وہ پھر پلٹ آیا اور سے بولا۔ ''ہمیں کوئی ایسی جگہ تلاش کرنی چاہئے جہاں سے ان پر نظر رکھ سکیں۔''

''تلاش کر کے مجھے مطلع کر دیجئے گا۔'' حمید نے لاپرواہی سے کہا۔

''بہت بہتر.....!'' فریدی کے لہجے میں کسی قدر جھنجھلاہٹ تھی۔ وہ غار سے باہر گیا۔ حمید پھر لیٹ گیا تھا۔ کروٹ لے کر اس نے تھیلے سے کافی کا تھرموس نکالا۔ کچھ تو سی انڈیلی اور گھٹنی کے بل اٹھ کر لیٹے ہی لیٹے پینے لگا۔

غار میں اب خاصا اندھیرا تھا۔ اس نے سوچا چلو اچھا ہے۔ اگر کوئی اچانک گھس بھی تو وہ بہ آسانی اپنا بچاؤ کر سکے گا۔

تھکن سے نڈھال ہو رہا تھا۔ پتہ نہیں کب آنکھ لگ گئی۔

پھر کسی کے جھنجھوڑ کر اٹھانے ہی پر آنکھ کھلی تھی۔ بوکھلا کر اٹھ گیا۔ تھوڑی سی جگہ میں سی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور غار کا بقیہ حصہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ موم بتی کی ننھی سی لو ماحول میں بڑی پُراسرار لگ رہی تھی۔ اسے اس طرح جگانے والا فریدی تھا۔

''کیا وہ جگہ تلاش کر لی؟'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''بکومت! کیا یہاں خراٹے لینے کے لئے آئے تھے۔''

نیند کے لئے تخت اور تختہ دونوں برابر ہیں۔ عورت ہی کی طرح نیند کا بھی وقت نہیں۔ کچھ پتہ نہیں کب آئے اور کب اڑ جائے گی۔''

''کاش میں تمہارے ہونٹ سی سکتا۔''

''میں بہت دنوں سے محسوس کر رہا ہوں کہ آپ شوہرانہ انداز میں گفتگو کرنے ہیں۔ کاش آپ اپنی بیچارگی کا جائزہ لے سکتے..... کاش خود اپنی نفسیات کو سمجھ سکتے۔''

دفعتاً غار کے ایک تاریک گوشے سے ہلکی سی غراہٹ سنائی دی اور حمید بوکھلا کر

ہو گیا۔ یہ کسی جانور کی غراہٹ نہیں تھی۔

''کون ہے؟'' حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

''کوپر.....!''

''کیسے ہاتھ لگا.....؟''

''بس لگ گیا..... میرا خیال ہے کہ خان دارا کا ایک آدمی بھی مارا گیا ہے لیکن مجھے تم سے ایسی امید نہیں تھی۔ بعض اوقات بے تکلیف پہنچاتے ہو۔''

''خدا کی قسم اس طرح سو جانے میں ارادے کو قطعی دخل نہیں تھا۔ نیند غشی کی طرح مجھ پر طاری ہوئی تھی۔''

''تم لوگ کون ہو اور کیا چاہتے ہو'' کوپر تاریک گوشے سے دہاڑا۔

''آواز بلند نہ کرو..... ورنہ پھر کبھی نہ بول سکو گے۔'' فریدی غرایا اور حمید کے پاس سے ہٹ گیا۔ دوبارہ روشنی میں آیا تو تنہا نہیں تھا۔

کوپر ساتھ تھا اور اس کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔

''کیا تم اس شخص کو پہچانتے ہو'' فریدی نے حمید کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

''نہیں.....!'' جھلائے ہوئے انداز میں جواب ملا۔

''یہ تمہاری اس ٹولی میں شامل تھا جو گھوڑوں پر رام گڑھ سے روانہ ہوئی تھی۔''

''اُوہ.....!'' کوپر نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے متحیرانہ لہجے میں کہا پھر سنبھل کر بولا۔ ''تو میں کیا کروں..... رہا ہوگا۔''

''کچھ نہیں..... میں تم سے صرف اتنا معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ گھوڑے کیوں بھڑکے تھے۔''

''تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا..... میں کیا جانوں۔''

''تم جانتے ہو۔'' فریدی سخت لہجے میں بولا۔

''دیکھو! میں اپنے ملک کا ایک معزز آدمی ہوں تمہیں اپنی اس حرکت پر جوابدہ ہونا پڑیگا۔''

''تمہاری وجہ سے ہمارے ملک کے ایک تجارتی ادارے کو بڑا نقصان پہنچا ہے اسلئے تم خود کو اس کی جوابدہی کے لئے تیار کرو..... بہت قیمتی آٹھ گھوڑے ہلاک ہوئے ہیں۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے کیوں اس کا ذمہ دار قرار دیا جا رہا ہے۔''

''اس لئے کہ گھوڑے تمہاری وجہ سے بھڑکے تھے۔''

''ہوسکتا ہے۔'' کوپر نے لاپرواہی سے کہا۔ ''میرے گھوڑے کے بھڑکتے ہی دوسرے بھی بھڑک گئے تھے۔''

''تمہارا گھوڑا کیوں بھڑکا تھا۔''

''میں نہیں جانتا۔''

فریدی نے الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کیا اور وہ لڑکھڑا کر دوسری طرف الٹ گیا۔

اگر حمید نے پھرتی سے اپنے آپ کو بچا نہ لیا ہوتا تو وہ اس پر ہی گرتا۔

فریدی نے اس کا گریبان پکڑ کر پھر اٹھایا اور جھنجھوڑ کر بولا۔ ''خان دارا یہاں کا سب سے زیادہ طاقتور آدمی نہیں ہے۔ اسے صرف بروبانیوں کی حمایت حاصل ہے لیکن میں جس وقت چاہوں اپنی حمایت پر آمادہ کرسکتا ہوں۔ بروبانی صرف عورتوں کی تلاش میں رہتے ہیں لیکن میں..... اگر میں تمہیں اپنے بارے میں بتادوں تو تم..... میرے قبضے میں رہنے پر موت کو ترجیح دو گے۔''

''تت..... تم کون ہو.....؟''

''ان اطراف کا سب سے زیادہ خطرناک آدمی..... میرے لیبر کیمپ میں تم جیسے درجنوں غیرملکی مزدوری کرتے ہیں۔ میں ان سے جبری محنت لیتا ہوں۔ جب تک میرا دل چاہتا ہے روکے رکھتا ہوں۔''

''یہ درندگی ہے۔''

''کچھ بھی ہو..... حکومت بھی آج تک میرے لیبر کیمپوں کا پتہ نہیں لگا سکی۔''

''لیکن میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔''

''تمہاری وجہ سے میرا ایک آدمی دشواری میں پڑ گیا ہے۔ تم سب غیرملکی تھے اب پولیس اسے پریشان کررہی ہے۔'' فریدی نے حمید کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

''اس کو کسی نے دعوت تو نہیں دی تھی۔ اس نے خود ہی ساتھ ہولینے کی درخواست کی تھی۔''

''چلو جو ہوا سو ہوا..... لیکن میں کہانی ضرور جاننا چاہوں گا۔''

''اور اُسے میرے خلاف عدالت میں استعمال کرو گے۔''

''ضروری نہیں..... میرا آدمی پولیس کے قبضے میں تو نہیں کہ مجھے عدالت کا منہ دیکھنا ..... میرے پاس پہنچ جانے کے بعد یہ پوری طرح محفوظ ہے۔''

فریدی کوپر نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

''ارما کہاں ہے؟''

''وہ گلبار کے پولیس اسٹیشن پر محفوظ ہے۔''

''تمہیں یقین ہے۔''

''پوری طرح۔''

''ارما کون ہے؟'' فریدی نے حمید کی طرف مڑ کر انگریزی میں پوچھا۔

''اس شخص کی بھتیجی جس نے اپنا نام لارڈ زوپن ڈیل بتایا تھا۔'' حمید نے جواب دیا۔

''اس کہانی کا تعلق ارما ہی سے ہے۔'' کوپر بولا۔

''کیا مطلب.....؟''

''میں اُسے چاہتا ہوں..... وہ مجھے چاہتی ہے..... لیکن زوپنڈیل نہیں جانتا۔ وہ اس سے لاعلم ہے۔ زوپنڈیل چاہتا ہے کہ ارما اپنے ہی طبقے کے کسی آدمی کو پسند کرے۔ میں اس سے تعلق نہیں رکھتا۔ اگر ارما اپنے چچا کے پسندیدہ آدمی سے شادی نہیں کرے گی تو وہ وصیت کے مطابق اسے محروم الارث کردینے کا حق بھی رکھتا ہے۔''

وہ خاموش ہوکر کچھ سوچنے لگا..... فریدی اُسے بغور دیکھتا ہوا بولا۔ ''اور پھر تم دونوں باپ بیٹی کو راستے سے ہٹا دینے کی ٹھان لی۔''

''صرف سلومی کو..... وہ زوپنڈیل کی بیٹی ہے..... اس کی پوری جائیداد کی مالک ..... زوپنڈیل کا اور کوئی وارث نہیں رہ جاتا..... ایسی صورت میں وہ ارما کو محروم الارث بھی نہیں کرسکتا۔ خواہ وہ کسی سے شادی کرے۔''

''تو اس طرح سلومی کو ٹھکانے لگایا گیا؟'' فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

''لیکن زوپنڈیل کہاں ہے؟''

''وہ جہاں کہیں بھی ہے دو تین دن بعد رہا کردیا جائے گا۔''

''تو کیا سلومی کو قتل کردیا گیا۔''

''میں نہیں جانتا..... نہ میں نے اپنے دوست سے اس کے بارے میں پوچھا۔''

''دوست سے شاید مراد خان دارا ہے۔''

''ہاں.....!''

''تم یہاں کب سے مقیم ہو۔''

''ہماری دوستی بہت پرانی ہے..... یہاں کے قیام سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اس سے پہلے جب وہ لندن میں زیرِ تعلیم تھا تب سے ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ اس لئے میں نے اس سے مشورہ لیا تھا۔ اس نے مجھے لکھا کہ کسی طرح اس خاندان کو یہاں لاؤ سب کو دیکھ لوں گا۔''

''تو یہ اسکیم اس کی بنائی ہوئی تھی۔''

''نہیں ارما کی..... زوپنڈیل کی لاعلمی میں وہ میرے ساتھ خان دارا سے ملی تھی۔ دونوں کے مشورے سے یہ ڈرامہ اسٹیج کیا گیا تھا۔''

فریدی اور حمید خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔

اشکوں کی دیوار

اس بڑے اور تاریک غار میں روشنی کا وہ محدود حصہ جہاں یہ لوگ کھڑے تھے ایسا رہا تھا جیسے بقیہ دنیا سے اس کا کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ حمید کو کچھ ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا۔ عجیب خاموشی تھی عجیب سا سناٹا تھا۔

کچھ دیر بعد کوپر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''البتہ یہ خان دارا کی تجویز تھی کہ پارٹی میں ایک مقامی آدمی بھی شامل ہونا چاہئے۔ لہٰذا مجھے تلاش تھی ایسے کسی آدمی کی اچانک تمہارے آدمی نے خود ہی درخواست پیش کردی اور میری یہ مشکل بھی آسان ہوگئی۔''

''ہوں.....!'' فریدی نے طویل سانس لی۔ چند لمحے کوپر کی آنکھوں میں دیکھتا

رہا۔ ''اب اس جھنجھنے کا حال بھی کہہ ڈالو۔''

''تم جانتے ہو.....!'' کوپر بے ساختہ بول پڑا۔

''ہاں میں جانتا ہوں..... اور اس کی طرف تم ہی نے رہنمائی کی تھی۔''

''میں نے.....!'' کوپر کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ہاں.....!'' فریدی نے کہا اور پھر جھنجھنے کی کہانی دہراتا ہوا بولا۔ ''یہ بڑی حیرت انگیز چیز ہے..... کیا یہ تمہاری دریافت ہے۔''

''نہیں! میں اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا..... وہ بھی مجھے ارما ہی نے دیا تھا۔ لیکن خدا کی پناہ کتنا بھیانک تجربہ تھا۔ ایک ہاتھ سے میں گھوڑے کی گردن سے چمٹا ہوا تھا اور دوسرے ہاتھ سے اس جھنجھنے کو اس طرح آگے بڑھا رکھا تھا کہ وہ اس کی تھوتھنی سے کم از کم چار انچ آگے رہے..... اور پھر ایک موڑ پر جب دوسرے گھوڑے پیچھے رہ گئے تھے۔ میں نے وہ جھنجھنا ایک کھڈ میں پھینک دیا۔''

''تب تو اس گھوڑے کے بھی کھڈ میں چھلانگ لگانی چاہئے تھی۔'' فریدی بولا۔

''یقیناً یہی ہوتا اگر ہوا کا رخ موافق ہوتا۔ تم لوگوں نے تو دیکھا ہی ہوگا کہ وہ گھوڑے ان چٹانوں پر کسی طرح سر پٹخ رہے تھے۔ بہرحال وہ ضائع ہوگیا ہوگا۔''

''ایسا بھی نہیں ہے۔'' فریدی نے جھنجھنے کا اوپری حصہ تھیلے سے نکالتے ہوئے کہا۔

''اُوہ..... تو یہ محفوظ ہے۔'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''نہیں ..... یہ میری محنت کا انعام ہے۔'' فریدی نے اسے دوبارہ تھیلے میں ڈالتے ہوئے کہا اور پھر حمید بول پڑا۔ ''جب وہ کھڈ میں پھینک دیا گیا تھا تو پھر گھوڑے کیوں دوڑتے چلے گئے تھے..... انہیں رک جانا چاہئے تھا۔''

ان پر دیوانگی جو اتنی دیر سے طاری تھی۔ فوری طور پر زائل نہیں ہوسکتی تھی۔''

''ان کا مرجانا ہی اس پر دلالت کرتا ہے۔'' فریدی بولا۔

''ہاں یہی بات تھی۔'' کوپر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''پہاڑی راستوں پر اس گھوڑ دوڑ کا مقصد ہی یہی تھا کہ گھوڑے زندہ نہ بچیں اور سوار ویرانوں میں تنہا رہ جائیں۔ ورنہ قربانیوں کی زبردستیوں کی کہانی کیسے مشہور ہوسکتی۔''

''ایک بار پھر خاموشی طاری ہوگئی۔ حمید ارما کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔ کتنی ہی سازش تیار کی تھی اس نے..... پھر اسے رجائی فلسفی زوپنڈیل یاد آیا..... بے چارہ..... ہوگا ہے..... وہ اپنی رجائیت سمیت دفن ہی ہو چکا ہو۔''

ارما کے لئے اس کی محبت یاد آئی..... ارما..... ارما..... اس کی آنکھوں میں کتنی معصومیت تھی۔ اس نے اپنے ہنسوڑ چچا کے خاتمے کے لئے اتنی بھیانک سازش کیونکر تیار کی ہوگی۔ یہ آدم کی اولاد ہے یا کسی بھیڑیئے کی نسل۔

دفعتاً کوپر بولا۔ ''اب بتاؤ..... تم لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہو۔''

فریدی نے مسکرا کر حمید کی طرف دیکھا اور بڑے پیار بھرے لہجے میں بولا۔ ''سلوی میرے دوست کو بہت پسند ہے..... اگر وہ ہمارے حوالے کردی جائے تو بات یہیں ختم ہو جائے ورنہ.....!''

''ناممکن..... اس کے لئے تمہیں خان دارا سے جنگ کرنی پڑے گی۔ کیونکہ اُسے وہ اپنے لئے پسند کر چکا ہے۔''

''اُوہ..... تم اس کی فکر نہ کرو..... خان دارا سے نپٹنا میرا کام ہے۔ تم صرف اتنا بتا دو کہ کیا وہ شکارگاہ ہی میں موجود ہے۔''

''ہاں..... وہ وہیں ہے..... زوپنڈیل بھی ابھی وہیں ہے۔ لیکن اس سے بے خبر ہے کہ سلوی پر کیا گزری۔''

''بس ٹھیک ہے۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔

''مجھے سلوی سے کوئی سروکار نہیں۔ وہ جہنم میں جائے۔ لیکن زوپنڈیل کو بہرحال ارما کے پاس پہنچنا ہے۔''

''کیوں.....؟''

''مصلحتاً.....!'' کوپر مسکرایا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ''اگر زوپنڈیل ارما تک واپس نہ پہنچا تو ارما کی شخصیت شبہے سے بالاتر نہ رہے گی۔''

''میں سمجھ گیا۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔

''تو تم خان دارا سے ٹکراؤ گے۔''

''اس کے بغیر سلوی ہاتھ نہ آسکے گی۔''

''ہونہہ.....!'' کوپر طنزیہ انداز میں مسکرایا۔ ''تم شاید اس کی شکارگاہ میں قدم بھی نہ رکھ سکو۔ اس کے آدمی بہت ہوشیار ہیں۔ آج انہوں نے پولیس کو شکارگاہ میں نہیں گھسنے دیا۔''

''پولیس کیوں آئی تھی۔'' فریدی نے سوال کیا۔

''یہ بھی خان دارا کی ایک چال تھی۔ اس نے پولیس اسٹیشن رپورٹ بھجوائی تھی کہ ایک زخمی انگریز جو کسی حادثے کا شکار ہوا تھا اس کی شکارگاہ میں موجود ہے۔ کل میں وہیں سے گلبار کے ایک پولیس اسٹیشن بھجوا دیا جاتا..... خان دارا کو توقع نہیں تھی کہ گلبار تھانے کا انچارج خود اس کی شکارگاہ میں داخل ہونے کی جرأت کرے گا۔''

''تب تو اسے بے حد غصہ آیا ہوگا۔''

''یقیناً..... اس نے اپنی بڑی توہین محسوس کی ہے۔''

''اچھی بات ہے۔'' فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ ''اب تم آرام کرو..... اور ہم سلوی کی فکر کریں۔''

''کیا مطلب.....! کیا تم مجھے یہاں روکو گے۔''

''یقیناً میرے دوست.....!'' حمید بول پڑا۔ ''اب ہم تمہارے پیر بھی باندھ دیں گے اور تمہیں اس قابل نہ چھوڑیں گے کہ تم منہ سے آواز بھی نکال سکو۔''

کوپر نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے ہی تھے کہ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''جب تک سلوی ہاتھ نہ آجائے ہم تمہیں چھوڑ نہیں سکتے۔''

''یہ تو زیادتی ہے..... مطلب یہ کہ۔''

''کچھ بھی ہو.....!'' فریدی نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

حمید نے آگے بڑھ کر کوپر کو دھکا دیا اور جب وہ گر گیا تو بڑی پھرتی سے اپنی ٹائی کھولی۔ پھر اس کے پیر باندھنے ہی چلا تھا کہ اس نے لاتیں چلانا شروع کیں۔ آخر کار فریدی کی مدد سے اس کے پیر بھی باندھ دینے میں کامیاب ہو ہی گیا۔

پھر اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر پٹی بھی چڑھا دی گئی۔

''ڈرو نہیں..... تم یہاں بالکل محفوظ رہو گے..... صرف اتنا ہے کہ شمع بجھا دی جائے گی

اور تمہیں اندھیرے میں رہنا پڑے گا۔'' فریدی نے کہا اور حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا ''اب ہمیں چلنا چاہئے۔''

وہ غار سے باہر نکلے اور حمید نے فریدی سے پوچھا۔ ''کیا ہم سچ مچ تنہا ہی اس کی بھول بھلیاں گاہ میں داخل ہوں گے۔''

''یقیناً.....!''

''میرے خیال سے تو یہ مناسب نہ ہوگا..... کیوں نہ ہم گلبار سے فورس لائیں۔''

''یقین کرو فرزند..... خان دارا کا نام سن کر ہی انچارج معذوری ظاہر کردے گا۔ حاز کہہ دے گا کہ آٹھ دس آدمیوں سے کام نہیں چلے گا۔ رام گڑھ سے پوری بٹالین منگوایئے۔''

''اگر حالات ایسے ہی ہیں تو ہمیں اور زیادہ محتاط رہنا چاہئے۔''

''اچھی بات ہے۔'' فریدی بگڑ کر بولا۔ ''آپ یہیں بیٹھ کر محتاط ہوتے رہئے میں جا رہا ہوں۔''

''اکیلے آپ ہی پٹھان نہیں ہیں..... میں بھی ہوں۔'' حمید نے بھی اکڑ کر کہا اور اس کے ساتھ چلتا رہا۔

چاروں طرف سناٹے اور گہرے اندھیرے کی حکمرانی تھی۔ فریدی نے اس سے کہا کہ وہ اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دے اور پیچھے پیچھے چلا آئے۔

حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''آواز بھی لگاتے چلئے کہ اندھا محتاج جا رہا ہے۔''

فریدی خاموشی سے چلتا رہا۔ حمید کا اندازہ تھا کہ وہ اسی طرف جا رہے ہیں جہاں فریدی نے بند کردیئے جانے والے درے کی نشاندہی کی تھی۔

کچھ دیر آرام کر لینے سے حمید تازہ دم ہوگیا تھا۔ اس لئے اس وقت کی مشقت گراں نہیں گزر رہی تھی۔

چاروں طرف ہوکا عالم تھا..... صرف پہاڑی جھینگروں کی جھائیں جھائیں سے فضا گونج رہی تھی۔

وہ چلتے رہے..... دفعتاً ایک جگہ حمید کے قدم رک گئے۔

''کیوں..... کیا بات ہے!'' فریدی نے ٹوکا۔

''وہ دیکھئے..... سامنے وہ کیسی روشنی نظر آ رہی ہے۔''

''وہ.....!'' فریدی ہنس کر بولا۔ ''وہ چراغ تو تمہارا ہی جلایا ہوا ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''یہ وہی فوسفورسینٹ پینٹ ہے جو تم نے درے والی دیوار پر کیا تھا۔''

''اُوہ.....!''

''اگر یہ نہ ہوتا تو اس اندھیرے میں اس کا سراغ پالینا ممکن نہ ہوتا۔''

''چلئے ٹھیک ہے..... ہم اس جگہ تک پہنچ گئے۔ لیکن اب آپ کیا کریں گے۔''

''فکر نہ کرو.....!'' پل بھر میں یہ دیوار دھواں ہو جائے گی۔

''میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ فوسفورسینٹ پینٹ پہلی بار استعمال کیا ہے۔''

''کبھی ضرورت ہی پیش نہیں آئی تھی۔ ویسے جب بھی کسی مہم پر نکلتا ہوں یہ میرے ضرور ہوتا ہے۔ لیکن ٹھہرو..... کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اس چمکدار پینٹ کی وجہ سے دیوار ں ہو جائے گی۔''

''تو پھر.....!''

''واقعی تمہارا ذہن طلسم ہوشربائی تصورات کا خزانہ بنتا جا رہا ہے۔''

''اچھا تو پھر آپ الہ دین کے چراغ والے دیو سے مدد طلب کریں گے۔''

''ہشت!'' فریدی نے کہا اور چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ ''اپنا ہاتھ ادھر لاؤ۔''

''کیا ہے.....؟'' حمید نے کہتے ہوئے ہاتھ پھیلا دیا۔

فریدی نے اس کے ہاتھ پر دو گولیاں رکھ دیں اور بولا۔ ''انہیں اچھی طرح کانوں میں ٹھونس لو۔''

''میرے خدا..... کیا آپ اس کے لئے ڈائنامائٹ استعمال کریں گے۔''

''ہرگز نہیں..... کیا تم اس حربے کو بھول گئے جو میں نے نانوتہ[1] سے چھینا تھا۔''

''اُوہ..... لیکن یہ گولیاں کیوں؟''

---

[1] اس کہانی کیلئے جاسوسی دنیا کے ناول ''تباہی کا خواب'' اور ''مہک شناسائی'' جلد نمبر 35 پڑھیئے۔

''بادلوں کی سی گرج ہوتی ہے اور چٹانیں دھواں بن کر اڑ جاتی ہیں۔''

''تب تو وہ لوگ ہوشیار ہو جائیں گے۔''

''یہ تو بہت اچھی بات ہوگی۔ وہ اپنی ڈیوٹیاں چھوڑ بھاگیں گے اور کسی ایک ہو جائیں گے..... کسی کا دھیان بھی اس درے کی طرف نہ جائے گا..... اگر اندھیر اسکا غبار نظر بھی آیا تو بات پلے نہ پڑے گی اور ہم ان کی افراتفری سے فائدہ اٹھائیں

''خدا جانے آپ کیا کرنے والے ہیں۔'' حمید بڑبڑاتے ہوئے کانوں میں ٹھونسنے لگا۔

پھر وہ اندھیرے میں وہ حربہ تو نہیں دیکھ سکا تھا البتہ کچھ چمکدار لہریں اسے آئیں جو فریدی کے ہاتھ سے نکل کر درے کی دیوار سے ٹکرائی تھیں اور خدا کی پناہ زبردست گرج پیدا ہوئی تھی۔ بالکل ایسا ہی محسوس ہوا تھا جیسے وہ منہ کے بل گر پڑے اور کثیف دھواں اوپر اٹھ رہا تھا۔ وہ دونوں ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں دبک گئے۔

دو تین منٹ کے اندر ہی اندر راستہ صاف ہو گیا۔ نہ صرف وہ دیوار دھواں ہوئی اس کے آس پاس کی چٹان کے بھی کچھ حصے غائب ہو گئے تھے۔

وہ درے سے داخل ہوئے اور تھوڑی دور چل کر پھر کھلے میں نکل آئے۔

''احتیاط سے.....!'' فریدی آہستہ سے بولا۔ ''ہم اسکی شکارگاہ میں داخل ہو رہے

کھلے میں پہنچتے ہی انہوں نے لوگوں کا شور سنا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بہ لوگ چیختے چلاتے چاروں طرف دوڑتے پھر رہے ہوں۔ اس میں شکاری کتوں کے بھ آوازیں بھی شامل تھیں۔

''ارے یہاں تو کتے بھی موجود ہیں۔'' حمید بولا۔ ''اب کیا ہوگا۔''

''فکر نہ کرو..... میں ہر قسم کے امکانات پر غور کر لینے کے بعد اس مہم پر روانہ ہوا وہ روشنیاں دیکھ رہے ہو۔''

''دیکھ رہا ہوں۔''

''چھوٹی چھوٹی کئی عمارتیں ہیں۔''

''میں کہہ رہا تھا کتے.....!''

''اور میں عرض کر رہا ہوں کہ خاموشی سے چلے چلئے جناب۔'' فریدی جھنجھلا کر بولا۔

وہ پتھروں کی اوٹ لیتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے کہ بائیں جانب سے ایک کتا غراتا ہوا جھپٹا..... لیکن پھر اچھل کر جہاں تھا وہیں ڈھیر ہو گیا۔ فریدی نے سائیلنسر لگے ہوئے پستول سے اس پر گولی چلائی تھی۔ عمارتوں کے قریب پہنچتے پہنچتے کئی کتوں سے مڈبھیڑ ہوئی اور ان کا بھی وہی حشر ہوا جو پہلے کا ہوا تھا۔

بالآخر وہ ایک عمارت کی پشت پر جا پہنچے اور کھڑکیوں سے اندر کا جائزہ لینا شروع کیا۔ سارے کمروں میں پیٹرومیکس لیمپ روشن تھے۔ کہیں کوئی آدمی نہ دکھائی دیا۔ دوسری عمارت میں کچھ مسلح آدمی ملے لیکن جن کی تلاش تھی۔ ان کا کہیں پتہ نہ تھا۔

پھر جب تیسری عمارت کی ایک کھڑکی سے وہ اندر جھانک رہے تھے حمید آہستہ سے بولا۔ ''زوپنڈیل.....!''

بوڑھا آرام کرسی پر نیم دراز سگار پی رہا تھا۔ حمید نے اس کے چہرے پر گہری طمانیت دیکھی۔ غالباً اُسے اس گرج یا کڑک کی بھی پرواہ نہیں تھی جس نے دوسروں کو بدحواس کر دیا تھا۔

''میں نہیں سمجھ سکتا۔'' فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

''کیا نہیں سمجھ سکتے۔''

''کچھ نہیں.....!'' فریدی بولا۔ ''اب ہمیں لڑکی کو تلاش کرنا چاہئے۔''

وہ پھر آگے بڑھے..... قریب ہی چوتھی عمارت تھی..... جس کے نیم روشن برآمدے میں ایک آدمی ٹہلتا نظر آیا۔

''خان دارا.....!'' فریدی نے سرگوشی کی اور پھرتی سے زمین پر لیٹ گیا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔

دفعتاً ٹہلنے والا رکا اور اس نے کسی کو آواز دی جس کا جواب باہر سے ہی کسی نے دیا تھا اور دوڑتا ہوا برآمدے کے قریب آیا تھا۔

''کیا بات ہے۔'' خان دارا نے اس سے پوچھا۔

''خان میرا خیال ہے کہ کہیں بجلی گری ہے۔''

''آواز زیادہ دور کی نہیں تھی..... اور وہ دھواں۔''

''دھواں نہیں بادل.....!'' دوسرا آدمی بولا۔

''خیر جاؤ..... ہوشیار رہنا۔''

''بہت بہتر.....!'' اس نے کہا اور وہاں سے ہٹ گیا۔

پھر انہوں نے خان دارا کو بھی اندر جاتے دیکھا۔ جس دروازے سے وہ اندر داخل ہوا تھا اسے اس نے بند نہیں کیا تھا۔

وہ کہنیوں کے بل کھسکتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ فریدی آہستہ آہستہ حمید کو ہدایات دیتا جا رہا تھا۔

برآمدے کے قریب پہنچ کر وہ بے دھڑک سیدھے کھڑے ہوئے اور پہلا کمرہ خالی تھا..... دوسرے میں بھی کوئی نہ تھا۔ لیکن تیسرے سے خان دارا کی آواز آ رہی تھی..... وہ کسی سے کہہ رہا تھا۔ ''کوئی خاص بات نہیں تھی۔ کہیں بجلی گری ہے۔''

لیکن اس نے یہ جملہ انگریزی میں ادا کیا تھا۔

''یہیں گری ہوتی تو بہتر تھا۔'' ایک روہانسی نسوانی آواز آئی۔ یہ یقینی طور پر سلومی ہی کی آواز تھی۔ حمید نے صاف پہچانا۔

''تم اپنی ضد چھوڑ دو..... ورنہ سچ مچ وحشی بروبانیوں کے حوالے کر دوں گا۔'' یہ خان دارا کی آواز تھی۔

''نہیں..... نہیں..... نہیں..... سو بار نہیں۔'' سلومی کی آواز سنائی دی۔

''ہوں..... میں چاہتا ہوں کہ تمہیں محبوبہ بنا کر رکھوں..... لیکن اب.....!''

اس کے ساتھ ہی سلومی کی چیخیں بھی سنائی دینے لگیں۔

''چھوڑ مجھے..... چھوڑ دے۔''

فریدی بے دھڑک اندر گھستا چلا گیا۔

''ٹھہرو.....!'' اس کی آواز کمرے میں گونجی۔ حمید بھی اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔

خان دارا غراتا ہوا پلٹا لیکن فریدی کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر جہاں تھا وہیں رک گیا۔

''تم..... تم..... آ گئے میرے بھائی..... میرے دوست!'' سلومی چیختی ہوئی حمید کی طرف جھپٹی اور اس سے چمٹ کر رونے لگی۔

''ہاں میں آ گیا..... میری گڑیا بہن۔'' وہ اس کی پیٹھ تھپکتا ہوا گلوگیر آواز میں بولا۔

''تم کون ہو.....؟'' خان دارا دہاڑا۔

''اب ایسا بھی نہیں ہے کہ تم مجھے پہچان نہ سکو۔''

''ہو گے کوئی..... لیکن نے اس کی جرأت کیسے کی۔''

''کرنل فریدی ایسی ہی جسارتوں کے لئے مشہور ہے ں ارا۔ یدی نے زہریلے لہجے میں کہا۔

''اوہ..... تو شاید وہ ہی تھے۔ ن ارا نے طویل سانس لی۔ وہ کسی قدر ڈھیلا پڑتا نظر آیا تھا۔ لیکن پھر فوراً ہی سنبھل کر۔ ''کرنل یدی یہ ی مملکت ہے۔ میں تمہیں معاف کر دوں گا..... چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔ یہ لڑ یہیں رہے گی۔

''سنو ن ارا..... نہ میں اس ڈویژن کا کمشنر ں اور نہ ڈی آئی جی پولیس لہٰذا ے ب نہیں سکتا۔ وہ بے چارے اس لئے ئف رہتے ہیں کہ ربار میں رسوخ رکھتے لیکن میں جوتے مارتا اتمہیں یہاں سے لے جاؤں گا۔

ن ارا غصے سے پاگل کر ریوالور پرواہ کئے بغیر یدی پر جھپٹ پڑا۔ ریوالور یدی نے خو ہی چھوڑ یا۔ وہ ش پر گرا تھا جسے حمید نے چوٹ کھا جانے پرواہ نہ کرتے ے جھپٹ کر اٹھا لیا۔ اس ش میں سلومی وسری طرف جا گری۔

ریوالور اٹھا کر وہ پیچھے ہٹتا چلا گیا تھا۔

یدی نے اُسے مخاطب کر کے۔ '' روازے پر ٹھہرو..... اگر ئی اندر آنے ش کرے تو بے ریغ گولی مار ینا۔

یدی نے ن ارا کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے تھے اور وہ انہیں چھڑا لینے کے لئے زور کر رہا تھا۔

پھر اس نے یدی کے چہرے پر ٹکر مارنے ش لیکن خو اچھل کر ور جا پڑا۔ نکہ یدی کا گھٹنا چل گیا تھا۔

ہل کھا کر وبارہ اٹھ رہا تھا کہ سر پر ٹھوکر پڑی اور سلومی تالیاں بجا بجا کر ہنسنے لگی۔

''ا ہی وحشی چاہئے اس رندے کے لئے۔ وہ حمید مخاطب کر کے لی تھی۔

''پھر تو فریدی نے اُسے ٹھوکروں ہی پر رکھ لیا تھا۔''

''ارے..... ارے..... بے ہوش ہو جائے گا۔'' حمید نے کہا۔

''ہو جانے دو۔''

''ذرا دیر تو دنگل رہے۔''

''بکو نہیں! ہمیں ان دونوں کو صحیح وسلامت نکال لے جانا ہے۔''

''اور اسے؟''

''اسے جہنم میں جھونکو..... یہ کہاں بھاگ کر جائے گا۔''

خان دارا سچ مچ بے حس وحرکت ہو گیا تھا۔

''لڑکی کو باہر لے چلو۔'' فریدی نے حمید سے کہا۔ ''اور اب اس عمارت کی طرف جہاں بوڑھا ہے۔''

''باہر اس کے آدمی موجود ہوں گے۔''

''پرواہ مت کرو..... باہر اندھیرا ہے..... لڑکی کو ہمارے ساتھ دیکھ کر وہ ہم میں ایک کو خان دارا ہی تصور کریں گے۔''

وہ باہر نکلے..... چاروں طرف ہو کا عالم تھا..... کہیں سے کسی کتے کی آواز بھی نہیں آ رہی تھی۔ اس کا یہی مطلب ہو سکتا تھا کہ جتنے کتے فریدی نے مارے تھے وہاں اتنے ہی تھے۔

پھر وہ تیز رفتاری سے اس عمارت تک پہنچے جہاں بوڑھا زوپنڈیل دکھائی دیا تھا۔

فریدی نے دروازے پر دستک دی۔ کچھ دیر بعد اندر سے پیروں کی چاپ سنائی دی۔ کسی نے دروازہ کھولا۔ وہ اسے پیچھے ہٹائے ہوئے اندر داخل ہوئے اور فریدی نے دروازہ بند کر دیا۔

بوڑھے زوپنڈیل کی آنکھوں میں استعجاب تھا۔ کبھی حمید کی طرف دیکھتا اور کبھی سلوما کی طرف۔ دفعتاً وہ اس سے لپٹ کر رونے لگی۔

''ہٹو..... ہٹو..... یہ کیا ہے۔'' اس نے سلوما کو خود سے الگ کرتے ہوئے خشک لہجے میں کہا اور فریدی کی طرف دیکھ کر حمید سے پوچھا۔ ''یہ کون ہے؟''

''میرا باس.....!'' حمید نے ناگواری سے کہا۔ سلوما کے ساتھ اس کا یہ فلسفیانہ

کھل گیا تھا۔

وہ تو سمجھا تھا کہ بوڑھا اسے دیکھتے ہی خوشی سے پاگل ہو جائے گا۔

فریدی نے بوڑھے کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ ''فوراً نکل چلو ورنہ ہم کسی دشواری میں پڑ سکتے ہیں۔''

''ارما کہاں ہے!'' زوپن ڈیل نے حمید سے پوچھا۔

''وہ بالکل محفوظ ہے..... تم بے فکر رہو..... اور.....!''

''شٹ اپ.....!'' فریدی نے حمید کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔ ''باتوں میں وقت نہ ضائع کرو۔''

وہ باہر نکلے۔ حمید سلومی کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا۔

وہ بخیر وخوبی خان دارا کی شکار گاہ سے نکل آئے۔ کسی سے بھی مڈبھیڑ نہیں ہوئی تھی۔

لیکن غار تک پہنچتے پہنچتے باپ بیٹی کا بُرا حال تھا۔ حمید کی حالت بھی کچھ زیادہ اچھی نہیں تھی۔

فریدی نے حمید سے کہا۔ ''اس قیدی کا چہرہ پوری طرح چھپا کر جیپ میں بٹھانا۔''

''کیوں.....؟''

''بحث نہ کرو..... اور ان دونوں کو اس کے بارے میں کچھ بھی نہ بتانا اور احتیاط رکھنا کہ دوران سفر تمہاری زبان سے اس کا نام بھی نہ نکلنے پائے۔''

''عجیب بات ہے۔''

''فضول بحث نہ کرو۔''

''بھوک کے مارے دم نکلا جا رہا ہے۔ اب بحث بھی نہ کروں۔''

''سفر شروع ہو جانے کے بعد کچھ کھا لینا۔ چلو جلدی کرو۔ جیپ نکالو۔''

پھر تھوڑی ہی دیر بعد وہ گلبار کے لئے روانہ ہو گئے تھے۔

گلبار پولیس اسٹیشن پہنچ کر زوپنڈیل نے فوری طور پر ارما سے ملنے کی خواہش ظاہر کی لیکن فریدی نے اسے ٹال دیا اور وہ دونوں باپ بیٹی ایک دور افتادہ کمرے میں بند کر دیئے گئے۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کیا کر رہے ہیں.....!'' حمید بڑبڑایا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کی پیشانی پر تفکر سلوٹوں سے بھری ہوئی تھی۔

ارما جگائی گئی اور وہ کوپر سمیت اس کے پاس پہنچے۔ وہ اُسے دیکھ کر بُری طرح
ان دونوں کو خوفزدہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

''یہ تمہیں الزام دے رہا ہے۔'' فریدی نے ارما سے کہا۔

''انکل کہاں ہے؟'' اس نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

''وہ بخیریت ہیں۔'' فریدی بولا۔ ''تم یہ بتاؤ جو کچھ کوپر نے کہا ہے صحیح ہے۔''

''میں نے کچھ بھی نہیں کہا۔'' کوپر غرایا۔ ''یہ جھوٹ ہے۔ تم کسی قسم کا اعتراف ہرگز

''کیوں بچوں کی سی باتیں کر رہے ہو۔ تم نے کہا تھا کہ سازش ارما نے تیار کی تھی

''تم جھوٹے ہو۔''

''بکواس کرو گے تو سر توڑ دوں گا۔'' حمید اُسے گھونسہ دکھا کر بولا۔

''نہیں..... ٹھہرو۔'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا اور تھیلے سے ایک چھوٹا سا ٹیپ ریکا
کر کوپر کو دکھاتا ہوا بولا۔ ''ہماری گفتگو ریکارڈ ہوتی رہی تھی۔ اب کیا کہتے ہو۔ سناؤں ار

کوپر نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور تھوک نگل کر رہ گیا۔

''اس کی ضرورت نہیں۔'' ارما بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''سلومی کا کیا بنا؟''

''وہ بھی محفوظ ہے.....!'' فریدی نے جواب دیا۔

''خدا کا شکر ہے..... خدا ہم سب کو معاف کرے..... ہم درندوں کو.....!'' اس
اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

وہ خاموش کھڑے رہے۔ کچھ دیر بعد ارما نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''انکل
پوچھو جا کر..... یہ اسکیم انہیں کی تھی۔ میری نہیں۔''

''زوپنڈیل کی.....!'' حمید اچھل پڑا اور ارما صرف اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔

کوپر کو حوالات میں دے کر وہ اس کمرے میں آئے جہاں زوپنڈیل اور سلومی
گئے تھے۔

انہیں دیکھتے ہی زوپنڈیل بولا۔ ''میں سمجھتا ہوں..... تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ مجھے
الگ لے چلو..... تنہائی میں تم دونوں سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ بے حد سنجیدہ اور مغ
آ رہا تھا۔

سلومی کو چھوڑ کر وہ دوسرے کمرے میں آئے۔ زوپنڈیل تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھا رہا
پھر بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔ ''میں نے بہت سے دیر سے شادی کی تھی..... دراصل مجھے
عورتوں سے نفرت تھی..... میں انہیں بے وفا اور مکار سمجھتا تھا۔ لیکن اچانک ایک عورت میری
زندگی میں داخل ہوئی۔ مجھے اس میں وہ ساری خوبیاں نظر آئیں جن کی مجھے تلاش تھی۔ میں
نے محسوس کیا جیسے مجھے اس وقت تک اسی کی تلاش تھی اور پھر میں نے اس سے شادی کر لی۔
لیکن..... وہ تو ان عام عورتوں سے بھی زیادہ مکار ثابت ہوئی جن سے میں متنفر تھا کیونکہ
شادی کے ٹھیک پانچ ماہ بعد اس نے سلومی کو جنم دیا اور اسی دوران میں بیمار ہو کر مر گئی اور یہ
سلومی جو کسی کتے ہی کی اولاد ہو سکتی تھی میرے سر پڑی۔ میں نے اپنی بدنامی کے ڈر سے اس
راز کو چھپائے رکھا کبھی کسی سے نہیں بتایا کہ مجھ پر کیا بیتی۔ یہ سب کچھ آسٹریلیا میں ہوا تھا۔
انگلینڈ واپس آیا تو سب اسے میری ہی بیٹی سمجھتے رہے۔ میں خون کے گھونٹ پی پی کر اسے
پالتا رہا۔ ارما میری یتیم بھتیجی ہے۔ میں اکثر سوچتا کہ میری دولت اور خطاب دونوں میرے
بعد اس لڑکی کو مل جائیں گے جسے میں نے سانپ کے بچے کی طرح پالا ہے اور مجھے محسوس ہوتا
جیسے میں اپنے ہاتھوں سے ارما کا گلا گھونٹ رہا ہوں۔ دونوں جوان ہوئیں اور مجھے پتہ چلا کہ
ارما ایک ایسے آدمی کو چاہنے لگی ہے جو میرے طبقے سے تعلق نہیں رکھتا۔ یہ بھی تکلیف دہ بات
تھی۔ لیکن میں نے تہیہ کر لیا کہ ارما کو اپنے راز میں شریک کر کے سلومی کو راستے سے ہٹانے
کی کوشش کروں گا۔ میں نے یہی کیا۔ بعد کی باتیں تمہیں ارما اور کوپر سے معلوم ہو چکی ہوں
گی۔ بہرحال میں اس معاملے کی عالمی پبلسٹی چاہتا تھا اس لئے اتنے گھماؤ پھراؤ کے ساتھ
پُراسرار حالات میں سلومی کو خود سے الگ کر دینے کی اسکیم بنائی تھی۔

''لیکن ارما تو تمہیں درندہ کہہ رہی تھی۔'' حمید بھنا کر بولا۔

''احمق ہے..... ناسمجھ ہے۔ وہ کیا جانے کہ پرسٹیج کیا چیز ہوتی ہے۔''

فریدی کا چہرہ سرخ ہو گیا لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔

پھر زوپنڈیل کو بھی حوالات میں دے دیا گیا اور وہ پھر ارما کے پاس واپس آئے۔

''کیا میرے چچا نے اعتراف کر لیا۔'' اس نے فریدی سے پوچھا۔

''ہاں..... اس نے سب کچھ بتا دیا ہے۔ تم بہرحال اس سازش میں شریک تھیں۔''

''اور میں اس کی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوں۔ نہ مجھے خطاب کی ضرورت ہے اور نہ جائیداد کی۔ شاید سلومی کو بھی نہ ہو۔ لیکن جب اسے یہ معلوم ہوگا کہ وہ زوپنڈیل کی بیٹی نہیں ہے تو اس کا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ اس مکار آدمی نے اسے ایسی محبت دی تھی جس کا جواب مشکل ہی سے مل سکے گا۔ اب میں سوچتی ہوں تو اپنے چچا کی اداکاری پر حیران رہ جاتی ہوں۔ اتنا زبردست کینہ دل میں چھپائے ہوئے ایسی والہانہ محبت کا مظاہرہ کرتا رہا۔ اب میری زندگی بھر سلومی کے لئے خون کے آنسو روتی رہوں گی۔ خان دارا کے قبضے میں رہ کر وہ اپنی قسمت پر شاکر ہو جاتی۔ اسے کبھی نہ معلوم ہوسکتا کہ وہ زوپنڈیل کی بیٹی نہیں ہے۔''

وہ پھر رونے لگی تھی۔ وہ دونوں اسے وہیں چھوڑ کر باہر آ گئے۔

''اب خان دارا کا کیا ہوگا۔''

''میں رپورٹ دے دوں گا۔ حکام بالا جو مناسب سمجھیں گے کریں گے۔ یقین کرو اگر وہ سلومی سے زبردستی میں کامیاب ہوگیا ہوتا تو میں اسے زندہ نہ چھوڑتا۔''

''سلومی.....!'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''کاش وہ مجھے مل سکتی۔ میں اسے اپنی بیوی بنانے میں فخر محسوس کروں گا۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی زخمی شیر اپنے آس پاس کے پتھر تک چبا ڈالنا چاہتا ہو۔

حمید نے اس کا دھیان بٹانے کے لئے جھنجھنے کی بات چھیڑ دی اور اس نے کہا جب زوپنڈیل نے آسٹریلیا کا نام لیا تھا اسی وقت مجھے وہاں کے جنگلات میں پائی جانے والی گھاس یاد آئی تھی جس کی بو پر گھوڑے جان دیتے ہیں۔ میلوں دور سے اس کی بو پا کر اسی کی سمت دوڑتے چلے جاتے ہیں۔ وہاں کے قدیم قبائلی باشندے اسے جنگلی گھوڑے پکڑنے کے کام میں لاتے ہیں۔ پلاسٹک کے جھنجھنے کے اندر وہی گھاس رکھی گئی تھی۔

تاریکی چھٹ رہی تھی اور اجالا پھیل رہا تھا۔

حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور جیب میں تمباکو کی پاؤچ ٹٹولنے لگا۔

تمام شد

ابنِ صفی

جلد نمبر
36

جاسوسی دنیا

106- خونی ریشے

107- تیسری ناگن

108- ریگم بالا



جاسوسی دنیا نمبر 106

خونی ریشے

(پہلا حصہ)

پیشرس

''خونی ریشے'' تاخیر سے پیش کر رہا ہوں۔ کراچی کی آب وہوا کو اب کچھ کہنے کو جی نہیں چاہتا۔ لہٰذا جب بھی کسی کتاب میں تاخیر ہو..... اسے تبخیر معدہ کا نتیجہ سمجھ کر بیچارے مصنف کو اپنی دعاؤں میں یاد کر لیا کیجئے.....!

بہرحال یہ کتاب لکھی گئی اور آپ کے ہاتھوں میں ہے! ایک دن اور ایک رات کی کہانی۔ دیکھئے اس رات کے گریبان سے طلوع ہونے والا دوسرا دن آپ کے لیے کتنی دلچسپیاں لاتا ہے۔

فریدی اور حمید کے سلسلے میں ایک طویل داستان کی فرمائش عرصہ سے کی جا رہی تھی..... بہتیرے پڑھنے والوں نے تو پچھلی کتاب ''دھواں ہوئی دیوار'' کے متعلق ہی تحریر کیا تھا کہ اس میں ایک لمبی کہانی بننے کے امکانات موجود تھے۔ پھر اس کا گلا ایک ہی جلد میں کیوں گھونٹ دیا گیا.....!

اس سلسلے میں کیا عرض کروں.....؟ پڑھنے والوں میں دو طرح کے اصحاب موجود ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ چاہے کچھ ہو کہانی ایک ہی جلد میں ختم کی جائے۔ دوسرے کا کہنا ہے کہ کئی جلدوں میں پھیلی ہوئی کہانیاں زیادہ دلچسپ اور بھرپور ہیں۔ لہٰذا ایسی ہی کہانیاں لکھی جائیں.....!

تو پھر بتایئے کیا کروں.....؟ اس کے علاوہ اور کیا صورت ہو سکتی ہے کہ کبھی آپ کی فرمائش پوری کروں اور کبھی کسی دوسرے صاحب کی..... اپنی مرضی کو دخل دوں تو سننا پڑتا ہے۔ زنگ لگ رہا ہے آپ کے قلم کو..... شعلوں کے سیٹ والے ابن صفی کو آواز دیجئے.....! درندوں کی بستی والے ابن صفی کو پکاریئے..... آپ اتنے مولانا کیوں ہوتے جا رہے ہیں۔ بڑھاپا شروع ہو چکا ہو تو اللہ اللہ کیجئے! وغیرہ وغیرہ.....!

اچھا صاحب.....! خونی ریشوں پر نظر رکھیے گا.....! ہو سکتا ہے۔ انہی کہانیوں کی یاد تازہ ہو جائے جن کے حوالے آپ اکثر دیتے رہتے ہیں.....! ویسے آپ مطمئن رہئے اگر بڑھاپا شروع ہو گیا تو آپ کو اس کی اطلاع ہرگز نہ ہونے پائے گی کیونکہ براہ راست ملاقات تو ہوتی نہیں..... بیس سال پہلے کی تصویر مرتے دم تک چھپواتا رہوں گا۔ آپ میرا کیا بگاڑ لیں گے۔ والسلام

ابن صفی

۲۹-۸-۷۰

پُراسرار ماتحت

برفباری شروع ہو گئی تھی۔ لہٰذا جیپ بائیں جانب کی ایک ایسی ڈھلان میں اتار دی گئی جہاں وہ برف باری سے کسی حد تک محفوظ رہ سکتے تھے۔

ان کے درمیان بیٹھے ہوئے آدمی نے خوش ہو کر کہا۔ ''یہ تو بہت اچھا ہوا۔ میرے خواب میں برفباری بھی شامل تھی!''

برفباری پر خوشی کا اظہار کرنے والا..... خلا میں آنکھیں جمائے مسکراتا رہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اس وقت بھی کوئی سہانا خواب ہی دیکھ رہا ہو.....!

برف کے ذرات لحہ بہ لحہ گھنے ہوتے جا رہے تھے۔ پھر چاروں طرف سفیدی ہی سفیدی چھا گئی!

وہ جیپ ہی میں بیٹھے رہے کیونکہ جیپ کے اوپر چٹان کا ایک بڑا حصہ سایہ کئے ہوئے تھا اور وہ برف کے ذرات سے کسی قدر محفوظ ہو گئے تھے۔

''آپ دیکھ رہے ہیں!'' دفعتاً حمید ڈھلوان سے سڑک کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ ''اگر یہ جگہ برف سے اٹ گئی تو اوپر پہنچنا کتنا مشکل ہو جائے گا!''

''پروا مت کرو.....!'' ان کے درمیان بیٹھے ہوئے آدمی نے جھوم کر کہا۔ وہ ہاتھ کو جنبش دے گی اور راستہ صاف ہو جائے گا.....!''

''خاموش رہو.....!'' حمید جھلا کر بولا..... لیکن فریدی نے اسے ایسے انداز میں گھورا تھا جیسے اسے اس کا یہ رویہ پسند نہ ہو.....! حمید برا سا منہ بنائے ہوئے دوسری طرف مڑ گیا!

یہ تیسرا آدمی فریدی کا نیا اسسٹنٹ سب انسپکٹر واجد تھا.....!

چھبیس ستائیس سال کا یہ بلند و بالا جوان ٹیکم گڈھ سے تبدیل ہو کر امر سنگھ کی جگہ پر کرنے آیا تھا.....!

حمید کی موجودگی ہی میں اس نے اپنے کاغذات کرنل فریدی کے سامنے پیش کیے تھے.....اور مسکرا کر بولا تھا۔ ''خواب دیکھنا میری ہابی ہے جناب!''

حمید چونک کر اسے گھورنے لگا تھا کیونکہ خود اس کے علاوہ فریدی کے سامنے اس طرح زبان کھولنے کی جرأت اور کسی میں نہیں تھی۔ پھر اس سے بھی زیادہ حیرت اسے فریدی کے رویئے پر ہوئی تھی.....اس نے مسکرا کر سر کو جنبش دی تھی اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا!

اس کے بعد تو دونوں کے درمیان ایسی بے سروپا گفتگو شروع ہو گئی تھی کہ حمید بوکھلا کر کبھی ایک کی شکل دیکھتا تھا اور کبھی دوسرے کی.....اور پھر ایک ہفتے تک وہ یہی سمجھتا رہا تھا کہ واجد کے روپ میں کوئی بدروح فریدی پر حملہ آور ہوئی ہے.....!

وہ اس سے گھنٹوں بے سروپا گفتگو کرتا رہتا.....اس دوران میں ایک بار بھی کوئی ایسا موقع نہیں آیا تھا جب فریدی نے اس کی کسی بات کی تردید کی ہو.....!

وہ کچھ بھی کرتے رہتے حمید کے کان پر جوں نہ رینگتی.....!لیکن بہر حال اسے رینگنا پڑا کیونکہ اس اوٹ پٹانگ گفتگو کا اختتام اس نامراد سفر کی تیاریوں پر ہوا تھا.....!

واجد انہیں کسی نامعلوم منزل کی طرف لیے جا رہا تھا اور اب وہ ٹیکم گڈھ سے بھی گزر چکے تھے!

حمید پچھلے واقعات پر غور کرتا رہا.....سردی اتنی شدید تھی کہ اس کی ناک سن ہو کر رہ گئی تھی جسے وہ بار بار ہتھیلی سے رگڑنے لگتا تھا.....!برفباری بدستور جاری تھی۔

فریدی کے ساتھ رہ کر حیرت انگیز حالات سے دوچار ہونا کوئی نئی بات نہ تھی لیکن یہ واقعہ سراسر دیوانگی کی پیداوار تھا.....!

بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ واجد نے کہا کہ وہ خوابوں کی سرزمین پر ضرور قدم رکھے گا.....آپ نے فرمایا ''ضرور! میں بھی تمہارا ساتھ دوں گا.....!''

بس سفر شروع ہو گیا.....ٹیکم گڈھ میں وہ ایک دن کے لیے ٹھہرے تھے۔ حمید نے [illegible] کی کوشش کی تھی.....!اور اس چہ مان میں کا نتیجہ یہ نکلا تھا۔

واجد عام حالات میں ایک ذمہ دار اور سنجیدہ آدمی ہے لیکن کبھی کبھی اس پر دورے سے پڑتے ہیں اور وہ سمجھ میں نہ آنے والی باتیں کرنے لگتا ہے۔

حمید نے یہ چہان بین فریدی کی لاعلمی میں کی اور پھر اسے نتیجے سے آگاہ کرتا ہوا بولا۔ ''سچ مچ آپ کا جواب نہیں ہے۔''

اس کا لہجہ طنزیہ تھا.....لیکن فریدی بڑی خوشدلی کا مظاہرہ کرتا ہوا بولا.....''تفریح حمید صاحب.....!معمولات میں تبدیلی ہی کا نام تفریح ہے.....!''

''معمولات میں تبدیلی.....!'' حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھی.....!

''ہاں فرزند.....!''

''کوٹھی کے پھاٹک پر سر کے بل کھڑے ہو جانے سے بھی معمولات میں بہت بڑی تبدیلی واقع ہو سکتی تھی یہ اتنا بھیانک سفر کیوں؟ خدا کی پناہ.....سردیوں کا موسم اور یہ علاقہ!''

اتنے میں واجد آ گیا تھا اور فریدی نے حمید کو اس طرح گھور کر دیکھا تھا جیسے اس مسئلے پر اس کی موجودگی میں گفتگو نہ کرنا چاہتا ہو.....!

حمید ٹھنڈی سانس لے کر تن بہ تقدیر ہو گیا تھا لیکن ٹھنڈی سانس لینا اور بات ہے اور ہنڈ کا خوشدلی سے مقابلہ کرنا اور بات۔ اس وقت تو اسے اس کے علاوہ اور کچھ یاد نہیں تھا کہ وہ کیپٹن حمید ہے اور اسے زندہ رہنا ہے۔

برف باری برف کا طوفان معلوم ہوتی تھی.....!فریدی نے جیپ کے سائڈ کور بھی چڑھا دیئے تھے اور بار بار انہیں ہلاتا جا رہا تھا۔ دفعتاً اس نے حمید سے پوچھا!

''کافی پیو گے!''

''انگارے چباؤں گا.....!میسر کر سکیں گے آپ!''

''بالکل گدھے ہو.....!'' فریدی مسکرا کر بولا!

''مجھے اپنے بالکل گدھا ہونے پر فخر ہے.....خواہ مخواہ مصیبتیں نہیں تلاش کرتا پھرتا!''

''اف فوہ.....کیپٹن صاحب.....!'' واجد جھک کر آہستہ سے اس کے کان میں ''آپ کیوں فکر کرتے ہیں۔ آپ کی ساری کوفت دور ہو جائے گی!''

''بھلا وہ کس طرح جناب عالی.....!'' حمید بھنا کر بولا!

''ابھی میں نے آپ کو اپنے خالو جان والے موٹیل کے بارے میں تفصیل سے کچھ نہیں بتایا!''

''آپ کیا بتائیں گے.....؟'' لہجے کی خشکی بدستور برقرار رہی۔

اتنے میں فریدی برساتی پہن کر نیچے اتر گیا.....! بات جہاں تہاں رہ گئی اور وہ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''میں ذرا اس چٹان کے پیچھے جا رہا ہوں!'' فریدی چیخ کر بولا۔ ''تم دونوں یہیں ٹھہرو!''

کچھ دیر بعد واجد نے کہا۔ ''ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ میرے خالو کی بیوی بہت زود دل واقع ہوئی ہیں.....!''

''خالو کی بیوی.....!'' حمید کے لہجے میں تمسخر آمیز حیرت تھی!

''ہاں.....اوہ اچھا.....!'' وہ کھسیانی ہنسی کے ساتھ بولا.....! ''میں اسے خالہ نہیں کہہ سکتا.....! کیونکہ وہ خالو کی دوسری بیوی ہے.....! میری خالہ تو عرصہ ہوا مر چکیں!''

''اور تم انہیں اب تک خالو ہی سمجھتے رہنے پر مصر ہو!''

''پھر کیا سمجھوں.....!''

''تمہاری مرضی لیکن موصوفہ کو بھی تمہیں خالہ ہی کہنا چاہئے!''

''شرم آتی ہے.....! کیونکہ اول تو یہ کہ وہ امریکن ہیں.....! اور دوسرے میری ہم عصر ہوں گی.....!''

''کوئی فرق نہیں پڑتا تم انہیں امریکن خالہ کہہ سکتے ہو۔ بچپن میں میری ایک بتولن خالہ تھیں اور پڑوس میں بھینس والی خالہ بھی رہتی تھیں ایک کو اُود بلاؤ والی خالہ کہا کرتا تھا۔ کیونکہ اود بلاؤ ان کی کمزوری تھی.....! امریکن خالہ تو شاندار لگے گا.....واہ.....خیر جہنم میں جھونکو خالاؤں کو یہ بتاؤ کہ تم ہمیں کہاں لیے جا رہے ہو!''

وہ حیرت سے بولا.....''میں کہاں لیے جا رہا ہوں۔ یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں!''

''کیا مطلب؟''

''مطلب بھی آپ ہی سمجھائیے.....! پتہ نہیں بعض اوقات آپ کیسی باتیں کرنے لگتے ہیں.....!'' واجد کے لہجے میں ناگواری تھی۔

''تمہاری بے تکی بکواس ہی کی بناء پر اس سفر کا پروگرام بنا تھا!''

''میں نے تو کبھی کوئی بے تکی بکواس نہیں کی.....!''

''کیا تم میرا مضحکہ اڑانے کی کوشش کر رہے ہو.....؟'' حمید گرم ہو گیا!

''میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کس مزاج کے آدمی ہیں۔!''

''ابھی کچھ ہی دیر پہلے تم نے کہا تھا کہ تمہارے خواب میں برفباری بھی شامل تھی اور وہ اشارہ کرے گی، راستہ صاف ہو جائے گا!''

''میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی.....''

''اچھا خاموش رہو.....!'' حمید گرج کر بولا۔!

''عجیب آدمی ہیں آپ.....!''

''شٹ اپ.....!''

واجد خاموش ہو کر غصیلے انداز میں دوسری طرف دیکھنے لگا.....!

برفباری کا وہی حال تھا۔ آدھا گھنٹہ گزر گیا لیکن فریدی واپس نہ آیا واجد بھی خاموش تھا۔ کچھ دیر پہلے اس کے چہرے پر ناگواری کے آثار تھے لیکن اب حمید محسوس کر رہا تھا جیسے اس کا ذہن ان تمام باتوں سے صاف ہو گیا ہو جو کچھ دیر پہلے شکر رنجی کا باعث بنی تھیں.....! آنکھوں میں عجیب سی معصومیت نظر آنے لگی تھی اور خدوخال میں نرمی سی پیدا ہو گئی تھی۔

دفعتاً وہ حمید کی طرف مڑا.....اور اس سے لپٹ کر دھاڑیں مارنے لگا۔

''ارے.....ارے.....!'' حمید پر بوکھلاہٹ طاری ہو گئی.....وہ اسے دھکیلنے کی کوشش کرنے لگا تھا.....لیکن واجد اس سے چمٹا ہوا زار و قطار روتا رہا۔

''ارے۔او.....میاں.....بس ختم کرو کوئی بات نہیں.....ارے بھئی.....او بس بھی کرو!''

''وہ آ رہی ہے.....!'' واجد روتا ہوا بولا.....''خدا کے لیے سائیڈ کور ہٹاؤ!''

''پھر وہی بکواس.....!''

''میرے بھائی.....میرے دوست.....!''

''تم پاگل ہو.....سو فیصدی پاگل.....!'' حمید مایوسی سے بولا۔

''میں پاگل نہیں ہوں.....! خدا کے لیے کور ہٹا دو.....میں اس کی آہٹ سن رہا

ہوں..... پلیز حمید صاحب..... حمید بھائی.....!"

"ہو سکتا ہے تم پاگل نہ ہو..... لیکن اب میں ضرور پاگل ہوں جاؤں گا۔ حد ہے کوئی بے ہودگی کی..... ابھی کچھ دیر پہلے کیا بکواس کر رہے تھے!"

"میں کچھ نہیں جانتا تم سائیڈ کور ہٹا دو.....!" واجد ہچکیاں لیتا ہوا بولا۔ انداز کسی ضدی بچے کا سا تھا.....!

"کور ہٹانے کا مطلب سمجھتے ہو.....!" حمید آنکھیں نکال کر دھاڑا۔

"وصال یار.....!"

"برف میں دفن ہو کر؟ کیوں؟"

"برف نظر کا دھوکا ہے.....!"

"اچھی بات ہے تو جاؤ جہنم میں.....!" حمید نے کہہ کر اسی کی طرف کا سائیڈ کور ہٹا دیا۔ نہ صرف کور ہٹا دیا بلکہ واجد کو بھی جو دھکا دیا ہے تو وہ نیچے جا پڑا۔

"کیا ہوا..... کیا بات ہے.....؟" دفعتاً فریدی کی آواز آئی اور پھر حمید نے دیکھا کہ وہ اسے اٹھا رہا ہے۔

اٹھا کر جیپ کے قریب لایا اور اسے اندر بٹھاتا ہوا بولا..... "یہ کیا ہوا"

"دھکا دے دیا تھا میں نے.....!"

"کیا مطلب.....!"

"اگر آپ نے مطلب پوچھا تو اب خود کسی چٹان سے چھلانگ لگا دوں گا!"

"آخر بات کیا ہے.....!" فریدی بھی سیٹ پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"اگر یہ پاگل ہے تو بتا دیجئے.....! اگر نہیں ہے تب بھی مجھے اس کا علم ہونا چاہئے۔"

"چلو چھوڑو..... تمہیں اس کا خیال رکھنا چاہئے!"

"کیوں۔؟ کس لیے.....!"

فریدی جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ واجد بڑبڑایا۔ "اوہو..... میں بھیگ گیا ہوں شاید.....!" اور حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اپنے کپڑوں سے برف کے ذرات جھاڑنے لگا!

حمید نے اسے قہر آلود نظروں سے دیکھا اور پھر فریدی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"میں کسی ایسے غار کی تلاش میں تھا جہاں پناہ لی جا سکے!"

حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور ونڈ اسکرین پر نظریں جما دیں.....!

"برفباری کب تک ہوتی رہے گی.....!" واجد نے جیسے خود سے سوال کیا؟ کوئی کچھ نہ بولا!

وہ بڑبڑانے لگا..... "خالو کا موٹیل زیادہ دور نہیں ہے..... لیکن یہ مجبوری آ پڑی ہے۔!"

"میں تمہاری خالہ سے ملنے کے لیے بہت بے چین ہوں۔" حمید کا لہجہ زہریلا تھا۔

"آپ ان سے مل کر خوشی ہو گی۔ بہت خوش اخلاق ہیں....." واجد نے مسکرا کر کہا..... اور حمید اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ اسے واقعے کے بعد وہ اس طرح پیش آ سکے گا۔

"کیا ہم یہاں سے پیدل آسانی وہاں تک پیدل جا سکیں گے۔" فریدی نے پوچھا!

"جا تو سکتے تھے..... لیکن یہ برفباری!"

"تم اس کی پرواہ نہ کرو..... ہم جیپ یہیں چھوڑ دیں گے.....!"

"میں پیدل نہیں چل سکتا.....!" حمید بھنا کر بولا۔

"تو پھر شرافت سے یہیں بیٹھے رہو.....!" فریدی غرایا۔

اس نے دوبارہ سائیڈ کور لگا دیا تھا.....!

"اچھی بات ہے جناب.....!" حمید سر ہلا کر بولا۔ "میں پائپ پینا چاہتا ہوں۔"

"برف باری ختم ہونے پر.....!" فریدی نے خشک لہجے میں کہا.....! "ورنہ دھواں بجھ جائے گا!"

"اچھا تو پھر کافی پلائیے.....!" حمید نے بالکل کسی ضدی بچے کے سے انداز میں کہا جو شاید خواہش کے پورے نہ ہونے پر فوراً ہی کوئی دوسری خواہش ظاہر کر بیٹھے!

"میں تم سے تنگ آ کر گیا تھا کہ اس کا خیال رکھنا.....!" فریدی نے کافی کا تھرماس سنبھالتے ہوئے کہا۔

"[illegible] ہے.....! اب خیال رکھوں گا..... دودھ کی بوتل تیار کر لاؤں..... یا صرف [illegible]

''کیا یہ گفتگو میرے لیے ہے.....!'' واجد نے مسکرا کر پوچھا!

''نہیں جناب.....! آپ تو گانٹھ کے پورے ہیں.....! ہاں اب فرمایئے۔! وہ کتو بعد آپ کے لیے برف کی چادر ہٹائے گی.....!''

''کون.....؟''

''اوہ.....'' حمید اسے خونخوار نظروں سے گھور کر رہ گیا!

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر آپ تھوڑے تھوڑے وقفے سے مجھ پر غرانے لگتے ہیں.....!'' واجد نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''کوئی بات نہیں..... یہ اس کی عادت ہے.....'' فریدی نے کہا!

''بُری عادتوں کا گہوارہ ہوں.....؟'' حمید سرد لہجے میں بولا۔

''لو کافی لو..... اب بکواس بند.....!'' فریدی نے اس کی طرف کافی کا کپ بڑھاتے ہوئے کہا۔

دوسرا کپ اس نے واجد کو دیا تھا اور پھر اپنے لیے بھی انڈیلنے لگا تھا۔

''یہ جیپ اس برف میں دفن ہو جائے گی.....!'' حمید بڑبڑایا۔

''فکر نہ کرو.....!'' جواب ملا۔

اور حمید نے انتہائی درجہ کی جھنجھلاہٹ کے عالم میں سوچا کہ سچ مچ اسے کوئی فکر نہ چاہئے کیونکہ برف جیپ کے پہیوں کے لیول تک آ گئی تھی اور کچھ دیر بعد شاید وہ ج دروازہ کھولنے میں بھی دشواری محسوس کرتے۔

وہ زہر کے گھونٹوں کی طرف کافی حلق سے اتارتا رہا۔

کچھ دیر بعد اس نے محسوس کیا کہ برفباری کی شدت میں کمی واقع ہو رہی ہے۔

''کرنل فریدی کا اقبال.....'' اس نے طنزیہ انداز میں ٹھنڈی سانس لی لیکن فریدی لگ رہا تھا جیسے اس نے سنا ہی نہ ہو.....!

کچھ دیر بعد برفباری بالکل تھم گئی۔

''اب نیچے اترو.....!'' فریدی جیپ سے اترتا ہوا بولا.....! اس کے بعد اس جیپ کے پچھلے حصے سے تین بیلچے نکالے اور ایک ایک بیلچہ دونوں کی طرف بڑھا دیا!

جیپ کے پچھلے حصے سے تین بیلچے نکالے اور ایک ایک بیلچہ دونوں کی طرف بڑھا دیا!

واجد نے بیلچہ ملتے ہی جیپ کے آس پاس سے برف ہٹانے کا کام شروع کر دیا۔! لیکن حمید اپنا بیلچہ بغل میں دبائے کھڑا خلائیں گھورتا رہا۔ فریدی بھی کام میں لگ گیا تھا.....! دفعتاً ن نے سر اٹھا کر حمید کی طرف دیکھا اور بولا.....! ''تمہیں کیا ہو گیا.....!''

''وہ آ رہی ہے.....!'' حمید نے خوابناک سے لہجے میں کہا.....! ''ابال بچوں سمیت یک بچے کے ہاتھ میں جھنجھنا ہے.....اور دوسرے نے بلی کی دم پکڑ رکھی ہے۔''

''بکواس مت کرو.....! برف ہٹاؤ.....!''

''میں جا رہا ہوں..... تنہا ہوتی تو خیر کوئی بات نہ تھی ..... بال بچوں سمیت میں کسی ذلت کو بھی برداشت نہیں کر سکتا.....!'' حمید نے کہا اور بیلچے سے برف ہٹا ہٹا کر سڑک کی طرف بڑھنے لگا!

فریدی کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی.....! اور واجد اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔!

حمید نے واجد کی آواز سنی.....! ''یہ انہیں کیا ہو گیا ہے!''

''کچھ بھی نہیں..... تم اپنا کام کرو!''

حمید سڑک پر پہنچ کر ان کا انتظار کرنے لگا..... سڑک پر برف کی تہہ زیادہ موٹی نہیں تھی۔!

کچھ دیر بعد اس نے جیپ کے انجن کی آواز سنی اور پھر پہلے ہی کے سے پوز میں آ گیا.....! انجن کی آواز برقرار نہ رہ سکی.....! پھر وہ صرف سلف اسٹارٹر کے گھومنے کی آواز سنتا رہا تھا۔!

کچھ دیر بعد وہ پھر نشیب کی طرف بڑھا..... اور یہ دیکھ کر اسے ہنسی آ گئی کہ فریدی اور دونوں جیپ کے انجن پر جھکے ہوئے ہیں.....!''

وہ بیلچہ بلاتا ہوا ان کے قریب جا پہنچا.....! دفعتاً فریدی نے سر اٹھا کر اس سے کہا.....! ''تم میرے ساتھ جاؤ.....! فیول پمپ کام نہیں کر رہا.....!'' جیپ یہیں چھوڑ دینی پڑے گی۔''

''اور آپ بھی یہیں رہ جائیں گے.....!''

''تم وہاں سے واجد کے عزیز کی گاڑی لاؤ گے۔! سامان یہاں نہیں چھوڑا جا سکتا۔''

''چلئے جناب.....!'' حمید نے طویل سانس لے کر واجد سے کہا۔

وہ دونوں چل پڑے..... سردی مزاج پوچھ رہی تھی! حمید نے اوور کوٹ کا کالر کانوں

"کیا میں تمہیں مضحکہ خیز لگ رہا ہوں!" حمید نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا!

"نہیں جناب.....! آپ تو بہت خوبصورت لگ رہے ہیں!"

"کیا لوگوں نے میرے خلاف تمہارے کان بھرے تھے.....!"

"اس سوال کا مطلب میں نہیں سمجھا.....!"

"ٹیکم گڈھ سے چلتے وقت لوگوں نے میرے بارے میں تمہیں کچھ بتایا تھا"

"میں نے یہی سنا تھا کہ آپ بہت خوش مزاج آدمی ہیں.....لیکن اس کے برعکس دیکھ رہا ہوں کہ.....!" وہ جملہ پورا کیے بغیر خاموش ہو گیا.....!

"تم نے میرا دماغ خراب کر دیا ہے.....!"

"آپ کئی بار اسی قسم کے خیالات کا اظہار کر چکے ہیں.....!" واجد نے جھنجھلا کر چلتے چلتے رک گیا۔

"کیا میں غلط کہہ رہا ہوں.....؟"

"میں پوچھتا ہوں.....! میں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے.....!"

"خیر.....خیر.....چلتے رہو.....!" گفتگو کے لیے رکنا صحت کے لیے مضر ہے!

واجد ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑاتا ہوا پھر چلنے لگا! حمید سوچ رہا تھا۔ فکر بیٹے.....میں تمہیں دیکھوں گا۔! کچھ دیر بعد اس نے واجد سے پوچھا....."تمہارے عمر کیا ہو گی؟"

"پچاس پچپن.....!"

"آنٹی کی.....!"

"انہیں سے معلوم کر لیجئے گا.....!" واجد نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"اتفاق سے میرے کسی خالو کو ابھی تک دوسری شادی کرنے کا موقع نہیں ملا میں تمہیں اپنی آنٹی کی عمر بتاتے ہوئے قطعی نہ شرماتا.....!"

"کیا آپ میری توہین کرنا چاہتے ہیں.....!" واجد پھر رک گیا۔

"چلتے رہو.....!" حمید لاپروائی سے بولا۔

"نہیں میں اسے برداشت نہیں کر سکتا!"

واجد کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا.....! ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اب وہ اس کے ساتھ ایک قدم بھی آگے نہ بڑھائے گا۔ پھر اچانک وہ بے ساختہ مسکرا پڑا اور چہرے کی کرختگی آن واحد میں غائب ہو گئی.....آنکھیں دور کہیں کسی نامعلوم جگہ نگراں تھیں۔

حمید کی مٹھیاں بھنچ گئیں.....! اب یہ مردود پھر وہی بکواس شروع کر دے گا لیکن وہ مردود خاموشی سے بائیں جانب مڑ کر ڈھلان میں اترنے لگا۔

"کیا وہ موٹیل سڑک سے ہٹ کر ہے.....؟" حمید نے اس سے پوچھا۔

لیکن وہ جواب دیئے بغیر ڈھلان میں اترتا رہا.....حرکت خطرناک تھی.....کیونکہ برف کی تہہ کے اوپر سے اندازہ کرنا مشکل تھا کہ نیچے کیا ہو گا۔

حمید نے سوچا ممکن ہے راستہ دیکھا بھالا ہونے کی بناء پر وہ اتنے اعتماد کے ساتھ قدم اٹھا رہا ہو!

وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ ڈھلان سے اتر کر پھر مسطح زمین شروع ہو گئی تھی!

حمید رک کر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا.....واجد چلتا رہا.....! وہ بہرحال اس کی آنکھوں سے اوجھل نہیں تھا اس لیے اس نے اطمینان سے پائپ سلگانے کیلئے لائٹر نکالا.....!

دفعتاً پشت سے فریدی کی آواز سنائی دی....."اسے پکڑو.....آگے نہ بڑھنے دو.....!"

پھر وہ خود ہی دوڑتا ہوا اس کے قریب سے گزر گیا۔ اس کے قدم ٹھیک انہیں جگہوں پر پڑ رہے تھے جہاں برف پر واجد کے قدموں نے نشانات بنائے تھے۔ حمید بھونچکا رہ گیا۔

پھر غیر ارادی طور پر اس کے قدم بھی اسی سمت اٹھنے لگے تھے اور وہ بھی دوڑ ہی رہا تھا.....!

اس کے قریب پہنچنے سے پہلے فریدی نے واجد کو جا لیا.....!

واجد آپے میں نہیں تھا.....! زبان سے تو کچھ نہیں کہہ رہا تھا لیکن چلتے رہنے پر مصر نظر آ رہا تھا.....! فریدی کی گرفت سے نکل جانے کے لیے اس طرح مچل رہا تھا جیسے اس دخل اندازی پر اپنی کسی محبوب شے سے محروم ہو جانے کا اندیشہ رکھتا ہو.....!

حمید خاموش کھڑا حیرت سے انہیں دیکھتا رہا.....!

واجد تھوڑی دیر تک تو خود کو فریدی کی گرفت سے چھڑا لینے کی کوشش کرتا رہا پھر آہستہ آہستہ اس کا یہ انداز جارحانہ روش اختیار کرنے لگا۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے! فریدی تو جیپ کی نگہداشت کے لیے وہیں رک گیا تھا..... پھر اس طرح انہیں غافل رکھ کر تعاقب کی ضرورت کیوں محسوس کی..... اور اب یہ دیوانگی.....!

اس وقت وہ دونوں ہی اسے پاگل معلوم ہو رہے تھے۔ بالآخر فریدی نے اسے پیچھے کر سینے پر گھٹنا ٹیک دیا.....!

"اوہ سر.....! اوہ جناب عالی.....!" واجد کی گھگھیاہٹ سنائی دینے لگی.....! "آپ..... کک..... کیوں ہلاک کر رہے ہیں.....!"

فریدی اسے چھوڑ کر ہٹ گیا..... نہ صرف ہٹ گیا بلکہ بڑے ہمدردانہ انداز میں اسے برف پر سے اٹھانے بھی لگا۔

"کیا مجھے یہاں سے بھاگ جانا چاہئے.....!" حمید پائپ کو جیب میں ڈالتا ہوا بڑبڑایا۔

اتنے میں اس نے فریدی کو کہتے سنا.....! "تم چلتے چلتے گر گئے تھے میں تمہیں اٹھا رہا تھا!" ساتھ ہی وہ اس کے کپڑوں سے برف کے ذرات بھی جھاڑتا جا رہا تھا!

دفعتاً حمید آسمان کی طرف منہ اٹھا کر چیخا.....! "خداوندا میں کیا کروں؟"

وہ دونوں اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور واجد بڑے گمبھیر لہجے میں بولا۔

"کپتان صاحب میری سمجھ سے باہر ہیں۔"

"خدا کا شکر ادا کرو کہ کپتان صاحب بھی اپنی کھوپڑی سے باہر نہیں ہو گئے.....!" حمید شور مچانے کے سے انداز میں چیخا۔ "ورنہ تم دونوں کی خبر گیری کون کرتا.....!"

"غیر ضروری باتوں سے احتراز کرو۔" فریدی غرایا۔

اور وہ لوگ پھر سڑک کی طرف مڑ گئے.....!

"یہ ہم کدھر نکل آئے.....؟" واجد چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا..... "یہ کپتان صاحب شاید.....؟"

"ہاں ہاں.....! کپتان صاحب ہی تو تمہیں ادھر لائے تھے۔" حمید نے سر ہلا کر کہا۔ "ورنہ تم تو سیدھے اپنے خالو کی بیوی کی.....!"

"شٹ اپ.....!" فریدی کا لہجہ بے حد ناخوشگوار تھا.....! "خاموشی سے چلتے رہو!"

حمید نے پھر جیب سے پائپ نکالا اور اسے سلگانے لگا۔

سڑک پر پہنچ کر فریدی نے رکنے کا اشارہ کیا اور بولا۔

"تم دونوں یہیں ٹھہرو..... میں جیپ لا رہا ہوں.....! وہ دونوں..... خاموش رہے..... پھر فریدی ہی نے وضاحت کی۔

"فیول پمپ ٹھیک ہے.....! اوور فلو ہو گیا تھا!" فریدی جب کچھ دور نکل گیا..... تو واجد نے پُرتشویش لہجے میں کہا.....! "میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے!"

"بھلا تم کس طرح سمجھ سکو گے.....؟" حمید نے سوال کیا۔

"میں کیا بتا سکتا ہوں؟"

"فکر نہ کرو مستقل قریب میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ بس کسی طرح ایک چھت میسر آ جائے!"

ٹھیک دس منٹ بعد جیپ ان کے قریب آ پہنچی۔

"چلو بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

"اس کے علاوہ اور چارہ بھی کیا ہے.....؟" حمید برا سا منہ بنا کر بولا۔

"تم ہوش میں رہو۔ اچھا.....!"

حمید چپ چاپ اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا!

"واجد کو بیچ میں آنے دو.....!" فریدی بولا۔

حمید بھنا کر اتر گیا.....! پھر واجد کے بیٹھ جانے پر دوبارہ بیٹھا تھا۔

جیپ چل پڑی..... حمید سوچ رہا تھا.....! واجد پاگل ہو یا انہیں بیوقوف بنا رہا ہو..... دونوں صورتوں میں اس کے لیے فریدی کا انداز احمقانہ نظر آتا ہے۔ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے!

اس وقت واجد نے پھر اپنے خالو کے موٹیل کا ذکر چھیڑ رکھا تھا.....!

"خالو صاحب خاصے مالدار آدمی ہیں..... لیکن امریکہ سے واپسی پر ان کا دماغ الٹ گیا ہے..... آبائی کاروبار کو ترک کر کے موٹیل کھول بیٹھے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ سب کچھ ان کی عورت کے کہنے پر ہوا ہے!"

"تمہاری مراد ان کی امریکن بیوی سے ہے.....؟" فریدی نے پوچھا۔

''جی ہاں.....! بظاہر تو وہ بھی بے حد شریف معلوم ہوتی ہے.....!''

حمید نے ہونٹ سکوڑے لیکن کچھ بولا نہیں.....!

''اوہ..... یہ لیجئے..... ہم پہنچ گئے.....!'' واجد نے بائیں جانب اشارہ کر کے کہا۔

بائیں جانب لکڑی کے لٹھوں سے بنائی ہوئی ایک عمارت موجود تھی جس کی بھا

دیواروں پر براؤن پینٹ کیا گیا تھا۔

''اب آپ مجھے یہیں اتار دیجئے۔ ورنہ مجھے دیکھتے ہی بھڑک اٹھیں گے.....!'' حمید اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔

''باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔'' فریدی نے کہا۔ ''تم جا کر تین کمروں کا انتظام کرو..... ہم دونوں گاڑی ہی میں رہیں گے.....!''

''بہت بہتر جناب عالی.....!'' حمید سینے پر ہاتھ رکھ کر کسی قدر جھکتا ہو بولا..... ''ممنون ہوں آپ کا کہ آپ نے یہ خدمت میرے سپرد کی..... اب دیدار کرا والوں میں پہلا آدمی کہلایا جا سکوں گا..... بہت بہت شکریہ۔''

''تم یہ کام ایک ذمہ دار آدمی کی طرح انجام دو گے.....!'' فریدی غرایا۔ حمید جیپ سے اتر چکا تھا۔

ہینڈل گھما کر اس نے عمارت کا صدر دروازہ کھولا..... اور اندر قدم رکھتے ہی اسے گر کا احساس ہوا..... یہ ایک بڑا ہال تھا جس میں پیٹرومیکس لیمپ روشن تھے۔

وہ حمید کو سوالیہ نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔

''آداب عرض کرتا ہوں جناب.....!'' حمید کاؤنٹر کے قریب پہنچ کر بولا۔

''تسلیمات..... فرمائیے.....!''

''مجھے اور میرے ساتھیوں کو تین کمروں کی ضرورت ہے.....!''

''میں شکاریوں کو کمرے نہیں دیتا.....!'' خشک لہجے میں کہا گیا۔

''شکاری.....!'' حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔ ''ہم شکاری نہیں ہیں۔ سرکاری ملاز ہیں جیالوجیکل سروے کے سلسلے میں یہاں آئے ہیں!''

''کاغذات دیکھے بغیر یقین نہیں کیا جا سکتا.....!''

''کاغذات دیکھے بغیر یقین نہیں کیا جا سکتا.....!''

اتنے میں بائیں جانب کا دروازہ کھلا اور حمید کی آنکھوں میں ساتوں رنگ لہرانے لگے۔ ہال میں داخل ہونے والی ایک سفید فام غیر ملکی عورت تھی۔

''کاغذات میرے آفیسر کے پاس ہیں!''

''کہیں بھی ہوں.....! کاغذات دیکھے بغیر جگہ نہیں دے سکوں گا.....!''

''کیا بات ہے؟'' عورت نے موٹے آدمی سے پوچھا۔

''کوئی بات نہیں۔! میں شکاریوں کو جگہ نہیں دے سکتا!''

''یہ بہت دھرمی ہے ڈیئر.....!''

''تم نہیں سمجھ سکتیں.....!''

''پچھلے سیزن میں بھی تو کئی شکاری یہاں ٹھہرے تھے!''

''میں انہیں ذاتی طور پر جانتا تھا.....!''

''کل تک آپ ہمیں بھی ذاتی طور پر جان جائیں گے۔!'' حمید نے بڑی شائستگی سے کہا اور عورت کی طرف ملتجیانہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

''کتنے آدمی ہیں۔'' عورت نے اس سے پوچھا.....!

''مجھ سمیت صرف تین عدد.....! اور میں ان صاحب کو پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ ہم لوگ پیشہ ور شکاری نہیں سرکاری ملازم ہیں۔ جیالوجیکل سروے کی غرض سے ادھر آئے ہیں!''

''آپ کوئی بھی ہوں اور کسی بھی غرض سے آئے ہوں۔ کیا فرق پڑتا ہے!''

''لسلی.....!'' موٹا غرایا۔!

''تم خاموش بیٹھو..... تم کبھی اچھے بزنس مین نہیں بن سکو گے.....!''

موٹا کھا جانے والی نظروں سے خلا میں گھورنے لگا۔

''سامان اور ساتھی کہاں ہیں.....!'' لسلی نے حمید سے پوچھا۔

''وہ باہر ہیں..... میں انہیں لاؤں گا!''

''تین کمرے.....!''

''جی ہاں.....!''

"میں جانتا ہوں ان اطراف سے پہلے بھی میرا گزر ہو چکا ہے۔"

"بس تو پھر جایئے۔"

"کوئی آدمی مدد کے لیے بھی چاہئے.....!"

"یہ مشکل ہے جناب.....! اپنے سارے کام آپ کو خود انجام دینے پڑیں گے۔ ہمارے یہاں صرف سیزن ہی میں ملازم ہوتے ہیں۔ آج کل ادھر کون آتا ہے۔ اکرام شکاریوں کے کمرے دینے کے خلاف ہیں لہٰذا سردیوں میں ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہنا پڑتا ہے!"

"اچھا محترمہ.....! بہت بہت شکریہ.....!" حمید احتراماً کسی قدر جھک کر بولا اور موٹے کی طرف دیکھ کر کہا..... "آپ بالکل مطمئن رہیں، جناب آپ کو ہماری ذات سے قطعاً کوئی تکلیف نہ ہوگی.....!"

باہر آ کر وہ اس مقام کی طرف بڑھا جہاں جیپ روکی گئی تھی..... لیکن وہاں تو سناٹا تھا جیپ کا کہیں پتہ نہ تھا..... البتہ اس کی واپسی کے نشان برف پر بہت واضح تھے۔!

"کیا مصیبت ہے.....!" وہ پیشانی پر ہاتھ مار کر بڑبڑایا.....!

ہال کی گرم فضا سے باہر آیا تھا اس لیے سردی پہلے سے کئی گنا زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔

اب کیا کرنا چاہئے؟ اس نے سوچا اگر تنہا واپس گیا تو موٹے آدمی کے اندیشوں میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ شاید وہ ایک منٹ کیلئے بھی اس کا وجود برداشت کرنے کو تیار نہ ہو سکے۔

آخر وہ گئے کہاں؟ وہ چند لمحے کھڑا سوچتا رہا پھر عمارت کی طرف واپس ہوا۔ ہال کا لسلی کاؤنٹر سے ٹیک لگائے کھڑی تھی اور اس کا رخ صدر دروازے ہی کی طرف تھا۔

حمید قریب پہنچ کر بولا..... "شاید وہ نشان دہی کے لیے اسی وقت جھنڈیاں گاڑنے کھڑے ہوئے ہیں.....! تھوڑی دیر بعد واپس آ جائیں گے.....!"

"تو آپ بھی ان کے ساتھ ہی تشریف لائیے گا.....!" موٹا غرایا.....!

"اکرام پلیز.....!" لسلی اس کی طرف مڑ کر بولی۔ "خاموشی عقلمندی کی علامت ہے۔"

"تم جانو.....!" موٹے نے غصیلے انداز میں شانوں کو جنبش دی!

لسلی پھر حمید کی طرف متوجہ ہو گئی تھی.....!

"یہ سروے کس قسم کا ہے جناب.....!" اس نے حمید سے پوچھا۔

"ان اطراف میں پلاٹینم کی کانیں موجود ہیں!"

"جی..... پلاٹینم.....!" موٹے کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"جی ہاں..... اس میں کسی شبہ کی گنجائش اب نہیں رہی.....!"

"اب سے کیا مراد ہے آپ کی.....!"

"جدید ترین آلات نے یہاں پلاٹینم کی نشاندہی کی ہے۔"

"اگر یہ سچ ہے..... اگر یہ سچ ہے.....!" موٹا مضطربانہ انداز میں بڑبڑایا۔

حمید اس کے موڈ کی تبدیلی کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔

دفعتاً موٹے نے آگے جھک کر پوچھا۔ "آپ جانتے ہیں کہ آس پاس کی زمینوں کا مالک کون ہے؟"

"مجھے علم ہے کہ وہ خوش نصیب آپ ہی ہیں.....؟" حمید نے اندھیرے میں تیر پھینکا۔

"آپ کا خیال درست ہے..... لیکن اگر اس میں صداقت ہے تو پھر میری پوزیشن کیا ہوگی!"

"آپ کو ان زمینوں کا معاوضہ ادا کر دیا جائے گا۔"

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا.....!"

"تو پھر رائلٹی کے اصول پر معاملہ طے کر لیجئے گا.....!"

"خیر..... خیر..... دیکھا جائے گا۔"

شدت جذبات سے موٹے کی آواز کانپ رہی تھی۔ اس نے لسلی سے کہا.....! "انہیں سب سے زیادہ آرام دہ تین کمرے دکھا دو۔"

"جیسے بھی ہوں گے گزارہ کر لیا جائے گا..... میں فی الحال یہیں ٹھہر کر اپنے ساتھیوں کا انتظار کرنا چاہتا ہوں.....!"

"ایز یو پلیز....." موٹے نے کہا اور کاؤنٹر کے مقابل والا دروازہ کھول کر دوسری طرف چلا گیا۔

"بہت چالاک معلوم ہوتے ہو!" لسلی آہستہ سے بولی اور پھر ہنس پڑی۔ حمید بھی اس ہنسی میں اسی طرح شامل ہوا تھا جیسے خود بھی اس پوزیشن سے محظوظ ہوا ہو۔

اس ہنسی میں اسی طرح شامل ہوا تھا جیسے خود بھی اس پچویشن سے محظوظ ہوا ہو۔

لسلی دفعتاً سنجیدگی اختیار کر کے بولی۔! "اب سچ سچ بتاؤ کہ تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟"

"میں آدمی ہوں اور ایسے سخت موسم میں کسی چھت کی تلاش میں نکلا ہوں۔"

"واقعی شکاری ہو.....!"

"بہت پرانا.....لیکن فی الحال شکار میرے پروگرام میں شامل نہیں ہے۔"

"کیا کرتے ہو.....!"

"صبر کرتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"ابھی شادی نہیں ہوئی!"

"تم لوگ شادی دیر سے کیوں کرتے ہو.....!"

"تاکہ ذرا دیر سے موت آئے.....!"

"کافی ہو گئے.....!"

"اگر حالات اجازت دیں.....؟"

"کوئی ایسا ویسا مسئلہ نہیں.....! سماور میں پانی جوش کھا رہا ہے۔"

"کیا موٹا آدمی تمہارا منیجر ہے۔"

"اگر شوہر کو منیجر کہا جا سکے تو یقیناً ہے۔!"

"کہنے کو تو جھینگر کو بھی شوہر کہا جا سکتا ہے۔ یہ آدمی تو خاصا دبیز ہے۔!"

"کیا تم میرے منہ پر اس کا مضحکہ اڑانا چاہتے ہو؟" لسلی نے ترش روئی سے سوال کیا۔!

"کافی مادام.....! بات سے بات نکلتی ہے۔ بہرحال میں اپنے رویئے پر نادم ہوں!"

وہ اٹھ کر کاؤنٹر کے پیچھے چلی گئی اور سماور سے کافی پاٹ میں گرم پانی انڈیلنے لگی۔

پھر ایک منٹ کے اندر ہی اندر کافی کا پیالہ حمید کے ہاتھ میں تھا۔

"تمہارے سابق شوہر کا بھانجا واجد.....!" حمید جملہ پورا نہ کر سکا، کیونکہ واجد کے نام پر ہی وہ اچھل پڑی تھی.....!

"کیا تم اسے جانتے ہو.....؟"

"ہاں.....وہ بھی ہے ہمارے ساتھ.....! وہی تو ہمیں یہاں لایا ہے!"

"کیا اس پاگل نے تم سے پلاٹینم کی بات کی تھی.....!"

"نہیں۔ اس نے یہاں تک صرف ہماری رہنمائی کی ہے!"

"تم نے مجھے تشویش میں مبتلا کر دیا ہے.....!"

"کیوں؟"

"اکرام اسے اندر نہیں آنے دے گا!"

"کیوں؟"

"وہ میں نہیں جانتی۔! لیکن پچھلی بار اس نے اسے یہاں سے دھکے دے کر نکلوا دیا تھا!"

"آخر کس بنا پر.....اس بیچارے کا قصور!"

"میں نے ابھی کہا تھا کہ مجھے اس کا علم نہیں!"

"بڑی عجیب بات ہے کیونکہ وہ تو راستے بھر مسٹر اکرام کی شان میں قصیدے پڑھتا آیا تھا!"

"وہ پچھلی بار یہاں کب آیا تھا.....؟" حمید نے پوچھا۔

"غالباً پچھلے ماہ کی بات ہے!"

"اور پھر مسٹر اکرام نے اسے یہاں نہیں ٹھہرنے دیا تھا۔"

"جی ہاں یہی بات ہے! لیکن مجھے جھگڑے کی نوعیت کا علم آج تک نہ ہو سکا۔ کئی بار اکرام سے پوچھنا چاہا مگر وہ ہمیشہ ٹال گیا!"

"مجھے ان حالات کا علم نہیں تھا.....اب کیا ہوگا.....!" حمید بڑبڑایا اور اپنے چہرے پر الجھن کے آثار طاری کر لیے تھے۔

"کیوں کیا بات ہے.....؟" لسلی اسے بغور دیکھتی ہوئی بولی۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ واجد کا کیا بنے گا.....!"

"میں خود بھی نہیں سمجھ سکتی کہ اسے تم لوگوں کے ساتھ دیکھ کر اکرام پر کیا ردعمل ہوگا.!"

"کچھ نہ کچھ تو ہونا ہی چاہئے.....میں مسٹر اکرام کو بتا سکوں گا کہ واجد کو کیوں ساتھ لایا ہے!"

"ہاں..... یہ مسئلہ پہلے ہی طے ہو جانا چاہئے ورنہ اکرام شاید اسے دیکھتے ہی بھڑک اٹھے!"

وہ کاؤنٹر کے پیچھے والے دروازے سے گزر کر دوسری طرف چلی گئی اور حمید کافی گرم کرکے پائپ سلگانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اکرام سمیت واپس آ گئی۔ اکرام کے چہرے پر عجیب قسم کی سراسیمگی چھائی ہوئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے لسلی اسے کوئی بری خبر سننے کیلئے تیار کرکے لائی ہو!

"کیا آپ نے مسٹر اکرام کو بتا دیا ہے محترمہ.....!" حمید نے بڑے ادب سے پوچھا۔

"میں بتا چکی ہوں.....!"

"کیا قصہ ہے.....؟" اکرام نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں سوال کیا!

"ہم جہاں بھی سروے کرنے جاتے ہیں زمین کے مالکان کوئی نہ کوئی ہنگامہ کھڑا کر دیتے ہیں.....! لہٰذا جب ہمیں معلوم ہوا کہ آپ واجد کے رشتہ دار ہیں تو ہم نے اس کا تذکرہ کیا۔ اس نے کہا مجھے ساتھ لے چلو میں سب ٹھیک کرا دوں گا لیکن اگر ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ آپ ایک پڑھے لکھے اور سمجھدار آدمی ہیں تو واجد کو لانے کی ضرورت ہی نہیں تھی.....!"

"ٹھیک ہے.....اور وہ یہاں ایک رات بھی نہیں گزار سکے گا.....!"

"تو پھر وہ کہاں جائے گا..... برف باری بھی ہو چکی ہے.....!"

"سوال یہ ہے کہ وہ لوگ میری اجازت حاصل کیے بغیر جھنڈیاں کیوں گاڑنے گئے ہیں۔ سو فیصد اسی مردود کی شرارت ہے..... اگر اس کی خالہ مر گئی تو اس میں میرا کیا قصور؟ میں بھی اس کے ساتھ دفن ہو جاتا۔ دوسری شادی نہ کرتا.....!"

"اوہ..... معلوم ہوتا ہے رنجش کی خلیج بہت وسیع ہے۔!"

"بہت زیادہ.....! وہ سی۔ آئی۔ ڈی کا انسپکٹر ہونے کا غرہ دکھاتا ہے۔ میں بھی دیکھوں گا، کتنے پانی میں ہے.....!"

اکرام خاموش ہو کر ہانپنے لگا.....! پھر بولا! "ہو سکتا ہے اسی نے پلاٹینم والی بات چھوڑی ہو۔ مجھے ان زمینوں سے محروم کر دینے کی اسکیم بنائی ہو۔"

"نہیں جناب ایسی کوئی بات نہیں.....! زمینوں کے متعلق ہوائی چھوڑنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ ماہرین طبقات ارض اس کا تصفیہ کرتے ہیں.....!"

بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی!"

"میں نہیں سمجھا.....!"

"سنئے جناب.....! میں دل کا برا نہیں ہوں۔ میری نظروں میں اس کی وہی وقعت تھی جو اس کی خالہ کی زندگی میں تھی لیکن اس نے کینہ پروری کی حد کر دی!"

"کیا کوئی بہت ہی نامناسب حرکت اس سے سرزد ہوئی تھی.....!" حمید نے لسلی کی طرف تنکھیوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"حرکت نہیں کمینہ پن کہیے!"

"اگر مناسب سمجھئے تو مجھے بھی اس کے بارے میں بتایئے!"

"کیا بتاؤں..... حد درجہ مضحکہ خیز بات ہے.....!"

"پھر بھی.....!"

"ایک ماہ قبل وہ یہاں مقیم تھا اور اس نے آسیب زدگی کی اداکاری شروع کر دی تھی!"

"اوہ.....!"

"کچھ غیر ملکی بھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ عورتیں تھیں..... وہ خائف ہو کر دوسرے ہی دن یہاں سے رخصت ہو گئے!"

"میں واجد کی اداکاری کی نوعیت بھی معلوم کرنا چاہوں گا.....!"

"تم بتاؤ.....!" موٹے نے لسلی سے کہا.....! "مجھے پھر غصہ آ گیا ہے اور میرا دماغ قابو میں نہیں.....!"

ٹھیک اسی وقت کسی نے باہر سے صدر دروازے پر ٹھوکریں مارنی شروع کیں۔

"اوہ..... کون ہے.....؟" موٹا زمین پر پنجے گرغرایا۔

حمید صدر دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا..... ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا۔

کرنل فریدی واجد کو دونوں ہاتھوں پر اٹھائے کھڑا تھا۔ واجد کی آنکھیں بند تھیں اور وہ بری طرح گہری سانسیں لے رہا تھا۔

روشن دائرہ

''میری شکل کیا دیکھ رہے ہو.....! پیچھے ہٹو.....!'' فریدی نے کہا۔ حمید پیچھے ہٹا اور اکرام سے ٹکرا گیا۔

''یہ..... یہ کیا ہے.....؟'' کک ..... کیا مطلب.....!'' اکرام ہکلایا۔ حمید کے پیچھے وہ دونوں بھی صدر دروازے تک آئے تھے۔

''اوہو..... جد.....!'' لسلی کی کپکپاتی ہوئی آواز سناٹے میں گونجی.....!''

''کوئی جگہ بتاؤ..... یہ بے ہوش ہے.....!'' فریدی ہال میں داخل ہوتا ہوا بولا۔

''یہاں.... یہاں اس کیلئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ یہ مکار ہے.....!'' اکرام

فریدی بے ہوش واجد کو ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے آگے بڑھتا رہا اور بالآخر اسے کشادہ کاؤنٹر پر لٹا کر ان کی طرف مڑا.....!

اکرام حمید سے کہہ رہا تھا۔ ''آپ لوگ براہ کرم ضد نہ کریں۔ اس آدمی کے لیے یہاں کوئی جگہ نہیں ہے۔ خواہ یہ دم ہی کیوں نہ توڑ رہا ہو میں اس کی رگ رگ سے واقف ہوں.....!''

''کیا تم نے کمروں کے لئے بات نہیں کی.....؟'' فریدی نے حمید کو مخاطب کیا۔

''صرف دو کمرے ہمیں مل سکیں گے.....!'' بھرائی ہوئی آواز میں بولا.....!

''واجد کو یہ یہاں قیام نہیں کرنے دیں گے!''

''کیوں.....؟''

''مسٹر اکرام ہی وجہ بھی بتا سکیں گے.....!''

فریدی نے موٹے کی طرف دیکھا.....!

''یہ قطعی نجی اور ذاتی معاملات ہیں.....!'' اکرام نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ ''میں بھی اتنا ہی کہوں گا یہ شخص یہاں قیام نہیں کر سکے گا!''

''اس نے آپ سے اپنی رشتہ داری بتائی تھی.....!''

''اس کی خالہ مر گئی..... رشتہ داری بھی ختم.....!''

''اور اگر یہ اسی حالت میں مر گیا تو.....؟''

''میں کیا کر سکتا ہوں.....!'' اکرام نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی! لسلی حمید سے آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی۔ ''اکرام تو غصے میں پاگل ہو جاتا ہے! تم چلو میرے ساتھ میں کمرے کھولے دیتی ہوں۔ وہ سچ مچ بے ہوش معلوم ہوتا ہے!''

وہ انہیں سوال و جواب میں الجھا چھوڑ کر عمارت کے اس حصے میں آئے جہاں رہائشی کمرے تھے۔

''مجھے واجد سے ہمدردی ہے.....! وہ کسی ذہنی بیماری میں مبتلا ہے۔'' لسلی نے کہتے ہوئے ایک کمرے کا دروازہ کھولا۔

حمید نے خاموشی ہی میں بہتری سمجھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اکرام نے پلاٹینم والی بات چھیڑ دی تو فریدی کس حد تک اسے نبھا سکے گا۔ کیونکہ اسے تو ان حالات کا علم نہیں تھا.....!

لسلی نے اس دوران میں اسے تینوں کمرے دکھا دیئے!

''اگر مسٹر اکرام اپنی ہی بات پر اڑے رہے تو تم کیا کر سکو گی!'' حمید نے دفعتاً سوال کیا۔

''وہ میری مخالفت نہیں کر سکتا.....! میں نے ابھی تک اپنی رائے محفوظ رکھی ہے۔''

''تم بہت اچھی ہو!''

''شکریہ! ایسی کوئی بات نہیں.....! ہم بزنس کرتے ہیں۔'' لسلی مسکرائی! وہ پھر ہال میں آ گئے۔ یہاں فریدی اکرام کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ ایک رات سے زیادہ قیام نہیں کریں گے اور اس سہولت کی جو انہیں فراہم کی جائے گی بڑی سے بڑی قیمت ادا کی جا سکتی ہے!

''نہیں یہ ناممکن ہے.....!'' اکرام بولا۔

''اکرام.....!'' دفعتاً لسلی نے غصیلے لہجے میں اسے اپنی طرف متوجہ کیا.....! وہ کچھ ہمقانہ انداز میں جلدی جلدی پلکیں جھپکانے لگا!

''ان لوگوں کا قیام یہیں ہوگا..... یہ میرا فیصلہ ہے.....!''

''تب پھر مجھے جہنم میں جھونکو..... میں کچھ نہیں جانتا!''

اکرام نے کہا اور کاؤنٹر کے پیچھے والے دروازے میں داخل ہو کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

''اسے کمرے میں لے چلو.....!'' لسلی نے حمید سے کہا اور فریدی نے واجد کو پھر ہاتھوں پر اٹھا لیا۔ پھر ان کے پیچھے پیچھے لسلی بھی رہائشی کمروں تک آئی تھی۔ اس کے چہرے سے ظاہر

ہو رہا تھا جیسے واجد کی بے ہوشی کے بارے میں تفصیل معلوم کرنے کیلئے بے چین ہو.....؟

واجد کو ایک آرام دہ بستر پر لٹا کر سکون سے ڈھانپ دیا گیا.....! فریدی کی آنکھوں میں تشویش کے آثار تھے۔

''یہاں کے لیے آتشدان بھی ضروری ہوگا۔'' اس نے حمید سے کہا۔

حمید نے لسلی..... لسلی فوری طور پر کسی انتظام کے لیے وہاں سے چلی گئی۔

''یہ کھڑاگ اب میرے لیے بے حد تکلیف دہ ہو گیا ہے.....!'' حمید کچھ بڑبڑ بڑبڑایا پھر پوری طرح فریدی کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔

''میری طرف دیکھئے.....! ہم یہاں چیالوجیکل سروے کرنے آئے ہیں!''

''اکرام کی گفتگو سے میں نے اندازہ کر لیا تھا.....؟ لیکن وہ اتنا احمق نہیں معلوم ہوتا جتنا تم سمجھے ہو.....!''

پھر حمید نے مختصر الفاظ میں اسے واجد کے بارے میں اکرام کے خیالات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ ''ان کے آپس کے تعلقات کچھ عجیب سے معلوم ہوتے ہیں..... خود واجد نے اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔ بڑے پیار سے اپنے خالو کا تذکرہ کرتا رہا تھا!''

''ان باتوں میں نہ الجھو!''

''لیکن یہ بے ہوش کیسے ہوا!''

''سوال یہ ہے کہ اب اسے ہوش کیونکر آئے!''

''بات نہ اڑائیے..... آپ خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع نہیں کر سکتے!''

''تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو.....!'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا

''اور یہ بھی جانتا ہوں کہ دنیا میں صرف یہی ایک چیز آپ کے لیے حصول لذ ذریعہ ہے!''

''لہٰذا اپنے کام سے کام رکھو.....!''

''آپ کی مراد لسلی سے ہے نا.....!'' حمید بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔

فریدی واجد کی طرف متوجہ ہو گیا تھا جس کے منہ سے ہلکی سی کراہ نکلی تھی.....!

میں لسلی بھی کمرے میں داخل ہوئی۔

''کیا اسے ہوش آ گیا.....؟'' اس نے پوچھا!

''نہیں.....!'' حمید اسے بغور دیکھتا ہوا بولا۔ ''کیا مسٹر اکرام بہت زیادہ ناراض ہیں!''

''ہوں..... ضرور..... ضرور.....!'' حمید دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

ڈائننگ ہال میں پہنچ کر حمید ٹھٹک گیا..... کیونکہ سامنے ہی اکرام ہاتھوں میں رائفل سنبھالے کھڑا تھا اور اس کے تیور اچھے نہیں تھے.....!

''کیوں.....؟'' لسلی کے لہجے میں حیرت تھی!

''تم یہاں سے چلی جاؤ.....'' اس نے رائفل کی نال سے کاؤنٹر کے پیچھے والے دروازے کی طرف اشارہ کیا!

''آخر بات کیا ہے؟''

''میں ان لوگوں کو یہاں نہیں ٹھہرنے دوں گا!''

''تم وہ آتشدان اٹھا لے جاؤ.....!'' لسلی نے اس کی بات سنی ان سنی کر کے حمید سے کہا۔

کاؤنٹر کے قریب ایک بڑے سے آہنی آتشدان میں کوئلے دہک رہے تھے۔

''میں کہتا ہوں انہیں یہاں سے جانا پڑے گا.....!'' اکرام دھاڑا۔

''یہ ظلم ہے مسٹر اکرام.....'' حمید خشک لہجے میں کہتا ہوا کاؤنٹر کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اکرام راہ میں حائل ہو گیا۔

''نہیں.....!''

''وہ مر جائے گا.....!'' حمید بولا۔

''جہنم میں جائے.....!''

حمید نے لسلی کی طرف دیکھا.....! اس کے چہرے پر بھی جھلاہٹ کے آثار نظر آئے۔

وہ آگے بڑھی اور اکرام سے رائفل چھیننے کی کوشش کرنے لگی..... حمید انہیں اس حال میں چھوڑ کر آتشدان کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

''تم اتنے ناسمجھ کیوں ہو گئے ہو.....!'' لسلی اکرام سے کہہ رہی تھی۔

وہ دونوں جھگڑتے رہے اور حمید آتشدان اٹھا کر رہائشی کمروں کی طرف چلا آیا۔

واجد اب بھی بے ہوش تھا.....! فریدی کی بتائی ہوئی جگہ پر آتشدان رکھ کر حمید نے

واپس جانا چاہا۔

"کہاں چلے!" فریدی نے اسے ٹوکا تھا۔

"اکرام کے ہاتھ میں رائفل ہے..... اور وہ لسلی سے جھگڑا کر رہا ہے.....!"

"رائفل.....!"

"ہمیں یہاں سے نکال دینے کے لیے اس حد تک بھی جا سکتا ہے۔"

"ہوں.....!" فریدی سگار کا گوشہ توڑتا ہوا بولا..... "خیر میں دیکھوں گا۔"

"اسے یا اس کی بیوی کو.....!"

یکلخت فریدی بے ہوش واجد کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا! "تم اسے کیا سمجھتے ہو!"

"وبال جان.....!"

"یہ ایک کیس ہے حمید صاحب!"

"اور اس طرح لمبا لمبا لیٹا ہوا ہے..... لیٹی ہوتی تو خیر کوئی بات نہ تھی.....! میں اسے دائی کا کیس سمجھ لیتا!"

"فضول باتیں نہ کرو.....! اکرام کو سنجیدگی سے گفتگو پر آمادہ کرنا ہے تمہیں لینڈ سرو کی بات نہ کرنی چاہئے تھی.....!"

"کیا میں جانتا تھا کہ واجد ایک کیس کی حیثیت رکھتا ہے.....؟" حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"مجھے خود بھی ان دونوں کے تعلقات کا علم نہیں تھا.....! ورنہ خود ہی کوئی احتیاطی تدبیر کرتا۔"

"لیکن اس نے تو یہاں پہنچ کر کہہ دیا تھا کہ اگر اکرام نے اسے دیکھ لیا تو کمرے کرائے پر نہ دے گا.....!"

"اور اس کے فوراً بعد ہی اس کی ذہنی رو پھر بہک گئی تھی اور میں اس سے اس متعلق کچھ معلوم نہ کر سکا تھا.....!"

"لیکن آپ اس کے بعد کہاں غائب ہو گئے تھے.....!" حمید نے سوال کیا۔ اس بھی یہ نہ پوچھنے کا تہیہ کر لیا تھا کہ واجد کس قسم کا کیس ہے۔

"یہ ساری باتیں تم یوں نہ سمجھ سکو گے.....!"

"سمجھنے کے لیے بے چین بھی نہیں ہوں.....! میری خواہش تو صرف اتنی سی ہے کہ اکرام یہاں دو چار دن قیام کرنے دے!"

فریدی اسے گھور کر رہ گیا! کچھ بولا نہیں۔

"یہ اب بے ہوش نہیں ہے..... بلکہ گہری نیند سو رہا ہے.....!" فریدی کچھ دیر بعد اٹھتا ہوا بولا..... "آؤ چلیں..... میں اکرام سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ دونوں وہاں سے ہال میں آئے..... اکرام کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے قریب ہی دو آدمی شانوں سے رائفلیں لٹکائے کھڑے تھے لسلی موجود نہیں تھی۔

یہ دونوں آدمی وضع قطع سے پیشہ ور شکاری معلوم ہوتے تھے ان اطراف میں بھی سردیوں میں بڑے بالوں والی لومڑیوں کا شکار ہوتا تھا۔

قریب پہنچنے پر حمید کو ان دونوں کے چہرے کچھ جانے پہچانے سے لگے اور وہ دونوں بھی انہیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھے جا رہے تھے.....!

یکلخت لسلی کاؤنٹر کے پیچھے والے دروازے سے برآمد ہو کر مضطربانہ انداز میں بولی۔

"اکرام خواہ مخواہ بات نہ بڑھاؤ.....!"

"تم چپ رہو.....!" وہ اس کی طرف مڑے بغیر کاؤنٹر پر ہاتھ مار کر دھاڑا۔

"بات تو تمہیں ختم ہی کرنی پڑے گی پیارے اکرام....." ان میں سے ایک شکاری نے نرم لہجے میں کہا! "مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ میں کرنل فریدی کے مقابل کھڑا ہو سکوں!"

"کون کرنل فریدی.....!" اکرام اچھل پڑا۔

اتنے میں فریدی نے آگے بڑھ کر نرم لہجے میں کہا! "اب تمہیں اطمینان ہو جانا چاہئے کہ تم کسی خطرے سے دو چار نہیں ہو!"

پھر وہ ان دونوں کی طرف مڑا اور مسکرا کر بولا.....! "تم شاید گردمی کی پارٹی سے تعلق رکھتے ہو!"

"جی ہاں..... جناب!"

"گگ..... کرنل..... فف فریدی..... یعنی کہ....." اکرام ہکلایا..... اس کے چہرے پر غیب سے آثار تھے..... پھر وہ لسلی کی طرف مڑ کر جھینپتے ہوئے انداز میں بولا.....! "کون

بات نہیں ہے..... سب ٹھیک ہے..... یہ واجد کے محکمے کے ایک بڑے نامور آفیسر ہیں.....!
لل الاحول ولا قوۃ یعنی خواہ مخواہ..... واہ بھئی!''

''کوئی بات نہیں۔! میرے اسسٹنٹ نے تمہیں صحیح بات نہیں بتائی تھی۔ ہم میں
کوئی کبھی نہیں بتاتا.....!''

''میں بے حد شرمندہ ہوں جناب.....!''

حمید نے لسلی کی طرف دیکھا.....! اس کے چہرے پر گہرا سکون تھا۔

''اور اب.....'' فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''مجھے تم سے واجد ہی کے سلسلے میں گفتگو
کرنی ہے!''

''ضرور..... ضرور.....!'' اکرام مضطربانہ انداز میں ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

شکاری کاؤنٹر کے پاس سے ہٹ کر ہال کی ایک میز کے گرد جا بیٹھے تھے۔ اس نے ا
کی طرف اشارہ کر کے لسلی سے کہا۔ ''تم ان لوگوں کے لیے کافی کا انتظام کر دو!''

وہ سر کو خفیف سی جنبش دے کر وہاں سے چلی گئی.....!

فریدی کاؤنٹر پر کہنیاں ٹیک کر جھکتا ہوا آہستہ سے بولا.....! ''کیا ان شکاریوں کا
کہیں قریب ہی ہے؟''

''جی ہاں.....! اب یہی دیکھ لیجئے کہ ان سے میرے اچھے تعلقات ہیں.....! لیکن
نے انہیں یہاں قیام نہیں کرنے دیا۔'' اکرام نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

''واجد کیسا آدمی ہے؟''

''یہ..... یہ..... آپ مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں؟''

''ظاہر ہے کہ آپ اس کے رشتہ دار ہیں.....؟''

''مجھے ویسے اس میں کوئی برائی نظر نہیں آئی تھی..... لیکن پچھلے ماہ وہ غیر ملکیوں کے
قافلے کے ساتھ یہاں آیا تھا۔ ان میں شامل بھی نہیں تھا لیکن ان کے ساتھ ہی یہاں
تھا۔ میں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ کیونکہ میں اس کو ہمیشہ سے پسند کرتا رہا ہوں۔ اس
لئے علیحدہ کمرے کا انتظام کیا۔ اس کی آسائشوں کا خیال رکھا۔ لیکن.....!''

وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا..... فریدی استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھے جا رہا

اکرام تھوڑی دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''رات اس نے شرافت سے بسر کی
تھی..... لیکن دوسری صبح غیر ملکیوں کے قافلے کی ایک لڑکی کے پیچھے پڑ گیا تھا.....! وہ یہیں
کاؤنٹر پر مجھ سے بات کر رہی تھی کہ وہ آ گیا..... پہلے احمقوں کی طرح اسے گھورتا رہا۔ پھر
بولا تم ہی ہو..... وہ تم ہی ہو..... میں نے تمہیں کہاں کہاں تلاش کیا.....! وہ بے چاری حیرت
زدہ رہ گئی..... مجھ سے پوچھنے لگی کہ یہ کیا بک رہا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا
کروں..... اس وقت یہاں ہم تینوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا..... میں عجیب طرح کی
دہشت کا شکار ہو گیا۔ سوچ رہا تھا کہ اگر اس کے ساتھیوں میں سے کوئی اس طرف آ نکلا تو کیا
ہو گا.....! اتنی دیر میں وہ نامعقول بالکل پوجا کرنے کے سے انداز میں گھٹنوں کے بل کھڑا ہو
گیا تھا اور اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے تھے..... اس کی حرکت پر لڑکی بیچاری اور زیادہ بوکھلا
گئی..... پھر دفعتاً مجھے غصہ آ گیا اور میں نے واجد کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا.....! لیکن وہ اپنی دھن
میں مگن جو جو کچھ منہ میں آ رہا تھا بکے جا رہا تھا۔! لڑکی سراسیمگی کے عالم میں رہائشی کمروں کی
طرف بھاگ نکلی..... اور وہ خود بے ہوش ہو کر گر گیا.....!''

اکرام پھر خاموش ہو گیا.....!

''کتنی دیر بے ہوش رہا تھا.....!'' فریدی نے پوچھا۔

''اس سلسلے میں وقت کا صحیح تعین نہ کر سکوں گا..... لیکن وہ بہت دیر تک بے ہوش رہا تھا
اور اسی حال میں رہائشی کمرے تک لے جایا گیا تھا اور پھر مسخرہ پن ملاحظہ فرمایئے۔ دوبارہ
ہوش آنے پر کسی طرح یقین ہی نہیں کر رہا تھا کہ اس سے کوئی نازیبا حرکت سرزد ہوئی ہو گی،
لڑکی موجود ہی تھی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا.....! کچھ بھی ہو جناب میں تو لڑکی کی
شرافت پر عش عش کر رہا تھا.....! اس نے اپنے ساتھیوں سے اس بے ہودگی کا تذکرہ تک
نہیں کیا تھا..... ورنہ شاید واجد کے ہاتھ پیر سلامت نہ رہتے.....!''

دوسری شام کو غیر ملکیوں کا وہ قافلہ یہاں سے رخصت ہو گیا میں ان لوگوں کی موجودگی
میں بات نہیں بڑھانا چاہتا تھا..... لیکن ان کے جاتے ہی میں نے واجد کو بھی نکال باہر کیا!''

اس کے خاموش ہو جانے پر فریدی کسی سوچ میں ڈوب گیا، پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''وہ
قافلہ کہاں سے آیا تھا اور کدھر گیا!''

''وہ لوگ دارالحکومت سے آئے تھے اور ریگم بالا کے قدیم مندر دیکھنے جا رہے تھے!''

''واجد کہاں سے آیا تھا.....؟''

''میں نہیں جانتا.....اس کے بارے میں اس نے کچھ نہیں بتایا تھا لسلی نے بھی اس سے پوچھا تھا!''

''کیا وہ ایسا ہی آدمی ہے کہ لڑکیوں کے پیچھے دوڑتا پھرے۔'' فریدی کے اس سوال پر حمید کھکار کر چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

''میں کیا بتاؤں جناب.....! اس واقعہ سے پہلے تو میں اسے ایک بے حد نیک نفس آدمی سمجھتا رہا تھا!''

''کیا دلیل ہے نیک نفسی کی.....!'' حمید برا سا منہ بنا کر بڑبڑایا۔

''جی.....!'' اکرام چونک کر حمید کی طرف مڑا ہی تھا کہ فریدی نے دوبارہ اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا!

''اس قافلے کا کوئی آدمی اس سے پہلے بھی کبھی یہاں دکھائی دیا تھا!''

''گائیڈ کے علاوہ اور کوئی نہیں.....!''

''کوئی جانا پہچانا آدمی ہے؟''

''جی ہاں وہ ٹیکم گڈھ میں رہتا ہے!''

''واپس میں بھی وہ قافلہ یہاں ٹھہرا تھا!''

''جی نہیں.....!''

''فریدی پھر کچھ سوچنے لگا.....!'' تھوڑی دیر بعد اس نے اس لڑکی کے متعلق کچھ اور بھی سوال کیے جسے واجد نے اکرام کے قول کے مطابق دہشت زدہ کر دیا تھا.....اور ان سوالات کا مقصد یہ معلوم کرنے کے لیے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ لڑکی نے بعد میں واجد کے متعلق اکرام سے کسی قسم کی گفتگو تو نہیں کی تھی.....!

کمروں کی طرف واپسی پر فریدی نے حمید سے کہا.....! ''اکرام کے بیان کے مطابق لڑکی قطعی لاتعلق معلوم ہوتی ہے.....!''

''ان لڑکیوں کو تو اس وقت تک تعلق پیدا نہیں ہوتا جب تک کہ بے ہوشی موت میں

تبدیل ہو جائے، چاہنے والوں کی پروا اس وقت تک نہیں کرتیں جب تک کہ وہ دفن نہ ہو جائیں! اور پھر ہر محفل میں بڑے آرٹسٹک انداز میں اپنی سوگواری کا اظہار کرتی پھرتی ہیں!''

''میں تمہیں مثنوی زہر عشق کا درس نہیں دے رہا تھا!'' فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''کچھ بھی ہو.....! اس وقت نیک نفسی کی دلیل سن کر گہرا صدمہ پہنچا ہے.....!''

دفعتاً فریدی چلتے چلتے رکا.....اور پھر کاؤنٹر کی طرف مڑ گیا.....! حمید وہیں کھڑا رہا.....! اتنے میں اسے لسلی اپنی طرف آتی دکھائی دی۔

''اب کیا حال ہے اس کا.....!'' اس نے پوچھا۔

''گہری نیند سو رہا ہے!''

''اگر پہلے ہی سچ بول دیتے تو بات اتنی کیوں بڑھتی!''

''ہوں.....اوں.....! تم نے ان بے چاروں کو کافی نہیں سردی۔'' حمید نے دونوں شکاریوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

''اکرام سردی کرے گا.....میں نے تیار کر دی ہے.....! بڑی مصیبت آ جاتی ہے سیزن ختم ہونے پر.....میں ہی اسے کفایت شعاری سکھاتی ہوں ورنہ وہ سردیوں میں بھی نوکروں کی فوج برقرار رکھے!''

''واجد جس قافلے کے ساتھ آیا تھا اس میں کوئی لڑکی بھی تھی!''

''ہاں شاید تھی تو.....!''

''کیا واجد نے اسے چھیڑا تھا.....!''

''نہیں تو.....! میرا خیال ہے کہ وہ ایک بہت ہی شائستہ آدمی ہے.....! اکرام نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اس پر کسی قسم کے دورے پڑتے ہیں.....!''

حمید نے فریدی کی طرف دیکھا وہ کاؤنٹر پر جھکا ہوا اکرام سے کچھ کہہ رہا تھا۔ پھر جیسے وہ واپسی کے لیے مڑا لسلی اس طرح حمید کے پاس سے ہٹ گئی جیسے وہ وہاں اس کی موجودگی پر معترض ہو گا۔

''چلو.....!'' فریدی قریب پہنچ کر بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ تم اس سے واجد کے متعلق گفتگو کر رہے تھے.....!''

"واجد سے کم تو نہیں ہوں میں..... اپنے متعلق گفتگو کر رہا تھا، اسے بتا رہا تھا کہ ا
میری شادی نہیں ہوئی۔"

"بکومت.....!" فریدی نے کہا اور آگے بڑھتا چلا گیا.....!

اس نے کمرے کا دروازہ کھولا..... حمید اس کے پیچھے تھا۔ لیکن اسے دیوار پر ظلمی
دائرہ صاف نظر آ رہا تھا جس سے دور کی پہاڑیاں نظر آ رہی تھی اور واجد کا بستر خالی تھا۔

فریدی تیزی سے اس دائرے کی طرف بڑھتا چلا گیا.....! دیوار کو بڑی صفائی سے
گیا تھا..... اتنا بڑا سوراخ تھا جس سے ایک آدمی بہ آسانی گزر سکتا تھا..... وہ پھر خالی بستر
طرف مڑا.....!

واجد کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔

پرس اور پستول

سب سے پہلے فریدی اس راستے سے باہر نکلا تھا۔ یہ عمارت کی پشت تھی..... جب
باہر نکلا اور اس نے برف پر کئی آدمیوں کے قدموں کے نشانات دیکھے جو ڈھلان میں ا
اگلی چڑھائی تک چلے گئے تھے۔

"وہ سڑک ہے.....!" فریدی چڑھائی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "اسے یہاں
اٹھا کر لے جایا گیا ہے!"

پھر وہ یک بیک چونک کر مڑا اور تیزی سے دیوار کے اس خلاء سے گزر کر کمرے
داخل ہوا ساتھ ہی حمید کو آواز دی۔ "جلدی کرو۔ کہیں وہ ہماری گاڑی کو بیکار نہ کر گئے ہوں
حالات سے پوری طرح باخبر نہ ہونے کے باوجود بھی حمید کسی بڑے خطرے کا
کرنے کے لیے پوری طرح تیار ہو گیا۔

وہ تیز رفتاری سے ہال میں پہنچے..... لیکن یہاں لسلی کے علاوہ اور کوئی نظر نہ آیا۔

فریدی حمید کو وہیں رکنے کا اشارہ کرتا ہوا خود تیزی سے باہر نکل گیا.....! حمید نے
میز پر کافی کے لوازمات رکھے دیکھے جہاں دونوں شکاری بیٹھے تھے..... لسلی کاؤنٹر پر تھی

حمید نے کافی پاٹ کا ڈھکن اٹھا کر دیکھا..... کافی پاٹ لبریز تھا۔

"تم چاہو تو اسے استعمال کر سکتے ہو.....! وہ دونوں چلے گئے۔؟" لسلی نے اسے
دے کر کہا۔

"یہ لوگ کہاں گئے.....؟"

"پتہ نہیں تمہارے جانے کے بعد اکرام ان کے لیے کافی سرو کر رہا تھا کہ دفعتاً
اٹھ گئے.....!"

"مسٹر اکرام کہاں ہیں.....؟"

"وہ اسے بھی ساتھ لے گئے ہیں.....!"

"کہاں!"

"اکرام جلد ہی واپس آنے کو کہہ گیا ہے.....! مجھے خود بھی حیرت ہے وہ اس ط
کہیں نہیں جاتا.....!"

حمید نے طویل سانس لی اور مڑ کر صدر دروازے کی طرف دیکھا۔

فریدی ابھی تک واپس نہیں آیا تھا.....! تو کیا سچ مچ وہ اپنی گاڑی سے ہاتھ
بیٹھے.....! بات قرین قیاس بھی تھی۔

جو لوگ اسے لے گئے تھے انہوں نے اس کا خیال تو رکھا ہی ہو گا کہ فوری طور پر
تعاقب نہ کیا جا سکے.....! اگر وہ گاڑی نہ لے گئے ہوں گے تو کم از کم اسے قابل استع
بنے دیا ہو گا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا کاؤنٹر کے قریب آیا.....!

"سردی بہت ہے..... ایک کپ اور پیو.....!" لسلی بولی۔

"کیا وہ دونوں اچانک ہی اٹھ گئے تھے.....؟"

"نہیں..... باہر سے اس کے کسی ساتھی نے دروازہ کھول کر کچھ کہا تھا۔"

''اوہو..... کوئی تیسرا آدمی!''

''بات کیا ہے.....!'' لسلی چونک کر اسے گھورتی ہوئی بولی..... ''تم اس طرح کیو
پوچھ رہے ہو.....!''

''میرے چیف کی واپسی پر معلوم ہو جائے گا.....!''

''اس سے مجھے نہ جانے کیوں خوف معلوم ہوتا ہے۔ اسے دیکھ کر میرے رؤ
کھڑے ہو جاتے ہیں..... عجیب سی تھرتھری سارے جسم میں پڑ جاتی ہے۔ بچپن میں
کیفیت چڑیا گھر میں شیروں کے کٹہرے کے پاس سے گزرتے وقت ہوا کرتی تھی.....!''

''سچ پوچھو تو وہ چڑیا گھر ہی کے قابل ہے!'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا

''میں نہیں سمجھی.....!''

''تمہیں دیکھ کر اس کے جسم کے سارے رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہوں گے!''

''کیا بات ہوئی.....!''

''بپھرے ہوئے درندے کے جبڑے میں ہاتھ ڈال دے گا لیکن کسی عورت کا قرب ا
کیلئے قرب قیامت سے کم نہیں اب یہی دیکھ لو کہ خود باہر گیا ہے۔ کیا مجھے نہیں بھیج سکتا تھا۔''

''بڑی عجیب بات ہے.....!'' لسلی بڑبڑائی۔ پھر وہ دونوں ہی چونک پڑے۔ دروازہ
پر کوئی باہر سے ٹھوکریں مار رہا تھا۔

حمید تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔ لیکن اس دوران میں بغلی ہولسٹر سے ریوا
بھی نکال چکا تھا۔ ہینڈل گھما کر دروازہ تو کھولا..... لیکن خود..... اوٹ ہی میں رہا..... دا
ہاتھ کی انگلی ریوالور کے ٹریگر پر تھی اور وہ کسی لمحے بھی فائر کر سکتا تھا۔

اندر داخل ہونے والا فریدی تھا اور اب اس نے اکرام کے پہاڑ جیسے جسم کو دونو
ہاتھوں میں اس طرح اٹھا رکھا تھا جیسے وہ کوئی ننھا سا بچہ ہو۔

لسلی بوکھلا کر اس کی طرف دوڑ پڑی۔

''یہ کیا ہوا..... یہ کیا ہوا.....!''

''کسی کمرے میں چلو جہاں بستر ہو.....!'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا.....!

حمید بھی دروازے کی اوٹ سے نکل کر ان کے ساتھ ہو گیا تھا۔

لسلی انہیں اکرام کی خواب گاہ میں لائی۔

فریدی اسے بستر پر لٹا کر حمید سے بولا۔ ''سر پر چوٹ لگنے سے یہ بے ہوش ہو گیا ہے!''

''کیا بات ہے.....! مجھے بتاؤ..... یہ کیسے ہوا۔'' لسلی کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

''میں نے اسے گیراج میں بے ہوش پڑا پایا تھا.....!''

''وہ لوگ کہاں گئے؟''

''کون لوگ.....؟''

حمید نے لسلی کو خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے فریدی کو وہ سب کچھ بتایا جو اس
سے معلوم ہوا تھا.....!

''وہ ہماری گاڑی بھی لے گئے.....!'' فریدی بولا..... اور پھر لسلی سے پوچھا.....!

''کیا گیراج میں کوئی گاڑی تھی.....!''

''ہاں..... ہماری دین.....!'' لسلی نے جواب دیا۔

''وہ بھی اب وہاں موجود نہیں ہے.....! میرا خیال ہے کہ دین ہی کو لے جانے کے
لیے انہوں نے اکرام پر حملہ کیا!''

''لیکن کیوں..... لیکن کیوں؟''

''اس لیے کہ ہم ان کا تعاقب نہ کر سکیں.....!'' حمید بولا۔

''آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے..... وہ دونوں شکاری تو اکرام کے شناسا تھے۔ ان پر اسے
اتنا ہی اعتماد تھا کہ تم سے نپٹنے کے لیے انہیں بلوایا تھا۔''

''کہاں سے بلوایا تھا.....!''

''اوہ..... یہ سب باتیں پھر ہوتی رہیں گی.....! اکرام کے لیے کچھ کرو۔ یہ کیسے ہوش
میں آئے گا..... میں کیا کروں..... میرے خدا..... کتنا منحوس دن ہے!''

''میں اسے دیکھ رہا ہوں.....!'' فریدی بولا۔ پھر اس نے حمید سے کہا.....! ''تم مسز
اکرام کو واجد والے کمرے میں لے جاؤ۔''

''کیوں.....؟ وہاں کیوں۔'' وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولی۔

''تاکہ حالات سے متعلق تمہاری حیرت رفع ہو سکے.....!''

"کیا بات ہے.....؟" وہ حمید کی طرف مڑی۔

"میرے ساتھ آؤ.....!"

"خدارا کچھ تو بتاؤ..... یہ کیا ہو رہا ہے.....؟" وہ جھنجھلا کر چیخی.....! اور حمید کے پیچھے کمرے سے نکل آئی۔

"یہ سب کچھ واجد کی وجہ سے ہوا ہے.....؟"

"تو اکرام ٹھیک ہی کہہ رہا تھا.....؟"

"وہ بھی غلط فہمی میں مبتلا تھے.....!"

وہ آخر کو واجد والے کمرے میں داخل ہوئے اور لسلی سامنے والی دیوار پر نظر پڑتے ہی ٹھٹھک گئی۔

"یہ کیا ہوا....." اس نے بالآخر بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"اس طرح وہ واجد کو نکال لے گئے۔ ساتھ ہی تعاقب کے سارے ذرائع بھی منقطع کر گئے!"

"لیکن یہ..... اس صفائی سے..... تم خود دیکھو کہ شہتیر کتنے موٹے ہیں اتنے تھوڑے وقفے میں یہ کام قطعی ناممکن ہے.....! اتنی گولائی میں تراشنا قطعی ناممکن!"

"تو کیا تم بھی اکرام والے آسیب کے امکانات پر غور کر رہی ہو.....!"

"لیکن پھر واجد کا کیا معاملہ ہے!"

"اصل معاملے کا علم میرے چیف کو ہے۔! بہر حال خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مجھے سے نجات ملی!"

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا!"

"ضرورت بھی کیا ہے سمجھنے کی۔ ہوش آنے پر کچھ نہ کچھ مسٹر اکرام بھی سمجھا ہی دیں گے"

"چلو..... یہاں میرا دم گھٹ رہا ہے۔ مجھے اکرام کے پاس ہونا چاہئے تھا۔"

وہ پھر اکرام کی خواب گاہ میں آئے..... اسے ابھی تک ہوش نہیں آیا تھا..... فرید اب بھی وہیں تھا..... اور پرتشویش نظروں سے اکرام کی طرف دیکھے جا رہا تھا.....!

"ہم وقت ضائع کر رہے ہیں.....!" حمید کمرے میں داخل ہوتے ہی بولا۔

"اس کے ہوش میں آنے سے پہلے کوئی قدم اٹھانا بے سود ہوگا۔" فریدی کا جواب تھا۔

"تدبیر کی گئی ہے..... ذرہ دیر بعد.....! ویسے گھبرانے کی کوئی بات نہیں" فریدی گھڑی پر نظر ڈالتا ہوا بولا۔ "تم بیٹھ جاؤ۔!"

اس نے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کیا تھا۔ لسلی چپ چاپ جا بیٹھی.....!

حمید کی نظر اکرام کے چہرے پر تھی..... اکرام کے پپوٹے گردش کرنے لگے تھے۔ کچھ دیر بعد ہونٹ بھی ہلے اور ہلکی سی کراہ نکلی۔ اس کے بعد اس نے آنکھیں کھول دی تھیں۔

پلکیں جھپکائے بغیر چھت کی طرف گھورتا رہا..... لسلی نے کچھ بولنا چاہا تھا..... لیکن فریدی نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

کچھ دیر بعد..... اکرام کراہا..... "ذلیل کمینے..... کتے.....!"

"تم کس سے مخاطب ہو.....!" فریدی نے سوال کیا.....!

"اوں.....!" اس نے چونک کر آواز کی جانب سر گھمایا..... اور پھر اٹھنے کی کوشش کی۔!

"نہیں.....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "لیٹے رہو.....! تمہارے سر میں چوٹ آئی ہے!"

"لل..... لسلی کہاں ہے..... اوہ محفوظ تو ہے نا!"

"میں یہاں ہوں۔!" لسلی سامنے آتی ہوئی بولی۔ "یہ کیا ہوا۔ کیونکر ہوا۔"

"بتاؤں گا..... بتاؤں گا.....! میرا سر درد سے پھٹا جا رہا ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ناصر اتنا کمینہ ثابت ہوگا۔ اسے تو میں نے کبھی یہاں قیام کرنے سے بھی نہیں روکا تھا!"

"تم ان کے لیے گرما گرم کافی لاؤ.....!" حمید نے لسلی سے کہا۔ "اب کوئی خدشہ نہیں رہا!"

"ہاں..... کافی.....! یہ بہتر رہے گا..... میرے لیے۔" اکرام بڑبڑایا۔ لسلی کے انداز سے نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ جانا چاہتی ہے۔

حمید نے پھر کہا اور وہ اٹھ گئی۔

پھر کچھ دیر تک خاموشی طاری رہی..... آخر فریدی نے پوچھا۔ "ناصر اسی کا نام تھا جس نے مجھے پہچانا تھا!"

"جی ہاں..... وہی تھا جناب.....! میں سوچ بھی نہیں سکتا!"

"تم باہر کیوں گئے تھے؟"

''وہ مجھے لے گیا تھا۔! اسے تھوڑا سا پٹرول چاہئے تھا.....! اس کے لیے میں اسے گیراج میں لے گیا۔ وہاں اس نے وین کی چابی طلب کی۔ ابھی میں کچھ کہنے نہیں پایا تھا کہ اس کے دوسرے ساتھی نے میرے سر پر کوئی وزنی چیز ماری۔ پھر مجھے ہوش نہیں کہ کیا ہوا۔''

''وہ نہ صرف تمہاری وین لے گئے بلکہ میری جیپ بھی!''

''آخر کیوں.....؟ انہوں نے ایسا کیوں کیا!''

''تم انہیں کہاں سے لائے تھے!''

''وہ اتفاقاً خود ہی آ گئے تھے!''

''لیکن قریب ہی قیام ہوگا.....!''

''ہاں وہ غار یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے! سردیوں میں یہ لوگ لومڑیوں کے شکار کے لیے آتے ہیں اور غاروں میں رہتے ہیں! میں اپنے یہاں کسی کو قیام نہیں کرنے دیتا.....! اور پھر وہ اس کے اخراجات بھی تو برداشت نہیں کر سکتے!''

''اچھی بات ہے.....!'' فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ ''کچھ دیر خاموش لیٹے رہو.....! جو کچھ بھی ہونا تھا.....ہو چکا!''

''واجد.....واجد.....واجد.....آخر وہ ہے کیا بلا.....!''

کوئی کچھ نہ بولا.....فریدی سگار کا گوشہ توڑنے لگا۔

حمید نے جیب میں تمباکو کی پاؤنچ ٹٹولی۔

پھر تھوڑی دیر بعد لسلی کافی کی ٹرے اٹھائے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی تھی.....بڑا کافی پاٹ تھا اور چار کپ.....فریدی اور حمید کو بھی کافی پیش کی گئی۔

اکرام اٹھ بیٹھا تھا اور پرتشویش نظروں سے لسلی کو دیکھے جا رہا تھا۔

''میں خائف نہیں ہوں!'' دفعتاً لسلی ہنس کر بولی! ''تم ذرہ برابر بھی پرواہ نہ کرو..... میرا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا.....تم جانتے ہی ہو بس اتنا ہے کہ گاڑی کے بغیر ہم دشواریوں میں پڑ جائیں گے!''

''صرف گاڑی ہی کے لیے مسٹر اکرام سے یہ برتاؤ ہوا ہے۔'' فریدی نے کافی کا خالی کپ میز پر رکھتے ہوئے کہا.....! ''اب لوگوں کے لیے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں! وہ صرف اتنا

ہی چاہتے تھے کہ ہم ان کا تعاقب نہ کر سکیں۔''

''تعاقب.....!'' اکرام نے طویل سانس لی اور پھر ایسا لگا جیسے کچھ کہتے کہتے رک گیا ہو۔

حمید اسے گھور رہا تھا۔

''کیا کسی طرح تعاقب ممکن ہے۔!'' بالآخر اس نے سوال کیا۔

''ممکن تھا.....لیکن افسوس.....! میری موٹر سائیکل بھی وہ مردود ناصر تین دن ہوئے چرا لے گیا تھا.....میں تو سمجھا تھا شاید آج وہ اسے واپس کرنے آیا ہے.....!''

دفعتاً فریدی اٹھ کھڑا ہوا.....چند لمحے خاموشی سے اکرام کو دیکھتا رہا.....پھر بولا۔ ''کیا تم خود میں اتنی توانائی محسوس کر رہے ہو کہ ہمارے ساتھ اس غار تک چل سکو!''

''نہیں مجھ میں اتنی سکت نہیں ہے.....!'' اکرام نے کہا اور کراہتا ہوا پھر لیٹ گیا۔

''میں چل سکتی ہوں.....!'' لسلی بول پڑی۔

''ہرگز نہیں.....!'' اکرام کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

''مجھے اپنی گاڑی واپس چاہئے.....سمجھے تم!''

''جہنم میں گئی گاڑی.....میں دیدہ دانستہ تمہیں کسی خطرے میں نہیں پڑنے دوں گا!''

''ان کا تحفظ ہماری ذمہ داری ہے!'' فریدی بولا۔

''تحفظ.....ہونہہ.....آپ اس کا تحفظ تو کر نہ سکے جسے ساتھ لائے تھے.....!''

''اکرام فضول باتیں نہ کرو.....!'' لسلی نے جھنجھلا کر کہا۔

''تو.....تم جاؤ گی ان کے ساتھ.....!''

''یقیناً جاؤں گی.....تم آرام کرو.....!''

''تمہارے لیے آرام بے حد ضروری ہے.....!'' اکرام غصے میں اپنی رانیں پیٹنے لگا۔ پھر اٹھ بیٹھا اور انہیں خونخوار نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔ ''جب تک مجھے واجد کی کہانی نہ معلوم ہو جائے ہرگز نہیں جانے دوں گا۔''

''آرام سے لیٹ جاؤ۔'' فریدی نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔ ''یہی تو ہمیں بھی معلوم کرنا ہے کہ واجد کی اصل کہانی کیا ہے.....تم نے مجھے بھی بتایا تھا کہ اس نے آسیب زدگی کی اداکاری کر کے ایک لڑکی کو خوفزدہ کرنا چاہا تھا لیکن اب اس واقعے کو کیا کہو گے.....!''

''وہ دوبارہ یہاں مرنے کیوں آیا تھا!'' اکرام نے کسی جھگڑالو عورت کے سے انداز میں کہا۔

''میں لایا تھا اسے.....!''

''کیا معلوم کرنا چاہتے تھے.....!''

''وہ اس حال کو کیونکر پہنچا.....!''

اکرام پھر کچھ نہ بولا..... اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

''کیا خیال ہے.....!'' حمید نے لسلی سے پوچھا۔

''اکرام کی حالت ٹھیک نہیں معلوم ہوتی۔ میں کہیں رہ جاؤں گی!''

''جاؤ..... مجھے مرنے دو.....!'' اکرام حلق پھاڑ کر چیخا لیکن آنکھیں نہیں کھولیں۔

لسلی نے حمید کو چلنے کا اشارہ کیا اور کمرے سے باہر نکل کر حمید سے بولی۔ ''یہ اس کا خاص انداز ہے۔ طوعاً کرہاً مجھے کسی بات کی اجازت اسی طرح دیتا ہے!''

سردی بہت بڑھ گئی تھی..... وہ پیدل ہی سڑک کی طرف چل پڑے۔ لسلی نے پوستین پہن لی تھی اور حمید محسوس کر رہا تھا کہ اسے چلنے میں دشواری ہو رہی ہے۔

''خاصا وزن لاد لیا ہے تم نے اپنے اوپر.....!'' اس نے کہا۔

''مجبوری ہے..... سردیوں میں اس کے بغیر میں باہر نکلنے کی ہمت نہیں کر سکتی!''

''پتہ نہیں کس جانور کی کھال ہے۔ وہ تمہاری آئیڈیالوجی سے اتفاق بھی رکھتا تھا یا نہیں!''

''مجھے صرف اس سے غرض ہوتی ہے کہ کھال آرام دہ ہے یا نہیں، آئیڈیالوجی وغیرہ اپنے ساتھ لے گیا ہوگا.....'' لسلی مسکرا کر بولی۔

''دنیا کی ساری عورتیں اس آئیڈیالوجی پر متفق ہیں!''

''کیا عورتوں نے تمہیں گہرے صدمے پہنچائے ہیں؟''

''بہت زیادہ.....!''

''صورت سے تو نہیں معلوم ہوتا.....!''

''سردی بہت زیادہ ہے ورنہ ضرور معلوم ہوتا!''

سڑک پر پہنچ کر فریدی رک گیا۔

''بائیں جانب.....!'' لسلی ہاتھ اٹھا کر بولی۔

فریدی ان سے کئی قدم آگے چل رہا تھا۔

کچھ دور چلنے کے بعد لسلی نے کہا.....! ''آج کا دن شاید مجھے زندگی بھر یاد رہے..... آخر واجد بے ہوش کیسے ہوا تھا؟''

''اگر مجھے علم ہوتا تو تمہیں ضرور بتا دیتا!''

''کیا تمہارے چیف نے نہیں بتایا!''

''ابھی تک انہیں موقع ہی نہیں مل سکا.....! واقعات پر واقعات پیش آتے چلے گئے!''

''مجھے خوف ہے کہ کہیں ان غاروں میں بھی کوئی واقعہ پیش نہ آ جائے۔''

''تو پھر میں تمہیں واپس لے چلوں!''

''میں ڈرپوک تو نہیں ہوں!''

فریدی کچھ آگے نکل گیا تھا۔ دفعتاً وہ پھر رکا اور جب یہ دونوں قریب پہنچ گئے۔ تو حمید سے بولا.....! ''میں انہیں اس غار تک لے جانا مناسب نہیں سمجھتا..... کیا یہ سڑک پر سے ہی نشاندہی نہ کر سکیں گی!''

''یہ میری رشتہ دار تو ہیں نہیں کہ آپ میرے توسط سے گفتگو فرمانا چاہتے ہیں آپ خود ہی براہ راست پوچھ لیجئے!''

لسلی ہنس پڑی اور بولی۔ ''برفباری نہ ہوئی ہوتی تو میں یہیں سے نشاندہی کر دیتی لیکن ایسی صورت میں جب کہ زمین نہیں دکھائی دے رہی یہ خطرناک ہوگا.....!''

''ویسے بھی یہ خطرناک ہی ہے..... آؤ واپس چلیں.....!'' فریدی نے کہا اور اب پھر اس کا رخ موٹیل ہی کی طرف تھا.....!

''کیا بات ہوئی.....!'' لسلی بڑبڑائی۔

حمید کچھ نہ بولا..... وہ موٹیل میں واپس آ گئے..... اکرام ہال میں ٹہلتا ہوا ملا اس کے چہرے پر شدید ترین اذیت کے آثار تھے.....!

''کیا ہوا.....؟'' اس نے زہریلے لہجے میں پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں.....!'' فریدی کا جواب تھا..... ''میں نے اس وقت اس طرف جانا مناسب نہیں سمجھا!''

پھر وہ ان دونوں کو متحیر چھوڑ کر اس کمرے میں آ گئے جہاں کی دیوار کاٹی گئی تھی.....

فریدی بستر کے قریب کھڑا تھا.....!

''کیا بستر کی شکنیں گن رہے ہیں.....!'' حمید نے خشک لہجے میں پوچھا۔

''جی نہیں.....!'' فریدی نے کہہ کر کمبل اٹھایا اور اسے ایک طرف جھٹک دیا۔ چوا فرش پر کسی وزنی چیز نے گر کر آواز پیدا کی۔

یہ بھورے رنگ کا ایک پرس تھا.....! حمید جہاں تھا وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہا..... فریدی اسے اٹھانے کے لیے جھکا ہی تھا کہ لسلی کمرے میں داخل ہوئی۔

فریدی پرس اٹھا کر اس کی طرف مڑا اور لسلی کے ہاتھ میں اعشاریہ دو پانچ کا ریوالو دیکھ کر مسکراتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے.....!

''پرس زمین پر ڈال دو.....!'' وہ سانپ کی طرح پھنکاری۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں پرس بڑی قوت سے اس کے منہ پر پڑا۔ وہ لڑکھڑائی اور فریدی نے جھپٹ کر پستول اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔

نئے مسافر

دوسرے جھٹکے میں وہ مسہری پر جا گری تھی..... پھر فریدی نے بڑے پرسکون لہجے میں حمید سے کہا..... ''دروازہ بند کر کے چٹخنی چڑھا دو اور کٹی ہوئی دیوار کے قریب ٹھہرو..... اگر کوئی ادھر سے اندر آنے کی کوشش کرے تو بے دریغ گولی مار دینا.....!''

لسلی کسی سہمے ہوئے پرندے کی طرح فریدی کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

جب حمید دروازے کی چٹخنی چڑھا کر مڑا تو فریدی پھر بولا۔ ''وہ پرس مجھے اٹھا دو.....!''

حمید نے چپ چاپ تعمیل کی اور کٹی ہوئی دیوار کے قریب جا ٹھہرا۔ ریوالور اس کے ہاتھ میں تھا۔

دفعتاً لسلی نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی طرف لے جانا چاہا.....

''نہیں.....!'' فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔ ''تم یونہی پڑی رہو گی۔ گھڑی کو ہاتھ نہیں لگاؤ گی!''

''کک..... کیوں.....؟'' وہ ہکلائی۔

''حمید گھڑی اتار لو.....!''

''حمید بے چارہ کہاں کہاں آپ کا ہاتھ بٹائے گا..... اتارنے وغیرہ کا مرحلہ بھی خود طے کیجئے.....!''

''بکو نہیں..... چلو.....!''

''اچھاں.....!'' وہ مردہ سے لہجے میں ناک کے بل کہتا ہوا آگے بڑھا اور اس کے ہاتھ سے گھڑی اتارنے لگا۔

لسلی نے آنکھیں بند کر لیں..... وہ بری طرح ہانپ رہی تھی۔

فریدی پرس کا جائزہ لینے لگا تھا.....! حمید نے اس کی آنکھوں میں ویسی ہی چمک دیکھی جیسی عموماً کسی مسئلے کا حل دریافت کر لینے کے بعد پیدا ہوا کرتی تھی۔ بالآخر ایک طویل سانس لے کر اس نے پرس جیب میں ڈال لیا اور تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ لسلی کی طرف دیکھنے لگا۔

''کیا اکرام تمہارے راز سے واقف ہے.....!'' دفعتاً اس نے سوال کیا۔

''نہیں.....!'' لسلی بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''میں پوری طرح خود کو تمہارے حوالے کرتی ہوں لیکن اس کی نظروں میں رسوا نہیں ہونا چاہتی.....!''

''وہ اس وقت کیا کر رہا ہے.....!''

''میں نے اسے ایسپرین کے بہانے بے ہوشی کی دوا دے دی ہے!''

''یہ ٹرانسمیٹر ہے نا.....؟'' فریدی نے اس کی گھڑی کی طرف دیکھ کر کہا..... جو اس نے بد سے لے لی تھی۔

''ہاں.....!''

''کس طرح آپریٹ ہوتا ہے؟''

''چابی کو دبا کر بائیں طرف گھماؤ.....!''

''اس پرس کے بارے میں تمہیں اسی کے ذریعے اطلاع ملی تھی؟''

"ہاں.....!"

"کیا تم پرس کی اہمیت سے واقف ہو.....؟"

"نہیں.....!"

"کیا کہا گیا تھا.....؟"

"یہی کہ واجد کو اٹھاتے وقت شاید کسی کی جیب سے پرس گر گیا ہے اس کے لیے پر
تلاش کیا جائے!"

"اگر تم پرس کی اہمیت سے واقف نہیں تھیں تو تم نے اتنی ذرا سی بات کے لیے پر
کیوں نکال لیا؟"

وہ خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی.....! کچھ بولی نہیں۔

فریدی تلخ سے مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔! "میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ تمہارے
ان غاروں تک چلا جاتا.....اگر ان لوگوں کو تعاقب کا خدشہ تھا تو صرف گاڑیوں کے
ناکارہ کر دینے پر بھی اکتفا کر سکتے تھے.....! اکرام کو گیراج میں لے جا کر اس کا سر
دینے کی کیا ضرورت تھی.....؟ کیوں؟ کیا یہ سوال نامناسب ہے؟"

وہ خاموش ہو کر اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا.....پھر بولا۔ "کیا اس کا مقصد یہی
تھا کہ اکرام ہوش میں آنے کے بعد جھلاہٹ میں ان غاروں کی نشاندہی کرے اور ہم
دوڑے جائیں.....!"

حمید لسلی کو گھورے جا رہا تھا۔ وہ دم بخود پڑی تھی۔ فریدی نے اس کی گھڑی کی چا
کر بائیں جانب گھمائی اور گھڑی سے باریک سی آواز آنے لگی۔

"ہلو لسلی ہلو ہلو۔" اس نے فوراً چابی الٹ دی۔ آواز غائب ہو گئی۔

"اب تم اسے بتاؤ گی کہ تمہیں پرس نہیں مل سکا۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھ
بولا.....! "اور وہ دونوں اتنے خائف ہیں کہ کسی طرح باہر نکلنے پر آمادہ ہی نہیں ہوتے۔

"مم.....میں.....!" وہ ہکلا کر رہ گئی۔

"مجھے عورتوں کے آنسو بھی متاثر نہیں کر سکتے۔"

"حالانکہ خود کئی عورتوں کی یاد میں رویا کرتے ہیں.....!" حمید نے ٹکڑا لگایا۔

"خاموش رہو.....!" فریدی ایسے انداز میں غرایا کہ سچ مچ حمید کے رونگٹے کھڑے ہو
گئے.....اور وہ بوکھلا کر دیوار کے خلاء سے باہر دیکھنے لگا۔

"میں اس ٹرانسمیٹر کا سوئچ آن کرنے جا رہا ہوں.....!" وہ لسلی کی طرف مڑ کر
بولا.....! "تم وہی کہو گی جو بتایا گیا ہے!"

دوبارہ سوئچ آن کر کے گھڑی اس کے قریب لے گیا، لسلی کی کال برابر جاری تھی۔

لسلی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہنا شروع کیا۔ "پرس اس کمرے میں نہیں مل سکا اور وہ دونوں
کسی طرح بھی باہر نکلنے پر آمادہ نظر نہیں آتے.....!"

"اچھی بات ہے۔ انہیں وہیں روکے رکھو.....کوشش کرو کہ رات ہونے سے پہلے
کمرے کی دیوار کی مرمت بھی ہو جائے.....اوور.....!" آواز آئی۔

جواب میں لسلی نے کہا.....! "یہ قطعی ناممکن ہے.....! ہمارے پاس نہ آدمی ہیں.....اور
نہ سامان.....! اوور۔"

"ان دونوں پر نظر رکھو.....!" آواز آئی۔ "انہیں تم پر شبہ نہ ہونے پائے..... اوور
اینڈ آل.....!"

پھر آواز نہ آئی.....فریدی نے سوئچ آف کر کے گھڑی اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں
ڈال لی۔

"مم.....میرا کیا بنے گا.....!" لسلی نے روہانسی آواز میں پوچھا۔

"اگر تم میرے کہنے پر عمل کرتی رہیں تو اکرام بھی ان واقعات سے لاعلم رہے گا اور
تمہاری پوزیشن میں بھی کوئی فرق نہیں آئے گا! لیکن اگر تم میرے خلاف گئیں تو نہیں کہہ سکتا
کہ تمہارا کیا حشر ہو.....!"

لسلی دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے خاموش بیٹھی رہی.....!

پھر فریدی حمید کو وہیں ٹھہرے رہنے کا اشارہ کر کے بار چلا گیا.....! لسلی اب بھی چہرہ
چھپائے بیٹھی تھی۔

"شیر چلا گیا اب آنکھیں کھول دو.....!" حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔

"میں بڑی دشواری میں پڑ گئی ہوں۔" وہ چہرے سے ہاتھ اٹھا کر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''کیا تم اب بھی اس سے لاعلمی ظاہر کرو گی کہ یہاں واجد پر کیا گزر رہی تھی.....!''

''یقین کرو کہ میں اس کی دیوانگی کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی اور وہ بھی میرے لیے اجنبی ہی تھے جن کے ساتھ وہ یہاں آیا تھا اور میں ان لوگوں سے بھی پوری واقفیت نہیں رکھتی جن کے لیے یہ کام کر رہی ہوں.....!''

''یہ بڑی عجیب بات ہے!''

''یقین کرو..... محض اکرام کی اقتصادی حالت بہتر بنانے کے لیے میں نے یہ کام پر آمادگی ظاہر کی تھی جس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی.....!''

''تم ان میں شامل کس طرح ہوئی تھیں.....!''

''شکاری ناصر کے توسط سے..... مجھے یا تو اس سے ہدایات ملتی ہیں یا اس ننھے راز کے ذریعے.....!''

حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا..... بظاہر اس کی توجہ لسلی کی طرف نہیں تھی لیکن پوری طرح ہوشیار تھا۔

''تمہارے ذمے کون سا کام ہے.....؟'' حمید نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

''یہاں قیام کرنے والے ان ٹورسٹس کے بارے میں معلومات فراہم کرنا جو ریگ کی طرف جانا چاہتے ہوں!''

''کس قسم کی معلومات.....؟''

''کون ہیں..... کہاں سے آئے ہیں..... قومیت..... عمر..... پیشہ وغیرہ!''

''اس کے لیے تمہیں ان سے کافی گھل مل جانا پڑتا ہوگا.....!''

''ہوں..... یقیناً.....!''

''ہم ہی پہلے مسافر ہیں..... جن کے لیے خود تمہیں اطلاع دی گئی تھی..... کیوں؟''

''ہاں..... لیکن نام صرف واجد کا لیا گیا تھا! تمہارے نام نہیں بتائے گئے تھے!''

''ہمارے متعلق کیا ہدایت ملی تھی.....!''

''یہی کہ ہر ممکن آرام و آسائش کا خیال رکھا جائے!''

''اور..... کچھ.....!''

''اور..... یہ کہ.....!'' وہ مسکرائی۔ ''جتنی بے تکلفی سے تم سے گفتگو کر سکتی ہوں..... اس شخص سے نہیں!''

''مجھے اپنی خوش بختی پر ناز کرنا چاہیے..... لیکن فی الحال اس کا موقع نہیں.....!''

''تم بتاؤ اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟''

''یہ میرے فرائض میں داخل نہیں ہے۔''

''میں کیا کروں.....؟'' وہ اپنے بال نوچنے لگی۔

''سب کچھ کرو لیکن اس کا مشورہ میں ہرگز نہ دوں گا۔ تمہارے بال بہت خوبصورت ہیں.....!''

''میرا مذاق نہ اڑاؤ.....!'' وہ روہانسی ہو کر بولی۔

''کھانا کیسا پکاتی ہو..... اب مجھے بھوک لگ رہی ہے!''

''میرا جی چاہتا ہے کہ خودکشی کر لوں۔''

''اتنی ذرا سی بات پر.....!'' حمید نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

''اب میں اکرام کا سامنا کیسے کر سکوں گی!''

''مت کرو..... ہوش آنے سے پہلے ہی بے ہوشی کا دوسرا ڈوز دے دینا وہ تمہیں بہت چاہتا ہے..... چاہنے والوں کو جب تک چاہو بے ہوش رکھ سکتی ہو.....!''

''طنز نہ کرو مجھ پر.....!''

''طنز نہیں..... یہ ایک کائناتی حقیقت ہے!''

''تم مجھے بہت سور معلوم ہوتے ہو.....!'' دفعتاً وہ اٹھلائی۔

''اسی لیے تو میرا چیف تمہیں میرے سپرد کر گیا ہے!''

''تمہیں اس کی بھی فکر نہیں کہ وہ لوگ تمہارا سامان لے گئے۔ گاڑی لے گئے.....!''

''غیر شادی شدہ زندگی ایسی ہی ہوتی ہے!''

''تمہاری شادی نہیں ہوئی.....؟''

''بیوی کی زبان سے اپنے لیے لفظ سور نہیں سن سکتا.....! لیکن ابھی تم نے مجھے بڑا سور کہا تھا..... سن کر خاصی لذت محسوس کی تھی!''

''کیا بات ہوئی.....؟''

''یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آسکتی.....! بیوی مرد چاہتی ہے اور محبوبہ.....مردک!''

''پتہ نہیں لاطینی بول رہے ہو یا اب انگریزی بھی میری سمجھ میں نہیں آتی!''

''اچھا تو صاف صاف سنو.....! مجھے بدتمیز عورتیں پسند ہیں.....! بیوی مجھے دن رات گالیاں نہیں دے سکتی!''

''بڑی عجیب بات ہے!''

''بالکل عجیب بات نہیں.....! بچپن میں ماں کی زبان سے ہر وقت گالیاں سنتا تھا۔ یہ مزاج بن گیا ہے.....اب جو گالیوں سے بات نہ کرے.....عورت ہی نہیں لگتی.....!''

''نفسیاتی کیس ہے!''

''نفسیاتی.....!'' حمید دانت پیس کر غرایا۔

''کیوں.....؟ اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے.....!''

''سطح سمندر سے اتنی بلندی پر بھی اس منحوس لفظ سے پیچھا نہ چھوٹا.....صبح ناشتے پر نفسیات، دوپہر کے کھانے میں نفسیات، رات کے کھانے میں نفسیات، اونگھنے میں نفسیات چھینکنے میں نفسیات!''

''اوہو تو کیا تمہارے ملک میں اس مضمون سے بہت زیادہ دلچسپی لی جارہی ہے۔!''

''افسانوں سے لے کر گورکنی کے پیشے تک میں گھسی ہوئی ہے! گورکن قبر کھودتے کھودتے سوچ میں گم ہو جاتا ہے کہ آخر عورتوں نے اس پیشے کو کیوں نہیں اپنایا.....سمجھ میں نہیں آتا تو قبر ادھوری چھوڑ کر یونیورسٹی کی راہ لیتا ہے!''

''یونیورسٹی.....!''

''ہاں یونیورسٹی.....! اور وہاں سے فرائڈ فرائڈ کا نعرہ لگاتا ہوا واپس آتا ہے اور پہلے سے بھی زیادہ تندہی سے گورکنی میں مصروف ہو جاتا ہے.....!''

''بڑی عجیب بات ہے۔''

''اب آؤ اپنی نفسیات کی طرف.....!''

''میری نفسیات.....!'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی۔

''اس حادثے کے باوجود تم بہت مطمئن نظر آرہی ہو.....!''

''ہرگز نہیں.....پھر کیا باتیں کریں.....!''

''خدا کی پناہ.....کیا دنیا کی ہر قوم کی عورت باتوں کی اتنی دلدادہ ہوتی ہے.....!''

''اچھی بات ہے اب کچھ نہیں بولوں گی!''

''عورت کی زبان سے یہ جملہ بھی ایسا ہی لگتا ہے جیسے بقیہ مضمون فلاں صفحہ پر ملاحظہ فرمایئے!''

نسلی ہنس پڑی۔

''بہت دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہو!''

''صرف دلچسپ.....آدمی نہیں!''

''میں نہیں سمجھی؟''

''عورت صرف دلچسپی چاہتی ہے.....دلچسپی ختم.....اور آدمی بوریت کا پٹارہ۔''

''بہت جلے ہوئے ہو.....!''

حمید ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ اتنے میں قدموں کی چاپ سنائی دی اور فریدی اندر آیا۔

''تم اکرام کی نگہداشت کے لیے اپنے کمروں میں جاسکتی ہو!'' اس نے نسلی سے کہا۔

''شش.....شکریہ.....!'' نسلی اٹھتی ہوئی بولی اور چپ چاپ کمرے سے نکل گئی۔

''کوئی نیا فتنہ نہ اٹھا دے.....!'' حمید آہستہ سے بولا۔

''میں تمہیں اس کے سر پر مسلط ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا۔!'' فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

حمید نے برا سا منہ بنا کر شانوں کو جنبش دی۔

''وہ دراصل ہمیں گھیرنا چاہتے ہیں.....!'' فریدی نے کچھ دیر بعد کہا۔

''اگر یہ گھیراؤ نسلی ہی جیسی عورتوں کے ذریعے عمل میں لایا جائے تو انہیں کافی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔!''

''فضول باتیں نہ کرو.....سنو.....!''

حمید پوری طرح متوجہ ہو گیا.....! فریدی نے بجھے ہوئے سگار کو دیوار کے خلاء سے ٹہ پھینکتے ہوئے کہا۔ ''واجد نامکمل برین واشنگ کا کیس ہے۔''

"کیا مطلب.....!" حمید چونک پڑا۔

"کسی نے اس کی برین واشنگ کرنی چاہی تھی..... لیکن وہ اس کی تکمیل سے قبل ہی کسی طرح اس کے پنجے سے نکل بھاگا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا شعور دو قسم کی لہروں میں تقسیم ہو کر رہ گیا ہے..... کبھی وہ واجد کی حیثیت میں آ جاتا ہے اور کبھی اس حیثیت میں جس میں کسی نے اسے مکمل طور پر تبدیل کر دینا چاہا تھا۔ ٹیکلم گڈھ سے وہ میرے پاس ایک کیس ہی کی حیثیت سے روانہ کیا گیا تھا.....! لیکن اسے یہی بتایا گیا تھا کہ اس کا تبادلہ کیا جا رہا ہے.....! میں نے کچھ دن اسے اپنے ساتھ رکھ کر اچھی طرح اس کا جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچا..... وہاں اس کی بدلتی ہوئی ذہنی کیفیات کا وقفہ طویل ہوتا تھا..... لیکن اس علاقے میں داخل ہوتے ہی ذہنی تبدیلیوں کا وقفہ بہت کم ہو گیا تھا.....! یہ علامت امید افزاء تھی۔ میں نے جیپ خراب ہونے کا بہانہ کر کے تم دونوں کو موٹیل سے مدد لانے کے لیے پیدل روانہ کیا۔ اس کا مقصد یہی تھا کہ شاید وہ ان جلد جلد بدلتی ہوئی ذہنی حالتوں کے تحت اس مقام کی طرف ہماری رہنمائی کر سکے جہاں اس کے ساتھ یہ حادثہ پیش آیا تھا.....! تم دونوں چلتے رہے اور میں تمہارا تعاقب کرتا رہا۔ لیکن جب وہ ڈھلان میں اترا تو مجھے تشویش ہوئی کہ کہیں دونوں ہی کسی گڑھے میں نہ جا گرو..... لہٰذا وہ اسکیم بدلنی پڑی۔ اسے روکنا پڑا.....!"

فریدی خاموش ہو کر نیا سگار سلگانے لگا.....!

"میں اپنی ساری جھنجھلاہٹیں واپس لیتا ہوں جناب عالی.....!" حمید نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بڑے ادب سے کہا۔

فریدی دیوار کے خلا سے باہر دیکھ رہا تھا.....! دفعتاً حمید کی طرف مڑ کر بولا..... "اب حالات نے دوسرا رخ اختیار کیا ہے؟"

حمید سوالیہ نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ فریدی نے سگار کا کش لیتے لیتے رک کر کہا.....! "اس بستر پر پائے جانے والے پر پُراسرار زیرو لینڈ کی علامت موجود ہے..... اور نشان جس کے ذریعے اس تنظیم کے لوگ ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں!"

"خدا غارت کرے....." حمید بری طرح چیخ کر بولا۔

"کیا مطلب.....!"

"تمہیں تو کیس فش ہو کر رہ جانے والے کیسوں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"ہونہہ....."

"چھ لوگ پاگل خانے بھیج آئے اور ہم ابھی تک زیرو لینڈ ہی کا پتہ نہ لگا سکے.....!"

فریدی کچھ نہ بولا۔

"لیکن واجد..... وہ بے ہوش کیسے ہوا تھا.....!"

"جب تم موٹیل میں داخل ہوئے تھے تو وہ بالکل نارمل تھا.....! اپنے خالو اور اس کی بیوی کے متعلق گفتگو کرتے کرتے اچانک پھر دوسری لہر اس کے ذہن کو کسی خوابناک ماحول کی طرف بہا لے گئی تھی اور اس نے بالکل ایسے ہی انداز میں گردوپیش کا جائزہ لیا تھا جیسے اسے کچھ یاد آ رہا ہو.....! بہرحال اسی دوران میں..... میں نے یہ بھی محسوس کیا جیسے وہ ایک خاص سمت جانا چاہتا ہو.....! جیپ دوبارہ سڑک پر لے گیا اور اس کی مرضی کے مطابق چلتا رہا..... ایک جگہ وہ دفعتاً زور سے چیخا اور بے ہوش ہو گیا.....! کچھ دیر اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرتا رہا تھا..... پھر مجبوراً واپسی کی ٹھہری تھی!"

وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

اب حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی لمحے بھی موت سے سابقہ پڑ سکتا ہے.....!

"کیا یہ ضروری ہے کہ واجد کی برین واشنگ کی گئی ہو.....!" اس نے کچھ دیر بعد سوال کیا۔

"اس انکشاف کے بعد تم اس سوال پر حق بجانب ہو..... وہ لوگ اچھے اچھوں کو خرید لینے کی استطاعت رکھتے ہیں.....! بیچارہ واجد کس شمار و قطار میں ہے.....! بہرحال اب ہمیں یہ بحث نہ ہونی چاہئے کہ واجد کی کیا حیثیت ہے.....! اگر وہ ان کے ہاتھوں بک گیا تب بھی کیا فرق پڑ سکتا ہے!"

حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا تھا..... فریدی کچھ دیر بعد خاموش رہ کر بولا..... "تم نے ابھی یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی؟"

حمید نے وہ گفتگو یاد کی جو ان کے درمیان ہوئی تھی..... "غیر ضروری سمجھ کر حذف کر دی تھی۔"

"ہوں.....!" فریدی نے طویل سانس لی اور حمید سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"اس بار ریگم بالا کے مندر.....!" وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

"لیکن اب ہمیں کیا کرنا چاہئے.....!"

"انتظار..... اس کے علاوہ اور ہم کر بھی کیا سکتے ہیں.....! جیپ وہ لے گئے.....! کی گاڑی بھی گئی.....!"

"لیکن یہاں تو ہم پہ آسانی مار لیے جائیں گے.....!" حمید نے کٹی ہوئی دیوار کی طرف دیکھ کر کہا۔

"فکر نہ کرو.....!" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"فکر نہ کرو.....!" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔ "معجزے آپ کے ساتھ ہوتے ہیں میرے ساتھ نہیں!"

"تم خود کو مجھ سے الگ کب سے سمجھنے لگے ہو.....!"

"جب کوئی لڑکی مجھ میں دلچسپی لینے لگتی ہے تو میں خود کو آپ سے ایک ہزار میل فاصلے پر محسوس کرتا ہوں!"

"بس تو مطمئن رہو کہ تمہاری موت کسی لڑکی ہی کے ہاتھوں واقع ہوگی اس کے علاوہ ایک منٹ کے لیے بھی نہیں مر سکتے!"

اچانک قدموں کی چاپ سنائی دی اور وہ دروازے کی طرف متوجہ ہو گئے کمرے میں داخل ہونے والی لسلی تھی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"مم..... میں دشواری میں پڑ گئی ہوں.....!" وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

"کیسی دشواری.....!" فریدی نے نرم لہجے میں پوچھا!

"تین ٹورسٹ آ گئے ہیں.....! ریگم بالا جائیں گے..... مجھے ان کے متعلق اطلاع ہوگی..... گھڑی آپ کے پاس ہے.....!"

"اس میں دشواری کی کیا بات ہے!"

"کیا آپ مجھے اس کی اجازت دیں گے!"

"صرف اسی حد تک کہ تم انہیں ٹورسٹوں کی آمد سے مطلع کر دو..... لیکن ٹھہرو!

کہاں ہیں.....!"

"ہال میں.....!"

"تصدیق کر آؤ.....!" فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

حمید کمرے سے نکل کر ہال میں آیا..... یہاں ایک میز کے گرد دو بھکشو اور ایک سفید فام لڑکی گفتگو میں مصروف تھے۔

ان میں سے ایک نے حمید کی طرف دیکھا اور اونچی آواز میں بولا۔

"بھائی ہمیں وہ گرم مشروب کب ملے گا..... ہم سردی سے یخ ہوئے جا رہے ہیں!"

"ابھی جناب۔ جلد ہی.....!" حمید نے کہا اور پھر ان کے ساتھ والی لڑکی کو گھورنے لگا..... اس کے چہرے پر اسے عجیب سی معصومیت نظر آئی..... وہ دھیمے لہجے میں اپنے ساتھیوں سے گفتگو کر رہی تھی..... دونوں بھکشوؤں کے درمیان اس کا وجود بڑا پراسرار معلوم ہو رہا تھا۔

بے آواز فائر

حمید نے کمرے میں واپس آ کر فریدی کو رپورٹ دی..... اور فریدی نے گھڑی جیب سے نکال کر اس کا سوئچ آن کیا.....!

لسلی گھڑی کے قریب منہ لے جا کر بولی..... "اٹ از لسلی..... ہیلو..... ہیلو..... ہیلو..... لسلی..... اسپیکنگ.....!"

گھڑی سے آواز آئی..... "ہیلو..... لسلی.....!"

"تین ٹورسٹ ریگم بالا..... دو مرد..... ایک عورت.....! تفصیل کا انتظار کیا جائے..... اوور.....!"

"شکریہ لسلی..... اوور اینڈ آل.....!"

لسلی نے پیچھے ہٹ کر سوئچ آف کر دینے کا اشارہ کیا۔

فریدی سوئچ آف کر کے بولا..... "شکریہ لسلی.....!"

"میں پوری طرح تعاون کر رہی ہوں... جناب...! آپ کو بھی میرا خیال رکھنا پڑے گا!"

"تم بے فکر رہو...!" فریدی نے کہا۔

نسلی واپس جانے کیلئے مڑی ہی تھی کہ حمید بولا... "ٹھہرو...! مجھے تم پر رحم آ رہا ہے!"

"پھر تم کیا کر سکو گے میرے لئے...!" وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

"کچن میں تمہارا ہاتھ بٹاؤں گا...!"

"شکریہ... ضرور ضرور...!" کہہ کر وہ باہر نکل گئی۔

"صرف کہہ کر ہی نہ رہ جاؤ...!" فریدی آہستہ سے بولا۔

"تو کیا واقعی...!" حمید کی باچھیں کھل گئیں۔

"میں یہی چاہتا ہوں... قریب رہ کر اس کی نگرانی کرو!"

"اوکے۔ باس...!" حمید نے فوجیوں کے سے انداز میں ایڑیاں بجائیں اور کمرے سے نکلا چلا آیا۔

ہال کے وسط ہی میں اس نے نسلی کو جا لیا تھا۔

"کیا واقعی تم میری مدد کرو گے...!" اس نے حیرت سے کہا۔

"یقیناً...! وہ بے چارے کسی گرم مشروب کے لیے بہت بے چین ہیں۔"

وہ دونوں کچن میں آئے اور نسلی نے کہا... "میں نے آج تک کسی مذہبی زائر کے ساتھ کوئی سفید فام لڑکی نہیں دیکھی!"

"وقت ضائع کر رہی ہے اپنا...!" حمید نے لاپرواہی سے کہا۔

"وہ دونوں برما کے باشندے معلوم ہوتے ہیں!"

"لڑکی کے معاملے میں جغرافیائی حدود کوئی معنی نہیں رکھتیں... مثال کے طور پر مجھے امریکن مردوں سے سخت نفرت ہے لیکن امریکن لڑکی کیلئے اپنے دل میں بڑی جگہ پاتا ہوں!"

"تم ایک کمیاب قسم کے نور ہو...!"

"مجھے تم سے ہمدردی ہے...! کیا اکرام میری نسل سے تعلق نہیں رکھتا!"

"اکرام بہت اچھا آدمی ہے...!"

"اتنا موٹا ہے کہ اچھائی کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں!"

"تم خود کو کیا سمجھتے ہو..." نسلی بھنا گئی۔

"بگلش لڑکیوں کا خادم...!"

"مجھ پر تمہارا کوئی حربہ کارگر نہ ہوگا... میں پوری طرح اکرام کی وفادار ہوں!"

"مجھے غلط نہ سمجھو سنہری گڑیا... میں شادی شدہ خواتین کا بہت احترام کرتا ہوں... تم کہاں چلیں...! او پیرے مجھے دو... میں سرو کروں گا۔"

نسلی کچھ نہ بولی اس کے چہرے پر ناگواری کے آثار تھے، حمید نے کافی کی ٹرے اٹھا کر ہال کا رخ کیا۔

میز پر ٹرے رکھتے وقت اس نے کنکھیوں سے لڑکی کی طرف دیکھا۔

"کھانے کے لیے کچھ نہیں ہے...!" ایک بھکشو نے پوچھا...!

"گوشت کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے...!"

"آلو...! بھی نہیں ہے...!"

"جا کر دیکھتا ہوں...!" حمید نے کہا اور پھر کچن کی طرف چل پڑا۔ نسلی اسٹوو پر پانی گرما رہی تھی۔

"وہ آلو... مانگ رہے ہیں...!" حمید نے کہا۔

"ہمارے پاس گوشت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے!"

"بدھ بھکشو گوشت نہیں کھاتے!"

"پھر میں کیا کروں... تم ان سے پوچھو...! کیا وہ قیام کرنا چاہتے ہیں! انہیں ہماری مجبوریوں سے آگاہ کر دینا!"

حمید پھر واپس آیا... انہوں نے کہا کہ وہ رات کو قیام کریں گے۔

"لیکن کھانے کے لیے ہمارے پاس گوشت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔" حمید نے کہا...!

"ہم بھنے ہوئے اناج پر بھی گزارہ کر سکتے ہیں، جو ہمارے پاس وافر مقدار میں موجود ہے...!" ایک بھکشو بولا...! "لیکن ہم الگ الگ کمروں میں قیام کریں گے!"

"آپ بھنے ہوئے اناج پر گزارہ کر لیں...! لیکن یہ...!" حمید لڑکی کی طرف دیکھ کر [illegible]

''میں سکون کی تلاش میں نکلی ہوں.....!'' لڑکی کی مترنم آواز حمید کے کانوں میں گھولنے لگی.....!''اور یہ اس وقت تک ناممکن ہے جب تک نفس کی غلامی کی جائے.....! بھوکی بھی رہ سکتی ہوں!''

''تہہ دل سے خوش آمدید محترمہ.....!'' حمید جھک کر بڑے ادب سے بولا۔

پھر وہ کافی پینے لگے تھے اور حمید مؤدبانہ وہیں کھڑا رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد لسلی نے کاؤنٹر پر آ کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا اور حمید کو یاد آیا کہ اس نے تین الگ الگ کمروں کی فرمائش کی تھی۔

اس نے یہ بات لسلی کو بتائی۔

''دیوار گرنے کی وجہ سے ایک کمرہ تو بیکار ہو گیا.....!''لسلی کچھ سوچتی ہوئی بڑبڑائی۔

''دو کمرے تمہارے پاس ہیں..... ہاں.....اچھا ان سے کہہ دو کہ انہیں صرف دو کمرے ملیں گے!''

''اوہو.....انہیں کیوں تکلیف پہنچے.....! میں اور میرا چیف ایک ہی کمرے میں رہ لیں گے.....تم فکر نہ کرو!''

''جیسی تمہاری مرضی.....! لیکن اب تم وہاں ان کی میز کے قریب نہ کھڑے رہو! اگر کوئی ضرورت ہو گی تو آواز دے لیں گے!''

''اگر تم مرد ہوتیں تو اس لڑکی سے متعلق تمہارے کیا جذبات ہوتے!''

''میں اگر مرد ہوتی تو سب سے پہلے تمہیں گولی مار دیتی پھر اس لڑکی کے متعلق سوچتی۔ ویسے وہ کوئی بہت نیک لڑکی معلوم ہوتی ہے۔ آنکھیں دل کی کھڑکیاں ہوتی ہیں نا..... معصومیت اور پاکیزگی ہے چہرے پر!''

''منہ کا مزہ بگاڑ دیا تم نے.....''حمید منہ بنا کر بولا..... اتنے میں اسے فریدی دروازے کی طرف جاتا دکھائی دیا.....وہ ان کی طرف متوجہ نہیں تھا لیکن تینوں نو وارد چونک کر اسے دیکھنے لگے تھے۔

وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

''تمہارے چیف کو اس طرح تنہا باہر نہ جانا چاہئے.....!''لسلی آہستہ سے بولی۔

''ہزار آنکھوں سے دیکھتا ہے.....تم اس کی فکر نہ کرو!''

''بڑا عجیب آدمی ہے..... جب نرم لہجے میں گفتگو کرتا ہے تو جی چاہتا ہے کہ اس کے قدموں پر جان دے دو.....اور جب تیور بدلتا ہے تو روح لرزنے لگتی ہے!''

حمید ٹھنڈی سانس لے کر چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

''وہ آ رہا ہے.....!''لسلی آہستہ سے بولی اور حمید نے مڑ کر دیکھا۔ ایک بھکشو اٹھ کر کاؤنٹر کی طرف آ رہا تھا.....! قریب پہنچ کر اس نے کہا۔

''ہماری گاڑی میں کچھ سامان ہے!''

''چلئے جناب.....! میں اٹھا لاؤں.....!'' حمید نے جلدی سے کہا اور لسلی کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ لیکن وہ اس کی طرف توجہ دیئے بغیر بھکشو کے ساتھ چل پڑا تھا۔

باہر ایک چمچماتی ہوئی مرسیڈیز کھڑی تھی.....! بھکشو نے اس کا ڈکے اٹھایا...اور حمید کو ان سوٹ کیسوں کو اٹھانے کا اشارہ کیا جو اس کے اندر رکھے ہوئے تھے.....!

''کیا گاڑی یہیں کھلے میں کھڑی رکھنی پڑے گی.....!'' اس نے اس وقت پوچھا جب سوٹ کیسوں کو ڈکے سے نکال رہا تھا۔

''نہیں.....! ہمارے پاس گیراج بھی ہے.....!'' حمید چہک کر بولا اور دونوں سوٹ کیس لٹکائے ہوئے عمارت کی طرف چل پڑا۔

لسلی کاؤنٹر پر نہ دکھائی دی.....دونوں ٹورسٹ اپنی جگہوں پر موجود تھے.....! حمید نے سوٹ کیس ان کے قریب رکھ دیئے اور مڑ کر دیکھا۔ دوسرا بھکشو شاید باہر ہی رہ گیا تھا۔

''اور کوئی خدمت جناب!'' حمید آہستہ سے بولا۔

لڑکی سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے لگی.....! وہ سفید فام تھی لیکن اس کی آنکھوں میں رات کے گہرے سائے تھے..... پُراسرار سائے.....سائے جن کی ٹھنڈک اسے اپنی روح کی گہرائی میں محسوس ہوئی.....!

''جھوٹ تمہاری پیشانی پر تحریر ہے.....!''لڑکی آہستہ سے بولی۔

''سچائی کہاں ہے محترمہ.....! بس تلاش جاری رکھئے.....!'' حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تم مجسم سچائی ہو..... لیکن تمہیں خود کو تلاش کرنا پڑے گا..... زندگی کے اندھیرے میں گم ہو کر رہ گئے ہو!"

"پچھلے سال کچھ لوگ بن مانس کے دھوکے میں مجھے پکڑ لے گئے تھے۔"

"وہ لوگ جو حیرت کے سمندر میں غوطے کھا رہے ہوں۔ مسکراہٹوں کے بر طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔! ہو سکتا ہے تمہارا یہ جملہ دلچسپ رہا ہو.....!"

"کیا میں اور کافی پیش کروں.....!"

"بات نہ اڑاؤ..... مجھے تم سے ہمدردی ہے.....!"

"آپ کو مجھ سے ہمدردی ہونی ہی چاہئے..... کیونکہ میں اندھا ہوں انجام سوچ لیکن سمجھائی نہیں دیتا۔"

"بڑی سچی بات کہی تم نے..... پھر سنبھل کیوں نہیں جاتے.....!"

"بس حماقتوں کے سمندر میں غوطے کھا رہا ہوں..... لذت..... لذت، لذت بعد میں گردن ہی کیوں نہ کٹ جائے!"

بھکشو کے انداز سے ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے اس گفتگو سے کوئی سروکار ہی نہ ہو وہ اٹھا اور کچھ کہے بغیر صدر دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا.....! لڑکی بدستور بیٹھی رہی۔

نہ جانے کیوں حمید کے ذہن پر اداسی کے بادل منڈلانے لگے تھے۔

"بیٹھ جاؤ.....!" لڑکی نے کچھ دیر بعد کہا۔

"شکریہ.....!" وہ چونک کر بولا اور غیر ارادی طور پر اسی کرسی پر بیٹھ گیا جس سے بھکشو اٹھا تھا۔

"کیا تم اس جگہ کے مالک ہو.....!" لڑکی نے سوال کیا۔

"نہیں..... تمہاری ہر طرح ایک مسافر.....! مالک اچانک بیمار پڑ گیا ہے..... اس کی بیوی کا ہاتھ بٹا رہا ہوں!"

"دوسروں کے کام آنا سب سے بڑی نیکی ہے۔!"

"لیکن کبھی کوئی میرے کام نہ آیا.....!"

"جھوٹ تمہاری پیشانی پر تحریر ہے.....! بہتوں نے تمہارے کام آنا چاہا لیکن تم نے کی پروا نہ کی.....!"

"تو پھر اب مجھے کیا کرنا چاہئے.....!"

"بیزاری تمہارا مقدر بن چکی ہے..... لہٰذا ساری دلچسپیاں اپنی ہی ذات میں تلاش کرنے کی عادت ڈالو..... تمہیں کسی دوسرے سے کبھی کوئی سکھ نہ مل سکے گا.....!"

دفعتاً سلمیٰ نے کاؤنٹر سے ہانک لگائی..... "کیپٹن.....!" اور لڑکی چونک کر اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"میں ابھی آیا.....!" حمید کہہ کر اٹھا اور کاؤنٹر پر آیا.....!

سلمیٰ آہستہ سے بولی۔ "مجھے یاد آ گیا کہ میں نے اس لڑکی کو پہلے کہاں دیکھا تھا!"

حمید اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا رہا۔

"یہ لڑکی اس قافلے میں شامل تھی..... جو واجد کے ساتھ آیا تھا!"

"اوہ..... وہی تو نہیں جس سے واجد نے بے تکی بکواس کی تھی اور بے ہوش ہو گیا تھا!"

"مجھے ایسے کسی واقعے کا علم نہیں.....! لیکن یہ لڑکی ان میں یقیناً شامل تھی۔"

"خیر..... اب تم خاموشی اختیار کرو!"

"وہ دونوں کہاں گئے؟"

"ایک باہر ہی رہ گیا تھا..... پھر دوسرا بھی چلا گیا!"

"اور تمہارا چیف بھی باہر ہی ہے.....! مجھے الجھن ہو رہی ہے!"

"فکر نہ کرو..... اپنے کاموں میں لگی رہو..... ذرا اکرام کو بھی دیکھ لینا.....!"

"وہ گہری نیند سو رہا ہے!"

"میں پھر کافی کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں!"

"ابھی لائی.....!" سلمیٰ نے کہا اور اندر چلی گئی..... حمید پھر اسی میز پر آ گیا۔

"میں نے اور کافی منگوائی ہے.....!" اس نے لڑکی سے کہا۔

"مجھے اب خواہش نہیں.....!"

"کیا تم مجھے اپنا نام بتانا پسند کرو گی!"

"ریما..... اور تم.....!"

"میں ساجد حمید ہوں.....!"

"بدھ مت سے تعلق رکھتے ہو؟"

"نہیں مسلم!"

"بدھ مت کا مطالعہ کرنے کے بعد میں اسلام کا بھی مطالعہ کروں گی!"

"ضرور کرو!"

"تمہارے یہاں خدا کا کیا تصور ہے؟"

"خالق..... لاشریک..... اور مالک یوم الدّین.....!"

"کیا یہ تصور تمہیں مطمئن کرتا ہے!"

"میں نے آج تک اس پر غور ہی نہیں کیا!"

"سکون چاہتے ہو تو ضرور غور کرو!"

"مجھے کبھی سکون کی خواہش نہیں ہوتی!"

"جھوٹ تمہاری پیشانی پر تحریر ہے!"

"اور تم ایک گراموفون ریکارڈ کی طرح بج رہی ہو.....!"

"غصہ آ گیا.....؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی۔

"نہیں قطعی نہیں.....!" حمید جواباً مسکرایا۔

"جس جملے پر غصہ آیا تھا وہی پھر دہرانا پڑے گا!"

"چھوڑو..... اس ذکر کو..... کیا یہ دونوں بھکشو برمیز ہیں!"

"ہاں.....!"

"ان کلوٹوں کے ساتھ تم کچھ اچھی نہیں لگتیں.....!"

"یہ میرے استاد ہیں.....! ان سے میں بدھ ازم کا درس لے رہی ہوں۔"

"ریگم بالا کیوں جا رہی ہو.....!"

"وہاں کے بدھ مندروں کی زیارت کے لیے..... قدیم تحریروں میں پتھروں پر ہوئی بدھ تعلیمات کو حفظ کرنے.....!"

"اس سے تمہیں کیا فائدہ ہوگا.....!"

"بے چین آدمی..... مجھے سکون کی تلاش ہے!"

"دوسرے لفظوں میں تم بھی بے چین ہو.....!"

"یہی سمجھ لو..... لیکن میری بے چینی کا حاصل سکون ہی ہوگا.....!"

اتنے میں دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور دونوں بھکشو ہال میں داخل ہوئے..... قریب پہنچ کر ایک بولا..... "ہماری گاڑی گیراج میں رکھوا دو..... بلا کی سردی ہے۔؟"

"کافی آ رہی ہے..... آپ لوگ ایک ایک کپ اور پیجئے..... پھر گاڑی بھی رکھوا دوں گا.....!" حمید نے کہا۔

دونوں بیٹھ گئے.....! لڑکی نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔

کچھ دیر بعد لسلی نے کافی کی ٹرے کاؤنٹر پر لا رکھی اور حمید اسے اٹھا لایا۔

کافی پینے کا وقفہ بھی خاموشی ہی میں گزرا تھا..... اس کے بعد حمید نے لسلی سے گیراج کی کنجی مانگی تھی۔

"ہوشیار رہنا!" وہ آہستہ سے بولی۔ "یہ لوگ وہ نہیں معلوم ہوتے، جو ظاہر کر رہے ہیں!"

"شکریہ..... میں ہوشیار ہوں!"

اس بار دونوں بھکشو حمید کے ساتھ باہر آئے تھے.....! حمید فریدی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ آخر وہ کہاں چلا گیا۔

وہ دونوں گاڑی کی طرف جا رہے تھے اور حمید کا رخ گیراج کی طرف تھا۔

وہ جھک کر قفل کھول ہی رہا تھا کہ اچانک اسے اپنے قریب ہی کسی کی موجودگی کا احساس ہوا اور وہ بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا۔

"کھٹاک.....!" بھکشو کا وار گیراج کے دروازے پر پڑا.....!

اس نے لوہے کی ایک وزنی سلاخ سے حمید کے سر پر ضرب لگانی چاہی تھی۔

حمید جوابی حملے کیلئے سنبھلا ہی تھا کہ دوسرے بھکشو کی آواز آئی۔ "اپنی جگہ سے جنبش نہ کرنا!"

اس کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر حمید نے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے.....!

اب پوزیشن یہ تھی کہ ایک طرف ریوالور تھا..... اور دوسری طرف لوہے کی سلاخ جس کی ایک بھرپور ضرب کھوپڑی کو کئی حصوں میں تقسیم کر سکتی تھی.....!

"میری کسی غلطی کی سزا اتنی بھیانک تو نہ ہونی چاہئے!" دفعتاً حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''تم ہماری شاگرد کو بری نظروں سے دیکھ رہے تھے.....!'' ریوالور والا غرایا۔

''کس شیطان نے ورغلایا ہے تمہیں.....! میں نے تو ابھی اسے اچھی طرح دیکھا ہی نہیں۔

''بکواس بند کرو.....!''

''ارے تو کیا تم مجھے گولی مار دو گے.....! اگر ایک بار بری نظر سے دیکھا تھا تو ا
بار اچھی نظر سے دیکھنے کو تیار ہوں.....! اتنے ظالم نہ بنو!''

ریوالور والے نے سنی ان سنی کر کے اپنے ساتھی سے کہا۔

''اسے گیراج میں بند کر دو.....! لیکن یہ دیکھ لینا کہ کسی دوسری طرف سے نکل ج
کا امکان نہ رہے!''

''وہ لڑکی سکون کی تلاش میں ہے مجھے گیراج میں بند نہ کرو.....!''

دفعتاً ریوالور والا چیخ مار کر اچھل پڑا..... ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا تھا۔

دوسرا بھکشو اس کی طرف متوجہ ہوا ہی تھا کہ حمید نے اس پر چھلانگ لگا دی.....! بھکشو
سلاخ کا سہارا لینا چاہا لیکن حمید نے ایک نہ چلنے دی۔ سب سے پہلے اس نے سلاخ ہی
کے ہاتھ سے چھینی تھی.....! لیکن وہ خود اس کے ہاتھ بھی نہ آ سکی..... دونوں گتھے ہوئے
پر گرے اور حمید بڑی پھرتی سے اس کی گردن میں قینچی ڈال کر چڑھ گیا۔ اسے اچھی طر
لینے کے بعد وہ دوسرے بھکشو کی طرف متوجہ ہوا.....!

بھکشو جہاں تھا وہیں کھڑا داہنے ہاتھ سے بہتی ہوئی خون کی دھار کو روکنے کی کوشش کر رہا

''اگر تم نے ریوالور اٹھانے کی کوشش کی تو..... ہمیشہ کے لیے خاموش ہ
گے.....!'' حمید نے اسے متنبہ کیا۔

وہ دم بخود کھڑا رہا۔ ادھر حمید اپنے شکار کی گردن پر سارا زور صرف کیے دے رہا
اس کا چہرہ برف میں دفن ہو کر رہ گیا تھا.....!

دفعتاً اس نے ریما کی مترنم اور پرسکون آواز سنی.....! ''یہ کیا ہو رہا ہے!''

''سکون کی تلاش جاری ہے.....؟'' حمید غرایا..... ''تم بھی اپنے اس گرو کا حشر
لو..... اگر تم نے کوئی حرکت کرنے کی کوشش کی تو تمہارا بھی یہی حشر ہوگا..... آج آسمان
بے آواز گولیاں برس رہیں ہیں.....!''

''اوہ..... یہ خون.....!'' وہ دوسرے بھکشو کی طرف جھپٹی۔

بھکشو چیخنے لگا تھا..... ''یہ لوگ لٹیرے ہیں..... یہاں سے نکل چلو..... جتنی جلدی ممکن
ہو..... مجھ پر بے آواز فائر ہوا تھا.....!''

''کدھر سے..... کدھر سے.....!'' ریما کے لہجے کا سکون غائب ہو چکا تھا۔

''پتہ نہیں.....!'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ اور پھر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

''چلو..... اندر چلو..... میں ڈریسنگ کروں گی..... کیا گولی اندر رہ گئی ہے!''

''نہیں..... کھال پھاڑتی ہوئی اوپر سے گزر گئی ہے.....!''

''چلو..... چلو.....!''

''نہیں.....!'' حمید پھر دہاڑا..... ''اب یہاں سے کوئی بھی نہ ہٹے ورنہ انجام بخیر نہ ہوگا.....!''

''کیوں لٹیرے.....!'' وہ اس کی طرف مڑی۔

''میں نے آج تک کسی بھکشو کے پاس ریوالور نہیں دیکھا.....!'' حمید بولا.....!

''تم کیا کہنا چاہتے ہو.....!''

''ان دونوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا.....!''

''یہ جھوٹ ہے..... سفید جھوٹ.....!'' زخمی بھکشو کراہا۔

''وہ دیکھو بائیں جانب چند قدم کے فاصلے پر اس کا ریوالور پڑا ہوا ہے..... ہاں.....
اس چھوٹے سے گڑھے میں جو برف پر نظر آ رہا ہے.....!''

وہ اس طرف بڑھی ہی تھی کہ اس کے قدموں کے قریب برف اڑ کر رہ گئی۔ قدم رک
گئے..... اور اس نے مڑ کر حمید کی طرف دیکھا۔

''خطرناک.....!'' حمید نے وارننگ دی۔

ریما پھر آگے نہیں بڑھی تھی..... اس کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔! پھر وہ زخمی
ساتھی کی طرف پلٹ گئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر عمارت کی طرف چلنے کو کہا۔

''پپ..... پہلے..... وہ.....!'' زخمی بھکشو حمید کی گرفت میں آئے ہوئے ساتھی کی طرف
ہاتھ اٹھا کر رہ گیا تھا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے.....!'' ریما بولی۔ حمید اپنے حریف کا

چہرہ برف پر رگڑے ڈال رہا تھا۔

دفعتاً اس نے پاگلوں کی طرح چیخنا شروع کر دیا..... ''چھوڑ دو، چھوڑ دو..... خدا کے
چھوڑ دو..... ورنہ میرا چہرہ..... مسخ ہو جائے گا.....!''

پھر اس کے حلق سے بے معنی آواز نکلنے لگی تھی..... اس کے بعد سناٹا چھا گیا۔

حمید نے اسے چھوڑ کر اٹھتے ہوئے ریما کو مخاطب کیا۔

''یہ دونوں فراڈ ہیں.....! تم جیسی معصوم لڑکیوں کو ان سے دور رہنا چاہئے.....! ا
خیال ہے کہ انہیں میرے متعلق غلط فہمی ہوئی تھی.....!''

''کچھ بھی ہو.....!'' ریما مضطربانہ انداز میں بولی.....! ''یہ آدمی ہے..... اسے ا
طرح برف پر نہ پڑا رہنے دو..... اٹھا کر اندر لے چلو میں سمجھنے کی کوشش کروں گی کہ یہ
کچھ کیا ہے.....؟''

''تم کہتی ہو تو..... یہ بھی سہی.....! میں تمہیں ان کے چنگل سے چھڑانے کی کوشش
کروں گا.....!'' حمید نے کہا اور جھک کر بے ہوش بھکشو کو ہاتھوں میں اٹھا لیا۔

دوسرے بھکشو نے دوبارہ ریوالور اٹھانے کی کوشش نہیں کی تھی..... چپ چاپ ان کے
پیچھے چلنے لگا تھا۔

وہ ہال میں داخل ہوئے..... لسلی کاؤنٹر پر موجود نہیں تھی.....! حمید نے بھکشو کو فرش
ڈال دیا اور ان سے کہا کہ وہ وہیں ٹھہریں اور خود رہائشی کمروں کی طرف چل پڑا۔ دراصل ا
واحد والے کمرے سے آتشدان لینے جا رہا تھا.....! جیسے ہی اس نے کمرے میں قدم رکھا۔
کی ہوئی دیوار کے راستے فریدی بھی اندر داخل ہوا۔

''بہت اچھے جا رہے ہو.....!'' اس نے اس کا شانہ تھپک کر کہا۔

''لڑکی پر یہی ظاہر کرتے رہو کہ تم اسے ان لوگوں کے جال میں پھنسی ہوئی ایک معصو
ہستی سمجھتے ہو!''

چیخیں

حمید اوپری ہونٹ بھینچے اسے کڑوی نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ ''مجھے اس سے کیا
فائدہ پہنچے گا اور اگر پہنچے بھی لگا تو آپ اسے سود قرار دے کر مجھے پر حرام کر دیں گے۔!''

''تم شاید آتشدان لینے آئے تھے.....؟'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

حمید نے جھک کر آتشدان اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھا۔

''دس منٹ بعد لسلی کو یہاں بھیج دینا.....!'' فریدی بولا۔

حمید رک کر اس کی طرف مڑا اور معنی خیز انداز میں مسکرا کر سوال کیا۔ ''اور دس منٹ تک
آپ کیا کرتے رہیں گے.....!''

''شٹ اَپ اینڈ گٹ آؤٹ.....!''

حمید آتشدان اٹھائے ہوئے دروازے سے گزر گیا.....! سامنے سے لسلی آتی دکھائی
دی..... اس کا چہرہ فق ہو رہا تھا۔

''ٹھہرو..... ابھی نہیں..... دس منٹ بعد.....!'' حمید نے کہا۔

''کیا مطلب.....؟'' وہ رک گئی۔

''واپس چلو..... ٹھیک دس منٹ بعد میرے چیف سے اسی کمرے میں مل لینا.....!''

''انہیں کیا ہوا ہے..... ایک زخمی ہے اور دوسرا بے ہوش۔!'' لسلی کپکپاتی ہوئی آواز
میں بولی۔

''جب تم جانتی ہو کہ ایک زخمی ہے اور دوسرا بے ہوش تو پھر کیوں پوچھتی ہو کہ..... کیا
ہوا..... چلتی رہو.....!''

وہ ہال میں آئے حمید نے بے ہوش آدمی کے قریب آتشدان رکھ دیا ریما ایک سوٹ
میں کھوئے بیٹھی تھی۔ اس نے اس میں سے فرسٹ ایڈ کا سامان نکالا..... اور زخمی کی مرہم پٹی
کرنے لگی..... انہماک کا یہ عالم تھا جیسے دوسروں کی موجودگی فراموش کر بیٹھی ہو.....!

لسلی اور حمید دوسرے کو ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگے۔ دفعتاً ریما ان کی طرف مڑ کر بولی..... ''انہیں ان کے کمروں میں پہنچانا ہے۔''

حمید نے لسلی سے کہا..... ''تم جا کر تین کمرے ٹھیک کر دو.....!'' جب وہ جانے لگی تو آہستہ سے بولا.....! ''دس منٹ بعد چیف سے ملنا نہ بھولنا.....!''

ریما نے لسلی کی واپسی سے پہلے ہی زخمی کی ڈریسنگ کر دی تھی اور اب بے ہوش جم کے قریب آ بیٹھی تھی۔

''اکڑوں بیٹھنے سے معدہ خراب ہو جاتا ہے۔ کرسی لے لو!'' حمید نے اس سے کہا۔

''تم نے اس نیک آدمی کے ساتھ زیادتی کی ہے.....!'' وہ سنی ان سنی کر کے بولی.....! ''دیکھو کب ہوش آتا ہے.....!''

''میں تمہیں کس طرح یقین دلاؤں کہ میں بے قصور تھا..... اگر میرے ساتھی نے چھپ کر میری نگرانی نہ کی ہوتی پتہ نہیں یہ دونوں مجھے کہاں پہنچا دیتے!''

''تمہارا ساتھی کہاں ہے.....؟''

''میں نہیں جانتا.....! اس وقت وہ یقیناً کسی چٹان کی اوٹ میں موجود تھا.....!''

''کیا وہ ایک ماہر نشانہ باز ہے.....!''

''میری دانست میں لاجواب ہے.....!'' حمید بولا۔

''میرے پیروں سے صرف ایک بالشت کے فاصلے پر اس کی گولی پڑی تھی.....!''

''وہ ناک پر بیٹھی ہوئی مکھی کو اڑا سکتا ہے..... ناک ہر حال میں محفوظ رہے گی.....!''

دفعتاً زخمی بھکشو کراہا.....! ''میں بڑی کمزوری محسوس کر رہا ہوں، مجھے لیٹ جانا چاہئے۔''

''ہاں..... ہاں.....'' ریما اٹھتی ہوئی بولی..... ''وہ واپس آ رہی ہو گی۔''

حمید سوچ رہا تھا کہ کس طرح اسے ان دونوں سے الگ کر لے۔! اتنے میں لسلی واپس آ گئی۔

''چلو..... میں تمہیں کمرے میں پہنچاؤں گا.....!'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

''نہیں.....! مجھے سہارے کی ضرورت نہیں.....!'' بھکشو نے غصیلے لہجے میں کہا اور لسلی سے بولا.....! ''چلو.....!''

''میں اتنا نیک نہیں ہوں کہ اس عورت کو تمہارے ساتھ تنہا جانے دوں۔!'' حمید نے کہا اور لسلی کے ساتھ چلنے لگا۔

بھکشو کی آنکھیں خونخوار نظر آنے لگی تھیں لیکن اس سے کوئی غیر معمولی حرکت سرزد نہیں ہوئی تھی۔

لسلی نے ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا اور وہیں سے پلٹ گئی۔

حمید کے اندازے کے مطابق وہ فریدی سے پہلے ہی مل چکی ہو گی لہٰذا اب پھر ڈائننگ ہال ہی میں واپس گئی ہو گی۔

دروازے کو دھکا دے کر وہ پیچھے ہٹ آیا اور بھکشو کو اندر جانے کا اشارہ کرتا ہوا بولا..... ''اب تم مجھے بتاؤ گے کہ مجھ پر حملہ کیوں کیا گیا تھا۔''

''اس کا جواب وہی دے سکے گا جو بے ہوش پڑا ہوا ہے.....!'' بھکشو نے کسی بچڑے آدمی کی طرح نتھنے پھلائے۔

''تم لوگ آخر ہو کیا بلا..... چلو اندر چلو.....!'' حمید اس کی گردن پکڑ کر دھکا دیتا ہوا بولا۔

اندر پہنچ کر بھکشو جارحانہ انداز میں پلٹا تھا..... لیکن حمید کے تیور دیکھ کر آگے نہ بڑھ سکا۔

''میں نے آج تک کسی بھکشو کے پاس ریوالور نہیں دیکھا.....!'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''ان اطراف میں لٹ جانے کا بھی خطرہ رہتا ہے!'' بھرائی ہوئی آواز میں جواب ملا۔

''مجھے یقین ہے کہ وہ نیک لڑکی تمہارے اس عذر کو تسلیم کر لے گی!'' حمید طنزیہ انداز میں مسکرایا..... پھر سخت لہجے میں بولا! ''ریوالور رکھنے کا اجازت نامہ ہے تمہارے پاس؟''

بھکشو کچھ نہ بولا..... تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا.....! ''میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھی نے تم پر حملہ کیوں کیا تھا۔ صرف بات بڑھ جانے کے خدشے کے تحت میں نے ریوالور نکال کر تم دونوں کو الگ الگ کر دینا چاہا تھا۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتا تھا کہ ہنگامہ فرو ہو جائے.....!''

''اچھی بات ہے.....! میں اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کروں گا.....!'' حمید نے کہا اور واپسی کے لیے مڑنے لگا۔

''ٹھہرو.....!'' بھکشو ہاتھ اٹھا کر بولا.....! ''دنیا کی ہر عورت اس لیے نہیں ہوتی کہ
کر دی جائے اس کا خیال رکھنا.....ورنہ تم آسمانی عذاب سے نہیں بچ سکو گے.....!''

''بیٹے.....! میں تو عورت ہی کو عذاب سمجھتا ہوں.....! چاہے وہ آسمان سے
چاہے زمین کا سینہ چیر کر برآمد ہوئی ہو.....ٹاٹا.....!''

اب اس کا رخ پھر ڈائننگ ہال ہی کی طرف تھا.....! وہاں پہنچا تو ریما بے ہوش
کی طرف اشارہ کر کے بولی۔ ''اسے بھی کمرے میں پہنچاؤ!''

''اس عذاب سے چھٹکارا ممکن نہیں.....! آدمی چاہے کتنی ہی شیخیاں بگھارے
حمید کے لہجے میں بے بسی تھی۔

''کیا مطلب.....!'' ریما اسے گھورتی ہوئی بولی۔

''کچھ نہیں.....!'' حمید کراہتا ہوا جھکا اور اسے پھر ہاتھوں پر اٹھا لیا۔

ریما اس کے پیچھے چل رہی تھی.....زخمی کے برابر والے کمرے میں دوسرے بھکشو
کر اس نے اس سے کہا.....! ''چلو اب تمہیں تمہارے کمرے میں پہنچا دوں.....!''

''نہیں بس اب تم جاؤ.....!'' پشت سے آواز آئی اور حمید بڑی پھرتی سے دروازہ
طرف مڑا.....وہاں زخمی بھکشو کھڑا تھا۔

''تم یہاں کیوں آئے.....!'' حمید اسے گھورتا ہوا غرایا.....!

''دوبارہ تنبیہہ کرنے.....!''

''دفع ہو جاؤ.....! یہی سیدھی سادھی لڑکی اب تمہارے فریب میں نہیں آئے گی۔

''ایسا نہ کہو.....!'' ریما نرم لہجے میں بولی.....! ''یہ دونوں میرے روحانی اتا
انہیں نہایت بدترین برائیوں میں مبتلا دیکھ کر بھی میرا اعتماد متزلزل نہیں ہوگا.....! یہا
فریب نظر سمجھوں گی.....!''

''تم ہمارے ملک میں مہمان ہو.....! اس لیے تمہاری حفاظت مجھ پر واجب
ہے۔ لہٰذا میں تمہاری طرف سے لاپروا نہیں ہو سکتا!''

''میں کہتا ہوں چلے جاؤ یہاں سے.....!'' بھکشو کی آواز بلند ہوگئی۔

''میں بہرا نہیں ہوں.....حلق نہ پھاڑو.....!''

''میں آرام کرنا چاہتی ہوں.....!''

''ضرور کرو.....لیکن میں ان دونوں میں سے کسی کو بھی تمہارے کمرے میں داخل نہ
ہونے دوں گا.....! یہ میرا فیصلہ ہے.....!''

''اچھا یہی سہی.....! کسی طرح یہ بات ختم ہو.....!'' وہ طویل سانس لے کر بولی اور
دروازے کی طرف بڑھ گئی.....بھکشو پیچھے ہٹ گیا تھا۔ حمید ریما کے ساتھ تیسرے کمرے تک
آیا.....اور اسے اندر جانے کو کہہ کر دروازہ اندر سے بند رکھنے کی تاکید کی۔

زخمی بھکشو بھی حمید کے قریب ہی موجود تھا اس نے ایک بار پھر حمید کو سمجھانے کی کوشش کر
ڈالی کہ وہ ان کے معاملات میں دخل اندازی نہ کرے۔

''تم اپنی زبان بند کرو جی اور چپ چاپ اپنے کمرے میں چلے جاؤ۔ میں اسے باہر
سے بولٹ کروں گا.....!'' حمید جواباً غرایا۔

اب ان کے درمیان اس نئے مسئلے پر بحث شروع ہوگئی تھی۔ آخر ریما کو دخل اندازی
کرنی پڑی۔

''تم آخر اتنے ضدی کیوں ہو.....!'' اس نے حمید سے پوچھا۔

''تم بھی مجھے دوسری ہی دنیا کی مخلوق معلوم ہوتی ہو.....! ارے تم نے دیکھا نہیں کہ
کچھ ہی دیر پہلے انہوں نے مجھے مار ڈالنے کی کوشش کی تھی.....!''

''یقیناً وہ سب کچھ کسی غلط فہمی پر مبنی تھا.....! ہمیں بھلا اس قسم کے ہنگاموں سے کیا
سروکار.....اگر ان میں سے کسی کے پاس ریوالور موجود بھی تھا تو میں اسے ایک احتیاطی تدبیر
کے علاوہ اور کچھ سمجھنے پر تیار نہیں.....!''

''تم لوگ غیر ملکی ہو.....!'' حمید اسے گھورتا ہو بولا.....! ''اور ہماری حکومت کی
اجازت کے بغیر اس قسم کا کوئی اسلحہ نہیں رکھ سکتے!''

''میرے پاس اجازت نامہ موجود ہے۔!'' بھکشو نے کہا۔

''بیکار بحثوں میں نہ پڑو.....!'' ریما مسکرا کر حمید سے بولی۔! ''ہمارے سوٹ کیس بھی
لے آؤ.....شکریہ.....!''

''بہت اچھا محترمہ۔ لیکن پھر کہتا ہوں کہ ان دونوں خبیثوں سے ہوشیار رہنا.....!'' ریما

نے اپنے دونوں کان بند کر لیے۔ غالباً یہ ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ ان کے لیے اس قسم کے الفاظ سننا پسند نہیں کرتی۔

حمید پھر ہال میں واپس آیا۔ لسلی سوٹ کیسوں کے قریب بیٹھی آتشدان میں دہکتی ہوئی آگ پر نظریں جمائے کسی سوچ میں غرق تھی۔

''میرے چیف سے ملی تھیں.....!'' حمید نے پوچھا۔

لسلی نے اثبات میں سر ہلا دیا اور اسے غور سے دیکھتی رہی۔

''کیوں بلایا تھا.....!''

''مجھ سے اس حادثے کی اطلاع اس آدمی کو دلوائی تھی جو مجھ سے ٹرانسمیٹر پر رابطہ قائم کرتا ہے.....!''

حمید نے طویل سانس لی اور سوٹ کیس اٹھانے لگا۔

''مجھے افسوس ہے کہ تمہیں یہ سب کچھ کرنا پڑ رہا ہے.....!'' لسلی نے مغموم لہجے میں کہا!

''اگر تم اسی طرح بیٹھی افسوس کرتی رہیں تو ہم بھوکے مر جائیں گے۔ جاؤ رات کے کھانے کا انتظام کرو۔ اکرام کا کیا حال ہے.....!''

''بدستور سو رہا ہے.....!''

''کیا تم ان حالات کی بناء پر خائف ہو.....!''

''کیا نہ ہونا چاہئے.....!'' اس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سوال کیا۔

''جب تک ہم دونوں زندہ ہیں.....! خود کو ہر طرح محفوظ سمجھو.....!''

''تمہاری زندگی کا بھی کیا بھروسہ.....! وہ لڑکی بہت حسین ہے؟''

''یہ اس کے والدین کا قصور ہے.....مجھے الزام نہ دو.....!''

اس نے سوٹ کیس اٹھائے اور چل پڑا..... ریما کے کمرے کے سامنے اس کے قدم رک گئے۔ اندر سے ایسی آوازیں آ رہی تھیں جیسے کچھ لوگ اچھل کود مچا رہے ہوں۔ ساتھ ہی ریما کہتی سنائی دی۔ ''نہیں..... نہیں..... مجھے جانے دو..... تم واقعی برے ہو..... بہت برے۔''

''میں تمہیں جان سے مار دوں گا.....!'' بھکشو کی آواز آئی۔

پھر دروازہ ہلنے لگا..... جیسے اسے کھولنے کی کوشش کی جا رہی ہو لیکن کسی وجہ سے کامیابی نہ ہو رہی ہو۔

حمید نے سوٹ کیس ایک طرف رکھ دیئے۔ اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی وہ سوچ رہا تھا۔ یہ کرنل فریدی سچ مچ جن ہی ہے جس پر بھی آ جائے..... اب یہ لوگ وہی کر رہے تھے، جو اس نے چاہا تھا..... واہ.....!

دفعتاً دروازہ کھلا اور ریما اس پر آ گری.....! بھکشو سامنے کھڑا ہانپ رہا تھا۔

''دیکھ لیا تم نے.....!'' حمید ریما کو ایک طرف ہٹاتا ہوا بولا.....! پھر بھکشو کی گردن دبوچی اور دھکے دیتا ہوا اس کو اس کمرے میں لایا..... جہاں اسے رہنا تھا۔

بستر پر دھکیلتے ہوئے حمید نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا تھا، جیسے کچا ہی چبا جائے گا۔

''اب یہیں پڑے رہو..... اور خود کو قیدی سمجھو.....!'' اس نے اس سے کہا اور پھرتی سے باہر نکل کر دروازے کو بولٹ کر دیا..... ریما اب بھی وہیں کھڑی تھی..... جہاں اسے چھوڑا تھا۔

''تت..... تم ٹھیک کہہ رہے تھے.....!'' وہ ہانپتی ہوئی بولی۔ ''میں تمہیں اچھا آدمی نہیں سمجھتی تھی..... سچ مچ..... یہ دنیا فریب نظر ہے..... اب کہاں جاؤں سکون کی تلاش میں.....!''

''سکون صرف ماں کی گود میں ملتا ہے..... یا بچے کو گود میں لے کر..... بہت تھوڑا ہے سکون کا وقفہ..... خیر تم فکر نہ کرو..... اب ہمیں اس بے ہوش خبیث کی خبر لینی چاہئے.....!''

زخمی بھکشو دروازہ پیٹ پیٹ کر چیخ رہا تھا۔ شاید اسی شور کی بناء پر لسلی وہاں دوڑی آئی تھی۔

''یہ کیا ہو رہا ہے.....؟'' اس نے متحیرانہ لہجے میں حمید سے پوچھا۔

''دنیا والوں کے لیے سکون بہم پہنچا رہا ہے.....!''

''بتاؤ نا.....؟'' وہ جھنجھلا کر بولی۔

''اس نے ریما پر بالآخر حملہ کر ہی دیا۔ میں نے فی الحال اس پاگل کتے کو بند کر دیا ہے!''

''اوہو.....!'' اس نے ریما کو غور سے دیکھا.....! وہ سر جھکائے کھڑی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی باقی نہ بچا ہو۔

''تم چلو میرے ساتھ.....!'' لسلی نے آگے بڑھ کر ہمدردانہ لہجے میں کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر ہال کی طرف چل پڑی۔

بھکشو اب بھی چیخے جا رہا تھا.....!

''خاموش رہو.....ورنہ گلا گھونٹ دوں گا.....!'' حمید نے دروازے پر ہاتھ مار کر کہا

دفعتاً وہ خاموش ہو گیا.....! پھر بھرائی ہوئی آواز آئی.....!''سمجھوتہ کر لو.....!''

''کس بات پر بھائی.....!'' حمید نے پوچھا۔

''میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا کہ کیا چکر ہے.....!''

''پہلے کیوں نہیں بتا دیا تھا.....؟''

''تم دروازہ تو کھولو.....!''

دروازہ باہر ہی کی سمت کھلتا تھا.....! حمید نے سٹکنی کھسکائی اور خود دروازے کی او میں ہوتا چلا گیا۔

بھکشو اچھل کر باہر آ چکا تھا، حمید نے بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکال لینے میں دیر نہ لگائی لیکن بھکشو تو خالی ہاتھ تھا.....اور اس کے چہرے پر خوف کے آثار بھی تھے.....!

''اوہ.....میں سمجھا تھا، شاید پھر کوئی فراڈ کرنا چاہتے ہو.....!'' حمید نے طویل سا لے کر کہا اور ریوالور دوبارہ ہولسٹر میں ڈال دیا.....!

''اس کمرے کو پھر اسی طرح بند کر دو.....!'' وہ جلدی جلدی بولا.....!''اور دوسرے کمرے میں چلیں جہاں میرا ساتھی ہے.....!''

حمید نے اس کے مشورے پر عمل کرنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ اس کا ساتھی اب بھی ہوش تھا.....بھکشو نے اس پر نظر ڈالتے ہوئے ایک طویل سانس لی اور بولا۔''میرے ساتھی تمہارے متعلق غلط فہمی ہوئی ہو گی۔ غالباً وہ سمجھا تھا کہ تم ریما کو دوست بنانا چاہتے ہو اور ہم جو تھے آدمی کا وجود برداشت نہیں کر سکتے تھے اور اب اس وقت تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے!''

''کیا مطلب.....!''

''جو تم سمجھے ہو.....وہ بات نہیں تھی.....! میں اس سے یہ چھین لینا چاہتا تھا.....!'' نے اپنی جھولی سے چمڑے کا ایک تہہ کیا ہوا کرم خوردہ ٹکڑا نکالا۔ یہ بہت پرانا معلوم ہوتا تھا۔

''یہ کیا ہے.....؟'' حمید نے ہاتھ بڑھایا۔

''نہیں.....!'' وہ اسے دوبارہ جھولی میں ڈالتا ہوا بولا۔''پہلے اس کی کہانی سن لو۔

اسے بھی فراڈ ہی سمجھو گے.....!''

''سناؤ.....!'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر ڈھیلی ڈھالی آواز میں بولا۔

''ریما فرنچ انڈو چائنیز ہے.....! فرانس ہی میں پیدا ہوئی تھی۔ وہیں پلی بڑھی اس کا باپ بدھ مت کا پیرو تھا۔ ریما کی تعلیم و تربیت اسی کے ہاتھوں میں ہوئی تھی۔ اس نے اسے بدھ مت ہی کے راستے پر ڈالا.....ریما اس کی موت کے بعد بھی اسی پر قائم رہی اور بدھ مت کے متعلق مزید ریسرچ کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا.....اسی دوران میں اس کو ایک قدیم کتاب مل گئی جسے چمڑے پر تحریر کیا گیا تھا۔ اس میں ایک خزانے کا سراغ تھا۔ لیکن نقشے میں کچھ ایسی علامات تھیں جنہیں وہ سمجھ نہ پائی۔ بدھ مت کے بعض عالموں سے صرف اتنا پتہ چل سکا کہ ان علامات کا تعلق قدیم ترین مذہبی رسوم سے تھا۔ بدھ مت کے یہ عالم اتفاق سے ورمین ہی تھے۔ ان میں سے ایک نے اسے ہمارا پتہ بتایا اور کہا کہ شاید ہم اسے ان علامات کا مفہوم سمجھا سکیں.....وہ ہمارے پاس رنگون پہنچی.....! ہم نے بڑی دقت سے ان علامات کو معنی پہنائے یہ علامات بتاتی ہیں کہ خزانہ ریگم بالا کے قدیم مندروں میں ایک جگہ پوشیدہ ہے.....!'' وہ خاموش ہو گیا اور حمید آنکھیں پھاڑے دیکھتا رہا۔

''لیکن ہم دونوں کی مدد کے بغیر کوئی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔'' بھکشو نے تنبیہہ کرنے کے سے انداز میں ہاتھ اٹھا کر کہا۔

حمید نے تھوک نگل کر ہونٹوں پر زبان پھیری.....اس کی یہ اداکاری سو فیصد حقیقت معلوم ہوئی تھی۔ پھر گہرا سناٹا طاری ہو گیا تھا۔ بھکشو اپنے بے ہوش ساتھی کی طرف متوجہ ہو گیا اور اس کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔

''اب میرا سر چکرا رہا ہے۔ کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں!'' وہ حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

''ضرور.....ضرور.....چلو.....!''

''ایک بار پھر سن لو.....کہ ہماری مدد کے بغیر یہ قدیم نقشہ تمہارے لیے بالکل بیکار ہو گا۔ اس کی کوہم نے وہ نہیں بتایا جو خود سمجھے ہیں صرف ریگم بالا کی نشاندہی کی ہے.....!''

''میں ایسی کوئی حرکت نہیں کروں گا جس سے مجھے کوئی فائدہ نہ پہنچ سکے.....!''

''ذہین اور سمجھدار معلوم ہوتے ہو.....!'' بھکشو کہتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔

''اگر تم میرے ساتھی کی خبر گیری کر سکو تو تمہارے لیے دولت ہی دولت ہو گی.....!''

''چلو بے فکر رہو.....!'' وہ اسے آگے بڑھاتا ہوا بولا۔

اپنے کمرے میں داخل ہو کر بھکشو نے کہا.....!''بہتر یہی ہو گا کہ تم دروازے سے بند کر دو.....!''

''جیسا کہو.....!''

''ہاں..... ہاں..... یہی مناسب ہے.....!'' بھکشو بولا۔

اس وقت حمید بالکل ہونقوں کی سی اداکاری کر رہا تھا۔ اس نے دروازہ بند کر کے بلا کر دیا۔

اب ضروری تھا کہ وہ بھکشو کی کہانی ریما کو بھی سنا دیتا محض اس لیے کہ ان لوگوں کامیابی کا یقین ہو جائے..... غالباً ان کی اسکیم اب یہ تھی کہ لڑکی کو ان کے سروں پر کر کے خود غائب ہو جائیں..... اور انہیں یہ اسکیم مرتب کرنے کا موقع فریدی ہی نے دیا

اس نے ریما کو چرمی دستاویز کی کہانی سنائی اور پہلی بار اس کی آنکھوں میں نفرت غصے کی چنگاریاں دیکھیں۔ اس کیفیت میں وہ پہلے سے بھی زیادہ حسین نظر آنے لگی تھی...

''ذلیل کمینے..... سب کتے ہیں..... نیکی اور سچائی کی تلاش بیکار ہے..... وہ مجھے ویرانے میں اسی لئے لائے تھے۔ انہیں ڈر تھا کہ تم کہیں مجھے اپنی طرف مائل نہ کر لو انہوں نے تمہیں راستے سے ہٹا دینا چاہا تھا۔ اب یہ بات پوری طرح میری سمجھ میں آ گئی

''تو وہ خزانہ.....!''

''بالکل بکواس ہے.....! مجھے بدھ مت سے متعلق تعلیمات کی اور پیچل تحریر اکٹھا کا شوق ہے.....! اسی سلسلے میں برما گئی تھی۔ وہاں ان لوگوں سے ملاقات ہو گئی۔ یہ سفر کرنے والے تھے۔ میں نے سوچا میں بھی ان کے علمی ذخیرے سے فائدے اٹھاؤں ریئم بالا مندروں میں بھی بے شمار منقش تحریریں موجود ہیں.....!''

''سمجھا.....!'' حمید سر ہلا کر بولا..''اچھی بات ہے.....! تم آرام کرو..... میں دیکھ لوں گا.....! ایک تو بے ہوش پڑا ہے اور دوسرا اپنے کمرے سے باہر نہیں نکل سکتا اسے تو قیدی ہی سمجھو.....!''

حمید وہاں سے پھر ان کمروں تک آیا..... بے ہوش بھکشو اب بھی پہلی ہی سی حالت میں پڑا ہوا تھا.....! اس نے اس کے کمرے کا دروازہ بھی بند کر کے باہر سے بولٹ کر دیا۔

پھر اس نے سوچا کہ فریدی کو بھی ان حالات سے مطلع کر دینا چاہئے۔

وہ اپنے کمرے میں ملا..... اور حمید کی داستان سن کر کہنے لگا۔

''اگر وہ بھکشو نکل بھاگنا چاہیں تو انہیں نظر انداز کر دینا!''

''سوال یہ ہے کہ ہم ہی کیوں نہ ان کی گاڑی لے کر نکل بھاگیں۔ آخر ہم بھی تو اپنی جیپ ضائع کر چکے ہیں.....!''

''اس سے کوئی فائدہ نہ ہو گا.....!'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔''لیکن ان کے ساتھ والی لڑکی ہمیں منزل مقصود تک پہنچا سکے گی.....!''

''میں دیکھتا ہوں کہ اب آپ کو بھی لڑکیوں سے کچھ کچھ دلچسپی ہو چکی ہے.....!''

''تمہاری صحبت میں خراب ہو رہا ہوں.....!'' فریدی نے لاپروائی سے کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

آہستہ آہستہ اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا..... حمید نے سوچا کہ کمروں کے لیے روشنی کا انتظام بھی ہونا چاہئے..... لسلی تنہا ہے اس سلسلے میں بھی اس کا ہاتھ بٹایا جائے۔

ابھی وہ ہال میں پہنچا بھی نہیں تھا کہ اس نے بہت ہی دلدوز قسم کی نسوانی چیخیں سنیں۔

اور ہال میں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ لسلی فرش پر پڑی مچھلی کی طرح تڑپ رہی ہے..... یہ اسی کی مسلسل چیخیں تھیں۔

سفر جاری رہے گا

حمید جہاں تھا وہیں رک گیا کیونکہ اس کے ساتھ ہی اس کی نظر اکرام پر بھی پڑی تھی..... وہ لسلی سے تھوڑے ہی فاصلے پر بے حس و حرکت کھڑا اسی طرح آنکھیں پھاڑ رہا تھا جیسے خود کو اپنی بیداری کا یقین دلانے کی کوشش کر رہا ہو۔

"تم کھڑے کیا دیکھ رہے ہو!" دفعتاً حمید نے اسے للکارا۔! "بڑھ کر اٹھاؤ اسے.....!"

لسلی بدستور تڑپ تڑپ کر چیخے جا رہی تھی.....! اکرام چندھیائی ہوئی آنکھوں سے ا
حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"اسے کیا ہوا ہے.....!" حمید نے پوچھا۔

"مم.....میں..... کچھ نہیں جانتا..... گہری نیند سو رہا تھا.....!"

"ارے.....تو دیکھو نا.....!"

اکرام لسلی کی طرف بڑھا اور جھک کر دیکھنے لگا۔ پھر اچھل کر پیچھے ہٹ آیا..... ا
موٹے آدمی کا اس طرح اچھلنا حمید کو بڑا غیر فطری سا لگا تھا..... بالکل ایسا ہی معلوم ہوا
جیسے بجلی کے کرنٹ نے اسے اچھال پھینکا ہو۔

"کیا بات ہے.....!" حمید اس طرح بڑھتا ہوا بولا۔

"ریشے ریشے.....خدا کی پناہ.....انہوں نے اسے جکڑ رکھا ہے!" اکرام ہاتھوں
اپنا چہرہ ڈھانپتا ہوا بولا۔

"کیسے ریشے.....تم ہوش میں ہو یا نہیں.....!" حمید کہتا ہوا خود لسلی کی طرف بڑھ
رہا تھا کہ پشت سے فریدی کی گرج سنائی دی.....! "ٹھہرو.....!"

حمید الٹے پاؤں پیچھے لوٹ آیا۔

لسلی کی چیخوں کے درمیان بتدریج وقفہ بڑھتا جا رہا تھا..... بالکل ایسا ہی لگ رہا
جیسے وہ آہستہ آہستہ دم توڑ رہی ہو۔

"ہٹو.....! تم دونوں پیچھے ہٹ جاؤ.....!" فریدی کہتا ہوا آگے بڑھا۔

"یہ کیا ہوا..... یہ کیا ہو رہا ہے.....!" حمید نے ریما کی آواز سنی اور مڑ کر دیکھا.....
پیچھے کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس سے پہلے حمید کو اس کا دھیان ہی نہیں آیا تھا اور وہ نے
وہاں دکھائی بھی نہیں دی تھی۔

"پتہ نہیں.....میں کچھ نہیں جانتا.....!"

لسلی کا جسم اب آہستہ آہستہ حرکت کر رہا تھا۔ جیسے سسک رہی ہو۔

اچانک فریدی پیچھے ہٹ آیا..... اور بے بسی سے ہاتھ ملتا ہوا بڑبڑایا..... "کچھ نہیں

نمبر 36

ل۔ دنیا کی کوئی قوت اسے نہیں بچا سکتی.....!"

پھر حمید سے بولا..... "برف..... جتنی جلد ممکن ہو سکے..... اس کے چاروں طرف برف
ی دیواریں اٹھا دو.....!"

"برف کی دیواریں.....!" حمید نے احمقانہ انداز میں دہرایا۔

"اوہ.....!" فریدی چیخ کر بولا اور تیزی سے صدر دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

"یہ کیا ہے.....آخر کیا ہے.....!" اکرام حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر سسکیاں لیتا ہوا بولا۔

لسلی اب بالکل ساکت ہو گئی تھی۔

"میں کیا بتاؤں.....!" حمید نے کہا پھر چونک کر ریما کی طرف مڑا..... وہ دونوں
ھوں سے منہ چھپائے کھڑی تھی۔

"تم کہاں تھیں.....! میں تمہیں اس کے پاس چھوڑ کر گیا تھا!"

"مم.....میں اپنے کمرے سے بھنے ہوئے غلے کا تھیلا لینے گئی تھی۔ واپس آئی تو یہ.....
برے خدا.....آخر اسے کیا ہوا.....کب تک اس طرح پڑی رہے گی.....!"

حمید کچھ نہ بولا۔ اکرام نے لسلی کی طرف بڑھنا چاہا تھا لیکن حمید نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ٹھہرو.....چیف نے اس سے دور رہنے کو کہا تھا.....!" اس نے جھٹکا دے کر اسے
پیچھے کھینچتے ہوئے کہا۔

"میں کچھ نہیں جانتا..... مجھے چھوڑ دو.....!"

"ٹھہرو.....! اگر تم سے کوئی حماقت سرزد ہوئی تو تمہارا بھی یہی حشر ہوگا.....!" فریدی
ی آواز آئی۔

پھر وہ ان کے قریب پہنچ گیا.....! وہ ایک چادر میں بہت سی برف سمیٹ لایا تھا۔
ن سے تھوڑے فاصلے پر اس نے وہ برف ڈال دی۔

"کیا تم پاگل ہو گئے ہو.....!" اکرام حلق پھاڑ کر چیخا اور حمید سے اپنا ہاتھ چھڑا لینے کی
وشش کرنے لگا۔

"اکرام.....!" فریدی اس کے قریب آ کر نرم لہجے میں بولا..... "وہ مر چکی ہے.....!"

"نہیں.....؟" اکرام حلق پھاڑ کر چیخا۔

"ہاں..... تمہیں صرف سے کام لینا چاہئے.....!" فریدی اس کا شانہ تھپک کر بولا۔ "یہ سب کچھ تمہارے ٹھاکر دوستوں کی عنایت ہے..... اب..... اس کے گرد برف جم جائے..... ورنہ موت چاروں طرف پھیل جائے گی.....!"

پھر دس منٹ کے اندر اندر لسلی کی لاش کے گرد برف کی ایک ایک فٹ اونچی دیوار نظر آئی تھیں۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے..... میری سمجھ میں تو نہیں آتا.....!" ریما حمید سے بولی۔

حمید اس کی طرف مڑا اور آہستہ سے بولا..... "میرے ساتھی موت کا ہرکارہ ہیں جہاں اس کے قدم جاتے ہیں وہاں موت..... شادیانے بجاتی ہے.....! اوہو مجھے ان کی خیر بھی لینی چاہئے۔"

فریدی کو ہال میں چھوڑ کر وہ بھکشوؤں کے کمروں کی طرف چل پڑا۔ لیکن ریما جھپٹ کر اس کا راستہ روکتی ہوئی بولی۔ "وہاں نہ جاؤ..... یہ انہیں کی شیطانی قوت کا کوئی کھیل ہے۔"

"اگر یہ انہیں کی حرکت ہے تو ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا.....!"

"تمہیں تنہا نہیں جانے دوں گی.....!"

"تمہاری مرضی.....! میں تو چاہتا تھا کہ تم بدستور سکون کی تلاش میں رہو.....!"

"آخر اس بیچاری عورت کو کیا ہوا.....!"

حمید کچھ نہ بولا.....! ریما اس کے ساتھ چل رہی تھی۔

زخمی بھکشو کا دروازہ ٹوٹا ہوا ملا.....! وہ کمرے میں نہیں تھا اور بے ہوش بھکشو کا بدستور باہر سے بولٹ کیا ہوا تھا۔

"دیکھا تم نے.....!" ریما بولی۔

حمید خاموشی سے دوسرے کمرے کی طرف بڑھا..... بولٹ کھسکا کر دروازے کو دھکا دیا۔ بھکشو بستر پر موجود تھا.....! لیکن حمید کو اس میں زندگی کے آثار نظر نہ آئے..... وہ بڑھا، جھک کر دیکھا۔

اس کی سانس رک چکی تھی..... ایک مردہ جسم..... سیدھے کھڑے ہو کر اس نے باہر جانے کا اشارہ کیا.....! وہ دروازے کے قریب کھڑی تھی۔

"کک..... کیا بات ہے.....!" وہ ہکلائی۔

"موت..... اپنی ہی درجنوں وارداتوں کی منتظر رہو!"

حمید نے باہر نکل کر دروازہ دوبارہ بولٹ کر دیا۔

"میں اس قسم کے صدمے برداشت نہیں کر سکتی..... میرا دل ڈوب رہا ہے.....!" ریما بولی۔

"تو کیا اب تم بھی مر جانے کا ارادہ رکھتی ہو..... میں بالکل تنہا رہ جاؤں گا.....!"

"مجھے موت سے ڈر نہیں لگتا..... لیکن اس طرح مر جانا.....!"

"خیر..... خیر..... چلو واپس چلیں مجھے اپنے ساتھی کو اس واقعے سے آگاہ کرنا ہے.....!"

"وہ تمہارا ساتھی..... وہ..... وہ.....!"

"کیا تمہیں پسند آیا ہے.....!"

"تم درندے ہو..... کیا دو موتیں بھی تمہیں کچھ دیر خاموش نہیں رکھ سکتیں.....!"

"موت تو میرے لیے صرف ایک تبدیلی کا نام ہے.....!"

"ان چار گھنٹوں میں میں نے جتنی تعلیم حاصل کی ہے اس پر ایک عمر گزر جاتی.....!"

وہ ہال میں واپس آئے..... یہاں اکرام ایک میز پر سر اوندھائے بیٹھا تھا..... اور فریدی لسلی کی لاش کے قریب برف کی حد بندی سے باہر کھڑا لاش کو گھورے جا رہا تھا.....!

وہ دونوں اس کے قریب پہنچ کر رک گئے۔

"ایک دروازہ توڑ کر فرار ہو گیا..... اور دوسرا مر چکا ہے.....!" حمید نے اسے اطلاع دی۔

اس نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور آہستہ سے بولا۔ "پہلا بھی مر چکا ہے.....!"

"کیا مطلب.....!"

"گاڑی کے قریب اس کی لاش پڑی ہوئی ہے.....!"

"وہ کیسے مرا.....؟"

"بکواس مت کرو..... جا کر دیکھو گاڑی استعمال کے قابل ہے یا نہیں۔!" ریما بت بنی ہوئی کھڑی تھی۔

حمید پھر دروازے کی طرف مڑا..... ریما نے بھی شاید اس کے ساتھ جانا چاہا تھا..... لیکن فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا.....! "تم یہیں ٹھہرو گی.....!"

وہ رک گئی اور خوفزدہ نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگی۔

"کوئی بات نہیں..... یہ مجھ سے بھی زیادہ بے ضرر آدمی ہیں۔" حمید کہتا ہوا آگے گیا..... دروازہ کھول کر باہر نکلا..... چاروں طرف پھیلی ہوئی برف اندھیرے میں بھی رہی تھی..... اور گاڑی واضح طور پر نظر آ رہی تھی..... اس نے جیب سے ٹارچ نکالی اور گاڑی طرف بڑھتا رہا۔

گاڑی کے قریب اسے کوئی لاش نظر نہ آئی..... احتیاطاً اس نے چاروں طرف گاڑی کا جائزہ لیا..... اندر ڈیش بورڈ پر اگنیشن میں کنجی موجود نہ ہونے کی بناء پر وہ اسٹارٹ کر کے نہ دیکھ سکا..... وہ سوچ رہا تھا پٹرول تو اتنا موجود ہی ہوگا کہ وہ آگے جا کر ان بھکشوؤں کی منزل ریگم بالا تھی۔ شاید ڈکے میں فالتو پٹرول بھی موجود ہو۔

اس نے ایک بار پھر بھکشو کی لاش ڈھونڈ نکالنے کی کوشش شروع کر دی لیکن کامیاب ہوئی۔ بالآخر یہ معلوم کرنے کے لیے کہ فالتو پٹرول موجود ہے یا نہیں.....! اس نے ڈ کھولا اور چونک کر پیچھے ہٹ گیا.....! ٹارچ کی روشنی کا دائرہ بھکشو کی لاش پر تھا.....! سر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑ گئی..... بھکشو کی گردن سے خون بہا تھا۔ غالباً کوئی گولی لگی تھی

ڈکے بند کر کے وہ ہال کی طرف چل پڑا۔

اب ریما بھی اکرام کے پاس بیٹھی نظر آئی..... اس کے چہرے پر بلا کا سوگ طاری ایسا لگتا تھا جیسے لسلی اس کی سگی بہن رہی ہو..... اکرام نے ابھی تک سر نہیں اٹھایا تھا!

حمید سیدھا فریدی کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ وہ اب بھی وہیں کھڑا تھا۔ لسلی کی لاش قریب..... دفعتاً حمید کی نظر لاش پر پڑی۔ اسکے چاروں طرف فرش پر گہرا سرخ رنگ لے رہا تھا۔ سرخ چادر سی بچھی ہوئی تھی اور اس چادر کی سطح پر عجیب سی کلبلاہٹ نظر آ رہی تھی

"خون.....!" حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"نہیں یہ موت کے ہرکارے ہیں.....! ہزاروں کی تعداد میں لیکن برف کی اس دیوار پار کر کے چاروں طرف نہیں پھیل سکتے..... دیکھو..... جھک کر ذرا قریب سے دیکھو.....!"

حمید جھکا..... اور اس کے سارے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ باریک باریک سرخ کیچوؤں کی طرح کلبلا رہے تھے۔

"یہ کیا مصیبت ہے.....؟" وہ سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

"خشکی کی جونکیں..... ایزن کے جنگلوں میں پائی جاتی ہیں۔ ان کی لمبائی چھ انچ سے ساڑھے سات تک ہوتی ہے..... ایک جونک کے دس ٹکڑے کر دو دس جونکیں تیار ہو جائیں گی..... یقین کرو..... دس الگ الگ جونکیں..... اگر آج برفباری نہ ہو گئی ہوتی تو انہیں کسی خاص جگہ پر مدد کر دینا بے حد مشکل کام ہوتا.....!"

"ان کا خاتمہ کس طرح ہوگا.....!"

"ان کی گاڑی کی ڈکے میں کئی گیلن پٹرول موجود ہے..... لیکن ان کے درمیان سے لسلی کی لاش اٹھا لینا آسان نہ ہوگا..... یہ اس وقت تک اپنے شکار کو نہیں چھوڑتیں جب تک کہ وہ ٹھنڈا نہ ہو جائے۔"

"لیکن اتنی تعداد میں یہ آئیں کہاں سے.....!"

"پھر کبھی بتاؤں گا..... جتنی جلدی ممکن ہو ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے.....! میرے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں کہ میں ٹیلکم گڑھ یا ریگم بالا کے حکام سے رابطہ قائم کر سکوں۔ ٹرانسمیٹر جیپ ہی میں رہ گیا تھا۔ جسے وہ ساتھ لے گئے.....!"

"اور اس لڑکی کا کیا ہوگا.....!"

"یہ ساتھ رہے گی اور میں فی الحال اکرام کو بھی یہاں سے ہٹا دینا چاہتا ہوں۔ اسے بھی ساتھ لے جاؤں گا.....!"

"کیا بھکشو کو آپ نے گولی ماری تھی.....!"

"ہاں..... اس نے نکل جانا چاہا تھا.....! اس کے تھیلے میں پلاسٹک کے ایک جار میں کئی لاتعداد جونکیں اور بھی موجود ہیں۔"

"لیکن میں تو اسے اس کے کمرے میں بند کر آیا تھا..... میرا خیال ہے کہ اس نے لسلی کی چیخیں سننے کے بعد ہی دروازہ توڑا ہوگا!"

"تمہارا خیال درست ہے..... میری دانست میں لسلی کی موت کا باعث یہ لڑکی بنی ہے..... انہیں شبہ ہو گیا تھا کہ لسلی نے راز افشاء کر دیا ہے.....!"

حمید کچھ نہ بولا.....! فریدی وہاں سے ہٹ کر اکرام کے پاس جا کھڑا ہوا اور اس کے

شانے پر ہاتھ رکھ کر بے حد نرم لہجے میں بولا۔ ''یہاں اس طرح بیٹھے رہ کر ہم اس بے
کی تدفین کا بھی انتظام نہ کر سکیں گے..... میرے ساتھ ٹیکم گڑھ چلو.....!''

''آخر اسے ہوا کیا.....؟'' وہ سر اٹھا کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''میں نہیں چاہتا کہ تم وہ ڈراؤنا منظر دیکھو۔ جس طرح بیٹھے ہو اٹھو اور میرے ساتھ چلو

''میرا ذہن کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہا.....!'' اکرام اٹھتا ہوا بولا۔

''چلو.....!''

''ٹھہرو.....!'' ابھی بیٹھ جاؤ..... جو کچھ بھی کر رہا ہوں تمہارے لیے ہی
ہے.....!'' فریدی نے کہا اور پھر حمید کی طرف پلٹ آیا۔ آہستہ سے بولا۔ ''جب ہم گاڑی
بیٹھ جائیں تو تم ڈکے سے پٹرول کا ڈبہ نکال کر یہاں واپس آنا اور اسے لاش کے گرد ا
دینا..... اکرام کی موجودگی میں اگر یہ کیا گیا تو وہ وجہ پوچھے گا اور میں تفصیل میں جانے
موڈ میں نہیں ہوں..... خاموش رہ کر سوچنا چاہتا ہوں.....!''

پھر اکرام تو اٹھ گیا تھا لیکن ریما ظاہر کر رہی تھی جیسے ان کی بات اس کی سمجھ ہی میں
رہی ہو.....! تب حمید نے آگے بڑھ کر اپنے مخصوص انداز میں اسے سمجھانا شروع کیا کہ
وہ کسی محفوظ مقام پر جائیں گے اور پھر اس کے لیے بھی کچھ کریں گے۔

''ان لاشوں کا کیا ہوگا.....!'' ریما نے سوال کیا۔

''یہ ہم پر چھوڑ دو..... ظاہر ہے کہ ہم کسی آبادی میں پہنچ کر پولیس ہی سے رابطہ
کریں گے.....!''

''میں دشواری میں پڑ جاؤں گی۔ آخر میں انہیں شیاطین کے ساتھ تو تھی۔''

''تمہیں بچائے رکھنا بھی ہماری ذمہ داری ہے.....! تم اس الجھن میں نہ پڑو، اچھی لڑکی

''میرا سوٹ کیس.....!''

''تم دونوں میرے ساتھی کے ہمراہ چلو..... میں تمہارا سوٹ کیس بھی نکال لاؤں گا

وہ باہر نکلے..... لیکن حمید بھی پیچھے پیچھے چل رہا تھا..... جب وہ گاڑی میں بیٹھ گئے
نے ڈکے اٹھائی اور پٹرول کا ٹن نکال کر پھر عمارت کی طرف مڑا۔

فریدی کی ہدایت کے مطابق ٹن خالی کرنے کے بعد وہ کمروں کی طرف آیا اور ریما

رے سے سوٹ کیس نکال کر باہر نکل ہی جانا چاہا تھا کہ کسی قسم کی آواز سن کر رک گیا..... ایسا
ں ہوا جیسے آس پاس کوئی موجود ہو۔ آواز کو فوری طور پر کوئی معنی نہ پہنا سکا۔ لیکن خطرے کا
ں بہرحال موجود تھا۔ سوٹ کیس فرش پر رکھ کر اس نے ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا۔

چند لمحے انتظار کرتا رہا پھر سوٹ کیس کو اٹھا کر راہداری میں پھینک دیا اور خود بھی بڑی
ی سے راہداری میں چھلانگ لگائی۔

لیکن یہاں دونوں اطراف میں کوئی بھی نہ دکھائی دیا۔ اس نے پھر سوٹ کیس اٹھایا اور
احتیاط سے قدم رکھتا ہوا ہال کی طرف چل پڑا..... یہ اور بات ہے کہ ہال میں پہنچ کر ایک
ے لیے ٹھہرے بغیر بے تحاشہ دوڑتا ہوا باہر آ گیا ہے۔ کیونکہ لسلی کی لاش پر شعلے بھڑک
ے تھے۔ گرتا پڑتا گاڑی تک پہنچا..... اور اگلی سیٹ پر گھس کر آہستہ سے بولا۔

''کسی نے پٹرول میں آگ لگا دی.....!''

''بیٹھو جلدی کرو.....!'' فریدی دوسری طرف کا دروازہ کھولتا ہوا بولا۔

اب حمید کو احساس ہوا کہ گاڑی کا انجن پہلے ہی سے جاگا ہوا تھا.....! اس کے بیٹھتے ہی
ی حرکت میں آ گئی۔

''فرش لکڑی کا ہے پوری عمارت خاک ہو جائے گی.....!'' حمید نے کہا۔ آواز سرگوشی
حدود سے آگے نہیں بڑھی تھی۔

''یہ بھی ممکن ہے کہ برف کی دیوار اسے آگے نہ بڑھنے دے.....!'' فریدی نے
اطمینان سے کہا۔

گاڑی جیسے ہی سڑک پر پہنچ کر دائیں جانب مڑنے لگی..... بیک وقت کئی فائر ہوئے
یدی نے بڑی پھرتی سے بریک لگا کر اسے کسی قدر پیچھے لایا اور پھر بائیں جانب موڑتا
لا..... ''ہمیں ٹیکم گڈھ نہیں جانے دیں گے.....! اچھی بات ہے..... ریگم بالا ہی سہی.....!''

''آپ کوشش تو کیجئے.....!''

''نہیں..... بے بسی کی موت مجھے پسند نہیں.....!''

''خدا انہیں غارت کرے.....!'' اکرام پچھلی سیٹ سے روہانسی آواز میں بولا۔ ساتھ
ہی ہی سناٹی دی..... ''یہ کیا ہو رہا ہے..... یہ سب کیا ہو رہا ہے.....؟''

"فکر نہ کرو.....!" حمید بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔ "لومڑیوں کے شکاری بیرا چاہتے ہیں.....!"

"احسان فراموش..... کتوں سے بدتر۔" اکرام کراہا۔ "میں نے ان کے لیے کیا..... اوہ لسلی..... لسلی..... میری بدنصیب لسلی.....!"

اور پھر رونے لگا تھا۔ مرسیڈیز سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی اور سڑک دور تک نہائی ہوئی تھی.....! حمید نے عقب نما آئینے میں کسی دوسری گاڑی کے ہیڈ لیمپ دیکھے۔

"کیا خیال ہے.....؟" وہ بڑبڑایا۔

"کچھ بھی نہیں بس آستین کی اس ناگن سے ہوشیار رہنا....." فریدی بولا۔

"خوب..... آستین کا سانپ تو سنا تھا..... ادب میں اضافہ فرما رہے ہیں جناب۔"

"میں یہی چاہتا ہوں کہ تم چہکتے رہو.....!"

دفعتاً حمید چونک پڑا..... اسے یاد آیا کہ جب اس نے ڈکے سے پٹرول کاٹن لی اس میں بھکشو کی لاش موجود نہیں تھی۔

"وہ..... وہ لاش.....!" وہ آہستہ سے بولا۔

"کونسی لاش.....!"

"میرا خیال ہے کہ جب میں نے ڈکے سے پٹرول کاٹن نکالا تھا اس وقت لاش نہیں تھی.....!"

"ہمارے پہنچنے سے قبل ہی انہوں نے لاش نکال لی ہو گی.....! حمید نے ہر طرف سے گھر گئے ہیں.....! وہ دیکھو نیچے بائیں جانب.....!"

حمید نے نشیب میں دیکھا..... دور آگ کی لپٹیں آسمان کو چھوتی محسوس ہو رہی تھیں۔

"پورا موٹیل آگ کی لپیٹ میں ہے۔ تینوں لاشیں جل کر خاک ہو جائیں گی۔ بھی زندہ نہ چھوڑتے..... اوہ..... تم پچھلی نشست پر چلے جاؤ۔ اکرام کو یہاں میرے پاس

"اب آپ مجھ کو ناگن کی آستین میں پہنچانا چاہتے ہیں.....!"

"ہوشیار رہنا..... شکاریوں کے خلاف ہر ثبوت کا نشان وہ مٹا دینا چاہتے ہیں کی طرف سے یوں غفلت برت رہے ہیں کہ لڑکی تو موجود ہی ہے اس کے لیے

فریدی نے خاموش ہو کر گاڑی کی رفتار کم کر دی..... پچھلی گاڑی کی روشنی اب نظر نہیں آ رہی تھی..... غالباً اب وہ کسی پچھلے نشیب میں تھی۔

"اکرام.....!" دفعتاً فریدی اونچی آواز میں بولا۔ "تم یہاں پاس آ جاؤ۔ کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"میرا دماغ قابو میں نہیں.....!" جواب ملا۔

"تم آؤ تو.....!"

گاڑی رک گئی۔ حمید نے اگلی سیٹ سے اتر کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور اکرام کو نیچے اترنے میں مدد دی..... ویسے وہ مڑ مڑ کر پچھلی گاڑی کی روشنی تلاش کرتا رہا تھا۔! اکرام کو اگلی سیٹ پر بٹھا کر وہ ریما کے برابر آ بیٹھا۔

"یہ تم نے بہت اچھا کیا۔!" ریما طویل سانس لے کر بولی۔ "اس مظلوم آدمی کے ساتھ میرا دم گھٹ رہا تھا۔ اس کے لیے کچھ بھی تو نہیں کر سکتی!"

"میری تمباکو نوشی تمہیں گراں تو نہیں گزرے گی۔!" حمید جیب سے پائپ نکالتا ہوا بولا۔

"نہیں..... شیشے چڑھا دو..... سرد ہوا میری ہڈیوں میں پیوست ہوتی جا رہی ہے۔ آج کا دن کتنا بھیانک تھا۔! مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے میں کبھی اسے اپنی یادداشت سے نہ جھٹک سکوں گی۔ مجھے بتاؤ اس کی موت کیونکر ہوئی تھی.....!"

"کیڑے..... ننھے ننھے کیڑے..... ہزاروں کی تعداد میں اس کے جسم سے چمٹے ہوئے تھے..... باریک باریک ریشوں کی شکل کے کیڑے..... خدا کی پناہ..... میرے ساتھی کی ذہانت کام آئی ورنہ وہ اس کا خون چوسنے کے بعد پوری عمارت میں پھیل جاتے اور تلاش کر کے ختم کرنا مشکل ہوتا.....!"

"کتنی عجیب بات ہے.....! کچھ ہی دیر پہلے وہ مجھ سے ہنس ہنس کر باتیں کرتی رہی تھی..... آخر وہ کیڑے کہاں سے اس پر نازل ہوئے.....!"

"میرا ساتھی کہہ رہا تھا کہ کیڑے امپورٹڈ ہیں..... یہاں ان کا وجود نہیں پایا جاتا۔"

"میری سمجھ میں نہیں آیا.....!"

"جھوٹ بول..... بور ہوتے رہنے سے کیا فائدہ.....!"

''ایسے انداز گفتگو نہ کرو.....اس کے متعلق.....!''

پچھلی گاڑی کی روشنی پھر دکھائی دینے لگی تھی.....! حمید پائپ سلگانے لگا.....ریما کی طرف کی کھڑکی کا شیشہ چڑھا رہی تھی۔

''تم لوگ شراب تو نہیں پیتے.....!'' دفعتاً اس نے حمید سے پوچھا۔!

''اگر کوئی خوبصورت سی لڑکی ساتھ ہو تو کبھی نہیں پیتے۔ پھر ضرورت ہی نہیں محسوس ہوتی۔''

''میں تمہیں ابھی تک نہیں سمجھ سکی.....!''

''ایک عمر چاہئے مجھے سمجھنے کیلئے..... میری پیدائش سے پہلے ہی سے لوگوں نے مجھے سمجھنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔''

ریما کچھ نہ بولی.....! فریدی اور اکرام کے درمیان آہستہ آہستہ گفتگو ہو رہی تھی.....جس کا اندازہ نہ کر سکا کہ موضوع کیا ہے۔

دوسری گاڑی اب زیادہ دور نہیں معلوم ہو رہی تھی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ فریدی گفتگو میں محو ہو کر غیر شعوری طور پر گاڑی کی رفتار کم کرتا جا رہا ہے۔

دفعتاً گاڑی کے ڈیش بورڈ سے آواز آئی۔ ''وارننگ.....وارننگ گاڑی روک دو.....ورنہ اگر ہم نے پہیوں پر فائر کیے تو کسی کھڈ میں جا پڑو گے..... وارننگ..... وارننگ.....! گاڑی روکو اور اکرام کو ہمارے حوالے کر دو۔''

دفعتاً فریدی نے رفتار تیز کر دی اور اونچی آواز میں بولا۔ ''میں اپنی مشاقی کا مظاہرہ کرنا چاہتا ہوں، ضرور فائر کرو۔ اکرام میری محافظت میں ہے۔ اسے کوئی ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔''

''خدا کی پناہ.....!'' حمید بڑبڑایا.....! ''تو اس گاڑی میں ٹرانسمیٹر بھی موجود ہے.....! ریما ڈیئر یہ کیا قصہ ہے!''

''میں کچھ نہیں جانتی.....کچھ بھی تو نہیں۔!'' وہ روہانسی ہو کر بولی۔

''حمید محتاط رہو.....!'' فریدی کی آواز آئی۔ ''ہماری اب تک کی گفتگو انہوں نے سنی ہے گی۔!'' ڈیش بورڈ سے پھر آواز آئی۔ ''ہمیں تمہاری گفتگو سے کوئی سروکار نہیں۔ اکرام ہمارے حوالے کر دو۔ گاڑی روکو.....ورنہ پچھتانے کے لیے زندہ نہیں بچو گے.....!''

''کوشش کرو.....!'' فریدی کی آواز تھی۔

''آخر..... یہ میرے دشمن کیوں ہو گئے ہیں۔!'' اکرام بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''میں نے ان کا کیا بگاڑا ہے۔ زیادہ تر ان کے کام ہی آتا رہتا تھا!''

''تم فکر نہ کرو۔ وہ تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکیں گے.....!''

''کیا یہ سب کچھ واجدی کے سلسلے میں ہو رہا ہے؟''

''خدا جانے.....!'' فریدی کا جواب تھا۔

پھر انہوں نے پے در پے فائروں کی آوازیں سنیں۔ حمید سوچ رہا تھا اگر اس رفتار پر کوئی ٹائر فلیٹ ہوا تو سچ مچ تباہی کا سامنا ہوگا۔

''ارے ظالمو.....! ہمارے ساتھ ایک خوبصورت لڑکی بھی ہے.....!'' دفعتاً اس نے آواز میں کہا۔

''حمید خاموش بیٹھو.....!'' فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔

''آخر یہ کیا ہو رہا ہے۔ فائروں کی آوازیں کیسی ہیں.....! کیا پچھلی گاڑی سے فائر ہو رہے ہیں۔!'' ریما نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے!۔

''وہ ہماری گاڑی روکنا چاہتے ہیں.....!'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''تو روک دو.....ورنہ اگر کوئی ٹائر فلیٹ ہوا تو گاڑی کسی کھڈ میں جا پڑے گی!''

''میرے ساتھی کو.....اتنی ذرا ذرا سی باتوں کی پروا نہیں ہوتی!''

''میں کیا کروں.....میں کیا کروں.....!'' وہ مضطربانہ انداز میں بڑبڑائی۔

دفعتاً.....! فریدی نے پھر رفتار کم کر دی.....! بریک لگائے اور انجن بند کرتے ہوئے.....گاڑی سے چھلانگ لگا دی۔

حمید ''ارے ارے'' ہی کرتا رہ گیا تھا۔

اکرام کی گھگھی بندھ گئی تھی اور اس کے حلق سے بے ہنگم آوازیں نکل رہی تھیں۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے! فریدی اب کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔!

دفعتاً اس نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور نیچے اتر کر اکرام کے برابر اسٹیرنگ کے سامنے جا بیٹھا۔

اتنے میں دوسری گاڑی پیچھے آ رکی..... اور اس میں سے کسی نے گرج کر کہا۔ "کوئی اپنی جگہ سے جنبش نہ کرے ورنہ گولی مار دی جائے گی.....!"

"کرے..... خدا..... ارے مالک.....!" اکرام بری طرح ہانپ رہا تھا۔

"مجھے بھی تو بتاؤ یہ کیا ہو رہا ہے.....!" ریحا حمید کے شانے پر ہاتھ مار کر بولی۔

"وہ تمہیں پکڑ لے جانا چاہتے ہیں!"

"کیوں.....؟ میں نے ان کا کیا بگاڑا ہے؟"

"بگاڑ ہی لیتیں تو اچھا تھا.....!"

اتنے میں دو آدمی ان کی گاڑی کے قریب آئے اور ایک نے گاڑی کے اندر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔

"وہ تو نہیں ہے.....؟" اس نے اپنے ساتھی کی طرف مڑے بغیر گرج کر کہا۔ "پھر سے پوچھا.....!" "فریدی کہاں ہے؟"

"وہ تو موٹیل میں رہ گئے تھے.....!"

"بکواس ہے.....؟" دوسرا گرج کر بولا۔

"بکواس ہی ہو گی.....!" حمید کے لہجے میں لاپروائی تھی۔

"ہتھیار نیچے اتار لو.....!"

ٹھیک اسی وقت وہ چیخ مار کر ڈھیر ہو گیا جس نے ٹارچ سنبھال رکھی تھی۔ دوسرا اچھل کر پیچھے ہٹتا ہوا چیخا..... "کیا ہے..... کیا ہے؟"

تاریکی میں کچھ دکھائی نہ دے سکا..... پھر وہ بھی کراہتا ہوا لڑکھڑایا اور ایک طرف لڑھک گیا۔ عقب سے کسی کی آواز آئی۔ "وہ سائیلنسر لگا ہوا ریوالور استعمال کر رہا ہے۔ بھاگو۔" جیپ گاڑی کا انجن اسٹارٹ ہوا..... اور وہ ریورس گیئر میں ڈالی گئی۔ پھر کسی قدر پیچھے مرسیڈیز کے قریب سے گزرتی ہوئی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 107

تیسری ناگن

(دوسرا حصہ)

پیش رس

"خونی ریشے" کے بعد "تیسری ناگن" حاضر خدمت ہے! اور..... اور..... کے بعد کیا عرض کروں کیونکہ خطوط کا ایک ڈھیر نظروں کے سامنے ہے اور خونی ریشے کتاب پیش کرنے کے سلسلے میں آپ کی طرف سے اپنی پیٹھ ٹھونک رہا ہوں۔ بہت شکریہ پسندیدگی کا۔

"تیسری ناگن" بھی آپ کو پسند آئے گی۔ تاخیر سے کتابیں پیش کرنے کے سلسلے میں اکثر وجہ بتا کر معذرت طلب کی ہے۔ لیکن اس وجہ کو آپ درخور اعتنا نہیں سمجھتے کیونکہ دانست میں معدے کی خرابی اور کراچی دو الگ الگ چیزوں کے نام نہیں ہیں۔ پھر کون کرتا ہے کراچی میں..... کرکٹ نہیں ہوتا کہ عشقیہ فلمیں نہیں چلتیں..... آخر جاسوسی نے کیا قصور کیا ہے کہ انہیں معدے کی خرابی کی نذر کر دیا جائے۔

بات تو ٹھیک ہے۔ شاید میں بھی معدے کی خرابی کو عادت بنا لینے میں کامیاب ہو جاؤں۔

بہت سے حضرات نے اطلاع دی ہے کہ میرے ناول "گیت اور خون" کا لالہ کسی پبلشر نے "مرڈر" کیا ہے!

ابھی تک مجھے وہ کتاب نہیں مل سکی جسے "گیت اور خون" کا چربہ کہا جا رہا ہے۔ آپ مطمئن رہیں اگر ایسی کوئی حرکت ہوئی ہے تو اس پبلشر کے خلاف یقینی طور پر کارروائی کی جائے گی۔

یار و کہاں تک لکھوں۔ کیا کیا دیکھوں..... ویسے اس میں کچھ قصور آپ کا بھی ہے۔

آپ فریدی، حمید اور عمران کے علاوہ اور کسی کردار کی کہانیاں پڑھنا ہی نہیں چاہتے! کئی لوگوں نے کوشش کی، خلوص نیت سے چاہا کہ آپ ان کے علاوہ بھی کسی کو "لفٹ" دیں لیکن آپ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ نقلی ہی سہی پڑھیں گے انہیں کرداروں سے متعلق۔ آپ اس سے انکار نہیں کر سکتے۔ اگر انکار ہے تو یہ فرمایئے کہ آخر ان "حشرات الارض" کی کھپت کہاں ہوتی ہے۔ عالم ارواح سے تعلق رکھنے والوں کو جاسوسی ناولوں سے دلچسپی نہیں ہو سکتی۔

لہٰذا آپ مجھے اس مسئلہ پر بور کرنا چھوڑ دیجئے..... ویسے میں آپ سے وعدہ کر چکا ہوں کہ اگر کسی نے بھی ظفر الملک اور جیمسن کو ہاتھ لگانے کی کوشش کی تو اسے اس کے لئے عدالت میں جوابدہ ہونا پڑے گا۔

اس کے بعد ان خطوط کے جواب کا نمبر آتا ہے جن میں مجھ سے فرمائش کی گئی ہے کہ میں "ادب" کی بھی کچھ خدمت کروں۔

عجیب بات ہے کہ جب میرا کوئی ناول بہت پسند کیا جاتا ہے تو مجھ سے "ادب" کی خدمت کرنے کی فرمائش ضرور کی جاتی ہے۔

بھائی آپ مجھے صرف اردو کی خدمت کرنے دیجئے (اس کے باوجود کہ صرف و نحو کی غلطیاں مجھ سے بھی سرزد ہوتی ہوں گی)

آپ میری اس وقت کی خوشی کا اندازہ نہیں لگا سکتے جب مجھے کسی سندھی یا بنگالی بھائی کا خط! یہ ایں مضمون ملتا ہے کہ محض آپ کی کتابیں پڑھنے کے شوق میں اردو پڑھ رہا ہوں۔ پڑھ کر سنانے والوں کا احسان کہاں تک لیا جائے۔

اب بتایئے میں "ادب" کی خدمت کروں یا میرے لئے "اردو" ہی کی خدمت مناسب ہوگی۔ ویسے اپنے نظریات کے مطابق میں ادب کی بھی خدمت کر رہا ہوں اور ہو سکتا ہے کی بھی اور میری اس خدمت کا انداز نہ تو بدلتے ہوئے حالات سے متاثر ہوتا ہے اور نہ ہی قومی مصلحتوں کے تحت کوئی دوسری شکل اختیار کر سکتا ہے۔ ہر حال میں قانون کا احترام کرتا رہا ہوں۔

کچھ لوگ "ادب" میں میرے مقام کی بات شروع کر دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ آپ کی نظروں میں میرا کوئی مقام ضرور ہے۔ ورنہ آپ کو اس کی فکر ہرگز نہ ہوتی۔

ویسے اگر آپ "ادب میں مقام" کے سلسلے میں مجھ سے کچھ سننا ہی چاہتے ہیں
سنئے..... اساطیری کہانیوں سے لے کر مجھ حقیر کی کہانیوں تک آپ کو ایک بھی ایسی کہانی
ملے گی جس میں ہیرائم نہ ہوں..... اور آج بھی آپ جسے بہت اونچے قسم کے ادب کا
دیتے ہیں اور جس کا ترجمہ دنیا کی دوسری زبانوں میں بھی آئے دن ہوتا رہتا ہے کیا
کے تذکروں سے پاک ہوتا ہے؟ کیا اُس کے مضرب رساں پہلوؤں پر ہمارے نقاد
پڑتی ہے؟ اگر نہیں تو کیوں؟"

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے لوگ کہانیوں میں بھی
دراصل ذہنی فرار کا ذریعہ ہوتی ہیں) پولیس یا جاسوس کا وجود نہیں برداشت کر سکتے.....
پولیس کو اس لئے برداشت کر لیں گے کہ وہ للکار کر سامنے آتی ہے لیکن جاسوس تو بے
میں پتہ نہیں کب گردن دبوچ لے!

لہٰذا اگر مجھے "ادب" میں کوئی مقام پانے کی خواہش ہے تو "جاسوس" کو چھٹی
پڑے گی۔ لیکن میں اس پر تیار نہیں کیونکہ مجھے ہر حال میں شر پر خیر کی فتح کا پرچم
ہے..... میں باطل کو حق کے سامنے سربلند نہیں دکھانا چاہتا۔ میں معاشرے میں مایوسی
پھیلانا چاہتا..... ایسی مایوسی جو غلط راستوں پر لے جائے۔

بس تو پھر آپ بھی مقام و قام کا چکر چھوڑیئے اور مجھے وہیں رہنے دیجئے جہاں
ہوں۔ اگر آپ کو میری کہانیاں پسند ہیں اور آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ میں آپ کے
ہوئے ذہنوں کے لئے معیاری تفریح مہیا کر رہا ہوں تو میں اس پر مطمئن ہوں۔ اُمید کرتا
بھی مطمئن ہو گئے ہوں گے۔

والسلام

ابن صفی

۱۹۶۶/۰۳/۰۳

راستے الگ الگ

بیکراں رات کے سناٹے میں وہ اُس سنسان سڑک پر گویا موت کے منتظر تھے۔ دو
لیں کیپٹن کے قدموں میں پڑی ہوئی تھیں۔ مرنے والوں میں سے ایک کے ہاتھ سے ٹارچ
رہی تھی اور سڑک پر پڑی ہوئی اپنی روشنی سے دونوں لاشوں کے بھیانک چہروں کے
دخال واضح کر رہی تھی۔

سناٹا..... اتھاہ سناٹا.....!

دفعتاً حمید اکرام کی کراہ سن کر چونکا۔

"کیا بات ہے۔" وہ جھک کر کھڑکی سے اگلی سیٹ پر نظر ڈالتا ہوا بولا۔

"کک..... کچھ نہیں۔" یہ اکرام کی آواز تھی۔

"ان دونوں کو کیا ہوا.....!" ریما کی کپکپاتی ہوئی سی آواز آئی۔

"مر گئے....." حمید نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "شاید یہ بھی سکون کی تلاش میں
تھے..... انہیں ابدی سکون مل گیا۔"

"اب میں پاگل ہو جاؤں گی۔"

''صبح اندھیرے میں مجھے پاگل عورتوں سے خوف معلوم ہوتا ہے۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ دونوں بھکشو درندے تھے یا تم دونوں۔''

''پاگل ہوجانے کے بعد سمجھ میں آجائے گا۔'' حمید کہتا ہوا جھکا اور ٹارچ اٹھ
دونوں لاشوں کا جائزہ لینے لگا۔

اتنے میں فریدی نشیب سے اوپر آ گیا اور حمید کے ہاتھ سے ٹارچ لیتا ہوا بولا
رائفل اٹھاؤ اور اس کی کارتوسوں کی پیٹی کھول لو۔''

دوسری لاش کے نیچے سے ریوالور برآمد ہوا تھا اور اس کی کارتوسوں کی پیٹی بھی
گئی تھی۔

''یہ آپ سائیلنسر سے کیوں شوق فرمانے لگے ہیں۔'' دفعتاً حمید بولا۔

''سائیلنسر استعمال نہ کرتا تو بات بڑھ جاتی..... وہ فائروں کی سمت معلوم کر
وقت کیوں برباد کرتا..... چلو بیٹھو۔''

وہ اُسے پچھلی سیٹ پر دھکا دے کر خود بھی اسٹیئرنگ کے سامنے جا بیٹھا۔

''آخر میں کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔'' اکرام کی آواز آئی۔

فریدی نے کچھ کہے بغیر انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔

''کک..... کیا یہ لاشیں یہیں..... پپ..... پڑی رہ جائیں گی۔'' ریما ہکلائی

''لاشیں البم میں تو چپکائی نہیں جاسکتیں۔'' حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

''خداوندا..... خداوندا.....!'' ریما سسکنے لگی۔

''گھبراؤ نہیں۔'' حمید اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ ''یہ سب تمہارے لئے ہو رہا ہے
اب خزانے کا نقشہ ہمارے قبضے میں ہے۔ وہ تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔''

''خزانہ بکواس ہے۔'' وہ جھنجھلا کر بولی۔

''خدا جانے۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

''یقین کرو! وہ کھلا ہوا جھوٹ تھا۔''

''میں کیسے یقین کرلوں جب کہ ہالی وڈ میں آئے دن ایسی کہانیاں فلمائی جاتی رہتی
''حمید خاموش رہو۔'' فریدی نے سخت لہجے میں کہا اور پھر سناٹا چھا گیا۔

اب اس گاڑی میں صرف دو آدمی باقی رہ گئے تھے۔ ایک وہ جو ڈرائیو کر رہا تھا اور دوسرا
ں کے برابر بیٹھا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر عقب نما آئینے کو دیکھے جا رہا تھا۔

''ناصر! یہ کیا ہو گیا؟'' کچھ دیر بعد وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''یہ اتنا آسان کام نہیں ہے۔'' ڈرائیو کرنے والے نے غصیلی آواز میں کہا۔ ''وہ موت
ماہر کارہ ہے! عام طور پر اُس کو اسی نام سے یاد کیا جاتا ہے۔''

''میں پوچھ رہا ہوں کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے۔''

''میں کچھ نہیں جانتا! تم عقب نما آئینے پر نظر رکھو۔''

''ابھی تک اُس کی گاڑی کی روشنی نہیں دکھائی دی۔''

''یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ ٹیکم گڈھ کی طرف پلٹ گیا ہو۔ پہلے بھی اُس نے اس کی
نش کی تھی۔'' ناصر بولا۔

''بہت اچھا ہے..... اگر ایسا ہوا ہو۔''

''بزدلی کی باتیں نہ کرو۔''

''جہنم میں گئی ایسی رقم..... مارے گئے تو کس کام کی۔'' دوسرا بولا۔

''خاموش رہو ورنہ اپنوں ہی کے ہاتھوں مارے جاؤ گے۔'' ناصر بولا۔

''تم نے مجھے اس جنجال میں پھنسایا ہے۔''

''دولت زمین سے نہیں اُگتی! قوت بازو سے حاصل کی جاتی ہے۔'' ناصر نے کہا اور
اں ہاتھ بڑھا کر ڈیش بورڈ کا ایک سوئچ آن کر دیا۔

''ہیلو..... ہیلو.....!'' وہ اونچی آواز میں بولنے لگا۔ ''ہیلو..... ہیلو..... اٹ از ناصر۔''

''ہیلو.....!'' ڈیش بورڈ سے آواز آئی۔ ''اٹ از جارا کا کا.....!''

''میرے دو ساتھی کام آئے۔'' ناصر بولا۔ ''حکم کے مطابق میں نے انہیں وارننگ
ے کر گاڑی روکنے کو کہا تھا..... انہوں نے گاڑی روکی تو لیکن نہ جانے کس طرح گاڑی سے

کود گئے کہ ہم انہیں نہ دیکھ سکے۔ صرف لڑکی اور اکرام گاڑی میں موجود تھے۔ اچانک
طرف سے بے آواز فائرنگ شروع ہوگئی..... میرے دو ساتھی مارے گئے اور مجھے
بھاگنا پڑا..... اوور.....!''

''تم اس وقت کہاں ہو۔'' ڈیش بورڈ سے آواز آئی۔

''نیلم سرائے کے آس پاس.....!'' ناصر بولا۔

''تم دونوں فی الحال وہیں چلے جاؤ..... لیکر اس تمہیں وہیں ملے گا..... آئندہ
اس سے ہدایات لو۔''

''اوکے سر.....!''

''اوور اینڈ آل.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی اور ناصر نے سوئچ آف کر دیا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر دوسرا شکاری بولا۔ ''تم جھوٹ کیوں بولے تھے۔ کیپٹن
گاڑی میں موجود تھا۔''

''میں شکاری ہوں سمجھے!'' ناصر نے تلخ سی ہنسی کے ساتھ کہا۔ ''کسی کا نمک خوار
نہیں..... ٹھیکے پر کام کر رہا ہوں۔''

''میں پوچھ رہا ہوں آخر یہ دو زندگیاں کس کھاتے میں جائیں گی، جو کچھ دیر پہلے
ہوگئیں۔''

''کیا تم سمجھتے ہو کہ اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ میری ہی طرح وہ بھی دولت کی خا
میں نکلے تھے۔''

''تم نے یہ ظاہر کر کے اچھا نہیں کیا تھا کہ تم فریدی کو جانتے ہو۔''

''وہ مجھے پہچانتا ہے..... اُس وقت سے جانتا ہے جب میں گردی کیلئے شکار کیا کرتا تھا۔''

''ہوں..... اور یہ لیکر اس کون ہے جس سے ہم نیلم سرائے میں ملنے والے تھے۔''

''غیر ملکی ہے۔''

کچھ دیر خاموشی رہی پھر دوسرا شکاری بولا۔ ''سڑک سے اس وقت گاڑی ہٹانا ممکن
نہ ہوگا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''ظاہر ہے کہ نیلم سرائے پہنچنے کے لئے ہمیں سڑک چھوڑنی پڑے گی۔''

''تو اس سے کیا.....؟''

''برف کے نیچے کیا ہے کوئی نہیں کہہ سکتا۔''

''اوہ.....!'' ناصر نے قہقہہ لگایا۔ ''تم موت سے اتنا ڈرتے کیوں ہو۔''

''شکار کھیلنا بڑی خوبصورت درندگی ہے۔ لیکن آدمیوں کا شکار ہوتے پہلی بار دیکھا ہے
میں نے۔ وہ دونوں بیچارے..... کیا اُن کی لاشیں وہیں پڑی رہ گئی ہوں گی۔''

''تمہیں صرف دو ایک پیگ برانڈی کے درکار ہیں اس کے بعد سب ٹھیک ہو جائے
گا۔'' ناصر نے کہا اور گاڑی کی رفتار کم کر کے اُسے داہنی جانب ڈھلان میں اتارنے لگا۔

''کیا تم واقعی پاگل ہو گئے ہو۔'' دفعتاً دوسرا شکاری چیخا۔

''تو کیا مجھے نیلم سرائے نہ جانا چاہئے۔'' ناصر نے نرم لہجے میں پوچھا۔

''ہرگز نہیں..... سیدھے چلو۔''

''اچھی بات ہے۔'' ناصر نے بریک لگاتے ہوئے کہا۔ ساتھ ہی بائیں ہاتھ سے اُس
نے ریوالور نکالا تھا۔ دوسرے شکاری کو اس کی خبر تک نہ ہوئی۔

گاڑی ریورس گیئر میں پھر سڑک کی طرف واپس جا رہی تھی اور دوسرا شکاری کہہ رہا تھا۔
''ریگم بالا ہی کی طرف چلو۔ مجھے خوشی ہے کہ تم میری یہ خواہش پوری کر رہے ہو ورنہ عام
حالات میں تم سے زیادہ ضدی آج تک میری نظر سے نہیں گزرا۔''

ناصر نے قہقہہ لگایا۔ ایسا لگا جیسے یہ محض خوش دلی کا اظہار ہو۔ دوسرا شکاری بھی اس قہقہے
میں شریک ہو کر کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔

دفعتاً اس کے کان کے قریب فائر ہوا اور دانت نکلے ہی رہ گئے۔

دوسرے لمحے میں اسی کی جانب کا دروازہ کھلا تھا اور اس کی لاش سڑک پر جا پڑی تھی۔

دروازہ بند ہوا ساتھ ہی ناصر کا دوسرا قہقہہ فضا میں گونجا اور گاڑی پھر اُسی ڈھلان میں
اترتی چلی جدھر جانے سے دوسرے شکاری نے ناصر کو باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔

وہ بالکل خاموش بیٹھے تھے اور گاڑی معمولی رفتار سے ریگم بالا کی طرف بڑھ رہی تھی۔ کیپٹن حمید نے یہ بھی نہیں پوچھا تھا کہ آخر آہستہ روی میں کون سی مصلحت پوشیدہ ہے ویسے اب وہ بولنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ محض اسلئے کہ ڈیش بورڈ والا ٹرانسمیٹر خودکار معلوم ہو

دفعتاً فریدی بولا۔ ''حمید! تم خاموش کیوں ہو۔''

''میں چاہتا ہوں بیچاری ریما اب سو جائے..... اُس کے اعصاب پر بہت بُرا ہے.....!'' حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''اُس سے کہو ہم پر اعتماد کرے۔''

''صرف مجھ پر کر سکتی ہے۔''

''نہیں مجھے سب پر اعتماد ہے۔'' ریما بولی۔ ''درندے ہونے کے باوجود بھی انسانیت کی حدود کو نہیں پھلانگتے..... میں تم لوگوں کو کسی حد تک مظلوم بھی سمجھتی ہوں۔''

''ریگم بالا میں تم جہاں کہو گی پہنچا دی جاؤ گی۔'' فریدی نے کہا۔

''میں جہاں کہوں گی۔'' ریما نے حیرت سے دہرایا۔

''کیوں اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟'' حمید نے جواباً حیرت ظاہر کی۔

''میں ریگم بالا تو کیا اس پورے ملک میں کسی کو نہیں جانتی۔ مجھے یہ بھی نہیں معلوم دونوں مجھے کہاں لے جاتے۔''

''تب تو پھر یہی مناسب ہوگا کہ ہمارے ہی ساتھ رہو۔''

دفعتاً فریدی نے بریک لگائے اور گاڑی تیز قسم کی چڑچڑاہٹ کے ساتھ رک گئی۔

''کیا ہے.....؟'' حمید چونک پڑا۔

اور پھر اُسے وہ چیز نظر آ گئی۔ ایک آدمی سڑک پر اوندھا پڑا تھا اور اُس کے سر کے پاس کی برف سرخ ہو رہی تھی۔

فریدی نے ہیڈ لیمپ بجھا دیئے لیکن انجن بند نہ کیا۔

''میرا خیال ہے.....!'' حمید نے کچھ کہنا چاہا۔

''خاموش رہو۔''

پھر فریدی بڑی احتیاط سے نیچے اُترا تھا اور جھک کر تیزی سے دوڑتا ہوا خود بھی دھم سے لاش ہی کے قریب جا گرا تھا۔

حمید بوکھلا گیا..... کیا بے آواز فائر؟ فوری طور پر اسی خیال نے اُسے بھی گاڑی سے ہرلا پھینکا۔

اب وہ سینے کے بل رینگتا ہوا فریدی کیطرف بڑھ رہا تھا۔ ریوالور ہولسٹر سے نکل آیا تھا۔

برف پر اس طرح رینگنا ہنسی کھیل تو نہیں۔ آدھی ہی مسافت بلائے جان بن گئی۔

دفعتاً اس نے فریدی کو پلٹتے دیکھا۔ وہ بھی اسی کی طرح رینگتا ہوا گاڑی کی طرف واپس آ رہا تھا۔ حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔

قریب پہنچ کر فریدی آہستہ سے بولا۔ ''لاش..... میرا خیال ہے کہ وہ ناصر کے ساتھیوں میں سے ہے۔ صبح موٹیل میں وہ غالباً اس کے ساتھ ہی تھا۔''

''اوہو..... تو اسے بھی گولی لگی تھی۔''

''نہیں..... وہ میرے ہاتھوں نہیں مرا۔ میں نے صرف دو فائر کئے تھے اور دو لاشیں تم وہاں دیکھ چکے ہو..... اس کی کنپٹی پر گولی ماری گئی ہے اور جہاں لاش پڑی ہوئی ہے ٹھیک وہیں سے کوئی گاڑی ڈھلان میں اتری ہے۔''

''تو پھر اب کیا کیا جائے۔''

''پہلے ہمیں اُس ٹرانسمیٹر سے چھٹکارا پانا چاہئے جو گاڑی میں موجود ہے۔ تم اسی طرح داہنی جانب والی ڈھلان اُتر جاؤ اور اس راستے پر نظر رکھو جدھر وہ گاڑی گئی ہے۔''

حمید اُس کی ہدایت کے مطابق داہنی جانب والی ڈھلان میں رینگ گیا اور لاش کی پوزیشن ذہن میں رکھ کر داہنی جانب اندھیرے میں آنکھیں پھاڑتا رہا۔

دفعتاً اُس نے ایک سریلی سی چیخ سنی اور اچھل پڑا۔ گاڑی کے انجن کی آواز پہلے سے تیز ہو گئی تھی۔

''اوہو..... مردود.....!'' فریدی کی آواز آئی۔

"کیا ہوا.....؟" حمید بوکھلا کر سڑک کی طرف جھپٹا۔

پھر فریدی اُسے سڑک پر دو زانو بیٹھا ہوا نظر آیا۔ قریب پہنچا تو ریما بھی نظر آئی برف پر اوندھی پڑی تھی۔ لیکن گاڑی کا کہیں پتہ نہ تھا۔

"کیا ہوا.....؟" حمید قریب پہنچ کر خود بھی فریدی ہی کی سی پوزیشن میں بیٹھتا ہوا بولا۔

"اسے گاڑی سے دھکیل کر فرار ہو گیا۔"

"اکرام.....!"

"اور نہیں تو کیا چیانگ کائی شیک۔" فریدی کے لہجے میں جھنجھلاہٹ تھی۔

"وہ تو..... وہ تو..... کمال ہو گیا.....!" حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُسے کہنا چاہئے۔ اکرام کی اس حرکت پر غصے کا اظہار کرے یا قہقہے لگائے۔

"کیا تم ہوش میں ہو!" فریدی نے جھک کر ریما سے پوچھا۔

"ہا..... آں ..... آں.....!" کانپتی ہوئی آواز ریما کے منہ سے نکلی تھی۔

"اٹھنے کی کوشش کرو۔"

"گری ہوئی عورتیں خود سے نہیں اٹھ سکتیں۔" حمید اُسے سہارا دینے کے لئے بڑھاتا ہوا بولا۔ لیکن فریدی نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ارے..... ارے..... میں تجربے کی بات کہہ رہا ہوں۔"

اتنے میں ریما خود ہی اٹھ بیٹھی۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا ہوگا..... ضروری نہیں تھا کہ سنسان سڑک جب کہ چاروں طرف برف ہی برف نظر آ رہی تھی کوئی گاڑی بھی دکھائی دیتی۔ ایسے موسم رات کا سفر ملتوی ہی کر دیتے ہیں۔

"یہاں رکنا ٹھیک نہیں ہے۔" دفعتاً فریدی بولا اور ریما کا ہاتھ پکڑ کر داہنی ہی جانب ڈھلان میں اترتا چلا گیا۔ لیکن جگہ وہی منتخب کی تھی جہاں سے برف پر گاڑی کے پہیوں کے نشانات نظر آ رہے تھے۔

جب حمید بھی اُس کے قریب پہنچ گیا تو بولا۔ "میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔"

"کہنے کی ضرورت نہیں! یہ تو میری تقدیر ہے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

وہ دیکھ رہا تھا کہ فریدی گاڑی کے پہیوں کے نشان سے لگ کر چل رہا تھا۔

اُن دونوں نے اس کی تقلید شروع کر دی۔

"مم..... میں تو..... اس طرح نہیں چل سکوں گی۔" ریما منمنائی۔

"پھر کس طرح چل سکو گی۔" حمید نے پوچھا۔ وہ اس کے ساتھ چل رہا تھا۔

فریدی سب سے آگے تھا۔ حمید کو اس وقت ریما پر کڑی نظر رکھنی تھی۔

"وہ..... وہ..... مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔"

"بے ضرر آدمی تھا۔ تم کیوں نہیں گئیں اُس کے ساتھ۔"

"میرے انکار پر اُس نے مجھے گاڑی سے دھکیل دیا۔"

"آخر انکار کیوں کیا.....؟"

"اب میں تم دونوں کے علاوہ اور کسی پر بھی اعتماد نہیں کر سکتی۔ تم نے ابھی تک میرے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کی۔"

دفعتاً فریدی ایک جگہ رک گیا۔ انہیں بھی رکنا پڑا۔

اب وہ اُسے بائیں جانب ایک جگہ کی برف ہٹاتے دیکھ رہے تھے۔

"کیا بات ہے باس.....!" حمید نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں رات بسر کرنے کے لئے کوئی جگہ تلاش کرنی چاہئے۔"

"برف کے نیچے.....؟"

"بکو مت..... میں قدم رکھنے کے لئے جگہ دیکھ رہا ہوں۔ کہیں کسی گڑھے میں نہ گر جائیں۔"

پھر حمید بھی اس کے قریب بیٹھ کر برف ہٹانے لگا تھا اور کچھ دیر بعد وہ بیٹھے ہی بیٹھے بائیں جانب کھسک رہے تھے۔

ناصر نے گاڑی نیلم سرائے کے سامنے روکی۔ یہ بھی شہتیروں ہی سے بنائی ہوئی ایک

عمارت تھی۔

کھڑکیاں اور دروازے سب بند تھے۔ کہیں کسی درز سے بھی روشنی نہیں دکھائی دیتی تھی۔ اُس نے صدر دروازے پر ٹھوکریں مارنی شروع کیں اور بالآخر کوئی دروازہ کھولا دہاڑا۔ ''کون ہے۔''

''بے خبر ہو جاتے ہو حرامی۔'' ناصر نے اُسے دھکا دے کر پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا۔

''معاف کرنا ساب۔'' میلے کچیلے سے آدمی نے کہا اور اپنی بائیں آنکھ کا کچرا صاف کرنے لگا۔

ناصر آگے بڑھتا چلا گیا۔ ساخت کے اعتبار سے یہ جگہ اکرام کے موٹیل سے مختلف نہیں تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ یہاں کاؤنٹر کے پیچھے فرش سے چھت تک متعدد خانوں میں کئی قسم کی شرابوں کی بوتلیں بھی چنی ہوئی تھیں اور کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا آدمی اکرام کی طرح دھالا نہیں معلوم ہوتا تھا۔

نہ صرف جسم کی بناوٹ کے اعتبار سے بلکہ آنکھوں میں پائی جانے والی توانائی کی بنا بھی وہ خاصا جاندار لگتا تھا۔

''یہ تم جنگلی پن کیوں شروع کر دیتے ہو۔'' اُس نے غرا کر ناصر سے کہا۔

''ابھی رات ہی کتنی ہوئی ہے کہ دروازہ جکڑ دیا گیا۔'' ناصر نے کاؤنٹر کے قریب پہنچ سامنے لگی ہوئی بوتلوں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''نہیں..... اُدھم نہیں چاہتا۔'' دوسرا آدمی غرایا۔

پہلے تو ناصر نے اُسے گھور کر دیکھا پھر خواہ مخواہ ہنس پڑا۔

''چلو..... شراب اٹھاؤ۔'' اُس نے قہقہے کو فوری طور پر دبا کر کہا۔

کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے آدمی نے سیاہ رنگ کی بوتل ایک خانے سے نکال کر اُس کے سامنے کاؤنٹر پر رکھ دی۔ اس انداز میں بیزاری کا اظہار بھی شامل تھا۔

بوتل کی قیمت ادا کر کے اُس نے دو گلاس طلب کیے اور انہیں اٹھائے ہوئے ایک میز تک آیا۔ جہاں ایک سفید فام آدمی پہلے ہی سے بیٹھا ہوا تھا۔

یہاں کئی میزوں کے گرد لوگ نظر آئے..... بڑے بڑے آتشدانوں میں کوئلے دہک

رہے تھے۔

''ہیلو..... لیکی.....!'' ناصر نے اُسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

''ہیلو.....!'' غیر ملکی کا لہجہ بے حد خشک تھا۔

''شاید تم دیر سے پیاسے ہو۔'' ناصر نے ایک گلاس اُس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔''

''تو پھر کیا تم میری دعوت رد کر دو گے۔''

''میں نے یہ تو نہیں کہا۔''

ناصر اُس کے سامنے رکھے ہوئے گلاس میں شراب انڈیلنے لگا۔ لیکن وہ اُسے تیز نظروں سے گھورے جا رہا تھا۔ جیسے ہی ناصر دوبارہ اُس سے مخاطب ہوا دیکھنے کا انداز یکلخت بدل گیا۔ اب اس کی آنکھوں میں نرمی تھی۔

پھر ناصر نے دو تین گھونٹ لینے کے بعد گفتگو کا آغاز کیا تھا۔

''میں نے اپنے تین ساتھی گنوائے ہیں۔'' وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''مجھے اطلاع مل چکی ہے۔ لیکن صرف دو آدمیوں کی۔'' خشک لہجے میں کہا گیا۔

''ایک کو خود میں نے موت کے گھاٹ اتارا ہے۔''

''کیوں.....؟'' غیر ملکی کی بھنویں تن گئیں۔

''اُس نے لیڈر کے حکم سے سرتابی کی تھی۔ نیلم سرائے کیطرف آنے سے انکار کر دیا تھا۔''

''بہت اچھے! تب تو اُسے مرنا ہی چاہئے تھا۔'' غیر ملکی کے لہجے کی خشکی رفع ہو گئی۔ اب وہ ہر گھونٹ کے بعد ہونٹ چاٹنے لگتا تھا۔

''اب مجھے کیا کرنا ہے؟''

''آرام..... دو تین دن..... آرام سے یہیں گزارو۔''

''آخر اُسے ختم ہی کیوں نہیں کر دیا جاتا۔ اس طرح گھیر کر پکڑنے کی کیا ضرورت ہے؟''

''وہ ہمیں خزانے کی تلاش میں مدد دے سکتا ہے۔ اسکے بعد ہم اُسے ختم کر دیں گے۔''

''سنو! اب اس کے ساتھ ایک غیر ملکی لڑکی بھی ہے۔ بڑی خوبصورت۔''

''میں جانتا ہوں۔''

"لیکراس..... کم از کم وہ لڑکی ہی حاصل کر لی جائے..... وہ دو بدھ بھکشوؤں کے
وہاں آئی تھی۔"

"کیا تم جانتے ہو کہ وہ لڑکی بھی ہمارے لئے بے حد کارآمد ثابت ہوگی۔"

"نہیں..... میں کیا جانوں۔"

"وہ تینوں بھی خزانے کی تلاش میں تھے۔ ایک بھکشو فریدی کے ہاتھوں مارا گیا اور
غالباً عمارت ہی میں جل کر مر گیا۔"

"دیکھو دوست لیکراس۔" ناصر نے آگے جھک کر آہستہ سے کہا۔ "اگر خزانے کی
پھیل گئی تو بہت بُرا ہوگا..... ہم دشواریوں میں پڑ جائیں گے۔"

"جو لوگ اس چکر میں ہیں وہ بھی یہی سوچتے ہیں لہٰذا خزانے کی بات پھیل نہیں سکتی۔"

"اگر اس لڑکی نے فریدی کو بتا دیا تو۔"

"کوئی کسی اجنبی کو ایسی باتیں نہیں بتایا کرتا۔"

"اچھا تو یہی بتا دو کہ فریدی نے بھکشو کو کیوں مار ڈالا۔"

"اُن دونوں نے اُس کے نائب کیپٹن حمید پر حملہ کیا تھا۔ وہ غالباً سمجھے تھے کہ حمید
کو پھانسنے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"اُس نے یقیناً کوشش کی ہوگی۔ کوئی لڑکی اسکے قریب سے صحیح وسلامت نہیں گزر سکتی

"کچھ بھی ہو..... اُن کے درمیان جھگڑے کی وجہ لڑکی ہی بنی تھی اور سنو..... وہ
جو فریدی کے ہاتھوں مارا گیا تھا.....!"

وہ جملہ پورا کئے بغیر پھر پینے لگا۔

ناصر اس کی طرف متوجہ تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ لیکراس نے خاموشی ہی اختیار کر
ہے تو بولا۔ "تم بھکشو کی لاش کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے۔"

"ہاں آں..... کچھ نہیں۔" لیکراس اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "میں نے ا
متحیر کرنے کے لئے اس بھکشو کی لاش گاڑی کے ڈکے میں رکھ دی تھی..... کیپٹن حمید نے ا
دیکھا اور عمارت کی طرف بھاگ گیا۔ میں نے لاش پھر ڈکے سے نکال لی..... اور بعد
اُسے بھی جلتی ہوئی عمارت میں جھونک دیا گیا۔"

"مجھے افسوس ہے کہ بہت اچھا موٹیل تباہ ہوگیا۔" ناصر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ پھر
دفعتاً چونک کر لیکراس کو گھورنے لگا۔

"کیا بات ہے؟"

"لسلی..... لسلی کہاں گئی۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ بھی جل مری ہوگی۔"

"کیوں؟ وہ تو ہماری شریک تھی۔"

"پتہ نہیں! میں کچھ نہیں جانتا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ باہر نہیں نکلی تھی۔"

"اب تم کہاں جاؤ گے؟"

"رات یہیں گزاروں گا۔"

پھر وہ دونوں خاموشی سے پیتے رہے تھے۔

بالآخر وہ ایک چھوٹا سا غار تلاش کر لینے میں کامیاب ہوگئے تھے جہاں رات گزار سکتے۔
حمید تو فوراً ہی ڈھیر ہوگیا تھا اور ریما بیٹھ کر ہانپنے لگی تھی۔

"یہاں کتنا اندھیرا ہے۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"اندھیرا تمہیں کھا نہ جائے گا۔ چپ چاپ بیٹھی رہو۔" حمید نے کہا۔

"سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی نے اکرام کے اس طرح بھاگ نکلنے پر کسی قسم کی رائے
زنی کیوں نہیں کی۔

"بھوک لگ رہی ہے۔" دفعتاً وہ کراہا۔

"کچھ بھی تو نہیں ہے ہمارے پاس۔" فریدی بولا۔

"لاؤ دو چار کارتوس ہی نگل لوں!"

''بالکل مجبور ہوں! کچھ نہیں کرسکتا۔'' فریدی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''اُوہو..... یاد آیا..... ریما کے تھیلے میں بھنا ہوا اناج تھا۔''

''اگر وہ تھیلے سمیت گاڑی سے دھکیلی گئی ہوگی تو.....!''

''آخر اکرام کو کیا ہوگیا تھا؟''

''میرا خیال ہے کہ وہ بہت زیادہ خائف تھا۔''

''جہنم میں جائے۔'' حمید پیٹ پر ہاتھ مار کر کراہا اور پھر ریما سے اُس کے خیریت دریافت کرنے لگا۔

''وہ بھی گاڑی ہی میں رہ گیا۔'' وہ روہانسی ہوکر بولی۔ ''میرا سوٹ کیس بھی گیا۔ میں بالکل مفلس ہوں۔''

''فکر نہ کرو..... صبح ہم یقیناً کسی نہ کسی بستی میں پہنچ جائیں گے اور تمہیں یتیم ولاوا ظاہر کرکے تمہارے نام پر چندے کی اپیل کریں گے۔ اگر میں نے خود کو یتیم یا لاوارث کرکے کچھ کرنا چاہا تو لوگ کہیں گے چل ہٹ..... جا کر محنت مزدوری کر..... لیکن تمہیں اُوہ..... ہر ایک یہ چاہے گا کہ تم اس کی بہن یا بیٹی بن جاؤ..... کرنسی کی بارش ہوجائے گی تم

''میں بھیک نہیں مانگنا چاہتی۔ میں بھی مزدوری کرسکتی ہوں۔''

''کون کرنے دے گا..... تم بہت خوبصورت ہو..... لوگ یہی چاہیں گے کہ تم میں کروڑ پتی بن جاؤ۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟''

''اسے کیا کرنا چاہئے۔'' حمید نے اردو میں فریدی سے پوچھا۔

لیکن اسے کوئی جواب نہ ملا۔

''کیا آپ تشریف نہیں رکھتے جناب عالی۔'' اُس نے پھر ہانک لگائی۔

پھر بھی جواب میں کچھ نہ سن سکا۔

بالآخر ٹارچ روشن کی۔ فریدی کا کہیں پتہ نہ تھا۔

''کک..... کیوں..... تمہارا ساتھی کہاں ہے۔'' ریما ہکلائی۔ لیکن حمید کچھ نہ بولا

کچھ دیر بعد وہ پھر ڈری ڈری سی آواز میں بولی۔ ''تم کہاں ہو۔''

''اگر مجھ سے پوچھ رہی ہو تو میں وہیں ہوں جہاں پہلے تھا۔'' حمید نے کراہ کر کہا۔

''کیا تمہیں کوئی تکلیف ہے؟''

''کیا تمہیں بھوک نہیں لگی۔''

''میں فاقہ کشی کی عادی ہوں۔ مجھے کوئی تکلیف نہیں۔ لیکن تمہارا ساتھی کہاں گیا؟''

''ہوسکتا ہے کھانے کی تلاش میں گیا ہو۔ اس وقت پہاڑی لومڑیاں بکثرت مل جائیں گی۔''

''لومڑیاں..... تم لوگ لومڑیاں کھاتے ہو۔''

''اگر چھپکلیاں نہ مل سکیں تو کھانی ہی پڑتی ہیں۔''

''چھپکلیاں.....!'' ریما کی گھٹی گھٹی سی آواز اندھیرے میں گونجی۔ ''ٹارچ..... مم..... ٹارچ روشن کک..... کرو.....!''

''ٹارچ تو نہیں ہے میرے پاس! ارے..... ارے..... یعنی کہ.....!''

ریما اُس پر آگری تھی اور بُری طرح ہانپ رہی تھی۔

''کیا ہوا..... کیا بات ہے۔'' حمید بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔

''مم..... مجھے..... چھپکلیوں سے خوف معلوم ہوتا ہے۔''

''تو میں کیا بگاڑ لوں گا چھپکلیوں کا۔''

''مجھے ڈراؤ نہیں۔''

''جو لوگ سکون کی تلاش میں ہوں اُن کی راہ میں عموماً چھپکلیاں ہی حائل ہوتی ہیں۔ ہپکے سے زندگی میں داخل ہوئیں اور عمر بھر سرسراتی رہیں۔ پھر قبر ہی میں پہنچ کر اُن سے چھٹکارا وتا ہے۔ سنا ہے بعض چھپکلیاں قبر میں بھی کود جاتی ہیں۔''

''تم اتنی بکواس کیوں کرتے ہو۔''

''میری کھوپڑی میں غلطی سے عورت کا بھیجا رکھ دیا گیا تھا۔''

وہ کچھ نہ بولی۔ حمید نے سوچا شائد اُسے بہت زیادہ سردی لگ رہی ہے۔ سردی تو خود سے بھی لگ رہی تھی۔

وہ چند لمحے اُس سے لگی بیٹھی کانپتی رہی پھر بولی۔ ''تم لوگ میری سمجھ میں بالکل نہیں آرہے۔ اُن دونوں سے میرا پیچھا چھڑا دیا لیکن اب تم خود کس چکر میں پھنس گئے اور وہ بیچاری

عورت کس بلا کا شکار ہوئی۔"

"وہ خشکی کی جونکوں کا شکار ہوئی تھی۔ جو ہزاروں کی تعداد میں پائی جاتی ہیں۔"

"کون لایا تھا.....؟"

"کاش ہمیں معلوم ہوسکتا۔"

"بتاؤ نا.....وہ لوگ کون ہیں جو تمہارا پیچھا کر رہے تھے۔"

"تم ہی بتاؤ کہ تمہاری مرسیڈیز میں ٹرانسمیٹر کی موجودگی کا کیا مطلب تھا۔"

"گاڑی میری ملکیت نہیں تھی..... میں نہیں جانتی کہ انہوں نے کہاں سے اور فراہم کی تھی۔"

"مجھے خزانے والی بات میں کسی قدر سچائی نظر آتی ہے۔"

"کھلی ہوئی بکواس تھی۔"

"بھکشو نے کسی ایسی تحریر کا ذکر کیا تھا جو چمڑے پر تھی۔"

"میں نے اس سے انکار تو نہیں کیا۔"

"تم نے سرے سے اُسے تسلیم ہی نہیں کیا تھا۔"

"بے شک ایسی ایک تحریر میرے پاس تھی۔ میں اُسے پڑھنا چاہتی تھی۔ اُن دونوں میری یہ مشکل آسان کردی تھی.....لیکن انہوں نے مجھے ہرگز یہ نہیں بتایا تھا کہ اس کا تعلق خزانے سے ہے۔"

"لیکن آخر تم نے اسی وقت ایسی کسی تحریر کا اعتراف کیوں نہیں کرلیا تھا۔"

"بات خزانے کی ہوئی تھی تحریر کی نہیں اور پھر میں تو ایسے حالات میں گزرتی رہی تھی مجھے اپنے حواس خمسہ پر اعتماد ہی نہیں رہ گیا تھا۔ یقین کرو مجھے کچھ بھی تو یاد نہیں۔ میری نظر میں تو صرف اُس عورت کی تڑپ تھی اور کانوں میں اُس کی چیخیں۔"

"اب خاموش ہوجاؤ۔ مجھے اپنے معدے کی آواز سننے دو۔"

"مجھے حیرت ہے کہ دن بھر کی بھوک سے لوگ اتنے نڈھال کیوں ہوجاتے ہیں۔ تو کئی دن تک کچھ نہیں کھاتی پیتی۔"

"اتنی دیر سے سر جو کھا رہی ہو۔"

"کیا تمہیں خاموشی سے گھٹن نہیں ہوتی۔"

"خاموشی تو میری رفیقہ حیات ہے لہٰذا وہ کسی عورت کی سوکن ہی کہلائے گی۔ اس لئے شادی نہیں کی میں نے۔"

"جھوٹ تمہاری پیشانی پر تحریر ہے۔"

"اور اندھیرے میں بھی چمک رہا ہے۔ میں سچ کہہ رہا ہوں کہ اگر اس وقت بھوکا نہ ہوتا تم میں بہت زیادہ دلچسپی لیتا۔ تم اپنا دل چھوٹا نہ کرو۔"



دونوں دیر سے پی رہے تھے لیکن ان کے حواس رخصت نہیں ہوئے تھے۔ اُن کے رویوں پر توانائی کے آثار دور سے بھی نظر آسکتے تھے۔

دفعتاً ناصر نے لیکر اس سے پوچھا۔ "وہ بیہوش آدمی اب کہاں ہے جسے ہم نے موٹیل سے اٹھایا تھا۔"

"تمہیں ایسی باتوں سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے۔ جن کا تمہارے کاموں سے کوئی علق نہ ہو۔"

"اُس ٹیم کی سربراہی میں ہی تو کر رہا تھا۔"

"اُس سلسلے میں تمہارا کام ختم ہو چکا ہے۔"

"اونہہ.....!" ناصر نے شانوں کو جنبش دے کر کہا۔ "جہنم میں جائے۔"

اب وہ خاموش ہوکر سگریٹ سلگا رہا تھا۔

لیکر اس نے اوور کوٹ کی جیب سے رول کیا ہوا چمڑے کا ایک شیٹ نکالا اور اُسے میز پھیلانے لگا۔

"یہ کیا ہے؟" ناصر چونک کر آگے جھکا۔

"یہ اس بھکشو کے پاس سے برآمد ہوا تھا جسے فریدی نے مار ڈالا تھا۔"

"یہ ہے کیا.....!"

"پتہ نہیں! لیکن یہ تحریر بہت پرانی معلوم ہوتی ہے۔ بس یہ سمجھ لو کہ اُس دور میں نہیں تھا۔ چمڑے پر لکھائی ہوتی تھی۔"

"ذرا میں بھی تو دیکھوں۔" ناصر نے اُسے اپنے آگے کھسکاتے ہوئے کہا۔ پھر اُسے غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "یقیناً یہ بہت پرانی تحریر ہے۔ لیکن میں اس رسم الخط کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔" لیکراس بولا اور اُسے دوبارہ رول کر کے جیب میں ڈال لیا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر لیکراس ناصر کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "واقعی تم بہت آدمی ہو۔ پارٹی کا لیڈر تم پر فخر کرتا ہے۔"

"دس سال پہلے میں بہت زیادہ بزدل تھا۔" ناصر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"یقین نہیں آتا۔"

"یہ حقیقت ہے۔ بندوق کی آواز سن کر میرا دم نکلتا تھا۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔ کیونکر یقین کر لیا جائے۔"

"مجھے جھنجھلاہٹ نے دلیر بنایا ہے۔ اس پیشے میں آنے سے پہلے میں بہت دولت تھا اور یہ دولت مجھے ورثے میں ملی تھی۔ طبعاً بہت نیک تھا البتہ دوستوں کی بھیڑ اپنے گرد پسند کرتا تھا۔ حلقہ احباب بہت وسیع تھا۔ ان دوستوں میں زیادہ تر ایسے تھے جو کسی نہ کسی مجھ سے مالی فائدہ اٹھاتے رہتے تھے۔ میں تھا قہقہوں کا رسیا..... اپنی محفلوں کی زندگی رکھنے کے لئے بے دریغ خرچ کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ میری مالی حالت بگڑنے لگی۔ تب مجھے آیا..... اور میں نے اُن دوستوں سے اپنی بڑی بڑی رقومات کا مطالبہ کرنا شروع کر انہوں نے بطور قرض مجھ سے لے رکھی تھیں۔ اس وقت تک میں کنوارا تھا ارادہ عا شادی کرنے کا۔ میں جانتا تھا کہ مجھ جیسے لاابالی آدمی کے ساتھ کوئی لڑکی خوں نہیں لیکن ان مقروض دوستوں میں سے ایک نے اپنی لڑکی زبردستی میرے سر منڈھ دی۔ لڑ تھی۔ میں نے اسے گودوں میں کھلایا تھا۔ بس یہ سمجھ لو کہ میں اس وقت چالیس کے

وہ صرف تیرہ سال کی۔ بہرحال یہ چکر محض اس لئے چلایا گیا تھا کہ میں اس لڑکی کے باپ سے اس بڑی رقم کا مطالبہ نہ کروں۔"

"کیا تمہیں نشہ ہو رہا ہے؟" دفعتاً لیکراس نے اُسے ٹوکا۔

"کیا مطلب.....؟"

"تو کیا اُس تیرہ سال کی لڑکی نے تمہیں دلیر بنا دیا تھا۔"

"نہیں.....!" ناصر میز پر گھونسہ مار کر چیخا۔ "خاموشی سے سنتے رہو۔ میں دل کا بخار نکالنا چاہتا ہوں۔ جب وہ اٹھارہ سال کی ہوئی تو عدالت میں جا کھڑی ہوئی اور تنسیخ نکاح کی درخواست پیش کر دی۔"

"اوہو.....!"

"وہ کامیاب ہو گئی اور اپنی پسند کے ایک نوجوان کے ساتھ چل دی۔"

"ٹریجڈی۔"

"وہ کبھی ایسا نہ کرتی اگر میں مفلس نہ ہو گیا ہوتا۔ مجھ میں اور کوئی کمی نہ تھی۔ کیا میں پاس سال کی عمر میں بھی تمہیں بوڑھا لگ رہا ہوں۔"

"ہرگز نہیں۔" لیکراس بولا۔ "تمہارے بازو سیسہ پلائے ہوئے ہیں۔"

"میں نے سب کچھ اُس پر لٹا دیا تھا۔ میں اُسے بہت چاہتا تھا۔ وہ میری پہلی اور آخری محبت تھی۔"

"اب میں سمجھا۔" لیکراس طویل سانس لیکر بولا۔ "اُسی جھلاہٹ نے تمہیں خونی بنا دیا۔"

"یقیناً..... میں آج بھی اس کی تلاش میں ہوں..... جہاں بھی ہاتھ آ گئی قیمہ کر کے رکھ دوں گا۔"

"تم بہت شور مچا رہے ہو۔" دفعتاً کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے آدمی نے ناصر کو مخاطب کر کے کہا۔

ناصر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"اوہو..... کیا بات ہے۔" لیکراس بھی اٹھتا ہوا بولا۔

"میں اُسے سبق دوں گا۔"

"بات کیا ہے؟"

''بکواس کررہا ہے۔''

''کچھ بھی ہو..... تمہیں مصلحتاً خاموش رہنا چاہئے۔ جھگڑوں کو کسی اور وقت پر اٹ
کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا آدمی بھی اُسے گھورے جارہا تھا۔ ٹھیک اسی وقت کسی
دروازے پر دستک دی اور کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے آدمی نے اس کی طرف دیکھا جس
کے لئے دروازہ کھولا تھا۔ دروازہ کھلنے پر ایک آدمی لڑکھڑاتا ہوا اندر داخل ہوا۔

''اُوہو.....!'' لیکر اس مضطربانہ انداز میں اٹھ کر اسکی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ''یہ

''مم..... میں زخمی ہوں۔'' وہ کراہتا ہوا بولا۔ ''میری ران میں گولی لگی ہے۔''

ناصر نے اُسے سہارا دیا اور اُسے میز تک لانے میں لیکر اس نے بھی ناصر کا ہاتھ
کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا آدمی بھی ان کے قریب آ گیا تھا۔

دفعتاً زخمی ناصر کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''کوئی تمہاری گاڑی لے گیا۔ میں نے
للکارا تھا اُس نے فائر کر دیا۔''

ناصر دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ لیکر اس بولا۔ ''ٹھہرو۔''

اُدھر کاؤنٹر والا کہہ رہا تھا۔ ''لیکن میں نے تو فائر کی آواز نہیں سنی۔ میرا خیال
نے بھی نہ سنی ہوگی۔''

ناصر دروازے کے قریب رک گیا تھا۔ لیکر اس نے کاؤنٹر والے کو زخمی آدمی
کچھ ہدایات دیں اور ناصر کی طرف بڑھا۔

''جلدی مت کرو۔'' وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر آہستہ سے بولا۔

فطرتاً وہ ٹھنڈے دماغ کا آدمی معلوم ہوتا تھا۔

''میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ وہ سائیلنسر لگا ہوا لانگ رینج کا کوئی اسلحہ استعمال
ہے۔'' ناصر نے تلخ لہجے میں کہا۔

''کیا تم اپنے ساتھی کی لاش سڑک پر ہی چھوڑ آئے تھے۔''

''ہاں..... کنپٹی پر فائر کیا تھا اور دھکا دے دیا تھا۔''

''بنیادی غلطی..... لاش نے اُس کا راستہ روکا ہوگا۔ لہٰذا نیلم سرائے کے راستے
لگ جانا حیرت کی بات نہیں۔''

''مجھے ٹرانسمیٹر پر ہدایت ملی تھی کہ نیلم سرائے جاؤں اور اُس گاڑی میں بھی ٹرانسمیٹر
وہ تھا جس میں وہ لوگ سفر کررہے تھے۔''

''لیڈر کو احمق نہ سمجھو۔ جب وہ تم سے گفتگو کررہا ہو تو سمجھ لو کہ دنیا کا کوئی دوسرا ٹرانسمیٹر
ی آواز کو ریسیو نہیں کرسکتا۔ چلو باہر۔''

''لیکن ضروری نہیں کہ وہ گاڑی لے کر قطعی طور پر چلا گیا ہو۔'' ناصر پرتشویش لہجے میں
''باہر اندھیرا ہے..... گاڑی قریب ہی کہیں چھوڑ کر خود پلٹ آیا ہو۔''

''کیا حقیقتاً وہ ایسا ہی ہے۔''

''میرے یا تمہارے تصورات سے بھی زیادہ۔ یہ سارا علاقہ اس کا دیکھا بھالا ہے۔''

لیکر اس کچھ کہتے کہتے رک کر پھر زخمی کی طرف دیکھنے لگا جس کی مرہم پٹی ہو رہی تھی۔
زخمی دوسروں سے کہہ رہا تھا۔ ''میں نہیں جانتا وہ کون تھا..... فائر کی آواز تو میں نے
سنی تھی۔ کچھ دیر بعد خیال آیا تھا کہیں گولی نہ چلی ہو۔ ہاں ہاں سائیلنسر لگے ہوئے
ر کی گولی۔''

دو مسلح آدمی جو اس واقعے پر باہر جانا چاہتے تھے اس کی پوری بات سن کر جہاں تھے
رہ گئے۔

لیکر اس بھی اُسی میز کی طرف پلٹ آیا اور جھک کر گولی کا زخم دیکھنے لگا۔

بھوک میں نیند کہاں۔ لیکن حمید کو ریما پر سچ مچ حیرت ہوئی۔ وہ بڑے مزے سے
ے لے رہی تھی۔ حمید نے اپنا اوور کوٹ بھی اُس پر ڈال دیا تھا اور خود دانت بھینچے اکڑوں
ں ہی دل میں صرف اپنے آپ کو گالیاں دے رہا تھا۔
اپنے آپ کو یوں گالیاں دے رہا تھا کہ یہ بلا خود ہی تو گلے لگائی تھی جس نے اُوور

کوٹ تک اتروالیا تھا۔

سردی تھی کہ جہنم میں ٹھنڈک کا خواب..... تو کیا یہ لڑکی اسی طرح اُن کے مسلط رہے گی۔ فریدی نے خود ہی اس کے لئے یہ موقع فراہم کیا تھا۔ خود ہی یہ ظاہر کوشش کی تھی کہ وہ ان بھکشوؤں کی فریب خوردہ ہے۔

بس تو پھر اُس آسیب سے چھٹکارا کہاں، جو خود ہی اپنے اوپر مسلط کیا جائے۔ اور تاؤ کھاتا رہا کہ شائد اسی طرح خون میں کچھ گرمی آئے اور جڑے ڈھیلے پڑیں۔

دفعتاً وہ چونک پڑا۔ غار کے دہانے کے قریب ہلکی سی روشنی دکھائی دی تھی۔

سردی کا احساس ایک لمحے کے لئے ذہن سے محو ہوگیا۔ وہ بڑی پھرتی سے ریوا کر دہانے کی طرف جھپٹا تھا۔

''حمید.....!'' کسی نے آہستہ سے اُسے آواز دی۔

وہ کچھ نہ بولا۔ ریوالور کی نال دہانے کی طرف تھی۔ پھر جب دوسری آواز اعصاب کا تناؤ فوری طور پر کم ہوگیا۔ آواز فریدی ہی کی تھی۔ وہ باہر نکلا۔

''کیا وہ جاگ رہی ہے۔'' اُس نے پوچھا۔

''میں بھی سو رہا ہوتا اگر میرا اُوور کوٹ خود میرے جسم پر ہوتا۔''

''چلو اچھا ہی ہوا۔''

''آپ براہِ کرم اندر تشریف لے چلئے۔ میں دانت بجانا چاہتا ہوں۔''

''اچھا..... اچھا..... لیکن سنو..... تمہیں ابھی یہاں سے روانہ ہوجانا ہے۔''

''پیدل.....!''

''نہیں گاڑی ہے۔ سیدھے ریگم بالا جاؤ۔''

''اور اُس بلا کا کیا ہوگا۔''

''وہ بھی تمہارے ساتھ ہی جائے گی۔''

''اور آپ.....!''

''اب اس اور کا سلسلہ ختم کرو۔ صرف تم دونوں جاؤ گے۔''

''ریگم بالا میں کہاں جاؤں گا۔ میرے لئے وہ جگہ بالکل نئی ہوگی۔''

''وہاں دو بہت اچھے ہوٹل ہیں۔ کسی ایک میں قیام کرنا۔''

''کیا وہ سڑک سیدھی ریگم بالا ہی جاتی ہے۔''

''بالکل اور یہ بھی ذہن نشین کرو کہ تم وہاں صبح سے پہلے نہ پہنچ سکو گے۔''

''آپ بھی ذہن نشین کرلیجئے کہ میں آپ کی طرح فوری طور پر گاڑی روک کر چھلانگ میں لگا سکتا اور اُس بلا کو بغل میں دبا کر چھلانگ لگانا تو بالکل ہی ناممکن ہوگا۔''

''جو گاڑی میں نے تمہارے لئے مہیا کی ہے اُس میں بھی خود کار ٹرانسمیٹر موجود ہے۔ رتم سے گاڑی روکنے کے لئے کہا جائے تو فوری طور پر روک دینا پہلے بھی تم میرے ساتھ میں کودے تھے۔ پھر تمہارا کیا بگڑا تھا۔''

''انہیں خصوصیت سے آپ کی تلاش تھی۔''

''تھی نہیں بلکہ اب بھی ہے..... بے فکر رہو۔''

''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں نہ صرف قربانی کا بکرا ہوں بلکہ ایک بکری بھی مجھ پر ار کرادی گئی ہے۔''

''وقت نہ ضائع کرو حمید..... آؤ میں تمہیں گاڑی دکھاؤں۔''

وہ پھر باہر نکلے تھے..... فریدی اُسے اس جگہ لایا جہاں ایک کار کھڑی تھی۔

''کہاں سے ہاتھ لگی۔''

''میرا اندازہ درست تھا کہ ناصر ادھر سے نیلم سرائے ہی گیا ہوگا۔''

''نیلم سرائے۔''

''ہاں اُسے بھی موٹیل ہی سمجھ لو۔ یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے اور یہ گاڑی ناصر کی ہے۔''

''تب پھر وہ بھی اس گاڑی کی تلاش میں ادھر آسکتے ہیں۔''

''شاید ہی کوئی اندھیرے میں باہر نکلنے کی کوشش کرسکے کیونکہ میں ایک آدمی کو زخمی رآیا ہوں..... اچھا بس..... میں چلا۔''

حمید اُس کو اُسی سمت دیکھتا رہا جدھر سے گاڑی لایا تھا۔

اُس نے ٹھنڈی سانس لی اور ہتھیلی سے پیشانی تھپکتا ہوا غار کے دہانے کی طرف چل پڑا۔

نئی دشواریاں

دوسرے دن مطلع صاف تھا۔ سورج اپنی تمام تر تابناکیوں سمیت مشرق سے ابھرا
برف پگھلنے لگی تھی۔

نیلم سرائے میں صبح ہی سے ہنگامہ برپا تھا۔ کسی نے رات اُس کے اسٹور میں نقب
تھی اور ڈبوں میں محفوظ اغذیہ کی خاصی بڑی مقدار نکال لے گیا تھا۔

نیلم سرائے کا مالک آج پیشہ ور شکاریوں کو ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے اُس
کے بھی وہی ذمہ دار ہوں۔ حالانکہ پچھلی رات اُس زخمی شکاری کی مرہم پٹی اُسی نے کی تھی
نامعلوم آدمی کی گولی کا نشانہ بنا تھا۔

لیکراس نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی تو وہ بپھر کر بولا۔ ”دیکھو مسٹر تم غیر ملکی ہو۔ ا
آدمیوں کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ تمہیں بھی مشورہ دوں گا کہ اگر تمہیں شکار کا شوق
ان کمینوں کا ساتھ چھوڑ دو۔“

”مائی ڈیئر سردار زمن.....!“ لیکراس نرم لہجے میں بولا۔ ”ہمارا کوئی آدمی اپنے
آدمی کو کیوں زخمی کر جاتا..... یقین کرو کہ یہ حرکت کسی دوسری پارٹی کی ہے۔ انہوں نے
لگائی سامان نکالا اور اُسے ناصر کی گاڑی پر لاد کر فرار ہو گئے۔“

”پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔ یہاں کون ہے، جو میری طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے

”یہی تو ہم دیکھیں گے کہ وہ کون ہیں..... میری پارٹی کا ایک آدمی زخمی ہوا ہے۔“

”میرا خسارہ کون پورا کرے گا۔“

”اور ہمارے خسارے کے متعلق کیا خیال ہے۔ ہم تمہارے گاہک ہیں۔ ہماری
یہیں سے غائب ہوئی ہے۔ تمہارا چوکیدار کہاں مر گیا تھا۔“

سردار زمن ڈھیلا پڑ گیا۔

ناصر پچھلی رات اتنی پی گیا تھا کہ پھر اُسے اپنی سدھ ہی نہ رہی تھی اور اب بھی وہ اپنے
کمرے میں گہری نیند سو رہا تھا۔

اگر وہ اس وقت جاگ رہا ہوتا تو بات بڑھ جاتی۔ سردار زمن سے ضرور الجھ پڑتا۔

لیکراس سردار زمن کو کسی قدر ٹھنڈا کرنے کے بعد اپنے کمرے میں آیا۔ کھڑکی کھول کر
دوربین اٹھائی اور سامنے دور تک دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔

پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف چمک رہی تھی اور حد نظر تک ہو کا عالم تھا۔ لیکراس کے
چہرے پر تشویش کے آثار نظر آئے۔ اس نے دوربین ایک طرف رکھ دی اور کھڑکی کے قریب
ہی کھڑا کسی سوچ میں گم رہا۔

کچھ دیر بعد وہ چونک کر دروازے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ کوئی دستک دے رہا تھا۔

”آ جاؤ.....!“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

دروازہ کھول کر اندر آنے والا ناصر تھا۔ اُس کے چہرے پر پچھلی رات کی بسیار نوشی
عجیب طرح کی وحشت چھوڑ گئی تھی۔

”یہ کیسا ہنگامہ ہے؟“ اُس نے لیکراس سے پوچھا۔

”تمہاری گاڑی کے ساتھ ہی سردار زمن کا کچھ سامان بھی غائب ہے۔ کسی نے پچھلی
رات اسٹور میں نقب لگائی تھی۔“

”نقب.....!“

”ہاں وہ صرف کھانے پینے کی چیزیں لے گیا ہے۔“

”فریدی.....!“

”یقین کے ساتھ تو نہیں کہا جا سکتا۔“ لیکراس اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔
سردار زمن کے بیان کے مطابق یہ پہلا واقعہ ہے۔“

”فریدی اور صرف فریدی۔ کھانے پینے کی چیزیں صرف وہی لے جا سکتا ہے۔“

یکایک لیکراس کے چہرے کی نرمی غائب ہو گئی۔ ناصر نے اُسے محسوس کیا لیکن کچھ بولا

”تم اندازہ نہیں کر سکتے کہ تم سے کتنی بڑی حماقت سرزد ہوئی ہے۔“ لیکراس نے کچھ

دیر بعد خشک لہجے میں کہا۔

"ٹھہرو.....!" ناصر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں اس وقت خود کو چڑچڑا محسوس کر رہا ہوں تھوڑی دیر بعد گفتگو ہوگی۔"

پھر وہ دروازے کیطرف مڑا تھا اور فرش پر زور زور سے پاؤں مارتا ہوا باہر چلا گیا۔ دروازہ بھی زوردار آواز کے ساتھ بند ہوا تھا۔

لیکراس بند دروازے کو گھورتا رہا پھر آگے بڑھ کر اُسے بولٹ کر دیا۔

پھر اس نے جیبی ٹرانسمیٹر نکالا اور اُس کا سوئچ آن کر کے منہ کے قریب لاتا ہوا آہستہ بولا۔ "ہیلو نکی..... ہیلو نکی..... نکی اٹ از لیکراس!"

بار بار یہی الفاظ دہراتے رہنے کے کچھ دیر بعد اُس نے کسی کی آواز سنی!

"یس..... اٹ از نکی سر.....!"

"وہاٹ نیوز.....؟"

"جو گاڑی نیلم سرائے سے چرائی گئی تھی اس وقت ریگم بالا کی طرف جا رہی ہے۔ اُس میں فریدی نہیں ہے۔"

"پھر کون ہے؟"

"کیپٹن حمید..... اور ایک سفید فام لڑکی۔"

"پی سی آٹھ ہزار آٹھ سو اٹھاسی نمبر کی مرسیڈیز کی تلاش جاری رکھو۔ وہ فریدی کے قبضے میں ہوگی۔"

"بہت بہتر جناب۔"

"ایک بار پھر سنو..... گاڑی کا نمبر ہے پی سی آٹھ ہزار، آٹھ سو اٹھاسی۔"

"میں نے نوٹ کر لیا ہے جناب۔"

"اوور..... اینڈ آل.....!"

لیکراس نے سوئچ آف کر دیا۔ اُس کی آنکھوں میں گہری تشویش کے آثار تھے۔

تھوڑی دیر بعد دروازے پر پھر دستک ہوئی۔ لیکراس نے بولٹ گرا کر دروازہ کھولا۔ سامنے ناصر کھڑا تھا۔ اب اُس کے چہرے پر بحالی نظر آ رہی تھی۔

وہ کمرے میں داخل ہو کر بولا۔ "اب بات کرو۔"

"لیڈر کا خیال ہے کہ تم نے غفلت برتی ہے۔" لیکراس نے خشک لہجے میں کہا۔

"آخر کس طرح.....!"

"اس مہم کے آغاز ہی پر تمہیں ہدایت دی گئی تھی کہ فریدی ایک پل کے لئے بھی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔"

"مجھے یاد ہے۔"

"پھر ایسا کیوں ہوا۔"

"ابھی تک کوئی ایسی عینک ایجاد نہیں ہو سکی جو آدمی کو اُلو بنا دے۔"

"کیا مطلب.....؟"

"مائی ڈیئر لیکراس اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اندھیرے میں بھی روز روشن کی طرح دیکھ سکے۔"

"کچھ بھی ہو..... اس سے دشواریاں بڑھ جائیں گی۔"

"سنو دوست! میں شکاری ہوں یا شکار کرتا ہوں یا شکار ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ تیسری بات ہماری زندگی میں کبھی نہیں ہوتی۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔" وہ ناصر کو گھورتا ہوا بولا۔ "اس مہم کے سلسلے میں تمہارا انتخاب موزوں نہیں تھا۔"

"اگر لیڈر کا حکم ہوتا تو میں فریدی کو گولی مار دیتا۔ محض نگرانی کے لئے تم کسی کتے کا بھی انتخاب کر سکتے تھے۔"

"خیر..... خیر..... اب اُسے بھول جاؤ.....!" لیکراس مسکرایا۔

"اب کیا کرنا ہے۔"

"فی الحال آرام.....!"

"سمجھا! گویا اب مجھے یہاں نظر بندی کی ایک مدت بھی گزارنی پڑے گی۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔"

"مجھے بہلانے کی کوشش نہ کرو۔"

''اچھا تو پھر جہاں دل چاہے چلے جاؤ۔'' لیکرا اس کا لہجہ نرم ہی تھا۔

''یہ بات ہے۔'' ناصر لیکرا اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

اس حرکت پر لیکرا اس اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھنے لگا تھا۔

دفعتاً وہ ہنس پڑا اور بولا۔ ''جانتے ہو! وہ گاڑی اس وقت کہاں ہے، جو پچھلی رات تمہارے قبضے میں تھی۔''

''کہاں ہے؟''

''ریگم بالا کی طرف جارہی ہے۔''

''فریدی.....!''

''نہیں..... اُس کا اسسٹنٹ اور وہ لڑکی جس کا ذکر تم نے کیا تھا۔''

''یہ تو بہت بُرا ہوا۔ یہ اُسکی بہت پرانی تکنیک ہے۔ جب وہ اپنے اسسٹنٹ کا ساتھ چھوڑ جائے تو سمجھ لو کہ جھنڈ سے بچھڑے ہوئے بھیڑیئے ہی کی طرح خوفناک ہو جائے گا۔''

''پھر میں نے کچھ دیر پہلے یہی بات کہی تھی تو تمہیں اتنا بُرا کیوں لگا تھا۔'' لیکرا ار طویل سانس لے کر بولا۔ ''لیڈر یہی چاہتا تھا کہ وہ نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائے اور ہم اسے گھیر کر پکڑ لیں۔'' ناصر کچھ نہ بولا۔

لیکرا اس نے الماری کھول کر شراب نکالی اور دو گلاس میز پر رکھ دیئے۔ اس طرح اسے مزید دوستانہ ماحول پیدا کرنے میں آسانی ہوگئی۔

پھر وہ خاموشی سے پینے لگے تھے۔ کچھ دیر بعد ناصر بولا۔ ''اگر فریدی اُس گاڑی میں نہیں ہے تو پھر انہی اطراف میں ہوگا..... ہمیں محتاط رہنا چاہئے۔''

حمید نے ایک جگہ گاڑی روک دی۔ وہ اس علاقے سے کبھی کے نکل آئے تھے جہاں پچھلی رات برفباری ہوئی تھی۔ لیکن ریگم بالا ''ہنوز دلی دوراست'' کی کہانی بن کر رہ گیا تھا۔

گاڑی رکتے ہی ریما چونک کر بولی۔ ''کیا ہم ریگم بالا پہنچ گئے۔''

''اگر اس ویرانی کا نام ریگم بالا ہے تو یقیناً پہنچ گئے ہونگے۔'' حمید نے جھنجھلا کر جواب دیا۔

سورج طلوع ہو چکا تھا اور حمید کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہوتی جارہی تھیں۔ پوری رات سفر ہی میں تو گزری تھی۔ ریما ہونٹ بھینچے خاموش بیٹھی رہی۔

''میں پچھلی سیٹ پر سونے جارہا ہوں۔'' حمید آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ''اب تم اسٹیئرنگ سنبھالو۔''

''ہرگز نہیں..... میں صرف اپنے دیکھے بھالے راستے ہی پر گاڑی چلا سکتی ہوں۔''

''تو پھر جہنم میں جاؤ۔'' حمید نے کہا اور دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔

گاڑی اُس نے پہلے ہی بائیں جانب والی ڈھلان میں اتار کر ایک مسطح جگہ پر روکی تھی۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھتے وقت اُس نے ریما سے کہا تھا۔ ''ڈکے میں گوشت اور مچھلی کے ڈبے موجود ہیں۔ بھوک لگے تو کھا لینا۔''

''میں گوشت ہرگز نہیں کھاؤں گی۔''

''دو چار ڈبے پھلوں کے بھی ہیں۔''

''مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ لیکن مجھے تنہا چھوڑ کر تم خراٹے نہیں لے سکتے..... سمجھے.....!'' ریما نے تیز لہجے میں کہا۔

''میرے خراٹے تمہارے سکون میں خلل انداز نہ ہوسکیں گے۔ تم مزید سکون کی تلاش جاری رکھنا..... گڈ بائی۔'' حمید نے آنکھیں بند کرلیں۔

''نہیں.....!'' ریما نے مڑ کر اُسے جھنجھوڑا۔

''اے ہاتھ نہ لگاؤ میرے جسم کو۔ نامحرم عورت۔''

''نامحرم..... نامحرم کیا..... اب تم مجھے اپنی زبان میں گالیاں دے رہے ہو۔''

''یہی سمجھ لو..... سونے دو مجھے۔''

''نہیں پہلے تم مجھے نامحرم کا مطلب بتاؤ گے۔''

''شراب کی بوتل کو کہتے ہیں۔''

''غلط کہہ رہے ہو..... کچھ اور مطلب ہوگا۔''

''چلو کچھ اور ہی ہوگا..... اب پیچھا چھوڑو۔''

پھر وہ اُسے جھنجھوڑتی ہی رہ گئی تھی اور حمید بے خبر سو گیا تھا۔

لیکن دوبارہ آنکھ کھلی تو جھنجھوڑے جانے کی نوعیت ہی بدلی ہوئی پائی تھی۔

یہ ریما نہیں تھی جس نے اُسے جھنجھوڑ کر جگایا تھا بلکہ ایک طویل القامت اور مونچھوں والا فوجی تھا۔ اُسکے پیچھے دو آدمی اور بھی تھے۔ انکے جسموں پر بھی فوجی وردیاں تھیں۔

''کیا بات ہے۔'' حمید نے بڑی مونچھ والے کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

''گاڑی کی کتاب اور ڈرائیونگ لائسنس دکھایئے۔'' جواب ملا۔

حمید نے ریما کیطرف دیکھا۔ وہ اگلی سیٹ پر تھی اور اسکے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

''اوہو..... رینجرز نے ٹریفک پولیس کی ذمہ داریاں کب سے سنبھال لی ہیں۔'' حمید نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

''میں پاس بک مانگ رہا ہوں۔'' رینجر غرایا۔

''اماں..... تو اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے۔'' حمید نے گاڑی سے اترتے ہوئے کہا اور پھر اگلی سیٹ پر جا بیٹھا۔

''کنجیوں کا چھلا کہاں گیا؟'' حمید نے اگنیشن سوئچ کو گھورتے ہوئے ریما سے پوچھا۔

''میں کیا جانوں۔''

''میں نے کنجی اگنیشن ہی میں چھوڑ دی تھی۔'' وہ ڈیش بورڈ کے مقفل خانوں کو پرتشویش نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ پھر ریما پر الٹ پڑا۔ ''تم بہت لاپرواہ ہو۔ اب بتاؤ کنجیاں کہاں تلاش کروں۔ پاس بک اور دوسرے کاغذات انہیں خانوں میں بند ہیں۔''

ریما کے ہونٹ ہلے لیکن آواز نہ نکلی۔ حمید کا لہجہ ایسا ہی تھا جیسے اپنی لاپرواہ بیوی سے کلام ہو۔

''بس حضور.....!'' رینجر ہاتھ اٹھا کر زہریلے لہجے میں بولا۔ ''اب چپ چاپ اوزار نکال لیجئے جس سے جناب نے انجن اسٹارٹ فرمایا تھا۔''

''کیا مطلب.....؟''

رینجر نے ریوالور نکالتے ہوئے کہا۔ ''یہ ایک مسروقہ گاڑی ہے تم دونوں خاموشی سے پچھلی سیٹ پر بیٹھ جاؤ۔''

حمید نے سوچا یہ تو بہت بُرا ہوا۔ اب شاید یہ لوگ اپنی چوکی پر لے جائیں گے۔ کچھ نہ کچھ تو ہونا ہی تھا۔

اُس نے ریما کو اگلی سیٹ چھوڑ دینے کا اشارہ کیا اور خود بھی نیچے اُتر کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولنے لگا۔

''نہیں ٹھہرو۔'' رینجر بولا۔ ''اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔''

حمید نے چپ چاپ تعمیل کی۔ لیکن جیسے ہی ایک سپاہی اُس کی تلاشی کے لئے آگے بڑھا اُس نے ہاتھ نیچے گرا دیئے اور بولا۔ ''یہ ناممکن ہے..... تم مجھے گولی مار دو۔''

''کیا مطلب.....؟''

''میں کسی نامحرم کو اپنے جسم میں ہاتھ نہ لگانے دوں گا۔''

اُس سپاہی نے دانت نکال دیئے، جو تلاشی کے لئے آگے بڑھا تھا۔

''جو کہا جا رہا ہے کرو..... ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔'' ریوالور والے نے کہا۔

''گاڑی کی کنجی اس جیب میں ہے نکال لو۔'' حمید سپاہی سے بولا۔ ''اس کے علاوہ تم سے کوئی اور حرکت سرزد ہوئی تو نتیجے کے تم خود ذمہ دار ہوگے۔''

''یہ کیا ہو رہا ہے..... یہ سب کیا ہو رہا ہے؟'' دفعتاً ریما بڑبڑائی۔

تینوں رینجر اس کی طرف متوجہ ہوگئے اور حمید نے بڑی پھرتی سے گاڑی کی کنجی جیب سے نکال کر زمین پر گرا دی۔ وہ جامہ تلاشی سے بچنا چاہتا تھا۔ نہیں چاہتا تھا کہ وہ اس کا شناختی کارڈ دیکھ سکیں یا بغلی ہولسٹر میں موجود سروس ریوالور ان کی نظروں میں آ سکے۔

''تم لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ یہ گاڑی میں نے اپنے ایک شکاری دوست سے عاریتاً لی ہے۔'' حمید نے ریوالور والے کو مخاطب کر کے کہا۔

''تمہیں ہماری چوکی تک ہر حال میں چلنا پڑے گا۔'' رینجر بولا۔

''میں کہیں بھی چلنے کو تیار ہوں لیکن جامہ تلاشی نہیں لینے دوں گا۔ اس کا اختیار تمہارے آفیسر کو ہوگا۔''

"ان دونوں کو جیپ میں لے چلو۔" ریوالور والے نے دونوں سپاہیوں سے کہا۔ جھک کر حمید کی پھینکی ہوئی کنجی اٹھانے لگا۔

اُن کی جیپ سڑک پر کھڑی تھی۔ دونوں سپاہی انہیں جیپ کی طرف لے چلے۔

انہیں پچھلی سیٹ پر بٹھایا گیا تھا۔ ایک سپاہی بھی حمید کے برابر بیٹھ گیا اور دوسرے اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔

تیسرا حمید والی گاڑی کو اسٹارٹ کر کے سڑک پر لا رہا تھا۔

جیپ اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھی اور ریما منمنائی۔ "اب ہم کہاں جا رہے ہیں۔"

"سکون کی تلاش میں۔" حمید بولا۔

"تم مجھے کیوں پریشان کر رہے ہو۔"

"پریشان تو اب یہ لوگ ہوں گے۔"

"یہ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں!"

"سرحدوں کے محافظ ہیں۔ انہوں نے ہم پر الزام لگایا ہے کہ ہم کسی کی گاڑی چرا رہے ہیں۔"

"تو کیا سچ مچ وہ گاڑی چرائی ہوئی تھی۔"

"اور نہیں تو کیا اس ویرانے میں گاڑیوں کی تجارت ہوتی ہے۔"

"اب کیا ہوگا۔"

"ان کے ٹھکانے پر ہی پہنچ کر معلوم ہو سکے گا۔"

فریدی غار سے باہر نکلا۔ اس وقت وہ نیلم سرائے سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ رات اس نے یہیں بسر کی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اس وقت وہ لوگ اسکی تلاش میں ضرور نکلے ہوں گے۔

اس نے پوستین کی اندرونی جیب سے ٹرانسمیٹر نکالا اور اس کا سوئچ آن کر کے اسے منہ کے قریب لایا۔

"ہیلو..... بلیک ٹوتھری نائین..... ہیلو ہیلو..... اٹ از ہارڈ اسٹون..... ہیلو..... بلیک ٹوتھری نائین..... ہارڈ اسٹون کالنگ.....!"

"اٹ از ٹوتھری نائین سر۔" ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔

"وہاٹ نیوز.....؟"

"سڑک پر کچھ بھی نہیں مل سکا جناب۔ آپکی بتائی ہوئی جگہ سے ریگم بالا تک کہیں کوئی لاش نہیں ملی، البتہ موٹیل بالکل راکھ کا ڈھیر ہو چکا ہے۔ اکرام کی تلاش جاری ہے۔ اُوور.....!"

"میرا خیال ہے کہ تمہیں اُس راکھ کے ڈھیر میں چھ عدد جلی ہوئی لاشیں ضرور ملیں گی..... اُوور.....!"

"فیکم گڈھ کے فائر بریگیڈ کا عملہ کام کر رہا ہے..... اُوور.....!"

"اُوور اینڈ آل.....!" فریدی نے کہا اور ٹرانسمیٹر کا سوئچ آف کر دیا۔

یہ ایک تنگ سا درہ تھا جہاں دھوپ کا گزر تو نہیں تھا لیکن اندازہ کیا جا سکتا تھا کہ آسمان کا کیا رنگ ہوگا۔

وہ پھر غار میں واپس چلا آیا۔ اپنے آدمیوں سے اُس نے پچھلی رات ہی رابطہ قائم کر لیا تھا اور ضروری معلومات فراہم کی تھیں۔

ٹھیک دس منٹ بعد وہ غار سے باہر آیا اور ٹرانسمیٹر پر پھر کسی سے رابطہ قائم کیا۔

"انہیں رینجرز نے پکڑ لیا ہے اور اپنی چوکی کی طرف لے جا رہے ہیں۔" ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔ "رینجرز کو اس مسروقہ کار پر نظر رکھنے کا حکم ملا تھا..... اُوور.....!"

"اُن دونوں پر نظر رکھو..... کوشش کرو کہ چوکی سے اُن کا چھٹکارا ہو جائے اور ذہن نشین کرو کہ اسے انہیں اپنا شناختی کارڈ نہ دکھانا پڑے..... اُوور.....!"

"اگر وہ لوگ چوکی پر پہنچ گئے تو بے حد مشکل ہوگا..... اُوور.....!"

"تو پھر انہیں اس سے پہلے ہی روکنے کی کوشش کرو..... وہ چوکی پر نہ پہنچنے پائیں۔"

"بہت بہتر جناب..... کوشش کی جائے گی..... اُوور.....!"

''مجھے مطلع کر دینا..... اُوور..... اینڈ آل.....!'' فریدی نے کہا اور سوئچ آف کر

اب اُسے جلد ہی یہ جگہ چھوڑ دینی تھی۔ درے سے نکل کر وہ کھلے میں آیا۔ بائیں طرف دھوپ بکھری ہوئی تھی اور برف پگھلنے لگی تھی۔

وہ ایسے راستوں پر چل رہا تھا جہاں سے نیلم سرائے کی عمارت کا سامنا نہ پڑتا ہو۔ زمین ہموار نہیں تھی پھر بھی وہ تیز رفتاری برقرار رکھے ہوئے تھا۔ بار بار گھڑی پر نظر پڑتی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے اسے کسی مقررہ وقت پر کہیں پہنچنا ہو۔

پانچ منٹ بعد وہ رک گیا۔

ایک بار پھر جیبی ٹرانسمیٹر نکالا اور اُس کا سوئچ آن کر کے بولا۔ ''ہیلو..... سکس..... ہیلو تھری سکس..... ہارڈ اسٹون کالنگ..... ہیلو تھری سکس.....!''

''یس سر.....!'' ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔ ''اِٹ از تھری سکس.....!''

''ہارڈ اسٹون..... ایٹ فکسڈ اسپاٹ۔''

''اُوکے سر.....!''

اُس نے سوئچ آف کر دیا اور ٹرانسمیٹر کو جیب میں ڈالتے ہوئے وہیں ایک پتھر ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

تقریباً تیس یا چالیس فٹ نشیب میں وہ راستہ تھا جو مشرق کی سمت نیلم سرائے کے قریب سے گزرتا ہوا ریگم بالا والی سڑک سے جا ملا تھا۔ اس پر زیادہ تر پیدل یا ٹٹوؤں پر سفر کرنے والے نظر آتے تھے۔ کبھی کبھی ایک آدھ بار برداری کا ٹرک بھی دکھائی دے جاتا۔

فریدی پتھر سے ٹکا کھڑا اس راستے پر دور تک نظر دوڑاتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد ایک ٹرک جنوب سے آتا دکھائی دیا۔ فریدی سیدھا کھڑا ہو کر شاید اس کے قریب پہنچنے کا انتظار کرنے لگا تھا۔

ٹرک کی ڈرائیونگ سیٹ کی کھڑکی سے ایک ہاتھ برآمد ہوا جس میں سفید رومال تھا۔ فریدی ہاتھ ہلاتا ہوا نیچے اترنے لگا۔ ٹرک رک گیا تھا۔

وہ بار برداری والے حصے پر جا چڑھا اور ٹرک پھر حرکت میں آ گیا۔ ٹرک پر کئی بار تھے جن میں مرغیاں تھیں۔ ایک گوشتے میں ایک سوٹ کیس بھی نظر آیا۔

فریدی کریٹوں کی اوٹ میں ہو کر سوٹ کیس کھولنے لگا۔

اس میں سے ضروریات کی کچھ چیزیں اور میک اپ کا سامان برآمد ہوا۔

نئی اطلاع

ڈرائینگ ہال میں ناصر اور لیکراس کسی کے منتظر تھے اور لیکراس کہہ رہا تھا۔ ''میں اُس کے ساتھ چلا جاؤں گا۔ تم یہیں مقیم رہو گے۔ مناسب وقت پر تمہیں کوئی خاص اطلاع ملے گی اسی کے مطابق عمل کرنا۔''

''میں غلط تو نہیں کہہ رہا تھا کہ اب تم لوگ مجھے نظر بند کر دینا چاہتے ہو۔ ناصر نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''تم پھر بہکنے لگے۔'' لیکراس کا لہجہ بھی کسی قدر سخت تھا۔

''اچھا اچھا.....!'' ناصر سر ہلا کر بولا۔ ''دیکھا جائے گا۔''

''اگر تم نے اس کے خلاف کیا تو نتیجے کے خود ذمہ دار ہو گے۔''

ناصر نے اُس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے صدر دروازے کی طرف گھورتا رہا۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور ایک سفید فام غیر ملکی اندر داخل ہوا۔ لیکراس نے ہاتھ اٹھا کر اُسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔

وہ انکے قریب پہنچ کر لیکراس سے بولا۔ ''جلدی چلو..... میں یہاں بیٹھ نہیں سکوں گا۔''

لیکراس اٹھ گیا۔ ایک چھوٹا سوٹ کیس اُس کے پیروں کے قریب ہی رکھا ہوا تھا جسے اٹھا کر وہ نووارد کے ساتھ باہر چلا گیا۔

نووارد ناصر کے لئے قطعی اجنبی تھا۔ اس نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی اور کاؤنٹر کی طرف دیکھنے لگا۔ جہاں نیلم سرائے کا مالک ملازموں پر برس رہا تھا۔

بات بات پر آپے سے باہر ہو جانے والا یہ آدمی ویسے بھی خونخوار شکل والا تھا اور اسے

اس کی پرواہ نہیں ہوتی تھی کہ گاہکوں پر اُس کی بدمزاجی کا کیا اثر پڑے گا۔

ناصر کو اس سے شدید نفرت تھی اور آئے دن اس سے سابقہ پڑتا ہی رہتا تھا۔ دونوں کے درمیان ابھی تک اتنی بات نہیں بڑھی تھی کہ وہ آستینیں چڑھا کر ایک دوسرے کے مقابل آجاتے۔ ویسے ناصر کی خواہش تھی کہ کبھی بات اس حد تک بڑھ جائے۔

اسٹور میں نقب زنی کے سلسلے میں اس کے تیور کڑوے ضرور ہوئے تھے لیکن نادر لیکر اس کی وجہ سے دب جانا پڑا تھا۔ خود ناصر بھی چھیڑ چھیڑ کر لڑنے والوں ہی میں سے تھا لہٰذا اسے یقین تھا کہ کبھی نہ کبھی بات ضرور بڑھ جائے گی۔

دفعتاً صدر دروازہ پھر کھلا اور دو آدمی اندر داخل ہوئے۔ ان میں ایک معمر تھا اور دوسرا جوان اور تنومند..... اُس کی آنکھوں میں عجیب سی وحشیانہ چمک تھی۔ وہ دونوں کاؤنٹر کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

بوڑھے آدمی نے مالک سے کہا۔ ''خان مرغیوں کے کریٹ ٹرک سے اتروالو۔''

''اوہ..... آ گئے تم.....!'' وہ دانت پیس کر بولا۔ ''لیکن تم کون ہو۔ وہ خبیث کہاں ہے جو پچھلی بار تین مردہ مرغیاں گلے لگا گیا تھا۔''

''خان..... وہ آج کل دوسرے روٹ پر چل رہا ہے۔''

''میں تو تم سے وصول کروں گا وہ مرغیاں۔''

''یہ کیسے ممکن ہے خان! ویسے میں تمہاری شکائت ٹھیکیدار تک پہنچا دوں گا۔''

''شکائت کے بچے! تم تین مرغیاں دیئے بغیر یہاں سے نہیں جاسکو گے۔''

''زبان سنبھال کے بات کرو۔'' بوڑھے کے ساتھی نے مالک کو گھورتے ہوئے کہا۔

''تم کون ہو.....!'' مالک کاؤنٹر پر گھونسہ مار کر دہاڑا۔

''میں کوئی بھی ہوں۔'' تنومند جوان سرد لہجے میں بولا۔ ''تمہیں نامناسب بات نہ کہنی چاہئے۔''

''خاموش رہو۔'' وہ پھر کاؤنٹر پر ہاتھ مار کر دہاڑا۔ ''ورنہ اٹھوا کر باہر پھینکوا دوں گا۔''

''اوہ.....!'' تنومند جوان چاروں طرف دیکھتا ہوا حقارت سے مسکرایا پھر بولا۔ ''یہاں تو کوئی بھی ایسا نظر نہیں آتا جو مجھے اٹھا کر باہر پھینک سکے۔''

ناصر نے اُس کا یہ جملہ سنا اور خواہ مخواہ کھول اٹھا۔ اُسے نیلم اور سرائے کے مالک

نفرت تھی لیکن پتہ نہیں کیوں اسے اس آدمی پر غصہ آ گیا جو مالک کو چٹکیوں میں اڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کاؤنٹر کے قریب آیا اور غرا کر بولا۔ ''تم لوگ آخر بات کیوں بڑھا رہے ہو، چپ چاپ تین مرغیاں سردار زمن کے حوالے کردو۔''

''حرام کی آتی ہیں مرغیاں۔'' تنومند جوان اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھتا ہوا بولا۔

بوڑھا خاموش کھڑا تھا۔ جوان کے اس جواب پر ناصر کو طیش آ گیا۔ وہ غراتا ہوا اس کی طرف جھپٹا۔

''پیچھے ہٹو.....!'' جوان نے ہاتھ بڑھا کر اُسے دھکا دیا اور وہ کئی قدم پیچھے ہٹتا چلا گیا۔

اور پھر تو وہ غصے سے پاگل ہوگیا تھا۔ دوسری بار اُس نے اُس پر وحشیانہ انداز میں چھلانگ لگائی لیکن جوان بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا اور ناصر اپنے ہی زور پر کاؤنٹر سے جا ٹکرایا۔

پھر انتہائی غصے کے عالم میں بھی اُسے شدید خطرے کا احساس ہوا تھا اور سوچنے لگا تھا کہ اب کوئی بیچ بچاؤ ہی کرا دیتا تو بہتر ہوتا کیونکہ یہ اجنبی نہ صرف طاقتور بلکہ بے حد پھرتیلا بھی ثابت ہوا تھا۔

ادھر دفعتاً سردار زمن کی آنکھوں میں عجیب سی چمک پیدا ہوئی اور وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''بس بس یہاں نہیں۔ یہ بھٹیار خانہ نہیں ہے۔ اگر تمہیں زور آزمائی ہی کرنی ہے تو باہر کھلے میں چلو۔''

ناصر کی زبان سے اس کے لئے گالی تکلتے نکلتے رہ گئی۔ جس شخص کی حمایت میں خواہ مخواہ اٹھ کھڑا ہوا تھا اس کا یہ رویہ..... لعنت ہے۔

''میں تیار ہوں۔'' جوان مسکرا کر بولا۔ ''لیکن ایک شرط کے ساتھ۔''

''چلو شرط بھی بتاؤ..... میں نے بہت دنوں سے مرغوں کی لڑائی نہیں دیکھی۔''

''اگر یہ میرے ہاتھوں پٹ گیا تو میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا مجھے ایک باربردار کی ضرورت ہے۔''

ناصر کو اس وقت اپنی رگوں میں خون کی بجائے چنگاریاں سی دوڑتی محسوس ہو رہی تھیں

لیکن وہ ایک پیشہ ور شکاری بھی تھا۔ اس سلسلے میں اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ جس
بھی ممکن ہو یہاں سے بھاگ نکلو۔

دفعتاً اُس نے ریوالور نکالا اور اچھل کر پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ ''خبردار کوئی بھی اپنی جگہ
نہ ہلے۔''

جو یہاں تھا وہیں کھڑا رہ گیا۔ ناصر الٹا چلتا ہوا صدر دروازے کی طرف جا رہا تھا۔

اس نے اجنبی جوان کی آنکھوں میں تمسخر محسوس کیا۔ اُس کے ہونٹوں پر طنز
مسکراہٹ بھی تھی۔ البتہ سردار زمن سختی سے ہونٹ بھینچے بیٹھا تھا۔

ناصر نے بایاں ہاتھ پیچھے لے جا کر دروازہ کھولا اور الٹے پاؤں ہی باہر نکلا۔

پھر بڑی تیزی سے اس ٹرک کی طرف دوڑا، جو سامنے کھڑا تھا۔ خیال یہ تھا کہ ٹرک
اوٹ سے مقابلہ کر سکے گا اگر کسی نے اُسے روکنے کی کوشش کی۔ لیکن پھر اگنیشن سوئچ پر
لگی دیکھ کر فوری طور پر ٹرک ہی لے بھاگنے کا فیصلہ کر لیا۔

ٹرک کے پچھلے حصے میں مرغیاں کڑکڑا رہی تھی۔ اس نے بڑی پھرتی سے انجن اسٹار
کر کے گیئر بدلا اور ٹرک شور مچاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

اب وہ اندھا دھند ایکسیلیریٹر پر دباؤ بڑھائے جا رہا تھا۔

وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس وقت نیلم سرائے میں کوئی ایسی گاڑی موجود نہیں ہے
لوگ اس کے تعاقب کے لئے استعمال کر سکیں۔

وہ جلد سے جلد ریگم بالا والی سڑک پر پہنچ جانا چاہتا تھا۔

دفعتاً اس نے کسی کو کہتے سنا۔ ''مجھے ایک ایسے ہی مشاق آدمی کی ضرورت تھی
اررر..... مڑ کر دیکھنے کی ضرورت نہیں ورنہ کسی کھڈ میں جا پڑو گے۔''

آواز اسی اجنبی جوان کی تھی جس سے جھگڑے کی بناء پر اس اقدام کی نوبت آئی تھی
ٹھنڈی سی لہر ناصر کے سارے جسم میں دوڑ گئی۔ وہ کچھ نہ بولا۔

ٹرک کے پچھلے حصے سے پھر آواز آئی۔ ''اب دیکھنا ہے کہ تم مجھے کہاں لے جاتے ہو''

ناصر نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''بات اس حد تک خواہ مخواہ بڑھ
لیکن تم نے دیکھا سردار زمن کتنا کمینہ آدمی ہے۔ میں نے اس کی حمایت میں تم سے

مول لیا تھا اور وہ کتا مرغوں کی لڑائی دیکھنا چاہتا تھا۔ اب یہی دیکھو تین مرغیاں۔''

''مرغیوں کی بات رہنے دو۔'' آواز آئی۔ ''تین کی بجائے اسے تیس مرغیاں بھی دی
جا سکتی تھیں۔ بشرطیکہ تم اتنی آسانی سے ہاتھ آ جاتے۔''

''میں تم سے خائف نہیں ہوں سمجھے۔'' ناصر جھنجھلا کر بولا۔ ''بس اس مردود کو خوش
ہونے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔''

''فریدی کے پنجے سے نکل جانا اتنا آسان نہیں ہے ناصر۔'' اس بار آواز بدلی ہوئی تھی۔
اور ناصر نے فریدی کی آواز صاف پہچان لی۔ اب اسٹیئرنگ پر اُس کے ہاتھ کانپ
رہے تھے اور دل اچھل اچھل کر حلق میں آتا محسوس ہو رہا تھا۔

جیپ سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی اور حمید عقب نما آئینے میں وہ گاڑی بھی دیکھ رہا تھا
جو پچھلی رات سفر کرتا رہا تھا۔ جیپ سے اُس کا فاصلہ کچھ زیادہ نہیں تھا۔

''کیا تم مجھے پائپ پینے کی اجازت دو گے۔'' حمید نے برابر بیٹھے ہوئے رینجر سے پوچھا۔

''ضرور..... ضرور.....!'' جواب ملا اور پھر قدرے توقف کے ساتھ رینجر نے پوچھا۔
''کیا یہ لڑکی اردو سمجھ سکتی ہے۔''

''میں اسے ضرور اردو پڑھاؤں گا..... اس کی شکل مجھے کچھ مغلانیوں کی سی لگتی ہے۔''
حمید نے جواب دیا۔

''میرے سوال کا جواب دو..... کیا یہ اردو سمجھ سکتی ہے۔''

''قطعی نہیں۔''

''اچھا تو بتاؤ اس سے تمہارا کیا تعلق ہے۔''

''یار تم نرے گھامڑ لگتے ہو۔''

"زبان سنبھال کر بات کرو۔"

"بیوقوفی کی باتیں کرو گے تو ضرور کہوں گا۔"

"اس میں بیوقوفی کی کیا بات ہے۔" رینجر ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

"یہ نہ میری ماں ہوسکتی ہے اور نہ بہن۔"

"بیوقوفی کی بات تم کر رہے ہو۔ کیا یہ تمہاری بیوی نہیں ہوسکتی۔"

"بیوہ ہوسکتی ہے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "کیونکہ میں نکاح پر مر جاؤں گا۔"

"فضول باتیں نہ کرو۔"

"اچھا تو نہیں مروں گا..... کرو میری شادی کا انتظام۔"

"چوکی پہنچ کر بارات سجائیں گے تمہاری۔"

"شکریہ۔" حمید نے کہا اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

"یہ کیوں گرم ہو رہا ہے۔" ریما نے اس سے پوچھا۔

"میں زحمت میں پڑ گیا ہوں۔ نہ تم اس کی زبان سمجھ سکتی اور نہ یہ تمہاری زبان ہے۔ میں خواہ مخواہ مترجم بن کر رہ جاؤں گا۔"

"میرا خیال ہے کہ تم ان لوگوں سے نرمی سے پیش آؤ۔"

"ہرگز نہیں آسکتا کیونکہ اس نے بات ہی ایسی کہی ہے۔"

"کیا بات ہے۔"

"کہہ رہا تھا کہ چوکی پہنچ کر تم دونوں کی شادی کر دیں گے۔"

"بکواس نہ کرو۔"

"ہمارے یہاں شادی کو بکواس نہیں کہتے بلکہ بکواس تو شادی کے بعد شروع ہوتی ہے۔"

"تم ایسی فضول باتیں کرو گے تو میں بالکل خاموش ہو جاؤں گی۔"

"بالکل خاموش ہو گئیں تو یہ لوگ مجھے بھی تمہاری ہی قبر میں دفن کر دیں گے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا تم کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"ہمارے یہاں ایک غیر شادی شدہ جوڑا سفر نہیں کر سکتا۔"

"یہ تو زبردستی ہے۔"

"ان کا خیال ہے کہ ایسی صورت میں شیطان کا ولیمہ ہو جاتا ہے۔"

"ولیمہ کیا.....؟"

"ویڈنگ فیسٹ.....!"

"یا تو تمہارا دماغ چل گیا ہے یا ابھی تمہاری نیند پوری نہیں ہوئی۔"

"دونوں باتیں درست ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد رینجر نے حمید سے پوچھا۔ "اسے کہاں سے بھگا کر لائے ہو۔"

"رحم مادر سے.....!"

"رحم مادر کون سا شہر ہے۔ میں نے تو پہلے نام نہیں سنا۔"

"یار اب خاموش رہو۔ ورنہ میں ہنستے ہنستے بیہوش ہو جاؤں گا۔"

"چوکی پہنچ کر شائد تمہیں بیہوش ہی ہونا پڑے..... گالیاں دے رہے ہو مجھے مادر..... مادر..... خیر..... خیر..... دیکھیں گے۔"

"اے نیک بخت یہ گالی نہیں بلکہ ہم سب کا وطن مالوف ہے۔!"

"بس چپ رہو..... ورنہ ٹھیک کر دوں گا۔"

"تمہاری مرضی..... میں تو تمہاری معلومات میں اضافہ کرنا چاہتا تھا۔"

ریما بول پڑی۔ "کیا تم کسی بات پر اُسے غصہ دلانے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"بالکل نہیں..... میں تو اس سے کہہ رہا تھا کہ اگر تم نے ابھی تک ناشتہ نہ کیا ہو تو اب کر لو۔"

"تم پتہ نہیں کس قسم کے آدمی ہو۔"

"میں بھی سکون کی تلاش میں نکلا ہوں۔ لہٰذا ٹھیک ہے۔"

"اگر تمہاری ان حرکتوں کی بناء پر کسی دشواری میں پڑ گئی تو..... اوہ میرے خدا۔" یکلخت وہ اچھل پڑی۔

"کیوں کیا بات ہے۔"

"میرے کاغذات..... خدایا اب کیا ہوگا۔"

"کیسے کاغذات.....!"

''میرا پاسپورٹ اور دوسرے ضروری کاغذات! وہ اسی سوٹ کیس میں تھے جو پیچھے میں رہ گیا تھا۔ خدا غارت کرے اُس موٹے آدمی کو۔''

''خدا نے پہلے اُس کی بیوی کو غارت کر دیا تھا لہٰذا اب خود اُس کے غارت ہونے کا ایک فیصد بھی امکان نہیں۔''

''نہیں! بتاؤ میں کیا کروں۔''

''جب بھی ایک کپ کافی میسر آ گئی تمہیں بتا دوں گا کہ اب تمہیں کیا کرنا چاہئے۔''

اچانک جیپ کے ڈرائیور نے پورے بریک لگائے اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے کائنات تلے اوپر ہو گئی ہو کیونکہ اس کا سر اگلی سیٹ سے ٹکرایا تھا۔

اور اگر وہ پورے بریک نہ لگاتا تو جیپ اس ٹرک سے جا ٹکرائی ہوتی جو سڑک پر کھڑا تھا۔ کسی طرف سے بھی بچا کر نکال لے جانے کی گنجائش نہیں تھی۔ پچھلی گاڑی کے بریک بھی چڑچڑائے تھے۔

وہ سب اُتر پڑے..... ٹرک میں کوئی بھی نظر نہ آیا..... اس کا ایک اگلا ٹائر فلیٹ تھا۔

رینجرز کے آفیسر نے ٹرک والوں کو آوازیں دینی شروع کر دیں۔ لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

پھر وہ اسی تگ و دو میں لگ گئے تھے کہ کسی طرح ٹرک کو ہٹایا جائے۔ دفعتاً ایک گرجدار آواز سنائی دی ''تم سب اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔''

حمید نے مڑ کر دیکھا۔ چار آدمی چٹانوں کی اوٹ سے نکلے تھے۔ اُن کے ہاتھوں میں اسٹین گنیں تھیں اور چہرے نقابوں میں چھپے ہوئے تھے۔

رینجرز نے متحیرانہ انداز میں اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

چاروں نقاب پوشوں میں سے ایک آگے بڑھ کر حمید سے بولا۔ ''تم دونوں کو ہمارے ساتھ چلنا ہے..... ہاتھ اوپر اٹھائے رکھو۔''

''آپ کون ہیں جناب عالی۔'' حمید نے بڑے ادب سے پوچھا۔

''تمہیں اس سے بحث نہ ہونی چاہئے۔ اگر مزاحمت کی تو سینہ چھلنی ہو جائے گا۔''

''جیسی مرضی جناب عالی..... اب تو ستارے گردش میں آ ہی چکے ہیں۔'' حمید

ریما سے بولا۔ ''اب یہ لوگ ہم دونوں کو کہیں لے جانا چاہتے ہیں۔''

دفعتاً رینجرز کا آفیسر گرک کر بولا۔ ''تم لوگ کون ہو اور کیا چاہتے ہو۔''

''یہ ہمارے قیدی ہیں اور ہم خود انہیں سزا دیں گے۔'' اسی نقاب پوش نے جواب دیا جو حمید سے گفتگو کرتا رہا تھا۔

''تم لوگ ہو کون۔''

''احمقانہ سوال! اگر یہی ظاہر کرنا ہوتا تو نقابیں کیوں استعمال کی جاتیں۔''

''فلسفی معلوم ہوتے ہو۔'' حمید بولا۔

''یہ اسٹیٹ کا مجرم ہے۔'' رینجرز کے آفیسر نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

''ہم لوگ بھی شریف آدمی نہیں ہیں۔ اچھا بحث بند۔ تم دونوں ٹرک کے پیچھے چلو۔''

حمید اور ریما چل پڑے۔ ٹرک کی دوسری طرف ڈھلان میں ایک چھوٹا سا موڑ تھا۔

''چلو..... چلتے رہو۔'' پشت سے حکم ملا۔

''ہمارا بیٹھ رہنے کا ارادہ نہیں لہٰذا خواہ مخواہ الفاظ نہ ضائع کرو۔'' حمید بدستور چلتا ہوا بغیر بولا۔

پھر وہ اُس موڑ سے گزرے ہی تھے کہ سامنے انہیں ایک کار کھڑی نظر آئی۔ کار میں کوئی نہیں تھا۔

اتنے میں نقاب پوش حمید کے بالکل قریب پہنچ کر آہستہ سے بولا۔ ''کنجی اگنیشن سوئچ میں موجود ہے جناب کپتان صاحب اور ایک سوٹ کیس میں جو پچھلی سیٹ پر رکھا ہوا ہے ایک برقعہ اور میک اپ کا سامان بھی موجود ہے۔ خاتون کو برقعہ اوڑھایئے اور اپنی شکل میں معمولی سی تبدیلی کیجئے۔''

''اوہم.....!'' حمید نے طویل سانس لی۔

''ہم اُن رینجرز کو آدھے گھنٹے سے زیادہ نہ روک سکیں گے۔ اسے بھی ذہن میں رکھئے گا۔''

''فکر نہ کرو..... ٹھیک ہے۔'' حمید نے کہا اور ریما کا بازو پکڑ کر گاڑی کی طرف لے آیا۔

''چلو بیٹھ جاؤ۔''

''آخر یہ کیا ہو رہا ہے۔''

"باتوں کا وقت نہیں۔ چپ چاپ بیٹھ جاؤ۔"

دونوں اگلی سیٹ پر بیٹھ گئے اور حمید نے انجن اسٹارٹ کیا۔ گاڑی تیزی سے آگے

اُس جگہ سے کئی میل آگے نکل آنے کے بعد حمید نے گاڑی ایک جگہ رو

سیٹ سے سوٹ کیس اٹھا لیا۔

"لو اب تم اسے پہن لو۔" حمید نے اس میں سے برقعہ نکال کر ریما کی گو

ہوئے کہا۔

"یہ کیا ہے؟"

"اُسے برقعہ کہتے ہیں۔ تم نے سنا ہوگا کہ ہمارے یہاں کی زیادہ تر خواتین پردہ کرا

"ہاں میں نے سنا ہے..... اُوہ تو یہ وہ ہے۔"

"ہاں وہی ہے۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "اب باتوں میں وقت

کرو۔ ورنہ ہم پھر کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائیں گے۔"

"مجھے اس کا استعمال نہیں معلوم۔"

"میں بتاؤں گا۔"

پھر بڑی تیزی سے اُس نے اُسے برقعہ پہننے میں مدد دی تھی۔

"دیکھو! میں اس طرح چہرہ ڈھانک کر نہیں بیٹھ سکتی..... اور چہرہ ڈھا

ضرورت ہے۔ میں نے تو یہاں کسی کو بھی چہرہ ڈھانکے ہوئے نہیں دیکھا۔"

"ارے ابھی تم چار مردوں کو چہرہ ڈھانکے ہوئے دیکھ چکی ہو اتنی جلدی بھول

"میں چہرہ نہیں ڈھانکوں گی۔"

"تو پھر پہچان لی جاؤ گی اور ہم پکڑے جائیں گے۔ ہم لوگ سرحدی پولیس

سے بھاگ نکلے ہیں..... اسے نہ بھولو۔"

"تو کیا وہ نقاب پوش تمہارے ہی آدمی تھے۔"

"نہیں..... لیکن وہ ہمیں اپنے ہی آدمی سمجھے ہیں۔" حمید نے کہا اور

اسٹارٹ کر دیا۔

"تو پھر تم بھی انہیں لوگوں میں سے ہو جو پولیس سے منہ چھپائے پھرتے

"قطعی نہیں..... ہم صرف شکاری ہیں۔"

اس دوران میں حمید نے اپنی ناک کے نتھنوں میں وہ اسپرنگ فٹ کر لئے تھے جنہیں

ی میڈ میک اپ ٹول کہتا تھا۔

فتاً ریما کی نظر اُس کے چہرے پر پڑی اور وہ چونک کر بولی۔ "یہ کیا؟"

"کیا بات ہے!"

"تمہاری ناک.....!"

"کیا غائب ہو گئی۔"

"نہیں اوپر اٹھ گئی ہے۔"

"اب تھوڑی دیر بعد غائب ہو جائے گی۔"

"کیا مطلب.....؟"

"میں ایک بدروح ہوں..... ہر سال یہی ایک ڈرامہ بار بار انہیں اطراف میں دہرایا

ہے۔ ایک عورت چیختی ہوئی مر جاتی ہے۔ موٹیل جل کر خاک ہو جاتا ہے۔ پانچ لاشیں

ہیں اور دوسرے دن پھر کچھ نہیں۔ اس بار یہ ڈرامہ تم نے دیکھا ہے۔ پچھلے سال ایک

اڈاکٹر نے دیکھا تھا۔ ٹھیک تین ماہ بعد اس کے جڑواں بچے پیدا ہوئے..... آئندہ سال

رامہ فیملی پلاننگ بورڈ کے چیئرمین کو دکھایا جائے گا.....!"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"اچھا تو پھر تم بھی میری ہی طرح اپنی ناک اوپر اٹھا کر دکھاؤ۔"

"دد..... دیکھو..... مجھے ڈراؤ نہیں.....!" وہ خوفزدہ آواز میں بولی اور نقاب الٹ کر

گہری سانسیں لینے لگی۔

"ٹھیک ہے..... نقاب الٹ دو..... لیکن جیسے ہی کوئی گاڑی دکھائی دے پھر ڈال

ڈرو نہیں..... میں مذاق کر رہا تھا۔"

"مذاق ہی سہی..... لیکن تم کسی بدروح سے کم بھی نہیں ہو۔"

"عزت افزائی کا شکریہ۔ لیکن یہ ریگم بالا کسی طرح آہی نہیں چکتا۔"

"میں اب بڑی تھکن محسوس کر رہی ہوں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے سکون نصیب ہوتے ہی ایک بہ
گہری نیند سو جائے گا۔

اچانک سامنے بیچ سڑک پر دو آدمی کھڑے نظر آئے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ ا
تھے۔ غالباً گاڑی رکوانا چاہتے تھے۔

''اب یہ کیا ہونے والا ہے۔'' ریما چہرے پر نقاب ڈالتی ہوئی بولی۔

حمید نے فوری طور پر پورے بریک لگائے اور گاڑی اُن دونوں سے کافی فاصلے
گئی۔ ساتھ ہی اس نے بغلی ہولسٹر سے ریوالور بھی نکال لیا۔

دفعتاً ان میں سے ایک ہاتھ ہلاتا ہوا بولا چیخا۔ ''اٹ از بلیک سر۔''

حمید نے طویل سانس لی اور ریوالور گود میں ڈال کر پھر اسٹیئرنگ سنبھالا۔ انجن
بند نہیں کیا تھا۔ گاڑی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ان دونوں کے قریب جا رکی۔

وہ کھڑکی کے قریب آئے۔

''یہ گاڑی آپ کو یہیں چھوڑ دینی ہے۔'' اُن میں سے ایک بولا۔

حمید نے ریما کو اترنے کا اشارہ کیا۔

''اب کیا بات ہے۔'' وہ بھنا کر بولی۔

''ہمیں یہاں اترنا ہے۔''

''یہاں اس ویرانے میں۔''

''فکر نہ کرو۔''

پھر وہ گاڑی سے اتر گئے اور ان دونوں میں سے ایک اُسی گاڑی میں بیٹھ کر آ
سے آگے بڑھا لے گیا۔ دوسرا اُن کے پاس کھڑا رہ گیا تھا۔

''میرے ساتھ آیئے جناب۔'' دوسرا آدمی بائیں جانب مڑتا ہوا بولا۔ اُس
میں وہ سوٹ کیس تھا جو گاڑی سے اُتارا گیا تھا۔

''مم..... میں اسے پہن کر ایک قدم بھی پیدل نہیں چل سکوں گی۔'' ریما منمنا

''اتار دو۔'' حمید نے کہا۔

اب وہ بائیں جانب والی ڈھلان میں اُتر رہے تھے۔

ناصر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ بس وہ ٹرک کو ٹیکم گڈھ کی
رف بھگائے لئے جا رہا تھا۔

دفعتاً اس نے اونچی آواز میں پوچھا۔ ''آخر تم مجھے کہاں لے جانا چاہتے ہو۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔'' ٹرک کے پچھلے حصے سے فریدی کی آواز آئی۔ ''یہ تم مجھ سے
چھ رہے ہو..... ابھی تک تو میں یہی سمجھتا رہا تھا کہ تم خود مجھے کہیں لے جا رہے ہو۔''

''میری کوئی منزل نہیں ہے۔'' ناصر بولا۔

''اس نظریہ کے تحت بھی تم سے تعاون کرنے کو تیار ہوں۔''

''کیا میں ٹرک روک دوں۔''

''تمہاری مرضی.....!''

ناصر نے ٹرک روک دیا اور پھر اُسے کھڑکی کے قریب وہی قبائلی نظر آیا جس سے نیلم
ے میں جھگڑا ہوا تھا۔

''نیچے اُتر آؤ۔'' اس نے ناصر سے کہا۔

ناصر انجن بند کر کے سیٹ سے اُتر آیا۔

کریٹوں میں مرغیاں شور مچا رہی تھیں۔ دونوں چند لمحے ایک دوسرے کو گھورتے رہے پھر
بولا۔ ''اگر تم کرنل فریدی ہو تو سن لو کہ میں ان معاملات کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔''

''کن معاملات کے بارے میں؟''

''یہی کہ تمہارے بیہوش ساتھی کو اکرام کے موٹیل سے کیوں اٹھوایا گیا یا اب وہ کہاں ہے۔''

''مجھے صرف اسی سے دلچسپی ہو سکتی ہے کہ اب وہ کہاں ہے۔'' خشک لہجے میں کہا گیا۔

''میں نہیں جانتا۔''

''پہلے تم اسے کہاں لے گئے تھے۔''

''موٹیل سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک غار میں۔''

''میری جیپ کہاں ہے۔''

''اس کا بھی علم مجھے نہیں۔''

''تم کس کے لئے کام کر رہے ہو۔''

''یہ میں نہیں بتا سکتا۔''

''حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں جو کچھ بھی معلوم کرنا چاہتا ہوں ہر حال میں کر لیتا ہوں۔''

''جو تم سے بن پڑے کر لو۔''

دوسرے ہی لمحے قبائلی جوان کا گھونسہ ناصر کی ٹھوڑی پر پڑا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا ٹرک سے جا ٹکرایا۔

اور پھر وہ ٹرک ہی سے لگا کھڑا ہانپتا رہ گیا تھا۔ اُس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور جبڑے بھنچے ہوئے تھے۔

اچانک اس نے کھٹکے سے کھلنے والا بڑا سا چاقو نکال لیا اور اُسے مٹھی میں جکڑے ہوئے بالکل کسی لڑاکا مرغ کے سے انداز میں حملے کا پہلو تلاش کرنے لگا۔

قبائلی جوان ہنس پڑا..... ہنستا رہا..... پھر بولا۔ ''مجھے افسوس کہ سردار زمن یہاں نہیں۔ اس نے عرصہ سے مرغ نہیں لڑائے۔''

''خاموش رہو۔'' وہ حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

''چاقو زمین پر ڈال دو۔'' جوان نے سرد لہجے میں کہا۔

''اب وہ بھی کسی سفاک درندے کی طرح اُسے گھورے جا رہا تھا۔

''چاقو زمین پر ڈال دو۔'' وہ پھر بولا۔ لیکن ٹھیک اسی وقت ناصر نے اس پر چھلانگ لگا

''سنبھل.....!'' قبائلی جوان نعرہ لگا کر بائیں جانب ہٹا تھا اور پھر دیکھنے کی

ناصر کا داہنا ہاتھ اس کی گرفت میں نظر آیا۔

اُس کے حلق سے گھٹی گھٹی سی کراہ نکلی تھی اور چاقو ہاتھ سے نکل کر دور جا پڑا تھا۔

نمبر 36

اس کے بعد اس کی پشت پر دو ٹھوکر پڑا اور وہ منہ کے بل زمین پر گرا۔ دوبارہ اٹھنے کی ش کر رہا تھا کہ پیشانی پر ٹھوکر پڑی۔ اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے زمین تیزی سے گردش نے لگی ہو۔ آنکھیں بند کئے ٹرک پر اوندھا پڑا رہا۔ اُسے دوسری ٹھوکر یا مزید تشدد کا انتظار ہیں کئی منٹ تک اُسے کسی تازہ چوٹ کا احساس نہ ہو سکا۔

البتہ کچھ دیر بعد کسی گاڑی کا ہارن سنائی دیا..... اور پھر وہ قریب ہی آ کر رک گئی۔

''ذرا دیکھنا کیا قصہ ہے۔'' کسی کی آواز آئی اور پھر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ کوئی کے قریب آ کر رکا تھا۔

''بیہوش معلوم ہوتا ہے۔'' اس نے اپنے قریب ہی کسی کو کہتے سنا۔

''دیکھو ٹرک میں کون ہے۔'' دوسری آواز آئی۔

''ٹرک میں مرغیاں ہیں۔'' جواباً کہا گیا۔

ناصر پوری طرح ہوش میں تھا اور اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ٹرک کے آس پاس خود کے علاوہ اور کسی کا وجود نہیں پایا جاتا۔

اس نے نہ صرف آنکھیں کھول دیں بلکہ اٹھ بیٹھنے کی بھی کوشش کرنے لگا۔

دو آدمی اس کے قریب کھڑے تھے۔ انہوں نے اسے سہارا دیا۔

''کیا بات تھی۔'' ایک نے پوچھا۔

''وہ..... وہ..... کچھ نہیں! میں ٹرک روک کر کسی ضرورت سے نیچے اترا تھا کہ چکر آ گیا۔''

''تمہاری پیشانی زخمی ہے۔''

''ہاں شاید۔'' ناصر نے لاپروائی سے کہا۔ ''اچھا میں ٹرک کنارے کرتا ہوں۔''

وہ ٹرک پر چڑھا اور انجن اسٹارٹ کر کے اسے ایسی پوزیشن میں لایا کہ وہ اپنی گاڑی نکال سکیں۔ لیکن وہ خود بھی نہیں رکا تھا۔ ٹرک کو آندھی اور طوفان کی رفتار سے ٹیلم گڈھ کی سمت لے جا رہا تھا۔

پیشانی کے زخم کی جلن بڑھتی رہی۔ تھوڑی ہی دیر بعد اُسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے کنپٹی کی رگیں بجائے لہو کے لاوا اگل رہی ہوں۔ اس نے بوکھلا کر ایک جگہ پھر ٹرک روک دیا اور سیٹ کی پشت کا سہارا لے کر آنکھیں بند کر لیں۔

ذہن کو قطعی آزاد چھوڑ دینا چاہتا تھا۔ کچھ نہیں سوچنا چاہتا تھا کیونکہ ہر الجھن ایک دھمک سر میں پیدا کرتی تھی۔ ایک نئی قسم کی اذیت میں مبتلا کرتی تھی۔

دفعتاً وہ اچھل پڑا۔ کسی نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''اُوہ.....!'' اس کی زبان سے صرف اتنا ہی نکل سکا۔ کیونکہ اپنے برابر بھوت بیٹھا نظر آیا تھا..... وہی قبائلی جوان!

''ٹیکم گڈھ جانے کا خیال ترک کردو۔'' اُس نے نرم لہجے میں کہا۔ ''اب تمہیں اکرام کے موٹیل کے قریب سے گزرنا پڑے گا۔ وہاں پولیس ہر کس و ناکس کی تلاشی رہی ہے۔ شکاریوں پر خصوصیت سے توجہ دی جارہی ہے۔''

''پھر میں کہاں جاؤں'' ناصر بے بسی سے کراہا۔

''میرے ساتھ چلو۔''

''تم.....!'' وہ دانت پیس کر بولا۔ ''تم کسی بھی لمحے فنا ہو سکتے ہو۔ وہ سر گھات میں ہیں۔''

''آخر کیوں؟ مجھ سے کیا چاہتے ہیں!''

''یہ میں نہیں جانتا۔''

''ضد چھوڑ دو..... ورنہ بڑے خسارے میں رہو گے۔''

ناصر کچھ نہ بولا۔ وہ گہری گہری سانسیں لے رہا تھا اور اس کی آنکھیں بند ہوتی جارہی تھیں۔ کچھ دیر بعد قبائلی جوان ٹرک کو مخالف سمت میں موڑ رہا تھا اور ناصر اس کے شانے پر اس طرح خلاء میں گھورے جارہا تھا جیسے کچھ سجھائی ہی نہ دیتا ہو۔

راستہ دشوار گزار تھا لیکن وہ گرتے پڑتے آگے بڑھے جارہے تھے۔ فریدی کی ہدایت ہی کے مطابق حمید نے اپنے ساتھی سے کسی قسم کی پوچھ

گچھ نہ کی تھی۔ اس کا کہنا تھا جب بھی بلیک فورس کے کسی ممبر سے رابطہ قائم ہو اس کی ہدایات پر عمل کرو..... اس سے کسی بحث میں الجھنے کی کوشش نہ کرو۔

ریما بُری طرح ہانپ رہی تھی۔ اس نے حمید سے کہا۔ ''آخر ان مصیبتوں کا خاتمہ کب ہوگا۔''

''میرا خیال ہے کہ اصل مصیبتیں اب شروع ہوئی ہیں۔''

ریما خاموش ہوگئی تھی۔ لیکن اُس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔

آدھے گھنٹے بعد اس سفر کا اختتام ایک غار کے دہانے پر ہوا۔

''آپ میری واپسی تک یہیں قیام کریں گے۔'' ساتھی بولا۔

''اندر یا باہر۔''

''اندر جناب..... باہر آپ کسی نہ کسی کی نظر میں آجائیں گے۔''

وہ غار میں داخل ہوئے۔ ساتھی نے ٹارچ روشن کرلی تھی۔ غار کافی کشادہ تھا۔ ایک طرف کچھ کھانے پینے کا سامان رکھا نظر آیا۔ ایک اسٹوو بھی تھا اور دو تین کمبل پڑے ہوئے تھے۔

ساتھی نے ایک بڑی لالٹین روشن کردی۔ یہاں سردی کا احساس بھی کسی حد تک کم ہوگیا تھا۔ حمید نے ریما کے لئے ایک کمبل بچھا دیا..... ساتھی کے رخصت ہوتے ہی وہ لمبی لمبی لیٹ گئی تھی۔

''مجھ پر غشی سی طاری ہو رہی ہے۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''اچھا تو پھر بیہوش ہو جاؤ..... میں اتنے میں کافی تیار کرلوں..... یہاں تو سب کچھ موجود ہے۔''

ریما کچھ نہ بولی۔ حمید نے آئیل اسٹوو روشن کردیا۔ اس کی آنچ بڑی خوشگوار لگ رہی تھی۔ کیتلی میں پانی بھی موجود تھا۔ آن کی آن میں کافی تیار ہوگئی۔

''کیا تم سو گئیں۔'' حمید نے ریما کو آواز دی۔

''نہیں جاگ رہی ہوں۔ بھوک کے مارے غشی بھی طاری نہ ہو سکی۔''

''خوش ہو جاؤ کہ یہاں بسکٹوں کے چند ڈبے بھی موجود ہیں۔''

''سچ سچ.....!'' وہ بڑی پھرتی سے اٹھ بیٹھی۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ کافی پی رہے تھے۔ ریما مرجھکوں کی طرح بسکٹوں پر ٹوٹی تھی۔

کافی پی کر وہ پھر کمبل پر لیٹ گئی۔ حمید ہی کی طرف کروٹ لے رکھی تھی اور اسے آنکھوں سے دیکھے جا رہی تھی۔

لیکن حمید کے لئے اس وقت اگر حور تھی تو تمبا کو اور پری تھی تو تمبا کو..... پائپ ہلکے ہلکے کش ہزار ہا جہانوں کی سیر کرا رہے تھے۔

بار بار پائپ کو اس طرح سہلانے لگتا جیسے اُس لخت جگر سے برسوں کے بعد ملاقات ہوئی ہو۔ اس نے کافی کا دوسرا کپ لبریز کیا اور گردوپیش سے بے خبر ہو گیا۔

"کیا بات ہے تم خلاف معمول بہت خاموش ہو۔" ریما کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی میں بولی۔

"مجھے سکون مل گیا ہے۔"

"میرا مذاق نہ اڑاؤ۔ سب کچھ گیا جہنم میں..... مجھے بدھ ازم سے کوئی دلچسپی نہیں ہے"

"تو پھر تم نے بسکٹ کیوں کھائے..... یہاں تلا ہوا گوشت بھی موجود ہے۔"

"اب میں سب کچھ کھاؤں گی۔"

حمید نے کنکھیوں سے اُس کی طرف دیکھا..... اُس کی آنکھیں اب پہلے سے بھی نشیلی نظر آ رہی تھیں۔

دفعتاً وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور بولی۔ "کیا تم مجھ میں اپنے لئے کسی قسم کی بھی دلچسپی نہیں پا"

حمید نے مایوسانہ انداز میں سر کو جنبش دی اور بولا۔ "ابھی تھوڑی ہی دیر پہلے کی ہے کہ میں کافی بنا رہا تھا اور تم ٹانگیں پھیلائے پڑی تھیں۔ تمہیں چاہئے تھا کہ مجھ سے کہتیں نہیں تم آرام کرو۔ میں تمہارے لئے کافی تیار کرتی ہوں۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔"

"بس اس سے زیادہ دلچسپی عورتوں میں نہیں رکھتا کہ وہ اچھے اچھے کھانے پکا کر کھلاتی رہے"

"تم مجھے سنکی معلوم ہوتے ہو۔"

"جو دل چاہے سمجھ لو..... اگر بہت خوبصورت ہو تو اپنے لئے..... مجھے خوبصورتی سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔"

"وحشی بھی ہو۔"

"اس وقت تو کچھ ہو سکتا ہوں۔ تمبا کو مجھے بڑا سکون بخش رہی ہے۔"

وہ پھر لیٹ گئی اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے دیکھتی رہی۔ پھر چہرے پر شدید ترین بے چینی کے آثار لئے ہوئے دوبارہ اٹھ بیٹھی۔

"سنو! مجھے مردوں سے نفرت تھی۔ کسی مرد کو کبھی نہیں چاہ سکی۔" اُس نے کہا۔

"تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔"

"کیا تم میری بات سنجیدگی سے نہیں سن سکتے۔"

"سن تو رہا ہوں۔"

"تم پہلے مرد ہو جس نے مجھے عورت پن کا احساس دلایا ہے۔"

"لہٰذا اب مجھ پہلے مرد کو کیا کرنا چاہئے۔"

"جہنم میں جاؤ۔" وہ بھنا کر بولی اور پھر لیٹ رہی۔

حمید ایک پتھر سے ٹکا بیٹھا پائپ کے کش لیتا رہا۔

کئی منٹ گزر گئے اور ان میں سے کوئی کچھ نہ بولا۔ پھر دفعتاً ریما ہاتھ اٹھا کر غصیلے لہجے میں بولی۔ "تم نہیں جانتے کہ تم کن خطرات سے دوچار ہو۔"

"ہونہہ..... اس حال کو پہنچ جانے کے بعد بھی نہ جانوں گا۔"

"نہیں..... تم اندازہ نہیں کر سکتے۔"

"اندیشے میرے لئے مضحکہ خیز ہوتے ہیں۔"

"میرے بارے میں کیا جانتے ہو۔"

"تم ہالینڈ کی شہزادی ہو..... فقیری کے لباس میں دنیا دیکھنے نکلی ہو! لیکن تمہاری ممی اور پاپا اسے پسند نہیں کرتے۔"

ریما نے اپنے بلاؤز کے گریبان میں ہاتھ ڈالا اور ایک لفافہ نکال کر حمید کے سامنے ڈال دیا۔ حمید نے خاموشی سے اُسے اٹھا لیا۔ اُس میں سے دو تصویریں برآمد ہوئیں ایک خود ریما کی تصویر تھی اور دوسری کرنل فریدی کی۔

اُس نے اپنے چہرے پر تحیر کے آثار پیدا کر کے ریما کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

"کیا اب تم یہ معلوم کرنا پسند کرو گے کہ میں حقیقتاً کون ہوں؟" اس نے حمید کی

آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بتا بھی چکو کسی صورت سے۔"

"میں حقیقتاً انہیں لوگوں میں سے ہوں جو تم دونوں کیلئے مصائب کا باعث بنے ہیں۔"

"کیا مطلب.....!" حمید اچھل پڑا۔ اس انکشاف پر حیرت ظاہر کرنا ضروری تھا۔

"میرے ساتھیوں کو یقین ہے کہ تم دونوں آسانی سے ہاتھ نہ آسکو گے۔ لہٰ تمہارے گرد بیک وقت کئی جال بن بیٹھے ہیں۔ اس موٹیل میں میری آمد کا مقصد صرف تھا کہ میں تم دونوں کی ہمدردیاں حاصل کرسکوں۔"

"میرے خدا.....!"

"میرے ساتھی بھکشو نے تم پر اسی لئے حملہ کیا تھا اور اب تم خود ہی ان حالات کا جا کر کے نتیجہ اخذ کرسکتے ہو۔"

حمید متحیرانہ انداز میں آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھتا رہا۔

کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔ "تو وہ لسلی..... آخر اُس پر وہ خوفناک جوکیں کس۔ پھینکی تھیں۔ اُس بیچاری کا کیا قصور تھا۔"

"اس کے متعلق میں کچھ نہیں جانتی۔"

"اچھا چلو..... تم نے ہماری ہمدردیاں حاصل کرلیں..... پھر.....؟"

"پھر کیا..... تمہارے ساتھ ہوں..... جب چاہوں گی تم پر قابو پانے کی تدبیر کرلوں گی۔"

"خوفناک.....!"

وہ ہنس پڑی۔ پھر حمید نے پوچھا۔ "آخر یہ سب مجھے کیوں بتا رہی ہو۔"

"اُن لوگوں سے چھٹکارا چاہتی ہوں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ میں تمہیں پسند کرنے لگی ہوں۔ تم درندے ضرور ہو لیکن عام حالات میں آدمیت کی حدود سے نہیں گزرتے۔"

"یہ لوگ ہم دونوں سے کیوں پرخاش رکھتے ہیں۔"

"اُن کا کوئی بہت اہم آدمی تمہاری قید میں ہے۔"

"اوہو.....!" حمید متفکرانہ لہجے میں بولا۔ "لیکن ہماری قید میں تو سینکڑوں ہیں۔"

"جہاں تک میرا خیال ہے، وہ کوئی عورت ہے۔"

"تمہارا تعلق زیرو لینڈ کی تنظیم سے تو نہیں۔"

"تم ٹھیک سمجھے..... اب بتاؤ کون ہے تمہاری قید میں۔"

"یقیناً وہ ایک اہم شخصیت ہے۔"

"میں نام پوچھ رہی ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں اپنے چیف کی اجازت کے بغیر اُس کا نام بھی نہیں لے سکتا۔"

"انہوں نے بہت کوشش کی لیکن انہیں یہ نہ معلوم ہوسکا کہ وہ کہاں رکھی گئی ہے اگر جگہ کا علم ہوجاتا تو وہ کسی نہ کسی طرح اُسے وہاں سے نکال لاتے۔"

"جگہ کا علم تو مجھے بھی نہیں ہے۔"

"وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ جگہ کا علم تمہارے چیف کے علاوہ اور کسی کو بھی نہیں۔ حتیٰ کہ تم نہیں جانتے۔"

"اتنے باخبر ہیں وہ لوگ۔"

"یقیناً..... تبھی تو ایک عالمی حکومت کے قیام کے خواب دیکھ رہے ہیں۔"

"اب میں سمجھا۔" حمید سر ہلا کر بولا اور اُسکے چہرے پر تشویش کے آثار نظر آنے لگے۔

"کیا سمجھے۔"

"یہی کہ انہوں نے ہمیں مار ڈالنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔"

"تم دونوں اُسی وقت تک زندہ ہو جب تک کہ وہ اُس اہم شخصیت کا سراغ نہیں پا لیتے۔"

"تمہاری پارٹی کا سربراہ کون ہے!"

"ایک عورت جو عموماً مردانہ بھیس میں رہتی ہے۔"

"کیا نام ہے۔"

"دونوں نام ہیں۔ میں اُسے لیکر اس کے نام سے جانتی ہوں۔ صرف میں ہی یہ جانتی ہوں وہ عورت ہے مرد نہیں۔"

"خوب! تمہیں آخر اس راز سے کیونکر آگاہی ہوئی۔"

"زیرو لینڈ کے لئے کام کرنے والی عورتیں ہی زیادہ تر رازوں سے واقف ہیں۔ مرد تو آلۂ کار ہیں۔"

"مرد تو روز ازل ہی سے محض آلہ کار رہا ہے۔" حمید نے تلخ لہجے میں کہا۔

"کچھ بھی ہو اس انکشاف کے بعد میں تم پر اعتماد نہیں کر سکتا۔"

"کیا مطلب.....؟"

"ہم لوگ احمق تو نہیں ہیں۔ قبل اسکے کہ ہمیں تمہارے بارے میں غور کرنے کا موقع ملتا تم نے خود ہی اپنی پوزیشن واضح کر دی۔ کیا یہ اعتماد بحال رکھنے کی ایک عمدہ تدبیر نہیں ہے؟"

"یعنی میں نے اب خود ہی اپنی گردن پھنسائی ہے۔"

"یقیناً! تم نے خواہ مخواہ سچ بول کر اچھا نہیں کیا۔"

"ہوں... تو واقعی مجھ سے حماقت سرزد ہوئی ہے۔" اس نے کہا اور سختی سے ہونٹ بھینچ لئے چند لمحے خاموشی سے گزرے پھر حمید بولا۔ "خزانے کا کیا چکر تھا۔"

"کچھ بھی نہیں..... پارٹی کے لیڈر نے خزانے کی بات کر کے مقامی آدمیوں کو اپنی طرف متوجہ کرایا ہے اور وہ بخوشی اُس کے لئے کام کر رہے ہیں۔ ریگم بالا کے متعلق یہاں صدیوں سے ایسی کہانیاں مشہور چلی آ رہی ہیں۔"

"لیکن اس.....؟" حمید نے آہستہ سے دہرایا۔ وہ اس نام کو اپنی یادداشت میں محفوظ کر لینا چاہتا تھا۔

ریما تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولی۔ "میں تمہارے اُس ساتھی کے لئے بہت مضطرب ہے جسے بیہوشی کی حالت میں لسبیلی کے موٹیل سے اٹھایا گیا تھا۔"

"اسے کہاں لے جایا گیا ہے۔" حمید چونک کر بولا۔

"اس وقت سے میں تمہارے ساتھ رہی ہوں۔ لہٰذا مجھے علم نہیں کہ اب وہ کہاں ہے اچھا میں تھوڑی دیر سونا چاہتی ہوں۔ مجھے اس کی قطعی پرواہ نہیں کہ اب میرا کیا حشر ہوگا۔" اس نے کمبل پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔

قاتل کا انجام

ناصر پر غنودگی سی طاری تھی اور بس اسی قدر احساس تھا کہ وہ کسی تیز رفتار گاڑی میں سفر کر رہا ہے۔

پتہ نہیں کتنی دیر بعد اُسے جھنجھوڑ کر ہوشیار کیا گیا۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"ہم پھر نیلم سرائے واپس جا رہے ہیں۔" فریدی کی آواز سن کر وہ اس طرح اس کی طرف دیکھنے لگا تھا جیسے پہلے اس کی موجودگی کا احساس تک نہ رہا ہو۔

"نن..... نیلم سرائے۔" وہ ہکلایا۔

"ہاں کوئی حرج نہیں..... میں سردار زمن کو تین زائد مرغیاں دے دوں گا۔"

"نہیں ہرگز نہیں..... میں اب وہاں نہیں جا سکتا۔"

"تم فکر نہ کرو... میں سب ٹھیک کر لوں گا... کسی کو نہیں بتاؤں گا میں نے تمہیں زخمی کیا ہے۔"

"میں وہاں نہیں جاؤں گا۔"

"کوئی اور وجہ.....؟"

"کرنل فریدی! میں وہاں نہیں جاؤں گا۔ اگر تم مجھ سے زیادہ طاقتور ہو تو مجھے مار ڈالو۔"

"میں صرف انہیں مار ڈالتا ہوں جو مجھے ختم کر دینے کے درپے ہوں۔ شکست تسلیم کر لینے والوں پر میرا ہاتھ نہیں اٹھتا۔"

"میں نیلم سرائے نہیں جا سکتا۔"

"اچھا تو پھر اب تم مجھے کہیں لے چلو۔"

"تم آخر چاہتے کیا ہو۔"

"کچھ وقت تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔"

"اگر تم مجھے قتل نہیں کر سکتے تو پھر قانون کے حوالے کر دو۔"

"کس بناء پر.....؟"

"کیا میرا مذاق اڑانا چاہتے ہو۔"

"یہ کس بناء پر کہہ رہے ہو۔"

"میں بعض لوگوں کے جرائم میں شریک رہا ہوں۔"

"مجھے تو علم نہیں۔"

"کچھ دیر پہلے تم نے مجھ پر الزامات لگائے تھے۔"

"مجھے یاد نہیں۔"

"پھر تم نے مجھے اس حال کو کیوں پہنچایا۔" ناصر حلق پھاڑ کر چیخا۔

"تم نے نیلم سرائے میں میری توہین کی تھی۔ میری اور سردار زمن کی گفتگو کے درمیا
خواہ مخواہ دخل اندازی کر بیٹھے تھے۔"

"بس اتنی سی بات۔"

"ہاں یہ قطعی ذاتی اور نجی معاملہ تھا۔"

"تو اب اُس کے لئے مجھے کیا سزا بھگتنی پڑے گی۔"

"مستقل طور پر میرے ساتھ رہو گے۔"

"کیوں.....؟"

"تم لوگوں کی حماقتوں کی وجہ سے تنہا رہ گیا ہوں۔"

"کرنل فریدی تم مجھے پاگل بنا دو گے۔"

"فی الحال میں تمہارے زخموں کی ڈریسنگ کرنا چاہتا ہوں۔"

ناصر کچھ نہ بولا۔ فریدی نے ایک مناسب سی جگہ پر ٹرک روک دیا۔ سڑک پر
جب اتنی جگہ تھی کہ دوسری گاڑیاں بہ آسانی گزر سکتیں۔

پھر وہ اتر کر ٹرک کے پچھلے حصے میں آیا اور کریٹوں کے پیچھے سے ایک سوٹ کیس نکال
کچھ دیر بعد وہ ناصر کی پیشانی کی ڈریسنگ کر رہا تھا اور ناصر کے چہرے پر عجیب

ات تھے۔ وہ خود کو بالکل احمق محسوس کر رہا تھا۔

"کہو تو تمہاری شکل ہی تبدیل کر دوں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"کیوں.....؟" ناصر چونک پڑا۔

"وہ لوگ تمہیں کسی اجنبی کے ساتھ دیکھ کر تشویش میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔"

"کرنل فریدی مجھ سے صاف صاف بات کرو۔"

"کتنی بار کہہ چکا ہوں کہ اب تم مجھ سے جدا نہیں ہو سکتے اور اگر انہوں نے تمہیں کسی
ں کے ساتھ دیکھ لیا تو تشویش میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔"

ناصر کچھ نہ بولا۔ فریدی ڈریسنگ کر چکا تو اُس نے طویل سانس لی اور آہستہ سے بولا۔
ب یہی مناسب ہے۔"

"گڈ.....!"

اب فریدی اُس کے چہرے میں تبدیلیاں کرتا ہوا نظر آیا۔ پندرہ بیس منٹ کے اندر
اس نے عقب نما آئینے کا رخ بدل کر ناصر کے سامنے کر دیا۔

اور ناصر خود کو نہ پہچان سکا..... مضمحل مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی۔

وہ سوچ رہا تھا پتہ نہیں فریدی کس چکر میں ہے۔ خیر دیکھا جائے گا۔

"اب کیا خیال ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

دفعتاً ایک نیا خیال اُس کے ذہن میں اُبھرا اور اُس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"سنو کرنل.....!" وہ کسی قدر جذباتی انداز میں بولا۔ "تم یہی تو چاہتے تھے نا کہ میں
ی رہنمائی اپنے ساتھیوں تک کروں۔"

"ظاہر ہے۔"

"لیکن میرے لئے یہ ناممکن ہے..... البتہ میں تمہیں ایک ایسے آدمی تک پہنچا سکتا
ہے تم جانتے ہو۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک بار وہ آدمی تم لوگوں کے ساتھ ٹیکم گڈھ
ں میں ٹھہرا تھا۔"

"اوہ.....!"

"اور مجھے اس لئے یاد رہ گیا کہ وہ غیر معمولی قد اور جسامت رکھتا ہے۔"

"قاسم.....!"

"نام سے واقفیت نہیں ہے لیکن ہے وہی آدمی۔"

"کہاں ہے.....!"

"اس وقت ہم لوگ ایسی پوزیشن میں ہیں کہ وہاں جا سکتے ہیں..... تمہارے مرغیاں ہیں۔"

"کیا مطلب.....؟"

"بس اب چلو..... زیادہ دور نہیں جانا پڑے گا۔"

"مقصد کیا ہے.....؟"

"کرنل کیا اتنا اشارہ تمہارے لئے کافی نہیں ہے؟ میں تمہیں ایک ایسے آدمی کے پاس لے جا رہا ہوں جو تمہیں جانتا ہے۔"

"خیر..... اچھا چلو.....!"

فریدی نے پھر انجن اسٹارٹ کیا اور ٹرک حرکت میں آ گیا..... پھر تین چار میل کا طے کرنے کے بعد ناصر نے بائیں جانب موڑ لینے کو کہا۔ ڈھلان میں دور تک زمین چلی گئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس راستے پر بھی گاڑیاں چلتی رہتی ہوں۔

"میں ایک بڑا خطرہ مول لے رہا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کرنل..... اگر میں نے تم پر حملہ کیا بھی تو للکار کر ہی کروں گا۔"

"مجھے یقین ہے۔"

"جہاں میں تمہیں لے چل رہا ہوں اگر تم وہاں پہچان لئے گئے تو مجھ پر اس کی کیا ذمہ ہو سکتی ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو..... خیر اس کی فکر نہ کرو۔"

"ذرا رفتار کم کرو..... آگے سے داہنی جانب مڑنا ہے۔ راستہ بھی تنگ ہے۔"

فریدی نے رفتار کم کر دی اور خاموشی سے موڑ تک آیا..... یہ سچ ہے دائیں جانب تھا۔ راستہ واقعی تنگ تھا۔ دونوں جانب بے ترتیب چٹانیں تھیں۔ نیچے زمین البتہ مسطح تھی۔

"اب یہ بتاؤ کہ وہ تنہا ہے یا کچھ اور لوگوں کے ساتھ۔" فریدی نے ناصر سے پوچھا۔

"تنہا نہیں ہے۔ کچھ لوگوں کے ساتھ ہے۔"

"اور انہیں لوگوں میں سے کوئی مجھے پہچان بھی سکتا ہے۔"

"ضروری تو نہیں ہے کرنل۔ تم میک اپ کے ماہر ہو۔ آواز بدلنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ میں نے تو وہ بات اسلئے کہی تھی کہ اگر تم پہچانے گئے تو اس کی ذمہ داری مجھ پر نہ ہوگی۔"

"کیا وہ غیر ملکیوں کے ساتھ ہے۔"

"نہیں..... سب مقامی ہیں۔"

فریدی نے پھر کوئی سوال نہ کیا۔

ناصر شکاری تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر یہ شخص اُسے سمجھتا کیا ہے۔ وہ ایک آدمی ضرور تھا ان بدعہدی سے اُسے نفرت تھی۔ وہ جان دے سکتا تھا۔ لیکن اپنے ساتھیوں کی نشاندہی اس ازمیں نہیں کر سکتا تھا جس سے اسکے عہد پر ضرب پڑتی۔ اس نے اپنی پارٹی سے وفاداری کا کیا تھا اور اُس پر قائم تھا۔ فریدی کو قاسم تک پہنچا دینے کے باوجود بھی عہد پر قائم رہتا۔

"گاڑی یہیں روک دو۔" دفعتاً اُس نے فریدی سے کہا۔ گاڑی اب بھی اُسی تنگ سے پر تھی۔

"یہاں.....!" فریدی نے بریک لگاتے ہوئے کہا۔

انجن بند کر کے وہ ناصر کی طرف دیکھنے لگا۔

"اُدھر.....!" وہ بائیں جانب والی چٹانوں کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "گاڑی یہیں موڑ کر چلنا ہوگا..... ہم وہاں پہنچ کر ریڈی ایٹر میں ڈالنے کے لئے پانی مانگیں گے۔"

"کیا اُدھر کوئی عمارت ہے۔"

"ہاں ایک پرانا کھنڈر ہے اُدھر۔"

"تمہیں کیسے بالکل نئی اطلاع ہے۔"

"ٹرک سے اُتر آئے۔"

چٹانیں واقعی زیادہ اونچی نہیں تھیں۔ وہ جلد ہی دوسری طرف پہنچ گئے۔ سامنے ہی ایک چھوٹی سی عمارت نظر آئی۔ اس کی تعمیر میں لکڑی اور پتھر دونوں کا استعمال ہوا تھا۔ لیکن یہ زیادہ پرانی نہیں معلوم ہوتی تھی۔

برآمدے میں تین آرام کرسیاں پڑی تھیں جن پر تین افراد نظر آ رہے تھے۔ فریدی نے فوراً پہچان لیا۔ یہ قاسم تھا اور انہیں عمارت کی طرف آتا دیکھ کر سب سے نے کرسی چھوڑی تھی۔

وہ برآمدے سے نکل کر دہاڑا۔ ”قیا ہے..... تم لوغ کون ہو۔“

وہ اس کے قریب پہنچنے سے پہلے خاموش ہی رہے تھے۔

”ہمارے ٹرک میں ریڈی ایٹر کا پانی ختم ہو گیا جناب۔“ فریدی نے کہا۔ قبائلی جوان ہی کے میک اپ میں تھا۔

”تو پھر.....؟“

”اگر آپ ہمیں تھوڑا پانی دے سکیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔“

”پانی ہمیں بھی دشواری سے ملتا ہے۔“ قاسم نے خشک لہجے میں کہا۔

”مرغیوں کے پانچ کریٹ گاڑی میں موجود ہیں۔ اگر ہم وقت پر نہ پہنچ سکے تو مرجائیں گی۔“

”مرغیاں.....!“ قاسم نے کہا اور آہستہ آہستہ منہ چلاتا ہوا کچھ سوچنے لگا پھر

”ایک لیٹر پانی کے بدلے ایک مرغی لوں گا۔“

”خوشی سے جناب عالی..... میں تیار ہوں۔“

”اچھی بات ہے..... تم یہیں ٹھہرو۔“ قاسم نے کہا اور برآمدے میں چلا گیا۔

اب وہ بوڑھا آدمی کرسی سے اٹھا جو اس دوران میں انہیں عقابی نظروں سے گھو تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ لڑکی بھی اٹھی جو اس کے قریب والی کرسی پر نیم دراز تھی۔

یہ لوگ برآمدے سے زیادہ دور نہیں تھے اور ان کی گفتگو صاف سن سکتے تھے۔

”تم اُن سے سودے بازی کر رہے تھے؟“ بوڑھا قاسم کو گھونسہ دکھاتا ہوا بولا۔

قاسم نے اسکی طرف توجہ دیئے بغیر لڑکی سے کہا۔ ”محترمہ ایک لیٹر پانی کے بدلے ایک مرغ

”فضول باتیں نہ کرو..... انہیں پانی دے دو۔ خبردار آئندہ اس قسم کی سودے بازی نہ کرنا

”وہ تو ٹھیک ہے..... لیکن اب مجھ سے آلو نہیں کھائے جاتے۔“

”تو تم ان سے مرغیاں خرید سکتے ہو۔“

”چوکت میں ہاتھ آ رہی ہیں..... گھبرا نہ کیجئے۔“

”یہ شخص بالکل پاگل ہے۔“ بوڑھا جھنجھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

”ڈیڈی پلیز.....“ لڑکی ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”میں اسے سمجھا لوں گی۔“

پھر اس نے فریدی اور ناصر کو برآمدے میں آنے کا اشارہ کیا۔

دونوں بڑے ادب سے برآمدے میں داخل ہوئے۔

”کیا بات ہے؟“

”بی بی جی.....!“ فریدی بولا۔ ”پانی چاہئے گاڑی کے لئے۔ مرغیاں لے جا رہا ہوں سمن آباد۔ وقت پر نہ پہنچیں تو ہم پریشانی میں پڑ جائیں گے۔“

”ادھر سے تو گاڑیاں نہیں جاتیں۔“

”جلد پہنچنے کے خیال سے ہم نے سڑک چھوڑ دی تھی۔ لیکن یہ مصیبت آ پڑی سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔“

”آپ لوگوں کو پانی مل جائے گا۔ اس کے بدلے مرغیوں کی ضرورت نہیں۔“

”ہم صاحب کی خدمت میں تحفتاً پیش کرنا چاہتے ہیں۔“ فریدی نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا اور قاسم کے دانت نکل پڑے۔

”قیمتاً.....!“

”وہ تحفتاً دینا چاہتا ہے۔“ قاسم غرایا۔

”تم خاموش رہو۔“ لڑکی نے سخت لہجے میں کہا۔

”بہت اچھا جناب عالی.....!“ قاسم مردہ سی آواز میں بولا۔

”انہیں پانی دے دو۔“

قاسم اندر چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد دو بالٹیوں میں پانی لئے ہوئے برآمد ہوا۔

دونوں نے آپ ایک بالٹی سنبھالی اور برآمدے میں نیچے اتر گئے۔ کچھ دور چلے ہوں گے کہ قاسم بھی آ پہنچا۔

”سالا! بہت حرامی ہے۔“ اس نے کہا۔

”کون.....؟“ فریدی نے پوچھا۔

"وہی بڈھا خرانٹ..... کہنے لگا کھڑے منہ قیامت رہے ہو۔ جاؤ کہیں وہ بالٹیاں نہ لے بھاگیں۔"

"ٹھیک ہی تو کہا انہوں نے..... ہم لوگ اُن کے لئے اجنبی ہیں۔"

"اے نہیں..... وہ مالا ہے ہی ایسا..... میں اس کی بیٹی کا سیکریٹرا ہوں اس کے کا نوکر تو نہیں۔"

"یہ سیکریٹرا کیا چیز ہے پیارے بھائی.....!" ناصر نے پوچھا۔

"عورتوں کا سیکریٹرا ہوتا ہے اور مردوں کی سیکریٹری۔"

"اوہو..... یہ بات ہے۔" ناصر ہنس پڑا۔

"مجھے خود کو سیکریٹری کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ پہاڑ جیسا تو ہوں۔"

"بھائی بہت قاتل معلوم ہوتے ہیں۔" فریدی بولا۔

"سیکریٹرا بھی زندگی بھر یاد رہے گا۔"

"مجھے تو اپنا نام بھی اچھا نہیں لگتا..... اتنے بڑے ڈیل ڈول پر صرف قاسم..... ہی ہی۔"

"پھر کیا نام ہونا چاہئے تھا۔"

"ڈبل قاسم تو دی پاور فور.....!"

ناصر پھر ہنسا اور وہ ٹرک کے قریب آ پہنچے۔ یہاں کریٹوں میں مرغیاں کڑکڑا رہی تھیں۔ قاسم نے جھانک کر پچھلے حصے میں دیکھا اور ان کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اللہ قسم مگڑی مگڑی ہیں۔"

"آپ لے جائیے..... جتنی دل چاہے۔"

"وہ دونوں مجھے زندہ چبا جائیں گے۔"

"آپ کہہ دیجئے گا میں نے خریدی ہیں۔" فریدی بولا۔

"اچھی بات ہے۔"

"چلئے میں پہنچا دوں..... پورا کریٹ لئے چلتا ہوں وہاں اپنی پسند کی نکال لیجئے گا۔"

اُدھر ناصر نے تھوڑا پانی ریڈی ایٹر میں ڈالا اور قاسم کی نظر بچا کر بقیہ پانی دوسری طرف

ایک دراز میں ڈال دیا۔

فریدی نے ایک کریٹ ٹرک سے اتار لیا تھا۔ قاسم نے خالی بالٹیاں سنبھالیں۔

ناصر بڑے اطمینان سے اگلی سیٹ پر جا بیٹھا تھا۔

فریدی کریٹ اٹھائے ہوئے چٹانوں پر چڑھنے لگا۔ قاسم اس کے پیچھے بالٹیاں لئے چل رہا تھا۔

"احمق.....!" ناصر آہستہ سے بڑبڑایا۔ اُس کی آنکھوں میں شیطانی چمک لہرائی تھی۔

دفعتاً اس نے انجن اسٹارٹ کیا اور ٹرک کو لے بھاگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب وہ فاتحانہ شان سے تیلم سرائے میں داخل ہو سکے گا۔

فریدی کریٹ کی تختیاں نکال رہا تھا کہ اُس نے ٹرک کے انجن کی آواز سنی اور چونک پڑا۔ قاسم اُس کے قریب ہی کھڑا تھا۔

"ہائیں.....!" وہ اٹھتا ہوا بولا۔ "کیا یہ میرے ٹرک کی آواز ہے۔"

اور پھر وہ چٹانوں کے سرے تک دوڑتا چلا گیا تھا۔ لیکن ٹرک راستے پر نہ دکھائی دیا۔

عجیب سی مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی اور وہ آہستہ سے بولا۔ "میں یہی چاہتا تھا..... بیٹے۔"

اسکے بعد اس نے اپنے چہرے پر بدحواسی طاری کی تھی اور قاسم کی طرف دوڑ آیا تھا۔

"یہاں کوئی گاڑی ہے..... ہے کوئی گاڑی.....!" وہ قاسم کا ہاتھ پکڑ کر جھنجھوڑتا ہوا بولا۔

"کیا بات ہے..... کیا ہوا.....؟"

"وہ ولد الحرام میرا ٹرک لے گیا۔"

"کیا مطلب.....؟"

"ارے وہ میرا ٹرک لے گیا۔" فریدی نے کہا اور پھر اسی سمت دوڑا گیا۔

اس کی بیٹی بھی باہر آ گئے تھے۔

فریدی پھر پلٹا۔

"کیا بات ہے.....؟" لڑکی نے پوچھا۔

"بی بی جی..... میں تباہ ہو گیا۔ وہ کتے کا پلا میرا ٹرک لے گیا۔ اگر آپ کے گاڑی ہو تو مجھے دیجئے..... خدا کے لئے..... آپ لوگ مجھ پر رحم کیجئے۔ میں نے اگر پکڑا تو کنگال ہی ہو جاؤں گا۔"

"یہاں ہمارے پاس کوئی گاڑی نہیں۔" بڈھا غرایا۔

"پوری بات بھی تو بتاؤ۔" لڑکی بولی۔

"وہ مجھے سڑک پر ملا تھا۔ بولا شکاری ہوں۔ زخمی ہو گیا ہوں مجھے سمن آباد پہنچا نے اُسے ٹرک پر بٹھا لیا تھا۔ پھر اُسی نے مجھے یہ راستہ بھی بتایا۔ ورنہ میں پہلے کبھی نہیں گزرا۔ اُس نے کہا تھا کہ یہ راستہ مختصر ہے۔"

"تم سے بڑی غلطی ہوئی۔" لڑکی بولی۔ "لیکن ہمیں افسوس ہے کہ اس سلسلے میں کوئی مدد نہ کر سکیں گے۔ ہماری گاڑی ہفتے میں صرف ایک بار رسد لے کر آتی ہے۔ چار دن بعد آئے گی۔"

فریدی ایک بار پھر چٹانوں کی طرف دوڑا گیا اور وہیں کھڑے چیخے

"مردود..... مردود..... مردود تیری ہڈیاں گیدڑ چبائیں گے۔ مردود..... ولد الحرام....."

"سنو پیارے بھائی۔" وہ قاسم کی آواز سن کر مڑا۔ قاسم اس کے قریب ہی کھڑا تھا

"کیا کہتے ہو صاحب! تمہاری مرغیوں کے چکر نے مجھے غارت کر دیا۔"

"میں قہر رہا تھا کہ اس میں بھی اللہ کی کوئی مصلحت ہو گی۔"

"ہاں اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ لیکن میں کیا کروں۔"

"میم صاحب کو تم سے ہمدردی ہے۔"

"کسی کی بھی ہمدردی میرے کام نہیں آ سکتی۔ مجھے ڈوبنے سے نہیں بچا سکتی۔"

"میں کہتا ہوں کہیں اب مرغیاں بھی نہ نکل کر بھاگ جائیں۔" قاسم منہ چلا کر بولا

"ہوں..... چلئے..... خدا ان مرغیوں کو بھی غارت کرے۔"

"پانچ چھ تو اکیلے میرے ہی ساتھ غارت ہو جائیں گی۔" قاسم نے کہا اور دانت نکال دیئے۔ پھر فوراً ہی بند بھی کر لئے۔ شاید خیال آ گیا ہو کہ یہ ہنسی کا وقت نہیں ہے۔

وہ پلٹ آئے۔ یہاں بوڑھا مرغیوں کے کریٹ کو گھورے جا رہا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے کریٹ کی طرف اشارہ کر کے سرد لہجے میں پوچھا۔

"مرغیاں جناب عالی.....!" قاسم جھلا کر بولا۔

"میں پوچھتا ہوں کیوں ہیں مرغیاں۔"

لیکن قاسم نے اس کو جواب دینے کی بجائے مرغیوں کو مخاطب کر کے سوال کیا۔ "تم ہو مرغیاں۔ بکریاں کیوں نہیں ہو۔"

"قاسم بکواس بند کرو۔" لڑکی نے سخت لہجے میں کہا۔

"میں آپ کا سیکریٹری تو نہیں ہوں۔ یہ کیوں مجھے آنکھیں دکھاتے ہیں۔"

"شٹ اپ.....!"

قاسم فریدی کے شانے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "اے تم نکالو میرے لئے چھ مرغیاں میں قیا سے ڈرتا ہوں۔"

لڑکی نے بوڑھے سے کہا۔ "پاپا آپ اندر جائیے۔"

وہ قاسم کو گھورتا ہوا اندر چلا گیا۔

"تم بھی اپنے کمرے میں جاؤ۔" لڑکی نے قاسم سے کہا۔

"پھر مرغیاں کون نکالے گا۔"

"سب ہو جائے گا..... تم جاؤ۔"

"میں آپ کو قسمی کے پاس تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔"

"یہ کیا بکواس ہے۔"

"بکواس ہی سہی..... سیکریٹری کا فرض ہے۔"

"جائیے.....!" وہ آنکھیں نکال کر بولی اور قاسم نے اپنی آنکھیں بند کر کے کہا۔ "میں

نہیں دیکھ رہا۔"

فریدی اپنی آنکھوں میں الجھن کے آثار پیدا کر کے ان کی گفتگو سن رہا تھا۔

دفعتاً قاسم نے آنکھیں کھول کر اُس سے کہا۔ "تم مرغیاں نکالو..... میں چلتا ہوں۔ ایک ایک ذبح کرتا جاؤں گا۔"

"تم آدمی ہو یا جانور..... یہ بیچارہ اتنا پریشان ہے اور تمہیں مرغیوں کی پڑی ہے۔" لڑکی جھنجھلا کر بولی۔

"ہم قبائلی صبر کرنا جانتے ہیں بی بی جی..... میں جا رہا ہوں۔ سمن آباد پہنچنا ضروری ہے۔"

"پیدل چل کر صبح سے پہلے نہ پہنچ سکو گے۔"

"مجھے بہرحال جانا ہے..... آپ میری یہ مرغیاں امانت کے طور پر رکھیے۔ مرغیاں ان صاحب کو دے چکا ہوں وہ لے لیں۔"

"راتیں بہت سرد جا رہی ہیں۔"

"ہم اس کے عادی ہیں..... اچھا خدا حافظ۔"

فریدی کریٹ کو وہیں چھوڑ کر چٹانوں کی طرف چل پڑا۔

پھر آدھے گھنٹے کے اندر ہی اندر وہ اپنے لئے ایک غار تلاش کر لینے میں کامیاب تھا۔ یہاں سے اُس عمارت کا فاصلہ بہت زیادہ نہیں تھا۔



نیلم سرائے پہنچنے کے لئے ناصر کو خاصی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ پھر وہ غروب ہونے سے پہلے وہاں جا پہنچا تھا۔ مصنوعی ڈاڑھی اور ناک پر چڑھا ہوا پلاسٹک اس نے راستے ہی میں نکال پھینکا تھا۔ پیشانی پر بندھی ہوئی پٹی بھی کھول دی تھی۔

بہرحال جب وہ نیلم سرائے پہنچا تو لوگوں نے اُسے گھیر لیا۔ سردار زمن جو

دیکھے جا رہا تھا۔

"مرغیوں سے بھرے ہوئے چار کریٹ اب تمہارے ہیں۔" ناصر مسکرا کر بولا۔

"وہ کہاں ہے؟"

"اسکی ہڈیاں پسلیاں توڑ کر سمن آباد میں پھینک آیا ہوں۔" ناصر فخریہ انداز میں بولا۔

"تم چار کریٹ کہہ رہے ہو۔" بوڑھا آگے بڑھ کر بولا۔ "میری گاڑی میں پانچ کریٹ

"اوہ تو تم اب تک یہیں ہو۔" ناصر آنکھیں نکال کر غرایا۔ "بھاگ جاؤ..... ورنہ جان مار دوں گا۔"

"میرا بھتیجا کہاں ہے۔"

"سمن آباد کے ہسپتال میں ہوگا..... یا پھر ہسپتال کے مردہ خانے میں! میں نے اس مر جانے کا انتظار نہیں کیا تھا۔"

"اگر ایسا ہے تو تمہاری خیر نہیں..... وہ بڑے باپ کا بیٹا تھا۔"

"چلے جاؤ.....!" ناصر مکا تان کر دہاڑا۔

"جا رہا ہوں..... جا رہا ہوں۔"

"میری مرغیاں۔" سردار زمن بولا۔

"چاروں کریٹ اتار لو.....!" ناصر نے خشک لہجے میں کہا۔

لیکن بعض لوگوں نے ایسا نہ ہونے دیا۔ انہوں نے سردار زمن کو اس حرکت سے باز رکھنے کی کوشش کی۔

بوڑھا آدمی ٹرک لے گیا اور ناصر اپنے کمرے میں چلا آیا۔ زخم کی ڈریسنگ کرنے کے بعد اس نے کمرے ہی میں شراب طلب کی تھی اور کھانا بھی وہیں کھایا تھا۔

رات گئے کسی نے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔

"کون ہے؟" اس نے دروازے کے قریب جا کر پوچھا۔

"میں ہوں..... دروازہ کھولو۔" جواب ملا۔

اس نے دروازہ کھول دیا۔ لیکن اس نے اندر داخل ہو کر خود ہی دروازہ بند کیا تھا اور

اُسے ہولٹ کرنے کے بعد وہیں کھڑا ناصر کو گھورتا رہا تھا۔

''کیا بات ہے دوست.....!'' ناصر نے پوچھا۔

''یہاں سے فوراً نکل چلو..... میں تمہیں کسی محفوظ جگہ پر پہنچا دوں۔''

''کیوں.....؟''

''اکرام ریگم بالا تنہا پہنچا ہے اور اُس نے پولیس کو ساری کہانی سنائی ہے۔ خصوصیت سے آیا ہے اُس کی رپورٹ میں۔''

''مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ مرنے سے نہیں ڈرتا۔'' ناصر نے کہا۔

''یہ میرا مشورہ نہیں بلکہ پارٹی کے لیڈر کا حکم ہے۔'' لیکر اس نرم لہجے میں بولا۔

''تب تو مجبوری ہے چلو..... میں نے عہد کیا تھا کہ پارٹی کے لیڈر کا حکم بہرحال مانوں

پھر وہ دونوں باہر نکل کر ایک کار میں بیٹھ گئے۔ وہ پچھلی سیٹ پر تھے۔

ڈرائیور نے انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی آگے بڑھائی۔ لیکن وہ ریگم بالا کی ہ

طرف جانے کی بجائے جنوب کی طرف جا رہے تھے۔

''کیا آج کسی سے تمہارا جھگڑا ہوا تھا۔'' لیکر اس نے پوچھا۔

''ہاں آج میں نے ایک قبائلی کی ہڈیاں توڑی ہیں۔'' ناصر نے کہا اور مختصراً اپنا

کارنامہ دہرایا۔ فریدی کا کہیں نام بھی نہ آنے پایا اور یہ حقیقتاً محض اس لئے تھا کہ فرید

بھی تو اس کی جان بخشی کی تھی۔ وہ چاہتا تو اسے بڑی بے دردی سے مار ڈالتا۔

وہ اپنی دھن میں بولے جا رہا تھا۔ اُسے پتہ ہی نہ چل سکا کہ لیکر اس نے کب سا

لگا ہوا ریوالور نکالا اور کب اس کی کنپٹی کے قریب لا کر فائر بھی کر دیا۔

پھر ناصر کی طرف کا دروازہ کھلا اور اس کی لاش باہر دھکیل دی گئی۔ گاڑی اند

سینہ چیرتی ہوئی آگے بڑھی جا رہی تھی۔

کمبلوں کے نیچے

حمید نے غار سے باہر نکل کر دیکھا۔ گہرا اندھیرا پھیل گیا تھا اور سردی بہت بڑھ گئی تھی۔

بلیک فورس کے اُس ممبر کو گئے ہوئے پانچ گھنٹے ہو گئے تھے لیکن ابھی تک حالات میں

ئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی اور اب تو ایسا لگ رہا تھا جیسے رات بھی اُسی غار میں بسر ہو گی۔

دفعتاً اس نے ریما کی آواز سنی۔ ''تم کہاں ہو۔''

''اندھیرے میں! تم بھی یہیں آ جاؤ۔'' حمید بھنا کر بولا۔

پھر وہ اس کے پیچھے آ کھڑی ہوئی اور آہستہ سے بولی۔ ''بچوں کی سی باتیں نہ کرو.....

ں کھڑے ہو کر چیختے ہو۔ تمہاری آواز دور دور تک سنی گئی ہو گی۔''

''ذرا دیر بعد لومڑیاں بھی چیخنا شروع کریں گی۔''

''اندر چلو.....!'' وہ اُس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتی ہوئی بولی۔

دونوں پھر غار میں واپس آ گئے۔ یہاں بڑی لالٹین کی روشنی ان کے لئے ناکافی نہیں

تھا اور وہ یہاں کیروسین آئیل کی خاصی مقدار دریافت کر چکے تھے۔ قریب قریب ضرورت

ہر چیز یہاں موجود تھی۔

''تم جاگ کیوں پڑیں۔'' حمید بولا۔ ''کچھ دیر اور سونا چاہئے تھا۔''

''کیوں کیا مجھے یہاں چھوڑ کر بھاگ جانے کا ارادہ ہے۔''

''میں خود آج تک کسی لڑکی کو چھوڑ کر نہیں بھاگا۔ آتی ہیں اور چلی جاتی ہیں۔''

''میں ابھی تک نہیں سمجھ سکی کہ تم کس قسم کے خبیث ہو۔''

''بہت ہی متبرک قسم کا ہوں..... یعنی صرف ذہنی قسم کی خباثتیں ہیں مجھ میں..... عملی

ت سے محروم ہوں۔''

''اندر چلو.....!'' اُس نے اُسے پھر غار کے دہانے کی طرف گھسیٹا۔ ''میں تمہیں
کے بارے میں بتا رہی تھی۔''

''خدا کی پناہ۔ تم اس کے نام سے بھی واقف ہو۔ کیا وہ اکرام کے موٹیل میں تمہا
ہی سامنے دوزانو ہوکر اپنی پوجا کے بول دہراتا رہا تھا۔''

''ہاں..... وہ میں ہی تھی۔''

وہ غار کے اندر پہنچ کر اپنے اپنے کمبلوں پر بیٹھ گئے۔ حمید اُسے تیز نظروں سے گھور
جا رہا تھا۔ دفعتاً اس نے کہا۔ ''تب تم یہ بھی جانتی ہو گی کہ لسلی کی موت کا ذمہ دار کون تھا۔''

''اُس دوسرے بھکشو کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا اور تھا ہی کون! کاش میں اُسے
چھوڑ کر بھنے ہوئے بھٹے کا تھیلا لینے نہ جاتی۔''

''تو کیا ہوتا..... اُس وقت تو تم پوری طرح اُنہیں لوگوں کے ساتھ تھیں۔''

''پھر بھی وہ اتنی بے دردی سے نہ ماری جاسکتی۔ آخر اُس بیچاری کا قصور ہی کیا تھا۔''

''میری دانست میں.....!'' حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

''ہاں..... تمہاری دانست میں کیا۔''

''کچھ نہیں..... مجھے پھر بھوک لگ رہی ہے۔ اس بار تم کافی بناؤ گی سمجھیں۔'' حمید
کہا اور لمبا لمبا لیٹ گیا۔

''اس قسم کے کام میرے بس سے باہر ہیں۔ اسکے علاوہ اور جو کہو کرنے کو تیار ہوں۔''

''سر کے بل کھڑے ہوکر مجھے کافی بناتے دیکھو۔''

''میں تم کو ابھی کئی کہانیاں سناؤں گی..... ان میں واجد کی کہانی بھی شامل ہے۔ اُ
کی نامکمل برین واشنگ کی گئی تھی اور میں نے ایک اساطیری دیوی کا رول ادا کیا تھا۔''

''میں پوچھتا ہوں ایسا کیوں ہوا.....؟''

''اُسی کے نتیجے میں تم دونوں یہاں نظر آ رہے ہو۔''

''دوسری کہانی؟''

''کافی کا پانی رکھ دو..... مجھے بھی بھوک لگ رہی ہے۔ فائدے میں رہو گے بیٹا
خدمت کرکے۔''

''خدا کی پناہ! کچھ دیر پہلے تو تمہیں بولنا ہی نہ آتا تھا۔''

''کل شائد تمہاری یہ رائے بھی بدل جائے۔''

حمید کراہ کر اٹھا اور کیتلی میں پانی انڈیلنے لگا۔

''واجد سے مجھے ہمدردی ہے..... شائد ہی کبھی وہ مستقل طور پر نارمل ہو سکے۔''

''یہ کھلی ہوئی درندگی ہے..... میں اسے درندگی نہیں سمجھتا کہ کسی کو گولی ماردی جائے۔''

''یقین کرو..... اسی دوران میں میں نے ان لوگوں سے شدید ترین نفرت محسوس کی
ہوسکتا ہے وہ لوگ مستقبل میں بہتر زندگی کے خواب دیکھ رہے ہوں۔ اس بہتر زندگی
حصول کے لئے انہوں نے جو طریقے اختیار کئے ہیں قطعی غیر انسانی ہیں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ اب وہ محفوظ کی ہوئی اغذیہ کے ڈبے کاٹ رہا تھا۔

ریما تھوڑی دیر خاموش رہی پھر بولی۔ ''تم لوگ کئی اطراف سے گھیرے جا رہے ہو۔''

''ایک واجد دوسری تم.....!'' حمید اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''کیا کوئی تیسرا
بھی ہے حملے کا.....!''

''تمہارے بعض دوست.....!'' وہ مسکرائی۔

''دوست..... کیا مطلب.....؟''

''ایسے ایک آدمی کو تو میں بھی جانتی ہوں۔''

''وہ کون ہے.....!''

''جس کی ٹوہ میں تم رہا کرتے ہو۔ اُسے بھی تمہاری کم فکر نہیں رہتی۔ جہاں تمہارے
کوئی لڑکی دیکھی پیچھے لگ گیا۔ خواہ اسے قطبین ہی کا سفر کیوں نہ کرنا پڑے۔ اگر تم اس
ساتھ کوئی لڑکی دیکھ لیتے ہو تو تم بھی یہی کرتے ہو۔''

''قاسم.....!'' حمید اچھل پڑا۔

''میں اس کا نام نہیں جانتی۔''

''بہت لمبا اور بہت چوڑا..... عقل سے خارج۔''

''ہاں وہی..... اور وہ اس وقت ہمارے قبضے میں ہے۔ اُسے کسی نہ کسی طرح استعمال کیا
سکتا ہے۔ ویسے جب ..... الجھایا گیا تھا تو مقصد یہی تھا کہ تم اُس کے پیچھے لگ جاؤ گے۔''

''لیکن میری کیا اہمیت ہے جب کہ تمہیں میری لاعلمی کا علم ہے۔ میں نہیں اُسے کہاں قید کیا گیا ہے؟''

''کیا کرنل فریدی کی نظروں میں تمہاری کوئی اہمیت نہیں۔''

''ارے..... وہ..... اُس شخص کی نظروں میں صرف اپنے اس جذبے کی اہمیت ہے جسے عام لوگ درندگی کہتے ہیں۔''

''کیا وہ تمہیں کسی مشکل میں دیکھ کر تمہاری طرف نہیں دوڑ پڑے گا۔''

''یقیناً! شائد اپنی زندگی بھی داؤ پر لگا دے۔''

ریما کچھ نہ بولی۔ اس کے بعد انہوں نے کھانا شروع کر دیا تھا۔ کافی پی کر پائپ سلگایا۔ رات کے آٹھ بج گئے تھے لیکن ابھی تک وہ شخص واپس نہیں ہوا تھا جو انہیں اس غار تک پہنچایا تھا۔

''شائد رات یہیں بسر کرنی پڑے۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''بسر تو ہو جائے گی اطمینان سے۔'' وہ اُس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی یک بیک سنجیدہ ہو کر بولی۔ ''تمہیں کرنل سے بچھڑ جانے پر تشویش نہیں ہے۔''

''کبھی نہیں ہوئی کیونکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے زیادہ فاصلے پر نہ آخر میرے لئے یہ آسائشیں کون مہیا کر رہا ہے۔ کس نے میرے لئے گاڑی مہیا کی تھی نے مجھے رینجرز کے پنجے سے رہائی دلوائی تھی اور کس نے یہ آرام دہ اور گرم غار.....!''

حمید جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو کر سوچنے لگا۔ آخر یہ لڑکی ہے کیا بلا۔ کیا چاہتی اب تو خود ہی اس نے اپنی اصلیت بھی ظاہر کر دی ہے۔

''تم کیا سوچنے لگے۔'' ریما نے ٹوکا۔

''کچھ بھی نہیں! میں دراصل تم میں الجھ کر رہ گیا ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں خانے میں فٹ کروں۔''

''میرے بارے میں اس کے علاوہ اور کچھ نہ سوچو کہ تم دونوں ہی میری آخری ہو۔ ایک میں ہی نہیں اس تنظیم سے تعلق رکھنے والے بہتیرے افراد اس سے بددل ہو چکے ہیں''

''لعنت بھیجو اس پر.....!''

''یہ ایسا نہیں ہے کہ کسی تفریح سے اکتا کر اُسے ترک کر دیا جائے۔ تنظیم سے الگ ہو جانے کی کوشش کرنے والے حیرت انگیز طور پر موت کے گھاٹ اتار دیئے جاتے ہیں۔''

''پھر ہم بیچارے کیا کر سکتے ہیں۔''

''خود کو بیچارہ نہ کہو..... تم دونوں کی ہیبت بڑے بڑوں کے دلوں میں بیٹھی ہوئی ہے۔''

''اگر انہیں علم ہو گیا کہ تم ایسے خیالات رکھتی ہو تو کیا ہوگا۔ اس پر بھی غور کیا ہے تم نے۔''

''وہ مجھے فنا کر دیں گے۔''

''خیر..... تم نے میرے جس دوست کا ذکر کیا تھا اب اس کی طرف آ جاؤ۔ اُسے کس طرح الجھایا گیا ہے۔''

''ارے بس..... لڑکی..... جو کسی طرح بھی قابو میں نہ آتا ہو وہ اس دام میں ضرور پھنس جاتا ہے۔ بہرحال وہ کوئی لڑکی ہی ہے..... میں تفصیل سے واقف نہیں۔''

''تم غلط کہہ رہی ہو..... کوئی عورت میرے چیف پر تو یہ حربہ آزما کر دیکھے! کوئی عورت اسے اس کے مقام سے نہیں ہٹا سکی۔''

''تو پھر وہ خود ہی عورت ہوگا۔'' ریما نے کہا اور کچھ سوچ کر ہنس پڑی۔

''اس قسم کے ریمارک سن کر بھی وہ ٹس سے مس نہیں ہوتا۔''

ریما اور زور سے ہنسی۔

''اس میں اس طرح ہنسنے کی کیا ضرورت ہے۔'' حمید بھنا کر بولا۔

''ایک نیا خیال آیا ہے۔''

اور حمید اُس نئے خیال کے متعلق کچھ سننے کا منتظر رہا۔ ریما کسی قدر توقف کے ساتھ بولی۔ ''تم..... کہیں تم ہی تو لاشعوری طور پر اس کو عورت سے دور نہیں کر رہے ہو۔''

اس ریمارک پر حمید کی کھوپڑی ناچ گئی۔ اُس نے سوچا یہ کتیا جوگن کے روپ میں ملی تھی اسے سکون کی تلاش تھی، نروان کی چاہ تھی اور اب کھال سے باہر ہوئی جا رہی ہے۔

''تم جھینپ کیوں رہے ہو۔'' وہ اُس کے چہرے کے قریب انگلی نچا کر ہنسی۔

''شٹ اپ.....!''

''سچ بڑے پیارے لگ رہے ہو۔ یہ میں کرنل کی طرف سے کہہ رہی ہوں۔''

''میں سمجھتا ہوں تم کیا چاہتی ہو۔'' حمید خشک لہجے میں بولا۔

''کیا سمجھتے ہو۔''

''اس قسم کی باتیں کر کے گویا میری انا کو للکار رہی ہو۔''

''ہے ہی نہیں..... للکار کر کیا کروں گی۔''

''دنیا کے عظیم ترین آدمی کے ہاتھوں میری تربیت ہوئی ہے۔ اگر میرے مونچھ ہوتی اس مرحلے پر خود ہی نیچی کر لیتا..... سنو اگر تم ہماری ہمدردیاں حاصل کرنا چاہتی ہو تو ترغیب کے بغیر بھی حاصل کر سکتی ہو۔''

یک بیک وہ بے حد سنجیدہ نظر آنے لگی اور اس کے چہرے پر شرمندگی کے آثار دکھائی دیئے اور پھر وہ حمید کے قدموں پر جھکتی چلی گئی تھی۔ دوبارہ اس نے سر اٹھایا تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''تم دیوتا ہو۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''صحیح معنوں میں مرد ہو۔''

حمید اپنے اوپر چھائے ہوئے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔ اب وہ خود کو پہلے سے بھی زیادہ احمق محسوس کر رہا تھا۔ نہ جانے کتنی اقسام کی عورتوں سے سابقہ پڑا تھا لیکن عورت میں کوئی ایسی چیز ضرور تھی جس نے ابھی تک اُس میں احساس تنفر پیدا نہیں ہونے دیا تھا۔

وہ خاموش کھڑا اوپر کے اندھیرے میں گھورتا رہا۔

فریدی نے ٹرانسمیٹر کا سوئچ آن کیا۔

''ہیلو..... بلیک تھرٹین..... بلیک تھرٹین۔'' اُس نے اُسے چہرے کے قریب لا کر کہا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بلیک تھرٹین کو دوبارہ کال کرنے لگا۔

کچھ دیر بعد ریسیور سے آواز آئی۔ ''اٹ از بلیک تھرٹین سر.....!''

''ہارڈ اسٹون..... رپورٹ۔''

''دونوں آرام سے ہیں..... لڑکی نے خود ہی اپنے بارے میں سب کچھ کہہ دیا ہے۔ وہ تنظیم سے بیزار ہے اس پارٹی کی سربراہ کوئی عورت ہے جو مردانہ بھیس میں رہتی ہے اور اس صورت میں بھی اسکے کئی روپ ہیں۔ لڑکی صرف ایک نام سے واقف ہے۔ نام ہے لیکر اس! عورت کا کوئی نام نہیں بتا سکی۔ دوسری اہم اطلاع یہ ہے کہ اس نے خود ہی بتایا ہے کہ واجد کی ہائیڈل برین واشنگ کی گئی تھی۔ تیسری اہم اطلاع کیپٹن کے کسی نجیم شجیم دوست کے بارے میں ہے۔ خود انہوں نے اسکا نام قاسم لیا تھا۔ لڑکی نام سے واقف نہیں صرف صورت آشنا ہے۔''

''اس کے بارے میں کیا اطلاع ہے۔''

''کسی نہ کسی طرح وہ بھی گھیرنے ہی کے لئے استعمال کیا جائے گا۔''

''ہوں..... اچھا..... بلیک فور سے کہو سمن آباد پہنچے اور میرے پیغام کا منتظر رہے۔ اُن دونوں کو فی الحال وہیں رہنے دو۔ جب تک میری طرف سے اطلاع نہ ملے اُن سے رابطہ بھی قائم نہ کرو۔ اُوور اینڈ آل.....!''

سوئچ آف کر کے اُس نے ٹرانسمیٹر پوستین کی اندرونی جیب میں ڈال لیا۔

چاروں طرف گہرا اندھیرا تھا۔ پچھلے دن کی برف پگھل چکی تھی اور ننگی چٹانیں مہیب عفریتوں کی طرح منہ پھاڑے کھڑی تھیں۔

وہ اُس عمارت سے زیادہ دور نہیں تھا جہاں قاسم کو دیکھ چکا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ اسی طرف چل پڑا۔ لیکن اس سلسلے میں وہ اتنی احتیاط برت رہا تھا کہ شائد دو چار گز کے فاصلے سے بھی نہ دیکھا جا سکتا۔ وہ اس اتھاہ سناٹے اور گہرے اندھیرے کا ایک جزو ہی معلوم ہو رہا تھا۔

تھوڑی سی جدوجہد کے بعد وہ عمارت کی پشت پر جا پہنچا۔ ساری کھڑکیاں روشن تھیں اس کا اندازہ اسے اسی وقت ہوا کہ اس چھوٹی سی عمارت میں چاروں طرف کھڑکیاں ہی کھڑکیاں تھیں اور اُن میں شیشے کا استعمال زیادہ سے زیادہ ہوا تھا۔ بلندی سے اس عمارت کی نگرانی میلوں دور سے ہو سکتی تھی۔ خواہ کتنا ہی گہرا اندھیرا کیوں نہ ہو۔

اندر کمروں میں پیٹرومیکس لیمپ روشن تھے اور کھڑکیوں سے گزر کر باہر آ
روشنی عمارت کے آس پاس پھیلی ہوئی تھی۔ اس روشنی میں ممکن ہی نہیں تھا کہ کوئی
جانے کے خدشے کے بغیر دیوار تک پہنچ سکتا۔

فریدی ایک ایسی چٹان کے پیچھے دبکا رہا جو روشنی میں نہیں تھا۔

ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ کیا کرنا چاہئے دفعتاً ہوا کے ایک بہت ہی تیز جھو
اُسے ہلا کر رکھ دیا۔ اور پھر اُس نے اس عمارت کے قریب ایک ہیلی کوپٹر کو اترتے دیکھ
بے آواز ہیلی کوپٹر..... آواز کا ذرا سا بھی تو احساس نہیں ہوا تھا۔ حیرت انگیز۔

ہیلی کوپٹر سے کوئی اترا تھا اور جب کھڑکیوں کی روشنی میں پہنچا تو فریدی اس
دیکھنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ کوئی سفید فام غیر ملکی تھا۔ وہ عمارت کے اگلے حصے کی طرف
تھا۔

فریدی آہستہ آہستہ بائیں جانب کھسکتا ہوا ہیلی کوپٹر کے قریب پہنچنے کی کوشش کرنے

دفعتاً عمارت کی ساری کھڑکیاں تاریک ہوگئیں۔ گویا یہ روشنی اسی ہیلی کوپٹر کی
کے لئے تھی۔ کچھ دیر بعد اُس نے پھر عمارت کی طرف دیکھا اور اب اسے معلوم ہ
کھڑکیاں بالکل ہی تاریک نہیں ہوئی ہیں۔ اب اُن میں ایسی روشنی نظر آ رہی تھی جیسے
میں معمولی قسم کے کیروسین لیمپ روشن ہوں۔

اس نے ریڈیم ڈائیل والی گھڑی پر نظر ڈالی۔ دس بج کر پانچ منٹ ہوئے
کھڑکیوں کی روشنی کی نوعیت اس طرح اچانک بدل جانے کا مطلب یہی ہوسکتا تھا کہ
کی روشنی کا استعمال مخصوص اوقات ہی کے لئے ہوتا ہوگا۔

وہ ہیلی کوپٹر کے قریب جا پہنچا۔ یہ اتنا بڑا تھا کہ اس میں پائیلٹ کے علاوہ چھ
آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ جب اُسے اچھی طرح اطمینان ہوگیا کہ ہیلی کوپٹر کے اندر کوئی موجود
ہے تو وہ بہ آہستگی اُس کے اندر داخل ہوگیا۔

پچھلی سیٹوں کے درمیان اسے کمبلوں کا ایک ڈھیر سا محسوس ہوا۔ وہ اُسے ٹٹولنے لگا
بس ڈھیر ہی ڈھیر تھا۔ اُس نے وہ سارے کمبل اپنے اوپر ڈالے اور وہیں دبک
کان آہٹوں پر لگے ہوئے تھے۔

پھر اچانک اسے خیال آیا ضروری نہیں کہ وہ آدمی واپسی پر تنہا ہو۔ پھر کیا کرنا چاہئے؟
کوئی ان سیٹوں پر آ بیٹھا تو راز کھل جائے گا۔

اب اس نے پھر اندھیرے میں ادھر اُدھر ٹٹولنا شروع کیا لیکن آس پاس گنجائش نہ تھی۔

دفعتاً اسے خیال آیا ادھر کمبلوں کا ڈھیر ہے اور اس عمارت میں شاید صرف تین ہی آدمی
ہیں۔ چوتھا دکھائی نہیں دیا تھا۔ اگر اُن تینوں کو بھی بیٹھنا پڑا تو پچھلی سیٹیں کافی ہوں گی۔ ادھر
بیٹھنے کی ضرورت ہی نہیں۔ دیکھا جائے گا۔

ہیلی کوپٹر غیر معمولی قسم کا تھا اس لئے اس کی پروازیں پوشیدہ ہی رکھی جاتی ہوں گی۔
اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اُس کے ملک میں کہیں بھی اس قسم کا کوئی ہیلی کوپٹر موجود نہیں۔

تھوڑی دیر بعد اُسے کئی قدموں کی آہٹیں سنیں۔ وہ ہیلی کوپٹر ہی کی طرف آ رہے تھے۔
اس نے قاسم کو کہتے سنا۔ "محترمہ مجھے پھر بھوک لگ آئی ہے..... میں کچھ کھائے بغیر
جاؤں گا۔"

"مرے کیوں جاتے ہو۔ تھوڑی دیر بعد واپس آ جائیں گے۔ جہاں ہم جا رہے ہیں
کچھ کھانے کو بھی ملے گا۔"

"آپ کی مرضی.....!" قاسم کا لہجہ ڈھیلا تھا۔

پھر فریدی نے انگریزی میں کسی کو کہتے سنا۔ "پچھلی سیٹوں پر..... ادھر سامان ہے۔"

اُس نے طویل سانس لی۔ یہ مسئلہ بھی اتنی آسانی سے طے ہوگیا۔

لڑکی نے قاسم سے کہا تھا۔ "پچھلی سیٹ پر بیٹھنے سے یہ راکٹ کی طرح اوپر جائے
..... اتنے وزنی ہو تم....."

"تبھی تو آپکا سیکریٹری ہوں۔ اپنے ہی وزن کی وجہ سے بڑے بڑے وزن اٹھا لیتا ہوں۔"

"اچھا بس اب خاموشی سے بیٹھ جاؤ۔" لڑکی بولی۔

ہلکی سی آواز کے ساتھ پنکھوں کی گردش کی ابتداء ہوئی تھی اور جب ہیلی کوپٹر بلند ہونے
لگا تو وہ ہلکی سی آواز بھی غائب ہوگئی تھی۔ فریدی ان دونوں کی گفتگو اب بھی صاف سن رہا
تھا۔

قاسم مسلسل بھوک کی شکایت کئے جا رہا تھا۔

حمید گہری نیند سونے کی بڑی اچھی ایکٹنگ کر رہا تھا۔ ہلکے ہلکے خراٹے مار رہے تھے۔

خود ریما نے اُسے مشورہ دیا تھا کہ وہ سو جائے اور اپنے بارے میں کہا تھا کہ پوری کر چکی ہے۔ لہٰذا ساری رات بھی جاگتی رہ سکے گی۔ یہ تجویز بھی اسی کی تھی۔ ایک طور پر جاگتے رہنا چاہئے..... دونوں کا سو جانا مناسب نہ ہوگا۔

حمید آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا تھا لیکن تہیہ کر لیا تھا کہ آنکھ نہ لگنے دے گا۔

قریباً ایک گھنٹے بعد اُس نے ریما کی آواز سنی۔ وہ آہستہ آہستہ کسی کو کال کر رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ٹرانسمیٹر کے ذریعہ کسی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔

حمید نے پلکوں میں خفیف سا درہ کر کے دیکھا۔ لالٹین اُس کے قریب رکھی ہوئی تھی۔ اس نے اپنا لاکٹ گلے سے اتار کر ہاتھوں میں اس طرح پکڑ رکھا تھا کہ لاکٹ تو قریب تھا اور اس کی چین کا دوسرا سرا لالٹین کے شیشے سے لگا رکھا تھا۔ لاکٹ سے ایک سا تار نکل کر اُس کے داہنے کان تک آیا تھا جس کے سرے پر یقینی طور پر ایک ننھا سا رہا ہوگا۔

کسی نامعلوم فرد سے رابطہ قائم ہو جانے کے بعد وہ کہہ رہی تھی۔ ''فریدی کا نہیں۔ البتہ اس کا نائب میرے قبضے میں ہے۔ اب جو حکم ہو وہ کیا جائے..... اُوور۔''

وہ خاموش ہو کر شائد دوسری طرف سے بولنے والے کے احکامات سننے لگی تھی۔

کچھ دیر بعد بولی۔ ''اس وقت تو پوری طرح میرے قبضے میں ہے۔ میں نے اسے میں بیہوشی کی دوا دے دی ہے لیکن سوال تو یہ ہے کہ یہاں تک پہنچنا کیسے ممکن ہوگا۔ خود ہی نہیں جانتی کہ کہاں ہوں..... اُوور.....!''

کچھ دیر خاموش رہ کر وہ پھر بولی اور اب وہ اپنے یہاں تک پہنچنے کی روداد دہرا رہی تھی اس کے بعد خاموش ہو کر سننے لگی تھی۔ یہ وقفہ زیادہ طویل نہ ہوا، جلد ہی اس نے

نمبر 36 ...ے رکھ دیا اور لالٹین وہیں پہنچا دی جہاں پہلے رکھی ہوئی تھی۔

حمید اپنی ذہنی حالت کا جائزہ لینے لگا۔ کیا سچ مچ اُس نے کافی میں کسی طرح بیہوشی کی دوا ملا دی تھی۔ لیکن اس کا ذہن تو پوری طرح بیدار تھا۔ نیند کی رمق بھی نہیں تھی آنکھوں میں!

پھر یہ کیا بکواس تھی؟ وہ سوچتا رہا۔

دفعتاً ریما اُسے جھنجھوڑنے لگی۔ ''حمید..... حمید..... اٹھو..... اٹھو.....!''

اور وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا..... نہ صرف اٹھ بیٹھا بلکہ بڑی پھرتی سے ریوالور نکال کر غار دہانے کی طرف جھپٹنا چاہا۔

''ارے ارے.....!'' ریما اُس کا ہاتھ پکڑتی ہوئی بولی۔ ''ہوش میں آؤ۔ یہ کیا وحشت ہے۔''

''اُوں..... کک..... کیوں..... پھر کیا ہے۔''

''بیٹھ جاؤ اور دھیان سے سنو..... میں تمہارے لئے کافی بناؤں گی۔ پانی آئیل اسٹوو پر رکھ چکی ہوں۔ پل بھر میں اُبلنے لگے گا۔''

حمید نے کچھ کہنا چاہا لیکن وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''شش..... میں تمہیں یہ بتانا چاہتی تھی کہ ابھی میں نے تیسری ناگن سے رابطہ قائم کیا تھا۔''

''تم نے کوئی ڈراؤنا خواب تو نہیں دیکھا۔'' حمید مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔

''میں کہتی ہوں سنجیدہ ہو جاؤ۔'' وہ غصیلے لہجے میں بولی۔

''میں بالکل سنجیدہ ہوں۔ تم بین بجاؤ اور نکالو تیسری ناگن اور کرو دیومالائی باتیں۔''

''تم کیا سمجھے تیسری ناگن سے۔''

''مجھے فضول باتوں سے اس حد تک دلچسپی نہیں کہ اس طرح جگائے جانے کے بعد ...ں برداشت کر سکوں۔''

''ہم لوگ جو اس تنظیم سے بد دل ہو گئے ہیں تینوں بڑی عورتوں کو اسی نام سے یاد ...تے ہیں۔ تھریسیا پہلی ناگن ہے۔ نانوتہ دوسری اور تیسری ناگن وہ ہے جو عام طور پر ...میک اپ میں رہتی ہے۔''

حمید اُسے غور سے دیکھتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کیا اب وہ اسے کافی میں بیہوشی کی دوا ...نے والی ہے۔

''میں نے اسے بتایا ہے کہ تم پوری طرح میرے قبضے میں ہو اور میں نے تمہیں بیہوشی کی دوا دے دی ہے۔'' ریما چند لمحے خاموش رہ کر بولی۔

''اوہو..... تو یہ بات ہے۔'' حمید اسٹوو پر رکھے ہوئے کافی پاٹ کو گھورنے لگا۔

''تم غلط سمجھے..... ضرورت پڑنے پر تمہیں بیہوشی کی اداکاری کرنی پڑے گی۔''

''میں سب کچھ کرلوں گا..... تم بس تیسری ناگن کی بات کیے جاؤ۔''

''میں آدھے گھنٹے بعد ایک تدبیر کروں گی اور ہمارا کوئی نہ کوئی آدمی یہاں پہنچ جائے گا۔''

''اگر ہمارے کسی آدمی سے مڈبھیڑ ہوگئی تو۔''

''تم اس کی فکر نہ کرو..... تمہارا کوئی آدمی ہماری گرد کو بھی نہ پہنچ سکے گا۔''

''تم بیہوشی کی دوا ہی دے دو مجھے کافی میں۔''

''کیوں.....؟''

''ہوسکتا ہے بیہوشی کی ایکٹنگ نہ کرسکوں۔''

ریما کچھ نہ بولی۔ اُس نے اٹھ کر حمید کے لئے کافی کا ایک کپ تیار کیا تھا۔

حمید اس دوران میں بغور اُسے دیکھتا رہا تھا کہ کہیں سچ مچ تو کوئی ایسی حرکت نہیں کر رہی۔

''لو پیو اور بیہوش ہو جاؤ۔'' وہ ہنس کر بولی۔

''ریما..... اگر اس میں زہر بھی ہے تو مجھے پرواہ نہیں۔'' حمید نے اس سے پیالہ لیتے ہوئے بڑے رومینٹک انداز میں کہا۔

''اتنا اعتماد ہے مجھ پر۔''

''تم نے خود کو اعتماد کے قابل ثابت کیا ہے۔''

''میں یقین نہیں کرسکتی۔ خیر مجھے اس سے کیا غرض..... تم چاہو تو میری ایکٹنگ سے انکار بھی کرسکتے ہو۔''

''اتنی بدگمانی کیوں.....؟''

''تم نے میری باتوں پر یقین کیسے کرلیا.....؟''

''معمولی شکل وصورت کی لڑکیوں کی باتوں پر یقین کرلیتا ہوں تم تو اتنی حسین ہو۔''

''باتوں میں اڑانے کی کوشش نہ کرو۔''

''عقل استعمال کرو..... میرے پاس کون سا ایسا ذریعہ ہے جس سے تمہاری باتوں کی تصدیق کرسکوں۔ سوائے اس کے کہ منتظر رہو اور دیکھو۔ لہٰذا اب مجھے تمہارے ہر مشورے پر عمل کرنا ہی پڑے گا۔''

''موت سے بھی نہیں ڈرتے۔''

''موت ہماری بہت پرانی ہمسائی ہے۔ روزانہ خیریت دریافت کرکے واپس جاتی ہے۔''

''لیکن اب میں نے ارادہ ملتوی کردیا ہے۔ بہت زیادہ تیزی دکھانے میں ٹھوکر کھانے کا اندیشہ ہے۔ میری ساتھیوں کی نظروں میں مجھے تم ہی لوگوں کے رحم کرم پر ہونا چاہئے۔''

''بات تو ٹھیک ہے۔''

''لہٰذا اب میں انہیں اطلاع دینے جارہی ہوں کہ حالات کے تحت فی الحال یہ ناممکن ہے۔''

''جیسی تمہاری مرضی..... خواہ مخواہ مجھے جگا دیا۔''

''ٹھہرو..... ایک منٹ ٹھہرو..... ذرا وہ لالٹین اٹھاؤ۔''

حمید کافی پی چکا تھا، اٹھ کر لالٹین اٹھا لایا۔ ریما نے گلے سے لاکٹ اتار کر پھر وہی بٹن شروع کردی جو کچھ دیر پہلے بظاہر حمید کی لاعلمی میں کرچکی تھی۔ ویسے اس بار اُس نے بٹن سے ایک کی بجائے دو ایئرفون منسلک کیے تھے۔

ایک اپنے کان میں لگا کر دوسرا حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کان میں لگا لینے کا اشارہ کیا۔

حمید نے اُس کے مشورے پر عمل کیا تھا۔

اب وہ لاکٹ کو منہ کے قریب لاکر کسی کو کال کررہی تھی۔ دفعتاً حمید نے دوسری طرف سے بولنے والے کی آواز سنی۔

''ریما پلیز..... ویٹ.....!''

کچھ چند لمحوں کے بعد آواز آئی۔ ''ہیلو ریما..... ریما.....!''

اور ریما سے جواب مل جانے کے بعد کہا گیا۔ ''اوور ٹو لیکراس.....!''

حمید ہمہ تن گوش ہوگیا اس نام پر..... اور پھر دوسری آواز آئی۔ ''ہیلو ریما.....!''

''اٹ از ریما سر! کچھ دیر پہلے میں نے جو پیغام بھیجا تھا اب اُس کے مطابق عمل نہ کرسکوں گی۔ کیونکہ وہ خود غائب ہوگیا ہے اور اُس کا نائب میرے ساتھ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ

اس طرح وہ میری نقل و حرکت پر نظر رکھنا چاہتا ہو۔ اوور.....!"

"ٹھیک ہے جو مناسب سمجھو کرو..... تم بہت ذہین ہو۔"

"شکریہ جناب.....!"

"اوور اینڈ آل.....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

ریما نے کان سے ایئر فون نکال لیا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔

"کیا خیال ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی۔

"کس سلسلے میں۔"

"اس آواز سے متعلق.....!"

"کیا تم مجھے یہ باور کرانا چاہتی ہو کہ وہ کسی عورت کی آواز تھی۔"

ریما اثبات میں سر ہلا کر بولی۔ "تیسری ناگن کی۔"

"حیرت انگیز.....!"

"وہ تمہارے چیف سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ مقامی آدمیوں سے وہ عموماً لیکر کے میک اپ میں ملتی ہے۔"

حمید پر تفکر انداز میں پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔



ایک مخصوص بلندی پر پہنچنے کے بعد ہیلی کوپٹر سیدھی پرواز میں آ گیا تھا اور اب خود کو یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ کسی ہیلی کوپٹر میں پرواز کر رہا ہے۔ نہ تو آواز تھی اور نہ رفتار ہی کا احساس ہوتا تھا۔ وہ قاسم اور اس لڑکی کی گفتگو اب بھی اتنی ہی سن رہا تھا جتنی زمین پر سنی تھی۔

لڑکی اس سے کہہ رہی تھی۔ "تم کسی طرح اپنی بھوک پر قابو پانے کی کوشش

پیٹ پیٹ چلاتے رہتے ہو۔"

"آپ کبھی کبھی بور کرنے لگتی ہیں۔"

"کیا مطلب.....؟"

"میں نے یہ نوکری چین سے بیٹھ کر کھانے ہی کے لئے کی تھی۔"

"تو آدمیوں کی طرح کھاؤ..... منع کون کرتا ہے۔" لڑکی نے قاسم کی نقل اتاری۔

"دیکھئے..... اس طرح نہیں ہوتی۔" قاسم کی آواز آئی اور پھر جھینپی ہوئی سی "ہی ہی ہی" برآمد ہوگئی۔

"اس کے باوجود تم مجھے بہت اچھے لگتے ہو۔ میری خواہش ہے کہ زندگی بھر میرے ساتھ رہو۔"

"تو پھر زندگی بھر پہاڑ کھودتی رہیں گی۔"

"میرا پیشہ یہی ہے..... اس کی تعلیم حاصل کی ہے میں نے..... اتنی عمر ضائع کی ہے..... مجھے پروفیشنلنگ سے عشق ہے..... تم خود سوچو..... کہیں کسی نامعلوم جگہ تم کھڑے ہو تمہیں علم ہو جائے کہ تمہارے قدموں کے نیچے سونا ہے..... چاندی ہے..... جواہرات ہیں تمہارا کیا حال ہوگا خوشی کے مارے..... میرے باپ کو اس سے دلچسپی نہیں ہے اور وہ ہیں نحیف و نزار آدمی..... تمہاری طرح دیو نہیں ہیں۔"

"باپ تو سب کے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ میرے باپ کے علاوہ..... لل..... لیکن آپ کبھی تو کر سکتی ہیں..... قیوں.....!"

"ضروری نہیں کہ میرے شوہر کو بھی اس سے دلچسپی ہو! پھر میرا ارادہ نہیں ہے شادی کرنے کا۔"

"قیوں.....؟" قاسم کے لہجے میں مسرت تھی۔

"بس یونہی.....!"

"تو میں زندگی بھر سیکریٹرا.....!"

"شٹ اپ..... سیکریٹری.....!"

"سوری..... جواب دیجئے..... زندگی بھر.....!"

''ہاں زندگی بھر..... مجھے تمہاری باتوں پر غصہ نہیں آتا..... لیکن شوہر کی ذرا سی
غصہ آ سکتا ہے۔''

''جی..... بلقل میرا بھی یہی حال ہے..... بیوی کی جرا جرا سی بات پر کتل کر
جی چاہتا ہے..... لیکن آپ کچھ بھی کہتی رہیں..... مجھے تاؤ نہیں آتا۔''

''اسی لئے میں شادی کی مخالف ہوں۔''

''بلقل..... بلقل..... بس سیکریٹری اور سیکریٹرا ہونا چاہئے۔''

فریدی سوچ رہا تھا پتہ نہیں یہ نامعقول کس طرح الجھایا گیا ہے۔

کچھ دیر بعد اُس نے پھر قاسم کی آواز سنی!

''قیا..... میں تھوڑی دیر ہو سکتا ہوں۔''

''نہیں..... بس اب پہنچا ہی چاہتے ہیں۔''

''کتنے دن وہاں رہنا ہوگا۔''

''بس دو دن کی بات ہے..... ایک جگہ پلاٹینم کے پائے جانے کا امکان ہے۔
دیکھیں گے۔''

دفعتاً فریدی نے محسوس کیا کہ ہیلی کوپٹر نیچے اتر رہا ہے۔ وہ پوری طرح ہوشیار
اگر وہ کمبل جن کے نیچے وہ چھپا ہوا تھا یہیں اتارے جانے کے لئے تھے تو اب اُ
خطرناک لمحات کے لئے تیار رہنا تھا۔ بالآخر ہیلی کوپٹر نے لینڈ کیا۔

''چلو اٹھو.....!'' فریدی نے لڑکی کی آواز سنی اور پھر قاسم کی غاؤں غاؤں سنائی
ایسا لگتا تھا جیسے اُسے جھنجھوڑ کر جگایا جا رہا ہو۔

پھر اس نے پیروں کی چاپ سنی۔ غالباً وہ دونوں اپنی جگہوں سے اٹھ کر دروا
طرف آ رہے تھے۔ دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور سناٹا چھا گیا۔

فریدی سوچ رہا تھا..... اب اس وقت کا انتظار کرنا چاہئے۔ جب کوئی اُن کو
وہاں سے ہٹانے کی کوشش کرے۔

لیکن کب تک..... وقت گذرا جا رہا تھا۔ آخر اس نے کمبلوں کے ڈھیر کے نیچ
نکالا۔ ہیلی کوپٹر میں سناٹا تھا۔ کاک پٹ بھی خالی نظر آئی۔ پائلٹ کی عدم موجودگی کا

تھا کہ وہ بھی مسافروں کے ساتھ ہی اتر گیا ہوگا۔

فریدی بڑی احتیاط سے نیچے اُتر آیا..... لیکن جیسے ہی اس نے کسی جانب بڑھنے کے
کیرنگ پوزیشن میں آنا چاہا اُس کے ہاتھ اور پیر کسی چیز میں الجھ کر رہ گئے۔ الجھتے ہی
حتیٰ کہ وہ ایسا محسوس کرنے لگا جیسے کسی مکڑی کے جالے میں پھنس گیا ہو۔

پھر دفعتاً تیز قسم کی روشنی میں نہا گیا..... اور اب اُس نے دیکھا کہ وہ نائیلون کی باریک
ڈوریوں کے جال میں پھنسا ہوا تھا۔

''اسے اٹھاؤ۔'' اُس نے ایک بھاری اور گونجیلی آواز سنی۔

تین آدمی اُسے اٹھانے کی کوشش کرنے لگے۔ اُس نے بھی مزاحمت نہ کی۔ چپ
اٹھتا چلا گیا۔

اُسے اب پھر ہیلی کوپٹر ہی میں ڈال دیا گیا تھا اور ہیلی کوپٹر کے اندر بھی اتنی روشنی تھی
دوسروں کے چہرے دیکھ سکتا۔ اُن تینوں غیر ملکیوں کے پیچھے قاسم نظر آیا۔ لڑکی بھی اُسکے
تھی۔ فریدی نے محسوس کیا کہ وہ دونوں اُسے پہچان لینے والی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔

دفعتاً قاسم ہنس کر بولا۔ ''ارے یہ تو وہی مرغی والا ہے۔''

''ہاں وہی ہے۔'' لڑکی نے یہ جملہ انگریزی میں ادا کیا تھا۔

پھر وہ دوبارہ پچھلی سیٹوں پر چلے گئے تھے۔ وہ تینوں غیر ملکی بھی اب انکے ساتھ ہی تھے۔

ہیلی کوپٹر فضا میں بلند ہونے لگا۔ فریدی اب کمبلوں کے ڈھیر کے اوپر پڑا ہوا تھا۔

اُس نے کچھ دیر بعد قاسم کی آواز سنی۔

''تو قیا ہم اس کو پکڑنے کے لئے یہاں آئے تھے۔''

''اور کیا.....!'' لڑکی کی آواز آئی۔ ''اب ہم اس سے پوچھیں گے کہ مرغیاں کہاں سے
لایا تھا۔''

''اب تو پورا کریٹ ہمارے ہاتھ آ جائے غا..... ہی ہی ہی ہی۔''

لڑکی کچھ نہ بولی۔

البتہ فریدی اپنی اس حماقت پر دل ہی دل میں محظوظ ہو رہا تھا۔ تو گویا وہ کمبلوں کا ڈھیر
اسنے ہیلی کوپٹر میں ڈالا گیا تھا کہ وہ اُس میں چھپ سکے۔ ہیلی کوپٹر نہیں چوہے دان تھا

گویا۔ تو کیا ناصر نے انہیں مطلع کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہو سکتی
اُسے یاد آیا بوڑھے نے کہا تھا کہ ادھر سے تو گاڑیاں نہیں گزرتیں اور اُس کی آنکھ
تشکیک کی جھلکیاں بھی نظر آئی تھیں۔ پھر ناصر ٹرک لے بھاگا۔ اگر وہ اپنے عہد پر
ہوتب بھی اُس کے فرار نے دوسروں کو شبہات میں مبتلا کیا ہوگا۔ دراصل غلطی خود
ہوئی۔ جلد بازی نہ کرنی چاہئے تھی۔ کم از کم ایک رات انہیں اطراف میں ٹھہر کر ان
نگرانی کرتا..... اور اب.....!

خیالات کا سلسلہ ایک بار پھر قاسم ہی کی آواز سے ٹوٹ گیا۔

''تو اب ہم اس چور کا قیا قریں گے۔''

''پولیس کے حوالے کر دیں گے۔'' لڑکی کا جواب تھا۔

''واہ بھئی..... اب مرغی چوروں کیلئے بھی ہیلی کوپٹر سروس چلا قرے گی..... وا

فریدی بے اختیار مسکرا پڑا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ پوری طرح مطمئن ہو۔ نائیلون کے تاروں کے جال
کے ہاتھ پیر آزاد تھے اور اس میں اتنی جگہ تھی کہ وہ انہیں بہ آسانی موڑ سکتا تھا۔

کچھ دیر بعد ہیلی کوپٹر پھر نیچے اترتا محسوس ہونے لگا۔ فریدی خاموش پڑا رہا۔
ہیلی کوپٹر لینڈ کر چکا تھا۔ دفعتاً اس نے کسی کو کہتے سنا۔ ''وی آر ایٹ پوائنٹ سکس
وی آر ایٹ پوائنٹ سکس..... ہیلو ہیلو..... کوکی کالنگ لیکراس۔''

بولنے والا یقینی طور پر وائرلیس کے ذریعہ کسی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر
اُس کی آواز پھر سنائی دی۔ ''ہیلو..... لیکراس! تدبیر کارگر ہوئی وہ ہاتھ آ
پوائنٹ سکس والوں نے اس کی شناخت کر لی ہے۔''

ایک پل کے لئے وہ خاموش ہو کر پھر بولا۔ ''موٹا آدمی اُسے اس حیثیت
شناخت کر سکا جس میں ہمیں توقع تھی..... اُس نے اسے صرف ٹرک والے کی حیثیت
شناخت کیا ہے۔''

کچھ دیر پھر سکوت رہا اس کے بعد پچھلی سیٹوں والے اٹھ کھڑے ہوئے۔

ایک بار پھر فریدی کو اٹھانے کا مسئلہ درپیش ہوا۔

''تم تو اکیلے ہی اٹھا سکو گے۔'' لڑکی نے قاسم سے کہا۔ ''ان تینوں شریف آدمیوں کو
کیوں تکلیف دو۔''

''نہیں..... میں ہاتھ نہیں لغاؤں غا۔'' قاسم جماہی لے کر بولا۔

''کیوں.....؟''

''اس بیچارے نے چھ مرغیاں بلقل مفت مجھے دی تھیں۔ شریف آدمی معلوم ہوتا ہے۔''

''جہنم میں جاؤ۔'' لڑکی بڑبڑائی۔

پھر وہ دونوں تو نیچے اُتر گئے تھے اور غیر ملکی فریدی کو اٹھانے کی کوشش کرنے لگے تھے۔
فریدی نے اس بار بھی مزاحمت نہ کی۔ چپ چاپ اٹھتا چلا گیا۔ لیکن جب انہوں نے
اُسے نیچے اتار کر کاندھوں پر لادنے کی کوشش شروع کی تو اُس کی پوستین کی داہنی آستین سے
ایک چھوٹا سا چاقو برآمد ہوا اور نائیلون کا جال اُن کی بے خبری میں کٹتا چلا گیا۔

انہیں ہوش تو اس وقت آیا تھا جب دو کی گردنیں اُس کی گرفت میں آئی تھیں اور
تیسرے کی کھوپڑی پر پوری قوت سے ٹھوکر پڑی تھی۔

اور اس کا احساس تو فریدی کو پہلے ہی ہو گیا تھا کہ یہ وہی جگہ ہے جہاں سے روانگی ہوئی
تھی۔ عمارت کی کھڑکیوں سے پھوٹنے والی تیز روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔

اس روشنی میں اگر وہ بھاگنے کی کوشش کرتا تو کسی نہ کسی کے ریوالور کی گولی اُسے ضرور
چاٹ جاتی۔ لہٰذا پہلی ہی مہلت میں اُس نے خود اپنا ریوالور نکال لیا اور گرج کر بولا۔ ''جہاں
ہو..... وہیں ٹھہرو۔''

سب کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔ پائیلٹ بھی انہیں میں شامل تھا۔

پھر اُس نے قاسم کو مخاطب کر کے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ تم اس لڑکی سے محبت کرتے ہو۔''

''بہت جیادہ..... بلقل بلقل.....!''

''ان سفیدوں نے تمہارے خلاف سازش کی ہے۔''

''اے تم ہو..... قون.....؟''

''اچھا اب پہچانو میری آواز.....!''

''ارے..... جب باپ..... رے.....!''

"ہاں..... اب انہیں گرا کر بے بس کرو۔" فریدی بولا۔ وہ عمارت کی طرف سے بے خبر نہیں تھا۔ لیکن بوڑھے کی شکل نہ دکھائی دی۔ تو پھر کیا وہ پیغام جو ہیلی کوپٹر سے نشر ہو تھا اُسی کے لئے تھا..... اگر یہ نہیں تو پھر کھڑکیاں اتنی روشن کیوں تھیں۔ خود اُس کے کے مطابق تو انہیں ہیلی کوپٹر کی رہنمائی ہی کے لئے روشن کیا گیا تھا۔

"لل..... لیقن.....!"

"یہ کون ہے۔" لڑکی نے قاسم سے پوچھا۔

"ارے کچھ نہ پوچھو..... اب جرور گھپلا ہوگا۔"

"تم بے فکر رہو..... میں تمہاری محبت کو پھلنے پھولنے دوں گی۔"

"تب تو ٹھیک ہے۔" دفعتاً قاسم نے اپنا داہنا ہاتھ برابر کھڑے ہوئے آدمی کی گردن رسید کرتے ہوئے کہا۔

وہ منہ کے بل ڈھیر ہوگیا اور لڑکی چیخنے لگی۔ ساتھ ہی فریدی نے انہیں للکارا۔ "اگر نے بھی اپنی جگہ سے جنبش کی تو گولی ماردوں گا۔ وہ جو کچھ بھی کر رہا ہے اُسے کرنے دو۔"

پھر اس نے مضبوط ڈور کا گولا نکال کر قاسم کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ "ان کے ہاتھ بھی پشت پر باندھتے جاؤ۔"

دھواں

حمید کو نیند نہیں آرہی تھی لیکن وہ آنکھیں بند کئے پڑا رہا اور ریما تو جاگ ہی رہی تھی بالکل ایسے انداز میں بیٹھی تھی جیسے مراقبے میں ہو۔

اچانک حمید نے کسی کی آہٹ محسوس کی اور بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔ لیکن ریما کے بیٹھنے کا انداز نہ بدلا۔

غار میں وہی شخص داخل ہوا تھا جس نے یہاں تک حمید کی رہنمائی کی تھی۔ اس

بانے کے قریب ہی رک کر حمید کو اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔ حمید بڑی پھرتی سے اٹھا تھا۔

اس نے آہستہ سے کہا۔ "اب آپ معمولی سے میک اپ میں ریگم بالا کی طرف چلیے ہیں۔ ضروری سمجھیں تو لڑکی کے چہرے میں تھوڑی بہت تبدیلی کردیں کیونکہ رینجرز کو آپ دونوں کی تلاش بھی ہے۔"

"کیا ابھی اسی وقت جانا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"جی ہاں..... خالی گاڑی زیادہ دیر تک سڑک پر نہیں چھوڑی جاسکتی۔"

"خدا کی پناہ! سڑک تک پہنچنا آسان تو نہیں۔ یہ لڑکی شائد کہیں بیٹھ ہی جائے..... خیر.....!"

"میں باہر موجود ہوں۔" اجنبی نے کہا اور باہر چلا گیا۔

گفتگو اتنی آہستگی سے ہوئی تھی کہ ریما تک شائد ہی اس کا کوئی لفظ پہنچ سکا ہو۔

بہرحال جب حمید اس کی طرف مڑا تو وہ اُسے مراقبے ہی کے سے انداز میں ملی۔ قریب پہنچ کر اُس نے اُسے آواز دی اور وہ چونک پڑی۔

"کیا ہے.....؟ کیا بات ہے۔"

"کیا تم سو رہی تھیں۔"

"شائد..... شائد آنکھ لگ گئی تھی۔ کیا بات ہے۔"

"ہمیں ابھی یہاں سے روانہ ہوجانا پڑے گا۔"

"کیا صبح ہوگئی۔"

حمید نے گھڑی پر نظر ڈال کر کہا۔ "صبح ہونے ہی والی ہے۔ ہمیں اپنے چہروں میں تھوڑی بہت تبدیلیاں بھی کرنی پڑیں گی۔"

"کیوں.....؟"

"کمال کرتی ہو..... ہمیں رینجرز سے بھی تو بچنا ہے۔ ہمارے لئے انہوں نے چاروں طرف جال بچھا دیئے ہوں گے۔"

پھر ان کے درمیان کسی قسم کی گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ حمید اُس کے چہرے میں تبدیلیاں کرنے لگا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر ناہموار راستوں پر ٹھوکریں کھاتے نظر آئے۔

سوٹ کیس ہمراہی نے اٹھایا تھا۔ اس بار ریما کی زبان سے شکائت کا ایک لفظ نہ نکلا۔ بڑے مزے میں چلی جارہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے ہمیشہ سے ایسے راستوں پر چلتی آئی ہو۔

''کیا بات ہے۔'' حمید نے آہستہ سے پوچھا۔ ''اس بار تم دماغ نہیں چاٹ رہیں۔''

''اب اداکاری کی ضرورت باقی نہیں رہی۔'' ریما نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

سڑک تک پہنچنے میں خاصا وقت صرف ہوا تھا۔ صبح کی سفیدی پھیلنے لگی تھی۔

یہ ایک چھوٹی سی اسپورٹ کار تھی۔ ہمراہی نے سوٹ کیس گاڑی کے پچھلے حصے میں رکھتے ہوئے کہا۔ ''خدا حافظ۔''

حمید نے انجن اسٹارٹ کیا۔ ایکسیلریٹر پر دباؤ ڈالا اور گاڑی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

''ذرا احتیاط سے۔'' ریما بولی۔

''فکر نہ کرو۔''

چاروں طرف پھیلا ہوا سناٹا بڑا پُراسرار لگ رہا تھا۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر ہلکی دھند لائی ہوئی سی سرخی اس سناٹے ہی کا ایک جزو معلوم ہوتی تھی۔

شدید سردی کے باوجود بھی حمید اس خوبصورت منظر سے لطف اندوز ہو رہا تھا اور اس کی اوپر اٹھی ہوئی ناک کو گھورے جارہی تھی۔

''اگر اب اس ناک پر چھوٹا سا پرندہ بٹھا دیا جائے تو کیسے لگو گے۔'' اس نے کچھ بعد کہا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ اب وہ جلد از جلد ریگم بالا پہنچ جانا چاہتا تھا۔ اُس غار سے اپنی روانگی کا مقصد یہی ہوسکتا تھا کہ ہمراہی کو فریدی کی طرف سے اچانک ہی اس کے لئے ہدایت ملی ہوگی۔ لیکن وہ اس سلسلے میں پوچھ گچھ نہیں کرسکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ایک بے نام سی الجھن اس کے ذہن پر مسلط ہوگئی۔

''تم اتنے خاموش کیوں ہو۔'' دفعتاً ریما بولی۔

''کچھ نہیں..... میں یہ سوچ رہا ہوں آخر زندگی کا مقصد کیا ہے!''

''پولٹری فارمنگ..... میں تو بڑھاپے میں یہی کروں گی۔''

''میں اس وقت سنجیدہ ہوں۔''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ پولٹری فارمنگ میں۔''

''مجھے ہنسنے پر مجبور نہ کرو۔''

''اچھا تو رو کر ہی دکھاؤ..... اب زندگی بھر مجھ سے پیچھا نہ چھڑا سکو گے۔ سمجھے؟''

حمید جواباً کچھ نہ بولا۔ وہ اس وقت سچ مچ خاموش رہنا چاہتا تھا۔ نہ جانے کیوں اس کی روح اداسی جاگ پڑی تھی جو کبھی کبھی بھرے مجمع میں بھی احساس تنہائی کا موجب بن جایا کرتی تھی۔

وہ گاڑی کی رفتار بڑھاتا رہا۔ دفعتاً ریما اسپیڈو میٹر کی طرف دیکھ کر بولی۔ ''کہیں تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ اس سے پہلے کبھی تم نے اس سڑک پر سفر تو نہیں کیا..... رفتار کم کرو۔''

''تم ڈرو نہیں۔''

''تم نہیں جانتے کہ اچانک آگے ڈھلان ملے گی یا تمہیں گاڑی موڑنی پڑے گی۔''

''تم جانتی ہو..... اس لئے مطمئن ہوں۔''

''اچھی بات ہے..... تو میری سنو..... یہاں سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک موٹیل اور ہے۔ ہم وہاں رک کر شریف آدمیوں کی طرح ناشتہ کریں گے۔''

''ہم اسی صورت میں کہیں قیام کرسکیں گے اگر تم برقعہ استعمال کرنے پر آمادہ ہو جاؤ..... کیونکہ تمہارے جسم پر اب بھکشنو والا لباس ہے۔ رینجرز نے تمہارے لباس کے بارے میں یقینی طور پر اعلان کیا ہوگا۔''

''میں نے اس کے اوپر لمبی پوستین بھی تو پہن رکھی ہے۔''

''پوستین پہلے بھی تھی۔''

''اچھا میں برقعہ استعمال کروں گی..... لیکن ہمیں آگے رکنا ہے۔ رفتار اور کم کرو۔''

حمید نے رفتار کم کردی..... موٹیل کی عمارت کے آثار دور ہی سے نظر آرہے تھے۔

''یہاں ایک چھوٹا سا اسٹور بھی ہے۔ تم میرے سائز کا اسکرٹ اور بلاؤز خرید سکو گے۔''

''ہوں.....!''

موٹیل کے سامنے اس نے گاڑی روکی اور بولا۔ ''نہیں برقعہ رہنے دو۔ پوستین تمہارا کام چلا لیتی ہے اور اس قسم کی پوستین یہاں عام ہیں۔''

''بہت بہت شکریہ..... سویٹ ہارٹ!'' ریما نے طویل سانس لی۔

سورج طلوع ہو رہا تھا۔ پہاڑوں کی چوٹیاں نارنجی رنگ کے کہر میں لپٹی دکھائی دیتی تھیں۔

وہ دونوں گاڑی سے اُتر کر موٹیل کے ڈائننگ ہال میں داخل ہوئے۔ یہ موٹیل نوعیت کے اعتبار سے جدید ترین تھا۔ ایک باوردی ویٹر نے اُن کا استقبال کیا۔ اس یہاں کی ساری میزیں خالی نظر آ رہی تھیں۔

''کیا قیام فرمائیں گے۔'' ویٹر نے حمید سے پوچھا۔

''پہلے گرما گرم کافی..... بقیہ باتیں بعد میں..... اور ہاں ساتھ میں چکن بھی۔'' حمید کرسی پر گرتا ہوا بولا۔

''بہت بہتر جناب۔'' ویٹر کسی قدر جھک کر بولا اور وہاں سے چلا گیا۔

''میرا خیال ہے کہ ہم یہاں رہائش اختیار کر کے پہلے اپنی حالت درست کر لیں آگے بڑھیں گے۔'' ریما بولی۔

''جو تم مناسب سمجھو۔''

''آخر تم اتنے بجھے بجھے سے کیوں نظر آ رہے ہو۔''

حمید صرف ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

ریما اُسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ کچھ دیر خاموشی رہی پھر حمید بولا۔ ''میں نہیں کہ ریگم بالا پہنچ کر مجھے کیا کرنا ہوگا۔''

''میں جانتی ہوں۔'' ریما اُس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی۔

''کیا جانتی ہو۔''

''جو میں کہوں گی وہی تمہیں کرنا پڑے گا۔''

''میرے لئے کوئی نئی بات نہیں! خوبصورت عورتوں کے اشاروں پر ناچتا ہی آیا ہوں

''مکاری کی باتیں نہ کرو۔''

حمید پھر کچھ نہ بولا۔ اُس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا ریما نے وہاں قیام کرنے کا مشورہ دے کر اُس پر احسان عظیم کیا ہے..... اب وہ اُس کی پوری کئے بغیر ایک قدم بھی نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ویٹر طلب کی ہوئی چیزیں لایا اور میز پر لگانے لگا۔

اتنے میں صدر دروازے سے کئی افراد اندر داخل ہوئے۔ ریما اُدھر ہی دیکھ رہی تھی۔ یکایک اُس کی آنکھوں میں دہشت زدگی کے آثار نظر آئے اور پھر ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اپنی بدلتی ہوئی حالت پر قابو پانے کی کوشش کر رہی ہو۔

حمید نئے آنے والوں کی طرف پوری طرح متوجہ ہو گیا۔ یہ تعداد میں سات تھے۔ سب سفید فام تھے اور ان میں صرف ایک عورت تھی۔ ایسی عورت جس کے مقابلے میں مرد ساتھی بونے نظر آ رہے تھے۔ بارعب چہرے والی یہ لحیم شحیم عورت پروقار انداز میں چلتی ہوئی کاؤنٹر کی طرف چلی گئی۔ مرد ایک میز کے قریب رک گئے تھے۔

حمید نے پھر ریما کی طرف دیکھا۔ وہ بُری طرح ہانپ رہی تھی۔

''کیا بات ہے۔ کیا تمہاری طبیعت خراب ہے۔'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''کک..... کچھ نہیں۔'' اُس نے کہا اور ایک سینڈوچ اٹھا کر کھانا شروع کر دیا۔

حمید ٹکٹکی لگائے اس عورت کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

''اُدھر مت دیکھو۔'' ریما آہستہ سے بولی۔

''کیوں.....؟'' حمید چونک پڑا اور اس نے بھی ایک سینڈوچ اٹھا لیا۔

''بحث نہ کرو..... اب تمہیں میرے کہنے پر چلنا ہے۔''

''بہت اچھا محترمہ.....!'' حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''لیکن تم اپنا فیصلہ تبدیل نہ کر سکو گی۔''

''کیسا فیصلہ.....!''

''یہی کہ آج ہم یہیں قیام کریں گے۔''

ریما کسی سوچ میں پڑ گئی اور حمید کنکھیوں سے کاؤنٹر کی طرف دیکھنے لگا۔ عورت ابھی تک کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھے ہوئے آدمی سے باتیں کئے جا رہی تھی۔

''اس طرح اُدھر نہ دیکھو..... ایسے بن جاؤ جیسے تمہارے علاوہ یہاں اور کوئی موجود ہی نہ ہو۔''

''تم نے میرے جس لحیم شحیم دوست کا ذکر کیا تھا اگر اس وقت وہ یہاں موجود ہوتا تو کچھ روشنی آ جاتا۔''

''کیا ہوتا۔''

''اس قد وقامت کی عورت دیکھ کر حواس کھو بیٹھتا ہے۔''

''میں کہتی ہوں اُدھر مت دیکھو۔''

''جہنم میں جائے۔'' حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا اور جلدی جلدی سینڈوچ کھانے لگا۔

کافی پینے کے دوران میں اُس نے ویٹر کو اشارے سے بلا کر ایک ڈبل بیڈ کمرے کے لئے بھی کہا تھا۔

نئے آنے والے بھی شائد قیام ہی کے لئے یہاں آئے تھے۔ کیونکہ اب اُن کا بھی اندر لایا جارہا تھا اور پھر وہ سامان کے ساتھ ہی شائد رہائشی کمروں کی طرف چلے تھے۔ ریما نے طویل سانس لی اور اب اس کی آنکھیں پرسکون تھیں۔

''کیا یہی وہ عورت تھی۔'' حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

اور ریما بات اڑانے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔ ''کیپٹن حمید دنیا کی ہر عورت خطرناک ہے۔

''اب بکواس شروع کردی تم نے..... مجھے عورتوں کے بارے میں خوش فہمی ہی میں رہنے دو..... ورنہ پھر کس کے سہارے جیوں گا۔''

''بکواس تم کررہے ہو..... پتھر.....!''

''پتھر ضرور ہوں.....!'' حمید نے کہا اور جملہ پورا کئے بغیر اونگھنے لگا۔ وہ ناشتہ کرچکے تھے۔

تھوڑی دیر بعد ایک پورٹر نے میز کے قریب آ کر اُن کا سوٹ کیس اٹھایا اور انہیں بھی رہائشی کمرے کی طرف چلنے کو کہا۔

''اس سے پوچھو کہ ڈیپارٹمینٹل اسٹور کس وقت کھلتا ہے۔'' ریما نے حمید سے کہا۔

حمید کے سوال پر پورٹر نے جواب دیا۔ ''دس بجے جناب۔''

کمرہ خاصا گرم تھا۔ آتشدان میں کوئلے دہک رہے تھے۔

''بڑی عجیب بات ہے.....!'' حمید بڑبڑایا۔

''کیا.....؟'' ریما چونک پڑی۔

''یہ کوئلے..... اتنی جلدی تو نہیں دہک سکتے۔''

''ہوسکتا ہے خالی کمروں کو بھی گرم ہی رکھتے ہوں! بڑا اچھا طریقہ ہے پتہ نہیں کب

نمبر 36

ب آجائے۔''

''اچھی بات ہے..... فی الحال ہمیں سوجانا چاہئے۔ بقیہ باتیں پھر ہوں گی۔'' حمید

ی لے کر بولا۔

''میری نیند غائب ہوگئی ہے۔''

''کیوں.....؟''

''سخت الجھن میں ہوں۔''

''کچھ بتاؤ بھی تو..... ارر نہیں کچھ نہیں۔ پہلے میں جی بھر کر سولوں اس کے بعد بتانا۔''

''تمہارا بھی جواب نہیں ہے۔''

''گڈ بائی.....!'' کہتا ہوا حمید جوتوں اور پوستین سمیت بستر پر گرا اور اپنے اوپر کمبل تان لیا۔

لڑکی کے علاوہ اُن میں سے اور کوئی بھی آزاد نہیں تھا۔ قاسم نے پچھلی رات چاروں کو

ھ لیا تھا۔

لیکن ذرا سی غفلت کی بناء پر بوڑھا نہ صرف نکل گیا تھا بلکہ ہیلی کوپٹر بھی لے گیا تھا۔

اُن چاروں کو قابو میں کر لینے کے بعد وہ عمارت میں داخل ہوا تھا۔ لڑکی دم بخود تھی۔

ب عمارت میں بوڑھا نہ ملا تو فریدی نے اس کے متعلق لڑکی سے سوال کیا۔ لیکن لڑکی نے

ی ظاہر کی۔

پھر جلد ہی فریدی کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ کیونکہ جب دوسری بار اس نے عمارت

سے باہر قدم نکالا تو ہیلی کوپٹر غائب تھا۔

فوراً اُسے خیال آیا کہ اب ان غیر ملکیوں سے شائد ہی کچھ اگلوایا جاسکے۔ کیونکہ یہاں

ا قیام کسی ظاہری حیلے کے بغیر نہ ہوا ہوگا۔ ہیلی کوپٹر اُن کے خلاف ایک عمدہ ثبوت ہوتا۔

صبح ہو رہی تھی۔ وہ پھر عمارت میں واپس آ گیا۔ چاروں غیر ملکی فرش پر پڑے تھے۔ قاسم نے اُن کے ہاتھ پیر بڑی مضبوطی سے باندھے تھے۔

"یہ آخر کیا ہے؟" لڑکی فریدی سے نظر ملائے بغیر بولی۔ "میرے ساتھیوں سے کا برتاؤ کرنے والے تم کون ہو۔"

"کیا تمہارے سیکریٹری نے کچھ نہیں بتایا۔"

"سیکریٹرا..... جناب عالی۔" قاسم نے اُسے ٹوکا۔

"تم سے جواب طلب کیا جائے گا۔" لڑکی بولی۔

"کون جواب طلب کرے گا۔"

"حکومت..... یہ لوگ ایک غیر ملکی امداد کے تحت یہاں جیالوجیکل سروے کر رہے ہیں۔"

"کر رہے ہوں گے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"تم آخر ہو کون؟"

"جادوگر..... جس سے جس وقت جو کام چاہوں لے لوں۔ اب یہی دیکھ لو۔ سیکریٹری بے چوں و چرا میرے احکام کی تعمیل کر رہا ہے۔"

"یہ کون ہے۔" دفعتاً وہ قہر آلود انداز میں قاسم کی طرف مڑا۔

"یہ..... یہ..... ایک بہت بڑے وہ ہیں۔"

"کیا ہیں.....؟"

فریدی نے قاسم کو گھور کر دیکھا اور وہ گڑبڑا کر بولا۔ "وہ ہیں..... وہ..... یعنی کہ لونڈیوں کے چکر میں ہوتے ہیں انہیں سمجھاتے بجھاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔"

"کیا بکواس ہے۔" لڑکی جھلا کر چیخی۔

"الاقسم ٹھیچ کہہ رہا ہوں۔"

فریدی مسکرایا تھا اور قاسم کی طرف دیکھ کر سر کو جنبش دی تھی۔

"یقین کیجئے محترمہ۔" قاسم کھسیانے سے انداز میں ہنس کر بولا۔ "میرے والد صاحب بھی ان سے ڈرتے ہیں۔"

"تم کیا بکے جا رہے ہو۔"

"ٹھیچ بک رہا ہوں..... خود اتنے بڑے ہو گئے۔ یقین آج تک لونڈیوں کے چکر میں پڑے..... الاقسم.....!"

"لڑکی اب تم مجھ سے بات کرو۔ تمہارا باپ کہاں ہے۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"میں نہیں جانتی۔"

"ہیلی کوپٹر کون لے گیا۔"

"یہ ان لوگوں سے پوچھو۔" اُس نے غیر ملکیوں کی طرف اشارہ کیا۔

"مجھے بھوخ لگ رہی ہے..... ٹھینگے پر ہے سب کچھ۔ ان کے باپ ہی تو کھانا پکایا کرتے تھے..... اب قیا ہوغا۔" قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"تم بکواس بند نہیں کرو گے۔"

"نہیں..... مجھے بھوخا تھوڑی مرنا ہے..... واہ بھئی..... اب وہ گائب ہو گئے تو ناشتہ بھی گائب..... نہیں قرتا ایسی نوکری دو کری۔"

"سوال تو یہ ہے کہ تمہیں نوکری کی ضرورت کیوں پیش آئی۔"

"سنک جاتا ہوں کبھی کبھی۔"

"قاسم اپنی زبان بند رکھو۔ میں تمہیں پکا کر کھلاؤں گی۔"

"جندہ باد۔" قاسم خوش ہو کر بولا۔ پھر سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے خاکسارانہ انداز میں کہنے لگا۔ "میں تو آپ کا خادم ہوں۔ غلام ہوں۔"

"کیا مجھے کچن جانے کی اجازت ہے؟" لڑکی نے فریدی سے پوچھا۔

"ہے ہے..... بلکل ہے۔" قاسم بول پڑا۔

"لیکن یاد رہے.....!" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"یاد رہے غا.....!" قاسم نے بُرا سا منہ بنا کر جلے بھنے لہجے میں کہا۔

وہ دونوں وہاں سے چلے گئے اور اب فریدی اُن چاروں کی طرف متوجہ ہوا۔

ایک کو مخاطب کر کے بولا۔ "کرنل فریدی کے ساتھیوں میں سے جو بیہوش آدمی موٹیل سے اٹھوایا گیا تھا اب کہاں ہے۔"

"ہم میں سے کوئی بھی اس قسم کے معاملات کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ ہم تو

صرف جیالوجیکل سروے کررہے ہیں۔ ہمارے کاغذات ہمارے پاس موجود ہیں۔"

"وہ ہیلی کوپٹر یہاں کس طرح لایا گیا۔"

"کون سا ہیلی کوپٹر.....؟" سوال کرنے کے انداز میں بڑی معصومیت تھی۔

"اُوہ.....اچھا.....!" فریدی مسکرایا۔

"ہمیں آخر کیوں یہاں اس طرح روکا گیا ہے۔"

"تمہاری دانست میں کیا وجہ ہوسکتی ہے۔"

"ہم کیا جانیں؟"

"بہت جلد معلوم ہوجائے گا۔" فریدی نے کہا اور انہیں وہیں چھوڑ کر کچن کی طرف پڑا۔ پچھلی رات ہی کو اُس نے بلیک فورس کے اس ممبر سے رابطہ قائم کرلیا تھا جو اُس کی ہدا کے مطابق سمن آباد میں اُس کے احکامات کا منتظر تھا۔

اور اب اس وقت وہ مطمئن تھا کہ ان چاروں قیدیوں کی نگرانی اس کی عدم موجودگی بھی ہوسکے گی۔ بلیک فورس کے کئی ممبر باہر عمارت کے آس پاس ہی موجود تھے۔

وہ کچن کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اندر سے ان دونوں کی آوازیں آرہی تھیں۔

قاسم کہہ رہا تھا۔ "یقین کیجئے محترمہ۔ میں نہیں جانتا وہ قون ہے۔ مجھے تو بس! معلوم ہوا تھا جیسے میرا باپ بول رہا ہو.....اور مجھے شکل بھی اپنے باپ ہی کی دکھائی تھی.....ورنہ میں اتنا پاگل نہیں تھا کہ اُن بیچاروں کو باندھ دیتا۔"

"بکواس کررہے ہو تم.....!"

"ہوتے ہیں..... پہنچے ہوئے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ میرے پڑوس میں ایک صاحب رہتے تھے.....دن بھر اپنے گھر کی عورتوں کو ڈانٹتے رہتے تھے کہ سر پر ڈوپٹہ ڈالو نہیں سنتی تھیں آخر ایک دن جلال میں آکر قہہ دیا جہنم میں جاؤ۔ ارے اتنا کہنا تھا کہ کھٹاک سب کی قیمضوں کی آستین غائب ہوگئیں اور غرارے بل باٹم بن گئے..... صاحب انہیں جہنم میں جھونک کر مسجد میں جابیٹھے اور سال بھر سے وہیں بیٹھے ہوئے ہیں اُدھر گھر کی عورتوں پر وہ عذاب وہ عذاب کہ خدا کی پناہ.....اب تو بل باٹم بھی نہیں رہے منی اسکرٹ چل رہے ہیں.....آپ خود سوچئے سردیوں میں قیسی سرسراتی رہتی ہوں گی

توبہ توبہ..... ہائے ہائے منی اسکرٹ ہائے ہائے۔"

"بکومت.....وہ مکھن کا ڈبہ اٹھاؤ۔"

"یہ لیجئے مکھن قا ڈبہ.....آپ کی سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آتی۔ قیا یہ کرامت نہیں ہے کہ کل تک مرغیاں بیچتا پھرتا تھا اور آج تھانیدار بنا بیٹھا ہے۔"

"میں کہتی ہوں بکواس بند کرو۔ تم نے محض مرغیوں کے لالچ میں یہ حرکت کی ہے۔"

"لیجئے جب آپ بھی یہی قہیں غی تو محلے والے کب چھوڑیں گے۔ اپنے سیکریٹرا کی یہ درگت.....اللہ.....!"

"تم بالکل ناکارہ آدمی ہو۔ خواہ مخواہ اپنی طاقت اور دلیری کا رُعب ڈالنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ اُس آدمی کی ذرا سی گھڑنے تمہیں حواس باختہ کردیا۔ ڈوب مرو چلو بھر پانی میں۔"

ٹھیک اسی وقت فریدی کچن میں داخل ہوکر بولا۔ "اُن چاروں کا بھی خیال رکھنا۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ بھوکے مرجائیں۔"

"ہمارے پاس اتنا راشن نہیں ہے۔" لڑکی جھنجھلا کر بولی۔

"میں مرغیوں کا پورا کریٹ اس نیک کام کے لئے وقف کرتا ہوں۔"

"بابا جی مرغیوں کی تعداد دوگنی کردیجئے.....روحانی جورلغاقر.....!" قاسم آنکھ مار کر بولا۔

"پیٹ میں پہنچ کر دوگنی ہوجائیں گی۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔"

"وہ تو ہے ہی.....!"

دفعتاً ایک زوردار دھماکہ ہوا اور پوری عمارت لرز کر رہ گئی۔

فریدی اُس کمرے کی طرف جھپٹا جہاں اُن چاروں کو چھوڑ آیا تھا۔

گہرے دھوئیں کا ایک بڑا سا مرغولہ اس کمرے کے دروازے سے نکل رہا تھا۔

وہ پھر کچن کی طرف پلٹا.....دفعتاً اُس نے قاسم کی "ارے ارے" سنی اور تیزی سے کچن میں داخل ہوا۔

یہاں قاسم تنہا نظر آیا۔ اُس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"کھڑکی سے باہر کود گئی۔ اب میں کیا کروں.....!"

"میرے ساتھ آؤ۔" فریدی اُس کا ہاتھ پکڑتا ہوا بولا۔

وہ کچن سے نکل آئے۔ کثیف دھوئیں کا بادل اب اُس طرف بڑھ رہا تھا۔

کچن کی کھڑکیوں سے فریدی بھی باہر چھلانگ لگا سکتا تھا۔ لیکن قاسم کیلئے یہ ناممکن

بہرحال فریدی کو ایک بغلی دروازہ توڑنا پڑا تھا۔ توڑنا یوں پڑا تھا کہ وہ مقفل تھا۔

پھر اگر اُس کے اپنے اوسان بجا نہ ہوتے تو وہ قاسم کو بھی لے ڈوبا ہوتا۔

اس دیوار کا اختتام ہی ایک گڑھے کے کنارے ہوا تھا۔ بدحواسی کے عالم

دروازے سے گزرنے والا اپنے ہاتھ پیر توڑ سکتا تھا۔

فریدی محسوس کر رہا تھا کہ دھواں خطرناک ہے۔ گڑھے کی چوڑائی بھی اتنی

چھلانگ لگا کر دوسری طرف پہنچنا محال تھا۔ پھر کیا کیا جائے۔

وہ اب بھی باورچی خانے والی کھڑکی سے چھلانگ لگا کر خود کو بچا سکتا تھا۔

لیکن قاسم.....وہ اس کھڑکی سے کسی طرح بھی نہ گذر سکتا۔

دفعتاً دھوئیں کا ریلا ان دونوں پر سے گزر کر کھلے ہوئے دروازے سے باہر نکل

فریدی قاسم کو پیچھے دھکیل لایا۔ اُس نے اپنی سانس روک رکھی تھی۔

پھر قاسم کو سنبھالنا دشوار ہو گیا۔ وہ جھومتا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

اور اب قاسم کے لئے رکنا حماقت ہی تھی۔ لہٰذا وہ بدستور سانس روکے ہوئے کچن

داخل ہوا اور اس کی کھڑکی سے باہر چھلانگ لگا دی۔

اور یہاں باہر انہیں چاروں میں سے دو آدمی ریوالور تانے کھڑے نظر آئے۔ لڑ

کے پیچھے کھڑی تھی۔

فریدی نے اُن بیاروں کو غیر مسلح کر دیا تھا اور عمارت کی تلاشی بھی لی تھی۔ پھر ان

پاس ریوالور کہاں سے آئے۔

اس نے خاموشی سے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔ لیکن ٹھیک اسی وقت ان

دونوں کو لڑکھڑاتے دیکھا۔ ان کے ہاتھوں سے ریوالور بھی گر گئے۔

فریدی بڑی تیزی سے اُن کی طرف جھپٹا تھا اور اُن کے سنبھلنے سے پہلے ہی ریوالور

کو قبضہ میں لے لیا تھا۔

اب وہ دونوں سر تھامے لڑکھڑا رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے گرے اور بالکل

ت ہو گئے۔ فریدی نے لڑکی کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"مم.....میں.....!" وہ ہکلائی۔

"تم نے دیکھ لیا..... یہ پتھر آسمان سے آئے تھے اور مجھے قطعاً فکر نہیں کہ یہ زندہ رہیں

ے یا مر جائیں گے..... کیونکہ ان کے سر پھٹ گئے ہیں۔"

"مم.....میں کک..... کچھ نہیں جانتی۔"

"میں نے تم سے کچھ پوچھا تو نہیں؟ ویسے اس دھوئیں کا زور کتنی دیر میں ختم ہو سکے گا۔"

"کک کئی منٹ لگیں گے۔"

فریدی اُسے ڈھلان میں اتارتا چلا گیا۔ وہ بے بسی سے اُسکے ساتھ دوڑی جا رہی تھی۔

ڈھلان کے اختتام سے پھر چڑھائی شروع ہو گئی تھی۔

"اب میں اس طرح نہیں دوڑ سکتی۔" لڑکی منمنائی۔

فریدی نے مڑ کر عمارت کی طرف دیکھا۔ لیکن عمارت ابھی اس چٹان کی اوٹ میں تھی

ں سے وہ اُتر کر نیچے آئے تھے۔

اُس نے اپنی رفتار کم کر دی۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے عمارت

اف نظر آ رہی تھی۔ لیکن خود اُن کے دیکھ لئے جانے کا امکان نہیں رہا تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے ایک پتھر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

لڑکی بیٹھ کر ہانپنے لگی۔ سانسوں کے اعتدال پر آنے میں کچھ دیر لگی تھی۔

"عمارت میں ہمارے علاوہ اور کون تھا۔" فریدی نے اُس سے پوچھا۔

"کک کوئی نہیں۔"

"پھر دھماکہ کس طرح ہوا تھا۔"

"میں کیا جانوں..... میں بھی وہیں تھی جہاں تم تھے۔"

"آخر وہ دونوں آزاد کیونکر ہوئے ہوں گے۔"

"میں کچھ بھی تو نہیں جانتی۔"

"ان لوگوں سے تمہارا کیا تعلق ہے۔"

"وہ میرے ڈیڈی کے جاننے والوں میں سے ہیں۔"

"تمہارا اُس ٹیم سے کیا تعلق ہے۔"

"وہ لوگ سرکاری طور پر جیالوجیکل سروے کرتے ہیں اور میں اپنے شوق پر وسپلٹنگ کرتی ہوں۔"

"تمہیں ان اطراف میں ابھی تک کچھ ملا بھی یا نہیں۔"

"ایک جگہ زمرد کے ملنے کا امکان ہے۔"

"لیکن یہ شخص قاسم تمہارے ہاتھ کیسے لگا۔"

"تمہیں اس سے کیا سروکار.....!"

"بس یونہی.....!"

"جب تک کہ مجھے اس پوچھ گچھ کا مقصد نہ معلوم ہو جائے اس کے متعلق بھی کوئی گفتگو نہیں کروں گی۔"

"تمہیں شائد علم نہیں ہے کہ تم کن خطرات میں گھری ہوئی ہو۔"

"میں سب کچھ جانتی ہوں..... ڈیڈی کے ان دوستوں کو ایک آدمی کی تلاش حقیقتاً ایک غیر ملکی ایجنٹ ہے اور ان کے کاموں میں خلل انداز ہونا چاہتا ہے۔"

"خوب..... یہ بڑے کام کی اطلاع ہے۔"

"ہمارا فرض ہے کہ انہیں اس کی تلاش میں مدد دیں۔ وہ لوگ یہاں ہمارے ملک کے مفاد میں کام کر رہے ہیں۔"

"لیکن وہ آدمی کون ہے۔"

"بظاہر ایک سرکاری افسر لیکن حقیقت میں مخالف کیمپ کا ایک ایجنٹ۔"

"تو تمہارا خیال ہے کہ وہ نامعقول آدمی میں ہی ہوں۔"

"یقیناً ہو..... کیونکہ تم ہیلی کوپٹر میں چوروں کی طرح چھپ گئے تھے۔"

"کیا یہ لوگ اس ہیلی کوپٹر کو علانیہ استعمال کرتے ہیں۔"

"مجھے تفصیلات کا علم نہیں۔"

فریدی کی آنکھیں اس عمارت کی جانب بھی نگراں رہی تھیں۔ یہاں سے بیہوش آدمی بھی صاف نظر آ رہے تھے جن کے سروں پر کچھ دیر پہلے بلیک فورس کے

پھینکے ہوئے پتھر لگے تھے۔

فریدی انہیں پہلے ہی آگاہ کر چکا تھا کہ وہ انہیں اُس عمارت میں کس حلئے میں ملے گا۔ وہ بقیہ دو آدمیوں کے بارے میں سوچنے لگا۔ اُن کا کہیں پتہ نہ تھا۔ پھر اُسے قاسم کا خیال آیا اور ٹھیک اسی وقت قاسم دکھائی دیا۔ وہ ان دونوں بیہوش آدمیوں کے قریب آ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے عقب میں ایک آدمی اور بھی آتا دکھائی دیا۔

لڑکی ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں تھی اس لئے عمارت یا اُس کے اطراف پر اُس کی نظر نہیں پڑ سکتی تھی۔ فریدی نے اُس آدمی کو پہچان لیا جو قاسم کے پیچھے آتا دکھائی دیا تھا۔ وہ تو اس لڑکی کا باپ تھا۔ لیکن اب تک وہ کہاں رہا تھا۔ فریدی کا خیال تھا کہ پچھلی رات وہی اس ہیلی کوپٹر کو وہاں سے ہٹا لے گیا ہوگا۔ کیونکہ عمارت میں وہ نہیں ملا تھا۔

دفعتاً فریدی نے مڑ کر لڑکی سے پوچھا۔ "کیا اس عمارت میں کوئی تہہ خانہ بھی ہے۔"

"پتہ نہیں! میں کچھ نہیں جانتی۔"

فریدی پھر عمارت کی طرف متوجہ ہو گیا۔ قاسم جھک کر بیہوش آدمی کو اٹھا رہا تھا۔ اُسے اٹھا کر وہ عمارت کے اندر لے گیا۔ بوڑھا وہیں کھڑا رہا۔ قاسم پھر واپس آیا اور دوسرے کو بھی اٹھانے لگا۔ دوسری بار بوڑھا بھی اسی کے پیچھے پیچھے عمارت میں داخل ہو گیا تھا۔

فریدی لڑکی کی طرف مڑا..... وہ اسے بغور دیکھے جا رہی تھی لیکن اس سے نظر ملتے ہی آنکھیں چرانے لگی۔

"میں کئی کئی دن بھوکا رہ سکتا ہوں۔" فریدی بولا۔ "لیکن پتہ نہیں تم میرا ساتھ دے سکو یا نہیں۔"

"کیا مطلب.....؟"

"میں تمہیں ایک ایسی جگہ لے جانا چاہتا ہوں جہاں ہیرے ملتے ہیں۔"

"نہیں..... یہ ناممکن ہے۔ میں یہاں سے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھاؤں گی۔ تم مجھے مجبور نہیں کر سکتے۔"

فریدی کسی بھسوڑ آدمی کی طرح ہنسنے لگا تھا۔

"تم مجھے بے بس نہ سمجھنا۔"

"خوف نہ کھاؤ..... میں اُسی آدمی کا اسسٹنٹ ہوں جسے تم لوگ پکڑنا چاہتے ہو۔"

"یعنی..... یعنی کہ کیپٹن حمید۔" وہ چونک کر بولی۔

فریدی خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔

"لیکن تمہاری شکل کیپٹن حمید سے نہیں ملتی۔"

"میں میک اپ میں ہوں۔"

"اوہ..... تو اب میں سمجھی..... اس لئے اُس موٹے نے تمہارا کہنا مان لیا تھا۔"

"ہاں..... اُس نے میری آواز پہچانی اور وہی کرتا رہا جو میں نے کہا۔"

"اُسے خدشہ تھا کہ تم کہیں نہ کہیں ضرور ٹپک پڑو گے۔" لڑکی بولی۔ اب اُس کے چہرے پر بڑی طمانیت نظر آ رہی تھی۔

"لیکن اس بار اس ایکٹیویٹی کی نوعیت وہ نہیں ہے جو عموماً ہوا کرتی ہے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"میں صرف اُسے چھیڑنے کے لئے اس کے پیچھے نہیں لگا۔"

لڑکی کچھ نہ بولی۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر اُس نے کہا۔ "کیپٹن حمید۔ کیا یہ ہے کہ تم لوگ مخالف کیمپ کے ایجنٹ بن گئے ہو۔ لہٰذا نہیں چاہتے کہ یہ غیر ملکی یہاں تلاش جاری رکھ سکیں۔"

"اچھی لڑکی تمہیں کس نے بہکایا ہے۔"

"مجھے یہ بات ڈیڈی نے بتائی ہے اور میں انہیں ایک محبِ وطن شہری سمجھتی ہوں۔"

"تو پھر تمہارے ڈیڈی کو بھی کسی نے بہکایا ہوگا۔"

"میرے ڈیڈی کو ملک کی ترقی سے بڑی دلچسپی ہے۔"

"بہت اچھی بات ہے۔ لیکن ہمارے متعلق ان کی معلومات درست نہیں۔"

"تم مجھے الجھن میں ڈال رہے ہو کیپٹن!"

"میں اور میرا چیف غیر معروف نہیں۔ ہم نے سینکڑوں بار ملک و قوم کے لئے بازی لگائی ہے۔"

"اچھے اچھے بک رہے ہیں اس دور میں۔"

"لیکن ہمیں ابھی تک کوئی نہیں خرید سکا اچھی لڑکی۔"

"کیسے یقین کر لیا جائے۔"

"وقت ہی بتائے گا۔" فریدی نے کہا اور چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ "قاسم کیسے ہاتھ آیا تھا۔"

"ہمیں اس کے لئے بڑی محنت کرنی پڑی تھی۔" لڑکی مسکرا کر بولی۔

"میں سننا چاہتا ہوں۔"

"مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

"میں تمہارے لئے کچھ مہیا کروں گا۔"

"کہاں سے کرو گے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ پھر عمارت کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ لیکن وہاں کوئی خاص بات نظر نہ آئی۔

فریدی نے ٹرانسمیٹر نکالا اور اُس کا سوئچ آن کر کے آہستہ آہستہ بولا۔ "ہیلو بلیک..... ہیلو بلیک..... اٹ از ہارڈ اسٹون..... کافی اینڈ سینڈوچز فار ٹو..... جسٹ اپوزٹ آف دی اسپاٹ۔"

ٹرانسمیٹر کا سوئچ آف کر کے اُسے جیب میں ڈالتا ہوا لڑکی کی طرف مڑا۔ وہ اُسے بغور دیکھ رہی تھی۔

"تم کس سے باتیں کر رہے تھے۔" اُس نے پوچھا۔

"میں تنہا تو نہیں ہوں۔"

"میں نے کہا تھا کہ اب مجھ سے بھوک کی سہار نہیں ہو رہی۔"

"زیادہ دیر نہیں لگے گی..... فکر نہ کرو لیکن میں تمہاری غلط فہمی بھی دور کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیسی غلط فہمی۔"

"یہی کہ ہم لوگ غیر ملکی طاقت کے لئے کام کر رہے ہیں۔"

"کس طرح دور کرو گے۔"

"مجھے ڈر ہے کہ کہیں اب وہ لوگ تمہارے باپ کو بے مصرف سمجھ کر مار نہ ڈالیں۔ تم لوگوں کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتیں۔"

"نہیں.....!" لڑکی بوکھلا کر کھڑی ہوگئی۔

"یقین کرو اچھی لڑکی..... بے مصرف لوگوں کو وہ زندہ نہیں چھوڑتے۔ میں تمہیں بھی بہت کچھ بتا سکتا ہوں۔ لیکن پہلے مجھے ان تعلقات کی نوعیت کا علم ہونا چاہیے تمہارے درمیان ہیں۔"

لڑکی خاموشی سے اُسے دیکھتی رہی۔ اُس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔

تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ "میری معلومات کا واحد ذریعہ میرے ڈیڈی ہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ کچھ غیر ملکی بعض معدنیات کی تلاش میں ہماری مدد کرنے کے لئے آئے تھے۔ لیکن کچھ سرکاری افسر جو دراصل دوسرے کیمپ کے ایجنٹ ہیں اُن کے کام میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں لہٰذا ان افسروں کو کچھ دنوں کے لئے راستے سے ہٹا دیا جائے تو کامیابی جلد ہوگی۔ انہوں نے اس سلسلے میں تم دونوں کے نام لئے تھے۔"

"کہتی رہو۔" فریدی بولا۔ "میں پوری طرح متوجہ ہوں۔"

"انہوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ دارالحکومت ہی میں رہ کر تم دونوں پر ہاتھ نہیں ڈالا جا سکتا۔ لہٰذا تمہیں ان اطراف میں آنے پر مجبور کیا جائے۔ قاسم اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ میرے ڈیڈی کا خیال تھا کہ اگر کسی طرح قاسم کو الجھا کر ادھر لایا جائے تو تم ضرور اس کا تعاقب کرو گے کیونکہ تم اسے کسی لڑکی کے ساتھ دیکھ کر نچلے نہیں بیٹھ سکتے۔"

"ہوں..... اکثر ایسا ہوا ہے..... تقریباً.....!"

"اُس نے مجھے تمہاری بہتیری کہانیاں سنائی ہیں۔" لڑکی مسکرا کر بولی۔ "پہلے وہ اسی فکر میں تھے کہ اسے کسی طرح الجھایا جائے کہ ایک دن آرلیکچو میں اس کی گفتگو اتفاق ہوا۔ وہ اپنے ایک ملنے والے سے اپنے باپ کا دکھڑا رو رہا تھا۔ اُس سے کہہ رہا اب وہ خود اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہتا ہے۔ اُسے کہیں کوئی ملازمت مل جاتی تو وہ کے جھگڑوں سے بچ جاتا۔ میں نے اور ڈیڈی نے فوری طور پر فیصلہ کیا کہ اسے آسانی سے الجھایا جائے۔ لہٰذا جب وہ کھانا ختم کر کے اٹھا تو ہم اُس کے پیچھے لگ گئے۔ ڈیڈی اُس سے پوچھا تھا کیا وہ اتنا ہی طاقتور ہے جتنا لمبا چوڑا نظر آتا ہے۔ اس پر اُس نے بہت سے کارنامے بیان کئے تھے۔ میں بھی ڈیڈی کے ساتھ ہی تھی۔ لہٰذا وہ بڑے

ی کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ آخر ڈیڈی نے اس سے کہا تھا کہ ہمیں ایک ایسے ہی طاقتور ی کی ضرورت ہے، جو بڑے بڑے پتھروں کو اُن کی جگہ سے ہٹا سکے۔ ہم نے اُسے اپنے ے آگاہ کرتے ہوئے معقول رقم کا آفر دیا تھا۔"

دفعتاً فریدی نے اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور مڑ کر اوپر دیکھنے لگا۔ اس نے کسی قسم آہٹ سنی تھی۔ چٹان کے اوپر سے ایک باسکٹ سرکتی ہوئی نیچے چلی آ رہی تھی اور یہ باسکٹ ی ڈور سے بندھی ہوئی تھی۔

فریدی نے پیچھے ہٹ کر اُسے ہاتھوں پر روکا اور اُسے ڈور سے الگ کر کے ایک طرف تے ہوئے لڑکی سے کہا۔ "لو ناشتہ آ گیا۔"

ڈور پھر اوپر کھینچ لی گئی۔

باسکٹ میں سینڈوچز تھے اور کافی کا تھرماس..... لڑکی متحیرانہ انداز میں اسے گھورتی رہی۔

"چلو..... کھاؤ.....!" فریدی باسکٹ اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔"

"کھاؤ بھئی..... اور کیا کرو گی۔"

خود اس نے بھی ایک سینڈوچ اٹھایا تھا اور کھانے لگا تھا۔ لڑکی بھی کھا رہی تھی لیکن اس چہرے پر الجھن کے آثار پہلے سے بھی زیادہ واضح نظر آنے لگے تھے۔

فریدی اب بھی عمارت کی طرف نگراں تھا۔

"تم بھی تو کافی پیو۔" اُس نے کچھ دیر بعد لڑکی کو کہتے سنا۔

"ہاں..... پی لوں گا..... کیا تم پی چکیں۔"

"میں پی چکی..... بہت بہت شکریہ۔"

"اب تم جا سکتی ہو۔"

"کیا مطلب.....؟" لڑکی بیساختہ چونک کر اُسے گھورنے لگی۔

"میں اتنا ہی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ تم لوگوں کی کیا پوزیشن ہے۔"

"یعنی کہ بالکل..... مطلب یہ کہ چلی ہی جاؤں۔"

"ہاں..... خدشہ ہے کہ کہیں وہ تمہارے ڈیڈی کو سچ مچ ختم نہ کر دیں۔"

"نہیں..... نہیں۔"

"لیکن ایک بات یاد رکھو اگر قاسم کو گزند پہنچا تو میں بہت بھیانک ہو جاؤں گا، غیر ملکیوں سے کہہ دینا کہ میں تنہا نہیں ہوں۔ اُن میں سے ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

وہ خاموشی سے اُسے دیکھتی رہی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔" لڑکی تھوڑی دیر بعد بولی۔

"کیا سمجھ میں نہیں آتا۔"

"اگر اب میں اس طرح چلی جاؤں تو..... یقیناً وہ ہمارے خلاف شبہات بر ہو جائیں گے۔"

"ذہین بھی ہو۔" فریدی مسکرایا۔

"لیکن یقین کرو کہ ہم نے یہ سب کچھ حب الوطنی ہی کے تحت کیا ہے۔"

"مجھے یقین ہے..... ممکن ہے تمہیں غلط فہمی ہوئی ہو۔"

"اب میں سوچتی ہوں کہ یقیناً وہ غلط فہمی ہی ہو سکتی ہے۔ اگر تم نے ملک سے غدا ہوتی تو تنہا ہوتے۔ اپنے ساتھ کچھ اور ماتحتوں کو بھی رکھنے کی جرأت نہ کر سکتے۔"

"خیر شکر ہے..... تم خود دلیل بھی لے آئیں..... میں کسی طرح بھی تمہاری بہ دور نہ کر سکتا۔ خیر اب یہ بتاؤ کبھی یہ ہیلی کوپٹر دن میں بھی اس طرف آیا ہے۔"

"کبھی نہیں..... ہمیشہ رات میں آتا ہے اور ہم رات ایک مخصوص وقت پر عمار کھڑکیاں روشن رکھتے ہیں۔ اُسے آنا ہو یا نہ آنا ہو۔"

"یہ ہیلی کوپٹر چوری سے ملک میں لایا گیا ہے۔ اس قسم کے ہیلی کوپٹر کا وجود کاغذ نہیں ہے۔"

"میں تو یہی جانتی ہوں کہ وہ اپنی ٹیکنیکل ضروریات کا سارا سامان ساتھ لائے وہ سامان جدید ترین ہے۔"

"خیر ختم کرو..... مجھے تمہارے ڈیڈی سے متعلق تشویش پیدا ہو گئی ہے۔"

لڑکی تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔ "تم نے مجھ سے عمارت میں تہہ متعلق سوال کیا تھا۔"

فریدی نے سر کو اثباتی جنبش دی اور بغور اُسے دیکھتا رہا۔

"عمارت میں تہہ خانہ موجود ہے اور مجھے اس کا علم پرسوں رات کو ہوا۔ وہ اپنے کسی بیہوش ساتھی کو لائے تھے جسے کچھ دیر تہہ خانے میں رکھا گیا تھا۔"

"بیہوش ساتھی..... کیا وہ کوئی غیر ملکی تھا.....؟"

"نہیں وہ مقامی ہی تھا۔" لڑکی نے کہا اور پھر فریدی کے استفسار پر اُس نے اُس کا جو بہ بتایا وہ واجد ہی کا ہو سکتا تھا۔

"وہ بیہوش آدمی اب کہاں ہے۔"

"رات گئے ہیلی کوپٹر آیا تھا اور وہ اُسے وہاں سے لے گئے تھے۔"

"کہاں لے گئے تھے۔"

"مجھے اس کا علم نہیں..... پوری پوری ایمانداری سے کہہ رہی ہوں۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔

"تمہیں اس عمارت میں واپس جانا ہی چاہئے۔ لیکن اس طرح جاؤ گی جیسے مجھے دھوکا دے کر نکل بھاگی ہو۔ تمہارے عقب میں فائر بھی کروں گا لیکن تم خائف نہ ہونا۔"

"نہیں.....!"

"تمہارے ڈیڈی کی بھلائی اسی میں ہے..... لیکن تم نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا۔"

"رافعہ ابدالی..... میرے ڈیڈی کا نام شائد تم نے سنا ہو..... وہ ایسے غیر معروف آدمی نہیں..... پروفیسر ابدالی..... حارث ابدالی۔"

"اوہو..... سابق صدر شعبہ اراضیات۔"

"ہاں وہی.....!"

"وہ تو بہت اچھے آدمی ہیں۔ یونیورسٹی کی بڑی ہستیوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ شعبہ اراضیات کیطرف سے ہر سال جو سیمینار ہوتا ہے وہ انہیں کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔"

"تم تو پوری واقفیت رکھتے ہو۔"

"اور اب میں واقعی متحیر ہوں کہ اس پائے کا آدمی اُن کے دام میں کس طرح آ گیا۔"

"تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔"

"اگر تم چاہتی ہو کہ حالات بدتر نہ ہوں تو میرے مشورے پر عمل کرو..... اور دیکھو..... قاسم کو یہ نہ معلوم ہونے پائے کہ میں نے اپنے متعلق تم سے کس قسم کی گفتگو کی ہے۔"

"بہت اچھا..... مگر مجھے اُس پر رحم آتا ہے۔"

فریدی نے پھر عمارت کی طرف دیکھا۔ وہاں پہلے ہی کی سی ویرانی نظر آئی۔ لڑکی کے مشورے پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوگئی تھی۔

جب وہ ڈھلان سے اتر کر عمارت والی چٹان پر چڑھ رہی تھی فریدی نے اپنے ساتھیوں کو ٹرانسمیٹر کے ذریعے مطلع کیا کہ وہ فائروں کی آواز سن کر اپنی کمین گاہوں سے نہ نکلیں۔

اور پھر جب وہ اوپر پہنچ کر عمارت کی طرف دوڑنے لگی تو فریدی نے پے در پے کئی فائر کئے۔ ایک بار تو اُس نے لڑکی کو گرتے بھی دیکھا وہ دوبارہ اٹھی..... اور دوڑتی ہوئی عمارت کے اگلے حصے کی طرف چلی گئی۔

تابوت کا قیدی

حمید زیادہ دیر تک نہیں سو سکا تھا..... ریما نے اُسے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگا دیا۔

"کیا مصیبت ہے۔" وہ بھنا کر اٹھ بیٹھا۔

"تمہاری ناک سیدھی ہوگئی ہے۔ اُسے فوراً ٹیڑھی کرلو..... ابھی میں نے محسوس کیا جیسے کوئی قفل کے سوراخ سے جھانک رہا ہو۔"

حمید نے تکیے کے نیچے سے اسپرنگ نکال کر نتھنوں میں فٹ کر لئے۔

"مجھے نہیں یاد پڑتا کہ اس صورت میں تم کس دیوتا سے مشابہ نظر آتے۔" شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"یم دوت نظر آتا ہوں..... دیوتا نہیں..... اب مجھے سونے دو۔ ورنہ روح قبض کرلوں گا۔"

"میں نے سنا تھا کہ تم بہت زندہ دل آدمی ہو۔"

"نیند پوری کر لینے کے بعد۔"

"میں تو اب نہیں سونے دوں گی۔ ذرا سنجیدگی اختیار کرو۔ بہت سی باتیں کرنی ہیں۔"

"اچھا میں سنجیدہ ہوں..... کرو باتیں۔"

"میں خود ہی ڈیپارٹمینٹل اسٹور سے سامان خرید لاتی ہوں۔"

"تمہارے پاس پیسے کہاں سے آئے۔"

"تمہاری جیب سے پرس نکال لیا تھا۔"

"خوب.....!" حمید اُسے تیکھی نظروں سے دیکھتا ہوا پھر بولا۔ "تم نے مجھ سے سنجیدہ ہوجانے کو کہا تھا۔"

"ہاں..... آں..... میں ایک دشواری میں پڑ گئی ہوں۔"

"کہو جلدی سے..... میں ابھی اور سونا چاہتا ہوں۔"

"ہم نے رینجرز سے بچنے کے لئے میک اپ کیا تھا لیکن اب میں سوچتی ہوں کہیں میرے کسی آدمی مجھ سے بدگمان نہ ہوجائیں۔"

"یہاں کون ہے تمہارا آدمی۔"

"وہی لوگ جنہیں تم نے شبہے کی نظر سے دیکھا تھا۔"

"وہ لحیم شحیم عورت۔"

"کئی لوگ ہیں۔"

"میں صرف اُس عورت کے متعلق جاننا چاہتا ہوں۔ وہ پارٹی کی لیڈر معلوم ہوتی تھی۔ کاؤنٹر کلرک سے اُسی نے گفتگو کی تھی۔"

"بس وہ ایک عورت ہے۔"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو۔"

"اُن کی نظر بچا کر ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ میں نہیں چاہتی کہ اس میک اپ میں پہچانی جاؤں۔"

"کیا فرق پڑے گا اس سے..... بعض اوقات تمہاری باتیں بالکل سمجھ میں نہیں آتیں۔ ظاہر ہے کہ تم مجھے اپنے طور پر گھیر رہی ہو۔ لہٰذا اُس کیلئے کوئی طریقہ اختیار کر سکتی ہو۔"

''یہ تو ٹھیک ہے.....مگر.....!''

''ریما پلیز.....جو کچھ کہنا چاہتی ہو جلدی سے کہہ ڈالو۔''

''یہ بھی تو ممکن ہے کہ میں خود ہی تمہارے دام میں آ گئی ہوں۔ وہ لوگ یہ بھی ہو سکتے ہیں۔''

''چلو سوچا انہوں نے.....تو پھر.....!''

''وہ خود مجھ پر کڑی نظر رکھیں گے اور میں کچھ نہ کر سکوں گی۔ میرے سینے میں اُن کے خلاف نفرت کا لاوا اُبل رہا ہے۔ انہوں نے میرے اپاہج باپ کو بڑی بیدردی سے مارا۔''

''اپاہج باپ کو۔''

''یقین کرو.....وہ پیروں سے معذور تھا۔ جان بچانے کیلئے بھاگ بھی نہیں سکتا تھا۔''

''آخر اُس سے قصور کیا ہوا تھا۔''

''وہ جوانی میں اس تنظیم کا ایک سرگرم رکن تھا۔ ایک حادثے میں اُس کی ریڑھ کی متاثر ہوئی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں ٹانگیں مفلوج ہو کر رہ گئیں۔ انہوں نے سوچا کہ وہ کسی مرحلے پر ان کا راز ظاہر نہ کر دے۔ ویسے بھی وہ ان کے لئے بیکار ہو چکا تھا لہٰذا نے اُسے مار ڈالا۔ بالکل اُسی طرح جیسے ریس کے وہ گھوڑے ہلاک کر دیئے جاتے ہیں کی ٹانگ ٹوٹ گئی ہو۔''

''افسوس ہوا سن کر۔'' حمید بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''افسوس نہ کرو.....بس اٹھ چلو.....میں نہیں چاہتی کہ کرنل فریدی کی گرفتاری کا تم بنو۔''

حمید نے اُس کے مشورے پر عمل کرنے ہی میں وقتی مصلحت دیکھی اور سفر جاری پر تیار ہو گیا۔

ریما غسل خانے میں لباس تبدیل کرنے چلی گئی تھی۔

کاؤنٹر پر انہوں نے موٹیل کے واجبات ادا کئے۔ باہر نکل کر اپنی گاڑی کی طرف ہی رہے تھے کہ حمید کے پیروں کے قریب کسی چھوٹی سی وزنی چیز نے گر کر آواز پیدا کی وہ چلتے چلتے رک گیا۔ لیکن ریما نے اس سے پہلے ہی جھک کر اُسے اٹھا لیا۔

چھوٹا سا مستطیل ٹکڑا تھا۔

وہ آہستہ سے بڑبڑائی۔ ''پھر پلٹ چلو موٹیل کی طرف.....ہم کچھ دیر ڈائننگ ہال میں کافی پئیں گے۔'' پھر اونچی آواز میں بولی۔ ''چلنے سے پہلے ہم ایک ایک کپ کافی کا بھی نہ پی لیں۔''

''یہ کیا ہے؟'' حمید نے بھی اونچی آواز میں کہتے ہوئے پیتل کا ٹکڑا اُسکے ہاتھ سے لے لیا۔

''پتہ نہیں۔'' ریما کے لہجے میں لاپروائی تھی۔

وہ پھر عمارت کی طرف مڑ گئی۔ حمید سوٹ کیس جھلاتا ہوا اس کے پیچھے چل رہا تھا۔

کاؤنٹر کلرک سے کافی کے لئے کہہ کر وہ ایک میز کے گرد جا بیٹھے۔

ریما آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی۔ ''وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔ انہوں نے ہمیں پہچان لیا ہے۔ اس پیتل کے ٹکڑے کا مطلب ہے کہ میں کچھ دیر کے لئے سفر ملتوی کر دوں۔''

حمید نے قہقہہ لگایا۔ اس طرح ہنستا رہا جیسے ریما نے کوئی خوبصورت سا لطیفہ سنایا ہو۔ تو ہی ریما بھی ہنسنے لگی تھی۔ پھر اُس نے کہا تھا۔ ''بلا کے اداکار ہو۔''

''اسی کی روٹی کھاتا ہوں۔'' حمید آہستہ سے بولا۔

اس پر ریما نے بھی اسی طرح قہقہہ لگایا تھا جیسے حمید نے کوئی بڑی دلچسپی بات کہی ہو۔

''تم اگر پچاس سال کے ہوتے تو میں تم سے شادی کی درخواست کرتی۔''

''میں ستر سال کے میک اپ پر بھی قادر ہوں۔''

''آخر تم نے اب تک شادی کیوں نہیں کی۔''

''اب سوچ رہا ہوں۔''

اتنے میں کافی آ گئی لیکن اُن لوگوں میں سے کوئی بھی نہ دکھائی دیا جن پر اُسے ریما کے تعاقب ہونے کا شبہ ہوا تھا۔

''آخر وہ تمہیں کیوں باز رکھنا چاہتے ہیں سفر سے۔'' اس نے آہستہ سے پوچھا۔

''میں نہیں جانتی.....مجھے تو ہر حال میں آدھے گھنٹے تک یہاں بیٹھنا ہے۔''

''بھنبھو.....!'' حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا اور پیالیوں میں شکر ڈالنے لگا۔

فریدی نے پوزیشن بدل لی تھی اور اب دوسری جگہ سے عمارت کی نگرانی کر رہا تھا۔ اُس نے رافعہ کو دیکھا وہ بے تحاشہ پھر اسی کی جانب دوڑی آ رہی تھی۔

فریدی جہاں تھا وہیں دبک گیا۔ وہ ڈھلان سے نیچے اُتر رہی تھی۔ پھر اُس نے چڑھنے لگی جس کے ایک حصے میں فریدی تھا۔

وہ اُس جگہ پہنچ کر اُسے آوازیں دینے لگی جہاں کچھ دیر پہلے وہ اس کے ساتھ رہا۔ فریدی نے محسوس کیا کہ وہ بہت زیادہ پریشان ہے۔ آواز میں رو دینے کی سی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ اُس تک جا پہنچا۔

"کیپٹن.....!" وہ چیخ مار کر اُس کی طرف جھپٹی اور اس کے بازوؤں میں جھول گئی بیہوش ہوگئی تھی۔ فریدی نے بآہستگی اُسے ایک طرف لٹا دیا۔

دوبارہ ہوش آنے میں تین یا چار منٹ لگے تھے۔ ہوش آتے ہی اس نے بلک بلک رونا شروع کر دیا۔ کسی ننھی سی بچی کی طرح روئے جا رہی تھی۔

"تم ٹھیک کہہ رہے تھے..... انہوں نے ڈیڈی کو مار ڈالا۔" وہ بدقت کہہ سکی۔

"کیسے؟ وہاں کون ہے.....؟"

"کوئی بھی نہیں..... بس لاش.....!"

"قاسم.....!"

"وہ بھی نہیں ہے۔ کوئی بھی نہیں ہے۔"

"کیا انہیں علم ہے کہ تم تہہ خانے کے راز سے واقف ہو۔"

"اُس دن جو لوگ بیہوش آدمی کو لائے تھے میرے لئے بالکل اجنبی تھے اور وہ سب تھے۔ اُن میں کوئی بھی غیر ملکی نہیں تھا۔ اُوہ کیپٹن خدا کے لئے جلدی کرو..... ہو سکتا ہے زندہ ہوں..... اُن کی جان بچائی جا سکے۔"

"تم یہیں ٹھہرو..... میں دیکھتا ہوں۔"

"میں تنہا نہیں رہ سکتی۔ مجھ پر رحم کرو۔ اگر انہوں نے ڈیڈی کو مار ڈالا ہے تو اس کا سبب یہی ہو سکتا ہے کہ ڈیڈی ان کے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہیں تھے بلکہ وہ اُن کے کارناموں سے واقف ہونے کے باوجود بھی ان کے مدد معاون رہے تھے۔"

"تم خاصی ذہین ہو۔" فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ "اچھی بات ہے۔ میرے پیچھے آؤ۔"

وہ اُس چٹان سے اُتر کر عمارت کی طرف بڑھنے لگے۔ اس سے پہلے فریدی نے بیڑا پر اپنے ساتھیوں سے رابطہ قائم کر کے انہیں ہوشیار رہنے کی ہدایت کی تھی۔

فریدی خود بھی بہت احتیاط سے چل رہا تھا۔ کسی اچانک حملے کا مقابلہ کرنے کیلئے بالکل تیار۔

عمارت کے قریب پہنچ کر وہ رکا۔ رافعہ کا چہرہ ستا ہوا تھا اور آنکھیں اندرونی کرب ظاہر کر رہی تھیں۔ اُس نے عمارت میں داخل ہونے کے لئے آگے بڑھنا چاہا لیکن فریدی نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

عمارت میں داخل ہونے سے پہلے وہ اطمینان کر لینا چاہتا تھا کہ رافعہ کا بیان غلط تو نہیں کھلے ہوئے دروازے سے بوڑھا پروفیسر ابدالی نظر آیا۔ وہ فرش پر چاروں خانے چت پڑا تھا۔

وہ دونوں کمرے میں داخل ہوئے۔ بوڑھا بے جان تھا۔ جسم پر کہیں بھی کوئی زخم نہ ملا۔ اُسے گلا گھونٹ کر مارا گیا تھا۔ پوری عمارت سنسان پڑی تھی۔ لاش والے کمرے میں ہاکے بم کے ٹکڑے بھی ملے تھے۔

"وہ تہہ خانہ۔" فریدی نے آہستہ سے پوچھا۔

"اُوہ..... تو کیا..... یہ یہاں اسی طرح پڑے رہیں گے۔" رافعہ نے لاش کی طرف اشارہ کیا۔

"صبر سے کام لو..... جو ہونا تھا ہو چکا..... اب مجھے قاسم کی فکر ہے کہ کہیں وہ اُسے بھی ہلاک نہ کر دیں۔"

وہ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے ہوئے شائد اپنی حالت پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ فریدی بائیں جانب مڑ کر وہ آتش دان کی طرف بڑھ گئی۔ یہ آتشدان دیوار ہی میں بنایا

گیا تھا۔ فریدی نے اُس کو آتشدان کے اندر چمنی میں ہاتھ ڈالتے دیکھا۔

کھڑاکے کی آواز آئی اور ایسا لگا جیسے آتشدان مینٹل پیس سمیت دیوار کی سطح سے کچھ قدر الگ ہو گیا ہو۔

رافعہ نے اُسے قریب آنے کا اشارہ کیا اور آہستہ سے بولی۔ ''اسے اس طرح ہٹانے کی کوشش کرو۔''

فریدی نے مینٹل پیس کا گوشہ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور دیوار کی سطح سے الگ ہونے والا حصہ کسی دروازے ہی کی طرح کھلتا چلا گیا۔

سامنے زینے نظر آئے۔ لیکن دو یا تین زینوں کے بعد گہرا اندھیرا تھا۔

''کیا میں پہلے اندر جاؤں۔'' رافعہ بولی۔

''نہیں ہم میں سے کوئی بھی فی الحال نہیں جائے گا۔''

''تو پھر یہاں سے ہٹ چلو..... میں زیادہ دیر تک اس کمرے میں نہیں ٹھہر سکتی۔''

''اُوہ..... اچھا.....!''

لیکن جیسے ہی وہ پیچھے ہٹے..... تہہ خانے سے آواز آئی۔ ''یہاں کون ہے۔ کوئی رہا ہے..... خدا کے لئے مجھے اس خول سے نکالو ورنہ میرا دم گھٹ جائے گا۔''

فریدی چونک پڑا۔

''کک..... کون ہے۔'' رافعہ ہکلائی۔

''ٹھہرو..... تم یہیں ٹھہرو۔'' فریدی کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

''نہیں..... نہیں..... کوئی نیا حال نہ بچھایا جا رہا ہو۔'' رافعہ اُسکی راہ میں حائل ہوتی ہوئی۔

فریدی شائد خود بھی تذبذب میں پڑ گیا تھا۔ وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ آواز پھر آئی۔ ''ابھی کون بول رہا تھا۔ خدا کے لئے مجھے بچاؤ۔''

''کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ لوگ اُس شب اس بیہوش آدمی کو یہاں سے لے گئے تھے۔'' اس نے آہستہ سے پوچھا۔

''ڈیڈی نے مجھے یہی بتایا تھا۔''

''تم نے خود نہیں دیکھا تھا۔''

''نہیں..... میں نے لے جاتے نہیں دیکھا۔''

''اچھا تو تم یہیں ٹھہرو۔'' فریدی اسے ایک طرف ہٹاتا ہوا بولا۔ اس نے جیب سے ٹارچ نکال لی تھی اور تہہ خانے کے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''میں بھی چلوں گی۔'' وہ اُس کے پیچھے جھپٹی۔

فریدی نے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ پہلے زینے پر قدم رکھتے ہی اس نے ٹارچ روشن کی تھی۔ اسکے ہاتھ میں ریوالور تھا۔

ٹارچ کی روشنی کا دائرہ تیزی سے اندھیرے میں چکرایا اور رافعہ کی چیخ نکل گئی۔

آخری زینے سے ذرا ہٹ کر کوئی آدمی سر تا پا سفید پٹیوں سے ڈھکا کھڑا تھا۔ چہرے کی بھی بینڈیج کی گئی تھی کہ کوئی حصہ کھلا نہیں رہ گیا تھا۔

''کون ہے؟ کون ہے۔'' اس آدمی نے گھٹی گھٹی سی آواز میں کہا۔

ایک بار پھر روشنی کا دائرہ اُس پر سے ہٹ کر تہہ خانے کے دوسرے حصوں پر چکرایا۔

''بچاؤ..... مجھے بچاؤ..... میں اس خول سے کیسے نکلوں۔'' اُس آدمی کی آواز پھر سنائی دی۔

''تم کون ہو۔'' فریدی نے گونجیلی آواز میں پوچھا۔

''یہ تم میں نہیں جانتا کہ میں کون ہوں لیکن اس اندھیرے سے نکلنے کا حق رکھتا ہوں۔''

بالآخر وہ ایک ایک زینہ طے کرتے ہوئے تہہ خانے کے فرش تک جا پہنچے..... سامنے قدیم مصری طرز کا ایک تابوت دکھائی دیا جس کا ڈھکنا ہٹا ہوا تھا۔

بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے وہ آدمی ابھی ابھی اُس تابوت ہی سے برآمد ہوا ہو۔

فریدی نے سب سے پہلے اُس کے چہرے اور سر کی پٹیاں کھولیں۔

''اُوہ..... واجد.....!'' اُس کی زبان سے بیساختہ نکلا۔

واجد حیرت سے آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھے جا رہا تھا۔ لیکن ایسا لگتا تھا جیسے وہ اُسے کسی دوسری دنیا کی مخلوق سمجھ رہا ہو۔

''کیا بات ہے..... تم کیا دیکھ رہے ہو۔'' فریدی نے اس سے پوچھا۔

وہ کچھ نہ بولا۔ ٹارچ اب رافعہ کے ہاتھ میں تھی۔ وہ آہستہ سے بولی۔ ''یہ تو وہی بیہوش لڑکی ہے۔''

''کیا پہلے بھی اسی طرح پٹیوں سے ڈھکا ہوا تھا۔''

''نہیں.....!''

''اچھا تو اسے اب اوپر لے چلنا چاہئے۔'' فریدی نے کہا۔

''یہ ہے کون۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ رافعہ واجد کو گھورے جا رہی تھی۔

فریدی نے واجد کا ہاتھ پکڑا اور اُسے زینوں کی طرف لے جانے کیلئے مڑا۔ رافعہ راستہ دکھا رہی تھی۔ وہ اُسے اوپر لائے۔ فریدی اُسے دوسرے کمرے میں لے جانا چاہتا تھا۔

''کیا میں تہہ خانے کا راستہ بند کر دوں۔'' رافعہ نے پوچھا۔

اور فریدی کا جواب اثبات میں سن کر وہ تہہ خانے کی طرف بڑھ گئی۔

دوسرے کمرے میں پہنچ کر فریدی نے واجد کو ایک آرام کرسی پر بٹھا دیا۔ وہ اب اُسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھے جا رہا تھا۔

ٹھیک آدھے گھنٹے بعد حمید اور ریما موٹیل سے باہر نکلے تھے اور حمید کا دل چاہا تھا کہ سر پیٹ ڈالے..... کیونکہ وہ اسپورٹ کار غائب تھی جس پر وہ یہاں تک آئے تھے۔

وہ ریما پر چڑھ دوڑا..... بالکل آپے سے باہر ہو گیا۔

''ہوش کی دوا کرو..... اس میں میرا کیا قصور ہے۔''

''تم جانتی تھیں کہ وہ گاڑی لے بھاگیں گے۔''

''میرا خیال ہے کہ گاڑی تمہاری عقل بھی لے گئی۔'' وہ اٹھلا کر ہنسی۔

''میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں سمجھیں۔'' حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

''کیا یہاں جھگڑا کرو گے۔''

''جہنم میں جاؤ۔'' حمید کہتا ہوا پھر موٹیل کی طرف جھپٹا۔

''ارے..... ارے..... اب کیا کرنے جا رہے ہو۔''

لیکن اُس نے مڑ کر دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہ کی۔ سیدھا کاؤنٹر کی طرف آیا۔ یہاں ایک غیر ملکی عورت بھی موجود تھی۔ حمید نے اُس کی طرف توجہ دیئے بغیر کاؤنٹر کلرک سے کہا ''کیا فی الحال انہوں نے سفر جاری رکھنے کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔ لہٰذا انہیں وہ کمرہ دوبارہ دے دیا جائے۔

''اب یہ ناممکن ہے جناب۔'' کاؤنٹر کلرک نے جواب دیا۔ ''ہمارے پاس وہی ایک کمرہ تھا جسے یہ خاتون حاصل کریں ہیں۔''

''اتنی جلدی۔''

''جی ہاں..... یہاں تو یہ ہوتا ہی رہتا ہے۔''

اتنے میں ریما بھی قریب آ پہنچی۔ حمید نے اُسے بتایا کہ اب تو کوئی کمرہ بھی نہیں مل سکتا۔ ریما نے کاؤنٹر کلرک کی طرف دیکھا اور وہ اُسے تفصیل سے بتانے لگا کہ اس موٹیل کے کمرے ایک گھنٹے کے لئے بھی خالی نہیں رہ پاتے۔

''لیکن اب ہم کیا کریں۔'' حمید کرایا۔

''میں کیا عرض کر سکتا ہوں جناب۔''

آخر اس عورت کو اُن کی گفتگو میں دخل انداز ہونا پڑا۔ اُس نے کہا۔ ''اگر یہ واپس لینا چاہتے ہیں تو دے دو۔ ہم بدستور انہیں کمروں میں رہ لیں گے، جو ہمیں پہلے مل چکے ہیں۔''

''میں آپ کا بے حد مشکور ہوں محترمہ۔'' حمید بڑے ادب سے بولا۔

''کوئی بات نہیں..... میرا مقولہ ہے زیادہ سے زیادہ دوست بناؤ۔ خواہ سب کچھ گنوا دینا پڑے۔'' لحیم شحیم عورت ہنس کر بولی۔

''میں ہمیشہ آپ کی دوستی پر فخر کروں گا۔'' حمید نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ جسے بڑی گرم جوشی سے قبول کیا گیا۔

''میں لیری کراس ہوں۔'' عورت ہنس کر بولی۔

''میں ڈاکٹر زیٹو.....!'' حمید نے بھی جواباً مزید دانت نکالے۔ مزید یوں کہ اس میک

اپ میں دانت تو دکھائی ہی دیتے تھے۔لیکن اُس نے واضح طور پر محسوس کیا کہ اس کی
سخت تھی۔ اگر وہ عورت نہ ہوتی تو اس نے اس مصافحے کے بعد اپنا منہ ضرور سہلایا ہوتا۔

''امید ہے کہ ہم دوبارہ بھی ملیں گے۔'' لیری کراس نے کہا اور رہائشی کمروں کی
چلی گئی۔

کاؤنٹر کلرک سے کمرے کی کنجی لے کر وہ بھی کاؤنٹر کے پاس سے ہٹ آئے۔

''یہ کیا حرکت تھی۔'' ریما نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''حرکت! ارے اس سے مصافحہ کر لینے کے بعد حرکت کے قابل رہا ہوں میں؟''

''فضول باتیں نہ کرو۔ تمہیں اُس سے گفتگو نہ کرنی چاہئے تھی۔''

''لیری کراس.....اور لیکر اس میں زیادہ فرق تو نہیں ہے۔''

''خاموش.....!'' وہ دانت پیس کر آہستہ سے بولی۔ ''یہ نام دوبارہ زبان پر نہ لا
اپنے ساتھ میری بھی گردن کٹواؤ گے۔''

''میرا دل تو چاہتا ہے کہ میں بھی اس تنظیم میں شریک ہو جاؤں۔''

''میں کہتی ہوں خاموش رہو۔''

''سنو.....!'' دفعتاً حمید چونک کر بولا۔ ''کیا میں کاؤنٹر کلرک کو بتا دوں کہ میری گا
غائب ہو گئی ہے۔''

ریما اُسے ایسے انداز میں دیکھتی رہی جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔ پھر آہستہ سے بولی
''جو دل چاہے کرو۔ میں نہیں جانتی۔ لیکن ٹھہرو۔ یہ ایک احمقانہ حرکت ہوگی۔ تمہ
پہلے ہی کہنا چاہئے تھا۔ حمید محتاط رہو۔ اگر انہیں ساز باز کا شبہ بھی ہو گیا تو ہم دوسرے لمحے
زندہ نہ رہیں گے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ گاڑی کا اس طرح ہاتھ سے نکل جانا اسے گراں گزرا تھا۔ اس
پاس کوئی ایسا ذریعہ بھی نہیں تھا، جو بلیک فورس یا فریدی سے رابطہ قائم کرنے کا باعث
سکتا۔ اُس کا چھوٹا ٹرانسمیٹر تو اسی جیپ میں رہ گیا تھا جو اکرام کے موٹیل سے اڑالی گئی تھی۔

ریما اُسے گھورے جا رہی تھی۔ دفعتاً حمید بولا۔ ''تمہارا رول مشتبہ ہوتا جا رہا ہے۔''

''وہ کس طرح پیارے کیپٹن۔''

''مجھے پیارا دیارا مت کہو۔ اس وقت تمہاری صورت زہر لگ رہی ہے۔''

''آخر اس خفگی کی وجہ۔''

''میں احمق نہیں ہوں۔''

''نہ ہوگے۔ لیکن میں خفگی کی وجہ ضرور معلوم کروں گی۔''

''وجہ میں اُس موٹی عورت کو بتاؤں گا۔''

''تمہارا کوئی بھی غیر ذمہ دارانہ قدم تمہیں موت ہی کی طرف لے جائے گا۔''

حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ ریما کی آنکھوں میں گہری تشویش کے آثار تھے۔ کچھ
دیر بعد اس نے کہا۔ ''شائد تم سمجھتے ہو کہ گاڑی کے غائب ہو جانے کا علم مجھے پہلے سے تھا۔''

''ہاں میں یہی سمجھتا ہوں۔'' حمید جھلا کر بولا۔

''تو سمجھا کرو۔'' ریما کو بھی بالآخر خطیش آ گیا اور وہ اس سے دور جا بیٹھی۔

''لیری کراس.....!'' حمید نے سرد آہ بھر کر کہا۔

اتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی اور حمید سے اجازت مل جانے کے بعد
دروازہ کھولا۔ یہ لیری کراس تھی۔

''اوہ.....خوش آمدید..... مادام لیری کراس.....!'' حمید اٹھ کر اسکا استقبال کرتا ہوا بولا۔

''سخت بوریت محسوس کر رہی ہوں۔ میرے ساتھ کوئی مقامی آدمی نہیں ہے جس سے
یہاں کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کر سکوں۔''

''کیا ریگم بالا جا رہی ہو۔''

''ہاں..... مجھے قدیم صنمیات سے عشق ہے۔ گوتم کی تصویر تو میرے دل پر نقش ہے۔
کیسی آسودہ سی معصوم مسکراہٹ پائی جاتی ہے ہونٹوں پر.....کتنا سکون ہے چہرے پر۔''

''مگر جسم پر گوشت زیادہ نہیں ہے۔'' حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ لیری نے چھت اڑا
دینے والے قہقہے سے اس جملے کا استقبال کیا تھا۔

''مجھے اپنے تن و توش پر شرم نہیں آتی.....اچھے دوست۔''

''برا نہ ماننا..... میں اس لڑکی کو جلا رہا تھا؟'' حمید نے ریما کی طرف اشارہ کر کے کہا
اور وہ اس طرح چونک کر اسے دیکھنے لگی جیسے پہلے اُس کی موجودگی کا احساس ہی نہ رہا ہو۔

''اُوہ..... مجھے افسوس ہے مسز زیٹو.....!'' لیری ندامت آمیز لہجے میں بولی۔

''ابھی ہم کورٹ شپ کر رہے ہیں۔ شادی نہیں ہوئی۔'' حمید بولا۔

''تم جیسے بیوقوف آدمی سے میں ہرگز شادی نہ کرونگی۔'' ریما نے جھنجھلاہٹ کا مظاہرہ کیا

''ارے ارے.....!'' لیری بولی۔ ''ایسی بھی کیا خفگی۔ بعض لوگوں کو چڑھانے میں لطف آتا ہے۔''

''تم نہیں سمجھتیں..... یہ ایک لاپرواہ اور بیوقوف آدمی ہے۔ کوئی ہماری گاڑی اڑا لے گیا اور اس شخص نے اس کا ذکر کاؤنٹر کلرک تک سے نہیں کیا۔''

''نہیں.....!'' لیری کے لہجے میں حیرت تھی۔

''یقین کرو۔''

''تمہیں رپورٹ کرنی چاہئے۔'' لیری نے حمید سے کہا۔

''جب میں جانتا ہوں کہ اُس رپورٹ سے کوئی فائدہ نہ ہوگا تو پھر اپنی انرجی کیوں ضائع کروں۔''

''یہ کیا بات ہوئی۔''

''آئے دن یہاں ایسی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں۔ کوئی پرسانِ حال نہیں۔''

''کیا تم بہت دولت مند آدمی ہو۔'' لیری نے پوچھا۔

''کچھ بھی ہو..... احمق..... احمق ہی کہلائے گا۔ دولت مندی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' ریما نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''تم بہت دیر سے مجھے بُرا بھلا کہہ رہی ہو۔ مجھے بولنے پر مجبور نہ کرو۔'' حمید غرایا۔

''کرو..... میاؤں میاؤں..... میرا کیا بگڑے گا۔''

''دیکھا تم نے مادام لیری۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''لیکن ہو بھی کیا سکتا؟ جب کہ مجھے اس کی بدزبانیوں ہی سے پیار ہے۔''

''تم دونوں ہی عجیب معلوم ہوتے ہو۔'' لیری تھکی تھکی سی آواز میں بولی۔

واجد آرام کرسی پر نیم دراز چھت تکے جا رہا تھا۔ فریدی اور رافعہ اس کے قریب ہی کھڑے منتظر تھے کہ اس کی زبان سے کچھ نکلے۔ کئی منٹ گزر گئے۔ لیکن واجد کی حالت میں کوئی فرق نہ ہوا۔

فریدی کو ایک بار پھر اپنے ساتھیوں سے رابطہ قائم کرنا پڑا۔ جو عمارت کے آس پاس موجود تھے۔ واجد کو ان کے حوالے کر دیا گیا۔ پروفیسر ابدالی کی لاش سے متعلق بھی فریدی نے انہیں ہدایات دیں۔ اس کے لئے ٹیکم گڈھ کی پولیس سے رابطہ قائم کرنے کو کہا۔

پھر رافعہ سے پوچھا کہ وہ کہاں جانا چاہتی ہے۔

''میں اب یا تو خود فنا ہو جاؤں گی یا انہیں فنا کر دوں گی۔''

''مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ لیکن آخر تم کیا کر سکو گی جبکہ تمہاری معلومات محدود ہیں۔''

''یہ بتاؤ۔ یہ آدمی کون تھا۔ تم نے اُسے کس نام سے پکارا تھا۔''

''واجد..... میرے ہی محکمے کا ایک آفیسر ہے۔ سفر کے دوران میں وہ علیل ہو گیا تھا۔ بیہوشی کی حالت میں وہ لوگ اسے اٹھا لائے تھے۔''

''آخر کیوں؟ اور اب یہ کس حال میں تھا۔''

''غالباً انہوں نے اس پر کسی قسم کا کوئی تجربہ کیا ہے؟''

''کیا پولیس یہاں آئے گی۔''

''نہیں..... لاش یہاں سے ہٹا دی جائے گی تاکہ فی الحال پروفیسر کی موت کے اسباب پر روشنی نہ پڑ سکے۔''

''کیوں.....؟''

''اگر پولیس حرکت میں آ گئی تو پھر ہم ان لوگوں پر ہاتھ نہ ڈال سکیں گے۔ وہ محتاط ہو جائیں گے اور اپنی ان مصروفیات کو ترک کر دیں گے، جو قابل گرفت ہوں۔ تم مجھے یہ بتاؤ لیبل کوپٹر یہاں سے کون لے گیا تھا جب کہ پروفیسر بھی یہیں موجود تھے۔''

''میرا خیال ہے کہ تہہ خانے میں ڈیڈی کے علاوہ کوئی اور بھی موجود تھا جو ہیلی کو
لے گیا۔ دھوئیں کا بم ڈیڈی نے استعمال کیا ہوگا۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ رافعہ کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ آنکھوں اور ٹھوڑی
بناوٹ کی بناء پر وہ ایک ضدی لڑکی معلوم ہوتی تھی۔ پیشانی کی بناوٹ حوصلہ مندی کی
اشارہ کرتی تھی۔

''تو پھر تم کیا چاہتی ہو۔'' دفعتاً وہ اس سے سوال کر بیٹھا۔

''جب تک کہ وہ فنا نہ ہو جائیں تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔''

''پروفیسر کی لاش دستیاب ہو جانے کے بعد پولیس کو تمہاری تلاش ہوگی۔''

''مجھے کیا پریشانی ہو سکتی ہے جب کہ تم بھی تو ایک آفیسر ہی ہو کیپٹن حمید اور پھر
خیال ہے کہ شائد میں تمہارا ہاتھ بھی بٹا سکوں۔''

''وہ کس طرح۔''

''وہ چاروں قاسم سمیت کس راستے سے فرار ہو سکیں گے؟''

''پتہ نہیں۔''

''میں بھی تھوڑی سوجھ بوجھ رکھتی ہوں۔ تمہارے آدمی خاصے ہوشیار معلوم ہوتے
انہوں نے چاروں طرف نظر رکھی ہوگی۔ لہٰذا روز روشن میں ان کا اس طرح غائب ہو جانا
میں نہیں آتا۔''

''تم کہنا کیا چاہتی ہو۔''

''ہو سکتا ہے..... تہہ خانے میں کسی سرنگ کا دہانہ بھی ہو۔ ہیلی کوپٹر میں صرف پائلٹ
آیا تھا۔ وہ ہمیں لے گیا۔ اُس وقت ڈیڈی عمارت میں تنہا تھے۔ واپسی پر پائلٹ سمیت
آدمی ہمارے ساتھ تھے۔ وہ چاروں تمہاری گرفت میں آ گئے تھے۔ پھر پانچواں کہاں سے
جو ہیلی کوپٹر کو اڑا لے گیا۔''

''تم واقعی خاصی سوجھ بوجھ رکھتی ہو۔ اچھا تو پھر ہمیں تہہ خانے کو بھی دیکھنا چاہئے۔''

وہ ایک بار پھر تہہ خانے میں نظر آئے۔ خالی تابوت سامنے پڑا تھا لیکن دوسرے
پر انکی نظر پہلے نہیں پڑی تھی۔ یہ دیوار سے لگا کر کھڑا کیا گیا تھا اور سرسری طور پر دیکھنے

پر ایسا ہی معلوم ہوتا تھا۔ فرش پر پڑے ہوئے تابوت سے مختلف بھی تھا۔ اُسکے اوپر ٹیلی فون
کے ڈائیل کے مشابہ ایک بڑا چکر سا لگا ہوا تھا جسکے وسط میں انسانی کھوپڑی کی تصویر تھی۔''

ان دونوں تابوتوں کے علاوہ یہاں اور کچھ بھی نہ تھا۔ وہ اسی تابوت کے قریب
رکے۔ فریدی اس ڈائیل نما حصے کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ ساخت کے اعتبار سے وہ ایسا ہی
لگتا تھا جیسے گھمانے سے گھوم جائے گا۔

''یہ ہے کیا بلا.....!'' رافعہ نے کہا اور ایک سوراخ میں انگلی ڈال کر اُسے گھما ہی دیا۔

ایک عجیب سی ڈراؤنی آواز کے ساتھ تابوت کے دونوں پاٹ اندر کی طرف کھلتے چلے
گئے۔ رافعہ لڑکھڑائی تھی اور فریدی اُسے سنبھالنے کے لئے آگے بڑھا تھا۔

اس نے فوری طور پر محسوس کیا کہ وہ لڑکھڑاہٹ اتفاق نہیں تھی۔ بلکہ تابوت کے کھلے
ہوئے دروازے سے کسی غیر مرئی قوت نے اُسے کھینچا تھا اور اب فریدی بھی خود کو روکنے کی
کوشش میں ناکام رہا تھا۔

دونوں بڑی تیزی سے تابوت کے دروازے سے گزرے چلے گئے۔ پھر اسے اتنا ہی
دیکھ سکا کہ اس نے رافعہ کی چیخ سنی تھی اور خود اپنی چیخیں روکے رکھنے کی کوشش کرتا ہوا
معلوم گہرائی میں گرا جا رہا تھا۔

پھر اُس نے دو دھماکے سنے۔ یہ اُن کے اپنے گرنے کی آوازیں تھیں۔ لیکن.....
لیکن..... وہ خود زندہ تھا..... کسی قسم کی ٹوٹ پھوٹ کا احساس بھی نہ ہو سکا۔

اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن دیکھ نہیں سکتا تھا۔ کیا بصارت کھو بیٹھا۔

''رافعہ..... رافعہ.....!'' اُس نے لڑکی کو آوازیں دیں لیکن جواب نہ ملا۔ اب اس
نے آس پاس ٹٹولنا شروع کیا۔

روئی..... یہ تو روئی کا ڈھیر معلوم ہوتا تھا جس پر وہ گرا تھا۔ اُس نے پھر رافعہ کو پکارا۔

دفعتاً اُس کا ہاتھ اس ٹارچ سے ٹکرایا، جو تہہ خانے میں اسی کے پاس تھی۔

ٹارچ کی روشنی میں اس نے گردوپیش کا جائزہ لیا۔ رافعہ تھوڑے ہی فاصلے پر پڑی نظر آئی۔
وہ بیہوش تھی۔ کنواں؟ کیا یہ کوئی اندھا کنواں تھا جس کی تہہ میں روئی کے ڈھیر لگا دیئے
گئے تھے تاکہ گرنے والے مر نہ سکیں۔

رافعہ کی نبض درست چل رہی تھی۔ وہ اُسے ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگا۔ وہ ہوش میں آئی تھی اور پاگلوں کی طرح چیخنے لگی تھی۔

"تم زندہ ہو..... ڈرو نہیں..... ہوش میں آؤ۔" وہ اسے جھنجھوڑ کر بولا۔

اس کے بعد وہ اسی طرح سنبھل گئی تھی جیسے اب ہوش میں آئی ہو۔

"یہ کیا ہوا..... کیونکر ہوا۔"

"جلد بازی کا نتیجہ..... میں اس طرف متوجہ نہیں تھا ورنہ تمہیں اُسے ہاتھ لگانے باز رکھتا۔"

"یہ کون سی جگہ ہے۔"

"ایک اندھا کنواں اور ہم روئی کے ڈھیر پر گرے ہیں۔"

"لیکن یہ کیونکر ہوا۔"

"خدا جانے۔"

"اب کیا ہوگا..... ذرا ٹارچ روشن کرو۔ میں بھی تو دیکھوں۔" فریدی نے ٹارچ کی اور روشنی کا دائرہ چاروں طرف گھومنے لگا۔

"اب اس میں سے نکلنا کیسے ممکن ہوگا۔"

"فکر نہ کرو۔"

"کیا تمہارا دماغ الٹ گیا ہے اس صدمے سے۔" رافعہ نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا

"اس کا شبہ کیونکر ہوا۔"

"تمہاری لاپروائی کے انداز سے..... کہتے ہو فکر نہ کرو..... جیسے ڈرائنگ روم سے روم میں جانے کا مسئلہ ہو۔"

"یہاں روئی کے اس ڈھیر کی موجودگی کا مقصد یہی ہوسکتا ہے کہ اس طرح گرنے والے مرنے نہ پائیں۔"

"اچھا تو پھر.....؟"

"کسی نہ کسی طرح ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔ یا نکال لئے جائیں گے۔" فریدی نے کہا اور ٹارچ روشن کر کے اس کا رخ اوپر کی طرف کر دیا۔ قریباً بیس بائیس فٹ کی بلندی

پر چھ دریچے سے نظر آئے جو ایک دوسرے کے مقابل تھے۔

"وہ دیکھو.....!" اُس نے رافعہ سے کہا۔ "ان میں سے کوئی دریچہ وہ ہوگا جس سے وہ گرے ہیں۔ دوسرا اس کے مقابل ہے۔ ہوسکتا ہے اُسی ڈائیل کا صحیح استعمال ایک دریچے سے دوسرے تک پل بنا دیتا ہو۔"

"لیکن اب کیا ہوسکتا ہے۔"

"ویٹ اینڈ سی۔"

رافعہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا کر رہ گئی۔

فریدی نے ٹارچ بجھا دی تھی اور سوچ ہی رہا تھا کہ اُن دریچوں تک پہنچنے کے لئے کیا جائے کہ دفعتاً چاروں طرف تیز قسم کی روشنی پھیل گئی۔ فریدی بڑی پھرتی سے اوندھے منہ پڑا اور آہستہ سے بولا۔

"میں گرتے ہی بیہوش ہوگیا تھا اور تمہیں زبردستی تہہ خانے میں لایا تھا۔ ہوشیاری سے۔"

دفعتاً ایک گونجیلی آواز سنائی دی۔ "مس ابدالی۔ تمہارے ساتھ یہ کون ہے۔"

"وہی..... وہی..... جو مجھے پکڑ لے گیا تھا۔" رافعہ روہانسی آواز میں چیخی۔ "کسی نے ہمارے ڈیڈی کو مار ڈالا۔ بتاؤ کس نے مارا۔"

"دشمنوں نے مس ابدالی..... مجھے افسوس ہے..... لیکن اسے کیا ہوا.....؟"

"اس نے مجھ پر تشدد کر کے مجھ سے تہہ خانے کا راز معلوم کیا۔ تہہ خانے میں لایا۔ وہاں ایک تابوت پڑا تھا۔ اس میں سے ایک آدمی کو نکالا..... جس کے سارے جسم پر پٹیاں لپٹی ہوئی تھیں اور ..... اور پھر تہہ خانے میں آیا..... اور جیسے ہی دوسرے تابوت کے اوپر کھڑے ہوئے ڈائیل کو گھمایا..... یہ مصیبت ٹوٹ پڑی۔"

"کیا وہ بیہوش ہوگیا ہے۔"

"مر بھی گیا ہو تو مجھے خوشی ہوگی۔"

"دیکھو..... کیا کیفیت ہے۔"

فریدی نے محسوس کیا کہ رافعہ اس کی نبض ٹٹول رہی ہے۔ وہ ویسے ہی بے حس و حرکت پڑا رہا۔

''زندہ ہے.....!'' دفعتاً وہ اونچی آواز میں بولی۔ ''شائد اس کا سر دیوار سے
تھا..... گہری بیہوشی طاری ہے۔''

''اچھی بات ہے..... رسی پھینکی جارہی ہے..... تم اُس کے ہاتھ پیر مضبوطی سے
دو..... اور تمہارے لئے سیڑھی لٹکائی جارہی ہے۔ اوپر سے آواز آئی۔''

فریدی نے رسی گرنے کی آواز سنی اور جب محسوس کیا رافعہ اس کے قریب آ گئی
آہستہ سے پوچھا۔ ''رسی کا دوسرا سرا کہاں ہے۔''

''اوپر دریچے میں۔''

''میرے پیر اس طرح باندھو کہ رسی کا یہ سرا میرے ہاتھ میں ہو۔''

پھر جب وہ اُس کے پیر باندھ رہی تھی۔ فریدی نے محسوس کیا کہ وہ اس کا مطلب
سمجھ گئی ہے۔

اوپر سے پھر آواز آئی۔ ''مس ابدالی سیڑھی لٹکائی جارہی ہے..... تم اوپر آجاؤ۔''

دو منٹ بعد فریدی کی ٹانگوں کو جھٹکا لگا اور فریدی نے رسی کے ڈھیلے پھندے کو
رکھنے کے لئے اپنی ٹانگوں کے درمیان اتنا فاصلہ پیدا کرلیا کہ پھندا اس کا وزن سہار
اب اس کا سر نیچے تھا اور ٹانگیں اوپر۔ اس طرح وہ دریچے کی طرف کھنچا چلا جارہا تھا۔

پھر اُس کی ٹانگیں کسی نے پکڑی تھیں۔ اُس نے دو آدمیوں کے ہاتھ محسوس کئے
بدقت تمام اُسے اوپر کھینچ کر لٹا دیا گیا تھا۔

''ہوش میں آنے سے پہلے ہی جکڑ دو۔'' اُس نے کسی غیر ملکی کی آواز سنی اور
پھرتی سے پھندے میں سے ایک پیر نکال کر اٹھ کھڑا ہوا۔ پہلا گھونسہ قریب کھڑے
آدمی کے جبڑے پر پڑا تھا اور وہ اُس دریچے سے گزرتا ہوا نیچے کنویں میں جا پڑا تھا۔

دوسرے آدمی کے سنبھلنے سے پہلے ہی اس کا ریوالور نکل آیا۔

''خبردار جو اپنی جگہ سے جنبش بھی کی۔''

رافعہ بھی قریب ہی کھڑی تھی۔ تھوڑے ہی فاصلے پر قاسم بندھا پڑا تھا اور وہ دونوں
جو بلیک فورس کے ممبروں کے ہاتھوں زخمی ہوئے تھے دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔

''تم دونوں اپنے ہاتھ سروں پر رکھ لو۔'' فریدی نے انہیں بھی للکارا۔

''دیکھو سالو.....!'' دفعتاً قاسم چیخنے لگا۔ ''اب بنے گی تمہاری چٹنی۔ مجھ گریب کو مار
ڈالا مرا قردیا حرامیوں نے..... کہتے تھے کہ تم نے مرغی والے کا کہنا قیوں مانا تھا.....
ہمیں باندھ لیا تھا۔''

رافعہ قاسم کے قریب بیٹھ کر اُس کے ہاتھ پیر کھولنے لگی۔ وہ تینوں حیرت سے آنکھیں
پھاڑے اُسے دیکھے جارہے تھے۔ لیکن کسی کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔

''اب تم پھر انہیں باندھ لو۔'' فریدی نے قاسم سے کہا۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا اور خونخوار نظروں سے ان تینوں کو گھورے جارہا تھا۔

''یوں نہیں..... پہلے تم ان کی تلاشی لے ڈالو۔'' فریدی نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ
کہا۔ اُسے خدشہ تھا کہ کہیں وہ ان پر ٹوٹ ہی نہ پڑے اور اُن میں سے کسی کو ریوالور نکال
کا موقع مل جائے۔

یہ جگہ بھی اتنی ہی کشادہ تھی جتنا اس عمارت والا تہہ خانہ تھا۔

قاسم نے تینوں کی تلاشی لے کر صرف اس آدمی کے پاس سے ریوالور برآمد کیا جو زخمی
ہوا تھا۔

اس نے ان تینوں کو یکے بعد دیگرے گرا گرا کر باندھ لیا تھا۔ اس کے بعد اس نے
ہنستے ہوئے فریدی سے پوچھا۔

''ماروں سالوں کو.....؟''

''نہیں..... پہلے مجھے ان سے دو دو باتیں کر لینے دو۔ کیونکہ انہوں نے ابھی ابھی ایک
قتل کیا ہے۔''

''قتل..... کس کا قتل.....؟''

''انہوں نے پروفیسر کو مار ڈالا۔''

''ارے باپ رے..... اب قون پقا قر کھلائے گا.....!''

''خدا کے لئے خاموش رہو۔'' رافعہ روہانسی ہوکر بولی۔

''اررر ب..... مم..... ما پھی چاہتا ہوں..... میں ان سالوں کی ہڈیاں چبا ڈالوں
اخر انہوں نے..... پروفیسر ابا..... کو مار ڈالا ہے۔''

''ٹھہرو.....!'' فریدی نے ہاتھ اٹھا کر سخت لہجے میں کہا۔

وہ چند لمحے ان تینوں کو گھورتا رہا پھر غرایا۔

''تمہارا سربراہ لیکراس کہاں ہے؟''

کوئی کچھ نہ بولا۔ وہ پھر دہاڑا۔ ''بتاؤ۔''

''ہم کچھ نہیں جانتے..... ہمیں جو حکم ملتا ہے کرتے ہیں۔'' اُس آدمی نے کہا۔ نہیں تھا۔

''کس سے حکم ملتا ہے۔''

اُس آدمی نے دریچے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''جسے تم نے نیچے پھینک دیا ہے صرف اسی کو جانتے ہیں۔ لیکراس ہمارے لئے ایک نیا نام ہے۔''

فریدی نے چاروں طرف دیکھا۔ رسیوں کی وہ سیڑھی جو رافعہ کے لئے لٹکائی گئی قریب ہی پڑی نظر آئی۔

اُس نے اس آدمی سے کہا کہ اُسے دریچے کے قریب لے جایا جائے گا وہ چوتھے کو آواز دے کر کہے کہ اس کے لئے سیڑھی لٹکائی جارہی ہے۔ قیدی کو دوبارہ قید کرلیا ہے۔ وہ اوپر آجائے۔

''اس کے خلاف اگر ایک لفظ بھی زبان سے نکلا تو کھوپڑی میں سوراخ کر کے پھینک دوں گا۔'' اُس نے قاسم کو اشارہ کیا کہ وہ اُسے اٹھا کر دریچے کے قریب لے جائے پھر بولا۔ ''احتیاط رکھنا کہ نیچے سے دیکھے نہ جاسکو۔ جیسے ہی وہ بات پوری کر چکے اسے کھینچ لینا اور تم رافعہ سیڑھی فوراً ہی نیچے پھینک دینا۔''

انہیں ہدایات دے کر وہ تیزی سے آگے بڑھا اور دریچے کی بائیں جانب دیوار سے لگ کر کھڑا ہوگیا۔

قیدی نے فریدی کے کہے ہوئے الفاظ دریچے سے منہ نکال کر دہرائے تھے اور قاسم نے بڑی پھرتی سے اُسے پیچھے کھینچ لیا تھا۔ ساتھ ہی رافعہ نے رسیوں والی سیڑھی نیچے پھینکی تھی۔

عجیب سا سناٹا چھا گیا تھا۔ کچھ دیر بعد چوتھے آدمی کا سر دریچے میں دکھائی دیا۔ شانے ابھرے..... اور دوسرے ہی لمحے میں اُس کی گردن فریدی کی گرفت میں تھی اور

میں اُس نے اُسے اندر کھینچ لیا تھا۔

چویشن کا اندازہ ہوتے ہی وہ فریدی سے لپٹ پڑا۔ لیکن زیادہ دیر تک جدوجہد جاری رہ سکا۔ فریدی نے اُس کا بایاں ہاتھ مروڑ کر پشت پر گھونسہ رسید کیا اور وہ منہ کے بل فرش پر

قاسم نے اُس کے پاس سے بھی ریوالور برآمد کر کے قبضے میں کرتے ہوئے کہا۔ ''ہاں صاحب..... جلدی کیجئے..... بھوخ کے مارے میرا دم نکلا جارہا ہے۔''

اور فریدی چوتھے آدمی کے سینے پر سوار ہو کر کہہ رہا تھا۔ ''بتاؤ لیکراس کہاں ہے۔''

''لل..... لیکراس.....!'' وہ خوفزدہ انداز میں ہکلایا۔ ''میں نہیں جانتا۔''

دو تین تھپڑوں کی آوازیں سناٹے میں گونجیں اور مغلوب ہانپتا ہوا بولا۔ ''وہ..... وہ..... بالا کے..... ویران قلعے میں رہتا ہے۔ اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں جانتا.....

..... کچھ..... نن..... نہیں..... جج..... جا.....!''

آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں بند ہوتی جارہی تھیں اور پھر وہ بالکل ہی بے حس و حرکت ہا۔ اُس کے سر سے بہنے والا خون فرش پر پھیل رہا تھا۔

فریدی اُسے چھوڑ کر ہٹ گیا۔ اُس نے دیکھا کہ قاسم جھکا ہوا رافعہ سے سرگوشیاں کر رہا اور رافعہ خود اُس کی طرف خوفزدہ نظروں سے دیکھے جارہی ہے۔ اُس سے نظر ملتے ہی بڑا گئی اور قاسم ''ہی ہی ہی'' کرتا ہوا بولا۔ ''گلتی سے میں نے قرنل صاحب..... کہہ دیا .....اس لئے بتانا ہی پڑا۔''

کچھ دیر بعد وہ قیدیوں کی رہنمائی کی بناء پر پھر اُسی عمارت کے تہہ خانے میں پہنچ گئے اور اب فریدی کو اصل مہم کا آغاز کرنا تھا۔

عمارت اب پوری طرح فریدی کے آدمیوں کی نگرانی میں تھی۔ ان میں سے ایک کچن خانا تیار کر رہا تھا۔ قاسم بار بار اُس کی کارکردگی کا جائزہ لینے کچن کی طرف جاتا اور اس کی طرح منہ چلاتا ہوا واپس آجاتا۔

واجد اب آدمیوں کے لباس میں تھا۔ لیکن اس کی ذہنی حالت غیر واضح تھی۔ کبھی ہوش انگیں کرتا..... اور کبھی عالم بالا کی خبر لانے لگتا۔

رافعہ بے حد بجھی بجھی سی نظر آ رہی تھی۔ فریدی نے اس سے کہا۔ ''اب تم چاہو پورے تحفظ کے ساتھ تمہیں بھجوایا جا سکتا ہے۔''

''مجھے کہیں نہیں جانا..... باپ کی موت کا انتقام میری زندگی کا مشن بن گیا ہے۔''

''تم کیا کر سکو گی۔''

''شائد ریگم بالا کے ویران قلعے میں آپ کی کوئی مدد کر سکوں۔''

''تم نے اب تک کھل کر بات نہ کی۔''

لیکن اُسکے کچھ بولنے سے پہلے ہی واجد چونک کر بڑبڑایا۔ ''ریگم بالا کا ویران قلعہ'' اور پھر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کے چہرے کا سارا اضمحلال غائب ہو گیا تھا اور اُس میں صحت مندی کی چمک عود کر آئی تھی۔

''کیوں..... کیا بات ہے۔'' فریدی نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''سب کچھ یاد آ گیا جناب..... میں نے اُسے ریگم بالا کے ویران قلعے میں دیکھا وہ کوئی قدیم مصری روح تھی اور میرے سامنے گوشت پوست میں آئی تھی۔ میں نے اُسے کر دیکھا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیا تھا۔''

''بیٹھ جاؤ۔''

''لل..... لیکن میں کہاں ہوں۔'' وہ چندھیائی ہوئی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھتا

''کیا تمہیں یاد ہے کہ کچھ دیر پہلے تم ایک تہہ خانے میں تھے اور تمہارا پورا جسم سے ڈھکا ہوا تھا۔''

''میرا جسم.....!'' واجد کے لہجے میں حیرت تھی۔

فریدی نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سر کو اثباتی جنبش دی۔

''جی مجھے تو یاد نہیں۔''

''کیا تمہیں یہ بھی یاد نہیں کہ میرے ساتھ ان اطراف کا سفر شروع کیا تھا۔''

''میں یہی سوچ رہا تھا کہ یہاں اس طرح آپ کے ساتھ.....!'' وہ جملہ پورا کئے خاموش ہو گیا۔

اُس کی آنکھوں میں شدید ترین الجھن کے آثار تھے۔

''اوہو..... کچھ نہیں۔'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''جاؤ تم دوسرے کمرے میں آرام قاسم انہیں بیڈ روم میں لے جاؤ۔''

''چلئے جناب۔'' قاسم مسمسی سی صورت بنا کر بولا۔

واجد اب بھی فریدی کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔ فریدی نے ہاتھ ہلا کر

''جاؤ..... جاؤ۔''

وہ قاسم کے ساتھ چلا گیا۔

''اس کی ذہنی حالت قابل اطمینان نہیں معلوم ہوتی۔ اس کے لئے آپ کیا کریں

'' رافعہ بولی۔

''بیگم گڈھ کے کسی ہسپتال میں داخل کرا دیا جائے گا۔''

اتنے میں قاسم واپس آ گیا اور خوفزدہ لہجے میں بولا۔ ''لیٹتے ہی سو گیا اور دانت خبیثوں طرح نکلے ہوئے ہیں۔ آخر یہ ہے کیا بلا۔''

''جاؤ دیکھو کھانا تیار ہو گیا۔'' فریدی نے اس سے کہا اور وہ سعادتمندانہ انداز میں سر ہلا چلا گیا۔

''وہ آدمی ویران قلعے کے بارے میں کیا کہہ رہا تھا۔'' رافعہ نے پوچھا۔

''یہی شخص مجھے اس طرف لانے کا باعث بنا ہے۔ پھر کسی وقت اطمینان سے اس کی کہانی سناؤں گا اور ہاں میرا خیال ہے کہ کھانا کھا کر ہمیں یہاں سے روانہ ہو جانا چاہئے۔''

''لیکن گاڑی۔''

''سب کچھ موجود ہے۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔''

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے آدمیوں کو سفر جاری رکھنے کیلئے خصوصی ہدایات دے رہا تھا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 108

ریگم بالا

(تیسرا حصہ)

پیش رس

"خونی ریشے" اور "تیسری ناگن" کے بعد "ریگم بالا" ملاحظہ فرمایئے۔ اس کتاب میں "خونی ریشے" سے شروع ہونے والی کہانی کا اختتام ہوا۔

"خونی ریشے" بے حد پسند کی گئی تھی۔ "تیسری ناگن" کے متعلق بھی اچھی ہی رپورٹ ہے۔ پوری کہانی کا تاثر تو اس وقت ظاہر ہو سکے گا جب آپ "ریگم بالا" بھی پڑھ لیں۔

اس دوران میں خطوط کی بھرمار رہی۔ فرمائشات، مشورے اور عید کارڈ..... عید کارڈوں کا ذکر چلا!

غالباً ایک بار عید کارڈوں کے سلسلے میں آپ کو کوئی نیک مشورہ دیا تھا میں نے..... کہئے یاد آیا.....؟ لیکن مجھے افسوس ہے کہ آپ نے اس پر عمل نہیں کیا۔ اس بار بھی آپ نے مجھے ایسے کارڈ بھیجے جن پر آپ نے اپنے قلم سے کچھ نہ لکھا ہو..... میں نے گزارش کی تھی کہ سادہ کارڈ بھیجئے ان پر کچھ نہ لکھئے..... "مبارک باد" اور اپنا نام لفافے پر لکھ دیا کیجئے۔

عید کارڈوں پر "منجانب" چھپا ہوا ہوتا ہے۔ اسے چھاپنے والے کی جہالت پر محمول کیجئے۔ حقیقتاً یہ "منجانب" لفافے پر ہونا چاہئے۔ بعض عید کارڈ بڑی خوب صورت ہوتے ہیں۔ انہیں فریم کرا کے دیوار پر لگانے کو جی چاہتا ہے لیکن چونکہ ان پر منجانب تفضل حسین لکھا ہوتا ہے اسلئے یہ ناممکن ہو جاتا ہے۔ ایسے میں دل ملول و افسردہ نہ ہو تو اور کیا ہو۔

ایسی عید سے بہتر تو بقر عید ہوتی ہے کہ ادھر اُدھر سے آنے والے گوشت پر بھجوانے والے کا نام اور پتہ نہیں تحریر ہوتا اور ایک گھر کا گوشت دوسرے گھر میں بہ آسانی بھجوا کر میں اپنا اور مجرب بکرا صاف بچا لیتا ہوں..... پھر کیا بتاؤں کہ ریفریجریٹر میں یہ بکرا کتنا حسین

اور دلآویز لگتا ہے۔تو آپ اپنے دلآویز اور حسین عید کارڈوں پر اپنا نام اور پتہ ہرگز نہ
کیجئے۔شکریہ۔

اس بار پھر ایک صاحب نے ادب میں میرے ''مقام'' کا مسئلہ چھیڑا ہے۔ان کا
ہے کہ میں ''ادیب'' نہ سہی لیکن ''مشاہیر'' کے ساتھ میرا نام بھی لیا جاسکتا ہے۔

میں ان سے متفق نہ ہوتا لیکن اسی دوران میں کراچی کا ایک ماہنامہ نظر سے گزرا
میں معلومات عامہ سے متعلق ایک سوال نامہ شائع ہوا ہے۔

اس کا پانچواں سوال اس طرح شروع ہوتا ہے۔

☆ کیا آپ کو ان مشہور شخصیات کے اصل نام یاد ہیں؟

(ا) داتا گنج بخش (ب) حافظ شیرازی (ج) مولانا ابو الکلام آزاد (د) نی
(س) شیر شاہ سوری (ط) شوکت تھانوی (ہ) بھولو پہلوان (ی) ابن صفی۔

ملاحظہ فرمائی آپ نے مرتب کی کوشش..... ہے مجھ میں اتنی ہمت کہ بھولو پہلو
صاحب کو بیچ سے ہٹا کر شوکت تھانوی کے برابر کھڑا ہوسکوں۔

ایک ''ادبی بزرگ'' سے اس زیادتی کا شکوہ کیا تو بڑی سنجیدگی سے بولے ''تم دہ
ادب کے بھولو پہلوان ہو۔جاؤ ریاض جاری رکھو۔فضول باتوں میں نہ پڑو.....دنگل ہو
کی بازی گری سب پیٹ کے لئے ہے۔

اس مرد قلندر کی بات دل کو لگی اور یہ حقیر..... پر تقصیر بہ طیب خاطر دھندے سے لگ

بہر حال کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اب اس قصے کو ختم کیجئے۔نہ مجھے ادیبوں میں
کیجئے اور نہ مشاہیر میں.....آپ تو بس دیکھا کیجئے کہ کس کتاب میں کس حد تک آپ
بہلانے میں کامیاب ہوا ہوں اور مجھے لکھ بھیجا کریں!

آپ زیرولینڈ کی دو بڑی شخصیتوں سے روشناس ہو چکے۔تھریسیا اور نانوتہ
کہانی میں آپ تیسری بڑی شخصیت سے ملئے۔

والسلام

ابن صفی

وہ دونوں

ریگم بالا شمال مشرقی پہاڑی سلسلے کا سب سے زیادہ خوبصورت شہر تھا۔ایک طرف جدید
یآباد تھا اور دوسری طرف قدیم خانقاہوں اور مٹھوں کی دنیا تھی۔ جدید آبادی ان قدیم
انقاہوں کے مقابل ایسی ہی لگتی تھی جیسے کسی نئی نسل نے پچھلوں سے ناتہ توڑ کر اپنی الگ دنیا
بالی ہو۔

جدید آبادی میں وہ سب کچھ تھا جو ایک موڈرن شہر میں ہونا چاہئے اور حقیقت تو یہ ہے
کہ جدید آبادی کا زیادہ تر انحصار ان سیاحوں پر ہی تھا جو ریگم بالا کی پرانی دنیا کی زیارت کے
لئے آتے تھے۔

جدید آبادی میں ایک ایسی درسگاہ بھی تھی جہاں ملکی اور غیر ملکی طلباء کو آثار قدیمہ سے
علق تعلیم دی جاتی تھی۔ غیر ملکی طلباء کے لئے ایک اعلیٰ درجہ کا بورڈنگ ہاؤز بھی تھا..... بنایا
یا تھا غیر ملکی ہی طلباء کے لئے لیکن وہاں مقامی طلباء بھی مقیم تھے۔

ئلنی کارماؤنٹ بلجیم سے آئی تھی اور بدھ تعلیمات پر ریسرچ کر رہی تھی۔بلجیم کے محکمہ
ثار قدیمہ نے اسے یہاں اسکالرشپ پر بھیجا تھا۔ اپنے ساتھ وہ کئی تعارفی خطوط بھی لائی
ئی۔ان سبھوں سے ملی جن کے نام خطوط لکھے گئے تھے۔ ولیم لیکا اس نامی شخص نے اسے
ت متاثر کیا۔ وہ بہت ہمدرد اور نرم دل آدمی ثابت ہوا تھا۔فرانس کے محکمہ آثار قدیمہ سے
علق رکھتا تھا اور یہاں وہ بھی بدھ مورتیوں پر ریسرچ کر رہا تھا۔لیکن اس کا تعلق درسگاہ سے

نہیں تھا۔ اس نے نلنی کے لئے مزید مالی استفادہ کی راہ نکالی تھی۔ اس سے اپنے تحقیقی کام میں مدد لیتا تھا اور اس کے عیوض ہر ماہ ایک معقول رقم ادا کرتا تھا۔

ہفتے میں دو بار دونوں ایک جگہ بیٹھ کر کام کرتے تھے۔ آج بھی نلنی درس گاہ کی لائبریری میں اس کی منتظر تھی۔ لیکن مقررہ وقت سے آدھا گھنٹہ زائد گزر جانے کے بعد بھی نہ آیا..... یہ پہلا موقع تھا جب اس سے اس قسم کا کوئی بے اصولا پن سرزد ہوا تھا۔ دیر حالات میں اس سے زیادہ بااصول کوئی دوسرا آدمی نلنی کی نظروں سے نہیں گزرا تھا۔

آدھے گھنٹے کے بعد وہ لائبریری سے اٹھ گئی۔ بورڈنگ ہاؤس پہنچی اور جیسے ہی کمرے کا دروازہ کھولا اندر ایک لفافہ پڑا ملا جس پر اسی کا نام تحریر تھا۔

لفافے سے لیکر اس کا ٹائپ کیا ہوا خط برآمد ہوا۔

''مس کارماؤنٹ

مجھے بے حد افسوس ہے کہ آج میں نہ آسکوں گا اور شائد دو ماہ تک نہ مل سکوں..... مشرق بعید کے سفر پر روانہ ہو رہا ہوں..... دو ماہ کے معاوضے کا چیک تمہیں دو تین دن میں مل جائے گا..... تم کہو گی کہ جب کام ہی نہیں تو معاوضہ کیسا..... لہٰذا کام بھی بتا رہا ہوں..... ان دنوں میرا ایک اہم پیشہ میرے پیچھے پڑ گیا ہے۔ میرے تحقیقی کاموں میں روڑے اٹکا رہا ہے۔ اگر تم اس سلسلے میں میری مدد کر سکیں تو اسے ہر حال میں نیچا دیکھنا پڑے گا۔ تمہیں صرف اتنا کرنا ہے کہ دو مقامی افراد سے مل بیٹھو..... تم پر نظر انتخاب اس لئے پڑی ہے کہ اردو کی بھی ایک اچھی متعلمہ ہو..... بہ آسانی اردو بول اور سمجھ سکتی ہو۔ تمہیں ان دونوں سے دوستی بڑھا کر ان کے ملنے جلنے والوں پر نظر رکھنی ہے۔ میرا نائب میتھوز تم سے رابطہ قائم رکھے گا۔ یہ دونوں مقامی افراد میرے اس حریف کے ملازم ہیں اور ایڈلفی کے کمرہ نمبر ستائیس میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ مرد کا نام قاسم ہے اور لڑکی کا نام رافعہ ابدالی ہے..... تم بہت ذہین ہو..... مجھے یقین ہے کہ یہ کام خوش اسلوبی سے انجام دو

گی۔

اگر تم یہ کام نہ کرنا چاہو تو میتھوز کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر سکتی ہو۔''

نلنی نے کاغذ طے کر کے پھر لفافے میں رکھ دیا اور طویل سانس لے کر آگے بڑھ گئی۔ یہ کام اپنی نوعیت کے اعتبار سے دلچسپ بھی تھا اور مشتبہ بھی۔ نلنی سیدھی سادی زندگی گزارنے کی عادی تھی۔

وہ بڑی دیر تک اس کے متعلق سوچتی رہی پھر اس نے فیصلہ کیا کہ میتھوز سے رابطہ قائم رکھے کم از کم حالات کے رخ کو تو سمجھنا ہی چاہئے۔ اگر کوئی خطرناک مسئلہ نہ ہو تو اس آمدنی سے کیوں روگردانی کی جائے۔

وہ اپنے کمرے سے کامن روم میں آئی۔ یہاں ٹیلی فون تھا۔

اور وہ لیکراس کے فون نمبر سے واقف تھی۔ میتھوز اس کے ساتھ ہی رہتا تھا۔

اس نے میتھوز کو لیکراس کے خط کے بارے میں بتایا۔

''ہاں مس کارماؤنٹ.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''موسیو لیکراس نے مجھے اس سے متعلق ہدایات دی تھیں..... کل آپ کو چیک مل جائے گا۔''

''معاملہ کیا ہے.....؟ میری تو ہمت نہیں پڑتی۔''

''ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے۔ دراصل میں خود یہ کام نہیں کر سکتا کیونکہ مسٹر لیکراس کا حریف مجھے پہچانتا ہے۔''

''اس سے بحث نہیں کہ حالات کیا ہیں۔'' نلنی بولی۔ ''میں تو معاملے کی نوعیت کو سمجھنا چاہتی ہوں۔''

''مسٹر لیکراس کے حریف کے ریسرچ ورک کا موضوع بھی وہی ہے جو مسٹر لیکراس کا ہے۔ مسٹر لیکراس اُس سے کئی قدم آگے جا رہے ہیں۔ انہوں نے ویران قلعے کے آس پاس مدفون بستی کا پتہ لگایا ہے۔ موجودہ آثار قدیمہ کی تعمیر اس بستی کے زمین دوز ہو جانے کے بعد ایک ہزار سال بعد ہوئی تھی..... اوہو! ٹھہریئے..... آپ کہیں اور ملئے..... فون پر اس طرح واضح نہیں کر سکوں گا۔''

''آپ درس گاہ کی لائبریری میں آجایئے..... میں وہاں آپ کا انتظار کروں گی۔ کتنی

دیر میں پہنچ جائیں گے۔"

"زیادہ سے زیادہ بیس منٹ بعد۔"

"اچھی بات ہے تو پھر وہیں جا رہی ہوں۔" تلنی نے کہا اور ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر اپنے کمرے سے نکل کر لائبریری کی طرف روانہ ہو گئی تھی۔

ٹھیک بیس منٹ بعد میتھوز سے ملاقات ہوئی۔ یہ چھوٹے قد اور مضبوط جسم والا متوسط عمر کا آدمی تھا۔

"بات یہ ہے۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "فون پر میں تفصیل میں نہیں جانا چاہتا تھا۔"

"میں سمجھ گئی تھی۔"

"موسیو لیکراس نے وہ مدفون بستی دریافت تو کر لی ہے لیکن ابھی تک یہاں کی حکو کو اس سے مطلع نہیں کیا ہے۔"

"کیوں.....؟"

"موسیو لیکراس کا حریف بارسوخ آدمی ہے۔ وہ یقینی طور پر کوئی ایسا چکر چلا دے گا موسیو لیکراس اپنے اس کارنامے کے انعام سے محروم ہو جائیں گے۔ یعنی اس دریافت کا ان کے سر نہ بندھ سکے گا۔"

"اوہ.....اچھا.....!"

"اب صورت حال یہ ہے کہ اپنے خیال کی تصدیق کے لئے موسیو لیکراس چور راستے کھدائی کرا رہے ہیں.....اس کے لئے انہوں نے کئی مقامی آدمیوں سے مدد لی ہے۔"

"میرے خیال سے انہوں نے یہ اچھا نہیں کیا۔"

"کیوں؟ مس کارماؤنٹ.....!"

"مقامی آدمی اپنی حکومت کو ضرور آگاہ کر دیں گے۔"

"ہرگز نہیں.....مس کارماؤنٹ! وہ ایسا نہیں کریں گے.....موسیو لیکراس نے دانش مندی سے کام لیا ہے۔ انہوں نے انہیں بتایا ہے کہ وہ ایک صدیوں پرانے خزانے کی تلاش میں ہیں لہٰذا اگر حکومت کو پتہ چل گیا تو ہم سب اس سے محروم ہو جائیں گے.....ویسے وہ برابر کے حصہ دار ہوں گے۔"

وہ اپنی بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔

تلنی بھی مسکرائی تھی۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی تھی پھر بولی تھی۔

"مجھے کیا کرنا پڑے گا۔"

"موسیو لیکراس نے جن دو افراد کے بارے میں آپ کو لکھا ہے ان سے آپ کو دوستی کرنی پڑے گی۔ لیکن آپ ان پر یہ ہرگز نہیں ظاہر ہونے دیں گی کہ آپ اردو بول اور سمجھ سکتی ہیں.....ان سے ہمیشہ انگریزی میں گفتگو کیجئے گا۔"

"ہوں.....اچھا.....اور کچھ.....!"

"میں آپ کو ذرا اور تفصیل سے بتاؤں تو آپ پوری طرح سمجھ سکیں گی۔ آپ کو علم ہے کہ موسیو لیکراس کا تعلق فرانس کے محکمہ آثار قدیمہ سے ہے۔ لیکن ان کا حریف آرا گاں غیر سرکاری آدمی ہے۔ بہت دولت مند ہے اور آثار قدیمہ سے تعلق رکھتا ہے۔ مصر میں بھی کھدائی کر چکا ہے۔ میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ یہاں بھی وہ خاصا بارسوخ ہے۔ لہٰذا سرکاری اور غیر سرکاری ذرائع سے موسیو لیکراس کی راہ میں دیواریں کھڑی کر رہا ہے۔ یہاں کا مشہور آدمی اس کی پشت پر ہے۔ دراصل ہمیں اسی آدمی کی مصروفیات سے باخبر رہنا ہے۔ وہ کرنل فریدی کہلاتا ہے۔ یہ دو افراد جن کے بارے میں موسیو لیکراس نے آپ کو لکھا ہے کہ کرنل فریدی کے خاص آدمی ہیں.....آپ کو ان دونوں کی گفتگو کو خاص طور پر نوٹ کرنا ہے کہ جو وہ اردو میں کریں۔ اسی سے ہمیں کرنل فریدی کے متعلق معلومات حاصل ہو سکیں گی۔"

"میں سمجھ گئی۔ حقیقتاً مجھے اسی آدمی کرنل فریدی کے متعلق معلومات فراہم کرنی پڑیں گی۔"

"جی ہاں.....آپ ٹھیک سمجھیں۔" میتھوز نے کہا۔

اس کے علاوہ وہ رافعہ اور قاسم کا حلیہ اس کے ذہن نشین کرانے کی کوشش کرتا رہا تھا۔

کیپٹن حمید والا قافلہ ایڈلفی میں داخل ہوا۔ اُسے بہرحال لیری کراس اور اس کے ساتھیوں کی ہمراہی میں سفر کرنا پڑا۔ اس کی گاڑی تو غائب ہی ہو چکی ہے۔

لیری کراس کی خوش مزاجی پر وہ راستے بھر قربان ہوتا آیا تھا اور ریما اُسے ٹہو
رہی تھی۔ کبھی کبھی کہتی ''اتنے زور سے نہ ہنسو کہیں ناک سے اسپرنگ نہ نکل جائیں۔''

لیکن وہ لیری کراس میں بڑی شدت سے دلچسپی لیتا رہا تھا۔

ایڈلفی میں انہیں کمرے مل گئے۔

شام تک وہ اپنے کمروں میں آرام کرتے رہے۔ ریما اور حمید ایک ہی کمرے میں
اور وہ بات بات پر اسے بور کرتی رہی تھی۔ آخر حمید تھکی تھکی سی آواز میں کراہا تھا۔ ''مجھے
محسوس ہو رہا ہے جیسے معجزاتی طور پر میری شادی ہو چکی ہے۔''

''عورت کے بغیر مرد نامکمل ہے۔'' ریما بولی۔

''ہاں ہاں..... اب دم نکل آئی ہے میرے۔''

''بچوں کی سی باتیں نہ کرو..... تمہیں اس قسم کی اداکاری کرتے رہنا ہے جیسے عنقریب
ہم سچ مچ شادی کرلیں گے۔''

''اس کے لئے مجھے کیا کرنا پڑے گا۔''

''میں اگر تمہارے منہ پر جوتا بھی کھینچ ماروں تو بُرا نہ مانو میری ہاں میں ہاں ملاؤ۔''

''مقصد.....؟'' حمید نے سوال کیا۔

''لیری کراس پر یہ ظاہر کرنا کہ تم پوری طرح میری مٹھی میں ہو۔''

''اس سے کیا فائدہ۔''

''پھر وہی احمقانہ سوال۔''

''جوتا پھینک مارو منہ پر..... شائد سمجھ میں آجائے۔''

''وہ بات میں نے مثال کے طور پر کہی تھی.....!'' ریما جھلا کر بولی۔

''ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔''

''وہ کیا ہے؟''

''تم اُس تنظیم سے چھٹکارا چاہتی ہو۔''

''یقیناً.....!''

''کیا لیری کراس یا لیکراس کا خاتمہ اس کا سبب بن سکتا ہے۔''

جلد نمبر 36

''قطعی نہیں؟''

''پھر تم کیا کرنا چاہتی ہو۔''

''یہی تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ تم سے مل کر سازش تو کر بیٹھی ہوں۔''

''اس تنظیم میں شمولیت کس طرح ممکن ہے؟''

''یہ تنظیم کے کارکنوں کی مرضی پر منحصر ہے۔ جسے چاہیں تنظیم میں شامل کرلیں..... تم
شریک نہ ہونا چاہو تو وہ زبردستی بھی کر سکتے ہیں۔''

''بھلا کس طرح۔''

''تمہیں زبردستی اٹھالے جائیں گے اور برین واشنگ کر کے ایک ہفتے کے اندر ہی اندر
نہیں اپنا بنالیں گے۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تم بھول جاؤ گے کہ تم کون تھے..... تمہیں اپنا نام
یاد نہ آئے گا۔ پھر آہستہ آہستہ وہ صرف تمہاری صلاحیتیں بیدار کریں گے۔ اکثر ایسا بھی
ہوتا ہے کہ صرف نظریات بدل دیئے جاتے ہیں۔ آدمی کی پچھلی شخصیت برقرار رہتی ہے۔
مثال کے طور پر اگر وہ چاہیں تو فریدی کو تمہارے ہاتھوں قتل کرا سکتے ہیں۔ تم پوری طرح ہوش
میں ہو گے۔ اپنے وجود اور شخصیت کا ادراک بھی رکھتے ہو گے لیکن تمہیں فریدی وہ نظر نہ آئے
گا جو پہلے نظر آتا رہا ہے۔ تم اسے ایک اچھا آدمی سمجھنے کی بجائے درندہ سمجھنے لگو گے۔ ایسا
درندہ جسے مار ڈالنے میں ہی تمہیں انسانیت کی فلاح و بہبود نظر آئے گی۔''

''خدا کی پناہ.....!'' حمید بوکھلا کر بولا۔

''لیکن میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔'' ریما آہستہ سے بولی۔ حمید کو اس کی آنکھوں
میں بے پناہ عزم کی چمک دکھائی دی تھی۔

وہ خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔ بے حد سنجیدہ نظر آرہی تھی۔ ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور
بھنویں سکڑ گئی تھیں۔

حمید نے تکیے کے نیچے سے پائپ نکالا اور اس میں تمباکو بھرنے لگا۔

''سنو.....!'' تھوڑی دیر بعد وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''کسی طرح کرنل کو آگاہ کر دو کہ اگر
''جولیا دوبارہ ہاتھ آجائے تو اس پر ہرگز اعتماد نہ کرے۔''

''کیا مطلب.....؟'' حمید سنبھل کر بیٹھ گیا۔

''اب وہ کرنل سے دغا کرے گا۔''

''صاف صاف کہو۔''

''اس بار تم لوگ چاروں طرف سے جکڑے جا رہے ہو۔ نانوتہ سے جو غلطی سرزد ہوئی تھی وہ تیسری ناگن سے ہرگز نہ ہونے پائے گی۔ واجد کی بازیابی لیکر اس کی اسکیم میں ہے۔ کسی نہ کسی طرح وہ دوبارہ کرنل کے ہاتھ لگے گا۔ اس کی یادداشت واپس آئیگی اس جگہ تک کرنل کی راہنمائی کرے گا جہاں میں اس سے ایک قدیم مصری دیوی کے میں ملا کرتی تھی اور وہاں پہنچنے کے بعد کرنل ایک بے بس چوہے کی طرح پھانس لیا جائے

''خدا کی پناہ!'' حمید نے بستر چھوڑ دیا۔

''زیادہ بوکھلانے کی ضرورت نہیں۔ بیٹھ جاؤ۔'' ریما سرد لہجے میں بولی۔

''فی الحال میرے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے جس سے کرنل کو اس خطرے سے کرسکوں۔'' حمید مضطربانہ انداز میں بولا۔

''فکر نہ کرو۔''

''کیا واجد دیدہ و دانستہ کرنل کو پھنسائے گا۔''

''دیدہ و دانستہ ہی سمجھو..... یہ بات اس کے ذہن نشین کرائی گئی ہوگی کہ فریدی میرے اور اس کے درمیان دیوار بن گیا ہے۔ لہٰذا اسے راستے سے ہٹائے بغیر وہ مجھے حاصل نہیں کر سکے گا۔''

''اور وہ دل میں کینہ رکھے ہوئے کرنل سے اظہار وفاداری کرتا رہے گا۔'' حمید متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

''تم ٹھیک سمجھے۔''

''بے حد خطرناک..... خدایا۔ میں کیا کروں!''

''ابھی سے ہمت ہار بیٹھے۔'' وہ طنزیہ انداز میں مسکرائی۔

''نہیں مجھے کچھ کرنا چاہئے۔ ہم لوگ اسی کی اوٹ پٹانگ راہنمائی میں تو یہاں پہنچے ہیں۔''

''اسی لئے کہہ رہی تھی کہ اس بار شائد ان کا وار خالی نہ جائے..... اور ہاں

وہ بے ہنگم دوست بھی اسی ہوٹل میں موجود ہے۔''

''نہیں.....!''

''ہاں..... اس کے ساتھ وہی لڑکی ہے جس کا ذکر میں نے کیا تھا۔''

''یہ تو بہت برا ہوا۔''

''کیوں.....؟''

''میں خود کو اس پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔''

''تم میک اپ میں ہو۔''

''میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ میرے اس میک اپ سے واقف نہیں ہے۔ بلکہ ہے بھی اس کے ساتھ رہ کر میں نے یہ اسپرنگ استعمال کئے ہوں۔''

''تب تو ہمیں ہوٹل فوری طور پر چھوڑ دینا چاہئے۔''

''جیسی تمہاری مرضی۔'' حمید طویل سانس لے کر بولا۔ اسے فریدی کی طرف سے فکر ہونے لگی تھی۔

''اور تمہارا یہ کچا میک اپ بھی مجھے پسند نہیں..... چلو کہیں اور چلتے ہیں۔ میرے میک اپ میں تبدیلی کر دینا۔''

''اور وہ تمہاری پارٹی..... لیری کراس وغیرہ۔''

''میں اپنے طور پر کام کر رہی ہوں..... اسے صرف اپنی اس اسکیم سے آگاہ کر دوں گی۔ کہہ دوں گی میں مناسب نہیں سمجھتی کہ موٹا فی الحال کیپٹن حمید کو پہچان سکے۔''

''لیکن وہ یہاں مقیم ہیں۔''

''مجھے علم نہیں۔ میں کسی ایسے معاملے کے متعلق جس کا میری ذات سے تعلق نہ ہو کسی سے کچھ پوچھ بھی نہیں سکتی۔''

حمید پُرتفکر انداز میں آہستہ آہستہ اپنی بائیں کنپٹی سہلاتا رہا..... ریما چلی گئی۔ وہ غالباً اپنے ساتھیوں کو اس تبدیلی کی اطلاع دینے گئی تھی۔

اسپرنگ والا ریڈی میڈ میک اپ تکلیف دہ بھی تھا۔ زیادہ دیر تک برداشت نہیں کیا جا سکتا تھا۔ حمید نے سوچا چلو اچھا ہی ہوا کہ اب اس سے پیچھا چھوٹ جائے گا۔

نلنی کار ماؤنٹ ایڈلفی کے ڈائننگ ہال میں داخل ہوئی۔ آج وہ صرف حالات
لینے آئی تھی۔ ان دونوں کو دور سے دیکھنا تھا جن سے مل بیٹھنے کی ہدایت ملی تھی۔

لیکن اس اسے پسند تھا اس کے لئے وہ اس کام کو بخوبی انجام دے سکتی تھی اور
بھی کیا تھا..... دو اجنبیوں سے دوستی..... ویسے بھی وہ مقامی آدمیوں سے ملنا چاہتی تھی
گاہ میں زیادہ تر معمر قسم کے لوگ تھے جنہیں صرف پڑھنے کی دھن تھی..... ان میں سے
نے بھی اس کی طرف دوستی کا ہاتھ نہیں بڑھایا تھا۔

ڈائننگ ہال میں داخل ہو کر وہ صدر دروازے کے قریب ہی رک گئی۔ اچٹتی
نظروں سے اس نے میزوں کا جائزہ لیا تھا اور پھر خود بھی ایک خالی میز کی طرف بڑھ گئی۔

سورج غروب ہو چکا تھا اور یہاں خاصی رونق تھی۔ قاسم اور رافعہ کو پہچان لینے
اسے کوئی دشواری پیش نہ آئی کیونکہ میتھوز نے اس کے لئے ان کی تصاویر بھی فراہم کی تھیں

وہ دونوں اس سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھے۔ انکی آوازیں بخوبی سن سکتی تھی۔ اس
بچپن میں دیوؤں کی کہانیاں پڑھی اور سنی تھیں لیکن کسی دیو کو دیکھنے کا اتفاق آج ہی ہوا تھا۔

عجیب سا خوف اس کے ذہن پر مسلط ہو گیا اور پھر جب اس نے اسے کھاتے دیکھا
سوچنے لگی تھی کہ وہ یقینی طور پر شیطانی قوتوں کا حامل ہوگا۔

رافعہ اسے دلکش نظر آئی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ ہال میں موجود سارے آدمی
دونوں کی طرف متوجہ ہیں۔ دونوں اپنی مثال آپ تھے۔ لڑکی بہت خوبصورت تھی اور مرد
اس کا پوچھنا ہی کیا؟ گوشت کا پہاڑ تھا اور بکرے کی ایک مسلم ران کو اس بے دردی سے
رہا تھا جیسے اس میں ایک ریشہ بھی نہ لگا چھوڑنے کا تہیہ کر کے بیٹھا ہو۔

اب نلنی سوچ رہی تھی کہ آخر ان دونوں سے دوستی کس طرح کی جا سکے گی۔ اسے
دیوزاد سے بڑا خوف سا محسوس ہو رہا تھا۔

وہ ایک ران ختم کر کے دوسری کی طرف ہاتھ بڑھا رہا تھا کہ لڑکی بولی۔ ''اب

ت ایسے نہیں رہے کہ تم اتنی فارغ البالی کے ساتھ کھا سکو۔''

پرواہ مت کیجئے..... میں اپنا ایک آدھ اکاؤنٹ یہاں ٹرانسفر کرالوں گا..... اللہ
آپ بھی میری ہی طرح کھانے لگیں۔''

''ایسی بددعا نہ دو مجھے کہ جینے کے لالے پڑ جائیں۔''

''لالے پڑ جائیں چاہے کالے پڑ جائیں..... اللہ پاک نے آدمی کو کھانے ہی کے
پیدا کیا ہے۔''

''اچھا خاموشی سے کھاؤ۔''

نلنی ان کی گفتگو بخوبی سن رہی تھی۔

آخر کیوں کر ممکن ہے۔ اس نے سوچا۔ ان لوگوں سے کس طرح مل بیٹھا جائے اگر یہ
طرناک آدمی ثابت ہوا تو؟

دفعتاً اس نے اس کے ساتھ والی لڑکی کو چیخ مار کر کرسی سمیت الٹتے دیکھا اور خود بھی
کر کھڑی ہو گئی۔

کنفیشن چیئر

کئی اطراف سے لوگ دوڑ پڑے تھے۔ لڑکی فرش پر تڑپ رہی تھی اور اس کے حلق سے
ناگھٹی سی چیخیں نکل رہی تھیں۔ اس وقت یہاں اس ہوٹل میں زیادہ تر غیر ملکی لوگ تھے۔
رافعہ کے گرد انہیں کی بھیڑ لگ گئی۔ چیخوں کے درمیان ایک آدھ لفظ بھی اس کی زبان
نکل جاتا تھا۔

''درد..... پیٹ..... درد..... پپ..... پیٹ.....!''

دیگر مقامی ہی تھے۔ انہوں نے غیر ملکیوں کو ان الفاظ کے معنی سمجھائے۔ نلنی بھی اسی
بڑھی آملی تھی اور قاسم کے قریب ہی کھڑی تھی۔

وہ سوچ رہی تھی کچھ بھی ہو اس سے بہتر موقع پھر ہاتھ نہیں آئے گا۔ لہٰذا وہ قاسم کو پکڑنے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔ ''تمہاری ساتھی کو کیا ہوا۔''

اس نے یہ بات انگریزی میں کہی تھی۔ قاسم نے چندھیائی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھ کر کہا۔ ''ذرا رک رک کر بولئے تو میں سمجھ کر جواب بھی دے سکوں۔ میں انگریز تو نہیں ہوں لیکن آپ لوگوں کی بولی میری سمجھ میں نہیں آتی۔''

نلنی نے رک رک کر اپنا سوال دہرایا۔

''پتہ نہیں کھاتے کھاتے کیا ہو گیا..... بالکل ٹھیک تھیں۔''

''مجھے تم سے ہمدردی ہے۔''

''ہونی ہی چاہئے..... ہونی ہی چاہئے۔'' قاسم نے بوکھلا کر کہا۔ غالباً اب اسے احساس ہوا تھا کہ وہ کسی عورت سے گفتگو کر رہا ہے اور صورت بھی ایسی تر و تازہ کہ بس ایسی تگڑی کہ ''قیا قہنا۔''

وہ رافعہ کی طرف سے توجہ ہٹا کر اس سے گفتگو کرتے رہنے پر کمر بستہ ہو گیا۔

''آپ کی ہمدردی کا بہت بہت شکریہ..... ان کے پیٹ میں اکثر درد اٹھتا ہے اسی طرح تڑپنے لگتی ہیں۔''

''تو پھر تم کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو..... ڈاکٹر کو فون کرو۔''

''ہم لوگ پردیسی ہیں..... آج ہی یہاں آئے ہیں..... کسی ڈاکٹر کو نہیں جانتے۔''

لیکن اتنی دیر میں وہاں اسٹریچر لایا جا چکا تھا۔ قاسم نے دیکھا کہ دوسرے اسے اٹھا کر جا رہے ہیں تو جلدی سے آگے بڑھا اور دوسروں کو الگ ہٹا کر خود رافعہ کو اٹھانے لگا۔

وہ اپنے کمرے میں پہنچا دی گئی اور ہوٹل کے ذمہ داروں نے ڈاکٹر کو طلب کر لیا۔

اس وقت کمرے میں قاسم اور نلنی کے علاوہ ہوٹل کا اسسٹنٹ منیجر اور ایک سفید فام غیر ملکی بھی موجود تھا۔ اس کے انگریزی بولنے کے انداز سے نلنی نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ فرانسیسی ہے۔

فرانسیسی! اوہ کہیں یہ لیکراس کا وہی حریف تو نہیں ہے جس کا ذکر میتھوز نے کیا تھا۔ اسے اس کا نام بھی یاد آ گیا۔ آراگاں! یہ نام اس کی شخصیت سے ہم آہنگ بھی معلوم ہوتا

تھا۔ جسمانی قوت اس کی آنکھوں سے عیاں تھی اور جسم تو تھا ہی ورزشی۔

''کیا یہ تمہاری بیوی ہے۔'' نلنی نے قاسم سے بے آہستگی پوچھا۔ اس نے رافعہ کی طرف دیکھا جواب بالکل خاموش تھی۔ آنکھیں بند تھیں اور چہرہ پرسکون نظر آ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے مسلسل اذیت نے اسکے ذہن کو شل کر کے اعصاب پر بے حسی طاری کر دی ہو۔

''نن..... نہیں تو.....!'' قاسم چونک کر بولا۔ ''میری تو ابھی شادی ہی نہیں ہوئی۔''

''اوہ..... تو گرل فرینڈ.....!''

''نہیں جناب..... میں ان کا ملازم ہوں۔''

''یہ کیا کرتی ہے۔''

''پروسپکٹر ہیں۔''

''اوہو.....!''

''میں ان کا اسسٹنٹ ہوں۔''

نلنی کچھ اور کہنے والی تھی کہ ڈاکٹر آ گیا۔

ڈاکٹر اسسٹنٹ منیجر سے گفتگو کرنے لگا تھا۔ دفعتاً قاسم چونکا اور ان دونوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ٹھیک اسی وقت اسسٹنٹ منیجر نے بھی قاسم ہی کی طرف اشارہ کیا تھا۔

''کیا پہلے کی بھی کوئی میڈیکل رپورٹ موجود ہے جناب۔'' ڈاکٹر نے قاسم سے پوچھا۔

''جی ہاں جناب پورا فائل موجود ہے۔'' قاسم نے کہا اور آگے بڑھ کر رافعہ کا سوٹ کیس کھولنے لگا۔

اس نے ایک فائل نکال کر ڈاکٹر کی طرف بڑھا دیا اور بُرا سا منہ بنائے ہوئے پھر نلنی کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔

''فائل میں کیا ہے۔'' نلنی نے پوچھا۔

''مختلف بیماریوں کے نقشے ہیں۔''

''نقشے.....!''

''پتہ نہیں کیا..... جو کچھ بھی ہے۔ اس کی انگریزی بھول گیا ہوں۔''

قاسم نے بیزاری سے کہا اور نلنی بیساختہ مسکرا پڑی۔ پھر قاسم بھنا کر بولا۔ ''ان

میری نظر سے کوئی ایسی عورت نہیں گزری جو آئے دن بیمار نہ رہتی ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے بیماریاں بھی ان پر عاشق ہو جاتی ہوں۔"

"تم بہت پریشان معلوم ہوتے ہو۔"

"ٹھینگے سے۔"

"کیا.....؟"

"مجھے ٹھینگے کی انگریزی نہیں معلوم۔"

ڈاکٹر نے مختلف اوقات کی رپورٹیں دیکھیں اور اسسٹنٹ منیجر بولا۔ "اکثر ایسے دورے پڑتے رہتے ہیں۔ کوئی مہلک یا متعدی بیماری نہیں ہے۔ اس لئے یہاں سے ہسپتال منتقل غیر ضروری ہوگا۔ البتہ ایک نرس بھیجی جا سکتی ہے۔"

"جرور..... جرور..... نرس تو بلقل جروری ہوگی..... آپ خرچے کی فکر نہ کریں۔" قاسم نے کہا۔

سفید فام غیر ملکی خاموش تھا۔ ڈاکٹر کے ساتھ وہ بھی باہر چلا گیا۔

اسسٹنٹ منیجر نے قاسم سے کہا۔ "ابھی نرس آ جائے گی جناب..... اس کے علاوہ بھی جو خدمت ہمارے لائق ہو بے تکلفی سے فرما دیجئے گا۔"

"اچھا..... اچھا..... شقریہ۔" قاسم نے ایسے انداز میں کہا جیسے دل میں کہہ رہا ہو "اچھا اچھا..... اب تم بھی چلتے پھرتے نظر آؤ۔"

اسسٹنٹ منیجر چلا گیا۔

"میں کیا خدمت کر سکتی ہوں۔" ٹلنی بولی۔

"اب کیا بتاؤں..... یہ بے ہوش پڑی ہوئی ہیں..... اگر کوئی باتیں کرنے والا نہ ہو تو میرے پیٹ میں بھی درد ہونے لگتا ہے..... کیسی کھکھیڑ میں پڑا ہوں۔"

"کھکھیڑ کیا.....؟"

"مجھے کھکھیڑ کی انگریزی نہیں معلوم۔" قاسم نے بڑی معصومیت سے کہا۔

"تمہارا کمرہ کدھر ہے۔"

"برابر والا۔" قاسم بائیں جانب ہاتھ اٹھا کر بولا۔

ٹلنی کو اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی تھی کہ وہ ایک بے ضرر اور سادہ لوح قسم کا آدمی ہے۔ اس کے ڈیل ڈول کا خوف بھی ٹلنی کے ذہن سے محو ہو چکا تھا۔

وہ سوچنے لگی کہ اب اسے کس قسم کی گفتگو کرنی چاہئے۔ اتنے میں قاسم بولا۔ "میں پیٹ بھر کھانا بھی نہیں کھا سکا تھا۔"

"پھر کھا لینا۔"

"کیسے کھا لوں گا..... ان کے پیٹ میں تو درد ہو رہا ہے۔"

"کیا تم اسی کے پیٹ میں کھا رہے تھے۔"

"آپ تو مذاق کرتی ہیں..... ہی ہی ہی۔"

"بہت بھولے آدمی ہو۔"

اس پر قاسم نے شرما جانے کی ایکٹنگ شروع کر دی تھی۔

اتنے میں نرس آ گئی۔ اسسٹنٹ منیجر اس کے ساتھ آیا تھا۔

"اب آپ لوگوں کی موجودگی غیر ضروری ہے۔" اس نے ان دونوں سے کہا۔

"جی ہاں..... جی ہاں.....!" قاسم بھنا کر بولا۔ "میں خود بھی اب یہاں نہیں رکنا چاہتا۔"

ٹلنی نے اسے حیرت سے دیکھا اور سوچنے لگی کہ آخر اسے کس بات پر غصہ آ گیا ہے۔

وہ اٹھا تھا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے بعد ٹلنی اور اسسٹنٹ منیجر بھی کمرے سے نکلے تھے۔ قاسم راہداری میں کھڑا ملا۔

اسسٹنٹ منیجر تو آگے بڑھ گیا تھا لیکن ٹلنی وہیں رک گئی۔

"آخر تمہیں غصہ کس بات پر آیا تھا۔" اس نے قاسم سے پوچھا۔

"بدصورت نرسوں کو دیکھ کر مجھے بہت غصہ آ جاتا ہے۔"

"کیوں.....؟"

"بدصورت تھی تو نرس کیوں بنی..... کسی سکول میں ٹیچری کر لی ہوتی۔"

"تم عجیب آدمی ہو۔"

"میں ڈائننگ ہال میں جانا چاہتا ہوں۔"

"تو چلو.....!"

وہ ڈائیننگ ہال میں آئے۔ یہاں قاسم والی میز اب بھی خالی تھی اور وہ اس پر بیٹھ
چھوڑ کر گیا تھا جوں کا توں موجود تھا۔ ایک ویٹر قریب ہی کھڑا غالباً اس کی نگرانی بھی کر
قاسم نے نلنی کو کرسی پیش کی اور وہ شکریہ ادا کر کے بیٹھ گئی۔

دفعتاً وہ غیر ملکی پھر دکھائی دیا جسے اس نے رافعہ کے کمرے میں دیکھا تھا۔ وہ
آ کر قاسم سے رافعہ کی خیریت دریافت کرنے لگا۔

''نرس ہے اس کے پاس۔ اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں جانتا۔'' قاسم نے
بنا کر کہا اور پھر ویٹر کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''آمے یہ ران ٹھنڈی ہو گئی ہے..... پھر سے گرم قرلاؤ۔''

''بہت اچھا صاحب۔''

''ذرا ٹھہرو.....!'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ پھر نلنی سے پوچھا کہ وہ کیا کھائے گی۔

''شکریہ..... میں صرف کافی پیوں گی۔''

''اچھا تو قافی بھی لاؤ.....!'' قاسم نے ویٹر سے کہا۔

جب وہ چلا گیا تو نلنی بولی۔ ''تم اتنے دلچسپ آدمی ہو کہ تم سے دوستی کرنے کو
چاہتا ہے۔''

''ضرور کرو..... میں بہت خوشی محسوس کروں گا۔''

غیر ملکی قاسم کی بے توجہی پر بور ہو کر پہلے ہی جا چکا تھا۔

''تم لوگ عجیب ہو۔'' نلنی نے کہا۔ ''یہاں لڑکیاں بھی پروسپکٹنگ کرتی ہیں۔ میرے
ملک کی لڑکیاں تو صرف آرٹسٹ بننا چاہتی ہیں۔''

''مقدر ہے اپنے اپنے ملک کا.....!'' قاسم ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''میرے ملک
کی لڑکیوں کا تو جواب ہی نہیں ہے..... سوکھی ساکھی مر گھلی..... اب مریں اور تب مریں۔''

''کیا مطلب.....؟'' وہ اسے حیرت سے دیکھتی ہوئی بولی۔

''اب مطلب کیا بتاؤں..... تم نہیں سمجھ سکو گی۔''

''کوشش کروں گی۔''

''یہ قیامہ دیا میں نے.....!'' قاسم اردو میں بڑبڑایا۔ ''تمہیں بھڑق نہ جائے۔''

''کیا کہہ رہے ہو۔''

''کچھ نہیں..... کچھ نہیں۔'' وہ کھسیانی ہنسی کے ساتھ بولا۔

''کچھ تو..... کیا تم اپنی زبان میں مجھے گالیاں دے رہے ہو۔''

''ارے..... نہیں تو یہ لاحول ولا کوت.....!''

''اس کے کیا معنی ہیں۔''

''مجھے تو یہ لاحول ولا کوت کی انگریزی نہیں معلوم۔'' قاسم مسمسی صورت بنا کر بولا۔

''یہ تو دشواری کی بات ہوئی۔ میں تمہاری بہت سی باتیں نہ سمجھ سکوں گی۔''

''کیا تم میری باتیں سمجھنا چاہتی ہو۔''

''کیوں نہیں..... ہم دوست بن گئے ہیں نا۔''

''میں اس قابل نہیں ہوں۔'' قاسم گلوگیر آواز میں بولا۔

''کیوں.....؟ کیوں.....؟''

''آج تک کسی لڑکی نے میری باتیں سمجھنے کی کوشش نہیں کی..... میں ایسا ہی اُلو کا پٹھا ہوں۔''

''اُلو کا پٹھا کیا.....؟''

''سن آف این آؤل.....!''

''اوہو..... تو کیا تمہارا نسبی نام آؤل ہے۔''

''نہیں تو.....!''

''بعض اقوام میں اُلو کو برگزیدہ سمجھا جاتا ہے۔ کیا تم ایسی ہی کسی قوم سے تعلق رکھتے ہو۔''

''ارے باپ رے..... یہ تو جان کو آ گئی۔'' قاسم پھر اردو میں بڑبڑایا۔

''کیا کہا.....!''

''کچھ نہیں..... کچھ نہیں..... تم بہت اچھی ہو۔''

''شکریہ..... تم بھی بہت اچھے ہو اور میں کسی طرح بھی تمہیں اُلو کا بیٹا تسلیم کر لینے پر
تیار نہیں ہوں۔''

''میں تو یہی سمجھتا ہوں۔'' قاسم جھنجھلا کر بولا۔

''تمہارا ذاتی مسئلہ ہے..... تم خود سمجھتے ہو۔''

"تو کیا ہم ہمیشہ دوست رہیں گے.....!" قاسم ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"بالکل ہمیشہ.....!" نلنی نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

اس کے بعد قاسم ویٹر کی طرف متوجہ ہوگیا جو اس کے لئے بکرے کی ران گرم کر رہا تھا اور میز پر کافی کا سامان لگا رہا تھا۔

ران ہاتھ میں آئی تو قاسم نلنی کے وجود ہی کو فراموش کر بیٹھا۔ وہ بھی خاموشی سے کافی پیتی رہی۔ سوچ رہی تھی عجیب آدمی ہے۔ اتنا لحیم شحیم آدمی اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔ عقل کی کوئی چیز شائد اس کے قریب ہی سے نہیں گزری۔ بھلا یہ کیا کسی کے لئے کام کرے گا۔ شائد موسیو لیکر اس کو غلط فہمی ہوئی ہے۔

خیر وقت اچھا گزرے گا..... لیکن اسے اٹھ ہی جانا چاہئے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ دیدہ دانستہ خود کو بیوقوف ظاہر کر رہا ہو۔

پھر قاسم ران ابھی ختم نہیں کر پایا تھا کہ وہ اٹھ گئی تھی۔

قاسم کے منہ میں ایک بڑی سی بوٹی تھی۔ اس لئے وہ کچھ نہ کہہ سکا تھا۔

حمید اور ریما ٹوورسٹس ہیون میں منتقل ہو گئے تھے اور حمید نے اس سے پہلے نہ صرف مستقل میک اپ کیا تھا بلکہ ریما کا حلیہ بھی بالکل بدل کر رکھ دیا تھا۔

اپنا میک اپ دیکھ کر ریما نے بُرا سا منہ بنایا۔

"کیوں..... کیا ہوا.....؟" حمید اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"میں کوئی جاپانی لڑکی لگتی ہوں۔"

"اینگلو جاپانی..... تمہارا باپ انگریز تھا اور ماں جاپانی۔"

"آخر اتنے بیہودہ میک اپ کی کیا ضرورت تھی۔"

"مجھے ایسے ہی چہرے والی لڑکیاں پسند ہیں۔ ابھری ہوئی آنکھوں اور چپٹی ناک والیاں۔"

"اب میرا نام کیا ہے۔"

"وہی جو ہوٹیل کے رجسٹر میں درج ہے؟"

"میں نہیں جانتی تم نے کیا لکھوایا ہے؟"

"مایو کو یوکی.....!"

"مجھے یاد نہیں رہے گا۔"

"میں صرف یوکی کہوں گا۔"

"تمہارا کیا نام ہے..... تم نے اپنا حلیہ جاپانیوں ہی جیسا کیوں نہیں بنایا۔"

"جاپانی زبان نہیں بول سکتا۔"

"مجھے بھی نہیں آتی جاپانی۔"

"تمہاری ماں بچپن ہی میں مرگئی تھی اور تمہارا باپ تمہیں انگلینڈ لے گیا تھا۔ وہیں تو پلی بڑھی تھیں اس لئے انگریزی کے علاوہ کوئی دوسری زبان تمہیں نہیں آتی۔"

"اور تمہاری پرورش کسی ریچھ کے غار میں ہوئی تھی۔"

"میری شکل ایسی تو نہیں ہے۔"

"ختم کرو یہ فضول باتیں..... میں تمہیں کس نام سے پکاروں گی۔"

"ہوٹیل کے رجسٹر میں میرا نام.....!" حمید جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہوگیا۔ اسے اپنا چکراتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

"کیوں؟ کیا بات ہے!" ریما اسے غور سے دیکھتی ہوئی بولی۔

"مم..... میرا..... نن.....!" حمید نے جملہ پورا کرنے کی ناکام کوشش کی..... زبان لڑکھڑا رہی تھی اور پھر اس نے محسوس کیا کہ وہ ارادی طور پر کرسی سے اٹھ بھی نہیں سکتا۔

اب وہ بے بسی سے چائے کے برتنوں کو دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر قبل اس نے رہائشی کمرے میں چائے طلب کی تھی۔ تو کیا چائے میں کوئی نشہ آور چیز تھی۔

چونکتا اُسے پھر ریما کی طرف متوجہ ہونا پڑا کیونکہ وہ کرسی سے فرش پر لڑھک آئی تھی۔

حمید نے اسے پکارنا چاہا لیکن حلق سے ایک عجیب بے ہنگم سی آواز نکل کر رہ گئی۔

ریما بے حس و حرکت فرش پر پڑی تھی۔ اب حمید کا ذہن تیزی سے تاریکی کی دلدل میں غرق ہوتا جا رہا تھا۔ اندھیرا..... گہرا اندھیرا۔

پتہ نہیں کتنی دیر تک اسی کیفیت میں گزارے تھے لیکن ہوش آنے پر اس نے فوری طور پر محسوس کیا کہ وہ ٹورسٹس ہیون کے اقامتی کمرے میں نہیں ہے۔

اُسے وہ کیفیت بھی جلد ہی یاد آ گئی جو وہاں اس کے ذہن پر گزری تھی۔ ریما..... ریما..... پر کیا گزری..... وہ بھی تو بے ہوش ہو کر گری تھی۔

وہ اٹھ بیٹھا..... بڑا آرام دہ بستر تھا اور خود اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے پوری نیند لینے کے بعد بالکل تر و تازہ بیدار ہوا ہو۔

ذہن آئینے کی طرح شفاف تھا۔ وہ سامنے والے دروازے کی طرف بڑھا۔ چند لمحے رک کر ہینڈل گھمایا اور آہستہ سے دھکا دیا۔ دروازہ کھلتا چلا گیا۔

یہ باتھ روم تھا۔ جہاں ضرورت کی ساری چیزیں موجود تھیں۔

کچھ دیر بعد جب وہ باتھ روم سے برآمد ہوا تو میز پر ناشتے کی ٹرے بھی رکھی دکھائی دی۔

اُسے کون لایا تھا؟ اس کا جواب اس کا ذہن کیوں کر مہیا کر سکتا۔ بظاہر اس باتھ روم کے علاوہ یہاں کوئی اور دروازہ موجود نہیں تھا۔

کافی پاٹ سے بھاپ نکل رہی تھی۔ گرما گرم نیم برشت انڈے خاص قسم کے فلیورڈ دلیا..... ایک گلاس میں تازہ پھلوں کا رس بھی تھا۔

ناشتہ کے بعد تمباکو کی خواہش جاگی تھی اور وہ مضطربانہ انداز میں اٹھ گیا تھا۔ ضرور نہیں تھا کہ انہوں نے اس کا بھی خیال رکھا ہو۔ ایک طرف اس کا سوٹ بڑے سلیقے سے پریس کیا ہوا رکھا تھا۔ اس کے قریب ہی تمباکو کی پاؤچ اور پائپ بھی مل گیا۔

دیکھئے یہ مہمان نوازی کیا گل کھلاتی ہے؟ حمید نے سوچا! لیکن وہ کچھ بھی تو نہیں جانتا فریدی کی اسکیموں کے متعلق..... وہ اس سے کیا معلوم کر سکیں گے۔

پائپ سلگا کر وہ بستر کے قریب پڑی ہوئی آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔

اب وہ پھر غنودگی سی محسوس کر رہا تھا۔ آہستہ آہستہ پپوٹے بوجھل ہوئے جا رہے تھے۔

اُس نے غیر ارادی طور پر پائپ راکھ دان میں الٹ دیا۔

نیند ایک سرور آمیز گدگدی بن کر رگ و پے میں دوڑتی محسوس ہو رہی تھی۔ پل بھر میں گہری نیند سو گیا۔

پھر آنکھ کھلی تھی کسی کی چیخ سن کر..... کوئی عورت مسلسل چیخے جا رہی تھی۔ بوکھلا کر اس پر جھپٹ جانا چاہا لیکن ممکن نہ ہوا..... وہ ایک کرسی میں جکڑا ہوا تھا۔

پھر بھی چیخ کی سمت اس کا سر گھوم گیا۔ صرف سر ہی گھما سکتا تھا۔

"ریما.....!" بے اختیار اس کی زبان سے نکلا۔

وہ بھی تھوڑے ہی فاصلے پر دوسری کرسی سے جکڑی نظر آئی۔ دو آدمی اس کے قریب کھڑے تھے اور وہ ہذیانی انداز میں چیخے جا رہی تھی۔

دونوں میں سے ایک آدمی سوئچ بورڈ کی طرف بڑھا اور ایک سوئچ آف کر دیا۔

ریما کی چیخیں بتدریج مضمحل ہوتی جا رہی تھیں اور آخر کار وہ بالکل خاموش ہو گئی۔

ان کا منہ دوسری طرف تھا اس لئے حمید اندازہ نہ کر سکا کہ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں یا خاموشی کا سبب بے ہوشی ہے۔

وہ دونوں آدمی آہستہ آہستہ گفتگو کر رہے تھے۔ دفعتاً حمید نے محسوس کیا کہ ان میں سے ایک اسے کینہ توز نظروں سے دیکھ رہا ہے۔

دوسرا پھر سوئچ بورڈ کی طرف بڑھا اور ایک سوئچ آن کر دیا۔ دوسرا آدمی اب ایک ٹرالی کو گھسیٹ کر ریما کے قریب لا رہا تھا۔ حمید نے اس ٹرالی پر ایک بڑا سا ٹیپ ریکارڈر رکھا دیکھا۔

اوہو..... تو یہ مردود اس کا اعتراف ریکارڈ کرانے کا ارادہ رکھتے ہیں.....! حمید نے سوچا۔ کچھ کرنا چاہئے۔ اگر وہ اس سے کچھ اگلوا لینے میں کامیاب ہو گئے تو دونوں کی خیر نہیں۔

اس نے چمڑے کے تسموں پر زور آزمائی شروع کر دی اور دفعتاً اس نے محسوس کیا کہ بائیں جانب والے تسموں سے وہ بہ آسانی اپنا ہاتھ نکال سکے گا۔

اس نے کنکھیوں سے ان دونوں آدمیوں کی طرف دیکھا۔ وہ ٹیپ ریکارڈر پر جھکے ہوئے تھے اور ان کا رخ بھی حمید کی جانب نہیں تھا۔

بایاں ہاتھ اس نے تسموں کی بندش سے نکال لیا اور بائیں پیر کا تسمہ کھولنے لگا جو پائے سے بندھا ہوا تھا۔

وہ دونوں اب بھی ٹیپ ریکارڈر پر جھکے ہوئے تھے۔ پھر ان میں سے ایک اس کا بٹن
نٹ کرنے لگا۔

اتنی دیر میں حمید پوری طرح آزاد ہو چکا تھا۔

خوفناک غبارے

ریما کی آواز سن کر اس نے اس کی طرف سر گھما دیا۔ احتیاطاً ابھی اس نے اپنے ہاتھ تسموں کے اندر ہی رکھ چھوڑے تھے۔

ریما بول رہی تھی۔ ''ہاں میں کیپٹن حمید کو دل و جان سے چاہتی ہوں۔ اس کے زندہ نہیں رہ سکتی۔ میں نے اسے وہ کچھ بتا دیا ہے جس کا علم مجھے تھا۔ میں نے اُسے یہ بھی دیا ہے کہ تنظیم سے متنفر ہو چکی ہوں۔

کل کی بہتر دنیا کے لئے میں آج کی درندگی برداشت نہیں کر سکتی۔ آج کا لہو کل پھولوں کی سرخی بنے۔ میں اسے پسند نہیں کرتی۔ تنظیم کے سربراہوں نے میرے اپنے محض اس لئے ختم کر دیا کہ وہ ان کے کام کا نہیں رہ گیا تھا..... تم لوگ آدمی کو مشین سمجھتے ہو تم سب پر لعنت بھیجتی ہوں۔ کرنل فریدی کے ساتھ مل کر میں تنظیم کے پرخچے اُڑا دوں گی۔''

وہ خاموش ہو گئی اور سامنے والی دیوار سے آواز آئی۔ ''مقامی سربراہ کے متعلق کیپٹن حمید کو کیا بتایا ہے؟''

دفعتاً حمید اپنی کرسی سے اٹھا اور ان دونوں پر ٹوٹ پڑا جو ریما کی کرسی کے پاس کھڑے ہوئے تھے۔

ایک کے جبڑے پر اس کا گھونسہ پڑا تھا اور دوسرے کے پیٹ پر ٹھوکر لگی تھی۔

ٹھوکر کھانے والا تو پھر اٹھ ہی نہ سکا لیکن دوسرا جوابی حملہ کر بیٹھا تھا۔

حمید نے محسوس کیا کہ وہ طاقتور بھی ہے۔ وہ اس سے لپٹ پڑا تھا۔

اچانک سامنے والی دیوار سے آواز آئی۔ کیا ہو رہا ہے..... وہ خاموش کیوں ہو گئی۔''

حمید کے حریف نے کچھ کہنا چاہا تھا کہ حمید نے اس کا منہ دبا دیا۔ دوسرا آدمی بے حس و فرش پر پڑا رہا۔ غالباً وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ حمید نے بڑی بیدردی سے اس کے پیٹ پر ید کی تھی۔ ایسی ضرب تو کسی کو موت کے گھاٹ بھی اتار سکتی تھی۔

اب وہ دوسرے کا منہ دبائے ہوئے اس کا گلا گھونٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔

دیوار سے پھر آواز آئی۔ ''کمرہ نمبر تیرہ میں کیا ہو رہا ہے۔''

''ٹیپ ریکارڈر خراب ہو گیا ہے۔'' حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''جلدی کرو۔'' آواز آئی۔

''بس ایک منٹ۔''

حمید کے حریف کی مدافعت کمزور پڑتی جا رہی تھی اور بالآخر وہ بھی بے حس و حرکت ہو کر گرفت سے پھسل گیا۔

حمید بڑی پھرتی سے ریما کی کرسی کے تسمے کھولنے کے لئے جھکا تھا۔ ریما نے کھنکار کر اپنی طرف متوجہ کیا اور اس میں کامیاب ہو جانے کے بعد آنکھوں سے اشارہ کیا کہ پہلے سامنے والی دیوار کے سارے سوئچ آف کر دے۔

حمید نے اس میں دیر نہیں لگائی تھی۔ پھر ریما کو آزاد کیا تھا اور وہ اس سے لپٹ کر کسی بچی کی طرح زار و قطار رونے لگی تھی۔

''اُد..... بس.....!'' حمید نروس ہو کر بولا۔ ''اب یہاں سے نکل بھاگنے کی فکر کرو..... ہاتھ نہ پھنس جائیں۔''

''اس کمرے میں ان دونوں کی اجازت کے بغیر کوئی بھی داخل نہیں ہو سکتا۔'' وہ ہچکیاں لیتی بولی۔

''تو پھر ان دونوں کے اٹھ بیٹھنے کے امکانات ختم کر دیئے جائیں۔'' حمید نے کہا اور مڑ کر کے ان دونوں بے ہوش آدمیوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

پانچ منٹ کے اندر ہی اندر اس نے ان دونوں کو کرسیوں سے جکڑ دیا تھا۔

اس دوران میں ریما بھی اپنی حالت پر قابو پا چکی تھی۔

''اب ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے۔'' وہ اس کے قریب آ کر آہستہ سے

''ورنہ وہ.....!''

اس نے سامنے والی دیوار کی طرف اشارہ کیا تھا اور خاموش ہوگئی تھی۔ پھر ریوالور پکڑ کر وہ دروازے کی طرف بڑھی۔

دروازہ کھول کر وہ ایک کاریڈور میں داخل ہوئے جس میں دو رویہ کمرے تھے۔

راہداری کے سرے تک کوئی بھی دروازہ کھلا ہوا نہیں ملا تھا۔

راہداری کے سرے پر رک کر ریما آہستہ سے بولی۔ ''نکل جانا آسان کام نہ ہوگا۔ دروازے میں اوپر جانے کے لئے زینے ہیں۔''

''اوپر جا کر ہم کیا کریں گے۔''

''ہیلی کاپٹر ہی کے ذریعے فرار ممکن ہوگا۔ اوپر دو ہیلی کاپٹر ہر وقت موجود رہتے ہیں۔'' ریما نے کہا اور دروازے کا ہینڈل گھمانے ہی والی تھی کہ حمید اُسے روکتا ہوا بولا۔ ''ٹھہرو۔''

''کیا بات ہے۔'' وہ چونک پڑی۔

''یہاں اندازاً کتنے آدمی ہوں گے۔''

''اوپر دو مسلح محافظوں سے مڈبھیڑ ہو سکتی ہے۔''

''میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے..... کم از کم ایک ریوالور ہی ہوتا۔''

''کوئی تدبیر کی جائے گی۔ میں نے تم سے صرف محتاط رہنے کو کہا تھا۔''

''کیا ان محافظوں کو اس کا علم ہوگا کہ اب تمہاری حیثیت ایک قیدی کی سی ہے۔''

''ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا۔'' ریما نے کہا اور ہینڈل گھما کر دروازے کو دھکا دیا لیکن دروازہ کسی قدر کھل کر دوسری طرف کسی چیز سے ٹکرایا تھا۔ پھر فوراً ہی ایک دروازے کے پیچھے سے نمودار ہوا۔

ان پر نظر پڑتے ہی اُس کا منہ حیرت سے کھل گیا..... لیکن ہی لمحے کسی خونخوار بھیڑیئے کی طرح اس پر جھپٹ پڑا تھا اور اس کی گردن اس کی گرفت میں پر وہ اس حد تک دباؤ ڈال رہا تھا کہ غشی طاری ہو جائے۔

اس کے بے حس و حرکت ہو جانے میں دیر نہیں لگی تھی۔ حمید نے ہولسٹر اور کارتوس

کے جسم سے الگ کر لی۔

''واقعی تم حیرت انگیز ہو۔'' ریما ہانپتی ہوئی بولی۔ ''اب چپ چاپ اوپر چلے چلو۔''

اٹھارہ سیڑھیاں طے کر کے وہ چھت پر پہنچے تھے۔ یہ عمارت چاروں طرف سے اونچی چٹانوں کے درمیان گھری ہوئی تھی اور چٹانوں سے بھی زیادہ بلندی ہی سے دیکھی جا سکتی تھی۔

یہاں دو ہیلی کاپٹر ضرور موجود تھے لیکن کوئی آدمی نہ دکھائی دیا۔

''کیا تم پائلٹ کر سکو گے۔'' ریما نے اس سے پوچھا۔

''اگر یہ معمولی قسم کے ہیں۔''

''عام ہیلی کاپٹروں جیسے ہیں۔ ان کے نظام میں کوئی پیچیدگی نہ پاؤ گے۔ بس یہی دو یہاں۔''

''اچھا تو پھر ایک کو میں اس قابل نہ رہنے دوں کہ فوری طور پر ہمارا تعاقب کیا جا سکے۔''

''کیا تم ایسا کر سکو گے۔'' ریما کا لہجہ مسرت سے بھرپور تھا۔

''یقیناً.....!''

''تم تو سچ مچ مجھے حیرت میں ڈالے دے رہے ہو۔''

حمید ایک ہیلی کاپٹر کی طرف بڑھا اور دو منٹ کے اندر ہی اندر اس کے انجنوں کو ناقابل استعمال بنا دیا۔ اس کے بعد وہ دوسرے ہیلی کاپٹر میں جا بیٹھے تھے۔

ریما قہقہہ مار کر ہنسی جب دوسرا ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہونے لگا۔

''کدھر.....!'' حمید نے کمپاس پر نظر جمائے ہوئے پوچھا۔

''مشرق کی طرف۔''

''آخر یہ ہوا کیونکر.....!'' حمید نے پرواز کی سمت متعین کرتے ہوئے پوچھا۔

''میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں۔ میں ٹوورسٹس بیون کے کمرے میں بے ہوش ہوئی تھی اور خود کو کنفیشن چیئر پر پایا تھا۔ ان کرسیوں کا عجیب حال ہے۔ یہ انسانی اعصاب کو جھوٹ اگلنے کے قابل رہنے ہی نہیں دیتیں۔''

''تم انہیں میرے متعلق بہت کچھ بتا چکی تھیں۔''

"ہاں..... میں کسی طرح بھی..... زبان کو نہیں روک سکی تھی۔ تم نے بیک وقت دونوں پر حملہ کیا تھا۔ اگر وہ مجھ سے یہ بھی معلوم کر لیتے کہ میں نے تمہیں کیا کیا بتایا ہے تو کرنل فریدی پر ہاتھ ڈالنے کے لئے تمہیں ذریعہ بنانے کا ارادہ ملتوی کر دیتے۔"

"کیا مطلب.....؟"

"تمہیں فوراً ختم کر دیتے اور شائد میرا بھی یہی حشر ہوتا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ ریما تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولی۔ "اب شائد ہی وہ مجھ پر ہاتھ ڈال سکیں۔"

"کیا واقعی تم ایسی ہی ہو۔"

"دیکھ لینا.....!" ریما مسکرائی۔

"تو تم میرے متعلق سچ بول رہی تھیں۔"

"تمہیں اس میں شبہ نہ ہونا چاہئے۔"

"آخر یہ عورتیں اتنی جلدی چاہنے کیوں لگتی ہیں۔"

"ہر عورت اپنے آئیڈیل کی تلاش میں رہتی ہے۔"

"خدا کی پناہ! تو کیا میں کسی کا آئیڈیل بننے کی بھی صلاحیت رکھتا ہوں۔"

"بہت زیادہ کیپٹن! تمہیں اب تک کتنی عورتیں چاہ چکی ہیں۔"

"تعداد یاد نہیں..... لیکن یہ ضرور بتا سکوں گا کہ بہت زور شور سے چاہتی ہیں۔ پھر ایک دن اتنی ہی شدت سے بور ہو کر اپنی راہ لیتی ہیں۔"

"تم سے بور ہو کر.....!"

"ہاں..... ہاں.....!"

"میں یقین نہیں کر سکتی..... دنیا کی کوئی عورت کم از کم تم سے بور نہیں ہو سکتی۔"

"ہر عورت ابتداء میں مجھے اس پر یقین دلانے کی کوشش کرتی ہے۔"

"تم جھوٹے ہو۔"

"مت یقین کرو..... خود ہی دیکھ لو گی۔"

ریما خاموش ہو گئی۔ ہیلی کاپٹر کی پرواز جاری تھی۔ حمید اب بولنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ حلق پھاڑنا پڑتا تھا۔ لیکن پھر بھی ایک سوال تو باقی ہی تھا۔ آخر وہ اس طرح اسے کہاں

لے جا رہی ہے۔

جواب میں ریما بولی تھی۔

"بس خاموشی سے چلے چلو..... کمپاس پر میری نظر ہے۔ جہاں لینڈ کرنے کو کہوں اتار دینا۔ اس طرح ایک ہیلی کاپٹر بھی ہمارے قبضے میں آ جائے گا۔"

"اوہو..... تو کیا تم اسے دوبارہ استعمال بھی کر سکو گی۔"

"دیکھا جائے گا..... تم بات بات پر بحث کیوں کرنے لگتے ہو۔"

"بور ہونا شروع ہو گئیں آخر.....!" حمید ہنس کر بولا۔

"ٹھہرو..... ہاں..... ہمیں یہیں اترنا ہے۔"

"اچھی طرح اطمینان کر لو.....!" حمید نے کہا۔

ہیلی کاپٹر فضا میں تھم گیا تھا۔

ریما نے ہنس کر کہا۔ "میں اتنی اناڑی نہیں ہوں..... چلو..... اتارو نیچے۔"

آخر کار وہ ایک جگہ ٹک گیا۔ حمید ڈر رہا تھا کہ کہیں وہ کسی غیر مسطح جگہ سے نہ ٹکرا جائے۔

"تم نے دیکھا.....!" ریما اس کے چہرے کے قریب انگلی نچا کر بولی۔

حمید نے انجن کا سوئچ آف کر دیا۔

"نیچے اترو.....!" ریما نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا اور ہیلی کاپٹر سے اترنے کے بعد وہ اس کی صحیح اندازہ کرنے کی صلاحیت کا قائل ہو گیا۔

چٹان کا یہ حصہ اتنا سپاٹ اور مسطح تھا جیسے خاص طور پر اسی کام کے لئے تراشا گیا ہو۔

"میں ذاتی طور پر ایسی کئی جگہوں سے واقف ہوں۔" ریما مسکرا کر بولی۔

"میرے ساتھیوں کو ان کا علم نہیں۔ بہت عرصہ سے یہ چیز میرے ذہن میں تھی کہ کبھی نہ کبھی تنظیم سے انحراف کا موقع مجھے ضرور ملے گا۔ لہٰذا میں ایسی کمین گاہوں کی تلاش میں رہا کرتی تھی۔"

"کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ ہیلی کاپٹر یہاں ان کی نظروں سے محفوظ رہ سکے گا۔"

"قطعی نہیں..... میں ابھی اس کو وہاں لے جاؤں گی جہاں پرندہ بھی پر نہ مار سکے۔"

حمید نے طویل سانس لی اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔

''ذرا ادھر آؤ میرے ساتھ۔'' ریما اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

وہ اسے اس چٹان کے سرے پر لے آئی۔

''نیچے دیکھو.....!''

حمید بتائی ہوئی سمت دیکھنے لگا۔ ایک گہرا غار تھا..... اتنا گہرا کہ اس کی تہہ تاریکی میں ڈوب گئی تھی۔

''میں اسے نہ صرف نیچے اتار لے جاؤں گی بلکہ دس منٹ بعد پھر یہیں تمہارے موجود ہوں گی۔''

''اب میرے متحیر ہونے کی باری آئی ہے۔'' حمید طویل سانس لے کر بولا۔

''اچھا تم بھی چلو میرے ساتھ! لیکن اس بار میں پائلٹ کروں گی۔'' ریما نے کہا اور پھر ہیلی کاپٹر کی طرف پلٹ آئے۔

حمید اس وقت اس کی مہارت پر دنگ رہ گیا تھا۔ جب وہ ہیلی کاپٹر کو اس غار میں اتار رہی تھی۔ غار میں اندھیرا تھا۔ اسلئے اس نے ہیلی کاپٹر کے سارے بلب روشن کر دیئے تھے۔

آخر کار ہیلی کاپٹر کا نچلا حصہ زمین سے لگا اور اس کا انجن بند کر دیا گیا۔

بلب اب بھی روشن تھے۔

''اب اس کے بعد ہم کہاں جائیں گے۔'' حمید نے سوال کیا۔

''ہم یہیں کافی دنوں تک قیام کر سکتے ہیں۔'' ریما بولی۔ ''یہ ہیلی کاپٹر ایمرجنسی کے لئے ہے۔ اس میں ضروریات زندگی کی قریب قریب ساری چیزیں موجود ہیں۔ ڈبوں میں محفوظ کی ہوئی اغذیہ، پانی، شراب اور ایندھن کافی، چائے، دودھ کے ڈبے وغیرہ وغیرہ۔''

''اور تم لوگ ان ہیلی کاپٹروں کو علانیہ استعمال کرتے رہے ہو۔''

''روز روشن میں.....!'' ریما ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولی۔

''مجھے حیرت ہے کہ کسی نے بھی ان کا نوٹس نہیں لیا۔''

''تمہیں یہ سن کر بھی حیرت ہوگی کہ اکثر ان میں تمہارے یہاں کے اعلیٰ سرکاری افسر بھی موجود ہوتے ہیں۔''

''بات میری سمجھ میں نہیں آئی؟''

''آخر ہماری کوئی ظاہری پوزیشن بھی تو ہوگی۔ ورنہ ہم یہاں اس طرح قیام کیوں کر سکتے؟''

''ظاہری پوزیشن.....؟''

''ہاں..... بڑی معزز حیثیت کے حامل ہیں ہم لوگ! تمہارے ملک میں معدنی تیل کی تلاش کر رہے ہیں۔ گیس کے ایک بڑے ذخیرے کی دریافت کا سہرا بھی ہمارے ہی سر ہے۔''

''اوہو..... تو یہ بات ہے؟''

''لیکن لیکر اس کی سربراہی راز ہے۔ اُسے ہمارے سربراہ کی حیثیت سے کوئی نہیں جانتا۔ جیالوجسٹ دوسرا آدمی ہے اور اسکے فرشتوں کو بھی ہماری پوشیدہ مصروفیات کا علم نہیں۔''

''بظاہر جس ملک کی طرف سے کام کر رہے ہو اس کے وفادار بھی ہو یا نہیں۔''

''صرف پچیس فیصد.....!''

''کیا مطلب.....؟''

''معدنی تیل سے متعلق حاصل ہونے والی معلومات کا صرف چوتھا حصہ تمہارے یا اس کے حوالے کیا جائے گا۔ پچھتر فیصد زیرولینڈ کے لئے ہوگا۔ مثال کے طور پر ہم نے چار جگہوں پر گیس کے ذخائر دریافت کئے تھے لیکن صرف ایک ذخیرہ تمہارے ملک کے علم میں لایا گیا ہے۔ بقیہ تین سے زیرولینڈ فائدہ اٹھائے گا۔''

حمید اپنی کنپٹیاں سہلانے لگا اور ریما ہنس پڑی تھی۔

''تو اب باہر نکلو نا.....!'' حمید بولا۔

''یہیں کیا بُرے ہیں۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اس طرح سردی سے بھی بچے رہیں گے..... اس ہیلی کاپٹر میں ایک ایسا نظام موجود ہے جو اوپر سے تازہ ہوا کھینچ کر ہیلی کاپٹر تک لا سکے اور کثیف ہوا کو باہر نکال سکے..... کیا تم گھٹن محسوس کر رہے ہو۔''

''قطعی نہیں.....!''

''دو ایک دن یہیں رکنا ہمارے لئے بہتر ہوگا۔''

حمید لمبی سانس لے کر پھر کنپٹیاں سہلانے لگا۔ ریما بڑی دلآویز مسکراہٹ کے ساتھ

اُسے دیکھ رہی تھی۔

رافعہ نے پچھلی رات سے اب تک بستر نہیں چھوڑا تھا اور قاسم بور ہوتا پھر رہا تھا۔ سے رافعہ کی حالت معلوم ہو جاتی تھی۔ وہ بھی ایسے انداز میں گفتگو کرتی جیسے قاسم ہی رافعہ اس مرض کا سبب رہا ہو۔

شام کو ڈائننگ ہال میں آ بیٹھا۔ اسے یقین نہیں تھا کہ نلنی کار ماؤنٹ اپنا وعدہ کرے گی۔ اس کا خیال تھا کہ محض اس کے تن وتوش نے اُسے اس کی طرف متوجہ کیا تھا وہ ذرا سی دیر کے لئے مل بیٹھی تھی۔

وہ خاموش بیٹھا بور ہوتا رہا۔ نظریں دروازے کی طرف تھیں۔ ریگم بالا پہنچ کر اس سوچا تھا کہ رافعہ کے ساتھ گھومنے پھرنے میں خاصا لطف رہے گا لیکن وہ اچانک بیمار پڑ اچھا ہی ہوا کہ ہوٹل والوں نے اس کے لئے نرس کا انتظام کر دیا تھا۔ ورنہ اسے ہی پڑتا۔ بیمار عورتیں اُسے ایک آنکھ نہ بھاتی تھیں..... اٹھتے ہائے اور بیٹھتے ہائے۔

''انہیں تو بس جرا سا نجلہ جکام ہوا اور مرجایا قریں۔'' وہ بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑایا۔ بیمار عورتوں ہی کے سے لہجے میں ''ہائے ہائے'' کرنے لگا۔

سوچتے سوچتے ذہنی رو بہک گئی تھی۔

اب حلیہ یہ تھا کہ بھنویں سکڑی ہوئی، ناک پر شکنیں اور ہونٹوں میں نیچے کی جا کھچاؤ..... پھر ایسے درد ناک لہجے میں ہائے ہائے کی صدائیں کہ قریب سے گزرتا ہو ویٹر وہیں رک گیا۔

قاسم ویسے ہی ہر ایک کی نظر میں آ گیا تھا۔ پھر رافعہ پر پڑنے والے دورے اسے پورے ہوٹل میں مشہور کر دیا تھا۔

''کیوں جناب..... کیا آپ کو کوئی تکلیف ہے؟'' ہیڈ ویٹر نے بڑے ادب سے پوچھا

قاسم چونک پڑا۔

چونکا اور ساتھ ہی جھینپا بھی..... فوری طور پر ''ہی ہی ہی'' شروع ہوئی اور پھر اس میں اچانک بریک لگانا پڑا۔ ان سب کیفیات نے سچ مچ اس کا حلیہ ایسا ہی بنا دیا جیسے کسی بڑی کو ہنس کھیل کر جھیل لے جانے کی کوشش کرتا رہا ہو۔

''کیا میں آپ کی کوئی خدمت کر سکتا ہوں۔'' ہیڈ ویٹر نے نرم لہجے میں پوچھا۔

''میری باسی بیمار ہے..... میں بالکل ٹھیک ہوں۔''

''باسی..... میں نہیں سمجھا جناب۔''

''باسی نہیں سمجھتے..... باسی کی وہ..... یعنی کہ مادہ..... نہیں قیا کہتے ہیں اسے..... باس ماؤنٹ..... میں اس کا سیکریٹرا ہوں..... لاحول ولا کوت..... میں اتنی بکواس کر رہا ہوں..... تم اپنا کام دیکھو جی۔''

''بہت بہتر جناب.....!'' ویٹر نے کہا اور مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

قاسم پھر صدر دروازے کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ دفعتاً اس کی باچھیں کھل گئیں۔ نلنی ہال میں داخل ہو رہی تھی۔

قاسم نے کرسی سے اٹھ کر اس کا استقبال کرتے ہوئے کہا..... ''آپ کا بہت بہت شکریہ..... آپ آ گئیں..... میں بہت بور ہو رہا تھا..... یہاں کسی کو بھی نہیں جانتا۔''

''یہی حال میرا بھی ہے۔''

''یعنی کہ آپ بھی.....!''

''ہاں..... ہاں..... میں بھی یہاں کسی کو نہیں جانتی۔'' قاسم کے چہرے پر اداسی چھا گئی۔ وہ سمجھا تھا شائد وہ بھی اس کے لئے اپنی بے قراری ظاہر کرے گی۔ کہے گی وہ بھی اس سے ملنے کیلئے بے چین تھی اور جدائی کے لمحات اس نے بھی ''بوریت'' میں گزارے ہیں۔

''ارے تم یک بیک مضمحل کیوں ہو گئے۔'' نلنی نے تبدیلی محسوس کر کے کہا۔

''بس یونہی..... کبھی کبھی ہو جاتا ہوں۔''

''کوئی خاص سبب.....!''

"بہت چھوٹا سا سبب ہے۔"

"ہاں..... ساڑھے چار فٹ کا سبب.....!"

"کہیں تم نشے میں تو نہیں ہو۔"

"میں شراب نہیں پیتا۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ تمہارے ملک کی یہی بات مجھے پسند ہے۔ ہر آدمی شراب نہیں پیتا۔ نشے کو نشہ رہنے دیا ہے..... پیاس نہیں بنایا ہے۔"

"میں سگریٹ بھی نہیں پیتا۔"

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے! مجھے تمباکو کی بو سے نفرت ہے۔"

"ارے تو کوئی میں ہر وقت آپ کے پاس بیٹھا رہوں گا۔"

"میری تو یہی خواہش ہے۔"

"آپ سچ کہہ رہی ہیں۔" قاسم نے حد سے زیادہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں..... ہاں یقین کرو۔"

"میں کتنا خوش نصیب ہوں۔"

"تمہیں ہونا ہی چاہئے۔ اتنے لمبے چوڑے ہو۔"

"آپ میرا مذاق اڑا رہی ہیں۔"

"تم اتنے اچھے آدمی ہو۔ میں تمہارا مذاق کیسے اڑا سکتی ہوں۔ کتنی معصومیت تمہارے چہرے پر۔ کیا تم نے کبھی کسی کو چاہا بھی۔"

"کسے چاہوں! کون پسند کرے گا کہ کوئی گوشت کا پہاڑ اُسے چاہے۔"

"آدمی محض ہڈی اور گوشت ہی تو نہیں ہے۔"

"پھر کیا ہے؟"

"پتا نہیں..... دراصل مجھے اس قسم کی گفتگو کرنی نہیں آتی۔" نلنی نے کسی قدر جھجک کر کہا۔ "ویسے کوشش کرتی ہوں۔"

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ مجھے بھی گفتگو کرنی نہیں آتی۔" قاسم خوش ہو کر بولا۔

"میری بیوی کہتی ہے..... ارر..... ہپ.....!"

اس نے دونوں ہاتھوں سے منہ دبا لیا۔

"کیوں..... کیا بات ہے..... بیوی۔"

قاسم بدستور دونوں ہاتھوں سے منہ دبائے پٹر پٹر پلکیں جھپکائے جا رہا تھا۔

"بولو..... تم خاموش کیوں گئے؟ کیا تم نے جھوٹ کہا تھا کہ تمہاری شادی ابھی نہیں ہوئی۔"

قاسم دل ہی دل میں خود کو گالیاں دیتا رہا۔ پھر اس نے سوچا کہ وہ تو اردو جانتی ہی نہیں۔ لہٰذا وہ بیانگ دہل بھی خود کو گالیاں دے سکتا ہے۔

"میں آخر اتنا اُلو کا پٹھا کیوں ہوتا جا رہا ہوں۔" اس نے خود سے سوال کیا۔

"کیا کہا تم نے..... انگلش میں دہراؤ۔" نلنی بولی۔

"میں سوچ رہا تھا.....!"

"کیا سوچ رہے تھے؟"

"یہی کہ مجھے سب کچھ سچ مچ آپ کو بتا دینا چاہئے۔"

"تو بتاؤ نا.....!"

"میں شادی شدہ ہوں۔"

نلنی کے چہرے پر مایوسی کے آثار دکھائی دیئے۔ آنکھیں کسی قدر غمگینی کا تاثر دینے لگیں۔

"میں بڑا بدنصیب ہوں۔" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

سچ مچ اپنی بے بسی پر اس کا دل بھر آیا تھا۔ آنکھوں سے دو موٹے موٹے قطرے گالوں پر ڈھلک آئے۔

"اوہو..... ارے..... تم رو رہے ہو۔"

قاسم نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر باقاعدہ طور پر سسکیاں لینی شروع کر دی تھیں۔

"تم عجیب آدمی ہو۔" نلنی کھسیانی ہنسی کے ساتھ بولی۔

لیکن قاسم بدستور روتا رہا۔

"میں اٹھ کر چلی جاؤں گی۔ کیا مجھے بھی تماشہ بنانے کا ارادہ ہے۔"

"نن..... نہیں..... میں..... ابھی..... ٹھیک ہو جاؤں گا..... آپ نہ جائیے..... خدا کے لئے رک جائیے..... میں آپ کو درد بھری کہانی سناؤں گا۔"

"اچھا تو اب بالکل خاموش ہو جاؤ۔ منہ پر سے ہاتھ ہٹاؤ۔"

بدقت تمام قاسم اپنی حالت پر قابو پا سکا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں اور ہو
قدر متورم نظر آنے لگے تھے۔

"ہاں..... میں نے آپ سے جھوٹ بولا تھا۔" وہ کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز
بولا۔ "وہ میری بیوی ضرور ہے لیکن پھر بھی میری بیوی نہیں ہے۔"

"کیا مطلب.....؟"

"اب میں آپ سے کیا بتاؤں..... مجھے شرم آتی ہے..... مطلب یہ کہ..... بس سمجھ جائیے

"آخر کیوں؟"

"ساڑھے چار فٹ کی ہے..... اور وزن پچاس پونڈ سے زیادہ نہ ہوگا۔ ایک ہا
ٹھیک ہے اور دوسری صرف ساڑھے آٹھ انچ کی ہے۔"

"اوہو..... پیدائشی.....!"

"جی ہاں..... پیدائش کے وقت دو ڈھائی انچ کی رہی ہوگی۔"

"مجھے بے حد افسوس ہے۔ لیکن تم نے اس سے شادی کیوں کر لی۔"

"بس کیا بتاؤں..... ایک یتیم خانے میں چندہ دینے گیا تھا۔ یتیم خانے کے منیج
کہا۔ اگر ثواب کمانا ہے تو کسی یتیم لڑکی سے شادی ہی کر لیجئے۔ میں نے کہا اچھی بات ہے

"بڑے احمق ہو تم.....!" نلنی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"بس کیا بتاؤں..... گھپلا ہو گیا۔"

"گھپلا کیا.....!"

"مجھے گھپلے کی انگریزی نہیں معلوم۔"

"واقعی تم بہت نیک آدمی ہو۔"

"میری ہر نیکی میرے گلے میں پھانسی کا پھندہ بن جاتی ہے۔"

"پھر اب تم نے کیا سوچا ہے۔"

"کسی دن سمندر میں کود کر جان دے دوں گا۔"

"یہ آخری اور سب سے بڑی حماقت ہوگی..... تم دوسری شادی کیوں نہیں کر

چار چار شادیاں کر سکتے ہو۔"

"اب نہیں کر سکتے..... فیملی پلاننگ والوں نے گھپلا کر دیا ہے۔"

"اچھا بس ختم کرو..... کوئی اور بات کرو۔"

"کھانے پینے کی بات کروں۔" قاسم نے لہک کر پوچھا۔

"کیا یہاں تمہارا کوئی دوست نہیں ہے۔"

"مجھے کوئی اپنا دوست بنانا پسند ہی نہیں کرتا۔"

"آخر کیوں.....؟"

"مجھ سے کون دوستی کرے گا..... اتنے لمبے اور بے ڈول آدمی سے۔"

"میں کروں گی..... میرے اچھے دوست.....!" نلنی اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتی ہوئی
پیار سے بولی اور قاسم پھر رو پڑا..... اس بار بناوٹ نہیں تھی۔ سچ مچ رو رہا تھا۔ ساتھ ہی
سوچ رہا تھا کہ واقعی وہ اُلو کا پٹھا ہی ہے۔

ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا۔

کرنل فریدی نے رائفل اٹھائی اور اس بڑے غبارے پر فائر کر دیا جو چٹانوں کی اوٹ
ابھر کر فضا میں بلند ہو رہا تھا۔ فائر بے آواز تھا لیکن گولی لگتے ہی غبارہ ایسے دھماکے کے
ہوا کہ آس پاس کی چٹانیں لرز کر رہ گئیں۔

اس نے جیبی ٹرانسمیٹر نکالا اور جیسے ہی اس کا سوئچ آن کیا آواز آئی۔ "ہیلو..... ہارڈ
کالنگ..... ہیلو ہیلو..... بی ایٹ کالنگ سر.....!"

"ہیلو..... بی ایٹ..... اسٹون..... اوور.....!"

"نتیجہ خاطر خواہ رہا جناب..... کھدائی کرنے والوں میں سراسیمگی پھیل گئی ہے اب

دوسرا غبارہ ہم اسپاٹ تھری سے چھوڑ رہے ہیں۔"

"اُوور.....!"

"میں اسپاٹ ٹو پر پہنچ کر تمہیں آگاہ کردوں گا.....اُوور اینڈ آل.....!"

سوئچ آف کر کے اس نے ٹرانسمیٹر کو جیب میں ڈال لیا اور مخالف سمت میں مڑ کر

سے چل پڑا۔

یہ دراڑ اتنی کشادہ نہیں تھی کہ دو آدمی برابر سے چل سکتے۔ کچھ دور چلنے کے بعد

کھلے میں نکل آیا اور مغرب کی سمت رخ کر کے ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں کھڑے ہو

ہوئے دوبارہ ٹرانسمیٹر نکالا۔

"ہیلو بی ایٹ.....!" سوئچ آن کر کے بولا۔

"یس سر.....!" آواز آئی۔

"ٹھیک ہے۔"

"اسپاٹ تھری سر.....!"

"رائٹ.....!"

سوئچ آف کر کے اس نے ٹرانسمیٹر جیب میں ڈالا اور رائفل سیدھی کرنے ہی والا

کہ کسی ہیلی کاپٹر کی گرج دار آواز سنائی دی اور جیسے ہی ایک غبارہ سامنے والی چٹانوں کے

اٹھا ہیلی کاپٹر بھی نظر آ گیا۔

آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے والے غبارے کے گرد اس نے چکر کاٹنا شروع کر دیا تھا۔

فریدی چٹان کی اوٹ لیتا ہوا آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ ہیلی کاپٹر یکساں رفتار

غبارے کے گرد چکر لگائے جا رہا تھا۔

فریدی ایک جگہ رک گیا۔ اسے غالباً یقین تھا کہ اس جگہ سے وہ اُسے نہ دیکھ سکیں گے

اس نے رائفل سیدھی کی اور غبارے کا نشانہ لے کر فائر کر دیا۔ یہ غبارہ بھی زور

قسم کے دھماکے کیساتھ پھٹا تھا۔ ہیلی کاپٹر یہ چکر پورا کئے بغیر مغرب کی طرف اڑتا چلا گیا

اس کی آواز اب بھی سنائی دے رہی تھی۔ لیکن خود نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

اب فریدی اسی چٹان کی اوٹ لیتا ہوا دراڑ کی طرف واپس ہوا۔ اچانک ہیلی کاپٹر

اڑ پھر قریب محسوس ہونے لگی اور جب وہ دراڑ میں داخل ہو رہا تھا ہیلی کاپٹر اس کے اوپر

گزر گیا۔

لیکن پرواز اونچی تھی۔ اگر نیچی ہوتی تب بھی کوئی فرق نہ پڑتا۔ وہ اس دراڑ میں تو نہیں

چھپا جا سکتا تھا۔ کیونکہ کافی اونچائی پر دونوں چٹانیں اتنی قریب ہو گئی تھیں کہ دن کی روشنی بھی

تہ میں نہیں پہنچ سکتی تھی۔

دراڑ کے دوسرے سرے پر فریدی رک گیا۔ ہیلی کاپٹر کی آواز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ

اب وہ نیچی پروازیں کر رہا ہے۔ پھر یک لخت اس کی آواز بہت تیز ہو کر بند ہو گئی۔

اسے کہیں قریب ہی اتارا گیا تھا۔ فریدی نے رائفل وہیں دراڑ میں چھوڑ دی اور پھر

سرے کی طرف چل پڑا جدھر سے داخل ہوا تھا۔

آواز کی بناء پر اس کا اندازہ تھا کہ وہ اسی سمت اتارا گیا ہوگا۔

خنجر کے وار

ہیلی کاپٹر سے تین آدمی اُترے تھے ان میں پائلٹ بھی شامل تھا۔ پائلٹ غیر ملکی تھا۔

دونوں دیسی آدمی اسکے پیچھے ہاتھ باندھے اس طرح کھڑے تھے جیسے پشتینی غلام ہوں۔

دفعتاً غیر ملکی غرایا۔ "غبارہ خود سے نہیں پھٹا تھا.....کوئی خارجی سبب تھا۔"

"کچھ بھی ہو.....ہمیں فوری طور پر پتہ لگانا پڑے گا.....ورنہ.....!" ایک مقامی آدمی

بولا۔

"ورنہ کیا.....؟" غیر ملکی نے سخت لہجے میں سوال کیا۔

"اس جگہ کے مزدور پہلے ہی بھاگ گئے تھے اور اب ادھر کے بھی بھاگ گئے ہوں گے۔"

"ہوں.....تم ٹھیک کہتے ہو۔" غیر ملکی سر ہلا کر بولا۔ "تم میں سے ایک یہیں ٹھہرے

باقی خاں تم میرے پاس آؤ۔"

پھر ایک آدمی ہیلی کاپٹر کے پاس ہی ٹھہرا رہا تھا اور دوسرا غیر ملکی کے ساتھ ایک طرف چل پڑا تھا۔

آہستہ آہستہ تاریکی پھیلتی جارہی تھی۔ وہ نشیب میں اترنے لگے۔ کچھ دور چل کر زین خاں رک گیا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے تھے۔" اس نے زین خاں کی طرف مڑ کر کہا۔ "لیکن مزدور گئے کہاں؟"

"آس پاس کے غاروں میں جا چھپے ہوں گے۔"

"کہاں ہیں وہ غار..... مجھے وہاں لے چلو..... میں کسی بات سے بھی لاعلم نہیں رہنا چاہتا۔"

"آپ نے کبھی اس کی خواہش ہی نہیں ظاہر کی مسٹر لیکراس....." زین خاں بولا۔

"ہوں..... ہوں..... چلو اب دکھا دو۔"

زین خاں سیدھا راستہ چھوڑ کر بائیں جانب مڑ گیا۔ یہ جگہ بھی ڈھلوان ہی تھی۔ اس طرح اچانک مڑ کر توازن برقرار رکھنا صرف انہیں کے بس کا کام تھا جو اس کے عادی ہوں۔ لیکراس فوری طور پر زین خاں کی تقلید نہیں کر سکا تھا۔

احتیاط کے باوجود بھی وہ گرتے گرتے بچا۔ زین خاں نے پھرتی سے مڑ کر اسے سنبھال لیا تھا۔

چار چھوٹے چھوٹے غاروں سے انہوں نے اٹھائیس آدمی برآمد کئے۔ زین خاں نے انہیں ایک جگہ جمع کر کے اونچی آواز میں کہنا شروع کیا۔ "تم لوگ ڈرو نہیں! اس قسم کے حادثات تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ تیل تلاش کرنیوالوں نے کوئی تجربہ کیا تھا۔ اب ہم کوشش کریں گے کہ انہیں ایسی جگہوں پر اس قسم کے تجربے نہ کرنے دیں جہاں ہمارا کام ہو رہا ہو۔"

"ہمیں کچھ بتایا بھی تو نہیں جاتا۔" مجمع سے ایک آدمی آگے بڑھ کر بولا۔

"تم بالکل فکر نہ کرو..... اب ایسی کوئی بات نہ ہونے پائے گی۔"

انہیں سمجھا بجھا کر زین خاں لیکراس کی طرف متوجہ ہوا۔

"موسیو لیکراس..... اس وقت میں نے انہیں دوبارہ کام شروع کرنے پر آمادہ کر لیا ہے۔ لیکن اگر دوبارہ اس قسم کی کوئی واردات ہوئی تو یہ یقینی طور پر چھوڑ بھاگیں گے۔"

"میں دیکھوں گا..... میں دیکھوں گا۔" لیکراس نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔

"آخر اس سلسلے میں ہم کسے تلاش کر رہے تھے۔" زین خاں نے سوال کیا۔

"ہمارا کوئی بھی دشمن ہو سکتا ہے۔"

"کس لئے..... کیا ہمارے علاوہ کسی اور کو بھی علم ہے کہ ہم یہاں حقیقتاً کیا کر رہے ہیں۔"

"ہاں..... ایک خطرناک آدمی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تم اس کا نام سن کر گھبرا جاؤ۔"

"موسیو لیکراس تم زین خان کو کیا سمجھتے ہو۔"

"پھر بھی نہیں چاہتا کہ تم میں ہراس پھیلے۔"

"بس موسیو لیکراس..... اس سے زیادہ کی اجازت نہیں دے سکتا۔" زین خاں کی آواز میں جوش غضب کی لرزش تھی۔

"چلو.....!" لیکراس دوسری طرف مڑتا ہوا بولا۔

زین خاں اس کے پیچھے رہا تھا۔ ٹارچ ہاتھ میں تھی اور وہ لیکراس کو راستہ دکھاتا جا رہا تھا۔

"کیا تمہیں علم ہے کہ آج ہمارا ایک ہیلی کاپٹر غائب ہو گیا۔" لیکراس نے چلتے چلتے کہا۔

"نہیں..... میں نہیں جانتا۔"

"دشمنوں میں سے ایک ہمارے ہاتھ آ گیا تھا۔ لیکن وہ فرار ہو گیا اور ہیلی کاپٹر بھی لے گیا۔"

"میں اب اس کے بارے میں کچھ نہیں پوچھوں گا..... موسیو لیکراس!" زین خاں نے غمگین لہجے میں کہا۔

"وہ کرنل فریدی کا اسسٹنٹ تھا۔"

"کون.....!" زین چلتے چلتے رک کر بولا۔ "کرنل فریدی۔"

"ہو سکتا ہے تم نے اس کا نام نہ سنا ہو۔"

"صرف ایک ہی کرنل فریدی پورے ملک میں شیطان کی طرح مشہور ہے۔" زین خاں کی ہوئی آواز میں بولا۔

"اور اتفاق سے میں اسی کرنل فریدی کا ذکر کر رہا تھا۔" لیکراس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں خائف نہیں ہوں موسیو لیکراس..... میں اس کے بارے میں سب کچھ جانتا ہوں لیکن اسے کیوں کر معلوم ہوا۔ ہم تو حکومت کی اجازت سے کھدائی کر رہے ہیں۔"

''حکومت کی اجازت سے ہم قدیم آثار کے لئے کھدائی کر رہے ہیں لیکن [illegible] مقصد یہی ہے۔''

''مقصد کا علم ہمارے علاوہ کسی اور کو کیسے ہوا۔'' زین نے کسی قدر ناخوشگوار لہجے میں

''لمبی کہانی ہے زین خان! لیکن میں تمہیں مختصراً بتاؤں گا۔ فرانس سے ایک [illegible] تھی۔ اس کے پاس چمڑے پر ایک قدیم تحریر تھی۔ وہ تحریر دراصل اسی خزانے سے متعلق جس کی ہمیں تلاش ہے۔ برما کے دو بھکشوؤں نے اس تحریر کو پڑھا اور لڑکی سمیت ریگ لئے چل پڑے..... راستے میں کسی طرح فریدی کے ہاتھ لگے۔ اب تحریر کے لئے درمیان رسہ کشی شروع ہو چکی تھی۔ کیپٹن حمید لڑکی کو لے بھاگا..... تحریر اکرام کے ہوٹل جل کر خاک ہوگئی..... دونوں بھکشو بھی جل مرے۔''

''اوہو..... تو یہ قصہ تھا اکرام کے ہوٹل کا.....!'' زین خاں بڑبڑایا۔

''بعد میں لڑکی اور کیپٹن حمید ہمارے ہاتھ لگے۔ لیکن پھر نکل بھاگے اور ہیلی کا [illegible] لے گئے۔''

''وہ تو کہیں بھی پکڑے جا سکیں گے۔ ہیلی کاپٹر کہاں چھپائیں گے؟''

''دیکھو کیا ہوتا ہے..... ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ غباروں والی حرکت کرنل فریدی علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے میں تمہارے ساتھی کو ہیلی کاپٹر کے قریب چھوڑ آیا۔''

''موسیو لیگراس! اگر وہ حرکت کرنل فریدی ہی کی تھی تو آپ کو پہلے ہی بتا دینا [illegible] تھا۔'' زین مضطربانہ لہجے میں بولا۔

''کیا واقعی تم ڈر رہے ہو۔''

''سنو موسیو لیگراس!'' زین غرایا..... ''میں ایک تعلیم یافتہ آدمی ہوں۔ اگر تم نے جملہ میرے قبیلے کے کسی دوسرے فرد کے سلسلے میں کہا ہوتا تو وہ تمہیں زندہ نہ چھوڑتا۔''

''اوہو..... تم خفا ہو گئے میرے دوست!''

''ہم صرف سچی معابدے کا احترام ہی کرنا جانتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور [illegible] خزانے کے سلسلے میں تمہیں پارٹی کا لیڈر تسلیم کر چکے ہیں۔ صرف اسی کی حد تک [illegible] اطاعت گزار رہیں گے اور تمہارا ہر فیصلہ ہمارے لئے قابل قبول ہوگا۔''

''میں یہی نہیں سمجھ سکا کہ تمہاری خفگی کس بنا پر ہے۔''

''کرنل فریدی کی بناء پر۔''

''کیا وہ تمہارے قبیلے سے تعلق رکھتا ہے۔''

''نہیں.....!''

''تو پھر.....!''

''اگر اس کو خزانے کی سن گن مل گئی ہے تو وہ اسے ہمارے ہاتھ ہرگز نہ لگنے دے گا۔''

''میں نے غلط تو نہیں کہا تھا۔'' لیگراس ہنس پڑا۔

''نہیں.....!'' زین پیر پٹخ کر بولا۔ ''اس سے کھلم کھلا ٹکراؤ سے تم ہمیں روکو گے..... چاہو گے کہ سارا کام خاموشی سے ہوتا رہے۔''

''ہاں..... میں تو یہی چاہوں گا۔''

''اگر کرنل فریدی سچ مچ ہمارے مقابل ہے تو میرے قبیلے کا کوئی آدمی چوہوں کی طرح [illegible] کرنا پسند نہ کرے گا۔''

''میں تم سے وجہ پوچھ رہا ہوں زین خاں۔'' لیگراس نے نرم لہجے میں کہا۔

''اس کے اور ہمارے قبیلہ کے درمیان ہمیشہ سے چلتی آئی ہے۔''

''فریدی کا قبیلہ.....!'' لیگراس کے لہجے میں حیرت تھی۔ ''وہ تو قبائلی نہیں ہے۔''

''قبائلی ہی ہے..... زمانہ گزرا..... اس کے آباؤ اجداد پہاڑوں کو چھوڑ کر میدانوں میں [illegible] تھے..... مغلوں کے دور کی بات ہے۔ مغل دربار میں انہوں نے اچھی اچھی ملازمتیں [illegible] انہیں خطابات ملے۔ انہوں نے جاگیریں حاصل کیں..... اور مہذب کہلائے۔ لیکن [illegible] خلشیں اب بھی باقی ہیں۔''

''اوہو..... اچھا اچھا..... اب میں کچھ کچھ سمجھ رہا ہوں۔'' لیگراس کچھ سوچتا ہوا بولا۔ [illegible] حال ہمیں یہ تذکرہ یہیں ختم کر دینا چاہئے۔ آج سردی بھی بہت بڑھ گئی ہے۔ آسمان کا [illegible] بتا رہا ہے کہ برف باری ہو سکتی ہے۔''

وہ پھر چل پڑے۔ دونوں نے اوورکوٹ کے کالر اٹھا رکھے تھے۔

ہیلی کاپٹر کے قریب ان کا ساتھی کھڑا نظر آیا۔

''زین خاں.....کل صبح ہم دیکھیں گے کہ کیا کر سکتے ہیں.....!'' لیکراس نے
کاک پٹ میں جا بیٹھا۔ زین خاں اور اس کا ساتھی پچھلی سیٹ پر جا بیٹھے تھے۔ زین خان
اپنی اور لیکراس کی گفتگو کے بارے میں بتانے لگا۔

اس کے خاموش ہونے پر ساتھی نے کھانستے ہوئے کہا تھا۔ ''یہ اچھا نہیں ہوا''

پھر زین خان چونکا کیونکہ لیکراس نے ابھی تک ہیلی کاپٹر کا انجن اسٹارٹ نہیں کیا تھا۔
اس نے لیکراس کو آواز دی۔ جواب نہ ملا۔ پھر اٹھ کر دیکھا۔ وہ کاک پٹ میں نہیں تھا۔

''اس کا بھی جواب نہیں ہے۔'' وہ بڑبڑاتا ہوا بیٹھ گیا۔ پھر بولا۔ ''اپنے سائے سے
بھڑکتا ہے.....فریدی کے نام سے سٹی گم ہوگئی ہے۔''

اس کے بعد اس نے قہقہہ بھی لگایا تھا۔ اس کا ساتھی کچھ نہ بولا۔

اتنے میں باہر سے لیکراس کی آواز آئی۔

''دونوں نیچے اُتر آؤ۔''

''چلو بھئی.....اسلم خاں.....اترو نیچے۔'' زین خان ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''
بھی آج ہی ٹوٹ پڑے گی۔''

وہ دونوں نیچے اُترے۔

''کیا بات ہے موسیو!'' زین خان نے لیکراس سے پوچھا۔

''میرے ساتھ آؤ۔'' وہ آہستہ سے بولا اور وہ دونوں اوورکوٹ کے اونچے کالر اپنے
اپنے کان دبائے اس کے پیچھے چلنے لگے۔ اس وقت ہوا بھی تیز تھی اور سردی کا یہ عالم تھا
ہواؤں نے یہاں پہنچنے سے پہلے کسی بھی برف زار میں دیر تک قیام کیا ہو۔

ایک جگہ رک کر لیکراس بولا۔ ''وہ اوپر دیکھو.....!''

سامنے والی چٹان کے اوپری حصہ پر ہلکی سی روشنی نظر آ رہی تھی۔ لیکراس بائیں
مڑا اور چٹان پر چڑھنے لگا۔ اوپر پہنچ کر وہ بڑی احتیاط سے روشنی کی طرف بڑھنے لگا
نے ریوالور بھی نکال لئے تھے۔

بالآخر وہ ایک پتلی سی دراڑ کے قریب جا پہنچے اور تب اس روشنی کا راز کھلا۔

ایک بڑی سی روشن ٹارچ پتھر سے ٹکی کھڑی پچھتر ڈگری کا زاویہ بنا رہی تھی۔

اس کی روشنی انہیں نیچے سے نظر آئی تھی۔ ٹارچ کے قریب ہی کچھ اور سامان بھی ملا جس
خشک کی ہوئی غذا کا ایک ڈبہ بھی شامل تھا۔

وہ ہر قسم کے حملے کا مقابلہ کرنے کے لئے پوری طرح تیار تھے۔

دفعتاً زین خاں بولا۔ ''میں اس دراڑ میں جا کر دیکھتا ہوں۔''

اب اس نے خود اپنی ٹارچ نکالی اور دراڑ میں داخل ہوگیا۔

لیکراس نے زین خاں کے ساتھی سے کہا۔ ''تم اس راستے کی نگرانی کرو۔ جدھر سے ہم
یہاں تک پہنچے ہیں۔''

وہ اس طرف چلا گیا اور لیکراس دراڑ کے سرے پر ٹھہرا رہا۔

کچھ دیر بعد زین خان کی ٹارچ کی روشنی نظر آئی اور پھر وہ اسی دراڑ سے برآمد ہوا۔

''کوئی اس دراڑ میں نہیں تھا۔'' وہ لیکراس کے قریب رک کر بولا۔ ''اور بہت جلدی میں
یہاں سے بھاگا ہے۔''

''دراڑ میں تمہیں کیا ملا.....!''

''تازہ جلی ہوئی چند دیا سلائیاں اور سگار کے ٹکڑے۔''

زین خاں نے اپنی مٹھی کھول کر اس پر ٹارچ کی روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔ ''اوہو.....
.....!'' لیکراس ایک ٹکڑے کو چٹکی سے اٹھاتا ہوا فکرمندانہ لہجے میں بڑبڑایا۔ پھر اس نے
غصہ سے کہا۔ ''بس چپ چاپ نکل چلو.....یہ فریدی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔''

''موسیو لیکراس پلیز.....!''

''زین خاں بحث کا وقت نہیں۔ اندھیرا کسی کو بھی نہیں چھوڑتا۔ جتنی جلدی ممکن ہو ہمیں
یہاں سے نکل چلنا چاہئے۔''

لیکراس کہتا ہوا آگے بڑھا۔

کچھ دیر بعد ہیلی کاپٹر فضا میں پرواز کر رہا تھا۔ زین خاں اور اس کا ساتھی خاموش بیٹھے
سفر زیادہ طویل نہیں تھا۔ پرواز کے پانچ یا چھ منٹ بعد ہیلی کاپٹر نیچے اترنے لگا۔

''تم دونوں اتر جاؤ.....!'' دفعتاً لیکراس نے کہا۔

ان میں سے کوئی کچھ نہ بولا۔

ہیلی کاپٹر لینڈ کر چکا تھا۔ اس کا انجن بھی بالآخر خاموش ہو گیا۔

لیکراس ہیلی کاپٹر کے اندر روشنی کر کے ان کی طرف مڑا۔

"میں نے کہا تھا کہ تم دونوں نیچے اتر جاؤ۔" اس نے کسی قدر ناخوشگوار لہجے میں انہیں مخاطب کیا اور دوسرے ہی لمحے میں زین خاں کا ریوالور ہولسٹر سے نکلا اور ساتھی کے پہلو سے جا لگا۔

"موسیو..... اس کا کالر گرا دیجئے اور تم اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ ورنہ شوٹ کر دوں گا۔"

لیکراس کے چہرے پر تحیر کے آثار نظر آئے۔

"جلدی کیجئے موسیو! یہ مجھے اپنا ساتھی معلوم نہیں ہوتا۔"

لیکراس نے اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کے اوور کوٹ کا کالر نیچے گرا دیا اور بھونچکا رہ گیا۔

"تم کون ہو؟" زین خاں اس کے پہلو پر ریوالور کا دباؤ ڈالتا ہوا غرایا۔

"میں گونگا ہوں۔" وہ آدمی ہنس پڑا۔

"میرا ساتھی کہاں ہے۔"

"تم ڈرو نہیں! میں نے اپنے کپڑے اسے پہنا دیئے ہیں۔ وہ بھی خاصے گرم ہیں۔ تمہارا ساتھی سردی سے محفوظ رہے گا۔"

"اوہو..... ٹھہرو.....!" لیکراس بول پڑا۔ "تم اسے کور کئے رکھو۔ ہم ویران قلعہ کی طرف چلتے ہیں۔"

"نہیں موسیو!" زین خاں سخت لہجے میں بولا۔ "پہلے میرے ساتھی کا پتہ چلنا چاہئے۔"

"بیوقوفی کی باتیں نہ کرو۔" وہیں چل کر معلوم کر لیں گے۔

"میں اپنے ساتھی کی زندگی خطرے میں نہیں ڈال سکتا موسیو۔"

"اچھی بات ہے تو اسے نیچے اتارو۔ یہیں سمجھ لیتے ہیں۔"

"نیچے اترو.....!" زین خاں غرایا۔ ساتھ ہی اس نے اسے راستہ دینے کے لئے پوزیشن سے پوزیشن بدل لی تھی۔

اس کا ساتھی خاموشی سے نیچے اتر گیا۔ پھر وہ بھی اترا۔

"تم کون ہو.....!" زین خاں نے کسی قدر نرمی اختیار کرتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

"میں اگر اپنا نام بھی بتا دوں تو تمہیں کیا..... تمہیں صرف اپنے ساتھی کی خیریت

چاہئے۔"

لیکراس اس کے قریب آ کھڑا ہوا تھا۔ اس نے زین خاں سے پوچھا۔ "یہ کیا کہہ رہا ہے۔"

"تمہاری آسانی کیلئے میں تمہاری ہی زبان میں گفتگو کرنے کو تیار ہوں۔" اجنبی بولا۔

"تم کون ہو.....؟" لیکراس نے مکا تان کر پوچھا۔

"بدتمیزی سے پیش نہ آؤ ورنہ اس قبائلی کے ہاتھ میں جو ریوالور ہے اسی کی گولی تمہارے سینے میں پیوست ہو جائے گی۔"

"زیادہ باتیں نہ بناؤ..... ہماری بات کا جواب دو۔" زین خاں غرایا۔

"میرا نام..... خاور ہے.....!"

"تم نے میرے ساتھی کی جگہ لینے کی کوشش کیوں کی۔"

"اگر اس کی جیب سے کوئی معقول رقم برآمد ہو جاتی تو اپنی راہ لیتا۔"

"ادھر کے راہزنوں سے میں واقف ہوں۔" زین خاں تیز لہجے میں بولا۔ "لیکن ان میں سے کوئی بھی تمہاری طرح انگلش میں گفتگو نہیں کر سکتا۔"

"میں نے کب کہا کہ میں پیشہ ور راہزن ہوں۔ مجھے ضرورت ہے کچھ رقم کی۔"

"اسے نیچے لے چلو۔" لیکراس آہستہ سے بولا۔ "اس کی طرف سے مطمئن ہو جانے کے بعد ہی میں کہیں جا سکوں گا۔"

ہیلی کاپٹر کسی عمارت کی چھت پر اترا تھا۔

"تم میرے ساتھ کوئی برا برتاؤ نہیں کر سکتے۔" اجنبی نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

"موسیو لیکراس..... مجھے فوری طور پر اپنے ساتھی کے بارے میں معلوم ہونا چاہئے۔"

"زین خاں..... یہ مجھے اسی کا کوئی آدمی معلوم ہوتا ہے۔" دفعتاً لیکراس بھی ریوالور نکال کر بولا۔

"اخاہ..... یک نہ شد دو شد!" اجنبی نے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ کہا۔ "تم نے بھی ریوالور نکال لیا..... ہاں دوستو میں اسی کا آدمی ہوں۔"

"کس کا.....!" زین نے بے صبری سے پوچھا۔

"اپنے موسیو لیکراس سے پوچھو۔"

''میں غلط نہیں کہہ رہا۔ زین خان اسے نیچے لے چلو۔''

''لیکراس..... میں فی الحال یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ تمہاری دوسری پوزیشن کیا ہے۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ عمارت جیولوجیکل سروے کے سلسلے میں ہیڈ کوارٹر کا کام دیتی ہے۔ ہیلی کاپٹر بھی سرکاری ہے۔ میرا چیف تمہارے خلاف ثبوت فراہم کرنے میں مصروف ہے۔''

''دیکھا تم نے..... یہ کرنل فریدی کی بات کر رہا ہے۔''

''میرا ساتھی.....!'' زین خاں دانت پیس کر بولا۔

''تمہارا ساتھی اسی صورت میں واپس مل سکتا ہے جب مجھے کوئی گزند نہ پہنچے۔''

''اس سے پہلے تم مجھے یہ بتاؤ گے کہ فریدی کہاں ہے۔'' لیکراس پیر پٹخ کر بولا۔

''اگر معلوم بھی ہوتا تو تم مجھ سے نہ اگلوا سکتے۔''

''زین خاں اسے نیچے لے چلو۔''

''جتنی دیر کرو گے تمہارا ساتھی اتنے ہی زیادہ عذاب میں مبتلا ہوتا جائے گا۔''

''میں کہہ رہا ہوں اسے نیچے لے چلو۔''

''نیچے چلو.....!'' زین خاں دہاڑا۔

''کیوں حلق پھاڑ رہے ہو۔ مجھے نیچے اتارنے کے لئے تمہیں کرین کا انتظام کرنا پڑے گا۔ تم جیسے تو شاید مجھے ایک انچ بھی نہ ہٹا سکیں۔''

''موسیو! اسے کور کئے رکھئے..... میں دیکھتا ہوں۔'' زین نے اپنا ریوالور ہولسٹر رکھتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

پھر وہ اسے دھکیل کر آگے بڑھانے کے لئے پیش قدمی کر ہی رہا تھا کہ اجنبی بڑی تیزی سے جھکا اور اسے اپنے اوپر اٹھا کر لیکراس پر الٹ دیا۔

دونوں گرے تھے اور اجنبی نے اپنی جیب سے کوئی چیز نکال کر ان کے قریب پھینکی تھی۔ ہلکے سے دھماکے کے ساتھ کثیف دھواں انکے گرد پھیل گیا تھا۔ پھر وہ کھانستے رہے۔ دھواں..... دھواں..... گہرا دھواں..... دونوں کھانستے رہے اور بے بسی سے اس دھوئیں کو دیکھتے رہے جو ہیلی کاپٹر کا انجن فضا میں منتشر کر رہا تھا۔

لیکراس نے کھانستے ہوئے اپنے ریوالور کے سارے چیمبر خالی کر دیئے تھے۔

لیکن ہیلی کاپٹر ہوا میں بلند ہو کر اتھاہ تاریکی میں گم ہو گیا۔

وہ کسی قسم کی جسمانی اذیت ہی تھی جس نے کیپٹن حمید کو بیدار کیا تھا۔ عجیب طرح کا شور اس کے کان میں گونج رہا تھا اور آنکھوں کے سامنے آگ کی اونچی اونچی لپٹیں تھیں۔

آہستہ آہستہ سماعت اور بصارت ادراک کی سرحدوں میں داخل ہو گئیں اور کچھ دیر بعد اس نے محسوس کیا کہ وہ رسیوں سے جکڑا پڑا ہے۔ قریب ہی الاؤ جل رہا ہے اور وحشیانہ انداز میں ڈھول پیٹے جا رہے ہیں۔ کچھ اور ہوش آیا تو ریما دکھائی دی وہ ڈھول کی بے ہنگم آوازوں میں اچھل کود رہی تھی اور اس کے قریب ہی ایک قبائلی چمڑے کا چابک لئے کھڑا تھا اور جب بھی اس کے قدم سست پڑنے لگتے قبائلی چابک پھٹکارتا۔

لیکن یہ ہوا کیونکر..... وہ تو اس ہیلی کاپٹر میں سویا تھا۔ دونوں نے ڈبوں میں محفوظ کی ہوئی اغذیہ سے پیٹ بھر لینے کے بعد ادھر اُدھر کی باتیں کی تھیں اور ہیلی کاپٹر میں سو گئے تھے۔

ہیلی کاپٹر بھی اسی گہرے غار میں تھا جہاں دوسروں سے پوشیدہ رکھنے کیلئے اتارا گیا تھا۔

پھر یہ کیوں کر ہوا..... کیا ریما بھی اسی طرح بے خبر سوئی تھی۔

ڈھولکوں کی تھاپ پر ریما بدستور وحشیانہ رقص کئے جا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر کچھ ایسے تاثرات تھے جیسے ہوش میں ہی نہ ہو۔ بس وہ ڈھولکوں کی ''دھما دھم'' پر ناچے جا رہی تھی۔

اس سے بے خبر.....

اس کی از خود رفتگی کی تصدیق اس طرح بھی ہو گئی کہ اچانک ایک قبائلی نے اٹھ کر اس کی طرف ریوالور سے فائرنگ شروع کر دی۔

ساری گولیاں ریما کے قریب سے نکل گئی تھیں۔ لیکن نہ تو اس کے چہرے پر اس کا تاثر آیا تھا اور نہ ایکشن ہی میں کسی قسم کی تبدیلی ہوئی تھی۔

پھر ایک آدمی قبائلیوں کے مجمع سے نکلا..... یہ قبائلیوں کے سے لباس میں ضرور تھا
قبائلی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کوئی سفید فام غیر ملکی تھا۔

اس نے جیسے ہی اپنا داہنا ہاتھ اوپر اٹھایا..... چاروں طرف سکوت چھا گیا۔ ا
دھما دھم اچانک سناٹے میں گن ہوگئی۔ الاؤ میں لکڑیوں کے چٹخنے کی آواز کے علاوہ اور
کی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔

ریما کے پیر تھم گئے تھے اور اب وہ ایک ہی جگہ کھڑی جھومے جا رہی تھی۔ آنکھیں
ہوئی تھیں۔ لیکن یہ لگتا تھا جیسے اسے کچھ دکھائی نہ دے رہا ہو۔

حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتا رہا۔ یہ ایک بہت بڑا غار تھا..... اتنا
کہ بیک وقت سینکڑوں آدمی بھی یہاں جگہ کی تنگی محسوس نہ کر سکتے۔

حمید کے جسم پر رسی کی بندشیں سخت تھیں۔

اسے بس بونہی باندھ کر زمین پر ڈال دیا گیا تھا..... انفرادی طور پر وہ اپنے اعضا
جنبش بھی نہیں دے سکتا تھا۔ لیکن پورے جسم سے جدھر چاہتا لڑکھیاں کھاتا پھر سکتا تھا۔

دفعتاً سفید فام آدمی اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

''کیپٹن حمید مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ یہ لڑکی ٹرانس میں ہے۔ اس سے جو کچھ بھی کہا جائے گا کرے گی۔
اسکے ہاتھوں تمہیں قتل ہونا ہے..... یہ تمہیں قتل کرے گی۔ حالانکہ عام حالات میں تمہارے
لئے جان دینے سے بھی گریز نہ کرتی۔ یہ اس وقت پوری طرح میرے تابع فرمان ہے۔

وہ خاموش ہو کر ریما کی طرف بڑھا اور بولا۔ ''لڑکی تم سو رہی ہو..... لیکن آنکھیں کھ
ہوئی ہیں۔ ''جو میں تمہیں سمجھانا چاہوں گا تم سمجھو گی..... جو دکھانا چاہوں گا دیکھو گی..... اور
مجھ سے سچ بولو گی..... بولو گی سچ..... جواب دو۔''

''جواب دوں گی۔'' ریما کے ہونٹ ہلے۔

لیکن حمید کو ایسا لگا تھا جیسے وہ کسی اور کی آواز ہو..... ریما کی آواز تو ہرگز نہیں تھی۔

''کیپٹن حمید سے تمہارا کیا رشتہ ہے۔''

''ابھی کوئی قانونی رشتہ نہیں ہے۔''

''اس کے لئے کیسے جذبات رکھتی ہو۔''

''میں اسے تہہ دل سے چاہتی ہوں..... اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔''

''وہ دیکھو سامنے ایک کتا بندھا ہوا ہے۔''

حمید نے محسوس کیا کہ ریما براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی ہے۔

دفعتاً غیر ملکی نے اس سے پوچھا۔

''تم کیا دیکھ رہی ہو۔''

''ایک کتا بندھا پڑا ہے۔''

''تمہیں اس کتے پر خنجر سے وار کرنا چاہئے۔'' حمید کو جھرجھری سی آئی۔

''اس کتے کو خنجر سے ہلاک کر دو۔''

ریما آگے بڑھی اور جھک کر حمید پر وار کیا..... حمید نے بڑی پھرتی سے کروٹ لی اور
ل کھاتا ہوا اس سے دور نکل گیا۔

''لڑکی ٹھہر جاؤ.....!'' غیر ملکی نے گونجیلی آواز میں اُسے حکم دیا اور وہ سیدھی کھڑی ہوگئی۔

پھر وہ حمید سے بولا۔ ''تم زیادہ دیر تک خود کو نہ بچا سکو گے اس کا خنجر بالآخر تمہارے
ہم میں پیوست ہو جائے گا۔''

''کیا تم خود مجھے گولی نہیں مار سکتے۔'' حمید کسی زخمی درندے کی طرح غرایا۔

''کرنل فریدی کا پتہ بتا کر تم زندگی بطور انعام حاصل کر سکتے ہو۔'' غیر ملکی مسکرا کر نرم لہجے
ا بولا۔

''بڑی عجیب بات ہے۔'' حمید کا لہجہ زہریلا تھا۔

''تم کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''مجھے بھی ٹرانس میں لا کر تم مجھ سے میرے چیف کا پتہ پوچھ سکتے تھے۔ آخر اس
کی ضرورت کیوں پیش آئی۔''

''تم ٹرانس میں نہیں آؤ گے..... پختہ قسم کی قوت ارادی کے مالک ہو۔''

''یہ بات تو ہے؟''

''یقین کرو کیپٹن حمید..... اگر تم نے کرنل فریدی کا پتہ نہ بتایا تو اس بار خنجر کی زد سے نہ

بچ سکو گے۔"

حمید نے سوچا اگر اس بار اس نے ریما کے ساتھ ہی ساتھ کچھ آدمیوں کو بھی اڑا دیا لگا دیا تو وہ سچ مچ دوسرے دن کا سورج نہ دیکھ سکے گا۔

پھر کیا کرنا چاہئے۔ فی الحال صرف جھوٹ ہی کام آ سکتا ہے۔ وہ بہر حال اس کی تصدیق ہو جانے تک اسے زندہ رکھیں گے۔ اتنی مہلت تو ملنی ہی چاہئے کہ وہ گلوخلاصی کے لئے کوئی تدبیر کر سکے۔

"بولو..... کیا خیال ہے؟" کچھ دیر بعد غیر ملکی نے پھر اسے مخاطب کیا۔

"اگر میں تمہیں اس کا پتہ بتا بھی دوں تو تم اس پر ہاتھ نہ ڈال سکو گے۔" حمید نے جواب دیا۔

"تم اس کی فکر نہ کرو۔"

"اس کی کیا ضمانت ہے کہ پتہ معلوم کر لینے کے بعد تم مجھے قتل نہیں کرو گے۔"

"میری بات پر یقین کرو۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔ مجھے ہر حال میں مرنا پڑے گا۔ لہٰذا میں ایک بے ضمیر کی طرح کیوں مروں..... تم شوق سے مجھے مار ڈالو۔ چیف کا پتہ نہیں بتاؤں گا۔"

غیر ملکی کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر قبائلیوں کی طرف مڑ کر کسی قسم کا اشارہ کیا۔

دو آدمی آگے بڑھے اور انہوں نے حمید کو کھولنا شروع کیا۔ پل بھر میں وہ آزاد تھا۔ جہاں رکی تھی وہیں اب بھی کھڑی تھی۔ خنجر اس کے ہاتھ میں تھا۔

"لڑکی خنجر زمین پر ڈال دو۔" غیر ملکی اس کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔

خنجر کے گرنے کی آواز غار میں گونجی تھی۔

"کیپٹن حمید.....!" وہ اس کی طرف مڑا۔

"کیا کہتے ہو۔"

"تم اس غار سے باہر نکلنے کی کوشش کرو گے تو تمہارا جسم چھلنی ہو کر رہ جائے گا۔"

"مجھے خطرے کا پورا پورا احساس ہے۔"

"کیا تم بھی اس لڑکی کو چاہتے ہو۔"

"میں ابھی فیصلہ نہیں کر سکا۔"

"کیا مطلب.....؟"

"میرے ساتھ ایک ٹریجڈی ہے۔"

"معموں میں باتیں نہ کرو۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔"

"میں لڑکیوں کو چاہنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن وہ جلد ہی میرے ذہن سے پھسل جاتی ہیں۔"

"تم اب بھی کھل کر گفتگو نہیں کر رہے۔"

"وہ کچھ دنوں سنجیدگی سے مجھے چاہتی ہیں۔ پھر بے وقوف بنانے لگتی ہیں۔"

"کیا تم نے اس سے متعلق بھی یہی محسوس کیا ہے۔"

"کچھ کچھ.....!"

"تم وہمی معلوم ہوتے ہو کیپٹن حمید! تمہارے لئے اس نے تنظیم سے غداری کی ہے اور تنظیم سے غداری کی عام سزا موت ہے۔"

"کچھ بھی ہو..... میں دنیا کی کسی لڑکی پر اعتماد نہیں کر سکتا۔"

"یہ تمہارے معیار کے مطابق قابل اعتماد بھی بنائی جا سکتی ہے۔"

"وہ کس طرح میرے دوست.....!"

"میں عمل تنویم کا ماہر ہوں..... پندرہ دن کے اندر اندر میں اسے تمہاری زرخرید کنیز بنا سکتا ہوں۔"

"زرخرید! کمال کرتے ہو دوست! میں تو بالکل مفلس ہوں۔ اسے خریدوں گا کہاں سے۔"

"لفظ زرخرید محاورۃً استعمال کیا گیا ہے۔ یہ ایسی ہی تابعدار ثابت ہوگی جیسی ایک خرید کنیز ہو سکتی ہے۔"

"آخر میں چاہتا کیا ہوں۔" حمید خود کلامی کے سے انداز میں بولا۔

"میں معلوم کر سکتا ہوں۔"

"مجھے خوشی ہوگی اگر تم میری اس ذہنی کیفیت کا تجزیہ کر سکو۔"

"ممکن ہے..... لیکن تمہیں خود کو میری قوت ارادی کے سپرد کرنا پڑے گا..... میں تمہیں نیند میں لا کر تمہارے وہموں کا سبب معلوم کر لوں گا۔"

''میں تیار ہوں میرے اجنبی دوست.....!'' حمید نے طویل سانس لے کر کہا۔

اس نے سوچا چلو اچھا ہے۔ وہ اس پر عمل تنویم کر کے فریدی کا پتہ معلوم کرنے کی کوشش کرے اور مطمئن ہو جائے کہ یقیناً وہ اس سے لاعلم ہے۔ اس طرح وہ کم از کم ان اذیت رسانیوں سے تو بچا رہ ہی سکے گا۔ رہی قتل کر دینے کی بات تو اس سے بڑی کوئی سزا نہیں ہو سکتی تھی اگر وہ فریدی کو پکڑنا چاہتے تھے تو اس کے لئے اس سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں تھا۔

غیر ملکی نے اسے لیٹ جانے کا مشورہ دیا اور اس پر ہپناٹزم طاری کرنے کے لئے سجیشن دینے لگا۔

حمید نے اپنے ذہن کو ڈھیل دے دی اور آہستہ آہستہ غنودگی کا شکار ہوتا گیا۔

پھر پتہ نہیں کتنی دیر تک بے خبر رہا تھا..... دوبارہ جاگا تو سر ریما کے زانو پر تھا اور وہ بڑی دلآویز مسکراہٹ کے ساتھ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

الاؤ پہلے ہی کی طرح روشن تھا لیکن آس پاس ریما کے علاوہ اور کوئی نہ دکھائی دیا۔

''سو جاؤ۔'' وہ اس کا گال سہلاتی ہوئی بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''میں ساری رات یونہی بیٹھی رہوں گی۔''

حمید بڑی پھرتی سے اٹھ بیٹھا..... خود کو بالکل تر و تازہ محسوس کر رہا تھا۔

''وہ کہاں گئے۔'' اس نے آہستہ سے پوچھا۔

''کون کہاں گئے؟'' ریما کے لہجے میں حیرت تھی۔

''جنہوں نے ہمیں اس حال کو پہنچایا ہے۔''

ریما کچھ سوچنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔

''تم کیا سوچنے لگیں، میری بات کا جواب دو۔''

''مم..... میں یہ سوچ رہی ہوں کہ آخر ہم لوگ کہاں ہیں۔''

''تو کیا تم نے یہاں کسی کو بھی نہیں دیکھا.....؟''

ریما نے سر کو منفی جنبش دی۔ آنکھوں میں تفکر آمیز الجھن کی جھلکیاں بدستور قائم رہیں۔

کچھ دیر بعد بولی۔ ''میں سوچ رہی ہوں کہ ہم تو ہیلی کاپٹر میں سوئے تھے۔''

پھر اس نے سہمی ہوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھنا شروع کیا۔ الاؤ کی روشنی کا حلقہ کافی خاصا وسیع تھا۔

''مم..... مجھے خوف معلوم ہو رہا ہے.....!''

''ڈرو نہیں..... پہلے میں مروں گا..... پھر تم پر کوئی آنچ آئے گی۔''

''اپنے مرنے کی بات نہ کرو۔'' وہ اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر رونے لگی۔

حمید اس کی پیٹھ تھپکتا ہوا تسلیاں دینے لگا۔ اسے اس وقت تک کا ہوش تھا جب وہ غیر ملکی کو سجیشن دینے بیٹھا تھا۔ نیند میں کیا گزری تھی اس سے قطعی طور پر لاعلم تھا۔ ذہن پر لاکھ زور ڈالا کہ خواب ہی کی سی کوئی کیفیت یاد آ جائے لیکن ممکن نہ ہوا۔

کچھ دیر بعد انہوں نے غار کا دہانہ تلاش کرنا شروع کیا..... خاصی تگ و دو کے بعد بالآخر انہیں کامیابی ہو ہی گئی۔

حمید نے گھڑی دیکھی۔ رات کے تین بجے تھے۔

حمید کہہ رہا تھا کہ اب وہ لوگ ان پر پوری طرح نظر رکھیں گے اور یہی ایک طریقہ فریدی تک پہنچنے میں کارگر بھی ہو سکتا تھا۔

اس نے طویل سانس لی اور وہ دوبارہ الاؤ کی طرف پلٹ آئے۔

پکنک

''اب کیا ہوگا۔'' ریما نے مضمحل آواز میں پوچھا۔

''دیکھا جائے گا۔'' حمید کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

ریما نے اُسے حیرت سے دیکھا اور پھر اس کی آنکھوں میں غم کے سائے لہرانے لگے تھے۔ اس نے دردناک لہجے میں کہا۔ ''تم تو اس طرح پیش نہ آؤ۔ اب تمہارے علاوہ اور کون ہے دنیا میں میرا۔''

''تم غلط سمجھیں۔'' حمید نے نرم لہجے میں کہا۔ ''میں دراصل ان حالات سے کچھ
پریشان ہوگیا ہوں۔''

''پھر بتاؤ..... اس میں میرا کیا قصور ..... میں تو حتی الامکان تمہاری مدد کرتی رہی
ہوں۔ میں خود بھی نہیں جانتی کہ یہاں تک کیوں کر پہنچی۔''

''تم نے یہاں کسی کو بھی نہیں دیکھا تھا۔''

''نہیں میں جاگی تھی..... تم میرے قریب ہی سو رہے تھے۔ میں نے تمہیں اٹھانا
لیکن تمہاری نیند تو بے ہوشی معلوم ہو رہی تھی..... پھر میں تمہارے ہوش میں آنے کا انتظ
کرتی رہی تھی۔''

''ہوں..... اچھا بیٹھ جاؤ۔''

ریما الاؤ کے قریب بیٹھ گئی۔ خالی خالی آنکھوں سے حمید کو دیکھے جا رہی تھی۔

''صبح ہونے تک یہیں ٹھہریں گے۔'' حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔

''یہ سوچو کہ آخر ہم یہاں تک کیونکر پہنچے! ہیلی کاپٹر کہاں گیا۔ یہ وہ غار تو نہیں
جہاں ہم نے ہیلی کاپٹر اتارا تھا۔''

''اس سے تم کس نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہی ہو۔''

''ان لوگوں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ لیکن یہاں اس طرح چھوڑ دینے کا مقصد
ہوسکتا ہے۔''

''ہماری نگرانی..... اس وقت تک جب تک کہ میرا چیف بھی ہاتھ نہ آ جائے۔''

''یہی بات ہوسکتی ہے ورنہ وہ اس فرار کے بعد ہمیں زندہ نہ چھوڑتے۔''

حمید اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا..... تمباکو کی پاؤچ اور پائپ محفوظ تھے۔ اس نے
اطمینان کا سانس لیا۔

صبح ہوتے ہی وہ غار سے باہر نکلے۔ سرد ہوا ہڈیوں میں پیوست ہوتی معلوم ہو رہی تھی۔

''ہم کہاں جائیں گے۔'' ریما نے بے بسی سے پوچھا اور حمید کو پھر تاؤ آ گیا۔

''جہنم میں.....!'' وہ غرایا۔

''تم پھر مجھ پر خفا ہونے لگے۔''

''آخر تم نے خود پر اتنی مظلومیت کیوں طاری کر لی ہے۔''

''میں نہیں جانتی! کچھ بھی تو سمجھ میں نہیں آتا۔ پتہ نہیں کیوں میرا دل چاہتا ہے
تمہارے قدموں پر سر رکھ دوں۔''

حمید چلتے چلتے رک گیا اور اسے گھورنے لگا اور وہ سچ مچ اسکی قدموں پر جھکتی چلی گئی۔

''یہ کیا لغویت ہے۔'' وہ اس کے بازو پکڑ کر اٹھاتا ہوا بولا۔

''میں کچھ بھی نہیں جانتی۔'' وہ اسکے سینے پر سر ٹکا کر بچوں کی طرح سسکیاں لینے لگی۔

''اب کیا میں گدھے کی بولیاں بولنا شروع کر دوں..... دیکھو مجھے عورتوں کو روتے دیکھ
شدت سے غصہ آتا ہے۔''

''ایسی باتیں نہ کرو کہ میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔''

دفعتاً حمید کو یاد آیا۔ غیر ملکی نے اسے یہی تو باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ وہ ریما کو
ٹائز کر کے اسے اس کی غلامی پر آمادہ کر دے گا۔ کہیں اس کی بہکی ہوئی ذہنی حالت میں اس
ہاتھ تو نہیں۔

''ریما.....!'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''مجھے اپنے رویئے پر افسوس ہے۔ آئندہ
میں محتاط رہوں گا۔''

''خود میں نے تم سے محبت کی بھیک مانگی تھی اس لئے تم مجھے ٹھکرا رہے ہو۔''

''بھئی ایسے سستے قسم کے ڈائیلاگ بھی نہ بولو..... محبت..... بھیک..... ٹھکرانا.....
بکواس.....!''

''چلو بکواس ہی سمجھ کر میرے حال پر رحم کرو۔''

''کر دیا رحم..... اب خاموش رہو۔''

''میں تمہاری ہی قوم کی کسی لڑکی کی طرح تمہارے قدموں میں پڑی رہوں گی۔''

حمید اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر بولا۔ ''کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں کسی چٹان سے
ٹکرا لگا دوں۔''

''میں سمجھ گئی!'' ریما نے اس کے ہاتھوں کو پکڑ کر کانوں سے الگ کرنے کی کوشش
کرتے ہوئے کہا۔ ''بالکل یہی بات ہے۔''

"کیا بات ہے؟"

"انہوں نے تمہیں میرے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی ہے۔"

"بے وقوفی کی باتیں نہ کرو بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ تم بیویوں کی سی باتوں پر اتر آئے ہو۔ مجھے اس انداز گفتگو سے سخت نفرت ہے۔ خدا انہیں غارت کرے، خدا انہیں غارت کرے۔"

حمید دانت پیس کر رہ گیا۔ سردی اتنی شدید تھی کہ اس کے غصہ کی عمر دراز نہ ہوسکی۔

غار میں تو الاؤ کی گرمی تھی۔ اتنے سویرے سردی میں کیوں نکل کھڑے ہوئے۔ ہاں کیا مصیبت تھی۔

"واپس چلو.....!" اس نے ریما سے کہا اور وہ کچھ پوچھے بغیر غار کی طرف مڑ گئی۔

پھر وہ خاموشی سے الاؤ کے قریب جا بیٹھے تھے۔ دفعتاً حمید اپنی جیب ٹٹولنے لگا۔

"کیا بات ہے۔" ریما نے پوچھا۔

"میرا پرس.....!" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "اب شاید ہم انہیں چٹانوں سے سر ٹکراتے پھریں گے۔"

"یہ بہت بُرا ہوا..... میرے پاس بھی کچھ نہیں ہے۔"

"اس باران چکروں سے نکل گیا تو.....؟"

"تو کیا کرو گے۔"

"ضروری نہیں کہ تمہیں ہر بات سے آگاہ کیا جائے۔"

"جو دل چاہے کرو۔ میں تو خود کو تم پر قربان کر ہی چکی۔"

"پھر وہی گھٹیا باتیں شروع کر دیں۔"

"میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ تمہارے غلاموں کی سی زندگی بسر کروں گی۔"

"کچھ دیر خاموش رہو..... مجھے کچھ سوچنے دو۔"

"میری ذات سے تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔"

"اچھا..... اچھا..... کچھ دیر زبان بند رکھو۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

اس کا خیال تھا کہ غیر ملکی نے یقینی طور پر اسے اس قسم کا بھی کوئی سجیشن دیا ہے لیکن اس کا مقصد.....؟

اس نے تنظیم سے غداری کی تھی اسے تو مار ہی ڈالنا چاہئے تھا۔ ظاہر ہے کہ فریدی کی ہیں وہ تو کسی قسم کی مدد نہیں دے سکتی تھی۔ پھر اسے اسکے سر پر کیوں مسلط کر دیا گیا تھا۔

وہ سوچتا رہا اور اس نتیجہ پر پہنچ سکا کہ ان کا یہ رویہ لاپرواہی کے اظہار کے علاوہ اور کچھ ہیں۔ غالباً اب وہ ان پر یہی جتانا چاہتے ہیں کہ تنظیم سے برگشتہ ایک فرد کی مدد بھی فریدی کسی کام نہیں آسکتی۔ انہیں صرف اتنا ہی تو کرنا پڑے گا کہ ان جگہوں کو چھوڑ دیں جو ریما اور ہم میں رہی ہوں۔

وہ ریما کے چہرے پر نظر جمائے سوچتا رہا۔

ریما الاؤ کو کرید رہی تھی۔ پھر اس نے اٹھ کر کچھ سوکھی لکڑیاں اس میں ڈال دیں۔

حمید خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ اس وقت تک کوئی ایسی عورت لگ رہی تھی جس کو رہ طرح کے تفکرات کا سامنا ہو۔ انداز میں اتنا گھریلو پن تھا کہ حمید نفرت سے ہونٹ کاٹے بغیر نہ رہ سکا۔

وہ الاؤ میں چٹختی ہوئی لکڑیوں کو پلکیں جھپکائے بغیر گھورے جا رہی تھی۔

"مجھے بھوک لگ رہی ہے۔" دفعتاً حمید نے اسے مخاطب کر کے کہا۔

"میری بوٹیاں کاٹو اور بھون کر کھاؤ..... مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔" وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولی۔

"اچھی بات ہے..... اب تم میری کسی بات کا جواب ہرگز نہ دینا۔"

"بس خفا ہو گئے۔" وہ اٹھتی ہوئی بولی اور اس کے قریب آ بیٹھی۔

حمید نے ایک طرف کھسکنا چاہا لیکن ریما نے مضبوطی سے اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ "ذرا ذرا سی بات پر روٹھ جاتے ہو۔"

"روٹھنے کی صلاحیت نہیں ہے مجھ میں..... میرا بازو چھوڑو۔"

"نہیں چھوڑوں گی.....!" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی۔

"مجھے لڑکیوں کی مسکراہٹ زہر لگتی ہے اگر معدہ خالی ہو۔"

آج موسم اس قابل تھا کہ سیاح ہوٹلوں سے باہر نکل سکیں۔

رافعہ کی طبیعت تو سنبھل گئی تھی لیکن ڈاکٹر نے اسے آرام کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ وہ کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔ نرس اب بھی اس کی دیکھ بھال کر رہی تھی۔

قاسم اس کا ناشتہ کمرے میں بھجوا کر خود ڈائننگ ہال میں بیٹھا تھا۔

نلنی اب تک صرف شام کو ملتی رہی تھی۔ لیکن آج کیلئے وہ ناشتے کے بعد آنے کا وعدہ کر گئی تھی اور اس کی باتوں میں ایسی دلچسپی تھی جیسے وہ اس کو کسی نئی دنیا کی کہانی سنا رہا ہو۔

کچھ دیر بعد نلنی آ گئی اور اس نے ایک ایسی تجویز پیش کی۔ قاسم کو بے ساختہ اچھل پڑنے کی خواہش کو دبانا پڑا..... بے ساختہ اچھل پڑنا اس کے بس کی تو بات نہیں تھی۔

نلنی نے کہا تھا کہ قاسم کو اپنی مالکہ کی دیکھ بھال تو کرنی نہیں پڑتی..... پھر کیوں نہ کہیں باہر گھومیں پھریں..... آخر یہاں اس کی آمد کا مقصد آثارِ قدیمہ ہی تو دیکھنا تھا۔

"آثار قدیمہ..... ہاں ہاں۔" قاسم خوش ہو کر بولا۔ "میرے پاس بھی کچھ آثار قدیمہ ہیں۔"

"تمہارے پاس..... کیا ہے۔"

"میرا باپ..... اس کا ڈنڈا..... اور دقیانوسی باتیں۔"

"دقیانوسی کیا.....؟"

"مجھے دقیانوسی کی انگریزی نہیں معلوم۔" قاسم نے شرما کر کہا۔

"کیا تم اپنے باپ سے نفرت کرتے ہو۔"

"بہت زیادہ..... اگر میں خود اس کا باپ ہوتا تو اب تک عاق کر چکا ہوتا۔"

"عاق کیا.....!"

"جو سمجھ میں نہ آئے اسے گول کر جایا کرو۔"

"گول کیا.....؟"

"راؤنڈ.....!" قاسم نے انگلی نچا کر خلاء میں دائرہ بناتے ہوئے کہا۔

"بعض اوقات کچھ بھی تو سمجھ میں نہیں آتا۔"

"انگریزی میری قومی زبان نہیں ہے۔"

"خیر ختم کرو..... باہر چلنے کی کیا رہی۔"

"یہاں میں نے دیکھا ہے کہ لوگ ٹٹوؤں یا گھوڑوں پر بیٹھ کر آثار قدیمہ دیکھنے جاتے ہیں..... ٹٹو پر میں اس لئے نہیں بیٹھ سکتا کہ خود ٹٹو بیٹھ جائے گا یا میں کھڑا رہ جاؤں گا..... اور میری ٹانگوں کے نیچے سے نکل جائے گا۔"

"ہم گھوڑے لے لیں گے۔" نلنی ہنستی ہوئی بولی۔

"کوئی جیپ کیوں نہ حاصل کریں کرائے پر.....؟"

"بہتیری جگہوں پر جیپ پہنچ نہیں سکے گی۔"

"ایسی جگہوں پر جائیں ہی کیوں؟"

"بہت کاہل آدمی معلوم ہوتے ہو۔"

قاسم کو تاؤ آ گیا۔ کہنے لگا۔ "میں پیدل چل سکتا ہوں لیکن گھوڑے پر نہیں بیٹھوں گا۔"

"آخر کیوں.....؟"

"مجھے شرم آتی ہے..... گھوڑا کیا سوچے گا دل میں۔"

"گھوڑا سوچے گا۔"

"بالکل سوچ سکتا ہے۔"

"فضول باتیں نہ کرو..... گھوڑے سوچتے نہیں ہیں۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ پچھلے سال ایک ہل اسٹیشن پر مجھے بہت شرمندہ ہونا پڑا تھا۔"

"پتہ نہیں کیا کہہ رہے ہو۔"

"ہاں میں نے وہاں ایک گھوڑا حاصل کرنا چاہا تھا۔ گھوڑے کے مالک نے کہا میں اپنا گھوڑا کسی ہاتھی کو کرائے پر نہیں دے سکتا۔"

"بہتر ہے تم یہیں بیٹھے مسخرہ پن کرتے رہو اور میں ہنستی رہوں۔" نلنی نے بے بسی سے کہا۔

دفعتاً قاسم نے سوچا کہ انگریزی میں تو وہ خاصا دلچسپ آدمی ثابت ہو رہا ہے۔ اردو میں کیوں ڈیوٹ ہو جاتا ہے۔ ڈھنگ کی کوئی بات زبان سے نکلتی ہی نہیں۔

''ٹھینگے پر ہے اردو وردو۔'' وہ اردو میں بڑبڑایا۔

''کیا کہہ رہے ہو۔''

''کچھ نہیں! کچھ نہیں۔'' وہ جلدی سے بولا اور احمقانہ انداز میں ہنسنے لگا۔

''تمہیں گھوڑے پر بیٹھنا پڑے گا..... جیپ کا انتظام نہیں ہو سکتا اور میں تہیہ کر کے سے نکلی تھی کہ آج آؤٹنگ ہوگی۔''

''جیسی آپ کی مرضی.....!'' قاسم مردہ سی آواز میں بولا۔

''تم ڈرو نہیں..... سدھائے ہوئے بہترین نسلوں کے گھوڑے ہوتے ہیں..... تمہارے لئے کوئی ویلر تلاش کروں گی۔''

''ویلر کیا.....؟''

''آسٹریلوی نسل کا گھوڑا..... بہت توانا اور لحیم شحیم ہوتا ہے..... تمہارا بار آسانی سنبھال سکے گا۔''

پھر کچھ دیر بعد قاسم نے ہوٹل ہی سے لنچ بکس تیار کرائے تھے اور وہ نکل کھڑے ہو تھے۔

''تم کو میرے ساتھ چلتے ہوئے شرم تو نہ آئے گی۔'' دفعتاً قاسم نے مغموم لہجے میں کہا

''نہیں قطعی نہیں! میں ساڑھے چار فٹ کی تو ہوں نہیں۔''

''کاش میرا پیچھا اس سے چھوٹ سکتا۔'' قاسم کی آواز گلوگیر تھی۔

''تم واقعی ڈرپوک ہو..... طلاق کیوں نہیں دے دیتے۔''

''لولی لنگڑی ہے..... کہاں جائے گی۔''

''اسی کا وظیفہ مقرر کر دینا۔''

''میرا باپ اس پر تیار نہیں ہوتا۔''

''تم آخر اپنے باپ سے اتنا ڈرتے کیوں ہو؟''

''اس سے نہیں..... کروڑوں کی جائیداد سے ڈرتا ہوں۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اب مجھے سب کچھ بتانا پڑے گا.....؟'' قاسم نے کہا اور ہکلا ہکلا کر اپنی داستان نے لگا..... خاموش ہوا تو نلنی ہنسنے لگی۔

''تم ہنس کیوں رہی ہو..... کیا یہ سب بے وقوفی کی باتیں تھیں۔'' قاسم بُرا مان گیا۔

''ہنسنے کی بات ہی ہے۔ اتنے دولت مند ہونے کے باوجود بھی عورتوں کی ملازمتیں رتے پھر رہے ہو۔''

''تمہیں ضرورت ہو تو نوکر رکھ لو..... میں رافعہ ابدالی کی نوکری چھوڑ دوں گا۔''

''میں اتنی دولت مند نہیں ہوں کہ کسی کو ملازم رکھ سکوں۔ میں خود یہاں وظیفے پر آئی ہوں۔''

''وہ ویلر گھوڑے کہاں ملیں گے۔ اب مجھ سے پیدل نہیں چلا جاتا۔''

''بس تھوڑی دور اور.....!''

پھر وہ اس جگہ پہنچے تھے جہاں سے گھوڑے کرائے پر حاصل کئے جاتے تھے۔ قاسم نے پنے لئے ایک گھوڑا منتخب کیا اور لنچ بکس زین سے لٹکے ہوئے تھیلے میں ڈال دیئے۔ نلنی پنے گھوڑے پر سوار ہو چکی تھی۔

قاسم اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے پیدل چل پڑا۔

''تم بھی بیٹھ جاؤ.....!'' نلنی نے کچھ دور چلنے کے بعد کہا۔

''کوئی مناسب اونچی جگہ بھی تو ملے۔''

''ارے رکاب میں پیر ڈال کر چڑھ جاؤ۔''

''رکاب کا تسمہ ٹوٹ جائے گا..... کئی بار ایسا ہو چکا ہے۔''

''تم سچ مچ مصیبت ہو۔'' وہ ہنس کر بولی۔

''نہیں..... بدنصیب ہوں۔'' قاسم چلتے چلتے رک کر بولا۔

''اوہو..... میں نے تو یونہی کہہ دی تھی یہ بات۔''

''اچھا تو دیکھو.....!'' قاسم نے رکاب میں پاؤں رکھ کر گھوڑے پر چڑھنے کی کوشش کی ''ڑام سے دوسری طرف الٹ گیا۔ سچ مچ رکاب کا تسمہ ٹوٹ گیا تھا۔

وہ گرا..... سر میں چوٹ آئی۔ لیکن یہ سب کچھ خاموشی سے نہ صرف برداشت کر گیا بلکہ

اتنی دیر تک انگریزی میں چلتی رہنے والی کھوپڑی میں فوری طور پر ایک شرارت کو بھی جنم بیٹھا۔

دانت سختی سے بھینچ لئے..... آنکھیں تو بند ہی تھیں..... نلنی پہلے تو ہنسی تھی لیکن بے حس و حرکت پڑا ہی رہا تو بوکھلا کر گھوڑے سے اُتر آئی۔

قریب پہنچ کر اسے آوازیں دینے لگی۔ جب اس سے بھی کچھ نہ ہوا تو بیٹھ کر جھنجھوڑنے لگی۔

قاسم کی ذہنی رو بہک چکی تھی۔ اگر وہی فر فر انگریزی والا ذہن قائم رہا ہوتا تو کبھی ہنسی آ چکی ہوتی۔

جب اسے ہوش میں لانے کے سارے جتن کر کے تھک ہار چکی تو بڑبڑانے لگی۔ "کیا کروں..... آس پاس کوئی اور بھی نہیں دکھائی دیتا کہ اسی سے مدد مانگوں۔"

قاسم دم سادھے پڑا رہا۔ کبھی کبھی ایک آدھ گہری سانس لیتا تھا۔

دفعتاً اس نے قدموں کی چاپ سنی اور پھر کسی کو کہتے سنا۔ "کیا بات ہے؟"

لہجے سے یہ مردانہ آواز بھی غیر ملکی سی تھی۔

"اوہ..... مسٹر میتھوز..... یہ گھوڑے سے گر کر بے ہوش ہو گیا ہے۔"

اس نے نلنی کی آواز سنی۔

پھر وہ آنے والے کو اس کے گرنے کی تفصیل بتانے لگی تھی۔ دونوں کے انداز گفتگو سے قاسم جیسے کوڑھ مغز کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ دونوں ایک دوسرے کیلئے اجنبی نہیں ہیں۔

اس نے مرد کو کہتے سنا..... "کوئی بات نہیں۔ تم گھوڑے چھوڑ دو..... تھوڑی دیر بعد یہاں ایک جیپ پہنچ جائے گی۔"

"یہ میرے بس سے باہر ہے کہ ان دونوں گھوڑوں کو ان کے مستقر تک پہنچا سکوں۔" نلنی بولی۔

"اچھی بات ہے..... تم یہیں ٹھہرو! میں خود لئے جا رہا ہوں۔"

قاسم نے دل میں کہا۔ "تمہارا بہت بہت شکریہ بیٹا..... جیپ بھجوا دو گے تو اور شکریہ ادا کروں گا۔"

پھر اچانک اس کے ذہن پر جمی ہوئی برف پگھلنے لگی..... ہائیں ایک مرد ایک عورت

ساتھ بھیج رہا ہے..... کوئی چکر ضرور ہے۔

پھر اسے اپنی موجودہ حیثیت یاد آئی۔ وہ لوگ یاد آ گئے جنہوں نے پروفیسر ابدالی کو مار اور رافعہ ابدالی ان سے انتقام لینے کے لئے کرنل فریدی سے تعاون کر رہی تھی۔

فریدی کی ایک اسکیم کے تحت ہی تو ان دونوں نے اس ہوٹل میں قیام کیا تھا۔ کہیں یہ معاملہ نہ ہو..... وہی لوگ نہ ہوں۔

اس سے پہلے بھی تو کئی بار قاسم ایسے حادثات کا شکار ہو چکا تھا۔ حمید کی دوستی کی بناء پر کئی ہی بار اُسے عجیب عجیب جہانوں کی سیر کرنی پڑی تھی۔ نہ جانے کتنے واقعات خود اس ذہن سے محو ہو چکے تھے۔

تو پھر یہ لڑکی اسے کہاں لے جانا چاہتی ہے؟ ٹھینگے سے..... دیکھا جائے گا لڑکی ہی تو ہے..... کوئی شیر ببر نہیں۔

وہ بدستور آنکھیں بند کئے پڑا سوچتا رہا۔ اس دوران میں اس نے دونوں گھوڑوں اور نلنی کے رخصت ہو جانے کی آوازیں بھی سنی تھیں۔

نلنی پھر اُسے جھنجھوڑ کر آوازیں دینے لگی اور اس بار اس نے آنکھیں کھول ہی دیں کیونکہ اسے یک بیک وہ لنچ بکس یاد آ گئے تھے جو اس نے گھوڑے کی زین سے لٹکے تھیلے میں بڑی احتیاط سے رکھ دیئے تھے۔ کہیں وہ بھی نہ چلے گئے ہوں۔ گھوڑوں کے اتنی دور پیدل چلنے سے اسے کسی قدر بھوک لگ آئی تھی۔

"کیا بات ہے..... تم [illegible]" نلنی نے جھک کر مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

"گھوڑے کہاں ہیں..... میرا گھوڑا" قاسم اٹھنے کی کوشش کرتا ہوا۔

"گھوڑے گئے..... ان کی جگہ جیپ آئے گی۔"

"اور..... اور..... وہ لنچ بکس.....!"

"مجھے نہیں معلوم تم نے کہاں رکھے تھے۔"

"میرے والے گھوڑے کے تھیلے میں۔"

نلنی ہنس پڑی..... ہنستی رہی اور قاسم جھلا کر بولا۔ "میرا مذاق کیوں اڑا رہی ہو۔"

"اب تم کیا کھاؤ گے؟"

''مجھے کھانے پینے کے معاملہ میں مذاق بالکل پسند نہیں اور جیسا چاہو مذاق کرو۔''

''بھئی مذاق نہیں..... تمہاری بے ہوشی کی وجہ سے اتنی پریشان ہوگئی تھی کہ.....''

''بس بس.....!'' قاسم ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''میں مر بھی جاؤں تو کسی کو پریشانی نہیں ہوسکتی۔ زیادہ بے وقوف بنانے کی کوشش نہ کرو۔''

''واقعی تم بہت بدنصیب ہو۔ تمہیں میرے خلوص پر یقین نہیں ہے۔''

''خلوص سالا پیٹ نہیں بھرتا۔''

''سالا کیا.....؟''

''ہوگا کچھ..... ٹھینگے سے۔''

''اپنی زبان کے الفاظ کم از کم استعمال کرو۔ مجھے سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے۔ ٹھینگا کیا؟''

قاسم نے انگوٹھا دکھایا وہ حیرت سے پلکیں جھپکاتی رہی۔

اتنے میں وہاں ایک جیپ آ پہنچی جسے کوئی مقامی آدمی ڈرائیو کر رہا تھا۔ جیپ کو کراس کر کے اس کی کنجی ٹلنی کے حوالے کی اور پیدل واپس چلا گیا۔

''تمہیں ڈرائیونگ تو آتی ہی ہوگی۔'' ٹلنی نے کہا اور آگے بڑھ کر جیپ کی اگلی نشست پر نظر ڈالتی ہوئی بولی۔ ''خوش ہو جاؤ..... تمہارے لنچ بکس جیپ میں موجود ہیں۔''

''ہاں ہاں! میں ڈرائیو کر سکتا ہوں۔'' قاسم خوش ہو کر اٹھتا ہوا بولا۔

کچھ دیر بعد وہ ٹلنی کی راہنمائی میں جیپ کو اونچے نیچے راستوں پر لئے جا رہا تھا۔

آدھے گھنٹے بعد وہ ایک بالکل سنسان جگہ پر جا پہنچے۔ قاسم نے اس کی ہدایت پر جیپ روکی اور بے ساختہ لنچ بکس کی طرف ہاتھ بڑھا ہی تھا کہ اس کے کان کے قریب جانے پہچانے قہقہہ گونج کر رہ گیا۔

قاسم کے پیروں تلے زمین نہیں تھی۔ اس لئے کیپٹن حمید کی شکل دیکھ کر جیپ ہوا میں تیرتی محسوس ہونے لگی۔

ہلکی گالی

قاسم کبھی حیرت سے حمید کو دیکھتا تھا اور کبھی بوکھلا کر ٹلنی کو دیکھنے لگتا تھا۔

یکایک حمید جھک کر آہستہ سے اس کے کان میں بولا۔ ''میرے ساتھ اس سے بھی زیادہ بدصورت لڑکی ہے۔ تم بالکل پرواہ نہ کرو..... ہم دونوں بہت بھوکے ہیں..... کچھ کھانے کو ہو.....!''

''کہاں ہے لڑکی.....!'' قاسم اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول پڑا۔

''ادھر..... اس غار میں۔'' حمید بائیں جانب ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''دیکھے بغیر یقین نہیں کر سکتا۔ جاؤ..... جرور..... باہر لاؤ.....!''

حمید غار کے دہانے کی طرف لپکا۔

''یہ کون تھا کیا کہہ رہا تھا۔'' ٹلنی نے پوچھا۔

''کھانا مانگ رہا تھا..... بھوکا.....!''

''پھر تم نے کیا کہا۔''

''اپنی 'اس' کو لینے گیا ہے۔''

''اس کو سے کیا مطلب.....؟''

''تم سے کیا مطلب.....؟'' قاسم جھنجھلا گیا۔

''میں ٹلنی ہوں.....!''

''وہ بھی ہوگی کوئی..... میں نام نہیں جانتا۔''

''اوہو..... تو اس کے ساتھ کوئی عورت ہے۔''

''میں دیکھے بغیر یقین نہیں کر سکتا۔''

''کیا تم دونوں ایک دوسرے سے واقف ہو۔''

''بدقسمتی سے۔'' قاسم نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''آخر تم بور کیوں ہو رہے ہو.....؟''

''ان دونوں کے لئے کھانا کہاں سے مہیا کروں گا۔''

''ایسی گھٹیا باتیں نہ کرو..... میں اپنا لنچ بکس انہیں دے دوں گی۔''

قاسم ٹھنڈی سانس لے کر بڑبڑایا۔''یہ تو ہونا ہی ہے۔''

''تم اس سالے کے لئے پاگل ہو جاؤ گی..... حمید پمید ٹمید..... خدا کا رت قسم

''کیا بڑبڑا رہے ہو۔''

''اپنی ایسی کی تیسی.....!''

''انگریزی میں کہو۔''

اس پر قاسم جھلا کر اردو ہی میں انگریزی کی والدہ محترمہ کی شان میں گستاخی کر بیٹھا۔

''پتہ نہیں کیا کہہ رہے ہو تم.....!''

قاسم نے سختی سے ہونٹ بھینچ لئے اور غار کے دہانے کی طرف دیکھتا رہا۔ اتنے میں

لڑکی سمیت برآمد ہوا۔

''اوہو..... کتنی خوبصورت لڑکی ہے۔''نلنی بولی۔

''ہاں ہے تو.....؟'' قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''میں ضرور ان کی مدد کروں گی۔''

''تم کچھ مت کرنا..... سب کچھ مجھے کرنے دینا..... وہ تمہاری آواز بھی نہ سنے تو بہتر ہے

''آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو۔''

''اگر تمہاری آواز اس لڑکی کی آواز سے زیادہ سریلی ہوئی تو میں کیا کروں گا۔''

''پتہ نہیں کیا بک رہے ہو..... اچھا خاموش رہو..... وہ قریب آ گئے ہیں۔''

حمید قریب پہنچ کر رک گیا اس کی ساتھی اس کے پیچھے تھی۔

''یہ ریما ہے۔'' حمید نے قاسم سے کہا۔

''بڑی شوخ..... خوشی ہوئی۔''

ریما سر جھکائے کھڑی رہی۔ نلنی اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

''کیا اس لڑکی کے ساتھ کوئی بدسلوکی ہوئی ہے۔'' دفعتاً اس نے قاسم سے پوچھا۔

''نہیں محترمہ..... اس کی شکل ہی ایسی ہے۔'' حمید بول پڑا۔

اس پر بھی ریما نے کسی سے نظر نہ ملائی۔

قاسم نے نلنی سے کہا۔''کھانا دینا ہے تو دے دو..... فضول باتوں سے کیا فائدہ۔''

نلنی نے اپنا لنچ بکس اٹھا کر حمید کی طرف بڑھا دیا۔

''بہت بہت شکریہ..... اے نیک دل خاتون۔''

''زیادہ باتیں نہ بناؤ..... جا قرز ہر مار کرو۔''

حمید جیپ کی پچھلی سیٹ کی طرف بڑھا ہی تھا کہ قاسم دہاڑا۔

''خبردار..... دور کی صاحب سلامت رکھنا چاہتا ہوں..... بس.....!''

حمید رک کر ریما کی طرف مڑا اور مسکرا کر بولا۔''ریما سوئیٹ! یہ میرا وہی پیارا دوست

جس کا ذکر میں نے تم سے کیا تھا۔''

''اچھا.....!'' ریما نے سر اٹھا کر قاسم کی طرف دیکھا جس کا چہرہ جذباتی کشمکش کی بناء

پر زیادہ مضحکہ خیز نظر آنے لگا تھا۔

''آؤ پچھلی سیٹ پر آ جاؤ۔'' حمید نے ریما کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔

قاسم چوکڑی بھول چکا تھا۔ ریما کی مسکراہٹ ایسی ہی تھی۔

وہ کچھ نہ بولا۔ ریما اور حمید پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ نلنی نے ان سے پوچھا۔''کیا ان کی

ٹانگ خراب ہو گئی ہے۔''

''پچھلی رات کوئی ہمارے گھوڑے چرا لے گیا۔'' حمید نے جواب دیا۔

''گھوڑوں پر کیا مرنے آئے تھے۔'' قاسم نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

''ہم بدھ یادگاریں تلاش کر رہے تھے۔ میری ساتھی ماموزیل ریما بدھ مت پر اتھارٹی ہیں۔''

''اوہو.....!'' نلنی نے دلچسپی کا اظہار کیا اور شوخ نظروں سے ریما کو دیکھتی رہی۔

حمید نے لنچ بکس کھولا اور ریما کو بھی کھانے کا اشارہ کر کے ایک سینڈوچ اٹھا لیا۔

قاسم اردو میں بڑبڑا رہا تھا۔''سالے بھوتوں کی طرح چمٹ گئے ہیں۔ لانت ہے ایسی

زندگی..... کہاں چلا جاؤں قہاں مر جاؤں۔''

''لڑکی زوردار ہے پیارے۔'' حمید نے بھی اردو ہی میں کہا۔

''خبردار!'' قاسم مڑ کر غرایا۔''ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکلے..... زوردار سے بھی تو

ابے تیرے باپ کا قیا۔"

"کیا تمہیں کسی بات پر غصہ آ گیا ہے۔" نلنی نے اس کا شانہ تھپک کر کہا۔ "ہو
کہ تم اپنا لنچ بکس کھول لو۔"

"اس آدمی سے بچ کر رہنا..... خطرناک ہے۔" قاسم اس کی طرف جھک کر
سے بولا۔ "بہت خطرناک..... بہت کمینہ۔"

"ہوگا ہمیں کیا.....؟" نلنی بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

"ابے کیوں شامت آئی ہے۔" حمید نے قاسم کو مخاطب کیا۔

"ابے تجھ سے بات نہ کرنا۔"

"کیا اردو سمجھتی ہے۔"

"سمجھتی ہوتی تو میں تمہارا گلا نہ گھونٹ دیتا۔"

"چپاتی بیگم.....؟"

"نہیں چلے گی..... میں اسے بتا چکا ہوں..... چپاتی بیگم ہونہہ۔"

"خود ہی کیوں بتا دیا۔ کچھ میرے لئے بھی تو چھوڑا کرو۔"

"قرنل صاحب سے میری ملاکات ہو چکی ہے..... میں جانتا تھا کہ تم سے بھی کہیں
کہیں جرور ملاقات ہوگی..... اس لئے بتا دیا..... اب دیکھتا ہوں تمہاری قیسے چلتی ہے۔"

"وہ کہاں ہیں.....!"

"ہوں غے کہیں..... قیا میں کسی کے باپ کا نوکر ہوں کہ ہر بات بتاتا پھروں۔"

دفعتاً نلنی بولی۔ "جب تم دونوں ہی انگریزی میں گفتگو کر سکتے ہو تو پھر دوسروں کو اُ
میں مبتلا کرنے سے کیا فائدہ۔"

"کوئی خاص بات نہیں محترمہ..... بس یونہی رسمی سی باتیں تھیں۔" حمید نے بڑی
سے کہا۔

"لیکن قاسم تو غصے میں معلوم ہوتے ہیں۔"

"اس نسل کا عام حالات میں بھی غراتا رہتا ہے۔"

"دیکھو..... دیکھو..... جبان سنبھالو..... تم خود کتے ہو گے سالے غرانے والے۔"

"تو پھر میں سب کچھ اسے بتا دوں۔"

"جرور بتاؤ.....!"

لیکن حمید صرف پیٹ بھرنے میں مشغول رہا۔ ریما تو بالکل ہی خاموش تھی۔ ایسا معلوم
جیسے اس کے لئے یہ آوازیں کوئی معنی نہ رکھتی ہوں۔ چہرے پر کچھ عجیب سا تاثر تھا۔
خلقی تو صرف ایسے ہی چہروں پر ہوتی ہے جو ذہن سے کٹ گئے ہوں۔

نچ بکس خالی ہو چکا تھا۔ حمید نے اسے باہر پھینک دیا۔ پھر قاسم سے پوچھا۔ "کچھ کافی
ہے۔"

"کیا تم میرے مہمان ہو..... جہنم میں جاؤ میری طرف سے..... کافی پئیں گے
جان جلاتے ہیں۔"

پر حمید نے یہی سوال نلنی سے کیا اور وہ ہنس پڑی۔ کچھ دیر ہنستے رہنے کے بعد بولی۔
ے دوست کو کھانے کے علاوہ اور کسی چیز کی پرواہ نہیں۔ پینے کو کچھ ملے یا نہ ملے۔"

"آثار قدیمہ میں سے ہے۔"

"تم خود ہو آثار قدیمہ سالے پھٹیچر.....!" قاسم دہاڑا۔

"پھٹیچر کیا.....؟" نلنی نے ٹوکا۔

"میں پھٹیچر کی انگریزی نہیں جانتا۔" قاسم لہجے کی تبدیلی کے بغیر بولا اور حمید بے
ہنس پڑا۔ نلنی بھی ہنس رہی تھی۔

"میں ان سے کہتی ہوں ایسے الفاظ تمہاری زبان سے نکلیں ہی کیوں جن کی انگریزی
معلوم نہ ہو۔" نلنی نے ہنسی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"تمام ہے۔" حمید بولا۔

"تمام کیا.....!"

نلنی کے کچھ کہنے سے پہلے ہی قاسم گاڑی سے اُتر کر اسے بھی نیچے کھینچ لینے کیلئے جھپٹا۔
ریما چونک کر اسے گھورنے لگی تھی۔ جیسے ہی دونوں کی نظریں ملیں قاسم کا آگے بڑھتا
رک گیا۔

"تم کیسے آدمی ہو۔" ریما بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "مصیبت زدگان سے اظہار

ہمدردی کی بجائے لڑمرنے پر آمادہ ہو۔"

"یہ..... یہ..... یہ بھی۔" قاسم ہکلا کر رہ گیا۔

"تمہیں چاہئے کہ ہم کو شہر تک پہنچا دو..... ہمیشہ احسان مند رہیں گے۔"

"آپ مم..... میری بات بھی تو سنئے۔" قاسم نے کھسیانے انداز میں کہا۔ "یہ پرانے دوستوں میں سے ہے۔ کبھی کبھی ہمارے درمیان جنگ بھی ہو جاتی ہے۔"

"اس وقت تو ہمیں ہمدردی ہی کا مستحق سمجھو۔"

"جی ہاں..... جی ہاں.....!" قاسم بوکھلا کر رہ گیا اور پھر اپنی جگہ پر جا بیٹھا۔

پھر ریما نے نلنی سے کہا۔ "اگر ہم جلد ہی شہر نہ پہنچے تو میری حالت خراب ہو جائے گی۔ سینے میں درد محسوس کر رہی ہوں۔"

"تم فکر نہ کرو..... ہم آج کی تفریح کل پر اٹھا رکھیں گے۔" نلنی نے جلدی سے کہا۔ پھر اس نے قاسم سے واپسی کے لئے کہا۔

"اللہ کی مرجی۔" اس نے اردو میں ٹھنڈی سانس لی۔

حمید اب خاموش ہو گیا تھا۔ قاسم نے انجن اسٹارٹ کیا اور جیپ حرکت میں آ گئی۔

"لیکن ہمارے پاس تو کچھ ہے نہیں۔ ہم جائیں گے کہاں۔" ریما آہستہ سے حمید کے کان میں بولی۔

"دیکھا جائے گا۔"

"مجھے الجھن ہو رہی ہے۔ اتنی بے بسی میں نے کبھی نہیں محسوس کی۔"

"بے بسی کا نام نہ لو میرے سامنے۔" حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ "مجھے اس لفظ سے نفرت ہے۔"

دفعتاً قاسم نے ایک گندی سی گالی کے ساتھ بریک لگائے۔ جیپ رک گئی۔ حمید نے چونک کر دیکھا۔ ایک آدمی جیپ کے سامنے دونوں ہاتھ اٹھائے کھڑا تھا۔

"کیپٹن حمید پلیز.....!" اس نے اونچی آواز میں کہا۔

"کیا بات ہے..... تم کون ہو۔" حمید جیپ سے اتر کر اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"میرے ساتھ آیئے۔" اجنبی نے دوسری طرف مڑتے ہوئے کہا۔ "آپ کیلئے پیغام ہے۔"

پھر قاسم نے انہیں ایک چٹان کے پیچھے غائب ہوتے دیکھا۔

"ان لوگوں سے اسی لئے مجھے الجھن ہوتی ہے۔" اس نے نلنی سے کہا۔

"کن لوگوں سے؟"

"ارے سالے سرکاری جاسوس ہیں۔ قدم قدم پر چار سو بیس۔ پتہ نہیں یہ کون اُلو کا پٹھا تھا۔"

"اُلو کا پٹھا کیا.....!"

قاسم دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پیٹ کر بولا۔ "میں اُلو کے پٹھے کی انگریزی نہیں جانتا۔"

"خدا تم پر رحم کرے۔" نلنی ہنس پڑی۔

"مجھے خوف معلوم ہو رہا ہے۔" ریما کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی اور نلنی کو سنجیدگی اختیار کر اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

قاسم بھی مڑ کر اسے غور سے دیکھنے لگا تھا۔ اس کے چہرے پر اسے کچھ ایسی بے چارگی کہ خود بھی اپنی آنکھوں میں غم کا تاثر پیدا کرنے بیٹھ گیا۔ پھر بولا۔ "تم فکر نہ کرو یہ ل فریدی کا اسسٹنٹ ہے۔ مار پیٹ میں کسی سے پیچھے نہیں رہے گا۔"

"کرنل فریدی کون ہے۔" نلنی نے آہستہ سے پوچھا۔

"بہت خطرناک آدمی ہے..... ہزاروں کا تنہا مقابلہ کر سکتا ہے۔ مجھ جیسے دیو کی بھی لڑ دے۔"

"میں نے آج تک کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا۔ صرف کہانیوں میں ایسے کرداروں کے پڑھتی رہتی ہوں۔ یقین نہیں آتا۔"

"میں تمہیں دکھا دوں گا۔ دنیا کے بہت بڑے بڑے مجرم اس کے نام سے کانپتے ہیں۔"

"حمید کہاں رہ گیا..... اتنی دیر کیوں ہوئی..... میں بھی جا رہی ہوں۔" ریما مضطربانہ بولی۔

"آ جائے گا..... آ جائے گا..... وہ تمہیں چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا..... اس کا باپ کہے۔" قاسم اسے دلاسہ دینے لگا۔

"اور اگر تمہارا باپ کہے کہ مجھے چھوڑ دو تو.....!" نلنی نے مسکرا کر پوچھا۔

"کہہ کر تو دیکھے۔ میں کسی کنوئیں میں چھلانگ لگا دوں گا۔"

''اس طرح میں تنہا رہ جاؤں گی۔''

''ہاں یہ تو ہے۔'' قاسم متفکرانہ لہجے میں بولا۔ ''اچھا تو پھر میں تمہارے ساتھ ہو جاؤں گا۔''

''آخر تم اپنے باپ سے اتنا کیوں ڈرتے ہو۔''

''اس لئے کہ اسے انگریزی نہیں آتی۔ جو کچھ بھی کہنا ہوتا ہے اردو میں کہتا ہے اور کی بعض گالیاں اگر پتھر پر بھی رکھ دی جائیں تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔''

''گالیاں دیتا ہے تمہیں۔''

''اردو میں.....!'' قاسم ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''مجھے بھی سکھا دو اردو کی گالیاں۔''

''ارے جاؤ..... تم سے تو بنیں گی بھی نہیں۔''

''تم بتاؤ بھی تو.....!''

''نہیں..... مجھے شرم آتی ہے۔''

''اب تو سکھانی ہی پڑیں گی..... ورنہ دوستی ختم۔''

''ارے ارے..... نہیں اچھا..... ایک ہلکی قسم کی گالی بتاتا ہوں..... تم شائد ادا کر سکو..... حرام زادہ۔''

''حرام زادہ..... حرام زادہ..... حرام زادہ۔'' وہ رٹتی رہی اور قاسم ہی ہی کرتا رہا پھر وہ حرام زادہ کا مطلب پوچھ بیٹھی۔

''اور اس کا محل استعمال بھی بتاؤ۔'' نلنی نے کہا۔

''جہاں چاہو استعمال کر ڈالو..... کوئی پابندی نہیں۔''

''قاسم حرامزادہ۔''

''دیکھو دیکھو..... یہ ٹھیک نہیں..... واہ وا..... مجھے ہی کہہ دیا۔''

''صوتی اعتبار سے یہ گالی مجھے اچھی لگی ہے..... لہٰذا میں پیار سے تمہیں حرامزادہ کروں گی۔''

''اچھا اچھا کہہ لینا..... لیکن اکیلے میں۔''

''میں اردو نہیں سمجھتی پیارے حرام زادہ۔''

''ہی ہی ہی ہی..... نہیں..... دیکھو یہ نہیں۔''

''تو پھر حرام زادہ کے معنی بتاؤ۔''

''مجھے حرام زادہ کی انگریزی نہیں معلوم.....!'' قاسم بھنا کر بولا۔

''اچھا حرامزادہ۔''

''دیکھو حمید کے سامنے مجھے حرام زادہ نہ کہنا..... اکیلے میں کوئی حرج نہیں۔''

''تم نے تو کہا تھا یہ ہلکی قسم کی گالی ہے۔''

''اس سے کیا ہوتا ہے..... تم تو بہت پریشان کرتی ہو۔'' قاسم نے نخریلے پن سے لچکنے جنبش کرتے ہوئے کہا۔ لیکن پھر اسے فوری طور پر سنبھل جانا پڑا۔ حمید چٹان کی اوٹ سے برآمد ہوا تھا اور تیزی سے جیپ کی طرف بڑھتا آ رہا تھا۔

جب وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا تو نلنی قاسم کے شانے پر ہاتھ مار کر بولی۔ ''چلو حرامزادہ۔''

''کیا مطلب..... ابے میں کیا سن رہا ہوں۔'' حمید نے قاسم کی پشت پر ہاتھ مار کر کہا قاسم ڈھٹائی سے ہنس کر بولا۔ ''مجھ سے محبت کرتی ہے..... سب چلتا ہے۔''

''تو تم محبت میں حرامزادہ ہو۔''

''کتے کا پلا بھی ہوں..... تم سے مطلب۔'' قاسم جھلا گیا۔

''اس باپ کو تو تم چھوڑ چکے۔ اب مجھ سے مطلب نہ ہوگا تو پھر کس سے ہوگا۔''

''بس آپ بقواس بند کیجئے..... ورنہ میں تو صرف ان کھاتون کی وجہ سے خاموش ہوں کبھی کا آپ کو دھکا دے چکا ہوتا۔''

''اچھا..... اچھا بڑے بھائی!'' حمید جلدی سے بول پڑا۔ ''میں آپ کا بہت احترام کرتا ہوں۔ جلدی سے مجھے شہر پہنچا دیجئے۔''

''تو کیا شہر چلیں۔'' قاسم نے نلنی سے پوچھا۔

''ہاں تفریح کل ہوگی..... آج یہی ضروری ہے۔''

''جیسی تمہاری مرضی۔'' قاسم نے بڑے پیار سے کہا۔

جیپ اونچے نیچے راستے پر ہچکولے کھاتی آگے بڑھتی رہی..... حمید نے بالکل خاموشی

اختیار کرلی تھی اور ریما اس کے شانے سے سر ٹکائے خلاء میں گھورے جارہی تھی۔

بڑی دشوار گزار چٹانیں تھیں لیکن فریدی کسی پیشہ ور کوہ پیما کی طرح تیزی سے راستے طے کررہا تھا..... اس کے پیچھے واجد تھا۔ بار بار وہ رکتا اور پھر گرتا پڑتا چلنے لگتا۔

ایک جگہ رک کر فریدی اس کا انتظار کرنے لگا۔ وہ اس وقت میک اپ میں تھا اور واجد کے لئے اجنبی۔

اپنے مستقر سے روانگی سے پہلے اس نے واجد سے کہا تھا کہ وہ اس کے ایک خاص آدمی کے ساتھ ویران قلعے تک جائے اور پھر تھوڑی دیر بعد خود ہی اس خاص آدمی کے روپ میں اس کے ساتھ ہولیا تھا۔

واجد نے اس کے قریب پہنچ کر ہانپتے ہوئے کہا۔ ''بھائی..... میں تمہاری طرح عادی قسم کا راہرو نہیں ہوں..... ذرا آہستہ چلو۔''

''کیا تم تھک گئے ہو۔'' فریدی نے نرم لہجے میں پوچھا۔

''یقیناً.....!'' واجد بدستور جلدی جلدی سانسیں لیتا ہوا بولا۔ ''دل چاہتا ہے کچھ دیر بیٹھ کر دم لے لوں۔''

''ارے تو بیٹھ جاؤ..... تکلف کیا۔ چیف دراصل یہ چاہتا ہے کہ ایک بار تمہارے ساتھ بھی کوئی ویران قلعے تک جائے۔ کیوں چاہتا ہے اس کا علم مجھے بھی نہیں..... چلو بیٹھ جاؤ۔''

وہ دونوں بیٹھ گئے۔ واجد کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ ''کیا تم چیف کو پسند کرتے ہو۔''

''نوکری ٹھہری..... پسند یا ناپسند کا سوال ہی نہیں۔''

واجد پھر کچھ سوچنے لگا۔ فریدی بغور اس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے پوچھا۔ ''کیا تم نے کبھی نفرت نہیں محسوس کی۔''

''نفرت.....!'' فریدی کا لہجہ پُرتفکر تھا۔ ''ہاں اکثر جب وہ وجہ بتائے بغیر کوئی انوکھا حکم دے بیٹھتا ہے۔''

''تمہارا نام کیا ہے۔''

''محراب خان.....!''

''محراب خان..... تم بہت اچھے آدمی معلوم ہوتے ہو۔''

''پتہ نہیں۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ ''میں اس قسم کی رسمی گفتگو سے دلچسپی نہیں رکھتا۔''

''کیا تم کبھی چیف کو دھوکہ دے سکتے ہو۔''

''کیا ہے تمہارے دل میں۔'' دفعتاً فریدی ریوالور کے دستے پر ہاتھ رکھ کر غرایا۔ ''کیا لئے تمہیں میرے ساتھ بھیجا گیا ہے کہ تم میرے دل کا بھید لو۔''

''نہیں محراب خان۔'' واجد بڑی لجاجت سے بولا۔ ''ایسی کوئی بات نہیں۔ دراصل میں سے شدید ترین نفرت کرتا ہوں۔''

''تمہارا اپنا معاملہ ہے..... مجھے اس سے کیا۔''

''مجھے ایک ہمدرد چاہئے۔ یہاں سب میرے دشمن ہیں۔ حتیٰ کہ چیف بھی مجھ سے رت کرتا ہے کہ کسی وقت بھی گولی مار سکتا ہے۔'' واجد دردناک لہجے میں بولا۔

''آخر کیوں؟''

''میں نہیں جانتا..... لیکن نہیں..... میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ میری محبوبہ کا دشمن ہے۔ ہائے وہ چہرہ..... اس کی یاد قبر تک میرے ساتھ جائے گی۔ دھواں..... پیچ دار مہکتا ا..... دھواں..... اور وہ چہرہ۔''

وہ اس طرح اٹھ کر جھپٹا تھا جیسے کسی پر حملہ کرنا چاہتا ہو اور پھر ایک بڑے سے پتھر سے ٹکرا گیا تھا۔

فریدی خاموش بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔ واجد اس کی طرف مڑا۔ اس کے چہرے پر ندگی کے آثار تھے۔ ''ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ابھی جاگا ہو۔''

''چوٹ تو نہیں آئی۔'' فریدی نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

''نہیں بعض اوقات، یہ نفرت اتنی شدت اختیار کرتی ہے کہ میں خواب دیکھنے لگتا ہوں۔ اس چہرے کو تلاش کرتا ہوں لیکن وہ ہنس کر ٹال دیتا ہے..... آج بھی دیکھ لو..... خود ہوش نہیں آیا..... تمہیں بھیج دیا۔ میں نہیں جانا چاہتا..... جب وہ ساتھ ہوگا، تب ہی جاؤں

گا۔ کیا خیال ہے تمہارا۔"

فریدی اپنی آنکھوں میں فکرمندی کے آثار پیدا کر کے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

"بولو..... کیا تم مجھ پر اتنا کرم کرو گے۔" واجد نے سوال کیا۔

"کیا..... کچھ کہو بھی تو۔"

"یہیں سے واپس چلو..... اور کرنل سے کہہ دو کہ ہم ویران قلعے تک ہو آئے ہیں۔"

فریدی نے متفکرانہ انداز میں کہا۔ "اچھی بات ہے۔ میں تمہاری خواہش پوری کروں گا۔"

بُری خبر

حمید نے ریما سمیت اسی ہوٹل میں قیام کیا تھا جہاں قاسم اور رافعہ مقیم تھے۔ اس وقت ریما آتش دان کے قریب بیٹھی پُرتفکر انداز میں دہکتے ہوئے کوئلوں کو گھورے جا رہی تھی۔

حمید ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا اپنے بال درست کر رہا تھا۔

دفعتاً ریما اُٹھ کھڑی ہوئی اور حمید کے قریب پہنچ کر بولی۔ "تم مجھے بتاتے کیوں نہیں کہ وہ کون تھا۔"

"میرے چیف کا ایک ہرکارہ.....!"

"تمہارے چیف کا ہرکارہ.....!" ریما کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اگر وہ میرے چیف کا ہرکارہ نہ ہوتا تو اس وقت ہم ریگم بالا کی سڑکوں پر بھیک مانگتے پھر رہے ہوتے۔"

"مجھے حیرت ہے۔"

"کس بات پر۔"

"اگر تمہارا چیف اسی طرح تمہاری نگرانی کرا رہا ہے تو پھر.....!"

"ہاں..... ہاں..... کہو کیا کہنا چاہتی ہو۔"

"کچھ نہیں..... میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کہنا چاہ رہی ہوں۔ ذہن پر زور دیتی ہوں تو سر چکرانے لگتا ہے۔"

"اور میری عقل تختے میں اتر آئی ہے۔"

"تم آخر اتنے غصہ ور کیوں ہو گئے ہو۔" وہ روہانسی ہو کر بولی۔

"بس کیا بتاؤں! ان مردودوں نے تمہیں میرے لئے مصیبت بنا کر رکھ دیا ہے۔ بالکل ماں کے سے لہجے میں گفتگو کرنے لگی ہو۔"

"کیا مطلب.....؟ کن لوگوں کی بات کر رہے ہو۔"

"تمہارے ساتھیوں کی..... انہوں نے ہپناٹائز کر کے تمہاری شخصیت ہی بدل کر رکھ دی ہے۔ اب میں تمہارے شہد لگا کر چاٹوں یا ردی کی ٹوکری میں پھینک دوں۔"

"بے وفاؤں کی سی گفتگو نہ کرو۔" وہ رو پڑی اور حمید اسے روتا چھوڑ کر وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا۔

رات کے آٹھ بجے تھے۔ ڈائننگ ہال میں زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔ قاسم ایک میز کے پاس تنہا نظر آیا۔ حمید کو دیکھ کر اس نے بُرا سا منہ بنایا تھا۔ لیکن کچھ کہہ نہ سکا۔ حمید بھی کچھ نہ بولا۔ چپ چاپ کرسی کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"جی..... فرمایئے.....!" قاسم نے زہریلے انداز میں دیکھتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

"وہ کہاں گئی۔"

"آپ سے مطلب.....!"

"بڑے پیارے لہجے میں حرام زادہ کہتی ہے۔"

"جی پھر آپ بھی سکھا دیجئے اپنی کٹو کو۔"

"وہ تو میری اتالیق ہے۔"

"اتالیق نہیں تو بتاشہ ہے۔"

"کیا پی رکھی ہے تم نے۔"

"بور نہ کرو مجھے..... یہاں سے چلے جاؤ.....!" قاسم ہاتھ ہلا کر بولا۔

"سنا ہے تم نے کسی مریضہ کی ملازمت بھی اختیار کر رکھی ہے۔"

"جی میں نے سب کچھ کر رکھی ہے..... پھر آپ سے مطلب۔"

"ابے ہوش میں ہے یا نہیں۔"

"دیکھو..... جبان سنبھال کے۔"

"آخر غرور کس بات کا ہو گیا ہے تمہیں..... پل بھر میں روسیاہی نصیب ہو گی ا
فکر نہیں کہ تم خود ہی اس پر سب کچھ ظاہر کر چکے ہو..... اور بھی راستے ہیں۔ چٹانوں
ٹکراتے پھرو گے۔"

قاسم تھوک نگل کر رہ گیا۔ آہستہ آہستہ اس کے چہرے پر بے بسی کے آثار ا
آ رہے تھے۔ لیکن وہ سختی سے ہونٹ پر ہونٹ جمائے بیٹھا رہا۔

اتنے میں ریما دکھائی دی۔ تیر کی طرح اس میز کی طرف آئی تھی۔

"کیا ہے۔" حمید نے جھلا کر پوچھا۔

"مجھے تنہائی سے ہول آتا ہے۔"

"بالکل بالکل.....!" حمید سے پہلے قاسم بول پڑا۔

حمید خاموش رہا۔ نہ صرف خاموش رہا بلکہ دوسری طرف منہ پھیر کر بیٹھ گیا۔

دفعتاً قاسم کی آنکھوں سے شرارت آمیز چمک لہرائی اور اس نے ریما سے کہا۔ "
برے آدمی کو چاہنے لگی ہو تم۔"

حمید کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نظر آئی۔ لیکن وہ اسے بھی گھونٹ گیا۔

ریما متحیرانہ انداز میں قاسم کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

"میں غلط نہیں کہہ رہا۔ درجنوں عورتیں اسکے پیچھے برباد ہو چکی ہیں۔ اچھا آدمی نہیں ہے۔"

"شٹ اپ.....!" ریما اتنے زور سے چیخی کہ پورا ہال گونج اٹھا۔ لوگ چونک کر ان
طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

قاسم کے منہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور اس نے بوکھلا کر حمید کی طرف دیکھا۔

"چلو..... چلو..... تم بہت زدو رنج ہو گئی ہو۔ یہ بالکل احمق آدمی ہے۔ میرا دوست
ہے معاف کر دو۔"

"اسے تم دوست کہتے ہو..... جو تمہیں برا کہہ رہا تھا۔"

"اسے تو اس کی گرل فرینڈ بھی حرام زادہ کہہ رہی تھی۔"

"حرام زادہ کیا.....؟"

"اس کے سامنے نہیں بتاؤں گا۔"

"بتا کر دیکھو..... توڑ مروڑ کر رکھ دوں گا۔"

"اب یہ کیا کہہ رہا ہے۔" ریما نے حمید سے پوچھا۔

"ختم کرو..... آؤ چلیں۔"

"کھتم کرو..... آؤ چلیں۔" قاسم منہ چڑا کر بولا۔ "سالے میری والی بھی ہوتی تو پتہ
چلتا۔ کھیر دیکھا جائے گا.....!"

"یہ جو کچھ کہہ رہا ہے اور اس کا لہجہ بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا۔" ریما پھر قاسم کو کھودنے
لگی اور وہ بُری طرح گڑبڑا گیا۔ پھر بدحواسی کے عالم میں اٹھا تھا اور رہائشی کمروں کی طرف
چل پڑا تھا۔

حمید ریما کو اپنے کمرے کی طرف لایا اور آہستہ سے بولا۔ "میرا خیال ہے کرنل اس
سے مل چکے ہیں۔ میں اس سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے اپنی اور تمہاری ذات کے علاوہ اور کسی چیز سے دلچسپی نہیں رہی۔" ریما نے بُرا سا
منہ بنا کر کہا۔

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ وہ پھر بول پڑی۔ "تمہارے پاس تو کچھ بھی نہیں تھا.....
تم اس ہوٹل کے اخراجات کیسے برداشت کرو گے۔"

"میرا چیف مجھ سے اتنا بے خبر نہیں ہے۔"

"کیا تم ذاتی طور پر اس سے ملے تھے۔"

"نہیں.....!"

"کیا تم ان سب لوگوں کو پہچانتے ہو جو اس کے لئے کام کر رہے ہیں۔"

"نہیں.....؟"

"تو پھر تم دھوکہ بھی کھا سکتے ہو۔"

"وہ کس طرح۔"

"کیا وہ آدمی تمہارا جانا پہچانا تھا جس سے چٹانوں میں ملاقات ہوئی تھی۔"

"نہیں.....!"

"پھر تم نے اس پر اعتماد کیوں کرلیا۔"

"ایک دوسرے کو پہچاننے کے لئے ہمارے پاس کچھ نشانیاں ہیں۔"

"دوسرے بھی ان نشانیوں سے آگاہ ہوسکتے ہیں..... کیا تمہیں زیرولینڈ والوں کی مخصوص نشانیوں کا علم نہیں۔"

"بڑی حد تک ہے۔"

"ہوسکتا ہے میرے ساتھیوں نے نیا جال بچھایا ہو۔"

"جہنم میں جائے۔" حمید جھلا کر بولا۔ "میں فی الحال اپنے ذہن کو الجھانا نہیں چاہتا۔ تم بھی سنجیدگی کو خیر باد کہو..... ورنہ.....!"

"ورنہ کیا ہوگا.....؟"

"کچھ بھی نہیں۔" حمید نہ جانے کیوں ڈھیلا پڑ گیا۔

"نہیں دھمکی دو کہ مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ گے..... کان کھول کر سن لو..... اگر تم نے ایسا کیا تو میں خودکشی کرلوں گی۔ لیکن خاموشی سے نہیں..... ملکی نظم ونسق کے کسی اعلیٰ ذمہ دار کو ایک خط بھی لکھ جاؤں گی..... تمہیں ذمہ دار ٹھہراؤں گی اپنی موت کا۔"

حمید دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیٹھ گیا۔ یہ کیسی مصیبت ہے۔ وہ سو فیصد سنجیدہ معلوم ہوتی تھی۔ ایسی کسی بلائے بے درماں سے آج تک سابقہ نہیں پڑا تھا۔

دفعتاً وہ اٹھتا ہوا بولا۔ "میں سمجھ گیا..... تم کیا کہنا چاہتی ہو۔"

"کیا سمجھ گئے۔"

"یہی کہ جن لوگوں نے تمہیں ہپنوٹائز کیا تھا وہ میرے چیف کے آدمی نہیں تھے۔ تمہاری ہی تنظیم سے تعلق رکھتے تھے۔"

"ہاں..... میں یہی کہنا چاہتی ہوں۔ مجھے تو ہوش ہی نہیں تھا۔ تمہارے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے تمہیں باور کرانے کی کوشش کی ہوگی کہ وہ تمہارے چیف کے آدمی ہیں اور انہوں نے مجھے ہپنوٹائز کر کے میری حقیقت معلوم کرلی ہے..... کہیں میں تمہیں

...کر نہیں دے رہی ہوں۔"

"ہاں..... میرا یہی خیال ہے۔"

"میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ تم اس پر یقین نہ کرو..... یہ خیال دل سے نکال دو کہ وہ ...رے چیف کے آدمی تھے۔ یہ ناممکن ہے کہ تمہارے چیف کی رسائی اس کنوئیں تک ...کے جہاں میں نے ہیلی کاپٹر اتارا تھا۔"

حمید سچ مچ سوچ میں پڑ گیا۔ قاسم کی جیپ رکوانے والے نے خود کو بلیک فورس کا آدمی ظاہر کر کے نہ صرف حمید کو بڑی رقم دی تھی بلکہ غار میں پیش آنے والے واقعات کا مقصد بھی ...تھا اور مقصد یہی تھا کہ ریما کو ہپنوٹائز کر کے اس کی اصلیت معلوم کی جائے۔ اس کے اس ...کی تصدیق کی جاسکے کہ وہ تنظیم سے بیزار ہو کر ان سے آملی ہے۔

حمید اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور کرتا رہا پھر کچھ دیر بعد بولا۔ "اگر تم کہتی ہو تو مانے لیتا ...لیکن اس کا مقصد؟ انہوں نے ایک بڑی رقم میرے حوالے کردی ہے۔ ہم دونوں عرصہ تک ...لارڈ اور لیڈی کی طرح زندگی بسر کرسکتے ہیں۔ ایڈلفی یہاں کا سب سے بڑا ہوٹل ہے۔"

"میں فوری طور پر مقصد نہیں بتا سکتی..... مگر ٹھہرو..... کیوں نہیں بتا سکتی۔"

وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔ حمید بغور اسے دیکھے جا رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ بولی۔ "اگر تمہارے چیف کو اس نئی سازش کا علم ہوگیا تو کیا ہوگا؟"

"کس سازش کی بات کر رہی ہو۔"

"کیا تم اونگھ رہے ہو۔ میں کہہ رہی تھی اگر تمہارے چیف کو علم ہوجائے کہ وہ لوگ اس ...پردے میں تمہارے قریب آنے کی کوشش کر رہے ہیں تو وہ کیا کرے گا۔"

"خدا جانے..... اس کے لئے کوئی بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی۔ ہوسکتا ہے ...میری شادی کی فکر ہو جائے یا وہ خود سوئٹزرلینڈ چلا جائے۔"

"سنجیدگی اختیار کرو کیپٹن حمید۔"

"میں سنجیدہ ہوں۔"

"کیا وہ تم سے قریب رہ کر ان لوگوں کی اس نئی سازش کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرے گا۔"

"ریما ڈیئر..... یقین کرو کہ اس کے متعلق یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ بعض

اوقات وہ انتہائی اہم نکتوں پر غور کرنا بھی غیر ضروری سمجھتا ہے اور کبھی کبھی یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بہت ہی معمولی چیزیں اس کے لئے بہت اہم بن گئی ہیں۔"

"کچھ بھی ہو محتاط رہو..... میں صرف یہی کہنا چاہتی ہوں۔"

"اب محتاط رہنے کا طریقہ بھی بتا دو۔"

"کسی پر یقین نہ کرو۔"

"کیا تمہاری ذات بھی اس میں شامل ہے۔"

"ہاں..... مجھ پر بھی یقین نہ کرو..... ہوسکتا ہے وہ میری ذہنیت بھی بدل دینے کی کوشش کریں..... ان کے وسائل لامحدود ہیں۔ سائنسی ترقی میں وہ ساری دنیا کو پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ چاند پر جا کر کنکر پتھر بٹور لانے سے بھی بہت آگے ہیں۔"

"کہیں اس دوران میں انہوں نے تمہاری برین واشنگ کر ہی نہ ڈالی ہو۔" حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"ابھی تک تو میں نے تمہارے خلاف کچھ نہیں سوچا لیکن آئندہ کے لئے محتاط رہنا چاہتی ہوں۔ تمہیں ہر طرح میری نگرانی کرنی چاہئے۔ مجھے کبھی تنہا نہ چھوڑو۔ ورنہ ہوسکتا ہے اس بار ان کا وار کاری ہو۔"

"لعنت میں چوبیس گھنٹے اس کمرے میں مقید رہوں۔"

"میں یہ تو نہیں کہتی۔ باہر جاؤ تو مجھے بھی ساتھ رکھو۔"

حمید نے طویل سانس لی اور کھوپڑی سہلانے لگا۔ ٹھیک اسی وقت دروازے پر کسی نے دستک دی۔

"کون ہے۔" حمید نے اونچی آواز میں پوچھا۔

"روم سروس سر.....!"

"کیا تم نے کوئی آرڈر دیا تھا۔" حمید نے ریما سے پوچھا۔

"نہیں تو.....!"

"میں نے بھی نہیں دیا تھا۔" حمید نے کہا اور اُٹھ کر دروازے کے قریب آیا۔

"کیا بات ہے.....!" اس نے بلند آواز میں پوچھا۔

"فون چیک کرنا ہے جناب..... آپ کی کال آئی تھی۔ آپریٹر کنکٹ نہیں کر سکا۔"

حمید نے بائیں ہاتھ سے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا۔ داہنا ہاتھ ریوالور کے دستے پر تھا۔ الیکٹریشن اندر داخل ہوا۔ اس کے جسم پر ہوٹل ہی کی وردی تھی۔ سیدھا فون کی طرف چلا گیا۔ اس نے تو شاید یہ تک دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی تھی کہ کمرے میں کتنے افراد تھے۔

فون کے قریب پہنچ کر اس نے تھیلے سے اوزار نکالے اور کام شروع کر دیا۔ حمید اور ریما خاموشی سے اسے دیکھے جا رہے تھے۔ دونوں کی آنکھوں میں ایک ہی سوال تھا۔

"کال کس کی ہوسکتی ہے؟"

فون ٹھیک کر کے مکینک نے آپریٹر سے گفتگو کی اور حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "ٹھیک ہے جناب۔"

اس کے چلے جانے کے بعد حمید اٹھ کر فون کے قریب آیا۔

"اوہو.....!" اس کی زبان سے بے ساختہ نکلا تھا۔

"کیا بات ہے۔" ریما بھی اٹھتی ہوئی بولی۔ لیکن اس کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی نورس کا کارڈ حمید کی جیب میں پہنچ چکا تھا۔

وہ ریما کی طرف مڑ کر بولا۔ "کیوں نہ میں آپریٹر سے معلوم کروں کہ کس کی کال تھی۔"

"ضروری نہیں کہ.....!" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

حمید نے ہوٹل کے ایکسچینج سے رجوع لا کر روم نمبر اکیس کی کسی کال کے بارے میں پوچھا۔

"جی ہاں کال تھی۔" دوسری طرف سے جواب ملا۔

"کوئی عورت تھی۔"

"جی نہیں مرد.....!"

"شکریہ.....!" حمید نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

"کیا عورتیں بھی ہیں تمہارے چیف کی پارٹی میں۔"

حمید جواب نہیں دے پایا تھا کہ فون کا بزر بول اٹھا۔

"ہیلو.....!" حمید ریسیور اٹھا کر بولا۔

''حمید صاحب۔'' دوسری طرف سے کسی عورت کی آواز آئی۔

''ہاں.....آں.....!''

''روم نمبر گیارہ میں آ جایئے.....پلیز.....!''

ساتھ ہی سلسلہ منقطع ہونے کی بھی آواز سنائی دی۔

''کون تھا.....؟''

''پتہ نہیں۔''

''کیا کہہ رہا تھا.....؟''

''کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔''

''تمہاری سمجھ میں نہیں آتا تو میری عقل پر اعتماد کرو۔''

''اچھی بات ہے۔ وہ کوئی عورت تھی اور اس نے روم نمبر گیارہ میں بلایا ہے۔''

''اوہو.....!''

''پھر عقل استعمال کرو اپنی..... بتاؤ کیا کروں۔''

''چلو.....!''

''چلو کا مطلب تو یہ ہوا کہ تم بھی ساتھ چلو گی۔''

''یقیناً.....تم مجھے تنہا نہیں چھوڑ سکتے۔''

حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ روم نمبر گیارہ میں رافعہ ابدالی کا قیام تھا۔ قاسم حمید اس کے متعلق سب کچھ بتا دینے کے بعد رازدارانہ لہجے میں بولا تھا۔ ''یار مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ قرنل صاحب پہ آشک ہوگئی ہے۔''

''تم سوچنے لگے۔'' حمید نے اسے ٹوکا۔

''مم.....میں کچھ نہیں.....اچھا چلو۔''

جیسے ہی حمید نے دروازہ کھولا کوئی اسے دھکا دیتا ہوا اندر گھس آیا۔

ریما کے حلق سے گھٹی گھٹی چیخ نکلی تھی اور قبل اس کے کہ حمید سنبھلتا آنے والے نے ان دونوں کو اپنے ریوالور سے کور کرتے ہوئے کہا۔

''اب کسی کی آواز نکلی تو فائر کر دوں گا۔ اپنے ہاتھ اٹھاؤ۔''

یہ کوئی مقامی آدمی تھا لیکن اس نے انہیں انگریزی میں مخاطب کیا تھا۔

حمید اور ریما نے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔ لیکن حمید کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار تھے۔

''تم دونوں ایک گھنٹے سے پہلے کمرے سے باہر نہیں نکلو گے۔'' اجنبی نے ریوالور کو جنبش دے کر کہا۔

''کیا تم اس بے ہودگی کا مقصد بتا سکو گے۔'' حمید غرایا۔

''تم رافعہ ابدالی سے نہیں مل سکتے۔''

''وہم ہے تمہارا کہ تم مجھے کسی کام سے روک دو گے۔''

''اچھا تو کوئی حرکت کر کے دیکھ لو، ریوالور میں لگا ہوا سائیلنسر تو تمہیں نظر آ ہی رہا ہوگا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ البتہ وہ اجنبی کو خونخوار نظروں سے گھورے جا رہا تھا۔ ریما کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ کبھی وہ سہمی ہوئی نظروں سے اجنبی کی طرف دیکھتی اور کبھی حمید کی طرف۔

دفعتاً باتھ روم کا دروازہ بہ آہستگی کھلا اور ایک آدمی دبے پاؤں باہر نکلا۔ اجنبی کی پشت اس کی طرف تھی۔

ریما کا سامنا بھی نہیں تھا۔ حمید اسے دیکھ چکا تھا۔ لیکن اسکی پوزیشن میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔

اچانک باتھ روم سے نکلنے والا اجنبی پر ٹوٹ پڑا.....ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا تھا۔ جس پر حمید نے چھلانگ لگائی۔

اب ریوالور خود اس کے ہاتھ میں تھا۔

ان دونوں میں زور آزمائی شروع ہو چکی تھی۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ غسل خانے سے برآمد ہونے والا حملہ آور اس کا کوئی حمایتی ہو سکتا ہے اور وہ اس دوران میں داخل ہوا ہوگا جب وہ دونوں ڈائننگ ہال میں تھے۔

دفعتاً حملہ آور نے ریوالور والے کو فرش پر گرا دیا۔

ریما جھپٹ کر حمید کے قریب پہنچی اور آہستہ سے پوچھا کہ دوسرا حملہ آور کون ہے۔

حمید اس کی بات کا جواب دیئے بغیر حملہ آور سے بولا۔ ''اسے دبائے رکھو۔ میں اس کے ہاتھ رسی سے باندھ دوں۔''

اس کے بعد اس نے ریوالور میز پر رکھ کر اپنی ٹائی کھولنی شروع کر دی تھی۔

پھر جو کچھ بھی ہوا اتنی برق رفتاری سے ہوا کہ حمید کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔

مغلوب کسی نہ کسی طرح حملہ آور کی گرفت سے نکل کر دروازے کی طرف جھپٹا تھا اور پھرتی سے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولتا ہوا باہر نکلا چلا گیا تھا۔

پھر حملہ آور بھی غائب..... وہ اس کے تعاقب میں گیا تھا۔

حمید اور ریما خاموش کھڑے احمقانہ انداز میں ایک دوسرے کو دیکھے جا رہے تھے۔

''یہ سب کیا تھا.....؟'' کچھ دیر بعد ریما نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

''جہاں تم..... وہاں میں..... بھلا کیا بتا سکوں گا۔''

''وہ..... وہ..... باتھ روم میں۔''

''ہاں وہ اسی وقت کمرے میں داخل ہوا ہوگا جب ہم دونوں ڈائننگ ہال میں تھے۔''

''ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ ریما پھر کچھ کہنے والی تھی کہ دروازہ دوبارہ کھلا اور حملہ آور اندر داخل ہوا۔

''مجھے افسوس ہے کیپٹن کہ وہ نکل گیا۔ کیا آپ کچھ دیر کیلئے مجھے وقت دے سکتے ہیں۔''

''ہاں..... ہاں.....!'' حمید اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

''تو پھر ذرا ڈائننگ ہال تک.....!''

''کیا کہہ رہا ہے۔'' ریما نے پوچھا۔

''ہم دونوں ذرا ڈائننگ ہال تک جا رہے ہیں۔''

''یہ ناممکن ہے۔ تم مجھے تنہا نہیں چھوڑ سکتے۔''

''کیا یہ خاتون اردو سمجھ سکتی ہیں۔'' حملہ آور نے حمید سے پوچھا۔

''نہیں.....!''

''تو پھر کہیں جانے کی ضرورت نہیں! ہم یہیں گفتگو کریں گے۔''

''جیسی تمہاری مرضی۔''

''میں رام گڑھ سے طلب کیا گیا ہوں..... جاوید سید کے نام سے یاد کیا جاتا ہوں۔''

''اوہ..... اچھا.....!''

''آپ لوگوں کی دیکھ بھال میرے سپرد ہے۔''

''رافعہ ابدالی نے مجھے اپنے کمرے میں بلایا تھا۔''

''اوہو..... تو وہ اس کی کال تھی۔''

''مجھے علم تھا کہ کوئی یہاں آ کر آپ لوگوں کو ڈسٹرب کرے گا۔''

''بہت باخبر معلوم ہوتے ہو۔''

''غلط نہ سمجھئے۔ ان کے کئی آدمی یہاں مقیم ہیں۔ میں نے ان کی گفتگو سنی تھی اور یقین ہے کہ رافعہ ابدالی کی وہ کال بھی دھوکا تھی۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ اس حرکت کا مقصد کیا تھا۔''

''تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ رافعہ کی طرف کال بھی انہی لوگوں نے کی تھی اور مجھے کمرے سے نکلنے سے باز بھی رکھنا چاہتے تھے۔''

''جی ہاں! میں یہی کہنا چاہتا ہوں۔ رافعہ میرے علاوہ اور کسی سے کسی قسم کا رابطہ نہیں رکھتی۔ کرنل صاحب کی ہدایات اس کے لئے یہی ہیں۔''

''خیر میں دیکھے لیتا ہوں۔'' حمید آگے بڑھتا ہوا بولا۔ اس نے فون پر رافعہ کے کمرے سے رابطہ قائم کیا۔ جواب فوراً ملا تھا۔ لیکن یہ قاسم کی آواز تھی۔ حمید نے محسوس کیا کہ وہ کچھ گھبرایا ہوا سا ہے۔

''کیا بات ہے۔'' حمید نے اس سے پوچھا۔ ''تم کچھ پریشان معلوم ہوتے ہو۔''

''اوہ..... حمید بھائی..... وہ..... وہ مر گئی..... خدا کے لئے کچھ کرو۔''

''کون مر گئی۔''

''رافعہ ابدالی..... ابھی نرس نے مجھے اطلاع دی ہے۔''

''قتل.....!''

''نہیں..... گردن وردن نہیں کٹی..... بس مر گئی۔''

''تم وہیں ٹھہرو..... میں آ رہا ہوں.....!'' حمید ریسیور رکھ کر جاوید کی طرف مڑا اور اُس سے سنی ہوئی خبر سنائی۔ جاوید کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

موت آئی مگر

رافعہ کی لاش بستر پر پڑی تھی۔ بظاہر کوئی ایسی علامت نہیں پائی جاتی تھی جس کی بنا
اسے قتل سمجھا جاسکتا۔ نرس کے بیان کے مطابق کچھ دیر پہلے اس نے فون پر کسی سے گفتگو
تھی۔ پھر اسے قاسم کو بلانے بھیجا تھا کیونکہ قاسم کے کمرے کے فون پر اس سے رابطہ قائم نہیں
ہوسکا تھا اور پھر جب وہ قاسم کو ساتھ لے کر واپس آئی تو رافعہ مر چکی تھی۔

حمید نے قاسم کے کمرے کا فون چیک کیا۔ ایکس چینج سے رابطہ قائم نہ ہوسکا۔ لائن ڈ
مچ ڈیڈ تھی۔

جاوید اس دوران میں اس کے ساتھ ساتھ رہا تھا۔ خاصا پھرتیلا اور اسمارٹ آدمی تھا۔
اس نے بتایا کہ رام گڑھ میں اے ایس آئی ہے اور کرنل فریدی کو اپنا روحانی استاد مانتا ہے۔
اس کے طریق کار کا مطالعہ ہی اس کی راہنمائی کرتا ہے۔

حمید اس پوچھ گچھ کے بعد خاموش کھڑا تھا کہ جاوید بولا۔ ''یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ
اس نے نرس کو قاسم کے پاس بھیجنے سے پہلے کس سے گفتگو کی تھی۔''

''میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔'' حمید بولا۔

پھر وہ ہوٹل کے ایکسچینج کے آپریٹر سے پوچھ گچھ کرنے گئے تھے۔ اس نے اطلاع دی
کہ روم نمبر گیارہ کے کمرے کے آپریٹس کے متعلق شکایت کی گئی تھی کہ وہاں سے جواب نہیں
مل رہا۔ اس کے علاوہ روم نمبر گیارہ سے اور کوئی کال نہیں ہوئی تھی۔ حمید نے اپنے فون کے
بارے میں پوچھا۔

''نہیں جناب..... آپ کے کمرے کے لئے تو سرے سے کوئی کال ہی نہیں ہوئی۔''
آپریٹر نے جواب دیا۔

یہ جواب متحیر کرنے والا تھا۔ حیرت اس پر تھی کہ اگر وہ کال ہوٹل کے علاوہ کہیں اور
ئی تھی تو اس کا کیا مقصد تھا۔

''بڑی عجیب بات ہے۔'' حمید نے جاوید کو مخاطب کر کے کہا۔ ''آپریٹر کے بیان کے
ق رافعہ نے صرف ایک کال کرنی چاہی تھی اور وہ کال قاسم کے لئے تھی لیکن اس کے
ے کا آپریٹس خراب ہونے کی بناء پر کال نہیں ہوسکی تھی اور کال نہ ہوسکنے کی بناء پر ہی
نے نرس کو قاسم کے پاس بھیجا تھا۔ پھر جتنی دیر میں وہ وہاں سے واپس آئی اس کی موت
ہوگئی۔''

''سوال یہ ہے کہ اگر آپ کی کال کہیں باہر سے آئی تھی تب بھی آپریٹر کو اس کا علم ہونا
چاہئے۔ یہاں تین لائنیں ہیں اور کوئی بھی ڈائریکٹ نہیں۔ تینوں لائنیں اسی ایک ایکسچینج
تعلق ہیں۔''

''یہاں کے حالات سے بہت زیادہ باخبر معلوم ہوتے ہو۔'' حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔

''آپ شائد ابھی تک میری حیثیت سے مطمئن نہیں؟'' جاوید نے اپنے کوٹ کی
اندرونی جیب سے کچھ کاغذات نکالتے ہوئے کہا۔ ''یہ رہے میرے کاغذات۔''

حمید اسے دیکھتا ہوا مسکرا کر بولا۔ ''ٹھیک ہے..... سوال تو یہ ہے کہ اگر وہ اسے ختم ہی
کرنا چاہتے تھے تو پھر مجھے چھیڑنے کی کیا ضرورت تھی۔ نہایت خاموشی سے اسے ختم
کردیتے۔ اگر میرے لئے وہ کال رافعہ کی نہیں تھی تو انہیں لوگوں میں سے کسی کی رہی ہوگی۔
ایک آدمی مجھے باہر نکلنے سے روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ ذرا ٹھہرو۔ کیا وہ آدمی انہیں لوگوں
میں تھا جن کی نگرانی تم یہاں کرتے رہے ہو۔''

''نہیں..... وہ میرے لئے اجنبی تھا۔ ان لوگوں میں کبھی نظر نہیں آیا جن کی گفتگو سے
اس سازش کا علم ہوا تھا کہ آپ کے کمرے میں کچھ ہونے والا ہے۔''

''اور وہ تمہیں جل دے کر نکل گیا۔''

''مجھے شرمندگی ہے۔''

''کیا وہ ہوا میں تحلیل ہوگیا ہوگا..... مسٹر جاوید۔''

''یقین کیجئے..... جب میں باہر نکلا ہوں تو راہداری بالکل سنسان پڑی تھی۔ پھر میں

صدر دروازے تک دوڑا چلا گیا تھا۔"

"خیر..... دیکھا جائے گا..... اب ہمیں اس لاش کے لئے کچھ کرنا چاہئے۔"

"میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر اس کے کمرے میں پہنچ چکا ہوگا۔"

"جاوید کا خیال صحیح نکلا۔ ہوٹل کے منیجر کے ساتھ وہی ڈاکٹر رافعہ کے کمرے میں گیا تھا جس کے زیر علاج تھی۔"

"ہارٹ فیلور ہی ہوسکتا ہے۔" ڈاکٹر نے انہیں مطلع کیا۔

قاسم کی آنکھیں متورم نظر آئیں شائد وہ اس کے لئے روتا رہا تھا۔ خاموشی سے حمید کو دیکھتا رہا۔

دفعتاً حمید کو وہ کارڈ یاد آیا جو بلیک فورس کا آدمی اس کے کمرے کے فون کے قریب چھوڑ گیا تھا۔ جلد ہی اسے موقع مل گیا کہ وہ تنہائی میں اسے دوبارہ دیکھ سکے۔

کارڈ کی پشت پر تحریر تھا۔ "اس آدمی کے علاوہ اور کسی پر اعتماد نہ کرنا۔" تحریر فریدی کی تھی۔

"یہ کیا چکر ہے۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا اور کارڈ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے آتش دان میں ڈال دیا۔ ریما اس وقت باتھ روم میں تھی۔

دفعتاً کوئی کمرے کا دروازہ پیٹنے لگا۔ دھڑا..... دھڑ.....

"کون ہے؟" حمید جھلا کر دروازے کی طرف جھپٹا۔

"میں ہوں..... دروا جا خولو.....؟" باہر سے قاسم کی آواز آئی۔

حمید نے دروازہ کھولا۔ قاسم بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک نظر آئی۔ دانت نکلے پڑ رہے تھے۔

"زندہ ہوگئی..... وہ چندہ ہوگئی۔"

"کیا بک رہے ہو.....!"

"رافعہ ابدالی..... کرسی پر اکڑی بیٹھی ہوئی حکم چلا رہی ہے۔ مجھ تو بھیجا ہے کہ تمہیں بلا لاؤں۔"

اتنے میں ریما غسل خانے سے برآمد ہوئی۔

"اے تو کیا تم دونوں ایک ہی کمرے میں رہتے ہو۔" قاسم نے آہستہ سے پوچھا۔

"ہاں..... ہاں..... بکو نہیں..... پوری بات بتاؤ۔"

"میں اس کے بستر کے قریب کھڑا ہوا تھا کہ اچانک اٹھ بیٹھی۔ کہنے لگی..... تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ نقل جاؤ کمرے سے اور کیپٹن حمید کو یہاں بھیج دو۔ بس میں دوڑا چلا آیا۔ ارے باپ رے....."

دفعتاً قاسم کے چہرے پر خوفزدہ کے آثار نظر آئے اور وہ ہکلانے لگا "یعنی کہ..... بھوت.....؟"

اور پھر حمید نے محسوس کیا کہ اس کی آنکھیں بند ہوتی جا رہی ہیں۔

"ہٹو..... ہٹو.....!" حمید نے ریما سے کہا۔ "پیچھے ہٹو۔ یہ بے ہوش ہو کر گرنے والا ہے۔"

ریما بوکھلا کر پیچھے ہٹی اور حمید قاسم کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا۔

اس جدوجہد میں بس اتنا ہوا کہ قاسم کا سر نہیں پھوٹا..... حمید نے بڑی احتیاط سے ڈھیر جانے میں مدد دی تھی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے.....!" ریما نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا اور حمید بے ساختہ ہنس پڑا پھر بولا۔ "اطلاع لایا تھا کہ رافعہ پھر زندہ ہوگئی ہے..... اس کا پیغام لایا تھا کہ وہ مجھ سے ملنا چاہتی ہے اور پیغام دینے کے بعد بے ہوش ہوگیا۔"

"پتہ نہیں یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" ریما بڑبڑائی۔

"مجھے رافعہ کے کمرے تک جانا پڑے گا..... تم بھی چلو۔"

"مم..... میں..... اگر یہ سچ ہوا تو.....!"

"تو میں اس سے پوچھوں گا کہ دوسری دنیا میں پرنس ہنری کا تمبا کو ملتا ہے یا نہیں۔" جھنجھلا کر بولا۔

قاسم کو اسی حال میں چھوڑ کر وہ کمرے سے نکلے تھے۔ رافعہ کے کمرے کے قریب پہنچے سے مڈبھیڑ ہوگئی۔

"تم باہر ہی ٹھہرو گے۔" حمید نے اس سے کہا۔

"اندر کیوں جا رہے ہیں آپ..... کوئی خاص بات۔"

"واپس آ کر بتاؤں گا....." اس نے دروازے کا ہینڈل گھماتے ہوئے کہا۔

دروازہ کھل گیا۔ وہ اور ریما اندر داخل ہوئے۔

رافعہ بستر کے قریب پڑی ہوئی آرام کرسی پر نیم دراز تھی۔ انہیں دیکھ کر سیدھی ہوتی ہوئی بولی۔ ''تم لوگ بغیر اجازت اندر کیوں آئے۔''

''میں کیپٹن حمید ہوں.....!''

''اوہ.....اچھا.....!'' وہ اٹھتی ہوئی بولی۔ ''بیٹھئے.....بیٹھئے۔''

پھر وہ بستر پر جا بیٹھی تھی۔ کیوں کہ کمرے میں دو ہی کرسیاں تھیں۔

حمید نے ریما کی طرف دیکھا وہ بُری طرح سہمی ہوئی تھی۔ ہاتھ کانپ رہے تھے۔

''یہ کون ہے؟'' دفعتاً رافعہ نے ریما کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

''میری ایک دوست۔''

''خیر کوئی بھی ہو۔ کرنل کہاں ہیں۔ میں فوری طور پر ان سے ملنا چاہتی ہوں۔''

حمید جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اسسٹنٹ منیجر دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے پیچھے کئی آدمی اور بھی تھے۔ اسٹریچر ان کے ساتھ تھا۔ شائد لاش کو کمرے سے ہٹانے کے لئے آئے تھے۔

آنے والے کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

''چیخ مارنے کا خیال ترک کردو۔'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''یہ بھوت نہیں ہیں.....غالباً انہیں سکتہ ہو گیا تھا۔ اب ٹھیک ہیں۔''

''یعنی کہ.....یعنی کہ.....!'' وہ اور کچھ نہ کہہ سکا۔

''فی الحال آپ حضرات باہر تشریف لے جایئے اور صرف اس ڈاکٹر کو اندر بھیج دیجئے جو ان کا علاج کر رہا تھا۔''

وہ بڑی تیزی سے باہر نکل گیا۔

''کیا قصہ ہے۔'' رافعہ نے متحیرانہ انداز میں حمید سے پوچھا۔ ''کیا بھوت! کیا سکتہ۔''

''کچھ دیر قبل ہم نے آپ کو مردہ حالت میں دیکھا تھا۔ ڈاکٹر نے کہا تھا کہ آپ کی حرکت قلب بند ہو چکی ہے۔ لوگ اب غالباً لاش اٹھانے آئے تھے۔ قاسم میرے کمرے میں بے ہوش پڑا ہے۔''

''پاگل بنا دینے والی باتیں کر رہے ہیں آپ۔''

''میں خود نہیں سمجھ سکتا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''لیکن مجھے بلوانے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔''

''میں کرنل سے ملنا چاہتی ہوں۔''

''ملنا تو میں بھی چاہتا ہوں لیکن مجھے ان کا پتہ نہیں معلوم۔''

''سنو! میرا باپ مار ڈالا گیا۔ میں انتقام کی آگ میں جل رہی ہوں۔ کرنل نے مجھے بلک روکے رکھا ہے۔ ورنہ کبھی کی ویران قلعے میں پہنچی ہوتی۔''

''ویران قلعہ میں کیا ہے؟''

''تم کچھ نہیں جانتے۔''

حمید نے اپنے سر کو منفی جنبش دی اور اتنے میں دوسرا بکھیڑا کھڑا ہو گیا۔ اسسٹنٹ منیجر مقامی پولیس انسپکٹر کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ کمرے میں رکتے ہی دہاڑنے لگا۔

''یہ ہیں وہ فراڈ لوگ.....معلوم نہیں کیا چاہتے ہیں۔ میں اب انہیں یہاں نہیں ٹھہرنے دوں گا۔''

انسپکٹر کے استفسار پر اس نے رافعہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''یہی خاتون ہیں جو کچھ دیر پہلے مر گئی تھیں۔''

''بکواس مت کرو.....!'' حمید بھنا کر بولا۔ ''اس ڈاکٹر کو بلاؤ جس نے ان کی موت کی تصدیق کی تھی۔''

پھر بات بڑھ گئی۔ پورے ہوٹل میں شہرہ ہو گیا۔ اسسٹنٹ منیجر نے ہوٹل میں داخلہ بند کے تحت ان سب کو فوری طور پر ہوٹل خالی کر دینے کا نوٹس دے دیا۔

رات کے نو بجے تھے۔ اچانک کسی نے نلنی کار ماؤنٹ کے دروازے پر دستک دی۔ وہ

ابھی سوئی نہیں تھی۔ اٹھ کر دروازہ کھولا۔ لیکر اس کا اسسٹنٹ میتھوز سامنے کھڑا بسور رہا تھا۔

''آپ اس وقت مسٹر میتھوز.....!'' نلنی کے لہجے میں حیرت تھی۔

''میں معافی چاہتا ہوں مس.....لیکن.....!''

''اندر آجایئے۔''

''وقت کم ہے۔'' وہ کمرے میں داخل ہوتا ہوا بولا۔ ''جو کچھ بھی ہے بہت تھوڑے الفاظ میں کہنا ہے۔ آپ کے نئے دوست ایڈلفی سے نکالے جا رہے ہیں۔ اگر آپ وقت پر نہ پہنچیں تو دربدر ہوتے پھریں گے۔''

''کیوں نکالے جا رہے ہیں؟''

''معلوم نہیں.....بہرحال آپ ان کی مدد کر سکتی ہیں۔ یہ کارڈ لیجئے اس پر جس عمارت کا پتہ تحریر ہے وہ آپ استعمال کر سکتی ہیں۔ اپنے دوستوں کو وہاں لے جایئے.....جلدی کیجئے مس کارماؤنٹ.....!''

نلنی اس وقت باہر نہیں جانا چاہتی تھی۔ لیکن بہرحال اسے یہ کام کرنا تھا۔ اس نے کار میتھوز سے لے لیا تھا۔

''باہر ایک بڑی کار موجود ہے۔''

''مجھے کرنا کیا ہوگا۔''

''موٹے آدمی سے آپ بے تکلف ہو چکی ہیں۔ اس سے کہئے گا کہ وہ اپنے دوستوں سمیت آپ کے مکان میں قیام کر سکتا ہے اور پھر انہیں اسی عمارت میں لے جایئے گا۔''

''لیکن میں وہاں ان کے ساتھ قیام نہ کر سکوں گی۔''

''ممکن ہے.....اس کا انتظام ہو جائے گا کہ آپ کی درس گاہ کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہو۔''

نلنی نے بڑی بے دلی سے اس وقت باہر نکلنا گوارا کیا تھا۔

باہر ایک لمبی سی کار موجود تھی۔ میتھوز اسے گاڑی میں بٹھا کر بولا۔ ''میری موجودگی ضروری نہیں ہے۔ ڈرائیور آپ کو ایڈلفی تک لے جائے گا اور وہاں سے آپ کے دوستوں کو اس عمارت تک خود ہی پہنچائے گا۔ آپ کو اس سلسلے میں کوئی دشواری نہیں پیش آئے گی۔''

پتہ نہیں یہ لوگ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اب تو اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا کہ خوش

کے ساتھ سب کچھ برداشت کرتی۔

کچھ دیر بعد گاڑی ایڈلفی کے سامنے رکی اور ڈرائیور نے نیچے اتر کر اس کیلئے دروازہ کھولا۔

وہ سب ڈائننگ ہال میں مل گئے۔ پولیس انسپکٹر انہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ ہوٹل چھوڑ دیں۔

''ہرگز نہیں۔'' قاسم پیر پٹخ کر بولا۔ ''ان بھوں کو تم ہوٹل سے نکال سکتے ہو.....میں نہیں جاؤں گا.....!''

اس کی پشت نلنی کی طرف تھی۔ البتہ کیپٹن حمید اور اس کی ساتھی نے اسے دیکھ لیا تھا۔ حمید نے مسکرا کر سر کو خفیف سی جنبش بھی دی تھی۔

''کیا بات ہے جناب.....کس بات پر جھگڑ رہے ہیں۔'' نلنی نے اس کے قریب پہنچ کر پوچھا۔

''اصل بات تو مجھے بھی نہیں معلوم۔ چونکہ ہم اس کے ساتھ یہاں آئے تھے اس لئے ہمیں بھی ہوٹل چھوڑ دینے کا نوٹس مل گیا ہے۔'' حمید نے کہہ کر ٹھنڈی سانس لی۔

قاسم انسپکٹر سے کہہ رہا تھا۔ ''پوچھو ان سالوں سے کہ اپنے ہوٹل کے قیام دام مانگتے ہیں.....میں خریدوں گا۔''

دفعتاً نلنی نے قاسم کا بازو چھو کر اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

''تت.....تم.....او ہو اس وقت.....'' قاسم کی زبان لڑکھڑانے لگی۔

''کیا بات ہے.....کیا جھگڑا ہے۔''

''یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہم فوری طور پر ہوٹل چھوڑ دیں۔''

''آخر کیوں؟''

''اب کیا بتاؤں.....میری تو عقل کام نہیں کر رہی۔''

''کچھ تو بتاؤ۔ شائد میری عقل کام کرے۔''

''وہ مر گئی.....پھر زندہ ہو گئی۔''

''کون مر گئی۔''

''جس کا میں سیکریٹری ہوں۔''

''تمہاری بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔''

اتنے میں حمید آگے بڑھ کر آہستہ سے بولا۔ ''میرے دوست کا موٹا سا ذہن بعض اوقات بڑی خوب صورت شرارتیں تراشتا ہے۔''

''تم اپنی بکواس بند کرو۔'' قاسم اردو میں دہاڑا۔

''آپ لوگ کان کھول کر سن لیں۔'' دفعتاً پولیس انسپکٹر اونچی آواز میں بولا۔ ''اگر آپ نے پندرہ منٹ کے اندر اندر ہوٹل نہ چھوڑ دیا تو ہمیں طاقت استعمال کرنی پڑے گی۔''

''وہ کیا کہہ رہا ہے۔'' نلنی نے حمید سے پوچھا۔

''پندرہ منٹ کے اندر اندر ہوٹل چھوڑنے کا نوٹس دے رہا ہے۔''

''فکر کی کوئی بات نہیں! تم لوگ میرے ساتھ چلو۔ یہ تو بڑا اچھا ہوا کہ مجھے اس وقت پیر کی ضرورت پیش آ گئی اور میں ادھر آ نکلی۔ بس اب اٹھاؤ اپنا سامان۔ ان لوگوں کا اہانت آمیز رویہ کم از کم میرے لئے ناقابل برداشت ہے۔''

''اچھی بات ہے۔'' قاسم تڑ سے بولا۔ ''تم صرف مجھے لے چلو..... یہ لوگ اپنی مصیبت آپ بھگتیں گے۔''

''یہ تو انسانیت سے بعید ہوگا مسٹر قاسم.....!'' حمید بولا۔

''اب میں اس بھوتنی کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔''

''نہیں نہیں تم سب چلو.....!'' نلنی بولی۔

''تب پھر میں کہیں اور چلا جاؤں گا۔'' قاسم غرایا۔

''دوستوں سے ایسی بھی کیا بیزاری۔'' نلنی نے اس کا بازو تھپک کر کہا۔

''تم اس آدمی کو نہیں جانتیں۔ مجھے خودکشی پر مجبور کر دے گا۔''

انسپکٹر برابر وارننگ دیئے جا رہا تھا۔ آخر کار انہیں ہوٹل چھوڑنا ہی پڑا۔

قاسم رافعہ کے ساتھ گاڑی میں بیٹھنے پر تیار نہیں تھا۔ لیکن اس وقت وہاں کوئی ٹیکسی بھی نہ مل سکی۔

چار کمروں کی عمارت میں وہ منتقل کر دیئے گئے۔ نلنی قاسم کو الگ لے گئی اور اس سے پوری کہانی سن کر بولی۔ ''ایسا ممکن ہے۔ بعض اوقات بڑے ماہر ڈاکٹر بھی دھوکا کھا جاتے ہیں۔''

''یقین کرو..... وہ بھوت ہوگئی ہے..... مجھے اس سے خوف معلوم ہوتا ہے۔'' قاسم بے بسی سے بولا۔

حمید اور ریما کے حصے میں بھی ایک کمرہ آیا تھا۔ لیکن وہ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ پر مضطرب نظر آ رہے تھے۔

''تم کیا سوچ رہے ہو۔'' ریما نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

''میں..... کیا سوچ رہا ہوں؟'' حمید نے خود سے سوال کیا اور ریما کی طرف دیکھ کر نقاہت انداز میں مسکرانے لگا۔

''آخر یہ عورت اچانک وہاں کس طرح پہنچ گئی تھی۔''

''عورت سب کچھ کر سکتی ہے۔ جس وقت چاہے پہنچ سکتی ہے۔ بعض اوقات تو قبروں میں گھس کر مردے اکھاڑ لاتی ہیں اور ان سے اس قدر باتیں کرتی ہیں کہ وہ بے ساختہ بول پڑتے ہیں۔ خدارا اب خاموش رہو..... ورنہ ہم پاگل ہو کر زندہ ہو جائیں گے۔''

''تم پتہ نہیں کیسے ہوتے جا رہے ہو۔ میں تو صرف یہ چاہتی ہوں کہ کسی وقت بھی غافل نہ رہو۔''

''کیا میں تمہیں غافل نظر آ رہا ہوں۔'' حمید بھنا کر بولا۔

''اچھا اب کچھ نہیں پوچھوں گی۔''

''تم یہیں ٹھہرو..... میں ذرا رافعہ کے پاس جا رہا ہوں۔''

''میں تمہیں تنہا نہیں جانے دوں گی۔''

حمید جھلاہٹ میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ حمید بڑھ کر بولٹ گرا دیا۔ دروازہ کھلا اور قاسم اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچھے نلنی تھی۔

''چلو دیکھو.....!'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''رافعہ پھر مر گئی ہے۔''

''جہنم میں جائے۔ مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' حمید نے برا سا منہ بنایا۔

''آخر قصہ کیا ہے مسٹر حمید۔'' نلنی بولی۔

''میں کیا جانوں کیا قصہ ہے..... اس کے سیکریٹری سے پوچھو۔ مجھ سے تو کچھ دیر پہلے ملاقات ہوئی تھی۔''

''مسٹر قاسم کا خیال ہے کہ آپ ہی اس مسئلے پر روشنی ڈال سکیں گے۔''

''مسٹر قاسم بھی مر چکے ہیں۔ لہٰذا ان کے کہے کی کوئی سند نہیں۔''

''اے تم خود مر گئے ہو..... بلکہ خدا کرے مر جاؤ۔'' قاسم اردو میں دہاڑا۔

''تم سمجھ ہی نہیں سکتے اس بات کو..... مجھے بے حد افسوس ہے۔'' حمید نے اپنے لہجے کو غمگین بنانے کی کوشش کی۔

''کہنا کیا چاہتے ہو۔''

''یہی کہ تمہارے کفن دفن کا انتظام بھی ساتھ ہی ہو جانا چاہئے..... ایک بار مر کر دوبارہ زندہ ہونے کا مطلب یہی تھا کہ دوسری دنیا میں بھی سیکریٹری کو ساتھ ہی رکھنا چاہتی ہے..... بہرحال تمہاری موت کا انتظام کر کے وہ پھر مر گئی۔''

''اے خدا کی قسم.....!'' قاسم نے خوفزدہ لہجے میں احتجاج کیا۔

''اگر زندگی عزیز ہے تو اس لڑکی کو میرے پاس چھوڑ کے باہر چلے جاؤ۔''

''یہ..... یہ ناممکن ہے۔''

''تو پھر جہنم میں جاؤ..... میں کچھ نہیں کر سکتا۔''

''دد..... دیکھو.....!''

''زندگی عزیز ہے یا لڑکی۔''

''جن..... جندگی.....!''

قاسم دروازے کی طرف مڑا ہی تھا کہ نلنی تیزی سے باہر نکل گئی۔ حمید ہنس پڑا لیکن بڑی زہریلی ہنسی تھی۔ اس کے باہر نکل جانے پر قاسم حمید کی طرف مڑ کر بے بسی سے جلدی جلدی پلکیں جھپکانے لگا۔

حمید نلنی کے قدموں کی دور ہوتی ہوئی آوازیں سن رہا تھا۔

حمید نے ریما سے کہا۔ ''وہ اردو سمجھتی ہے۔''

''نہیں..... نہیں..... اسے اردو نہیں آتی۔'' قاسم بول پڑا۔

''اردو تو ٹھیک سے تمہیں بھی نہیں آتی..... چلے جاؤ یہاں سے۔''

''مجھے یہیں رہنے دو..... حمید بھائی اور میں اردو پڑھ لوں گا۔ اللہ قسم..... رحم کرو مجھ پر۔'' قاسم گھگھیایا۔

''میں کچھ نہیں سمجھ سکتی..... کچھ نہیں سمجھ سکتی۔'' ریما ہاتھ ملتی ہوئی بے بسی سے بولی۔

''اس طرح ہمیں ایک جگہ اکٹھا کر دیا ہے..... تاکہ جس وقت بھی چاہیں ہمارا خاتمہ کر دیں۔ ہوٹل میں ہنگامہ کرنا مناسب نہ سمجھا ہوگا۔''

''اگر وہ اردو سمجھتی ہے تو اس تگ و دو کا یہی مطلب ہو سکتا ہے۔ تنظیم کے پاس بہترین دماغ موجود ہیں۔ میڈیکل سائنس بھی ایک بے حد ترقی یافتہ شکل میں پروان چڑھ رہی ہے۔ ان کے تحت اس قسم کی موت اور زندگی ممکن ہے۔''

دفعتاً قاسم ارے باپ رے کا نعرہ مار کر حمید کے پیچھے چھپنے کی کوشش کرنے لگا۔

رافعہ دروازے میں کھڑی انہیں گھورے جا رہی تھی۔

''یہ کیا لغویت پھیلائی ہے تم نے۔'' دفعتاً ریما گرجی۔

مخاطب قاسم تھا۔ حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے ریما کی شخصیت یک لخت بدل گئی ہو۔ عجیب تھے۔ حمید کے لئے بالکل نئے۔ اس نے دیکھا کہ قاسم اب رافعہ کے بجائے ریما کو سہمی نظروں سے دیکھے جا رہا ہے۔

اتنی دیر میں رافعہ کمرے میں داخل ہو چکی تھی۔

''تم دونوں باہر چلے جاؤ۔'' ریما نے حمید سے کہا۔

''چلو.....!'' حمید نے مڑ کر قاسم کا بازو پکڑا اور دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

جیسے ہی وہ کمرے سے نکلے دروازہ بند کر دیا گیا۔ حمید نے بولٹ چڑھانے کی بھی آواز سنی۔

''یہ سب کیا ہو رہا ہے حمید بھائی۔'' قاسم کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

''جہنم میں جھونکو سب کو..... چلو اب تمہاری والی تلاش کریں۔''

رافعہ بھوت بن گئی ہے..... اور میری والی تو پہلے ہی سے چڑیل تھی۔

''میں کسی کو نہیں ڈھونڈ رہا..... عورت ہے لعنت پر.....!''

''عورت ہے لعنت پر.....!'' حمید نے حیرت سے دہرایا۔

''ٹھینگے سے..... مجھے اس وقت غلط صحیح کا ہوش نہیں ہے۔ ارے باپ رے..... زندہ ہوگئی۔''

''اگر یہی بات ہے تو چلو ان سب سے پیچھا چھڑائیں۔''

''قیا مطلب.....؟''

''یہاں سے نکل کر کسی دوسرے ہوٹل کی راہ لیں۔''

''ہاں یہ ٹھیک ہے..... تمہاری والی بھی مجھے زہر لگنے لگی ہے۔''

''کتنے زور سے ڈانٹا ہے سالی نے۔''

باہر نکلنے سے پہلے حمید نے نلنی کارماؤنٹ کو تلاش کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ عمارت میں نہ ملی۔ وہ کار بھی غائب تھی جس پر یہاں آئے تھے۔

بیرونی برآمدے کے نیچے اترے ہی تھے کہ بائیں جانب سے آواز آئی۔ ''ٹھہریئے۔''

''آپ کہاں جارہے ہیں۔'' اسے انسپکٹر جاوید دکھائی دیا۔

''آپ کہاں جارہے ہیں جناب۔'' اس نے پھر پوچھا۔

''دودھ لینے.....!'' حمید نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

''میں نہیں سمجھا جناب۔''

''ملک.. ..ایم آئی ایل کے.....ملک.....!''

''لیکن.....یعنی کہ.....!''

''پھر کس زبان میں سمجھاؤں۔''

''دودھ مہیا کردیا جائے گا.....آپ اندر ہی ٹھہریئے۔''

''میں خود ہی جانا چاہتا ہوں۔''

''یہ کرنل صاحب کی اسکیم کے مطابق نہ ہوگا۔''

دفعتاً حمید نے ایک چاقو تلا ہاتھ اس کی کنپٹی پر رسید کردیا۔

وہ چکرا کر گرا اور پھر نہ اٹھ سکا۔

اب حمید قاسم کا ہاتھ پکڑے تیزی سے آگے بڑھا جارہا تھا۔

اچانک قاسم نے ٹھوکر کھائی اور حمید کو اپنے ساتھ لیتا ہوا ڈھیر ہوگیا۔

''ارے مردود.....!'' حمید کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔

''قیا قروں.....! سالی جندگی اجیرن ہوگئی ہے.....الا میاں نے اتنا بڑا ڈیل ڈول دیا لونڈیوں کے چکر میں نہ ڈالا ہوتا۔''

''خاموش رہو.....کفر نہ بکو.....بیہودے.....اللہ میاں نے نہیں تمہارے ابا میاں نے لونڈیوں کے چکر میں ڈالا ہے۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔ قاسم بھی کسی نہ کسی طرح اٹھ بیٹھا تھا۔

''لیکن ہم جائیں گے کہاں.....!'' اس نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دفعتاً اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے ٹھنڈا پانی اس کے چہرے پر پھینک دیا ہو۔ پھر چہرے کی وہ ٹھنڈک اس کے رگ و پے میں سرائیت کرتی چلی گئی۔ برف.....برف.....سرتاپا برف۔

اعصاب شل ہوکر رہ گئے اور پھر اسے ہوش نہیں کہ کیا ہوا۔

نلنی کارماؤنٹ باہر نکلی تو وہاں اسے وہ کار نظر آئی جو اس عمارت تک انہیں لائی تھی۔

لیکن وہ اتنی دہشت زدہ تھی کہ پیدل ہی چل پڑی۔ ساتھ ہی وہ دل ہی دل میں میتھوز کو بھی برا بھلا کہتی جارہی تھی۔

آخر وہ ان لوگوں کے ساتھ قیام کیوں کرے۔ لیکر اس نے اسے خریدتو نہیں لیا تھا۔

سڑک سنسان پڑی تھی۔ سردی کی شدت سے ٹانگیں سن ہوکر رہ گئیں۔ اس کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ کیا کرے۔ بورڈنگ ہاؤز یہاں سے نزدیک نہیں تھا۔ کاش اس نے اس مہم کا ٹھیکہ لینے سے انکار کردیا ہوتا۔

دفعتاً پشت سے کسی گاڑی کے ہیڈلیمپس کی روشنی سڑک پر دور تک پھیلتی چلی گئی۔

وہ سڑک چھوڑ کر بائیں کنارے پر چلنے لگی تھی۔ ذرا ہی دیر بعد داہنی جانب بریک

چڑ چڑائے۔ ایک گاڑی رکی اور کسی عورت نے نلنی کو مخاطب کر کے کہا۔ ''اگر کہیں دور جانا ہو تو اس طرف آ جاؤ۔''

نلنی کے قدم غیر ارادی طور پر گاڑی کی طرف اٹھ گئے۔ گاڑی کوئی عورت ہی ڈرائیو کر رہی تھی۔ اس نے بائیں جانب کا دروازہ کھول کر نلنی سے بیٹھ جانے کو کہا۔

عورت مقامی ہی تھی۔ لیکن خاصی مشاقی کا مظاہرہ کرتی ہوئی انگریزی بول رہی تھی۔

''بہت بہت شکریہ۔'' نلنی بیٹھتی ہوئی بولی۔ ''میں دیر سے کسی ٹیکسی کا انتظار کر رہی تھی۔''

''کہاں جانا ہے۔'' عورت نے پوچھا۔

نلنی نے بورڈنگ ہاؤز کا پتہ دیا۔

''اوہو..... وہ تو میرے راستے ہی میں ہے۔'' عورت بولی۔

نلنی نے اطمینان کا سانس لیا۔

لیکن جب گاڑی دوسری سڑک پر موڑی گئی تو اس نے چونک کر کہا۔ ''ادھر کہاں۔''

''چپ چاپ بیٹھی رہو۔'' پچھلی سیٹ سے کسی مرد کی غراہٹ سنائی دی۔

''کک..... کیا مطلب.....؟''

''میں نے کہا خاموش بیٹھی رہو..... ورنہ گولی مار کر کسی کھڈ میں پھینک دوں گا۔''

نلنی کی گھگھی بندھ گئی۔ سر چکرانے لگا۔ اس قسم کا لہجہ سننے کا پہلا اتفاق تھا۔ ایک امن پسند شائستہ لڑکی تھی۔ اس کا دل ڈوبنے لگا۔ پتہ نہیں لیکر اس نے کیا سمجھ کر اس سے اس قسم کا کوئی کام لینا چاہا تھا۔

گاڑی کی رفتار خاصی تیز تھی۔ کچھ دیر بعد نلنی نے محسوس کیا جیسے وہ کسی نئی جگہ آ پہنچی ہو۔ ہر شے پر تاریکی مسلط تھی۔ گاڑی کی ہیڈ لیمپس کی روشنی کے علاوہ اور کہیں روشنی دکھائی نہ دی۔

بالآخر یہ سفر ختم ہوا تھا۔ اس سے نیچے اترنے کو کہا گیا۔ اس کا جسم کانپ رہا تھا۔ لیکن یہ سردی سے زیادہ خوف کی کپکپی تھی۔

نیچے اتری تو لیکن اب مزید قدم اٹھانے کیلئے سہارے کی ضرورت محسوس کر رہی تھی۔

عورت نے ٹھیک اسی وقت اس کا بازو پکڑ لیا۔

ران دونوں کے پیچھے چل رہا تھا۔ وہ ایک چھوٹے سے کاٹیج میں داخل ہوئے۔

پہنچنے کے لئے انہیں کچھ دیر پیدل چلنا پڑا تھا۔

لی کی زبان گنگ ہو کر رہ گئی تھی۔

مرہ گرم تھا۔ آتشدان میں کوئلے دہک رہے تھے اور چاروں طرف پیٹرومیکس کی تیز

ی ہوئی تھی۔ اس سے نلنی نے اندازہ کر لیا کہ وہ کوئی ویران مقام ہے۔ شہر سے

جہاں بجلی کی روشنی مہیا کرنا ناممکن نہیں۔

ایک آرام کرسی پر بٹھا دی گئی اور اس کے پیروں پر ایک موٹا سا کمبل ڈال دیا گیا۔

کچھ دیر بعد نلنی کے حواس بجا ہوئے تو اس نے عورت سے پوچھا کہ وہ یہاں کیوں

ہے۔

معلوم ہو جائے گا۔'' عورت نے لاپرواہی سے کہا۔ ''کیا پیو گی؟''

میں کچھ بھی نہیں پیوں گی۔ مجھے اس حرکت کا مقصد معلوم ہونا چاہئے۔''

شراب یا کافی۔''

''کچھ بھی نہیں..... یہ کیا زیادتی ہے۔ بہت بڑا غیر قانونی جرم ہے۔''

ٹھیک اسی وقت ایک اور آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ وہ نہیں تھا جو اسے راستے بھر

ا دیتا آیا تھا۔

نلنی نے آنے والے کی طرف دیکھا اور بوکھلا گئی۔ دوبارہ نظر ملانے کی ہمت نہ کر سکی۔

اس کی آنکھوں میں کیا تھا۔

خاموش کھڑا اُسے دیکھتا رہا پھر عورت سے بولا۔

انہیں کچھ پینے کے لئے دو۔''

یہ کچھ پینے سے انکار کر چکی ہے۔'' عورت نے کہا۔

میں اس حرکت کی وجہ معلوم کرنا چاہتی ہوں۔'' نلنی سر جھکائے رک رک کر بولی۔

وجہ سمجھ میں آنی چاہئے۔'' اجنبی کا لہجہ نرم تھا۔ ''تم کوئی نیک کام تو کرتی نہیں رہی ہو۔''

میں کیا کرتی رہی ہوں؟''

''کچھ لوگوں کے جرائم میں ہاتھ بٹاتی رہی ہو۔''

''جرائم.....!''

''اور نہیں تو کیا..... تم اسے تفریح سمجھتی ہو۔ یہاں کی پولیس تم سے باز پرس کرے گی اچھی لڑکی۔''

''پپ..... پولیس.....؟''

''ہاں پولیس.....!''

''اوہ..... لیکن میں نے تو ابھی تک کسی کو نقصان نہیں پہنچایا ہے۔ کچھ لوگوں کی مدد کرتی رہی ہوں۔ وہ ایک پریشانی میں پڑ گئے تھے میں نے کچھ ہی دیر پہلے ان کی مدد کی ہے۔''

نلنی نے سوچا شاید وہ آراگاں کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گئی ہے۔ اس لئے اسے رہنا چاہئے اور پھر ہوسکتا ہے کہ یہی شخص کیپٹن حمید کا چیف ہو۔ کیا نام تھا..... کرنل فریدی۔

''تم کیا سوچنے لگیں۔'' اجنبی نے اُسے ٹوکا۔

''کچھ نہیں..... یہ باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہیں۔''

''تم ان لوگوں کے لئے کب سے کام کر رہی ہو۔''

''میں کسی کے لئے کوئی کام نہیں کر رہی..... میں تو۔''

''بلجیم سے وظیفہ پر آئی ہوں..... آثار قدیمہ پر ریسرچ کر رہی ہوں اس کے جس کا علم صرف تمہیں ہے۔''

''مم..... میں.....!''

''نلنی کارماؤنٹ..... کل ہی تمہاری واپسی بھی ہوسکتی ہے..... اور تم اپنی حکومت کو دکھانے کے قابل نہ رہو گی۔''

وہ کچھ نہ بولی۔ اجنبی سے آنکھ ملانے کی جرأت تو پہلے ہی رخصت ہو چکی تھی۔ زبان بھی قابو میں نہ رہی۔

بے ہوشی رفع ہوتے ہی اس پر جھلاہٹ کا دورہ پڑ گیا۔ کیونکہ سر ریما کے زانو پر تھا

اور یہ کوئی کھلی جگہ نہ تھی بلکہ اس عمارت ہی کا ایک اندرونی حصہ تھا۔

''مجھے یہاں کون لایا۔'' اس نے جھٹکے کے ساتھ اٹھتے ہوئے پوچھا۔

''کیسی باتیں کر رہے ہو۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔'' ریما نے مغموم لہجے میں کہا۔

قاسم اب بھی بے ہوش تھا اور اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھا۔

رافعہ اس کے قریب بیٹھی اسے پُرتشویش نظروں سے دیکھے جا رہی تھی۔

''وہ کہاں ہے؟'' حمید نے ریما سے پوچھا۔ ''وہ شخص جو ہمارے کمرے کے غسل خانے سے برآمد ہو کر اس آدمی پر حملہ آور ہوا تھا۔''

''کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔ وہ ہمارے ساتھ کب آیا تھا۔''

''ٹھہرو.....!'' حمید کہتا ہوا صدر دروازے کی طرف جھپٹا۔

برآمدے میں اس جگہ پہنچ کر رک گیا جہاں انسپکٹر جاوید پر اس نے حملہ کیا تھا۔

وہاں کوئی بھی دکھائی نہ دیا۔ وہ پھر اندر واپس آ گیا۔

''کیا میں تمہیں اندر ہی ملا تھا۔'' اس نے ریما سے پوچھا۔

''ہاں یہیں..... اسی جگہ..... آخر بتاؤ نا..... کیا بات ہے۔''

''کچھ نہیں.....!'' حمید نے کہا اور قاسم کو ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگا۔

اسے خود پر ہنسی آ رہی تھی۔ اس تھوڑے سے عرصے میں کتنی بار بے ہوش ہو چکا ہے۔ گویا ان کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ گیا ہے۔

وہ قاسم کا شانہ جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر چیخنے لگا۔ ''اٹھو..... بد بخت..... اٹھو..... آخر تم اس طرح کیوں میرے مقدر میں لکھ دیئے گئے ہو۔''

''دل کا بُرا نہیں کیپٹن.....!'' رافعہ بولی۔

''جی.....!'' حمید بھنا کر پلٹا۔ ''دل میں شہد لگا کر چاٹوں..... یا گلدان میں سجاؤں۔''

''میں آپ دونوں کی بے ہوشی کی وجہ معلوم کرنا چاہتی ہوں۔''

''میں نے تو آپ سے آپ کی موت کی وجہ بھی نہیں پوچھی۔''

''بس بہت ہو چکا۔'' رافعہ پیر پٹخ کر بولی۔ ''میں تو اس قسم کے مذاق پسند نہیں کرتی۔''

''کیا تم اسے کسی بات پر غصہ دلانے کی کوشش کر رہے ہو۔'' ریما نے حمید کے شانے پر

ہاتھ رکھ کر نرم لہجے میں کہا۔ ''مجھے بتاؤ کیا بات ہے۔ وہ نہیں جانتی کہ اس پر کیا گزر رہی ہے۔ یہ ہمارے سائنسدانوں کے شعبدے ہیں۔''

''میں اسے جلد از جلد ہوش میں لانا چاہتا ہوں۔''

''بیہوشی کی وجہ معلوم کئے بغیر کیا کر سکوں گی۔''

''کسی نے میرے چہرے پر سیال پھینکا تھا..... یہی حرکت اسکے ساتھ بھی ہوئی ہوگی۔''

ریما کے چہرے پر تشویش کے آثار اور زیادہ گہرے ہو گئے۔

''کیا سوچنے لگیں۔'' حمید نے ٹوکا۔

''اب میری عقل کام نہیں کر رہی۔ آخر وہ چاہتے کیا ہیں۔''

دفعتاً کسی نے باہر سے کال بل کا بٹن دبایا۔

حمید آگے بڑھنا ہی چاہتا تھا کہ ریما اسے روک کر بولی۔ ''تم ٹھہرو..... میں دیکھتی ہوں۔''

''اس نے دروازہ کھولا..... یہ تو وہی ڈرائیور تھا جو انہیں یہاں لایا تھا۔''

''کیا بات ہے.....!'' حمید نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''میم صاحب کدرائے..... جو تم کو ادر لایا۔''

''یہاں تو نہیں ہے۔''

''کدر ہے۔''

''شائد پیدل چلی گئی..... کیا تم اسے نہیں لے گئے تھے۔''

''ام دوسرا کام کو گیا تھا۔''

''تم کس کے ڈرائیور ہو۔''

''میم صاحب کا۔''

''ہوسکتا ہے وہ کسی دوسری گاڑی سے چلی گئی ہوں۔ لیکن میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''ام بول دے گا۔''

''اگر تم مجھے اپنے ساتھ ہی لیتے چلو تو کیا حرج ہے۔''

''نہیں صاحب! ام میم صاحب سے پوچھے گا پھر لے جائے گا۔''

اتنے میں قاسم کراہ کر اٹھ بیٹھا اور سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

ڈرائیور باہر چلا گیا۔

''ہائیں..... پھر وہیں.....!'' قاسم بوکھلا کر چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

رافعہ پر نظر پڑی اور وہ اٹھ کر دروازے کی طرف بھاگا۔

''ٹھہرو.....!'' حمید نے اسے للکارا۔ ''باہر نکلے تو جان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔''

قاسم رک کر ایک طرف مڑا۔

''اس بار تم بھی مر کر زندہ ہوئے ہو۔'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''لاقسم.....!'' قاسم نے گھٹی گھٹی سی آواز میں سوال کیا۔

''اسلئے خائف ہونے کی ضرورت نہیں۔ تھوڑی دیر بعد مرتے ہی رہو گے۔''

''دیکھو مجھے ڈراؤ نہیں۔''

''شٹ اپ.....!'' حمید حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

''اس سے کیا فائدہ..... وہ خائف معلوم ہوتا ہے۔'' ریما نے آگے بڑھ کر حمید کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔ لیکن حمید نے اس کا ہاتھ بڑی بے دردی سے جھٹک دیا۔

''عورتوں کے چکر میں مرے گا تو۔'' وہ قاسم کو گھونسہ دکھا کر چلایا۔

تت..... تم بھی..... تو مرو گے۔''

''ابے تو کیا میں عورتوں سے ڈرتا ہوں..... عورت مردہ ہو یا زندہ بہر حال عورت ہے۔ بلکہ وہ تو اپنے مردہ ہونے کو کسی طرح تسلیم ہی نہیں کرتی..... اُلو کے پٹھے۔''

''اے غالیاں نہ دو۔''

رافعہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ البتہ ریما احمقوں کی طرح ایک ایک کا منہ تک رہی تھی۔

کسی نے پھر دروازے پر دستک دی۔ حمید نے قاسم سے کہا کہ وہ جا کر دیکھے کون ہے۔

وہ خوفزدہ نظروں سے رافعہ کی طرف دیکھتا ہوا دروازے کی جانب بڑھا۔ پھر اس نے دروازہ کھولا تھا اور بوکھلا کر پیچھے ہٹ آیا تھا۔ دو آدمی اندر داخل ہوئے۔ ایک کے ہاتھ میں ٹامی گن تھی۔

''تم دونوں۔'' ان میں سے ایک نے ریما اور حمید کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''ہمارے ساتھ چلو گے۔''

''ان دونوں کو لے جاؤ..... ہمیں یہاں کوئی تکلیف نہیں۔'' حمید نے قاسم اور رافعہ کی طرف اشارہ کیا۔

''چلو.....!'' نامی گن والا غرایا۔

''چلو بھئی۔'' حمید طویل سانس لے کر ریما سے بولا۔

''ارے تو پھر مجھے بھی لیتے چلو..... میں یہاں اکیلے نہیں رہوں گا۔'' قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''تم نہیں جا سکتے۔'' حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔

''میں یہاں نہیں رہوں گا۔'' قاسم اس سے بھی زیادہ تیز آواز میں چلایا۔ آواز کیا تھی پوری گھن گرج تھی۔ پوری عمارت جھنا کر رہ گئی۔

ٹھیک اسی وقت حمید نے جھک کر اس کے پیٹ پر ٹکر ماری اور ''وہ ارے باپ رے'' کہہ کر اس آدمی سے ٹکرایا جو خالی ہاتھ تھا۔

قاسم کی ٹکر تھی۔ اس لئے خالی نہ گئی۔ وہ آدمی اچھل کر دیوار سے جا ٹکرایا۔

یہ سب کچھ اتنی سرعت سے ہوا کہ مسلح آدمی بوکھلا گیا۔ پھر اس کی نظر ذرا ہٹی ہی تھی کہ حمید نے اس کی نامی گن پر ہاتھ ڈال دیا۔

اچانک دروازے کی طرف سے فائر ہوا اور گولی ان دونوں کے سروں پر سے گزرتی ہوئی سامنے والی دیوار سے ٹکرائی۔ ساتھ ہی کسی نے کہا ''خبردار کیپٹن حمید..... یہ وارننگ تھی..... پیچھے ہٹو..... ہٹ جاؤ۔''

تیسرا آدمی دروازے میں نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں اعشاریہ چار پانچ کا ریوالور تھا۔

حمید گڑبڑا گیا۔ کیونکہ اسی وقت قاسم نے بھی اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

''بتاؤ..... میرا قصور..... سالے تم نے ٹکر کیوں ماری۔''

بہرحال حمید کی کوشش بارآور نہیں ہو سکی تھی۔

اسے اور ریما کو باہر نکلنا پڑا..... قاسم اور رافعہ وہیں رہ گئے۔ باہر ایک جیپ کھڑی تھی۔ ایک آدمی ان کے ساتھ بیٹھا اور وہ تیز رفتار سے آگے بڑھ گئی۔ اندر اندھیرا تھا۔

''ریما.....!'' دفعتاً حمید بولا۔ ''کیا تمہیں اپنی تاریخ پیدائش یاد ہے۔''

''کیوں؟ اس کی ضرورت کیوں پیش آئی۔''

''اندھیرے میں دکھائی نہیں دے رہیں۔''

''میں پوچھ رہی ہوں تاریخ پیدائش کی کیوں سوجھی۔'' ریما کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

''ارے تو اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے۔''

''یہ لوگ ہمیں کہاں لے جا رہے ہیں۔''

''تم دونوں خاموش بیٹھو تو بہتر ہے۔'' اندھیرے میں تیسری آواز گونجی۔

''یہی معلوم کرنا تھا کہ زندہ ہو یا مر گئے۔'' حمید بولا۔

''خاموش بیٹھو۔''

''زیادہ دیر خاموش بیٹھنا میرے لئے محال ہے۔ کھوپڑی میں عورت کا مغز رکھتا ہوں۔''

''کیا بات ہے؟'' ریما نے حمید سے پوچھا۔

''یہ کہہ رہا ہے کہ تم دونوں شادی کیوں نہیں کر لیتے۔''

''ٹھیک تو کہہ رہا ہے۔''

حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور میں اپنی اور اس کی شادی کے متعلق اظہار خیال لگا۔

''کیا کہہ رہے ہو۔''

''کچھ بھی نہیں۔ میں تو بہت دیر سے خاموش ہوں۔''

''کہیں اس صدمے نے تمہارا دماغ تو نہیں الٹ دیا۔''

گاڑی ایک زبردست دھماکہ ہوا اور گاڑی اچھلنے کودنے لگی۔ پھر اس کے بریک چرچرائے۔

''کیا بات ہے۔'' ان کے پاس بیٹھے ہوئے آدمی نے اونچی آواز میں پوچھا۔

''ٹائر برسٹ ہوا ہے۔'' ڈرائیور کی سیٹ سے آواز آئی۔ ''کسی نے فائر کیا تھا۔ ہوشیار رہو۔''

بے بسی

گاڑی رک چکی تھی۔ انجن بھی بند کر دیا گیا تھا۔ اچانک نامی گن قہقہے لگانے لگی۔ لیکن

آواز فاصلے کی تھی۔ شائد اگلی سیٹ والوں نے گاڑی سے اُتر کر کہیں اور پوزیشن سنبھال

"یہ کیا ہو رہا ہے دوست.....!" حمید نے تیسرے آدمی کو مخاطب کیا۔ اسے دھوکہ دے رہا تھا۔

"آہستہ بولو..... آہستہ بولو....." ریما کہتی سنائی دی۔ لیکن تیسرا آدمی پھر بول

حمید کا ریوالور پہلے ہی چھینا جا چکا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ تیسرا آدمی بھی یقیناً مو ہوگا۔ لیکن اندھیرے میں وہ کسی قسم کا خطرہ مول لینے کو تیار نہیں تھا۔

ٹامی گن کی فائرنگ کی آواز بھی بند ہو چکی تھی اور گہرا سناٹا چھا گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وین کا پچھلا دروازہ کھولا گیا اور انہیں نیچے اُترنے کا حکم ملا۔ آدمی نے اُترنے میں پہل کی۔

جب وہ دونوں بھی اُتر چکے تو ایک آدمی بولا۔ "کیپٹن حمید! اگر تم نے ذرہ ہوشیار بننے کی کوشش کی تو تمہارا جسم چھلنی ہو جائے گا۔ بائیں طرف اتر کر ڈھلان میں اتر

سردی سے دانت بج رہے تھے۔ ریما سے آگے چلنے کو کہا گیا۔ وہ خاموشی گر رہی تھی۔ حمید اس کے پیچھے تھا۔

ڈھلان سے اس طرح اترنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ حمید کی نظر ریما پر تھی۔ چلتے چلتے رک گیا۔

"آگے بڑھو۔" ٹامی گن کی نال اس کی کمر سے لگا کر کہا گیا۔

"میں اس کا ہاتھ پکڑ لوں۔ کہیں وہ گر نہ جائے۔" حمید نے اپنی آواز میں غرا کر کے کہا۔

"تم اسے سہارا دے سکتے ہو.....!" اونچی آواز میں کہا گیا۔ یہ سب سے پیچھے والے کی آواز تھی۔

یہ وہی آدمی تھا جس نے فائر کر کے حمید کو جدوجہد سے باز رکھا تھا۔

وہ اسے کوئی قبائلی لگا تھا۔

"کچھ دیر بعد انہیں رکنے کو کہا گیا۔ یہ دو چٹانوں کے درمیان ایک تنگ سی جگہ تھی

"تم لوگ آخر چاہتے کیا ہو۔" حمید نے انہیں مخاطب کر کے کہا۔

"کیپٹن حمید! میں تمہیں بطور یرغمال رکھنا چاہتا ہوں۔" ایک آدمی بولا۔ "کرنل فریدی نے میرے ایک ساتھی کو پکڑ لیا ہے۔ جب تک وہ ہمیں واپس نہ ملے تمہاری رہائی ناممکن ہے۔"

"اور اس بے چاری کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"اسے بھی کوئی تکلیف نہ ہوگی۔"

"کیا تم اسے پہچانتے ہو۔"

"ہاں تمہارے ہی ساتھ دیکھی جاتی رہی ہے۔"

"یہ بے قصور ہے۔ اس کا کرنل فریدی سے کوئی تعلق نہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ تم جہاں کہو گے اسے پہنچا دیا جائے گا۔"

"مجھے کہاں لے جاؤ گے۔"

"آزاد علاقے میں..... مجھے میرا ساتھی واپس ہی ملنا چاہئے۔"

"ٹھیک ہے..... یقیناً ملنا چاہئے۔ کیا تمہارا تعلق آزاد علاقے سے ہے۔"

"ہاں.....!"

"کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہو۔"

"تمہیں اس سے کوئی بحث نہیں ہونی چاہئے۔"

"چلو کوئی بات نہیں..... لیکن کیا ہمیں یہیں قیام کرنا پڑے گا۔"

"نہیں..... اب گفتگو کا سلسلہ ختم کر دو۔"

"ہم آپس میں تو گفتگو کر سکتے ہیں۔"

"آہستگی کے ساتھ..... آواز بلند نہ ہونے پائے۔"

"ریما تمہیں نیند تو نہیں آ رہی۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"نیند..... تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا..... یہ لوگ کیا چاہتے ہیں۔"

"یہ کوئی قبائلی ہے جس کے کسی ساتھی کو میرے چیف نے پکڑ لیا ہے۔ اب یہ مجھے بطور یرغمال آزاد علاقے میں لے جائے گا۔"

"مم..... مجھے بھی۔"

"اگر تم چاہو تو واپس بھی جا سکتی ہو۔ وہ مجھ سے یہی کہہ رہا تھا۔"

"میں کہاں جاؤں گی۔"

"سوچو.....!"

"میں تو اب تمہارے ہی رحم و کرم پر ہوں۔"

"اور میں ان لوگوں کے رحم و کرم پر ہوں۔"

"تو کیا تمہارا چیف ان کے ساتھی کو واپس کر دے گا۔"

اچانک کسی جانب سے آواز آئی۔ "تم سب گولیوں کی زد پر ہو..... اپنا اپنا اسلحہ زمین پر ڈال دو۔ چاروں طرف سے گھیرے جا چکے ہو۔"

قبائلی کے حلق سے غراہٹ کی شکل میں بڑی بڑی قسمیں ابلنے لگی تھیں۔

آواز پھر آئی۔ "سب کی پوزیشن میری نظر میں ہے۔ جو اپنی جگہ سے ہلا مارا گیا۔"

"تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو۔" قبائلی غرایا۔

"سڑک کی طرف مڑ کر کھڑے ہو جاؤ۔"

"یہ نہیں ہو سکتا..... تمہارا جو دل چاہے کرو۔"

"نہیں نہیں.....!" قبائلی کے دونوں ساتھیوں کی آوازیں سنائی دیں۔

"او..... چپ رہو..... نامرادو۔" وہ دہاڑا۔

پھر حمید نے تاروں کی چھاؤں میں دیکھا کہ وہ پہلے دہرا ہوا پھر گٹھری سی بن کر اوپر اٹھتا چلا گیا۔ چیخ رہا تھا اور بڑی بڑی قسمیں کھاتا ہوا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے..... کس کی آواز ہے۔" ریما نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"معلوم نہیں.....!" حمید نے جواب دیا۔ حالانکہ اس نے فریدی کی آواز صاف پہچانی تھی۔

"آخر اب ہم کن لوگوں کے ہاتھوں پڑ گئے ہیں۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ آواز پھر آئی۔

"کیپٹن حمید..... تم جہاں جانا چاہو جا سکتے ہو۔"

پھر اس نے قبائلی کے ساتھیوں کو بھی اس کی طرح اوپر اٹھتے دیکھا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ فریدی نہیں چاہتا کہ اسے اپنے ساتھ رکھے ورنہ اس مشورے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

سوال تو یہ ہے کہ اب وہ جائے کہاں۔ سردی سے دانت بجنے لگے تھے۔ لیکن اسے حیرت تھی کہ آخر وہ اس قسم کی تکالیف کس طرح برداشت کر رہی ہے۔

"اب تم کیا سوچ رہے ہو۔" ریما نے اس کا شانہ جھنجھوڑ کر کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کیا سوچوں۔"

"آخر وہ کون تھا..... کس کی آواز تھی۔"

"میں نہیں جانتا..... لیکن میرا چیف ہر وقت میرے حالات سے باخبر رہتا ہے..... ہے کہ یہ اسی کا کوئی آدمی تھا۔"

"اس کا کوئی آدمی تھا تو تمہیں اس سے واقف ہونا چاہئے۔"

"ضروری نہیں ہے۔" حمید طویل سانس لے کر بولا۔ "اس کے بارے میں کوئی کچھ نہ جانتا۔ حتیٰ کہ میں بھی نہیں جو اس کے سب سے قریب ہوں۔"

دفعتاً ریما ہنس پڑی۔ انداز مضحکہ اڑانے کا سا تھا۔

"کیوں تم اس طرح کیوں ہنس رہی ہو۔"

"میں سوچ رہی ہوں آخر کب تمہارے اعتماد کے قابل بن سکوں گی۔"

"کیا مطلب.....؟"

"کرنل فریدی کی آواز ہمیں دن میں کئی بار سنائی جاتی تھی۔"

"اوہو.....!"

"وہ چونکہ میک اپ کا ماہر ہے اسلئے اس کی آواز کے ٹیپ ہمارے پاس موجود ہیں۔"

"شاید تمہیں نہیں معلوم کہ میرا چیف آواز بدلنے کا بھی ماہر ہے۔"

"لیکن اس وقت تو اس کی آواز بدلی ہوئی نہیں تھی۔"

"ضرورت نہ سمجھی ہوگی۔" حمید نے لاپرواہی سے کہا۔

"خیر ہوگا..... میں تو صرف یہ پوچھتی ہوں کہ تمہارا چیف دوبارہ کب خطرے سے آگاہ کرے گا۔"

"کیسا خطرہ۔"

"وہ تمہارے چیف کو دھوکہ دے کر کرنل فریدی اس کی حراست سے [illegible]

ہمارے مقامی مرکز تک پہنچنے کی کوشش کرے گا۔ لیکن واجد حقیقتاً اسے کسی اندھے کنوئیں میں گرا دے گا۔ سمجھنے کی کوشش کرو..... پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ ہم لوگ میڈیکل سائنس کو بہت آگے لے گئے ہیں۔"

"میں کیا کر سکتا ہوں..... میرے پاس تو کوئی ایسا ذریعہ نہیں کہ اس تک پہنچ سکوں۔"

"اونہہ ہوگا..... مجھے کیا۔ لیکن اب ہم جائیں کہاں؟"

"میرا خیال ہے کہ رات ہم اسی جگہ بسر کریں۔"

"تم مجھے پاگل کر دو گے۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"میں دیوانگی کا جرثومہ تو نہیں ہوں۔"

"میں سوچتی ہوں کہ زندہ رہ کر کیا کروں گی۔ تنظیم میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں رہی اور تم مجھے فریب کار سمجھتے ہو۔"

یہ کہہ کر وہ اٹھی اور تیزی سے دراڑ سے نکلی چلی گئی۔ حمید اس کے پیچھے جھپٹا تھا لیکن وہ اس کی رفتار بہت تیز تھی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے وہ کسی اونچی چٹان سے چھلانگ دینے کا ارادہ رکھتی ہو۔

حمید آوازیں دیتا اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ کافی دور تک وہ اس کے پیچھے دوڑتا رہا تھا پھر عین اس وقت جب وہ ایک جگہ سے نیچے چھلانگ لگانے جا رہی تھی اس نے اسے جالیا۔

"چھوڑ دو..... مجھے چھوڑ دو.....!" وہ ہانپتی ہوئی چیخنے لگی۔

"تم سب درندے ہو..... کمینے ہو..... خلوص کی قدر نہیں کر سکتے۔"

"میں نے کیا کیا ہے؟ خود ہی سوال کرتی ہو..... خود ہی جواب دے لیتی ہو۔ وہموں میں مبتلا رہتی ہو۔ میں تو تمہاری بہت عزت کرتا ہوں۔"

"عزت..... صرف عزت.....!"

"اچھا اب بیٹھ جاؤ۔ تمہاری سانس پھول رہی ہے۔"

وہ نڈھال ہو کر بیٹھ گئی۔ بُری طرح ہانپ رہی تھی۔

دفعتاً اس پر ٹارچ کی روشنی پڑی اور کسی نے گرج کر کہا۔ "خبردار اپنی جگہ سے جنبش نہ کرنا ورنہ گولی مار دوں گا۔"

"کوئی اور مصیبت.....!" حمید نے بڑبڑا کر اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

بھاری قدموں کی آواز قریب آتی جا رہی تھی۔

"یہاں کیا ہو رہا ہے....." آنے والے نے گرج کر پوچھا اور ان کے چہروں پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔

یہ مقامی پولیس کی وردی میں تھا۔

"بیٹھے ہوئے تھے بھائی۔" حمید کراہ کر بولا۔

"یہاں اتنی رات گئے۔"

"آثار قدیمہ دیکھنے نکلے تھے..... گھوڑے بھاگ گئے۔"

"تمہیں ہمارے ساتھ پولیس اسٹیشن چلنا پڑے گا۔ خواہ کچھ ہوا ہو۔"

"ضرور چلیں گے..... لیکن اس سے پہلے ہمیں ہمارے گھر لے چلو تاکہ وہاں سے اپنے کاغذات تو ساتھ لے لیں ورنہ تم لوگوں کو مطمئن کیسے کریں گے۔"

"کہاں سے آئے ہو۔"

"رنگون سے۔"

"چلو..... لیکن خیال رکھنا کہ میں مسلح ہوں۔"

حمید نے ریما سے اٹھنے کو کہا۔ وہ دونوں آگے چل رہے تھے اور باوردی آدمی ان کے پیچھے انہیں ٹارچ کی روشنی میں راستہ دکھا رہا تھا۔

وہ سڑک پر آئے۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ اس طرف نہ لے جائے جہاں ایک ناکارہ گاڑی ملے گی۔ اس کا اسے پہلے دھیان نہیں آیا تھا۔ ورنہ ٹائر فلیٹ ہو جانے کی بات کرتا۔ لیکن وہ کسی اور طرف لے آیا تھا۔ یہاں پولیس کی ایک پٹرول کار نظر آئی۔

کار کے قریب پہنچے تو پھر ان کے چہروں پر ٹارچ کی روشنی پڑی۔ یہ کار کے اندر سے تھی۔

"اوہو..... کسی کی آواز آئی..... یہ تو کیپٹن حمید ہیں۔" اس کے بعد اگلی سیٹ کا دروازہ کھلا اور ایک آدمی نیچے اترا۔

"آپ یہاں کہاں جناب۔"

"تم کون ہو.....!" حمید نے پوچھا۔

"کرائمز برانچ کا ایک سب انسپکٹر جناب۔"

"اچھا تو سنو! پہلے مجھے ایڈلفی تک لے چلو۔ وہاں سے میں تمہیں اس جگہ تک لے چلوں گا جہاں مقیم ہوں۔"

"بہت بہتر جناب! تشریف رکھئے۔" اس نے ان کے لئے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

حمید نے اس سلسلے میں قطعاً کوئی بات نہ پوچھی کہ وہ اسے کیونکر پہچان سکا تھا۔ خود اس کے لئے وہ اجنبی ہی تھا۔

ایڈلفی کے قریب پہنچ کر اس نے ڈرائیور کو راستہ بتانا شروع کیا اور بالآخر اس عمارت تک آیا جہاں سے وہ قیا کو لے گیا تھا۔

وہ لوگ انہیں اتار کر پل بھر کے لئے بھی نہیں ٹھہرے تھے۔

برآمدے میں پہنچ کر انہوں نے کال بل کا بٹن دبایا۔

"قون ہے؟" دروازے کے قریب ہی کی آواز تھی۔ ایسا معلوم ہوا جیسے قاسم پہلے سے وہاں کھڑا رہا ہو۔

"دروازہ کھولو..... میں حمید ہوں۔"

بولٹ کھسکنے کی آواز آئی..... دروازہ کھلا اور قاسم ہونقوں کی طرح پلکیں جھپکاتا نظر آیا۔

"واپس آ غئے.....!" بالآخر اس نے کہا۔

"ہر جگہ سے واپسی لازمی ہے میری۔" حمید لاپرواہی سے بولا اور اسے ایک طرف کر آگے بڑھنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ قاسم نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ٹھہرو سنو..... آ غے مت بڑھو..... میں تمہیں اندر نہیں جانے دوں گا۔"

"کیوں.....؟"

"میں نے اسے ادھر بند کر دیا ہے۔"

"تم اتنے ڈرپوک کیوں ہو گئے ہو۔"

"میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔" وہ آگے جھک کر آہستہ سے بولا۔ "اب وہ پاگل ہو گئی ہے۔ اپنے کپڑے چیر پھاڑ ڈالے ہیں۔ صرف بھوتنی ہوتی تو خیر قوئی بات نہ تھی۔"

"تو کیا.....؟"

"ہاں ہاں..... کپڑے نہیں ہیں اس کے جسم پر۔"

"کیا بات ہے۔" ریما آگے بڑھ کر بولی۔ "مجھے بھی تو بتاؤ۔"

حمید نے قاسم سے ملی ہوئی اطلاع دہرائی۔

"اگر دیوانگی کا دورہ پڑا ہے تو سمجھو اس انجکشن کا اثر زائل ہو رہا ہے۔" ریما نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "جب دل کی دھڑکن بند ہونے کی بجائے دیوانگی کا دورہ پڑے تو اسکے بعد گہری نیند کا دورہ شروع ہوتا ہے۔ اس سے پوچھو کہ اس نے کتنی دیر سے اس کی آواز نہیں سنی۔"

قاسم کے بیان کے مطابق آدھ گھنٹہ پہلے تک وہ اندر چیختی رہی تھی۔ اس کے بعد سے اس نے اس کی آواز نہیں سنی تھی۔

"اچھا تم دونوں یہیں ٹھہرو..... میں اندر جا کر دیکھتی ہوں۔" ریما نے کہا۔

"اے روقو اس کو، نہیں تو نوچ کھسوٹ ڈالے غی۔" قاسم نے حمید کو گھورتے ہوئے کہا۔

"تم خاموش رہو۔"

"مجھے قیا.....!" قاسم نے اپنے بھاری بھرکم شانوں کو جنبش دی اور بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

ریما دروازہ کھول کر اندر جا چکی تھی۔

"تم بہت بدنصیب آدمی ہو۔" حمید نے قاسم سے کہا۔

"ٹھینگے سے۔" بُرے لہجے میں جواب ملا۔

"لیکن میرے نصیب میں کیوں ہو۔" حمید اپنی ران پر ہاتھ مار کر چیخا۔

"قیا مطلب.....؟"

"کیا یہ ضروری ہے کہ زندگی کے ہر موڑ پر تم خبیثوں کی طرح کھڑے ملو۔"

"تم خود سالے خبیث..... اس بار تم میرے ٹھینگے کے موڑ پر آ کھڑے ہوئے ہو۔ قیا مُلّا تم کو تمہارے گھر سے بلا لایا ہوں۔"

"نہیں جناب! آپ ایک پاگل عورت کے سیکریٹری بن کر یہاں تشریف لائے تھے۔ لہٰذا اب جہنم میں تشریف لے جائیے۔"

"میں کہتا ہوں چپ رہو۔" قاسم کھڑا ہو کر دہاڑا۔ پھر یک بیک شاید ذہنی رو بہک گئی۔ خدوخال میں اچانک نرمی کے آثار نظر آنے لگے اور وہ سب کچھ بھول کر آہستہ سے بولا۔ "وہ انجکشن کے بارے میں کیا کہہ رہی تھی۔"

"میں نہیں جانتا۔ اس کی انگریزی میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"الو نہ بناؤ..... میں سب سمجھتا ہوں۔"

"خاموشی سے سمجھو..... بکواس کی ضرورت نہیں۔"

قاسم بیٹھ کر اسے گھورنے لگا۔

کچھ دیر بعد ریما واپس آئی۔ چند لمحے خاموش کھڑی رہی پھر بولی۔ "وہ گہری نیند سو رہی ہے..... اتنی گہری نیند کہ لباس تبدیل کراتے وقت بھی وہ نہیں جاگی۔"

"اب مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔" حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "صبح کے چار بج رہے ہیں۔"

"جاؤ سو جاؤ۔" ریما نے پیار بھرے لہجے میں کہا اور قاسم حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر ٹھنڈی سانس لے کر منہ چلانے لگا تھا۔

"اور تم.....!" وہ قاسم کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "تم بھی سونا چاہو تو جا سکتے ہو۔"

"اور..... اور..... تم.....!"

"میری فکر نہ کرو..... مجھے تو جاگنا ہی ہے؟"

"کیوں تمہیں کیوں جاگنا ہے۔"

"تم سب کی حفاظت کروں گی۔"

"نہیں! حفاظت کرنے کے لئے میں کافی موٹا ہوں..... تم بھی جا کر سو جاؤ..... بھوتوں کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتا ہم..... مگر تم لوگ چھوٹے کس طرح..... تمہیں تو وہ لوگ پکڑ لے گئے تھے؟"

"تمہارا دوست بہادر ہے۔" ریما مسکرا کر بولی۔

قاسم نے بڑا سا منہ بنا کر حمید کی طرف دیکھا اور حمید کو ہنسی آ گئی۔

"ہنس لو سالے ہنس لو۔" وہ دانت پیس کر بولا۔ "کبھی تو اللہ مجھے بھی ہنسنے کا موقع دے گا۔"

حمید نے ذرہ برابر بھی اس کی پرواہ نہیں کی تھی کہ ریما جاگتی رہے گی۔

کمرے میں پہنچا تھا اور پندرہ منٹ کے اندر اندر گہری نیند سو گیا تھا۔

اگر جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر نہ جگایا جاتا تو پتہ نہیں کب تک خراٹے لیتا رہتا۔ دن کے دس بجے اور جگانے والا قاسم تھا۔ لیکن کمرہ تو وہ نہیں تھا جس میں قاسم پچھلی رات سویا تھا۔

"اے ہوش قرو.....!" قاسم اس کا شانہ ہلا کر بولا۔ "یہ مکان وہ نہیں ہے جس میں ہم گئے تھے۔"

"اگر نہیں ہے تب بھی خاموش رہو..... میں بہت تھک گیا ہوں۔ خود سے چل پھر نہیں سکتا۔ ان لوگوں کا کرم اور احسان ہے کہ خود ہی اٹھائے اٹھائے پھرتے ہیں۔"

"بیٹا بہت نہ اتراؤ..... تمہاری والی کٹو بھی غائب ہیں۔" قاسم جلے کٹے لہجے میں بولا۔

"سب کو جہنم میں جھونکو..... کیا وقت ہوا ہے؟"

"دس بجے ہیں۔"

"ناشتے کی کیا رہی۔"

"بھوک کے مارے دم نکلا جا رہا ہے۔"

"اب کے شاید بداخلاق لوگوں سے سابقہ پڑا ہے۔"

"میں کہتا ہوں ہوش میں آ جاؤ..... یہ سالا تہہ خانہ معلوم ہوتا ہے۔"

"اگر قبر بھی ہو تو مجھے پرواہ نہیں ہو سکتی۔"

"دیکھو..... ڈرانے والی بات نہ کرو۔"

حمید نے اچٹتی سی نظر چاروں طرف ڈالی اور پھر قاسم کی طرف دیکھنے لگا۔

"ابے یار..... کہیں ہم بھی تو مر مرا کر زندہ نہیں ہو رہے۔" دفعتاً قاسم نے بے حد خوفزدہ لہجے میں سوال کیا۔

"معلوم ہو جائے گا۔ فکر نہ کرو۔"

یہاں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ حمید نے بستر سے اٹھ کر ایسی حرکتیں شر
کر دیں جیسے ورزش کر رہا ہو۔

"یہ کیا کر رہے ہو۔ بھوک اور چمک اٹھے گی۔" قاسم بولا۔

"تم اپنی زبان بند رکھو تو بہتر ہے..... یہ لوگ مجھے بور کر دینے پر تلے ہوئے ہیں۔
آخر تمہیں کہیں الگ کیوں نہیں باندھا۔"

"دیکھو..... حمید بھائی..... ایسی باتیں نہ کرو..... ہم میں کوئی جھگڑا تو ہوا نہیں۔"

"بالکل نہیں ہوا..... تو پھر.....؟"

تہہ خانے کی زینوں کی طرف سے کسی کی آہٹ سنائی دی۔

دونوں چونک کر مڑے۔ ریما زینے طے کر کے آتی دکھائی دی۔

"تم دونوں جاگ پڑے۔" اس نے لہک کر پوچھا۔

"پہلے یہ بتاؤ کہ اب ہم کہاں ہیں۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر سوال کیا۔

"ذرا دیر کو میری پلک جھپکی تھی..... پھر پتہ نہیں کیا ہوا۔" ریما نے مسمسی صورت بنا کر کہا۔

"تم کہاں تھیں؟"

"اوپر کے ایک کمرے میں..... تہہ خانے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ادھر آنکلی..... او
سنو..... ہم اسی عمارت میں ہیں جہاں سے ہیلی کوپٹر لے کر فرار ہوئے تھے۔"

"تب تو ٹھیک ہے..... تم واقف ہی ہو اس جگہ سے..... لیکن کیا اس بار یہ لوگ بھی
ماریں گے۔"

"دراصل میز پر بہت زیادہ سامان دیکھ کر ہی میں نے اندازہ لگایا تھا کہ تم لوگ کہیں
آس پاس ہی موجود ہو۔ وہ لڑکی کہاں ہے..... رافعہ۔"

"آپ صرف میز پر سامان کی بات کریں۔" قاسم منہ چلا کر بولا۔

"میں پوچھ رہی ہوں لڑکی کہاں ہے۔" وہ جھلا کر قاسم کی طرف مڑی۔

"ہوگی..... کہیں..... مجھے میز پر لے چلو..... میں اس کی نوکری چھوڑ چکا ہوں۔"

"اس شخص سے کہو خاموش رہے۔" ریما نے حمید سے کہا۔

"لڑکی کا علم ہمیں نہیں..... یہاں صرف ہم ہی تھے۔" حمید بولا۔

"ہوں..... اچھا..... اوپر چلو۔"

وہ زینے طے کر کے اس کمرے میں داخل ہوئے۔ یہاں ایک بڑی سی میز پر ناشتے کا
چنا ہوا تھا۔

قاسم تو ٹوٹ ہی پڑا تھا۔ البتہ حمید ناشتے کے دوران میں ریما سے مختلف قسم کی باتیں
رہا تھا۔

ناشتے کے بعد اس نے ریما سے کہا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ ان لوگوں کی اسکیم کیا ہے۔
آزاد کر دیتے ہیں کبھی جکڑ لیتے ہیں۔ آخر چاہتے کیا ہیں۔"

"سب تمہارے چیف کو پھانسنے کی تدبیریں ہیں۔ کبھی تو ایسے حالات میں تعاقب
ے گا اور پکڑا جائے گا۔"

"بچوں کی سی باتیں نہ کرو۔ اس طرح اس پر ہاتھ نہیں ڈالا جا سکتا۔ ایسے کھیل ہم لوگوں
ہت کھیلے ہیں۔"

"تو پھر اٹھو..... یہاں سے نکل چلنے کی تدبیر کریں۔"

"تم ہی کرو کوئی تدبیر..... میں فی الحال تمباکو نوشی کے موڈ میں ہوں۔"

اچانک دو آدمی کمرے میں داخل ہوئے۔ جن کے ہاتھوں میں اعشاریہ چار پانچ کے
بھر کم ریوالور تھے۔

"ہمارے ساتھ چلو.....!" ان میں سے ایک بولا۔

"فوراً.....!" حمید نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں پوچھا۔

"ہاں فوراً.....!"

"لیکن میں تمباکو نوشی کرنا چاہتا ہوں۔"

"اٹھو.....!" وہ پیر پٹخ کر بولا اور ریما نے آہستہ سے کہا۔ "حمید فی الحال بات نہ
ان پر یہی ظاہر کرو کہ تم چوہے سے بھی بدتر ہو۔"

"اگر کوئی عورت کہے تو چوہے سے بدتر سے بھی کمترین ہونے کو تیار ہوں..... اٹھو
بہاڑ خان..... اب نکلے گا..... کھایا پیا.....!"

"ٹھینگے سے.....!" قاسم بھنا کر بولا۔ "میں مردوں سے نہیں ڈرتا۔"

وہ اس کمرے سے نکلے۔ مسلح آدمی ان کے پیچھے چل رہے تھے۔ یہ بھی قبائلی ہی معلو ہوتے تھے۔

پھر ایک کمرے میں قدم رکھتے ہی حمید حواس باختہ ہوگیا۔

''ارے باپ رے۔'' قاسم کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔

فریدی سامنے کرسی پر جکڑا نظر آیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ آنکھو میں عجیب سا جمود تھا۔ ایسا جمود جو موت کو یقینی سمجھ کر بے بسی کی شکل میں پورے وجود پر طار ہوجاتا ہے۔ اس کے قریب ہی ایک قوی ہیکل غیر ملکی کھڑا تھا۔ جس کے جسم پر چمڑے جیکٹ تھی اور ہاتھوں میں چرمی دستانے۔

دفعتاً اس نے فریدی کو مخاطب کر کے کہا۔ ''اب تمہیں زبان کھولنی ہی پڑے گی کرنل فریدی دیکھو تمہارا اسسٹنٹ بھی آ گیا ہے۔ جسے تم بھائی کی طرح عزیز رکھتے ہو۔''

حمید فریدی پر ان جملوں کا کوئی اثر محسوس نہ کر سکا۔

اس پر بدستور پہلے ہی سی مجہولیت طاری رہی۔

''اگر تم نے نانوتہ کا پتہ نہ بتایا تو یہ یہیں ذبح کر دیا جائے گا۔'' غیر ملکی پھر دہاڑا۔ لیکن فریدی پر اب بھی بے بسی طاری رہی۔

''یہ کون ہے۔'' حمید نے آہستہ سے ریما سے پوچھا۔

''لیکراس.....!''

''تت..... تم تو کہہ رہی تھیں کہ وہ عورت ہے؟''

دفعتاً ریما نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور بولی ''احمق آدمی کے بھولے اسسٹنٹ..... تیسری ناگن میں خود ہوں۔ ریما..... ریما..... زیرولینڈ کی تیسری بڑی شخصیت..... لیکراس.....!''

''یس مادام.....!'' لیکراس احتراماً جھکا۔

''کیپٹن حمید تمہیں عورت سمجھتا ہے۔''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں مادام.....!''

''واجد کو بلواؤ.....!'' ریما نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''بہت بہتر مادام.....!'' لیکراس نے کہہ کر ایک آدمی کو اشارہ کیا وہ چلا گیا۔

ریما قاسم اور حمید کے پاس سے ہٹ کر کمرے کے وسط میں آ کھڑی ہوئی تھی۔

''تو کیا سچ مچ تم عورت نہیں ہو۔'' حمید نے لیکراس سے پوچھا۔

''شٹ اپ.....!''

''نہیں! لیکراس اس سے اس طرح پیش نہ آؤ..... یہ ریما کا شکار ہے۔''

''بہت بہت شکریہ مادام.....!'' حمید نے تلخ لہجے میں کہا۔

''تم مجھے ریما کہہ کر ہی مخاطب کر سکتے ہو کیپٹن.....!''

''مزید شکریہ مادام.....!''

''ابے اب قریا ہوگا..... قرنل صاحب تو بندھے بیٹھے ہیں۔'' قاسم آہستہ سے بڑبڑایا۔ سالے ہمیشہ عورتوں کے چکر میں مارے جاتے ہو..... کل تک سالی بھیگی بلی بنی ہوئی .....اب مادام ہوگئی ہے۔''

اتنے میں حمید نے واجد کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا۔ ریما سامنے ہی کھڑی تھی اور ں کا رخ اسی دروازے کی طرف تھا جس سے واجد داخل ہوا تھا۔

جیسے ہی واجد کی نظر اس پر پڑی جہاں تھا وہیں تھم گیا۔ پلکیں جھپکائے بغیر اسے گھورتا .....پھر دوزانو ہوگیا۔

''واجد.....!'' دفعتاً سناٹے میں ریما کی آواز گونجی۔ ''تم ابھی مجھے نہیں پا سکتے۔ ادھر .....وہ شخص جو کرسی سے جکڑا ہوا ہے کیا تم اسے پہچانتے ہو۔''

واجد نے مڑ کر فریدی کی طرف دیکھا اور پھر حمید کو اس کی آنکھوں میں شاید نفرت کے آثار ے۔ وہ اٹھ گیا اور پرتنفر لہجے میں بولا۔ ''ہاں میں اسے جانتا ہوں۔ یہ کرنل فریدی ہے۔''

''میری بہن اس کی قید میں ہے۔ لیکن اس کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں قید .....!'' ریما رک رک کر بولی۔ ''میں چاہتی ہوں کہ تم اس سے معلوم کرو..... یہ لو..... یہ ُہ سے لو۔''

ریما نے آگے بڑھ کر ایک چمک دار خنجر اس کے ہاتھ میں تھما دیا اور بولی۔ ''اس کے ُشگاف دے دے کر اس سے پوچھو کہ نانوتہ کہاں قید ہے۔ یہ اپنی زبان کھولنے پر مجبور ے گا۔''

حمید نے بوکھلا کر فریدی کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر ذرا بھی تبدیلی نظر نہ آئی۔ بالکل بے حس نظر آ رہا تھا۔ کوئی ایسا آدمی جو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھا ہو۔

"یہ نہیں ہو سکتا۔" اچانک وہ واجد کی طرف جھپٹا۔ لیکن اس کے پیچھے کھڑے ہوئے قبائلیوں نے اسے جکڑ لیا۔ پھر وہ چیختا ہی چلا گیا۔

"قاسم بے حیا تم کھڑے دیکھ رہے ہو۔ ڈوب مرو..... اگر ایسا ہوا تو..... اگر ایسا ہوا تو۔"

اس کی آواز حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔

"اسے بھی کرسی سے باندھ دو۔" ریما بولی۔

"یہ نہیں ہو سکتا.....!" دفعتاً قاسم غرا کر آگے بڑھا۔ لیکن اس سے بے خبر تھا کہ ساتھ ہی لیکراس کی ٹانگ بھی چلی ہے۔ وہ لڑکھڑا کر منہ کے بل فرش پر آ رہا۔

لیکراس نے بڑی پھرتی سے جھک کر کوئی چیز اس کے منہ پر مل دی اور وہ "ارے ارے" کہتا ہوا بے حس و حرکت ہو گیا۔

دوسری طرف حمید دونوں قبائلوں سے گتھا ہوا تھا۔ لیکن بالآخر وہ اسے بے بس کرنے میں کامیاب ہو ہی گئے۔ لیکن کرسی سے باندھتے وقت انہیں پھر دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔

لیکراس اور ریما اس منظر کو دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

کسی نہ کسی طرح قبائلیوں کو کامیابی ہوئی۔ حمید بھی کرسی سے جکڑ دیا گیا۔

اب وہ فریدی کو للکار رہا تھا۔ "کہاں گئی وہ قوت جو پتھر کو ریزہ ریزہ کر دیا کرتی تھی کہاں گئی وہ غیرت جس نے لوہے کی موٹی موٹی سلاخوں کو حقیر تار کے ٹکڑوں کی طرح کبھی کبھی موڑ دیا ہے..... ہوش میں آیئے..... آپ کو کیا ہو گیا ہے..... وہ جو تنہا سینکڑوں پر بھاری ہو..... اس طرح بے بس ہو جائے۔"

لیکن بے سود..... حمید چیخ چیخ کر نڈھال ہو گیا۔ لیکن فریدی کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ ریما اور لیکراس اس دوران میں قہقہے لگا رہے تھے۔

"واجد چلو تم اپنا کام شروع کر دو۔" دفعتاً ریما بولی۔

حمید نے بے بسی سے قاسم کی طرف دیکھا جو اب بھی فرش پر بیہوش پڑا تھا۔

واجد فریدی کی طرف بڑھا اور اس کے بازو میں خنجر کی نوک چبھاتے ہوئے پوچھا

"او..... نانوتہ کہاں ہے۔"

فریدی کی ناک سے عجیب سی آواز نکلی..... اور حمید نے آنکھیں بند کر لیں۔

پھر واجد پر جیسے دورہ سا پڑ گیا ہو۔ وہ بڑی تیزی سے جسم کے مختلف حصوں پر خنجر مار مار کر اپنا سوال دہرائے جا رہا تھا۔

"ٹھہرو..... ٹھہر جاؤ۔" لیکراس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ لیکن واجد کا ہاتھ نہ رک سکا۔

پھر لیکراس نے ریما سے کہا وہ اسے روکے۔ کہیں فریدی مر ہی نہ جائے۔

ریما کے کہنے پر واجد رک کر ان کی طرف مڑا تھا۔

"اسے ذرا دم لینے دو.....!" ریما بولی۔ "کچھ دیر بعد جب زخم اس کے لئے عذاب بن جائیں گے تو خود ہی زبان کھولے گا۔"

فریدی نے ہونٹ سختی سے بھینچے ہوئے تھے اور ناک سے کراہیں نکل رہی تھیں۔ حمید نے ہنوز آنکھیں نہ کھولیں۔

پھر لیکراس نے اس آدمی کو اشارہ کیا جو واجد کو یہاں لایا تھا۔ وہ اسے واپس لے جانے کے لئے آگے بڑھا اور ریما بولی۔ "اب تم مجھ سے روزانہ مل سکو گے..... اب جا کر آرام کرو۔"

واجد کسی اطاعت شعار غلام کے سے انداز میں کمرے سے چلا گیا۔

اب کمرے میں صرف دو مسلح قبائلی ہی رہ گئے تھے۔

"بڑے بزدل ہو کیپٹن حمید۔ آنکھیں کھولو۔" ریما نے چٹکی لی۔

"میں بزدل نہیں ہوں۔ اس عظیم آدمی کی بے بسی مجھ سے نہیں دیکھی جاتی۔ یقیناً اس ناری میڈیکل سائنس نے کوئی ظلم ڈھایا ہے ورنہ اب تک اس کرسی کے پرخچے اڑ چکے ہوتے جس سے تم نے اسے جکڑ رکھا ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو کیپٹن حمید۔" لیکراس ہنس کر بولا۔ "اس کی طاقت جواب دے چکی ہے اور ابھی ہم اس کو بولنے پر مجبور کر دیں گے۔ تم شوق سے اپنی آنکھیں بند رکھو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ ماحول پر عجیب سا سناٹا طاری تھا۔ حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے دل کی دھڑکنیں رک رہی ہوں۔

''اب میری داستان سنئے مادام.....!'' اس نے لیکراس کی آواز سنی۔

''ہاں..... میں سوچ رہی تھی کہ یہ کہانی کیپٹن حمید کے سامنے ہی سنی جائے تا کہ اس پر اپنے چیف کی مزید عظمتیں منکشف ہوسکیں۔''

''آپ نے بڑی خوبصورت بات کہی مادام.....!'' لیکراس ہنس کر بولا۔

''اسے اس کا موقع ضرور ملنا چاہئے۔ اس بیچارے نے بھی بڑی مصیبتیں جھیلی ہیں۔ مادام جب یہ ثابت ہوگیا کہ لیکراس عورت نہیں ہے تو میرا خیال فوری طور پر آپ کی طرف منتقل ہوگیا کہ تیسری ناگن آپ ہی ہوسکتی ہیں۔''

''تم نے یہ کیا بکواس شروع کردی۔''

''میں نے گفتگو کا ڈھنگ بدل دیا ہے مادام..... ابھی نفس مضمون کی طرف آتا ہوں..... ذرا ٹھہریئے۔''

حمید نے بوکھلا کر آنکھیں کھول دیں کیونکہ یہ لیکراس کی آواز نہیں تھی۔

اس نے ریما کو بھی چونکتے دیکھا۔ لیکراس ہنس رہا تھا۔ پھر قبل اس کے کہ ریما اپنی جگہ سے جنبش بھی کرسکتی اس نے اس کے بال مٹھی میں پکڑے اور ہاتھ اونچا کردیا۔ وہ اسی طرح لٹکی ہوئی ہاتھ پیر مارتی رہی۔

پھر فریدی نے اپنے ہاتھ کو گردش دینی شروع کی اور ریما حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخنے لگی۔

دونوں قبائلی ہنس رہے تھے۔

''دیکھو..... دیکھو.....!'' حمید نہ رکنے والے قہقہوں کے درمیان کہتا رہا۔ ''دیکھو میرے چیف کی عظمت..... یہ زخمی بدھو یقیناً لیکراس ہوگا۔''

ریما کے بال چھوڑ دیئے گئے اور وہ چکرا کر فرش پر گری۔

اس کے بعد وہ دونوں قبائلی آگے بڑھے اور انہوں نے ریما کے ہاتھ اس کی پشت پر باندھ دیئے تھے۔

''کیپٹن حمید! تم پہلے مرد ہو جسے میں نے چاہا ہے۔'' ریما حمید کی طرف دیکھ کر بولی۔

''چاہتی رہو..... میں منع نہیں کرتا۔'' حمید کا جواب تھا۔

اب قبائلی اسے کرسی سے کھول رہے تھے۔ رہائی پانے کے بعد حمید قاسم کے پاس پہنچا۔

''اسے یونہی لیٹا رہنے دو۔ ابھی اس عورت نے زیرولینڈ کی میڈیکل سائنس کے بارے میں کچھ کہا تھا۔'' فریدی نے کہا اور ریما کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ کچھ نہ بولی۔

فریدی نے کہا۔ ''اگر میرے علاوہ اور کوئی قاسم کو ہوش میں لاسکے تو لیکراس کی زبان کھول دوں گا۔''

''تو کیا وہ سچ مچ لیکراس ہے۔'' حمید نے فریدی کے ہم شکل کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا۔

''ہاں..... یہ وہی عورت ہے اور یہ سچ ہے کہ اس پر ہاتھ ڈالنے کے بعد ہی اندازہ ہوسکا کہ اس گروپ کی سربراہ کون ہوسکتی ہے۔''

''کیپٹن حمید میں نے تمہیں سچ مچ چاہا ہے۔'' ریما پھر بولی۔ اسکے چہرے پر خوف وہراس کا شائبہ تک نہیں تھا۔ چہرہ تروتازہ تھا۔ حتیٰ کہ یہ بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ ذرا ہی دیر پہلے کسی قسم کی اذیت میں مبتلا رہ چکی ہے۔

''میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ آس پاس اب میرا کوئی آدمی آزاد نہ ہوگا۔ لیکراس اتنا احمق ہے میں نہیں جانتی تھی۔''

''لیکن تم ہمیں ضرور احمق سمجھتی تھیں۔'' فریدی بولا۔ ''تم تو نانوتہ کی عشر عشیر بھی ثابت نہ ہوسکیں۔''

''لیکن یہ حقیقت ہے کہ اب اس تنظیم سے جی بھر گیا ہے۔ چلو وہ تمہاری قیدی سہی۔''

''اور کچھ.....!''

''یقین کرو کیپٹن حمید۔ انہوں نے میرے اپاہج باپ کو مار ڈالا ہے۔''

''مجھے یقین ہے اور کچھ.....!''

''میں زندہ رہنا چاہتی ہوں۔''

''نانوتہ بھی زندہ ہے۔''

''بس اب اور کچھ نہیں کہوں گی۔''

اسی سہ پہر کو حمید نے فریدی کو عجیب حال میں دیکھا۔ وہ ایک سرکش گھوڑے پر آزمائشی سواری کر رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے گھوڑا اسے اپنی پشت سے گرا کر روند ڈالے گا۔

اس وقت بھی وہ لیکر اس ہی کے میک اپ میں تھا۔

کچھ دیر بعد اس نے گھوڑے سے زین اتارنے کا حکم دیا۔ جس کی تعمیل فوراً ہی کی گئی۔

دو گھوڑے اور بھی تھے جن پر زین کسے ہوئے تھے۔

''اب ہم کچھ دیر سواری کریں گے؟'' فریدی نے حمید سے کہا۔

''تیسرا گھوڑا کس کے لئے ہے..... بے حد سرکش معلوم ہوتا ہے۔''

''واجد کے لئے۔''

''آپ نے اس پر سے زین کیوں اتروا دیا.....؟''

''وہ ننگی پیٹھ پر بیٹھ کر سواری کے کرتب دکھائے گا۔''

''کیا مطلب..... اتنا..... منہ زور گھوڑا..... اور.....!''

''لگام بھی نہ ہوگی۔''

''یہ آپ کیا کرنے جا رہے ہیں۔''

''بس دیکھتے رہو۔ ہم دونوں اس کے ساتھ ساتھ رہیں گے۔''

''خیر..... میرا کون سا گھوڑا ہے۔ میں اسے دیکھ تو لوں۔''

''فکر نہ کرو۔ اس پر تمہیں کوئی پریشانی نہ ہوگی۔''

''آخر کچھ تو بتایئے۔''

''میرا اصل مسئلہ واجد تھا..... بس باتیں پھر.....!''

دو تین آدمی واجد کو پکڑ کر لائے..... اور اسے زبردستی اس سرکش گھوڑے پر سوار کر دیا گیا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے..... یہ کیا ہو رہا ہے۔'' وہ پاگلوں کی طرح چیخ رہا تھا۔

کوئی کچھ نہ بولا۔ پھر دونوں ہاتھ گھوڑے کی گردن کے گرد باندھ دیئے گئے۔ [illegible]

کارروائی میں بڑی دشواری پیش آئی تھی۔ خود فریدی ان کا ہاتھ بٹاتا رہا تھا۔

اس کے بعد اس نے حمید کو گھوڑے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی اپنے گھوڑے کی طرف بڑھا۔

اتنے میں ایک آدمی نے واجد کے گھوڑے کی پچھلی ٹانگوں پر ایک ڈنڈا رسید کیا۔

اب جو گھوڑا بھڑک کر بھاگا ہے تو واجد کی چیخوں کے علاوہ اور کچھ نہیں سنائی دے رہا تھا۔

اس کے پیچھے فریدی اور حمید کے گھوڑے دوڑے۔ واجد کے گھوڑے کا رخ ویران قلعے کی طرف تھا۔ اس جگہ سے ویران قلعہ تک مسطح زمین تھی۔ فریدی اور حمید کے گھوڑے کافی تیز رفتاری کے باوجود بھی واجد کے گھوڑے سے پیچھے ہی رہے۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ بار بار ایسا معلوم ہوتا جیسے واجد گھوڑے کی گردن میں جھولتا گھسٹتا چلا جائے گا۔ لیکن وہ چیخوں کے ساتھ ہی خود کو گھوڑے کی پشت ہی پر جمائے رکھنے کے لئے جدوجہد کرتا جا رہا تھا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ آخر یہ گھوڑا اب ہاتھ کیسے آئے گا۔ کہیں کسی چٹان کا رخ نہ کرے اور سوار سمیت فنا ہو جائے۔

لیکن ویران قلعے کے قریب پہنچ کر اس نے گھوڑے کو رکتا دیکھا اور پھر جب خود اس کا گھوڑا کسی قدر قریب پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ گھوڑا سوار سمیت ایک بہت بڑے جال میں پھنس چکا ہے۔ نہ آگے بڑھ سکتا ہے اور نہ پیچھے لوٹ سکتا ہے۔

کچھ لوگ جو وہاں پہلے سے موجود تھے آگے بڑھ کر واجد کو گھوڑے سے اتارنے لگے۔

وہ اکھڑی اکھڑی سانسیں لے رہا تھا اور اس کی آنکھیں بند تھیں۔

اسے اتار کر ایک جگہ لٹا دیا گیا۔ اب خود فریدی اس پر جھک پڑا تھا۔

قریباً ایک گھنٹے بعد وہ اس عمارت میں واپس آئے جہاں ریما فی الحال قید تھی۔ واجد ان کے ساتھ تھا۔ اس کی حالت بہتر تھی اور وہ ذہنی طور پر نارمل نظر آ رہا تھا۔

ریما کے سامنے پہنچ کر اس نے اس پر ایسے ہی انداز میں نظر ڈالی تھی جیسے پہلی بار دیکھا ہو۔

''ریما تم نے کیپٹن حمید سے کہا تھا کہ واجد زندگی بھر اپنی اصلی ذہنی حالت پر واپس نہ آ سکے گا۔'' فریدی نے اسے مخاطب کیا۔

''میں نے کہا تھا۔'' ریما نے لاپرواہی سے کہا۔

''کیا تم اس میں کوئی تبدیلی نہیں دیکھ رہیں۔''

ریما نے اسے غور سے دیکھا اور اس کی آنکھوں میں تشویش کے آثار نظر آنے لگے۔

''واجد.....!'' فریدی نے اسے اپنی طرف مخاطب کیا۔

''یس سر.....!''

''ایک تھپڑ اس عورت کے رسید کرو۔''

واجد کے طمانچے کی آواز سے سارا کمرہ گونج اٹھا تھا۔ ریما لڑکھڑا کر گری۔ پھر اٹھی تھی اور بھوکی شیرنی کی طرح فریدی پر ٹوٹ پڑی تھی۔

''مجھے غیر جانب دار سمجھا جائے۔'' حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

پھر واجد ہی نے اسے پکڑ کر فریدی سے الگ کیا تھا اور بستر پر دھکیلتے ہوئے کہا۔ ''چپ چاپ پڑی رہنا..... مروت میری فطرت میں شامل نہیں ہے۔''

''تو اب سنو ریما.....!'' فریدی پرسکون لہجے میں بولا۔ ''کسی قسم کی بھی برین واشنگ ہو اس کے شکار کو میرے پاس لاؤ۔ ایک ہفتے میں اسے ٹھیک کرلوں گا۔ واجد کی برین واشنگ میں اعصاب زدگی بھی شامل تھی۔ لہٰذا اسے موت کے دھڑے میں مبتلا کر کے آدھ گھنٹے کے اندر اندر میں نے ٹھیک کرلیا۔ تم نے میرا طریق کار اس کھڑکی سے دیکھا ہی ہوگا۔''

پھر وہ دروازے کی طرف مڑ گیا تھا اور وہ دونوں بھی اس کے پیچھے باہر نکلے تھے۔ فریدی نے واجد سے کہا اب وہ جا کر آرام کرے۔

''کیا واجد کو یاد ہے کہ آپ نے اسے ایک سرکش گھوڑے پر سوار کرادیا تھا۔'' حمید نے پوچھا۔

''قطعی نہیں! لیکن وہ ہمیں پہچان سکتا تھا۔ کیا تم نے دیکھا نہیں جب میں ریما سے اس کے متعلق گفتگو کر رہا تھا تو اس کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے۔ بہرحال حمید صاحب آج تک اتنے احمق لوگوں سے سابقہ نہیں پڑا تھا جتنے ریما گروپ کے لوگ ثابت ہوئے ہیں اور یہ لیکراس تو بالکل ہی ڈفر نکلا۔ انہوں نے مقامی شکاریوں اور بعض قبائلیوں کو خزانے کے چکر میں الجھایا تھا اور انہیں باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ انہیں دفینے نکال لینے سے باز رکھنا چاہتا ہوں۔ دو ایک جگہ کی کھدائی میں انہوں نے ابتداء ہی میں کامیابی حاصل کرلی تھی۔ یعنی انہوں

نے وہ قدیم سونے کے سکے برآمد کئے جو لیکر اس نے خود ہی دو ایک جگہ دفن کر دیئے تھے اور یہ سارا کھڑاگ انہوں نے اسی لئے کیا تھا کہ مجھ پر ہاتھ ڈال کر نانوتہ کا پتہ معلوم کرسکیں۔ قاسم بھی گھسیٹا گیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ مجھے ہر طرف سے گھیرا جاسکے۔ میں بھی انہیں کے طریقے ان پر آزماتا رہا۔ بالآخر وہ اپنے ہی جال میں پھنس گئے۔''

حمید نے اپنا غار والا تجربہ بیان کیا جب ریما نے ایک ہپناٹائز فرد کی طرح اس پر خنجر سے وار کئے تھے۔

''میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔'' فریدی بولا۔ ''وہ انہی کا آدمی رہا ہوگا۔ جس سے تمہیں میری طرف سے مالی مدد ملی ہوگی۔ نلنی کارماؤنٹ نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ اسے اور قاسم کو ان غاروں کی طرف جانے کی ہدایت میتھوز سے ملی تھی۔ ان لوگوں نے تم چاروں کو یکجا کرنا چاہا تھا اور ایسے حالات پیدا کئے تھے کہ تم اسے محض اتفاق سمجھو۔ پھر انہوں نے رافعہ پر موت و زیست کی آنکھ مچولی والا انجکشن آزمایا اور ایک آدمی تم پر اس طرح مسلط کردیا کہ تم اسے اپنا ہی آدمی سمجھو۔ میرا اشارہ انسپکٹر جاوید کی طرف ہے۔ صرف وہ آدمی بلیک فورس سے متعلق تھا جس نے تمہارے کمرے کا فون ٹھیک کیا تھا اور آخری حربہ ان کی اپنی دانست میں زین خاں تھا جو اپنے ساتھی کی بازیابی کے لئے تمہیں بطور یرغمال اپنے ساتھ آزاد علاقے کی طرف لے چلا تھا۔ جب لیکراس کو اطلاع ملی کہ بذات خود زین خاں کا پیچھا کر رہا ہوں تو وہ بھی نکل کھڑا ہوا اور اس سے بے پرواہ ہوگیا کہ بلیک فورس کی دو ٹکڑیاں اس کے پیچھے ہیں۔ اگر میں بذات خود اس معاملے میں نہ پڑتا تو لیکراس بھی اس طرح نہ دوڑ پڑتا۔ بہرحال ادھر چٹانوں میں جب میں نے زین خاں اور اس کے ساتھیوں پر جال پھینکوائے لیکراس اور اس کے ساتھیوں کو بلیک فورس نے پکڑ لیا۔ پھر اس پر مجھے اپنا تیار کردہ زہر آزمانا پڑا۔ جس سے جبڑے بھنچ جاتے ہیں۔''

حمید نے طویل سانس لی اور خلاء میں گھورنے لگا۔ پتہ نہیں کیوں اسے ریما پر ترس آرہا تھا۔

ختم شد

جاسوسی قاعدہ

''الف'' سے ''ابن صفی''

مسعود احمد بہاری

دیکھو بچو! یہ ابن صفی بی اے ہیں۔ ''بی اے'' ان کی ڈگری اور ''ٹریڈ مارک'' ہے، نام کا جزو نہیں۔ اس لئے ہوشیار رہو اور انہیں خط لکھتے وقت ''بی اے'' کا اضافہ ضرور کرو، ورنہ ناراض ہو جائیں گے۔ اب یہ ہرگز مت پوچھنا کہ اتنے بڑے ہوکر بھی صرف بی اے کیوں ہیں، ایم اے یا پی ایچ ڈی کیوں نہیں؟ ممکن ہے وضعداری کے خیال سے آگے نہ پڑھنا چاہتے ہوں۔ ویسے خاصے وسیع المطالعہ آدمی ہیں اور چاہیں تو نہایت آسانی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر سکتے ہیں۔

پیارے بچو! کیا تم بتا سکتے ہو اگر یہ ڈاکٹر ابن صفی بن جائیں تو اُن کے قارئین کی صحت پر اس کا کیا اثر پڑے گا؟ اگر نہیں بتا سکتے تو خاموش رہو، ہنسنے یا مسکرانے کی ضرورت نہیں۔

بچو! تم نے ابن صفی بی اے کی تصویریں اخباروں، رسالوں اور عمران سیریز کی کتابوں میں دیکھی ہوں گی، اچھے خاصے گلفام نظر آتے ہیں لیکن اگر پاس جا کر دیکھو تو.....؟

خیر جانے دو، پردہ پوشی بڑی اچھی بات ہے۔

عزیز از جان بچو! جیسا کہ تم جانتے ہو ابن صفی بی اے ''ایشیا کے سب سے بڑے جاسوسی ناول نگار'' کہلاتے ہیں۔ اب میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ خطاب انہوں نے خود سے اپنے اوپر مسلط کر لیا ہے یا اُن کے بے شمار شاگردوں نے ازراہِ عقیدت انہیں دیا ہے۔ خیر..... جو کچھ بھی ہو میں اسے نہایت فضول سا خطاب سمجھتا ہوں۔ یہ تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ پاکستان کی ہر نئی چیز ''ایشیا کی سب سے بڑی'' چیز ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ایشیا کا سب سے بڑا ڈیم، ایشیا کا سب سے بڑا ہوائی اڈہ، ایشیا کی سب سے بڑی بندرگاہ اور ایشیا کا سب سے بڑا کھاد کا کارخانہ۔ حاشا و کلا، تم یہ نہ سمجھنا کہ میں ابن صفی بی اے اور کھاد کے کارخانے میں کوئی تعلق پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

نہیں بچو! میں تو صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ اس دم چھلے کے بغیر بھی پسند کیے جا سکتے ہیں۔ اگر وہ سارے ناول لکھنے سے ہی کوئی بڑا ناول نگار بن جایا کرے تو ایم۔ اسلم کو اردو کا سب سے بڑا ناول نگار تسلیم کرنا پڑے گا۔

پیارے بچو! ابن صفی بی اے کی عظمت اس میں نہیں ہے کہ انہوں نے بے شمار ناول لکھ ڈالے

ہیں بلکہ اس میں ہے کہ انہوں نے ادب کی ایک ایسی شاخ کی خدمت کی ہے جسے ہمارے نقادوں نے سرے سے شاخ ہی نہیں سمجھا۔ انگریزی زبان میں جاسوسی ادب کو متفقہ طور پر ادب کا ایک حصہ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن تعریف کرو ہمارے سکہ بند نقادوں کی کہ وہ لایعنی بلینک ورس، سمبولک پوئٹری کی تعریف میں تو زمین و آسمان کے قلابے ملا سکتے ہیں مگر اردو کے جاسوسی ادب کا نام سنتے ہی الرجک ہو جاتے ہیں۔

پیارے بچو! میں یہ تو مانتا ہوں کہ اردو زبان میں جاسوسی ادب کے نام سے اب تک جو کچھ کیا گیا ہے اس میں برائے نام مواد ہی توجہ دینے کے قابل ہے لیکن دو ایک نام ایسے ضرور ہیں جو اس توجہ کے مستحق تھے۔ اب میں یہ کیوں کہوں کہ ان میں پہلا نام ابن صفی بی اے کا ہے۔ اردو کے جاسوسی ادب پر غالباً اب تک صرف دو مضمون لکھے گئے ہیں۔ پہلا مضمون شاید نادم سیتاپوری کا تھا جو ساقی کراچی میں آج سے کوئی دس بارہ سال پہلے چھپا تھا اور دوسرا مضمون ڈاکٹر احسن فاروقی نے خود ابن صفی بی اے پر لکھا تھا۔ اللہ اللہ، خیر صلہ۔

بچو! ابن صفی بی اے میں مزاح نگاری کی نہایت عمدہ صلاحیت موجود ہے اور میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر وہ سنجیدگی سے مزاح نگاری کی طرف متوجہ ہوئے ہوتے تو آج شفیق الرحمٰن اور کرنل محمد خاں کے بین بین کہیں ہوتے۔ لیکن ''ایشیا کا سب سے بڑا جاسوسی ناول نگار'' بننے کا خبط انہیں لے ڈوبا اور اردو زبان ایک ذہین مزاح نگار سے محروم ہوگئی۔ اب اسے بدقسمتی نہیں تو اور کیا کہیں گے کہ تیسرے درجے کی ''صحافتی مزاح نگاری'' پر تو ہمارے نقادوں کو وجد آتا ہے لیکن بیچارے ابن صفی کا کوئی نام لینا بھی پسند نہیں کرتا۔

پیارے بچو! مزاح نگاری ایک مشکل فن ہے، اتنا مشکل کہ پل صراط کو پار کرنا اس سے کہیں آسان معلوم ہوتا ہے لیکن داد دو ابن صفی بی اے کو کہ اُن کی مزاحیہ تحریروں میں کہیں بھی پھکڑ پن کا شائبہ نہیں ملتا..... البتہ ''ڈپومیٹ مرغ'' میں اُن کی مزاح نگاری یکسانیت کا شکار ضرور ہوگئی ہے۔ اس کتاب کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یہ کتاب اُن سے زبردستی لکھوائی گئی ہو۔ جاسوسی دنیا اور عمران سیریز کی اولین کتابوں میں انہوں نے مزاح کا جو معیار پیش کیا تھا ''ڈپلومیٹ مرغ'' اس سطح سے بہت نیچے ہے۔

بچو! اگر تم آج کے سبق سے گھبرا نہ گئے ہو تو دو ایک باتیں اور بھی کرتے چلیں۔ میں نے اس سبق کو مختصر ہی لکھنا چاہا تھا لیکن بات سے بات نکلتی چلی گئی۔ انہوں نے اپنے ناولوں کے ذریعے چند جاندار کردار تخلیق کیے ہیں۔ کرنل فریدی، کیپٹن حمید اور علی عمران کا کردار ایسا نہیں کہ لوگ

آسانی سے بھول سکیں۔ یہ تو شاید ممکن ہے کہ لوگ اُن کے ناولوں کو بھول جائیں لیکن ان جاندا کرداروں کو بھلانا مشکل ہے۔

ان تینوں کرداروں میں انہوں نے کرنل فریدی پر بہت محنت کی ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ فریدی صاحب کچھ سپر مین (Super Man) قسم کی ہستی بن کر رہ گئے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا۔ خیر کچھ بھی ہو، ماضی کے میاں خوجی، آزاد، حاجی بغلول اور چچا چھکن کی طرح یہ تینوں کردار بھی زندہ جاوید ہو گئے ہیں۔ ان تین دلچسپ کرداروں کی شہرت سے متاثر ہو کر بہت سے نقلی ابن صفی پیدا ہوئے اور وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہو گئے۔ چند سخت جان شاید اب بھی زندہ ہیں اور ان کرداروں کی مٹی پلید کر کے اپنی روزی کما رہے ہیں۔ اس لئے پیارے بچو! ہمارا مشورہ ہے کہ کتاب خریدتے وقت اُس کی پشت پر گلفام مصنف ابن صفی بی اے کی تصویر ضرور دیکھ لیا کریں۔ یوں کتاب کے پیش لفظ کی دو چار سطریں پڑھنے سے بھی تمہیں اندازہ ہو سکتا ہے کہ لکھنے والا اصلی ہے یا نقلی۔ اب تم سے کیا پردہ، گزشتہ دس بارہ سال سے میں صرف پیش لفظ پڑھنے کے لئے ہی اُن کی کتابیں خریدتا ہوں، آخر وضع داری بھی کوئی چیز ہے۔

عزیز بچو! تمہیں شاید علم نہیں کہ ابن صفی بی اے کسی زمانے میں ''اسرار ناروی'' کے نام سے شاعری بھی کر چکے ہیں۔ لیکن شاید شاعری ان کو راس نہ آ سکی یا وہ شاعری کو راس نہ آ سکے۔ اس لئے جلدی ہی تائب ہو کر جاسوسی ناولوں کے کھکھیڑ میں پڑ گئے۔ کاش انہوں نے سنجیدگی سے شاعری کی ہوتی۔ ان کا یہ شعر اسی زمانے کی یادگار ہے۔

یہ غازی یہ تیرے پُراسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی

لو بچو! ابن صفی بی اے کا سبق ختم ہوا۔ خدا حافظ

سوالات: (i) ابن صفی بی اے تصویر میں اتنے گلفام کیوں نظر آتے ہیں۔ کیا یہ کیمرے کی خرابی ہے؟
(ii) ابن صفی بی اے نے شاعری کیوں ترک کر دی۔ کیا اس ڈر سے کہ ان کی شاعری پر ''جاسوسی شاعری'' کا الزام لگ جائے گا؟
(iii) فارغ البال کسے کہتے ہیں؟ کیا ابن صفی بی اے کی ظاہری حالت کو دیکھ کر ہم ان کو فارغ البال کہہ سکتے ہیں؟

ابنِ صفی

نمبر 37

جاسوسی دنیا

109- بھیڑیئے کی آواز

110- اجنبی کا فرار

111- روشن ہیولیٰ

112- زرد فتنہ



پیش رس

''بھیڑیئے کی آواز'' ملاحظہ فرمایئے۔

میں نے پچھلی کسی کتاب کے پیشرس میں غیر ملکی ایجنٹوں کی ایک حرکت کی طرف اشارہ کیا تھا۔ یعنی وہ افواہیں پھیلاتے ہیں۔ ایسی افواہیں جو ہمارے قومی شیرازے کو منتشر کرسکیں۔ صوبائی عصبیت کا پرچار اس کا واحد ذریعہ ہے۔ لہٰذا ہر ایسی افواہ کو اپنی ذات سے آگے نہ بڑھنے دیجئے جس میں صوبائی عصبیت کے جراثیم پائے جاتے ہیں۔ اس پر ایک صاحب نے مجھے لکھا ہے۔

''جہاں دو چار مل بیٹھتے ہیں وہاں ہر طرح کی باتیں ہوتی ہیں مثال کے طور پر کوئی صاحب کوئی ایسا قصہ سناتے ہیں جس میں ایک صوبے کے فرد پر کسی دوسرے صوبے کے آدمی کی زیادتی کا ذکر ہو تو آپ اسے افواہ سازی کس طرح کہیں گے جبکہ وہ واقعہ حقیقت پر مبنی ہو۔''

ان صاحب کا خط طویل ہے لیکن یہ ٹکڑا خصوصیت سے جواب طلب ہونے کی بناء پر میری توجہ کا مرکز بنا۔ گزارش ہے کہ واقعہ سنانے والے کو آپ جیسا پڑھا لکھا آدمی یہ تو سمجھا ہی سکتا ہے کہ وہ دو صوبوں کی بجائے دو نالائق پڑوسیوں کی بات کریں۔ دو نالائق بھائیوں کی بات کریں جو وقتی غصے کے تحت ایک دوسرے کو قتل کر دینے پر بھی آمادہ ہوسکتے ہیں۔ ایک ماں کی کوکھ سے جنم لینے والوں کو میں نے آپس میں کٹتے مرتے دیکھا ہے۔ آپ دو صوبوں کی بات لئے پھرتے ہیں۔ لہٰذا ایسے واقعات کو صوبائی رنگ دینا دانشمندی نہیں ہوسکتی۔

ابن صفی

۴ر جنوری ۱۹۷۱

لڑکی کی غراہٹ

وہ ایک معمولی سی شام تھی۔ لیکن کیپٹن حمید کے لئے بے حد حیرت انگیز تھی۔ حیرت انگیز یوں تھی کہ اسی شام کو ایک حیرت انگیز فرض اسے سونپا گیا تھا۔ ویسے تو یہ بات بجائے خود حیرت انگیز معلوم ہوگی کہ حمید جس کا سابقہ ہی حیرت انگیزیوں سے رہتا تھا اس کے لئے حیرت انگیزی کوئی معنی رکھتی ہو۔

لیکن یہ معاملہ محض اس لئے اس کی نظروں میں خاصی اہمیت رکھتا تھا کہ مضحکہ خیز تھا۔

اب اسے مضحکہ خیز ہی نہ کہیں گے تو پھر کیا کہیں گے کہ اس کا محکمہ شادی بیاہ اور بردکھاوے وغیرہ میں دلچسپی لینے لگا تھا۔

اسے کسی کا یہ شعر یاد آرہا تھا اس وقت

خفیہ پولیس خانہ دل میں چھپی نہ ہو
تیر نظر چلائیں ذرا دیکھ بھال کر

ایک صاحبزادے اس کے حوالے کئے گئے تھے اور کہا گیا تھا کہ وہ بردکھاوے میں جارہے ہیں۔ اسے ان کے رفیق کی حیثیت سے ساتھ جانا پڑے گا۔ یہ حکم محکمے کے سپرنٹنڈنٹ کی طرف سے ملا تھا اور اس سے کہا گیا تھا کہ اس سلسلے میں بقیہ احکامات روانگی سے قبل ریلوے اسٹیشن پر مل جائیں گے۔

بردکھاوے میں جانے والے نوجوان کو کاغذی طور پر اس کے حوالے کیا گیا تھا۔ ابھی تک اس نے اس کی شکل نہیں دیکھی تھی۔

دوپہر کے کھانے کے لئے گھر پہنچا لیکن کھانے کی میز پر فریدی سے ملاقات نہ ہوسکی۔

فریدی آج صبح ہی صبح کہیں چلا گیا تھا۔ ناشتے پر بھی اس کا ساتھ نہیں ہوسکا تھا۔

اب اسے بقیہ احکامات کا انتظار تھا۔ کیونکہ پانچ بجے شام کو ریلوے اسٹیشن پر پہنچنا ضروری تھا۔ خالی ہاتھ نہیں بلکہ سامان سفر کے ساتھ۔

ساڑھے چار بجے تک وہ بڑی بے چینی سے فریدی کا انتظار کرتا رہا لیکن اس کی واپسی نہ ہونی تھی نہ ہوئی۔ پھر وہ شدید ترین جھنجھلاہٹ کے عالم میں گھر سے ریلوے اسٹیشن کے لئے روانہ ہوگیا تھا۔

اسے اس کی فکر بھی نہیں تھی کہ اسٹیشن پر اس نوجوان سے ملاقات کی کیا صورت ہوگی۔ کون تعارف کرائے گا۔ یہ تو معلوم تھا کہ نصیر آباد جانا ہوگا۔

وہ فرسٹ کلاس کے ویٹنگ روم میں داخل ہوا۔

یہاں آٹھ افراد پہلے سے موجود تھے۔ وہ ایک خالی کرسی پر جا بیٹھا اور ایک ایک کا بغور جائزہ لینے لگا۔ ان میں کوئی بھی بردکھاوے کے معیار پر پورا نہ اتر سکا۔ آٹھوں معمر تھے۔

کچھ دیر بعد اس نے محسوس کیا کہ ایک قوی الجثہ بوڑھا آدمی اسے بڑے غور سے دیکھ رہا ہے۔ اسکے سر اور داڑھی کے بال بالکل سفید تھے۔ لیکن چہرے پر جوانوں کی سی توانائی تھی۔

کچھ دیر بعد ٹرین کی آمد کی اطلاعی گھنٹی بجی اور وہ بوڑھا آدمی حمید کو گھورتا ہوا سیدھا ہوبیٹھا۔

ٹھیک اسی وقت اس کے اپنے محکمے کا ایک آدمی ویٹنگ روم میں داخل ہوا۔ یہ سپرنٹنڈنٹ کا پی۔ اے تھا۔ اس نے حمید کی طرف دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اسی بوڑھے کی جانب اشارہ کر کے الٹے پاؤں باہر نکل گیا۔

حمید نے طویل سانس لی۔ ہوں تو یہ بوڑھا کھوسٹ جارہا ہے بردکھاوے میں اور اسے اس کی رفاقت کرنی پڑے گی۔

اس نے سوچا برخوردار! تم بھی کیا یاد کرو گے۔ اگر اس رفاقت کی یادیں تمہیں زندگی بھر نہ تڑپائیں تو سہی! بوڑھے کے اٹھتے ہی وہ بھی اٹھ گیا ..... اور پھر اس کے پیچھے ہی پیچھے ویٹنگ روم سے نکل کر پلیٹ فارم پر آیا تھا۔

گاڑی ابھی نہیں آئی تھی۔ بوڑھا پلیٹ فارم کی ایک بنچ پر بیٹھ گیا۔

حمید ٹہلتا رہا۔ لیکن بوڑھے کو ایک پل کے لئے بھی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیا۔

ایک جگہ اچانک سارجنٹ رمیش سے مڈبھیڑ ہوگئی اور وہ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا سوٹ کیس اور ایک لفافہ تھما کر رخصت ہوگیا۔

ایک سوٹ کیس وہ خود ساتھ لایا تھا۔ پھر اس دوسرے سوٹ کیس کی کیا ضرورت تھی۔

لفافے پر اس کا نام تحریر تھا اور رائٹنگ فریدی کی تھی۔ اس نے لفافہ جیب میں ڈال لیا اور اسی جگہ واپس آ گیا جہاں اپنا سوٹ کیس رکھا تھا۔

اتنے میں ٹرین آ پہنچی۔ بوڑھے نے اپنا سوٹ کیس اٹھایا اور ایک ایئر کنڈیشنڈ کوپے کے سامنے آرکا۔ پھر حمید نے اسے اس میں داخل ہوتے دیکھا۔ وہ جہاں تھا وہیں ٹھہرا رہا اور اب اس نے جیب سے لفافہ نکال کر چاک کیا۔ تحریر فریدی ہی کی تھی۔ اس نے لکھا تھا۔

''سپرنٹنڈنٹ کی خواہش ہے کہ تمہیں تنہا کام کرنے کے بھی مواقع دیئے جائیں۔ اس سوٹ کیس میں میک اپ کا سامان ہے۔ خود اعتمادی کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرنا ہے۔''

حمید نے طویل سانس لی اور خط پھاڑ کر ڈسٹ بن میں ڈال دیا اور خود بھی اسی کوپے کی طرف بڑھا۔

لیکن اس کے پاس نہ تو ریزرویشن کی رسید تھی اور نہ ٹکٹ تھا۔ وہ کوپے کے قریب پہنچا ہی تھا کہ سپرنٹنڈنٹ کا پی۔ اے پھر دکھائی دیا جو ٹرین کنڈیکٹر کے ساتھ اسی طرف آرہا تھا۔

ٹرین کنڈیکٹر نے قریب پہنچ کر حمید سے کہا۔ ''میرے ساتھ تشریف لائیے جناب۔''

اور پھر وہ بھی اس کے ساتھ اسی تھری سیٹر کے کوپے میں داخل ہوا تھا۔ بوڑھا اپنی سیٹ پر نیم دراز نظر آیا۔

کنڈیکٹر دوسری سیٹ کی طرف اشارہ کر کے باہر چلا گیا۔ حمید نے سیٹ پر بیٹھتے وقت سرہانے لگے ہوئے کارڈ پر نظر ڈالی تھی۔ جس پر تحریر تھا۔ ''نواب زادہ ساجد حمید۔''

اس نے بُرا سا منہ بنایا اور بوڑھے کی طرف دیکھنے لگا۔ دفعتاً بوڑھا ہنس کر بولا۔ ''میں نے آپ کو پہلی ہی نظر میں پہچان لیا تھا۔ یور ہائی نس.....!''

''کیا مطلب.....!'' حمید کا لہجہ سخت تھا۔

''میں آپ کے خاندان کا پرانا نمک خوار ہوں۔ آپ کے دادا حضور ''اعتماد الدولہ'' کی خدمت میرے باپ نے کی تھی۔''

''اعتماد الدولہ.....!''

''بس فی الحال خاموش رہئے۔ ٹرین کو چلنے دیجئے! پھر اطمینان سے گفتگو ہوگی۔ میں آپ کے والد حضور کا ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھ پر اس حد تک اعتماد کیا۔''

''تعارف حاصل کرنے کا یہ ایک گھٹیا طریقہ ہے۔!'' حمید غرایا۔

بوڑھا مسکرا کر خاموش ہو رہا۔ ویسے اس کی گفتگو نے حمید کو الجھن میں ڈال دیا تھا۔

اتنے میں ایک شعلہ جوالہ جین اور جیکٹ میں ملبوس کوپے میں داخل ہوئی۔ اس کے پیچھے قلی سامان اٹھائے ہوئے اندر آیا تھا۔

لڑکی نے اچٹتی سی نظر ان دونوں پر ڈالی اور سامنے والی برتھ پر بیٹھ گئی۔

قلی اس کا سامان رکھ چکا تو اس نے پرس سے پانچ کا ایک نوٹ نکال کر قلی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''کیپ دی چینج.....!''

''جی میم صاحبہ.....؟''

''باقی پیسہ تم رکھ لو.....!'' وہ جھلا کر بولی۔ ''جاہل اتنی بھی انگریزی نہیں سمجھ سکتے۔''

''سلام میم صاحب۔'' قلی نے بڑے ادب سے اسے سلام کیا اور باہر نکل گیا۔

تیکھے نقوش والی اس لڑکی نے حمید کو سچویشن سے بیگانہ کر دیا۔

وہ اپنی الجھن کو پس پشت ڈال کر پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

دفعتاً بوڑھا آدمی کھکارا اور حمید چونک کر اُسے دیکھنے لگا۔ بوڑھے کی آنکھوں میں کچھ ایسے تاثرات تھے جیسے وہ اسے اس دلچسپی سے باز رکھنا چاہتا ہو۔

''کیا بات ہے؟'' حمید نے بوڑھے کو انگریزی میں مخاطب کیا اور لڑکی بیساختہ ہنس پڑی۔ دونوں کی نظریں ملیں اور لڑکی نے بڑی ڈھٹائی سے کہا۔ ''کیا تم اپنے جاہل نہ ہونے کا ثبوت پیش کرنا چاہتے ہو۔''

''کیا مطلب.....؟'' حمید نے بگڑے ہوئے موڈ کا مظاہرہ کیا۔

''کیا یہی بات تم اردو میں نہیں کہہ سکتے تھے۔''

''میں اجنبیوں سے بے تکلف ہونا پسند نہیں کرتا۔'' حمید بداخلاقی پر اتر آیا۔

اچانک بوڑھا دخل اندازی کر بیٹھا۔ اس نے لڑکی سے کہا۔ ''محترمہ براہِ کرم بات نہ بڑھایئے..... پرنس کی خوش مزاجی ان کی بہتر صحت کے لئے ضروری ہے۔''

''پرنس.....!'' لڑکی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور اتنے میں گاڑی بھی چل پڑی۔

لڑکی چند لمحے حمید کو عجیب نظروں سے دیکھتی رہی اور پھر اس طرح جھک جھک کر حمید کو دیکھنے لگی جیسے بوڑھے کے بیان کی تصدیق کرنے کیلئے کسی خاص علامت کی تلاش میں ہو۔

''تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا ہے۔'' حمید بھنا کر اٹھتا ہوا بولا۔

''نہیں شہزادے صاحب تمہاری صحت کیلئے خوش مزاجی ضروری ہے۔'' لڑکی ہنس پڑی۔

''محترمہ.....محترمہ.....!'' بوڑھا آدمی مضطربانہ انداز میں بولا۔

''کیا محترمہ..... محترمہ..... کر رہے ہو..... کھینچو زنجیر.....!'' حمید دہاڑا۔ ''ہم اس نامعقول ٹرین سے سفر نہیں کریں گے۔''

''ایسا بھی کیا شہزادے صاحب.....یہ اکبر اعظم کا زمانہ نہیں ہے۔'' لڑکی بدستور ہنستی رہی۔

''خدا کے لئے محترمہ.....!'' بوڑھا گڑگڑایا۔

''کھینچو زنجیر.....اور اتار لے جاؤ اپنے شہزادے صاحب کو۔ میں اپنے آس پاس کسی نکچڑھے آدمی کا وجود برداشت نہیں کر سکتی۔''

''آپ کیسی ناسمجھی کی باتیں کر رہی ہیں۔'' بوڑھے نے کہا۔

''مجھے تمہاری موجودگی پر اعتراض نہیں ہے۔'' لڑکی نے مڑ کر نرم لہجے میں کہا۔ ''صرف اپنے شہزادے صاحب کو لگیج کیریئر یا ڈاگ کیریئر میں بند کرا دو۔''

''ڈاگ کیریئر میں ایسی اعلیٰ نسل کی کتیا کہاں ملے گی۔'' حمید بولا۔

''تو تم یہیں بھونکتے رہو گے۔'' لڑکی نے بے بسی سے کہا اور اپنی برتھ پر جا بیٹھی۔

حمید سوچ رہا تھا سفر اچھا گزرے گا..... اس نے تمباکو کی پاؤچ نکالی اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

''تم کاریڈر یا باتھ روم میں تمباکو نوشی کرو گے..... یہاں نہیں۔'' لڑکی پھر بول پڑی۔

''بھونکتی رہو..... میں عادی ہوں اس کا۔''

''میں ابھی تمہیں یہاں سے نکلوا دوں گی۔ میرے باپ ریلوے میں سب سے بڑے آفیسر ہیں۔''

''اوہو تو کیا اس محکمے میں یتیم خانے بھی ہیں۔''

''پرنس خدا کے لئے آپ ہی خاموش رہئے۔'' بوڑھا بولا۔

''مناسب یہ ہوگا کہ تم ہم دونوں کو تنہا چھوڑ دو۔''

''بہت بہتر جناب! میں ڈائننگ کار میں جا رہا ہوں۔'' بوڑھے نے برتھ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''مم.....میں بھی چل رہی ہوں۔''

''تم چلی جاؤ گی تو پھر زنجیر کون کھینچے گا۔'' حمید نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''یہ بھی درست ہے۔'' بوڑھے نے پُرتفکر لہجے میں کہا۔

''کیا درست ہے؟'' لڑکی نے سوال کیا۔

''آپ بھی چلی گئیں تو پرنس تنہا رہ جائیں گے۔ یہ بھی ان کی صحت کے لئے مضر ہے۔''

''تو کیا میں تمہارے پرنس کے باپ کی نوکر ہوں۔'' وہ جھلا کر بولی۔

''انسانی ہمدردی محترمہ۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''آپ مجھے تنہا نہیں چھوڑ سکتیں۔ ابھی ابھی میں نے آپ کے چہرے میں یونان کی سائیکی کی جھلک دیکھی تھی۔ اب میں آپ کا احترام کروں گا۔''

''مجھے تو تم دونوں ہی فراڈ معلوم ہوتے ہو۔''

''جی نہیں! صرف میں فرہاد ہوں.....!'' حمید نے بوڑھے کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''ان کی عمر اب اس قابل نہیں رہی۔''

''تم سچ مچ بہت بدتمیز ہو۔''

''محترمہ.....محترمہ.....!'' بوڑھا گڑگڑایا۔

''میں کنڈیکٹر کے پاس جا رہی ہوں۔''

''مجھ جیسے ذی عزت آدمی کو چھوڑ کر۔'' حمید نے سوال کیا۔

لیکن وہ مزید کچھ کہے بغیر بوگیوں کو ملانے والے دروازے سے نکل گیا۔

''یور ہائی نس.....!''

''خاموش رہو.....اور بیٹھ جاؤ۔'' حمید دہاڑا۔ ''اور اب مجھے بتاؤ کہ اعتماد الدولہ کے بیٹے کا کیا نام ہے۔''

''حضور.....حضور.....کیا آپ اپنے والد حضور کا نام نہیں جانتے۔''

''ہم اگر اتنے بے خبر نہ ہوں تو پرنس کیوں کہلائیں۔''

''نواب اقتدار الدولہ جناب۔''

''اور ہم صرف ساجد حمید ہیں.....ہم کوئی دولہ کیوں نہیں۔''

''آپ تو دولہا ہیں.....میرے حضور۔''

اس پر حمید کا ماتھا پورے طور ٹھنکا تھا۔ تو کیا.....تو کیا.....اسے بیوقوف بنایا گیا ہے۔

''بڑے میاں سچ سچ بتاؤ تم کون ہو.....ورنہ اٹھا کر ٹرین سے باہر پھینک دوں گا۔''

بوڑھے کی آنکھوں میں بدمزگی کے آثار نظر آئے اور اس نے جیب سے اپنا کارڈ نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

کارڈ پر تحریر تھا۔ ''عبدالرؤف صمدانی.....منیجر لکی کارپوریشن.....!''

''پھر تم دادا کے نمک خوار کیسے ہوئے.....!'' حمید نے بھنا کر پوچھا۔

''میرے باپ ان کی سرکار میں ملازم تھے.....میں نے کچھ دنوں تک آپ کے والد حضور کی خدمت کی ہے۔ اس کے بعد وہاں سے آب و دانہ اٹھ گیا تھا۔ بزنس لائن میں پڑ گیا۔ میں دراصل اس کارپوریشن کا سب سے بڑا حصہ دار بھی ہوں۔''

''اپنے والد حضور کا یہ خط لیجئے۔'' اس نے جیب سے ایک لفافہ نکالا اور حمید کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ''ہم لوگ بہت ہی خاص مواقع پر یاد کئے جاتے ہیں۔''

حمید نے لفافے سے خط نکالا جس سے ایک فوٹو گراف پھسلتا ہوا اس کی گود میں آ گرا۔ یہ خود اسی کا فوٹو گراف تھا۔

خط میں لکھا تھا۔

''صمدانی میاں!

اس یقین کے ساتھ کہ تمہیں بھی اپنے باپ کا عہد یاد ہوگا۔

تمہیں یہ خط لکھا جا رہا ہے۔ ہمارے عم نامدار کی حضور ہم کو تمہارے والد لے گئے تھے۔ تم ہمارے لختِ جگر کو اسکے چچا کے پاس لے جاؤ۔ افتخار الدین اس کا نام ہے۔ اس لئے تصویر بھی بھیجی جا رہی ہے کہ تم اسے پہچان سکو۔ فرسٹ کلاس ویٹنگ روم میں وہ تمہیں ملے گا۔ کل شام پانچ بجے۔ آخر میں یہ دُعا ہے کہ اللہ ہمارے درمیان اس روائت کو تا قیامت برقرار رکھے۔ آمین۔

دعا گو

اقتدار الدولہ''

خط پڑھ کر حمید نے قہقہہ لگایا اور بولا۔ ''میرے باپ کا نام چوہدری حمید ہے۔ مجھے علم نہیں کہ اقتدار الدولہ ہونے کا شرف انہیں کب حاصل ہوا۔''

''واللہ.....خوش مزاجی آپ کے خاندان کا طرہ امتیاز ہے۔'' بوڑھا صمدانی ہنس کر بولا۔

''میرا بھی یہی خیال ہے۔ لیکن تم لوگوں کی وفاداری کا بھی جواب نہیں۔''

''یہی عزت افزائی ہماری جاں نثاری کا سبب رہی ہے یور ہائی نس۔''

''تو ہم دولہا ہیں۔''

''یقیناً یور ہائی نس.....!''

''لیکن ہمارے والد حضور نے تو ہمیں اس کے متعلق کچھ بھی نہیں بتایا۔''

''یہ عین روایت کے مطابق ہے۔ انہیں بھی کچھ نہیں معلوم تھا۔ ان کے ساتھ میرے والد گئے تھے۔''

''گئے ہوں گے۔'' حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دے کر کہا۔

''مناسب یہی ہے کہ آپ بھی لاعلم ہی رہیں۔''

''لاعلمی میری جنت ہے۔'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ''جاؤ۔ اس لڑکی کو تلاش کرو۔''

''مناسب نہ ہوگا پرنس۔''

''ہماری طبیعت سے مناسبت رکھتی ہے یہ بات۔''

''آپ بردکھاوے کے لئے جا رہے ہیں۔ یہ بھی ملحوظ خاطر رہے۔''

''جب ایک لڑکی ہمیں ناپسند کر سکتی ہے تو دوسری بھی کر دے گی۔ ہم اس سلسلے میں ذرا اپنا اطمینان کر لینا چاہتے ہیں۔''

''آپ مجھے الجھن میں ڈال رہے ہیں جناب عالی۔''

''مسٹر صمدانی!''

''آپ صرف صمدانی کہہ سکتے ہیں۔ مسٹر کہلوانے کا شوق نہیں ہے مجھے۔'' صمدانی کا لہجہ کسی قدر ناخوشگوار تھا۔ لیکن انداز خیر اندیشانہ ہی تھا۔

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں خود جا رہا ہوں اس کی تلاش میں۔ تم یہیں بیٹھو۔''

''آپ کی مرضی.....؟''

حمید اٹھ گیا۔ خواہش چائے کی بھی محسوس ہو رہی تھی۔ ڈائننگ کار تک پہنچنے کے لئے اسے دو بوگیوں سے گزرنا پڑا۔

سامنے ہی میز پر لڑکی نظر آئی تھی۔ وہ بڑی بے تکلفی سے کرسی کھینچ کر اسکے مقابل بیٹھ گیا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے۔'' وہ بھنا کر بولی۔

''میرا خیال ہے کہ میں ابھی صرف آ کر بیٹھا ہوں۔ بدتمیزی میں کافی دیر لگے گی۔''

''شٹ اپ.....!''

''انگریزی میں بُرا نہیں مانتا۔ اگر چپ بے کہتیں تو لازماً میرا ہاتھ گھوم جاتا۔''

''آدمی ہو یا.....!''

''پرنس ہوں۔''

''شکل دیکھی ہے.....فراڈ کہیں کے۔''

''کتنی بار کہو گی۔''

''تم اٹھ جاؤ یہاں سے۔''

''لوگ مجھے احمق سمجھیں گے۔''

''تم تو صورت ہی سے احمق معلوم ہوتے ہو۔''

''تب تو لوگ مجھے تمہارا شوہر سمجھیں گے۔'' حمید خوش ہو کر بولا۔

''بکواس مت کرو۔''

''اور لوگ تمہیں جھگڑالو سمجھیں گے۔''

''تو میں ہی اٹھی جاتی ہوں۔''

''بہت زیادہ بد دماغ بیوی سمجھ کر لوگ مجھ سے ہمدردی کریں گے۔''

''خدا کرے مرجاؤ تم.....!'' وہ دانت پیس کر بولی۔

''آئندہ کسی مرد سے چھیڑ چھاڑ نہ کرنا۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا اور دوسری میز پر جا بیٹھا۔

لڑکی کے چہرے پر پل بھر کے لئے حیرت کے آثار نظر آئے تھے اور پھر اس طرح معدوم ہوکر رہ گئے تھے جیسے اس میں کسی کوشش کو دخل رہا ہو۔

حمید نے ویٹر کو اشارے سے بلایا اور آہستہ سے بولا۔''ان صاحبہ سے پوچھو کیا پئیں گی۔''

''میں نہیں سمجھا جناب۔'' ویٹر کا لہجہ کسی قدر ناخوشگوار تھا۔لیکن حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔''زن مریدی سفر میں بھی ساتھ نہیں چھوڑتی۔ابھی ابھی اچانک مجھ سے خفا ہوگئی ہیں۔''

''اوہ.....میں سمجھا.....جناب.....بہت بہتر۔'' کہتا ہوا وہ لڑکی کی طرف بڑھ گیا۔

اس نے بڑے ادب سے جھک کر لڑکی سے کچھ کہا تھا اور لڑکی کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا تھا۔ پھر وہ حمید کو گھورنے لگی تھی۔ اتنی سختی سے دانت بھینچے تھے کہ جبڑوں کی وریدیں ابھر آئی تھیں۔

دفعتاً حمید نے محسوس کیا جیسے لڑکی پر غشی طاری ہو رہی ہو۔قہر میں ڈوبی ہوئی آنکھیں آہستہ آہستہ بند ہوتی جارہی تھیں۔

اور پھر سچ مچ اسکی گردن کرسی کی پشت گاہ پر ڈھلک گئی۔ ویٹر بوکھلا کر حمید کی طرف مڑا۔

''کک.....کوئی بات نہیں.....فکر نہ کرو۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔''ان پر دورے پڑتے ہیں اکثر۔''

اس کے قریب پہنچ کر پیشانی پر انگلی سے ٹھوکے دیئے۔لیکن اس کی آنکھیں نہ کھلیں آخر اس نے اسے ہاتھوں پر اٹھایا اور ویٹر سے کہا کہ وہ اس کا وینٹی بیگ اٹھالے اور اس کے ساتھ کوپے تک چلے۔

بوڑھے صمدانی نے انہیں اس حال میں دیکھا تو بوکھلا کر کھڑا ہوگیا۔

حمید نے اسے برتھ پر لٹاتے ہوئے ریزرویشن کارڈ پر نظر ڈالی جس پر''خان زادی دردانہ'' تحریر تھا۔

ویٹر کو پانچ روپے بطور بخشش دیتے وقت حمید نے اس کا شکریہ بھی ادا کیا اور بوڑھے کا آنکھ مار کر مسکرایا۔ویٹر کے رخصت ہونے پر صمدانی نے بوکھلائے ہوئے لہجہ میں استفسار حال کیا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ یہ غصے کی شدت کی بناء پر بیہوش ہوگئی ہے۔'' حمید نے پُرسکون لہجے میں جواب دیا۔

''لیکن.....لیکن جناب.....؟''

''تم فکر نہ کرو.....خود ہی ہوش میں آجائے گی.....لیکن تم ذرا اس پر نظر رکھنا کہ زنجیر نہ کھینچنے پائے۔''

''آپ نے بڑی دشواری میں مبتلا کردیا ہے جناب۔''

''تم کیسے ساتھی ہو۔''

''ہمیشہ عزت کی زندگی بسر کی ہے مین نے۔مجھ پر رحم فرمایئے۔''

اچانک خان زادی دردانہ اٹھ بیٹھی اور اس کے حلق سے عجیب قسم کی آوازیں نکلنے لگیں۔ لیکن اس کی آنکھیں اب بھی بند تھیں۔

''بب.....بب..... بالکل ایسا معلوم ہو رہا ہے۔'' بوڑھا صمدانی کپکپاتی آواز میں بولا۔''جیسے کوئی بھیڑیا غرا رہا ہو۔''

ٹیکسی ڈرائیور

لڑکی کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔ آنکھوں میں درندگی تھی اور چمکدار دانت سچ مچ کسی

بھیڑیئے ہی کے دانتوں سے مشابہہ نظر آنے لگے تھے۔

حمید نے جلدی سے اپنا سوٹ کیس کھولا۔ چار سو دس بور کی دونالی بندوق نکالی اور لڑکی کا نشانہ لے کر ایک گوشے میں کھڑا ہو گیا۔

''یہ.....یہ...آپ کیا کر رہے ہیں جناب عالی!'' بوڑھا صمدانی بُری طرح کانپ رہا تھا۔

''خاموش رہو.....جیسے ہی یہ تم پر حملہ کرے گی میں فائر کر دوں گا۔''

پھر اچانک لڑکی پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا اور حمید نے صمدانی کو آنکھ مار کر کہا۔ ''دیکھا تم نے۔''

لڑکی نے برتھ سے چھلانگ لگائی اور حمید کے قریب پہنچ کر بولی۔ ''ہائے کتنی ننھی سی بندوق ہے.....ذرا مجھے دکھاؤ۔''

''لو.....لو.....ضرور دیکھو.....!''

اس نے اس کے ہاتھ سے بندوق جھپٹی اور پھر بھیڑیئے ہی کی طرح غراتی ہوئی پیچھے ہٹنے لگی۔ اس نے حمید کے دل کا نشانہ لے رکھا تھا۔

''وہ تو پہلے ہی گھائل ہے۔ یہاں کا نشانہ لو۔'' حمید نے اپنی کھوپڑی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

لڑکی کے تیور سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ انہیں کور کئے ہوئے زنجیر تک پہنچنا چاہتی ہے۔

''دد.....دیکھئے جناب۔'' صمدانی ہکلایا۔

''میں دیکھ رہا ہوں۔'' حمید ہنس کر بولا۔ ''بندوق خالی ہے لہٰذا۔''

دوسرے ہی لمحہ میں اس نے نہ صرف اس کے ہاتھ سے بندوق چھین لی تھی بلکہ اسے اس کی برتھ پر جھٹک دیا تھا۔

برتھ پر گر کر وہ اسے بُرا بھلا کہنے لگی اور صمدانی حمید کے آگے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

''خدارا رحم کیجئے.....اس وقت آپ اعتماد الدولہ بہادر ہی کی طرح کھلنڈرے نظر آ رہے ہیں۔''

''اعتماد الدولہ.....!'' دفعتاً لڑکی اٹھ بیٹھی۔ اس کی آنکھوں میں حیرت کے آثار تھے۔

''جی ہاں.....یہ ان کے پوتے ہیں۔'' صمدانی کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

''بکواس.....وہ تو میرے دادا تھے۔'' لڑکی بھنا کر بولی۔ ''آخر تم لوگ میرا مذاق کیوں اڑانا چاہتے ہو۔''

''آپ خان زادی ہیں.....اعتماد الدولہ کی اولاد نواب زادہ کہلاتی ہے۔'' صمدانی جز بز ہو کر بولا۔

''وہ میرے دادا کے بھائی تھے۔''

''نہیں.....!'' صمدانی اچھل پڑا۔

''اور اسی لئے میں نے چاہا تھا کہ تم لوگ مجھ سے نہ الجھو۔ میرے باپ کو علم ہو جائے تو تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔''

''آپ کا مطلب ہے کہ خان ظفریاب.....!''

''ہوں.....تو تم میرے باپ کے نام سے بھی واقف ہو۔''

''اچھا لڑکی اب بکواس بند کرو۔'' حمید پیر پٹخ کر بولا۔ ''ہم کسی قدر غنودگی محسوس کر رہے ہیں۔''

''اگلے اسٹیشن پر تم دونوں پولیس کی حراست میں ہو گے۔''

''اگر آپ خان ظفریاب کی صاحبزادی ہیں تو.....!'' صمدانی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

''اب کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ خان ظفریاب کی بیٹی اور خان دوراں کی پوتی ہیں تو آپ کو اس کا بھی علم ہو گا کہ دونوں سلسلوں کے درمیان تعلقات کی کیا نوعیت ہے۔''

''میں پوچھتی ہوں تم کہنا کیا چاہتے ہو۔''

''یہ خان دوراں کی بڑی بیٹی کے بیٹے ہیں۔'' صمدانی نے حمید کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

''اگر یہ سچ ہے تو.....!'' وہ حمید کو خونخوار نظروں سے گھورتی ہوئی خاموش ہو گئی۔

''کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ دارالحکومت میں کیوں تشریف لائی تھیں۔'' صمدانی نے پوچھا۔

''اسی خطرہ کے امکان کا جائزہ لینے کے لئے۔''

''اسے آپ خطرہ سمجھتی ہیں۔''

''پھوپھی اماں بزدل تھیں۔''

''ایسا نہ کہئے۔''

وہ پھر حمید کو گھورنے لگی اور کچھ دیر بعد بولی۔ ''تو یہ بے وقوف آدمی ہمارے گھر جا
ہے۔ لیکن ٹھہرو..... اس گھرانے میں ساجد حمید نام کا کوئی آدمی نہیں ہے۔''

''بزدل ماں کا بزدل بیٹا۔'' وہ نفرت کا اظہار کرتی ہوئی بولی۔

اس بار حمید بھڑک اٹھا۔ اسے بالکل ایسا ہی محسوس ہوا تھا جیسے اس نے سچ مچ اس کی ا
ماں کو کہا ہو!

''تم زبان بند کرو..... ورنہ اٹھا کر باہر پھینک دوں گا۔''

''شٹ اپ.....!''

حمید اس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ صمدانی بیچ میں آتا ہوا بولا۔ ''آپ صبر و سکون
ساتھ بیٹھ جایئے جناب عالی! میرا خیال ہے کہ خان ظفر یاب کی کوئی دوسری بیٹی نہیں۔''

''تم ٹھیک سمجھے بوڑھے خبیث.....!'' لڑکی آپے سے باہر ہوئی جا رہی تھی۔

''میں اس خاندان کا قدیم نمک خوار ہوں۔ آپ کی کسی بات کا بُرا نہیں مانوں گا
بوڑھے صمدانی نے مسکرا کر کہا۔

لڑکی پھر کچھ نہ بولی۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ ا
اپنی برتھ کی طرف واپس آنا پڑا تھا۔

لڑکی کی آنکھوں میں تنفر کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے۔

بوڑھا صمدانی گھگھیانے لگا۔ ''خان زادی صاحبہ مجھے بے حد افسوس ہے کہ ہما
ملاقات ان حالات میں ہوئی۔ خاندانی روایت کے مطابق پرنس افتخار الدولہ اپنے چچا کی حض
باریابی کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں۔ خان دوراں کی گڑھی کے در و دیوار شاہد ہیں
اعتماد الدولہ کی اولاد روایت کی پابند رہی ہے۔''

لڑکی کچھ نہ بولی۔ وہ ان دونوں میں سے کسی کی بھی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔

''دفعتاً حمید بولا۔ ''خان دوراں..... خان ظفر یاب..... اور ..... اور غالباً تمہارے
بھائی کا نام خانساماں ہوگا۔''

''شٹ اپ.....! یو ڈرٹی سوائین۔'' لڑکی دہاڑی۔

''آواز بُری نہیں ہے۔'' حمید نے صمدانی کی طرف دیکھ کر کہا۔

''میں دست بستہ گزارش کروں گا۔''

''تم خاموش بیٹھو۔'' حمید نے غصیلے لہجہ میں کہا۔

''بہتر یہی ہوگا۔'' لڑکی بھی صمدانی کو گھورتی ہوئی بولی۔ ''میں اس احمق سے براہِ راست
گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔''

''یہ روایت کے خلاف ہوگا۔''

''میں لعنت بھیجتی ہوں اس روایت پر..... سمجھے۔''

''اب میں اس سلسلے میں قطعاً کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔''

''لیکن میں گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔''

''میں پرنس کو خان ظفر یاب کی خدمت میں پیش کر کے اپنے فرض سے سبکدوش
ہو جاؤں گا۔'' صمدانی بولا۔

''اب یہ شخص زندگی بھر ان کی خدمت میں پیش نہیں ہو سکے گا۔'' لڑکی نے کہا اور اچھل
کر برتھ سے اٹھ گئی۔

وہ پھر بوگیوں کو ملانے والے دروازے کی طرف جا رہی تھی۔

حمید استفہامیہ انداز میں صمدانی کی طرف دیکھنے لگا۔

''میں کیا بتاؤں پرنس۔'' صمدانی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''خود میری عقل چکرا کر رہ
گئی ہے۔ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ دونوں ایک ساتھ سفر کریں گے۔''

''او..... چچا..... جو کچھ بھی کہنا ہے ایک ہی بار کہہ جاؤ۔ کیوں مجھے بھی مخبوط الحواس
کر رہے ہو۔'' حمید پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔

''یہ طرز تخاطب آپ کے شایان شان نہیں ہے۔''

''اچھا تو میں پھر جا رہا ہوں اس کے پیچھے۔''

''اب یہ آپ کا فرض ہے کہ اپنی منگیتر کی نگہداشت خود کریں۔''

''منگیتر..... کیوں حواس باختہ ہو رہے ہو بڑے میاں۔''

''آپ کی تیز مزاجی ہی کی بناء پر اقتدار الدولہ بہادر نے آپ کو اصل معاملے سے لاعلم رکھا ہوگا۔ آپ دنیا کے کسی حصہ میں بھی پلے بڑھے ہوں لیکن آپ کی شادی اسی دستور کے مطابق ہوگی جو سینکڑوں سال سے آپ کے خاندان میں چلا آ رہا ہے۔''

''بھلا میں دنیا کے کس حصہ میں پلا بڑھا ہوں۔''

''فرانس میں جناب عالی..... کیا..... کیا آپ مجھے اس قدر لاعلم سمجھتے ہیں۔ آپ صرف پانچ سال کے تھے جب اقتدار الدولہ نے آپ کو ایک ہمدرد فرانسیسی کے حوالے کر دیا تھا۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔'' حمید بولا۔

''اور آپ پچھلے مہینے تشریف لائے ہیں۔ آپ کے اعزہ آپ کو اس وقت تک نہیں پہچان سکتے جب تک کہ انہیں آپ کی شخصیت سے آگاہ نہ کیا جائے۔''

''قدرتی بات ہے۔'' حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

''اب باعث تشویش یہ ہے جناب عالی کہ صاحبزادی ادھر کیوں تشریف لائی تھیں اور پھر تنہا..... میں تو سوچ بھی نہیں سکتا کہ خان دوراں کی اولاد اتنی آزاد خیال ہو سکتی ہے۔''

''تو یہ ہمارے یہاں کیوں نہیں گئی۔''

''مجھے افسوس ہے کہ اقتدار الدولہ نے آپ کو حالات سے اس حد تک بے خبر رکھا۔''

''مجھے حالات کی پرواہ نہیں صمدانی صاحب! ہر قسم کے حالات سے نپٹنا میری ہابی ہے۔ خواہ پہلے سے ان کا علم ہو یا نہ ہو.....!'' حمید بائیں آنکھ دبا کر بولا۔

جواب میں صمدانی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دردانہ آندھی اور طوفان کی طرح کوپے میں داخل ہوئی۔

''تو یہ حضرت میرے منگیتر ہیں۔'' وہ حمید کی طرف انگلی اٹھا کر بولی۔

''ڈائننگ کار کا ویٹر بھی سخت نامعقول واقع ہوا ہے۔ وہ تو تمہیں میری بیوی سمجھا تھا۔'' حمید بولا۔

''تم خاموش رہو۔ میں ان سے گفتگو کر رہی ہوں۔'' لڑکی نے صمدانی کیطرف اشارہ کیا۔

''مناسب یہی ہوگا محترمہ۔'' صمدانی نے کہا..... اس بار اس کا لہجہ سرد تھا۔

''کیا تمہیں اپنے آقا اقتدار الدولہ کے بیٹے کی زندگی عزیز ہے۔''

''کیوں نہیں..... کیوں نہیں۔''

''تو پھر اگلے اسٹیشن پر اتر جاؤ اور وہیں سے اپنے شہر واپس چلے جانا۔''

''جی نہیں۔'' حمید بول پڑا۔ ''اب تو اپنے چچا حضور کی خدمت میں ضرور پیش کیا جاؤں گا۔''

''اس سے پہلے ہی آپ کی گردن کٹ جائے گی۔'' لڑکی بھنا کر بولی۔

اس پر حمید نے صمدانی کی طرف دیکھ کر ٹھنڈی سانس لی اور سوال کیا ''اب ہمیں کیا کرنا چاہئے..... انکل صمدانی۔''

''آپ بزدل تو نہیں ہیں پرنس۔''

''میں تمہیں بزور شمشیر حاصل کروں گا۔'' حمید نے لڑکی کو گھورتے ہوئے کہا اور اپنے داہنے بازو کی مچھلیوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

''میں نے آگاہ کر دیا خطرے سے..... اب تم جانو۔'' لڑکی نے کہا اور برتھ پر نیم دراز ہوگئی۔

صمدانی حمید کے قریب آ بیٹھا اور آہستہ آہستہ کہنے لگا۔ ''میں سخت الجھن میں پڑ گیا ہوں پرنس۔ پتہ نہیں ایسے حالات میں اقتدار الدولہ بہادر کیا کرتے۔''

''جاؤ..... اپنی برتھ پر جاؤ..... اس وقت تم اقتدار الدولہ کی حضور میں نہیں ہو۔ اب تمہیں میرے احکامات کا پابند رہنا ہوگا۔''

''بجا ارشاد ہوا۔'' صمدانی نے کہا اور اٹھ کر اپنی برتھ پر جا بیٹھا۔

لڑکی نے آنکھیں بند کر لی تھیں لیکن اس کے نتھنے پھولے ہوئے تھے اور چہرہ سرخ تھا۔ غالباً اندر ہی اندر کھول رہی تھی۔

حمید نے سوچا خاصی دلچسپی رہے گی لیکن آخر یہ ہے کیا چکر..... محکمہ سراغ رسانی کے سپرنٹنڈنٹ کو شادی بیاہ سے کیا سروکار..... نواب اقتدار الدولہ کا نام اس نے سنا تھا۔ کبھی رہے ہوں گے نواب اب تو ایکسپورٹ امپورٹ کے چکر میں پڑے ہوئے تھے۔

کچھ بھی ہو معاملہ گھمبیر معلوم ہوتا ہے۔ حمید سوچتا اور لڑکی کو گھورتا رہا۔ جو بدستور آنکھیں بند کئے برتھ پر نیم دراز تھی۔

دفعتاً حمید نے صمدانی کو اشارہ کیا کہ وہ وہاں سے چلا جائے۔

اس نے بالکل مشینی طور پر اس کے اس حکم کی تعمیل کی تھی۔ اتنی آہستگی سے دوسری طرف چلا گیا کہ لڑکی کو علم نہ ہو سکا۔

''محترمہ.....!'' کچھ دیر بعد حمید نے اسے آواز دی اور وہ آنکھیں کھول کر سیدھی ہو بیٹھی۔

''کیا بات ہے؟'' وہ غرائی۔

''گزارش ہے کہ مجھے روایات سے نفرت ہے۔ میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ میں اس قدیم خاندانی روایت کو توڑ دوں گا۔''

''سچ مچ.....!'' دفعتاً لڑکی کا چہرہ کھل اٹھا۔

''ہاں.....لیکن تمہیں دیکھ لینے کے بعد میں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اگر اب میں نے اس روایت کو توڑ دیا تو مجھے زندگی بھر افسوس رہے گا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اتنی خوبصورت ہو گی۔''

''شٹ اپ.....!''

''بُرا نہیں ماننا.....فرانس کی بیویاں اپنے شوہروں کی پٹائی تک کر دیتی ہیں.....اور میں اسی ماحول میں پلا بڑھا ہوں۔''

''اس خیال کو دل سے نکال دو کہ مجھے حاصل کر سکو گے۔ لاشیں گر جائیں گی۔''

''کیا کوئی جن عاشق ہو گیا ہے تم پر.....!''

''میں کہتی ہوں بکواس بند کرو.....تم کوئی فراڈ ہو.....جس کی زندگی بچپن سے اب تک فرانس میں گزری ہو وہ اتنی بامحاورہ اردو نہیں بول سکتا۔''

''یہ ناممکن نہیں ہے دردانہ بیگم.....میں جرمنوں کے سے لہجے میں جرمن بول سکتا ہوں اور فرانسیسیوں کی طرح فرانسیسی۔''

''اُردو کا ماحول وہاں تمہیں کیسے ملا ہو گا۔''

''وہ خاتون جو میری اتالیق تھیں ان کا سسرالی سلسلہ نسب لکھنو کے ایک میر صاحب سے ملتا تھا۔''

''بکواس.....!''

''مادام پوندری میر کہلاتی ہیں.....ان کے شوہر میر طارق علی اردو کے ایک بلند پایہ ادیب ہیں۔ اپنی اردو کے لئے میں انہی کا رہین منت ہوں۔ مادام پوندری میرا کثر کہا کرتی ہیں کہ شوہر کی وجہ سے ان کی مادری زبان چوپٹ ہو گئی ہے اور وہ فرانسیسی بولتے وقت ''نوج .....اوئی اللہ.....اور ہائے میں مر گئی'' وغیرہ کہنے لگی ہیں۔''

''لڑکی کے چہرے پر مسکراہٹ کی ہلکی سی لہر نظر آئی تھی جس کا گلا اس نے فوری طور پر گھونٹ دیا۔ کچھ دیر خاموش رہ کر اس نے کہا۔ ''میں تمہیں پھر سمجھاتی ہوں کہ ہماری گڑھی میں قدم بھی نہ رکھنا۔''

''اگر چچا حضور اس قسم کی کوئی پابندی لگائیں تو سر آنکھوں پر۔''

''اچھی بات ہے.....خود بھگتو گے.....یہ زنانہ بندوق جو ساتھ لئے پھرتے ہو کام نہ آئے گی۔ میں نے تھری ناٹ تھری پر نشانے کی مشق کی ہے۔''

''ارے.....وہ چار سو دس بور تو میں لڑکیوں کو خوش کرنے کے لئے ساتھ رکھتا ہوں۔ اتنی چھوٹی سی بندوق دیکھ کر وہ بے قابو ہو جاتی ہیں۔''

''ہونہہ.....!'' وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ ''ہمارے اسلحہ خانے میں بھانت بھانت کی بندوقیں اور رائفلیں ہیں۔''

''میں توپ سے بھی نہیں ڈرتا۔ تم سے شادی کر کے رہوں گا۔''

''بکواس بند۔ میں اس سلسلے میں اب اور کچھ نہیں سننا چاہتی۔''

حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے لڑکی کی باتوں سے ذرہ برابر بھی متاثر نہ ہوا ہو۔

کچھ دیر بعد اس نے پائپ کا کش لے کر کہا۔ ''اقتدار الدولہ بہادر مجھے گولی مار دیں گے اگر میں چچا ظفریاب کی حضور پیشی سے پہلے ہی بھاگ نکلا۔''

''تم ابا حضور تک نہیں پہنچ سکو گے۔ ان تک پہنچ جانے کا مطلب یہ ہو گا کہ میری شکست ہو گئی۔''

''کیا میں تمہارے قابل نہیں ہوں۔''

''میں اب تمہاری کسی بات کا جواب نہیں دوں گی۔''

''تم اتنی اچھی ہو کہ تمہارا دل نہیں دکھانا چاہتا۔''

''تو پھر.....؟''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔''

''اگر تم سنجیدگی سے سنو تو میں اس سلسلے میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔''

''ضرور کہو.....میں سنوں گا۔''

''تم ابا حضور کے سامنے پہنچ کر انکار کر سکتے ہو۔ کہہ سکتے ہو کہ تم فرانسیسی لڑکی سے شادی کرو گے۔ دیسی لڑکیوں سے تمہارا نباہ نہیں ہو سکے گا۔''

''تدبیر تو ٹھیک ہے.....لیکن یقین کرو اے میری بنت عم.....تم پر سے درجنوں فرانسیسی لڑکیاں نثار کی جا سکتی ہیں۔''

اس بار اس نے حمید کو بناوٹی غصے سے گھورا تھا۔ لیکن کچھ بولی نہیں تھی۔ گاڑی کے باہر اندھیرا پھیل چکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد صمدانی واپس آ گیا اور اس نے دونوں ہی پر متحیرانہ نظریں ڈالیں کیونکہ وہ اپنی اپنی برتھ پر سکون سے نیم دراز تھے۔ لڑکی انگریزی کا کوئی رسالہ دیکھ رہی تھی اور حمید پائپ کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا۔

نصیر آباد کے اسٹیشن پر اترنا تھا۔

رات کے نو بج رہے تھے اور دس منٹ بعد وہ نصیر آباد پہنچنے والے تھے۔ دفعتاً لڑکی نے حمید کو مخاطب کر کے کہا۔ ''میں اسٹیشن پر رک کر ریل کار کا انتظار کروں گی۔ جس ڈاکٹر کے لئے دارالحکومت گئی تھی وہ میرے بعد ریل کار سے روانہ ہوا ہوگا۔''

''ڈاکٹر.....کیوں!''

''ابا حضور کے لئے.....وہ علیل ہیں۔''

''تو کیا ہم بھی ٹھہریں گے تمہارے ساتھ۔''

''ہرگز نہیں.....تم دوراں نگر جاؤ گے۔ اسٹیشن پر باہر ٹیکسیاں موجود ہوں گی۔''

''لیکن ہم تو تمہارے ساتھ ہی جانا چاہتے ہیں۔''

''نوابزادہ ساجد حمید.....یہ ناممکن ہے۔'' لڑکی نے تلخ لہجے میں کہا۔

''بات بڑھانے کی ضرورت نہیں پرنس۔ وہی کیجئے جو صاحبزادی کہہ رہی ہیں۔'' صمدانی بول پڑا۔

''ہوں ٹھیک ہے۔'' حمید نے کہا اور سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔

ٹرین کی رفتار کم ہوتی جا رہی تھی۔ لڑکی اپنا سامان اکٹھا کرنے لگی۔ صمدانی اپنے اور حمید کے سامان کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔

''دوسری بات۔'' دفعتاً لڑکی ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''اگر کوئی بھی ریسیو کرنے آئے تو ایسے بن جانا جیسے ہم ایک دوسرے کے لئے قطعی اجنبی ہوں۔ اس سے ہرگز نہ کہنا کہ تمہیں بھی دوراں نگر جانا ہے اور تم لوگ کون ہو۔''

''بہت بہتر محترمہ۔'' صمدانی نے بڑے ادب سے کہا۔

ٹرین رک گئی۔ وہ نیچے اترے۔ وردانہ کو ریسیو کرنے کئی آدمی آئے تھے۔ صمدانی حمید سمیت الگ جا کھڑا ہوا۔

وردانہ ان لوگوں سے کچھ کہہ رہی تھی جو اسے لینے آئے تھے۔ پھر حمید نے انہیں ویٹنگ روم کی طرف جاتے دیکھا۔

''اب کیا خیال ہے جناب صمدانی صاحب۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر پوچھا۔

''اب ہمیں باہر چلنا چاہئے جناب عالی.....دوراں نگر یہاں سے پندرہ میل کے فاصلے پر ہے۔ ٹیکسیاں اور بسیں چلتی ہیں۔''

''رات اتنی خوشگوار ہے کہ ہم اونٹ گاڑی پر سفر کرنا پسند کریں گے۔''

''اونٹ گاڑیاں تو یہاں نہیں ہوتیں جناب۔''

''لہٰذا پیدل.....!''

''یہ آپ کیا فرما رہے ہیں جناب.....مم.....مطلب یہ کہ پندرہ میل۔''

''ایسی خوبصورت لڑکی کے لئے ہم پندرہ ہزار میل بھی پیدل چل سکتے ہیں۔''

''لل.....لیکن میں بوڑھا آدمی ہوں جناب!''

''کیا تمہیں کبھی کسی سے محبت ہوئی ہے۔''

''کک..... کیوں آپ مجھ بوڑھے کا مذاق اڑا رہے ہیں۔''

''محبت کے بغیر ہی پہاڑ سی زندگی گزار آئے ہو۔''

''پرنس مجھ پر رحم کیجئے۔''

''اگر پہلے کبھی اتفاق نہیں ہوا تو اب ٹرائی کرو۔''

''واقعی آپ مجھ بوڑھے کا مضحکہ اڑا رہے ہیں۔ لیکن یقین کیجئے کہ اقتدارالدولہ بہادر اسے پسند نہیں فرمائیں گے۔ وہ بزرگوں کا ادب کرتے ہیں خواہ وہ انکے خادم ہی کیوں نہ ہوں۔''

اس بار صمدانی کا لہجہ کسی قدر ناخوشگوار ہوگیا تھا۔ اس نے جھک کر اپنا سوٹ کیس اٹھایا اور دوسرا ہاتھ حمید کے سوٹ کیس کی طرف بڑھایا ہی تھا کہ حمید نے کہا۔ ''اس حد تک بوڑھوں کا لحاظ ضرور کرتا ہوں کہ انہیں زیادہ وزن نہ اٹھانے دوں۔''

اس نے خود ہی اپنا سوٹ کیس اٹھایا اور دونوں گیٹ کی طرف بڑھے۔

باہر متعدد ٹیکسیاں موجود تھیں اور ٹیکسی ڈرائیور بالکل تانگے والوں کے سے انداز میں آوازیں لگا رہے تھے۔

حمید نے دیکھا کہ کئی ڈرائیور ان کی طرف جھپٹے ہیں اور جیسے ہی وہ قریب آئے اس کے ہاتھ پیر پھول گئے اور اس لمبے تڑنگے ڈرائیور پر اس کی نظر جم گئی۔ جو دونوں ہاتھ بڑھا کر ان دونوں سے سوٹ کیس لے رہا تھا۔

''دد..... دراں نگر..... جج جائیں گے۔'' حمید ہکلایا۔

''بہت بہتر جناب..... میری گاڑی آرام دہ ثابت ہوگی۔'' اس نے نرم لہجے میں کہا اور وہ دونوں اس کے پیچھے چل پڑے۔ اس نے ڈگی میں ان کے سوٹ کیس رکھ دیئے اور پچھلی نشست کا دروازہ کھول کر کھڑا ہوگیا۔

حمید گرتا پڑتا ٹیکسی میں داخل ہوا تھا۔ صمدانی ڈرائیور کے برابر اگلی سیٹ پر جا بیٹھا۔

گاڑی چل پڑی اور حمید اپنی پیشانی کا پسینہ خشک کرنے لگا۔ ٹیکسی ڈرائیور کی پشت پر اس کی نظر جمی ہوئی تھی۔ کیونکہ ڈرائیور کی وردی میں یہ کرنل فریدی تھا۔ میک اپ کے بغیر۔

دوسری غراہٹ

حمید کے لئے یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے فریدی کو میک اپ کے بغیر کسی پیشہ ور ٹیکسی ڈرائیور کے روپ میں دیکھا۔

حالات کچھ بھی رہے ہوں لیکن وہ کوئی اہم معاملہ ہی ہوسکتا تھا جس کی بناء پر فریدی نے اپنے طریق کار میں کسی حد تک تبدیلی کی تھی۔

حمید عجیب سی گھٹن میں مبتلا ہوگیا۔ صمدانی کی موجودگی شدت سے کھل رہی تھی۔ پتہ نہیں وہ کون تھا اس کی موجودگی میں فریدی سے گفتگو نہیں کرسکتا تھا۔

دفعتاً اس نے صمدانی سے پوچھتے سنا۔ ''دوراں نگر میں کہاں تشریف لے جائیں گے جناب۔''

''قصر دوراں.....!''

''اوہو.....!''

اس کے بعد اس نے پھر کچھ نہیں پوچھا تھا۔

قصر دوراں ایک قلعہ نما عمارت ثابت ہوئی جس کے عظیم الشان پھاٹک پر دو مسلح سنتری پہرہ دے رہے تھے۔ جیسے ہی ٹیکسی پھاٹک کے قریب پہنچی ایک سنتری رائفل سیدھی کر کے اس کی طرف مڑا۔ ٹیکسی اس سے پہلے ہی رک چکی تھی۔ سنتری قریب آیا۔

''کون.....؟'' اس نے بھاری آواز میں پوچھا۔

''ہم خان کے مہمان ہیں۔'' صمدانی نے جواب دیا۔

''ڈاکٹر.....!''

''نہیں مہمان.....!''

''ہمیں کسی مہمان سے متعلق اطلاع نہیں دی گئی۔''

''خان علیل ہیں..... ہم اُن کی عیادت کو آئے ہیں۔''

''ذرا ٹھہریئے.....!'' سنتری نے کہا اور پھاٹک کی طرف مڑ گیا۔ پھر وہ اپنے ساتھی سے کچھ کہتا ہوا اندر چلا گیا تھا۔

صمدانی ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''سمجھ میں نہیں آتا یہ انتظام۔''

''کیسا انتظام.....؟'' حمید نے پوچھا۔

''خان ظفر یاب کی ڈیوڑھی میں لفظ مہمان خاص اہمیت رکھتا تھا۔ ملازمین بحث کرتے تھے۔ مہمان کو خاموشی سے مہمان خانے تک پہنچا دیا جاتا تھا۔''

''کس صدی کی بات کر رہے ہیں جناب۔'' حمید نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''پندرہ بیس سال پہلے کی بات ہے جناب۔''

''تب کوئی جوان لڑکی گھر میں نہ رہی ہوگی..... کم از کم فرانس میں تو ایسا نہیں ہوتا۔''

''مجھے تو اب اجازت دیں جناب۔'' فریدی نے صمدانی سے کہا۔ ''ٹیکسی اندر جا سکے گی۔ ان کی اپنی گاڑی آپ کو یہاں سے لے جائے گی۔''

''میاں ایسی بھی کیا جلدی۔'' صمدانی بولا۔ ''کم از کم اندر سے جواب تو آ جانے دو۔''

''صاحب میں معافی چاہتا ہوں..... کئی بار پہرہ داروں سے تکرار ہو چکی ہے۔''

''اچھی بات ہے بھائی۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا اور جیب سے پرس نکال کر ریڈنگ کی اور کرایہ فریدی کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

ڈگی سے ان کا سوٹ کیس نکالتے وقت فریدی نے ایک چھوٹا سا پیکٹ حمید کے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔ حمید نے چپ چاپ اسے جیب میں ڈال لیا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں اپنے اپنے سوٹ کیس اٹھائے پھاٹک کے سامنے کھڑے تھے۔ ٹیکسی جا چکی تھی۔

''اب مجھے شدت سے بھوک لگ رہی ہے..... جناب صمدانی صاحب۔'' حمید بڑبڑایا۔

''میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ یہاں ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑے گا پرنس۔''

''کیا حالات دگرگوں ہیں۔''

''خدا جانے..... میری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آ رہا۔''

دفعتاً وہ سنتری آتا دکھائی دیا جو اندر گیا تھا۔ اس کے ساتھ ایک آدمی اور بھی تھا۔ سنتری پھاٹک پر ہی رک گیا اور دوسرا آدمی جچے تلے قدم اٹھاتا ہوا ان کی طرف بڑھا چلا آیا۔

''کہیے جناب۔'' اس نے سوال کیا۔

''ہم خان کی عیادت کو آئے ہیں..... اور ہمیں اقتدار الدولہ بہادر نے بھیجا ہے۔''

''اوہ.....!'' وہ آدمی غالباً پس و پیش میں پڑ گیا تھا۔ کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ اس نے کہا۔ ''آپ کو تھوڑا انتظار کرنا پڑے گا۔ میں ابھی حاضر ہوا۔''

وہ تیزی سے مڑا اور پھاٹک سے گزر کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

''لاحول ولا قوۃ.....!'' حمید بھنا کر بولا۔ ''کم از کم فرانس میں تو ایسا نہیں ہوتا؟''

''یہاں بھی نہیں ہوتا تھا جناب۔''

''تو پھر کیا یہ ہمارے قدموں کی برکت ہے۔'' حمید نے طنزیہ ہنسی کے ساتھ کہا۔

''قطعی بے دست و پا ہوں جناب۔''

''بے سر و پا باتیں نہ کرو..... یہ بتاؤ کہ میں کون سا دولہ ہوں۔''

''ابھی آپ صرف افتخار الدین ہیں۔ اقتدار الدولہ بہادر کے بعد آپ افتخار الدولہ کہلائیں گے۔''

''مزید لاحول ولا قوۃ۔''

''اب آپ تو جی نہ جلائیے۔''

''خبردار جو ایسی باتیں کیں..... تم ہی تو مجھے یہاں لائے ہو۔''

''جناب جناب..... خدارا مجھے مزید پریشان نہ کیجئے۔''

''لیکن میری بھوک۔''

''کسی بیوہ ماں کی طرح جھنجھلا کر اس وقت یہی کہہ سکتا ہوں کہ مجھے کھا لیجئے۔''

حمید کو ہنسی آ گئی اور صمدانی تقدیر کا شکوہ کرنے لگا۔

اتنے میں ایک چھوٹی سی کار اندر سے آتی دکھائی دی۔

وہ ان کے قریب پہنچ کر رک گئی۔ ایک خونخوار شکل کا آدمی اسے ڈرائیو کر رہا تھا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' وہ انہیں گھورتا ہوا غرایا۔ وہ خود گاڑی سے نہیں اترا تھا۔

حمید کو اسکا انداز جارحانہ لگا لیکن وہ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول چپ چاپ اندر بیٹھ گیا۔

لیکن جب صمدانی اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے قریب بیٹھنے لگا تو اس نے غرا کر کہا۔ ''تم بھی

پیچھے جاؤ۔''

''میں اس کی جرأت نہیں کرسکتا۔''

''کیوں.....؟''

لیکن قبل اس کے کہ صمدانی اس ''کیوں؟'' کا جواب دیتا حمید نے تحکمانہ لہجے میں

''تم میرے پاس آ جاؤ۔''

''ب.....بہت بہتر جناب۔'' صمدانی ہکلاتا ہوا پچھلی سیٹ پر آ بیٹھا۔

گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی پھاٹک سے گزرتی چلی گئی۔

واقعی حمید کو ایسا معلوم ہوا جیسے کسی قلعے میں داخل ہوا ہو۔

چاروں طرف عمارتوں اور باغات کے سلسلے بکھرے ہوئے تھے۔ گاڑی جس سڑک جارہی تھی بہت سلیقے سے بنائی گئی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے پانی پر تیر رہی ہو۔

جلد ہی اس سفر کا خاتمہ ہوا۔ گاڑی ایک چھوٹی سی خوبصورت عمارت کے سامنے رک گ تھی۔ ڈرائیور نے عمارت کی جانب ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''مہمان خانہ۔''

حمید اس انداز گفتگو کا مطلب بخوبی سمجھتا تھا۔ اس نے صمدانی سے اتر چلنے کو کہا۔

''سخت توہین کی جارہی ہے۔'' صمدانی کا لہجہ غصیلا تھا۔

وہ دونوں اپنے اپنے سوٹ کیس سنبھالے ہوئے نیچے اُتر گئے۔

''ٹھہرو.....!'' ڈرائیور غرایا ''یہ کارڈ لیتے جاؤ۔''

صمدانی نے مڑ کر کارڈ اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا تھا۔

پھر حمید نے اس سے لے کر دیکھا۔ جلی حروف میں اس پر تحریر تھا۔

''مہمان۔ دعا گوئے، دولت و اقبال۔''

''حد ہوگئی۔'' صمدانی پیر پٹخ کر بولا۔

گاڑی تیزی سے آگے بڑھ گئی تھی۔ حمید نے صمدانی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ دماغ ٹھنڈا رکھو۔''

اس کے بعد وہ عمارت کی طرف بڑھے تھے۔ صدر دروازے پر انہیں روک کر کارڈ لھا گیا۔ صمدانی کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا اور ہاتھ کانپ رہے تھے۔ کارڈ دیکھنے والے نے انہیں

اندر پہنچایا۔ کمرہ بہت سلیقے سے سجایا گیا تھا۔ یہاں دو بستر تھے۔

''آپ دونوں کو اسی کمرے میں قیام کرنا پڑے گا۔ کیونکہ دوسرے کمرے پہلے سے گھرے ہوئے ہیں۔'' ہمراہی نے ان سے کہا۔

''اندازاً کتنے مہمان ہوں گے۔'' حمید نے سوال کیا۔

''آپ کو اس سے کیا سروکار.....!'' اس کا لہجہ اچھا نہیں تھا۔

''آئی ایم سوری۔'' حمید نے معذرت کی۔

''کیا آپ لوگ کھانا کھا چکے ہیں؟''

''نہیں.....!''

''اچھا تو پھر دس منٹ بعد آپ کو ڈائننگ روم میں پہنچا دیا جائے گا۔''

''بہت بہتر جناب عالی!'' حمید نے بڑے ادب سے کہا۔

جب وہ آدمی چلا گیا تو صمدانی غصیلے لہجے میں بولا۔ ''آپ کو اپنے رتبے کا خیال رکھنا چاہئے۔''

''پیٹ بھر لینے کے بعد اپنے رتبے کے متعلق سوچوں گا۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا اور صمدانی ٹھنڈی سانس لے کر مغموم لہجے میں بولا۔ ''کاش آپ کی تربیت خود اقتدار الدولہ بہادر کے زیرِ نگرانی ہوئی ہوتی۔''

''بس خاموش رہو.....ورنہ سچ مچ تمہیں ہی کھا جاؤں گا۔''

دس منٹ بعد ایک باوردی بیرا انہیں ڈائننگ روم میں لے گیا تھا۔

کھانے کے دوران میں حمید محسوس کرتا رہا کہ صمدانی زبردستی حلق سے نوالے اُتار رہا ہے۔

خود اس نے خوب ڈٹ کر معدے کی تواضع کی اور پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے ویٹر سے سوال کیا۔ ''کیا کھانے کے بعد کافی نہیں پیش کی جاتی۔''

''اگر کوئی مہمان فرمائش کرے تو ضرور پیش کی جاتی ہے جناب۔''

''تم بہت شائستہ آدمی ہو.....تم سے مل کر خوشی ہوئی۔''

''خدمت ہی مسلک ہے۔'' ویٹر نے کسی قدر جھک کر کہا۔

''ہم کھانے کے بعد کافی پینے کے عادی ہیں۔''

''ابھی پیش کی جاتی ہے جناب۔'' ویٹر نے کہا اور برتن سمیٹ کر چلا گیا۔

''آپ ان بدبختوں کو منہ نہ لگائیے جناب۔'' صمدانی نے بہت بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''ارے اب تم میری فکر نہ کرو۔ میں عوامی زندگی گزارنے کا عادی ہوں۔ میری تربیت جاگیردارانہ ماحول میں نہیں ہوئی۔''

''اب پھر سے آپ کی تربیت کرنی پڑے گی.....ورنہ.....!''

''پلیز صمدانی.....بس.....مجھے بور نہ کرو۔''

دفعتاً ویٹر نے آ کر اطلاع دی کہ تھوڑی دیر بعد کافی بیڈ روم ہی میں سرو کر دی جائے گی۔

وہ بیڈ روم میں واپس آ گئے اور حمید نے باتھ روم کی راہ لی۔ اب اسے اس پیکٹ کا دھیان آیا تھا جو چلتے وقت فریدی نے صمدانی سے چھپا کر اس کے حوالے کیا تھا۔

باتھ روم میں پہنچ کر اس نے پیکٹ نکالا اور اُسے کھولنے لگا۔

''اوہ.....!'' اس نے طویل سانس لی۔ یہ ایک چھوٹا سا جیبی ٹرانسمیٹر تھا۔ شکل سگریٹ لائٹر کی سی تھی اس کے ساتھ ہی ایک تحریر بھی تھی۔

''تم جس وقت چاہو اس ٹرانسمیٹر پر مجھ سے رابطہ قائم کر سکتے ہو.....اور بہتر یہی ہوگا کہ خود ہی کرید کرید کر اس بوڑھے آدمی سے ان حالات سے متعلق معلومات حاصل کرو جس سے اس وقت دوچار ہو۔''

حمید نے اس پرچے کو نذر آتش کر دینے کے بعد ٹرانسمیٹر کو جیب میں ڈال لیا اور بیڈ روم میں واپس آ گیا۔

صمدانی آنکھیں بند کئے آرام کرسی پر نیم دراز تھا۔ حمید کی آہٹ پر چونک کر سیدھا ہو بیٹھا۔

حمید بستر پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ''ہم چچا حضور کی خدمت میں کب پیش کئے جائیں گے۔''

''کیا عرض کروں جناب! میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا.....ان حالات کا وہم و گمان بھی نہیں تھا۔''

''صاف صاف بتاؤ کیا بات ہے.....ابا حضور نے مجھے کچھ بھی نہیں بتایا۔ مجھ سے صرف اتنا کہا گیا تھا کہ فرسٹ کلاس ویٹنگ روم میں ایک آدمی مجھے ملے گا جس کے ساتھ مجھے سفر کرنا ہے۔''

''غالباً اقتدار الدولہ بہادر کو پہلے ہی شبہ تھا کہ کہیں آپ انکار نہ کر دیں۔'' صمدانی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''اگر میرا مشورہ شامل حال ہوتا تو آپ کبھی فرانس نہ جا سکتے۔ آپ کی تعلیم و تربیت یہیں ہوتی۔''

''مجھے الجھن میں نہ ڈالو بھیارے صمدانی.....بتاؤ کہ کس قسم کے حالات سے میرا سابقہ ہے۔ لاعلمی میں کہیں کوئی ٹھوکر نہ کھاؤں۔''

''مناسب ہے.....ضروری بھی ہے کہ آپ کو حالات سے آگاہ کر دیا جائے۔''

''اور اب تم اسی طرح آرام سے لیٹ جاؤ جیسے پہلے لیٹے ہوئے تھے۔ حفظ مراتب کا خیال ترک کر دو، ورنہ دونوں ہی تکلیف اٹھائیں گے۔''

''بہت بہت شکریہ جناب! بڑھاپا بُری چیز ہے۔'' صمدانی نے کہا اور آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔

کچھ دیر خاموش رہ کر وہ پھر بولا۔ ''اعتماد الدولہ اور خان دوراں جڑواں بھائی تھے۔ دونوں کے درمیان بے انتہا محبت تھی۔ ہر وقت ساتھ رہتے تھے۔ یہ قلعہ ان کی آبائی جائے رہائش تھی۔ اس زمانے میں اعتماد الدولہ صرف اعتماد الدین تھے اور خان دوراں عباد الدین کہلاتے تھے۔ اس وقت ان دونوں کے باپ خان دوراں کہلاتے تھے۔ کیونکہ یہ خاندانی خطاب شیر شاہ سوری کے زمانے سے چلا آ رہا تھا۔ دونوں بھائیوں کو شکار کا بے حد شوق تھا۔ خصوصیت سے بھیڑیوں کا شکار ان کی مرغوب ترین تفریح تھی۔ وہ گھوڑوں پر سوار ہوتے اور ان کے پیچھے بے شمار شکاری کتے شور مچاتے ہوئے چلتے۔ میں نے اپنے باپ سے سنا تھا کہ دوسری جاگیروں میں یہ دونوں دو دیوانوں کے نام سے مشہور تھے۔ ٹکر کے لوگ ان کے نام سے کانپتے تھے۔ بہرحال اس چپقلش کی کہانی بھیڑیئے کے شکار ہی سے شروع ہوئی ہے۔ ایک بار یہ دونوں جھنڈ سے بچھڑے ہوئے ایک بھیڑیئے کے تعاقب میں تھے، جو ان کے کئی کتوں کو زخمی کر چکا تھا۔ اعتماد الدولہ کا کہنا تھا کہ اسے کتوں ہی سے زیر کرایا جائے اور خان دوراں کو ضد تھی کہ جیسے ہی وہ نظر پڑا وہ اسے رائفل کا نشانہ بنا دیں گے۔ بات اتنی بڑھی کہ دونوں نے ایک دوسرے پر رائفلیں تان لیں کوئی بیچ بچاؤ کرانے والا بھی نہیں تھا۔ اسی دوران میں بھیڑیا بھی جھاڑیوں میں نظر آ گیا اور خان دوراں نے اپنی رائفل کا رخ اس کی

طرف کر کے فائر کر دیا۔ گولی نشانے پر بیٹھی تھی۔ اعتماد الدولہ نے خان دوراں پر فائر کر دیا۔ گولی اتفاقاً گھوڑے کے سر پر لگی۔ اس طرح خان دوراں نے اپنا بچاؤ کر لیا۔ دونوں نے جھاڑیوں میں پوزیشن لے لی تھی اور اس وقت تک ایک دوسرے پر فائر کرتے رہے تھے جب تک کارتوس ختم نہیں ہو گئے تھے۔

اس کے بعد شائد دونوں ہی کو ہوش آیا تھا اور وہ دونوں ایک دوسرے سے منہ چھپائے ہوئے جنگلوں میں بھٹکتے پھرے تھے۔ اعتماد الدولہ نے پھر کبھی اس گڑھی کی صورت نہ دیکھی، جو آج قصر دوراں کہلاتی ہے۔ وہ کافی عرصہ تک ادھر اُدھر بھٹکتے رہنے کے بعد ایک بڑی ریاست میں جا پہنچے تھے۔ وہاں انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ ایک بڑے عہدے پر فائز ہوئے اور باپ کی زندگی ہی میں خطاب یافتہ ہو گئے۔ اعتماد الدولہ کہلائے۔ یہ اس ریاست کا سب سے بڑا اعزاز تھا اور صرف شاہی خاندان کے افراد ہی تک محدود تھا۔ ان دونوں کے باپ خان دوراں نے اپنی زندگی میں بڑی کوشش کی تھی کہ دونوں بھائی مل جائیں لیکن اعتماد الدولہ نے تو انہیں بھی شکل دکھانے سے انکار کر دیا تھا۔ معذرت طلب کی تھی۔ خان دوراں یعنی ان کے باپ نے ان کی اس خواہش کا احترام کرتے ہوئے اپنے اس مطالبے کو دہرانا چھوڑ دیا تھا۔ لیکن ساتھ ہی یہ شرط لگائی تھی کہ خواہ دونوں بھائی زندگی بھر ایک دوسرے کی شکل نہ دیکھیں لیکن وہ اپنے بچوں کی شادیاں آپس ہی میں کریں گے۔ باہر اسی صورت میں کر سکیں گے جب دونوں بھائیوں کی اولاد میں جوڑ نہ ملے۔ لہٰذا تمہارے والد اقتدار الدولہ کی شادی تمہارے چچا، جو باپ کے مرنے کے بعد خان دوراں کہلائے تھے ان کی بیٹی سے ہوئی۔ تمہارے دادا کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس لئے خان ظفریاب کی شادی خاندان سے باہر ہوئی تھی۔ اب یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ تم اپنے باپ کی واحد اولاد ہو اور خان ظفریاب کے بھی صرف ایک ہی بیٹی ہے۔''

صمدانی خاموش ہو گیا اور حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ اتنے میں کسی نے باہر سے دروازے پر دستک دی۔

''آ جاؤ۔'' حمید نے بلند آواز میں کہا اور ویٹر دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔

جب وہ کافی کی ٹرے رکھ کر واپس جانے لگا تو حمید نے اسے دس کا ایک نوٹ دیتے

ہوئے کہا۔ ''تم بہت باسلیقہ آدمی ہو۔''

''شکریہ جناب۔'' اس نے نوٹ وصول کر کے حمید کو تعظیم دی اور باہر چلا گیا۔

''اور اب.....!'' صمدانی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''میں اسی لئے تمہیں یہاں لایا ہوں کہ تمہاری شادی ظفریاب کی بیٹی سے ہو سکے۔ مجھے معاف کرنا میں تمہیں تم کہہ کر مخاطب کر رہا ہوں۔''

''کوئی بات نہیں! میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ جاگیردارانہ نظام والی تہذیب کو تہہ کر رکھو، مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔''

''ہوں.....اوں.....لیکن کیا تم اس بدتمیز لڑکی سے نباہ کر سکو گے۔''

''بدتمیزوں کو باتمیز بنانا میری ہوبی ہے۔ ٹھہرو.....تمہیں تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں خود تمہارے لئے کافی بناؤں گا۔''

''بہت بہت شکریہ.....میں بہت تھک گیا ہوں پرنس! اور یہاں کے لوگوں کے اطوار نے میرے اعصاب پر بہت بُرا اثر ڈالا ہے۔''

''فکر نہ کرو.....ہر تکلیف کا ازالہ ہو جائے گا۔'' حمید نے کہا اور اٹھ کر کافی بنانے لگا۔

صمدانی نے تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔ ''کاش میں کسی ذریعہ سے اقتدار الدولہ بہادر کو یہاں کے حالات سے آگاہ کر سکتا! میں نہیں چاہتا کہ مجھ پر کسی قسم کا الزام آئے۔''

''میں کہتا ہوں ہر اندیشے کو اپنے ذہن سے جھٹک دو۔ پورے حالات کا علم ہو جانے کے بعد سب کچھ مجھے کرنا ہے۔''

''تو پھر میں بری الذمہ۔''

''قطعی.....!'' حمید نے کافی کا کپ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''تم کافی پی کر سونے کی کوشش کرو۔''

اس کے بعد پھر کسی قسم کی گفتگو نہیں ہوئی تھی اور کافی ختم کر کے صمدانی بستر پر جا لیٹا تھا۔

قریباً دس منٹ بعد حمید نے اس کے خراٹے سنے۔

وہ فریدی سے رابطہ قائم کرنے کے لئے بے چین تھا۔ اچھی طرح اطمینان کر لینے کے بعد کہ صمدانی بے خبر سو رہا ہے وہ پھر باتھ روم میں داخل ہوا اور عقبی کھڑکی کھول کر ایسی پوزیشن

میں آ گیا کہ باہر سے دیکھا نہ جا سکے۔ پھر جیب سے ٹرانسمیٹر نکال کر اس کا سوئچ آن کیا اور ہلکی آواز میں فریدی کو پکارنے لگا۔

''ہیلو..... ہارڈ اسٹون..... ہارڈ اسٹون.....!''

''اٹ از ہارڈ اسٹون.....!''

''میں نے بوڑھے سے ضروری معلومات حاصل کر لی ہیں۔ اس کے بیان کے مطابق ہمارے ساتھ یہاں سرد مہری کا برتاؤ ہوا ہے۔ اس مہمان خانے میں ہمیں جگہ ملی ہے جہاں دولت و اقبال کے دعا گو ٹھہرائے جاتے ہیں.....اوور.....!''

''صبر سے کام لو.....تمہارے لئے دلچسپیاں ہوں گی.....اوور.....''

اس کے بعد حمید نے اسے بتایا کہ کس طرح اتفاقاً لڑکی سے ٹرین ہی میں ملاقات ہو گئی تھی۔

''اچھی علامت ہے.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''ویسے وہ ابھی تک ریلوے اسٹیشن ہی پر ریل کار کی منتظر ہے۔ اگر تم اسی وقت خان تک پہنچنا چاہتے ہو تو باہر نکلو اور مہمان خانے سے بائیں جانب چل پڑو۔ قریباً دو سو قدم کے فاصلے پر داہنی جانب ایک اور راستہ ملے گا جس کا اختتام ایک چھوٹے سے پارک پر ہوا ہے۔ پارک کے پھاٹک پر جو آدمی ملے اس سے اتنا کہہ دینا کہ تم مہمان ہو.....وہ تمہارے لئے کوئی تدبیر کر دے گا۔ ذرا ٹھہرو..... ہاں.....تم آدھے گھنٹے بعد وہاں سے روانہ ہو سکتے ہو.....اوور.....!''

''کیا میرا ہونے والا خسر بہت زیادہ بیمار ہے.....اوور.....!''

''خفقان کا مریض ہے.....وہ لوگ اسے باہر نہیں نکلنے دیتے۔ تم اگر کسی طرح اس تک پہنچ سکو تو بہتر ہے.....اوور اینڈ آل.....!''

دوسری طرف سے آواز آنی بند ہو گئی اور حمید نے طویل سانس لیکر سوئچ آف کر دیا۔

کمرے میں واپس آ کر اس نے لباس تبدیل کیا اور ٹھیک آدھے گھنٹے بعد مہمان خانے سے نکل ہی رہا تھا کہ دربان نے اُسے ٹوکا۔

''پیٹ میں کچھ گرانی سی محسوس کر رہا ہوں اسلئے کچھ دیر ٹہلنے کا ارادہ ہے۔'' حمید بولا۔

''کیا آپ کے پاس رات کو باہر نکلنے کا اجازت نامہ ہے۔''

''ہے تو بھائی.....لیکن میرے ساتھی کے پاس ہے اور وہ بے خبر سو رہا ہے۔''

''تب تو مجھے افسوس ہے جناب۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔ مہمان پر اس قسم کی پابندی آج تک نہ دیکھی نہ سنی۔''

''آپ براہِ کرم اندر تشریف لے جائیے۔'' دربان نے سخت لہجہ میں کہا۔ صورت سے اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔

''اچھا میرے مہربان دوست۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور واپسی کے لئے مڑ گیا۔

کمرے میں پہنچ کر دس منٹ بعد ٹرانسمیٹر پر فریدی سے رابطہ قائم کرنا چاہا لیکن دوسری طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔

آخر تھک ہار کر اس نے لباس تبدیل کیا اور سونے کیلئے لیٹ گیا تھا۔ دن بھر کی تھکن غنودگی کی گود میں جا لیٹی لیکن نیند کے غلبے سے قبل ہی کسی نے باہر سے دروازے پر دستک دی۔

وہ اُٹھ بیٹھا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دروازے کو گھورتا رہا۔ پھر اونچی آواز میں پوچھا۔

''کون ہے؟''

جواب میں غراہٹ سنائی دی۔ یقیناً وہ کسی خونخوار بھیڑیئے کی غراہٹ تھی۔

باپ اور بیٹا

غراہٹ ہی کے ساتھ لوگوں کی چیخیں بھی سنائی دینے لگیں۔ شور اتنا بڑھا کہ صمدانی کی نیند بھی اُچٹ گئی۔

حمید کو نہایت آرام سے آرام کرسی پر نیم دراز دیکھ کر بولا۔ ''آپ نے شاید یہ بھی معلوم کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ معاملہ کیا ہے۔''

''کچھ بھی ہو ہمارے آرام میں خلل پڑا ہے.....ہم ان نالائقوں کو ہرگز معاف نہ کر سکیں گے۔''

''میں گذارش کر رہا ہوں کہ باہر نکل کر دیکھئے تو کیا معاملہ ہے۔''

''آپ خود ہی تکلیف فرمایئے۔'' حمید نے زہریلے لہجے میں کہا۔

''اللہ میرے بڑھاپے پر رحم کرے۔''

حمید نے سوٹ کیس سے چار سو دس بور کی دو نالی بندوق نکالی اور کارتوسوں کی پیٹی گلے میں ڈال کر دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ پھر کسی نے دروازہ پیٹا۔

اب نہ بھیڑیئے کی غراہٹ سنائی دی تھی اور نہ کوئی چیخ۔

''کون ہے؟'' حمید نے دروازے کے قریب پہنچ کر اونچی آواز میں پوچھا۔

''دروازہ کھولئے جناب۔'' باہر سے سہمی ہوئی سی آواز آئی۔ یہ اسی شریف النفس ویٹر کی آواز تھی جسے حمید نے دس روپے ٹپ کئے تھے۔

اس نے جلدی سے بندوق سلیپنگ پاجامے میں اڑس کر اوپر سے قمیض چھوڑ دی اور کارتوسوں کی پیٹی پلنگ کے نیچے ڈال کر دروازہ کھولا۔

ویٹر بوکھلائے ہوئے انداز میں اندر داخل ہوا اور خود ہی اس طرح دروازہ بند کرنے لگا جیسے ملک الموت تعاقب میں ہو۔ پھر مڑ کر ہکلایا۔ ''آپ.....لل.....لوگ بخیریت ہیں نا۔''

''بیٹھ جاؤ۔'' حمید نے اس کا بازو پکڑ کر آرام کرسی پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ ''تم بہت زیادہ پریشان معلوم ہوتے ہو۔ ذرا دم لے لو۔''

ویٹر بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ حمید کھڑا رہا۔ بندوق کی وجہ سے بیٹھ نہیں سکتا تھا۔

''کیا قصہ تھا۔'' صمدانی نے ویٹر کو مخاطب کیا۔

''خاموش رہو.....اسے دم لینے دو۔'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔

دو تین منٹ تک گہری خاموشی رہی پھر ویٹر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''اس مہمان خانے پر پہلی بار اس کا حملہ ہوا تھا۔ میرے خدا کتنا بھیانک تھا۔ میں نے زندگی میں پہلی بار بھیڑیا دیکھا۔''

''بھیڑیا.....!'' حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

''جناب عالی! کیا آپ نے آواز نہیں سنی تھی۔''

''میں سمجھا تھا شائد کوئی لڑکی ہے۔''

''لڑکی.....!'' ویٹر کی خوفزدگی حیرت میں تبدیل ہوگئی۔

''ہاں ہاں.....ہماری طرف لڑکیاں اس طرح غراتی ہیں۔''

''آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں جناب۔''

''پہاڑوں کے دیس سے جہاں کی لڑکیاں بھیڑیوں سے بھی زیادہ خطرناک ہوتی ہیں۔''

''وہ بھیڑیا ہی تھا جناب۔ منحوس بھیڑیا۔ جو ایک سو سال سے اس خاندان پر مسلط ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

لیکن ویٹر حمید کے سوال کا جواب دینے کی بجائے خود کلامی میں مبتلا نظر آیا۔

''لیکن اس نے مہمان خانے کا رخ کیوں کیا.....وہ تو صرف محل سرا میں دیکھا جاتا تھا۔''

''میرے دوست تم مجھے الجھن میں مبتلا کر رہے ہو۔''

''جی.....!'' ویٹر چونک پڑا۔

''پردیسیوں سے ادھوری باتیں نہیں کی جاتیں۔''

''صاحب یہ ایک لمبی کہانی ہے۔''

''کچھ بھی ہو میں ضرور سنوں گا۔''

اور پھر ویٹر نے اعتماد الدولہ اور خان دوراں کی کہانی شروع کر دی۔

حمید پائپ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا۔ وہ اب بھی اسی جگہ کھڑا تھا۔

وہ کہانی ختم کر چکا تو صمدانی نے کہا۔ ''میں نے پہلے تو کبھی یہ نہیں سنا کہ قصر دوراں میں کوئی بھیڑیا دکھائی دیا ہو۔''

''پچھلے سال تک یہ بات ڈھکی چھپی رہی تھی جناب! لیکن جب محل کے باہر کا ایک آدمی اس کا شکار ہوا تو سب کو معلوم ہوگیا۔''

''ہوں.....تو تمہارا یہ خیال ہے کہ یہ وہی بھیڑیا ہے جسے خان دوراں نے گولی ماری تھی۔'' حمید نے پوچھا۔

''صرف میرا نہیں سب کا یہی خیال ہے جناب.....ویسے محل سرا والے اس کی تردید ہی کرتے رہتے ہیں۔''

''خیر ہوگا.....یہ بتاؤ یہاں بھیڑیئے نے کسی کو زخمی تو نہیں کیا۔''

''بس باورچی بال بال بچ گیا۔ وہ باورچی خانے کی کھڑکی میں سے اندر داخل ہوا تھا اور ادھر ہی سے بھاگ بھی گیا۔''

''چلو..... میں دیکھوں گا۔''

''نہیں جناب۔ مجھے یہیں رہنے دیجئے جب تک محل سرا سے کوئی یہاں نہ پہنچ جائے۔ فون کیا گیا ہے۔''

''اوہو..... کیا یہاں فون بھی موجود ہے۔''

''اس چھوٹے سے قلعے میں کیا نہیں ہے جناب! خان نے اسے ایک چھوٹا سا شہر بنا دیا ہے۔''

حمید نے پھر کوئی سوال نہ کیا۔ انہیں وہیں چھوڑ کر باتھ روم میں داخل ہوا اور بندوق کاسمیٹکس کی الماری میں چھپا دی۔

رات کے دو بجے تھے۔ اس نے سوچا ضروری نہیں کہ اس وقت بھی ٹرانسمیٹر کے ذریعہ فریدی سے رابطہ قائم کیا جا سکے۔ وہ پھر کمرے میں واپس آ گیا اور اب اس فکر میں تھا کہ ویٹر کی نظر بچا کر کسی طرح کارتوسوں کی پیٹی بھی مسہری کے نیچے سے نکال لے۔

دفعتاً کسی پولیس کار کے سائرن کی آواز سنائی دی۔

''کک..... کیا یہاں پولیس بھی ہے۔'' صدانی نے ویٹر سے پوچھا۔

''خان کی اسپیشل پولیس جس کے سربراہ ان کے بھتیجے سردار ضیغم ہیں۔''

''خان کے بھتیجے۔'' صدانی اچھل پڑا۔ ''للل..... لیکن انکے تو کوئی دوسرا بھائی نہیں ہے۔''

''بیوی کے بھتیجے کو آپ کیا کہیں گے۔ جناب سردار ضیغم خود ہی تشریف لائے ہوں گے۔ وہ خود ہی ہر معاملے کو دیکھتے ہیں۔ اب مجھے باہر نکلنا چاہئے۔''

''ضرور..... ضرور.....!'' حمید بستر سے اٹھتا ہوا بولا۔ اس نے ویٹر کو باہر نکال کر دروازہ بولٹ کر دیا۔

باتھ روم سے بندوق لا کر کارتوسوں کی پیٹی سمیت سوٹ کیس میں رکھ دی اور ایش ٹرے میں پائپ کی راکھ جھاڑ کر لیٹ گیا۔

''پتہ نہیں ہم کس مصیبت میں پڑ گئے ہیں۔'' صدانی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''لیٹ جاؤ..... لیٹ جاؤ..... دیکھا جائے گا۔'' حمید نے کہا اور کروٹ بدل کر آنکھیں بند کر لیں۔

پھر شاید قریباً دس منٹ بعد کسی نے دروازے پر دستک دی تھی۔

''کون ہے.....؟'' حمید جھلا کر چیخا۔

''دروازہ کھولو۔'' گونج دار آواز اور سخت لہجے میں کہا گیا۔

حمید نے اُٹھ کر دروازہ کھولا۔ سامنے ایک قد آور نوجوان کھڑا تھا۔ اس کے جسم پر چیتے کی کھال کے سے کپڑے کی قمیض اور سیاہ پتلون تھی۔ بھاری جبڑے سفاک طبیعت کی غمازی کر رہے تھے۔ آنکھوں میں سرخی کے ساتھ ساتھ وحشت بھی تھی۔

اس کے پیچھے دو مسلح آدمی کھڑے تھے۔

''تم لوگ کہاں سے آئے ہو۔'' اس نے حمید کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

''دارالحکومت سے۔''

''کیوں آئے ہو.....؟''

''بتاؤ.....!'' حمید نے صدانی کو للکارا۔

صدانی لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے آگے آیا اور کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''ہمیں اقتدار الدولہ بہادر نے بھیجا ہے۔''

''اوہو..... اچھا.....!''

''یہ پرنس افتخار ہیں۔''

''اوہ..... ہیلو.....!'' اس نے آگے بڑھ کر بڑی گرم جوشی سے حمید سے مصافحہ کیا۔

یقیناً وہ خاصا طاقتور آدمی تھا۔ حمید نے محسوس کیا۔

''لیکن..... آپ لوگ یہاں کیسے..... کیا آپ نے افسر مہانداری کو نہیں بتایا تھا کہ آپ کون ہیں؟''

''یہ تو نہیں بتایا تھا۔ بس اتنا کہا تھا کہ ہمیں اقتدار الدولہ بہادر نے خان کی عیادت کو بھیجا ہے۔''

''تب تو اس بیچارے کا کوئی قصور نہیں..... اب آپ دونوں حضرات براہِ کرم میرے

ساتھ چلئے۔ مجھے بے حد افسوس ہے کہ آپ کے شایان شان استقبال نہ ہو سکا۔''

''کوئی بات نہیں..... کوئی بات نہیں۔'' حمید نے کہا اب وہ خالص فرانسیسی انداز اردو بول رہا تھا۔

دونوں مسلح آدمیوں نے ان کا سامان اٹھایا اور وہاں سے چل پڑے۔

''چچا حضور کی اب کیسی طبیعت ہے۔'' حمید نے سردار ضیغم سے پوچھا۔

''اس وقت ایک ڈاکٹر دارالحکومت سے آیا ہے۔ صبح ہی معلوم ہو سکے گا کہ اب طبیعت ہے۔ وہ ڈاکٹر کے علاوہ اور کسی کو اپنے کمرے میں داخل نہیں ہونے دیتے۔ بھال کے لئے تین نرسیں ہیں اور دو فیملی ڈاکٹر۔''

''مرض کیا ہے جناب۔'' صمدانی نے پوچھا۔

''ابھی تک مرض کی تشخیص نہیں ہو سکی۔''

وہ کار میں بیٹھ گئے جسے ضیغم ہی ڈرائیو کر رہا تھا۔ دونوں مسلح آدمی وہیں رہ گئے۔ حمید ضیغم کے برابر اگلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔

''آخر یہ کیسا ہنگامہ تھا موسیو زیگم.....!'' اس نے کچھ دیر بعد سوال کیا۔

''کہیں سے ایک بھیڑیا آ گیا ہے۔''

''بھیڑیا کیا.....؟''

''وولف..... وولف..... میں نہیں جانتا کہ اسے فرانسیسی میں کیا کہتے ہیں۔''

''وولف میں سمجھتا ہوں..... بائی گاد..... میں اس کا شکار کروں گا۔''

''اوہو..... شکاری بھی ہیں آپ۔''

''ہاں..... مجھ کو شکار کا شوق ہے۔''

''آپ اردو قریب قریب خاصی بول سکتے ہیں۔''

''ہاں..... میری گورنس کا میاں لکھنوی تھا۔''

''بہت خوب.....!''

گاڑی اب ایک بڑی عمارت کے سامنے رکی تھی۔

''یہ خصوصی مہمان خانہ ہے..... معززین کے لئے۔'' سردار ضیغم نے کہا۔

''بہت بہت شکریہ جناب عالی!'' صمدانی گڑگڑایا۔ ''مجھے جناب والا کی خوش اخلاقی نے بے حد متاثر کیا ہے۔''

''میں اس نمک خوار کا بیٹا ہوں جو اقتدار الدولہ بہادر کو خان دوراں کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے لایا۔''

''اوہ..... اچھا اچھا.....!'' سردار ضیغم نے پُرمعنی انداز میں اپنے سر کو جنبش دی۔

''مگر یہ بھیڑیا جناب عالی!''

''آپ لوگ فی الحال اندر چلئے۔ یہ ہمارا دردسر ہے۔ آپ لوگ فکر نہ کریں۔ عنقریب اسے ختم کر دیا جائے گا۔''

''مجھے نہ بھولئے گا موسیو۔ اس کے شکار پر مجھے بھی ساتھ لے چلئے گا۔''

''ضرور..... ضرور.....!'' لہجہ طنزیہ تھا۔

وہ اندر آئے اور اس بار وہیں کے دربان نے ان کے سوٹ کیس اٹھائے تھے۔

''کیا یہاں اور بھی مہمان ہیں۔'' حمید نے سردار ضیغم سے پوچھا۔

''نہیں.....!''

''تب تو ہم وہیں بہتر تھے۔ یہاں تنہائی میں.....!''

''آپ کی تنہائی رفع کر دی جائے گی۔'' خان ضیغم نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''اب مجھے اجازت دیجئے۔ صبح ملاقات ہوگی۔''

سردار ضیغم کے چلے جانے کے بعد صمدانی نے کہا۔ ''یہ جگہ معقول معلوم ہوتی ہے۔ لیکن جناب عالی..... مجھ پر ایک کرم فرمائیں۔''

''کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''ہم دونوں ایک ہی کمرے میں سوئیں گے۔''

''کیوں.....؟''

''ایسے حالات میں آپ کو تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''آخر بھیڑیا ہی کیوں؟ شیر، چیتا، یا ریچھ کیوں نہیں۔ ان اطراف کے جنگلوں میں ان

کی بھی کمی نہیں۔''

حمید نے اس پر مزید بات نہیں بڑھائی تھی اور وہ ایک ہی کمرے میں سوئے تھے۔

دوسری صبح بھاری بھرکم ناشتے سے سابقہ پڑا۔ یہاں کے ملازمین ان کے آگے پیچھے رہے تھے۔

قریباً دس بجے سردار ضیغم پھر دکھائی دیا۔ پرتپاک انداز میں حمید سے ملا اور بولا۔''بُری بات ہے کہ پھوپھی حضور اور بے بی خان آپ لوگوں سے ملنے پر رضامند نہیں۔''

''خدارا آپ اپنا تعارف بھی تو کرائیے۔'' صمدانی نے کہا۔

''میں خان ظفر یاب کا بھتیجا سردار ضیغم ہوں۔''

''مطلب یہ کہ چچی حضور کے بھتیجے۔'' حمید نے پوچھا۔

''جی ہاں.....!''

''میں چچا حضور سے ملنے آیا ہوں۔''

''ان پر تین بجے شب سے غشی طاری ہے۔''

''ہوش میں آنے کا انتظار کیا جائے گا۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔

''یہاں مہمانوں سے یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ اب تشریف لے جائیں۔ جب تک آ لوگوں کا دل چاہے قیام کیجئے۔''

''اوہ.....اچھا.....!'' حمید نے پُرتفکر لہجے میں کہا۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ ''بے بی کان کون ہیں۔''

اس پر ضیغم نے قہقہہ لگایا اور حمید کو آنکھ مار کر صمدانی کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا۔

''ہم نہیں سمجھے جناب عالیٰ!''

''جن کے لئے آپ چچا حضور کی خدمت میں پیش ہونے آئے ہیں۔ ان کا نام درا ہے لیکن محل میں بے بی خان کہلاتی ہیں۔''

''اور وہ مجھ سے نہیں ملیں گی۔'' حمید نے بے بسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''ان کا خیال تو یہی ہے۔''

''آپ اس سلسلے میں کوئی مدد نہیں کر سکتے۔''

''بھلا میں ان لوگوں کو کس طرح آمادہ کر سکوں گا۔''

''کوئی بات نہیں.....کوئی بات نہیں.....لیکن وہ بھیڑیئے کا شکار۔''

''اس میں آپ ضرور شریک ہوں گے۔''

''بس کافی ہے۔''

''اچھی بات ہے۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔ کچھ دیر بعد آپ کی تنہائی رفع ہو جائے گی۔ کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو وہ بھی بتا دیجئے۔''

''نہیں کچھ نہیں.....شکریہ۔''

وہ چلا گیا اور صمدانی بے حال ہو کر آرام کرسی پر گر گیا۔

''تمہیں کیا تکلیف ہے بھائی.....شادی میرا مسئلہ ہے تمہارا نہیں۔'' حمید نے اس کے شانے پر تھپکی دے کر کہا۔

''اس سے بڑی توہین اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی کہ بہو بیگم آپ سے ملنے سے انکار کر دیں۔''

''یہ بہو بیگم کیا چیز ہے۔''

''آپ کی چچی حضور.....!''

''میں چچا حضور سے ملنے آیا ہوں۔''

''یہ لوگ ہرگز نہیں ملنے دیں گے.....میں سمجھ گیا۔ صاحبزادی کو ماں کی حمایت حاصل ہے۔ پرنس یہ بہت بُرا ہوا۔ بہت بُرا۔''

''فرانس میں میری تین چار محبوبائیں ہیں.....تم بالکل فکر نہ کرو۔''

''آپ نہیں سمجھ سکتے ان معاملات کو۔''

''میں صرف ایک ہی معاملہ سمجھتا ہوں۔ شادی کے سلسلے میں بس خاموشی.....میں کچھ دیر تنہا رہنا چاہتا ہوں۔ کسی دوسرے کمرے میں چلے جاؤ۔''

صمدانی کو کمرے سے نکال کر اس نے دروازہ بند کیا اور عقبی باغ کی طرف کھلنے والی کھڑکی کے قریب پہنچ کر جیب سے ٹرانسمیٹر نکالا۔ فریدی سے فوری طور پر رابطہ قائم ہوا تھا۔

حمید نے اسے پچھلی رات سے لے کر اب تک کی داستان سنائی اور بولا۔''اس بار تو بالکل ہی اندھے کنوئیں میں دھکیل دیا ہے.....اوور.....!''

''کب تک میری انگلی پکڑ کر چلتے رہو گے..... خیر اب یہ معلوم کرو کہ اس عمارت
باہر نکلنے کی اجازت ہے یا نہیں۔ اس کے بعد پھر مجھے کال کرنا۔ پھر کوئی مشورہ دے سکوں
اوور اینڈ آل.....!''

حمید نے پھر ٹرانسمیٹر کا سوئچ آف کر کے اسے جیب میں ڈال لیا۔ لباس تبدیل کر
باہر نکلا ہی تھا کہ سامنے سے ایک لڑکی آتی دکھائی دی۔ جس نے آدھی آستین کی سفید قمیض
اور براؤن رنگ کی جین پہن رکھی تھی۔ بڑی اسمارٹ اور دلکش تھی۔

''پرنس افتخار پلیز.....!'' اس نے قریب پہنچ کر کہا۔

''ہاں..... ہاں.....!''

''کیا آپ باہر جا رہے ہیں۔''

''ارادہ تو یہی ہے۔''

''مجھے سردار ضیغم نے بھیجا ہے تا کہ آپ تنہائی محسوس نہ کر سکیں۔''

''اپنے ملک میں یہ پہلا اچھا آدمی ملا ہے۔'' حمید مسکرایا۔

''چلئے! میں آپ کو قلعہ کی سیر کراؤں گی۔''

''ابھی آپ بیٹھئے..... میں باتھ روم تک جانا چاہتا ہوں۔''

حمید نے کہا اور اس کے ساتھ سٹنگ روم تک آیا اور پھر اپنے بیڈ روم میں واپس آ
دوبارہ فریدی سے رابطہ قائم کیا۔ نئی سچویشن کا ذکر کرتے ہوئے مشورہ مانگا۔

''مزے کرو..... ہر جگہ تمہاری نامعقول طبیعت کے بہلنے کا سامان ہو جاتا ہے۔ ضر
سیر کرو قلعے کی۔ اوور اینڈ آل.....!''

''بہت اچھا سرکار۔'' حمید نے بڑبڑاتے ہوئے ٹرانسمیٹر جیب میں ڈالا اور سٹنگ
میں واپس آ گیا۔ لڑکی چھوٹا سا آئینہ ہاتھ میں لئے اپنا میک اپ درست کر رہی تھی۔ حمید
کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

''آپ کا لہجہ بہت پیارا ہے۔'' وہ آئینے کو وینٹی بیگ میں ڈالتی ہوئی بولی۔

''شکریہ.....!''

''میں نے سنا ہے کہ آپ کی پرورش فرانس میں ہوئی ہے۔''

''ہاں ماموزئیل.....!''

''اللہ..... کتنا پیارا.....!''

حمید مسکراتا رہا۔ وہ باہر نکلے۔ روش پر سرخ رنگ کی اسپورٹ کار نظر آئی۔

''آپ ڈرائیو کریں گے۔'' لڑکی نے ہنس کر پوچھا۔

''ماموزئیل کی مرضی۔''

''میرا نام رخشی ہے۔''

''رکشی..... بہت پیارا نام ہے۔''

''ہائے رکشی کہہ کر تو آپ نے اسے اور بھی پیارا کر دیا۔''

حمید نے اگنیشن کی اس سے لے کر انجن اسٹارٹ کیا۔ وہ اس کے قریب بیٹھی پکے آم
ی طرح مہک رہی تھی۔ حمید نے ذہن میں یہی تشبیہ آئی۔ ورنہ اس نے تو ایوڈی کولون
ں خود کو بسا رکھا تھا۔

جیسے ہی کار پھاٹک سے نکلنے لگی ایک دوسری لمبی سی کار نے اس کا راستہ روک لیا جس
ایک جغادری قسم کا بوڑھا بیٹھا ہوا تھا۔

اس نے حمید کو گاڑی روکنے کا اشارہ کیا۔ خود اس کی گاڑی بھی رک گئی تھی۔ ڈرائیور نے
تر کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ وہ بڑے ٹھسے سے نیچے اُترا تھا۔ عمر ساٹھ کے قریب رہی
وگی۔ لیکن قویٰ مضبوط تھے اور چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں عجیب سی مکارانہ چمک تھی۔

اسپورٹ کار کے قریب پہنچ کر اس نے غرائی ہوئی سی آواز میں پوچھا۔ ''تم اقتدار کے
بیٹے ہو۔''

''ہاں میں اکتدار الدولہ کا بیٹا ہوں اور ان کے بعد اقتکار الدولہ کہلاؤں گا۔''

''تم خصوصی اجازت نامے کے بغیر مہمان خانے سے باہر نہیں نکل سکتے۔ واپس جاؤ۔''
لڑکی آہستہ سے بولی۔ ''واپس چلئے پرنس..... یہ سردار ضیغم کے باپ سردار قاہر ہیں۔
ندارا..... واپس چلئے..... واپس چلئے۔''

حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر گاڑی کو ریورس گیئر میں ڈال دیا۔

چور

عمارت کے اندر پہنچ کر لڑکی نے کہا۔ ''مجھے بے حد افسوس ہے پرنس۔''

''افسوس تو مجھے بھی ہے لیکن.....!''

''لیکن کیا.....؟''

''مجھے بالکل افسوس نہ ہونا چاہئے۔ تم اتنی کوبصورت ہو کہ میں تمہاری آنکھوں سے ساری دنیا دیکھ سکتا ہوں۔''

''ہائے اللہ کوبصورت..... ہائے پرنس..... کتنا پیارا لفظ۔''

''یہ بوڑھا ناراض کیوں ہو رہا تھا۔''

''مجھے خود بھی حیرت ہے..... آپ کے ساتھ یہ سلوک میری سمجھ میں بھی نہیں آیا۔''

''بہت کوفناک تھا۔''

''ہاں پرنس..... وہ بہت خوفناک ہے۔ بیچارے خان تو ہمیشہ بیمار رہتے ہیں۔ قلعے اس کی حکومت ہے۔ سردار ضیغم جو اس کا بیٹا ہے اسے بالکل پسند نہیں کرتا۔''

''تو یہ بے بی کان کاموں ہے۔''

''ہاں..... پرنس.....!''

''اچھا..... اچھا..... ذرا میں باتھ روم تک جاؤں گا۔''

''کتنی بار جاؤ گے باتھ روم میں۔''

''نروس ہوتا ہوں تو بار بار ضرورت پیش آتی ہے۔''

''تم نروس کیوں ہو پرنس.....!''

''اتنی کوبصورت لڑکی سامنے ہو تو نروس ہونا ہی پڑے گا۔''

اسے ڈرائینگ روم میں چھوڑ کر وہ پھر سونے کے کمرے میں آیا اور ٹرانسمیٹر پر فرید سے رابطہ قائم کر کے موجودہ سچویشن بتائی۔

''لڑکی رات کو وہاں نہ رہنے پائے..... اوور.....!'' فریدی کی آواز آئی۔

''اگر وہ اس پر اڑ گئی تو۔''

''احمق..... کیا تم سے اتنا بھی نہیں ہو سکے گا کہ اسے کسی طرح ٹال دو۔''

''آپ مجھے احمق ہی رہنے دیجئے۔''

''حمید سنجیدہ ہو جاؤ..... یہ ضروری ہے۔''

''بہت بہتر جناب۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

''اوور..... اینڈ آل.....!''

ڈرائینگ روم سے واپس آ کر اس نے دیکھا کہ سردار قاہر جس نے اسے باہر جانے سے روکا تھا لڑکی پر برس رہا ہے۔

''تجھے جرأت کیسے ہوئی یہاں قدم رکھنے کی..... کتیا کہیں کی۔''

''مم..... مجھے سردار ضیغم نے بھیجا تھا۔'' لڑکی نے جواب دیا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپائے بُری طرح کانپ رہی تھی۔

''شریف آدمی۔'' حمید بے حد نرم لہجے میں بولا۔ ''اس پھول کو شبنم چاہئے۔ آگ برسانے والا سورج نہیں۔''

''تم خاموش رہو۔'' سردار قاہر اس پر الٹ پڑا۔

''کسی سہمی ہوئی لڑکی کو دیکھ کر میں کاموش نہیں رہ سکتا۔ میں ایک اداس تنہا آدمی ہوں۔ اس لڑکی کو یہیں میرے پاس رہنے دو۔''

''میں کہتا ہوں خاموش رہو۔'' سردار قاہر پیر پٹخ کر بولا۔

اتنے میں صمدانی دکھائی دیا۔ وہ دروازے میں کھڑا سردار قاہر کو گھورے جا رہا تھا۔

''اوہ تم.....!'' سردار قاہر بیساختہ چونک کر بولا۔

''مجھے خوشی ہے کہ تم نے مجھے پہچان لیا۔ سردار قاہر..... لیکن اسے برداشت نہیں کر سکتا کہ تم پرنس کی شان میں گستاخیاں کرو۔ یہ لڑکی یہیں رہے گی۔''

''تم شاید نشے میں ہو۔'' سردار قاہر کا لہجہ طنزیہ تھا۔

''نہیں میں ہوش میں ہوں اور اب دیکھوں گا کہ تمہاری جھولی میں کتنے شعبدے ہیں۔''

''تمہاری موت تمہیں یہاں لائی ہے۔''

''تم بھول رہے ہو.....اس بھیڑیئے کی موت مجھے یہاں لائی ہے۔''

''بھیڑیا.....کس بھیڑیئے کی بات کر رہے ہو۔''

''وہی جو دونوں بھائیوں کے درمیان افتراق کا باعث بنا تھا۔''

''گھاس کھا گئے ہو تم.....بکواس بند کرو اور خود کو زیر حراست سمجھو۔''

''ضرور سمجھوں گا اگر تم میرے ہاتھوں سے بچ گئے۔'' صمدانی نے کہا اور دفعتاً جیب اعشاریہ دو پانچ کا پستول نکال لیا جس کا رخ سردار قاہر کی طرف تھا۔

حمید اپنا سر سہلاتا ہوا لڑکی سے بولا۔''تم ادھر آ جاؤ.....میرے پاس ..... یہ دونوں آگ کی زبان میں گفتگو کرنے والے ہیں۔''

''ہاں لڑکی.....تم ادھر آ جاؤ.....پرنس کے پاس۔'' صمدانی غرایا۔اس کی پوری شخصیت بدل کر رہ گئی تھی۔خوش اخلاقی کا پیکر شعلہ جوالا بن گیا تھا۔

لڑکی دوڑتی ہوئی حمید کے پاس آ پہنچی اور وہ اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔''یہ دونوں نہیں کس بات پر دوئل لڑ رہے ہیں۔''

''مجھے کہیں اور لے چلو پرنس.....لڑائی جھگڑا نہیں دیکھ سکتی۔''

''مفت بھی نہیں۔'' حمید نے حیرت سے پوچھا۔

حمید سردار قاہر کی طرف دیکھتے جا رہا تھا جس کے چہرے پر کچھ دیر قبل پائی جانے والی درندگی اس طرح غائب ہوئی تھی جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

اس کی آنکھوں میں حیرت تھی اور کسی قدر بے اطمینانی کی جھلکیاں بھی پائی جاتی تھیں۔

''ہم پورے آٹھ سال بعد ملے ہیں سردار قاہر۔'' صمدانی اس کی آنکھوں میں دیکھتا مسکرایا اور حمید سے بولا۔''پرنس آپ اس کو میرے پستول سے کور کیے رکھئے.....میں ابھی آیا۔''

حمید نے بڑی مستعدی دکھائی.....سردار قاہر کے دل کا نشانہ لے کر کھڑا ہو گیا۔لڑکی اب اس سے دور کھسک گئی تھی۔

صمدانی کے چلے جانے کے بعد سردار قاہر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔''تمہاری شادی بے بی خان سے ہو سکتی ہے.....اگر میں چاہوں۔''

''کوفناک آدمی.....میں تمہاری باتوں میں نہیں آؤں گا۔میرا نشانہ بہت اچھا ہے۔''

''پستول جیب میں رکھ لو بیٹے.....میں بے بی خان کا ماموں ہوں۔''

''ماموں کیا ہوتا ہے۔''

''اس کی ماں کا بھائی۔''

''بوڑھا آدمی میرا گارجین بن کر آیا ہے.....میں اس کا کہنا مانوں گا۔''

''بڑے نقصان میں رہو گے۔''

''اب تم کاموش کھڑے رہو۔''

''اتنے میں صمدانی واپس آ گیا۔اسکے دونوں ہاتھ پشت پر تھے۔چند لمحے دروازے میں کھڑا سردار قاہر کو گھورتا رہا پھر لڑکی سے بولا۔''تمہاری گاڑی باہر موجود ہے۔فوراً یہاں سے چلی جاؤ۔''

''ٹھہرو.....نہیں.....!'' سردار قاہر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''جاؤ.....!'' صمدانی اتنے زور سے دہاڑا کہ دیواریں تک جھنجھنا اٹھیں۔

لڑکی دوڑتی ہوئی چلی گئی۔

''اور اب پرنس آپ اسے کور کیے رکھئے.....میں اس کے بازو میں ایک انجکشن دوں گا.....اور وہ انجکشن ہی اسے انسانیت کے جامے میں لائے گا۔ہم جیسے مہمانوں کی یہاں بڑی توہین ہوئی ہے۔''

''ٹھیک ہے.....تم انجکشن لگاؤ.....اگر یہ اپنی جگہ سے ہلا بھی تو فائر کر دوں گا۔''

''بالکل.....بالکل.....!''

''بے بی کان کا ماموں.....!'' حمید نے کہہ کر طنزیہ قہقہہ لگایا۔

سردار قاہر دم سادھے کھڑا تھا لیکن انجکشن لگتے ہی اس کے حلق سے گھٹی گھٹی کراہ نکلی اور وہ چکرا کر گر پڑا۔

''سان فرانسسکو.....!'' حمید نے متحیر رہ جانے کی ایکٹنگ کی اور صمدانی نے قہقہہ لگایا۔

''میں آپ کا خادم ہوں پرنس۔'' وہ اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا اور قریب پہنچ کر اس کے ہاتھ سے پستول لینا چاہا۔

''پہلے تم یہ سرنج.....ادھر میز پر رکھ دو.....!'' حمید نے سر ہلا کر کہا۔

وہ پھر ہنس پڑا اور بولا۔ ''میں آپ کا خادم ہوں..... جو کچھ میں نے کیا ہے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا..... ہوش میں آنے کے بعد یہ ہمیں اپنے سر پر بٹھائے گا۔''

''تم بہت گرے نکلے مسٹر صمدانی۔''

''میرے باپ کو آپ کے دادا حضور کا باڈی گارڈ ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔''

''بہت کوب.....!''

''بہت خوب کہیے..... میرے سامنے بننے کی کوشش نہیں۔ آپ نے اچانک فرانسیسی انداز میں اردو بولنی شروع کر دی ہے۔''

''صرف اس لڑکی کے لئے موسیو..... وہ جسے تم نے بھگا دیا ہے۔ اس لہجے پر نگوڑ ماریاں جان دیتی ہیں۔''

''اوہو..... آپ نگوڑ ماریاں بھی بول سکتے ہیں۔''

''میری اتالیق سسرالاً لکھنوی تھی۔''

''سسرالاً.....!'' صمدانی اسے گھورتا ہوا بولا۔ پھر اس نے کہا۔ ''براہِ کرم آپ لڑکیوں کو دیکھ کر ریشہ خطمی نہ ہو جایا کیجئے..... یہاں اب بھی سسرال والے اسے پسند نہیں کرتے۔''

''مجھے لفظ سسرال ہی پسند نہیں۔ عجیب سی بدبو محسوس کرتا ہوں نام سن کر۔''

''خدارا خاموش رہئے..... دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔'' اس نے چاروں طرف دیکھ کر کہا اور اچانک پستول حمید کے ہاتھ سے جھپٹ کر کہا۔ ''آپ کے ہاتھ میں گلدستہ زیادہ حسین لگے گا، جو آپ اپنی بیوی کو پیش کریں گے۔''

حمید نے ذرہ برابر بھی اظہار نہ ہونے دیا کہ اس طرح پستول چھین لینے کا اس پر کیا اثر ہوا ہے۔

''وہ کوفتاک ہے۔''

''کون.....؟''

''بے بی کان.....!''

صمدانی ہنس کر رہ گیا۔ اس کی تو شخصیت ہی حیرت انگیز طور پر بدل گئی تھی۔

اچانک سردار قاہر کے جسم میں جنبش ہوئی اور صمدانی اس کے قریب پہنچ گیا۔

وہ جھکا ہوا بغور اس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ کچھ دیر بعد سردار قاہر کراہ کر اٹھ بیٹھا۔ چند لمحے آنکھیں ملتا رہا۔ پھر جیسے ہی صمدانی پر نظر پڑی ''ارے صمدانی بھائی'' کہتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

''آپ کب آئے۔''

''تمہاری طبیعت اب کیسی ہے۔'' صمدانی نے اسکا بازو پکڑتے ہوئے نرم لہجے میں پوچھا۔

''لل..... لیکن..... مم..... میں یہاں کہاں؟'' وہ چاروں طرف دیکھتا ہوا ہکلایا۔

''بھئی..... میں نے تمہیں اپنی آمد کی اطلاع دی تھی۔ تم آئے اور اس کمرے میں قدم رکھتے ہی بیہوش ہو گئے۔''

''مجھے کچھ یاد نہیں صمدانی بھائی۔'' سردار قاہر نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

''کب سے بیمار ہو۔''

''میں نہیں جانتا صمدانی بھائی۔''

''بیٹھ جاؤ۔'' صمدانی اس کا بازو پکڑے ہوئے صوفے کی طرف لے جاتا ہوا بولا۔ ''میں ایک خاص مشن پر آیا ہوں۔''

''مجھے ضرور بتاؤ۔ صمدانی بھائی.....!'' سردار قاہر نے کہا اور صوفے پر بیٹھ کر ہانپنے لگا۔

''یہ شہزادہ افتخار ہیں۔ اقتدار الدولہ بہادر کے بیٹے۔'' صمدانی نے حمید کیطرف اشارہ کیا۔

''زہے عزو شرف۔'' سردار قاہر اٹھ کر کسی قدر جھکتا ہوا بولا اور پھر بیٹھ گیا۔

''جس طرح میرے باپ اقتدار الدولہ کو یہاں لائے تھے اسی طرح میں شہزادہ افتخار کو لایا ہوں۔''

''تو پھر محل میں تشریف لے چلئے آپ لوگ..... یہاں کیوں مقیم ہیں۔''

''تمہارے بیٹے ضیغم نے ہماری یہ توقیر کی ہے۔''

''میں اسے گولی مار دوں گا صمدانی بھائی..... آپ دونوں چلئے میرے ساتھ۔''

''پرنس.....!'' صمدانی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

''میں پہلے باتھ روم جاؤں گا۔''

''ضرور..... ضرور.....!''

حمید انہیں وہیں چھوڑ کر پھر اپنی خواب گاہ میں آیا اور دروازہ بولٹ کر کے ٹرانسمیٹر نکالا۔

فریدی سے رابطہ قائم ہونے میں دیر نہ لگی۔ نئے حالات سے آگاہ ہونے کے بعد فریدی نے کہا۔ ''بہت اچھی خبر ہے۔''

''خدارا.....!'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''اب تو مجھے اصل حالات سے آگاہ کر دیجئے۔ کہیں بے خبری میں کوئی غلطی نہ کر بیٹھوں اوور۔''

''پرواہ مت کرو.....اوور اینڈ آل.....!''

فریدی کی آواز پھر نہ سنائی دی۔ حمید اسے پکارتا ہی رہ گیا۔

وہ پھر ڈرائینگ روم میں واپس آیا۔ یہاں وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے ایک دوسرے کو ایسی پرشوق اور محبت آمیز نظروں سے دیکھے جا رہے تھے کہ حمید کو چکر آ گیا۔

حمید کی آہٹ پر چونکے اور سنبھل کر بیٹھ گئے۔

''آپ بھی تشریف رکھئے پرنس.....!'' صمدانی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

دفعتاً سردار قاہر اٹھتا ہوا بولا۔ ''اچھا صمدانی بھائی.....اب اجازت دو۔ محل جا کر آپ لوگوں کے شایان شان استقبال کا انتظام کروں گا۔''

''بہت اچھا قاہر بھائی۔'' صمدانی نے اٹھ کر اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

حمید کی طرف دیکھ کر سردار قاہر احتراماً جھکا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

صمدانی نے اپنی گھڑی دیکھی اور مسکرا کر بولا۔ ''آٹھ گھنٹے تک یہ مجھے اسی طرح صمدانی بھائی کہتا رہے گا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ساتواں گھنٹہ گزرتے ہی اسے دوسرا انجکشن دیا جائے۔''

''صمدانی چچا میں انجکشن کے بغیر ہی کہنے پر تیار ہوں۔'' حمید نے بوکھلاہٹ کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

''میں آپ کا غلام ہوں پرنس! آپ ہی کے لئے یہ سب کچھ کیا ہے۔ آپ کی توہین ہوئی تھی اس لئے غصہ آ گیا۔''

پھر دس منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ سردار ضیغم دکھائی دیا اور اس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ دو مسلح سپاہی بھی تھے جن کے ہاتھوں میں ریوالور نظر آئے۔

''میرے باپ سردار قاہر کہاں ہیں۔'' وہ پیر پٹخ کر دہاڑا۔

''قاہر بھائی ابھی ابھی تشریف لے گئے ہیں۔'' صمدانی نے نرم لہجے میں کہا۔

''تم نے ان پر ریوالور تانا تھا۔''

''یہ کیا بکواس ہے لڑکے میں تمہارے باپ کا دوست ہوں۔ میرا احترام کرو وہ مجھے صمدانی بھائی کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔''

''ہاں یہ ٹھیک ہے موسیو زیگم.....میں نے بھی سنا تھا۔'' حمید بولا۔

''تم خاموش رہو۔'' ضیغم کا لہجہ اہانت آمیز تھا۔

''موسیو زیگم مجھے بھی جلد حرارہ آ جاتا ہے۔''

''بکواس بند کرو۔ لڑکی نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔''

''وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی موسیو زیگم.....!'' حمید نے مغموم لہجے میں کہا۔

''تمہارے فادر کہہ گئے ہیں وہ ہمیں جلد ہی محل میں لے چلیں گے۔ دیکھوں بے بی کان کیسی ہے۔''

''شٹ اپ.....اس کا نام نہ لینا.....ورنہ سر توڑ دوں گا۔''

''کیا تم اس سے محبت کرتے ہو۔''

''لڑکے.....!'' دفعتاً صمدانی غرایا۔ ''میں پرنس کی شان میں گستاخی نہیں برداشت کر سکتا۔ اب تمہاری زبان سے کوئی نارواجملہ ادا ہوا تو میرا تھپڑ تمہارے منہ پر پڑے گا۔''

ضیغم غراتا ہوا صمدانی کی طرف بڑھا ہی تھا کہ حمید بیچ میں آ گیا۔ ضیغم نے اسے دھکا دینا چاہا لیکن حمید نے جوڈو کے ایک داؤ کے ذریعہ اس کو منہ کے بل گر جانے پر مجبور کر دیا۔

اس کے دونوں محافظ خبردار خبردار کہتے ہوئے آگے بڑھے اتنے میں ضیغم بھی دوبارہ اٹھ کر حمید پر جھپٹا۔ حمید اگر ایک طرف ہٹ نہ جاتا تو اس بار اسے خاصی چوٹ کھانی پڑتی۔ ضیغم فولاد کی طرح ٹھوس تھا۔

باڈی گارڈز نے فائرنگ شروع کر دینے کی دھمکی دی تھی کہ صمدانی نے قہقہہ لگا کر کہا۔

''سردار قاہر کا بیٹا اتنا بے بس ہے کہ دو بندوقچی ساتھ لئے پھرتا ہے۔''

''نکل جاؤ.....چلے جاؤ۔'' ضیغم باڈی گارڈز کی طرف ہاتھ اٹھا کر دہاڑا۔

وہ جہاں تھے وہیں تھم گئے اور کھڑے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکاتے رہے۔

''باہر جاؤ۔'' وہ پھر گرجا۔ انہوں نے اس بار مشینی انداز میں تعمیل حکم کی تھی۔

ضیغم پھر حمید کی طرف جھپٹا۔ لیکن اس بار صمدانی نے جیب سے دوبارہ پستول نکالتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ ''ٹھہر جاؤ۔''

''یہ بدعہدی.....!'' ضیغم رک کر ہانپتا ہوا بولا۔ ''اب تم نے پستول نکالا ہے، بزدل بوڑھے۔''

''لیکن میری نیت میں فتور نہیں ہے۔ میں تمہیں آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ ابھی ابھی مجھے علم ہوا ہے کہ پرنس جوڈو کے ماہر ہیں۔ تم ان سے پار نہ پاسکو گے۔ دماغ ٹھنڈا رکھو..... دیوانگی اچھی چیز نہیں ہے۔''

قبل اس کے کہ ضیغم کچھ کہتا سردار قاہر کمرے میں داخل ہوا اور انہیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔

پھر ضیغم سے بولا۔ ''یہاں سے چلے جاؤ بدتمیز..... کیا تم صمدانی بھائی سے جھگڑا کررہے ہو۔ یقیناً تم نے گستاخی کی ہوگی۔ ورنہ ہرگز پستول نہ نکالتے۔ تمہیں بھتیجا سمجھ کر شفقت سے پیش آتے۔''

حمید نے ضیغم کے چہرے پر حیرت کے آثار دیکھے اور صمدانی نے مسکرا کر پستول پھر جیب میں ڈال لیا۔ اب ضیغم اپنے باپ کو گھورتا ہوا واپس جارہا تھا۔

''صمدانی بھائی اسے معاف کردیجئے۔'' سردار قاہر گڑگڑایا۔

آدھے گھنٹے بعد وہ محل کے ایک خوبصورت حصے میں فروکش تھے اور سردار قاہر بڑی لجاجت سے کہہ رہا تھا۔ ''صمدانی بھائی..... بیگم ظفر یاب یعنی میری چھوٹی بہن ..... یعنی بے بی خان کی والدہ..... ہر چند کہ اس رشتہ پر متفق نہیں لیکن میں انہیں راضی کرلوں گا۔''

''دونوں خاندانوں کی بہتری اسی میں ہے۔''

شام تک حمید بور ہوتا رہا۔ اپنے کمرے سے نکلا تو سردار قاہر کو پھر بے ہوش دیکھا۔ وہ ایک آرام کرسی پر پڑا ہوا تھا اور صمدانی اس کے قریب ہی اخبار بینی میں مصروف تھا۔ اس کی پشت حمید کی طرف تھی۔ حمید خاموش کھڑا رہا۔ صمدانی کو اس کی آہٹ نہیں مل سکی تھی۔ کیونکہ چاروں طرف یہاں فرش پر موٹے موٹے قالین پڑے ہوئے تھے۔

حمید دبے پاؤں چلتا ہوا ایک بہت بڑے آرائشی گلدان کے پیچھے جا چھپا۔ پوزیشن ایسی

تھی کہ اگر وہ دونوں اٹھ کر کمرے میں ٹہلنا بھی شروع کردیتے تو انہیں حمید نہ دکھائی دیتا۔

کچھ دیر بعد اس نے سردار قاہر کی بھرائی ہوئی سی آواز سنی۔ ''صمدانی، صمدانی بھائی.....

مم..... مجھے کیا ہوگیا ہے۔ میں بار بار اس طرح سونے کیوں لگا ہوں۔''

''موسم کا اثر ہے..... فکر نہ کرو۔''

''تت..... تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے..... صمدانی بھائی۔''

''بالکل نہیں۔''

''پرنس کہاں ہیں۔''

''اپنے کمرے میں..... وہ بیکاری میں زیادہ تر سوتے رہتے ہیں۔ خیر اب تم اصل معاملے کی طرف آجاؤ۔''

''شش شادی..... ضرور ہوگی صمدانی بھائی۔''

''وہ تو ہوگی ہی..... میں تم سے اس آدھے سرخ ٹکڑے کی بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''مج..... خطرہ ہے صمدانی بھائی۔''

''فضول باتیں نہیں..... آدھا ٹکڑا مجھے ہر حال میں چاہئے۔''

''وہ تو نہیں ہے میرے پاس.....!'' قاہر کی آواز آئی۔

''وہ تو ہر حال میں مجھے چاہئے..... ورنہ بڑا خون خرابہ ہوگا۔''

''تت تلاش کرنا پڑے گا..... صمدانی بھائی۔''

''ضرور تلاش کرو..... دس بجے رات تک مجھے مل جائے۔''

''لل لیکن صمدانی بھائی..... اگر وہ مل بھی گیا تو۔''

''تمہیں اس سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے۔ تمہارا ہر حال میں خیال رکھا جائے گا۔''

''میں کہہ رہا تھا صمدانی بھائی کہ وہ پرانی باؤلی کا قصہ ہے اور اب وہاں قدم رکھنا مشکل ہے۔''

''کیوں؟''

''بھیڑیا..... بھیڑیا..... باؤلی ہی سے نمودار ہوتا ہے۔''

''بکواس ہے؟''

''یقین کرو صمدانی بھائی۔ وہ اسی بھیڑیئے کی روح ہے جو خان دوراں کے ہاتھوں مارا

گیا تھا۔"

"میں کہتا ہوں بکواس مت کرو۔"

"تمہاری مرضی! میں تلاش کرنے جا رہا ہوں لیکن اگر وہ ٹکڑا نہ ملا تو۔"

"تمہارے پرخچے اڑ جائیں گے۔"

"بات دراصل یہ ہے صمدانی بھائی کہ وہ ضیغم کے پاس ہے۔ ضیغم بڑا گستاخ لڑکا ہے اور مجھے بھی خاطر میں نہیں لاتا۔"

"میں کچھ نہیں جانتا..... لیکن دیکھو ضیغم کو اس کا علم نہ ہونے پائے کہ میں نے اس کا مطالبہ کیا ہے۔"

"ارے چور۔" دفعتاً حمید نے اپنی پشت پر کسی لڑکی کی چیخ سنی اور اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"اوہو..... بے بی کان..... ویل کم..... ویل کم.....!" وہ سیدھا کھڑا ہو کر کھسیانی ہنسی کے ساتھ بولا۔

قاہر اور صمدانی اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ دردانہ نے انہیں مخاطب کر کے کہا۔ "یہ شہزادے صاحب ادھر چھپے ہوئے آپ لوگوں کی گفتگو سن رہے تھے۔"

"میں ہر وکت اردو سیکھنے کی کوشش کرتا رہتا ہوں..... میں نے سوچا شائد یہ لوگ گفتگو میں نئے نئے محاورے استعمال کریں۔ اس لئے مجھے فائدہ اٹھانا چاہئے۔" حمید نے کہا اور ڈھٹائی سے ہنسنے لگا۔

بھیڑیئے کا حملہ

حمید ہنسے جا رہا تھا اور وہ سب دم بخود کھڑے تھے۔ دردانہ کی نظر اپنے ماموں سردار قاہر کی طرف تھی اور وہ کسی قدر متحیر بھی دکھائی دیتی تھی۔

دفعتاً سردار قاہر نے حمید سے کہا۔ "پرنس! ایسی بات تھی تو آپ کو ہمارے پاس بیٹھنا تھا۔"

"اوہو..... تم سمجھتے نہیں سردار قاہر..... پرنس دوسروں کو متحیر کر دینے میں بے حد لذت محسوس کرتے ہیں۔ اسے ان کی ہابی سمجھ لو۔"

"اچھا یہ بات ہے صمدانی بھائی۔" سردار قاہر ہنسنے لگا اور حمید نے محسوس کیا جیسے دردانہ اسے پاگل سمجھ رہی ہو۔

اچانک دردانہ بولی۔ "مجھے حیرت ہے ماموں حضور۔"

"کس بات پر حیرت ہے بیٹی۔"

"مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے آپ کی پوری شخصیت بدل کر رہ گئی ہو۔"

"ایسی تو کوئی بات نہیں بیٹی! میں اور صمدانی بھائی بچپن سے ایک دوسرے سے واقف ہیں۔"

"تو کیا یہ واقعی پرنس افتخار ہیں۔"

"ہاں بیٹی..... بھلا اس میں شبہ کی گنجائش کہاں۔"

پھر وہ مزید کچھ کہے سنے بغیر واپس مڑ گئی۔ حمید اس موقع کو ضائع نہیں کر سکتا تھا۔ بڑی مشکل سے تو دوبارہ سامنا ہوا تھا۔ وہ اس کے پیچھے چل رہا پڑا اور لان پر پہنچ کر ہی دردانہ کو معلوم ہو سکا کہ کوئی اس کے پیچھے آ رہا ہے۔

وہ رک کر مڑی اور پُرتنفر لہجے میں بولی۔ "تم کوئی بھی ہو۔ مجھے تم سے قطعاً دلچسپی نہیں۔"

"کم از کم فرانس میں تو ایسا نہیں ہوتا۔ لڑکیاں اتنی بے مروتی سے پیش نہیں آتیں۔"

"تو پھر یہاں مرنے کیوں آئے ہو..... فرانس ہی واپس جاؤ۔"

"مرنا تو یہیں ہے..... لڑکیاں لفٹ دیں یا نہ دیں۔"

"میرے پیچھے مت آؤ۔"

"کم از کم چچی حضور سے تو مل ہی لوں۔"

"وہ نہیں ملنا چاہتیں۔"

"چچا حضور کی کیسی طبیعت ہے۔"

"پہلے سے بہتر ہے۔ لیکن کوئی ان سے مل نہیں سکتا۔"

"اچھا تو میری تصویر ہی ان تک پہنچا دو۔"

"کیوں.....؟"

''انہیں اطمینان ہو جائے کہ میں بھی بہت خوبصورت ہوں۔''

''تم.....!'' وہ تحقیر آمیز انداز میں ہنس پڑی۔

''نہیں ہوں.....؟''

''گھسیارے معلوم ہوتے ہو۔''

''یہ کیا ہوتا ہے..... میں گھسیارے کے معنی نہیں جانتا۔''

''اپنی کسی مقامی گرل فرینڈ سے پوچھ لینا۔''

''بے بی کان! میں نے سادھوؤں کی سی زندگی گزاری ہے۔ میری کوئی گرل فرینڈ نہیں۔''

''حالانکہ تم صورت سے ہی بدمعاش لگتے ہو۔''

''تمہارے ہی پردادا میرے بھی تھے۔''

''شٹ اپ.....!''

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ضیغم آتا دکھائی دیا۔ دردانہ مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی۔

ضیغم حمید کو گھورتا چلا آ رہا تھا۔ قریب پہنچ کر دہاڑا۔ ''یہاں قیام کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ تم جہاں چاہو آزادی سے گھومتے پھرو۔''

''میرے چچا حضور کا محل ہے۔'' حمید نے سرد لہجے میں کہا۔

''چلے جاؤ۔'' وہ اس کے اقامتی حصہ کی طرف ہاتھ اٹھا کر دہاڑا۔

''موسیو زیگم..... بدتمیزی نہیں۔''

بس اتنا ہی کافی تھا۔ ضیغم دوپہر کی ہزیمت کا بدلہ لینے کے لئے حمید پر جھپٹ پڑا۔ حمید پہلے ہی سے اس کے لئے تیار تھا۔ کنائی کاٹ کر اس کا وار خالی دیا اور پھر جو ایک داؤ جوڈو کا لگایا ہے تو ضیغم اچھل کر دور جا گرا۔ بھاری بھرکم آدمی تھا اس لئے پھرتی سے اٹھ نہ سکا اور حمید دردانہ کی طرف مڑ کر بولا۔ ''یہ بہت بیوقوف آدمی ہے۔ اسے یہاں سے لے جاؤ۔ ورنہ میرے ہاتھوں سے مارا جائے گا۔''

''میں تجھے پیس کر رکھ دوں گا۔'' ضیغم اٹھتا ہوا چیخا۔

سچ مچ اس بار جھپٹنے کا ایسا ہی انداز تھا جیسے مرنے مارنے کی ٹھان لی ہو۔

حمید پھرتی سے جھکا اور اسے اپنی پشت پر اٹھا کر پھر دور پھینک دیا۔

دردانہ کھڑی حیرت سے پلکیں جھپکا رہی تھی۔ سورج ابھی ابھی غروب ہوا تھا۔ دھندلکا پھیلنے لگا تھا۔ لیکن ابھی اتنی روشنی تھی کہ وہ دور سے بھی پہچانے جا سکتے۔

اس بار ضیغم اٹھا تو خالی ہاتھ نہیں تھا اس نے ریوالور نکال لیا تھا۔ ہانپتا ہوا بولا۔ ''اب تم زمین پر ناک رگڑو..... ورنہ گولی مار دوں گا۔''

''ضیغم بھائی..... یہ بزدلی ہے۔'' دفعتاً دردانہ بولی۔

''تم چپ رہو..... اندر جاؤ۔''

اتنے میں برآمدے میں صمدانی کی للکار سنائی دی۔ ''دیکھو قاہر تمہارے لڑکے نے پرنس پر ریوالور تان رکھا ہے۔ یہ اتنا جھگڑالو کیوں ہے؟''

اس کے بعد وہ دونوں جھپٹتے ہوئے لان پر پہنچے تھے۔ ''ضیغم..... تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ ریوالور ہولسٹر میں رکھ لو۔'' قاہر نے کہا۔

''آپ اندر جائیے..... میں یہاں کے نظم ونسق کا ذمہ دار ہوں۔'' ضیغم کا جواب تھا۔

''ضض..... ضیغم بیٹے.....!'' قاہر نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ ''مم..... مجھ سے ایسے لہجے میں گفتگو۔''

''تھپڑ رسید کیجئے ماموں جان..... یہ خود کو سمجھتے کیا ہیں۔'' دردانہ بھر گئی۔

''شٹ اپ!'' ضیغم دہاڑا۔ ''تم سب اندر جاؤ..... ورنہ اپنی بے عزتی کے خود ذمہ دار ہوگے۔ چلو جاؤ۔''

اس نے بڑے ڈراؤنے انداز میں اپنے ریوالور والے ہاتھ کو جنبش دی تھی۔

''چلو..... چلو.....!'' صمدانی نے مغموم لہجے میں کہا۔ ''اس وقت اسی کا کہنا کر دو۔ اس کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں معلوم ہوتی۔''

''تم سے تو میں ابھی نپٹتا ہوں۔'' ضیغم نے صمدانی کو دھمکی دی۔

''بزرگوں کے منہ نہیں آیا کرتے بیٹے! معلوم نہیں تمہاری تربیت کیسے ہوئی ہے۔''

''چچ چلو..... صمدانی بھائی۔'' قاہر نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''مجھے اس سے خوف محسوس ہو رہا ہے۔''

وہ سب ضیغم کو وہیں چھوڑ کر اندر آ گئے تھے۔

دردانہ قاہر کو گھورے جا رہی تھی اور قاہر دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا فرش کو تک رہا تھا۔

''شائد میں خواب دیکھ رہی ہوں۔'' دردانہ بڑبڑائی۔

''جاگتے میں.....!'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں میں سچ کہہ رہی ہوں۔ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے زمین اپنے محور سے ہٹ گئی ہو۔ یہ ماموں جان ہیں۔ انہیں کیا ہو گیا ہے۔ یہ تو اس وقت ضیغم بھائی کی کھال اتار دیتے۔''

''اللہ جب چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے۔'' صمدانی نے کہا۔

''ناممکن ..... مجھے یقین نہیں آتا۔'' دردانہ اسے گھورتی ہوئی بولی۔ چند لمحے کچھ سوچتی رہی پھر ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''تم بھی بالکل بدلے ہوئے نظر آتے ہو۔ جب میں نے تمہیں ٹرین میں دیکھا تو تم کچھ اور تھے۔''

قبل اس کے کہ صمدانی کچھ کہتا حمید باتھ روم کے بہانے وہاں سے نکل کھڑا ہوا۔ اسے پھر فریدی سے رابطہ قائم کرنا تھا۔ حالات گنجلک ہو گئے تھے۔ صمدانی حد درجہ پُراسرار ثابت ہوا۔ اس کی شخصیت ہی بدل کر رہ گئی تھی۔

حمید نے فریدی کو تازہ ترین حالات سے آگاہ کرتے ہوئے پوچھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔

''دونوں پر کڑی نظر رکھو.....!'' فریدی نے جواب دیا۔ ''یہ بھی معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ ان دونوں کے درمیان اس گفتگو کا مقصد کیا تھا۔ تم یہ سوال براہِ راست صمدانی سے بھی کر سکتے ہو.....اوور.....!''

''آخر یہ بھیڑیا کیا بلا ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''بے صبری اچھی چیز نہیں۔ جلد معلوم ہو جائے گا اوور اینڈ آل.....!''

گفتگو ختم کر کے حمید پھر ڈرائنگ روم میں واپس آیا۔ صمدانی تنہا تھا۔ حمید کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور مسکرا کر بولا۔ ''پرنس چھپ کر ہماری گفتگو سننے کی ضرورت نہیں تھی۔ مجھے آپ کے ساتھ بھیجنے میں اقتدار الدولہ بہادر کی کچھ مصلحت اور بھی تھی۔''

''اگر کچھ حرج نہ ہو تو میں بھی ان کے بارے میں جاننا چاہوں گا۔'' حمید نے کسی گھنے

بچے کی طرح منہ پھلا لیا۔ صمدانی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دردانہ خان کمرے میں داخل ہوئی اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔

''آپ لوگ یہاں سے فوراً چلے جایئے۔'' وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

صمدانی اسے دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا۔ لیکن حمید نہیں اٹھا تھا۔ اس نے سرد لہجے میں سوال کیا۔ ''کیوں.....؟''

''ضیغم بھائی بے حد خطرناک آدمی ہیں۔ انہوں نے ماموں حضور کو ایک کمرے میں بند کر دیا ہے اور آپ لوگوں کی فکر میں ہیں۔''

''آخر کیوں.....؟'' صمدانی بولا۔

''میں نہیں جانتی۔''

''مجھے چچی حضور کے پاس لے چلو.....!'' حمید نے اس سے کہا۔

''یہ بھی ناممکن ہے۔''

''تو پھر میں یہیں مر جاؤں گا.....اکتدار الدولہ کا بیٹا اتنا بزدل نہیں ہو سکتا کہ میدان چھوڑ کر بھاگ جائے۔''

''اچھا تو پھر میرے ساتھ چلو۔''

''یہ ہو سکتا ہے۔'' حمید نے صمدانی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ جایئے پرنس..... میں یہیں رہوں گا اور اپنے دوست قاہر کو اس ظالم کے پنجے سے رہائی دلاؤں گا۔''

''اچھا.....اچھا.....!'' حمید سر ہلا کر بولا اور دردانہ کے ساتھ جانے کیلئے تیار ہو گیا۔

کچھ دیر بعد اس تبدیلی کی اطلاع بھی فریدی کو دینی پڑی تھی۔ دردانہ نے اسے عمارت کے ایک دور افتادہ حصے میں چھوڑا تھا اور کچھ دیر کے لئے غائب ہو گئی تھی۔ واپس آئی تو پہلے سے بھی زیادہ پریشان تھی۔

''مجھے تو اس ضیغم سے نفرت ہو گئی ہے۔ تم واقعی بہت بہادر ہو۔ میں تمہاری عزت کرتی ہوں۔'' اس نے کہا۔

''دل دکھانے کے باتیں نہ کرو۔ میں تو بہت بُرا ہوں۔''

''ضیغم کی طرح بزدل تو نہیں ہو..... اس نے صمدانی صاحب کو مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن وہ کسی طرف نکل گئے۔''

''اوہو..... اچھا.....!'' حمید بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

''وہ ان سے کسی چیز کا مطالبہ بھی کر رہا تھا.....؟''

''کس چیز کا.....؟''

''یہ تو میں نہیں جانتی..... میں نے دونوں کی گفتگو سنی ضرور تھی لیکن دونوں ہی مبہم انداز میں گفتگو کر رہے تھے۔ مثلاً ضیغم نے صمدانی صاحب سے کہا تھا۔ ''میں نے ابا جان سے سب کچھ معلوم کر لیا ہے۔ تم زندہ بچ کر نہیں جا سکو گے۔ لاؤ آدھا ٹکڑا میرے حوالے کر دو۔''

''اوہو..... پھر کیا ہوا۔''

''ایسا پھرتیلا بوڑھا آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا..... اس نے کھڑکی سے باہر چھلانگ لگائی اور غائب ہو گیا۔ ضیغم کے آدمی اسے چاروں طرف ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔''

''یہ تو بہت بُرا ہوا۔ میں تنہا رہ گیا۔''

''تم میرے چچا کے بیٹے ہو..... تمہیں ایسا نہیں سوچنا چاہئے۔''

''ارے..... تم بھی تو بھیڑیئے کی طرح گراتی ہو۔''

دردانہ ہنس پڑی پھر بولی۔ ''وہ تو مذاق تھا۔ لیکن مجھے اس غراہٹ کے لئے بڑی پریکٹس کرنی پڑی تھی۔''

''ایسا کیوں کرتی ہو۔''

''مجبوراً مجھے صبح دیر تک سونے کی عادت ہے۔ امی حضور اس کی مخالف ہیں۔ میری خادمہ کو حکم ہے کہ سورج طلوع ہونے سے پہلے مجھے اٹھا دیا کرے۔ اب عالم یہ ہے کہ جہاں اس نے مجھے جگانے کی کوشش کی میں نے غرانا شروع کر دیا۔ بھاگ کھڑی ہوتی ہے اور امی حضور سے کہہ دیتی ہے کہ وہ ان کا حکم بجالائی ہے۔''

''بہت چالاک ہو۔'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

''اور میری خادمہ یہ سمجھتی ہے کہ اس غراہٹ کا تعلق پرانی باؤلی والے بھیڑیئے سے ہے۔''

''یہ باؤلی والا بھیڑیا کیا مصیبت ہے۔''

''لوگوں کا خیال ہے کہ یہ اسی بھیڑیئے کا بھوت ہے جو دادا حضور کی رائفل کا نشانہ بنا تھا اور تمہارے دادا خواہ مخواہ بور ہو گئے تھے۔ سچ کہتی ہوں مجھے اس کہانی پر بہت ہنسی آتی ہے۔''

''ہنسی کیوں آتی ہے؟''

''آخر یہ لوگ اتنے احمق کیوں ہوا کرتے ہیں۔ اتنی ذرا سی بات پر اس حد تک ناچاقی۔''

''نہیں انہیں کچھ نہ کہو..... وہ بہت پیارے اور سچے لوگ تھے۔ کھل کر نفرت کرتے تھے اور پاگلوں کی طرح ایک دوسرے کو چاہتے تھے۔ اب تو کچھ بھی نہیں رہا..... نہ نفرت نہ محبت..... لوگ مصلحتاً ایک دوسرے کو برداشت کرتے ہیں اور زندگی بھر اداکاری کرتے رہتے ہیں۔''

''تم بہت گہری باتیں بھی کر سکتے ہو.....!'' وہ دلآویز مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں صمدانی کے لئے کیا کروں۔'' حمید نے گفتگو کا موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

''اگر ان کے مقدر میں موت لکھی ہے تو ضیغم کے ہاتھ سے ضرور مارے جائیں گے۔ مجھے حقیقتاً اپنے ماموں اور ضیغم سے بے اندازہ نفرت ہے۔ لیکن امی حضور کی وجہ سے برداشت کرنا پڑتا ہے۔''

''تمہیں ان دونوں سے نفرت کیوں ہے۔''

''میں نہیں جانتی۔''

''اچھا..... بھیڑیئے کے بارے میں بتاؤ اور یہ پرانی باؤلی کیا چیز ہوتی ہے۔''

''ہاں یہ بات ہوئی۔'' وہ اس کے چہرے کے قریب انگلی نچا کر ہنسی اور پھر بولی۔ ''یہاں دھری رہ گئی اردو کی ساری قابلیت اب بلاؤ۔ اپنی اتالیق کے لکھنوی میاں کو۔''

''تم ہی بتا دو..... اے میری بنت عم.....!''

''پرانے زمانے میں بڑے بڑے کنوئیں بنوائے جاتے جن کے اندر چاروں طرف پانی سے کچھ اوپر کمرے اور دالانیں تعمیر کی جاتیں جن میں گرمیوں کی دوپہریں گذاری جاتی تھیں۔''

''اوہو..... تو یہاں کوئی ایسی چیز موجود ہے۔''

''ہاں..... آں..... وہی پرانی باؤلی کہلاتی ہے۔ لیکن عرصہ دراز سے اسے استعمال

نہیں کیا گیا۔ پہلے ہی سے آسیب زدہ تھی۔ اب وہاں کسی بھیڑیئے کا بھوت بھی آبسا ہے۔"

"وہ کب سے آیا ہے۔"

"غالباً پچھ تین سال سے۔"

"کیا محل والوں پر بھی اس نے کبھی حملہ کیا ہے۔"

"نہیں تو.....!"

"پھر وہ اس بھیڑیئے کا بھوت کیسے ہوسکتا ہے۔"

"میں نہیں جانتی۔ قلعے کے عوام یہی کہتے ہیں کہ وہ بھوت ہے اور محل والے اس کی تردید کرتے پھرتے ہیں تاکہ لوگوں کا خوف دور ہوسکے۔ ہمارے سپاہیوں نے کئی بار اس کا تعاقب کرکے اس پر گولیاں بھی چلائی ہیں لیکن وہ اب بھی زندہ ہے۔"

"میں اس کو ماروں گا۔"

"اپنے چار سو دس کے کھلونے سے۔"

"اس کی ہنسی نہ اڑاؤ وہ بہت کوفناک چیز ہے۔"

"اچھا اب میں جارہی ہوں..... یہاں سے نکلنا نہیں۔ ورنہ تم خود ہی کسی حادثے کے ذمہ دار ہوگے۔"

"نہیں نکلوں گا۔"

وہ چلی گئی اور حمید نے پھر ٹرانسمیٹر نکالا۔ لیکن اس بار فریدی سے رابطہ قائم نہ ہوسکا۔ آدھے گھنٹے تک تھوڑے تھوڑے وقفے سے وہ اسے کال کرتا رہا لیکن ناکامی ہی ہوئی۔ اس کے بعد دردانہ پھر آگئی اور اسے یہ سلسلہ ختم کرنا پڑا۔ وہ اس کے لئے ایک بڑے سے ناشتہ دان میں کھانا لائی تھی۔

"صمدانی کا پتہ چلا۔" حمید نے اس سے پوچھا۔

"ضیغم بھی غائب ہوگیا ہے۔ تم جلدی سے کھانا کھالو..... پھر میں تمہیں یہاں سے لے چلوں گی۔"

"اوہو..... اب میں چوروں کی طرح زندگی بسر کروں گا۔"

"جو میں کہوں کرتے رہو..... ورنہ اچھا نہ ہوگا۔"

"اچھا..... اچھا..... کیا تم نہیں کھاؤ گی میرے ساتھ۔"

"چلو..... میں بھی کھالوں گی۔ جلدی کرو۔"

کھانے کے دوران میں خاموشی رہی۔ اس کے بعد حمید نے تمباکو نوشی کے لئے پائپ نکالا ہی تھا کہ وہ بول پڑی۔ "نہیں..... یہاں نہیں۔"

"تمہاری مرضی۔" حمید نے پائپ کو جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں عقبی دروازے سے باہر نکلے۔ باہر گہرا اندھیرا تھا۔ اس حصے میں کہیں بھی روشنی دکھائی نہ دیتی تھی۔

حمید نے اپنی چھوٹی سی دونالی بندوق کوٹ کی داہنی آستین میں چھپا رکھی تھی۔

وہ عمارات کے سلسلے سے دور ہوتے گئے۔ اچانک انہوں نے کسی مرد کے رونے کی آواز سنی جو ان کے چلنے ہی کی سمت سے آرہی تھی۔ دونوں رک گئے۔ آواز قریب ہوتی جارہی تھی۔

"میرے مہمان..... میرے مہمان..... ہائے میرے مہمان..... خداوندا میں کیا کروں۔ ہائے روسیاہ ہوگیا۔" اور پھر دہاڑیں مار مار کر رونا شروع کردیا گیا۔

"یہ..... یہ ضیغم بھائی کی آواز ہے۔" دردانہ آہستہ سے بولی۔

"ہمیں پھانسنے کے لئے جال پھیلایا ہے اس نے۔"

"خدا جانے.....!" دردانہ کا لہجہ پُرتشویش تھا۔

وہ ایک درخت کے موٹے سے تنے کی اوٹ میں ہوگئے اور ضیغم دہاڑیں مار مار کر روتا ہوا ان کے قریب ہی سے گزر گیا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں صمدانی کا داؤ نہ چل گیا ہو۔ لگا دیا ہو اس کے بھی انجکشن..... آدمی تھا یا بھوت..... لیکن اب وہ خود کہاں ہوگا۔ باپ بیٹے دونوں ہی قابو میں آگئے لیکن وہ ایسا کیوں کررہا ہے۔ کیا چکر ہے..... باؤلی اور ریشم کے ٹکڑوں کا کیا قصہ ہے۔"

ضیغم کی آواز دور ہوتی جارہی تھی۔ دفعتاً اس نے دردانہ سے کہا۔ "ہم کب تک یہاں کھڑے رہیں گے۔"

"کک..... کیا تم نہیں سن رہے۔"

''وہ بہت دور نکل چکا ہے۔''

''غغ.....غراہٹ کی آواز۔''

حمید نے ضیغم کی آواز کی طرف سے توجہ ہٹائی ہی تھی کہ غراہٹ بھی سن لی۔ یہ غراہٹ بھی قریب کی نہیں تھی۔ سمت کا اندازہ بھی نہ ہوسکا۔

''بہتر ہوگا کہ اب ہم یہیں ٹھہر کر اس کا بھی انتظار کریں۔'' حمید نے کہا۔

''مم.....مجھے خوف معلوم ہو رہا ہے۔''

''بالکل نہ ڈرو.....چار سو دس بور کا کھلونا میرے پاس موجود ہے۔''

غراہٹ قریب ہوتی جارہی تھی اور اب حمید سمت کا تعین بھی کرسکتا تھا۔ آواز سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ تیزی سے دوڑتا ہوا انہیں کی سمت آرہا ہے۔

حمید نے پھرتی سے بندوق نکالی اور آواز کی سمت فائر کردیا۔ غراہٹ کا سلسلہ یکلخت ٹوٹ گیا۔ ایسا لگا جیسے فائر کی آواز نے بھیڑیئے کے قدم روک دیئے ہیں۔ لیکن حمید کی چھٹی حس پوری طرح بیدار ہوگئی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اب وہ بے آواز آئے گا۔

اس نے اسی سمت دوسرا فائر بھی کردیا۔ اس بار بھیڑیئے کی آواز غراہٹ سے مختلف تھی اور یہ مسلسل آواز تیزی سے دور ہوتی چلی گئی۔

''اس بار زخمی ہوکر بھاگا ہے۔'' حمید بڑبڑایا۔

''مجھے تو نہیں دکھائی دیا تھا تم نے کیسے دیکھ لیا۔''

''میں آواز پر نشانہ لگاتا ہوں۔''

اچانک دوڑتے ہوئے قدموں کی آہٹ ہوئی اور وہ چونک پڑے۔ دوڑنے والا چیخنے لگا تھا۔ ''کون فائر کررہا ہے.....سامنے آئے..... پرنس.....صمدانی صاحب۔''

''ضیغم بھائی۔'' دردانہ آہستہ سے بولی۔ ''شائد فائروں کی آواز سن کر پلٹ آئے ہیں۔''

''صمدانی صاحب..... پرنس! خدا کے لئے مجھے معاف کردیجئے۔ میں شرمندہ ہوں۔ مجھے مہمانوں کا احترام کرنا چاہئے تھا۔'' ضیغم بلند آواز میں کہہ رہا تھا۔

''میں تو اب اس سے ملوں گا۔'' حمید آہستہ سے بولا۔

''کہیں دھوکا نہ ہو۔''

''کچھ بھی ہو.....دھوکا ہوا تو گولی ماردوں گا۔'' حمید نے کہا اور ضیغم کو آوازیں دینے لگا۔

''پرنس آپ کہاں ہیں!''

''میں یہاں ہوں۔''

''کیا آپ نے فائر کئے تھے۔''

''ہاں.....بھیڑیا میرا پیچھا کررہا ہے۔''

''آپ فکر نہ کریں۔ وہ میرا پالتو بھیڑیا ہے۔'' ضیغم کی آواز آئی۔

''خداوندا.....!'' دردانہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ ''میں تصور بھی نہ کرسکتی۔''

''اچھا اب تم چپ چاپ یہاں سے چلی جاؤ۔'' حمید نے اس سے کہا۔ ''میں نہیں چاہتا کہ وہ تمہیں میرے ساتھ دیکھے۔''

''میرے خیال سے بھی یہی مناسب ہے۔ لیکن تم ہوشیار رہنا۔'' دردانہ نے کہا اور اس کے پاس سے ہٹ گئی۔

اتنے میں ضیغم اسی درخت کے قریب پہنچ گیا جس کے نیچے حمید کھڑا تھا۔ ضیغم نے ٹارچ روشن کی اور حمید پر نظر پڑتے ہی گڑگڑانے لگا...حمید نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔ ''کوئی بات نہیں۔ میں تمہیں اپنا عزیز سمجھتا ہوں۔''

اچانک بائیں جانب سے صمدانی کی آواز آئی۔ ''ضیغم..... میرے بچے میں نے تمہیں معاف کردیا۔ خدا سب کو نرم دلی عطا کرے.....!'' قریب پہنچ کر اس نے ضیغم کا ہاتھ پکڑا اور بولا۔ ''چلو میرے ساتھ اور پرنس آپ جاکر آرام کیجئے۔''

پھر حمید وہیں کھڑا رہ گیا تھا اور وہ دونوں آگے بڑھ کر اندھیرے میں گم ہوگئے تھے۔

وائر ریکارڈر

پھر حمید اندھیرے میں راستہ بھول گیا تھا اور آدھے گھنٹے تک ادھر اُدھر بھٹکتے رہنے کے

بعد جائے رہائش تک پہنچ سکا تھا۔

صمدانی نے مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔

''مجھے افسوس ہے پرنس کہ آپ کو تھوڑی سی تکلیف اٹھانی پڑی۔'' اس نے کہا۔ ''اب آپ سچ مچ آرام کیجئے۔ بقیہ معاملات میں خود ہی دیکھوں گا۔ آخر ہمارے گھرانے پر اسی لئے تو آپ کے اجداد اتنا اعتماد کرتے تھے۔''

حمید کراہتا ہوا آرام کرسی میں گر گیا۔ صمدانی نے تالی بجائی اور ایک ملازم اندر داخل ہوا۔

''بلیک کافی.....تیز گرم.....!'' اُس نے اس سے کہا اور وہ تعظیماً جھک کر واپس چلا گیا۔

''اس طرح آپ کی تھکن دور ہو جائے گی اور آپ آرام سے سو سکیں گے۔'' صمدانی حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

''چچا صمدانی.....!'' حمید اٹھ کر سیدھا بیٹھتا ہوا بولا۔ ''آخر ضیغم کیسے سیدھا ہو گیا۔''

''وہی انجکشن پرنس! اگر شیر کو دے دیا جائے تو اسے بکریاں سینگوں پر رکھ لیں گی۔''

''کس طرح.....!''

''کنپٹی پر پڑنے والے ایک گھونسے نے اسے بیہوش کیا تھا اور پھر انجکشن دینے میں آسانی ہو گئی تھی۔''

''تم حیرت انگیز ثابت ہوئے ہو چچا صمدانی۔''

''آپ کے اجداد جوہر شناس تھے!''

''اوہ.....!'' حمید پیٹ دبائے ہوئے اٹھا اور صمدانی سے بولا۔ ''میرا معدہ ..... پتہ نہیں یہ لوگ کیا کھاتے کھلاتے ہیں۔ میں ابھی آیا۔''

وہ اپنے بیڈ روم کی طرف چل پڑا۔ ایک بار پھر اس نے ٹرانسمیٹر کے ذریعہ فریدی سے رابطہ قائم کرنا چاہا۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ جھلاہٹ میں اس نے سوئچ آف کیا اور تیز قدموں سے چلتا ہوا ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔

پہلی نظر میں کمرہ خالی دکھائی دیا لیکن اسے ایسا محسوس ہوا جیسے قد آدم گلدان کے پیچھے کوئی چھپا ہوا ہو۔ غالباً اس نے نیلے رنگ کی ہلکی سی جھلک دیکھی تھی۔

وہ گلدان کی طرف جھپٹا اور دردانہ اچھل پڑی۔ پھر فوراً ہی سنبھل کر اسے خاموش رہنے

کا اشارہ کیا۔ حمید نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

''بوڑھے نے کافی پاٹ میں ایک کیپسول ڈالا تھا۔'' دردانہ آہستہ سے بولی۔ ''پھر اٹھ کر باہر چلا گیا تھا۔ کیا تم کافی پینے کا ارادہ رکھتے ہو۔''

''اس نے میرے ہی لئے کافی منگوائی تھی۔ میں ذرا باتھ روم تک گیا تھا۔''

''کیا تمہیں بوڑھے پر اعتماد ہے۔''

''اجی حضور کو تو ہے.....پھر مجھے بھی ہونا چاہئے۔''

''وہ بے حد خطرناک آدمی ہے۔''

''اچھا میں دیکھ لوں گا.....تم اب یہاں سے چلی جاؤ۔''

''پھر کہتی ہوں.....کافی میں ہاتھ نہ لگانا۔''

''اچھا اچھا.....اب تم جلدی سے چلی جاؤ۔ کوفناک باپ، کوفناک بیٹا.....دونوں بکری بن گئے۔ مجھے بھی تشویش ہے۔ صمدانی کو میں نے پہلی بار دیکھا ہے۔''

''اوہ.....!'' دردانہ نے طویل سانس لی اور مسکرا کر بولی۔ ''اب میں مطمئن ہوں۔ جا رہی ہوں۔''

وہ چلی گئی۔ حمید اس میز کی طرف متوجہ ہوا جس پر کافی پاٹ اور دو تین کپ رکھے ہوئے تھے۔ اس نے ایک کپ میں کافی انڈیلی اور اسے قد آدم گلدان میں الٹ دیا۔ تھوڑی سی کپ میں باقی رہنے دی اور کپ کو دوبارہ کافی پاٹ کے قریب رکھ کر خود سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ جسم ڈھیلا چھوڑا اور آنکھیں بند کر لیں۔

کچھ دیر بعد اس نے تین آوازیں سنیں۔

صمدانی کہہ رہا تھا۔ ''اوہو..... پرنس کرسی ہی پر سو گئے۔ ایسا لاپرواہ اور جیوٹ کا جوان آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔''

''اس میں کیا شک ہے۔'' ضیغم نے کہا۔ ''مجھے پھرتیلے پن پر حیرت ہوتی ہے۔ کوندے کی لپک ہیں پرنس۔''

''لیکن تم بہت نالائق ہو۔'' یہ سردار قاہر کی آواز تھی۔

''مجھے ندامت ہے.....زندگی بھر رہے گی۔'' ضیغم کی آواز آئی۔

حمید بدستور آنکھیں بند کئے گہری گہری سانسیں لیتا رہا۔

''اب ہمیں یہاں سے فوراً چل دینا چاہئے۔'' صدانی بولا۔

''لل.....لیکن پرنس.....!'' یہ ضیغم کی آواز تھی۔

''نہیں.....انہیں مت چھیڑنا.....بس روشنی بند کر کے نکل چلو۔ خود ہی جاگیں گے اور اپنے بیڈ روم میں چلے جائیں گے۔ سونے سے جگایا جانا بالکل پسند نہیں کرتے، خواہ کہیں سو گئے ہوں۔''

پھر حمید نے سوئچ آف ہونے کی آواز سنی اور آنکھوں میں خفیف سا درہ کر کے دیکھا۔ کمرہ تاریک تھا اس کے بعد کوئی آواز نہ سنائی دی۔

حمید نے آنکھیں کھول دیں۔ لیکن اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔ بہرحال اسے تو ان کا تعاقب کرنا تھا۔ اس لئے زیادہ دور اندیشی کو بھی راہ نہیں دی جا سکتی تھی۔

وہ اُٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ تیز قسم کی سرگوشی سنائی دی۔ ''پرنس.....تم کہاں ہو۔''

''میں بے ہوش پڑا ہوں۔'' حمید نے بھی سرگوشی میں ہی جواب دیا۔

''چپ چاپ باہر نکل آؤ.....دور تک اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔''

وہ اندازے سے باہر نکل آیا۔ برآمدے میں پہنچ کر اس نے پیروں کی چاپ سنی تھی۔ یہاں بھی اندھیرا تھا اور دردانہ اس کے قریب کھڑی آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی۔ ''تم نے تو کمال کر دیا۔ بڑی خوبصورتی سے بیہوش ہوئے تھے۔ وہ لوگ پرانی باؤلی کی طرف گئے ہیں۔''

''پرانی باؤلی تک میری رہنمائی کرو۔'' حمید بولا۔

''یقیناً کروں گی۔ میں ڈرپوک تو نہیں ہوں۔ وہاں بھیڑیا بھی ہوگا۔ خدا کی پناہ ضیغم نے کہا تھا کہ وہ اس کا پالتو بھیڑیا ہے۔''

''ہاں کچھ لوگ بھیڑیئے بھی پالتے ہیں۔''

''یہ بات نہیں ہے وہ اب تک کئی لوگوں کی جانیں لے چکا ہے۔ تم خود سوچو.....میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میرا ماموں زاد بھائی اتنا اذیت پسند ہوگا۔''

''ہمیں جلد از جلد ان کا پیچھا کرنا چاہئے۔ تم بس دور سے باؤلی دکھا کر واپس آ جانا۔''

''یہ ناممکن ہے۔ میں بھی چلوں گی۔ پورے انتظام کے ساتھ آئی ہوں۔ میرے تھیلے میں ٹارچ پستول اور وافر تعداد میں کارتوس موجود ہیں۔''

''بے بی کان.....وہاں گولیاں بھی چل سکتی ہیں۔''

''پستول اور کارتوس نمائش کے لئے نہیں لائی۔ چلو جلدی کرو۔ میری اسپورٹ کار باہر موجود ہے۔ وہ عام راستے سے گئے ہوں گے میں دوسری طرف سے لے چلوں گی۔''

''یہ اور بھی اچھا ہوگا۔''

کچھ دور چل کر اسپورٹ کار کچے راستے پر اتار دی گئی۔ دردانہ خود ہی ڈرائیو کر رہی تھی اور حمید سوچ رہا تھا۔ کاش وہ سچ مچ اس کی چچا زاد بہن ہوتی۔ ڈرائیونگ کے معاملے میں بھی بڑی نڈر لڑکی تھی۔

''اب مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ زیگم بڑا کمینہ آدمی ہے اور ماموں جان کو کیا کہوں۔ لیکن یہ بُری بات ہے کہ زیگم نے بھیڑیا پال رکھا ہے اور یہ مشہور کرا دیا ہے کہ وہ دادا جان والے بھیڑیئے کی روح ہے۔''

''آخر اس نے ایسا کیوں کیا۔''

''دیکھو جگر کی توپی سے کیا برآمد ہوتا ہے۔ پتہ نہیں باؤلی میں کیا ہے جسے محفوظ رکھنے کے لئے وہاں ایک بھیڑیا ضروری سمجھا گیا۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو وہاں ضرور کچھ ہے۔''

''اور وہ بوڑھا مردود میری شادی کرانے نہیں آیا باؤلی ہی کی کچھ بات معلوم ہوتی ہے۔''

''شادی کی بات نہ کرو۔'' دردانہ غرائی۔

''محبت کی کروں۔''

''بالکل خاموش بیٹھو۔''

''کیا تم اب تک مجھ سے ناراض ہو۔''

''میں سارے مردوں سے ناراض ہوں۔''

حمید پھر نہ بولا۔ گاڑی کچھ دیر بعد رک گئی اور دردانہ نے حمید سے اترنے کو کہا۔ ویسے اس کے لہجے سے حمید نے اندازہ کر لیا کہ وہ اس کے اس طرح خاموش رہ جانے

پر کسی قدر ناراض ہے۔

''تم مجھے باؤلی تک پہنچا کر واپس جاؤ گی۔'' حمید نے اس سے کہا۔

''بیوقوفی کی باتیں نہ کرو.... تمہیں وہاں قدم قدم پر میری رہنمائی کی ضرورت پڑے گی۔''

''تمہیں بھیڑیئے سے کوف نہیں معلوم ہوتا۔''

''تمہاری موجودگی میں خوف نہ معلوم ہوگا۔ اچھا اب خاموشی سے چلو۔'' دردانہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف گھسیٹتے ہوئے کہا۔

باؤلی کے قریب پہنچ کر وہ پھر رکے تھے۔ یہاں دور تک قد آدم جھاڑیوں کے سلسلے پھیلے ہوئے تھے اور باؤلی بھی انہیں کے درمیان کہیں پوشیدہ تھی۔ چاروں طرف ہُو کا عالم تھا۔ جھینگروں کی جھائیں جھائیں کے علاوہ اور کسی قسم کی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔

دردانہ نے ٹارچ روشن کی اور حمید کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتی ہوئی جھاڑیوں میں گھس پڑی۔ کچھ دور چلنے کے بعد جھاڑیوں کے درمیان ہی انہیں ایک چھوٹی سی کار دکھائی دی جو خالی تھی۔

''یہ ضیغم کی گاڑی ہے۔'' دردانہ نے آہستہ سے کہا۔

''مارو گولی..... تم آگے چلتی رہو۔'' حمید شانوں کو جنبش دے کر بولا۔

کچھ دور چل کر اچانک وہ پھر رک گئی اور مڑ کر حمید سے بولی۔ ''بھیڑیا۔''

''کہاں.....!''

''مر چکا.....!''

''اوہو..... اسے مارا کس نے۔ میری گن کے چھرے اس کے پاؤں میں لگے ہوں گے لیکن یہ بڑی گولی۔''

''ہوسکتا ہے ضیغم ہی نے اسے ختم کر دیا ہو۔ ایک اجنبی بھی تو ساتھ ہے اس کے۔ ہوسکتا ہے اس نے بوڑھے صمدانی پر حملہ کیا ہو۔''

''اسے بوڑھا صمدانی نہ کہو..... جوان صمدانی کہو..... بہت تاکتور ہے۔''

''ہونہہ..... چلو آگے بڑھو..... اب تمہیں آگے چلنا چاہئے۔ میں پیچھے سے روشنی دکھاؤں گی۔''

''فرانس میں عورتیں آگے چلتی ہیں۔ مجھ سے یہ بے ادبی نہیں ہوسکتی۔''

''باتیں نہ بناؤ..... چلو.....!'' وہ پیچھے ہٹ کر اسے آگے دھکیلتی ہوئی بولی۔ حمید پگڈنڈی پر چلنے لگا۔ اس کی چوڑائی دو فٹ سے زیادہ نہیں تھی اور دونوں جانب ان کے سروں سے اونچی جھاڑیاں تھیں۔

دفعتاً حمید نے جیب سے وہ اسپرنگ نکالے جنہیں نتھنوں میں فٹ کر لینے سے دہانے کی بناوٹ تبدیل ہو جاتی تھی۔

باؤلی کے بالکل قریب پہنچ کر دردانہ نے ہوشیار رہنے کو کہا۔

وہ بہت بڑے قطر کا کنواں تھا۔ جسکی جگت کی اونچائی کم از کم تین فٹ ضرور رہی ہوگی۔ چار سیڑھیاں طے کر کے وہ اوپر پہنچے۔ انہی سیڑھیوں کی سیدھ میں نیچے جانیوالے زینے تھے۔

شائد اسی دوران میں دردانہ کی نظر حمید کے چہرے پر پڑ گئی تھی۔

''اوہو..... یہ کیا.....؟'' وہ چونک پڑی۔

''کیا ہوا.....؟''

''تمہاری شکل.....!''

''فکر نہ کرو..... میں نہیں چاہتا کہ صمدانی مجھے پہچان سکے۔ ظاہر ہے کہ وہ مجھے اس مہم پر ساتھ نہیں لانا چاہتا تھا اسی لئے اس نے کافی میں بے ہوشی کا کیپسول ڈالا تھا۔ ابا حضور کی ہدایت تھی کہ صمدانی کی مرضی پر چلوں۔ جو کچھ کہے وہی کروں۔''

''آخر تم میں کتنے کمالات ہیں..... اس طرح مسلسل اوپری ہونٹ اوپر اٹھائے رکھ کر گفتگو کرتے رہنا آسان کام تو نہیں ہے..... اور یہ ناک بھی تو اوپر اٹھ گئی ہے۔'' دردانہ نے اس کی ناک کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ وہ پیچھے ہٹ کر بولا۔ ''ابھی نہیں..... بعد میں۔''

''خیر اب میں ٹارچ نہیں روشن کروں گی۔ دیوار کے سہارے آہستہ آہستہ اترتے چلو۔ میں تمہارے کاندھے پر ہاتھ رکھ لوں گی۔''

وہ آہستہ آہستہ نیچے اترتے رہے۔ زینوں کے دونوں جانب چھوٹے چھوٹے دریچوں کے سلسلے نیچے تک چلے گئے تھے۔ ان سے ہوشیار رہنے کے لئے خاص طور پر دردانہ نے ہدایت کی تھی۔

کچھ ہی زینے طے کئے تھے کہ داہنی جانب والے ایک دریچے میں روشنی دکھائی دی۔ دردانہ نے حمید کا شانہ دبا کر رک جانے کا اشارہ کیا۔ جن زینے پر وہ کھڑے ہوئے تھے دریچہ اس سے بھی قریباً دو ڈھائی فٹ اونچا تھا اور کمرے میں پہنچنے کا راستہ بھی یہی تھا۔ وہ آہستہ آہستہ کھسکتا ہوا دریچے کے ایک پہلو سے جا لگا۔ خود اس کے پس منظر میں تاریکی تھی۔ کمرے کی روشنی اتنی محدود تھی کہ اندر سے اس کے دیکھ لئے جانے کا امکان نہیں تھا۔

حمید نے ان تینوں کو دیکھا جو ایک موم بتی کی روشنی میں بڑے غور سے سامنے والی دیوار کا جائزہ لے رہے تھے۔ دردانہ اس کی پشت پر لدی ہوئی کمرے میں جھانک رہی تھی۔

''کیا مصیبت ہے۔'' دفعتاً صمدانی کی آواز آئی۔ ''ابھی تک ہم بھیڑیا ہی نہیں تلاش کر سکے۔''

حمید نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ دیوار پر بنے ہوئے ایک پیٹرن کا جائزہ لے رہے ہیں۔ یہ فرش سے دو فٹ کی اونچائی تک دیوار پر چاروں طرف بنا ہوا تھا۔ مختلف جانوروں کی تصویریں اس طرح ترتیب دی گئی تھیں کہ گل بوٹے سے معلوم ہوتے تھے۔

''اوہو..... یہ رہا..... پھر سے دیکھ لو..... پورے پیٹرن میں اس بھیڑیئے کے علاوہ کوئی دوسرا بھیڑیا موجود نہیں۔'' صمدانی نے ان دونوں کو مخاطب کر کے کہا اور وہ دونوں باپ بیٹے ایک بار پھر چاروں طرف گھوم کر اس کے بیان کی تصدیق کر آئے۔

''کوئی دوسرا نہیں ہے۔'' سردار قاہر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''اچھا تو پھر کام شروع کر دو.....!'' صمدانی نے ضیغم کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بڑے پیار سے کہا۔

حمید گرم گرم سانسیں اپنے بائیں گال پر محسوس کر رہا تھا اور اب اسے قطعاً دلچسپی نہیں رہی تھی کہ کمرے کے اندر کیا ہو رہا ہے۔ بس وہ ایک غیر جانبدار تماشائی کی طرح سب کچھ دیکھے جا رہا تھا۔

ضیغم نے چرمی تھیلے سے کچھ اوزار نکالے اور بھیڑیئے کی تصویر پر سے پلاسٹر ادھیڑنا شروع کر دیا۔ ذرا ہی دیر میں اس نے دیوار میں خاصا بڑا گڑھا بنا دیا تھا۔

دفعتاً صمدانی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''ٹھہر جاؤ.....!'' اور قاہر کے ہاتھ سے موم بتی لے کر گڑھے کے قریب لایا..... اس کے بعد اس نے داہنا ہاتھ گڑھے میں ڈالا تھا اور ایک

صندوقچی نکال لی تھی۔

''اوہو! اوہو.....!'' دونوں کی زبان سے بیک وقت نکلا۔

''اسے کھولئے..... اسے کھولئے۔'' ضیغم نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

''نہیں.....!'' صمدانی کا لہجہ بے حد سخت تھا۔ ''اب تم دونوں کو اس سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے۔''

''یہ..... یہ..... تو زیادتی ہے صمدانی بھائی۔'' قاہر گھگھیایا۔

''جی ہاں..... جناب۔'' ضیغم کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔

ٹھیک اسی وقت چھت کی تاریکی سے ایک سیاہ فام آدمی صمدانی پر آ کودا اور اس کے ہاتھ سے صندوقچی چھینتا ہوا دور جا کھڑا ہوا۔

حمید نے طویل سانس لی۔ یہ چوتھا آدمی سرتاپا سیاہ پوش تھا۔ لباس کھال کی طرح پورے جسم پر منڈھا ہوا تھا۔ صرف آنکھوں کی جگہ دو سوراخ تھے اور چمکدار آنکھیں ان سے صاف نظر آ رہی تھیں۔

''صندوقچی زمین پر ڈال دو.....!'' صمدانی نے گرج کر کہا۔

''بکواس مت کرو..... ورنہ ہڈیاں توڑ دوں گا۔'' سیاہ پوش بولا۔ حمید کی جان میں مزید جان آئی۔ آواز فریدی ہی کی تھی۔

صمدانی نے فائر کر دیا۔

''بس.....!'' سیاہ پوش نے قہقہہ لگایا۔ اس کے بعد صمدانی نے بقیہ پانچ کارتوس بھی خالی کر دیئے تھے لیکن سیاہ پوش اب بھی اس طرح کھڑا حقارت سے ہنس رہا تھا۔

اچانک قاہر اور ضیغم ''بھوت بھوت'' چیختے ہوئے اس دریچے کی طرف بھاگے جس کی دوسری طرف حمید اور دردانہ کھڑے تھے۔

حمید نے مکے مار مار کر ان دونوں کو پھر کمرے کے وسط میں پہنچا دیا۔ ادھر صمدانی سیاہ پوش سے لپٹ پڑا تھا۔ صندوقچی اس کے ہاتھ سے گر گئی تھی۔ لیکن ان دونوں میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ اسے اٹھا لیتے۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے بُری طرح کانپ رہے تھے اور ان کی خوفزدہ چیخیں کمرے میں گونج رہی تھیں۔

حمید بھی کمرے میں کود جاتا لیکن دردانہ نے اس کی کمر تھام لی۔

''یہ کیا کر رہی ہو۔'' حمید بھنا کر بولا۔

''میں تمہیں اندر نہیں جانے دوں گی۔ تم نے دیکھا نہیں کہ چھ گولیاں کھانے کے بھی وہ صمدانی سے چمٹا ہوا ہے۔''

''میرا بڑا بھائی ہے..... مجھے جانے دو۔'' حمید نے کہا اور ناک سے اسپرنگ نکال جیب میں ڈال لئے۔

اس کے بعد وہ دردانہ سمیت کمرے میں کود گیا تھا۔ وہ اسے بُرا بھلا ہی کہتی رہ گئی تھی۔

''پرنس.....؟'' صمدانی پُرمسرت لہجے میں چیخا۔ ''میری مدد کرو۔''

''میں بھوتوں سے چہل نہیں کرتا۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا اور صندوقچی فرش سے اٹھا لی۔

''اچھا..... اسے لے کر یہاں سے چلے جاؤ۔''

''نہیں..... تمہاری کشتی میں مزا آ رہا ہے۔ میں یہیں رک کر تماشہ دیکھنا چاہتا ہوں۔''

دردانہ دونوں کے قریب جا کھڑی ہوئی تھی۔

''بھ..... بھاگو بیٹی..... بھوت.....!'' قاہر کانپتا ہوا چیخا۔ ''پرنس بھاگو..... مم..... مجھے بھی نکال لے چلو۔''

''بھوت ہی... معلوم ہوتا ہے۔'' صمدانی سیاہ پوش سے گتھا ہوا بڑبڑایا۔ ''پتھر کا ہے پتھر!''

اور پھر اس پتھریلے بھوت نے صمدانی کو سر سے اونچا اٹھا کر فرش پر پٹخ دیا۔

صمدانی کی چیخ بڑی کرب ناک تھی۔ اس کے بعد وہ نہیں اٹھ سکا تھا۔

''برادرم بھوت..... کیا یہ مر گیا۔'' حمید نے سیاہ پوش سے پوچھا۔

''پتہ نہیں..... خود دیکھ لو۔'' اس نے جواب میں کہا اور حمید کے ہاتھ سے صندوقچی چھین کر دریچے سے باہر چھلانگ لگا دی۔

عجیب سا سناٹا کمرے کی فضا پر مسلط تھا۔ بھوت کی روانگی کے بعد ہی دونوں باپ بیٹے ایک دوسرے سے الگ ہو گئے تھے اور خاموش کھڑے گہری گہری سانسیں لے رہے تھے۔

حمید صمدانی پر جھکا ہوا تھا۔ وہ بیہوش تھا۔ شائد داہنے بازو کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ کیونکہ داہنا ہاتھ تیزی سے متورم ہوتا جا رہا تھا۔

جب وہ سیدھا کھڑا ہوا تو قاہر نے پوچھا۔ ''کک کیا..... مر گئے صمدانی بھائی۔''

''بیہوش ہو گیا ہے..... بازو کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔''

''ہمیں یہاں سے نکال لے چلئے پرنس! جتنی جلدی ممکن ہو۔'' قاہر نے بڑی لجاجت سے کہا۔

اچانک ضیغم چونک کر بولا۔ ''مم..... میرا بھیڑیا۔''

''تمہارا بھیڑیا..... تم نے تو اسے گولی مار دی تھی۔''

''نن..... نہیں.....!'' ضیغم بوکھلا کر بولا۔

''ہم نے راستے میں اس کی لاش دیکھی تھی۔'' دردانہ نے سخت لہجے میں کہا۔ ''مجھے نفرت ہو گئی ہے تم سے۔''

''ہم دونوں کو معاف کر دو بیٹی۔'' قاہر نے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''مجھے بتایئے یہ..... یہ سب کیا ہے۔''

''یہ ہماری کمینگی کی کہانی ہے بیٹی۔ گھر چلو..... میں سب کچھ بتا دوں گا۔''

اتنے میں ضیغم ''میرا بھیڑیا..... میرا بھیڑیا'' چیختا ہوا دریچے کی طرف جھپٹا اور باہر کود گیا۔

''اوہ..... جہنم میں جائے بھیڑیا۔'' قاہر بڑبڑایا۔ ''پرنس خدا کے لئے یہاں سے چلو..... وہ صندوقچی تمہارے باپ کی ملکیت تھی۔''

''کیا مطلب.....؟'' دردانہ چونک پڑی۔

''گھر چلو..... وہیں سب بتاؤں گا۔''

اتنے میں کئی لوگ دریچے سے اندر کود آئے۔ ان کے جسموں پر ریاستی پولیس کی وردیاں تھیں۔

''اوہو..... ولی خان۔'' قاہر ایک آدمی کی طرف ہاتھ اٹھا کر چہکا۔

''میں خان کے حکم سے آپ کو گرفتار کرتا ہوں۔'' اس نے ہتھکڑیاں نکالتے ہوئے کہا۔

''کک..... کیوں..... مخ..... خان..... تو بول بھی نہیں سکتے۔''

''بحمد اللہ وہ اس وقت کوتوالی میں تشریف رکھتے ہیں اور سردار ضیغم کو برخواست کر کے مجھے پولیس کا سربراہ بنایا ہے۔''

''اللہ.....رحم.....!'' قاہر نے کہا اور چکرا کر گر پڑا۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ سپاہیوں نے قاہر اور صمدانی کو اٹھایا۔

''تشریف لے چلئے آپ بھی۔'' ولی خان نے حمید اور دردانہ سے مؤدبانہ کہا۔

دونوں خاموشی سے باہر آئے۔ کنوئیں کی جگت پر پہنچے ہی تھے کہ انہوں نے ایک فائر کی آواز سنی۔ حمید اور ولی خان آواز کی طرف جھپٹے تھے اور پھر جب اس جگہ پہنچے جہاں بھیڑیئے کی لاش دیکھی تو سناٹے میں آ گئے۔ بھیڑیئے کے قریب ہی ضیغم خون میں نہایا ہوا تڑپ رہا تھا۔

''خودکشی جناب۔'' ولی خان ٹارچ کی روشنی میں اس پر جھکتا ہوا بولا۔ ''ریوالور اس کے ہاتھ میں موجود ہے۔ داہنی کنپٹی پر فائر کیا تھا.....ظالموں پر اللہ ہے۔''

محل پہنچ کر حمید اپنے کمرے میں تنہا رہ گیا تھا۔ دفعتاً پہلی بار اسے اپنے ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا۔ فریدی اس سے کہہ رہا تھا کہ وہ بہت احتیاط سے اسی جگہ پہنچ جائے جہاں اس نے بھیڑیئے پر فائر کیا تھا۔ احتیاط کا مطلب یہی ہوسکتا تھا کہ وہ چھپ کر محل سے نکلے۔ حمید نے اس حصے کی لائٹ آف کردی اور سوٹ کیس اٹھا کر باہر نکل آیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کسی قبرستان سے گزر رہا ہو۔ بس وہ اندازے سے چلا جا رہا تھا ورنہ اس اندھیرے میں یہ پتہ چلنا بے حد مشکل تھا کہ اس نے کس جگہ سے بھیڑیئے پر فائر کیا تھا۔

اچانک کسی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی کی زد میں آ گیا۔ گاڑی اس کی طرف آ رہی تھی۔ کچھ فاصلے پر وہ رک گئی اور انڈیکیٹنگ لائٹ کے ذریعہ اشارہ ملنے لگا کہ ''ادھر آ جاؤ۔''

ایسے حالات میں یہ فریدی کا مخصوص انداز تھا۔ حمید گاڑی کی طرف جھپٹا اور اگلی سیٹ کا دروازہ کھول کر فریدی کے برابر بیٹھ گیا۔ صمدانی پچھلی سیٹ پر پڑا کراہ رہا تھا۔ اچانک اس نے کہنا شروع کیا۔ ''میری نیت بخیر تھی۔ میں اعتماد الدولہ کی امانت ان کے بیٹے تک پہنچا دیتا۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ کار تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ اس کے بونٹ پر چھوٹی سی جھنڈی لہرا رہی تھی۔ غالباً وہ اسی جھنڈی کا اعجاز تھا کہ قلعہ کے پھاٹک کے پہرہ داروں نے انہیں تعظیم دی تھی اور گاڑی پھاٹک سے نکل گئی تھی۔

صبح تک وہ شہر پہنچ سکے تھے۔ اس بار سفر کار ہی سے ہوا تھا اور فریدی ایک بوڑھے

پولیس آفیسر کے میک اپ میں تھا۔ حمید کا خیال تھا کہ وہ خان ظفر یاب سے اسی میک اپ میں ملا ہوگا.....تب ہی تو صمدانی کو ان لوگوں کی حراست سے نکال پایا۔

اپنی کوٹھی کے قریب گاڑی روک کر فریدی نے حمید سے کہا۔ ''میں تم سے بہت خوش ہوں۔ تم نے اپنا پارٹ خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ اب جاؤ آرام کرو۔''

وہ اسے گاڑی سے اتار کر صمدانی سمیت کہیں اور چلا گیا تھا۔

حمید کی دو راتیں برباد ہوئی تھیں۔ لہٰذا لباس تبدیل کئے بغیر جو بستر پر گرا تو شام ہی کی خبر لی۔ پھر جاگا تو ایک ملازم چھوٹا سا وائر ریکارڈر تھما کر رفو چکر ہوگیا۔ وائر ریکارڈر فریدی کا تھا جس میں بسا اوقات وہ حمید کے لئے ہدایات ریکارڈ کر جایا کرتا تھا۔ حمید نے اس کا سوئچ آن کردیا۔ فریدی کی آواز آئی۔

''حمید میں دو دن کے لئے باہر جا رہا ہوں۔ ظاہر ہے کہ یہ دو دن تمہارے لئے بے حد صبر آزما ہوں گے اس لئے صمدانی والے کیس کی مختصر رپورٹ چھوڑے جا رہا ہوں۔ یہ سپرنٹنڈنٹ کے دوبہت اقتدار الدولہ کا ایک نجی معاملہ تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ اقتدار الدولہ کا لڑکا افتخار الدولہ پانچ سال کی عمر سے پیرس میں مقیم ہے اور اس وقت سے آج تک یہاں نہیں آیا۔ اس خاندان کی کہانی جو تم نے صمدانی سے سنی ہے حرف بحرف صحیح تھی۔ خان دوراں اور اقتدار کے باپ اعتماد الدولہ جڑواں بھائی تھے اور ان کے مصاحبین میں سردار قاہر اور صمدانی کے باپ قابل اعتماد سمجھے جاتے تھے۔ اعتماد الدولہ کے باپ نے مرتے وقت ان دونوں کو بلا کر جواہرات پر مشتمل ایک خزانے کا امین بنایا۔ وہ ان جواہرات کو اعتماد الدولہ کے لئے مخصوص رکھنا چاہتے تھے کیونکہ ان کی جائیداد میں سے اعتماد الدولہ کو کچھ بھی نہ ملتا۔ اس جائیداد کا بٹوارہ کبھی نہیں ہوا تھا۔ وہ ہر دور میں سب سے بڑے بیٹے کی تحویل رہی تھی اور وہی خاندان کے بقیہ افراد کی کفالت کرتا تھا۔ بہرحال اس خزانے کا نصف نقشہ قاہر کے باپ کے سپرد کیا گیا اور آدھا نقشہ صمدانی کے باپ کو دیا گیا اور ہدایت کی گئی کہ اگر اعتماد الدولہ اسے قبول کرنے پر تیار نہ ہوں تو وہ ان کے بعد ان کی اولاد کے سپرد کردیا جائے۔ لیکن وہ دونوں مصاحبین بے ایمانی پر اتر آئے اور اعتماد الدولہ کے والد کے انتقال کے بعد وہ آدھے نقشہ کے لئے ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوگئے۔ لیکن ان میں سے کسی کو کامیابی نہ ہوئی۔ صمدانی

کا باپ مرتے وقت آدھا نقشہ اپنے بیٹے قاہر کے سپرد کرتے ہوئے وصیت کر گیا کہ وہ صمد
سے دوسرا نصف حاصل کر کے پورا نقشہ اقتدار الدولہ تک پہنچا دے لیکن قاہر کی نیت بھی بد
گئی۔ اب قاہر اور صمدانی میں ٹھن گئی۔ ادھر قاہر جو خان ظفر یاب کا سالا بھی تھا اس کوشش میں
لگ گیا کہ دردانہ کی شادی اقتدار الدولہ کے بیٹے کی بجائے اس کے بیٹے ضیغم سے ہو۔ آ
اس نے خان ظفر یاب کو قید کر کے یہ بات مشہور کرادی کہ وہ سخت بیمار ہیں۔ گھر والوں تک
ان سے ملنے کی اجازت نہیں تھی۔ ادھر ضیغم نے باؤلی میں ایک بھیڑیا پالا کیونکہ ان کے پاس
والے آدھے نقشے سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ جو کچھ بھی ہے باؤلی ہی میں ہے۔ یہ بھیڑیا اس
لئے پالا گیا تھا کہ صمدانی اور اس کے حواری ان کی لاعلمی میں باؤلی میں داخل نہ ہوسکیں۔ ادھر
قاہر کے باپ کا پیغام ملتے ہی اقتدار الدولہ نے صمدانی سے آدھے نقشے کا مطالبہ کیا۔ صمدانی
نے اس سے لاعلمی ظاہر کی۔ پھر بات اتنی بڑھی کہ وہ اقتدار الدولہ کی ملازمت چھوڑ کر چلا
گیا۔ ابھی حال ہی میں جب یہ بات میرے علم میں آئی تو میں نے سپرنٹنڈنٹ کو یہی مشورہ
دیا جس پر تم عمل کر چکے ہو۔ اقتدار الدولہ نے صمدانی سے استدعا کی کہ وہ ان کے بیٹے کے
لئے وہی روایتی فریضہ ادا کرے جو خود ان کے لئے ان کے باپ نے ادا کیا تھا۔ صمدانی کو من
مانگی مراد ملی۔ اس طرح وہ خان دوراں کے قلعے میں بہ آسانی داخل ہوسکتا۔ لیکن اگر اسے اس
کا علم ہوتا کہ قاہر پوری طرح قلعے پر تسلط جما چکا ہے تو شائد وہ ادھر کا رخ بھی نہ کرتا۔ میں
خود بھی یہی سمجھتا تھا کہ خان ظفر یاب بہت زیادہ بیمار ہیں۔ اگر ہم اس طرح وہاں نہ پہنچتے تو
ان کی رہائی ناممکن ہوتی اور وہ موقعہ پا کر انہیں اس طرح ختم کر دیتے کہ طویل علالت کے
بعد قدرتی موت کا گمان ہوتا۔ تمہیں ان حالات سے اس لئے لاعلم رکھا گیا تھا کہ مختلف مواقع
پر تمہاری حیرت صداقت پر مبنی ہو۔ ایکٹنگ نہ معلوم ہو۔ صمدانی بے حد چالاک ہے۔''

تقریر ختم ہوگئی اور حمید نے ریکارڈر کو آف کر کے سر کھجانا شروع کر دیا۔ طرح طرح کے
منہ بن رہے تھے۔ لیکن بے بی خان..... اس نے ٹھنڈی سانس لی اور اُٹھ کر باتھ روم کی
طرف روانہ ہوگیا۔ اس کیس کے دوران وہ یہی تو کرتا رہا تھا۔

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 110

اجنبی کا فرار

(مکمل ناول)

پیشرس

جاسوسی دنیا کا ایک سو دسواں ناول ''اجنبی کا فرار'' پیش خدمت ہے۔ اس کہانی میں آپ کو ایسے افراد ملیں گے جو منشیات کے عادی ہیں اور اس کے حصول کے لئے وطن دشمنی تک کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔

لالچ خواہ کسی قسم کا ہو بُری بلا ہے۔ منشیات کی مفت فراہمی نے انہیں غیر ملکی ایجنٹوں کا آلہ کار بنا دیا تھا۔ جن معزز گھرانوں کے وہ چشم و چراغ تھے ان کی کیسی سبکی ہوئی ہوگی۔ کیا سوسائٹی میں ان گھرانوں کا مقام متزلزل نہ ہوگیا ہوگا۔ کیا ان کے افراد پھر ہم چشموں کا سامنا کر سکے ہوں گے۔

ہر فرد کو سوچنا چاہئے کہ اس کی کسی بھی غیر ذمہ دارانہ حرکت کا اثر خود اسی کی ذات تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس کے متعلقین بھی اس کی لپیٹ میں آ جاتے ہیں اگر ایک فرد وطن دشمنی کے الزام میں پکڑا جاتا ہے تو اس کی آئندہ نسلیں تک بدنامی کے اس پشتارے سے پیچھا نہیں چھڑا سکتیں۔

لہٰذا ہر ایک کو محتاط رہنا چاہئے۔

آنکھیں کھلی رکھئے کہیں آپ کو کوئی دھوکا نہ دے جائے۔

دوسرے صاحب لکھتے ہیں کہ اب آپ ''پیشرس'' میں سنجیدہ باتیں کر کے بور کرنے لگے ہیں۔

بھائی ہنسنے ہنسانے کے لئے کہانی ہی کافی ہوتی ہے۔ آخر میں اپنی سنجیدہ باتیں آپ تک کس طرح پہنچاؤں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اب آپ کے سوالات ہی اس قسم کے نہیں ہوتے جن سے ہنسنے ہنسانے کا پہلو نکل سکے..... شاید آپ بھی کسی ''بوریت'' میں مبتلا ہیں..... کیوں؟..... کیا خیال ہے؟''

ابنِ صفی

۴ر جنوری ۱۹۷۱

دیو اور دیونی

آرکیچو کے ڈائینگ ہال میں ہلکی ہلکی روشنی تھی اور بہت ہی مدہم سروں میں مغربی موسیقی کی لہریں اس دھندلے ماحول کی انگڑائیاں سی لگ رہی تھیں۔

مخصوص قسم کی مہک فضا رچی بسی ہوئی تھی۔ زیادہ تر میزیں آباد ہو چکی تھیں۔

وہ ہال میں داخل ہوا اور سیدھا اس میز کی طرف بڑھا جس کے قریب ہی والی میز پر ایک دیوزاد بکرے کی مسلم ران سے شوق کر رہا تھا۔

میز خالی تھی۔ وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا اور اس بھاری بھرکم آدمی کو بکرے کی ران ادھیڑتے دیکھتا رہا۔ اتنے میں ایک ویٹر خود اس کی میز کے قریب آ کھڑا ہوا۔

''آدمی کا گوشت.....!'' نووارد نے آہستہ سے کہا اور ویٹر چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر گھنی ڈاڑھی تھی اور وہ جدید ترین تراش کے سوٹ میں ملبوس تھا۔ قمیض بے داغ سفید تھی۔ خوش ذوق آدمی معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اس کی ناک کی بناوٹ چہرے کو کسی حد تک خوفناک ظاہر کر رہی تھی۔ آنکھوں میں درندگی کی جھلکیاں تھیں۔

''میں نہیں سمجھا جناب عالی.....!'' ویٹر نے بڑے ادب سے کہا۔

''آدمی کا گوشت.....!'' نووارد نے اس بار کسی قدر اونچی آواز میں کہا۔

ویٹر فیصلہ نہ کر سکا کہ اسے اخلاقاً مسکرانا چاہئے یا حیرت کا اظہار کرنا چاہئے۔ بس گم سم اسے دیکھتا رہا۔

اس بار شاید دیوزاد نے بھی اس کی آواز سن لی تھی اور بکرے کی ران ادھیڑتے ادھیڑتے رک کر اسے گھورنے لگا تھا۔

''کیا تم نے سنا نہیں۔'' نووارد غرایا۔

''جج..... جناب عالی..... یہ مینو ملاحظہ فرمایئے۔'' ویٹر کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''ہمارے یہاں ان چیزوں کے علاوہ اور کچھ بھی موجود نہیں۔''

''مجھے آدمی کا گوشت چاہئے۔'' نووارد جھنجھلا گیا۔

دیوزاد نے ران قاب میں رکھ دی تھی اور حیرت سے منہ پھاڑے نووارد کو دیکھے جا رہا تھا۔

''کسی بہت تگڑے آدمی کا گوشت.....!'' اجنبی ویٹر کو غصیلی نظروں سے دیکھتا ہوا پھر بولا اور ہاتھ اٹھا کر دیوزاد کی طرف اشارہ کیا۔

''میں ہیڈ ویٹر کو بھیجتا ہوں جناب۔'' ویٹر نے بڑے ادب سے کہا۔ ''جو باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں انہیں وہ بہ آسانی سمجھ لیتے ہیں۔''

وہ تو پیچھا چھڑا کر رخصت ہوا لیکن اب دیوزاد قہر آلود نظروں سے نووارد کو گھورے جا رہا تھا۔ دفعتاً وہ میز پر ہاتھ مار کر غرایا۔ ''آؤ سالے.....خاؤ مجھ کو! دیکھوں کتنا دم ہے تم میں۔''

''ارے واہ.....!'' اجنبی ہنس پڑا اور اپنی جگہ سے اٹھتا ہوا بولا۔ میرا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا کہ تمہیں ذبح کر ڈالا جائے۔ میں نے تو مثال کے طور پر تمہاری طرف اشارہ کیا تھا۔ اگر اجازت دو تو تمہارے ہی پاس بیٹھ جاؤں۔

''اجاجت ہے۔'' دیوزاد ناگواری سے بولا۔

اور اجنبی بے تکلفانہ انداز میں کرسی کھینچ کر اس کے مقابل بیٹھ گیا۔

اتنے میں ہیڈ ویٹر بھی آ گیا اور اجنبی نے لاپرواہی سے ہاتھ ہلا کر کہا ''میں فی الحال کچھ نہیں کھاؤں گا۔''

ہیڈ ویٹر اسے غور سے دیکھتا ہوا رخصت ہو گیا تھا۔ اجنبی دوبارہ دیوزاد کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ اسے پیار بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ دیوزاد نے بھی اسے محسوس کیا اور ایک دم ڈھیلا پڑ گیا۔ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے کچھ دیر پہلے اسے اجنبی کی کوئی بات ناگوار نہ گزری ہو۔

''تمہاری طرف بے اختیار دل کھنچتا ہے۔'' اجنبی نے نرم لہجے میں کہا۔ ''ایسی پرکشش شخصیت آج تک میری نظروں سے نہیں گزری تھی۔ اس طرح میں نے تم سے تعارف حاصل کرنے کے لئے ویٹر سے اس قسم کی گفتگو کی تھی۔''

''یعنی.....میں اتنا خوبصورت ہوں کہ میرا غوشت خانا چاہتے ہو۔'' دیوزاد نے ہنس کر

''تم تو خیر نہیں.....لیکن بعض عورتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا گوشت کھانے کو جی چاہتا ہے

''اے جاؤ ڈاڑھی کا تو کھیال کرو.....!''

''ڈاڑھی مجھے بہت عزیز ہے۔'' اجنبی پیار سے ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کر بولا۔

''تبھی عورتوں کی باتیں کر رہے ہو۔''

''جدید ترین عورتیں ڈاڑھی پسند کرتی ہیں۔''

''میں اس وقت عورتوں کی باتیں نہیں کرنا چاہتا.....خانا خار ہا ہوں.....!'' دیوزاد کہا اور قاب سے ران اٹھا کر دوبارہ ادھیڑنے لگا۔

اجنبی اسے توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

''کچھ طاقت واقت بھی ہے جسم میں یا محض گوشت کا ڈھیر ہو۔'' اس نے تھوڑی دیر بعد کہا

دیوزاد نے ران پھر قاب میں رکھ دی اور اسے ایسی نظروں سے دیکھنے لگا جیسے کچا ہی جائے گا۔ اجنبی کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی۔

اچانک دیوزاد بولا۔ ''اے تم کیوں کھامخواہ ٹیں ٹیں کئے جا رہے ہو۔ چلتے پھرتے نجر آؤ۔''

''مجھے تم سے عجیب سا لگاؤ محسوس ہو رہا ہے۔''

''ہونے دو.....ابھی میں خانا خار ہا ہوں۔''

''گھر نہیں ہے کیا کہ ہوٹلوں میں کھاتے پھر رہے ہو۔''

''تم سے مطلب.....؟'' دیوزاد کو پھر غصہ آ گیا۔

''اچھا اچھا.....تم پہلے کھالو.....پھر باتیں کریں گے۔''

''باتیں قریں غے.....!'' دیوزاد جل کر بڑبڑایا۔ ''سالے ہر جگہ چندہ مانگنے پہنچ جاتے ہیں۔''

اجنبی پھر مسکرایا لیکن کچھ بولا نہیں، ران ختم کرنے کے بعد دیوزاد نے مزید تین مرغوں کا آرڈر دیا۔

''یار آدمی ہو یا دیو.....!'' اجنبی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم سے مطلب.....؟''

''یقیناً.....بہت طاقتور بھی ہو گے۔''

''تم سے مطلب.....؟''

''خفگی دور کرو۔ میرے دوست! مجھے ایک عورت کو نیچا دکھانا ہے شائد تم اس سلسلے میں میری کوئی مدد کر سکو۔''

''عورت کو نیچا دکھانا ہے۔'' دیوزاد نے احمقانہ انداز میں جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں۔

''ہاں..... ہاں.....خود کو بہت طاقتور سمجھتی ہے۔''

''عورت! ہونہہ.....تا کتور.....!'' دیوزاد نے بُرا سا منہ بنایا پھر جلدی سے چونک کر پوچھا۔ ''قیا بہت تگڑی ہے۔''

''دیونی ہے.....بس تمہاری مادہ لگتی ہے۔''

''ارے.....ہی ہی ہی۔'' دیوزاد کے دانت نکل پڑے اور وہ اس طرح منہ چلانے لگا جیسے ''مادہ'' کوئی چٹ پٹی مسالے دار کھانے کی چیز ہو۔

''میرا خیال ہے کہ تم اپنا مزید آرڈر کینسل کرا کے میرے ساتھ چلو.....!'' اجنبی نے کہا۔

''نہیں بھائی پہلے پیٹ پوجا پھر عورت دورت.....سب چلے غی۔'' دیوزاد بولا۔

''اچھی بات ہے۔'' اجنبی نے مردہ سی آواز میں کہا۔

''جب تک مرغے آئیں قیوں نہ ہم اسی عورت کی باتیں قرتے رہیں۔'' دیوزاد نے تجویز پیش کی۔

''بیکار ہے۔'' اجنبی خشک لہجے میں بولا۔ ''جتنی دیر میں تم تین مرغ کھاؤ گے وہ وہاں سے چلی جائے گی جہاں میں اسے ابھی دیکھ آیا ہوں۔''

''اچھا اچھا میں انہیں ساتھ لیتا چلوں غا.....تم فکر نہ کرو۔!'' دیوزاد نے سر ہلا کر کہا۔

''ہاں.....یہ ٹھیک رہے گا۔''

ان دونوں نے ابھی تک ایک دوسرے کے نام معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

کچھ دیر بعد ویٹر مرغ لایا۔

''انہیں پیک کرا دو.....اور بل بھی لاؤ۔'' اجنبی نے اس سے کہا۔

یہ مرحلہ طے ہو جانے کے بعد دونوں آرکیڈ سے باہر آئے۔

''تمہاری اپنی گاڑی ہو گی۔'' اجنبی نے دیوزاد سے پوچھا۔

''اور قیا.....!''

''تب تو ٹھیک ہے۔ میں ڈرائیو کروں گا اور تم مرغ کھاتے رہنا۔''

''یار بڑے سمجھ دار آدمی معلوم ہوتے ہو۔'' دیوزاد نے خوشی ظاہر کی۔

رولز رائیس کمپاؤنڈ میں کھڑی تھی۔ اجنبی نے اس پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''صرف تن وتوش ہی نہیں بلکہ بہت بڑی دولت بھی رکھتے ہو۔''

''قوئی بات نہیں.....یہ لو کنجی۔''

''میں نے آج تک رولز ڈرائیو نہیں کی۔''

''بیٹھو.....میں بتاؤں غا۔''

کچھ دیر بعد رولز شہر کے گنجان آباد علاقوں سے گذرتی ہوئی کھلی فضا میں نکل آئی۔ دیوزاد اتنی دیر میں دو مرغ ختم کر چکا تھا لیکن تیسرے کی باری آتے ہی اس نے غالباً سوچا۔ اسے کسی قدر گفتگو بھی کرنی چاہئے۔

''قس طرح نیچا دکھانا ہوغا۔''

''شکر ہے تم بولے تو۔'' اجنبی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ پھر ایک بھرپور قہقہے کے بعد بولا۔ ''اس کا دعویٰ ہے کہ اگر وہ کہیں بیٹھ جائے تو ہاتھی بھی اسے اس جگہ سے نہیں ہلا سکے گا۔''

''ہاتھی.....ہی ہی ہی ہی.....فکر مت قرد تمہارا یہ کھادم ہی اس کا کباڑا قر دے گا۔''

''اپنا نام بتا تو بتاؤ پیارے.....!'' اجنبی بولا۔

''قاسم.....بس اتنا ہی قافی ہے۔''

''اور میں نام سے تمہارا بھائی معلوم ہوتا ہوں۔ میرا نام حاکم ہے۔''

''قاسم، حاکم واہ وا..... بھائی بھائی.....واہ واہ.....قیا وہ عورت بہت خبصورت ہے۔''

''ارے کیا کہنا.....ڈیل ڈول کے اعتبار سے دیونی نہ ہوتی تو جواب نہ ہوتا اس کا۔''

''ڈیل ڈول نہ ہوتا تو پھر قس کام کی ہوتی.....!'' قاسم نے خشک لہجے میں کہا۔ تیسرے مرغ کی ہڈیاں بھی گاڑی سے باہر پھینک کر رومال سے دونوں ہاتھ صاف کئے۔ اسے ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں تھی کہ گاڑی کدھر جا رہی ہے اور وہ آرلکچو سے کتنا فاصلہ طے کر چکا ہے۔

''دیکھو گے تو پتا چلے گا۔'' اجنبی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''اے سنو!'' قاسم مزے میں آ کر بولا۔ ''اس میں قوئی شرط ورت نہیں ہے قیا۔''

''کیسی شرط.....!''

''ابے وہی جو پرانے زمانے میں ہوا قرتی تھی کہ چالیس من کا پتھر جس نے اٹھا لیا اسی سے بیاہ دی لونڈیا۔''

اجنبی نے بائیں ہاتھ سے اس کا شانہ تھپک کر کہا۔ ''اگر شادی شدہ نہیں ہو تو فائدے میں رہو گے۔''

''وہ قیسے.....!''

''اس عورت کا کہنا ہے کہ شادی اسی سے کرے گی جو اس سے زیادہ طاقتور ہوگا۔''

''اس کا نام کیا ہے؟'' قاسم نے تھوک نگل کر پوچھا۔

''کلارا.....!''

''ہائیں تو قیا اپنے ملک کی نہیں ہے۔''

''نہیں.....جرمن ہے۔''

''ارے باپ رے۔''

''کیوں کیا ہوا.....؟''

''مجھے جرمن نہیں آتی۔''

''وہ انگریزی بھی بول سکتی ہے۔''

''تب تو ٹھیک ہے۔''

اس گفتگو کے دوران میں اجنبی نے گاڑی پھر شہر کی طرف موڑ دی تھی لیکن قاسم تو اپنی رو میں بہہ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد گاڑی ایک ایسے علاقے میں رکی جہاں شہر کے متمول ترین لوگ رہتے تھے۔ عمارتیں ایک دوسرے سے ملحق نہیں تھیں۔

''بس تیار ہو جاؤ۔'' اجنبی نے انجن بند کرتے ہوئے کہا۔

''ہم منزل مقصود پر پہنچ گئے.....اور ہاں دیکھو دوست.....اگر تم ناکام رہے تو مجھے

بڑی شرمندگی ہوگی۔''

''اٹھالوں غا.....فکر مت قرو۔''

''اچھا تو آؤ.....میرے ساتھ۔''

دونوں گاڑی سے اُتر کر آگے بڑھے۔اجنبی نے پھاٹک کو دھکا دیا۔ جو کھلتا چلا گیا۔ پائیں باغ تاریک تھا البتہ خاصے فاصلے پر عمارت کے برآمدے میں دھندلی سی روشنی آرہی تھی۔دونوں برآمدے کی طرف بڑھے۔عمارت کی چار دیواری خاصے بڑے رقبے پر ہوئی تھی۔

قاسم کسی بہت بڑے پیپے کی طرح لڑھک رہا تھا۔اجنبی خاموشی سے چلتا رہا۔ برآمدے میں پہنچ کر رک گئے۔پھر اجنبی ایک کھڑکی کی طرف جھپٹا۔ چند لمحے اندر جھانکنے اس کے بعد قاسم کی جانب پلٹ آیا۔

''آؤ.....دیکھو کتنی حسین لگ رہی ہے۔'' وہ قاسم کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ کھڑکی کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

اندر کمرے میں سامنے ہی ایک قبول صورت غیر ملکی عورت آرام کرسی پر نیم دراز تھی۔ دونوں جھکے ہوئے کھڑکی سے جھانکتے رہے۔

''ارے باپ رے۔'' قاسم بڑبڑا کر سیدھا کھڑا ہوگیا۔

''کیوں کیا بات ہے۔''

''اس کے ابا وبا کہاں ہیں۔'' قاسم نے پوچھا۔ وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔شاید کسی وجہ سے سانس پھول گئی تھی۔

''کیا تم کچھ پریشان ہو۔''

''نن.....نہیں.....تو.....یہ تو.....بہت خبصورت ہے۔''

غالباً قاسم کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیا کہنا چاہئے۔

''اچھا تو سنو!'' اجنبی آہستہ سے بولا۔''اس کا تن وتوش تم نے دیکھ ہی لیا؟ مجھے بتاؤ کہ شرط جیت سکو گے یا نہیں! ورنہ خواہ مخواہ شرمندگی اٹھانے سے کیا فائدہ۔''

''دیکھو پیارے بھائی.....ہے تو بہت تگڑی.....غرور نہیں قرتا۔''

''اللہ مالک ہے۔''

''ہمت ہار رہے ہو۔'' اجنبی غرایا۔

''بقواس مت قرو.....!'' قاسم کو بھی غصہ آ گیا۔''تم قیا سمجھتے ہو۔ پیٹ پر چھ من کا پتھر رکھ کر ہتھوڑوں سے تڑواڈالتا ہوں۔''

''خیر ابھی معلوم ہوجائے گا۔''

''اچھا میری بھی ایک شرط سن لو۔''

''کہو جلدی سے۔''

''اگر میں جیت گیا تو.....اسی وقت اس سے شادی نہ کرسکوں گا۔''

''دو تین دن بعد کرلینا.....!'' اجنبی نے قاسم کا شانہ تھپک کر کہا۔

''قیا وہ گھر میں اکیلی ہے؟''

''بالکل.....گھر کے دوسرے لوگ اس وقت موجود نہیں ہیں۔''

''اغرقوئی گھپلا ہوا تو۔''

''کیسا گھپلا.....میں ساتھ چل رہا ہوں۔''

''تو چلو.....اللہ فتح نصیب قرے غا.....میں کبھی کسی معاملے میں پیچھے نہیں ہٹا۔''

اجنبی نے ہینڈل گھما کر ایک دروازہ کھولا اور دونوں اندر داخل ہوئے۔نشست کے کمرے میں پہنچنے کے لئے انہیں بائیں جانب والے پہلے دروازے سے گزرنا پڑا تھا۔

عورت بدستور آرام کرسی پر پڑی رہی۔

اجنبی آہستہ سے بولا۔''غالباً سوگئی ہے۔''

''تو جگا دو نا۔'' قاسم کی بھاری بھرکم سرگوشی پورے کمرے میں گونج کر رہ گئی۔

''ذرا ٹھہرو.....میں طبلہ کی جوڑی اٹھالاؤں۔''

''میں نے جغانے تو قہا ہے نچانے کو نہیں۔طبلہ کیا ہوغا۔''

''جب تک سر پر طبلہ نہ بجے نہیں جاگتی۔''

''جلدی قرو.....مجھ سے دیر تک کھڑا نہیں رہا جاتا۔'' قاسم بھنا کر بولا۔

اجنبی کمرے سے چلا گیا۔

قاسم عورت کو بڑے غور سے دیکھے جا رہا تھا۔ دیونی تو تھی لیکن اس کے نقوش دلآویز تھے۔ آنکھیں بند تھیں اس کے باوجود قاسم کا اندازہ تھا کہ خاصی بڑی بڑی ہو کٹورا ایسی۔ اس کے ذہن میں تشبیہات بھی خود اسی کے ڈیل ڈول والی آیا کرتی تھیں۔

وہ اسے دیکھتا اور دل ہی دل میں مگن ہوتا رہا۔ پھر کچھ دیر بعد چونک کر بڑبڑایا۔ وہ طبلہ۔'' اور پھر اس طرح دونوں ہاتھوں سے منہ دبا لیا جیسے بے خیالی میں آواز نکل گئی۔

اس کے بعد وہ جھومتا ہوا اس دروازے کی طرف بڑھا جس سے اجنبی باہر گیا تھا۔ ہینڈل گھما کر دروازہ کھولنا چاہا..... لیکن وہ نہ کھلا۔

''قیا مطلب.....؟'' وہ آنکھیں نکال کر بڑبڑایا اور مڑ کر عورت کی طرف دیکھنے لگا۔ اب بھی اسی طرح آرام کرسی پر نیم دراز تھی۔ دروازے کی طرف دوبارہ توجہ دینی پڑی۔ وہ اسے باہر سے مقفل کیوں کر گیا تھا۔

قاسم لاکھ احمق سہی لیکن ذاتی تحفظ کی حس تو اس میں بھی تھی۔

ایک بار پھر اس نے دروازے پر زور آزمائی شروع کر دی۔ پھر حلق پھاڑ پھاڑ کر آوازیں دینے لگا۔

''ابے قہاں مر غئے جا کر..... دروازہ خولو..... نہیں تو ٹکریں مار مار کر توڑ دوں گا ایسی کی تیسی ہاں نہیں تو۔''

چیختے ہی چیختے خیال آیا کہ اب تو وہ جاگ گئی ہوگی..... تیزی سے اس کی طرف یہ دیکھ کر متحیر رہ گیا کہ اس کی پوزیشن میں اب بھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔

''قیا مصیبت ہے۔'' اس کی زبان سے بے ساختہ نکلا اور اب وہ عورت کی لڑھک رہا تھا۔

قریب پہنچ کر بھی اسے آوازیں دیں لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ آخر اپنی پیشانی ہاتھ مار کر بولا۔ ''اب میں طبلہ قہاں سے لاؤں..... وہ حرامی تو ابھی تک نہیں لوٹا..... ایسی زور دار اور لچھن ایسے..... تھڑی تھڑی! ارے اب اُٹھ بھی جاؤ..... لاحول بلا کوت تو اردو بول رہا ہوں۔ اچھا اب انگریجی بھی سنو۔ ویک اپ ویک اپ آئی ہیوکم ٹو لف اپ..... پلیز بیوٹی فل عورت ویک اپ۔''

اچانک اس نے محسوس کیا کہ عورت اسکے باوجود بھی خاموش ہے لہٰذا اسکی بکواس رک گئی۔

اور اس نے سر گھما کر بائیں جانب دیکھا۔ اس کے قریب ہی وہ بھی چت پڑی تھی۔

''ایسی طبلی نیند تو نہ دیکھی نہ سنی۔'' وہ چھت کی طرف دیکھتا ہوا بڑبڑایا اور پھر کروٹ لے کر اُٹھ بیٹھا۔ عورت کی آنکھیں اب بھی بند تھیں۔

یک بیک وہ ہمہ تن توجہ بن کر اسے دیکھنے لگا۔

''ہائیں..... یہ تو..... یہ تو..... سانس ہی نہیں لے رہی..... ارے باپ رے۔''

شائد زندگی میں پہلی بار وہ اتنی پھرتی سے اُٹھ کھڑا ہوسکا ہو۔

گھگھی بندھ گئی۔ عورت سچ مچ مردہ تھی۔

''ارے باپ رے، ارے باپ رے..... ارے باپ رے..... رٹتا ہوا وہ سارے کمرے میں ناچتا پھر رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔''

پھر کچھ نہ سوجھی تو دروازہ پیٹ پیٹ کر چیخنے لگا۔

''ابے او..... ڈاڑھی والے..... او حرامزادے..... ابے سالے مروا دیا..... ارے باپ رے..... پہلے ہی سے مری ہوئی تھی۔ میں قچھ نہیں جانتا۔ ارے باپ رے۔''

چیختے چیختے گلا رندھ گیا۔ لیکن سب کچھ لاحاصل۔

جال

جدید ترین بے فکرے نوجوانوں کا مجمع تھا۔ لیکن اگر پچاس سال پہلے فوت ہو جانے والے کسی شریف آدمی کی روح ادھر متوجہ ہو جاتی تو وہ اسے درویشوں کا مجمع سمجھتی اور کسی قدر متحیر بھی ہوتی کہ درویشوں میں بھی مغربی تہذیب نے جگہ بنالی ہے۔

ان کی ڈاڑھیوں اور سر کے بال بے تحاشہ بڑھے ہوئے تھے۔ لباس مغربی تھے لیکن گلے میں موٹے موٹے دانوں والی بڑی مالائیں تھیں۔ ان میں لڑکیاں بھی تھیں اور ان کے

حلئے عام لڑکیوں سے مختلف تھے۔ کچھ لڑکے ایسے بھی تھے جن کے ڈاڑھیاں نہیں تھیں۔ لئے ان میں اور لڑکیوں میں تمیز مشکل تھی۔ ایسے ہی ناقابل شناخت ''نروں'' میں کیپٹن حمید تھا۔ سر کے بڑے بڑے بالوں کی کمی اس نے وگ سے پوری کی تھی۔ خوبصورت گھونگھریالے بالوں والی وگ تھی لیکن بہت قریب سے دیکھنے والے بھی اسے مصنوعی نہیں سمجھتے تھے۔ انہیں اپنے درمیان کالی بھیڑ کی موجودگی کا احساس ہو جاتا۔

وہ اس مجمع میں خود نہیں آیا تھا بلکہ لایا گیا تھا۔ ایک ہفتہ پہلے مے پول میں ایسے ایک بے فکرے سے ملاقات ہوئی تھی اور وہ حمید کے گلے کا ہار ہو گیا تھا۔ اُس نے اپنے ہی کی لڑکیوں کی بے حد تعریف کی اور حمید کو اس پر آمادہ کر لیا کہ وہ اسی کے رنگ میں رنگ کر حلقے تک پہنچے گا۔ وگ لگانے کی تجویز اسی نے پیش کی تھی۔

اس وقت حمید چھینٹ کے لمبے کرتے اور نیلی پتلون میں ملبوس تھا۔ اس کے گلے میں بھی کئی مالائیں پڑی ہوئی تھیں۔ چرس کے سگریٹ پی رہا تھا لیکن دھواں حلق سے نیچے نہیں اُتارتا تھا۔

اس کا نیا دوست موبی اس حلقہ میں خاصا مقبول ثابت ہوا۔ اس نے حمید کو آج بتایا کہ وہ اسے مصلحتاً یہاں لایا تھا۔

''ذرا وہ مصلحت بھی بتاؤ۔'' حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔

''مجھ پر لڑکیوں کا دباؤ بڑھتا جا رہا ہے۔ میں نے تم میں یہ صلاحیت دیکھی تھی کہ تمہاری طرف بھی متوجہ ہو سکتی ہیں اور میں دیکھ رہا ہوں کہ میرا خیال درست نکلا۔ سبھی تم میں دلچسپی لے رہے ہیں۔''

''لیکن میں تو صرف اس لئے آیا ہوں کہ مجھے تم لوگوں کا میوزک بہت پسند ہے۔''

حالانکہ یہ سو فیصدی بکواس تھی۔ وہ تو پہلے ہی شب کے بعد ان کے اڈے کا رخ بھی کرتا اگر ایک لڑکی پسند نہ آ گئی ہوتی۔ وہ عجیب تھی۔ بال تو اس کے بھی بے مرمت تھے اور اوپری ہونٹ پر ہلکی سی روئیدگی تھی۔ بڑی بڑی آنکھوں میں ہر وقت وحشت سی نظر آتی خصوصیت سے جب وہ قہقہہ لگاتی تو کسی درندے کی مادہ نظر آنے لگتی۔ اس کے باوجود اس نے حمید کے ذہن کے کسی گوشے کو چھوا ضرور تھا۔ نام جو کچھ بھی رہا ہو وہ خود کو جولی کہتی

تھی۔ ایک دن نشے میں اس نے حمید کو بتایا تھا کہ چالیس سال پہلے اس کا باپ ترکاریوں کا ٹھیلا لگاتا تھا..... آہستہ آہستہ وہ پہلے ترکاریوں کا آڑھتی بنا پھر اس کے ٹرک چلنے لگے اور اب وہ مل اونر ہے..... بہت اچھا باپ ہے۔ اپنے بچوں کو جدید سے جدید ترین طرز زندگی اختیار کرنے کی نصیحت کرتا رہتا ہے۔ اسے اس کے سارے دوست پسند ہیں۔ اس کا خیال ہے کہ ترقی پسند قوموں کا رہن سہن اپنائے بغیر ترقی ناممکن ہے۔ حمید کا دوست موبی اس لڑکی سے الرجک تھا۔ کہتا تھا کہ اس کے قہقہے اسے ٹامی گن کی فائرنگ معلوم ہوتے ہیں۔

اس وقت اس چھوٹے سے کلب میں وحشیانہ قسم کا رقص جاری تھا۔ حمید کے علاوہ اور سب ناچ رہے تھے۔

اچانک جولی اس کی طرف متوجہ ہوئی اور رقص کرنے والوں کی بھیڑ سے نکل کر ناچتی ہی ہوئی اس کی طرف بڑھنے لگی۔ حمید ایک کنارے آرام کرسی پر نیم دراز تھا۔

''اے..... تم پر کہولت کیوں طاری ہے۔'' اس نے حمید کو للکارا۔

''آج دوپہر کھجور کے درخت پر چڑھ رہا تھا..... کمر میں چک آ گئی ہے۔'' حمید نے ختم ہوتے ہوئے سگریٹ کو ایش ٹرے میں ڈال کر کہا۔

''کھجور کے درخت پر کیوں چڑھ رہے تھے۔''

''میری ہابی ہے۔''

''آؤ..... رقص کریں۔''

''بے ہوش ہو جاؤں گا۔''

''چلو اُٹھو۔''

''ہنس ہنس کر مر جانا ہماری معراج ہے۔''

''معراج حاصل کر کے دکھاؤ..... پھر میں بھی کوشش کروں گا۔''

''اُٹھو.....!'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتی ہوئی بولی۔

رقص پہلے ہی کی طرح جاری تھا۔ کسی کو اس کی پرواہ نہیں تھی کہ کہاں کیا ہو رہا ہے۔ ساز بلند آہنگی سے بج رہے تھے اور کوئی بھی آپے میں نہیں معلوم ہو رہا تھا۔

حمید کو بھی طوعاً و کرہاً اسی بھیڑ میں شامل ہو جانا پڑا اور ذرا ہی سی دیر میں عقل ٹھکانے

آ گئی۔ وہ اچھا رقاص تھا لیکن یہ بے ہنگم اچھل کود جس کے ڈانڈے بالآخر افریقہ کے ناچوں سے جاملتے تھے اس کے بس سے باہر تھی۔

جولی اس کے مقابل رقص کر رہی تھی۔ ہنس رہی تھی قہقہے لگا رہی تھی۔

حمید نے بآواز بلند کراہنا شروع کر دیا۔

''یہ کیا کر رہے ہو.....!'' وہ اس کے قریب آ کر چیخی۔

''میں گا رہا ہوں۔'' حمید نے کہہ کر پھر زور زور سے کراہنا شروع کر دیا۔ کراہنا میوزک سے ہم آہنگ تھیں۔

''میری سمجھ میں تو نہیں آ رہا۔''

''واپس چلو ترجمہ کر دوں گا۔''

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہوئی پھر اسی آرام کرسی کی طرف لائی۔ حمید لیٹ کر کراہنے اور وہ آرام کرسی کے ہتھے پر بیٹھتی ہوئی بولی۔ ''سناؤ ترجمہ..... یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ افریقہ کے گیت گا سکتے ہو۔''

''مومباسہ میں پیدا ہوا تھا۔ میری ڈیڈی وہاں لکڑ بگھے کی کھالوں کی تجارت کرتے تھے۔''

''ترجمہ.....!'' وہ اس کا شانہ جھنجھوڑ کر بولی۔

''سنو! اے میری محبوبہ۔ تو اندھیری رات کی طرح تاریکیاں بکھیر رہی ہے۔ تو اپنے چہرے اور پھولے ہوئے پیٹ پر کھریا مٹی سے جو نقش و نگار بنائے ہیں ایسے لگتے جیسے کہکشاں لہراتی بل کھاتی ہوئی اس تاریک زمین پر اُتر آئی ہو..... اندھیرے کی ملکہ میرے خوابوں کی ملکہ ہے۔ کیا تو کچی چھپکلی کھانا پسند کرے گی۔''

جولی کو اوبکائی آ گئی اور وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''بس.....!''

لیکن حمید کہتا رہا۔ ''چھپکلی نہ سہی کیچوے سہی..... جب تو کچے کیچوے چباتی ہے تیرے دانتوں کی چمک عجیب معلوم ہوتی ہے۔''

''اوہ..... پلیز اسٹاپ ویٹ نان سنس!'' جولی دوسری اوبکائی کے بعد کراہ کر بولی۔

''میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔'' حمید ہنس پڑا۔ ''پس ثابت ہوا کہ میں تم سے بھی زیادہ اور تم سے کہیں زیادہ مایوس ہوں۔ کل ایک زندہ مینڈک نگل لیا تھا اور بے حد خوش تھا

تم..... صرف ترجمہ سن کر تمہاری طبیعت مالش کرنے لگی۔''

''کیسی بوریت کی باتیں شروع کر دیں تم نے.....!'' وہ کرسی کے ہتھے سے اٹھتی ہوئی بولی۔ لیکن حمید نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔

''پورے گیت کا ترجمہ سنو۔''

''تم ہمارا مذاق اڑا رہے ہو..... ہم میں سے نہیں معلوم ہوتے۔'' وہ ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتی ہوئی زور سے چیخی۔

''میں تم میں سے ہوں۔'' حمید بھی اٹھ کر اسی کے سے انداز میں چیخا۔

اچانک ساز بند ہو گئے۔ سناٹا چھا گیا اور پھر جولی کی چنگھاڑ پورے ہال میں گونج اٹھی۔ ناچنے والے اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

موبی دوڑ کر اس کے قریب پہنچا۔ حمید جولی کا ہاتھ چھوڑ چکا تھا۔

''یہ ہم میں سے نہیں ہے۔'' وہ موبی کی طرف دیکھ کر چیخی۔ ''ہمارا مذاق اڑا رہا تھا۔''

''ہاں..... یہ ہم میں سے نہیں ہے۔'' کہہ کر موبی نے حمید کے مصنوعی بال کھینچ لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ حمید نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''تم فراڈ ہو۔'' موبی پہلے تو اس سے لپٹ پڑا..... پھر خود کو چھڑا کر صدر دروازے کی طرف بھاگا۔

اس کی اس حرکت نے حمید کو پاگل ہو جانے کی حد تک غصہ دلا دیا تھا۔ وہ اس کے پیچھے جھپٹا۔ موبی باہر نکل کر اپنی گاڑی میں بیٹھ چکا تھا۔ پھر قبل اس کے کہ وہ اس تک پہنچتا گاڑی جھٹکے کے ساتھ آگے بڑھی اور اب حمید اپنی گاڑی کی طرف لپکا۔

موبی کی گاڑی بہت آگے جا چکی تھی۔ حمید نے اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ اس کی دانست میں موبی اس وقت نشے میں نہیں تھا لہٰذا اس کی اس حرکت پر حمید کا غصہ حق بجانب تھا۔ خود ہی تو لایا تھا اس بھیڑ میں اور مصنوعی بال استعمال کرنے کا مشورہ بھی اسی نے دیا تھا۔

موبی ایسی سڑکوں سے گزر رہا تھا جن پر ان کے درمیان ٹریفک کی بھیڑ حائل ہو سکتی۔ حمید نے اندازہ کر لیا کہ وہ اسے ڈاج دے کر نکل جانا چاہتا ہے۔

کچھ دیر بعد وہ ایک سنسان سڑک پر نکل آئے۔ دونوں گاڑیوں کے درمیان فاصلہ بھی کم

رہ گیا تھا۔ اچانک موبی نے اپنی گاڑی بائیں جانب والی ایک عمارت کے پھاٹک کے اندر
دی۔ حمید نے پھاٹک کے قریب پہنچ کر گاڑی روکی اور اُتر کر دوڑتا ہوا پھاٹک میں داخل ہو گیا
ہوسکتا تھا کہ یہ موبی کی قیام گاہ رہی ہو۔ اُس بھیڑ میں دولت مند گھرانوں کے نوجو
افراد ہی کی اکثریت تھی۔

موبی کی گاڑی برآمدے کے قریب کھڑی نظر آئی۔ لیکن وہ گاڑی میں نہیں تھ
برآمدے میں روشنی تھی۔ صدر دروازہ بند تھا اور کئی کھڑکیاں بھی روشن تھیں۔

حمید پر گویا بھوت سوار تھا۔ موبی کو سبق دینے کے لئے کچھ نہ کچھ تو ہونا ہی چاہئے
کُرتے کے نیچے اس نے قمیض پہن رکھی تھی۔ لہٰذا کرتا اُتار کر وگ بھی اتاری اور اسے کُرتے
ہی میں لپیٹ کر بائیں جانب اندھیرے میں اچھال دیا۔

جیب سے ریڈی میڈ میک اپ والے اسپرنگ نکالے جن سے ناک اوپر اُٹھ جاتی تھی
اور پھر بڑھا برآمدے کی طرف۔ دروازہ بند تھا۔ اس نے کال بل کا بٹن دبانا شروع کیا۔ لیکن
دو منٹ گزر جانے کے بعد بھی کسی نے دروازہ نہ کھولا۔

موبی کی گاڑی کھڑی کرنے کی پوزیشن سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ عمارت کے اندر
گیا ہوگا۔ اس نے دروازے کا ہینڈل گھمایا اور دروازہ کھلتا چلا گیا۔

''موبی.....!'' میں جھگڑا نہیں کرنا چاہتا۔ وہ پوری قوت سے چیخا۔ ''باہر آ جاؤ۔''

اس کا بھی کوئی جواب نہ ملا۔ راہداری میں روشنی تھی۔ وہ آگے بڑھا ہی تھا کہ اسے
رک جانا پڑا۔ پھر وہ بے ساختہ دروازے کی طرف مڑا تھا۔ اتنے میں اس نے قفل میں کنجی
گھومنے کی آواز سنی کسی نے باہر سے دروازہ مقفل کر دیا تھا۔

''موبی میں تمہیں.....فنا کر دوں گا۔'' حمید دروازے کے ہینڈل پر زور آزمائی کرتا ہ
دہاڑا۔ لیکن بے سود۔ دروازہ نہ کھل سکا۔

دفعتاً بائیں جانب والے دروازے پر دوسری طرف سے ضربات پڑنے لگیں اور عجیب
آوازیں سنائی دی۔ ''ابے قون ہے سالے دروا جا خولو.....وہ پہلے ہی سے مری ہوئی تھی۔''

اب حمید کے کان کھڑے ہوئے۔ گو آواز گھٹی گھٹی سی تھی لیکن لاکھوں میں پہچانی جا
تھی۔

حمید نے طویل سانس لے کر ناک کے اسپرنگ سنبھالے اور بائیں جانب والے
دروازے کی طرف پوری طرح متوجہ ہو گیا۔

قفل میں کنجی موجود تھی۔ وہ سوچ میں پڑ گیا۔ اسے کیا کرنا چاہئے۔ یہاں پہلے سے
قاسم کی موجودگی کی بناء پر کسی سازش ہی کے امکان پر غور کیا جا سکتا تھا۔ وہ پھر صدر دروازے
کی طرف بڑھا اور دوبارہ ہینڈل پر زور آزمائی شروع کر دی۔

بائیں جانب والا دروازہ اب بھی پیٹا جا رہا تھا اور قاسم کی ''گھوں گھوں'' مسلسل سنائی
دے رہی تھی۔

تھک کر اسی دروازے کی طرف پلٹ آیا۔ قفل میں کنجی گھمائی اور ''پولیس'' کا نعرہ لگاتا
ہوا کمرے میں گھس پڑا۔ قاسم سامنے ہی کھڑا ہانپ رہا تھا۔

''پپ..... پولیس.....!'' وہ ہکلایا اور پھر جلدی جلدی کہنے لگا۔

''الاقسم..... وہ پہلے ہی سے مری ہوئی تھی۔ مم..... میں ..... کچھ نہیں جانتا۔ بھائی
پپ..... پولیس.....جھوٹ بولتا ہوں تو آنکھیں پھوٹ جائیں۔''

اچانک حمید کو وہ عورت نظر آئی جو فرش پر چت پڑی ہوئی تھی۔ وہ جھپٹ کر اس کی
طرف بڑھا۔

اور پھر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کھوپڑی میں ایک پل میں ہزاروں چکر لگا ڈالے ہوں۔

وہ عورت ایک غیر ملکی سفارت خانے کی کلچرل سیکریٹری تھی۔

تین دن پہلے سفارت خانے کی طرف سے اس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی گئی
تھی اور اس وقت ملک کے گوشے گوشے میں اس کی تلاش جاری تھی۔

فریدی کے پاس بھی حمید نے اس کی تصویریں دیکھی تھیں اسی لئے پہلی ہی نظر میں اسے
پہچان گیا تھا۔

دفعتاً قاسم اس کے قریب آ کر ہکلانے لگا۔ ''مم..... میں بے قصور ہوں.....
کس..... سالا..... مجھے یہاں لایا تھا..... قہنے لغا ایک عورت کو نیچا دکھانا ہے.....ارے
باپ رے.....اب خود کھسک غیا اور میں نیچا دکھا رہا ہوں۔''

خاموش ہو کر اس نے اپنے سر پر دو ہتڑ چلایا۔

''جلدی سے پوری بات بتاؤ۔'' حمید آواز بدل کر غرایا۔ ''اس عورت کی گمشدگی رپورٹ درج کرائی گئی تھی۔''

''ارے باپ رے..... تب تو میں مرغیا..... اے بھائی صاحب..... پپ پولیس میں آرلکچو خانا خا رہا تھا کہ وہ حرامی ڈاڑھی والا آ گیا..... قہنے لغا آدمی کا غوشت خاؤں غا..... پھر میری طرف اشارہ کر کے قہنے لگا ایسے تگڑے آدمی کا غوشت خاؤں گا..... جھوٹ نہیں بول رہا ہوں..... وہاں قے بیرے تمہیں بتائیں غے۔ پھر سالے نے مجھ سے دوستی قرلی اور کہنے لگا تم بہت طاقتور معلوم ہوتے ہو۔ میری مدد کرو۔ ایک بہت تگڑی عورت نیچا دکھانا ہے۔ پھر مجھے یہاں لایا۔ یہ آرام کرسی پر لیٹی سو رہی تھی۔''

''کم سے کم الفاظ میں بتاؤ..... نیچا کس طرح دکھانا تھا۔'' حمید غرایا۔ ویسے اس کی حالت بھی غیر تھی۔ وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ اسے اور قاسم کو اس معاملے میں الجھانے کی کوشش کی گئی ہے اور وقوعے سے بہت پہلے کی پلاننگ معلوم ہوتی ہے۔

وہ قاسم کو گھورتا رہا۔

''اب قیا بتاؤں.....!'' قاسم روہانسا ہو کر بولا۔ ''سالے نے قہا تھا وہ قہتی ہے جو کوئی مجھے بیٹھے سے اٹھا دے گا اسی قی ہو جاؤں غی۔''

''اور تم نے بیٹھے سے لٹا دیا۔'' حمید دانت پیس کر بولا۔

''الاقسم پہلے ہی شے بالکل مری ہوئی تھی۔ میں نے اٹھایا اور وہ خود سے لیٹ غئی..... مطلب یہ کہ گر گئی!''

''تو ہو گئی تمہاری..... اٹھا لے جاؤ۔''

''ارے باپ رے..... ارے بھائی صاحب..... میری جان بچوا دو..... پچاس ہزار دوں غا..... پپ پولیس بھائی۔''

''اور جو یہ اب تمہاری ہو گئی ہے اس کا کیا ہوگا۔'' حمید زہریلے لہجے میں بولا۔ ''خوش قسمت آدمی ہو کہ ایک بغیر بولتی ہوئی عورت تمہاری ہو گئی ہے۔ لے جاؤ..... مسالہ لگا کر رکھوا دینا..... وہ تو بولتی ہوئی عورت کی مصیبت ہوتی ہے کہ کہاں رکھی اٹھائی جائے۔''

''اے پولیس بھائی الاقسم معاف کر دو..... پچاس ہزار.....!''

''خاموش رہو۔'' حمید نے اسے جھڑک دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ خود اس کا موقع پر پایا جانا بے حد خطرناک ثابت ہوگا لہٰذا فوری طور پر یہاں سے نکل جانے کی تدبیر کرنی چاہئے۔ ہوسکتا ہے اب پولیس آ رہی ہو..... وہ اور قاسم ایک بڑے حلقے میں خاصے جانے پہچانے تھے اور سبھی جانتے تھے دونوں کی یکجائی انہیں کس طرف لے جاتی ہے۔ لہٰذا یہاں دونوں کی موجودگی گہری سازش ہی کا نتیجہ ہوسکتی ہے۔

دفعتاً اس نے قاسم کے ساتھ اپنا رویہ تبدیل کر دیا اور اسے ترحم آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے نرم لہجہ میں کہا۔ ''تو پھر پچاس ہزار کی بات پکی رہی اور ہاں..... تم یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہیں نہیں جانتا..... تمہارا نام قاسم ہی ہے نا۔''

''جی ہاں..... جی ہاں..... پیارے بھائی۔''

''میں جانتا ہوں کہ تم پچاس ہزار آسانی سے دے سکو گے۔''

''بالکل..... بالکل..... جس کی قسم قہو خا جاؤں۔''

''نہیں بس تمہارا کہہ دینا ہی کافی ہے۔ اچھا اب جو کچھ میں کہوں اس پر خاموشی سے عمل کرو۔ وہاں اس کرسی پر چپ چاپ بیٹھ جاؤ..... جب تک میں آواز نہ دوں اٹھ کر دروازے کے قریب نہ آنا..... دروازہ میں تھوڑا سا کھلا رہنے دوں گا۔''

''بہت اچھا..... بھائی صاحب۔'' قاسم سر ہلا کر بولا اور لڑکھڑاتا ہوا اس کرسی کی طرف بڑھا جس کی جانب حمید نے اشارہ کیا تھا۔

حمید بخوبی سمجھتا تھا کہ اتنا سہارا مل جانے کے بعد قاسم اپنے ذہن کو کام میں نہیں لائے گا۔

وہ کمرے سے نکلا اور دروازے کو اس حد تک کھلا رہنے دیا کہ راہداری میں کھڑے ہونے والوں کو کمرے کے اندر کا حال نہ دکھائی دے۔ اس کے بعد اس نے اس دروازے اور صدر دروازے کے ہینڈل کو رومال سے صاف کیا تھا اور صدر دروازے کے قریب ایسی پوزیشن میں کھڑا ہو گیا تھا کہ دروازہ کھلتے ہی وہ اس کی اوٹ میں ہو جائے۔ اسے یقین تھا کہ انہیں الجھانے والے اب پولیس ہی کو مطلع کریں گے تاکہ لاش کے ساتھ وہ دونوں بھی برآمد کئے جاسکیں۔ مقصد جو کچھ بھی ہو۔

اگر پولیس آئی تو کم از کم ایک آدمی تو یقینی طور پر برآمدے میں ٹھہرے گا۔

جس وقت وہ کمپاؤنڈ میں داخل ہوا تھا برآمدے تک اندھیرے ہی کی حکمرانی نظر
تھی۔ برآمدے میں ہلکی سی روشنی تھی۔ کال بل کے پش بٹن پر اس کی انگلیوں کے نشان
موجود ہوں گے اور صدر دروازے کا ہینڈل بھی اس نے گھمایا تھا۔ اونہہ دیکھا جائے گا
سازشیوں نے پولیس کو اطلاع دیتے وقت مادام تمارا ازانغلو کا نام لیا تو یہاں فریدی
موجودگی ضروری ہوگی۔ کیونکہ کیس اس تک پہنچ چکا تھا اور سول پولیس والے اسے مطلع
بغیر خود کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے۔

وہ دم سادھے کھڑا سوچتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد برآمدے میں بھاری قدموں کی آ
سنائی دی اور حمید کا دل کھوپڑی میں دھڑکنے لگا۔ پھر کسی نے گھنٹی کا بٹن دبایا اور حمید نے
کہ چلو پش بٹن سے تو اس کی انگلی کے نشانات صاف ہوگئے۔ گھنٹی پے در پے بجتی رہی۔ اس
بعد کسی نے کہا۔ ''جواب نہیں مل رہا۔ قفل میں کنجی بھی موجود ہے۔ دروازہ کھول کر اندر چلو۔''

حمید کے لئے دوسرا اطمینان..... قفل کھلنے کے بعد ہینڈل گھمایا جائے گا اور اس پر
بھی اس کی انگلیوں کے نشانات غائب ہو جائیں گے۔

دروازہ تھوڑا تھوڑا کر کے کھلا اور ٹھیک اسی وقت قاسم کی آواز بھی سنائی دی۔ ''پیارے
بھائی قہاں چلے گئے۔''

غالباً اسی آواز کی بناء پر جتنے بھی تھے اسی کمرے میں گھستے چلے گئے تھے۔

حمید بڑی پھرتی سے دروازے کی اوٹ سے نکلا اور برآمدے میں پہنچ گیا۔ لیکن ساتھ
ہی اس نے کسی کی ''ہائیں'' بھی سنی۔ تیزی سے مڑا۔ وہ ایک کانسٹیبل تھا۔ دوسرے ہی لمحے
میں اس کا بھرپور ہاتھ کانسٹیبل کی کنپٹی پر پڑا اور وہ مزید آواز نکالے بغیر ڈھیر ہوگیا۔

حاضر دماغی کی بناء پر اس نے بڑی پھرتی سے برآمدے کی لائٹ بھی آف کر دی تھی۔

اس کے بعد اسے ہوش نہیں کہ کس طرح اپنی گاڑی تک پہنچا تھا کیونکہ برآمدے کی
لائٹ آف ہوتے ہی اس نے اپنی پشت پر شور سا سنا تھا۔

اب اس کی گاڑی تیز رفتاری کے ریکارڈ توڑ رہی تھی۔ عقب نما آئینے پر بھی اس کی نظر
تھی کہ کہیں تعاقب تو نہیں کیا جا رہا۔ لیکن کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد بھی وہ اس سلسلے میں
مطمئن ہی رہا۔

اب کیا کرنا چاہئے۔ اس نے سوچا۔ قاسم ایک بہت بڑی مصیبت کا شکار ہوگیا ہے۔
اس کی گلوخلاصی کیسے ہوگی۔

دوسرا سوال یہ تھا کہ فریدی کو اس حادثے سے مطلع کیا جائے یا نہیں!

اچانک اسے اپنا چھینٹ کا کرتا اور وگ یاد آئے جنہیں وہ اس عمارت کی کمپاؤنڈ میں
پھینک آیا تھا۔ اگر یہ سازش ہی تھی تو ان دونوں چیزوں سے خاصی سنسنی پھیلے گی اور خود اس کی
ذات کسی نہ کسی طرح ملوث ہو ہی جائے گی۔ ہو بی کوئی ایسا طریقہ اختیار کرے گا کہ.....

خیالات کی روٹوٹ گئی کیونکہ ایک تیز رفتار گاڑی اس کے قریب سے گزری تھی لیکن حمید
اسے عقب نما آئینے میں نہیں دیکھ سکا تھا۔ تو پھر وہ قریب ہی کی کسی گلی سے نکل کر سڑک پر
آئی ہوگی۔ حمید اس کی عقبی سرخ روشنی دیکھتا رہا۔

اب وہ پھر سوچنے لگا تھا کہ اگر وہ اس معاملے میں ملوث کیا جانے والا تھا تو کسی نہ کسی
طرح دوبارہ پھانسنے کی کوشش کی جائے گی اور وہ چھینٹ کا کرتا۔

دفعتاً اگلی کار کی عقبی سرخ روشنیاں بجھ گئیں..... حمید نے اسے کوئی اہمیت نہ دی اور اپنی
رو میں بہتا رہا۔

ہوش تو اس وقت آیا جب وہی گاڑی سڑک پر ترچھی کھڑی نظر آئی۔ خود اس کی گاڑی
کی بیٹری کمزور ہونے کی وجہ سے ہیڈ لائیٹس کا حیطہ انعکاس کم ہوگیا تھا۔ بہرحال اس نے پورے
بریک لگائے اور اس کی گاڑی دوسری گاڑی سے صرف ایک فٹ کے فاصلے پر رک گئی۔

نئی اُفتاد

گاڑی رکتے ہی حمید بدلی ہوئی آواز میں چنگھاڑنے لگا۔

''کیا بیہودگی ہے..... کیا تمہاری شامت آئی ہے۔'' دو آدمی گاڑی سے کود کر اس کی
طرف جھپٹے۔ حمید گاڑی ہی میں بیٹھا رہا۔

ٹارچ کی روشنی اس کے چہرے پر پڑی اور وہ مزید چڑچڑے پن کا مظاہرہ کرنے لگا۔

''یہ وہ تو نہیں ہے۔'' دونوں میں سے ایک بولا اور حمید نے موبی کی آواز صاف پہچان لی۔

ٹارچ کی روشنی سے آنکھوں میں چکا چوند کی بنا پر وہ ان کی شکلیں نہیں دیکھ سکا تھا۔

دفعتاً اس نے گاڑی کا دروازہ کھول کر پوری قوت سے دھکا دیا اور وہ دونوں لڑکھڑاتے ہوئے پیچھے ہٹ گئے۔ حمید نے ان پر چھلانگ لگائی۔ ایک اس کی گرفت میں آ گیا تو دوسرے نے مقابلے کی بجائے بھاگ نکلنے میں عافیت سمجھی۔

یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ حمید کی گرفت میں آنے والا موبی ہی نکلا۔ وہ نہایت خاموشی سے اس کی پٹائی کرتا رہا۔ دوسرا آدمی گاڑی لے کر رفو چکر ہو چکا تھا۔

جب موبی بالکل ہی بے سدھ ہو گیا تو حمید نے اسے کھینچ کر گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈال دیا۔ موبی کی کنپٹیوں پر اس نے ایسی ہی ضربات لگائی تھیں کہ وہ دیر تک ہوش میں نہیں آ سکتا تھا۔

اس کے بعد اس نے راستہ تبدیل کر دیا۔ جانا تھا گھر ہی کی طرف اور وہ جلد از جلد فریدی کو ان حالات سے آگاہ کر دینا چاہتا تھا۔

قریباً بیس منٹ کے بعد فریدی کی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوا۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ فریدی گھر پر موجود نہیں تھا۔ کریم سے معلوم ہوا کہ وہ کچھ ہی دیر پہلے کسی کی کال ریسیو کر کے باہر گیا تھا۔

موبی کی بے ہوشی ابھی رفع نہیں ہوئی تھی۔ حمید نے اسے ایک کمرے میں مقفل کر دیا اور فریدی کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ ایسے میں نیند کیا آتی۔ موبی کا اس طرح ہاتھ لگ جانا اس کی اپنی بہت بڑی کامیابی تھی۔ اب اسکی خواہش تھی کہ فریدی کو متحیر کر دے۔ ظاہر ہے کہ وہ واپسی پر تمارا از غلو اور قاسم کی کہانی ضرور سنائے گا۔

کافی اور تمباکو نوشی کے سہارے اس نے دیئے۔ بارہ بج کر بتیس منٹ پر فون کی گھنٹی بجی تھی۔

حمید نے جھپٹ کر ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے فریدی ہی کی آواز سنائی دی تھی۔

''کیا قصہ ہے۔'' اس نے پوچھا۔ حمید نے فون پر بھی لہجے کی خشکی محسوس کر لی تھی۔

غیر ارادی طور پر غصہ آ گیا۔

''کیا مطلب! کیسا قصہ!''

''قاسم نے پچاس ہزار رشوت طلب کرنے والے کا جو حلیہ بتایا ہے۔''

''جی ہاں.....میں سمجھ گیا.....!'' حمید بھنا کر بولا ''لیکن میں بھی خالی ہاتھ نہیں ہوں۔''

''کیا مطلب.....؟''

''جس نے مجھے دھوکہ دے کر اس عمارت تک پہنچایا تھا وہ میرے ہاتھ لگ گیا ہے۔''

''اوہو.....!''

''کوئی نئی بات نہیں ہے۔'' حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ ''اگر مجھ سے کوئی حماقت سرزد ہوتی ہے تو خود ہی لیپا پوتی کر لیتا ہوں۔''

''وہ کہاں ہے۔''

''ہماری کوٹھی کے ایک کمرے میں بیہوش پڑا ہے۔''

''وہیں ٹھہرو.....میں آ رہا ہوں۔''

''بہت بہتر.....!'' حمید نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

یہ چیز شدت سے کھل گئی تھی کہ فریدی نے میک اپ والے حلئے سے قیاس کر لیا۔

طویل سانس لے کر وہ آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔

فریدی ٹھیک دس منٹ بعد کمرے میں داخل ہوا تھا۔ خلاف معمول حمید نے اس کے چہرے پر بشاشت دیکھی اور اس کی ساری کوفت دور ہو گئی۔

''میں سمجھا تھا کہ تمہاری ہی کسی حماقت کی بناء پر قاسم اس عمارت میں پہنچا ہوگا۔'' اس نے سامنے والی میز کے ایک گوشے پر ٹکتے ہوئے کہا۔

''اتنا احمق بھی نہیں ہوں۔'' حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

''خیر.....کیا قصہ ہے۔''

حمید نے اپنی کہانی شروع کر دی۔ فریدی اس کی طرف دیکھے بغیر سن رہا تھا۔ اسکے خاموش ہونے پر طویل سانس لیکر بولا۔ ''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موبی کو تم نے ہی موقع دیا تھا۔''

''اگر میں موقع نہ دیتا تب بھی کسی نہ کسی طرح یہی ہونا تھا۔ ورنہ موبی اسی عمارت میں

کیوں داخل ہوتا۔''

''ہوں.....!'' فریدی سگار کیس سے سگار نکالتا ہوا بولا۔

''اب میں تمہارے قیدی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔''

دونوں اُٹھ گئے۔ کمرہ عمارت کے ایک دور افتادہ حصہ میں تھا۔ جیسے ہی وہ اس قریب پہنچے انہوں نے دروازہ پٹنے کی آواز سنی۔

''ہوش میں آ گیا ہے۔'' حمید بڑبڑایا۔

دروازہ کھلتے ہی موبی نے نکل بھاگنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن حمید پر نظر پڑتے ہی جہاں تھا وہیں رہ گیا۔

''تت.....تم.....وجدی۔'' وہ ہکلایا۔

حمید نے اسے اپنا نام یہی بتایا تھا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

اب وہ فریدی کی طرف متوجہ ہوا اور بے ساختہ ہکلانے لگا ''وہ.....وہ.....محض مذا تھا..... یار وجدی تم بُرا مان گئے۔''

''وجدی! اس کا نام وجدی تو نہیں ہے۔'' فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہو کہا۔ وہ نظریں چرا رہا تھا۔

''مم.....میں کیا جانوں۔''

''کیا تم اس عمارت میں رہتے ہو جہاں تم نے اپنی گاڑی کھڑی کی تھی۔''

''نن نہیں..... وہ تو ڈاج دینے کے لئے..... میں جانتا تھا کہ وجدی بہت غصے میں ہے۔ لہٰذا اس وقت اس سے بچنا چاہئے پھر کسی وقت منالوں گا۔''

''وہاں کون رہتا ہے۔''

''میں نہیں جانتا۔ پھاٹک کھلا دیکھ کر گاڑی اندر لیتا چلا گیا تھا۔''

''پھر تم نے عمارت کے اندر داخل ہونے کی جرأت کیسے کی؟''

''میں اندر نہیں گیا تھا۔ مہندی کی باڑھ کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ جب وجدی اندر چلا تو وہاں سے بھاگ نکلا۔''

سڑک پر تمہیں کس کی تلاش تھی جس کے لئے تم نے ایک شریف آدمی کی گاڑی غیر قانونی طور پر روکی تھی۔

''مم.....مجھے کچھ یاد نہیں۔''

''اب تم اسے اپنا کارڈ دے سکتے ہو.....!'' فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

حمید نے چپ چاپ تعمیل کی۔ اس دوران میں وہ خاموش ہی رہا تھا۔

کارڈ دیکھتے ہی موبی بوکھلا کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کبھی حمید کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی فریدی کی طرف۔ دفعتاً وہ بے جان ہو کر دوبارہ کرسی پر گر گیا۔

''اب تم خود کو ایک عورت کے قتل کے الزام میں زیر حراست سمجھو۔'' فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔

موبی پھر اچھل پڑا۔

''قتل.....!'' اس کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔

''اسکی لاش اسی عمارت میں پائی گئی ہے جہاں تم کیپٹن حمید کو دھوکے سے لے گئے تھے۔''

''نن.....نہیں.....میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔''

''تم کسی سازش کے تحت کیپٹن حمید کو اس قتل میں ملوث کرنا چاہتے تھے۔''

''خدا کے لئے آپ لوگ مجھ پر رحم کیجئے۔ میں کچھ نہیں جانتا میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ یہ کوئی آفیسر ہیں۔''

''پھر تم خصوصیت سے اسی عمارت میں کیوں گھسے تھے۔''

''میں نہیں جانتا تھا کہ اس عمارت میں کوئی لاش بھی موجود ہے یقین کیجئے!''

''اس پر یقین کر لیا جائے تو پھر تمہیں یہ بتانا پڑے گا کہ تمہیں سڑک پر کس کی تلاش تھی؟''

''یہ میں نہیں جانتا..... بلکہ اس کا علم اسے ہوگا جو میرے ساتھ تھا۔''

''تمہارے ساتھ کون تھا۔''

''اجنبی خان.....!''

''یہ کون ہے۔''

''بہت اچھا آدمی ہے.....بہت دنوں سے ہمارے لئے منشیات فراہم کر رہا ہے۔''

''اوہو.....!'' فریدی حمید کی طرف مڑا۔

''سڑک پر اندھیرا تھا..... میں اس کی شکل نہیں دیکھ سکا۔'' حمید بولا۔

''اس کا پتہ.....!'' فریدی نے موبی کو گھورتے ہوئے سوال کیا۔

''میں پتہ نہیں جانتا..... وہ ایک لڑکی کے توسط سے ہمارے حلقے میں متعارف ہوا تھا۔''

''کس لڑکی کے توسط سے۔'' حمید نے پوچھا۔

''جولی مدار بخش اسے کلب میں لائی تھی۔''

''جولی مدار بخش..... یعنی.....!''

''ہاں وہی جس سے تمہارا جھگڑا ہوا تھا..... جھگڑا نہ ہوتا تب بھی۔''

موبی نے جملہ پورا کئے بغیر اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے۔

''ہوں.....!'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''جھگڑا نہ ہوتا تب بھی تم کرتے۔''

موبی نے سر جھکا لیا۔

دفعتاً فریدی سخت لہجے میں بولا۔ ''سچی بات! ورنہ پھانسی کا پھندا تمہارا منتظر ہے۔''

''وہ..... وہ دراصل..... اجنبی خان ہی نے مجھ سے کہا تھا کہ کیپٹن حمید سے متعارف ہو کر کسی نہ کسی طرح اسے اپنے حلقہ میں لے آؤں۔''

''اس نے تمہیں بتایا ہوگا کہ وہ کیپٹن حمید ہے۔''

''نہیں جناب..... ہرگز نہیں..... اس نے کہا تھا کہ زندہ دل آدمی معلوم ہوتا ہے اسے ہمارے حلقے میں متعارف ہونا چاہئے۔''

''اور تم نے یقین کر لیا تھا کہ مقصد صرف اس کی زندہ دلی سے محظوظ ہونا ہے۔''

''مقصد.....!'' موبی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''ہمیں مقصد کی پرواہ نہیں ہوتی۔ ہمارے لئے یہ لفظ ہی بے معنی ہے..... ہم تو اپنے ذہن کی رو میں بہنے کے قائل ہیں.....!''

''خیر.....!'' فریدی ہاتھ اٹھا کر خشک لہجے میں بولا۔ فی الحال تمہارا فلسفہ حیات زیر بحث نہیں ہے۔ آج کیپٹن حمید کو اس عمارت تک لگا لے جانے کا مشورہ بھی اسی نے دیا ہوگا۔

''جی ہاں! ہم دونوں ہی کمپاؤنڈ کے ایک تاریک گوشے میں موجود تھے۔''

''اور تم دونوں نے اس کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔''

''جی ہاں..... لیکن کیپٹن حمید کی بجائے.....!'' موبی پھر جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گیا۔

''اس آدمی کا حلیہ بتاؤ۔'' فریدی نے اسے نظر انداز کر کے کہا۔ موبی نے کسی مصور ہی کے سے انداز میں اجنبی خان کا حلیہ بیان کیا تھا۔

اس کے خاموش ہونے پر فریدی نے کہا۔ ''خود تمہارے متعلق کیا پوچھا جائے ویسے اگر تم سول پولیس کے حوالے کر دیئے گئے تو سیٹھ طیب جی کی بڑی بے عزتی ہوگی۔''

''مم..... مجھ پر رحم کیجئے۔ اگر آپ والد صاحب کو جانتے ہیں تو یہ بھی جانتے ہوں گے کہ وہ مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے۔''

''اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ تمہیں معمولی حوالات کی بجائے اپنی نجی حوالات میں رکھوں۔''

''آپ میرا کچھ بھی کیجئے۔ لیکن والد صاحب کو ان حالات کا علم نہ ہونا چاہئے۔''

''ٹھیک ہے..... تم یہیں رہو گے۔''

''شش..... شکریہ..... شاید آپ کرنل فریدی ہیں۔''

''بس آرام کرو۔'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ''تمہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔''

''جناب نہیں..... شکریہ۔''

کمرے سے باہر نکل کر حمید نے دوبارہ دروازے کو مقفل کر دیا۔

قاسم نے بھی یہی حلیہ بتایا تھا۔ فریدی پُرتفکر لہجے میں بولا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے۔''

''یہی حلیہ تھا۔'' حمید نے طویل سانس لی۔

''اور میرا خیال ہے کہ موبی کو تم سے الجھا چھوڑ کر وہ اسی لئے بھاگ گیا کہ تمہیں میک اپ میں پہچان نہ سکا تھا۔''

''آخر چکر کیا ہے!''

''جلد ہی معلوم ہو جائے گا..... مجھے قاسم کی فکر ہے۔ دوسری فکر اس بات کی ہے کہ اس نے آرلکچو کے بیروں کو کیوں بیچ میں ڈالا۔''

''ہاں..... اگر وہ آدمی کا گوشت طلب نہ کرتا تو وہ اسے نظر انداز کر دیتے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اصل مقصد قاسم کو الجھانا ہرگز نہیں ہو سکتا۔''

وہ دونوں سٹنگ روم میں واپس آ گئے۔فریدی کے چہرے پر گہرے تفکر کے آثار تھے۔

''آپ نے جولی مدار بخش کے بارے میں مجھ سے کچھ نہیں پوچھا۔''

''کیا تمہیں علم تھا کہ موبی سیٹھ طیب جی کا لڑکا ہے۔''

''نہیں.....!''

''میں اس پوری بھیڑ سے واقف ہوں حمید صاحب! جولی مدار بخش ٹیکسٹائل ملز والوں کے خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔''

''لیکن شائد آپ یہ نہ جانتے ہوں کہ مدار بخش صاحب کسی زمانے میں ترکاریوں کی تجارت کرتے تھے۔''

''غیر متعلق باتوں میں نہ پڑو.....میں بڑی الجھن میں ہوں۔''

''کیا آپ بھی ان لوگوں کے ساتھ تھے۔ جب میں اس عمارت سے فرار ہوا تھا۔''

''نہیں! لاش برآمد ہونے کے بعد مجھے مطلع کیا گیا تھا۔''

''پولیس وہاں کس طرح پہنچی تھی۔''

''پڑوس ہی سے کسی نے حلقے کے تھانے میں فون کیا تھا کہ ای ۱۲/۱ میں کوئی ہنگامہ ہو رہا ہے۔ پے در پے فائرنگ کی آوازیں آتی رہی تھیں۔''

''اوہو.....!''

''لیکن آس پاس کی کسی عمارت سے بھی اس قسم کی کوئی اطلاع نہیں دی گئی تھی کیونکہ کسی نے بھی فائرنگ کی آوازیں نہیں سنی تھیں۔ بہرحال تم نے عقلمندی کا کام کیا مگر میری ڈائری میں کسی ایسے آدمی کا اندراج موجود ہی رہے گا جس نے قاسم سے پچاس ہزار بطور رشوت طلب کئے تھے اور پھر ایک کانسٹیبل پر حملہ کر کے فرار ہو گیا تھا.....اب تم اپنا ریڈی میڈ میک اپ قطعی استعمال نہ کرو گے۔''

''بہت بہتر جناب عالی.....کیا اب سو جانے کی اجازت ہے۔''

''نہیں.....پہلے کافی پئیں گے۔''

''آپ کے حصہ کی بھی پہلے ہی پی چکا ہوں۔''

''بکو مت.....چلو کچن میں.....وہیں باتیں ہوں گی۔''

''کچھ ملازم رات کی ڈیوٹی کے بھی ہونے چاہئیں.....!'' حمید کراہ کر اٹھتا ہوا بولا۔

''گھر ہے.....کارخانہ نہیں ہے۔''

''کسی عورت کے بغیر کارخانہ ہی لگتا ہے۔''

''ہماری بیٹی نیلم اگلے ماہ واپس آ رہی ہے۔''

''صرف اپنی کسے کوئی تلابا کہہ کہہ کر اس نے میرا کیریئر تباہ کر دیا ہے۔''

''چلو.....!'' فریدی اسے دروازے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔

ٹھیک اسی وقت فون کی گھنٹی بجی تھی۔فریدی نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھالیا۔

''یس! فریدی اسپیکنگ.....ہوں.....کیا.....اچھا.....پہلے اسے ایگزامن کرالو.....اس میں یکسپلوسیو تو نہیں ہے۔نہیں کھولنے کی ضرورت نہیں ہے۔اسے یونہی لیبارٹری میں پہنچا دو۔''

وہ ریسیور رکھ کر حمید کی طرف مڑا۔

''کیا بات ہے۔''

''میرے نام ایک پارسل.....آدھا گھنٹہ ہوا کوئی واچ اینڈ وارڈ کے آدمی کو دے گیا ہے.....رمیش کی کال تھی۔وہ اس وقت ڈیوٹی پر ہے۔''

''ایک بجے پارسل.....!'' حمید گھڑی پر نظر ڈالتا ہوا بڑبڑایا۔

''پرواہ مت کرو.....چلو کافی بناؤ۔''

''اتنی رات گئے تو لوگ بیویوں کو بھی پریشان نہ کرتے ہوں گے۔''

''کسی وقت تو آدمیوں کی طرح گفتگو کیا کرو۔''

''آدم سے چلی تھی یہ ریت جو آدمیوں تک پہنچی.....جولی مدار بخش کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے!''

''تمہارے خیال سے مختلف ہے۔اب کھسکو یہاں سے۔''

وہ کچن میں آئے۔حمید نے اسٹوو پر کافی کے لئے پانی رکھ دیا۔فریدی بڑی میز کے ایک گوشے سے ٹک کر بجھا ہوا سگار سلگانے لگا تھا۔

''آپ کا خیال ہے کہ موبی ٹائپ کے لوگ مایوسی کا شکار ہیں۔'' حمید بولا۔

''ہاں میرا یہی خیال ہے۔''

''لیکن اس بھیڑ میں سب ہی دولت مند گھرانوں کے لوگ ہیں۔''

''اس سے کیا ہوتا ہے..... پوری نئی نسل غیر شعوری طور پر مایوسی کا شکار ہے۔ ا
امیر غریب کی تخصیص نہیں۔ اس کے لاشعور پر ایٹمی تباہ کاریوں کی پرچھائیاں پڑ رہی ہ
کی بناء پر افزائش نسل کی جبلت بے پناہ طور پر اُبھر آئی ہے اور مدار بخش بے راہروی کی
لے جا رہی ہے۔ خیر اس مسئلے پر پھر کبھی گفتگو ہوگی فی الحال قا الجھن کا باعث
ہے جب تک اصل مجرم ہاتھ نہیں آ جاتے اس کی گلوخلاصی ناممکن ہے۔''

دفعتاً انہوں نے پھر فون کی گھنٹی کی آواز سنی۔ فریدی کچن سے چلا گیا۔ حمید کو
گھورے جا رہا تھا۔ یہ چکر ہی بُرا ہے۔ اس نے سوچا۔ لیکن کیسا چکر..... وہ ان لوگوں کو
سے دیکھنا چاہتا تھا اور جولی میں کوئی انوکھی بات نظر آئی تھی جو عام طور پر نہیں ملتی۔

پانی اُبل گیا تھا۔ اس نے بلیک کافی کے دو کپ تیار کئے۔ اتنے میں فریدی بھی واپس آ گ

''کون تھا.....؟'' حمید نے پوچھا۔

''وزارت داخلہ کے سیکریٹری! مجھ سے فوری طور پر ملنا چاہتے ہیں۔ لاؤ کافی اد
اب تم آرام کر سکتے ہو۔''

پھر فریدی نے بہت جلدی میں کافی ختم کی تھی اور باہر چلا گیا تھا۔ کچھ دیر بعد حمید
محسوس کیا کہ نیند اڑ چکی ہے۔ لہٰذا پھر سٹنگ روم ہی میں چلا آیا۔

بیٹھنے بھی نہیں پایا تھا کہ پھاٹک پر کسی گاڑی کے پے در پے ہارن کی آوازوں
جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر دیا۔

اس نے آگے بڑھ کر کھڑکی سے دیکھا۔ چوکیدار پھاٹک کھول رہا تھا۔ گاڑی کو
میں داخل ہو رہی تھی۔ حمید بوکھلا کر بھاگا۔ اس نے ڈی آئی جی کی کار پہچان لی تھی۔

باہر پہنچ کر معلوم ہوا کہ گاڑی میں ڈی آئی جی کے ساتھ قاسم کے والد عاصم صاحب
تشریف فرما ہیں۔

ڈی آئی جی نے گاڑی میں بیٹھے بیٹھے ہی پوچھا۔ ''فریدی کہاں ہے۔''

''انہیں وزارت داخلہ کے سیکریٹری نے طلب کیا ہے جناب۔''

''انہیں جانتے ہو۔'' ڈی آئی جی نے عاصم صاحب کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''جی ہاں..... میرے بزرگ ہیں۔ میرے ایک دوست کے والد بزرگوار۔''

''دوست سے کب سے ملاقات نہیں ہوئی۔''

''غالباً پچھلے ہفتہ ہوئی تھی۔''

''تم نے میرے بیٹے کو تباہ کر دیا.....!'' عاصم صاحب دہاڑے۔

''کیا اس سے کوئی تازہ حماقت سرزد ہوئی ہے جناب۔''

''گاڑی میں بیٹھ جاؤ.....!'' ڈی آئی جی نے سرد لہجے میں کہا۔

وہ دونوں پچھلی نشست پر تھے۔ حمید اگلا دروازہ کھول کر ڈرائیور کے برابر بیٹھ گیا۔

گاڑی مڑ کر پھاٹک سے نکلی اور ڈی آئی جی نے حمید کو مخاطب کر کے کہا۔ ''عاصم صاحب کا خیال ہے کہ تم آج کے واقعہ کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور جانتے ہو گے۔''

''اتنا ہی جانتا ہوں جتنا کرنل صاحب سے معلوم ہوا ہے۔''

''تم اتنی رات گئے پورے لباس میں کیوں تھے۔''

''کرنل صاحب مجھ سے کہہ گئے ہیں تیار رہنا ضرورت پڑی تو تمہیں طلب کر لوں گا۔''

''عاصم صاحب! اپنے گھر پر تم سے کچھ گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔''

''اگر یہ آپ کا حکم ہے تو میں حاضر ہوں۔''

عاصم صاحب کی عمارات کے قریب ڈی آئی جی نے گاڑی رکوائی۔ حمید اور عاصم صاحب اُتر گئے۔ عاصم صاحب نے ڈی آئی جی کا شکریہ ادا کیا اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔

''میں بہت پریشان ہوں..... بب بیٹے۔'' عاصم صاحب حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولے۔ ''شاید تم سے گفتگو کرتے وقت کوئی نازیبا بات زبان سے نکل گئی تھی۔''

''کوئی بات نہیں۔ آپ میرے بزرگ ہیں۔''

''اندر چلو۔''

حمید الجھن میں پڑ گیا تھا۔ لیکن اندر پہنچ کر جلد ہی اسے معلوم ہو گیا کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔

''اگر تم یہ بیان دے دو کہ تم نے بھی قاسم کو اس آدمی کے ساتھ جاتے دیکھا تھا تو اس کی ضمانت میں آسانی ہو جائے گی۔'' عاصم صاحب ہانپتے ہوئے بولے۔ ''ورنہ کوئی اُمید نہیں کیونکہ معاملہ ایک غیر ملکی سفارت خانے کا ہے۔''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں! اگر کرنل صاحب مجھے اس کی اجازت دیں کیونکہ یہ کیس راست ان کے پاس پہنچ چکا ہے اور میں ان کا ماتحت ہوں۔''

''اتنا سوچ لو کہ ڈی آئی جی صاحب تمہیں یہاں چھوڑ گئے ہیں۔''

''اگر صدر مملکت بھی مجھے آپ کے حوالے کر گئے ہوتے تب بھی میں کرنل صاحب اجازت کے بغیر کوئی قدم نہ اُٹھا سکتا۔ ویسے قاسم کے لئے کرنل صاحب بھی فکر مند ہیں۔''

''تو میں ڈی آئی جی صاحب کو تمہارے جواب سے مطلع کر دوں۔''

''یقیناً.....!'' حمید نے بڑے ادب سے کہا۔ اس کے بعد اسے وہاں سے پیدل روانہ ہونا پڑا تھا۔ عاصم صاحب اتنے برافروختہ ہو گئے تھے انہوں نے اسے گاڑی کی پیش کش بھی نہ کی اور جیسے ہی اس نے کمپاؤنڈ کے پھاٹک سے قدم باہر نکالا اس کے سر کے پچھلے سرے پر کسی نے زوردار ضرب لگائی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

دوسرا شکار

فریدی تین بجے کے قریب گھر واپس آیا اور اسے چوکیدار سے معلوم ہوا کہ حمید کو ڈی آئی جی صاحب اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ پھر وہ واپس نہیں آیا۔

''ڈی آئی جی۔'' فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔

پھر اس نے گاڑی سے ایک پیکٹ نکالا اور اسے لئے ہوئے سٹنگ روم میں آیا۔ پیکٹ پر اسی کا نام تحریر تھا۔ غالباً یہ وہی پارسل تھا جس کی اطلاع اسے رمیش سے ملی تھی۔

قلم تراش چاقو سے اس نے اس کی مہریں توڑیں اور پیکٹ کو کھول ڈالا۔

دوسرے ہی لمحہ میں اس کی پیشانی پر سلوٹیں اُبھر آئیں کیونکہ پیکٹ سے پلاسٹک کی ایک مصنوعی ناک اور گھنی ڈاڑھی برآمد ہوئی تھی۔

''چیلنج.....!'' اس کے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے دونوں اشیاء

ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔

گھڑی دیکھی ساڑھے تین بج رہے تھے۔ پھر وہ خواب گاہ میں چلا گیا۔ ویسے اسے حمید کے بارے میں تشویش تھی لیکن اس سلسلے میں اس نے فون پر ڈی آئی جی سے رابطہ قائم کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اسے حیرت تھی کہ ڈی آئی جی کو براہِ راست حمید سے کیا کام ہو سکتا ہے۔

وہ ساڑھے چار بجے تک جاگتا رہا تھا۔ پھر اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

ٹھیک ساڑھے چھ بجے آنکھ کھلی اور خواب گاہ سے باہر نکل کر سب سے پہلے اس نے ملازموں سے حمید کے بارے میں پوچھا۔

اس کی واپسی اب تک نہیں ہوئی تھی۔ مجبوراً اسے ڈی آئی جی سے گفتگو کرنی پڑی۔

''عاصم صاحب اس سے کسی موضوع پر گفتگو کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا میں نے اپنی ہی گاڑی پر انہیں عاصم ولا کے قریب چھوڑ دیا تھا۔'' ڈی آئی جی کی آواز آئی۔

''اب تک اس کی واپسی نہیں ہوئی۔'' فریدی کا لہجہ ناخوشگوار تھا۔

''بڑی عجیب بات ہے۔ تم ہولڈ آن کرو۔ میں دوسرے فون پر عاصم سے بات کرتا ہوں۔''

فریدی کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ وہ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے ڈی آئی جی کے جواب کا منتظر رہا۔ کچھ دیر بعد آواز آئی۔ ''ہیلو.....!''

''جی.....!''

''عاصم کا کہنا ہے کہ وہ دس پندرہ منٹ بعد رخصت ہو گیا تھا۔''

''عاصم صاحب اس سے کس قسم کی گفتگو کرنا چاہتے تھے۔''

''بھئی میرے اس کے دوستانہ تعلقات ہیں۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں حمید سے بیان دلوادوں کہ اس نے بھی قاسم کو اس اجنبی کے ساتھ جاتے دیکھا تھا۔ میں نے کہا میں اپنے کسی ماتحت کو اس قسم کے احکامات نہیں دے سکتا۔ تم اپنے طور پر بات کر لو۔''

''اوہ..... بہت بہتر۔'' کہتے ہوئے فریدی نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

پھر اس نے عاصم ولا کے نمبر ڈائیل کئے۔

معلوم ہوا کہ عاصم صاحب ابھی سو رہے ہیں۔ انکے کسی ملازم نے کال ریسیو کی تھی۔

''جگا دو۔'' فریدی غرایا۔

''آپ کون ہیں جناب۔''

''پولیس.....!''

''بہت بہتر جناب۔ ہولڈ آن کیجئے۔''

تھوڑی دیر بعد عاصم صاحب کی آواز سنائی دی۔

''اوہ.....فف.....فرمایئے۔''

''کیا آپ نے حمید کو اپنی گاڑی سے بھجوا دیا تھا۔''

''نہیں.....؟''

''حالانکہ اتنی رات گئے.....یہ آپ کا فرض تھا۔''

''میں غصے میں تھا۔''

''کیوں؟''

''اس نے میری بات ماننے سے انکار کر دیا تھا۔''

''آپ کے تجوری جیسے جسم میں عقل کا بھی کوئی خانہ ہے یا نہیں۔''

''کیا مطلب.....؟''

''میرا کوئی ماتحت مجھ سے پوچھے بغیر اس قسم کے مشوروں پر عمل نہیں کر سکتا۔ ڈی آئی جی بھی اسے خوب سمجھتے ہیں ورنہ آپ کے دوست کی حیثیت سے وہ خود ہی حمید کو اس پر مجبور کر سکتے تھے۔''

''آپ میری توہین کر رہے ہیں۔''

''اتنے بڑے احمق کا باپ اسی کا مستحق ہے۔'' کہہ کر فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

اس کے بعد اس نے دو تین نمبروں پر رنگ کر کے حمید کے متعلق پوچھ گچھ کی لیکن کہیں سے بھی کوئی تشفی بخش جواب نہ ملا۔

پھر اس نے اپنے بعض ماتحتوں کو فون ہی پر کچھ احکامات دیئے تھے۔

ناشتہ اسی کمرے میں منگوایا جہاں موبی قید تھا۔

ناشتے کے دوران میں وہ موبی کا بغور جائزہ لیتا رہا۔ موبی کی حالت ابتر تھی، اس کے چہرے سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بحالت بیداری کوئی خواب دیکھ رہا ہو۔

''تم کون سا نشہ استعمال کرتے ہو۔'' دفعتاً فریدی نے اس سے پوچھا۔

''ہیروئن.....مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے چوبیس گھنٹوں سے زیادہ زندہ نہ رہ سکوں گا۔''

''تمہارے لئے ہیروئن مہیا کر دی جائے گی۔''

''میں کس طرح آپ کا شکریہ ادا کروں جناب۔ یقین کیجئے میں قطعی نہیں جانتا تھا کہ کسی سازش کا شریک ہوں۔ اجنبی خان مجھے نچائے نچائے پھر رہا تھا۔''

''یہ نام بڑا عجیب ہے۔ کیا تمہیں اس پر حیرت نہیں ہوئی تھی۔''

''میں نے اس سے بھی زیادہ عجیب نام سن رکھے تھے۔ لکڑ خان، پتھر خان، دروازہ خان وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ایک بات ہے جناب اس کا انداز گفتگو پٹھانوں جیسا نہیں تھا۔ بلکہ وہ تو لکھنویوں کی طرح واللہ باللہ بھی کرنے لگتا تھا۔ میں نے اس پر حیرت بھی ظاہر کی تھی..... کہنے لگا.....میں لکھنو میں پیدا ہوا تھا اور میں نے ندوہ میں تعلیم حاصل کی ہے لیکن قبیلے کے رواج کے مطابق میرا نام رکھا گیا کیونکہ میری پیدائش کی خبر جس وقت میرے باپ تک پہنچی وہ ایک اجنبی سے ہم کلام تھا۔''

''لیکن.....اس نے اپنی ڈاڑھی اور ناک مجھے بھجوا دی ہے۔'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

اس کے بعد اس نے کسی ملازم کو طلب کرنے کے لئے گھنٹی بجائی تھی۔

ملازم کمرے میں داخل ہوا۔

''سٹنگ روم والی ردی کی ٹوکری میں ایک مصنوعی ڈاڑھی اور پلاسٹک کی ناک پڑی ہوئی ہے جا کر نکال لاؤ.....'' اس نے ملازم سے کہا۔ وہ چلا گیا۔ لیکن موبی نے ناشتے سے ہاتھ روک لیا تھا اور حیرت سے فریدی کو دیکھے جا رہا تھا۔ فریدی نے اس کے لئے کافی انڈیلی اور کپ اس کی طرف کھسکاتا ہوا بولا۔ ''کبھی کبھی جرائم پیشہ لوگ مجھے چیلنج بھی کر دیتے ہیں۔ یہ اس کی ایک گھٹیا مثال ہے۔''

ملازم جلد ہی واپس آ گیا تھا۔ ڈاڑھی اور ناک پر نظر پڑتے ہی موبی اچھل پڑا۔ پھر بکلایا ''یہ.....یہ.....بب.....بلاشبہ.....اسی کی ناک ہو سکتی ہے.....میرے خدا۔''

''اور اب وہ بے فکری سے شہر میں علانیہ گھوم پھر رہا ہوگا۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔

''اگر اس عمارت میں کوئی لاش تھی جناب.....تو وہ کیپٹن حمید کو اس طرح وہاں پہنچانا چاہتا تھا۔''

فریدی نے اس کے سوال کا جواب دینے کی بجائے کہا۔''مجھے افسوس ہے کہ کیس تک تمہیں اسی کمرے میں رہنا پڑے گا۔''

''میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ اس حد تک شرافت برتاؤ کر رہے ہیں۔ ورنہ مجھے تو سچ مچ پولیس کی تحویل میں ہونا چاہئے تھا۔''

ناشتے کے بعد ملازم ٹرالی وہاں سے لے گیا اور فریدی اٹھتا ہوا بولا۔''تھوڑی دیر میں ہیروئن تمہیں مل جائے گی۔''

پھر اس نے موبی کا کمرہ مقفل کر دیا تھا۔جیسے ہی سٹنگ روم میں پہنچا فون کی گھنٹی بجی دوسری طرف سے رمیش بول رہا تھا۔اس نے اطلاع دی۔

''رات عاصم ولا کے پھاٹک پر چوکیدار موجود نہیں تھا۔''

''کیا عام طور پر ہوتا ہے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''جی ہاں.....کل اسے بخار ہو گیا تھا.....وہاں سے کسی نے بھی کیپٹن کو برآمد ہوتے نہیں دیکھا۔''

''ہوں.....اچھا.....!'' فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔وہ بہت زیادہ متفکر نظر آ رہا تھا۔ریسیور رکھا ہی تھا کہ پھر فون کی گھنٹی بجی۔

اس بار ڈی آئی جی تھا۔اس نے حمید کے متعلق سوال کیا۔

''نہیں جناب! ابھی تک واپس نہیں آیا اور مجھے بے حد افسوس ہے کہ سیٹھ عاصم کی واپسی کے لئے اسے گاڑی کی پیش کش بھی نہیں کی تھی اور دوسری بات یہ ہے کہ سیٹھ عاصم کے بیان کے مطابق وہ وہاں سے رخصت ہو گیا تھا۔لیکن ابھی تک کوئی شہادت ایسی نہیں ملی جو کے مطابق وہ عاصم ولا سے برآمد ہوتے دیکھا گیا ہو۔اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں عرض کروں گا۔''

''مجھے شرمندگی ہے فریدی۔''

''کوئی بات نہیں۔'' کہہ کر فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

ٹھیک نو بجے وہ باہر نکلا اور اب اس کی لنکن اس حوالات کی طرف جا رہی تھی جہاں قاسم بند تھا۔

فریدی کو دیکھ کر اس کی آنکھوں سے موٹے موٹے قطرے ڈھلکنے لگے اور اس نے بھرائی ہوئی آواز میں اسے اطلاع دی کہ ناشتے میں صرف ایک تنوری روٹی اور گڑ کی چائے ملی تھی۔

''تمہارے باپ بہت بااثر آدمی ہیں.....کیا انہوں نے تمہارے لئے ناشتے کا انتظام نہیں کیا۔''

''بس ان کا نام نہ لیجئے۔''

''کیوں.....؟''

''وہ اگر کسی قابل ہوتے تو میں اس حال کو پہنچتا۔''

''ٹھیک کہتے ہو۔'' فریدی نے کہا اور حمید کی گمشدگی کی خبر سناتے ہوئے اس کے باپ کی حماقت کا ذکر کیا۔

''آپ بھی کس چکر کی بات کرتے ہیں۔ میں حمید بھائی تو جھوٹ نہیں بولنے دوں گا چاہے مجھے ابھی پھانسی ہو جائے.....میں تو صرف بھوکوں مرنے سے ڈرتا ہوں.....حمید بھائی کا تو دور دور تک پتہ نہیں تھا ورنہ میں اس مصیبت میں کیوں پھنستا وہ اس ڈاڑھی والے چار سو بیس کی چٹنی بنا دیتے۔''

''جب تک میں زندہ ہوں تم بھوکے نہیں مر سکتے۔'' فریدی اس کا شانہ تھپک کر بولا۔''دوپہر کو میں تمہارے کھانے کا انتظام کروں گا۔ جب تک یہاں رہو گے کھانا اور ناشتہ میرے ہی ذمہ سمجھو۔''

''میں نے ہمیشہ آپ کو اپنا باپ سمجھا ہے.....حمید بھائی بھی تو فادر ہی کہتے ہیں۔'' قاسم کی آواز گلوگیر ہو گئی اور پھر آنسو بہہ چلے۔

جب پھر بہکی ہوئی ذہنی رو معمول پر آئی اور آنسو تھمے تو فریدی نے کہا۔''وہ آدمی میک اپ میں تھا لہٰذا اس کے چہرے کو بھلا کر اس کی اور پہچان بتاؤ۔''

''سالا کتوں کی طرح ہنستا تھا۔''

''کیا تم نے کبھی کسی کتے کو ہنستے دیکھا ہے۔''

''نن.....نہیں تو۔''

''تو پھر یہ کیسی پہچان ہوئی۔''

''مجھے غصہ آ گیا تھا۔''

''دماغ ٹھنڈا رکھ کر غور کرو۔''

کچھ دیر غور کرنے کے بعد قاسم نے کہا۔''لونڈیوں کی باتوں پر ایسا لگتا تھا جیسے سارے کی رال ٹپک پڑے گی۔''

''اس بار تم نے اپنے نکتہ نظر سے غور کیا ہے.....یہ بھی کوئی پہچان نہ ہوئی۔''

''میں قیا قروں.....میرا سالا دماغ۔''

''پھر سوچو۔''

قاسم کئی منٹ تک ناک بھوں پر زور دیتے رہنے کے بعد بولا۔''میرا کھیال ہے کہ اس کی چال میں تھوڑی سی بھچک تھی۔''

''تم بھچک کسے کہتے ہو۔''

''شائد اس کی ایک ٹانگ تھوڑی سی چھوٹی ہے۔''

فریدی نے طویل سانس لی اور قاسم سے بولا۔''اچھی بات ہے تم مزید غور کرتے رہو میں دوپہر تک پھر آؤں گا۔''

''اللہ میرے گناہ معاف کرے۔اب تاؤ میں نہیں آیا قروں غا۔''

وہاں سے فریدی دفتر پہنچا تھا اور رمیش کو طلب کر کے ہیروئن کے حصول کے لئے کچھ ہدایات دی تھیں۔

اس کے بعد اس نے ٹیلی فون ڈائریکٹری اٹھا کر سیٹھ مدار بخش کے نمبر تلاش کئے اور اس سے فون پر رابطہ قائم کر کے جولی کے متعلق پوچھا۔''کیا وہ گھر پر ہے۔''

''کون بول رہا ہے۔'' دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

''ہیری.....!''

''ابھی باہر گئی ہے۔''

''کلب.....!''

''پتہ نہیں!'' کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

فریدی نے ریسیور رکھ کر سگار سلگایا اور کرسی کی پشت گاہ سے ٹک کر ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔

پندرہ منٹ بعد رمیش واپس آیا تھا۔اس نے فریدی کو ایک چھوٹا سا پیکٹ دیا۔

گیارہ بجے لنکن پھر کوٹھی کی طرف جا رہی تھی۔

موبی کا کمرہ کھولنے سے پہلے فریدی نے اپنے باورچی کو قاسم کی خوراک کے لئے ہدایات دیں اور نصیر کو بتایا کہ کھانا کس طرح قاسم تک پہنچایا جائے گا۔

موبی بڑی بے چینی سے ہیروئن کا منتظر تھا۔فریدی کے ہاتھ میں پیکٹ دیکھ کر اس کی حالت ایسی ہی ہوگئی تھی جیسے کسی بھوکے کتے کے پلے کو مالک کے پاس گوشت کا ٹکڑا نظر آ گیا ہو۔

''بیٹھ جاؤ'' فریدی اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔''جولی اس وقت کہاں ملے گی۔''

''گھر پر.....!''

''گھر پر تو نہیں ہے۔''

''آپ نے اس کے باپ کے گھر پوچھا ہوگا۔''

''ہاں.....؟''

''اسکا گھر الگ ہے جس کا علم اسکے باپ کو نہیں۔باپ کے گھر صرف سوتی ہے۔صبح کو اپنے گھر چلی جاتی ہے۔شام کو کلب.....دو ڈھائی بجے شب کو کلب سے باپ کے گھر جاتی ہے۔''

''اس کا دوسرا گھر کہاں ہے؟''

''تھرٹین اسٹریٹ میں خان بلڈنگ ہے، اس کے ساتویں فلیٹ میں رہتی ہے۔'' موبی نے للچائی ہوئی نظروں سے اس پیکٹ کو دیکھتے ہوئے کہا جو فریدی کے زانوں پر رکھا ہوا تھا۔

''اب انجبی خان کے بارے میں کچھ بتاؤ۔''

''پپ.....پوچھئے۔''

''یہ بات طے شدہ ہے کہ وہ میک اپ میں تھا۔''

''جج.....جی ہاں.....ناک اور ڈاڑھی سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔''

''لہٰذا اس کے چہرے کو نظر انداز کر کے اس کی کوئی اور پہچان بتاؤ۔''

''پہ پہچان.....طرزِ گفتگو کے بارے میں آپ کو پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ میرے سے اس کی خاص پہچان یہی ہو سکتی ہے۔''

''کچھ اور.....غور کرو۔''

موبی پیکٹ کے حصول کے لئے بے چین تھا۔ لیکن پتہ نہیں کیوں ابھی تک اس کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔

''اس کی چال۔'' وہ بالآخر بولا۔ ''اس میں یقیناً کوئی غیر معمولی بات تھی۔ کیا تھی یہ نہیں بتا سکتا۔''

''لنگڑا کر چلتا ہے۔''

''نہیں لنگراہٹ بھی نہیں کہہ سکتے۔ سمجھ میں نہیں آتا۔''

''ہوں.....!'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''کیا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ قدرے اچھل کر چل رہا ہو۔''

''بب بالکل بالکل.....آپ نے ٹھیک کہا۔''

''کیا خیال ہے.....جولی اس کی اصلیت سے واقف ہوگی۔''

''پتہ نہیں! ویسے اس نے اسے اجنبی خان ہی کی حیثیت سے حلقے میں متعارف کرایا تھا۔''

''خیر.....یہ لو.....!'' فریدی نے پیکٹ اس کی طرف بڑھا دیا جو بڑی بے تابی سے ساتھ لے لیا گیا تھا۔

''آپ کتنے رحم دل ہیں۔ یقین کیجئے میں آپ کو بہت خونخوار آدمی سمجھتا تھا۔'' موبی نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''آپ دیوتا ہیں۔''

''دیوتا نشے بازوں کے لئے منشیات نہیں فراہم کرتے۔'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

موبی پیکٹ کھولنے میں مصروف ہو گیا تھا۔ شاید اس نے اس کے اس جملے کی طرف دھیان ہی نہ دیا ہو۔

اتنے میں نصیر نے فون کا [illegible] دی اور فریدی اُٹھ گیا۔ موبی کا کمرہ پھر

کر دیا گیا۔ کال وزارت داخلہ کے سیکریٹری کی تھی۔

''کیا کر رہے ہو.....!'' دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

''ابھی تک پوسٹ مارٹم کی رپورٹ مجھ تک نہیں پہنچی جناب۔''

''اس سے بحث نہیں ہے کہ وہ کس طرح مری.....ہمیں مجرم چاہئے۔''

''جلد از جلد.....!''

''تو آپ نے یقین کر لیا کہ سیٹھ عاصم کے لڑکے کا بیان درست ہے۔''

''مجھے یقین ہے کہ اسے الجھایا گیا ہے۔''

''سوال یہ ہے کہ الجھانے کے لئے سیٹھ عاصم ہی کا لڑکا کیوں؟''

''فوری طور پر مجرم کو وہی احمق دستیاب ہو سکا ہوگا۔''

''جی ہاں.....یہ ہو سکتا ہے لیکن وہ اتنا احمق ہے کہ اس آدمی کا صحیح حلیہ بھی نہیں بتا سکتا۔''

''تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ تمہیں کامیابی کی اُمید نہیں۔''

''میں نے یہ تو نہیں کہا۔''

''کرنل فریدی جو کچھ بھی کرنا ہے جلد کرو۔''

''مجھے حالات کی نزاکت کا احساس ہے جناب۔''

''تو پھر تم گھر پر کیوں ملے۔''

فریدی کے چہرے پر ناگواری کے آثار نظر آئے اور اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ''کچھ ضروری کالیں کر رہا تھا۔ اس کے لئے گھر ہی موزوں نظر آیا تھا۔ ویسے ایک بات ہے کہ سفارت خانہ پوری طرح تعاون نہیں کر رہا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''میں نے تمارا ازاغلو کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن مجھے واضح جوابات نہیں ملے۔''

''اس سلسلے میں اپنے طور پر جو مناسب سمجھو کر سکتے ہو۔''

''شکریہ جناب۔''

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو جانے کے بعد اس نے ریسیور رکھ دیا۔

آدھے گھنٹے کے بعد اس کی گاڑی خان بلڈنگ کے سامنے رکی تھی۔ وہ گاڑی اُترا۔ ساتواں فلیٹ، دوسری منزل پر تھا زینے طے کر کے وہ فلیٹ کے دروازے پر پہنچا۔

فریدی کے پے در پے کال بیل کا بٹن دبانے کے باوجود بھی کسی نے دروازہ نہ کھولا۔ اندر کوئی موجود ضرور تھا کیونکہ دروازے کا ہینڈل اس ساخت کا تھا جس پر اندر سے کرنے سے ''ان'' کا لفظ اور باہر سے مقفل کرنے پر ''آؤٹ'' کا لفظ اُبھر آتا تھا۔

اس وقت ہینڈل پر ''ان'' کا لفظ موجود تھا۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ دروازے سے مقفل کیا گیا ہے۔

فریدی نے پھر کال بل کا بٹن دبایا۔ لیکن بے سود..... دو منٹ گزر جانے کے بعد بھی دروازہ نہ کھلا۔ وہ پھر نیچے آ گیا اور ایک دوا فروش کی دوکان سے ڈی آئی جی کو رنگ کئے۔ وہ آفس ہی میں تھا۔

''میں خان بلڈنگ کے فلیٹ نمبر ے کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔ وہ اندر سے مقفل ہے مجھے کوئی جواب نہیں مل رہا۔''

''کس کی ملکیت ہے۔''

''غالباً جولی مدار بخش نامی لڑکی کرایہ دار کی حیثیت سے یہاں مقیم ہے۔''

''تمہیں کس بات کا شبہ ہے۔''

''تفصیل سے پھر عرض کروں گا۔ فی الحال مجھے تلاشی کا وارنٹ چاہئے اور جلد چاہئے وارنٹ کے حصول کی وجہ آپ اس فلیٹ کو ملزم کی کمین گاہ بتا سکتے ہیں۔ وارنٹ کے ساتھ ایک آدمی ایسا بھی ہونا چاہئے جو قفل کو کھول سکے۔''

''پتا نہیں تم آج کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔''

''میں نہیں سمجھا جناب۔''

''تم تو تنکے سے بھی ہر قسم کا قفل کھول سکتے ہو۔''

''ملزم نے ایک سرکاری آفیسر کو بھی اس معاملے میں الجھانے کی کوشش کی تھی۔ میں فی الحال اس قسم کا کوئی رسک نہیں لے سکتا۔ میں نے آپ سے کبھی کچھ نہیں چھپایا لیکن اس وقت تفصیل میں نہیں جا سکتا۔''

''اچھا میں خود ہی آ رہا ہوں وارنٹ سمیت..... منتظر رہو۔''

فریدی سلسلہ منقطع کر کے پھر خان بلڈنگ میں داخل ہوا اور فلیٹ نمبر ے ہی کے سامنے ٹہر کر وارنٹ کا انتظار کرنے لگا۔

آدھے گھنٹے تک اسے کھڑا رہنا پڑا۔ دوسرے فلیٹوں کے لوگ اسے گھورتے ہوئے قریب سے گزر جاتے۔ لیکن وہ کسی کی طرف بھی متوجہ نہ ہوتا۔

آدھے گھنٹے بعد ڈی آئی جی سول پولیس کے ایک باوردی انسپکٹر کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ یہ انسپکٹر اپنے محکمہ میں قفل کھولنے کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔

ڈی آئی جی نے استفہامیہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھا۔

''بسم اللہ'' فریدی نے دروازے کے قفل کی طرف اشارہ کیا۔

انسپکٹر نے جیب سے ایک اوزار نکال کر قفل کھولنے کی کوشش کی۔

دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہوئے۔ نشست کا کمرہ خالی نظر آیا۔ ایک اور کمرے سے گزر کر وہ خواب گاہ میں پہنچے تھے اور جو منظر دکھائی دیا اس کیلئے شائد کوئی بھی تیار نہیں تھا۔

ایک ڈبل بیڈ پر جولی اور کیپٹن حمید لمبے لمبے لیٹے ہوئے تھے۔ جولی کی گردن دھڑ سے الگ تھی اور دونوں کے کپڑے خون سے تر تھے۔

فریدی مضطربانہ انداز میں آگے بڑھا۔

حمید کی آنکھیں بند تھیں اور وہ اس طرح رک رک کر گہری سانسیں لے رہا تھا جیسے دم گھٹ رہا ہو۔

''یہ..... یہ سب کیا ہے۔'' ڈی آئی جی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''ایمبولینس جناب..... حمید کی زندگی خطرے میں ہے۔'' فریدی کہتا ہوا دروازے کی طرف جھپٹا۔

اتنی زیادہ سراسیمگی کے آثار اس کے چہرے پر شاید ہی کبھی کسی نے دیکھے ہوں۔

نیا انکشاف

حمید کو دو گھنٹے بعد پولیس ہسپتال میں ہوش آیا تھا۔ ڈی آئی جی اور فریدی اس کے ر کے قریب ہی موجود تھے۔

''مم..... میں..... یہاں کس طرح پہنچا۔'' کچھ دیر بعد اس نے کراہتے ہوئے پوچھ اس کے سر کا پچھلا حصہ بہت زیادہ متورم تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی چوٹ نہیں تھی۔

''اس سے پہلے تم کہاں تھے۔'' فریدی نے آگے جھک کر پوچھا۔

''میں عاصم ولا سے باہر نکلا ہی تھا کہ کسی نے بے خبری میں سر پر ضرب لگائی..... مجھے ہوش نہیں۔''

ڈی آئی جی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی نے آنکھوں کی جنبش سے اسے خاموش رہ کا اشارہ کیا۔

''دوبارہ ہوش آنے پر تم کہاں تھے۔'' اس نے حمید سے سوال کیا۔

''جہاں آپ دیکھ رہے ہیں۔''

''پھر سوچو.....!''

حمید نے آنکھیں بند کرلیں۔

ڈی آئی جی فریدی کو بستر سے دور لے جاکر آہستہ سے بولا۔ ''اسے سوچنے دو اور مجھے بتاؤ کہ ملزم نے کس سرکاری آفیسر کو الجھانے کی کوشش کی تھی۔''

''حمید کو.....!''

''اوہو.....!''

''تفصیل اطمینان سے بتاؤں گا فی الحال مجھے اس کا تحریری بیان لینا ہے۔''

ڈی آئی جی نے پُرتشویش نظروں سے حمید کی طرف دیکھا۔

وہ پھر حمید کے بستر کے قریب آگئے اور فریدی کے مخاطب کرنے پر اس نے آنکھیں کھولیں۔

''مجھے یاد نہیں آتا کہ اس سے پہلے بھی مجھے ہوش آیا ہو..... عاصم ولا سے یہاں تک

ٹوٹل بلیک آؤٹ۔'' وہ کراہتا ہوا بولا۔

''کیا تم اتنی توانائی محسوس کررہے ہو کہ تفصیل کیساتھ بیان دے سکو۔'' فریدی نے پوچھا۔

''میں زیادہ دیر تک بول نہیں سکتا۔ سر میں شدید تکلیف ہے۔''

''اچھا..... تو ابھی آرام کرو۔''

ڈی آئی جی اور فریدی کمرے سے باہر نکلے اور فریدی نے حمید کی کہانی شروع کردی لیکن اسی حد تک رہا کہ موبی کی بے ضابطہ گرفتاری کا ذکر نہ آنے پائے۔

اس کے خاموش ہوتے ہی ڈی آئی جی نے سوال کیا۔

''اور..... وہ آدمی موبی..... وہ کہاں ہے؟''

''تلاش جاری ہے۔'' فریدی نے جواب دیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا۔ پھر بولا۔ ''اور یہ لاش اس لڑکی کی تھی۔''

''کس لڑکی کی؟''

''جس سے کلب میں حمید کا جھگڑا ہوا تھا..... جولی مدار بخش۔''

''اوہو.....!'' ڈی آئی جی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''اب یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ جولی اس آدمی کی شخصیت سے واقف تھی اور اس نے اس بار حمید کو جولی کے قتل میں ملوث کرنے کی کوشش کی ہے۔''

''آخر چکر کیا ہے۔'' ڈی آئی جی پُرتفکر لہجے میں بڑبڑایا۔

تمارا زاغلو اس ملک کے سفارتخانے سے تعلق رکھتی تھی جس سے ہمارا ایک معاہدہ مستقبل قریب میں ہونے والا تھا۔ یا تو اب وہ ملتوی ہوجائے گا یا سرے سے ہوگا ہی نہیں۔ معاہدہ کسی حد تک فوجی نوعیت کا تھا۔ اب آپ خود ہی سمجھ سکتے ہیں کہ یہ ہمارے کس دشمن ملک کے ایجنٹوں کی حرکت ہوسکتی ہے۔ اگر حمید بھی قاسم ہی کے ساتھ اس عمارت میں پایا گیا ہوتا تو اس کیس کی کیا صورت ہوتی۔''

''خداوندا.....!'' ڈی آئی جی نے طویل سانس لی۔ ''ان دونوں کے بارے میں یہ بھی سنا گیا ہے کہ دونوں ایک ساتھ لڑکیوں کی تلاش میں نکلتے ہیں۔''

''کیا تم نے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ دیکھی ہے۔''

''مجھے اس کا موقع کہاں نصیب ہوا ہے۔''

''تمارا کا گلا گھونٹ کر مارا گیا ہے اور اس سے قبل بہت زیادہ بدسلوکی کی گئی تھی۔''

''اب آپ خود سوچ سکتے ہیں اس کا مطلب۔ اگر حمید بھی وہاں پایا گیا ہوتا تو کیا؟ لیکن یقین کیجئے کہ دونوں میں سے کوئی بھی اتنا بیہودہ نہیں ہے۔ حمید صرف زندہ دلی اظہار کی حد تک لڑکیوں میں دلچسپی لیتا ہے۔ اس سے آگے کبھی نہیں بڑھا۔''

''اس سے بحث نہیں..... فی الحال وہ جس حالت میں پایا گیا ہے اسکے بارے میں سوچو۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔

اسکے بعد دونوں کی راہیں الگ ہوگئی تھیں۔ فریدی نے آفس پہنچ کر رمیش کو طلب کیا۔

''اس آدمی کو پیش کرو..... جس سے تمہیں پیکٹ ملا تھا۔''

''وہ اس وقت ڈیوٹی پر نہیں جناب..... رات کی ڈیوٹی میں تھا۔'' رمیش نے جواب دیا۔

''گھر سے بلواؤ۔''

''بہت بہتر جناب۔'' رمیش نے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھایا دوسری طرف ڈی آئی جی تھا۔

''سنو! میں اسے مناسب نہیں سمجھتا کہ لڑکی کی لاش کی دستیابی کے ساتھ رپورٹ میں حمید کا ذکر بھی آئے۔'' اس نے کہا۔

''میں نہیں سمجھا جناب۔'' فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

مجھے شرمندگی ہے کہ میری وجہ سے وہ اس دشواری میں پڑا۔ اگر رپورٹ میں اس کا ذکر آ گیا تو ضابطے کی بعض کارروائیوں کی بناء پر اسے مزید دشواریوں کا سامنا ہوگا۔

''وہ تو ہے۔ ظاہر ہے کہ کلب میں جولی سے جھگڑے کا ذکر اس کے بیان میں بھی آئے گا۔''

''اسی لئے، اس سلسلے میں حمید کو نظر انداز کردو۔ موقع واردات پر میرے ساتھ ایک مغل بھی تھا۔ میں نے اسے زبان بند رکھنے کی ہدایت کردی ہے۔''

''بہت بہت شکریہ جناب۔''

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہوجانے کے بعد اس نے ریسیور رکھ کر طویل سانس لی۔

کچھ دیر بعد رمیش نے اس پہرے دار کو پیش کردیا جسے کوئی شخص مصنوعی ناک اور ڈاڑھی والا پیکٹ دے گیا تھا۔

''کیا تمہیں اس کا حلیہ یاد ہے۔'' فریدی نے اس سے پوچھا۔

''میں شکل نہیں دیکھ سکا تھا جناب۔'' وہ اندھیرے میں تھا اور جلدی میں بھی معلوم ہوتا تھا۔ آپ کا نام لیا تھا اور پیکٹ تھما کر چلتا بنا تھا۔

''تم کہاں تھے۔''

''پھاٹک پر۔''

''کیا وہاں اندھیرا رہتا ہے۔''

''نہیں صاحب! بلب فیوز ہوگیا تھا۔ پھر دس منٹ بعد دوسرا لگا دیا گیا تھا۔ وہ اسی وقت یا جب اندھیرا تھا۔''

''سڑک پر تو روشنی تھی۔ تم نے اسے جاتے دیکھا ہوگا۔''

''دیکھا تھا صاحب! لیکن چہرہ نہیں دیکھ سکا تھا۔ وہ منہ موڑ چکا تھا۔''

''چلنے کا انداز یاد ہے؟'' فریدی نے سوال کیا۔

پہرہ دار کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''بہت تیز چل رہا تھا جناب اور..... اور.....!''

''اور کیا..... کیا.....؟''

''تیز تو چل رہا تھا مگر ایسا لگتا تھا جیسے پھدک رہا ہو۔''

فریدی نے ہاتھ ہلا کر اسے جانے کا اشارہ کیا اور رمیش سے بولا۔ ''بیٹھ جاؤ۔''

رمیش نے مودبانہ کرسی کھسکائی اور بیٹھ گیا۔

چیتھم روڈ پر دلی باغ کے چوراہے سے کچھ آگے وائلڈ کارنر نام کا چھوٹا سا نائٹ کلب ہے۔ وہاں کسی ایسے آدمی پر نظر رکھنی ہے جس کی چال میں کسی قدر ابھار ابھر کر چلنے کا انداز ہو۔''

''بہت بہتر جناب۔''

یکایک پھر فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھاتے ہوئے رمیش کو جانے کا اشارہ کیا۔ اس بار بھی ڈی آئی جی ہی کی کال تھی۔

''حالات بدل گئے ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''جولی کے باپ نے اپنے بیان میں
کہ پچھلی رات جولی نے اسے کیپٹن حمید سے اپنے جھگڑے کے متعلق بتایا تھا۔''

''یہ کوئی ''، سازش ہے جناب۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

اسی لئے میں نے اس کا صحیح اور مکمل تحریری بیان لینا چاہا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ تمہاری تجویز مناسب تھی..... دوسری طرف سیٹھ طیب جی
بیٹے موبی کی تلاش ہے..... جولی نے اپنے باپ سے یہ بھی کہا تھا کہ پول کھل جانے
کیپٹن حمید موبی کے پیچھے بھاگتا چلا گیا تھا اور پھر اس کی واپسی نہیں ہوئی تھی۔''

''جی..... اچھا۔'' پل بھر کے لئے فریدی کی آنکھوں میں فکرمندی کے آثار نظر آ

''ایسی صورت میں جبکہ جولی کی لاش کے ساتھ حمید بھی ملا تھا۔ سیٹھ مدار بخش
الجھاوے پیدا کرسکتا ہے۔''

''آپ کی کیا رائے ہے اس سلسلے میں۔''

''بھئی جو تم مناسب سمجھو! اگر یہ نیا انکشاف نہ ہوا ہوتا تو میں نے تمہیں کچھ
مشورہ دیا ہی تھا۔''

''آپ مطمئن رہیں۔'' فریدی تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ''میں کسی مرحلے
نہ ظاہر ہونے دوں گا کہ حمید آپ کے حکم کی تعمیل میں عاصم ولا گیا تھا۔''

''ہاں سنو!'' ڈی آئی جی بات اڑا کر بولا۔ ''کیا یہ ضروری ہے کہ لاش کے ساتھ
بھی ذکر کیا جائے۔''

''یقیناً ضروری ہے۔ میں اس سلسلے میں کچھ بھی چھپانا نہیں چاہتا۔''

''بھئی تم جانو۔''

''آپ مطمئن رہیں۔''

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر فریدی نے ریسیور رکھ دیا۔

دس منٹ کے اندر ہی اندر وہ دوبارہ پولیس ہسپتال پہنچا تھا۔ حمید کی حالت اب
سے بہتر تھی۔ اسے ابھی تک یہ نہیں معلوم ہوسکا تھا کہ وہ فریدی کو کہاں اور کس حال
تھا۔ لہٰذا جب اسے اسکا علم ہوا کہ وہ جولی کی لاش کے برابر پڑا پایا گیا تھا تو وہ بوکھلا کر اٹھ

فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھے جا رہا تھا۔

''آپ مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں۔ کیا آپ کو میرے بیان پر شبہ ہے۔ یقین
کیجئے عاصم ولا کے پھاٹک پر بے ہوش ہونے کے بعد سے یہیں میری آنکھ کھلی ہے۔''

''مجھے یقین ہے کہ تم سچ کہہ رہے ہو۔ کیوں کہ ڈاکٹر کا بھی یہی خیال تھا کہ سر کی چوٹ
سے طاری ہونیوالی بے ہوشی کی مدت خواب آور انجکشن سے بڑھائی جاتی رہی تھی۔''

''پھر آپ میری آنکھوں میں کیا تلاش کر رہے ہیں۔''

''پشیمانی۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''کیا اب بھی تم بھانت بھانت کی عورتوں کے شوق
میں احمقوں کی طرح ادھر اُدھر بھاگتے پھرو گے۔''

''اگر ایسا نہ ہوتو بہتیرے بے گناہ پھانسی پا جائیں..... اگر میں بھی ملوث نہ کیا گیا ہوتا
تو آپ قاسم کے بیان پر یقین نہ کرتے۔''

''حمید صاحب وہ تو مجرم نے خود ہی قاسم کے بیان کی تائید کر دی تھی۔ آخر اس نے
اپنی مصنوعی ناک اور ڈاڑھی مجھے کیوں بھجوائی۔''

''یہ واقعی الجھن کی بات ہے۔''

''اور شاید اس کیس میں سب سے زیادہ اہم بات بھی۔''

''کیا یہ چیلنج نہیں ہوسکتا۔''

''پہلے میں بھی یہی سمجھتا تھا لیکن بعض وجوہ کی بناء پر اس خیال کو ترک کرنا پڑا۔
خیر..... فی الحال تم اپنی رپورٹ تیار کرلو لیکن خیال رہے کہ موبی کی گرفتاری کا ذکر اس میں نہ
آنے پائے..... وہ تمہیں اس عمارت میں پہنچا کر غائب ہوگیا تھا۔ عاصم اور ڈی آئی جی کا
ذکر بھی نہ آنے پائے۔ اس کی بجائے تم لکھ سکتے ہو کہ میں نے تمہیں فون پر وائلڈ کارنر کے
قریب پہنچنے کو کہا تھا تم گھر سے پیدل روانہ ہوئے تھے کیونکہ تمہاری گاڑی کوشش کے باوجود
بھی اسٹارٹ نہیں ہوسکی تھی۔ ٹیکسی کی تلاش میں تم مین روڈ تک آئے اور وہیں تم پر کسی نے
حملہ کیا..... تم بے ہوش ہوگئے اور جب ہوش میں آئے تو خود کو پولیس ہسپتال میں پایا۔''

''موبی کا کیا ہوگا۔'' حمید نے طویل سانس لے کر پوچھا۔

''کچھ نہ کچھ تو ہوگا ہی۔'' فریدی خلاء میں گھورتا ہوا بولا۔ وہ کسی گہری سوچ میں پڑ گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے بریف کیس سے کاغذ اور قلم نکال کر حمید کو دیئے اور اٹھ
اب لنکن کوٹھی کی طرف جارہی تھی۔ شام کے چار بجے تھے سب سے پہلے اس
کی خبر لی۔ وہ کافی ہشاش بشاش نظر آرہا تھا۔

''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہیں دنیا میں ہیروئن کے علاوہ اور کچھ نہ چاہئے''
اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

''اور کیا رکھا ہے دنیا میں جناب۔ زندگی اگر سرمستیوں میں گزر جائے تو رائیگاں نہیں

''کافی سوجھ بوجھ والے معلوم ہوتے ہو۔''

''سوجھ بوجھ ..... جی نہیں..... سوجھ بوجھ تو زندگی کو جہنم بنا دیتی ہے۔''

''خیر..... میں تو تمہیں یہ بتانے آیا تھا کہ جولی قتل کر دی گئی ہے۔''

''وہ تو ہونا ہے تھا۔'' موبی نے لاپرواہی سے کہا۔ اس نے ذرہ برابر بھی حیرت نہیں کی تھی۔

''کیا مطلب.....؟''

''وہ اجنبی خان کی اصلیت سے بھی واقف ہوگی۔''

''سوجھ بوجھ کی باتیں کر رہے ہو۔''

''ابھی تک مجھے کوئی ایسی منشی چیز نہیں ملی جو سوجھ بوجھ کا خاتمہ کر دیتی۔''

''اب میں تمہیں رہا کر دینا چاہتا ہوں۔''

''یہ آپ اچھا نہیں کریں گے۔''

''تمہیں بھی خطرہ ہے۔''

''میں خطرے کی بات نہیں کرتا..... آپ بہت رحم دل ہیں۔ جتنے دن مجھے یہاں رکھیں گے۔ میرے لئے ہیروئن فراہم کرتے رہیں گے۔ باہر نکلتے ہی میں اس سے محروم ہو جاؤں گا۔ کیونکہ اب اجنبی خان بھی منہ نہ دکھائے گا۔ ہم پر اسی لئے اس کی حکومت منشیات کی اسمگلنگ پر کڑی دیکھ بھال شروع ہونے کے بعد سے ہم بڑی دشواریوں پڑ گئے ہیں۔''

تب فریدی نے اسے بتایا کہ جولی نے قتل ہو جانے سے پہلے اپنے باپ کو جھ

جھگڑے کے متعلق بتایا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ کیپٹن حمید اس کے بعد موبی کے پیچھے دوڑا گیا تھا۔ لہٰذا جولی کے باپ کے بیان کے بعد سیٹھ طیب جی کو پریشانی لاحق ہوگئی تھی اور انہوں نے تمہاری گمشدگی کی رپورٹ درج کرادی ہے۔

''تو کیا جولی کیپٹن کی اصلیت سے واقف تھی۔''

''یقیناً..... ورنہ وہ اپنے باپ سے حمید کا ذکر کیوں کرتی۔''

''تو پھر وہ جھگڑا بھی اتفاقاً ہی نہیں ہوا تھا۔''

''تم ٹھیک سمجھے۔''

''اگر کیپٹن حمید اس عمارت میں پھنس گئے ہوتے تو شاید جولی کے قتل کی نوبت نہ آتی۔''

''ہر حال میں یہی ہوتا۔'' فریدی موبی کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''حمید اگر قتل کے کیس میں ملوث ہو جاتا تب بھی وہ نامعلوم آدمی ہر اس فرد کو راستے سے ہٹانے کی کوشش کرتا جو اس کی اصلیت سے واقف رہا ہو۔ تمہیں خدشہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ تم تو اسے اجنبی خان کی حیثیت سے جانتے تھے۔''

''اس کے باوجود میں آپ کی قید سے رہائی نہیں چاہتا۔''

''تم شوق سے بیان دے سکتے ہو کہ اس رات کے بعد سے میری نجی قید میں رہے تھے۔''

''میں کسی صورت میں بھی کوئی ایسی حرکت نہیں کر سکتا جس کی بناء پر کیپٹن حمید کی پوزیشن خطرے میں پڑے۔ میں تو ایک ایک ہفتہ گھر سے غائب رہتا ہوں لیکن میرے باپ کو پرواہ نہیں ہوتی۔ سیٹھ مدار بخش کے بیان کا علم ہونے پر انہوں نے میری گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی ہوگی۔''

''کچھ بھی ہو۔ اب تم میرے لئے بیکار ہو۔ میں ابھی تمہیں باہر کئے دیتا ہوں۔''

''نن..... نہیں.....!'' وہ ہکلایا اور فریدی نے اسکی آنکھوں میں خوف کی جھلکیاں دیکھیں۔

''کیوں..... کیا تم بھی قتل کر دیئے جاؤ گے۔''

''نن..... نہیں۔''

''صاف صاف گفتگو کرو..... میرے پاس وقت نہیں ہے۔''

''مجھ پر رحم کیجئے اور مجھے یہیں پڑا رہنے دیجئے۔''

''نہیں اب یہ ناممکن ہے۔ جولی کے باپ کے بیان کے بعد میں تمہیں اپنی نجی تحویل میں نہیں رکھ سکتا۔ تمہارے لئے پولیس کی حوالات ہی موزوں رہے گی۔''

''مم..... میں..... دو..... دیکھئے۔''

''نہیں موبی..... سول پولیس والے تشدد کر کے تم سے صحیح بات اگلوالیں گے۔ میں اس لئے تشدد نہیں کرسکوں گا کہ اس سے پہلے مہربانی کا برتاؤ کر چکا ہوں۔ حتیٰ کہ تمہارے لئے ہیروئن تک مہیا کی تھی جو کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا۔ اگر پولیس نے تمہارا اس بار بھی ریمانڈ لے لیا تو تم بے موت مرجاؤ گے۔ وہاں تمہیں ہیروئن نہیں ملے گی۔''

''کرنل صاحب! رحم کیجئے..... میں اب آپ سے اپنے ایک شبے کا بھی اظہار کرتا ہوں۔ اجنبی خان بھی کسی کا آلہ کار تھا۔''

''یہ کس بناء پر کہہ سکتے ہو۔''

''اجنبی خان کو منشیات اسی سفارت خانے کے ایک آدمی سے ملتی تھیں جس کا ذکر آپ نے کیا تھا۔''

''میں نے کسی سفارت خانے کا نام نہیں لیا تھا۔'' فریدی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''دوپہر کو جب آئے تھے تو آپ کے ہاتھ میں ایک اخبار بھی تھا جسے آپ یہیں چھوڑ گئے تھے۔''

''اوہ..... تو اسی سفارت خانے کا کوئی آدمی۔''

''جی ہاں..... بونار کہلاتا ہے۔ میں اس کے عہدے سے واقف نہیں۔''

''تمہیں کیسے معلوم ہوا تھا کہ اجنبی کو اس سے منشیات ملتی ہیں۔''

''ایک بار جولی نے نشے میں مجھے بتا دیا تھا۔ میں بھی نشے میں تھا اور اجنبی خان سے گن گا رہا تھا۔ وہ پتہ نہیں کیوں جھنجھلا گئی۔ کہنے لگی میں جانتی ہوں کہ کس سے اس کو منشیات ملتی ہیں اور پھر اس نے مجھے بونار کے بارے میں بتایا تھا۔''

''تم نے اجنبی خان سے اس کا ذکر کیا ہوگا۔''

''نہیں..... میں نے اس وقت اس بکواس کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی لیکن اخبار میں عورت کی لاش کے متعلق پڑھ کر اچانک یاد آ گیا۔''

''تم نے بونار کو کبھی جولیا کے ساتھ دیکھا بھی تھا۔''

''نہیں..... میں نے اسے اس کے ساتھ کبھی نہیں دیکھا۔''

''بونار کو تو دیکھا ہی ہوگا۔''

''جی نہیں۔''

فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔ لیکن بغور موبی کو دیکھے جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے ملازم کے لئے گھنٹی بجائی اور اس کے آنے پر بولا۔ ''کافی یہیں لاؤ۔''

اس کے بعد وہ بھی یہ کہتا ہوا اُٹھ گیا تھا۔ ''میں ابھی آیا۔''

موبی کا کمرہ مقفل کر کے وہ تجربہ گاہ میں آیا اور ایک ٹیوب سے سفید رنگ کا تھوڑا سا سفوف نکال کر چٹکی میں دبائے ہوئے کچن کی طرف چل پڑا۔

باورچی ٹرالی پر برتن رکھ چکا تھا۔ فریدی نے اسے دوسری طرف متوجہ دیکھ کر ایک پیالی اٹھائی اور چٹکی میں دبا ہوا سفوف اس میں ڈال دیا۔

باورچی دوسری بار ٹرالی کی طرف متوجہ ہوا تو اسے فریدی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ پھر قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتا فریدی نے اس سے کہا تھا۔ ''کچھ بسکٹ اور جیلی بھی بھجوانا۔''

''بہت اچھا صاحب۔''

اس کے بعد پھر موبی والے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ اس بار اس نے موبی کے چہرے پر تازگی نہ دیکھی۔

فریدی اس وقت تک خاموش بیٹھا رہا جب تک کافی کی ٹرالی نہ آ گئی۔ موبی نے اُٹھ کر کافی بنانا چاہی تھی لیکن فریدی نے ہاتھ اُٹھا کر اسے روک دیا۔

ملازم جا چکا تھا۔ فریدی نے دو پیالیوں میں کافی انڈیلی اور ایک اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ''لو پیو اور ذہن پر زور دے کر کچھ اور بھی ایسی باتیں یاد کرنے کی کوشش کرو جو میرے کام آ سکیں۔''

''میں ہر طرح تعاون کرنے کو تیار ہوں جناب..... لیکن خدا کے لئے مجھے اپنی ہی قید میں رکھئے۔ میں نے کوئی بڑا جرم نہیں کیا ہے۔''

''اچھی بات ہے..... میں تمہاری یہ خواہش ضرور پوری کروں گا۔ فی الحال تم کافی پیو۔''

موبی نے دو تین ہی گھونٹ لئے تھے کہ اس کی پلکیں بوجھل ہونے لگیں اور وہ اس آنکھیں پھاڑنے لگا جیسے اپنے ذہن سے لڑنے کی کوشش کر رہا ہو لیکن بے سود۔ جلد ہی ہوش ہو کر کرسی کی پشت گاہ پر ٹک گیا تھا۔ فریدی نے اس کی کافی کی پیالی لے کر ٹرالی پر دی اور بڑے اطمینان سے کافی پیتا رہا۔

اس کے بعد اس نے موبی کو کمرے سے اس تہہ خانے میں منتقل کر دیا تھا جس کا ملازموں کو بھی نہیں تھا۔

اس سے فرصت پا کر اس نے بونار سے متعلق چھان بین شروع کی اور اس کے ماتحت نے اس کے بارے میں تفصیلات فراہم کر دیں۔ وہ ہر شب نیاگرا ہوٹل کے ریکریشن ہال میں ملتا تھا۔ سفارتخانے کے شعبہ نشر و اشاعت کا سربراہ تھا۔ کئی زبانیں بول اور سمجھ سکتا تھا اس میں اردو بھی شامل تھی۔

سات بجے وہ پھر پولیس ہسپتال پہنچا۔ حمید کی حالت بہتر تھی۔ فریدی نے اس کا تحریری بیان دیکھا اور تہہ کر کے بریف کیس میں رکھتا ہوا بولا۔ ''ٹھیک ہے۔''

اچانک اسی وقت انسپکٹر آصف وہاں پہنچا اور فریدی کو نظر انداز کر کے بولا۔ ''کیا بیان دینے کے قابل ہو گئے ہو۔ جولی کے قتل کا کیس میرے سپرد کیا گیا ہے۔''

فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے بریف کیس سے حمید تحریری بیان نکال کر اس کے حوالے کر دیا۔

''اس میں جولی کی نعش کا ذکر نہیں ہے۔'' آصف بیان پڑھ کر حمید کو گھورتا ہوا بولا۔

''اس کے لئے آپ کو میرا بیان لینا پڑے گا۔'' فریدی نے خوش دلی سے کہا۔ اس نے اپنے بیان میں واضح کر دیا ہے کہ بے ہوشی کے بعد یہیں ہوش آیا تھا۔

کسی گھات میں

انسپکٹر آصف نے اسے کینہ توز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تمہارا بیان بھی ضرور ہے تم ہی نے جولی کی لاش دریافت کی تھی۔ تم آخر اس فلیٹ تک کیسے پہنچے تھے۔''

فریدی معمر اور سینئر افسروں کا احترام کرتا تھا۔ لہٰذا آصف کے لہجے کی پرواہ کئے بغیر نرمی سے بولا۔ ''میں اپنے کیس کے سلسلے میں جولی سے ملنا چاہتا تھا۔''

''تمہارے کیس سے جولی کا کیا تعلق.....!''

''تعلق آپ پر ظاہر کرنا میرے فرائض میں داخل نہیں ہے۔''

''اچھی بات ہے.....'' اس نے فریدی اور حمید کو باری باری سے گھور کر کہا۔ ''بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ کس کے فرائض میں کیا داخل ہے۔''

''ایک بات اور آصف صاحب! حمید کے بیان کے ساتھ ساتھ اس کے متعلق ڈاکٹر کی رپورٹ بھی حاصل کرنا مت بھولئے گا۔'' فریدی نے کہا اور آصف بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

''میں جانتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے۔''

''بہت اچھا۔'' فریدی مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ ''اب مجھے اجازت دیجئے تاکہ اپنے طور پر حمید سے پوچھ گچھ کر سکیں۔''

''مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے.....تم موجود رہو۔'' آصف نے مصافحہ کرتے ہوئے خشک لہجے میں کہا۔

''میں عدیم الفرصت ہوں۔'' فریدی نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ وہ دونوں اسے جاتے دیکھتے رہے۔

پھر آصف حمید کی طرف متوجہ ہوا تو اسے مضحکانہ انداز میں مسکراتے دیکھا۔

''ساری ہیکڑی رکھی رہ جائے گی۔'' آصف ایک دم بھڑک اٹھا۔ ''جولی کے باپ کو علم ہو گیا ہے کہ لاش کے ساتھ تم پائے گئے تھے۔''

''ہیکڑی کسے کہتے ہیں میں نہیں جانتا.....اردو میں کہئے۔'' حمید مسمسی صورت بنا کر بولا۔

''اردو انگریزی سب بھول جاؤ گے۔''

''آپ جیسے استادوں کے پڑھائے ہوئے لوگوں کا یہی حشر ہوتا ہوگا۔''

''موبی کہاں ہے.....جس کا ذکر تم نے اپنی رپورٹ میں کیا ہے۔''

''میں نے اپنی رپورٹ ہی میں لکھ دیا ہے سب کچھ۔ اس سے زیادہ نہیں جانتا۔''

''موبی کے باپ سے بھی تم لوگوں کو نپٹنا پڑے گا۔ بارسوخ آدمی ہیں۔''

''میرا باپ بھی کسی سے کم نہیں ہے چچا جان..... آپ جانتے ہیں۔''

''فضول باتوں میں وقت نہ ضائع کرو..... یہ بتاؤ جولی سے کب سے تعلقات تھے۔''

''یہ بھی میری رپورٹ میں موجود ہے۔''

غرضیکہ آصف بڑی دیر تک اس کا سر کھاتا رہا اور بالآخر اٹھتا ہوا بولا۔ ''تم مجھے اطلاع کئے بغیر کہیں نہ جاؤ گے۔''

''آصف صاحب! پہلے مجھے ملازمت سے معطل کرانے کی کوشش کیجئے اس کے بعد اس قسم کے احکامات صادر فرمایئے گا۔''

''یہ بھی ہو جائے گا۔ تم دیکھ لینا۔''

''کیا میں آپ کے لئے چائے منگواؤں۔''

''نہیں شکریہ۔'' آصف نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ ''یہ تمہارے بستر کے قریب فون کیوں رکھا ہوا ہے۔''

''میں ڈیوٹی پر ہوں آصف صاحب۔''

آصف چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اس کی آنکھوں میں مکارانہ چمک سی پیدا ہوئی اور اس نے کہا۔ ''اگر ڈیوٹی پر ہو..... تو چلو میرے ساتھ وائلڈ کارنر تک.....!''

''کیا بات ہوئی۔''

''تمہاری موجودگی میں جولی کے متعلق پوچھ گچھ کرنے میں زیادہ آسانی ہوگی۔''

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسیور اٹھا لیا دوسری طرف سے فریدی بول رہا تھا۔

اس نے آصف ہی کے بارے میں پوچھا۔

''انسپکٹر صاحب کہہ رہے ہیں کہ میں ان کیساتھ وائلڈ کارنر تک جاؤں۔'' حمید نے کہا۔

''کیا تم آسانی سے ایسا کر سکو گے۔''

''ممکن ہے۔''

''اچھا تو آدھے گھنٹے تک اسے وہیں روکے رکھو۔ بہترین تدبیر یہ ہے کہ تم مجھ سے کہو کہ تمہارے لئے ایک قمیض اور دوسرا سوٹ بھجوا دوں۔''

''لیکن میں اس لباس میں تو کہیں نہیں جا سکتا۔'' حمید نے آصف کو سنانے کے لئے کہا۔ ''میرے لئے دوسرے کپڑے بھجوا دیجئے۔''

فریدی نے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا تھا لیکن حمید خواہ مخواہ بکواس کرتا رہا۔

''کوئی عمدہ سی قمیض نکلوا دیجئے شکریہ۔''

ریسیور رکھ کر وہ آصف کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔

''اب مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' آصف ناخوشگوار لہجے میں بولا۔ ''میں تنہا جاؤں گا۔''

''اور آپ خود کو تنہا محسوس کریں گے۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''کیا مطلب.....؟''

''وہ جنگل ہے جہاں آپ گم ہو جائیں گے لہٰذا مجھ جیسا رہبری کیلئے ضروری ہے۔''

''فریدی نے فون پر کیا کہا تھا۔''

''آپ کے سامنے ہی گفتگو ہوئی تھی۔ انہوں نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا..... مجھے بخوشی اجازت دے دی۔''

''اس میں بھی کوئی چال ہوگی۔''

''بہت بہتر..... تو پھر میں اب سونا چاہتا ہوں..... خدا حافظ۔'' کہہ کر حمید نے اپنی چادر تان لی۔

آصف ہونٹ بھینچے اسے گھورتا رہا۔ اس کے انداز سے قطعاً ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ فوری طور پر جانے کا ارادہ رکھتا ہو۔

حمید نے بھی چادر چہرے سے نہ ہٹائی۔

ٹھیک بیس منٹ بعد ایک ملازم اس کے کپڑے لے کر وہاں پہنچ گیا تھا۔

آصف خاموش بیٹھا سب کچھ دیکھتا رہا۔ حمید نے غسل خانے میں جا کر لباس تبدیل کیا اور کھلنڈرے انداز میں سیٹی بجاتا ہوا دوبارہ کمرے میں داخل ہوا تو آصف غائب تھا۔

لباس تبدیل کر چکا تھا لہٰذا اب وہیں پڑے رہنا بس سے باہر معلوم ہونے لگا۔ اس نے سوچا چلو قاسم ہی سے دو دو باتیں ہو جائیں۔ اسے علم تھا کہ وہ کس پولیس اسٹیشن کی حوالات

میں ہے۔

حمید وہاں اس وقت پہنچا جب قاسم رات کا کھانا کھا رہا تھا۔

اسے دیکھ کر اس نے کھانا چھوڑ دیا اور رو دینے کے سے انداز میں کچھ کہنے کے لیے اسٹارٹ لینے لگا۔

''مجھے سب کچھ معلوم ہو چکا ہے.....!'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''تم اطمینان سے پیٹ بھر لو پھر باتیں کریں گے۔''

''میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ تم مجھ سے بات کرو حمید بھائی۔''

''کھانا کھاؤ۔'' حمید آنکھیں نکال کر غرایا۔

پھر قاسم کھاتا بھی رہا تھا اور اسکی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو بھی ڈھلکتے رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد اس نے رومال سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے حمید سے پوچھا۔''اب بولوں۔''

''شروع ہو جاؤ۔''

''مجھے اس کا غم تھا کہ سالا ایک مردہ عورت کو نیچا دکھانے کے لئے لے گیا تھا۔''

''تم کسی مردہ عورت کو بھی نیچا دکھانے کے قابل نہیں ہو۔''

''اب تو پھنس گیا ہوں..... جتنا جی چاہے جلا لو۔''

''تمہاری گلہری خانم بھی آئی تھی یا نہیں۔''

''اے توبہ کرو..... بے عزتی نہ ہو جائے غی..... شوہر سالا جیل میں ہے..... ایک وقت کا کھانا بھی تو نہ بھجوایا قسی نے۔ یہاں سالے تنوری روٹی اور چنے کی دال دیتے ہیں۔ خدا بھلا کرے قرنل صاحب کا۔''

''مجھے علم ہے۔''

''مگر تم کہاں غائب ہو گئے تھے۔ قرنل صاحب کہہ رہے تھے۔''

''ایک مردہ عورت مجھے نیچا دکھا رہی تھی۔''

''دیخ لیا.....!'' قاسم نے لہک کر پوچھا۔

''اب یہ بتاؤ اگر تمہیں پھانسی ہو گئی تو میں کیا کروں گا۔'' حمید نے مسمسی صورت بنا کر کہا۔

''زبردستی۔''

''زبردستی ہی تو ہوتی ہے۔ کوئی استدعا نہیں کرتا کہ حضور تشریف لے چلئے پھانسی کے تختے پر۔''

''میں قہتا ہوں کہ وہ پہلے ہی سے مری ہوئی تھی۔ پھر قیسے ہو جائے غی پھانسی۔''

''عدالت میں ثابت کیا جا سکا..... تبھی تو..... ورنہ بہتیرے بے گناہ بھی مارے جاتے ہیں۔''

''اللہ تو دیکھ رہا ہے۔'' قاسم بھنا کر بولا۔''ایک صاحب خانا بھجواتے ہیں اور دوسرے صاحب ہضم بھی نہیں ہونے دیتے۔''

حمید کو ہنسی آ گئی اور وہ اس کا شانہ تھپک کر بولا۔''خیر تم پرواہ نہ کرو..... میں تمہیں عدالت سے بَری کرا دوں گا۔''

''وہ کس طرح.....؟''

''میں کہہ دوں گا کہ قاسم ابھی پیدا ہی نہیں ہوا۔ دشمنوں نے بے پر کی اڑائی ہوگی۔''

''اے جاؤ..... عدالت اندھی ہے کہ اسے اتنا لمبا چوڑا پیدا دکھائی نہ دے گا۔''

''خیر چھوڑو۔'' حمید آہستہ سے بولا۔''میں نے ایک چھوٹا نائٹ کلب دریافت کیا ہے جہاں بڑی عجیب و غریب لڑکیاں پائی جاتی ہیں۔''

''بس بس.....!'' قاسم دونوں کانوں میں انگلیاں ٹھونستا ہوا بولا۔''اللہ قرے ساری لڑکیاں مر جائیں۔ اب مجھ سے لڑکیوں کی بات نہ قرو۔''

''بس اتنے میں ہی ہمت ہار بیٹھے۔''

''لڑکیوں کی بات نہ کرو۔ ورنہ میرا ہارٹ فیل ہو جائے غا۔''

''بزدل.....!''

''بزدل ہی سہی۔ لونڈیوں کی بات نہ قرو اللہ تعالیٰ سن رہا ہے..... پھانسی نہ ہوئی تو میں نماز پڑھنا شروع کر دوں غا۔''

یک بیک حمید سنجیدہ ہو گیا۔

اسے اپنی پشت پر کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ تیزی سے مڑا۔

انسپکٹر آصف اُسے گھور رہا تھا۔

''آپ یہاں کیسے؟'' حمید نے کسی قدر ناگواری کے اظہار کے ساتھ پوچھا۔

''تم اسے کیا سکھانے پڑھانے کی کوشش کر رہے ہو۔''

''اس کا تعلق ہمارے کیس سے ہے آصف صاحب.....سوال تو یہ ہے کہ آپ نے یہاں آنے کیوں دیا۔''

آصف کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی جس کا مفہوم حمید فوری طور پر نہ سمجھ سکا۔ آخر آصف اس کا شانہ تھپک کر بولا۔''تم ٹھیک کہتے تھے۔ وائلڈ کارنر واقعی جنگلی مدہوش لوگ ہیں۔ ان کی نظروں میں کسی چیز کی کوئی اہمیت نہیں۔''

''کیا آپ وہاں گئے تھے۔''

''ہاں.....وہاں سب کو معلوم ہے کہ تم وگ لگا کر ان کی بھیڑ میں جا شامل ہوئے تھے۔ جولی نے سب کو بتا دیا تھا کہ تم کون ہو۔''

''تب تو میرا جانا خطرے سے خالی نہیں۔''

''حمید میں اسی لئے تو کہہ رہا ہوں کہ وہ بے حد عجیب لوگ ہیں نہ تو ان پر جولی موت کا اثر ہے اور نہ وہ تم ہی سے خفا ہیں۔ وہ کہہ رہے تھے کیپٹن حمید بہت زندہ دل آدمی ہے۔ کاش وہ سچ مچ ہم میں سے ہوتا۔''

حمید نے آصف کی طرف بے اعتباری سے دیکھا اور بولا۔''تو پھر کیا ہے۔ جایئے.....وہ آپ سے ضرور تعاون کریں گے جب اس حد تک گفتگو ہو چکی ہے۔''

''تم چلو تو۔''

''ہوں.....اچھا چلئے۔''

تسلی کے دو چار الفاظ کہہ کر حمید حوالات سے باہر آ گیا تھا۔ آصف کے پاس سائیکل تھی اور حمید ٹیکسی سے آیا تھا۔ لہٰذا موٹر سائیکل ہی سے روانگی ہوئی۔

کلب کے سامنے پہنچ کر دونوں موٹر سائیکل سے اُترے اور حمید آگے بڑھتا چلا گیا۔ دونوں وائلڈ کارنر ہی کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ لہٰذا ضروری نہیں تھا کہ حمید آصف کا ہاتھ پکڑ کر چلتا لیکن جیسے ہی وہ ہال میں داخل ہوا ان لوگوں میں گھر کر رہ گیا۔ مڑ کر دیکھا آصف کا کہیں پتہ نہ تھا۔

''اجنبی خان کہاں ہیں۔'' وہ اس کو گھیرے میں لیتے ہوئے جارحانہ انداز میں بولا

رہے تھے۔

یک بیک حمید کو غصہ آ گیا اور وہ انہیں دونوں ہاتھوں سے دھکیلتا ہوا بولا۔''پیچھے ہٹو! یہاں اس وقت میری آمد سرکاری نوعیت کی ہے۔''

''تم اسی کے لئے یہاں بھیس بدل کر آئے تھے۔'' ایک لڑکی چیخی۔

''ہاں.....مجھے اس کی تلاش ہے۔''

''تمہاری ہی وجہ سے اجنبی خان نے اسے قتل کر دیا۔''

''کیوں؟ میری وجہ سے کیوں قتل کر دیا۔''

''اس سے صرف وہی واقف تھی۔ صرف وہی جانتی کہ وہ کہاں رہتا ہے۔ جب اُسے معلوم ہوا ہوگا کہ ایک سرکاری سراغ رساں.....!''

''تم خاموش رہو۔'' ایک آدمی نے اس لڑکی کی گفتگو میں مداخلت کرتے ہوئے حمید کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور اسے اس بھیڑ سے دور لے جا کر بولا۔''مجھ سے بات کرو۔''

''بات تم کرو گے۔'' حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔''میں یہاں اس لئے آیا تھا کہ اجنبی خان کے متعلق چھان بین کر سکوں۔''

''جولی کے علاوہ اس کے بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا۔''

''اور جولی مر چکی ہے۔''

''لہٰذا یہاں دکھائی دیئے تو نتیجے کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔''

''بکواس بند کرو.....تم ایک ذمہ دار آدمی سے گفتگو کر رہے ہو۔''

''جو کچھ مجھے کہنا تھا کہہ چکا۔'' اس آدمی نے کہا اور مڑ کر دوسروں کو کچھ اشارہ کیا اور وہ پھر حمید کی طرف دوڑ پڑے۔

اگر کوئی لڑکی گردن میں جھول گئی تو کیا ہوگا۔ حمید نے سوچا اور اس کے دیوتا کوچ کر گئے۔ لیکن قبل اس کے کہ کوئی فیصلہ کر سکتا اس کے خدشے کے مطابق صرف لڑکیاں ہی اس پر ٹوٹ پڑیں۔ مرد دور کھڑے قہقہے لگا رہے تھے۔

حمید بُری طرح بوکھلا گیا۔

اچانک اسی وقت ایک گرجدار آواز سنائی دی۔''یہ کیا ہو رہا ہے پیچھے ہٹ جاؤ۔''

حمید کو ایسا لگا جیسے بالکل مشینی انداز میں وہ سب اس سے الگ ہوگئی ہوں۔

سامنے کرنل فریدی کھڑا اس مجمعے کو قہر آلود نظروں سے گھورے جا رہا تھا۔

حمید نے دیکھا کہ وہ آدمی پہلے سے کھسک جانا چاہتا ہے جس نے اسے الگ دھمکی دی تھی۔

''ٹھہرو.....!'' فریدی ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ ''میں صرف تمہارے لئے یہاں آیا ہوں۔''

''مم...میں۔'' وہ آدمی صرف ہکلا کر رہ گیا۔ بظاہر وہ اس بھیڑ سے متعلق نہیں معلوم ہوتا۔

پورے ہال پر ایسا سکوت طاری ہوگیا تھا جیسے کسی جادوگر نے ہر متنفس کو پتھر کا بنا دیا۔

''بقیہ لوگ یہاں سے ہٹ جائیں۔'' فریدی نے دوسروں کو مخاطب کر کے سرد لہجے میں

کچھ ہٹ گئے اور کچھ بدستور کھڑے رہے۔

''کیا تم نے سنا نہیں.....!'' فریدی کے لہجے میں خونخواری اس بار حمید کو بھی متا

بغیر نہ رہ سکی اور وہ لوگ بھی پیچھے ہٹتے چلے گئے۔

''اور تم.....میری ساتھ آؤ۔'' اس آدمی سے اس نے کہا۔

''میں.....کک.....کہیں نہ جاسکوں گا.....یہیں گفتگو ہوگی۔''

''اچھا تو ہال خالی کرادو۔''

''مم.....میں کس طرح خالی کرادوں۔''

''تمہیں حق حاصل ہے کیونکہ تم اس کارنر کے مالک ہو۔''

''مم.....میں.....مالک.....!''

''اس کا واضح ثبوت میرے پاس موجود ہے۔''

''اچھا تو پھر.....!'' وہ یک بیک تیز ہوکر بولا۔ ''ہاں میں ہی مالک ہوں اور آپ

اس کا بھی علم ہوگا کہ میں کون ہوں۔''

''میں جانتا ہوں کہ تم ایک بڑی شخصیت کے بھتیجے ہو۔ اس کے باوجود میرے پاس

کارنر کی تلاشی کا وارنٹ موجود ہے۔''

''تت.....تلاشی۔'' وہ پھر گڑبڑا گیا۔

''اگر تم چپ چاپ میرے ساتھ چلے تو میں اسے استعمال نہیں کروں گا۔''

''کہاں چلنا ہوگا۔''

''میرے آفس تک۔''

''چلئے۔'' اس نے پھر دلیر بننے کی کوشش کی۔

فریدی نے حمید کو ساتھ چلنے کا اشارہ کیا تھا۔ باہر فٹ پاتھ پر آصف دکھائی دیا۔ اس

نے آگے بڑھ کر کچھ کہنا چاہا تھا لیکن وہ لنگن کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس کے پیچھے وہ آدمی تھا

اور حمید اس آدمی کے پیچھے چل رہا تھا۔ اس نے آصف کی طرف دیکھ کر بائیں آنکھ دبائی اور

مسکراتا ہوا لنگن کی پچھلی سیٹ پر جا بیٹھا۔ فریدی ہی نے ان دونوں کے لئے پچھلی سیٹ کا

دروازہ کھولا تھا۔ فریدی اسے اپنے آفس میں لایا اور فنگر پرنٹ سیکشن کے ایک ماہر کو طلب

کر کے اسکے دونوں ہاتھوں کے پرنٹ لئے.....اس پوری کارروائی کے دوران میں وہ آدمی

کبھی نروس نظر آنے لگتا تھا اور کبھی اس کی آنکھوں سے غیض و غضب ظاہر ہونے لگتا تھا۔

اس کارروائی کے اختتام پر فریدی نے اس سے کہا۔ ''اب آپ جاسکتے ہیں مسٹر شفقت۔''

''فنگر پرنٹس لینے کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی۔'' اس نے بیحد خوشگوار لہجے میں پوچھا۔

''ایک شبہے کے تحت.....!'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

''کیسا شبہہ۔''

''اس شبہے کے علاوہ کہ تمہارے کارنر میں اس وقت بھی وافر مقدار میں منشیات موجود

ہیں۔ جن کے لئے تمہارے پاس کوئی قانونی جواز نہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ تم اسی رعائت کو کافی

سمجھو گے۔''

پھر اس نے حمید سے کہا۔ ''شفقت صاحب کو پھاٹک تک چھوڑ آؤ۔''

شفقت نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے شاید اندر ہی اندر کھول رہا تھا۔ کیونکہ اس کے

خدوخال میں تیکھا پن پیدا ہوگیا تھا۔ حمید اسے پھاٹک تک پہنچا کر واپس آ گیا۔ اس دوران

میں ان کے درمیان کسی قسم کی گفتگو نہیں ہوئی تھی۔

''آپ تلاشی لئے بغیر چلے آئے۔''

''محض اس لئے کہ وہ فون کر کے کسی کو اپنی مدد کے لئے نہ بلا سکے اور میں اس کے

ہاتھوں کے پرنٹ حاصل کرلوں۔''

''اور اس وارنٹ کا کیا ہوگا۔''

''واپس کر دیا جائے گا لیکن منشیات ضرور پکڑی جائیں گی اور ان کا تعلق وائلڈ کارز سے ظاہر ہو جائے گا۔''

''وہ کس طرح۔''

شفقت اسی وقت انہیں وہاں سے ہٹانے کی کوشش کرے گا تاکہ میرے خلاف کارروائی کی جا سکے لیکن جو لوگ کارز کی نگرانی کر رہے ہیں وہ منشیات کو وہاں سے نکلنے نہیں دیں گے۔''

''اس کے پرنٹس کیوں لئے ہیں آپ نے۔''

''کچھ دیر بعد معلوم ہو جائے گا۔ ویسے ہو سکتا ہے وہ محض شبہ ہی ہو۔''

''اوہ ٹھیک یاد آیا..... وہ آپ نے کس آدمی کا نام لیا تھا جولی کے قتل کے سلسلے میں۔''

''موسیو بونار..... بڑے پائے کے جیالے ہیں۔ بعض حلقوں میں ان کی طاقتوری کے بڑے چرچے ہیں۔ عورتوں میں بے حد مقبول ہیں۔ کوئی بات ناگوار گزرے تو غصے سے پاگل ہو جاتے ہیں، اردو اہل زبان کی طرح بولتے ہیں۔''

''اور چلنے کا انداز.....!''

''قطعاً ویسا نہیں ہے۔ جیسا اجنبی خان کے بارے میں سنا جاتا رہا ہے۔'' فریدی حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی ریسیور کان سے لگا کر سنتا رہا پھر ''شکریہ'' کہہ کر کریڈل پر رکھ دیا۔

اس کی آنکھوں میں حمید نے ویسی ہی چمک دیکھی جیسی عموماً کامیابی سے قریب ہونے کی صورت میں دکھائی دیتی تھی۔

حمید استفہامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔

''تمہاری گاڑی پر تین قسم کے نشانات پائے گئے تھے تمہاری انگلیوں کے..... موبی کی انگلیوں کے اور اب معلوم ہوا ہے کہ تیسری قسم کے نشانات شفقت کی انگلیوں کے تھے۔''

''اوہ..... لیکن اس حد تک خیال کیسے پہنچا۔''

''اس بھیڑ میں صرف وہی بغیر ڈاڑھی مونچھوں والا نظر آیا تھا اور اس کے بال بھی بڑھے ہوئے نہیں ہیں۔ پھر مزید چھان بین پر معلوم ہوا کہ کارز کا مالک بھی وہی ہے..... موبی کے بیان کے مطابق سڑک پر تمہیں روکنے والوں میں اجنبی خان بھی تھا اور تمہارا بیان ہے وہ صرف دو ہی آدمی ہیں۔ موبی بھی یہی کہتا ہے۔''

''تو پھر.....!''

''اٹھو..... چلو میرے ساتھ۔''

وہ لنکن میں بیٹھ کر ایسی جگہ پہنچے تھے جہاں زیادہ تر چھوٹے چھوٹے مکانات نظر آ رہے تھے۔ فریدی نے لنکن سڑک پر پارک کی تھی اور وہ دونوں کئی گلیوں سے پیدل گزرنے کے بعد ایک شکستہ سے مکان میں داخل ہوئے تھے۔

یہاں فریدی نے نہ صرف اپنا میک اپ کیا بلکہ حمید کی شکل میں بھی تھوڑی سی تبدیلی کی۔ اب ان کے جسموں پر شکستہ حال آدمیوں کے سے لباس تھے۔

''میرا خیال ہے کہ اب پیدل ہی سڑکیں ناپنی پڑیں گی۔'' حمید بڑبڑایا۔

''فکر نہ کرو..... زیادہ دور نہیں چلنا پڑے گا۔''

سڑک پر پہنچ کر فریدی نے ایک موٹر رکشہ رکوائی تھی اور اس پر بیٹھتے ہوئے ڈرائیور سے کہا تھا سیدھے ہی چلتے چلو۔

شاید دو میل کی مسافت طے کرنے کے بعد اس نے رکشہ روکنے کو کہا تھا۔

یہاں دونوں اُتر گئے..... فریدی ایک عمارت کی طرف بڑھا جس کے پھاٹک پر نیچے سے اوپر تک کسی قسم کی گھنی بیل چھائی ہوئی تھی اور اس کا پھیلاؤ اتنا تھا کہ وہ دونوں اس کی اوٹ میں چھپ گئے۔

آس پاس سناٹا تھا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ دیکھیں اب کیا ہو۔ دل گویا سر میں دھڑک رہا تھا۔

آخری شکار

دس منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ ایک گاڑی پھاٹک پر رکی۔ فریدی جھپٹ کر آگے

بڑھتا ہوا بولا۔ ''سلام صاحب۔''

''سلام.....!'' گاڑی کے اندر سے آواز آئی۔ ''کیا بات ہے تم کون ہو۔''

''وہ..... جناب عالی!'' کہتے ہوئے فریدی نے جھک کر کھڑکی کے اندر ہاتھ ڈال

اس کے بعد حمید نے گاڑی کے اندر سے بولنے والے کی آواز دوبارہ نہیں سنی تھی۔

فریدی نے مڑ کر حمید کو قریب آنے کا اشارہ کیا اور دروازہ کھول کر اگلی سیٹ پر بیٹھ

''پیچھے بیٹھ جاؤ۔'' حمید کے قریب پہنچنے پر اس نے آہستہ سے کہا تھا۔ حمید نے

سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے ہوئے دیکھا۔ فریدی کے برابر کوئی سیٹ پر ڈھلکا پڑا ہے

فریدی نے گاڑی آگے بڑھائی اور حمید سے بولا۔ ''تم لنکن کے قریب اُتر کر میرے پیچھے آؤ۔''

کچھ مسافت طے کرنے کے بعد گاڑی وہاں پہنچی تھی جہاں لنکن پارک کی گئی تھی

فریدی نے حمید کو کنجی دی اور حمید گاڑی سے اُتر کر لنکن میں جا بیٹھا۔

اب دونوں گاڑیاں آگے پیچھے چل رہی تھیں۔ تھوڑی دور چل کر فریدی والی گاڑی ایک

تاریک اور سنسان میدان میں مڑ گئی۔ حمید نے بھی لنکن اُدھر ہی موڑ دی۔ پھر جب اگلی گاڑی

اس نے رکتے دیکھا تو خود بھی بریک لگائے۔ دونوں گاڑیاں رک چکی تھیں۔

حمید سیٹ پر جما بیٹھا رہا۔ چند لمحوں کے بعد اس نے فریدی کی آواز سنی۔

''پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولو۔''

حمید نے بڑی پھرتی سے تعمیل کی۔ فریدی نے کسی کو پچھلی سیٹ پر ڈالتے ہوئے کہا۔ ''تم بھی ادھر ہی آ جاؤ۔''

''کون ہے؟'' حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''شفقت.....! اگر یہ ہوش میں آ جائے تو شور مچانے سے باز رکھنا۔''

حمید نے طویل سانس لی اور اُتر کر پچھلی سیٹ پر پہنچ گیا۔

فریدی نے دوبارہ لنکن کا انجن اسٹارٹ کیا۔ اب وہ کوٹھی کی طرف جا رہے تھے۔

کوٹھی پہنچ کر فریدی نے حمید سے کہا۔ ''تم جا کر اپنا حلیہ درست کرو اور پھر تجربہ گاہ میں آ جانا۔''

حمید نے اسی میں عافیت سمجھی کہ فی الحال باتوں میں نہ الجھے۔ بڑی تھکن محسوس کر رہا تھا۔

بیس منٹ بعد وہ تجربہ گاہ میں ایک عدد فولڈنگ آرام کرسی سمیت داخل ہوا۔

فریدی وہاں موجود تھا۔ حمید نے اس کے قریب ہی آرام کرسی رکھوائی اور کراہتا ہوا نیم دراز ہو گیا۔

فریدی اب میک اپ میں نہیں تھا۔ اسکے سامنے میز پر ڈکٹافون کا ریسیور رکھا ہوا تھا۔

حمید نے تفہیمی انداز میں سر کو جنبش دی اور فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

''تین چار منٹ بعد تم سب کچھ سن لو گے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''تو کیا شفقت بھی تہہ خانے میں ہے۔''

''ہاں..... موبی بے خبر سو رہا ہے اور شفقت بے ہوش ہے۔ جیسے ہی ہوش میں آئے گا غیر متوقع طور پر موبی سے ملاقات ہوگی اور تم دیکھو گے موبی کتنا اچھا اداکار ہے۔''

''اداکار.....!''

''ہاں..... اور اول درجے کا جھوٹا بھی۔''

حمید سمجھ گیا کہ ڈکٹافون کا سلسلہ تہہ خانے تک پہنچا ہوگا اور ان دونوں کی گفتگو سنی جا رہی ہے گی۔ حمید پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔ نظر ڈکٹافون کی طرف لگی ہوئی تھی۔

''کچھ دیر بعد اس سے سرسراہٹ کی آواز آئی اور پھر کسی نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

''کک..... کون..... اوہ شفقت..... تت..... تم کہاں۔''

حمید نے بالآخر پہچان لیا کہ یہ موبی کی آواز تھی۔

''تم بتاؤ کہ تم کہاں ہو؟'' شفقت کی آواز۔

''مم..... میں کرنل فریدی کی نجی قید میں ہوں۔'' موبی کی آواز۔

''خدا غارت کرے..... میں تو یہ بھی نہیں بتا سکتا کہ یہاں پہنچا کیسے۔'' شفقت کی آواز۔

''مجھے بھی نہیں معلوم۔ تم مجھے چھوڑ بھاگے تھے۔ اس آدمی کے ہاتھوں زیر ہوا پھر آنکھ کھلی تھی فریدی کی کوٹھی میں۔ اب پتا نہیں کہاں ہوں۔''

''فریدی سے کب سے ملاقات نہیں ہوئی۔'' شفقت کی آواز۔

ہر تین گھنٹے بعد میری خیریت دریافت کرنے ضرورت آتا ہے اور ہاں پیارے شفقت

مجھ سے ایک غلطی ہوگئی ہے۔ موبی کہہ رہا تھا۔ ''میں نے اپنی جان چھڑانے کیلئے فرید
کہہ دیا تھا کہ جب ہم نے حمید کی تلاش میں ایک گاڑی روکی تھی تو دوسرا آدمی اجنبی خان
''یہ کیا کیا تم نے۔'' شفقت کی دہاڑ سنائی دی۔ ''میری گردن کٹوادی تم نے۔
سمجھا کہ اس نے میرے فنگر پرنٹ کیوں لیے تھے۔ او موبی کے بچے اس گاڑی پر کہیں
میری انگلیوں کے نشانات اسے ضرور مل گئے ہوں گے۔''

''میں کیا کرتا..... یہ بھی تو نہیں بتا سکتا تھا کہ شفقت میرے ساتھ تھا..... اجنبی
تو کوئی بھی نہیں جانتا..... نہ میں جانتا ہوں نہ تم جانتے ہو۔''

''جولی اس کی اصل شخصیت سے واقف تھی اس لئے وہ مار ڈالی گئی اور ہاں
دلچسپ بات سنو..... اجنبی خان نے اپنی مصنوعی ناک اور ڈاڑھی فریدی کو بھجوادی تھی
بھائی تلاش کرتے پھریں گے۔''

''ابے اُلو کے پٹھے۔'' شفقت پھر دہاڑا۔ ''اس سے تو میری پوزیشن اور زیادہ خط
میں پڑ گئی ہے۔ مصنوعی ناک اور ڈاڑھی۔ تو نے تو مجھے پھانسی ہی دلوادی حرامزادے۔''

''گالیاں کیوں دے رہے ہو۔'' موبی کی روہانسی آواز آئی۔

''میرا دل چاہ رہا ہے کہ تمہارا گلا گھونٹ دوں۔''

''بس اب اُٹھ چلو.....!'' فریدی نے حمید کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔ ''میں دونو
ٹوٹ پھوٹ سے محفوظ رکھنا چاہتا ہوں۔''

یہ لوگ عین اس وقت تہہ خانے میں پہنچے جب دونوں معمولی گفتگو سے گالی گلوچ
آئے تھے۔

''ختم کرو۔'' فریدی ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ ''شفقت صاحب! مجھے یقین ہے کہ تم
خان نہیں ہو۔ کیونکہ اس کی مصنوعی ناک تمہاری ناک پر فٹ نہیں بیٹھتی۔ میں دیکھ چکا ہوں
ڈاڑھی بھی کم از کم تمہارے چہرے کی ہرگز نہیں ہوسکتی۔''

''خدا کا شکر ہے۔'' شفقت نے طویل سانس لی۔

''اور اب میں یہ دونوں چیزیں موبی کے چہرے پر آزماؤں گا۔'' فریدی نے سرد
میں کہا۔

''نہیں.....!'' موبی کے چہرے سے بیساختہ نکلا تھا۔

اس کے بعد سناٹا چھا گیا۔ وہ تینوں ہی موبی کو گھورے جا رہے تھے۔ پھر فریدی نے شفقت کو مخاطب کیا۔ ''کیا تم نے کبھی موبی اور اجنبی خان کو ساتھ بھی دیکھا ہے۔''

''ٹھہریئے..... مجھے سوچنے دیجئے۔'' شفقت بھنویں سکوڑتا ہوا بولا اور چند لمحے خاموش رہنے کے بعد سر ہلا کر کہا۔ ''مجھے تو یاد نہیں پڑتا کہ کبھی ایسا ہوا ہو۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''تمہارے حلقے کے کسی بھی فرد نے ان دونوں کو کبھی اکٹھے نہیں دیکھا۔ میں اس سلسلے میں معلومات حاصل کر چکا ہوں..... اچھا موبی خاموشی سے بیٹھ جاؤ۔''

موبی کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ آنکھیں بے نور تھیں اور سینہ دھونکنی کی طرح پھولنے پچکنے لگا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے جسم میں ہلنے جلنے کی سکت ہی نہ رہی ہوگی۔ کیونکہ جب فریدی اسکے چہرے پر ناک اور ڈاڑھی فٹ کر رہا تھا۔ اس نے ذرہ برابر بھی جنبش نہیں کی تھی۔

''خدا کی پناہ.....!'' شفقت بے تحاشہ چیخ پڑا۔ ''یہی ہے اجنبی خان۔''

پھر انہوں نے موبی کو بستر پر گرتے دیکھا۔ پتا نہیں سچ مچ بیہوش ہوگیا تھا یا بن رہا تھا۔

حمید نے شفقت کے چہرے پر گہری شرمندگی کے آثار دیکھے۔

دفعتاً فریدی نے اس سے کہا۔ ''تمہارے وہ آدمی بھی پکڑ لئے گئے ہیں جو وائلڈ کارنر سے منشیات کے پیکٹ باہر لے جا رہے تھے۔ لیکن یہ معاملہ میری ہی ذات تک محدود ہے۔''

''مجھے بے عزتی سے بچا لیجئے کرنل صاحب۔'' شفقت ہاتھ جوڑ کر گڑگڑایا۔

''فکر نہ کرو..... میرے کہنے پر عمل کرو گے تو تمہارا کچھ بھی نہیں بگڑے گا۔''

''یقین کیجئے! میری ذات اس معاملے میں صرف مذاق کی حد تک ملوث تھی۔ اس موبی نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ قاسم اور حمید کو ایک عمارت میں اچانک ملوانا چاہتا ہے اس طرح ایک دلچسپ مذاق جنم لے گا۔ یہی وجہ تھی کہ جب اس گاڑی میں حمید صاحب کی بجائے کوئی دوسرا نظر آیا تھا تو میں نے ان دونوں کو الجھا چھوڑ کر اپنی راہ لی تھی۔ ورنہ کیا اس صورت میں موبی کی مدد کرسکتا تھا لیکن اس حرامزادے نے مجھے ہی اجنبی خان بنا دیا۔''

''بھلا اس مذاق کا مقصد کیا بتایا تھا۔'' حمید پوچھ بیٹھا۔

''اس نے کہا تھا کہ حمید اور قاسم بھی ہمارے حلقے میں شامل ہو جائیں تو بڑی آسانی رہے گی لیکن حمید کو اپنا گرویدہ بنانے کے لئے ذہانت کی ضرورت ہوگی اور میں اپنی ذہانت اس عمارت میں دکھاؤں گا پھر جب آپ عمارت کے اندر چلے گئے تھے تو ہم کمپاؤنڈ کے باہر آ کر سامنے والے میدان کی جھاڑیوں میں جا چھپے تھے۔ موبی ہی نے اس کے لئے کہا تھا کافی دیر تک ہم چھپے رہے تھے۔ پھر اچانک موبی نے کہا تھا کہ کیپٹن حمید تو بھاگا جا رہا ہے۔ کھیل ہی بگڑ گیا۔ چلو آگے چل کر اسے روکیں لیکن گاڑی میں آپ کی بجائے کوئی اور تھا۔''

''خیر ختم کرو.....!'' فریدی ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ ''تمہاری گاڑی اب تک تمہارے گھر پہنچ گئی ہوگی۔ پہنچانے والے نے یہ پیغام بھی دیا ہوگا کہ تم کو اچانک دو تین دن کے لئے باہر جانا پڑا ہے۔ بہرحال اس وقت تم یہیں رہو گے اور موبی کی ذمہ داری بھی تم پر ہی ہوگی۔ یہ خودکشی نہ کرنے پائے۔''

اس کے بعد فریدی نے مصنوعی ناک اور ڈاڑھی موبی کے چہرے سے الگ کر دی۔

تہہ خانے سے واپسی پر حمید نے کہا۔ ''اسکو کہتے ہیں بغلی میں چھورا شہر میں ڈھنڈورا۔''

''اچھا اب تم آرام کرو۔'' فریدی نے پُرتفکر لہجے میں کہا۔ ''میں بھی سونا چاہتا ہوں۔''

دوسری صبح حمید دیر تک سوتا رہا تھا اسلئے ناشتے کی میز پر فریدی سے ملاقات نہ ہو سکی لیکن وہ کوٹھی ہی کے کسی حصے میں موجود تھا ملازموں سے معلوم ہوا تھا کہ وہ باہر نہیں گیا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے اسے تجربہ گاہ میں طلب کیا تھا۔ وہاں موبی بھی موجود تھا، اس کے چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔

فریدی کہہ رہا تھا۔ ''اصل مجرم رنگے ہاتھوں پکڑا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ جولی کے قتل کا موقع تو ہاتھوں سے نکل گیا..... اب مسٹر موبی صرف تم ہی ایسے باقی بچے ہو جس کے قتل کے وقت بونار پر ہاتھ ڈالا جا سکے۔''

''مجھ پر رحم کیجئے۔ مجھ سے کوئی ایسا جرم سرزد نہیں ہوا جس کی سزا موت ہو۔'' موبی نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔ ''بلاشبہ میں نے قاسم اور کیپٹن حمید کو قتل کے کیس میں ملوث کرنا چاہا تھا لیکن قتل میں میرا ہاتھ نہیں تھا اور میں نے یہ سب وافر مقدار میں مفت منشیات کے لالچ میں کیا تھا۔ لیکن بونار کی اس یقین دہانی پر اس لئے تیار ہوا تھا کہ مجھ پر کسی کو شبہ بھی

ہو سکے گا۔ جب آپ کو مصنوعی ناک اور ڈاڑھی بھجوادی جائے گی تو مجھ پر صرف اتنا ہی الزام آئے گا کہ میں نادانستگی میں بحیثیت موبی ایک سازش میں ملوث ہو گیا تھا لہٰذا آپ کو اجنبی خان کی کہانی اس انداز میں سنائی تھی۔ لیکن جب مجھے جولی کے قتل کا علم ہوا تو اپنی خیر بھی نظر نہ آئی اور میں نے آپ کی قید سے رہا ہونے سے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ بونار کی طرف بھی ہلکا سا اشارہ کرتے ہوئے یہ بات آپ کے ذہن نشین کرانے کی کوشش کی تھی کہ وہی اس کا قاتل ہو سکتا ہے۔''

''سوال یہ ہے کہ جب ان دونوں کو اس کیس میں ملوث ہی کرنا تھا تو تم نے آرلکچو کے ویٹروں کو کیوں گواہ بنایا تھا۔ تم انہیں خصوصیت سے اپنی طرف متوجہ کئے بغیر بھی کسی نہ کسی طرف متعارف ہو سکتے تھے۔''

''یہ میں نے اپنے یعنی موبی کے بچاؤ کے لئے کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ آپ اس کیس میں خصوصی دلچسپی لیتے۔ لہٰذا میں اس کوشش میں تھا کہ اجنبی کی شخصیت بہت زیادہ اُبھر کر آپ کے علم میں آئے۔ اس کی تلاش میں رہیں اور موبی محفوظ ہو جائے کیونکہ موبی کے پاس تو صرف وجدی اور اجنبی خان کی کہانی تھی۔ بونار نے مجھے اور جولی کو پوری طرح اطمینان دلا دیا تھا کہ مصنوعی ناک اور ڈاڑھی فریدی کے پاس پہنچ جانے کے بعد میں قطعی محفوظ ہو جاؤں گا۔ بہرحال ہم دونوں ہی منشیات کے لالچی تھے۔ اتنے لالچی تھے کہ ہم نے بونار سے اس سازش کا مقصد بھی معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔''

''بونار تمہاری تلاش میں ہے۔'' فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔ ''میں تمہیں اس کے لئے چارا بناؤں گا۔ بڑی مچھلی ہے۔''

''رحم کیجئے۔ وہ سچ مچ مار ڈالے گا۔''

''تم جیسے نالائقوں کو مر ہی جانا چاہئے کہ منشیات کی لالچ میں ملک و قوم کا سودا کر بیٹھتے ہیں۔ غیر ملکی جاسوسوں کا آلہ کار بن کر اپنے ہی گھر میں آگ لگانے کی کوشش کرتے ہو۔''

''میں مقصد سے واقف نہیں تھا۔''

''بکواس ہے۔''

''مجھ پر رحم کیجئے۔''

''رحم اللہ کرتا ہے.....ہم تو صرف فرائض کی ادائیگی کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔''

''میں مرنا نہیں چاہتا۔''

''فون پر بونار سے رابطہ قائم کر سکتے ہو۔''

''جج.....جی ہاں۔''

''تمہاری بچت اسی طرح ممکن ہے کہ بونار گرفتار ہو جائے.....!''

''میں ہر طرح تیار ہوں جناب۔''

''اچھی بات ہے.....تو ذرا تازہ دم ہو جاؤ.....تمہارے چہرے پر مردنی چھائی ہوئی ہے۔'' فریدی نے کہا اور اُٹھ کر ایک میز کے قریب گیا جس پر شیشے کے کئی سائنسی آلات رکھے ہوئے تھے۔ واپسی پر حمید نے اس کے ہاتھ میں ایک گلاس دیکھا۔ اس میں زرد رنگ کوئی سیال تھا۔

''یہ لو.....!'' اس نے گلاس موبی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ دوبارہ جاگو گے تو خود کو بدلا ہوا پاؤ گے۔

موبی نے گلاس لیا اور کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ پی گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد حمید نے اسے اونگھتے دیکھا تھا۔ گہری نیند طاری ہونے میں تین منٹ لگے تھے۔

''اب تم آفس جاؤ.....!'' فریدی نے حمید سے کہا۔ ''آصف سے الجھنے کی ضرورت نہیں.....اور نہ اب اس کے ساتھ جانا۔''

''کل رات والی حرکت کا بدلہ تو ضرور لوں گا۔''

''پھر کبھی.....فی الوقت جو کہہ رہا ہوں کرو۔ آفس میں اس وقت تک ٹھہرو گے جب تک کہ میں کوئی دوسری ہدایت نہ دوں.....اس کیس کے متعلق کسی سے کوئی گفتگو نہ کرنا۔''

پھر بوریت! حمید نے سوچا۔ لیکن آفس تو جانا ہی پڑا تھا۔ ویسے حقیقتاً وہ قاسم کے لئے بے چین تھا۔ موبی اور شفقت کے بیانات کی بناء پر اس کی ضمانت میں آسانی ہو سکتی تھی۔

ایک بجے فریدی کی کال آئی تھی جس کے مطابق شفقت وائلڈ کارنر میں پہنچ چکا تھا۔ اب حمید کو بھی وہیں جانا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ وہ مزید لوگوں سے اجنبی خان کے متعلق پوچھ گچھ کرے۔

''موبی کا کیا بنا۔'' حمید نے پوچھا۔

''چارا بنایا جائے گا اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔ مچھلی واقعی بہت بڑی ہے۔ ایسے تماشائی بھی ضرور ہوں گے جو اس شاہکار کی تصدیق کر سکیں۔''

حمید مزید وضاحت چاہتا تھا لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

دوپہر کا کھانا اس نے ایک ریستوران میں کھایا اور وائلڈ کارنر جا پہنچا۔ شفقت اسے دیکھتے ہی بھنا کر کھڑا ہو گیا اور اپنے سر پر دو ہتڑ مار کر بولا۔

''میں کہاں سے پیدا کروں اجنبی خان کو۔''

''جب تک اس کا پتہ نہ لگ جائے میں یہیں قیام کروں گا۔'' حمید نے اونچی آواز میں کہا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی نے اسے خوب پکا کر کے رہا کیا ہے۔

یہاں ایسے لوگوں کا مجمع تھا جن میں سے اکثر نے حمید کے ساتھ تعاون کیا اور بعض نے قطعی طور پر گفتگو سے انکار کر دیا۔ انہیں کسی طرح بھی تعاون پر مجبور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کیونکہ وہ اپنے اپنے نشے میں ڈوبے ہوئے تھے۔

ساڑھے تین بجے فریدی وہاں پہنچا تھا۔ اسے دیکھ کر بے ہوشوں کو بھی ہوش آ گیا۔ وہ سب خاموش ہو گئے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے ملک الموت کی صورت نظر آ گئی ہو۔ ایسے میں سوئی بھی گرتی تو اس کی آواز صاف سنی جا سکتی۔ فریدی سیدھا کاؤنٹر کی طرف گیا تھا کچھ دیر منیجر سے آہستہ آہستہ گفتگو کرتا رہا اور پھر حمید کو واپس چلنے کا اشارہ کرتا ہوا صدر دروازے کی طرف مڑ گیا۔ اس وقت شفقت یہاں موجود نہیں تھا۔

وہ باہر نکلے اور حمید نے پوچھا۔ ''شکار کس وقت ہو گا۔''

''اندھیرے میں.....ابھی تو میں موبی کی تلاش میں ہوں.....سارے شہر میں اس کے متعلق پوچھ گچھ ہو رہی ہے۔''

''کیا وہ مچھلی اتنی ہی ہوشیار ہے۔''

''یقیناً حمید صاحب۔ کرائے کے دو آدمی اب بھی میرا تعاقب کر رہے ہیں۔ گاڑی کی روانگی پر تم دیکھ ہی لو گے۔'' فریدی نے کہا اور گاڑی کا انجن اسٹارٹ کر کے اسے پارکنگ کے مقام سے ہٹانے لگا۔

جب وہ سڑک پر نکل آئے تو فریدی نے عقب نما آئینے کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔

''سرمئی ڈاج پر نظر رکھنا..... وہ ہمیں گھر تک پہنچائے گی اور ہم آرام سے اپنی بقیہ نیند پوری کریں گے۔''

''بالکل..... میں اس کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔''

حمید نے سرمئی ڈاج پر نظر رکھی۔ ان کی گاڑی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی تو ڈاج آگے بڑھتی چلی گئی تھی۔

حمید گھوڑے بیچ کر سویا۔ جگایا نہ جاتا تو شاید سات بجے بھی آنکھ نہ کھلتی۔ شام کی چائے بھی رہ گئی تھی۔ کھانا آٹھ بجے کھایا تھا۔ حمید کچھ مضمحل سا تھا۔

ٹھیک نو بجے وہ عمارت سے باہر نکلنے کے لئے عقبی چور دروازے سے گزر رہے تھے۔

''اتنی احتیاط.....!'' حمید بڑبڑایا۔

''یقین کرو کہ اس وقت بھی دو آدمی پھاٹک کی نگرانی کر رہے ہیں۔'' فریدی نے لہجے میں کہا۔ شکار کا وقت قریب ہے۔ موبی نے بالآخر فون پر بونار سے رابطہ قائم کر ہی لیا۔ اسے بتایا کہ وہ شہر ہی کی ایک عمارت میں چھپا ہوا ہے اور بہت خائف ہے۔ بونار صرف جولی کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کہاں ہے..... موبی لاعلمی ظاہر کرتا ہے۔ بونار عمارت کا پتہ پوچھتا ہے اور ہدایت کرتا ہے کہ وہ فی الحال وہیں چھپا رہے موقع ملتے ہی اس کی مدد کی جائے گی۔''

''کیا یہ ضروری ہے کہ بونار ہی اسے قتل کرنے دوڑا آئے.....!'' حمید نے کہا۔

''جو بھی آیا اس کا تعلق براہِ راست بونار ہی سے ہوگا۔ اتنا ہی کافی ہے۔ ویسے یقین ہے کہ جولی کو خود اسی نے قتل کیا تھا۔ اگر موبی اس سے ذکر کر دیتا کہ وہ جولی کے قتل کے بارے میں سن چکا ہے تب البتہ بونار کے ہاتھ آ جانے کا امکان نہ رہتا۔ بہرحال میں مایوس نہیں ہوں۔''

بہت دور چلنے کے بعد انہوں نے ایک ٹیکسی رکوائی تھی اور راجن پور کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ پھر بستی کے باہر ہی وہ ٹیکسی سے اُتر گئے۔

حمید خاموش تھا۔ اسے پتا نہیں کیوں ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ بھاگ دوڑ لاحاصل رہے گی۔

فریدی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''تم اتنے خاموش کیوں ہو چکتے چلو۔''

''شدت سے بور ہو رہا ہوں..... اتنا عمدہ کیس ہاتھ آیا تھا..... لیکن ایسے نامعقول متعلقین ہیں کہ انہیں چرس، بھنگ اور افیون کے علاوہ اور کسی چیز سے دلچسپی ہی نہیں۔ آج میں نے ایک لڑکی کو چلم پیتے دیکھا تھا..... شاید گانجے کے دم لگا رہی تھی۔''

''کسی بڑی تبدیلی کے درمیان کا وقفہ ایسا ہی اوٹ پٹانگ ہوتا ہے۔''

''کیسی تبدیلی؟''

''پوری دنیا خوف اور اکتاہٹ کی شکار ہوگئی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ آگ کے سمندر میں چھلانگ لگاتی ہے یا نئے گلزار تعمیر کرتی ہے۔ ہاں..... ادھر بائیں جانب والی گلی میں مڑ چلو۔''

کچھ دیر بعد وہ ایک کئی منزلہ پرانی عمارت میں داخل ہوئے۔ فریدی نے ایک فلیٹ کا قفل کھولا۔ کمرہ تاریک تھا۔ فریدی نے دروازہ بند کر کے دیا سلائی کھینچی۔ مدھم سی روشنی میں حمید کو سالخوردہ فرنیچر دکھائی دیا تھا۔

پھر سوئچ آن کر کے کمرے میں روشنی کر دی گئی۔ لیکن حمید کو یہاں کوئی تیسرا نہ دکھائی دیا۔ تین کمروں کا فلیٹ تھا۔

''موبی کہاں ہے؟'' حمید نے پوچھا۔

''شکار برابر والے کمرے میں ہوگا.....!'' فریدی نے کہا۔

''تو موبی وہاں ہے۔''

''جیسے ہی شکار فلیٹ میں داخل ہوگا ہمیں علم ہو جائے گا۔''

ٹھیک اسی وقت فلیٹ کے کسی گوشے سے بزر کی ہلکی سی آواز گونجی اور فریدی دروازے کی طرف جھپٹا۔ حمید نے بھی خاصی پھرتی دکھائی تھی۔ دونوں آگے پیچھے دوسرے فلیٹ میں داخل ہوئے تھے۔

دوسرے کمرے کے کھلے ہوئے دروازے میں گہری نیلی روشنی نظر آ رہی تھی۔ دروازے ہی میں رک کر انہوں نے دیکھا کہ قوی ہیکل سیاہ پوش بستر کے قریب کھڑا ہوا ہے، سونے والے نے سر سے پیر تک چادر تان رکھی تھی۔ حمید نے سوچا موبی بے ہوشی کی حالت میں یہاں لایا گیا ہوگا اور اس وقت بھی بیہوش ہی ہوگا ورنہ کون اتنا بڑا خطرہ مول لے سکتا ہے۔

اچانک سیاہ پوش نے بڑا سا خنجر بلند کیا اور قبل اس کے کہ وہ خنجر سونے والے کے جسم میں پیوست کرتا، حمید چیخ پڑا۔

''خبردار.....!''

سیاہ پوش تیزی سے مڑا تھا۔ حمید کے ریوالور کا رخ اپنی طرف دیکھ کر بھی اس نے خنجر والا ہاتھ بلند ہی رکھا۔

''خنجر فرش پر ڈال دو۔'' فریدی نے سرد لہجے میں کہا لیکن سیاہ پوش نے خنجر سمیت اپنا دونوں پر چھلانگ لگائی۔

''فائر نہ کرنا۔'' فریدی نے حمید سے کہتے ہوئے حملہ آور کے خنجر والے ہاتھ پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔

حمید بھنا کر رہ گیا۔ اس نے سوچا اچھی بات ہے۔ دکھایئے اپنی اسفند یاری ذرہ برا بھی دخل نہ دوں گا۔ انہیں نظرانداز کر کے وہ موبی کے بستر کی طرف جھپٹا اور چادر کھینچ لی۔

لاحول ولا قوۃ..... بیساختہ اس کی زبان سے نکلا کیونکہ چادر کے نیچے سے کپڑوں کا ڈھیر برآمد ہوا تھا۔

اب وہ پورے اطمینان کے ساتھ ان دونوں کی طرف متوجہ ہوا۔ خنجر ابھی تک سیاہ پوش ہی کے ہاتھ میں تھا اور فریدی اس کی گرفت سے نکال دینے کے لئے داؤ پیچ کر رہا تھا۔

''بونار..... آخری وارننگ.....'' حمید نے اسے کہتے سنا۔ ''خنجر چھوڑ دو ورنہ کلائی ہڈی ٹوٹ جائے گی۔''

''میں تجھے ذبح کر دوں گا۔'' حملہ آور غرایا۔

''اچھا تو ہوشیار.....!'' فریدی نے کہا اور پھر اس کے حلق سے عجیب وحشیانہ سی آواز نکلی۔ ساتھ ہی حملہ آور کی غراہٹ ملی جلی چیخ بھی سنائی دی۔ وہ کسی شہتیر کی طرح دھڑام سے فرش پر چلا آیا تھا۔ خنجر جھنجھناتا ہوا دور جا گرا۔

اسی وقت کاریڈر سے کئی قدموں کی آوازیں آئیں اور فریدی نے بلند آواز میں کہا ادھر ہی آ جایئے۔ ''حمید دوسرا سوئچ آن کر دو۔'' سوئچ بورڈ پر تین سوئچ تھے۔ حمید نے ان سے ایک آن کر دیا۔ جو نیلی روشنی والے بلب کے علاوہ تھی۔ تیز روشنی کمرے میں پھیل گئی۔

نمبر 37 خواب گاہ میں داخل ہونے والوں میں ڈی آئی جی کے علاوہ ڈی ایس پی اور ایک ملکی تھا۔ غیر ملکی کو حمید نے پہچان لیا۔ یہ اسی سفارت خانے کا فرسٹ سیکریٹری تھا۔

فریدی نے جھک کر حملہ آور کے چہرے سے نقاب ہٹا دیا۔ پتا نہیں وہ بے ہوش تھا یا بنا تھا۔

کوئی کچھ نہ بولا۔ ڈی آئی جی تحسین آمیز نظروں سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''شکریہ کرنل فریدی۔'' دفعتاً فرسٹ سیکریٹری نے آگے بڑھ کر فریدی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ''مجھے اُمید ہے کہ یہ بات آگے نہیں بڑھنے پائے گی۔''

اس کے بعد ڈی آئی جی کے اشارے پر فریدی اور حمید فلیٹ سے باہر نکل آئے تھے۔

''بات پلے نہیں پڑی۔'' حمید بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''آج نیاگرا میں بڑا شاندار پروگرام ہے بقیہ رات وہیں گزاریں گے۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''اسی لئے میں نے دن میں سو رہنے کی تجویز پیش کی تھی۔''

''بونار کی بات کیجئے؟'' حمید جھنجھلا گیا۔

''وہ اپنے سفارت خانے میں رہ کر اپنے ہی ملک کے مفاد کے خلاف کام کر رہا تھا۔ تمارا اس میں شریک کار تھی۔ کسی بات پر ان میں اختلاف ہو گیا تھا۔ لہٰذا راز داری برقرار رکھنے کے لئے بونار نے اسے ختم کر دینے کی تجویز بنائی۔ ساتھ ہی اس معاہدے کو التوا میں ڈلوانے کے لئے اس نے ایک سرکاری آفیسر کو بھی اس میں ملوث کرنے کی کوشش کر ڈالی تھی۔ دراصل ہمارے اس دشمن ملک ہی کا ایجنٹ تھا جو نہیں چاہتا کہ ہمارا اس ملک سے اسلحہ جات کی خرید کے سلسلے میں کوئی معاہدہ ہو سکے۔ تم اور قاسم ساتھ پکڑے جاتے اور ہمارے آفیسر اسے باور کرا لیتے کہ یہی حقیقت بھی ہو سکتی ہے۔ پھر بھی حمید صاحب موبی نے اپنے بچاؤ کے لئے جو قینچی کی تھی انہی کی بناء پر یہ مسئلہ اتنی آسانی سے حل ہو گیا..... ورنہ دانتوں پسینے آ جاتے۔''

حمید خاموشی سے راستہ طے کر رہا تھا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 111

روشن ہیولیٰ

(پہلا حصہ)

پیشرس

آپ کو علم ہو گا کہ جس کاغذ پر میری کتابیں چھپتی تھیں قومی ضروریات کے تحت صرف اخبارات اور رسائل کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ اس پر اب کتابیں نہ چھاپی جا سکیں گی۔ سفید کاغذ اخباری کاغذ سے کئی گناہ زیادہ مہنگا ہے۔ کم قیمت کی کتابیں اس کا بار برداشت نہیں کر سکتیں۔ پھر بھی ''روشن ہیولیٰ'' اسی مہنگے کاغذ پر پیش کی جا رہی ہے اور قیمت میں بھی اضافہ نہیں کیا گیا۔ دعا کیجئے کہ قیمت میں اضافہ نہ کرنا پڑے۔

اگر اخباری کاغذ پر پابندی عائد ہوتی تو آپ اس کہانی کو ''خاص نمبر'' کی شکل میں ملاحظہ فرماتے۔

ویسے پچھلے ناول میں اس کا اشتہار عام نمبر ہی کی حیثیت سے دیا گیا تھا۔ لیکن جب پلاٹ کے پھیلاؤ پر نظر پڑی تو سوچا تھا کہ اس بار یونہی سہی۔ آپ کو اطلاع دیئے بغیر ''خاص نمبر'' پیش کر دیا جائے۔

اخباری کاغذ پر کنٹرول کے نفاذ نے میری خواہش پوری نہ ہونے دی۔! سفید کاغذ پر خاص نمبر پیش کرنے کا مطلب آپ کی جیب پر اضافی بار ڈالنا ہوتا۔ لہٰذا اپنے نام کے اعتبار سے تو یہ کہانی آپ کو مکمل ہی لگے گی، کیونکہ روشن ہیولیٰ کا انجام آپ کو اس میں نظر آ جائے گا۔ لیکن حقیقتاً کہانی ختم نہیں ہوئی۔ کہانی کے اختتام پر آپ کو ایک ایسا نام نظر آئے گا جس کی واپسی کا مطالبہ آپ عرصے سے کرتے چلے آئے ہیں۔

بہرحال کہنا یہ ہے کہ اس کے بعد والا ناول بھی جاسوسی دنیا ہی کا ہو گا اور آپ اس کردار سے بھرپور ملاقات کر سکیں گے، جسے آپ عرصہ سے فریدی کے مقابل دیکھنے کے خواہشمند تھے۔ دعا کیجئے کہ اس سلسلے کا دوسرا حصہ جلد از جلد آپ تک پہنچا سکوں!

ابن صفی

۱۷-۶-۱

سماوی رقص

''تفریح گاہ'' شہر کا ایک معیاری کلب تھا۔ جہاں دوسری تفریحات کے ساتھ ہر ہفتہ ایک رنگا رنگ پروگرام اسٹیج کیا جاتا تھا۔ اس پروگرام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ناظرین کو اس کی تفصیلات کا علم نہیں ہوتا تھا۔

پروگرام کے مرتب کی ذہانت کے بڑے چرچے تھے..... جس قسم کا پروگرام ہوتا اسی کی مناسبت سے اسٹیج ترتیب دیا جاتا تھا اور پردہ اٹھتے ہی بہت زیادہ ذہین تماش بینوں کو پروگرام کی نوعیت کا مبہم سا اندازہ ہو جاتا.....!

مثلاً آج جیسے ہی پردہ سرکا تھا کیپٹن حمید کی زبان سے بے ساختہ نکلا تھا..... ''رقص''

وجہ یہ تھی کہ اسٹیج کی دیواروں پر کچھ ایسی آڑی ترچھی لکیریں، نصف دائرے اور زاویے بنائے گئے تھے جن پر نظر پڑتے ہی ذہن کے کسی گوشے سے فوری طور پر رقص کا تصور ابھرتا تھا.....!

مرتب اسٹیج پر نمودار ہوا، اس نے اٹھارویں صدی کے انگریزوں کا سا لباس پہن رکھا تھا۔

''خواتین وحضرات'' اس کی پرکشش آواز ہال میں گونجی۔ ''آپ نے وہ مثل سنی ہو گی..... نہ نو من تیل ہو گا نہ رادھا ناچیں گی، لیکن آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ اسپاٹ لائٹس کا دور ہے۔ چراغاں کے لیے سرسروں کی کاشت نہیں کرنی پڑتی..... اب تو اگر پاور ہاؤز نہ ہو تو رادھا ٹس سے مس نہ ہوں گی۔ پاور ہاؤز پر ایک لطیفہ یاد آیا۔''

لیکن قاسم نے حمید کو وہ لطیفہ نہ سننے دیا.....

''اے..... یہ وقت قیوں برباد کرتا ہے جو کچھ ہونا ہے..... ہو جائے۔''

''خاموش رہو.....!''

''نہیں رہتا..... جب کوئی لطیفہ سنانے لگتا ہے تو میری ہڈیاں سلگنے لگتی ہیں..... واہ..... کوئی بات ہوئی..... جہاں جاؤ لطیفہ..... تم نے رقص کہا تھا.....!''

''تمہارا سر! خاموش رہو.....!''

''اے تم یہاں مجا کرنے آئے ہو یا غرانے.....!''

بہرحال لطیفہ ضائع ہو گیا..... اب مرتب کہہ رہا تھا۔ ''آج آپ مختلف قسم کے رقص دیکھیں گے۔ سب سے پہلے ایرانی رقاصہ مس فیل پیکر.....''

اسٹیج کی روشنیاں گل ہو گئیں اور آرکسٹرا چنگھاڑنے لگا.....

وہ اسٹیج پر نمودار ہوئی..... سچ مچ اسم بامسمیٰ تھی..... رقص شروع ہوا، اور قاسم اپنی رانیں پیٹ پیٹ کر کہنے لگا ''بے ایمانی..... بے ایمانی.....!''

''کیا بکواس کر رہے ہو.....!'' حمید جھلا گیا۔

''اے دیکھتے نہیں ہو۔ بیلی ڈانس کر رہی ہے اور سالوں نے گاؤن پہنوا دیا ہے.....!''

''یہ بات تو ہے پیارے.....! میں نے اس پر دھیان ہی نہیں دیا تھا!''

''تو پھر شور مچاؤ کہ گاؤن اتروائیں.....!''

''اے خبردار..... شریفوں کا مجمع ہے!''

''ٹھینگے سے..... یہ بھی کوئی شرافت ہے کہ گاؤن پہن کر بیلی ڈانس کرے!''

''تم اب خاموش بیٹھو..... ورنہ میں تمہیں ہال سے باہر نکلوا دوں گا.....!''

''اچھا اچھا..... باہر نکل کر تم سے بھی سمجھوں گا!''

پھر قاسم نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ ایرانی رقاصہ کے بعد کسی جاپانی رقاصہ کے نام کا اعلان ہوا۔

اس کا پورا جسم کمونو سے ڈھکا ہوا تھا!

''ہوں..... ہوں.....!'' قاسم بیزاری سے بولا! ''تم تو ہو ہی مونگ کی دال۔''

''کیا مطلب.....!''

''بس بس..... بہت بور پروگرام ہے..... سالے شرعی ناچ پیش کر رہے ہیں.....!''

''کیوں بکواس کرتا ہے شرع کو ناچ سے کیا سروکار.....!''

''میں اسے شرعی ناچ ہی کہتا ہوں، جو پورے جسم کو ڈھانک قرقیا جائے۔''

''اچھا بس.....خاموش.....!''

''بور کیا تم نے یہاں لاکر.....شہاب میں کیمرے دیکھ لیتا!''

جاپانی رقص کے بعد افریقہ کے وحشیانہ رقص کا اعلان ہوا۔

اس بار قاسم نے ''بور بور'' کا نعرہ بلند کرنا ہی چاہا تھا کہ حمید نے اس کا منہ دبا دیا۔

''اے لانت ہے!'' وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر بولا۔ ''کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ پبلک قوا طرح بور کرے۔ لو دیکھو سب بھتنے ہی بھتنے ہیں.....ایک بھی عورت نہیں ہے۔ ان میں...!''

''یہ صرف عورتوں کے دیکھنے کی چیز ہے.....!'' حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا! ''اپنی آنکھیں بند کرلو۔!''

''اے.....جاؤ.....سالے کتنے گندے طریقے سے ہل رہے ہیں!'' قاسم نے کہا! وہ خود بھی بیٹھے ہی بیٹھے غیر شعوری طور پر اسی ''گندے طریقے'' سے مسلسل ہلے جا رہا تھا۔

ڈھولکوں کی تھاپیں ہی ایسی تھیں کہ بہتیرے خیالی ٹھمکے لگا رہے ہوں گے۔ خود حمید کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ بھی قاسم کی طرح ہلنا شروع کردے.....!

کچھ دیر بعد یہ رقص بھی ختم ہوا۔ اس کے بعد دیسی کلاسیکی رقص شروع ہو گئے تھے.....!

''کباڑہ.....اب تو اور بھی کباڑا.....'' قاسم بھنا کر بولا۔

''آخر تم دیکھنا کیا چاہتے ہو.....!'' حمید نے کہنی ماری۔

''یہ سب دیکھنے کے لیے میں ہی رہ گیا تھا.....!''

''چین سے بیٹھے رہو.....ہوسکتا ہے اس کے بعد تمہارے دیکھنے کی بھی کوئی چیز پیش کر دی جائے!''

''ٹھینگا کر دی جائے غی.....!''

پھر وہ بڑبڑاتا ہی رہا تھا اور حمید نے اس کی طرف سے توجہ ہٹا کر رقص دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ دفعتاً مرتب کی آواز ہال میں گونجی۔

''خواتین وحضرت.....ارضی رقص ختم ہوا.....اب شہر کے ایک مشہور ماہر روحانیات آپ

کے سامنے سماوی رقص پیش کریں گے.....پروفیسر زیدان۔''

پردہ سرکا اور مرتب اسٹیج کی تاریکی میں غائب ہو گیا.....! ہال میں اس وقت اتنی مدہم روشنی تھی کہ اسٹیج کی تاریکی پر اثر انداز نہ ہوسکی!

''ابے یہ تون سا ناچ ہوگا۔'' قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

حمید کچھ نہ بولا! وہ اسٹیج کی تاریکی میں آنکھیں پھاڑ رہا تھا۔ دفعتاً اسٹیج کے بائیں گوشے پر اسپاٹ لائٹ پڑی اور ایک بے حد خوفناک چہرہ نمودار ہوا۔

''ارے باپ رے!'' قاسم کی آواز کانپ رہی تھی۔

''ڈرو نہیں.....یہ پروفیسر زیدان ہیں.....!'' حمید بولا۔

''مونسٹر معلوم ہوتا ہے تم پروفیسر کہہ رہے ہو۔''

خوفناک چہرہ اسٹیج کے وسط میں آچکا تھا.....اسپاٹ لائٹ اس کے ساتھ ہی حرکت کرتی رہی تھی.....!

اچانک اس کے ہونٹوں میں جنبش ہوئی اور بڑی دہشتناک آواز ہال میں گونجنے لگی۔

''خواتین وحضرات.....یہ عالم ارواح کا رقص ہے.....ان رقاصوں کی کاوش جو مر چکے ہیں.....میری روحانی قوت انہیں اس اسٹیج پر کھینچ لائے گی۔''

پھر اس نے ایک ایسے مشہور رقاص کے نام کا اعلان کیا جو دس سال پہلے مر چکا تھا.....

اسپاٹ لائٹ بھی غائب ہوگئی اور پورے ہال میں گہرا اندھیرا چھا گیا۔

آرکسٹرا کا نغمہ اس اندھیرے میں کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ اچانک ایک بڑی ڈراؤنی چیخ سے ہال کی محدود فضا گونج اٹھی اور ایک انسانی ہیولیٰ جس سے مدہم سی نیلگوں روشنی پھوٹ رہی تھی اسٹیج کے وسط میں نظر آیا۔

وہ سر سے پاؤں تک صرف ایک روشن ہیولیٰ تھا۔ اس کے خدوخال واضح نہیں تھے۔

اسٹیج سے پھر دو چیخیں منتشر ہوئیں.....اور ہیولیٰ آرکسٹرا کی دھن پر رقص کرنے لگا.....!

''بب.....باپ رے.....'' قاسم ہکلایا!

''شش!'' حمید نے اس کا بازو دبا کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا!

نہ جانے کیوں یہ سب کچھ اس کو محض ''تفریح'' نہیں لگ رہا تھا.....! چھٹی حس نے کسی

قسم کے خطرے کی بو سونگھی تھی اور وہ اپنے اعصاب میں تناؤ سا محسوس کر رہا تھا۔

دفعتاً وہ ہیولیٰ نظروں سے اوجھل ہو گیا اور چشم زدن میں پھر ظاہر ہوا۔ اس کسی کو ہاتھوں پر اٹھا رکھا تھا۔ اسٹیج کے سرے پر پہنچ کر اس نے اسے ہال میں اچھا ایک چیخ بلند ہوئی اور ساتھ ہی قاسم دھاڑا۔ ''ابے یہ قیا حرکت!''

دراصل وہ اچھالا ہوا آدمی براہ راست قاسم پر آ گرا تھا..... اور حمید بھی اس محفوظ نہ رہ سکا تھا.....!

''بھبھ..... بھوت..... بھ بھ بھ.....!'' قاسم کی گرفت میں جکڑا ہوا پوری کیے بغیر بے حس و حرکت ہو گیا۔

اس کے بعد پورے ہال میں کھلبلی پڑ گئی تھی۔ آرکسٹرا خاموش ہو گیا اور گونجتی رہیں۔

''لائٹ..... لائٹ..... روشنی..... روشنی.....!''

اور جب روشنی ہوئی تو قاسم کی گرفت میں جکڑا ہوا بے ہوش آدمی پروفیسر ثابت ہوا۔ اس کے بعد دوسرے انکشافات کا دور شروع ہوا..... پروفیسر زیدان ہوش پڑا پایا گیا۔

اس کا اسسٹنٹ ہوش میں تو تھا لیکن اس کی گھگھی بندھ گئی تھی..... ایسا جیسے گونگا ہو گیا ہو اور ایسی خوفزدہ نظروں سے ایک ایک کو دیکھ رہا تھا گویا ان میں کے لیے پروانۂ موت لایا ہو۔

پروفیسر زیدان کی طلب کردہ روح کا کہیں پتہ نہ تھا۔

پروفیسر اور مرتب کو ہوش میں لانے کی تدبیریں کی جا رہی تھیں۔

حمید پروفیسر زیدان کے اسسٹنٹ کی طرف متوجہ ہو گیا تھا!

''تم بولتے کیوں نہیں!'' اس نے اس کا شانہ ہلا کر کہا!

لیکن وہ ہونقوں کی طرح اس کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔

''میں کیا پوچھ رہا ہوں.....؟'' اس بار حمید کا لہجہ سخت تھا۔ لیکن جواب دینے وہ بھی جھومتا ہوا گرا اور اپنے باس ہی کی طرح بے ہوش ہو گیا!

''اے..... بھائی.....!'' قاسم نے حمید کا شانہ دبا کر کہا۔ ''قوئی گھپلا معلوم ہوتا ہے..... چپ چاپ نکل چلو.....!''

ہال میں شور جاری تھا اور کلب کے منتظمین لوگوں کو اسٹیج پر چڑھ آنے سے باز رکھنے میں ناکام ہو گئے تھے۔

اچانک حمید کی نظر کلب کے سیکرٹری پر پڑی یہ ایک ریٹائرڈ فوجی آفیسر تھا..... حمید سے معمولی جان پہچان بھی رکھتا تھا۔ حمید اس کی طرف بڑھا.....!

''اُوہ..... کیپٹن.....!'' اس نے حمید کی جانب مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

''یہ کیا ہنگامہ ہے میجر صاحب.....!''

''حماقت.....!'' سیکرٹری نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ ''لیکن آج کل کے لونڈے خود سے زیادہ عقلمند کسی کو سمجھتے ہی نہیں۔ یہ سب اسی احمق کا کیا دھرا ہے!''

سیکرٹری نے بے ہوش مرتب کی طرف اشارہ کیا تھا۔

''ہوا کیا ہے.....؟''

''یہ پھر پوچھئے گا..... براہ کرم فی الحال اپنا اثر استعمال کر کے ہال خالی کرائیے۔'' سیکرٹری نے بے بسی سے کہا..... اور مائیک حمید کی طرف بڑھا دیا۔

دوسرے لمحے میں حمید کی آواز ہال میں گونجی!

''خواتین و حضرات کلب کی انتظامیہ معذرت خواہ ہے۔''

''بھوت کہاں ہے..... بھوت کہاں ہے!'' بہت سی آوازیں آئیں۔

''غائب ہو گیا..... میں ایک ذمہ دار پولیس آفیسر کی حیثیت سے درخواست کرتا ہوں کہ براہِ کرم ہال خالی کر دیجئے.....!''

''ہرگز نہیں..... بھوت..... بھوت.....!'' آوازیں پھر آئیں۔

تین افراد کی زندگیاں خطرے میں ہیں۔ اچھے شہریوں کی طرح پولیس سے تعاون کیجئے..... جو کچھ بھی ہوا ہے۔ صبح کے اخبار میں پڑھ لیجئے گا۔

''کیا ہوا ہے.....؟'' آوازیں آئیں۔

''فی الحال یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا..... ہال خالی کر دیجئے تاکہ اس سلسلے میں

چھان بین کی جا سکے!''

پانچ منٹ کے اندر ہی اندر ہال خالی ہو گیا۔ دروازے بند کرا دیئے گئے.....!

اس دوران میں مرتب کو ہوش آ گیا تھا اور وہ اسٹیج پر چت پڑا مسلسل کراہے جا رہا تھا!

سیکرٹری نے حمید کو دوسروں سے الگ لے جا کر کہا۔ ''میں نے سنا ہے جس وقت بھو نے اسے پکڑا ہے یہ ایک لڑکی کا بوسہ لے رہا تھا!''

''بوسے سے اِلرجک معلوم ہوتا ہے بھوت.....!'' حمید طنزیہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا

''کیا آپ میرا مذاق اڑانا چاہتے ہیں!'' سیکرٹری نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ ''میں کہہ رہا تھا کہ بھوت بعد میں اسی لڑکی کو اٹھا کر غائب ہو گیا جس کا بوسہ لیا گیا تھا!''

''اوہو.....!''

''اور وہ لڑکی.....!'' سیکرٹری طویل سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

''پلیز میجر.....ذرا جلدی کیجئے!''

''پیشہ ور فنکارہ نہیں تھی..... بلکہ شہر کے ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھتی تھی!''

''مجھے اس سے سروکار نہیں! وہ غائب کس طرح ہو گیا!''

''لڑکی کو اٹھا لینے کے بعد تاریکی میں تحلیل ہو گیا تھا!''

''آپ نے خود دیکھا تھا!''

''جی نہیں.....! مجھے دوسروں سے اطلاع ملی تھی..... میں تو اپنے آفس میں تھا۔''

''جن سے آپ کو اطلاع ملی تھی۔ انہیں طلب کیجئے! لیکن ٹھہریئے شاید وہ پوری طر ہوش میں آ گیا ہو!'' حمید نے مرتب کی طرف دیکھ کر کہا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے قریب پہنچا اور ایک گھٹنا فرش پر ٹیک کر بیٹھ گیا!

''کیا تم ہوش میں ہو میرے دوست!'' اس نے آہستہ سے پوچھا!

پروگرام کے مرتب نے آنکھیں کھول دیں.....!

''میری آواز سن رہے ہو!'' حمید نے پھر پوچھا!

''سن رہا ہوں!'' وہ نحیف سی آواز میں بولا۔

''جس نے تمہیں اٹھا کر پھینکا تھا..... کیا وہ کوئی آدمی تھا!''

''جہنم کا فرشتہ.....'' مرتب کراہا۔

''کیا مطلب.....!''

''آگ تھا.....آگ.....آنچ نکل رہی تھی.....!''

''کیا وہاں روشنی تھی!''

''ہلکی سی.....!''

''کیا وہ اس روشنی میں بھی چمک رہا تھا!''

''ہاں..... کہہ تو دیا آگ.....!''

اتنے میں پروفیسر زیدان بھی چنگھاڑتا ہوا اٹھ بیٹھا لیکن حرکات وسکنات مخبوط الحواسوں نے تھے۔ آنکھیں بند تھیں لیکن ہاتھ ہلا ہلا کر ایسے انداز میں تقریر شروع کر دی تھی جیسے اروں کے مجمعے سے مخاطب ہو۔

''خواتین وحضرات..... میں پروفیسر زیدان آپ سے مخاطب ہوں۔ اب آپ ان بیث ارواح کا رقص دیکھیں گے..... جو ہر لحظہ اس زمین کو تباہ کر دینے پر تلی رہتی ہیں لیکن ں نے انہیں اس طرح قابو میں کیا ہے کہ وہ میرے اشاروں پر ناچتی ہیں!''

پل بھر کے لیے خاموش ہوا پھر مخصوص انداز میں ہاتھ ہلا ہلا کر کوئی منتر پڑھنے لگا۔

''خبیث.....!'' سیکرٹری دانت پیس کر غرایا۔ ''اب کیا کرنا چاہتے ہو!''

وہ پروفیسر کی طرف جھپٹا ہی تھا کہ حمید نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

''میجر اکرام.....ذرا ٹھہریئے۔ میں اس کی خبیث روحوں کو قریب سے دیکھنا چاہتا ہوں!''

''کیا اب آپ اس عمارت کو تباہ کرانا چاہتے ہیں!'' میجر دھاڑا۔

غالباً اس کی دھاڑ ہی سن کر پروفیسر زیدان نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ قہر آلود نظروں سے روں طرف دیکھتا ہوا چیخنے لگا۔ ''یہ کون تھا... کس نے دخل اندازی کی... کون ہے۔ سامنے آئے!''

''میں اسے ضرور ماروں گا.....!'' میجر اکرام نے پھر آگے بڑھنا چاہا۔ لیکن حمید نے سے ایسا نہ کرنے دیا..... ٹھیک اسی وقت ایک چیخ بلند ہوئی اور پروفیسر کا بے ہوش اسسٹنٹ کسی ذبح کئے ہوئے مرغ کی طرح تڑپنے لگا..... یہ چیخ بھی اس کی تھی۔ پروفیسر اس سے لحظہ بدستور چیخے جا رہا تھا۔

''میں سب سمجھتا ہوں۔ اگر کوئی مقابلے کا دعویٰ رکھتا ہو تو سامنے آئے۔ جلا دوں گا.....!''

وہ چیختا رہا اور اس کے اسسٹنٹ کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ وہ مسلسل ہنس رہا تھا اور لوگوں کی تمام تر توجہات اس کی طرف مبذول ہو گئی تھیں۔

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس نے دم توڑ دیا۔

''مر گیا'' کئی آوازیں سناٹے میں گونجیں۔ پروفیسر خاموش ہو چکا تھا۔ لیکن وہیں کھڑا رہا۔ پلکیں جھپکائے بغیر خلاء میں گھورے جا رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ پیش سے قطعی بے خبر ہو۔

حمید نے اس کا شانہ جھنجھوڑ کر کہا۔ ''تمہارا اسسٹنٹ مر گیا۔''

''جو بھی میری راہ روکے گا مر جائے گا!'' اس نے اپنی پوزیشن میں تبدیلی کیے بغیر کہا۔

حمید سوچ میں پڑ گیا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔

وہ میجر اکرام کی طرف مڑا۔ لیکن اب وہ وہاں موجود نہیں تھا۔ اتنے میں پروفیسر کا مرتب غزالی بھی حمید کے قریب آ کھڑا ہوا۔

''یہ سب کیا ہو رہا ہے۔'' اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں حمید سے پوچھا۔

''پہلے تم اپنی خیریت بتاؤ..... تمہاری ہڈیاں تو محفوظ ہیں!''

''مجھے خود بھی حیرت ہے کہ اپنے پیروں پر کیسے کھڑا ہوں!''

''خدا کا شکر ادا کرو کہ تم گوشت کے پہاڑ پر گرے تھے ورنہ ریڑھ کی ہڈی سلامت نہ رہتی۔''

''میں آپ کو بتاتا ہوں۔'' غزالی آہستہ سے بولا۔ ''پروفیسر بے قصور ہے۔''

''کیا مطلب.....!'' حمید چونک کر اسے گھورنے لگا اور پھر پروفیسر کی طرف دیکھنے لگا۔ اب بھی پہلے ہی کی طرح بے حس و حرکت کھڑا پلکیں جھپکائے بغیر خلاء میں دیکھے جا رہا تھا۔

غزالی اس کے جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ میجر اکرام آ گیا۔

''میں نے پولیس اسٹیشن فون کر دیا ہے۔'' اس نے حمید کو اطلاع دی۔

''اچھا کیا.....!'' حمید نے لاپروائی سے غزالی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ لیکن اس سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے میجر اکرام کی موجودگی میں زبان کھولنے پر آمادہ نہ ہو۔

قاسم بھی ان سب کے ساتھ اسٹیج ہی پر موجود تھا۔ پولیس اسٹیشن کا نام سنتے ہی حمید کا ہاتھ پکڑ کر دوسری طرف کھینچ لے گیا۔

''ارے..... میں بھی بلقل الو کا پٹھا ہوں۔'' اس نے اسے جھنجھوڑ کر کہا۔ ''میں تمہارے بنا جاتا قیوں ہوں۔''

''بکواس مت کرو.....!''

''میں جا رہا ہوں.....!''

''جاؤ.....!''

''اتیلے نہیں جاؤں غا..... تم بھی چلو..... پتا نہیں وہ سالا بھوت.....!''

''تم نیچے جا کر کہیں بیٹھ جاؤ..... میں ابھی نہیں جا سکتا۔''

''میں بتاؤں..... تم کسی بزرگ سے اپنے لیے دعا تعویز کراؤ..... جہاں جاتے ہو، لاشیں گرنے لگتی ہیں۔ لونڈیا ہوتے تو نہ جانے قیا ہوتا۔''

''جاؤ..... وہاں بیٹھ جاؤ.....!'' حمید نے اس کا شانہ تھپک کر ہال کی کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔

''آیا ہوں تمہارے ساتھ تو بھگتوں گا..... موت کا فرشتہ کبھی نہیں بھولتا کہ تم سی۔ آئی۔ اے ہو۔''

''جاؤ..... شاباش.....!'' اس نے قاسم کو اسٹیج کے سرے کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔ دوران میں اس نے غزالی پر بھی نظر رکھی تھی۔

قاسم کے جاتے ہی وہ پھر اس کے پاس جا پہنچا۔

''وہاں تو تم کیا کہہ رہے تھے؟'' اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''کچھ بھی نہیں.....!''

''اس کا مطلب بتاؤ کہ پروفیسر بے قصور ہے.....!''

''مم..... میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی۔''

''سنو دوست..... حمید اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ''تم کسی تماشائی سے گفتگو نہیں کر رہے.....!''

''مم..... میں جانتا ہوں..... آپ کون ہیں!''

''اور یہ بھی جانتے ہو گے کہ ہم لوگ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ شائد اسکے کہ پولیس آئے..... مجھے سب کچھ بتا دو! شاید میں تمہیں کوئی معقول مشورہ بھی د

وہ چند لمحے کچھ سوچتا رہا۔ پھر بولا۔ ''اچھا کہیں تنہائی میں چلئے!''

''جہاں مناسب سمجھو..... لے چلو.....!''

غزالی اسے عمارت سے باہر نکال لایا اور پام کے گملوں کے قریب رک گیا۔

''مم..... میں یہ کہنا چاہتا تھا۔'' غزالی جملہ پورا کیے بغیر خاموش ہو گیا۔

''ڈرو نہیں..... مجھے بتاؤ!''

''پروفیسر کا اسسٹنٹ..... ہاغ..... غ..... غ.....!'' طویل چیخ کے ساتھ رہا..... یہاں اندھیرا تھا..... حمید بوکھلا کر پیچھے ہٹا اور اب غزالی زمین پر تھا۔

دفعتاً عمارت سے شور اٹھا۔ ''پکڑو..... پکڑو..... جانے نہ پائے۔'' اندھیرے میں دور تک دوڑتے چلے گئے۔

حمید جھک کر غزالی کو اٹھانے لگا..... لیکن وہ تو ایک اکڑی ہوئی لاش تھی۔

اتنے میں کسی نے چیخ کر کہا۔ ''روشنی... روشنی.... ٹارچ لاؤ.... پروفیسر زیدان نکل

پھر چمکا

کرنل فریدی کا موڈ بگڑ گیا تھا لیکن وہ حمید کی کہانی سنتا رہا۔ پھر جیسے ہی وہ موت تک پہنچا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کر دیا۔

حمید سوالیہ نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

''تم وہاں ایک تماشائی کی حیثیت سے رکھتے تھے۔ دخل اندازی کی ضرورت آئی!'' فریدی نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

''سوال یہ ہے کہ اگر کوئی مجھے پتھر مارے تو کیا مجھے اس کا حق بھی نہیں پہنچتا کہ اس کی وجہ معلوم کر سکوں۔ غزالی ہم دونوں پر آ گرا تھا!''

''لہٰذا تم اس کی موت کا باعث بن گئے!''

''کیا مطلب.....!''

''اگر تم اسے باہر نہ لاتے تو وہ شائد اس وقت زندہ ہوتا!''

''سوال تو یہ ہے کہ وہ مرا کیونکر؟ جسم پر کہیں کوئی خراش تک نہ تھی۔''

''احمقانہ سوال ہے! غالباً تم اونگھ رہے ہو!''

''کیوں.....؟''

''تم نے جو سچویشن بتائی ہے اس کے مطابق وہاں اندھیرا تھا۔ پام کے گملوں کی اوٹ سے زہریلی سوئی بھی استعمال کی جا سکتی ہے!''

''ہوں..... ہو سکتا ہے..... خیر پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا!''

''بعض زہروں کے اثرات سسٹم پر نہیں ملتے۔ بہرحال غزالی تمہیں یہ بتانا چاہتا تھا کہ پروفیسر بے قصور ہے!''

''جی ہاں..... اور باہر پہنچ کر اس نے اس کے اسسٹنٹ کے بارے میں کچھ کہنا ہی چاہا تھا کہ چیخ مار کر مجھ پر آ گرا۔''

''اس کے الفاظ دہراؤ.....!''

''وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ پروفیسر کا اسسٹنٹ.....!''

''اور اسسٹنٹ پہلے ہی مر چکا تھا!''

''جی ہاں۔''

''وہ جملہ بھی دہراؤ جو اسسٹنٹ کی موت کی اطلاع پر پروفیسر کی زبان سے نکلا تھا۔''

''اس نے کہا تھا، جو بھی میری راہ روکے گا مر جائے گا۔''

''لڑکی کون تھی جسے بھوت اٹھا لے گیا۔''

''میجر اکرام نے صرف اتنا ہی بتایا تھا کہ وہ شہر کے ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔''

''تم نے پہلے بھی کبھی کسی کلچرل شو میں پروفیسر زیدان کے روحانی کرتب دیکھے تھے!''

''کبھی اتفاق نہیں ہوا۔''

''میں اسے ایک پیشہ ور پامسٹ کی حیثیت سے جانتا ہوں۔'' فریدی نے بجھا ہوا سگار سلگا کر کہا۔

''صورت سے تو وہ خود بھی بھوت ہی معلوم ہوتا ہے!''

فریدی کچھ نہ بولا! وہ کسی گہری سوچ میں تھا۔

رات کے بارہ بجے تھے! دفعتاً فون کی گھنٹی کی آواز سناٹے میں گونجی۔

فریدی نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔

''فریدی اسپیکنگ..... اوہ..... جی ہاں..... وہ موجود ہے..... ابھی ابھی مجھے اسی سے معلوم ہوا ہے..... اوہو!..... ہوں..... جی ہاں..... اچھا۔ بہت بہتر.....!''

ریسیور کریڈل پر رکھ کر وہ حمید کی طرف مڑا..... اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

''کیوں؟ کیا وہ بھوت میں ہی تھا؟'' حمید نے مضحکانہ انداز میں پوچھا۔

''جی نہیں اب آپ بھوت بن جائیں گے؟''

''کیا مطلب۔''

''جس لڑکی کو بھوت اٹھا لے گیا تھا۔ وہ بھی مر گئی.....!''

''اوہ.....! تو پھر..... تو پھر اس کی لاش کہاں ملی.....!''

''لڑکی ہی کی خوابگاہ میں۔''

''فون کس کا تھا۔''

''ڈی۔ آئی۔ جی صاحب تھے اور حمید صاحب سب سے زیادہ حیرت انگیز نکتہ یہ ہے کہ لڑکی کے خاندان والوں نے سرے سے اس بات کی تردید کر دی کہ وہ آج شام کلب گئی تھی.....!''

''تو پھر بھوت وہاں سے کسے لے گیا!''

''گھر والوں کو جب میجر اکرام نے اس وقوعے کی اطلاع دی تو انہوں نے کہا کہ لڑکی شام ہی سے اپنی خواب گاہ میں موجود ہے..... سرِ شام ہی یہ کہہ کر لیٹ گئی تھی کہ اسے رات کے کھانے کے لیے نہ جگایا جائے اس کی طبیعت ٹھیک نہیں!''

''تو پھر لاش.....!''

''میجر اکرام کی اطلاع پر گھر کے بعض افراد کو تشویش ہوئی اور انہوں نے خوابگاہ کا دروازہ پیٹ پیٹ کر اسے جگانے کی کوشش کی لیکن جب کوئی جواب نہ ملا تو دروازہ توڑ دیا گیا۔ لڑکی کی لاش کمرے میں موجود تھی۔ ڈی۔ آئی۔ جی کے اس گھرانے سے قریبی تعلقات ہیں!''

''تت..... تو پھر.....!''

''میں تو خود کو ہر وقت ڈیوٹی پر سمجھتا ہوں..... البتہ تمہاری یہ رات ضائع ہوئی۔''

''کیا مطلب.....!''

''ہمیں وہاں پہنچنا ہے۔ ڈی۔ آئی۔ جی صاحب نے وہیں سے فون کیا تھا!''

''اب میں گھر سے باہر ہی نہ نکلا کروں گا.....!'' حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

کچھ دیر بعد جب گاڑی کمپاؤنڈ سے باہر نکل رہی تھی۔ اس نے فریدی سے پوچھا۔ ''یہ لوگ کون ہیں!''

''تم ان میں سے بعض افراد کو جانتے ہو گے۔ شہر کا مشہور بدخشانی خاندان.....!''

''اوہو..... میں اس گھرانے کی ایک لڑکی سے واقف ہوں..... شہلا بدخشانی۔''

''ٹھیک! غالباً مرنے والی اس کی چچازاد بہن ثریا بدخشانی تھی۔''

''میرے خدا..... میں اس سے بھی مل چکا ہوں..... واقعی وہ ایک اچھی رقاصہ تھی لیکن پچھلی رات کے کسی پروگرام میں شامل نہیں تھی..... میں نے اسے دیکھا ہی نہیں!''

فریدی کچھ نہ بولا۔

بدخشانی خاندان شہر کی ایک بڑی اور شاندار عمارت بدخشاں پیلس میں آباد تھا۔ اس کے افراد یا تو بڑے سرکاری عہدوں پر فائز تھے یا اعلیٰ پیمانے پر تجارت کرتے تھے۔

حمید کی شناسا شہلا بدخشانی ایک سر پھری اور آزاد خیال لڑکی تھی۔ اس حد تک سر پھری تھی کہ حمید کے قیاس کے مطابق اس غمناک موقع پر بھی وہ اپنی ہی کسی دھن میں مست ہو گی۔

بدخشاں پیلس میں کئی بڑے پولیس آفیسر نظر آئے۔

انہیں مرنے والی کی خوابگاہ میں پہنچا دیا گیا۔ ڈی۔ آئی۔ جی بھی ان کے ساتھ تھا۔

ثریا بدخشانی کی لاش بستر پر پڑی ہوئی تھی۔

''انہوں نے صرف دروازہ توڑا تھا۔ یہاں کی کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا گیا!'' ڈی۔

آئی۔ جی نے فریدی سے کہا۔

فریدی لاش کی طرف توجہ دینے کی بجائے کمرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ آخر کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ''میں خاندان کے ان افراد سے ملنا چاہتا ہوں جنہوں نے اسے آخری بار زندہ دیکھا تھا۔''

''صرف ایک لڑکی ہے..... مرحومہ کی چچازاد بہن۔ اسی کے حواس بجا ہیں۔ بقیہ لوگوں سے فی الحال اس مسئلے پر گفتگو نہ کی جائے تو بہتر ہوگا!''

یہ لڑکی حمید کی شناسا شہلا تھی.....! حمید کو دیکھ کر مسکرائی لیکن فریدی پر نظر پڑتے ہی یک بیک بے حد سنجیدہ نظر آنے لگی۔

وہ مرنے والی کی خوابگاہ سے باہر آ گئے تھے۔

''آپ کا مرحومہ سے کیا رشتہ تھا!'' فریدی نے اس سے پوچھا۔

''چچازاد بہن۔''

''آخری بار آپ نے انہیں کس وقت دیکھا تھا۔''

''غالباً چھ بجے شام کو۔'' شہلا نے جواب دیا۔

''کیا وہ اس وقت اسی لباس میں تھیں.....!''

''جی نہیں۔ شب خوابی کے لباس میں تھی اور اس نے کہا تھا کہ وہ سونے جا رہی ہے اسے ڈسٹرب نہ کیا جائے۔! رات کا کھانا بھی نہیں کھائے گی۔''

''کیا اس دوران میں ان پر کسی قسم کی پابندی عائد کی گئی تھی۔''

''مجھے علم نہیں۔''

''چھ بجے کے بعد سے آپ کہاں تھیں۔''

''آج میں باہر نہیں گئی تھی.....!''

''بہت بہت شکریہ مس شہلا!'' فریدی نے کہا اور حمید کی طرف ایسے انداز میں دیکھا جیسے بقیہ پوچھ گچھ کی ذمہ داری اس پر ڈالنا چاہتا ہو۔

لیکن حمید سوچ میں پڑ گیا کہ وہ کس بہانے اس کے ساتھ کمرے سے باہر جا سکے گا۔ ڈی۔ آئی۔ جی کی موجودگی اسے محتاط رہنے پر مجبور کر رہی تھی..... عورتوں کے معاملے میں

اوپر تک بدنام تھا۔ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ اگر وہ پہلے چلی گئی تو پھر اتنی بڑی عمارت میں تلاش کر لینا آسان کام نہ ہوگا۔

لیکن اس کی یہ مشکل خود بخود آسان ہو گئی۔ شہلا دروازے میں رک کر مڑی اور اس سے کہا۔ ''کیا آپ میری ایک بات سنیں گے.....!''

''ضرور..... ضرور.....!'' کہتا ہوا حمید آگے بڑھا اور اسکے ساتھ کمرے سے نکلا چلا آیا۔

''کوئی خاص بات نہیں ہے..... بہت بور ہو گئی ہوں۔'' شہلا بولی۔ ''یہاں اس وقت کوئی بھی میرا ساتھ نہیں دے گا۔''

''مجھے بے حد افسوس ہے۔''

''افسوس تو مجھے بھی ہے، لیکن جب میں ثریا کے لیے مر نہیں سکتی تو محض بور ہونے سے فائدہ! آپ کافی پئیں گے یا چائے.....!''

''اس اندوہناک موقعے پر.....!''

''پلیز شٹ اپ کیپٹن حمید۔ اس وقت نہیں تو صبح پینی ہی پڑے گی..... میں ضرورت محسوس کر رہی ہوں..... چلئے سیدھے کچن میں چلتے ہیں۔''

حمید خاموشی سے اس کے ساتھ کچن میں پہنچا تھا! شہلا نے پانی اسٹوو پر رکھ دیا اور حمید کی طرف مڑ کر بولی۔ ''جن صاحب نے مجھ سے سوالات کئے تھے یقینی طور پر کرنل فریدی ہی ہوں گے!''

''کیا پہلے کبھی نہیں ملیں.....!''

''نہیں.....! میں سوچ رہی تھی کہ آپ جیسا خوش مزاج آدمی ایسے بور آدمی کے ساتھ کس طرح زندگی گزارتا ہوگا.....!''

''گزر جاتی ہے کسی نہ کسی طرح..... ثریا کے والدین بے حد پریشان ہوں گے۔''

''خوش قسمت تھے کہ پہلے ہی دنیا سے چلے گئے ورنہ ضرور پریشان ہوتے۔''

''کیا مطلب.....!''

''بچپن ہی میں دونوں انتقال کر گئے تھے! دادی جان نے پرورش کی تھی اس کی۔''

''ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ آپ لوگ بے حد آزاد خیال ہیں۔ پھر محترمہ ثریا پر

اس قسم کی پابندیاں کیوں تھیں۔''

''کس قسم کی پابندیاں۔''

''آخر انہیں اس کی کیا ضرورت تھی کہ طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے خواب گاہ
ہوئیں اور دوسری طرف سے کلب پہنچ گئیں۔''

''یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے۔''

''خود آپ کا بیان ہے کہ کمرے میں بند ہونے سے پہلے آپ نے ان کے جسم
خوابی کا لباس دیکھا تھا۔لیکن اس وقت وہ ایسے ہی لباس میں ہیں جیسے باہر گئی ہوں۔''

''ہوسکتا ہے۔ باتھ روم کا ایک دروازہ کمپاؤنڈ کی طرف کھلتا ہے۔''

''پابندیوں ہی کی بناء پر ایسے قدم اٹھائے جا سکتے ہیں۔''

''مجھے علم نہیں.....میں دوسروں کے معاملات سے کوئی سروکار نہیں رکھتی۔''

''بھوت کی کہانی سنی آپ نے؟''

''بکواس.....!''

''نہیں.....! میں بھی کلب میں موجود تھا.....بھوت نے پہلے غزالی کو اٹھا کر ہا
پھینکا۔ پھر اس لڑکی کو اٹھا کر غائب ہو گیا جو اس وقت غزالی کے ساتھ تھی۔''

''غزالی.....!'' شہلا دانت پیس کر رہ گئی۔

''وہ بھی مر گیا۔''

''کیا.....؟'' وہ متحیرانہ انداز میں حمید کی طرف مڑی۔

''غالباً آپ کو بالتفصیل کچھ نہیں معلوم.....!''

''پلیز مجھے بتایئے.....!'' شہلا کی آواز کانپ رہی تھی۔

حمید نے ایک بار پھر ''تفریح گاہ'' کی کہانی چھیڑ دی اور شہلا کے چہرے کے
چڑھاؤ کا بغور مشاہدہ کرتا رہا۔

اسکے خاموش ہوتے ہی شہلا نے پوچھا۔''کیا ثریا نے بھی کسی پروگرام میں حصہ لیا
''نہیں.....وہ مجھے اسٹیج پر نظر آئی تھیں۔''

شہلا نے اس دوران میں کافی کی پیالی حمید کے سامنے رکھ دی تھی اور اب حمید محو

تھا جیسے شہلا کے چہرے سے خوشدلی اور بے فکری کا نقاب اتر گیا ہو.....وہ بے حد مضمحل
ہونے لگی تھی۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اب اسے ثریا کی موت کی اطلاع ملی ہو۔

دونوں نے خاموشی سے کافی ختم کی۔

''کیا تمہیں کونوشی کی اجازت ہے.....!'' حمید نے اس نے پوچھا۔

''ضرور.....ضرور.....لیکن اب میں سو جانا چاہتی ہوں۔'' وہ اٹھتی ہوئی بولی۔

''میرا خیال ہے کہ غزالی کے ذکر پر آپ کو غصہ آ گیا تھا۔''

''نن.....نہیں تو.....ایسی کوئی بات نہیں۔''

''کیا ان دونوں کے قریبی تعلقات تھے۔''

''میرے سر میں اچانک شدید درد اٹھا ہے.....میں اس وقت معافی چاہتی ہوں، ہوسکتا
کل پھر ملاقات ہو۔''

''اچھا.....اچھا.....آپ آرام کیجئے!''

کچن سے نکل کر وہ کسی طرف چلی گئی تھی اور حمید اسی کمرے میں واپس آ گیا تھا جہاں
ثریا کی لاش تھی۔

محکمے کے فوٹو گرافر مختلف مقامات کی تصاویر لے رہے تھے اور فریدی ڈی۔ آئی۔ جی
سے آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہا تھا۔حمید دروازے کے قریب ہی رک کر ضابطے کی کارروائیوں کا
جائزہ لیتا رہا۔

فریدی نے ایک بار اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر گفتگو میں مصروف ہو گیا تھا.....!

تھوڑی دیر بعد ڈی۔ آئی۔ جی چلا گیا اور ضابطے کی کارروائیاں ختم ہو جانے کے بعد
جب فریدی نے پوسٹمارٹم کے لیے لاش اٹھوانی چاہی.....تو خاندان کے دوسرے افراد اس پر
آمادہ نہ ہوئے.....فریدی نے انہیں نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی لیکن جب اس سے کام نہ
چلا تو تیور بدلنے پڑے اور اس نے کسی قدر تلخ لہجے میں کہا۔

''ایک ذمہ دار آفیسر ہونے کی بناء پر میرا فرض ہے کہ آپ کو قانونی دشواریوں سے آگاہ
کر دوں.....اگر شبہ بھی ہو جائے کہ موت قدرتی حالات میں نہیں ہوئی تو پوسٹمارٹم ضروری ہو

جاتا ہے!''

''ڈی۔ آئی۔ جی نے تو اس پر زور نہیں دیا تھا۔'' خاور بدخشانی نے کہا۔ موجودہ سربراہ تھا۔

''دیکھئے! ڈی۔ آئی۔ جی صاحب اس سلسلے میں دم بخود رہنے کے علاوہ اور سکتے۔ کیونکہ اس معاملے کا علم بہتیرے آدمیوں کو ہے ویسے میں ایک بات کی ضمانت ہوں کہ اخبارات میں آپ کے خاندان کی واضح نشان دہی نہ ہونے پائے گی.....!

''مم.....میں.....یہی چاہتا ہوں.....!''

''پردہ پوشی کی حتی الامکان کوشش کی جائے گی!''

بہرحال جب لاش اٹھی تو معلوم ہوا کہ اس عمارت میں آدمی ہی رہتے ہیں۔ گیا سبھی رو رہے تھے۔

اسی دوران میں فریدی نے ''تفریح گاہ'' کے سیکرٹری میجر اکرام کو بھی فون کر اس کے پہنچنے سے قبل وہاں کسی قسم کی تبدیلی عمل میں نہ لائی جائے۔

اور اب ان کی گاڑی ''تفریح گاہ'' ہی کی طرف جا رہی تھی۔

''غالباً تم نے بھی کچھ نہ کچھ کیا ہی ہوگا.....!'' فریدی نے حمید کو مخاطب کیا۔

''فی الحال میں یہ سوچ رہا ہوں کہ دنیا کی ساری خوبصورت عورتیں بیک وقت نہیں مر جاتیں.....!''

''میں پوچھ رہا ہوں تم نے اس سے کیا معلوم کیا۔'' فریدی کے لہجے میں جھلا

''کچھ زیادہ نہیں.....لیکن میرا اندازہ ہے کہ اس کے علاوہ کسی اور سے معلومات حاصل نہ ہو سکیں گی۔''

پھر اس نے وہ گفتگو دہرائی جو شہلا سے ہوئی تھی۔

''امکانات ہیں!'' فریدی نے اس کے خاموش ہونے پر طویل سانس

''لیکن غزالی تمہاری حماقت کی بناء پر ضائع ہو گیا۔''

''ضائع ہو گیا!'' حمید نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔ ''آپ تو اس طرح کہہ رہے وہ آدمی نہیں تھا!''

''جب ہم تفتیش کے لیے نکلتے ہیں تو اس قسم کے لوگ ذریعہ کہلاتے ہیں اور بس ہمیں اس سے سروکار نہ ہونا چاہیے کہ وہ آدمی ہیں یا جانور.....بہرحال ایک ذریعہ ضائع ہو گیا!''

''اور میں اپنی شامت کا ذریعہ ہوں.....دو بجنے والے ہیں۔ رات بھی ضائع ہوئی لیکن میں بار بار ضائع ہونے کے لیے زندہ رہوں گا۔''

فریدی خاموش رہا! کچھ دیر بعد گاڑی تفریح گاہ کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی یہاں پولیس کی کئی گاڑیاں موجود تھیں.....فریدی نے سب سے پہلے دونوں لاشوں کا جائزہ لیا..... پروفیسر کے اسسٹنٹ کی لاش اسٹیج پر پڑی تھی اور غزالی کی لاش بھی پام کے گملوں کے پاس سے ہٹائی نہیں گئی تھی۔

''یہ دیکھو!'' فریدی نے حمید کو متوجہ کیا۔ ''ان گملوں کے پیچھے سے ہونے والی کسی کارروائی کا علم تمہیں نہیں ہو سکتا تھا!''

''مجھے اعتراف ہے کہ میں پوری طرح محتاط نہیں تھا۔''

''خیر.....ہاں تو پروفیسر کے لیے 'لیجنڈ پکڑیو' کا غلغلہ ٹھیک اسی وقت اٹھا تھا جب غزالی گرا تھا۔'' فریدی نے سوال کیا۔

''جی ہاں.....!'' حمید نے کہا پھر چونک کر بولا۔ ''اوہو! اگر وہ اس دروازے سے نکل کر بھاگا تھا تو اس کا گملوں کے پیچھے سے گزرنا یقینی ٹھہرا۔''

''اسٹیج کی طرف سے بکاسی کا صرف یہی ایک دروازہ ہے اور تمہارے بیان کے مطابق وہ اس وقت اسٹیج ہی پر موجود تھا جب غزالی کو تم باہر لائے تھے!''

''جی ہاں.....!''

''خیر اب میجر اکرام سے بھی ملنا چاہئے!''

اکرام اپنے آفس میں تنہا تھا اور اس کے چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔

انہیں دیکھ کر وہ کرسی سے اٹھ گیا۔

اتنے میں اس زون کا ایس۔ پی بھی کمرے میں داخل ہوا۔ فریدی کو دیکھ کر اس نے برا سا منہ بنایا تھا اور ان کی طرف توجہ دیئے بغیر میجر اکرام سے بولا تھا۔

''پروفیسر! اپنی قیامگاہ پر نہیں پہنچا.....!''

''آپ لوگ براہ کرم تشریف رکھئے!'' میجر اکرام نے ان سے کہا۔

ایس۔پی بیٹھتا ہوا بولا۔ ''مجھے حیرت ہے کہ ایسے حادثات کے بعد آپ لوگوں نے اسے اس حد تک نظر انداز کیوں کر دیا تھا کہ وہ نکل بھاگا۔''

''ذاتی طور پر میرے حواس بجا نہ تھے۔'' میجر اکرام نے جواب دیا۔

پھر ایس۔پی اچانک حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''غزالی کو آپ باہر لے گئے تھے!''

''جی ہاں.....!''

''کس لیے.....!''

''وہ اس سلسلے میں مجھے کوئی خاص بات بتانا چاہتا تھا!''

''کیا وہ آپ کو پہچانتا تھا۔''

''پہچانتا نہ ہوتا تو مجھے کیوں بتاتا۔''

''کیا بتایا تھا.....!''

''کچھ بھی نہیں.....ہم پام کے گملوں کے قریب پہنچے ہی تھے کہ کراہ کر مجھ پر آ گرا۔''

''کیا آپ کے اس سے پرانے تعلقات تھے.....!''

''ضروری نہیں کہ اگر کوئی شخص مجھے پہچانتا ہو تو اس سے تعلقات بھی ہوں!''

''پروفیسر کے اسسٹنٹ سے بھی گفتگو ہوئی تھی!''

''جی نہیں.....!''

''کچھ دیر تک وہ ہوش میں رہا تھا.....!''

''ہاں میں نے دیکھا تھا.....!''

''کیا اب لاشیں اٹھوائی جا سکتی ہیں.....!'' اچانک اس نے فریدی سے سوال کیا۔

''اگر آپ ضابطے کی کارروائی مکمل کر چکے ہیں تو ضرور اٹھوا دیجئے۔'' فریدی نے بے نرم لہجے میں جواب دیا۔

ایس پی اٹھ کر باہر چلا گیا.....!

''میں بڑی مصیبت میں پھنس گیا ہوں کرنل صاحب!'' میجر اکرام نے گھٹی گھٹی سی آواز میں کہا۔

''میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں۔''

''ثریا بدخشانی اپنی خوابگاہ میں مردہ پائی گئی ہے.....!''

''نہیں.....!'' میجر بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

''جی ہاں.....بیٹھ جائیے.....! شاید آپ دل کے مریض بھی ہیں۔ مجھے بے حد افسوس ہے۔''

''میری حالت ٹھیک نہیں ہے کرنل!'' وہ دھم سے کرسی پر گر گیا۔

''وہ گھر والوں سے چھپ کر یہاں آئی تھی.....!''

''تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے!'' میجر اکرام نے کہا۔

''کیا وہ غزالی ہی کے لیے یہاں آتی تھی.....!''

''غزالی.....!'' میجر اکرام دانت پیس کر رہ گیا۔

''کیا آپ اسے پسند نہیں کرتے تھے۔!''

''وہ کلب کے لیے منفعت بخش ضرور تھا لیکن.....!''

''ہاں.....ہاں کہیے.....!''

''قریب سے جاننے والے اسے پسند نہیں کرتے تھے۔''

''کوئی خاص وجہ.....!''

''لڑکیوں میں مقبول تھا اور انہیں تباہ کرتا رہتا تھا.....!''

''ثریا نے کبھی یہاں کے پروگراموں میں بھی حصہ لیا تھا.....!''

''نہیں.....مجھے یاد نہیں پڑتا.....وہ غزالی سے دیرینہ مراسم کی بناء پر یہاں آتی تھی.....!''

''ہر ہفتے.....!''

''میرا خیال ہے کہ بہت عرصہ سے اس نے غزالی کا کوئی پروگرام مس نہیں کیا تھا۔''

''کیا ایسی لڑکی کا نام بتا سکیں گے، جو ثریا سے قبل اس کی منظور نظر رہی ہو۔''

''ثریا کی موجودگی ہی میں اس کی کئی منظور نظر تھیں۔ اگر آپ نوٹ کرنا چاہیں تو ایک درجن سے ہے۔''

اس نے حمید کو سات لڑکیوں کے نام اور پتے لکھوائے۔

''اب آیئے پروفیسر کی طرف.....!'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا یہاں کون لایا تھا۔''

''خود غزالی..... اپنا پروگرام وہ خود ہی مرتب کرتا تھا۔ آرٹسٹوں کا انتظام بھی ذمے تھا.....!''

فریدی کچھ اور پوچھنے والا تھا کہ باہر سے شور کی آواز آئی۔

''وہ رہا..... وہ رہا..... چمک رہا ہے۔''

یہ لوگ بھی اٹھ کر دروازے کی طرف جھپٹے.....!

کمپاؤنڈ میں بھگدڑ ہو گئی تھی..... چمکدار ہیولیٰ پھر دکھائی دیا تھا۔

وہ ایک درخت پر چڑھ رہا تھا.....!

چھان بین

کمپاؤنڈ کے اس حصے میں گہری تاریکی تھی اور ہیولیٰ سے پھوٹنے والی نیلگوں بناء پر اسکے آس پاس اجالا سا ہو گیا تھا۔ درخت کا تنا جس پر وہ چڑھ رہا تھا صاف نظر آ

اچانک اسی حصے میں کوئی چیخنے لگا! ''میں تجھے فنا کر دوں گا..... ہمیشہ کے لیے حدود سے باہر نہ نکل..... عالم ارواح میں واپس چلا گیا..... واپس چلا گیا۔''

''یہ..... یہ..... تو پروفیسر کی آواز ہے.....!'' حمید بولا۔

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ چمکدار ہیولیٰ..... اندھیرے میں مدغم ہو گیا۔ لیکن کی چنگھاڑ بدستور جاری تھی.....!

''آواز کی طرف بڑھو اور گھیرا ڈال دو!'' ایس پی نے چیخ کر اپنے ماتحتوں کو ہدایت

فریدی جہاں تھا..... وہیں کھڑا رہا..... حمید بے چین تھا کہ جو کچھ بھی ہونا ہو پر ہو جائے۔

''کیا خیال ہے.....!'' اس نے فریدی کا بازو چھو کر کہا۔

''چپ چاپ کھڑے رہو.....'' جواب ملا۔

میجر اکرام بھی ان کے قریب ہی موجود تھا! وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''بے شک اللہ بڑی شان والا ہے۔ ہم ازلی کمینے ہیں۔ ثقافت کے نام پر ہزارہا لعنتیں اپنے اوپر مسلط کر رکھی ہیں۔ بھوکا مر جاؤں گا لیکن اب اس دلدل میں پھنسا نہیں رہ سکتا۔''

حمید اس کی طرف متوجہ ہو گیا..... پھر مڑا تو فریدی غائب تھا..... اس وقت کچھ عجیب سا ماحول تھا۔ پروفیسر کی آواز بھی نہیں سنائی دے رہی تھی قبرستان کا سا سناٹا طاری تھا۔

غالباً پولیس کے جوان پروفیسر زیدان کو گھیرے میں لینے کے لیے بہت آہستگی سے آگے بڑھ رہے تھے۔

حمید جہاں تھا وہیں کھڑا رہا..... ظاہر تھا کہ فریدی کو اس وقت اس کی ضرورت نہیں تھی ورنہ وہ اسے بھی ساتھ لے جاتا.....!

''اتنا سناٹا.....!'' اس نے میجر اکرام سے کہا۔ ''عقل سے کورے ہیں یہ لوگ اب پروفیسر شاید ہی ہاتھ آ سکے!''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میرا کیا ہو گا.....؟'' میجر اکرام نے حمید کا بازو پکڑ کر کہا۔

''سب ٹھیک ہی ہو گا..... آپ خواہ مخواہ پریشان ہیں! ان اموات کی ذمہ داری آپ پر تو نہیں.....!''

''مم..... میں..... اندر جا رہا ہوں میرے پیر کانپ رہے ہیں۔ سر چکرا رہا ہے..... اررر..... مجھے سہارا دیجئے.....! پلیز!''

حمید اس کا بازو تھام کر آفس کی طرف چل پڑا۔

میجر اکرام کے پیر لڑکھڑا رہے تھے..... اندر پہنچ کر کرسی پر گر پڑا..... اس طرح ہانپ رہا تھا جیسے کہیں سے دوڑتا ہوا آیا ہو۔ چہرہ پسینے سے بھیگ گیا تھا۔

حمید نے جھپٹ کر کولر سے پانی نکالا اور گلاس اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ''لیجئے! خود پر قابو پانے کی کوشش کیجئے!''

میجر ایک ہی سانس میں پورا گلاس چڑھا گیا اور رومال سے چہرے کا پسینہ خشک کرتا ہوا

بولا! ''میں ملازمت کبھی کی ترک کر دیتا..... لیکن مجبور ہوں دراصل ریٹائرمنٹ کے بعد میں نے ایک اور شادی کر لی تھی.....!''

''اوہو..... تو آپ ذوالقرنین ہیں.....!''

''کیا مطلب.....!''

''ایک بیوی ایک قرن ہوتی ہے.....!''

''میں نہیں سمجھا.....!''

''ایک بیوی کم از کم پچاس سال تک زندہ رہتی ہے دو بیویوں کا مطلب ہوا پورا ایک سو سال یعنی دو قرن.....!''

''ان باتوں سے آپ کی کیا مراد ہے.....!''

''آپکے ایک دل پر دو بوجھ ہیں۔ اسی لیے ابھی تک آپ کا ہارٹ فیلیور نہیں ہوا!''

''کیا آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں!''

''قطعی نہیں! مجھے آپ پر غصہ آ رہا ہے!''

''کیوں.....؟''

''آپ نے ابھی تک تیسری کیوں نہیں کی.....!''

''پلیز.....!'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجئے اور تشریف لے جائیے۔''

''آپ نے ظلم کیا ہے.....!''

''کیا مطلب.....! آپ ہوش میں ہیں یا نہیں!''

''اگر سارے مسلمان دو دو اور چار چار کر کے بیٹھ جائیں گے تو بے چاری طوائفوں کیا ہوگا..... آخر انہیں بھی تو خدا ہی رزق دیتا ہے.....!''

''آپ مذہب کا بھی مذاق اڑا رہے ہیں.....!''

''جی نہیں..... اگر کم تنخواہ پر گزارا نہ ہو تو اوپر کی آمدنی پر قناعت کیجئے دوسری ملازمت کی اجازت قانون نہیں دیتا۔''

''کیپٹن حمید.....!'' میجر اکرام جھلا کر کھڑا ہو گیا.....!

''بیٹھ جائیے..... آپ بالکل چغد ہیں.....!''

''شٹ اپ.....!''

''میں ایک ہی بیوی کے شوہروں کا جانی دشمن ہوں..... چہ جائیکہ دو دو!''

''نکل جاؤ.....!'' وہ حلق پھاڑ کر دہاڑا اور ٹھیک اسی وقت کرنل فریدی آفس میں داخل ہوا۔

''کیوں.....؟ یہ کیا ہو رہا ہے؟''

''لے جائیے..... اپنے اسسٹنٹ کو یہاں سے ورنہ میں اس کا خون کر دوں گا۔'' میجر اکرام نے غصے سے کانپتے ہوئے کہا۔

''کیا بات ہے.....؟'' فریدی غصیلے انداز میں حمید سے مخاطب ہوا۔

''کچھ بھی نہیں..... میں تو ان سے یہ کہہ رہا تھا کہ آدمی کو ہمیشہ آزاد رہنا چاہیے۔''

''آپ میرے نجی معاملات میں دخل دینے والے کون ہوتے ہیں!''

''جب تک آپ نے یہ نہیں بتایا تھا کہ آپکے دو بیویاں ہیں، میں نے قطعی دخل نہیں دیا تھا۔''

''میں کہتا ہوں..... تم سے مطلب.....!''

''مطلب کیوں نہیں! یہ کہاں کا انصاف ہے کہ آپ تو دو دو رکھیں اور ہم دونوں کے درمیان ایک بھی نہ ہو!'' حمید نے فریدی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''اٹھو.....!'' فریدی نے حمید کا کان پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''شاید نیند کی زیادتی کی وجہ سے حواس میں نہیں ہو۔''

وہ اسے میجر اکرام کے آفس سے نکال لایا۔

باہر پھر پہلی ہی سی ہلچل نظر آنے لگی تھی۔ ایس۔ پی اپنے ماتحتوں پر برس رہا تھا.....!

''یہ کیا بے ہودگی شروع کر دی تھی! تم نے!'' فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں پوچھا۔

''دو بیویاں ہیں اس کے!''

''تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ اس وقت ان فضول باتوں کا کون سا موقع تھا.....!''

''بیویاں موقع محل نہیں دیکھتیں.....!''

''اب تھپڑ مار دوں گا.....!''

''ہم دونوں تو آدھی آدھی بھی نہ برداشت کر سکیں۔ کہہ رہا تھا کہ میں نوکری اس لیے نہیں چھوڑ سکتا کہ میں نے ایک شادی اور کر لی ہے۔''

''وہ تمہیں کیا باور کرانے کی کوشش کر رہا تھا۔''

''اس کے حواس کب درست ہیں کہ وہ کچھ باور کرانے کی کوشش کرتا..... اوٹ پٹانگ ہانک رہا تھا..... رو میں یہ بھی کہہ گیا کہ اس کے دو بیویاں ہیں!''

''اچھا بس اب خاموش رہو۔''

''پروفیسر پکڑ لیا گیا ہو تو چلئے اب سو جائیں.....!''

''وہ پھر غائب ہو گیا!''

''اور وہ بھوت جو درخت پر چڑھ رہا تھا.....!''

''ظاہر ہے کہ وہ تو پہلے ہی غائب ہو گیا تھا.....!''

''جہنم میں جائے..... اب ہم گھر ہی چلیں گے نا۔''

فریدی کچھ نہ بولا..... وہ خاموشی سے لنکن تک آئے۔

جب گاڑی کمپاؤنڈ سے نکل رہی تھی۔ پھاٹک پر کھڑے ہوئے سپاہیوں نے اسے روکنے کی کوشش کی۔

دفعتاً ان میں سے ایک بولا۔ ''ہٹ جاؤ..... کرنل صاحب ہیں.....!''

اور پھر اس نے سلیوٹ بھی کیا تھا..... دوسروں نے اس کی تقلید کی۔

''یہ بُری بات ہے کہ سپاہی بھی ہمیں پہچاننے لگے ہیں!'' حمید بڑبڑایا۔

''میرا خیال ہے کہ تم پچھلی سیٹ پر سو جاؤ.....!''

''تو کیا گھر نہیں جا رہے.....!''

''نہیں.....!''

''تو پھر بہت بہت شکریہ.....!'' حمید نے کہا اور اگلی سیٹ کو پھلانگتا ہوا پیچھے چلا آیا۔

پھر آنکھ لگنے میں دیر نہیں لگی تھی..... پتہ نہیں کب تک سوتا رہا دوسری بار جھنجھوڑے جانے ہی پر اٹھا تھا۔ آنکھ کھلتے ہی اذان کی آواز سنائی دی.....!

''کک..... کہاں ہیں.....!''

''شہر سے ستر میل کے فاصلے پر قصبہ حلیم آباد میں.....!''

''اللہ مجھے غریق رحمت کرے..... اے مرد بزرگ اس میں کیا راز ہے۔''

''ایک بزرگ سے ملاقات کرنی ہے.....!'' فریدی نے جواب دیا۔

بعد نماز حمید نے دیکھا کہ وہ ایک ضعیف آدمی کے پاس جا بیٹھا ہے۔ حمید نے بھی اس تقلید کی۔

''میں شہر سے حاضر ہوا ہوں!'' فریدی اس سے کہہ رہا تھا۔ ''تھوڑی سی تکلیف دوں گا۔''

''فرمایئے..... فرمایئے.....!''

''ایک ایسے آدمی کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں جو کسی زمانے میں آپ کے حلقہ ارادت میں شامل تھا.....!''

''کون آدمی..... اگر یاد آ گیا تو ضرور بتاؤں گا.....!''

''آپکو یاد ہوگا۔ کیونکہ آپ نے ناراضگی کے تحت اسے اپنی بیعت سے خارج کر دیا تھا۔''

''صرف ایک آدمی تھا ایسا میرے مریدوں میں..... عبدالوہاب..... اس کے علاوہ اور کسی نے کبھی مسلک سے ہٹنے کی کوشش نہیں کی۔''

''درست فرمایا آپ نے.....!''

''آپ اس کے بارے میں کیا جاننا چاہتے ہیں.....!''

''آپ نے کس بناء پر اس کی بیعت فسخ کر دی تھی!''

''فسق و فجور میں مبتلا تھا..... متعدد بار تنبیہ کے باوجود بھی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتا تھا۔ علم نجوم کے ذریعے پیش گوئی کرتا تھا۔ جادوٹونے اور کیمیا گری کے چکر میں بھی رہتا تھا۔''

''غالباً روحوں کو طلب کر لینے والے وظائف.....!''

''بس میاں.....!'' ان صاحب نے ہاتھ اٹھا کر فریدی کی بات کاٹ دی۔ ایسا کوئی عمل نہیں جس کے ذریعے روحوں کو طلب کیا جا سکے! عالم اجسام سے رشتہ ٹوٹنے کے بعد ارواح پوری طرح احکام الٰہی کے تابع ہوتی ہیں۔''

''درست فرمایا آپ نے..... لیکن میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس قبیل کے لوگوں کو مسلمان کا شمار کیا جا سکتا ہے، یا نہیں.....!''

''مجھے علم نہیں! میرے پاس تو وہ حصول علم کیمیا گری کے لیے آیا تھا۔ کسی سے یہ غلط اطلاع ملی ہوگی کہ میں کیمیا گری میں بھی دخل رکھتا ہوں۔ حلقے میں یہی کہتا رہا تھا کہ تزکیہ

نفس کے لیے آیا ہے.....!''

''اس کی آج کی مصروفیات کے متعلق کچھ علم ہے آپ کو!''

''ہاں سنا ہے، شہر میں پروفیسر زیدان کے نام سے نجومی کا پیشہ اختیار کر رکھا ہے۔''

''بہت بہت شکریہ..... جناب عالی.....!'' فریدی مصافحہ کر کے اٹھتا ہوا بولا۔

''ارے نہیں میاں! اب ناشتہ وغیرہ کر کے جایئے گا۔ مجھے میزبانی کا شرف کرنے کا موقع دیجئے!''

''بہت جلدی ہے جناب ورنہ میں خود سعادت حاصل کرتا۔ پھر بھی حاضر ہوں گا۔''

حمید نے محسوس کیا وہ صاحب اس جواب پر کچھ مغموم سے ہو گئے ہیں۔ واپسی پر نے حمید سے کہا! ''تم نے دیکھا! کس پائے کے بزرگ ہیں۔''

''مجھے تو کوئی خاص بات نظر نہیں آئی!'' حمید نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

''انہوں نے ہم سے قطعی نہیں پوچھا کہ ہم کون ہیں اور زیدان کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہے ہیں ہیں..... یہی ہے مردانِ خدا کی شان...! اپنے کام سے کام رکھتے ہیں

''اور ہم شیطان کے چیلے ہیں کہ ہر ایک کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں۔''

''نہیں ہم بھی اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔ اس لیے شیطان کے چیلے نہیں ہیں۔

''سوال یہ ہے کہ آپ زیدان کے متعلق اتنی ذرا سی بات پوچھنے دوڑے آئے تھے

''بہت اچھے..... کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں چمکدار ہیولیٰ کو طلب کی ہوئی روح سمجھا جو کسی وجہ سے آؤٹ آف کنٹرول ہو گئی.....!''

''آپ کی اس پوچھ گچھ سے تو میں نے یہی اندازہ لگایا ہے۔ ویسے آپ کو کیونکر کہ وہ کبھی ان بزرگ سے بھی متعلق رہ چکا ہے.....!''

''زیدان کا پورا ریکارڈ ہمارے پاس موجود ہے.....!''

''اوہو تو کیا پہلے سے!''

''شہر کے سارے مشتبہ لوگوں سے متعلق تفصیلات محکمے کی تحویل میں ہیں.....!''

''اتنا میں بھی جانتا ہوں..... سوال یہ ہے کہ وہ کس سلسلے میں مشتبہ تھا.....!''

''اعلیٰ پیمانے پر فراڈ کرنے کے سلسلے میں! اس کے بارے میں خیال تھا کہ پاس

جلد نمبر 37

روحانی ہونا محض دکھاوا ہے..... اس کی آڑ میں وہ کوئی لمبا فراڈ کر رہا ہے لیکن کبھی کوئی واضح کیس سامنے نہیں آیا جس میں اس کا ملوث ہونا ثابت ہو سکتا۔''

''اور اب.....!''

''اور اب بھی یہی صورت ہے کہ جب تک وہ روح ہمارے قبضے میں نہ آ جائے۔

''زیدان محض ایک مسخرے کی سی حیثیت رکھتا ہے۔''

''تو کیا آپ اسے حراست میں نہیں لیں گے.....!''

''اس کے اس کھیل کے بارے میں صرف تین شخصیتیں کچھ جانتی تھیں ان میں سے ایک بھی زندہ نہیں۔''

''اس سے کیا ہوتا ہے۔ ان کی اموات کی ذمہ داری اسی پر ہے..... کیا یہ اسے حراست میں لینے کے لیے کافی نہیں ہے۔''

''میں اس کے حق میں نہیں ہوں..... ویسے ایس۔ پی صاحب اسے کسی حال میں بھی نہیں چھوڑیں گے! اچھا بس..... اب تم اسٹیرنگ سنبھالو..... میں بھی کچھ دیر سونا چاہتا ہوں..... تمہیں تار جام کی طرف چلنا ہے..... وہیں ناشتہ کریں گے.....!''

''اب تار جام.....!'' حمید کراہا۔ ''میں نے سوچا تھا کہ شہلا بدخشانی سے کچھ معلوم کرنے کی کوشش کروں گا!''

''جو کچھ اس سے معلوم کرنا چاہتے ہو..... مجھ سے پوچھ لو..... اس کی عمر بائیس سال ہے۔ غیر شادی شدہ..... زندگی بھر کنواری رہنے کا پروگرام بنائے بیٹھی ہے..... اور اسے علم تھا کہ ثریا غزالی کا پروگرام دیکھنے اسی طرح گھر سے باہر جاتی ہے۔ ہر ہفتے وہ شام کا کھانا کھائے بغیر طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے خواب گاہ میں بند ہو جاتی ہے۔''

''آپ کو کیونکر علم ہوا کہ اسے علم تھا.....!''

''خاور بدخشانی سے جو خاندان کا سربراہ ہے.....! اس نے بتایا تھا.....!''

''اس نے کہا تھا کہ شہلا جانتی تھی.....!''

''نہیں! اس نے صرف یہ بتایا تھا کہ وہ ہر ہفتے اس طرح بیمار ضرور ہوا کرتی تھی.....!''

''آپ نے کس طرح اندازہ لگایا کہ شہلا اس بیماری کی اصلیت سے واقف تھی.....!''

''اس لیے کہ غزالی ثریا سے پہلے شہلا ہی میں دلچسپی لیتا رہا تھا.....!''

''نہیں.....!''

''ہاں.....! شہلا غزالی کے لیے منتقمانہ جذبہ رکھتی تھی.....!'' فریدی نے کہا اور سڑک کے کنارے روک دی.....پھر بولا! ''چلو.....ادھر بیٹھو.....میں پیچھے جا رہا ہوں!''

جہاں گاڑی روکی تھی وہ جگہ تار جام والی کرسنگ سے زیادہ سے زیادہ سو گز کے فاصلے رہی ہوگی۔ دفعتاً حمید چونک پڑا۔ ایک چھوٹی سی تیز رفتار گاڑی شہر سے تار جام کی طرف دکھائی دی تھی.....!

فریدی نیچے اتر کر پچھلی سیٹ کی طرف بڑھ رہا تھا کہ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''ٹھہریئے!''

''کیوں.....؟''

''وہ تار جام کی طرف گئی ہے.....!''

''کون.....!''

''شہلا بدخشانی.....!''

''اوہ.....!'' فریدی پھر اگلی ہی سیٹ پر پلٹ آیا.....!

''کیا وہ اس گاڑی میں تھی!'' اس نے پوچھا۔

''پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں.....خود ہی ڈرائیو کر رہی تھی۔''

سورج طلوع ہو چکا تھا.....اور سڑک پر اکا دکا گاڑیاں دکھائی دینے لگی تھیں۔

لنکن آگے بڑھ کر تار جام والی سڑک پر مڑ گئی.....!

''یہاں اس وقت موجودگی کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ اس نے رات ہی کے کسی حصے میں گھر چھوڑا ہوگا۔'' حمید بڑبڑایا۔

''وہاں کسی پر کوئی پابندی نہیں!''

''پھر ثریا کو بیماری کا بہانہ کر کے گھر سے نکلنے کی کیا ضرورت تھی!''

''ممکن ہے! وہ محض شہلا کی وجہ سے ایسا کرتی رہی ہو۔''

''لیکن آپ کے خیال کے مطابق شہلا کو اس کا علم تھا!''

''قیاس ہے.....لیکن اس میں شبے کی گنجائش نہیں کہ ثریا سے پہلے شہلا ہی سے غزالی

دلچسپی لیتی رہی تھی اور شہلا ہی کے ذریعے وہ ثریا سے متعارف ہوا تھا.....!''

حمید کچھ نہ بولا۔ کچھ دور چلنے کے بعد شہلا کی گاڑی دکھائی دی۔ فریدی مناسب درمیانی فاصلے کا تعین کر کے ڈرائیو کرتا رہا۔

''آپ تار جام کیوں جانا چاہتے ہیں۔!''

''زیدان کی اصل جگہ تو وہی ہے.....!''

''کیا مطلب.....!''

''اس کا ایک دفتر تار جام میں بھی ہے۔ شہر میں اس کا بزنس زیادہ اچھا نہیں چلتا۔ تار جام صنعتی علاقہ ہے۔ مزدوروں کی بہتات ہے.....پیش گوئی والا بزنس کم پڑھے لکھے ہی لوگوں کی وجہ سے زیادہ کامیاب ہوتا ہے!''

''سونے کا ارادہ کیوں ترک کر دیا.....؟''

''شہلا کی وجہ سے.....لیکن اگر وہ شہلا نہ ہوئی تو.....؟''

''بطور جرمانہ آپ کی بجائے میں پچھلی سیٹ پر جا کر سو جاؤں گا۔!''

''کھال اتار دوں گا کسی دن تمہاری.....!'' فریدی بے ساختہ قسم کی مسکراہٹ کا گلا گھونٹتا ہوا بولا۔

''اگر کوئی خاتون میری کھال کے دستانے پہننے پر رضامند ہو جائیں تو اس پر بھی تیار ہوں۔''

''تم خود ہی پہنے رہو.....کون روگ پالے گا.....!''

''میں روگ ہوں.....!''

''عورتوں کے لیے روگ ہی بن جاتے ہو گے.....!''

''آپ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے۔ ایسا کوئی حکم لگانے سے پہلے عورت ہونا شرط ہے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ اب وہ کسی گہری سوچ میں معلوم ہوتا تھا۔ آنکھیں ونڈ اسکرین پر لگی ہوئی تھیں۔

تار جام پہنچ کر شہلا کی گاڑی ایک بڑے ہوٹل کی کمپاؤنڈ میں مڑ گئی۔

''بس اب تم یہیں اتر جاؤ!'' فریدی نے حمید سے کہا۔ ''میں تمہاری کال کا منتظر رہوں گا۔ پولیس اسٹیشن کے نمبر رنگ کر کے پیغام دے دینا۔''

''کس وقت تک.....!''

''ایک بجے تک ادھر ہی رکنے کا ارادہ ہے۔'' فریدی نے کہا اور ہوٹل سے کچھ بڑھ کر گاڑی روک دی۔ حمید ٹھنڈی سانس لے کر اتر گیا۔ لیکن یہ مشورہ بے حد سود مند ہوا۔ آخر ناشتہ ہی تو کرنا تھا۔ اگر وہ ہوٹل کی بجائے کہیں اور جاتی تو کیا ہوتا.....!

گاڑی آگے بڑھ گئی اور وہ ریڈی میڈ میک اپ والے اسپرنگ نتھنوں میں فٹ کرنے کی تو بڑھا ہوا ہی تھا۔ بال بھی کسی قدر بکھرا لیے اور جھومتا ہوا ہوٹل کے پھاٹک کی طرف چل پڑا۔

شہلا کی گاڑی پارکنگ شیڈ میں کھڑی دکھائی دی..... وہ تیزی سے ڈائننگ ہال کی طرف بڑھا۔ شہلا کاؤنٹر پر کھڑی نظر آئی۔ فون کا ریسیور اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ کسی سے گفتگو کر رہی تھی۔

جتنی دیر میں حمید کاؤنٹر تک پہنچا وہ ریسیور کریڈل پر رکھ کر قریب ہی کی ایک میز کے پاس جا بیٹھی۔ حمید نے اس کی پشت والی میز اپنے لیے منتخب کی..... اور ویٹر کو ناشتے کی نوٹ کرانے لگا.....!

ادھر شہلا کی میز کے قریب بھی ایک ویٹر کھڑا اس کا آرڈر نوٹ کر رہا تھا..... ڈائننگ ہال کی بہت کم میزیں آباد تھیں۔ اقامتی ہوٹل تھا اس لیے لوگ کم از کم ناشتہ اپنے کمروں میں طلب کرتے تھے۔

کچھ دیر بعد حمید نے محسوس کیا کہ شہلا دیدہ و دانستہ ناشتہ ختم کرنے میں دیر لگا رہی ہے۔ وہ خود ناشتہ سے فارغ ہو کر سگریٹ رول کرنے لگا۔ ریڈی میڈ میک اپ میں بار بار استعمال کرنے کی بجائے پائپ کے تمباکو سے سگریٹ بنا لیتا تھا۔

کچھ دیر بعد ایک ادھیڑ عمر ملکی سفید فام عورت شہلا کی میز کے قریب آ کھڑی ہوئی۔ شہلا اسے دیکھ کر شاید احتراماً اٹھی تھی۔ آنے والی سامنے کی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

''کیا بات ہے۔'' اس نے شہلا سے پوچھا۔ ''تم کچھ پریشان نظر آ رہی ہو۔''

اس نے یہ سوال انگلش میں کیا تھا لیکن لہجے سے انگلش بولنے والے کسی بھی ملک کے نہیں معلوم ہوتی تھی۔

''تمہاری پیش گوئی غلط ثابت ہوئی!'' شہلا کی آواز کانپ رہی تھی۔

''کیوں کیا ہوا.....!''

''پچھلی رات وہ ایک حادثے کا شکار ہو کر مر گیا!''

''تمہارا محبوب.....!''

''ہاں.....!''

''یہ ناممکن ہے..... اسے پھر تمہاری ہی طرف واپس آنا تھا۔''

شہلا وحشیانہ انداز میں ہنس پڑی..... اور پھر بولی۔ ''تم سب فراڈ ہو۔''

''بے ہودہ باتیں مت کرو.....'' غیر ملکی عورت جھلا کر کھڑی ہو گئی.....!

حمید اس دوران میں اپنے ناشتے کی قیمت ادا کر چکا تھا۔

اس عورت کو بالائی منزل کے زینوں کی طرف جاتے دیکھ کر خود بھی اٹھا اور اس کے پیچھے چلنے لگا۔ وہ کمرہ نمبر گیارہ میں داخل ہوئی تھی..... دروازہ بند ہو گیا تھا اور حمید نے کمرے میں اسی عورت کے قہقہے کی گونج سنی تھی.....!

گیارہویں سڑک

کمرہ نمبر گیارہ کی مکین کے متعلق معلومات فراہم کیں اور آدھے گھنٹے بعد وہ فون پر فریدی سے رابطہ قائم کر کے کہہ رہا تھا۔ ''مادام لیریاں اسی کمرے میں چھ ماہ سے مقیم ہے اور اس کا پیشہ بھی وہی ہے، جو پروفیسر زیدان کا ہے..... خود کو فرانسیسی کہتی ہے..... اور کیرو کی شاگرد ہونے کا دعویٰ رکھتی ہے۔ غالباً اس نے شہلا کو بتایا تھا..... کہ غزالی دوبارہ اس کی طرف واپس آئے گا..... لیکن اس وقت شہلا نے اسے غزالی کی موت کی اطلاع دے کر بدزبانی کی تھی اسے فراڈ کہا تھا۔ وہ خفا ہو کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ پھر میں نے کمرے میں اس کے قہقہے کی آواز سنی تھی۔''

''شہلا کہاں ہے!'' فریدی نے پوچھا۔

''جب میں نیچے آیا تھا تو ڈائننگ ہال میں موجود نہیں تھی۔ پارکنگ شیڈ میں گاڑی بھی

نہیں ملی۔''

''اچھا اب تم پولیس اسٹیشن پہنچ جاؤ!'' فریدی نے کہہ کر دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا۔

حمید نے ایک جنرل اسٹور کے فون پر فریدی سے گفتگو کی تھی..... وہاں سے وہ سڑک پر آیا۔ پولیس اسٹیشن یہاں سے ڈھائی میل کے فاصلے پر تھا۔

ٹیکسی ملنے پر دیر لگی اور وہ آدھے گھنٹے سے پہلے پولیس اسٹیشن نہ پہنچ سکا! فریدی موجود نہیں تھا! البتہ ایک پیغام اور گاڑی اس کے لیے چھوڑ گیا تھا جس کی کنجی اسٹیشن انچارج سے مل گئی۔ تحریری پیغام میں اس جگہ کی نشاندہی کی گئی تھی جہاں حمید کو پہنچنا تھا۔

جیسے ہی لنکن مطلوبہ جگہ پر پہنچی۔ سڑک پر کھڑے ہوئے ایک اجنبی نے گاڑی کی طرف بڑھ کر حمید کے ہاتھ میں براؤن رنگ کا لفافہ تھما دیا۔ حمید نے انجن بند نہیں کیا تھا! لفافہ اندر میں ڈال کر ایکسیلریٹر پر دباؤ ڈالا..... گاڑی آگے بڑھ گئی۔

کچھ دور چلنے کے بعد اس نے گاڑی پھر روکی تھی لیکن انجن بند نہیں کیا تھا لفافہ چاک کر کے تحریری نکالی۔ فریدی نے لکھا تھا.....!

''شہلا اس وقت فیروز ہاؤز میں موجود ہے۔ یہ عمارت سٹی پوسٹ آفس کی پشت پر ہے۔ تم شہلا سے اپنی اصل حیثیت میں مل سکتے ہو۔''

''پھر اس کے بعد کیا کروں گا جناب عالی!'' حمید طویل سانس لے کر بڑبڑایا۔

''لیکن اس سے پہلے اگر آپ اجازت دیں تو شیو کر لوں.....!''

گاڑی ایک درخت کے سائے میں لے جا کر روک دی اور انجن بند کر دیا۔ ڈیش بورڈ کے ایک خانے سے الیکٹرک شیور اور چھوٹا سا آئینہ نکال کر داڑھی کھرچنے لگا۔ شیور سے شیو کرنے کو وہ ''کھرچنا'' ہی کہتا تھا۔

کچھ دیر بعد لنکن فیروز ہاؤز کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ خاصی بڑی عمارت تھی۔ یہاں کوئی صنعت کار رہتا تھا۔

جیسے ہی گاڑی پورچ میں پہنچی ایک باوردی ملازم مؤدبانہ اس کی طرف بڑھا.....!

''کیا مس شہلا بدخشانی تشریف رکھتی ہیں!'' حمید نے اس سے پوچھا۔ شہلا کی

پورچ کے باہر کھڑی پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔

''جی ہاں جناب..... شہلا بی بی کچھ دیر پہلے آئی ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔ اور حمید نے اپنا کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا.....!

''اندر تشریف رکھئے.....'' ملازم بولا۔

''پہلے کارڈ لے جاؤ اگر وہ ملنا چاہیں گی تو.....!''

ملازم کارڈ لے کر اندر چلا گیا..... پھر ایک منٹ بھی نہیں گزرا تھا کہ شہلا خود باہر آ گئی۔ نہ صرف باہر آئی بلکہ حمید کو گاڑی میں بیٹھے رہنے کا اشارہ کرتی ہوئی دروازہ کھول کر خود بھی اس کے برابر بیٹھ گئی.....!

''شدت سے بور ہو گئی ہوں.....! کسی طرف نکل چلو.....!'' اس نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

گاڑی پورچ سے نکل کر پھاٹک کی طرف بڑھ گئی۔

''کیا تم شہر ہی سے میرے پیچھے لگے چلے آئے تھے.....!'' شہلا نے پوچھا۔

وہ اس وقت پہلے سے بھی زیادہ بے تکلفی سے گفتگو کر رہی تھی۔ ''آپ'' کی جگہ ''تم'' نے لے لی تھی۔

''کچھ دیر پہلے ادھر سے گزرا تھا اور تمہاری گاڑی فیروز ہاؤز میں داخل ہوتے دیکھی تھی..... واپسی پر سوچا کہ دیکھتا چلوں۔''

''تمہیں مجھ کو یہاں دیکھ کر حیرت نہیں ہوئی۔''

''میں نہیں جانتا کہ فیروز ہاؤز میں کون رہتا ہے۔''

''میں تارجام کی بات کر رہی ہوں..... فیروز ہاؤز میری ایک خالہ کی ملکیت ہے۔''

''پھر حیرت کس بات پر ہونی چاہیے.....!''

''بننے کی کوشش نہ کرو..... تم لوگ بدخشانی پیلس کے ہر فرد پر نظر رکھو گے!''

''اس حد تک بھی نہیں کہ باقاعدہ تعاقب شروع کر دیں..... ہم دراصل پروفیسر زیدان کے سلسلے میں یہاں آئے ہیں۔''

''ہاتھ آیا کہ نہیں.....!''

''بچ کر کہاں جائے گا..... اب بتاؤ کدھر چلیں.....!''

''جہانگیر پارک.....وہاں سایہ بھی ملے گا اور کھلی فضا بھی.....دم گھٹ رہا ہے۔''

حمید فی الحال خود اس سے کچھ نہیں پوچھنا چاہتا تھا۔ ویسے غالباً فریدی کا خیال تھا اس سے بہت کچھ معلوم کر سکے گا ورنہ پیغام اسی سے متعلق کیوں ہوتا۔

شہلا کچھ دیر خاموشی رہ کر بولی۔ ''بھوت کی کہانی اس وقت تک ملک کے بچے بچے کی زبان پر ہوگی۔ بڑی زبردست پبلسٹی کی گئی ہے لیکن شکر ہے کہ اس لڑکی کا نام اور پتہ اخبار میں نہیں ملتا جسے بھوت اٹھا لے گیا تھا۔''

''کیا اس کا نام اور پتہ ہونا چاہیے تھا۔''

''اچھا ہی ہوا.....ورنہ.....!'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

''لیکن کچھ لوگوں کو علم ہے کہ لڑکی کون تھی.....!''

''کیا فرق پڑتا ہے!'' شہلا نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

''کچھ لوگ یہ بھی جانتے ہیں کہ محترمہ ثریا ہر ہفتے کی شام کو بیمار ہو کر اپنی خوابگاہ تک محدود ہو جاتی تھیں۔''

شہلا کچھ نہ بولی لیکن سر گھما کر حمید کو گھورنے لگی تھی۔

''کچھ لوگ یہ بھی جانتے ہیں.....!''

''شٹ اپ! میں جانتی ہوں تم کیا کہنا چاہتے ہو.....!'' شہلا جھنجھلا کر چیخی اور پھر طویل سانس لے کر رہ گیا۔

جہانگیر پارک پہنچ کر وہ ایک گھنے سایہ دار درخت کے نیچے گھاس پر جا بیٹھے.....!

''کیا میری وجہ سے بور ہو رہی ہو۔!'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں تو.....بات ختم ہو چکی.....!''

''جب تک ایک عورت بھی روئے زمین پر باقی ہے بات ختم نہیں ہو سکتی۔''

''کیا مطلب.....!''

''بے چارہ مرد جھک مارتا رہے گا.....!''

''کہنا کیا چاہتے ہو.....!''

''وہ فیصلہ نہیں کر پاتا کہ اس کی محبت کا کیا معیار ہونا چاہیے۔''

''بے حد سڑا بسا لفظ استعمال کیا ہے تم نے.....محبت.....ہونہہ!''

''چلو حماقت کہہ لو.....!''

''سوال یہ ہے کہ اس موضوع پر ہی گفتگو کیوں کی جائے.....!''

''اچھا تو پھر تم ہی کوئی موضوع تجویز کرو.....!''

''کیا ہم خاموش نہیں بیٹھ سکتے.....!''

''یہ میری زندگی کا عجیب ترین دن ہے.....!''

''کیوں.....؟''

''کوئی خاتون خاموش بیٹھی رہنے کی خواہش مند ہیں۔''

شہلا کچھ نہ بولی۔ دوسری طرف دیکھنے لگی تھی.....پھر دس منٹ خاموشی میں گزر گئے اس دوران میں پائپ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا تھا۔

دفعتاً شہلا بولی۔ ''تم سب کچھ جانتے ہو۔ پھر اب مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو.....!''

''کچھ بھی نہیں.....!''

''پھر فیروز ہاؤز کیوں آئے تھے.....!''

''غالباً میں بتا چکا ہوں.....!''

''میں اسے تسلیم نہیں کر سکتی.....!''

''اچھا تو سنو! میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ پروفیسر کا اسسٹنٹ کیوں مر گیا.....! غزالی اور ثریا کی موت کی وجہ سمجھ میں آ سکتی ہے۔''

''میں پروفیسر کے اسسٹنٹ کو نہیں جانتی.....!''

''اچھا تو یہی بتا دو کہ غزالی کو کس حد تک چاہتی تھیں.....!''

''خوب تو کیا تم مجھے ان اموات کا ذمہ دار سمجھتے ہو۔''

''میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔''

''میں اس وہم میں مبتلا تھی کہ وہ کبھی نہ کبھی پھر میری طرف واپس آئے گا۔''

''ظاہر ہے کہ ثریا سے تمہیں شدید نفرت ہو گئی ہوگی۔''

''مجھے اس کا اعتراف ہے! میں یہ بھی جانتی تھی کہ وہ محض مجھ سے چھپ کر غزالی سے

ملتی ہے..... ورنہ اس پر کسی قسم کی بھی پابندی نہیں تھی لیکن کیپٹن حمید میں نے کبھی معاملات میں دخل اندازی نہیں کی۔ اس پر یہ ظاہر ہی نہیں ہونے دیا کہ مجھے غزالی کے تعلقات کا علم ہے۔''

''میرے علاوہ اور کسی سے بھی اس قسم کی باتیں نہ کرنا۔'' حمید اسے گھورتا ہوا بولا

''کیوں.....؟''

''اس طرح تم اپنے خلاف ثبوت فراہم کرو گی..... خیر..... اس سلسلے میں رہنا..... ہاں یہ مادام لیریاں تک تمہاری رسائی کس طرح ہوئی تھی۔''

''خدا کی پناہ..... تم یہ بھی جانتے ہو.....!''

''میرا چیف دنیا کا باخبر ترین آدمی ہے.....! اس کا کہنا ہے کہ تم مادام لیریا سے بہت زیادہ ملتی رہی ہو.....!''

''غزالی ہی نے ایک موقع پر اس سے تعارف کرایا تھا اور اس کے بعد اتفاقاً ملاقاتیں ہوتی رہی تھیں..... اس نے پیش گوئی کی تھی کہ غزالی دوبارہ میری طرف ضرور گا۔ لہٰذا آج صبح میں اسے اطلاع دینے آئی تھی کہ اس کی پیشین گوئی غلط نکلی.....!''

''تم نے اسے فراڈ بھی تو کہا تھا..... اور وہ بگڑ کر فوراً اٹھ گئی تھی.....!''

''واقعی بڑی اپٹوڈیٹ معلومات ہیں!'' وہ اسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھتی ہوئی

''مگر سوال یہ ہے کہ وہ اپنے کمرے میں پہنچ کر قہقہے کیوں لگانے لگی تھی!''

''کیا ایسا ہوا تھا.....!'' شہلا چونک کر حمید کو گھورنے لگی۔

''ہاں.....!''

''میں نہیں سمجھ سکتی۔''

''میرا خیال ہے کہ اس نے صرف تمہارا دل رکھنے کے لیے اس قسم کی پیش گوئی کی تھی

''اس بھی جہنم میں جھونکو..... اب میں اپنے ذہن کو ٹٹولتی ہوں تو محسوس ہوتا ہے غزالی کی محبت میں خراب خوار نہیں تھی بلکہ غصہ اس بات پر تھا کہ اس نے مجھ پر ترجیح فوقیت دی..... میں یہ بھی جانتی تھی کہ وہ دوسری لڑکیوں سے بھی فلرٹ کرتا ہے اس کبھی غصہ نہیں آیا۔''

''ثریا تم سے زیادہ خوبصورت بھی نہیں تھی.....!'' حمید نے کہا۔

شہلا اس ریمارک پر کچھ نہ بولی۔

حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''غزالی بدقسمت تھا کہ اس نے تم جیسی گریٹ لڑکی کی قدر نہ کی۔''

''حمید.....!'' وہ حمید کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

''یقین کرو تم ہر اعتبار سے گریٹ ہو.....!''

''شکریہ..... کیا تم مجھ سے محبت کرنا پسند کرو گے.....!''

''تم تو اس طرح کہہ رہی ہو گویا نہیں کرتا۔''

''فراڈ.....!'' وہ اسے شوخ نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی! ''جیسے میں تمہیں جانتی ہی نہیں..... غزالی بے چارہ تمہارے مقابلے میں کیا تھا۔''

''اس کے باوجود تم نے مجھے ہمیشہ تنہا دیکھا ہوگا۔''

''یہ بھی سچ ہے..... اس کی وجہ بتاؤ گے؟''

''عورتیں مجھے حقیقتاً پسند نہیں کرتیں..... انہیں محض میرے قہقہوں سے دلچسپی ہے!''

حمید نے دردناک لہجے میں کہا..... اور اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ خواہ مخواہ۔

''وہ عورتیں نہ ہوں گی..... یاد رکھو کہ صرف دردمندی کا نام عورت ہے!'' وہ اسے ترحم آمیز نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ ''دردمندی ہی مجھے غزالی کی طرف لے گئی تھی..... میں سمجھی تھی کہ وہ پیار کا بھوکا ہے..... ماں کی طرف سے اسے مامتا کا اتنا حصہ نہیں مل سکا جس قدر اسے درکار تھا۔''

''تم بہت اچھی ہو.....!''

''یقیناً..... میں بُری نہیں ہوں.....!''

''تم کبھی پروفیسر زیدان سے بھی ملی تھیں.....!''

''نہیں کبھی نہیں! مادام لیریاں سے چونکہ شناسائی ہو چکی تھی۔ اس لیے.....!''

وہ جملہ پورا کیے بغیر خاموش ہو کر کسی سوچ میں پڑ گئی۔

حمید اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا رہا۔ اچانک وہ موضوع بدل کر بولی۔ ''تم نے اب تک کتنی لڑکیوں سے عشق کیا ہے۔''

''عشق.....!'' حمید ہنس پڑا۔

''کیوں اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔''

''بہت گاڑھا لفظ ہے۔ حلق میں پھنس جاتا ہے میری سات پشتوں میں بھی کبھی کسی نے عشق نہ کیا ہوگا۔''

''میں نے تو بہت کچھ سن رکھا ہے!''

''دشمنوں نے اڑائی ہوگی۔ دو اور دو صفر والا آدمی ہوں!''

''اچھا..... چلو اٹھو..... کسی اچھی جگہ دوپہر کا کھانا کھائیں گے۔'' وہ اٹھتی ہوئی بولی۔

ایک بار پھر وہ اسی ہوٹل میں پہنچے جہاں حمید نے مادام لیریاں اور شہلا کی گفتگو سنی تھی۔ اس وقت ڈائننگ ہال خاصا آباد تھا..... انہیں وسط میں جگہ ملی کارنرز کی ساری میزیں تصرف میں تھیں۔

حمید نے ویٹر کو لنچ کی تفصیل لکھوائی..... اور اس کے چلے جانے پر شہلا سے

''آج کل لوگ مشرق بعید کے کھانوں کے خبط میں مبتلا ہیں!''

''ٹیسٹ کی بات ہے۔ مجھے بھی مشرق بعید کے کھانے پسند ہیں!''

''لیکن میں نے تو دیسی ہی منگوا لیے ہیں.....!''

''دیسی بھی ناپسند نہیں ہیں!''

دفعتاً حمید کو قریب کی میز پر ایک جانی پہچانی سی شکل نظر آئی..... ذہن پر زور دینے لگا کہ کب اور کہاں دیکھا تھا..... اکثر ایسی صورتیں نظر سے گزرتی تھیں اور وہ ان کی طرف خاص طور پر توجہ نہیں دیتا تھا لیکن یہ آدمی ..... نہ جانے کیوں اس نے اسے اپنی یادداشت کریدنے پر مجبور کر دیا تھا۔ کیا اس سے متعلق کوئی ذہنی خلش تھی۔ بعض چہرے ایک خاص کی ذہنی خلش میں بھی مبتلا کر دیا کرتے ہیں.....!

''تم کس سوچ میں گم ہو۔'' اچانک شہلا بولی اور چونک پڑا۔ شہلا کے ہونٹوں پر سی مسکراہٹ تھی۔ اس نے حمید کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اس معاملے میں جتنا بتا چکی ہوں۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں جانتی۔''

''مجھے یقین ہے.....! میں تو پروفیسر کے اسسٹنٹ..... حمید جملہ پورا نہ کر سکا

قریب والی میز کی شناسا سی شخصیت پوری طرح ذہن میں واضح ہوگئی..... اس نے اس کو پچھلی رات پروفیسر کے اسسٹنٹ کی لاش کے قرب دیکھا تھا۔

اور اب حمید یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ خود وہ آدمی پوری طرح اسکی طرف متوجہ ہو گیا ہے۔ شہلا سر جھکائے بیٹھی تھی۔ حمید کی طرف بھی نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ آدمی کبھی حمید کو دیکھنے لگتا تھا اور کبھی شہلا کو اور حمید ایسا بن گیا تھا جیسے وہ خود اس کے وجود سے بے خبر ہو۔

بیک بیک شہلا آہستہ سے بولی۔ ''کیا ہم کسی دوسری میز پر نہیں بیٹھ سکتے!''

''کیوں.....؟''

''بس یونہی.....!''

''کیا تم اسے جانتی ہو.....!''

''کیا مطلب.....!''

''جس کی وجہ سے یہاں نہیں بیٹھنا چاہتیں!''

''سنو! ہم ایسا کیوں نہ کریں کہ لنچ پیک کرا کے لے چلیں اور کسی دوسری جگہ کھائیں!''

''تم مجھے کچھ خائف سی نظر آ رہی ہو.....!''

''اوہ..... ہاں..... شاید..... لاحول ولا قوۃ!'' وہ ہنس پڑی..... ہنستی رہی اور پھر بولی۔ ''سب جائیں جہنم میں..... مجھے کیا.....!''

''وہ کون ہے.....!''

''غزالی کا ایک دوست..... اسے ہمارے تعلقات کا علم تھا.....!''

''نام اور پتہ.....!''

''شاہد جمیل..... جمیل اینڈ جیمسن کا مینیجنگ ڈائریکٹر..... اس کا آفس ٹمپل روڈ پر ہے!''

''کیا اب بھی لنچ باہر لے چلو گی!''

''ہرگز نہیں..... شہلا ایک منفرد اکائی ہے!''

''اکائی منفرد ہی ہوتی ہے.....!''

اتنے میں ویٹر لنچ کا سامان لے آیا اور اسے میز پر لگانے لگا۔

شاہد جمیل اب بھی انہی کی طرف نگراں تھا۔

حمید یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ شہلا اس کی طرف نظر نہیں اٹھا رہی..... ادھر شاہد جمیل کے انداز سے معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اس وقت مل بیٹھنا چاہتا ہو۔

انہوں نے لنچ ختم ہی کیا تھا کہ صدر دروازے میں کرنل فریدی دکھائی دیا۔

''اوہو.....'' حمید کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔

''کیا بات ہے!'' شہلا چونک پڑی۔

''مائی چیف.....!''

شہلا نے مڑ کر دیکھا اور حمید سے بولی۔ ''یہ کیا بوریت..... اچھا میں سمجھی تم لوگ مزے طور پر میری نگرانی کر رہے ہو!''

فریدی نے ان کی طرف آنے کی بجائے ایک دور افتادہ خالی میز کا رخ کیا تھا.....!

''دراصل ہمیں تمہاری خیریت خداوند کریم سے نیک مطلوب ہے!''

''پھر بھی میں اس صورت حال کو برداشت نہیں کر سکتی۔ جا رہی ہوں!''

وہ اٹھتی ہوئی بولی۔ اس کے لہجے میں شدید غصہ مترشح تھا.....!

پھر قبل اس کے کہ حمید کچھ کہتا وہ دروازے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

پھر وہ دروازے سے نکلی ہی تھی کہ حمید نے شاہد جمیل کو بھی اٹھتے دیکھا اس کے بقیہ ساتھی ..... بدستور بیٹھے رہے۔ اس کے اس طرح اٹھ جانے پر حمید نے ان میں کوئی تبدیلی بھی محسوس نہیں کی تھی۔ کسی کے چہرے پر بھی ایسے آثار نہ دکھائی دیئے کہ اس کا اچانک اٹھ جانا ان کے لیے غیر متوقع رہا ہو.....!

خود حمید کی یہ پوزیشن تھی کہ اس نے ابھی تک لنچ کے بل کی ادائیگی بھی نہیں کی تھی۔

اس نے جھنجھلا کر فریدی کی طرف دیکھا..... دونوں کی نظریں ملیں..... اور حمید جھنجھلاہٹ میں مزید اضافہ ہو گیا کیونکہ فریدی کے ہونٹوں پر ایسی ہی مسکراہٹ تھی جیسے اسے چڑا رہا ہو۔

شہلا اور شاہد جمیل باہر جا چکے تھے..... فریدی اپنی جگہ سے اٹھ کر حمید کے پاس آیا۔ شاہد جمیل کے دونوں ساتھی ان دونوں سے قطعی طور پر لاتعلق نظر آ رہے تھے.....!

''میں نہیں سمجھ سکتا.....!'' حمید نے کچھ کہنا ہی چاہا تھا کہ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''تمہیں اس کا علم ہے کہ یہ اس وقت سے تمہارا تعاقب کرتا رہا تھا جب تم اسے فیروز ہاؤز سے نکلے تھے۔''

''نہیں.....!''

''پھر اس کا علم ہونے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ جہانگیر پارک میں تمہاری پشت پر بھی موجود تھا!''

''کہاں.....!''

''تم کراٹا کی باڑھ ہی کے قریب تو بیٹھے تھے.....!''

''ہاں..... آں.....!''

''باڑھ کی دوسری طرف لیٹا وہ تمہاری گفتگو بخوبی سنتا رہا تھا۔''

حمید نے طویل سانس لی اور فریدی کہتا رہا..... ''تمہارے یہاں داخل ہونے کے بعد وہ بھی داخل ہوا تھا.....!''

''میں سمجھا تھا شاید وہ پہلے ہی سے موجود تھا.....!''

''وہ غالباً شہر ہی سے اس کا تعاقب کرتا ہوا یہاں آیا تھا.....!''

''لیکن کوئی اور گاڑی نہیں دکھائی دی تھی.....!''

''ہو سکتا ہے..... وہ آگے رہا ہو.....! بہرحال ..... میں یہی چاہتا تھا کہ تم اب شہلا سے الگ ہو جاؤ.....!''

''کیا مطلب.....!''

''کچھ دیر بعد معلوم ہو سکے گا..... مطلب.....!'' فریدی اسکی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''کیا یہ دونوں بھی اسکے ساتھ تھے!'' حمید نے کنکھیوں سے دوسری میز کی طرف اشارہ کیا۔

''نہیں.....!''

''تو شاید اب یہ دونوں ہمارا تعاقب کریں.....!''

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کے بعد حمید نے اسے اپنی اور شہلا کی گفتگو کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا۔ ''آخر یہ شخص شاہد جمیل شہلا کا پیچھا کیوں کر رہا ہے۔''

فریدی خاموش ہی رہا۔ اتنے میں ویٹر برتن اٹھانے لگا تو حمید نے اس سے جلد از جلد

بل لانے کو کہا اور فریدی سے بولا۔ ''وہ اپنی گاڑی فیروز ہاؤز ہی میں چھوڑ آئی تھی.....!''

''فکر نہ کرو..... مسٹر شاہد جمیل اب اسے اپنی گاڑی میں لے گئے ہوں گے اور یہ اچھا ہوا.....!''

''کیا مطلب.....!''

''کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ شاہد جمیل کے رحم وکرم پر چھوڑ دی گئی ہے!'' بل کی ادائیگی کے بعد دونوں اٹھ گئے۔

لنکن جب کمپاؤنڈ سے باہر نکل رہی تھی۔ فریدی نے ڈیش بورڈ کے ٹرانسمشن والے سے ماؤتھ پیس نکال کر کسی کو کال کرنا شروع کیا۔ ''ہیلو..... بلیک تھرٹین..... ہیلو بلیک تھرٹین.....''

''یس سر.....!'' ڈیش بورڈ کے خانے سے آواز آئی۔

''کیا پوزیشن ہے!''

''لڑکی اسی کی گاڑی میں ہے اور وہ گیارہویں سڑک پر مغرب کی سمت جا رہے ہیں!''

''تعاقب جاری رکھو.....! اوور اینڈ آل.....!'' فریدی نے کہا اور ماؤتھ پیس میں رکھ دیا۔

کچھ دور چلنے کے بعد، لنکن بھی گیارہویں سڑک پر موڑ دی گئی اور اب اس کی رفتار سے بھی تیز تھی.....! حمید کو دور تک کہیں کوئی دوسری گاڑی نہ دکھائی دی..... لیکن وہ خاموش بیٹھا اپنے طور پر حالات کا تجزیہ کرنے کی کوشش کرتا رہا۔

پھر شاید پندرہ منٹ بعد ایک گاڑی سڑک کے کنارے کھڑی دکھائی دی اور یہ خالی تھی..... فریدی نے اس کے قریب پہنچ کر پورے بریک لگائے۔

''کک..... کیا..... یہ گاڑی شاہد جمیل کی ہے.....'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں..... بلیک تھرٹین کی!'' فریدی نے پرتشویش لہجے میں کہا اور لنکن کا انجن بغیر نیچے اتر کر دوسری گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

نئے اشارے

گاڑی صحیح وسالم تھی! اس قسم کی کوئی علامت نہ ملی جس کی بناء پر کہا جا سکتا کہ اسے زبردستی روکا گیا ہوگا۔

فریدی اسٹیرنگ کی طرف والے دروازے پر جھکا ہوا کچھ دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اس نے سر اٹھا کر حمید سے کہا۔ ''اپنی گاڑی کا انجن بند کر کے آ جاؤ۔''

حمید حسب ہدایت جب قریب پہنچا تو اس چیز پر نظر پڑی جس پر فریدی کی توجہ پہلے سے مرکوز تھی۔ یہ ایک لمبا سا تنکا تھا جو ہینڈل کے قفل کے سوراخ سے باہر نکلا ہوا تھا۔

''آپ کی تعریف.....!'' حمید نے مخصوص مضحکانہ لہجے میں سوال کیا؟

''ایک حقیر سا تنکا۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''جو بالآخر ہماری رہنمائی کرے گا..... بس اسی تنکے کے رخ پر سیدھے چلے آؤ!''

وہ سڑک کے کنارے والی گھنی جھاڑیوں کی طرف بڑھا تھا.....!

لمبی گھاس کی شکل کی قد آدم جھاڑیاں تھیں جن کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا.....!

''آج تم مخصوص حالات میں بلیک فورس کی مخصوص کارکردگی کا بھی مشاہدہ کر سکو گے!'' فریدی نے کہا اور جھاڑیوں میں گھس پڑا لیکن آگے بڑھتے رہنے کی بجائے رک گیا تھا۔

''یہ دیکھو.....!'' وہ حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ اس تنکے کی سیدھ میں یہ نشان موجود ہے!''

ایک جگہ کئی شاخیں اکٹھی کر کے گرہ لگا دی گئی تھی۔

''اس کا مطلب ہے سیدھے چلے جاؤ۔'' فریدی آگے بڑھتا ہوا آہستہ سے بولا۔

ایسے ہی نشانات کئی جگہ ملے پھر دفعتاً فریدی رک گیا اور بولا۔ ''یہ دیکھو دوسری علامت یہاں سے ہمیں بائیں جانب مڑنا ہے۔''

یہاں ایک شاخ دائرے کی شکل میں موڑ کر اس طرح پھنسا دی گئی تھی کہ دائرہ قائم ہو گیا تھا۔

وہ بائیں جانب مڑ گیا اور اب رفتار پہلے سے زیادہ تیز تھی..... خود حمید کو جھاڑیاں ہٹا ہٹا

کر چلنے میں خاصی دشواری پیش آ رہی تھی۔ اچانک ایک جگہ اس نے فریدی کو دوڑتے دیکھا..... یہاں جھاڑیوں کا سلسلہ ڈھلان میں اترتا چلا گیا تھا.....!

حمید انتہائی کوششوں کے باوجود بھی فریدی سے بہت پیچھے رہ گیا لیکن جب اس جگہ پہنچا جہاں سے فریدی نے دوڑ لگائی تھی تو اس کے قدم غیر ارادی طور پر رک گئے۔

نیچے ڈھلان کے اختتام پر جھاڑیوں میں کسی گاڑی کی چھت نظر آ رہی تھی اور فریدی وہاں پہنچ چکا تھا۔ حمید آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگا.....!

''اوہو.....!'' گاڑی کے قریب پہنچ کر وہ بے ساختہ اچھل پڑا..... اگلی سیٹ پر شاہد جمیل اور شہلا بے ہوش پڑے تھے۔ گاڑی کی دوسری جانب ایک آدمی نظر آیا جس کا چہرہ ٹھوڑی سے آنکھوں تک رومال سے ڈھکا ہوا تھا۔

وہ فریدی سے کہہ رہا تھا۔ ''جہاں آپ نے میری گاڑی کھڑی دیکھی تھی..... وہاں سے قریباً دو سو گز پیچھے اس نے اپنی گاڑی جھاڑیوں کی طرف موڑ دی تھی..... اور میں آگے نکلتا چلا گیا تھا۔ وہاں سے پلٹا تو یہی گاڑی اسی حال میں ملی..... دونوں بے ہوش تھے.....!''

''ٹھیک ہے..... اب تم جا سکتے ہو!'' فریدی نے اس سے کہا.....! ''وہیں سڑک پر انتظار کرو.....!''

وہ چلا گیا اور حمید نے طویل سانس لے کر کہا! ''کیا پردہ صرف مجھ سے ہے۔ ظاہر ہے آپ کے لیے تو رومال لپیٹا نہ گیا ہوگا!''

''فضول باتوں میں نہ پڑو.....!'' فریدی نے کہا اور گاڑی کا دروازہ کھول کر ان دونوں پر جھک پڑا۔

شاہد جمیل کے بازو پر کاغذ کا ایک ٹکڑا پن کیا ہوا تھا..... اس نے اسے نکال کر پڑھا اور حمید کی طرف بڑھا دیا۔ پرچے پر تحریر تھا.....!

''ان دونوں اور دوسرے متعلقہ لوگوں کو مطلع کیا جاتا ہے کہ فی الحال میرے پیچھے نہ پڑیں۔ اس آوارہ روح کو قابو میں کیے بغیر کسی کے ہاتھ نہ آؤں گا..... یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے..... اگر مجھے گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی تو یہ روح بڑی تباہ کاری پھیلائے گی کیونکہ میرے علاوہ اور کوئی اسے قابو

میں نہیں کر سکے گا۔ فقط۔ پروفیسر زیدان''

جب پھر فریدی کی طرف متوجہ ہو گیا..... وہ ان دونوں کو ہوش میں لانے کی تدبیریں کر رہا تھا..... اس میں تین یا چار منٹ صرف ہوئے تھے، شاہد جمیل کو پہلے ہوش آیا۔

''مم..... میں کہاں ہوں.....!'' وہ چاروں طرف دیکھتا ہوا ہکلایا۔

''کہاں ہونا چاہئے.....!'' فریدی نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

''ہم ایگل بیچ جا رہے تھے.....!''

''لیکن یہ ایگل بیچ تو نہیں ہے!''

''آپ کون ہیں..... اوہو.....'' وہ حمید کو دیکھ کر چونک پڑا۔ پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''غالباً مس شہلا آپ ہی کے ساتھ تھیں.....!''

''درست فرمایا!'' حمید نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''انہوں نے میرا تعارف انشورنس ایجنٹ کی حیثیت سے کرایا ہوگا!''

''جی نہیں..... ایک پولیس آفیسر کی حیثیت سے.....!''

''سوال یہ ہے کہ آپ ادھر کہاں۔'' فریدی نے دخل اندازی کی۔

''مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ ایک جگہ گاڑی خود بخود جھاڑیوں کی طرف مڑ گئی تھی۔ بریک اور بریک دونوں فیل ہو گئے تھے۔ مس شہلا چیخنے لگی تھیں..... اور میری آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں..... پھر مجھے کچھ بھی یاد نہیں کہ کیا ہوا.....!''

''کیا شہلا نے ایگل بیچ جانے کی خواہش ظاہر کی تھی۔''

''یقیناً..... میرے خدا کیا آپ لوگ مجھ پر کوئی الزام لگائیں گے..... براہِ کرم انہیں ہوش میں لا کر تصدیق کر لیجئے.....!''

ذرا دیر بعد شہلا کو بھی ہوش آ گیا اور اس نے اس حد تک اس کے بیان کی تصدیق کر دی کہ ایگل بیچ چلنے کی خواہش اسی نے ظاہر کی تھی۔

''لیکن تم.....!'' وہ شاہد جمیل پر دانت پیستی ہوئی بولی! ''یہ کیا حرکت تھی۔''

''بریک اور اسٹیرنگ فیل ہو گئے تھے۔ مس بدخشانی۔'' وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولا.....!

''اچھا..... آپ دونوں نیچے اتر آیئے میں دیکھتا ہوں۔'' فریدی نے کہا اور وہ گاڑی

سے اتر گئے۔

فریدی نے شاہد کی گاڑی اسٹارٹ کی اور اسے حرکت میں لا کر اسٹیرنگ اور جائزہ لیا۔ پھر انجن بند کر کے نیچے اتر آیا۔

شاہد بے بسی سے اس کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

حمید کو اندازہ تھا کہ نہ تو گاڑی کے بریک فیل ہوئے ہیں اور نہ اسٹیرنگ ہی ڈھیلا ہو

دفعتاً فریدی نے حمید سے کہا۔ ''تم مس بدخشانی کو فیروز ہاؤز پہنچا دو..... صاحب کے ساتھ ہوں!''

حمید شہلا کو سڑک پر لایا..... اب بلیک تھرٹین کی گاڑی لنکن سے بہت دور کھڑی نظ

''میں بہت شرمندہ ہوں!'' شہلا گاڑی میں بیٹھتی ہوئی بولی۔ ''اس میں شک میں ایگل بیچ جانا چاہتی تھی لیکن کچھ دور چلنے کے بعد ہی مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ مجھے نظر سے دیکھتا ہے!''

حمید کچھ نہ بولا، گاڑی اسٹارٹ کر کے اسے تار جام کی طرف موڑنے لگا۔

''کیا تم مجھے جھوٹی سمجھتے ہو.....!'' شہلا جھلا کر چیخی۔

''کان کے پردے پھٹ جائیں گے..... جھوٹا سمجھتا ہوتا تو تعاقب کیوں کرتا نیچر سے واقف ہوں۔ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس وقت جھلاہٹ میں شاہد کی ہر پیشکش کر لو گی..... ویسے یہ بتاؤ کہ اس جگہ تک پہنچنے سے قبل تم دونوں کے درمیان کس قسم ہوتی رہی تھی.....!''

''اس کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ مجھے بھی غزالی کی موت کا ذمہ دار سمجھتا

''کیا اس نے یہ بات کھل کر کہی تھی۔''

''نہیں.....!''

''پھر تم نے کیسے اندازہ لگایا۔''

''دراصل یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کیا پروفیسر زیدان سے بھی میرے مراسم رہے

''کیا اس وقت اس نے بریک یا اسٹیرنگ فیل ہونے کی شکایت کی تھی۔ جب جھاڑیوں کی طرف مڑی تھی!''

''مجھے یاد نہیں..... البتہ مجھ پر غشی سی طاری ہونے لگی تھی!''

حمید کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد شہلا نے کہا۔ ''تم لوگ بروقت نہ پہنچتے تو پتہ نہیں کیا ہوتا!''

''کچھ بھی نہ ہوتا..... کیونکہ ہمیں تو تم دونوں ہی بے ہوش ملے تھے!''

اس پر شہلا نے حیرت کا اظہار کیا جو حمید کی دانست میں محض اداکاری نہیں ہو سکتی تھی۔

پھر شہلا ہی کی خواہش پر وہ اسے فیروز ہاؤز پہنچانے کی بجائے سیدھا شہر لیتا چلا آیا تھا۔

اسے بدخشاں پہنچا کر اس نے گھر کی راہ لی۔ گھر پر شام کے اخبارات اس کے منتظر تھے جن میں تینوں لاشوں کے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ شائع ہو چکی تھی۔

اس کے مطابق تینوں اموات الیکٹرک شاک لگنے کی بنا پر واقع ہوئی تھیں۔

''نئی الجھن.....'' حمید طویل سانس لے کر ہڑبڑایا۔ ''اب مزید تلخ ہو جائے گی زندگی... الیکٹرک شاک..... بھوت ہونہہ.....!''

پھر شام کی چائے کے ساتھ اس نے اتنا کھا لیا تھا کہ اطمینان سے لمبی تان کر سو سکے۔

اپنے خیالات ذہن سے جھٹک کر بیڈ روم میں پہنچا اور لباس تبدیل کر کے گہری نیند سو گیا۔

ایسے مواقع پر وہ عموماً فون کا ریسیور کریڈل سے ہٹا کر میز پر ڈال دیا کرتا تھا لیکن آج ایسا نہ ہو سکا۔ لہٰذا قریباً ساڑھے آٹھ بجے فون کی گھنٹی بجنی شروع ہوئی اور اس وقت تک بجتی رہی جب تک حمید جھلا کر اٹھ کھڑا نہیں ہوا.....!

''ہالو.....'' وہ ماؤتھ پیس میں دہاڑا۔

''قون ہے.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''وہی بدنصیب جس پر تم عذاب کی طرح نازل کیے گئے ہو!'' حمید پہلے ہی جیسے انداز میں دہاڑا۔ ''اب بتاؤ کہ تم کون ہو!''

''قق..... قاسم.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ غالباً وہ حمید کی آواز نہیں پہچان سکا تھا!

''کیوں ہو..... وجہ بتاؤ.....؟''

''اچھا..... اچھا..... ہی ہی ہی..... سمجھ گیا..... موڈ خراب معلوم ہوتا ہے میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تیسری لاش کس کی تھی..... میرے سامنے تو دو ہی تھیں.....!''

''تیسری لاش میری تھی..... اور میں اس وقت قبرستان سے بول رہا ہوں.....!'' حمید

نے کہا اور ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

ٹھیک اسی وقت کسی نے دروازے پر دستک دی.....! وہ جھلا کر دروازے کی طرف
باہر ایک ملازم کھڑا نظر آیا..... غالباً حمید کے تیور دیکھ کر اس کی روح فنا ہو گئی تھی
سے بول پڑا۔ ''ایک صاحبہ ڈرائنگ روم میں آپ کا انتظار کر رہی ہیں!''

''دفع ہو جاؤ.....!'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا..... اور اسے بھاگتے ہی بن پڑی۔

یہ کون صاحبہ ہو سکتی ہیں۔ اس نے لباس تبدیل کرتے وقت سوچا۔ کیا شہلا؟
علاوہ اور کون ہو گا..... صد فیصد کریک لڑکی ہے! جی بہلنے کے دوسرے ذرائع تلاش کر
ناکام ہو کر پھر اسی کی طرف رخ کیا ہو گا.....!

لباس تبدیل کر کے وہ ڈرائنگ روم کی طرف چلا ہی تھا کہ اچانک پوری عما
اندھیرا ہو گیا۔

''یہ کیا ہوا.....؟'' وہ غضبناک آواز میں دھاڑا..... لیکن یہ غضبناکی دوسرے
میں غائب ہو گئی، کیونکہ کتوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا تھا..... اس کا اندازہ تھا کہ
کے سارے ہی کتوں نے بیک وقت بھونکنا شروع کر دیا ہے۔

وہ پھر تیزی سے اپنی خوابگاہ کی طرف پلٹا اور دروازہ کھولا اور..... ٹٹولتا ہوا سا
طرف بڑھنے لگا۔

دراز سے پستول اور ٹارچ نکال کر دوڑتا ہوا راہداری طے کرنے لگا اب وہ ملا
چیخیں بھی سن رہا تھا.....!

وہ انہیں آوازیں دیتا ہوا آگے بڑھتا رہا..... اور پھر اچانک رک جانا پڑا.....!

پروفیسر زیدان والا بھوت بیرونی برآمدے میں چہل قدمی کر رہا تھا۔

گھور اندھیرے میں اس کے جسم سے پھوٹنے والی روشنی قریباً چھ فٹ کے
ایک چمکدار ہالہ سا بنائے ہوئی تھی۔

حمید جہاں تھا وہیں رک گیا اور پھر دفعتاً اس نے رکھوالی کے دو کتوں کو اس
پر جھپٹتے دیکھا۔ نہ صرف جھپٹتے دیکھا، بلکہ جھلستے بھی دیکھا..... جیسے ہی وہ اس
پھوٹنے والی روشنی کے حلقۂ انعکاس میں پہنچے تھے۔ جھلس کر فرش پر آ رہے تھے۔ ان

چیخیں بڑی کربناک تھیں.....!

حمید نے کسی قدر پیچھے ہٹ کر فائر کر دیا..... پھر تو ایسا معلوم ہوا جیسے آسمان سے بجلی گری
ہو..... ویسی ہی گرج اور چمک سے سابقہ پڑا تھا.....!

اس کے بعد اسے ہوش نہیں کہ پھر کیا ہوا تھا..... زمین شق ہو گئی تھی یا آسمان ٹوٹ پڑا تھا!

ہوش آنے پر خود کو بڈ روم میں پایا اور فریدی اس پر جھکا ہوا تھا۔

حمید نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اٹھنے کی کوشش کی.....!

''لیٹے رہو.....!'' فریدی نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''تم زخمی نہیں
ہو..... مطمئن رہو..... صرف بے ہوش ہو گئے تھے!''

''کیوں بے ہوش ہو گیا تھا.....!''

''اپنی حماقت سے!'' فریدی مسکرا کر بولا..... ''کہیں بھوتوں پر گولیاں چلائی جاتی ہیں...!''

''تت..... تو..... آپ نے بھی دیکھا تھا.....!''

''نہیں..... میں ذرا دیر سے پہنچا تھا! میرے دو بہترین السیشین ضائع ہو گئے..... اور
برآمدے کا ایک ستون چور چور ہو گیا ہے.....!''

''کیا مطلب.....!'' حمید اس بار اٹھ ہی بیٹھا۔

''ساری علامات ایسی ہی ہیں جیسے بجلی گری ہو.....!''

''مم..... میں کتنی دیر بے ہوش رہا ہوں.....!''

''شاید ڈیڑھ گھنٹے.....!''

''ملازموں میں سے کسی کا ہارٹ فیل تو نہیں ہوا.....!''

''نہیں.....!''

حمید کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔ ''اب یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ
الیکٹرک شاک کی کہانی کیوں سنا رہی ہے!''

''یعنی تمہارا خیال ہے کہ اس بھوت سے قربت کا نتیجہ الیکٹرک شاک لگنے کی صورت
میں ظاہر ہوتا ہے!''

''پھر اور کیا کہا جا سکتا ہے.....!''

''اگر یہ بات ہے تو غزالی اسی وقت کیوں نہیں مر گیا تھا جب بھوت نے اسے اٹھا کر پھینکا تھا!''

''اوں.....ہوں.....یہ بات تو ہے.....!''

فریدی اسے مزید آرام کرنے کا مشورہ دیتا ہوا خواب گاہ سے باہر نکل گیا.....اس کے بعد بوڑھا نصیر اس کی خدمت گزاری کے لیے حاضر تھا۔

دفعتاً حمید کو یاد آیا کہ اس روشن ہیولیٰ کے نمودار ہونے سے پہلے اسے کسی خاتون کی آمد کی اطلاع ملی تھی۔ اس نے نصیر سے اس کے بارے میں پوچھا۔

''صاحب.....شکور آیا تھا آپ کے پاس!'' نصیر نے جواب دیا۔ ''آپ نے اسے ڈانٹ کر بھگا دیا تھا.....اس نامراد نے جا کر ان بی بی سے کہہ دیا کہ صاحب نہیں ملنا چاہئے.....مجھے مارنے دوڑے تھے.....وہ بیچاری مجھے اپنا کارڈ دے کر واپس چلی گئی تھیں.....ان کی گاڑی پھاٹک سے باہر نکلی ہی تھی کہ بجلی غائب ہوگئی!''

''کارڈ کہاں ہے!''

''میں نے صاحب کو دے دیا تھا.....!''

حمید نے خاتون کا حلیہ پوچھا.....اور نصیر کے جواب سے یہی نتیجہ اخذ کیا کہ وہ شہلا بدخشانی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتی۔

''صاحب.....! یہ سب کیا تھا۔'' نصیر نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

''وہی بھوت جس کے بارے میں آج کے اخبارات بھرے پڑے تھے!''

''اس کا یہاں کیا کام.....!''

''ٹھیک کہتا ہے.....بھوتوں کے مسکن میں کسی باہری بھوت کا کیا کام!'' حمید نے کہا اور بستر سے اٹھ گیا۔

''آپ لیٹے رہیے صاحب!'' نصیر بولا۔

''شٹ اپ.....!''

وہ خود میں کسی قسم کی بھی کمزوری محسوس نہیں کر رہا تھا.....!

برآمدے میں پہنچ کر اس نے ستون کا ملبہ دیکھا جو فریدی کے بیان کے مطابق ڈاکٹر

کے بھوت کی چیرہ دستیوں کا شکار ہوا تھا۔

نصیر اس کے پیچھے پیچھے آیا تھا۔ حمید نے مڑ کر اس سے پوچھا۔ ''گرج اور چمک کے ساتھ ہوا تھا!''

''یہی ہوا ہوگا صاحب!'' نصیر نے ملبے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''یہاں ہوش کس کے تھے!''

''صاحب کتنی دیر بعد آئے تھے.....!''

''لائٹ آ جانے کے بعد.....لائٹ بھی خود بخود غائب ہوئی تھی۔ صاحب جب آئے تو کچھ بھی نہیں تھا!''

''یہ ملبہ ہٹواؤ یہاں سے.....!''

''صاحب کہہ گئے ہیں کہ اسے ہاتھ بھی نہ لگایا جائے.....!''

حمید پھر کچھ نہ بولا.....وہ سوچ رہا تھا کہ اگر بھوت کے نمودار ہونے سے قبل شہلا ہی یاد آئی تھی تو اس کا کیا مطلب ہوسکتا ہے.....وہ شاہد جمیل کے ساتھ کار میں بے ہوش پائی گئی تھی اور ان دونوں کی بے ہوشی کا سبب ڈاکٹر زیدان کی تحریر سے ظاہر ہوا تھا۔ پھر شہلا سے ہمدردی ہوا کہ شاہد اس سے ڈاکٹر زیدان ہی کے بارے میں پوچھ گچھ کرتا رہا تھا! تو گویا.....

دفعتاً خیالات کا سلسلہ ایک ملازم کی آمد سے ٹوٹ گیا.....اس نے فون پر کسی کال کی اطلاع دی تھی! حمید ڈرائنگ روم میں آیا۔ کلاک پر نظر پڑی۔ رات کے گیارہ بجے تھے۔ اس نے ریسیور اٹھایا۔

دوسری طرف سے آواز آئی! ''کون صاحب بول رہے ہیں!''

''کیپٹن حمید.....!''

''اوہ.....گڈ.....کیپٹن! میں میجر اکرام ہوں.....اپنی قیام گاہ سے بول رہا ہوں.....ابھی ابھی.....میں نے اپنے فرنٹ گارڈن میں وہی روشن ہیولیٰ دیکھا ہے.....!''

''اس کے ساتھ کوئی لڑکی تو نہیں ہے!'' حمید نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''نہیں.....تو.....!''

''بس تو پھر اسے جھک مارنے دیجئے!''

''کک.....کیا مطلب.....!''

''وہ تین بیویوں کا شوہر ہوگا.....اسی لیے چکنے لگا ہے!''

''آپ پھر میرا مذاق اڑا رہے ہیں!''

''اچھا تو پھر بتایئے کیا کروں.....!''

''جہنم میں جایئے!'' دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

حمید کو اس پر ہنسی آ گئی تھی۔ اس نے ریسیور رکھا ہی تھا کہ پھر گھنٹی بجی.....اس بار کال تھی وہ کہہ رہا تھا۔ ''جتنی جلد ممکن ہو.....گھر سے باہر آ جاؤ۔''

''کیوں؟ کیا بات ہے!''

''بس یونہی.....اپنی گاڑی نکالو.....اور آرلکچو پہنچ جاؤ!''

''ابھی ابھی میجر اکرام کی کال آئی تھی۔ اس نے اپنے پائیں باغ میں وہی بھو ہے!''

''کیا اس نے ہمیں بلایا ہے.....!''

''نہیں! مجھے جہنم میں بھیجا ہے کیونکہ میں نے بیویوں کا ذکر چھیڑ دیا تھا۔''

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو جانے کی آواز سن کر حمید نے ریسیور رکھ دیا فریدی کی ہدایت کے مطابق گھر چھوڑ دینے کی تیاری کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد اس کی گاڑی آرلکچو کی طرف جا رہی تھی۔

لیکن خود فریدی آرلکچو میں تو نہیں تھا۔ اس نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دے رات کا کھانا بھی تو نہیں کھایا.....یہی سہی.....!

وہ ایک میز منتخب کر کے بیٹھا ہی تھا کہ ایک آدمی اس سے لگ کر کھڑا ہو گیا اور اپنے بائیں شانے پر کسی سخت چیز کی چبھن محسوس کی.....کنکھیوں سے دیکھا.....اجنبی کی داہنی جیب سے پستول کی نال کا دباؤ اس کے شانے پر پڑ رہا تھا۔

''اٹھو.....اور میرے ساتھ چلو!'' اجنبی آہستہ سے بولا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں حمید کی کرسی الٹ گئی اور ساتھ ہی اس کی لات اجنبی پر پڑی تھی.....وہ اچھل کر سامنے والی میز پر جا پڑا.....اور پھر حمید اس پر سوار تھا.....ا

میں اجنبی کی جیب سے پستول نکل کر دور جا گرا۔

تیسری دھمکی

حمید آرلکچو میں جانا پہچانا آدمی تھا۔ اس لیے اس کے ہاتھوں پٹنے والے کا وہاں سے بچ نکلنا مشکل ہی تھا.....سارے ملازمین دوڑ پڑے اور اجنبی کو گھیرے میں لے لیا۔

ٹھیک اسی وقت فریدی بھی وہاں پہنچ گیا۔ کسی نے حملہ آور کے پستول کی طرف بھی توجہ دلائی جو ایک میز کی نیچے پڑا ہوا تھا۔

اجنبی پکڑا گیا لیکن حمید نے فریدی کی آنکھوں میں کچھ ایسا تاثر دیکھا جیسے یہ کارروائی اسے پسند نہ آئی ہو.....!

کچھ دیر بعد وہ وہاں سے روانہ ہوئے۔ قیدی فریدی کی گاڑی میں تھا۔ حمید کی گاڑی آرلکچو ہی میں چھوڑ دی گئی تھی! فریدی قیدی کے برابر بیٹھا تھا.....اور حمید ڈرائیو کر رہا تھا۔

''تم حمید کو کہاں لے جانا چاہتے تھے؟'' دفعتاً فریدی نے قیدی سے سوال کیا۔

''مم.....میں کچھ نہیں جانتا.....!''

''اس کی دودھ کی شیشی شاید آرلکچو ہی میں رہ گئی ہے۔'' حمید بول پڑا۔ ''کچھ بھی نہ پوچھیے۔ اس سے تو میں نپٹوں گا!''

''کیا کرو گے.....!''

''دونوں کلائیوں کی ہڈیاں توڑ کر روزنامچے میں لکھوں گا کہ آرلکچو کے ملازمین اس سے لپٹ پڑے تھے۔ لہٰذا ٹوٹ پھوٹ کا خیال نہیں رکھا جا سکا!''

''مم.....میں.....بتاتا ہوں.....پپ پروفیسر زیدان نے مجھے بھیجا تھا!'' قیدی نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

''وہ کہاں ہے.....!''

''زینت منزل.....سرکلر روڈ.....!''

''تمہارا اس سے کیا تعلق ہے.....!''

''اس کا ملازم ہوں! لیکن ملازمت کی مدت ایک ہفتے سے زیادہ نہیں۔''

''اس سے پہلے کیا کرتے تھے!''

''کچھ بھی نہیں۔''

''ہسٹری شیٹر ہوگا.....!'' حمید نے کہا۔

''کیوں.....؟''

قیدی کچھ نہ بولا لیکن کچھ دیر بعد اسے اعتراف کرنا ہی پڑا.....کہ وہ ہسٹری شیٹر ہے اور اس کا ریکارڈ پرنسٹن کے پولیس اسٹیشن پر موجود ہے۔

پھر پرنسٹن کے پولیس اسٹیشن سے اس کی تصدیق ہو جانے کے بعد اسے وہیں کے حوالات میں دے دیا گیا۔

آدھے گھنٹے کے اندر ہی اندر زینت منزل پر پولیس کا چھاپا پڑا۔ لیکن عمارت میں کوئی بھی موجود نہیں تھا.....البتہ وہاں بھی فریدی کے لیے پروفیسر زیدان کی ایک تحریر ملی جس کے ذریعے اسے متنبہ کیا گیا تھا وہ اس کی تلاش سے باز آجائے ورنہ نتیجے کا خود ذمہ دار ہوگا.....!

حمید نے فریدی کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ دیکھی تھی اور اس نے وہ تحریری بڑی لاپروائی سے ایک طرف ڈال دی تھی۔

واپسی پر رات کے ڈھائی بج چکے تھے۔ فریدی نے حمید کے استفسار پر بتایا کہ اس نے اسے یونہی خواہ مخواہ آرلکچو نہیں بھیجا تھا۔ حمید خاموشی سے سنتا رہا۔

''دو آدمی تھے! جب میں گھر سے نکلا تو ایک نے میرا تعاقب شروع کر دیا تھا اور دوسرا وہیں رہ گیا تھا پھر وہ تمہارا تعاقب کرتا ہوا آرلکچو پہنچا.....اس طرح ہم زینت منزل تک پہنچے۔''

فریدی خاموش ہو گیا اور حمید ہنس کر بولا۔ ''لیکن وہاں صرف دھمکی ملی۔''

''سنو.....'' فریدی آہستہ سے بولا۔ ''یہ معاملہ ابھی تک میرے ذہن میں صاف نہیں ہو سکا۔''

''اب اور کتنی صفائی چاہیے.....کیا آپ چاہتے ہیں پوری کوٹھی پر بجلی گر پڑے.....!''

''بھوت کا وجود اپنی جگہ پر.....لیکن یہ پروفیسر.....کیا وہ پاگل ہو گیا ہے۔''

''میں نہیں سمجھا.....!''

''ظاہر ہے کہ ابھی تک وہ ہماری گرفت میں نہیں آیا.....خاموش ہو بیٹھے۔ ان دھمکیوں کا مقصد کیا ہو سکتا ہے!''

''میرا خیال ہے.....!'' حمید کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔

''ہوں کیا خیال ہے.....!''

''کک.....کچھ بھی نہیں.....مم.....میرا دم گھٹ رہا ہے.....!''

''کیوں.....کیا بات ہے.....!'' فریدی نے دفعتاً گاڑی کی رفتار کم کرتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ نہیں.....الجھن.....وحشت.....زبان ہلانے کو بھی جی نہیں چاہتا!''

''اوہ.....میں سمجھا شاید.....تم بھی شاہد جمیل اور شہلا ہی کی طرح بے ہوش ہونے والے ہو.....!'' فریدی نے کہا اور حمید نے محسوس کیا جیسے وہ یک بیک چونک پڑا ہو.....!

''صرف ایک بات.....!'' فریدی دوبارہ بولا۔ ''تم کہتے ہو کہ وقوعے والی رات کو تم نے سارے تماشائیوں کو ہال سے باہر نکال دیا گیا تھا.....پھر شاہد جمیل وہاں کیسے رہ گیا تھا!''

''چونکہ وہ اسٹیج پر موجود تھا.....اس لیے میں اسے منتظمین میں سے بھی سمجھ سکتا تھا۔ لہٰذا اس کا جواب میجر اکرام ہی دے سکے گا کہ وہ اسٹیج پر کیوں موجود تھا!''

''ہوں.....اوں.....!'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا! ''اگر تمہیں نیند آ رہی ہو تو تمہارے سونے کا انتظام کہیں اور کر دیا جائے.....فی الحال ہم گھر واپس نہیں جائیں گے!''

''بہت خوب.....! بھاگتے بھوت کی لنگوٹی والی ضرب المثل سنی تھی.....لیکن سراغرسانوں کی دربدری میرے لیے بالکل نئی چیز ہے۔'' حمید ہنس پڑا۔

فریدی نے اس جملے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ ''اچھی بات ہے چلے جاؤ، پچھلی سیٹ پر.....تم گاڑی ہی میں سوؤ گے.....!''

''اور آپ.....؟''

''میری فکر نہ کرو.....ایک آنکھ سے سوؤں گا اور دوسری سے جاگتا رہوں گا!''

پچھلی سیٹ پر پہنچ کر دو منٹ کے اندر اندر وہ گہری نیند سو گیا تھا.....! پھر خود بخود ہی آنکھ کھلی تھی۔ پرندوں کی نندا سی آوازیں کانوں میں آئیں۔ سرد ہوا کے جھونکوں کے ساتھ نہ

جانے کدھر سے بڑی لطیف خوشبو چلی آ رہی تھی.... وہ آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا۔

''خداوندا.....!'' بے اختیار زبان سے نکلا تھا۔

لیکن کسی جنگل میں کھڑی تھی..... آغازِ سحر کا دھندلکا چاروں طرف بکھرا ہوا تھا.....!

''کیا مصیبت ہے.....'' وہ بڑبڑاتا ہوا گاڑی سے اتر آیا۔ فریدی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ وہ پھر خاموشی سے گاڑی میں آ بیٹھا۔ ویسے اسکا اندازہ تھا کہ گاڑی لڑکال جنگل میں کھڑی ہوئی ہے۔

آہستہ آہستہ اجالا پھیلتا رہا۔ پرندوں کے شور سے فضا گونجی ہوئی تھی۔ وہ دم بخود بیٹھا جماہیاں لیتا رہا۔

آخر یہاں کہاں..... وہ سوچ رہا تھا۔ کیا پروفیسر زیدان نے اس جنگل میں پناہ لی ہے.....؟ کیا فریدی پچھلی رات کسی کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا.....؟ لیکن اسے اس طرح سوتا کیوں چھوڑ گیا.....؟ اس جنگل میں اگر وہ قتل بھی کر دیا جاتا تو کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی؟ کیا فریدی اتنا ہی عاقبت نااندیش ہو سکتا ہے؟

وہ سوچتا اور نیم غنودہ ذہن کے ساتھ گرد و پیش کا جائزہ لیتا رہا..... کچھ دیر بعد قدموں کی چاپ سنائی دی اور وہ چونک کر آواز کی جانب متوجہ ہو گیا۔

آنے والا فریدی ہی تھا، لیکن بہت جلدی میں معلوم ہوتا تھا۔ اس نے اسے اسٹیرنگ کے سامنے سے ہٹاتے ہوئے کہا۔ ''تم بڑی جلدی اٹھ بیٹھے!''

پھر حمید کچھ کہہ بھی نہیں سکا تھا کہ اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور اسے بیک کر کے ایک صاف راستے پر ڈال دیا.....!

سڑک تک پہنچنے میں دو تین منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے..... اور اب گاڑی کا رخ مشرق کی جانب تھا۔

سورج طلوع ہو رہا تھا..... نارنجی شعاعیں آہستہ آہستہ درختوں پر رینگ رہی تھیں۔

''کیا ہم لڑکال جنگل میں تھے۔'' حمید نے پوچھا۔

''ہاں.....!'' مختصر سا جواب ملا۔

''لہٰذا ناشتے میں برگد کے پتوں کا سلاد ملاحظہ فرمائیے!''

''بکو مت ذرا دیر بھوک کی سہار نہیں ہو سکتی!''

...ہنتی ہے کہ بھوکوں مرنے کے لیے زندہ رہ گیا ورنہ کیا بڑی بات تھی۔ سوتے میں ...ولی مار دیتا!''

''پیچھے مڑ کر دیکھو.....'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

حمید مڑا..... دو ڈھائی سو گز کے فاصلے پر ایک گاڑی نظر آئی اور فریدی نے کہا۔ ''تم ...نہا نہیں تھے!''

''لیکن لڑکال جنگل کیوں؟''

''شاہد جمیل کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک آیا تھا..... شاہد جمیل غائب ہو گیا اور اب اسی ...ر میں ایک عورت واپس جا رہی ہے.....!''

''کیا آپ یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہی عورت شاہد جمیل نہیں ہے!''

''کیا بکواس ہے!''

''آج کل جنس تبدیل ہوتے دیر نہیں لگتی جہاں کسی مرد پر تفکرات کا دورہ پڑا۔ اس کی ...کٹ سے بدل جاتی ہے!''

فریدی نے سختی سے ہونٹ بھینچ لیے اور پھر حمید اس سے کچھ بھی نہ سن سکا۔

ظاہر ہے کہ اس کے بعد اسے اپنے رویئے پر افسوس ہی ہوا ہو گا پوری بات سنے بغیر ...بان کو بے لگام نہ کرنا چاہیے تھا۔

غالباً تین میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد آگے سڑک پر ایک گاڑی دکھائی دی۔ حمید نے ...پہچان لیا۔ یہ وہی گاڑی تھی جس میں پچھلے دن شہلا اور شاہد جمیل بیہوش پائے گئے تھے۔

لیکن کی رفتار کچھ اور تیز ہوئی اور حمید کو اس عورت کی پشت دکھائی دی جو اگلی کار کو ڈرائیو ...ی تھی۔

فریدی گاڑی کی رفتار بڑھاتا ہوا آگے نکال لے گیا۔ اس طرح حمید کو اس عورت کی ...جھلک نصیب ہو گئی تھی اور اسی ایک جھلک سے اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ عورت نہ ...غیر ملکی ہے بلکہ خاصی دلکش بھی ہے۔

''اس طرح نکل بھاگنے سے کیا فائدہ.....!'' حمید نے پھر چھیڑ چھاڑ شروع کی۔

''اس لیے کہ تم اسکی شکل دیکھ سکو! پشت دیکھ دیکھ کر اختلاج قلب میں مبتلا ہو جائے!''

''تو پھر مجھے صحت مند رہنے دیجئے۔ ذرا آہستہ چلئے نا!''

''شٹ اپ!''

ذرا ہی سی دیر میں وہ گاڑی اتنی پیچھے رہ گئی کہ اسے نظروں سے اوجھل ہو جانا پڑا۔

حمید ٹھنڈی سانس لے کر پشت گاہ سے ٹک گیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ تھا کہ بہت دنوں کے بعد پھر کسی گردش کا شکار ہونے والا ہے۔ پروفیسر زیدان کا بھوت کوئی چلتا پھرتا ایٹمی ری ایکٹر نہ ثابت ہو۔

وہ پھر اونگھنے لگا۔ دو راتوں کی نیند اس پر ادھار رہی تھی۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد چونک اس قسم کے نعرے لگاتا۔

''کافی ود کریم..... انڈوں کے سینڈوچ..... آرینج جوس!''

گھر پہنچ کر حمید تو ناشتے پر ٹوٹ پڑا تھا اور فریدی ڈرائنگ روم میں فون کے قریب بیٹھا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ ڈائننگ روم میں آیا۔ حمید شکم سیر ہو جانے کے بعد کافی کی چسکیاں لے رہا تھا۔

فریدی کے چہرے پر اس نے غضبناکی کے آثار دیکھے۔

''کیا بات ہے.....!'' اس نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

''سب ڈفر ہیں! میں نے پچھلی رات خاص طور پر سارے پولیس اسٹیشنوں کو منع کر دیا تھا کہ اگر وہ بھوت کہیں دکھائی دے تو اس پر فائر نہ کیے جائیں.....!''

''تو پھر.....!''

''ہماری عدم موجودگی میں ایک پٹرول دھماکے سے پھٹ گیا اور دور دور تک آگ لگ گئی۔ پٹرول پمپ کے قریب بھوت نظر آیا تھا۔ ایک گشتی دستے نے اس پر فائرنگ شروع کر دی جس کا نتیجہ بہت بڑی آتشزدگی اور اموات کی صورت میں ظاہر ہوا۔''

''آخر یہ بھوت ہے کیا بلا.....!''

فریدی کچھ نہ بولا۔ خاموشی سے ناشتہ کرتا رہا.....!

اتنے میں ایک ملازم نے پھر کسی فون کال کی اطلاع دی۔ فریدی کافی کی پیالی ہاتھ میں لیے ہوئے اٹھ گیا۔ اس بار حمید بھی اس کے ساتھ ڈائننگ روم میں آیا تھا۔

فون کال مختصر تھی۔ آخر میں فریدی نے کسی کو ہدایت دی تھی..... ''نگرانی جاری رکھو!'' اور رسیور رکھ دیا تھا۔

''کس کی نگرانی.....؟'' حمید نے سوال کیا۔

''اسی عورت کی..... کیا تم سمجھتے ہو کہ اسے مقدرات کے حوالے کر آیا ہوں۔''

''اوہ..... ہاں..... اچھا..... ہمارے پیچھے بھی تو ایک گاڑی تھی!'' حمید بولا۔

فریدی خاموش رہا۔

وہ آفس پہنچے تو ڈی۔ آئی۔ جی کے روم میں طلبی ہوئی۔

اس نے ایک لفافہ فریدی کی طرف بڑھا دیا..... یہ پروفیسر زیدان کا خط تھا جس میں ڈی۔ آئی۔ جی سے استدعا کی گئی تھی کہ بھوت پر فائر نہ کیے جائیں ورنہ پورا شہر تباہ ہو جائے گا۔ خود اس کے علاوہ اور کوئی بھی اسے دوبارہ عالم ارواح میں واپس نہ بھیج سکے گا۔ لہٰذا فی الحال نہ اسے تلاش کیا جائے اور نہ بھوت کو چھیڑا جائے.....!

''اب تک کی رپورٹ.....!'' ڈی۔ آئی۔ جی نے فریدی کے پُرتفکر چہرے پر نظر جماتے ہوئے مطالبہ کیا۔

مختصراً زبانی رپورٹ پیش کرتے ہوئے فریدی نے کہا۔ ''شاہد جمیل میرے ذہن میں لگ رہا تھا لہٰذا پچھلی رات میں نے فیصلہ کیا کہ اس پر پوری طرح نظر رکھی جائے، یہ تو پہلے سے معلوم تھا کہ وہ سنیچر کی رات عموماً ہائی سرکل نائٹ کلب میں گزارتا ہے۔ لہٰذا میں نے وہیں جا لیا..... اس وقت وہ وہاں سے رخصت ہو رہا تھا..... تنہا تھا۔ وہیں سے تعاقب کرتا ہوا لڑکال جنگل تک پہنچا لیکن پھر اس کی کار ہی ہاتھ لگ سکی تھی..... جتنی دیر میں اپنی گاڑی کسی مناسب جگہ کھڑی کر کے اس تک پہنچتا وہ غائب ہو چکا تھا۔ کچھ دیر اس کی تلاش میں سرگرداں رہ کر صرف گاڑی ہی پر نظر رکھنا مناسب سمجھا..... لیکن صبح ہوتے ہوتے گاڑی پر شاہد جمیل کی بجائے ایک عورت نظر آئی۔ وہی اسے ڈرائیو کر رہی تھی اور شاہد جمیل کا کچھ پتہ نہ تھا۔''

فریدی خاموش ہو گیا۔

''وہ عورت کون تھی؟'' ڈی۔ آئی۔ جی نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

''جلد ہی معلوم ہو جائے گا!'' فریدی نے کہا۔ ''لیکن اب اس روشن ہیولی میں احتیاط برتی جانی چاہئے!''

''آخر یہ ہے کیا بلا!''

''فی الحال وہ صرف ایک دیکھنے کی چیز ہے!''

ڈی۔آئی۔جی نے اس ریمارک پر فریدی کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تو مطلب ہے کہ تم کسی حد تک اسے سمجھ سکے ہو!''

''کوشش کر رہا ہوں کہ پوری طرح سمجھ میں آ جائے۔ ویسے میرا خیال ہے کہ زیدان بھی مر چکا ہے!''

''میں نہیں سمجھا!''

''اور ہمیں یقین دلانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ وہ زندہ ہے۔''

فریدی نے زیدان کے خط کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''غزالی مرنے سے قبل حمید کو بتانا چاہتا تھا کہ پروفیسر اس معاملے میں قطعی ہے۔ پھر جب اس نے اس کی وضاحت کے لیے پروفیسر کے اسسٹنٹ کا ذکر شرو فوری طور پر اس کی موت واقع ہوگئی۔ اسسٹنٹ پہلے ہی مر چکا تھا، ثریا بدخشانی بھی جانتی تھی اس لیے اسے بھی مرنا پڑا!''

''چلو! یہی تسلیم کیے لیتے ہیں..... لیکن مقصد.....!''

''مقصد ہی کی تلاش میں سرگرداں ہوں۔ ویسے شاید آپ کو علم نہ ہو کہ اس بھوت گولی حمید نے چلائی تھی!''

ڈی۔آئی۔جی چونک کر حمید کو گھورنے لگا اور فریدی نے وہ کہانی بھی دہرائی.... پھر ڈی۔آئی۔جی نے سکوت اختیار کر لیا۔

وہاں سے واپسی پر حمید نے کہا۔ ''پوری رپورٹ میں کہیں آپ کی بلیک فورس کا نہیں آنے پایا تھا!''

''برخوردار حمید سلمہٗ..... بلیک فورس میرے اور صدر مملکت کے درمیان ایک راز کا نام

''اوہو..... تو آپ نے مجھے کیوں بتا دیا!''

''تاکہ اگر تمہیں کبھی کسی آفیسر کو رپورٹ دینی پڑے تو تم محتاط رہو۔ ویسے ابھی تک تو تمہاری زبان پر بھی کسی اور کے سامنے یہ نام نہیں آیا!''

فریدی اپنے آفس میں پہنچ کر تھوڑی ہی دیر بیٹھا تھا اور پھر حمید کو وہیں رہنے کی ہدایت کرتا ہوا باہر چلا گیا تھا۔ وہاں حمید کی موجودگی کی ضرورت اس لیے پیش آئی تھی کہ فریدی کو فون پر کسی اہم پیغام کا انتظار تھا۔

فریدی کو گئے تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ لیڈی انسپکٹر ریکھا کمرے میں داخل ہوئی۔ چند لمحے حمید کو پیار بھری نظروں سے دیکھتی رہی پھر بولی۔ ''آج اتنے خوبصورت کیوں لگ رہے ہو!''

''شکریہ! جو کچھ پوچھنا چاہتی ہو پوچھو۔ خوبصورت نہ لگنے کے باوجود بھی بتا دوں گا!''

''شہلا بدخشانی پر کیوں عنایت ہوگئی ہے!''

''کوئی دوسری نہیں ملتی اس لیے.....!''

''سچ بتاؤ کہ کیا وہ کسی طرح اس کیس میں ملوث ہو سکتی ہے۔''

''پتہ نہیں تم کس کیس کی بات کر رہی ہو۔''

''غزالی اور ثریا والا کیس!''

''ثریا کو غزالی سے کیا سروکار.....!''

''ہونہہ..... تو گویا میں نہیں جانتی کہ وہ لڑکی کون تھی!''

''اگر جانتی ہو تب بھی شہلا بدخشانی کا نام خصوصیت سے کیوں لیا!''

''کبھی وہ بھی غزالی کی فیورٹ تھی!''

''اب میری ہے۔ کوئی وہ غزالی کے باپ کی جاگیر تو نہیں ہے!''

''ارے تو اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے تم اسکے باوجود بھی خوبصورت لگ رہے ہو!''

''اب کیا پوچھنا چاہتی ہو!''

''بھوت کے متعلق کرنل صاحب کا کیا نظریہ ہے!''

''شش.....'' حمید نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کہا! ''ظالمو سے کہنا، کہ آپ بڑے خوبصورت لگ رہے ہیں!''

''یقین نہیں کرسکتی کہ تم دونوں کے درمیان اس سلسلے میں گفتگو نہ ہوئی ہو۔''

''ہم دونوں تو عموماً پیار محبت کی گفتگو کیا کرتے ہیں۔ الزبتھ ٹیلر انہیں بہت پسند ہے کہتے ہیں اس سے شادی ہو جاتی تو کپڑے بھی مفت سل جایا کرتے۔''

''اور تمہیں کون پسند ہے؟''

''گرموں میں آم اور سردیوں میں امرود!''

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور حمید نے ریسیور اٹھا لیا۔

دوسری طرف سے کسی نے پوچھا۔ ''یور آئی ڈنٹیٹی پلیز.....؟''

''کیپٹن حمید.....!''

''نوٹ کیجئے.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی اور حمید نے پنسل اٹھا کر پیڈ پر لکھنا شروع کیا..... آخر میں وہ بے ربط الفاظ اور ہندسوں کا ایک مجموعہ لیے بیٹھا تھا۔

ریکھا اس کے شانے پر سے جھک کر دیکھتی رہی تھی۔

''ملاحظہ فرماؤ.....!'' حمید نے مڑ کر پیڈ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یہ کیا ہے.....؟''

''کوڈ میں کوئی پیغام.....!''

''میں ڈی کوڈ کرسکتی ہوں.....!''

''کوشش کرو۔''

ریکھا پندرہ بیس منٹ تک دماغ لڑاتی رہی لیکن ایک لائن بھی ڈی کوڈ نہ کرسکی۔

اسی دوران میں فریدی آ گیا اور ریکھا بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔ لیکن فریدی اس کی طرف توجہ دیئے بغیر اپنی میز کی جانب بڑھ گیا۔ پھر جتنی دیر میں وہ مڑ کر کرسی پر بیٹھتا، ریکھا کمرے سے باہر نکل چکی تھی۔

''کیا ہو رہا تھا۔'' فریدی نے حمید کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

''یہ پیغام ڈی کوڈ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔'' حمید نے پیڈ فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا!''

''اب کیا کروں..... آ کر میرے حسن کی تعریف کرنے لگی لہٰذا مروّت میں.....!''

''شٹ اپ.....!'' فریدی کا لہجہ اچھا نہیں تھا۔ لیکن وہ فوری طور پر پیغام کی طرف متوجہ ہو گیا۔ کچھ دیر بعد اچانک اٹھا اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ''میرے ساتھ آؤ!''

پھر حمید کو گاڑی تک پہنچنے کے لیے دوڑ ہی لگانی پڑی تھی۔

قربانی کا بکرا

لنکن نے بڑی تیز رفتاری سے پارکنگ شیڈ چھوڑا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے فریدی بہت جلدی میں ہو..... لیکن اس کے چہرے پر ناخوشگوار تاثرات تھے۔

حمید اس کے برابر ہی بیٹھا تھا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ ریکھا والے معاملے کی بناء پر فریدی کا موڈ خراب ہوا ہے لہٰذا وہ آہستہ آہستہ کہنے لگا۔ ''وہ اس وقت میرے قریب ہی کرسی پر بیٹھی تھی۔ جب میں پیغام نوٹ کر رہا تھا۔ کہنے لگی میں اسے ڈی کوڈ کرسکتی ہوں!''

''اور تم نے اس کے حوالے کر دیا۔'' فریدی غرایا۔

''میں جانتا تھا کہ نہ کر سکے گی..... آپ سے متعلق جو کچھ میں نہیں جانتا اس کا علم محکمے کے کسی دوسرے فرد کو بھی نہیں ہوسکتا!''

''اس کے باوجود سختی سے منع کر دیا کرو!''

''وہ میرے حسن کی تعریف کر رہی تھی۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''مرد کی سب سے بڑی کمزوری..... جب کوئی عورت کسی مرد کے حسن کی تعریف کرتی ہے تو وہ خوشی کے مارے الو کا پٹھا ہو جاتا ہے!''

''دراصل وہ اس کیس سے متعلق آپ کا نظریہ معلوم کرنا چاہتی تھی اور ہاں اسے علم ہے کہ غزالی کے سلسلے میں مرنے والی لڑکی کون تھی!''

''ہونا ہی چاہیے۔شہلا بدخشانی سے اس کی پرانی جان پہچان ہے!''

''مجھے اس کا علم نہیں تھا!''

''وہ یہ معلوم کرنا چاہتی ہوگی کہ شہلا کی کیا پوزیشن ہے!''

''ہوسکتا ہے.....لیکن اس وقت ہم کہاں جارہے ہیں.....وہ کس قسم کا پیغام تھا.....!''

''اسی عورت سے متعلق جو شاہد کی گاڑی میں لڑکال جنگل سے آئی تھی!''

''تو کیا وہ چھان بین کرنے پر مرد ثابت ہوئی ہے.....!''

''کیا بکواس ہے...!''

''آپ بالکل ایسے ہی انداز میں دفتر سے روانہ ہوئے تھے!''

''اس کے ساتھ جو مرد دیکھا گیا ہے وہ نگرانی کرنے والوں کے خیال کے مطابق ڈاکٹر زیدان بھی ہوسکتا ہے!''

''ڈاکٹر زیدان.....'' حمید نے حیرت سے کہا۔''لیکن آپ نے تو خیال ظاہر کیا تھا کہ وہ بھی مر چکا ہے!''

''میرے قیاس کر لینے سے اگر لوگ مر جایا کرتے تو بڑی زحمتوں سے بچا رہتا.....!''

''اب ان دونوں سے کہاں ملاقات ہو سکے گی!''

''ابھی معلوم ہو جائے گا.....!''

''شاہد جمیل کے بارے میں کیا سوچا.....!''

''لڑکال جنگل میں اس کی تلاش جاری ہے.....!''

''اس بار آپ صرف اپنے بلیکیز سے کام لے رہے ہیں...!''

تین چار منٹ بعد اس نے ایک جگہ گاڑی روکی تھی اور حمید کو بیٹھے رہنے کا اشارہ کر کے خود اتر گیا تھا۔ پھر حمید نے اسے ایک جنرل اسٹور میں داخل ہوتے دیکھا۔ واپسی میں دیر نہیں لگی تھی۔ اس کے ہاتھ میں پرنس ہنری کے تمباکو کا ڈبہ تھا۔

''اوہو.... پرنس ہنری!'' حمید نے حیرت سے کہا۔

''وہ تمہارے لیے خریدا ہے!'' فریدی گاڑی میں بیٹھتا ہوا بولا اور ڈبے کا ڈھکن کھول کر کاغذ کا ایک ٹکڑا نکالا جس پر تحریر تھا۔''نیاگرا تین بج کر پندرہ منٹ!''

''اب تین بج کر پچیس منٹ ہوئے ہیں۔'' فریدی گھڑی پر نظر ڈالتا ہوا بڑبڑایا۔

''یہ آخری اطلاع تھی!''

''میں کچھ نہیں سمجھا!''

''تین بج کر پندرہ منٹ پر وہ دونوں نیاگرا ہوٹل پہنچے ہیں!''

فریدی نے تمباکو کا ڈبہ حمید کے زانوں پر رکھتے ہوئے کہا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

''تو اب ہم..... نیاگرا جائیں گے.....!''

''ہاں..... یہ بھی اچھا ہی ہوا..... تمہیں بھوک لگ رہی ہوگی کیونکہ آج بھی دوپہر کا کھانا قسمت میں نہیں تھا!''

''سوال یہ ہے کہ اگر نیاگرا پہنچتے پہنچتے وہ دونوں وہاں سے بھی چل دیئے تو کیا ہوگا...!''

''پرنس ہنری کا ڈبہ خریدنے کا یہی مقصد تھا کہ اب مجھے گاڑی ہی میں بیٹھے بیٹھے اطلاعات حاصل ہوتی رہیں گی.....!''

حمید نے ٹرانسمیٹر والے خانے پر نظر ڈالتے ہوئے ٹھنڈی سانس لی۔

گاڑی شہری آبادی سے نکل کر نیاگرا کی طرف جارہی تھی۔

''شاہد کو کس خانے میں فٹ کیا جاسکتا ہے!'' حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

''شہلا اور خود اس کے بیان کے مطابق پہلے یہ نظریہ قائم کیا تھا کہ وہ بھی پروفیسر کی تلاش میں ہے لیکن اب.....!'' فریدی جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہوگیا۔

''لیکن اب.....!''

''فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتا.....!'' فریدی نے ونڈ اسکرین پر نظر جمائے ہوئے کہا۔

گاڑی نیاگرا جا پہنچی۔ اس دوران میں ٹرانسمیٹر پر کوئی پیغام موصول نہیں ہوا تھا۔

حمید نے ڈائننگ ہال میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔''ذرا بھاری قسم کی چائے چلے گی..... ورنہ شاید رات کا کھانا بھی نصیب نہ ہو سکے!''

''یہ آخر کھانے کے معاملے میں تم روز بروز قاسم کیوں ہوتے جارہے ہو؟'' فریدی بولا۔

''مل گئی.....وہ رہی'' حمید نے بائیں جانب اشارہ کیا۔

حالانکہ ہال میں اور بھی کئی غیر ملکی عورتیں موجود تھیں لیکن حمید نے فریدی کے خیال میں

صحیح نشاندہی کی تھی۔

''کمال ہے!'' وہ سر ہلا کر بولا۔ ''تم نے صرف ایک ہی جھلک دیکھی تھی!''

وہ اسی جانب چلے گئے۔ ہال میں زیادہ تر میزیں خالی تھیں۔

''لیکن یہ تو تنہا ہے۔'' حمید آہستہ سے بولا۔

''فکر نہ کرو.....!''

اس کے قریب کی ایک میز انہوں نے اپنے لیے منتخب کی۔

اب حمید نے اسے غور سے دیکھا۔ بڑی دلکش عورت تھی..... عمر چھبیس ستائیس سال سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔

''اوہو.....!'' دفعتاً فریدی چونک پڑا..... اور حمید اس کی طرف متوجہ ہو گیا..... وہ عورت کی پشت پر بیٹھے ہوئے نیگرو کو گھورے جا رہا تھا۔

''مقدر ہی میں نہیں ہے.....!'' حمید بڑبڑایا۔

''کیا مطلب.....'' فریدی کی گھورتی ہوئی آنکھیں اس کی طرف مڑیں۔

''اتنی حسین عورت کی موجودگی میں آپ اس صورت حرام حبشی کو گھور رہے ہیں.....!''

''کیا بکواس کر رہے ہو..... ذرا غور سے دیکھو.....!''

''آپ ہی دیکھے جائیے..... میں اتنا بدنصیب نہیں ہوں.....!''

''وہ ڈاکٹر زیدان ہے۔''

''شاید بھوت نہیں چھپا ہوا آپ کو گھور رہا ہے!''

''حمید صاحب وہ زیدان ہی ہے..... ڈاڑھی مونچھوں کا صفایا کر دینے کے بعد نیگرو کی سی شکل نکل آئی ہے.....!''

حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور ویٹر کو مطلوبہ اشیاء کی فہرست لکھوانے لگا۔ چائے کے ساتھ کھانے کی کئی چیزوں کی فرمائش کی تھی۔

''ہاتھوں کو چھپانے کے لیے اس نے اس موسم میں دستانے پہن رکھے ہیں۔'' فریدی بولا۔

نیگرو نے سفید رنگ کے دستانے بھی پہن رکھے تھے۔

''اگر یہ بات ہے تو دونوں ایک ہی میز پر کیوں نہیں ہیں۔ اس طرح اجنبی بنے کیوں

بیٹھے ہیں..... ادنہہ جہنم میں جائیں لیکن ہاتھوں کو چھپانے کی کیا ضرورت ہے.....!''

''داہنے ہاتھ کا انگوٹھا غیر معمولی بناوٹ کا ہے۔ ہوسکتا ہے کبھی اس میں چوٹ آئی ہو.....!''

''میں کہتا ہوں! اس نانجار کا ذکر کر کے میرا رومانس چوپٹ نہ کیجئے..... ہے ہے..... کتنی حسین آنکھیں ہیں.....!''

فریدی کچھ نہ بولا۔

عورت کافی کا کپ سامنے رکھے سگریٹ کے کش لے رہی تھی اور نیگرو بے حس و حرکت بیٹھا خلا میں گھورے جا رہا تھا۔ اس کی میز پر کھانے پینے کی کوئی چیز موجود نہیں تھی۔

حمید سوچ رہا تھا کہ اگر دونوں ساتھ ہی یہاں آئے تھے تو الگ الگ جگہوں پر بیٹھنے کا کیا مقصد ہوسکتا ہے؟

فریدی ان دونوں کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ جب ویٹر کافی سرو کر چکا تو اس نے حمید سے کہا۔ ''تم اس عورت کی آنکھوں میں کھوئے رہو میں جا رہا ہوں.....!''

''کک..... کیا مطلب کہاں.....'' حمید چونک پڑا۔

''بس جو کچھ دیکھنا تھا دیکھ لیا..... گاڑی چھوڑے جا رہا ہوں..... عیش کرو.....!''

فریدی چلا گیا اور حمید دل ہی دل میں ہنستا رہا..... ضروری نہیں کہ ہر تیر نشانے ہی پر بیٹھے وہ سوچ رہا تھا جب وہ اس نیگرو کو ڈاکٹر زیدان تسلیم کرنے پر تیار نہیں تو بلیک فورس کا کوئی بھی اسے کیونکر پہچان سکا..... جناب کرنل صاحب چونکہ اس اطلاع پر دوڑتے چلے آئے تھے لہٰذا بات تو بنانی ہی ہوئی..... خیر اب سچ مچ عیش کرو۔

اچھی طرح پیٹ بھر لینے کے بعد اس نے پائپ سلگایا اور کرسی کی پشت گاہ سے ٹک کر ہلکے ہلکے کش لیتا رہا۔ اس دوران میں اس نے محسوس کیا تھا کہ عورت بھی تھوڑے تھوڑے وقفے سے اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

دفعتاً وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتی ہوئی بولی۔ ''اس توقع پر کہ تمہیں کوئی اعتراض نہ ہوگا!''

''نہیں نہیں! ہرگز نہیں.....'' حمید نے سیدھے ہو کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''میں تمہارے ملک میں اجنبی ہوں.....!''

''میں تمہیں خوش آمدید کہتے ہوئے میزبانی کا شرف ضرور حاصل کروں گا۔''

''ایسی کوئی بات نہیں! میں صرف خائف ہوں اور تم مجھے کوئی شریف آدمی معلوم ہوتے ہو!''

''شکریہ.....! میرے لائق کوئی خدمت.....!''

''وہ کالا.....آدمی.....دوپہر سے میرا پیچھا کر رہا ہے۔'' اس نے آنکھوں کے اشارے سے نیگرو کی طرف توجہ دلائی۔

''اُوہو.....!'' حمید نیگرو کو گھورتا ہوا بولا، چند لمحے اس کو دیکھتا رہا پھر عورت سے پوچھا۔

''تمہارا قیام کہاں ہے!''

''ہوٹل ڈی فرانس میں!''

''چلو تو میں تمہیں وہاں پہنچا دوں۔ کیا تمہارے پاس گاڑی ہے!''

''نہیں ٹیکسی سے آئی تھی.....اور اس نے بھی ٹیکسی ہی میں بیٹھ کر میرا تعاقب کیا تھا.....!''

''فکر نہ کرو.....میں دیکھ لوں گا!''

عورت نے حمید کو بتایا کہ وہ مشرق کے عشقیہ گیت اکٹھا کرنے کے لیے سفر کر رہی ہے۔

''کیا یہ نیگرو تمہارے لیے اجنبی ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''بالکل.....آج سے پہلے میں نے اس کی شکل بھی نہیں دیکھی...میرا نام ڈوروتھی میکار ہے.....تم مجھے ڈورا کہہ سکتے ہو!''

''میں زیٹو ہوں...ڈاکٹر زیٹو.....!''

''شکریہ.....تم بہت اچھے دوست ثابت ہو سکتے ہو!''

بل کی ادائیگی کے بعد حمید نے پھر اسے اسکے ٹھکانے پر پہنچا دینے کی پیشکش کا اعادہ کیا تھا۔

وہ دونوں باہر نکلے.....حمید نے لنکن میں بیٹھتے وقت احتیاطاً الیکٹرانک بگ کا سوئچ آن کر دیا تھا تاکہ تعاقب کرنے والوں کو آسانی ہو۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی کا اس طرح اچانک اٹھ جانا خالی از علت نہیں ہو سکتا۔

گاڑی نیاگرا کی کمپاؤنڈ سے باہر نکلی.....عورت حمید کے برابر ہی بیٹھی تھی.....!

کچھ دور چل کر وہ مڑی اور مضطربانہ انداز میں بڑبڑائی۔ ''تو اس مردود نے ٹیکسی روک رکھی تھی!''

''کیا بات ہے.....کیا وہ اب بھی تعاقب کر رہا ہے!''

''ہاں.....مجھ سے حماقت ہوئی تھی.....!''

''کیسی حماقت.....!''

''مجھے ادھر نہ آنا چاہئے تھا۔ میں نے شہر میں محسوس کیا تھا کہ وہ میرا تعاقب کر رہا ہے۔ خیال آیا ممکن ہے واہمہ ہو.....لہٰذا یہ یقین کر لینے کیلئے کہ وہ تعاقب تو نہیں کر رہا، میں نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا تھا کہ کسی ایسے ہوٹل میں لے چلے جو شہر کے باہر ہو.....وہ مجھے لے گیا اور مجھے یقین کر لینا پڑا کہ وہ منحوس نیگرو میرا ہی تعاقب کر رہا ہے!''

''اچھی بات ہے، اب میں اس منحوس نیگرو کو خوفزدہ کروں گا۔'' حمید نے کہتے ہوئے گاڑی کی رفتار کم کر دی اور باہر ہاتھ نکال کر پیچھے والی ٹیکسی کو آگے بڑھ جانے کا اشارہ کیا۔

''یہ کیا کر رہے ہو!''

''بس دیکھتی رہو.....!''

ٹیکسی آگے نکل گئی۔ اب حمید اس کا تعاقب کر رہا تھا۔

''اس سے کیا فائدہ!'' عورت بے چینی سے پہلو بدلتی ہوئی بولی۔

''اب میں پہلے اس منحوس کو گھر پہنچاؤں گا پھر تمہیں ہوٹل ڈی۔ فرانس چھوڑ آؤں گا!''

حمید نے محسوس کیا جیسے عورت اس جواب سے مطمئن ہو گئی ہو.....! ٹیکسی کی رفتار بڑھتی رہی اور حمید بھی لنکن رفتار بڑھاتا رہا.....تھوڑی دیر بعد اسے اندازہ ہو گیا کہ ٹیکسی لڑکال جنگل کے راستے پر مڑ گئی ہے۔

''یہ شہر کی طرف تو نہیں جا رہا.....'' عورت منمنائی۔

''کہیں بھی جا رہا ہو.....!''

''اب تو مجھے تم سے بھی خوف معلوم ہونے لگا ہے.....کہیں تم سب ایک ہی نہ ہو! اُوہ ہاں.....تمہاری میز پر بھی تو ایک اور آدمی تھا۔''

''ہاں وہ میرا آفیسر تھا.....اپنی ڈیوٹی پر چلا گیا۔''

لفظ آفیسر پر وہ چونکی تھی اور حمید نے اسے بتایا تھا کہ اس کا تعلق پولیس سے ہے۔ مزید تسلی کے لیے اپنا کارڈ بھی اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا تھا۔

''اب میں مطمئن ہوں..... بالکل مطمئن!'' عورت نے طویل سانس لی اور حمید دل ہی دل میں ایک طویل قہقہہ لگا کو سوچنے لگا۔ کتیا کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ میں ڈان ژوان ہوں۔ ارے میرا باس مجھے قربانی کا بکرا بنا کر تمہارے حوالے کر گیا ہے۔ چلو کہاں چلتی ہو۔

گاڑیوں کی دوڑ جاری رہی حتیٰ کہ سورج غروب ہونے لگا۔

''تم میرے لیے کتنی تکلیف اٹھا رہے ہو!'' عورت اٹھلائی۔

''میں ڈیوٹی پر ہوں اور تمہاری شکایت پر کسی بدمعاش آدمی کا تعاقب کر رہا ہوں۔'' حمید نے جواب دیا۔

''تم بہت دلکش بھی ہو۔ میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گی.....!''

''میرے حسن کی تعریف نہ کرو..... ورنہ میرے ہاتھ پاؤں پھول جائیں گے اور میں کچھ بھی نہ کر سکوں گا.....!''

''یہ کیا بات ہوئی.....!''

''اپنے حسن کی تعریف کسی عورت کی زبان سے سن کر کبھی کبھی تو بالکل پاگل ہو جاتا ہوں! پچھلے سال امریکہ میں ایک عورت سے یہی غلطی سرزد ہو گئی تھی لہٰذا میں پاگل ہو کر اس عمارت میں جا گھسا جہاں عالمی مقابلہ حسن ہو رہا تھا۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ صرف عورتیں ہی اس میں حصہ لے سکتی ہیں..... بہرحال وہاں کے منتظمین نے زبردستی مجھے کپڑے پہنا تھے اور وہاں سے نکال دیا تھا!''

''خوش مزاج بھی ہو.....!'' وہ ہنس پڑی۔

ٹیکسی لڑکال جنگل کی حدود میں داخل ہو چکی تھی..... اور اب ایک کچے راستے پر چل رہی تھی۔

''میں خطرہ محسوس کر رہی ہوں۔ مجھے ساتھ نہ لانا چاہئے تھا۔'' عورت بڑبڑائی۔

دونوں گاڑیاں آگے پیچھے چل رہی تھیں۔ یہ راستہ اتنا کشادہ نہیں تھا کہ اچانک واپسی کے لیے کوئی بھی گاڑی مخالف سمت موڑی جا سکتی۔

یک بیک ٹیکسی رک گئی اور حمید کو بھی پورے بریک لگانے پڑے۔ ٹھیک اسی وقت بائیں جانب کی جھاڑیوں سے دھوئیں کے ایک کثیف بادل نے دونوں گاڑیوں پر یلغار کر دی..... حمید کو اپنا دم گھٹتا سا محسوس ہونے لگا..... اور پھر اسے اتنی مہلت بھی نہیں مل سکی تھی

کہ وہ گاڑی کا انجن ہی بند کر دیتا..... اس دھوئیں میں خود اسے اپنا وجود بھی تحلیل ہوتا محسوس ہو رہا تھا..... اور پھر وہ گردوپیش سے بے خبر ہو گیا۔

بے خبری اور ہوشیاری کا درمیانی وقفہ شاید جہنم میں گزرا تھا کیونکہ آنکھ کھلتے ہی جھلسا دینے والی گرمی کا احساس ہوا..... کیا وہ تپش ہی اسے دوبارہ ہوش میں لائی تھی.....؟

اوہو..... وہ چونک پڑا..... اپنے پیروں کو تکلیف دیئے بغیر دوڑا جا رہا تھا..... اور روشن ہیولیٰ اس کا تعاقب کر رہا تھا۔

یہ بھی عجیب دوڑ تھی..... وہ اسے دیکھ بھی رہا تھا اور اس سے دور بھی ہوتا جا رہا تھا۔

کیا ہوا میں اڑ رہا تھا..... اس کی ٹانگیں کیا ہوئیں.....؟

''میری ٹانگیں.....؟'' دفعتاً وہ حلق پھاڑ کر چیخا۔

''خاموش رہو.....!'' اس نے فریدی کی غراہٹ سنی اور پوری طرح ہوش میں آ گیا۔

وہ دراصل فریدی کے کاندھے پر پڑا ہوا تھا..... اور بھوت فریدی کا تعاقب کر رہا تھا۔

اس وقت اس متحرک مجسمے سے پھوٹنے والی روشنی دور دور تک پھیل رہی تھی لیکن وہ اتنی تیزی سے نہیں دوڑ رہا تھا کہ فریدی کو پا سکتا۔

پھر یکایک چاروں طرف گہری تاریکی چھا گئی۔

روشن ہیولیٰ اس طرح غائب ہو گیا تھا جیسے اسے اندھیرے نے نگل لیا ہو۔

حمید نے سوچا اب اگر اس اندھیرے میں فریدی اس رفتار سے دوڑتا رہا تو دونوں ہی زخمی ہوں گے.....! اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن آواز حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔

اچانک پشت پر ایک ٹارچ روشن ہوئی اور اس کی روشنی فریدی کے آگے پھیلتی چلی گئی..... حمید کا رخ ٹارچ ہی کی طرف تھا۔

''فکر نہ کرو.....!'' اس نے فریدی کو کہتے سنا۔ ''یہ اپنے ہی لوگ ہیں۔'' اور پھر بتدریج آہستہ وہ معمولی رفتار پر آ گیا۔

''بائیں طرف کرنل!'' پشت سے آواز آئی..... فریدی بائیں جانب مڑ گیا کچھ دور چل کر وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں گھنی جھاڑیوں کے درمیان جگہ صاف کر کے تین چارپائیاں نصب کی گئی تھیں۔ فریدی نے حمید کو کاندھے سے اتار دیا۔

پھر ٹارچ اس وقت تک روشن رہی تھی جب فریدی نے ایک چھولداری میں روشنی نہیں روشن کر دی تھی۔

حمید پیال کے بستر پر لیٹ گیا اس کے حواس ابھی تک بجا نہیں ہوئے تھے۔

''پانی پیو گے!'' فریدی نے نرم لہجے میں پوچھا۔

''دیجئے.....'' وہ نحیف سی آواز میں بولا۔

فریدی نے اسے آدھے دھڑ سے اٹھایا اور پانی کی بوتل ہونٹوں سے لگا دی۔

پہلے ہی گھونٹ نے اچھا اثر دکھایا۔ آنکھیں کھلتی چلی گئیں۔ کچھ دیر بعد فریدی نے سے کہا ''یہاں آرام سے لیٹو..... چاروں طرف اپنے آدمی بکھرے ہوئے ہیں..... کرنا.... میں ابھی آیا.....!''

آدھے گھنٹے تک حمید پڑا رہا۔ بار بار غنودگی طاری ہونے لگی تھی۔ اس دھوئیں اعصاب پر عجیب سا اثر ڈالا تھا۔ پورا جسم شل ہو کر رہ گیا تھا۔

وہ کوشش کرنے لگا کہ اسے نیند نہ آنے پائے۔

بالآخر کچھ دیر بعد قدموں کی چاپ سنائی دی اور فریدی جھک کر چھولداری میں داخل

''کیا تم جاگ رہے ہو.....؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں.....'' حمید کے حلق سے پھٹی پھٹی سی آواز نکلی ..... ''لیکن اب سو جانا چاہتا۔ قربانی کا بکرا۔''

''اچھا سو جاؤ.....'' فریدی اس کے سرہانے بیٹھتا ہوا نرم لہجے میں بولا اور اس سہلانے لگا۔

پھر حمید کی آنکھ دوسری صبح ہی کو کھلی تھی۔

فریدی موجود تھا۔ دوسری چھولداری سے وہ اس کے لیے ناشتہ لایا اور حمید ہنس پڑا

''شکر ہے..... تم ہنسے تو.....'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''ایسی ہی خدمت کرنے کا وعدہ کریں تو میں روزانہ قربانی کا بکرا بننے کو تیار ہوں

فریدی کچھ نہ بولا۔ لیکن اسکی آنکھوں میں حمید کے لیے شفقتوں کا سمندر موجیں مار

''کیا آپ دیر سے پہنچے تھے.....'' حمید نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

''نہیں...! کچھ ایسی زیادہ دیر بھی نہیں ہوئی تھی.... لیکن تمہارے علاوہ اور کوئی نہ مل سکا۔ ٹیکسی ڈرائیور کا کہیں پتہ تھا اور نہ انہی دونوں کا!''

''اور.... وہ.... دھواں جس کی بناء پر میں بے ہوش ہوا تھا.....!''

''دھواں.... نہیں تو.....!''

''بائیں طرف کی جھاڑیوں سے دھواں ہی تو اٹھا تھا.....!'' حمید نے کپ میں کافی انڈیلتے ہوئے کہا۔ ''اسے بھی گولی ماریئے..... آپ کے بلیکنیر نے آپ کو اطلاع دی تھی کہ وہ دونوں ساتھ دیکھے گئے ہیں.... لیکن عورت نے مجھے تعاقب کی کہانی سنائی تھی!''

حمید سے پوری روداد سن لینے کے بعد فریدی بولا۔ ''نیاگرا پہنچنے سے پہلے نہ صرف وہ دونوں ساتھ تھے بلکہ پروفیسر کے چہرے پر ڈاڑھی بھی موجود تھی ایک آدمی اور بھی ان کے ساتھ تھا۔ وہ تینوں ایک بار بر شاپ میں داخل ہوئے تھے اور پھر پروفیسر وہاں سے نیگرو بن کر نکلا تھا۔ اسی جگہ سے عورت الگ ہو گئی تھی اور دوسرے آدمی نے ٹیکسی ڈرائیور کا رول ادا کیا تھا!''

''تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ آپ کے آدمیوں کے ذریعے ہونے والی نگرانی سے واقف تھے..... اچھا تو اس سے یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ ہمیں گھیرنے کی کوشش کر رہے تھے!''

''ہوں.... اور اسی لیے میں تم سے الگ ہو گیا تھا..... لیکن سوال تو یہ ہے کہ جب تمہیں یونہی چھوڑ جانا تھا تو پھر گھیرنے کا مقصد..... بہرحال تمہیں ہوش میں لانے کی تدبیریں کی جا رہی تھیں کہ اچانک وہ بھوت نمودار ہو گیا تھا!''

''آخر اس کا کوئی علاج بھی ہے.....!''

''علاج.... علاج میں دریافت کر چکا ہوں۔'' فریدی کے چہرے پر سفاک سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

آخری حملے

حمید حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا..... فریدی نے جیب سے لکڑی کا چھوٹا سا ٹکڑا نکالا

جس پر سرخ رنگ سے کچھ لکیریں کھینچی گئی تھیں۔

''یہ ہے.....اس کا علاج!''

حمید کو ہنسی آ گئی.....اس نے اس لکڑی کے ٹکڑے کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ جس میں سرخ لکیروں کے علاوہ اور کوئی خاص بات نظر نہ آئی۔ فریدی نے اسے اس کے ہاتھ سے لے کر چھولداری سے باہر پھینک دیا۔

''میں فی الحال لطیفوں سے محظوظ ہونے والی حس کھو بیٹھا ہوں۔'' حمید نے لاپرواہی سے کہا! اور کافی پینے لگا۔

پھر شاہد جمیل کی بات چھڑ گئی۔ حمید نے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ پروفیسر کی پہلی وارننگ کا اس پر کوئی اثر نہ ہونے کی بناء پر ہی وہ کسی دوہری مصیبت میں مبتلا ہو گیا!''

''میں نہیں سمجھا تم کیا کہنا چاہتے ہو.....!''

''ہو سکتا ہے کہ وہ پروفیسر ہی کی تلاش میں ادھر آیا ہو!''

''ممکن ہے!'' فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔ پھر کچھ دیر بعد بولا۔ ''پچھلی رات یہاں سے غائب ہو جانے کے بعد اس نے شہر میں خاصی چہل قدمی کی تھی.....لوگ ڈر ڈر کر بھاگتے رہے.....کسی نے بھی قریب جانے کی ہمت نہیں کی تھی.....پھر وہ سنٹرل جیل کے قریب پہنچ کر غائب ہو گیا تھا!''

''سنٹرل جیل کے قریب۔'' حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ہاں.....اور اب میں ایک بڑے خطرے کی بو سونگھ رہا ہوں!''

''کیا مطلب.....!''

''زیرو لینڈ.....نانو تہ[1] کی رہائی کے لیے تیسری ناگن نمودار ہوئی تھی، لیکن وہ بھی پکڑی گئی اب یہ کوئی تیسرا ان دونوں کی رہائی کی فکر میں ہے۔''

''کیا وہ سینٹرل جیل ہی میں ہیں.....!''

''نہیں.....تم نے یہ سوال کیوں کیا!'' فریدی نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

[1] ان کہانیوں کے لیے جاسوسی دنیا کے ناول 'تباہی کا خواب' مہلک شناسائی، خونی ریشے، تیسری ناگن اور ریگم بالا پڑھیے۔

''اوہو.....تو کیا اب اپنے سائے سے بھی بھڑکیں گے۔ مجھے افسوس ہے کہ بے خیالی زبان سے نکل گیا تھا!''

فریدی کچھ نہ بولا۔ پُرتفکر انداز میں سگار کے کش پر کش لیے جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد بولا۔ ''سوال تو یہ ہے کہ ان تین اموات کو کس خانے میں فٹ کیا جائے!''

''سوچ جائیے.....!''

کچھ دیر بعد وہ دونوں ساتھ ہی جنگل میں بھٹکتے پھر رہے تھے.....حمید محسوس کر رہا تھا کہ آس پاس کچھ اور لوگ بھی موجود ہیں، لیکن اس گھنے جنگل میں جہاں زیادہ تر اونچی اونچی چٹانوں کے ٹکڑے جا بجا پھیلے ہوئے تھے۔ نہایت آسانی سے خود کو چھپائے رکھا جا سکتا تھا!

''اب آپ کیا تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔'' حمید نے بالآخر تھک ہار کر پوچھا۔

''بھوت کی قیام گاہ!''

''آپ یقین کے ساتھ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ وہ یہیں مقیم ہو گا!''

''حالات.....شاید اب بساط میرے ہی قابو میں ہے!''

''میں نہیں سمجھا!''

''کل جو کھیل ہمارے لیے ہوا تھا.....وہی آج ہم ان کی خدمت میں پیش کریں گے.....ذرا اندھیرا پھیلنے دو!''

وہ جھیل کے قریب پہنچ چکے تھے! فریدی نے ایک بہت بڑے ٹیلے کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا ''تمہیں یاد ہو گا کہ ایک بار تم نے ایسے ہی ایک ٹیلے کے اندر کی تعمیرات میں کچھ وقت گزارا تھا!''

''لیکن بعد میں وہ ٹیلا.....تباہ کر دیا گیا تھا!''

''ہو سکتا ہے کہ اس ٹیلے میں بھی جبرالڈ شاستری[1] کی زیر زمین دنیا کا کچھ حصہ باقی رہ گیا ہو۔ کچھ سارے ہی ٹیلے برباد کر دیئے جانے چاہئیں!''

''اسی وقت.....!'' حمید نے بوکھلا کر پوچھا۔

''کسی وقت بھی!'' فریدی نے کہا اور گلے میں لٹکی ہوئی دوربین آنکھوں کے برابر

[1] جبرالڈ شاستری کی داستان جاسوسی دنیا کے ناول ''جنگل کی آگ'' اور ''موت کی چٹان'' میں ملاحظہ فرمائیے۔

اٹھائی۔ کچھ دیر ٹیلے کا جائزہ لیتا رہا، پھر حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ ''آج رات یہیں رک کر دیکھنا ہے کہ وہ روشن ہیولیٰ کدھر سے نمودار ہوتا ہے!''

''میرے والدین نے مجھے پیدا کر کے ایک بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''لیکن مجھ سے ایسی غلطی ہرگز سرزد نہ ہوگی!''

''ٹسولے بہانے لگے اکتائی ہوئی لڑکیوں کی طرح!''

''زندہ باد..... اگر آپ بیچ بیچ لڑکیوں کا ذکر بھی کرتے رہیں تو پھر یہ ذرہ بھر بوریت کیوں محسوس کرے!''

شام ہو رہی تھی۔ فریدی نے ایک مناسب سی جگہ تلاش کر کے وہیں رکنے کا فیصلہ کیا۔

رات کے آٹھ بج گئے..... دفعتاً فریدی کے جیبی ٹرانسمیٹر پر صوتی اشارہ سنائی دیا..... آواز آئی..... ''بائیں جانب قریباً دو سو قدم کے فاصلے پر۔''

''ٹھیک ہے.....'' فریدی نے جواب دیا..... اور حمید کا بازو پکڑ کر اٹھاتا ہوا بولا۔ ''جلدی کرو!''

لیکن وہ اٹھے ہی تھے کہ روشنی میں نہا گئے..... بہت غالباً ان سے تھوڑے ہی فاصلے موجود تھا۔

''لل..... لیکن.....!'' حمید ہکلایا۔ ''علاج تو آپ وہیں پھینک آئے تھے!''

''فکر نہ کرو..... بہت بڑے بڑے علاج موجود ہیں!''

وہ چھلانگیں لگا کر جھاڑیوں سے باہر آ گئے یہاں نسبتاً کچھ کھلی جگہ تھی۔

بھوت ان سے پچاس قدم کے فاصلے پر رہ گیا تھا۔ اچانک حمید نے فریدی کو بھوت کی طرف جھپٹتے دیکھا..... اس کے ہاتھوں میں ایک لمبا سا ڈنڈا بھی نظر آیا تھا.....!

''ارے..... ارے.....'' حمید کی زبان سے بیساختہ نکلا.....! لیکن اتنے میں بھوت غائب ہی ہو گیا..... پھر پہلے ہی کی سی تاریکی چھا گئی۔

حمید نے فریدی کی للکار سنی۔ ''گھیرو..... اسے خطرے کا احساس ہو گیا ہے، جانے پائے..... روشنی کرو.....!''

متعدد ٹارچیں روشن ہو گئیں اور انہیں سیاہ رنگ کا ایک ہیولیٰ نظر آیا۔

فریدی نے جھپٹ کر اس پر ڈنڈے سے حملہ کیا۔ وہ لڑکھڑایا اور پھر روشن ہو گیا۔

طرف بڑھنے کی بجائے اب دوسری طرف بھاگ رہا تھا۔

اس بار ڈنڈے کی ضرب ٹانگوں پر پڑی تھی..... وہ گرا اور پھر تاریک ہو گیا۔

یکایک جھیل کی طرف سے فائرنگ شروع ہو گئی۔

''لائٹ آف.....'' فریدی چیخا! اور ٹارچیں بجھ گئیں۔

دوسرے لمحے میں ادھر سے بھی فائرنگ شروع ہو گئی۔ فریدی نے ٹھیک اسی جگہ دو تین اور لگائیں، جہاں بھوت گرا تھا۔

''بس..... بس.....!'' آواز آئی۔ ''گرفتار کر لو..... مارو نہیں.....!''

''مر جاؤں گا..... مر جاؤں گا.....!''

حمید چونک پڑا..... آواز کچھ جانی پہچانی سی تھی۔

''اچھی بات ہے.....!'' فریدی کی آواز سنائی دی۔ ''اب اس لباس کے میکینزم کو نہ چھیڑو..... چپ چاپ پڑے رہو.....!''

''نہیں چھیڑوں گا.....'' جواب ملا۔

''کیا مطلب.....!'' حمید بڑبڑایا۔ ''یہ تو شاہد کی آواز ہے!''

کچھ دیر فائرنگ کی آوازوں سے جنگل گونجتا رہا۔ پھر سناٹا چھا گیا۔

حمید نے فریدی کی پنسل ٹارچ کی روشنی کی باریک سی لکیر ہیولیٰ کی طرف رینگتی دیکھی۔

اسی وقت ہیولیٰ بھی چیخنے لگا۔ ''بچاؤ..... بچاؤ..... میجر اکرام..... میجر اکرام.....!''

ہیولیٰ کے پیروں سے ایک شعلہ بھڑکا تھا اور پھر پورے مجسمے سے آگ کی لپٹیں اٹھنے لگی تھیں۔

ذرا ہی سی دیر میں اس کی جگہ راکھ کا ڈھیر نظر آیا۔ وہ سب خاموش کھڑے تھے۔ اچانک کسی نے نعرہ لگایا..... ''ڈنڈہ زندہ باد.....!''

''خاموش رہو.....!'' فریدی کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

وہ ڈنڈے سے خاک کے اس ڈھیر کو کرید رہا تھا..... لیکن کچھ بھی ہاتھ نہ لگا۔

''اس نے میجر اکرام کو پکارا تھا!'' حمید آہستہ سے بولا۔

''ہوں.....'' فریدی اس کی طرف مڑا۔

ساری ٹارچیں بجھ گئیں..... جنگل سائیں سائیں کر رہا تھا۔

فریدی کا خیال تھا کہ فائرنگ اسی ٹیلے سے ہوئی تھی جس کے متعلق وہ دوپہر کو گفتگو کرتے رہے تھے۔ فریدی نے بلیک فورس کے ممبروں کو اس بارے میں کچھ ہدایات اور اسی وقت شہر کی طرف چل پڑا.... حمید کے استفسار پر اس نے بتایا کہ اب وہ میجر اکرام کی فکر میں ہے۔

''تو شہر کی طرف کیوں؟'' حمید بولا۔ ''ہوسکتا ہے.... وہ بھی وہیں موجود ہو جہاں فائرنگ ہوئی تھی!''

''نہیں.... وہ اپنی کوٹھی میں موجود ہے..... اس کی نگرانی تو حادثات والی رات ہی شروع کرادی تھی!''

''تو پھر خاک ہو جانے والے نے یہاں میجر اکرام کو کیوں پکارا تھا!''

''کسی نہ کسی مرحلے پر اس کا جواب بھی مل جائے گا!''

ایک بجے کے قریب وہ شہر پہنچے تھے.... لیکن میجر اکرام کی کوٹھی کی طرف بڑھتی چلی گئی فریدی میجر اکرام شاید ابھی تک سویا نہیں تھا کیونکہ ان کی آمد کی اطلاع پر خود ہی برآمد نکل آیا تھا.... شب خوابی کے لباس میں بھی نہیں تھا۔

''اوہو.... کرنل.... تشریف لائیے!'' وہ لہک کر بولا۔ ''میں ابھی ابھی کلب سے ہوں.... چلئے اندر چلئے.... غالباً آپ گرما گرم کافی پسند کریں گے!''

''تکلیف کی ضرورت نہیں.... میں آپ کو ایک خوشخبری سنانے آیا ہوں!''

''اوہو.... اچھا....!''

وہ ڈرائنگ روم میں آئے.... بیٹھ گئے.... لیکن فریدی خاموش رہا۔ میجر اکرام سوالیہ نشان بنا فریدی کو دیکھے جا رہا تھا۔

''آپ کو علم ہوگا میجر اکرام کہ اس بھوت نے شہر میں کیسی سنسنی پھیلا رکھی تھی۔''

''جج.... جی ہاں.... مجھے علم ہے....! لیکن پھیلا رکھی تھی کا کیا مطلب.... کیا آپ نے پروفیسر زیدان کو پکڑ لیا ہے....!''

''کل شام وہ ہمیں شہر میں دکھائی دیا تھا۔ ہم اس کا تعاقب کرتے ہوئے لڑکال جنگل پہنچے.... اندھیرا ہو گیا تھا۔ اچانک وہ بھوت نمودار ہوا.... حمید بے ہوش ہو گیا تھا۔

...پر لاد کر بھاگا.... لیکن میں تنہا تو نہیں تھا۔ میجر اکرام میرے ہی کچھ آدمی وہاں موجود ...نہوں نے میرے پروگرام کے مطابق اس بھوت پر ایک تجربہ کیا....!''

...یدی خاموش ہو کر سگار سلگانے لگا۔ میجر اکرام اسے عجیب نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔

''ہاں تو میجر اکرام!'' وہ کچھ دیر بعد بولا۔ ''بھوت میرا تعاقب کر رہا تھا اور میرے آدمی ...کے پیچھے تھے! انہوں نے اس پر لکڑی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے پھینکے تھے۔ بھوت ...ہو گیا۔ صبح کو وہ ٹکڑے تلاش کئے گئے جو صحیح وسالم حالت میں ملے....!'' فریدی پھر ...ش ہو گیا اور حمید نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدل کر کہا۔ ''تو وہ سرخ لکیریں!''

''جادو کی لکیریں نہیں تھیں..... محض اس لیے بنائی گئی تھیں کہ بعد میں انہیں تلاش کرنے ...شواری نہ ہو.... ان ٹکڑوں کو صحیح وسالم مل جانے پر میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ بھوت ...انسان کونڈکٹر آف ہیٹ قسم کی اشیاء سے مار کھا سکتا ہے..... لہٰذا تمہیں سن کر ہنسی آئے گی ...رات میں نے اسے ڈنڈے سے مار گرایا....!''

''نہیں.....!'' میجر اکرام بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

''بیٹھو.... بیٹھو.....!'' فریدی نے ریوالور نکال کر اس کا رخ میجر اکرام کی طرف کرتے ...کہا۔ ''تم اب.... دو بیویوں کا ذکر چھیڑ کر کیپٹن حمید کی ہمدردیاں حاصل نہ کر سکو گے۔ ...شاہد جمیل زندہ گرفتار ہوا ہے!''

''خداوندا.....!'' میجر دھڑام سے کرسی پر گر گیا۔

''اٹھو.... اور.... میرے ساتھ لڑکال جنگل چلو.....!''

''گک.... کیوں..... میں..... نن..... نہیں.....!''

''گٹ اپ!''

''مم.... لگ..... کبھی لڑکال جنگل نہیں گیا.....!''

''تو پھر بتاؤ؟ پروفیسر زیدان کہاں قید ہے!''

''شاہد سے پوچھو.... میں کچھ نہیں جانتا.....!''

''شاہد کہتا ہے کہ تم جانتے ہو.....!''

''جھوٹا ہے..... دغا باز ہے..... مجھ سے صرف اتنا قصور سرزد ہوا ہے کہ کلب کی عمارت

میں اس دوہرے ڈرامے کی اجازت دے دی تھی!''

''میں نہیں سمجھا.....!''

''شاہد غزالی کے گہرے دوستوں میں سے تھا۔ اس نے ہی اس دوہرے ڈرا
اسکیم بنائی تھی لیکن غزالی کو اس کا علم نہیں تھا کہ حقیقتاً کیا ہونے والا ہے۔''

''دوہرے ڈرامے سے کیا مراد ہے!''

''دراصل پروفیسر کو غزالی اور پروفیسر کے اسسٹنٹ نے بیوقوف بنایا تھا..... پ
ہے ہی بیوقوف قسم کا آدمی پبلسٹی کے لالچ میں اس فراڈ پر بھی آمادہ ہو گیا تھا۔ ا
اسسٹنٹ اور غزالی نے اس سے کہا تھا کہ وہ اسٹیج پر آ کر صرف اس رقص کا اعلان کر
رقص کا انتظام وہ لوگ خود کر لیں گے۔ اسکیم یہ تھی کہ پروجیکٹر کے ذریعے بھوت کے
فلم اس طرح دکھائی جائے کہ لوگ دھوکہ کھا جائیں۔ شاہد اس کی آڑ میں کچھ اور کر
تھا..... جیسے ہی پروفیسر نے رقص کا اعلان کیا بھوت نمودار ہو گیا اور اندھیرے میں پر
ایسا انجکشن دے دیا گیا جس سے وقتی طور پر اس کا دماغ الٹ جائے۔ اس کے بعد ضر
گیا تھا کہ وہ تینوں آدمی ختم کر دیئے جائیں جو پروجیکٹر اور فلم والے راز سے واقف تھے
بدخشانی کو بھی شاید اس کا علم تھا اس لیے وہ بھی ماری گئی..... میں قطعاً نہیں جانتا تھا کہ
مار ڈالے جائیں گے..... ورنہ کبھی ان لوگوں کا ساتھ نہ دیتا!''

''ان لوگوں سے کیا مراد ہے تمہاری..... کیا شاہد کے علاوہ اور کوئی بھی ہے؟''

فریدی نے میجر اکرام کو تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں..... آں..... شاہد کا نیا بزنس پارٹنر جس نے اس کے بزنس میں بہت
منافع پر ایک بڑی رقم لگائی ہے!''

''وہ کون ہے.....؟''

''ایم..... فرینک..... ایک غیر ملکی، خود کو اینگلو جاپانی کہتا ہے..... خدوخال چینیوں
ہیں..... لیکن اتنا لمبا چینی یا جاپانی میری نظروں سے نہیں گزرا، بے حد دبلا پتلا ہے مگر
طاقت کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے غزالی جیسے جوان کو ہاتھوں پر اٹھ
میں پھینک دیا تھا!''

''کہاں رہتا ہے!''

''شاہد نے اپنی کوٹھی کا ایک حصہ اسے رہنے کو دے دیا.....!''

فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''کور کرو.....!''

حمید نے اپنا ریوالور نکال کر میجر اکرام کی طرف تان لیا اور فریدی اٹھ کر باہر چلا گیا!

میجر اکرام کا پورا جسم کانپ رہا تھا۔ حمید نے ہنس کر کہا۔ ''مجھے حیرت ہے کہ تم جیسے
ڈرپوک آدمی کو انہوں نے اپنا ساتھی کیسے بنا لیا تھا۔''

''مم..... میں..... ڈرپوک نہیں ہوں..... اپنی حماقت پر پچھتا رہا ہوں!''

''کیسی حماقت.....!''

''لالچ میں ان لوگوں کے جال میں پھنس گیا..... فرینک کا کہنا تھا کہ کچھ دن شہر والوں
خوفزدہ کرنے کے بعد دولت مندوں کی تجوریاں خالی کرنا شروع کر دیں گے!''

''کیوں؟..... یہی تھی نا اسکیم.....؟''

''ہاں..... یہی بات ہے؟''

اتنے میں فریدی واپس آ گیا۔ اس کے ساتھ دو آدمی تھے! حمید نے انہیں پہلے کبھی نہیں
دیکھا تھا۔ گھنی ڈاڑھی اور مونچھوں نے آدھے چہرے بالکل ڈھک لیے تھے۔

ایک نے آگے بڑھ کر میجر اکرام کے ہتھکڑیاں لگا دیں۔

''وارنٹ.....!'' میجر نے خود کو سنبھالتے ہوئے مطالبہ کیا۔

''فکر نہ کرو..... عدالت میں مجھ سے نپٹ لینا۔'' فریدی بولا۔

میجر اکرام باہر لایا گیا اور وہ دونوں آدمی اسے ایک جیپ میں بٹھا کر کہیں لے گئے۔

''حمید صاحب..... اب بہت محتاط رہنا۔'' فریدی نے لنکن میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

''کیوں.....؟ کوئی خاص بات!''

''کیا تم نے میجر اکرام کا بیان کردہ فرینک کا حلیہ بغور نہیں سنا تھا!''

''سنا تھا..... پھر.....!''

''وہ سنگ ہی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا!''

''نہیں.....'' حمید اچھل پڑا۔

''زیرو لینڈ کی تحریک کے اب صرف دو بڑے باقی بچے ہیں۔ تھریسیا اور سنگ ہی!''

''تو اب ہم کہاں جا رہے ہیں.....!''

''میرا خیال ہے کہ جہاں کہیں بھی جا رہے ہیں وہاں کچھ بھی ہاتھ نہ آئے گا کیونکہ اگر سنگ ہی ہے تو پل پل کے حالات سے باخبر ہوگا..... پھر بھی شاہد کی کوٹھی تک تو چلنا ہی ہے۔''

گاڑی کوٹھی سے تھوڑے فاصلے پر رکی تھی۔

''شاہد کے گھر میں اور کون رہتا ہے.....؟''

''کوئی بھی نہیں! مطلب یہ کہ وہ غیر شادی شدہ ہے۔ صرف ملازمین ہی ہوں گے ظاہر ہے کہ وہ ایم۔ فرینک بھی تنہا ہی ہوگا!''

وہ دونوں گاڑی سے اتر کر کوٹھی کی طرف بڑھے۔

پھاٹک پر چوکیدار موجود تھا..... اور بائیں باغ میں گہرا اندھیرا تھا۔

''کیا فرینک صاحب موجود ہیں!'' فریدی نے اس سے پوچھا۔

''موجود ہے..... کیوں.....؟''

''ملنا ہے.....!'' کہہ کر فریدی نے اس کی کنپٹی پر ایک ہاتھ رسید کر دیا..... حمید ہوشیار تھا۔ اس نے اسے گرنے سے پہلے ہی سنبھال لیا۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

اسے اٹھا کر ایک طرف ڈال دیا گیا اور وہ دونوں کمپاؤنڈ میں داخل ہوئے، سامنے تمام کھڑکیاں تاریک تھیں۔

وہ عمارت کے قریب پہنچ کر سن گن لیتے پھر رہے تھے۔ جب عقبی حصے کی طرف کچھ کھڑکیوں میں روشنی نظر آئی۔ وہ روشنی کی زد سے بچے رہ کر آہستہ آہستہ آگے بڑھتے اور پھر ایک کھڑکی کے قریب پہنچ کر انہوں نے جو کچھ اندر دیکھا انتہائی مضحکہ خیز تھا۔

سنگ ہی بستر پر بیٹھا ایک عورت کو گدگدا رہا تھا اور وہ اس پر بے تحاشہ دو ہتھڑ چلا رہی تھی! کبھی کبھی گالیاں بھی دینے لگتی تھی۔

وہ آگے بڑھے تو دروازہ بھی کھلا نظر آیا۔ دونوں نے ریوالور نکالے اور کمرے میں گھس پڑے لیکن دوسرے ہی لمحے میں ریوالور والے ہاتھوں پر قیامتیں ٹوٹیں اور ریوالور دور جا پڑے۔

دروازے کی دونوں اطراف میں چھپے ہوئے دو آدمیوں نے ٹامی گنوں کے دستے

ہاتھوں پر مارے تھے اور ٹامی گنیں پھر سیدھی ہو گئی تھیں۔

''خوش آمدید..... کرنل فریدی!'' سنگ ہی بستر سے اٹھتا ہوا بولا۔ ''لیکن تم جیسے مہذب شائستہ آدمی سے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ اس طرح درّانہ میری خلوت میں دخل اندازی کرو گے!''

''اگر تم نے برا مانا ہے تو یہ لو چلے جاتے ہیں۔'' فریدی نے طنزیہ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''اب اس نعمت غیر مترقبہ کو کون ہاتھ سے جانے دے گا... بیٹھو.....!''

اس نے بستر کی بائیں جانب والی کرسیوں کی طرف اشارہ کیا..... اور ہنس کر بولا..... ''میں جانتا تھا کہ تم ضرور آؤ گے..... اور یہ سمجھ کر آؤ گے کہ اب میں ہاتھ نہیں آؤں گا..... پھر بھی دیکھ لینے میں کیا حرج ہے.....!''

''تم ٹھیک کہتے ہو.....!'' فریدی اس کی بتائی ہوئی کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

حمید کو اس کے اس رویے پر حیرت ہو رہی تھی..... بالکل ایسا لگ رہا تھا..... جیسے وہ محض ملاقات کی خاطر یہاں آیا ہو۔

ان کے ریوالور ٹامی گنوں والوں میں سے ایک نے اپنے قبضے میں کر لیے تھے اور اب دونوں ٹامی گنیں ان کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

''کرنل فریدی! جب شاہد نے میجر اکرام کو پکارا تھا۔ اسی وقت میں سمجھ گیا تھا کہ تم میجر اکرام سے نپٹنے کے بعد ادھر ضرور آؤ گے۔ بھلا بتاؤ تو اس نے میجر اکرام کو کیوں پکارا تھا جبکہ وہ وہاں موجود نہیں تھا!''

''غالباً اس نے آگاہ کیا تھا کہ میجر اکرام ہی سے مجھے سب کچھ معلوم ہو سکے گا اور اس نے انتقاماً ایسا کیا تھا، کیونکہ اسے علم نہیں تھا کہ وہ برقی لباس کسی مرحلے پر خود اسے راکھ کا ڈھیر بنا دے گا!''

''واقعی بہت ذہین ہو!'' سنگ ہی نے بڑی سنجیدگی سے کہا اور پھر دفعتاً ہنس کر بولا..... ''وہ ایک حیرت انگیز لباس ہے..... اگر تم توپ سے بھی اس پر فائر کرو تو گولے کو واپس پلٹانے کے لیے اس سے جو برقی رو خارج ہوگی وہ آس پاس بھی تباہی پھیلا دے گی۔ تم

دیکھ ہی چکے ہو کہ تمہارے برآمدے کا ایک ستون کس طرح ضائع ہوا تھا..... اتنی انرجی کے گولے کا تصور کرو..... جتنا وزنی وہ ہوگا۔ اتنی ہی زیادہ انرجی خارج ہوگی اور میلوں تک تباہی پھیل جائے گی ..... لیکن کرنل فریدی تم نے اسے ڈنڈے سے مار گرایا..... تم جیسا ذہین آج تک میری نظر سے نہیں گزرا.....!''

''شکریہ.....!'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ''غالباً تم نے کسی خاص موقعے کیلئے اس لباس کو کوئی غلط استعمال بھی بتا دیا تھا۔ اس یقین دہانی کے ساتھ کہ وہ شاہد کیلئے سود مند ہوگا!''

''کتنی بار تمہاری ذہانت کا اعتراف کروں کرنل فریدی..... ہاں میں نے اسے ایک مخصوص بٹن کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا رکھا تھا کہ اگر کسی موقع پر وہ اس طرح گھر جائے کہ نکلنے کی راہ نہ ملے تو وہ اس بٹن کو دبا دے..... لباس فوری طور پر اسے آسمان پر اڑا لے جائے گا..... پھر جہاں چاہے وہ ایک اور بٹن دبا کر نیچے آ سکتا ہے..... دراصل وہی بٹن لباس کو صاحب لباس سمیت راکھ کا ڈھیر بنا سکتا ہے۔ لہٰذا جب شاہد کو یہ معلوم ہوا کہ اس سلسلے میں اسے دھوکہ دیا گیا تھا..... تو اس نے تمہیں میجر اکرام کا نام بتا دیا.....!''

''اور وہ لباس تم نے شاہد کے حوالے محض اسی لیے کیا تھا کہ وہ شہر میں حماقتیں کرتا پھرے..... اور تمہیں اس طرف سے بھی اطمینان ہو جائے کہ اسے بے اثر کر دینے کے لیے ہم کوئی تدبیر کر سکتے ہیں یا نہیں.....!''

''بالکل یہی بات تھی میرے دوست..... میں اس لباس کی اس خامی سے واقف تھا کہ لکڑی یا کسی دوسرے نان کونڈکٹر آف ہیٹ سے اسکی خصوصیات ختم کی جا سکتی ہیں..... دراصل شاہد سے کچھ حماقتیں بھی سرزد ہوئیں..... وہ خواہ مخواہ اس چکر میں پڑ گیا تھا..... کہ پروفیسر کی اس برقی بھوت کی پیدائش کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے اور پولیس اس کی تلاش میں سرگرداں رہے..... اس سلسلے میں اس سے بہتیری حماقتیں سرزد ہوئیں..... بے چارے پروفیسر کی ڈاڑھی مونچھ تک صاف کرا دی لیکن مجھے اس کا افسوس ہے کہ پروفیسر ہمیشہ کے لیے گونگا ہو گیا..... اس وقت بھی اسی عمارت کے ایک کمرے میں موجود ہے..... میں خواہ مخواہ کسی کو بھی جان سے نہیں مارتا۔ ان تینوں اموات کا ذمہ دار بھی شاہد ہی تھا۔ میں تو برہمچاری ہو گیا ہوں۔''

چند لمحے خاموش رہ کر اس نے بستر پر بیٹھی ہوئی، خوفزدہ عورت کی طرف دیکھ کر بولا۔

''ان حرامزادیوں کی وجہ سے شہر آنا پڑتا ہے..... ورنہ میں تو جنگل ہی میں پڑا رہوں..... خیر ہاں تو کرنل فریدی..... اب تم ہاتھ آ ہی گئے ہو تو وہ مسئلہ بھی حل ہو جائے!''

''کون سا مسئلہ.....!''

''زیرو لینڈ کی دو بڑی خواتین کی واپسی..... تمہارے علاوہ اور کسی کو علم نہیں کہ انہیں کہاں قید کیا گیا ہے..... لہٰذا اب تم مجھے بتاؤ گے کہ وہ کہاں قید ہیں!''

''تو تمہارا یہ بھوت جیل خانوں میں گھستا پھرتا!''

''یقیناً پچھلی رات میں نے اسے سنٹرل جیل کی طرف بھیجا تھا۔ سارے پہریدار بھاگ کھڑے ہوئے تھے اور کسی نے بھی اس پر فائر کرنے کی ہمت نہیں کی تھی..... اس طرح شاہد اپنے دل سے پولیس کا خوف بھی دور کرنا چاہتا تھا تاکہ اطمینان سے لوگوں کی تجوریاں صاف کر سکے۔ احمق کہیں کا..... وہ اسے سچ سمجھا تھا کہ میں کوئی معمولی لٹیرا ہوں!''

فریدی اپنی گردن کھجا رہا تھا..... اس نے سنگ سے کہا۔ ''تو تم مجھے بے بس سمجھتے ہو..... ان کے آگے!''

اس کا ہاتھ دونوں مسلح آدمیوں کی طرف پھسل گیا اور سنہری چنگاریوں کی پھوار سی ان پر پڑی..... دونوں کے چیتھڑے اڑ گئے اور پھر وہی ہاتھ دوسری جانب کود گیا۔

''ہوشیار سنگ۔'' فریدی نے للکارا..... ''اس کے سامنے تمہارا سنگ آرٹ نہیں چلے گا..... کیونکہ ان چنگاریوں کے انتشار کے نظام میں ایسی تبدیلی بھی کی جا سکتی ہے کہ پورا کمرہ چنگاریوں سے بھر جائے!''

سنگ نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے..... اور بستر پر بیٹھی ہوئی عورت سے بولا۔ ''دیکھا حرامزادی..... محض تیرے لیے جنگل سے یہاں آیا تھا..... اب میری چٹنی بن جائے گی۔ ارے تمہاری تو نسل ہی غارت کر دینی چاہئے.....!''

سنگ اس طرح اسے گالیاں دے رہا تھا..... کہ حمید کو ہنسی آ گئی۔

''تم کیا ہنس رہے ہو..... تم تو مجھ سے بھی زیادہ حرامی ہو.....!'' سنگ نے حمید سے کہا اور اسے بھی ننگی گالیاں دینے لگا۔

بس پھر کیا تھا۔ حمید کھوپڑی سے آؤٹ ہو کر اس پر ٹوٹ پڑا۔ فریدی چیختا ہی رہ گیا

تھا.....لیکن کون سنتا ہے۔

اب پوزیشن یہ تھی کہ سنگ جونک کی طرح حمید سے چمٹ گیا تھا اور اس کی پشت فریدی کی طرف کئے ہوئے الٹے پاؤں دروازے کی طرف بڑھتا جا رہا تھا۔

''ٹھہرو سنگ.....!'' فریدی بے بسی سے کہتا رہا۔''اسے چھوڑ دو..... میں تمہیں نکل جانے دوں گا۔'' لیکن دوسرے ہی لمحے میں حمید اچھل کر اس پر آ رہا اور سنگ نے باہر نکل کر بڑی پھرتی سے دروازہ بولٹ کر دیا اور باہر سے ہانک لگائی۔''کرنل فریدی جتنی دیر میں تم دروازہ توڑو گے میں فضا میں تحلیل ہو چکا ہوں گا!''

اس کے بعد اچانک عورت چیخنے لگی اور فریدی نے اسے ڈانٹ کر خاموش کر دیا پھر حمید سے تلخ لہجے میں بولا۔''چلئے اب دروازہ توڑیئے بڑے عقلمند بنتے ہیں.....ایڈیٹ.....!''

حمید کسی کثیر العیال بیوہ کی طرح خود کو اس بھری پری دنیا میں بالکل تنہا محسوس کر رہا تھا۔

اچانک فریدی نے اسی الیکٹرونک پسٹل سے جو اس کے کوٹ کی آستین میں چھپا تھا۔ دروازے پر فائر کیا اور دروازہ چور چور ہو کر بکھر گیا لیکن لاحاصل.....سنگ شاید سچ مچ ہوا میں تحلیل ہو گیا تھا۔

دوسری صبح لڑکال جنگل مسلح فوجیوں کے بھاری بھرکم قدموں کی آواز سے گونج رہا تھا۔

فریدی نے پچھلے دن جھیل کے جس ٹیلے کی نشاندہی کی تھی اس کے اندر جیر اللہ شاستری کی زیر زمین دنیا کے تین کمرے صحیح سالم حالت میں ملے یہاں دس غیر ملکی موجود تھے جنہیں گرفتار کر لیا گیا۔ ڈوروتھی میکابر بھی ان میں شامل تھی۔

پروفیسر زیدان شاہد جمیل کی کوٹھی ہی سے برآمد ہوا اور سنگ کے بیان کے مطابق وہ نہ صرف گونگا ہو گیا تھا بلکہ اس پر استعمال کیے جانے والے زہروں نے کچھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی چھین لی تھی۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 112

زرد فتنہ

(دوسرا ناول)

پیشرس

زرد فتنہ ملاحظہ فرمایئے، یہ سنگ ہی کی کہانی ہے اس کے سلسلے میں بے شمار تجاویز موصول ہوئی تھیں بہرحال دیکھئے کہ اس کی واپسی کس حد تک آپ کی دلچسپیوں میں اضافہ کر سکتی ہے۔ سنگ بلاشبہ ایک بڑا مجرم ہے اور خود کو اچھا آدمی نہیں کہتا لیکن اسی کہانی میں آپ کو ایسے مجرم بھی ملیں گے جو اپنے جرائم کو جرائم نہیں سمجھتے۔ ملک وقوم کی شہ رگ پر نشتر زنی بھی کرتے ہیں اور نیک نام بھی بنے رہتے ہیں۔ ''بڑے آدمی'' کہلاتے ہیں حالانکہ بڑا آدمی صرف وہ ہے جس کی تگ ودو صرف اپنی ہی ذات کے لیے نہیں ہوتی۔ اگر مال دار ہوتا ہے تو خود کو ایک ''چوکیدار'' سے زیادہ نہیں سمجھتا۔ اس مال کا چوکیدار جو دراصل اللہ کی ملکیت ہے اور اسے اللہ کے بتائے ہوئے طریقوں سے صرف کرتا ہے۔

ہم جو کچھ بھی حاصل کرتے ہیں اللہ کی زمین ہی سے تو حاصل کرتے ہیں اور اس پر ہمارے حقوق صرف اسی حد تک ہوتے ہیں جو اللہ نے مقرر کر دیئے ہیں۔

آپ کہیں گے آخر میں اس تفریحی کتاب میں وعظ ونصیحت کے دفتر کیوں کھول بیٹھا لیکن یہ باتیں اس کہانی سے ہٹ کر نہیں ہیں اس کا مرکزی خیال یہی ہے۔ اس میں آپ کو ایسے لوگ ملیں گے جو ملک وقوم کا حق چوری چوری غیروں کی تحویل میں دے دیتے ہیں اور پھر ایک تیسرے آدمی کے ہاتھوں ذلیل وخوار ہو کر اپنی سزا کو پہنچتے ہیں۔

اس میں آپ یہ بھی دیکھیں گے کہ بسا اوقات مجرموں کے پیدا کردہ حالات کی بناء پر خود قانون کے محافظوں کی پوزیشن خطرے میں پڑ جاتی ہے اور ان کے خلاف شکوک وشبہات کے طور مار بندھ جاتے ہیں۔

فریدی ایسی ہی دشواری سے کس حد تک عہدہ برآ ہوتا ہے۔

حمید کی چوہیا کی واپسی کے تقاضے بھی عرصے سے ہو رہے ہیں لیکن اب یہ پرانی بات ہوئی اس کی واپسی سے شاید آپ زیادہ محظوظ نہ ہو سکیں اس کی جگہ اس سے بھی زیادہ دلچسپ جانور کے ساتھ حمید صاحب تشریف لائے ہیں اور آئندہ بھی آپ اس جوڑے کے کرتبوں سے محفوظ ہو سکیں گے۔

پیشرس کے سلسلے میں فرمائشات آتی رہتی ہیں کہ اسے بھی دلچسپ ہونا چاہیے۔ درحقیقت یہ آپ کے جواب طلب دلچسپ خطوط ہی کے سہارے دلچسپ ہوا کرتا تھا اور پھر کبھی دل چاہتا ہے کہ آپ بعض معاملات پر سنجیدگی سے غور کریں۔ زندگی محض ہنسی خوشی کا کھیل نہیں ہے یہ اور بات ہے کہ میں ہنسی کھیل ہی کے ذریعے آپ کو زندگی کے حقائق سے قریب تر لانے کی کوشش کرتا ہوں۔

ابن صفی

۱۶-۸-۷۱

پراسرار عینک

قاسم نے ہزاروں بار تہیہ کیا تھا کہ حمید کے سائے سے بھی دور رہے گا لیکن کبھی اس عمل نہ کر سکا۔ حمید کی شکل دیکھتے ہی عجیب سی ہیجانی کیفیت میں مبتلا ہو جاتا اور اس سے وقت تک چھٹکارا نہ پا سکتا جب تک کہ مل بیٹھنے کا موقع نصیب نہ ہوتا۔

آج بھی یہی ہوا..... نیاگرا کے سوئمنگ پول کے قریب دونوں نے ایک دوسرے دیکھا لیکن قاسم کو حمید کے انداز میں کچھ بیگانگی سی نظر آئی بالکل ایسا انگا جیسے وہ اسے نظرانداز کرنا چاہتا ہو۔

حمید بھی تنہا ہی تھا! اگر کسی لڑکی کی ہم جلیسی کی بنا پر اس نے قاسم کے ساتھ یہ رویہ رکھا ہوتا تو اسے ذرہ برابر بھی حیرت نہ ہوتی۔

اس نے سر ہلا کر معمولی سی شناسائی تک کا اعتراف کرنا گوارا نہ کیا۔

آخر کیوں؟ قاسم سوچنے لگا۔ ماضی قریب میں ان کے درمیان کسی قسم کی کوئی تلخی پیدا نہ ہوئی تھی..... پھر کیا بات تھی۔

سوئمنگ پول میں بھی اس وقت صرف مرد ہی نظر آ رہے تھے۔ دور دور تک کسی لڑکی کا پتہ نہیں تھا۔

قاسم الجھن میں مبتلا ہو گیا۔ پھر اس نے سوچا کہیں پول میں تیرنے والوں میں سے کسی کی نگرانی نہ کر رہا ہو لیکن وہ پول کی طرف دیکھ ہی کب رہا تھا اس کی تو پشت تھی پول کی جانب!

اس کی اور قاسم کی میز کے درمیان تین خالی میزیں حائل تھیں۔

وہ کچھ دیر تک تو حمید کی یہ کج ادائی برداشت کرتا رہا تھا پھر اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کی پشت پر پہنچ کر بولا۔ ''عینک لگاؤ اغر مجھ جیسا پہاڑ تم کو نظر نہیں آتا۔''

''اوں..... ہوں.....!'' حمید چونک پڑا لیکن اس بار بھی قاسم نے اس کی آنکھوں میں اپنے لیے اجنبیت ہی سی محسوس کی۔

''نخرے کیوں کر رہے ہو۔'' قاسم جھنجھلا گیا۔

حمید نے پہلے تو اسے قہر آلود نظروں سے دیکھا۔ پھر اچانک اسکی آنکھیں مغموم سی ہو کر رہ گئیں۔ طویل سانس لے کر اس نے جیب سے نوٹ بک نکالی اور ایک سادہ صفحے پر لکھنے لگا۔

''مجھ پر رحم کرو..... میں بیمار ہوں..... ڈاکٹر نے بولنے کی ممانعت کر دی ہے۔''

قاسم نے جھک کر اسے پڑھا اور سامنے والی کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ''بیمار ہو تو یہاں کیوں دھرے ہوئے ہو۔''

حمید نے پھر لکھا: ''زبان کی بیماری ہے..... ویسے اللہ کا فضل ہے۔''

''اور اغر قوئی لونڈیا ٹکرا گئی تو.....!'' قاسم آنکھیں نکال کر غرایا۔

''میں اس سے بھی معافی مانگ لوں گا۔'' حمید نے لکھا۔

''اے جاؤ مر گئے معافی مانگنے والے۔'' قاسم نے اس کے چہرے کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔ ''تم مافی مانگو گے لونڈیا سے.....!''

حمید نے نوٹ بک بند کر کے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے..... اور قاسم کی ہی ہی ہی ہی حلق سے آزاد ہونے لگی۔

ایک بار حمید نے پھر نوٹ بک نکالی اور لکھنے لگا۔ ''اگر عیش ہی کرنا چاہتے ہو تو چلو میرے ساتھ۔ فی الحال اس چکر میں نہ پڑو کہ میں تمہیں کہاں لے جاؤں گا۔''

قاسم تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر سر ہلا کر بولا۔ ''اچھی بات ہے..... چلو..... لیکن یاد رکھو

اغر میرے ساتھ کوئی چار سو بیس ہوئی تو اچھا نہ ہوگا۔''

حمید اس طرح سر کو جنبش دے کر اٹھ گیا جیسے اس سے سو فیصد متفق ہو۔

باہر نکل کر قاسم نے اس سے پوچھا۔''میری گاڑی سے چلو گے یا اپنی گاڑی سے!''

جواب میں حمید نے اپنی انگلی اس کے سینے پر رکھ دی۔

''ڈاکٹر بھی سالا چگد ہی معلوم ہوتا ہے جس نے ہوں ہاں کرنے سے بھی منع قر ہے۔'' قاسم بڑبڑایا۔

حمید صرف ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ اس پر قاسم نے اور بھی زیادہ جھلا کر پوچھا۔ قیا سالے نے ہنسنے سے بھی منع قر دیا ہے۔''

حمید کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور قاسم کو سنجیدہ ہو جانا پڑا..... بہر حال وہ دونوں روڈ رو بیٹھے۔

قاسم سچ مچ اس کے لیے فکر مند تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح اظ ہمدردی کرے۔ اسے لکھنے کی تکلیف بھی نہیں دینا چاہتا تھا۔ لہٰذا کچھ دیر بعد اس نے بڑ شروع کر دیا۔''یہ ڈاکٹر بھی بات کا بتنگڑ بنا دیتے ہیں۔ تمہاری زبان میں آبلہ وابلہ پڑ گ گا۔ بولنے ہی کو منع قر دیا..... امے بولنے سے تو پیٹ کی گرمی نکلتی ہے..... میری خالہ اماں دس منٹ بھی کھاموش رہیں تو ان کے معدے میں آگ لگ جاتی ہے اس لیے وہ بس بولتی رہتی ہیں۔''

حمید نے جیب سے نوٹ بک نکال کر اس پر لکھا۔''مجھے خوشی ہے کہ میں تمہارا خالہ نہیں ہوں۔''

قاسم نے زور دار قہقہہ لگایا اور بولا۔''خوشی تو مجھ قو بھی ہے کہ میں خود ہی اپنا خالہ نہیں ہوں..... اگر ہوتا تو جانتے ہو قیا ہوتا!''

حمید نے مسمی صورت بنا کر سر کو منفی جنبش دی۔ اس پر قاسم بولا۔''میرے دماغ کی گر قبھی نہ نقل سکتی۔!''

حمید اشارے سے اسے دائیں بائیں مڑنے کی ہدایات دیتا جا رہا تھا۔

دفعتاً قاسم بولا۔''امے یہ کہاں لیے جا رہے ہو۔ ادھر تو میں قبھی نہیں آیا۔''

حمید کچھ نہ بولا..... اس بار اس نے کچھ لکھا بھی نہیں!

آخر ایک جگہ رکنے کا اشارہ کر کے مسکرایا۔ قاسم نے گاڑی روک دی سڑک کے کنارے پھر گاڑی روکی گئی تھی۔ ایک بڑی تین منزلہ عمارت تھی..... اوپر کی منزلوں میں بے شمار فلیٹ تھے..... اور نچلا حصہ بناوٹ کے اعتبار سے بھی منقسم نہیں معلوم ہوتا تھا۔

دونوں گاڑی سے اتر کر عمارت کی طرف بڑھے۔

نچلی منزل کے بڑے سے پھاٹک پر ایک باوردی ملازم نے ان کا استقبال کیا تھا۔

وہ اندر داخل ہوئے..... تب قاسم کو معلوم ہوا کہ وہ کوئی ریکریئیشن ہال تھا اس کی دانست میں ہزار ریکریئیشن ہال..... اس شہر میں اتنا بڑا شائد ہی کوئی دوسرا رہا ہو۔

فضا میں رقص کی موسیقی بکھری ہوئی تھی اور بے شمار جوڑے رقص کر رہے تھے۔ وہ آگے بڑھے اور اچانک ایک لحیم شحیم عورت بائیں جانب سے قاسم پر جھپٹی۔

''کیا آپ میرے ہمرقص بننا پسند کریں گے۔'' اس نے قاسم کو سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر سوال کیا۔

قاسم نے بوکھلا کر حمید کی طرف دیکھا اور احمقانہ انداز میں منہ چلانے لگا۔

''جلدی بولیے.....!'' عورت نے اس کا بازو پکڑ کر کہا۔''کہیں میری بہن کی نظر آپ پر نہ پڑ جائے!''

جج..... جی میں کیا بولوں..... ان سے پوچھئے..... قاسم حمید کی طرف مڑا اور اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی..... کیوں کہ حمید کا کہیں پتا نہ تھا۔

''ارے باپ رے!''

''آپ میری بات کا جواب کیوں نہیں دیتے۔'' عورت نے قاسم کو پھر جھنجھوڑا۔

''جج..... جی..... وہ میرا..... میرا ساتھی!''

''جہنم میں جھونکئے ساتھی کو..... میں آپ کی ساتھی ہوں!''

''وہ تو ٹھیک ہے..... لیکن مجھے ناچنا نہیں آتا.....!''

''میں سکھا دوں گی!'' اس نے قاسم کے دونوں ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا اور اسے رقاصوں کی بھیڑ کی طرف کھینچنے لگی۔

قاسم بری طرح بوکھلایا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی لمحے بھی لڑکھڑا کر فرش
رہے گا۔

بہرحال وہ اس عورت کے ساتھ لڑھکتا پھر رہا تھا.....!

''آپ بہت جلد سیکھ لیں گے!'' عورت اس سے بولی۔

''ہوں.....ہوں.....'' قاسم اُڑے اُڑے ذہن کے ساتھ بولا۔ ''جی غاں بالکل.....!

''پانچ سال بعد میں ناچ رہی ہوں!''

''قیوں..... پانچ سال!''

''پانچ سال تک کوئی ہمرقص ملا ہی نہیں.....جھینگر جیسے لوگوں کے ساتھ کون ناچے؟''

قاسم کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دفعتاً ایک لمبی تڑنگی عورت نے اس پر یلغار کی۔ اس
ہمرقص کو دھکا دے کر الگ کیا اور اس کے ہاتھ خود تھام لیے۔

پہلی دوسری پر بھوکی شیرنی کی طرح جھپٹی تھی.....!

''یہ کیا حرکت ہے.....!''

''کتنی دیر سے ناچ رہی ہو۔ کیا صرف اپنے نام الاٹ کرا لیا ہے۔'' دوسری نے غصے
لہجے میں کہا۔

وہ دونوں جھگڑا کر رہی تھیں اور قاسم حیرت سے آنکھیں پھاڑے انہیں گھورے جا رہا تھا۔
پہلی کی عمر پچیس کے لگ بھگ رہی ہوگی اور دوسری بیس بائیس سال سے زیادہ نہیں تھی
نقوش دونوں کے دل کش تھے اور ان کے درمیان کسی قدر مشابہت بھی پائی جاتی تھی۔

قاسم کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ حمید کی تلاش میں چاروں طرف
نظر دوڑانے لگا۔ لیکن وہ کہیں نہ دکھائی دیا۔

ایک دراز قد دبلا پتلا بوڑھا آدمی ان کی طرف تیزی سے چلا آ رہا تھا اس کے سر اور بھوؤں
کے بال سفید تھے۔

''یہ کیا ہو رہا ہے۔'' اس نے قریب پہنچ کر ان دونوں کو مخاطب کیا۔

دونوں نے بیک وقت بولنا شروع کر دیا.....اور اچانک قاسم پر منکشف ہوا کہ وہ بوڑھا
ان دونوں کا ڈیڈی ہے۔

قاسم کو ہنسی آ گئی.....اور بوڑھا چونک کر اسے گھورتا ہوا بولا۔ ''آپ ہنس کیوں رہے
جناب!''

''قدرت کی ظریف ستمی پر ہنس رہا ہوں!''

''یہ کیا چیز ہوتی ہے.....!'' اس نے خشک لہجے میں پوچھا۔

''مطلب یہ کہ.....وہ جو ہوتی ہے.....یعنی کہ آپ ان دنوں کے ڈیڈی ہیں۔ بڑی
ہوئی آپ سے مل کر!''

''غالباً آپ قدرت کی ستم ظریفی کہنا چاہتے تھے۔''

''جی غاں.....وہی وہی!''

''وہ دونوں بدستور تو تو میں میں کیے جا رہی تھیں.....!''

بوڑھے نے قاسم کا ہاتھ پکڑ کر کہا..... ''آیئے میرے ساتھ.....ان دونوں کا تو دماغ
اب ہو گیا ہے!''

''مم.....مگر۔''

''کچھ نہیں..... پہلے انہیں طے کر لینے دیجئے کہ کون کتنی دیر تک آپ کے ساتھ ناچے گی۔''

وہ اسے ایک کیبن میں لایا۔ دونوں بیٹھ گئے اور بوڑھے نے اس سے کہا۔ ''یہ دونوں
لیاں میرے لیے وبال جان بن گئی ہیں آپ پہلے آدمی ہیں جسے انہوں نے پسند کیا ہے!''

''ارے جی.....ہی ہی ہی ہی.....میں کیا.....!''

''نہیں آپ بہت کچھ ہیں.....کیا شادی شدہ ہیں آپ!''

''جھوٹ نہیں بولوں گا.....بیوی ہے تو.....لیکن میرے کام کی نہیں!''

''یہ بہت اچھی بات ہے۔ آپ مجھے اپنا ہمدرد اور دوست پائیں گے! یہ تحفہ قبول
ئیے!''

اس نے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک عینک نکالی جو عام عینکوں سے
تلف تھی، فریم کی بناوٹ عجیب تھی۔

''ذرا اس عینک کو لگا کر ناچ دیکھئے۔ لطف دوبالا ہو جائے گا!'' اس نے عینک قاسم کی
ف بڑھاتے ہوئے کہا۔

قاسم نے عینک لگائی اور بوڑھا کیبن کا پردہ ہٹانے لگا۔

''ارے.....ارے.....ارے باپ رے!'' قاسم کی زبان سے بے ساختہ نکلا اور اس نے عینک اتاری دی.....سانس پھولنے لگی تھی اور پیشانی پر پسینے کی بوندیں پھوٹ نکلی تھیں۔

''کیوں کیا ہوا.....؟'' بوڑھے نے مسکرا کر پوچھا۔

قاسم جھینپی جھینپی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ ''کیا آپ یہ عینک میرے ہاتھ بیچنا چاہتے ہیں؟''

''تحفتاً پیش کی ہے جناب عالی!''

''تب..... تب تو آپ بے حد حرامی معلوم ہوتے ہیں!''

''اس کے باوجود بھی یہ عینک آپ کو قبول کرنی ہی پڑے گی!''

قاسم ہکلانے لگا۔ ''جج.....جی دراصل.....جلدی میں ایسی بے ہودہ بات میری جبان سے نقل گئی.....ورنہ میں تو آپ کا غلام ہوں!''

''کوئی بات نہیں!'' وہ قاسم کا شانہ تھپک کر بولا۔ ''میں خود بھی اپنے آپ کو بے حد حرامی سمجھتا ہوں!''

قاسم نے عینک تو کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھی اور ہاتھ جوڑ کر گڑگڑایا۔ ''مجھے معاف کر دیجئے.....آپ میرے بزرگ ہیں.....!''

''چلو معاف کر دیا!'' بوڑھا ہنس پڑا۔

❁

رات کے کھانے کے بعد کیپٹن حمید بیرونی برآمدے میں آ بیٹھا۔ فریدی ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ لہٰذا اسے اکیلے ہی کھانا پڑا تھا۔

پائپ سلگا کر آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔ پانچ منٹ نہیں گزرے تھے کہ پھاٹک پر گاڑی رکی.....اور چوکیدار پھاٹک کھولنے لگا۔

گاڑی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی اور حمید اٹھ کھڑا ہوا کیونکہ وہ قاسم کی رولز تھی۔

قاسم گاڑی سے اتر کر برآمدے کی طرف بڑھا وہ حمید کو گھورے جا رہا تھا قریب پہنچا تو مسکرا کر بولا۔ ''خیریت تو ہے۔''

''ہائے ہائے!'' قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ ''اب اجازت دے دی سالے ڈاکٹر نے!''

''کہاں کی ہانک رہے ہو!''

''مگر یہ جروری تو نہیں ہے کہ ہمیشہ بے وقوف ہی بنوں..... بیٹا وہ چیز ہاتھ لگی ہے کہ بجلی روشن ہو جائیں گے.....تم نے تو بے قوف ہی بنایا تھا!''

''تم نشے میں تو نہیں ہو! کب کی بات ہے!''

''میں تمہیں ماف کر چکا ہوں.....اس لیے اب بات نہ بڑھاؤ اور اب عیش کرنا چاہتے ہو تو تم خود میرے ساتھ چلو!''

''کہاں؟''

''جہاں جی چاہے۔ قیا پرواہ ہے.....کسی نائٹ کلب.....ہوٹل.....کوئی اور تفریح گاہ.....

''یہ بھی.....!''

''یہ بات ہے.....!''

''اور قیا.....!''

''اچھا تو چلو!'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

''بالکل نہ ڈرو.....میں تمہیں ماف کر چکا ہوں.....اس بڈھے اور اس کی بیٹیوں کے صدقے میں!''

''کس بڈھے اور اس کی بیٹیوں کی بات کر رہے ہو؟''

''ہاں ٹھیک ہے تم نے تو ایک ہی دیکھی تھی اور کھسک گئے تھے.....ایک اور تھی اس کی.....ہائے ہائے دونوں ہی میری طرح ہمالیہ پہاڑ تھیں.....!''

''کب کی بات کر رہے ہو۔''

''کیا تم نے پی رکھی ہے حمید بھائی!'' قاسم یک بیک بیحد سنجیدہ ہو کر حمید کو گھورنے لگا۔ پھر بولا۔ ''یار زبان کی بیماری آدمی کو بے ہوش کر دیتی ہے!''

''چلو..... چلو..... راستے میں باتیں ہوں گی۔'' حمید اس کا شانہ تھپک کر بولا۔

''ہاں..... جرور..... میں قسم کھاتا ہوں کہ تم سے اس حرکت کا بدلہ نہیں لوں گا!''

حمید طویل سانس لی..... اور دونوں برآمدے سے اتر کر رولز کے قریب آئے۔

''مجھے ڈرائیو کرنے دو.....!'' حمید نے کہا۔

''قیوں..... قیا..... میں نے شراب پی رکھی ہے!''

''یہ بات نہیں ہے۔ بس رولز ڈرائیو کرنے کو جی چاہ رہا ہے۔ مجھ جیسا غریب آدمی ا
کی توقع تو رکھ نہیں سکتا کہ کبھی رولز خرید سکے گا!''

''کیوں دل تھوڑا کرتے ہو، حمید بھائی.....!'' قاسم نے خلوص سے کہا۔ ''دل چاہے
گاڑی تم ہی رکھ لو!''

''ارے نہیں مجھ جیسا غریب آدمی یہ ہاتھی مفت میں بھی نہیں پال سکتا۔''

''اچھا بس اب غریب وریب کی باتیں بند کرو۔ چلو بیٹھو تم ہی ڈرائیو کرو.....!'' تھوڑ
دیر بعد وہ گرینڈ کے بال روم میں داخل ہوئے..... گیلری میں انہیں ایک خالی میز بھی نصیب
گئی..... قاسم نے بیٹھتے ہی کھانے پینے کی کچھ چیزوں کا آرڈر دیا۔

''میں کھانا کھا چکا ہوں.....!'' حمید بولا۔

''فکر نہ قرو..... میں خاؤں غا.....!'' قاسم نے رقص کرنے والوں کو للچائی ہوئی نظروں
سے دیکھتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر خاموش رہ کر حمید نے کہا۔ ''اب دکھاؤ..... کیا دکھانا چاہتے تھے!''

''یہی..... تفریح۔'' قاسم نے رقاصوں کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

''یہ تو میں تمہاری مدد کے بغیر بھی دیکھ سکتا تھا۔'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''جو کچھ میں دکھانا چاہتا ہوں!'' قاسم ہنس کر بولا۔ ''وہ تم خواب میں بھی نہیں دیکھ
سکتے..... یہ لو..... عینک لگا کر دیکھو!''

قاسم نے عینک نکال کر حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''اوہ.....!'' حمید عینک اس کے ہاتھ سے لے کر اس کا بغور جائزہ لیتا رہا۔ غیر معمولی
بناوٹ کی عینک تھی اور اس کا وزن بھی عام عینکوں کے وزن سے کئی گناہ زیادہ معلوم ہوتا تھا۔

''ارے تم تو پیڑ گننے لگے..... آم خاؤ آم.....!'' قاسم اس کے شانے پر ہاتھ مار کر بولا۔
عینک لگا کر رقص کرنے والوں کی طرف مڑا۔

''ارے..... ارے..... او..... لاحول ولا قوۃ.....!'' اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں
ناراضی اور قاسم کو پھاڑ کھانے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔

''کہاں سے ملی یہ عینک!''

''لاؤ..... ادھر لاؤ.....!'' قاسم نے عینک واپس لینے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے
''مزاج ہی نہیں ملتے لاٹ صاحب قے..... میں تو سمجھا تھا کہ دیکھ کر خوش ہوں گے.....
میرے ٹھینگے کو غرض تھی دوڑے آنے کی۔ واہ..... نیکی برباد گناہ لازم..... غراتے ہیں مجھ
آنکھیں دکھاتے ہیں!''

''میں پوچھتا ہوں کہ تمہیں یہ عینک کہاں سے ملی ہے!'' حمید نے عینک کوٹ کی اندرونی
جیب میں رکھتے ہوئے سخت لہجے میں پوچھا۔

''ارے جاؤ۔ تم اسے ہضم نہیں کر سکتے..... دھونس کسی اور پر جمانا..... ہڈی پسلی توڑ کے
رکھ دوں گا!''

''سنو! کیا تم جیل جانا چاہتے ہو؟''

''تمہاری تو ایسی کی تیسی!'' قاسم اٹھتا ہوا بولا لیکن حمید کو موقعے کی نزاکت کا اندازہ
تھا۔ اس لیے وہ اس کے اٹھنے سے پہلے ہی اٹھ کر کسی قدر پیچھے ہٹ گیا۔ پھر وہ بڑی تیز
نگاہوں سے صدر دروازے کی طرف بڑھا تھا۔

وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ قاسم جتنی دیر میں صدر دروازے پر پہنچے گا وہ کمپاؤنڈ میں ہوگا۔
اور پھر وہ قاسم ہی کی رولز لے بھاگا تھا..... سیدھا گھر پہنچا..... یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ
بدقسمتی اس دوران میں گھر واپس آ گیا تھا۔ کھانے کی میز پر اس سے ملاقات ہوئی۔

''مجھے معلوم ہوا تھا کہ تم قاسم کے ساتھ گئے ہو!'' اس نے اس کی طرف توجہ دیئے بغیر
ناراضی روکھائی میں کہا۔ ''بہت جلد واپس آ گئے۔''

''ایک کارنامہ انجام دے کر آیا ہوں!''

''اچھا.....!'' فریدی نے سر اٹھا کر اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ نے جن عینکوں کے متعلق افواہ سنی تھی ان میں سے ایک ہاتھ آ گئی ہے۔''

''اوہ.....کہاں ہے.....!''

''جیب میں.....ابھی دیتا ہوں.....لیکن خدارا وہ اسے لگا کر میری طرف نہ دیکھے گا!''

''لاؤ.....میں خود کو دیکھوں گا!'' فریدی نے ہاتھ بڑھایا۔

حمید نے عینک جیب سے نکال کر میز پر ڈال دی.....اور خود دوڑتا ہوا ڈرائنگ روم سے باہر نکل گیا۔

وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ تھوڑی دیر میں قاسم بھی پہنچنے ہی والا ہوگا۔ لہٰذا ڈرائنگ سے ملحقہ کمرے میں بند ہو بیٹھا۔

تھوڑی دیر بعد وہی ہوا جس کا خدشہ تھا.....قاسم کی دھاڑیں سنائی دیں اور ساتھ فریدی کی گرج بھی.....وہ اس سے خاموش رہنے کو کہہ رہا تھا۔

حمید دروازہ کھول کر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا.....وہ دونوں وہیں تھے.....حمید کو دیکھتے ہی قاسم دھاڑا۔ ''لاؤ میری عینک''

''اوہو.....تو وہ عینک تمہاری ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''جی ہاں۔ میری ہے۔ یہ چھین کر بھاگا ہے اور اوپر سے کہتا ہے جیل بھجوا دوں گا۔''

''یقیناً جیل جاؤ گے!'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ''اگر یہ نہیں بتاؤ گے کہ تمہیں کہاں سے.....تمہیں شاید یہ نہیں معلوم کہ پولیس ایسی عینکوں کی تلاش میں ہے!''

''ارے باپ رے!'' پہلی بار قاسم کے چہرے پر خوف کے آثار نظر آئے۔

حمید کی گرفتاری

کچھ دیر تو قاسم کے چہرے پر خوفزدگی طاری رہی پھر یک بیک چونک کر بولا۔ ''اب میرے ساتھ فراڈ کیا جائے گا!''

''کیا مطلب!'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''جہاں سے مجھے ملی ہے وہاں یہی شیطان تو مجھے لے گیا تھا!'' قاسم حمید کی طرف ہاتھ لہراتا ہوا بولا۔

''تم گھاس تو نہیں کھا گئے۔'' حمید چیخا۔

''نہیں میں نے تو گوبھی کے پتے چبائے تھے۔ تم سالے اتنا یاد رکھنا میں بھی کسی باپ کی اولاد نہیں ہوں!''

''آؤ.....میرے ساتھ!'' فریدی نے اس کا شانہ تھپک کر کہا۔

''ہم کسی دوسری جگہ گفتگو کریں گے۔ حمید تم یہیں ٹھہرو گے!''

حمید نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی اور بجھا ہوا پائپ سلگانے لگا۔ قاسم فریدی کے ساتھ باہر جاتے ہوئے مڑ مڑ کر حمید کو قہر آلود نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد فریدی تنہا واپس آیا۔

''تم آج شام اسے کہاں لے گئے تھے۔'' اس نے حمید کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

''کہیں بھی نہیں.....آپ ملازموں سے معلوم کر سکتے ہیں کہ میں تین بجے سے ساڑھے چھ بجے تک گھر ہی پر رہا تھا اور اسی مردود کے ساتھ باہر نکلا تھا۔''

''اس نے ایک دلچسپ کہانی سنائی ہے۔''

اور پھر اس نے قاسم کی روداد دوہرا کر کہا۔ ''اگر وہ تم نہیں تھے تو.....!''

''آپ خود غور کیجئے۔ آخر مجھے کیا پڑی تھی کہ خاموش رہنے کے لیے کوئی بہانہ تراش کر اس سے تحریری گفتگو کرتا!''

''ہوں.....! یہی نکتہ تمہاری موافقت میں ہے۔'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''یقیناً وہ شخص جو تمہارے بھیس میں تھا آواز بھی بدل لینے پر قادر نہ رہا ہوگا۔''

''لیکن.....آخر.....اس کا مقصد!''

''سنگ ہی نے جتایا ہے شہر میں گردش کرنے والی عینکیں اسی کی تقسیم کردہ ہیں۔''

''سنگ ہی!''

''ہاں...وہ بوڑھا سنگ ہی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا!''

''لیکن اس حرکت سے اس کا کیا مقصد ہوسکتا ہے!''

''دھمکی.... اگر یہ عینکیں عام ہوگئیں تو پورا شہر کتوں کا جنگل بن کر رہ جائے گا۔''

''یہ تو ہے۔'' حمید پرتشویش لہجے میں بولا۔

''میں نے فی الحال قاسم کو سمجھا بجھا کر واپس کر دیا ہے۔ عینک میرے ہی پاس ہے۔''

''لائیے.... مجھے واپس کر دیجئے!''

''شٹ اپ!''

''اس کی نہیں ہوئی۔ آپ اکیلے اکیلے محظوظ ہوتے پھریں گے!''

''لفظ محظوظ استعمال کرتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہئے!'' فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔ ''آدمی اتنا کمینہ ہوگیا ہے کہ ایسی عینکیں بنانے پر اتر آیا ہے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی کے چہرے پر کبیدگی کے آثار تھے۔ تھوڑی دیر بعد حمید نے پوچھا۔ ''کیا اس جگہ ڈیڈ نہیں کیا جائے گا جہاں دونوں کی ملاقات ہوئی تھی!''

''لاحاصل... سنگ اب وہاں موجود نہ ہوگا.... اس سے بہتر تو یہی ہوگا کہ قاسم پر کڑی نظر رکھی جائے!''

''کس طرح!''

''سوچیں گے...!'' فریدی نے کہا.... اور ڈرائینگ روم سے باہر جانے لگا۔

''ٹھہریئے۔ کیا آپ مجھے باہر جانے کی اجازت دیں گے۔'' حمید بولا۔

''کہاں جانا چاہتے ہو!''

''وہیں جہاں میرا ہمشکل قاسم کو لے کر گیا تھا۔''

''اس سے فائدہ!''

''مجھے یقین ہے قاسم یہاں سے سیدھا وہیں جائے گا!''

''حمید صاحب! میں نہیں چاہتا کہ اس بار سنگ ہی آپ کو پکڑ کر بطور یرغمال رکھے اور مجھ سے اپنا مطالبہ دہرائے۔''

''ارے تو کیا چوڑیاں پہن کر بیٹھ رہوں!''

''اچھی بات ہے۔ جانا ہی چاہتے ہو تو میک اپ لیں جاؤ۔'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

تھوڑی دیر بعد وہ تجربہ گاہ میں حمید کا میک اپ کر رہا تھا۔

''بس اب یہ سمجھ لو کہ کچھ دونوں تک تمہیں اس میک اپ میں رہنا پڑے گا اور تم ادھر کا رخ بھی نہیں کرو گے!''

''تو پھر مجھے قاسم ہی کی نگرانی کرنی ہوگی۔'' حمید نے پوچھا۔

''بہت زیادہ نہیں.... مقابل سنگ ہے اسے ہر وقت یاد رکھنا۔ فی الحال اس نے قاسم کے توسط سے یہ عینک میرے پاس بھجوائی ہے۔ ہوسکتا ہے اب وہ اس میک اپ ہی کو استعمال کرے جس میں قاسم سے ملا تھا لیکن کم از کم ان دو عورتوں کا سراغ تو مل ہی سکتا ہے جنہوں نے قاسم کے ساتھ رقص کرنا چاہا تھا۔''

''کیا منظر ہوگا....!'' حمید نے قہقہہ لگایا۔

''اور ہاں سنورو شن ہیولے والے کیس میں کاغذات پر کسی ایم فرینک ہی کا نام درج کرایا گیا ہے جو بالآخر نکل جانے میں کامیاب ہوگیا تھا.... یہ صرف ہم دونوں ہی جانتے ہیں کہ سنگ ہی تھا۔''

''کیوں؟ ایسا کیوں کیا؟ آپ نے.....!''

''تاکہ اپنے طور پر اس کی سرکوبی کر سکوں۔ سنگ کا نام ظاہر ہوتے ہی اوپر تک کھلبلی مچ جاتی اور مشوروں پر مشورے ملنے لگتے اور سنگ اس قسم کے ہیجانات سے فائدہ اٹھانے کا ماہر ہے۔ اب یہ جو حرکت اس نے شروع کی ہے اس کا مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ ہماری حکومت کو ان دونوں قیدیوں کی رہائی پر مجبور کرے!''

''اگر آپ عینک مجھے دے دیں تو کیا حرج ہے شاید اسی کے توسط سے میں سنگ یا اس کے ساتھیوں تک پہنچ سکوں!''

''بس....!'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''تم احمق ہو.... اس رات اگر تم اس کی بدزبانی پر تنبیہ ہو کر جھپٹ نہ پڑے ہوتے تو وہ بچ کر نہیں نکل سکتا تھا۔''

حمید کچھ نہ بولا.... میک اپ کر چکنے کے بعد اس نے فون پر کسی کے نمبر ڈائل کئے اور کسی سے گفتگو کرتا رہا.... لیکن حمید اس کا مفہوم نہ سمجھ سکا۔ جس زبان میں گفتگو ہوئی تھی اس کے لئے بالکل نئی تھی۔

اور یہ کوئی نئی بات بھی نہ تھی کہ حمید اس سلسلے میں پوچھ گچھ شروع کر دیتا۔

فریدی ریسیور رکھ کر گھڑی پر نظر ڈالتا ہوا بولا۔ ''ٹھیک پندرہ منٹ بعد تم عقبی پار
طرف سے باہر جاؤ گے اور سیاہ رنگ کی ایک گاڑی تمہیں نئی قیام گاہ تک پہنچا دے گی
ہدایات پھر ملیں گے۔''

حمید طویل سانس لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔

❁

کچھ دور چلنے کے بعد قاسم کی ذہنی رو پھر بہک گئی اور اس نے گاڑی گھر والے
سے ہٹا کر اسی طرف ڈال دی۔ جہاں دونوں عورتوں اور ان کے ڈیڈی سے ملاقات ہوئی
رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ اس تفریح گاہ کی آبادی اب پہلے سے دوگنی ہو گئی تھی
قاسم انہیں چاروں طرف تلاش کرتا پھر رہا تھا.... عورتوں سے زیادہ اسے بوڑ
تلاش تھی..... اس لیے ان دونوں پر خود اس کی نظر نہ پڑ سکی..... اور بالآخر وہ دونوں ہی ا
پاس پہنچ گئیں۔

''ہمیں بے حد شرمندگی ہے!'' ایک بولی۔

''اب ہم آپس میں جھگڑا نہیں کریں گے۔'' دوسری نے کہا۔ اور قاسم کے دانت نکل پڑ

''آپ کے والد صاحب کہاں ہیں؟''

''کون والد صاحب؟'' دونوں نے بیک وقت پوچھا..... کچھ متحیر سی نظر آنے لگی تھی

''وہی.... وہ جو مجھے اپنے ساتھ کیبن میں لے گئے تھے!'' دونوں ہنس پڑیں۔

''ارے وہ تو یوں ہی ایک خبطی سا بڈھا تھا۔ یہاں سب سے کہتا رہتا ہے کہ مجھے
کہا کرو!''

''واقعی.....!'' قاسم کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''اور کیا۔ چلئے ہماری میز پر چلئے۔''

وہ ایک گوشے میں آ بیٹھے۔ میز پر کھانے پینے کا وافر سامان موجود تھا۔

قاسم نے پہلے تو شرما حضوری میں کھانے سے انکار کر دیا لیکن پھر جو انکے مزید اصرار
ہاتھ صاف کرنا شروع کیا ہے تو وہ یہ بھی بھول گیا کہ میزبان دو تگڑی سی عورتیں ہیں۔ وہ
حیرت سے دیکھے جا رہی تھیں اور قاسم کی نظر صرف اس پر تھی کہ کتنی پلیٹیں باقی بچی ہیں۔

دفعتاً ان میں سے ایک اٹھ کر کسی طرف چلی گئی.... دوبارہ واپس آئی تو قاسم نیپکن سے
منہ صاف کر رہا تھا اور ساری پلیٹیں خالی ہو چکی تھیں۔

اسی عورت نے قاسم سے کہا۔ ''کیا آپ اس زندہ دل بوڑھے سے ملنا ہی چاہتے ہیں۔''

''جی ہاں۔ بہت جروری ہے.....!'' قاسم نے لمبی سی ڈکار لے کر کہا۔

''یعنی وہ منحوس بڈھا آپ کے لیے ہم سے زیادہ اہم ہے کہ آپ ہماری کمپنی چھوڑ کر
اسے ملنا چاہتے ہیں!''

''جج.... جی نہیں.... ایسی کوئی بات نہیں اپنی ایسی کی تیسی میں جائے.... بہت دیکھے ہیں
ایسے بڈھے.... بھلا آپ لوگوں کو کون چھوڑنا چاہے گا!''

''ہم طے کر چکے ہیں کہ اب آپ کو پریشان نہیں کریں گے.... ایک ہفتہ ایک کے
ساتھ رہئے اور ایک ہفتہ دوسری کے ساتھ!''

''نہیں!'' قاسم کی باچھیں کھل گئیں۔

''یقین کیجئے.... ہم نے بہت سنجیدگی سے فیصلہ کیا ہے۔''

''ہی ہی ہی ہی..... جی اب میں کیا عرض کروں کہ مجھے کتنی خوشی ہوئی ہے لیکن وہ
بڈھے صاحب رہتے کہاں ہیں!''

''اوہو..... تو کیا آپ اس خبطی سے اتنے ہی متاثر ہوئے ہیں!''

''اچھے آدمی ہیں.... اچھے آدمی ہیں۔'' قاسم سر ہلا کر بولا۔

''اچھی بات ہے تو پھر تم جاؤ پہلے اسی سے مل آؤ!''

''تنہا جاؤں.....!''

''یہ رہا اس کا پتہ!'' عورت نے ایک وزیٹنگ کارڈ قاسم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

قاسم نے اسے دیکھا اور سر ہلا کر بولا۔ ''تو پھر جاؤں.... بہت جلد واپس آ جاؤں گا۔''

''بھولنا نہیں۔ ہم یہیں ملیں گے۔''

قاسم بوکھلائے ہوئے انداز میں ان سے رخصت ہوا تھا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بار پھر اس نے بوڑھے کے پتے والے کارڈ پر نظر ڈالی اور اسے جیب میں رکھ لیا۔ اس مطابق اسے چیتھم روڈ کی سولہویں عمارت میں جانا تھا۔

کار حرکت میں آئی اور وہ اسے بیک کرنے لگا..... دفعتاً پشت سے آواز آئی۔ پچھلی سیٹ پر موجود ہوں..... بس اپنی کوٹھی کی طرف نکل چلو۔ وہیں باتیں ہوں گی!''

قاسم نے آواز پہنچان لی۔ اس بوڑھے کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی تھی۔

''جی..... بہت اچھا.....!'' قاسم نے دھڑکتے دل سے کہا۔

''میں تمہیں خوش کر دوں گا۔ میرے پاس بڑی عمدہ عمدہ چیزیں ہیں!''

''یقین میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ وہ چشمہ پولیس والوں نے چھین لیا ہے۔'' قاسم بولا

''بھلا یہ کیوں ہوا برخوردار.....!''

''میرا ایک دوست ہے کیپٹن حمید! وہی جو مجھے اس کلب میں لے گیا تھا، اسی نے یہ کرا اپنے آفیسر قرنل فریدی کو دے دیا.....!''

''کیا تم ان دونوں سے ڈرتے ہو.....!''

''میں کیوں ڈرنے لگا!'' قاسم غرایا۔

''اچھا تو میں تمہیں ایسے پچاس چشمے دوں گا۔ اپنے دوستوں میں مفت تقسیم کر دینا''

''اچھی بات ہے..... میں دیکھوں گا کہ وہ لوگ میرا کیا قرلیتے ہیں!''

''شاباش.....!''

''یقین تم یہ کیوں چاہتے ہو کہ میں انہیں تقسیم کر دوں.....!''

''ان دونوں سے بدلہ لینے کے لیے..... آخر انہوں نے تم سے وہ عینک کیوں چھینی؟''

''ہاں یہ تو ہے.....!'' قاسم کو یک بیک غصہ آ گیا۔ پھر اچانک ایک خیال کے تحت کافور بھی ہو گیا اور اس نے بوڑھے سے کہا۔ ''میں تمہیں اپنے گھر میں نہیں لے جاؤں گا''

''کیوں؟''

''اگر تم نے وہاں عینک لگا کر دیکھنا شروع کر دیا تو!''

''میں صاحبزادے میں بوڑھا آدمی ہوں..... مجھے ان چیزوں سے دلچسپی نہیں!''

''پھر کیوں بانٹتے پھر رہے ہو!''

''اچھی بات ہے..... گاڑی روکو اور مجھے اتار دو.....!''

''اے تو ناراض کیوں ہوتے ہو..... کیا یہ ضروری ہے کہ میرے گھر بھی چلو!''

''نہیں ضروری نہیں ہے..... میں اپنا ہینڈ بیگ چھوڑے جا رہا ہوں۔ اس میں پچاس عینک موجود ہیں..... بس اگلی گلی میں گاڑی موڑ کر مجھے اتار دو!''

''بہت اچھا.....!''

❁

دوسرے دن فریدی کو اپنے دفتر میں سعد آباد کے پولیس اسٹیشن کے انچارج کا پیغام ملا جس کے مطابق اس نے ایک آدمی کو اڑتالیس عینکوں سمیت گرفتار کیا تھا۔

فریدی اٹھ گیا..... عینکوں سے متعلق یہ ہدایت اسی کی طرف سے جاری کی گئی تھی کہ جیسے بھی اس سلسلے میں پکڑا جائے اسے فوراً مطلع کر دیا جائے۔

سعد آباد کے پولیس اسٹیشن پر پہنچ کر اس کے ذہن کو زبردست جھٹکا لگا۔ کیوں کہ حالات کی سلاخوں کے پیچھے اسے جو آدمی نظر آیا، وہ کیپٹن حمید کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ پچھلی رات وہ اسی میک اپ میں تو گھر سے رخصت ہوا تھا۔

حمید نے اسے دیکھ کر نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا تھا۔

فریدی خاموشی سے انچارج کے آفس میں پلٹ آیا۔

''کس طرح ہاتھ لگا.....!'' اس نے خشک لہجے میں انچارج سے سوال کیا۔

''بس مجھے اس پر شبہ ہوا تھا جناب..... یقین کیجئے بیگ میں پورے اڑتالیس چشمے موجود ہیں۔'' انچارج نے جواب دیا۔

''بیگ کہاں ہے؟''

انسپکٹر نے بیگ فریدی کے حوالے کر کے رسید حاصل کر لی۔

''ملزم کو بھی اپنے محکمے ہی کے لاک اپ میں رکھوں گا!'' فریدی نے کہا۔

''میں نے ابھی اس کا بیان نہیں لیا جناب.....!''

''فکر نہ کیجئے سب دیکھ لیا جائے گا۔ تعاون کا بہت بہت شکریہ!''

''کیا روزنامچے میں بھی درج نہ کروں!''

''میرا خیال ہے کہ فی الحال اس سلسلے میں کچھ بھی نہ کیجئے۔ یہ پہلا آدمی ہاتھ آیا ہے جس کے بے حد رازداری کی ضرورت ہے.... میں اپنے طور پر اس معاملے کو دیکھوں گا۔''

''تو پھر.... یہ رسید بھی غیر ضروری ہے....!'' انچارج بولا۔

''میرا بھی یہی خیال ہے۔''

انچارج نے عینکوں کی رسید چاک کر کے ردی کی ٹوکری میں ڈال دی۔

فریدی حمید کو اپنے آفس میں لایا.... حمید خاموش تھا۔ راستے میں دونوں کے درمیان کسی قسم کی گفتگو نہیں ہوئی تھی کیونکہ وہ ہتھکڑیوں سمیت لنکن کی پچھلی سیٹ پر تھا اور اس کے پاس سعد آباد تھانے کا ایک کانسٹیبل بیٹھا ہوا تھا۔

کانسٹیبل کے رخصت ہوتے ہی فریدی نے اس کے ہاتھوں سے ہتھکڑیاں اتاریں اور پھر قہر آلود نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔ ''اب ہونٹوں کے ٹانکے توڑو.....!''

''ہمیشہ دوسروں کی ہمدردی میں مار کھائی ہے۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''میرے پاس وقت نہیں ہے..... غیر ضروری باتوں سے احتراز کرو.....!''

''صبح سے قاسم کی فکر میں تھا وہ گھر سے یہی ہینڈ بیگ لیے ہوئے نکلا تھا۔ خلاف معمول پیدل ہی ایک طرف چل پڑا..... میں نے بھی موٹر سائیکل وہیں چھوڑ دی اور اس کا تعاقب کرنے لگا۔

ایک جگہ اس نے ایک راہگیر کو روکا.... اور بیگ سے ایک عینک نکال کر اسے تھما دی۔ پھر وہ بیگ کا زپ کھینچنے بھی نہیں پایا تھا کہ میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ بیگ میں بہت سی عینکیں دکھائی دیں.... اور میں بوکھلا گیا۔ میں نے سوچا اگر اس بیگ سمیت دھر لیا گیا تو بہت ہی بھگتنا پڑے گا لہٰذا میں تاک میں رہا کہ کسی مناسب سی جگہ پر اس کے ہاتھ سے بیگ چھین

فرار ہو جاؤں.... ایک بار موقع مل ہی گیا اور میں گلیوں سے گزرتا ہوا دوسری سڑک پر جا پہنچا۔ میں نے اسے اس کا موقع نہیں دیا تھا کہ میری شکل اچھی طرح ذہن نشین کر سکتا۔ میں موٹر سائیکل تک پہنچنے نہیں پایا تھا کہ سعد آباد تھانے کے انچارج نے اپنے کچھ سپاہیوں کے ساتھ مجھے گھیر لیا۔''

''ہوں.....!'' فریدی نے طویل سانس لی اور فون کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں بولا۔ ''ہیلو۔''

''اوہ.....! کرنل.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''ہوں۔ اُوں۔ فرمایئے.....!''

''اگر تمہارا یہی قیدی حیرت انگیز طور پر غائب ہو گیا تو کل کے اخبارات اس وقت کی تصویر چھاپیں گے جب وہ گرفتار کیا جا رہا تھا۔''

فریدی نے جواب میں کچھ کہنے سے قبل اپنا فون ڈائلنگ کمپیوٹر سے منسلک کر دیا اور پھر بولا۔ ''تم مطمئن رہو میرے دوست قیدی غائب نہیں ہو سکتا۔''

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔ فریدی ریسیور رکھ کر کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہو گیا جس کے متحرک پرزوں کی ہلکی سی آواز کمرے میں گونج رہی تھی۔ پھر اس کے ایک خانے سے ایک چھوٹا سا کارڈ باہر نکل آیا۔ کارڈ پر اس فون کے نمبر موجود تھے جس سے کال آئی تھی۔ اس کے بعد تین منٹ کے اندر ہی معلوم ہو گیا کہ فون کس کے نام پر الاٹ ہے۔

حمید اس دوران بالکل خاموش رہا تھا..... دفعتاً فریدی نے اس سے کہا ''تمہیں کم از کم دو گھنٹے تک محکمے کے لاک اپ میں رہنا پڑے گا اس کے بعد کوئی اور اسی میک اپ میں تمہاری جگہ لے گا.....!''

''یہ میری زندگی کا انتہائی حیرت انگیز واقعہ ہے!'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''میں نے تمہیں پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا کہ مدمقابل سنگ ہے.... دنیا کا ایک بہت بڑا مجرم۔ ابھی ابھی اس نے دھمکی دی تھی کہ تمہارا قیدی غائب ہو گیا تو کل کے اخبارات میں اس وقت کی تصویریں شائع ہو جائیں گی جب اسے حراست میں لیا جا رہا تھا۔''

''اوہو.....!''

''سعد آباد کے انچارج سے پوچھ گچھ کی جائے تو بالآخر یہی معلوم ہوگا کہ کسی نے ٹیلی طور پر اس کی تو۔ تمہاری طرف مبذول کرائی تھی!''

''اور میری دانست میں یہ مناسب نہ ہوگا۔'' حمید بولا۔

''قطعی نہیں!''

''فون نمبر کس کا ہے؟''

''ایک سرمایہ دار عورت کا۔''

''شہر میں ایک ہی ہے..... مادام شہرزاد.....!''

''تم ٹھیک سمجھے.....لیکن سنگ اتنا احمق نہیں ہوسکتا!''

''میں نہیں سمجھا آپ کیا کہنا چاہتے ہیں!''

''ٹھہرو بتاتا ہوں۔'' فریدی نے فون کی طرف ہاتھ بڑھا کر وہی نمبر ڈائل کرتے ہوئے کہا جو کمپیوٹر نے فراہم کیے تھے۔

ریسیور کان سے لگائے کچھ سننے کی کوشش کرتا رہا پھر حمید سے بولا۔ ''لائن ڈیڈ ہے دوسری طرف گھنٹی نہیں بج رہی!''

اس کے بعد اس نے ایکسچینج سے رابطہ قائم کر کے معلوم کیا تھا کہ مذکورہ فون خراب ہوگیا ہے اور ابھی تک اس کی مرمت نہیں ہوئی۔

''پھر کمپیوٹر نے وہ نمبر کیوں دیئے۔'' حمید نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

''یہ اس طرح ممکن ہے کہ سنگ کی کال خواہ کسی فون سے ہوئی ہو.....اس نمبر کے فون کے میٹر سے کنکٹ کر دی گئی ہوگی!''

''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی آپریٹر بھی سنگ کے لیے کام کر رہا ہے!''

''فی الحال یہی کہا جا سکتا ہے.....!'' فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''اچھا اب حوالات کی طرف تشریف لے چلئے!''

اس نے دوبارہ حمید کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں اور لاک اَپ کی طرف لے چلا۔ آہستہ آہستہ اس سے کہتا جا رہا تھا۔ ''رات سے پہلے شاید تمہاری گلو خلاصی نہ ہو سکے.....!''

''میں کہتا ہوں.... یہ خطرہ سے خالی نہ ہوگا!''

''کیوں؟''

''اگر سنگ ڈی۔آئی۔جی کو کسی طرح مطلع کر دے کہ قیدی میک اپ میں ہے تو۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو۔'' فریدی چلتے چلتے رک گیا۔ پھر ہنس کر بولا۔ ''اب تمہارا ذہن ہتھکڑیاں پہنے رہنے پر مصر ہے!''

اس نے حمید کی ایک ہتھکڑی نکال کر اپنے بائیں ہاتھ میں ڈال لی اور لاک اپ کا راستہ چھوڑ کر پارکنگ شیڈ کی طرف چل پڑا۔

مگر لکن کی بجائے محکمے کی ایک گاڑی کے قریب پہنچ کر رکا تھا۔ ڈرائیور نے بڑے ادب سے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور دونوں اندر بیٹھ گئے۔

''موڈل ٹاؤن۔'' فریدی نے ڈرائیور سے اس وقت کہا جب گاڑی کمپاؤنڈ کے پھاٹک سے باہر آ رہی تھی۔

اچانک گاڑی کے ڈیش بورڈ سے قہقہے کی آواز آئی اور دونوں بے ساختہ چونک پڑے.....گاڑی سڑک پر تیز رفتاری سے چلی جا رہی تھی۔

بے بسی

ڈیش بورڈ سے قہقہے کی آواز.....؟ محکمے کی عام گاڑیوں میں ٹرانسمیٹر نہیں تھے پھر یہ آواز کہاں سے آئی؟ لیکن ان کی حیرت جلد ہی رفع ہوگئی.....!

ڈیش بورڈ سے آواز آئی۔ ''کرنل فریدی.... یہ تمہارے محکمے کی گاڑی نہیں ہے۔ ذرا میری ذہانت کی داد دو۔ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ میری کال ریسیو کرنے کے بعد تم یہی کرو گے!''

''مسٹر سنگ ہی...!'' حمید زور سے چیخا۔ ''کیا تم میری آواز سن رہے ہو...!''

''میں سن رہا ہوں.... کیپٹن حمید۔'' ڈیش بورڈ سے آواز آئی۔

''یہ میری کم عقلی کا نتیجہ ہے کہ ہم اس گاڑی میں بیٹھے ہوئے ہیں ورنہ کرنل صاحب مجھے لاک اَپ ہی کی طرف لے جا رہے تھے!''

''کچھ بھی ہو.....!'' ڈیش بورڈ سے آواز آئی۔ ''وارننگ..... یہ ڈرائیور ہے تو آدمی ہی.... لیکن اسے مشینی آدمی سمجھو... اگر تم نے اسے روکنے کی کوشش کی تو گاڑی دھماکے کے ساتھ تباہ ہو جائے گی!''

فریدی اپنے اور حمید کے ہاتھ سے ہتھکڑیاں نکال رہا تھا.... حمید نے اس کی آنکھوں میں ذرہ برابر بھی تشویش نہ دیکھی۔

ہتھکڑیاں نکال لینے کے بعد وہ سگار سلگانے لگا تھا.... گاڑی تیزی سے سڑکیں ناپتی رہی۔

ڈیش بورڈ سے پھر آواز آئی۔ ''کرنل فریدی.... کیا تم مجھے منہ لگانا پسند کرو گے؟''

''دل تو نہیں چاہتا.... مگر خیر۔'' فریدی نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

''تم اب تک ان دونوں عورتوں سے کیا معلوم کر سکے ہو!''

''کچھ بھی نہیں.....!''

''پھر انہیں روکے رکھنے کا فائدہ.....؟''

''کیا یہ فائدہ کم ہے کہ تم عنقریب میرے ہتھے چڑھنے والے ہو!''

''شاید یہ تمہارا آخری سفر ہو کرنل فریدی!''

''جب سے پیدا ہوا ہوں آخری ہی سفر میں ہوں!''

''اچھی بات ہے تم دیکھ ہی لو گے.....!''

''مسٹر سنگ!'' حمید نے ہانک لگائی۔

''تم کیا کہنا چاہتا ہو.... کیپٹن.....!''

''ان عینکوں میں سے ایک بھی میرے ہاتھ نہ لگ سکی!''

''تم کیا کرو گے عینک.... تمہارے آس پاس کرنل فریدی کے علاوہ اور کون پایا جاتا ہے!''

''میں تو اب تمہارے ہی پاس رہنا چاہتا ہوں.....!''

''ضرور۔ ضرور۔ میرے ہی پاس آ رہے ہو...!''

فریدی نے حمید کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ اب کیا ہو گا.... حالات قابو سے باہر نظر آ رہے تھے! گاڑی ایسے علاقے سے گزر رہی تھی جہاں ٹریفک کنٹرول کے سگنل نہیں تھے۔ اس لیے ابھی تک کہیں بھی رکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوا تھا۔

''آپ کیا سوچ رہے ہیں!'' حمید نے اونچی آواز میں فریدی سے پوچھا۔

''میں سوچ رہا ہوں کہ رات کے کھانے میں کسی قدر تبدیلی ضرور ہونی چاہیے۔''

''ہاں آں.... رات کا کھانا دوپہر کو بھی کھایا جا سکتا ہے!''

''ہلو.... کرنل فریدی!'' ڈیش بورڈ سے آواز آئی۔ ''کیا کوئی تدبیر سوجھ گئی ہے؟''

''مجھے تو وقت پر ہی سوجھتی ہے سنگ۔'' فریدی نے کہا۔ ''میں تم سے صرف ایک بات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ آخر عینکوں والے گھٹیا پن کی کیا ضرورت تھی!''

''ہے ہے..... کرنل.....! تم اسے گھٹیا پن کہتے ہو!'' ڈیش بورڈ سے آواز آئی۔

''مہذب دنیا کے لیے اس سے بڑا کمینہ پن اور کوئی نہیں!''

''میں کمینہ پن میں بھی حسن تلاش کر لیتا ہو کرنل.....!''

''اچھی بات ہے.... میں دیکھوں گا کہ تم کتنے حسن پرست ہو۔''

''اوہو.... تو کیا میری ضیافت کا انتظام کرو گے!''

''بہت بڑی ضیافت.....!''

''شکریہ کرنل فریدی۔ میں اپنی بہتر دعاؤں میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔''

گاڑی اب شہر کے ایک ایسے علاقہ میں داخل ہو رہی تھی جہاں بڑے تاجروں کے گودام تھے۔ بندرگاہ کا نواحی علاقہ تھا۔

یہاں تو رفتار اور بھی تیز ہو گئی کیونکہ سڑکیں سنسان پڑی تھیں.... اچانک بریک چرچرائے اور گاڑی دھچکے کے ساتھ رک گئی۔ وہاں کئی مسلح آدمی ریوالور تانے کھڑے تھے۔ بہت بڑا گودام تھا جہاں مختلف جگہوں پر لکڑی کی پیٹیاں چنی ہوئی تھیں۔

ڈرائیور نے نیچے اتر کر ان کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولا لیکن فریدی پہلے ہی حمید کو خبردار کر چکا تھا کہ گاڑی سے نیچے نہ اترے۔

پھر دو مسلح آدمی غالباً انہیں اتارنے ہی کے لیے آگے بڑھے تھے کہ اچانک فریدی کی

لات ڈرائیور کے پیٹ پر پڑی اور وہ اچھل کر ان دونوں مسلح آدمیوں پر جا پڑا.... حمید غیر مسلح لیکن اچھی طرح جانتا تھا کہ اب کیا ہوگا اس لیے وہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے کود گیا۔

کئی طرف سے ''خبردار۔ خبردار'' کی آوازیں آئیں لیکن اتنی دیر میں فریدی کے ریوالور سے نکلا ہوا شعلہ ایک کو چاٹ چکا تھا۔

پھر اس نے بھی اسی دروازے سے نیچے چھلانگ لگائی جسے حمید نے استعمال کیا تھا..... دوسرے ہی لمحے میں دونوں پیٹیوں کے ایک انبار کی اوٹ میں تھے۔ فریدی نے اور پے دو فائر اور کیے..... لیکن نشانہ کوئی بھی نہیں تھا حمید کی سمجھ میں نہ آسکا کہ آخر فریدی نے کارتوس کیوں ضائع کر دیئے۔ ویسے وہ دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں بھی سن رہا تھا۔

پھر شاید بھاری بھرکم آہنی پھاٹک کھولا گیا۔ فریدی نے ایک فائر اور کیا..... اس کے سناٹا چھا گیا۔ گودام میں اب شاید ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

وہ پیٹیوں کی اوٹ سے باہر نکلے..... واقعی وہ لوگ نکل بھاگے تھے صرف ایک مسلح آدمی کی لاش وہاں پڑی تھی۔

''اب میں سمجھا کہ آپ نے تین کارتوس کیوں ضائع کر دیئے۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''جلدی کرو۔ پیٹیوں کے پیچھے جا کے اپنا میک اپ ختم کرنے کی کوشش کرو۔'' فریدی نے اس کا بازو پکڑ کر کہا۔ ''فائروں کی آوازیں سننے والے آس پاس کے لوگ یہاں پہنچنے والے ہوں گے!''

حمید پیٹیوں کے پیچھے جا کے اپنے چہرے سے نرم پلاسٹک کے ٹکڑے نکالنے لگا۔ ریموور کے بغیر چہرے کی کھال ادھڑتی سی محسوس ہو رہی تھی..... پھر بھی وہ بڑی بیدردی سے اپنے اوپر مشق ستم کرتا رہا۔

ذرا ہی سی دیر میں گودام پھر آباد ہو گیا..... آس پاس کام کرنے والے مزدور اندر گھس آئے تھے۔

فریدی نے پولیس کا نعرہ لگایا اور ان سے کہا کہ وہ باہر ہی ٹھہریں.....!

حمید اس کے قریب کھڑا سوچ رہا تھا کہ ان ہوائی فائروں ہی نے سنگ کے آدمیوں

بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ وہ غالباً سمجھے تھے کہ اتنے مسلح آدمیوں کی موجودگی میں یہ دونوں ہاتھ بھی نہ ہلا سکیں گے۔

گاڑی اب بھی وہیں کھڑی تھی، جہاں روکی گئی تھی۔

دفعتاً ڈیش بورڈ سے آواز آئی۔ ''اچھا کرنل فریدی اب جتنی جلد ممکن ہو۔ گودام سے باہر نکل جاؤ..... گاڑی دھماکے کے ساتھ تباہ ہونے والی ہے۔ میں اپنا یہ عجوبہ تمہارے ہاتھ نہیں لگنے دوں گا۔''

فریدی حمید کو اشارہ کرتا ہوا تیزی سے پھاٹک کی طرف جھپٹا۔

پھر جیسے ہی وہ باہر نکلے تھے ایک زبردست دھماکہ ہوا تھا۔ کئی مزدور منہ کے بل زمین پر گر پڑے۔ دھوئیں کا کثیف بادل پھاٹک سے گزر کر باہر نکل رہا تھا جتنے بھی وہاں موجود تھے۔ سر پر پیر رکھ کر بھاگے۔

ایک گھنٹے بعد فریدی اپنے روزنامچے میں تحریر کر رہا تھا کہ کس طرح ایک آدمی عینکوں کے سلسلے میں ہاتھ لگا تھا اور کس طرح اس کے خطرناک ساتھیوں نے اسے رہائی دلائی..... حمید روزنامچے کو پڑھتے وقت مسلسل مسکرائے جا رہا تھا۔

''ہاں ٹھیک تو ہے۔'' فریدی بولا۔ ''سنگ نے اپنے کیے کرائے پر خود ہی پانی پھیر دیا۔ اگر یہ واقعہ پیش نہ آتا تو میں تمہارے سلسلے میں خاصی دشواری میں پڑ جاتا۔''

''آخر محکمے کی وہ گاڑی اور ڈرائیور کہاں ہے جس کی آڑ میں سنگ یہ سب کچھ کر گزرا۔'' حمید نے پرتشویش لہجے میں پوچھا۔

''ہوں۔ اُوں..... یقیناً وہ کسی دشواری میں پڑا ہوگا اس کی تلاش کے لیے احکامات جاری کر دیئے گئے ہیں۔''

❁

قاسم سے بیگ چھن گیا تھا لیکن اس نے اس میں سے اپنے لیے ایک عینک پہلے ہی نکال لی تھی اس لیے اس کی پرواہ نہیں تھی، کہ بیگ چھینا کیوں گیا، نہ اس کی فکر تھی کہ چھیننے والا

کون تھا..... گھر سے نکلا تھا عینکیں تقسیم کرنے اور پھر گھر ہی کی طرف واپسی ہوئی تھی۔

اس نے سوچا کہ اگر بیگ کسی پولیس والے نے چھینا تھا تو اسے بھاگ نکلنے کی کیا ضرورت تھی..... یقیناً وہ کوئی ایسا ہی ویسا آدمی تھا جو عینکوں کے چکر میں اس کے پیچھے لگ گیا تھا۔

اس وقت وہ اپنی خواب گاہ میں کوئی مناسب سی جگہ تلاش کر رہا تھا۔ جہاں اس عینک کو دوسروں کی نظر سے چھپا کر رکھ سکے۔

بیوی نے اسے ایک ہینڈ بیگ سمیت کوٹھی سے پیدل ہی نکلتے دیکھا تھا اور واپسی پر خالی ہاتھ نظر آیا تھا، اس نے یہ بھی محسوس کر لیا تھا کہ وہ کچھ چور چور سا لگ رہا تھا۔

قاسم اور پیدل گھر سے نکلنا.....؟ کچھ انہونی سی تھی، لہٰذا اس کی بیوی کا الجھن میں پڑ جانا لازمی ٹھہرا..... تاک میں تو تھی ہی..... اس نے اسے الماری میں کچھ چھپاتے دیکھ لیا۔

قاسم جب دوپہر کے کھانے کے لیے ڈائیننگ روم میں پہنچا تو بیوی میز پر موجود نہیں تھی۔

''ہونہہ! بڑی خوشی ہوئی۔'' وہ بڑبڑاتا ہوا کرسی پر جم گیا..... ابھی کھانا شروع نہیں کیا تھا۔ بیوی آندھی اور طوفان کی طرح کمرے میں داخل ہوئی۔

عینک اس کے ہاتھ میں دیکھ کر قاسم بوکھلا گیا اور اسی بوکھلاہٹ میں جو اٹھا تو نہ صرف میز الٹ گئی بلکہ وہ خود بھی لاکھ سنبھلنے کے باوجود کرسی سمیت فرش پر آ رہا۔

''اب اس قسم کی ذلیل چیزیں گھر میں آنے لگی ہیں۔'' اس کی بیوی حلق پھاڑ کر چیخی اور دوسرے ہی لمحے میں وہ عینک سامنے والی دیوار سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئی۔

''مار ڈالوں غا..... زندہ نہیں چھوڑوں گا.....!'' قاسم غراتا ہوا اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔

بیوی سمجھی تھی شاید چوری پکڑی جانے پر وہ نروس ہو جائے گا لیکن برعکس ردعمل دیکھ کر وہ خود ہی بوکھلا گئی۔

قاسم پر گویا خون سوار ہو گیا تھا۔ جیسے ہی اٹھا وہ دوڑتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

قاسم کی دہاڑیں پوری عمارت میں گونج رہی تھیں اور اس ایک جملے کے علاوہ اور کچھ زبان سے نہیں نکل رہا تھا۔

''مار ڈالوں غا!''

بیوی نے اپنی خواب گاہ میں گھس کر دروازہ بولٹ کر لیا۔

''نقلو باہر..... میں سچ کہتا ہوں جندہ نہیں چھوڑوں غا!'' وہ دروازہ پیٹ پیٹ کر چیختا رہا۔

''چلے جاؤ..... ورنہ چچا جان کو فون کرتی ہوں.....!'' وہ اندر سے بولی۔

''چچا جان کے بھی دادا جان کو فون کر دو..... لیکن میں آج تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں غا!''

''تم کمینہ پن کرتے پھرو اور میں کچھ نہ کہوں!'' بیوی نے اندر سے کہا۔

''ارے تجھے تو نہیں دینا تھا۔ عنیق لغاقر..... پھر کیوں مری جا رہی ہے!''

''اے زبان سنبھال کے.....!''

''لانت ہے مجھ پر اغراب اس گھر میں رہوں، کر دو فون نچا جان کو..... ایسی قی تیسی!''

پھر وہ بھوکا پیاسا گھر سے نکل کھڑا ہوا تھا..... کچھ دیر یونہی بے مقصد سڑکوں پر گاڑی دوڑاتا پھرا تھا۔ پھر خیال آیا کہ وہ بھوکا ہے۔

ایک ہوٹل میں کھانا کھایا۔ دوبارہ آوارہ گردی شروع کر دی۔

پتہ نہیں کیوں اس کا دل چاہ رہا تھا کہ خوب دھاڑیں مار مار کر روئے اچانک اُسے خیال آیا کہ اس بوڑھے کا کارڈ جو پچھلی رات لحیم شحیم عورت سے ملا تھا۔ اس کے کوٹ کی جیب میں موجود ہے..... کیوں نہ اس پتے پر اس سے ملنے کی کوشش کی جائے۔ اس خیال نے اس کے چہرے پر پھر تازگی پیدا کر دی..... ہو سکتا ہے وہ اس کی نئی بپتا سن کر ایک اور عینک عنایت کر دے۔

❁

فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے کوڈورڈز میں اطلاع دی گئی کہ قاسم چیتھم روڈ کی ایک عمارت میں داخل ہوا ہے جس پر کسی ڈاکٹر غوری کے نام کی تختی لگی ہوئی ہے۔ عمارت سے متعلق مزید معلومات حاصل کر کے فریدی نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور حمید سے پوچھا۔ ''کیا تم قاسم کے ملنے والوں میں سے کسی ڈاکٹر غوری کو جانتے ہو!''

''ڈاکٹروں سے اسے شدید نفرت ہے لہٰذا وہ اس کا دوست نہیں ہو سکتا۔''

''ڈاکٹروں سے نفرت ہے!''

''جی ہاں..... وہ کہتا ہے کہ ڈاکٹروں ہی کی عنایت سے وہ پہاڑ ہو گیا ہے جب وہ ماں کے پیٹ میں تھا تو ڈاکٹروں نے اسے ایسی دوائیں استعمال کرائی تھیں کہ پیدا ہونے سے پہلے ہی قاسم کے جسمانی نظام میں پہاڑ بن جانے کی صلاحیت پیدا ہو گئی تھیں!''

فریدی بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا..... شام کے سات بجے تھے اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھے اپنی اپنی سوچ میں گم تھے۔

دفعتاً فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ''اب یہ کھیل ختم ہی ہونا چاہیے۔''

''کوئی صورت نظر نہیں آتی۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''اب اس سے بڑی بے بسی اور کیا ہو گی کہ میں حوالات میں پہنچ گیا..... اور پھر دونوں ہی اس طرح کشاں کشاں سنگ کی حضور میں پہنچنے والے تھے!''

فریدی کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ نظر آئی۔ جسے حمید کوئی معنی نہ پہنا سکا۔

وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ پھر فون کی گھنٹی بجی۔ اس بار پھر کوڈ ورڈز ہی میں کوئی پیغام آیا تھا۔ سامنے رکھے ہوئے لیٹر پیڈ پر فریدی کی پنسل تیزی سے چلتی رہی۔

کال کے اختتام پر وہ ریسیور رکھ کر پُرتفکر انداز میں حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

''کیا بات ہے؟''

''قاسم۔'' فریدی نے طویل سانس لی۔

''کیا ہوا؟''

''ڈاکٹر غوری کی کوٹھی سے اس حال میں برآمد ہوا ہے کہ کپڑے تار تار ہیں جسم پر متعدد خراشوں سے خون بہہ رہا ہے!''

حمید اٹھ کھڑا ہوا۔

''بیٹھو..... بیٹھو.....!'' فریدی ہاتھ ہلا کر بولا۔ ''وہ یہاں سے سیدھا اپنے گھر گیا ہے.....!''

''آخر یہ ہے کیا چکر..... وہ کیوں تختۂ مشق بنایا جا رہا ہے!''

''اسے نہ بھولو کہ سنگ تفریحاً جرائم کرنے والوں میں سے ہے ان واقعات سے اس کی کوئی حس بھی تسکین پا رہی ہے!''

''اور شاید آپ بھی اس کی ان حرکتوں سے محظوظ ہو رہے ہیں!'' حمید نے طنزیہ لہجے

میں کہا۔

فریدی سگار کیس سے سگار نکال کر اس کا گوشتہ توڑنے لگا تھا۔ حمید کے اس ریمارک پر اس نے کچھ نہیں کہا۔

''کیا میں قاسم کو فون کروں۔'' حمید نے پوچھا۔

''ہوں..... اوں.....!'' فریدی سگار سلگا کر ڈائریکٹری کی ورق گردانی کرنے لگا۔

حمید نے قاسم کے نمبر رنگ کیے..... کچھ دیر بعد دوسری طرف سے قاسم ہی کی آواز سنائی دی۔

''قون ہے!''

''میں حمید بول رہا ہوں!'' بہت نرم لہجے میں کہا گیا۔

''قیوں مجھ کو بور کر رہے ہو!''

''تمہاری خیریت دریافت کرنا چاہتا ہوں!''

''مر گیا ہوں..... اب فون نہ قرنا!''

''اگر بہت زیادہ مر گئے ہو تو آ جاؤں!''

''جی نہیں آپ کے تشریف پھ لانے کی جرورت نہیں.....!''

''اگر میں تشریف نہ لایا تو پولیس پہنچے گی..... ڈاکٹر غوری نے تمہارے خلاف رپورٹ درج کرائی ہے!''

''حرامی ہے سالا.....!'' قاسم حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

''تو تم نے اسے مارا ہے!''

''جھوٹا ہے..... دغا باز ہے..... اچھا آ جاؤ!''

حمید نے فریدی کی طرف دیکھ کر آنکھ ماری۔ وہ پہلے ہی اسے گھورے جا رہا تھا۔

''تم نے ڈاکٹر غوری کا حوالہ کیوں دیا.....!'' اس نے ناخوشگوار لہجے میں پوچھا۔

''اسی حوالے سے تو وہ اسے گالیاں دینے لگا تھا اور اس پر رضا مند ہوا ہے کہ میں اس سے مل لوں۔''

''ہوں..... دفع ہو جاؤ.....!'' فریدی نے پُرتفکر لہجے میں بڑبڑایا۔

پھر حمید کہاں رکنے والا تھا..... سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ سنگ ہی کے سلسلے میں شدید جھنجھلاہٹ میں مبتلا ہو گیا تھا۔ حوالات تک نوبت پہنچ جانے کی بناء پر جو شرمندگی اٹھانی پڑی تھی، اس کا تقاضا یہی تھا کہ سر ہتھیلی پر رکھ کر سنگ ہی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا۔

دس منٹ بعد وہ قاسم کی قیام گاہ پر پہنچ گیا..... ملازموں سے معلوم ہوا کہ قاسم نے خواب گاہ کا دروازہ بند کر رکھا ہے..... اور بیوی مائیکے چلی گئی ہے۔

• حمید کی آواز سن کر اس نے خواب گاہ کا دروازہ کھول دیا اور چھوٹتے ہی بولا۔ ''وہ بوڑھا خبیث..... جھوٹا ہے..... دغا باز ہے!''

حمید نے اس کے چہرے اور بازوؤں پر خون آلود خراشیں دیکھیں۔

''جھگڑا تو ہوا ہے، دوست کسی سے؟'' حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''پوری بات سنو!'' قاسم بہت زور سے دھاڑا۔

''بات ہی سننے کے لیے آیا ہوں..... ڈاکٹر غوری سے تمہارا کیا تعلق!''

''اسی نے تو مجھے عینکیں دی تھیں! آج اسکے گھر گیا تو سالے نے مجھ پر کتے چھوڑ دیئے۔''

''سوال تو یہ ہے کہ تم کیوں گئے تھے اس کے گھر!''

''تیسری عینک کے لیے..... ایک تم ہضم کر گئے..... دوسری اس گلہری کی بچی نے توڑ دی۔ خدا اسے غارت نہیں کرتا تو مجھے ہی قبر دے!''

''اس گلہری کی بچی کو دکھائی ہی کیوں تھی؟''

''چھپا کر رکھی تھی..... ٹوہ میں رہتی ہے نا..... دیکھ لینا اس کی قبر سے جرور دھواں اٹھے گا..... شوہر کا جی جلاتی ہے بخشی نہ جائے گی۔''

''اور تم اس عینک سمیت بخش دیئے جاؤ گے..... جسے لگا لو تو نیک بندے بھی ننگے نظر آنے لگتے ہیں۔''

''اچھا بس بس..... چلتے پھرتے نجر آؤ..... تم قون بہت اچھے ہو..... جو مجھ پر لانت بھیج چلے آئے۔''

''خیر ختم کرو..... اس بوڑھے نے رپورٹ درج کرائی ہے کہ قاسم ولد عاصم ایک ہینڈ بیگ میں عینکیں مفت تقسیم کرتا پھر رہا تھا، میں نے اعتراض کیا تو مجھ بوڑھے پر ہاتھ چھوڑ بیٹھا!''

''ہائے غضب..... جھوٹا لپاڑیا.....!'' قاسم نے اپنے سینے سر دو ہتڑ چلاتے ہوئے کہا۔ ''خود ہی تو اس حرامزادے نے مجھے وہ ہینڈ بیگ دے کر کہا تھا کہ اپنے دوستوں میں تقسیم کر دینا۔ میں نے ایک ہی تقسیم کی تھی کہ پتہ نہیں کون الو کا پٹھا میرے ہاتھ سے ہینڈ بیگ اچک لے گیا!''

الو کے پٹھے نے خاموشی سے ٹھنڈی سانس لی اور خون کا گھونٹ پی کر رہ گیا پھر بڑی ملائی سے بولا۔ ''اچھا تو چلو میرے ساتھ اس کا گھر دکھاؤ..... میں نپٹ لوں گا۔''

''جرور چلوں غا..... بلغل چلوں غا..... تم جیسا دوست ساتھ ہو تو میں کتوں قی ہڈیاں بھی چبا جاؤں۔''

❁

حمید نے قاسم کو اپنی ہی گاڑی میں بیٹھنے کی دعوت دی تھی..... جیسے ہی وہ اگلی سیٹ پر اس کے برابر بیٹھا..... عقب سے کسی ننھے بچے کی آواز آئی ''اللہ خیر ٹوٹی سیٹ.....!''

''قون ہے بے۔'' قاسم نے جھلا کر مڑنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔

''کوئی بھی نہیں!'' حمید اس کا شانہ تھپک کر بولا اور انجن اسٹارٹ کر دیا۔

''تم جھوٹے ہو..... آخر ہے کون.....!''

کار حرکت میں آ گئی تھی۔ حمید خاموشی سے اسٹیرنگ کرتا رہا۔ پشت سے کچھ دیر بعد پھر وہی آواز آئی۔ ''آپ کا وزن کتنا ہے..... جناب عالی!''

''دیکھو حمید بھائی..... یہ کھلا ہوا حرامی پن ہے.....!'' قاسم بھنا کر بولا۔

''میں مجبور ہوں.....'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''اس کی زبان کسی طرح بند نہیں کرائی جا سکتی!''

''آخر ہے قون!''

''میری..... نئی محبوبہ۔''

''اے جاؤ..... کسی بچے کو سکھا پڑھا کر پیچھے بٹھا دیا ہے۔ اب کیا میں اتنا..... ہوں!''

''اتنا، کے ساتھ اس نے ایک لچکدار گالی استعمال کی تھی۔''

پشت سے آواز آئی ''موٹا'' اور موٹا کے ساتھ وہی گالی بھی موجود تھی۔

''چپ رہو ڈارلنگ..... یہ میرا بہت اچھا دوست ہے۔'' حمید بولا۔

''اندر کی بتی جلا دو..... دیکھوں غا۔''

پشت سے آواز آئی۔ ''ڈارلنگ موٹے کی زبان سمجھ میں نہیں آتی!''

''میں کہتا ہوں غاڑی روکو..... ٹھینگے پر ہے ایسی دوستی۔ میں تم سے کوئی مدد نہیں چاہتا۔''

''تمہیں تو وہم ہو گیا ہے۔'' حمید نے گاڑی سڑک کے کنارے اتار کر بریک لگاتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی اندر کی لائٹ بھی جلا دی۔

قاسم گاڑی سے اتر کر پچھلی سیٹ کی طرف پہنچا۔

''ہائیں۔ یہاں تو قوئی بھی نہیں ہے۔'' اس نے پہاڑ سا منہ پھاڑ کر حیرت ظاہر کی۔

''میں اتنی بڑی آپ کو نظر نہیں آ رہی۔'' وہی آواز پھر آئی اور قاسم بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔

حمید بھی گاڑی سے اتر آیا تھا اس کے قریب پہنچا تو قاسم آہستہ سے بولا۔ ''یہ وہی چمکیلا بھوت تو نہیں بول رہی۔''

''بھوت بولتا ہے بولتی نہیں۔''

''وہ خود ہی کہہ رہا ہے کہ اتنی بڑی آپ کو نظر نہیں آ رہی!''

''کہاں ہے وہ بھوت!''

''دکھائی تو نہیں دیتا۔'' قاسم کی آواز کانپ رہی تھی۔

''بھوت نہیں..... میری محبوبہ ہے..... ادھر آؤ میں دکھاؤں!''

حمید اسے پچھلی سیٹ کی طرف لے آیا اور پشت گاہ کے اوپر بائیں جانب بیک اسکرین کی جانب اشارہ کرتا ہوا بولا۔ ''وہ دیکھو۔''

ایک خوبصورت سنہرے پنجرے میں ایک مینا بیٹھی نظر آئی۔

''یہ رہی میری محبوبہ۔'' حمید نے قاسم کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

''محبوبہ نہیں بیوی۔'' مینا بولی..... اور قاسم پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔

''بیوی کہتے ہوئے آپ کو کیوں شرم آتی ہے کپتان صاحب.....! اکیلے میں تو بیوی ہی

ہو۔'' مینا نے پھر کہا۔

''ارے باپ رے..... ارے باپ رے.....!'' قاسم پیٹ دبائے بری طرح ہنس رہا تھا۔

''چلو بیٹھو گاڑی میں۔'' حمید اس کا بازو پکڑ کر جھٹکا دیتا ہوا بولا۔

''ارے ہی ہی ہی ہی ..... اب میں قہیں نہ جاؤں غا..... ہائے میری مینا بھابی ابے سور ہو حمید بھائی..... میں نے تمہارے سب قصور ماف کر دیئے، ہائے..... ہائے..... میں نی بھابی سے باتیں قروں غا..... چلو گھر واپس۔''

''یہ کیا لغویت ہے چلو!''

''نہیں قوئی بات نہیں..... اس سالے ڈاکٹر کو ڈالو چولہے میں..... میں مینا بھابھی..... سے ماقروں غا.....!'' قاسم نے کہا اور پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ ساتھ ہی ہاتھ ما کر ڈیش بورڈ سے کنجی بھی نکال لی۔

''یہ کیا حرکت..... لاؤ کنجی لاؤ.....!'' حمید اس سے کنجی چھیننے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔

''ہائیں مجھ سے ہاتھا پائی قرو غے!''

حمید کھڑا بے بسی سے ہاتھ ملتا رہا۔ قاسم حمید سے ٹھٹھول کر رہا تھا۔

''تمہاری ایسی ہی بیوی ہونی چاہیے..... اس آدمی قی..... واہ مینا بھابی..... واہ ہی ہی ہی ہی.....!''

''تمہاری بیوی کیسی ہے.....؟'' مینا نے سوال کیا۔

''شتر مرغ کی مادہ ہے.....!'' حمید نے جھلا کر کہا۔

''اے تو کاٹنے قیوں دوڑ رہے ہو.....!'' قاسم ہنس کر بولا۔ بڑے اچھے موڈ میں ہم ہوتا تھا ورنہ شاید شتر مرغ کی مادہ پر الجھ پڑتا۔

دفعتاً ایک گاڑی ان کے قریب ہی آ کر رکی۔

''قاسم کو ادھر بھیج دو.....!'' گاڑی سے فریدی کی آواز آئی۔

''یہ قیا مصیبت آ گئی!'' قاسم بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑایا..... اتنے میں آگے پیچھے تین گاڑیاں اور آ رکیں.....!

''چلو..... جاؤ.....!'' حمید آہستہ سے بولا۔

''الکی کی تیسی.....!'' قاسم بھنا کر گاڑی سے اتر گیا اور فریدی کی گاڑی کے قریب پہنچ

کر بولا۔ ''جی نہیں شکریہ..... میں پیدل چلا جاؤں گا۔''

''تم جس عمارت میں گئے تھے.... وہاں ایک لاش کے علاوہ اور کچھ نہیں ملا۔'' فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔

''مم..... میں..... نہیں تو..... میں کسی عمارت میں نہیں گیا تھا..... میں کیا جانوں''

''فی الحال گاڑی میں بیٹھ جاؤ..... تاکہ تمہیں گھر پہنچا دوں۔''

''جج..... جی..... بہت بہت شکریہ۔''

''تم پیچھے آؤ.....!'' فریدی نے حمید سے کہا۔

قاسم کو اس کے گھر پر اتارنے کے بعد فریدی کی گاڑی آگے بڑھ گئی تھی اور حمید تھوڑے فاصلے پر اس کے پیچھے آ رہا تھا..... وہ تین گاڑیاں اب اسے نظر نہیں آ رہی تھیں جو قاسم کے قصبے کے وقت وہاں رکی تھیں۔

حمید نے فریدی کی زبانی ڈاکٹر غوری والی عمارت میں پائی جانے والی لاش کے بارے میں سنا تھا اور اب تفصیل معلوم کرنے کے لیے بے چین تھا۔

کچھ دیر بعد فریدی کی گاڑی ہائی سرکل نائٹ کلب کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی اور حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔

پارکنگ شیڈ میں پہنچ کر حمید آہستہ سے بولا۔ ''بی مینا..... میری واپسی تک بالکل خاموش رہنا..... فادر کی موجودگی میں تمہارا پنجرہ ساتھ نہیں لے جا سکتا۔''

''نہیں..... نہیں..... میں تنہا نہیں رہ سکتی.....!''

''ضد نہیں بی مینا..... ورنہ تم میں اور ایک عورت میں کیا فرق رہے گا۔''

حمید نے کہا اور پارکنگ شیڈ کے نگراں کو اشارے سے بلا کر مینا سے متعلق کچھ ہدایات دیں.....! اس کے بعد وہ دونوں ہائی سرکل کے ڈائننگ ہال میں داخل ہوئے تھے۔

''آپ نے اس سے کس کی لاش کا ذکر کیا تھا۔'' حمید نے فریدی کے قریب پہنچ کر آہستہ سے پوچھا۔

''اس عمارت سے ڈاکٹر غوری کے نام کا بورڈ ہٹایا جا چکا ہے..... اور ایک لاش کے علاوہ وہاں اور کچھ نہیں ملا۔''

''کس کی لاش؟''

''شاید یہاں اس کی لاش کی شناخت کے لیے مواد فراہم ہو سکے!''

وہ دروازے کے قریب ہی رک گئے تھے اور فریدی ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں کا جائزہ لے رہا تھا۔

دفعتاً وہ ایک میز کی جانب بڑھا..... حمید کی توجہ بھی اس کی طرف مبذول ہوئی میز پر وہ عورت تنہا تھی..... انداز سے معلوم ہوتا تھا جیسے کسی کی منتظر ہو۔

فریدی کو اپنے قریب دیکھ کر چونکی۔

''کیا میں مادام شہرزاد سے شرف ہمکلامی حاصل کر رہا ہوں۔'' فریدی نے نرم لہجے میں پوچھا۔

''جی ہاں..... فرمائیے!' عورت نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

''میرا کارڈ.....!'' فریدی نے اپنا وزیٹنگ کارڈ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''اوہو.....!'' کارڈ پر نظر پڑتے ہی وہ کرسی سے اٹھ گئی۔

حمید کو اس کے انداز میں سراسیمگی نہیں محسوس ہوئی تھی۔

''بیٹھئے..... تشریف رکھیے..... میری خوش نصیبی!'' وہ پُر اشتیاق لہجے میں بولی۔

''شکریہ!'' فریدی اس کے سامنے والی کرسی کھسکا کر بیٹھ گیا۔

''آپ بھی جناب!'' اس نے حمید سے کہا۔

حمید نے اسے دور ہی سے دیکھا تھا، کبھی مل بیٹھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا دولت مند طبقے کا اس کے حسن کے چرچے تھے اور خود بھی شہر کے بڑے سرمایہ داروں میں شمار کی جاتی تھی۔

عمر تیس سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ ویسے دیکھنے میں اس سے بھی کم کی لگتی تھی۔

وہ بھی اس کا شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔

''مجھے حیرت بھی ہے اور مسرت بھی!'' شہرزاد ہاتھ ملتی ہوئی بولی۔

''لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے لیے کوئی اچھی خبر نہیں لایا!''

''کیا مطلب؟''

''آپ کے پرائیویٹ سیکرٹری مسٹر آصف.....!''

''کیوں؟ اس کے بارے میں آپ کی کہنا چاہتے ہیں۔''

''میرا خیال ہے میں ابھی ابھی اس کی لاش دیکھ کر آ رہا ہوں...!''

''کیا کہہ رہے ہیں آپ.....؟'' وہ یک بیک کھڑی ہو گئی۔

''ہوسکتا ہے یہ محض مشابہت کا معاملہ ہو۔ اگر آپ میرے ساتھ چل سکیں تو عنایت ہوگی!''

''میں ضرور چلوں گی!''

حمید نے اس کے لہجے میں بدحواسی محسوس کی۔

• پندرہ منٹ میں وہ اس عمارت میں پہنچ گئے تھے جہاں لاش تھی....!

مادام شہرزاد نے اسے دیکھا اور چیخ مار کر پیچھے ہٹ گئی۔ مقتول ایک خوشرو اور صحت مند نوجوان تھا۔

''بس اب واپس چلئے.....!'' فریدی کا لہجہ ہمدردانہ تھا۔ ''آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔''

''لیکن..... یہ ہوا کیسے..... یہاں کون رہتا ہے!''

''اب تو کوئی بھی نہیں ہے۔ کچھ دیر پہلے یہاں کسی ڈاکٹر غوری کی نیم پلیٹ لگی ہوئی تھی!''

''یہ نام میرے لیے نیا ہے..... پلیز مجھے سہارا دیجئے..... میں خود میں چلنے کی سکت نہیں پا رہی!''

حمید نے آگے بڑھ کر اپنا بازو پیش کر دیا اور یہ دیکھ کر خوش ہو گیا کہ فریدی اس کے ایثار پر مطمئن ہے۔

بہرحال اس کا بازو ناگواری سے قبول کیا گیا تھا۔

وہ باہر گاڑی میں آ بیٹھے..... فریدی اسے ہائی سرکل سے لنکن ہی میں لایا تھا۔

''کیا آپ کلب ہی چلیں گی۔'' فریدی نے شہرزاد سے پوچھا۔

''نہیں مجھے گھر پہنچا دیجئے۔'' نحیف سے آواز میں جواب ملا۔

حمید بھی اپنی گاڑی کلب ہی کے پارکنگ شیڈ میں چھوڑ آیا تھا۔ شہرزاد فریدی کے ساتھ اگلی سیٹ پر تھی اور حمید پیچھے بیٹھا تھا۔

''کیا آپ اس وقت میرے چند سوالات کا جواب دے سکیں گی۔'' فریدی نے شہرزاد سے پوچھا۔

''مجھے گہرا صدمہ پہنچا ہے..... پھر بھی میں کوشش کروں گی!''

''کیا مسٹر آصف جواری تھے!''

''نہیں قطعی نہیں..... وہ ایک بااصول آدمی تھا۔''

''حال ہی میں کسی سے جھگڑا ہوا تھا۔''

''مجھے علم نہیں.....!''

''کیا وہ کسی سلسلے میں آپ کی مدد کرنا چاہتے تھے؟''

''یہ..... یہ..... کیونکر کہا آپ نے؟''

''میرا خیال ہے کہ وہ آپ کو کسی بڑی دشواری سے نکالنا چاہتے تھے!''

''خداوند..... کک..... کیا اس کے پاس سے کوئی ایسی چیز برآمد ہوئی ہے۔''

''اس وقت آپ نے لاش کو جس پوزیشن میں دیکھا ہے وہ ایسی پوزیشن میں نہیں تھی۔ ہی پڑی ہوئی تھی اور اس کے نیچے سے ایک ہینڈ بیگ برآمد ہوا تھا۔ جس میں ایک لاکھ کرنسی نوٹ تھے اور داہنے ہاتھ میں خنجر دبا ہوا تھا!''

''تو پھر.....!''

''کیا وہ رقم آپ سے کسی نے طلب کی تھی۔''

''میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی.....!''

''محترمہ..... یہ میرے سوال کا جواب تو نہیں ہوسکتا۔''

''کرنل..... پلیز..... میں بہت پریشان ہوں..... اس وقت مجھ سے کچھ نہ پوچھئے۔''

''بہت بہتر۔ کل کسی وقت آ جاؤں گا۔''

حمید خاموشی سے ان کی گفتگو سنتا رہا تھا..... اس نے سوچا سنگ کی کال شہرزاد کے فون سے آئی تھی اور کچھ دیر بعد ایکس چینج سے معلوم ہوا تھا کہ وہ فون خراب ہے۔ تو کیا سنگ نے پھر کوئی جال بچھایا ہے اب سکون نصیب نہ ہونے دے گا..... یک بیک اسے غصہ آ گیا اور وہ نچلا ہونٹ چبانے لگا۔

اتنے میں گاڑی ایک عظیم الشان عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔

فریدی شہرزاد سے کہہ رہا تھا۔ ''محترمہ آپ کچھ خوفزدہ سی نظر آ رہی ہیں۔''

''نہیں تو...ق.... قطعی نہیں.....!''

''اگر آپ کہیں تو اپنے اسسٹنٹ کیپٹن حمید کو آپ کے پاس چھوڑ جاؤں۔''

''اوہ....تو یہ کیپٹن حمید ہیں۔''

حمید نے طویل سانس لی.....اور فریدی کے جواب پر شہزاد کو کہتے سنا۔''اچھا بابا ہے۔ میں پریشان ہوں.....شاید سو نہ سکوں.....اس لیے کیپٹن حمید کو خوش آمدید کہوں گی۔''

''خوش آمدید'' حمید برا سا منہ بنا کر بڑبڑایا۔ اور ''خوش آمدید'' کے معنی تلاش کرنے لگا کیونکہ ایک گھنٹہ سے شہزاد کی اسٹڈی میں تنہا بیٹھا بور ہو رہا تھا۔

وہ اسے وہاں بٹھا کر کسی دوسرے کمرے میں چلی گئی تھی۔ خوش آمدید کہنے کا یہ انداز اس کے لیے بالکل نیا تھا۔

مزید پندرہ منٹ گزر گئے.....پھر وہ لاحول پڑھ کر اٹھ کھڑا ہوا.....لیکن لاحاصل.....دور تک کسی ایسے آدمی کا پتہ نہیں تھا جسے اطلاع دے کر وہاں سے چل دیتا۔

اسے حیرت تھی کہ اتنی مال دار عورت کی قیام گاہ دنیا سے گزر جانے والوں کی آخری آرام گاہ کیوں معلوم ہو رہی ہے۔

قبرستان ہی کا سا سناٹا وہاں کی فضا پر مسلط تھا۔

اچانک فون کی گھنٹی بجی اور حمید خاموشی سے منتظر رہا کہ شاید اسی آواز پر کوئی اسٹڈی کی طرف متوجہ ہو جائے لیکن فون کی گھنٹی بجتی ہی رہی۔ آخر جھنجھلا کر اس نے ریسیور اٹھایا۔

''ہیلو!''

''کیپٹن حمید!'' دوسری طرف سے مردانہ آواز آئی۔

''ہاں.....میں ہی ہوں!''

''اور میں ہوں تمہارا خادم.....سنگ ہی!''

''فرمایئے.....!'' حمید دانت پیس کر بولا۔

''جہاں تم ہو.....وہاں کے سارے ملازم اپنے اپنے بستروں پر بے ہوش پڑے ہیں شہزاد میرے پاس پہنچ چکی ہے!''

''نہیں.....!'' حمید بوکھلا کر بولا۔

''ہاں.....میرے.....دوست.....اور اب تم بھی چلتے پھرتے نظر آؤ.....ورنہ بڑی دشواری میں پڑو گے! دوسری دلچسپ اطلاع یہ ہے کہ گاڑی میں فریدی اور شہزاد کے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی وہ تمہارے محکمہ کے آپریشن روم میں سنی جاتی رہی تھی!''

''کیا مطلب!''

''لنکن کے ٹرانسمیٹر کا سوئچ اس وقت آن کر دیا گیا تھا جب تم لوگ ڈاکٹر غوری والی عمارت میں لاش کی شناخت کر رہے تھے!''

''اچھا تو پھر!''

''کچھ بھی نہیں۔ بس اتنی سی بات کہ کرنل فریدی کے علاوہ بعض دوسرے آفیسرز کو بھی علم ہے کہ تم اس وقت شہزاد کی قیام گاہ پر ہو اور وہ تمہاری موجودگی ہی میں غائب ہو گئی!''

''بھلا تمہیں پہلے سے اس کا اندازہ کیونکر ہو گیا تھا کہ ہم میں سے کوئی شہزاد کے ساتھ ٹھہرے گا!''

''دراصل میں تم لوگوں کی گفتگو سننا چاہتا تھا اس لیے ٹرانسمیٹر کا سوئچ آن کیا گیا تھا۔ اس طرح میں نے بھی سنی اور تمہارے محکمے کے کچھ آفیسروں کے بھی گوش گزار ہوئی!''

''آخر تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو!''

''فریدی پر بس نہیں چلتا اس لیے۔ دنیا کا واحد شخص ہے جس کے مقابل آ کر مجھے بہت زیادہ محتاط ہو جانا پڑتا ہے!''

حمید نے طویل سانس لی اور بولا۔''اس کال کی غرض وغائت بھی بتا دو!''

''ہمدردی۔ کیپٹن حمید۔ ورنہ تم ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے ہی رہ جاتے ویسے عورتوں کا چکر برا ہے پیارے.....یا پھر مجھ جیسا ڈھیٹ آدمی ہونا چاہئے! ہاں سنو۔ ایک بار پھر اپنا مطالبہ دہراتا ہوں.....فریدی سے کہو یہ آخری موقع ہے!''

''میں تمہارا پیغام پہنچا دوں گا مگر پیارے سنگ ہم تم دونوں اچھے دوست ثابت ہو

سکتے ہیں۔''

''میں تم دونوں کو دشمن نہیں سمجھتا اسی لیے ابھی تک زندہ ہو!''

''بہت بہت شکریہ!''

''تمہارا لہجہ طنزیہ ہے کیپٹن حمید!''

حمید نے قہقہہ لگا کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

''شہزاد کا تحفظ اسکی ذمہ داری تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اسٹڈی سے آگے بڑھنا چاہیے۔''

اچانک پھر فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسیور اٹھایا۔ اس بار فریدی کی آواز سنائی دی۔

''جہاں ہو..... وہیں ٹھہرو۔ عمارت کا جائزہ لینے کی ضرورت نہیں..... میں آ رہا ہوں!''

''بہت بہتر جناب عالی!'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

پھر دس منٹ کے اندر ہی اندر وہ وہاں پہنچا تھا۔

''کیا تم شروع سے اب تک یہیں رہے ہو۔'' فریدی نے سوال کیا۔

''ہاں وہ مجھے یہیں بٹھا کر چلی گئی تھی۔ کیا یہ فون ٹیپ کیا جاتا رہا ہے!''

''اس وقت سے جب اسی نمبر سے سنگ کی کال آئی تھی!''

''تو آپ نے اس کی اس وقت کی گفتگو سنی ہو گی!''

''میں نے نہیں..... دوسروں نے سنی تھی اور فوراً ہی مجھے اطلاع دی تھی۔''

''اوہو..... تو کیا آپ کو پہلے ہی سے خدشہ تھا!''

''نہیں..... لیکن..... میں تمہیں یہاں تنہا تو نہیں چھوڑ گیا تھا!''

''چھوڑ ہی کیوں گئے تھے!'' حمید نے جھنجھلا کر پوچھا۔

''محض اس لیے کہ تم شہزاد سے کچھ معلومات حاصل کر سکو!''

''لیکن اس سے پہلے ہی سنگ اسے اٹھا لے گیا۔''

''یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے یہ بھی سنگ کا بلف ہو!''

''بلف.....!'' حمید نے حیرت سے دہرایا۔

''میرے ساتھ آؤ.....!'' کہہ کر وہ ایک دروازے کی جانب بڑھا ہی تھا کہ اسٹڈی میں اندھیرا چھا گیا۔

''ٹھہرو.....!'' فریدی نے حمید کا بازو پکڑ کر آہستہ سے کہا۔

حمید کا ریوالور بغلی ہولسٹر سے نکل آیا تھا۔ دفعتاً ایک نسوانی چیخ سناٹے میں گونجی۔

حمید نے آواز کی سمت بڑھنے کی کوشش کی تھی۔

''نہیں..... باہر نکلو!'' فریدی آہستہ سے بولا۔

اسی دوران میں اس کے ہاتھ سے حمید کا بازو چھوٹ گیا تھا۔ حمید اندازے سے نکاسی کے دروازے کی جانب بڑھا..... لیکن دوسرے ہی لمحے میں اسے ایسا محسوس ہوا جیسے ناک کے راستے منوں غبار پھیپھڑوں میں اتر گیا ہو۔ دم گھٹنے لگا، قدم لڑکھڑائے اور وہ فرش پر آ رہا..... گرتے گرتے سر کسی ٹھوس چیز سے ٹکرایا تھا۔ اسے ہوش نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا تھا۔

پھر وہ بری طرح جھنجھوڑا نہ جاتا تو شاید قیامت کی خبر لیتا۔

بوکھلا کر آنکھیں کھول دیں..... پھر ہڑبڑا کر اٹھ بھی بیٹھا کیوں کہ اس طرح جھنجھوڑنے والی شہزاد تھی۔

''تمہیں میری خواب گاہ میں داخل ہونے کی جرأت کیونکر ہوئی۔'' وہ غضبناک انداز میں کہہ رہی تھی۔

حمید نے کچھ اور زیادہ بوکھلا کر اس کے بستر سے چھلانگ لگائی..... شہزاد شب خوابی کے لباس میں تھی اور ایسا لگتا تھا جیسے ابھی ابھی بیدار ہوئی ہے۔

تو کیا وہ اسی بستر پر اس کے ساتھ ہی خراٹے لیتا رہا ہے..... لیکن خود اس نے تو جوتے تک نہیں اتارے تھے۔

''خداوند!'' وہ سر پکڑ کر رہ گیا اور پھر دل ہی دل میں سنگ ہی کو ایک گندی سی گالی دی۔

دھمکیاں اور سانپ

شہزاد مسلسل چیخے جا رہی تھی۔ ''میں ابھی ہوم سیکرٹری کو فون کرتی ہوں..... تم نے سمجھا کیا ہے.....!''

''میری بات بھی تو سنیے!''

''شٹ اَپ۔''

''کیا آپ یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہیں کہ آپ اپنی ہی کوٹھی میں ہیں۔''

حمید نے اسی کے انداز میں چیخ کر کہا۔

شہرزاد اس طرح چیخی جیسے ابھی تک ہوش میں نہ رہی ہو..... آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔

''تت..... تم..... کمینے..... مجھے کہاں لے آئے ہو۔'' وہ اتنے زور سے چیخی کہ کھانسیوں کا دورہ پڑ گیا۔

''محترمہ ہوش میں آیئے.....! پچھلی رات آپ مجھے اپنے نشست کے کمرے میں بٹھا کر کہاں غائب ہوگئیں تھیں!''

''یہ مجھ سے پوچھ رہے ہو۔'' وہ آنکھیں نکال کر غرائی۔ ''اب مجھے سب کچھ یاد آ رہا ہے..... جیسے ہی میں اسٹڈی سے اندر گئی تھی کسی نے میرا گلا گھونٹ دیا تھا..... پھر مجھے کچھ یاد نہیں کہ کیا ہوا!''

''اور اب مجھ سے سنیے کہ میں ایک گھنٹے تک اسٹڈی میں تنہا بیٹھا جھک مارتا رہا تھا..... پھر اچانک بجلی غائب ہوگئی تھی۔ ساتھ ہی کسی عورت کی چیخ سنائی دی تھی.....! پھر مجھے بھی یاد نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا اور یہ دیکھئے میں اسی لباس میں ہوں جس میں آپ نے مجھے اپنی اسٹڈی میں دیکھا تھا لیکن آپ سلیپنگ سوٹ میں ہیں!''

''یہ سب کیا ہے؟''

''یہی میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کیونکہ یہ حادثہ مجھے آپ ہی کی کوٹھی میں پیش آیا تھا۔''

''کیا تم سب کچھ سچ کہہ رہے ہو.....!'' دفعتاً وہ نرم پڑ گئی۔

''محترمہ میں ایک ذمہ دار آفیسر ہوں!'' حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

وہ نڈھال سی ہو کر بستر پر بیٹھ گئی۔

حمید نے گھڑی دیکھی آٹھ بج رہے تھے۔ تو یہ دوسرا دن ہے۔ اس نے سوچا اور پُرتشویش نظروں سے شہرزاد کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔

''کرنل کے اس ریمارک سے آپ نے اتفاق نہیں کیا تھا کہ آپ پچھلی رات خائف نہیں۔'' اس نے اسے مخاطب کیا۔

شہرزاد سر اٹھا کر مغموم نظروں سے اسے دیکھتی رہی پھر بولی۔ ''میں خائف نہیں تھی..... مغموم تھی..... وہ میرا سیکرٹری ہی نہیں ایک اچھا دوست بھی تھا!''

''اور وہ ایک لاکھ روپے کی رقم کس کی تھی!''

''میں نہیں جانتی!''

''میرا خیال ہے کہ آصف صاحب ذاتی طور پر اتنے مالدار نہیں ہو سکتے۔''

''یہ اس کا نجی معاملہ تھا۔''

''سچی بات محترمہ۔ ورنہ گلوخلاصی ممکن نہ ہوگی.....!''

''میں سمجھی!'' شہرزاد دوبارہ بپھر کر بولی۔ ''تو تم لوگ مجھ سے کسی بات کا اعتراف کرانے کے لیے یہاں لائے ہو۔''

''ہمیں اس کی ضرورت نہیں..... میرا باس آپ کو اپنے دفتر میں طلب کر کے پوچھ گچھ کر سکتا ہے۔ اسے اس کی پرواہ نہیں ہو سکتی کہ بعض منسٹروں سے بھی آپ کے دوستانہ تعلقات ہیں۔''

شہرزاد پھر کسی سوچ میں پڑ گئی..... حمید کی نظر اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھی۔

''میں جواب چاہتا ہوں محترمہ.....!''

''مم..... میں اتنا ہی جانتی ہوں کہ آصف کو کوئی بلیک میل کر رہا تھا!''

''اور وہ مطلوبہ رقم لے کر وہاں گیا تھا!''

''تفصیل کا علم مجھے نہیں.....!''

''بہرحال وہ رقم آپ ہی نے فراہم کی تھی!''

''کیا کسی کے لیے رقم فراہم کرنا جرم ہے!''

''نہیں تو..... لیکن..... خیر..... چھوڑیئے..... سوال تو یہ ہے کہ یہاں ہماری موجودگی کا کیا مقصد ہے!''

''میں کیا جانوں؟''

حمید خاموش ہوگیا۔ وہ فریدی کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔ کیا اس پر بھی یہی گزری

ہوگئی۔ دفعتاً بائیں جانب سے کسی کی آواز آئی۔ ''معزز مہمان دس منٹ میں ناشتے کے لیے تیار ہو جائیں۔''

دونوں چونک پڑے.....اور حمید کے کچھ بولنے سے قبل ہی شہرزاد نے چیخ کر کہا۔ ''میں ذرا اپنے میزبان کی شکل دیکھنا چاہتی ہوں۔''

''ناشتے کی میز پر آپ کی یہ خواہش پوری ہو جائے گی۔'' آواز آئی۔

''آخر ہم دونوں کو ایک ہی کمرے میں رکھنے کی کیا ضرورت تھی!''

حمید نے بھنا کر پوچھا.....اس بار اس نے سنگ ہی کی آواز پہچان لی تھی!

''اگر مجھے خدشہ ہوتا ہے کہ مادام شہرزاد سے پہلے تم ہوش میں آ جاؤ گے تو ہرگز ایسی غلطی سرزد نہ ہوئی!''

''تم آخر ہو کون؟'' شہرزاد جھلا کر چیخی۔ لیکن اس کے سوال کا جواب نہ ملا۔

حمید کمرے کا جائزہ لے رہا تھا..... کپڑوں کی الماری کھول کر شہرزاد کی توجہ اس کی طرف مبذول کراتا ہوا بولا۔ ''یہ شاید آپ کے ملبوسات ہیں!'' وہ تیزی سے الماری کی طرف جھپٹی تھی۔

''ہاں..... ہاں.....میرے ہی ہیں.....!'' اس نے کہا اور حمید کو گھورنے لگی۔

''شاید آپ اب بھی یہی سوچ رہی ہیں کہ یہ ہماری ہی کسی حکمت عملی کا نتیجہ ہے۔''

''کیا میں یہ سوچنے میں حق بجانب نہیں ہوں۔'' وہ جھلا کر بولی۔

''کچھ دیر بعد شاید آپ کا اندازِ فکر بدل جائے۔'' حمید نے کہا اور باتھ روم کی راہ لی۔

واپسی پر شہرزاد دوسرے ملبوس میں نظر آئی۔

''وہ دروازہ باہر سے مقفل معلوم ہوتا ہے۔'' اس نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا۔

''ظاہر ہے کہ ہم کسی کے قیدی ہیں۔'' حمید خشک لہجے میں بولا۔

ٹھیک اسی وقت کسی نے دروازہ کھولا۔ یہ ایک باوردی ملازم تھا۔

''ناشتہ جناب عالی!'' اس نے کسی قدر خمیدہ ہو کر کہا۔

''اچھا۔'' حمید نے معزز مہمانوں کی سی شان سے اپنے سر کو جنبش دی۔

ملازم انہیں ایک وسیع ڈائننگ روم میں لایا۔ میز پر ایک شخص ان کا منتظر تھا۔ جس پر نظر پڑتے ہی شہرزاد دروازے ہی میں ٹھٹک گئی۔

''زر.....زردفتہ.....!'' وہ خوفزدہ انداز میں ہکلائی۔

سنگ ہی ان کے استقبال کے لیے کھڑا ہو گیا تھا۔

''ہوں.....تو آپ اسے پہچانتی ہیں۔'' حمید نے طویل سانس لے کر پوچھا۔

''نن.....نہیں تو.....!''

''ابھی آپ نے کچھ کہا تھا!''

''نن.....نہیں تو.....!''

''کیا اب یہ میز آپ دونوں کے قریب ہی پہنچانی پڑے گی۔'' سنگ ہی نے مسکرا کر پوچھا۔

''نہیں تو.....ہم آ رہے ہیں پیارے میزبان۔'' حمید نے بھی خوشدلی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی اور شہرزاد کا بازو پکڑ کر بولا۔ ''چلیے محترمہ!''

وہ لڑکھڑاتی ہوئی میز تک پہنچی تھی۔

''میری خوش قسمتی ہے کہ شہر کی دو معزز ہستیوں کا میزبان بننے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔'' سنگ نے بڑی لجاجت سے کہا لیکن حمید نے محسوس کیا کہ شہرزاد بُری طرح کانپ رہی ہے۔

''میں تو تمہاری سعادت مندی کے مقصد سے واقف ہوں لیکن مادام نے کیا قصور کیا ہے!'' حمید نے اسے تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''مادام اچھی طرف واقف ہیں!'' سنگ ہی شہرزاد کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

''مم.....میں کچھ.....نہیں جانتی!''

سنگ ہی قہقہہ لگا کر بولا۔ ''خیر.....خیر.....آپ لوگ ناشتہ کیجیے!''

''کیجیے محترمہ!'' حمید نے شہرزاد کی طرف دیکھ کر کہا۔

شہرزاد نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے اپنے سامنے والی پلیٹ سیدھی کی تھی۔

ناشتے کے دوران میں خاموشی رہی۔ اس کے بعد حمید کو پائپ اور پرنس ہنری کا تمباکو پیش کیا گیا۔ پائپ نیا تھا۔

''بہت بہت شکریہ!'' حمید سنگ کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ ''لیکن میں مادام شہرزاد کے بیڑی کے قتل کی وجہ ضرور معلوم کرنا چاہوں گا۔''

''یہاں اس بات کا کیا موقع ہے؟'' شہرزاد جھنجھلا کر بولی۔

''اوہو.... میں سمجھا.....لہٰ''

''کیا سمجھے!''

''یہ اچھی طرح سمجھتا ہے۔'' حمید نے سنگ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''یہ میرے لیے قطعی اجنبی ہے۔''

''لیکن کچھ دیر پہلے آپ نے اسے زرد فتنہ کے نام سے یاد کیا تھا!''

''یہ جھوٹ ہے!''

''پھر اس نے کیوں کہا تھا کہ مادام یہاں اپنی موجودگی کے مقصد سے بخوبی واقف ہیں!''

''اسی سے پوچھو کہ اس نے یہ بات کیوں کہی تھی!''

''اچھی بات ہے۔ تم ہی بتاؤ۔'' حمید نے سنگ کی طرف دیکھ کر کہا۔

''بتا دوں.....!'' سنگ شہزاد کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

''کک.... کیا.... بب.... بتا دو گے!''

''یہی کہ میں آصف کو بلیک میل کر رہا تھا۔ میں نے اس سے ایک لاکھ طلب کیے تھے لیکن وہ رقم کے ساتھ ہی ایک خنجر بھی لایا تھا اس لیے میرے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ اتنے میں پولیس آ گئی اور مجھے وہاں سے خالی ہاتھ بھاگنا پڑا اور کیوں نہ خالی ہاتھ بھاگتا۔ وہ نہ صرف خنجر ساتھ لایا تھا بلکہ کرنسی بھی جعلی تھی!''

حمید اس دوران میں سنگ کی بجائے شہزاد کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا تھا۔

سنگ کے خاموش ہوتے ہی اس نے شہزاد کی آنکھوں میں اطمینان کی جھلکیاں دیکھیں اور وہ تڑ سے بولی۔ ''مجھ پر اس کی کیا ذمہ داری ہو سکتی ہے!''

''اب میں ایک لاکھ کی بجائے دو لاکھ لوں گا۔'' سنگ مسکرایا۔

''تم اسے بلیک میل کر رہے تھے۔ میرا کیا بگاڑ سکو گے۔'' شہزاد غرائی۔

لیکن حمید کو اس غراہٹ میں سو فیصد تصنع محسوس ہوا تھا۔

''آپ اس شخص کو اچھی طرح پہچانتی ہیں نا۔'' سنگ نے حمید کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

''ہاں تو پھر.....!''

''فریدی اتفاقاً بچ نکلا ورنہ وہ بھی اس وقت یہیں نظر آتا!''

حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔

''میں نہیں سمجھی۔''

''میں آپ کو اپنی قوت دکھانا چاہتا تھا..... اور بس۔ کچھ دیر بعد آپ دونوں رہا کر دیئے جائیں گے!''

''تو تم زبردستی مجھ سے دو لاکھ وصول کرو گے۔'' شہزاد آنکھیں نکال کر بولی۔

''یقیناً.... آپ دیکھ ہی رہی ہیں کہ قانون کا ایک محافظ بھی آپ ہی کی طرح میرا قیدی ہے۔ میں جب بھی چاہوں گا، آپ کو دوبارہ قیدی بنا لوں گا۔ آپ کرنل فریدی اور اس کے اسسٹنٹ کی شہرت سے واقف ہی ہوں گی۔''

''دھمکی.....! اچھی بات ہے.... میں بھی دیکھوں گی!''

سنگ کے طویل قہقہے سے کمرہ گونج اٹھا۔

''کیا آپ بتا سکیں گی کہ آصف نے جعلی کرنسی کہاں سے مہیا کی۔'' حمید نے شہزاد سے خشک لہجے میں پوچھا۔

''میں نہیں جانتی!''

''خیر نہ جانتی ہوں گی.... لیکن آپ اسے زرد فتنہ کے نام سے ضرور جانتی تھیں!''

''پلیز کیپٹن حمید!'' سنگ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''فی الحال آپ دونوں ہی میرے قیدی ہیں۔ لہٰذا اپنا قانون اپنے پاس ہی رکھئے۔ اس قسم کے سوالات یہاں سے رہائی کے بعد کیجئے گا.... ویسے بحیثیت زرد فتنہ میرا وزیٹنگ کارڈ ملاحظہ فرمایئے!''

سنگ نے جیب سے کارڈ نکال کر حمید کی طرف سرکا دیا۔ اس کارڈ پر ایک طرف سنگ کی تصویر تھی اور دوسری طرف زرد فتنہ تحریر تھا!

''مادام نے یہی کارڈ آصف کے پاس دیکھا ہو گا۔'' سنگ نے حمید سے کارڈ واپس لیتے ہوئے کہا۔

حمید نے جواب طلب نظروں سے شہزاد کی طرف دیکھا۔

''ہاں میں نے آصف کے پاس دیکھا تھا.... لیکن جعلی کرنسی کے بارے میں کچھ نہیں جانتی.....!'' اس نے لاپرواہی سے کہا۔

''اب میں اپنے معزز مہمانوں سے اجازت چاہوں گا۔'' سنگ اٹھتا ہوا بولا۔

''اس قید کی مدت تو بتاتے جاؤ.....!'' حمید نے تمسخر آمیز انداز میں کہا۔

سنگ دروازے کے قریب رک کر مڑا.... چند لمحے حمید کو تیز نظروں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ ''اپنے کچھ معاملات نپٹانے کے بعد ہی تم دونوں سے بھی سمجھوں گا!''

وہ چلا گیا.....دروازہ باہر سے مقفل کیا گیا تھا۔ انہوں نے قفل میں کنجی گھومنے کی آواز سنی تھی۔

حمید شہزاد کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ اسے عجیب نظروں سے دیکھے جا رہی تھی۔ حمید اندازہ نہ کر سکا کہ اس کے ذہن میں کیا ہے۔

''تم دونوں سے اس کے قریبی تعلقات معلوم ہوتے ہیں۔'' وہ بالآخر مسکرا کر بولی۔

''ہوں۔ کیا خیال ہے؟ ان دو لاکھ میں ہمارا بھی حصہ ہوگا۔''

''میں یہی سوچ رہی ہوں۔ ویسے مجھے افسوس ہے کہ ہمارے تعلقات پرانے نہیں..... یقین کرو.....آج تم میرے محبوب ہوتے!''

''میں چوبیس گھنٹے کے نوٹس پر محبوب بننے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔''

''ہاں.....تم ایسے ہی ہو!'' وہ پیار بھرے لہجے میں بولی۔ ''دو کیا دس لاکھ تم پر سے نثار کیے جا سکتے ہیں۔''

''بہت خوب تو آپ کو اس پر یقین آ گیا ہے کہ میں اور میرا باس بھی اس رقم کے حصہ دار ہوں گے۔''

''جہنم میں جھونکو۔ اگر یہ حادثہ پیش نہ آیا ہوتا تو تم بھی مجھے نہ ملتے۔''

''میرا چیف مجھ سے زیادہ خوبصورت اور توانا ہے۔''

''یقیناً.....اور اس قابل ہے کہ اسے کسی عجائب گھر کی زینت بنا دیا جائے۔'' شہزاد نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''مجھے ایسے مرد پسند نہیں ہیں جن پر عورتیں اثر انداز نہ ہو سکیں.....تم خود سوچو یہ کتنا غیر فطری ہے!''

''اسی لیے قدرت نے اسے بے حد فطری اسسٹنٹ عنایت کیا ہے۔'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

''میرے جذبات کی قدر کرو.....میرا مذاق نہ اڑاؤ۔'' وہ جھنجھلا کر بولی۔

دفعتاً حمید کی آنکھوں سے گہرا غم جھانکنے لگا اور اس نے گلوگیر آواز میں کہا۔ ''مجھے سمجھنے کی کوشش کیجیے۔''

''کیا مطلب؟'' شہزاد سنجیدہ نظر آنے لگی تھی۔

''عورتوں نے کبھی میرے جذبے کی قدر نہیں کی.....کھلونا سمجھ کر کھیلتی رہی ہیں۔ پچھلے سال ایک خاتون نے بالآخر یہ کہہ کر میری محبت کا گلا گھونٹ دیا تھا کہ میرے الفاظ کی ادائیگی محبت نہیں ہے.....اس لیے وہ مجھ سے شادی نہیں کر سکتیں!''

''میں نہیں سمجھی!''

''ان کا خیال تھا کہ قلم کو کلم اور حقیقت کو حکیمت نہیں کہہ سکتا اس لیے شادی کے قابل نہیں ہوں!''

''یہ کیا بات ہے؟''

''میں خود بھی نہیں سمجھ پایا کہ.....ارے بابا مرد بیوقوف یا بیوکوف.....اس سے محبت پر کیا اثر پڑتا ہے!''

''تم شرارت سے باز نہیں آؤ گے!'' شہزاد ہنس پڑی۔

''اب مجھے خودکشی ہی کرنی پڑے گی۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''کیا ہم یہیں بیٹھے رہ جائیں گے۔'' شہزاد نے یک بیک چونک کر کہا۔

''محبت کا ذکر چھڑ جائے تو پھر یہی ہوتا ہے!''

دونوں اٹھ کر اس کمرے میں آئے جہاں سے ناشتے کے لیے روانہ ہوئے تھے یہاں کا دروازہ کھلا ہوا نظر آیا اور پھر ان پر یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ اب وہ آزاد ہیں کیونکہ یہ دروازہ عقبی پارک میں کھلتا تھا۔

''یہ تماشا بالکل سمجھ میں نہیں آیا۔'' حمید پُرتفکر لہجے میں بولا۔

''نکل چلو.....نکل چلو.....!'' شہزاد کی سانس پھولنے لگی تھی۔

حمید سیدھا آفس پہنچا..... اس کا خیال تھا کہ فریدی سے ملاقات نہ ہو سکے گی لیکن وہ اپنے دفتر میں موجود تھا اور خاصا خوش وخرم نظر آ رہا تھا۔ حمید بھنا کر رہ گیا اس کا خیال تھا کہ فریدی اس کے لیے بے حد پریشان ہوگا۔

''کیا خیال ہے..... آپ میری جگہ میری لاش چاہتے تھے!''

''دل چھوٹا نہ کرو..... بیٹھ جاؤ..... میں سنگ ہی کی توقعات پر پورا اترنے کی کوشش کر رہا ہوں!''

''اگر میں موت کے گھاٹ اتر جاتا تو کیا ہوتا!''

''وقت سے پہلے تم موت کے گھاٹ نہیں اتر سکتے۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا اور حمید کے ارمانوں پر اوس پڑ گئی۔

چند لمحے خاموش رہ کر فریدی نے کہا۔ ''رپورٹ۔''

اور حمید اس طرح اپنی کہانی دہرانے لگا جیسے فریدی کی بجائے ٹیپ ریکارڈر سامنے ہو..... آواز جذبات سے عاری تھی۔ وہ فریدی کی طرف دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔

اس کے خاموش ہوتے ہی فریدی بولا۔ ''تبصرہ۔''

''تبصرہ..... یہ کہ میں سو فیصد الو کا پٹھا ہوں.....!''

''اسے حقیقت کہتے ہیں تبصرہ نہیں.....!''

''یہ حقیقت ہے کہ میں الو کا پٹھا ہوں۔'' حمید نے آنکھیں نکال کر سوال کیا۔

''اچھا تم ہی بتاؤ، اگر میں نے تمہیں کبھی جھوٹا سمجھا ہو!''

حمید نے بُرا مان جانے کے سے انداز میں خاموشی اختیار کر لی۔

کچھ دیر بعد فریدی اپنی کرسی سے اٹھ کر اس کے قریب آیا اور شانہ تھپک کر بولا۔ ''موڈ بڑا خوشگوار ہے..... چلو باہر چلیں!''

''آپ کے ساتھ تو ہرگز نہیں جاؤں گا..... مادام شہرزاد آج ہی تو مجھ پر عاشق ہوئی ہیں۔''

''وہیں چلیں گے..... میں کہہ چکا ہوں کہ مجھے سنگ کی توقعات پر پورا اترنا ہے کیا شہرزاد کو اس کے گھر پہنچانے گئے تھے!''

''نہیں! وہ اس زور سے عاشق ہوئی ہے کہ مجھے کسی قانونی دشواری میں نہیں پڑنے دینا چاہتی۔''

''ٹھیک ہے..... چلو اٹھو.....!''

گاڑی کمپاؤنڈ سے نکل ہی رہی تھی کہ خود شہرزاد سامنے سے آتی دکھائی دی اپنی کار وہ خود ہی ڈرائیو کر رہی تھی۔

فریدی نے اپنی گاڑی باہر نکال کر داخلے کے پھاٹک سے دوبارہ کمپاؤنڈ میں داخل کی..... اور اس کی گاڑی کے قریب ہی روک دی۔

''ہم آپ ہی کے پاس جا رہے تھے۔'' فریدی گاڑی سے اترتا ہوا بولا۔

''آپ کو حمید صاحب کی زبانی سب کچھ معلوم ہی ہو چکا ہوگا۔'' شہرزاد نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

''جی ہاں.....!''

''یقین کیجئے کہ ایک لاکھ کی جعلی کرنسی سے میرا کوئی تعلق نہیں!''

''یہ اطلاع بھی حمید ہی کی زبانی ملی ہے کہ کرنسی جعلی ہے..... لہٰذا اس کی پرکھ بھی ہو جائے گی!''

''کہیں اطمینان سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔''

فریدی اسے اپنے آفس میں لایا۔ اس وقت یہاں ان تینوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا باہر سوئچ بورڈ پر سرخ رنگ کا بلب روشن ہو گیا تھا۔

''سوال تو یہ ہے کہ وہ مجھ سے دو لاکھ کا مطالبہ کیوں کر رہا ہے۔'' شہرزاد نے مردہ سی آواز میں کہا۔

''کیا آپ کو معلوم ہے کہ آصف کیوں بلیک میل کیا جا رہا تھا!''

''نہیں میں نہیں جانتی..... وجہ اس نے نہیں بتائی تھی اور نہ اس نے مجھ سے کسی رقم کا مطالبہ کیا تھا..... میں نہیں جانتی کہ اس نے جعلی کرنسی کہاں سے فراہم کی!''

''تو پھر آپ کو پریشان بھی نہ ہونا چاہئے! میں دیکھوں گا کہ وہ آپ سے کس طرح دو لاکھ وصول کرتا ہے۔''

''ویسے مجھے اس پر حیرت ضرور ہے کرنل صاحب کہ پولیس مجرموں کے ہاتھوں کھلونا بن کر رہ گئی ہے!''

''قرب قیامت کی نشانی۔'' فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ ''کچھ مجرم بڑی بڑی رشوتوں سے کام چلاتے ہیں اور کچھ دھونس دھڑلے سے..... لیکن رشوتوں کا سہارا لینے والے مجرم نہیں کہلاتے..... کبھی کبھی تو حکومت انہیں خطابات سے بھی نوازتی ہے۔''

''اوہو۔ تو آپ میرے طبقے پر چوٹ کر رہے ہیں۔'' شہرزاد نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

فریدی کچھ نہ بولا..... البتہ حمید نے بڑی ڈھٹائی سے کہا۔ ''ایسی کوئی بات نہیں محترمہ میرے چیف دراصل یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ خود بھی آپ ہی کے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اکثر مجھے رشوت دے کر میری زبان بند کرتے رہتے ہیں!''

''میں نہیں سمجھی.....!''

''آپ فی الحال یہ سمجھنے کی کوشش کیجئے کہ آپکو کیپٹن حمید کی موجودگی میں کیوں دھکایا گیا۔''

''مم..... پپ..... پتہ نہیں۔'' شہرزاد یک بیک نروس نظر آنے لگی۔ حمید اوپری ہونٹ بھینچے اسے گھورے جا رہا تھا۔ وہ خود اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔

''میری دانست میں اس کہانی کا یہی حصہ سب سے زیادہ سے اہم ہے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے....!'' شہرزاد سنبھالا لے کر طنزیہ لہجے میں بولی۔ ''دو لاکھ میں رشوتیں بھی شامل ہوں گی!''

''ممکن ہے!'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا اور اٹھ گیا۔ اس کا یہی مطلب تھا کہ اب وہ گفتگو کے لیے مزید وقت نہیں دے سکتا۔

''میں اس معاملے کو آگے تک بڑھاؤں گی.....!'' شہرزاد بھی اٹھتی ہوئی بولی۔

''مجھے بے حد خوشی ہوگی!''

وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی..... حمید حیرت سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا..... اس نے اپنی بائیں آنکھ دبائی اور حمید نے جھپٹ کر شہرزاد کے لیے دروازہ کھولا۔

وہ اس کے ساتھ چلتا ہوا گاڑی تک آیا تھا۔

''میرا چیف بہت خشک آدمی ہے۔'' اس نے اس کیلئے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں دونوں بوکھلا کر پیچھے ہٹ گئے..... اگلی سیٹ پر ایک بڑا سا سانپ کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔

مینا اور بچھو

حمید پھر آگے بڑھا اور سانپ کو سیٹ سے نیچے اتارنے کے لیے ہشکارنے لگا لیکن وہ اسی جگہ پر جما ہوا پھنکارتا رہا..... پارکنگ شیڈ میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ البتہ گاڑی والا واقعہ پیش آنے کے بعد سے وہاں ایک مسلح آدمی ہر وقت موجود رہتا تھا۔

اگر کوئی ہوتا تو کیا حمید ایک خاتون کی موجودگی میں اس سے مدد لینا پسند کرتا ایک عدد سانپ ہی تھا۔ بپھرا ہوا ہاتھی یا شیر ببر تو نہیں تھا۔

حمید نے بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکالا۔

''ارے..... ارے..... گاڑی تباہ ہو جائے گی۔'' شہرزاد بول پڑی۔

''تو کیا آنکھ ماروں اسے.....!''

''نہیں.....!'' پشت سے فریدی کی آواز آئی..... ''سامنے سے ہٹ جاؤ!''

شاید وہ بھی کہیں جانے کے لیے اپنے دفتر سے نکلا تھا۔

''یہ کیا مصیبت ہے آخر.....!'' شہرزاد ایک طرف ہٹتی ہوئی بڑبڑائی۔

فریدی نے گاڑی کے کھلے ہوئے دروازے کے سامنے سے دونوں کو ہٹا کر جیب سے رومال نکالا اور اسے سانپ کے پھن پر پھینک دیا۔ وہ بوکھلا کر دوسری طرف والی کھڑکی کی طرف جھپٹا ہی تھا کہ اس کی دُم کنڈلی سے باہر آ گئی۔ پھر وہ دونوں اندازہ نہیں کر پائے تھے کہ کب فریدی نے اس کی دم پکڑی تھی اور کب جھٹکے کے ساتھ باہر نکال پھینکا تھا۔

شہرزاد کی چیخ نکل گئی۔ سانپ اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر پڑا ہلکی ہلکی لہریں لے رہا تھا۔

''سر کچل دیجئے سر۔'' شہرزاد ہانپتی ہوئی بولی۔

''اس کے بغیر ہی مر جائے گا۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''اس کا جوڑ جوڑ ڈھیلا ہو گیا ہے!''

سیٹ پر اس جگہ جہاں کچھ دیر پہلے سانپ کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ ایک کارڈ پڑا دکھائی

دیا۔ اس پر ایک طرف سنگ کی تصویر تھی اور دوسری طرف تحریر تھا۔ ''میرا مطالبہ بارہ گھنٹے کے اندر اندر پورا ہونا چاہئے!''

فریدی نے کارڈ شہزاد کی طرف بڑھا دیا۔

''اُوہ۔'' اس کا چہرہ زرد ہو گیا..... شاید سانپ نے بھی اسے اس درجہ خوفزدہ نہیں کیا تھا۔ جتنی اب نظر آ رہی تھی۔

پھر وہ جلد ہی خود پر قابو پانے میں کامیاب ہو گئی۔

''تو اب۔ یہاں..... اس جگہ بھی میں دھمکائی جاؤں گی.....!'' اس نے فریدی کی طرف مڑ کر کہا لیکن نظریں حمید کے چہرے پر تھیں۔

''یہ عجیب سچویشن ہے مادام شہزاد۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''ہم سوچ رہے ہیں کہ آپ بھی اس کے اس کھیل میں شریک ہیں اور آپ کا خیال ہے کہ مال غنیمت میں ہمارا بھی حصہ ہو گا۔''

''تو پھر مجھے یہ سوچنا چاہئے کہ آپ کا محکمہ اس بلیک میلر کے سامنے بے بس ہو گیا ہے۔''

''فی الحال یہی سمجھ لیجئے..... بعض اوقات ہم مصلحتاً بھی بے بس نظر آنے لگتے ہیں۔''

''جہنم میں جائے..... میں خود دیکھوں گی، کہ کیا کر سکتی ہوں۔'' وہ جھپٹ کر گاڑی میں بیٹھی تھی اور انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی ریورس گیئر میں ڈال دی تھی۔

وہ دونوں وہیں کھڑے اسے پھاٹک سے گزرتے دیکھتے رہے۔

''میں یہی چاہتا ہوں کہ تم خود ہی دیکھو.....!'' فریدی بڑبڑا کر حمید کی طرف متوجہ ہو گیا۔

قریب پڑا ہوا سانپ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

''وہ آدمی کہاں مر گیا جس کی ڈیوٹی پارکنگ شیڈ میں لگائی تھی!'' حمید چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

اور پھر اس آدمی کی تلاش شروع ہو گئی..... وہ لیبارٹری میں بے ہوش پڑا ملا..... وہ دونوں پھر آفس میں آ بیٹھے۔ حمید غصے سے بل کھا رہا تھا۔

''کیوں بور ہو رہے ہو۔'' فریدی اس کا شانہ تھپک کر بولا۔

''حد ہوتی ہے ذلت کی..... آخر سنگ ہی کو اتنی چھوٹ کیوں دے رہے ہیں آپ!''

''صبر سے کام لو..... سنگ حقیقتاً کسی دوسرے چکر میں ہے۔ زیرولینڈ کی وہ دونوں بڑی عورتیں فی الحال نہ ہمارے کسی کام کی ہیں اور نہ اس تنظیم ہی کے لیے کسی قسم کا خطرہ ہیں۔''

''کیا مطلب!''

''وہ دونوں صحیح الدماغ نہیں رہیں..... کسی قسم کے زہر کے استعمال سے ان کے دماغ الٹ گئے ہیں اور اس کا توڑ اس تنظیم کے پاس ہو تو ہو..... اور کسی کے پاس نہیں۔''

''اچھا تو پھر!''

''ان سے زیرولینڈ کا کوئی راز نہیں معلوم کیا جا سکتا۔ لہٰذا وہ ان کے لیے خود کو خطرات میں نہیں ڈال سکتا!''

''پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے!'' حمید اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔

دوسرے قسم کے ہنگامے وہ محض اس لیے برپا کرتا رہا ہے کہ ہم اصل مقصد کی طرف توجہ نہ دے سکیں۔

''کیا ہے اصل مقصد!''

''بلیک میلنگ!''

''پوہ..... بھلا اس میں کیا رکھا ہے..... اس کے لیے اتنے ہنگاموں کی کیا ضرورت ہے۔''

''حمید صاحب.....! اس بلیک میلنگ کی وہ نوعیت نہیں ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ شہزاد سے تمہاری موجودگی میں دو لاکھ کا مطالبہ محض دکھاوا تھا اور اس کے لیے ایک دھمکی تھی جو ایک ذمہ دار آفیسر کے سامنے دی گئی..... اور یہ ڈرامہ اس لیے کھیلا گیا کہ شہزاد نے اس کا مطالبہ پورا کرنے کی بجائے اسے قتل کر دینے کی کوشش کی تھی!''

''تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ اصل میں شہزاد کو بلیک میل کیا جا رہا ہے آصف کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا!''

''یہی بات ہے اور مجھے تو اس پر بھی شبہ ہے کہ جعلی کرنسی والا سوٹ کیس آصف لے گیا ہو!''

''پھر وہ کہاں سے آیا.....!''

''سنگ کی حکمت عملی۔ وہ اس بلیک میلنگ کی پبلسٹی چاہتا ہے تاکہ جلد سے جلد وہ لوگ اس کے مطالبات تسلیم کر لیں جنہیں وہ بلیک میل کر رہا ہے۔ اس ڈرامے سے اس نے جو

توقع وابستہ کر رکھی تھی وہ میں نے پوری کر دی ہے!''

''میں نہیں سمجھا!''

''پلسٹی..... شاید تم نے آج کے اخبارات نہیں دیکھے۔ آصف کی جیب سے زرد فنز کا کارڈ بھی برآمد ہوا تھا۔ لہٰذا اس کا حوالہ بھی خبر میں موجود ہے اور میں نے یہی شبہ ظاہر کیا ہے کہ یہ بلیک میلنگ ہی کا کیس ہے۔ بلیک میل کئے جانے والے نے بلیک میلر کو قتل کر دینا چاہتا تھا، لہٰذا خود قتل کر دیا گیا۔ اب جن لوگوں کو بلیک میل کر رہا ہے۔ کم از کم وہ اس سے الجھنے کا خیال ترک کر دیں گے۔ رہا تمہیں شہزاد کے ساتھ کھینچنے کا مقصد تو وہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ اسے ہر طرح سے اور زیادہ مرعوب کر دیا جائے، کیوں کہ اس نے اس سے الجھنے کی کوشش کی تھی!''

''لیکن آپ یہ تو دیکھئے کہ وہ ہمیں سنگ کا شریک سمجھنے لگی ہے!''

''فکر نہ کرو... جلدی ہی اس کی غلط فہمی رفع ہو جائے گی، لیکن بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے کیونکہ سنگ کے پاس تمہارا ایک ہمشکل بھی موجود ہے۔''

''اُوہ۔ اسے تو میں بھول ہی گیا تھا..... کہیں سچ مچ سنگ اس معاملے کو یہی رنگ دینے کی کوشش نہ کرے کہ ہم اس کے شریک ہیں۔''

''اس لیے زیادہ تر شہزاد کے ساتھ رہو..... اس نے تم سے دوستی کی خواہش بھی تو ظاہر کی تھی!''

''ہاں..... آں ٹھیک ہے.....!'' حمید کچھ سوچتا ہوا بولا..... پھر چونک کر پوچھا۔ ''میری گاڑی اور مینا کہاں ہے۔''

''دونوں بخیریت ہیں..... فون کر کے یہیں منگوائے دیتا ہوں۔'' فریدی پر معنی انداز میں مسکرایا۔

شہزاد نے بہت اچھے موڈ میں حمید کا استقبال کیا تھا لیکن مینا کے پنجرے پر نظر پڑتے ہی بُرا سا منہ بنایا۔

''یہ کیا لیے پھر رہے ہو؟''

''مینا.....!''

''میں بہت اچھے حلقوں میں تمہاری حماقتوں کے بارے میں سنتی رہی ہوں کبھی کوئی بکرا بھی پالا تھا جسے تم ساتھ لیے پھرتے تھے!''

''بکرے ہی کی طرح یہ بھی بہت کارآمد چیز ہے..... بی مینا..... ذرا وہ تو سنا دو۔ لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری!''

مینا نے نظم شروع کر دی..... شہزاد حیرت سے منہ کھولے سنتی رہی۔ نظم کے اختتام پر حمید نے کہا ''شاباش..... اب بابا بلیک شیپ بھی سناؤ۔''

''نہیں.....!'' شہزاد دونوں ہاتھوں سے کان بند کرتے ہوئے بولی۔ ''یہ ہرگز نہیں سنوں گی، سنتے سنتے کان پک گئے ہیں جس گھر میں بھی جاؤ خاندان کا سب سے چھوٹا بچہ طلب کر کے سر پر مسلط کر دیا جاتا ہے..... ہاں پپوانٹی کو بابا بلیک شیپ تو سنانا!''

''بہت بہتر محترمہ!'' مینا بولی۔ ''کہئے تو مرزا غالب کی کوئی غزل سنا دوں۔''

''کمال ہے..... تم نے تو اسے آدمی بنا دیا ہے۔'' شہزاد حمید سے بولی۔

''ریٹائرمنٹ کے بعد کما کھاؤں گا۔''

''تم لوگ آخر ہو کیا بلا۔ مجھے تو سانپ والے واقعے پر حیرت ہے۔ آخر کرنل فریدی کس کس فن کے ماہر ہیں۔''

''صرف شادی کے قابل نہیں ہیں اور سب کچھ کر گزرتے ہیں۔''

''اچھا ہی ہے ورنہ بیوی تو پاگل ہو جاتی۔ سنا ہے درجنوں سانپ بھی پال رکھے ہیں۔''

''محترمہ.....!'' حمید یک بیک سنجیدہ ہو کر بولا۔ ''کیا آپ کا خیال ہے وہ سانپ انہی کا سے ایک تھا۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سلسلے میں کیا سوچوں! تم لوگ ہمیشہ سے نیک نام رہے ہو اور پھر فریدی کو کس بات کی کمی ہے..... چاہیں تو ہم جیسے کئی صنعتکاروں کو خرید سکتے ہیں۔ میں ان کی خاندانی بیک گراؤنڈ سے بخوبی واقف ہوں۔''

''ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے!''

''سوال تو یہ ہے کہ تم میرا تحفظ کیسے کر سکو گے جبکہ اپنا ہی نہیں کر سکتے۔''

''وہ محض اتفاق تھا۔''

''اچھی بات ہے.....! ابھی امتحان ہو جاتا ہے۔''

دفعتاً مینا چیخی ''ہوشیار!'' اور حمید اچھل کر کرسی سے اٹھ گیا۔ اس کے پیچھے تین قد آور اور بے حد توانا آدمی ہاتھوں میں بڑے بڑے چاقو سنبھالے کھڑے تھے۔

دوسرے ہی لمحے میں حمید کے بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکل آیا لیکن ساتھ ہی کوئی سخت چیز پشت پر جمی اور اس سے ریوالور زمین پر ڈال دینے کو کہا گیا اس کی پشت پر غالباً کسی ریوالور کی نال تھی۔

حمید نے ریوالور تو فرش پر ڈال دیا لیکن بڑی پھرتی سے بیٹھ کر پیچھے والے آدمی کو سامنے والوں پر اچھال پھینکا۔

اس کا ریوالور اب پھر اس کے قبضے میں تھا۔ انہیں کور کرتے ہوئے اس نے کہا۔

''دوستو! اپنے چاقو فرش پر ڈال دو!''

''ہیر ہیر.....!'' شہزاد محظوظ ہو کر تالی بجاتی ہوئی اپنے آدمیوں سے بولی۔ ''بس جاؤ!''

حمید اسے ایسی نظروں سے دیکھے جا رہا تھا جیسے کسی پاگل سے سابقہ پڑ گیا ہو۔

''بیٹھ جاؤ کھیل ختم ہو گیا..... واقعی تمہاری مینا بہت کارآمد ہے۔'' شہزاد مسکرا کر بولی۔

''شکریہ۔ مینا تم بھی شکریہ ادا کرو۔''

''مجھے حماقتوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔'' مینا نے جواب دیا..... اور شہزاد اسے قہر آلود نظروں سے دیکھنے لگی۔

''مینا ڈارلنگ..... ایسی نامناسب بات نہ کرو..... مادام شہزاد بہت ذہین ہیں!''

''میں تمہارے قریب کسی عورت کا وجود برداشت نہیں کر سکتی۔'' مینا بولی۔

اس پر شہزاد نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا۔

''میں ڈیوٹی پر ہوں بی مینا.....!'' حمید نے کسی قدر غصیلے پن سے کہا۔

''عورتوں پر ڈیوٹی نہ لگایا کرو تو بہتر ہے۔''

''اسے خاموش کر دو۔ ورنہ ٹانگیں چیر کر پھینک دوں گی۔'' شہزاد کو پھر غصہ آ گیا۔

''ذرا پنجرا تو کھولنا میرا۔ سر پر ایک بال نہ رہنے دوں گی۔''

''مینا خاموش رہو.....!'' حمید نے اسے ڈانٹ پلائی۔

''شرم نہیں آتی ایک غیر عورت کے لیے مجھے ڈانٹتے ہو۔''

شہزاد کو پھر ہنسی آ گئی اور اس نے کہا۔ ''یہ تو بالکل تمہاری بیوی لگتی ہے۔''

''اچھا تو کیا میں نہیں ہوں۔'' مینا بہت زور سے چیخی۔

''اب معاف بھی کر دو بیگم حمید..... میں ہاری۔''

مینا خاموش ہو گئی۔

''بیوی کسی قابل نہ ہونے کے باوجود بھی شوہر کو صرف اپنی ملکیت سمجھتی ہے۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

''بس روٹیاں ہی تو نہیں پکا سکتی اور کس قابل نہیں ہوں۔''

''ہاں زبان کافی روانی سے چلا سکتی ہو..... میں بھی ہارا۔''

''اس کا پنجرہ گاڑی ہی میں چھوڑ آؤ تو بہتر ہے۔'' شہزاد بولی۔

پھر مینا احتجاج ہی کرتی رہ گئی تھی اور اسے گاڑی میں پہنچا دیا گیا تھا۔

''تنہائی میں خاصا جی بہلتا ہو گا اس سے۔'' شہزاد نے واپسی پر کہا۔

''بالکل بیویوں کی طرح دماغ چاٹ ڈالتی ہے!''

''خیر..... ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ بارہ گھنٹے کے اندر میں دو لاکھ کا انتظام نہیں کر سکتی۔''

''سوال تو یہ ہے کہ آپ کریں ہی کیوں.....؟ آپ کے خلاف اس کے پاس کیا ہے کہ وہ آپ کو بلیک میل کرے گا۔''

''کیپٹن حمید..... یہ بلیک میلنگ نہیں زبردستی ہے..... اس سانپ کا یہی مطلب تھا کہ مجھے کسی وقت بھی موت کے گھاٹ اتارا جا سکتا ہے..... دو لاکھ ادا کرو۔ ورنہ مار ڈالی جاؤ گی!''

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک ملازم اپنی ہنسی روکنے کی کوشش کرتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

''کیا ہے۔'' شہزاد نے جھلا کر پوچھا۔

''حضور..... وہ بڑی گندی گندی گالیاں دے رہی ہے ہم سب کو کہتی ہے۔'' ''مجھے اندر پہنچا دو..... میں بالکل خاموش رہوں گی!''

حمید نے بے بسی سے شہزاد کی طرف دیکھا۔

''منگوالو.....پنجرہ.....!''

حمید خود ہی اٹھ کر باہر گیا اور گاڑی سے پنجرہ نکال لیا۔

شہرزاد کی آنکھوں میں شرارت آمیز چمک لہرا رہی تھی۔ وہ اٹھ کر حمید کے قریب آئی اور اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر مسکرانے لگی۔

''ارے ہٹو.....ارے ہٹو.....دور ہٹو!'' مینا چیخنے لگی۔ ''تمہارے ہاتھ ٹوٹیں.....کیڑے پڑیں.....آدھی رات کو جنازہ نکلے!''

''بھئی کیوں آپ کو سنے سن رہی ہیں۔'' حمید نے شہرزاد سے کہا۔ وہ ہنس ہنس کر حمید پر گرتی رہی۔

''اچھا.....اچھا.....یہ ہنسی ہنسی کے بہانے.....اللہ رے.....چالاک عورت!''

شہرزاد پر اس بُری طرح ہنسی کا دورہ پڑا کہ وہ صوفے پر ڈھیر ہوگئی اور حمید مینا کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوگیا۔

''چلو یہاں سے.....میں ایک منٹ بھی نہیں رکنے دوں گی۔'' مینا چیخی۔

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور شہرزاد صوفے سے اٹھ کر میز کے قریب آئی۔

''ہیلو۔'' کہہ کر وہ دوسری طرف سے بولنے والے کی بات سننے لگی تھی۔ پھر بہت بُرا سا منہ بنا کر اس نے ریسیور رکھا تھا اور مڑ کر حمید کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''کون تھا۔'' حمید نے پوچھا۔

''کوئی دوسرا یار ہوگا.....!'' مینا بول پڑی۔

''سچ مچ مار ڈالوں گی!'' شہرزاد پنجرے کی طرف جھپٹی ہی تھی کہ حمید اس کی راہ روکتا ہوا بولا۔ ''آپ ہی نے پنجرہ منگوایا تھا.....میں اسے پھر گاڑی میں چھوڑے آتا ہوں۔''

وہ پنجرہ اٹھا کر دروازے کی طرف دوڑا.....مینا ''نہیں نہیں!'' کی تکرار کرتی رہی۔

باہر نکل کر اس نے مخاطب کیا.....''یہ آج تمہیں کیا ہوگیا ہے بی مینا!''

''سنئے.....کپتان صاحب! آپ سے پہلے میں ایک بوڑھے ماہر نفسیات کے پاس تھی جو دن رات میرا دماغ چاٹتا رہتا تھا!''

''ارے تو اب تم میرا دماغ تو نہ چاٹو.....!''

''میں تمہیں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ یہ عورت.....عورت نہیں ہوتی!''

''پلیز بی سیٹڈ.....!'' حمید نے گاڑی میں پنجرہ رکھتے ہوئے کہا۔

''پچھتاؤ گے.....ڈارلنگ..!''

حمید ڈرائینگ روم میں واپس آ گیا۔ شہرزاد ابھی تک فون کے قریب ہی کھڑی تھی۔

''زرد فتنہ کی کال تھی.....اس نے کہا تھا کہ پانچ بار زیرو ڈائیل کر کے جب چاہو مجھ سے فون پر رابطہ قائم رکھ سکتی ہو!''

''اب آپ کیا کریں گی!''

''بارہ گھنٹے کے اندر اس کا مطالبہ پورا نہیں کر سکتی!''

''مطالبہ پورا کیجئے.....دو لاکھ کی کرنسی میں مہیا کر دوں گا۔''

''کیا مطلب؟''

''میں آپ کے لیے جان تک دے سکتا ہوں.....!''

''کیپٹن حمید میں کل نہیں پیدا ہوئی تھی۔''

''چاہے جب بھی پیدا ہوئی ہوں.....مجھے اس سے سروکار نہیں جب دل چاہے میرے جذبات کی شدت کو آزما لیجئے۔''

''اگر اپنے جذبے کی قدر ہی کرانا چاہتے ہو تو فی الحال مجھے تنہا چھوڑ دو!''

''بہت بہتر.....ہم لوگ دراصل آپ ہی کے توسط سے اس پر ہاتھ ڈالنا چاہتے تھے۔ آپ نہیں چاہتیں.....یہ لیجئے.....میں چلا...!''

''ٹھہرو.....!'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولی.....''بھلا میں کیوں نہ چاہوں گی۔''

''آپ ہی کو علم ہوگا.....میں اس سلسلے میں کیا عرض کر سکتا ہوں!''

پھر وہ تیزی سے باہر نکلا چلا آیا تھا۔

جب گاڑی میں بیٹھ رہا تھا تو اس نے مینا کے ہنسنے کی آواز سنی۔

''شٹ اَپ.....!'' وہ بھنا کر بولا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

ایک جگہ گاڑی روک کر اس نے پبلک ٹیلی فون بوتھ سے فریدی کے آفس کے نمبر ڈائیل کیے وہ موجود نہیں تھا لیکن کوڈ ورڈز میں اس کے لیے ایک پیغام چھوڑ گیا تھا۔

اس پیغام کے مطابق اسے سیدھا گھر پہنچنا تھا.....صرف اتنی سی بات کے لیے کوڈورز میں پیغام چھوڑنا اس کی سمجھ میں نہ آسکا۔

بہرحال وہیں سے اس نے گھر کا رخ کیا۔ مینا اب بالکل خاموش تھی پیغام کے سلسلے میں کوڈ کا استعمال اسے الجھن میں ڈالے ہوئے تھا وہ گھر بھی پہنچ گیا لیکن یہ الجھن رفع نہ ہوئی کیونکہ فریدی گھر پر بھی موجود نہیں تھا۔ مینا کا پنجرہ میز پر رکھ کر وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

''خود بولو یا مجھے بولنے دو۔'' دفعتاً مینا بولی۔

''تم ہی بولو.....میں تھک گیا ہوں۔''

''وہ عورت یاد آرہی ہے؟''

''کیا سچ مچ تم میرے قریب کسی عورت کا وجود برداشت نہیں کرسکتیں۔''

''ہاں....کیونکہ تم عورتوں کے سامنے بالکل بے وقوف لگتے ہو!''

''عورتوں کے دلوں میں سما جانے کے لیے بیوقوف ہونا بے حد ضروری ہے۔''

جواب میں مینا نے بھی کچھ کہا تھا جسے وہ نہ سن سکا کیونکہ اسی وقت فون کی گھنٹی بھی بجنے لگی تھی۔

''ہیلو.....!''

''تم گھر پہنچ گئے۔'' دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔

''اب آپ اس طرح چوری چھپے مجھے اپنے گھر بلائیں گے۔'' حمید نے نسوانی لہجے میں جلا کٹا انداز اختیار کیا۔

''کیوں بور ہوتے ہو.... ہائی سرکل پہنچ جاؤ....لیکن وہ لغویت ساتھ نہ ہونی چاہیے۔''

''مینا.....!''

''ہاں.....!''

حمید نے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر ریسیور رکھ دیا۔

''میرا کیا ذکر تھا۔'' مینا نے سوال کیا۔

''یہی کہ تم بہت اچھی ہو....اور فی الحال یہیں قیام کرو گی!''

پھر مینا چیختی ہی رہ گئی تھی اور وہ لباس تبدیل کر کے گھر سے نکل کھڑا ہوا تھا۔

اندھیرا پھیلنے لگا تھا.... ہائی سرکل کے پارکنگ شیڈ میں گاڑی پارک کرنے کے بعد اس نے پائپ سلگایا تھا اور اسے دانتوں میں دبائے خراماں خراماں عمارت کی طرف چل پڑا تھا۔

فریدی ہال میں دکھائی نہ دیا۔ البتہ شہزاد پر پہلے ہی نظر پڑی تھی۔ حمید طویل سانس لے کر رہ گیا۔

دونوں کی نظریں ملیں اور حمید نے محسوس کیا جیسے شہزاد کو یک بیک غصہ آ گیا ہو۔

حمید نے دیدہ دانستہ اس کی طرف سے توجہ ہٹالی اور ایک خالی میز کی طرف بڑھا۔ اس کے لیے اسے شہزاد کے قریب سے گزرنا پڑا تھا۔

''ٹھہرو.....!'' وہ سخت لہجے میں بولی۔

حمید رک کر اس کی طرف مڑا ہی تھا کہ وہ چیخ مار کر اچھل پڑی۔ ایک بڑا سا سیاہ بچھو اس کی ساڑھی پر چڑھا جا رہا تھا۔ حمید نے بڑی پھرتی سے ہاتھ مار کر اسے دوسری طرف جھٹک دیا اور پھر وہ فوراً ہی مار ڈالا گیا۔ چاروں طرف سے لوگ دوڑ پڑے تھے شہزاد نیم مردہ سی حالت میں کرسی پر پڑی بُری طرح ہانپ رہی تھی۔

دوسرا اندھیرا

شہزاد کے گرد بھیڑ لگ گئی تھی۔ حمید دوسروں کے پیچھے تھا اور شہزاد کی شکل نہیں دیکھ سکتا تھا۔

دفعتاً اسے صدر دروازے کے قریب فریدی نظر آیا جو اسے اشارے سے بلا رہا تھا.....

حمید تیزی سے اس کی طرف بڑھتا چلا گیا پھر دونوں ہی باہر نکل گئے تھے۔

''اپنی گاڑی یہیں چھوڑ دو.....!'' فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر لنکن کی طرف کھینچتے

ہوئے کہا۔

''سوال تو یہ ہے کہ.....!''

''شٹ اپ.....میرے ساتھ چلو!''

پارکنگ شیڈ سے بیک وقت تین گاڑیاں باہر نکلی تھیں۔ حمید سمجھ گیا کہ دوسرے فریدی کے محافظ ہی ہو سکتے ہیں۔

''اس وقت اس کی ساڑھی پر بچھو چل رہا تھا۔'' حمید کچھ دیر بعد بولا۔

''دیکھتے جاؤ۔''

''تو کیا یہی دکھانے کے لیے یہاں میری طلبی ہوئی تھی!''

''نہیں.....میں ذرا دیر سے پہنچا ورنہ باہر ہی ملاقات ہو جاتی۔''

''سنگ نے اس سے کہا ہے کہ وہ پانچ بار صفر ڈائیل کر کے اس سے فون پر جب چاہے رابطہ قائم کر سکتی ہے۔''

''وہ کال تمہاری موجودگی میں آئی تھی!''

''جی ہاں.....!''

''اچھی بات ہے.....ہم کہیں سے اسے رنگ کر کے تصدیق کیے لیتے ہیں!''

''اوہو.....تو آپ کا خیال ہے شہزاد مجھ سے جھوٹ بولی تھی!''

''یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔''

اس کے بعد حمید نے شہزاد کے یہاں پیش آنے والے واقعات بیان کیے تھے۔

''ہمارے سلسلے میں وہ یقین و تشکیک کی کشمکش میں مبتلا ہے۔'' فریدی بولا۔

''تو گویا سنگ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہے۔''

''کوشش یہی ہے.....تم خود سوچو اگر کوئی بلیک میلر کسی ذمہ دار آفیسر کے توسط سے شہر کے معزز چوروں کو بلیک میل کرنے کی کوشش کرے تو کیا اسے اپنے مطالبات منوانے میں زیادہ دشواری پیش آئے گی!''

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ''تمہیں اس پر حیرت ہو گی کہ میں نے تمہیں گھر پہنچنے کی ہدایت کوڈ ورڈز میں کیوں دی تھی!''

''اوہو.....میں تو بھول ہی گیا تھا.....جی ہاں میں اس پر متحیر تھا!''

''اس طرح سنگ کا وہ ایجنٹ پکڑا گیا جو ہمارے آپریشن روم میں کام کر رہا تھا اس نے سنگ کو اطلاع کیا تھا کہ حمید کے لیے ایک پیغام کوڈ ورڈز میں دیا گیا ہے۔ بس وہ اسی وقت پکڑ لیا گیا۔''

''کون تھا؟''

''جوائے مکر جی.....دس سال پرانی ملازمت.....سنگ لوگوں کو ورغلانے کا ماہر ہے.....بہرحال ہمارے احوال سے اس کی اس قدر باخبری کا راز یہی ہے کہ خود ہم میں اس کے ایجنٹ موجود ہیں!''

''اس کے نہیں۔ زیرو لینڈ کے ایجنٹ ہیں۔''

''یہی سمجھ لو!''

''اب ہم کہاں جا رہے ہیں!''

''فی الحال کسی فون پر فائیو ناٹ کو آزماؤں گا۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ اسے شہزاد کا ٹیلیفون ٹیپ کیے جانے کی اطلاع بھی جوائے مکر جی سے مل چکی ہو گی لہٰذا اس فون پر کسی پیغام کی توقع نہیں!''

''تو پھر شہزاد نے جھوٹ بولا ہو گا۔''

دفعتاً فریدی نے گاڑی روک دی اور حمید سے بولا۔ ''اترو۔ ذرا اس ٹیلیفون بوتھ سے پانچ صفر آزمانے چاہئیں۔''

وہ دونوں بوتھ میں پہنچے تھے۔ فریدی نے پانچ بار صفر ڈائیل کر کے ہیرنگ پیس کان سے لگا لیا۔

''ہیلو'' کہہ کر وہ بے اختیار ہنس پڑا تھا.....اور ریسیور حمید کی طرف بڑھاتا ہوا بولا تھا۔ ''تمہارے لیے ہے!''

حمید نے ریسیور کان سے لگا کر بڑی شان سے ''ہیلو'' کہا اور دوسرے ہی لمحے میں دوسری طرف سے گندی گندی گالیاں سننے لگا۔

''ابے ہوش میں ہو یا نہیں!''

''کیوں حلق پھاڑ رہے ہو۔'' فریدی نے حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ''یہ نمبر کسی

ایسے ٹیپ ریکارڈ سے اٹیچ کر دیا گیا ہے جس میں صرف گالیاں ریکارڈ کی گئی ہیں سنگ اپنے مقابل کو اسی طرح چڑاتا ہے۔ اسے علم تھا کہ تم شہزاد کے پاس موجود ہو اسی لیے اس نے اسے وہ نمبر بتائے تھے اور مجھے یقین ہے کہ اس نمبر پر شہزاد کی آواز سن کر وہ معاملے کی بات کرے گا۔ یا پھر ہوسکتا ہے کہ جوائے مکرجی کی گرفتاری کا علم ہو جانے کے بعد اس نے شہزاد سے رابطہ قائم کرنے کا کوئی اور ذریعہ تلاش کر لیا ہوگا۔''

وہ پھر گاڑی میں جا بیٹھے۔

❁

شہزاد تنہا نہیں تھی۔ اس کے ساتھ دو باڈی گارڈ بھی تھے لیکن کسی کو بھی علم نہ ہوسکا کہ بچھو کہاں سے آیا تھا۔ ذرا حالت سدھرنے پر وہ پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ کلب کا سیکرٹری سامنے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

''آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہیں۔'' اس نے سیکرٹری سے نرم لہجے میں کہا۔ ''بچھو کہیں باہر سے میرے ساتھ آیا تھا۔ یہاں آنے سے قبل میں کچھ دیر شاہی باغ کے لان میں بھی بیٹھی تھی۔''

''پھر بھی میں شرمندہ ہوں مادام۔'' سیکرٹری گڑگڑایا۔

''کیپٹن حمید کہیں نظر نہیں آتے۔'' وہ چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ''دراصل اس وقت کیپٹن ہی نے میری جان بچائی تھی۔''

''میں نے تو نہیں دیکھا۔''

''خیر.....!'' وہ طویل سانس لے کر بولی۔ ''اسے بھول جایئے؟''

''میں تو آپ کی عنایت سے بھول ہی جاؤں گا مادام.....! لیکن صبح کے اخبارات ہائی سرکل کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں گے۔''

''آپ اس کی بھی فکر نہ کیجئے میرا جوابی بیان سب کو مطمئن کر دے گا۔''

''اب شاید میں چین سے سو سکوں۔'' سیکرٹری گلوگیر آواز میں بولا۔

وہ رخصت ہوگیا اور باڈی گارڈز شہزاد کی میز کے قریب کھڑے رہے اس سے قبل وہ قریب ہی والی ایک میز پر تھے اور شہزاد اپنی میز پر تنہا تھی۔

ان باڈی گارڈز میں سے ایک ریٹائرڈ فوجی تھا جسے دو دن پہلے ملازم رکھا گیا تھا۔ ٹھلیے جسم والے اس ادھیڑ عمر آدمی کا نام اشجع تھا۔ شہزاد اس وقت اسے ایسی نظروں سے دیکھ رہی تھی جیسے وہی ان سارے واقعات کا ذمہ دار ہو۔

''تم یہاں بیٹھ جاؤ۔'' دفعتاً اس نے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کر کے اشجع سے کہا اور دوسرے سے بولی۔ ''تم اپنی میز پر واپس جاؤ۔''

دونوں ہی نے حکم کی تعمیل کی تھی۔

''تمہیں آصف نے ملازم رکھا تھا.....!'' اس نے اس سے سخت لہجے میں سوال کیا۔

''یس مادام.....!'' اشجع نے بڑے ادب سے جواب دیا۔

''لیکن میں تمہارے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔''

''میں اپنے کاغذات ہر وقت ساتھ رکھتا ہوں۔''

''اس نے کیا کہہ کر تمہیں ملازم رکھا تھا۔''

''یہی کہ آپ کو کسی دشمن سے خطرہ ہے! لیکن کسی وجہ سے آپ پولیس سے نہیں رجوع کرنا چاہتیں۔''

''پھر تم کیا کر سکے؟ وہ بچھو کہاں سے آیا تھا.....!''

''خداوندا..... تو کیا.....؟'' اس کا منہ حیرت سے پھیل گیا۔

''ہاں..... وہ اسی دشمن کی حرکت تھی!''

''مادام.....!'' اشجع آگے جھک کر آہستہ سے بولا۔ ''اگر آپ مجھے اس کا نام اور پتہ بتا سکیں تو یہ قصہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔''

''کیا مطلب؟''

''صبح کے اخبارات میں آپ دیکھ لیں گی کہ اسے کس نے قتل کیا۔''

''وہ مکار ہے.....سامنے نہیں آتا...چھپ کر وار کرتا ہے۔اس کے صحیح پتے کا مجھے علم نہیں!''

''تب تو اس کے لیے کسی مکار ہی آدمی کا تعاون حاصل کرنا چاہیے۔ میں آپ کے لیے سینے پر گولی کھا سکتا ہوں لیکن زیادہ چالاک آدمی نہیں ہوں!''

''تو پھر تمہارا مصرف ہی کیا ہے۔اس وقت اگر محکمہ سراغرسانی کا ایک آفیسر اتفاقاً ادھر نہ آنکلتا تو اس خوفناک بچھو نے میرا کام تمام کر دیا ہوتا اور تم دونوں بیٹھے ہی رہ جاتے۔''

اشجع کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں وہ کسی گہری سوچ میں تھا۔کچھ دیر بعد وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔''پورے شہر میں صرف ایک ہی آدمی شاید آپ کا یہ کام نپٹا سکے۔''

''میں نہیں سمجھی.....!''

''آج کل وہ بھی بے کار ہے۔ملٹری انٹیلی جنس میں میرا آفیسر تھا حیرت انگیز قوتوں اور صلاحیتوں کا مالک ہے!''

''کیا وہ میری ملازمت قبول کر لے گا۔''

''کیوں نہیں؟ وہ بھی ریٹائرمنٹ کی زندگی بسر کر رہا ہے۔!''

''تو پھر اس سے رابطہ قائم کرو۔کیا نام ہے اس کا؟''

''فرغام۔کیپٹن فرغام.....!''

''اڑتالیس گھنٹے کے اندر اندر اگر میرا دشمن قابو میں نہ آیا تو مجھے ایک بہت بڑے خسارے سے دوچار ہونا پڑے گا۔ پہلے اس نے صرف بارہ گھنٹے کی مہلت دی تھی اب اڑتالیس گھنٹے دے کر اپنی بات منوانا چاہتا ہے!''

''وہ کیا چاہتا ہے مادام؟''

''مجھے بلیک میل کر رہا ہے.....لیکن میں اس کا مطالبہ پورا نہیں کر سکتی!''

''اوہو۔تب تو کیپٹن فرغام اپنے دس کام چھوڑ کر آپ کا کام کرے گا۔بلیک میلر سے نپٹنا اس کی ہابی ہے۔''

''جلد سے جلد.....اس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرو۔''

''بہت بہتر مادام!''

''مجھے کوٹھی پہنچا کر یہ کام کرنا۔''

''آخر ہم کہاں جا رہے ہیں۔'' حمید اکتا کر بولا۔

''ایک خاص خیال کے تحت ایک تجربہ کرنا ہے.....!'' فریدی نے کہا اور لنکن کی رفتار کچھ اور بڑھا دی۔

وہ اب شہر کے باہر تھے.....سڑک سنسان تو نہیں تھی.....لیکن اگر کوئی ان کا تعاقب کرتا تو وہ بہ آسانی اس سے باخبر ہو سکتے تھے۔

''کیا پچھلی گاڑیوں میں اپنے ہی آدمی ہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''ہاں مطمئن رہو!''

حمید نے اس تجربے کے بارے میں کچھ نہ پوچھا جس کا ذکر ابھی فریدی نے کیا تھا۔وہ سوچ رہا تھا کہ مناسب سمجھے گا تو خود ہی وضاحت کر دے گا ورنہ قبل از وقت اس سے کچھ معلوم کر لینا آسان کام نہیں.....خواہ مخواہ اپنی ہی بات گرے گی۔

''کیا ہماری منزل نیاگرا ہے۔'' اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

''ہاں۔ہم وہیں کھانا کھائیں گے!''

''کوئی خاص وجہ.....!''

''میرا خیال ہے کہ وہ تجربہ بھی وہیں ہو جائے گا۔''

''کیا خالی پلیٹیں چبانی پڑیں گی۔''

''ہم لوگ کسی منجن کے بیوپاری تو نہیں۔''

''اونہہ...! جہنم میں جائے۔اگر اس تجربے کا ایک جزو یہ ناہنجار بھی ہے تو خود ہی اپنی نعمت دریافت کر لے گا۔ابھی سے کیوں مرا جا رہا ہے۔''

''اب میں تمہیں کچھ دنوں کے لیے کسی ایسی جگہ بھجوا دوں گا جہاں دور دور تک کسی عورت کا پتہ نہ ہو۔''

''کیوں؟''

''بالکل عورتوں ہی کے سے انداز میں جلی کٹی باتیں کرنے لگے ہو۔ کسی دن اوئی اور نوچ بھی سن لوں گا!''

''موڈرن عورت اوئی اور نوچ نہیں بولتی۔ انگریزی بالکل نہ آتی ہو تب بھی امریکن لہجے میں اردو بولتی ہے۔''

''ہاں میں نے بھی سنا ہے!''

''اوہو۔ تب تو اب آپ بھی عورتوں کی طرف توجہ دینے لگے ہیں۔''

''ہر انوکھی چیز اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے۔''

''عورت خوبصورت ہو تو ہر قسم کا لہجہ برداشت کیا جا سکتا ہے۔''

''خوبصورت عورتیں دوسروں کو متوجہ کرنے کے لیے کوئی انوکھا پن اختیار نہیں کرتیں۔ ان کی خوبصورتی ہی کافی ہوتی ہے۔''

''کیا واقعی میری گردن کٹوا دینے کا ارادہ ہے۔'' حمید چونک کر بولا۔

''کیوں؟''

''اب مجھے غیر ضروری باتوں میں الجھا کر اس تجربے کی طرف دھیان ہٹا لینے پر آمادہ کر رہے ہیں۔''

''عورتوں ہی کی تو باتیں کر رہا ہوں۔''

''کبھی کبھی عورتیں بھی زہر لگنے لگتی ہیں۔''

''وہ کون سے مبارک مواقع ہوتے ہیں عید صاحب!''

''جب میں زندگی سے بیزار ہوتا ہے۔''

''کب آپ زندگی سے بیزار ہوتے ہیں۔''

''جب کوئی عورت نہیں ملتی۔''

''ایک ملی تو ہے پھر آپ کیوں بھاگے بھاگے پھر رہے ہیں۔''

''شہزاد.....!''

''ہاں..... ہاں..... کیا وہ تمہارے معیار کی نہیں۔''

''اسے آپ ہی شہزاد کہیے مجھے تو براعظم زاد معلوم ہوتی ہے.....!''

''عورت خوش ذوق ہے۔''

''ایک محبوب کے مرتے ہی دوسرے کی تلاش شروع کر دی۔''

''کیا یہ خوش ذوقی نہیں ہے حمید صاحب!''

''جناب عالی آپ نہ عورت ہیں اور نہ محبوب لہٰذا سوچ سمجھ کر بات کیجئے۔''

لنکن نیاگرا کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔ گاڑی پارک کر کے وہ عمارت میں داخل ہوئے۔ ڈائننگ ہال پوری طرح آباد تھا۔

''میں نے میز مخصوص کرا رکھی ہے۔'' فریدی نے دروازے کے قریب ہی رک کر کہا۔ ''ادھر بائیں جانب دیکھو..... دیوار کے پاس والی چوتھی میز پر ایک آدمی ہے!''

''اوں..... ہوں.....!'' حمید اسی سمت دیکھتا ہوا بولا ''ہے تو..... وہی نا..... جس کی پشت ہماری طرف ہے۔''

''وہی وہی۔ بس تم اس کے سامنے جا کر کھڑے ہو جانا اور میں اس میز پر جا رہا ہوں جو اپنے لیے مخصوص کرائی ہے۔''

''بہت اچھا.....!'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''میں سمجھا تھا شاید یہ تجربہ بھی کسی عورت ہی پر ہوگا۔''

فریدی کچھ کہے بغیر آگے بڑھ گیا..... حمید آہستہ آہستہ چلتا ہوا بائیں جانب والی چوتھی میز کے قریب پہنچا۔

اس آدمی کی پشت اب بھی اسی کی طرف تھی لیکن جیسے ہی حمید اس کے سامنے پہنچا وہ چونک پڑا۔ صورت جانی پہچانی سی تھی۔ مگر حمید کو یاد نہ آ سکا کہ اس نے پہلے اسے کہاں دیکھا تھا۔ اس نے اس کے چہرے پر خوف کے آثار محسوس کیے۔

''اوہ..... کیپٹن..... پلیز بی سیٹڈ.....!'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''شکریہ.....!'' حمید خشک لہجے میں بولا اور اس کے سامنے ہی بیٹھ گیا۔

اس آدمی کی انگلیوں میں سگریٹ لرز رہا تھا ایسا لگتا تھا جیسے وہ بہت زیادہ نروس ہو گیا ہو..... حمید خاموش بیٹھا اسے گھورتا رہا..... اچھی خاصی جسامت کا آدمی تھا..... قویٰ بھی مضبوط

لگتے تھے۔ عمر پچاس اور ساٹھ کے درمیان رہی ہوگی۔ وجیہہ بھی تھا۔

''مم..... میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ لوگ میری دشواری کو سمجھتے کیوں نہیں۔'' بالآخر وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

''ہم دوسروں کی دشواریوں کو سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔'' حمید نے لہجے کی خشکی برقرار رکھی۔

''تو پھر کم از کم مجھے خودکشی ہی کرنی پڑے گی۔''

''یہ آپ کا ذاتی معاملہ ہے!''

''میں کہتا تو ہوں کہ یہ معاملہ میرے پارٹنرز کی رضامندی کے بغیر طے نہیں ہوسکتا۔ ویسے میں ذاتی طور پر اتنا ہی کرسکتا ہوں کہ یہاں کچھ خدمت کردوں۔''

''پارٹنرز کو رضامند کیجئے!''

''ان میں سے ایک جاپان چلا گیا ہے۔''

''کب تک واپسی ہوگی۔''

''یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔''

''تو پھر..... کام کیسے چلے گا۔''

''آپ ہی کوئی مفید مشورہ دیجئے۔''

حمید خاموش ہوگیا۔ ابھی تک یوں ہی اندازے سے اوٹ پٹانگ ہانکتا رہا تھا لیکن اب بات کسی ایسے مشورے کی آپڑی تھی جو خود اسے دینا تھا لیکن کس سلسلے میں؟ اس آدمی کی گفتگو سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے حمید بھی اس مسئلے سے کماحقہ واقفیت رکھتا ہو جو اس کے لیے الجھن کا باعث بنا ہوا تھا۔

''بات دراصل یہ ہے کہ میں اس سلسلے میں کوئی ذاتی رائے نہیں رکھتا۔'' حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔

''بہرحال اتنی مہلت تو ملنی چاہیے کہ میرا پارٹنر جاپان سے واپس آجائے!''

''اچھی بات ہے۔ اس پر غور کیا جائے گا۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

اس آدمی نے رسماً ہی اسے ایک کپ چائے کو بھی نہ پوچھا۔ وہاں سے ہٹ کر حمید نے

فریدی کی تلاش شروع کر دی لیکن وہ ڈائننگ ہال میں تو نہیں تھا۔ تھک ہار کر باہر نکلا اور پارکنگ شیڈ کی طرف چل پڑا۔ یہاں نہ لنکن دکھائی دی اور نہ ہی دونوں گاڑیاں جو ان کے عقب میں آئی تھیں۔

''یہ کوئی تجربہ تھا..... یا مسخرہ پن۔'' حمید جھنجھلاہٹ میں بڑبڑایا۔

بہرحال وہ سوچ رہا تھا کہ اس سلسلے میں فریدی کا خیال سچ نکلا۔ غالباً سنگ اس آدمی کو بلیک میل کر رہا تھا لیکن وہ اپنے پارٹنر کی عدم موجودگی میں اس کا کوئی مطالبہ پورا نہیں کرسکتا۔ سوال تو یہ ہے کہ فریدی اسے یہاں کیوں چھوڑ گیا۔ کیا ابھی تجربہ پورا نہیں ہوا۔

''تجربہ..... ہونہہ.....!'' وہ بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑایا اور پھر ڈائننگ ہال کی طرف چل پڑا..... رات کے نو بج گئے تھے بھوک بھی لگ رہی تھی۔

جیسے ہی ہال میں داخل ہوا..... ایک ویٹر نے بڑے ادب سے آگے بڑھ کر ایسی میز کی طرف اس کی رہنمائی کی جس پر ریزرویشن کارڈ پڑا ہوا تھا۔

ہوں تو یہ وہی مخصوص میز ہے اس نے سوچا اور بیٹھ کر مینو دیکھنے لگا اور پھر سر اٹھایا تو روح فنا ہوگئی۔ قاسم قریب ہی کھڑا اسے اس طرح گھورے جا رہا تھا جیسے حمید اس سے منہ چھپائے پھر رہا ہو۔

''تشریف رکھئے.....!'' حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

''اب تو تمہاری ہی کھوپڑی پر تشریف رکھنی ہے۔'' وہ کرسی کھینچتا ہوا بولا۔ ''گھر سے نکال دیا غیا ہوں۔''

''بہت دیر میں نکالے گئے۔''

''ٹھینگے سے..... ہائی سرکل سے تمہارا پیچھا قرتا ہوا آرہا ہوں۔ جیب میں ایک پائی نہیں ہے..... بھوخ کے مارے دم نکلا جا رہا ہے۔''

''کیا مطلب!''

''گاڑی میں پٹرول بھی ختم ہونے والا ہے!''

''کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟''

''ہاں تمہارے علاوہ اب قوئی سہارا نہیں.....!''

''او بھائی قاسم.....کیا تم مجھے بھی کوئی سرمایہ دار سمجھتے ہو!''

''فکر نہ قرو....قبلہ والد صاحب کے مرنے تے بعد پائی پائی ادا قروں غا۔''

''اور اگر میں پہلے مر گیا۔''

''خدا کرے ابھی مر جاؤ تا کہ میں تمہاری جیب سے بٹوا پار کر لے جاؤں!''

حمید نے ویٹر کو مطلوبہ اشیاء کی فہرست لکھوائی اور قاسم کو منہ چلاتے دیکھتا رہا۔ کھانے کے دوران دونوں خاموش رہے تھے....وہ آدمی اب وہاں موجود نہیں تھا جس سے کچھ دیر پہلے حمید نے گفتگو کی تھی۔

''دنیا مطلب کی ہے.....!'' قاسم لمبی سی ڈکار لے کر بولا۔

''کیوں یہ کیوں کہا تم نے؟''

''اور قیا.....میرا خرچہ سر پڑ گیا تو منہ سے آواز ہی نہیں نقل رہی۔''

''کیوں بور کر رہے ہو۔'' حمید چڑ کر بولا۔ دراصل اس کا ذہن اس آدمی میں الجھا ہوا تھا۔ بل کی رقم ادا کر دینے کے بعد اس نے قاسم سے کہا۔ ''چلو تمہاری گاڑی میں پٹرول بھی ڈلوا دوں!''

قاسم اٹھ ہی رہا تھا کہ حمید نے اس کی باچھیں کھلتی دیکھیں جس سمت وہ دیکھ رہا تھا ادھر نظر اٹھی تو دو لحیم شحیم عورتیں نظر آئیں۔

وہ انہی کی طرف آ رہی تھیں قریب پہنچیں تو قاسم کی ہی ہی ہی شروع ہو گئی۔

''ڈارلنگ.....!'' دونوں بیک وقت بولیں۔ ''سارا زمانہ چھان مارا تمہارے لیے...اور تم یہاں چھپے بیٹھے ہو۔''

قاسم کی ''ہی ہی ہی'' کسی طرح رکنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔ کبھی حمید کی طرف دیکھتا تھا.....اور کبھی ان دونوں کی طرف۔

اچانک ہال میں اندھیرا ہو گیا....شاید وہاں کا برقی نظام معطل ہو گیا تھا۔ اسی دوران میں کسی نے حمید کے سر پر کوئی وزنی چیز ماری اور اس کا ذہن بھی فوری طور پر اندھیرے میں ڈوب گیا۔

لفافوں کا راز

رات کے تین بجے تھے۔ جب اشجع نے اسے شہزاد کے سامنے پیش کیا۔

کیپٹن فرغام خوفناک چہرے والا ایک قوی ہیکل آدمی تھا.....خوف کی ٹھنڈی سی لہر شہزاد کے جسم میں دوڑ گئی.....ایسی خوفناک آنکھیں پہلے کبھی نہ دیکھی تھیں۔ اس کی سٹی گم ہو گئی.....بالآخر جی کڑا کر کے اتنا ہی کہہ سکی۔ ''آپ میرے لیے کیا کر سکیں گے؟''

''حالات معلوم ہونے پر جو مناسب سمجھوں گا کروں گا.....!'' فرغام نے جواب دیا۔ اس کی آواز بھی ڈراؤنی تھی۔

''بلیک میلنگ کی وجہ تو نہیں بتائی جا سکتی۔'' شہزاد کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

''وہ میں پوچھوں گا بھی نہیں۔ مجھے اس سے کیا سروکار ہو سکتا ہے!''

''یہ بہت اچھی بات ہے۔'' شہزاد طویل سانس لے کر بولی۔

''معاملے کی نوعیت سمجھنے کے بعد ہی میں کام کا معاوضہ بھی بتاؤں گا....کیا ہماری گفتگو کے دوران میں اشجع کی موجودگی ضروری ہے۔''

''نن.....نہیں.....!''

''تو پھر تم جاؤ۔'' فرغام نے اشجع کی طرف ہاتھ ہلا کر کہا۔

اشجع نے شہزاد کی طرف دیکھا جس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ فرغام کے ساتھ تنہا رہ جانا پسند نہیں کرے گی۔

دفعتاً وہ بولی۔ ''جتنا کچھ اشجع جانتے ہیں اس سے زیادہ میں آپ کو بھی نہ بتا سکوں گی۔''

''یہ دوسری بات ہے۔'' فرغام نے لاپرواہی سے کہا۔ ''خیر ہاں تو بتائیے کہ مجھے کیا کرنا پڑے گا۔''

''میں اس کا مطالبہ پورا نہیں کر سکتی....لیکن یہ بھی نہیں چاہتی کہ میرا ایک راز اس کی ذات سے آگے بڑھے۔''

''خطوط یا کسی قسم کی دستاویز کا معاملہ ہے۔''

''نہیں۔ بس ایک راز ہے۔''

فرغام نے استفہامیہ نظروں سے اشجع کی طرف دیکھا اور شہرزاد سے بولا۔ ''میں تنہائی میں گفتگو کرسکوں گا۔''

''اچھا تم باہر ٹھہرو.....!'' شہرزاد نے اشجع سے کہا.....اور وہ برآمدے میں چلا گیا۔

''قتل کے بیس ہزار ہوں گے۔'' فرغام آہستہ سے بولا۔

''قتل.....قتل.....!'' شہرزاد کے حلق میں پھندا سا پڑ گیا۔

''آپ کا راز اس کے ساتھ ہی دفن ہو جائے گا۔''

شہرزاد فوراً ہی کچھ نہ بولی۔ اس کی پیشانی پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں جھلکنے لگی تھیں۔

''اگر منظور ہو تو اس کا اتہ پتا بتایئے.....اب مجھے نیند آرہی ہے۔''

''دس منٹ کے اندر اندر آپ کے لیے کمرہ ٹھیک کر دیا جائے گا۔''

''وہ تو ٹھیک ہے.....لیکن میں اس آدمی کے بارے میں جاننے کیلئے بے چین ہوں۔''

''وہ مقامی آدمی معلوم نہیں ہوتا۔''

''کوئی بھی ہو مجھے صرف نام اور پتہ چاہیے۔''

شہرزاد نے اپنا وینٹی بیگ کھول کر ایک وزیٹنگ کارڈ نکالا اور اسے اس کے سامنے ڈالتی ہوئی بولی۔ ''اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں جانتی۔''

اس کارڈ پر ایک طرف سنگ ہی کی تصویر تھی اور دوسری طرف زرد فتنہ تحریر تھا۔

''ارے..... یہ زرد فتنہ.....کل یا پرسوں کے اخبار میں اس کا ذکر تھا۔ کسی قتل کے سلسلے میں.....اوہو ٹھیک اشجع نے آپ کے سیکرٹری کے قتل کے بارے میں بھی بتایا تھا۔''

''ہاں.....میرا خیال ہے یہی شخص آصف کا بھی قاتل ہے!''

''یہ شخص.....!'' فرغام نے ڈراؤنا سا قہقہہ لگایا۔

''ہاں.....لیکن تم ہنس کیوں رہے ہو۔''

''کاش آپ نے کل شام کو اسے دو طوائفوں کے ہاتھوں پٹتے دیکھا ہوتا۔''

''میں نہیں سمجھی آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔'' شہرزاد نے کسی قدر ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''یہ ایک لوفر سا چینی ہے۔''

''ہاں مجھے بھی چینی ہی معلوم ہوتا ہے لیکن اہل زبان کی طرح اردو بولنے پر قادر ہے۔''

''کیا آپ اس سے مل چکی ہیں۔''

''ہاں.....! ایک بار۔''

''رہتا کہاں ہے؟''

''یہ مجھے نہیں معلوم۔''

''خیر آپ فکر نہ کیجئے.....میں پتہ بھی معلوم کرلوں گا.....ورنہ طوائفوں کے محلے میں تو مل ہی جائے گا۔ بہرحال تو آپ کو بیس ہزار منظور ہیں۔''

''یقیناً میں بیس ہزار دے سکوں گی لیکن میں آپ کو ایک خطرے سے بھی آگاہ کر دوں۔''

''وہ کیا ہے!''

''اسے کرنلفریدی کی حمایت حاصل ہے!''

''نہیں.....!'' فرغام بے ساختہ چونک پڑا۔

''یقین کیجئے.....!''

''دیکھئے محترمہ..... میں اس پر کسی طرح یقین نہیں کر سکتا کہ کرنل فریدی کسی مجرم کی پشت پناہی کرے گا؟''

''اچھی بات ہے! تو سنیے کہ میں کس بناء پر ایسا کہہ رہی ہوں۔'' شہرزاد نے کہا اور کیپٹن حمید کی کہانی دہرانے لگی۔

اس کے خاموش ہوتے ہی فرغام بے اعتباری سے ہنسا تھا.....!

''کیوں۔ کیا مطلب؟''

''محترمہ..... یہ اچھی خاصی داستان امیر حمزہ ہے.....ارے یہ مفلوک الحال چینی..... ہول ولاقوۃ.....شاید آپ نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔''

''میں کچھ نہیں جانتی۔'' شہرزاد جھنجھلا کر بولی۔ ''اگر آپ میرا کام کرسکیں تو بیس ہزار حاضر ہیں۔''

''پانچ ہزار ایڈوانس..... حالات کا پوری طرح جائزہ لینے کے بعد بقیہ پندرہ ہزار بھی

پیشگی ہی لوں گا۔''

''یہ غلط ہے۔ دس ہزار پہلے اور بقیہ دس ہزار کام کے بعد..... میں ایک باعزت فرد ہوں اپنے وعدے سے نہیں پھروں گی۔''

''اچھا یہی سہی!''

❁

کیپٹن حمید کی آنکھ کھلی تو خود کو ایک آرام دہ بستر پر پایا۔ قریب ہی ایک بوڑھی عورت کھڑی اسے گھورے جا رہی تھی۔ وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔

''لیٹے رہو..... میرے پیارے..... ایسی بھی کیا بدحواسی۔'' بڑھیا مسکرا کر بولی۔

''کیا بکواس ہے..... تم کون ہو.....!'' حمید بھنا کر بولا۔

''اخاہ..... اب مجھ بھی نہ پہچانو گے۔ پچھلے سال ہماری شادی نیویارک میں ہوئی تھی۔''

''میرے دادا جان سے.....!''

''آنکھیں نکال لوں گی..... اگر بدکلامی کی۔ چلو اٹھو ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ کوئی کل ہی سیدھی نہیں۔''

حمید نے بڑی تیزی سے اپنی کھوپڑی سہلائی اور بستر چھوڑ دینا..... پچھلی رات کے واقعات یاد آ رہے تھے۔

''سنگ.....!'' اس نے طویل سانس لی اور بڑھیا کو گھورتا ہوا بولا۔ ''سنگ کہاں ہے.....!''

''یہ کیا چیز ہوتی ہے!''

''میں سنگ ہی کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔''

''کس زبان میں پوچھ رہے ہو؟''

''بھاگ جاؤ.....!'' وہ گھونسا تان کر اس کی طرف جھپٹا اور وہ چیختی چلاتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

حمید بھی اس کمرے سے نکل آیا..... یہ ایک طویل راہداری تھی جس کی دونوں اطراف

میں دروازے اور کھڑکیاں نظر آ رہی تھیں۔

وہ چاروں طرف دوڑتا پھرا لیکن نہ تو وہاں کوئی دکھائی دیا اور نہ باہر ہی نکل جانے کی کوئی سبیل نظر آئی..... البتہ ایک کمرے میں ناشتے کی میز تیار ملی۔

''سنگ کہاں ہو سامنے آؤ.....!'' وہ حلق پھاڑ کر چیخا لیکن صرف اپنی آواز کی گونج ہی سنی۔

گھڑی سات بجا رہی تھی..... اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے..... آخر تھک ہار کر ناشتے کی میز پر ہی جمنا پڑا۔

آخر اتنی جلدی بڑھیا کہاں غائب ہو گئی..... وہ سوچتا رہا۔ اب سنگ کا کھیل پوری طرح اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔

اس کا ہمشکل سب سے پہلے قاسم پر آزمایا گیا تھا اور قاسم دھوکہ کھا گیا تھا۔ اس طرح اس کے سلسلے میں سنگ نے پوری طرح اطمینان کر لینا چاہا تھا۔ ظاہر ہے کہ قاسم سے زیادہ موزوں اس کے لیے کون ہوتا کیونکہ وہ اس سے بہت زیادہ قریب تھا جب وہی اسے حمید سمجھ بیٹھا تھا تو جنہوں نے اسے دور ہی دیکھا ہو گا۔ کیوں نہ دھوکہ کھا جائیں گے۔ پچھلی رات نیاگرا میں اس اجنبی سے جو گفتگو ہوئی تھی۔ حرف بحرف یاد آ گئی..... اس سے یہی ثابت ہوتا تھا کہ وہ پہلے بھی نقلی کیپٹن حمید سے اس سلسلے میں گفت وشنید کر چکا ہے۔

فریدی اسی دوران نیاگرا سے غائب ہو چکا تھا۔ اسکا یہ مطلب ہے کہ اس نے بہرحال اس پر نظر رکھی ہو گی..... وہ سوچتا رہا..... لیکن پھر اس قسم کا دوسرا وقوعہ یاد آیا اور وہ مایوس ہو گیا۔

فریدی اس بار بھی سنگ تک نہیں پہنچ سکا..... سنگ ہی مقصد براری کے بعد اسے اور شہزاد کو خود ہی چھوڑ بھاگا تھا..... ان دونوں کے اغوا کے سلسلے میں سنگ نے جو تکنیک شہزاد کی کوٹھی میں اختیار کی تھی وہی نیاگرا میں بھی بروئے کار لایا تھا۔ پتہ نہیں کتنی دیر تک ہال میں اندھیرا رہا ہو..... فریدی نے پوری عمارت کی ناکہ بندکرا نہ رکھی ہو گی۔

وہ ناشتے کی میز سے اٹھ کر پھر اسی کمرے میں آیا جہاں بیدار ہوا تھا۔

اس بار بھی اس کیلئے نئے پائپ اور پرنس ہنری کے تمباکو کا اہتمام کیا گیا تھا۔ تمباکو کے ڈبے کے نیچے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نظر آیا..... حمید نے اسے کھول کر دیکھا تحریر اسی کی تھی۔

پیارے حمید!

اس بار میری میزبانی کی مدت مختصر نہ ہوگی کیوں کہ تم لوگ میری اسکیم سے باخبر ہو چکے ہو۔ اس معاملے سے نپٹنے کے لیے جب دوبارہ زیرو لینڈ کے قیدیوں کی طرف توجہ دوں گا تو تم دونوں سے بھی نپٹ لوں گا۔ فی الحال تو تم دونوں ہی میرا آلہ کار رہو۔ بوڑھی عورت کی چیر خانی سے تمہاری طبیعت مکدر ہو چکی ہوگی.... اس لیے اب آرام کرو! بے فکر رہو۔

تمہارا سب سے زیادہ خیر اندیش

''سنگ''

اس تحریر کا مطلب تھا کہ خود سنگ عمارت میں موجود نہیں ورنہ سامنا کرنے میں کیا دشواری ہو سکتی تھی۔

حمید تمباکو کاٹن کھول کر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

❁

قاسم کو بے حد خوشی تھی کہ حمید نے بالکل چپ سادھ لی ہے۔ پچھلی رات نیاگرا کی لائٹ فیل ہوئی تھی تو اس نے سوچا تھا.... کاش کسی طرح اس اندھیرے میں ان دونوں عورتوں کے ساتھ چپ چاپ باہر نکل جاتا اور حمید کو خبر نہ ہو سکتی لیکن اس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی تھی.... ہوتی بھی کیونکر.... اندھیرا گھپ تھا۔

اتنے میں کسی نے با آواز بلند درخواست کی تھی کہ لوگ اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے رہیں۔ جنریٹر کی خرابی فوراً دور کر دی جائے گی۔

لیکن اس میں بھی پانچ چھ منٹ لگ گئے تھے۔ روشنی ہوئی تھی اور قاسم کسی چندھیائے ہوئے چوپائے کی طرح چاروں طرف دیکھنے لگا تھا۔

حمید پر نظر پڑی تھی اور اس کے منہ سے خون کی بوندیں ٹپکتی دیکھ کر بوکھلا گیا تھا۔

حمید نے اشارے سے بتایا کہ وہ اندھیرے میں کسی سے ٹکرا گیا تھا زبان کٹ گئی ہے۔ لہٰذا وہ بول نہیں سکتا۔

پھر عورتیں اسے بھی ساتھ لے کر نیاگرا سے باہر نکل آئی تھیں۔

وہ اسے اور قاسم کو اپنے گھر لے جانا چاہتی تھیں..... لیکن قاسم سوچ رہا تھا کہ کہیں حمید کوئی گھپلا نہ کر دے۔

وہ انہیں اپنی ہی گاڑی میں لے گئی تھیں۔ قاسم کی گاڑی وہیں چھوڑ دی گئی تھی۔

دوسری صبح قاسم جاگا تو اسے یاد آیا کہ ان کے ڈرائینگ روم میں بیٹھ کر اس نے کافی پی تھی..... اور نیند کے مارے صوفے پر ہی ڈھیر ہو گیا تھا اور اب بھی اسی صوفے پر پڑا ہوا تھا..... حمید نیچے فرش پر نظر آیا۔ وہ ابھی جاگا نہیں تھا..... قاسم نے اٹھ کر اسے جھنجھوڑا۔

''اے ہم دونوں چگد ہیں..... اب اٹھو بھی۔''

حمید اٹھ بیٹھا اور بوکھلائے ہوئے انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔

''شاید سالیوں نے کافی میں کچھ ملا دیا تھا۔'' قاسم جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

حمید نے بے بسی سے اپنی زبان دکھائی..... اور قاسم سے بتایا کہ بول نہیں سکتا۔

''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں اس قابل ہی نہ رکھا کہ میری جندگی میں زہر گھول سقو۔''

اتنے میں وہ دونوں بھی آ گئیں اور ان کے اس طرح سو جانے پر ان کا مضحکہ اڑانے لگیں۔

''یہ بڑا منحوس آدمی ہے۔'' قاسم حمید کی طرف ہاتھ اٹھا کر دھاڑا۔ ''کچھ نہیں بولتا تب بھی میری تقدیر پھوٹ جاتی ہے۔''

دونوں حیرت سے حمید کی طرف دیکھنے لگیں۔ حمید مسکرا رہا تھا۔

''ہاں..... ہاں جلاؤ سالے مجھے کھاموشی سے جلاؤ۔'' قاسم دانت پیس کر بولا۔

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی اور ایک عورت نے ریسیور اٹھا لیا..... پھر ماؤتھ پیس ہاتھ میں لے کر حمید کی طرف مڑی۔

''آپ کا فون ہے کپتان صاحب!''

حمید نے قاسم کو کال ریسیو کرنے کا اشارہ کیا..... وہ کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ اس پر آمادہ ہو گیا تھا۔

دوسری طرف سے بولنے والے کی آواز سن کر اس کے چہرے پر زلزلہ سا طاری ہو گیا..... ''جج..... جی ہاں.....وہ پچھلی رات..... نیاغرا کی بجلی فیل ہو گئی تھی.... گر پڑے زبان دانتوں میں دب کر کٹ گئی ہے..... بول نہیں سکتے حمید بھائی.... جی.... جی..... جی.... بہت اچھا.....سلاما لیقم۔''

ریسیور رکھ کر وہ اس طرح ہانپنے لگا تھا.....جیسے کسی سے دھینگا مشتی کر کے آرہا ہو۔

''وہ جانتے ہیں.....تمہارے والد صاحب کہ تم کہاں ہو.....!'' قاسم حمید کو گھورتا ہوا زہریلے لہجے میں بولا۔ ''پھر مایا ہے.....فوراً گھر پہنچو۔''

لیکن دوسرے ہی لمحے قاسم متحیر رہ گیا.....کیوں کہ حمید اس کے آگے ہاتھ جوڑے کھڑا تھا۔

پھر وہ عجیب سی گھوں گھوں کرتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''پیارے قاسم بھائی تم بھی میرے ساتھ چلو۔ ورنہ کرنل صاحب کو میری مجبوری کا یقین نہیں آئے گا..... میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں یہیں واپس بھجوا دوں گا۔''

''کیا حرج ہے چلے جاؤ۔'' ایک عورت قاسم کے بازو پر بڑے پیار سے ہاتھ پھیرتی ہوئی بولی۔ ''ہم دونوں یہیں تمہارے منتظر رہیں گے۔''

اس کے بعد الگ لے جا کر آہستہ سے کہا تھا۔ ''جتنی جلدی یہ یہاں سے دفع ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے۔ ہم آزادی سے وقت گزار سکیں گے۔''

''بہت اچھا.....بہت اچھا.....!'' قاسم کی باچھیں کھل گئیں۔

وہ حمید کو گھر پہنچانے کے لیے تیار ہو گیا۔

❁

حمید کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ اس بار اس کی گرفتاری کے ڈرامے کے بعد کیا گل کھلنے والا ہے.....دوپہر اس نے سو کر گزاری تھی.....شام کو اٹھا تو سرہانے ایک پرچہ رکھا ہوا ملا

تھا۔ تحریر تھا۔ ''ناشتے کے لیے اسی کمرے میں پہنچو جہاں دوپہر کا کھانا کھایا تھا۔''

ہدایت کے مطابق کچھ دیر بعد وہ اس کمرے میں پہنچا تھا.....شام کی چائے میز پر لگی ہوئی تھی۔

لیکن چائے کی پیالی ختم کرنے کے بعد ایک بار پھر اس کا ذہن تاریکی میں ڈوب گیا۔

دوسری مرتبہ آنکھ کھلنے سے قبل ہی پورے جسم میں شدید تکلیف کا احساس ہوا۔

وہ کرسیوں پر رسیوں سے جکڑا ہوا تھا.....بندش اتنی سخت تھی کہ پورا جسم دکھنے لگا تھا۔

بہت بڑا کمرہ تھا.....جس میں تیز روشنی پھیلی ہوئی تھی.....ایک بڑی میز کے سامنے متعدد خالی کرسیاں پڑی نظر آئیں۔

میز کی دوسری طرف سنگ ہی ایک اونچی پشت گاہ والی کرسی پر براجمان تھا کسی چھوٹی موٹی عدالت ہی کا سا ماحول لگ رہا تھا.....سنگ حمید کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہوا بولا۔ ''گڈ ایوننگ مائی ڈیئر کیپٹن حمید.....تم تنہا نہیں رہو گے۔ لازم وملزوم اکٹھا ہوں گے۔''

''کیا مطلب!''

''تمہارا ہمشکل تمہارے سرپرست کرنل فریدی پر قابو پا چکا ہے۔ لہٰذا وہ بھی آیا ہی چاہتا ہے!''

''یہ ناممکن ہے۔''

''تم دیکھ ہی لو گے.....! اس بار کرنل فریدی کی ساری ہوش مندی رکھی رہ گئی اس کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو سکا ہو گا کہ کب تم نیاگرا سے اٹھائے گئے اور کب تمہاری جگہ تمہارے ہمشکل نے لے لی۔''

حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑے رہ گیا۔

سنگ قہقہہ لگا کر بولا۔ ''آج شاید پہلی بار تم دونوں اپنی بے بسی پر رو پڑو۔ کیوں کہ تمہارے سامنے ہی میں تمہارے ملک کے دس بہت بڑے دولت مند لوگوں سے اپنے مطالبات پورے کراؤں گا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ اس کا دل بڑی شدت سے دھڑکنے لگا تھا۔ کنپٹیوں پر ہتھوڑے سے پڑ رہے تھے۔

دفعتاً بائیں جانب والا دروازہ کھلا اور ایک آدمی اندر داخل ہوا۔

''اوہ .....!'' حمید نے بمشکل خود پر قابو پایا تھا۔ حیرت کا اظہار صرف ''اوہ'' تک محدود رہ گیا۔

اپنی اتنی کامیاب نقل دیکھ کر سکتے میں آ گیا تھا..... بالکل ایسا ہی لگتا تھا جیسے اس کا عکس کسی آئینے میں چل پھر رہا ہے۔

''کیا خبر ہے؟'' سنگ نے اس سے پوچھا۔

''فتح.....! اس کا تابوت آ رہا ہے.....کافی کی پیالی میں آپ کے دیئے ہوئے امرت کا ایک ہی قطرہ کافی ثابت ہوا تھا۔''

''گھر پر ہی.....!''

''جی ہاں.....!''

''شاباش.....!''

اتنے میں چار آدمی ایک لمبا سا چوبی صندوق کاندھوں پر اٹھائے ہوئے اندر آتے دکھائی دیئے۔

کچھ دیر بعد اس میں سے ایک بے ہوش آدمی نکال کر حمید کے برابر والی کرسی پر بٹھا دیا گیا اور اس کے ہاتھ پیر بھی رسی سے جکڑ دیئے گئے۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا ہو گا کیونکہ وہ فریدی ہی تھا اور اس پر اتنی گہری بے ہوشی طاری تھی کہ رسیوں سے جکڑے جاتے وقت بھی اس کی آنکھیں نہیں کھلی تھیں۔

''بس اب تم شہزاد کو دیکھو۔'' سنگ نے حمید کے ہمشکل سے کہا۔

''سنگ.....!'' حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔

''چیخو.....چیخو.....!'' سنگ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''ابھی سے انرجی ضائع نہ کرو ابھی تو تمہیں بہت کچھ دیکھنا ہے۔''

شہزاد غصے میں بھری ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور اس کا باڈی گارڈ اشجع کرسی پر اٹھ گیا۔

''تمہاری باتوں میں آ کر میں تو ڈوب گئی کہیں تم بھی اس بلیک میلر کے ساتھیوں میں تو نہیں ہو!''

''کیا بات ہے مادام!''

''تمہاری باتوں میں آ کر میں نے کیپٹن فرغام پر اعتبار کر لیا ورنہ میں کوئی دوسرا راستہ نکالتی۔''

''اس نے وعدہ کیا ہے تو آپ کا نقصان نہیں ہونے دے گا۔''

''تو وہ کہاں مر گیا۔ جانتے ہو ڈرائینگ روم میں کیپٹن حمید میرا منتظر ہے مجھے اس بلیک کے پاس لے جائے گا.....اور مجھے اس کا مطالبہ پورا کرنا پڑے گا۔''

''مجھے بڑی حیرت ہے! سچ مچ یہ کیپٹن حمید۔ آپ ان کے اوپر والوں سے کیوں نہیں ع کرتیں۔''

''اس طرح میری اپنی گردن کٹ جائے گی۔'' وہ دانت پیس کر بولی۔

''تم لوگوں کو حرامخوری کے لیے نہیں رکھا گیا!''

''میں معافی چاہتا ہوں مادام.....مجھے حالات کا علم نہیں تھا اس لیے ایسی نامناسب ت زبان سے نکل گئی تھی۔''

''اسے جہنم میں جھونکو۔ اب اسکے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں کہ میں ایک بہت بڑا خسارہ داشت کروں..... مجھے کیپٹن حمید کے ساتھ تنہا جانا پڑے گا۔ تم لوگ بیٹھے منہ دیکھتے رہنا!''

''کہیے تو ابھی کیپٹن حمید کو گولی مار دوں۔'' اشجع نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''فضول بات.....! اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ مجھے جانا ہی پڑے گا.....اور اب تم لوگ میرا تعاقب کرنے کوشش نہ کرنا۔''

''یہ کیوں مادام!''

''اس نے دھمکی دی ہے کہ اگر تعاقب کا شبہ بھی ہوا تو مجھے سچ مچ پولیس کے حوالے کر

دیا جائے گا۔''

''کیسی بے بسی ہے۔'' اشجع نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''لیکن میں کیپٹن فرغام کی طرف سے اب بھی مایوس نہیں۔''

''ہونہہ کیپٹن فرغام.....!'' اس نے برا سا منہ بنا کر کہا اور کمرے سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آئی جہاں اس کی دانست میں کیپٹن حمید اس کا منتظر تھا۔

رات کے دس بجے تھے.....وہ اپنی گاڑی لایا تھا اور شہزاد کو اسی کے ساتھ بیٹھ جانا تھا۔

پندرہ بیس منٹ بعد گاڑی ایک عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ غیر آباد علاقہ تھا۔ عمارت ابھی زیر تعمیر تھی۔

شہزاد جانتی تھی کہ یہ عمارت ایک جنگ فیکٹری کے لیے بنائی جا رہی ہے وہ اس کے مالک سے بھی واقف تھی۔

کیپٹن حمید اسے ایک کمرے میں بٹھا کر چلا گیا.....اور پھر شاید ایک منٹ بعد ہی ایک مسلح چینی نے کمرے میں داخل ہو کر کہیں اور چلنے کا اشارہ کیا تھا۔

وہ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اٹھی اور اس کے ساتھ چلنے لگی۔ چینی نے اپنے ہاتھوں میں ہلکی مشین گن سنبھال رکھی تھی۔

وہ اسے ایک بڑے کمرے میں لایا.....شہزاد کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ کیونکہ یہاں بہت تیز روشنی تھی اور پھر اس کے اوسان خطا ہو گئے.....اسی کے طبقے کے نو افراد بلیک میلر کے سامنے مؤدب بیٹھے تھے اور دسویں کرسی خالی تھی۔ دائیں جانب نظر پڑی تو کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کرسیوں سے بندھے نظر آئے۔

''مادام شہزاد۔'' بلیک میلر اپنی کرسی سے اٹھتا ہوا.....''زہے نصیب تشریف رکھئے!''

''ہوں۔ بیٹھ ہی جاؤں گی۔'' شہزاد یک بیک بپھر کر بولی۔ ''لیکن اس کا کیا مطلب ہے!'' اس نے فریدی اور حمید کی طرف اشارہ کیا تھا۔

''یہ دونوں بے حد شریف آدمی ہیں.....چاہے جان چلی جائے اپنی قوم سے غداری نہیں کر سکتے!''

''پھر.....!''

''یہ میری حکمت عملی تھی کہ تم لوگ زیادہ سے زیادہ مرعوب ہو سکو ایک کو میں نے معاف کر دیا کیونکہ اس کا ایک پارٹنر یہاں موجود نہیں اور آپ سب یاد رکھیے کہ کرنل فریدی معاملے کی تہہ تک پہنچ چکا ہے.....ورنہ وہ اس آدمی کو ہرگز نہ آزماتا۔ بہرحال مادام شہزاد میں آپ کی پریشانی رفع کیے دیتا ہوں۔''

سنگ نے خاموش ہو کر تالی بجائی اور دائیں جانب کے دروازے سے کیپٹن حمید کا ہمشکل کمرے میں برآمد ہوا۔

وہ سب متحیرانہ انداز میں اٹھ کھڑے ہوئے۔

''بیٹھئے.....بیٹھئے.....!'' سنگ ہاتھ ہلا کر سرد لہجے میں بولا۔ ''مادام شہزاد کے علاوہ اور سب سے یہی رابطہ قائم کرتا رہا تھا۔ مادام شہزاد کے سلسلے میں کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کو اس لیے الجھانا پڑا تھا کہ مادام شہزاد مجھ سے مرعوب ہو جانے کی بجائے مجھے قتل کرا دینے پر اتر آئی تھیں.....ورنہ یہ بے چارے تو اللہ میاں کی گائے ہیں.....اچھا بس.....اب آپ سب اپنے اپنے لفافے.....یہاں میز پر رکھ جائیے!''

وہ ایک ایک کر کے اٹھتے اور مخصوص قسم کے لفافے اس کے سامنے رکھتے رہے۔

کمرے کی فضا پر گہری خاموشی مسلط تھی۔

دفعتاً سنگ بلند آواز سے بولا۔ ''کرنل فریدی تم دیکھ رہے ہو۔''

''ہاں! میں دیکھ رہا ہوں.....!'' فریدی کی نڈر اور گونجیلی آواز سے کمرے کی فضا مرتعش ہو گئی۔

''اور شاید یہ بھی جانتے ہو کہ ان لفافوں میں کیا ہے!''

''یہ بھی جانتا ہوں...!''

''سنا آپ لوگوں نے.....!'' وہ ان دسوں کی طرف مڑ کر بولا۔ ''اگر یہ دونوں بچ گئے تو آپ لوگوں کا کیا حشر ہوگا۔''

''نہیں نہیں۔'' ان کی زبان سے بیک وقت نکلا تھا۔

''اچھا تو پھر ان کے قتل کی قیمت پانچ لاکھ روپے مقرر کرتا ہوں۔ آپس میں چندہ کیجئے تاکہ یہ کانٹے بھی نکل جائیں۔''

''یہ زیادتی ہے۔'' شہزاد جھلا کر بولی۔ ''اب ہم کچھ نہ دے سکیں گے۔''

''اچھا تو آپ لوگ اپنے گھر جائیں اور یہ اپنے گھر.... میرا ان سے کوئی ذاتی جھگڑا نہیں ہے۔''

''ٹھہرو....!'' ان میں سے ایک نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''ہم آپس میں مشورہ کر کے جواب دیں گے۔''

''ضرور.... لیکن جلدی۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔''

وہ آپس میں کھسر پھسر کرنے لگے.... اور سنگ فریدی اور حمید کی طرف متوجہ ہو گیا تھا.... اس کے ہونٹوں پر مضحکہ اڑانے والی مسکراہٹ تھی۔

دفعتاً دو چیخیں فضا میں گونجیں اور دروازے کے قریب کھڑے ہوئے دونوں مسلح چینی منہ کے بل زمین پر آ رہے.... ان کی پشتوں پر خنجروں کے دستے نظر آ رہے تھے۔

سنگ اچھل کر کھڑا ہو گیا.... لیکن قبل اس کے کہ وہ سنبھل سکتا پشت والی دیوار کے روشندان سے ایک جال اس پر گرا.... اور پھر بڑی پھرتی سے اسے کھینچ لیا گیا۔

اب وہ جال میں پھنسا فضا میں جھول رہا تھا.... مرنے والے دونوں مسلح چینیوں کی جگہ دو مقامی باشندے لے چکے تھے جن کے ہاتھوں میں ٹامی گنیں تھیں۔

اور پھر شہزاد کی باچھیں کھل گئیں.... اس نے کیپٹن فرغام کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔

''بریو و فرغام.... بریو....!'' وہ بچوں کی طرح تالیاں بجاتی ہوئی چیخی۔

''ان لفافوں پر قبضہ کر لو۔''

''یقیناً مادام.... اور یہاں میرا کیا مصرف ہے۔'' فرغام نے سرد لہجے میں کہا۔

اور دسوں لفافے میز پر سے اٹھا کر اپنی جیبوں میں ٹھونس لیے۔

''دیکھا تم نے شہزاد کو۔'' شہزاد سنگ کو گھونسہ دکھا کر چیخی۔

سنگ بالکل خاموش تھا۔

فرغام کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کو گھورے جا رہا تھا۔

پھر وہ شہزاد کی طرف مڑ کر بولا۔ ''اب آپ کو یقین آیا کہ یہ دونوں بے حد ایماندار آفیسر ہیں۔''

''ہونگے.... لیکن اب ان کا زندہ رہنا میرے لیے خطرناک ثابت ہوگا!''

''تو پھر....!''

''انہیں قتل کر دو۔ منہ مانگی قیمت دوں گی۔''

''دونوں کے پانچ پانچ لاکھ....!'' فرغام نے کہا اور حمید کے ہمشکل کی طرف متوجہ ہو گیا۔

شہزاد قیمت سن کر کچھ نہیں بولی تھی۔

فرغام آہستہ آہستہ چلتا ہوا.... ان کے قریب آیا.... حمید کی رسیاں کھولیں اور اس کا بازو پکڑ کر اس کے ہمشکل کے قریب لا کھڑا کیا۔

''کمال ہے بھئی۔'' وہ سنگ ہی کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''واقعی تم باکمال آدمی ہو۔''

''تم آخر کیا بلا ہو....!'' سنگ نے چیخ کر پوچھا۔

''دیکھو گے.... یہ لو....!'' فرغام نے کہا اور اپنے بال مٹھی میں جکڑ کر جو جھٹکا دیا ہے تو چہرے کی کھال سمیت جسم سے الگ ہو گئے۔

اب ایک فریدی کرسی سے جکڑا ہوا تھا اور دوسرا سنگ سے مخاطب تھا کئی متحیر زدہ سی آوازیں ہال میں گونجیں اور حمید اپنے ہمشکل پر ٹوٹ پڑا۔

فریدی نے کرسی سے جکڑے ہوئے فریدی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''اگر تم حمید کا ہمشکل پیش کر سکتے ہو.... تو کیا میں اپنا ہمشکل نہیں پیدا کر سکتا.... میرے ہمشکل کو گرفتار کر کے تم اتنے غافل ہو گئے تھے کہ بالآخر میں یہاں موجود ہوں۔''

اتنی دیر میں حمید نے اپنے ہمشکل کو مار مار کر بے ہوشی کی سرحدوں میں دھکیل دیا تھا۔ پھر فریدی نے بہ آواز بلند کہا۔ ''ان دسوں معزز ہستیوں کے ہتھکڑیاں لگا دی جائیں!''

اس کے محکمے کے تین آدمی اندر داخل ہوئے۔ شہزاد چیخنے لگی۔

''خاموش رہو....!'' فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔ پچھلے ماہ کی دس تاریخ کے بعد سے تم سب مجرم ہو اور تمہارے جرائم کے ثبوت میری جیب میں موجود ہیں۔

''خدا کے لیے رحم کرو....!'' شہزاد گڑگڑائی۔

''عدالت سے رحم کی اپیل کرنا.... میں عذاب کے فرشتوں کی طرح گونگا اور بہرہ ہوں۔ چلو جلدی کرو۔''

اس کے ماتحتوں نے آن واحد میں ان کے ہتھکڑیاں لگا دیں۔

اتنے میں حمید چیخا۔ ''ارے.... وہ گیا!''

جتنی دیر میں فریدی متوجہ ہوتا.... سنگ جال سمیت روشندان سے گزر گیا۔

''فکر نہ کرو...!'' اس نے مسکرا کر کہا۔ ''وہ دوسری طرف کھینچا گیا ہے۔''

پھر اس نے شہزاد سے کہا۔ ''اشجع میرا ہی آدمی ہے۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ آصف تمہارے لیے باڈی گارڈ تلاش کرتا پھر رہا ہے۔ لہٰذا میں نے موقع سے فائدہ اٹھایا۔''

''تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے!''

''میری تم سے ذاتی دشمنی نہیں ہے.... لیکن ملک قوم کے دشمنوں کی کھال اتارنا میری زندگی کا مقصد ہے.... سارجنٹ رمیش انہیں لے جاؤ۔''

اب وہ سبھی گڑگڑا رہے تھے.... لیکن فریدی ان کی طرف سے منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔

حمید الجھن میں تھا کہ آخر ان لفافوں میں کیا ہے۔

''اسے کھول دو...!'' فریدی نے اپنے ہمشکل کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''وہ آخر ہے کون؟''

''انور.....!''

''اوہ.... خدایا.... میں آواز سے بھی نہیں پہچان سکا۔ خاصا چل نکلا ہے!''

حمید کا بے ہوش ہم شکل بھی باہر لے جایا جا چکا ہے۔

دفعتاً سارجنٹ رمیش دوڑتا ہوا اندر آیا.... بری طرح کانپ رہا تھا۔ روشندان کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''جناب وہ سچ مچ نکل گیا۔''

''کیا کہتے ہو.....!'' فریدی دروازے کی طرف جھپٹا۔

روشندان کی دوسری طرف دیوار کے نیچے تین قوی ہیکل آدمیوں کی لاشیں پڑی تھیں جن کے پیٹ چاک کر دیئے گئے تھے اور پاس ہی جال کٹا پڑا تھا۔

فریدی دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا.... ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی ذہنی اذیت میں مبتلا ہو گیا ہو۔

رات گئے وہ دونوں پھر اکٹھے ہوئے..... فریدی چپ چپ سا تھا۔ ''آپ خواہ مخواہ بور ہو رہے ہیں۔'' حمید نے اسے بولنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔

حمید صاحب اس کے نکل جانے کا افسوس نہیں ہے..... بلیک فورس کے تین بہترین ممبر ضائع ہو گئے..... سنگ ایک ماہر خنجر باز بھی ہے..... یہ میں بھول گیا تھا..... میں سمجھا تھا کہ اگر اس کے پاس خنجر ہو گا تو جال کو اسی حالت میں کاٹنے کی کوشش نہیں کرے گا اور یہ میں جانتا ہوں کہ اگر اس کے آس پاس اس کا کوئی مسلح آدمی موجود ہو تو وہ اپنے ساتھ اسلحہ نہیں رکھتا۔''

''اور سنو۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں مل سکا کہ ان تینوں نے اسے روشندان سے باہر کھینچ لینے کی کوشش کی ہو۔ وہ خود ہی جال کی رسی پر زور لگا کر جال سمیت روشندان سے گزرا ہو گا۔''

''اسے جہنم میں جھونکئے..... یہ بتایئے کہ ان لفافوں میں کیا تھا؟''

''پچاس لاکھ ڈالر کے چیک جو غیر ممالک میں کیش کرا لیے جاتے۔''

''کیا مطلب؟''

''تمہیں یاد ہو گا کہ حکومت نے پچھلے ماہ اعلان کرایا تھا کہ جن لوگوں نے چوری چھپے غیر ممالک میں زرمبادلہ جمع کرا رکھا تھا۔ وہ دس تاریخ تک اسٹیٹ بنک کو مطلع کر دیں ورنہ ان کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔ یہ دسوں ایسے ہی لوگوں میں سے تھے..... سنگ ان کے خلاف ثبوت لایا تھا اور انہیں اس بات پر مجبور کرتا رہا تھا کہ وہ اپنی اس دولت کا پچاس فیصد اس کے حوالے کر دیں..... ورنہ وہ حکومت کے ذمہ داروں کو مطلع کر دے گا۔ اعلان کی آخری تاریخ گزر چکی تھی لہٰذا وہ سب مجرم تھے..... پولیس کو بھی مطلع نہیں کر سکتے تھے کہ کوئی انہیں بلیک میل کر رہا ہے۔ سنگ نے عینکوں وغیرہ کا جو چکر چلایا تھا وہ محض اس لیے تھا کہ ہم اس کی طرف متوجہ ہو جائیں اور وہ اپنا کام کر گزرے..... ادھر ان لوگوں کو یہ تاثر دیتا رہا کہ ہم دونوں بھی اس کی بلیک میلنگ میں شریک ہیں..... چپ چاپ یہ کام کر بھی گزرتا لیکن شہزاد الجھ پڑی اور اسے سچ مچ ہمیں گھسیٹنا پڑا..... نیاگرا میں تم نے جس شخص سے گفتگو کی تھی۔ اس پر مجھے پہلے ہی سے شبہ تھا اس کے خلاف کچھ ثبوت ملے تھے لہٰذا میں نے اسے آزمایا اور

دوسروں کے بارے میں بھی اپنے شبہے کی تصدیق کر لی.... سنگ سمجھا تھا کہ نیاگرا سے تمہارے اٹھائے جانے اور تمہاری جگہ لینے والے کے بارے میں بے خبر ہی رہوں گا۔ لیکن ایسا نہیں تھا.... مجھے پل پل کی خبر تھی۔''

''قاسم کہاں ہے؟''

''اپنے گھر پر.... ان دونوں عورتوں کی تلاش جاری ہے.... بہرحال اب یہ بات چھپائی نہیں جا سکتی کہ زرد فتنہ کون تھا۔ اوپر والوں کے علم میں بھی لانا پڑے گا۔''

وہ خاموش ہو گیا تھا۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ وہ اپنے آدمیوں کے مارے جانے پر بہت دکھی ہے۔

ختم شد

وقار عظیم
پاکستانی پوائنٹ
ڈاٹ کام

ابنِ صفی

نمبر 3

جاسوسی دنیا

113- ریت کا دیوتا

114- سانپوں کا مسیحا

115- ٹھنڈا جہنم

116- عظیم حماقت



جاسوسی دنیا نمبر 113

ریت کا دیوتا

وقار عظیم
پاکستانی پوائنٹ
ڈاٹ کام

(مکمل ناول)

پیشرس

''ریت کا دیوتا'' حاضر ہے۔ بار بار وعدہ کرنے کے باوجود بھی بہت دنوں سے جلد از جلد کوئی کتاب پیش کر دینے کی توفیق مجھے نہیں ہو رہی اس سلسلے میں کوئی ''بہانہ'' بھی نہیں رکھتا۔ فلم کا چکر بھی ہمہ وقتی نہیں کہ اسی کا سہارا لے کر معذرت طلب کروں۔ پھر.....؟ وجہ؟

بس اللہ کی مرضی..... ہفتوں لکھنے کا موڈ نہیں بنتا۔ پھر اگر فریدی جیسے سنگلاخ کردار کا ناول ہو تو کیا کہنا..... ایک ایک سطر لکھ کر گھنٹوں بیٹھے سوچتے رہتے۔ ڈرتے رہتے کہ کہیں یہ حضرت اپنے مقام بلند سے ایک آدھ انچ نیچے نہ کھسک آئیں۔

بہرحال ''ریت کا دیوتا'' ملاحظہ فرمایئے..... کئی ماہ پہلے اس نام کا اعلان ہوا تھا۔ لہٰذا اس دوران میں میرے پڑھنے والوں نے اسی نام کی مناسبت سے بے شمار کہانیاں خود ہی ترتیب دے ڈالی ہوں گی اور جب یہ کہانی ان کی ترتیب دی ہوئی کہانی سے لگانہ کھائے گی تو مجھ پر چڑھ دوڑیں گے۔ میرے ساتھ عموماً یہی ہوتا ہے۔ ابھی پچھلے دنوں کی بات ہے میرے ایک دوست مجھ سے خواہ مخواہ معافی مانگنے لگے۔ میں نے پوچھا بھائی کس بات کی معافی..... کہنے لگے پہلے معاف کر دو پھر بتاؤں گا..... میں نے کہا اچھا بابا معاف کیا۔ اب بتاؤ کیا بات ہے۔ بولے تمہیں یاد ہوگا جب تم نے ''تباہی کا خواب'' اور ''مہک شناسائی'' نامی کتب پیش کی تھیں تو میں نے تمہیں بہت بُرا بھلا کہا تھا۔ میں نے کہا ہاں مجھے یاد ہے۔ کہنے لگے بھائی ابھی پرسوں کی بات ہے پڑھنے کے لئے کچھ نہیں تھا۔ لائبریری گیا وہاں بھی کوئی نئی کتاب نہ مل سکی..... یہ دونوں کتابیں ایک ہی جلد میں ہاتھ لگیں۔ میں نے کہا چلو یہی سہی۔ یقین کرو اب جو پڑھنا شروع کیا ہے تو مزہ آ گیا۔ اب سوچتا ہوں آخر پہلے کیوں مزہ نہیں آیا تھا۔ میں نے کہا سوچتے رہو۔ شائد خود ہی جواب بھی پالو۔

میرے ساتھ عموماً یہی ہوتا ہے۔ تخلیقی صلاحیت رکھنے والے ذہنوں نے ''ریت کا دیوتا'' کی کہانی اپنے طور پر ضرور ترتیب دے ڈالی ہوگی۔ مثلاً ایک پُراسرار قبیلہ..... جو ایک ایسے دیوتا کی پوجا کرتا تھا جو ریت کا دیوتا کہلاتا تھا۔ کوئی نامعقول اس دیوتا کا ایک کان کاٹ کر فرار ہو گیا۔ اب اس پُراسرار قبیلے کے کچھ افراد اس کی تلاش میں نکلتے ہیں اور پُراسرار واقعات کا ظہور ہونے لگتا ہے۔ بات فریدی تک پہنچتی ہے اور بالآخر..... وہ کان فریدی کے ہاتھ لگتا ہے۔ دراصل وہ کان نہیں تھا بلکہ ایک چھوٹی سی سب میرین تھی۔ یعنی سب میرین کا موڈل جس کا نقشہ ڈھائی ہزار سال پہلے ایک حجام نے بنایا تھا۔

اگر میری کہانی کا پلاٹ اس سے مطابقت نہیں رکھتا تو مجھے لکھ بھیجیں گے۔ ناول نہایت ''پھس پھسا'' رہا۔ آخر آپ کے قلم کو زنگ کیوں لگتا جا رہا ہے۔ میں صبر کر لوں گا اور منتظر رہوں گا کہ کچھ دن گزرنے کے بعد یہ ناول دوبارہ پڑھا جائے۔

میرے ساتھ زیادہ تر یہی ہوتا ہے۔ آپ کو میری کتاب ''پاگلوں کی انجمن'' بھی یاد ہوگی۔ اب اس کے سلسلے میں خطوط آ رہے ہیں کہ کیا کتاب لکھ دی تھی آپ نے..... لیکن جب پہلے پہل شائع ہوئی تھی تو زیادہ تر دل توڑنے ہی والی باتیں سننے میں آئی تھیں۔

والسلام

ابن صفی

۷۲/۰۶/۲۴

ڈاڑھی کا نقاب

جیسے جیسے سورج بلند ہو رہا تھا۔ سڑک نظروں سے اوجھل ہوتی جا رہی تھی۔ تیز ہوا اپنے تھ ریت کے ذرات اڑاتی حد نظر تک جاری و ساری تھی۔ اس تسلسل میں پل بھر کا بھی فرق نہیں پڑتا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے ریگستان کو لتار کی اس شفاف اور چکنی سڑک کو صفحہ ہستی سے مٹا دینا چاہتا ہو۔ سناٹے کا یہ عالم تھا کہ گاڑی کے انجن کی مسلسل آواز بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔ کیپٹن حمید محسوس کر رہا تھا جیسے وہ بھی اس بیکراں سناٹے کا ایک جزو بن کر رہ گئی ہو۔

حد نظر تک ریت ہی ریت۔ اس کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ پھر تپش کا کیا پوچھنا۔ حمید اپنی بیچارگی پر ٹھنڈی سانس تک نہیں لے سکتا تھا۔

یہی غنیمت تھا کہ روانگی سے قبل اس نے پانی کے کئی مشکیزے بھر کر ڈکے میں رکھ دیئے تھے ورنہ شاید یہ ریگستان ہی اس کے لئے میدان حشر بن جاتا۔

اس سفر کی وجہ؟

بعض اوقات ایسے واقعات سے دوچار ہونا پڑتا ہے جو خواب بیداری معلوم ہونے لگتے ہیں۔ پانچ دن پہلے حمید تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اسے اس نوعیت کا کوئی سفر درپیش ہوگا۔ اچھا

بھلا آفس میں بیٹھا تھا کہ ڈی آئی جی کے آفس میں طلبی ہوئی۔ اس وقت فریدی موجود
تھا۔ لیکن یہ طلبی فریدی کے عیوض نہیں تھی۔ وہ الجھن میں پڑ گیا تھا۔

ڈی آئی جی کے پرسنل اسسٹنٹ نے فوری طور پر آفس میں پہنچا دیا۔ سر کی جنبش
ڈی آئی جی نے اسکے سلام کا جواب دے کر سامنے پڑی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کیا تھا۔
حمید بیٹھ گیا۔ ایک آدمی اور بھی موجود تھا۔ ڈی آئی جی نے اسے مخاطب کر کے کہا۔
کیپٹن حمید ہیں۔''

''اوہ.....!'' اجنبی اٹھتا ہوا بولا اور دونوں نے مصافحہ کیا؟

''میرا نام شاہد عزیز ہے.....!'' اجنبی نے دوبارہ بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''اور میرے ذ
فی الحال یہ کام ہے کہ آپ کو ایک بُری خبر سناؤں۔''

''بُری خبر.....!'' حمید چونک پڑا۔

''میں ایڈووکیٹ ہوں اور آپکے ماموں کے قانونی مشیر کے فرائض انجام دیتا رہا ہوں۔''

''میرے ماموں.....!'' حمید کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔

''چودھری شیر علی خان مرحوم.....!'' وکیل نے مغموم لہجے میں کہا۔

''شاید یہ نام بھی میرے لئے نیا ہے۔''

ڈی آئی جی نے وکیل کو گھور کر دیکھا۔ لیکن وکیل کے ہونٹوں پر ایک مغموم سی مسکراہ
نظر آئی تھی۔

''جی ہاں.....!'' وہ سر ہلا کر بولا۔ ''ممکن ہے نام آپ کے لئے نیا ہو۔ لیکن وہ آ
کے ماموں تھے۔ میں آپ کو اُن کے انتقال کی خبر کے ساتھ وصیت نامہ دینے آیا ہوں۔''

حمید نے بے بسی سے ڈی آئی جی کی طرف دیکھا۔

''سوال یہ ہے مسٹر شاہد۔'' ڈی آئی جی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ ''اگر کیپٹن ح
اپنے ماموں سے واقف.....!''

''یہ خاندانی معاملات ہیں جناب۔'' وکیل نے طویل سانس لی چند لمحے خاموش رہا
بولا۔ ''اسی دشواری کی بناء پر میں نے آپ کے توسط سے رابطہ قائم کیا ہے ورنہ شاید مجھے
دشواری پیش آتی۔''

''دشواری تو بدستور قائم ہے؟''

''میرا خیال ہے کہ دشواری ختم ہو جائے گی۔'' وکیل نے کسی قدر تذبذب کے ساتھ کہا۔

چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر حمید سے بولا۔ ''آپ کو اس کا علم تو ہوگا ہی کہ آپ کے نانا کے دو
بیویاں تھیں۔''

''رہی ہوں گی۔'' حمید نے جھنجھلا کر کہا۔ ''میرا اب کسی سے بھی کوئی تعلق نہیں!'' وہ
دراصل الجھن میں پڑ گیا تھا۔ نہیں چاہتا تھا کہ وہ پرانا قصہ یہاں ڈی آئی جی کے سامنے دہرایا
جائے۔

''خاموشی سے سنو۔'' ڈی آئی جی نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور حمید خون کے گھونٹ پی کر رہ
گیا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کے جواب سے ڈی آئی جی کی تجسس والی حس بیدار ہو گئی ہے
اور اب ساری بات کھل کر رہے گی۔ لہٰذا وہ تن بہ تقدیر ہو بیٹھا۔

''آپ کے نانا کی دو بیویاں تھی..... پہلی بیوی سے صرف لڑکیاں ہی لڑکیاں تھیں جن
میں سے ایک آپ کی والدہ ماجدہ.....!''

وکیل جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گیا اور حمید نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ اُٹھ کر بھاگ
تو سکتا نہیں تھا۔

''تفصیل میں جانے سے کیا فائدہ۔'' وکیل کھنکار کر بولا۔ ''مجھے صرف ان کی دوسری
بیوی سے متعلق گفتگو کرنی چاہئے۔''

''وہ بیوی نہیں داشتہ تھی۔'' حمید نے آپے سے باہر ہوتے ہوئے کہا۔

''مجھے گہرا صدمہ پہنچا کیپٹن حمید۔'' وکیل کا لہجہ بھی اچھا نہیں تھا۔ ''مرحوم کو صرف آپ
سے بہتر توقعات تھیں۔ براہِ کرم اب کوئی نامناسب جملہ زبان سے نہ نکالئے گا۔ چودھری
صاحب سے میرے دوستانہ تعلقات تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ چودھری صاحب کے لئے پہلی
بیوی کی اولاد نے اسی قسم کا پروپیگنڈہ کیا تھا۔ ان کی والدہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ والد کا انتقال
ہوا تو وہ صرف اٹھارہ سال کے تھے۔ میٹرک پاس کر چکے تھے۔ بے حد حساس ہونے کی بناء پر
وہ گھر چھوڑ گئے۔ پھر انہوں نے کبھی کسی کو اطلاع نہ ہونے دی کہ وہ زندہ بھی ہیں یا مر گئے۔
چھ دن ہوئے پینسٹھ سال کی عمر میں اُن کا انتقال ہوا ہے۔ وہ مجھ سے کہا کرتے تھے کہ میں

اپنے اعزا کے احوال سے پوری طرح واقف ہوں لیکن اُن کے لئے میں مرکھپ جا
گا..... اور کپتان صاحب! انہی کی زبانی مجھے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ آپ کے والد
معاملے میں بالکل الگ رہے تھے۔ انہوں نے اس پروپیگنڈے کی نہ تائید کی تھی اور
کی تھی۔ آپ کو حیرت ہوگی کیپٹن..... کہ چودھری صاحب آپ کو بے حد چاہتے تھے
آپ کو دیکھنے کے لئے تین سو میل کا سفر طے کر کے یہاں آئے تھے اُن کی حویلی میں
آپ کی تصویریں نظر آتی ہیں۔''

حمید حیرت سے یہ سب کچھ سن رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے کی جھنجھلاہٹ رفع ہو چکی تھی۔

''ہاں..... تو.....!'' وکیل نے بات جاری رکھی۔ ''انہوں نے آپ کو اپنا وارث قرا
ہے..... شادی نہیں کی تھی۔ لاولد مرے ہیں۔ لیکن کچھ خاندانوں کی کفالت کرتے ہ
ازروئے وصیت آپ کو بھی ان کی کفالت کرنی پڑے گی۔ جائیداد بہت بڑی ہے۔''

''خداوندا..... میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا.....!'' حمید بڑبڑایا۔

''ٹھہرو.....!'' ڈی آئی جی ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ ''تمہارے لئے تو سیدھی سی بات ہے!
میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس میں میری وساطت کی ضرورت کیوں پیش آئی۔''

''ابھی عرض کرتا ہوں.....!'' وکیل نے اپنا بریف کیس کھولتے ہوئے کہا۔ اُس
کچھ کاغذات نکالے اور ڈی آئی جی کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ''ملاحظہ فرمایئے۔''

ڈی آئی جی کاغذات دیکھنے لگا۔

کمرے کی بوجھل سی خاموشی میں حمید کا دم گھٹنے لگا تھا۔ اس نے اپنے ایسے [redacted]
کا ذکر اپنی دونوں بڑی خالاؤں سے سنا تھا لیکن خود اس کے والدین اس سلسلے میں
گفتگو سے ہمیشہ پہلو بچاتے رہتے تھے۔

لیکن یہ وصیت نامہ! اور وکیل کا بیان..... اس کی الجھن بڑھتی رہی۔ بالآخر ڈی آئی
کاغذات کو ایک طرف رکھتا ہوا بولا۔ ''ہاں وجہ صاف ہے..... دراصل اس وصیت نامے
مطابق تم ایک شرط کے ساتھ مرحوم کے وارث قرار پائے ہو۔ شرط یہ ہے کہ تم دو ماہ تک ا
کی کوٹھی میں مقیم رہ کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرو گے کہ ان کی سرپرستی میں زندگی بسر کر
والے خاندان سے کس قسم کے تعلقات تھے۔ اُن خاندانوں کے افراد ان کے بارے میں

رائے رکھتے تھے۔ یہ معاملہ میرے توسط سے اسی لئے تمہارے سامنے رکھا گیا ہے کہ تم وصیت
نامے کی اس شرط کی پابندی پوری پوری دیانت داری سے کرو۔''

''جناب عالی!'' حمید طویل سانس لے کر بولا۔ ''میں اپنے خاندان والوں سے مشورہ
کئے بغیر اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکوں گا۔''

ڈی آئی جی نے وکیل کی طرف دیکھا۔

''ایسی کسی سچویشن کے لئے شیر علی خان کی زبانی ہدایت مجھے اچھی طرح یاد ہے۔''
وکیل نے کہا۔ ''انہوں نے کہا تھا اگر کوئی ایسی صورت پیش آئے تو کیپٹن حمید کو چاہئے کہ
صرف اپنے والدین سے مشورہ کریں اور کسی کو بھی اس کی خبر نہ ہونے دیں اور اپنے والدین
سے بھی درخواست کریں کہ یہ بات ان کی ذات سے آگے نہ بڑھنے پائے۔''

اُس وقت بات ختم ہوگئی تھی۔ وکیل نے حمید کو اپنا پتہ دیا تا کہ معاملات طے ہو جانے
کے بعد وہ اس سے رابطہ قائم کر سکے۔

کاغذات وہ اپنے ساتھ ہی لے گیا تھا۔ وکیل کے چلے جانے کے بعد ڈی آئی جی نے
مسکرا کر حمید کی طرف دیکھا۔

''مبارک ہو کیپٹن حمید..... لاکھوں کی جائیداد ہے۔''

''جناب! میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

''تم اپنے والدین سے مشورہ کرو..... شرط پوری کرنے کے لئے تمہیں دو ماہ کی چھٹی مل
جائے گی۔''

حمید نے ڈی آئی جی کا شکریہ ادا کیا تھا۔

واپسی پر فریدی سے ملاقات ہوئی۔ ظاہر ہے کہ حمید نے اسے بتانے میں دیر نہ لگائی
ہوگی۔

''بہت اچھے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''ڈی آئی جی اگر اس پرمسرت موقع پر تمہیں دو ماہ
کی چھٹی دے سکتے ہیں تو کیا میں تین دن کی نہیں دے سکتا۔ جاؤ اور اپنے والدین سے مشورہ
کرو۔''

''بس اتنا ہی کہنا ہے آپ کو.....!'' حمید نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

''اور کیا چاہتے ہو.....!''

''کچھ بھی نہیں۔'' حمید کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔

''اوہو.....اچھا.....!'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''تم سمجھ رہے ہو شاید میں نے تمہیں کسی اندھی چال پر لگا دینے کا پروگرام مرتب کیا ہے؟''

''کیا میں ایسا سمجھنے میں حق بجانب نہیں ہو سکتا جناب کرنل صاحب۔''

''دیکھو فرزند..... یہ بات میں نے اسی لئے چھیڑی ہے کہ تم اس طرف سے مطمئن ہو جاؤ۔ مجھے اعتراف ہے کہ کئی بار میں نے تمہیں ہراول دستے کی حیثیت دی ہے۔ لیکن اس معاملے میں جتنے لاعلم تم ہو اس سے کہیں زیادہ میں خود ہوں۔ مثال کے طور پر مجھے پہلی بار معلوم ہوا ہے کہ تمہارا کوئی ماموں بھی تھا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اب اس کے ماموں کی حیثیت زیرِ بحث آئے اس لئے وہ ''تین دن کی چھٹی'' پر فریدی کا بھی شکریہ ادا کر کے دفتر سے نکل بھاگا تھا۔

بہرحال اُسے اس مسئلے پر اپنے خاندان والوں سے گفتگو کرنی تھی۔ تین دن کے لئے شہر چھوڑنا پڑا۔

شاید پورے پانچ سال بعد وہ اپنے خاندان والوں میں پہنچا تھا۔ انہیں حیرت بھی ہوئی تھی اور مسرت بھی، لیکن جب اس نے اپنے والدین کے سامنے شیر علی خان کا ذکر چھیڑا تو دونوں گم سم نظر آنے لگے۔

''میں حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہوں؟'' حمید نے کہا۔

''آخر تمہیں اچانک اس ذکر کی کیوں سوجھی۔'' باپ بولا۔

''بس یونہی۔''

''میں کچھ نہیں جانتا۔ اپنی ماں سے پوچھو۔''

ماں نے چپ سادھ رکھی تھی۔ حمید بضد ہوا تو اُٹھ کر وہاں سے چلی گئی۔

باپ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ''شیر علی تمہاری والدہ کا سوتیلا بھائی تھا۔ اس کی ماں داشتہ نہیں منکوحہ تھی۔ یہ سب کچھ محض اس لئے ہو گیا کہ وہ ایک غریب [illegible] ان کی لڑکی تھی۔ شیر علی کی طرف سے کوئی بولنے والا نہیں تھا۔ تمہاری ماں اپنی بڑی بہنوں سے بہت ڈرتی تھیں،

اس لئے وہ اس معاملے میں داخل اندازی نہ کر سکیں۔''

''آپ کیوں خاموش رہے تھے۔'' حمید کی آواز غصے سے کانپ رہی تھی۔

''مجھے ان لوگوں کے خاندانی معاملات سے کوئی سروکار نہ تھا۔''

''لیکن شیر علی خاں کے حصے کی جائیداد سے تو سروکار لازمی ٹھہرا ہوگا۔'' حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''بکواس مت کرو جو کچھ بھی ہے تمہاری ماں کا ہے۔ میرے پاس میری اپنی جائیداد کم نہیں تھی۔'' باپ کو بھی غصہ آ گیا۔

حمید نے پھر اس مسئلے پر کوئی گفتگو نہیں کی تھی۔ کسی کو بھی نہ معلوم ہو سکا کہ اس نے شیر علی خان کا ذکر کیوں چھیڑا تھا۔

وہاں سے واپسی پر وکیل سے دوبارہ ملاقات ہوئی۔

''مجھے خوشی ہے کیپٹن کہ آپ مطمئن ہو گئے۔'' وکیل نے کاغذات اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا تھا۔

''اب مجھے کیا کرنا ہوگا۔'' حمید نے پوچھا۔

''سعد آباد جایئے.....اور دو ماہ تک وہیں قیام کیجئے۔ آپ وہاں پہنچ کر بے حد خوش ہوں گے پورے نخلستان پر آپ کو اپنی حکومت نظر آئے گی۔ آپ دیکھیں گے شیر علی خان کیسے باہمت تھے۔ ریگستان کے اس ٹکڑے کو انہوں نے کس طرح گلزار بنایا تھا۔ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔''

''ایک بڑی دشواری ہے۔'' حمید بولا۔

''غالباً آپ یہ کہیں گے کہ سعد آباد کسی ریلوے لائن پر نہیں ہے۔''

''جی ہاں.....!''

''آپ کار سے سفر کر سکتے ہیں۔''

''ہوں.....خیر.....دیکھوں گا۔'' حمید نے کہا تھا اور یہ مرحلہ بھی طے ہو گیا تھا۔ پھر روانگی سے قبل فریدی نے اس سے کہا تھا ''کسی دن تم سے ملنے ضرور آؤں گا۔''

''میری خواہش تو تھی کہ آپ دو ماہ تک مجھ حقیر پر تقصیر کے مہمان رہتے۔''

''بہت بہت شکریہ جاگیردار صاحب! لیکن میں بہت مصروف ہوں۔'' اس وقت سا
باتیں ایک ایک کر کے اسے یاد آ رہی تھیں اور یہ ریگستان اُسے کھائے جا رہا تھا۔ ابھی ایک
سے زائد میل طے کرنے تھے۔ دراصل اسے منہ اندھیرے سفر شروع کرنا چاہئے تھا۔ فر
نے بھی یہی مشورہ دیا تھا لیکن وہ دن چڑھے تک سوتا رہ گیا تھا۔

بہرحال اب اس غلطی کی سزا بھگتنی ہی تھی۔

ہر لحظہ تپش میں اضافہ محسوس ہو رہا تھا۔ پانی کے دو چھوٹے چھوٹے مشکیزے اب
خالی ہو چکے تھے لیکن پیاس تھی کہ کسی طرح بجھنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔

دو سو تیسویں میل پر بائیں جانب ایک چھوٹا سا نخلستان دکھائی دیا اور حمید نے گا
روک دی۔ اس کے اندازے کے مطابق نخلستان کا فاصلہ سڑک سے دو ڈھائی فرلانگ ضرو
ہوگا۔

لیکن گاڑی سمیت وہاں تک پہنچنے کی کوشش خطرے سے خالی نہ ہوتی۔ گاڑی سڑک
بھی نہیں چھوڑی جا سکتی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا اگر کسی طرح اس نخلستان میں دن گذار دیا جا
بقیہ ستر میل شام کو بہ آسانی طے کئے جا سکیں گے۔

دفعتاً ایک جیپ سامنے سے آتی دکھائی دی۔ پھر اس کی گاڑی کے قریب پہنچ کر
کے بریک چڑچڑائے تھے۔

''کیوں! بھائی کوئی پریشانی۔'' ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے آدمی نے حمید کو مخاطب

''نہیں..... شکریہ۔'' حمید نے لاپروائی سے جواب دیا۔

لیکن وہ جیپ کو آگے بڑھانے کی بجائے اُتر کر حمید کے قریب آ کھڑا ہوا۔

''کیا..... ادھر جانے کا ارادہ ہے۔'' اس نے نخلستان کی طرف اشارہ کر کے پوچھا

''ارادہ..... تو تھا..... لیکن.....!'' حمید نے اسے گھورتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑ د

آدمی کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔

گھیر دار شلوار اور قمیض پر کوٹ پہن رکھا تھا۔ سر پر بڑی سی پگڑی تھی۔ گھنی ڈاڑھی
مونچھوں میں چہرہ نصف سے زیادہ چھپ گیا تھا۔ لیکن آواز؟

آواز بالکل عورتوں کی سی تھی اور پھر قریب سے دیکھنے پر حمید نے دوسری ہی نظ

اندازہ کر لیا کہ ڈاڑھی مونچھیں اصلی نہیں ہو سکتیں۔ اس نے طویل سانس لے کر جملہ پورا کیا۔

''لیکن مجھے علم نہیں کہ گاڑی بحفاظت کدھر سے لے جا سکوں گا۔''

''اوہو..... میرے پیچھے آیئے..... میں بتاؤں گا۔'' وہ اپنی جیپ کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

حمید نے جیپ کے پیچھے اپنی گاڑی موڑی تھی۔ اب تو وہ اسے نظر انداز کر ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ ڈاڑھی میں بھی اس کی آنکھیں بہت خوبصورت لگی تھیں۔ کچھ دور چل کر جیپ دائیں جانب ریت میں اُتر گئی اور حمید اپنی گاڑی جیپ کے ٹائروں کے نشانات پر چلانے کی کوشش کرتا رہا۔

پھر کھجوروں کے جھنڈ میں داخل ہوتے وقت اس نے اطمینان کا سانس لیا تھا۔

راہبر نے دفعتاً اپنی جیپ روک دی۔ وہ ابھی بستی میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ جیپ سے اُتر کر وہ پھر حمید کے پاس پہنچا۔

''کس کے گھر جائیں گے آپ۔'' اس نے پوچھا۔

''کسی کے بھی نہیں۔ یہاں سایہ ہے۔ گاڑی میں لیٹ کر سو جاؤں گا۔''

''جانا کہاں ہے؟''

''سعد آباد.....!''

''اوہو..... وہاں کس کے پاس جائیں گے۔''

''کسی خاص آدمی کے پاس نہیں۔ سرکاری کام ہے۔''

''اوہ تو آپ کس قسم کے سرکاری ہیں۔''

''زمینوں کا سروے کرتا ہوں۔''

''آپ یہاں تکلیف اٹھائیں گے جناب..... اچھا چلئے میرے گھر چلئے..... دوپہر وہاں آرام سے گزاریئے گا۔''

''آپ کی تعریف.....!'' حمید نے اسے تیکھی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''فی الحال شاہد فاروقی۔''

''فی الحال نام ہی کا حصہ ہے؟'' حمید نے حیرت سے پوچھا۔

''جی نہیں۔'' وہ ہنس پڑا اور پھر بولا۔ ''گھر پہنچ کر شاہدہ فاروقی ہو جاؤں گی۔''

''میں بالکل نہیں سمجھا۔'' حمید نے بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''میں لڑکی ہوں۔''

''اگر لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں تو مجھے ڈوب مرنا چاہئے۔'' حمید نے اس کے چہرے طرف ہاتھ اُٹھا کر کہا۔

''یہ... یہ.....تو برقعہ ہے میرا.....!'' اس نے ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے قہقہہ لگایا

حمید خاموشی سے اسے گھورے جارہا تھا۔ قہقہہ روک کر اس نے کہا۔ ''پردے کا مقصد تو ہوتا ہے نا کہ عورت نامحرموں کی ہوس ناک نظروں سے محفوظ رہے۔''

''غالباً.....!'' حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

''غالباً نہیں بلکہ یہ حقیقت ہے.....اتفاقاً آپ کی نظر مجھ پر پڑ جائے تو پڑ جائے لیکن خاص طور پر آپ مجھے دیکھنا گوارہ نہ کریں گے۔''

''میں عرصہ سے کسی ڈاڑھی دار لڑکی کی تلاش میں ہوں۔''

''کیا آپ یہیں کھڑے باتیں بناتے رہیں گے جناب۔''

''تو پھر کیا کروں.....؟''

''میں نے عرض کیا تھا میرے گھر چلئے۔''

''سوال تو یہ ہے کہ آپ میرے سامنے بے پردہ کیوں ہوگئیں؟''

''آپ جیسی صورت والے مجھے محرم ہی لگتے ہیں۔''

''شکر ہے کہ میں اپنا بکرا ساتھ نہیں لایا۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

''کیا مطلب.....؟''

''مجھے اور زیادہ مغموم ہونا پڑتا..... چلئے.....آپ کا گھر بھی دیکھ لوں۔''

جیپ پھر اسٹارٹ ہوکر آگے بڑھ گئی۔ حمید اس کے پیچھے جانے پر مجبور تھا۔ ایسی لڑکیاں ساری دنیا میں کہیں اور نہ پائی جاتی ہوں گی۔ کسی سازش کا امکان بھی تھا لیکن وہ ہی کیا جسے غیر معمولی قسم کی لڑکیاں پاگل بنا کر نہ رکھ دیں۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو یہ دعوت ہرگز قبول نہ کرتا۔

یہ بات کتنی عجیب تھی کہ اس نے خود ہی اپنا راز ظاہر بھی کر دیا تھا۔ اگر وہ فطرتاً ایسی

سچ بولنے والی تھی تو اس میک اپ کا کیا مقصد ہوسکتا تھا۔

حمید کی گاڑی جیپ کے پیچھے چلتی ہوئی ایک پختہ عمارت کے قریب پہنچی جس کے تین اطراف میں دور تک چھوٹے چھوٹے مکان اور جھونپڑے بکھرے ہوئے تھے۔

وہ جیپ سے اُتری اور حمید کو گاڑی ہی میں بیٹھے رہنے کا اشارہ کر کے عمارت کے اندر چلی گئی۔ یہ بستی کے سب سے متمول آدمی کی رہائش گاہ معلوم ہوتی تھی۔

کچھ دیر بعد دو آدمی عمارت سے برآمد ہوئے۔ ظاہری حالت سے ملازم ہی معلوم ہوتے تھے۔

''چلئے جناب؟'' ایک بولا۔

''آپ کا سامان جناب۔'' دوسرے نے سوال کیا۔

''سامان کی فکر نہ کرو.....!'' حمید گاڑی سے اترتا ہوا بولا۔ ''چلو۔''

وہ دونوں اسے ایک ایسے کمرے میں لائے جس کی آرائش پر کم از کم پچاس ہزار روپے ضرور صرف ہوئے ہوں گے۔ ملازمین اسے تنہا چھوڑ کر چلے گئے۔

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ریگستان کی اس جنت کو دیکھتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد ایک خوش لباس ادھیڑ عورت ہاتھوں پر کسی مشروب کی کشتی اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی۔

مشروب بڑے ادب سے حمید کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ لیکن جب اس نے گلاس ہاتھ میں لیا تو وہ عورت بول پڑی۔

''ٹھہریئے جناب! ابھی نہ پیجئے۔''

حمید نے گلاس میز پر رکھ دیا اور اسے جواب طلب نظروں سے دیکھنے لگا۔ عورت اُسی صراحی سے دوسرا گلاس لبریز کر کے ایک ہی سانس میں خود پی گئی۔

حمید ہنس پڑا۔

''ہنسی کا سبب جناب عالی!'' عورت نے بڑے ادب سے پوچھا۔

''اس طرح تم مجھے اطمینان دلانا چاہتی تھیں کہ اس مشروب میں کوئی گڑبڑ نہیں ہے۔''

''جی ہاں! مجھے خاص طور پر ہدایت کی گئی تھی کہ آپ کو اطمینان دلا دوں۔''

''لیکن میں اب بھی مطمئن نہیں ہوں۔'' حمید نے اپنے گلاس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اس گلاس کی تہہ میں پوٹاشیم سائنائیڈ کے چند ذرے جو پہلے سے موجود رہے ہوں میرا کام تمام کرسکتے ہیں۔''

عورت کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار نظر آئے۔ پھر سنبھالا لے کر بولی۔ ''میں آپ کی اس دشواری کی اطلاع دے کر ابھی حاضر ہوتی ہوں۔''

وہ چلی گئی تھی اور حمید میز رکھے ہوئے گلاس کو گھورتا رہا تھا۔

دس منٹ گزر گئے لیکن وہ عورت واپس نہ آئی۔ چاروں طرف گہری خاموشی تھی۔ دفعتاً حمید نے محسوس کیا جیسے اب اس عمارت میں اس کے علاوہ اور کوئی نہ ہو۔ چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ اٹھو اور باہر نکل جاؤ۔

پھر وہ اُٹھ ہی رہا تھا کہ بیرونی دروازے سے دو آدمی اندر داخل ہوئے اور اسے دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ ان میں سے ایک نے جو پہلے آدمی سے کسی قدر پیچھے تھا بڑی پھرتی سے اپنے ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا۔

پہلے آدمی نے ڈپٹ کر پوچھا۔ ''تم یہاں کیسے داخل ہوئے؟''

''محترم..... محترم.....!'' حمید ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ ''زیادہ تیزی دکھانے کی ضرورت نہیں۔ میں یہاں لایا گیا ہوں خود سے نہیں آیا۔''

''کون لایا ہے؟''

''محترمہ شاہدہ فاروقی۔''

''بکواس مت کرو..... تمہارے ساتھ کتنے آدمی ہیں۔''

''میں تنہا ہوں..... کیا تم نے میری گاڑی باہر نہیں دیکھی۔''

''تم نے قفل توڑ کر اندر داخل ہونے کی جرأت کیسے کی..... اگر مسافر تھے تو برآمدے میں بھی ٹھہر سکتے تھے۔''

''میں یہاں لایا گیا ہوں..... اس گھر کی وہ لڑکی لائی ہے جو مردوں کے بھیس میں رہتی ہے۔ اس نے اپنا نام شاہدہ فاروقی بتایا تھا۔''

''یہاں کوئی لڑکی نہیں ہے۔'' وہ آدمی حمید کو گھورتا ہوا بولا۔ ''اور یہ حویلی پچھلے پندرہ دن

سے مقفل رہی ہے۔ میں اس کا مالک ہوں۔''

پُراسرار وکیل

حمید نے طویل سانس لی اور بولا۔ ''کیا میری گاڑی کے آگے جیپ موجود نہیں ہے۔''

''ہے..... ہماری جیپ..... لیکن وہ تمہاری گاڑی کے پیچھے ہے۔''

''اوہو..... تو یقیناً کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔ لیکن کیا باہر کسی گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کی آواز یہاں تک نہیں پہنچ سکتی۔''

''کیوں نہیں پہنچ سکتی۔''

''اچھی بات ہے تو پھر مجھے باہر جا کر حالات کی نوعیت کو سمجھنا پڑے گا۔'' حمید بولا۔

''ہرگز نہیں۔'' ریوالور والا بولا۔ ''تم یہاں سے ہل بھی نہیں سکتے۔''

پھر اس نے پہلے آدمی سے کہا۔ ''آپ اندر جا کر دیکھئے میں اسے سنبھالے ہوں۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو.....!'' اس نے سر ہلا کر کہا اور سامنے والے دروازے میں داخل ہو کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

دوسرا آدمی حمید پر ریوالور تانے کھڑا تھا۔

حمید نے اس سے پوچھا۔ ''آپ کی جیپ کا میک اور رنگ کیا ہے۔''

''ٹویوٹا..... گرین۔''

''لیکن اس لڑکی کی جیپ خاکی رنگ کی تھی اور ٹویوٹا بہرحال نہیں تھی۔''

''تم یقیناً ٹھگوں کے کسی گروہ سے تعلق رکھتے ہو۔'' ریوالور والا غرایا۔

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ پہلا آدمی واپس آ گیا۔ اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ حمید پر جھپٹ پڑا۔ ساتھ ہی وہ چیخے جا رہا تھا۔ ''اسے پکڑو..... بھاگنے نہ پائے۔ اس نے کسی کو قتل کر دیا ہے۔ لاش اندر پڑی ہے۔''

ریوالور والے نے ریوالور صوفے پر ڈال دیا اور خود بھی حمید سے لپٹ پڑا۔

وہ دونوں شاید لڑا کے نہیں معلوم ہوتے تھے۔ اس لئے حمید بہ آسانی ان کی گرفت سے نکل گیا اور پھر قبل اس کے کہ اُن میں سے کوئی صوفے پر پڑے ہوئے ریوالور کو اٹھا سکتا اُس نے اس پر قبضہ کرلیا۔

''جہاں ہو وہیں ٹھہرو۔'' حمید نے انہیں کور کرتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

دونوں نے ہاتھ اٹھا دیئے۔

''اب بتاؤ کس کی لاش کہاں پڑی ہے۔''

دونوں میں سے کوئی کچھ نہ بولا۔ ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

''چلو..... مجھے دکھاؤ لاش کہاں ہے۔'' حمید نے ریوالور کو جنبش دے کر کہا۔ ''دروازے کی طرف مڑو اور چل پڑو۔''

''انہوں نے بے چون و چرا تعمیل کی تھی۔''

کئی کمروں سے گزرنے کے بعد وہ کچن میں پہنچے اور یہاں سچ مچ ایک لاش پڑی نظر آئی۔ کٹی ہوئی گردن سے خون بہہ بہہ کر چاروں طرف پھیل گیا تھا۔

''یہ کون ہے؟'' حمید نے انہیں گھور کر پوچھا۔

''تم بتاؤ..... ہم تو نہیں جانتے لیکن آخر اس کھیل کے لئے میرا گھر کیوں منتخب کیا گیا میں تو تمہیں بھی نہیں جانتا۔''

مقتول ایک لحیم شحیم آدمی تھا۔ عمر چالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہوگی۔ لباس سے ذی حیثیت معلوم ہوتا تھا۔

حمید نے لاش سے نظر ہٹا کر مالک مکان کی طرف دیکھا۔

''کھیل سے کیا مراد ہے؟'' اس نے چبھتے ہوئے لہجہ میں سوال کیا۔

''پھر یہ کیا ہے؟ پندرہ دن سے حویلی مقفل تھی۔ میں یہاں نہیں تھا۔''

''تم کہاں تھے؟''

''تم آخر ہو کون؟'' مالک مکان کو پھر غصہ آ گیا۔

دفعتاً دوسرا آدمی بولا۔ ''صاحب! ذرا انہیں غور سے دیکھئے..... صورت کچھ جانی پہچانی

سی لگتی ہے۔''

''ہاں..... میں بھی یہی سوچ رہا تھا؟'' مالک مکان نے حمید کو گھورتے ہوئے کہا۔

''مم..... میرا خیال ہے کہ ہم ان کی تصویریں دیکھتے رہے ہیں۔''

''اوہو.....!'' مالک مکان اچھل پڑا۔ حمید کو غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔

''بلاشبہ وہی! میں نے پہچان لیا ہے۔''

اس بار اُس کے لہجے میں جوش مسرت کی جھلکیاں ملی تھیں۔

''ہوں.....!'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا غرایا۔ ''تو میں کون ہوں؟''

''اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو آپ سعد آباد کے شیر علی خان کے بھانجے ہیں۔''

حمید اسے پہلے ہی کے سے انداز میں گھورتا رہا۔

''وہ میرے گہرے دوستوں میں سے تھے۔'' مالک مکان پھر بولا۔ ''میرا نام شمشاد ہے۔ یہ علاقہ بھی آپ اپنا ہی سمجھئے۔ لیکن میرے خدا یہ سب کیا ہے۔''

حمید نے ریوالور والا ہاتھ نیچے گرا دیا۔

''مم..... مگر یہ لاش.....!'' دوسرا آدمی ہکلایا۔

''تم دونوں نے جس طرح مجھے پہچانا ہے اسی طرح اس کو بھی پہچاننے کی کوشش کرو۔''

''بالکل اجنبی..... یقین کیجئے۔'' شمشاد نے کہا۔

''آپ شیر علی خان کے دوست ہوں گے۔ لیکن شائد ہم پہلے کبھی نہیں ملے۔''

''ان کی حویلی میں شائد ہی کوئی ایسا کمرہ ہو جہاں آپ کی تصویر موجود نہ ہو۔''

''کیا اس حویلی کی نگرانی کے لئے بھی آپ نے کوئی آدمی نہیں رکھا۔''

''قطعی غیر ضروری ہے۔ یہاں کون ہے، جو ادھر آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھ سکے۔ میں پورے علاقے کا مالک ہوں۔''

''کیا یہاں بالکل تنہا رہتے ہیں۔''

''نہیں..... میرا خاندان گرمیاں پہاڑ پر گزارتا ہے۔''

''آپ ان دنوں کہاں تھے؟''

''سعد آباد میں..... وہاں بھی میرا ایک مکان ہے۔''

حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر انہیں اپنے یہاں تک پہنچنے کا واقعہ بالتفصیل ہوئے کہا۔ ''مجھے سو فیصد یقین ہے کہ وہ عورت ہی تھی۔''

''آپ تو مجھے الف لیلیٰ کی کوئی داستان سنا رہے ہیں جناب۔'' شمشاد نے اسے اعتباری سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا آپ مجھے کوئی غیر ذمہ دار آدمی سمجھتے ہیں۔'' حمید نے اُسے پھر گھور کر دیکھا۔

''تو پھر کیا کہوں اس کہانی پر۔''

''آپ اپنے بچاؤ کی فکر کیجئے جناب۔'' حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''یہ کہانی آپ جی بہلانے کے لئے نہیں سنائی گئی تھی۔ آپ کو اس لاش کے سلسلے میں جواب دہی کرنی ایک ذمہ دار پولیس آفیسر کو دھوکے سے لایا گیا تھا۔''

''کک.....کون..... پولیس آفیسر.....!'' شمشاد ہکلایا۔

حمید نے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

کارڈ پر نظر پڑتے ہی شمشاد کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس نے حمید کو دیکھا اور تھوک نگل کر رہ گیا۔

''تب تو.....کیا آپ شیر علی خاں کے بھانجے نہیں ہیں۔''

''میں نے اس سے کب انکار کیا ہے؟''

''میرے خدا.....؟'' وہ طویل سانس لے کر بولا۔ ''میری مشکل حل ہوگئی۔''

''آپ کا بھانجا نہیں ہوں۔'' حمید نے اسے تیکھی نظروں سے دیکھتے ہوئے سخت میں کہا۔

''آپ غلط سمجھے..... میں آپ سے کسی رعایت کا طلب گار نہیں۔ جو کارروائی چاہیں کر سکتے ہیں۔ لیکن اب میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ شیر علی مرحوم حالات میں نہیں مرے اور شائد میں بھی ایسے ہی حالات کا شکار ہونے والا ہوں۔''

حمید نے دونوں کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''میں پوری عمارت کا جائزہ لینا چاہتا ہوں''

''ضرور.....ضرور.....!'' شمشاد نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

اس میں پندرہ منٹ صرف ہوئے تھے اور عمارت کا عقبی دروازہ کھلا ہوا ملا تھا۔

حمید ان دونوں کی طرف سے مطمئن نہیں تھا۔ لہٰذا اُن میں سے کسی کو عمارت ہی میں چھوڑنا مناسب نہ سمجھتے ہوئے انہیں بھی عقبی دروازے سے باہر نکال لے گیا۔

عمارت کی پشت پر حد نظر تک ویرانی ہی ویرانی پھیلی ہوئی تھی۔

دفعتاً شمشاد کا ساتھی ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ ''وہ رہے گاڑی کے نشانات، ادھر کوئی گاڑی آئی تھی۔''

''ہم دیکھیں گے.....ضرور دیکھیں گے۔'' شمشاد مضطربانہ لہجے میں بولا۔

''واپس چلئے۔'' حمید نے سپاٹ آواز میں کہا۔

وہ پھر اندر آئے اور نشست کے کمرے سے گزرتے ہوئے برآمدے میں پہنچے۔ حمید کی گاڑی جہاں تھی وہیں نظر آئی اور اسکے پیچھے والی جیپ بہرحال پہلی جیپ سے مختلف تھی۔

گاڑیوں کے قریب پہنچ کر حمید نے کہا۔ ''جیپ یہاں سے اسٹارٹ کئے بغیر عمارت کی پشت پر لے جائی گئی ہوگی، ورنہ میں آواز ضرور سنتا۔''

''جی ہاں.....یہی ہوسکتا ہے۔'' شمشاد پُرتفکر لہجے میں بولا۔

جیپ کے نشانات پر چلتے ہوئے ایک بار پھر وہ عمارت کی پشت پر پہنچ گئے۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ یہ دونوں بھی اس کے لئے اجنبی تھے۔ عمارت کے اندر ایک لاش موجود تھی اور فرار ہوجانے والوں کی جیپ کے نشانات بار بار دعوت عمل دے رہے تھے۔ خود شمشاد نے کچھ دیر پہلے جیپ کے نشانات پر دوڑ لگانے کی تجویز پیش کی تھی لیکن کیا یہ مناسب ہوتا کہ وہ اُس لاش کو دو مشتبہ آدمیوں کی تحویل میں دے کر خود اس لڑکی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا۔ وہ سوچتا رہا اور پھر یہ فیصلہ کیا کہ شمشاد کو اپنے ساتھ رکھے اور دوسرے آدمی پر لاش کی نگرانی کی ذمہ داری عائد کر کے وہیں چھوڑ جائے۔ کچھ دیر بعد شمشاد اس کے برابر بیٹھا ہوا کہہ رہا تھا۔ ''نشانات ابھی واضح نظر آرہے ہیں لیکن کچھ دیر بعد یہ اڑانے والی ریت میں دفن ہوجائیں گے۔''

''ہوسکتا ہے.....کچھ دور چلنے کے بعد ہی سلسلہ منقطع ہوجائے۔''

''جی ہاں یہ بھی ممکن ہے.....لیکن میں جانتا ہوں کہ اس طرف جانے والے کہاں تک جاسکتے ہیں۔''

''آپ نے کہا تھا کہ شیر علی خان صاحب کی موت معمولی حالات میں نہیں ہوئی کا کیا مطلب تھا۔''

''میں دراصل اسی لئے ایک ہفتے سے سعد آباد میں مقیم تھا کہ حقیقت معلوم کر سکوں میرا خیال ہے کہ انہیں اپنی موت کا علم پہلے سے ہو گیا تھا۔''

''آخر کس بناء پر آپ نے یہ رائے قائم کی ہے۔''

''جس وقت انہوں نے آپکے حق میں وصیت نامہ مرتب کیا تھا۔ میں بھی موجود تھا وصیت نامہ مرتب کرنے کے تین دن بعد مجھے اطلاع ملی کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ تکفین میں میری شرکت نہیں ہو سکی تھی۔''

''کیا وہ بیمار تھے۔''

''ہرگز نہیں..... کسی مستقل مرض میں بھی مبتلا نہیں تھے۔''

''کیا انہوں نے کبھی زندگی سے مایوسی کا بھی اظہار کیا تھا۔''

''کبھی نہیں! بے حد زندہ دل آدمی تھے۔ کسی کو مغموم نہیں دیکھ سکتے تھے۔ لیکن آپ پر تو غور کیجئے کہ کوئی تندرست آدمی اچانک وصیت نامہ مرتب کرنے بیٹھے اور تین دن مرجائے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ جیپ آگے بڑھتی رہی۔ کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔''اپنے وکیل عزیز سے ان کے تعلقات محض کاروباری تھے یا کچھ اور بھی۔''

''دونوں بہت اچھے دوست بھی تھے۔'' شمشاد نے جواب دیا۔

''چودھری صاحب کی تجہیز و تکفین میں کن لوگوں نے حصہ لیا تھا۔ کیا شاہد عزیز بھی اس وقت۔''

''اس سلسلے میں آپ پوری معلومات چودھری صاحب کے خصوصی ملازم دلاور سے حاصل کر سکیں گے۔''

حمید نے دفعتاً جیپ روک دی کیونکہ یہاں دوسری گاڑی کے نشانات معدوم ہو گئے تھے۔

''چلتے رہئے..... ان اطراف میں صرف ایک جگہ ایسی ہے جہاں وہ جا سکتے ہیں

شمشاد نے کہا۔''اس کے علاوہ دور دور تک ریگزار کے علاوہ اور کچھ نہیں۔''

''جو لوگ اتنے چالاک ہوں وہ اس طرح اپنا سراغ نہیں چھوڑیں گے کہ آپ ان تک بہ آسانی پہنچ سکیں۔ ہو سکتا ہے..... یہاں سے وہ پھر پختہ سڑک کی طرف مڑ گئے ہوں۔''

''اوہ..... میں نے تو اس پر غور ہی نہیں کیا تھا۔''

''میرا خیال ہے کہ ہمیں اس بھاگ دور سے باز رہنا چاہئے..... ویسے اس علاقہ کا پولیس اسٹیشن کہاں ہے۔''

''اس کے لئے ہمیں سڑک ہی کی طرف واپس چلنا پڑے گا۔ جہاں سے آپ بستی کی طرف مڑے ہوں گے وہاں سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔''

''سعد آباد کی سمت۔''

''جی ہاں۔''

جیپ وہاں سے پھر واپس ہوئی تھی۔ شمشاد کی حویلی کے قریب پہنچے تو اس کے ایک حصے سے دھوئیں کے کثیف مرغولے اٹھتے ہوئے دکھائی دیتے۔

''ارے..... یہ..... کیا ہوا.....!'' شمشاد کہتا ہوا جیپ سے کودا اور عمارت کی طرف دوڑنے لگا۔

عمارت کے گرد بستی کے لوگ جمع تھے۔ شمشاد اور حمید آگے پیچھے عمارت کے اندر داخل ہوئے۔ کچن میں جہاں انہوں نے لاش دیکھی تھی آگ لگی نظر آئی۔ بستی کے لوگ بالٹیوں میں پانی لئے آگ بجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔

کچن کے سامنے شمشاد کا ساتھی فرش پر اوندھا پڑا تھا۔ شمشاد اس کی طرف جھپٹا۔

''عاقل خان..... عاقل خان.....!'' وہ اسے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر آواز دے رہا تھا۔

عاقل خان پر بے ہوشی طاری تھی اور بے ہوشی کا سبب غالباً سر کی چوٹ بنی تھی جس سے خون بہہ بہہ کر فرش پر پھیل گیا تھا۔

بستی والوں سے صرف اتنا معلوم ہو سکا تھا کہ انہوں نے عمارت سے اچانک دھواں اٹھتے دیکھا تھا اور ادھر دوڑ آئے تھے۔ عاقل خان انہیں اسی حالت میں بے ہوش پڑا ملا تھا۔

حمید نے پٹرول کی بو پہلے ہی محسوس کر لی تھی اور دوڑ کر اپنی گاڑی کی طرف گیا تھا اور

اس پر یہ انکشاف ہوا تھا کہ فالتو پٹرول کے ٹن غائب ہیں۔ ٹائروں کی ہوا بھی کسی نے نکال دی تھی۔

بہر حال آگ پر قابو پالئے جانے کے بعد حمید کچن میں داخل ہوا۔ لاش مسخ ہو کر ناقابل شناخت ہو چکی تھی۔ آگ لگانے کا مقصد بھی شاید یہی تھا کہ لاش جل کر شناخت کے قابل نہ رہے۔

عاقل خان ہوش میں آنے کے بعد یہ نہ بتا سکا کہ اس پر پیچھے سے کس نے حملہ کیا تھا۔

چار بجے کے قریب حمید اس علاقے کے پولیس اسٹیشن سے رابطہ قائم کر سکا تھا۔

اس نے اپنی رپورٹ درج کرائی اور شمشاد سمیت اس کی جیپ سے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ عمارت اور اپنی گاڑی کی نگرانی کے لئے دو مسلح سپاہی متعین کرا دیئے تھے۔

شہر پہنچتے پہنچتے رات ہو گئی۔ فریدی گھر ہی پر موجود تھا۔ حمید کی واپسی پر اس نے حیرت ظاہر کی تھی، لیکن جب اس کی کہانی سنی تو طویل سانس لے کر بولا۔ ''تمہارا مقدر.....!''

اور پھر شمشاد کو گھورنے لگا تھا۔ شمشاد گڑبڑا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

''سچی بات.....شمشاد صاحب؟'' فریدی آہستہ سے بولا۔

''مم.....میں نے جو کچھ بتایا ہے.....اس میں شمہ برابر بھی جھوٹ نہیں۔''

''اچھا تو پھر سعد آباد میں اپنی مصروفیات کے بارے میں بتایئے۔''

''کک.....کچھ بھی نہیں۔ بس اتنی سی بات ہے کہ میں شیر علی مرحوم کے بارے لوگوں سے پوچھ گچھ کر رہا تھا۔''

''وجہ.....؟''

''پہلے ہی بتا چکا ہوں.....قدرتی بات ہے کوئی اچھا بھلا شخص وصیت نامہ مرتب کرنے کے تین دن بعد مر جائے تو.....کیا کہیں گے۔''

''اوہو.....آپ غالباً یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جس کے حق میں وصیت نامہ مرتب کیا گیا اس نے جلد از جلد جائیداد حاصل کرنے کے لئے۔''

''نن.....نہیں جناب۔'' شمشاد نے ہاتھ اٹھا کر احتجاجاً کہا۔ ''میں تت.....تصور نہیں کر سکتا.....! ہرگز نہیں.....خدا کی پناہ.....شیر علی مرحوم نے کبھی یہ بات ظاہر نہیں کی تھی

ان کا وارث کوئی پولیس آفیسر ہے۔''

''اسی لئے میں سچی بات جاننا چاہتا ہوں۔'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''جو کچھ میں پہلے کہہ چکا ہوں اس کے علاوہ اور کوئی بات میرے علم میں نہیں ہے۔''

''کوئی اور ایسا فرد جو اُن کے ترکے کا دعویٰ دار ہو سکے۔''

''جی نہیں! مجھ سے تو وہ صرف اپنے ایک بھانجے ساجد حمید کا ذکر کیا کرتے تھے۔''

''ہوں! لیکن اب سوال یہ ہے.....!'' فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ اس کی آنکھوں میں پل بھر کے لئے عجیب سی چمک نظر آئی تھی اور وہ اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''ایڈووکیٹ.....شاہد عزیز۔'' اس نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ پھر شمشاد سے بولا۔

''آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں گے۔''

''ضرور.....ضرور.....وہ مجھ سے بخوبی واقف ہے۔''

کچھ دیر بعد فریدی کی لنکن اسی عمارت کے سامنے رکی جس میں وکیل کا فلیٹ تھا۔

حمید کی رہنمائی میں وہ فلیٹ نمبر بیالیس تک پہنچے جو تیسری منزل پر واقع تھا۔

حمید ہی نے کال بل کا بٹن دبایا۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے دباتا ہی رہا۔ لیکن دروازہ نہ کھلا۔ فریدی کی نظر رسٹ واچ پر تھی۔ دو منٹ گزر جانے کے بعد اس نے برابر والے فلیٹ کی کال بل کا بٹن دبایا۔

دروازہ کھلنے میں دیر نہیں لگی تھی۔

''فرمایئے جناب!'' بوڑھے آدمی نے فریدی کو نیچے سے اوپر دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں ایک پولیس آفیسر ہوں۔''

''اوہ.....تو پھر جناب۔'' بوڑھا کچھ نروس سا نظر آنے لگا تھا۔

''برابر والے فلیٹ کی گھنٹی دیر سے بجائی جا رہی ہے لیکن جواب نہیں ملتا۔''

''تو پھر میں.....میں اس سلسلے میں کیا کر سکوں گا جناب۔''

''آپ کی موجودگی میں ہم اندر داخل ہونا چاہتے ہیں۔''

''کک.....کوئی گڑبڑ.....جناب۔''

''ضروری نہیں ہے۔''

لیکن جب وہ اندر پہنچے تو گڑبڑ ہی نظر آئی۔ دروازہ اندر سے بولٹ نہیں کیا گ
بنڈل گھماتے ہی کھل گیا تھا۔

سامنے فرش پر ایک آدمی اوندھا پڑا دکھائی دیا۔ شب خوابی کا لباس اور گاؤن جسم پر

''اوہو.....!'' حمید تیزی سے آگے بڑھا۔

''ٹھہرو.....!'' فریدی ہاتھ اُٹھا کر بولا اور خود آگے بڑھ کر اس پر جھک پڑا۔

اس کا چہرہ دوسری طرف تھا۔ دروازے کے قریب سے اسے شناخت نہیں کیا

۔ دفعتاً فریدی نے مڑ کر حمید کو قریب آ[illegible] کا اشارہ کیا۔

''اوہ.....!'' حمید چہرے پر نظر پڑتے ہی ٹھٹک گیا۔

''یہی ہے.....؟'' فریدی نے پوچھا۔ حمید نے سر کو اثباتی جنبش دی۔

''مر چکا ہے؟'' فریدی نے دوسروں کی طرف مڑ کر کہا۔

''کک.....کون ہے؟'' شمشاد نے تھوک نگل کر پوچھا۔

''شاہد عزیز.....!''

پڑوسی اور شمشاد دونوں ہی تیزی سے آگے بڑھے تھے۔ حمید نے دونوں کی آ
میں حیرت کے آثار دیکھے۔

دفعتاً شمشاد نے کہا۔ ''یہ شاہد عزیز نہیں ہے۔''

''کیا.....؟'' حمید سیدھا ہو کر اُسے گھورنے لگا۔

''جی ہاں۔ یہ وکیل صاحب نہیں ہیں۔'' بوڑھے پڑوسی نے کپکپاتی ہوئی آواز میں

اب فریدی اور حمید ایک دوسرے کو گھورے جا رہے تھے۔

''یہ.....یہ.....ڈی آئی جی صاحب بھی.....!'' حمید بات پوری نہیں کر پایا تھا کہ
نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

''پھر یہ کون ہے.....!'' فریدی بوڑھے کی طرف مڑا۔

بوڑھے نے لاعلمی ظاہر کی۔

فریدی نے چاروں طرف نظر دوڑائی اور انہیں وہیں چھوڑ کر دوسرے کمرے میں چلا
حمید اس شخص کی لاش کو گھورے جا رہا تھا جس نے ڈی آئی جی کے سامنے بھی

ایڈووکیٹ شاہد عزیز ظاہر کیا تھا۔ شاید اس کی موت دم گھٹنے کی وجہ سے واقع ہوئی تھی۔ چہرے پر ایسے آثار پائے جاتے تھے۔

دفعتاً حمید نے بوڑھے سے پوچھا۔ ''شاہد عزیز.....اس فلیٹ میں کب سے مقیم تھا۔''

''میرا خیال ہے کہ پچھلے چھ ماہ سے۔''

''اس آدمی کو آپ نے پہلے کبھی یہاں نہیں دیکھا۔'' حمید نے لاش کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''اپنی یادداشت میں تو کبھی نہیں۔ آخر وکیل صاحب گئے کہاں! ان سے میرے بہت اچھے تعلقات ہیں۔''

اتنے میں فریدی واپس آ گیا۔

''یہاں کہیں فون بھی ہے؟'' اس نے بوڑھے سے پوچھا۔

''فون ہے تو یہاں.....غالباً آپ بیڈروم ہی میں تھے۔''

''فی الحال یہاں کا فون استعمال نہیں کیا جا سکتا۔''

''تو پھر میرے فلیٹ میں تشریف لے چلئے۔''

فریدی اس کے ساتھ چلا گیا۔ حمید اور شمشاد تنہا رہ گئے۔

''آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے کپتان صاحب۔'' شمشاد نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''کیا آپ مجھے شاہد عزیز کا حلیہ بتائیں گے۔'' حمید خود سوال کر بیٹھا۔

''حلیہ.....حلیہ.....کھڑا کھڑا نقشہ.....خوبصورت سی سیاہ ڈاڑھی.....ریم لیس فریم کی عینک لگاتا ہے۔ خوش لباس آدمی ہے.....جامہ زیبی میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتا.....لیکن.....یہ آدمی.....کک.....کیا.....میرا مطلب یہ ہے کہ آپ دونوں کی گفتگو سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ شاید یہ آدمی۔''

''غیر ضروری باتیں نہیں۔'' حمید نے ہاتھ اُٹھا کر خشک لہجے میں کہا۔

شمشاد کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات نظر آئے اور وہ دوسری طرف دیکھنے لگا۔

پھر کچھ دیر بعد محکمہ سراغرسانی کے مختلف شعبوں کے ماہرین وہاں پہنچ گئے تھے اور لاش سے متعلق ضروری کارروائی شروع ہو گئی تھی۔

حمید فریدی کے ساتھ دوسرے کمرے میں آیا۔ یہاں ایک بڑی مسہری، دو کرسیوں،

ایک چھوٹی میز اور ایک بک شیلف کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔

حمید کتابوں کی الماری کے قریب جا کھڑا ہوا اور اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس میں قانون کی ایک بھی کتاب نہیں تھی۔

دفعتاً اس نے فریدی کو کہتے سنا۔ ''غالباً تم قانون کی کوئی کتاب تلاش کر رہے ہو۔''

''قدرتی بات ہے.....!'' حمید نے جواب دیا۔

فریدی پھر کچھ نہیں بولا تھا۔

حمید الماری کا جائزہ لیتے لیتے دفعتاً چونک پڑا اور مڑ کر فریدی کی طرف دیکھا جو بستر جھکا ہوا کچھ دیکھ رہا تھا۔ حمید الماری کے پاس سے ہٹ کر اس کے قریب پہنچا۔

''ہوں!'' فریدی بدستور جھکا ہوا بولا۔ ''کچھ کتابیں الماری میں الٹی بھی لگی ہوئی ہیں۔''

''جی ہاں..... میں یہی بتانا چاہتا تھا۔''

فریدی سیدھا کھڑا ہو کر چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ ''کہیں انتشار کے آثار نہیں ملتے..... پھر بھی قتل کے بعد یہاں کوئی چیز ضرور تلاش کی گئی ہے۔ الما میں الٹی کتابیں جلد بازی کا نتیجہ ہیں کیوں نہ تم الماری دوبارہ خالی کر دو۔''

''یعنی کتابیں فرش پر ڈال دوں۔''

''ہاں.....!''

حمید نے اس مشورے پر عمل کرنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ کتابیں شیلف سے نکال کر ڈھیر کرتا رہا۔ اس دوران میں فریدی نے بستر الٹ دیا تھا اور گدے کے نیچے برآمد ہونے والی کسی چیز کو بہت غور سے دیکھے جا رہا تھا۔

شیلف بھی خالی ہو گئی۔ اس میں اب کچھ بھی نہیں تھا۔ فریدی نے جو چیز بستر کے اٹھائی تھی حمید کے قریب پہنچنے سے قبل ہی جیب میں ڈال لی اور شیلف کی طرف متوجہ ہو گیا

''کچھ بھی نہیں ہے؟'' حمید نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دوسرے کمرے سے عجیب سی آوازیں آئیں اور فریدی کا ایک ماتحت تیزی سے کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں سیاہ رنگ کی ا مصنوعی ڈاڑھی تھی۔

دوسری ڈاڑھی

وہ مصنوعی ڈاڑھی لاش کے نیچے دبی ہوئی ملی تھی۔ اس اطلاع پر حمید نے معنی خیز نظروں سے فریدی کی طرف دیکھا۔

فریدی نے ڈاڑھی اپنے ماتحت کے ہاتھ سے لے لی تھی اور اُسے الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ ڈاڑھی سے پلاسٹک کا خول بھی منسلک نظر آیا جس کی بناوٹ ناک کی سی تھی۔

''کیا لاش اس جگہ سے اٹھالی گئی.....!'' فریدی نے ماتحت کو گھورتے ہوئے سرد لہجے میں پوچھا۔

''جی ہاں..... اسٹریچر پر رکھ دی گئی ہے۔''

''تم نے اسے اٹھایا کیوں؟'' فریدی نے ڈاڑھی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''مجھے صرف اطلاع دینی تھی۔''

''غغ..... غلطی ہو گئی جناب۔'' ماتحت اس غیر متوقع سوال پر بوکھلا گیا۔

''فرش پر لاش کی آؤٹ لائین بنا دی گئی ہے یا نہیں۔''

''بنا دی گئی ہے جناب۔''

فریدی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ لاش ابھی کمرے ہی میں موجود تھی۔ اسٹریچر باہر نہیں لے جایا گیا تھا۔

فرش پر لاش کی جگہ سفید چاک سے اس کی آؤٹ لائن بنائی گئی تھی۔ فریدی نے نقلی ڈاڑھی کو اسی ماتحت کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''اسے پھر اسی جگہ ڈال دو جہاں سے اٹھائی گئی تھی۔''

ماتحت نے فوراً تعمیل کی۔ ڈاڑھی لاش کی آؤٹ لائن کے وسط میں رکھ دی گئی تھی۔

فریدی کبھی ڈاڑھی کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی اسٹریچر پر رکھی ہوئی لاش کی طرف۔

''کیا خیال ہے.....!'' حمید آہستہ سے بولا۔ ''جھگڑے کے دوران میں ڈاڑھی نکل گئی اور وہ جلدی میں اسے ساتھ نہ لے جا سکا۔''

''کون ساتھ نہ لے جا سکا؟'' فریدی نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''قاتل.....!''

''ہونہہ..... یہ ڈاڑھی اس لاش کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی۔'' اس نے کہا اور ڈاڑھی کو فرش سے اُٹھا کر قریب پہنچا اور پلاسٹک کا خول اس کی ناک پر جماتے ہوئے ڈاڑھی کے دونوں گوشے کنپٹیوں تک لے گیا پھر حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ ''شمشاد اور بوڑھے پڑوسی کو بلاؤ۔''

وہ دونوں اندر لائے گئے اور جیسے ہی لاش پر ان کی نظریں پڑیں بیک وقت اُن کی زبانوں سے ''ارے'' نکلا۔

''وکیل صاحب۔'' بوڑھا تھوک نگل کر بولا اور شمشاد نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔

''ہوں..... کیا بات ہے؟'' حمید نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرم لہجے میں سوال کیا

''مم..... میرا سر چکرا رہا ہے..... جناب.....!'' شمشاد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

فریدی نے حمید کو اشارہ کیا کہ فی الحال خاموش رہے۔

کچھ دیر بعد لاش وہاں سے ہٹا دی گئی۔ پھر وہاں ان چاروں کے علاوہ اور کوئی نہ گیا۔ شمشاد اور بوڑھے پڑوسی کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ڈاڑھی کی دریافت کے بعد ہی انہیں پہلی بار احساس ہوا ہو کہ کوئی مار ڈالا گیا ہے۔

فریدی نے پڑوسی کو متوجہ کر کے پوچھا۔ ''شاہد عزیز سے آپ کے تعلقات کیسے تھے۔''

''اچھے ہی تھے جناب۔ وہ خوش اخلاق اور نرم مزاج آدمی تھے لیکن سمجھ میں نہیں آتا نقلی ڈاڑھی..... بھلا اس کی کیا ضرورت تھی۔''

''کیا آپ نے کبھی انہیں کسی کورٹ میں بھی دیکھا تھا۔''

''جی نہیں..... اس کا اتفاق کبھی نہیں ہوا۔''

''ان کے موکل یہاں بھی آتے رہتے ہوں گے۔''

''اس کے بارے میں بھی یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکوں گا۔''

پھر فریدی نے بوڑھے کو رخصت کرتے ہوئے کہا۔ ''ہو سکتا ہے کہ آپ کو پھر تکلیف دی

جائے۔''

''میں ہر وقت حاضر ہوں جناب۔''

شمشاد کے چہرے کی زردی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس طرح سر جھکائے بیٹھا تھا جیسے اس انکشاف کی بناء پر اسے گہرا صدمہ پہنچا ہو۔

فریدی کے اشارے پر حمید نے اسے سہارا دے کر اٹھایا۔

کچھ دیر بعد وہ فریدی کے سٹنگ روم میں ایک آرام کرسی پر نیم دراز بھرائی ہوئی نحیف آواز میں کہہ رہا تھا۔ ''میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ شاہد عزیز کی ڈاڑھی نقلی ہوگی..... آخر ..... یہ سب کیا ہے..... میری عقل کام نہیں کرتی اگر اس نے کسی قسم کا فراڈ کیا تھا تو خود اسے کس نے مار ڈالا۔''

''میرا خیال ہے کہ آپ کے علاوہ اور کوئی اس پر روشنی نہ ڈال سکے گا؟'' فریدی نے اسے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

''مم..... میں..... یقین کیجئے۔''

''پلیز..... شمشاد صاحب۔'' حمید ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ ''میں آپ کو یہاں اسی لئے لایا ہوں کہ آپ کرنل صاحب سے کسی قسم کی بھی غلط بیانی نہ کر سکیں..... آپ میرے ماموں صاحب کے دوست ہیں ورنہ حقیقت تو میں ہی آپ سے اگلوا لیتا۔''

''مم..... میں دل کا مریض ہوں..... آپ لوگ مجھ پر رحم کیجئے۔''

''مجھے اچھی طرح یاد ہے۔'' حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔ ''یاد کیجئے اپنا جملہ۔ آپ نے کہا تھا کہ اب میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ شیر علی مرحوم معمولی حالات کے تحت نہیں مرے اور شائد میں بھی ایسے ہی حالات کا شکار ہونے والا ہوں۔''

شمشاد تھوک نگل کر رہ گیا پھر کھوکھلی آواز میں بولا۔ ''مجھے تو نہیں یاد پڑتا کہ میں نے ایسی کوئی بات کہی ہو۔''

''مجھے اچھی طرح یاد ہے۔'' حمید نے سخت لہجے میں کہا۔

''بس ختم کرو۔'' دفعتاً فریدی ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ ''شمشاد صاحب اگر آپ زیادہ تکلیف محسوس کر رہے ہوں تو میں ڈاکٹر کو طلب کروں۔''

''نن.....نہیں جناب.....آپ مجھے میری قیام گاہ پر بھجوا دیجئے۔''

''کیا یہاں بھی آپ کی کوئی قیام گاہ موجود ہے۔''

''جی ہاں.....موڈل کالونی میں شمشاد ولا۔''

''اوہ.....اچھا.....حمید.....تم ہی جاؤ۔''

دن بھر کی تھکن کے بعد اب حمید کی حالت اس قابل نہیں تھی کہ اخلاقاً بھی کسی کوئی ڈیوٹی برداشت کرسکتا۔ لیکن وہ اچھی طرح جانتا تھا فریدی خود اسے کیوں زحمت د ہے۔ یہ کام تو اس کا ڈرائیور بھی بخوبی انجام دے سکتا تھا۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ فرید شمشاد کی طرف سے مطمئن نہیں ہے۔

شمشاد کی جیپ وہیں رہ گئی تھی اور حمید اسے فریدی کی لنکن میں بٹھا کو موڈل کالو طرف روانہ ہوگیا تھا۔

شمشاد کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔''میں سوچ رہا ہوں کہ کہیں آپ لوگ ہی ان سب وارداتوں کا ذمہ دار تو نہیں سمجھ رہے؟''

''کیا ہم اس حد تک جاسکتے ہیں؟'' حمید نے سوال کیا۔

''حالات کے تحت اس کا امکان ہے۔''

''لیکن آپ حقیقتاً بالکل معصوم ہیں.....کیوں؟''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہوں؟ جو کچھ کہنا چاہتا ہوں اس کے سلسلے میں کو ثبوت نہیں رکھتا۔''

''کہہ بھی چکئے کسی صورت سے۔ اس کا فیصلہ ہم پر چھوڑ دیجئے کہ ہم اس پر یقین یا نہ کریں۔''

''ہم سب کسی سازش کا شکار ہوئے ہیں۔''

''ہرگز نہیں.....ہم تو ابھی ابھی کسی نائٹ کلب میں جشن منا رہے تھے۔''

''میں سنجیدگی سے گفتگو کر رہا ہوں کپتان صاحب۔'' شمشاد نے ناخوشگوار لہجے میں

''میں آپ کو غیر ضروری الفاظ کے استعمال سے باز رکھنا چاہتا ہوں.....اگر آپ بتانے جا رہے ہیں تو اب اس کیلئے تمہید ضروری نہیں۔ صبح سے تمہید ہی تمہید تو چل رہی

نمبر 38

''میری دشواری یہ ہے کہ خود بھی ایک غیر قانونی حرکت کا مرتکب ہو چکا ہوں۔ قانون کی خلاف ورزیوں کو اس کا علم نہیں۔ لیکن وہ لوگ میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔''

''پھر تمہید.....!'' حمید بھنا کر بولا۔''اب مجھ پر رحم کیجئے ورنہ میں ماموں کا دوست ہونا قانونی قرار دلوا دوں گا۔''

''مم.....میں نے شیر علی خان مرحوم کی قبر کھودنے کی کوشش کی تھی۔ اسی رات سے کچھ معلوم لوگ میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔''

حمید نے طویل سانس لی اور گاڑی کی رفتار کم کرکے اسے بالآخر سڑک کے کنارے روک دیا۔

''کک.....کیوں؟''

''پیارے شمشاد ماموں.....آخر آپ نے اتنی اہم بات اب تک کیوں چھپائے رکھی تھی۔''

''اس شخص کے سامنے میری گھگھی بندھ جاتی ہے۔ وہ جو تمہارا آفیسر ہے.....کیا نام ہے اس کا۔''

''کرنل فریدی۔''

''ہاں.....ہاں.....اسکی آنکھیں مجھے اپنی ہڈیوں میں پیوست ہوتی محسوس ہونے لگتی تھیں۔''

''مجھے بتا دیا ہوتا۔'' حمید نرم لہجے میں بولا۔''اب میں اسے مناسب نہیں سمجھتا کہ آپ کو کہیں تنہا چھوڑ دوں۔''

''کک.....کیا مطلب؟''

''آپ ہمارے ساتھ ہی قیام کریں گے۔''

''مم.....میں بھی یہی سوچ رہا تھا.....لیکن جو کچھ پوچھنا ہے آپ ہی پوچھ لیجئے.....میں کرنل فریدی سے گفتگو نہیں کرسکتا۔''

''اچھی بات ہے.....تو پھر پہلے ہم آپ کی مقامی قیام گاہ پر چلتے ہیں۔''

''مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہاں بھی کوئی پریشان کن وقوعہ پہلے ہی سے میرا منتظر نہ ہو.....میرے خدا آج کا دن کتنا منحوس تھا۔''

''ہوسکتا ہے.....تو پھر ہم کہاں چلیں۔''

''میری عقل جواب دے گئی ہے.....آپ ہی کچھ سوچئے۔''

''میرے خیال سے یہاں بھی باتیں ہوسکتی ہیں۔ آپ نے مرحوم کی قبر کیوں کھودی تھی؟''

''مجھے یقین نہیں ہے کہ وہ طبعی موت مرے ہوں گے؟''

''اگر آپ ان کے ایک مخلص دوست تھے تو آپ کو اپنے شبہ کا اظہار باضابطہ طور پر چاہئے تھا۔ پولیس سے رجوع کرنے کی کوشش کرتے۔''

''پہلے میں خود مطمئن ہونا چاہتا تھا۔''

''ہوں! بات تفصیل طلب معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے شمشاد ولا ہی چلنا چاہئے۔''

''کک.....کیوں.....؟''

''بھلا آپ کس طرح اپنا اطمینان کرتے.....کیا آپ لاش دیکھ کر بتا سکتے ہیں کہ کن حالات میں ہوئی ہوگی؟''

''نن.....نہیں؟''

''پھر قبر کھودنے کا کیا مقصد ہوسکتا ہے۔''

''مم.....مجھے گھر لے چلئے.....میری حالت بگڑ رہی ہے۔''

حمید نے پھر گاڑی اسٹارٹ کی۔ اس کے ہونٹ سختی سے بھنچے ہوئے تھے۔ شمشاد خاصی شاندار عمارت ثابت ہوئی۔ حمید نے شمشاد کو سہارا دے کر گاڑی سے اُتارا تھا۔ کچھ اور لوگ بھی پہلے ہی سے مقیم تھے۔ شمشاد نے بتایا کہ اس نے اپنے بعض قریبی عزیز کو یہ شہری قیام گاہ عاریتاً دے رکھی ہے۔

حمید نے اسے دیوان پر لٹا دیا اور خود ایک کرسی کھینچ کر اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ شمشاد کی آنکھیں بند تھیں اور وہ گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے نحیف سی آواز میں کہا۔ ''میں نے دوبارہ قبر کھودنے کی کوشش کی لیکن چند نامعلوم آدمیوں کی مداخلت کی بناء پر کامیاب نہ ہوسکا۔''

''آپ تنہا ہی تھے یا کوئی اور بھی ساتھ تھا۔''

''تنہا.....کیپٹن حمید.....اصل بات یہ ہے کہ مجھے چودھری صاحب کی موت ہی پر یقین نہیں آیا۔''

''کیا مطلب.....؟'' حمید اچھل پڑا۔

''ہاں.....میں یہی دیکھنا چاہتا تھا کہ قبر میں لاش ہے بھی یا نہیں۔''

''خدا کی پناہ.....کتنی دیر بعد آپ نے اصلیت ظاہر کی ہے۔ کیا میں اس کی وجہ پوچھ سکتا ہوں۔''

''جو کچھ بھی میں نے کہا ہے اس کے لئے کوئی واضح ثبوت نہیں رکھتا۔ اسی لئے زبان سے نہیں نکال رہا تھا۔''

''کوئی شبہ بے بنیاد نہیں ہوتا۔ لہٰذا میں شبہے کی وجہ جاننا چاہوں گا۔''

''چودھری صاحب بے حد پُراسرار تھے۔ ان کے بارے میں کبھی کوئی کچھ نہ جان سکا۔ آپ اپنی ہی بات لے لیجئے۔ انہوں نے کسی کو نہیں بتایا کہ آپ کا عہدہ کیا ہے۔ نہ یہی بتایا کہ آپ ان سے ملنے کے لئے سعد آباد کیوں نہیں گئے!''

''یہ ذاتی نوعیت کے معاملات ہیں۔'' حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

''بہرحال میں انہیں پچھلے دو ماہ سے بہت زیادہ پریشان دیکھتا رہا تھا۔''

''یہ بھی کوئی ایسی بات نہیں جس کے لئے آپ قبر کھودنے بیٹھ جائیں۔''

''یہ بات بھی ذہن نشین کر لیجئے کہ اپنے دوستوں میں سب سے زیادہ اعتماد مجھ پر کرتے تھے۔''

''آہا.....!'' حمید جھنجھلا کر بولا۔ ''انہوں نے خود ہی آپ کو مشورہ دیا تھا کہ قبر کھود کر دیکھ لینا کہ میں موجود ہوں یا نہیں۔''

''مم.....میری بات سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ انہوں نے مجھ سے کہا تھا وہ خود کو خطرے میں محسوس کر رہے ہیں اگر کچھ دنوں کے لئے روپوش ہوجائیں تو اس کی چھان بین نہ کی جائے۔ خود اپنے خاندانی معاملات میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ اس میں بعض افراد کی علالتیں بھی شامل تھیں۔ زیادہ تر پہاڑ پر رہا۔ واپس آیا تو ان کی موت کی خبر سنی.....خداوندا.....میری تو عقل ہی خبط ہوکر رہ گئی ہے۔ یہ شاہد عزیز.....آخر یہ کیا کر رہا تھا۔ پھر اس طرح مردہ پایا گیا۔ پتہ نہیں۔ چودھری صاحب اس کی اصلیت سے واقف تھے یا نہیں۔ یقین کیجئے میں تو قریب سے بھی اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ ڈاڑھی نقلی ہوگی اور ہاں آپ کو میری دیہی قیام گاہ پر اس

طرح الجھایا گیا کہ آپ لوگ مجھ پر کسی قسم کا شبہ کرنے لگیں۔''

وہ خاموش ہوگیا۔ حمید اس کے چہرے پر چھائی ہوئی زردی کو بغور دیکھے جا رہا تھا۔

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور حمید انسٹرومنٹ کی طرف متوجہ ہوگیا۔

''ذرا تکلیف کیجئے۔'' شمشاد نے ملتجیانہ انداز میں کہا۔ ''اگر کوئی مجھے پوچھے تو دیجئے گا کہ طبیعت خراب ہے۔ خود فون اٹینڈ نہیں کرسکتا۔''

حمید نے اُٹھ کر ریسیور اٹھایا۔

''ہیلو.....!''

''اوہ تو تم ہی ہو۔'' دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔ ''فوراً واپس آؤ..... ہم وقت سعد آباد جائیں گے۔ شمشاد صاحب کی طبیعت بہتر ہو تو وہ بھی ساتھ چل سکتے ہیں۔''

''ٹھہریئے..... میں پوچھتا ہوں۔''

حمید ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر شمشاد کی طرف مڑا اور فریدی کی پیشکش کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اگر آپ چل سکیں تو ہمیں مزید آسانیاں ہو جائیں گی۔''

''اب مجھ میں سکت نہیں رہی کپتان صاحب۔ ایک ہفتے سے پہلے شاید ہی بستر سے اُٹھ سکوں۔ دل کی حالت بہتر نہیں ہے۔''

حمید نے فریدی کو اس کی اطلاع دے کر سلسلہ منقطع کر دیا۔ اس کے بعد وہ گھر کی طرف روانہ ہوگیا تھا۔ آنکھیں نیند کے دباؤ سے بوجھل ہوئی جا رہی تھی۔

گھر پہنچ کر معلوم ہوا کہ فریدی تجربہ گاہ میں ہے۔ سیدھا وہیں چلا گیا۔ وہ اس سے کہنا چاہتا تھا کہ اگر دو تین گھنٹے سو کر گزار لینے کے بعد سفر شروع کیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔

تجربہ گاہ میں اندھیرا تھا۔ دروازہ کھولتے ہی اس نے فریدی کی آواز سنی۔

''کون ہے؟'' اس نے سخت لہجے میں پوچھا تھا۔

''اُلو.....!'' حمید بھنا کر بولا۔

''اوہ..... کیوں.....؟ کیا بات ہے؟''

''روشنی کیجئے۔''

''جاؤ..... سو جاؤ..... صبح باتیں ہوں گی۔'' فریدی نے کہا۔

''کیا مطلب.....؟ سعد آباد نہیں چلنا۔''

''ہوش میں ہو یا نہیں..... اس وقت سعد آباد۔''

''تو کیا ابھی آپ نے شمشاد ولا فون نہیں کیا تھا۔''

''نہیں.....! کیا قصہ ہے؟ وہیں ٹھہرو۔ میں آ رہا ہوں۔''

حمید دروازے کے قریب ہی رک گیا تھا۔ وہ دونوں تجربہ گاہ سے باہر آئے۔ حمید نے فون کال کے بارے میں بتایا۔

''میں نے تمہیں فون نہیں کیا تھا۔ تمہارے جانے کے بعد سے تجربہ گاہ ہی میں رہا ہوں۔''

''تب تو شمشاد بھی قتل ہو چکا ہوگا۔''

''کیوں؟'' فریدی نے اُسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

حمید نے جلدی جلدی اپنی اور شمشاد کی گفتگو دہرانے کی کوشش کی۔ ''ایکس چینج سے شمشاد ولا کے نمبر معلوم کرو۔'' فریدی نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

نمبر حاصل کرنے میں پانچ منٹ صرف ہوئے تھے۔ فریدی نے شمشاد ولا سے رابطہ قائم کر کے شمشاد کی خیریت دریافت کی۔

''دل کا دورہ پڑا ہوا ہے۔'' دوسری طرف سے کسی عورت نے کہا۔ ''خود فون اٹینڈ نہیں کرسکتے۔ آپ کون صاحب ہیں۔''

''بس خیریت معلوم کرنی تھی۔ انہیں تنہا نہ چھوڑا جائے تو بہتر ہوگا۔''

''ہم سب ان کے قریب ہی موجود ہیں۔ آپ کون صاحب ہیں؟''

''طبیعت بہتر ہو تو کہہ دیجئے گا کہ کرنل فریدی نے خیریت دریافت کی تھی۔''

''بہت بہتر جناب۔''

''شکریہ.....!'' فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

''کیا بات ہوئی۔'' حمید بڑبڑایا۔

''ضروری نہیں کہ ہر بات کی تہہ میں کچھ نہ کچھ.....!'' فریدی جملہ ادھورا چھوڑ کر پُرتفکر انداز میں سگار سلگانے لگا۔

''اب آپ فلٹر ٹپڈ سگار بنوایا کیجئے۔ اگر اس سلسلے میں کمپنی سے مراسلت کریں تو بہتر ہوگا۔''

فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔ اس نے پکڑ کر زینوں کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

اور پھر جب وہ لنکن میں بیٹھ گئے اور لنکن باہر جانے کے لئے پھاٹک سے گزرنے لگی تو حمید نے شمشاد کا نام لے کر کئی بیہودہ خیالات کا اظہار کیا۔

''اس سے کیوں خفا ہو گئے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''دن بھر کی تھکن کے بعد ایک گھنٹے کی نیند بھی مقدر میں نہیں۔''

''تو اس میں شمشاد کا کیا قصور..... تمہیں سعد آباد کیلئے اپنا سفر جاری رکھنا چاہئے تھا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ زبان ہلانے سے بہتر تو یہ ہوگا کہ کسی قدر اونگھ ہی کا موقع نکال لے۔ لیکن اونگھنے کا موقع اسے خراٹوں کی دنیا میں گھسیٹ گیا۔

پھر جب تک جھنجھوڑا نہیں گیا تھا آنکھیں نہیں کھلی تھیں۔

''ہم کہاں ہیں۔'' حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

''اپنے حواس مجتمع کرلو۔'' فریدی خشک لہجے میں بولا۔

''شمشاد ولا۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

''کک..... کیوں..... پھر کہاں ہیں۔''

''شاہد عزیز کی رہائش گاہ کے قریب۔ اب اُترو بھی۔''

حمید گاڑی سے اُتر گیا۔ سڑک سنسان پڑی تھی لیکن یہ وہ جگہ تو نہیں تھی۔

''کچھ دور پیدل چلنا پڑے گا۔'' فریدی نے گاڑی سے اترتے ہوئے کہا۔

''کیا پائپ سلگا سکتا ہوں۔'' حمید نے آئی ہوئی جماہی کا گلا گھونٹتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں.....؟''

کچھ دور چلنے کے بعد حمید نے اندازہ لگایا کہ ان کی گاڑی عمارت سے قریباً آ فرلانگ کے فاصلے پر پارک کی گئی تھی۔

زینے طے کر کے وہ اس منزل پر پہنچے جس میں شاہد عزیز کا فلیٹ تھا۔

پوری راہداری تاریک پڑی تھی۔ فریدی ٹھیک فلیٹ کے سامنے تھا۔ حمید کو اچھی طرح

تھا کہ جب وہ یہاں سے واپس ہوئے تھے تو فلیٹ کی نگرانی کے لئے ایک مسلح کانسٹیبل وہاں چھوڑ دیا تھا اور راہداری کے سارے بلب بھی روشن تھے۔

فریدی نے پنسل ٹارچ روشن کی اور حمید چونک پڑا۔ روشنی کا مختصر سا دائرہ مسلح کانسٹیبل پر مرکوز ہو کر رہ گیا تھا۔

''کک..... کیا یہ بھی ختم.....!'' اس نے سرگوشی کی۔

کانسٹیبل دیوار کی جڑ سے لگا لمبا لمبا لیٹا ہوا تھا۔ فریدی نے جھک کر اسے دیکھا اور پھر روشنی کا دائرہ فلیٹ کے دروازے پر رینگ گیا۔ دروازہ بند تھا۔

اس نے بے آہٹگی اس کا ہینڈل گھمایا۔ دروازہ کھلتا چلا گیا۔

کمرے میں اندھیرا تھا۔ لیکن دوسرے کمرے کے دروازے کی جھری روشن تھی۔ حمید نے بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا۔

کوئی اس کمرے میں چل رہا تھا۔ دفعتاً حمید نے فریدی کا بازو پکڑ کر آگے بڑھنے سے روک دیا اور خود دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

پھر دروازہ پر اس نے ٹھوکر رسید کی تھی اور دروازہ اندر گھس گیا تھا۔

کمرہ خالی نظر آیا۔ باتھ روم کی طرف بڑھا ہی تھا کہ فریدی نے آواز دے کر روک دیا۔

وہ تیزی سے اس کے قریب پہنچا تھا۔

''اس میں کیا مصلحت تھی فرزند۔'' اس نے حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

''کیسی مصلحت۔''

''مجھے روک کر خود تمہیں مارخان بننے کی کوشش کر ڈالی۔''

''آپ سے پہلے مرنا چاہتا ہوں۔''

''چچ..... چچ..... دل چھوٹا نہ کرو۔ ایک رات کی نیند پر زندگی نہیں قربان کی جاسکتی۔''

''میں کہتا ہوں اسے باتھ روم سے نکالنے کی کوشش کیجئے۔''

''نکل آؤ بھئی..... جو کوئی بھی ہو۔'' فریدی نے اونچی آواز میں کہا۔ ''آنکھ مچولی سے کیا فائدہ۔''

حمید نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔ فریدی سے اس قسم کی غیر سنجیدگی کی توقع

نہیں تھی۔

اچانک فریدی نے جھپٹ کر باتھ روم کا دروازہ باہر سے بولٹ کرتے ہوئے کہا جو کوئی بھی ہے پوری طرح قابو میں آ گیا۔ کیا خیال ہے۔''

حمید نے پھر اسے حیرت سے دیکھا۔ یہ انداز گفتگو بھی اس کے لئے نیا تھا۔

فریدی اب اپنے بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکال رہا تھا۔ اس نے حمید کو بستر کی طرف جانے کا اشارہ کیا اور اب یہ بات حمید کی سمجھ میں آئی کہ جو بھی ہے اس نے بستر کے نیچے ہی پناہ لی ہوگی۔ کیونکہ چادر فرش تک لٹکی ہوئی تھی۔

''بستر کے نیچے سے نکلو.....!'' دفعتاً فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ ''ورنہ تمہاری چھلنی ہو جائے گا۔''

ٹھیک اسی وقت حمید کی طرف چادر کا کنارہ اٹھا اور اس نے دروازے کی جانب بھاگنے کی کوشش کی تھی۔

''نہیں محترمہ۔'' حمید ریوالور کو جنبش دے کر بولا۔ ''اپنا پردہ برقرار ہی رکھئے تو بہتر ہے۔''

باریش چہرے والی محترمہ نے بے بسی سے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

''کرنل صاحب! یہ ہیں محترمہ شاہدہ فاروقی۔'' حمید نے شاہدہ پر نظر جماتے ہوئے

''اوہ.....اچھا.....!'' فریدی کا لہجہ پُرسکون تھا۔

''اوہ.....اچھا.....!'' شاہدہ نے اس کے لہجے کی نقل اتاری اور فریدی چونک کر گھورنے لگا۔ دونوں آوازوں میں سرمو فرق نہیں تھا۔

''اوہ.....تو کچھ دیر پہلے شمشاد ولا میں تم نے ہی مجھے فون کیا تھا۔''

''جناب عالی.....؟'' وہ بے خوفی سے مسکرائی۔

''کیوں.....؟'' حمید نے آنکھیں نکالیں۔

''اس لئے کہ آپ دونوں شمشاد کی زندگی خطرے میں سمجھ کر اُدھر متوجہ ہو جائیں میں یہاں اپنا کام کر سکوں۔''

''لیکن ناکام رہیں.....!'' فریدی بولا۔

''جج.....جی ہاں۔''

''تمہیں کس چیز کی تلاش ہے۔''

شاہدہ نے کوئی جواب دینے کی بجائے اپنے چہرے سے نقلی ڈاڑھی اور مونچھیں نکال پھینکیں۔

''اب تم خود کو حراست میں سمجھو۔'' حمید غرایا۔

اس نے بڑے دلآویز انداز میں مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور حمید کو اپنی عافیت خطرے میں نظر آنے لگی۔

''میں خود دیکھوں گا کہ تمہیں کس چیز کی تلاش تھی۔'' فریدی نے کہا اور کتابوں کے ریک کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ کتابیں تو اب بھی فرش پر بکھری ہوئی تھیں۔

حمید شاہدہ کی طرف متوجہ تھا اور شاہدہ فریدی کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

''اے تم ادھر دیکھو! تمہیں اس لاش کے سلسلے میں جواب دہی کرنی ہے، جنخلستان والی عمارت میں ملی تھی۔'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''وہ لاش وہاں پہلے ہی سے موجود تھی۔'' لڑکی نے لاپروائی سے کہا۔ ''میں آپ کو اس تک پہنچا کر خود غائب ہو جانا چاہتی تھی۔''

''پھر اس عمارت میں آگ کس نے لگائی تھی۔''

''معلوم کیجئے! آپ کے چیف تو غیب دانی کی سرحدوں کو بھی چھو سکتے ہیں۔'' لڑکی کا لہجہ طنزیہ تھا۔

حمید نے اسے گھورتے ہوئے نفرت سے ہونٹ سکوڑ لئے۔

خطرناک سفر

''اس لڑکی کو جانے دو۔'' دفعتاً فریدی کی آواز سناٹے میں گونجی۔

حمید چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا اور لڑکی بولی۔ ''میں تو نہیں جاؤں گی۔''

حمید بدستور فریدی ہی کی طرف دیکھتا رہا جو اب ریک کے درمیانی تختے کو اس کی سے ہٹانے کے لئے زور لگا رہا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہ اس میں کامیاب بھی ہوگیا۔ حمید لڑکی کی طرف متوجہ ہوا تو اسے اسی سمت نگران پایا۔ البتہ اب اس کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی۔

فریدی نے ایک بار پھر لڑکی سے چلے جانے کو کہا لیکن وہ اپنی جگہ سے ہلی بھی نہیں اب وہ ان کے قریب واپس آ گیا تھا۔ حمید نے اس کے ہاتھ میں آٹھ ملی میٹر کی فلم کی ایک ریل دیکھی۔

''تم نے اسی کے لئے اتنا بڑا خطرہ مول لیا تھا؟ کیوں؟'' وہ لڑکی کو گھورتا ہوا بولا۔

''جی ہاں۔'' اس نے مردہ سی آواز میں جواب دیا۔

''وہ کانسٹیبل کتنی دیر میں ہوش میں آئے گا۔''

''صبح تک آرام سے سوتا رہے گا جناب۔''

''شاہد عزیز کو کس نے قتل کیا۔''

''میں نہیں جانتی؟''

''قاتل کو بھی اس فلم کی تلاش تھی؟''

''رہی ہوگی۔'' لڑکی نے لاپروائی سے جواب دیا۔

''اچھا..... تو چلو.....؟'' فریدی نے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

فریدی کے اس نرمی کے برتاؤ کے باوجود حمید کا ریوالور ابھی تک لڑکی کو کور کئے ہوئے تھا راہداری میں رک کر فریدی نے حمید سے کہا۔ ''ریوالور ہولسٹر میں رکھو اور کانسٹیبل کو اٹھاؤ''

''اسے اُٹھا کر زینے طے کرنے میرے بس کا روگ نہیں۔''

''بہت بہتر..... روشنی دکھایئے۔'' فریدی نے پنسل ٹارچ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا پھر فریدی نے کانسٹیبل کو ہاتھوں پر اٹھایا تھا اور وہ زینے طے کر کے نیچے پہنچے تھے حمید لنکن وہاں لایا تھا۔

''تم دونوں یہیں ٹھہرو۔'' فریدی نے بے ہوش کانسٹیبل کو لنکن کی پچھلی سیٹ پر ڈالتے ہوئے کہا۔ ''میں اسے حلقے کے تھانے میں پہنچا کر واپس آتا ہوں۔''

وہ چلا گیا تھا اور یہ دونوں فٹ پاتھ پر کھڑے رہ گئے تھے۔ حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

''مجھے حیرت ہے۔'' لڑکی بڑبڑائی۔

''کس بات پر مس ریش دراز.....!''

''کرنل فریدی کا رویہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔''

''ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے بنی..... اسے سمجھنے کیلئے نسلوں کی عمریں درکار ہوں گی۔''

''اچھا تو میرے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہتے ہو۔''

''کسی اچھے سے نائٹ کلب میں رقص کے دو چار راؤنڈ..... عمدہ ناشتہ اور پھر.....؟''

''کیا واقعی مجھے حوالات میں نہیں ڈالا جائے گا۔''

''فادر کا فرمان اٹل ہوتا ہے۔''

''آخر وجہ.....؟''

''خواہ مخواہ سر نہ کھپاؤ..... جو کچھ کہا گیا ہے کرو۔''

''کیا یہ بھی نہ کرو گے کہ مجھے شمشاد ہی تک لے چلو۔''

''کیا مطلب.....؟''

''ہوسکتا ہے وہ مجھے جانتا ہو..... آخر میں نے اسی کی حویلی میں تو تمہارے ساتھ فراڈ کیا تھا؟''

''میں نے تو تم سے اس فراڈ کا مقصد تک معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی۔''

''لیکن یہ شاہد عزیز ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آیا۔''

''آپ کے ماموں کا بہترین دوست تھا اور بالآخر انہیں کے لئے مارا گیا۔''

''میک اپ میں کیوں رہتا تھا.....؟''

''اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔''

''یہاں کس چیز کی تلاش تھی تمہیں؟''

''کیا کرنل نے وہ چیز تمہیں نہیں دکھائی تھی؟''

''اس فلم میں کیا ہے؟''

''یہ بھی میں نہیں جانتی۔''

''کس کے لئے کام کر رہی ہو۔''

''اپنے لئے.....صرف اپنے لئے۔''

''تب پھر میں تمہارے لئے پاگل خانے کی سفارش کروں گا۔''

''تمہیں بھی ساتھ لے چلوں گی اکیلے جی نہ لگے گا..... واقعی لاجواب آدمی ہو معلوم ہو جانے کے بعد کہ میں لڑکی ہوں کس طرح بھاگے گئے تھے میرے ساتھ..... پو قہقہہ لگا کر اسے طول دیتی چلی گئی۔

''تم تو ڈاڑھی مونچھ والی تھیں.....سر پر سینگ رکھنے والی لڑکیوں کے پیچھے بھ طرح دوڑتا ہوں۔'' حمید جھلا کر بولا۔

لڑکی ہنستی رہی پھر اچانک سنجیدگی اختیار کر کے بولی۔''میں اگر تمہیں اس طرح نہ تو تم سعد آباد سے صرف تین میل کے فاصلے پر ٹھکانے لگا دیئے جاتے۔''

''کیا شمشاد کے بارے میں کچھ کہنا چاہتی ہو؟''

''میں کسی کے بارے میں کچھ نہیں کہنا چاہتی۔''

''تم کو میرے ماموں کے معاملات سے کیا سروکار.....؟''

''اس دنیا میں اُن کے علاوہ میرا اور کوئی نہیں تھا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''کیا وصیت نامے میں اُن خاندانوں کا ذکر نہیں جن کی پرورش اُنہوں نے اپ لے رکھی تھی۔''

''اوہو.....تب تو شمشاد کے بارے میں بہت کچھ بتا سکو گی۔''

''شاہد عزیز اور شمشاد.....دونوں ہی سے ان کی گہری دوستی تھی۔''

''شمشاد کا خیال ہے کہ اُن کی موت قدرتی نہیں ہو سکتی۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔''

''شمشاد کچھ نامعلوم آدمیوں سے خائف ہے۔ اُس کا خیال ہے کہ اس کی حویلی پائی جانے والی لاش اسے پھنسانے کے لئے کسی نے ڈلوائی تھی۔ کیا تم نے وہ لاش اچھی دیکھی تھی۔''

''یقیناً.....!''

''وہ کون تھا.....؟''

''میں نہیں جانتی! اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔''

''کیا میرے ماموں کو علم تھا کہ شاہد عزیز میک اپ میں رہتا ہے۔''

''میں نہیں جانتی!''

''کیا تمہیں بھی علم نہیں تھا کہ وہ مصنوعی ڈاڑھی لگائے پھرتا ہے۔''

''کبھی قریب سے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔''

''تم نے میک اپ کرنا کس سے سیکھا تھا.....؟''

''آپ کے ماموں سے.....وہ میک اپ کے ماہر تھے۔ کیا آپ کو علم نہیں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ لڑکی سے کیا برتاؤ کرنا چاہئے۔ لیکن ضروری نہیں کہ س کا بیان درست ہی ہو ممکن ہے کہ وہ اس طرح کی گفتگو کر کے خود کو شبہے سے بالاتر ثابت کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔

وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ لنکن فٹ پاتھ سے آ لگی اور ساتھ ہی فریدی کی آواز سنائی ی۔''تم دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھ جاؤ۔''

خاموشی سے تعمیل کی گئی۔ لنکن دوبارہ حرکت میں آئی اور کچھ دیر بعد حمید نے محسوس کیا کہ وہ گھر پہنچنے کی بجائے قومی شاہراہ پر آ نکلے ہیں۔

''اوہو.....تو کیا سعد آباد.....!'' حمید نے سوچا اور لڑکی کی طرف دیکھ کر بولا۔''اب عد آباد میں تصدیق ہو سکے گی کہ تم کون ہو۔''

''میں یہی چاہتی تھی کہ آپ لوگ سعد آباد چلیں۔''

''لیکن سفر خطرات سے خالی نہ ہوگا جناب کرنل صاحب۔'' حمید نے اونچی آواز میں کہا۔

''کیوں.....؟'' فریدی کا مختصر سا سوال تھا۔

''یہ محترمہ ابھی مجھے بتا رہی تھیں کہ اگر مجھے دھوکہ سے شمشاد کی حویلی میں نہ لے جاتیں میں سعد آباد سے تین میل ادھر ہی قتل کر دیا جاتا۔''

''تب تو انہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ وہ لوگ کون ہیں؟''

''جی نہیں..... میں نہیں جانتی۔'' لڑکی نے کہا۔

''پھر تمہیں اس کا علم کیونکر ہوا۔''

''کسی نامعلوم آدمی نے مجھے اس خطرہ سے آگاہ کیا تھا۔''

''کس طرح آگاہ کیا تھا.....؟''

''بذریعہ خط..... جو انگریزی میں ٹائپ کیا ہوا تھا۔''

''تمہیں ان معاملات سے کیا سروکار؟''

''میں ابھی کیپٹن حمید کو بتا چکی ہوں کہ ان کے ماموں میری کفالت کرتے تھے۔''

''تم نے میری آواز کہاں سنی تھی کہ اس کی اتنی کامیاب نقل اتار سکیں۔''

''میں اور چودھری صاحب اکثر شہر آتے تھے اور آپ دونوں سے قریب رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان مقامات پر ضرور جاتے تھے جہاں کیپٹن حمید سے ملنے کے امکانات ہوں۔''

''اب بتاؤ کہ شاہد عزیز کے فلیٹ میں تمہیں کس نے بھیجا تھا۔''

لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا۔

فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ''دو لاشوں سے تمہارا تعلق کسی نہ کسی طرح ثابت ہے۔ تمہارے لئے بڑی دشواریاں پیدا کر چکا ہے۔''

لڑکی پھر بھی خاموش رہی۔

اس بار حمید بولا۔ ''دیکھو..... وصیت نامے کی رو سے تمہاری حفاظت کرنا میرے ذمے میں شامل ہو چکا ہے۔ اس لئے تمہیں بھی تعاون کرنا چاہئے۔''

''میں سعد آباد پہنچ کر ہی اس مسئلے پر گفتگو کر سکوں گی۔''

''اچھی بات ہے۔'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ ''اگر تم سونا چاہو تو حمید اگلی سیٹ پر آ جائے۔''

''بہت بہت شکریہ جناب۔ میری تھکن بے ہوشی کی حد کو چھونے لگی ہے۔''

فریدی نے گاڑی روک دی تھی اور حمید اُتر کر اس کے برابر جا بیٹھا تھا۔

سفر جاری رہا۔ حمید اس سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا لیکن عافیت اسی میں سمجھی کہ وہ بھی اونگھنا شروع کر دے۔ پھر شائد دس منٹ بھی اس کیفیت میں نہ گزرے ہوں گے کہ فریدی نے اسے ٹہوکا دیا۔ ''جاگتے رہو..... پیچھے دو گاڑیاں اور بھی ہیں۔''

حمید ہڑبڑا کر سیدھا ہو بیٹھا۔

''آپ نہ جانے کیا کرتے پھر رہے ہیں۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''لڑکی بحفاظت سعد آباد پہنچ جانا چاہتی تھی۔ لہٰذا اس کی خواہش پوری کر رہا ہوں۔''

حمید نے عقب نما آئینے پر نظر ڈالی۔ دو گاڑیوں کی ہیڈ لائیٹس صاف دکھائی دے رہی تھیں لیکن اس کی دانست میں دونوں لوڈنگ ٹرک بھی ہو سکتے تھے۔ قومی شاہراہ کسی وقت بھی بالکل سنسان تو نہیں رہتی تھی۔

ابھی وہ قومی شاہراہ ہی پر تھے سعد آباد جانے والی سڑک پر نہیں مڑے تھے۔

آدھے گھنٹے بعد سعد آباد والی سڑک ملی۔ تب حمید کو تعاقب کا یقین ہو سکا۔ ریوالور اس نے پہلے ہی ہولسٹر سے نکال لیا تھا۔ اس سڑک پر چار یا پانچ میل طے کرنے کے بعد فریدی نے لڑکی کو آواز دی لیکن جواب نہ ملا۔

''اسے جگاؤ۔'' اس نے حمید سے کہا۔ ''بلکہ بہتر ہوگا پچھلی سیٹ پر چلے جاؤ۔''

حمید نے پشت گاہ پر جھک کر اُس کا شانہ ہلایا اور وہ اچھل پڑی۔

''اُٹھ بیٹھو.....!'' حمید آہستہ سے بولا۔ ''خطرہ ہے۔''

''کک..... کیا بات ہے؟'' لڑکی ہکلائی۔

''تعاقب..... سنبھل کر بیٹھو؟''

''خدایا رحم.....!'' لڑکی کی آواز کانپ رہی تھی۔

دفعتاً گاڑی کے پیچھے ایک زوردار دھماکہ ہوا اور ایسا معلوم ہوا جیسے گاڑی بھی اچھل گئی ہو۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ فریدی نے ڈرائیونگ میں اپنی مہارت کا ثبوت پیش کیا تھا۔ اسپیڈو میٹر کی سوئی اسی اور نوے کے درمیان جھول رہی تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے دونوں گاڑیاں بہت پیچھے رہ گئیں۔

''کیا میں سب مشین گن نکالوں؟'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں وہ بھاگ کھڑے ہوں گے..... آنے دو!''

''اگر کوئی دستی بم ہماری گاڑی ہی پر آ پڑا تو۔''

''بے فکر رہو..... وہ اتنے فاصلے پر نہ پھینک سکیں گے اور نہ رفتار ہی بڑھانے کی جرأت

کرسکیں گے..... کیونکہ دونوں گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس بہت کمزور معلوم ہوتی ہیں لیکن تم ذرا ج
ٹرانسمیٹر کی ہر فریکوئنسی چیک کرلو۔ میرا خیال ہے کہ یہ لوگ بہت منظم ہیں۔''

''میرا ٹرانسمیٹر گھر ہی پر رہ گیا۔''

''اچھا تو پھر آگے آکر ڈیش بورڈ والے کو دیکھو..... میں اسٹیئرنگ نہیں چھوڑنا چاہتا۔''

حمید نے پھر اگلی سیٹ پر چھلانگ لگائی اور ڈیش بورڈ کے ایک خانے میں ہاتھ ڈال
سوئچ آن کیا..... مختلف فریکوئینسز کو آزما ہی رہا تھا کہ آواز آئی۔ ''وہ بہت تیز رفتاری
جارہے ہیں۔ ہینڈ گرنیڈ ضائع کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اُوور.....!''

''پرواہ مت کرو۔'' دوسری آواز آئی۔ ''تمہارے پاس جتنے بھی ہیں پھینک دو
نشانے پر بیٹھیں یا نہ بیٹھیں..... اُوور.....!''

''بہت بہتر جناب..... اُوور.....!''

اس کے بعد دوسری آواز نہیں سنائی دی تھی۔

''سوئچ آف نہ کرنا۔'' فریدی نے کہا۔ ''اسی فریکوئینس پر رہنے دو اور اب اگر تم چاہو تو
بات ادھوری ہی رہ گئی تھی۔ کیونکہ ایک دھماکہ پھر ہوا۔ لیکن یہ بم لنکن سے بہت دور گرا تھا

''ہاں تو اب تم سب مشین گن استعمال کرسکتے ہو۔'' فریدی نے جملہ پورا کردیا۔
کی رفتار میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔

حمید پھر پچھلی سیٹ پر جا پہنچا۔ بائیں جانب کے دروازے سے لگے ہوئے ایک بٹن
دباتے ہی ہٹا کے کے ساتھ ایک بڑا سا مستطیل خلا نمودار ہوا تھا۔

''ٹھہرو۔'' دفعتاً فریدی بولا۔ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ پھر دھماکہ ہوا۔

''خیال رہے کہ صرف ہیڈ لائیٹس نشانہ بنیں۔'' اس نے جملہ پورا کیا۔

''اس کی ذمہ داری نہیں لے سکتا۔'' حمید نے سب مشین گن کی نال کھڑکی سے
نکالتے ہوئے کہا۔

''تو پھر رہنے دو۔''

''کمال کرتے ہیں آپ وہ ہم پر بم برسا رہے ہیں۔ اگر ایک آدھ ان میں سے م
گیا تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔''

''میرے لئے فرق پڑتا ہے کیونکہ میں ابھی سن چکا ہوں وہ کسی اور کے احکامات پر عمل
کررہے ہیں۔''

''تو پھر اس سے کیا ہوتا ہے۔''

''کرائے کے آدمی روٹی کے لئے سر سے کفن باندھتے ہیں۔ مجھے ان سے ہمدردی ہے
اور اس وقت تک رہے گی جب تک ہماری سوسائٹی صحیح معنوں میں انسانی سوسائٹی نہیں
ہوجاتی۔ مشین گن رکھ دو..... اگر یہ گاڑیوں سے اُتر بھاگے تو اندھیرے میں ہم انہیں کہاں
ڈھونڈتے پھریں گے۔''

اچانک لڑکی نے قہقہہ لگایا۔

''اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔'' حمید بھنا کر بولا۔

''کرنل صاحب ان شریف آدمیوں سے واقف نہیں ہیں اسی لئے ایسی باتیں کررہے ہیں۔''

''اگر تم میری معلومات میں اضافہ کرسکو تو ممنون ہوں گا۔'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

''میرا خیال ہے کہ یہی لوگ چودھری صاحب کی موت کا باعث بنے ہیں۔''

''خیال کی وجہ.....؟''

''بڑی عجیب بات ہے کہ آپ یعنی..... کرنل فریدی..... وجہ پوچھ رہے ہیں۔''

''میں غیب دان تو نہیں ہوں؟''

دفعتاً ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔ ''ہیلو..... گاڈ آف ڈیزاٹ..... ہیلو..... ہیلو!''

''بولو..... کیا بات ہے۔'' دوسری آواز آئی۔

پہلی آواز۔ ''ابھی میں نے ٹرانسمیٹر پر اُن کی آوازیں سنی ہیں۔ اُن کے پاس مشین گن
ہے۔ ہمیں نشانہ بنا سکتے ہیں اُوور.....!''

پہلی آواز ''میں بھی اُن کی آوازیں سن رہا ہوں..... اور اب میں تم سے مخاطب ہوں
کرنل فریدی..... میں ریت کا دیوتا..... تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ واپس جاؤ..... میں تمہیں
بتاتا ہوں کہ چودھری شیر علی خان جو میرا پجاری تھا مجھ سے باغی ہوکر روپوش ہوگیا ہے۔ مرنے
کا ڈرامہ محض اس لئے اسٹیج کیا ہے کہ تم اپنے ماتحت کیپٹن حمید کی حمایت میں مجھ تک آ پہنچو۔
مجھے اتنا ہی کہنا تھا۔ اب میں اپنے ان پجاریوں سے مخاطب ہوں جو تمہارا تعاقب کررہے

ہیں۔ سنو میرے بچے..... تم وہیں سے واپس ہو جاؤ..... کرنل فریدی کو سعد آباد پہنچنے دو۔ میں یہی چاہتا ہوں۔"

"بہت بہتر جناب۔" کسی نے جواب میں کہا اور پھر آوازیں آنی بند ہو گئیں۔

فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر ٹرانسمیٹر کا سوئچ آف کر دیا۔

"سنا تم نے۔" حمید نے لڑکی کا شانہ ہلا کر کہا۔

"میں سن رہی تھی لیکن.....!"

"لیکن کیا.....؟" حمید کے لہجے میں تلخی تھی۔

"کچھ بھی نہیں۔" فریدی بولا۔ "اب تم دوبارہ سو سکتی ہو۔"

"آپ کی باتیں میری سمجھ سے باہر ہیں۔"

"میں سب کچھ سمجھتا ہوں..... تم جانتی ہو کہ چودھری شیر علی زندہ ہیں۔"

"ہاں میں جانتی ہوں..... وہ اس آدمی کے خلاف کوئی واضح ثبوت فراہم نہیں کر تھے اس لئے اس طرح انہوں نے آپ کو اس آدمی کی راہ پر ڈالا ہے۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" فریدی بولا۔ "اب تم سو جاؤ..... ہم پھر کبھی اس مسئلے کریں گے۔"

"اب مجھے نیند نہیں آئے گی؟"

"اچھا تو یہی بتا دو۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔ "کیا وہ شخص سچ مچ میرا ماموں

"یہ بالکل درست ہے کیپٹن حمید..... چودھری صاحب کو میں اپنا باپ سمجھتی ہوں وہ اس شخص سے دو چار نہ ہوئے ہوتے تو مرنے کے بعد ہی آپ کو ان کا ترکہ پہنچتا اور آ ان کے بارے میں معلوم ہوتا۔ میں بیان نہیں کر سکتی کہ وہ آپ کو کتنا چاہتے تھے۔ پچھلے بات ہے آپ آرلیکچو میں اپنے ایک بھاری بھرکم دوست کے ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے دونوں بھی وہیں تھے۔ آپ ہنس رہے تھے، قہقہے لگا رہے تھے، آپ اپنے دوست کو چھیڑ تھے اور میں چودھری صاحب کی بے تابیاں دیکھ رہی تھی۔ آخر کار وہ رو پڑے تھے۔ کہ کتنی بڑی ٹریجڈی ہے۔ میں اپنے خون کو یہ نہیں بتا سکتا کہ میں کون ہوں..... میں ا پیشانی نہیں چوم سکتا۔"

حمید کا دم گھٹنے لگا۔ اس کے بعد اس نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔

کچھ دیر بعد لڑکی ہی نے پوچھا۔ "آپ کیا سوچنے لگے۔"

"میں سوچ رہا ہوں کہ آدمی سے زیادہ بے بس جانور اس زمین پر شائد ہی کوئی دوسرا پایا جاتا ہو۔"

"اس میں تو شک نہیں۔" لڑکی بولی۔ "بعض اوقات وہ اپنی گردن کٹ جانے پر واویلا بھی نہیں کر سکتا۔"

"میں تم دونوں سے متفق نہیں ہوں۔ آدمی میں صرف اخلاقی جرأت ہونی چاہئے۔ پھر دنیا کی کوئی طاقت اُسے زیر نہیں کر سکتی۔"

"شریف آدمیوں میں اخلاقی جرأت نہیں ہوتی۔"

"وہ شریف نہیں بلکہ غلط تربیت کا شاہکار ہوتے ہیں۔ بزدل ہوتے ہیں۔ سچی بات بھی کسی کے منہ پر نہیں کہہ سکتے اور اپنی اس کمزوری پر فراخ دلی کا غلاف چڑھائے رکھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ دل آزاری اُن کا شیوہ نہیں۔ شائد تم بھی ایسے ہی گدھوں کے ریوڑ سے تعلق رکھتے ہو۔"

"بالکل درست ہے۔" حمید چہک کر بولا۔ "اب میں ان محترمہ کو کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اگر انہوں نے مجھے سعد آباد سے تین میل کے فاصلے پر مرجانے دیا ہوتا تو میری رات اس طرح تباہ نہ ہوتی۔"

لڑکی ہنس پڑی۔

چاروں طرف ہُو کا عالم تھا۔ لنکن سڑک پر بے آواز تیرتی چلی جا رہی تھی۔ اُن گاڑیوں کا اب کہیں پتہ نہیں تھا جو کچھ دیر پہلے ان کا تعاقب کرتی رہی تھی۔

"سعد آباد اب تقریباً کتنی دور ہوگا۔" حمید نے لڑکی سے پوچھا۔

"تیس چالیس میل۔ اب تو صبح ہونے والی ہے۔"

"ہو بھی چکے کسی صورت سے تاکہ میں تمہاری شکل دوبارہ دیکھ سکوں؟"

"ہاں ایک بات۔" اگلی سیٹ سے فریدی کی آواز آئی۔ "تمہیں اس فلم کی تلاش کا کیا طریقہ بتایا گیا تھا.....؟"

''کچھ بھی نہیں۔ بس یہی کہ اسے شاہد عزیز کے فلیٹ میں تلاش کرنا ہے؟''

''کیا تمہیں پوری طرح یقین ہے کہ شاہد عزیز چودھری صاحب کے ہمدردوں میں سے تھا۔''

''مجھے پوری طرح یقین ہے جناب۔ وہ محض اسی لئے مار ڈالے گئے کہ ان کے پاس بھی ان لوگوں کے خلاف کچھ ثبوت تھے۔''

''اور یہ بھی درست ہے کہ شمشاد کی حویلی میں پائی جانے والی لاش بھی تمہارے کسی اجنبی ہی کی تھی۔''

''جی ہاں یقین کیجئے۔ میں اب آپ سے جھوٹ نہیں بولوں گی۔''

''شمشاد کی پوزیشن واضح کرنے کی کوشش کرو۔''

''جو کچھ میں آپ کو پہلے بتا چکی ہوں اس میں صرف اتنا اضافہ کروں گی کہ چودھری صاحب نے اس معاملے میں شاہد عزیز کے علاوہ اور کسی کو راز دار نہیں بنایا تھا۔ شمشاد سے بس دوستی تھی۔''

''لیکن کچھ لوگ شمشاد کے بھی پیچھے پڑ گئے ہیں کیونکہ اسے بھی چودھری صاحب کی موت پر یقین نہیں ہے۔''

''میں اس سلسلے میں بالکل لاعلم ہوں۔''

''پھر تم حمید کو اس کی حویلی میں کیوں لے گئی تھیں اور غیر قانونی طور پر اس کا قفل کیوں کھولا تھا۔''

''میں نے چودھری صاحب کی ہدایات پر عمل کیا تھا۔ یقین کیجئے میں نہیں جانتی کہ وہ کہاں ہیں ورنہ ان سے بہتیری باتیں معلوم کرنے کی کوشش کرتی۔ صرف ان کے احکامات عمل کر رہی ہوں۔ ویسے میرا خیال ہے کہ شائد چودھری صاحب کو علم نہیں تھا کہ شمشاد اتنی جلدی حویلی میں جا پہنچے گا۔ کیونکہ وہ تو بہت دنوں سے خالی پڑی تھی۔ ارادہ تھا کہ شام تک کیپٹن حمید کو وہیں روک کر کسی طرف واپس کر دیا جاتا۔ لیکن وہاں ایک لاش دیکھ کر میں بُری طرح نروس ہوگئی اور مجھے بھاگنا پڑا۔''

''پھر لاش جلا کو مسخ کر دی گئی تھی..... یہ اس وقت ہوا جب شمشاد اور حمید تمہاری تلاش

میں نکلے تھے۔ کسی نے شمشاد کے ملازم کے سر پر ضرب لگا کر اسے بے ہوش کر دیا اور عمارت کے اس حصے میں آگ لگا دی جس میں لاش پڑی ہوئی تھی۔''

''مجھے بعد کے حالات کا علم نہیں۔ وہاں سے بھاگ کر میں سیدھی شہر آئی تھی اور سے پول ہوٹل میں قیام کیا تھا۔ چودھری صاحب نے فون پر مجھے شاہد عزیز کے قتل کی اطلاع دی اور کہا کہ میں اس کے فلیٹ میں فلم تلاش کرنے کی کوشش کروں۔''

یہاں حمید بھی فریدی سے سوال کرنا چاہتا تھا کہ آخر اچانک اس نے وہ فلم کیسے برآمد کر لی تھی لیکن پھر نامناسب سمجھ کر خاموش ہی رہا۔

پو پھٹنے لگی تھی۔ کچھ دیر بعد انہیں مسجدوں کے منارے نظر آئے۔ عمارتیں کہر میں لپٹی ہوئی تھیں۔

''وہ سعد آباد میں داخل ہوئے اور لڑکی نے چودھری شیر علی کی حویلی تک اُنکی رہنمائی کی۔''

گاڑی بڑے سے پھاٹک پر رکی۔ پائیں باغ کی چہار دیواری بیس فٹ سے کم بلند نہ رہی ہوگی۔ پھاٹک بند تھا۔ پھاٹک کھلوانے کیلئے وہ گاڑی سے اُتر ہی رہے تھے کہ اندر سے پے در پے فائروں کی آوازیں اور ایک طویل چیخ سنائی دی۔ فریدی پھاٹک کی طرف جھپٹا۔

دشوار گزار راستے

حمید نے لڑکی کی طرف مڑ کر دیکھا وہ بُری طرح کانپ رہی تھی۔

فائروں اور چیخ کے بعد اندر سناٹا چھا گیا تھا۔

''اوہ.....!'' لڑکی بڑبڑائی۔ ''یہ خطرناک ہوگا۔''

وہ پھاٹک کی طرف دیکھ رہی تھی۔ حمید نے بھی مڑ کر دیکھا۔ فریدی پھاٹک کی پٹیوں پر پیر جماتا ہوا اوپر چڑھ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ دیوار پر پہنچ گیا۔ پھر انہوں نے اسے دوسری طرف اترتے دیکھا۔

اس کے بعد پھاٹک کھلنے میں ایک منٹ سے زیادہ نہیں لگا تھا۔

پھاٹک کھول کر فریدی گاڑی میں آ بیٹھا اور انہیں بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

گاڑی اسٹارٹ ہوئی اور تیز رفتاری سے پھاٹک میں داخل ہو کر طویل برآمدے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

''یہاں کون کون رہتا ہے۔'' حمید نے لڑکی سے پوچھا۔

''صرف دلاور..... چودھری صاحب کو اس کے علاوہ کسی پر بھی اعتماد نہیں۔ لیکن حقیقت ہے کہ وہ بھی اس راز میں شریک نہیں۔ وہ بھی یہی سمجھتا ہے کہ چودھری صاحب خدانخواستہ انتقال کر چکے ہیں۔''

وہ گاڑی سے اُترے۔ عمارت کا صدر دروازہ کھلا ہوا ملا تھا۔

''تم دونوں یہیں اسی جگہ ٹھہرو۔'' فریدی نے صدر دروازے کے قریب رکتے ہوئے کہا۔ ''میری واپسی سے پہلے اندر نہ جانا خواہ کچھ ہو۔ ریوالور ہاتھ میں رکھو۔''

پھر وہ برآمدے سے اُتر کر پائیں باغ کی قد آدم باڑھوں کے درمیان گم ہو گیا تھا۔

''کیا خیال ہے۔'' حمید آہستہ سے بولا۔ ''کیا انہوں نے دلاور کو مار ڈالا۔''

''خدا جانے..... اب تو میرے اعصاب جواب دے رہے ہیں..... وہ بیچارہ بوڑھا آدمی..... آلہ سماعت کے بغیر کسی قسم کی بھی آواز نہیں سن سکتا۔''

''مجھ پر بھی تو ترس کھاؤ..... کل سے دھکے کھاتا پھر رہا ہوں۔''

''کوئی فلرٹ لڑکی ساتھ ہوتی تو آپ خاصے مگن نظر آتے کپتان صاحب۔''

''ہائے..... تم یہ بھی جانتی ہو۔''

''میں تو شاید یہ بھی جانتی ہوں کہ بھوک کے مارے آپکا معدہ بالکل خشک ہو چکا ہوگا۔''

''بُرا کیا یاد دلا کر.....!'' حمید نے کھلے ہوئے دروازے سے اندر جھانکتے ہوئے کہا۔

پھر اس کی طرف مڑ کر رازدارانہ لہجے میں بولا۔ ''اگر دلاور سچ مچ مار ڈالا گیا ہو تو سیدھا باورچی خانے میں چلی جانا۔''

''کتنے بے درد ہیں آپ لوگ۔'' اس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''بے دردی ہمارے نصاب تعلیم میں شامل ہوتی ہے۔ کسی لاش پر آنسو بہانے کے

لئے ہمیں بڑی جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔''

''آج تک یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ سکی کہ کرنل جیسے نرم دل اور سنجیدہ لوگوں کی آپ جیسوں سے کس طرح نبھ جاتی ہے۔''

''کرنل کی تو بات ہی نہ کرو۔''

''کیوں نہ کروں..... کیا میں نے اُن کی گفتگو نہیں سنی تھی۔ جب آپ مشین گن سے اندھا دھند فائرنگ کرنے کی اجازت مانگ رہے تھے۔''

''تم انہیں سمجھ سکی ہوتیں تو کوئی رائے قائم کرنے میں بہت محتاط ہوتیں۔''

''کیا مطلب.....؟''

''کچھ بھی نہیں۔ ارے میری بات کرو نا۔ کرنل فریدی کو کیوں لے دوڑیں۔''

''ایسا شائستہ اور مہذب آدمی آج تک میری نظر سے نہیں گزرا.....!''

''اور میں لفنگا ہوں..... کیوں؟''

''چودھری صاحب کبھی کبھی پیار سے آپ کو لفنگا ہی کہا کرتے تھے کپتان صاحب۔ وہ آپ کے ابتدائی حالات سے بھی پوری طرح باخبر رہے تھے۔ ان کا خیال ہے کہ آپ بھی جاگیردار طبقے سے انہی کی طرح متنفر ہیں۔ جاگیردارانہ رکھ رکھاؤ اور مصلحت آمیز اخلاق سے انہیں شدید نفرت ہے۔ میرے چودھری بابا بہت عظیم ہیں، کپتان صاحب۔''

''مجھے اس پر کیوں مجبور کر رہی ہو کہ میں تمہاری عزت کرنے لگوں۔''

''وہ تو کرنی ہی پڑے گی کپتان صاحب۔ میری تربیت چودھری بابا کے ہاتھوں ہوئی ہے۔ میں ان کے اور آپ کے لئے جان تک دے سکتی ہوں۔ ہر اس شخص کے لئے سب کچھ قربان کر سکتی ہوں، جسے چودھری بابا عزیز رکھتے ہوں۔''

''اے معلمۂ اخلاقیات۔ اب بس کرو، ورنہ میں بور ہو کر مر جاؤں گا۔ سنجیدگی سے مجھے نفرت ہے۔''

وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ فریدی واپس آ گیا۔

''دلاور کی کیا عمر ہے؟'' اس نے لڑکی سے پوچھا۔

''کم از کم پینسٹھ سال..... ہو سکتا ہے ستر کے قریب ہو۔''

''تب وہ دلاور نہیں ہوسکتا..... جوان آدمی ہے۔ گولی ران میں لگی ہے اور وہ بے
پڑا ہے۔ شائد تم اسے پہچان سکو۔''

پھر اس نے حمید کو وہیں ٹھہرنے کا مشورہ دیا اور لڑکی کو ساتھ لے کر چلا گیا۔

دو یا تین منٹ بعد وہ واپس آ گئے۔ لڑکی کا چہرہ زرد ہوگیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا
اب وہ بے ہوش ہوکر گر پڑے گی۔''

''کیا شناخت ہوسکی۔'' حمید نے پوچھا۔

''ہاں۔'' فریدی نے کہا۔ ''اب تم آؤ..... اسے اٹھا کر اندر لے چلیں گے۔''

''ایسا رشتہ دار ثابت ہوا ہے۔'' حمید نے لڑکی کی طرف دیکھ کر طنزیہ لہجے میں کہا
کچھ نہ بولی۔

زخمی کی عمر بیس سال رہی ہوگی۔ خوش شکل نوجوان تھا۔ لباس سے خوش سلیقہ بھی
ہوتا تھا۔ انہوں نے اسے اٹھایا اور برآمدے تک لائے۔ پھر اس کے کمرے تک لڑکی
رہنمائی کی تھی جہاں اسے لٹانا تھا۔

گولی ران کا گوشت پھاڑتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی تھی۔ زخم سے خون رس رہا
لڑکی فرسٹ ایڈ بکس لینے چلی گئی تھی۔

''لڑکی کا کہنا ہے کہ یہ بھی انہیں خاندانوں میں سے ایک کا فرد ہے جن کی کفا
چودھری صاحب نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی۔'' فریدی بے ہوش زخمی پر نظریں جمائے ہوئے
''ہوں..... لیکن مجھے آپ کے اطمینان پر حیرت ہے۔ نہ آپ کو فائر کرنے والے
ہے اور نہ دلاور کی۔''

''فائر کرنے والا نکل گیا ہوگا..... اور مجھے یقین ہے کہ دلاور سو رہا ہوگا۔ لڑکی
ہے کہ چودھری صاحب نے دلاور کو اپنے راز میں شریک نہیں کیا تھا۔''

''اور شاید یہ لڑکا شریک راز ہو.....!'' حمید نے فریدی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

''وہ اس پر روشنی نہیں ڈال سکی۔''

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ لڑکی فرسٹ ایڈ بکس سمیت واپس آ گئی۔

''دلاور سو رہا ہے..... میں نے ابھی اسے جگانا مناسب نہیں سمجھا۔'' اس نے کہا۔

''تم نے اچھا کیا۔'' فریدی بولا۔ اس کے بعد وہ زخمی کی مرہم پٹی میں لگ گیا تھا۔

حمید نے اس کمرے کی دیوار پر بھی اپنی ایک تصویر دیکھی۔ لڑکی جو اسی کی طرف دیکھ
رہی تھی جلدی سے بول پڑی۔ ''دیوان خانے میں ایک قد آدم تصویر بھی ہے۔''

''آؤ..... میں پوری عمارت دیکھنا چاہتا ہوں۔ کرنل صاحب زخمی کو سنبھال لیں گے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ سر جھکائے اسکا زخم صاف کرتا رہا اور یہ دونوں کمرے سے نکل آئے۔

''بہت بڑی عمارت تھی۔ دونوں منزلوں پر ستائیس کمرے تھے اور ان ستائیس کمروں
میں شائد ہی کوئی کمرہ ایسا ہو جس میں حمید کے ایک دو پوز موجود نہ ہوں۔''

حمید تہہ خانوں کی موجودگی کے امکانات کا بھی جائزہ لیتا جا رہا تھا۔ لیکن اس لڑکی سے
اس کے بارے میں نہیں پوچھا تھا۔ البتہ اس نے ریت کے دیوتا کی بات چھیڑ دی۔

''میں بالکل نہیں جانتی کہ وہ کیا بلا ہے۔'' لڑکی نے کہا۔ ''راستے میں ٹرانسمیٹر پر اس کی
آواز اور گفتگو سن کر دم بخود رہ گئی تھی۔ چودھری بابا نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ ان کے دشمن کس قسم
کے لوگ ہیں اور دشمنی کی وجہ کیا ہے۔''

''اب اس زخمی لڑکے کے بارے میں بتاؤ کرنل صاحب کہہ رہے تھے کہ تم اسے جانتی ہو۔''

''اس کی بیوہ ماں اور دو بہنوں کی کفالت بھی چودھری صاحب ہی کرتے تھے۔ لیکن
انہوں نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ یہ لڑکا بھی۔''

وہ جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہوکر کچھ سوچنے لگی۔ پھر بولی۔ ''نہیں یہ کسی طرح بھی ممکن
نہیں۔ انہوں نے میرے اور شاہد عزیز کے علاوہ اور کسی پر کبھی اتنا اعتماد نہیں کیا تھا۔''

''ہوں..... اچھا اب دلاور صاحب کے درشن بھی کرادو..... لیکن ٹھہرو..... یہ بتاؤ کہ
جب میرے ماموں صاحب نے انتقال ہی نہیں فرمایا تو پھر لاش کس کی دفن کی گئی تھی اور
دلاور سے یہ بات کیونکر چھپائی گئی تھی۔''

''دلاور کو ان دنوں چھٹی دے دی گئی تھی اور وہ اپنے گاؤں چلا گیا تھا۔ واپسی پر کیسی
کیسی بچھاڑیں کھائی ہیں اس نے، ہم تو سمجھتے تھے شائد وہ روتے روتے مرجائے گا۔''

''دلاور سے کیا کہا گیا تھا.....؟''

''یہ تو میں بھی نہیں جانتی۔''

''قبر معلوم ہے؟''

''کیوں نہیں؟''

دلاور بیدار ہو چکا تھا۔ لڑکی نے اسے حمید سے ملایا۔ پہلے تو چندھیائی ہوئی آنکھوں حمید کو دیکھتا رہا پھر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس کے پیروں سے چمٹ گیا اور اس طرح دہا مار مار کر رویا کہ فریدی کو بھی اسی جگہ پہنچ جانا پڑا۔

بڑی مشکل سے اس کا رونا تھما تھا۔ فائروں سے متعلق پوچھا گیا۔ تو اس نے بتایا کہ سماعت کے بغیر بجلی کا کڑاکا بھی نہیں سن سکتا۔

''یہ بہت اچھی بات ہے کہ اللہ پاک نے اسے بہرہ کر دیا ہے۔'' حمید ٹھنڈی سا لے کر بولا۔ ''ورنہ یہ فائروں کے سلسلے میں اتنا بور کرتا کہ پھر ناشتہ کرنے کی ہمت بھی مجھ باقی نہیں رہتی۔''

''حد کر دی آپ نے بھی۔'' لڑکی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولی۔ ''جا رہی ہوں باور خانے میں۔ آدھے گھنٹہ میں ناشتہ آپ کو مل جائے گا۔''

وہ دلاور کو اپنے ساتھ ہی لے گئی تھی۔ فریدی کے چہرے پر گہری تشویش کے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ دوسری طرف مڑ گیا۔

حمید اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ وہ پھر اسی کمرے میں آئے جہاں زخمی لیٹا تھا۔

لیکن یہاں تو اب کوئی بھی نہیں تھا۔ بستر خالی نظر آیا۔ فریدی کمرے سے نکل کر دروازے کی طرف جھپٹا۔

پھر حمید باہر نکلا تو فریدی اسے کہیں دکھائی نہ دیا۔ لہٰذا وہ برآمدے ہی میں رک کر پا باغ میں نظر دوڑاتا رہا جیسے اس کا خیال تھا کہ زخمی بے ہوش ہی رہا ہوگا ورنہ فریدی اسے چھوڑ کر اُن تک نہ پہنچتا۔

اچانک اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے صدر دروازے سے کوئی اسکی نگرانی کر رہا ہو۔ وہ تیز سے مڑا۔ لیکن دوسرا اس سے بھی زیادہ پھرتیلا ثابت ہوا۔ بس حمید اسکی ہلکی سی جھلک دیکھ سکا۔ وہ دوڑتا ہوا صدر دروازے سے گزرتا چلا گیا۔ راہداری کے سرے پر پھر وہ صرف اسکے لباس کی جھلک دیکھ سکا تھا۔

وہ بھی اسی طرف مڑا جدھر اس نامعلوم آدمی کی جھلک دکھائی دی تھی۔

آدمی تھا یا چھلاوہ..... راہداری کے اس بازو میں بھی صرف اس کے لباس کی جھلک ئی دی۔ وہ ایک کمرے میں داخل ہوا تھا۔

لیکن جب حمید کمرے میں داخل ہوا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

''سنو دوست۔'' اس نے بہ آواز بلند کہا۔ ''تم خواہ فضا میں تحلیل ہو جاؤ میں تمہیں ت بھنے پر تیار نہیں۔''

''کمرے سے نکاسی کا کوئی اور دروازہ بھی نہیں تھا جس کی بناء پر سوچا جا سکتا کہ وہ اُدھر کسی دوسری طرف جا نکلا ہوگا۔''

وہ چاروں طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ راہداری سے فریدی کی آواز آئی۔ ''حمید..... تم اں ہو؟''

حمید جھپٹ کر دروازے پر پہنچا تھا اور فریدی کو اُس طرف آنے کا اشارہ کیا تھا۔

''کیا بات ہے۔'' اس نے قریب پہنچ کر اسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

پھر حمید کی زبانی صورت حال کا علم ہوتے ہی وہ کمرے میں داخل ہوا تھا۔

دس پندرہ منٹ کی تلاش و جستجو کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اس عمارت میں تہہ خانے ی موجود ہیں۔

''دروازہ بند کر کے بولٹ کر دو۔'' اس نے حمید سے کہا۔

حمید دروازہ بند کر کے پھر اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔

''آپ کس نتیجے پر پہنچے؟'' اس نے فریدی سے پوچھا۔

''احمقوں کی سی باتیں نہ کرو۔ اگر یہاں تہہ خانے نہیں ہیں تو پھر وہ کوئی بھوت تھا۔''

''لیکن میری دانست میں داخلے کا راستہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ پلک جھپکتے غائب ہو سکے۔''

''ایسا ہی ہے حمید صاحب! تم یہ نہ سمجھو کہ تہہ خانے میں داخل ہونے کیلئے تمہیں فرش پر ا ہوا قالین اٹھانا پڑے گا۔ یہ ملبوساتی الماری دیکھ رہے ہو۔ اسکے بائیں جانب ڈھائی فٹ وڑا فریم جسمیں تمہارے مختلف پوز نیچے سے اوپر تک جڑے ہوئے ہیں بالکل غیر ضر ی معلوم وتا ہے۔ یہ ساری تصویریں کمرے میں مختلف جگہوں پر لگائی جا سکتی تھیں۔ خیر..... دیکھو۔

فریدی نے الماری کے قریب پہنچ کر اس فریم کے اوپری حصے پر لگے ہوئے پیتل کے آہنی گرپ کو ہاتھ لگایا ہی تھا کہ فریم سرک کر الماری کے پاٹ کے نیچے غائب ہوگیا اس کی جگہ ڈھائی فٹ چوڑا اور چھ فٹ اونچا خلاء نظر آ رہا تھا۔

''تشریف لے چلئے۔ یہی ہے تہہ خانے کا راستہ۔'' اس نے پیچھے ہٹ کر حمید سے کہا۔

اس خلاء سے گزرتے ہی فریم پھر اپنی جگہ واپس آ گیا تھا۔ فریدی نے مڑ کر دیکھا آہستہ سے بولا۔ ''اس طرح وہ چشم زدن میں تمہاری آنکھوں سے اوجھل ہوگیا ہوگا۔ نکال لو۔''

گیارہ زینے طے کر کے وہ نیچے پہنچے۔ یہاں کئی بلب روشن تھے اور کہیں سے ہلکی سی آواز آ رہی تھی۔ تہہ خانے کے اس حصہ میں کچھ ایسا سامان نظر آیا جیسا سائنس گاہوں میں عام طور پر دکھائی دیتا ہے۔

حمید کا ریوالور ہاتھ میں تھا اور وہ فریدی کے پیچھے اس طرح چل رہا تھا جیسے اس کا خصوصی ہو۔ عقابی نظروں سے گردوپیش کا جائزہ بھی لے رہا تھا۔

''اوہو.....!'' دفعتاً فریدی بولا۔ ''یہاں تو آٹھ ملی میٹر کا پروجیکٹر بھی موجود ہے۔''

حمید بائیں جانب والے دروازے کو دیکھنے لگا تھا جس میں اس نے ہلکی سی جنبش کی تھی۔ اس نے فریدی کی توجہ بھی اس طرف مبذول کرائی۔

''فکر نہ کرو۔ یہاں پہنچے ہیں تو سب کچھ دیکھیں گے۔'' فریدی بولا۔

لیکن حمید نے جھپٹ کر دروازے پر ٹکر ماری۔ دروازہ کھل گیا اور ساتھ ہی کوئی دوسری طرف فرش پر جا پڑا۔

یہ وہی زخمی تھا جو کچھ دیر پہلے اوپر والے ایک کمرے سے غائب ہوگیا تھا۔

اس نے کہنیوں کے بل اٹھنے کی کوشش کی تھی لیکن حمید کے ہاتھ میں ریوالور جہاں تھا وہیں رہ گیا۔

''اُٹھو.....!'' حمید ریوالور کو جنبش دے کر بولا۔

اتنی دیر میں فریدی بھی وہیں پہنچ چکا تھا۔

زخمی اُٹھا تو لیکن شاید اس کا زخم کھڑے رہنے میں مزاحم ہو رہا تھا لہٰذا پھر گر پڑا۔

''تم یہاں کس طرح پہنچے۔'' فریدی نے اسے مخاطب کر کے پوچھا۔

''مم.....میں نہیں جانتا..... کسی نے پائیں باغ میں مجھ پر فائر کیا تھا..... پھر کچھ یاد نہیں۔''

''تم مجھے بے ہوش ملے تھے۔ اُٹھا کر اندر لایا تھا۔ تمہارے زخم کی ڈریسنگ کی تھی اور تم وہاں سے غائب ہوگئے تھے۔''

''میں کچھ نہیں جانتا۔ مجھے تو یہیں ہوش آیا ہے۔''

''تم کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو۔''

وہ کچھ نہ بولا۔ فریدی نے حمید سے کہا۔ ''اُسے فرش سے اٹھا کر کرسی پر بٹھا دو۔''

کرسی پر بیٹھ کر اس نے پشت گاہ پر گردن ڈال دی۔ آنکھیں بند تھیں اور وہ رک رک کر سانس لے رہا تھا۔

''میں نے تم سے تمہارا نام پوچھا تھا۔'' فریدی نے اسے پھر مخاطب کیا اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔ چند لمحے پلکیں جھپکاتا رہا پھر بولا۔ ''پپ پہلے..... آپ بتایئے کہ آپ ہیں کون ہیں۔''

''انہیں تو تم پہچانتے ہی ہوگے۔ اگر پہلے بھی حویلی میں آتے رہے ہو۔'' اس نے حمید کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''جج.....جی ہاں..... یہ چودھری بابا کے بھانجے ہیں۔''

''بس پھر مطمئن رہو۔ اگر تم چودھری صاحب کے ہمدردوں میں سے ہو تو تمہیں زیادہ تشویش نہیں ہونی چاہئے۔''

''مم.....مجھے عاقل خان نے بھیجا تھا۔'' زخمی بولا۔

''شمشاد کا ملازم.....عاقل خان۔'' حمید نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''جج.....جی ہاں۔''

''کیوں بھیجا تھا.....؟''

''شمشاد صاحب کو چودھری بابا کی موت پر گہری تشویش ہے۔ انہوں نے اُن کے کچھ دشمنوں کا پتہ لگایا ہے۔ جنہیں حویلی میں کسی چیز کی تلاش ہے۔ یہاں ہم سبھی چودھری بابا کے جانثاروں میں سے ہیں لہٰذا میں اُن کے لئے جان دینے پر تیار ہوگیا۔''

''تمہیں یہاں کرنا کیا تھا.....؟'' فریدی نے پوچھا۔

''بس یہی دیکھنا تھا کہ وہ لوگ کون ہیں جو چوری چھپے حویلی میں داخل ہوکر کرتے ہیں۔''

''تم پر فائر کس نے کیا تھا.....؟''

''میں نہیں دیکھ سکا تھا..... کک..... کئی فائر کئے تھے۔ ایک گولی ران میں لگی تھی کچھ یاد نہیں کہ کیا ہوا..... اور جب ہوش آیا تو میں یہاں فرش پر پڑا تھا۔''

''شاہدہ کو جانتے ہو.....؟''

''کک..... کون شاہدہ..... اوہ..... اچھا..... شائد آپ کی مراد شاداں سے ہے۔''

حمید نے شاہدہ کا حلیہ بیان کرنے کی کوشش کی اور وہ سر ہلا کر بولا۔ ''جی ہاں شاداں ہی تو ہے۔''

''اُس کے بارے میں کیا خیال ہے۔''

''وہ چودھری بابا کو باپ سمجھتی ہے۔ ہم سب پر اُن کے بڑے احسانات تھے۔''

''کیا تم اُن کے جنازے میں شریک ہوئے تھے۔''

''جی ہاں۔''

''اندازاً کتنے لوگ رہے ہوں گے جنازے میں۔''

''بے شمار لوگ تھے۔''

''شمشاد اور شاہد عزیز کہاں تھے۔''

''وکیل صاحب تو تھے لیکن شمشاد صاحب دو دن بعد پہنچے تھے۔ اُنکے انتقال کی خبر سن کر۔ اوہ..... میرے خدا..... اب مجھ سے بیٹھا بھی نہیں جارہا۔ پوری ٹانگ مفلوج ہوتی جارہی ہے۔''

''انہیں اُٹھا کر صوفے پر لٹا دو.....!'' فریدی نے حمید سے کہا۔

لیکن لیٹتے ہی ایک بار پھر اس پر بے ہوشی طاری ہوگئی۔

اسے وہیں چھوڑ کر وہ پورے تہہ خانے میں مختلف زاویوں سے چھان بین کرتے پھرے تھے۔ یہ تہہ خانے بھی اتنے ہی وسیع تھے جتنی بڑی اوپر کی عمارت تھی۔ پندرہ بڑے کمرے حمید نے شمار کئے۔

''آخر..... وہ کہاں گیا جس نے ان تہہ خانوں تک ہماری رہنمائی کی تھی۔'' حمید کچھ دیر بعد بڑبڑایا۔

''فکر نہ کرو..... آؤ اسی کمرے میں چلیں جہاں پروجیکٹر دیکھا تھا۔'' فریدی نے کہا۔

''خوب یاد آیا۔'' حمید چونک کر بولا۔ ''آپ نے شاہد عزیز کے فلیٹ سے اچانک وہ فلم کیسے برآمد کرلی تھی۔''

''یہی بتانا چاہتا تھا۔ تمہیں یاد ہوگا کہ جب تم گھر آئے تھے تو میں تجربہ گاہ میں تھا اور اس وقت تجربہ گاہ میں اندھیرا تھا۔''

''جی ہاں..... مجھے یاد ہے۔ لیکن میں وجہ نہیں دریافت کرسکا تھا۔''

''شاہد عزیز کے بستر کے نیچے سے مجھے آٹھ ملی میٹر فلم کا ایک فریم ملا تھا۔ میں نے اسے پروجیکٹر پر دیکھا تو اس میں صرف اُسی بک شیلف کی تصویر نظر آئی جسے توڑ کر میں نے فلم برآمد کی تھی۔''

''اوہو..... تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ خود اسے بھی اپنے قتل کردیئے جانے کا خدشہ لاحق ہوگا۔ اسی لئے اس نے وہ فریم بستر کے نیچے رکھا ہوگا تاکہ اس کی عدم موجودگی میں بھی کوئی اس فلم کو حاصل کرسکے۔ مگر کون؟''

''یہی تو دیکھنا ہے..... آؤ۔''

وہ دونوں پھر اُسی کمرے میں آئے جہاں اوپر جانے کے لئے سیڑھیاں تھیں۔ فریدی نے وہ فلم پروجیکٹر پر چڑھائی جو شاہد عزیز کے بک شیلف سے برآمد ہوئی تھی۔

حمید نے سوئچ آف کرکے وہاں کے بلب بجھائے اور پروجیکٹر کی روشنی چھوٹے سے اسکرین پر پڑنے لگی۔ پروجیکٹر کے متحرک ہوتے ہی اسکرین پر ایک دشوار گزار راستے کے پیچ وخم نظر آنے لگے۔ چاروں طرف اونچی نیچی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔ پانچ منٹ کی اس فلم میں ویرانوں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ اختتام ایک بہت بڑے بت پر ہوا جسے ایک چٹان کو تراش کر بنایا گیا تھا۔

''یہ کیا بلا ہے؟'' حمید بڑبڑایا۔

''پتھر کا دیوتا۔'' فریدی نے طویل سانس لی۔

''لل.....لیکن.....وہ ریت کا دیوتا۔''

''احمقانہ سوالات نہ کرو.....دیکھنا یہ ہے کہ یہ فلم بندی کس علاقے میں کی گئی تھی۔''

''کیا آپ میرے ماموں کی قبر نہیں کھدوائیں گے۔''

جواب میں فریدی نے اونچی آواز میں کہا ''تمہارے ماموں کے حق میں یہی بہتر کہ اب وہ سامنے آجائیں۔ یہ دیکھنا میری ذمہ داری ہے کہ کسی کے خلاف لگائے جانے والے الزامات میں کس حد تک صداقت ہے اور میں انکی حفاظت کی ذمہ داری بھی قبول کرتا ہوں۔''

''کیا یہ آپ شیر علی کو سنا رہے ہیں۔'' حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

''ہاں.....میں چودھری صاحب ہی تک اپنی آواز پہنچانا چاہتا ہوں۔ میں جانتا ہوں اس تہہ خانے تک رہنمائی کرنے والے وہی ہیں۔ زخمی لڑکے کو چودھری صاحب ہی بحالت بیہوشی تہہ خانے میں منتقل کیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ کہیں نہ کہیں سے میری آواز بخوبی سن رہے ہوں گے۔ تہہ خانے کی بناوٹ ہی بتاتی ہے؟''

''تو پھر آجایئے نا ماموں جان.....میں آپ کو دیکھنے کے لئے بُری طرح تڑپ رہا ہوں۔'' حمید نے بھی ہانک لگائی۔

''دفعتاً بائیں گوشے سے شاہدہ کی آواز سنائی دی۔ ''آپ لوگ کہاں سے بول رہے ہیں براہِ کرم ڈائننگ روم میں تشریف لایئے۔ ناشتہ تیار ہے۔''

حمید حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی اور پھر اس نے ہونٹ سکوڑ کر شانوں کو جنبش دی تھی۔

''کیا قصہ ہے؟''

''قصہ یہ ہے حمید صاحب کہ آپ کے ماموں خواہ مخواہ پُراسرار بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لڑکا انہی کی گولی سے زخمی ہوا ہے۔ وہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ لڑکا حویلی میں کیوں آیا ہوا تھا۔ سو انہوں نے معلوم کرلیا اور مجھے یقین ہے کہ اب وہ وہاں نہ ہوگا جہاں ہم اسے چھوڑ آئے تھے۔''

''میں دیکھتا ہوں۔'' حمید جلدی سے بولا۔

''ضرور دیکھو۔''

بقیہ نمبر 38

حمید اس کمرے میں آیا جہاں لڑکے کو چھوڑا تھا۔ لیکن وہ اب بھی وہیں موجود تھا اور اس کی آنکھیں بدستور بند تھیں۔ البتہ اس کے سرہانے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ رکھا ہوا نظر آیا جو پہلے وہاں نہیں تھا۔ حمید نے آگے بڑھ کر اسے اٹھایا۔

بہت جلدی میں کسی نے لکھا تھا۔

''لڑکا یہیں رہے گا۔ ورنہ وہ اسے موت کے گھاٹ اُتار دیں گے۔ اسے محض اس لئے حویلی میں بھیجا گیا تھا کہ خود اندازہ کرسکیں کہ وہ بھی اس طرح حویلی میں داخل ہوسکیں گے یا نہیں۔ اس لڑکے کو قانون کا تحفظ حاصل ہونا چاہئے اور اس شخص پر نظر رکھی جانی چاہئے جس نے اسے حویلی میں بھیجا تھا۔''

حمید نے طویل سانس لی اور بے ہوش لڑکے کی طرف دیکھنے لگا۔

تعاقب

کچھ دیر بعد وہ ڈائننگ ہال میں ناشتہ کررہے تھے۔ لڑکی بھی موجود تھی۔

''آپ لوگ کہاں گفتگو کررہے تھے۔ دلاور نے پوری عمارت چھان ماری تھی۔'' لڑکی نے حمید کو مخاطب کرکے کہا۔

''کیا یہاں کی جانے والی گفتگو ہر کمرے میں سنی جاسکتی ہے۔'' حمید نے سوال کیا۔

''جی ہاں.....لیکن آپ لوگ کہاں تھے؟''

''تہہ خانے میں۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔

''کیا مطلب.....!'' لڑکی چونک پڑی۔

''تہہ خانے میں۔'' فریدی نے سر اُٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''وہ گڑبڑا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔''

''مم.....میں نہیں جانتی کہ یہاں تہہ خانے بھی ہیں۔''

''اگر تم نہیں جانتیں تو پھر ایک کمرے کی آواز دوسرے کمرے تک کیسے پہنچتی ہے۔''

''الیکٹری سٹی پیدا کرنے والا جنریٹر یہاں موجود ہے۔ ڈیزل سے چلایا جاتا ہے۔''

''جنریٹر کہاں ہے؟''

''پائیں باغ میں۔''

''اوہ.....اچھا.....!'' فریدی نے کہا اور کپ میں کافی انڈیلنے لگا۔

''تم اس طرح چونکی تھیں جیسے تمہیں یہاں تہہ خانوں کی موجودگی کا علم ہی نہ ہو۔'' اس نے لڑکی سے کہا۔

''یقین کیجئے۔ مجھے علم نہیں تھا۔'' لڑکی نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا جو سر جھکائے کافی پی رہا تھا۔

''تمہارا نام شاہدہ ہے یا شاداں۔'' حمید نے پوچھا۔

''میں دونوں ناموں سے پکاری جاتی ہوں۔''

''تمہارے پاس آٹھ ملی میٹر کا اسپائی کیمرہ ضرور ہوگا۔ اگر تمہیں سراغ رسانی کا شوق ہے۔'' دفعتاً فریدی نے شاہدہ سے سوال کیا۔

''یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔'' شاہدہ پھر چونک پڑی۔

''میرا خیال ہے.....! چودھری صاحب کے پاس آٹھ ملی میٹر کا مووی کیمرہ تھا۔''

''جی ہاں.....اُن کے پاس تو ہے۔ لیکن آپ میری بات کر رہے تھے؟''

''تمہارے پاس آٹھ ملی میٹر کا اسٹل کیمرہ ہے۔''

''اوہو! تو کیا چودھری بابا سے ملاقات ہوگئی آپ کی۔'' وہ پُرمسرت لہجے میں بولی۔ لیکن فریدی جواب دینے کی بجائے اسے جواب طلب نظروں سے دیکھتا رہا۔

''جی ہاں.....میرے پاس آٹھ ایم ایم کا مناکس کیمرہ ہے۔''

''اور وہ کیمرہ اس وقت بھی تمہارے پاس رہا ہوگا جب حمید کو شمشاد کی حویلی میں گئی تھیں۔''

''جج.....جی ہاں۔''

''وہ کیمرہ میرے حوالے کردو۔''

''کک.....کیوں؟''

''سنو! تمہارے چودھری بابا یا تم نے جو کچھ بھی کیا ہے اسے کہتے ہیں قانون کو ہاتھ میں لینا۔ لہٰذا میرا مشورہ ہے کہ چودھری صاحب کو اب سامنے آنا چاہئے اور تم سے جو کچھ کہا جائے کرو۔''

''میں نہیں جانتی چودھری بابا کہاں ہیں؟''

''خیر اسے میں دیکھوں گا.....لیکن کیمرہ اسی فلم سمیت مجھے چاہئے جو کل اس میں موجود تھی۔ مجھے یقین ہے کہ تم ابھی اسے ڈیولپ نہ کرسکی ہوگی۔''

''آخر آپ کیمرہ کیوں طلب کر رہے ہیں۔''

''تم نے اس لاش کی تصویر ضرور لی ہوگی۔''

''اوہ.....!'' لڑکی نے طویل سانس لی پھر آہستہ سے بولی۔ ''بہت بہتر.....میں کیمرہ لاتی ہوں۔''

وہ چلی گئی اور حمید نے فریدی سے کہا۔ ''مجھے یقین نہیں آتا کہ اسے تہہ خانوں کا علم نہ ہوگا۔''

''بالکل غیر ضروری سوال ہے۔'' فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔ کچھ دیر بعد شاہدہ واپس آگئی۔

''یہ لیجئے!'' اس نے ننھا سا مناکس کیمرہ فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''جی ہاں۔ میں نے لاش کی تصویر لی تھی۔ فلم اس میں موجود ہے۔''

''شکریہ۔'' فریدی نے کیمرہ لے کر جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔ ''یہ تمہیں واپس کردیا جائے گا اور ہاں ایک آدمی کے لئے ناشتہ اور چاہئے۔''

''کک.....کس لئے۔''

''اس بحث میں نہ پڑو۔''

''اگر آپ لوگوں نے یہاں تہہ خانہ دریافت کیا ہے تو مجھے بھی دکھایئے۔''

''فی الحال یہ ناممکن ہے۔ لیکن تم کسی سے بھی اس کا ذکر نہیں کروگی۔''

''میں سمجھتی ہوں۔''

''اچھا.....بس اب جا کر آرام کرو۔ جس کمرے میں قیام کرو اس سے باہر نہ نکلنا اسے بند ہی رکھنا۔''

''میرے لائق کوئی کام ہو تو.....!''

''دوپہر کا کھانا۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''شام کی چائے اور رات کا کھانا۔''

''جی بہت بہتر۔'' وہ بُرا مان کر غرائی۔ ''عورتوں کو صرف چولہے ہانڈی تک محدود رکھنا چاہئے۔''

''اور نہیں تو پھر کیا کرنل صاحب کھانا پکائیں گے۔'' حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

''اونہہ ہوگا..... ہاں وہ کہاں گیا حنیف۔''

''تم اس الجھن میں نہ پڑو۔ ایک آدمی کے لئے ناشتہ حمید کے سپرد کر دینا۔'' نے کہا اور وہاں سے اُٹھ کر باہر نکل گیا۔ لڑکی حمید کو گھورے جا رہی تھی۔ حمید پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔

''تمباکو کب سے پی رہے ہو۔'' دفعتاً اس نے تیز لہجے میں پوچھا۔

''پہلا سگریٹ والدہ صاحبہ کی گود میں پیا تھا بعمر پانچ سال۔''

تمباکو سے اس نے پھر حنیف پر چھلانگ لگائی۔

''دیکھو بی شاہدہ! فادر ہارڈ اسٹون نے جو بات مناسب نہیں سمجھی اس کے سلسلے میری زبان کس طرح کھلوائی جا سکتی ہے۔ تم فی الحال اپنے کام سے کام رکھو۔ ہاں چلو جلدی سے ایک آدمی کے لئے ناشتہ۔''

وہ بُرا سا منہ بنا کر اُٹھ گئی۔ پندرہ منٹ بعد ناشتے کی ٹرے اٹھائے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

''اب کرنل صاحب کی ہدایت کے مطابق اپنے کمرے میں جاؤ۔'' حمید نے کہا۔

''میں اپنے گھر جا رہی ہوں..... یہاں تو نہیں رہتی۔'' وہ سرد لہجے میں کہتی دروازے کی طرف مڑ گئی۔

حمید ناشتے کی ٹرے وہیں چھوڑ کر اسے پائیں باغ کے پھاٹک تک پہنچانے گیا تھا۔ دوپہر کا کھانا وہ اپنے گھر سے پکوا کر لائی تھی۔ کھانے کی میز پر پھر تینوں اکٹھے ہو

ئی شروع بھی نہیں کیا تھا کہ دلاور نے شمشاد کی آمد کی اطلاع دی۔

فریدی نے لڑکی کی طرف دیکھا۔

''وہ آتے رہے ہیں یہاں۔'' اس نے کہا۔ پھر حمید سے بولی۔ ''آپ نے شاہد فاروقی رشاہدہ فاروقی کا ذکر ان سے ضرور کیا ہوگا۔ لہٰذا محتاط رہئے گا۔ ان پر یہ نہ ظاہر ہونے پائے کہ وہ لڑکی میں ہی تھی۔''

''میں اتنا احمق نہیں ہوں۔''

''کسی قدر ضرور ہو۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ ''تم خود جاؤ اور اسے یہیں لانا۔''

حمید اُٹھ گیا۔ شمشاد کی جیپ کے پیچھے اس کی گاڑی کھڑی نظر آئی۔

''اوہ.....آیئے.....آیئے۔'' حمید پرتپاک انداز میں آگے بڑھتا ہوا بولا۔ ''مگر آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ ہم لوگ یہاں ہیں۔''

''قیاساً.....! پہلے حویلی گیا۔ آپ کی گاڑی کے وہیل ٹھیک کرائے اور ادھر لیتا چلا آیا اور پھر ایک ضروری بات بھی گوش گزار کرنی تھی۔''

''چلئے.....اندر تشریف لے چلئے۔''

حمید اسے ڈائننگ روم میں لایا۔

''آہا...شادو بیٹی بھی موجود ہے۔'' شمشاد نے کمرے میں قدم رکھتے ہی خوش ہو کر کہا۔

''آیئے چچا جان.....!'' لڑکی اٹھتی ہوئی بولی۔ ''کھانے میں شریک ہو جایئے۔''

''ضرور، ضرور.....میں بہت بھوکا ہوں۔ باہر میرے دو آدمی بھی ہیں۔''

''آپ تشریف رکھئے۔ ان کے لئے بھی انتظام کراتی ہوں۔''

فریدی نے اُٹھ کر اس سے مصافحہ کیا تھا۔

شاہدہ کھانے کے دوران ہی میں اُٹھ گئی اور شمشاد فریدی کی طرف دیکھ کر بولا۔

''کپتان صاحب کے چلے آنے کے بعد میری حالت زیادہ خراب ہوگئی تھی۔ صبح چار بجے کے قریب کسی قدر سنبھلی تو میں نے آپ کی کوٹھی پر فون کیا۔ معلوم ہوا کہ آپ لوگ تشریف نہیں رکھتے۔ فوراً خیال آیا کہ سعد آباد گئے ہوں گے۔ کپتان صاحب کی گاڑی بھی یاد آئی میں نے سوچا اسے سعد آباد ہی پہنچا دوں۔ شائد کسی اور سے بھجوا دیتا لیکن ایک اہم

اطلاع نے خود مجھے ہی آنے پر مجبور کر دیا۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ بڑی توجہ سے سن رہا تھا۔ شمشاد چند لمحے خاموش رہا

''جب میں کپتان صاحب کے ٹائروں کی مرمت کر رہا تھا ایک آدمی نے مجھے بتایا سے پٹرول کے ٹن نکال کر اندر لے جانے والا میرا منیجر عاقل خان ہی تھا۔''

''اچھا.....!'' فریدی نے تفہیمی انداز میں سر کو جنبش دی۔

''اور اب وہ سرے سے غائب ہے۔''

''غالباً آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ کی حویلی میں آگ لگا کر لاش کو مسخ کرنے عاقل خان ہی تھا۔''

''اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ اگر یہ حرکت اسی کی ہے تو پھر یقین کے سا جاسکتا ہے کہ وہ اس شخص سے واقف تھا جس کی لاش میں نے حویلی میں دیکھی تھی۔''

''کل حویلی میں پہنچنے سے قبل آپ دونوں کتنے عرصہ تک ساتھ رہے تھے۔''

''میں یہاں تنہا تھا، وہ زمینوں پر تھا۔ کل صبح یہاں میرے پاس آیا تھا۔ کچھ کاغذات ضرورت تھی۔ لہٰذا میں اسے ان کاغذات کے لئے اپنے ساتھ حویلی لے گیا تھا۔''

وہ خاموش ہو گیا اور فریدی پُرتفکر انداز میں سر ہلا کر بولا۔ ''تب تو بہت کچھ سوچا ہے۔ اس کے بعد کمرے کی فضا پر گہرا سکوت طاری ہو گیا تھا۔''

''کھاتے رہئے۔'' حمید نے شمشاد سے کہا۔ ''باتیں تو ہوتی ہی رہیں گی۔''

''میں بہت پریشان ہوں کپتان صاحب۔''

''اللہ فضل کرے گا۔ یہ لیجئے..... کباب بہت لذیذ ہیں۔''

دفعتاً فریدی نے اسے مخاطب کر کے کہا۔ ''کیا آپ کا خیال ہے کہ عاقل خان یت کے دیوتا کے پجاریوں میں سے ہے۔''

شمشاد کے ہاتھ سے نوالہ چھوٹ پڑا۔

''رررریت کا دیوتا..... کک..... کیا مطلب.....؟''

''مطلب آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔'' فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

''تت..... تو..... آپ جانتے ہیں کہ عاقل خان۔''

''میں آپ کی زبان سے بھی سننا چاہتا ہوں۔''

''کیا آپ میری اور میرے خاندان والوں کی زندگیوں کا تحفظ کر سکیں گے۔''

''حتی الامکان۔''

''وہ اس علاقے میں موت کا فرشتہ مشہور ہے۔ یہاں کے سربرآوردہ لوگ بھی اُس کی شی میں ہیں۔ لیکن کوئی نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔''

''اگر وہ اس علاقے میں اتنا ہی مشہور ہے تو شاداں نے کبھی اس کا نام کیوں نہیں سنا۔''

''شاداں کیا جانے گی..... وہ بیچاری اس کے لئے کیا کر سکے گی۔ اس کے شکار تو ہم میے لوگ ہیں جن سے وہ بڑی رقومات حاصل کر سکتا ہے اور آلہ کار بنا کر سرکار دربار سے بھی پنے کام نکال سکتا ہے۔''

اوہ..... تو آپ نے اب تک اس کے لئے کیا کیا ہے؟''

''مم..... میں نے..... میں نے اس کی بات نہیں مانی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ میں چودھری شیر علی کی قبر کھود کر دیکھوں کہ حقیقتاً انہی کا مردہ دفن کیا گیا ہے یا کوئی اور۔ لیکن میں نے آپ کو بتایا تھا کہ کچھ لوگ اس لئے میرے پیچھے لگ گئے ہیں کہ میں نے چودھری کی قبر کھودنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے یہ غلط بیانی اس لئے کی تھی کہ آپ شدومد سے ان لوگوں کی تلاش شروع کر دیں۔ یقین کیجئے یہ ریت کا دیوتا..... بارڈر ایریا کے لوگوں کے لئے مصیبت بنا ہوا ہے۔ میری حویلی میں پائی جانے والی لاش اس کی طرف سے میرے لئے ایک دھمکی تھی اسی کے آدمیوں میں سے کسی نے کپتان صاحب کو اس لاش تک پہنچایا تھا اور آج یہ ثابت ہو گیا کہ عاقل خان جو ہر وقت میری گردن کاٹ سکتا ہے، اسی کے کارندوں میں سے ہے۔''

''وہ اب کہاں مل سکے گا؟''

''تراب نگر میں میرے فارم میں..... وہیں ہوگا..... میں نے آپ کے گوش گزار کر دیا۔ اب میں اپنا اور اپنے خاندان والوں کا تحفظ چاہتا ہوں۔''

''اُس کے افراد خاندان کہاں رہتے ہیں۔''

''شمالی سرحد کے قریب کسی علاقے میں۔ میں نے ان میں سے کبھی کسی کو نہیں دیکھا۔

عاقل خان تین سال پہلے میرے پاس ملازمت کے لئے آیا تھا اور اپنی کارکردگی کی بنا
عرصہ میں منیجر کے عہدے تک پہنچ گیا۔''

حمید خاموشی سے ان کی گفتگو سن رہا تھا۔ اتنے میں شاہدہ آ گئی۔

''کچھ اور چاہئے۔'' اس نے حمید سے پوچھا۔

''چورن.....!''

''بھینس کے سری پائے نہیں کھائے آپ نے۔''

حمید کھانا ختم کر چکا تھا۔ فریدی نے اسے اشارہ کیا کہ شاہدہ کو وہاں سے ہٹا لے جائے
حمید اٹھتا ہوا بولا۔ ''اچھا تو شادو جی اب چل کر رات کے کھانے کی تفصیل سن لیجئے
لڑکی نے اسے بے اعتباری سے دیکھا اور دروازے کی طرف مڑ گئی۔

کمرے سے نکل کر وہ بیرونی برآمدے میں آ بیٹھے۔ دھوپ کی تپش کے باوجود پتا
کیوں حمید وہیں بیٹھنا چاہتا تھا۔

''آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں۔'' شاہدہ نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''نرگسی کوفتے، گلابی قورمہ، نیلا اسٹو، کالا پلاؤ، بنفشی روٹیاں۔''

''حمید صاحب؟''

''کھل کر بات کرو..... کیا تم شمشاد کو اچھا آدمی نہیں سمجھتیں۔''

''جب تک کسی کی کوئی بُرائی سامنے نہ آ جائے میں اسے اچھا ہی سمجھتی رہتی ہوں۔''

''کبھی چودھری صاحب سے اس کا جھگڑا بھی ہوا تھا۔''

''میرے علم میں تو ایسی کوئی بات نہیں۔''

''شاہد عزیز سے۔''

''اس کا بھی علم نہیں۔''

''تمہاری اعلمی مجھے پاگل کر دے گی۔''

دفعتاً کہیں سے دھماکے کی آواز آئی اور وہ دونوں اچھل پڑے۔ پائیں باغ کے پھا
کے قریب کثیف دھوئیں کے مرغولے اُٹھ رہے تھے۔

حمید واقعے کی نوعیت سمجھنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ فریدی اور شمشاد دوڑتے ہوئے

برآمدے میں آئے۔

''اوہ..... میری گاڑی۔'' فریدی بولا۔

واقعی اس دھوئیں کی اوٹ سے کوئی فریدی کی لنکن لے بھاگا تھا۔

کمپاؤنڈ میں شمشاد کی جیپ اور حمید کی گاڑی موجود تھی اور شمشاد کے دونوں ملازم بھی
جیپ ہی میں بیٹھے دکھائی دیئے۔ پھر یہ کون تھا۔ لنکن لے گیا۔

بہرحال انہیں اس کے پیچھے جانا پڑا تھا۔ حمید اپنی گاڑی اسٹارٹ کر ہی رہا تھا کہ شاہدہ
بھی پچھلی سیٹ پر آ بیٹھی۔

''تم کہاں..... جاؤ..... اندر بیٹھو۔''

''بس چپ چاپ چلے چلئے..... میں ایسی ڈرپوک نہیں ہوں۔''

فریدی شمشاد کی جیپ میں تھا اور خود ہی اسے ڈرائیو کر رہا تھا۔ شمشاد اس کے برابر بیٹھا
تھا اور اس کے دونوں ملازم پچھلی سیٹ پر تھے۔

وہ پھاٹک سے گزر گئے۔ فریدی شائد اپنی گاڑی کے ٹائروں کے نشانات پر جیپ دوڑا
رہا تھا۔ گاڑی تو نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔

''وہ کون ہو سکتا ہے؟'' حمید بڑبڑایا۔

''خدا جانے..... لیکن وہ دھماکہ۔''

''دھوئیں کا ایک چھوٹا سا بے ضرر بم۔''

''مقصد.....؟''

''مقصد یہی کہ اسے لنکن لے بھاگنے کا موقع مل جائے۔ اگر ہم برآمدے میں نہ بیٹھے
ہوتے تو شائد وہ بم نہ پھینکتا۔''

دونوں گاڑیاں آگے پیچھے دوڑتی رہیں۔ مگر لنکن ابھی تک تو دکھائی نہیں دی تھی۔ پتہ
نہیں کتنی تیز رفتاری سے لے جائی گئی تھی۔ کچے راستے کے اختتام پر جیپ رک گئی۔ حمید نے
بھی اپنی گاڑی کی رفتار کم کی اور اسے جیپ کے قریب روک دیا۔

فریدی اور شمشاد کو نیچے اترتے دیکھ کر خود بھی اُترا اور ان کے قریب جا کھڑا ہوا۔ لنکن
کے نشانات پکی سڑک پر دائیں جانب گھومے تھے۔ یعنی مشرق کی سمت۔

''حمید کی گاڑی میں فیول پوزیشن کیا ہے؟'' فریدی نے شمشاد سے پوچھا۔

''ٹینک فل تھا.....اور ڈگی میں بھی زائد پٹرول موجود ہے۔ میں نے کپتان صاحب خسارہ پورا کر دیا تھا۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ ہم جائیں گے کہاں۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔

''وہ کون ہوسکتا ہے۔'' حمید فریدی کی طرف دیکھ کر بڑبڑایا۔

''تم تو باہر ہی تھے.....تم ہی بتاؤ۔''

''دھوئیں کی آڑ میں لے بھاگا۔ میں نہیں دیکھ سکا تھا؟''

''ہوگا کوئی.....لیکن وہ میری گاڑی اتنی آسانی سے تو نہیں لے جاسکتا۔ شمشاد صاحب آپ چاہیں تو واپس جاسکتے ہیں۔''

''نہیں صاحب، یہ کیسے ممکن ہے۔'' شمشاد حمید کی گاڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''لیکن یہ بیوقوف لڑکی کیوں چلی آئی ہے۔''

فریدی نے جواب طلب نظروں سے حمید کی طرف دیکھا۔

''میں کچھ نہیں جانتا۔ زبردستی بیٹھ گئی تھی۔''

''تم نے منع کیوں نہیں کیا.....؟''

''کیا آپ نہیں جانتے کہ وہ آدھی پاگل معلوم ہوتی ہے۔ کچھ دیر پہلے مجھ سے کہہ رہی تھی کہ میرا اگلا گھونٹ دو اور مجھے بھی چودھری بابا کی قبر میں دفن کردو۔''

''یہ کہہ رہی تھی۔'' شمشاد نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

''یقین کیجئے اور سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔''

''بہت چاہتی تھی چوہدری صاحب کو۔'' شمشاد نے مغموم آواز میں کہا۔

''اچھی بات ہے تو میں تمہاری ہی گاڑی میں چلوں گا۔'' فریدی حمید کو مخاطب کر کے بولا۔

شمشاد کے چہرے پر ایسے تاثرات نظر آئے جیسے فریدی کی بات سمجھ میں نہ آئی ہو لیکن وہ کچھ بولا نہیں تھا۔

فریدی حمید کی گاڑی میں جا بیٹھا اور اسٹیئرنگ بھی خود ہی سنبھالتے ہوئے شمشاد کو آگے بڑھ جانے کا اشارہ کیا۔

یہ وہی سڑک تھی جس سے وہ سعد آباد تک پہنچے تھے اور اب سعد آباد سے مشرق کی طرف سرحدی علاقے میں داخل ہو رہے تھے۔ شمشاد کی جیپ آگے تھی اور حمید محسوس کر رہا تھا کہ فریدی شمشاد سے آگے نکل جانے کی کوشش نہیں کر رہا۔

''کیا خیال ہے؟'' حمید آہستہ سے بولا۔ ''وہ عاقل خان تو نہیں ہے۔''

''میں غیب دان نہیں ہوں۔'' فریدی نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ پھر اونچی آواز میں شاہدہ کو مخاطب کر کے پوچھا۔ ''کیا تم عاقل خان کے بارے میں مجھے کچھ بتا سکو گی۔''

''جی نہیں! میں نے صرف اس کا نام سنا ہے۔ کبھی شکل بھی نہیں دیکھی۔''

''کیا وہ شمشاد کے بہت اہم ملازمین میں شمار کیا جاتا ہے۔''

''اہم ترین۔ شمشاد کی بہت سی زمینیں جو دوسروں کے قبضے میں تھیں محض اسی کی حکمت عملی کی بناء پر اسے واپس مل گئی ہیں۔''

''تو گویا وہ ان اطراف میں خاصی شہرت رکھتا ہے۔''

''جی ہاں۔''

فریدی نے پھر کچھ نہیں پوچھا تھا۔ دونوں گاڑیاں آگے پیچھے دوڑتی رہیں کچھ دیر بعد وہ ایسے علاقے میں داخل ہوئے جہاں سڑک کی دونوں اطراف میں اونچی نیچی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔

''کیا بارڈر تک جانے کا ارادہ ہے؟'' حمید نے تھکی تھکی سی آواز میں پوچھا۔

''ہوسکتا ہے۔''

''فرض کیجئے ہم غلط سمت جا رہے ہوں۔ اس نے ہمیں غلط راہ پر ڈالنے کیلئے کچھ زمین پر اس قسم کے نشانات ڈالے ہوں اور سڑک پر پہنچنے کے بعد مخالف سمت میں موڑ لی ہو۔''

فریدی کا جواب سننے سے پہلے ہی شاہدہ نے قہقہہ لگایا۔

''اس میں ہنسنے کی کیا ضرورت ہے؟'' حمید جھلا گیا۔

''آپ کی سادگی پر ہنسی آئی کپتان صاحب..... یا کرنل صاحب نے اس کے امکان پر پہلے ہی نظر نہ رکھی ہوگی۔''

''زیادہ قابلیت بگھارو گی تو گاڑی سے اُتار دوں گا۔''

''سچ مچ بچوں کی سی باتیں کرنے لگے آپ.....!''

اچانک فریدی نے گاڑی روک دی۔ شمشاد کی جیپ اگلے موڑ پر نظروں سے او ہو چکی تھی۔

فریدی کھڑکی پر جھکا ہوا بائیں جانب والی چٹانوں کو بغور دیکھ رہا تھا۔ حمید بھی اُدھر متوجہ ہو گیا اور پھر یک بیک چونک پڑا۔ دو چٹانیں اس طرح کھڑی تھیں جیسے دو تلواریں کو کر کے محراب بنائی گئی ہو۔

''کیا خیال ہے۔'' فریدی حمید کی طرف مڑ کر مسکرایا۔

''گاڑی ان چٹانوں کے درمیان سے گزر سکتی ہے دور تک راستہ ہموار نظر آ رہا ہے حمید نے کہا۔

فریدی نے گاڑی بیک کی اور پھر اسے چٹانوں کی طرف موڑ دیا۔ شمشاد کی جیپ کا دور تک پتا نہیں تھا۔

گاڑی چٹانوں کی محراب سے گزرنے لگی تو شاہدہ نے کہا۔ ''ضروری نہیں کہ وہ آپ گاڑی ادھر ہی لے گیا ہو۔''

اس بار حمید نے کچھ ایسے انداز میں قہقہہ لگایا کہ شاہدہ سچ مچ بگڑ گئی۔

''آپ ہنسے کیوں؟''

''تمہارے اسی احمقانہ اظہار خیال پر..... کرنل صاحب اس زمین کی مخلوق نہیں ہیں بیرونی خلاء کے کسی گم نام سیارے سے ہماری زمین پر نزول اجلال فرمایا ہے۔ اگر یہ بات ہوتی تو اب تک کئی شادیاں کر چکے ہوتے۔''

''کیا بکواس ہے۔'' فریدی غرایا۔

گاڑی ڈھلان میں اُتر رہی تھی اور اب اس کے سڑک پر سے دیکھ لئے جانے کا امکان نہیں تھا۔

''یہاں تو کسی دوسری گاڑی کے نشانات بھی نہیں دکھائی دیتے۔'' شاہدہ پھر بولی۔ بہت زیادہ مضطرب نظر آ رہی تھی۔

ڈھلوان کے اختتام پر جیسے ہی راستہ بائیں جانب مڑا فریدی کی لنکن کھڑی نظر آئی۔

فریدی نے پھر گاڑی روک دی۔ حمید دروازہ کھول کر نیچے کودا۔ لنکن خالی تھی۔

فریدی اور شاہدہ بھی گاڑی سے حمید کے پاس آ کھڑے ہوئے تھے لیکن فریدی بغور گرد و پیش کا جائزہ لے رہا تھا۔

دفعتاً فریدی نے ان سے کہا۔ ''میرے ساتھ آؤ۔''

وہ ایک چٹان کی طرف بڑھ رہا تھا اور اس نے اوپر چڑھنا شروع کیا۔ دونوں نے اس کی تقلید کی۔

تھوڑی سی جدوجہد کے بعد وہ ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے دونوں گاڑیوں پر نظر بھی رکھ سکتے تھے اور خود ان کے دیکھ لئے جانے کا امکان نہیں تھا۔

''اب یہاں کیا کر رہے ہیں۔'' شاہدہ حمید کے کان کے قریب منہ لا کر آہستہ سے بولی۔ ''گاڑی سنبھالئے اور واپس چلئے۔''

دفعتاً فریدی نے حمید سے کہا۔ ''تم دونوں یہیں بیٹھو اور یہ لو۔''

اس نے لنکن کے مختلف خانوں کی کنجیاں اسے دی تھیں پھر حمید نے اسے دوبارہ نیچے جاتے دیکھا۔

وہ حمید کی گاڑی پر بیٹھا تھا اور اسے آگے بڑھاتا چلا گیا تھا۔ بالآخر وہ بھی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

''آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے؟'' شاہدہ بولی۔

''آہستہ..... تمہاری آواز اونچی نہ ہونی چاہئے۔ اب تم ہمارے ساتھ آنے کی سزا بھگتو گی۔''

''کک..... کیا مطلب؟''

''مطلب کشت و خون کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ شی.....!'' وہ ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش ہو گیا اور کچھ سننے کی کوشش کرنے لگا۔ یہ کسی وزنی گاڑی کی آواز تھی جو بتدریج قریب ہوتی معلوم ہو رہی تھی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے شمشاد کی جیپ وہیں آ رکی جہاں لنکن کھڑی تھی وہ اور اس کے ساتھی جیپ سے کودے اور لنکن کے قریب پہنچ گئے۔ شمشاد نے گاڑی میں سر ڈال کر کچھ دیکھا تھا اور پھر جیپ کی طرف پلٹ گیا تھا۔

وہ تینوں دوبارہ جیپ میں بیٹھے اور جیپ بھی ادھر ہی چل دی جدھر فریدی گیا تھا۔

سید نے طویل سانس لی۔

دیوتا خاک پر

''آپ بتاتے کیوں نہیں کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔'' شاہدہ اسکا شانہ جھنجھوڑتی ہوئی بولی۔

حمید نے اسے تیکھی نظروں سے دیکھا۔لیکن کچھ بولا نہیں۔سوچ رہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ لنکن کی کنجیاں فریدی اسے دے گیا تھا۔ مقصد اس کے علاوہ اور کیا ہوسکتا تھا۔ ضرورت پڑنے پر وہ اپنی عقل استعمال کر سکے۔

دفعتاً اس نے شاہدہ سے کہا۔''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارا کیا کروں۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اب جو کچھ ہونیوالا ہے.....وہ کم از کم شوقیہ ایڈونچررز کے بس کا روگ نہیں ہوگا۔''

''میں کچھ نہیں سمجھی۔''

''آپ کے چودھری بابا اعلیٰ پیمانے پر کشت وخون کرنے والے ہیں۔''

''کک.....کیسے.....؟''

''میرا دعویٰ ہے کہ لنکن وہی لے بھاگے تھے۔''

''نہیں.....یہ ناممکن ہے؟''

''دیکھ لینا.....جاسوسی ناول پڑھ پڑھ کر سراغ رساں بن بیٹھنے والے ایسی ہی حماقتیں کرتے ہیں۔''

''آپ ان کی شان میں گستاخی کر رہے ہیں۔'' شاہدہ بگڑ گئی۔

''میں بحث کے موڈ میں نہیں ہوں.....تم یہیں ٹھہرو.....میں جا رہا ہوں۔''

''یہ ناممکن ہے.....میں بھی چلوں گی۔اگر وہ چودھری بابا ہیں تو میں یہاں بیٹھ کر تمہاری واپسی کا انتظار نہیں کر سکتی۔''

''ارے تو وہ بھی یہیں کہیں ہوں گے۔لنکن یہاں چھوڑ کر پیدل نہ گئے ہوں گے۔''

''کچھ بھی ہو.....میں بھی چلوں گی۔''

''اللہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''کیا مطلب.....؟''

ابھی تک مجھے شادی کی توفیق نہیں دی۔

''باتیں نہ بنائیے چلئے۔میں بھی خطرہ محسوس کر رہی ہوں۔کرنل صاحب اکیلے گئے ہیں۔''

''وہ دونوں چٹانوں سے نیچے اُترے اور لنکن میں جا بیٹھے۔حمید نے بڑی پھرتی سے اپنی طرف کے دروازے کا خانہ کھول کر ٹامی گن نکالی تھی اور اسے گود میں رکھتے ہوئے شاہدہ سے کہا''آج تمہیں شائد ایڈونچر کا عملی تجربہ ہو جائے۔ابھی تک تو صرف خواب دیکھے ہوں گے۔''

''آپ نے کس بناء پر کہا تھا کہ چودھری بابا گاڑی لے بھاگے تھے؟''

''پھر کان کھانے لگیں خود دیکھ لینا۔''

شاہدہ کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔حمید نے اسے کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی۔اس جگہ سے ہٹتے ہی حمید نے محسوس کیا کہ لنکن وہیں کیوں چھوڑ دی گئی تھی۔راستہ ایسا تھا کہ جیپ کے علاوہ اور کسی گاڑی کا ادھر سے گزرنا ناممکن ہی تھا۔

گاڑی کو دوبارہ بیک کر کے اسی جگہ پر واپس لانا پڑا۔اب سوچ رہا تھا کہ کیا کرنا چاہئے۔ ٹامی گن ایک طرف رکھ کر باہر نکلا دوسرے دروازے کا خانہ کھولا اور جیکٹ نکالی جس کے استر میں ریوالور کے کارتوس لگے ہوئے تھے۔

جیکٹ پہن کر باہر نکلا اور شاہدہ سے بھی اترنے کو کہا۔

''ہمیں پیدل ہی چلنا پڑے گا۔'' اس نے ٹامی گن اٹھاتے ہوئے اس سے کہا۔

''مگر کچھ کیجئے بھی تو.....!'' وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

''تم آخر یہیں کیوں نہیں ٹھہرتیں۔''

''میں کہہ چکی ہوں کہ یہ ناممکن ہے۔''

دفعتاً دور سے کئی فائروں کی آوازیں آئیں اور وہ دونوں چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگے۔

دوسری بار حمید سمت کا تعین کر سکا اور پھر اس نے بے تحاشہ اسی سمت دوڑ لگائی تھی۔مڑ کر

بھی نہیں دیکھا تھا کہ وہ اس کے پیچھے آ رہی ہے یا نہیں۔

ٹامی گن بغل میں دبائے دوڑا جا رہا تھا۔ کچھ دور جانے کے بعد اسے اپنی گاڑی کا
ی جو راستے سے ہٹ کر ایک چٹان کی اوٹ میں کھڑی تھی۔ جھپٹ کر اسکے قریب پہنچا۔
اس نظر دوڑائی لیکن فریدی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ پھر آگے بڑھنے ہی والا تھا کہ شاہدہ بھی پہنچ گئی

''اچھی بات ہے.....آؤ'' حمید بھنا کر بولا۔

کچھ دور چلنے کے بعد پھر رکنا پڑا کیونکہ شمشاد کی جیپ بھی کھڑی نظر آئی تھی لیکن وہ
س کے ساتھی غائب تھے۔

اس جگہ سے فائروں کی آوازوں کا رخ بدلا ہوا لگا تھا۔ وہ بائیں جانب کے تنگ
رے میں داخل ہو گیا۔

شاہدہ اس کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ حمید کا دل چاہ رہا تھا
س کو کسی اونچی چٹان سے نیچے پھینک دے۔ پچھلی زندگی میں کوئی ایسا موقع یاد نہ آیا کہ جب
کسی لڑکی پر اس شدت سے جھلایا ہو۔

وہ پھر کھلے میں نکل آئے۔ لیکن اب سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرف جائے۔ فائر
کی آوازیں اب نہیں سنائی دے رہی تھیں۔

''پتہ نہیں.....کہاں کیا ہو رہا ہے؟'' شاہدہ بڑبڑائی۔

اچانک پھر تین فائر ہوئے۔ یہ اتنے قریب کے تھے کہ حمید کو بڑی پھرتی سے ایک
کی اوٹ لینی پڑی تھی۔ پھر وہ دانت پیس کر بولا۔ ''اب بتاؤ! میں تمہیں کوٹ کی جیب
رکھوں یا پیس کر پی جاؤں۔''

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ مشکلات میں پڑ کر آپ جیسے مرد عورتوں سے بدتر ہو جاتے
ہیں۔'' وہ ہانپتی ہوئی بولی اور پھر اس نے زبردستی ہنسنے کی کوشش کی تھی۔

اس ریمارک پر حمید بور ہو کر خاموش ہی ہو گیا۔ فائر ہوتے رہے۔ گولیاں ان کے سروں
پر سے گزر رہی تھیں لیکن فائر کرنے والے نظر نہیں آ رہے تھے۔

ان کی دونوں جانب اونچی اونچی چٹانیں تھیں اور دونوں ہی اطراف سے فائرنگ
ہو رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا مقابلہ.....فریقین ایک دوسرے پر گولیاں برسا رہے تھے لیکن

اندازہ لگانا محال تھا کہ وہ کون ہوں گے۔

شمشاد اور لنکن لے بھاگنے والے کے درمیان بھی ٹھن سکتی تھی۔ حمید سوچ رہا تھا۔ ممکن ہے فریدی بھی فی الحال محض ایک تماشائی کی حیثیت سے حالات کا جائزہ لے رہا ہو۔

''کچھ کیجئے!'' شاہدہ مضطربانہ انداز میں بڑبڑائی۔

''چپ چاپ بیٹھی رہو۔''

''میرا دعویٰ ہے کہ کرنل صاحب خطرے میں ہیں۔'' شاہدہ نے کہا۔

''کیا تم بتا سکو گی کہ کرنل صاحب کس طرف ہوں گے۔''

''نہیں.....؟''

''تو کیا میں پھر کھلے میں نکل کر ناچنا شروع کر دوں۔''

شاہدہ پھر کچھ کہنے والی تھی کہ اچانک بائیں جانب سے ایک چیخ فضا میں اُبھری اور کوئی اوپر سے لڑھکتا ہوا ایک بڑے سے پتھر کی اوٹ میں جا گرا۔

''پپ پتہ نہیں کون ہے۔'' شاہدہ ہکلائی۔

حمید کچھ نہ بولا۔ اس نے گرنے والے کی بس ایک جھلک دیکھی تھی۔ دائیں جانب سے پھر فائر ہوئے اور اس کے بعد سناٹا چھا گیا۔

اب حمید دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سن رہا تھا۔ دائیں جانب کی چڑھائی سے تین آدمی نیچے اُتر رہے تھے۔ اس نے انہیں خاصے فاصلے سے بھی پہچان لیا۔ یہ شمشاد اور اس کے دونوں ساتھیوں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتے تھے۔ شمشاد کے ہاتھ میں رائفل تھی۔

وہ دوڑتے ہوئے اس پتھر کے قریب جا پہنچے جسکی دوسری طرف غالباً انہی کا شکار گرا تھا۔

''چلو.....!'' حمید شاہدہ کو دوسری طرف دھکیلتا ہوا بولا۔ ''باہر نکل کر اسے آواز دو..... بلکہ دوڑتی ہوئی اس کی طرف جاؤ۔''

''کک.....کیوں.....؟''

''کام بتایا تو ہکلانے لگیں بی شیرنی۔''

''اچھا.....!'' کہتی ہوئی وہ اچھل کر پتھر کی اوٹ سے نکل گئی اور حلق پھاڑ پھاڑ کر شمشاد کو آوازیں دینے لگی۔

شمشاد مڑا تھا اور پھر اپنے دونوں ساتھیوں سمیت دوڑ لگائی تھی۔ ان کا رخ تبدیل ہوتے ہی حمید نے بھی اپنی پوزیشن بدل لی۔

شمشاد رائفل کی نال شاہدہ کے سینے پر رکھتا ہوا دہاڑا۔ ''بتاؤ..... شیر علی کہاں ہے؟''

''انکل، انکل یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔''

''بکواس بند کرو..... اس کی قبر میں پلاسٹک کا ایک مجسمہ دفن کیا گیا تھا۔''

ٹھیک اسی وقت ایک فائر ہوا اور شمشاد کے ہاتھ سے رائفل چھوٹ پڑی۔

اسکے بعد حمید نے اپنی پھرتی دکھائی تھی۔ ٹامی گن سنبھالے ہوئے اسکے سامنے آ گیا۔

''خبردار..... کوئی اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کرے۔''

تینوں نے بے ساختہ ہاتھ اٹھا دیئے اور شاہدہ اچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔

''آپ مجرموں کی حمائت کر رہے ہیں۔'' شمشاد غرایا۔

''وہ کس طرح جناب عالی!'' حمید نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''میں بتاتا ہوں۔'' دفعتاً بائیں جانب سے آواز آئی۔ فریدی اس پتھر کی اوٹ سے باہر آ رہا تھا جس کے پیچھے شمشاد کا شکار گرا تھا۔

شمشاد کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔

فریدی نے قریب پہنچ کر تینوں کی جامہ تلاشی لی۔ شمشاد کے ساتھیوں سے خنجر برآمد ہوئے اور شمشاد سے اعشاریہ تین دو کا پستول۔

''آپ لوگ میری بات نہیں سن رہے..... پچھتانا پڑے گا۔'' شمشاد نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''تم نے مجھ پر کیوں فائرنگ کی تھی۔'' فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''محض غلط فہمی کی بناء پر۔''

''میں نے آواز دے کر تمہیں آگاہ بھی کر دیا تھا۔''

''میں نے آواز نہیں سنی تھی..... میں سمجھا تھا وہی ہے جو آپ کی گاڑی لے بھاگا تھا۔''

''کچھ اندازہ ہے کون لے بھاگا ہوگا۔''

''آپ چودھری شیر علی کی حویلی میں مقیم تھے۔ میں کیا بتا سکتا ہوں۔ لیکن اتنا ضرور

ں کہ وکیل شاہد عزیز نقلی ڈاڑھی لگائے پھرتا تھا اور شیر علی کی قبر میں انہی کا ہم شکل
کا مجسمہ دفن کیا گیا تھا۔''

دفعتاً شاہدہ داہنی جانب دیکھ کر چیخی۔ ''بابا.....!''

جس تنگ سے درے سے گزر کر وہ دونوں کچھ دیر پہلے یہاں پہنچے تھے اسی سے ایک آدمی برآمد ہوا تھا۔ قابل رشک حد تک توانا اور صحت مند تھا۔ شاہدہ اس کی طرف تیزی بڑھی تھی اور اسکے شانے سے لگ کر کسی ننھی سی بچی کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

حمید نے اس موقع پر خود کو بڑی مشکل سے سنبھالا۔ ورنہ شائد ٹامی گن اس کے ہاتھ چھوٹ پڑی ہوتی۔

''اچھا تو خود..... یہی حضرت تھے۔'' شمشاد نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''کرنل صاحب ری شیر علی خان سے ملئے..... اور ان سے پوچھئے کہ یہ ڈرامہ کیوں اسٹیج کیا گیا تھا۔''

بوڑھے نے اسے قہر آلود نظروں سے دیکھتے ہوئے شاہدہ کو الگ ہٹایا اور پُر وقار انداز چلتا ہوا قریب آ گیا۔

''ہاں..... کرنل کی گاڑی میں ہی لے نکلا تھا۔'' اس نے گونجیلی آواز میں کہا۔ ''اس لئے میں اس طرف ان کی رہنمائی کرنا چاہتا تھا۔''

''میں کہتا ہوں اس شخص کو قابو میں کیجئے۔'' شمشاد نے فریدی سے کہا۔ ''ورنہ ہم سب کی زندگیاں خطرے میں پڑ جائیں گی۔''

''خوب.....!'' بوڑھا دفعتاً مسکرا کر بولا۔ ''ایسی سینہ زوری کی مثال شائد کہیں نہ مل سکے۔''

''اب مجھ سے صاف صاف سنئے۔'' شمشاد نے غصیلے لہجے میں فریدی سے کہا۔ ''میرا بھائی عاقل خان بھی اس کے ساتھیوں میں سے ہے۔''

''ہے نہیں بلکہ تھا۔ شمشاد صاحب۔'' بوڑھے نے پُر سکون لہجے میں کہا۔ ''اور سچ مچ وہ میرا ساتھی تھا۔ اسی نے تمہاری غیر قانونی حرکتوں کی اطلاع مجھ تک پہنچائی تھی..... لیکن بیچارہ۔''

''آپ کون رہے ہیں۔'' شمشاد نے پھر فریدی کو مخاطب کیا۔

بوڑھے نے اپنی جیب سے ایک تصویر نکالی اور حمید کے قریب پہنچ کر بولا۔ ''ذرا اسے تو دیکھنا کیا تم اسے پہچانتے ہو۔''

حمید چونک پڑا۔ یہ تصویر اس آدمی کی تھی جس کی لاش اس نے شمشاد کی حویلی میں دیکھی تھی اور جسے بعد میں جلا کر ناقابل شناخت بنا دیا گیا تھا۔

''یہ وہی ہے جس کی لاش میں نے شمشاد کی حویلی میں دیکھی تھی۔''

''یہ عاقل خان کی تصویر ہے.....!'' بوڑھے نے کہا۔

اچانک شمشاد نے ان دونوں پر چھلانگ لگائی لیکن فریدی غافل نہیں تھا۔ اس نے درمیان ہی سے روک کر دوسری طرف اچھال دیا تھا۔

وہ دوبارہ اٹھا اور دیوانوں کے سے انداز میں فریدی پر ٹوٹ پڑا۔

''تم دونوں اپنی جگہ سے ہلے بھی تو دھجیاں اڑ جائیں گی۔'' حمید نے اپنے ساتھیوں کو وارننگ دی۔

شمشاد پاگلوں کی طرح لڑ رہا تھا۔ بھیڑیئے کی طرح غرا رہا تھا۔ جسمانی قوت نہیں معلوم ہوتا تھا اور اب حمید کو اندازہ ہوا کہ اپنی حویلی میں اس نے محض اداکاری کا ظاہر کیا تھا کہ وہ لڑائی بھڑائی والے آدمیوں میں سے نہیں ہے اس لئے اتنی آسانی ہو گیا تھا۔ اچانک وہ اپنی رائفل پر جا گرا۔ پھر اُٹھا تو رائفل اس کے ہاتھ میں تھی۔

''رائفل زمین پر ڈال دو۔'' حمید دہاڑا۔

لیکن اس نے تو رائفل لٹھ کی طرح چلائی تھی۔ فریدی اچھل کر پیچھے ہٹا اور شیر ہی زور میں رائفل سمیت منہ کے بل زمین پر چلا آیا۔

پھر دوبارہ اٹھنا نصیب نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ فریدی نے گرتے ہی سر پر ٹھوکر بھی رسید اس کے دونوں ساتھیوں کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے گئے۔ وہ بالکل خاموش

''آپ کو اپنی پوزیشن صاف کرنی ہے چودھری صاحب۔'' فریدی نے شیر علی دیکھ کر کہا۔

''یقیناً میں آپ کو مطمئن کر دوں گا۔''

حمید نے ٹامی گن فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے ناخوشگوار لہجے میں کہا سنبھالئے..... میں چلا۔''

''کہاں.....؟''

''افق کے اس پار..... جہاں اس قسم کے فراڈ نہ ہوتے ہوں..... اور اس لڑکی سے تو خدا ے گا۔'' بوڑھے نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا ہی تھا کہ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''بس کچھ نہ فرمایئے گا۔''

''کیوں برخوردار.....!''

''شیر علی خان کی کہانی آپ نے کس سے سنی تھی؟''

''اچھا..... سمجھا۔ یقین کرو کہ تم میرے بھانجے ہو اور میرے مرنے کے بعد ہی تمہیں طلاع ملتی اگر اس فتنے کا خاتمہ نہ کرنا ہوتا۔ اب آؤ..... میرے سے لگ جاؤ میرے بچے۔''

''لاحول ولا قوۃ.....!'' حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔ ''کیا میں کوئی روائتی فلم دیکھ رہا ہوں۔ نے ٹامی گن فریدی کو تھمائی تھی اور بیہوش شمشاد کے پاس جا بیٹھا تھا کیونکہ اسے اس کے ں میں جنبش سی نظر آئی تھی اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ شمشاد بیٹھا۔ حمید اس کا داہنا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں سے تھامے ہوئے چیخا۔ ''یہ کچھ کھا لینے کی ش کر رہا تھا۔''

حمید سے اپنا ہاتھ چھڑانے کیلئے وہ بائیں ہاتھ سے اس پر گھونسے برسائے جا رہا تھا۔

فریدی تیزی سے آگے بڑھا اور ٹامی گن ایک طرف پھینک کر شمشاد کی مٹھی کھولنے لگا۔ اس سے سفید رنگ کی ایک ٹکیہ برآمد ہوئی تھی۔ شمشاد ایک بار پھر فریدی سے لپٹ پڑا اور حمید نے جھپٹ کر ٹامی گن اٹھالی۔

''فائر کر دینے کی دھمکی کارگر نہیں ہوگی۔'' فریدی ہنس کر بولا۔ ''یہ اب مرنا ہی تو چاہتا ہے۔''

پھر بڑی دشواری سے اس کے دونوں ہاتھ پشت پر باندھے گئے تھے۔ وہ بالکل خاموش اور بڑی خونخوار نظروں سے ایک ایک کو دیکھے جا رہا تھا۔

پھر چودھری شیر علی خان ان قیدیوں سمیت انہیں اپنی ایک کمین گاہ تک لے گیا۔ یہاں ں کے دو مسلح آدمی موجود تھے۔ قیدیوں کو ان کی تحویل میں دیتے ہوئے اس نے شاہدہ سے کہا۔ ''تم بھی یہیں ٹھہرو گی۔''

''لل..... لیکن.....!''

''مگر نہیں..... جو کہہ رہا ہوں وہی کرو۔''

شاہدہ بُرا سا منہ بنا کر خاموش ہوگئی۔ پھر اس کے بعد وہ فریدی اور حمید کو
اس جگہ پہنچا جہاں شمشاد کی جیپ کھڑی تھی۔ یہاں سے وہ مغرب کی جانب
ہوئے۔ ہموار راستہ اتنا کشادہ نہیں تھا کہ اس پر گاڑی چل سکتی۔

چودھری شیر علی فریدی سے کہہ رہا تھا۔ ''شمشاد ذی اثر آدمی ہے۔ اگر
خلاف شبہ بھی ظاہر کرتا تو خود کسی بڑی مصیبت میں پڑ جاتا۔ لہٰذا میں نے یہ طریقہ
شاہد عزیز نے اس کے خلاف ثبوت فراہم کرنے کی کوشش کی تھی اسی دوران میں
شروع ہوگئے۔ شاہد عزیز نے اسی وجہ سے اپنی ڈاڑھی مونچھیں صاف کرادی تھیں اور
کے میک اپ میں رہنے لگا تھا۔ قصہ دراصل یہ ہے کہ پہلے تو شمشاد پڑوسی ملک
اسمگلنگ کا کاروبار کرتا رہا تھا لیکن پھر جب اس نے اس ملک کے لئے جاسوسی شروع
اس کا منیجر عاقل خان اس سے بددل ہوگیا اس سلسلے میں اس نے مجھے اور شاہد عزیز
بنایا۔ شاہد عزیز نے اسی کی مدد سے وہ فلم تیار کی تھی جو آپ نے میری زیر زمین تجربہ
پروجیکٹر پر دیکھی تھی اور اب میں آپ کو اسی راستے پر لے چل رہا ہوں۔''

''کیا آپ کو علم تھا کہ وہ لاش عاقل خان ہی کی تھی۔'' فریدی نے پوچھا۔

''نہیں..... آپ نے شادو کا کیمرہ لے کر اس میں سے جو ریل نکالی تھی اسے
ہی میں تو ڈیولپ کیا تھا اور خشک ہونے کے لئے اسے وہیں چھوڑ گئے تھے۔ پھر جب
اوپر چلے گئے تھے تو میں نے لاش والی تصویر کا انارجمنٹ تیار کیا تھا اس طرح مجھے معلوم
وہ عاقل خان ہی کی لاش تھی۔ میرا خیال ہے کہ شمشاد نے عاقل خان پر تشدد کر کے
معلوم کی ہوگی کہ شاہد عزیز نے کوئی فلم تیار کی ہے۔ اس کے بعد اسے مار ڈالا ہوگا۔''

''لیکن لڑکا کہہ رہا تھا کہ عاقل خان.....!'' حمید بولا ہی تھا کہ شیر علی نے بات
کہا۔ ''سنتے جاؤ! ادھر ہی آ رہا ہوں۔ ہوسکتا ہے عاقل خان نے اسے میری حویلی کی
آمادہ کیا ہو۔ لیکن غلط فہمی کی بناء پر وہ میرے ہی ہاتھوں زخمی ہوگیا۔ بہرحال شمشاد کی
سن کر کہ وہ ان واقعات کا ذمہ دار عاقل خان کو ٹھہرا رہا ہے میں نے ہینڈ گرنیڈ
دھماکہ کیا اور آپ کی گاڑی لے بھاگا..... میں جانتا تھا کہ آپ لوگ میرے پیچھے دوڑیں
اور شمشاد آپ کا ساتھ دے گا۔ نہ صرف یہ بلکہ آپ لوگوں پر حملہ کرنے کی کوشش بھی

گا۔ اس طرح رنگے ہاتھوں پکڑ لیا جائے گا۔''

''پیارے ماموں جان..... مجھے بھی کچھ عرض کرنے دیجئے۔'' دفعتاً حمید بولا۔

''کہو کیا کہنا چاہتے ہو.....؟''

''اگر وہ ہم دونوں کو ٹھکانے لگا ہی دیتا تو کیا ہوتا۔''

''برخوردار میں غافل تو نہیں تھا۔ میں تو اتنی بلندی پر تھا کہ تم سب مجھے صاف
نظر آ رہے تھے لیکن جب کرنل چیخ مار کر لڑھکتے ہوئے نیچے آئے تھے میں یہی سمجھا کہ
خدانخواستہ..... بخدا میں نے ایسی کامیاب اداکاری کبھی نہیں دیکھی.....!''

''لیکن آپ کو اس کا حق کیسے پہنچتا ہے کہ ہینڈ گرنیڈ وغیرہ رکھ سکیں۔''

''بیٹے میں ایکس ملٹری آفیسر بھی ہوں اور سرحد کی حفاظت کے لئے بہت کچھ اپنے
ساتھ رکھ سکتا ہوں۔ باقاعدہ اجازت نامہ موجود ہے میرے پاس۔''

''فضول باتوں میں نہ الجھاؤ۔'' فریدی نے حمید کو ٹوکا۔

''خیر خیر..... اب میں اس کا طریق کار آپ کے ذہن نشین کرانے کی کوشش کروں گا۔''
شیر علی نے فریدی سے کہا۔ ''ڈیڑھ سو سال گزرے ان اطراف میں ایک ڈاکو زین خان ہوا
کرتا تھا۔ دن میں ذی حیثیت لوگوں کو لوٹتا تھا اور رات کے اندھیرے میں مفلوک الحال افراد
کی مدد کیا کرتا تھا۔ اس لئے غریبوں میں رات کا دیوتا کہلانے لگا تھا۔ جب انگریزوں کے
ہاتھوں شکست کھا کر مارا گیا تو ان اطراف کے غریبوں نے برسوں اس کا سوگ منایا تھا۔ پھر
کسی بت تراش نے ایک بہت بڑی چٹان سے اس کا بت تراشا..... وہ بت آپ شاہد عزیز
والی فلم میں دیکھ چکے ہیں۔ اسی بت کے نیچے سے ایک خفیہ راستہ پڑوسی ملک تک جاتا ہے۔
آج کل اس کا علم شمشاد کے گروہ کے علاوہ اور کسی کو بھی نہیں۔ ہاں تو اسی رات کے دیوتا کے
مقابل انہوں نے ''ریت کا دیوتا'' تخلیق کیا، جو ''پاسورڈ'' کی حیثیت سے بھی استعمال ہوتا
ہے۔ عاقل خان کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ گروہ میں شمشاد کی کیا حیثیت ہے.....
ہاں..... بس ادھر آ جایئے بائیں جانب۔''

ہموار راستہ چھوڑ کر وہ بائیں جانب والی ایک پتلی سی دراڑ میں داخل ہوئے جس کا
اختتام ایک غار کے دہانے پر ہوا تھا۔ شیر علی خاں نے دیا سلائی کھینچی اور ہلکی سی روشنی آس

پاس پھیل گئی۔ پھر اس نے دو موی شمعیں روشن کی تھیں۔ یہاں انہیں واٹر کول انجن والی موٹر سائیکلیں نظر آئیں۔ اس کے بعد کسی گوشے سے اس نے خاکی رنگ کی کچھ ٹوپیاں کر ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ ''اپنے سائز کی منتخب کر لیجئے۔'' تھوڑی دیر بعد وہ موٹر سائیکلیں دھکیلتے ہوئے مسطح راستے کی طرف چلے جا رہے تھے۔ خاکی ٹوپیوں نے ان کے چہرے بھی ڈھک لئے تھے۔ صرف آنکھیں سوراخوں سے جھانک رہی تھیں۔ راستے پر پہنچ کر وہ موٹر سائیکلوں پر بیٹھے اور سفر پھر شروع ہو گیا۔ یہ راستہ اتنا کشادہ بھی نہیں تھا کہ دو موٹر سائیکلیں برابر سے چل سکتیں۔

چودھری شیر علی کی گاڑی آگے تھی۔ پندرہ یا بیس منٹ چلنے کے بعد اچانک ایک جگہ ایک آدمی رائفل تانے ہوئے سامنے آ کھڑا ہوا۔ ''ریت کا دیوتا'' شیر علی نے بدلی ہوئی آواز میں چیخ کر کہا اور اس نے ایک طرف ہٹ کر انہیں سلامی دی۔ موٹر سائیکلیں آگے نکلی چلی گئیں۔

اسی طرح مزید دو جگہ روکے گئے اور پاسورڈ ''ریت کا دیوتا'' انہیں آگے بڑھاتا رہا۔ حتیٰ کہ ''رات کے دیوتا'' کے بت تک آ پہنچے۔ موٹر سائیکلیں روکی گئیں اور شیر علی خان نے اس جگہ تک ان کی رہنمائی کی جہاں سے خفیہ راستہ دوسرے ملک تک جاتا تھا۔

یہاں ایک بڑے غار میں انہیں بہت سا تجارتی سامان دکھائی دیا جس کی نگرانی چار آدمی کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا۔ ''ایک زندہ مال بھی ہے صاحب۔''

''لاؤ.....؟'' شیر علی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

اس پر ایک آدمی اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ شیر علی نے اس کا ہاتھ پکڑا اور واپسی کے لئے مڑ گیا۔

''کاغذات.....!'' باہر نکل کر اس نے اجنبی سے کہا اور اجنبی نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک لفافہ نکال کر اس کے حوالے کر دیا۔

واپسی کے سفر میں اجنبی اس کی موٹر سائیکل کے کیریئر پر بیٹھا تھا۔

دن رہے ہی وہ اس جگہ واپس آ گئے جہاں شمشاد اور اس کے ساتھی قیدیوں کی حیثیت سے بندھے پڑے تھے۔

''ثبوت مکمل ہو چکا ہے شمشاد صاحب۔'' شیر علی نے زہر آلود لہجے میں کہا۔ ''یہ دیکھئے

زندہ مال بھی ہاتھ لگا ہے۔''

شمشاد حلق پھاڑ پھاڑ کر اسے گالیاں دینے لگا۔ اسی دوران میں اس زندہ مال کے ہاتھ بھی باندھ دیئے گئے۔

''ہاں تو کرنل صاحب۔'' شیر علی نے فریدی سے کہا۔ ''یہ زندہ مال اسی ملک کا جاسوس ہے جو شمشاد صاحب کے ذریعے ہمارے یہاں کھپایا جاتا۔ اس کا طریقہ شمشاد صاحب ہی بتائیں گے۔ اب تک تقریباً سوا ایسے جاسوس اس وطن فروش کے توسط سے اندرون ملک پہنچ چکے ہیں۔ یہ لیجئے اس کے کاغذات جو یہ شمشاد کے لئے لایا تھا۔''

دوسرے دن جب فورس کے ساتھ اس جگہ پر چھاپا مارا گیا تو شاہدہ بھی ان کے ہمراہ تھی۔ وہاں سے پندرہ آدمی گرفتار کئے گئے اور لاکھوں کا مال ہاتھ آیا جو پڑوسی ملک سے سمگل کیا گیا تھا۔

شاہدہ نے حمید سے کہا۔ ''آپ تو شدت سے بور ہو رہے ہوں گے لاکھوں کی جائیداد کے مالک ہوتے ہوتے رہ گئے۔''

فریدی حمید کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور حمید تڑ سے بولا۔ ''آخر کس کس کی جائیدادیں سمیٹتا پھروں گا۔ کرنل صاحب اسی ڈر سے شادی نہیں کرتے کہ اگر کوئی وارث پیدا ہو گیا تو بیچارہ حمید ان کی جائیداد کا مالک کیسے بنے گا..... اور میرے ساتھ یہ پرابلم ہے کہ میں اپنا وارث کسے بناؤں گا کیونکہ ابھی تک لاولد ہوں اور مرتے دم تک لاولد رہنے کا ارادہ ہے۔''

''کیوں بکواس کر رہا ہے۔'' شیر علی آنکھیں نکال کر بولا۔

حویلی میں واپس آ کر جب وہ شام کی چائے پی رہے تھے شیر علی نے فریدی کو مخاطب کر کے کہا۔ ''آپ نے مجھے تہہ خانے میں ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی۔''

''تلاش کر کے نظر انداز کر دیا تھا۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''اسلئے کہ میں آپ کی طرف سے مطمئن نہیں تھا۔ آپ نے تہہ خانے کے نیچے بھی تہہ خانے بنوائے ہیں۔ کیا اتنا کہہ دینا کافی نہیں۔ بہرحال آپ کو عدالت میں جواب دہی کرنی پڑے گی کہ آپ نے براہِ راست انتظامیہ کے ذمہ داروں سے رابطہ قائم کرنے کی بجائے یہ ڈرامہ کیوں کیا؟''

''میں اپنی پوزیشن صاف کرنے کی کوشش کروں گا۔ پھر کہتا ہوں کہ اگر میں باضابطہ طور

پر کوئی کارروائی کرتا تو آپ لوگ شمشاد پر ہاتھ نہ ڈال سکتے۔''

''عاقل خان کے علاوہ اور کسی کے پاس اس کے خلاف ثبوت نہ تھا اور آپ
کہ اس نے اسے کس طرح ٹھکانے لگا دیا۔ نہ صرف ٹھکانے لگا دیا بلکہ آپ لوگوں کو
پر ڈالنے کی کوششیں کر ڈالیں کہ آپ زندگی بھر عاقل خان کو تلاش کرتے ہی رہ جاتے۔''

''پلیز..... پلیز.....!'' شاہدہ ہاتھ اُٹھا کر بولی۔ ''اس مہم کو سر کرنے کا سہرا صرف
سر ہے..... اگر میں اس لاش کی تصویر نہ لے لیتی تو آپ عاقل خان کو تلاش ہی کر
جاتے۔''

''یہ بات تو ہے.....!'' فریدی نے اعتراف کیا۔

''ایک بار پھر مرد بن کر دکھا دو۔'' حمید گھگھیایا اور شیر علی خان شاہدہ کی طرف
ہنس پڑا۔

تمام شد

جاسوسی دنیا نمبر 114

سانپوں کا مسیحا

(مکمل ناول)

پیشرس

''سانپوں کا مسیحا'' حاضر ہے۔ بہت دنوں کے بعد فریدی، حمید اور قاسم سے آپ کی ملاقات ہو رہی ہے۔ انور کی بھی ایک جھلک دیکھ لیجئے اور شکایت کیجئے کہ فریدی بھی محض ایک جھلک ہی بن کر رہ گیا ہے اور پھر یہ کہئے کہ کہانی مزید پھیلاؤ چاہتی ہے اور میں عرض کروں کہ کاغذ.....؟

چلئے نہیں روتا کاغذ کا رونا۔ لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ اس وقت جب میں سطور لکھ رہا ہوں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ اس کتاب کے لئے کاغذ بھی فراہم کرسکوں گا یا نہیں یا پھر فراہم شدہ کاغذ کی قیمت کتاب کی قیمت کا قیمہ کرتی ہے یا؟ خیر جانے دیجئے۔ اللہ مالک ہے۔ یہ کتاب تو بہرحال اسی قیمت پر آپ تک پہنچے گی۔

ایک صاحب رقم طراز ہیں کہ آپ خود ہی نیوز پرنٹ کا ایک کارخانہ کیوں نہیں قائم کردیتے؟ تجویز معقول ہے لیکن دشواری یہ ہے کہ آج کل افیون پرمٹ کے بغیر نہیں ملتی ورنہ ضرور قائم کردیتا۔ بس چھ ماشے یومیہ کافی

ہوتی۔

ایک صاحب نے کویت سے لکھا تھا کہ پاکستان میں بہت سا کاغذ پرائمری اسکولوں کے ذریعے ضائع کرادیا جاتا ہے۔ اگر ابتدائی تعلیم کے لئے کاغذ کی بجائے سلیٹ اور بتی سے کام چلایا جائے تو کاغذ کی کتنی بچت ہوگی۔ یہ تجویز بھی معقول ہے لیکن اس میں ایک دشواری ہے، اگر قوم کے بچے سلیٹ اور بتی کے عادی ہوگئے تو پھر یونیورسٹی پہنچ کر بھی سلیٹ اور بتی ہی پر مصر رہیں گے۔ کہ نہایت وضعدار بچے ہیں۔ ماشاءاللہ۔

بہرحال ان صاحب نے کاغذ کی بچت کے سلسلے میں جو شماریاتی نقشہ بھیجا تھا اس کے متحمل یہ دو صفحات نہ ہوسکیں گے۔ ورنہ اُسے بھی پیش کردیتا۔

اُف فوہ..... کہا تھا کہ کاغذ کی بات نہیں ہوگی، لیکن پھر وہی کاغذ۔ ابتداء کاغذ اور انتہا کاغذ کہ کرنسی نوٹ بھی کاغذ ہی پر چھپتے ہیں اور اسی کاغذ کی وجہ سے کاغذ کے دام چڑھتے جارہے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ کاغذ جیبوں میں پہنچے اور پبلشرز کاغذ کی ناؤ پر سوار اس جہاز کی تلاش میں سرگرداں ہیں، جو کسی دوسرے ملک سے سستا کاغذ لانے والا ہے، اپنے ملک میں بننے والا کاغذ تو کم قیمت کتابیں چھاپنے والے پبلشرز کی قوت خرید سے باہر ہو چکا ہے اور کیوں نہ ہوجائے جب کہ جواہرات اور ریشم کی لگدی سے تیار کیا جاتا ہے۔

والسلام

ابن صفی

۷۳/۰۲/۱۹

سانپ اور لومڑی

بہت بڑا ٹرک تھا اور اس پر بہت بڑے بڑے سربند ڈرم لدے ہوئے تھے، ان ڈرموں کو رسیوں سے اس طرح باندھا گیا تھا کہ وہ اپنی جگہ سے کھسک نہ سکیں۔ ڈرائیور کے علاوہ ایک اور آدمی بھی ٹرک پر موجود تھا۔

ٹرک کی رفتار زیادہ تیز نہ تھی۔ غالباً احتیاط مدِنظر تھی، ورنہ سڑک پر تو سناٹا تھا۔ ڈرائیور کو تیز رفتاری کے کمالات دکھانے سے کون باز رکھ سکتا۔

سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا۔ ہوا میں خنکی بڑھ گئی تھی۔

ڈرائیور کے قریب بیٹھے ہوئے آدمی نے کہا۔ ''اب یہی دیکھو! ہمیں معلوم نہیں کہ یہ ڈرم کہاں جائیں گے اور ان کا مصرف کیا ہے۔''

''جاننے کی ضرورت بھی کیا ہے چودھری! ہمیں اپنے کام سے کام رکھنا چاہئے۔ ہاں تو تم مجھے غیرملکی جاسوسوں کے قصے سنا رہے تھے۔''

ارے ہاں..... میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر ہم اپنی آنکھیں کھلی رکھیں تو انہیں بہت آسانی سے پکڑا جاسکتا ہے۔ یہ باہر سے آتے ہیں اور ہمارے یہاں کے حالات سے پوری طرح

ف نہیں ہوتے۔ اس لئے کبھی کبھی بہت ہی معمولی قسم کے لوگ انہیں پکڑ لیتے ہیں۔ کچھ ہی پہلے کی بات ہے، ایک آدمی شکروال کے ریلوے اسٹیشن پر بیٹھا ایک مسافر سے کہہ رہا کہ وہ کمرانوالہ کا رہنے والا ہے اور وہیں جارہا ہے، لیکن جب بکنگ شروع ہوئی اور کھڑکی پر ٹ لینے پہنچا تو بکنگ کلرک کو کمرانوالہ کے ایک ٹکٹ کے لئے دو روپے دیئے۔ تم جانتے ہو شکروال سے کمرانوالہ تک کے لئے صرف پچھتر پیسے لگتے ہیں۔ بکنگ کلرک نے ایک پیسہ پچیس پیسے اُسے واپس کردیئے۔ لیکن وہ مسافر جو اس کے پیچھے کھڑا تھا کھٹک گیا کیونکہ اسے بتا چکا تھا کہ وہ کمرانوالہ کا رہنے والا ہے۔ گاڑی آنے میں ابھی دیر تھی۔ شبہے میں مبتلا جانے والے مسافر نے ڈیوٹی کانسٹیبل سے اپنے شبہے کا اظہار کردیا۔ بس بھائی دھر لئے ئے..... پوچھ گچھ ہوئی تو اعتراف کرنا پڑا کہ فوجوں کی نقل وحرکت کی جاسوسی کرنے کے لئے رحد پار سے تشریف لائے تھے۔ تم نے دیکھا کہ بکنگ کلرک نے اس پر توجہ نہیں دی تھی کہ ں نے کمرانوالہ کے ایک ٹکٹ کے لئے دو روپے دیئے ہیں۔ ہوسکتا ہے وہ جلدی میں رہا ہو یلن ایک مسافر نے اس کی غلطی کی بناء پر اُسے گھر تک پہنچا دیا۔''

''ہاں چودھری..... ہمیں ہر وقت چوکس رہنا چاہئے۔''

''ہوں..... مگر چوکس رہنے کے لئے بھی عقل چاہئے۔ اب یہی دیکھو کہ ہم نہیں جانتے آخر یہ ڈرم حقیقتاً کہاں جائیں گے۔''

''بھلا اس کا اس بات سے کیا تعلق چودھری۔''

''بالکل تعلق ہے استاد۔ مجھے حیرت ہے کہ تم نے کبھی اس پر غور نہیں کیا۔''

''کس پر.....؟''

''اسی پر کہ تم ان ڈرموں کو ایک ویران جگہ پر اتارتے ہو اور وہیں سے واپس چلے جاتے ہو۔ کس کے لئے لاتے ہو، تم نہیں جانتے۔ دور دور تک کسی کا پتہ نہیں ہوتا۔''

''کمپنی جانے، میری بلا سے۔ ہم تو حکم کے بندے ہیں۔ ادھر کے پھیرے پر بھتہ بھی ہل ملتا ہے۔''

''دیکھو استاد! یہ سرحدی علاقوں کے جنگل ہیں۔ ہوسکتا ہے یہ ڈرم سرحد پار اسمگل ہوجاتے ہوں۔ تم پر صرف تمہارے خاندان ہی کی ذمہ داری نہیں۔ ملک وقوم کا بھی حق ہے تم

پر۔ پھیرے لگا لگا کر بھتہ بھی بناتے رہو اور یہ بھی معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ ان [illegible] مصرف کیا ہے۔''

''اچھا..... اچھا..... میں سمجھ گیا۔ لیکن منیجر صاحب کا حکم ہے کہ ڈرم اُتار کر [illegible] چل دوں۔''

''مگر یہ بھی تو ممکن ہے کہ کبھی ٹرک اسٹارٹ ہی نہ ہو سکے۔ مطلب یہ کہ جب [illegible] اتار چکو۔''

''لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا۔''

''پھر وہی بے عقلی کی بات۔ بھلا کس طرح چوکس رہو گے۔''

''میں نہیں سمجھا چودھری۔''

''ڈرم اتار دینے کے بعد یہ ظاہر کرو کہ ٹرک اسٹارٹ ہی نہیں ہو رہا۔ ڈسٹری بیوٹر [illegible] کھول ڈالو۔''

''ہاں..... یہ ہو سکتا ہے۔''

''تو پھر آج ہی..... کم از کم آدھے گھنٹے تک رک کر دیکھو کہ کیا ہوتا ہے۔''

''وہاں سانپ بہت ہیں چودھری۔''

''ہاتھی تو نہیں ہیں، جنہیں ہم پیروں سے کچل نہ سکیں۔''

''رات ہو جائے گی۔''

''پرواہ نہ کرو۔'' چودھری بولا۔ ''ہم اُجالے ہی اجالے وہاں پہنچیں گے اور ظاہر ہے آدھے گھنٹے میں رات نہیں ہو جائے گی۔''

''اچھا دیکھیں گے۔'' ڈرائیور نے طویل سانس لی۔

کچھ دیر بعد ٹرک ایک کچے راستے پر مڑ گیا جس کے دونوں اطراف میں قد آدم جھاڑیوں کا سلسلہ پھیلتا چلا گیا تھا۔ ادھر شیشم کے درختوں کی بہتات تھی۔

''بھلا بتاؤ..... سرحد یہاں سے کتنی دور ہے؟'' چودھری بڑبڑایا۔

ڈرائیور کچھ نہ بولا۔ بالآخر وہ اس جگہ جا پہنچے جہاں ڈرم اتارنے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کام کیلئے قریباً سو مربع گز کا ٹکڑا خاص طور پر صاف کیا گیا ہے

38

دونوں نیچے اترے اور ڈرائیور بار برداری والے حصے پر چڑھ کر رسیاں کھولنے لگا۔

چودھری جھاڑیوں کے قریب کھڑا تھا۔ ڈرائیور نے ڈرم نیچے لڑھکانے شروع کئے جن [illegible] سے دنگل کا سناٹا لرزنے لگا تھا۔

[illegible] ڈرائیور نے چودھری کی چیخ سنی اور خود بھی گرتے گرتے بچا۔ چودھری اپنی داہنی [illegible] ہاتھوں سے دبائے بیٹھا بری طرح چیخ رہا تھا۔

''کک..... کیا ہوا چودھری؟''

''کک..... کاٹ لیا..... ہائے سانپ..... اب تک..... کیا ہوگا۔''

''کک..... کاٹ لیا؟'' ڈرائیور پر مزید بوکھلاہٹ طاری ہو گئی۔

وہ چودھری کے گرد ناچ رہا تھا۔

''ارے..... کچھ کرو..... ہائے میں مرا۔''

''کک..... کیا کروں..... مم..... میں کیا کروں۔''

چودھری نے پاگلوں کی طرح چیخنا شروع کر دیا۔ ''بچاؤ..... بچاؤ۔''

''کون ہے؟ کہاں ہے..... کیا ہے؟'' کسی قدر فاصلے سے آواز آئی۔

''سانپ..... سانپ.....!'' ڈرائیور حلق پھاڑ کر چیخا۔

پھر ایسا معلوم ہوا جیسے بائیں جانب والی جھاڑیوں میں بھونچال آ گیا ہو۔

''کیا ہوا.....؟'' جھاڑیوں سے ایک چہرہ برآمد ہوا۔

''کس..... سانپ نے ڈس لیا۔'' ڈرائیور چودھری کی طرف ہاتھ اُٹھا کر چیخا۔

اجنبی جھاڑیوں سے باہر آ گیا تھا۔ ادھیڑ عمر کا ایک تنومند آدمی تھا۔ خاکی کوٹ اور خاکی [illegible] میں ملبوس تھا۔ پنڈلیوں تک چرمی رائیڈنگ بوٹ چڑھے ہوئے تھے۔

[illegible] چودھری پر جھک پڑا۔

[illegible] زیدہ پنڈلی پر چھوٹ آنے والی خون کی بوند اجنبی کی انگلی پر منتقل ہو چکی تھی۔ اس [illegible] سے انگوٹھے سے مل کر سونگھا اور ہنس پڑا۔

[illegible] چودھری بھی چونک کر اُسے گھورنے لگا تھا۔

''مر گیا ہوگا [illegible] میرے دوست۔'' اجنبی چہکا۔ ''وہ سانپ اتنی دیر میں مر چکا ہوگا۔ تم

نہیں مر سکتے۔ بے فکر رہو۔ تم اس سانپ سے بھی زیادہ زہریلے ہو۔ تمہیں ڈس کر کوئی ایسا جان بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔''

''صاحب یہ مذاق کا وقت نہیں ہے۔'' ڈرائیور روہانسا ہو کر بولا۔

''میں مذاق نہیں کر رہا۔'' اجنبی نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ''اسے ثابت کرنا ہے سانپ نے ڈسا نہیں بلکہ وہ بیچارہ خود ہی ڈسا گیا ہے۔ اے تم سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ ہاں ٹھیک ہے۔''

اس نے چودھری کو کھینچ تھانچ کر زبردستی کھڑا کر دیا۔ ڈرائیور کی زبان گنگ ہو کر رہ گئی۔

''یقین کرو میرے دوست تمہیں کچھ بھی نہیں ہوگا۔'' اجنبی نے چودھری کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ ''لیکن نہیں..... ٹھہرو..... میں اسے تلاش کرتا ہوں۔ وہ زیادہ دور نہ جا سکا ہوگا۔''

پھر اس نے ڈرائیور سے کہا کہ وہ چودھری کو آرام سے ٹرک پر بٹھا دے۔ اتنی دیر میں ڈرائیور ہی کی مدد سے اس نے سانپ کی تلاش شروع کی تھی۔

''کیا وہ یہاں کھڑا تھا.....؟'' اس نے ڈرائیور سے پوچھا۔

''جج..... جی ہاں..... اسی جگہ۔''

''ٹھیک! تو تم یہیں ٹھہرو..... میں جھاڑیوں میں گھستا ہوں۔ تم مت آنا..... کہیں تمہیں ڈس نہ لے جاؤ۔ اس قسم کے جوتے میں اسی لئے پہنتا ہوں۔''

اجنبی جھاڑیوں میں گھستا چلا گیا۔ کچھ دیر بعد ڈرائیور نے اس کا قہقہہ سنا تھا۔ پھر وہ جھاڑیوں سے برآمد ہوا تو اس کے داہنے ہاتھ میں ایک بڑا سا مردہ سانپ تھا۔ ''لو بھئی یہ رہا تمہارا شکار۔''

اس نے مارگزیدہ چودھری کو مخاطب کیا۔

چودھری خوفزدہ نظروں سے سانپ اور اجنبی کو دیکھے جا رہا تھا۔

''میری شکل کیا دیکھ رہے ہو۔ نیچے اترو۔'' اجنبی نے چودھری سے کہا۔

چودھری نے لڑکھڑاتے ہوئے انداز میں اس کے مشورے پر عمل کیا تھا۔

''اب اسے اپنے ہاتھ سے دور پھینک دو۔'' اجنبی نے مردہ سانپ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

چودھری بوکھلاہٹ میں پیچھے ہٹ گیا۔

''ڈر لگتا ہے صاحب۔'' ڈرائیور بولا۔ ''آپ ہی پھینک دیجئے۔''

''خیر..... خیر.....!'' اجنبی نے سانپ کو ایک طرف ڈالتے ہوئے کہا۔ ''لیکن اسے ہمیشہ یاد رکھنا کہ تم بے حد زہریلے ہو۔ تمہارے خون کا ایک قطرہ کسی بھی جاندار کو پل بھر میں موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے لیکن افسوس کہ میں صرف سانپوں کا معالج ہوں۔ تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔''

''صص..... صاحب..... کہیں کچھ دیر بعد نہ کوئی گڑبڑ ہو جائے۔'' ڈرائیور نے کہا۔

''کچھ بھی نہ ہوگا..... یہ زندہ رہیں گے۔ ویسے اگر تم ڈر رہے ہو تو میری قیام گاہ پر چل سکتے ہو۔ رات وہیں گزارنا۔''

''آپ کہاں رہتے ہیں؟''

''ریلوے اسٹیشن کے قریب۔ یہاں سے صرف ایک میل کے فاصلے پر۔ میری گاڑی کھڑی ہے۔ میری دانست میں یہی مناسب ہوگا کہ میں انہیں اپنے ساتھ لے جاؤں۔''

''چلے جاؤ چودھری۔'' ڈرائیور نے کہا۔ ''صبح والی گاڑی سے واپس چلے آنا۔''

''اچھا..... مگر صاحب کو بڑی تکلیف ہوگی۔'' چودھری نے نحیف آواز میں کہا۔

''نہیں مجھے کوئی تکلیف نہ ہوگی۔'' اجنبی بولا۔ ''تم بے تکلفی سے چلو۔ بہت سے لوگ محض گھبراہٹ کی وجہ سے مر جاتے ہیں۔ ہر سانپ زہریلا نہیں ہوتا۔''

''لل..... لیکن..... میرا زہر۔''

''اس کی تدبیر بھی ہو جائے گی۔ تم فکر نہ کرو۔''

اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ ڈرائیور نے چودھری کو اجنبی کی گاڑی تک پہنچنے میں مدد دی۔

''چودھری.....!'' اس نے رخصت ہوتے وقت کہا۔ ''صاحب بہت اچھے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔''



کیپٹن حمید نے فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کئے اور ماؤتھ پیس میں کتے کی طرح بھونک کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

آدھے گھنٹے بعد دسویں بار اس نے یہ حرکت کی تھی اور یہ فون قاسم کا تھا۔

قاسم گھر پر موجود نہیں تھا۔ اس کی بیوی بھی کہیں گئی ہوئی تھی۔ حمید نے ملازموں سے کہا تھا کہ وہ وہیں ٹھہر کر قاسم کا انتظار کرنا چاہتا ہے۔ انہیں بھلا کیا اعتراض ہوسکتا تھا۔ حمید کے لئے اجنبی تو تھا نہیں کہ وہ اس کی نگرانی کی غرض سے بار بار ڈرائنگ روم میں آتے۔

بہرحال حمید نے اب تک ہر تین منٹ کے بعد کسی نامعلوم آدمی کے نمبر ڈائیل کئے تھے اور بڑے سلیقے سے بھونکتا رہا تھا۔

پھر ایسا ہوا کہ قاسم اور ٹیلی فون کے محکمے کا ایک آفیسر ساتھ ہی ساتھ وہاں آپہنچے۔ کمپاؤنڈ میں اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہوگیا۔

''آپ کا فون کاٹ دیا جائے گا۔'' آفیسر نے سخت لہجے میں کہا۔

''ذرا کاٹ کر تو دیکھو..... پورے محکمے کو اُلٹ دوں غا۔''

حمید نے یہ آوازیں سنیں اور باہر نکل آیا۔ قاسم مزید کچھ کہنے والا تھا لیکن حمید کو دیکھ کر منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''کیا قصہ ہے؟'' اس نے ان کے قریب پہنچ کر پوچھا۔

''تم یہاں کب سے ہو؟'' قاسم نے اسے گھورتے ہوئے الٹا سوال جڑ دیا۔

''بہت دیر سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ تمہاری مسز بھی تشریف نہیں رکھتیں۔''

''اب میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' قاسم نے آفیسر کی طرف مڑ کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''بہرحال۔ یہ تحریری وارننگ رکھئے۔'' آفیسر نے قاسم کی طرف ایک لفافہ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''دوسری شکایت پر فون کاٹ دیا جائے گا۔''

''بات کیا ہے؟'' حمید نے نرم لہجے میں پوچھا۔

''بھائی فرماتے ہیں کہ میرے فون پر کتا بھونکتا ہے۔''

''ہوسکتا ہے کہ فون پر تمہاری آواز ایسی ہی لگتی ہو۔''

''دیکھو..... میں قہبتا ہوں..... مجھے غصہ نہ دلاؤ۔''

''کیوں صاحب؟ آپ ہی کچھ بتایئے۔'' حمید نے آفیسر کو مخاطب کیا۔

''آپ ہی سے پوچھ لیجئے۔'' کہتا ہوا آفیسر اپنے اسکوٹر کی طرف بڑھ گیا۔

قاسم حمید کی طرف مڑا اور اُسے اس طرح گھورتا رہا جیسے مار ہی بیٹھے گا۔

''اگر یہ بات ہے تو میں واپس جا رہا ہوں۔'' حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''نہیں! قیا جرورت ہے۔ ہمیشہ کیلئے یہیں ڈیرہ ڈال دو اور میری ناک کاٹتے رہو۔''

''اے..... کیا تم مجھ پر ادھار کھائے بیٹھے رہتے ہو۔'' حمید نے بھی آنکھیں نکالیں۔

''تو پھر تون بھونک رہا تھا فون پر۔ قوئی میرے یہاں کتے پلے ہوتے ہیں۔''

''اوہ..... اب سمجھا..... تو یہ ٹیلی فون کے محکمے کا کوئی آدمی تھا۔''

''بھینگے کا آدمی تھا۔'' کہتا ہوا قاسم آگے بڑھ گیا۔

''اچھی بات ہے..... میں جا رہا ہوں۔''

''تم نہیں جاسکتے..... تمہیں بتانا پڑے گا۔'' قاسم پلٹ پڑا۔

''کس لونڈیا کے باپ پر بھونک رہے تھے۔''

''واقعی تمہارا دماغ چل گیا ہے۔''

''پھر وہ خامخواہ آیا تھا۔''

''کبھی کبھی غلط فہمی بھی ہوجاتی ہے۔ ہوسکتا ہے کسی اور کے فون سے یہ حرکت ہوئی ہو۔''

''تم قیوں آئے تھے؟''

''میں ایک فلم بنانا چاہتا ہوں۔ لیکن بزنس تمہارے نام سے ہوگا۔''

''قیا مطلب.....؟''

''سرکاری ملازم ہوں نا..... اس لئے اپنے نام سے بزنس نہیں کرسکتا۔''

''ڈیری فارم کیوں نہیں کھولتے۔ فلم بنا کر قیا قرو گے۔ فلاپ ہوگئی تو۔ بھینس دودھ نہ دے تو ذبح کر کے کھائی جائے غی۔''

''بے حد عقل مند ہوتے جا رہے ہو۔ مگر میں فلم ہی بنانا چاہتا ہوں۔''

''آخر قیوں.....؟''

''ایک لڑکی کو ہیروئن بنانا ہے۔''

''میرا کیا فائدہ ہوگا۔''

''مفت کی تفریح۔''

''نہیں چلے گی۔ میں نے آج تک قوئی لمبی تڑنگی اور موٹی تازی ہیروئن نہیں دیکھی۔''

''ہیروئن کے علاوہ اور بھی تو کردار ہوتے ہیں۔ ہیروئن کی ماں لمبی تڑنگی، ہیرو کی بہن فر تگڑی سی، ہیروئن کی بہن بھی تمہارے ہی معیار کی۔ ان سب کرداروں کیلئے تم ہی انتخاب کرنا۔''

''نہیں بیٹا..... ہمیشہ میں ہی مارا جاتا ہوں۔ اپنی ایسی کی تیسی میں جائے۔ میں تو ہا چپاتی بیگم کے ساتھ مل قراب سوشل ورک کروں غا..... اس میں بھی تو لونڈیوں سے ملاکا ہوتی ہے۔''

''ہے ہے..... شکل دیکھئے گا جناب کی۔ چپاتی بیگم کے ساتھ لونڈیاں دیکھیں گے۔''

''ہاں..... ہاں..... دیکھیں گے۔ چلتے پھرتے نجر آؤ۔''

''اچھا..... ٹاٹا.....!'' حمید نے کہا اور اپنی گاڑی میں جا بیٹھا۔

لیکن ابھی انجن بھی اسٹارٹ نہ کر پایا تھا کہ ایک لمبی سی سیاہ گاڑی کمپاؤنڈ میں داخ ہوئی اور سیدھی پورچ میں چلی گئی۔ قاسم پورچ کے قریب پہنچ چکا تھا اور سیاہ گاڑی سے ''چپا بیگم'' اتری تھیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے گاڑی کی بجائے سچ مچ جلتے توے پر سے اُتری ہوں۔

حمید نے گاڑی اسٹارٹ کی اور سیدھا پورچ کی طرف لیتا چلا گیا۔

''لو..... دیکھو بیٹا۔'' قاسم غصیلے لہجے میں دہاڑا۔ ''تم مجھے زندہ رہنے دو گے یا نہیں۔''

''بکواس بند کرو۔'' اس کی بیوی دہاڑی۔ ''تمہیں اس حرکت کا مقصد بتانا پڑے گا۔''

''کیا قصہ ہے.....؟'' حمید گاڑی سے اُترتا ہوا بولا۔

''قصہ ان کے والد صاحب کے کان میں بھونک رہا تھا۔ سالے بیٹا!'' قاسم جلے ہ لہجے میں بولا۔

''یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ہمارے ہی فون سے کالیں ہوتی رہی تھیں۔'' اسکی بیوی غرائی۔

''میں گھر پر نہیں تھا اور یہ دگا باز یہاں میرا انتظار کر رہا تھا۔'' قاسم نے حمید کو گھونسہ دکھا کر کہا۔

وہ قہر آلود نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگی۔

''یہ کتنا بڑا کمینہ پن ہے۔'' حمید قاسم کو مخاطب کر کے بولا۔ ''تم مجھے محض اس لئے دے رہے ہو کہ میں تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ لعنت ہے اگر اب کبھی تمہاری طرف رخ تھوکوں بھی۔''

''آپ کہاں تھے۔'' قاسم کی بیوی نے پوچھا۔

''ڈرائینگ روم میں۔''

''ہمارے یہاں تین انسٹرومنٹ ہیں۔ پھر یہ کسی نوکر کی حرکت ہوگی۔''

''نوکر تمہارے باوا کا کیا لگتا ہے کہ قان میں بھونکے غا۔''

''زبان بند کیجئے اپنی۔''

''بہرحال میں جا رہا ہوں۔ اب کبھی نہ آؤں گا۔'' حمید نے کہا اور گاڑی موڑ دی۔ قاسم بیوی اسے آوازیں ہی دیتی رہ گئی تھی۔

پھاٹک سے گزر کر اس نے ایک جگہ گاڑی روکی اور جیبی ٹرانسمیٹر نکال کر کسی کو کال نے لگا، جواب ملنے پر بولا۔ ''زیرو اسپیکنگ، تھری ناٹ، فورسکس فائیو ایٹ پر تین تین کے وقفے سے دس بار بھونکو.....!''

''اوکے سر.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی اور حمید نے ٹرانسمیٹر ڈیش بورڈ کے نے میں رکھ دیا۔ اب پھر وہ اپنی گاڑی قاسم کی کوٹھی کی طرف موڑ رہا تھا۔

قاسم کی بیوی ڈرائنگ روم ہی میں موجود تھی اور قاسم بھی منہ پھلائے ایک طرف بیٹھا آیا۔ حمید کی واپسی پر بھی اس کی پوزیشن میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔

''حقیقتاً میں نہیں سمجھ سکا کہ بات کیا تھی۔'' حمید نے قاسم کی بیوی سے کہا۔

''بیٹھ جایئے..... میں بتاتی ہوں۔ ابا جان کے فون پر کوئی کال کرتا تھا اور کتے کی طرح بھونکنے لگتا تھا۔ انہوں نے دوسری لائن پر ایکسچینج کو مطلع کیا تھا۔ پھر پندرہ منٹ کے اندر اندر فون ڈسکنکٹ کرلیا گیا جس سے کال آ رہی تھی۔''

''اور فون آپ کا تھا۔''

''جی ہاں۔''

''اور اس دوران میں یہاں میرے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔''

''غلط نہ سمجھئے۔ میں پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ یہاں تین انسٹرومنٹ بین اور پھ ابا جان سے کیوں مذاق کرنے لگے۔''

''کوئی.....نوقر بھی قر سکتا۔'' قاسم دہاڑا۔ ''نہ وہ آپکے ابا جان کا سالا ہے اور نہ بہ

''اپنا پھوپھا کہئے۔ ان کا بہنوئی نہ کہئے۔'' قاسم کی بیوی جل کر بولی۔

''چلو یہی سہی۔''

پھر وہ کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ قاسم کی بیوی نے لپک کر ریسیور اٹھا

''ہیلو.....اوہ..... یو شٹ اپ.....!'' اس نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا اور تیزی باہر نکل گئی۔

قاسم ہونقوں کی طرح حمید کو دیکھے جا رہا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ اب وہ کتا کہیں اور سے بھونک رہا ہے۔'' حمید نے خشک لہجے میں

''تو پھر کوئی نوقر ہی ہوسکتا ہے۔'' قاسم بولا اور پھر دہاڑتا ہوا کھڑا ہوگیا۔ اتنے میں کی بیوی بھی آ گئی۔ اس کے پیچھے ایک ملازم بھی تھا جس کے ہاتھوں میں عمارت کے دونوں انسٹرومنٹ تھے۔

فون کی گھنٹی پھر بجی اور اس بار قاسم نے ریسیور اٹھایا۔

''ہیلو.....اچھا.....اچھا.....سالے بھونکے جاؤ.....میں تمہیں دیکھ لوں گا.....ابے او سالے تو اب قیا قر رہا ہے، میرے پاس تو بھیج دیا تھا نوٹس۔''

''چھوڑو..... مجھے دو.....ریسیور.....!'' حمید اس کے قریب پہنچ کر بولا۔

''اب کھاموش ہے۔''

حمید نے فوراً ہی ایکسچینج کے نمبر ڈائیل کئے اور شکایت درج کرا کے ریسیور رکھ دیا بار پھر کتا بھونکا تھا اور چوتھی بار ایکسچینج سے اطلاع ملی تھی کہ اس کے لئے شہر کا ایک پبلک فون بوتھ استعمال کیا گیا تھا۔

''آخر کیا چکر ہے؟'' قاسم کی بیوی نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔

''اب تو پرگنی قلیجے میں ٹھنڈک۔'' قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ ''جو تمہارے ابا جان کے قان میں بھونک رہا تھا، اب وہی میرا مغز چاٹ رہا ہے۔''

''بہرحال.....اب میں چلا.....اور کبھی تمہاری شکل نہیں دیکھوں گا۔''

''ٹھہر جاؤ.....سوشل ورق قی ایسی کی تیسی۔ میں تمہارے ساتھ فلم بناؤں غا۔''

فون کی گھنٹی پھر بجی..... قاسم اور اس کی بیوی صرف دیکھ کر رہ گئے۔ حمید نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے کتے کی آواز سنائی دی تھی۔

''یار جو کوئی بھی ہو اب معاف ہی کر دو۔'' اُس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

''واقعی۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

غالباً حمید کی آواز دوسری طرف پہچان لی گئی تھی۔ حمید نے ''واقعی'' کا جواب دیئے بغیر ریسیور رکھ دیا۔

میز پر رکھے ہوئے انسٹرومنٹس میں سے ایک کی گھنٹی بجی اور فریدی نے فائیل سے توجہ ہٹائے بغیر ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھالیا۔

''انفارمرون تھرٹی سکس آپ سے ملنا چاہتا ہے۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''روم نمبر گیارہ میں بٹھاؤ۔'' فریدی بولا۔

''وہ سول ہسپتال میں ہے جناب۔ چل پھر نہیں سکتا۔''

''تھرٹی سکس کے بارے میں تفصیل۔''

''اُسے آپ نے اسٹار آئرن ورکس کی سپلائیز کے بارے میں.....!''

''ٹھیک ہے۔'' فریدی بات کاٹ کر بولا۔ ''ہسپتال کے کس وارڈ میں ہے۔''

''ایمرجنسی وارڈ میں۔''

''اچھا.....!'' کہہ کر فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

سول ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں بستر نمبر سات کا مریض بے سدھ پڑا تھا۔

''چودھری.....!'' فریدی نے اسکے سرہانے جھک کر نرم لہجے میں آہستہ سے آواز دی۔

اس نے آنکھیں کھولیں اور ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھنا چاہا۔

''لیٹے رہو۔'' وہ اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ''تمہیں کیا ہوا، بالکل پیلے پڑ گئے ہو۔ پرسوں ہی تو ہم ملے تھے۔''

''بس زندگی تھی..... بچ گیا کرنل صاحب۔'' مریض نے گلوگیر آواز میں کہا اور پھر چودھری نے اپنی کہانی شروع کر دی۔

''ذرا ایک منٹ۔'' فریدی نے ایک مرحلے پر ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ ''کیا اس اجنبی نے ٹرک ان لوڈ کیے جانے سے متعلق بھی کوئی سوال کیا تھا۔''

''جی نہیں..... بالکل نہیں..... مجھے اچھی طرح یاد ہے۔'' چودھری نے کہا اور پھر چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ ''وہ مجھے اپنی گاڑی میں بٹھا کر اس جگہ لے گیا تھا جہاں وہ بیمار سانپوں کا علاج کرتا ہے۔ رات گئے تک مجھے سمجھاتا رہا تھا کہ میں نہیں مروں گا۔ پھر اس نے مجھے کوئی دوا پلائی تھی۔ اسکے بعد مجھے یاد نہیں کہ کیا ہوا۔ بہرحال آج صبح جب میری آنکھ کھلی تو میں نے ایسا محسوس کیا جیسے چھ ماہ سے بیمار پڑا رہا ہوں۔ زبان ہلانے سے چکر آتے تھے۔''

''شہر کس طرح پہنچے؟'' فریدی نے سوال کیا۔

''اس کے ایک آدمی نے ٹرین پر سوار کرا دیا تھا۔ یہاں اسٹیشن پر اُترا تو دو قدم بھی نہ چل سکا۔ شاید مجھ پر غشی طاری ہوگئی تھی۔ دوبارہ ہوش میں آیا تو خود کو اس ہسپتال میں پایا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ رات بھر میں صحت اس طرح کیسے گر سکتی ہے۔''

''فکر نہ کرو..... تمہارے گروپ کا خون فراہم کر لیا گیا ہے۔''

''اُوہ..... تو کیا خون چڑھایا جائے گا۔''

''ہاں..... اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔ ڈاکٹر کا خیال ہے کہ خون غیر معمولی طور پر ضائع ہوا ہے۔''

''لیکن..... دو یا تین قطروں سے زیادہ خون نہیں نکلا تھا۔'' چودھری نے بھرائی ہوئی

آواز میں کہا۔

''ہوں..... ذرا اپنا ہاتھ ادھر لاؤ۔'' فریدی نے کہا۔

پھر وہ اس کی دونوں کلائیاں دیکھتا رہا۔

''کرنل صاحب! یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ سانپ کسی آدمی کو کاٹے اور خود مر جائے۔''

''فکر نہ کرو..... سب دیکھ لیا جائے گا۔ میں رات کو پھر آؤں گا۔''

پھر فریدی ڈاکٹر کے کمرے میں آیا تھا۔

''جی ہاں..... میرا خیال ہے کہ اس کے جسم سے سائنٹیفک طور پر خون نکالا گیا ہے۔''

''میں بھی اسی نتیجے پر پہنچا ہوں۔'' ڈاکٹر بولا۔ ''لیکن اس کے خون میں کسی قسم کے بھی زہر کا سراغ نہیں مل سکا۔''

''براہِ کرم خون کے تجزیے کی رپورٹ میرے محکمے کو بھجوا دیجئے گا۔''

''بہت بہتر جناب۔''

فریدی ہسپتال سے نکلا تو پانچ بج رہے تھے۔ اس کی گاڑی اب گھر یا دفتر کی بجائے نیاگرا ہوٹل کی طرف جا رہی تھی۔ شہری آبادی سے کچھ دور نکل آنے پر اس نے گاڑی ایک جگہ روکی اور ڈیش بورڈ کے بائیں جانب والے خانے سے لاسلکی فون کا ریسیور نکالا۔

''ہیلو.....!'' اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ''میں فریدی بول رہا ہوں۔ دیکھو..... سول ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں بیڈ نمبر سات کے مریض پر کڑی نظر رکھو۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس سے متعلق ہسپتال کے عملے سے کسی قسم کی پوچھ گچھ تو نہیں کی جا رہی۔''

ڈیش بورڈ کے خانے میں ریسیور رکھ کر اُس نے گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کیا اور نیاگرا ہوٹل کی طرف بڑھتا رہا۔ اُس کی آنکھوں سے گہرے تفکر کا اظہار ہو رہا تھا۔



حمید اور قاسم نیاگرا کی ایک میز پر اس طرح قابض ہو گئے تھے جیسے اسی پر شب بسری کا

بھی ارادہ رکھتے ہوں۔

قاسم چہک رہا تھا اور حمید کے قہقہے رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔

''دیکھا..... اسے کہتے ہیں مقدر.....!'' اس نے قاسم کے چہرے کے قریب ہاتھ نچا کر کہا۔ ''کسی بھونکنے والے نے ہمیں اس قدر قریب کر دیا ہے کہ ہم اس وقت..... اس وقت..... کیا معلوم ہو رہے ہیں؟''

''ایک دوسرے کے والد صاحب۔'' قاسم کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی۔

''میں نے تمہیں ایک بڑی مصیبت سے بچا لیا ہے۔''

''قیا مطلب.....؟''

''تمہاری چپاتی بیگم بہت چالاک ہوتی جا رہی ہیں۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''سوشل ورک کی تجویز کس کی تھی؟''

''اسی قی۔''

''ہوں..... اور تم سمجھے تھے کہ سچ مچ عیش کرو گے۔''

''ابے ہاں..... بہت لونڈیاں ہوتی ہیں۔''

''ہوتی ہوں گی..... لیکن تم اپنی چپاتی بیگم کی موجودگی میں کچھ نہیں کر سکتے۔ مقصد یہ ہے کہ وہ ہر وقت تمہارے سر پر مسلط رہے۔''

''یہ بات تو ہے..... اس قی وجہ سے قسی کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ ابے جا بھائی وہ واقعی اُلو بنا رہی ہے مجھے۔''

''لیکن جب تک میں زندہ ہوں تم اُلو نہیں بن سکتے۔'' حمید اپنے سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔

''مگر یہ فلم ولم کا قیا چکر ہے۔ پیسہ قون لگائے گا۔''

''اپنے کرنل صاحب۔''

''نہیں..... جھوٹ۔''

''کیوں؟''

''یکین نہیں آتا..... قرنل صاحب اور فلم۔''

''تمہیں یقین کرنا پڑے گا..... نوابزادوں کو انڈسٹری کی سوجھتی ہے تو فلم انڈسٹری کے علاوہ اور کچھ نہیں سجھائی دیتا۔''

''قیوں مذاک اڑا رہے ہو۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ قرنل صاحب۔''

''شاید وہ نئے چہروں کی تلاش میں اس وقت بھی یہیں موجود ہوں۔''

''ٹھنگے سے..... جلدی کچھ اور منگواؤ..... بھوخ لگ رہی ہے۔''

''تین بجے سے اس وقت تک چار بار کھا چکے ہو۔''

''بس اسی بات پر تم سے ہڈی جلتی ہے میری۔ میرے خانے میں نجر نہ لغایا قرو۔''

حمید نے ویٹر کو بلا کر ایک بار پھر قاسم کے لئے آرڈر پلیس کیا۔

''ہوں..... یار سچ بتاؤ کیا چکر ہے۔'' قاسم اسے بے اعتباری سے دیکھتا ہوا بولا۔

''کیسا چکر.....؟''

''تم آخر اتنی خاطر قیوں کر رہے ہو۔''

''واقعی بڑے ذلیل ہو۔ یہ میرے خلوص کی توہین ہے۔ اچھا میں چلا..... پانچوں آرڈر کے بل تم ہی ادا کرنا۔''

حمید نے اٹھنا چاہا لیکن قاسم نے ہاتھ بڑھا کر اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ ''پچاس بل تو قربان اور میں واری صدقے..... ایسا بھی قیا..... تم کب سے لونڈیوں کیطرح بدکنے لگے۔''

حمید برا سا منہ بنائے ہوئے بیٹھ گیا۔ ویسے قاسم کے اس طرز تخاطب پر ہنسی آتے آتے رہ گئی تھی۔

''نہیں جب مجھ پر اعتبار نہیں تو وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ۔'' اس نے ناخوشگوار موڈ کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا..... تو پوچھوں قرنل صاحب سے؟'' قاسم کی آنکھوں میں شرارت آمیز مسکراہٹ رقصاں تھی۔

''اجازت ہے؟''

ٹھیک اسی وقت فریدی بھی ڈائننگ ہال کے صدر دروازے میں دکھائی دیا۔

''وہ دیکھو.....!'' حمید نے اشارہ کیا۔ ''آ گئے۔''

''اوہ.....ہو.....واقعی۔'' قاسم کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں کیونکہ فریدی ایک مشہور فلم ڈائریکٹر بھی تھا۔

''یہ.....تت.....تو.....واقعی.....فلم۔'' قاسم دوبارہ ہکلا کر رہ گیا۔

فریدی ان کی طرف توجہ دیئے بغیر ہال روم کی طرف بڑھتا چلا گیا تھا۔

''نہیں دیکھا۔'' قاسم نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

''بہرحال اب تو تمہیں یقین آ گیا۔'' حمید بولا۔

''بلقل.....بلقل.....!'' قاسم کے لہجے میں تشویش تھی۔

حمید پھر اُسے گھورنے لگا۔ چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔

''میں تمہیں فکرمند دیکھ رہا ہوں۔''

''ہاں.....ہے ہی فکر والی بات.....وہ میرا دقیانوس باپ۔''

''اوہو.....کسی کو پتہ ہی نہ چلے گا.....سب کاغذی باتیں ہیں۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''مطلب یہ کہ کاغذات تمہارے نام سے ہوں گے اور بس۔ اعلان نہیں کیا جائے گا ایک موٹے کا مزید موٹا بیٹا فلم انڈسٹری سے منسلک ہو گیا ہے۔''

''دیکھو.....دیکھو.....جبان سنبھال کے.....ہاں۔''

''تم باتیں ہی ایسی کرتے ہو کہ مجھے غصہ آ جاتا ہے۔''

''ٹھینگے سے.....ہاں تو کیسی فلم بنے گی۔''

''جنگل فلم.....سرمایہ دار کی لڑکی اور غریب لڑکا دیکھتے دیکھتے آنکھیں چھرا گئی ہیں۔''

''غریب کی لڑکی اور سرمایہ دار کا لڑکا بھی تو ہوتا ہے۔''

''ہاں.....ہاں.....بہرحال بوریت ہی ہے۔ لڑکا اور لڑکی ہی سرے سے بوریت ہے۔''

''ہائے.....تو کیا اب فرشتہ اور فرشتی پر فلم بناؤ گے۔''

''بکرا اور بکری پر بھی ایسی فلم دے سکتا ہوں کہ یہاں سے ہالی وڈ تک دھوم مچ جائے۔''

کرنل فریدی نے ہاتھ اُٹھا کر حمید کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور سامنے پھیلے ہوئے نقشے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ اس پر پنسل سے نشانات لگاتا جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد نقشے کو رول کر کے ایک طرف رکھ دیا اور حمید کی جانب دیکھے بغیر کہا۔ ''ہاں.....اب تم.....کیا کہہ رہے تھے۔''

''سب سے پہلے تو یہ عرض کروں گا کہ آپ کئی دن سے آنکھ ملا کر بات نہیں کر رہے۔''

حمید اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

''اس کے بعد۔''

''پہلے اس رویئے کی وجہ معلوم کرنا چاہوں گا۔''

''اس رویئے کی وجہ.....بہتر ہوگا کہ اس سلسلے میں کچھ نہ پوچھو۔''

''ہو سکتا ہے اس ناراضگی کی وجہ کوئی غلط فہمی ہو۔''

''نہیں.....غلط فہمی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

''تو پھر.....''

''مت پوچھو.....ورنہ پھر تمہیں سزا بھگتنی پڑے گی۔''

''میرے لئے اس سے بڑی سزا اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ آپ دن میں کم از کم ایک بار مجھے گھور کر میری طرف نہ دیکھیں۔''

فریدی اسے تیکھی نظروں سے دیکھتا ہوا مسکرایا۔

''یہ بھی گوارا ہے شعر سنئے۔''

وہ مسکرائے تو جاتے ہیں عذر پیہم پر
پر اس ادا میں بھی جھلکیاں عتاب کی ہیں

''کیا پر پر لگا رکھی ہے۔ یہ بھی کوئی شعر ہوا۔ اظہار خیال کے لئے محض الفاظ کا انتخاب ہی کافی نہیں ہوتا۔ مناسب نشست الفاظ کے بغیر اچھے سے اچھا خیال بھی مسخ ہو کر رہ جاتا ہے۔''

''اے صنعت.....!''

''بس..... !'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''تم ادب کے پروفیسر نہیں ہو اور میں شعر کہنے کے موڈ میں کبھی نہیں ہوتا۔ تمہیں اس سلسلے میں جواب دہی کرنی ہے کہ تم نے اپنے کسی ذاتی مقصد کے حصول کے لئے اتنے سے آدمی کو کیوں استعمال کیا۔؟''

''مم..... میں نہیں سمجھا۔''

''برو ہی کو فون پر جھوٹ بولنے کے لئے تم نے ہی تو کہا تھا۔''

''وہ ذاتی نوعیت کا کام نہیں تھا۔''

''ہوں..... تو پھر.....؟''

''قاسم اس کے بغیر ہاتھ نہ آتا۔ میاں بیوی کے درمیان جھگڑا ہونا ضروری تھا۔''

''میں نے اس کا نام یونہی لیا تھا، ضروری نہیں تھا کہ تم اس کیلئے جھگڑا کرانے بیٹھ جاتے۔''

''بہرحال..... میں یہی سمجھا تھا کہ آپ خصوصیت سے اسکے بارے میں سوچ رہے ہیں۔''

''خیر..... پروڈیوسر کی حیثیت سے وہ بھی بُرا نہ رہے گا۔ لیکن اسے سمجھا دینا کہ کچھ دنوں کے لئے گھر چھوڑنا پڑے گا۔''

''آخر چکر کیا ہے؟ کیا آپ مجھے کونفیڈنس میں نہیں لیں گے۔''

''فلم بنائیں گے جی۔''

''آپ ..... محتاط یہ انداز میں بنا۔''

''فضول باتوں میں مت پڑو۔''

''لیکن آپ تو کل فلم بنانے کے لئے کہہ رہے تھے۔''

''تم نے کس سے سنا ہے کہ میں رانجھا بنا رہا ہوں۔''

''لیکن آپ کے ساتھ جو لڑکا تھا وہ تو صرف یہ کہانیاں ہی فلماتا ہے۔''

''حمید صاحب! وہ صرف تکنیکی مشیر کی حیثیت سے کام کرے گا۔ فلم تو آپ ڈائریکٹ فرمائیں گے۔''

''اسکرپٹ کون لکھے گا.....؟''

''اس کی فکر نہ کرو۔''

''اچھی بات ہے۔ آپ فی الحال ہیروئن کو میرے حوالے کر دیجئے۔''

''ہاں..... یہ میں کر سکتا ہوں۔''

''کون ہے؟''

''بس دیکھ لینا..... نام نہیں بتاؤں گا۔''

''کب دیکھ لوں گا.....؟''

''ابھی چلو.....!'' فریدی گھڑی پر نظر ڈالتا ہوا بولا۔

دونوں آفس سے نکل کر پارکنگ شیڈ میں آئے تھے اور لنکن شہر کی طرف روانہ ہوگئی تھی۔

''قاسم کا کیا قصہ تھا.....؟'' فریدی نے پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں..... بیوی نے راہ پر لگانے کی کوشش کی تھی۔ اس کے ساتھ سوشل ورک کرتا پھر رہا تھا۔ میں نے سوچا دونوں میں جھگڑا کرائے بغیر کام نہیں چلے گا۔''

''ہوں.....!''

''کیا ہوں.....؟'' حمید بھنا کر بولا۔

''آج کل اتنے چڑچڑے کیوں ہو رہے ہو۔''

''اپنے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔''

''ہمیشہ یکساں روش۔''

''میں یکسانیت کو موت سمجھتا ہوں۔''

''تم صرف بکواس کرتے ہو۔ یکسانیت کو ناپسند کرنے والے تو سمندر میں چھلانگ لگا دیا کرتے ہیں۔''

''مجھے افسوس ہے کہ میں تنہا سمندر میں چھلانگ نہیں لگا سکوں گا۔''

''فلم کی ہیروئن بھی تمہارے ساتھ ہوگی۔''

''اوہ.....! مجھے دلچسپی نہیں۔ خواہ مخواہ اشتیاق بڑھانے کی کوشش نہ کیجئے۔''

''کچھ بھی کہو..... ابھی نام نہیں بتاؤں گا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اب وہ خود ہی اس موضوع پر گفتگو کرنے سے احتراز کر رہا ہو۔

گاڑی کچھ دیر بعد ان کی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی اور حمید پھر بھنا کر بولا۔

''یہاں آپ مجھے ہیروئن دکھائیں گے۔''

''کئی دن سے یہیں مقیم ہے۔'' فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ آپ مزاحاً بھی جھوٹ نہیں بولتے۔''

''قدر افزائی کا شکریہ حمید صاحب..... ہاں میں مزاحاً بھی جھوٹ نہیں بولتا۔ اترئیے گاڑی سے۔ ہیروئن خود چل کر آپ تک نہیں آئے گی۔''

گاڑی سے اُتر کر وہ اُسے عقبی پارک کی طرف لے چلا تھا اور پھر وہاں پہنچ کر حمید جھلاہٹ اپنی آخری حدیں چھونے لگی۔

وہ ایک بڑے سے پنجرے کے قریب کھڑے تھے جس میں ایک لومڑی بند تھی۔

حمید اوپری ہونٹ بھینچے اُسے دیکھتا رہا۔

''کسی جنگل فلم کی ہیروئن صرف لومڑی ہی ہوسکتی ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''ہوسکتا ہے۔'' حمید نے سرد لہجے میں کہا اور دوسری طرف منہ کر کے کھڑا ہوگیا۔

فلم یونٹ

قاسم نے فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کئے اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ ''ہیلو..... میں قاسم بول رہا ہوں۔ کھوسٹ بھائی..... تم نے ابھی تک نہیں بتایا کہ کتنی اکسٹرا لونڈیاں سپلائی کرنے ہو۔ بارہ..... ٹھیک ہے۔ قام بن جائے غا..... اور دیکھو..... فرسٹ کلاس ہونی چاہئیں۔ ٹھیخ ہے۔''

ریسیور رکھ کر مڑا تو بیوی کی شکل نظر آئی۔ وہ اس کے پیچھے کھڑی دانت پیس رہی تھی۔

قاسم اس کی پرواہ کئے بغیر وہاں سے ہٹ گیا۔ لیکن بیوی پیچھا چھوڑنے والی نہیں تھی۔ برآمدے ہی میں جالیا۔

''آپ گھر سے باہر قدم نہیں نکال سکتے۔''

''ارے واہ..... جرا شکل تو دیکھو۔''

''میں کہتی ہوں اگر آپ گھر سے باہر نکلے تو اچھا نہیں ہوگا۔''

''قیا اچھا نہیں ہوغا..... اب نہیں چلے گی۔ بہت دن ڈرلیا ابا جان سے۔ جب چاہیں نہ ہوجائے۔''

''آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔''

''چرس پی رکھی ہے..... پھر.....؟'' قاسم آنکھیں نکال کر دہاڑا۔

''پھر چلائے آپ میرے اوپر.....!''

''اچھا تو قیا قوئی معاہدہ ہوا تھا کہ نہیں چلاؤں غا.....!''

''میں کچھ نہیں جانتی..... آپ گھر سے باہر نہیں جاسکتے۔''

''تم قیا کرلوغی؟''

''اپنی جان دے دوں گی۔''

''وہ قس طرح.....؟''

''جس طرح میرا دل چاہے گا۔''

''نہیں..... میں بتاتا ہوں..... اپنی امی جان سے قہو اسی طرح تمہارا مغز چاٹیں جس طرح مارے باوا کا چاٹتی ہیں۔ تمہارا قام تمام ہوجائے غا..... باوا جان تو بے حیا ہوگئے ہیں۔''

''خبردار جوان کا نام لیا۔''

''ہائے..... تو پھر قس کا نام لوں۔''

''خاموش رہئے۔''

''سامنے سے ہاٹ جاؤ۔''

''باہر نہیں جاسکتے۔''

''اچھا تو پھر یہیں بلواتا ہوں ایکسٹرا لونڈیوں کو۔''

''ضرور..... ضرور..... یہیں فلم بنا کر رکھ دوں گی۔ ضرور بلوائیے۔''

''دیکھو..... غصہ نہ دلاؤ..... ورنہ بلوا ہی لوں گا۔''

''بلوائیے..... مجھے منظور ہے۔''

قاسم بھنا کر مڑا اور سیدھا ڈرائینگ روم میں چلا آیا۔

اب وہ پھر فون پر ایکسٹرا سپلائر کھوسٹ بھائی کے نمبر ڈائیل کر رہا تھا۔ ''ہیلو! قون ہے..... میں کھوسٹ بھائی سے بات قرنا چاہتا ہوں..... نہیں ہیں..... جہنم میں جا

پھر اتنے زور سے ریسیور کریڈل پر پٹخا کہ کمرہ گونج اٹھا۔

''توڑ ڈالو..... توڑ ڈالو'' عقب سے بیوی کی آواز آئی۔

قاسم جھلا کر مڑا۔ چند لمحے خاموشی سے اُسے گھورتا رہا پھر نرم لہجے میں بولا۔ ''بتاؤ۔''

''دس پوچھئے۔'' جواب ملا۔

''صرف ایک بات..... وہ یہ کہ کس ترقیب سے میرا پیچھا چھوڑو گی۔''

''مجھے زہر دے دیجئے۔''

''تل کر نہ کھا جاؤں..... اتی سی کو زہر کیا دوں غا۔'' وہ کلمے کی انگلی کے پہلے انگوٹھا رکھ کر بولا۔

''کھا نہیں سکے اسی کا تو افسوس ہے۔''

''الاقسم..... بڑی کلیج ہوغی..... اتی دبلی پتلی ہو کہ بڑی کُرکُری تلی جاؤ غی۔ مُرر..... چُرر..... مُرر..... ہائے ہائے۔'' وہ منہ چلاتا ہوا بولا۔ پھر پیچ سے تھوک کی قالین پر ماری۔

''ارے..... ارے..... قالین پر تھوک دیا، حواس ٹھکانے ہیں یا نہیں۔''

''سوچ قر منہ میں پانی آغیا۔'' وہ اپنی آنکھیں نشیلی بنا کر اُسے دیکھتا ہوا بولا۔ ''پسواؤں مرچ مسالا۔''

''آپ کچھ بھی کریں، اس وقت گھر سے باہر نہیں جا سکتے۔''

''اور اغر..... میں تمہیں بھی ساتھ لے جاؤں تو.....؟''

اس کا جواب دینے ہی والی تھی کہ ایک ملازم کسی کا ملاقاتی کارڈ لے کر کمرے میں آیا ہوا۔

''قون آمرا.....!'' قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

اس کی بیوی نے کارڈ ملازم سے لے لیا اور باہر نکلی چلی آئی۔

برآمدے میں حمید کھڑا نظر آیا۔

''آپ سے بھی خدا ہی سمجھے حمید بھائی۔'' اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''کیا ہوا.....؟''

''آپ نہیں جانتے؟''

''جانتا ہوں لیکن قاسم نہیں جانتا۔''

''قیا نہیں جانتا قاسم.....؟'' پشت سے آواز آئی اور حمید اس کی طرف مڑے بغیر بولا۔ ''غلط فہمی ہوئی تھی۔''

''کچھ بھی ہو۔'' قاسم کی بیوی نے سخت لہجے میں کہا۔ ''آپ انہیں فلمسازی کے چکر نہیں ڈال سکیں گے۔''

''یہ بھی میری والدہ صاحب ہوگئی ہیں۔'' قاسم طنزیہ انداز میں بولا۔ ''آج ہی قی بات ہے۔''

''فضول باتیں نہ کیجئے۔''

''آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔ سرمایہ قاسم کا نہیں لگے گا۔''

''لگے تو ٹھینگے سے نہ لگے تو ٹھینگے سے..... میں تو فلم پروڈیوسر ضرور بنوں گا۔''

''بات نہ بڑھاؤ۔'' حمید بولا۔

''اچھا تو یہ میرا قیا کرلیں غی.....؟''

''دو چپاتیاں اور پرہیزی شوربہ مقرر کر دیں گی۔''

''بس کھاموش..... زبان قو لگام دو..... تم سالے اور شہ دیتے ہو۔''

''سالا جو ٹھہرا اور تم پھر گالیوں پر اُتر آئے۔ کچھ دنوں پہلے کی بات ہے تم نے کہا تھا کہ سالا کی بجائے برادران لا کہا کرو گے۔''

''ایق دن مہتر کو کہہ دیا تھا تو یہ بُرا مان گئی تھیں۔''

''خیر چھوڑو..... میں تو تمہیں یہ بتانے آیا تھا کہ مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔''

''کس بات کی غلط فہمی؟''

''مطلب یہ کہ جنگل فلم کا وہ مطلب نہیں تھا جو ہم دونوں سمجھے تھے۔''

''قیا سمجھے تھے ہم دونوں۔'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

''یہی کہ اس میں لڑکیاں وڑکیاں بھی ہوں گی۔''

''اچھا تو پھر.....؟''

''اس فلم کی ہیروئن ایک لومڑی ہے۔''

قاسم کی بیوی نے قہقہہ لگایا اور قاسم پھاڑ کھانے والے انداز میں بولا۔''تم جھو رہے ہو۔''

''کرنل صاحب گھر ہی پر ہیں۔فون کر کے معلوم کر سکتے ہو۔''

''ابے میں نے تو ایکسٹرا لونڈیوں کا بھی انتظام کر لیا ہے۔'' قاسم آپے سے باہر ہو بولا۔

''تو تم الگ سے ایک فلم بنا ڈالو۔''

قاسم کی بیوی مسلسل ہنسے جا رہی تھی۔

''چوپ رہو۔'' قاسم اس پر الٹ پڑا۔

''میں تو پہلے ہی جانتی تھی۔''

''کیا جانتی تھی.....؟''

''دن رات لوگ آپ کو بیوقوف بناتے رہتے ہیں۔''

''تمہارے باوا جان بھی انہی میں شامل ہیں۔''

''پھر آپ نے ان لوگوں کا نام لیا۔''

حمید نے بیچ بچاؤ کرانے کی کوشش کی اور قاسم پھر اُسی کے سر ہو گیا۔

''سب تمہاری وجہ سے ہوتا ہے۔اچھا تم ہی میرا پیچھا چھوڑ دو۔دفان ہو جاؤ اور ا قبھی اپنی شکل نہ دکھانا اور فلم تو میں اقبلے ہی بناؤں گا.....اس گانے کا ضرور جواب گا.....جسے سن سن کر میری ہڈیاں سلگتی ہیں۔''

''کون سا گانا پیارے بھائی۔''

''جواب دوں گا.....جواب اس گانے کا.....ہوگا سالا رنگ رنگیلا تم قیوں، ناچو گی۔''

قاسم کی بیوی پیٹ دبائے دوہری ہو گئی۔کیونکہ قاسم نے جھلاہٹ میں گا کر ہی جواب دیا تھا۔

''ہاں.....ہاں.....تم بھی جلاؤ۔'' وہ اُسے گھونسا دکھا کر بولا۔

''اگر اب یہ ریکارڈ بجایا تو ریڈیو گرام کی ایسی تیسی قرقے رکھ دوں گا۔''

''اس کا بابو رنگ رنگیلا ہے تو آپ کو کیوں جلن لگتی ہے۔'' وہ ہنسی ضبط کرنے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔

''میرے ٹھینگے سے۔''

''اب ختم کرو یہ بکواس اور چلو میرے ساتھ۔'' حمید نے کہا۔

''جی نہیں.....معاف کیجئے.....اللہ آپ سے بچائے ہی رکھے۔''

''تو پہلے کیوں وعدہ کر لیا تھا۔اب تو کاغذات بھی تیار ہو گئے ہیں۔''

''آپ آخر مجھے کیوں نہیں بتاتے کہ کیا بات ہے۔'' قاسم کی بیوی نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔

''کچھ جانوروں پر ایک تجرباتی فلم ہے۔جنگل میں فلمائیں گے۔''

''تو اس میں ان کا کیا کام۔'' قاسم کی بیوی نے مضحکہ اُڑانے کے سے انداز میں سوال کیا۔

''اچھا.....اچھا.....!'' قاسم سر ہلا کر بولا۔''خوب بے وقوف بنا لو تم لوغ۔میں بھی سمجھ لوں گا۔''

''پروڈیوسر کی حیثیت سے کاغذات پر ان کا نام رہے گا۔ہم اپنے نام سے کاروباری نوعیت کی کوئی حرکت نہیں کر سکتے۔'' حمید قاسم کی طرف توجہ دیئے بغیر بولا۔

''کرنل صاحب بھی شریک ہیں؟''

''بالکل.....ورنہ مجھے ان باتوں سے کیا سروکار۔''

''اگر کرنل صاحب بھی شریک ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔''

''اے سبحان اللہ۔'' قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔''گویا میں آپ کی اولاد ہوں کہ آپ کو قوئی اعتراض نہیں۔''

''فضول بکواس نہ کیجئے۔'' بیوی کو پھر غصہ آ گیا۔

''اے.....تم ابھی تک گئے نہیں۔'' قاسم نے جمید کو للکارا۔

''تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔کرنل صاحب منتظر ہو ''

''ان سے کہہ دینا کہ لومڑی وومڑی کا پروڈیوسر نہیں بن سکتا..... کوئی اور ڈھونڈھ لیں۔''

بیوی کی نظر بچا کر حمید نے اُسے آنکھ ماری۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے اس کی بیوی سے غلط بیانی کرتا رہا ہو۔

قاسم نے پہلے تو بُرا سا منہ بنایا پھر سنبھالا لے کر بولا۔ ''اچھا..... اچھا..... چلو..... چلتا ہوں۔ لیکن میں صاف کہہ دوں غا.....!''

''تم خود ہی جو مناسب سمجھنا عذر پیش کر دینا۔ میری اب وہ نہیں سنیں گے۔''

قاسم کی بیوی اندر چلی گئی اور قاسم حمید کو بے اعتباری سے دیکھتا ہوا بولا۔ ''پتا نہیں کیا چکر ہے۔''

''کیا تم کچھ دنوں گھر سے باہر رہ کر زندگی میں نیا پن پیدا نہیں کرنا چاہتے۔''

''لونڈیوں کے بغیر تفریح نہیں..... بیگار ہوتی ہے۔''

حمید اُسے گھر سے تو نکال لایا تھا لیکن وہ حمید کی گاڑی میں نہیں بیٹھا تھا۔ گیراج سے اپنی بیوک نکالی تھی۔ پھر دونوں آگے پیچھے نیاگرا پہنچے تھے۔

''امے تم یہ قیا قرتے پھر رہے ہو'' قاسم نے نیاگرا کے ڈائننگ ہال میں داخل ہوتے وقت حمید کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔

''راوی عیش لکھتا ہے۔''

''قیا مطلب.....؟''

''آج رات بھر جشن آزادی منائیں گے۔''

''ابے ابھی پچھلے ہی مہینے تو منا چکے ہیں جشن آزادی۔''

''یہ ملک کی نہیں..... میری آزادی کی رات ہے۔ کل سے میری ایک ماہ کی چھٹیاں شروع ہو رہی ہیں۔''

''ہم سالے سرمایہ دار غالیاں کھاتے ہیں اور تمہیں قوئی کچھ نہیں قہتا۔''

''کیا کہنا چاہتے ہو۔'' حمید چلتے چلتے رک کر اُسے گھورنے لگا۔

''اور قیا..... خود فلم بنانی ہوگی تو اسسٹنٹ کو ایک ماہ کی چھٹی دلوا دیں گے۔ کیا یہ قانونی بات ہے کہ سرکاری ملازم فلم بنانے بیٹھیں۔''

''فلم تم بنا رہے ہو۔ چلو آگے بڑھو۔''

''ہاں..... ہاں..... یہی ہوتا ہے۔ خیر اب تو پھنس ہی گیا ہوں۔ مگر بیٹا وہ ڈائریکٹر قققنس اس دن قرنل صاحب کے ساتھ تھا وہ تو چوما چاٹی والی فلمیں بناتا ہے۔''

''اسی لئے تو اسے لومڑی کے پلے باندھ رہے ہیں۔ ساری چوکڑی بھول جائے گا۔''

انہوں نے ایک ایسی میز پر قبضہ کیا جسکے قریب والی میز تین مہ رُخوں سے آباد تھی۔

قاسم نے بغور ان کا جائزہ لیا اور صورت پر یتیمی طاری کر کے ٹھنڈی سانس لی۔ پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''پتہ نہیں کس کے مقدر کی ہیں۔''

''اپنے والد صاحب کا پتا بتا دو۔''

''قیوں..... قیا مطلب.....!'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

''مطلب یہ کہ تم تو اپنے مقدر کا فیصلہ کر نہیں سکتے۔ وہی کیا کرتے ہیں۔''

''دیکھو..... طعنہ نہ دو..... بس ہو گئی ایک بار۔''

''اوہو..... تو اس بار تم خود کرو گے۔''

''ہاں..... ہاں..... جب میرا جی چاہے غا۔''

''ضرور..... ضرور۔'' حمید نے بے اعتباری کا مظاہرہ کرنے کے لئے قہقہہ لگایا۔

''دیکھو..... مجھے غصہ نہ دلاؤ۔''

''غصہ غیرت مندوں کو آتا ہے۔ تم میں تو اتنی ہمت بھی نہیں ہے کہ بیوی کے مکھن لگائے بغیر دو چار دنوں ہی کے لئے شہر سے بھی باہر جا سکو۔''

''تم قیا جانو.....؟''

''میں سب کچھ جانتا ہوں۔''

''تم جھک مارتے ہو۔''

''میں غلط نہیں کہتا۔''

''بکواس ہے..... میں کسی کی پرواہ نہیں قرتا۔''

''کوئی دعویٰ ثبوت کے بغیر تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔''

''قیا ثبوت چاہتے ہو.....؟''

''اپنا سوٹ کیس اور ہولڈال ابھی گھر سے یہاں لے آؤ۔ ایک ہفتے کی آؤٹنگ اس کے لئے صرف ایک گھنٹہ دے سکتا ہوں۔''

''اب تو جرور لاؤں غا..... یہیں بیٹھے رہنا۔''

''بالکل..... فوراً جاؤ۔''

قاسم جھلاہٹ کا مظاہرہ کرتا ہوا اُٹھا اور تھلتھلاتا ہوا صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

کرنل فریدی نے آنے والے کو گھور کر دیکھا۔ پھر سر کی جنبش سے بیٹھنے کا اشارہ کر سامنے رکھے ہوئے کاغذات کی طرف متوجہ ہو گیا۔

آنے والا لباس اور رکھ رکھاؤ سے دولت مند طبقے کا فرد معلوم ہوتا تھا۔ وہ چند خاموش بیٹھا فریدی کی مشغولیت کو کینہ توز نظروں سے دیکھتا رہا پھر کھنکھار کر بولا۔ ''میں اس مطلب نہیں سمجھ سکا جناب۔''

''ابھی سمجھا دوں گا۔'' فریدی نے کاغذات سے نظر ہٹائے بغیر خشک لہجے میں کہا۔ ''اس معاہدے کی کاپی ہے جو آپ کی کمپنی اور ایک جرمن فرم کے درمیان ہوا تھا۔''

اجنبی نے طویل سانس لی اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

کچھ دیر بعد فریدی نے کاغذات تہہ کر کے بائیں جانب سرکا دیئے اور اجنبی کو بغور دیکھتا ہوا بولا۔

''پورے جرمنی میں اس نام کی کسی فرم کا وجود نہیں ہے۔''

''سوال تو یہ کہ آخر آپ ہمارے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں؟''

''ایسے معاملات کی چھان بین میرے فرائض میں داخل ہے۔ ہاں تو فرم کے بارے میں.....!''

''بس.....!'' اجنبی ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ ''میں صرف اس لئے آیا تھا کہ آپ کو.....!''

''آگاہ کر دوں۔'' فریدی نے اس کا جملہ پورا کر دیا۔

''جی.....!''

''آگاہ کر دوں کہ اس بزنس میں کچھ ذمہ دار ہستیاں بھی شامل ہیں۔''

''آپ خود سمجھدار ہیں۔''

''میں بھی آپ سے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں پوچھوں گا کہ اکیس نومبر کو ٹرک نمبر سی ٹونٹی فور کہاں اَن لوڈ کیا گیا تھا۔''

''میں کیا جانوں۔''

''پھر اس کا جواب کون دے سکے گا۔''

''ایڈمنسٹریٹو آفیسر.....!''

''براہِ کرم اس سے معلوم کر کے مجھے مطلع کر دیجئے گا۔''

''اُوہو..... تو آپ لوگ اس حد تک جا چکے ہیں۔ یعنی ہماری سپلائیز پر بھی نظر ہے۔''

''سیٹھ صاحب..... بہتری اسی میں ہے کہ آپ صحیح معلومات بہم پہنچائیں۔''

''کیا میں آپ کا فون استعمال کر سکتا ہوں۔''

''ضرور..... ضرور.....!''

اجنبی نے اُٹھ کر فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کرتے ہوئے پوچھا۔ ''تاریخ اور ٹرک کا نمبر کیا بتایا تھا.....؟''

''اکیس نومبر..... ٹرک نمبر سی ٹونٹی فور.....!'' فریدی نے سگار کیس سے سگار نکالتے ہوئے کہا۔

اجنبی نے کسی سے گفتگو کرنے کے بعد ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور جیب سے رومال نکال کر اپنی پیشانی پر پھوٹ آنے والے قطرات خشک کرنے لگا۔

فریدی اُسے جواب طلب نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔

''اس نمبر کا ٹرک پچھلے ایک ماہ سے ناقابل استعمال ہے۔'' اجنبی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''تو پھر غلط فہمی ہوئی ہوگی۔'' فریدی نرم لہجے میں کہہ کر اس طرح اٹھا جیسے اب اُسے رخصت کر دینا چاہتا ہو۔

''میں پھر ایک بار عرض کروں گا۔'' اجنبی اس سے مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ ''حالات بدل چکے ہیں۔ کہیں آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔''

''ارے نہیں سیٹھ صاحب۔'' فریدی ہنس کر بولا۔ ''میری کھال بہت موٹی ہے۔'' اس پر بدلتے ہوئے موسموں کا اثر نہیں ہوتا۔ آپ بے فکر رہیں۔''

اجنبی نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچے تھے اور دفتر سے باہر نکل گیا تھا۔

یہ سرحدی علاقے کا آخری دیہی ریلوے اسٹیشن تھا۔ رات کو ایک ٹرین یہاں آتی تھی اور بہت سویرے اندرون ملک کے لئے روانہ ہو جاتی تھی۔ نہ یہاں آنے والوں کی تعداد زیادہ ہوتی تھی اور نہ یہاں سے جانے والوں کی تعداد قابل ذکر ہوتی تھی۔

اس وقت بھی صرف ایک مسافر ٹرین سے اُترا تھا۔ لیکن یہ کوئی دیہاتی نہیں تھا۔ اس کے جسم پر جدید ترین تراش کا لباس تھا۔ ہاتھ میں ایک وزنی سفری بیگ لٹکائے وہ پھاٹک پر آیا۔ پھاٹک پر ٹکٹ وصول کرنے والا موجود نہیں تھا اس لئے اس نے پھاٹک سے گزر کر اپنا ٹکٹ بکنگ آفس کی کھڑکی پر رکھ دیا۔

بکنگ کلرک نے ہنس کر کہا۔ ''آپ کو بڑی تکلیف ہوئی جناب۔ دراصل اس وقت میں یہاں بالکل اکیلا ہوں۔''

''کوئی بات نہیں۔'' جواباً مسافر مسکرایا اور نیم تاریک مسافر خانے سے گزرتا ہوا باہر آ گیا۔ ابھی رات کے آٹھ ہی بجے تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بہت زیادہ رات گزر گئی ہو۔ جیسے ہی مسافر باہر نکلا نزدیک اور دور سے بے شمار کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آنے لگیں۔

سردی بڑھ گئی تھی۔ مسافر نے سفری بیگ زمین پر رکھ دیا اور جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر ایک سگریٹ سلگائی اور پھر بیگ اُٹھا کر اندھیرے میں چلنے لگا۔ انداز سے معلوم ہوتا تھا جیسے وہ یہاں پہلی بار نہ آیا ہو۔ کسی ہچکچاہٹ کے بغیر تاریک راستوں سے گزرتا ہوا بالآخر ایک بڑی عمارت کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

عمارت کی متعدد کھڑکیوں میں تیز قسم کی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ یہ ڈاکٹر چنگیزی کی تجربہ گاہ تھی۔ اس علاقے کے لوگ اُسے حیرت اور خوف سے دیکھنے کے عادی ہو گئے تھے۔ کم از کم رات کے اندھیرے میں کوئی مقامی آدمی اس عمارت کے قریب سے بھی گزرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

ڈاکٹر چنگیزی ان اطراف میں سانپوں کا مسیحا کہلاتا تھا اور اس کی تجربہ گاہ سانپوں کے ہسپتال کے نام سے مشہور تھی۔

عمارت کی کمپاؤنڈ میں دن رات درجنوں سانپ سرسراتے پھرتے۔ عمارت سے ایک فرلانگ کے دائرے میں جگہ جگہ ایسے بورڈ نصب کر دیئے گئے تھے جن پر خطرے کی علامات بنی ہوئی تھیں۔ بہرحال اس سلسلے میں پوری پوری احتیاط برتی گئی تھی کہ کوئی اجنبی اچانک کسی خطرے سے دوچار نہ ہو سکے، لیکن یہ مسافر اتنی خود اعتمادی کے ساتھ اس عمارت تک پہنچا تھا جیسے اسے سارے حالات کا علم پہلے ہی سے ہو۔

اس نے جیب سے ایک چھوٹی سی سیٹی نکالی اور اسے غالباً کسی مخصوص انداز میں بجانے لگا۔ پھر ایک منٹ بھی نہیں گزرا تھا کہ پوری کمپاؤنڈ روشن ہو گئی اور ایک آدمی برآمدے سے پھاٹک کی طرف آتا دکھائی دیا۔

اس پورے علاقے میں بجلی کی روشنی اس عمارت کے علاوہ اور کہیں نہیں دکھائی دیتی تھی۔ بجلی کی قوت پیدا کرنیوالا ایک جنریٹر اس تجربہ گاہ کیلئے حکومت کی طرف سے مہیا کیا گیا تھا۔

عمارت کے اندر سے آنے والے نے مسافر کو ایک محفوظ راستے سے گزار کر اس کمرے میں پہنچا دیا جہاں دیواروں پر بڑے بڑے سانپوں کی کھالیں آویزاں تھیں۔

وہ ایک صوفے پر اس طرح نیم دراز ہو گیا جیسے بہت تھک گیا ہو۔

تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر چنگیزی شب خوابی کے لبادے میں ملبوس پائپ سلگاتا ہوا کمرے

میں داخل ہوا۔ مسافر اُسے دیکھ کر احتراماً اُٹھا تھا۔

''اوہو... تم... کہو کیسے آئے؟'' ڈاکٹر چنگیزی نے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''ضرورت..... ڈاکٹر.....!''

''جلدی سے کہہ جاؤ..... میں آرام کر رہا تھا۔''

''مرکزی محکمہ سراغ رسانی نے چھان بین شروع کر دی ہے۔ مجھے سیٹھ اکرم نے بھیجا ہے۔''

''کیوں بھیجا ہے..... اور اس اطلاع کا مجھ سے کیا تعلق۔'' ڈاکٹر اسے گھورتا ہوا بولا۔

''دراصل ڈرموں کی سپلائی کا علم کرنل فریدی کو ہو گیا ہے۔''

''کیا سیٹھ اکرم بالکل گدھا ہے۔ آخر اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔''

''میں اس کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں ڈاکٹر۔''

''میں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ تم لوگ یہاں آنے کیلئے بہانے تلاش کرتے رہتے ہو۔''

''نن..... نہیں تو۔''

''بکواس مت کرو.....!'' ڈاکٹر سخت لہجے میں بولا۔

نووارد کے چہرے پر ناگواری کے آثار نظر آئے اور اس نے کسی قدر تلخی سے کہا۔ ''میں اس کی وضاحت چاہوں گا ڈاکٹر۔''

''نیما کو گھورنے کے لئے آتے ہو تم لوگ۔''

''لاحول ولا قوۃ.....!'' نووارد بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا آپ مجھ پر اس قسم کا کوئی الزام عائد کریں گے۔''

''ہوں.....!'' ڈاکٹر نے پُرتفکر لہجے میں کہا۔ ''نیما بہت خوبصورت ہے۔''

''یہ آپ کا ذاتی مسئلہ ہے۔ مجھے تو صرف سیٹھ اکرم کا پیغام آپ تک پہنچانا تھا۔''

''اوہو..... تو کوئی پیغام بھی ہے۔'' ڈاکٹر چونک کر بولا۔

''جی ہاں..... فی الحال وہ ڈرموں کی سپلائی روک رہے ہیں۔''

''آخر کیوں؟''

''کرنل فریدی!''

''کیا بکواس ہے۔ کرنل فریدی کو اس سے کیا سروکار..... وہ کیا کر لے گا..... کیا میں

ہاں کوئی غیر قانونی کام کر رہا ہوں۔''

''ڈاکٹر! میں یہ سب کچھ نہیں جانتا۔ مجھ سے جو کچھ کہا گیا تھا آپکے گوش گزار کر دیا۔''

''سوال تو یہ ہے کہ اس کی نوبت ہی کیوں آئی۔ کیا اسٹار آئرن فیکٹری والے کوئی غیر قانونی کام بھی کر رہے ہیں۔''

''میں اس کے بارے میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔''

''اچھا..... اب تم ریلوے اسٹیشن ہی واپس جاؤ۔ ویٹنگ روم میں سو رہنا اور صبح کی گاڑی سے واپس چلے جانا۔''

''مم..... مگر..... میرے پاس بستر نہیں ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ اتنی بے رخی سے پیش آئیں گے۔''

''کیا مطلب.....؟'' ڈاکٹر کا لہجہ سرد تھا۔

''کیا میں یہاں رات نہیں گزار سکتا۔''

''جی نہیں..... یہ سرائے نہیں ہے۔ تم پہلے بھی یہاں آ چکے ہو، کبھی رات بسر کی ہے۔''

''لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں۔''

''خاموش رہو..... اس سوٹ کیس میں کیا ہے؟''

''بندوق، کارتوس اور ایک عدد سلیپنگ سوٹ..... خیال تھا کہ دو دن یہاں ٹھہر کر شکار کھیلوں گا۔''

''تمہارے باس سیٹھ اکرم کی جائیداد ہے نا یہ کہ تم یہاں شکار کھیلو گے۔ خبردار اگر ایک مار بھی کیا میرے جنگلوں میں۔''

''میں آپ کو اتنا بداخلاق نہیں سمجھتا تھا۔''

''سانپوں کی ہم نشینی نے زہریلا بنا دیا ہے۔'' ڈاکٹر کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''بہتر ہے مجھے عمارت سے باہر بھجوا دیجئے۔ کسی نہ کسی طرح رات گزار کر چلا جاؤں گا۔''

ڈاکٹر نے قہقہہ لگایا۔ پھر سنجیدگی اختیار کر کے نرم لہجے میں بولا۔ ''بُرا مان گئے۔''

''ظاہر ہے۔''

''نہیں..... تم یہیں رات گزارو گے اور جتنے دن چاہو میرے مہمان رہ سکتے ہو۔''

نووارد کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آئے۔

ڈاکٹر پھر ہنس پڑا۔ اس کے بعد اس نے کسی ملازم کو آواز دی تھی۔

تھوڑی دیر بعد نووارد کو اُوپری منزل کے ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ پھر وہ نے رات کا کھانا کھایا تھا۔

ساڑھے دس بجے ایک خوش شکل ملازمہ کافی لائی۔ نووارد نے اسے للچائی ہوئی نظ سے دیکھا تھا اور وہ اس طرح مسکرائی تھی جیسے اس کے خیالات پڑھ رہی ہو۔

''کیا نام ہے تمہارا.....؟'' نووارد نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''شالجم.....!'' جواب ملا۔

''کیا.....؟''

''شالجم.....!''

''بہت خوب.....!'' نووارد ہنس پڑا۔

لیکن ملازمہ اب بے حد سنجیدہ نظر آنے لگی تھی۔ اس نے کافی بنا کر پیالی اس کی طر بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''ڈاکٹر صاحب مجھے شالجم ہی کہتے ہیں۔''

''مگر تمہارا نام تو چنبیلی ہونا چاہئے۔ ڈاکٹر کی بداخلاقی پر رونا آ رہا ہے۔''

''آپ چنبیلی ہی کہئے۔''

''یقیناً..... یقیناً..... تم کھڑی کیوں ہو۔ بیٹھ جاؤ۔'' اس نے کرسی کی طرف اشارہ کر

''جی نہیں شکریہ۔'' وہ آہستہ سے بولی۔ ''ڈاکٹر صاحب کو معلوم ہو گیا تو..... میں برتن لے کر واپس جاؤں گی۔''

''اچھا..... اچھا..... میں جلد ہی پئے لیتا ہوں۔''

بڑے بڑے گھونٹ لے کر اس نے کپ خالی کر دیا اور اسے لڑکی کی طرف بڑھا بولا۔ ''یہ لو..... شکریہ..... اُوہ..... ایسی تھکن محسوس ہو رہی ہے جیسے سینکڑوں میل پیدل چ ہوں۔''

لڑکی کچھ نہ بولی۔ ٹرے اُٹھا کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

نووارد کی پلکیں نیند کے دباؤ سے بوجھل ہوئی جا رہی تھیں۔ وہ بستر پر لیٹ گیا اور اس طرح بار بار آنکھیں پھاڑنے لگا جیسے نیند کے اس اچانک غلبے کی وجہ اس کی سمجھ میں نہ آ رہی ہو۔

پھر وہ گہری نیند سو گیا تھا۔

ٹھیک گیارہ بجے دو آدمی کمرے میں داخل ہوئے جنہوں نے ایک اسٹریچر اٹھا رکھا تھا۔ نیند میں غافل نووارد کو انہوں نے بستر سے اُٹھا کر اسٹریچر پر ڈالا اور نچلی منزل پر اتار لے گئے۔

لیکن دوسری صبح وہ اپنے بستر ہی پر بیدار ہوا تھا اور بیداری کا سبب ڈاکٹر چنگیزی کی دہاڑیں تھیں۔ وہ اس کے بستر کے قریب ہی کھڑا اس لڑکی پر گرج برس رہا تھا جو پچھلی رات اس کے لئے کافی لائی تھی۔

''کتیا کی بچی..... تو یہاں کیا کر رہی تھی۔ بولتی کیوں نہیں۔ میں ابھی کوڑے مار مار کر تیری کھال گرا دوں گا۔''

نووارد نے اُٹھ کر بیٹھنا چاہا لیکن ناکام رہا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ہاتھ پیروں کو جنبش تک نہ دے سکے گا۔

''او ذلیل آدمی..... تم پڑے میری صورت کیا تک رہے ہو۔'' دفعتاً ڈاکٹر اُسے گھونسہ دکھا کر چیخا۔ ''اٹھو اور فوراً یہاں سے نکل جاؤ۔''

''کک..... کیوں؟'' بدقت تمام اس کی زبان سے نکل سکا اور اُسے اپنی آواز ایسی ہی معلوم ہوئی جیسے کسی گہرے کنوئیں میں بول رہا ہو۔

''ذلیل آدمی..... پوچھتے ہو کیوں۔ یہ یہاں کیا کر رہی تھی؟'' ڈاکٹر ملازمہ کی طرف ہاتھ اٹھا کر دہاڑا۔

''میں کیا جانوں۔''

''گلا گھونٹ کر مار ڈالوں گا اگر جھوٹ بولا۔ ساری رات یہ کتیا اسی کمرے میں رہی ہے..... بولتی کیوں نہیں۔''

ملازمہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے سسکیاں لیتی رہی۔

''مم..... مگر..... ڈاکٹر..... میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں۔''

''فرشتوں کو بھلا ایسی کمینگی سے کیا سروکار..... اب تم اُٹھو اور یہاں سے نکل جاؤ، ورنہ ہوسکتا ہے کہ میں تمہیں مار ہی ڈالوں۔'' ڈاکٹر گھونسہ ہلا کر دہاڑا۔ پھر ملازمہ کو گردن سے پکڑ کر دروازے کی طرف دھکیل دیا۔ وہ گرتے گرتے بچی تھی۔ دوسرے ہی لمحے میں دروازے سے گزرتی چلی گئی۔

پھر ڈاکٹر اسکا گریبان پکڑ کر جھٹکے کے ساتھ اٹھاتا ہوا گرجا۔ ''اُٹھو..... اور فوراً نکل جاؤ۔''

نووارد کے پیر کانپ رہے تھے۔ سر چکرا رہا تھا۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے دونوں بھی نہیں چل سکے گا۔

''حالت تو یہ ہے اور مرے جا رہے ہیں سُور کے بچے۔'' ڈاکٹر مضحکہ اُڑانے والے انداز میں بولا۔

''یقین کیجئے ڈاکٹر.....!'' نووارد گڑگڑایا۔ ''مم..... میں کچھ نہیں جانتا۔''

ڈاکٹر چنگیزی نے اسے پھر بستر پر دھکیل دیا اور دروازے کی طرف مڑتا ہوا بولا۔ ''ٹھہرو! میں ابھی تمہارا انتظام کرتا ہوں۔''

وہ چلا گیا اور نووارد بستر پر بے سدھ پڑا اس طرح پلکیں جھپکاتا رہا جیسے پورے جسم میں صرف پلکیں ہی حرکت کرسکتی ہوں۔ اُسے اس کے علاوہ اور کچھ نہ یاد آسکا کہ پچھلی رات کافی پی چکنے کے بعد اس پر شدید ترین نیند کا غلبہ ہوا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر چنگیزی دو آدمیوں کے ساتھ واپس آیا۔

''سنو.....!'' وہ نووارد کو مخاطب کر کے بولا۔ ''دل تو یہی چاہتا ہے کہ تمہیں پولیس کے حوالے کردوں، لیکن انصاف کا تقاضا ہے کہ اس کتیا کی کھال کھینچی جائے کیونکہ وہ یہاں آئی تھی۔ تم اس کے کمرے میں نہیں گئے تھے۔ بہرحال یہ دونوں تمہیں ٹرین پر بٹھائیں گے۔''

''لل..... لیکن مجھے کیا ہوگیا ہے؟''

''بس چلے جاؤ..... ورنہ کھال کھینچ لوں گا۔'' ڈاکٹر چنگیزی غصیلے لہجے میں بولا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا۔''

''سیٹھ اکرم سے کہہ دینا کہ ڈرم کی سپلائی بند کردے۔ اب کسی اور ادارے سے معاملات طے کرلوں گا۔ وہ شاید سمجھتا ہے کہ میں کوئی غیر قانونی کام کر رہا ہوں۔''

ڈاکٹر چنگیزی اس کے بعد وہاں نہیں ٹھہرا تھا۔

نچلی منزل کے ایک کمرے میں وہی ملازمہ کھڑی بُری طرح ہنس رہی تھی جس کی کھال دینے کے بارے میں ڈاکٹر نے نووارد سے کہا تھا۔

ڈاکٹر چنگیزی اتنی آہستگی سے اُس کے پیچھے جا کھڑا ہوا کہ اُسے خبر تک نہ ہوئی۔

''دانت بند کرو۔'' وہ کسی سانپ کی طرح پھپھکارا۔

''یس سر..... یس سر.....!'' لڑکی بوکھلا گئی۔

''جاؤ! میک اپ صاف کرو۔''

''ویری ول سر.....!'' وہ دروازے کی طرف دوڑتی ہوئی بولی۔

ڈاکٹر ایک آرام کرسی پر نیم دراز ہوکر اخبار دیکھنے لگا۔

کچھ دیر بعد ایک اور لڑکی کمرے میں داخل ہوئی، جو سیاہ جیکٹ اور خاکی جین میں ملبوس تھی۔ اخروٹ کی رنگت کے گھونگھریالے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ بائیں کاندھے کے اعشاریہ دو دو کی رائفل لٹک رہی تھی۔ خوبصورت ہونے کے ساتھ ہی ساتھ بے حد تیکھی بھی معلوم ہوتی تھی۔

''ہلو ڈاکٹر.....!'' اس نے یونہی روادری میں کہا اور بائیں جانب والے دروازے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

''ٹھہرو.....!'' ڈاکٹر ہاتھ اُٹھا کر بولا۔

''کوئی خاص بات؟'' وہ رک کر اس کی طرف مڑے بغیر بولی۔

''ادھر آؤ۔''

وہ بے حد سنجیدگی اختیار کئے ہوئے اس کے قریب آ کھڑی ہوئی۔

''میں نے تم سے کتنی بار کہا ہے کہ لانگ بوٹ پہنے بغیر جنگل میں مت گھسا کرو۔'' اس نے نرم لہجے میں کہا۔

''میرے صبر کی داد دو ڈاکٹر کہ میں عرصے سے صرف سنتی چلی آ رہی ہوں اور میں نے کہا ہے کہ لانگ بوٹوں سے مجھے نفرت ہے۔''

''نیلما.....!''

''میں بہت تھک گئی ہوں۔'' لڑکی نے کہا اور تیزی سے مڑی۔

ڈاکٹر اُسے بے بسی سے دیکھتا رہ گیا اور وہ کمرے سے نکلی چلی گئی تھی۔

پھر اچانک ڈاکٹر چنگیزی کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ آنکھیں شعلے برسانے لگیں۔ دوسرے لمحے میں اس کا گھونسہ آرام کرسی کے قریب والی چھوٹی میز پر پڑا اور وہ اپنے پایوں سمیت ٹکڑوں میں تقسیم ہوگئی۔ اس کے بعد وہ شاید کسی اور چیز پر غصہ اتارنے کا ارادہ کرتا کہ ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا۔

''کیا ہے؟'' ڈاکٹر غرایا۔

''شیشم کے جنگلوں میں ایک فلم یونٹ نے ڈیرا ڈال دیا ہے۔ آؤٹ ڈور کر رہے ہیں۔''

''کس کی اجازت سے؟''

''میری اجازت سے۔'' بائیں جانب سے آواز آئی اور ڈاکٹر جھلا کر پلٹا۔ دروازے میں نیما کھڑی تھی۔

''کیا مطلب.....؟''

''وہ کوئی جنگل فلم بنا رہے ہیں۔ میں نے بھی انہیں دیکھا تھا۔''

''تم نے کہا تھا کہ تمہاری اجازت سے۔''

''اجازت ہی سمجھئے۔ کیونکہ میں نے انہیں وہاں سے ہٹ جانے کی وارننگ نہیں دلوائی۔''

''تم جاؤ.....!'' ڈاکٹر نے اطلاع لانے والے کی طرف ہاتھ ہلا کر کہا۔

وہ چپ چاپ کمرے سے باہر چلا گیا اور ڈاکٹر نیما کو گھورتا ہوا بولا۔ ''تم بہت ضدی ہوتی جا رہی ہو۔''

''قدرتی بات ہے۔'' وہ دلآویز انداز میں مسکرائی۔

''تم بعض اوقات حد سے بڑھ جاتی ہو۔''

''ٹھیک ہے تو پھر مجھے ملازمت سے برطرف کر دیجئے۔''

''مجھے غصہ نہ دلاؤ۔''

''میں یہی چاہتی ہوں۔''

''کیا چاہتی ہو؟''

''کہ اپنے ہی غصے کی آگ میں جل کر آپ بھسم ہو جائیں اور ہاں آپ اس فلم یونٹ کو وہاں سے نہیں ہٹائیں گے۔ میری دلچسپی کی چیز ہے۔''

''تم ہوش میں ہو یا نہیں۔''

''ڈاکٹر! مجھے اس پر مجبور نہ کیجئے کہ کسی دن چپ چاپ یہاں سے چلی جاؤں اور پھر آپ.....!''

''جو دل چاہے کرو۔'' ڈاکٹر پیر پٹخ کر چیخا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

نہ صرف کیپٹن حمید بلکہ قاسم بھی میک اپ میں تھا۔ انہوں نے شیشم کے جنگل میں اپنے خیمے نصب کئے تھے۔ ان دونوں سمیت یہ فلم یونٹ پچیس افراد پر مشتمل تھا۔ پچھلے دن وہ یہاں پہنچے تھے اور ابھی تک شوٹنگ کی تیاریاں ہی جاری تھیں۔

قاسم کا ذہن یقین اور بے یقینی کے درمیان ہچکولے کھا رہا تھا۔ یہ بات کسی طرح حلق سے نہیں اترتی تھی کہ کوئی فلم عورت کے بغیر بھی بنائی جا سکتی ہے۔

''کیا عورت.....عورت کی رٹ لگا رکھی ہے۔'' حمید بھنا کر بولا۔

''شہر ہی میں کونسی نصیب ہو جاتی ہیں۔''

''اب یہاں اس جنگل میں لاقر میری توہین کرو گے۔'' قاسم نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ اس وقت اپنے خیمے کے باہر بیٹھے دھوپ لے رہے تھے۔ پچھلی رات سردی نے جان پوچھ لئے تھے۔ قاسم کا بُرا حال تھا اور رات ہی کو حمید نے اس دشواری پر قابو پانے کی تدبیریں سوچ لی تھیں۔

آج خیموں کے اندر بھی الاؤ روشن کرنے کے انتظامات کئے جا رہے تھے۔

''مگر بیٹا.....وہ.....ڈائریکٹر تقنس کہاں ہے؟'' قاسم نے سوال کیا۔

''فضول پیسے برباد کرنے سے کیا فائدہ جبکہ میں خود فلم ڈائریکٹ کرسکتا ہوں۔''

''کیا مطلب.....؟''

''میں فلم ڈائریکٹ کروں گا اور شاید تمہیں یہ نہیں معلوم کہ تم جنگلیوں کے سردار کی ادا کرو گے۔''

''اب پھر شروع کی تم نے اپنی چار سو بیس۔'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

''کیا مطلب.....؟''

''تم نے تو کہا تھا کہ میں صرف پروڈیوسر رہوں گا۔''

''تم بکواس کر رہے ہو۔ میں نے لفظ صرف، قطعی استعمال نہیں کیا تھا۔''

''میں نہیں بنتا جنگلیوں کا سردار۔''

''اچھی بات ہے تو پھر تمہیں اس بکرے میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا جو انگاروں جائے گا۔''

''ہاں ہاں، میں تو پہلے ہی سمجھتا تھا کہ تم اقلیلے میں جرور کمینہ پن کرو گے۔''

''اور تمہیں چھیڑوں گا بھی اکیلے میں۔''

''چھیڑ کر تو دیکھو.....!'' قاسم دہاڑتا ہوا اُٹھ گیا۔ ''ٹانگیں چیر کر پھینک دوں گا۔''

حمید اسے آنکھ مار کر مسکرایا۔

''دیکھو! میں سمجھائے دیتا ہوں.....جان نہ جلاؤ۔''

''جنگلی سردار کی محبوبہ تو ابھی پہنچی ہی نہیں۔''

''کک.....کیا مطلب.....؟''

''وہ ایک خونخوار عورت کا رول ادا کرے گی۔''

''سالے تھوڑا تھوڑا کر کے بتاتے ہو۔'' قاسم کسی قدر ڈھیلا پڑ کر بولا۔ ''تم نے ایک بالشت چھوٹی ہوگی اور پھیلاؤ تم خود ہی دیکھ لینا۔''

قاسم نے پیچ سے تھوک کی پچکاری ماری اور منہ چلانے لگا۔ پھر کھسیانی سی ہنسی

ساتھ بولا۔ ''تم سالے فراڈ ہو۔ یونہی بکواس قرر ہے ہوتا کہ میں تمہارا ساتھ دیتا رہوں۔''

''دیکھ لینا.....تھوڑی دیر بعد پہنچ جائے گی۔''

ٹھیک اسی وقت انہوں نے کسی وزنی گاڑی کے انجن کی آواز سنی، جو لحہ بہ لحہ قریب ہوتی جا رہی تھی اور پھر ایک جیپ خیموں کے درمیان آ رکی۔ قاسم نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائی تھیں اور حمید اس کا بازو دبا کر آہستہ سے بولا تھا۔

''یہ کوئی اور ہے.....بدحواس نہ ہو جانا۔''

''ابے یہ تو کسی انگلش فلم کی ہیروئن معلوم ہوتی ہے حمید بھائی۔ ہائے ہائے کیا جین جیکٹ ہے۔ ارے باپ رے۔ رائفل بھی ہے۔ اس کے پاس.....ہائے۔''

لڑکی جیپ سے اُتری نہیں تھی۔ اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھی گردوپیش کا جائزہ لیتی رہی۔

''فرمایئے.....کس کی تلاش ہے۔'' حمید نے آگے بڑھ کر بڑے ادب سے سوال کیا۔

''اوہ.....!'' وہ چونک پڑی۔ پھر سنبھل کر بولی۔ ''یہاں کیا ہو رہا ہے؟''

''ہم ایک فلم کی شوٹنگ کر رہے ہیں۔''

''میں یونٹ کے انچارج سے ملنا چاہتی ہوں۔''

''فرمایئے۔''

''اوہ.....آپ ہی ہیں۔ اچھا دیکھئے۔ سب سے پہلے تو میں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ آپ نے غیر قانونی طور پر یہاں کھڑاگ پھیلایا ہے۔''

''میں نہیں سمجھا محترمہ۔''

''آپ کو ہم سے اجازت لینی چاہئے تھی۔''

''ہمارے پاس محکمہ جنگلات کا اجازت نامہ موجود ہے۔''

''محکمہ جنگلات کا اس علاقے سے کوئی تعلق نہیں۔''

''اچھا تو اب آپ ہی اجازت دے دیجئے۔''

''خیر.....خیر.....!'' وہ کسی قدر غصے کا اظہار کرتی ہوئی بولی۔ ''یہاں سانپ بکثرت ہیں۔''

''مجھے علم ہے اور ہم نے اس سلسلے میں احتیاطی تدابیر اختیار کر لی ہیں۔''

''اسکے باوجود اگر مارگزیدگی کا کوئی واقعہ ہو جائے تو آپ فوراً ڈاکٹر چنگیزی کی تجربہ گاہ

سے رابطہ قائم کیجئے گا۔''

''ہم نہیں جانتے کہ ڈاکٹر صاحب کی تجربہ گاہ کہاں ہے۔''

''یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ میں ان کی اسسٹنٹ نیما ہوں۔''

''بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔''

''یہ کس قسم کی فلم ہے۔''

''جنگل فلم سمجھ لیجئے۔''

''کون ڈائریکٹ کر رہا ہے؟''

''میری پہلی فلم ہے۔'' حمید نے ایسے لہجے میں کہا جس سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ خود ہی اس فلم کو ڈائریکٹ کر رہا ہے۔

''کیا ابھی کام شروع نہیں کیا.....؟''

''سہ پہر سے شروع کر دیں گے۔''

نیما بار بار قاسم کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ دفعتاً اس نے سوال کیا۔ ''کیا وہ بھی اداکار ہے؟''

''جی ہاں..... وہ جنگلیوں کے سردار کا رول ادا کرے گا۔''

''شاید یہ بھی نیا ہے۔ اس سے پہلے کسی فلم میں نہیں دیکھا۔''

''جی ہاں، نیا ہی ہے۔ میں دراصل یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ باکس آفس پکچر کے لئے ضروری نہیں کہ نامور آرٹسٹ ہی کاسٹ میں شامل ہوں۔ اصل چیز تو کہانی ٹریٹمنٹ ہوتا ہے۔''

''بڑا نیک قدم ہے۔ پرانے چہرے دیکھ دیکھ کر آنکھیں پتھرا گئیں۔ لیکن پریم کہانی یقیناً ہوگی۔''

''یہی تو خاص بات ہے کہ پوری کہانی میں آپ لفظ محبت سننے کو ترس جائیں گی۔''

''تب تو واقعی آپ قابل مبارک باد ہیں۔''

''شکریہ۔''

''چلئے..... میں آپ کو تجربہ گاہ دکھا دوں تاکہ ضرورت پڑنے پر آپ ہم تک پہنچ سکیں۔''

''بہت بہت شکریہ محترمہ..... میں ضرور چلوں گا۔''

''آیئے۔'' نیما نے اپنے برابر والی نشست کی طرف اشارہ کیا۔

حمید جیپ پر بیٹھ ہی رہا تھا کہ قاسم بھی لڑھکتا ہوا قریب آ پہنچا۔

''کہاں چلے؟'' وہ ہاتھ نچا کر بولا۔

''ابھی آیا..... تم وہیں جا کر بیٹھو جہاں بیٹھے ہوئے تھے۔''

''ہرگز نہیں۔ میں بھی ساتھ چلوں گا۔''

''چاروں ٹائر فلیٹ ہو جائیں گے۔'' حمید نے ایسے انداز میں کہا کہ نیما ہنس پڑی۔

''کیا حرج ہے۔ انہیں بھی لے چلئے۔'' اُس نے جلدی سے کہا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' حمید نے بے دلی سے پچھلی سیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

''شکریہ۔'' قاسم جیپ پر چڑھتا ہوا کراہا تھا۔

حمید نے سوچا کہ مجلد از جلد قاسم کو اس سچویشن سے آگاہ کر دینا چاہئے ورنہ کہیں وہ اپنی کسی بکواس سے بھانڈا نہ پھوڑ دے۔

''یہ محترمہ نیما ہیں..... کسی ڈاکٹر چنگیزی کی اسسٹنٹ..... ہمیں اپنی تجربہ گاہ دکھانے جا رہی ہیں اور یہ مایہ ناز اداکار قاسم قراقرم والا ہیں۔ میری فلم میں جنگلی سردار کا رول ادا کریں گے۔''

''آپ نے اپنا نام ابھی تک نہیں بتایا۔'' نیما بولی اور جیپ اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔

''ایس۔ ایچ۔ زیڈ.....؟'' حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''یہاں آ کر پچھتا رہا ہوں۔ ہالی وڈ میں بہت اچھا تھا۔''

''وہاں کیا کرتے تھے؟''

''اُردو کے سِرّی ادب سے آئیڈیاز پار کر کے وہاں کے فلمسازوں کے ہاتھ فروخت کر دیا کرتا تھا۔''

''تو کیا یہ کوئی اچھی بات تھی؟'' نیما نے کسی قدر ناگواری سے سوال کیا۔

''بیلنس برابر کیا کرتا تھا اس طرح آخر اردو والے بھی تو انگریزی ادب پر ہاتھ صاف کرتے رہتے ہیں۔ اب ان بیچاروں کو اردو تو آتی نہیں کہ وہ خود ہی انتقام لے سکیں۔''

''بہرحال میں اسے اچھا نہیں سمجھتی۔''

''اچھا تو میں بھی نہیں سمجھتا لیکن پیٹ کے لئے سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔''

''لیکن آپ نے تو ابھی کہا تھا کہ یہ آپ کی پہلی فلم ہے۔''

''بحیثیت ڈائریکٹر.....اس سے پہلے کبھی کوئی فلم ڈائریکٹ نہیں کی۔''

قاسم جو اس دوران میں خاموش بیٹھا ان کی گفتگو سنتا رہا تھا دفعتاً دہاڑا۔''ارے رے.....کتنا بڑا سانپ ہے.....اژدھا ہے۔''

نیما ہنس پڑی اور حمید نے طویل سانس لی۔ بائیں جانب جھاڑیوں کے قریب ایک گیارہ فٹ لمبا اجگر آہستہ آہستہ رینگ رہا تھا۔

''بھلا آپ جنگلی سرداروں کا رول کس طرح ادا کریں گے۔'' نیما نے قاسم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔''جبکہ سانپ دیکھ کر ڈر جاتے ہیں۔''

قاسم کچھ نہ بولا۔ مڑ مڑ کر پیچھے دیکھے جا رہا تھا۔ اچانک پھر چیخا۔

''امے.....ایک اور.....قیا قصہ ہے۔''

اور پھر کچھ دور چلنے کے بعد نیما نے اچانک بریک لگائے۔ جیپ جھٹکے کے ساتھ رک گئی۔ قریباً دس گز کے فاصلے پر ایک بہت بڑا اجگر راستہ پار کر رہا تھا۔

''ارے.....ارے.....روک کیوں دیا۔'' قاسم بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔''غاڑی سے کچل دیجئے۔''

نیما ہنس پڑی اور پھر سنجیدگی اختیار کر کے بولی۔''یہ ہمارے سانپ ہیں جناب۔''

''قیا مطلب.....؟''

''ہم ان کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔''

''کیا آپ سچ کہہ رہی ہیں؟'' حمید نے اپنے لہجے سے خوفزدگی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

''جی ہاں.....اوہ.....آپ ڈر رہے ہیں۔'' وہ ہنس کر بولی۔

''نن.....نہیں.....ڈرتو نہیں رہا.....لیکن.....!''

''ہم انکی فارمنگ کر رہے ہیں۔ ان کی کھالیں بیرون ملک بھیج کر زرمبادلہ کماتے ہیں۔''

''اوہ.....اچھا.....!'' حمید نے اطمینان ظاہر کرنے کی ایکٹنگ کی۔

''یہ بالکل بے ضرر ہیں۔ ان میں زہر نہیں ہوتا۔ بس گوشت خور جانور سمجھ لیجئے۔''

بولی۔''لیکن جہاں آپ لوگوں نے قیام کیا ہے، وہاں دوسری مختلف اقسام کے سانپ بھی موجود ہیں۔ ان میں سے کچھ زہریلے بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔''

''لیکن میں نے سنا ہے کہ بہت زیادہ موٹے آدمیوں کو سانپ نہیں ڈستے۔'' حمید نے اونچی آواز میں کہا اور قاسم تڑک کر بولا۔''ہاں.....ہاں.....بھانجے لگتے ہیں ناموٹے آدمیوں قے.....وہاں سے اکھاڑو خیمے.....میں اب وہاں نہیں رہوں غا.....!''

نیما کو پھر ہنسی آ گئی۔

جیپ ایک بڑی سی عمارت کے کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔ پورچ میں پہنچ کر نیما نے انجن بند کر دیا۔ ٹھیک اسی وقت صدر دروازے میں ایک قوی ہیکل آدمی کھڑا دکھائی دیا۔

''ڈاکٹر چنگیزی.....!'' نیما آہستہ سے بولی۔

''شاندار.....!'' حمید نے اُسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر چنگیزی انہیں ناخوشگوار انداز میں گھورے جا رہا تھا۔

پھر جیسے ہی قاسم جیپ سے نیچے اُترا، ڈاکٹر کی آنکھوں میں پائی جانے والی ناگواری یکلخت تحیر اور دلچسپی کے تاثر میں تبدیل ہو گئی۔

''ویل.....ویل.....!'' کہتا ہوا وہ آگے بڑھا۔

''یہ وہی لوگ ہیں ڈاکٹر۔'' نیما سپاٹ لہجے میں بولی۔

''کون لوگ.....؟''

''فلم والے۔''

''اوہ.....!'' ڈاکٹر نے پھر بُرا سا منہ بنایا۔

''ہمیں بے حد افسوس ہے ڈاکٹر۔'' حمید مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔''آپ لوگوں سے اجازت حاصل کئے بغیر ہم نے وہاں پڑاؤ ڈال دیا۔ میں ایس ایچ زیٹو ہوں اور یہ قاسم قراقرم والا۔''

''دونوں نام پسند نہیں آئے۔'' ڈاکٹر نے خشک لہجے میں کہا اور نیما سے بولا۔''تم انہیں یہاں کیوں لائی ہو۔''

''تجربہ گاہ دکھانا چاہتی تھی تاکہ ضرورت پڑنے پر یہ ہم تک پہنچ سکیں۔''

''سوال یہ ہے کہ اس قسم کا خطرہ ہی کیوں مول لیا جائے۔''

''دراصل وہ جگہ ہمیں بہت مناسب نظر آئی تھی۔'' حمید بولا۔

''اب نامناسب سمجھ کر وہاں سے ہٹ جاؤ۔'' ڈاکٹر نے جھنجھلاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''اگر محتاط رہیں گے تو کسی دشواری میں نہیں پڑیں گے۔'' نیما بول پڑی۔

ڈاکٹر نے اسے غصیلی نظروں سے دیکھا اور تیزی سے مڑ کر اندر چلا گیا۔

حمید کو نیما کے ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ نظر آئی جیسے وہ ڈاکٹر کے چڑچڑے پن سے محظوظ ہوئی ہو۔

''چلئے..... اندر چلئے۔'' اس نے ان دونوں سے کہا۔

''مجھے تو خوف معلوم ہوتا ہے ڈاکٹر سے۔'' حمید بولا۔

''اُوہ..... کچھ نہیں..... وہ تو بس یونہی۔''

''اے ہاں..... چلو نا..... ڈرتے کیوں ہو۔'' قاسم چہک کر بولا۔ ''کوئی شیر تھوڑا ہی ہے کہ پھاڑ کھائے گا۔''

وہ انہیں نشست کے کمرے میں لائی۔ قاسم نہ جانے کیوں بہت زیادہ خوش نظر آنے لگا تھا۔

''آپ لوگ تشریف رکھئے۔'' نیما بولی۔ ''میں کافی کے لئے کہہ آؤں۔ یا آپ چائے پسند کریں گے۔''

''ارے نہیں..... اس کی تکلیف نہ کیجئے۔'' حمید نے کہا لیکن قاسم فوراً ہی بول پڑا۔ ''کافی ہی ٹھیک رہے گی۔''

نیما چلی گئی اور حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔ ''آخر تم یک بیک اتنے خوش کیوں نظر آنے لگے ہو۔''

''جین اور جیکٹ میں بڑی اچھی لگتی ہے۔'' قاسم نے آہستہ سے کہا۔ ''ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے جین اور جیکٹ ہی کے لئے پیدا ہوئی ہو۔''

''جین اور جیکٹ پہنے ہوئے پیدا ہوئی ہوگی۔''

''مگر ڈاکٹر سالا..... کھترناک معلوم ہوتا ہے۔''

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک اور لڑکی کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے بڑی لگاوٹ کے ساتھ قاسم کو مخاطب کیا۔ ''آپ بلیک کافی پسند فرمائیں گے یا دودھ کے ساتھ؟''

''جی بس..... جیسی بھی مل جائے۔'' قاسم کے دانت نکل پڑے۔

''نہیں آپ بتائیے۔'' وہ لچک کر بولی۔ ''اتنے زبردست ہیں اور اتنی ذرا سی بات نہیں بتا سکتے۔''

''ہی ہی ہی ہی..... اب میں قیا عرض کروں۔''

''خیر..... کچھ کھائیے گا بھی..... یا صرف کافی.....؟''

''شش.....!'' حمید قاسم کو وارننگ دینے کے سے انداز میں بولا۔ ''ذرا محتاط ہو کر..... یہ تو اس طرح پوچھ رہی ہیں جیسے ہمیں بل بھی ادا کرنا پڑے گا۔''

''جی نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں۔ میں تو دراصل یہ چاہتی ہوں کہ یہ بولتے رہیں اور میں سنتی رہوں۔'' وہ قاسم کی طرف اشارہ کر کے اٹھلائی۔

حمید اس غیر متوقع بے تکلفی پر جز بز ہو ہی رہا تھا کہ نیما کمرے میں داخل ہوئی، لڑکی اسے دیکھتے ہی ایسی سنجیدہ بن گئی جیسے اب تک بالکل خاموش کھڑی رہی ہو۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو.....؟'' نیما نے اسے سخت لہجے میں مخاطب کیا۔

''پوچھنے آئی تھی کہ بلیک کافی یا.....!''

''جاؤ.....!'' نیما آنکھیں نکال کر بولی اور وہ لڑکی تیزی سے باہر چلی گئی۔

''کچھ افراد خاص قسم کے لوگوں کے لئے بعض کمزوریاں بھی رکھتے ہیں۔'' نیما نے معذرت طلب لہجے میں کہا۔ ''یہ لڑکی لمبے چوڑے آدمیوں کو دیکھ کر پاگل ہو جاتی ہے۔''

''اجی..... میں قیا..... ہی ہی ہی ہی۔'' قاسم نے شرما جانے کی ایکٹنگ کی تھی۔

نیما اس کی مضحکہ خیز حالت دیکھ کر ہنس پڑی اور بولی۔ ''آپ تو فلموں میں بہت لافٹر لیتے ہوں گے۔''

''اتفاق سے یہ روزمرہ زندگی میں بھی لافٹر ہی لیتے رہتے ہیں۔'' حمید بولا۔

''ہاں..... تو آپ کی فلم کی ہیروئن کون ہے؟'' نیما نے حمید کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''دیکھئے..... قصہ دراصل یہ ہے کہ ہم ایک بالکل ہی نیا تجربہ کرنے جارہے ہیں اس لئے کوئی معروف ہیروئن اس کے لئے تیار نہیں ہوئی۔''

''نئے تجربے سے کیا مراد ہے۔''

''کہانی عام ڈگر سے اتنی ہٹی ہوئی ہے کہ لوگوں نے ابھی سے میرا مذاق اڑانا شروع کردیا ہے۔''

''پھر بھی.....!''

''اس فلم کی ہیروئن دراصل ایک لومڑی ہے۔''

''کیا بکواس کررہے ہو۔'' پشت سے آواز آئی اور وہ چونک پڑے۔ بائیں جانب والے دروازے میں ڈاکٹر چنگیزی کھڑا نظر آیا۔

''لومڑی کی سی شکل والی کوئی عورت..... میرا مطلب تھا.....!'' حمید نے بڑی سعادت مندی سے کہا۔

ڈاکٹر تیزی سے چل کر ان کے قریب آ کھڑا ہوا۔

''ہماری فلم بہت نیچرل ہوگی۔'' حمید پُرسکون لہجے میں بولا۔

''لومڑی کی کیا بات کررہے تھے؟''

''آپ تشریف رکھئے تو عرض کروں۔''

''میں پوچھ رہا ہوں..... لومڑی کی کیا بات تھی۔''

''کہانی دراصل یوں ہے کہ ایک شکاری یعنی ہیرو ایک لومڑی کا تعاقب کرتا ہے۔ لومڑی ایک غار میں داخل ہوجاتی ہے اور جب ہیرو اس غار کے قریب پہنچتا ہے تو لومڑی کی سی شکل والی ایک عورت غار سے جھانکتی نظر آتی ہے۔''

''تم بکواس کررہے ہو۔''

''لیٹگو تیج پلیز.....!'' حمید کو بھی غصہ آ گیا۔

''لومڑی۔'' ڈاکٹر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا سانپ کی طرح پھنکارا۔

''ڈاکٹر.....!'' نیما اونچی آواز میں بولی۔ ''سیریس ہونے کی ضرورت نہیں۔''

حمید نے محسوس کیا جیسے اس وارننگ پر ڈاکٹر سنبھل گیا ہو۔ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ

نے کہا۔ ''لیکن یہ کہانی نیچرل کس طرح کہلائے گی۔''

''اس طرح ڈاکٹر کہ ہیروئن عام طور پر بہت خوبصورت ہوتی ہے لیکن میں ایک ایسی فلم بنا رہا ہوں جس کی ہیروئن لومڑی کی شکل کی ہے۔''

''پھر لومڑی۔'' ڈاکٹر پیر پٹخ کر دہاڑا۔

''اوہ زیٹو صاحب۔'' نیما جلدی سے بولی۔ ''دراصل ڈاکٹر کو لفظ لومڑی سے نفرت ہے۔ لومڑی کو بسکٹ کہتے ہیں۔''

''اور بسکٹ کو قیا کہتے ہیں۔'' قاسم نے ہنسی ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

ڈاکٹر نیما کو قہر آلود نظروں سے گھورے جارہا تھا۔ پھر وہ تیزی سے مڑا اور بائیں جانب کے دروازے سے گزر کر نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

''ڈاکٹر صاحب میری سمجھ میں نہیں آئے۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''ہر جینیئس کی کوئی نہ کوئی کمزوری بھی ہوتی ہے۔'' نیما نے پُرزور آواز میں کہا۔

''میں بھی یہی محسوس کررہا ہوں۔ کیا کبھی ڈاکٹر کی زندگی سے کوئی بہت زیادہ چالاک عورت بھی وابستہ رہی ہے۔''

''کمال ہے۔'' نیما تحیر زدگی کے عالم میں حمید کو دیکھتی رہ گئی۔

''قیا قتال ہے۔'' قاسم چڑھ کر بولا۔

''یہ اتنی جلدی معاملے کی تہہ تک پہنچ گئے۔'' نیما طویل سانس لے کر بولی۔

''دراصل نفسیات میرا محبوب ترین سبجیکٹ ہے۔'' حمید نے شرمیلی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

قاسم نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ گڑبڑا کر رہ گیا۔ دوسری لڑکی ناشتے کی ٹرالی دھکیلتی ہوئی کمرے میں داخل ہورہی تھی۔

حمید نے واضح طور پر دیکھا تھا کہ لڑکی نے ایک بیہودہ سا اشارہ کیا تھا۔ دفعتاً نیما اٹھتی ہوئی بولی۔ ''آپ لوگ کافی پیجئے۔ میں ابھی آئی۔''

وہ چلی گئی اور دوسری لڑکی قاسم کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ''آپ تو اس طرح شرما رہے ہیں جیسے کوئی دیہاتی لڑکی۔ یہ سینڈوچ لیجئے نا۔''

''ہی ہی ہی ہی..... جی ہاں..... جی ہاں۔'' قاسم نے ہاتھ بڑھا کر ایک سینڈوچ
اور غڑاپ سے پورا کا پورا ایک ہی بار منہ میں رکھ لیا۔

حمید نے اپنے لئے کافی انڈیلی لیکن لڑکی نے اُسے سینڈوچ کھانے کی دعوت نہ
تھی۔ وہ محسوس کر رہا تھا جیسے وہ لڑکی ذہنی طور پر قاسم پر لدی پڑ رہی ہو۔

''سب کھا لیجئے جناب۔ تکلف کی ضرورت نہیں۔'' اس بار وہ قاسم کے شانے پر
رکھ کر اٹھلائی۔

قاسم فخریہ انداز میں حمید کی طرف دیکھتا ہوا اپنی مسکراہٹ کی مٹی پلید کئے جا رہا
ظاہر ہے منہ تو سینڈوچ سے بھرا ہوا تھا اس پر سے مسکرانے کی کوشش۔

''کیا آپ مجھے اپنی تندرستی کا راز بتا سکتے ہیں؟'' لڑکی نے بڑے پیار سے پوچھا۔

''خوب خاؤ۔'' قاسم منہ چلاتا ہوا بولا۔

حمید خاموشی سے سب کچھ دیکھتا رہا۔ یہ لڑکی بھی خوش شکل اور صحت مند تھی۔ قاسم
اسی نے کافی بنائی اور پیالی اسکی طرف کھسکاتی ہوئی بولی۔ ''کہئے تو کھانے کو کچھ اور بھی لاؤں۔''

''نہیں.....!'' حمید جلدی سے بولا۔ ''انہیں زیادہ نہ کھلائیے۔ ابھی بہت کام پڑے ہیں۔''

اس پر قاسم نے اُسے غصیلی نظروں سے دیکھا تھا لیکن کچھ بولا نہیں تھا۔ کافی ختم
سے پہلے ہی نیما پھر کمرے میں داخل ہوئی۔

''چلئے..... اب میں آپ لوگوں کو وہاں چھوڑ آؤں۔ سہ پہر کو شوٹنگ دیکھنے آؤں گی۔''
اس نے کہا۔

''ضرور..... ضرور.....!'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔ ''مجھے بے حد خوشی ہوگی۔''

قاسم نے جلدی سے بقیہ کافی حلق میں انڈیلی تھی اور اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''میں بھی چلوں؟'' دوسری لڑکی نے نیما سے پوچھا۔

''تم کہاں بیٹھو گی۔'' نیما نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''پچھلی سیٹ پر تو صرف
سکیں گے۔''

''میں بیٹھ جاؤں گی کسی نہ کسی طرح۔''

''ڈاکٹر سے پوچھ لو جا کر پہلے..... ورنہ بعد میں۔''

''تم چاہو تو لے جا سکتی ہو اور ڈاکٹر سے کہہ سکتی ہو کہ تم خود لے گئی تھیں۔''

''ہوں..... اچھا.....!'' نیما کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ ''چلو۔''

پہلے قاسم بیٹھا تھا اس کے بعد لڑکی بچی ہوئی جگہ پر ٹکتی ہوئی قاسم کے کان میں آہستہ
سے بولی تھی۔ ''مجھے سنبھالے رہنا ورنہ گر جاؤں گی۔''

قاسم کے دانت نکل پڑے اور اس نے تفہیمی انداز میں سر کو جنبش دی۔

جیپ ناہموار راستوں سے گزرنے لگی تو ایک بار اس لڑکی نے قاسم پر لدتے ہوئے کہا۔

''میرا نام کلارا ہے۔''

''پپ..... پپ..... پیارا ہے۔'' قاسم ہکلایا۔

''میں بھی فلم میں کام کرنا چاہتی ہوں۔''

''قریئے..... قریئے۔''

''آپ کا کیا رول ہے؟''

''مم..... میں جنگلیوں کا سردار ہوں۔''

''مجھے سردارنی بنا لو۔''

''ہی ہی ہی ہی..... مذاخ قر رہی ہیں آپ.....!''

''تم مجھے بہت اچھے لگتے ہو۔''

''غ..... غغ..... غغ.....!'' قاسم کے حلق سے بے ہنگم آوازوں کے علاوہ اور کچھ نہ نکل سکا۔

تھوڑی دیر بعد جیپ ان کے ٹھکانے پر پہنچ گئی۔ نیما نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے
حمید سے کہا۔ ''مگر کیا ضروری ہے کہ آپ کو اسی وقت کوئی لومڑی مل ہی جائے جب آپ
شائی سے اس کا تعاقب کرانا چاہتے ہوں۔''

''ہمارے پاس ایک لومڑی موجود ہے۔''

''ہائے موجود ہے۔'' کلارا اٹھلائی۔ ''مجھے بھی دکھایئے۔ میں نے آج تک لومڑی نہیں
بینی۔''

حمید اُسے چھولداری میں لایا جہاں لومڑی کا پنجرہ رکھا تھا۔

''ہائے..... کتنی پیاری لگ رہی ہے۔'' کلارا چہکارتی ہوئی آواز میں بولی۔

''واقعی آپ لوگ فلمی روایات سے ہٹتے ہوئے معلوم ہو رہے ہیں۔'' نیما نے کہا۔

''تو آپ سہ پہر کو آ رہی ہیں؟''

''ضرور آؤں گی۔''

''مجھے بھی لانا..... ڈاکٹر تمہاری بات نہیں ٹالتے۔'' کلارا گھگھیائی۔

اُن کے چلے جانے کے بعد حمید بقیہ لوگوں سے کٹ کر اس گاڑی میں آ بیٹھا جس میں لاسلکی ٹیلیفون موجود تھا۔

''ہیلو.....!'' اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ''چینل سکس پلیز..... تھینکس۔''

پھر کسی قدر توقف کے ساتھ بولا۔ ''ہیلو..... ہارڈ اسٹون۔''

''ہارڈ اسٹون.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''یور آئیڈنٹٹی.....؟''

''زیٹو..... کام بن گیا۔'' حمید بولا۔ ''لومڑی کے نام پر وہ بوکھلا گیا تھا اوور۔''

''گڈ..... اور کچھ۔''

''لومڑی دیکھنے کے لئے اس کی دو لڑکیاں ہمارے خیموں میں آئی تھیں۔''

''بس آنکھیں کھلی رکھو۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''سانپوں کی وجہ سے ساتھی پریشان ہیں۔''

''فکر نہ کرو..... میں جلد ہی پہنچوں گا..... اُوور اینڈ آل۔''

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر حمید نے ریسیور ڈیش بورڈ خانے میں رکھ دیا۔

شوٹنگ شروع ہونے سے قبل ہی وہ دونوں وہاں پہنچ گئی تھیں۔

''اَمے.....!'' قاسم حمید کا شانہ دباتا ہوا بولا۔ ''دوسری والی بھی آئی ہے۔''

''شٹ اپ..... بہت زیادہ دلچسپی ظاہر کرنے کی کوشش مت کرو۔''

''قیوں..... ہو..... ہوپ۔'' قاسم نے سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔ کیونکہ وہ قریب آ پہنچی تھیں۔

''ارے..... یہ تم ہو۔'' کلارا قاسم کو دیکھ کر ہنس پڑی کیونکہ وہ اس وقت جنگلیوں کے

ار کے لباس میں تھا۔

''مم..... میں..... دراصل.....!'' قاسم ہکلا کر رہ گیا۔

''فلم کا نام کیا ہوگا.....؟'' نیما نے حمید سے پوچھا۔

''یہ تم ملتے اگر.....!'' حمید بولا۔

''تو پھر شروع کرائیے شوٹنگ۔''

''بڑی مصیبت ہے۔ دیکھئے اس وقت ہم شوٹنگ کر بھی سکتے ہیں یا نہیں۔''

''کیوں.....؟''

''بار بار بادل آ جاتے ہیں۔ رفلکٹرز سے بھی کام نہیں چل رہا۔''

''تو اس طرح تو بڑا نقصان ہوتا ہوگا۔''

''جی ہاں..... لیکن فلم دیکھنے والوں کو ان دشواریوں سے کیا سروکار، وہ تو ڈھائی گھنٹے

پوری فلم دیکھ کر گالیاں دیتے ہوئے ہال سے رخصت ہو جاتے ہیں۔''

''گالیاں کھانے کا کام ہی کیوں کرتے ہیں۔'' نیما بولی۔

''صاحب! اپنے یہاں کے فلم بین حضرات اب تک میری سمجھ میں نہیں آ سکے۔ فارمولا

فلم بناؤ تو گالیاں کھاؤ اور نہ بناؤ تو اس سے زیادہ گالیاں کھاؤ۔ ہیرو ہیروئن کی شادی کرا دینے

پر تلے بیٹھے رہتے ہیں۔ پوچھو بھائی اگر شادی ہو گئی تو تمہیں کیا فائدہ پہنچے گا اور نہ ہوئی تو تم پر

لعنت پھٹکار برسنے لگی۔''

''سوال یہ ہے کہ آپ فلم ہی کیوں بنانے بیٹھے ہیں۔ کوئی اور کاروبار دیکھئے۔''

''ہاں یہ سوال لاکھ کا ہے۔ لیکن ہیرا پھیری بھی آدمی کی فطرت میں شامل ہے۔ غالباً

سمجھ گئی ہوں گی میرا باپ فلم نہیں بناتا تھا اس کے باوجود بھی خاصا تندرست رہتا تھا۔''

''وہ کیا کرتے تھے۔'' کلارا نے مضحکانہ انداز میں سوال کیا۔

''مجھے پیدا کرنے کے علاوہ انہوں نے اور کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''جاگیردار تھے۔'' حمید شرما کر بولا۔

''آپ بھی دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہیں۔''

''جی ہاں.....جی ہاں.....بہت دلچسپ۔'' قاسم نے احمقانہ انداز میں تائید کی۔

''میں دراصل لومڑی والا منظر دیکھنا چاہتی تھی۔'' نیما حمید کو بغور دیکھتی ہوئی بولی۔

''میں سمجھ گیا آپ کا مطلب.....یعنی ہم کس طرح اسے کیمرے کی گرفت میں

گے۔''

''جی ہاں.....میں یہی دیکھنا چاہتی ہوں۔'' نیا ہنس کر بولی۔ ''وہ تو پنجرے

ہوتے ہی کسی طرف بھی بھاگ سکتی ہے۔ کوئی تربیت یافتہ کتا تو ہے نہیں کہ آپ کے

پر چلے گا۔''

''دیکھئے گا آپ.....کس طرح میرے اشاروں پر چلتی ہے۔''

''تو پھر شروع کیجئے نا۔'' کلارا اٹھلائی۔

''اس روشنی میں آپ شوٹنگ تو نہ دیکھ سکیں گی البتہ ریہرسل۔''

''چلئے.....ریہرسل ہی سہی۔ لیکن لومڑی والا سین۔'' نیما نے کہا۔

''ریہرسل میں تو وہ نکل جائے گی ہاتھ سے۔''

نیا ہنس پڑی اور ٹھیک اسی وقت خیموں کے پیچھے سے کسی کے چیخنے کی آواز آئی۔

بیک وقت کئی آدمی چیخے۔ ''سانپ.....سانپ.....ڈس لیا۔''

حمید اچھل کر آوازوں کی طرف جھپٹا۔ پھر سبھی اسی جانب دوڑ پڑے چلے گئے تھے۔

کا ایک آدمی دونوں ہاتھوں سے اپنی پنڈلی پکڑے بیٹھا بُری طرح چیخ رہا تھا۔

''پیچھے ہٹو.....پیچھے ہٹو.....اس کے قریب بھیڑ نہ لگاؤ۔'' نیما لوگوں کو دونوں ہاتھوں

دھکیلتی ہوئی آگے بڑھی اور مارگزیدہ کے قریب پہنچ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔

''ہاتھ ہٹاؤ.....مجھے زخم دیکھنے دو۔'' اس نے اس سے کہا اور پنڈلی سے اس کے

ہٹانے لگی۔

زخم دیکھ کر اس نے طویل سانس لی اور پھر حمید کی طرف مڑ کر بولی۔ ''اے جلد

لیبارٹری کی طرف لے چلئے۔''

وہ چلے گئے اور کلارا جیپ پر جگہ نہ ہونے کی بناء پر وہیں رہ گئی۔ ویسے قاسم نے اُسے

ی گاڑی پر لے جانے کی پیش کش کی تھی۔

''کچھ دیر باہر رہنا چاہتی ہوں۔ اس عمارت میں دم گھٹنے لگا ہے۔'' کلارا نے کہا اور

جلدی سے بول پڑا۔ ''بلقل.....بلقل.....آپ شہر میں ہوتیں تو خوب سیر سپاٹے قراتا۔''

''آپ مجھے اتنے بھولے اور پیارے لگتے ہیں کہ کیا بتاؤں۔''

''ارے میں کیا.....ہی ہی ہی ہی.....بلقل بے وقوف ہوں۔''

''اسی لئے تو اتنے پیارے ہیں۔ عقلمند مرد مجھے بالکل گدھے لگتے ہیں۔''

''ہوتے ہی ہیں سالے گدھے۔ یہ بھی کوئی عقلمندی ہوئی کہ عورتوں کو اچھے نہیں لگتے۔''

''میں آپ کو کیسی لگتی ہوں؟''

''بس قیا بتاؤں.....یہی جی چاہتا ہے کہ دیکھتا رہوں۔ دن میں بھی اور رات میں بھی۔''

''رات میں کیسے دیکھ سکیں گے۔'' کلارا مایوسی سے بولی۔ ''میں کوٹھی میں ہونگی اور آپ یہاں۔''

''ڈاکٹر آپ کا قون ہے؟''

''مالک.....میں اس کی ملازمہ ہوں۔''

''لاہول ولا کوت.....یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ نہیں آپ اس کی مالک ہیں۔''

''یقین کیجئے.....ڈھائی سو روپے ماہوار پر ملازم ہوں۔''

''لعنت ہے مجھ پر۔'' قاسم غصیلے لہجے میں بولا۔

''ارے آپ اپنے اوپر کیوں لعنت بھیج رہے ہیں۔''

''قیوں نہ بھیجوں۔ آپ نوکری قریں اور میں اُلو کا پٹھا دیکھتا رہوں.....چلئے میرے

ساتھ.....شہر چلئے۔''

''ڈاکٹر مجھے گولی مار دے گا.....جلاد ہے۔''

''ایسی کی تیسی کر کے رکھ دوں گا۔ آپ قیا سمجھتی ہیں مجھے۔''

کچھ دیر بعد نیما واپس آ گئی۔ مارگزیدہ کو تجربہ گاہ میں چھوڑ آئی تھی۔ حمید نے ایک بار

پھر اس کا شکریہ ادا کیا اور وہ کلارا کو جیپ میں بٹھا کر واپس چلی گئی۔

اس شب کو ڈاکٹر چنگیزی سٹنگ روم میں نیما سے اُلجھ رہا تھا۔ نیما بہت زیادہ معلوم ہوتی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے دونوں میں کسی بات پر شدید ترین اختلاف ہوگیا ہو۔ اسی وقت ایک ملازم کمرے میں داخل ہوکر بولا۔ ''اطلاعی سیٹی ہے جناب۔''

''اوہ.....اس وقت کون ہے؟'' ڈاکٹر پیر پٹخ کر دہاڑا۔

''تم دیکھو! کون ہے۔'' نیما نے ڈاکٹر کو گھورتے ہوئے ملازم سے کہا۔ ملازم چلا

''تم حد سے زیادہ بدحواس ہوتے جارہے ہو ڈاکٹر۔'' نیما نے سخت لہجے میں کہا۔

''بکواس مت کرو.....تم مجھ سے زیادہ نہیں جانتیں۔''

''میں پھر کہتی ہوں کہ اس فلم والے کو جوں کا توں نکل جانے دو۔''

''کوئی دلیل.....؟''

''بس یونہی! ہر مارگزیدہ کے ساتھ یکساں ٹریٹمنٹ مناسب نہیں۔''

''اس سے پہلے تو کبھی تم نے اس قسم کا مشورہ نہیں دیا۔''

''اب دے رہی ہوں۔'' وہ اُسے گھورتی ہوئی بولی۔ ''اور اسکی کوئی خاص وجہ نہیں۔''

''نہیں.....اس کی وجہ وہ کھلنڈرا فلم ڈائریکٹر معلوم ہوتا ہے۔''

''اگر تم نے اس قسم کا کوئی بیہودہ الزام مجھ پر لگایا تو.....!''

وہ جملہ پورا نہیں کر پائی تھی کہ ملازم کمرے میں داخل ہوا۔

''کون ہے.....؟'' ڈاکٹر نے کھا جانے والے انداز میں پوچھا۔

''کوئی سیٹھ اکرام ہیں۔ فوراً ملنا چاہتے ہیں۔''

''اُوہ.....یہ مردود پاگل ہوگیا ہے۔ جاؤ بلا لاؤ۔'' ڈاکٹر غرایا اور ملازم کے جانے پر نیما سے بولا۔ ''تم اندر جاؤ۔''

نیما اُسے خونخوار نظروں سے گھورتی ہوئی کمرے سے چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد سیٹھ اکرام ملازم کے ساتھ وہاں پہنچا تھا۔

''کیوں.....؟'' ڈاکٹر چنگیزی اُسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

''میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم نے میرے آدمی کے ساتھ اتنا بُرا برتاؤ کیوں کیا اسے کیا ہوگیا ہے۔'' سیٹھ اکرام کا لہجہ بھی اچھا نہیں تھا۔

''سوال تو یہ ہے کہ وہ آیا ہی کیوں تھا؟''

''میں نے بھیجا تھا تاکہ تمہیں ایک خطرے سے آگاہ کردیا جائے۔''

''کیسا خطرہ؟ شائد تمہارا دماغ چل گیا ہے۔''

''تمہارے ڈرموں کی سپلائی کے سلسلے میں فریدی چھان بین کررہا ہے۔''

''کرنے دو۔ کیا میں کوئی غیر قانونی کام کررہا ہوں۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ مجھے میرے کام کے سلسلے میں حکومت سے امداد ملتی ہے۔ میں سرکاری تجربہ گاہوں کے لئے سانپوں کا زہر اکٹھا کرتا ہوں۔ کیا سمجھے۔ اصل میں غلطی میری ہی ہے کہ تم جیسے لوگوں سے کاروباری تعلق رکھتا ہوں۔''

''کیا مطلب.....؟'' سیٹھ اکرام کی بھنویں تن گئیں۔

''تم شاید اپنی ہی طرح مجھے بھی کوئی اسمگلر سمجھتے ہو۔ اسی لئے خیر خواہی جتانے دوڑے آئے ہو۔ اے احمق سیٹھ۔ اگر میں اپنے ڈرموں کو ایک ویران جگہ پر ڈلوا دیتا ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اُن ڈرموں میں کوئی چیز بھر کر سرحد پار بھجوائی جاتی ہے۔''

''مم.....میں تو یہی سمجھتا تھا۔''

''بس جاؤ.....اب میں تم سے اپنا کاروباری تعلق ختم کرتا ہوں۔ مجھے علم نہیں تھا کہ تمہارا ادارہ پولیس کی بلیک لسٹ پر ہے۔''

''جہنم میں جائے سب کچھ۔'' سیٹھ اکرام بھی گرم ہوتا ہوا بولا۔ ''تم نے میرے آدمی پر اتنا بڑا الزام کیوں لگایا۔ کہاں ہے وہ لڑکی بلاؤ اُسے۔''

''بہت خوب! اس کے بعد بھی وہ اس چھت کے نیچے رہ سکتی تھی۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اسی دن اُسے بھی نکال باہر کیا تھا۔ میں نہیں جانتا کہ اب وہ کہاں ہوگی۔''

''میرا آدمی قریب المرگ ہے۔''

''میں تو سمجھا تھا کہ اب تک مر چکا ہوگا۔'' ڈاکٹر نے لاپرواہی سے کہا۔

''وہ قسمیں کھاتا ہے۔''

''تو پھر کیا ہوا ہے اُسے؟''

''ڈاکٹر کہتے ہیں کہ خون حیرت انگیز طور پر ضائع ہوا ہے۔''

''تو پھر وہی لڑکی اس کا خون بھی پی گئی ہوگی۔ سیٹھ اکرام اب تم فوراً یہاں سے چلے جا

''ورنہ کیا ہوگا.....؟''

''میں تمہیں اُٹھوا کر باہر پھینکوا دوں گا۔''

''اچھی بات ہے.....ڈاکٹر میں تمہیں دیکھ لوں گا۔ جا رہا ہوں۔''

''غصے میں یونہی نکلے نہ چلے جانا۔'' ڈاکٹر چنگیزی نے مضحکہ اڑانے والے انداز

کہا۔ ''ورنہ ڈسے جاؤ گے۔ کسی ملازم کے ساتھ کمپاؤنڈ پار کرنا۔''

سیٹھ اکرام کمرے سے نکل گیا۔ ڈاکٹر چنگیزی کے ہونٹوں پر استہزائیہ سی مسکراہٹ تھی

اکرام کے جاتے ہی نیما اس طرح کمرے میں داخل ہوئی تھی جیسے قریب ہی کہیں

ہوئی اُن کی گفتگو سنتی رہی ہو۔

''میں نہیں سمجھ سکتی کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔'' وہ ڈاکٹر کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی

''اپنے کام سے کام رکھو۔'' ڈاکٹر غرایا۔

''اچھی بات ہے.....میں جا رہی ہوں۔''

''کہاں.....؟'' ڈاکٹر چونک پڑا۔

''کہیں بھی جاؤں.....لیکن اب تم سے کوئی تعلق نہ رکھوں گی۔''

''اُوہ.....سمجھنے کی کوشش کرو نیما۔'' ڈاکٹر بے بسی سے بولا۔

''سیٹھ اکرام سے تمہارا برتاؤ نامناسب تھا۔''

''اچھا.....تو پھر کیا میں اس کی پوجا کرتا۔''

''نہیں.....کسی دوسری طرح اُسے مطمئن کر کے یہاں سے رخصت کرتے۔''

''تم نہیں سمجھ سکتیں۔ اگر میں ذرا بھی ڈھیلا پڑتا تو وہ میرے سر پر سوار ہو جاتا اور

اس سے ہمارا تعلق ہی کیا۔''

نیما کچھ نہ بولی۔ وہ کسی سوچ میں پڑ گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ ''یہ بات اچھی

طرح ذہن نشین کر لو کہ کرنل فریدی چونک پڑا ہے۔''

''اونہہ.....اُسے بھی دیکھوں گا.....تم فکر نہ کرو۔''

''فلم والے کے بارے میں کیا سوچا.....؟''

''اگر تم اس پر رضامند نہیں ہو تو وہ صبح کو یہاں سے صحیح وسلامت رخصت ہو جائے گا۔

سانپ زہریلا نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے کسی اجگر کے بچے نے کاٹا ہو۔''

''شکریہ.....میں یہی چاہتی ہوں، جب تک فریدی کا خطرہ ٹل نہ جائے ہمیں بہت محتاط

رہنا چاہئے۔ میں یہی معلوم کرنے کی کوشش کر رہی ہوں کہ یہ فلم والے کہیں پولیس سے تو

تعلق نہیں ہیں۔''

ڈاکٹر اُسے چند لمحے خاموشی سے دیکھتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ ''ٹھیک ہے۔ بعض

اوقات تم کارآمد ثابت ہوتی ہو۔''

''بعض اوقات نہیں ہمیشہ۔'' وہ ڈاکٹر کو گھورتی ہوئی بولی۔ ''لومڑی کے ذکر پر بھی تم

محتاط نہیں ہو سکے تھے۔''

''اُوہ.....اس کا کیا ہوگا.....؟'' ڈاکٹر کے لہجے میں اضطراب کی آمیزش تھی۔

''یہی تو دیکھنا ہے۔ محض اسی کی بناء پر مجھے شبہ ہے کہ وہ فلم والے نہیں ہیں۔'' نیما نے

پُرتفکر لہجے میں کہا۔ ''بہرحال اُن کی پوری طرح نگرانی ہو رہی ہے۔''

''لومڑی وہاں سے غائب بھی کرائی جا سکتی ہے۔'' ڈاکٹر بولا۔

''یہ کام مشکل نہیں ہے، لیکن فی الحال صبر کرو۔ میرا خیال ہے کہ یہ وہی پانچویں لومڑی

ہے جو واپس نہیں آئی تھی۔''

''کیا مطلب.....؟'' ڈاکٹر بوکھلائے ہوئے انداز میں دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

''پانچویں لومڑی۔'' نیما سخت لہجے میں بولی۔ ''کیا تم خوفزدہ ہو۔''

''بکواس مت کرو۔'' یک بیک ڈاکٹر خود پر قابو پاتا ہوا غرایا۔ ''مجھے اس کی پرواہ نہیں

ہے کہ وہ پانچویں لومڑی ہے۔ جو بھی میرے راستے میں آیا مارا جائے گا۔''



حمید نے ہیرو کو دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ بڑا قد آور اور سجیلا جوان تھا۔ جس وقت سرخ رنگ کی ایک اسپورٹ کار میں وہاں پہنچا..... نیما اور کلارا ابھی موجود تھیں۔ حمید آگے بڑھ کر اُسے غور سے دیکھا تھا۔

''گھوڑا ٹرک پر آ رہا ہے۔'' ہیرو نے گاڑی سے اترتے ہوئے اطلاع دی۔

''ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''تم تھوڑی دیر آرام کر لو۔''

کلارا اور نیما دونوں ہی اُسے گھورے جا رہی تھیں۔ قاسم کبھی ہیرو کی طرف دیکھتا اور کبھی کلارا کو دیکھنے لگتا۔ حمید ہیرو کو ساتھ لئے ہوئے ایک خیمے کی طرف بڑھ گیا۔ قاسم اتنی دیر میں اپنی موجودہ حیثیت کو قطعی فراموش کر بیٹھا اور جھینپے ہوئے انداز میں کلارا سے بولا۔ ''بڑا چگد معلوم ہوتا ہے سالا.....!''

''کون.....؟'' کلارا چونک پڑی۔

''ہوگا قوئی۔'' قاسم نے لاپروائی سے کہا۔

''آپ نہیں جانتے۔'' نیما نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''میں نے قوئی جاننے کا ٹھیکا لے رکھا ہے۔''

''میرے خیال میں شاید یہی ہیرو ہے۔'' کلارا بولی۔

''ہونہہ..... ایسے ہوتے ہیں ہیرو۔ سالے کی نہ ناک نہ نقشہ۔''

''اُوہ..... تو آپ نہیں جانتے؟''

''ارے میں قوئی گرا پڑا ہوں کہ ایسوں ویسوں قو جانتا پھروں۔''

نیما نے قاسم کی نظر بچا کر کلارا کو آنکھ ماری اور خود وہاں سے ہٹ کر یونٹ کے دوسرے لوگوں کے قریب جا کھڑی ہوئی۔

''بڑے تعجب کی بات ہے قراقرم والا صاحب.....!'' کلارا بولی۔

''قون سالا ہے قراقرم والا۔''

''پھر آپ کون ہیں؟''

اس سوال پر قاسم پھر چونکا اور بوکھلائے ہوئے انداز میں ہنس کر بولا۔ ''میں..... میں ہوں..... یعنی قاسم قراقرم.....!''

''لیکن ابھی تو آپ نے.....!''

''وہ..... وہ..... بس یونہی..... وہ تو میں سب اس لئے کہتا رہا ہوں کہ آپ صرف میری بات کریں..... وہ سالا ہیرو..... بہت زیادہ خبصورت تو نہیں ہے۔''

''ہائے..... آپ..... تو بس۔''

''ہاں..... ہاں..... قہوقہو.....!''

''آپ تو میری زندگی کے گھنٹہ گھر ہیں۔''

''مذاق اڑا رہی ہو میرا۔''

''ارے نہیں۔ کسی موٹے آدمی کو آج تک میں نے اتنا خوبصورت نہیں پایا جتنے آپ ہیں۔''

''شکریہ۔'' قاسم گلوگیر آواز میں بولا۔ ''آپ کا بہت بہت شکریہ۔''

کلارا چونک کر اُسے دیکھنے لگی۔ واقعی قاسم کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ ساتھ ہی شائد ذہنی رو بھی بہکی تھی۔ دوسرے ہی لمحے میں موٹے موٹے قطرے گالوں پر ڈھلکنے لگے۔

''ارے..... ارے..... یہ کیا ہو رہا ہے۔'' کلارا بوکھلا گئی۔

''بس اب..... مم..... میرے خدا..... میں قیا قروں۔''

''کچھ بولئے نا..... یہ کیا ہو گیا آپ کو۔''

''آج آپ محوبت قی باتیں کر رہی ہیں۔ کل میں بلقل اکیلا رہ جاؤں غا۔ مجھے قوئی نہ نہیں لگاتا۔''

کلارا کھڑی متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکاتی رہی۔

''مم..... مجھے..... اب مر جانا چاہئے۔'' قاسم نے پھر غوں غوں کی۔

''ارے..... یہ کیسی مایوسی کی باتیں کر رہے ہیں۔''

''میں یہاں سے واپس نہیں جانا چاہتا۔ قوئی سانپ ہی ڈس لے تو اچھا ہے۔''

''آخر آپ کو کیا ہو گیا ہے۔''

''آپ کچھ نہ پوچھئے.....ورنہ زور زور سے رونے لگوں گا۔'' قاسم کی آواز کسی قدر ہوگئی اور کلارا نے غالباً اس لئے چاروں طرف دیکھا تھا کہ کہیں کوئی ان کی طرف متوجہ نہیں۔ پھر چپ چاپ قاسم کے پاس سے کھسک کر نیما کے قریب جا پہنچی تھی۔

اتنے میں حمید اور ہیرو ایک دوسرے پر گرجتے برستے ہوئے خیمے سے باہر نکلے۔

''ٹھیک ہے۔'' حمید دہاڑ رہا تھا۔ ''آپ نہیں کرنا چاہتے تو تشریف لے جایئے ہمارے کانٹریکٹ میں ایسی کوئی شق نہیں تھی کہ آپ کا کام کوئی ڈپلیکیٹ بھی کرے گا۔''

''معاہدوں میں یہ باتیں نہیں ہوا کرتیں۔'' ہیرو بھی چلایا۔ ''کبھی اور بھی فلم بنائی تھی؟''

''بکواس بند کرو۔'' حمید اُسے گھونسہ دکھا کر چیخا۔ ''کیا میں نے تمہاری خوشامد کی تھی؟ میرے لئے کام کرو۔ تم خود ہی چکر لگاتے رہے تھے۔''

''گھوڑے پر ڈپلیکیٹ بیٹھے گا۔''

''ہرگز نہیں.....مجھ سے متفق نہیں ہو تو چلتے پھرتے نظر آؤ۔''

''اچھی بات ہے۔ میں تمہیں دیکھوں گا۔'' ہیرو اپنی اسپورٹ کار کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

''چپ چاپ چلے جاؤ، ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔'' حمید جامے سے باہر ہوتا ہوا چیخا۔

وہ پھر پلٹ پڑا۔

''آخر بات کیا ہے؟'' نیما حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

''دوڑتے ہوئے گھوڑے پر خود نہیں بیٹھیں گے کوئی اور بیٹھے اور کھڑے ہوئے گھوڑے پر ان کا کلوز اپ لیا جائے۔ اب میں اس وقت کہاں سے لاؤں ڈپلیکیٹ..... پہلے ہی کہہ دیا ہوتا۔''

''تو اس میں اتنا گرم ہونے کی کیا بات ہے۔'' ہیرو ان کے قریب پہنچ کر بولا۔

''مفت میں وقت اور پیسہ ضائع کراتے ہو تم لوگ۔'' حمید غرایا۔ ''نہیں صاحب! اب میں دوسرا ہی انتظام کروں گا۔ آپ تشریف لے جایئے۔''

''میں سوٹ فائیل کردوں گا تمہارے خلاف۔''

''ضرور کردو.....اور اب چلے جاؤ۔ ورنہ ہوسکتا ہے کہ بات بہت زیادہ بڑھ جائے۔''

''اچھا.....اچھا.....میں دیکھوں گا۔'' ہیرو نے دانت پیستے ہوئے کہا اور پھر اپنی گاڑی

کی طرف بڑھ گیا۔

''پھر اب کیا کرو گے؟'' نیما نے حمید سے پوچھا۔

''پرواہ نہیں۔ یہ بھی نیا ہی چہرہ تھا۔ میں کسی کو بھی ہیرو بنا سکتا ہوں۔ میری یہ فلم کاسٹ پر نہیں کہانی کے بل بوتے پر چلے گی۔ سب جائیں جہنم میں۔''

دفعتاً ہیرو کی کار کی طرف سے کسی کے چیخنے کی آواز آئی اور وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوگئے۔ ہیرو زمین پر پڑا چیخ رہا تھا۔ ''سانپ.....سانپ کاٹ گیا۔''

ایک بڑا سا سانپ سرسراتا ہوا دوسری طرف کی جھاڑیوں میں غائب ہوگیا۔

''خدا کی پناہ.....کوبرا۔'' نیما کہتی ہوئی ہیرو کی طرف جھپٹی۔

ہیرو نے سینڈل پہن رکھے تھے۔ سانپ نے داہنے پیر کے انگوٹھے پر منہ مارا تھا۔

''رسی لاؤ۔ جلدی سے کوئی رسی لاؤ۔'' نیما دونوں ہاتھوں سے اس کی پنڈلی دباتی ہوئی چیخی تھی۔

اس وقت پچھلے دن سے زیادہ سنسنی پھیل گئی تھی۔ کسی نے موٹی سی ڈور نیما کے ہاتھ میں پکڑا دی اور وہ اسے مارگزیدہ ہیرو کی پنڈلی پر سختی سے لپیٹنے لگی۔

کچھ لوگ بڑے بڑے پتھر لئے جھاڑیوں میں سانپ کو تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ نیما حمید کو مخاطب کر کے بولی۔ ''اسے جلد از جلد تجربہ گاہ تک پہنچانے کی کوشش کرو۔''

حمید پر بھی بوکھلاہٹ سی طاری ہوگئی تھی۔ اس طرح چاروں طرف بھاگتا پھر رہا تھا جیسے کچھ سمجھ ہی میں نہ آیا ہو کہ اب کیا کرنا چاہئے۔

مارگزیدہ کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑتے جا رہے تھے۔ بدقت تمام اُسے نیما کی جیپ پر بٹھایا گیا۔ حمید اسکے ساتھ بیٹھا اور جیپ تجربہ گاہ کی طرف روانہ ہوگئی۔ کلارا قاسم کیساتھ وہیں کھڑی رہی۔ فلم یونٹ کے دوسرے لوگ بہ آواز بلند کہہ رہے تھے کہ اب وہ وہاں نہیں رکیں گے۔

''میں بھی نہیں چاہتی کہ رات آپ یہاں بسر کریں۔'' کلارا نے قاسم سے کہا۔

''پھر کہاں کروں؟''

''اگر آپ کو بھی سانپ ڈس لے تو میں آپ کو اپنے ساتھ لے جاسکوں گی۔''

''یعنی.....یعنی.....!'' قاسم ہکلایا۔

''خدانخواستہ آپ کو سانپ ڈسے۔ میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ ڈسے جانے کی ایکٹنگ
اور یہاں سے نکل چلئے۔''

''اُوہو..... یہ بات ہے..... اچھا..... اچھا۔''

''آپ کی ماہانہ آمدنی اندازاً کتنی ہوگی؟''

''کچھ پتا نہیں.....!'' قاسم کی ذہنی رو پھر بہکنے لگی۔

''بڑی عجیب بات ہے۔ آپ کو اپنی ماہانہ آمدنی کا علم نہیں جبکہ شاید آپ بھی پہلی
بار اس فلم میں آرہے ہیں۔''

''ارے تو قیا میری قوئی فلم کی کمائی ہے۔''

''تو پھر.....!''

''فلم تو شوق کی چیز ہے۔ میرے تو بہت بڑے بڑے کارخانے اور مل ہیں۔''

''بیوقوف بنا رہے ہیں۔'' وہ ہنس پڑی۔

''نہیں الاقسم..... عاصم ملٹی انڈسٹریز کا نام تو سنا ہی ہوگا آپ نے۔''

''کیوں نہیں..... کیوں نہیں۔''

''عاصم صاحب میرے والد صاحب ہیں۔''

''اوہ..... شادی ہوچکی ہے..... آپ کی؟''

''تھوڑی سی ہوئی ہے۔ جھوٹ قیوں بولوں۔''

''کیا مطلب.....؟''

''مطلب یہ کہ..... ہی ہی ہی ہی..... قیا بتاؤں۔''

''خیر..... خیر..... کوئی بات نہیں۔ اب آپ جلدی سے ڈسے جانے کی اداکاری شروع
کر دیجئے۔ یہاں آپ کو نہیں رہنے دوں گی۔''

''مم..... مم..... سانپ۔''

''اچھا..... اچھا..... آپ سے نہیں بنے گا۔'' کلارا کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ ''میں خود ہی
کوئی تدبیر کروں گی۔''

''جی ہاں..... یہی ٹھیک ہے۔ آپ ہی قوئی تدبیر قر دیجئے اور میں تو قہتا ہوں کہ لائٹ

فلم وِلم پر۔ آپ میرے ساتھ شہر چلئے۔ اپنے کسی آفس میں ہزار بارہ سو پر رکھوا دوں گا۔''

''اگر ایسا ہو جائے تو کیا کہنا۔ میں اس جنگل اور سانپوں سے تنگ آ گئی ہوں۔''

''اچھا تو پھر ایسا ہے کہ چپ چاپ نکل چلتے ہیں۔ میری بیوک اُدھر خیموں کے پیچھے
مڑی ہے۔''

''لیکن اس طرح نکل جانے پر ڈاکٹر مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔''

''ایسی کی تیسی سالے کی۔ ٹانگیں چیر کر پھینک دوں غا۔''

ڈاکٹر چنگیزی کی تجربہ گاہ میں اس وقت حمید بھی موجود تھا۔ ہیرو پر غشی طاری ہوگئی تھی اور ڈاکٹر چنگیزی اس انگوٹھے کو دیکھ رہا تھا جس پر سانپ کے دانتوں کے نشان تھے۔

دفعتاً ڈاکٹر نیما کی طرف مڑ کر بولا۔ ''تم انہیں سٹنگ روم میں بٹھا کر یہاں واپس آؤ۔''

''چلئے۔'' نیما نے حمید سے کہا اور حمید زیرلب کچھ بڑبڑاتا ہوا دروازے کی طرف مڑ گیا۔ نیما اسے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر ڈاکٹر کے پاس واپس آ گئی۔ ڈاکٹر نے اسے دوسرے کمرے میں چلنے کا اشارہ کیا تھا۔ نیما خاموشی سے بائیں جانب مڑ گئی۔ ڈاکٹر نے دوسرے کمرے میں پہنچ کر آہستگی سے دروازہ بند کیا۔ نیما ہمہ تن گوش سوالیہ نشان بنی ڈاکٹر کو دیکھے جا رہی تھی۔

''تم نے خود دیکھا تھا کوبرا.....؟''

''ہاں..... میں نے خود دیکھا تھا..... کوبرا ہی تھا۔''

''تین سال سے ان اطراف میں جھک مار رہا ہوں۔ لیکن مجھے کہیں کوبرا دکھائی نہیں دیا۔''

''آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔'' نیما اسے غور سے دیکھتی ہوئی بولی۔

''کوبرا وہ اپنے ساتھ لایا تھا لہٰذا تمہیں یہ سن کر بھی حیرت نہیں ہونی چاہئے کہ وہ کوبرا
زہریلا نہیں تھا اور اس شخص کی بیہوشی محض ڈھونگ ہے۔''

''تت.....تو پھر.....!''

''تمہارا خیال صحیح معلوم ہوتا ہے۔ یہ پولیس والوں ہی کی بھیڑ ہے۔ فلم یونٹ نہیں ہے۔''

''دیکھا.....!'' وہ خوش ہوکر بولی۔ ''میرے اندازے کبھی غلط نہیں ہوتے، اسی نے کہا تھا کہ اُسے جوں کا توں واپس کردو۔''

''اب اس کا کیا حشر کیا جائے؟''

''اس کا حشر بھی کروں گی۔'' نیما جھنجھلا کر بولی۔

''کیا مطلب.....؟''

''تھری سیون کا انجکشن دے کر وہیں چھوڑ آؤں گی۔''

''اور وہ ان پر پتھراؤ شروع کردے گا۔ نہیں یہ مناسب نہیں۔''

''کیوں.....؟''

''میرا خیال ہے کہ اس فلم ڈائریکٹر کو یہ ذہن نشین کرانے کی کوشش کی جائے کہ یہ کوئی غیر معمولی کام نہیں ہو رہا اور ہاں کلارا کہاں ہے۔ اس سے کہو کہ موٹے پر سے اپنا ہاتھ ہٹالے۔ اس آدمی کو اُٹھوا کر وہیں اس کے کیمپ میں بھجوا دو۔ کہہ دینا کہ سانپ زہریلا نہیں تھا۔ دہشت سے بیہوش ہوگیا ہے۔''

''نہیں.....اسے بھی رات بھر روکنا چاہئے۔ فوری طور پر یہ کہہ دینا مناسب نہ ہوگا کہ سانپ زہریلا نہیں تھا۔ اسے رات بھر یہیں رکھ کر اس کی نگرانی کی جائے۔''

''کیوں.....؟'' ڈاکٹر اُسے گھورتا ہوا بولا۔

''اس لئے کہ وہ تم سے زیادہ خوبصورت ہے۔'' نیما نے زہریلے لہجے میں کہا۔

''یہ کیا بکواس۔'' ڈاکٹر بھنا گیا۔

''اگر ذہن کام نہ کرے تو خاموشی اختیار کیا کرو۔ اگر وہ خود ہی سانپ اپنے ساتھ لایا تھا تو اس کا کوئی نہ کوئی مقصد رہا ہوگا۔''

ڈاکٹر کے چہرے سے ناگواری کے آثار زائل ہوگئے اور وہ کسی سوچ میں پڑ گیا۔ نیما پھر بولی۔ ''مقصد یہی ہوسکتا ہے کہ اُسے یہاں رات گزارنے کا موقع دیا جائے۔ اب ہم دیکھیں گے کہ وہ رات کو یہاں کیا کرتا ہے۔''

نمبر 38

''تم ٹھیک کہتی ہو۔ اگر کرنل فریدی ادھر متوجہ ہوا ہے تو اسے مایوسی ہی ہونی چاہئے لیکن ہیرو.....وہ لومڑی.....اس کا کیا کیا جائے۔ اگر انہیں اس کو استعمال کرنے کا موقع مل گیا تو؟''

''میں آج رات کو اُسے پنجرے ہی میں ختم کرادینے کی کوشش کروں گی۔ اس ڈائریکٹر کے بچے کو کیمپ پہنچا کر واپس آتی ہوں۔ کلارا وہیں رہ گئی ہے۔''

نیما حمید کو جیپ میں بٹھا کر کیمپ کی طرف روانہ ہوگئی۔ خلاف معمول وہ بہت خاموش تھی۔ حمید نے ہیرو کے متعلق استفسار کیا۔

''کوشش کی جائے گی کہ وہ بچ جائے۔ سانپ زہریلا تھا۔ کوبرا آپ جانتے ہی ہوں گے کتنا زہریلا ہوتا ہے۔''

''میں بہت زیادہ متفکر ہوں۔ خواہ مخواہ جھگڑا کر بیٹھا تھا۔''

نیما کچھ نہ بولی۔ وہ کیمپ میں پہنچ گئے۔ لیکن قاسم اور کلارا کا کہیں پتا نہ تھا۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ اپنا سامان بیوک میں رکھ کر کلارا سمیت کہیں چلا گیا۔

''یہ کیا کہہ رہے ہیں۔'' نیما حمید کو گھورتی ہوئی بولی۔

''میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ لڑکی کو اُس سے بے تکلف نہ ہونے دیا جائے۔''

''پھر بھی.....آخر وہ کہاں گئے۔''

حمید خود الجھن میں پڑ گیا تھا۔ فریدی نے قاسم کو ساتھ لانے کی مخالفت کی تھی۔ لیکن حمید نے محض تفریحاً اُسے اس یونٹ میں شامل کرلیا تھا اور اُسے اس پر آمادہ کرنے کے لئے خاصے پاپڑ بھی بیلے تھے۔ لیکن وہ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ قاسم صرف اپنی ذمہ داری پر کوئی ایسی حرکت بھی کر بیٹھے گا۔

''سنو.....!'' نیما حمید کو مخاطب کرکے سخت لہجے میں بولی۔ ''اگر ایک گھنٹے کے اندر اندر کلارا واپس نہ آئی تو تم سب بھگتو گے۔''

''کلارا دودھ پیتی بچی تو نہیں تھی۔'' حمید بھی کسی قدر گرم ہوکر بولا۔ ''جہاں بھی گئی ہوگی اپنی مرضی سے گئی ہوگی۔ تم نے یہی تو بتایا تھا کہ موٹے آدمی اس کی کمزوری ہیں۔''

''کچھ بھی ہو۔ تم اس یونٹ کے انچارج ہو۔ اگر کلارا واپس نہ آئی تو تم سے نپٹا جائے گا۔''

''میں تو تمہیں بھی یہی مشورہ دینے والا تھا کہ سانپوں کے اس جنگل سے نکل چلو۔ ملک کی مقبول ترین ہیروئن بنادوں گا۔''

''دماغ تو نہیں چل گیا۔''

''آخر ڈاکٹر کتنی تنخواہ دیتا ہے۔''

''بے تکلف ہونے کی کوشش مت کرو۔''

''کیا کوشش کے بغیر بھی بے تکلف ہونا ممکن ہے۔''

''شٹ اپ۔''

''میں بہت دکھی ہوں محترمہ نیما۔ اس وقت ہزاروں کا نقصان ہوا ہے۔ لیکن اگر میرے ساتھ چلنے پر رضامند ہو جائیں تو یہ زخم مندمل بھی ہوسکتا ہے۔''

''میں کہتی ہوں بکواس بند کرو اور کلارا کا پتہ بتاؤ۔''

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک ٹرک خیموں کی اس چھوٹی سی بستی کے قریب آرکا۔ پر ایک گھوڑا مع ساز و سامان موجود تھا۔ ڈرائیور کے قریب والی گلی نشست سے ایک آدمی اُترا اور ٹرک کے پیچھے حصے کی رکاوٹ نیچے گرا کر گھوڑے کو اس پر سے اتارنے لگا۔

''اب کیا میں گھوڑے کو اپنے کاندھے پر سوار کراؤں گا۔'' حمید ہاتھ ہلا کر دہاڑا۔

''کیوں؟ کیا ہوا جناب؟'' نووارد نے پوچھا۔

''ہیرو کو سانپ نے ڈس لیا ہے۔ وہ ڈاکٹر چنگیزی کے کلینک میں بیہوش پڑا ہے۔''

''یہ تو بہت بُرا ہوا۔'' وہ گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے ان کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

''دوسری صورت میں بھی بُرا ہی ہوتا کیونکہ اچانک اس نے گھوڑ سواری کے ڈپلیکیٹ کی بات شروع کر دی تھی اور فوری طور پر ڈپلیکیٹ مہیا کرنا دشوار تھا۔''

''دیکھئے جناب! گھوڑا تین گھنٹے سے زیادہ یہاں نہیں روکا جاسکتا کیونکہ آج کی تاریخ میں یہ ملا دو پیازہ کی شوٹنگ کے لئے بھی بک ہے۔''

''لیکن بھائی..... میں کیا کرسکتا ہوں۔ ہیرو اسٹوری سن چکا تھا اس وقت اس نے نہیں کہا تھا کہ سرپٹ ڈپلیکیٹ سے کرائی جائے۔''

''تو یہ کونسی بڑی بات ہے۔'' نووارد بولا۔ ''سرپٹ کے لئے میں ڈپلیکیٹ

کلوز اپ بعد میں کر لیجئے گا۔''

''تب تو کام بن گیا۔ ٹھیک ہے۔'' حمید خوش ہو کر بولا۔ ''تمہیں ایک لومڑی کا تعاقب

پڑے گا۔''

''شیر کا تعاقب کرنا ہو تب بھی فکر نہ کیجئے۔'' نووارد نے مسکرا کر کہا۔

''میں جارہی ہوں۔'' نیما بول پڑی۔

''اوہو..... ایسی بھی کیا جلدی۔ کیا آپ نہیں دیکھنا چاہتیں کہ ہم اُس لومڑی کو کس طرح کنٹرول کرتے ہیں۔''

''نہیں.....!'' وہ تیزی سے جیپ کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔ ''کلارا آدھے گھنٹے میں پہنچی تو دیکھنا اپنا حشر۔''

پھر وہ آندھی اور طوفان کی طرح تجربہ گاہ کی طرف چل پڑی تھی۔ راستے میں اُسے ایک بڑے اجگر کو بھی کچلنا پڑا۔ اسے راہ دینے کے لئے جیپ نہیں روکی تھی۔ عمارت کی کمپاؤنڈ میں پہنچ کر گاڑی سے اُتری اور دوڑتی ہوئی عمارت میں داخل ہوگئی۔ ڈاکٹر صدر دروازے سے نکل ہی رہا تھا۔ اس سے ٹکراتی ٹکراتی بچی۔

''کیوں کیا ہے؟''

''بیک وقت دو دشواریاں..... کلارا موٹے کے ساتھ فرار ہوگئی۔ مجھے اس پر کبھی اعتماد نہیں رہا تھا۔''

''فرار ہوگئی؟''

''اُسے جہنم میں جھونکو..... وہ لومڑی کو پنجرے سے نکالنے جارہے ہیں۔ ایک آدمی گھوڑے پر بیٹھ کر اُس کا تعاقب کرے گا۔''

''اُوہ..... دیکھوں گا۔'' ڈاکٹر دانت پیس کر بولا اور تیزی سے دوسری طرف مڑ گیا۔ نیما اس کے پیچھے چل رہی تھی۔ وہ بائیں جانب والے ایک کمرے میں داخل ہوا۔ میز کی دراز کھول کر عجیب وضع کا لمبا سا پستول نکالا اور اس پر سائیلنسر فٹ کرنے لگا۔

''تم یہاں اس خبیث پر نظر رکھو، جو بیہوشی کا ڈھونگ رچائے پڑا ہے۔'' ڈاکٹر نے نیما کی طرف مڑ کر کہا۔

''میں تمہیں تنہا نہیں جانے دوں گی۔''

''کیوں.....؟'' ڈاکٹر غرایا۔

''تم چنگیزی ہو.....غصہ آتا ہے تو عقل پناہ مانگ کر تم سے دور جا کھڑی ہوتی ہے۔''

''خاموش رہو۔'' وہ اُسے دوسری طرف دھکیل کر نکلا چلا گیا۔

نیما چند لمحے خاموش کھڑی رہی پھر اس کمرے کی طرف چل پڑی جہاں فلمی ہیرو بڑی سی میز پر بیہوش پڑا تھا۔ جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوئی، ہیرو کراہ کر بائیں کروٹ ہو گیا۔ لیکن اس کی آنکھیں اب بھی بند تھیں۔



لومڑی نے پنجرے سے نکل کر خیمے کا ایک چکر لگایا اور پھر باہر نکلی چلی گئی۔ کیمرہ جیپ پر بیٹھا تھا اور نو وارد ڈپلیکیٹ گھوڑے کی پشت پر نظر آ رہا تھا۔

لومڑی نے خیمے سے نکل کر ایک سمت دوڑنا شروع کیا۔ گھوڑا بھی حرکت میں آیا۔ جیپ اس کے پیچھے چل پڑی۔ حمید کیمرہ مین کے قریب بیٹھا اُسے بہ آواز بلند ہدایات دیتا جا رہا تھا۔ سب سے زیادہ عجیب بات یہ تھی کہ لومڑی نے وہی راستہ اختیار کیا تھا جو فلم چنگیزی کی تجربہ گاہ کی طرف جاتا تھا اور اس راستے میں کوئی ایسی رکاوٹ بھی نہیں تھی جو گھوڑے اور جیپ کے لئے دشواریاں پیدا کر سکتی۔

لومڑی کسی پالتو کتے کی سی رفتار سے دوڑتی چلی جا رہی تھی اور اس کے اس رویئے میں ذرہ برابر بھی وحشت نہیں ظاہر ہوتی تھی۔ نہ اُسے اپنے پیچھے دوڑتے ہوئے گھوڑے کی پروا تھی اور نہ جیپ کا شور مچانے والا انجن ہی اس پر کسی طرح اثر انداز ہو سکا تھا۔ اچانک وہ بائیں اور راستے کی بائیں جانب جا پڑی۔ اس کے بعد گھوڑا لڑکھڑایا تھا۔ اگر سوار چھلانگ لگانے میں ذرا سی دیر بھی لگاتا تو گرتے ہوئے گھوڑے کے نیچے دب کر اس کی بائیں ٹانگ

کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی ہوتیں۔

پھر جیپ کا ایک ٹائر بھی دھماکے سے پھٹ گیا۔

''کور.....کور.....!'' گھوڑ سوار ایک درخت کے تنے کی اوٹ لیتا ہوا چیخا۔

جیپ پر بیٹھے ہوئے چار آدمیوں نے بھی بائیں جانب چھلانگ لگائی تھی اور اس کی آڑ میں دبک گئے تھے۔ لومڑی بے حس و حرکت پڑی تھی اور گھوڑا تڑپ تڑپ کر کربناک آوازیں نکال رہا تھا۔

کئی منٹ گزر گئے۔ وہ اپنے کیمپ سے خاصے فاصلے پر تھے۔ حمید جیپ کے پاس سے اٹھ کر مردہ لومڑی کے قریب آ کھڑا ہوا۔ لومڑی کے داہنے پہلو پر گولی لگی تھی۔ گھوڑ سوار کا اب کہیں پتا نہ تھا۔ حمید نے اُسے آوازیں بھی دی تھیں لیکن جواب ندارد۔ گھوڑا ابھی زندہ تھا اور اس کے سر سے جیتا جیتا خون اُبل رہا تھا۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ کیونکہ ایسے کسی موقع کے لئے کوئی ہدایت فریدی کی طرف سے نہیں ملی تھی۔ وہ دوبارہ جیپ کی طرف واپس جا ہی رہا تھا کہ محدود فاصلہ کار والے جیبی ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا۔ اُس نے ٹرانسمیٹر نکال کر منہ کے قریب لاتے ہوئے کہا۔ ''ہیلو.....!''

دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔ ''جہاں ہو وہیں رہو۔''

''بے آواز فائر ہو رہے ہیں۔ لومڑی ماری گئی۔'' حمید طویل سانس لے کر بولا۔ ''گھوڑا مرنے والا ہے اور ڈپلیکیٹ غائب ہو گیا۔''

''فکر نہ کرو.....اب کوئی فائر نہیں ہوگا۔ وہیں ٹھہرو۔''

حمید نے ٹرانسمیٹر جیب میں ڈال لیا۔ اس کیس کے بارے میں اُسے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں معلوم تھا کہ فریدی ایک پُراسرار آدمی ڈاکٹر چنگیزی سے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ فلم یونٹ کا کھڑاگ اسی لئے پھیلایا گیا تھا۔

اس نے مردہ لومڑی کو گھورتے ہوئے سوچا اس کمبخت کا نہ جانے کیا رول تھا اس ڈرامے میں۔ دفعتاً کسی گاڑی کے انجن کی آواز سنائی دی اور حمید چونک کر سامنے دیکھنے لگا۔ مخالف سمت سے ایک اسٹیشن ویگن ان کی طرف بڑھی آ رہی تھی۔ قریب پہنچ کر رکی اور اس پر

سے ڈاکٹر چنگیزی اُترا۔ نیا اسٹیئرنگ کے سامنے ہی بیٹھی رہی۔ پچھلی نشست پر دو آ
بھی موجود تھے۔ ڈاکٹر چنگیزی نے انہیں بھی اُترنے کا اشارہ کیا۔ پھر حمید سے بولا
ہمارے حوالے کردو۔ ورنہ انجام بُرا ہوگا۔''

''مم..... میں سمجھا نہیں ڈاکٹر۔''

''کلارا کی واپسی تک تم بطور یرغمال ہمارے پاس رہو گے۔ اگر چوبیس گھنٹے
کلارا واپس نہ آئی تو تمہیں پولیس کے حوالے کردیں گے۔''

ڈاکٹر کے دونوں آدمیوں نے رائفلیں سیدھی کررکھی تھیں۔ حمید نے کنکھیوں سے
دیکھا اور ڈاکٹر سے بولا۔ ''ذرا اُدھر دیکھئے۔ میرا تو دیوالہ ہی نکل جائے گا۔ وہ لومڑی
پڑی ہے اور اُدھر وہ گھوڑا دم توڑ رہا ہے۔''

''تو پھر میں کیا کروں۔''

''کسی نے بے آواز فائر کئے تھے اور یہ دیکھئے ایک گولی جیپ کے ٹائر کو بیکار کرگئی

''گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔'' ڈاکٹر غرایا اور اس کے آدمی نے بڑھ کر رائفل کی نال
کی کمر سے لگادی۔

''آپ دیکھ رہی ہیں۔'' حمید نے نیا کو مخاطب کیا اور اس نے ناگواری سے اپنا منہ پھیرلیا

''اچھی بات ہے۔'' حمید اپنے ساتھیوں سے بولا۔ ''موٹے نے ہمیں دشواری میں
دیا ہے۔ تم لوگ اسے تلاش کرنے کی کوشش کرو، ورنہ کم از کم مجھے تو جیل جانا ہی پڑے گا۔''

اس کے تینوں ساتھی کچھ نہ بولے۔ وہ چپ چاپ اسٹیشن ویگن میں بیٹھ گیا۔ اُس
دونوں طرف مسلح آدمی بیٹھے تھے۔ نیا نے گاڑی بیک کرکے دوسری طرف موڑی۔ ہ
ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ چہرے سے ناگواری مترشح تھی۔

''کیا بکواس کررہے ہو.....؟'' ڈاکٹر اگلی سیٹ سے غرایا۔

''ان مردود لڑکیوں کی جان کو رو رہا ہوں جو فلمی اداکاروں پر مردہ چھپکلیوں کی طر
گرتی ہیں۔ آخر اس موٹے تھل تھل میں کیا رکھا تھا۔''

''تم اس یونٹ کے انچارج ہو۔ تم پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔'' ڈاکٹر بولا۔

''کیا فائدہ ایسے انچارج ہونے سے۔ مجھے تو اب وہ موٹا ہی انچارج معلوم ہورہا ہے

''کیا مطلب.....؟''

''مطلب واضح ہے۔ اگر مجھے انچارج سمجھتی تو اس کے ساتھ کیوں جاتی۔''

''اس بیہودہ بکواس کا مطلب میں نہیں سمجھ سکا۔''

''عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ مجھے بطور یرغمال نہ رکھئے ورنہ آپ کو ان محترمہ سے بھی
ہاتھ دھونے پڑیں گے۔''

''شٹ اپ.....!'' اس بار نیا کی آواز سنائی دی۔

''اللہ مالک ہے۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

عمارت کی کمپاؤنڈ میں پہنچ کر اُسے گاڑی سے اتارا گیا اور دونوں اُسے رائفل دکھاتے
ہوئے اندر لے چلے۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اس کے پاس سے ریوالور بھی برآمد ہوگا اور جیبی
ٹرانسمیٹر بھی اور پھر ہوسکتا ہے کہ ڈاکٹر چنگیزی اب تک ان سے متعلق حقیقتاً اندھیرے میں نہ
رہا ہو۔ اندر پہنچ کر ڈاکٹر نے اپنے آدمیوں سے کہا۔ ''اسے بھی لے جاکر وہیں باندھ دو۔''

''باندھ دو کا کیا مطلب؟'' حمید نے ڈاکٹر کو گھورتے ہوئے سخت لہجے میں سوال کیا۔

لیکن وہ کوئی جواب دیئے بغیر وہاں سے چلا گیا۔ نیا البتہ اب بھی ان کے ساتھ تھی۔

''میری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آرہا۔'' اس نے مسمسی صورت بنا کر نیا کو مخاطب کیا۔

وہ اُسے قہر آلود نظروں سے دیکھے جارہی تھی۔ رائفل کی نال سے اسے پھر دھکیلا گیا اور
ایک ایسے دالان میں لایا گیا جہاں مارگزیدہ ہیرو ایک ستون سے بندھا کھڑا تھا۔ نیا نے
دوسرے ستون کی طرف اشارہ کیا۔

''ٹھہرو۔'' حمید ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ ''اس بیچارے کو کیوں باندھ رکھا ہے۔''

''تم سب فراڈ ہو۔'' نیا نے جھنجھلا کر کہا۔

''کیا مطلب.....؟''

''یہ کون ہے؟'' نیا ہیرو کی طرف ہاتھ اُٹھا کر بولی۔

''ہیرو بننے کے خواب دیکھنے والا ایک بیوقوف نوجوان۔ لیکن میرا دعویٰ ہے کہ زندگی بھر
ہیرو نہیں بن سکے گا۔ پہلی ہی فلم میں جھگڑا کھڑا کرکے اس حال کو پہنچا۔''

''تم لوگ کھڑے کیا دیکھ رہے ہو۔ باندھ دو۔'' نیا نے دونوں مسلح آدمیوں کو للکارا پھر

حمید سے بولی۔ ''یہ اسٹار کا کرائم رپورٹر انور ہے۔''

''میں نے کب کہا کہ نہیں ہے۔'' حمید ڈھٹائی سے بولا اور خود ہی اُس ستون کے قریب جا کھڑا ہوا جس کی طرف نیما نے اشارہ کیا تھا۔

''اس کا مطلب.....؟''

''سوال یہ ہے کہ تمہیں کسی رپورٹر کے اداکار بن جانے پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔'' نیما کچھ کہنے ہی والی تھی کہ ڈاکٹر چنگیزی آ گیا۔

''پتا نہیں سب کہاں مر گئے۔'' وہ دہاڑتا ہوا آگے بڑھا اور رائفل والوں میں سے اس کی طرف متوجہ ہوا ہی تھا کہ حمید نے اس کی رائفل پر ہاتھ ڈال دیا۔ پھر اسی رائفل کا اس کے سر پر پڑا تھا اور دوسرے کے سنبھلنے سے پہلے ہی رائفل اس کے ہاتھ سے بھی نکل اس کے بائیں پہلو پر حمید کی لات پڑی تھی۔

''خبردار کوئی اپنی جگہ سے جنبش نہ کرے۔'' حمید نے ڈاکٹر چنگیزی کے دل کا نشانہ ہوئے کہا۔

ڈاکٹر چنگیزی کے ہاتھ اوپر اُٹھ گئے۔ دوسری رائفل انور کے پیروں کے پاس جا تھی۔ اسکے پیر آزاد تھے۔ اُس نے اُسے کچھ اور قریب کھسکا کر دونوں پیروں کے نیچے دبالیا۔

''اب تم دونوں اُٹھو اور اسی ستون سے ڈاکٹر چنگیزی کو باندھ دو۔'' حمید نے سرد لہجے میں

نیما ہکا بکا کھڑی کبھی حمید کی طرف دیکھتی تھی اور کبھی ڈاکٹر چنگیزی کی طرف۔ دفعتاً کی پشت سے آواز آئی۔ ''رائفل زمین پر گرادو۔ ورنہ چھلنی ہوکر رہ جاؤ گے۔'' ساتھ ہی گن کی باڑھ سامنے والی دیوار پر پڑی اور اس میں بڑا سا سوراخ ہوگیا۔ حمید نے رائفل پر ڈال دی۔

''اور اب چپ چاپ ستون کے پاس کھڑے ہو جاؤ۔''

دونوں نہتے آدمیوں نے جھپٹ کر اپنی اپنی رائفلیں اٹھالی تھیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے حمید کو بھی ستون سے باندھ دیا گیا۔

''کرنل فریدی..... اُدھر بیہوش پڑا ہے۔'' آنے والے نے کہا۔

''لل..... لیکن تم.....!'' ڈاکٹر چنگیزی ہکلایا۔

''بی راؤ۔''

''اوہ..... فریدی کہاں ہے؟''

''میرے ساتھ آؤ۔'' وہ دوسری طرف مڑتا ہوا بولا۔ ڈاکٹر چنگیزی کسی پالتو کتے کی طرح اس کے پیچھے چلنے لگا تھا۔

''تم بھی جاؤ۔'' نیما نے ان کے چلے جانے کے بعد دونوں مسلح آدمیوں سے کہا اور پھر جب وہ بھی چلے گئے تو اس نے انور کو مخاطب کر کے کہا۔ ''تم اپنے اخبار کے لئے کسی سنسنی خیز کہانی کی توقع پر بہت دور نکل آئے ہو۔''

''بعض پیشے ایسے ہی خطرناک ہوتے ہیں۔'' انور نے خشک لہجے میں کہا۔

''لیکن یہاں سے تو واپسی ناممکن ہوگی۔''

''ارے کیا وہ مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے کہ مسلسل اسی سے بات کئے جا رہی ہو۔''

حمید نے ہانک لگائی۔

''نہیں! تمہیں بھی لالہ زار بناؤں گی۔'' وہ اس کی طرف مڑ کر مسکرائی اور پھر ایک بڑا سا چاقو نکالا۔

''پہلے میری رسیاں کاٹنا۔'' حمید چہکا۔

''ضرور.....!'' وہ چاقو کھولتی ہوئی سرد لہجے میں بولی۔ ''پہلے تم ہی نوازے جاؤ گے۔ لیکن کیا تم مرنے سے پہلے اپنی اصلیت سے آگاہ نہیں کرو گے؟''

''ٹھہرو.....!'' دفعتاً ڈاکٹر کی آواز آئی۔ ''ایک اور بھی ہے۔''

حمید نے دیکھا کہ گھوڑ سوار ڈپلیکیٹ آہستہ آہستہ ان کی طرف چلا آ رہا ہے۔ اُس کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور بی راؤ کی ٹامی گن اس کی طرف اُٹھی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر کے مسلح آدمیوں نے ڈپلیکیٹ کو تیسرے ستون سے باندھ دیا۔

''اب تم دونوں جاؤ۔'' ڈاکٹر چنگیزی نے اپنے آدمیوں سے کہا۔ ''چھت پر چڑھ کر چاروں طرف نظر رکھو۔''

وہ چلے گئے اور ڈاکٹر نے ڈپلیکیٹ کی طرف اشارہ کر کے نیما سے کہا۔ ''یہ کرنل فریدی ہے۔'' ڈپلیکیٹ کا سر جھکا ہوا تھا۔ نیما آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے قریب پہنچی اور ڈاکٹر کی

طرف دیکھ کر بولی۔ ''تو پھر میں پہلے اسی کے پہلو میں چاقو اتاروں۔''

''نہیں۔'' بی راؤ سخت لہجے میں بولا۔ ''میں اس قسم کی تفریح کی اجازت نہیں دوں گا۔ یہ صحت مند ہیں۔ انہیں ایک ایک کر کے آپریشن تھیٹر میں پہنچاؤ۔ پہلے فریدی ہی کو لے چلو۔''

ڈاکٹر چنگیزی نے ڈپلیکیٹ کو دوبارہ ستون سے کھولا اور وہ دونوں اُسے وہاں سے اور لے گئے۔ نیما پھر ان قیدیوں کے ساتھ تنہا رہ گئی۔

''یہ بی راؤ کون صاحب ہیں؟'' حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ ''جن سے چنگیزی صاحب دم ہلاتے پھر رہے ہیں۔''

''تمہیں اس سے کیا سروکار۔ تم اپنی خیر مناؤ۔'' نیما سرد لہجے میں بولی۔ ''ڈاکٹر چنگیزی میرے علاوہ اور کسی سے نہیں ڈرتا۔''

''تم میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں۔''

''خاموش رہو۔'' نیما غرائی۔ ''تمہاری زندگی ہی میں تمہارے جسموں سے سارا خون نچوڑ لیا جائے گا۔''

''اُوہو..... کیا مطلب؟'' اس بار انور بولا۔

''تمہارے لئے بڑی شاندار کہانی ہوتی مسٹر کرائم رپورٹر۔ لیکن افسوس کہ میں تم تینوں کو زندہ نہیں رہنے دوں گی۔ جب تمہارے جسموں سے خون نچوڑا جا چکے گا تو میں تمہارے سینوں میں چاقو اتار دوں گی۔''

''مگر ہلدا خون تمہارے کس کام آئے گا۔''

''ایک بہت ہی خاص قسم کی فیڈ تیار کی جائے گی جسے سانپ کھا کر اپنی کھال تبدیل کریں گے اور لومڑیاں سدھائے ہوئے کتوں کی طرح ہمارے کام آئیں گی۔''

''بھلا لومڑیوں سے کیا کام لیا جا سکتا ہے؟'' انور کے لہجے میں بے اعتباری تھی۔

''میں نہیں جانتی اور اب تم لوگ خاموش رہو۔'' نیما نے کہا اور وہاں سے چلی گئی۔

انور کو گھورے جا رہا تھا۔ آخر اس نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔ ''آپ کس مرض کی دوا ہیں۔''

''کتوں کی طرح چہل قدمی کرنے والی لومڑی میری ہی دریافت تھی اور میں نے اُسے پکڑوا کر کرنل صاحب کے حوالے کیا تھا۔''

''تو یہ مصیبت تمہاری ہی لائی ہوئی ہے۔''

''اور جس وقت وہ لومڑی پکڑی گئی تھی اس کے جسم سے ایک چھوٹا سا خودکار مووی کیمرہ بندھا ہوا تھا جس میں آٹھ ملی میٹر کی فلم چل رہی تھی۔''

''کہاں ملی تھی وہ لومڑی؟''

''انہی اطراف کے ایک ممنوعہ علاقے میں، جہاں ریڈار اسٹیشن بنایا جا رہا ہے۔''

''کب سے یہ چکر چل رہا تھا؟''

''قریباً ایک ماہ سے۔''

''اس وقت مجھے تمہاری شکل لومڑی ہی کی سی لگ رہی ہے۔'' حمید انور کو گھورتا ہوا بولا۔

اتنے میں نیما پھر آئی۔ اس بار بی راؤ اس کے ساتھ تھا۔ اس نے ٹامی گن بغل میں دبا رکھی تھی۔ نیما نے ان دونوں کو کھول دیا اور بی راؤ نے انہیں کور کئے ہوئے آگے چلنے کو کہا۔

وہ آپریشن تھیٹر میں آئے۔ ڈپلیکیٹ ایک میز پر چت پڑا نظر آیا۔ اس کا جسم چمڑے کے تسموں سے جکڑا ہوا تھا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' بی راؤ نے دو کرسیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا جو قریب ہی پڑی ہوئی تھیں۔ پھر اس نے نیما سے کہا تھا کہ وہ دوسری میز بھی تیار کرے۔ ڈاکٹر چنگیزی ڈپلیکیٹ کے جسم سے خون نکالنے کی تیاری کر رہا تھا۔ بی راؤ نے اسے رک جانے کا اشارہ کیا۔ نیما دوسری میز تیار کر چکی تو اس نے حمید اور انور کو مخاطب کر کے کہا۔ ''اب تم دونوں! ڈاکٹر چنگیزی کو اس میز پر لٹا کر اس کا جسم تسموں سے کس دو۔''

''کیا مطلب.....؟'' ڈاکٹر پلٹ کر غرایا۔

''ظاہر ہے کہ اب تم بی راؤ کے لئے بیکار ہو چکے ہو کیونکہ پولیس تم پر شبہ کرنے لگی ہے۔ اس لئے آخری کھیپ کچھ زیادہ ہی ہونی چاہئے۔''

''تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔''

''کیا تم دونوں نے نہیں سنا۔'' بی راؤ ٹامی گن کو جنبش دے کر بولا۔

وہ دونوں اٹھے ہی تھے کہ نیما بولی۔ ''ڈاکٹر ہوشیار۔ یہ بی راؤ نہیں معلوم ہوتا۔''

''تمہارا خیال درست ہے لڑکی۔'' بی راؤ مسکرایا۔ ''اس وقت کرنل فریدی غداروں سے

مخاطب ہے۔''

''اوہ.....!'' ڈاکٹر چنگیزی مٹھیاں بھینچ کر غرایا اور ٹامی گن کی پرواہ کئے بغیر فریدی پر چھلانگ لگادی۔ لیکن اس سے قبل ہی انوران کے درمیان آچکا تھا۔ نیما کا چاقو ایک بار پھر لہرا کر آیا۔ اس نے حمید پر حملہ کیا تھا۔ حمید غافل نہیں تھا ورنہ بچا تلا ہاتھ دل ہی پر پڑا ہوتا۔ اُس نیما کی کلائی پکڑلی اور نیما نے اچھل کر بائیں ہاتھ سے اس کے بالوں پر جھپٹا مارا۔

ڈاکٹر نے انور کو فریدی پر دھکیل کر دروازے میں چھلانگ لگائی تھی۔ پھر انور اور فری تو اس کے پیچھے جھپٹے تھے اور نیما حمید سے گتھی رہ گئی تھی۔ چاقو اس کے ہاتھ سے نکل گیا لیکن وہ کسی ہزار پا کی طرح حمید سے چمٹی ہوئی تھی۔

''شکریہ.....شکریہ۔'' حمید ہولے ہولے کراہتا ہوا بولا۔ ''جسم میں بڑا درد ہے۔''

''میں.....تمہیں پیس کر رکھ دوں گی۔'' وہ ہانپتی ہوئی بولی۔ ''کیا سمجھتے ہو۔''

''میں تمہیں بہت عقل مند سمجھتا ہوں۔ تم سرکاری گواہ بن کر بھی اپنی جان بچا سکتی ہو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں بچالوں گا۔''

دفعتاً نیما کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور اس نے ہسٹریائی انداز میں چیخ چیخ کر رونا شروع کردیا۔

''ارے.....ارے بالکل احمق ہو۔ میں کہتا ہوں، سب ٹھیک ہوجائے گا۔ میں نے تو سے پہلے بھی کہا تھا کہ ڈاکٹر پر لعنت بھیجو اور چلو میرے ساتھ۔''

اچانک عمارت کے کسی حصے سے دھماکے کی آواز آئی اور پھر ایسا محسوس ہوا جیسے پوری عمارت گر ہی جائے گی۔

''بھاگو.....!'' نیما چیختی ہوئی دروازے کی طرف جھپٹی۔ ''وہ ڈائنامائیٹ سے سب کچھ اڑا کر رہا ہے۔''

جیسے ہی وہ باہر نکلے ایک دھماکہ پھر ہوا اور عمارت کا مزید کچھ حصہ ڈھیر ہوگیا۔ گرد و غبار اور دھوئیں کی وجہ سے دم گھٹنے لگے تھے۔ اس وقت حمید نے یہی مناسب سمجھا کہ صرف نیما کو نظر میں رکھے۔ کیونکہ وہ بہرحال جان بچانے کے لئے باہر ہی نکل جانے کی کوشش کرتی ظاہر تھا کہ اُسے کسی غیر مخدوش راستے کا علم ضرور ہوگا، لیکن اس وقت اسے وہ ڈپلیکیٹ یاد آگیا جسے بحالت اضطرار بھول ہی گیا تھا۔ پھر وہ بے تحاشہ اسی کمرے کی طرف پلٹ

پڑا۔ ڈپلیکیٹ خود کو تسموں سے آزاد کرلینے کے لئے جدوجہد میں مصروف نظر آیا۔ حمید نے بڑی پھرتی سے نیما کا چاقو اٹھایا جو وہیں فرش پر پڑا رہ گیا تھا۔ پھر جھپٹ کر وہ اس کے قریب پہنچا اور تسمے کاٹنے لگا۔

پھر ایک اور دھماکہ ہوا اور قبل اس کے حمید سنبھل سکتا اسی کمرے کی چھت نیچے آرہی۔

اس کا ذہن غبار اور دھوئیں کی یلغار کی نذر ہوتا چلا گیا اور پھر.....مکمل تاریکی۔

درندہ

حمید کو ہوش آیا تو اپنے ہی کراہنے کی آواز کانوں میں گونجتی محسوس ہوئی۔ پورا جسم ایک دکھتا ہوا پھوڑا لگ رہا تھا۔ وہ آنکھیں بند کئے پڑا کراہتا رہا۔ فوری طور پر آنکھیں کھول دینے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔ اُسے یاد آیا کہ اُس نے ڈپلیکیٹ کے تسمے کاٹتے وقت کمرے کی چھت گرتے دیکھی تھی اور اس کے بعد.....اس کے بعد.....لیکن اب تو گھٹن کا احساس بھی نہیں تھا۔ تو کیا؟ تو کیا؟ اس نے یکلخت آنکھیں کھول دیں۔

چاروں طرف زرد رنگ کی دھند چھائی ہوئی تھی۔ آہستہ آہستہ دھند چھٹتی گئی اور در و دیوار صاف نظر آنے لگے۔ وہ شائد کسی ہسپتال کے پرائیویٹ وارڈ میں تھا۔ اس نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے کیونکہ اب ذہن پر پوری طرح قابو پاچکا تھا۔ کراہیں تو نیم بیداری کی حالت میں نکلتی رہی تھیں۔ پھر تین چار منٹ کے اندر ہی اندر اس کے گرد نرسوں اور ڈاکٹروں کا جمگھٹا لگ گئی تھی اور اُسے معلوم ہوا کہ وہ دو دن تک بیہوش رہا تھا۔ لیکن آس پاس کوئی ایسا شخص نہ آیا جس سے وہ اپنی بیہوشی کے بعد کے واقعات معلوم کرسکتا۔ اس نے ایک نرس سے کہا ''یہاں بستر کے قریب فون بھی ہونا چاہئے۔''

''بہت اچھا جناب۔'' اس نے کہا اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

فون آنے پر اس نے سب سے پہلے فریدی کو تلاش کرنا چاہا تھا۔ لیکن ناکامی ہوئی تھی۔

پھر انور سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ مگر وہ بھی نہ اپنے آفس میں موجود تھا اور نہ
میں۔ محکمے کے کسی دوسرے فرد سے اس سلسلے میں گفتگو نہیں کرنا چاہتا تھا۔ تھک ہار کر
نمبر ڈائیل کئے اور دوسری طرف سے اسی کی آواز آئی اور پھر حمید کی آواز پہچان کر چہکا

''الا کا شکر ہے کہ تم زندہ ہو۔ میں تمہیں پہلے ہی معاف قرر چکا ہوں۔''

''کیوں؟ میں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا۔ اچھا وہ لڑکی کہاں ہے کلارا؟''

''کباڑا ہوگیا..... اسے راستے ہی میں قرنل صاحب نے دھر لیا تھا اور لونڈیا
ساتھ لے گئے تھے۔''

''وہ کہاں مل گئے تھے؟''

''اسی ٹرک پر تو تھے جس پر گھوڑا آرہا تھا۔ کل مجھ سے ملے تھے۔ کہنے لگے تم پر
کیس قائم ہوجائے گا۔ اس لئے چپ چاپ رہو۔ قوی یکین نہیں کرے گا کہ وہ لڑکی خو
تمہیں بھگا لائی تھی۔ وہی یہ بھی بتا رہے تھے کہ تم گھوڑے پر سے گر کر بیہوش ہوگئے ہو
اسپتال قا پتا نہیں بتایا تھا۔''

حمید نے اندازہ کرلیا کہ فریدی نے قاسم کو ہسپتال تک کا پتہ بتانا مناسب نہیں سمجھا
لئے اس نے مزید کچھ کہے بغیر فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔ ویسے اس گفتگو کے بعد وہ مطمئ
ہوگیا تھا کہ فریدی بخیر و عافیت ہے۔ لیکن وہ..... ڈپلیکیٹ..... وہ بیچارہ..... پتہ نہیں اس کا
حشر ہوا ہو۔ اس کے سارے تسمے بھی تو وہ نہیں کاٹ سکا تھا۔ آخر اُسے اس طرح بندھوا
کی کیا ضرورت تھی۔ سوچتے سوچتے اس کا سر چکرانے لگا اور وہ ایک بار پھر گہری نیند سوگیا۔

وہ ڈھائی گھنٹے بعد خود ہی جاگا تھا اور سب سے پہلے کرنل فریدی پر نظر پڑی تھی۔

''خدا کا شکر ہے کہ تم اب خطرے سے باہر ہو۔'' فریدی بولا۔

''لیکن وہ ڈپلیکیٹ۔''

''تمہیں سن کر حیرت ہوگی کہ اس کے جسم پر معمولی سی خراش بھی نہیں آئی۔ اسی
تھا کہ تم اسے بچانے کے سلسلے میں زخمی ہوئے تھے۔''

حمید نے پھر آنکھیں بند کرلیں۔ اب وہ کچھ بھی معلوم کرنا نہیں چاہتا تھا۔ فریدی
بھی کیس سے متعلق کوئی ذکر نہ چھیڑا۔

تین دن بعد جب وہ کسی حد تک چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو ذہن میں پھر وہی خلش
ار ہونے لگی اور اس کے استفسار پر فریدی نے کہا۔ ''اگر تم قاسم کو ساتھ نہ لے جاتے تو
ت میرے قابو سے باہر ہوجاتے۔ وہ محض اتفاق نہیں تھا کہ کلارا قاسم کے ساتھ بھاگ
فری ہوئی تھی۔ دراصل وہ اُس سے ہم لوگوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتی تھی
ر چنگیزی ہی کی ہدایت پر اس نے یہ قدم اٹھایا تھا لیکن میں نے انہیں راستے ہی میں روک
یا۔ لڑکی جلد ہی نروس ہوگئی تھی اور سب کچھ اگلنا شروع کردیا تھا۔ اس نے کسی بی راؤ کا ذکر
کیا، جو ڈاکٹر چنگیزی سے ٹرانسمیٹر کے ذریعے رابطہ قائم کیا کرتا تھا لیکن چنگیزی سے کبھی ملا
نہیں تھا۔ اس کے پیغامات سرحد پار سے آتے تھے۔''

''چنگیزی نے اُسے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں..... اسی لئے مجھے بی راؤ بننے میں آسانی ہوئی تھی۔''

''چکر کیا تھا.....؟''

''انسانی خون کی اسمگلنگ..... یوں سمجھ لو کہ انسانی خون سے ایک ایسی غذا تیار کی جاتی
تھی جسے کھا کر سانپ اپنی کھال موٹی کرتے تھے اور لومڑیاں اپنا مزاج بدل دیتی تھیں۔ یعنی
پالتو کتوں کی طرح سراغ رسانی کرسکتی تھیں۔ جب انور کے ہاتھ ایک ایسی لومڑی لگی تو مجھے
نازی جرمنی کے ایک سائنٹسٹ کا کارنامہ یاد آگیا جس نے یہودیوں کے خون سے ایسی ہی
ایک چیز تیار کی تھی۔ بہرحال اُس لومڑی کی دریافت کے بعد ہی میرے ایک انفارمر نے مجھے
اطلاع دی کہ اسٹار آئرن فیکٹری سے لوہے کے ڈرموں کی کھیپیں نکلتی ہیں اور سرحد کے ایک
قریبی علاقے میں ڈلوادی جاتی ہیں۔ اسی انفارمر کی مارگزیدگی کے بارے میں تمہیں پہلے ہی
بتا چکا ہوں اور اب یہ بات پوری طرح کھل گئی ہے کہ ڈاکٹر چنگیزی دیہاتیوں کو اپنے ایسے
سانپوں سے ڈسواتا تھا، جو زہریلے نہیں ہوتے تھے۔ پھر انہیں علاج کے بہانے اپنی تجربہ گاہ
میں اٹھوالے جاتا، اور بیہوش کرکے اُن کے جسموں کا زیادہ تر خون نچوڑ لیا کرتا تھا۔ بہرحال
اس نے چند لومڑیوں پر اس کا تجربہ کیا تھا۔ انور کے ہاتھ لگنے والی لومڑی انہی میں سے ایک
تھی اور اس نے کیمپ کے پنجرے سے نکل کر چنگیزی کی تجربہ گاہ ہی کا رخ کیا تھا۔ اسی لئے
ہلاک کردی گئی۔''

''تو وہ مردود ہمارا خون سرحد پار کی لومڑیوں کے لئے بھجواتا رہا تھا۔''

''ہاں..... حمید صاحب! آدمی جب درندگی پر اُتر آتا ہے تو جانوروں سے بھی ہوجاتا ہے۔ کیا تم نے کبھی کسی کتے کو دوسرے کتے کا گوشت کھاتے دیکھا ہے۔''

''چنگیزی کا کیا ہوا.....؟''

''اپنے پورے کاروبار سمیت فنا ہوگیا۔ ملبے سے اس کی کچلی ہوئی لاش برآمد ہ ہے۔ صرف نیما اور کلارا ہی ہاتھ لگ سکیں۔ دوسرے ملازمین اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جا تھے کہ ڈاکٹر چنگیزی سانپوں کا زہر نکالتا ہے اور اُن کی کھالیں ایکسپورٹ کرتا ہے۔ حکو سے ایڈ لیتا تھا اور اتنا ذی اثر تھا کہ معمولی حالات میں اس پر ہاتھ ڈالنا دشوار ہوجاتا لئے اتنے پاپڑ بیلنے پڑے تھے۔ میرا اپنا ایک کوبرا بھی ضائع ہوگیا، جو انور اس لئے سا گیا تھا کہ ڈاکٹر کی تجربہ گاہ میں بحیثیت مارگزیدہ کچھ وقت گزار سکے۔ لیکن حقیقت یہ ہے مشکل آسان ہونے میں قاسم ہی کی حماقت کام آئی تھی۔ کلارا کا بروقت ہاتھ آجانا بے حد مند ثابت ہوا۔''

''سیٹھ اکرام کا کیا قصہ تھا.....؟''

''کچھ بھی نہیں..... وہ صرف اسمگلر ہے اور کئی قسم کے ادارے غیر قانونی طور پر کر رکھے ہیں۔ دو چار دن بعد وہ بھی جیل ہی میں نظر آئے گا۔''

حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ پھر کچھ دیر بعد بولا۔ ''کم از کم دو ماہ کی چھٹی درخواست کروں گا۔ کیا خیال ہے۔''

''ضرور..... ضرور..... میں سوچ رہا ہوں کہ تمہیں کچھ دنوں کے لئے ملک سے بھجوادوں۔''

حمید نے مسکرانے کی کوشش کی تھی، لیکن بائیں جبڑے پر چڑھے ہوئے پلاسٹر نے کی اجازت نہ دی۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 115

ٹھنڈا جہنم

(مکمل ناول)

پیشرس

یہ کتاب آدھی سے زیادہ لکھی جا چکی تھی کہ بخار کا حملہ ہوا اور اسی بخار کے عالم میں ریڈیو پر کسی ڈاکٹر صاحب کی تقریر سنی جو کہہ رہے تھے کہ ایک سگریٹ میں اتنا نکوٹین ہوتا ہے، جو ایک چوہے کی زندگی کو ختم کر دینے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ سخت افسوس ہوا اپنی اس نامعقولیت پر کہ روزانہ پچاس پچپن چوہے اپنے اندر مار ڈالتا ہوں لہٰذا سگریٹ نوشی ترک کر دینی چاہیے...!...! اس سے قبل ایک ذمہ دار آدمی کا یہ قول بھی نظر سے گزر چکا تھا کہ لوگ زیادہ قیمت ادا کر سکتے ہیں، اس لیے گرانی بڑھتی ہے.....! میں نے نوٹ کر لیا چونکہ سگریٹ اس قیمت سے زائد پر فروخت ہو رہے ہیں جو پیکٹ پر درج ہوتی ہے اسلئے مجھے سگریٹ نوشی نہیں کرنی چاہیے... بھلا چوہوں کے مرنے جینے کی کون پرواہ کرتا ہے وہ تو جملہ معترضہ تھا۔

لیکن میں کاغذ ہر قیمت پر خریدوں گا کیونکہ میری روٹی کپڑا اور مکان کاغذ ہی سے وابستہ ہے۔ ویسے کہنے کو تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگر کاغذ مہنگا ہے تو سستی کتابیں کرنسی نوٹ والے کاغذ پر کیوں نہیں چھاپی جاتیں وہ تو ملک میں بہ افراط موجود ہے! روٹی نصیب نہ ہو تو کیک کھا لینے میں کیا قباحت ہے.....!

لاحول ولا قوۃ پھر میں نے آپ کو کاغذ کے مسئلے پر بور کیا۔ کہہ رہا تھا کہ سگریٹ ترک کر دینے کے بعد دوبارہ حواس بجا ہونے میں بھی کچھ وقت لگا تھا۔ اس لیے کتاب پھر تاخیری ہی سے آپ تک پہنچ رہی ہے۔

اگر کبھی آپ کو سالہا سال پرانی سگریٹ نوشی کی عادت ترک کرنے کا اتفاق ہوا ہو تو آپ میری ذہنی کیفیت کا اندازہ بخوبی کر سکیں گے۔ بہر حال خدا کا شکر ہے کہ اب اس ذہنی انتشار کے دور سے گزر چکا ہوں۔ انشاء اللہ آئندہ کتاب کے لیے آپ کو معمول سے زیادہ انتظار نہ کرنا پڑے گا۔

اور ہاں آپ بھی سگریٹ ترک کر دیجئے۔ اس کی بجائے پان کھایئے، نسوار سے شوق فرمایئے، حقہ پیجئے کہ یہ اپنے ہی ''قومی نشے'' ہیں۔

ابن صفی

۲۹-۶-۷۳

وہ لڑکی

وہ بھاگ نکلا تھا.....! گاڑی کی ٹنکی پٹرول سے لبریز تھی اور ڈکے میں بھی دو کین پٹرول موجود تھا۔

کئی ہفتوں سے یہی ہو رہا تھا..... ہر سنیچر کی شام کو اس پر اس قسم کی آوارہ گردی کا دورہ پڑتا تھا۔ واپسی اتوار کے اختتام پر ہوتی۔

ویرانوں میں بسیرا ہوتا تھا۔ ہفتے میں پورے چھتیس گھنٹے شہر کے ہنگاموں سے دور رہ کر بسر کرنے کی یہ عادت اسے کدھر لیے جا رہی تھی.....؟ اس پر اس نے ابھی تک غور نہیں کیا تھا۔ اس سلسلے میں ذہن کو کریدنے کی بھی ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔

ذہن کو کریدنے سے فائدہ بھی کیا؟..... مرض کی وجہ بھی معلوم ہو گئی تو تم کیا کر لو گے.....؟ کس کے پاس علاج ہے.....؟

بس لہر اٹھے اور بہہ جاؤ..... اپنے گرد یکسانیت کے جال کیوں بن رکھے ہیں؟ جیون میں دوڑ لگانے کی سکت پیدا کرو۔

آنکھیں بند کرو اور دوڑ جاؤ..... ہو سکتا ہے کوئی اندھا کنواں تمہیں اس اذیت سے نجات دلا دے.....!

بہر حال اب سر پر نیلا آسمان تھا اور نیچے کولتار کی سیاہ سڑک!

گاڑی ساٹھ میل کی رفتار سے اڑی جا رہی تھی..... شام کے چار بجے تھے۔

شہری آبادی بہت پیچھے رہ گئی تھی۔ دو رویہ اونچی نیچی چٹانوں کے درمیان سڑک حد نظر تک سنسان دکھائی دیتی تھی۔

گاڑی فراٹے بھرتی رہی۔

ابھی چٹانوں پر بکھری ہوئی دھوپ میں خاصی تمازت باقی تھی لیکن وہ جانتا تھا جیسے ہی سورج غروب ہو گا خنک ہواؤں کی بھیگی بھیگی سی نرمی جسم کے مسامات میں گھلنے لگے گی۔

اس لذت کے تصور میں چمکیلی دھوپ آنکھوں پر زیادہ گراں نہیں گزر رہی تھی۔

دفعتاً اونگتے ہوئے ذہن کو جھٹکا سا لگا.....! سامنے کچھ فاصلے پر ایک گاڑی سڑک کے وسط میں اس طرح ترچھی کھڑی دکھائی دی کہ اسے فوری طور پر اپنی گاڑی کی رفتار کم کر دینی پڑی.....! پھر بریک لگائے۔

گاڑی آگے نکال لے جانے کے لیے جگہ نہیں تھی.....! انجن بند کیے بغیر وہ اتر گیا۔ سامنے والی گاڑی خالی تھی۔

پھر چھٹی حس خطرے کا اعلان کیوں نہ کرتی.....! ہاتھ بغلی ہولسٹر پر پہنچا ہی تھا کہ نسوانی قہقہہ سنائی دیا۔ پھر آواز آئی۔ ''اب تو رکو گے ظالمو.....!''

بائیں جانب ایک پتھر کی اوٹ سے گویا چاند طلوع ہو رہا تھا..... اس کا ہاتھ بغلی ہولسٹر سے ہٹ گیا۔

ایسا دمکتا ہوا چہرہ تھا کہ نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی..... بالآخر وہ ہنستی ہوئی سڑک پر آ گئی۔

''رکتے ہی نہیں سور کے بچے.....! نکلے چلے جاتے ہیں!'' وہ اس کے قریب پہنچ کر بولی۔

''کیا مطلب.....!'' وہ محویت سے چونک کر اسے از سر نو گھورنے لگا۔

''ایک گھنٹے سے گاڑی سڑک کے کنارے لگا رکھی تھی۔ کئی گاڑیوں کو رکوانا چاہا لیکن فراعنہ کی اولادیں نکلی چلی گئیں.....! آخر کسی نہ کسی طرح اپنی گاڑی کو اس پوزیشن میں لے آئی کہ.....!''

''مجھے رکنا پڑا.....!'' اس نے جملہ پورا کر دیا لیکن لہجے میں پھاڑ کھانے کا سا انداز تھا۔

''تم کسی تھانیدار کی اولاد معلوم ہوتے ہو!'' لڑکی اسے گھورتی ہوئی بولی۔

''بکواس مت کرو.....!'' گاڑی اس طرح کیوں کھڑی کی ہے.....!''

''خواتین سے بات کرنے کی بھی تمیز نہیں ہے!'' لڑکی کا موڈ بدل گیا۔

''میں اوّل درجے کا گدھا ہوں..... پھر.....!''

''میری گاڑی کا پٹرول ختم ہو گیا ہے!'' وہ یک بیک روہانسی ہو گئی۔

''میں پٹرول پمپ تو نہیں ہوں.....!''

''اسپیئر ہو تو اتنا دے دو کہ میں اگلے پٹرول پمپ تک پہنچ سکوں۔''

''گاڑی تو بڑی شاندار ہے تمہاری.....!''

''بھکارن تو نہیں ہوں..... پٹرول کی جو قیمت طلب کرو گے دوں گی!''

''چلو پہلے گاڑی سڑک کے کنارے لگاؤ.....!'' اس نے درشت لہجے میں کہا۔

دونوں نے گاڑی کو دھکا دے کر سڑک کے کنارے لگا دیا۔ اس نے پہلے ہی اپنی بائیں کنارے پر روکی تھی۔

دوسری گاڑیوں کے لیے سڑک صاف ہو گئی۔

''روانگی سے پہلے فیول کیوں نہیں چیک کیا تھا۔''

''میٹر خراب ہو گیا ہے.....!''

''کہاں رہتی ہو.....!''

''جنت میں.....!''

''مبارک ہو!'' کہتا ہوا وہ اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔

وہ اسکے پیچھے چل پڑی تھی لیکن وہ ڈکے کھولنے کے بجائے اسٹیرنگ کے سامنے جا بیٹھا۔

''میں نے کہا تھا..... پٹرول.....!''

''میری گاڑی میں بیٹھ جاؤ..... پہنچا دوں گا.....!''

''جہنم میں.....!'' وہ اسے گھورتی ہوئی بولی۔

''جنت سے اسی لیے نکالے گئے تھے کہ جہنم بھی آباد ہو سکے اور تم تو سیدھی جنت سے چلی آ رہی ہو.....!''

''ذہنی طور پر بیمار لگتے ہو!'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

''تم پہلی لڑکی ہو جس نے میرے ذہن میں جھانکنے کی کوشش کی ہے۔''

''تو دے دو نا پٹرول.....!''

''کتنے سے کام چل جائے گا!''

''بس اتنا ہی کہ اگلے پٹرول پمپ تک پہنچ جاؤں۔''

وہ گاڑی سے اتر آیا۔ ڈکے کھولی اور ایک گیلن کا ڈبہ نکال کر اس کے حوالے کیا۔

''اوہو..... اتنا اسپیئر.....!'' وہ بقیہ ڈبوں کو گھورتی ہوئی بولی۔ ''کہاں جاؤ گے!''

''میں کسی پُرسکون جھیل کی تلاش میں نکلا ہوں.....!''

''میری جھیل اگلے پٹرول پمپ سے زیادہ دور نہیں ہے!''

''تمہاری جھیل.....!''

''ہاں..... آں..... کیوں نہیں..... جب کہ میں نے ہی اسے دریافت کیا ہے! میں نے اپنے علاوہ وہاں اور کسی کو نہیں دیکھا!''

''اگر وہ ایسی ہی ویران جگہ ہے تو میرے لیے موزوں رہے گی.....!''

لڑکی نے اسے غور سے دیکھا اور ٹن اٹھائے ہوئے اپنی گاڑی کی طرف چل پڑی۔

وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا..... لڑکی کی چال بھی بڑی دلکش تھی! ایسا لگتا تھا جیسے پھولوں سے لدی ہوئی چمبیلی کی کوئی شاخ ہوا کے نرم رو جھونکوں میں ہلکورے لے رہی ہو.....!

اپنی گاڑی میں پٹرول ڈال کر خالی ٹن واپس کرنے اس کے پاس پلٹ آئی۔

''تم جیسے لوگوں کا دم غنیمت ہے دنیا میں.....!'' لڑکی بولی۔

''میرا تمہاری دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے!''

''کیا مطلب.....!''

''میں مریخ سے آیا ہوں!''

''مگر تمہارے کان گدھوں کے سے تو نہیں ہیں!''

''ٹانگیں گدھوں کی سی ہیں..... اب چلتی پھرتی نظر آؤ ورنہ دولتی رسید کر دوں گا۔''

''بدتمیز ہو.....!''

''رومانی گفتگو سے اب جی بھر گیا ہے! لڑکیوں سے اب ایسی ہی باتیں کرتا ہوں!''

''بہت زیادہ رہے ہو لڑکیوں میں.....!''

''اسی لیے اب صحراؤں کی خاک چھانتا پھر رہا ہوں.....!''

''پتہ نہیں کیوں تم پر رحم آ رہا ہے.....!''

''شکریہ.....! میں قابل رحم نہیں ہوں.....!''

''زندگی سے بیزار معلوم ہوتے ہو! اچھا چلو میں تمہیں وہ جھیل دکھادوں گی۔ اور میٹھا پانی ہے..... میں اس میں گھنٹوں تیرتی رہتی ہوں!''

پھر وہ اپنی گاڑی میں جا بیٹھی تھی..... دونوں گاڑیاں آگے پیچھے دوڑتی رہیں۔

پندرہ منٹ بعد وہ پٹرول پمپ تک پہنچے تھے۔ لڑکی نے اپنی گاڑی میں فلنگ کرائی۔ سفر پھر شروع ہو گیا۔

کچھ دیر بعد لڑکی نے اپنی گاڑی بائیں جانب والے ایک ناہموار راستے پر موڑ دی۔ وہ اس کا تعاقب کرتا رہا اور پھر وہ سچ مچ بڑی جگہ پر پہنچ گئے۔

چاروں طرف بکھری ہوئی چٹانوں کے درمیان ایک چھوٹی سی شفاف جھیل تھی۔ جگہ سرسبز جھاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔

''واقعی بڑی خوبصورت جگہ ہے!'' اس نے گاڑی سے اترتے ہوئے کہا۔

''ہے نا!'' لڑکی چہکی۔ ''اب میں کچھ دیر تیراکی کیے بغیر یہاں سے واپس نہیں جاؤں گی۔ تمہارا کیا خیال ہے؟''

''میرے پاس نہانے کا لباس نہیں ہے!''

لڑکی خاموشی سے اپنے کپڑے اتارنے لگی۔ تیراکی کا لباس اس نے کپڑوں کے پہلے ہی سے پہن رکھا تھا۔

وہ متحیر کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

پھر لڑکی نے لمبی دوڑ لگا کر جھیل میں چھلانگ لگائی تھی۔

پہلے بھی بے شمار لڑکیوں سے واسطہ پڑ چکا تھا لیکن یہ لڑکی اپنی تمام رعنائیوں کے باوجود اسے نہ جانے کیوں کوئی خبیث روح لگ رہی تھی۔

اس نے جیب سے تمباکو کی پاؤچ اور پائپ نکالا اور پُرتفکر نظروں سے اسے تیرتے دیکھتا رہا۔ کبھی کبھی وہ پانی میں غوطہ لگا کر نظروں سے اوجھل ہو جاتی۔

اس نے پائپ سلگایا اور ہلکے ہلکے کش لیتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ رات اسی جھیل کے کنارے گزاری جائے۔ وہاں سے کچھ ہی فاصلے پر بہت سے آبی پرندے تیرتے پھر رہے تھے۔ ان میں سے ایک ہی رات کے کھانے کے لیے کافی ہوتا۔

لیکن یہ لڑکی..... کتنی نڈر ہے ایک اجنبی کے ساتھ یہاں تک چلی آئی اور اب بڑی بے فکری سے اشنان کر رہی ہے۔

دفعتاً اسے خیال آیا کہ کسی معاملہ میں الجھایا تو نہیں جا رہا..... اس سے پہلے بھی متعدد بار ایسا ہو چکا تھا..... لڑکیوں نے اسے دشواریوں میں مبتلا کیا تھا.....!

تو پھر اب اسے کیا کرنا چاہیے.....! یا پھر ہو سکتا ہے کہ کسی متمول گھرانے کی کوئی اوباش لڑکی ہو.....! اجنبیوں کو اسی طرح اپنی طرف متوجہ کر کے ان کے ساتھ وقت گزارتی ہو.....!

اس نے گاڑی کے ایک پوشیدہ خانے سے چار سو دس بور کی چھوٹی سی دو نالی بندوق نکالی اور اسے لوڈ کر کے جھیل کے اس حصے کی طرف بڑھنے لگا جہاں آبی پرندے تیر رہے تھے۔

دفعتاً لڑکی زور سے چیخی اور وہ چونک کر آواز کی طرف پلٹ پڑا۔ لڑکی پانی کے باہر کھڑی نظر آئی۔

اس نے دیکھا کہ وہ کنارے سے گیلی مٹی اٹھا اٹھا کر اپنے جسم پر پلاسٹر کر رہی ہے۔ ساتھ ہی فلمی ریڈ انڈین اسٹائل میں چیخیں بھی مارتی جا رہی تھی۔

وہ جہاں تھا وہیں رک گیا۔ ادھر لڑکی بالکل بھوتنی بن کر رہ گئی تھی۔ پھر وہ اس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ وہ شور مچاتی ہوئی چٹانوں کی طرف بھاگ نکلی۔

''کیا بلا ہے یہ.....؟'' وہ دانت پیس کر بڑبڑایا۔

لڑکی چٹانوں میں غائب ہو گئی اور وہ پھر اپنی گاڑی کے قریب آ کھڑا ہوا۔

دس منٹ گزر گئے..... لیکن اس کی واپسی نہ ہوئی..... اس نے ایک بار پھر بُرا سا منہ بنایا اور اس طرف چل پڑا جدھر لڑکی گئی تھی۔

اس کے جسم سے گرنے والی مٹی رہنمائی کرتی رہی..... تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مٹی گرتی ہوئی تھی۔

بالآخر وہ ایک تنگ سے درے میں داخل ہوا اور پھر اچانک اسے رک جانا پڑا۔

سامنے ہی کوئی اوندھا پڑا تھا لیکن یہ تو کوئی مرد تھا اور اس کے جسم پر پورا لباس موجود تھا۔

وہ چند لمحے ساکت وصامت کھڑا اسے گھورتا رہا..... پھر آگے بڑھا اور پھر جیسے ہی اس نے اسے سیدھا کیا حلق سے تحیر زدہ سی آواز نکل گئی۔

وہ تو ایک لاش تھی اور چہرہ جانا پہچانا سا لگ رہا تھا.....!

دفعتاً وہ پلٹ کر اپنی گاڑی کی طرف بھاگا۔ یہاں سے گاڑی کا فاصلہ ایک یا ڈیڑھ فرلانگ سے کسی طرح کم نہ رہا ہوگا لیکن وہاں لڑکی کی گاڑی نظر نہ آئی۔

نکل گئی..... اس نے سوچا اور گاڑی کے ڈیش بورڈ کے ایک خانے سے ٹرانسمیٹر نکالا۔ دوسرے ہی لمحے وہ ایس پی ہومی سائیڈ کو کال کر رہا تھا۔

کچھ دیر بعد جواب ملا۔

''یور آئیڈنٹٹی پلیز.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''کیپٹن حمید..... مرکزی محکمۂ سراغرسانی.....!''

''کہیے کیا بات ہے.....!''

''مفرور ملزم سرفراز کی لاش مل گئی ہے.....!''

''کون سرفراز.....!''

''کیفے دارا کا مینجر.....!''

''اوہ..... آپ کہاں ہیں؟''

''ایک جھیل کے کنارے..... ہائی وے کے اکہترویں میل پر جو پٹرول پمپ ہے وہاں پہنچ جائیے.....!''

''کیا آپ وہیں ملیں گے.....!''

''جی ہاں..... اوور اینڈ آل.....!''

ٹرانسمیٹر ڈیش بورڈ کے خانے میں رکھ کر اس نے طویل سانس لی اور پھر گاڑی سے اتر آیا۔ لڑکی نے جہاں اپنی گاڑی کھڑی کی تھی وہاں گاڑی موڑنے کے نشانات موجود تھے۔ شاید وہ اسے لاش کے راستے پر پر لگا کر خود صاف نکل گئی تھی۔

حمید پھر اپنی گاڑی کی طرف پلٹ آیا اور اب اس کی نظر اس وزیٹنگ کارڈ پر پڑی جو

ہوا کی پچھلی نشست پر رکھا ہوا تھا۔ یہ کسی یاسمین فریدوں کا کارڈ تھا، جو سارہ بائی بلڈنگ کے پندرہویں فلیٹ میں مقیم تھی۔

کارڈ کی پشت پر پنسل سے بہت جلدی میں گھسیٹا گیا تھا۔ ''تم بالکل بدھو ہو!''

حمید نے ہونٹ بھینچ کر سر ہلاتے ہوئے کارڈ کو بڑی احتیاط سے پرس میں رکھ لیا۔

اب اس کی گاڑی دوبارہ پٹرول پمپ کی طرف جا رہی تھی.....!

ہومی سائیڈ اسکواڈ سورج غروب ہونے سے پہلے وہاں نہیں پہنچ سکا تھا اور جائے واردات تک پہنچتے پہنچتے گہری تاریکی پھیل گئی۔

ٹارچ کی روشنی میں وہ اس درے تک پہنچے تھے جہاں لاش پڑی ہوئی تھی۔

لاش کے آس پاس کوئی ایسی چیز نہ مل سکی جس سے اس وقوعے پر کسی قسم کی روشنی پڑ سکتی۔

دل کے مقام پر گولی لگنے سے موت واقع ہوئی ہوگی لیکن زمین پر کہیں خون کا ہلکا سا دھبہ بھی نہ مل سکا۔ صرف قمیض اور کوٹ کا کچھ حصہ خون آلود تھا۔

''لاش کہیں اور سے یہاں لائی گئی ہوگی!'' ایس پی بڑبڑایا۔

''ظاہر ہے!'' حمید بولا۔

''لیکن آپ یہاں تک کیسے پہنچے.....!''

''ادھر شکار کی تلاش میں آیا تھا..... ایک زخمی پرندے کا تعاقب کرتا ہوا اس طرف آ نکلا..... لاش کی دریافت اتفاقیہ تھی!''

بات اس سے آگے نہ بڑھ سکی۔ پھر وہ لاش اٹھوا کر شہر کی طرف واپس ہوئے تھے۔

حمید کی گاڑی بھی اب شہر کی طرف جا رہی تھی۔ آوارہ گردی کا پروگرام ملتوی ہو چکا تھا۔

شہر پہنچ کر اس نے گھر کی راہ لی..... فریدی گھر پر موجود تھا۔

''خیریت.....!'' وہ اسے گھورتا ہوا بولا۔ ''کیا اس سے بھی دل اکتا گیا!''

''جی نہیں! شاید قبر میں بھی مجھے سکون نہ مل سکے.....!''

''قبر میں مٹی اور حشرات الارض کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا.....!''

''پھر بھول گئے آپ!''

''اسے تمہاری عقل سے فرصت ملے تو کسی اور پر بھی پڑے.....!''

''نہیں واقعی..... میں نہیں بھاگ سکتا..... مقدرات کی زنجیر مجھے بہرطور اسی خرا
کھینچ لائے گی.....!''

''کیا ہوا.....! کسی لڑکی نے انکل کہہ دیا کیا.....!''

''جہنم میں جائے لڑکی.....!''

''تنہا نہیں جائے گی تم بھی ہو گے اسکے ساتھ..... اب آ جاؤ اصل بات کی طرف

''لڑکی ہی تھی.....!'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور پوری کہانی دہرا دی.....!

''تم سے حماقت سرزد ہوئی.....!'' فریدی خشک لہجے میں بولا۔ ''تمہیں سب سے
مجھے مطلع کرنا چاہیے تھا.....!''

''کیس ہمارے پاس تو نہیں تھا.....!''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا..... میں دیکھ رہا ہوں کہ تم روز بروز ناکارہ سے
ترین ہوتے جا رہے ہو.....!''

''میں نہیں سمجھا.....!''

''پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ تم نے براہ راست کسی بھی معاملے میں ہومی سائیڈ
سے رابطہ قائم کیا ہو! اور پھر ایسی صورت میں جب کہ وہ لاش اتفاقاً دریافت نہیں ہوئی تھی

''میں نے اسے اتفاق ہی کا رنگ دیا ہے۔''

''میرے لیے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا..... سرفراز کے بارے میں تم کیا جانتے ہو

''کیفے دارا کا منیجر تھا۔ ایک ہفتہ قبل کیفے دارا پر پولیس کا چھاپہ پڑا تھا جہاں سے
مقدار میں منشیات برآمد ہوئی تھیں اور سرفراز روپوش ہو گیا تھا.....!''

''چھاپہ کس بناء پر پڑا تھا.....!''

''مجھے تفصیل کا علم نہیں!''

''کسی نامعلوم عورت نے ایس۔ پی ایسٹ ڈویژن کو فون پر اطلاع دی تھی کہ کیفے
میں منشیات کی ایک بڑی کھیپ اتاری گئی ہے!''

''اوہ.....!''

''لڑکی کی گاڑی کا نمبر یاد ہے؟''

''نہیں.....!''

''گاڑی کا میک.....!''

''نئے موڈل کی مرسڈیز تھی.....!''

''شہر میں بے شمار ہیں!'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا اور چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔
لڑکی کا حلیہ.....!''

''پہلے خوب صورت..... پھر بھونتی.....!''

''سنجیدگی اختیار کرو۔'' فریدی کا لہجہ سخت تھا۔

''دماغ نہیں تھی۔'' حمید بھی جھنجھلا گیا۔

وزیٹنگ کارڈ کے بارے میں بتانا بھول گیا تھا۔ یاد آنے پر بھی جھنجھلاہٹ کی بناء پر گول
کر گیا۔

فریدی اٹھ گیا۔ حمید سٹنگ روم میں بیٹھا رہا۔ وہ لڑکی کا حلیہ کیا بتاتا۔ بس وہ بے حد
خوبصورت تھی۔ اس کے علاوہ اور کیا کہتا۔ بالتفصیل سراپا بتانے بیٹھتا تو غزل ہو جاتی۔

ہوسکتا ہے بعد میں وہ بھتنی اس لیے بن گئی ہو کہ اس کا حلیہ بیان کرنے والا دشواری میں
پڑ جائے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میک اپ میں رہی ہو اور جھیل میں غوطے لگانے کی وجہ سے میک
اپ اتر گیا ہو۔ لہٰذا اصلی صورت چھپانے کیلئے چہرے پر کیچڑ کا پلاسٹر کر لیا گیا ہو۔

تو پھر اب کیا کرنا چاہیے۔ فریدی کو خواہ مخواہ ناراض کر دیا۔ وہ سوچتا اور بور ہوتا رہا۔

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور اس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔

''ہیلو.....!''

''کون صاحب ہیں؟'' دوسری طرف سے نسوانی آواز آئی۔

''حمید.....!''

''ارے واہ بھولے بادشاہ..... سچ مچ بدھو تھوڑا ہی ہو..... کیا بُرا مان گئے.....!''

''اب کیا ہے؟ لاش وہاں سے اٹھوا لی گئی.....!''

''کیا مطلب..... کیسی لاش.....؟''

''اس سے کام نہیں چلے گا..... عقلمندی کا تقاضا یہی ہے کہ فوراً مجھ سے مل لو.....!''

''دوبارہ ملاقات ہی کی توقع پر تو اپنا کارڈ تمہاری گاڑی میں چھوڑ آئی تھی!''

''تو تمہارا نام یاسمین فریدوں ہے!''

''نہیں مٹر کی پھلی.....!''

''کیا مطلب.....!''

''غیر ضروری سوالات میں وقت ضائع نہ کرو۔ میں اپنے فلیٹ میں تمہاری منتظر ہوں۔''

''سوال یہ ہے کہ تم خود ہی کیوں نہیں آ جاتیں!''

''میں خطرے میں ہوں.....! فلیٹ سے باہر نہیں نکل سکتی.....!''

''کھل کر بات کرو۔''

''تم سمجھتے کیوں نہیں! میں خطرے میں ہو.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی سلسلہ منقطع ہو گیا۔

حمید ریسیور رکھ کر کچھ دیر گم سم بیٹھا رہا پھر اٹھا ہی تھا کہ فریدی دروازے میں کھڑا دکھائی دیا۔ وہ اسے اس طرح گھور رہا تھا جیسے اس کی چوری پکڑ لی ہو.....!

''کہاں چلے.....!'' بالآخر وہ بولا۔

''کہیں نہیں.....!''

''بیٹھ جاؤ!'' فریدی کا لہجہ اچھا نہیں تھا۔

''کیا مطلب.....!''

''لڑکی کا وزیٹنگ کارڈ.....!'' فریدی ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔

''تت.....تو.....آپ دوسرے انسٹرومنٹ پر سن رہے تھے.....!''

''اور تیسرے انسٹرومنٹ پر ایکسچینج کو ہدایت بھی کی تھی کہ اس کال کو چیک کر لیا جائے کہ یہ کس نمبر سے ہو رہی ہے!''

حمید نے طویل سانس لی اور کارڈ نکال کر فریدی کی طرف بڑھا دیا۔ اتنے میں فون کی گھنٹی پھر بجی۔ اس بار فریدی نے ریسیور اٹھایا تھا۔

''ہیلو..... ہاں ہاں.....میں ہی ہوں.....اوہ.....اچھا۔ شکریہ.....!'' وہ ریسیور رکھ کر حمید کی طرف مڑا۔ اس کے ہونٹوں پر استہزائیہ سی مسکراہٹ تھی۔

''وہ کال کسی فلیٹ سے نہیں ہوئی تھی.....!'' اس نے بالآخر کہا۔

''پھر.....!''

''تیرہ نمبر کے پبلک ٹیلیفون بوتھ سے!''

''لل.....لیکن.....اس نے تو کہا تھا کہ وہ خطرے میں ہے اور فلیٹ سے باہر نہیں نکل سکتی!''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ وزیٹنگ کارڈ پر نظر جمائے کچھ سوچ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ''اور تیرہ نمبر کا بوتھ بھی اس علاقے میں نہیں ہے جہاں سارہ بائی بلڈنگ واقع ہے!''

''پتہ نہیں کیا چکر ہے!'' حمید سر سہلاتا ہوا بڑبڑایا۔

''ابھی معلوم ہوا جاتا ہے.....بیٹھ جاؤ.....!''

فریدی نے فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کیے اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ ''ہارڈ اسٹون..... چیک کرو کہ سارہ بائی بلڈنگ کے پندرہویں فلیٹ میں کون رہتا ہے۔ فلیٹ مقفل ہو تو کسی طرح اندر داخل ہونے کی کوشش کرو.....آدھے گھنٹے کے اندر اندر رپورٹ چاہیے!'' پھر ریسیور رکھ کر سگار لگانے لگا۔

''میں ڈائننگ روم میں جا رہا ہوں!'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

ہارڈ اسٹون کے حوالے پر وہ سمجھ گیا تھا کہ فون بلیک فورس کے کسی ممبر کو کیا گیا ہے۔

ڈائننگ روم میں پہنچ کر اس نے کھانا طلب کیا۔ کھانے اور کافی کے اختتام تک وہ مدت پوری ہو گئی، جو بلیک فورس کے کسی ممبر کو دی گئی تھی۔

حمید وہاں سے اٹھ کر پھر سٹنگ روم میں آیا۔ فون کا ریسیور فریدی کے ہاتھ میں تھا اور وہ بہت غور سے دوسری طرف کی بات سن رہا تھا۔

بالآخر ریسیور رکھ کر حمید کی طرف مڑا۔

''اس فلیٹ میں بھی ایک لاش موجود ہے فرزند.....کسی لڑکی کی لاش اب تم وہاں جا کر اسے شناخت کر سکتے ہو!''

لاشیں

وہ فرش پر چت پڑی تھی۔ بائیں کنپٹی پر ایک بدنما سوراخ تھا..... آنکھیں کھلی ہ تھیں..... غالباً موت کے ساتھ ہی تحیر اور خوف کے آثار چہرے پر منجمد ہو کر رہ گئے تھے۔

فریدی نے سوالیہ انداز میں حمید کی طرف دیکھا اور حمید نے اپنے سر کو اثباتی جنبش دی۔

اس کی بھی تصدیق ہو گئی تھی کہ مقتولہ کا نام یاسمین فریدوں ہی تھا اور وہ پچھلے تین سال سے اسی فلیٹ میں مقیم تھی۔

لاش کے تفصیلی معائنے کے بعد فریدی حمید کو الگ لے گیا۔ اس کے محکمے کے بعض شعبوں کے ماہرین فلیٹ کے دوسرے کمروں میں بھی مصروف کار تھے۔

''تمہیں یقین ہے کہ یہی تھی.....!'' فریدی نے حمید سے سوال کیا۔

''یہی تھی.....!'' حمید بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''بڑی عجیب بات ہے؟''

''میں بھی اسی پر غور کر رہا ہوں!'' حمید کا لہجہ غم انگیز تاثر سے خالی نہیں تھا۔

''فون پر بھی اسی کی آواز تھی.....؟'' فریدی نے پوچھا۔

''مجھے یقین ہے کہ کچھ دیر پہلے فون پر مجھ سے اسی نے گفتگو کی تھی۔''

''اور ملاقات غالباً چار بجے شام کو ہوئی تھی.....!''

''جی ہاں..... چار یا سوا چار بج رہے ہوں گے۔''

''لیکن میرا تجربہ ہے کہ یہ لڑکی چار بجے زندہ نہیں تھی.....! قتل دس اور بارہ کے درمیان ہوا ہے، ہوسکتا ہے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں ایک یا ڈیڑھ گھنٹے کا فرق آئے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے.....!'' حمید بولا۔

''تو پھر.....!''

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی بھی گہری سوچ میں پڑ گیا تھا۔

''پڑوس میں کسی نے بھی فائر کی آواز نہیں سنی تھی لیکن قتل فلیٹ ہی میں ہوا تھا۔ فرش

38

پر خون یہی ظاہر کر رہا تھا۔''

''کیا تمہیں علم ہے کہ سرفراز بھی اسی عمارت میں رہتا تھا!'' دفعتاً فریدی بولا۔

''نہیں.....! اوہ.....!''

''دوسری منزل پر..... فلیٹ نمبر ستائیس میں!''

''کیا یہ محض اتفاق ہوسکتا ہے.....!''

فریدی خاموش رہا۔

حمید کا ذہن مسلسل چیخے جا رہا تھا۔ وہ یہی لڑکی تھی۔ وہ یہی لڑکی تھی لیکن لاش کی حالت ی کے نظریئے کی بھی تردید نہیں کر رہی تھی تو پھر یہ سب کیا تھا.....؟ دوسری طرف منطقی راسے باور کرنے پر تیار نہیں تھا کہ قتل ہو جانے کے بعد بھی اس کی روح کا رابطہ عالم ام سے نہیں ٹوٹا تھا۔

پھر اس اتفاق کو کیا کہیے کہ مقتول سرفراز کی رہائش بھی اسی عمارت میں تھی۔

رات کا بیشتر حصہ اس قضیے کی نذر ہو گیا۔ دوسری صبح وہ دیر تک سوتا رہا تھا۔ سوتا ہی رہتا ٹیلیفون کی گھنٹی نہ بجتی۔

''ہیلو.....!'' وہ ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں دھاڑا۔ نیند کی جھونجھل میں تھا لیکن ہری طرف سے ایک نسوانی قہقہہ سن کر اس کی آنکھیں کھلتی چلی گئیں۔

''میں مر چکی ہوں کیپٹن حمید!'' قہقہے کے اختتام پر کہا گیا۔

''مجھے تو زندہ رہنے دو.....!''

''تم بھی مر چکے ہو.....! ہم سب مر چکے ہیں!'' دوسری طرف سے آواز آئی اور پھر چیخوں اور سسکیاں سنائی دینے لگیں۔ وہ رو رہی تھی۔

''تم آخر ہو کیا بلا.....!'' حمید دانت پیس کر بولا۔

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو جانے کی آواز آئی۔

پھر وہ بڑی عجلت کے ساتھ اپنی خواب گاہ سے برآمد ہوا تھا لیکن ملازموں سے معلوم ہوا تھا کہ بڑی گھر پر موجود نہیں ہے۔ منہ اندھیرے ہی کہیں چل دیا تھا۔

ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر حمید سوچنے لگا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔

''کچھ بھی نہیں.....!'' ذہن نے جواب دیا۔ ''آج اتوار ہے.....!''

لیکن وہ آواز جو ابھی فون پر سنائی دی تھی۔ کیا اسے اتوار کی خوشیاں نصیب ہونے گی۔ پتہ نہیں وہ کون ہے اور کیا چاہتی ہے۔

ہنسی میں جتنی کھنک تھی اتنا ہی گداز رونے میں تھا۔ جب وہ فون پر روئی تھی تو آنکھیں غیر ارادی طور پر بھیگ گئی تھیں اور وہ جملہ کتنی تاثر انگیزی کے ساتھ کہا گیا تھا۔ بھی مر چکے ہو.....ہم سب مر چکے ہیں.....!''

فون کی گھنٹی پھر بجی.....وہ تیزی سے انسٹرومنٹ کی طرف جھپٹا تھا لیکن اس بار کی آواز سنائی دی تھی۔

''ہم سب مر چکے ہیں؟'' وہ ماؤتھ پیس میں دہاڑا تھا۔

''کیا بکواس ہے.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''اوہ.....کچھ نہیں.....آپ کہاں سے بول رہے ہیں!''

''تیرہ نمبر کے پبلک ٹیلیفون بوتھ سے.....!''

''اوہو.....کوئی خاص بات.....!''

''کچھ دیر پہلے تم نے کوئی کال ریسیو کی تھی.....!''

''جی ہاں.....وہ عالم بالا سے بول رہی تھی۔ کیا اس بوتھ کی کالیں ٹیپ کی جا رہی ہیں؟''

''ہاں.....میرا خیال ہے کہ وہ اس بوتھ کے آس پاس ہی کہیں رہتی ہے!''

''یہ بوتھ ہے کہاں.....!''

''اپر کلاس ہاؤسنگ سوسائٹی میں.....!''

''اوہ.....! کس جگہ.....؟''

''سوسائٹی کے ٹیلیگراف آفس کے قریب.....! تم کتنی دیر میں یہاں پہنچ سکتے ہو!''

''میں تیار ہی ہوں.....!''

''آ جاؤ.....میں ٹیلیگراف آفس میں ملوں گا۔''

ٹیلیگراف آفس تک پہنچنے میں پندرہ منٹ سے زیادہ صرف نہیں ہوئے تھے۔ فریدی لیکن ٹیلی گراف آفس کے قریب کھڑی نظر آئی اور وہ گاڑی ہی میں بیٹھا ہوا تھا۔ حمید

نے کا اشارہ کر کے گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔

سات آٹھ منٹ بعد ان کی گاڑیاں مے پول ہوٹل کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئیں۔

ڈائننگ ہال سنسان تھا.....فریدی کاؤنٹر کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

''فرمایئے جناب!'' کاؤنٹر کلرک نے مؤدبانہ کہا۔

''مینیجر سے کہاں ملاقات ہو سکے گی؟''

''وہ تو تار جام تشریف لے گئے ہیں جناب!''

''اوہ.....اچھا.....ذرا ہیڈ ویٹر کو بلوا دیجئے.....!''

''کوئی خاص بات ہے جناب!'' کلرک نے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔ وہ شاید ان کو پہچانتا تھا۔

''نہیں کچھ ایسی تشویش کی بات نہیں!''

''وہ ایک ہفتے کی چھٹی پر ہے جناب!''

''اس کا پتہ.....!''

''ابھی حاضر کرتا ہوں جناب!'' اس نے کہا اور کاؤنٹر سے اٹھ کر مینیجر کے کمرے میں چلا گیا۔

حمید خاموش کھڑا تھا۔ بہت سے سوالات اس کے ذہن میں کلبلا رہے تھے لیکن اس نے فی الحال صرف پائپ ہی سے شغل کرتے رہنے کو ترجیح دی۔

کاؤنٹر کلرک واپس آ گیا.....ہیڈ ویٹر کا پتہ ایک سلپ پر تحریر کرا لایا تھا۔

''اور کوئی خدمت جناب!'' اس نے سلپ فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں.....شکریہ!''

وہ پھر باہر آئے۔

''تم اپنی گاڑی فی الحال یہیں پارک رہنے دو.....اور میرے ساتھ چلو۔'' فریدی نے حمید سے کہا۔

''اور کوئی خدمت جناب!''

''چلو بیٹھو!''

''ہیڈ ویٹر کی تلاش کیوں ہے!'' حمید نے اگلی سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے پوچھا۔

''ابھی بتاتا ہوں!''

گاڑی مے پول کی کمپاؤنڈ سے باہر نکلی اور فریدی بولا۔ ''یاسمین فریدوں ایک مقامی میں اسٹینو تھی.....!''

''میں نے ہیڈ ویٹر کے بارے میں پوچھا تھا۔''

''پچھلی رات اسکے کمرے سے ایک بیج برآمد ہوا تھا اور یہ بیج مے پول کے ہیڈ ویٹر کا ہے۔''

''اوہ.....!''

''معلوم ہوا ہے کہ یاسمین اور سرفراز ایک دوسرے سے بہت قریب تھے۔ ان کے تعلقات کے بارے میں سارہ بائی بلڈنگ کے دوسرے کرایہ دار عموماً چہ میگوئیاں کرتے رہتے تھے۔''

''سوال تو یہ ہے کہ سرفراز کیوں مارا گیا؟''

''ٹھہرو بتاتا ہوں!'' فریدی نے کہا اور گاڑی ایک پبلک ٹیلیفون بوتھ کے قریب روک دی۔ حمید کو بیٹھے رہنے کا اشارہ کرتا ہوا وہ نیچے اتر گیا۔ قریباً دو تین منٹ بعد ٹیلیفون بوتھ سے برآمد ہو کر پھر گاڑی میں آ بیٹھا۔

''ایک دلچسپ اطلاع.....!'' وہ حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

''میری دلچسپی کی چیز فی الحال اس لڑکی کے علاوہ اور کچھ نہیں جو مر جانے کے باوجود بھی مجھے بور کیے جا رہی ہے۔''

''اسی کا قصہ ہے۔''

''جلد سے جلد سنا دیجئے!'' حمید مضطربانہ انداز میں بولا۔

''آج نو بجے اس نے جو کال تمہیں کی تھی اس کا ٹیپ اس پولیس آفیسر کو سنایا گیا ہے جسے کسی عورت نے فون پر کیفے دارا سے متعلق اطلاع دی تھی.....وہ پورے یقین کے ساتھ کہتا ہے کہ یہ آواز اسی عورت کی ہے!''

''خدا کی پناہ۔''

''کھیل دلچسپ معلوم ہوتا ہے!'' فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ ''خیر تم نے پوچھا تھا کہ سرفراز کیوں مارا گیا۔ ظاہر ہے کہ اگر اسے قتل کیا گیا ہے تو اس کا مقصد یہی ہو گا کہ وہ گرفتاری کے بعد پولیس کو بیان دے سکے۔''

حمید کچھ نہ بولا.....اس کا ذہن اسی لڑکی میں الجھا ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

''تو وہ لڑکی قاتلوں کو بھی جانتی ہو گی۔''

''ضروری نہیں ہے؟ قاتلوں کو جانتی ہوتی تو براہِ راست مطلع کر دیتی اس طرح ان دونوں لاشوں تک تمہاری رہنمائی نہ کرتی۔''

''لیکن یہ بہت زیادہ باخبر معلوم ہوتی ہے!''

''اس میں کیا شک ہے!''

''اگر وہ یاسمین کا میک اپ اپنے چہرے پر کر سکتی ہے تو آواز بدلنے پر بھی قادر ہو گی!''

''کلیہ نہیں ہے! بہتیرے لوگ آواز نہیں بدل سکتے لیکن دوسرے فنون کے ماہر ہوتے ہیں۔''

''پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ملی.....!''

''ابھی نہیں!''

''ویسے ایک بات سمجھ میں نہیں آتی!''

''کیا؟''

''آخر حالات میرا ہی پیچھا کیوں کرتے ہیں!''

''واقعی مجھے بھی حیرت ہے! تم اسی لیے تو بھاگ نکلتے تھے کہ اتوار کا دن اپنی مرضی سے گزار سکو.....!''

''آدمی کو بھی اگر سرد خانے میں رکھا جا سکتا.....تو میں کم از کم پندرہ دن کے لیے ضرور اپائنٹ ہو جاتا۔''

''جھک مارتے رہو.....! کیا فرق پڑتا ہے!''

''اس کی آواز میرے ذہن پر نقش ہو کر رہ گئی ہے!''

''سچ مچ بڑی دلکش آواز ہے!'' فریدی بولا۔

اب ان کی گاڑی شہر کے ایک بیچلرز بورڈنگ ہاؤز کے سامنے رکی۔

بورڈنگ ہاؤز کی منتظمہ ایک معمر عیسائی عورت تھی۔

''ہمیں فاروق سے ملنا ہے.....!'' فریدی نے اس سے کہا۔

''کون فاروق؟''

''مے پول میں ہیڈ ویٹر ہے!''

''اوہ.....وہ تو بہت بیمار ہے جناب! ہم نے اسے سول ہسپتال داخل کرادیا ہے!''

''کس وارڈ میں.....!''

''جنرل وارڈ بیڈ نمبر تھرٹین!''

''کب داخل کرایا ہے.....؟''

''آج صبح.....اسے خون کی قے ہوئی تھی.....!''

اب وہ سول ہسپتال کی طرف جا رہے تھے لیکن فاروق سے پوچھ گچھ کرنے کی دل ہی میں رہ گئی۔

وہ بھی دم توڑ چکا تھا۔

''اس نے خودکشی کی تھی یا کسی نے اسے زہر دیا تھا!'' ڈاکٹر نے فریدی کو بتایا۔

وہ پھر بورڈنگ ہاؤز کی طرف پلٹے۔

''تم دشواری میں پڑ گئی ہو.....!'' فریدی نے منتظمہ سے کہا۔

''کیوں جناب؟'' وہ تیکھے لہجے میں بولی۔

''فاروق مر گیا.....موت کی وجہ سے زہر خورانی بتائی گئی ہے!''

منتظمہ نے سینے پر کراس بنایا اور اپنی عافیت کی دعائیں مانگنے لگی۔ پھر کپکپاتی ہوئی میں بولی۔ ''رات اس نے یہاں نہیں گزاری تھی.....صبح آیا تھا اور زینوں ہی پر سے لے گئی تھی.....! یہاں کے کئی کرایہ دار اس وقت موجود تھے.....!''

''خیر.....ہم اس کے کمرے کی تلاشی لینا چاہتے ہیں!''

''آپ کون ہیں جناب!''

''پولیس!''

''خدا امن پسندوں کی حفاظت کرے.....!'' وہ طویل سانس لے کر بولی۔

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں! ہمیں اس کے کمرے میں لے چلو۔''

کمرے میں پہنچ کر فریدی نے اس سے کہا۔ ''اب تم باہر جا سکتی ہو.....!'' وہ چلی گئی۔

''آپ یہاں کیا دیکھیں گے.....!'' حمید نے پوچھا۔

''وردی والا کوٹ جس میں بیج لگایا جاتا ہے.....!''

اور وہ کوٹ جلد ہی مل گیا۔

''یہ دیکھو.....!'' فریدی نے کوٹ کے ایک پھٹے ہوئے حصہ کی طرف اشارہ کر کے ''بیج یہیں تو لگایا جاتا ہے.....!''

''اوہ.....تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ یاسمین کا قاتل فاروق ہی تھا!'' حمید بڑبڑایا۔

''بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے! کسی کشمکش کے دوران میں بیج کوٹ سے اس طرح الگ ہوا کہ کپڑا پھٹ گیا.....!''

اور پھر تھوڑی دیر کی کوشش کے بعد اسی کمرے سے ایک ایسا پستول بھی برآمد کر لیا گیا جس کی نال پر سائیلنسر فٹ تھا اور میگزین میں ایک کارتوس بھی کم تھا۔

قصہ طویل ہوتا جا رہا تھا۔ حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

پھر ڈھائی تین بجے تک وہ دونوں الگ الگ مصروف رہے تھے.....تین بجے کے قریب حمید گھر پہنچا۔ اس کی بھاگ دوڑ کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ فاروق کی پچھلے دن کی نقل و حرکت کے بارے میں کسی سے کچھ بھی نہ معلوم ہو سکا۔

تین دن پہلے اس نے ہوٹل سے ایک ہفتے کی چھٹی لی تھی۔ اس سے ایک دن قبل کیفے دارا پر چھاپہ پڑا تھا اور سرفراز کو پولیس نے روپوش قرار دے دیا تھا۔

گویا چھاپہ پڑنے کے ایک دن بعد فاروق نے چھٹی لے تھی۔

چار بجے فریدی واپس آیا۔

''پوسٹ مارٹم کی رپورٹ اور میرے اندازے میں سرمو فرق نہیں۔ البتہ سرفراز کی موت اس سے دو گھنٹے بعد واقع ہوئی تھی.....!'' اس نے کہا۔

''تو فاروق ہی یاسمین کا قاتل تھا.....!''

''اس کے سر سے برآمد ہونے والی گولی اسی پستول سے چلائی گئی تھی، جو فاروق کے کمرے میں ملا تھا.....اس کے برخلاف جس گولی نے سرفراز کا خاتمہ کیا وہ اعشاریہ چار پانچ

کے ریوالور سے چلائی گئی تھی.....!''

حمید خاموشی سے کافی پیتا رہا۔ وہ تو اسی لڑکی کے بارے میں سوچے جا رہا تھا۔ بڑے انوکھے انداز میں ان جرائم کی نشاندہی کی تھی۔ آخر وہ کون تھی اور کیا چاہتی تھی۔

''اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فاروق کو زہر دینے والا کون تھا!'' فریدی اپنے انڈیلتا ہوا بولا۔ ''خودکشی کا امکان نہیں..... زہر اپنے ہی گھر پر کھا کر موت کا انتظار ہے..... کہیں اور کھا کر گھر کی راہ نہیں لی جاتی۔''

''وہ..... لل..... لڑکی.....!'' حمید ہکلایا۔

''خدا تم پر رحم کرے.....!''

''کر ہی دے گا کسی نہ کسی دن!'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

''اس کی انگلیوں کے نشانات حاصل کر لیے گئے ہیں۔''

''کہاں سے؟'' حمید چونک پڑا۔

''وہیں سے جہاں اس نے اپنے جسم پر کیچڑ ملی تھی.....! ایک چٹان پر پوری ہتھیلی چھاپ مل گئی ہے لیکن یہ نشانات یاسمین فریدوں کی انگلیوں کے نشانات سے مختلف ہیں.....''

''کمال ہے؟ کیا میں سنجیدگی سے اسے کسی روح کا کارنامہ سمجھتا رہا ہوں!'' حمید بولا۔

''آپ کی رومان پسندی سے کچھ بعید نہیں!''

''لیکن سوال تو یہ ہے کہ وہ یاسمین کے میک اپ میں کیوں تھی!''

''تلاش کرو اور پوچھ لو.....!''

''ہوسکتا ہے فاروق کے سلسلے میں بھی وہی کچھ کر گزرے.....!''

''احمقوں کی جنت سے نکل کر کام کے آدمی بنو!''

''کیا مطلب!''

''تیرھویں ٹیلیفون بوتھ کے آس پاس اسے تلاش کرنے کی کوشش کرو۔ مجھے یقین ہے وہ آواز بدلنے کی صلاحیت نہیں رکھتی اور اب تم اسے صرف آواز ہی سے پہچان سکو گے.....''

''یعنی اس کا مطلب یہ ہوا کہ ٹیلیفون بوتھ کے قریب کھڑا ہو کر ہر آتی جاتی لڑکی چھیڑوں جب وہ گالیاں دینا شروع کر دے تو اس کی آواز پہچاننے کی کوشش کروں!''

''جو طریقہ چاہو اختیار کرو..... مجھے اس سے غرض نہیں.....!''

''کیفے دارا کے ملازمین سے بھی پوچھ گچھ تو کی ہی گئی ہوگی.....!''

''لیکن کوئی بھی نہیں بتا سکتا کہ منشیات کی کھیپ کہاں سے آئی تھی، جو بتا سکتا تھا وہ مار ڈالا گیا.....!''

''یاسمین کیوں ماری گئی.....؟''

''ہوسکتا ہے وہ بھی کچھ جانتی ہو.....!''

''فاروق.....!''

''وہ کم از کم یہ تو بتا ہی سکتا کہ یاسمین کو کس نے قتل کرایا تھا.....!''

''سوال تو یہ ہے کہ یہ کشت وخون کیا محض اسی بناء پر ہوا ہے کہ منشیات کا اصل تاجر اپنی شخصیت کو چھپانا چاہتا ہے۔''

''اس سٹیج پر صرف قیاس ہی کیا جا سکتا ہے!'' فریدی بولا۔

''خیر..... ہوگا کچھ!'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔ ''تو پھر مجھے اجازت ہے!''

''کیا مطلب!''

''نکل جاؤں اس لڑکی کی تلاش میں!''

''تمہارے لیے فی الحال یہی مناسب ہوگا!'' فریدی نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

لیکن حمید اس سے کوئی اثر لیے بغیر فراخدلانہ انداز میں گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

گاڑی کے بجائے موٹر سائیکل نکالی تھی اور نتھنوں میں وہ اسپرنگ فٹ کر لیے تھے۔ جن کے دباؤ سے نہ صرف ناک کی نوک اوپر اٹھ جاتی تھی بلکہ اوپری ہونٹ کی پوزیشن بھی اس طرح بدل جاتی تھی کہ دانت نظر آنے لگتے تھے۔

وہ سوچ رہا تھا کہ ٹیلیفون بوتھ کی نگرانی احمقانہ حرکت ہوگی کیوں نہ آس پاس کی کوٹھیوں میں یہ دیکھا جائے کہ نئے موڈل کی مرسیڈیز گاڑیاں کہاں کہاں ہیں۔

ٹیلیفون بوتھ کی نگرانی کے لیے اس نے اپنے تین ماتحتوں کو طلب کر کے کہا۔

''اگر کوئی بے حد خوبصورت لڑکی یہاں فون کرنے آئے تو اس کا تعاقب کیا جائے۔''

''بے حد خوبصورت!'' ایک ماتحت نے پریشان ہو کر دہرایا۔

''اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا.....!''

''رنگ.....قد.....جسامت.....کوئی امتیازی خصوصیت!''

''بکواس بند کرو.....صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ سیاہ گھونگریالے بال.....!''

''بس جناب کافی ہے!'' ماتحت جلدی سے بولا اور حمید مرسیڈیز گاڑیوں کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔

کئی کوٹھیوں میں نئے موڈل کی مرسیڈیز گاڑیاں دکھائی دیں اور ایک بہت بڑی کوٹھی میں جس کا نام سیونتھ ہیون تھا اس میں تو پوری پانچ عدد نئے موڈل کی مرسیڈیز کاریں تھیں اور ان کی رنگت بھی سفید تھی۔

''پانچ سفید گاڑیاں!'' وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ ''کہیں انہیں میں سے کوئی نہ رہی ہو.....تو پھر کیا کرنا چاہیے! وہ سوچ ہی رہا تھا کہ سیونتھ ہیون کے پھاٹک سے ایک اسکوٹر برآمد ہوا جس پر سنہرے بالوں والی ایک بے حد اسمارٹ لڑکی سوار تھی۔

تب پھر اچانک اسے کیوں نہ خیال آتا کہ تفصیلی چھان کی ابتداء اسی عمارت سیونتھ ہیون سے کی جائے۔

لہٰذا تفصیلی چھان بین کے لیے موٹر سائیکل اسی ''حسن بردار'' اسکوٹر کے پیچھے لگا دی گئی۔

لڑکی جین اور جیکٹ میں ملبوس تھی..... بالوں کی بندش کچھ اس قسم کی تھی کہ تیز ہوا بھی انہیں منتشر نہیں کر سکتی تھی۔

حمید سوچ رہا تھا کہ اب اسے نتھنوں سے اسپرنگ نکال لینا چاہئے.....ایسی مکروہ صورت لے کر لڑکی سے جان پہچان پیدا کرنے سے کیا فائدہ.....!

اسکوٹر کی رفتار بہت تیز تھی۔ حمید نے تیس چالیس گز کا فاصلہ برقرار رکھا۔ ذرا ہی دیر میں وہ شہری آبادی پیچھے چھوڑ گئے۔ یہ سڑک انہیں غالباً ایک ساحلی تفریح گاہ کی طرف لے جا رہی تھی۔

سنسان سڑک پر لڑکی کے اسکوٹر کی رفتار کچھ اور تیز ہو گئی۔ حمید نے بھی معینہ فاصلہ برقرار رکھتے ہوئے موٹر سائیکل کی رفتار بڑھا دی۔

دفعتاً اس نے محسوس کیا کہ لڑکی اسکوٹر کی رفتار کم کر رہی ہے..... اس نے بھی اپنی رفتار کم کر دی۔ پھر ایسا ہوا کہ دونوں ہی نے بیک وقت اپنی اپنی گاڑیاں روک دیں۔

حمید نے غیر ارادی طور پر ایسا کیا تھا لیکن غلطی کا احساس ہوتے ہی اس نے موٹر سائیکل تیزی سے آگے بڑھائی اور پھر اسے آگے نکالتا لیتا چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد لڑکی کا اسکوٹر اس کے برابر ہی چل رہا تھا اور اب تو وہ اس پر گویا لدی پڑ رہی تھی..... بار بار ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے سائیڈ سے ٹکرا جانا چاہتی ہو۔ حمید بڑی پھرتی سے بچنے کی کوشش کرتا۔

''اکیلا دیکھ کر چھیڑ رہی ہو!'' دفعتاً وہ بہت زور سے چیخا۔ ''کیا باپ بھائی نہیں ہیں.....!''

وہ کچھ نہ بولی لیکن اس کی وہ حرکت برابر جاری رہی۔

اس کی اس دلیری پر وہ ششدر رہ گیا۔ ذرا سی بھول چوک دونوں ہی کو دوسری دنیا کی سیر کرا سکتی تھی۔

رقاصہ

ساحل کے قریب والے چوراہے پر ٹریفک کانسٹیبل موجود تھا۔ شاید اس کی وجہ سے لڑکی کا یہ رویہ فوری طور پر تبدیل ہو گیا۔ وہ اپنا اسکوٹر آگے نکال لے گئی۔

بہرحال حمید کے لیے یہ ایک خطرناک تجربہ تھا۔

لڑکی کا اسکوٹر ساحل کے اس حصے کی طرف مڑ گیا جہاں پرائیویٹ موٹر بوٹس لنگر انداز رہتی تھیں۔

حمید بھی اپنا موٹر سائیکل ادھر ہی لیتا چلا گیا۔

''کیا تم کسی پاگل خانے سے فرار ہوئی ہو.....!'' وہ اس کے سر پر پہنچ کر غرایا۔

لڑکی نے سر اٹھا کر اسکی طرف دیکھا اور ایک مضمحل سی مسکراہٹ اسکے چہرے پر پھیل گئی۔

''جواب دو!''

لڑکی نے اپنا منہ کھول دیا اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے خود اس کا دم گھٹ گیا ہو۔ لڑکی کے منہ میں زبان نہیں تھی۔

''اوہ.....! مجھے افسوس ہے!'' وہ یک لخت ڈھیلا پڑ گیا۔

لڑکی اسکوٹر سے اتر کر ریت پر بیٹھ گئی اور اشارے سے کاغذ اور قلم مانگا۔

حمید پر ''انسانیت'' کا دورہ پڑ چکا تھا اس نے اپنی جیبی ڈائری سے دو تین ورق پھاڑ کیے اور فاؤنٹین پن سمیت اس کے حوالے کر دیئے۔

لڑکی لکھنے لگی۔

''میں پیدائشی طور پر زبان سے محروم ہوں..... کبھی کبھی مجھ پر دیوانگی کے دورے پڑتے ہیں۔ اس وقت بھی یہی ہوا..... تم بہت اچھے ہو کہ خود تم نے بدلہ لینے کی کوشش نہیں کی۔ کون ہو.....؟ مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔ میں سن سکتی ہوں لکھ پڑھ سکتی ہوں..... آکسفورڈ سے بی۔ اے کیا تھا۔''

''فرنچ بھی آتی ہے.....!''

حمید نے بڑے خلوص سے اپنا کارڈ نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ اس نے کارڈ پڑھ کر ڈالی پھر ہونقوں کی طرح ایک ٹک حمید کی طرف دیکھتی رہی۔ آنکھوں میں حیرت تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے اپنی بصارت پر یقین نہ آ رہا ہو۔

پھر یک بیک چونکی اور لکھنا شروع کر دیا۔

''یقین نہیں آتا۔ تم تو بہت مشہور آدمی ہو..... بہت دلیر..... تمہاری زندہ دلی کے بھی بہت قصے سن رکھے ہیں۔ کیا یہ ایک خوشگوار اتفاق نہیں ہے! لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم میرا تعاقب کیوں کر رہے تھے؟''

''تم سے گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ مجھے ایک سفید مرسیڈیز گاڑی اور ایک بے حد چالاک لڑکی کی تلاش ہے۔''

''میرے خاندان میں پانچ مرسیڈیز گاڑیاں ہیں..... اور پانچوں سفید ہیں۔'' اس نے لکھا۔

''اوہو.....!'' حمید جلدی سے بولا۔ ''بھلا سیونتھ ہیون کے مکینوں پر کون شبہ کر سکتا ہے..... تیموری خاندان ملک کے معزز ترین خاندانوں میں سے ہے۔ میں نے اس لیے تمہیں

تعاقب کیا تھا کہ موقع ملتے ہی جان پہچان پیدا کرنے کی کوشش کروں۔''

''لیکن کیوں؟'' اس نے لکھا۔

''وہ لڑکی انہی اطراف میں کہیں رہتی ہے..... اور اس کے پاس نئے ماڈل کی سفید مرسیڈیز ہے۔ دراصل گاڑی کا نمبر معلوم نہ ہونے کی بناء پر یہ دشواری پیش آ رہی ہے!''

''کس سلسلے میں مطلوب ہے وہ لڑکی۔'' اس نے لکھا۔

''مجھے افسوس ہے کہ یہ نہ بتا سکوں گا..... سرکاری راز ہے!''

''لڑکی کا حلیہ بتاؤ.....!''

''سیاہ گھنگھریالے بال..... متناسب جسم..... رنگ سرخ و سفید آنکھیں غالباً براؤن ہیں۔''

''کوئی اور خاص پہچان.....!'' اس نے لکھا۔

''اس سے زیادہ اور کچھ نہ بتا سکوں گا.....!''

وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر اس نے لکھنا شروع کیا۔

''ٹیلیگراف آفس کی پشت پر ایک کلب ڈانسر نومی رہتی ہے۔ کل میں نے اسے ایک سفید مرسیڈیز میں دیکھا تھا۔ اس کے پاس گاڑی نہیں ہے لیکن روز ہی ایک نئی گاڑی میں نظر آتی ہے..... ہو سکتا ہے یہ گاڑیاں اس کے ملنے والوں کی ہوتی ہوں۔ وہ ایک اچھی رقاصہ اور میک اپ کی ماہر ہے اور میرا خیال ہے کہ چالاک بھی ہے.....!''

''چالاک نہ ہوتی تو روزانہ ایک نئی گاڑی میں کیسے دکھائی دیتی!''

''بہت بہت شکریہ! لیکن کل وہ کس وقت سفید مرسیڈیز میں دکھائی دی تھی۔''

''شاید ایک یا ڈیڑھ بجے کی بات ہے.....! یاد اس لیے رہ گئی کہ سفید گاڑی اور سفید مہمات میں کوئی دیوی لگ رہی تھی.....!''

حمید اچھل پڑا..... اُسے جُل دے کر نکل جانے والی بھی سفید ہی لباس میں تھی!

لڑکی لکھتی رہی۔ کبھی کبھی وہ محض اپنی چال ڈھال سے پہچانی جا سکتی ہے کیونکہ میک اَپ کے ذریعہ خدوخال میں تبدیلی کر لینے پر بھی قادر ہے۔

''کل وہ میک اپ میں تھی!'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں کل تو وہ نومی ہی لگ رہی تھی.....!''

''کس مخصوص کلب کی ڈانسر ہے!''

''آج کل برتھا بورن میں رقص کرتی ہے!'' لڑکی نے لکھا۔

''واقعی میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ تم نے خاصی معلومات فراہم کر دیں۔''

''تم دل پھینک قسم کے آدمی ہو۔ کہیں خود ہی اس کے جال میں نہ پھنس جانا!'' لڑکی نے لکھا اور حمید ہنس کر بولا۔ ''نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ عرصہ ہوا دل کو سیف ڈپازٹ لاکر میں رکھوا چکا ہوں۔''

''سمندر کی سیر کا ارادہ ہو تو میری موٹر بوٹ موجود ہے!'' لڑکی نے کہا۔

''کیا مضائقہ ہے! چلو.....!'' حمید بے چون و چرا تیار ہو گیا۔

''لیکن تم مسلسل بولتے رہو گے۔ میرے ہاتھ تو اسٹیرنگ پر ہوں گے۔ میں لکھ نہیں سکوں گی۔''

وہ حمید کی زندگی کی سب سے عجیب شام تھی۔ اس لڑکی کی خاموشی تھی یا ہزار زبانیں بیک وقت نغمہ ریز تھیں کیسی گھلاوٹ تھی اس کی آنکھوں کی اداسی میں۔

حمید کہہ رہا تھا۔ ''اس وقت میں سب کچھ بھول گیا ہوں..... زندگی ایک بیکراں سمندر معلوم ہو رہا ہے۔ لہریں..... لہریں..... لہریں۔ ایک ہی بات بار بار دہراتی ہوئی لہرائیں۔''

لڑکی نے اپنے سر کو جنبش دی۔ جیسے پوچھ رہی ہو۔ ''کون سی بات؟''

موٹر بوٹ لہروں کا سینہ چیرتی ہوئی آگے بڑھی جا رہی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ بیچ ہوٹل والے ساحل سے جا لگی۔

''تم نے بہت اچھا کیا کہ ادھر لے آئیں۔'' حمید بولا۔

''کیوں؟'' اس لڑکی نے ہاتھ کے اشارے سے سوال کیا۔

''کچھ دیر سکون سے بیٹھیں گے! تم بڑی اچھی دوست ثابت ہو سکتی ہو!''

وہ موٹر بوٹ سے اتر کر بیچ ہوٹل کے لان پر آ بیٹھے..... سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا۔

''کیا پیو گی!'' حمید نے اس سے پوچھا۔

''زبان نہ ہونے کی بناء پر ذائقے سے محروم ہوں کچھ بھی پلا دو!'' لڑکی نے لکھا۔

''ہرگز نہیں! میں شراب نہیں پیتی..... کافی منگوا لو..... میرا خیال ہے کہ تم بھی شراب نہیں پیتے..... تمہاری آنکھیں بتاتی ہیں!''

''تمہارا خیال درست ہے۔''

''غالباً تمہارے چیف کرنل فریدی بھی نہیں پیتے!''

''بھی درست ہے۔''

''لیکن سیونتھ ہیون میں شراب کی نہریں بہتی ہیں!'' لڑکی نے لکھا۔ ''میرا باپ شرابی ہے..... میری ماں شرابی ہے..... بہرحال میرے علاوہ سب ہی پیتے ہیں۔ نابالغ افراد بھی صرف بیئر سے شوق کرتے ہیں۔ اگر کوئی ٹھنڈا پانی پیتا ہوا نظر آئے تو سمجھ لو کہ اسے ڈاکٹر نے بتایا ہو گا۔''

''کتنے افراد کا کنبہ ہے؟''

''سب مل کر تیس عدد..... دادا جان کہیں اور رہتے ہیں.....! مجھے حیرت ہے کہ تم نہیں جانتے..... کرنل فریدی تو میرے ایک چچا کے گہرے دوستوں میں سے ہیں! کئی بار سیونتھ ہیون میں آ چکے ہیں!''

''مجھے علم نہیں!'' حمید بولا۔

''تفصیل کرنل سے معلوم کر لینا..... کہاں تک لکھوں..... ہاتھ دکھ گیا۔ اب تم ہی بولتے رہو.....!''

کافی آئی اور وہ کچھ دیر تک خاموشی سے شغل کرتے رہے۔

پھر حمید اٹھتا ہوا بولا۔ ''میں ابھی آیا۔ ذرا ایک ضروری کال کرنی ہے۔''

لڑکی نے سر کی جنبش سے گویا اسے اجازت دی تھی۔

وہ ہوٹل کی عمارت میں آیا اور فون بوتھ میں داخل ہو کر گھر کے نمبر ڈائیل کیے۔

اتفاقاً فریدی گھر ہی پر موجود تھا۔

''ٹیلیگراف آفس کی پشت پر ایک رقاصہ نومی رہتی ہے!'' حمید ماؤتھ پیس میں بولا۔ ''اس کی نگرانی کرائیے.....!''

''تم کہاں ہو!''

''جہاں بھی ہوں زیادہ خوش نہیں ہوں، نومی کی نگرانی کرائیے۔''

''برتھا بورن کلب میں رقص کرتی ہے!''

''کس بات کا شبہ ہے اس پر!'' دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

''شاید کل وہی تھی۔ میری معلومات کے مطابق میک اپ بھی کر سکتی ہے!''

''تم اس وقت کہاں ہو؟''

''بیچ ہوٹل میں!''

''اور کون ہے تمہارے ساتھ!''

''کوئی بھی نہیں.....!''

دوسری طرف سے یہ پوچھے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا گیا کہ وہ بوتھ نمبر تیرہ کی نگرانی کرتے کرتے بیچ ہوٹل کیسے جا پہنچا۔

حمید کو لڑکی سے معلوم ہو چکا تھا کہ فریدی کے اس خاندان سے تعلقات ہیں اس لیے اس لڑکی کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ بے زبان ہونے کے باوجود بھی وہ دلکش اور دلچسپ تھی اور وہ اس کے ساتھ مزید کچھ شام میں گزارنا چاہتا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ پھر موٹر بوٹ میں آ بیٹھے.....اس بار حمید اسٹیئر کر رہا تھا اور لڑکی سیٹ کی پشت گاہ سے ٹیک لگائے اونگھ رہی تھی۔

حمید اسے کنکھیوں سے دیکھے جا رہا تھا..... بڑی عجیب بات تھی.....لڑکی کے چہرے پر ویسی ویرانی یا وحشت نہیں پائی جاتی تھی جیسی عموماً گونگے افراد کے چہروں پر ملتی ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ اس کی قوت سامعہ بہرحال برقرار تھی.....! وہ اپنے گرد و پیش کا مکمل ادراک رکھتی تھی۔ تعلیم یافتہ بھی تھی۔

شہر پہنچتے پہنچتے رات کے آٹھ بج گئے.....آرلکچو میں انہوں نے کھانا کھایا اور گیارہ بجے تک بال روم میں وقفے وقفے سے رقص میں حصہ لیتے رہے۔ لڑکی بہت سلیقے سے رقص بھی کر سکتی تھی۔

سوا گیارہ بجے واپسی کی ٹھہری۔ لڑکی نے کاغذ کے ٹکڑے پر لکھا!

''آج کی شام بہت دنوں تک یاد رہے گی..... اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ پھر کبھی ہماری ملاقات ہو سکے.....!''

''کیوں.....؟ بھلا ملاقات میں کیا دشواری ہو سکتی ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''صبح تک میں تمہیں بھول چکی ہوں گی.....!'' لڑکی نے لکھا۔ ''میرے لیے یہی بہتر ہے۔ ساری دنیا کے مرد عورتوں کی زبان کا رونا روتے نظر آتے ہیں لیکن کوئی مجھ بے زبان سے شادی کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔''

''ارے.....وہ تو!'' حمید کھسیانی ہنسی کے ساتھ بولا۔ ''وہ مرد دراصل یہ چاہتے ہیں کہ عورت صرف ان کی ہاں میں ہاں ملاتی رہے۔ ان سے اختلاف نہ کرے۔''

''کچھ بھی ہو.....!'' لڑکی نے لکھا۔ ''زیادہ ملنے سے تعلقات بڑھتے ہیں پھر جدائی ممکن نہیں ہو سکتی۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ یک بیک وہ اس کے لیے بے حد مغموم ہو گیا تھا۔

بارہ بجے کے قریب گھر پہنچا۔ فریدی موجود نہیں تھا لیکن ایک ملازم سے معلوم ہوا کہ کچھ دیر قبل فریدی کی کال آئی تھی اور اس نے کہا تھا کہ جیسے ہی حمید گھر پہنچے اسے دفتر بھیج دیا جائے۔

''دفتر.....اتوار کو بارہ بجے رات!'' حمید اچھل پڑا۔

اچھلتا یا سر کے بل کھڑا ہوتا.....دفتر تو جانا ہی پڑا تھا۔

وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ فریدی فنگر پرنٹ سیکشن میں ہے۔

اور پھر جب فریدی نے ایک مخصوص قسم کی مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کیا تو اسے اپنی عافیت خطرے میں نظر آنے لگی۔ یہ طنزیہ سی مسکراہٹ حمید کے احمقانہ اقدامات کے لیے مخصوص تھی۔

''ٹوپی حراست میں لے لی گئی ہے! لیکن اسکی انگلیوں کے نشانات ان سے نہیں ملتے جو جھیل کے کنارے والی ایک چٹان پر ملے تھے.....!'' اس نے خلافِ توقع نرم لہجے میں کہا۔

''سوال تو یہ ہے کہ آپ نے اسے.....!'' حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ یہاں دوسرے کے سامنے کسی بحث میں نہیں الجھنا چاہتا تھا۔

''چلو.....!'' فریدی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

اور پھر وہ اپنے آفس میں آئے تھے۔

''میں نے صرف نگرانی کے لیے کہا تھا!'' حمید بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''آخر کس بناء پر!'' فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''مجھے معلوم ہوا تھا کہ وہ میک اپ میں خاصی دسترس رکھتی ہے اور پچھلے دن ایک بجے کے قریب سفید مرسیڈیز میں دیکھی گئی تھی جسے وہ خود ہی ڈرائیو کر رہی تھی اور سخیر میں بھی تھی.....!''

''معلومات کس طرح حاصل کی تھیں.....!''

''تحریری رپورٹ پیش کر دوں گا!'' حمید بھنا کر بولا۔ وہ فریدی سے اس لڑکی کا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''خیر.....خیر.....لیکن نومی کے پاس گاڑی نہیں ہے۔''

''اس کے باوجود ہر روز ایک نئی گاڑی میں دیکھی جاتی ہے..... ہفتے کو اس کے پاس نئے موڈل کی سفید مرسیڈیز تھی۔''

''اب تم نے کام کی بات کی ہے؟ لیکن اس کی آواز بھی فون والی آواز سے مماثلت نہیں رکھتی۔''

''میک اپ کر سکتی ہے تو آواز بھی بدل سکتی ہوگی۔''

''نہیں.....! وہ آواز بدلنے کی صلاحیت نہیں رکھتی.....اتنا اندازہ بھی نہ کر سکوں تو پچھلے تجربات خاک کا ڈھیر ہی ثابت ہوئے۔''

''سوال تو یہ ہے کہ پھر آپ نے کس بناء پر حراست میں لیا ہے۔''

''بیٹھ جاؤ! تم نے پھر ایک بڑا تیر مارا ہے.....!''

حمید طویل سانس لے کر آرام کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔

''نومی کو خود میں نے چیک کیا تھا.....! وہ اپنے بنگلے سے نکلی تھی! اس وقت نیلے رنگ کی گاڑی میں تھی.....وہ گاڑی اس نے ایروز سینما کے سامنے والے پارکنگ پلاٹ میں پارک کی تھی اور ڈنشا بلڈنگ میں چلی گئی۔ دس منٹ بعد وہاں سے برآمد ہوئی تو نیلی گاڑی کے بجائے سفید گاڑی ٹویوٹا پر جا بیٹھی.....ٹویوٹا چلی تو اس کا رخ تارجام کی طرف تھا.....اب میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ اس گاڑی میں ضرور کچھ نہ کچھ ہے، لہٰذا وقت کیوں ضائع کیا جائے۔ گاڑی کو اوورٹیک کر کے میں نے اسے رکنے پر مجبور کیا.....اور پھر جانتے ہو کیا ہوا.....؟''

''آپ سے بھلا کیا ہو سکا ہوگا!''

''اس گاڑی کے ڈکے میں منشیات کے بڑے بڑے پیکٹ موجود تھے۔''

''نہیں.....!'' حمید بوکھلا کر سیدھا ہو بیٹھا۔

''لہٰذا اب بتاؤ اصل بات کیا ہے؟'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

''کیسی بات!''

''ہوں!'' فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر اس نے فون کا ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔ ''اُسے یہاں لاؤ.....!''

اگر یہ ہدایت رقاصہ نومی کے لیے تھی تو حمید کا دم نکل کر رہ گیا کہ اس نے تو آج تک اس کی شکل ہی نہیں دیکھی تھی۔

تین چار منٹ بعد فریدی کا ایک ماتحت اس عورت سمیت آفس میں داخل ہوا۔ خوش شکل اور متناسب جسم والی تھی۔

''بیٹھ جاؤ.....!'' فریدی نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

اس نے چپ چاپ تعمیل کی لیکن اس کا سر جھکا ہوا تھا کسی سے آنکھ نہیں ملا رہی تھی۔

''ہفتے کو تمہارے پاس نئے موڈل کی سفید مرسیڈیز تھی۔'' دفعتاً فریدی نے سوال کیا۔

''جی نہیں!'' کپکپاتی ہوئی آواز میں جواب ملا۔ ''یہی ٹویوٹا تھی.....!''

''صرف یہی دو گاڑیاں تمہارے استعمال میں رہی ہیں!''

''جی ہاں!''

فریدی نے حمید کی طرف دیکھا، جو اپنی بائیں کنپٹی سہلا رہا تھا۔ جھیل کے کنارے بیوقوف بنانے والی نومی ہرگز نہیں ہو سکتی تھی.....اس کے بال سیاہ اور گھونگریالے تھے.....لیکن وہ بھی اس لڑکی کے برابر نہیں تھا۔

تو پھر.....وہ بے زبان لڑکی.....؟ وہ بدستور کنپٹی سہلا سہلا کر اس کے بارے میں سوچتا رہا.....اب وہ فریدی اور نومی کی گفتگو کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

''ان دونوں گاڑیوں کا مالک کون ہے؟''

''میں صرف نیلی گاڑی کے مالک کو جانتی ہوں لیکن وہ مر چکا ہے.....!''

''کون؟''

''کیفے دارا کا منیجر سرفراز.....اُسی نے مجھے اس کام پر لگایا تھا.....اب کوئی بات نہیں سے کیا فائدہ.....؟''

سرفراز کے نام پر حمید پھر چونکا اور ان کی طرف متوجہ ہو گیا نومی کہہ رہی تھی۔''ا فریدوں میری دوست تھی۔ اسی نے سرفراز سے ملوایا تھا۔ دونوں ہی ختم ہو گئے۔ اموات نے مجھے خوفزدہ کر دیا تھا.....اچھا ہوا کہ میں پولیس ہی کے ہاتھ لگی ورنہ کون جانے میرا کیا حشر ہوتا.....!''

''منشیات تم تک کیسے پہنچتی تھیں!'' فریدی نے سوال کیا۔

''منشیات ڈنشا بلڈنگ کے قریب پہنچتی تھیں۔ میں گاڑی پارک کر کے ڈنشا بلڈنگ ایک گوشے میں جاتی ہوں..... جہاں مجھے منشیات والی گاڑی کی کنجی رکھی ہوئی ملتی ہے! اپنے استعمال والی گاڑی کی کنجی وہاں رکھ کر منشیات والی گاڑی کی کنجی اٹھا لیتی ہوں اور اپنی گاڑی وہیں چھوڑ کر منشیات والی گاڑی لے نکلتی ہوں! تارجام والی سڑک پر ایک ٹرک ملتا ہے اور میری گاڑی کی ڈگی خالی ہو جاتی ہے۔ میں اس گاڑی کو اپنے بنگلے میں لیے چلی آتی ہوں.....کلب میں چونکہ میری ڈیوٹی گیارہ بجے شب سے تین بجے صبح تک ہوتی ہے۔ اس لیے مجھے اس کام کا وقت مل جاتا ہے.....معاوضہ ڈیڑھ ہزار روپے ماہانہ اور گاڑی مفت۔'' تلخ سے ہنسی کے بعد خاموش ہو گئی۔

فریدی نے اپنے ماتحت کو اشارہ کیا کہ اسے لے جائے.....! حمید خاموش بیٹھا رہا۔

نومی کے چلے جانے کے بعد فریدی نے پھر فون کا ریسیور اٹھایا اور ماؤتھ پیس میں بولا۔''ڈیوڈ کو لاؤ.....!'' ریسیور رکھ کر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

''تو کیا آپ نے اس ٹرک کو نظر انداز کر دیا جس پر نومی کی گاڑی سے منشیات منتقل ہوتی تھی!'' حمید نے سوال کیا۔

''نہیں.....وہ بھی پکڑا گیا.....اور وہ جس تک پہنچاتا تھا وہ آدمی بھی اس وقت حراست میں ہے۔''

''کیا وہی آخری آدمی ہے؟''

''دیکھو کیا ہوتا ہے.....اس سے ابھی تک میں نے پوچھ گچھ نہیں کی۔''

''تو یہ ڈیوڈ غالباً وہی آدمی ہے جسے آپ نے طلب کیا ہے۔''

فریدی نے سر کو اثباتی جنبش دی اور پُرتفکر انداز میں سگار کا گوشہ توڑنے لگا۔

کچھ دیر بعد مطلوبہ آدمی وہاں لایا گیا۔ اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں۔ یہ ادھیڑ عمر کا ایک قد آور آدمی تھا۔ سر کے بال غائب تھے اور آنکھیں چھوٹی چھوٹی تھیں۔ لباس سے ذی حیثیت معلوم ہوتا تھا۔

''یہ ظلم ہے کرنل صاحب!'' وہ آفس میں داخل ہوتے ہی بول پڑا تھا۔''پتہ نہیں کس نے مجھے پھنسوانے کی کوشش کی ہے۔''

''بیٹھ جاؤ.....!'' فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کر کے خشک لہجے میں کہا۔''سچی بات اور نہ تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو.....!''

''میں کچھ نہیں جانتا.....!'' وہ بیٹھتا ہوا بولا۔

''کیا نہیں جانتے.....!''

''اسی کے بارے میں کہ مجھے کیوں پکڑا گیا ہے۔''

''پھر تم نے یہی کیوں کہا تھا کہ کسی نے تمہیں پھنسوانے کی کوشش کی ہے!''

''ظاہر ہے کہ آپ کسی شکایت کے بغیر تو اس قسم کے اقدامات نہیں کر سکتے!''

''کیا تمہیں اس سے انکار ہے کہ ٹرک نمبر R-318 تمہاری ملکیت نہیں ہے!''

''کیا اس سے کوئی ایکسیڈنٹ ہوا ہے؟'' اس نے بوکھلا کر پوچھا۔

''میرے سوال کا جواب دو!''

''جج.....جی ہاں.....وہ میرا ہی ٹرک ہے! لیکن ہوا کیا ہے؟''

''اسے اس وقت کہاں ہونا چاہیے تھا؟''

''گگ.....گیراج میں جناب.....وہ کئی دن سے روڈ پر نکلا ہی نہیں مرمت میں ہے۔''

''تب پھر تم نے کیوں پوچھا تھا کہ کیا اس سے کوئی ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔''

وہ کھسیانی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔''جب کسی ذی عزت آدمی کے ہاتھوں میں اچانک ہتھکڑیاں پڑ جاتی ہیں تو وہ اسی طرح نروس ہو جاتا ہے.....!''

فریدی نے فون کا ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔ ''ٹرک ڈرائیور کو لاؤ!''

حمید نے محسوس کیا کہ دفعتاً ڈیوڈ کا چہرہ زرد پڑ گیا ہے۔

اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر کچھ کہنا چاہا لیکن پھر خاموش ہو گیا۔

ڈرائیور لایا گیا۔ گھنی اور بے مرمت داڑھی مونچھوں میں اس کا چہرہ بڑا خونخوار تھا۔ اس کے ہاتھوں میں بھی ہتھکڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔

''مم..... میں نہیں..... جانتا یہ کون ہے!'' ڈیوڈ ہکلایا۔ ''میں سمجھا شاید آپ نے ٹرک ڈرائیور کو بلوایا ہے۔''

''مجھے حیرت ہے ڈیوڈ کہ تم اپنے بھائی ولیم تلارام کو نہیں پہچانتے کیسے ڈیوڈ تلارام ہو!''

''میں نے کچھ نہیں بتایا!'' ڈرائیور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

فریدی نے اپنے ماتحت سے کہا۔ ''اسکی مصنوعی داڑھی اور مونچھیں چہرے سے الگ کرو۔''

فوراً تعمیل کی گئی اور ذرا سی دیر میں ولیم تلارام کا شائستہ سا چہرہ ظاہر ہو گیا۔ اب صورت سے خاصا سیدھا سادہ آدمی لگ رہا تھا۔ ڈیوڈ آنکھیں بند کر کے کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گیا۔ اس کا سینہ کسی لوہار کی دھونکنی کی طرح پھول پچک رہا تھا۔

''تم دونوں سے صبح نپٹوں گا۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا اور ماتحتوں کو اشارہ کیا کہ وہ انہیں لے جائیں۔ پھر حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ ''اب تمہاری باری ہے فرزند.....!''

فون نمبر

''میں نہیں سمجھا!'' حمید کا لہجہ جارحانہ تھا۔

''تمہاری ان معلومات کا ذریعہ اس لڑکی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔''

''میں آپ کے اس خیال کی تردید کرتا ہوں.....!''

فریدی براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ حمید ڈھٹائی سے جما رہا۔ فر

نے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''تمہارے چہرے پر چالاکی نہیں ہے۔''

''سچائی اتنی سستی نہیں ہے کہ چہروں پر ماری ماری پھرے۔''

''مجھ سے کچھ چھپا کر پچھتاؤ گے۔ شاید وہ آج پھر تمہیں جل دے گئی!''

حمید کچھ نہ بولا۔ اب وہ بھی اس بے زبان لڑکی کے مسئلے پر سنجیدگی سے غور کر رہا تھا۔

فریدی کچھ دیر بعد بولا۔ ''ہو سکتا ہے! منشیات کی غیر قانونی تجارت کرنے والے دو گروہ آپس میں ٹکرا گئے ہوں اور بات اس حد تک بڑھی ہو کہ ایک گروہ دوسرے گروہ کو پولیس کی نظر میں لانے کی کوشش کرنے لگا ہو۔''

''ہوں! تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس لڑکی کا تعلق اُسی گروہ سے ہو سکتا ہے جو اس سلسلے میں پولیس کی رہنمائی کر رہی ہے۔''

''فی الحال اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سوچ سکتا۔''

حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''وہ ایک بے زبان لڑکی تھی!''

''خوب.....!'' فریدی مسکرایا۔

''یقین کیجئے!'' حمید نے کہا اور کھسیائے ہوئے انداز میں اپنی کہانی دہرانے لگا۔ اس کے خاموش ہونے پر فریدی پُرتشویش لہجے میں بولا۔ ''اُس گھرانے میں کوئی ایسی لڑکی نہیں ہے۔ شہباز تیموری کی گیارہ عدد جوان پوتیاں ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی بے زبان نہیں ہے بلکہ سب ہی بے حد زبان دراز ہیں۔''

''لیکن وہ اسی عمارت سے برآمد ہوئی تھی!''

''میرے گھر سے اگر کوئی برآمد ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ وہیں کا کوئی فرد ہے۔''

''جہنم میں جائے!'' حمید بھنا کر بولا۔ ''مجھے نیند آ رہی ہے!''

''دفع ہو جاؤ.....! تم سے بھی صبح نپٹوں گا!''

''کیا آپ استراحت نہیں فرمائیں گے.....؟''

''آپ ہی فرمائیں۔'' فریدی نے کہا اور اٹھ کر آفس سے نکل گیا۔

حمید نے شانوں کو جنبش دی اور جیب سے پائپ نکال کر اس میں تمباکو بھرنے لگا۔ نوی

والے انکشاف نے اس کی نیند غائب کر دی تھی..... تو کیا وہ بے زبان لڑکی سچ مچ اسے گئی تھی۔ بے زبانی کا ڈھونگ اسی لیے رچایا تھا کہ اپنی آواز نہیں سنانا چاہتی تھی..... لیکن زبان تھی ہی کہاں اس کے منہ میں۔

''اونہہ.....! دیکھا جائے گا!'' وہ پائپ سلگائے بغیر اٹھتا ہوا بڑبڑایا۔

واپسی پر اسکے ذہن میں سیونتھ ہیون کی گیارہ عدد جوان لڑکیاں بسی ہوئی تھیں۔ اس نے کرلیا تھا کہ خود ہی اس راز سے پردہ ہٹائے گا۔ وہ کون تھی اور اس عمارت سے اسکا کیا تعلق تھا

دوسری صبح جلد ہی بیدار ہونا پڑا کیونکہ یہ چھٹی کا دن نہیں تھا۔ فریدی سے ناشتے کی پر ملاقات نہ ہوسکی..... ملازموں سے معلوم ہوا کہ وہ واپس ہی نہیں آیا تھا۔

آج کے کئی اخبار میز پر پڑے تھے۔ ان میں پچھلی رات والی گرفتاریوں سے متعلق بھی نہیں تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پریس رپورٹروں کے کان میں ان کی بھنک بھی نہ پڑ پائی ہو۔

ناشتے سے فارغ ہو کر دفتر پہنچا..... فریدی آپریشن روم میں تھا۔ سیدھا وہیں چل گیا۔ فریدی اسی پراسرار لڑکی کی آواز کا ٹیپ سن رہا تھا جو حمید سے فون پر بات کرتی رہی تھی۔

حمید کو اس نے گھور کر دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔ اتنے میں ان کے آفس کے ایک آدمی نے وہاں پہنچ کر اطلاع دی کہ فون پر حمید کی کال ہے۔

فریدی نے پھر اُسے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھا لیکن خاموش رہا۔

حمید نے لاپروائی ظاہر کرنے کے لیے شانوں کو جنبش دی اور آفس کی طرف چل پڑا تھا۔ لیکن کال ریسیو کرتے ہی آنکھوں میں تارے ناچ گئے۔ پھر وہی لڑکی تھی۔ ''ہیلو'' کہنے پر دوسری طرف سے کھنکتی سی ہنسی سنائی دی تھی۔

''کل پھر تمہیں چوٹ ہوگئی..... پیارے حمید صاحب!'' اس نے ہنسی کو برقرار رکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں! تمہارا بہت بہت شکریہ! مزید تین شکار ہاتھ لگے ہیں!''

''تم جیسے زیرک آدمی کو بے زبانی کا یقین دلا دینا کیا ایک بڑا کارنامہ نہیں ہے!''

''بیسویں صدی کی اس چوتھائی میں سب کچھ ممکن ہے!'' حمید خشک لہجے میں بولا۔

''میرا اس گھرانے سے کوئی تعلق نہیں ہے جس کا ذکر میں نے کل کیا تھا۔''

''لیکن تم برآمد تو وہیں سے ہوئی تھیں.....!''

''محض اتفاق تھا..... وہاں مجھے کوئی نہیں جانتا۔''

''پھر وہاں کیا کر رہی تھیں؟''

''کچھ معلومات فراہم کرنے گئی تھی.....!''

''اس وقت بور کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی!''

''اتنی بے دردی سے بے مروتی کا مظاہرہ مت کرو..... پچھلی رات تو تم مجھ پر قربان ہوئے جا رہے تھے.....!''

''محض اس لیے کہ تم پچھلی رات بے زبان تھیں..... ذرا بتانا تو اس کی مشق کیونکر بہم پہنچائی ہے!''

''بچپن ہی سے پریکٹس کرتی آئی ہوں! زبان کو اس طرح سمیٹتی ہوں کہ وہ نچلے جبڑے کا ایک حصہ معلوم ہونے لگتی ہے۔''

''اب کہاں اور کس شکل میں ملو گی۔''

''خدا جانے..... یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتی!''

''سوال تو یہ ہے کہ تم نے اپنی زندگی ان خطرات میں کیوں ڈالی ہے!''

''اس لیے کہ میں اس درندگی کا خاتمہ چاہتی ہوں..... کیپٹن حمید کیا تم تصور کر سکتے ہو کہ بیوہ ماں کی پریشانیوں کا جس کا گیارہ سال کا بچہ ان موذیوں کا شکار ہو کر اس کی زندگی میں تاریکیوں کا اضافہ کر رہا ہے..... میں تمہیں دعوت دیتی ہوں آ جاؤ اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لو..... بھیم پورہ کی ترکاری گلی میں کھولی نمبر اٹھارہ پر آ جاؤ!''

''اوہو..... مگر تمہیں اس کی پریشانیوں سے کیا سروکار تم اس مٹی سے تو نہیں بنیں۔ نئے دہلی کی مرسیڈیز کار بھیم پورے کی ترکاری گلی میں کیوں جانے لگی۔''

''میں اپنے طبقے سے اس قدر متنفر ہوں کہ اس کا نام و نشان تک مٹا دینا چاہتی ہوں۔''

''فلمی قسم کی نیکیوں کے ہوائی قلعے بنانے کی عادی معلوم ہوتی ہو!''

''کیپٹن حمید!'' غصیلے لہجے میں کہا اور پھر سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔

حمید نے طویل سانس لے کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور مڑا ہی تھا کہ فرید
ٹکراتے ٹکراتے بچا!

''ہوں! تو اس نے تمہیں یقین دلا دیا کہ کل وہ بے زبان لڑکی وہ خود ہی تھی!'' ف
نے سرد لہجے میں کہا۔

''خواہ مخواہ میرے سر ہو رہی ہے!'' حمید بے زاری سے بولا۔

''اب کیا کہہ رہی تھی.....؟''

''وہی کہ منشیات کی تجارت کا خاتمہ چاہتی ہے.....! اور یقین دلانے کی کوشش کر
ہے کہ اس کا تیموری خاندان سے کوئی تعلق نہیں۔ بعض معلومات حاصل کرنے وہاں گئی تھی

''اور کچھ.....!''

''بھیم پورہ کی ترکاری گلی میں کھولی نمبر اٹھارہ پر آنے کی دعوت دی ہے!''

''کیوں.....؟''

''منشیات کی اس ریل پیل کی تباہ کاری دکھانا چاہتی ہے! کسی بیوہ کے گیارہ سالہ لڑ
کا ذکر کیا تھا۔''

''کیا تم جانتے ہو کہ شہر میں کیا ہو رہا ہے! ننھے ننھے مزدور بچوں کی دن بھر کی کمائی
کے جیبوں سے کھینچ لی جاتی ہے۔'' فریدی طویل سانس لے کر بولا۔

''میں جانتا ہوں!''

''لیکن جب تک آخری آدمی نہ پکڑا جائے یہ سلسلہ ختم نہیں ہو سکتا.....! نوی
ڈیوڈ..... ولیم..... یہ سب درمیانی لوگ ہیں..... بزنس ہیڈ کی نشاندہی نہیں کر سکتے، جو لوگ
کر سکتے تھے وہ مار ڈالے گئے۔''

حمید کچھ نہ بولا! وہ سوچ رہا تھا شاید بھیم پورہ میں پھر اس سے ملاقات ہو جائے لیکن
فریدی اسے کہیں اور لے جانا چاہتا تھا۔

''چلو..... وقت کم ہے..... شاید ہم کچھ مزید معلومات حاصل کر سکیں۔''

''ڈیوڈ وغیرہ کا کیا رہا.....!''

''اطمینان سے بتاؤں گا..... تم اپنی گاڑی یہیں چھوڑ دو!''

کچھ دیر بعد لنکن تارجام کی طرف اڑی جا رہی تھی..... فریدی کسی گہری سوچ میں تھا۔
یکایک بولا۔ ''ڈیوڈ بھی اس سامان کو آگے بڑھا دیتا ہے..... اس کے بعد کا اسے علم نہیں کہ وہ
کہاں لے جایا جاتا ہے۔''

''کیا وہ بھی کسی کے حوالے کرتا ہے؟''

''نہیں! ایک مخصوص جگہ پر رکھ دیتا ہے اور دوسری رات وہاں کچھ نہیں ہوتا!''

''ان تینوں کی گرفتاری کی خبر اخبارات میں نہیں آئی..... لیکن اس لڑکی کو علم ہے!''

''ہوں! تو اس نے تمہیں مبارک باد دی ہو گی!''

''کچھ اسی قسم کی بات تھی۔''

''پچھلی رات ساڑھے گیارہ بجے تک وہ تمہارے ساتھ ہی تھی اور اسی دوران میں وہ
تینوں گرفتار کر لیے گئے تھے!''

''شاید آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ لڑکی تنہا نہیں ہے!''

''یقیناً! ورنہ اسے کیونکر علم ہوتا!''

''آپ بدستور اس نظریے پر قائم ہیں کہ وہ کسی دوسرے گروہ سے تعلق رکھتی ہے!''

''جب تک اس نظریے کی نفی نہ ہو جائے قائم رہنا ہی پڑے گا!''

''آپ بار بار لڑکی کی آواز کا ٹیپ سن رہے ہیں!''

''ہوں! لیکن میرا خیال ہے کہ وہ ان گیارہ لڑکیوں میں سے نہیں ہے؟''

''ہو سکتا ہے بارہویں کہیں اور پیدا ہوئی ہو!''

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید صرف اسی لڑکی کے بارے میں سوچے جا رہا تھا..... اسے بھیم
پورے جانا چاہئے تھا۔

دفعتاً اس نے کہا۔ ''لڑکی اس عمارت سے لاتعلق ہی سہی لیکن اس کے مکینوں کے بارے
میں بہت کچھ جانتی ہے! شہباز تیموری کے کسی لڑکے سے آپ کے بہت اچھے تعلقات ہیں!''

''ہوں..... محمود تیموری..... ہم دونوں آکسفورڈ میں ایک ساتھ تھے!''

''وہ یہ بھی کہہ رہی تھی کہ شہباز تیموری اس عمارت میں نہیں رہتا!''

''یہ بھی درست ہے اور اس کے گھر والے نہیں جانتے کہ حقیقتاً وہ کہاں رہتا ہے!''

''کمال ہے.....!''

''اگر تم اسے دیکھ لو تو تمہیں یقین نہیں آئے گا کہ ملک کے پانچ سب سے بڑے سرمایہ داروں میں سے وہ بھی ایک ہے!''

''سینگ ہیں اس کے سر پر!''

''نہیں معمولی مزدوروں کی سی زندگی بسر کرتا ہے.....!''

''عوامی لیڈر بننے کی سوچ رہا ہوگا!''

''نہیں! اس نے اپنی کاروباری زندگی کی ابتداء ایک خوانچہ فروش کی حیثیت سے کی تھی۔ اس حقیقت کو وہ آج تک نہیں بھولا۔ اس کی اولادیں سیونتھ ہیون میں رہتی ہیں، سچ جنت کا نمونہ ہے لیکن وہ خود دو کمروں کے ایک کوارٹر میں رہتا ہے.....!''

''ذاتی طور پر مکھی چوس معلوم ہوتا ہے!''

''سیونتھ ہیون کی تعمیر پر تین کروڑ روپے صرف ہوئے ہیں۔''

''میں عمارت کو اندر سے دیکھنا چاہتا ہوں!''

''جب چاہو دیکھ سکتے ہو!''

''کیا آپ جانتے ہیں شہباز تیمور کہاں رہتا ہے!''

''اس کے بیٹوں کو نہیں معلوم لیکن میں جانتا ہوں!''

''اس کے درشن بھی کرا دیجئے.....!''

''ضرور.....ضرور.....!''

''لیکن اس وقت کہاں تشریف لے جا رہے ہیں!''

''ڈیوڈ کی بیوی سے ملوں گا کیونکہ اس کو اس راہ پر اسی نے ڈالا تھا!''

تارجام پہنچ کر لنکن ذی حیثیت لوگوں کی ایک بستی میں داخل ہوئی اور پھر ایک عمارت کے سامنے رک گئی۔

گلوریا ڈیوڈ جوان العمر تھی اور خاصی قبول صورت بھی۔ اس نے بڑی خوش اخلاقی سے ان کا استقبال کیا۔

مگر جب فریدی نے اُسے ڈیوڈ کی گرفتاری کی اطلاع دی تو اس کا موڈ یک لخت بدل

گیا۔ اسے سراسیمگی ہرگز نہیں کہا جا سکتا تھا۔ وہ تو غضبناک ہو گئی تھی۔

''ڈیوڈ کے بے شمار دشمنوں میں سے کسی نے بالآخر اس کے خلاف پولیس سے ساز باز کر لی۔'' پہلا جملہ اس کی زبان سے یہی نکلا تھا۔

''اس نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا ہے!'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

''پولیس تو بے گناہوں سے بھی اعترافِ جرم کرا لیتی ہے!''

''ہو سکتا ہے!'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

''میں اپنے وکیل کی عدم موجودگی میں کسی قسم کی بھی گفتگو نہیں کروں گی!''

''آپ کی مرضی۔''

وہ اٹھ کر فون کی طرف بڑھی اور کسی کے نمبر ڈائیل کر کے کہا۔ ''میں گلوریا ڈیوڈ بول رہی ہوں! کسی غلط فہمی کی بناء پر ڈیوڈ حراست میں لے لیا گیا ہے۔ یہاں اس وقت محکمۂ سراغرسانی کے دو آفیسر موجود ہیں! براہ کرم آپ جلد پہنچئے!'' پھر وہ کچھ سنتی رہی اور ''او۔ کے'' کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔

''آخر اسے کس بناء پر گرفتار کیا گیا ہے!'' اس نے کچھ دیر بعد فریدی سے پوچھا۔

''اب وکیل کو آ ہی جانے دیجئے.....!'' فریدی نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

''آپ کی مرضی۔'' گلوریا نے لاپروائی سے کہا۔

شاید پندرہ منٹ بعد ایک دبلا پتلا اور دراز قد آدمی ڈرائنگ روم میں داخل ہوا.....فریدی اور حمید سے مصافحہ کر کے وہ گلوریا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''میں کچھ بھی نہیں جانتی، انہی حضرات سے پوچھئے!'' وہ نووارد سے بولی۔

''میں مسٹر تلارام کا قانونی مشیر ہوں!'' نووارد نے اپنا وزیٹنگ کارڈ فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''ڈیوڈ پر الزام ہے کہ وہ منشیات کی غیر قانونی تجارت میں ملوث تھا۔''

''اوہ!'' وکیل نے پھر گلوریا کی طرف دیکھا۔

''میں اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں جانتی.....!''

''لیکن ڈیوڈ نے آپ کے سلسلے میں بھی ایک اعتراف کیا ہے!'' فریدی بولا۔

''میرے بارے میں!'' وہ چونک پڑی اور پھر اسی وقت اپنی جگہ سے ایک فٹ اچھل کر فرش پر آ رہی.....اس کی بائیں کنپٹی سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا تھا۔

حمید نے فریدی کو بائیں جانب والی کھڑکی کے باہر چھلانگ لگاتے دیکھا اور خود اسی طرف دوڑ گیا۔

عمارت کے اس بازو میں دیوار سے آٹھ نو فٹ تک کیاریوں کی قطار تھی اور اس کے آگے دور تک مالتی کی بے ترتیب جھاڑیاں پھیلتی چلی گئی تھیں۔

حمید نے فریدی کو انہی جھاڑیوں میں گھستے دیکھا تھا.....وہ بھی کھڑکی سے باہر چھلانگ لگانے والا تھا لیکن پھر اسے عقل آ گئی اور اس نے محسوس کیا کہ نووارد وکیل وہاں سے کھسکنے کی فکر میں ہے۔

حمید نے بغلی ہولسٹر نکالتے ہوئے کہا۔ ''ٹھہرو!''

وکیل بوکھلا کر اس کی طرف مڑا۔

''کک.....کیا مطلب.....!'' وہ اپنے ہاتھ اوپر اٹھاتا ہوا ہکلایا۔

''میں نے آج تک کسی وکیل کو موقع واردات سے فرار ہوتے نہیں دیکھا۔''

''ڈڈ.....ڈاکٹر.....!''

''وہ مر چکی ہے وکیل صاحب! ذرا غور سے دیکھئے.....ڈاکٹر اب کیا کر سکتے گا۔ براہ کرم بیٹھ جائیے۔''

''لیکن آپ کا رویہ جناب.....!'' وہ ریوالور کی طرف دیکھتا ہوا ہکلایا۔

''بیٹھ جائیے!'' حمید کا لہجہ سخت تھا۔

وہ اسے گھورتا ہوا بیٹھ گیا۔

''آپ نے گلوریا کی کال کی اطلاع کسے دی تھی!''

''مم.....میں نہیں سمجھا.....!''

''کچھ دیر پہلے اس نے فون کر کے آپ کو طلب کیا تھا.....لہٰذا یہاں آنے سے قبل آپ نے کس کو مطلع کیا تھا.....!''

وکیل کے چہرے پر زردی پھیل گئی لیکن پھر وہ فوراً ہی سنبھالا لے کر بولا۔ ''آپ مجھ

...نہیں دے سکتے.....میں وکیل ہوں۔''

''آپ کچھ بھی ہوں.....میرے چیف کی واپسی سے قبل یہاں سے جنبش بھی نہ کر سکیں گے۔''

وکیل بُرا سا منہ بنائے لاش کی طرف دیکھتا رہا۔

حمید نے ریوالور پھر ہولسٹر میں رکھ لیا۔

کچھ دیر بعد وکیل نے ناخوشگوار لہجے میں پوچھا۔ ''مجھے یہاں کب تک ٹھہرنا پڑے گا۔''

''جب تک مشیر نامہ نہ تیار ہو جائے۔''

''قتل میری موجودگی میں نہیں ہوا.....!'' وکیل ڈھٹائی سے بولا۔

''خوب!'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

''اتفاقاً ادھر نکل آیا تھا اور آپ مجھے اس لاش سمیت یہاں ملے تھے۔''

''پرواہ مت کیجئے.....اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا.....!'' حمید نے کہا اور اٹھ کر ٹیلی فون پر پولیس اسٹیشن کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

اس نے اسٹیشن انچارج کو اس وقوعے کی اطلاع دے کر فوراً وہاں پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔

''میں کہتا ہوں کہ آپ مجھے یہاں روک کر پچھتائیں گے۔'' وکیل اسے گھورتا ہوا بولا۔

''خاموشی سے بیٹھے رہو!'' حمید نے اسے جھڑک دیا۔

''اپنا لہجہ درست کیجئے۔''

''آپ کب سے وکالت کر رہے ہیں!'' حمید نے بے حد نرم لہجے میں پوچھا۔

''میں اس مسئلے پر عدالت ہی میں گفتگو کروں گا.....!''

''میرا خیال ہے کہ آپ اس سے پہلے ہی گفتگو پر آمادہ ہو جائیں گے۔''

''تمہارا خیال درست ہے.....!'' فریدی کی آواز سنائی دی۔

وہ دروازے میں کھڑا وکیل کو گھورے جا رہا تھا۔

''میں نے اسٹیشن انچارج کو فون کر دیا ہے۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

''تم نے اچھا کیا.....!''

''وکیل صاحب یہاں اس وقت موجود نہیں تھے جب کسی نے اس عورت پر سائیلنسر لگے ہوئے پستول سے فائر کیا تھا.....!'' حمید نے دوسری اطلاع دی۔

''خوب.....!''

''عورت نے انہیں طلب نہیں کیا تھا۔ یہ اتفاقاً ادھر نکل آئے تھے۔'' حمید نے اضافہ کیا۔

''تیسری اہم ترین اطلاع فی الحال میں خود ہی محفوظ رکھوں گا۔'' فریدی وکیل کی طرف دیکھتا ہوا مسکرایا۔

''آپ لوگ مجھے کسی معاملے میں الجھانے کی کوشش کر رہے ہیں!'' وکیل بول پڑا۔

''اب تمہارے لیے حوالات ہی مناسب رہے گی ورنہ تم بھی اسی طرح مارڈالے جاؤ گے!'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

''کک.....کیا مطلب!''

''شاید تین سال پہلے کا کوئی واقعہ مجھے دہرانا پڑے گا.....مسٹر باری.....!''

''مم.....میں نہیں سمجھا!'' وکیل پھر زرد پڑ گیا۔

''تم لاگریجویٹ نہیں ہو.....!'' تین سال قبل مشرقی صوبے میں تم پر اس سلسلے میں مقدمہ چلا تھا اور تم وہاں سے فرار ہو کر ادھر چلے آئے تھے۔

''نن.....نہیں.....!''

''خود کو زیر حراست سمجھو مسٹر باری.....!''

وہ کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گیا۔ اس کی پیشانی پر ننھی ننھی بوندیں پھوٹ آئی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد تار جام کا اسٹیشن انچارج اپنے چند ماتحتوں سمیت وہاں پہنچ گیا۔

ضابطے کی کارروائی کے بعد فریدی نے وکیل سے کہا۔ ''آپ میرے ساتھ چلیں گے مسٹر باری.....!''

وہ کچھ نہ بولا.....ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے جسم سے سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔

واپسی کا سفر خاموشی سے گزرا.....وکیل کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں نہیں ڈالی گئی تھیں۔ حمید کے ساتھ پچھلی نشست پر بیٹھا اس طرح ہانپ رہا تھا جیسے دمے کا مریض ہو۔

آفس پہنچ کر.....فریدی نے ڈیوڈ کو طلب کیا۔ وہ آیا اور جیسے ہی وکیل پر نظر پڑی ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑا کر رہ گیا۔

''بیٹھ جاؤ.....'' فریدی نے اس سے کہا اور وہ وکیل کو گھورتا ہوا بیٹھ گیا۔

''تمہارے لیے ایک بُری خبر ہے!''

''اس کے بعد!'' وہ اپنی ہتھکڑیوں کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''دنیا کی کوئی خبر میرے لیے اہم نہیں ہو سکتی.....!''

''تمہاری بیوی قتل کر دی گئی!''

''نہیں.....'' وہ بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

''ہم تینوں کی موجودگی میں!'' فریدی، حمید اور وکیل کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

فریدی نے اسے بتایا کہ کس طرح ان کے وہاں پہنچنے پر گلوریا نے وکیل کو طلب کیا اور گفتگو کے دوران میں ایک بے آواز فائر کا نشانہ بن گئی تھی۔

''اب یہی شخص بتا سکے گا کہ اس کا قاتل کون ہے؟'' ڈیوڈ وکیل کی طرف دونوں ہاتھ اٹھا کر چیخا۔

''میں نے غلط تو نہیں کہا تھا مسٹر باری!'' فریدی نے وکیل کو مخاطب کیا۔ وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

''وہ شاید نہ جانتی ہو.....لیکن یہ جانتا ہے کہ اس تجارت کی پشت پر کون ہے.....؟''

''گلوریا کو حقیقتاً اسی نے اس بزنس پر آمادہ کیا تھا۔''

''مم.....میں.....اس بزنس کا مالک نہیں!'' وکیل ہکلایا۔

''میں نے تم پر ایسا کوئی الزام عائد نہیں کیا!'' فریدی نرم لہجے میں بولا۔

''میں زبردستی اس میں جھونکا گیا تھا.....میں بھی نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔ اس نے مجھے بلیک میل کر کے اس گندے بزنس میں شریک کیا تھا۔''

''ہو سکتا ہے!''

''اور گلوریا ڈیوڈ ہی اس بلیک میلنگ کے لیے میرے اور اس کے درمیان رابطے کا ذریعہ بنی تھی.....یہ غلط ہے کہ میں نے اسے ورغلایا تھا۔''

''پوری کہانی مسٹر باری!'' فریدی اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

''مشرقی صوبے سے فرار ہو کر یہاں آیا تھا اور تہیہ کر لیا تھا کہ اب کوئی اور پیشہ اختیار

کروں گا..... نام بھی بدل دیا تھا۔''

''تمہارا اصل نام عبداللہ سعادت علی ہے.....!''

''جی ہاں.....! اچانک ایک دن گلوریا نے مجھے راہ چلتے روکا اور اس بلیک میلر کو پہنچایا۔ اس نے دھمکی دی تھی کہ اگر اس کے کہنے پر میں نے عمل نہ کیا تو میرا راز فاش ہو جائے گا۔ بہرحال اس نے مجھے مجبور کیا کہ میں وکالت ہی کا پیشہ جاری رکھوں۔ پریکٹس کرنے کا اجازت نامہ بھی اسی نے فراہم کیا تھا۔''

''میں سمجھ گیا۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔ ''اس وقت تم نے کسے اطلاع دی تھی کہ گلوریا ڈیوڈ خطرے میں ہیں۔''

''میں نام نہیں جانتا..... ایسے مواقع کیلئے مجھے ایک فون نمبر دیا گیا تھا۔''

''اس پر لکھ دو.....!'' فریدی نے کاغذ اور قلم اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

فون نمبر شہر ہی کا ثابت ہوا اور یہ فون اپر کلاس ہاؤسنگ سوسائٹی کے ایک بنگلے کا تھا۔

بنگلہ کا سرچ وارنٹ حاصل کر کے وہ ہاؤسنگ سوسائٹی کی طرف روانہ ہو گئے۔

''کیا وہ شخص چھلاوا تھا جس نے گلوریا پر فائر کیا تھا.....!'' حمید بڑبڑایا۔

''مجھے خود بھی حیرت ہے کہ اتنی جلدی کہاں غائب ہو گیا تھا۔''

''سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اتنی بڑی عمارت میں گلوریا بالکل تنہا تھی۔ کوئی ملازم بھی اس کے پاس نہ تھا۔''

''اس ٹائپ کے مجرم بہت محتاط ہوتے ہیں۔''

مطلوبہ بنگلے کے قریب فریدی نے گاڑی روکی۔ عمارت مختصر سی لیکن خوبصورت تھی اور گیٹ مقفل تھا۔ گیٹ پر لگی ہوئی نیم پلیٹ پر ''مس فوزیہ شیخ'' تحریر تھا۔

''بہت خوب!'' فریدی بڑبڑایا۔

مناسب کارروائی کے ساتھ گیٹ کا قفل توڑا گیا..... دو گواہ بھی موجود تھے۔

پہلی بات تو یہ نظر آئی کہ اس بنگلے میں سرے سے فون ہی موجود نہیں تھا..... پول سے فون کی لائن بھی بنگلے تک نہیں آئی تھی۔

اور دوسری اہم بات یہ تھی کہ میک اپ کے سامان اور فرنیچر کے علاوہ وہاں اور کچھ بھی نہیں

جد حیرت سے آنکھیں پھاڑے سیاہ، سنہری اور براؤن زنانہ وِگوں کو گھورے جا رہا تھا۔

عجیب آدمی

ملزم ایڈووکیٹ باری نے جو فون نمبر دیا تھا وہ ٹیلیفون ڈائریکٹری میں اسی پتے کے ھ موجود تھا لہٰذا اس سلسلے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ باری نے غلط بیانی سے کام لیا ہوگا۔

پڑوس کے دونوں گواہوں نے بتایا کہ بنگلہ زیادہ تر مقفل رہتا ہے۔ کبھی کبھی ایک معمر ت وہاں آتی ہے کچھ دیر تک قیام کرتی ہے اور چلی جاتی ہے۔

''بے حد چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے!'' فریدی بڑبڑایا۔

''ظاہر ہے؟ اتنا بدھو ہرگز نہ ہوگا کہ آسانی سے پکڑا جا سکے!'' حمید بولا۔

''یہ مس فوزیہ شیخ مختلف قسم کے وِگ بھی استعمال کرتی ہے.....!''

''کیا تم اس لڑکی کے امکانات پر غور کر رہے ہو!''

''یہ سیاہ وِگ تو بالکل ویسی ہے جیسے اس لڑکی کے بال تھے.....!''

''اور بے زبان لڑکی سنہرے بالوں والی تھی!'' فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ اب بھی بھیم پورے والی کھولی کے بارے میں سوچے جا رہا تھا۔

وہاں سے واپسی پر ٹیلی فون ایکسچینج سے رابطہ قائم کیا گیا لیکن بے سود، اس فون نمبر کا یہ صرف کالوں کے بارے میں بتا سکتا تھا اس جگہ کی نشان دہی نہیں کر سکتا تھا جہاں سے وہ فون استعمال کیا جا رہا تھا۔

''کہیں! وہ انسٹرومنٹ تارجام ہی کے کسی مکان میں نہ موجود ہو!'' حمید نے اپنی رائے ظاہر کی۔

''ہو سکتا ہے!'' فریدی آہستہ سے بولا۔

حمید محسوس کر رہا تھا کہ گلوریا کے قتل نے اسے جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر دیا ہے۔ ظاہر ہے

کہ وہ قتل اسی کے سامنے ہوا تھا اور وہ قاتل پر ہاتھ نہیں ڈال سکا تھا۔

اچانک وہ اٹھا اور آفس سے باہر نکل گیا۔ حمید نے طویل سانس لی۔ فریدی انداز سے بخوبی واقف تھا..... اب شاید تنہا ہی اس کیس کو نپٹانے کی کوشش کرے۔

حمید اب قطعی آزاد تھا لہٰذا اس نے بھیم پورے کی طرف دوڑ لگائی..... ترکاری اٹھارویں کھولی تک پہنچنا کوئی دشوار کام نہیں تھا۔ لہٰذا اُسے اپنی گاڑی سڑک ہی پر چھوڑ پڑی تھی..... بھیم پورے کی گلیاں اتنی تنگ تھیں کہ تین آدمی برابر سے نہیں چل سکتے تھے۔

اٹھارویں کھولی کے سامنے پہنچ کر وہ رک گیا۔ لیکن سوال یہ تھا کہ اب اسے کیا چاہیے۔ کس بہانے کھولی کے مکین سے ملے اور اُن سے کس قسم کی گفتگو کرے۔

دفعتاً دروازے سے ٹاٹ کا پردہ ہٹا اور ایک میلی کچیلی جوان العمر عورت نکل کر اس طرف بڑھی۔

''آپ حمید صاحب ہیں.....!'' اس نے پوچھا۔

''ہاں..... آں.....!''

اس نے اپنے بلاؤز کے گریبان سے ایک لفافہ نکال کر دیتے ہوئے کہا۔

''یہاں سے فوراً چلے جایئے!''

حمید نے لفافہ اس کے ہاتھ سے جھپٹ کر جیب میں رکھا اور تیز رفتاری سے گلی کے دوسرے سرے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

پھر چکر کاٹ کر اپنی گاڑی تک پہنچا تھا..... گاڑی میں بیٹھ کر لفافہ چاک کیا لیکن اس میں سے سادہ کاغذ کے علاوہ اور کچھ بھی برآمد نہ ہوا۔

''کہیں اب اس کا دماغ تو نہیں چل گیا!'' وہ برا سا منہ بنا کر بڑبڑایا۔

دل تو چاہا تھا کہ پھر ترکاری گلی کی طرف پلٹ جائے..... لیکن عورت کا چہرہ یاد آیا جس میں خوفزدگی کا عنصر بھی شامل تھا۔

''جہنم میں جائے!'' اس نے سر جھٹک کر گاڑی اسٹارٹ کی اور منزل کا تعین کیے بغیر چل پڑا۔

اس بھاگ دوڑ میں دن کا کھانا بھی نصیب نہیں ہوا تھا..... اور اب تو گویا بھوک مری لگی

لیکن چائے کی طلب نے جلد ہی اسے کسی اچھے ریستوران کی تلاش پر مجبور کر دیا۔ پھر اسے محسوس ہوا جیسے اس کا تعاقب کیا جا رہا ہو۔ وہ ایک خستہ حال چھوٹی فیاٹ گاڑی میں تھا اور اسے ایک خستہ حال بوڑھا ڈرائیو کر رہا تھا۔

حمید نے اپنی گاڑی بالآخر ہے پول ہوٹل کے کمپاؤنڈ میں موڑ دی۔ فیاٹ بھی اُس کے پیچھے کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی تھی۔ حمید گاڑی پارک کر کے ڈائننگ ہال میں آیا لیکن وہ ہال کے داخلے سے بھی بے خبر نہیں تھا۔

ویسے اسے توقع نہیں تھی کہ وہ سیدھا اسی کی میز کی طرف آئے گا۔

''میں اجازت لیے بغیر تمہاری ہی میز پر بیٹھوں گا۔'' بوڑھے نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

اس کے سر کے بال برف ہو رہے تھے لیکن اعضاء کی مضبوطی کی بناء پر عمر کا صحیح اندازہ لگانا دشوار تھا۔ چہرے سے بھی خاصی توانائی ظاہر ہوتی تھی۔

''ضرور..... ضرور.....!'' حمید نے سرد لہجے میں کہا۔

بوڑھا کرسی کھینچ کر اسکے سامنے بیٹھ گیا اس کی قمیض میلی تھی اور خاکی پتلون بھی کریز سے بے نیاز تھی۔ وہ چند لمحے حمید کو گھورتا رہا پھر بولا۔ ''لاؤ..... وہ خط میرے حوالے کر دو.....!''

''کیسا خط.....!'' حمید نے آنکھیں نکالیں۔

''نکالو ورنہ ہڈیاں توڑ دوں گا..... بوڑھا نہ سمجھنا! تم جیسے بنا سپتی جوانوں کے لیے اب بھی کافی ہوں۔''

''میں بوڑھوں کا احترام کرتا ہوں، خواہ وہ کسی طبقے سے تعلق رکھتے ہوں!''

''میں خط مانگ رہا ہوں۔''

''آپ ہیں کون.....؟''

''تمہیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے! نکالو خط.....!''

حمید اپنا سر سہلانے لگا..... سوچ رہا تھا کہ اس نامعقول لڑکی نے پھر کسی دشواری میں ڈالا..... خدا سمجھے۔

''کیا سن نہیں رہے.....!'' بوڑھے نے پھر تقاضا کیا۔

''ایسی بھی کیا جلدی ہے! آپ بھی چائے پیجئے..... یا کافی پسند کریں گے!''

''دیکھو صاحبزادے مجھے غصہ نہ دلاؤ.....!''

''سوال تو یہ ہے کہ آپ کو کسی ایسے خط سے کیا سروکار جو میری ذات سے تعلق رکھتا ہو!''

''اپنی بدذات کہو.....!''

''کیا مطلب!'' حمید کی کھوپڑی پھر گرم ہوگئی۔

''اپنے طبقے کی سوسائٹی گرلز ہی تک محدود رہو!''

''بڑے میاں تم پتہ نہیں کیا سمجھ رہے ہو!''

دفعتاً حمید نے دیکھا کہ مے پول کا منیجر اس کی میز کی طرف دوڑا آ رہا ہے۔

اس نے طویل سانس لی۔ اسے یقین تھا کہ اب یہ نامناسب لباس والا بوڑھا یہاں سے نکال دیا جائے گا۔

لیکن یہ کیا.....؟ منیجر تو اسے جھک کر سلام کر رہا تھا۔

''جاؤ تم اپنا کام دیکھو.....!'' بوڑھے نے جھنجھلا کر اس سے کہا۔

''کیا پیش کروں..... جناب.....!'' منیجر گھگھیایا۔

''کچھ نہیں.....جاؤ.....!''

منیجر چپ چاپ چلا گیا۔ حمید حیرت سے بوڑھے کو گھورے جا رہا تھا۔

''نکالو خط.....!'' بوڑھا میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

''دیکھئے جناب۔ آپ تہذیب کی حدود سے گزر رہے ہیں!''

''میں لعنت بھیجتا ہوں ایسی تہذیب پر جو دوسروں کی عورتوں پر ڈاکے ڈلواتی ہو!''

''وہ کس کی عورت تھی.....!''

''میری.....! وہ میری بیوی تھی! لڑ جھگڑ کر علیحدہ ہوگئی ہے، لیکن میں اسے برداشت نہیں کر سکتا کہ وہ کسی اور سے تعلق قائم کرے۔ البتہ طلاق حاصل کر لینے کے بعد وہ قطعی آزاد ہوگی!''

''اتنی نوجوان عورت آپ کی بیوی ہے!''

''بکواس مت کرو..... تمہیں اس سے کیا سروکار!''

''اچھا تو سنیے.....وہ خط کسی اور کا ہے، جو آپ کی بیوی کے توسط سے مجھ تک پہنچا ہے

ن سے قبل میں نے اس عورت کی شکل تک نہیں دیکھی تھی.....!''

''پیدا کرنے والے کی قسم کھا سکتے ہو!''

''گلے گلے..... پانی میں.....!''

''کھاؤ قسم.....!''

''قسم ہے پیدا کرنے والے کی جس عورت سے مجھے لفافہ ملا ہے میرے لیے قطعی اجنبی تھی!''

''اب اگر تم نے جھوٹی قسم کھائی ہے تو تم خود بھگتو گے..... میں نے تو اعتبار کیا۔''

بوڑھے نے کہا اور اٹھ کر صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

حمید کاؤنٹر کی طرف لپکا، جہاں منیجر کھڑا تھا۔

''یہ بوڑھا کون تھا.....!'' اس نے اس کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے پوچھا۔

''آپ نہیں جانتے!'' منیجر نے حیرت سے کہا۔

''نہیں.....!''

''بہت بڑا آدمی ہے، شہباز تیموری!''

''اوہ.....!''

اور پھر اس نے صدر دروازے کی طرف دوڑ لگائی تھی۔

بوڑھا آدمی اپنی گاڑی میں بیٹھ ہی رہا تھا کہ اس نے اسے جالیا۔

''اب کیا ہے!'' وہ اسے گھورتا ہوا بولا۔

''میں معافی چاہتا ہوں جناب.....!'' حمید بولا۔ ''مجھے آپ سے ملنے کا بیحد اشتیاق تھا!''

''اچھی بات ہے تو بیٹھ جاؤ..... میری گاڑی میں! اپنی گاڑی یہیں چھوڑ دو!''

''بہت بہتر!'' حمید نے کہا اور دوسری طرف کا دروازہ کھول کر اس کے برابر ہی بیٹھ گیا۔

''اب بتاؤ..... تم حقیقتاً کیا چاہتے ہو.....!'' بوڑھا کچھ دیر بعد بولا۔

''سیونتھ ہیون کی سیر کرنا چاہتا ہوں!''

''اوہ! لیکن کیوں.....؟''

''سنا ہے..... بڑی شاندار جگہ ہے.....!''

''احمقوں کی جنت.....!''

''کمال ہے! یہ آپ کہہ رہے ہیں.... یعنی اس کے خالق.....!''

''ہاں.... ہاں.... چلو دکھا دوں.... لیکن تم ہو کون.....؟''

''مم..... میں کرنل فریدی کا اسسٹنٹ ہوں.....!''

''اوہو..... اب تم مجھے الجھن میں ڈال رہے ہو..... شاید تمہارا نام حمید ہے!''

''جی ہاں..... جی ہاں.....!''

''آخر تلنی کے توسط سے تمہیں کون پیغام بھجوا سکتا ہے!''

''آپ یقین نہیں کریں گے.....!''

''نہیں..... کہو..... کہو.....!''

''یہ دیکھئے..... اس لفافے میں ایک سادہ کاغذ کے علاوہ اور کچھ نہیں!'' حمید نے لفافے سے سادہ کاغذ نکال کر دکھایا۔

''میں سمجھ گیا.....!'' بوڑھا سر ہلا کر بولا۔

''کیا سمجھ گئے؟''

''پہلے تم بتاؤ کہ تر کاری گلی تک کس طرح پہنچے تھے!''

''ہمارا ایک نامعلوم انفارمر ہے، جو ہمیں فون پر مختلف قسم کی اطلاعات دیا کرتا ہے آج صبح اس نے کہا تھا کہ اگر میں کھولی نمبر ۱۸ کے سامنے پہنچ جاؤں تو کچھ مفید معلومات حاصل ہوں گی۔ میں وہاں پہنچا اور کھولی سے وہ خاتون برآمد ہوئیں۔ مجھ سے پوچھا کہ کیا آپ جبار صاحب ہیں..... میرے اعتراف پر لفافہ حوالے کر کے بولیں۔ فوراً یہاں سے چلے جاؤ.....!''

''تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا..... اب میں تمہیں اس وقت سیونتھ ہیون میں نہیں لے جاؤں گا۔ پہلے میرے گھر چلو.....!''

فریدی کے بیان کے مطابق یہ ''گھر'' دو کمروں کا کوارٹر ہی ثابت ہوا۔ جو غریب آدمیوں کی ایک چھوٹی بستی میں واقع تھا۔

''تلنی سے اسی بات پر جھگڑا ہوا ہے کہ میں اسے اپنی کسی شاندار عمارت میں کیوں نہیں رکھتا..... اور خود یہاں کیوں پڑا ہوا ہوں.....!'' بوڑھے نے حمید کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے بھی اس پر حیرت ہے جناب!''

''میری مرضی.....! جو میرا دل چاہے گا کروں گا..... کسی کو اس سے کیا سروکار لیکن اس واقعے کے بعد سے سوچنا پڑا ہے کہ ان بدبختوں میں سے کوئی مجھے ذلیل کرنا چاہتا ہے۔''

''میں نہیں سمجھا!''

''میرے پانچ بیٹے ہیں..... انہی میں سے کوئی..... وہ مجھے اس لیے گھٹیا سمجھنے لگے ہیں کہ میں نے ان کے لیے جنت تعمیر کرا دی ہے۔''

''گستاخی معاف..... آپ نے بھی تو کمال کر دیا ہے۔ کیا یہ محترمہ تلنی آپ ہی کے طبقے کی کوئی خاتون ہیں۔''

''میرا کوئی طبقہ نہیں ہے.....! میں اس نظام کی شہ رگ ہوں! میرا سرمایہ لاکھوں کے لیے روزگار فراہم کرتا ہے اور بس.....! مجھے اس پر شرمندگی ہے کہ میں نے ان نالائقوں کے لیے تزک واحتشام کے اسباب فراہم کیے..... مجھے شروع ہی سے یہ سوچنا چاہیے تھا کہ ان لاکھوں آدمیوں کی محنت میرے لیے بھی دو وقت کی روٹیاں مہیا کر دیتی ہے..... وہ میرے محسن ہیں۔ ان کے مقابلے میں میری اولاد میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں!''

''آپ حیرت انگیز ہیں جناب!''

''چائے پیو گے یا کافی..... آج کل میں خود ہی باورچی خانہ سنبھالتا ہوں۔ میں اس سے بہتر حالت میں نہیں رہنا چاہتا جس میں میرے مزدور رہتے ہیں!''

''تکلیف نہ کیجئے۔''

''نہیں چائے تو پینی ہی پڑے گی۔ تم جب بھی مجھ سے ملنا چاہو مل سکتے ہو! صبح دس بجے سے ڈھائی بجے تک اپنے آفس میں ملتا ہوں اور اس کے بعد یہاں..... سیونتھ ہیون تم فریدی کے ساتھ بھی جا سکتے ہو! وہ محمود کے دوستوں میں سے ہے! دراصل اب میں وہاں قدم رکھنا بھی پسند نہیں کر سکتا..... اب وہ عمارت مجھے ٹھنڈا جہنم معلوم ہوتی ہے.....! اندر داخل ہونے کے بعد تم خود بھی یہی محسوس کرو گے۔''

''ٹھنڈا جہنم کی بھی خوب رہی!''

''ہاں اس کے مکین یکسانیت اور بوریت کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں..... کاہل سست اور کا

چور ہیں! طرح طرح کے ذہنی امراض میں مبتلا ہو گئے ہیں لیکن اس کے باوجود اس کو نہیں چھوڑ سکتے۔ بالکل اسی طرح جیسے جہنم سے نکلنا ناممکن ہو گا۔ عورتیں اپنے شوہروں نالاں ہیں لیکن ان سے پیچھا نہیں چھڑا سکتیں کہ اس ٹھنڈے جہنم سے نکلنا پڑے گا۔ دیکھا..... ذرا سے اختلاف پر مجھے چھوڑ گئی نا..... چھوڑ دے لیکن میں اسے اس جہنم میں دھکیل سکتا۔ وہاں پہنچ کر وہ ٹلنی نہیں رہے گی، چیخنے اور کراہنے والی مشین بن جائے گی ایک جگہ جمی چیختی رہے گی۔ کھولی نمبر اٹھارہ کا رخ نہیں کر سکے گی اور میں اپنے دل میں اس لیے تڑپ محسوس نہیں کروں گا!''

وہ بولتا رہا اور حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑے سب کچھ سنتا رہا۔ اس کی بتائی ہوئی چائے اسے پینی ہی پڑی تھی۔

اس سے بھی عجیب بات یہ تھی کہ اس نے مصر ہو کر حمید کو اپنی ہی گاڑی میں دوبارہ پول ہوٹل تک پہنچایا تھا۔

رات ہوتے ہوتے وہ گھر پہنچ سکا۔ فریدی بھی کچھ دیر پہلے کہیں سے تھکا ہارا آیا تھا۔

''آپ باز نہ آئے ہوں گے.....!'' اس نے حمید کو گھورتے ہوئے کہا۔

''اور پھر ایک کہانی سنئے۔'' حمید فخریہ انداز میں مسکرایا۔

''کہانی بھی ہے.....!''

''جی ہاں.....! اور شاید میں اس نامعقول لڑکی کی وجہ سے کسی بڑی دشواری میں پڑنے والا ہوں۔'' حمید نے کہا اور بھیم پورے والی روداد دہرانے لگا! فریدی بے حد سنجیدہ نظر آ رہا تھا لیکن کبھی کبھی اس کے چہرے پر جذباتی تغیر بھی نظر آتا۔

حمید کے خاموش ہونے پر بولا۔ ''تم سے ایک بڑی حماقت سرزد ہوئی ہے۔''

''وہ کیا.....؟'' حمید کے جوش و خروش پر ٹھنڈا پانی پڑ گیا۔

''شہباز تیموری کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں تھی کہ لفافے میں سادہ کاغذ تھا۔ صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہوتا کہ کسی نے ٹلنی کے توسط سے تمہیں کوئی پیغام بھجوایا تھا شاید تم نے یہ بھی بتا دیا ہو کہ پیغامبر کوئی لڑکی ہے۔''

''جی نہیں.....!''

''چلو غنیمت ہے!'' فریدی سر ہلا کر بولا۔

''آخر وہ کیا چاہتی ہے؟''

''اس حرکت سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے شہباز کو دیدہ دانستہ تمہارے پیچھے لگایا تھا۔''

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک ملازم نے کمرے میں داخل ہو کر کسی ملاقاتی کا کارڈ پیش کیا۔

''اوہو!'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ''آخر بڑے میاں تشریف لے ہی آئے۔''

''کون.....؟'' حمید چونک کر بولا۔

''شہباز..... تم یہیں ٹھہرو.....!''

فریدی کمرے سے چلا گیا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں ٹلنی کے سلسلے میں کوئی اسکینڈل نہ بن گیا ہو..... آخر کیا چاہتی ہے..... وہ لڑکی.....!

تھوڑی دیر بعد ایک ملازم نے آ کر اطلاع دی کہ فریدی نے اسے ڈرائنگ روم میں بلایا ہے۔

فریدی کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ حمید کو دیکھتے ہی برس پڑا۔ ''میں تمہیں کئی بار سمجھا چکا ہوں کہ نامعلوم انفارمرز کی اطلاعات پر آنکھیں بند کر کے نہ دوڑ جایا کرو۔''

''میں نے تو پہلے ہی تیموری صاحب سے معافی مانگ لی تھی۔'' حمید نے تیموری کی طرف دیکھ کر سہم جانے کی ایکٹنگ کی۔

''ٹلنی غائب ہو گئی ہے میرے بیٹے.....!'' شہباز تیموری بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''اوہ.....! کب.....؟''

''تمہیں سے پول چھوڑ کر میں ادھر ہی گیا تھا۔ کھولی خالی پڑی تھی۔ اس کا سامان بھی غائب تھا۔''

''قصہ دراصل یہ ہے جناب!'' حمید کے کچھ بولنے سے قبل فریدی بول پڑا۔

''قصور حمید کا بھی نہیں ہے! نامعلوم انفارمر نے اسی دوران میں کئی بہت سچی اطلاعات ہم تک پہنچائی تھیں۔ مثال کے طور پر آپ نے اخبارات میں کیفے دارا کے چھاپے سے متعلق پڑھا ہو گا۔''

''ہاں..... ہاں..... شاید کچھ تھا غیر قانونی منشیات کے بارے میں!''

''جی ہاں! اسی نامعلوم انفارمر نے ہمیں مطلع کیا تھا کہ وہاں منشیات کی ایک بہت بڑی کھیپ پہنچنے والی ہے۔''

''اچھا.....!'' تیموری کے لہجے میں حیرت تھی۔ ''لیکن..... نلنی..... بھلا نلنی کو کسی ایسے معاملے سے کیا سروکار..... خدا کی پناہ..... کیا میرے گرد کوئی جال بُنا جا رہا ہے..... یقیناً یہی بات ہے..... اس لفافے میں سادہ کاغذ تھا..... حمید صاحب؟''

''جی ہاں..... آپ نے دیکھا ہی تھا!''

''خدا مجھ پر رحم کرے..... اس شہر کے دوسرے کاروباری میرے دشمن ہیں! کیونکہ میرے ملوں کے مزدوروں کو تنخواہوں کے علاوہ کئی الاؤنسز بھی دیئے جاتے ہیں جن کا انحصار میری مرضی پر ہے۔''

''میں دیکھوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں.....!'' فریدی بولا۔

''لیکن میں کیا کروں.....!'' بوڑھا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''شہر کا کونہ کونہ چھان مارا جائے گا.....! کیا آپ کسی کے خلاف شبہے کا اظہار کرنا پسند فرمائیں گے۔''

''کس کا نام لوں..... مجھے تو میری اولادیں تک ناپسند کرتی ہیں..... لیکن میں فرعونوں کی طرح نہیں مرنا چاہتا۔''

''آپ بے فکر رہیں..... جب تک محترمہ نلنی کا سراغ نہیں ملے گا چین سے نہیں بیٹھوں گا۔ ان کی کوئی تصویر مل جائے گی؟''

''ہر وقت پاس رکھتا ہوں۔'' بوڑھے نے جیب سے پرس نکالتے ہوئے کہا۔ پھر اسی پرس کے ایک خانے سے نلنی کی تصویر برآمد ہوئی۔

''لیکن یہ کام بہت خاموشی سے ہونا چاہئے۔'' بوڑھے نے ملتجیانہ انداز میں کہا۔ ''میں نہیں چاہتا کہ میرے بیٹوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع ملے!''

''آپ مطمئن رہئے کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے گی۔''

پھر بوڑھے کے چلے جانے کے بعد فریدی ٹھنڈی سانس لے کر بولا تھا۔ ''یہ بیماری کسی عمر میں بھی پیچھا نہیں چھوڑتی۔''

حمید نے لہک کر شعر پڑھا۔

بہتر ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

''کبھی کبھی سے کیا مراد ہے؟'' شعر پڑھ کر اس نے فریدی سے پوچھا۔

''کان نہ کھاؤ۔''

''علامہ اقبال کا شعر ہے!''

''انہیں سے پوچھو جا کر.....!''

''میں بتاتا ہوں.....! اتنے بزرگ آدمی تھے صاف صاف کیا کہتے! کبھی کبھی سے مراد ہے جب کوئی عورت قریب ہو۔ اس کے علاوہ اور کوئی مفہوم نہیں اس کبھی کبھی کا.....!''

''عورت کے بچے خاموش رہو!''

''نہ عورت خاموش رہ سکتی ہے اور نہ اس کا بچہ! ایک کان کھاتی ہے اور دوسرا حلق پھاڑتا ہے۔ آواز کے علاوہ اور کیا رکھا ہے دنیا میں۔''

''نلنی کا کیا ہوگا.....؟ ان بڑے میاں کی افتادِ طبع آئے دن طرح طرح کے گل کھلاتی جا رہی ہے!''

''سوال تو یہ ہے کہ آپ نے انفارمر کے سلسلے میں غلط بیانی سے کیوں کام لیا تھا۔''

''غلط بیانی سے کیا مراد ہے تمہاری؟''

''وہ مرد تو نہیں ہے!''

''میں نے کب کہا تھا کہ وہ مرد ہے! انفارمر مرد بھی ہو سکتا ہے اور عورت بھی صرف وضاحت نہیں کی تھی اور وضاحت نہ کرنا غلط بیانی نہیں کہلاتا۔''

''میرا خیال ہے کہ آپ اس بوڑھے پر شبہ کر رہے ہیں!''

''شبہ اسی صورت میں کر سکتا ہوں جب یہ ثابت ہو جائے کہ نلنی کے غائب ہو جانے میں اسی کا ہاتھ ہے!''

''میں تو اکتا گیا ہوں ان معاملات سے!'' حمید جماہی لے کر بولا۔ ''اُس فون نمبر کے سلسلے میں کیا ہوا؟''

''ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا کہ اس نمبر کا انسٹرومنٹ کہاں ہے!''

''کیا اب پھر کہیں جانا ہوگا!''

''فی الحال تو ارادہ نہیں ہے!'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ''صرف دو گھنٹے کی نیند کا خواہشمند ہوں.....!''

''جایئے! میں ابھی جاگ رہا ہوں۔''

فریدی اپنی خواب گاہ میں چلا گیا اور حمید نے ڈائننگ روم کی راہ لی۔

آج وہ بڑی الجھن میں مبتلا تھا۔ لڑکی کی وجہ سے خاصی چوٹ ہوئی تھی۔ خواہ مخواہ ایک سادہ لوح بوڑھے کی نظروں میں خوار ہوا تھا لیکن کیا وہ سچ مچ یہی چاہتی تھی کہ بوڑھا اس کی طرف متوجہ ہو جائے۔ آخر کیوں؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ اس واقعے کے بعد خود بوڑھے ہی نے نلنی کو منظر عام سے ہٹا دیا ہو..... پھر یک بیک اسے اپنے اس انداز فکر پر ہنسی آ گئی۔ کیا نلنی ہی کے توسط سے وہ اس لڑکی کے بارے میں معلومات نہ حاصل کر سکتا؟ لہٰذا یہ کیوں نہ سوچا جائے کہ نلنی سے کام نکالنے کے بعد خود اسی لڑکی نے نلنی کو غائب کر دیا ہو۔

کھانے کی میز پر کیا تھا وہ اس وقت اس طرف دھیان نہ دے سکا۔ اس پر خیالات کا یلغار ہو رہی تھی۔

''فون پر آپ کی کال ہے!'' دفعتاً ایک ملازم نے آ کر اطلاع دی۔

''عورت ہے کوئی.....!''

''جی ہاں.....!''

اس نے ہاتھ صاف کئے بغیر میز چھوڑ دی۔

ڈرائنگ روم میں آیا اور ریسیور اٹھا کر پُرتفکر لہجے میں کال ریسیو کی۔

''بہت بجھے بجھے سے لگ رہو ہو!'' لڑکی کی آواز آئی۔

''تمہاری وجہ سے بہت پریشانی اٹھائی ہے۔''

''شاید میری ہی وجہ سے سکھ بھی اٹھاؤ۔''

''تو پھر بلواؤں کسی قاضی کو.....!'' حمید نے چہک کر پوچھا۔

''فضول باتیں مت کرو..... نلنی محفوظ ہے!''

''تو میرا یہ خیال غلط نہیں تھا کہ وہ تمہاری ہی تحویل میں ہے لیکن سوال یہ ہے کہ بوڑھے نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ بہرحال میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سوچ سکتا کہ تم مجھے بوڑھے سے الجھانا چاہتی تھیں۔''

''میری بات غور سے سنو!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''اپنے چیف سے کہہ دو! اگر کوئی بھیڑیا نظر آئے تو اس کی کھال اتارنے کی کوشش ضرور کریں۔''

پھر حمید ''ہیلو۔ ہیلو'' ہی کرتا رہ گیا تھا اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی تھی۔

چیخ اور سناٹا

دوسری صبح ناشتے کی میز پر حمید نے فریدی کو پچھلی رات والی فون کال کے بارے میں بتایا۔

فریدی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ سر ہلا کر بولا۔ ''اس کی رہنمائی سے قبل ہی میں بھیڑیئے تک پہنچ چکا ہوں..... لیکن لاحاصل۔''

''میں نہیں سمجھا!''

''اس میں شک نہیں ہے کہ اُس عورت ہی نے ہمیں اس راہ پر ڈالا ہے لیکن اصل مجرم رہنمائی اور بات ہے۔''

''اوہو..... تو پھر..... بھیڑیا کون ہے؟''

''بھیڑیا..... بھیڑیا ہے.....!''

''اور میں چونکہ بھیڑیا نہیں ہوں اس لیے اُلو کا پٹھا ہوں!'' حمید بھنا کر بولا۔

''خواہ مخواہ بور ہو رہے ہو! اس کے کہنے کے مطابق اب اگر کوئی بھیڑیا ملا تو کھال بھی اتار کر دکھا دوں گا.....!''

حمید کچھ نہ بولا..... وہ تو صرف اُسی لڑکی کے بارے میں سوچے جا رہا تھا۔ اس کیس میں اس لڑکی کے علاوہ اور رکھا بھی کیا تھا! منشیات کی ناجائز تجارت کوئی نیا واقعہ نہ تھا۔ رہ گئیں

وہ لاشیں تو وہ بھی اس شہر غدار کے لیے انہونیوں میں سے نہیں تھیں۔ روزانہ دو چار تو یونہی مخواہ ٹریفک کے حادثات ہی کی نذر ہو جایا کرتے تھے۔

''چلو آج تمہیں ٹھنڈے جہنم کی سیر بھی کرا دوں!'' فریدی کچھ دیر بعد بولا۔

''کیا وہ گیارہ عدد ہر وقت وہیں موجود رہتی ہیں۔''

''بکواس مت کرو.....!''

''ان گیارہ عدد کے علاوہ مجھے وہاں کی کسی اور چیز سے کوئی دلچسپی نہیں!''

''دادا بھی دلچسپی کی چیز ہے لیکن وہ اس عمارت سے تعلق نہیں رکھتا.....!''

''صبح چار بجے بھی اس کی کال آئی تھی.....!''

''تلنی ملی یا نہیں!''

''نہیں.....!''

''کمال کا آدمی ہے.....میرا دل چاہتا ہے کہ کچھ دن اسی کے چکر میں گزار دوں!''

''کیا مطلب.....!''

''مزید کچھ عورتوں سے اس کا تعارف کراؤں.....!''

''حمید صاحب کبھی اس کے دفاتر کی طرف بھی جانا ہوا ہے.....!''

''نہیں.....تو.....!''

''درجنوں خوب صورت عورتیں.....آپ کو مختلف عہدوں پر نظر آئیں گی!''

''تو پھر یہ.....تلنی والا گھٹیا پن.....!''

''اپنا اپنا معیار ہے.....تم اسے گھٹیا پن نہیں کہہ سکتے جس طبقے میں وہ زندگی بسر کر رہا ہے اسی کی مناسبت سے.....!''

دفعتاً وہ جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گیا۔

حمید نے استفہامیہ انداز میں جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں۔

''کچھ نہیں!'' فریدی بڑبڑایا۔ ''ناشتہ ختم کرنے میں جلدی کرو.....!''

''کوئی خاص بات.....!''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ پُرتفکر انداز میں سگار کا گوشہ توڑ رہا تھا۔

38

ناشتہ ختم کر کے حمید اٹھنے لگا تو اس نے کہا۔ 'ایک وائرلیس ریکارڈر بھی رکھ لینا.....!''

''کک.....کیا مطلب.....!''

''ساری لڑکیوں کی آوازیں ریکارڈ کرنی ہیں.....اس طرح کہ کسی کو احساس نہ ہونے

ے.....!''

''کیا میں صرف احکامات بجالانے کی مشین ہوں!'' حمید پھر بھنا گیا۔

''چلو.....چلو.....!'' فریدی اس کا شانہ تھپک کر بولا۔ ''میرا یہ خیال غلط تھا کہ وہ لڑکی

وائر بدلنے کی صلاحیت نہیں رکھتی.....!''

''اوہو.....تو کیا ان گیارہ لڑکیوں میں سے.....!''

''دیکھ لینے میں کیا حرج ہے.....بدلی ہوئی آواز کا ریکارڈ بھی ہمارے پاس موجود

ے.....ٹ کر لیں گے.....!''

ٹھیک اُسی وقت ملازم نے ڈائننگ روم میں داخل ہو کر کسی فون کال کی اطلاع دی۔

''عورت تو نہیں ہے!'' حمید نے پوچھا لیکن نفی میں جواب پا کر بُرا سا منہ بناتے ہوئے

بگاہ کی طرف چل پڑا۔ فریدی سٹنگ روم میں چلا گیا۔

حمید وائرلیس ریکارڈر لے کر واپس آیا تو فریدی کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ نمودار

ئی جسے وہ کوئی معنی نہ پہنا سکا۔

''چلو.....خاصا ہنگامہ رہے گا!'' فریدی نے اس کے ہاتھ سے وائرلیس ریکارڈر لیتے ہوئے

ہا۔ ''بوڑھے کا فون تھا! وہ اس وقت اپنے ٹھنڈے جہنم میں موجود ہے اور اس کی خواہش

ے کہ ہم وہاں پہنچ جائیں۔''

''وہ تو کہتا تھا کہ وہاں قدم رکھنا بھی اسے گوارا نہیں!''

''چلو دیکھتے ہیں.....!''

سیونتھ ہیون کے پھاٹک پر دو مسلح پہریداروں نے ان کا استقبال کیا۔ شاید انہیں پہلے

ے سے ان کے بارے میں ہدایات دے دی گئی تھیں۔ ان میں سے ایک نے ان کی رہنمائی

دروازے تک کی تھی اور تیسرا جو وہیں موجود تھا انہیں اندر لے چلا۔

اندر قدم رکھتے ہی ہلکی سی موسیقی ذہنوں کو گدگدانے لگی تھی۔

ہر جگہ یکساں آواز..... کہیں پر بھی فاصلے کا احساس نہ ہو سکا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے در و دیوار سے موسیقی کی لہریں خارج ہو رہی ہوں۔ پوری ایئر کنڈیشنڈ ثابت ہوئی..... ایک مخصوص قسم کی خوشبو چاروں طرف چکراتی پھر رہی تھی۔

باوردی ملازم انہیں ایک بڑے ہال میں لایا۔ یہاں کی آرائش دیکھ کر حمید کی آنکھیں کھل گئیں۔

پورے ہال میں ایک ہی قالین بچھا ہوا تھا۔ قالین بھی ایسا جس میں پیر دھنستے محسوس ہوتے تھے! پھر فرنیچر کا کیا کہنا.....؟

ہال میں پانچ آدمی نظر آئے۔ بوڑھا شہباز تیموری، تین گول مٹول سے آدمی..... چوتھا جوان تینوں سے چھوٹا معلوم ہوتا تھا۔ گٹھیلے جسم کا قد آور آدمی تھا۔

انہیں دیکھ کر وہ اٹھے تھے اور بوڑھا خالی کرسیوں کی طرف اشارہ کر کے پھر بیٹھ گیا تھا۔

حمید نے محسوس کیا کہ ان میں سے ایک آدمی اسے کینہ توز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہی، جو دوسرے افراد کے مقابلے میں صحت مند اور توانا معلوم ہوتا تھا۔

تعارف ہوا..... یہ چاروں شہباز تیموری کے بیٹے تھے۔

پہلا گول مٹول سجاد تیموری تھا۔ دوسرا آصف تیموری، تیسرا بابر تیموری اور چوتھا مناسب جسم والا جمشید تیموری تھا..... حمید پانچویں کے بارے میں سوچنے لگا جو، ان میں موجود نہیں تھا..... فریدی کا دوست محمود تیموری۔

ٹھیک اُسی وقت فریدی نے بوڑھے سے پوچھا۔ ''کیا محمود نہیں ہیں!''

''وہ پچھلی رات یو۔کے فلائی کر گیا۔'' بوڑھے نے جواب دیا۔

''فرمایئے.....! میں کیا خدمت کر سکتا ہوں!'' فریدی نے پانچویں پر اچٹتی سی نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''کیپٹن حمید کیا وہ سادہ کاغذ اور لفافہ محفوظ ہے!'' بوڑھے نے حمید سے سوال کیا۔

''جی ہاں.....!''

''ان پر انگلیوں کے نشانات ضرور ہوں گے!''

''یقیناً ہیں!'' حمید کے جواب دینے سے پہلے فریدی بول پڑا۔

''میں چاہتا ہوں کہ چاروں کے فنگر پرنٹ لے لیے جائیں!'' بوڑھے نے اپنے بیٹوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

تینوں گول مٹول آدمی تو خاموش رہے لیکن چوتھا اٹھ کھڑا ہوا۔

''یہ ناممکن ہے!'' اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''جمشید بیٹھ جاؤ!'' بوڑھا غرایا۔

''آپ ہماری توہین کر رہے ہیں!''

''بیٹھ جا!'' بوڑھا پیر پٹخ کر دہاڑا۔

''ہرگز نہیں.....! میں جا رہا ہوں اور آئندہ کبھی ادھر کا رخ بھی نہیں کروں گا۔''

''دیکھ پچھتائے گا!''

''لعنت ہے پچھتانے والے پر..... آپ آخر مجھے کیا سمجھتے ہیں؟''

''بیٹھ جاؤ..... بیٹھ جاؤ.....!'' تینوں گول مٹول خوفزدہ لہجے میں بولے۔

''آپ لوگ بے حس اور ذلیل ہیں..... میں نہیں ہوں!'' جمشید نے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

اکتا دینے والی موسیقی اب بھی ہال میں گونج رہی تھی اور حمید ایسا محسوس کر رہا تھا جیسے کسی فلم کی پس منظر موسیقی ڈرامے کے لمحات گزر جانے کے بعد ڈھیلی پڑ گئی ہو۔

وہ سب خاموش تھے۔ بوڑھے کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا اور اس کے تینوں بیٹے بے حد خوفزدہ نظر آ رہے تھے۔

دفعتاً جمشید پھر ہال میں داخل ہوا اور حمید کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''یہ شخص اول درجے کا جھوٹا ہے!''

''وہ کس طرح جناب!'' حمید نے زہریلے لہجے میں پوچھا۔

''تم خود ہی اس حرکت کے ذمہ دار ہو.....!''

''ثابت کرو.....!'' بوڑھا غرایا۔

''شہر میں کون نہیں جانتا کہ کیپٹن حمید عورتوں کے پیچھے دُم ہلاتا پھرتا ہے۔''

''مجھے تو شہر میں ایک بھی دُم دار عورت نظر نہیں آئی۔''

''میں تمہیں دیکھوں گا!''

''گٹ آؤٹ!'' بوڑھا حلق پھاڑ کر چیخا۔

''نہیں....نہیں! یہ زیادتی ہے.....!'' فریدی نرم لہجے میں بولا۔ ''خود کو قابو میں
جناب.....جمشید میاں آپ بیٹھ جایئے!''

''شکریہ!'' وہ تلخ لہجے میں بولا۔ ''میں سب سمجھتا ہوں! میں فنگر پرنٹس ہرگز نہیں دوں

''اس کی ضرورت نہیں!'' فریدی کا لہجہ بدستور نرم تھا۔

موسیقی کی یکسانیت حمید کو بری طرح کھل رہی تھی۔ دل چاہتا تھا کہ یہاں سے
بھاگے کسی میوزیکل کلاک کے الارم کی طرح بس ایک ہی دھن بجے جا رہی تھی۔ نہ اس
چڑھاؤ نہ کسی قسم کی دوسری تبدیلی۔

جمشید فریدی کے کہنے پر بھی نہیں بیٹھا تھا۔ بوڑھا اس سب سے منہ موڑے پتہ نہیں
سوچ رہا تھا۔ اس کے چہرے سے شدید ترین تلخی نمایاں تھی۔

دفعتاً فریدی اسے مخاطب کر کے بولا۔ ''اگر آپ محترمہ علینی کی بازیابی ہمارے تو سپرد
چاہتے ہیں تو ایک رپورٹ لکھ کر مجھے دیجئے.....! ان سب باتوں سے کوئی فائدہ نہیں خواہ
خاندانی زندگی میں کیوں تلخیاں پیدا ہوں۔''

''اچھا.....اچھا.....!'' بوڑھے نے سر ہلا کر کہا۔ ''لیکن یہ اب اس عمارت میں نہیں رہ سکتا۔''
اس نے جمشید کی طرف اشارہ کیا تھا۔

جمشید پھر تیزی سے نکاسی کے دروازے کی طرف بڑھا۔ اس بار فریدی نے حمید کو اس
کے پیچھے جانے کا اشارہ کیا تھا اور یہ اشارہ بڑی حد تک معنی خیز بھی تھا۔

جمشید نے کچھ دیر پہلے حمید کی توہین کی تھی اس لیے اس نے حکم کی تعمیل میں بڑی پھرتی
دکھائی۔ جلد از جلد اس سے الجھنے کا بہانہ تلاش کرنا چاہتا تھا۔ ہال سے نکلتے ہی اس نے اسے جالیا۔

''کیا بات ہے!'' جمشید بھنا کر پلٹ پڑا۔

''تم نے مجھ پر ایک الزام لگایا ہے.....دوست.....!'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''تو کیا میں نے آپ کے بارے میں غلط کہا تھا۔''

''میلی کچیلی گندی عورتیں میری مشغولیات میں شامل نہیں ہیں.... بہت ہی آرٹسٹک

کہتا ہوں.....!''

''جہنم میں جاؤ.....!'' وہ کہتا ہوا آگے بڑھ جانے کے لیے مڑا۔

''ٹھہرو دوست.....میں بھی جہنم سے نکلنا چاہتا ہوں.....ساتھ لیتے چلو!''

''کیا مطلب.....!'' وہ دوبارہ مڑ کر حمید کو گھورنے لگا۔

''تم لوگ یہاں کس طرح زندہ ہو مجھے اس پر حیرت ہے.....! خدا کی پناہ یہ موسیقی
پچیس منٹ ہی میں دماغ کی چولیں ڈھیلی کر سکتی ہے!''

دفعتاً جمشید تیموری کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے کہا۔
''چلو.....چلو میرے ساتھ۔ میں اس سلسلے میں تم سے کچھ گفتگو بھی کرنا چاہتا ہوں.....!''

وہ دونوں باہر آئے اور جمشید نے حمید کے لیے اپنی گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔
''میں اس وقت غصے میں تھا۔ تم خود سوچو اگر کوئی باپ اپنے بیٹوں پر اپنی داشتہ کے اغوا کا
الزام لگائے تو.....!''

''ٹھیک ہے! ٹھیک ہے! میں سمجھتا ہوں.....اسی لیے میں نے بات نہیں بڑھائی
.....!'' حمید نے اگلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ جمشید گھوم کر دوسری طرف اسٹیرنگ کے
پاس جا بیٹھا۔

گاڑی کمپاؤنڈ سے نکلی.....! حمید کنکھیوں سے جمشید کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''مگر
فریدی صاحب تو کہہ رہے تھے کہ علینی منکوحہ ہے!''

''خدا جانے.....!'' جمشید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ ''عمر کی زیادتی نے ان کا ذہن
ماؤف کر دیا ہے!''

چند لمحے خاموش رہ کر وہ پھر بولا۔ ''انہوں نے اس سلسلے میں کسی نامعلوم انفارمر کی
کہانی بھی سنائی تھی۔ اس میں کہاں تک صداقت ہے۔''

''بالکل ٹھیک ہے۔''

''تم لوگوں نے اس کی آواز ریکارڈ کرنے کی کوشش ضروری کی ہوگی!''

''ظاہر ہے!''

''میں اسے سننا چاہتا ہوں!''

''سنوا دوں گا..... ٹیپ کرنل صاحب کی تحویل میں ہے ان سے کہوں گا..... تمہاری بات سمجھ میں نہیں آتی۔''

''کیا بات.....!''

''کل رات تیموری صاحب نے درخواست کی تھی کہ ٹلنی کی تلاش کا کام خاموشی سے کیا جائے ورنہ آپ لوگوں کو ہنسنے کا موقع ملے گا لیکن پھر خود ہی آپ لوگوں کو بھی ملوث کر بیٹھے۔''

''میں نے کہہ دیا نا کہ ان کی ذہنی حالت مشکوک ہے..... اور مجھے یہ کہتے ہوئے محسوس نہیں ہوتی کہ انہوں نے ایک خاص مقصد کے تحت یہ طرز زندگی اپنایا ہے!''

''خاص مقصد کے تحت!'' حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

''جی ہاں..... تاکہ نچلے طبقہ کی عورتوں پر زیادہ سے زیادہ ہاتھ صاف کیا جا سکے!''

''خدا کی پناہ.....!''

''کہاں اترو گے!'' اس نے ناخوشگوار لہجے میں پوچھا۔

''اپنے دفتر کے قریب..... تو پھر اب تم سے کہاں ملاقات ہو سکے گی! مطلب یہ ہے کہ اگر کرنل صاحب تمہیں ریکارڈ کی ہوئی آواز سنانے پر آمادہ ہو جائیں تو تم سے کس طرح رابطہ قائم کیا جائے.....!''

''تھری او تھری سکس ایٹ چورنگ کر لینا.....!''

پھر وہ حمید کو اس کے دفتر کے قریب گاڑی سے اتار کر چلا گیا تھا۔

''جہنم میں جاؤ!'' حمید دور ہوتی ہوئی گاڑی کو گھورتا ہوا بڑبڑایا۔

• ایک گھنٹے بعد فریدی بھی واپس آ گیا تھا..... حمید آرام کرسی پر نیم دراز اختر شیرانی کی نظموں سے جی بہلا رہا تھا۔

''کیا رہی؟'' اس نے حمید کو مخاطب کر کے پوچھا۔

''یہی وادی ہے اے ہمدم جہاں ریحانہ رہتی تھی.....!''

''کیا بکواس ہے.....!''

''اوہ.....!'' حمید چونک کر سیدھا ہو بیٹھا۔

''میں نے تمہیں کئی بار تنبیہ کی ہے کہ شعراء کرام کو دفتر نہ لایا کرو۔''

''سوری۔'' کہہ کر حمید نے مجموعہ کلام میز کی دراز میں رکھ دیا اور پھر بولا۔ ''وہ انفارمر کا ٹیپ سننے پر مصر ہے.....!''

''گڈ!'' فریدی چٹکی بجا کر بولا۔ ''اور کچھ.....؟''

''بوڑھے کو برا بھلا کہہ رہا تھا.....!''

''قدرتی بات ہے!'' فریدی سر ہلا کر بولا۔

''کیا واقعی ٹلنی بوڑھے کی داشتہ ہے!''

''بکواس ہے! کیا جمشید نے یہ اطلاع دی ہے!''

''جی ہاں.....!''

فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔ حمید کچھ دیر بعد بولا۔ ''اس نے فون نمبر دیئے ہیں۔ اگر آپ اسے ٹیپ سنوانے پر آمادہ ہوں تو اسے مطلع کر دیا جائے۔''

''تم اسے چار بجے رنگ کر سکتے ہو!'' فریدی گھڑی پر نظر ڈالتا ہوا بولا۔

''تو کیا سچ مچ.....!''

''وہ کسی مرد کی آواز ہو گی..... تم فکر نہ کرو.....!''

''ان تینوں گول مٹول اولادوں کا کیا رویہ تھا.....!''

''کچھ بھی نہیں! سب کچھ خاموشی سے سنتے رہے تھے.....!''

''اور وہ گیارہ عدد لڑکیاں..... ان میں سے تو کسی کی بھی شکل نہیں دکھائی دی تھی.....!''

''سب باہر تھیں.....!''

''میں پوری عمارت بھی نہ دیکھ سکا!''

''لیکن میں نے تو تمہاری آنکھوں میں اکتاہٹ کے آثار دیکھے تھے!'' فریدی بولا۔

''وہ موسیقی مجھے جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر رہی تھی..... آخر وہ بند کس طرح ہوتی!''

''جب صدر دروازہ مقفل کیا جاتا ہے..... بس پوری عمارت کو ایک بہت بڑا برقی کھلونا سمجھو..... بھانت بھانت کے عجائبات نظر آئیں گے۔''

''بوڑھا میری سمجھ سے باہر ہے!''

فریدی مسکرا کر رہ گیا کچھ بولا نہیں..... حمید اسے جواب طلب نظروں سے دیکھے جا رہا

تھا۔ بالآخر بولا۔ ''کیا بوڑھے پر شبہ کیا جا سکتا ہے!''

''فی الحال کوئی بھی شبہ سے بالاتر نہیں ہے!''

اسی شام کو چار بجے حمید نے جمشید سے فون پر رابطہ قائم کر کے اطلاع دی کہ انفارمر کی آواز کا ٹیپ سنایا جا سکتا ہے! فریدی نے ٹیپ ریکارڈر اس کے حوالے کر دیا تھا۔ جمشید نے حمید کو بتایا کہ وہ پندرہ منٹ بعد آرلکچو میں مل سکے گا۔

آرلکچو سے اٹھ کر وہ دونوں ایک پبلک پارک میں پہنچے تھے اور حمید نے گاڑی ہی میں بیٹھے بیٹھے اسے ٹیپ سنایا تھا۔

''سوال تو یہ ہے کہ ٹلنی..... کیوں.....؟ وہ کیوں استعمال کی گئی۔'' جمشید پُرتفکر لہجے میں بڑبڑایا۔

''کیا یہ آواز تمہارے لیے کوئی اہمیت رکھتی ہے!'' حمید نے سوال کیا۔

''قطعی نہیں!'' وہ سر ہلا کر بولا۔ ''میرے لیے بالکل اجنبی ہے اور اصل قصہ یہ ہے کیپٹن حمید کہ ہمارے کچھ کاروباری حریف ہمیں نیچا دکھانا چاہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے ٹلنی انہی میں سے کسی کی آلۂ کار بنی ہو۔ ذرا ایک بار پھر تو سنوانا ٹیپ!''

حمید نے دوبارہ ٹیپ چلایا..... جمشید بہت غور سے سن رہا تھا۔ حمید نے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ پر نظر رکھی لیکن اسے انہماک کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔

''دشواری تو یہ ہے کہ آپ لوگ کسی کے خلاف شبہ بھی تو ظاہر نہیں کر رہے!'' حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔

اس پر جمشید تلخ سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ ''قبلہ والد صاحب نے ہم لوگوں کے خلاف شبہ ظاہر تو کر دیا تھا..... کیا تم نے نہیں دیکھا کہ میں نے احتجاجاً سیونتھ ہیون سے اپنا تعلق منقطع کر لیا ہے۔''

''مجھے اس ٹریجڈی پر افسوس ہے.....!''

''اور مجھے اس پر حیرت ہے کہ تم لوگ بھی انفارمر کی آواز نہیں پہچانتے۔'' جمشید بولا۔

''تم اس طرح کہہ رہے ہو جیسے تم نے پہچان لی ہو۔''

''جب تم جیسے ماہر لوگ نہیں پہچان سکے تو میں بیچارہ کس شمار میں ہوں!''

''میں تمہارے بھائی محمود تیموری سے کبھی نہیں ملا وہ کس قسم کے آدمی ہیں۔''

''بے حد سعادت مند.....! والد صاحب کے بے حد فرمانبردار..... دن کو رات اور رات کو دن کہہ دیں۔ اُن کی خوشی کی خاطر.....!''

''ایسے لوگ چھپے رستم ہوتے ہیں!'' حمید بولا۔ ''کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ ملک میں نہیں ہیں۔''

''میں کچھ نہیں جانتا!'' وہ بیزاری سے بولا۔ ''مجھے کسی میں دلچسپی نہیں رہی!''

''آپ کے متعلقین تو سیونتھ ہیون ہی میں رہ گئے ہیں!''

''کون سے متعلقین.....؟''

''مطلب یہ کہ آپ کے بیوی بچے.....!''

جمشید ہنس پڑا۔ پھر بولا۔ ''میرا کوئی نہیں ہے! میں بالکل تنہا ہوں..... ورنہ اتنی آسانی سے اس جہنم سے چھٹکارا نہ ملتا.....!''

''حیرت ہے کہ تم بھی اسے جہنم سمجھتے ہو!''

جمشید کچھ نہ بولا..... اس کے چہرے پر بیزاری کے علاوہ اور کسی قسم کا تاثر نہیں تھا۔

''اچھا..... کیپٹن حمید..... شکریہ.....!'' اس نے کچھ دیر بعد کہا اور حمید کی گاڑی سے اتر کر اپنی گاڑی میں جا بیٹھا۔

اسکے چلے جانے کے بعد بھی حمید نے اپنی گاڑی وہیں روکے رکھی۔ دن بھر کی تپش کے بعد موسم خاصا خوشگوار ہو گیا تھا۔ پارک کی کھلی فضا میں کچھ دیر ٹھہر کر دن بھر کی تھکن اتارنا چاہتا تھا۔

دفعتاً وہ لڑکی یاد آ گئی جس کے پھیلائے ہوئے کھڑاگ نے یہاں تک پہنچا دیا تھا۔ آخر وہ کیا چاہتی تھی۔ اگر یہ منشیات کی تجارت کرنے والے دو مخالف گروہوں کا ٹکراؤ تھا تو پھر اس نے بوڑھے شہباز تیموری کو اس میں کیوں ملوث کرنے کی کوشش کی تھی۔

تو پھر کیا سچ مچ بوڑھا شہباز ہی.....! شہباز جو اپنی انسان دوستی کے جھنڈے گاڑتا پھر رہا ہے..... ایسے ہی کسی گروہ کا سربراہ بھی ہے، سب کچھ ممکن ہے! یہاں کیا نہیں ہوتا۔

اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور گھر کی طرف چل پڑا..... ذہن نے شہباز سے پھر اسی لڑکی کی طرف چھلانگ لگائی..... تو پھر وہ شہباز ہی کے گھرانے کی کوئی لڑکی ہرگز نہیں ہو سکتی۔

اسے وہ شام بھی یاد آئی جب وہ ایک گونگی لڑکی کے روپ میں سیونتھ ہیون کی کمپاؤنڈ

سے برآمد ہوئی تھی..... تو گویا شروع ہی سے وہ ان لوگوں کی طرف اشارہ کرتی رہی تھی۔

گھر پہنچ کر فریدی سے ملاقات نہ ہو سکی۔ اس نے سوچا کہیں اس دوران میں اس کی ٹیلیفون کال نہ آئی ہو لیکن ملازموں سے دریافت کرنے پر مایوسی ہوئی۔ ذہن کی جو کیفیت ہوئی تھی اسے مایوسی ہی کہنا چاہیے کیونکہ اسے اس کی کال کا انتظار رہتا تھا۔

چائے کے دوران میں اچانک اس کی یہ آرزو پوری ہوگئی۔ پیالی ہاتھ میں لیے ڈرائنگ روم تک دوڑا چلا آیا۔

دوسری طرف وہی لڑکی تھی۔ کھنکتی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولی۔ ''کہو دوست کیا حال ہیں.....!''

''تم نے بڑی مصیبت میں پھنسا دیا ہے! بوڑھا میری جان کو آ گیا ہے!''

''پھر اسے کیا بتایا.....!''

''سچی بات بتانا میرے پیشے کے منافی ہے.....! تم بتاؤ آخر تمہارا گروہ اس گروہ کے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے.....؟''

''کہاں کی ہانک رہے ہو پیارے دوست.....!''

''ایک بار پھر کہو!'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''کیا کہوں.....؟''

''پیارے دوست!'' آج تک کسی لڑکی نے اتنے پیار سے مخاطب نہیں کیا۔ جواب میں پھر کھنکتی ہوئی ہنسی سنائی دی تھی۔

''کہو نا..... ایک بار پھر کہو.....!''

''شاید کسی دوسرے انسٹرومنٹ پر میرے نمبر ڈائل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔''

''ہرگز نہیں!'' حمید بولا۔ ''میں تمہیں صرف اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ اس گروہ کا قلع قمع ہو جانے کے بعد تمہارے گروہ کی طرف ضرور توجہ دی جائے گی۔ لہٰذا تم اس سے پہلے ہی اپنا تحفظ کر لو۔''

''میری فکر نہ کرو..... پیارے دوست..... او..... اف.....!''

ایسی ہی زبردست چیخ تھی کہ حمید کا سر جھنجھنا اٹھا..... بالکل ایسا ہی لگا تھا جیسے اچانک کسی نے لڑکی کی پشت میں خنجر اتار دیا ہو۔

''ہیلو..... ہیلو.....!'' حمید چیختا رہ گیا..... لیکن دوسری طرف اب سناٹا تھا۔

آخری کوشش

ریسیور میز پر ڈال کر اس نے تجربہ گاہ کی طرف دوڑ لگائی تھی۔ وہاں سے دوسری لائن والے فون پر اپنے محکمہ کے آپریشن روم سے رابطہ قائم کر کے پوچھا! ''کیا بوتھ نمبر تیرہ سے ہمارے نمبر پر کوئی کال ہو رہی تھی.....!''

''جی ہاں.....!'' دوسری طرف سے جواب ملا۔ ''وہ آپ سے گفتگو کر رہی تھی پھر چیخی تھی اور سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔ کرنل صاحب کو اطلاع دے دی گئی ہے!''

''وہ کہاں ہیں.....؟''

''فون نمبر تھری سکس ایٹ ناٹ پر ملے تھے!''

حمید نے سلسلہ منقطع کر کے مذکورہ نمبر ڈائیل کیے لیکن دوسری طرف صرف گھنٹی بجتی رہی۔ ریسیور نہیں اٹھایا گیا تھا..... ریسیور رکھ کر وہ پھر سٹنگ روم کی طرف بھاگا۔

دو یا تین منٹ کے اندر ہی اندر اس کی گاڑی سڑک پر نکل آئی تھی اور اس کا رخ اپر کلاس ہاؤسنگ سوسائٹی کی طرف تھا۔

بوتھ نمبر تیرہ کے قریب بھیڑ نظر آئی اور حمید کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی! بھیڑ ہٹا کر وہ بوتھ کے دروازے تک پہنچا فریدی اندر کھڑا فرش پر پھیلے ہوئے تازہ تازہ خون کو دیکھے جا رہا تھا۔

حمید کی آمد پر چونکا اور اس کا اس کا بازو پکڑے ہوئے بوتھ سے باہر نکل آیا۔

''لل..... لاش بھجوا دی؟'' حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''کیسی لاش.....؟''

''لل..... لڑکی..... کی!''

''جب میں پہنچا ہوں تو یہاں کوئی لاش واش نہیں تھی۔ البتہ ایک آدمی بوتھ کا دروا

کھولے کھڑا فرش پر پھیلے ہوئے خون کو دیکھ رہا تھا۔''

''کون تھا.....؟''

''احمقانہ باتیں نہ کرو.....کوئی بھی ہوسکتا ہے.....فون کرنے آیا تھا.....!''

''تو اس کا یہ مطلب کہ فوری طور پر لاش بھی غائب کر دی گئی!''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ اس جگہ آئے جہاں لنکن پارک تھی۔

''تو کیا یونہی.....!'' حمید بولا۔

''جی نہیں!'' فریدی کے لہجے میں جھنجھلاہٹ تھی! ایک آدمی بوتھ کے دروازے پر موجود ہے.....! ابھی دوسرے بھی پہنچ کر ضابطے کی کارروائی کریں گے۔ میں زیادہ دیر یہاں نہیں ٹھہر سکتا! جمشید کا کیا رہا۔

''اس نے دوبارہ ٹیپ سنا تھا.....؟''

''ری ایکشن!''

''گہرے انہماک کے علاوہ اور کچھ نہیں محسوس کر سکا! ظاہر ہے کہ آواز کے بارے میں تو اس نے لاعلمی ہی ظاہر کی ہوگی کیونکہ ٹیپ جعلی تھا.....!''

''میں نے تمہاری رائے نہیں معلوم کی تھی!'' فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''فی الحال بُرا ماننے کے موڈ میں نہیں ہوں.....!'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''بالآخر وہ بیچاری بھی مار ہی ڈالی گئی!''

فریدی نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔ حمید کو اس کا یہ رویہ گراں گزرا تھا لیکن وہ خاموش ہی رہا۔ لڑکی کی حیرت اور کرب میں ڈوبی ہوئی چیخ اسے پھر یاد آ گئی۔

دفعتاً فریدی اس کی طرف مڑ کر بولا۔ ''تم بالکل گھامڑ ہو!''

''کس بناء پر.....!'' حمید کا لہجہ بھی اچھا نہیں تھا۔

''ہمیں مجرم کی راہ پر لگا کر اپنا ڈراپ سین کرنا چاہتی ہے تاکہ اس معاملے سے نپٹ کر ہم اسے تلاش کرنے کی کوشش نہ کریں۔''

''ہوسکتا ہے! ویسے ضروری نہیں کہ آپ کا یہ نظریہ درست ہی ہو۔''

''اس بیچاری کو یہ نہیں معلوم کہ اس خون کا تجزیہ بھی کیا جائے گا!''

''آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟''

''وہ کسی آدمی کا خون تو نہیں ہے!''

''کیا بوتھ کی نگرانی مسلسل جاری ہے؟''

''نہیں.....!''

''اونہہ ہوگا کچھ!'' حمید نے اکتاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے شانوں کو جنبش دی۔

فریدی نے گھڑی پر نظر ڈالی.....آٹھ بج رہے تھے۔

''میرا خیال ہے کہ یہ رات اس سلسلے میں بے حد اہم ثابت ہوگی!'' اس نے لنکن کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا! ''اپنی گاڑی میں میرے پیچھے آؤ!''

لنکن آگے بڑھی تھی اور جب حمید کی گاڑی بھی حرکت میں آئی تو اس کی رفتار تیز ہوگئی۔

دونوں گاڑیاں آگے پیچھے ہائی سرکل نائٹ کلب میں داخل ہوئی تھیں۔

لنکن ہی کے قریب حمید کو بھی پارک کرنے کی جگہ مل گئی.....فریدی گاڑی سے اترتا ہوا بولا۔ ''میں نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا۔''

''اس لیے میں کل دوپہر تک کا انتظام بھی اسی وقت کرلوں گا.....!'' حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

کھانا کھا کر وہ نو بجے تک ڈائننگ ہال ہی میں بیٹھے رہے! حمید کو اس پر حیرت تھی۔

''کیا فلور شو اتنا ہی دلچسپ ہے؟'' اس نے بالآخر کہا۔

''جی نہیں!'' خشک لہجے میں جواب ملا۔ ''محض وقت گزاری!''

''گھر کیا برا تھا اس کے لیے.....!''

''کان نہ کھاؤ.....دس منٹ بعد اٹھ جائیں گے!''

''دس منٹ بعد اس سے بھی اچھی رقاصہ اپنے فن کا مظاہرہ کرے گی!''

''اچھی بات ہے اٹھو!'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

باہر نکل کر حمید پارکنگ شیڈ کی طرف بڑھا ہی تھا کہ فریدی اس کا بازو پکڑ کر بولا۔ ''جی نہیں! گاڑیاں یہیں رہیں گی!''

''کیا مطلب!''

''چلو.....!'' وہ اسے کمپاؤنڈ کے پھاٹک کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔

سڑک پر پہنچ کر اس نے ایک ٹیکسی رکوائی اور ڈرائیور سے ارجن پورہ چلنے کو کہا۔ حمید اب بالکل خاموشی اختیار کر لی تھی، ایسے مواقع پر عموماً اسے ضدی ہو جایا کرتی تھی کہ اب کچھ نہیں پوچھے گا۔

فریدی نے بھی اپنے اس رویہ کی وضاحت نہ کی البتہ ارجن پورہ کی ایک نیم تاریک عمارت کے بالائی منزل کے آٹھویں فلیٹ کا قفل کھولتے وقت وہ بڑبڑایا تھا۔ ''تمہاری ناپ کے بھی سڑے بُسے کپڑے اور جوتے یہاں مل جائیں گے۔''

''اب کیا بھنگی بنانے کا ارادہ ہے!'' حمید بھنا کر بولا۔

تھوڑی دیر بعد وہ معمولی مزدوروں کے سے لباس میں فلیٹ سے برآمد ہوئے تھے اور ان کے چہروں میں بھی کسی حد تک تبدیلی ہوئی تھی۔

پھر دوسری بار ٹیکسی میں بیٹھتے وقت حمید کو معلوم ہوا تھا کہ ان کی منزل وہی بستی تھی جہاں بوڑھا شہباز تیموری رہتا تھا۔

''تو میرا اندازہ غلط نہیں تھا!'' حمید بڑبڑایا۔

''یہ ایک اندھی چال ہے.....!'' فریدی نے کہا۔ ''اگر اس میں ناکامی ہوئی تو اس مسئلے پر از سرنو غور کرنا پڑے گا۔''

''اس کے بیٹے جمشید کا قول صادق ہوتا نظر آ رہا ہے!''

''دیکھتے جاؤ!''

بستی کے باہر ہی فریدی نے ٹیکسی رکوائی تھی اور کرایہ ادا کر کے آگے بڑھ گیا تھا۔

''کوارٹر بھی بستی کے آخر میں سب سے الگ تھلگ تعمیر کرایا ہے!'' حمید آہستہ سے بولا۔

''خاموشی سے چلتے رہو!'' فریدی نے مڑے بغیر کہا تھا۔

بستی کے تاریک گوشوں سے گزرتے ہوئے وہ شہباز کے کوارٹر کے عقبی میدان تک پہنچے تھے جہاں دور دور تک پی ڈبلیو ڈی کا تعمیراتی سامان بکھرا پڑا تھا۔

''اوہو.....ادھر تو چوکیدار بھی ہوں گے!'' حمید آہستہ سے بولا۔

''ہونے دو.....!'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ وہ کوارٹر کی پچھلی دیوار کے قریب پہنچ چکے تھے۔

چاروں طرف گہری تاریکی تھی.....! فریدی حمید کا شانہ دبا کر آہستہ سے بولا۔ ''چھت پر پہنچنا ہے۔''

''پی ڈبلیو ڈی والوں کی سیڑھی اٹھا لاؤں!'' حمید نے بوکھلا کر کہا۔

''فضول باتیں نہ کرو.....آؤ.....ہم بہ آسانی اوپر پہنچ سکیں گے!''

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ اوپر چڑھتا چلا گیا تھا دیوار کے سرے پر شاید مزید تعمیر کے لیے آدھی آدھی اینٹیں باہر نکلی چھوڑ دی گئی تھیں۔ ان کے سہارے اوپر پہنچنا نہایت آسان تھا۔

دوسرے ہی لمحے حمید بھی اس کی تقلید کر رہا تھا.....اوپر پہنچ کر وہ بیٹھے ہی بیٹھے زینوں کی طرف بڑھنے لگے۔

نیچے ایک کمرے میں روشنی نظر آ رہی تھی۔ وہ زینوں کے قریب پہنچے ہی تھے کہ نیچے سے ایک گرجدار آواز آئی۔ ''بتاؤ ورنہ.....زندہ دفن کر دوں گا۔''

وہ جہاں تھے وہیں ٹھٹک گئے۔ دوسری آواز اتنی بلند نہیں تھی کہ الفاظ سمجھ میں آ سکتے۔

''احتیاط سے نیچے اترو.....کام بن گیا ہے!'' فریدی نے سرگوشی کی۔

کمرے میں گہرے نیلے رنگ کا بلب روشن تھا.....وہ کھڑکی کی دونوں اطراف دیوار سے لگ کر کھڑے ہو گئے۔

بوڑھا شہباز کرسی سے بندھا بیٹھا تھا اور اس کے سامنے ایک نقاب پوش سائیلنسر لگا ہوا پستول لئے کھڑا نظر آیا۔

''زبان کھولو ورنہ.....!'' نقاب پوش نے پستول کو جنبش دی۔

''مم.....میں.....میں کچھ نہیں جانتا!'' بوڑھا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

حمید آہستہ آہستہ اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔

''تم جھوٹے ہو! تمہی نے پولیس کو میری راہ پر لگایا ہے!'' نقاب پوش غالباً دانت پیس کر بولا تھا۔

''تت.....تم کون ہو.....!''

''تمہیں اس سے سروکار نہ ہونا چاہیے.....!''

''جب میں تمہیں جانتا ہی نہیں تو پولیس کو کیسے تمہارے پیچھے لگاؤں گا!''

''میں پوچھ رہا ہوں کہ تم نے انہیں کس حد تک بتایا ہے!''

''تمہاری کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی!''

دفعتاً فریدی نے پھرتی سے دروازے کے سامنے پہنچ کر نقاب پوش پر چھلانگ لگائی۔ حمید کا ریوالور پہلے ہی نکل آیا تھا۔

نقاب پوش کا پستول اس کی گرفت سے نکل کر دور جا پڑا اور اب وہ خود فریدی کی گرفت میں تھا۔

دفعتاً بوڑھے نے چیخنا شروع کر دیا۔ ''دوڑو.....دوڑو.....بچاؤ.....بچاؤ.....!''

''خاموش.....!'' حمید اسے ریوالور دکھا کر بولا۔

دوسری طرف نقاب پوش فریدی کی گرفت سے نکل جانے کے لیے اپنا انتہائی زور صرف کر رہا تھا۔

''خاموشی سے ہتھکڑیاں پہن لو.....ورنہ تمہارے ٹخنے اتار کر بے بس کر دوں گا!'' فریدی نے اسے فرش پر گراتے ہوئے کہا۔

''تت.....تم کون ہو.....!'' نقاب پوش ہکلایا۔

''حمید ہتھکڑیاں.....!''

''کہاں ہیں.....!''

''میری پتلون کی دائیں جیب سے نکالو.....!''

حمید کے نام پر ایک بار پھر نقاب پوش نے گلوخلاصی کیلئے زور لگایا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔

بوڑھا حیرت سے آنکھیں پھاڑے گم سم بیٹھا تھا.....حمید نے ہتھکڑیاں نکالیں اور تھوڑی سی جدوجہد کے بعد نقاب پوش کے ہاتھوں میں ڈال دیں۔

''یہ.....یہ.....کون ہے؟'' بوڑھا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''منشیات کی غیر قانونی تجارت کرنے والے ایک گروہ کا سربراہ؟'' فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔

''لیکن.....میں.....مجھ سے کیا سروکار.....میں کیوں؟'' بوڑھا بدحواس ہو کر بولا۔

''آپ ہی سے تو سروکار ہے!''

اس پر نقاب پوش نے اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی تھی لیکن حمید کی ٹھوکر اسے دوبارہ فرش پر لے آئی۔

''تم کون ہو.....!'' بوڑھا فریدی کو گھورتا ہوا بولا۔

''آپ کا خادم.....فریدی.....!''

''اوہ.....اوہ.....خداوندا یہ سب کیا ہو رہا ہے!''

''ٹھہریئے.....ابھی بتاتا ہوں.....حمید اس کے چہرے سے نقاب ہٹاؤ.....!''

حمید نقاب ہٹانے کے لیے جھکا ہی تھا کہ اس نے اچھل کر اس کی پیشانی پر ٹکر ماری اور لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گیا۔ پھر تو حمید پر گویا شیطان سوار ہو گیا تھا۔ اس بُری طرح اس کی درگت کی تھی کہ اس نے ذرا ہی سی دیر میں ہاتھ پاؤں ڈال دیئے تھے۔ اس کے بعد اس نے اس کے پیر بھی باندھ دیئے۔

چہرے سے نقاب ہٹتے ہی بوڑھا کربناک آواز میں چیخا۔ ''نہیں!'' اور دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھیں ڈھانپ لیں۔

''یہ اس کا چھوٹا بیٹا جمشید تیموری تھا.....!''

''خداوندا.....یہ کیا ہو گیا.....!'' بوڑھا شہباز گلوگیر آواز میں بولا۔

''مجھے بے حد افسوس ہے!'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ ''میں نے اس کو اس غلط فہمی میں ڈالنے کی کوشش کی تھی کہ اس کے خلاف اطلاعات بہم پہنچانے والے آپ ہی تھے.....ورنہ یہ اتنی آسانی سے ہاتھ نہ لگتا۔''

''اوہ.....اسی لیے.....یہ مجھے مار ڈالنے پر تل گیا تھا اور مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ میں نے اس کو کس حد تک بتایا ہے.....اے میرے پروردگار آخر اسے کس چیز کی کمی تھی کہ یہ اس لعنت میں اتر آیا۔''

''چار افراد کے قتل کا الزام بھی ہے اس پر.....!'' فریدی بولا۔

''اللہ مجھ پر رحم کرے!'' بوڑھا کراہا۔

جمشید آنکھیں بند کیے پڑا تھا.....! ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بے ہوش ہو گیا ہو۔

حمید نے فریدی کے اشارے پر بوڑھے کو کرسی سے کھول دیا لیکن شاید اب اس میں اتنی سکت بھی نہیں رہ گئی تھی کہ خود سے کھڑا ہو سکتا۔

پھر ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر بوڑھے کو ''سیونتھ ہیون'' اور جمشید کو فریدی کے گھر حوالات میں پہنچا دیا گیا تھا۔

حمید کو اس پر حیرت تھی کہ آخر فریدی نے جمشید کو یہ کس طرح باور کرایا تھا کہ اس کے باپ ہی نے اس کی مخبری کی تھی۔

فریدی سے پہلا سوال اس نے اسی سے متعلق کیا۔

''جو ٹیپ تم نے جمشید کو سنایا تھا اسے ایک بار پھر سنو!'' فریدی بولا۔

''میں سن چکا ہوں.....!''

''کیا ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ بوڑھا تیموری آواز بگاڑ کر بولنے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''خدا کی پناہ.....!'' حمید چونک پڑا۔ چند لمحے فریدی کو حیرت سے دیکھتا رہا پھر بولا۔

''میرے ذہن میں یہی خلش تھی! لہجے میں کسی حد تک شناسائی کی جھلکیاں تھیں۔''

''اب تم پوچھو گے کہ اس طرف ذہن کیونکر گیا؟''

''قدرتی بات ہے.....!''

''اس کے ہاتھ کی انگشتری اس کے لیے پھانسی کا پھندا بن گئی جس پر فرعون کا سر بنا ہوا ہے۔ شروع سے بتانا پڑے گا..... تم یوں نہیں سمجھو گے؟ تمہیں یاد ہو گا لڑکی نے تمہارے توسط سے مجھے یہ پیغام دیا تھا کہ اگر کہیں کوئی بھیڑیا نظر آئے تو اس کی کھال اتارنے کی ضرور کوشش کروں.....!''

''اوہو! اسے تو میں بھول ہی گیا تھا.....!''

''اب کیفے دارا کے منیجر سرفراز کی لاش کی طرف واپس چلو..... اس کے جوتے کے تلے سرخی مائل کیچڑ سے آلودہ تھے اور اس میں ابرک کے ٹکڑے بھی چپکے ہوئے تھے۔ جھیل کے آس پاس کہیں بھی سرخی مائل مٹی نہ مل سکی اور پھر ابرک کے ٹکڑے..... دراصل انہی ابرک کے ٹکڑوں نے رہنمائی کی..... جھیل سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ایک فیکٹری ہے جہاں بجلی کا

بنایا جاتا ہے۔ ابرک کے ٹکڑوں کی وجہ سے ذہن اس کی طرف متوجہ ہوا۔ وہاں بجلی کی بنائی جاتی ہیں اس لیے ابرک کا اسٹاک بھی رہتا ہے۔ گودام کے سامنے ایک جگہ کا کر رہا تھا۔ جس کی وجہ سے آس پاس کیچڑ ہو گئی تھی اور یہ کیچڑ سرخی مائل تھا۔ اس میں کے ننھے ننھے ٹکڑے بھی شامل تھے پھر رات کو فیکٹری کی تلاشی کی ٹھہری..... وہاں تین دار تھے۔ کام صرف دن ہی میں ہوتا ہے۔ رات کی شفٹ نہیں چلتی۔ بہرحال چوکیداروں چائے میں خوب آور دوا ملوائی گئی اور تلاشی کا کام شروع کر دیا گیا۔ فیکٹری کے تہہ خانے ایک اور فیکٹری نظر آئی جہاں مشیات کی پیکنگ ہوتی تھی..... جانتے ہو پیکنگ کس طرح ہوتی تھی۔''

حمید نے غیر ارادی طور پر سر کو منفی جنبش دی۔

''جب تم نے لڑکی کا پیغام مجھ تک پہنچایا تھا تو میں نے کیا کہا تھا.....!''

''جب تم نے لڑکی کا پیغام مجھ تک پہنچایا تھا تو میں نے کیا کہا تھا.....!''

''غالباً آپ نے یہی کہا تھا کہ بھیڑیئے تک میں پہلے ہی پہنچ چکا ہوں!''

''ٹھیک.....! وہاں بھیڑیوں کی کھالوں میں مشیات کی پیکنگ ہوتی تھی اور یہ بھیڑیئے کوریشن پیسز کی حیثیت سے مل کے باہر بھیجے جاتے تھے۔ تفتیش کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک فرم بہت عرصے سے یہ کاروبار کر رہی ہے لیکن شہر کے کسی گوشے میں بھی اس فرم کا دفتر نہ مل سکا۔''

''لیکن فیکٹری کا مالک تو سامنے کی چیز ٹھہرا۔''

''ہاں..... آں! وہ بھی بلیک میل کیا گیا تھا۔ اس کام پر اُسے بلیک میل کر کے آمادہ کیا گیا تھا لیکن وہ بلیک میلر کی شخصیت سے آگاہ نہیں تھا۔''

فریدی خاموش ہو کر سگار سلگانے لگا۔ پھر بولا۔ ''ہاں تو بات اس انگشتری کی تھی جس پر فرعون کا سر بنا ہوا ہے۔ کچھ بھیڑیوں کے نیچے جہاں کھال کی سلائی ہوئی تھی۔ ویکس پر مہریں بنائی گئی تھیں، یعنی ویکس پر فرعون کے سر کی چھاپ تھی۔ جب تک لڑکی نے تمہیں بوڑھے تیموری سے الجھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میرا ذہن اس خاندان کی طرح متوجہ نہیں ہوا تھا..... بہرحال میں نے ہی بوڑھے کو اس پر آمادہ کیا تھا کہ وہ لڑکوں کی موجودگی میں مجھے مطلب کر کے تلنی کا قصہ چھیڑے.....!''

''تو آپ نے جمشید کے بھڑک اٹھنے کی بناء پر مجھے اس کے پیچھے جانے کو کہا تھا!''

''نہیں حمید صاحب!'' اس کی محرک صرف انگشتری بنی تھی اور پھر جب اس نے انفار کی آواز کا ٹیپ سننے کی خواہش ظاہر کی تھی تو مجھے پچاس فیصد یقین ہو گیا تھا کہ جمشید کاروبار کی پشت پر ہے لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ آج ہی بوڑھے پر حملہ کر بیٹھتا..... اندازہ تھا جو اتفاق سے درست نکلا۔''

''ٹیپ میں آپ ہی کی آواز تھی.....؟''

''پھر کس کی ہوتی..... شہباز تیموری کی آواز بارہا سنی تھی اس کے مخصوص لہجوں سے واقف تھا اس لیے ملتی جلتی آواز کی نقل تیار کر لینا کچھ مشکل نہیں تھا۔ بہرحال جمشید نے اپنے جرائم اعتراف کر لیا ہے۔ اس کے ہاتھوں وہی لوگ مارے گئے جو سربراہ کی شخصیت سے واقف تھے..... سرفراز کو خود اسی نے مارا تھا..... یاسمین فریدوں کو ہیڈ ویٹر فاروق سے قتل کرایا اور جب اسے معلوم ہوا کہ فاروق اپنا بیج یاسمین کے کمرے میں ہی چھوڑ آیا ہے تو اس نے اسے شراب میں زہر دے دیا۔ ڈیوڈ تلارام کی بیوی کو اس نے اپنے ایک گرگے سے قتل کرایا تھا۔ وکیل نے اسے اطلاع دی تھی اور اس نے فوری طور پر اپنے ایک گرگے کو فون کیا تھا جو تارجام ہی کا باشندہ ہے۔ اس نے ڈیوڈ کی بیوی کو قتل کر دیا۔ اس وقت تک وہ بھی گرفتار کر لیا گیا ہوگا۔ ملک سے باہر بھیجی جانے والی منشیات رقاصہ کے توسط سے ڈیوڈ تک پہنچتی تھیں اور ڈیوڈ انہیں ایک ویرانے میں پہنچاتا تھا جہاں سے دوسرے لوگ انہیں فیکٹری تک لے جاتے تھے۔''

''آخر جمشید کو کیا سوجھی تھی۔ کسی چیز کی کمی ہے اس گھرانے میں۔''

''عقل سلیم کی.....! چند آدمیوں کی ہوس انہی جیسے لاکھوں آدمیوں کو ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ آزاد معیشت والا نظام ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے انسانیت کے لیے سم قاتل بن گیا ہے.....!''

''کوئی حل ہے اس کا؟''

''زیادہ سے زیادہ لڑکیوں کے پیچھے دوڑ لگاؤ..... جی بھر کے عیاشی کرو، اور بڑھاپے میں اللہ پاک سے معافی مانگ کر جنت الفردوس کو سدھارو!'' فریدی کا لہجہ بے حد تلخ تھا۔

اس کے بعد حمید کی ہمت نہیں پڑی تھی کہ انفارمر لڑکی کے بارے میں کسی قسم کی گفتگو کرتا۔

دوسرے دن شام کو جب وہ کافی پی کر گھر سے باہر نکلنے ہی والا تھا کہیں سے فریدی کی

کال آئی۔

''وہ لڑکی شہباز کی پوتیوں میں سے ایک ہے۔ محمود کی بیٹی فریدہ تیموری چٹان پر پائے جانے والے انگلیوں کے نشانات اسی کی انگلیوں سے مطابقت رکھتے ہیں۔''

''تو پھر میں کیا کروں!'' حمید بولا۔

''اس سے معلوم کرو جب وہ جمشید کے بارے میں جانتی تھی تو اس نے ایسی پیچیدہ راہ کیوں اختیار کی۔ چٹان پر پائے جانے والے نشانات کے حوالے سے تم اس سے دوٹوک بات کر سکو گے..... اس وقت وہ نیشنل لائبریری میں کوئی کتاب پڑھ رہی ہے۔ نارنجی رنگ کے شلوار سوٹ میں ملبوس ہے!''

''اوکے!'' کہہ کر حمید نے ریسیور کریڈل میں رکھا اور نیشنل لائبریری کی طرف دوڑ گیا۔

پورے ہال میں صرف ایک ہی لڑکی نارنجی رنگ کے شلوار سوٹ میں نظر آئی۔ حمید اس کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

اس نے چونک کر اسے گھورا تھا..... حمید اس کے قریب ہی کرسی کھسکا کر بیٹھتا ہوا آہستہ سے بولا۔ ''بوتھ نمبر تیرہ میں پایا جانے والا خون کسی حرماں نصیب مرغ کا تھا مس فریدہ تیموری!''

''کک..... کیا مطلب.....!'' وہ ہکلائی۔

''جھیل کے کنارے جب آپ نے گیلی مٹی سے شوق فرمایا تھا تو ایک چٹان پر اپنے بائیں ہاتھ کا نشان چھوڑ آئی تھیں.....!''

''خدا مجھے معاف کرے!'' وہ طویل سانس لے کر مسکرائی۔ ''مٹی سے اس لیے شوق فرمایا تھا کہ گھونگریالے بالوں والی وگ پانی ہی میں رہ گئی تھی!''

''جب آپ سب کچھ جانتی تھیں تو ایسا خطرناک طریقہ اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی۔''

''میں قطعاً نہیں جانتی تھی کہ اس کالے کاروبار کی پشت پر جمشید چچا ہوں گے۔ صرف اتنا علم تھا کہ وہ سیونتھ ہیون ہی کا کوئی فرد ہو سکتا ہے۔ جب میں نے دیکھا کہ گونگی لڑکی سے ملاقات کے بعد بھی آپ لوگ سیونتھ ہیون کی طرف متوجہ نہیں ہوئے تو مجبوراً نقلی دادی والا چکر چلا کر دادا جان کو آپ لوگوں کے پیچھے لگا دیا..... یہ تدبیر کامیاب ہوئی اور جمشید چچا بالآخر پکڑ لیے گئے۔''

''بڑی بیدردی سے ذکر کر رہی ہو!''

''سیونتھ ہیون میں کوئی کسی کا نہیں ہے۔ سب اپنے اپنے عذاب میں مبتلا ہیں۔ جان نے وہ ٹھنڈا جہنم تعمیر کیا اور خود الگ ہو گئے۔''

''آخر آپ نے اس کی جرأت کیسے کر ڈالی تھی.....!''

''پچھلے سال ایک ایسی غریب بیوہ سے ملاقات ہوئی تھی جس کا واحد سہارا ایک نوجوان تھا جو اپنی دن بھر کی کمائی نشیلے سگرٹوں پر گنوا دیتا تھا۔ بس اسی دن سے تہیہ کر لیا تھا کہ منشیات کی کالی تجارت کرنے والوں کا پتہ لگا لگا کر پولیس کو مطلع کرتی رہوں گی۔ معلوم نہیں کتنے چھوٹے موٹے تاجر میرے ہی ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچے اور پھر اچانک ایک دن معلوم ہوا کہ سیونتھ ہیون بھی اس میں ملوث ہے..... وہاں سے ایک بڑی کھیپ کیفے دارا میں پہنچائی جاتی تھی۔ میں نے ان لوگوں کا طریق کار سمجھنے کی کوشش کی۔ ان کے ایک ٹھکانے سے واقف ہو گئی، لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اصل مجرم کون ہے۔ بہرحال اب شاید میں بھی عدالت میں گھسیٹی جاؤں.....!''

''قطعی نہیں! ہم آپ جیسی نیک ہستیوں کو ان چکروں سے محفوظ ہی رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میرے اور کرنل صاحب کے علاوہ اور کسی کو بھی اس کا علم نہیں! آپ کو تو ہم ایک نامعلوم عورت ہی کی حیثیت سے ریکارڈ میں رہنے دیا جائے گا۔''

''شکریہ..... لیکن میں دادا جان کو سب کچھ بتا چکی ہوں اور انہوں نے علنی دادی کو اچھی طرح سے سمجھایا ہے کہ وہ بھی اسے راز ہی میں رکھیں۔''

''یہ میک اپ وغیرہ کرنا آپ نے کہاں سے سیکھا.....!''

''ایک فینسی ڈریس ایکسپرٹ سے، کئی سال پہلے یورپ میں اس کی شاگردی کی تھی!''

''گونگی لڑکی سے دوبارہ ملنے کا اشتیاق باقی رہا جاتا ہے.....!''

''ملتے رہیے گا کبھی کبھی.....!'' وہ مسکرائی۔

''میں تمہاری عظمت کو سلام کرتا ہوں!'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 116

عظیم حماقت

(مکمل ناول)

پیشرس

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ،.....مبارک باد قبول فرمایئے۔ لیکن آپ نے تو ۵۰ روپے مہنگائی الاؤنس کی رسید تک نہ دی۔ جب تنخواہ میں ۳۵ روپے اضافہ ہوا تھا تو آپ نے ایک چونی مجھے بھی عنایت فرمائی۔ اب ۵۰ روپے کے اضافے پر بھی صرف چونی ہی کا سوال ہے۔ یہ اضافہ دوسروں نے تو اسی وقت کر دیا تھا جب اچانک کاغذ کی قیمت میں فی ٹن قریباً سو فیصد کا اضافہ ہوا تھا لیکن میں اسی نیک گھڑی کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا کہ شاید آپ کی تنخواہوں میں اضافہ ہو جائے، سو اللہ پاک نے میری آرزو پوری کی، (اگر آپ میری کتابیں نہ پڑھتے ہوتے تو آپ کی تنخواہوں میں ہرگز اضافہ نہ ہوتا) بہرحال! اللہ نے چاہا تو آپ کی تنخواہوں میں مزید اضافہ ہوگا۔ بس میرے ناول پابندی سے پڑھتے رہیے (پروفیسروں کی تنخواہیں اسی لیے بہت زیادہ ہوگئی ہیں کہ میرا ہر ناول کئی کئی بار پڑھتے ہیں) دھماکے کے سلسلے میں آپ کا استفسار بہت بڑھ گیا ہے۔ کیا عرض کروں؟ فلم کے لیے کہانی اور میوزک ضروری ہیں۔ میوزک نام ہے سُر اور تال کا، لیکن دھماکے کا سابقہ زیادہ تر ''ہڑتال'' سے پڑتا رہا ہے۔ چاہے وہ قومی پیمانے پر رہی ہو یا اسٹوڈیو کی حد تک..... بہرحال توقع ہے کہ آپ اگست میں دھماکہ دیکھ سکیں گے۔

عظیم حماقت حاضر ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

ابن صفی

۱-۷-۷۴

پتھر کی لڑکی

اس دیو کو دیکھ کر ان کے دیوتا ہی کوچ کر گئے۔ پھر بہتروں کے تو پاؤں ہی اکھڑ گئے تھے اور جدھر جس کے سینگ سمائے تھے بھاگ نکلا تھا۔ چیخوں میں ہلکی، بھاری، سریلی اور کریہہ ہر طرح کی آوازیں شامل تھیں۔

دیو جہاں تھا وہیں کھڑا چراغ الہ دین کے فلمی جن کی طرح قہقہے لگاتا رہا۔ پکنک منانے والے اپنا سامان تک چھوڑ بھاگے تھے، جس میں کھانے پینے کی چیزیں، ٹرانزسٹروں کے علاوہ متعدد گاڑیاں بھی شامل تھیں۔

یک بیک خوفزدہ ہو کر بھاگ نکلنے میں ارادے کو دخل نہیں تھا۔ اضطراری طور پر اس قسم کے افعال سرزد ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا جب انہیں ہوش آیا تو ان کے قدم رکنے لگے۔

پھر پندرہ یا بیس منٹ بعد ایک ایک کر کے وہ دوبارہ اسی مقام پر آ پہنچے تھے، جہاں سے خوفزدہ ہو کر بھاگے تھے، ان میں چھ لڑکیاں تھیں اور چار لڑکے! جن کی عمریں بیس بائیس سال سے زیادہ نہ رہی ہوں گی۔ وہ ڈری ڈری نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔ پھر یک بیک ایک لڑکی بولی۔ ''ارے گاڑیاں.....!''

اور وہ پھر سب ہی طرح طرح کی آوازیں نکالنے لگے تھے۔ کیونکہ دونوں گاڑیوں کے پہیے بیکار ہو چکے تھے۔ ان کی ہوا نکل چکی تھی۔

''یہ.....یہ.....کیا ہوا'' کوئی بولا۔

''کیا ضرورت تھی اس طرح بھاگنے کی۔ وہ تنہا ہی تو تھا۔'' ایک لڑکے نے غصیلے لہجے

میں کہا۔

''تم شاید یہیں ٹھہرے رہے تھے۔'' دوسرے کا انداز طنزیہ تھا۔

''لیکن ہوا کیسے نکل گئی.....؟''

جیسے ہم سب بھاگ نکلے تھے۔''

''بہت اچھے.....!'' ایک لڑکا خوفزدہ سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ ''تم شاید یہ کہنا چاہتے کہ ڈر کے مارے ہوا نکل گئی۔''

اس پر سب ہی سہمے ہوئے انداز میں ہنسے تھے۔

''اب کیا کریں؟'' کسی نے کہا۔

''کیا کر سکتے ہیں۔ میرے پاس دو فالتو پیسے ہیں اور تمہارے پاس۔'' ایک دوسرے سے سوال کیا۔

''صرف ایک.....!''

''مرے بے موت.....! اب واپسی کیونکہ ہوگئی۔''

''مم.....مگر.....وہ کون تھا اور کہاں چلا گیا۔'' ایک لڑکی بولی۔

''ارے سامان تو دیکھو۔'' کسی نے ہانک لگائی۔

''سب کچھ موجود ہے۔''

''کک.....کہیں پھر نہ دکھائی دے۔'' ایک لڑکی ہکلائی تھی۔

''پتھر اکٹھے کر لو۔'' ایک لڑکا آگے بڑھ کر خود اعتمادی کے ساتھ بولا۔ ''دیکھتے ہی پتھراؤ شروع کر دینا۔''

''پہلے کیوں بھاگے تھے۔''

''وہ اضطراری فعل تھا۔ اب دیکھ لیں گے وہ کتنی بڑی خبیث روح ہے۔''

''ایسا نہ کہو.....ایسا نہ کہو!'' ایک لڑکی خوفزدہ سی آواز میں بولی۔

''خاموش رہو!'' وہی نوجوان سخت لہجے میں بولا۔ ''اگر اب کسی نے ذرہ برابر بھی خوف ظاہر کیا تو اچھا نہ ہوگا۔''

''یار ختم بھی کرو!'' دوسرا بولا۔ ''سورج غروب ہونے والا ہے۔ ہمیں کچھ کرنا چاہئے۔

''کیا کر سکتے ہیں۔ شاہراہ یہاں سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔ ہمارے فرشتے بھی رات وہاں تک نہ پہنچ سکیں گے۔''

''تو پھر.....؟'' بیک وقت ساری لڑکیوں نے سوال کیا۔

''شاید ہمیں یہیں رات گزارنی پڑے۔''

''یہ نہیں ہوسکتا۔'' ایک لڑکی ہسٹریائی انداز میں چیخی۔

سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ لڑکی کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور آنکھیں حلقوں سے ابلی پڑ رہی تھیں۔

دفعتاً اس نے دیو کے سے انداز میں ہنسنا شروع کر دیا۔ آواز حیرت انگیز طور پر بھاری ہوگئی تھی۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کسی لڑکی کی آواز تھی۔

''سائرہ.....سائرہ.....'' وہ بیک وقت چیخے۔

لیکن لڑکی اسی آواز قہقہے لگاتی رہی۔ پھر وہ ویسی ہی بھاری بھرکم مردانہ آواز میں بولی۔ ''میں اشقر جن ہوں۔ تم نے میرے گھر میں گندگی پھیلائی ہے۔ میں تم لوگوں کو معاف نہیں کر سکتا۔''

قہقہہ پھر جاری ہوگیا۔ وہ سب بری طرح سہمے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

پھر وہی نوجوان آگے بڑھا، جو کچھ دیر قبل مردانگی کا دعویٰ کر چکا تھا۔

''یہ کیا بکواس ہے؟'' اس نے کڑک کر پوچھا۔

''پیچھے ہٹو۔'' سائرہ قہقہہ روک کر مردانہ آواز میں بولی۔

''یہ مذاق ختم کرو۔''

''احمق لڑکے! میں اشقر جن ہوں۔ اس وقت اس لڑکی پر میرا قبضہ ہے۔''

''سائرہ بکواس مت کرو۔''

''تم لوگوں کو سزا ضرور ملے گی۔'' سائرہ نے قہقہہ لگایا اور پھر وہ قہقہہ یک بیک نسوانی چیخوں میں تبدیل ہو گیا۔ اب سائرہ اپنی اصل آواز میں چیخے جاری تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ آگے پیچھے جھول رہی تھی۔ ایک بار نیچے ہی چلی آئی۔ وہ سب اس کی طرف جھپٹے۔

''پانی کی بوتل لاؤ۔''

''پتا نہیں کیا چکر ہے۔''

''وہ سچ مچ کوئی خبیث روح ہے۔''

پانی کی بوتل لائی گئی اور بیہوش سائرہ کے چہرے پر چھینٹے مارے جانے لگے۔ لیکن بے حس وحرکت پڑی گہری سانسیں لیتی رہی۔

''اب کیا کریں؟''

''کس مصیبت میں پڑ گئے۔''

''یہ جگہ سچ مچ آسیب زدہ معلوم ہوتی ہے۔ دیکھو میرے سارے رونگھٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔''

''کچھ کرو..... فضول باتوں میں وقت نہ گنواؤ۔''

''کیا کر سکتے ہیں!''

''اسے اٹھا کر گاڑی میں لے چلو!''

''چلو اٹھاؤ.....!''

چار لڑکیاں آگے بڑھیں۔ بیہوش لڑکی سائرہ ایک گاڑی میں پہنچائی گئی۔ اس کا جسم اکڑ کر رہ گیا تھا۔

وہ سب بیحد پریشان تھے اور بار بار اسی جانب دیکھنے لگتے تھے جدھر سے دیو نمودار ہوا تھا۔ اس کے سر پر دو عدد چھوٹے چھوٹے سینگ بھی تو تھے اور ڈاڑھی ایسی تھی جیسے کسی ٹیلے پر جھاڑیاں اگ آئی ہوں۔ البتہ سر انڈے کے چھلکے کی طرح شفاف تھا۔ ورنہ وہ چھوٹے چھوٹے سینگ بالوں ہی میں چھپ کر رہ جاتے۔ اس کی ہنسی ہیبت ناک تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بادل گرج رہے ہوں۔

''تت..... تمہارے پاس تو ریوالور تھا۔'' ایک نے اس نوجوان سے کہا، جو بہت زیادہ دلیری کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

''گاڑی میں تھا..... میرے پاس نہیں تھا۔''

''چنگیزی تم ہی ہمت کرو!'' دوسرا بولا۔ ''تمہارے علاوہ شائد ہی کوئی پیدل سڑک تک

جانے کی جرأت کر سکے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے۔'' جیالا نوجوان سر ہلا کر بولا۔ ''لیکن ضروری نہیں ہے کہ کوئی اس کام کے آنے پر آمادہ ہی ہو جائے۔''

''ہاں..... یہ بات تو ہے۔''

''لیکن! بہرحال یہ کرنا ہی پڑے گا۔'' چنگیزی طویل سانس لے کر بولا۔ ''میں جاؤں گا تم فکر نہ کرو۔ ایک باسکٹ میں کافی کا تھرموس اور پانی کی بوتل کے ساتھ کھانے کی کچھ چیزیں رکھ دو۔ سڑک تک پہنچتے پہنچتے خاصی رات ہو جائے گی۔''

سائرہ اب بھی بیہوش تھی اور وہ سب گاڑیوں کے آس پاس اکٹھا تھے۔

چنگیزی کے مشورے کے مطابق ایک باسکٹ اس کیلئے تیار کر دی گئی۔ روانگی سے قبل اس نے اپنی گاڑی کے ڈیش بورڈ کے ایک خانے سے ریوالور نکالا تھا اور جیب میں ڈال لیا تھا۔

سب سے پہلے وہ اس جگہ پہنچا جہاں وہ عفریت دکھائی دیا تھا۔ بائیں جانب والی ڈھلان میں اس نے دور دور تک نظر دوڑائی، لیکن کہیں کوئی غیر معمولی چیز دکھائی نہ دی۔ پھر وہ اپنے خوفزدہ ساتھیوں سے ''خدا حافظ'' کہہ کر دائیں جانب والی ڈھلان میں اترنے لگا۔ یہ سارا علاقہ اس کا دیکھا بھالا ہوا تھا۔ اس طرف سے سڑک کا فاصلہ نسبتاً کم ہوتا۔

اس کا تعلق وادی گلبار کے سب سے زیادہ معزز خاندان سے تھا۔ خان دارا کا بھتیجا تھا جسے وادی گلبار کا بادشاہ ہی کہنا چاہئے۔ سرکاری عملہ اس کی مرضی کے خلاف ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اس کے باوجود بھی چنگیزی نے سڑک سے زیادہ دور پکنک منانے کی مخالفت کی تھی۔ لیکن جہاں چار چھ سر پھرے اکٹھا ہوں، وہاں کسی ایک کی کون سنتا ہے۔

وہ جگہ حقیقتاً اس علاقے کی خوبصورت ترین تفریح گاہ بن سکتی تھی لیکن چنگیزی وہاں کے حالات سے بخوبی واقف تھا۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ ماورائی خطرے کا تصور تک اس کے گمان میں نہ رہا ہو۔

ان اطراف میں سانپوں کی بھی بہتات تھی اور سب سے بڑا خطرہ تو بروبانیوں کا تھا۔ یہ وحشی اور بت پرست قبائلی تھے۔ بروبانی قبیلے میں صدیوں سے عورتوں کی کمی چلی آ رہی تھی اور اس لیے دوسری اقوام کی عورتوں کا اغوا ان کے لیے مذہبی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔

سہل الحصول عورتیں ان کی دانست میں نعمت غیر مترقبہ ہوتی تھیں۔ لہٰذا چنگیزی نے مجبوراً لیے ان اطراف میں پکنک منانے کی مخالفت کی تھی کہ ان کے ساتھ پوری چھ عورتیں تھیں۔ بروبانیوں کا کوئی گروہ انہیں گھیر لیتا تو وہ چار عدد مردان کا کیا بگاڑ لیتے۔

بہرحال لڑکیاں اس سے متفق نہیں ہوئی تھیں۔ وہ اس خوبصورت اسپاٹ کو دیکھنا چاہتی تھیں۔ پھر انہوں نے چنگیزی کی غیرت کو بھی للکارا تھا کہ وہ خان دادا کا بھتیجا ہونے کے باوجود بھی بزدلی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔

چنگیزی تخلص نہیں تھا بلکہ اس کی رگوں میں سچ مچ چنگیز خان کا خون دوڑ رہا تھا۔ لیے اسے بھی آ گیا تھا تاؤ اور پھر اسی اسپاٹ پر پکنک منانے کی ٹھہر گئی تھی۔

لیکن وہ دیو کوئی بروبانی تو نہیں ہو سکتا تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ پوری وادی گلبار میں خود اس قبیلے کے علاوہ اور کسی بھی قبیلے میں زیادہ قد آور لوگ موجود نہیں ہیں اور دیو تو بہت ہی زیادہ لمبا چوڑا تھا۔ اتنا قد آور اور جسیم آدمی تو خود اس کے قبیلے میں نہیں تھا۔

وہ سوچتا ہوا سڑک کی جانب بڑھتا رہا۔ اندھیرا پھیلنے لگا تھا اور تھوڑی ہی دیر بعد ٹارچ کی ضرورت پیش آنے والی تھی۔ پھر دفعتاً اسے سائرہ کی بیہوشی یاد آئی۔ کون جانے اب تک اسے ہوش آیا ہوگا یا نہیں..... خدا کی پناہ..... اس کی تو آواز ہی بدل کر رہ گئی تھی۔ بالکل اسی دیو کے سے انداز میں قہقہے لگا رہی تھی.....!

اوہ..... کیا نام تھا..... وہ نام یاد کرنے کی کوشش کرنے لگا..... کسی جن کا نام لیا تھا اس نے عورتوں پر جن آنے کے بہت سے قصے سن رکھے تھے لیکن اس سے پہلے ایسی کوئی عورت نظر سے نہیں گزری تھی۔ ان کہانیوں پر بھی اسے یقین نہیں تھا، لیکن سائرہ کی آواز تو خود اس کی آواز تو ہرگز نہیں معلوم ہوتی تھی۔

وہ سوچتا رہا اور پھر اسے وہ نام بھی یاد آ گیا۔ ''اشقر جن'' اس نے یہ نام پہلے کہاں سنا تھا۔ یادداشت پر زور دینے لگا۔ اشقر جن اشقر جن..... اوہ اشقر دیوزاد..... داستان امیر حمزہ میں ان کے گھوڑے کا نام تھا۔ دیو اور پری کے اتصال کا نتیجہ..... کوہ قاف سے لائے تھے امیر حمزہ.....!

اشقر جن..... واہ..... لیکن سائرہ کی وہ حرکت اداکاری تو نہیں تھی۔ ہرگز نہیں! اتنی

بھاری آواز نکالنا اس کے بس کا روگ نہیں تھا۔ وہ آواز بالکل اسی جن یا دیو کی آواز سے مشابہ تھی.....!

اس کے ذہن میں دیو کا مسلسل قہقہہ گونجنے لگا اور وہ پھر چلتے چلتے رک گیا۔ قہقہہ اس کے ذہن کی پیداوار نہیں تھا۔ وہ اسے اپنے کانوں سے سن رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کہیں دور دور تک چکراتا پھر رہا ہو.....!

اندھیرا پوری طرح پھیل گیا تھا۔ چنگیزی کے جسم سے ٹھنڈا پسینہ چھوٹ پڑا۔ جہاں تھا وہیں رک کر ایک پتھر کی اوٹ میں پوزیشن لینے لگا..... ریوالور جیب سے نکل آیا تھا لیکن خطرات کا احساس جلد ہی ہو گیا۔ بھلا اندھیرے میں پوزیشن کس کے خلاف لے رہا تھا۔ کیا وہ اس قہقہے کی سمت کا تعین کر سکا تھا۔ پھر پوزیشن لینا چہ معنی دارد..... اس نے محسوس کیا کہ وہ خائف ہو کر ایک پتھر کی اوٹ میں دبک گیا ہے۔ ریوالور نکال لینا بھی خوفزدگی ہی کا نتیجہ تھا۔

قہقہہ کچھ دیر تک سنائی دیتا رہا پھر سناٹا چھا گیا اور یہ سناٹا اس قہقہے سے بھی زیادہ بھیانک لگ رہا تھا۔

وہ تھوڑی دیر تک اسی جگہ دبکا رہا۔ پھر اٹھنے ہی والا تھا کہ ایک عجیب طرح کی خوشبو کا احساس ہوا اور ساتھ ہی سر بھی چکرا گیا۔ اس کے بعد اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑتے چلے گئے تھے اور پھر ذہن بھی گہری تاریکی میں ڈوب گیا تھا۔ اس نے اپنے ذہن پر قابو پانے کی انتہائی کوشش کر ڈالی تھی، لیکن ناکام رہا تھا۔

پھر دوبارہ ہوش آنے پر بڑی دیر تک اپنی بصارت ہی پر یقین نہیں آیا تھا۔ یہی سمجھا شاید خواب دیکھ رہا ہے۔

اس کے چاروں طرف نارنجی رنگ کی خوشگوار دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ شائد سورج کچھ ہی دیر پہلے طلوع ہوا تھا اور سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اپنی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھے سو رہے تھے۔ اس کی دونوں جانب لڑکے بھی جاگ نہیں رہے تھے۔

یک بیک چنگیزی نے انہیں جھنجھوڑنا شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ سب ہی جاگ پڑے تھے۔

''لل..... لڑکیاں.....؟'' وہ سبھی بیک وقت ہکلائے۔

''کہاں ہیں لڑکیاں؟'' چنگیزی نے پوچھا۔

''دو اس گاڑی میں تھیں اور دو اس گاڑی میں..... لل..... لیکن ہم سب یہاں ہیں۔''

''چلو اترو.....!'' چنگیزی نے بائیں جانب والے ساتھی کو دھکا دیا۔

دوسری گاڑی بھی تھوڑے ہی فاصلے پر موجود تھی۔ وہ سب اس کی طرف دوڑ گئے۔ چاروں لڑکیاں گاڑی میں موجود تھیں اور وہ بھی جاگ نہیں رہی تھیں۔ ان میں سے ایک آوازیں دے کر جگائی گئی اور اس نے بقیہ کو جھنجھوڑنا شروع کر دیا۔ پھر اس کے حلق سے ایک خوفزدہ سی چیخ نکلی تھی اور وہ سائرہ کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھے جا رہی تھی۔

سب بیدار ہو گئی تھیں..... لیکن سائرہ اب بھی بے حس و حرکت بیٹھی ہوئی تھی اور پھر سبھی پاگلوں کی طرح چیخنے لگے۔ سائرہ پتھر کی طرح سخت ہو گئی تھی۔ پتھر..... بیجان.....! کی آنکھوں بند تھیں..... پتھر سانس نہیں لیا کرتے... اس لیے زندگی کا سوال نہیں پیدا ہوتا تھا۔

اس کے باوجود بھی وہ فوری طور پر وہاں سے روانہ ہو سکتے تھے۔ گاڑیوں کے پہیے ان کی لاعلمی میں حیرت انگیز طور پر کارآمد ہو گئے تھے۔

جاسوسی کا پہاڑ

قاسم کی رولز کمپاؤنڈ کے پھاٹک میں برآمد ہو کر سڑک پر آئی اور بہت دھیمی رفتار سے مغرب کی طرف بڑھنے لگی۔ اس نے عقب نما آئینے کی پوزیشن اس طرح بدلی تھی جیسے کسی تعاقب کرنے والے کو نظر میں رکھنا چاہتا ہو۔

کچھ دور چل کر اس نے رفتار بڑھائی۔ شائد مطمئن ہو گیا تھا۔ اس کا تعاقب کسی نے بھی نہیں کیا۔

لیکن جب تیرھویں شاہراہ کے چوراہے سے سچ مچ اس کا تعاقب شروع ہوا تو اسے تعاقب کا شبہ تک نہ ہو سکا۔

رولز تھوڑی دیر بعد ایک بستی کی کسی دور افتادہ عمارت کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی تھی۔ قاسم گاڑی سے اتر کر برآمدے میں پہنچا۔ صدر دروازہ باہر سے مقفل تھا۔ قفل کھول کر

اندر ایسے کمرے میں پہنچا جہاں بہت بڑی بڑی مصنوعی ڈاڑھیاں دیواروں پر لٹکی نظر آ رہی تھیں۔ بھانت بھانت کے ملبوسات، وگیں اور بھی نہ جانے کتنا میک اپ کا سامان ادھر ادھر پڑا تھا۔

اس نے ایک وگ اٹھائی جس سے ڈاڑھی مونچھیں اور ناک پر فٹ ہو جانے والا ماسک کا ایک خول بھی اٹیچ تھا۔

بس پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کا حلیہ ہی بدل کر رہ گیا..... تن و توش کا میک اپ بھی ممکن ہو شائد اسے قریب سے دیکھنے والے بھی نہ پہچان سکتے۔ اس نے وہ لباس بھی تبدیل کیا، دوسرے پہن کر آیا تھا۔

کچھ دیر بعد باہر نکل کر صدر دروازے کو دوبارہ مقفل کیا اور گیراج سے ایک جیپ نکالی۔

رولز اسی عمارت میں چھوڑ دی گئی تھی اور اب وہ جیپ ڈرائیو کر رہا تھا لیکن اس کے دشمنوں کو بھی علم نہیں تھا کہ ایک گاڑی اب بھی اس کا تعاقب کر رہی تھی۔

کچھ دیر بعد اس نے جیپ روکی تھی اور فٹ پاتھ پر اتر گیا تھا۔ تعاقب کرنے والی گاڑی کچھ آگے بڑھ کر فٹ پاتھ سے جا لگی۔

قاسم اونٹ کی طرح منہ اٹھائے چالیس منزلہ عمارت ''الجمہوریہ'' کی طرف چل پڑا تھا۔ وہ جب بھی یہاں آتا تماشہ بن کر رہ جاتا۔ لوگ اس کے لیے راستہ چھوڑ دیتے تھے اور چلتے رک کر اس طرح دیکھنے لگے جیسے وہ کسی دوسری دنیا کی مخلوق ہو۔

اٹھائیسویں منزل کے لیے روانگی لفٹ کے ذریعہ ہوئی تھی اور وہ لفٹ میں تنہا تھا۔

اٹھائیسویں منزل تک پہنچتے پہنچتے اس کی کمر اور شانوں میں درد ہو جاتا تھا کیونکہ لمبے تڑنگے جسم کو موڑے بغیر وہ لفٹ میں سما ہی نہیں سکتا تھا..... لفٹ بوائے ایک گوشے میں دبکا ہوا ہنسی روکنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ قاسم کی طرف دیکھتا بھی نہیں تھا۔ یہ بات پہلے ہی طے ہو گئی تھی کہ وہ اسے لفٹ میں تنہا لے جایا کرے گا اور اس کی طرف دیکھا نہیں کرے گا۔ اس کے عیوض اسے روزانہ پانچ روپے ملتے تھے۔ قاسم لفٹ میں داخل ہوتے ہی اس کے ہاتھ پر پانچ روپے کا نوٹ رکھ دیتا تھا۔

معمول کے مطابق اس وقت بھی یہی ہوا تھا۔

لفٹ بوائے لفٹ کو گراؤنڈ فلور پر واپس لایا تو ایک خوش شکل اور دبلی پتلی عورت اس کی منتظر تھی اور اتفاق سے اس لفٹ کے قریب کوئی ایسا آدمی بھی موجود نہیں تھا جسے اوپر جانا ہو۔

''کیا آپ اوپر تشریف لے جائیں؟'' لفٹ بوائے نے بڑے ادب سے پوچھا۔

''اسی فلور پر جہاں اسے چھوڑ آتے ہو!'' عورت نے جواب دیا۔

''اوہ.....!'' لفٹ بوائے کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''دفتر کس نام سے ہے؟'' عورت نے اسے نظر انداز کر کے پوچھا۔

''پتا نہیں جناب.....ویسے بہت لوگ پتا پوچھتے ہوئے آتے ہیں۔''

وہ لفٹ میں داخل ہوگئی۔ اسے بھی لفٹ بوائے نے اٹھائیسویں فلور پر چھوڑا۔

اس دوران میں قاسم اپنی میز پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے گھنٹی بجائی اور ایک لحیم شحیم عورت نے کمرے کا دروازہ کھول کر کہا۔ ''یس باس.....!''

''ادھر آ قریب بیٹھو.....!'' قاسم نے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

''یس باس.....!'' اس نے مؤدبانہ تعمیل کی تھی۔

''رپورٹ.....!'' قاسم اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''کیس نمبر جناب.....؟''

''قیس نمبر.....!'' قاسم اسے گھورتے ہوئے بولا۔ ''قیس نمبر بھی تم ہی بتاؤ۔''

''وہ.....وہ.....!'' عورت ہکلائی۔

''زیرو ٹو کہاں ہے؟''

''ابھی نہیں تشریف لائے جناب!''

''لاٹ صاحب کا بچہ ہے سالا.....روز لیٹ آتا ہے.....جاؤ.....غیر حاضری لگا دو۔''

''بہت بہتر جناب!'' اس نے کہا اور اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھ گئی! قاسم اس کے چلنے کے انداز کو بڑی لگاوٹ سے دیکھ رہا تھا۔

وہ چلی گئی! دروازہ بند ہونے پر اس نے بڑی لمبی سانس کھینچی تھی۔ پھر کرسی کی پشت سے ڈھیر ہو جانے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ انٹر کوم سے آواز آئی۔ ''ایک مؤکلہ فوری طور پر ملنا چاہتی

جناب۔''

''زیرو ٹو آیا یا نہیں؟'' قاسم نے پوچھا۔

''نہیں جناب.....!''

''اچھا تو تم ہی مؤکلہ سے پوچھ لو کہ انہیں کیا تکلیف ہے۔''

''وہ صرف آپ سے گفتگو کرنا چاہتی ہیں۔''

''ناممکن.....گفتگو میں نہیں قرتا.....زیرو ٹو کرتا ہے۔''

''وہ موجود نہیں ہیں.....!''

''کہدو کہ گفتگو والا موجود نہیں ہے۔ پھر کبھی تشریف لائیں۔''

''وہ کسی طرح مانتی ہی نہیں!''

''جوان ہے.....!'' قاسم نے منہ چلا کر پوچھا۔

''جی ہاں.....!''

''اچھا تو لاؤ اسے.....مگر گفتگو تم ہی کرو گی۔''

''بہت اچھا جناب!''

قاسم سیدھا ہو بیٹھا اور آنکھوں میں کچھ اس قسم کی خونخواریت پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگا تھا کہ آنے والی مؤکلہ کانپ کر رہ جائے لیکن ہوا یہ کہ مؤکلہ کی شکل دیکھ کر خود قاسم کی گھگھی بندھ گئی.....یہ مؤکلہ خود اسکی اپنی بیوی تھی جس کی لاعلمی میں یہ کھڑاگ پھیلا بیٹھا تھا۔ بوکھلاہٹ میں نہ جانے کون کون سی حرکتیں سرزد ہو جاتیں لیکن اسے فوراً یاد آ گیا کہ وہ ڈیمک اپ میں ہے۔ پہچان تو ہو سکے گی نہیں لہٰذا جی کڑا کر کے خاموش بیٹھے رہو۔

سیکرٹری مؤکلہ کو کرسی پیش کرتی ہوئی بولی۔ ''باس صرف سنتے ہیں۔ بولتے نہیں!''

بیوی قاسم کو گھورے جا رہی تھی اور قاسم بھی آنکھیں پھاڑے بیٹھا تھا۔

''آپ اپنا مسئلہ بیان کیجئے!'' سیکرٹری بولی۔ ''ہم معقول معاوضے پر نہ صرف مسئلے کا حل بتاتے ہیں بلکہ عملی طور پر بھی مدد کرتے ہیں۔''

''میرا مسئلہ میرا شوہر ہے۔'' قاسم کی بیوی ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

''کیا آپ طلاق لینا چاہتی ہیں؟''

''ہرگز نہیں!''

''پھر ہم آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں؟'' سیکرٹری نے پوچھا۔

''میں اپنے شوہر کو پٹوانا چاہتی ہوں۔''

قاسم نے سختی سے دانت بھینچ لئے لیکن دم بخود بیٹھا رہا۔

''ہم کوئی غیر قانونی کام نہیں کرتے محترمہ۔'' سیکرٹری بولی۔

''ارے یہ تو عین ثواب کا کام ہوگا۔'' قاسم کی بیوی نے قاسم کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''میں نہیں سمجھی محترمہ!''

''اگر اسکی دونوں ٹانگیں توڑ دی جائیں تو میں فی ٹانگ دس ہزار روپے تک دے سکتی ہوں۔''

''معقول رقم ہے!'' سیکرٹری سنجیدگی سے سر ہلا کر بولی اور قاسم اسے قہر آلود نظروں سے دیکھنے لگا تھا۔

''تم لوگ اس مسئلے پر اچھی طرح غور کر لو۔'' قاسم کی بیوی اٹھتی ہوئی بولی۔ ''میں پھر آؤں گی۔''

سیکرٹری اسے رخصت کرنے صدر دروازے تک گئی تھی اور پھر قاسم کے کمرے میں واپس آ گئی تھی۔

''کیا خیال ہے جناب؟ رقم تو خاصی ہے۔'' اس نے قاسم سے کہا۔

''خیال.....؟ قاسم دہاڑ کر کھڑا ہو گیا۔ کچھ اور بھی کہتا لیکن جلد ہی سنبھل گیا۔ وہ اس میک اپ میں صرف باس تھا.....قاسم نہیں.....!

سیکرٹری اسے سہمی ہوئی نظروں سے دیکھتی رہی۔ قاسم کو کچھ نہ سوجھی تو بولا۔ ''قہاں مرغا زیرو ٹو.....!''

''وہ.....وہ.....جناب زیرو ٹو کی یہ حرکت میری سمجھ میں نہ آ سکی!''

''قونسی حرکت؟''

''اس عورت کے پیچھے ہی پیچھے وہ بھی آفس میں داخل ہوا تھا لیکن اس کی شکل دیکھتے ہی بھاگ کھڑا ہوا۔''

''ہاں.....ہاں.....اب تو بھاگے ہی غا سالا.....کھیر کھیر.....دیکھ لوں غا۔''

''میں نہیں سمجھی جناب!''

''چپ رہو.....میں قون ہوں؟''

''زیرون جناب!''

''وہ قون ہے؟''

''زیرو ٹو.....!''

''تم کون ہو؟''

''زیرو تھری جناب!''

''ٹھیک ہے.....جاؤ اپنا کام کرو!''

''لیکن اس عورت کا مسئلہ.....؟''

''مسئلے کی ایسی تیسی.....جو کہہ رہا ہوں قرو.....!''

وہ کمرے سے چلی گئی اور قاسم کرسی پر گر کر ہانپنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ پھر کھلا تھا اور کرائم رپورٹر انور کی شکل دکھائی دی تھی۔

قاسم بھڑک اٹھا۔ ''اتنی دیر سے کیوں آئے؟''

''پہلے تم بتاؤ سب خیریت ہے نا۔'' انور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

''تم بھانجے قیوں تھے۔ سب سالے مصیبت میں پھنسانے والے ہی ملتے ہیں۔''

''کیا پہچان لیا بیگم صاحبہ نے؟''

''میں نہیں جانتا.....!''

''آخر بات کیا تھی.....؟ کیوں آتی تھیں!''

''میں کہتا ہوں.....خاموش رہو!''

''زیرتھری.....!'' انور نے انٹرکوم کی طرف جھک کر سیکرٹری کو آواز دی۔ ''یہاں آؤ.....!''

''نہیں۔ یہاں نہیں!'' قاسم دہاڑا۔ ''وہیں جا کر پوچھ لو.....!''

انور نے اسے گھور کر دیکھا تھا اور سیکرٹری کے نمودار ہونے سے پہلے ہی کمرے سے نکل گیا تھا۔

قاسم نے انٹرکوم کا سوئچ آف کیا اور بہ آواز بلند سوچنے لگا۔ ''دیکھو سالی اب کیا گل

کھلاتی ہے..... پٹوائیں غی مجھے..... میری ٹانگیں تڑوائیں گی..... ایک ٹانگ کے دس ہزار روپے..... اچھا..... اچھا..... دیکھوں غا۔ ابے ہاں..... میرا جو دل چاہے غا کروں غا چپاتی سالی بیغم.....!''

بات یہیں تک پہنچی تھی کہ انور واپس آ گیا۔

اب وہ دونوں ایک دوسرے کو گھورے جا رہے تھے۔ پھر انور سنجیدگی سے بولا۔ ''تم سے ہم بزنس کر رہے ہیں۔ آخر آج ہی کیوں.....؟''

''میں قیا جانوں.....!''

''یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارا اشتہار دیکھ کر آئی ہوں..... سچ سچ تمہاری ٹانگیں تڑوانا چاہتی ہو۔''

''بس بس..... کھاموش.....!''

''یا پھر ہو سکتا ہے کہ تمہارے اچانک غائب ہو جانے کی بنا پر انہیں شبہ ہوا ہو۔ آخر مجھے کیوں نہیں بتاتے کہ تین دن کہاں غائب رہے تھے۔''

''ٹاپ سیکرٹ!'' قاسم مسکرا کر بولا۔ ''نہیں بتایا جا سکتا۔ ابے میں جاسوسی کا پہاڑ ہوں۔''

''اگر میری لاعلمی میں اپنے طور پر کچھ کر بیٹھے تو تمہاری پریشان حالی کی ذمہ داری مجھ پر نہ ہوگی۔'' انور خشک لہجے میں بولا۔

''میں قہتا ہوں کھاموش رہو۔''

''اور میں کہتا ہوں فی الحال دفتر میں تالا ڈالو اور گھر بیٹھ رہو۔''

''زیرو تھری کا کیا حال ہوگا۔''

''بدستور ملازم رہے گی۔ دفتر بند کر دینے سے اس کی ملازمت پر کیا اثر پڑے گا۔''

''مگر میں دفتر کیوں بند کروں!''

تمہاری بیگم صاحبہ کے توسط سے یہ خبر حمید تک ضرور پہنچے گی اور کرنل صاحب اسے ہرگز پسند نہیں کریں گے۔''

''بہت دیکھے ہیں قرنل ورنل..... میں قیا کسی سے کم ہوں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن ہمارا یہ بزنس قانونی طور پر جائز نہیں ہے۔''

''اے جاؤ..... کسی اور قو الو بنانا..... قانونی طور پر جائز نہیں ہے..... ہونہہ۔''

''میں غلط نہیں کہہ رہا۔''

''کیا ہم چوری چھپے یہ قام قر رہے ہیں۔ ارے ہمارا اشتہار تو اخباروں میں چھپتا ہے۔''

''سمجھنے کی کوشش کرو..... میں نے اشتہار ہی کچھ اس قسم کا بنایا ہے کہ عام طور پر ہمارا نفسیاتی مسائل سے متعلق سمجھا جائے لیکن دوسرے ضرورت مند سمجھ لیں کہ ہم اس سے زیادہ کچھ کر سکیں گے لہٰذا ایسے لوگ جو پولیس سے مدد نہیں لینا چاہئے۔ ہمارے پاس آتے ہیں اور تم یہ بھی دیکھ چکے ہو کہ ہمارے پاس کچھ نفسیاتی مریض بھی آئے ہیں۔ اس لیے اس ناکام لیڈی ڈاکٹر کو زیرو تھری بنانا پڑا ہے۔ دو ہزار روپے ماہوار وہ اپنی پریکٹس نہیں کما سکتی تھی۔ اپنے مطب میں بیٹھی مکھیاں مارا کرتی تھی۔''

''میں سمجھ غیا۔'' قاسم پرتشویش لہجے میں بڑبڑایا۔

''اس لیے اب مجھ بتا دو کہ تین دن تم کہاں غائب رہے۔''

''ہرگز نہیں بتاؤں غا۔''

''آخر کیوں.....؟ ہمارے معاہدے میں راز داری تو نہیں شامل تھی!''

''اے جاؤ..... اب قیا بزنس میں تمہیں یہ بھی بتا دوں غا کہ زیرو تھری مجھ سے محوبت رنے لگی ہے۔''

''دیکھو بیٹے جاسوسی کے پہاڑ..... میں نے تمہیں پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ اس چکر میں نہ پڑنا۔''

''کونسی آفت آ غئی!''

''یہ جو آ کر فی الحال چلی گئی ہے۔ ضرور کوئی آفت لائے گی۔ تم دیکھ لینا۔''

''ابے ہاں..... یہ تو ہے!'' قاسم دفعتاً بدحواس ہو گیا۔ کچھ دیر خاموش رہ کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''اچھی بات ہے! ایک ہفتے کی چھٹی کر دو.....! لیکن زیرو تھری.....؟''

''وہ کہیں بھاگی نہیں جاتی۔ شہر ہی میں موجود رہے گی۔''

''اچھا..... اچھا.....!''

''میں تو چلا..... تم بھی چلتے پھرتے نظر آؤ۔ زیرو تھری کو سمجھا دوں گا۔''

''مگر بیٹا..... اسے یہ نہ بتانا کہ موکلہ قون تھی..... وہ سمجھتی ہے کہ ابھی میری شادی نہیں

ہوئی!'' قاسم شرما کر بولا۔

لیکن انور اس کی پوری بات سنے بغیر ہی کمرے سے نکل گیا تھا۔ قاسم نے برا سا منہ کر بند دروازے کو گھونسہ دکھایا اور پھر اس طرح پیٹ سہلانے لگا جیسے مروڑ اٹھی ہو۔

فریدی پر حملہ

''یقین کرو..... میں کچھ بھی نہیں جانتا'' حمید نے زچ ہو کر بُرا سا منہ بنایا۔

''تو جناب! خود ان میں تو اس کی صلاحیت نہیں ہے کہ کسی سہارے کے بغیر کوئی ایسا کام کر بیٹھیں۔'' قاسم کی بیوی نے خشک لہجے میں کہا۔

''یہ بھی درست ہے!'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''اچھا اس عورت کے بارے میں کیا خیال ہے؟ جو اس کی سیکرٹری بنی ہوئی تھی۔''

''میں نہیں جانتی..... وہ کون ہے اور کہاں رہتی ہے۔'' ''قاسم نے کچھ نہیں بتایا۔''

''میں نے اسی عورت سے نام پوچھا تھا'' قاسم کی بیوی ہنس کر بولی۔ ''زیرو تھری...!''

''کیا مطلب؟''

''اس نے یہی بتایا ہے..... بہت تیز عورت معلوم ہوتی ہے۔''

''دفتر میں..... اس عورت کے علاوہ کوئی اور بھی تھا۔''

''نہیں..... میں کہتی ہوں حمید بھائی اگر آپ انہیں اس حلیے میں دیکھ لیتے تو کسی طرح بھی اپنی ہنسی نہ روک سکتے۔ یہاں تو سنجیدگی برقرار رکھنے کے سلسلے میں پیٹ میں درد ہو گیا تھا۔''

''تو اب وہ گھر سے باہر نہیں نکل رہا۔''

''جی نہیں! کہتے ہیں ایک ہفتے تک آرام کروں گا۔''

''تم نے اس پر ظاہر تو نہیں ہونے دیا کہ وہ میک اپ میں پہچانا جا چکا ہے۔''

''قطعی نہیں! میں نے اپنے معمولات میں کوئی فرق نہیں آنے دیا۔''

''یہ بہت اچھا کیا۔'' حمید بولا۔

قاسم کی بیوی اسے غور سے دیکھتی ہوئی ہنس پڑی۔

''اوہ! تو تمہیں اب تک یقین نہیں کہ میں اس میں ملوث نہیں ہوں۔''

''کیسے یقین آ جائے! انہیں بھی جانتی ہوں اور آپ کو بھی۔''

''سنو! میں اس کا دوست ہوں۔ اسے کسی ایسے کام کی ترغیب نہیں دے سکتا۔ جس کی بنا پر وہ قانون کی گرفت میں آ جائے۔''

''قانون تو آپ لوگوں کے ہاتھوں میں کھلونا ہے۔''

''اب مجھے کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔'' حمید ناخوشگوار لہجے میں بولا۔ ''کیا تم مجھے اس عمارت کا پتا بتا سکو گی جہاں اس نے گاڑی تبدیل کی تھی اور میک اپ کیا تھا۔''

''آپ نہیں جانتے؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی۔

''بس اب اس مسئلے پر گفتگو نہیں ہو گی۔'' حمید بھڑک اٹھا۔

قاسم کی بیوی ٹٹولنے والی نظروں سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔

''چلیے یقین آ گیا کہ آپ لاعلم ہیں!'' اس نے بالآخر کہا اور حمید نے ایک طویل سانس لی۔

آج قاسم کی بیوی نے اسے فون کر کے گھر نہیں بلایا تھا بلکہ خود آئی تھی..... فریدی گھر میں موجود نہیں تھا۔

''سوال تو یہ ہے کہ تمہیں دفعتاً اس حد تک شبہ کیوں ہوا کہ تم اس کے تعاقب میں نکل کھڑی ہوئیں۔'' حمید نے تھوڑی دیر بعد سوال کیا۔

''بغیر بتائے تین دن گھر سے غائب رہے تھے۔'' قاسم کی بیوی کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ ''مجھے یقین ہے کہ یہ سلسلہ بہت دنوں سے جاری ہے۔''

''یہ کس بنا پر کہہ سکتی ہو؟''

''دفتر جانا دو تین دن کی بات نہیں اور اب تو میں نے اشتہارات کے تراشے بھی اکٹھا کر لئے تھے۔ ان میں تین ماہ قبل کے اشتہارات بھی شامل ہیں۔ ادارے کا نام ''راز دار'' ہے۔''

''راز دار حمید۔'' حمید چونک پڑا۔

''کیوں؟ کیا بات ہے!'' وہ اسے غور سے دیکھتی ہوئی بولی۔

''وہ تو کسی ماہر نفسیات کا کھڑاگ ہے۔''

''جی نہیں!''

ارے ہاں..... لیڈی ڈاکٹر فوزیہ کا ادارہ ہے۔ اس دوران میں کئی پارٹیوں میں ان سے ملاقات ہو چکی ہے۔ ذہنی امراض کی معالج ہے ''راز دار'' اسی کا اسٹیبلشمنٹ ہے۔

''ذرا حلیہ تو بیان کیجئے اس لیڈی ڈاکٹر کا۔''

حمید لیڈی ڈاکٹر فوزیہ کا سراپا بیان کرنے لگا۔

''آپ زیرو تھری کا حلیہ بیان کر رہے ہیں۔'' وہ اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولی۔

''اگر یہ بات ہے تب تو پھر مجھے سنجیدہ ہونا پڑے گا۔''

''چلئے..... میں آپ کو وہ عمارت دکھاؤں..... جہاں سے وہ حضرت میک اپ میں برآمد ہوئے تھے۔''

''ضرور چلوں گا۔''

''قفل شکنی کے آلات بھی رکھ لیجئے گا۔ عمارت مقفل ہی ہو گی۔''

عمارت گھنی آبادیوں سے دور واقع تھی۔ وہاں پہنچ کر حمید کو ایسی تدبیروں سے قفل کھولنا پڑا تھا کہ اسے دوبارہ بند بھی کیا جا سکتا۔

وہاں ایک کمرے میں میک اپ کے سامان اور ملبوسات کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔ شائد دوسرے کمرے استعمال ہی نہیں کئے گئے تھے۔

''ناممکن.....'' حمید بڑبڑایا۔

''کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟'' قاسم کی بیوی اسے غور سے دیکھتی ہوئی بولی۔

''بلاشبہ وہ اپنے طور پر اس حد تک نہیں جا سکتا۔''

''میں سمجھتی ہوں..... اسی لئے تو خیال آپ کی طرف گیا تھا۔''

''شہر میں اونٹ بدنام.....!''

''بہرحال میں کچھ نہیں جانتی۔ اس معاملے کو آپ ہی دیکھیں گے۔''

''ایک آدمی اور بھی ہے۔ جس نے ایک آدھ بار اسے اپنی مقصد برآری کے لئے استعمال کیا۔''

''کون ہے؟''

''لیکن وہ مشکل ہی سے اعتراف کرے گا۔''

''مجھے بتایئے نا کون ہے؟''

''اسٹار کا کرائم رپورٹر انور.....!''

''وہ رشیدہ والا.....!''

''ہاں..... وہی..... اگر تم اس کے منہ پر تھوڑا سا جھوٹ بول سکو تو میں اگلوا لوں گا۔''

''میں نہیں سمجھی!''

''بتاتا ہوں.....'' حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''کیا تم نے اسے کبھی دیکھا ہے۔''

''قاسم صاحب کے پاس تصویر دیکھی تھی۔''

''یعنی اسے دیکھ کر پہچان لو گی۔''

''ہو سکتا ہے۔''

''بہرحال اسے دیکھتے ہی تمہیں بیساختہ کہنا ہو گا کہ یہی صاحب تھے۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''تم نے اسے ''راز دار'' کے آفس میں دیکھا تھا۔''

''مگر میں نے اسے نہیں دیکھا تھا۔''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا..... تمہیں کہنا یہی ہو گا کہ وہاں تمہیں دیکھتے ہی کھسک گیا تھا۔ شائد سمجھا تھا کہ تمہاری اس پر نظر نہیں پڑی۔''

''اوہ..... میں سمجھ گئی..... لیکن اس کی جرح کے جواب میں گڑبڑا گئی تو؟''

''تمہیں صرف اتنا ہی کہنا پڑے گا۔ اس کے بعد تم اس کی کسی بات کا جواب نہ دو گی۔''

''ٹھیک ہے..... میں تیار ہوں.....!''

انور اتفاق سے آفس ہی میں مل گیا۔ حمید اور قاسم کی بیوی کو دیکھ کر بری طرح چونکا تھا۔ پھر ایسا نظر آنے لگا تھا جیسے قاسم کی بیوی کو پہلی بار دیکھا ہو۔

''آپ کی تعریف؟'' وہ اپنی بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا اور قاسم کی بیوی بولی۔ ''یہی صاحب تھے۔''

حمید انور کو گھورے جا رہا تھا۔

''کیا قصہ ہے؟ اس نے بھی تیکھے لہجے میں پوچھا۔

''راز دار؟'' حمید نے سرد لہجے میں کہا۔

''کیا بکواس ہے!''

''اس بار تمہیں نہیں بخشوں گا۔ شائد کرنل صاحب بھی اس معاملے میں دخل اندازی نہ سکیں۔'' حمید نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''پتہ نہیں تم کیا کہہ رہے ہو۔''

''آؤ چلیں!'' حمید نے قاسم کی بیوی سے کہا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔

''بات تو سنو!'' انور اٹھتا ہوا بولا۔

''وقت نہیں ہے..... آفس میں طلب کر کے سنوں گا۔''

انور نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی اور بیٹھ گیا۔ اس کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ تھی۔

یہ دونوں نکلے چلے آئے۔

''اب کیا ہوگا۔'' قاسم کی بیوی نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اس میں اسی کا ہاتھ ہے۔ لیکن شائد اسے ثابت نہ کیا جا سکے۔ اس کا انحصار قاسم کے اعتراف ہی پر ہوگا۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''الجمہوریہ کا وہ اپارٹمنٹ قاسم کے نام سے حاصل نہ کیا گیا ہوگا۔ خیر میں دیکھوں گا۔''

''وہ ڈاکٹر فوزیہ!''

''تم جانتی ہی ہو کہ قاسم لحیم شحیم عورتوں کے پیچھے کس طرح بھاگتا ہے۔''

''میں دیکھ لوں گی اس کتیا کو بھی۔''

''تمہیں مزید دخل اندازی کا مشورہ نہیں دوں گا۔ اب یہ سب مجھ پر چھوڑ دو۔ قاسم کی دانست میں ایسی ہی بنی رہو۔ جیسے تم نے اسے راز دار کے دفتر میں پہچانا نہیں تھا۔''

''میرا تو خون کھول رہا ہے۔''

''خود کو قابو میں رکھ۔ ورنہ وہ قابو سے باہر ہو جائے گا۔ عاصم صاحب نے بھی آخر کار تھک

ڈھیل دے دی ہے۔ آج کل تمہارے علاوہ اور کسی سے نہیں ڈرتا۔ کیا فائدہ کہ تم اپنا بھی کھو بیٹھو۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' وہ مردہ سی آواز میں بولی۔

حمید کا خیال درست نکلا۔ الجمہوریہ میں ''راز دار'' کا دفتر قاسم کے نام پر نہیں حاصل کیا گیا تھا۔ اس کی کرایہ دار ڈاکٹر فوزیہ تھی اور وہ عمارت..... جہاں قاسم بھیس بدلا کرتا تھا۔ اس کے اپنے ہی کی ملکیت ثابت ہوئی۔ حال ہی میں خریدی گئی تھی۔ کرائے کے لیے خالی تھی لیکن عاصم صاحب کی لاعلمی میں اس پر سے ''To let'' بورڈ ہٹا دیا گیا تھا۔

حمید نے انور کو سچ مچ اپنے آفس میں طلب کر لیا۔ وہ آیا تھا اور مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا تھا۔ ''وقت ضائع کر رہے ہو۔ میرے خلاف کچھ بھی ثابت نہ کر سکو گے۔ قاسم کی بیوی نے مجھے وہاں ضرور دیکھا ہوگا۔''

''تمہیں اعتراف ہے۔'' حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔

''گلے گلے پانی میں۔''

''کیا یہ ثبوت نہیں ہے۔''

''کس بات کا.....؟''

''تم لوگوں نے غیر قانونی طور پر سراغرسانی کا ادارہ قائم کر رکھا ہے۔''

''ہوش کے ناخن لو پیارے شرلاک! ڈاکٹر فوزیہ میری معالج ہے۔ آج کل میری ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ دو ماہ سے اس کے زیر علاج ہوں۔''

''قاسم کا وہاں کیا کام؟''

''میں کیا جانوں..... ہو سکتا ہے اس نے بھی اپنے علاج کے سلسلے میں ڈاکٹر فوزیہ سے رجوع کیا ہو۔''

''نہیں چلے گی۔''

''یہ تو ایسی چلے گی پیارے شرلاک کہ تمہیں دن میں تارے نظر آ جائیں گے۔''

حمید نے بے بسی سے طویل سانس لی۔ اسے پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ نہیں چلے گا۔ پھر بھی دھونسانے کے لیے اسے طلب ہی کر لیا تھا۔ اس طرح کم از کم قاسم کی بیوی کی پریشانی

تو رفع ہو سکتی تھی۔ ظاہر تھا کہ ان حالات میں خود انور قاسم کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرتا۔

بہر حال وہ اب بھی انور کو خونخوار نظروں سے گھورے جا رہا تھا۔

''اور کچھ.....؟'' انور نے طنزیہ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''تم جا سکتے ہو!''

''لیکن اب اگر تم نے پھر کبھی اس طرح مدعو کیا تو تمہارے لیے ایک عدد جھنجھٹا ٹانیوں کا ڈبہ ضرور لاؤں گا۔''

حمید دانت پیس کر رہ گیا۔ انور جاتے جاتے دروازے کے قریب رک کر ایک بار پھر اس کی طرف مڑا تھا اور بائیں آنکھ دبا کر باہر نکل گیا تھا۔

''دیکھوں گا بیٹا تم کو.....!'' حمید گردن جھٹک کر بڑبڑایا۔

ٹھیک اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے بے دلی سے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے فریدی کی آواز سن کر چہرے پر کسی قدر بحالی کے آثار نظر آئے تھے۔

''میں ایئر پورٹ پر تمہارا منتظر ہوں۔''

''ایسی کوئی بات طے تو نہیں تھی۔'' حمید بولا۔

''ایمرجنسی..... چھ بجے والی فلائٹ سے رام گڑھ روانہ ہونا ہے۔''

''یونہی اٹھ کر چلا آؤں۔''

''نہیں! میرا اور اپنا سوٹ کیس بھی لیتے آنا۔ جلدی کرو وقت کم ہے۔''

''زیادہ عرصہ قیام رہے گا۔''

''فی الحال یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہری اَپ!''

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی اور حمید نے پُرتفکر انداز میں ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر قاسم کے نمبر ڈائیل کئے۔ اس کی بیوی کو صورت حال سے مطلع کرنا چاہتا تھا لیکن دوسری طرف سے قاسم کی دہاڑ سنائی دی۔

''میں انور بول رہا ہوں۔'' حمید نے انور کی آواز بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''گھر سے باہر قدم نہ نکالنا۔''

''کیوں؟ اتنے ڈرپوک ہو گئے ہو پیارے.....ہی ہی ہی.....!''

''تمہاری بیوی سارے شہر میں زیرو تھری کو تلاش کرتی پھر رہی ہے۔ اگر پولیس کو علم ہو تو غضب ہو جائے گا۔''

''اوہ.....تو یہ بات ہے۔'' قاسم آہستہ سے بولا۔ ''ابھی ابھی کہیں سے واپس آئی ہے۔''

''میں غلط نہیں کہہ رہا۔'' حمید طویل سانس لے کر بولا۔

''یقین اس نے مجھ سے تو کچھ نہیں کہا۔ پہچان ہی نہیں سکی تھی۔''

''اس وہم میں نہ رہنا۔ بہت چالاک عورت ہے۔ ڈاکٹر فوزیہ کو تلاش کر لینے کے بعد تمہاری خبر لے گی۔''

''اے یہ عورت مجھے پاگل قرار دے گی۔ میں کہاں مر جاؤں۔''

''دوسری عورت کا خیال ترک کرو!''

''میں زیرو تری کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا.....سمجھے زیرو ٹو.....!''

حمید پُرمعنی انداز میں سر کو جنبش دے کر بولا۔ ''عورت کے بغیر زندہ رہنا سیکھو۔''

''نہیں سیکھتا!'' دوسری طرف سے قاسم دہاڑا۔ ''قیامت عورت کے ابا میاں ہو.....!''

''تمہارے بھلے کو کہتا ہوں۔''

''میرے بھلے کی ایسی تیسی..... پہلے سالے تم نے مجھے جنجال میں پھنسایا اب جیرو تھری سے چھڑا دینا چاہتے ہو۔ میں سمجھ گیا..... میری بیوی کو بھی تمہی نے اطلاع دی ہو گی.....چار سو بیس سالے..... جانتے ہو میرے بیاسی ہزار خرچ ہوئے ہیں!''

''جہنم میں جاؤ!'' کہہ کر حمید نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

پھر وہ ہنس پڑا تھا۔ قاسم کو مزید پریشان کرنے کے لیے ایک پلاٹ اس کے ذہن میں جنم لے رہا تھا۔ لیکن فی الحال وہ اسے عملی جامہ نہیں پہنا سکتا تھا۔ خیر واپسی پر سہی.....اس نے سوچا اور گھر جانے کی تیاری کرنے لگا۔ ساڑھے پانچ بجے تک اسے ایئر پورٹ پہنچنا تھا۔

دفتر کے دروازے ہی تک پہنچا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ پھر میز کی طرف پلٹ آیا۔

''ہیلو.....حمید اسپیکنگ!'' اس نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

دوسری طرف سے سارجنٹ شاہد کی آواز سنائی دی۔ ''فوراً ایئر پورٹ پہنچئے! کسی نے فائر کر کے کرنل فریدی کو زخمی کر دیا ہے۔''

''کیا بکواس ہے۔'' حمید بوکھلا کر بولا۔

''گولی بائیں بازو میں لگی ہے۔''

''خدا کی پناہ! میں پہنچ رہا ہوں۔'' حمید نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اپنے پیروں پر کھڑا بھی نہ رہ سکے گا۔

ٹماٹر

پتا نہیں کس طرح وہ ائر پورٹ پہنچا تھا۔ دفتر سے سیدھا ادھر ہی نکلا چلا گیا تھا۔ اس خبر کے بعد سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا کہ وہ سوٹ کیسوں کے لیے گھر بھی جاتا۔

فریدی نے اس دوران میں اس سے کسی اہم معاملے کا بھی ذکر نہیں کیا تھا۔ ان کے پاس کوئی ایسا کیس بھی نہیں تھا جس کے سلسلے میں اچانک رام گڑھ جانے کی ضرورت پیش آ سکتی۔ پھر یک بیک رام گڑھ کا سفر کیا معنی رکھتا تھا اور یہ حملہ ائیر پورٹ ہی پر ہوا تھا جب کہ وہ چھ بجے والی فلائٹ سے رام گڑھ جانے والے تھے۔

سارجنٹ شاہد ائیر پورٹ پر موجود تھا۔ اس نے بتایا کہ ایمبولنس کار فریدی کو پولیس ہاسپٹل لے گئی ہے۔

''لیکن یہ ہوا کیسے..... بازو کی ہڈی تو متاثر نہیں ہوئی۔''

''ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ فائر سائیلنسر لگے ہوئے رینج پستول سے کیا گیا تھا۔''

''جس وقت گولی لگی..... وہ کہاں تھے؟''

''کسی کو فون کر کے ٹیلیفون بوتھ سے برآمد ہو رہے تھے۔''

''کون سا بوتھ ہے..... مجھے دکھاؤ۔''

''وہ بعد میں دیکھئے گا۔ کرنل صاحب نے کہا تھا کہ جیسے ہی آپ یہاں پہنچیں آپ کو پولیس ہاسپٹل بھیج دیا جائے۔'' شاہد نے کہا۔ یہ ابھی حال میں ہی فریدی کی ماتحتی میں آیا تھا۔ خوش شکل توانا اور جوان العمر تھا۔

''یہاں کون چھان بین کر رہا ہے؟'' حمید نے پوچھا۔

''ابھی تو کوئی بھی نہیں۔ صرف میں ہی ہوں۔ پہلے سے کرنل صاحب کے ساتھ تھا۔''

''ہوں..... اچھا تو تم یہیں ٹھہرو..... میں ابھی واپس آتا ہوں۔ اس بوتھ کے قریب کسی کو بھی نہ جانے دینا۔''

''پہلے ہی اس کا انتظام کر چکا ہوں۔ دو ڈیوٹی کانسٹیبل اس کے سامنے موجود ہیں اور اس جگہ سے بھی لوگ ہٹا دیئے گئے ہیں۔ جہاں سے فائر کیا جا سکتا ہے۔''

''کنڈیشن کیسی ہے؟''

''وہی جو کسی زخمی شیر کی ہو سکتی ہے۔'' شاہد طویل سانس لے کر بولا۔

اس کے بعد حمید ہاسپٹل کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ شاہد کے آخری جملے نے اسے بڑی حد تک اندازہ بندھائی تھی کہ حالت بہتر ہی ہو گی۔ بیہوش ہو جانے والوں کو زخمی شیر نہیں کہا جا سکتا۔

ہاسپٹل پہنچتے ہی اپنے اندازے کی تصدیق بھی ہو گئی۔ اس نے فریدی کو آرام کرسی پر نیم دراز پایا۔ اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔

''کوئی خاص بات نہیں۔ ہڈی محفوظ ہے۔'' اس نے حمید کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''حملہ آور نے شائد دل کا نشانہ لیا تھا۔ لیکن ٹریگر دباتے وقت ہاتھ بہک گیا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔

''کیا دل ہی دل میں مجھے برا بھلا کہہ رہے ہو۔'' فریدی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''نہیں! سوچ رہا ہوں کہ مجھ سے راز داری برتنے کا انجام یہی ہونا چاہئے۔''

''کیسی راز داری؟''

''آخر اچانک رام گڑھ کا پروگرام کیسے بن گیا تھا۔''

''ایک بجے تک مجھے علم نہیں تھا کہ رام گڑھ جانا پڑے گا۔''

''بہر حال اس طرح آپ کو رام گڑھ جانے سے روک دیا گیا۔''

''ضروری نہیں ہے کہ یہی بات ہو۔ حملہ آور ہاتھ نہیں آ سکا۔ فائر بے آواز تھا اور مجھے یقین ہے کہ ٹیلیفون بوتھ کے سامنے والے ٹوائلٹ سے کیا گیا تھا، جس کا دروازہ کسٹم چیک پوسٹ کی طرف بھی کھلتا ہے۔''

''معاملے کی نوعیت کا علم ہوئے بغیر میں آپ سے متفق نہیں ہو سکتا۔''

''کیوں.....؟''

''ضروری نہیں کہ آپ کا کوئی غیر متعلق دشمن آپ پر اسی دوران میں حملہ آور ہو جب آپ کسی فوری ضرورت کے تحت رام گڑھ جا رہے ہوں۔''

''کام فی الحال نجی ہی ہو سکتا ہے۔'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

''میں نہیں سمجھا۔''

''میں کسی سرکاری کام سے رام گڑھ نہیں جا رہا تھا۔''

''بات کو طول دے کر آپ میری الجھنوں میں اضافہ کر رہے ہیں۔''

''بیٹھ جاؤ!'' فریدی نے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''آج ایک بجے خان دارا کا ایک خصوصی قاصد اس کا خط لایا تھا۔''

''خان دارا.....!'' حمید چونک پڑا۔

ہاں..... یہ دیکھو!'' فریدی نے ایک لفافہ جیب سے نکال کر حمید کی طرف بڑھا دیا۔ خان دارا نے لکھا تھا۔

کرنل فریدی!

میرے دادا اور تمہارے دادا ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ تمہارے باپ کا دل میرے باپ کی طرف سے صاف نہیں تھا۔ لیکن انہوں نے کبھی اس دشمنی کا کوئی ثبوت نہیں پیش کیا۔ تم ان خاندانی رنجشوں کے قائل نہیں تھے۔ دادا کا انتقام پوتے سے لینے کو غیر انسانی فعل سمجھتے تھے۔ لیکن لارڈ زوپن ڈیل والے کیس[1] میں تم نے مجھے بھی شامل کر لیا..... زوپن ڈیل نے عدالت میں سارا الزام اپنے سر لے لیا اور میں باعزت طور پر بری کر دیا گیا۔ تم چاہتے تو مجھ پر دوسرے الزامات عائد کر کے میری گلو خلاصی کو ناممکن بھی بنا سکتے تھے۔ لیکن تم نے ایسا نہیں کیا۔ مجھے تم سے شرمندگی تھی۔ اس لیے کبھی تمہارا سامنا نہیں کر سکا۔ ہو سکتا ہے تم

[1] اس داستان کیلئے ''دھواں ہوئی دیوار'' جلد نمبر 35 ملاحظہ فرمائیے۔

نے اسے میری نسلی اکڑ پر محمول کیا ہو۔ بہر حال یہ بھی حقیقت ہے کہ میں اس کیس میں پوری طرح ملوث تھا لیکن تم نے عدالت کے فیصلے کو چیلنج نہیں کیا تھا۔ اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے نا کہ تم ذاتی طور پر مجھ سے کوئی پرخاش نہیں رکھتے۔ اس لیے مجھے امید ہے کہ تم میری موجودہ پریشانی رفع کرنے میں میری مدد کرو گے۔ مجھے یقین ہے اس پریشانی سے مجھے تمہارے علاوہ اور کوئی نجات نہیں دلا سکتا۔ میں خود آتا لیکن اس پریشانی کی بناء پر یہاں سے ہل بھی نہیں سکتا۔ کیا میں امید کروں کہ تم پچھلی ساری باتوں کو بھلا دو گے۔

''خان دارا''

حمید نے خط ختم کر کے فریدی کی طرف دیکھتے ہوئے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

''اب تم اور شاہد رام گڑھ جاؤ گے۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔

''اور مجھے خان دارا سے ملنا پڑے گا۔''

''اس کی تشفی کے لیے۔ اس سے کہہ دینا کہ میں کسی وقت بھی پہنچ سکتا ہوں۔ تم اسے کہہ سکتے ہو کہ فی الحال میری بجائے تم کیوں پہنچے ہو۔ اگر وہ خود اپنی اس پریشانی کا ذکر کرے تو بہتر۔ ورنہ کسی قسم کی پوچھ گچھ مت کرنا۔''

''لیکن یہ شاہد کیوں؟ اپنی سالیوں کے قصے سنا سنا کر مجھے زندہ درگور کر دے گا۔''

''وہ ساتھ جائے گا۔'' فریدی نے حمید کو گھورتے ہوئے کہا۔

''جیسی آپ کی مرضی!''

''لیکن اب روانگی کی دوسری صورت ہو گی۔ عادل آباد تک کار سے سفر کرو گے اور ایئر پورٹ پر ایک آدمی تمہارا منتظر ہو گا، جو پہلی فلائٹ سے تمہیں رام گڑھ بھجوا دے گا۔ وہ خود ہی تمہیں پہچان کر مل بیٹھے گا۔ تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں!''

اس سے رخصت ہو کر حمید نے گھر کی راہ لی۔ یہ حملہ اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ خان دارا کا خط اس سے زیادہ چونکا دینے والا تھا لیکن حملے میں خود اس کا ہاتھ نہیں ہو سکتا۔ وہ تو اس خط سے بغیر بھی حملہ کرا سکتا تھا۔ کسی کو شبہ بھی نہ ہو پاتا کہ حملہ خان دارا کی طرف سے ہوا ہو گا۔

گھر پر شاہد اس کا منتظر تھا۔ اس نے سب سے پہلے فریدی کی خیریت معلوم کی تھی۔ حمید کو بلوا تھا۔ ''شائد معاملہ دبا دیا گیا ہے۔''

''کیسا معاملہ؟''

''ارے کرنل صاحب پر حملہ ہوا اور بات آئی گئی ہو گی۔ بھلا کیا بات ہوئی۔ میں نے تھانے کو فون پر اطلاع دے دی تھی۔ سنتے ہی رو پڑی۔''

''اس کی اطلاع بھی دے دی سالی کو؟'' حمید نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

''کک.....کیوں.....کیا غلطی کی!''

''باہر کے معاملات پر سالیوں سے گفتگو کرنے والے گدھے ہوتے ہیں۔''

''وہ تو کرنی ہی پڑتی ہے۔ شائد اسی لیے آپ نے بیوی نہیں پالی۔''

''فضول باتیں نہ کرو.....کیا تم تیار ہو!''

''جی ہاں! روانگی کس وقت ہو گی۔ کرنل صاحب نے فون پر کہا تھا کہ عادل آباد تک سفر بائی روڈ ہو گا۔''

''ویسے یہ بتاؤ! رام گڑھ میں بھی تو تمہاری کوئی سالی نہیں رہتی۔''

''سالی کی نند رہتی ہیں۔'' شاہد خوش ہو کر بولا۔ ''کٹل بالا میں آپ کو ملواؤں گا ان سے.....بہت خوش اخلاق ہیں!''

''کتنے بچے ہیں؟'' حمید نے اسے قہر آلود نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''پانچ تو تین سال پہلے تھے.....اب کی نہیں معلوم۔''

''آٹھ ہو چکے ہوں گے۔'' ''اس حساب سے تو آٹھ ہی ہونے چاہئیں۔''

''کس حساب سے۔'' حمید پھر غرایا۔

''سالانہ ہائے ہائے کے حساب سے۔'' شاہد کہتے کہتے ہنس پڑا۔

''دانت بند کرو اور سامان گاڑی میں رکھواؤ.....جس عورت کے آٹھ بچے ہوں وہ خوش اخلاق ہو ہی نہیں سکتی۔''

شاہد نے سامان گاڑی میں رکھوایا تھا اور وہ عادل آباد کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔ حمید ڈرائیو کر رہا تھا اور شاہد اگلی سیٹ پر اس کے برابر ہی بیٹھا ہوا تھا۔ حمید نے خاموشی ہی میں عافیت

تھی ورنہ بات خواہ کہیں سے شروع ہوئی ہو اس کا اختتام شاہد کی سسرال ہی پر ہوتا۔ بکواس بہت کرتا تھا۔ ہر وقت بولتے ہی رہنا چاہتا تھا۔ خاموشی کے عالم میں عجیب سا کرب اس کی ...سے جھانکنے لگتا تھا۔

اس وقت بھی یہی حالت تھی۔ کنکھیوں سے حمید کی طرف دیکھتا اور پہلو بدلنے لگتا۔ حمید اس کیفیت سے بے خبر نہیں تھا۔ دفعتاً شاہد بول ہی پڑا۔

''میرے سسر صاحب اس بڑھاپے میں بھی بڑی اچھی ''ڈرائیونگ کرتے ہیں۔''

''اے باپ دادا بھی ہیں تمہارے یا پیدائش بھی سسرال ہی میں ہوئی تھی؟''

''بہت اچھے ہیں کیپٹن!'' شاہد نے برا مانے بغیر کہا۔

''برا کون ہے اس دنیا میں.....!''

''اچھا تو آپ اپنا ہی کوئی قصہ سنائیے۔ خاموشی سے میرا دم گھٹنے لگتا ہے۔''

''میرا کوئی قصہ نہیں آج کل۔ لڑکیاں اتنی موڈرن ہو گئی ہیں کہ شلجم لگنے لگی ہیں۔''

''شلجم.....؟ کیا بات ہوئی.....میں نہیں سمجھا۔''

''میرے لیے قطعی سکس اپیل نہیں رکھتیں۔ عورت میں نسائیت نہ ہو تو اسے شلجم ہی تو کہیں گے۔''

''یہاں آپ میرے چچیا سسر سے بالکل متفق ہیں۔''

''یہ چچیا سسر کیا چیز ہے؟''

''سسر کے بھائی کو چچیا سسر کہتے ہیں.....سسر کے سالے کو ممیا سسر کہتے ہیں۔ سسر کے.....!''

''شٹ اپ!''

''اوہ.....کھی کھی کھی.....'' وہ شرمندگی سے ہنسا۔

''ایک بات سمجھ میں نہیں آتی!'' حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

''جی.....کیا بات!''

''تم اپنی بیوی کا ذکر کبھی نہیں کرتے۔''

شاہد ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

''کیوں؟ کیا بات ہے؟'' حمید اسے کنکھیوں سے دیکھتا ہوا بولا۔

''بیوی؟ بیوی کا دو سال ہوئے انتقال ہو گیا۔''

''اوہ..... مجھے افسوس ہے۔'' حمید نے کہا لیکن سوچنے لگا کہ پھر آخر سسرال کیوں؟

''کیا بیماری تھی؟'' اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں..... اچھی بھلی تھی..... امرود کے درخت پر سے گر پڑی تھیں۔''

''امرود کے درخت پر سے.....؟''

''جی ہاں..... شاخ ٹوٹ گئی تھی۔''

''درختوں پر چڑھنے کا شوق تھا؟''

''جی نہیں بچپن ہی سے عادت تھی۔ کسی بات پر غصہ آتا تو درخت پر چڑھ کر بیٹھ جاتی تھیں۔''

''میں ہوتا تو آس پاس کے سارے درخت کٹوا دیتا۔''

''درخت کٹوا دینے کی دھمکی پر بیہوشی کے دورے پڑنے لگتے تھے۔''

''کوئی نفسیاتی مرض تھا۔''

''میری ساس صاحبہ تو کہتی ہیں کہ آسیب تھا۔''

''تم پڑھے لکھے آدمی ہو کہ ایسی باتیں کرتے ہو۔''

''وائرس اور جراثیم بھی تو نہیں دکھائی دیتے، لیکن ان کا وجود ہے۔ اسی طرح آسیب بھی ہوتا ہوگا۔''

''منطق کو تو سسرالی نہ بناؤ۔''

وہ پھر غمزدہ سی ہنسی ہنس کر رہ گیا۔

نو بجے رات کو وہ عادل آباد پہنچے اور حمید نے گاڑی ائر پورٹ پر روکی تھی۔

ایک ایسا شخص وہاں ان کا منتظر تھا جسے حمید نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا لیکن اس نے انہیں حیرت انگیز طور پر پہچانا تھا۔ گاڑی رکتے ہی تیر کی طرح ان کی طرف آیا تھا۔

انہوں نے رات کا کھانا بھی اسی کے ساتھ کھایا اور گیارہ بجے والی فلائٹ سے رام گڑھ کی طرف پرواز کر گئے۔

ڈیڑھ بجے رام گڑھ پہنچے۔ وہاں بھی ایک ایسا آدمی موجود تھا، جو انہیں شب بسری کی جگہ تک لے گیا۔ یہ بھی حمید کے لیے اجنبی ہی تھا۔

''شاہد صاحب یہیں مقیم رہیں گے اور آپ صبح کو وادی گلبار کے لیے روانہ ہو جائیں گے۔

''نے حمید سے کہا۔

''لیکن مجھ سے یہ تو نہیں کہا گیا تھا۔''

''کرنل صاحب کی ہدایت کے مطابق عرض کر رہا ہوں۔'' اجنبی آہستہ سے بولا۔ پھر وہ ہیں اسی عمارت میں چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

''یہ تو بہت برا ہوا۔'' شاہد بولا۔

''مجھے تمہاری سسرال سے نجات ملی۔ خدا کا شکر ہے۔''

''شاہد کچھ نہ بولا۔ وہ کسی قدر مغموم نظر آنے لگا تھا۔ حمید نے اس کا شانہ تھپک کر کہا۔'' کوئی بُری نظر میں ہو تو بتاؤ پیغام بھجوا دیا جائے۔ دوسری سسرال بناؤ۔''

''معافی چاہتا ہوں۔ اب نہیں کروں گا..... ان لوگوں کی باتیں۔'' شاہد نے دل برداشتگی کے ساتھ کہا اور دوسرے کمرے میں چلا گیا جہاں اسے سونا تھا۔

حمید برا سا منہ بنائے ہوئے اپنے کمرے میں داخل ہوا اور مسہری کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کوئی لجلجی سی چیز چہرے سے ٹکرا کر پھٹ گئی۔ وہ اچھل کر پیچھے ہٹا۔ لیکن پھر وہی ہوا..... پلپلے غبارے تھے..... جس سے اس کی مدارات ہو رہی تھی۔

سلاخوں دار کھڑکی کے قریب ایک خوبصورت ہاتھ تیزی سے حرکت کر رہا تھا۔

''ٹھہر تو جانا.....'' حمید دہاڑتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ لیکن برآمدے تک پہنچتے پہنچتے پوری عمارت دفعتاً تاریک ہو گئی۔

جھکی باپ

شائد مین سوئچ آف کر دیا گیا۔ اس کے باوجود بھی حمید برآمدے تک پہنچ ہی گیا۔ تاروں کی چھاؤں میں ایک سایہ سا دوڑا جا رہا تھا۔ حمید نے برآمدے سے نیچے چھلانگ لگائی اور سائے کے پیچھے دوڑنے لگا۔ دفعتاً سایہ چیخنے لگا۔ ''ڈیڈی ڈیڈی! بھوت نہیں ہے..... بھوت ہوتا تو غائب ہو جاتا..... وہ تو میرے پیچھے دوڑا آ رہا تھا۔''

یہ کسی لڑکی کی آواز تھی۔ حمید کی رفتار سست ہونے لگی۔

پھر دور سے کسی مرد کی آواز آتی۔ ''آنے دو.....سر پھاڑ دوں گا۔ میرے ہاتھ میں ڈنڈا ہے۔''

ادھر عقب سے شاہد پکار رہا تھا۔ ''کیپٹن.....کیپٹن.....آپ کہاں ہیں۔ کیا بات ہے؟''

''بھوتنی معلوم ہوتی ہے!'' حمید دہاڑا۔

''خبردار.....!'' دور سے مردانہ آواز آتی۔ ''ٹھہر جاؤ.....ورنہ گولی مار دوں گا۔''

''ڈنڈے سے.....؟'' حمید نے چیخ کر پوچھا۔

پھر اس نے سائے کو رکتے دیکھا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کے قریب ایک اور سائے کا اضافہ ہو گیا۔

ادھر شاہد بھی حمید کے پاس آ پہنچا تھا۔ ان سے دونوں سایوں کا فاصلہ اتنا ہی تھا کہ وہ ان کی گفتگو صاف سن سکتے تھے۔

''آؤ.....آؤ.....رک کیوں گئے۔'' نسوانی آواز نے انہیں مخاطب کیا۔

''ڈنڈا ہے نا تمہارے ڈیڈی کے ہاتھ میں!'' حمید بولا۔

''تم کون ہو؟'' مردانہ آواز آئی۔

''تمہاری بیٹی مجھے اچھی طرح جانتی ہے۔ اسی سے پوچھو۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب بھی وہی بتائے گی۔''

''میں کیا جانوں۔'' لڑکی تنک کر بولی تھی۔

''اچھا.....اچھا.....ختم کرو.....!'' مردانہ آواز آئی۔ ''ہم تمہیں بھوت سمجھے تھے۔ لیکن تم بھوت نہیں معلوم ہوتے۔''

''میں نے آج تک نہیں سنا کہ بھوتوں پر ٹماٹر پھینکے جاتے ہوں۔'' حمید بھنا کر بولا۔

''تم کوئی بھی ہو ہمیں افسوس ہے۔'' مردانہ آواز آئی۔

''شکلیں دیکھے بغیر معاف نہیں کر سکتا۔''

''میں بھی تمہاری شکل دیکھنا چاہتا ہوں۔'' مردانہ آواز میں اس بار غضبناک تھی۔

''اچھی بات ہے.....تو چلو میرے ساتھ۔''

دونوں سائے ان کی طرف بڑھنے لگے اور حمید نے شاہد سے کہا۔ ''تم مین سوئچ آن کر دو۔''

وہ تیزی سے برآمدے کی طرف پلٹ گیا۔ مین سوئچ آن ہوتے ہی برآمدے کا بلب بھی روشن ہو گیا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ برآمدے میں کھڑے ایک دوسرے کو گھورے جا رہے تھے۔ لڑکی بیس اکیس سال کی رہی ہو گی۔ شب خوابی کے لباس میں ملبوس تھی۔ بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے اور آنکھیں خمار آلود تھیں۔ مجموعی طور پر خاصی دلکش تھی۔ مرد چالیس اور پچاس کے درمیان تھا۔ جسمانی ساخت کے لحاظ سے طاقتور اور توانا معلوم ہوتا تھا۔

''تم لوگ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟'' اس نے حمید کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''بھوت ہیں! مرگھٹ سے آئے ہیں!''

''آدمیت کے جامے میں رہ کر گفتگو کرو۔''

''آخر اس لڑکی نے مجھ پر پلپلے ٹماٹر کیوں پھینکے تھے۔ تم دیکھ رہے ہو میرا حلیہ!'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''یہ ثابت کرنا چاہتی تھی کہ تم بھوت نہیں ہو!''

''اور تم بھوت سمجھے تھے۔''

لڑکی کے باپ نے سر کی جنبش سے اقرار کیا۔

''کس بنا پر؟''

''یہ عمارت ہمیشہ بند رہتی ہے۔ کبھی کبھی رات کو اس کی کھڑکیاں روشن نظر آتی ہیں اور پھر ہفتوں ویرانی.....اتفاق سے ایک روشن کھڑکی میں آج تم دکھائی دیئے۔ ہم سامنے والے بنگلے میں رہتے ہیں! نوشی کتنی بے خوف ہے تم نے دیکھ ہی لیا۔''

''نوشی کیا چیز ہے جناب؟'' حمید نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ.....یہ.....اس کا نام نوشی ہے۔'' اس نے لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا۔

''بڑی خوشی ہوئی۔'' حمید چہک کر بولا۔ ''میرا نام خوردنی ہے اور یہ میرا ساتھی کشیدنی ہے۔'' اس نے شاہد کی طرف ہاتھ اٹھایا تھا۔

''کیا تم میرا مذاق اڑانا چاہتے ہو۔ میں خانزادہ اشرف ہوں۔''

''اندر تشریف لے چلئے خانزادہ صاحب، آپ کی صاحبزادی نے مجھے تباہ کر دیا اور آپ مجھے الزام دے رہے ہیں۔''

''چلو..... چلو..... اس حماقت کی تلافی کر دیا جائے۔'' خانزادہ آگے بڑھتا ہوا بولا۔ حمید انہیں اپنے بڈ روم تک لیتا چلا آیا تھا۔

''یہ دیکھئے! بستر بھی تباہ ہو گیا ہے۔''

''مجھے افسوس ہے۔'' خانزادہ بولا۔ لیکن لڑکی کی آنکھوں میں شوخ سی چمک تھی۔ ایسا لگا تھا جیسے اپنے کارنامے پر بیحد مسرور ہو۔

''آج تک یہی نہیں معلوم ہو سکا کہ اس بنگلے کا مالک کون ہے۔'' خانزادہ نے حمید کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''صاحب کوئی بھی مالک ہو۔ آخر آپ کی صاحبزادی کو ٹماٹر بازی کا حق کس نے دیا ہے۔''

''دیکھو برخوردار! مجھے بار بار شرمندہ نہ کرو۔''

''آپ اپنی صاحبزادی کو کچھ نہ کہیں گے۔''

''قطعی نہیں! سوال ہی نہیں پیدا ہوتا جب کہ اسے میری تائید حاصل تھی۔''

''تب تو آپ سے مل کر بیحد خوشی ہوئی۔'' حمید نے مصافحے کیلئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''دونوں نے گرمجوشی سے مصافحہ کیا۔ شاہد انہیں حیرت سے آنکھیں پھاڑے دیکھ رہا تھا۔

''کہاں سے آئے ہو؟'' خانزادہ نے حمید سے پوچھا۔

''مریخ سے..... ہمارا خلائی جہاز لیکم جھیل کی سطح پر موجود ہے۔''

''جہنم میں جاؤ!'' اس نے غصیلے لہجے میں کہا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔

لڑکی دروازے کے قریب پہنچ کر مڑی تھی اور حمید کو زبان دکھا کر تیزی سے آگے بڑھ گئی تھی۔

''جاؤ صدر دروازہ بند کر آؤ۔'' حمید نے طویل سانس لے کر شاہد سے کہا۔

وہ چلا گیا تھا اور حمید بستر صاف کرنے لگا تھا..... شاہد نے واپسی میں دیر نہ لگائی تھی۔ بے سر و پا واقعے سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے بُری طرح بے چین تھا۔

''کیا قصہ تھا کیپٹن؟''

''کاش مجھے معلوم ہوتا۔'' حمید نے کہا اور جو کچھ گزری تھی کہہ سنائی۔

''کیا وہ دونوں پاگل تھے۔'' شاہد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا اور پھر ہنس پڑا۔

''اب شاید تم پاگل ہونے والے ہو۔'' حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔

''آپ بہت خوش قسمت ہیں جہاں بھی جاتے ہیں کوئی لڑکی پہلے ہی سے منتظر ہوتی ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ کچھ دنوں کے بعد مجھے پتھر ماریں گی..... ذرا اس نامعقول کھڑکی کو بھی بند کر دینا۔''

شاہد نے کھڑکی بند کر دی اور احمقانہ انداز میں حمید کی شکل دیکھتا رہا۔

''سنو.....!'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''یہ چھیڑ چھاڑ محض اتفاقیہ نہیں ہو سکتی۔ کرنل صاحب رام گڑھ آ رہے تھے اور ان پر فائر ہوا تھا۔''

''ٹماٹر اور ریوالور کی گولی میں فرق ہوتا ہے کیپٹن.....!''

''تم محتاط رہنا..... میں تو صبح وادی گلبار چلا جاؤں گا۔ کیوں نہ ایک گھنٹے کی نیند لے لیں۔''

''جیسی آپ کی مرضی! ویسے میں آپ کو تنہا نہیں چھوڑنا چاہتا۔''

''وہ کیوں جناب؟''

''نہ مجھ پر فائر ہوا تھا اور نہ ٹماٹر پھینکے گئے تھے۔''

''جاؤ!'' حمید دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا اور شاہد چپ چاپ چلا گیا۔

حمید بُری طرح تھک گیا تھا۔ لیکن روشنی بند کر کے لیٹا تو نیند کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ ذہن پر عجیب سی الجھن مسلط تھی۔ آخر خان دارا جیسا آدمی کن پریشانیوں میں مبتلا ہو گیا ہے جن کا حل فریدی کے علاوہ اور کسی کے پاس نہیں..... فائر..... ٹماٹر..... پھر وہ لڑکی.....!''

پھر کچھ دیر بعد اس پر غشی کی طرح نیند طاری ہوئی تھی۔ پتہ نہیں کب تک سوتا رہا۔ گھنٹی کی تیز آواز نے اسے بیدار کیا تھا بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔ سرہانے رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ بائیں ہاتھ سے آنکھیں ملتے ہوئے اس نے ریسیور اٹھایا..... ''ہیلو.....!''

''کیپٹن پلیز.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''میں ہی بول رہا ہوں۔''

''رات والے واقعے کے بعد مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ میں آپ سے ملوں۔''

''اوہو..... تو آپ ہیں..... وہ جو مجھے اس عمارت تک پہنچا گئے تھے۔''

''جی ہاں.....!''

''اور ہم پر جو کچھ گزری تھی اس سے باخبر بھی ہیں!''

''جی ہاں!''

''معاملہ میری سمجھ میں نہیں آ سکا۔''

''آپ فکر نہ کیجئے۔ ہم دیکھ لیں گے.....ناشتے کے لیے کچن میں سب کچھ موجود ہے۔ آپ کو تھوڑی سی تکلیف کرنی پڑے گی۔ گیراج میں جیپ موجود ہے۔ ناشتے کے بعد روانہ ہو جائیے۔ شاہد صاحب یہیں رہیں گے۔''

''خانزادہ اشرف کے بارے میں بھی کچھ بتاؤ۔''

''فی الحال اس سے زیادہ نہیں جانتا کہ وہ سامنے والے بنگلے میں رہتا ہے۔''

''ایک لڑکی بھی ہے۔''

''جی ہاں.....اچھا خدا حافظ۔''

سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر حمید نے ریسیور رکھ دیا۔

''خدا ہی حافظ ہے۔'' وہ آہستہ سے بڑبڑایا تھا۔

شاہد کو جگانا پڑا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر حمید نے گیراج سے جیپ نکالی۔ فیول چیک کیا۔ ٹینکی لبریز تھی۔ تین گیلن پٹرول ڈبوں میں بھی ملا۔

''اچھا.....تو بس اب میں چلا۔'' حمید نے شاہد سے کہا۔

''واپسی کب تک ہو گی؟''

''حالات پر منحصر ہے۔''

''کیا مجھے اسی عمارت تک محدود رہنا ہو گا۔''

''نہیں! ایک آدھ بار سالی کی نند کے گھر تک بھی ہو آنا۔''

''دد.....دیکھئے.....اب آپ ہی نے شروع کیا ہے۔''

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ عقب سے آواز آئی ''اخاہ.....تو روانگی ہو رہی ہے۔''

وہ دونوں مڑے۔ سامنے خانزادہ اشرف کھڑا مسکرا رہا تھا۔

''آپ کو اعتراض ہے کوئی؟'' حمید جھلا کر بولا۔

''سنو مسٹر!'' دفعتاً خانزادہ چیخ کر بولا۔ ''میرے پڑوس کی کوئی عمارت سمگلنگ کا اڈا نہیں بن سکتی۔''

''آپ ہوش میں ہیں یا نہیں!''

''یہ تو ابھی معلوم ہو جائے گا کہ میں ہوش میں ہوں یا نہیں۔''

''بھلا کس طرح معلوم ہو جائے گا؟''

''جب کسٹم والوں کا چھاپہ پڑے گا۔''

''کیا آپ نے انہیں مطلع کر دیا ہے؟''

''کیوں نہ کر دیتا.....میں ایک ذمہ دار شہری ہوں۔''

اتنے میں اس کی لڑکی نوشی بھی آتی دکھائی دی۔

''لو کسٹم بھی چلی آ رہی ہیں چھاپہ مارنے۔'' حمید نے مسکرا کر کہا۔

''یہ کیا بکواس ہے۔'' خانزادہ غرایا۔

''ڈیڑھ پونڈ چرس لے کر پیچھا چھوڑ دیجئے۔''

''تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔''

''کیا بات ہے ڈیڈی؟'' لڑکی قریب پہنچ کر بولی۔

''داغ ٹماٹر لئے جا رہا ہوں۔ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''ارے تو کیا جا رہے ہو.....دو چار دن تو اور رہتے۔''

''تمہارے ڈیڈی ہمیں اسمگلر سمجھتے ہیں۔ کسٹم والوں کو ہمارے خلاف اطلاع دے چکے ہیں اس لیے اب تو بھاگنا ہی پڑے گا۔''

''یہ کیا کیا ڈیڈی؟'' وہ خانزادہ کی طرف مڑی۔

''پھر کیا کرتا؟''

''کیا ثبوت ہے آپ کے پاس کہ یہ لوگ اسمگلر ہیں۔''

''تم مجھ سے کس لہجے میں گفتگو کر رہی ہو۔'' خانزادہ اسے گھورتا ہوا بولا۔

''ہاں! یہ بُری بات ہے.....باپ ہیں۔'' حمید نے فہمائشی انداز میں کہا۔

''میں تنگ آ گئی ہوں۔ یہ اسی طرح دوسروں کے بارے میں بیبا کی سے اظہار کر دیتے ہیں۔''

''تم مجھ سے تنگ آ گئی ہو!''

''میں غلط نہیں کہہ رہی۔''

''جہنم میں جاؤ۔'' خانزادہ نے کہا اور تیزی سے پھاٹک کی طرف مڑ گیا۔

حمید کبھی لڑکی کی طرف دیکھتا کبھی باپ کی طرف، جو اسے وہاں چھوڑ کر چلا جا رہا تھا۔

لڑکی نے اپنی داہنی کنپٹی کے قریب انگلی نچائی۔

''کیا.....؟'' حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

''جی ہاں.....خاندان والے انہیں جھکی اور سنکی سمجھتے ہیں۔ پچھلی رات انہوں نے ہی مجھے ٹماٹر پھینکنے کی ترغیب دی تھی۔

''کیا تم سچ کہہ رہی ہو؟''

''جی ہاں! کہنے لگے ٹماٹر مارو.....بھوت ہوگا تو فوراً غائب ہو جائے گا۔''

''بھلا ٹماٹر اور بھوت.....!''

''میں بتاتی ہوں۔'' وہ حمید کی بات کاٹ کر بولی۔'' بہت دن گزرے ڈیڈی کے والد یعنی میرے دادا کو ٹماٹر کے کھیت میں بھوت دکھائی دیا تھا۔ انہوں نے اضطراری طور پر ایک ٹماٹر توڑا تھا اور بھوت پر کھینچ مارا تھا۔ بس بھوت غائب!''

''سوال یہ کہ جب تم انہیں سنکی سمجھتی ہو تو ان کے مشورے پر عمل کیوں کر بیٹھی تھیں۔''

''ادھر چلو.....تو بتاؤں۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''تم اندر جاؤ.....!'' حمید نے شاہد سے کہا اور لڑکی سے بولا۔''اب یہیں بتا دو۔''

شاہد چلا گیا تھا۔ لڑکی شرمیلی سی ہنسی کے ساتھ بولی۔''تم مجھے اچھے لگے تھے۔ میں نے کہا اسی طرح جان پہچان پیدا کی جائے۔ یقین کرو۔ تم بالکل میری والدہ مرحومہ کی طرح مسکراتے ہو اور غصے میں بھی بالکل ویسے ہی لگتے ہو۔''

حمید کچھ کہنے والا تھا کہ برآمدے سے شاہد کی آواز آئی۔''آپ کی فون کال ہے۔''

حمید لڑکی کو چھوڑ کر بیڈ روم میں آیا۔ فون پر دوسری طرف سے کہا جا رہا تھا۔''خان زادہ اشرف وادیٔ گلبار کے خان دارا کا بہنوئی ہے۔ کسی زمانے میں ملک کا مانا ہوا بیکٹیریالوجسٹ سمجھا جاتا تھا۔ لیکن پھر ذہنی توازن کھو بیٹھا۔ بہت دنوں مینٹل ہاسپٹل میں رہا۔ اب ٹھیک ہے۔ لیکن کبھی

ذہنی رو بہک جاتی ہے.....ویٹس آل.....!''

حمید نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور اپنی ناک پکڑ کر ہلانے لگا۔

جیلی کا ڈھیر

''مجھے بیحد افسوس ہے کیپٹن.....تم نے بہت بُری خبر سنائی!'' خان دارا نے پرتفکر لہجے میں کہا۔

''آپ فکر نہ کریں گے.....وہ جلد ہی پہنچیں گے۔'' حمید بولا۔

''مجھے یقین ہے کہ فریدی پر اسی لیے حملہ ہوا ہے کہ وہ یہاں آ رہے تھے۔''

''مجھے آپ کے یقین پر حیرت ہے۔'' حمید اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

''کیوں.....؟''

''اگر آپ کو یقین ہے تو پھر آپ حملہ آور سے بھی واقف ہوں گے۔''

''صرف اسی حد تک کہ وہ کوئی میرا دشمن ہے اور میری بے بسی سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ میرے معاملات سے اس حد تک باخبر ہے کہ کرنل فریدی بھی محفوظ نہ رہ سکا۔''

حمید خاموشی سے سنتا رہا وہ سوچ رہا تھا کہ خان دارا خود ہی اصل معاملے کی طرف آ رہا ہے۔ لہٰذا براہ راست قسم کے سوالات سے اجتناب کرنا چاہئے۔ لیکن خان دارا نے بات آگے بڑھنے دی۔

پھر حمید کو مہمان خانے میں پہنچا دیا گیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسی بوریت کا سامنا ہوگا۔ رام گڑھ کے اس بنگلے ہی میں بھلے تھے۔ جہاں خان دارا کے رشتے داروں سے مڈبھیڑ ہوئی تھی اور فون پر خانزادہ اشرف کے بارے میں انکشاف سن کر باہر آیا تھا تو لڑکی غائب تھی اور اسے رام گڑھ کے لیے روانہ ہونا پڑا تھا۔

رات کے کھانے پر خان دارا سے دوبارہ ملاقات ہوئی۔ وہ پہلے ہی کی طرح دکھائی

دے رہا تھا۔ حمید نے سوچا چلو خانزادہ اشرف اور اسکی نوشی ہی سے متعلق کچھ گفتگو ہو جائے۔

''پچھلی رات رام گڑھ میں بڑی پریشانی اٹھانی پڑی تھی۔'' اس نے خان دارا کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ ''ایک صاحب ہیں خانزادہ اشرف اور انکی بیٹی...دونوں نے زندگی تلخ کر دی۔''

''کیا مطلب!'' خان دارا کھانا چھوڑ کر حمید کی طرف متوجہ ہو گیا اور حمید نے پوری کہانی دہراتے ہوئے کہا۔ ''پتہ نہیں وہ لوگ کیا چاہتے تھے۔ اگر یہاں نہ آنا ہوتا تو دیکھتا۔''

دفعتاً خان دارا ہنسنے لگا۔ ''تو.....وہ تم تھے.....لاحول ولاقوۃ.....!''

''میں نہیں سمجھا خان.....'' حمید نے حیرت سے کہا۔

''اس کے بعد ان دونوں میں جھگڑا ہو گیا تھا اور وہ یہاں چلی آئی تھی۔'' خان دارا بدستور ہنستے ہوئے کہا۔

''یہاں.....کون.....؟ وہ نوشی!''

''ہاں.....ہاں.....وہ میری بھانجی ہے۔''

''خدا کی پناہ.....تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ اشرف صاحب آپ کے بہنوئی ہیں۔''

''ہاں بھئی.....تم نہیں جانتے ورنہ تمہیں اشرف پر غصہ نہ آتا۔ پندرہ سال پہلے کی بات ہے کہ وہ یہاں کا معزز ترین آدمی تھا۔ ملک کے گنے چنے بیکٹر یالوجسٹ میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ اچانک دماغ الٹ گیا۔ علاج ہوا۔ کئی سال بعد کسی قدر ہوشمندی کی باتیں کرنے لگا۔ لیکن پوری طرح صحت آج تک نصیب نہیں ہوئی۔ تم اپنے ہی معاملے کو دیکھ لو۔ پچھلی رات اس نے نوشابہ کو سوتے سے جگا کر تمہیں پریشان کرنے پر مجبور کیا تھا۔''

''تب تو مجھے افسوس ہے۔''

''ٹھہرو.....! میں نوشابہ کو بلواتا ہوں۔'' خان دارا ہنس کر بولا۔ ''وہ تمہیں میرے ساتھ دیکھ کر متحیر رہ جائے گی۔''

حمید نے طویل سانس لے کر سر کو جنبش دی۔

خان دارا نے ملازم کو طلب کر کے اس سے کچھ کہا اور وہ چلا گیا۔

''کیا خیال ہے؟ اس کی حیرت کا عالم دیکھنے کے قابل ہو گا۔''

''یقیناً.....!'' حمید زبردستی ہنس پڑا۔

کچھ دیر بعد نوشی آئی تھی اور دروازے ہی میں ٹھٹھک کر رہ گئی تھی۔

''آؤ.....آؤ.....!'' خان دارا نے کہا۔

حمید نے مسکرا کر نوشی کی طرف دیکھا تھا۔

''یہی.....یہی.....تو تھے.....!'' وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتی ہوئی بولی۔

''کیا بک رہی ہو۔''

''بھوت.....نمائندہ والا.....!''

''یہ یعنی.....کیپٹن حمید.....!''

''جج.....جی.....ہاں۔''

''لاحول ولاقوۃ.....تو تم لوگوں نے میرے مہمان کو پریشان کیا تھا۔''

''مم.....میں.....کیا کرتی.....!''

''اوہ.....آپ پریشان نہ ہوں۔'' حمید جلدی سے بولا۔ ''مجھے آپ کے ڈیڈی کے بارے میں معلوم ہو چکا ہے۔''

''آؤ بیٹھو.....!'' خان دارا نے کہا۔

''معافی چاہتی ہوں۔ اس وقت میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''اچھا.....اچھا.....جاؤ۔''

نوشی سر جھکائے ہوئے چلی گئی۔

''دس سال کی تھی تب ہی ماں مر گئی۔ باپ ذہنی طور پر غیر متوازن ہے۔'' خان دارا ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''تو اب اشرف صاحب کیا کرتے ہیں۔''

''کچھ بھی نہیں.....جائیداد پر گزارا ہے۔''

''بعض لوگ ساری زندگی دکھوں میں گزار دیتے ہیں۔''

''میں نے چاہا تھا کہ نوشی ہمارے ہی ساتھ رہے لیکن وہ خود اس پر رضامند نہیں ہوئی۔ جب باپ سے جھگڑا ہوتا ہے تو کچھ دنوں کے لیے یہاں چلی آتی ہے پھر یہ سوچ کر واپس جاتی ہے کہ اشرف کو اس کی ضرورت ہے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ پھر بوریت۔ وہ تو سمجھا تھا شاید اس لڑکی کی موجودگی اس بوریت کو رفع کر دے گی۔ لیکن یہاں تو داستان غم چھڑ گئی۔

کھانے کے بعد کچھ دیر خان دارا کا ساتھ رہا۔ پھر وہ مہمان خانے کی طرف چلا گیا تھا۔ یہاں وہ بالکل تنہا تھا اسے فریدی پر تاؤ آنے لگا۔ آخر کو رام گڑھ ہی میں کیوں لا گیا تھا۔ اسے یہاں کب تک جھک مارنی پڑے گی۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ تھکن اور پچھلی رات سونے کی وجہ سے جلد ہی نیند آ گئی۔ ورنہ تنہائی اسے مزید جھنجھلاہٹوں میں مبتلا کر دیتی۔

دوسری صبح خود ہی بیدار ہوا تھا۔ کسی کو جگانے کی زحمت نہیں اٹھانی پڑی۔

ٹوائیلٹ سے نکل کر ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھ ہی رہی تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ پھر دروازہ کھلتے ہی ذہن کو جھٹکا سا لگا تھا۔ فریدی سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

''آپ.....؟''

''نہیں.....بھوت.....!''

''کب آئے.....؟'' حمید پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ ''پچھلی رات.....گیارہ بجے.....تم بہت جلد سو گئے تھے۔''

''اچھا ہی ہوا تھا۔ ورنہ اس تنہائی میں پاگل ہو جاتا۔ آپ کے زخم کا کیا حال ہے۔''

''ٹھیک ہے.....کوئی خاص بات نہیں.....کام کے قابل ہوں.....!''

''بھوت کے حوالے سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ خان دارا سے گفتگو کر چکے ہیں۔''

فریدی بستر کے قریب والی کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ''ہاں سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔''

''اس کی پریشانی بھی.....!''

''وہ بھی.....لیکن میں فی الحال اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

''کیا مطلب؟''

''ضروری نہیں کہ وہ پریشانی ہی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ خان دارا مجھے اس معاملے میں الجھانا چاہتا ہو۔''

''کیا آپ مجھے نہیں بتائیں گے کہ پریشانی کیا ہے۔''

''ضرور بتاؤں گا.....کیا ابھی سننا چاہتے ہو۔''

''کیا حرج ہے.....ابھی تو ناشتے میں دیر ہو گی۔''

فریدی نے خان دارا کے بھتیجے چنگیزی کی کہانی شروع کر دی۔ دیو کے ذکر پر حمید چونکا لیکن کچھ بولا نہیں تھا۔ خاموشی سے پوری داستان سن کر بولا ''آپ نے وہ لاش دیکھی، جو پتھر ہو گئی ہے۔''

''خان دارا مجھے وہ لاش دکھانے کے لیے لے گیا تھا لیکن لاش کی بجائے اسی جگہ جیلی کا بہت بڑا ڈھیر ملا۔''

''جیلی کا ڈھیر.....؟''

''ہاں.....!''

''کیا اس نے وہ لاش پولیس کے حوالے نہیں کی تھی۔''

''نہیں.....! کیونکہ اس کا بھتیجا بھی ملوث تھا اس لیے اس نے وہ لاش اپنے ہی پاس روک رکھی اور چنگیزی کے ساتھیوں کو ہدایات کر دی ہے کہ وہ فی الحال اس کا تذکرہ کسی سے بھی نہ کریں۔''

''بہرحال وہ آپ سے مشورہ کیے بغیر اس سلسلے میں کچھ نہیں کرنا چاہتا تھا۔'' حمید بولا۔

''یہی کہہ رہا تھا۔ لیکن لاش کو اتنے دنوں تک اپنے پاس روکے رکھنا قانوناً درست نہیں ہے۔ فوری طور پر اس کی اطلاع مقامی حکام کو کر دینی چاہئے تھی۔''

''لیکن یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ جیلی کا وہ ڈھیر بھی لاش رہا ہو گا۔''

''کوئی وجہ نہیں یقین کر لینے کی۔''

''پھر دوسری بات یہ کہ کیا وہ لڑکی دنیا میں تنہا تھی جس کے غائب ہو جانے پر کسی کو بھی تشویش نہیں ہوئی۔''

''یہ نکتہ بھی قابل غور ہے۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔ ''میں نے اسی لیے کہا تھا کہ اس کہانی کو فی الحال محض کہانی ہی سمجھو۔ پہلے مرحلے پر چنگیزی اور اس کے دوستوں سے گفتگو ہو گی۔ ویسے میرا خیال ہے کہ دیو کے تذکرے پر تم چونکے تھے۔''

''کہیں بھی دیو کا نام سنتا ہوں تو قاسم کا ڈیل ڈول آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے۔''

''اس کا قصہ بھی سن چکا ہوں۔ تمہارے جانے کے بعد انور ہاسپٹل پہنچا تھا۔ تم سے

شائد اس نے اکڑ کر گفتگو کی تھی۔''

''واپسی پر اسے بھی دیکھ لوں گا۔''

''اس کی ضرورت نہیں۔ اس نے اعتراف کر لیا ہے۔''

''کس بات کا اعتراف کر لیا۔''

''اسی نے قاسم کو ''راز دار'' کے قیام کی ترغیب دی تھی۔ مقصد یہی تھا کہ پرائیویٹ کیس لیے جائیں اور آمدنی میں اضافہ ہو اور انور کو بھی کسی اور نے خیال دلایا تھا۔''

''کس نے؟''

''ڈاکٹر فوزیہ نے..... انور کو بہت دنوں سے جانتی ہے اور اس کی صلاحیتوں سے بھی واقف ہے۔ سرمایہ قاسم کا تھا۔ اس کے لیے تو بس اتنا ہی کافی تھا کہ وہ خود کو اس ادارے کا سربراہ سمجھتا تھا۔''

''انور نے آخر آپ کے سامنے خود بخود اعتراف کیوں کر لیا۔''

''قاسم اسے بتائے بغیر غائب رہنے لگا تھا۔ انور جب بھی معلوم کرنے کی کوشش کرتا وہ اپنے باس ہونے کا حوالہ دے کر اسے خاموش کر دیتا۔''

''تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔''

''انور کا خیال ہے کہ وہ شاید کسی غیر قانونی حرکت میں کسی کا آلہ کار بن رہا ہے اور اسے ''ٹاپ سیکرٹ'' کہتا ہے۔ تین تین دنوں کیلئے غائب ہو جاتا ہے۔ شہر ہی میں نہیں ہوتا۔''

''بہرحال قاسم کے لیے تو ڈاکٹر فوزیہ ہی کافی ہوتی۔ انور کو اس نے خواہ مخواہ گھسیٹا۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔

اتنے میں ایک ملازم نے آکر ناشتے کی میز لگ جانے کی اطلاع دی۔

حمید کا ذہن الجھ گیا تھا۔ ناشتے کی میز پر خان دارا بھی موجود تھا۔ فریدی اور اس کے درمیان گفتگو ہوتی رہی تھی۔ حمید کچھ نہیں بولا تھا۔

خان دارا کہہ رہا تھا۔ ''میں نے چنگیزی کے ان دوستوں کو بلایا تھا جو وہاں موجود تھے۔ تھوڑی دیر بعد پہنچ جائیں گے۔ چنگیزی خود انہیں لینے گیا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' فریدی نے کہا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''وہ لڑکی سائرہ اب

بھی میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔ کسی نے اس کی گمشدگی کی بھی پرواہ نہ کی.....!''

''مجھے خود بھی اس پر حیرت ہے لیکن میں نے چنگیزی سے اس سلسلے میں کوئی گفتگو نہیں کی۔''

''کوئی خاص وجہ؟'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''آپ ہی اس سے پوچھ گچھ کریں تو بہتر ہے۔ ان حالات سے دوچار ہونے کے بعد آپ ہی کا خیال ذہن میں آیا تھا اور میں سب کچھ آپ پر چھوڑتا ہوں۔''

''خیر..... خیر..... میں دیکھوں گا۔''

اس کے قریب چنگیزی کے دوستوں کا قافلہ مہمان خانے میں داخل ہوا تھا۔ چنگیزی سمیت چھ لڑکے اور تین لڑکیاں۔

خان دارا انہیں دیکھ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ فریدی نے بھی اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ چنگیزی نے فریدی سے اپنے ساتھیوں کا تعارف کرایا۔ وہ سبھی خوفزدہ نظر آ رہے تھے۔ ان کے چہرے کملائے ہوئے تھے۔

''سب سے پہلے میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں کی مدد کرنے آیا ہوں اس لیے مجھ سے کوئی بات چھپائی نہ جائے۔'' فریدی نے انہیں مخاطب کیا۔

وہ کچھ نہ بولے لیکن ان کی آنکھیں کہہ رہی تھیں۔ ''ایسا ہی ہوگا۔''

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ مسٹر چنگیزی نے اسپاٹ پر جانے کی سختی سے مخالفت کی تھی۔''

''جی ہاں۔'' ایک لڑکا بولا۔ پھر سب نے اس کی تائید کی۔

''لیکن اس کے باوجود بھی۔'' فریدی ایک ایک کا چہرہ دیکھتا ہوا بولا۔ ''آپ سب وہیں پہنچے۔ کیا آپ بتا سکیں گے۔ اس تجویز کی ابتدا کس کی طرف سے ہوئی تھی۔''

''غالباً فلورا نے سب سے پہلے کہا تھا۔''

فریدی نے اس لڑکی کی طرف دیکھا۔ اس کی رنگت کچھ اور زرد نظر آنے لگی تھی۔

وہ تھوک نگل کر بدقت بولی۔ ''حقیقتاً تجویز خود سائرہ ہی کی تھی۔''

''وہ کس طرح؟''

''پکنک کا پروگرام دو دن پہلے بنا تھا اور وہ مجھے اس اسپاٹ کے بارے میں بتاتی رہی تھی۔ کہتی رہی تھی کہ وہیں چلنا چاہئے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب دوسروں کے سامنے

یہ مسئلہ پیش ہوا تھا تو خود قطعاً نہیں بولی تھی اور یہ لوگ سمجھے کہ تجویز میری اپنی ہے۔ بہرحال چنگیزی کے علاوہ اور سب نے میری تجویز سے اتفاق کیا تھا۔''

''اسے تم کب سے جانتی ہو؟''

''دو ماہ سے۔ میرے ہی توسط سے وہ بقیہ دوستوں سے متعارف ہوئی تھی۔''

''کہاں رہتی تھی۔ اس کے متعلقین کون لوگ ہیں۔''

''میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ قالین بافی کے بانی کے ایک کارخانے میں سپروائزر تھی۔ اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں جانتی۔ کبھی اس کے گھر بھی نہیں گئی۔ ہم سب ایک کیفے میں اکٹھے ہوا کرتے تھے۔''

''پہلی ملاقات کب اور کہاں ہوئی تھی؟''

''قالین بافی کے کارخانے ہی میں۔ مجھے ایک قالین کی ضرورت تھی۔ اس نے مجھے بہتر مشورے دیئے تھے اور پھر ہم دوست بن گئے تھے۔''

پھر فریدی نے قالین بافی کے کارخانے کا نام اور پتہ نوٹ کیا تھا۔

''کیا آپ لوگوں میں سے کوئی بھی نہیں جانتا کہ وہ کہاں رہتی تھی۔'' فریدی نے کچھ دیر بعد ان سبھوں سے سوال کیا۔

اس کا جواب نفی ہی میں ملا۔

''آپ میں سے کسی کے اس سے خصوصی تعلقات بھی تھے؟'' فریدی نے اس بار صرف لڑکوں کو مخاطب کیا۔

اس کا اعتراف بھی کسی نے نہیں کیا تھا۔

دفعتاً ایک زور دار دھماکا سنائی دیا۔ دیواریں جھنجھنا اٹھیں۔ کھڑکیاں لرز گئیں اور زمین ہلنے لگی۔ وہ سب اٹھ کر دروازے کی طرف جھپٹے۔ کھلے میں نکل آئے۔ محل کے گوشے سے غلیظ دھواں اٹھ کر فضا میں بلند ہو رہا تھا۔

''شاید جیلی کا ڈھیر بھی ضائع کر دیا گیا۔'' فریدی کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

گھوڑے بھڑکے

لوگوں کے شور سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ محل کا ایک حصہ تباہ ہو گیا تھا۔ چنگیزی اور اس کے ساتھی تتر بتر ہو گئے تھے۔ فریدی اور حمید تنہا رہ گئے۔

آگ محل کے دوسرے حصوں کی طرف بڑھ رہی تھی۔

''یہ وہی حصہ ہے جہاں ایک کمرے میں جیلی کا ڈھیر دیکھا تھا۔'' فریدی حمید کا بازو دبا کر بولا۔

''سوال تو یہ ہے کہ وہ ڈھیر ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی کیوں نہیں ضائع کر دیا گیا تھا؟'' حمید نے کہا۔

''سوا لاکھ روپے کا سوال ہے۔''

حمید کچھ اور کہنے والا تھا کہ خان دارا دکھائی دیا۔ بدحواسی میں ادھر ادھر دوڑتا پھر رہا تھا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر اسے روکا۔ ''کوئی تھا تو نہیں ادھر؟''

''خدا جانے..... خدا جانے..... میں کچھ نہیں جانتا..... پہلے آپ پر فائر ہوا۔ پھر ..... پتا نہیں کون کیا چاہتا ہے۔'' خان دارا مضطربانہ انداز میں بولا۔

پھر فریدی اس حصے کی طرف بڑھ گیا تھا جہاں سے شعلے اٹھ رہے تھے۔

حمید کو وہیں رکنے کا اشارہ کرتا گیا تھا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔'' خان ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

حمید نے کچھ عجیب سی بات محسوس کی تھی۔ اس کے رویئے میں..... خان دارا جیسے لوگ حال میں خودسری کا مظاہرہ کرتے ہیں لیکن یہ تو اس وقت بالکل کیچوا لگ رہا تھا۔ اسے وہ واقعہ بھی یاد آیا جب اس کا ٹکراؤ فریدی سے ہوا تھا۔ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا لیکن اس کی اکڑ میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

''آپ فکر نہ کیجئے! سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' حمید بالآخر بولا۔

''کیا ٹھیک ہو جائے گا۔ ابھی تو یہی نہیں معلوم کہ کیا ہو رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے۔''

''ہم یہی تو دیکھیں گے۔''

''اوہ.....خدایا.....میں یہاں کھڑا کیا کر رہا ہوں۔'' خان دارا نے کہا اور دوڑتا ہوا عمارت کی طرف چلا گیا۔

حمید جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ ویسے اس نے خان دارا کو کینہ توز نظروں سے دیکھا تھا۔ ''میں اچھی طرح سمجھتا ہوں بیٹے۔'' وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ ''خود تمہی نے کوئی چکر چلایا ہے۔''

پھر اس کی مٹھیاں سختی سے بھنچ گئی تھی۔ اتنے میں فریدی بھی پلٹ آیا۔

''سب محفوظ ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''جب دھماکہ ہوا تھا تو آس پاس کوئی موجود نہیں تھا۔''

''اب کیا خیال ہے آپ کا۔''

''یہی کہ جیلی کا ڈھیر اس لیے ضائع کر دیا گیا کہ کہیں میں تجزیہ نہ کر بیٹھوں۔''

''سامنے کی بات ہے۔'' حمید نے لاپرواہی سے کہا اور فریدی اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

''کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''آپ کے پہنچنے سے قبل وہ پتھر کی تھی۔ آپ پہنچے تو جیلی کے ڈھیر میں تبدیلی ہو چکی تھی اور اب اس لیے بالکل ہی فنا ہو گئی کہ کہیں آپ پس ماندہ کا تجزیہ نہ کر بیٹھیں۔''

''ہوں.....تو پھر.....!''

''خان دارا اپنے کسی دشمن کو غارت کرنا چاہتا ہے۔''

''غالباً تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ خان دارا نے مجھے کچھ باور کرانے کیلئے یہ کھیل خود کھلا ہے۔''

''ہاں میں یہی کہنا چاہتا ہوں۔''

''نتائج اخذ کرنے میں جلدی نہ کرو۔''

''مجھے تو آپ کی زندگی خطرے میں معلوم ہوتی ہے۔ ذرا محتاط رہئے گا۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''اس نے آپ کو چیلنج کیا تھا۔ کچھ لوگ حقیقتاً بیحد لومڑی ہوتے ہیں جبکہ شیروں کی طرح دہاڑتے بھی رہتے ہیں۔''

''خیر.....خیر.....دیکھیں گے۔ تم یہیں ٹھہرو۔ میں ذرا قالین بافی کے اس کارخانے کو بھی

دیکھ آؤں۔ ساتھ ہی مجھے مقامی حکام کو اس سائرہ والے واقعے کی اطلاع بھی دینی ہے۔''

''فوری طور پر خان دارا کی گردن پھنس جائے گی۔''

''میں کوشش کروں گا کہ ایسا نہ ہونے پائے۔ اگر ایسا ہوا تو اس واقعے کی پبلسٹی ہو جائے گی جو کم از کم میرے مفاد میں نہ ہوگی۔''

''جائیے.....! خدا کو سونپا۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

ایک گھنٹے کے اندر اندر آگ پر قابو پا لیا گیا تھا۔

حمید نے ایک بار پھر چنگیزی اور اس کے ساتھیوں کو اکٹھا کیا اور انہیں تاکید کر دی کہ وہ اس سلسلے میں اپنی زبانیں قطعی طور پر بند رکھیں۔ پبلسٹی تفتیش کیلئے مضر ثابت ہوگی۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ اس سے انحراف نہیں کریں گے۔

ان کے چلے جانے کے بعد صرف چنگیزی وہاں رہ گیا۔

''اب آپ فرمائیے۔'' حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔

''پوچھئے.....جو کچھ پوچھنا ہو۔''

''آج تک کسی سے محبت بھی ہوئی یا محض پکنک پر گزارا ہے۔''

''معاف کیجئے گا میں نہیں سمجھا۔''

''ان لڑکیوں میں سے کس پر نظر ہے۔''

''اوہ.....آپ غلط سمجھے.....ہم صرف دوست ہیں۔''

''دشمن کو کون گلے لگاتا ہے صاحبزادے۔''

''آخر آپ مجھ سے اس قسم کی گفتگو کیوں کر رہے ہیں۔''

''اس لیے کہ دنیا میں اس سے زیادہ دلچسپ موضوع اور کوئی نہیں ہے۔''

''کیا آپ مجھ پر کسی قسم کا شبہ کر رہے ہیں۔''

''ہرگز نہیں.....ویسے اشقر دیوزاد حمزہ صاحبقراں کے گھوڑے کا نام تھا۔''

''مجھے علم ہے۔''

''لہٰذا اشقر جن بکواس ہے۔''

''سائرہ اسی دیو کی آواز میں گفتگو کرتی ہوئی بیہوش ہوئی تھی۔''

''نو افراد کے علاوہ اور کوئی اس کا گواہ نہیں تھا۔ جن میں سے آٹھ افراد اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ تمہاری مخالفت کر کے سکھ سے نہ رہ سکیں گے۔''

''تو گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کہانی میری گڑھی ہوئی ہے۔''

''جو چاہو سمجھو.....! میں نے تو ابھی تک ایسی کوئی بات نہیں کہی۔''

''اب مجھے اجازت دیجئے۔'' چنگیزی نے اٹھتے ہوئے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''ضرور.....ضرور.....!''

وہ حمید کو گھورتا ہوا چلا گیا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی اسے یہاں کیوں چھوڑ گیا ہے۔ ہوسکتا ہے اس کا مقصد یہی ہو کہ ان لوگوں پر پوری طرح نظر رکھی جائے۔

وہ پھر مہمان خانے سے محل کی طرف چل پڑا۔ آخر اس دھماکے سے متعلق پوچھ گچھ بھی کرنی تھی۔ خان دارا کے توسط سے محل کے سارے ملازمین کو اکٹھا کرایا۔

''کیا سب موجود ہیں۔'' حمید نے بہ آواز بلند پوچھا۔

''جی ہاں.....!'' بیک وقت کئی آوازیں آئیں۔ پھر کسی نے کہا۔

''شکور.....شکور.....کدھر ہے؟''

''شکور.....!'' خان دارا نے اونچی آواز میں پکارا۔ لیکن جواب نہ ملا۔

''وہ آخر کہاں گیا؟'' خان دارا مضطربانہ انداز میں بولا۔

''اسی نے تو ہماری جانیں بچائی ہیں سرکار۔'' ایک ملازم نے آگے بڑھ کر کہا۔

''وہ کس طرح.....؟''

''کچھ دیر پہلے اس نے ادھر جراثیم کش دواء کا چھڑکاؤ کیا تھا اور سب کو مطلع کر دیا تھا۔ اس لیے کوئی ادھر گیا ہی نہیں۔ دوا بڑی بدبودار ہوتی ہے سرکار۔''

''خدا کی پناہ!'' حمید اپنی گدی سہلاتا ہوا بولا۔ ''اسے فوراً تلاش کرایئے خان۔''

''ہاں.....ضرور.....ضرور۔''

اور پھر کچھ دیر بعد محل کے ایک دور افتادہ حصے میں شکور کی لاش ملی تھی۔ اس کی بائیں کنپٹی میں سوراخ تھا جس سے خون بہہ کر فرش پر پھیل رہا تھا۔

''جس نے اس کے ذریعے وہاں ٹائم بم رکھوایا تھا اسی نے بالآخر اسے بھی ختم کر دیا۔''

بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''دوسرا قتل.....!''

''میرا تو ذہن ہی ماؤف ہو رہا ہے۔'' خان دارا کی آواز حلق میں پھنسنے لگی۔

حمید نے دل میں کہا۔ ''واہ بے مکار! تو بھلا کب چاہتا ہے کہ تیرے خاندان کا کوئی فرد دھماکے کا شکار ہو جائے۔ اچھا بیٹے! اب ہم تمہیں دیکھ ہی لیں گے۔''

دھماکے کی اطلاع پہلے ہی دی جا چکی تھی۔ لاش ملتے ہی ایک بار پھر ان مقامی حکام کو دھماکے کی اطلاع پہلے ہی دی جا چکی تھی۔ لاش ملتے ہی ایک بار پھر ان سے رابطہ قائم کیا گیا اور حمید نے ان کے بھی یہی ذہن نشین کرایا کہ کسی نے شکور ہی سے ٹائم بم رکھوایا تھا اور پھر اس کا خاتمہ بھی کر دیا۔

کسی نے اس کے بیان پر جرح نہیں کی۔ ممکن تھا کہ فریدی نے پہلے ہی انہیں خصوصی ہدایات دی ہوں۔ اس کے بعد ہی قالین بافی کے کارخانے کا رخ کیا ہو۔ ایس۔ پی کے انداز سے صاف ظاہر ہوتا رہا تھا جیسے وہ خود کو بولنے سے روکے رکھنے کی کوشش کرتا رہا ہو۔

فریدی کی واپسی شام سے پہلے نہیں ہوئی تھی۔ شکور کے بارے میں اس نے خاموشی سنا تھا اور اس پر کوئی تبصرہ کئے بغیر سائرہ کا ذکر چھیڑ دیا تھا۔

''وہ تو عجیب صلاحیتوں کی مالک ثابت ہوئی ہے۔ البتہ اس نے اپنے گھر کا جو پتہ ڈری کے رجسٹر میں درج کرا رکھا تھا۔ وہ قطعی غلط تھا۔ لہٰذا اسکی جائے رہائش کا علم نہ ہو سکا۔''

''اس کی عجیب صلاحیتوں کا بھی ذکر ہو جائے۔'' حمید بولا۔

''حیرت انگیز طور پر دوسروں کی آوازوں کی نقل اتار سکتی تھی۔ میں نے ریکارڈ کی ہوئی قلیں سنی ہیں اور اصل سے ان کا موازنہ بھی کیا ہے۔ مشکل ہی سے دونوں میں امتیاز کیا جا سکے گا۔ فیکٹری میں پچھلے ماہ ایک ورائٹی شو ہوا تھا جس میں اس نے اپنے اس کمال کا مظاہرہ کیا تھا۔ سیٹھ، منیجر اور اکاؤنٹنٹ کی آوازوں کی نقل اتاری تھی اور پورا پروگرام ریکارڈ کیا گیا تھا۔ اسی میں یہ آئیٹم بھی شامل تھا۔''

''خوب!'' حمید سر ہلا کر بولا۔

''بس ثابت ہوا کہ وہ مرنے سے پہلے اس دیو کی آواز کی نقل اتارتی رہی تھی اور اس کے ساتھی سمجھے تھے کہ اس پر سچ مچ جن آ گیا ہے۔ یہاں اصل مجرم کا طریق کار واضح ہو جاتا ہے۔ شکور کا قتل بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اپنے لیے کام کرنے والوں کو بالآخر ختم کر دیتا

ہے۔ سائرہ بھی اس کی آلہ کار تھی۔ اس کے ساتھیوں کو کسی طرح بیہوش کیا گیا اور ان کی
کے دوران میں اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔''

''مقصد.....؟'' حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''چراغ کے جن سے پوچھ کر بتاؤں گا۔'' فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''موڈ خراب معلوم ہوتا ہے۔''

''میں جادوگر تو نہیں ہوں کہ تفتیش کے اس مرحلے پر جرم کا مقصد بھی معلوم کرلوں گا۔''

''میں بتا سکتا ہوں۔''

''بکو.....''

''خان دارا اپنی مظلومیت کا ڈھنڈورہ پیٹ کر کسی بڑے جرم کا ارتکاب کرنا چاہتا
ہوسکتا ہے وہ بڑا جرم ہم دونوں کا قتل ہی ہو۔''

''ایسی صورت میں تمہارا جسم ٹماٹروں سے داغدار ہونے کے بجائے گولیوں سے چھ
ہو جاتا۔ ایک ٹائم بم مہمان خانے میں بھی رکھوایا جا سکتا تھا۔''

''ہو سکتا ہے اب ایسا ہو جائے۔ خود کو شبہے سے بالاتر رکھنے کے لیے محل میں پا
دھما کہ ہونا ضروری تھا۔''

''مر جائیں گے..... کیا فرق پڑتا ہے۔'' فریدی اکتا کر بولا۔

''اتنی آسانی سے مر جائیں گے۔''

''میں آسانی ہی سے مر جانے کی خواہش رکھتا ہوں۔''

''اگر ہم یہاں کی بجائے ہوٹل گلریز میں مقیم رہ کر تفتیش کریں تو کیا حرج ہے۔''

''سوچوں گا۔ خیر دوسری خبر سنو۔ انور کی ٹیلی پرنٹر میسیج آئی ہے کہ قاسم ڈاکٹر فوز
سمیت غائب ہو گیا ہے۔''

''عیش کر رہا ہو گا کہیں۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔

حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ''خان دارا کے مرنے سے کسے فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ یا کوئی
ایسا بھی ہے جس کی موت سے خان دارا کو فائدہ پہنچ سکے۔''

''ایک پرانی وصیت کے مطابق اقتدار خان دارا کے ہاتھ آیا ہے۔ جائیداد پر اسی کا
ل ہے اور دوسروں کے حصے وہی ان تک پہنچاتا ہے۔ خان دارا کے بعد یہ اقتدار
ں کی طرف منتقل ہو جائے گا۔''

''اگر یہ دونوں نہ رہ جائیں تو پھر کیا صورت ہو گی۔''

''اس سوال کا جواب وصیت نامے کا مطالعہ کئے بغیر نہیں دے سکوں گا۔''

''اب اگلا قدم کیا ہو گا۔''

''اس پکنک اسپاٹ کو بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔''

اور پھر دوسرے دن وہ خان دارا کی شکار گاہ سے گھوڑوں پر سوار ہو کر اس اسپاٹ کی
ی روانہ ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ تین بروہانی قبائلی بھی تھے۔

دراصل وہ علاقہ بروہانیوں ہی کا تھا۔ انہوں نے بھی کسی دیو کا ذکر کیا تھا جس کے جسم
ے چنگاریاں نکلتی تھیں اور اندھیرے میں اس کے قہقہے دور دور تک گونجتے تھے۔ خود
انہوں نے اس مخصوص میں حصے میں قدم رکھنا چھوڑ دیا تھا۔ جہاں دیو دکھائی دیتا تھا۔

اس وقت بھی وہاں جانے کے لیے بدوقت تیار ہوئے تھے۔ فریدی اور حمید غیر ملکی
ریوں کے میک اپ میں تھے۔

خان دارا کے مشورے کے مطابق انہوں نے جو راستہ منتخب کیا تھا۔ اس سے صرف
ڑے ہی گزر سکتے تھے لیکن اسپاٹ سے دو میل کے فاصلے پر ایک ایسی جگہ بھی تھی جہاں
ن گاڑیاں جا سکتی تھیں۔ لہٰذا ایک بڑی گاڑی وہاں کھڑی کر دی گئی تھی۔ یہ بھی خان دارا ہی
ے مشورے سے ہوا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ آس پاس کسی گاڑی کی موجودگی بھی ضروری ہے۔
ہیں انہیں کن حالات سے گزرنا پڑے۔ وہ خود بھی ساتھ چلنے پر مصر تھا لیکن فریدی اس پر
ار نہیں ہوا تھا۔

بروہانیوں کو نہیں معلوم تھا کہ وہ دونوں کون ہیں اور وہاں جانے کا اصل مقصد کیا ہے۔
انہیں بتایا گیا تھا کہ وہ سیاہ خرگوشوں کا شکار کھیلنا چاہتے ہیں۔ جن کی ان اطراف میں بہتات تھی۔

پانچ آدمیوں کا یہ قافلہ اس اسپاٹ کی طرف بڑھتا رہا جہاں ایک لڑکی حیرت انگیز طور پر
ئی تھی۔ بروہانی قبائلی بھی مسلح تھے اور شائد ان میں ایک آدمی ایسا ضرور تھا جسے جائے حادثہ

کا صحیح علم تھا۔ وہی ان کی رہنمائی کر رہا تھا۔

''واقعی بڑی خوبصورت جگہ ہے۔'' حمید چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

بروبانی خوفزدہ نظر آنے لگے تھے۔ اچانک ان کے گھوڑے بھڑکنے لگے۔ بالکل معلوم ہوتا تھا جیسے انہوں نے کسی بڑے خطرے کی بو سونگھ لی ہو۔ پھر اگر وہ سبھی گھوڑوں کو نہ پڑے ہوتے تو انہیں پچھتانا پڑتا۔

حملہ

گھوڑے لگامیں چھڑا کر بھاگ نکلنا چاہتے تھے اور وہ انہیں روکے رکھنے کے لیے زور لگا رہے تھے۔

ٹھیک اسی وقت ایک گھوڑے کے بائیں پہلو سے خون کا فوارہ چھوٹنے لگا اور فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔ ''چھوڑ دو گھوڑوں کو اور ادھر پوزیشن لے لو..... جلدی کرو.....!''

زخمی گھوڑا گر گیا تھا۔ لگامیں چھوٹتے ہی دوسرے گھوڑے ادھر ادھر دوڑنے لگے۔ ایک اور گرا۔ اس بار فریدی نے ایک سمت فائر کر دیا تھا۔ وہ ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں تھا۔ دوسرے بھی آس پاس بکھر کر پوزیشن لے چکے تھے۔

بقیہ تین گھوڑے وحشیانہ انداز میں ایک جانب دوڑتے چلے گئے۔

حمید ایک بروبانی کے قریب تھا۔ اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ ''دیکھا صاحب ہم بولا تھا اِدر نئیں آئے گا..... ہمارا گھوڑا مر گیا۔''

''خان جانے.....!''

''ہم خان سے لے گا..... اپنا جانور.....!''

''ضرور..... ہم دلوائیں گے تمہیں۔''

''اب دیکھا.....! اِدر بھوت رہتا۔''

''یہ بھوت نہیں..... بلکہ سائیلنسر لگی ہوئی رائفل تھی۔''

بروبانی نے برا سا منہ بنایا اور آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ بھاگ نکلنے والے گھوڑوں کی

ں کی آواز اب دور سے آ رہی تھی۔

''آپ کہاں ہیں؟'' دفعتاً حمید نے فریدی کو آواز دی۔

''جہاں ہو وہیں اسی پوزیشن میں ٹھہرو۔'' جواب ملا۔ آواز قریب ہی کی معلوم ہوتی تھی اور انہوں نے الہ دین کے فلمی جن کا سا قہقہہ سنا تھا۔ حمید کے قریب والا بروبانی اچھل کر بھاگا۔

''ٹھہرو..... ٹھہرو.....'' حمید کہتا ہی رہا لیکن وہ نشیب میں غائب ہو گیا۔ پھر حمید نے کئی بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنی تھیں۔ شائد سارے ہی بروبانی بھاگ نکلے تھے۔

''جانے دو.....!'' اس نے فریدی کی آواز سنی جو اس بار نسبتاً قریب سے آئی تھی اور پھر وہ ذرا ہی سی دیر میں اس کے قریب تھا۔ غالباً اس کی آواز کے رخ کا اندازہ کر کے اس نے پہنچا تھا۔

قہقہہ پھر سنائی دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پوری وادی قہقہے سے گونج رہی ہو۔

''مائیکروفون..... قہقہہ ریکارڈڈ ہے۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔

''سوال تو یہ ہے کہ اب ہم کیا کریں۔ بے آواز فائرنگ تو ہمیں آسانی سے چاٹ جائے گی۔'' حمید بڑبڑایا۔ ''بروبانی بھی بھاگ نکلے۔ گھوڑے بھی گئے۔''

''دیکھا جائے گا۔''

''یہاں تو ہمیں ہیلی کوپٹر سے آنا چاہیے تھا۔''

''یہ مناظر دیکھنے میں نہ آتے۔''

''پتہ نہیں! صرف دیو ہے یا پریاں بھی ہیں۔''

''کوئی مناسب جگہ تلاش کرنے کی کوشش کرو۔'' فریدی بائیں جانب کھسکتا ہوا بولا۔

شائد دونوں گھوڑے دم توڑ چکے تھے کیونکہ اب ان کی کربناک آوازیں نہیں سنائی دیتی تھیں۔ بالکل ایسا ہی سناٹا طاری تھا جیسے ذرا دیر پہلے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ وہی سرسراتی ہوئی خنک ہوائیں تھیں اور وہی بنفشے کے پھولوں کی خوشبو۔

وہ دونوں آہستہ آہستہ نشیب میں اترتے رہے۔ تینوں بروبانی نہ جانے کدھر نکل بھاگے تھے۔ پتہ نہیں زندہ بھی تھے یا بے آواز فائروں کی نذر ہو گئے تھے۔

وہ بڑی احتیاط سے اس راستے کی طرف بڑھ رہے تھے جس سے وہ گاڑی تک پہنچ سکتے۔

دو گھنٹے میں دو میل کی مسافت طے ہوئی تھی لیکن گاڑی کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔

''دیکھا آپ نے.....'' حمید بھنا کر بولا۔ ''اب فرمایئے۔''

''میں نہیں سمجھا تم کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''ہماری واپسی سے قبل ہی گاڑی کہاں غائب ہو گئی۔''

''پتہ نہیں۔'' فریدی نے لاپرواہی سے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

پھر وہ وہیں بیٹھ کر ایک جگہ سستانے لگے تھے۔ حمید نے پائپ میں تمباکو بھرا اور ہاتھ اسے سلگانے بھی نہ پایا تھا کہ کسی بھاری گاڑی کے انجن کی آواز سنائی دی۔ پائپ اسنے جیب میں ڈالا تھا اور بغلی ہولسٹر پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔ فریدی بدستور بیٹھا لاپرواہی سے سگار پیتا رہا۔

گاڑی کی آواز قریب ہوتی جا رہی تھی اور پھر بائیں جانب والے نشیب سے وہ بھاری ٹرک ان کی جانب بڑھتا نظر آیا جس پر نصف درجن سے زائد مسلح لوگ موجود تھے۔ ڈرائیور کے قریب خان دارا بیٹھا ہوا تھا۔

ٹرک قریب پہنچتے ہی وہ سیٹ سے کود کر ان دونوں کی طرف جھپٹا۔

''آپ لوگ بعافیت ہیں نا۔'' وہ ہانپتا ہوا بولا۔

''آپ کے دو گھوڑے ضائع ہو گئے۔'' فریدی نے کہا۔

''اس کی فکر نہ کیجئے۔ وہ تینوں جیسے ہی شکارگاہ پہنچے، ہم سب دوڑ پڑے۔''

''اوہ.....تو شاید گاڑی وہی لے گئے تھے۔''

''جی ہاں۔'' خان دارا بھرآئی ہوئی آواز میں بولا۔ ''وہ کہہ رہے تھے کہ گھوڑوں کے پہلو شق ہو گئے۔''

''جی نہیں!'' فریدی بولا۔ ''بے آواز فائروں نے انہیں موت کے گھاٹ اتارا ہے۔''

''بروبانی تو کہہ رہے تھے.....!''

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید خان دارا کو بغور دیکھے جا رہا تھا۔ اس نے کہا۔

''آپ نے دیکھا اس دیو کو۔''

''نہیں مجھے تو نہیں دکھائی دیا۔''

''بروبانیوں نے دیکھا تھا۔ جب وہ بھاگ رہے تھے۔''

38

''کیا وہ ساتھ آئے ہیں؟''

''نہیں! شکارگاہ میں ہیں.....حالت خراب تھی ان کی۔''

پھر وہ اسی ٹرک کے ذریعے شکارگاہ تک آئے تھے۔ تینوں بروبانی بیحد خوفزدہ نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے ایک کو بخار ہو گیا تھا۔

انہوں نے بتایا کہ انہیں وہ دیو اس وقت دکھائی دیا جب وہ ان کا ساتھ چھوڑ کر اضطراری طور پر بھاگ نکلے تھے۔

''آخر چکر کیا ہے۔'' حمید بڑبڑایا۔

''جو مقصد تھا وہ پورا نہیں ہو سکا۔'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

''کس کا مقصد؟''

''نہیں واقعات کا..... پہلے بروبانی ڈرائے جاتے رہے تھے۔ پھر شہری ڈرائے گئے لیکن معاملہ خان دارا کا تھا اس لیے واقعے کی پبلسٹی نہ ہو سکی۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''میری دانست میں کوئی اس علاقے کو آسیب زدہ مشہور کر کے اسے ''ممنوعہ علاقہ'' قرار دلانا چاہتا ہے۔ اس سے پہلے بھی ہم کئی بار ایسے حالات سے نپٹ چکے ہیں۔''

''میرا خیال ہے وہ شخص اول درجے کا احمق ہے جس نے اس ایٹمی دور میں یہ طلسم ہوشربا ترتیب دیا ہے۔''

''ہے تو۔'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''میری دانست میں اتنا ہی کافی ہوتا کہ جیتے جاگتے لوگ پتھر کے مجسموں میں تبدیل ہو جاتے۔ یہ جن دیو اور قہقہے تو کھل کر اسے کارنامہ ثابت کر رہے ہیں۔''

''میں یہی کہنا چاہتا تھا۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''لیکن ہم آخر پتھر کے مجسموں کا ذکر اتنے شک سے کیوں کر رہے ہیں۔ کیا آپ نے کوئی ایسا مجسمہ دیکھا ہے۔''

''نہیں۔ میں نے تو جیلی کا ڈھیر دیکھا تھا۔''

''اور وہ بھی دھماکے سے اڑا دیا گیا۔'' حمید پُرتفکر لہجے میں بولا۔ ''گھوڑوں کے جسموں کی دھجیاں برآمد کی جا سکیں گی۔''

''کون برآمد کرے گا۔ اس علاقے میں صرف تین بے آواز رائفلیں پوری بٹالین کا صفایا کر سکتی ہیں۔ فائروں کی سمت تک معلوم نہ کی جا سکے گی۔''

''حیف ہے اس بے بسی پر۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

فریدی نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔

شکارگاہ سے وہ محل میں واپس آئے۔ دونوں ہی فکرمند نظر آ رہے تھے۔

''میں رام گڑھ جا رہا ہوں۔'' فریدی نے حمید سے کہا۔ ''تم چنگیزی اور خانزادہ اشرف کی نقل و حرکت پر نظر رکھو گے۔ شکور کے بارے میں بھی زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔''

''اگر جیلی کا ڈھیر نہ ہو گیا تو۔ ویسے کب تک واپسی ہو گی آپ کی۔''

''یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔''

لیکن مہمان خانے میں گھنٹوں حمید کے خراٹے گونجتے رہے۔ پہاڑی راستوں کی تھکن سے نڈھال ہو کر سویا تھا۔

آنکھ کھلی تو اندھیرا پھیل چکا تھا اور شام کی چائے بھی نیند کی نذر ہو گئی تھی لیکن مہمان خانے کے ملازمین نے چائے اور رات کے کھانے کا وقفہ برقرار رکھنے کے سلسلے میں بڑی پھرتی دکھائی۔

چائے سے فارغ بھی نہیں ہوا تھا کہ چنگیزی کی آمد کی اطلاع ملی۔ ملازم نے آ کر بتایا کہ وہ فوری طور پر ملنا چاہتا ہے۔

''تو پھر یہیں لے آؤ۔'' حمید نے ملازم سے کہا۔

چنگیزی کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

''کیا بات ہے..... آپ کچھ پریشان سے نظر آ رہے ہیں۔''

''کچھ اور لوگوں کو بھی علم ہے کہ سائرہ ہمارے ساتھ گئی تھی۔''

''کون لوگ ہیں؟'' حمید نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''مجھے یہ خط موصول ہوا ہے۔'' اس نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

لفافہ معمولی ڈاک سے آیا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ ٹکٹ پر مہر صاف نہیں تھی، جس سے روانگی کے مقام کے بارے میں معلوم ہو سکتا۔ خط میں لکھا گیا تھا۔

''سائرہ کہاں غائب ہو گئی۔ وہ تمہارے ساتھ کہیں گئی تھی اسکے بعد سے سراغ نہیں مل رہا۔ تم نے جس طرح آٹھ گواہوں کی زبان بند کی ہے اسطرح میری زبان بند نہیں کی جا سکتی!''

''خوب.....!'' حمید سر ہلا کر بولا۔

''میں نے انکل کو مشورہ دیا تھا کہ فوراً پولیس کو اطلاع دے دی جائے لیکن انہوں نے میری بات نہیں مانی۔ آپ لوگ ذاتی تعلقات کی بنا پر بلوائے گئے ہیں۔''

''اچھا تو پھر.....؟''

''ذاتی تعلقات کی بنا پر آپ معاملے کو دبا بھی سکتے ہیں۔''

''یہ تم کہہ رہے ہو!''

''نہیں! جس نے یہ خط لکھا ہے کہہ سکتا ہے۔''

''تم کہنا کیا چاہتے ہو۔''

''اس خط کا انداز کہہ رہا ہے کہ ہمیں بلیک میل کیا جائے گا۔''

''کچھ اندازہ ہے کہ کون ہو سکتا ہے۔''

''پتہ نہیں.....!''

''اگر کوئی ہو سکتا ہے تو انہی آٹھوں میں سے جو تمہارے ساتھ گئے تھے۔''

''نہیں..... یہ ناممکن ہے۔''

''بھلا کس طرح۔''

''وہ سب میرے بہترین دوست ہیں۔''

''اچھے مواقع کوئی بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ انہی میں سے کوئی ہو سکتا ہے۔''

''تو پھر اب کیا کیا جائے؟''

''فکر مت کرو! تم نے اچھا کیا کہ ہمیں مطلع کر دیا۔ کیا خان کو بھی خبر کر چکے ہو۔''

''نہیں! وہ موجود نہیں ہیں۔ شائد شکارگاہ واپس گئے۔ زیادہ تر وہیں رہتے ہیں۔''

''ہم دیکھیں گے..... تم یہ خط میرے ہی پاس رہنے دو۔''

چنگیزی کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔ ''آخر آپ لوگ بھی وہاں نہ ٹک سکے۔''

''ہاں..... اور ہم نے قہقہہ بھی سنا تھا۔''

''بروبانیوں نے تو اسے دیکھا بھی تھا۔''

''ہم ابھی نہیں دیکھ سکے لیکن دیکھیں گے ضرور۔''

''کیپٹن.....!'' چنگیزی حمید کو غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ ''مجھے شروع ہی سے ایسا محسوس ہو رہا ہے، جیسے آپ کو میری باتوں پر یقین نہ ہو۔''

''میرا کوئی ایسا دوست نہیں ہے جس کی رہائش سے میں واقف نہ ہوں۔''

''غالباً آپ کا اشارہ سائرہ کی طرف ہے لیکن وہ براہ راست فلورا کی دوست تھی۔ اس نے حلقے میں اس کا تعارف کرایا تھا۔ جب اسے علم نہیں تو دوسرں کو کیسے ہوسکتا ہے۔''

''خیر چھوڑو! مس اشرف یہیں مقیم ہیں یا واپس گئیں۔''

''مقیم.....ہے۔'' چنگیزی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''غالباً تم انہیں پسند نہیں کرتے۔''

''باپ ہی کی طرح کریک ہے۔''

''آپ کو ان کی والدہ یعنی اپنی پھوپھی یاد ہیں۔''

''کیوں؟'' چنگیزی چونک کر حمید کو گھورنے لگا۔

''بات دراصل یہ ہے کہ انہیں میری مسکراہٹ اپنی والدہ کی مسکراہٹ سے مشابہ نظر آتی ہے۔''

''کیا اسے آپ کا دماغ چاٹنے کا موقع مل گیا تھا۔''

''بدقسمتی سے۔''

''لیکن اس نے ایک بار بھی آپ کا ذکر نہیں کیا۔''

''میاں عقل کے ناخن لو۔ میں نے یہ معلوم کرنے کے لیے یہ سوال نہیں کیا تھا۔ وہ بھی میرا ذکر کرتی ہیں یا نہیں لیکن آپ نے میرے اصل سوال کا جواب نہیں دیا۔''

''مجھے پھوپھی کا چہرہ یاد نہیں۔ آپ انکل سے پوچھئے گا۔''

''مس اشرف اس وقت کہاں مل سکیں گی۔''

''سیلانی ہے۔ ہوسکتا ہے انکل کے ساتھ شکارگاہ چلی گئی ہو۔ مجھے تو یہاں کہیں نہیں دکھائی دی۔''

''کیا ڈاکٹر اشرف یہاں کبھی نہیں آتے؟''

''پچھلے تین سال سے تو نہیں آئے۔''

''غالباً خان سے تعلقات بہتر نہ ہوں گے۔''

''جہاں تک انکل کا سوال ہے وہ تو انہیں ہمیشہ اچھے ہی الفاظ میں یاد کرتے ہیں۔''

''کبھی کوئی جھگڑا ہوا تھا ان کے درمیان۔''

''مجھے تو یاد نہیں۔'' یہ میں یونہی پوچھ رہا تھا۔ شائد تمہیں علم نہیں کہ ان دونوں کے ہاتھوں مجھ پر رام گڑھ میں کیا گزری تھی۔''

اور پھر حمید نے اسے بھی ٹماٹروں والی کہانی سنادی۔

چنگیزی بیحد سنجیدہ نظر آرہا تھا۔ حمید کے خاموش ہوتے ہی بولا۔ ''انکل سے معلوم ہوا ہے کہ کرنل کا بایاں بازو زخمی ہے۔ ان پر یہاں آتے وقت حملہ ہوا تھا۔''

''یہ درست ہے۔'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''تب پھر میں آپ سے اس چھیڑ چھاڑ کو محض اتفاقیہ نہیں سمجھتا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''انکل اشرف کسی کا آلہ کار بھی بن سکتے ہیں۔''

''خان دارا کے خلاف.....!''

''ایسی صورت میں ممکن ہے جبکہ ان کی ذہنی صحت بھی مشکوک ہے۔ انہیں کسی بھی راہ پر لگایا جاسکتا ہے اور نوشابہ ان کی لڑکی ہے وہ اسے کم از کم آپ کی راہ پر ضرور لگا سکتے ہیں۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''کہ وہ آپ کی ٹوہ میں رہے۔ آپ پر نظر رکھے ورنہ آپ کے پیچھے ہی پیچھے یہاں کیوں پہنچتی۔ ہوسکتا ہے۔ ٹائم بم بھی اسی نے رکھوایا ہو۔''

''اور شکور کو قتل بھی کردیا ہو۔'' حمید بولا۔

''سب کچھ ممکن ہے۔''

''لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ رام گڑھ میں جہاں میں قیام کرتا۔ اس کے سامنے ہی اشرف صاحب کا بنگلہ بھی ہوتا۔''

''ان کے بائیس بنگلے ہیں رام گڑھ میں۔''

''میں خان دارا سے فوراً ملنا چاہتا ہوں۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

''شکارگاہ چلنا پڑے گا۔''

''تم چل رہے ہو ساتھ۔''

''ضرور چلوں گا۔ ورنہ رات کا وقت ہے آپ دشواریوں میں پڑ جائیں گے۔''

جیپ میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ چنگیزی بھی مسلح تھا۔ ہیڈ لائیٹس کی شعاعیں دور تک سڑک پر پھیل رہی تھیں۔ محل سے شکارگاہ کا فاصلہ پندرہ میل سے کسی طرح کم نہ رہا ہوگا۔ یہ فاصلے کو طے کرنے میں کم از کم ایک گھنٹہ ضرور لگتا تھا۔ بیچ دار اور دشوار گزار راستے کی بنا پر کبھی کبھی اس سے بھی زیادہ وقت صرف ہوتا تھا۔ شکارگاہ کے قریب پہنچ کر انہوں نے فائروں کی آوازیں سنیں۔ مسلسل گولیاں چل رہی تھیں۔

ٹاپ سیکرٹ

''یہ کک..... کیا ہو رہا ہے۔'' چنگیزی ہکلایا۔

اور ٹھیک اسی وقت ایک گولی جیپ کی چھت پھاڑتی ہوئی گزر گئی۔ حمید نے پورے بریک لگائے تھے اور انجن بند کر کے نیچے کود گیا تھا۔

''تم بھی..... نیچے آؤ اور لیٹ جاؤ۔'' اس نے نیچے پہنچ کر چنگیزی سے کہا تھا۔

اس نے حمید کے بعد ہی چھلانگ لگائی تھی۔ دونوں زمین پر اوندھے پڑے تھے۔ گولیاں ان کے اوپر سے گزر رہی تھیں۔

''شاید بروبانیوں سے ٹھن گئی ہے۔'' چنگیزی آہستہ سے بولا۔ ''لیکن اس وقت یہ معلوم کرنا محال ہوگا کہ کون کس طرف ہے۔''

''چپ چاپ پڑے رہو!'' حمید بولا۔

''میرا خون جوش مار رہا ہے۔''

''ہو سکتا ہے تمہاری فائرنگ سے تمہارے اپنے ہی آدمی زخمی ہو جائیں۔''

''یہی تو دشواری ہے۔''

''لیکن یہاں سے کسی اور طرف نکل چلو۔ ہماری آمد کا علم نہ خان کو ہے اور نہ حملہ آوروں کو۔ ہو سکتا ہے دونوں ہی اس جیپ پر یلغار کر دیں۔'' حمید بولا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ اچھا تو پھر اسی طرف پلٹ چلئے۔ جدھر سے گاڑی لائے تھے۔''

وہ اسی طرح زمین سے لگے ہوئے دوسری سمت مڑے تھے اور رینگنا شروع کر دیا تھا۔

فائرنگ کے درمیان سے گزرتے ہوئے وہ گھوڑوں کے اصطبل تک پہنچ گئے۔

''سوال تو یہ ہے کہ اس ہنگامے کا اختتام کس طرح ہوگا۔'' حمید بولا۔

''ہنگامہ تو پل بھر میں ختم ہو جاتا۔ ہم بڑی اچھی پوزیشن میں ہیں لیکن یہ بتانا دشوار ہے حملہ آور کس طرف ہیں اور ہمارے آدمی کس طرف۔'' چنگیزی نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔

''تو ہم اصطبل ہی میں بندھے رہیں گے۔'' حمید بھنا کر بولا۔

''میں تو ان حالات میں کوئی مشورہ نہیں دے سکوں گا کیپٹن۔''

''یہاں گھوڑیاں زیادہ ہیں یا گھوڑے۔''

''میں نہیں سمجھا۔'' چنگیزی کے لہجے میں حیرت تھی۔

''سمجھے بوجھے بغیر جواب دو۔''

''گھ گھ..... گھوڑے۔''

''تو آؤ..... انہیں عشق کرنا سکھائیں۔''

''کیوں مذاق کرتے ہیں!'' چنگیزی نروس سی ہنسی کے ساتھ بولا۔

''عشق مذاق نہیں۔ عشق ہی عشق ہے جہاں دیکھو۔ سارے عالم میں بھر رہا ہے عشق..... اسی کو گانا شروع کر دو تو قوالی کہلائے گی۔''

''کیپٹن پلیز..... کوئی ڈھنگ کی بات سوچئے۔''

''جب تم یہی نہیں بتا سکتے کہ کون کس طرف ہے تو پھر ڈھنگ کی بات سوچنے کا فائدہ۔''

''گولیاں اس وقت تک چلتی رہیں گی جب تک پیٹیاں نہ خالی ہو جائیں۔''

''کچھ بروبانی تو تمہارے ساتھ بھی ہیں۔''

''انہیں ان کے قبیلے والے غدار سمجھتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت وہ اسی لیے پٹھ آئے ہوں گے کہ ان کے علاقے میں جا کر بھوت کو کیوں چھیڑا گیا۔ یا پھر وہ ان بروبانیوں کو پکڑنے آئے ہوں گے، جو آپ لوگوں کے ساتھ وہاں گئے تھے۔''

''بھوت یا دیو والا قصہ پرانا معلوم ہوتا ہے۔ کیا تمہیں اس کا علم نہیں۔''

''نہیں۔ بات بروبانیوں سے آگے نہیں بڑھی تھی۔ ان کے معاملات انہی تک رہتے ہیں۔ آج جب ان تینوں بردبانیوں کو آپ لوگوں کے ساتھ وہاں جانے کو کہا گیا تو انہوں نے بتایا تھا اور مشکل سے جانے پر آمادہ ہوئے تھے۔''

''شش.....'' دفعتاً حمید آہستہ سے بولا۔ ''کوئی ادھر آ رہا ہے۔''

چنگیزی خاموش ہو گیا۔ حمید نے آہٹ کی طرف کان لگا دیئے تھے۔ آنے والا بہت شاید بہت احتیاط سے چل رہا تھا۔ فائروں کی آوازیں پہلے ہی کی طرح سنائی دے رہی تھیں ایسا ہی لگتا تھا جیسے دونوں طرف سے نتیجہ خیز اختتام کے لیے جدوجہد جاری ہو۔ اچانک چنگیزی کھانسنے لگا۔ پھر حمید نے بھی محسوس کیا جیسے اس کے حلق میں مرچوں کی دھانس سما گئی ہو اور پھر اس نے بھی کھانسنا شروع کر دیا۔ گھوڑے بھی اس طرح اچھلنے کودنے لگے جیسے رسیاں تڑا کر بھاگ نکلیں گے۔''

''بھاگو.....گیس.....!'' حمید بدقت تمام بولا اور اس نے اصطبل سے نکل بھاگنے کی کوشش کی تھی۔ پتہ نہیں کس چیز سے ٹھوکر کھا کر گرا۔ پھر مکمل خاموشی چھا گئی۔ نہ فائروں کی آوازیں تھیں اور نہ گھوڑوں کی اچھل کود.....اپنی اور چنگیزی کی کھانسیاں بھی سماعت سے دور ہو گئی تھیں۔ گہری تاریکی اور مکمل بے حسی۔

اس بے حسی اور خود فراموشی کی مدت خواہ کتنی ہی طویل رہی ہو.....بالآخر شعور کی رو جاگی تھی اور اسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے وہ اپنی کوشش کے بغیر ہوا میں تیرتا چلا جا رہا ہو۔ یہی نہیں بلکہ شاعری والی ''سراپا درد'' کی ترکیب بھی اسی وقت سمجھ میں آئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پورے وجود کو عجیب طرح کی اذیت نے جکڑ رکھا ہو۔

پھر آہستہ آہستہ ذہن کا غبار چھٹتا گیا تھا اور یہ حقیقت اس پر واضح ہوئی تھی کہ وہ ہوا میں نہیں تیر رہا بلکہ کسی گھوڑے کی ننگی پشت پر ڈال کر رسیوں سے جکڑ دیا گیا ہے اور گھوڑا غیر معمولی رفتار سے کسی نامعلوم منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ اس بُری طرح جکڑا ہوا تھا کہ جسم کو جنبش تک نہیں دے سکتا تھا۔ بتدریج اپنی صحیح حالت کا احساس ہوتا رہا تھا۔ آنکھوں پر پٹی بھی بندھی ہوئی تھی۔ گھوڑے کی پشت پر اوندھا پڑا تھا اور ہاتھ پیر ادھر ادھر جھول رہے تھے۔

خدا خدا کر کے کسی جگہ گھوڑا رکا تھا اور رسی کے بل ڈھیلے کئے جانے لگے تھے جس نے

گھوڑے کی پشت سے جکڑ رکھا تھا۔

پھر تھوڑی دیر بعد آنکھوں کی پٹی کھولی گئی تھی.....اس نے خود کو ایک بڑے غار میں پایا، دونوں طرف مشعلوں کی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور وہ چار مسلح بروبانیوں کے نرغے میں تھا۔

''خدا کی پناہ!'' وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ ان بروبانیوں میں سے ایک کو اس نے پہچان لیا تھا۔ جو انہیں خان دارا کی شکارگاہ سے.....آسیب زدہ علاقے میں لے گئے تھے۔

''یہ تم ہو.....شجر بر.....!'' حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''ہاں صاحب.....'' جواب ملا۔

''دونوں طرف کام کر رہے ہو۔''

''ہاں صاحب.....ابی واپس جائے گا۔''

حمید کو اس کی ڈھٹائی پر تاؤ آ گیا لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔ شجر بر کے چلے جانے کے بعد وہاں صرف تین ہی رہ گئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔

حمید خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا۔ دفعتاً ان میں سے ایک نے پیال کے بستر کی طرف اشارہ کیا۔

''آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو۔'' حمید اسے گھورتا ہوا غرایا۔

دفعتاً کسی جانب سے آواز آئی۔ ''وہ کچھ نہیں بتا سکیں گے۔''

''تم کون ہو۔ سامنے آؤ۔'' حمید دہاڑا۔

''میں عذاب کا فرشتہ ہوں۔ وقت سے پہلے سامنے نہیں آ سکتا۔''

''تو پھر وقت سے پہلے مجھے کیوں تکلیف دی گئی ہے۔''

''یہاں آرام سے رہو گے۔''

''اچھی بات ہے۔ لیکن پیال کے بستر پر رات نہیں بسر کر سکوں گا۔''

''یہاں تمہیں عیش پسندی اور تن آسانی کی سزا بھی مل سکتی ہے۔'' کیا تم رات کا کھانا کھا چکے ہو۔''

''نہیں.....!''

''اچھا.....کھانا بھجوا دیا جائے گا۔ اس وقت چپ چاپ سو جاؤ۔ صبح کو تم سے بات کی

جائے گی۔''

''تمہاری مرضی۔'' حمید نے بیزاری سے کہا۔

تینوں مسلح بروبانی غار کے دہانے کے قریب جم گئے تھے۔

پھر آواز نہیں آئی تھی۔ حمید ان بروبانیوں کو دیکھے جا رہا تھا۔ دفعتاً ان سے سوال کر بیٹھا۔ ''یہ عذاب کا فرشتہ کہاں سے آیا ہے۔''

وہ کچھ نہ بولے۔ اس طرح دیکھتے رہے جیسے اس کی بات سمجھ ہی میں نہ آئی ہو۔

تھوڑی دیر بعد ایک آدمی غار میں داخل ہوا تھا لیکن حمید اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا کیونکہ وہ سیاہ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔ وہ اپنے ساتھ ایک بڑا برتن لایا تھا۔ بہرحال کھانے کے لیے جو کچھ بھی آیا تھا۔ حمید کو زہر مار کرنا پڑا۔ ابلی ہوئی ترکاریاں تھیں۔

وہ آدمی بھی چلا گیا۔ تینوں پہرہ دار اب بھی موجود تھے۔ حمید کو خان دارا کا ملازم بروبانی شجر بریاد آیا۔ اب تو اس میں شبہے کی گنجائش ہی نہیں رہی تھی کہ خود خان دارا ہی ان حرکتوں کا ذمہ دار ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ فائرنگ محض ایک ڈرامہ ہی رہا ہو۔ خان دارا کو اطلاع مل گئی ہو کہ وہ چنگیزی کے ساتھ شکارگاہ کی طرف آرہا تھا۔ اچھا ہی ہوا تھا کہ فریدی رام گڑھ چلا گیا تھا۔ اب وہ اس معاملے کو خود حمید کے زاویہ نظر سے بھی دیکھ سکے گا۔ یہی سب کچھ سوچتے سوچتے اسے بالآخر پیال کے بستر پر نیند آ گئی تھی۔

دوسری صبح آنکھ کھلی تو پھر ایک ''طلسم ہوشربائی'' منظر سے سابقہ پڑا۔ نہ وہ اس غار میں تھا اور نہ پیال کے بستر پر۔ سلیقے سے سجایا ہوا کسی عمارت کا ایک کمرہ تھا۔ اس نے بستر سے اٹھتے ہی سب سے پہلے دروازے کو آزمایا تھا۔ وہ مقفل نہیں تھا۔ کسی دوسرے کمرے میں کھلتا تھا۔ پھر دوسرے کمرے سے تیسرے میں پہنچا ہی تھا کہ ٹھٹک کر رہ گیا۔

سامنے فرش پر قاسم پڑا خراٹے لے رہا تھا۔ نیچے موٹے موٹے گدیلے بچھے ہوئے تھے۔ حمید خود کو کسی طرح بھی قابو میں نہ رکھ سکا۔

دوسرے ہی لمحے میں اس نے قاسم پر چھلانگ لگائی تھی۔

''ارے..... باپ رے.....'' قاسم نے بوکھلا کر اٹھ بیٹھنے کی کوشش کی اور حمید چھٹک کر دور جا پڑا۔

''ہائیں..... ابے..... ارے۔ خواب سے بھی باہر نقل پڑے سالے۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہہ کر کھسیانی سی ہنس کے ساتھ بولا۔ ''ہی ہی..... ہی ہی..... سالے خواب میں بھی چین نہیں لینے دو گے.....!''

حمید اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اسے گھورتا ہوا بولا۔ ''مجھ سے بچ کر کہاں جاؤ گے۔''

''تو تم مجھے نکاح نہیں قرنے دو گے.....!'' قاسم نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''کیسا نکاح.....!''

''خواب میں ڈاکٹر فوجیہ سے میرا نکاح ہو رہا تھا کہ تم سالے آ ٹپکے..... سچ..... مچ آ گئے..... خدا تمہیں غارت کرے اور وہ سالا پہلے جاسوسی قراتا تھا۔ اب اجاب کا فرشتہ بن غیا ہے۔ میرے کمرے میں نہیں سونے دیتا فوجیہ کو..... قہتا ہے..... پہلے نکاح قرو.....!''

''کون کہتا ہے؟''

''وہی سالا..... اجاب کا فرشتہ۔''

''وہ ہے کون.....؟''

''میں نہیں جانتا۔''

اتنے میں قدموں کی چاپ سنائی دی اور دونوں خاموش ہو گئے پھر ڈاکٹر فوزیہ کمرے میں داخل ہوئی۔ حمید کو دیکھتے ہی اچھل پڑی۔

''خدا کی پناہ.....!'' اس کی زبان سے نکلا تھا۔ پھر ہنس پڑی۔ اور بولی۔ ''اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''کیا ٹھیک ہو جائے گا۔'' قاسم نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

''جس نے بھی ہمیں پکڑا ہے جہنم رسید ہو جائے گا۔''

''تم میرے موکل قو جہنم میں بھیجو گی.....!'' قاسم دہاڑا۔

''سب کچھ تمہاری حماقتوں کا نتیجہ ہے۔ ہم سے مشورہ لئے بغیر تم نے یہ کیس کیوں لے لیا تھا۔''

''تم قون ہوتی ہو مشورہ دینے والی۔ میں باس ہوں۔''

''تم بکواس ہو۔''

''دیکھو.....دیکھو.....اس سالے کے سامنے بے عزتی نہ کرو۔'' قاسم حمید کی طرف بانہہ اٹھا کر بولا۔

''تم تینوں قانون کی نظر میں مجرم ہو۔'' حمید نے قاسم کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''پرائیویٹ سراغرسانی کا ادارہ قائم کرنے کا حق تمہیں حاصل نہیں ہے۔''

''راز دار۔'' سراغرسانی کا ادارہ نہیں۔ میں ذہنی امراض کا نفسیاتی علاج کرتی ہوں اور انور پرائیوٹ کیس لیتا تھا۔

''اور یہ بھینسا میک اپ کر کے باس بنا بیٹھا رہتا تھا۔''

''دیکھا تم نے.....میں نہ کہتا تھا کہ اس زہر کی پڑیا کو معلوم ہو گیا ہے، اپنے ابا جان کو جرور بتائے غی۔'' قاسم نے فوزیہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

''تم خاموش رہو۔'' فوزیہ بولی۔ ''مجھے بتانے دو کہ ہم کس طرح اس جنجال میں پھنسے ہیں۔''

''بتاؤ.....بتاؤ.....میں تو جانتا ہی تھا کہ اب گھپلا ہو جائے غا۔'' قاسم حمید کو گھونسہ دکھا کر ہوا بولا۔ ''سالے تم میری قبر میں بھی گھس آؤ گے۔''

''یہ حضرت باس بنائے گئے تھے اور یہ طے ہوا تھا کہ انور کے علم میں لائے بغیر کوئی کیس نہیں لیں گے۔ انہیں تو موکلوں کے سامنے بولنے کی اجازت بھی نہیں تھی۔ انور ہی کیس سنتا تھا اور مشورے دیتا تھا لیکن انہوں نے ایک معاملے میں ہم دونوں کو بتائے بغیر ہاتھ ڈال دیا اور کئی کئی دن غائب رہنے لگے۔ دو دن پہلے کی بات ہے یہ میرے گھر آئے اور بولے جلدی سے نکل چلو پولیس ہمارے پیچھے ہے۔''

''بیوی سے ٹکراؤ کے بعد!'' حمید بولا۔

''جی ہاں۔'' فوزیہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ ''میں ان کی بیگم صاحبہ کو پہچانتی نہیں تھی ورنہ اس کی نوبت ہی نہ آنے پاتی۔ مجھے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ بیوی سے ان کے تعلقات کیسے ہیں۔ بہرحال ان کے اسی پراسرار موکل نے انہیں بہکایا تھا اور ہم دونوں رام گڑھ آن پہنچے تھے۔ پھر وہاں ہماری آنکھوں پر پٹیاں باندھ دی گئی تھیں اور یہاں لائے گئے تھے۔''

''یہاں کہاں؟''

''میں نہیں جانتی یہ کون سی جگہ ہے۔''

''کیا باہر نہیں نکل سکتیں۔''

''کیوں نہیں! لیکن شائد میلوں تک اس عمارت کے علاوہ اور کوئی دوسری نہ ہو گی۔ چار قیدی بھی ہیں۔''

''کیسے قیدی.....؟''

''ایک ریٹائرڈ جج ہے.....ایک ریٹائرڈ سپرنٹنڈنٹ پولیس ہے۔ ایک عالم ہے اور ایک ہپی لیڈر.....وہ طرح طرح کے خوفناک امراض میں مبتلا ہیں اور دن رات چیختے رہتے ہیں۔''

''وہ کون ہے؟ جو تمہیں یہاں لایا ہے۔''

''پتہ نہیں کون ہے لیکن اتنا ضرور جانتی ہوں کہ وہ بھی میک اپ ہی میں تھا۔''

''اب تم بتاؤ بیٹا.....ورنہ سچ مچ جیل میں ہی رہو گے۔'' حمید قاسم کو گھورتا ہوا بولا۔

''بتا دوں گا.....!'' قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''مگر تمہاری دھونس نہیں ہے۔ ان سے وجہ سے بتا دوں غا۔ یہی چاہتی ہیں تو یہی سہی۔''

پھر قاسم نے بتایا کہ دو ماہ پہلے ایک آدمی اس سے ملا تھا اور اس نے کہا تھا کہ وہ اس سے ایک بہت بڑا کام لینا چاہتا ہے لیکن وہ اسے ٹاپ سیکرٹ کے فائیل میں رکھے گا۔ انہیں کو بھی کانوں کان خبر نہ ہونے پائے۔ وہ اسے رام گڑھ لایا تھا اور رام گڑھ سے ایک جگہ لے گیا جہاں اسے دیو بنا کر لوگوں کو ڈراتا تھا۔''

''وجہ بتائی تھی؟'' حمید نے قاسم کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

''یہ دیکھو..... یہ سالے جاسوس ہیں۔ ابے ٹاپ سیکرٹ۔ ٹاپ سیکرٹ ہوتا ہے۔ وجہ معلوم ہو جائے تو ٹاپ سیکرٹ کیوں رہے.....ٹھینگے سے.....میں کچھ نہیں جانتا۔ چلے جاؤ یہاں سے اپنے معاملات میں تمہیں ٹانگ نہیں اڑانے دوں غا۔ میں بھی جاسوس بن غیا ہوں۔''

''بھوت بن گئے ہو۔''

''ٹھینگے سے.....!'' قاسم نے کہا اور حمید فوزیہ کی طرف مڑ کر بولا۔ ''مجھے دکھاؤ وہ قیدی کہاں ہیں۔''

''فی الحال وہ جگہ مقفل ہے۔ دن میں دو بار انہیں کھانا دیا جاتا ہے۔ ان اوقات میں کھولا جاتا ہے۔''

''کتنے آدمی آتے ہیں؟''

''دو مسلح آدمی۔ ابھی ہمارے لیے ناشتہ آئے گا۔ لیکن قیدیوں کو ناشتہ نہیں ملتا۔ صرف دوپہر اور رات کا کھانا۔''

''پتہ نہیں کب لائیں گے سالے۔ میرا تو دم نقلا جا رہا ہے بھوخ کے مارے۔''

دفعتاً کہیں چھپے ہوئے مائیکروفون سے آواز آئی۔ ''کیپٹن حمید تم نے کیس سن لیا۔ اب فوراً بتاؤ کہ کرنل فریدی کہاں غائب ہو گیا۔ تم دونوں کو بھی میرے لیے کام کرنا ہے..... تم دونوں اچھے لوگ ہو۔ رشوت نہیں لیتے اور خواہ مخواہ دوسروں پر زیادتیاں نہیں کرتے۔ اس لیے تمہارا مقام جنت ہے۔ میرے کام میں میرا ہاتھ بٹاؤ۔''

عذاب کا فرشتہ

حمید برا سا منہ بنائے سنتا رہا۔ قاسم ڈاکٹر فوزیہ کی طرف دیکھتا ہوا احمقانہ انداز میں پلکیں جھپکاتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ ''یہ تو میرا مؤقل بول رہا ہے۔''

''تو تم عذاب کے فرشتے ہو؟'' حمید نے فوزیہ کو آنکھ مار کر پوچھا۔

''ہاں! خدا نے مجھے اسی لئے دنیا میں بھیجا ہے کہ میں گنہگاروں کو سزا دوں اور نیکوکاروں کو اپنا معاون و مددگار بناؤں۔ کیا تم نے کلام الٰہی پڑھا ہے۔'' نادیدہ آدمی کی آواز آئی۔

''پڑھا ہے اور پڑھتا رہتا ہوں۔''

''جہنم کا بیان پڑھا ہے۔''

''ہاں..... تم کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''جہنم ایک استعارہ ہے اور آگ اس تکلیف کا نام ہے جو کسی بڑے فعل کے نتیجے میں آدمی کو پہنچتی ہے۔ مثال کے طور پر جنسی بدکاروں کو کبھی کبھی بڑے خطرناک امراض چمٹ جاتے ہیں اور ان کی زندگیاں ہی جہنم بن کر رہ جاتی ہیں۔''

''ہاں! میں نے بہت سے ایسے لوگ دیکھے ہیں۔''

''اپنے بچپن میں دیکھے ہوں گے۔ اب انہیں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ وہ ایسے سائنٹیفک طریقے اختیار کرتے ہیں کہ بدکاریوں کے باوجود بھی ان کی تندرستی برقرار رہتی ہے۔ یعنی''

جہنم میں محفوظ رہتے ہیں۔ اسی لیے خدا نے مجھ کو دنیا میں بھیجا ہے کہ میں انہیں دوسرے طریقوں سے جہنم میں ڈال دوں۔ میں ان کے جسموں میں انہی امراض کے جراثیم دوسرے طریقوں سے پہنچا دوں گا۔''

''خدا کی پناہ.....! لیکن اس لڑکی نے تمہارا کیا بگاڑا تھا جو پتھر کی ہو گئی۔''

''اس نے اپنے باس سے ناجائز تعلقات قائم کر رکھے تھے اور میرے لیے کام کی بھی تھی۔ لہٰذا میں نے اس سے ایک کام لے کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔''

''خان دارا کے ملازم شکور کا کیا قصور تھا۔''

''اس نے اپنے مالک سے غداری کی تھی مجھ سے رشوت لے کر محل میں ٹائم بم رکھا تھا۔''

''لیکن اسے تمہی نے تو اس پر آمادہ کیا ہو گا۔''

''میں خدا کی طرف سے امتحان بھی لیتا ہوں۔''

''اتھارٹی لیٹر دیکھے بغیر یقین نہیں کر سکتا۔''

''میرا مذاق اڑا رہے ہو۔''

''ہرگز نہیں..... دنیا کیسے یقین کرے گی کہ تمہیں خدا نے اس مشن پر بھیجا ہے اگر تم مجھے یقین دلا دو تو میں تمہارے لیے کام کرنے پر تیار ہو جاؤں گا اور کرنل کو بھی اس پر مجبور کر دوں گا۔''

''اس کے علاوہ اور کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکتا کہ خدا نے مجھے جراثیم کے علم سے نوازا ہے۔ میں دو قسم کے جراثیم سے ایک بالکل ہی نئی قسم پیدا کر سکتا ہوں۔ سائرہ کا پتھرا جانا ایسے ہی جراثیم کا کارنامہ ہے۔''

''اب یقین آ گیا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ تم عذاب کے فرشتے ہو اور خدا نے تمہیں گناہ کرنے والوں کو سائنٹیفک سزا دے لیے دنیا میں بھیجا ہے کہ تم سائنٹیفک طریقے سے ۔''

''شاباش! تم سیدھے راستے پر ہو۔'' آواز آئی۔

''لیکن جو باتیں میری سمجھ میں نہیں آ سکیں ان کے بارے میں ضرور معلوم کرنا چاہوں گا۔''

''پوچھو! میں جواب دوں گا۔''

''کیا کرنل پرتھی نے حملہ کرایا تھا؟''

''ہاں! وہ محض وارننگ تھی۔ مار ڈالنا مقصود ہوتا تو گولی دل کو بھی چھید سکتی تھی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ تم لوگ جو ایماندار ہو اس معاملے میں مداخلت کرو۔''

''چنگیزی کو بلیک میل کرنے کی کوشش کیوں کی گئی۔ میں نے وہ خط دیکھا تھا۔''

''مجھے اپنے مشن کی تکمیل کے لیے زیادہ سے زیادہ روپیہ چاہئے۔ خاں دارا یا دوسرے خانوں کی دولت جائز طریقوں سے جمع نہیں ہوتی۔ اس لیے مجھے وہ دولت انہی کے خلاف استعمال کرنے کا حق خدا کی طرف سے دیا گیا ہے۔''

''بات سمجھ میں آ گئی۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''اس موٹے کو دیو کیوں بنایا گیا ہے۔''

''بروبانیوں کو خوفزدہ کر کے علاقہ خالی کرانا چاہتا تھا کیونکہ وہاں میں کام کرتا ہوں۔ اس ڈیل ڈول کا آدمی آج تک میری نظر سے نہیں گزرا۔ بہرحال یہ بات بروبانیوں ہی تک رہ گئی تھی۔ شہری آبادی تک نہیں پہنچتی تھی۔ سائرہ کو اس لیے بھی پتھر میں تبدیل کیا گیا ہے کہ اس کی پبلسٹی شہری آبادی میں بھی ہو جائے تاکہ پکنک منانے والے بھی ادھر کا رخ نہ کریں۔ لیکن خان دارا نے معاملے کو دبا دیا۔ پھر جب تم لوگ پہنچے تو میں نے اسے قطعی طور پر ضائع کرا دیا کہ کہیں تم لوگ اسے کسی سائنسی تجربہ گاہ میں نہ اٹھا لے جاؤ۔ اسطرح سنسنی پھیلا کر اسے ممنوعہ علاقہ قرار دلانے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا۔ سائنسدان یہاں اپنی چھاؤنی ڈال دیتے۔''

''پتھر جیلی کے ڈھیر میں کیسے تبدیل ہوا تھا۔'' حمید نے سوال کیا۔

''شکور کے ذریعہ اس پر ایک نسخہ آزمایا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ پتھر پانی ہو کر بہہ جائے گا، لیکن فارمولے میں تھوڑی سی کسر رہ جانے کی بنا پر وہ جیلی کے ڈھیر میں تبدیل ہو گیا اسی لیے تو دھماکہ کرانا پڑا تھا کہ اسی طرح ضائع ہو جائے۔''

''ابھی میں نے یہاں چار قیدیوں کے بارے میں سنا تھا۔ ان کا کیا قصہ ہے۔''

قبل اس کے وہ آواز آتی قاسم دہاڑنے لگا۔ ''ابے سارے قصے اسی وقت ہو جائیں گے۔ بھوخ کے مارے دم نقلا جا رہا ہے۔ ناشتہ بھجواؤ۔''

''اچھا! پہلے تم ناشتہ کر لو۔ باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔'' آواز آئی اور حمید قاسم کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔

''اور قیا!'' قاسم بھی پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولا۔ ''ہر جگہ کا بلیت بگھارنے لگتے ..... سالے۔''

''زبان بند رکھو ورنہ شامت آ جائے گی تمہاری..... ایسے جراثیم تمہارے جسم میں داخل کرا دوں گا کہ عورت بن جاؤ گے۔''

قاسم کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد تین آدمی ناشتہ لائے تھے۔ تینوں مسلح تھے لیکن حمید نے اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تک نہیں۔ وہ تو عذاب کے فرشتے سے پہلے ہی متفق ہو چکا تھا۔

ناشتے کے بعد پھر آواز آئی۔ ''غالباً تم لوگ ناشتے سے فارغ ہو چکے ہو۔''

''نہیں! تمہارا دیوا ب مرغ کی ہڈیاں بھی چبا رہا ہے۔'' حمید اونچی آواز میں بولا۔

''اسی لیے تو میں اسے مستقل طور پر اپنے ساتھ رکھنے کے حق میں نہیں ہوں۔ کھا کھا کر بھینسا کر دے گا۔'' آواز آئی اور قاسم قہر آلود نظروں سے حمید کو دیکھنے لگا۔

''ہاں! تو اب ان چاروں قیدیوں کے بارے میں سنو!'' آواز آتی رہی۔ ''ان میں سے ایک ریٹائرڈ جج ہے جو رشوت لے کر انصاف کا خون کیا کرتا تھا۔ ایسا ہی ایک پولیس آفیسر بھی ہے، ایک ایسا عالم بھی ہے جس نے اپنے علم کے ذریعہ لوگوں کو غلط راستوں پر ڈالا، ایک ایسا سیاسی لیڈر ہے، جو پرمٹوں اور ٹھیکوں کے لیے عوام کو ورغلاتا رہا ہے۔ اب میں ان کے جسموں میں جہنم داخل کر کے ان کے گھروں پر پھینکوا دوں گا اور ان کے بچاؤ کے سارے سائنٹفک طریقے دھرے رہ جائیں گے۔''

''جی خوش کر دیا تم نے..... واہ واہ.....!'' حمید خوشی کا اظہار کرتا ہوا بولا۔ ''اس سلسلے میں کرنل اور یہ حقیر پُرتقصیر تمہارے بہت کام آ سکیں گے۔ ہم جانتے ہیں کہ ملک میں ایسے کتنے گنہگار ہیں۔ تمہارے جراثیم ختم ہو جائیں گے لیکن ان کی تعداد بڑھتی ہی رہے گی۔''

''بہت خوب!'' آواز آئی۔ ''تم وہی کہہ رہے ہو جو میں نے سوچا تھا۔ بہت عقلمند ہو۔ بہرحال الحال تمہارے ذمے یہ کام ہے کہ کسی طرح ان دونوں کو نکاح پر آمادہ کر لو۔''

''یہ ناممکن ہے۔'' فوزیہ چیخ کر بولی۔

''اس پر قاسم کی ''ہی ہی ہی ہی۔'' اسٹارٹ ہو گئی تھی۔ اس کے بعد وہ آواز پھر نہ آئی۔

''کیا حرج ہے اس میں؟'' حمید نے فوزیہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''بہت مالدار ہے تمہیں

پریکٹس وغیرہ کی جھنجھٹ سے نجات مل جائے گی۔''

''حماقتوں کے اس پہاڑ سے نکاح کروں گی۔'' وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

''اے.....دیکھو.....جیرو تھری میری توہین نہ کرو۔ میں باس ہوں۔''

''ایسا گدھا باس بھی مجھے نہ چاہئے، جو ایسی مصیبتوں میں پھنسا دے۔''

''اچھا.....اچھا.....دیکھوں گا.....اگر تمہارے اندر ٹی بی کے جراثیم نہ ڈلوا دیئے تو پھر نہ قیا۔''

''بکواس مت کرو۔'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔''میں ڈاکٹر فوزیہ کو رضامند کرلوں گا لیکن تمہاری گلہری خانم کا کیا ہوگا۔''

''اے ہوغا قحبہ.....مجھے پرواہ نہیں۔''

''ڈر کے مارے بخار آ گیا تھا جب وہ گھس آئی تھی آفس میں۔'' فوزیہ بولی۔

''اچھا.....اچھا.....مت کرنا نکاح.....ٹھینگے سے۔''

''یہ تو ہو کر رہے گا۔ میں نے عذاب کے فرشتے سے وعدہ کیا ہے۔''

''ناممکن ہے کیپٹن۔ میں مرجاؤں گی.....لیکن یہ نہ ہو سکے گا۔''

حمید نے قاسم کی نظر بچا کر اسے آنکھ ماری تھی۔ وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

پھر کئی منٹ تک خاموشی رہی تھی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اس عمارت سے کسی طرح نکلنا چاہئے۔ فوزیہ نے بتایا تھا کہ ان پر کسی قسم کی پابندی نہیں اس کا مطلب تو یہی ہوا کہ باہر نکل کر بھی وہ اندازہ نہ کر پائے گا کہ کہاں ہے۔ بہرحال اس سلسلے میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ قاسم بول پڑا۔''میں اکیلے میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''تو چلو.....اٹھو.....کیوں نہ باہر چلیں۔''

''بب.....باہر.....!'' قاسم ہکلا کر بولا۔

''آں.....ہاں.....!''

''نہیں! اندر ہی رہیں گے۔'' قاسم اٹھتا ہوا بولا اور پھر اس کمرے سے نکل آنے کے بعد اس نے کہا تھا۔''باہر نہ چلو۔ آغر سالی نے دروازہ بند کرلیا تو باہر ہی رہ جائیں گے۔''

''وہ نکاح کرنے کو کیوں کہتا ہے۔''

''میری بے کراری دیکھ کر.....اجاب کا فرشتہ بھی مجھ پر رحم کھاتا ہے مگر تم سالے۔''

''میں نے کیا کیا ہے؟''

''تم قیوں آن مرے ہو۔ تمہیں دیکھ کر بھڑک گئی ہے۔ کل تک بڑی میٹھی میٹھی باتیں کرتی تھی۔''

''گھبراؤ نہیں! نکاح پر راضی کرلوں گا۔''

''ابے نکاح تو میں خود بھی نہیں کرنا چاہتا۔ بیوی سے محبت ہو ہی نہیں سکتی۔ بیوی بن کر یہ سالی آنکھیں نکالے گی.....غرائے گی۔''

''سب بیویاں ایسی نہیں ہوتیں۔''

''سب ہو جاتی ہیں۔ میرے باپ کی بھی ایسی ہی تھی، میری بھی ایسی ہے اور یہ بھی ہو جائے گی.....!''

''نکاح کے بغیر تو وہ تمہیں اس کے قریب بھی نہ جانے دے گا۔''

''چلو ڈھونڈ کر مار ڈالیں سالے کو۔'' قاسم نے گرمجوشی دکھائی۔

''جلد بازی کی ضرورت نہیں۔'' حمید بھی آہستہ سے بولا۔''بس تم اتنا کرنا کہ میرے خلاف نہ تو کوئی بات سوچنا اور نہ کسی معاملے میں میری مخالفت کرنا۔''

''مگر تم تو اس کا ساتھ دے رہے ہو۔''

اس کے جواب میں حمید اسے صرف آنکھ مار کر رہ گیا تھا اور قاسم دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر ہنسنے لگا تھا۔

پھر انہوں نے باہر جانا چاہا تھا لیکن دروازہ باہر سے بند ملا۔ قاسم نے اسے خلاف اصول قرار دیا تھا۔ وہ پھر اسی کمرے میں واپس آ گئے جہاں فوزیہ بیٹھی ہوئی تھی۔

دوپہر کے کھانے کے بعد وہ تینوں اونگھنے لگے تھے اور فوزیہ بولی تھی۔''پتہ نہیں کیسی ہوا اس طرف کی۔ پیٹ بھرتے ہی نیند آنے لگتی ہے۔''

آرام کرسیوں پر پڑے وہ سو گئے تھے۔ پھر کسی قسم کے شور ہی کی بنا پر اچھل پڑے تھے۔ پہلے تو اندازہ ہی نہ ہو سکا کہ شور کی نوعیت کیا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ حمید کو احساس ہوا تھا کہ وہ آوازیں اسی پوشیدہ مائیکروفون سے آ رہی ہیں جس کے ذریعے وہ اس نامعلوم آدمی کی

آوازیں سنتے رہے تھے۔

دفعتاً وہ شور رک گیا اور پھر وہی آواز آئی۔ ''کیا تم لوگ جاگ پڑے ہو۔''

''ہاں! ہم جاگ پڑے ہیں۔'' حمید اکتائے ہوئے انداز میں بولا۔

''ان بروبانیوں کو سزا دینی ہی پڑے گی۔ کیوں نہ ان کی نسل ہی ختم کر دی جائے۔''

''کیا قصہ ہے! بروبانیوں پر کیوں غصہ اتار رہے؟''

''اس نجس قوم کو ختم ہی ہو جانا چاہئے، جو دوسری اقوام کی لڑکیوں کے اغواء کو اپنا مذہبی فریضہ سمجھتی ہو۔ آج پھر وہ ایک ایسی ہی لڑکی کو اٹھا لے گئے ہیں۔ اب میں انہیں فنا کر دوں گا۔''

''اس معاملے میں تو بیحد واہیات لوگ ہیں۔'' حمید بولا۔

''قاسم! جتنی جلدی ممکن ہو دیو بن جاؤ۔ آج انکی بستی کو تہس نہس کر کے رکھ دیں گے۔''

''میں بہت تھک گیا ہوں۔ آج تو معاف ہی کر دو!''

''کیسی بزدلی کی باتیں کر رہے ہو۔ ان کی عورتیں بڑی توانا اور تندرست ہوتی ہیں۔ جتنی چاہنا پکڑ لینا۔ ان کے سلسلے میں تم پر نکاح کی پابندی بھی نہ ہوگی۔''

قاسم کسی ندیدے بچے کی طرح منہ چلانے لگا۔ حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ اس نے بالآخر کہا۔ ''عذاب کے فرشتے مامور من اللہ ہو کر ایسی باتیں کر رہے ہو۔''

''ظالموں کو سبق دینے کے لیے اسی کام کو درست سمجھتا ہوں، جو وہ خود کرتے ہوں۔''

''اے تم اس کی باتوں میں نہ آؤ۔ میں تیار ہوں۔'' قاسم چہک کر بولا۔

''شاباش! تمہارے مرتبے بلند ہوں گے اور کیپٹن حمید تم بھی ہمارے ساتھ چلو گے۔''

''جیسی تمہاری مرضی!'' وہ مردہ سی آواز میں بولا۔ سوچ رہا تھا کہ شاید اسی طرح کچھ کر گزرنے کا موقع مل جائے۔

''تم ہمارا ساتھ دو گے۔''

''یقیناً! کیونکہ معاملہ کسی معصوم لڑکی کا ہے۔ میں ان بروبانیوں کا خون بہاؤں گا۔''

''واقعی تم مرد ہو۔''

پھر قاسم وہاں سے چلا گیا تھا اور ڈاکٹر فوزیہ خاموش کھڑی حمید کی شکل دیکھے جا رہی تھی۔ حمید دیدہ دانستہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہ دیو بھی نظر آ گیا۔

حلیہ بدل کر رہ گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سر سے پیر تک کوئی خول چڑھا لیا ہو۔ اس سینگ بھی شامل تھے۔ بہرحال اس ہئیت کذائی میں بحیثیت قاسم ہرگز نہیں پہچانا جا سکتا کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے چراغ الہ دین والے فلمی جن کی طرح ہنسنا شروع دیا تھا۔

''خاموش ہو جاؤ!'' فوزیہ دہاڑی۔

تھوڑی دیر بعد دو مسلح آدمی کمرے میں داخل ہوئے اور انہوں نے ان دونوں سے باہر چلنے کو کہا۔ ڈاکٹر فوزیہ کو وہیں ٹھہرنا تھا۔ اس نے لاپروائی سے اپنے متعلق ہدایات سنی تھیں اور جھک کر دوسرے کمرے میں چلی گئی تھی۔

وہ باہر آئے اور حمید مڑ کر عمارت کی طرف دیکھنے لگا۔ یہ چاروں طرف سے اونچی اونچی چٹانوں میں گھری ہوئی تھی۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ گہرے کنوئیں میں کھڑے ہوں۔ مسلح آدمی انہیں ایک جانب لے چلو۔

پتلی پتلی دراڑوں سے گزرتے ہوئے وہ بالآخر ایک کھلی جگہ پر پہنچ گئے۔ یہاں کئی آدمی پہلے سے موجود تھے۔ ان میں وہ نقاب پوش بھی نظر آیا جسے حمید پچھلی رات دیکھ چکا تھا۔ غالباً اسی کے لیے غار میں کھانا لایا تھا۔

وہ سب ایک طرف روانہ ہو گئے۔ حمید اور قاسم کے علاوہ وہ سبھی مسلح تھے۔ نقاب پوش سمیت وہ آٹھ آدمی تھے۔ بے بسی کا احساس حمید کے ذہن پر طاری ہونے لگا۔ اگر جانا بوجھا علاقہ ہوتا تو کچھ شروع کر دیتا۔ قاسم پر اس وقت بروبانی عورتیں سوار تھیں۔ ورنہ وہ تو بہت کارآمد ثابت ہو سکتا۔ اس کے جسم پر بلٹ پروف خول موجود تھا۔ رائفلیں اور ریوالور اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکتے اور وہ انہیں اٹھا اٹھا کر پٹخ دیتا۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد وہ پھر ایک تنگ راستے پر آ گئے جس کے دونوں اطراف میں اونچی اونچی چٹانیں تھیں۔ قاسم جھومتا ہوا چل رہا تھا۔ دفعتاً بولا۔ ''قیا میں اپنا قہقہہ اسٹارٹ کر دوں۔''

''نہیں! ابھی نہیں۔ جب میں کہوں تب۔'' نقاب پوش نے کہا۔

حمید چونک پڑا۔ یہ تو وہی آواز تھی جو انہیں مائیکروفون کے ذریعے مخاطب کرتی رہی

تھی۔ اس نے نقاب پوش کو کینہ توز نظروں سے دیکھا تھا۔ لیکن کچھ بولا نہیں تھا۔ پھر یک
آگے بڑھ کر نقاب پوش کے برابر چلنے لگا۔

''کیا تمہیں اپنے ساتھیوں پر اعتماد ہے۔'' اس نے نقاب پوش کو انگریزی میں مخاطب کیا

''ہاں! قطعی لیکن تم ٹھیک سمجھے وہ انگریزی نہیں سمجھ سکتے۔ یہ خانوں سے
ہوئے لوگ ہیں اور اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں خانوں کا دشمن ہوں اس لیے یہ مجھ سے
نہیں کریں گے۔''

''ان میں کوئی بروہانی تو نہیں!''

''نہیں! یہ سب میرے خاص آدمی ہیں۔''

''تب تو ٹھیک ہے۔''

وہ ایک غار میں داخل ہوئے۔ نقاب پوش کے ساتھیوں نے کئی ٹارچیں روشن کر لی
اور وہ بہ آسانی بڑھتے رہے تھے۔

''رک جاؤ!'' دفعتاً نقاب پوش بولا۔ پھر وہ حمید کی طرف مڑا۔ ''تم دیکھو گے کہ قاسم کو
دیکھ کر وہ کس طرح بدحواس ہوتے ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''سامنے والی دراڑ سے گزر کر ہم کھلے
میں پہنچیں گے، وہیں سے کسی قدر نشیب میں بروہانیوں کی ایک بستی ہے۔ مجھے اطلاع ملی ہے
کہ وہ لڑکی اسی بستی میں لائی گئی ہے۔''

''کیوں نہ ہم سب مل کر دھاوا بول دیں۔'' حمید بولا۔

''اس کی ضرورت ہی نہیں۔ ہم سب اوپر سے تماشہ دیکھیں گے۔'' پھر اس نے قاسم کو
قریب بلا کر کہا۔ ''تم ان سے کہنا کہ مغویہ لڑکی دو بروہانی لڑکیوں سمیت تمہارے حوالے کر
دیں ورنہ تم پوری بستی کو تباہ کر دو گے۔''

''قہقہہ لگاتا ہوا جاؤں؟'' قاسم نے پوچھا۔

''نہیں! خاموشی سے جاؤ! ورنہ وہ تمہارے پہنچنے سے پہلے ہی بھاگ کھڑے ہوں
گے۔ ہوسکتا ہے کہ لڑکی کو بھی ساتھ ہی لے بھاگیں۔''

''میں سمجھ گیا۔ دبخ لوں غا سالوں کو۔'' قاسم نے کہا اور دراڑ میں داخل ہو گیا بقیہ لوگ
اس کے پیچھے چل رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر کھلی فضا میں تھے۔ نقاب پوش نے ایک

چان کی اوٹ میں انہیں کھڑا کر دیا اور قاسم نشیب میں اترتا چلا گیا۔ نیچے دور تک چھوٹے
بڑے جھونپڑے بکھرے ہوئے تھے۔ یہ لوگ چٹان کے پیچھے سے بستی کی طرف نگراں رہے۔
پھر انہیں قاسم کا قہقہہ سنائی دیا۔ ساتھ ہی وہ چیخ چیخ کر وہی سب کہتا بھی جا رہا تھا جس
کی ہدایت نقاب پوش کی طرف سے ملی تھی۔

انہوں نے کچھ بروہانیوں کو جھونپڑوں سے نکلتے دیکھا۔

''ارے یہ کیا ہوا؟'' نقاب پوش بولا۔ ''یہ تو قاسم کی طرف بڑھے آ رہے ہیں۔ آج یہ
بھاگ کیوں نہیں رہے۔''

''ان کے ہاتھوں میں بڑے بڑے ڈنڈے بھی ہیں!'' حمید نے کہا اور دیکھتے ہی دیکھتے
بروہانیوں نے قاسم کو گھیر لیا اور اسے ڈنڈوں سے پیٹنے لگے۔

''ابے..... ابے..... خا جاؤں غا..... چبا جاؤں غا۔'' وہ لڑکھڑاتا ہوا کہہ رہا تھا۔ ویسے
وہ بلٹ پروٹ خول کی وجہ سے محفوظ ہی رہا ہوگا لیکن بہرحال وہ ایک وحشیانہ یلغار تھی۔ بوکھلا
گیا ہوگا۔

''فائرنگ شروع کر دو!'' نقاب پوش نے اپنے ساتھیوں سے کہا ہی تھا کہ عقب سے
آواز آئی۔ ''ٹھہرو۔''

وہ چونک کر مڑے۔ کچھ فاصلے پر شجر برنامی کھڑا نظر آیا۔ وہی جو پچھلی رات حمید کو غار
میں نظر آیا تھا۔ خان دارا کا ملازم بروہانی شجر بر۔ اس نے خان دارا کی بھانجی نوشی کی کلائی پکڑ
رکھی تھی اور ریوالور کی نال اس کی کنپٹی سے لگا دی تھی۔

''اگر تم نے ان پر فائرنگ تو میں اس لڑکی کو یہیں ختم کر دوں گا۔ اپنے آدمیوں سے کہو
کہ اپنا اسلحہ زمین پر ڈال دیں۔''

''غدار! تو نے خان دارا سے بھی غداری کی اور مجھ سے بھی۔'' نقاب پوش بولا۔

''میں نے تو بروہانیوں سے بھی غداری کی ہے، جو اپنوں کے نہیں ہوتے وہ کسی کے
نہیں ہوتے۔'' شجر بر نے جواب دیا۔

''میں تجھے جہنم میں پہنچا دوں گا۔''

''اپنے آدمیوں سے کہو کہ اسلحہ دوسری طرف نشیب میں پھینک دیں ورنہ ٹریگر

جائے گا اور اس لڑکی کی کھوپڑی تڑخ جائے گی۔''

اس بار حمید کو چونکنا پڑا۔ آواز شجر بر کی نہیں تھی۔ غالباً اسی کو ہوشیار کرنے کے لیے بولنے والے نے لہجے کو بگاڑا نہیں تھا۔

''جو کہہ رہا ہے وہی کرو!'' حمید آہستہ سے بولا۔ ''ورنہ لڑکی کی جان جائے گی۔''

''تم آخر چاہتے کیا ہو؟'' نقاب پوش نے شجر سے پوچھا۔

''اپنے آدمیوں کو غیر مسلح کر دو..... سمجھوتہ ہو جائے گا۔ لڑکی بھی بچ جائیگی اور خان دارا کو واپس کر دی جائے گی۔''

''اسلحہ پھینک دو!'' نقاب پوش نے اپنے آدمیوں سے کہا۔

وہ اسلحہ پھینک رہے تھے اور حمید شجر بر کو دیکھے جا رہا تھا۔ اس نے ریوالور نوشی کی کنپٹی سے ہٹا کر اس کا رخ ان لوگوں کی طرف کر دیا اور بولا۔ ''اب تم سب اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔''

''یہ کیا بات ہوئی؟'' نقاب پوش غرایا۔

''سمجھوتہ۔''

اتنے میں قاسم گرتا پڑتا اوپر پہنچ گیا اور ہانپتا ہوا بولا۔ ''سالے پاگل ہو گئے..... ہیں۔ ڈنڈوں..... سے..... پیٹ کر رکھ دیا۔'' اس کے پیچھے بروبانی بھی اوپر چڑھ آئے تھے اور انہوں نے نقاب پوش کے ساتھیوں پر ڈنڈے برسانے شروع کر دیئے تھے۔ حمید اچھل کر شجر بر کے قریب جا کھڑا ہوا۔

شجر بر نقاب پوش سے کہہ رہا تھا۔ ''سمجھوتہ یہ ہے کہ تم سب ہتھکڑیاں پہن لو۔ نہیں تو جس نے بھی بھاگنے کی کوشش کی۔ جان سے ہاتھ دھوئے گا۔''

''تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ روکو اپنے آدمیوں کو۔ ورنہ تمہاری پوری پوری بستیاں تباہ کر دوں گا۔''

پھر اچانک اس کے ساتھیوں کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑنی شروع ہو گئیں۔

''تت..... تم..... شجر نہیں ہو!'' دفعتاً نقاب پوش چونک کر بولا۔

''میرا بایاں بازو زخمی ہے۔ شجر بر مسکرا کر بولا اور اب تم بھی اپنی اصل آواز میں بولنا شروع کر دو تو زیادہ مناسب ہو گا۔''

''کرنل..... فف..... فریدی۔''

''تم غلط نہیں سمجھے.....!''

دفعتاً نقاب پوش نے بائیں جانب چھلانگ لگائی اور نشیب میں لڑھکتا چلا گیا۔

''تم انہیں سنبھالو!'' فریدی حمید سے کہتا ہوا دوڑ پڑا۔ اس نے بھی نشیب میں چھلانگ لگائی تھی۔

''کک..... کیپٹن!'' نوشی ہکلائی۔ ''یہ کیا ہو رہا ہے۔ وہ شجر بر نہیں تھا؟''

''ذہن کو نہ تھکاؤ۔ اس طرف بیٹھ جاؤ۔'' حمید بولا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا۔

نقاب پوشوں کے ساتوں آدمی ہتھکڑیاں پہن چکے تھے اور قاسم ایک طرف کھڑا ہانپ رہا تھا۔

''اس کے سائز کی ہتھکڑی نہیں ہے جناب۔'' بروبانیوں میں سے ایک بولا۔

''ہاتھ پشت پر باندھ دو۔'' حمید نے کہا اور قاسم بوکھلاہٹ میں ''غوں غوں'' کرنے لگا۔

''مجبوری ہے۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''چپ چاپ ہاتھ بندھوا لو۔ مجرموں کے ساتھ دھرے گئے ہو۔''

نوشی جو پھر حمید کے پاس آ کھڑی ہوئی تھی بولی۔ ''وہ نقاب پوش کون تھا؟'' ''میں نہیں جانتا۔'' حمید خشک لہجے میں بولا۔ ''تمہارے لیے لاعلمی ہی بہتر رہے گی۔''

''غمید..... بھائی..... برباد ہو جاؤں غا۔'' قاسم گڑگڑایا اس کے ہاتھ پشت پر باندھے جا رہے تھے۔

''اگر یہ سچ مچ بروبانی ہوتے تو تمہاری رہائی کی کوشش ضرور کرتا لیکن یہ بروبانیوں کے بھیس میں پولیس والے معلوم ہوتے ہیں اس لیے مجبوری ہے۔''

دفعتاً پے در پے کئی فائروں کی آوازیں کسی قدر دور سے آئی تھیں اور حمید اچھل پڑا تھا۔

''اوہ..... تم لوگ کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو۔'' اس نے فریدی کے ساتھیوں سے کہا۔ ''ان لوگوں کا پھینکا ہوا اسلحہ اکٹھا کرو۔''

فائروں کی آوازیں تھوڑے تھوڑے وقفہ سے آ رہی تھیں۔ وہ قیدیوں کو انہیں لوگوں کی تحویل میں دے کر نشیب میں اترنے لگا۔ قاسم کے لیے وہ سچ مچ فکر مند تھا۔ اسے عدالت

میں پیش ہونے سے کسی طرح بھی روکا نہ جا سکے گا۔ ڈاکٹر فوزیہ کی گردن بھی پھنس گئی۔ فائروں کی سمت کا اندازہ اس نے لگا لیا تھا اور اب خود بھی خالی ہاتھ نہیں تھا۔ نقاب پوش آدمیوں کے پھینکے ہوئے اسلحہ میں سے ایک ٹامی گن اس نے اٹھا لی تھی اور بہت احتیاط سے اسی طرف چلا جا رہا تھا۔ جدھر سے فائروں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ کچھ اور آگے بڑھا تو کسی عورت کی آواز سنائی دی۔

کرنل فریدی! خود کو ہمارے حوالے کر دو۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے۔ ورنہ دس منٹ کے اندر اندر پورا شہر تباہ ہو جائے گا ایک متنفس بھی زندہ نہ بچے گا۔ یہاں سے رام گڑھ تک مردے ہی مردے نظر آئیں گے۔'' لیکن پھر فائر کی آواز آئی۔ اس کے بعد دوسری جو پہلے سے بہت قریب کی تھی۔ حمید اور زیادہ احتیاط سے قریب والی آواز کی جانب رینگنے لگا اور پھر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ فریدی کو للکارنے والی عورت ڈاکٹر فوزیہ تھی۔ وہ پھر کہہ رہی تھی۔'' کرنل فریدی! یہ محض دھمکی نہیں ہے۔ ایک ہلکا سا دھماکہ اس ٹیوب کو توڑ دے گا اور جراثیم جھیل میں پھیل جائیں گے اور آن کی آن میں واٹر سپلائی کا مشینی نظام انہیں رام گڑھ تک پہنچا دے گا۔ پھر وادی گلبار سے رام گڑھ تک لاشیں ہی لاشیں..... لاشوں کا شہر..... ہا ہا ہا۔'' فوزیہ نے پھر فائر کیا اور دوسری طرف سے بھی فائر ہوا۔ اس کی پشت حمید کی طرف تھی اور ایک بڑے پتھر کی اوٹ سے دوسری طرف فائر کہہ رہی تھی۔ اچانک اس نے کہا۔'' ڈاکٹر فوزیہ ریوالور پھینک دو۔ تم ٹامی گن کی زد پر ہو تمہارے چیتھڑے اڑ جائیں گے۔'' ساتھ اس نے اسکے قریب ہی زمین پر فائرنگ کی تھی۔ فوزیہ اچھل پڑی۔ ریوالور اسکے ہاتھ سے چھوٹ پڑا۔

حمید اسے ٹامی گن کی زد پر لئے آگے بڑھتا رہا۔

''پرواہ نہیں! میرے بعد لاکھوں آدمی مر جائیں۔ تم سب بھی مر جاؤ گے۔'' وہ وحشیانہ انداز میں بولی۔'' مجھے پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ خود فریدی ہی کسی طرح اس لڑکی کو لے بھاگا ہے۔''

''فکر نہ کرو! اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے رکھو۔'' حمید بولا پھر اسنے فریدی کو آوازیں دی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد فریدی وہاں پہنچ گیا۔ بے ہوش نقاب پوش اس کے کاندھے پر پڑا ہوا تھا۔ اس نے اسے ایک طرف ڈال دیا اور آگے بڑھ کر فوزیہ کے ہاتھ اس کی پشت پر باندھنے لگا۔ اس کے لیے اس نے اپنا رومال استعمال کیا تھا۔

حمید بیہوش آدمی کو بے نقاب کرنے کی فکر میں پڑ گیا تھا۔

''کیا کرو گے۔'' فریدی بولا۔'' کیا تم اب بھی نہیں سمجھے؟''

''صرف شبہے کی تصدیق کرنا چاہتا ہوں۔'' حمید نے کہا اور اس کے چہرے سے نقاب ہٹا دیا۔ یہ خانزادہ اشرف تھا۔ نیم دیوانہ بیکٹیریالوجسٹ۔

''اب بتاؤ! وہ ٹائم بم کہاں ہے؟'' فریدی فوزیہ کو گھورتا ہوا بولا۔'' جس کے دھماکے سے جراثیم والا ٹیوب پھٹ کر جھیل کے پانی کو مہلک بنا دے گا۔''

''اب کیا فائدہ؟'' فوزیہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔'' بلف کامیاب نہیں ہو سکا۔ اتنی جلدی یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ کوئی ایسا انتظام کیا جا سکتا۔ سائرہ والے معاملے میں دیو کو بھی گھسیٹ کر ڈاکٹر اشرف نے عظیم حماقت کی تھی۔ اسی کی وجہ سے کھیل بگڑ گیا۔''

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو! قاسم کو صرف بروبانیوں سے علاقہ خالی کرانے ہی تک محدود رکھنا چاہیے تھا۔ مہذب شہریوں کے سامنے ناحق لائے تھے۔ تم لوگ۔''

اس کے بعد فریدی ان سبھوں کو قاسم سمیت اپنے ساتھ لے گیا تھا اور نوشی کو حمید کے ساتھ خان دارا کی شکارگاہ کی طرف روانہ کرا دیا تھا۔

نوشی اپنے باپ کی اس حیثیت کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔ دوسرے دن اس کی تصدیق فریدی نے بھی کر دی۔ حمید کی کہانی سننے کے بعد اس نے کہا۔'' ٹمائر والے واقعے کی اہمیت صرف اسی قدر تھی کہ وہ اپنے باپ سے لڑ کر خان دارا کے پاس چلی جائے۔ وہ ہمیشہ یہی کرتا تھا۔ جب کوئی خاص مہم درپیش ہوتی تو نوشابہ کو کسی نہ کسی طرح اپنے پاس سے ہٹا دیا کرتا تھا۔ یقین کرو کہ وہ نیم دیوانہ ہے۔ اصل مجرم فوزیہ ثابت ہوئی۔ اگر انور سے وہ عظیم حماقت سرزد نہ ہوئی ہوتی تو اتنی بڑی مجرمہ پر ہاتھ ڈالنا ہمارے لیے ممکن نہ ہوتا۔ وہ ایک جنگ باز اور امن کا ڈھنڈورا پیٹنے والے ملک کی ایجنٹ ہے۔ یہاں ڈاکٹر اشرف کے علم سے فائدہ اٹھا کر نت نئے جراثیم پیدا کر رہی تھی۔ اس کے لیے کچھ ایسے مقامی آدمی بھی درکار تھے، جو پوری طرح ان کے وفادار ہوتے یہ خانوں کے مظالم سے تنگ آئے ہوئے لوگ تھے لہٰذا انہیں عذاب کا وہ فرشتہ بیحد پسند آیا، جو ظالموں کو دنیا ہی میں سزا دینے پر منجانب اللہ مامور کیا گیا تھا۔ وہ اس کے ایک اشارے پر اپنا خون بہانے کو تیار رہتے تھے۔ بہرحال فوزیہ

یہاں کی آب وہوا میں خاص قسم کے جراثیم پیدا کر کے اس ملک کو بھجوا رہی تھی۔ اچانک فنڈ کی کمی ہوگئی اور انہوں نے یہ پروگرام بنایا کہ کسی کو پتھر کے مجسمے میں تبدیل کر کے اس کی پبلسٹی کرائی جائے اور پھر یہاں کے مالدار لوگوں کو دھمکا کر ان سے بڑی بڑی رقومات وصول کی جائیں۔ اگر انہوں نے ادائیگی نہ کی تو وہ بھی پتھر کے ہو جائیں گے۔

اس رات خان کی شکار گاہ پر بروبانیوں نے حملہ نہیں کیا تھا بلکہ وہ اشرف کے ساتھی تھے۔ حملے کا مقصد محض لوٹ مار کرنا تھا۔ ان کے پاس خوراک کی کمی ہوگئی تھی۔ میں رام گڑھ نہیں گیا تھا بلکہ مجھے اس بروبانی پر شبہ ہو گیا تھا جس کا نام شجر بر ہے۔ میں اسی کے پیچھے تھا اور پھر بہرحال میں نے اس سے اگلوا لیا کہ وہ ایک نقاب پوش کے لیے بھی کام کرتا ہے اور راے اس حملے کا علم تھا۔

اسی نے بتایا تھا کہ وہ رات کو رسد لوٹنے آئیں گے لیکن وہ مجھے اس غار سے آگے نہ لے جا سکا جہاں تم پہلے پہنچے تھے۔ اس کی رسائی وہیں تک تھی۔ ویسے مجھے یقین تھا کہ اس معاملے میں اشرف کا ہاتھ ضرور ہے۔ شبہ اسی ٹماٹر والے واقعے سے ہوا تھا۔ بہرحال پھر میں نے اس پر ہاتھ ڈالنے کے لیے یہی مناسب سمجھا کہ نوشی کے اغواہ کی اطلاع شجر بر ہی کے توسط سے نقاب پوش تک پہنچا ہی دی جائے۔ تم نے دیکھ ہی لیا کہ کیا ہوا تھا۔ شجر بر کو تمہارے اور میرے سلسلے میں بھی ہدایت ملی تھی کہ کسی طرح ہمیں اس غار تک پہنچا دیا جائے لہٰذا تم پہنچے تھے۔ شجر بر پر مجھے اس وقت شبہ ہوا تھا جب گھوڑوں پر بے آواز فائرنگ ہوئی تھی۔ اس کا ردعمل اس بروبانی پر مجھے قطعی مصنوعی محسوس ہوا تھا۔ اب رہے قاسم صاحب تو انہیں عدالت میں تو پیش ہی ہونا پڑے گا..... وعدہ معاف گواہ کی حیثیت سے.....!''

''لیکن اشرف آپ کے کاندھے پر کیسے سوار ہو گیا تھا؟'' حمید نے پوچھا۔

''بڑی مشکل سے قابو میں آیا تھا۔ اسے بیہوش کر کے تم لوگوں کی طرف پلٹا ہی تھا کہ فوزیہ آ ٹکرائی۔''

''بڑے دل گردے کی عورت نکلی۔'' حمید نے کہا اور فریدی کے زخمی بازو کو پُرتشویش نظروں سے دیکھنے لگا۔

ختم شد

ابنِ صفی

جاسوسی دنیا

د نمبر
39

117- زہریلا سیارہ

118- نیلم کی واپسی



جاسوسی دنیا نمبر 117

وقار عظیم
پاکستانی پوائنٹ
ڈاٹ کام

زہریلا سیارہ

(مکمل ناول)

پیش رس

یادش بخیر ''عظیم حماقت'' کے بعد پھر حماقت نہیں ہوئی تھی۔ لیکن پڑھنے والے اس ہیچمدان کی حماقتوں کے اس قدر عادی ہوگئے ہیں کہ جب تک پھر کوئی حماقت سرزد نہ کرادیں۔ چین سے نہیں بیٹھتے۔ سو حضرات یہ حماقت بھی ملاحظہ فرمایئے کہ نام نامی اس کا ''زہریلا سیارہ'' ہے۔ اس میں وہ کردار بھی موجود ہے جس کا تقاضا برسوں سے ہو رہا تھا۔ اس نئے روپ میں آپ اُسے دیکھ کر یقیناً محظوظ ہوں گے۔

ایک صاحب نے پوچھا ہے کہ اس بار عید الاضحیٰ کے موقعے پر آپ نے جو بکرا بچایا تھا ابھی تک چل رہا ہے یا ختم ہوگیا۔

بھائی بکرے کی بساط ہی کیا۔ کتنے دن چلتا۔ البتہ اونٹ ہوتا تو بات بھی تھی۔ ویسے اس بار بکروں سے زیادہ سستے اونٹ ہی تھے۔ اگلے سال سہی۔

ایک صاحب پوچھتے ہیں کہ آپ جاسوسی ناولوں میں رومان کیوں ٹھونس دیتے ہیں۔ گزارش ہے کہ مجھے تو علم نہیں کہ میرے ناولوں میں رومان بھی ہوتا ہے البتہ اگر آپ نے رومانیت کو بطور علمی اصطلاح استعمال کیا ہے تو یقین کیجئے کہ میرے ناولوں میں رومان کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہوتا اور اگر آپ کی مراد فارمولا فلموں والے رومان سے ہے تو میری کتابیں پھر پڑھئے۔ ایسا کوئی مرض آپ ان میں نہیں پائیں گے۔''

ابھی پچھلے ہی دنوں ایک بچی نے کہا۔ ''انکل آپ کی فلم دھماکہ بالکل بکواس تھی۔ میں نے بوکھلا کر پوچھا۔ ''کیوں بے بی۔'' کہنے لگی۔ ''شادی تو ہوئی ہی نہیں۔ میں تو بہت بور ہوئی۔'' میں نے کہا۔ ''اچھا بے بی آئندہ تمہیں بور نہیں ہونا پڑے گا۔ شادی ہوگی یا دونوں مر جائیں گے۔''

سب سے زیادہ دلچسپ بات ایک صاحبہ کی ہے جنہوں نے لکھا ہے کہ میں ایک خالص ناول عشقیہ قسم کا لکھوں۔ میرے بس سے باہر ہے۔ معافی چاہتا ہوں۔ ورنہ آپ ہی بعد میں کہہ اٹھیں گی کہ میں نے پیروڈی کے لئے تو نہیں لکھا تھا۔

البتہ ان صاحب کی فرمائش زیرِ غور ہے کہ ''شکرال'' والی کہانی کو مکمل کردوں۔ میں خود بھی چاہتا ہوں کہ شکرال کی کہانی کسی طرح مکمل ہوجائے۔ خدا کرے پھر اسی قسم کی ذہنی فضا میسر آجائے۔ جس کے تحت وہ کہانی شروع کی گئی تھی تاکہ پیوند نہ معلوم ہو۔

اب اور کیا عرض کروں۔ ''زہریلا سیارہ'' پڑھئے اور مجھے مطلع فرمایئے کہ کیسا رہا۔ والسلام

ابنِ صفی

یکم فروری ۱۹۷۰

برقی نگینے

بڑا خوبصورت کتا تھا۔ کم از کم کیپٹن حمید کی نظروں سے تو ایسا کتا آج تک نہیں گزرا تھا۔ نہ جانے کہاں سے مارا تارا فریدی کی کوٹھی کے کمپاؤنڈ میں آ داخل ہوا تھا۔ پھر وہاں سے کسی طرح نکلنے کا نام ہی نہ لیا۔ کتے خانے میں بند کتوں نے اُسے دیکھ کر آسمان سر پر اٹھا لیا تھا لیکن وہ خود اس طرح پرسکون نظر آ رہا تھا جیسے یہاں کے ماحول میں اس کے لئے ذرہ برابر بھی اجنبیت نہ ہو۔ حمید کو دیکھ کر اس نے اظہار شناسائی کے طور پر دم بھی ہلائی تھی۔ فریدی اس وقت گھر پر موجود نہیں تھا ملازموں نے اسے کمپاؤنڈ سے نکالنے کی کوشش کی تو غرا کر ان پر چڑھ دوڑا۔

''رہنے دو.....!'' حمید نے انہیں روکا تھا۔

''مگر کپتان صاحب! اپنے کتے جو آپے سے باہر ہوئے جا رہے ہیں۔'' ایک ملازم بولا۔

''کچھ دیر بعد خود ہی خاموش ہوجائیں گے۔ اسے کھانے کے لئے دو۔''

ملازم ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑاتا ہوا وہاں سے چلا گیا تھا۔

فریدی کے کتے کمروں میں داخل نہیں ہونے پاتے تھے۔ ان کی عادت ہی نہیں پڑنے دی تھی۔ زیادہ تر کتے خانے میں رہتے تھے اور رکھوالی کے السیشین رہائشی حصوں سے دور ہی

رہ کر رکھوالی کرتے تھے۔

بہرحال جب حمید اپنے کمرے میں جانے لگا تو اس کتے نے بھی اس کا پیچھا کیا۔

''جناب.....!'' حمید رک کر بولا۔ ''ابھی ہم لوگ اتنے مہذب نہیں ہوئے کہ آپ کی ہم جلیسی کا فخر حاصل کرسکیں۔ براہِ کرم باہر ہی ٹھہریئے۔ آپ چاہیں تو پورچ میں تشریف رکھ سکتے ہیں۔''

پھر روشنی میں کتے کے گلے میں پڑے ہوئے پٹے پر نظر پڑی تو دم بخود رہ گیا۔ ایسا مرصع پٹہ کبھی نظر سے نہیں گزرا تھا۔ چھوٹے بڑے کئی نگینے آنکھوں کو خیرہ کئے دے رہے تھے اور وسطی نگینہ تو بہت بڑا تھا۔ لعل تھا شاید۔

''بہت خوب جناب۔'' وہ آہستہ سے بولا۔ ''آپ خاصے معزز نظر آرہے ہیں اور شاید متمول بھی ہیں۔ بہتر ہے تشریف لے چلئے۔ کہیں آپ کوئی والی ریاست تو نہیں ہیں۔''

کتا پیچھے پیچھے اس کے کمرے تک آیا تھا۔

''تشریف رکھئے..... حالانکہ یہ قالین آپ کے لائق تو نہیں ہے۔'' حمید نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ ''اگر اجازت ہو تو میں ذرا آپ کے پٹے کا جائزہ لے لوں۔ اتاروں گا نہیں۔ آپ مطمئن رہئے۔ ویسے آپ مجھے بے حد ذہین معلوم ہوتے ہیں کہ آپ نے ایک بے حد ایماندار پولیس آفیسر کے گھر میں پناہ لی ہے۔''

کتا کچھ اس طرح اسے دیکھے جارہا تھا جیسے سب کچھ سمجھتا ہو۔ حمید بھنا کر بولا۔ ''اب یہ فرمادیجئے کہ آپ تناول کیا فرمائیں گے۔ معمولی دال روٹی والے تو نہیں معلوم ہوتے۔''

اس نے اپنے اگلے پیر پھیلائے اور پنجوں پر تھوتھنی رکھ کر آنکھیں بند کرلیں۔

''حضت! کیا قصور ہوا فدوی سے۔ کوئی بات طبع نازک پر گراں گزری ہو تو واللہ مسخرا سمجھ کر معاف فرمایئے گا۔''

کتا بدستور آنکھیں بند کئے پڑا رہا۔ حمید نے شانوں کو جنبش دی اور اس کے پاس سے ہٹ آیا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس ڈھیٹ کتے کے ساتھ کس طرح پیش آئے۔ آخر

وہ اس کے پیچھے کیوں آیا تھا۔ کسی ملازم کے ساتھ کیوں نہیں گیا۔

شام ہو رہی تھی وہ کسی طرف نکل جانا چاہتا تھا لیکن یہ کتا پتا نہیں کس کا ہے خصوصیت سے ادھر ہی کیوں آیا۔ درجنوں کتوں کی غصیلی آوازیں سن کر تو اسے فرار ہی ہوجانا چاہئے تھا۔ لیکن وہ کسی متحمل مزاج آدمی کی طرح یہ سب کچھ بڑے سکون سے برداشت کرگیا تھا۔ کہیں یہ کسی دشمن کا بہت ہی تربیت یافتہ کتا نہ ہو اور انہیں کسی وبال میں نہ پھنسا دے۔ پٹے میں جڑے ہوئے جواہرات بیش قیمت تھے۔

''میں تعارف کا منتظر ہوں جناب عالی!'' اس نے پھر کہا۔

لیکن کتے کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

''ابے کیا اب ڈنڈا سنبھالوں۔'' وہ چیخ کر بولا۔ ''میں تیرے قیمتی گلوبند کی رکھوالی نہیں کرسکتا۔ مجھے باہر جانا ہے۔''

کتے نے آنکھیں نہ کھولیں۔ حمید الجھن میں پڑ گیا۔ غور سے اُسے دیکھنے لگا کہیں مرتو نہیں گیا۔ لیکن سانس معمول کے مطابق چل رہی تھی۔ پھر اس نے پٹہ پکڑ کر اسے آدھے دھڑ سے اٹھایا تھا اور چھوڑ دیا تھا۔ لیکن یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی۔ وہ بدستور سوتا رہا۔ اس کی چیخم دھاڑ سن کر پہلے ہی کئی ملازم وہاں پہنچ گئے تھے اور کھڑے ہنس رہے تھے۔

''آپ کی جان کو کچھ نہ کچھ لگا ہی رہتا ہے کپتان صاحب۔'' فریدی کے خادم خصوصی شریف نے کہا۔

''جی ہاں..... آپ ہی کیا کم تھے کہ یہ بھی آ گیا۔'' حمید نے دانت پیس کر کہا اور چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر بولا۔ ''ادھر آیئے..... دیکھئے اس کا پٹہ بہت قیمتی ہے۔ جواہرات جڑے ہوئے ہیں۔ ذرا آپ خیال رکھئے گا۔ ایک بھی کم ہوا تو سب کی شامت آجائے گی۔ میں باہر جارہا ہوں۔''

شریف آگے بڑھ آیا تھا۔ اس نے بھی جھک کر پٹے پر نظر ڈالی اور متحیرانہ انداز میں بولا۔ ''کمال ہے صاحب۔''

''کیا قریب کی کسی کوٹھی میں کوئی نیا آدمی آیا ہے؟'' حمید نے پوچھا۔

''پتا نہیں صاحب! آتے ہی جاتے رہتے ہیں۔''

''اسے یہیں پڑا رہنے دو۔ اسی حالت میں کوئی قریب نہ آئے۔ چلو نکلو باہر۔''

کمرہ مقفل کر کے وہ ڈرائنگ روم میں آ بیٹھا۔ پھر اسے ہنسی آ گئی اور ملازمین اس کا منہ دیکھنے لگے۔

''بیچارہ اپنا کیس لے کر آیا تھا کرنل صاحب کے پاس۔ لیکن ملاقات سے پہلے ہی مر گیا۔ اب دیکھنا ہے کہ مجھ پر کیا گزرتی ہے۔''

''پٹہ اتار پھینکوا دیجئے۔ آپ بھی کس چکر میں پڑے ہیں۔'' بوڑھے شریف نے کہا۔

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ بڑے صاحب ہی آ کر اس کی تجہیز و تکفین کریں گے۔''

''سخت ناراض ہوں گے اسے کمرے میں دیکھ کر۔''

حمید نے مایوسانہ انداز میں سر کو جنبش دی اور خاموش کھڑا رہا۔

ڈائننگ ہال میں ہلکی موسیقی گونج رہی تھی مشرقی انداز لئے ہوئے مغربی دھنیں ان دنوں خاصی مقبول تھیں۔ اکثر لوگوں کے پاؤں تال دینے لگے۔

فریدی بہت دنوں بعد نیاگرہ آیا تھا۔ آمد کسی خاص مقصد کے تحت نہیں ہوئی تھی۔ محض معمولی تبدیلی کی غرض سے چلا آیا تھا۔ ویسے اگر اتفاقاً ادھر سے گزر نہ ہوتا تو شاید اس تبدیلی کی خواہش ہی پیدا نہ ہوتی کیونکہ وہ ایسی جگہوں کا رخ ضرورتاً ہی کرتا تھا۔ اس کے اپنے نظریئے کے مطابق تبدیلی کے لئے نقل مکانی ضروری نہیں تھی۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھے بیٹھے ہی تبدیلی کی اس خواہش کو پورا کر سکتا تھا۔ اس کے خیال کے مطابق کسی مصروفیت کو ترک کر کے دوسرا شغل اختیار کر لینا ہی حصول مقصد کے لئے کافی ہونا چاہئے۔

بہرحال نیاگرہ میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے اس کے ایک ڈائریکٹر ہی سے مڈبھیڑ ہوئی تھی۔ دونوں کے درمیان شناسائی ہی تھی۔ وہ اس کے استقبال کے لئے لپکا۔

''زہے نصیب کرنل صاحب۔'' وہ اس سے مصافحہ کرتا ہوا بولا۔

''مزاج کیسے ہیں۔'' فریدی اس کی گرمجوشی کا جواب دیتا ہوا بولا۔

''شکر ہے اللہ کا..... تشریف لے چلئے۔ آفس میں بیٹھیں گے یا ہال میں۔''

''کسی تفتیش کے سلسلے میں نہیں آیا ہوں اسی لئے ہال ہی مناسب رہے گا۔''

''مجھے علم ہے کہ آپ مصری رقص و نغمہ سے دلچسپی رکھتے ہیں۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''سمیعہ آج کل یہیں مظاہرے کر رہی ہے۔''

''مجھے علم نہیں تھا۔ وہ بہت اچھا گاتی ہے۔ قدیم اور جدید کے امتزاج سے اس نے ایک نیا رنگ پیدا کیا ہے۔''

''تشریف رکھئے جناب۔'' وہ اسے ایک مناسب سی میز کے قریب لا کر بولا۔ ''فن کے قدردان گنے چنے ہیں۔ لوگ تو جسموں کی حرکات پر نظر رکھتے ہیں۔''

''شاید میں یہاں چھ ماہ بعد آیا ہوں۔'' فریدی بیٹھتا ہوا بولا۔ ''آپ بھی بیٹھئے۔''

''ضرور..... ضرور..... روز روز ایسی صحبتیں کہاں نصیب ہوتی ہیں۔ یہ میری خوش نصیبی کے لمحات ہیں۔''

''امسال آپ شکار پر نہیں گئے؟'' فریدی نے پوچھا۔

''بس جناب کیا عرض کروں۔ دل چاہتا ہے کہ بندوقیں بیچ کر سارنگیاں خرید لوں۔ پچاس روپے لائسنس فیس ہوگئی ہے۔ شوٹنگ پرمٹ پہلے پچیس روپے میں بنتا تھا۔ اب سو روپے ہوگئے ہیں۔ اچھے کارتوس تین سو روپے سینکڑہ ہیں۔ پھر آج تیتر پر پابندی لگی ہے تو کل بٹیر پر۔ پتا نہیں چلتا کہ کب کس چیز کے شکار پر پابندی لگا دی گئی۔ پچھلے سال شامت اعمال سے ایک کلنگ مار لیا تھا۔ آ پکڑا گیمز وارڈن نے۔ دو سو روپے نذر کر کے بڑی مشکل سے بندوق بچائی۔ اس پر بھی وہ ظالم سارا دوسرا شکار بھی ہتھیا لے گیا۔ بچے منہ دیکھ کر رہ

گئے تھے۔ اس سے پہلے تو کلنگ کے شکار پر پابندی نہیں تھی۔ پتا نہیں کس وقت لگ گئی۔ انہیں چاہئے کہ سیزن شروع ہوتے ہی اخبارات کے ذریعے دو تین بار اعلان کر دیا کریں کہ کس کس چیز پر پابندی لگی ہوئی ہے۔''

''آپ کبھی میری زمینوں پر چل کر شکار کھیلئے۔ ہر قسم کا شکار موجود ہے۔ کئی جھیلیں ہیں اور جنگلات بھی ہیں۔''

''بہت بہتر۔ میرے لئے تو باعث فخر ہوگا۔ کیونکہ بہتیرے آپ کی شکار گاہوں کو للچائی ہوئی نظروں سے تکتے رہتے ہیں۔''

''جو بھی چاہے ہر ماہ کی پندرہ اور تیس تاریخ کو وہاں شکار کھیل سکتا ہے۔ میں نے اپنے آدمیوں کو اس کے لئے ہدایت کر دی ہے اور مشتہر بھی کرا دیا تھا۔ لیکن شکار کی تعداد پر بہرحال پابندی رہتی ہے ورنہ دو تین ہی بار میں سب کچھ ختم ہو جائے۔''

''آپ کا جواب نہیں ہے روئے زمین پر کرنل صاحب! میں آپ کیلئے کیا منگواؤں۔''

''صرف چائے۔''

''کچھ کھایئے بھی۔''

''نہیں شکریہ! اس وقت کچھ کھانے کی عادت نہیں ہے۔''

ہوٹل کے ڈائریکٹر نے ہیڈ ویٹر کو طلب کر کے چائے کے لئے کہا تھا۔

فریدی نے خاموشی اختیار کر لی۔ شکار کا موضوع ختم ہو گیا تھا۔ فن کی دلدادگی کا پہلے ہی زیادہ مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اب یہ شخص جرائم کی بڑھتی ہوئی تعداد کے بارے میں گفتگو شروع کرنے ہی والا ہے۔ چائے کے آنے سے قبل ہی ڈائریکٹر نے سوال کھینچ مارا تھا۔ ''کرنل صاحب آخر یہ جرائم اتنے کیوں بڑھ گئے ہیں۔''

''جھلاہٹ کی بناء پر۔'' فریدی بولا۔

''میں نہیں سمجھا جناب۔''

''آبادی بڑھ گئی ہے۔ وسائل محدود بھی ہیں اور چند ہاتھوں کا ان پر قبضہ ہے۔''

''جھلاہٹ والی بات تو رہ ہی گئی۔''

''اسی طرف آ رہا ہوں..... دولت مندوں کو مزید دولت مند بننے کی آزادی ہے اور عوام کو قناعت پسندی کا سبق دیا جا رہا ہے۔''

''ایسی صورت میں اس کے علاوہ اور چارہ بھی کیا ہے۔''

''چارہ ہی چارہ ہے۔ اگر خود غرضی اور جاہ پسندی سے منہ موڑ لیا جائے۔ ایک نئے انداز کی سرمایہ داری کی بنیاد ڈالنے کی بجائے خلوص نیت سے وہی کیا جائے جو کہا جاتا رہا ہے تو عوام کی جھلاہٹ رفع ہو جائے گی۔ ضرورت ہے کہ انہیں قناعت کا سبق پڑھانے کی بجائے ان کی ''خودی'' کو ابھارا جائے جیسے بعض دوسرے ممالک میں ہوا۔''

''نہیں صاحب! خودی کو قوالوں ہی کی تحویل میں رہنے دیجئے۔'' ڈائریکٹر ہنس کر بولا۔ فریدی بھی مسکرایا۔ چند لمحے خاموش رہ کر ڈائریکٹر نے کہا۔ ''آپ تو انقلابی معلوم ہوتے ہیں کرنل صاحب۔''

''حدود اللہ میں رہ کر یقیناً انقلابی ہوں۔ اللہ اس پر کبھی برہم نہیں ہو سکتا کہ کوئی قوم اپنے حالات کو مدنظر رکھ کر اپنے وسائل کی تقسیم کا مناسب انتظام کر لے۔''

''بات تو سچی ہے جناب۔ ہماری تاریخ میں ایسے سربراہان مملک بھی گزرے ہیں جو سر کے نیچے اینٹ رکھ کر کھردرے فرش پر سویا کرتے تھے اور اپنے لئے محل نہیں بناتے تھے۔''

''اور ہمارا یہ حال ہے کہ۔'' وہ جملہ پورا نہیں کر پایا تھا کہ یک بیک کئی چیخیں ہال میں گونجیں۔

''اوہ خدایا۔'' ڈائریکٹر بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔ فریدی نے بھی ان چاروں کرسیوں کو لڑھکتے دیکھا۔ وہ چاروں ایک ہی میز پر تھے۔

چند لمحے سناٹا چھایا رہا پھر لوگ اپنی اپنی جگہوں سے اٹھ کر ان کی طرف جھپٹے۔ ان میں فریدی اور ڈائریکٹر بھی تھے۔

''براہِ کرم پیچھے ہٹ جایئے۔'' فریدی نے گونجیلی آواز میں کہا اور لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور پھر ذرا ہی دیر میں چاروں گرنے والوں کی اموات کا اعلان کر دیا گیا۔

''میز پر رکھی ہوئی چیزوں کو ہاتھ نہ لگایئے۔'' فریدی نے ڈائریکٹر سے کہا۔ ''سروس قطعی بند کرا دیجئے۔ تاحکم ثانی کچن بند رہے گا۔ کچن سے باورچیوں مددگاروں کو نکال کر مقفل

کرادیجئے۔''

''خداوندا یہ کیا ہوگیا۔''

''میں بہت سبز قدم ہوں۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

''میرا..... یہ مطلب نہیں تھا جناب۔'' ڈائریکٹر بوکھلا کر بولا۔

فریدی نے متعلقہ حکام کو فون کالیں کی تھیں اور ذرا ہی سی دیر میں وہاں پولیس کی گاڑیاں پہنچنے لگی تھیں۔

بظاہر زہر خورانی کا کیس معلوم ہوتا تھا۔ کچن مقفل کردیا گیا اور مشیر نامے کی تیاری کے بعد لاشیں روانہ کردی گئیں۔

''تت..... تفتیش آپ ہی کریں گے جناب۔'' ڈائریکٹر نے پوچھا۔

''ضروری نہیں ہے۔ ابھی تو متعلقہ تھانے تک ہی بات رہے گی۔ اُن سے نہ بنی تو آگے بڑھے گی۔''

''ہوسکتا ہے وہ کہیں اور سے کچھ کھا پی کر آئے ہوں۔ غیر قانونی طور پر کشید کی ہوئی شرابیں پی کر کتنے ہی لوگ اس شہر میں مرچکے ہیں۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی گاڑی گھر کی طرف جارہی تھی۔ گھر پر حمید کتے کی کہانی لئے بیٹھا تھا۔ شام کو کہیں جانہیں سکا تھا۔ بھرا بیٹھا تھا۔ فریدی کو دیکھتے ہی پھٹ پڑا۔

''آہستہ..... آہستہ.....!'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔''

حمید نے سختی سے ہونٹ بھینچ لئے تھے پھر دوبارہ اسٹارٹ لے کر آہستہ آہستہ کتے کی حیرت انگیز موت تک پہنچا تھا۔

''چلو دکھاؤ..... کہاں ہے لاش؟''

وہ اُسے اپنی خواب گاہ میں لایا۔ کتے کی لاش اسی طرح فرش پر پڑی ہوئی تھی۔ وہ اُسے اپنی خواب گاہ میں لایا۔ پھر پٹے کی طرف اشارہ کرکے بولا۔ ''تمہارے بیان کے مطابق وہ سرخ نگینہ یہاں تھا۔''

''جی ہاں۔''

''اس جگہ پٹے میں سوراخ ہوگیا ہے۔ جلنے کا نشان..... اوہ..... یہ کچھ بال بھی جھلسے ہوئے ہیں۔ اچھا اسے اوپر میری تجربہ گاہ میں پہنچا دو۔ پتہ اتار دینا۔''

''بھنگی بنا دیجئے مجھے۔''

''وہ تو پہلے ہی سے ہو۔'' فریدی کہتا ہوا کمرے سے نکل آیا۔ ڈرائنگ روم میں پہنچ کر فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کئے تھے اور دوسری طرف سے جواب ملنے پر بولا تھا۔ ''نیا گراوالی لاشیں کہاں ہیں۔''

''مردہ خانے میں..... پہلے شناخت کے لئے تشہیر کی جائے گی پھر پوسٹ مارٹم ہوگا.....'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''میں دوبارہ ان کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔ آدھے گھنٹے کے اندر اندر اس کا انتظام کردو۔''

''بہت بہتر جناب.....!'' دوسری طرف سے پھر آواز آئی۔

ریسیور رکھ کر وہ پھر حمید کے کمرے کی طرف چل پڑا۔ دو ملازم کتے کی لاش اٹھا کر اوپری منزل پر لے جارہے تھے۔

''آخر آپ کریں گے کیا.....؟'' حمید نے پوچھا۔

''اس کا پوسٹ مارٹم میں خود کروں گا۔''

''کمال ہے..... کیا یہ کام کسی ہسپتال کی آپریشن ٹیبل پر نہیں ہوسکتا۔''

''تمہیں کیا پریشانی ہے۔'' فریدی نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔ حمید پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا اور اس کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔

''کچھ نہیں۔'' وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''شاید فراغت کے دن ختم ہوگئے۔''

فریدی دروازے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

''ارے تو اب آپ کہاں چلے۔''

''ابھی آیا۔''

اس کی گاڑی پھر کمپاؤنڈ سے نکل رہی تھی۔ اس بار سفر کا اختتام پولیس ہسپتال ہوا۔ ڈاکٹر شاہد اسی کا منتظر تھا۔ وہ مردہ خانے میں پہنچے۔ چاروں لاشیں ابھی سرد خانے میں نہیں

پہنچی تھیں۔ میز ہی پر پڑی ہوئی تھیں۔ فریدی نے کپڑا ہٹا کر ان کے ہاتھوں کا جائزہ لیا تھا اور ڈاکٹر کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

''جی ہاں ..... چاروں کی انگلیوں پر جلنے کے نشانات ہیں۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''اور انگشتیروں سے نگینے غائب ہیں۔''

''واقعی یہ بڑی عجیب بات ہے اور جلنے کے نشانات عین نگینوں کے نیچے سے انگلیوں میں شروع ہوئے ہیں۔'' ڈاکٹر بولا۔

''مجھے یہی دیکھنا تھا.....!'' فریدی نے کہا۔

''بہرحال ساری علامات الیکٹرک شاک لگنے کی موجود ہیں۔'' ڈاکٹر بولا۔

''کیا آپ کی ڈیوٹی ختم ہونے والی ہے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''ختم ہوچکی ہے۔ میں تو آپ کا منتظر تھا۔''

''کیا مجھے تھوڑا سا وقت دے سکیں گے؟''

''ضرور.....ضرور.....!''

''ایک کتے کی لاش کا پوسٹ مارٹم کریں گے۔''

''اوہ.....!'' ڈاکٹر کی آنکھوں میں حیرت کے آثار نظر آئے تھے۔ لیکن پھر وہ مسکرا کر بولا۔ ''کیا اسی وقت.....؟''

''ابھی.....اور میں اب آپ کو اپنے گھر لے چلوں گا۔''

''چلئے.....!''

کتے کی لاش تجربہ گاہ کی میز پر پڑی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر حیرت سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ''خدا کی پناہ! میں تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔'' اس نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''میں نے آپ کی تجربہ گاہ کے بارے میں سنا تھا لیکن اس حد تک بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔''

''بس شوق کی بات ہے۔''

کتے کی لاش کی چیر پھاڑ شروع ہوئی تھی اور الماریوں سے جدید ترین آلات برآمد ہونے لگے تھے۔

حمید انہیں اسسٹ کررہا تھا اور گھن کے مارے اس کی آنتیں حلق میں چلی آرہی تھیں۔ خدا خدا کرکے چیر پھاڑ مکمل ہوئی تھی اور وہ مختلف قسم کے سلیوشنوں سے ہاتھ دھوتے رہے تھے۔

حمید کو اوبکائی آئی اور وہ باہر چلا گیا۔

''قطعی طور پر الیکٹرک شاک.....!'' ڈاکٹر بولا۔

''ان لاشوں کے پوسٹ مارٹم کا بھی یہی نتیجہ برآمد ہوتو مجھے فوری طور پر مطلع کردیجئے گا۔'' فریدی نے کہا۔

''آخر قصہ کیا ہے.....؟''

''پہلے یہ دیکھنا پڑے گا کہ الیکٹرک شاک لگے کیسے۔'' فریدی پُرتفکر لہجے میں بولا۔ پھر اس نے کتے کی کہانی سناتے ہوئے کہا تھا۔ ''ان لاشوں کے بارے میں تو آپکو علم ہی ہے۔''

''میں نے لاشوں کے بارے میں اپنا خیال ظاہر کردیا تھا۔'' ڈاکٹر بولا۔ ''آپ کے محکمے کے لوگ شائد نیاگرہ میں اسی بات کی دیکھ بھال کررہے ہیں۔''

''لیکن وہاں ان کرسیوں پر الیکٹرک شاک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''تو پھر ان انگشتریوں کے نگینے کیسے تھے۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ جس وقت وہ چاروں ختم ہوئے تھے ٹھیک اسی وقت یہاں کتے نے دم توڑ دیا تھا۔''

ڈاکٹر کچھ نہ بولا۔ وہ دونوں تجربہ گاہ سے باہر آئے اور فریدی نے کہا۔ ''رات کا کھانا میرے ہی ساتھ کھایئے۔''

''مجھے بے حد افسوس ہے کہ کسی اور جگہ مدعو ہوں۔''

''اچھا تو ایک ایک کپ کافی ہی سہی۔ سردی آج کچھ بڑھ گئی ہے۔''

''کوئی مضائقہ نہیں۔''

وہ ڈائننگ روم میں آبیٹھے۔ حمید اپنے کمرے میں تھا۔ ایک ملازم سے معلوم ہوا کہ اس کی طبیعت خراب ہوگئی ہے۔ کافی پی کر ڈاکٹر تو چلا گیا تھا اور فریدی نے حمید کے دروازے پر

دستک دی تھی۔

''اب زندہ بھی رہنے دیجئے گا یا نہیں۔'' اندر سے آواز آئی۔

''بہت زندگی ہے فرزند تمہاری..... دروازہ کھولو۔''

دروازہ کھلا تھا اور حمید شب خوابی کے لباس میں دکھائی دیا۔

''آخر ہے کیا چکر.....؟'' اس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''چیلنج.....!'' فریدی نے کہا اور اس کے جبڑے بھینچ گئے۔

میکس فیکٹر

حمید نے احمقانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں اور بولا۔ ''مگر کس کی طرف سے۔''

''یہ میں نہیں جانتا..... لیکن ہے چیلنج ہی۔ ورنہ یہاں اس کتے کا کیا کام..... جسے ان چاروں ہی کی طرح مرجانا تھا۔''

''اُوہاں..... اس کا پٹہ کہاں ہے؟''

''کھڑکی سے عقبی پارک میں پھینک دیا گیا۔''

''نگینوں سمیت۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔

''ہاں..... میں اُسے عمارت کے اندر رکھنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔''

''وہ چاروں آپ کی موجودگی میں مرے تھے اس لئے مجھے بھگتنے کیلئے تیار رہنا چاہئے۔''

''یہ بہت اچھی بات ہے کہ پہلے ہی سے تمہارا ذہن بن جائے گا۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

دفعتاً رکھوالی کے کتوں کے بھونکنے کی آواز آئی اور وہ چونک پڑے پھر فریدی صدر

دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا تھا۔ حمید نے صرف شانے ہلائے تھے۔ اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کی تھی۔ اتنے میں ایک ملازم ڈرائینگ روم میں داخل ہوا جسکے چہرے پر بدحواسی طاری تھی۔

''کک..... کپتان صاحب..... دو..... دوسرا کتا۔''

''کہاں.....؟'' حمید بوکھلا کر کھڑا ہوگیا۔

''دیوار پھلانگ کر کمپاؤنڈ میں آیا تھا۔ رکھوالی کے کتوں نے دبوچ لیا۔''

''کرنل صاحب کہاں ہیں۔''

''وہ اسے اپنے کتوں سے بچانے کی کوشش کررہے ہیں۔''

حمید بھی کمپاؤنڈ کی طرف جھپٹا تھا۔ فریدی پھاٹک کے قریب کھڑا نظر آیا۔ مگر اب کتے نہیں بھونک رہے تھے۔ قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ رکھوالی کے کتے قطعی طور پر دم توڑ چکے ہیں اور دو زمین پر پڑے سسک رہے ہیں۔''

''کک..... کیا ہوا.....؟''

''دوسرا کتا تھا.....!'' اس نے پرسکون لہجے میں کہا۔ ''انہیں اس حال کو پہنچا کر نکل گیا۔''

''ارے..... تو ان دونوں کو تو بچانے کی کوشش کیجئے۔''

''فضول ہے یہ نہیں بچیں گے۔''

''لیکن وہ گیا کہاں۔''

''جہاں سے آیا ہوگا۔'' خشک لہجے میں جواب ملا۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہ دونوں کتے بھی ختم ہوگئے تھے۔

''یہ صرف چیلنج ہی نہیں بلکہ دھمکی بھی ہے۔'' فریدی بولا۔

''میں کتے کے تعاقب کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا۔'' حمید بولا۔

''چلو.....!'' فریدی اس کا بازو پکڑ کر پورچ کی طرف موڑتا ہوا غرایا۔

حمید بے دلی سے چلتا ہوا ڈرائینگ روم تک آیا تھا۔ فریدی نے تازہ سگار سلگا کر دھواں اس کے منہ پر چھوڑتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہیں کتے کے تعاقب کا موقع دے سکتا ہوں۔''

''کیا مطلب.....؟''

''میں جانتا ہوں کہ وہ کس کا کتا تھا۔''

''کون سا کتا.....؟''

''وہی جو رکھوالی کے کتوں کو مار گیا۔''

''کس کا تھا.....؟''

''میرا ہی ایک بلڈ ہاؤنڈ جو پچھلے پندرہ دن سے غائب تھا۔''

''مجھے تو علم نہیں تھا اس کی گمشدگی کا۔''

''تم ہوش میں کب رہتے ہو۔''

شازیہ کو بڑا دکھ تھا۔ اس کے ڈیڈی آج بھی اس کے لئے میکس فیکٹر کا بیوٹی باکس نہیں لائے تھے۔ حالانکہ صبح تک وہ ڈیوٹی پر جانے لگے تو اس نے پائیں باغ سے چیخ کر یاد دہانی کرائی تھی۔

خان تجمل مقامی جیل کے سپرنٹنڈنٹ تھے اور ان کا جیل خانہ ملک کا مثالی جیل خانہ سمجھا جاتا تھا۔ انہوں نے اپنے طور پر بعض اصلاحات کی تھیں جن کے تحت وہ جیل خانے کی بجائے ایک طرح کی تربیت گاہ بن گیا تھا۔

ظاہر ہے کہ پھر خان تجمل اور ان کے کنبے کا گزارہ محض تنخواہ ہی پر رہا ہوگا اور یہ کنبہ بھی چھوٹا سا نہ تھا۔ خان تجمل کے والدین بقید حیات تھے۔ ایک بیوہ بہن اور اس کے دو بچوں کا بار بھی خان تجمل ہی پر تھا۔ شازیہ سے بڑی دو بہنیں تھیں۔ تین بڑے بھائی۔ سب ہی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ بیگم تجمل سدا کی بیمار، ہمیشہ دواؤں اور انجکشنوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

اگر خان تجمل کے والد کے پاس کچھ زرعی زمینیں نہ ہوتیں تو شاید مہینے میں دو چار فاقوں کی بھی نوبت آ جاتی۔ پھر وہ کیپٹن خان تجمل کا بنگلہ تھا اس لئے دو چار مہمان بھی بنے رہتے تھے۔

بہرحال ایسے حال میں میکس فیکٹر کے بیوٹی بکس کی فرمائش ایسی ہی تھی جیسے کسی لکڑہارے سے نولکھا ہار کی فرمائش کر دی گئی ہو۔ شازیہ سب سے چھوٹی تھی اس لئے چہیتی بھی تھی۔ عمر تیرہ سال تھی۔ اس سے بڑی عالیہ سترہ سال کی تھی اور آسیہ اکیسویں میں تھی تینوں بھائی اس سے چھوٹے تھے اور ابھی ہائر سیکنڈری ایجوکیشن سے فارغ نہیں ہوئے تھے۔

شام کو بیوٹی بکس نہ ملنے پر وہ دل گرفتہ سی ہو کر پائیں باغ میں نکل آئی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ خوب چیخ چیخ کر روئے۔ آم کے درخت کے نیچے بنچ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ دفعتاً ایک بڑا سا پیکٹ اس کے پیروں کے قریب آ گرا اور وہ خوفزدہ ہو کر اچھل پڑی۔

بڑی دیر تک پیکٹ کو ہاتھ ہی لگانے کی ہمت نہیں پڑی تھی۔ بار بار سر اٹھا کر درخت کے اوپر نظر ڈالتی لیکن گھنی شاخوں میں کچھ بھی دکھائی نہ دیتا۔ ویسے اسے یقین تھا کہ پیکٹ درخت ہی پر سے گرا ہے۔

پھر اس نے پیکٹ کھول ڈالا تھا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ میکس فیکٹر کا بیوٹی بکس ہی تھا۔ یہ کہاں سے آیا؟ پاپا نے تو بھول جانے کا عذر کر دیا تھا۔ ایک بار پھر درخت پر نظر ڈالی مگر کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔

پھر وہ اس بیوٹی بکس کو دوپٹے میں لپیٹ کر اپنے کمرے میں اٹھا لائی۔ اس کا اور عالیہ کا مشترکہ کمرہ تھا۔ عالیہ اس وقت وہاں موجود نہیں تھی۔ اس لئے اسے اطمینان سے بکس میں رکھی ہوئی چیزوں کا جائزہ لینے کا موقع مل گیا تھا۔

اوہو! اس میں تو ایک خط بھی رکھا ہوا ہے۔ اس نے کاغذ کی تہہ کھولی۔ کسی نے شاید اسے ہی مخاطب کیا تھا۔

''پیاری بچی! تمہیں یاد ہوگا کہ تم بچپن میں پریوں کی کہانیاں بڑے شوق سے سنا کرتی تھیں اور تمہیں نیلم پری کا کردار بہت پسند تھا۔ لہٰذا نیلم پری بھی تمہیں پسند کرنے لگی ہے۔ تمہاری ہر خواہش

پوری کرے گی۔ بیوٹی بکس کے علاوہ اور بھی جو کچھ چاہتی ہو بتاؤ مہیا کیا جائے گا۔ لیکن کسی کو معلوم نہ ہونے پائے۔ ورنہ بیوٹی بکس بھی غائب ہوجائے گا اور نیلم پری تم سے کٹی کردے گی۔ میں نیلم پری کا خادم ایک پریزاد ہوں۔ بندر کی شکل میں تم سے ملتا رہوں گا۔ مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''پتا نہیں کون اس طرح رشوت دے گیا ہے۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی ہنس پڑی۔ پھر سنجیدہ ہوکر سوچنے لگی۔ اگر کوئی شخص سفارش کرانا چاہتا ہے تو کیا پاپا میری سن لیں گے۔ ہرگز نہیں۔ ان سے تو یہ بکس بھی چھپانا پڑے گا ورنہ وہ یہی سمجھیں گے کہ میں نے کسی سفارشی کا تحفہ قبول کرلیا ہے۔ لیکن اب وہ اسے چھپائے کہاں۔ عالیہ کی بچی نے دیکھ لیا تو چاروں طرف شور مچا دے گی۔ اس سے چار سال بڑی تھی لیکن ہم جولیوں کی طرح اس سے الجھتی رہتی تھی اور شازیہ بھی اسے عالیہ ہی کہتی تھی۔ ''باجی یا آپا'' کا روگ نہیں پالا تھا۔

سوچتے سوچتے بالآخر یہی فیصلہ کیا کہ فی الحال اسے میلے کپڑوں کے ڈھیر کے نیچے چھپا دینا چاہئے پھر وہ بکس کو تو ضائع کردے گی اور اس کی مختلف چیزیں نکال کر ادھر اُدھر رکھ دے گی اور ان پر سے میکس فیکٹر کے لیبل بھی چھڑا دے گی۔

دوسری صبح اس نے اس بندر کی تلاش شروع کردی تھی۔ سردیوں کی چھٹیاں تھیں اور وہ سارا دن گھر پر ہی گزارتی تھی۔ تینوں بھائی ایک عزیز کے ساتھ مرغابیوں کے شکار کیلئے گئے ہوئے تھے۔ عالیہ اور آسیہ زیادہ تر کمروں ہی تک محدود رہی تھیں۔ معمر لوگ سردی کی وجہ سے آتشدان سے دوری پسند نہیں کرتے تھے اس لئے پائیں باغ میں وہ تنہا ہی ہوتی تھی۔

آم کے درخت کے نیچے پہنچ کر وہ رک گئی۔ چاروں طرف سناٹا تھا دن کے گیارہ بجے تھے اور آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ سردی بڑھ گئی تھی۔

دفعتاً اوپر شاخوں پر سرسراہٹ ہوئی اور ایک پرزہ اس کے پیروں کے قریب آ گرا۔ اس نے اوپر دیکھے بغیر جھک کر پرزہ اٹھالیا تھا۔ اس بار تحریر تھی۔

''پیاری بچی! میں نے رات اسی درخت پر گزاری ہے اور اس

وقت بہت بھوکا ہوں۔ دو تین سینڈوچ بنالاؤ۔ حالانکہ دوسرے بندر گوشت نہیں کھاتے۔ لیکن مجھے گوشت کے سینڈوچ بہت پسند ہیں اور پھر میں بندر تو ہوں نہیں۔ پری زاد ہوں۔ مجھے اردو زیادہ نہیں آتی۔ اس لئے میری ہینڈ رائٹنگ بھدی ہے۔ خدا کرے تم اسے ٹھیک سے پڑھ لیتی ہو۔''

اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ شاخوں کے درمیان ایک بڑا سا بندر چھپنے کی کوشش کررہا تھا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر شازیہ کو سلام کیا تھا۔ وہ سرہلاتی ہوئی کچن کی طرف بھاگ کھڑی ہوئی۔ بہت جلدی میں ابلے ہوئے بیف کے چند پارچے کاٹے تھے اور ان پر ساس لگا کر نمک مرچ چھڑکا تھا۔ پھر چار سینڈوچ تیار کرکے دوبارہ پائیں باغ کی طرف دوڑ گئی تھی۔ درخت سے ایک چھوٹا سا چھینکا نیچے آیا تھا۔ جو ایک پتلی سی ڈوری سے بندھا ہوا تھا۔ شازیہ کو بڑی مایوسی ہوئی۔ وہ تو سمجھی تھی کہ بندر خود اتر کر نیچے آئے گا۔ بہرحال اس نے سینڈوچ چھینکے پر رکھ دیئے اور چھینکا اوپر کھینچ لیا گیا اور وہ بینچ پر جا بیٹھی۔

چاروں طرف سناٹا تھا۔ وہ پھر درخت کے تنے کے قریب پہنچی اور کسی قدر اونچی آواز میں بولی۔ ''تم آخر نیچے کیوں نہیں آتے۔ یہاں بچے نہیں ہیں کہ تمہیں پریشان کریں گے۔''

''پہرے والا سپاہی گولی ماردے گا۔'' اوپر سے بھنبھناتی ہوئی سی آواز آئی تھی اور شازیہ کو ایسا محسوس ہوا تھا جیسے کوئی انگریز اردو بول رہا ہو۔

تھوڑی دیر بعد پھر آواز آئی۔ ''آدھے گھنٹے بعد عقبی پارک والی جھاڑیوں میں مل سکوں گا۔''

''اچھا..... اچھا..... میں وہاں پہنچ جاؤں گی۔'' وہ جلدی سے بولی تھی پھر وہ اندر چلی آئی تھی اور سوچ رہی تھی کہ بندر کے لئے اور کیا لے جائے۔ خوبانیاں کیسی رہیں گی۔ بندر تو خوبانیاں کھاتے ہی ہوں گے۔ ارے وہ تو گوشت بھی کھاتا ہے۔ نہیں..... خوبانیاں نہیں۔ خشک میووں والے کیک کا بڑا ٹکڑا کیوں نہ لے جائے۔ ہاں یہی ٹھیک رہے گا۔ خوبانیاں تو وہ یوں بھی کھاتا ہی رہتا ہوگا۔ درختوں کا باسی جو ٹھہرا۔

آدھے گھنٹے بعد وہ عقبی پارک میں جا پہنچی تھی۔ لیکن جیسے ہی جھاڑیوں میں قدم رکھا

کسی نے اس کے سر پر کپڑا ڈال کر منہ دبا دیا۔ وہ چیخ بھی تو نہیں سکی تھی۔ دم گھٹ کر رہ گیا تھا۔ سر چکرایا تھا اور وہ فوری طور پر بیہوش ہوگئی تھی۔

دوبارہ آنکھ کھلی تو خود کو ایک سجے سجائے کمرے میں پایا لیکن یہ اس کے بنگلے کا کوئی کمرہ نہیں ہوسکتا تھا۔ اس کے بنگلے میں اتنا قیمتی اور خوبصورت فرنیچر کہاں سے آتا۔ سامنے میز پر ٹیلی فون رکھا نظر آیا۔ وہ بستر سے اٹھ کر اس کی طرف جھپٹی تھی۔ شاید اس کے نمبر دیکھنا چاہتی تھی لیکن اس پر نمبر نہیں تھے۔ شاید مٹا دیئے گئے تھے۔

بہرحال یہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی کہ اس کا اغوا کیا گیا تھا۔ دروازے کی طرف بڑھی اسے بھی آزمایا۔ وہ باہر سے بولٹ کیا گیا تھا۔ دوبارہ فون کی طرف پلٹ آئی اور فون پر اپنے پاپا کے دفتر کے نمبر ڈائیل کرنے لگی۔ دوسری طرف سے جواب ملا تھا۔ آواز اس کے پاپا ہی کی تھی۔

''میں شازیہ بول رہی ہوں پاپا۔''

''ہاں..... کہو کیا بات ہے ..... اوہ..... اچھا سمجھ گیا..... دیکھو اب تنخواہ ملے گی نا۔ بس اسی دن تمہاری فرمائش بھی پوری ہوجائے گی۔''

''اس کی بات نہیں ہے پاپا۔''

''پھر کیا بات ہے؟''

''شاید میرا اغوا ہوگیا ہے۔''

''کیا بکواس ہے۔''

''لڑکی ٹھیک کہہ رہی ہے خان تجمل۔'' تیسری آواز سنائی دی۔ ''لیکن وہ بالکل محفوظ ہے۔''

''تم کون ہو.....؟''

''کیا اب یہ بھی بتانا پڑے گا۔ خیر پہلے تم اس سے اس کی داستان سن لو۔ ہاں بے بی اب تم اپنے پاپا کو بتا سکتی ہو کہ تمہارا اغوا کس طرح ہوا۔''

شازیہ اپنے باپ کو بندر کی کہانی سنانے لگی تھی اور پھر بولی تھی۔ ''میں نہیں جانتی کہ یہ عمارت کہاں واقع ہے۔ فون پر کے نمبر بھی مٹا دیئے گئے ہیں۔''

''آخر ایسا کیوں ہوا۔ میں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے۔'' خان تجمل کی بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔

تیسری آواز کہتی سنائی دی تھی۔ ''تم بہت اچھے آدمی ہو خان تجمل۔ تم نے کسی کا کچھ نہیں بگاڑا۔''

''تو پھر ایسا کیوں ہوا.....؟''

''بہت معمولی سی معلومات کے عوض شازیہ کی رہائی ممکن ہوجائے گی۔''

''کیا معلوم کرنا چاہتے ہو۔''

''قیدی نمبر ۱۶ اور نمبر ایک سو تیرہ کہاں بھیجے گئے ہیں۔''

''میں نہیں جانتا۔ مجھے نہیں بتایا گیا۔ کوئی ٹاپ سیکرٹ قسم کا معاملہ تھا۔''

''مجھے علم ہے کہ تم نہ جانتے ہوگے۔ لیکن کوشش کرو تو معلوم کرسکتے ہو۔''

''کسی طرح بھی ممکن نہیں۔''

''وہ دونوں کس کی نگرانی میں لے جائی گئی تھیں۔''

''یقین کرو..... میں نہیں جانتا۔ شاید خود ڈی آئی جی صاحب آئے تھے۔ میں اس دن چھٹی پر تھا۔ میرے نائب نے کارروائی کی تھی۔''

''نائب سے معلوم کرو کہ ڈی آئی جی نے انہیں کس کے سپرد کیا تھا۔ بیس منٹ بعد میں پھر تمہیں فون کروں گا۔ لیکن یقین کرو تم کسی طرح بھی میرے نمبر ڈٹکٹ نہ کرسکو گے۔''

کلک کی آواز آئی تھی۔ شاید عمارت ہی کے کسی دوسرے انسٹرومنٹ کا ریسیور رکھا گیا تھا۔ پھر خان تجمل کی آواز آئی۔ ''شازیہ! کیا تم سن رہی ہو بے بی۔ دیکھو بالکل پریشان نہ ہونا۔ سب ٹھیک ہوجائے گا۔''

''میں بالکل خائف نہیں ہوں پاپا۔ آپ ہی کی بیٹی ہوں۔'' شازیہ نے گونجیلی آواز میں کہا تھا۔

خان تجمل نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا تھا اور اپنے جسم کے رعشے پر قابو پانے کی کوشش

کررہے تھے۔ زندگی میں پہلی بار انہیں ایسے کسی واقعے سے دوچار ہونے کا اتفاق ہوا تھا۔ وہ تصور بھی نہیں کرسکتے تھے کہ کبھی ان پر ایسی بھی گزرے گی۔ انہیں ان دونوں قیدی عورتوں کے بارے میں صرف اتنا ہی معلوم تھا کہ وہ کسی قسم کے جرم میں ماخوذ ہوئی تھیں اور کسی مغربی ملک سے تعلق رکھتی تھیں۔ کاغذات میں ان کے ناموں کی بجائے صرف نمبروں کا اندراج ہوتا تھا۔ وہ تو ان کے نام تک سے واقف نہیں تھے اور یہ بھی حقیقت تھی کہ ان کی منتقلی کے وقت وہ چھٹی پر تھے۔ ان کے نائب لیفٹیننٹ رضوی نے دونوں کو ڈی آئی جی کے حوالے کیا تھا۔ انہوں نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی اور اردلی نے اندر داخل ہوکر سلیوٹ کیا تھا۔

''رضوی صاحب کو سلام دو۔'' انہوں نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

تھوڑی دیر بعد لیفٹیننٹ رضوی اندر آیا تھا۔

''بیٹھئے.....!'' خان تجمل نے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ بیٹھ گیا۔ لیکن آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔ شاید اس سے پہلے کبھی اس طرح طلب نہیں کیا گیا تھا۔

''سولہ اور ایک سو تیرہ نمبروں کی منتقلی کہاں ہوئی تھی؟'' خان تجمل نے اس کی طرف دیکھے بغیر سوال کیا۔

''یہ تو مجھے نہیں بتایا گیا جناب۔ ڈی آئی جی نے کاغذات پر دستخط کئے تھے اور انہیں لے گئے تھے۔''

''ان کے ساتھ اور کون تھا.....؟''

''دو حضرات.....جنہیں میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔''

''ہوں.....میں نے اپنا نجی ریوالور صفائی کے لئے دیا تھا۔''

''جی ہاں.....کل ہی بنگلے پر بھجوا دیا تھا۔''

''مجھے پچاس راؤنڈ بھی چاہئیں۔ ابھی منگوا دیجئے۔'' انہوں نے جیب سے پرس نکالتے ہوئے کہا اور پھر کچھ نوٹ نکالے تھے اور رضوی کے سامنے ڈال دیئے۔

''بہت بہتر جناب.....ابھی منگواتا ہوں۔'' اس نے نوٹ اٹھاتے ہوئے کہا اور خود بھی اٹھ گیا۔ اس کے بعد خان تجمل نے فون پر گھر کے نمبر ڈائیل کئے تھے۔ جواب ملنے پر

ماؤتھ پیس میں بولے۔ ''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ شازیہ گھر پر نہ ہوگی۔ مجھے علم ہے کہ وہ کہاں ہے۔ جلد واپس آجائے گی۔ پڑوس میں تلاش کرنا بند کردو۔''

''آخر کہاں ہے؟'' دوسری طرف سے بڑی بیٹی آسیہ کی آواز آئی تھی۔

''میں کہتا ہوں فکر نہ کرو۔ سب ٹھیک ہوجائے گا۔ گھر میں سب کو بتادو کہ اسے چھوٹے چچا لے گئے ہیں۔ دو تین دن بعد واپس آجائے گی۔ جلدی میں تھے اس لئے گھر میں کسی کو نہ بتا سکے۔ مجھے فون کردیا ہے۔''

''حقیقت کیا ہے پاپا۔'' دوسری طرف سے آسیہ کی گھمبیر سی آواز آئی۔

''گھر آکر بتاؤں گا۔ دوسروں سے یہی کہنا جو میں نے بتایا ہے۔'' کہتے ہوئے انہوں نے سلسلہ منقطع کردیا۔ بات کو آگے نہیں بڑھانا چاہتے تھے۔

تھوڑی دیر بعد فون کی گھنٹی بجی۔ انہوں نے ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے وہی آواز سنائی دی جس نے ان کی اور شازیہ کی گفتگو کے دوران میں مداخلت کی تھی۔

''میں تمہارے جواب کا منتظر ہوں خان تجمل۔''

''مجھے افسوس ہے کہ انہیں لے جانے والے میرے نائب کے لئے اجنبی تھے۔''

''کیا کئی لوگ تھے؟''

''ڈی آئی جی کے علاوہ دو آدمی۔''

''پتا لگاؤ کہ وہ دونوں کون تھے اور قیدیوں کو اب کہاں رکھا گیا ہے۔''

''میرے بس سے باہر ہے۔''

''تو پھر شازیہ سے بھی ہاتھ دھو رکھو۔ شاید وہ تیرہ سال کی ہے۔''

''تم ایسا نہیں کرسکتے۔ میں تمہیں تلاش کرکے فنا کردوں گا۔''

''ضرور کوشش کرو۔ تمہارے ہی شہر میں مقیم ہوں اور شازیہ بھی میرے ساتھ ہی ہے۔''

''اگر تم ایسے ہی جیالے ہو تو اس بچی کی بجائے مجھے ہی یرغمال بنانے کی کوشش کیوں نہیں کی۔ ہوسکتا ہے میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ مجھے علم ہو سب باتوں کا۔''

''نہیں.....تم نہیں جانتے۔ ورنہ اب تک اُگل چکے ہوتے۔''

''میں کہتا ہوں شازیہ کو واپس کردو۔ تب ہی معاملے کی بات ہوسکتی ہے۔''

''اسکی طرف سے بےفکر رہو۔ وہ بہت آرام سے ہے اور اسے ہم سے کوئی شکایت نہیں۔''

''میں کوشش کروں گا..... معلومات حاصل کرنے کی۔''

''بس تو پھر شازیہ کو بھی محفوظ سمجھو۔ کل دس بجے تک کی مہلت دی جاتی ہے۔''

سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر انہوں نے بھی ریسیور کریڈل پر رکھ دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ان کی جیپ ڈی آئی جی کے آفس کی طرف جارہی تھی اور وہ سوچ رہے تھے کہ اغوا کنندگان بہت باخبر معلوم ہوتے ہیں۔ انہیں اس بھاگ دوڑ کا بھی علم ہوجائے گا اور وہ ان کی طرف سے کسی قدر مطمئن ہوجائیں گے اور شازیہ کو کوئی تکلیف نہ پہنچائیں گے۔

خان تجمل کا براہِ راست ڈی آئی جی تک پہنچنا غیر معمولی بات تھی۔ اس نے انہیں حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''خیریت تو ہے خان صاحب۔''

''خیریت ہی تو نہیں ہے حضور۔'' انہوں نے گلوگیر آواز میں کہا اور اپنی داستان دہرانے لگے۔ ڈی آئی جی بھی غور سے سن رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں تشویش کے سائے گہرے ہوتے جارہے تھے۔

''یہ تو بہت بُری خبر سنائی تم نے۔'' اس نے مغموم لہجے میں کہا۔ ''لیکن خان صاحب میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہے کہ دونوں عورتیں اب کس جیل منتقل کی گئی ہیں۔ شاید کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کے علاوہ کسی اور کو بھی نہ معلوم ہو۔ وہی دونوں انہیں لے گئے تھے۔ منتقلی کے لئے اوپر سے احکامات آئے تھے۔ ٹاپ سیکرٹ معاملہ ہے۔''

''یہ تو میں بھی جانتا ہوں ورنہ کاغذات میں صرف نمبروں کی بجائے ان کے نام بھی ہوتے۔'' خان تجمل نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارے لئے کیا کروں۔ ویسے اپنی مدد کے لئے جتنی فورس چاہو لے سکتے ہو۔ میں احکامات جاری کئے دیتا ہوں۔''

''بہت بہت شکریہ جناب..... لیکن فورس سے کام تو اس وقت چل سکتا ہے جب ہمیں

اغوا کنندگان کے ٹھکانے کا علم ہوجائے۔ وہ اتنے دلیر معلوم ہوتے ہیں کہ کسی قسم کی شرائط بھی عائد نہیں کیں۔ یعنی میں جس سے چاہوں اس کا تذکرہ کرسکتا ہوں۔ وہ قطعی محفوظ ہیں۔''

''اسی لئے تو معاملہ زیادہ تشویش ناک نظر آرہا ہے۔ ویسے میرا مشورہ یہ ہے کہ تم اس سلسلے میں کرنل فریدی سے بات کرو۔''

''میری جان پہچان نہیں ہے ان لوگوں سے۔''

''میں تعارفی خط لکھ دوں گا۔''

''بہت بہت شکریہ جناب۔''

ڈی آئی جی نے سامنے رکھے ہوئے پیڈ پر کچھ لکھنا شروع کیا تھا اور خان تجمل سر جھکائے بیٹھے رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ڈی آئی جی نے اپنے تعارفی نوٹ کو ملفوف کرکے ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔ ''وش یو گڈ لک''

''بہت بہت شکریہ جناب۔ اب اجازت دیجئے۔''

''خدا حافظ۔'' اس نے اٹھ کر ان سے مصافحہ کیا۔

اب ان کی جیپ فریدی کے آفس کی طرف جارہی تھی۔ لیکن اس تک پہنچنا آسان نہیں تھا۔ کئی مرحلوں سے گزرنے کے بعد بالآخر اس کے روبرو ہونا نصیب ہوا تھا۔ ڈی آئی جی کا نوٹ پڑھ کر اس نے ترحم آمیز نظروں سے خان تجمل کی طرف دیکھا تھا۔

''مجھے بے حد افسوس ہے کیپٹن۔'' اس نے کہا۔

''میں بہت پریشان ہوں کرنل فریدی۔''

''ظاہر ہے۔ ویسے آپ اس بندر کے بارے میں اور کیا بتاسکیں گے۔''

''کچھ بھی نہیں..... میں نے اُسے نہیں دیکھا۔ شازیہ کے بیان کے مطابق وہ عام بندروں سے کسی قدر بڑا تھا۔''

''اُوہ.....!''

خان تجمل خاموشی سے اس کی طرف دیکھے جارہے تھے۔ اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

''آپ اغوا کنندگان کو ہمارے نام بتاسکتے ہیں۔ ان سے کہہ دیجئے گا کہ منتقلی ہمارے

توسط سے عمل میں آئی تھی۔ لیکن میں جگہ نہیں بتا سکوں گا۔ شاید کام چل جائے۔ پھر ہم دیکھوں گا کہ وہ کون لوگ ہیں۔''

''خدا کرے ایسا ہی ہو۔''

''میری طرف سے اجازت ہے۔ آپ میرا نام لے سکتے ہیں۔ پھر وہ لوگ خود سمجھ لیں گے کہ میں جگہ کا تذکرہ نہیں کرسکتا۔ لہٰذا آپ کو بھی اس کا علم نہیں ہوسکتا۔''

''بہت بہت شکریہ کرنل۔''

''اس کے علاوہ اگر اور کوئی خاص واقع رونما ہو تو مجھے ضرور مطلع کیجئے گا۔ آفس میں ملا تو گھر پر ہوں گا۔ گھر پر عدم موجودگی کی صورت میں آپ اپنا پیغام ریکارڈ کرا سکیں گے۔''

''بہت بہتر۔'' خان تجمل نے اٹھتے ہوئے کہا۔

خان تجمل وہاں سے بھی رخصت ہوکر اپنے آفس کی طرف چل پڑے۔ گھر جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ خاندان والوں کو کیا بتاتے۔ آسیہ نے پہلے ہی وعدہ لے لیا تھا کہ وہ اسے اصل واقعات سے آگاہ کردیں گے۔ اغوا کنندگان نے دوسرے دن دس بجے کال کرنے کو کہا تھا۔ لہٰذا فی الحال اس سے بھی گفتگو کرنے کا امکان نہیں تھا۔ ویسے وہ سوچ رہے تھے کہ اب کچھ نہ کچھ ہوکر رہے گا۔ اپنے آفس پہنچے تو نائب نے طلب کئے ہوئے کارڈز بھی حوالے کردیئے۔

بیٹھے ہوئے دس منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔ انہوں نے بے صبری سے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے شازیہ کی آواز آئی تھی لیکن دوسرے ہی لمحے میں ایک اور آواز سنائی دی۔ شازیہ کو کوئی ریسیور رکھ دینے کو کہہ رہا تھا۔ پھر وہ اسے پکارتے ہی رہ گئے تھے۔ مگر دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہوجانے کی آواز آئی تھی اور وہ دانت پیستے ہوئے کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گئے تھے۔

خونی ٹائپ رائٹر

ناشتے کے لئے اسے دوسرے کمرے میں لے جایا گیا تھا۔ پچھلی رات تک کھانا اسی کمرے میں پہنچایا گیا تھا جہاں وہ سوئی تھی۔ صبح ایک بوڑھی عورت آئی تھی اور اس نے کہا تھا کہ ناشتہ دوسرے کمرے میں ہوگا۔

یہاں ناشتے کی میز پر دو عجیب الخلقت آدمی نظر آئے۔ ایک بے حد دبلا پتلا اور انتہائی لمبا تھا اور دوسرا اس حد تک پستہ قد کی زیادہ سے زیادہ چار فٹ کا رہا ہوگا۔ چہرہ چھپا لیتا تو دس سال کا بچہ معلوم ہوتا۔

''آؤ..... آؤ.....!'' لمبے آدمی نے بڑے پیار سے کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب والی کرسی پر بٹھا لیا۔

''میں یہاں موجود ہوں اسے ذہن میں رکھنا۔'' چھوٹے آدمی نے کہا۔

''بکواس بند کرو۔''

''آؤ بچی..... ادھر..... میری گود میں بیٹھ جاؤ۔''

''ہرگز نہیں۔'' چھوٹا آدمی اچھل کر کرسی پر کھڑا ہوگیا۔ اسکا جھریایا ہوا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔

''بیٹھ جاؤ..... بیٹھ جاؤ۔'' لمبا آدمی ہاتھ ہلا کر بولا۔ ''میں تو یونہی مذاق کررہا تھا۔''

چھوٹا آدمی بڑبڑاتا ہوا بیٹھ گیا۔ ''پتا نہیں کس گندی کتیا نے جنا ہے تمہیں۔''

''چلو کھاؤ۔'' لمبے آدمی نے شازیہ سے کہا۔

''آخر مجھ سے کیا قصور ہوا ہے۔ مجھے کیوں قید کررکھا ہے تم لوگوں نے؟'' شازیہ نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''بس ذرا دیر اور کی بات ہے۔ دس بجے تمہارے پاپا سے باتیں ہوں گی اگر مجھے معلومات حاصل ہوگئیں تو پھر تمہیں گھر پہنچا دیا جائے گا۔''

''کھاؤ بے بی۔'' چھوٹے آدمی نے کہا۔''ان باتوں میں نہ پڑو۔''

''تو وہ بندر تم ہی رہے ہوگے۔''

''ہاں بے بی..... میں ہی تھا۔''

''مجھے میرا قصور بتاؤ۔''

''یہاں اپنے قصور پر کون پکڑا جاتا ہے۔''

''باتیں نہیں۔'' لمبا آدمی ہاتھ اٹھا کر بولا۔''ناشتہ کرو اور اسے ہمیشہ یاد رکھنا کہ لالچ بُری بلا ہے۔تم میکس فیکٹر کے بیوٹی بکس کے لالچ میں اس بندر کے چکر میں پڑی تھیں۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔اب کبھی اپنی استطاعت سے بڑھ کر خواہش نہیں کروں گی۔''

''اور پریوں کے وجود پر بھی یقین نہیں رکھو گی۔'' لمبا آدمی ہنس کر بولا۔''تمہاری عمر کیا ہوگی۔''

''تیرہ سال۔''

''چار سال بعد بالکل جوان ہو جاؤ گی۔''

''پھر تم نے بکواس شروع کر دی۔'' چھوٹا آدمی بھنا کر بولا۔

''چپ رہ چھپکلی کے بچے.....ورنہ مسل دوں گا۔''

''آؤ.....!'' چھوٹا آدمی کرسی سے اچھل کر الگ ہٹتا ہوا بولا۔''اگر تمہاری اونٹنی ماں نے تمہیں دودھ پلایا ہے۔''

شازیہ نے لمبے آدمی کی طرف دیکھا۔وہ اس طرح مسکرا رہا تھا جیسے کسی ناسمجھ بچے کی لاف وگزاف سے محظوظ ہو رہا ہو۔

''آؤ نا.....دیکھوں کتنا دم ہے تم میں۔'' چھوٹا آدمی ہاتھ ہلا کر بولا۔

''سخت احسان فراموش ہو تم۔ میں نے تمہیں رہائی دلائی ہے۔'' لمبے آدمی نے کہا۔

''اور اس کے عوض مسلسل میری توہین کئے جا رہے ہو۔''

''بادشاہ ہوں۔ جو چاہوں کروں۔''

''دو منٹ میں تارے نظر آ جائیں گے بادشاہ سلامت اگر مجھ سے الجھے۔''

''چلو بیٹھو.....چائے پیئو.....میں اس بچی کی موجودگی میں جھگڑا نہیں کرنا چاہتا۔''

شازیہ کو اس ننھے منے بچے کی جرأت پر تعجب ہو رہا تھا۔ ناشتے کے بعد بھی وہ وہیں بیٹھے رہے تھے۔ لمبے آدمی نے فون اٹھا کر سامنے رکھ لیا تھا۔ٹھیک دس بجے اس نے نمبر ڈائیل کئے اور ماؤتھ پیس میں بولا۔''ہاں میں ہی ہوں.....ٹھیک.....کیا کہا.....نہیں ہرگز نہیں۔اس میں دھوکے کی کوئی بات ہی نہیں۔ دیکھو خان تجمل۔ مجھ سے اڑنے کی کوشش مت کرو۔تمہارے فرشتے بھی مجھ پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔ میں کوئی ٹٹ پونجیا مجرم نہیں ہوں۔ اگر میرا نام سن لو تو تمہیں بھی چکر آ جائیں۔ لہٰذا اس بات کو یہیں ختم کردو۔ کیا کہا.....تحریر میں.....اچھی بات ہے۔ یہی سہی۔ ایک ہاتھ سے لفافہ دو اور دوسرے ہاتھ سے لڑکی لو۔ لیکن تمہارا غیر مسلح ہونا ضروری ہے اور تم اپنے ماتحتوں کو بھی ساتھ نہیں لاؤ گے۔ اگر مجھے اس کا شبہ بھی ہو گیا تو لڑکی تمہیں زندہ نہیں ملے گی.....اُوکے.....میں اعتبار کرتا ہوں تمہاری بات پر.....ہاں ہاں.....وہ بعافیت ہے۔تم اس کی آواز سن سکتے ہو۔'' اس نے ریسیور شازیہ کی طرف بڑھا دیا۔ شازیہ نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ریسیور تھاما تھا اور بولی تھی۔

''ہیلو پاپا.....میں بالکل ٹھیک ہوں۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔''

اس نے کچھ اور کہنا چاہا تھا لیکن لمبے آدمی نے اس کے ہاتھ سے ریسیور جھپٹ لیا۔ شازیہ نے بے بسی سے چھوٹے آدمی کی طرف دیکھا تھا۔

''فکر نہ کرو.....سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' اس نے اُسے تسلی دی۔

لمبا کہہ رہا تھا۔''ایک بار پھر سن لو.....اگر تم نے معاہدے کے خلاف ایک قدم بھی اٹھایا تو نتیجے کے خود ذمہ دار ہوگے۔''

پھر ریسیور رکھ کر اس نے شازیہ سے پوچھا تھا۔''تمہارا باپ کیسا آدمی ہے۔''

''بہت اچھے آدمی ہیں۔ نہ سفارش سنتے ہیں اور نہ رشوت لیتے ہیں۔ تحائف بھی واپس کر دیتے ہیں۔''

''میرا مطلب ہے جو کچھ زبان سے کہتے ہیں وہی کرتے ہیں یا اس کے خلاف بھی۔''

''میں نے تو نہیں دیکھا کہ انہوں نے کبھی اپنا کوئی عہد توڑا ہو۔''

''یہ بڑی اچھی بات ہے۔ ورنہ میں عہد شکنوں کو سزا بھی دینا جانتا ہوں۔''

''تم آخر ہو کون.....؟'' شازیہ جھنجھلا کر بولی۔

''بہت بُرا آدمی ہوں۔ جب تم سترہ برس کی ہو جاؤ گی تو تم سے ملنے ضرور آؤں گا۔''

اس بار چھوٹے آدمی نے اس کے ہاتھ پر چمچہ مارا تھا۔ وہ اچھل پڑا۔

''او کتے کے پلے تو ہوش میں ہے یا نہیں۔'' لمبا آدمی دہاڑا۔

لنگڑی اونٹنی کی اولاد میں بالکل ہوش میں ہوں اور تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ میں نے اس لڑکی کی حفاظت کرنے کی قسم کھائی تھی۔

''حد سے نہ بڑھو ورنہ پچھتاؤ گے۔ احسان فراموش کتے۔''

''بار بار احسان کا نام نہ لو۔ میں نے کسی سے درخواست نہیں کی تھی کہ مجھے رہائی دلائے۔ میں وہاں بہت آرام سے تھا۔ میرے ساتھ اچھا برتاؤ تھا ان لوگوں کا۔ مشرق میں ابھی آدمیت باقی ہے۔''

''مشرق کے بچے! خود کو قابو میں رکھو ورنہ بہت سخت سزا دوں گا۔''

فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے حمید کی آواز آئی تھی۔

''خان تجمل گھر سے نکل چکا ہے۔ اس کی جیپ عالمگیر روڈ پر مشرق کی طرف جارہی ہے۔ تنہا ہے.....وردی میں بھی نہیں ہے۔''

''تعاقب جاری رکھو۔'' فریدی نے کہا۔ ''کیا تم میک اپ میں ہو۔''

''جی ہاں.....!''

''ٹھیک ہے کوئی نئی بات ہو تو مجھے مطلع کر دینا۔''

''بہت بہتر۔''

فریدی نے ریسیور رکھا ہی تھا کہ سرخ رنگ والے انسٹرومنٹ کی گھنٹی بجنے لگی۔ دوسری طرف سے ڈی آئی جی پوچھ رہے تھے۔ ''تجمل کی لڑکی ملی یا نہیں۔''

''ابھی نہیں جناب.....میں پوری طرح تعاون کر رہا ہوں۔''

''ہاں.....وہ بہت پریشان ہے۔ کیا اس نے تمہیں پوری کہانی سنائی ہے۔''

''جی ہاں.....شاید آپ اس بندر سے متعلق میرا خیال جاننا چاہتے ہیں۔''

''تم ٹھیک سمجھے۔''

''میری دانست میں وہ فنچ ہی ہوسکتا ہے اور بندر کی کھال میں ہی جیل سے فرار ہوا ہوگا۔ ان اطراف میں بندروں کی کثرت ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بندر کی کھال جیل میں کیونکر پہنچی۔''

''روئی کی گانٹھوں میں جاسکتی ہے۔ سوت کاتنے کے لئے پچھلے ہی مہینے کئی گانٹھیں جیل میں پہنچی تھیں۔ غالباً انہیں کھول کر چیک نہیں کیا جاتا۔''

''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جیل کے اندر بھی کوئی مددگار موجود ہے۔''

''اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے۔'' ڈی آئی جی نے کہا۔ ''اگر وقت ہو تو میرے آفس چلے آؤ۔''

''بہت بہتر۔'' اس نے کہا اور سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر خود بھی ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ اس کے بعد اس نے لیڈی انسپکٹر ریکھا کو طلب کر کے کہا تھا۔

''تم یہیں بیٹھو اور حمید کی رپورٹ ریکارڈ کرتی رہو۔ اگر ضرورت ہو تو ڈی آئی جی کے آفس مجھ سے رابطہ قائم کر لینا۔''

''بہت بہتر جناب۔'' اس نے سرخ رنگ کے انسٹرومنٹ پر نظر جمائے ہوئے کہا۔

فریدی نے پارکنگ شیڈ سے گاڑی نکالی تھی اور ڈی آئی جی کے دفتر کی طرف روانہ ہوگیا تھا۔ وہ اپنے آفس میں تنہا ہی تھا۔ اُٹھ کر فریدی کا استقبال کیا تھا اور سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''بیٹھو.....کوئی ضروری کام تو نہیں کر رہے تھے۔''

''تھا تو ضروری ہی مگر اب دوسرے کو سونپ آیا ہوں۔''

''سوال تو یہ ہے کہ فنچ کو ان دونوں سے کیا سروکار ہوسکتا ہے۔''

''وہ کسی کے لئے کام کررہا ہوگا۔ ہوسکتا ہے انہی لوگوں کی مدد سے جیل سے فرار ہو۔ آخر انہوں نے سنگ ہی کو بھی تو انگیج کرلیا ہے۔ اب وہ زیرو لینڈ کا ایک ایجنٹ ہے بڑے مجرموں کو وہ اس طرح اپنی تنظیم میں شامل کررہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ فنچ کو لئے رہائی دلائی گئی ہے۔ وہ ان دونوں کی تلاش کرے۔ آپ خود خیال فرمایئے اگر کوئی کسی جیل کی چھت پر نظر آئے تو زیادہ سے زیادہ یہی کیا جائے گا کہ اسے پتھر مار کر بھگا جائے گا۔ گولی تو نہیں ماری جائے گی۔''

''تمہارا خیال درست معلوم ہوتا ہے۔''

''اب مجھے اس ٹھیکیدار کی تلاش ہے جس نے روئی کی گانٹھیں بھجوائی تھیں۔ لیکن وہ کل شہر ہی میں موجود نہیں ہے۔''

''ان لاشوں کی شناخت ہوسکی یا نہیں۔''

''نہیں جناب.....! انکا پوسٹ مارٹم کردیا گیا ہے۔ نتیجہ وہی رہا یعنی الیکٹرک شاک۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔''

''اور جو کچھ بھی تھا انہی انگشتریوں میں تھا۔''

''ہاں تم نے کسی کتے کا بھی ذکر کیا تھا۔''

''جی ہاں..... اس کے سلسلے میں یہی رپورٹ ہے اور ساری اموات ایک ہی وقت میں ہوئی تھیں۔''

''اور اس کتے کا مالک بھی نہیں مل سکا۔''

''نہیں جناب۔''

''بس تو پھر یہی سمجھو کہ تمہیں الجھائے رکھنے کے لئے یہ حرکت ہوئی ہے۔ تاکہ فنچ اور ان دونوں کی طرف سے تمہارا ذہن ہٹا رہے۔''

''کوئی خاص بات نہیں۔ بارہا ایسے حالات سے گزر چکا ہوں۔'' فریدی بولا۔

''تم چائے پیئو گے یا کافی۔''

''فی الحال کسی چیز کی بھی خواہش نہیں ہے۔''

''تجمل کی لڑکی مل جائے تو مطلع کردینا۔''

''بہت بہتر جناب۔'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

وہ اپنے آفس پہنچا تھا۔ ریکھا اسے دیکھ کر بولی۔ ''بس میں آپکو فون کرنے ہی والی تھی۔''

''کوئی خاص بات؟''

''خان تجمل ابھی ابھی راٹیلے ہوٹل میں داخل ہوا ہے۔ تنہا ہے۔ اسکے ساتھ کوئی اور نہیں۔ حمید صاحب پوچھ رہے ہیں کہ وہ باہر ہی ٹھہر کر انتظار کریں یا خود بھی اندر تشریف لے جائیں۔''

''کیا تم نے ہولڈ آن کرا رکھا ہے۔''

''جی ہاں.....!''

''لاؤ ریسیور مجھے دو..... ہیلو..... ہاں..... نہیں تم باہر ہی ٹھہرو۔ ہمیں فی الحال صرف حالات کا اندازہ لگانا ہے۔ ٹھیک ہے۔''

ریسیور کریڈل پر رکھ کر وہ ریکھا کی طرف مڑا۔

''کیا تم کوئی خاص کام کررہی ہو۔''

''جی نہیں۔''

''ہوسکتا ہے تھوڑی دیر بعد میں پھر تمہیں طلب کروں۔''

''بہت بہتر۔ میں دراصل ایک شکایت لے کر آپ کے پاس آئی تھی۔''

''کہو کیا بات ہے؟''

''حمید صاحب نے پھر اس موٹے بھینسے کو میرے پیچھے لگا دیا ہے۔ کل وہ ایک ٹرک پر ڈھائی سو گملے لاد کر میرے گھر پہنچا تھا۔''

''اُوہو..... تب تو تمہارا لان بھر گیا ہوگا۔''

''سنئے تو سہی..... پتا نہیں ان حضرت نے کیا پٹی پڑھائی تھی ہر گملے میں دھتورے کا پودا تھا۔ موٹا کہنے لگا اسی ہفتے کے اندر اندر بھنگ کے بھی ڈھائی سو گملے مہیا کردوں گا۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ حمید کو کس طرح ٹھیک کروں۔''

''موٹا یہ بھی کہہ رہا تھا دھتورے اور بھنگ کے پودے ایٹمی تابکاری کے اثرات سے محفوظ رکھتے ہیں۔''

''میں قاسم کو سمجھا دوں گا۔ اس پر بھی باز نہ آیا تو تم خود ہی کسی دن اسے پکڑوا کر دو تین دن کے لئے بند کرادو۔ عقل ٹھکانے آ جائے گی۔''

''بس میں آپ کی طرف سے اجازت چاہتی تھی۔''

''جواز بھی ہوگا تمہارے پاس۔ جب وہ بھنگ کے پودے لائے۔''

''میں نے بھی یہی سوچا تھا۔''

فون کی گھنٹی پھر بجی اور فریدی نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے حمید ہی کی آواز آئی تھی۔ ''وہ اپنی لڑکی سمیت ہوٹل سے باہر آیا ہے اور اب جیپ میں بیٹھ رہا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ اسے گھر تک پہنچا کر واپس آ جاؤ۔''

''خود کو ظاہر کروں یا نہیں۔''

''ہرگز نہیں۔''

''اُو کے فادر.....!''

فریدی نے ریسیور رکھ کر ریکھا سے کہا۔ ''تم تھوڑی دیر بعد خان تجمل کے گھر چلی جانا اور اسکی لڑکی سے معلومات حاصل کرنیکی کوشش کرنا۔ اغوا کنندگان کے حلئے ضرور نوٹ کرلانا۔''

''بہت بہتر جناب۔''

وہ چلی گئی اور فریدی نے ڈی آئی جی کو لڑکی کی بازیابی کی اطلاع دے کر اپنی میز کی دراز مقفل کی اور پھر آفس سے نکل آیا۔

تھوڑی دیر بعد اس کی گاڑی رائیلے ہوٹل کی طرف جا رہی تھی۔

منیجر اسے دیکھتے ہی بوکھلا گیا۔ شاید پہچانتا تھا۔

''فرمایئے میرے لائق کوئی خدمت جناب۔''

''کچھ نہیں.....بس ایک کپ کافی کے لئے چلا آیا ہوں۔''

''بہت بہتر.....تشریف رکھئے جناب۔ ابھی حاضر کی جاتی ہے۔'' اس نے کہا اور کچن

کی طرف بڑھ گیا تھا۔ فریدی نے ہیڈ ویٹر کو اشارے سے بلایا اور آہستہ سے بولا۔ ''کیا یہاں کوئی بے حد پستہ قد آدمی بھی مقیم ہے۔''

''پچھلے ہفتے کی بات ہے جناب۔ اس نے دو دن قیام کیا تھا۔ اس کے ساتھ ایک بہت لمبا آدمی بھی تھا۔ چینیوں کی سی شکل تھی۔''

''اُوہ.....!''

وہ خاموش کھڑا رہا۔ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''آج یہاں ایک مغویہ کی بازیابی ہوئی ہے اور معاوضے کی رقم انہی دونوں نے وصول کی ہے۔''

''ہوسکتا ہے جناب! لیکن میں نے انہیں نہیں دیکھا۔ ممکن ہے کسی کمرے میں یہ معاملہ ہوا ہو۔ میں تو صبح ہی سے ہال میں ہوں۔''

''اگر وہ پھر نظر آئیں تو اس پتے پر مطلع کر دینا۔'' فریدی نے اپنا کارڈ اسے دیتے ہوئے کہا۔

''بہت بہتر جناب۔'' اس نے کارڈ دیکھے بغیر جیب میں رکھ لیا تھا اور بولا تھا۔ ''اور کوئی خدمت جناب۔''

''نہیں.....بس جاؤ.....شکریہ.....لیکن یہ بات ہم دونوں کی حد تک رہے گی اور تمہیں خاطر خواہ انعام بھی ملے گا۔''

''میں سمجھتا ہوں جناب۔'' وہ مسکرایا تھا۔

اسکے چلے جانے کے بعد منیجر دکھائی دیا۔ اپنی نگرانی میں فریدی کے لئے کافی لایا تھا۔

''آپ بھی تو بیٹھئے۔''

''جی.....جی ہاں.....شکریہ۔''

''آج کل آپ کے یہاں فلور شو نہیں ہو رہا۔''

''نہیں جناب۔ یہ چکر ہی ختم کر دیا۔ بڑا ہنگامہ ہوتا تھا۔''

''ہنگامہ؟ میں نہیں سمجھا۔''

''کوئی پندرہ دن پہلے کی بات ہے کہ ایک قتل ہوتے ہوتے رہ گیا۔''

''وہ کس طرح؟''

''ایک مقامی رقاصہ تھی۔ اس کے کسی شناسا نے چھیڑ دیا تھا۔ بس پھر کیا تھا کئی تماشائی اس پر ٹوٹ پڑے۔ بُری طرح زخمی ہوگیا تھا۔''

''کیا وہ بہت لمبا اور چینیوں جیسی شکل والا تھا۔''

''جی نہیں.....اُوہ.....!'' منیجر ہنس پڑا اور پھر خفیف ہوکر بولا۔ ''معاف فرمایئے گا مجھے وہ دونوں یاد آ گئے تھے۔''

''کون دونوں؟''

''ایک بے حد لمبا تھا اور دوسرا اتنا ہی چھوٹا۔ غالباً لمبے آدمی کی شکل چینیوں جیسی تھی۔''

''کس نمبر کے کمرے میں مقیم تھے؟''

''اٹھائیس نمبر میں غالباً۔ شاید انہوں نے وہ کمرہ ابھی تک چھوڑا نہیں ہے۔''

''ذرا میں ایک فون کال کرنا چاہتا ہوں۔''

''ضرور.....ضرور.....!''

فریدی کاؤنٹر پر آیا۔ خان تجمل کے گھر کے نمبر ڈائیل کئے۔

''خان تجمل کو بلایئے گا۔ میں فریدی بول رہا ہوں۔'' اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ چند لمحے منتظر رہا پھر دوسری طرف سے خان تجمل کی آواز آئی تھی۔

''شکریہ کرنل صاحب! آپ کے محکمے کی ایک خاتون بچی سے گفتگو کر رہی ہیں۔''

''یہ بتایئے کہ وہ آپ کو کس کمرے میں ملی تھی۔''

''کمرہ نمبر اٹھائیس میں۔''

''وہاں اور کون تھا.....؟''

''کوئی بھی نہیں.....تنہا تھی۔''

''پھر آپ نے معلومات کس طرح پہنچائیں۔''

''عین وقت پر اس نے مطلع کیا تھا کہ لفافے پر کمرہ نمبر اٹھائیس لکھ کر رائیلے ہوٹل کے کاؤنٹر کلرک کے حوالے کردوں گا۔''

''اُوہ.....بچی تو بعافیت ہے نا؟''

''جی ہاں.....آپ کا بہت بہت شکریہ۔ اگر آپ کا تعاون حاصل نہ ہوتا تو نہ جانے کیا ہوتا۔''

''کوئی بات نہیں۔'' فریدی نے کہہ کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ کاؤنٹر کلرک اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

''کہاں ہے وہ لفافہ جو اٹھائیس نمبر کے لئے دیا گیا تھا۔'' فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی.....میں نے کی بورڈ پر لگا دیا تھا۔'' اس نے مڑ کر بورڈ کیطرف دیکھتے ہوئے کہا۔

خود فریدی بھی تیزی سے کی بورڈ کی طرف بڑھ گیا تھا۔ اٹھائیس نمبر کے نیچے ایک لفافہ لگا ہوا نظر آیا جس پر خود اسی کا نام ٹائپ کیا ہوا تھا۔

''یہ میرے نام ہے۔ اُسے نکالئے۔'' اس نے کلرک سے کہا۔

کلرک نے لفافہ نکالا تھا اور نام پڑھتے ہی لفافہ فریدی کی طرف بڑھا دیا تھا۔ ٹائپ ہی کیا ہوا خط لفافے سے برآمد ہوا تھا۔ اس نے خط پر نظر ڈالی۔

''کرنل فریدی! تمہارے سکون کے دن ختم ہوئے۔ اگر خیریت چاہتے ہو تو اس جگہ کا پتہ بتا دو جہاں دونوں بڑی عورتیں رکھی گئی ہیں۔ ان کی رہائی کا کام مجھے سونپا گیا ہے اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ مجھ پر ہاتھ نہیں ڈال سکو گے۔''

اس نے خط پڑھ کر طویل سانس لی اور خط کو جیب میں رکھتا ہوا میز کی طرف پلٹ آیا۔

''کافی تو ٹھنڈی ہوگئی ہے جناب۔'' منیجر نے کہا۔

''اٹھائیس نمبر کی تلاشی کے لئے مجھے سرچ وارنٹ حاصل کرنا پڑے گا۔''

''اصولاً تو یہی ہونا چاہئے کرنل صاحب! اگر وہ دونوں باضابطہ طور پر ملزم ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' فریدی نے کہا تھا اور پھر کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا تھا۔ آدھے گھنٹے کے اندر ہی اندر سرچ وارنٹ آ گیا تھا۔ حمید ہی لایا تھا اور ریکھا بھی وہیں آ گئی تھی۔ اس نے بھی

ایک لمبے اور ایک مختصر سے آدمی کی کہانی سنائی تھی اور یہ بھی بتایا تھا کہ دونوں کے درمیان وقت جھگڑا ہوتا رہتا تھا۔

کمرے کا قفل کھولا گیا۔ وہاں ایک ٹائپ رائٹر کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔ فریدی نے اپنے محکمے کے فنگر پرنٹ سیکشن کے لوگوں کو بھی طلب کرلیا تھا۔ انہوں نے انگلیوں کے نشانات کی تلاش بھی شروع کردی تھی۔

ٹائپ رائٹر پر بھی پاؤڈر چھڑکا گیا تھا۔ پھر جیسے ہی تصویریں اتارتے وقت فوٹو گرافر کا ہاتھ کی بورڈ پر پڑا ٹائپ رائٹر ایک زور دار دھماکے کے ساتھ پھٹ گیا اور وہ سب بوکھلائی گیلری میں نکل آئے۔ دروازے سے کثیف دھواں باہر نکل رہا تھا۔

''فائر بریگیڈ اسٹیشن کو فون کردو۔'' فریدی زور سے چیخا۔

گیلری میں پہنچنے والے کچھ لوگ بھی زخمی ہوگئے تھے۔ دھماکے سے پوری عمارت میں کھلبلی پڑگئی تھی اور منیجر بوکھلایا ہوا ادھر سے اُدھر دوڑتا پھر رہا تھا۔

فریدی نے اُسے کہتے سنا۔ ''میں تو پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ کوئی چکر ہے۔ ورنہ یہ حضرت یہاں کیوں تشریف لاتے۔''

حمید فائر بریگیڈ کو فون کرکے واپس آیا تو دھواں صاف ہوچکا تھا اور فوٹو گرافر کی لاش قریب ہی پڑی ہوئی تھی۔

فریدی خالی خالی نظروں سے لاش کی طرف دیکھے جارہا تھا۔

''کیا یہ مناسب تھا.....؟'' حمید آہستہ سے بولا۔

''بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے۔ سب کچھ سنگ کے توقعات کے عین مطابق ہوا ہے۔''

''وہ بے چارہ مفت میں مارا گیا۔''

''میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ کسی چیز کو ہاتھ لگائے بغیر کام کیا جائے۔''

''غالباً کی بورڈ پر اس کا ہاتھ پڑ گیا تھا۔''

''ہاں میں نے یہی دیکھا تھا۔''

لاش اٹھ جانے کے بعد وہاں سے روانگی ہوئی تھی۔ فریدی کے چہرے پر کچھ عجیب

سے آثار تھے۔ جن میں تشویش، جھنجھلاہٹ اور ندامت سب ہی کی پرچھائیاں تھیں۔ حمید اسی گاڑی میں تھا۔ اس کی گاڑی رمیش لے گیا تھا۔

''اب کیا خیال ہے؟'' حمید نے پوچھا۔

''اس کنٹریکٹر کو دیکھوں گا جو جیل کے لئے روئی کی گانٹھیں سپلائی کرتا ہے۔''

''جیل کے اندر بھی کوئی نہ کوئی مدد گار مل سکے گا۔''

''کنٹریکٹر سے ہی اس کا سراغ بھی مل سکے گا۔''

''تو آپ جانتے ہیں کہ وہ دونوں اب کہاں لے جائی گئی ہیں۔'' حمید نے کہا لیکن فریدی نے اس کا کوئی جواب دینے کی بجائے کہا تھا۔ ''تم بہت زیادہ محتاط رہنا۔ خان تجمل نے ہم دونوں ہی کا نام لیا ہوگا۔''

''مجھے آپ کی فکر ستا رہی ہے۔''

فریدی کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور نگاہ ونڈ اسکرین پر تھی۔ حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ''فی الحال آپ کنٹریکٹر کو نظر انداز ہی کردیجئے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ کام سنگ کی توقعات کے مطابق نہ ہو۔''

''سوچ تو میں بھی یہی رہا تھا کیونکہ کمرہ نمبر اٹھائیس کے بعد میرا رخ کنٹریکٹر ہی کی طرف ہونا چاہئے۔ سنگ کا یہی اندازہ ہوگا۔''

''بس! پھر گول کیجئے۔ کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھئے۔''

''تمہارا مطلب یہ ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاؤں۔''

''نہیں! میرے سر پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جایئے۔ کیا میں آج کل آپ کو یتیم یتیم سا نہیں لگ رہا۔''

''لگ تو رہے ہو..... کیا بات ہے۔''

''کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ڈی آئی جی کی اسٹینو روحی پسند آگئی ہے۔ لیکن وہ گھاس نہیں ڈالتی۔''

''تمہارے سینگ اُگ آئے ہوں گے۔''

''مجھ سے زیادہ گلفام لوگ آ گئے ہیں محکمے میں۔ سنا ہے اب لیفٹیننٹ جعفری کو اپنی ماتحتی میں لینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔''

''فکر نہ کرو..... میں نے آج تک کوئی اسٹینو نہیں رکھی۔ رہ گئی ریکھا تو وہ بے حد گھاگ ہے۔''

''روحی جعفری ہی کے چکر میں ہے۔''

''تم تو ایسی لڑکیوں کے چکر میں نہیں پڑتے تھے جو کسی دوسرے کے چکر میں ہوں۔''

''مجھے ضد ہوگئی ہے ان لوگوں سے۔''

''شاید بڑھاپے کا حملہ ہوگیا ہے تم پر۔ جوانوں کو اس کی فکر کہاں ہوتی ہے۔ ایک نکل گئی..... دوسری آئے گی۔''

''بڑی تجربہ کاری کی باتیں کر رہے ہیں۔'' حمید طنزیہ لہجے میں بولا۔

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ گاڑی کا انجن بے ہنگم سی آوازیں پیدا کر کے بالکل بند ہوگیا۔ بیچ سڑک پر گاڑی اچانک رکی تھی۔ پچھلی گاڑی کی ٹکر نے اُسے ہلا کر رکھ دیا۔ فریدی تو اسٹیئرنگ پر ٹک گیا تھا لیکن حمید کا سر ڈیش بورڈ سے جا ٹکرایا۔

داشت آید بکار

ٹکر مارنے والی گاڑی میں کوئی عورت چیخ رہی تھی۔ ان کے پیچھے ٹریفک رک گیا تھا۔ فریدی اور حمید اپنی گاڑی سے اُتر آئے۔ پچھلی گاڑی پر ایک سفارت خانے کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک سفید فام لڑکی نظر آئی۔ وہ تنہا تھی اور چیخ چیخ کر انہیں بُرا بھلا کہہ رہی تھی۔ ٹریفک کانسٹیبل بھی ان کی طرف جھپٹا۔

فریدی لڑکی سے کہہ رہا تھا۔ ''دیدہ دانستہ ایسا نہیں ہوا۔ اچانک میری گاڑی کا انجن بیز ہوگیا ہے۔''

''تم دیکھو.....!'' لڑکی نے ٹریفک کانسٹیبل سے کہا۔ ''کیا یہ سچ ہے۔''

''مجھے افسوس ہے محترمہ۔'' ٹریفک سارجنٹ نے کہا۔ ''میں موٹر مکینک نہیں ہوں۔ ہاں صاحب! آپ اپنا ڈرائیونگ لائسنس نکالیے۔''

فریدی نے جیب سے لائسنس نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ لائسنس پر نظر پڑتے ہی اس کے ہاتھ کانپنے لگے اور اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں انہیں سلیوٹ کیا۔

''گاڑی کو سڑک کے کنارے لگانے میں میری مدد کرو۔''

''بہت بہتر جناب۔''

پھر گاڑی کو دھکے دے دے کر ایک جانب لایا گیا تھا۔ سفارت خانے والی گاڑی آگے بڑھتی چلی گئی۔ اس کی بونٹ کو نقصان پہنچا تھا۔

''بڑی شرافت سے چلی گئی۔'' حمید بولا۔

''فکر نہ کرو۔ میں نے اُسے گاڑی کا نمبر نوٹ کرتے دیکھا تھا۔'' پھر اس نے ٹنکی کا ڈھکن کھول کر سوراخ سے ناک لگا دی تھی۔ اس کے بعد سیدھا کھڑا ہو کر بولا۔ ''شکر۔''

''کیا مطلب.....؟''

''ٹنکی میں شکر ڈالی گئی ہے۔''

''خدا غارت کرے۔''

''بیوہ عورتوں کی طرح کلکلانے لگے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''جاؤ..... کہیں سے گھر فون کرو۔ ڈرائیور دوسری گاڑی لائے۔''

''ٹیکسی سے چلے چلتے ہیں۔'' حمید بولا۔

''اس وقت ہر ٹیکسی ہمیں جہنم کی طرف لے جائے گی۔ یہ حرکت ازراہِ تفنن نہیں ہوئی۔ عقل استعمال کرو۔''

وہ ایک قریبی ریسٹوران میں آئے تھے۔ جہاں سے حمید نے گھر فون کیا تھا اور وہیں

بیٹھ کر گاڑی کا انتظار کرنے لگے تھے۔

کچھ دیر بعد ٹریفک کانسٹیبل ریستوران میں داخل ہوا اور بڑے ادب سے بولا۔ ''جناب وہ لڑکی کسی مکینک کو ساتھ لائی ہے اور اسے انجن دکھانا چاہتی ہے۔ میں نے انہیں روک دیا ہے کہ صاحب کی اجازت کے بغیر ایسا نہیں ہو سکے گا۔''

''بہت خوب.....!'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔ ''میں دیکھتا ہوں۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ ٹریفک کانسٹیبل کے ساتھ اس جگہ آیا تھا جہاں گاڑی کھڑی تھی۔ لڑکی سے پہلے اس کی نظر موٹر مکینک پر پڑی۔ کیونکہ یہ دیو پیکر قاسم تھا جس نے مستریوں کی سی نیلے رنگ کی وردی پہن رکھی تھی اور اس وردی پر جابجا کلونچ اور تیل کے دھبے تھے۔

''میں انجن دکھائے بغیر یقین نہیں کر سکتی۔'' لڑکی نے حمید سے کہا۔

''تم دیکھو گے انجن.....؟'' حمید نے قاسم کو گھورتے ہوئے اردو میں کہا۔

''اے قیا قروں حمید بھائی..... میں فٹ پاتھ پر کھڑا ہوا تھا۔ سالی نے غاڑی روک کر مجھ سے پوچھا کیا تم موٹر مکینک ہو میں نے بوکھلاہٹ میں کہہ دیا ہاں۔ جلدی سے بولی۔ بیٹھ جاؤ غاڑی میں۔''

''اور تم بوکھلاہٹ میں بیٹھ گئے۔'' وہ آنکھیں نکال کر بولا۔

''اور قیا.....!''

''اچھا تو اب انجن دیکھ کر اسے بتا دو کہ ٹنکی میں کسی نے شکر ڈالی تھی۔ انجن سیز ہو گیا ہے۔''

''اچھا..... اچھا..... جیسا تم کہو۔''

اس نے بونٹ اٹھایا۔ تھوڑی دیر تک انجن کو ٹھونک بجا کر دیکھتا رہا پھر ٹنکی کی طرف پلٹ آیا۔ ڈھکنا اٹھا کر سوراخ سے آنکھ لگا دی۔

''انجن سیز ہو گیا ہے مسی..... ٹنکی میں شکر ڈالی گئی تھی۔'' اس نے سیدھے کھڑے ہو کر کہا۔

''اچھا.....!'' لڑکی نے کہا اور حمید سے بولی۔ ''مجھے اپنی بدکلامی پر افسوس ہے۔ شاید تمہارے کسی دشمن نے یہ حرکت کی ہے۔ اگر لفٹ چاہتے ہو تو میری گاڑی حاضر ہے۔''

''شکریہ! ہم نے فون کر کے دوسری گاڑی منگوائی ہے۔''

''اچھا..... یہ لو میرا کارڈ..... جب چاہو مجھ سے مل سکتے ہو۔'' اس نے اسے اپنا کارڈ دیتے ہوئے کہا اور ہینڈ بیگ سے بیس روپے نکال کر قاسم کی طرف بڑھائے تھے۔ قاسم ہچکچایا تھا لیکن حمید جلدی سے بولا۔ ''ابے لے لے۔''

لڑکی اپنی گاڑی میں بیٹھ کر چل دی تھی اور حمید قاسم کے ہاتھ سے دونوں نوٹ لے کر ٹریفک کانسٹیبل کی طرف بڑھاتا ہوا بولا تھا۔ ''تم رکھ لو۔''

کانسٹیبل نے قاسم کی طرف دیکھا اور وہ اسے آنکھ مار کر بولا۔ ''رکھ لو..... رکھ لو..... میں دنیا کا سب سے بڑا مستری ہوں۔''

وہ روپے لے کر چلا اور حمید نے قاسم کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے۔''

''آج قل مشینوں سے دلچسپی ہو گئی ہے۔ اپنی ملوں کی مشینیں صاف کرتا پھر رہا ہوں۔ ابا جان نے کہا ہے قاسم یہی سیکھ لو۔''

''کاش تمہارا ابا جان میں ہوتا۔''

''جرا ہو قر تو دیکھو.....!'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ ''اور بیٹا یہ گاڑی میں شکر کیسی۔ اب اس طرح لونڈیوں سے جان پہچان پیدا قرتے ہو۔ ہائے ہائے کارڈ دے گئی ہے چھلو جان۔ مجھے اتنا دوڑایا اور بیس روپے تھما گئی سالی۔''

''اچھا اب دفع ہو جاؤ۔ کہیں لوگ مجھے بھی بھٹیارا نہ سمجھنے لگیں۔''

''اور تم قیا ہو۔ جرا اپنی شکل تو دیکھو۔ سالے قپتان بنے پھرتے ہیں۔''

''ارے ہاں وہ بھنگ کے پودے۔''

''منگوائے ہیں فرنٹیئر سے..... آ جائیں گے تو پیش قردوں غا۔ لیکن پولیس والیوں سے دل نہیں ملتا۔''

''تم جانو.....!'' حمید نے ریستوران کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

فریدی اس کا منتظر تھا۔ کہانی سن کر بولا۔ ''دیکھوں کارڈ۔''

حمید نے کارڈ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

''فیتی ایڈ ہاوز.....!'' فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

''داشت آئید بکار.....دیکھا جائے گا۔'' حمید کارڈ اٹھا کر بولا۔

''تم اس کی طرف رخ بھی نہیں کرو گے۔''

''اور اگر خود اس نے میری طرف رخ کیا تو.....؟''

''تب.....خیر دیکھا جائے گا۔'' پھر دفعتاً فریدی چونک کر بولا۔ ''حمید صاحب! وہ بھی گیا ہاتھ سے۔''

''کون.....؟''

''کنٹریکٹر.....ہم شاید اسی لئے روکے گئے ہیں کہ اس دوران میں اس کا کام بھی تمام کر دیا جائے۔ اٹھو.....شاید گاڑی بھی آ گئی ہے۔''

حمید نے صدر دروازے کی طرف دیکھا۔ ڈرائیور ریستوران میں داخل ہو رہا تھا۔ فریدی نے اسے باہر ہی ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔

''آخر اتنے دنوں تک آپ نے اسے کیوں ڈھیل دیئے رکھی۔''

''وہ شہر ہی میں موجود نہیں تھا۔ کچھ دیر پہلے اطلاع ملی تھی کہ وہ واپس گیا ہے۔ ٹھہرو..... پہلے میں اسے فون کرتا ہوں۔''

''کاؤنٹر پر آ کر اس نے کلرک سے فون طلب کیا تھا۔ پھر نمبر ڈائیل کر کے ریسیور کان سے لگایا ہی تھا کہ دوسری طرف سے کسی کی ''ہیلو'' سنائی دی۔

''کون بول رہا ہے.....!'' فریدی نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

''مجھے یقین تھا کہ ایسے حالات میں تم پہلے فون ہی کرو گے۔'' دوسری طرف سے کسی کی آواز سنائی دی۔

''تم کون ہو.....؟''

''کوئی بھی ہوں لیکن اب تمہیں کوئی لاش نہیں ملے گی۔ کنٹریکٹر کی لاش سمندر میں پھینکوا دی جائے گی۔ ہم اتنے اناڑی نہیں ہیں کہ اپنے جیل والے ہمدرد کو تمہارے ہاتھ لگنے دیں گے۔''

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی تھی۔

اس نے ریسیور رکھ کر طویل سانس لی۔

''کھیل ختم ہو گیا۔'' اس نے حمید کے قریب پہنچ کر کہا۔ فون والی گفتگو دہرائی اور بولا۔ ''لیکن ہم وہاں چلیں گے ضرور۔ سنگ ہی سے براہِ راست گفتگو ہوئی ہے۔ وہ آواز بدل کر بولنے کی کوشش کر رہا تھا۔''

باہر نکل کر وہ دوسری گاڑی میں بیٹھے تھے لیکن اس بار حمید ڈرائیو کر رہا تھا اور فریدی پچھلی سیٹ پر تھا۔ اس کی ہدایت پر حمید ڈرائیو کر رہا تھا۔ بالآخر ایک عمارت کے سامنے گاڑی رکی تھی۔ کمپاؤنڈ کا پھاٹک کھلا ہوا تھا۔ وہ گاڑی سے اُتر گیا۔

''تم گاڑی میں ٹھہرو۔ میں دیکھتا ہوں۔'' اس نے کہا اور گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ حمید بھی گاڑی سے اُتر آیا تھا اور وہیں کھڑا چاروں طرف نظریں دوڑا رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کیا یہ دانش مندی ہے۔ ایسے حالات میں فریدی کو تنہا ادھر نہ آنا چاہئے تھا اور اب بالکل تنہا اس عمارت میں داخل ہوا ہے۔ سنگ احمق تو نہیں ہے۔ اس نے تاؤ دلا کر اُسے اِدھر بلایا ہے۔ بغلی ہولسٹر پر ہاتھ رکھے وہ پھاٹک تک چلا آیا۔ گاڑی کی طرف بھی دھیان تھا۔ کیونکہ جو حرکت ایک گاڑی کے ساتھ ہو چکی تھی وہی یہاں بھی ہو سکتی تھی۔ وہ گاڑی تو بے کار ہی ہو گئی جس کا انجن سیز ہوا تھا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی واپس آ گیا۔ اس نے ایک ٹائپ کیا ہوا کاغذ حمید کو تھما دیا۔ مضمون تھا۔

''کرنل فریدی! جب آ ہی گئے ہو تو راکھ کے اس ڈھیر کو خود ہی سمندر میں پھینکوا دو اور یقین کرو کہ اب تمہیں لاشیں نہیں ملیں گی۔ اس سے خواہ مخواہ ہیجان پھیلتا ہے۔''

فنچ کی آنکھوں میں شوخ سی چمک تھی اور سنگ ہی کو شرارت آمیز نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔ سنگ ہی دانت پیس کر بولا۔ ''تم بس اپنے کام سے کام رکھو ورنہ پچھتاؤ گے۔''

''تمہاری بڑی شہرت سنی تھی۔'' فنچ نے اپنی بائیں آنکھ دبا کر کہا۔ ''مگر تم روائتی قسم کے لیے آدمی ہو۔ آخر ان حرکتوں سے کیا فائدہ اٹھا سکو گے۔''

''میں کہتا ہوں بکواس بند کرو۔''

سنگ کے سامنے کئی خالی بوتلیں رکھی ہوئی تھیں وہ چھ بجے سے مسلسل پئے جا رہا تھا۔ اس وقت رات کے نو بجے تھے۔ تین بوتلیں خالی ہوگئی تھیں اور چوتھی آدھی سے زیادہ خالی تھی۔ ایش ٹرے چرس بھرے ہوئے سگریٹوں کے ٹوٹوں سے نصف سے زیادہ بھر چکا تھا۔ شراب کے ساتھ وہ چرس کے سگریٹ بھی پیتا تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی طرح نشہ ہی نہ ہو رہا ہو۔

''پتا نہیں کس نسل کے کتے ہو تم سنگ۔'' فنچ نے کہا۔

''میں ہر نسل کا کتا ہوں۔''

''میں نے یہ بھی سنا تھا کہ تم بڑے ٹھنڈے دماغ کے آدمی ہو۔''

''حالات پر منحصر ہے۔ مجھے ایک ہفتے سے عورت نہیں ملی۔ یہاں کی ساری طوائفیں پہچانتی ہیں۔ کوئی بھی میرے ساتھ آنے پر آمادہ نہیں ہوتی۔ عورت کے بغیر میں کٹکھنا ہو جاتا ہوں۔''

''تب تم میں اور ایک عام آدمی میں کوئی فرق نہیں ہے۔''

''بکومت! میں عام آدمی سے بہت مختلف ہوں۔''

''سوال یہ ہے کہ ان حرکتوں سے کیا ہوگا۔ بھلا تم کسطرح ان قیدیوں تک پہنچ سکو گے۔''

''فریدی بوکھلا کر بالآخر ادھر ہی کا رخ کرے گا جہاں دونوں قیدی ہیں۔''

''وہم ہے تمہارا۔ تم فریدی کو نہیں جانتے۔''

''تم جانتے ہو۔'' سنگ اسے دیکھتا ہوا غرایا۔

''شاید میں جانتا ہوں۔''

''جھک مارتے ہو۔ اچھا خاموش رہو۔ مجھے اس مردہ شہزادی کے بارے میں سوچنے دو جسے میں نے الپوم پہاڑ کی چوٹی پر شیشے جیسی برف میں دفن دیکھا تھا۔ یقین کرو۔ وہ لڑکی شازیہ بڑی حد تک اس سے مشابہ تھی۔''

''اس کا خیال دل سے نکال دو کیونکہ میں نے اسے بیٹی کہہ دیا تھا۔''

''تو تم ہی لاؤ گے اپنی بیٹی کو میرے پاس۔''

''خاموش رہو کتے کے پلے! ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ معصومیت کے خلاف کوئی ندی بات سننا گوارا نہیں کرتا۔ ہر معصوم عورت میری ماں ہے۔ بیٹی ہے۔''

''ماں کے جنے! ٹھہرو بتاتا ہوں۔'' سنگ اٹھتا ہوا بولا۔

اس کے تیور دیکھ کر فنچ نے پہلے ہی کرسی پر چھلانگ لگائی تھی۔ سنگ اس کی طرف جھپٹا ا۔ لیکن فنچ اس کے اوپر سے چھلانگ لگا کر میز پر آیا اور خالی بوتل اٹھا کر تولتا ہوا بولا۔

ہی پڑے گی کھوپڑی پر اگر اب میری طرف آئے۔''

سنگ نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں پھر ہنس پڑا۔

''یہ تو میں بھول ہی گیا تھا کہ تم سرکس میں اچھل کود کرتے رہے ہو۔''

''لہٰذا تمہارے ہاتھ نہیں آسکوں گا۔'' کہہ کر فنچ نے چھلانگ لگائی اور روشندان میں جا بیٹھا۔

''آجاؤ..... آجاؤ..... پیارے بندر..... میں تمہیں ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔''

''نہیں..... اب تم میری اسکیم سنو گے اور اس پر عمل کرنے کا وعدہ کرو گے۔ تب ہی ں نیچے آؤں گا..... ورنہ میں چلا۔''

''اررر..... نہیں..... ٹھہرو..... بتاؤ کیا اسکیم ہے۔''

''جب تک ملک کے متعدد جیل خانوں کی چھتوں پر بندر نہیں دیکھا جائے گا فریدی ہرگز ادھر کا رخ نہیں کرے گا جہاں تمہارے قیدی ہیں۔''

''اُف فوہ! یار تم واقعی عقلمند ہو۔ میں تمہاری اس اسکیم پر ضرور عمل کروں گا۔ اب آجاؤ نیچے..... شاباش..... ورنہ دراصل عورت کے بغیر میری عقل کام نہیں کرتی۔''

فنچ چھلانگ لگا کر میز پر آیا تھا۔ پھر کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا تھا۔ ''تو پھر جب تک تمہاری عقل کام نہیں کرتی میری عقل سے کام چلاؤ۔''

''ہاں..... ہاں..... ٹھیک ہے..... لیکن اگر تم میری مدد کرو تو میں عورت حاصل کر سکتا ہوں۔''

''لیکن شرط یہ ہے کہ وہ تمہاری ہی عمر کی ہوگی۔'' فنچ چڑانے والے انداز میں بولا۔

سنگ نے اُسے قہر آلود نظروں سے دیکھا تھا پھر سنبھل کر بولا۔ ''منظور۔''

''اچھی بات ہے..... میں جا رہا ہوں..... تمہارے لئے عورت کا انتظام کرنے۔''

''میں بھی چلوں گا۔''

''تمہیں تو پہچانتی ہیں۔''

''میں دور کھڑا رہوں گا۔''

''مجھ پر اعتماد نہیں ہے۔''

''ہے تو..... لیکن تم مجھ سے کم حرامی نہیں ہو۔''

''اے شٹ اپ..... مجھے علم ہے کہ میرے ماں باپ کون تھے۔''

''شادی بھی ہوئی تھی ان کی۔''

''شادی کے ٹھیک دو سال بعد میں پیدا ہوا تھا۔''

''اتنے ہی بڑے پیدا ہوئے ہو گے۔''

''بکواس بند کرو۔ ورنہ منہ پر لات رسید کر دوں گا۔''

''اچھا..... اچھا..... بس جھگڑا ختم کرو۔ اس بھری دنیا میں صرف میں ہی حرامی ہوں۔ تم میک اپ کے بغیر اس بازار میں قدم بھی نہیں رکھ سکتے۔ فریدی کے سادہ لباس والے تمہیں وہیں تلاش کر رہے ہوں گے۔''

''یہ بھی ٹھیک ہے۔''

''اسی لئے مجھے تنہا جانے دو۔''

''اور کیا تم اپنے قد کی وجہ سے نہیں پہچانے جاؤ گے۔''

''ابھی تم دیکھ ہی لو گے کہ میرا قد کسی طرح بھی تم سے کم نہیں ہے۔'' فنچ نے کہا اور دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ سنگ بیٹھا بوتل سے شغل کرتا رہا۔

آدھے گھنٹے بعد اسی کے قد کا ایک غیر ملکی ہپی کمرے میں داخل ہوا اور سنگ اچھل پڑا۔

''گھبراؤ نہیں پیارے! میں فنچ ہوں اور لکڑیوں پر چل رہا ہوں۔ تم میری رفتار میں کسی قسم کا فرق نہیں پاؤ گے۔ دوڑ بھی سکتا ہوں اور چھلانگیں بھی لگا سکتا ہوں۔ یہ دیکھو.....!''

اس نے سچ مچ اچھل کود شروع کر دی تھی اور قطعی یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ مصنوعی ٹانگیں ہیں۔

''کمال ہے بھئی۔'' سنگ نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائی تھیں۔ پھر چند لمحے خاموش رہ کر بولا تھا۔ ''تم میری مدد کے بغیر بھی جب چاہتے جیل سے فرار ہو سکتے تھے۔''

''دراصل میں اُسے گوشہ عافیت سمجھتا تھا۔ اطمینان سے مذہب کے بارے میں مطالعہ کرتا رہا۔ اتنا پڑھ ڈالا ہے کہ اب پادریوں کو بھی پڑھا سکتا ہوں۔''

''اچھی بات ہے۔ تو اب جاؤ۔ میں مطمئن ہوں۔ فریدی کے فرشتے بھی نہیں پہچان سکیں گے۔''

''پھر کہے دیتا ہوں کہ بعد میں جھگڑا نہ کرنا۔ وہ تمہاری ہی عمر کی ہوگی۔''

''جا بھی چکو.....!'' سنگ ہاتھ ہلا کر بولا۔ ''میں جھگڑا نہیں کروں گا۔''

فنچ چلا گیا۔ سنگ نے چوتھی بوتل بھی ختم کر کے پانچویں نکالی اور چرس کے سگریٹ پر سگریٹ پھونکتا رہا۔

''ایکے موت تمہارا مقدر ہے ننھے بیٹے۔'' وہ تھوڑی دیر بعد بڑبڑایا تھا۔ ''میں اپنے کسی حریف کا وجود برداشت نہیں کر سکتا۔ اس کام سے نپٹنے کے بعد تمہارے لئے جنت کی ایک سیٹ بک کرا دوں گا۔''

قریباً ایک گھنٹے بعد اسی کی طرح ایک لمبی سی ادھیڑ عمر عورت کمرے میں داخل ہوئی تھی لیکن وہ موٹی بھی اتنی ہی تھی۔ سنگ اس ''ڈرم'' کے مقابل ایک حقیر سی دیا سلائی لگ رہا تھا۔

دروازہ آواز کے ساتھ بند ہوا اور دوسری طرف سے بولٹ کر دیا گیا۔

''تو یہ تم ہو..... حرامزادے۔'' عورت سنگ ہی کو دیکھ کر دہاڑی اور زور زور سے فنچ کو آوازیں دینے لگی۔ ''ارے تم کہاں ہو ہپی صاحب۔ او ہپی صاحب۔''

لیکن ہپی صاحب شاید دوبارہ اپنی اصل کی طرف واپس آنے کے لئے کسی دور افتادہ حصے میں چلا گیا تھا۔

سنگ بھی چیخ چیخ کر فنچ کو گالیاں دے رہا تھا۔ عورت گھونسہ تان کر اس کی طرف جھپٹی۔

''آج تو میں تم سے پچھلی رقم بھی وصول کروں گی۔ حرامی کے پلے۔''

فنچ کا ننھا سا جھریایا ہوا چہرہ ایک روشندان سے جھانک رہا تھا۔ اس نے سنگ کو متوجہ کر کے کہا۔ ''میں نے کہا ایسی کیوں نہ لے چلوں کہ کم از کم ہفتے بھر تو چل سکے۔''

''کھول دے دروازہ ورنہ بُری طرح پیش آؤں گا۔''

عورت نے اس کا بازو پکڑ لیا تھا اور جھکولے دے دے کر کہہ رہی تھی۔ ''نکال میری رقم.....ورنہ گردن مروڑ دوں گی۔''

''ادھار کرنے کا یہی انجام ہوتا ہے۔'' فنچ نے اوپر سے ہانک لگائی۔

اب وہ دونوں ایک دوسرے کو مار توڑ رہے تھے۔ دفعتاً کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔ شاید فنچ نے مین سوئچ آف کر دیا تھا۔

فریدی سو رہا تھا۔ دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور وہ جاگ پڑا۔ ریسیور اٹھا کر وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''ہیلو.....!''

''کیا تم ہو کرنل فریدی.....؟'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

فریدی کی نیند غائب ہوگئی۔ وہ فنچ کی آواز اچھی طرح پہچانتا تھا۔

''میں فنچ بول رہا ہوں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''ہاں.....میں نے آواز پہچان لی ہے۔''

''اس وقت پورا ملک خطرے میں ہے اور تم سو رہے ہو۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''تمہیں نیاگرہ والی اموات یاد ہیں۔''

''ہاں..... ہاں.....کہو.....کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''تم نے یہ بھی سنا ہوگا کہ آج کل ایک نامعلوم مصنوعی سیارہ زمین کے گرد چکر لگا رہا ہے۔''

''ہاں ہاں.....کسی نے اعلان کئے بغیر وہ سیارہ مدار پر پہنچا دیا ہے۔''

''ان اموات کا تعلق اسی سیارے سے ہے اور وہ رام گڑھ کی پہاڑیوں ہی میں کسی جگہ سے کنٹرول کیا جا رہا ہے۔ میں نے کہا تمہیں آگاہ کر دوں۔''

''اس مہربانی کا بہت بہت شکریہ۔'' فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''کرنل فریدی! میں بُرا آدمی بنا دیا گیا تھا۔ فطرتاً بُرا آدمی نہیں ہوں۔ میرے والدین بڑے مذہبی لوگ تھے۔''

''ہوسکتا ہے۔''

''میں جب بھی چاہتا جیل سے فرار ہوسکتا تھا لیکن اُسے گوشہ عافیت سمجھ کر پڑا رہا۔ لیکن زیرو لینڈ والوں نے مجھے رہا کرالیا۔ یہ تو تم اب جان ہی گئے ہوگے کہ کیوں؟''

''میں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔''

''لیکن اگر تم مجھ سے سنگ کے بارے میں پوچھو تو ہرگز نہیں بتاؤں گا۔ کیونکہ اس معاہدے کا احترام کرنا ہی پڑے گا جو میرے اور اس کے مابین ہوا تھا۔''

''میں تمہیں مجبور نہیں کرتا۔''

''شکریہ کرنل فریدی۔'' تم بھی بااصول آدمی ہو اور تم ہمارا فون نمبر بھی ڈائل نہ کرسکو گے۔''

''خان تجمل والے معاملے میں اس کا تجربہ بھی ہو چکا ہے۔'' فریدی خشک لہجے میں بولا۔

''ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ وہ ایک زہریلا سیارہ ہے۔ دنیا کے کسی حصے میں بھی اس کے توسط سے وبائیں پھوٹ سکتی ہیں۔ یہ لوگ جب بھی چاہتے ہیں اسی سیارے کے توسط سے دوسرے سیاروں کے آلات پیغام رسانی بے کار کر دیتے ہیں۔ اس طرح دنیا کے بعض حصوں میں طوفان کی آمد کی اطلاعات روکی جاسکتی ہیں اور تباہیوں میں اضافہ ہوسکتا ہے۔''

''تمہیں یقین ہے کہ اسے رام گڑھ ہی سے کنٹرول کیا جا رہا ہے۔''

''یقین نہ ہوتا تو تمہیں اطلاع کیوں دیتا۔''

''یہ بھی تو ممکن ہے کہ یہ محض فریب ہی ہو۔ مجھے اس میں ڈال کر ان دونوں عورتوں کو

نکال لے جاؤ۔''

''تم غلط نہیں سمجھے۔ وہ ایک کثیر المقاصد سیارہ بھی ہے۔ ایک بڑی طاقت کو بلیک میل بھی کیا جائے گا۔''

''کچھ بھی ہو۔ ان عورتوں تک تمہاری رسائی ناممکن ہے۔''

''ایک دن میں چیخ پڑو گے تم سب۔ ورنہ اس سیارے کی تباہی کی فکر کرو۔ اگر مجھے اس کے کنٹرول کئے جانے کی صحیح جگہ کا علم ہوتا تو تمہیں ضرور بتا دیتا۔''

فریدی نے کچھ کہنا چاہا تھا لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی اور اس نے طویل سانس لے کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ پھر اٹھ کر سگار سلگانے لگا تھا۔''اگر خبر صحیح ہے تو سچ مچ تباہ کن ہوسکتی ہے۔ پچھلے دنوں کئی ملکوں نے اعلان کیا تھا کہ کسی نے اعلان کئے بغیر ایک سیارہ مدار پر پہنچایا ہے مگر کس نے؟ کیا زیرولینڈ والے اس حد تک چلے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ سیارہ انہی لوگوں نے چھوڑا ہوگا تبھی فنچ نے اسے اطلاع دی ہے۔ اگر وہ رام گڑھ سے کنٹرول کیا جارہا ہے اور دنیا کے کسی ملک نے اسے ڈٹکٹ کرلیا ہے تو خود اس کی حکومت کی کیا پوزیشن ہوگی۔ اگر اسے ہمارے ہی ملک کا کارنامہ سمجھ لیا گیا تو خود ہم کئی طرح کی امداد سے محروم ہوجائیں گے۔ ہمارا ایک بھی دوست نہ رہ جائے گا۔ تو پھر اب کیا کرنا چاہئے۔ لیکن اس اطلاع کا ذریعہ ایسا تھا کہ اسے ظاہر بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ کیونکہ قابل اعتماد ذریعہ نہیں تھا۔

وہ اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ پھر اس نے فون پر اپنے ہی نمبر ڈائیل کر کے شاید حمید کو بھی جگانا چاہا تھا۔ کئی بار ڈائیل کرنے کے بعد اس نے حمید کی بھرائی ہوئی سی آواز سنی تھی۔

''اٹھ جاؤ۔'' فریدی نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

''ابھی دو ہی تو بجے ہیں۔''

''پرواہ مت کرو۔ میرے کمرے میں آجاؤ۔''

''بہت بہتر جناب عالی۔''

تھوڑی دیر بعد اس نے دروازے پر دستک دی تھی۔

''آجاؤ.....!'' فریدی نے کہا۔

''کیا کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔ غزالی آنکھوں والا کوئی گلرخ تو نہ تھا۔'' حمید نے کمرے میں داخل ہوکر کہا۔

''بچپنا مت کرو..... میں بے حد سنجیدہ ہوں۔''

''میں بھی سنجیدگی سے سوچ رہا ہوں۔ خیر بتایئے کہ ان دونوں میں سے کون خواب میں نظر آئی تھی۔''

فریدی اُسے چند لمحے تیز نظروں سے دیکھتا رہا پھر اپنی اور فنچ کی گفتگو دہرائی۔

''ڈبل شامت۔'' حمید کراہا۔

''سنجیدگی سے سوچو ہم کسی پر ظاہر بھی نہیں کرسکتے۔ یہ اطلاع ہمیں فنچ سے ملی ہے اور ظاہر کرنے پر اس ذریعے پر روشنی ڈالنی ہی پڑے گی۔ جس سے یہ اطلاع ہم تک پہنچی ہے۔''

''واقعی الجھن کی بات ہے۔'' حمید پُرتشویش لہجے میں بولا۔

فریدی بالکل خاموش ہوگیا تھا۔

پچھلا قرض

فینی ایڈہاور نے حمید کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا اور تیزی سے چلتی ہوئی اس کے قریب پہنچی تھی۔

''اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو تم وہی ہو۔'' اُس نے کہا۔

''میں خود نہیں جانتا کہ میں کون ہوں۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''تمہاری گاڑی کا کیا رہا۔''

''ہمیشہ کے لئے تباہ ہوگئی۔''

''آخر بات کیا تھی؟''

''کسی دشمن نے شکر ڈال دی ٹنکی میں۔''

''تم جیسے خوبصورت لوگ بھی دشمن رکھتے ہیں۔''

''دشمنوں کو مارو گولی۔تم نے مجھے بہت اچھی خبر سنائی ہے۔''

''کیسی خبر.....؟''

''یہی کہ میں بہت خوبصورت ہوں۔''

رقص کے لئے موسیقی شروع ہوچکی تھی اور ہوٹل ڈی فرانس کا ریکریئیشن ہال رُ

نکہت کے سیلاب میں بہتا جارہا تھا۔

''کیا پہلے کبھی کسی لڑکی نے تمہیں نہیں بتایا۔''

''آج تک کوئی لڑکی ملی ہی نہیں۔''

''کیوں جھوٹ بولتے ہو۔آدم خور ہو اچھے خاصے۔خوبصورت آدم خور۔''

''تب تو پھر دور ہٹ کر کھڑی ہو جاؤ۔کہیں مجھے بھوک نہ لگ آئے۔''

''اب ایسے جیالے بھی نہیں لگتے۔''

''میری ہم رقص بننا پسند کرو گی۔''

''نہیں! پہلے میں تھوڑی سی پینا چاہتی تھی۔''

''کون سی پیتی ہو۔''

''ڈبل پک بوربن۔''

''منگوائے دیتا ہوں۔''

''نہیں.....کاؤنٹر ہی پر چلو.....تم کیا پیؤ گے۔''

''میں سینچر کی رات کو شراب نہیں پیتا۔''

''تم بکواس کرتے ہو۔سرے سے پیتے ہی نہ ہوگے۔یہاں کے جدید ترین لوگ بے حد قدامت پسند ہیں۔''

''چلو یہی سہی۔''

''اسی لئے آج تک کسی لڑکی نے منہ نہ لگایا ہوگا۔''

''تم تو شاید لگا رہی ہو۔''

''تمہارے ساتھ وہ دوسرا آدمی بے حد شاندار تھا۔''

''بے حد خطرناک بھی ہے۔''

''باتیں نہ بناؤ.....چلو کاؤنٹر کی طرف۔میں بہت پیاسی ہوں۔''

''چلو.....چلو.....!''

وہ دونوں کاؤنٹر کے قریب پہنچے تھے اور حمید نے اس کے لئے بوربن طلب کی تھی اور اپنے لئے لائم جوس منگوایا تھا۔

''مجھے تمہارا ملک بہت پسند ہے۔''

''کیا اچھائی ہے میرے ملک میں۔''

''بہت سیدھے سادے لوگ ہوتے ہیں۔مخلص اور کام آنے والے۔''

''میرا خیال ہے کہ میں بھی کام آچکا ہوں۔''

فینی اسے غور سے دیکھنے لگی تھی مگر کچھ بولی نہیں تھی۔تھوڑی دیر بعد اس کے ہاتھ میں بوربن کا گلاس تھا اور حمید لائم جوس کی چسکیاں لے رہا تھا۔

''تم نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا۔''

''ساجد حمید۔''

''کیا کرتے ہو.....؟''

''جھک مارتا ہوں۔''

''مجھے بھی مار کر دکھاؤ۔''

''ذرا لائم جوس کا نشہ ہونے دو۔''

''کتنے بچے ہیں۔بیویاں کتنی ہیں؟تم لوگ تو حرم رکھتے ہو۔''

''بیوی ایک بھی نہیں ہے۔لیکن درجن بچوں کا باپ ہوں۔''

''بیوی کے بغیر بچے کہاں سے آئے۔''

''خود جنے ہیں..... کیا تمہیں کوئی اعتراض ہے۔''

''بکواس بھی اچھی خاصی کر لیتے ہو۔ مجھ سے دوستی کرو گے۔''

''تو اور کیا اب تک دشمنی کرتا رہا ہوں۔''

''میرا مطلب ہے کہ ہم اچھے خاصے دوست بن سکتے ہیں۔''

''اس پر میں نشہ ہونے کے بعد غور کروں گا۔''

وہ محسوس کر رہا تھا جیسے سچ مچ نشہ ہو رہا ہے۔ ابھی آدھا ہی گلاس پیا تھا۔ وہ گلاس کو چہرے کے برابر اٹھا کر گھورنے لگا۔

''کیا مچھلیاں تیر رہی ہیں؟'' فینی نے پوچھا۔

''ناہیں تو..... بی..... ل..... کل..... نائیں۔'' وہ خود پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ لیکن ذہن آہستہ آہستہ تاریکیوں میں ڈوبتا چلا جا رہا تھا۔ پھر اسے ہوش نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا تھا۔

دوبارہ آنکھ کھلی تو قریب قاسم بیٹھا نظر آیا جو اس کی طرف اس طرح دیکھے جا رہا تھا جیسے اس کی موت کا منتظر ہو۔

''ہائے تم تو پھر جندہ ہو غئے۔''

''کیا مطلب.....؟'' حمید بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔ ''ہم کہاں ہیں۔''

''ہسپتال میں..... سالے شرم نہیں آتی۔ شراب پینے لگے۔''

''کیوں بکواس کرتے ہو۔''

''میں نے خود دیکھا تھا..... پیتے پیتے گرتے ہوئے۔''

''ابے وہ لائم جوس تھا۔''

''گھیاں جوس تھا۔ بیٹا قسی اور قو اُلو بنانا۔ لونڈیا ملی تو پاغل ہو غئے۔ سالے قہتے ہیں شراب نہیں پیتا..... کیسے مجے سے آؤٹ ہوئے تھے۔ میں دوڑ قر نہ آتا تہ بھکو دیے گئے ہوتے قسی گندے نالے میں۔''

''پوری بات بتاؤ۔''

''تم گرے تھے تو میں تمہاری طرف دوڑا تھا اور وہ سالی چپ چاپ کسی طرف کھسک گئی تھی۔ تمہیں اٹھا کر اپنی گاڑی کی طرف لے جا رہا تھا کہ ایک شریف آدمی مل غیا۔ قہنے لگا ہسپتال لے چلو۔ آج کل بڑی زہریلی شراب بن رہی ہے۔ جو بھی پی کر بیہوش ہوا بس اُسے مرا ہی سمجھو۔ پھر وہ مجھے اور تمہیں اپنے ٹرک میں واپس لایا تھا اور میں تین گھنٹے سے تمہاری موت کا انتجار قر رہا تھا۔''

''اگر کسی اور کی گاڑی پر لائے تھے تو یہ ہرگز ہسپتال نہیں ہوسکتا۔''

''ہاں ہاں..... تمہاری کھالا جی کا گھر ہے۔'' قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔

''اچھا..... اگر یہ ہسپتال ہے تو مجھے اب گھر لے چلو۔''

''چلو اٹھو..... میری تفریح برباد قرادی۔''

قاسم نے اٹھ کر دروازہ کھولنا چاہا تھا لیکن شاید وہ باہر سے بولٹ کر دیا گیا تھا۔ وہ متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکاتا ہوا حمید کی طرف مڑا۔

''کیا ہوا.....؟'' حمید نے پوچھا۔

''باہر سے بند ہے۔''

''اب کہو کیسی رہی۔''

''اغر یہ اسپتال نہیں ہے تو میں سالے کو زبردستی اسپتال بنادوں غا۔''

''چلو بیٹھو ادھر آ کر۔ تم آخر کسی دوسرے کے کہنے میں کیوں آ گئے تھے۔''

''اور نہیں تو کیا تمہیں اپنے گھر لے جاتا اور خود کرتا کفن دفن کا انتجام۔''

''اب دونوں کے کفن دفن کا انتظام یہیں ہو جائے گا۔''

''امے جاؤ..... مرغئے کھپن دھپن کرنے والے۔ ایک ٹکر میں دروازے کے پرخچے اڑادوں گا۔''

''اچھا خاموش رہو۔ مجھے سوچنے دو۔''

''لونڈیا تو وہی تھی نا جس نے مجھے مستری سمجھ لیا تھا۔''

''وہی تھی۔''

''کیا نام ہے؟''

''فینی ایڈ ہاور۔''

''اب پتا چلے غا بیٹا۔ اس کے ابا جان نے پکڑوالیا ہے تمہیں۔''

''کیا وہ کوئی سفید فام آدمی تھا؟''

''نہیں تھا تو دیسی ہی۔''

''تم تو بیہوش نہیں تھے۔ لہٰذا راستہ تو دیکھا ہی ہوگا۔''

''امے قسے ہوش تھا راستے کا۔ میں تو تمہاری سانسیں گن رہا تھا۔''

''یہ اچھا نہیں ہوا۔''

''پرواہ مت کرو۔ تمہارے باوا آ کر چھڑالیں گے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ بھی اٹھا تھا اور دروازہ کھولنے کی کوشش کی تھی اور پھر تھک ہار آ بیٹھا تھا۔

''مجھے تو بھوخ لگ رہی ہے۔'' قاسم بولا۔

''اب پھٹے پرانے جوتوں اور ڈنڈوں کی توقع رکھو۔''

''جی نہیں جلاؤ۔ نہیں تو تمہیں ہی خا جاؤں غا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ اس کی آنکھوں میں فکرمندی کے آثار تھے۔ اس دوران میں بے چوکنا رہا تھا۔ پھر بھی پھنس ہی گیا آخر۔ فینی نے تو اس کے گلاس میں ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا جو کچھ بھی ہوا تھا کاؤنٹر کے پیچھے ہی ہوا تھا۔ ویسے اگر خود فینی بھی اس میں ملوث نہیں تھی پھر قاسم کے بیان کے مطابق اس کے بیہوش ہوتے ہی بھاگ کیوں کھڑی ہوئی تھی۔

''تمہیں اچھی طرح یاد ہے کہ میرے گرتے ہی فینی وہاں سے چلی گئی تھی۔'' حمید بولا

''چلی نہ جاتی تو بیٹا تم وہیں پڑے رہ جاتے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''ارے میں اسے پٹالے جاتا۔ تم جاتے میرے ٹھینگے پر۔''

''اتنی بے دردی کا مظاہرہ نہ کرو۔ میں تمہارا دوست ہوں۔''

''یہ سالے میرے دوست ہیں۔ جرا شکل دیکھنا۔''

''اچھا اگر دوست نہیں ہوں تو یہاں کیوں پائے جاتے ہو۔''

''تمہارا آپریشن کراؤں غا..... قصہ ہی ختم ہوجائے سالے..... آج ادھر دھرے پکڑے جارہے ہیں کل اُدھر دھرے پکڑے جارہے ہیں۔''

''بات تو معقول ہے۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور سنگ ہی کمرے میں داخل ہوا تھا اس کے پیچھے ایک آدمی اور تھا جس کے ہاتھ میں اسٹین گن تھی۔

''ارے یہ تو وہی ہے..... سالا مچھر کی اولاد..... کیا نام ہے۔ چنگ چی۔'' قاسم بوکھلا کر اٹھتا ہوا بولا۔

''سنگ ہی.....!'' سنگ مسکرایا تھا اور اس کے پیچھے والا آدمی ایسی پوزیشن میں آ کھڑا ہوا تھا کہ دونوں اسٹین گن کی زد پر تھے۔

''ارے پیارے سنگ..... یہ تم ہو۔'' حمید نے بھی قہقہہ لگایا تھا۔

''ہاں میں ہی ہوں..... اور تم میرے ہی مہمان ہو۔''

''لیکن میں تو فینی ایڈ ہاور کے ساتھ لائم جوس پی رہا تھا۔''

''میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔'' سنگ بولا۔

''میں تو سمجھا تھا کہ وہ اسی کی حرکت ہے۔''

''قطعی نہیں۔ لائم جوس کو میرے آدمی نے نشہ آور کیا تھا۔ لیکن اب وہ ہوٹل ڈی فرانس میں نہیں مل سکے گا۔''

''ظاہر ہے۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''تم کچا کام نہیں کرتے۔ سنا ہے فنچ بھی ہے تمہارے ساتھ..... اسے بلاؤ..... دیکھنے کو دل چاہتا ہے۔''

''اسے بھی بند کردیا ہے دوبارہ۔''

''ارے یہ کیوں۔''

''ان باتوں میں نہ پڑو..... یہ بتاؤ کہ فریدی کہاں ہے۔''

''گھر پر ہوں گے۔''

''نہیں.....وہ آج صبح ہی کہیں چلا گیا ہے۔''

''تم ہی سے سن رہا ہوں مجھے تو علم نہیں۔''

''سیدھی طرح بتادو ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔''

''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ وہ بعض معاملات میں کسی پر بھی اعتماد نہیں کرتے۔''

''جانتا ہوں۔ اسی لئے تم سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ دونوں کہاں رکھی گئی ہیں۔''

''یقین کرو میں یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ کہاں گئے ہیں۔''

''علی الصبح ایئر پورٹ پر دیکھا گیا تھا۔''

''تب تو پھر فلائٹ کا آسانی سے پتا چل سکتا ہے۔''

''وہ اپنے ذاتی ون سیٹر پر کہیں گیا ہے۔''

''تب تو زیادہ دور نہ گئے ہوں گے۔ جلد ہی واپس آجائیں گے۔''

''اچھی بات ہے۔ اس کی واپسی تک میرے مہمان رہو گے۔''

''میں تو نہیں رہوں غا۔'' قاسم دہاڑتا ہوا کھڑا ہوگیا۔

''بیٹھے رہو ورنہ چیتھڑے اڑ جائیں گے۔'' سنگ ہی نے اسٹین گن کی طرف اشارہ کیا۔

''قاسم.....بیٹھ جاؤ۔'' حمید بولا۔

''تمہارے کہنے سے بیٹھ جاتا ہوں.....مگر بھوخ۔''

''ہاتھی کے سری پائے کھاؤ گے۔'' سنگ ہی نے ہنس کر کہا۔

''ہی ہی ہی.....آپ مزاخ فرمارہے ہیں۔ جھینگر کی اولاد سالے۔''

''کیپٹن حمید! جب تک فریدی نہ مل جائے تم میرے قیدی رہو گے۔''

''میں نے تو کچھ بھی نہیں قیا۔ مجھے جانے دو۔'' قاسم جلدی سے بول پڑا۔

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

''تو پھر میرے خانے کا انتجام کرو۔''

''ایک مرغ کی قیمت دس ہزار ہے۔ بکرے کی سالم ران بیس ہزار میں ملے گی۔''

''اتنی رقم کون لئے پھر رہا ہے۔''

''کریڈٹ کارڈ ہے تمہاری جیب میں اور مجھے علم ہے کہ اس اکاؤنٹ میں تمہارے پانچ لاکھ جمع ہیں۔''

''غلط.....!'' قاسم انگلی نچا کر بولا۔ ''چار لاخ بیاسی ہجار۔''

''بس تو جب تک یہاں رہو گے اسی ریٹ پر کھانا ملے گا۔ سلپ بھجواتا ہوں اس پر دستخط کردو۔ کھانا حاضر کردیا جائے گا۔''

قاسم ہونقوں کی طرح منہ پھاڑے بیٹھا رہا۔

وہ دونوں چلے گئے اور حمید نے قاسم سے کہا۔ ''یہ مت سمجھنا کہ تم میری وجہ سے پھنسے ہو۔ پہلے ہی سے اس کی لسٹ پر رہے ہوگے۔ ورنہ وہ کھانے کی قیمت نہ بتاتا۔''

تھوڑی دیر بعد ایک لحیم شحیم سی عورت کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ اس نے ایک واؤچر قاسم کی طرف بڑھا دیا تھا۔

''مرغ بھی منگواؤں غا.....اور ران بھی۔'' قاسم عورت کی طرف دیکھتا ہوا چہکا۔ وہ بھی قاسم کو حیرت سے دیکھے جارہی تھی۔ دفعتاً عقب سے سنگ ہی کی آواز آئی۔

''اور اس عورت کی قیمت پچاس ہزار۔''

''نہیں چاہئے..... بڈھی ہے۔'' قاسم دہاڑا۔

''بکواس مت کرو۔ اسکی قیمت بھی واؤچر پر لکھ دینا۔ یہ اب تمہارے ہی ساتھ رہے گی۔''

''اس قے تو میں پانچ روپے بھی نہیں دوں غا۔''

''تیری ماں تو نہیں لگتی۔ کیوں مرا جارہا ہے۔'' عورت نے کہا۔

قاسم کا الٹا ہاتھ عورت کے منہ پر پڑا تھا اور وہ دوسری طرف الٹ گئی تھی۔ قاسم پھر اس کی طرف بڑھا تھا لیکن حمید بیچ میں آتا ہوا بولا۔ ''کیا کرتے ہو۔ عورت ہے اب ہاتھ نہ اٹھے۔''

''اس سالی کو نہیں دیکھتے۔ چھوٹتے ہی غالی دی تھی۔''

وہ اٹھ بیٹھی تھی اور چیخ چیخ کر رونے لگی تھی۔ پھر ہچکیاں لیتی ہوئی بولی۔ ''ایک تو وہ

حرامی مارے ڈال رہا ہے کئی سال پہلے کے پیسے باقی تھے۔ وہ بھی نہیں دیئے۔''

اور تب انہیں معلوم ہوا کہ وہ کہاں سے تعلق رکھتی ہے۔ حمید نے اسے دلاسا دے کر خاموش کیا تھا۔

''تب تو جی معاف قردو۔'' قاسم بولا۔ ''بہت ہلکی سی گالی دی تھی تم نے۔ تم لوگ تو گالے دیتی ہو۔ غالی تو قچھ بھی نہیں۔''

''میں نہیں سمجھی یہ کیا کہہ رہے ہیں۔''

''کچھ بھی نہیں۔ دراصل اسے معلوم نہیں تھا کہ تم بھی ہم ہی لوگوں کی طرح قیدی ہو۔''

رام گڑھ کی پہاڑیاں برف سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ ان دنوں وہاں سیاح تو ہوتے نہیں۔ مقامی ہی لوگ رہ جاتے ہیں یا پھر بڑے بالوں والی لومڑیاں اور بھڑیوں کے شکاری ہوتے ہیں۔ ہوٹل زیادہ تر ویران رہتے اور ان کے نرخ پچاس فیصد کم ہوجاتے تھے۔ بس پھر انہی ہوٹلوں میں تھوڑی بہت آبادی نظر آتی جو شکار کے اڈوں کے آس پاس ہوتے تھے۔

کرنل فریدی بھی ایک شکاری کے بھیس میں وہاں پہنچا تھا۔ بس ایک دشواری تھی۔ وہ یہ کہ کوئی بھی شکاری تنہا نظر نہیں آتا تھا۔ پانچ پانچ چھ چھ کے گروپوں میں ان کی نقل وحرکت ہوتی تھی۔ فریدی تنہا تھا اس لئے اس پر شک کی نظریں پڑ سکتی تھیں۔ بہرحال کام تو کرنا ہی تھا۔ جاتے ہی ایک گروپ سے مل بیٹھا۔ اس میں چار آدمی تھے۔ چاروں کئی سال کا تجربہ رکھتے تھے اور ایک کمپنی سے متعلق تھے جو کھالوں کی ایکسپورٹ کرتی تھی۔ اتفاق سے یہ لوگ کسی قدر پڑھے لکھے اور شائستہ بھی ثابت ہوئے تھے۔ فریدی نے ان پر یہی ظاہر کیا تھا کہ اسے بھیڑیوں کے شکار کا شوق ہے اس سے غرض نہیں کہ شکار کون لے جاتا ہے۔

''کہیں کسی پارٹی کے جاسوس تو نہیں ہو۔'' ایک شکاری نے مسکرا کر کہا۔ ''ہمارے ٹھکانوں کی ٹوہ میں ادھر آ نکلے ہو۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔'' فریدی بولا۔ ''اگر ثابت کرسکو تو اطمینان سے گولی مار کر برف میں دفن کردینا۔''

''فکر نہ کرو..... دوسری صورت میں یہی ہوگا۔''

''میں نے ان اطراف میں کبھی شکار نہیں کھیلا لیکن بہت کچھ سن رکھا ہے ان معاملات سے متعلق۔''

''ویسے تم کرتے کیا ہو۔''

''کھیتی باڑی..... میرے پھلوں اور اناج کے فارم ہیں۔ ایک کارخانہ بھی ہے۔ جہاں پھل ڈبوں میں محفوظ کئے جاتے ہیں۔ فروٹیکس کے ڈبے تم لوگوں نے بھی استعمال کئے ہوں گے۔''

''ہاں ہاں..... کیوں نہیں۔ وہ تمہاری فیکٹری ہے۔''

''ہاں..... میری ہی ہے۔''

''تو پھر تمہیں اس دیوانگی سے کیا سروکار۔''

''بس شوق ہے۔ عموماً چیتوں اور شیروں کا شکار کھیلتا ہوں۔ اس بار سوچا کیوں نہ برفیلے پہاڑوں میں بھیڑیوں کے شکار کا تجربہ بھی حاصل کیا جائے۔''

پھر بات آگے نہیں بڑھی تھی اور دوسری صبح فریدی ان کے ساتھ شکار پر نکل گیا تھا۔ دن میں جگہوں کا تعین کرتے تھے اور رات کو شکار ہوتا تھا۔ راستے میں انہیں کئی پارٹیاں ملیں جو اپنے لئے جگہوں کا تعین کرتی پھر رہی تھیں۔ ایسے اوقات میں بھی کبھی کبھی ان کا آپس میں ٹکراؤ ہوجایا کرتا تھا۔ لہٰذا وہ سبھی پوری طرح چاق و چوبند رہتے تھے۔ انہوں نے فریدی کو بھی اس خطرے سے آگاہ کردیا تھا۔

''دیکھا جائے گا..... میں بھی اتنا بودا نہیں ہوں کہ پیٹھ دکھاؤں گا۔'' فریدی نے کہا۔

''ویسے تم چہرے اور آنکھوں کی بناوٹ سے مضبوط بھی معلوم ہوتے ہو اور نڈر بھی۔''

''خدا نے چاہا تو تم مجھے کسی بھی معاملے میں پیچھے نہیں پاؤ گے۔''

اور پھر سچ مچ ایک جگہ رائفلیں تن گئیں۔ فریدی نے ان سے پوچھا۔

''کیا محض دھمکیوں تک بات رہ جائے گی یا سچ مچ۔''

''اب پوچھ رہے ہو دوست۔'' شکاری نے کہا اور پھر ان لوگوں نے اندھا دھند فائرنگ شروع کردی تھی۔ دونوں طرف سے فائر ہوتے رہے۔ فریدی کے ساتھی نشیب میں تھے اس لئے ان کے لئے زیادہ خطرہ تھا۔ فریدی چٹانوں کی اوٹ لیتا ہوا اوپر چڑھ رہا تھا۔ اس کے ساتھیوں نے اسے روکنے کی کوشش کی تھی لیکن فریدی نے کہا۔ ''پوزیشن تبدیل کئے بغیر مارکھا جائیں گے۔''

''تم جانو.....خود ہی خطرہ مول لے رہے ہو۔'' ایک شکاری بولا۔

''تم سب کو اسی طرح خطرے سے نکال سکوں گا دیکھو.....تم فی الحال اپنی پوزیشنوں میں تبدیلی نہ ہونے دینا۔''

وہ بڑی تیزی سے اوپر جارہا تھا۔ دوسرے شکاری اُسے حیرت سے دیکھتے رہے اور پھر وہ دوسری پارٹی سے بھی زیادہ بلندی پر پہنچ گیا تھا۔ پھر جیسے ہی اس نے فائرنگ شروع کی تھی ان کی رائفلیں خاموش ہوگئی تھیں۔ شاید وہ خاموشی سے پسپا ہو رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں سناٹا چھا گیا۔ فریدی اطمینان سے نیچے اُتر رہا تھا۔

''یار تم تو کمال کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔'' ایک شکاری نے کہا۔ ''کیا کبھی فوج میں بھی رہے ہو۔''

''مجھے پہاڑی جنگوں کا تجربہ ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''بہرحال.....تمہارے ساتھ وقت اچھا گزرے گا۔''

''مجھے بھی یہی توقع ہے۔'' فریدی مسکرایا تھا۔

''پٹھان معلوم ہوتے ہو۔''

''ایک ایسا آفریدی جس کے آباؤ اجداد میدانوں میں جا بسے تھے۔''

''کوئی مرا تو نہیں۔''

''میں خواہ مخواہ خون بہانا پسند نہیں کرتا۔ اسی خطرے کو ٹالنے کے لئے میں نے اپنی

پوزیشن تبدیل کی تھی۔ ہماری پوزیشن ایسی تھی کہ ہم ہی خسارے میں رہتے۔''

''چلو اچھا ہی ہوا۔ ہم اتنی احتیاط برتیں تو ہمارا سارا وقت احتیاط ہی کی نذر ہوجائے۔''

''اچھی بات ہے دوستو! آج ایسا کرو جہاں قطعی بھیریئے نہ ہوں وہاں بھیڑیوں کا شکار کرو۔''

''میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔''

''جہاں تم کہو گے وہیں بھیڑیوں کو طلب کرلوں گا۔''

''تو کیا کالے جادو کے بھی ماہر ہو۔''

''ہرگز نہیں! بس حکمت عملی کے ذریعے۔ یقین نہ ہو تو امتحان کرلو۔''

''کیوں بھئی کیا خیال ہے؟'' ایک نے دوسرے کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''چلو آج یہی سہی۔''

''تو تم لوگ جگہ کا تعین کردو۔ لیکن یہ کھیل بستی کے قریب نہیں ہوگا۔'' وہ ان میں اپنے لئے اعتماد بحال کرنے کے لئے یہ سب کچھ کررہا تھا۔

انہوں نے ایک جگہ کا تعین کیا اور پھر ہوٹل واپس آگئے تھے۔ یہاں فریدی نے ایک سفید فام غیر ملکی مسافر کو بھی دیکھا جو شاید ان کے بعد آیا تھا اور وہیں مقیم ہوگیا تھا۔ پوچھ گچھ کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ چار افراد ہیں اور ان میں ایک عورت بھی ہے۔ غالباً بقیہ تینوں اپنے کمروں میں رہے ہوں گے۔ غیر ملکی نے ان شکاریوں کو غور سے دیکھا تھا اور کافی پیتا رہا تھا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد وہ فریدی کے کمرے میں اکٹھا ہوئے۔ غالباً فلش کھیلنا چاہتے تھے۔ فریدی نے اس پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ البتہ خود کھیلنے پر آمادہ نہیں ہوا تھا۔ وہ کچھ دیر سکون سے سوچنا چاہتا تھا۔ رام گڑھ اس کے لئے کوئی نئی جگہ نہیں تھی۔ ایک ایک چپہ دیکھا بھالا تھا۔ اس ہوٹل کا انتخاب ہی اس لئے کیا تھا کہ یہیں سے تفتیش کا آغاز کرے گا۔ دراصل دشوار گزار حصوں میں جانے والوں کی پہلی منزل تھی۔ ایسے موسم میں یہاں غیر ملکیوں کی موجودگی غیر معمولی ہی واقعہ سمجھا جاسکتا ہے۔

''یہ غیر ملکی اسی موسم میں نہ جانے کیوں آتے ہیں۔'' اس نے شکاریوں کو متوجہ کرکے کہا۔

''تیل کی تلاش میں مدد دینے والے ہر وقت آتے جاتے رہتے ہیں۔''

''تو کیا یہاں تیل کی تلاش ہو رہی ہے۔''

''بہت دنوں سے۔''

''لیکن اخبارات میں تو اس کے بارے میں کچھ نہیں آیا تھا۔''

''خاموشی سے کام ہو رہا ہے۔ پبلسٹی ہونے پر اگر کوئی نتیجہ نہ نکلا تو اسمبلی میں اپوزیشن والے شور مچانے لگتے ہیں۔''

''ہاں یہ تو ہوتا ہے۔'' فریدی نے کہا اور آرام کرسی پر نیم دراز ہوکر آنکھیں بند کرلی تھیں۔ وہ چاروں فرش پر بیٹھے کھیل رہے تھے۔

''اب میں اپنا کھیل شروع کرنے جا رہا ہوں۔ لیکن خدارا بھیڑیئے کی آواز کی سمت گولی نہ چلا دینا۔ وہ آوازیں میں ہی نکالوں گا۔''

''اوہ.....تو یہ بات ہے۔'' شکاری ہنس پڑے تھے۔

تھوڑی دیر بعد فریدی نے آسمان سر پر اٹھا لیا تھا اور پھر نزدیک و دور سے متعدد آوازیں آئی تھیں۔ بھیڑیئے آوازیں نکالتے ہوئے انکی طرف بڑھے آرہے تھے۔ کئی رائفلیں چلی تھیں کچھ گرے تھے اور کچھ بھاگ نکلے تھے۔ سبھوں نے دو، دو راؤنڈ چلائے تھے اور دو ہی ہلوں میں انہوں نے چھ بھیڑیئے مار گرائے تھے۔ خود فریدی نے کوئی فائر نہیں کیا تھا۔

''یار بالکل بھیڑیئے لگ رہے تھے۔'' ایک شکاری نے کہا۔ فریدی ہنس کر خاموش ہوگیا تھا۔ پھر جب وہ مردہ بھیڑیوں کو اٹھا رہے تھے تیز قسم کی روشنی میں نہا گئے اور ساتھ ہی کسی نے گونجیلی قسم کی آواز میں کہا۔ ''کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ یہ ممنوعہ علاقہ ہے۔''

''ہم نہیں جانتے۔'' فریدی کی آواز میں جھنجھلاہٹ تھی۔ ''یہاں ایسی کوئی سائن نہیں دیکھی تھی ہم نے۔''

''اس کے باوجود بھی خود کو حراست میں سمجھو۔'' آواز آئی۔ ''اپنی اپنی رائفلیں زمین پر ڈال دو.....ورنہ چھلنی ہو جاؤ گے۔''

بچاؤ.....بچاؤ

''یہ تو بہت بُرا ہوا۔'' ایک شکاری مردہ سی آواز میں بولا۔

دفعتاً فریدی نے کڑک کر کہا۔ ''جب تک ہم تمہارا شناخت نامہ نہ دیکھ لیں اپنا اسلحہ حوالے نہیں کریں گے۔''

''شائیں.....!'' ایک گولی فریدی کے بائیں کان کے قریب سے گزر گئی تھی۔

پھر فوراً ہی فریدی کی رائفل سے بھی شعلہ لپکا تھا اور سرچ لائٹ کا شیشہ چکنا چور ہوگیا تھا۔ پہلے ہی کا سا اندھیرا پھر پھیل گیا تھا۔

''لیٹ جاؤ۔'' فریدی جلدی سے بولا اور خود بھی بڑی پھرتی سے سینے کے بل زمین پر گر گیا۔ کئی فائر اُن پر سے گزر گئے تھے۔ پہاڑوں پر برف کی وجہ سے مکمل تاریکی نہیں تھی۔ ان کی دھندلی پرچھائیاں دور سے بھی دیکھی جاسکتی تھیں۔

''فائروں کی سمت کا اندازہ ہے تمہیں..... پوزیشن لینے کی کوشش کرو۔'' فریدی کی تیز سرگوشی سناٹے میں گونجی تھی۔ جوں توں وہ پتھروں کی اوٹ میں چلے گئے تھے۔ فریدی نے ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا اور اپنے ساتھیوں کو بھی یہی مشورہ دیتے ہوئے فائروں کی سمت فائرنگ شروع کردی تھی۔ دوسری طرف جلد ہی سناٹا چھا گیا تھا۔ فریدی نے اپنے ساتھیوں سے بھی ہاتھ روک لینے کو کہا تھا۔

''اور اب اسی طرح لیٹے ہی لیٹے کھسک چلو۔'' اس نے کہا۔

واپسی بے حد پریشان کن تھی۔ لیکن وہ بہرحال خطرے کی رینج سے نکل ہی آئے۔

''چھ بھیڑیئے ضائع ہوگئے۔'' ایک بولا تھا۔

''پہلی بار ہمیں معلوم ہوا ہے کہ یہ علاقہ ممنوعہ ہے۔'' دوسرے نے کہا۔ ''ہم یہاں دن میں بھی آچکے ہیں لیکن اس وقت کسی نے بھی نہیں ٹوکا تھا۔''

''کوئی تھا ہی نہیں اس وقت۔'' فریدی بولا۔''میرا خیال ہے کہ وہ کوئی دوسری پارٹی تھی۔ ہوسکتا ہے وہی لوگ ہوں جن سے دن میں بھی ٹکراؤ ہو چکا تھا۔''

''لیکن ان کے پاس اس قسم کی سرچ لائٹ کہاں سے آئی۔ وہ تو خاص طور پر ملٹری کے لئے تیار کی جاتی ہے۔''

''جب خاص ملٹری کے استعمال کا اسلحہ لوگوں کے ہاتھ لگ جاتا ہے تو سرچ لائٹ حصول کیا مشکل ہے۔''

''یہ بھی ٹھیک ہے۔ بہرحال اب مفت کے بھیڑیئے ان کے ہاتھ لگیں گے۔''

''بہرحال اگر یہ نہ ہوتے تو پھر مارے گئے تھے۔'' دوسرا بولا۔

''اس میں تو شک نہیں۔''

قریباً آدھے گھنٹے بعد وہ سیدھے کھڑے ہوئے تھے اور اس رات مزید شکار کا ارادہ ملتوی کردیا گیا تھا۔

''صبح دیکھوں گا کہ وہ کس قسم کا ممنوعہ علاقہ ہے۔'' فریدی بڑبڑایا تھا۔

ہوٹل میں واپس پہنچ کر وہ پھر جوا کھیلنے لگے تھے۔ اس بار انہوں نے فریدی کو مجبور کیا تھا اور وہ مسکراتا ہوا بیٹھ گیا۔

''اچھا ایک بات ہے۔'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔''تم سب اپنے اپنے پاس کاغذ پنسل رکھ لو اور اپنی اپنی ہاری ہوئی رقوم نوٹ کرتے جانا۔''

''اس دعویٰ کے ساتھ بیٹھ رہے ہو۔'' ایک شکاری بولا۔

''ہاں.....اس دعویٰ کے ساتھ۔''

''تب تو تمہیں سچ مچ پچھتانا پڑے گا۔''

''دیکھا جائے گا۔''

کھیل شروع ہوا تھا اور ان کے چہرے اترنے لگے تھے۔ ذرا ہی سی دیر میں فریدی نے ان کی جیبیں خالی کرالیں۔ وہ اسے حیرت سے دیکھے جارہے تھے۔

''اب لاؤ اپنا اپنا پرچہ۔'' فریدی ہنس کر بولا۔

ان کے حساب کے مطابق اس نے ان کی ایک ایک پائی واپس کردی تھی۔

''کمال ہے کمال ہے۔'' ایک بولا۔''یار! تمہارے تو ہاتھ چومنے کو دل چاہتا ہے۔''

''کچھ بھی نہیں.....صرف پریکٹس کی بات ہے۔ مجھے علم ہوتا ہے کہ کون کون سے پتے کس کے پاس گئے ہیں۔''

''خود بانٹتے ہو گے تب۔''

''کوئی دوسرا بانٹے تب بھی فرق نہیں پڑے گا۔ میں کاٹوں گا بھی نہیں۔ چلو تجربہ کرلو۔ تم کاٹو اور تم تقسیم کرو۔ اپنے پتے دیکھنے کے بعد بتادوں گا کہ کس کے پاس کون سے پتے ہیں۔''

''اچھا بھئی.....ہوجائے امتحان۔''

تین تین پتے ہر ایک کے آگے پڑے ہوئے تھے۔ فریدی نے اپنے پتے اٹھائے۔ چند لمحے انہیں غور وفکر کے ساتھ دیکھتا رہا۔ پھر ان لوگوں کے پتے بتانے شروع کردیئے۔ پھر تو ایسا معلوم ہونے لگا تھا جیسے وہ سب خواب دیکھ رہے ہوں۔

''بھائی! تم جن تو نہیں ہو شکاری کے بھیس میں۔'' کچھ دیر بعد ایک نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تھا۔

''ہرگز نہیں.....تمہاری طرح معمولی آدمی ہوں۔''

''تو پھر جادوگر ہو گے۔''

''نہیں.....یہ صرف ریاضی اور ریاض کا کارنامہ ہے۔''

''ہمیں بھی سکھا دو۔''

''سکھانے سے نہیں آتا.....اس کے ریاض کو بھی ایک عمر چاہئے۔''

دفعتاً باہر سے دروازے پر کسی نے ٹھوکری ماری تھی اور دونوں پاٹ کھل گئے تھے۔ سامنے کئی مسلح آدمی کھڑے نظر آئے جو فوجی وردیوں میں تھے۔ ان کے ساتھ ایک سفید فام غیر ملکی بھی تھا۔

''یہی لوگ تھے۔'' غیر ملکی غرایا۔ ٹھیک اسی وقت فریدی نے چھت سے لٹکے ہوئے بلب پر ایش ٹرے پھینک مارا تھا۔''تڑاخا ہوا'' اور کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔ فریدی نے

اپنے عقب والی کھڑکی سے باہر چھلانگ لگائی تھی اور اندھیرے میں دوڑتا چلا گیا تھا۔



سنگ ہی کسی قدر چڑچڑا ہو رہا تھا۔ موٹی عورت سے جی بھر گیا تھا اور اب اسے کسی دوسری کی فکر تھی۔ لیکن فنچ تھا کہ بار بار اس کی توجہ اس کام کی طرف مبذول کرا دیتا تھا جس کے لئے اسے رہائی دلوائی گئی تھی۔

''اگر یہ مرحلہ درپیش نہ ہوتا تو میں تمہیں جان سے مار دیتا۔'' سنگ ہی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''آسانی سے مرجانے والوں میں سے نہیں مسٹر سنگ ہی۔''

''خیر..... خیر..... دیکھا جائے گا۔''

''تم نے خواہ مخواہ ان دونوں کو کیوں پکڑ رکھا ہے۔''

''ایک فریدی تک پہنچائے گا اور دوسرا اچھے خاصے بنک بیلنس تک۔ میرے ذاتی اخراجات کے لئے بھی تو کچھ ہونا چاہئے۔ جب تک میں بازارِ حسن کا پچھلا قرض بے باق نہ کردوں گا بات نہیں بنے گی۔ ویسے میں کچھ اور بھی سوچ رہا ہوں۔''

''کیا سوچ رہے ہو.....؟''

''فینی ایڈہاور.....!''

''تمہارا دماغ تو نہیں چل بسا۔ اپنی عمر کی حدود سے باہر نہ نکلا کرو۔''

''ابھی میری کوئی عمر ہی نہیں ہے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے کہ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے۔''

''کسی طرح فینی ایڈہاور کو یہاں لاؤ۔''

''میں کچھ نہیں کرسکتا۔ میں کیا جانوں اُسے۔ میں نے تو اُسے کام پر آمادہ نہیں کیا تھا۔''

''اس کے باپ سے میرا نام لینا۔ وہ اسے تمہارے ساتھ کردے گا۔''

''اپنے کام سے کام رکھو بندر.....!''

''وہ تو میں رکھوں گا مگر تم اس لڑکی کو ہاتھ بھی نہ لگا سکو گے۔''

''کیوں شامت آئی ہے تمہاری۔ میں فینی کو فون کرکے یہاں طلب کرنے جارہا ہوں۔''

''کرکے دیکھو! کیا حشر ہوتا ہے تمہارا۔''

سنگ اسے گھورتا ہوا اٹھا اور فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کئے اور دوسری طرف سے جواب ملنے پر بولا۔ ''انکل سنگ بول رہا ہوں بے بی! کیا تم نورنگ چوراہے پر آسکتی ہو۔ ٹھیک! تو بیس منٹ کے اندر اندر پہنچ جاؤ۔ وہاں سے میرا آدمی تمہیں مجھ تک لائے گا اوکے۔'' ریسیور رکھ کر وہ فنچ کی طرف مڑا۔ لیکن فنچ وہاں نظر نہ آیا۔

''کتے کا بچہ!'' وہ بڑبڑایا اور بوتل سے گلاس میں شراب انڈیلنے لگا تھا۔ دفعتاً فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسرے ہاتھ میں گلاس تھا۔ ''ہاں..... میں ہی بول رہا ہوں۔'' اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ''نہیں ابھی تک اس کا سراغ نہیں مل سکا۔ اس کا اسسٹنٹ بھی اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ ہاں وہ ابھی میرے ہی پاس ہے..... تم فکر نہ کرو۔ یہ دیکھنا میرا کام ہے اور ہاں دیکھو مشوروں کی ضرورت نہیں ہے۔ میں انچارج ہوں۔ شٹ اپ..... اپنے کام سے کام رکھو۔'' اس نے ریسیور کریڈل پر پٹخ کر ایک گندی سی گالی دی تھی اور جلدی جلدی شراب کی چسکیاں لینے لگا تھا۔ فنچ واپس نہ آیا۔ آدھے گھنٹے تک وہ شراب سے شغل کرتا رہا تھا۔ پھر فینی ایڈہاور کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

''آؤ..... آؤ.....!'' سنگ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''میں نے تمہارے لئے تین سو سال پرانی پرتگالی شراب تہہ خانے سے نکلوائی ہے۔''

''کیا تمہارا کام حسب مرضی نہیں ہوا۔''

''ہوگیا ہے..... بیٹھو..... تم اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہو۔''

''کچھ بھی نہیں۔'' بس جلد ہی واپس جانا ہے۔ وہ اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتی

ہوئی بولی۔ ''کیا اب تم میرے باپ کا قصور معاف کردو گے۔''

''گھبراہٹ میں تم اور زیادہ خوبصورت لگنے لگتی ہو۔''

''مسٹر سنگ پلیز..... میں بہت پریشان ہوں۔ اب پاپا سے مت الجھنا۔ وہ دل کے مریض ہیں۔''

''میں بھی سوچ رہا ہوں کہ مسٹر ایڈ ہاور کو تنہا چھوڑ دیا جائے۔''

''بہت بہت شکریہ۔''

''میں نے یہی کہنے کو بلایا ہے۔ اب تم صبح کو واپس جانا۔''

''کک..... کیا مطلب؟''

''مسٹر ایڈ ہاور کی آزادی کی قیمت.....!''

''یہ ناممکن ہے۔'' وہ اٹھتی ہوئی بولی۔

''تو پھر مسٹر ایڈ ہاور کو کل ہی خودکشی کرنی پڑے گی۔''

''مم..... مسٹر سنگ..... چھین۔'' اُسے چھینک آئی تھی اور وہ دھم سے کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ ادھر سنگ بھی چھینکنے لگا تھا۔ ٹھیک اسی وقت پولیس کی گاڑیوں کے سائرن سنائی دیئے تھے۔ فنچ دوڑتا ہوا کمرے میں داخل ہوا تھا۔

''پولیس..... پولیس..... گھیرا ڈال رہی ہے۔'' وہ ہانپتا ہوا بولا۔

''پولیس..... آچھیں..... آنے دو..... آچھیں۔''

''بچاؤ..... بچاؤ..... آچھیں۔'' فینی چیخنے لگی تھی۔

قاسم پیٹ پیٹ چیخ رہا تھا۔ حمید اونگھ رہا تھا اور وہ موٹی عورت کبھی قاسم کو گھورنے لگتی

تھی اور کبھی حمید کو۔

''تمہارا پیٹ ہی نہیں بھرتا کسی صورت سے۔'' اس نے کہا۔

''تم چوپ رہو..... بڈھی کھوسٹ۔''

''پھر میں گالیاں دیتی ہوں تو بُرا مانتے ہو۔''

''ٹانگیں چیر کر پھینک دوں گا..... دیکر تو دیکھ گالیاں۔''

''اُو خاموش رہو کم بختو..... مجھے سونے دو۔'' حمید دہاڑا تھا۔

''اے تو قیوں مرے جا رہے ہو۔ ارے یہ کیا..... ہائیں سنو۔''

حمید بھی چونک کر سیدھا ہو بیٹھا۔ لیکن دروازہ تو باہر سے مقفل تھا۔

''کیا بات ہے؟'' موٹی عورت نے قاسم سے پوچھا۔

''پولیس.....!''

''ارے باپ رے۔''

''قیوں.....؟ تمہارا دم قیوں نقل گیا۔''

''بہت مارتے ہیں حرامزادے۔''

''ان کے سامنے حرامجادہ نہ کہو۔'' قاسم نے حمید کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''بُرا مان جائیں گے۔''

''یہ کیوں بُرا مان جائیں گے۔''

''کھد بھی حرامجادے ہیں۔'' قاسم کہہ کر کھی کھی کھی کرنے لگا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس دروازے پر ضربیں پڑنے لگی تھیں۔

''دروازہ کھولو۔ اندر کون ہے؟'' باہر سے آواز آئی۔

''ایک طوائف، ایک سرمایہ دار اور ایک پولیس والا۔'' حمید نے اندر سے ہانک لگائی۔

''دروازہ باہر سے مقفل ہے۔''

پھر دروازہ ٹوٹنے میں دیر نہیں لگی تھی۔ لیکن سارے چہرے حمید کے لئے اجنبی تھے۔

''چلو..... باہر نکلو۔''

''تمہارا انچارج کہاں ہے؟'' حمید نے کانسٹیبل سے پوچھا۔ لیکن اُسے جواب نہیں تھا۔ وہ ایک بڑے کمرے میں لائے گئے جہاں انچارج کے ساتھ سارجنٹ رمیش بھی تھا۔ حمید کو دیکھ کر اس کی طرف لپکا۔ انچارج بھی قریب آ کھڑا ہوا تھا۔

''اور کون ہاتھ لگا ہے؟'' حمید نے رمیش سے پوچھا۔

''کوئی بھی نہیں۔''

''حالانکہ وہ دونوں یہیں تھے۔''

''ہاں ایک لیڈیز پرس ضرور ہاتھ لگا ہے۔'' رمیش نے کہا۔

''اسے اپنے ہی قبضے میں رکھنا۔''

''اور یہ عورت.....؟''

''یہ یہاں سرے سے تھی ہی نہیں۔ رپورٹ میں اس کا نام نہیں آئے گا۔''

کچھ دیر بعد وہ باہر آئے تھے۔ عورت حمید کی بلائیں لے کر بولی۔ ''آپ پر قربان... آپ نے جان بچائی۔ ورنہ وہ میری کھال اُتار دیتے۔''

''بس جاؤ..... سب کچھ بھول جاؤ۔''

وہ چلی گئی تھی۔ قاسم حمید کو عجیب انداز میں دیکھے جا رہا تھا۔ دفعتاً بولا۔ ''اب قبول... آپ پر قربان ہو جاؤں۔ سالے ٹکر ٹکر دیکھتے رہے اور میرے پچھتر ہزار غائب ہو گئے۔''

''غائب کہاں ہو گئے۔ تمہارے معدے میں پہنچے اور گٹر میں بہہ گئے۔''

''اب اگر مرتے بھی ہو گے تو پلٹ کر نہیں دیکھوں گا۔''

پھر قاسم بھی چل دیا تھا اور صرف رمیش رہ گیا تھا۔

''آپ کی گاڑی تو ہوٹل ڈی فرانس سے منگوائی گئی تھی۔ دراصل غلطی میری ہی تھی میں نے آپ کو آنکھوں سے اوجھل ہونے دیا۔ میرے ایک عزیز کی موت ہو گئی تھی۔''

وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا لیکن پے در پے کئی چھینکوں نے بات آگے نہ بڑھنے دی پھر لمبی لمبی سانسیں لیتا ہوا بولا۔ ''پتا نہیں ان کا سلسلہ کیسے ختم ہو گا۔''

''چھینکوں کا۔'' حمید نے حیرت سے پوچھا۔

''جی ہاں..... جیسے ہی ہم ایک کمرے میں داخل ہوئے تھے ہم پر چھینکوں کا حملہ ہو گیا تھا۔ غالباً کسی قسم کی گیس کے اثرات تھے وہاں اور یہ لیڈیز پرس بھی وہیں ملا تھا۔ ہاں تو حلقے کے تھانے کے انچارج سے کسی نے فون پر اس عمارت کا پتہ بتاتے ہوئے کہا تھا کہ یہاں ایک پولیس آفیسر قید ہے۔ آپ کا نام لیا تھا۔ میں نے پہلے ہی سارے تھانوں کو مطلع کر دیا تھا کہ جیسے ہی آپ کا سراغ ملے مجھے آگاہ کر دیا جائے۔''

''بہت ایکٹو ہو رہے ہیں۔''

رمیش کچھ نہ بولا۔ حمید نے کہا۔ ''ذرا مجھے تو دکھانا یہ پرس۔''

''پرس سے میک اپ کی اشیاء کے ساتھ ہی اعشاریہ دو پانچ کا پستول بھی برآمد ہوا تھا۔ دو تین وزیٹنگ کارڈ تھے۔ جن پر فینی ایڈہاور کا نام اور پتہ موجود تھا۔''

''اچھا.....!'' حمید طویل سانس لیکر بولا۔ ''اب بقیہ معاملات صبح کو دیکھے جائیں گے۔''

رمیش رخصت ہو گیا۔ وہ گھر آیا تھا۔ ملازموں سے معلوم ہوا کہ فریدی کی طرف سے بھی تک کوئی اطلاع نہیں ملی۔

دوسری صبح وہ فینی کے پرس سمیت اس سفارت خانے کی طرف جا نکلا تھا جہاں اس کا باپ سیکریٹری کے عہدے پر فائز تھا۔ اس کے دفتر سے معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہے۔ گھر پر ہی مل سکے گا۔ لہٰذا اس نے گھر کی راہ لی۔

ملازم اسے ڈرائینگ روم میں بٹھا کر اس کا کارڈ اندر لے گیا تھا۔ اس نے ملازم کو یقین دلایا تھا کہ فینی اسے اچھی طرح جانتی ہے۔ تھوڑی دیر بعد وہ آئی تھی اور حمید پر نظر پڑتے ہی دروازے میں ٹھٹھک کر رہ گئی تھی۔

''تم.....!'' وہ ہکلائی۔ ''یہاں کیوں آئے ہو۔ خدا کے لئے چلے جاؤ۔''

''تمہارا پرس تم تک پہنچانے جسے تم جلدی میں وہیں بھول آئی تھیں۔''

''یہاں سے چلے جاؤ۔ میں کہیں اور تم سے مل لوں گی۔''

''آخر کیوں؟ یہ بہت اہم معاملہ ہے۔ میری حکومت تمہارے باپ کو ناپسندیدہ شخص قرار دے کر واپس بھی بھجوا سکتی ہے۔''

''آہستہ بولو۔'' وہ آگے بڑھ کر گھگھیائی۔ ''میرا باپ بیمار ہے۔ اگر اس کے کان اس کی بھنگ بھی پڑ گئی تو اس کا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔''

''تب تو پھر تم میرے ساتھ چلو..... کہیں اور بات کریں گے۔''

پل بھر کے لئے فینی کی آنکھوں میں تشویش کے سائے نظر آئے تھے۔ پھر وہ سر ہلا کر بولی تھی۔ ''اچھا تم چل کر اپنی گاڑی میں بیٹھو میں آ رہی ہوں۔''

''یہ ہوئی قاعدے کی بات۔'' حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

فینی نے دیر نہیں لگائی تھی۔ اگلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اس کے برابر بیٹھتی ہوئی بو

''اب چلو..... جہاں چلتے ہو۔''

''کسی کھلے میدان میں۔''

''میں بھی یہی مشورہ دوں گی۔''

''پبلک پارک.....!''

''یہی مناسب ہے۔''

''گفتگو شروع کر دوں یا وہیں چل کر۔''

''جیسے دل چاہے۔'' وہ بیزاری سے بولی۔

''تمہیں علم ہو گیا ہوگا کہ میں ایک ذمہ دار پولیس آفیسر ہوں۔''

''ہاں تمہارا کارڈ دیکھ کر علم ہو گیا ہے۔''

''تمہارے پرس میں ایک پستول بھی موجود ہے۔''

''میری ملکیت نہیں ہے۔ مجھے پھنسانے کے لئے کسی نے رکھ دیا ہوگا۔''

''عدالت اسے تسلیم نہیں کرے گی۔''

''کیا تم اتنے بے درد ہو کہ اس معاملے کو عدالت تک لے جاؤ گے۔''

''ہمیں رحم کرنے کی تنخواہ نہیں ملتی۔''

''میرا باپ بہت بیمار ہے۔ کچھ تو خیال کرو۔''

''تم پچھلی رات وہاں کیوں گئی تھیں؟''

''بلوائی گئی تھی۔'' اس نے تنفر آمیز لہجے میں کہا۔

''اس کی تنخواہ دار ہو۔''

''ہرگز نہیں۔'' فینی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''تم بلیک میل ہو رہی ہو یا تمہارا باپ ہو رہا ہے۔''

''تو تم جانتے ہو۔'' وہ مردہ سی آواز میں بولی۔

''صرف اس حد تک کہ اس آدمی کا طریق کار بلیک میلنگ ہے۔''

''وہ میرے باپ کو بلیک میل کر کے مجھ سے کام لے رہا ہے۔ لیکن پچھلی رات جس کام کے لئے بلایا تھا اس پر میں آمادہ نہیں ہوئی تھی۔ بحث ہو رہی تھی کہ پولیس نے چھاپہ مارا اور ہم تینوں وہاں سے نکل گئے۔''

''اب وہ دونوں کہاں ہوں گے۔''

''خدا جانے..... میں سڑک پر نکل آئی تھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ دونوں کہاں گئے۔''

''لائم جوس میں تم نے ہی بیہوشی کی دوا ملائی تھی۔''

''ہاں..... مجھ سے کہا گیا تھا کہ تم جو مشروب بھی استعمال کرو اس میں غشی کی دوا ڈال دوں۔''

''خاصی صفائی ہے تمہارے ہاتھ میں۔ مجھے علم ہی نہ ہو سکا۔''

''اب بتاؤ کیا ہوگا۔ میرے باپ پر رحم کرو۔ اگر وہ ناپسندیدہ شخصیت قرار دے دیا گیا تو مر جائے گا۔''

''صرف ایک صورت میں ہے۔''

''بتاؤ..... مجھے کیا کرنا ہوگا۔''

''ان دونوں کا ٹھکانہ معلوم کر کے مجھے بتاؤ۔''

''میں تیار ہوں۔''

''اگر وہ دونوں نہ پکڑے گئے تو تمہاری مٹی پلید ہو جائے گی۔''

''میں سمجھتی ہوں۔ وہ لمبا آدمی بے حد سُور معلوم ہوتا ہے۔''

''تمہارے تصور سے بھی کہیں زیادہ۔'' فینی کچھ نہ بولی۔

''اب بتاؤ وہ پستول کس کا ہے؟''

''میرا ہی ہے۔ جب سے ان لوگوں سے سابقہ پڑا ہے رکھنے لگی ہوں۔''

''ٹھیک ہے.....اب پبلک پارک جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ واپس چلو۔''

''نہیں.....میں کچھ دیر باہر رہنا چاہتی ہوں۔''

''تمہاری مرضی۔''

''آخر وہ لوگ کون ہیں؟ اور یہاں کیا کر رہے ہیں۔ لمبا آدمی چینی معلوم ہوتا ہے اور چھوٹا آدمی لہجے سے امریکن لگتا ہے۔''

''دونوں اپنی اپنی حکومتوں کے مجرم ہیں۔''

''چھوٹا آدمی اتنا بُرا نہیں معلوم ہوتا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شاید فنچ ہی نے تھانے کے انچارج کو فون کیا تھا غالباً اس لڑکی کو سنگ کے دست بُرد سے بچانا چاہتا تھا۔

''تو اب میں تمہیں کہاں لے چلوں۔'' حمید نے پوچھا۔

''جہاں دل چاہے۔''

''میرا خیال ہے کہ ہمارا تعاقب کیا جا رہا ہے۔'' حمید نے عقب نما آئینے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''وہ زرد رنگ کی گاڑی شروع ہی سے پیچھے لگی ہوئی ہے۔''

''اگر یہ بات ہے تو پھر گھر ہی چلو.....میں کسی قسم کا خطرہ مول لینے پر تیار نہیں۔''

''بہت اچھا.....!''

پھر وہ گاڑی موڑ ہی رہا تھا کہ ایک ٹرک نے راستہ روک لیا اور ایک زرد رنگ کی کار ٹھیک اس کی گاڑی کے پیچھے رکی تھی۔ اس پر سے ایک آدمی اُتر کر حمید کی گاڑی کی طرف آیا اور پچھلی نشست کا دروازہ کھول کر بڑی بے تکلفی سے بیٹھتا ہوا بولا۔ ''میرا ریوالور بے آواز ہے آفیسر۔ ٹھیک.....اب گاڑی موڑو اور چپ چاپ چلتے رہو۔''

''اور اگر میں انکار کر دوں تو۔''

''تم بھی مرجاؤ گے اور میں بھی مرجاؤں گا۔''

ٹرک سامنے سے ہٹ چکا تھا۔ حمید نے گاڑی موڑ دی اور پیچھے بیٹھے ہوئے آدمی نے کہا۔ ''لڑکی تمہارا باپ مر چکا ہے۔ لہٰذا اب گھر جانے سے کیا فائدہ۔''

''نن.....نہیں.....!'' وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''تم اول درجے کے گدھے معلوم ہوتے ہو۔'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''وہ کیوں مسٹر عقل مند۔''

''یہ اطلاع اتنی بے دردی سے نہ دینی چاہئے تھی۔''

''مجھے روتی ہوئی عورتیں اچھی لگتی ہیں۔'' اس نے ہنس کر کہا پھر بولا۔ ''اگلے چوراہے سے بائیں جانب موڑ دینا۔''

''تم خود کو موت کے منہ میں لے جا رہے ہو۔''

''تم بھی ساتھ رہو گے اس لئے پرواہ نہیں۔''

فینی برابر روئے جا رہی تھی۔ حمید جانتا تھا کہ اگلے چوراہے سے مڑنے کے بعد گاڑی کا رخ ویرانے ہی کی طرف ہوگا۔ وہ تن بہ تقدیر ہو کر چلتا رہا۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا آدمی اب خاموش تھا۔ گاڑی تیزی سے آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ تنہا آ کر اس نے غلطی کی ہے۔ خیر.....اب کیا کرنا چاہئے۔

''کیا ہماری قبریں پہلے سے تیار کر لی گئی ہیں۔'' حمید نے اونچی آواز میں پوچھا۔

''ارے نہیں آفیسر.....تم ابھی بہت جیو گے۔ تم دونوں قتل کر دینے کے لئے نہیں لے جائے جا رہے۔ صرف ہمیں اپنی میزبانی کا شرف بخشو گے۔''

''تم ہو کون.....؟''

''اب اتنے بھی انجان نہ بنو۔ ہمارے باس سے تمہاری شناسائی نئی نہیں ہے۔''

''سنگ ہی۔''

''ہاں کیپٹن.....!''

حمید طویل سانس لے کر رہ گیا۔ گاڑی کچھ دیر بعد ویرانے میں داخل ہو رہی تھی۔ اسے ایک کچے راستے پر موڑنے کو کہا گیا تھا۔ حمید خاموشی سے تعمیل کرتا رہا۔

''بس اب روک دو.....اور گاڑی سے اُتر جاؤ۔''

''یہ کس خوشی میں۔''

''چلو.....جلدی کرو۔''

حمید نے مڑ کر دیکھا۔ ریوالور کی نال اس کی کھوپڑی کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔

چپ چاپ گاڑی سے اُتر جانا پڑا۔ وہ آدمی اسٹیئرنگ کے سامنے آ بیٹھا تھا۔ حمید کھڑا دیکھتا رہا۔ گاڑی تیزی سے بیک ہوئی تھی اور اگلی جھاڑیوں کے قریب پہنچ کر نظر سے اوجھل ہوگئی تھی۔

جنگل میں دونوں تنہا کھڑے ایک دوسرے کی شکل دیکھے جا رہے تھے۔

شیر آیا شیر

آپ دونوں کی تشریف آوری کا بہت بہت شکریہ۔'' دفعتاً عقب سے آواز آئی۔ وہ چونک کر مڑے تھے اور سنگ سامنے کھڑا دکھائی دیا۔ اس کے دائیں بائیں دو آدمی اور بھی تھے جنہوں نے اسٹین گنیں سنبھال رکھی تھیں۔

''مجھے یقین تھا کہ آپ فینی کے گھر تشریف لے جائیں گے کپتان صاحب۔'' سنگ طنزیہ لہجے میں بولا۔

''اچھا تو پھر.....؟''

''آپ بدستور میرے مہمان رہیں گے۔''

''تمہارے آدمیوں نے اطلاع دی تھی کہ فینی کا باپ مرگیا ہے۔''

''یہ درست ہے۔''

''لہٰذا یہ واپس جائے گی۔''

''ہرگز نہیں کپتان صاحب۔ تنہائی میں آپ بور ہوں گے اگر یہ چلی گئی۔ دن بھر آپ کے ساتھ رہا کرے گی اور راتیں میرے ساتھ گزارے گی۔''

''تم جو کچھ مجھ سے معلوم کرنا چاہتے ہو میرے علم میں نہیں ہے۔''

''میں جانتا ہوں اور تم صرف دل بہلانے کی چیز ہو۔ اس سے زیادہ تمہاری اہمیت نہیں ہے میری نظروں میں۔ چلو دائیں جانب مڑ جاؤ۔ تمہاری گاڑی خیریت سے گھر پہنچ جائے گی۔''

حمید دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے دائیں جانب مڑ گیا تھا اور ایک اسٹین گن اسکی کمر سے آ لگی تھی۔ فینی اس کے پیچھے چل رہی تھی اور اس نے پھر رونا شروع کر دیا تھا۔ حمید چلتا رہا تھا۔ سنگ کی آواز پھر نہیں سنائی دی تھی۔ پگڈنڈی کی دونوں اطراف اونچی اونچی جھاڑیاں تھیں۔ اگر اسٹین گن کمر سے نہ لگی ہوتی تو حمید کچھ کر گزرنے کی سوچتا۔ وہ ایک پتھروں اور لکڑی کے تختوں سے بنی ہوئی عمارت کے سامنے لائے گئے تھے اور سنگ کی آواز سنائی دی تھی۔

''جب تک یہ روتی رہے اسے اپنے ہی پاس رکھنا۔ پھر میک اپ وغیرہ کر کے میرے پاس بھجوا دینا۔''

''اس بار تم میرے ہاتھوں سے زندہ نہیں بچو گے۔'' حمید دانت پیس کر بولا۔

سنگ ہنستا ہوا عمارت کی دوسری طرف چلا گیا تھا۔

انہیں اندر لا کر ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔

''تم کیسے بزدل آفیسر ہو۔'' فینی سسکیاں لیتی ہوئی بولی۔

''اسٹین گنیں لکڑی کی نہیں تھیں۔''

''کیا وہ اتنا ہی زبردست ہے کہ پولیس آفیسروں کو پکڑوا لے۔''

''محض اتفاق ہے۔''

''تو کیا تم مجھے اس کے پاس بھجوا دو گے۔''

''میری زندگی میں تو ممکن نہیں۔''

اس کی سسکیاں اور ہچکیاں بدستور جاری رہیں۔ حمید الجھن میں پڑ گیا تھا۔ سمجھ میں نہیں

آ رہا تھا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ فریدی نے یقینی طور پر رام گڑھ ہی کی راہ لی ہوگی۔ تھوڑی بعد ہلکی سی سرسراہٹ سنائی دی اور وہ چونک پڑا۔ اوپر روشندان میں ایک چہرہ نظر آیا تھا کا چہرہ۔ وہ ہاتھ کے اشاروں سے اُسے تسلیاں دے رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کی کرنے پر پوری طرح آمادہ ہو۔ حمید نے سر کو جنبش دی تھی اور فینی کی طرف دیکھنے لگا زانوں میں سر دیئے بیٹھی تھی۔

فنچ کا چہرہ غائب ہوگیا۔ حمید فینی کے قریب پہنچ کر آہستہ سے بولا تھا۔

''فکر نہ کرو۔ ہم جلدی ہی نکل جانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔''

''ناممکن! اب تو مجھے رہائی کی صورت نہیں نظر آتی۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''اس آسمان کے نیچے کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔''

''اوہ..... کیا فرق پڑتا ہے۔ اب رہائی کی خواہش بھی نہیں ہے۔ کہاں جاؤں گی۔ کم کے لئے جاؤں گی۔''

''تمہارے دوسرے اعزہ.....!''

''باپ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ ماں بچپن ہی میں مرگئی تھی۔''

''پھر بھی..... سفارت خانے کو تمہارے لئے تشویش ہوگی۔''

''ہوا کرے..... میں نے کہہ دیا نا کہ میں اب واپس نہیں جانا چاہتی۔'' وہ جھنجھلا کر بولی

''میری زندگی کا ایک ہی مقصد ہے اس آدمی کو فنا کردوں جس کی وجہ سے میرا باپ مرا ہے۔''

''اس کے ساتھ رہ کر تم اُسے فنا نہیں کرسکو گی۔''

''بحث مت کرو۔ میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔''

حمید خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔ وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔

وقت بڑی سست روی سے گزر رہا تھا اور وہ قید تھا۔ ایک روتی بسورتی ہوئی سی لڑکی کے ساتھ۔ دفعتاً اس کی نظر لڑکی کے ہاتھ پر پڑی۔

''یہ..... یہ انگشتری..... کچھ دیر پہلے تو نہیں تھی تمہارے ہاتھ میں۔'' اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

''وہ اُدھر اس گوشے میں پڑی ہوئی تھی۔ یاقوت کا نگینہ ہے۔ میری انگلی میں فٹ آئی ہے۔''

''فوراً اتار دو..... اگر تم نے یہاں پڑی پائی ہے۔''

''کک..... کیوں اُتار دوں۔''

''اب تک نصف درجن سے زائد لوگ مرچکے ہیں ان انگشتریوں کے چکر میں۔ تم نے اگرہ میں مرنے والے چار آدمیوں کے بارے میں سنا ہوگا۔''

''اوہ..... ہاں..... جن کے الیکٹرک شاک لگا تھا۔''

''لیکن ان کے آس پاس الیکٹرک کا نام ونشان تک نہیں تھا۔''

''ہاں..... میں نے یہ کہانی اخبارات میں پڑھی تھی۔''

''ان کے ہاتھوں میں ایسی یاقوت کے نگینوں والی انگشتریاں تھیں۔ دراصل یہی نگینہ برقی رو میں تبدیل ہوجاتا ہے۔''

''کیوں ڈرا رہے ہو مجھے۔''

''میں تمہاری موت کا صدمہ برداشت نہیں کرسکوں گا۔ البتہ اس انگوٹھی سے ایک بہتر کام بھی لیا جاسکتا ہے۔ لاؤ اتارو..... مجھے دو۔''

فینی خوفزدہ نظر آنے لگی تھی۔ اس نے انگوٹھی اتار کر حمید کی طرف بڑھا دی۔ اس نے اس کا دھات والا حصہ موڑ توڑ کر اُسے قفل کے سوراخ میں پھنسا دیا تھا۔

''یہ کیا کیا تم نے۔''

''دروازے کا قفل برقی رو کے ذریعے توڑنے کا تجربہ کررہا ہوں۔''

''تم مجھے شروع ہی سے عجیب لگ رہے ہو۔ اب شاید پاگل پن کا بھی دورہ پڑا ہے تم پر۔''

''یہ انگشتری تمہیں قتل کرنے کے لئے یہاں ڈالی گئی تھی لیکن اب یہی ہماری رہائی کا ذریعہ بننے والی ہے۔ بس تم دیکھنا۔''

''میرا سر چکرا رہا ہے۔''

''تھوڑی دیر کے لئے لیٹ جاؤ۔ سونا چاہو تو سو بھی سکتی ہو۔ میں ڈیوٹی پر ہوں اس لئے تم سے کوئی بے ضابطہ حرکت سرزد نہ ہوگی۔ تم مطمئن رہو۔''

''فضول باتیں نہ کرو۔ آخر وہ مجھے قتل کیوں کرنے لگے؟''

''محض مجھے خوفزدہ کرنے کے لئے تاکہ میں ان کے راستے سے ہٹ جاؤں۔''

''تو وہ تمہیں صرف راستے سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ آخر تم میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں۔''

''میں خود ہی سرخاب ہوں۔''

''تم سچ مچ پاگل معلوم ہوتے ہو۔ مجھ سے دور ہٹ کر بیٹھو۔''

''شاید ایک خبر اور بھی تمہاری نظروں سے گزری ہو۔''

''کون سی خبر.....!''

''یہی کہ کسی ملک نے اعلان کئے بغیر چپ چاپ ایک مصنوعی سیارہ خلاء میں پہنچایا ہے۔ جو زمین کے گرد گردش کر رہا ہے۔''

''یہ خبر بھی میرے لئے نئی نہیں ہے۔''

''یہ انگوٹھیاں اسی سیارے کے توسط سے چارج ہو جاتی ہیں۔''

''ناقابل یقین.....بعید از فہم۔''

''کچھ دنوں پہلے چاند پر پہنچنا بھی بعید از فہم تھا۔''

وہ کچھ نہ بولی۔ حمید کہتا رہا۔ ''بعض اوقات یہ نامعلوم سیارہ دوسرے سیاروں کے آلات پیغام رسانی کو بھی معطل کر دیتا ہے۔''

''آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو۔''

''یہی کہ اگر کہیں کوئی ایسی انگوٹھی دکھائی دے تو اُسے ہاتھ بھی نہ لگانا۔''

''یہ خطرہ تو سبھی کیلئے موجود ہے۔ تم نے اُسے مشتہر کیوں نہیں کرایا۔ تمہارا فرض تھا۔''

''بعض اوقات ہمیں راز داری سے بھی کام لینا پڑتا ہے۔''

''انگوٹھی تم نے اُتروادی۔ اب مجھے چین لینے دو۔ کچھ دیر تمہاری آواز نہیں سننا چاہتی۔''

''بہت بہتر اب نہیں بولوں گا۔''

''شکریہ۔'' اس نے کہا اور کرسی پر نیم دراز ہوگئی۔ لیکن اس کی آنکھیں انگشتری ہی کی

طرف لگی ہوئی تھیں اور حمید دونوں ہی سے لاتعلق نظر آنے لگا تھا۔

تھوڑی دیر بعد فینی بولی۔ ''آخر یہ شخص تمہارے ہی پیچھے کیوں پڑ گیا ہے۔ شہر میں اور بھی پولیس آفیسر ہوں گے۔''

''بس اسی لئے سمجھ لو کہ ضرور وہ سرخاب ہی کے پر ہیں جو مجھ میں لگے ہوئے ہیں۔''

''کیا تم نے کبھی اسے زک دی تھی۔''

''کئی بار۔''

''اسی لئے تمہارے پیچھے پڑ گیا ہے۔''

حمید نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی تھی۔ اس وقت وہ سچ مچ ہالی وڈ کا کوئی ہیرو لگ رہا تھا۔ بے پرواہ اور مطمئن۔

''یا پھر تم بھی اسی کے آدمی ہو۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''حالات کے تحت۔ میں تم پر اعتماد کرنے لگوں اور پھر اسی مردود چینی کے ہتھے چڑھ جاؤں۔''

''وہ اب تمہیں زندہ نہیں دیکھنا چاہتا۔ خواہ اس کے ہاتھ لگ سکو یا نہیں۔''

''میری تو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا۔''

''تو پھر بس تم مجھ پر اعتماد کر لو۔ میں حتی الامکان تمہیں نقصان نہیں پہنچنے دوں گا۔''

اچانک انگشتری کے نگینے میں تیز قسم کی چمک پیدا ہوئی تھی۔ پھر تڑاخا ہوا تھا اور ہوا کے ریلے سے دروازہ کھل گیا۔ باہر شاید تیز ہوا چل رہی تھی۔

دونوں بوکھلا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور متحیرانہ انداز میں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر حمید چونک کر بولا۔ ''چلو نکلو یہاں سے۔ کھڑی کیوں ہو۔'' اس نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا اور کھینچتا ہوا باہر نکال لایا۔ لیکن عجیب بات تھی کہ کوئی مزاحمت کرنے کے لئے موجود نہیں تھا۔ نہیں بھی کوئی آدمی نہ دکھائی دیا۔ پوری عمارت خالی تھی۔ صدر دروازے کے قریب ایک چھوٹا سا کارڈ پڑا نظر آیا۔ حمید نے جھک کر اسے اٹھایا تھا۔ کارڈ پر چند جملے تحریر تھے۔

''حراساں نہ ہونا.....اس وقت پوری دنیا خطرے میں ہے۔

اگر تم دونوں نے ہمت ہار دی تو کچھ بھی نہ ہو سکے گا..... میں حتی الامکان یہی کوشش کرتا رہوں گا۔ تمہارا بال بھی بیکا نہ ہو۔

فنچ.....!''

حمید نے کارڈ کے پرزے پرزے کر کے سگریٹ لائیٹر سے جلا دیا۔ لیکن سوال تو یہ کہ اب یہاں سے واپسی کس طرح ہوگی۔ لیکن جلد ہی ان کی مایوسی رفع ہوگئی۔ عمارت میں ایک جگہ ایک سائیکل کھڑی نظر آ گئی تھی۔ حمید اسے باہر نکال لایا تھا۔

''بیٹھو آگے.....!'' اس نے فینی سے کہا۔

''تھک کر چور ہو جاؤ گے۔''

''تم فکر نہ کرو..... یہاں اس جنگل میں پڑے رہنے سے تو یہی بہتر ہوگا کہ کسی صا ستھری سڑک پر گر کر جان دے دوں۔''

''جیسے تمہاری مرضی۔'' فینی نے کہہ کر ٹھنڈی سانس لی تھی۔

رام گڑھ کا چپہ چپہ فریدی کا دیکھا ہوا تھا۔ وہ اندھیرے میں بھاگتا رہا۔ جب سے یہاں آیا تھا ہر وقت مسلح رہتا تھا اور ایک چھوٹی سی زیادہ قوت والی ٹارچ جیب میں پڑی رہتی تھی۔ نہایت آسانی سے وہ ایک بار پھر وہیں جا پہنچا تھا جہاں کچھ دیر پہلے مداخلت کاروں سے مڈبھیڑ ہوئی تھی۔ یہاں اب سناٹا تھا۔ پتا نہیں ان بیچارے شکاریوں پر کیا گزری ہو۔ ان کا سامان بھی تو ہوٹل ہی میں رہ گیا تھا۔ لیکن سامان میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں تھی جس کی بناء پر اس کی اصل شخصیت کسی کے سامنے آ سکتی۔

بڑی دیر تک پہاڑوں میں بھٹکتا رہا تھا۔ پھر اُسے کسی ایسے غار کی تلاش ہوئی تھی جہاں

رات گزار سکتا۔ اب ہوٹل واپس جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ ایک غار کے دہانے کے قریب کھڑا تھا۔ لیکن جیسے ہی اندر قدم رکھا سڑتے ہوئے گوشت کی بدبو سے دماغ چکرا گیا۔ جلدی سے ٹارچ روشن کر لی اور پھر سچ مچ اس کے قدم لڑکھڑا گئے تھے۔ اس کے سامنے بہت سی لاشیں پڑی سڑ رہی ہیں۔ ان کے جسموں پر سرحدوں کے محافظوں کی وردیاں تھیں۔ ہر ایک کی انگلی میں بغیر نگینے کی ایک ایک انگوٹھی بھی تھی۔ وہ غار سے باہر آ گیا۔ معدہ حلق میں اُمنڈا آ رہا تھا۔ باہر آتے ہی اسے بڑی سی قے ہوئی تھی اور وہ تیزی سے ایک طرف چل پڑا تھا۔ ایک بڑی سی مسطح چٹان تلاش کی جس پر برف نہیں جمی ہوئی تھی اور کھلے آسمان کے نیچے لیٹ گیا۔ تو یہ ہوا تھا یہاں جس کی بناء پر اسے ممنوعہ علاقہ بنا دیا گیا تھا۔ ابھی حال ہی میں ادھر رینجرز کا ایک دستہ تعینات کیا گیا تھا۔ نئے انتظامات کے تحت حکومت نے اسمگلنگ کو روکنے کا تہیہ کر لیا تھا اور ان تمام جگہوں پر محافظ لگا دیئے گئے تھے۔ جہاں سے اسمگلر ملک کی حدود میں داخل ہوا کرتے تھے۔ یہ پوائنٹ بھی اسمگلنگ کے لئے مشہور تھا۔ بہرحال ان رینجرز کو ٹھکانے لگا دینے کے بعد شاید انہوں نے ان کی جگہ پر اپنے آدمی مقرر کر دیئے تھے جو یقینی طور پر رینجرز ہی کی وردیوں میں ہوں گے۔ مردہ رینجرز انگوٹھیوں کے شکار ہوئے تھے۔ انہیں کہیں نہ کہیں ایک تھیلی پڑی ملی ہوگی جس میں یاقوت کی انگوٹھیاں رہی ہوں گی۔ انہوں نے ان کو کسی اسمگلر کا مال سمجھ کر آپس میں تقسیم کر لیا ہوگا اور پھر بغیر کسی جدوجہد کے مر گئے ہوں گے۔

فریدی کھلے میں لیٹا ضرور تھا لیکن اسی جگہ سو جانے کا ارادہ ہرگز نہیں تھا۔ کوئی دوسرا غار تلاش کرنا چاہئے۔ اس نے سوچا اور اٹھ بیٹھا۔ تھوڑی دیر تک بھٹکتے رہنے کے بعد ایک چھوٹا سا غار مل گیا تھا اور اس نے رات وہیں بسر کی۔ صبح اٹھ کر پھر اس نے آبادی کا رخ کیا۔ دوسرا سامان خریدا اور دوسرے ہوٹل میں جا مقیم ہوا۔ یہاں کا قیام عارضی ہی تھا۔ یہاں اس نے دوسرا میک اپ کیا اور تیسرے ہوٹل کی راہ لی۔ ویسے یہاں کا کمرہ بھی انگیج ہی رکھنا چاہتا تھا۔ کچھ باوردی لوگ اب بھی اسے رام گڑھ میں تلاش کرتے پھر رہے ہوں گے اور یہ سو فیصد نقلی رینجرز تھے۔ وہ چاہتا تو انہیں اسی وقت قانون کے حوالے کر سکتا تھا۔ لیکن اس

طرح بڑی دشواری پیدا ہوسکتی تھی۔ وہ ہوشیار ہوجاتے اور زندگی بھر ان کی تلاش جاری رہتی۔

کام کے لئے اس نے رات ہی کا وقت مناسب سمجھا تھا۔ اب اُسے شدت سے حمید کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ لہٰذا اس نے ٹیلی فون آفس سے حمید کو کال کیا تھا۔ حمید نے مختصر وہ سب کچھ کہہ سنائی جو اس پر گزر رہی تھی۔

''تو کیا اب بھی لڑکی تمہارے ساتھ ہے۔''

''جی ہاں۔''

''اچھی بات ہے تو اس سمیت ہی چلے آؤ۔ لیکن لڑکی کو میک اپ میں ہونا چاہئے۔ ورنہ پکڑے گئے تو کسی طرح بھی جوابدہی سے نہ بچ سکو گے۔ معاملہ ایک سفارت خانے کا ہے۔''

''کہاں قیام کروں گا؟''

''ریالٹو میں ایک کمرہ بک کرادوں گا مسٹر اور مسز ساجد کے لئے۔''

''اور اگر وہ مسز بننے پر آمادہ نہ ہوئی تو.....؟''

''اسے بتانے کی ضرورت نہیں۔ اس کے تحفظ کے خیال سے ایک ہی کمرہ لیا گیا ہے بس اتنا ہی کہہ دینا۔''

''آپ بہت مہربان آفیسر ہیں۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔''

''تم خود بھی میک اپ میں ہوگے..... میں تم سے مل لوں گا۔''

''بہت بہتر جناب عالی۔''

کہیں پر کوئی ایسی جگہ بنا لینا جس سے کسی خلائی کاروبار کو کنٹرول کیا جاسکے۔ دو چار دن کی بات نہیں تھی۔ ان لوگوں نے بہت دنوں پہلے اس جگہ پر قبضہ کیا تھا اور جب انہوں نے محسوس کیا کہ اس جگہ دیکھ بھال بھی شروع ہونے والی ہے تو وہ درندگی پر اُتر آئے اور رینجرز کے پورے دستے کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر اس کی جگہ خود ان کے آدمیوں نے لے لی۔ اسی دوران میں انہیں نانوتہ اور ریما کی رہائی کی بھی فکر پڑ گئی۔ اس کا یہی مطلب تھا کہ وہ بہت جلد بقیہ دنیا کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

اب سوال یہ تھا کیا وہ تنہا اس کام کو نپٹا سکے گا۔ محکمے کے علم میں اس وقت لاسکتا جب

کوئی واضح اور ٹھوس قسم کا ثبوت مل جاتا۔ رینجرز کی لاشوں کی کہانی ہیجان برپا کرتی اور وہ لوگ پوری طرح ہوشیار ہوجاتے پھر جو کچھ بھی ہوتا اس کے لئے کوئی بھی تیار نہ ہوتا۔ لہٰذا اس اسٹیج پر یہی مناسب تھا کہ وہ بلیک فورس سے کام لیتا۔

رات ہوئی اور وہ پھر اس علاقہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ آج مطلع ابر آلود تھا۔ گہری تاریکی پہاڑوں پر مسلط تھی۔ فریدی اپنے جانے پہچانے ہوئے راستوں پر بآسانی چلتا ہوا اس غار تک آ پہنچا جہاں پچھلی رات گزاری تھی۔

ان لوگوں کے بیان کے مطابق اگر وہ سچ مچ ممنوعہ علاقہ تھا تو کبھی تو کوئی محافظ وہاں دکھائی دیا ہوتا۔ ویسے جن لوگوں سے پچھلی رات ٹکراؤ ہوا تھا بہت ہی بااثر قسم کے لوگ معلوم ہوتے تھے کیونکہ تھوڑی ہی دیر بعد وہ اس ہوٹل تک جا پہنچے تھے جہاں ان کا قیام تھا۔ ہوسکتا ہے کچھ شکاریوں کو بھی انہوں نے شریک کار بنالیا ہو۔ ورنہ اتنی جلدی ہوٹل کی نشاندہی ناممکن تھی۔ کسی شکاری ہی نے فریدی کے ساتھیوں کو پہچان کر قیام گاہ کی نشاندہی کردی ہوگی۔

دفعتاً ہیلی کوپٹر کی آواز سے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ آواز دور ہی کی تھی لیکن آہستہ آہستہ قریب ہوتی جارہی تھی۔ پھر قریب قریب اس کے سر ہی پر سے ہوتا ہوا مغرب کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اسی سمت آگے بڑھ کر تو اُسے بھی چھان بین کرنی تھی۔

بادل متحرک تھے اس لئے تھوڑی تھوڑی دیر بعد تاروں کی چھاؤں پھیل جاتی تھی۔ ایسے میں کسی بلند جگہ سے اس کا متحرک ہیولیٰ دیکھا جاسکتا تھا۔ لہٰذا وہ چٹانوں کی اوٹ لے کر بہت احتیاط سے آگے بڑھتا رہا۔ اچانک بائیں جانب سے کسی عورت کی چیخ سنائی دی وہ جہاں تھا وہیں رک گیا۔

''بچاؤ..... بچاؤ.....!'' آواز پھر آئی۔ وہ تیزی سے آواز کی سمت پلٹا تھا۔ آواز پھر آئی۔ اندازے کے مطابق بائیں جانب کی نشیب سے آئی تھی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ حالات خطرناک تھی۔ اس لئے فی الفور رک جانا پڑا تھا۔ ویسے اب وہ آوازیں سن سکتا تھا۔ کوئی مرد کہہ رہا تھا ''تھوڑا اور زور لگاؤ۔''

جملہ انگلش میں ادا کیا گیا تھا۔ لیکن عورت اردو میں چیخی تھی۔ ''بچاؤ..... بچاؤ۔''

فریدی نے طویل سانس لی اور آوازوں کے قریب ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ دائیں جانب پیر جمانے کی جگہ مل گئی تھی اور اب وہ ہاتھوں سے ٹٹولتا ہوا سینے کے بل نشیب میں رینگ رہا تھا۔ آوازیں قریب ہوتی جارہی تھیں۔ عورت کھنکتی ہوئی ہنسی کے ساتھ کہہ رہی تھی۔ ''بڑی واہیات ڈیوٹی میرے سپرد کی گئی ہے۔'' اس بار وہ انگلش ہی میں بولی تھی اور اہل غیر ملکیوں کا سا تھا۔

''پھر چیخو.....!'' مرد نے کہا۔

''حلق میں خراشیں پڑ گئی ہیں.....ذرا دم لینے دو۔''

اب فریدی ان کی پشت والی چٹان کے پیچھے تھا۔ عورت پھر بولی۔ ''آخر وہ کیسا آدمی ہے جس کے لئے اس قسم کے جال بچھائے جارہے ہیں۔''

''بے حد خطرناک آدمی ہے۔ بھیڑیا ہی سمجھ لو۔''

''آخر اس سے کس قسم کا خطرہ ہے۔''

''کئی بار اسکے ہاتھوں ہمیں چوٹ ہو چکی ہے۔ ہم جب بھی دنیا کے اس حصے میں کچھ کرنا چاہتے ہیں اُسے کسی نہ کسی طرح علم ہو جاتا ہے اور ہمیں ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔''

''تو کیا اُسے علم ہو گیا ہے؟''

''شاید ہو گیا ہے.....حالانکہ اسے الجھائے رکھنے کیلئے اُسی کے شہر میں کچھ محیر العقول وارداتیں کرادی تھیں۔''

''شاید یہی غلطی ہوئی ہے تم سے۔'' عورت بولی۔ ''اُسے چھیڑنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ خاموشی سے سب کام کرتے رہتے۔''

''اس حرامزادے چینی کے ذہن میں جو کچھ بھی بیٹھ جائے۔ یہ اسی کی اسکیم تھی۔ تمہیں شاید نہ معلوم ہو کہ ہماری تنظیم کی دو بڑی عورتیں اس ملک میں قید ہیں۔''

''مجھے علم ہے۔ صرف اتنا جانتی ہوں کہ انہیں رہائی دلانے سے قبل کسی اور کو رہائی دلائی گئی ہے۔ وہ انہیں مختلف جیلوں میں تلاش کرے گا۔''

''ہاں اور یہ بھی اسی کی اسکیم ہے۔ اوہ.....ختم کرو.....چیخو.....جلدی سے۔''

''کہاں تک چیخوں۔'' اس نے کہا اور پھر چیخنا شروع کر دیا۔

جب فریدی کو یقین ہو گیا کہ آس پاس ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے تو اس نے اس سائے پر چھلانگ لگادی جو نسبتاً دوسرے سے قد آور تھا۔ پھر اس کے سنبھلنے سے قبل ہی اس کا ہاتھ اس کی داہنی کنپٹی پر پڑا تھا اور وہ زمین پر گر کر بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔

اب عورت سچ مچ مدد کے لئے چیخ رہی تھی۔

''شیر آیا شیر.....!'' فریدی نے زہریلی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔ ''کون توجہ دے گا..... تمہاری چیخوں پر۔'' پھر اس نے جھپٹ کر اُسے پکڑا تھا اور کاندھے پر لاد لیا تھا۔ ایک ہاتھ اس کے منہ پر جم گیا۔ وہ بے حس و حرکت ہو گئی تھی۔

فریدی بڑی تیزی سے اس غار کی طرف جارہا تھا جہاں سے اس کی روانگی ہوئی تھی۔ عورت دم سادھے اس کے کاندھے پر پڑی رہی اور غار میں پہنچ کر جب اس نے اسے کاندھے سے اتارا تو وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ فریدی کو اس پر حیرت ہوئی تھی۔ لیکن فوری طور پر جواب طلب کرنے کی بجائے موم بتی روشن کرنے لگا تھا۔

عورت زیادہ سے زیادہ پچیس چھبیس سال کی رہی ہوگی۔ سیاہ بالوں اور سیاہ آنکھوں والی ایک دلکش عورت تھی۔ خدوخال نازک تھے۔

''میرے اندازے کبھی غلط نہیں ہوتے۔'' اس نے فریدی کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اس جملہ کی وضاحت کرو تو زیادہ بہتر ہوگا۔'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

''میں تمہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ تم سے قریب ہونا چاہتی تھی۔ تمہارے بارے میں بہت سنتی چلی آرہی ہوں۔ تم کرنل فریدی ہی ہو نا۔''

''تم غلط نہیں سمجھیں۔ اردو اہل زبان کی طرح بول سکتی ہو۔ کس ملک سے تعلق ہے تمہارا۔''

''ڈنمارک میرا وطن ہے۔ میں نے اردو میں اسپیشلائز کیا ہے۔ بہرحال میں نے ہی اس وقت اُسے یہ تدبیر سمجھائی تھی کہ میں ''مدد'' کے لئے چیخوں گی۔ اگر تم ان اطراف میں موجود ہو گے تو ضرور ہماری طرف آؤ گے۔ میری اس تجویز سے سب نے اتفاق کیا تھا۔ لیکن حقیقتاً میں جانتی تھی کہ کیا ہوگا۔ تم اتنے احمق تو نہیں ہو سکتے کہ اصلیت معلوم کئے بغیر جھپٹ

پڑو۔ اسی لئے میں اسے باتوں میں الجھا لیتی تھی کہ تمہیں اصلیت کا علم ہو جائے اور اس
میں تم سے قریب ہو کر تمہیں دیکھ سکوں گی۔''

''اگر میں تمہارا وہی حشر کر کے اُسے اٹھالاتا تو۔''

''میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم عورتوں سے تشدد آمیز برتاؤ نہیں کرتے۔''

''بہت باخبر معلوم ہوتی ہو۔ بیٹھ جاؤ۔''

''شکریہ۔''

''اور اچھی طرح دیکھ لو۔''

''کیسے دیکھ لوں جبکہ تم غالباً میک اپ میں ہو۔''

''یہ بھی درست ہے۔ اپنا نام بتانا پسند کرو گی۔''

''گریشی ٹارلوہام.....!''

''گریشی اچھا نام ہے۔''

''شکریہ۔''

''اب چلو تمہیں وہیں چھوڑ آؤں۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''دیکھ چکیں.....اب کس لئے رکو گی۔''

''لیکن میں تو اب ان میں واپس نہیں جانا چاہتی۔ اس کے لئے مجھے عرصے سے
مضبوط سہارے کی تلاش تھی۔''

''کیا تھریسیا کے ہاتھوں تمہاری تربیت ہوئی ہے۔''

''بہتوں کے لئے وہ صرف ایک نام ہے۔ درشن آج تک نہیں ہوئے۔ میں بھی ان
لوگوں میں سے ہوں۔''

''یہاں کیا ہو رہا ہے؟''

''یہ تو میں نہیں جانتی کہ اس کا مقصد کیا ہے لیکن کسی جگہ بہت سے سائنسی آلات
کئے گئے ہیں۔''

''کس جگہ.....!''

''جگہ کا مجھے علم نہیں ہے لیکن شاید تم میری اس بات پر یقین نہیں کرو گے۔ میں دراصل
سرحد کے محافظوں کے ساتھ ہوں۔''

''اور سرحد کے محافظوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا ہے۔''

''یہ درست ہے لیکن یہ نہیں جانتی کہ وہ کس طرح مرے تھے۔ ہم نے ان کی لاشیں
دیکھی تھیں۔ ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں تھا جو بتاتا کہ اس پر کیا گزری تھی۔''

''مجھے علم ہے.....تو تم واپس نہیں جاؤ گی۔''

''ہرگز نہیں! میں یہ سمجھ کر ان میں شامل ہوئی تھی کہ وہ انقلابی ہیں لیکن وہ تو فاشیوں
سے بھی بدتر نکلے۔ وہ صرف اپنا اقتدار چاہتے ہیں۔''

فنچ اور بھوت

فریدی اُسے غور سے دیکھے جا رہا تھا لیکن وہ اس سے نظریں ملائے بغیر بات کر رہی تھی۔
دفعتاً فریدی نے کہا۔ ''تو تم اس تدبیر سے مجھ تک آ پہنچیں۔''

''ہاں کرنل.....!''

''بہت ذہین ہو اور اسی تدبیر سے مجھ پر ہاتھ بھی ڈالا جا سکتا ہے۔''

''کیا مطلب.....؟'' وہ چونک پڑی۔

''ذرا اپنا یہ لاکٹ اتار کر ایک منٹ کے لئے مجھے دینا۔''

''نہیں.....!'' اس نے دونوں ہاتھ لاکٹ پر رکھ لئے اور اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

''واپس کر دوں گا۔''

''نہیں ہرگز نہیں۔''

''اگر زبردستی چھین لوں تو۔''

''یہ کیا فضول باتیں شروع کر دیں تم نے۔ میں تو پناہ لینے آئی تھی تمہارے پاس۔''

''تم نے بہت زیادہ ذہانت کا ثبوت دیا ہے اس لئے مجھے محتاط ہو جانا پڑا مس گریشی۔''

''لاکٹ تو میں ہرگز نہ اتاروں گی۔ بچپن سے اب تک نہیں اتارا۔ اس سے ایک شگون وابستہ ہے۔ میں اپنے اس عقیدے کو شکست نہ ہونے دوں گی۔''

''بے وقوف عورت..... میں فریدی ہوں۔ یہ لاکٹ نہیں ہے۔ تم لوگوں کی اصطلاح میں انڈیکیٹر کہلاتا ہے۔ تھوڑی ہی دیر بعد تمہارے شکاری کتے یہاں پہنچ جائیں گے۔''

عورت نے چھلانگ لگا کر نکل جانا چاہا لیکن فریدی نے اسے دبوچ لیا۔ بیچ کی انگلی اور انگوٹھا اس کی کنپٹی پر جم گئے تھے۔ جلد ہی گریشی کی قوت مدافعت غشی کی تاریکی میں ڈوب گئی۔ فریدی نے اس کا لاکٹ اتارا تھا اور ایک پتھر کے ٹکڑے سے کچل کر رکھ دیا تھا۔

عورت بے ہوش پڑی تھی۔ وہ اسے وہیں چھوڑ کر غار سے باہر آ گیا اور قریب ہی ایک جگہ چھپ کر بیٹھا رہا جہاں سے غار کے دہانے پر نظر رکھ سکتا تھا۔ موم بتی جلتی ہوئی چھوڑ آیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اس نے محسوس کیا کہ کئی آدمی دبے پاؤں اسی سمت چلے آ رہے ہیں۔

تاروں کی چھاؤں میں ان کے دھندلے اجسام شمار کئے جا سکتے تھے۔ تعداد آٹھ تھی۔ وہ اس کے قریب ہی سے گزرتے چلے گئے۔ انڈیکیٹر نے ضائع ہونے سے پہلے انہیں سمت تو بتا ہی دی ہوگی۔ لیکن اس کے ضائع ہو جانے کے بعد شاید وہ ٹھیک جگہ نہیں پہنچ سکتے تھے۔ کچھ دور چل کر ان میں سے ایک نے ٹارچ روشن کی تھی اور ہاتھ میں دبی ہوئی کسی چیز کو غور سے دیکھتا رہا۔ پھر وہ وہیں سے پلٹ پڑے تھے اور غار کے قریب سے گزرتے ہوئے نشیب میں اترنے لگے تھے۔ فریدی اس موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتا تھا۔ اس کی پروا کئے بغیر ان کے پیچھے ہو لیا کہ اگر لڑکی کو ہوش آ گیا تو کیا ہوگا۔

''یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔'' سنگ بڑبڑایا۔ فنچ بھی اس کے قریب ہی موجود تھا اور یہ دونوں ویرانے کے اس مکان میں تھے جہاں سے حمید اور فینی سائیکل پر فرار ہوئے تھے۔

''تمہاری عقلمندیوں کے بڑے چرچے سنے تھے میں نے۔'' فنچ نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ''ارے تم فریدی کے اسسٹنٹ کی ذہانت کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔''

''چپ رہو..... چیونٹی کے بچے..... کہیں مجھے غصہ نہ آ جائے۔''

''ضرور..... ضرور..... غصے میں تمہارا قد کچھ اور اونچا ہو جاتا ہے اور تم احمقوں کے امجد معلوم ہونے لگتے ہو۔''

سنگ ہی اُسے مارنے دوڑا تھا لیکن ایک ہی جست اُسے روشندان تک لے گئی۔ وہاں سے چھلانگ لگائی تو چھت کا کڑا پکڑ کر جھول گیا۔

''نیچے آؤ..... ورنہ چھید کر رکھ دوں گا۔'' سنگ کا چاقو نکلا تھا اور کرکراہٹ کے ساتھ کھل گیا تھا۔ فنچ نے داہنے ہاتھ سے کڑا چھوڑ دیا صرف بائیں ہاتھ سے تھامے جھولتا رہا۔ پھر ہنس کر بولا۔ ''چھید کر رکھ دو..... اجازت ہے۔''

سنگ نے سچ مچ چاقو پھینکا تھا۔ لیکن وہ حیرت انگیز طور پر فنچ کے داہنے ہاتھ کے قریب ناچ گیا تھا۔ پھر اس کا دستہ اس کی گرفت میں نظر آیا۔

''ہینڈز اپ مسٹر سنگ ہی۔'' وہ چڑانے والے انداز میں بولا۔ سنگ حیرت سے دیکھتا رہا۔ پھر یک بیک ہنس کر بولا۔ ''واقعی تم حیرت انگیز صلاحیتوں کے مالک ہو۔ میں تمہاری ان صلاحیتوں کو سلام کرتا ہوں۔ اب براہِ کرم نیچے آ جاؤ۔ بہت کچھ سوچنا ہے اور بہت کچھ کام کرنا ہے۔''

''کیا میرا ایک ہاتھ نہ دیکھو گے..... میری جگہ اور کوئی ہوتا تو واقعی تم نے چھید کر رکھ دیا ہوتا۔''

اچھی بات ہے.....اب تم بھی اپنی حسرت نکال لو۔''

فنچ نے چاقو پھینکا تھا لیکن وہ اچھل کر اس کے قریب ہی چھت میں پیوست ہوگیا۔

''یہی تمہارے سینے میں بھی پیوست ہوسکتا ہے۔'' سنگ نے لاپرواہی سے کہا۔''اب نیچے اُتر آؤ..... پاپا تمہیں معاف کردے گا۔''

''واقعی تم بھی کسی قدر باکمال ہو۔'' فنچ نے کہا اور کودنے والا ہی تھا کہ سنگ بولا۔

''میرا چاقو تو لیتے آؤ۔ بس اس پر قادر نہیں ہوں ورنہ ساری دنیا پر میری حکومت ہوتی۔''

فنچ چاقو سمیت فرش پر کودا تھا۔

''تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ بچوں کی طرح اپنی کارکردگی نہ دکھایا کرو۔'' سنگ نے بزرگانہ انداز میں کہا۔

''ہاں تو تمہیں کیا سوچنا ہے اور کیا کرنا ہے۔'' فنچ بولا۔

''کچھ دیر پہلے مجھے اطلاع ملی ہے کہ فریدی رام گڑھ پہنچ گیا ہے۔ یہ بہت بُرا ہوا شاید اسے کچھ سن گن مل گئی ہے۔''

''اگر ایسا ہے تو میرا قول کرسی نشین ہوا۔ میں نے پہلے کہا تھا کہ انگشتریوں والا کھڑاک نہ کرو۔''

''اس سے کیا ہوتا ہے۔ اس کا مقصد ہی پبلسٹی تھا۔ ساری دنیا میں پے در پے اس قسم کے واقعات ہوں گے اور پھر ہم اسی کے حوالے سے تو اپنی باتیں منوائیں گے۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ اس نے رام گڑھ کا ہی رخ کیوں کیا۔''

''میری طرح اور لوگوں کو بھی علم ہوگا کہ رام گڑھ میں کیا ہو رہا ہے۔''

''ہرگز نہیں..... کسی غیر متعلق آدمی کو اس کا علم نہیں۔''

''تو پھر میں نے ہی فریدی کو مطلع کیا ہوگا۔''

''میں اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ فضول باتیں نہ کرو۔ لیکن کبھی کبھی الجھن میں پڑ جاتا ہوں۔ آخر اس دن وہاں پولیس کیسے پہنچ گئی تھی۔''

''کیا تم کیپٹن حمید کو اتنا ہی احمق سمجھتے ہو کہ وہ ایسے حالات میں اپنی حفاظت کا انتظام

کئے بغیر گھر سے نکلتا ہوگا۔''

''میں نے پوری طرح اطمینان کرلیا تھا۔ اس کی نگرانی نہیں کی جارہی تھی۔''

''تب پھر یہاں کی پولیس غیب داں بھی ہوگی۔ لیکن جب میں گرفتار ہوا تھا تب تو وہ غیب داں نہیں تھی۔''

''تم پھر خود کو لے کر کود پڑے۔''

''دیکھو نا..... دوسری صورت میں یہی تو سمجھا جائیگا کہ میں نے پولیس کو مطلع کردیا ہوگا۔''

''ختم کرو اس قصے کو..... ہمیں رام گڑھ چلنے کے لئے تیار ہوجانا چاہئے۔''

''ضرور چلو..... وہاں کی جیلیں بھی دیکھ لیں گے۔''

''اس سے پہلے فریدی کا ہتھے چڑھنا ضروری ہے۔ فی الحال اس کے علاوہ اور سب کچھ ملتوی۔''

''اب تم نے کام کی بات کی ہے۔'' فنچ چہکا۔''میں اس سے ملنے کے لئے سخت بے چین ہوں۔ ایسا سبق دینا چاہتا ہوں کہ بقیہ زندگی پچھتاوے میں گزر جائے۔''

''ٹھیک ہے..... میں تمہاری یہ خواہش ضرور پوری کروں گا۔''

''بس رات والی فلائٹ سے نکل چلیں گے۔ تم میک اپ میں ہوگے لیکن میں قد بڑھالینے کے بعد بیٹھ نہ سکوں گا۔''

''قد بڑھانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔ میں تمہیں دس گیارہ سال کا بچہ بنادوں گا۔ کم از کم دو دنوں کے لئے تمہارے چہرے کی ساری جھریاں غائب ہوجائیں گی۔''

''تب تو یہ سفر ممکن ہوگا۔''

''ارے تم یہ سب مجھ پر چھوڑ دیا کرو۔''

ایک بند گاڑی میں بیٹھ کر وہ موجودہ قیام گاہ تک پہنچے تھے۔ سنگ بہت متفکر دکھائی دے رہا تھا۔

''مجھے تو اس ڈرائیور پر بھی اعتماد نہیں ہے جو ہمیں ادھر اُدھر لئے پھرتا ہے۔'' فنچ نے کہا۔''کہیں کسی دن کسی تھانے ہی تک نہ پہنچا دے۔''

سنگ کچھ نہ بولا۔ خاموشی سے بوتل اٹھائی تھی اور گلاس میں انڈیلنے لگا تھا۔

''یہ کتنی بُری بات ہے کہ تم ایک اعلیٰ درجے کے بدمعاش ہو کر بھی شراب نہیں پیتے۔''

سنگ پھر بولا۔

''میرا جثہ نشہ برداشت نہیں کرسکتا۔ آسمانوں میں اڑتا پھروں گا۔''

''وہم ہے تمہارا۔ مضبوط قوت ارادی کے مالک ہو۔ نشہ کو سہارلے جاؤ گے۔''

''مجھے موضوع بحث نہ بناؤ۔ کام کی بات کرو۔ اگر فریدی میک اپ میں ہوا تو طرح اسے ڈھونڈ سکو گے۔''

''ہمارے طریق ہائے کار دوسروں سے مختلف اور بظاہر لایعنی ہیں۔''

''خیر.....اسے بھی دیکھ لیں گے۔''

صبح کو پہلے فینی ہی بیدار ہوئی تھی اور پھر اس نے حمید کو بھی جھنجھوڑ کر اٹھایا۔

''کیا میں بارش میں بھیگ رہا ہوں؟'' حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''نہیں تو.....!''

''پھر کیوں جگایا ہے مجھے۔''

''صبح ہوگئی ہے۔''

''روز ہی ہوتی ہے۔ کوئی نئی بات نہیں۔ بچپن میں طلوع کے مناظر بہت شوق سے دیکھا کرتا تھا۔''

''نہیں! بس اب اٹھ جاؤ۔ مجھے وحشت ہو رہی ہے۔ ایسی بھی کیا نیند کہ میرا دھیان بھی نہیں۔''

''تمہاری طرف سے دھیان ہی ہٹانے کے لئے تو میں نے خواب آور دوا کھائی تھی۔''

''کک.....کیا مطلب.....؟''

''کبھی کبھی نفس کی درندگی کو اس طرح بھی دبانا پڑتا ہے۔''

''تم لوگوں کا فلسفہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔''

''کچھ دنوں کے بعد سمجھ میں آجائے گا۔''

''اچھا.....اٹھو.....میں روم سروس کو فون کرنے جارہی ہوں۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔''

''شوق سے کرو۔ ناشتہ منگواؤ۔ مجھے سوتا ہوا دیکھ کر روم سروس بھڑ کے گی نہیں۔ اس کی نہانت میں دے سکتا ہوں۔''

''سچ مچ بیکار آدمی ہو۔'' فینی نے کہا اور ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھالیا۔ وہ پچھلی ہی رات رام گڑھ پہنچے تھے۔ فریدی کے بیان کے مطابق انہیں اس ہوٹل میں اپنے لئے کمرہ مخصوص ملا تھا۔ حمید نے ہوٹل کے رجسٹر میں مسٹر اینڈ مسز ساجد درج کرا کر نصیر آباد کا پتہ لکھوا دیا تھا۔ ویسے فینی نے ایک ہی کمرے اور ڈبل بیڈ پر اعتراض بھی نہیں کیا تھا۔ ریسیور رکھ کر حمید کو جھنجھوڑ ڈالا۔

''اُف فوہ.....کیا مصیبت ہے۔ میری تو آنکھیں بھی نہیں کھل رہیں۔''

''اب اگر تم نے خواب آور دوائیں کھائیں تو اچھا نہ ہوگا۔''

''تم دیکھو گی کہ واقعی اچھا نہ ہوگا.....نہ کھانے کی صورت میں۔''

''تم میرے دوست ہو دشمن تو نہیں۔ کیا تمہاری کبھی کوئی گرل فرینڈ نہیں رہی۔''

''میرے والد کو تو تم نے دیکھا ہی ہے۔''

''نہیں تو.....!''

''ارے وہی جو اس دن گاڑی ڈرائیو کررہا تھا جب گاڑی کا انجن سیز ہوگیا تھا اور تم نے ٹکر ماری تھی۔''

''وہ سہوا ہوا تھا جان بوجھ کر ٹکر نہیں ماری تھی۔''

حمید نے آخر کار اٹھ کر باتھ روم کی راہ لی تھی۔ واپسی پر اس نے دیکھا کہ ویٹر میز پر

چائے لگا رہا تھا۔

''چلتے چلتے وہ حمید کو ایک کارڈ بھی پکڑا گیا تھا جس پر سیاہ بلی کی تصویر بنی ہوئی پشت پر تحریر تھا۔ ہارڈ اسٹون اس وقت تمہیں لٹویا کے کمرہ گیارہ میں ملیں گے۔''

''خداوندا آنکھ کھلتے ہی۔'' حمید بڑبڑایا۔

''کیا بات ہے۔'' فینی نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کیسا کارڈ ہے؟''

''مقامی گورکنوں کا بزنس کارڈ۔''

ناشتے کے بعد اس نے فینی سے کہا تھا کہ وہ ذرا باہر جا رہا ہے اس کی عدم مو میں اسے کمرے تک ہی رہنا چاہئے۔

''میں بھی کیوں نہ ساتھ چلوں۔''

''اپنی چال کی وجہ سے پہچانی بھی جا سکتی ہو۔ لہٰذا مجھے بھی اپنے ساتھ ہی لے ڈوبو گی

فینی کچھ نہ بولی تھی اور حمید لٹویا کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ متوسط درجے کا یہ ا ہوٹل زیادہ دور نہیں تھا۔

فریدی کمرے ہی میں مل گیا۔ حمید اسے اگر کہیں اور دیکھتا تو اس کے فرشتے بھی ا نہ پہچان سکتے۔

پہلے اس نے حمید کی کہانی سنی تھی پھر اپنی روداد دہرا کر بولا تھا۔ ''میں نے ا ٹرانسمیٹر پر وہ گفتگو سنی ہے جس کی رو سے سنگ ہی اب تک یہاں پہنچ چکا ہے۔ اپنی آنکھ کھلی رکھنا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اسے الجھائے رکھو اور میں اطمینان سے اپنا کام کرتا رہوں۔

''آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ پھر کیا ہوا تھا؟''

''عورت کی بے ہوشی کے بعد میں غار سے باہر آیا تھا۔ میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ گر کے گلے میں پڑے ہوئے انڈیکیٹر نے ان لوگوں کی راہنمائی شروع کر دی تھی۔ بہرحال غار ہی کی طرف آئے تھے۔ لیکن انڈیکیٹر کی تباہی کے بعد وہ جگہ کا تعین نہ کر سکنے کے ادھر اُدھر بھٹکتے پھر رہے تھے۔ میں نے ان کا تعاقب کیا اور اس جگہ تک جا پہنچا جہاں ان قیام تھا۔ دراصل یہ وہی لوگ تھے جو سرحد کے نگرانوں کا رول ادا کر رہے ہیں۔ سرحدی

مقیم ہیں اور باقاعدہ طور پر ڈیوٹیاں بدلتے رہتے ہیں۔ میں نے انہیں فی الحال چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا تھا اور چپ چاپ واپس آ گیا تھا۔

''گریشی کہاں ہے؟''

''اس وقت بھی اسی غار میں ہوگی۔ اس نے واپس جانے سے انکار کر دیا ہے نہ کچھ کھاتی ہے نہ کچھ پیتی ہے۔ کہتی ہے اب میں مر جانا چاہتی ہوں۔''

''میک اپ کر کے یہاں لے آئے ہوتے۔''

''دماغ تو نہیں چل گیا۔''

''آپ اس وقت یہاں موجود ہیں ہو سکتا ہے وہ چلی جاتی ہو۔ آپ کی عدم موجودگی میں اور پھر واپس آ جاتی ہو۔''

''ابھی تک تو ایسا نہیں ہوا۔ اگر ہوگا تو مجھے علم ہو جائے گا۔''

''بلیک فورس.....؟''

''ہاں.....اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔ محکمے کے آدمیوں کو فی الحال دور ہی رکھنا چاہتا ہوں۔''

''فنچ کا معاملہ ابھی تک سمجھ میں نہیں آ سکا۔''

''سیدھا سادہ معاملہ ہے۔ وہ فطری طور پر بُرا آدمی نہیں ہے۔ ڈاکٹر ڈریڈ سے اپنی منہ بولی بیٹی کا انتقام لینے کے لئے کمربستہ ہو گیا تھا۔ اس سلسلے میں اس سے دو چار جرائم بھی سرزد ہو گئے تھے یہی وجہ تھی کہ عمر قید گزار رہا تھا۔ ورنہ پھانسی ہو گئی ہوتی۔''

''تو وہ سنجیدگی سے ہماری مدد کر رہا ہے۔''

''اگر ایسا نہ ہوتا تو میرے فرشتوں کو بھی علم نہ ہوتا کہ رام گڑھ میں کیا ہو رہا ہے اور آج کی خاص خبر سنی تم نے۔''

''نہیں.....؟''

''کسی نامعلوم ریڈیو سے بار بار دو بڑی طاقتوں کو دھمکی دی جا رہی ہے کہ اگر انہوں نے اپنے دو بحری بیڑے دو مختلف اڈوں سے نہ ہٹائے تو فی الحال ان کا ایک ایک جہاز بطور

تنبیہ تباہ کر دیا جائے گا پھر تین دن کی مہلت دی جائے گی۔ اس عرصے میں بھی اڈے خالی کئے گئے تو دونوں کے بحری بیڑے پورے کے پورے تباہ کر دیئے جائیں گے۔''

''بڑی عجیب بات۔''

''دونوں طاقتیں اسے محض مسخرہ پن سمجھیں گی لیکن مجھے یقین ہے کہ دونوں بیڑوں کا ایک ایک جہاز یقینی طور پر تباہ ہو جائے گا۔ آج رات ایک بج کر ایک منٹ کا وقت دیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ صبح کے اخبارات کس قسم کی کہانی سناتے ہیں۔''

''اس صدی کی سب سے عجیب واردات ہوگی۔''

''سوال تو یہ ہے کہ اس حرکت کے لئے ہماری ہی سرزمین کیوں منتخب کی گئی ہے۔''

''یہاں سب اُلو بستے ہیں نا۔ قدامت پسند قسم کے لوگ جو انگشتریوں کے ذریعہ واقع ہونے والی اموات کو آسیبی معاملہ سمجھتے ہیں۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔

''سوال تو یہ ہے کہ آپ تنہا اس سلسلے میں کیا کر لیں گے۔ آپ کو انٹر سروسز انٹیلی جنس کے سربراہ سے رابطہ قائم کرنا چاہئے۔''

''کھیل بگڑ جائے گا۔ وہ کسی طرح بھی قابو میں نہیں آئیں گے۔ اگر بات پھیل گئی... پھر ابھی میرے پاس کوئی ثبوت بھی نہیں ہے۔''

''میں ذرا ان خاتون گریشی کے درشن کرنا چاہتا ہوں۔''

''میں نے پھر کبھی اُس غار کی طرف رخ ہی نہیں کیا۔ بلیک فورس کے توسط سے اس سے متعلق معلومات حاصل ہوتی رہتی ہیں۔''

''آپ کے بارے میں اچھی رائے قائم نہیں کرے گی۔''

''میں نے اس مسئلے پر تمہاری رائے طلب نہیں کی تھی۔'' فریدی خشک لہجے میں بولا۔

''تو اب مجھے کیا کرنا ہے۔''

''یہاں کے ہوٹلوں میں سنگ اور فنچ کی تلاش جاری رکھو۔ تم یہاں کے سب سے اونچے ہوٹل میں مقیم ہو۔ ممکن ہے وہ بھی وہیں قیام کریں۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ فینی دونوں

پارٹ تو نہیں ادا کر رہی ہے۔''

''مجھے یقین ہے کہ وہ ایک مظلوم لڑکی ہے۔ اپنے باپ کو بچانے کے لئے ان کے چکر میں پڑ گئی تھی۔''

''کہیں اس کی وجہ سے تم ہی نہ پہچانے جاؤ۔''

''کوشش تو یہی ہے کہ ایسا نہ ہونے پائے۔''

''بس جاؤ..... بہت زیادہ ہوشیاری کی ضرورت ہے۔''

سنگ ہی اور فنچ دلکشا میں ٹھہرے تھے اور فنچ سچ مچ دس گیارہ سال کا بچہ ہی معلوم ہوتا تھا اور وہ سنگ کے اس کمال کا معترف ہو گیا تھا۔ اگر اسے اپنی مجرمانہ زندگی جاری رکھنے کا خیال ہوتا تو سنگ سے ضرور درخواست کرتا کہ وہ اسے بھی پلاسٹک میک اپ کے گر سکھا دے۔

ادھر سنگ تھا کہ اُسے مستقل چھیڑے جا رہا تھا۔

''کاش تمہارے لئے ایک ممی کا بھی انتظام کر سکتا میرے بچے۔'' وہ بار بار کہتا اور فنچ ہنس کر ٹال جاتا۔ اب وہ بات نہیں بڑھانا چاہتا تھا۔ سنگ سے جھگڑے کی صورت میں اس کی اپنی اسکیم ناکام ہو جاتی۔ طبعاً نرم دل واقع ہوا تھا۔ اسلئے اس کشت و خون اور ہنگامے کا تصور بھی اس کیلئے سوہان روح سے کم نہیں تھا جو اس زہریلے سیارے کی بناء پر ہونے والا تھا۔

فی الحال نانوتہ اور ریما کی تلاش کا سلسلہ بھی ختم کر دیا گیا تھا اور سنگ کو فریدی کی تلاش تھی۔

شام کو وہ دونوں دلکشا کے ڈائننگ ہال میں آ بیٹھے۔ اس شدید موسم میں بھی وہاں خاصی بھیڑ تھی۔ عورتیں بھی تھیں اور مرد بھی۔ ان میں غیر ملکیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ سنگ کی تیز نظریں ایک ایک کا جائزہ لے رہی تھیں۔

دفعتاً مائیک سے آواز آئی۔ ''خواتین وحضرات! ہمیں ابھی اطلاع ملی ہے کہ مقامی پاور گھر کا جنریٹر خراب ہوجانے کی وجہ فوری طور پر بند کیا جارہا ہے۔ لہٰذا دو تین منٹ بعد یہاں اندھیرا ہوجائے گا۔ ہمیں بے حد افسوس ہے کہ آپ کی تفریح میں خلل پڑا۔''

لوگ اپنی میزوں سے اٹھنے لگے تھے۔ فنچ نے سنگ کی آنکھوں میں عجیب چمک دیکھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کی کوئی دیرینہ خواہش پوری ہوئی ہو۔

باہر سے آئے ہوئے لوگ وہاں سے اٹھ گئے تھے۔ لیکن ہوٹل میں قیام کرنے والے جوں کے توں بیٹھے رہے۔ وقت کے تعین کے مطابق وہاں سچ مچ اندھیرا ہوگیا۔ فنچ نے محسوس کیا جیسے سنگ اپنی جگہ سے اٹھ گیا ہو۔

''کہاں چلے؟'' اس نے آہستہ سے پوچھا۔ لیکن جواب نہ ملا۔ فنچ اپنی کرسی پر بیٹھا رہا۔

اچانک ایک نسوانی چیخ ہال میں گونجی تھی پھر ایسا معلوم ہوا تھا جیسے چیخنے والی کا منہ دبا دیا گیا ہو۔ فنچ بوکھلا کر اٹھا تھا اور اس میز کے گرد والی بقیہ تینوں کرسیوں کو ٹٹولنے لگا تھا۔ سنگ وہاں موجود نہیں تھا۔ فنچ نے زیرِ لب ایک گندی سی گالی دی تھی۔ اس اندھیرے میں اس کے علاوہ اور کر ہی کیا سکتا تھا۔ ہال میں شور برپا ہوگیا تھا کئی ٹارچوں کی روشنیاں چمکنے لگی تھیں۔ لیکن یہ معلوم نہ ہوسکا کہ کس پر کیا گزری تھی۔ فنچ نے سوچا کہ اسے تو یہاں سے چل دینا جانا چاہئے ورنہ لوگوں کو بچے کے باپ کی فکر پڑ جائے گی۔ وہ بڑی پھرتی سے باہر نکل گیا۔ اسکے بعد اسے کمرے ہی میں جانا چاہئے تھا لیکن کنجی تو سنگ کے پاس تھی۔ لہٰذا وہ باہر نکل گیا۔

سردی بڑھ گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کہاں جائے۔ ہال میں اب بھی شور ہو رہا تھا۔ شاید یہ وہ لوگ تھے جن کے درمیان سے کوئی لڑکی اٹھائی گئی تھی اور فنچ سوچ رہا تھا کہ ایسے نامعقول آدمی کو کسی تنظیم نے کیونکر قبول کرلیا۔ یہ تو قدم قدم پر گردن کٹوا دینے والی حرکتیں کرتا ہے۔ اگر کبھی تنظیم کے کسی ذمہ دار فرد سے سابقہ پڑا تو وہ یہ سوال ضرور اٹھائے گا۔ ویسے یہ بھی ممکن ہے کہ پوری تنظیم ایسے ہی افراد پر مشتمل ہو۔ پتا نہیں کس بیچارے پر مصیبت آئی تھی۔ اس کا خون کھولتا رہا۔ ''اچھا بیٹے سنگ تم انہی ننھے ننھے اور ناتواں ہاتھوں سے مارے جاؤ گے۔'' بالآخر جب وہ شور اس سے نہ سنا گیا تو اس نے وہاں سے دوڑ

لگادی۔ اسکے جسم پر ایسا لباس نہیں تھا جو کھلی فضا کیلئے موزوں ہوتا۔ سختی سے دانت پر دانت جمائے وہ دوڑتا رہا۔ پھر اچانک کسی سے ٹکرایا تھا اور اس کے بازوؤں میں جکڑ کر رہ گیا۔

''اوہو..... صاحبزادے کہاں بھاگے جارہے ہو۔ خیریت تو ہے۔''

''مم..... میرا باپ کھو گیا ہے..... چھوڑو مجھے۔'' فنچ نے مچل کر گرفت سے نکل جانا چاہا۔

''باپ کھو گیا ہے۔''

''ہاں دلکشا میں کوئی عورت قتل ہوگئی ہے۔''

''کہاں؟'' گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور فنچ نکلا چلا گیا۔ اس نے کیپٹن حمید کی آواز صاف پہچانی تھی۔ اب اس کی رفتار پہلے سے بھی تیز تھی۔ دیکھے بھالے راستوں پر تو وہ یکساں رفتار سے میلوں تک دوڑ سکتا تھا لیکن انجانے پہاڑی مقام پر اسے اپنے اجداد یاد آگئے تھے۔ ایک جگہ ٹھوکر کھا کر گرا تھا اور انجانی گہرائیوں میں لڑھکتا چلا گیا تھا۔ یہ ایک ایسا ہی نشیب تھا کہ کوششوں کے باوجود بھی نہ سنبھل سکا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شاید یہ اس کی زندگی کی آخری رات ہے۔ اس کے بعد اجالا ہی اجالا ہوگا۔ ابدی اجالا۔ لڑھکتا رہا اور آخیر وقت کی دعائیں اس کی زبان سے پھسلتی رہیں۔ نہ اب وہ سنگ کو گالیاں دے رہا تھا اور نہ تقدیر کا شکوہ کررہا تھا۔ دفعتاً اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی ہو۔ نہ اب وہ لڑھک رہا تھا اور نہ اس کی زبان پر دعائیں تھیں۔ سناٹا..... گہرا سناٹا۔ مکمل ٹھہراؤ۔ اس کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں۔ لیکن وہ تو سانس لے رہا تھا اور پورے جسم میں درد کا احساس بھی برقرار تھا۔ کمر تو جیسے دو ٹکڑے ہوئی جارہی تھی۔ پھر یہ حقیقت اس پر منکشف ہوئی کہ وہ لڑھکتے لڑھکتے کسی کٹاؤ میں اٹک کر دوہرا ہوگیا ہے۔ بچوں کی طرح کھلکھلا کر ہنس پڑا اور سناٹے میں اپنی ہنسی کی بازگشت بھی سنی۔ اچانک کسی نے اُسے اپنی گرفت میں لے کر اٹھایا۔

''کک..... کون.....؟'' وہ سچ مچ خوفزدہ سی آواز میں بولا۔

''بھبھ..... بھوت.....!'' کانوں میں گونجیلی سی آواز گونجی۔ پھر وہ اس کی گرفت نکلنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا ہی رہ گیا۔ لیکن کسی طرح بھی گلو خلاصی نہیں ہوئی تھی۔ کوئی نامعلوم آدمی اُسے اٹھائے ہوئے تیزی سے چل رہا تھا۔ پھر وہ ایک ایسے غار میں داخل ہوا

جہاں دو موم بتیاں روشن تھیں۔ اس نے اس قوی ہیکل آدمی کا چہرہ دیکھا۔ بڑی خوفناک شکل تھی۔ سچ مچ بھوت ہی معلوم ہوتا تھا۔

چمکیلا غبار

وہ بھی اُسے بغور دیکھ رہا تھا۔ فنچ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کہنا یا کرنا چاہئے۔ دفعتاً بدہیئت آدمی نے وہاں اس کی موجودگی کا سبب پوچھا تھا۔

''مم..... میرا باپ کھو گیا ہے جناب۔''

''کیا یہاں اس ویرانے میں۔''

''نہیں..... جناب دلکشا ہوٹل میں۔ ہم دونوں وہاں بیٹھے تھے کہ دفعتاً بجلی گھر میں جنریٹر کی خرابی کی بناء پر اندھیرا چھا گیا۔ ایک عورت کی چیخ سنائی دی تھی اور میرا باپ غائب ہو گیا تھا۔ میں ڈر کے مارے بھاگ نکلا۔''

بدہیئت آدمی نے پھر اُسے غور سے دیکھا تھا اور ہنس کر بولا۔ ''تو تم دونوں باپ بیٹا دلکشا میں مقیم ہو۔''

''جج..... جی..... ہاں..... مگر آپ کے اس جملے کا یہی مطلب ہو سکتا ہے جیسے آپ ہم دونوں سے واقف ہوں۔'' کہہ کر فنچ نے غار کے دہانے کی طرف چھلانگ لگائی تھی لیکن پھر پکڑا گیا تھا۔ ''مم..... میں..... جناب۔'' وہ بُری طرح کانپ رہا تھا۔

''فضول باتیں چھوڑو۔ تم نے بھی مجھے پہچان لیا ہے۔'' بدہیئت آدمی بولا۔ ''دیکھو فنچ میں نے تمہیں کبھی بُرا آدمی نہیں سمجھا۔ تم انتقاماً ڈریڈ سے ٹکرائے تھے۔ لیکن قانون کے ہاتھوں سب مجبور ہیں۔ میں چاہتا بھی تو تمہیں سزا سے نہ بچا سکتا۔''

''میں بھی آپ کے علاوہ آج تک کسی اور سے مرعوب نہیں ہوا کرنل۔''

''بے شمار زندگیاں خطرے میں ہیں۔ تم نے بھی نامعلوم ریڈیو اسٹیشن سے وہ دھمکی سنی ہی ہو گی۔''

''جی ہاں..... اور یقین کیجئے کہ آج ایک بج کر ایک منٹ پر دونوں جہاز تباہ ہو جائیں گے۔''

''کتنے بے گناہوں کا خون ہو گا۔''

''یہ تو ہے جناب۔''

''اس جگہ کو تلاش کرنے میں میری مدد کرو جہاں سے وہ سیارہ کنٹرول کیا جا رہا ہے۔''

''تلاش ہی کرنی پڑے گی کیونکہ خود سنگ کو بھی صحیح جگہ کا علم نہیں ہے۔''

''تو وہ دلکشا ہی میں مقیم ہے۔''

''کمرہ نمبر ستائیس۔''

فریدی نے جیبی ٹرانسمیٹر کا سوئچ آن کیا تھا ''ہیلو..... بی تھری فور..... ہیلو..... ہیلو چیف کالنگ..... بی تھری فور۔''

''بی تھری فور سر.....!''

''ڈی ایچ ٹو نٹی سیون..... میں اس آدمی کو دیکھو۔''

''اُو کے سر.....!''

''اوور اینڈ آل.....!'' کہہ کر فریدی نے سوئچ آف کر دیا۔

''اب تم رات یہیں گزارو۔'' فریدی نے پیال کے بستر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''بہت بہت شکریہ کرنل۔''

''اگر تم میرے کام آئے تو تمہاری بقیہ سزا معاف کرا دینے کی پوری کوشش کروں گا۔''

''یہی نہیں بلکہ تمہارے ملک کے ناپسندیدہ افراد کی فہرست سے بھی تمہارا نام خارج کرا دیا جائے گا۔''

''میں ہر ممکن کوشش کروں گا پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔''

''اور اسے شبہ بھی نہ ہونے پائے کہ تم مجھ سے مل چکے ہو۔''

''ظاہر ہے.....ورنہ کھیل ہی بگڑ جائے گا۔''

''اچھا.....اب آرام کرو۔ میں تھوڑی دیر بعد واپس آؤں گا۔''



دوسری صبح ساری دنیا میں سراسیمگی پھیل گئی تھی۔ نامعلوم ریڈیو اسٹیشن کے اعلان کے مطابق دونوں طاقتوں کا ایک ایک جہاز دھماکے سے پھٹا تھا اور اپنے عملے سمیت سمندر کے سینے میں دفن ہوگیا تھا اور آج صبح ہی سے وہ نامعلوم ریڈیو اسٹیشن دونوں طاقتوں کو للکارے جارہا تھا کہ اگر انہوں نے زیرولینڈ کی بالادستی تسلیم نہ کی تو انہیں مزید پچھتانا پڑے گا۔ عنقریب دونوں ممالک کی وہ ایٹمی آبدوزیں بھی تباہ کردی جائیں گی جو آزمائشی طور پر روانہ ہوئی ہیں۔

کیپٹن حمید نے فینی کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''یہ اُنہی لوگوں کا کارنامہ ہے جو تمہارے باپ کو بلیک میل کررہے تھے۔''

''نہیں.....!''

''اور پچھلی رات دلکشا میں جو ہنگامہ ہوا تھا اس کی ذمہ داری اسی لمبے آدمی پر تھی جس کے ذریعے تمہارا باپ بلیک میل ہوتا رہا ہے۔''

''تو کیا ہوا.....اس لڑکی کا پتا چلا یا نہیں۔''

''عمارت کے پیچھے بیہوش پڑی ملی ہے۔ لمبا آدمی دلکشا سے فرار ہوگیا۔''

''آخر پولیس اسے پکڑنے میں کامیاب کیوں نہیں ہو پاتی۔''

''بے حد چالاک اور پھرتیلا ہے اور پھر اس کی پشت پر ایک طاقتور تنظیم ہے۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس طرح تم لوگوں کے کام آؤں۔'' فینی بولی۔

''شریف ضرور ہو لیکن شریف آدمی ہو۔''

''خیریت.....؟ میرا قصیدہ کیوں شروع کردیا۔''

''یقین کرو..... یا تم بے حد شریف آدمی ہو یا سرے سے آدمی ہی نہیں ہو۔''

''ان دونوں باتوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے۔ دراصل میں دوسروں کی مجبوریوں یا کمزوریوں سے فائدہ اٹھانے کا قائل نہیں ہوں۔''

''اول درجے کے ندیدے بھی ہو۔''

''کیا مطلب.....؟''

''جب تم میری موجودگی میں دوسری لڑکیوں کو گھورتے ہو تو میرا دل چاہتا ہے کہ تمہیں کچل کر رکھ دوں۔''

''بہت خوب.....بھلا کیوں؟''

''کیا میں لڑکی نہیں ہوں۔''

''میری قریب کی نظر کمزور ہے۔''

''فضول باتیں نہ کرو۔ اگر تم مجھے مظلوم سمجھتے ہو تو مظلوم لوگ ہی پیار کے مستحق ہوتے ہیں۔''

''ہمارے یہاں صرف بچوں کو پیار کرنے کا رواج ہے۔''

''بور مت کرو.....سخت بے حس آدمی ہو۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ اس کے شرما جانے کی اداکاری بے حد کامیاب رہی تھی۔

''ہمارے یہاں کی لڑکیاں بھی اس طرح نہیں شرماتیں۔''

''میں اُٹھ کر چلا جاؤں گا..... ہاں۔''

''خاموش رہو.....!'' وہ جھنجھلا کر بولی۔

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی تھی اور حمید نے جھپٹ کر ریسیور اٹھا لیا تھا۔

''ہیلو.....!'' وہ ماؤتھ پیس میں بولا تھا۔

''آپ کی کال ہے جناب۔'' آپریٹر نے کہا۔ ''بات کیجئے۔''

دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔ ''وہ اب دلکشا میں نہیں ہے۔ تلاش جاری رکھو۔''

''یہ لڑکی بہت بور کرتی ہے آپ جانتے ہیں کہ میں پناہ میں آئی ہوئی لڑکیوں
فلرٹ نہیں کرتا۔''

''اس کی باتوں پر کان نہ دھرو.....اپنے کام سے کام رکھو.....!''

''تو پھر اب میرے لئے کسی دوسری کا انتظام کر دیجئے۔''

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔

''کون تھا.....؟''فینی نے پوچھا۔

''میرا باپ تھا۔ پوچھ رہا تھا کہ میں نے ایک غیر ملکی عورت سے شادی کیوں کرلی۔''

''اچھا تو کیا وہ تمہیں شادی کے قابل سمجھنے لگا ہے۔''

حمید اس کے اس ریمارک کو بڑی ڈھٹائی سے پی گیا اور بولا۔''تم ابھی تک تیار نہ
ہوئیں۔ ہم باہر چل رہے ہیں۔''

وہ تیار ہوکر باہر نکلے تھے۔حمید نے ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے ڈرائیور سے کہا۔''بلیومون ہوٹل''

''کیوں.....ہوٹل کیوں؟''فینی نے پوچھا۔

''دوپہر کا کھانا وہیں کھائیں گے.....جھینگے اور سبز مٹر.....بطخ کا گوشت بھی وہاں
ہے۔کبھی کھائی ہے بطخ.....!''

''کیوں نہیں؟ ویسے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر تم ہوٹلوں کے ہی چکر کیوں لگا رہے ہو۔''

''لمبے اور چھوٹے آدمی کی تلاش میں۔''

''اگر وہ تمہاری ہی طرح میک اپ میں ہوا تو.....؟''

''دیکھا جائے گا! جو کچھ کر رہا ہوں اپنے چیف کے حکم سے کر رہا ہوں۔لہٰذا کچھ مت سوچو۔''

''کہیں مارے نہ جاؤ۔''

''کبھی یہ سوچ کر نہیں نکلا کہ واپسی ہوگی۔''

''دلیر آدمی ہو.....مگر کس کام کے۔''

''کیا بات ہوئی۔''

''محبت کے بغیر آدمی مکمل نہیں ہوتا۔''

''اس اعتبار سے کئی بار مکمل ہو چکا ہوں بلکہ بہتیری لڑکیاں تو اب مجھے کمبل سمجھنے لگی ہیں۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''محبتوں کا البم ہے میرے پاس۔''

''وہ محبت نہیں.....ہوس کہلاتی ہے۔''

''محبت وہی ہے جو لامحدود ہو۔محدود ہوکر ہوس بن جاتی ہے۔''

''کسی نے تمہیں بھی چاہا۔''

''اتنی شامت زدہ کوئی بھی نہیں تھی۔''

وہ بُرا سا منہ بنا کر خاموش ہوگئی تھی۔

''اُوہ.....وہ دیکھو.....وہ لمبا آدمی۔اس قہوہ خانے میں داخل ہوا ہے۔''حمید بولا۔
''ڈرائیور گاڑی روک دو۔''

''کیا ویٹنگ ہوگی صاحب؟''ڈرائیور نے پوچھا۔

''ہاں.....فکر مت کرو.....ہر پانچ منٹ کا ایک روپیہ۔''

دونوں قہوہ خانے میں داخل ہوئے۔ وہ بلاشبہ ایک لمبا آدمی تھا۔ جسامت بھی سنگ
ی جیسی تھی لیکن وہ شلوار قمیض میں تھا اور سر پر اعلیٰ قسم کی کلاہ اور لنگی تھی۔ان دونوں نے ایک
یز سنبھالی اور قہوہ طلب کیا۔

''ہاں.....میک اپ میں بھی ہوسکتا ہے!''فینی آہستہ سے بولی تھی۔

''خاموش رہو.....اس کی طرف دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔''

لیکن وہ آدمی فینی کو بدستور گھورے جا رہا تھا۔

حمید دم مارے بیٹھا رہا۔قہوہ آیا تھا اور دونوں پینے لگے تھے۔

فتح فریدی سے الگ ہوکر پھر شہر کی طرف پلٹ آیا تھا اور سنگ کو ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔

اس نے سوچا کیوں نہ یہاں کے بازارِ حسن میں دیکھ لیا جائے۔ ہوسکتا ہے وہیں کہیں گزاری ہو۔ سنگ کنگال تو نہیں تھا۔ ہر وقت اس کی جیبیں گرم رہتی تھیں۔ محض حرامزدگی طوائفوں کے پیسے مارتا رہتا تھا۔ شائد ان سے گالیاں سن کر محظوظ ہوتا تھا۔ حدیہ ہے کہ نے ایک بار اُسے ایک طوائف کے ہاتھوں پٹتے بھی دیکھا تھا۔

صبح ہوتے ہوتے وہ پہنچ گیا تھا اور سچ مچ اس نے سنگ کو ایک بالا خانے سے اتر دیکھا۔ وہ بڑی لاپرواہی سے چل رہا تھا۔ فنچ ایک جانب ٹھٹک گیا اور پھر اس کی لاعلمی تعاقب شروع کردیا۔ خود ابھی تک اس بچے کے میک اپ میں تھا۔ سامنے آتا تو سنگ کسی دشواری کے بغیر پہچان لیتا۔ فنچ کا دل چاہ رہا تھا کہ عقب سے اس پر فائر کرکے ہو کے لئے قصہ پاک کردے۔ لیکن پیش نظر مسئلے کو حل کئے بغیر ایسا کوئی اقدام حماقت ہی ہو بہرحال وہ دل پر جبر کرکے اس کے پیچھے چلتا رہا۔ ویسے وہ محسوس کررہا تھا کہ خود اس کی نگرانی کی جارہی ہے۔ لیکن اسے اس کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ ہر طرح محفوظ تھا۔ اگر وہ فر کے آدمی تھے تب بھی اور اگر زیرولینڈ کے تھے تب بھی۔ اس نے سنگ کا تعاقب جاری اور جب اس نے اسے ایک قہوہ خانے میں داخل ہوتے دیکھا تو باہر ہی رک گیا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے سنگ کو آتے دیکھا لیکن اب تو ایسا لگ رہا تھا۔ جیسے وہ قہوہ خانے کا چوکیدار ہو۔ ایک موٹا سا ڈنڈا اس کے ہاتھ میں تھا اور صدر دروازے کی جانب جم گیا تھا۔ فنچ نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں اور دم بخود کھڑا رہا۔ کچھ دیر ایک دیسی مرد اور ایک غیر ملکی لڑکی بھی صدر دروازے سے گزر کر باہر آئے تھے۔ وہ آ بڑھتے چلے آئے۔ مرد چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ جیسے کسی کی تلاش ہو۔ وہ مڑا تھا اور سنگ نظر پڑتے ہی پہلے تو ٹھٹکا تھا پھر قریب ہی کھڑی ہوئی ٹیکسی کی طرف بڑھ گیا تھا۔

فنچ نے سنگ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھی۔ اس نے اپنا ڈنڈا کسی قدر بلند کر جنبش دی تھی۔ ٹیکسی کی روانگی کے بعد ہی دو گاڑیاں اس کے پیچھے جھپٹی تھیں۔ سنگ نے پھینکا اور دوڑ کر ان میں سے ایک میں سوار ہوگیا۔ اب فنچ بھی پیچھے نہیں رہنا چاہتا تھا اس وقت سنگ نکل جاتا تو اسے پھر ادھر اُدھر ٹکریں مارنی پڑتیں۔ اس نے چھلانگ لگائی

اور گاڑی کی کھڑکی سے تیرتا ہوا سنگ کی گود میں جا پڑا۔

''اُوحرام خور.....!'' سنگ کراہا تھا۔

''پیارے ابا جان مجھے کس پر چھوڑ چلے تھے۔''

''تم تھے کہاں؟'' سنگ نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''نکل بھاگا تھا مگر تم کہاں تھے۔''

''عقل تیز کررہا تھا۔ اب تم دیکھنا کہ کیا کرتا ہوں۔ تم نے اُسے پہچانا۔''

''کس کو.....؟''

''کیپٹن حمید کو..... اگلی ٹیکسی میں اور لڑکی غالباً فینی ہے۔ میک اپ میں چلنے کا انداز یہی بتاتا ہے۔ اب میری عقل مزید تیز ہوجائے گی۔''

فنچ طویل سانس لے کر رہ گیا۔ وہ کیپٹن حمید کو نہ پہچان سکا تھا۔ سنگ نے شاید پہلے نہیں پہچانا تھا۔ صرف شبہے کی تصدیق کے لئے اس نے چوکیداروں کی سی حرکت کی تھی اور اپنے مقصد میں کامیاب رہا تھا۔ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے۔ سنگ اُسے کس طرح گھیرتا ہے اور انجام کیا ہوتا ہے۔

''اُوہ..... مردود.....!'' تھوڑی دیر بعد سنگ بڑبڑایا۔

''کیا ہوا.....؟''

''ٹیکسی پولیس ہیڈکوارٹر کے کمپاؤنڈ میں داخل ہورہی ہے۔'' سنگ نے کہا اور ڈرائیور سے بولا۔ ''تم گاڑی بائیں جانب موڑ کر سیدھے چلتے رہو۔''

سنگ کی گاڑی کے بعد دوسری گاڑی بھی اسی طرف مڑگئی تھی۔ دفعتاً گاڑی کی ڈیش بورڈ سے آواز آئی۔ ''کیا ہوا..... ادھر کیوں مڑ گئے۔''

''ٹیکسی پولیس ہیڈکوارٹر کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوگئی ہے۔'' ڈرائیور نے کہا۔

''اب کدھر جارہے ہو۔''

''جدھر باس کا حکم ہوا۔''

''ہمارے لئے کیا حکم ہے۔''

سنگ نے ڈرائیور سے کہا۔ ''کہہ دو کہ واپس جائے اور ہیڈ کوارٹر کے آس پاس موجود رہ کر صورت حال سے مطلع کرتا رہے۔''

آج مطلع صاف تھا اور پورا چاند برف سے ڈھکے ہوئے پہاڑوں کی چوٹیوں پر تابانیاں بکھیر رہا تھا۔

''فریدی.....!'' دفعتاً ایک تیز آواز دور تک سناٹے میں لہراتی چلی گئی۔ آواز عورت کی تھی۔ ''تم کہاں ہو..... میں مر رہی ہوں..... فریدی۔''

لیکن فریدی اسی چٹان کی اوٹ میں چھپا رہا۔ عورت کبھی نشیب میں دوڑ جاتی اور چیختی ہوئی پھر اوپر آ جاتی۔ اس چٹان سے اس کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا جہاں فریدی چھپا ہوا تھا۔

''میں تمہارے بغیر مر جاؤں گی فریدی۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ پھر چیخ کر کہنے لگی۔ ''تم نہیں آؤ گے..... تو اچھا دیکھو.....!''

اس نے سامنے والی چٹان کی طرف دونوں ہاتھ پھیلا دیئے تھے۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے اس چٹان پر بجلی گری ہو۔ چٹان ریزہ ریزہ ہو کر غبار بن گئی اور یہ غبار دھوئیں کی طرح اوپر اٹھنے لگا۔ چمکیلا غبار۔ فریدی جہاں تھا وہیں دبکا رہا۔ فضا میں کسی قدر منتشر ہو کر دھواں پھر یکجا ہوا اور آہستہ آہستہ پھر نیچے آنے لگا۔ اب وہ ایک چمکدار مجسمے کی صورت میں ڈھل جا رہا تھا۔ پھر فریدی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ کیونکہ یہ خود اس کا مجسمہ تھا۔ چمکیلا اور دیو پیکر مجسمہ۔

''اب تم مجھ سے بھاگ کر کہاں جاؤ گے۔'' عورت قہقہہ لگا کر چیخی۔

فریدی آہستہ آہستہ پیچھے کھسکنے لگا۔ چھٹی حس خطرے کا اعلان کر رہی تھی۔ چمکیلے مجسمے کی وجہ سے آس پاس کی چاندنی کچھ اور چمک اٹھی تھی۔ وہ پیچھے ہٹا ہی تھا کہ اچانک کئی آدمی

اس پر ٹوٹ پڑے۔ ساتھ ہی کسی قدر دور سے آواز آئی۔ ''بچ کر جانے نہ پائے۔''

آواز اس نے صاف پہچانی تھی۔ سنگ کے علاوہ اور کسی کی آواز نہیں ہو سکتی تھی۔ حملہ بے خبری میں ہوا تھا۔ فریدی کی جگہ اور کوئی ہوتا تو اوسان کھو بیٹھا ہوتا۔ لیکن یہ کرنل فریدی تھا اپنے دور کا عجیب ترین آدمی۔ پانچ آدمیوں کے نرغے سے اس طرح نکل گیا تھا جیسے ہوا کا جھونکا رہا ہو۔ وہ اس کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ ایک جگہ فریدی نے پلٹ کر مشین پسٹل کے ٹریگر پر دباؤ ڈالا تھا۔ گولیوں کی بوچھاڑ حملہ آوروں پر ہو گئی تھی۔ بیک وقت تین چیخیں فضا میں گونجی تھیں اور فریدی صاف نکلا چلا گیا تھا۔ وہ حملہ آور جو زخمی نہیں ہوئے تھے آگے بڑھنے کی جرأت نہ کر سکے۔ لیکن شاید سنگ ہی نے پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔

''مجھ سے بچ کر نہیں جا سکتے کرنل۔'' اس کی آواز آئی۔ ''میں تمہیں دیکھ رہا ہوں۔''

فریدی نے آواز کی سمت فائر کئے تھے۔

''میں چین میں پہاڑی بندر کہلاتا تھا۔'' سنگ کی آواز قریب سے آئی اور فریدی ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں ہو گیا۔ چاندنی میں اس نے بڑے پھل والے اس چاقو کی چمک دیکھ لی تھی جو سنگ ہی کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔ فریدی نے مشین پسٹل ایک طرف رکھ دیا اور اس کے قریب پہنچنے کا انتظار کرنے لگا۔ لیکن شاید اس نے بھی خطرے کی بو سونگھ لی تھی۔ جہاں تھا وہیں رک گیا۔ فریدی نے ایک بڑا سا پتھر ڈھلان میں لڑھکا دیا اور سنگ اچھل کر ایک طرف ہٹا اور بڑی پھرتی سے زمین پر لیٹ گیا۔ اب وہ کسی سانپ کی طرح آہستہ آہستہ رینگتا ہوا اس پتھر کی جانب بڑھ رہا تھا جس کی اوٹ میں فریدی چھپا ہوا تھا۔

فریدی اب اس پتھر کے اوپر چڑھ رہا تھا۔ جیسے ہی سنگ قریب پہنچا اس نے اوپر سے اس پر چھلانگ لگا دی۔ سب سے پہلے اس کا ہاتھ اس کے چاقو والے ہاتھ پر پڑا تھا۔

''پہاڑی بندر اب اپنی خیر مناؤ۔''

چاقو سنگ کے ہاتھ سے نکل کر اچھلا تھا اور ڈھلان میں پھسلتا چلا گیا تھا۔ سنگ سانپ کی طرح پھنکارتا ہوا اس سے لپٹ گیا۔ شاید اپنی کیکڑے والی گرفت فریدی پر آزمانا چاہتا تھا لیکن خود فریدی نے اس کی ریڑھ کی ہڈی پر ایسا دباؤ ڈالا کہ اُسے چھٹی کا دودھ یاد آ گیا۔

''میں کہتا ہوں ان کا پتہ بتا دو..... ہیروں میں تول دیئے جاؤ گے۔'' سنگ کراہا۔

''ہیرے میرے پیروں کی خاک ہیں۔ اب تم شرافت سے ہتھکڑیاں پہن لو۔ گرفت سے نہیں نکل سکو گے۔''

پھر اس نے سچ مچ اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دینے کی کوشش کی تھی۔ سنگ کسی بام مچھلی کی طرح اس کی گرفت سے پھسل گیا۔ اس نے نشیب میں چھلانگ لگا اور فریدی مشین پسٹل اٹھا کر اس کے پیچھے جھپٹا تھا۔ لیکن چھلاوے کب کسی کے ہاتھ ہیں۔ سنگ کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

حمید اور فینی بے خبر سو رہے تھے۔ ایک ہی کمرہ تھا اور ڈبل بیڈ۔ لیکن دونوں درمیان متعدد تکیوں کی دیوار تھی۔

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور حمید کروٹ بدل کر کراہا۔ ''یہ الارم والی گھڑی کہیں پیچھا نہیں چھوڑتی۔''

فینی اس کی پشت پر ہاتھ مار کر بولی۔ ''فون کی گھنٹی ہے۔ کسی کی کال ہے۔ اٹھو۔''

''اُوہ..... خدا غارت کرے اس کے موجد کو۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

''وہ تو کبھی کا غارت ہو چکا ہے۔''

''ہالو.....!'' حمید ماؤتھ پیس میں دہاڑا۔

''کاؤنٹر کلرک جناب۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''آپ کا بچہ آپ کو تلاش پھر رہا ہے۔''

''تم خواب تو نہیں دیکھ رہے۔''

''نہیں جناب! وہ میرے سامنے موجود ہے اور برانڈی طلب کر رہا ہے۔ اکیس سال سے کم عمر والوں کے ہاتھ ہم شراب فروخت نہیں کرتے۔''

''مار پیٹ کر باہر نکال دو۔''

''آپ کے کمرے کا نمبر بتا دیا گیا ہے۔ البتہ آپ کے کمرے میں برانڈی بھجوائی جا سکتی ہے۔''

حمید نے جھلا کر ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

''کون ہے؟'' فینی نے پوچھا۔

''ہمارا بچہ۔''

''کیا مطلب.....؟''

وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

''کون ہے؟'' حمید دہاڑا۔

''آپ کی نالائق اولاد ابا جان۔'' باہر سے کہا گیا اور اس نے فنچ کی آواز پہچان لی۔

''تنہا ہو.....؟''

''بے وفائی میرا شیوہ نہیں ہے۔''

''اچھا ٹھہرو۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔ اس نے دروازہ کھولا تھا اور فنچ اندر آ گیا۔ دس گیارہ سال کے اس بچے کو دیکھ کر فینی متحیر رہ گئی۔

''اوہو..... کیا تم اس لمبے کے بچے کو بھول گئیں۔'' حمید نے مڑ کر فینی سے کہا اور دروازہ بولٹ کر کے بولا۔ ''تم برانڈی مانگ رہے تھے نامعقول.....!''

''بہت پیاسا ہوں کیپٹن..... روم سروس کے توسط سے یہیں منگوالو۔''

''پی کر غل غپاڑہ تو نہیں مچاتے۔''

''اتنی زیادہ کبھی نہیں پیتا۔''

''اور کیا خبریں ہیں۔''

''بہت بھلایا ہوا ہے۔ آج آپ نے اُسے خوب ڈوج دیا۔ جی خوش ہو گیا تھا۔''

حمید نے روم سروس کو فون کر کے برانڈی طلب کی اور پھر تھوڑی دیر بعد ویٹر کے ہی لمبا آدمی بھی کمرے میں داخل ہوا تھا۔

''اس کے باپ کے لئے بھی منگواؤ کیپٹن.....!'' اس نے کہا۔

حمید نے تکیئے کے نیچے ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ سنگ نے کہا۔''میری جیب سے ب فائر ہوگا۔''

حمید نے ہاتھ ہٹالیا اور سنگ فنچ سے کہہ رہا تھا۔''تو تم دوہرا پارٹ ادا کر رہے ہو احسان فراموش.....!''

''جاؤ.....!'' حمید ہاتھ ہلا کر ویٹر سے بولا۔''ایک اسکاچ کی بوتل بھی لاؤ۔''

ویٹر ہونقوں کی طرح کھڑا تھا پھر چپ چاپ باہر نکل گیا۔

کیا ہو رہا تھا.....؟

سنگ حمید کو گھورے جا رہا تھا۔ دفعتاً بولا۔''فریدی اس وقت ہاتھ سے نکل گیا۔ اگر سزا تمہیں بھگتنی پڑے گی کیپٹن حمید اور تم اس لڑکی کو کہاں لئے پھر رہے ہو۔ سفارت خانہ کی تلاش میں ہے۔ آہا.....ڈبل بیڈ.....عیش ہو رہے ہیں۔''

''بکواس بند کرو۔''

''اب میں یہاں آرام کروں گا.....تم دونوں کو میرے آدمی لے جائیں گے۔''

فنچ بڑی لاپرواہی سے اپنے لئے شراب انڈیل رہا تھا۔ گلاس لبریز کر کے اٹھایا اور سنگ ہی کے چہرے پر خالی کر دیا۔

وہ حلق کے بل چیخا تھا اور دونوں ہاتھوں سے آنکھیں دبائے ہوئے فرش پر آلتی بیٹھ گیا۔ فنچ نے اچھل کر اس کی پیشانی پر ٹھوکر رسید کی اور پھر حمید بھی اس پر ٹوٹ پڑا۔ کمرے میں اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہو گیا تھا۔ فنچ اطمینان سے میز پر بیٹھا برانڈی پی رہا تھا۔

ساتھ ہی کہتا جا رہا تھا۔''اب دیکھنا ہے میدان کس کے ہاتھ رہتا ہے جلدی کرو۔ وہ اسکاچ کی بوتل بھی لا رہا ہوگا۔''

دفعتاً ہلکا سا دھماکہ ہوا اور پورے کمرے میں دھواں پھیل گیا۔ پھر وہ سب بُری طرح کھانسنے لگے تھے۔ آنکھوں میں اتنی شدید جلن محسوس ہوئی تھی کہ حمید تو آنکھیں ہی نہ کھول سکا۔ پھر شور سنائی دیا تھا۔ بہت سے قدموں کی آہٹیں۔ لیکن حمید نے آنکھیں کھولیں تو وہاں روم سروس کے ویٹر جنرل سپروائزر اور فینی کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں تھا۔

''ہائے ظالم پھر لے گئے۔'' حمید گلوگیر آواز میں بولا۔

''کیا قصہ ہے جناب؟''

''وہ ظالم میرے بچے کو پھر پکڑ لے گئے۔ کسی نہ کسی طرح ان کی قید سے نکل کر میرے پاس آن پہنچا تھا۔ لیکن وہ پھر لے گئے۔''

''میں نے سنا ہے بچے نے برانڈی طلب کی تھی۔''

''تین سال کی عمر سے پی رہا ہے۔''

''لیکن شاید آپ تو نہیں پیتے۔''

''نانہال میں تباہ ہوا ہے نامراد.....تین سال کی عمر میں اس کے نانا نے پلائی تھی۔''

''پولیس کو مطلع کیجئے۔''

''رپورٹ تو لکھی ہوئی ہے اس واقعہ کی اطلاع کر دوں گا۔''

''مگر وہ دھماکہ اور دھواں۔''

''اسی بدمعاش نے کیا تھا۔ ورنہ کیا وہ میرے ہاتھوں سے بچ کر جا سکتا تھا۔''

وہ سب چلے گئے۔ فینی خاموش تھی۔ تھوڑی دیر بعد بولی۔''اب اس کی خیر نہیں۔ اس نے لمبے آدمی کے منہ پر شراب پھینکی تھی۔''

حمید دروازہ بولٹ کر کے مڑا ہی تھا کہ اس نے فنچ کو بستر کے نیچے سے نکلتے دیکھا۔ فینی اچھل پڑی۔

''یہ اچھا نہیں ہوا کیپٹن!'' اس نے کہا۔''اسکے ساتھ رہ کر میں بہت کچھ کر سکتا تھا۔''

ٹھیک اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ حمید نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے فریدی کہہ رہا تھا۔ ''لڑکی کو پولیس کی حفاظت میں دے کر تم بھی میرے پاس چلے آؤ۔''

''آپ کبھی کچھ کہتے ہیں کبھی کچھ۔''

''حالات خراب ہو گئے ہیں۔ وہ مفت میں ماری جائے گی۔''

''بہت بہتر۔'' حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

''تمہیں کوئی دشواری نہ ہوگی۔ میں ایس پی سٹی کو فون کر دوں گا۔''

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر اس نے بھی ریسیور رکھ دیا تھا۔ حمید نے فنچ کو فریدی کی گفتگو کا ماحصل بتاتے ہوئے کہا۔ ''اگر یہ پولیس کے حوالے کی گئی تو سفارت خانے پہنچا دی جائے گی اور وہاں جانا نہیں چاہتی۔ اس کا باپ مر چکا ہے۔''

''کیا تم میک اپ کر کے اسے کسی قدر معمر نہیں بنا سکتے۔''

''کیوں؟''

''میری شکل میں بھی تھوڑی سی تبدیلی کر دو۔ پھر میں خود اس کی حفاظت کروں گا..... اور تم کرنل کے پاس چلے جانا۔''

''تم کہاں جاؤ گے؟''

''جہاں بھی جاؤں گا تم لوگوں کے ساتھ رابطہ رکھنے کی کوشش کروں گا۔ سنگ کے پاس واپس جانا اب موت کے منہ میں ہی جانے کا مترادف ہوگا۔''

''لڑکی کا تحفظ ضروری ہے۔''

''اس کی طرف سے مطمئن رہو۔''

حمید نے فنچ کی خواہش کے مطابق ان دونوں کے میک اپ میں تبدیلیاں کی تھیں اور اپنا بھی میک اپ تبدیل کیا تھا۔

پھر ان دونوں کو رخصت کر دینے کے بعد اس نے فریدی کے ہوٹل کی راہ لی۔

حمید اپنے سوٹ کیس سمیت آیا تھا۔ اس لئے یہی مناسب سمجھا کہ خود بھی ایک کمرہ ہی حاصل کرے۔ یہ تو بہرحال معلوم کرنا چاہتا تھا کہ فریدی نے ایس پی سٹی سے فینی سے

متعلق بات تو نہیں کر لی۔ وہ اسے پروگرام میں تبدیلی کے بارے میں فوری طور پر بتانا چاہتا تھا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے فون پر ہوٹل کے ایکسچینج سے رابطہ قائم کیا اور فریدی کے کمرے کا نمبر بتا کر کال ڈائریکٹ کرنے کی ہدایت دی۔

تھوڑی دیر بعد فریدی کی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

''میں کمرہ نمبر ستائیس سے بول رہا ہوں۔'' حمید نے کہا۔

''بہت خوب.....!''

''اس نے جلدی جلدی فنچ اور سنگ کے معرکے سے متعلق بتا کر فینی کے بارے میں گفتگو شروع کر دی۔''

''سوال تو یہ ہے کہ تم نے اس کے مشورے پر عمل کیوں کیا جب میں کہہ چکا تھا۔'' فریدی کی آواز جھنجھلاہٹ سے خالی نہیں تھی۔

''وہ واپس جانا نہیں چاہتی تھی۔''

''بہت بہتر۔'' فریدی غرایا۔ ''اب آرام فرمایئے صبح کو دیکھیں گے۔''

حمید نے ریسیور رکھ کر طویل سانس لی تھی۔ بہرحال اُسے اپنی غلطی کا احساس تھا۔ فینی کے سلسلے میں فنچ کی بات نہیں ماننی چاہئے تھی۔

وہ بستر پر لیٹ گیا تھا۔ لیکن اس الجھن کی بناء پر نیند نہیں آ رہی تھی۔ یہ کیس بھی بے سروپا انداز میں شروع ہوا تھا۔ ایک کتا اور چند آدمی اچانک مر گئے تھے۔ فنچ جیل سے فرار ہو گیا تھا۔ دونوں ہی کیس فریدی کے پاس تھے کہ اچانک کسی سیارے کا قصہ شروع ہو گیا تھا اور اس کا مرکز بھی اپنے ہی ملک کے کسی حصے میں تھا اور یہ اطلاع فنچ سے ملی تھی۔ ادھر ساری دنیا میں کھلبلی پڑ گئی تھی۔ بڑی طاقتیں اس سیارے کو تباہ کر دینے کی فکر میں تھیں۔ کئی میزائل بردار راکٹ مدار کی طرف روانہ کئے گئے تھے لیکن وہ پُراسرار سیاہ بدستور زمین کے گرد چکر لگا رہا تھا۔ بلکہ خیال ظاہر کیا جا رہا تھا کہ اسے تباہ کرنے کے لئے پھینکے جانے والے میزائل اس سے بہت دور رہ کر ہی پھٹ گئے تھے اور اس میں بھی اسی سیارے ہی کے کسی مخصوص نظام کا دخل تھا۔ بہرحال اس کا مطلب تھا بین الاقوامی بلیک میل۔ جس نے بھی وہ سیارہ مدار پر

پہنچایا تھا بڑی طاقتوں کو بلیک میل کر رہا تھا۔ ان کے بحری بیڑوں کا ایک ایک جہاز
کر دینے کے بعد اب نامعلوم ریڈیو اسٹیشن سے دونوں طاقتوں کے خفیہ اڈوں کے بار
میں بات کر رہا تھا۔ دونوں طاقتوں کے ایک ایک خفیہ اڈے کی نشاندہی کر دینے کے بعد
دی تھی کہ اگر ان ممالک میں قید زیرولینڈ کے ایجنٹ رہا نہ کئے گئے تو بین الاقوامی مراکز
کے سارے خفیہ اڈوں کی نشاندہی کر دی جائے گی۔ اس اعلان کے بعد یہ حقیقت واضح ہو
تھی کہ وہ نامعلوم سیارہ زیرولینڈ کی تنظیم سے تعلق رکھتا تھا۔ لیکن کہاں سے کنٹرول کیا جا
ہے۔ اس کا علم کسی کو بھی نہیں تھا۔ پھر اپنی دوسری وقت کی نشریات میں اس نامعلوم ریڈیو
تیسری دنیا کے ممالک کو مخاطب کیا تھا۔ ان سے اپیل کی تھی کہ وہ زیرولینڈ سے تعاو
کریں۔ اسی میں ان کی بہتری ہے۔ ساتھ ہی درخواست کی تھی کہ ان ممالک میں
زیرولینڈ کے ایجنٹ بھی رہا کر دیئے جائیں۔ بہرحال فریدی کا رویہ حمید کی سمجھ سے باہر تھا
ایسے حالات میں تنہا ہی نکل کھڑے ہونا یا صرف بلیک فورس کے چند ممبران کو راز دار بنا
سے کام نہیں چل سکتا تھا۔ پوری دنیا کا امن خطرے میں پڑ گیا تھا۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ
حکومت کے توسط سے ان بڑی طاقتوں کے سفارت خانوں تک پہنچتا جو نامعلوم ریڈیو اسٹیشن
سے للکاری جا رہی تھیں۔ یہ محض فنچ، سنگ، نانوتہ اور ریما کا معاملہ نہیں تھا۔ زیرولینڈ والے
اس کے اپنے ہی ملک کے کسی حصے کو ساری دنیا کے خلاف استعمال کر رہے تھے۔ حمید سوچ
اور اونگھتا رہا تھا۔ پھر گہری نیند سو گیا تھا۔ صبح شاید روم سروس والوں نے ہی اُسے جگایا تھا
اس نے پچھلی رات فریدی سے فون پر گفتگو کرنے کے بعد روم سروس کو ہدایت کر دی تھی
بیدار ہوتے ہی اس نے فون پر فریدی سے گفتگو کرنے کی کوشش کی تھی۔ گھنٹی بجتی رہی۔ گھڑی
دیکھی سات بج رہے تھے۔ ناممکن۔ اس نے سوچا تو پھر کیا صبح ہی صبح نکل کھڑا ہوا۔ اس
اپنے سابقہ تجربات کے مطابق یہ بھی ناممکن تھا کہ حمید سے دو دو بات کئے بغیر باہر چلا جا
خواہ اسے جگانا ہی کیوں نہ پڑتا اور جگانے کے لئے محض فون کی گھنٹی کافی ہوتی۔ اس
جلدی سے سلیپنگ گاؤن پہنا تھا اور اپنے کمرے سے نکل کھڑا ہوا تھا۔ فریدی کے کمرے
کے سامنے پہنچا۔ دستک دینے کے بعد دروازے کو ہاتھ لگایا ہی تھا کہ دروازہ کھلتا چلا گیا

معاملے کی نوعیت پر غور بھی نہ کر پایا تھا کہ کوئی سخت سی نوکیلی چیز داہنے پہلو سے جا لگی۔

''اپنے کمرے کی طرف کپتان صاحب.....!'' کسی نے سرگوشی کی۔

ریوالور اجنبی کے کوٹ سے اس کے پہلو میں چبھ رہا تھا۔

''بس اسی طرح مجھ سے لگے ہوئے چلتے رہئے۔'' ہدایت ملی۔ ''نال کے سرے پر سائیلنسر بھی موجود ہے۔ آپ خاموشی سے مر جائیں گے کپتان صاحب۔ بس چلتے رہئے۔''

چار و ناچار کمرے میں آیا تھا۔ اجنبی نے دروازہ بند کر کے بولٹ کر دیا۔ پستول کوٹ کی جیب سے باہر آ گیا تھا اور اجنبی آنکھوں سے کوئی اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔

''ناشتہ ہم کہیں اور کر لیں گے۔ آپ جلدی سے لباس تبدیل کر لیجئے۔ نہیں تکلف کی ضرورت نہیں۔ انڈر ویئر آپ نے پہن ہی رکھا ہے۔ قمیض، پتلون کوٹ اور ٹائی میں اٹھائے دیتا ہوں۔ رہا بغلی ہولسٹر.....تو وہ آپ کے لئے اب بیکار ہے۔''

اجنبی نے آواز بدلنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ سو فیصد سنگ ہی تھا۔

''کہاں لے چلو گے.....؟'' حمید نے پوچھا۔

''آپ کے مقبرے میں..... بڑے صاحب پہلے ہی اپنے مقبرے میں تشریف لے گئے۔ آپ بھی ان کے بعد زندہ رہ کر کیا کریں گے۔ لونڈے چھیڑیں گے آپ کو۔''

''بکواس بند کرو.....میں کہیں نہ جاؤں گا۔''

''یہ زیادتی ہے کپتان صاحب.....سخت لہجے میں گفتگو نہ کیجئے۔ میں بہت شرافت سے پیش آ رہا ہوں۔''

حمید کو کمرے سے باہر نکلنا پڑا تھا۔ سنگ نے اُسے لباس تبدیل کرنے پر مجبور کر دیا تھا اور اب اس سے اس طرح لگا چل رہا تھا جیسے کسی جگری دوست سے برسوں کے بعد ملنا نصیب ہوا ہو۔ باہر ایک سیاہ رنگ کی گاڑی کھڑی ہوئی تھی جس کی پچھلی سیٹ پر ایک آدمی پہلے ہی سے موجود تھا۔ انہیں دیکھ کر وہ دوسرے سرے پر سرک گیا۔ سنگ نے حمید کے لئے دروازہ کھولا۔ تھوڑی دیر بعد حمید ان دونوں کے درمیان پھنسا ہوا بیٹھا تھا اور گاڑی کسی نامعلوم منزل کی طرف اڑی جا رہی تھی۔

''آہا.....شاید ہمارا تعاقب کیا جارہا ہے۔'' دفعتاً سنگ بولا۔

''اگر تم کرنل پر قابو پا چکے ہوتو تعاقب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' حمید بولا۔

''کیوں.....؟''

''ہم نے اپنے محکمے کو آگاہ نہیں کیا کہ ہم کہاں جارہے ہیں۔''

''بلف کررہے ہو۔'' سنگ بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

''مت یقین کرو۔ کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن میں اس پر یقین نہیں کرسکتا کہ تم کرنل قابو پا چکے ہو۔''

''ابھی تم خود دیکھ لو گے.....تابوت میں بہت اچھا لگ رہا ہے۔''

''بکواس بند کرو۔''

''کیپٹن حمید! تم لوگ اس وہم میں نہ پڑو کہ ناقابل تسخیر ہو۔ سنگ اب تک تمہیں چھوٹ دیتا رہا ہے۔ اس لئے کہ وہ بہادروں کا قدر دان ہے۔''

''مسٹر سنگ ہی!'' حمید نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''کرنل بھتیجا نہیں ہے۔ سب کا فادر ہے۔''

''کچھ دیر بعد تمہاری زبان بند ہوجائے گی۔ آخر تم لوگ مجھے وہاں چھوڑ کر رام گڑھ کیوں دوڑ آئے تھے۔''

''میں نہیں جانتا.....صرف کرنل کے احکامات کا پابند ہوں۔''

''اس چیونٹی کے بچے نے غداری کی ہے۔ میں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ شاید اس نے میرے نام آئے ہوئے پیغام کسی طرح ڈی کوڈ کر لئے تھے۔''

''میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ مجھے کسی بات کا علم نہیں۔''

''اس بار تم دونوں بقیہ زندگی کی عبرت کے لئے اپاہج کردیئے جاؤ گے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ اس کا ذہن فریدی میں الجھا ہوا تھا۔ اگر سنگ سچ بول رہا ہے تو اس بار شاید وہ اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب ہوجائے۔ فنچ سے بھی پچھلی رات غلطی ہوئی تھی۔ کھلم کھلا سنگ کی مخالفت پر نہ اُترنا چاہئے تھا۔ گاڑی تیز رفتاری سے راستہ طے کررہی تھی۔ سنگ کنکھیوں سے حمید کو دیکھے جارہا تھا۔

''لڑکی کہاں گئی؟'' اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

''پولیس کی تحویل میں ہے۔''

''تمہارے ساتھ کیوں چلی آئی تھی۔''

''اپنے باپ کے قاتلوں سے انتقام لینا چاہتی تھی۔''

''وہ دل کا مریض تھا۔''

''بلیک میل نہ کیا جاتا تو اتنی جلدی نہ مرتا۔''

''تم لوگ انگشتریوں کے راز سے واقف ہوگئے ہو۔ پھر کیوں نہ اعلان کرادیا کہ یاقوت کے نگینے نہ پہنے جائیں۔''

''ہمارا خیال ہے کہ صرف تمہارے فراہم کردہ یاقوت ہی خطرناک ہیں۔ لہٰذا ساری دنیا کو بور کرنے سے کیا فائدہ۔''

''دونوں بڑی عورتوں کی رہائی اب بے حد ضروری ہے۔''

''ہمارے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہے کہ وہ کہاں ہیں۔''

''کچھ دنوں پہلے تمہاری تحویل میں دی گئی تھیں۔''

''اور ہم نے انہیں ایک طیارے پر سوار کردیا تھا۔ قطعی نہیں جانتے کہ وہ طیارہ کہاں کے لئے چارٹرڈ تھا۔''

''کس کمپنی کا تھا.....؟''

''انٹرکانٹی نینٹل کا.....!''

''فریدی جانتا ہوگا.....مجھے یقین ہے۔''

کچھ دیر خاموشی رہی پھر سنگ ہی بولا تھا۔ ''نہیں ہمارا تعاقب نہیں ہورہا ہے۔ محض شبہ تھا۔''

گاڑی سڑک چھوڑ کر ایک طرف کی ڈھلان میں اتر رہی تھی۔ راستہ خطرناک تھا۔ ڈرائیور کی ذرا سی غلطی ہلاکت خیز ثابت ہوسکتی تھی۔ حمید سختی سے دانت بھینچے بیٹھا رہا۔ پھر ایک جگہ گاڑی رک گئی تھی اور سنگ نے کہا تھا۔ ''دیکھو! اس کے مقبرے پر ہم نے کتنا شاندار مجسمہ تراشا ہے۔''

حمید نے سر اٹھا کر دیکھا۔ سامنے والی چٹان پر فریدی کا دیوہیکل مجسمہ کھڑا تھا۔

''اندھیری رات میں چمکتا بھی ہے۔'' سنگ بولا۔ ''اب چلو اپنے مقبرے کی طرف گاڑی سے اُتر آؤ۔''

وہ دروازہ کھول کر نیچے اُترا تھا اور اس کے پستول کی نال حمید کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ حمید کے بعد دوسرا آدمی بھی اُترا تھا۔ وہ بھی غیر مسلح نہیں تھا۔ اس کے ہاتھ میں بھی لانگ رینج والا اعشاریہ چار پانچ کا ریوالور تھا۔ وہ ایک تنگ سے درے میں داخل ہوئے۔ آگے پیچھے چل رہے تھے۔ حمید دونوں کے درمیان تھا۔ سنگ پیچھے تھا۔ حمید کو اب بھی فریدی کی فکر ستائے ہوئے تھی۔ اگر وہ پکڑا گیا ہے تو اس بار وہ لوگ ذرہ برابر بھی غفلت نہیں برتیں گے۔ کچھ دور چلنے کے بعد حمید کو اپنے مجسمے سے دو چار ہونا پڑا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کتنے دنوں میں تراشا گیا ہوگا۔

''یہ بھی چمکتا ہے اندھیرے میں؟'' اس نے بچوں کے سے انداز میں خوش ہو کر پوچھا۔ سنگ نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔ ''تو تم اسے مذاق سمجھتے ہو۔''

''ہرگز نہیں! ہم قوم کے ہیرو ہیں۔ ہمارے مقبروں پر ہمارے بت نہ ہوئے تو آئندہ نسلوں کو ہمارے متعلق کیسے معلوم ہوگا۔''

''تمہارا آخری وقت قریب آ چکا ہے۔ اس لئے میں تمہیں چہکنے سے روکوں گا نہیں۔ دائیں طرف مڑ جاؤ۔ ٹھیک ہے۔ اس درے میں داخل ہو کر چلتے رہو۔''

دوسرا آدمی درے کے باہر ہی رہ گیا تھا۔ سنگ حمید کے پیچھے اس تاریک درے میں داخل ہوا تھا اور اس نے ایک ہاتھ میں ٹارچ بھی روشن کر لی تھی۔ ٹارچ کی روشنی میں دونوں آگے بڑھتے رہے۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ وہ گہرائی میں اُتر رہے ہیں اور پھر وہ ایک کشادہ جگہ پر پہنچ کر رک گئے تھے جہاں ایک پیٹرومیکس لیمپ روشن تھا اور وہاں کئی تابوت رکھے ہوئے تھے۔ ایک غیر ملکی عورت بھی نظر آئی۔ قبول صورت اور جوان العمر تھی۔ ہوسکتا ہے'' گریشی رہی ہو جس کا ذکر فریدی نے کیا تھا۔ اس نے حمید کو دیکھ کر متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں تھیں اور سنگ سے اس کے بارے میں پوچھا۔

''کرنل فریدی کا اسسٹنٹ ہے۔'' سنگ نے خشک لہجے میں کہا۔ ''لیکن تم یہاں کیا کر رہی ہو۔''

''آخری بار اس کی شکل دیکھنا چاہتی ہوں۔''

''شاید سچ مچ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔''

''یہی سمجھ لو..... مگر میں اسے ایک نظر دیکھنا چاہتی ہوں۔''

''میں پوچھتا ہوں تم نے بغیر اجازت یہاں قدم رکھنے کی جرأت کیسے کی۔''

''پاگلوں کو مناسب اور غیر مناسب کا ہوش نہیں ہوتا چیف۔''

''چلی جاؤ یہاں سے۔''

''میری آخری التجا..... پھر کبھی نہیں کہوں گی۔''

اچھا..... یہ لو کنجی اور اس تابوت کا قفل کھول کر ڈھکنا اٹھاؤ۔''

عورت بتائے ہوئے تابوت کی طرف بڑھی تھی۔

''اس میں قفل ہے ہی کہاں۔'' اس نے تیز آواز میں کہا۔

سنگ جھپٹ کر آگے بڑھا تھا لیکن پستول کا رخ حمید ہی کی طرف تھا۔

''ڈھکنا اٹھاؤ.....!'' اس نے عورت کو حکم دیا اور ڈھکنا اٹھتے ہی وہ دہاڑا تھا۔ ''خدا غارت کرے تجھے کتیا..... وہ کہاں گیا؟''

''مم..... میں کچھ نہیں جانتی چیف..... اور یہ قفل ایسے تو نہیں ہیں جنہیں تمہارے علاوہ اور کوئی کھول سکے۔''

''تجھے بتانا پڑے گا۔''

''وقت برباد نہ کرو سنگ..... تم ہوا کو گرفتار نہیں کر سکتے۔''

''لیکن تمہیں ضرور فنا کر دوں گا۔''

''یہ بھی ناممکن ہے سنگ۔'' داخلے کے راستے کی طرف سے آواز آئی اور یہ فریدی ہی کی آواز تھی۔ اس نے پھر کہا تھا۔ ''اپنا پستول زمین پر ڈال دو۔ تم میرے مشین پستول کی زد پر ہو۔''

سنگ نے خاموشی سے پستول زمین پر ڈال دیا جسے حمید نے جھپٹ کر اٹھا لیا تھا۔

تاریک راستے سے پھر آواز آئی۔ ''بس کیپٹن حمید اسے باہر نکال لاؤ۔''

''چلو.....!'' حمید نے پستول کو جنبش دی۔ سنگ آگے بڑھا۔ دفعتاً پھر آواز آئی۔

''اب آپ استاد بخن خان سے ٹھمری سنئے۔''

''آجا آجا..... نہ جا پردیس رے..... آجا آجا..... نہ جا.....!''

حمید نے اس کی جیب سے ٹارچ بھی نکال لی تھی۔ سنگ آگے بڑھتے بڑھتے رک کر بولا۔ ''یہ کیا ہونے لگا۔''

''چلو..... چلو دیکھیں کیا چکر ہے۔'' حمید تاریک دراڑ میں ٹارچ کی روشنی ڈالتا ہوا بولا۔ پھر انہیں وہ چیز نظر آ گئی جس سے ٹھمری نشر ہو رہی تھی۔ یہ ایک کیسٹ پلیئر تھا۔

''استاد سنگ.....!'' دفعتاً حمید بولا۔ ''یہ لو اپنا پستول..... میں لعنت بھیجتا ہوں اس ملازمت پر..... کیا میں قربانی کا بکرا ہوں۔''

سنگ اس کی طرف مڑ کر اُسے غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ ''تم خود سوچو۔''

''نہیں..... میں تنگ آ گیا ہوں اس آنکھ مچولی سے۔'' حمید بولا۔

کیسٹ پلیئر سے ٹھمری بدستور جاری تھی۔ سنگ نے حمید سے پستول لے کر جیب میں ڈال لیا تھا اور کیسٹ پلیئر کو روک کر ٹیپ کو ریوائنڈ کرنے لگا تھا۔ اُسے دوبارہ چلایا تو فرید کی آواز آئی تھی۔ ''یہ بھی ناممکن ہے سنگ.....!''

''سوال تو یہ ہے کہ وہ نکل کیسے گیا.....!'' سنگ جھنجھلا کر بولا۔

''اور اس کیسٹ پلیئر کی موجودگی بتاتی ہے کہ یہیں کہیں آس پاس ہی موجود ہیں۔'' حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

''یہ کتیا ضرور جانتی ہوگی۔'' سنگ نے آہستہ سے کہا۔ ''اس پر بُری طرح مرمٹی ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ ہاں یہ تو بتاؤ کہ وہ قابو میں کیسے آئے تھے۔''

''تمہارے نام پر کمرے کا دروازہ کھلوایا تھا۔ فلائنگ ہائیپو کے ذریعے بیہوشی کا انجکشن دے کر میرے آدمی یہاں اٹھا لائے تھے۔''

''اور یہ عورت ان کے ساتھ تھی۔''

''مجھے تفصیل کا علم نہیں۔ بہرحال کچھ دیر پہلے وہ اسی تابوت میں بیہوش پڑا تھا۔''

''بہرحال اب تم پر دو طرف سے حملہ ہوگا فنچ سے بگاڑ کر اچھا نہیں کیا تم نے۔''

''تم تو بالکل ہمدردوں کے سے انداز میں گفتگو کر رہے ہو۔'' سنگ کا لہجہ طنزیہ تھا۔

''میں تمہارا پستول واپس کر چکا ہوں۔''

''مجھ سے مکاری نہیں چلے گی کیپٹن حمید۔''

''تمہاری مرضی۔'' حمید نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

''تم بہرحال میرے قیدی ہو۔''

''مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن تنہا نہیں رہوں گا۔ ایسی ہی کوئی لڑکی بھی ہونی چاہئے۔'' حمید نے گریشی کی طرف اشارہ کیا تھا۔

''ادھر دیکھو.....!'' دفعتاً سنگ تابوتوں کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ حمید مڑا ہی تھا کہ سنگ کی زوردار لات اس کی کمر پر پڑی اور وہ گریشی کو بھی ساتھ لیتا ہوا تابوتوں کے پاس آ پڑا۔ وہ کراہ رہی تھی اور روہانسی آواز میں بولی تھی۔ ''اوہ..... زرد فام سُوَر..... خدا تجھے غارت کرے۔'' پھر عجیب طرح کی آواز اس غار کی محدود فضا میں گونجی تھی اور نکاسی کے راستے پر اوپر سے ایک چٹان پھسل آئی تھی۔

راستہ مسدود ہو چکا تھا۔ حمید نے طویل سانس لی اور گریشی کی طرف دیکھنے لگا۔

''یہ تمہارا مقبرہ ہے۔ ہاں تمہارا ہی ہے کیونکہ اوپر والا بت تمہیں سے مشابہت رکھتا ہے۔''

''تو پھر تم کہاں سے گھس آئیں میرے مقبرے میں۔''

''ناراض ہونے کی ضرورت نہیں خوبصورت آدمی۔ ابھی وہ آئے گا اور مجھے اپنے مقبرے میں لے جائے گا اور تمہارے لئے کوئی اور آئے گی۔''

''یعنی کہ میں تنہا نہ رہ سکوں گا مقبرے میں بھی۔''

''کیا تم اسے اپنی خوش قسمتی نہیں سمجھو گے کہ ایک عورت بھی تمہارے ساتھ دفن کی جائے گی۔''

''مجھے عورت کے ساتھ دفن ہونے میں کوئی اعتراض نہیں لیکن دفن کرنے سے پہلے اس کی زبان کاٹ دی جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔''

''بھلا گونگی عورت کس کام کی..... تم یقیناً پاگل ہو۔''

''اچھا بس..... اب خاموش رہو۔ میں ذرا ان تابوتوں کا جائزہ لوں گا۔ ایک مقبرے میں ایک سے زیادہ تابوت برداشت نہیں کرسکتا۔''

دوسرے تابوت مقفل نہیں تھے۔ حمید ایک ایک کا ڈھکنا اٹھاتا پھرا۔ سب کے سب خالی تھے۔ آخر میں ایک بچ رہا۔ جو فرش سے ملا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے زمین میں نصب ہو۔ اس کا ڈھکنا اٹھاتے ہی سیڑھیاں نظر آئی تھیں۔ لیکن چار سیڑھیوں کے بعد گہری تاریکی تھی۔

''چلو..... چلو..... ٹارچ ہے نا تمہارے پاس..... اتر چلو۔ میں تمہیں اپنے ڈیڈ سے ملواؤں گی۔''

''خدا کی پناہ! تم ہی کیا کم تھیں کہ ڈیڈی کو بھی اسی مقبرے میں اٹھا لائیں۔ یہ مقبرہ ہے یا سسرال.....!''

''چلو..... فضول باتوں میں وقت نہ ضائع کرو۔ وہ کہہ رہا تھا کہ میرا اسسٹنٹ بہت بکواس کرتا ہے۔''

''وہ ہے کہاں.....؟''

''شاید ڈیڈی ہی کے کمرے میں ہو۔''

''تمہاری چھوٹی بہن بھی تو نہ ہوگی وہاں۔''

''میری کوئی چھوٹی بہن نہیں ہے..... چلو..... ڈرو مت.....!'' پھر وہ خود ہی تابوت میں داخل ہوکر سیڑھیوں پر اتر گئی تھی۔ حمید نے عقب سے ٹارچ کی روشنی ڈالی اور کسی قدر متفکرانہ انداز میں تابوت میں داخل ہوگیا۔ اٹھارہ زینے طے کرکے وہ نیچے پہنچے تھے۔ فرش پر پرانا قالین نظر آیا۔ سامنے ہی ایک میز دکھائی دی جس پر ایک سالخوردہ ٹائپ رائٹر رکھا ہوا تھا جس پر جابجا مکڑیوں کے جالے دکھائی دیتے تھے اس کے قریب ایک بڑا سا چوہا بیٹھا انہیں

گھورے جا رہا تھا۔ ایک چوہا فرش پر دکھائی دیا۔ عجیب سا ماحول تھا..... اور سب سے زیادہ ہیبت ناک وہ انسانی کھوپڑی بھی جو ٹائپ رائٹر پر رکھی ہوئی تھی۔''

''یہ ڈیڈی کی کھوپڑی ہے۔'' گریشی حمید کی طرف جھک کر آہستہ سے بولی۔ ''وہ بہت بڑے سائنسدان تھے۔ انہوں نے راکٹوں کے لئے ایک خاص قسم کا ٹھوس ایندھن دریافت کیا تھا۔ صرف پانچ پونڈ ایندھن تمہیں چاند پر پہنچا دے گا۔''

''لل..... لیکن کھوپڑی.....!'' حمید ہکلایا۔

''یقین کرو..... یہ میرے ڈیڈی کی کھوپڑی ہے۔ وہ یہیں رام گڑھ میں تجربات کررہے تھے۔ رام گڑھ کی پہاڑیاں اس ٹھوس ایندھن سے اٹی پڑی ہیں۔ انہوں نے ان کے لئے کام کیا اور جب چھٹی مانگی تو ان کی گردن کاٹ دی گئی۔ یہ سب کچھ میری آنکھوں کے سامنے ہوا تھا۔ لیکن میں سب کچھ پی گئی۔ اگر ایسا نہ کرتی تو تنظیم سے غداری کی مرتکب ٹھہرائی جاتی۔ وہاں نہ کوئی کسی کا باپ ہے اور نہ کوئی کسی کی بیٹی سب تنظیم کے کل پرزے ہیں۔ لیکن کیا میرے دل نے اسے تسلیم کرلیا ہے۔ نہیں..... نہیں..... میں ان کے خون کی پیاسی ہوں۔ میں اس کھوپڑی میں ان کا جیتا جیتا خون ضرور بھروں گی۔''

''انہوں نے تمہیں یہاں کیوں آنے دیا۔''

''ڈیڈی کے قتل کے بعد پہلی بار آئی ہوں۔ فریدی مجھے لایا تھا پھر خود غائب ہوگیا۔''

''لیکن وہ تو تابوت میں تھے۔''

''وہ کوئی اور تھا فریدی نہیں تھا۔ فریدی تو میرے ساتھ تھا۔ پھر اس نے اپنے ہم شکل کو تابوت سے نکالا اور اس سمیت کہیں غائب ہوگیا۔''

''تم سنگ ہی کے ماتحت ہو۔''

''وہ زرد فام دوغلا کتا یہاں ہمارا چیف ہے۔ تنظیم کی ساری عورتیں اس پر لعنت بھیجتی ہیں لیکن کسی میں اتنی جرأت نہیں کہ اپنی آواز بڑی عورت تک پہنچا سکے۔ بڑی عورت اس کی حرکتوں سے ناواقف ہے ورنہ اب تک موت کی آغوش میں جا سویا ہوتا۔''

''میرا یہاں دم گھٹ رہا ہے۔ اب کہیں اور چلو۔''

''اب کہاں چلوں..... میں نہیں جانتی کہ اس تہہ خانے کے بعد کیا ہے۔''

''مجھے وہ جگہ بتاؤ جہاں سے سیارے کو کنٹرول کیا جارہا ہے۔''

''کیسا سیارہ.....؟'' گریشی نے حیرت سے کہا۔ ''میں نہیں سمجھی۔''

''مطلب یہ کہ اصل کام کہاں ہو رہا ہے۔''

''اصل کام تو اسی دن ختم ہوگیا تھا جب میرے باپ کا قتل ہوا تھا۔''

''تو کیا اب ان پہاڑوں سے ٹھوس ایندھن نہیں نکالا جارہا۔

''میں نہیں جانتی..... یہاں تو اب تم دونوں کے قتل کا سامان ہو رہا ہے۔ تمہاری کھوپڑیاں بھی ٹائپ رائٹر پر سجادی جائیں گی۔''

''کیا کرنل اپنے ہم شکل سمیت اسی تابوت میں اترے تھے۔''

''یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتی۔ اُسے دیکھ کر میں اپنے حواس کھو بیٹھتی ہوں۔''

سرحد کے نقلی محافظوں نے اس بڑے بندر کو دیکھ لیا تھا اور اسے پکڑنے یا ہلاک کردینے کے لئے دوڑ پڑے تھے۔ انہیں اس کے لئے خصوصی ہدایات ملی تھیں۔ جیسے ہی آس پاس کوئی بندر دکھائی دے اُسے یا تو گولی ماردی جائے یا پکڑلیا جائے۔ بندر نے نشیب میں چھلانگ لگائی اور ایک پتلی سی دراڑ میں گھستا چلا گیا۔ ایک محافظ نے دراڑ میں فائر کئے تھے۔ بندر چٹان سے چپک کر کھڑا ہوگیا اور گولیاں شاید اس سے صرف ایک انچ کے فاصلے سے گزرتی چلی گئی تھیں۔ پھر وہ واپس چلے گئے تھے۔ دراڑ بالکل تاریک اور اتنی تنگ تھی کہ کسی نے اس میں گھسنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ بندر آہستہ آہستہ کھسکتا ہوا دوسری طرف جارہا تھا لیکن کچھ دور چلنے کے بعد راستہ مسدود نظر آیا۔ وہ دوسری طرف نہیں جاسکتا تھا۔ اب اس نے پھر آگے کی طرف کھسکنا شروع کیا۔ دراڑ کے سرے پر پہنچ کر اس نے سر نکالا تھا اور چاروں طرف دیکھنے لگا تھا۔ دور دور تک کوئی بھی دکھائی نہ دیا۔ وہ پھر کھلے میں نکل آیا اور

ایک چٹان پر چڑھنے لگا۔ اس طرف کے پہاڑ بنجر نہیں تھے۔ جگہ جگہ سفیدے کے قد آور درخت نظر آئے۔ کچھ تو اتنے گھنے تھے کہ وہ خود کو بخوبی چھپا سکتا تھا۔ اس طرح دوڑائے جانے پر اس نے اندازہ لگالیا تھا کہ وہ پہچانا جاچکا ہے۔ لہٰذا اب وہ جلد از جلد اپنے ٹھکانے پر پہنچ جانا چاہتا تھا۔ یہ ٹھکانہ ایک چھوٹا سا غار تھا جہاں پر اس نے کھانے پینے کا بھی کسی قدر سامان اکٹھا کیا تھا۔ اسی سامان میں ایک مشین پستول اور اس کا ایمونیشن بھی شامل تھا۔ وہ کچھ دیر تک بے حس و حرکت کھڑا رہا تھا۔ پھر اپنی کھال اتاردی تھی۔ کھال کے نیچے بلٹ پروف بھی موجود تھا۔ محفوظ کی ہوئی غذا کا ایک ڈبہ کھولا اور آہستہ آہستہ کھانے لگا۔ ویسے اس کے کان ہلکی سے ہلکی آہٹ پر لگے ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے خطرے کی بو پا کر پھڑک اٹھے گا۔ درندگی کے عہد کا کوئی ننھا سا آدمی لگ رہا تھا۔ دفعتاً اس نے سچ مچ کسی کی آہٹ سنی اور ڈبے کو چھوڑ کر مشین پستول سنبھال لیا اور غار کے دہانے کے ایک طرف ہوگیا۔

''دوست'' باہر سے آواز آئی۔ اس نے مشین پستول کی نال جھکالی۔ دوسرے ہی لمحے میں فریدی غار میں داخل ہوا تھا۔

''جلد ہی واپسی ہوگئی تمہاری۔'' فریدی بولا۔ ''شاید میں نے فائروں کی آوازیں بھی سنی تھیں۔''

''ہاں..... وہ میرے تعاقب میں تھے۔'' فنچ بولا۔ ''شمالی مغربی حصہ کڑے پہرے میں ہے۔ پرندہ بھی اُدھر سے پرواز کرتا ہے تو انہیں علم ہوجاتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ کوئی آلہ نشاندہی کردیتا ہے۔''

''مشرقی حصہ تو سنسان ہے۔''

''جو کچھ بھی ہے شمالی مغربی ہی حصے میں ہے۔'' فنچ بولا۔ ''چند لمحے خاموشی سے فریدی کو دیکھتا رہا پھر بولا۔ ''کرنل یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ آپ اتنی بڑی بڑی مہمات تنہا سر کرنے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔''

''میرا اب تک کا ریکارڈ اندازے کی غلطیوں سے پاک ہے۔ محض اسی لئے کہ جب تک واضح ترین ثبوت ہاتھ نہیں آتے میں محکمے کو رپورٹ نہیں دیتا۔ ظاہر ہے ایسی صورت

میں افرادی امداد کیسے لے سکوں گا۔''

''آپ کا طریق کار نرالا اور بے حد خطرناک ہے۔''

''شروع ہی سے میرا یہی رویہ رہا ہے۔''

''پتا نہیں انہوں نے کیپٹن حمید کے ساتھ کیا برتاؤ کیا ہو۔''

''دیکھیں گے۔'' فریدی نے پُرتفکر لہجے میں کہا۔

''تو پھر آج شب کو شمالی مغربی حصے کی رہی۔'' فنچ بولا۔

''ہاں..... آج ادھر ہی..... تم نے لڑکی کا کیا کیا۔''

''محفوظ ہاتھوں میں ہے..... اگر میں نے تین دن تک اس کی خبر نہ لی تو وہ متعلقہ سفارت خانے میں پہنچا دی جائے گی۔'' فنچ بولا۔ ''اور وہ لڑکی جو آپ سے ٹکرائی تھی.....؟''

''وہ بھی ایک مظلوم لڑکی ہے اور ان سے انتقام لینا چاہتی ہے۔ انہوں نے مجھ پر ہاتھ ڈالنے کے لئے اُسے چارہ بنایا تھا لیکن اب وہ میرے ہی لئے کام کر رہی ہے۔''

''آپ لوگ ہیں ہی خوش قسمت! اب مجھے دیکھئے۔ رہائی کس نے دلائی اور کام کر کے آ رہا ہوں۔''



وہ دونوں تابوت والے غار میں واپس آ گئے تھے اور کیپٹن حمید ایک طرف بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ دفعتاً گریشی بولی۔ ''تم لوگ اول درجے کے احمق ہو۔''

''کس سے اطلاع ملی تم کو۔'' حمید چونک کر بولا۔

''تمہاری زمینیں معدنی دولت سے مالا مال ہیں لیکن تم لوگ خود اپنے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔ دوسرے فائدہ اٹھاتے ہیں۔''

''سارے ترقی پذیر ممالک کا یہی حال ہے۔ ہم اپنے وسائل سے کام نہیں لے سکتے۔''

''پتا نہیں اب تک کتنا ٹھوس ایندھن یہاں سے نکل کر باہر چلا گیا ہوگا۔''

''فی الحال میں قوم کا غم نہیں پالنا چاہتا۔ اس لئے خاموش رہو۔''

''کیا تم اس زرد فام کتے کو قابو میں نہیں کر سکتے؟'' اس نے حمید سے پوچھا۔

''گھن آتی ہے اسے ہاتھ لگاتے ہوئے۔ کسی جونک کی طرح لجلجا ہے۔''

دفعتاً اسی تابوت کا ڈھکنا آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے لگا جس سے گزر کر وہ تہہ خانے کے نچلے حصے میں پہنچے تھے۔ گریشی سہم کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ حمید جہاں تھا وہیں بیٹھا رہا۔ سنگ اس تابوت سے برآمد ہو کر ان کے قریب آ کھڑا ہوا تھا۔

''تم کیا کہہ رہی تھیں ابھی؟'' اس نے گریشی کو گھورتے ہوئے کہا۔

''جو کچھ بھی کہا تھا اس کا مناسب جواب پا گئی تھی اس لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔'' حمید نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

''کیا تم مرنا ہی چاہتے ہو کیپٹن.....؟''

''فی الحال تو ارادہ نہیں ہے۔''

''تو پھر جینے کی ڈھنگ اختیار کرو۔''

''اس سلسلے میں تمہاری راہنمائی کا منتظر ہوں۔''

''یہاں تو کام کئے بغیر روٹی نہیں ملے گی۔ ہمارا ایک مزدور اچانک حادثے کا شکار ہو کر مر گیا ہے۔ تم اس کی جگہ لو گے۔''

''کام کی نوعیت کیا ہوگی؟''

''ہم نے یہاں ٹھوس ایندھن کی کانیں دریافت کی ہیں۔ کانکنی ہو رہی ہے۔ تم بھی اسی کام پر لگائے جاؤ گے۔''

''ٹھیکہ لیا ہے تم نے۔''

''ٹھیکہ.....!'' سنگ طنزیہ ہنسی کے ساتھ بولا۔ ''اپنی زمینوں کا بھی ٹھیکہ ہوتا ہے کہیں۔ زمین کسی کی ملکیت نہیں۔ جو بھی کچھ یہاں دریافت کر لے وہ اسی کا ہے۔''

''میں سمجھ گیا۔''

''تو پھر تار ہو جاؤ۔''

''اور یہ.....؟'' حمید نے گریشی کی طرف دیکھا۔

''اس نظام کائنات میں ایسی ساری زمینیں صرف میری ہیں۔

''کیا میں مرگیا ہوں..... آخر تم خود کیا سمجھتے ہو۔''

''میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ ہرگز نہیں جاؤں گی۔'' گریشی دونوں ہاتھ پھیلا کر چیخنے لگی تھی۔

ٹھیک اسی وقت سنگ نے کوئی چیز حمید کی طرف پھینکی تھی جو آستین کو چھیدتی ہوئی اس کے بازو میں پیوست ہوگئی۔ سسکاری لے کر حمید نے اس چیز پر ہاتھ رکھ دیا۔ ربڑ کی پلیٹ گولی اس کی چٹکی میں دبی ہوئی تھی اور اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے بازو کے گوشت کو رائفل گولی چھید گئی ہو۔

''فف..... فلائنگ ہائپو.....!'' وہ کراہتا ہوا گرا اور بیہوش ہوگیا۔



فنچ نے بندر کی کھال دوبارہ پہن لی تھی اور دوربین اٹھا کر غار سے باہر نکلنے ہی والا تھا کہ عجیب طرح کا شور سنائی دیا۔ فریدی بھی چونک کر شور کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔

''ذرا دیکھنا..... کیا ہے۔'' اس نے فنچ سے کہا اور اپنے مشین پستول کا میگزین چیک کرنے لگا۔ فنچ باہر چلا گیا تھا۔ واپس آیا تو اس کی سانس پھول رہی تھی۔

''انہوں نے دوسرا جال بچھایا ہے آپ کے لئے۔'' وہ ہانپتا ہوا بولا۔

''کیا بات ہے صاف صاف کہو۔''

''کیپٹن حمید کی ٹانگوں میں رسی باندھ کر برف پر کھینچتے پھر رہے ہیں۔''

فریدی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ دونوں غار سے باہر آئے اور ایک چٹان کی اوٹ سے ڈھلان میں جھانکنے لگے۔ نیچے وہی کچھ ہو رہا تھا جس کی اطلاع فنچ نے دی تھی۔ وہ کئی آدمی تھے اور ان میں سنگ ہی دور سے پہچانا جاسکتا تھا۔ حمید کی چیخیں نکل کر فضا میں منتشر ہو رہی تھیں۔

''تم ادھر..... اس چٹان کے پیچھے جاؤ۔'' فریدی نے فنچ سے کہا۔ ''اور ان پر فائرنگ

شروع کردو..... میں ادھر سے دیکھوں گا۔''

''فائرنگ میں خطرہ ہے کرنل۔ یہ مشین پستول ہے کہیں کوئی گولی کیپٹن ہی پر نہ پڑ جائے۔''

''یہ لو ریوالور.....!'' فریدی نے ہولسٹر سے ریوالور نکال کر فنچ کی طرف بڑھا دیا ''اور یہ کچھ مزید راؤنڈز..... جیسے ہی وہ رینج میں آئیں فائر کر دینا۔''

فنچ ریوالور لے کر بتائی ہوئی چٹان کی طرف رینگ گیا اور پھر جیسے ہی اس نے محسوس کیا کہ فائرنگ کارگر ہو سکے گی ٹریگر پر دباؤ ڈال دیا۔ ان میں سے ایک آدمی اچھل کر دور جا پڑا۔ دوسرا فائر کیا..... ایک اور گرا اور پھر وہ سب حمید کو وہیں چھوڑ کر بڑے پتھروں کی اوٹ میں پوزیشن لینے لگے۔ اب فنچ نے مشین پستول سنبھال لیا تھا لیکن فریدی والی سائیڈ سے ابھی تک ایک بھی فائر نہیں ہوا تھا۔ فنچ نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔ کیپٹن حمید برف پر اوندھا پڑا تھا شاید پھر بے ہوش ہوگیا تھا۔ دفعتاً سنگ کی آواز سنائی دی ''تم جو کوئی بھی ہو خود کو ہمارے حوالے کردو..... ورنہ کیپٹن حمید کا جسم چھلنی کر دیا جائے گا۔''

فنچ تیزی سے فریدی کے پاس پہنچا تھا اور بولا۔ ''میں جا رہا ہوں کرنل۔''

''نہیں..... تم نہیں۔''

''یہی مناسب ہے۔ تم آزاد ہو تو ہمیں اپنی رہائی کی اُمید بھی رہے گی۔ اب میری کھال کی حفاظت تمہارے ذمہ۔'' فنچ نے کہہ کر بڑی پھرتی سے بندر کی کھال اتاری تھی اور فریدی کے حوالے کرتا ہوا بولا۔ ''یہ لو اپنا سروس ریوالور بھی سنبھالو۔''

اس کے بعد وہ پھر اسی پوزیشن پر پہنچا تھا جہاں سے فائر کئے تھے اور دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے ہوئے نیچے اترنے لگا تھا۔ ایک ہاتھ میں مشین پستول تھا۔ اسی طرح وہ حمید کے پاس جا کھڑا ہوا۔ لیکن کسی طرف سے بھی کوئی سامنے نہ آیا۔

''اوہو..... تو یہ تم ہو..... گنجی مرغی کی اولاد.....!'' کسی جانب سے سنگ کی آواز آئی۔ ''اچھی بات ہے..... حمید کو ہوش میں لاؤ اور شمال کی طرف چل پڑو۔''

فنچ نے مشین پستول ایک طرف رکھ دیا اور حمید کو سیدھا کرنے لگا۔ بدقت کامیابی ہوئی۔ حمید کا چہرہ نیلا پڑ گیا تھا اور وہ گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

''اس کی بائیں جیب میں ایک سر بند ٹیوب موجود ہے۔'' سنگ کی آواز آئی۔

''اُسے کھولو اور اس کا سیال اس کے حلق میں ٹپکا دو..... ہوش آ جائے گا۔''

فنچ نے حسب ہدایت ٹیوب حمید کی جیب سے نکالا اور منہ کھول کر حلق میں بھورے رنگ کا سیال انڈیل دیا۔ خرخراہٹ کے ساتھ سیال حلق کی نالی سے گزر گیا۔ فنچ نے چاروں طرف نظریں دوڑائی تھیں پھر اسی جانب دیکھنے لگا تھا جدھر سے سنگ کی آواز آتی رہی تھی۔

''ہوش آتے ہی..... شمال کی جانب.....!'' سنگ کی آواز پھر آئی۔ فنچ نے تیزی سے ہاتھ بڑھا کر مشین پستول اٹھا لیا۔

''ذرا سی غلطی تمہیں بھی چھلنی کر دے گی۔ سُوَر کے بچے۔'' سنگ کی آواز آئی۔

''تمہاری کھوپڑی پر بلٹ پروف نہیں ہے۔''

یہ حقیقت بھی تھی۔ فنچ ننگے سر تھا۔ اس نے مشین پستول وہیں ڈال دیا جہاں سے اٹھایا تھا۔ حمید کے جسم میں جنبش ہوئی تھی اور وہ کراہ کر اٹھ بیٹھا تھا۔

''تت..... تم.....!'' وہ فنچ کو دیکھ کر ہکلایا۔ ''وہ لوگ کہاں ہیں۔''

''خاموشی سے اٹھو اور شمال کی طرف چل پڑو۔''

''کک..... کیوں.....؟''

''یہی کہا گیا ہے۔''

''تو تم بھی پھنس گئے۔''

''پرواہ مت کرو۔'' چلتے وقت فنچ نے اپنا مشین پستول اٹھانا چاہا تھا لیکن اسے روک دیا گیا۔ سنگ کی آواز آئی تھی۔ ''اسے وہیں پڑا رہنے دو۔''

''یہ کہاں سے بول رہا ہے؟''

''پتا نہیں..... میں نے اوپر سے ان پر فائرنگ کی تھی۔ سب ادھر اُدھر جا چھپے اور مجھ سے مطالبہ کیا کہ میں خود کو ان کے حوالے کر دوں ورنہ وہ تمہیں چھلنی کر دیں گے۔''

شمال کی طرف چڑھائی پر حمید کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔

پھر حمید اُسے گریشی کے بارے میں بتانے لگا تھا۔ فنچ نے طویل سانس لے کر کہا۔ ''اگر

بات ہے تو یقینی طور پر وہ سیارہ یہیں سے مدار پر پہنچایا گیا ہوگا۔ کہیں نہ کہیں ان کا لانچنگ پیڈ بھی موجود ہوگا۔ خوب! یہ تو بڑی عجیب خبر ہے۔ تمہاری حکومت ٹھوس ایندھن کے ذخائر سے بے خبر ہے اور دوسرے لوگ ان سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔'' حمید کچھ نہ بولا۔ کہتا بھی کیا۔

''کیا کرنل کو بھی اس کا علم ہے؟'' فنچ نے پوچھا۔

''شاید گریشی انہیں بھی بتا چکی ہے۔''

''تو پھر شاید اسی لئے انہوں نے میرے ہاتھ میں دوربین تھما دی تھی۔ لیکن شمال مغرب کے پہرے دار پوری طرح چوکس ہیں اور شاید ادھر انہوں نے کوئی الیکٹرونک آلہ بھی لگا رکھا ہے جو انہیں غیر معمولی نقل و حرکت سے آگاہ کر دیتا ہے۔''

''کیا وہ یہاں موجود ہیں۔''

فنچ کچھ نہ بولا۔

اوپر پہنچے ہی تھے کہ تین مسلح آدمیوں نے انہیں نرغے میں لے لیا اور ایک طرف لے چلے۔ سنگ ہی ان میں موجود نہیں تھا۔

چلتے چلتے ایک بار پھر حمید لڑکھڑا کر گرا تھا اور فنچ نے محافظوں سے درخواست کی تھی کہ وہ کچھ دیر کیلئے رک جائیں۔ درخواست منظور کر لی گئی تھی اور فنچ نے حمید کو اٹھا کر بٹھا دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد سفر شروع ہوا تھا۔ فنچ محسوس کر رہا تھا کہ ان کا رخ شمال کی طرف ہے۔ پھر چلتے چلتے سورج غروب ہونے لگا تھا۔ حمید کی حالت ابتر تھی۔ فنچ اس کا حوصلہ بڑھاتا جا رہا تھا۔ ابھی کسی قدر اجالا ہی تھا کہ وہ ایک گہری وادی میں اترنے لگے۔

''آہا.....!'' فنچ آہستہ سے بولا۔ ''تو انہوں نے نومینس لینڈ پر قبضہ جما رکھا ہے۔''

''تو پھر ہماری طرف ہنگامہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔'' حمید بولا۔

''ٹھوس ایندھن تو تمہاری ہی پہاڑیوں سے نکالا جا رہا ہے۔ ذرا اُدھر دیکھنا داہنی جانب۔ میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ وہ رہا ان کا لانچنگ پیڈ۔ فی الحال خالی پڑا ہے لیکن راکٹ یہاں سے پھینکا گیا ہوگا۔ ایندھن کی کانوں کے قریب ہی اس کا تجربہ زیادہ مہنگا نہ پڑا ہوگا۔''

''تو پھر کنٹرولنگ اسٹیشن بھی یہیں کہیں ہوگا اور وہاں سے ایندھن لانے کے لئے ریل

کی پٹریاں ڈالنی پڑی ہوں گی اور پہاڑوں میں طویل سرنگیں کھودے بغیر یہ ناممکن ہے۔''

''ان اطراف میں افلاس زیادہ ہے اس لئے مزدور بہ آسانی مل گئے ہوں گے۔''

اونچے اونچے پہاڑوں سے گھری ہوئی یہ ایک سرسبز وادی تھی۔ کچھ ایسی عمارتیں آ رہی تھیں جیسے یہ فوج کی چھاؤنی ہو۔ درمیان میں ایک بڑی گنبد نما عمارت بھی دکھائی دی جس کے اوپر لاسلکی ایریل نصب تھا۔

لیکن یہ لوگ عمارتوں کی طرف نہیں لے جائے جا رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد خیموں کی ایک بستی میں داخل ہوئے۔ چاروں طرف مشعلیں روشن تھیں اور ایک جگہ بڑا سا الاؤ جل رہا تھا۔ لوگ اس طرح اس کے گرد حلقہ کئے بیٹھے تھے جیسے وہاں کوئی تقریب برپا ہونے والی ہو۔ انہیں بھی ایک طرف بٹھا دیا گیا۔ پھر کئی ڈھول پیٹے جانے لگے تھے اور نفیریاں بجنے لگی تھیں۔ کئی جوڑے الاؤ کے پاس سے ہٹ کر ناچنے لگے۔ ان دونوں کیلئے کسی قسم کا مشروب لایا گیا تھا جس نے حیرت انگیز طور پر ان کی تھکن رفع کر دی۔ خیموں سے بہتیرے لوگ باہر آ گئے۔ پھر ایسی اچھل کود شروع ہوگئی تھی جیسی ہالی وڈ کی جنگلی فلموں میں نظر آتی ہے۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' حمید نے فنچ سے پوچھا۔

''اس حد تک ان لوگوں سے واقف نہیں ہوں پتا نہیں کیا چکر ہے۔''

ٹھیک اسی وقت سنگ کی آواز آئی۔ ''اب تم لوگ دائرہ بنا کر کھڑے ہو جاؤ۔ تمہیں بندر کا ناچ دکھاؤں گا۔''

محافظوں میں سے ایک نے آگے بڑھ کر فنچ کا گریبان پکڑ لیا اور اسے دھکیلتا ہوا میدان میں لایا۔ پھر کسی طرف سے سنگ نمودار ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چمڑے کا لمبا چابک تھا۔ اس نے چابک والا ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''موسیقی۔'' ڈھول پھر پیٹے جانے لگے نفیریاں بجنے لگیں۔ چابک فنچ کی طرف لپکا تھا۔ وہ چھلانگ لگا کر خود کو بچا لے گیا۔ مجمع شور مچا رہا تھا۔ قہقہے لگا رہا تھا۔ تالیاں پیٹ رہا تھا۔ سنگ نے پھر چابک گھمایا لیکن فنچ غافل نہیں تھا۔ حمید کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے جنہیں کھول دینے کے لئے وہ دیر سے زور لگا رہا تھا اور اسے اپنی کلائیاں کٹتی ہوئی سی معلوم ہو رہی تھیں۔ اچانک ایک بار فنچ

نے چھلانگ لگائی کہ سنگ ہی کے منہ پر آ رہا۔ سنگ الٹ گیا تھا۔ فنچ اس کے سر پر ٹھوکر مارتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ سنگ ہی نے چابک پھینک دیا۔ اب اس کے داہنے ہاتھ میں لمبے پھل والا چاقو چمک رہا تھا۔ حمید کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔ چاقو زنی میں سنگ اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ فنچ اکیلے پلٹا تو اس کے ہاتھ میں ڈنڈا تھا۔

''یہ کیا کر رہے ہو۔'' حمید چیخا۔ ''بھاگ جاؤ۔''

''بھاگنا میرا شیوہ نہیں ہے۔'' فنچ نے جواب دیا تھا اور پھر اچھل کر سنگ کے سر پر ضرب لگانے کی کوشش کی تھی۔ سنگ نے پھرتی سے وار بچا کر خود بھی وار کیا تھا لیکن فنچ جھک کر دور جا پڑا۔ سنگ اس کی طرف لپکا لیکن وہ اٹھا تھا اور ڈنڈا ٹیک کر چھلانگ لگائی تھی اور سنگ کے اوپر سے گزرتا ہوا دوسری طرف نکل گیا تھا۔ مجمع پہلی طرح شور مچا رہا تھا اور سنگ ہی کی حالت قابل دید تھی۔ شاید اس سے پہلے کبھی اُسے اس قدر زچ نہیں ہونا پڑا تھا۔ حمید نے محافظ کو دوسرے سے کہتے سنا۔ ''یہ بونا تو غضب ڈھا رہا ہے۔ چیف کے ہاتھ آ گیا تو قیمہ کر کے رکھ دے گا۔''

''پہلے مردود کا غرور خاک میں ملائے دے رہا ہے۔ بیٹا بندر کا ناچ دکھانے چلے تھے۔'' دوسرا بولا۔ حمید نے اندازہ لگا لیا کہ سنگ اپنے آدمیوں میں مقبول نہیں ہے۔ وہ اس سے خار کھاتے ہیں اور اس کی ہزیمت پر خوش ہو رہے ہیں۔ یہ ایک اچھی علامت تھی۔ لیکن اب کیا ہوگا۔ وہ اس بھیڑ میں آ پھنسے ہیں۔ پتا نہیں فریدی پر کیا گزری ہو۔ فنچ نے اسے اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔

دوسری طرف فنچ نے تہلکہ مچا رکھا تھا۔ اس کے گرد مجمع کا دائرہ وسیع ہوتا جا رہا تھا۔ وہ جب بھی اپنے ڈنڈے سمیت جھپٹتا لوگ پیچھے ہٹتے چلے جاتے۔ ساتھ ہی تحسین آمیز نعرے بھی لگاتے۔ شاید سنگ ہی کی جھنجھلاہٹ اپنی آخری حدیں چھو رہی تھی۔ دفعتاً اس نے پھر چابک اٹھا لیا۔ اب اس کے دائیں ہاتھ میں چاقو اور بائیں ہاتھ میں چابک۔ ایک بار فنچ کی بے خبری میں چابک کی لپیٹ میں آ ہی گئی۔ سنگ نے دائیں ہاتھ سے چاقو کا وار کیا ہی تھا کہ فنچ کا ڈنڈا چابک والے ہاتھ پر پڑا۔ پوزیشن میں تبدیلی کی بناء پر سنگ کا حملہ ناکام رہا تھا۔

اب صورت یہ تھی کہ چابک فنچ کے بائیں ہاتھ میں تھا اور ڈنڈا دائیں ہاتھ میں۔ مجھے پھر آسمان سر پر اٹھا لیا۔

ٹھیک اسی وقت عجیب قسم کی گڑگڑاہٹ سنائی دی اور پوری وادی میں تیز قسم کی ر پھیل گئی۔ پھر کچھ اور ہی طرح کا شور مچ گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی تباہی نازل ہو ہو۔ ایک سمت سے کچھ پہرے دار دوڑے آئے تھے۔ ان میں سے کسی نے چیخ کر ''ٹھوس ایندھن کے ذخیرے میں آگ لگ گئی ہے۔''

''ناممکن.....!'' سنگ حلق پھاڑ کر دہاڑا اور فنچ کو وہیں چھوڑ کر ایک طرف دوڑتا گیا۔ سبھی بھاگ رہے تھے۔ وہ شور تھا کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ حمید کے ک بھی بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ پوری وادی تیز قسم کی روشنی میں نہائی ہوئی تھی۔ فنچ جھپٹتا حمید کے پاس پہنچا اور اس کے ہاتھوں سے رسیاں کھولنے لگا۔

''یہ کیا ہوگیا.....!''

''خدا جانے.....!'' فنچ بولا۔ ''کسی نے کہا تھا کہ ٹھوس ایندھن کے ذخیرے میں آ لگ گئی ہے۔''

''چلو..... کسی طرف نکل چلو۔'' حمید نے کہا۔ ''ہمارے پاس کوئی ہتھیار بھی نہیں ہے۔''

''چابک میرے پاس ہے اور ڈنڈا تم سنبھال لو۔''

پھر وہ ایک خالی خیمے میں گھس پڑے تھے۔ خیموں کی یہ بستی آن واحد میں ویران ہو تھی۔ دفعتاً ایک ہلکا سا دھماکہ سنائی دیا۔ پھر پے در پے کئی دھماکوں سے زمین لرزنے لگی تھی وہ اسی تاریک خیمے میں دبکے رہے۔ ''یہ کیا آفت نازل ہوگئی ہے۔''

حمید بڑبڑایا تھا۔ اس پر فنچ ہنس کر بولا۔ ''موت کا فرشتہ ہمارے پیچھے پیچھے آیا ہوگا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''کرنل فریدی! ہم دونوں ساتھ ہی تھے۔''

''ہُرلے!'' حمید اچھل پڑا۔

''شاید وہ کنٹرولنگ اسٹیشن تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔''

''بس تو پھر اب باہر نکلو۔'' حمید مضطربانہ انداز میں بولا۔

''ٹھہرو! اب ہمیں بہت زیادہ محتاط رہ کر کوئی قدم اٹھانا پڑے گا۔ ہر چند کہ اب دھماکہ سنائی دیتے لیکن زمین برابر ہل رہی ہے۔ یہ دیکھو..... محسوس کرو۔''

دور سے اب بھی شور کی آوازیں چلی آ رہی تھیں اور وادی میں پھیلی ہوئی روشنی میں بھی فرق نہیں آیا تھا۔ سردی شباب پر تھی۔

دفعتاً انہوں نے سنگ کی آواز سنی تھی۔ ''تم دونوں کہاں ہو؟ میری مدد کے بغیر اس سے باہر نہیں نکل سکو گے۔ جس نے ذخیرہ تباہ کیا ہے اگر خود بچ گیا ہے تو وہ بھی مقید ہوگا۔''

''قطعی خاموش رہو۔'' فنچ آہستہ سے بولا۔

سنگ کی آواز پھر آئی۔ ''اگر تم دونوں تین منٹ کے اندر اندر سامنے نہ آئے تو خیموں کو آگ لگوا دی جائے گی۔''

''جب خیموں میں آگ لگنی شروع ہوگی تب ہی نکلیں گے چپ چاپ بیٹھے رہو۔'' فنچ بولا۔ حمید خاموش تھا۔

سنگ اپنی ہانک لگاتا ہوا آگے نکل گیا تھا۔ دور سے اس کی آواز اب بھی آ رہی تھی اور شائد اس نے اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانا شروع کر دیا تھا۔ کئی خیموں میں آگ بھڑک اٹھی تھی۔ فنچ نے کہا ''اب مخالف سمت میں نکل چلنا چاہئے۔''

اور پھر دونوں نکل کھڑے ہوئے تھے۔ بچے ہوئے خیموں کی اوٹ لیتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھے جا رہے تھے۔ وادی میں اب بھی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

''مجھے وہ پوائنٹ یاد نہیں رہا جہاں سے ہم نیچے اُترے تھے۔'' حمید بولا۔

''پرواہ مت کرو..... مجھے یاد ہے۔ لیکن صبح سے پہلے ممکن نہ ہوگا۔ فی الحال چھپنے کے لئے کوئی جگہ تلاش کرنی چاہئے۔''

''بس جہاں ہو وہیں ٹھہر جاؤ۔'' عقب سے آواز آئی اور انہیں رک جانا پڑا۔ مڑ کر دیکھا تو ایک محافظ ریوالور تانے کھڑا تھا۔

دو اور پہنچ گئے اور ان میں سے ایک نے چیخ کر کہا۔ ''چیف کو انہی کی تلاش
پھر وہ سنگ کے سامنے پہنچا دیئے گئے۔ اس کا حلیہ قابل دید تھا۔ ایسا معلو
جیسے کسی دلدل سے نکل کر بھاگا ہو۔

''میری میزبانی کے مزے اٹھائے بغیر بھاگے جا رہے تھے۔'' اس نے زہر
میں کہا اور محافظوں سے بولا۔ ''انہیں تیرہ نمبر میں لے چلو۔ کیپٹن حمید تم وہاں فینی
سے مل کر بے حد خوش ہو گے۔ گریشی بھی راہِ راست پر آ گئی ہے۔''

''لل.....لیکن یہ دھماکے کیسے تھے۔ آگ کہاں لگی ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''یہ بھی تم دونوں ہی بتاؤ گے۔''

تیرہ نمبر ایک بہت کشادہ غار ثابت ہوا تھا جہاں مشعلوں کی سرخ روشنی پھیلی ہو
انہوں نے فینی اور گریشی کو دیکھا جو ایک جانب سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان دونو
ہاتھ پھر پشت پر باندھ دیئے گئے۔ فینی نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا اور پھوٹ پھ
رونے لگی تھی۔

''اب کیا ہوتا ہے رونے سے۔'' فنچ نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ''میں نے کہا تھا
کمرے تک ہی محدود رہنا۔''

''وہ.....وہ..... پولیس آفیسر کی وردی میں آیا تھا۔''

''اور میں اپنی خوشی سے آئی تھی۔'' گریشی نے کہہ کر ہچکی لی۔ وہ نشے میں معلوم ہوتی

''اب یہاں جشن ہوگا۔'' سنگ ہنس کر بولا۔

''شاید ناکامیوں نے تمہارا دماغ ماؤف کر دیا ہے۔ یہ جشن منانے کا وقت ہے
بولا تھا۔

''غلط..... یہ میری ناکامی نہیں ہے۔ ان کی ہے جنہوں نے میرے مشورے
نہیں کیا تھا۔ میں نے مشورہ دیا تھا کہ سارے کام ایک ساتھ نہ چھیڑے جائیں اور ان
خبیثوں کو اس کی ہوا بھی نہ لگنے دی جائے لیکن میری نہیں سنی گئی۔''

''ان دو بڑی عورتوں کے سلسلے میں اب کیا ہوگا.....؟'' فنچ نے پوچھا۔

''اگر میرے ہاتھ لگ گئیں تو ان کے ساتھ بھی وہی ہوگا جو ان دونوں کے ساتھ ہونے
والا ہے۔'' اس نے فینی اور گریشی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''لیکن ذخیرے میں آگ کیسے لگی؟''

''میں نہیں جانتا..... بہرحال اگر وہ فریدی ہی تھا تو وہ بھی جل بھنا ہوگا۔''

''سیارے کا کیا ہوا.....؟''

''جہنم میں جائے..... اس کا کنٹرولنگ اسٹیشن بھی تو تباہ ہو گیا۔ اب وہ بھی کسی بڑے
بلائے سے ٹکرا کر فنا ہو جائے گا۔ کنٹرولنگ اسٹیشن سے اس کی حفاظت کی جاتی تھی۔ بڑا ناز
تھا ان احمقوں کو اس سیارے پر..... احمقوں کے ٹولے کا نام زیرولینڈ کی تنظیم ہے اور تنظیم کی
سربراہ ایک عورت ہے۔ ہونہہ..... تم دیکھنا اب میں اپنی الگ تنظیم قائم کروں گا۔''

''اگر فریدی ہی کی طرح جل کر بھسم نہ ہو گئے غدار۔'' غار کے دہانے کی طرف سے
آواز آئی۔

''کون ہے.....؟'' سنگ پلٹ کر دہاڑا۔

''زیرولینڈ کا ایک محافظ.....!''

اور پھر وہ محافظ روشنی میں آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں اعشاریہ چار پانچ کا ریوالور تھا۔

''چلے جاؤ..... ورنہ آنتیں باہر نکل پڑیں گی۔'' سنگ کسی سانپ کی طرح پھپھکارا تھا۔

''تم اپنی خیر مناؤ غدار.....!''

''نہیں..... نہیں..... آگ اور خون کا کھیل نہیں ہوگا۔'' گریشی دونوں ہاتھ اٹھا کر چیختی
ہوئی ان کے درمیان آ کھڑی ہوئی۔

''ہٹ جاؤ..... سامنے سے.....!'' سنگ نے اُسے للکارا۔

''نہیں..... ہرگز نہیں..... جو تمہارا دل چاہے کر لو۔ لیکن میں خون کی ہولی نہیں ہونے دونگی۔''

سنگ نے پینترہ بدل کر محافظ پر چھلانگ لگائی اور ریوالور محافظ کے ہاتھ سے نکل گیا۔
لیکن اس نے سنگ کا گریبان پکڑ لیا تھا۔ دونوں آپس میں گتھے ہوئے فرش پر آ رہے۔ دفعتاً
حمید نے آنچ سی محسوس کی جو غار ہی کی کسی دراڑ سے نکل رہی تھی۔

''شش.....شاید.....ایندھن کی آگ.....!'' فنچ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ اس نے بھی آنچ محسوس کر لی تھی۔

ادھر سنگ کو چاقو نکالنے کا موقع مل گیا تھا۔

''نہیں.....نہیں.....!'' گریشی چیختی ہوئی جھپٹی اور سنگ کا چاقو والا ہاتھ دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

''اُوہو.....کتیا.....!'' سنگ غرایا تھا اور گریشی کی جگر خراش چیخ غار کی محدود فضا میں گونج کر رہ گئی تھی۔ چاقو اس کے دائیں پہلو میں پیوست ہو گیا تھا۔

فینی حمید اور فنچ کے ہاتھ کھول رہی تھی۔ ادھر محافظ نے سنگ کو دوسری طرف اچھال پھینکا تھا۔ فنچ ہاتھ کھلتے ہی گریشی کی طرف لپکا تھا اور حمید اس کے پہلو سے چاقو کھینچ کر سنگ کی طرف دوڑا گیا تھا۔ تینوں غار سے باہر نکل گئے۔ باہر اچھی خاصی روشنی تھی۔

''آج میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا فریدی۔'' اس نے سنگ کی آواز سنی تھی۔

''اور میں آج تمہارا قیمہ کر کے رکھ دوں گا۔'' حمید نے عقب سے ہانک لگائی اور وہ تولتا ہوا سنگ پر ٹوٹ پڑا۔

''کیا کرتے ہو۔'' اس نے فریدی کی غراہٹ سنی۔ لیکن اس پر تو جیسے دورہ پڑ گیا تھا۔ آنکھوں سے کچھ سجھائی ہی نہیں دے رہا تھا۔ بس ہاتھ اٹھتا تھا اور چاقو کا پھل کسی نرم سی شے میں ڈوبتا چلا جاتا تھا۔

پھر اس نے فنچ اور فینی کی چیخیں سنی تھیں ''بھاگو.....بھاگو.....آگ.....آگ.....!''

اس نے مڑ کر دیکھا دونوں اس کی طرف دوڑے آ رہے تھے۔

''یہ کیا کر رہے ہو.....یہ کون ہے۔'' فنچ نے حمید کا شانہ جھنجھوڑ ڈالا۔

''مار ڈالا.....میں نے اُسے ختم کر دیا۔''

''کسے ختم کر دیا۔''

''سنگ کو.....!''

''لیکن یہ تو سنگ نہیں ہے۔''

''پھر کون ہے؟''

''پتا نہیں.....اُوہ.....وہ دیکھو.....!''

غار کے دہانے سے آگ کی لپٹیں نکل رہی تھیں اور عجیب سی بو فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔ جیسے کاربائیڈ قسم کی کوئی چیز جل رہی تھی۔ حمید نے آنکھیں پھاڑ کر اپنے شکار کو دیکھا۔ وہ سنگ ہی نہیں تھا کسی محافظ کی لاش تھی۔ لیکن یہ وہ محافظ نہیں تھا جس نے سنگ کو للکارا تھا۔ پھر وہ دونوں کہاں گئے۔

حمید نے آگ اگلتے ہوئے دہانے کیطرف دیکھا اور چیخ پڑا۔ ''گریشی.....وہ کہاں ہے!''

''ہوش میں آؤ.....وہ تو پہلے ہی مر چکی تھی۔ چاقو ٹھیک دل میں پیوست ہوا تھا۔''

''خداوندا.....!'' حمید نے چاقو پھینک کر اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا۔

''اس کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے۔'' فینی فنچ سے کہہ رہی تھی۔ ''اسے یہاں سے اٹھاؤ اور کہیں اور لے چلو۔''

فنچ نے سنگ کا چاقو اٹھا لیا تھا۔ اتنے میں فریدی کی آواز آئی۔ ''تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو.....بھاگو یہاں سے.....ابھی چٹانیں چٹخنی شروع ہوں گی۔''

صبح ہو رہی تھی اور وہ بے حد خستہ حالی کے عالم میں ایک چٹان پر پڑے ہوئے طلوع کا منظر دیکھ رہے تھے اور فریدی فنچ سے کہہ رہا تھا۔ ''حمید کی بوکھلاہٹ کی وجہ سے وہ ایک بار پھر میرے ہاتھ سے نکل گیا۔ وہ لاش جس پر وہ چاقو لے کر ٹوٹ پڑا تھا ایک پہرے دار کی تھی جسے ختم کر کے وہ غار میں داخل ہوا تھا۔ مجھے گریشی سے پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ لیکن وہ اس جگہ کی نشاندہی نہیں کر سکی تھی جہاں ایندھن ذخیرہ کیا جا رہا تھا۔ تم دونوں کا تعاقب کرتا ہوا میں یہاں تک پہنچا اور لانچنگ پیڈ دیکھ کر اس نتیجے پر پہنچا کہ کنٹرولنگ اسٹیشن بھی کہیں آس پاس ہی ہوگا اور ان احمقوں نے تو باورد کے ڈھیر پر کنٹرولنگ اسٹیشن قائم کر رکھا تھا۔ نیچے ٹھوس ایندھن کا ذخیرہ تھا اور اوپر کنٹرولنگ اسٹیشن۔ ذخیرے میں

ایک چھوٹا سا بم رکھ کر میں وہاں سے نکل آیا۔ اسٹیشن کو تباہ کر دینے کا اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ ہی نہ تھا۔''

وہ تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔ ''مجھے گریشی کی موت پر افسوس ہے۔ وہ ایک مظلوم عورت تھی۔ اگر وہ نہ ملتی تو کبھی یہاں تک نہ پہنچ سکتا اور یہ لوگ اپنی حرکتیں جاری رکھتے۔''

''سنگ کا بچ نکلنا اچھا نہیں ہوا کرنل۔'' فنچ بولا۔

''فکر نہ کرو..... پھر دیکھا جائے گا۔''

''وہ زیرولینڈ کی تنظیم سے بیزار ہو گیا ہے۔ اپنی الگ تنظیم قائم کرنے کی سوچ رہا ہے۔''

''تب تو اور آسانی سے مارا جائے گا۔ خیر اب تم کیا چاہتے ہو۔''

''پھر واپس جاؤں گا لیکن تم سے صرف اتنی درخواست کرتا ہوں کہ اپنے اثر و رسوخ کو کام میں لا کر مجھے قید تنہائی سے بچا لینا اور میری لکھنے پڑھنے والی مراعات بھی ختم نہ ہونے پائیں۔ بندر کی کھال امانتاً اپنے ہی پاس رکھو جب بھی میری ضرورت محسوس ہو چپکے سے کھال میرے پاس بھجوا دینا۔'' فنچ کہہ کر ہنسا تھا۔

''سنگ کہہ رہا تھا کہ کنٹرولنگ اسٹیشن ہی سے اس کی حفاظت ممکن تھی۔ اب وہ کسی بڑے شہابیئے سے ٹکرا کر ختم ہو جائے گا۔ ویسے بھی کنٹرولنگ اسٹیشن کی تباہی کے بعد وہ قریب قریب ناکارہ ہی ہو چکا ہے۔''

پھر خاموشی چھا گئی۔ چاروں طرف ویرانی اور سناٹے کی حکمرانی تھی۔ اونچی اونچی چوٹیوں پر برف چمک رہی تھی۔

فینی اور حمید شاید دوبارہ سو گئے تھے۔ فنچ بھی اونگھنے لگا۔

اور فریدی اٹھ کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس کا رخ مشرق کی طرف تھا جہاں سے گرم گرم کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 118

نیلم کی واپسی

(مکمل ناول)

پیش رس

نیلم کی واپسی تاخیر سے آپ تک پہنچ رہی ہے۔ وجہ وہی پرانی۔ تبخیر معدہ..... صفحے لکھے اور تین چار دن تک پھر غائب۔ ذہن پراگندہ ہو تو لکھائی کیسے ممکن ہے۔

بہرحال کہانی حاضر ہے..... انتہائی کوشش کی گئی ہے کہ فریدی کے شایان شان ہو لیکن پچھلی کہانیوں کی ڈگر سے ہٹی ہوئی ضرور ہے۔

اب اگر آپ مجھ سے پوچھنے بیٹھ گئے کہ حمید نے زیادہ ہنسایا کیوں نہیں یا قاسم کا اتنا مختصر سا کیوں رہا تو میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔ کہانی کو غور سے پڑھئے سوچئے کہ اس انداز کا سسپنس فالتو باتیں برداشت کرنے کی تاب لاسکتا یا نہیں۔

اس بار بھی جواب طلب خطوط کا انبار سامنے ہے..... لوگ اس پر برہم ہیں کہ [illegible] کی شادی کرادی گئی ہے۔ بھائی اگر مالک نالائق ہے تو اس میں ملازم کا کیا قصور۔ آخر کے سہرے کے پھول کیوں نہ کھلیں۔ کم از کم ملازم ہی کی مٹی پلید ہونے سے بچا لیجئے۔ شادی نہ کرنا کوئی اچھی بات تو ہے نہیں..... خود اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر ٹھنڈے دماغ سے سوچئے آپ سالوں اور سالیوں سے محروم رہنا پسند کریں گے۔

کچھ حضرات اس پر مصر ہیں کہ جوزف کی بھی شادی کرائیے۔ عمران کی نہ سہی ایکسٹو

کی ٹیم کے سارے افراد کی شادیاں ہونی چاہئیں۔

ارے کیا..... میں نے ٹھیکہ لے رکھا ہے شادی کرانے کا؟ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں اور پھر آپ کو کیا پتا کہ ان حضرات کی شادیاں ہو چکی ہیں یا نہیں..... اس نوعیت کے سرکاری ملازمین بال بچوں کو ساتھ نہیں رکھا کرتے..... پھر مجھے کیا پڑی ہے کہ ان کے لواحقین کا بھی تذکرہ کروں۔

ایک صاحبہ ہر خط میں اپنی بہن کا رونا رویا کرتی ہیں کہ وہ اپنے بچوں کی تربیت مناسب طور پر نہیں کر رہیں۔ بچوں سے اس طرح لڑتی جھگڑتی رہتی ہیں جیسے وہ ان کے برابر کے ہوں۔ شوہر سے چولہا ہانڈی کراتی ہیں۔

بہت اچھا کرتی ہیں محترمہ..... آج کل کے بچوں سے اگر برابری کا برتاؤ نہ کیا جائے تو ان کے دل ٹوٹ جاتے ہیں۔ اُن کی شخصیتوں میں جھول پڑ جاتے ہیں۔ شوہر سے تو ایسا ہی برتاؤ ہونا چاہئے۔ بچے نہیں جن سکتا تو کیا اب چولہا ہانڈی بھی نہ کرے۔ آپ کا دل کیوں دکھتا ہے۔ شاید ابھی آپ کا سابقہ شوہر جیسی ''بدذات'' چیز سے نہیں پڑا۔

لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ آپ اپنی بہن کی شکایت مجھ سے کیوں کیا کرتی ہیں۔ ویسے اگر آپ اپنے بہنوئی اور ان کی والدہ کا نام لکھ بھیجیں تو ایسا تعویز بھجوا سکتا ہوں کہ وہ چولہے ہانڈی کے ساتھ ہی جھاڑو برتن بھی کرنے لگیں گے۔

عجیب بات ہے کہ آپ اپنی بہن کو ''سکھ'' میں نہیں دیکھنا چاہتیں۔

والسلام

ابن صفی

۱۷ر جنوری ۱۹۷۶

پُراسرار مہمان

ذرا ہی دیر پہلے آنکھ کھلی تھی لیکن فون کی گھنٹی نے سوئے ہوئے ذہن کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ بالکل ایسا ہی محسوس ہوا تھا جیسے کوئی نوکیلی چیز شعور کی تہوں کو چیرتی ہوئی کسی ایسی جگہ جا چبھی ہو جہاں پہلے ہی چبھن موجود رہی ہو۔

بلائے ہوئے انداز میں اس نے ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا اور خود بھی جھٹکے کے ساتھ اٹھ بیٹھا تھا۔

''ہلو.....!'' وہ ماؤتھ پیس میں دہاڑا۔

''کک.....کرنل.....فریدی.....پلیز.....!'' دوسری طرف سے بھرائی ہوئی سی آواز آئی تھی۔

''وہ موجود نہیں ہیں.....!'' حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''خداوندا.....اب میں کیا کروں.....آپ کون ہیں؟''

''ان کا اسسٹنٹ.....!''

''کیپٹن حمید.....ہا آ.....آ.....آ.....!''

چیخ ابھی ہی تھی کہ کان کا پردہ جھنجھنا اٹھا۔

''ہلو.....ہلو.....!''

دوسری طرف سے کوئی آواز نہ آئی۔ حمید نے کئی بار نامعلوم آدمی کو پکارا تھا۔

پھر وہ ریسیور ایک طرف ڈال کر تیزی سے اپنی خواب گاہ سے نکلا تھا اور دوسرے

کمرے میں پہنچ کر الگ لائن والے فون پر ایکسچینج کے نمبر ڈائل کئے تھے۔

جلد ہی معلوم ہو گیا کہ کال کہاں سے ہوئی تھی۔ کیونکہ دوسری طرف سے بھی حمید نے فون پر ایسی ہی آوازیں سنی تھیں جیسے سلسلہ منقطع نہ ہوا ہو۔

کال ستائیس نمبر کے پبلک ٹیلی فون بوتھ سے ہوئی تھی۔ حمید اپنی خواب گاہ میں واپس آیا۔ ریسیور اٹھا کر پھر کان سے لگالیا۔ اب بھی ویسی ہی آواز سنائی دے رہی تھی جیسے کال کا سلسلہ جاری ہو۔

اس نے ایکسچینج سے بوتھ نمبر ستائیس کا پتہ بھی معلوم کرلیا تھا۔ گھڑی دیکھی رات کے تین بجے تھے۔

''کون تھا.....؟ کیا گزری اس پر.....؟''

کال فریدی کے لئے تھی۔ لیکن وہ گھر میں موجود نہیں تھا اور کال کرنے والا اپنے آپ کو نہیں معلوم ہوتا تھا.....اور وہ چیخ.....!

ایک بار پھر ذہن کو جھٹکا لگا تھا.....وہ اس طرح چونکا تھا جیسے اب تک خواب ہی دیکھتا رہا ہو۔

پھر بڑی تیزی سے اس نے سلیپنگ سوٹ اتار کر پتلون اور جیکٹ چڑھائی تھی اور شولڈر ہولسٹر میں ریوالور ڈال کر نکل کھڑا ہوا تھا۔ چوکیدار نے گاڑی کے لئے پھاٹک کھولا اور حمید اسے کچھ ہدایات دیتا ہوا گاڑی باہر نکال لے گیا۔

بوتھ نمبر ستائیس ہوٹل مے پول کے قریب واقع تھا۔ گاڑی سنسان سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ وہ مسلسل سوچے جا رہا تھا۔ کیا وہ ان کا کوئی شناسا تھا جس کی آواز پہچانی نہیں جا سکی تھی۔ یا وہ اتنا ہی خوفزدہ تھا کہ آواز اپنی اصلیت کھو بیٹھی تھی۔ کیا اچانک اسے کوئی حادثہ پیش آیا تھا یا کوئی اس کا تعاقب کر رہا تھا جس نے بالآخر اُسے پوری بات نہ کہنے دی۔ اسے مار ڈالا اس حد تک بے بس کر دیا کہ اس کی زبان ہی بند ہو گئی۔

ہوٹل کے آس پاس کا علاقہ تاریکی میں ڈوبا ہوا نظر آیا اور یہ ناممکنات میں تھا کہ ہوٹل کے پول کے احاطے میں روشنی نہ ہوتی۔ اس کا یہی مطلب ہو سکتا تھا کہ برقی لائن خراب ہو گئی تھی۔ ایسا آئے دن ہوتا رہتا تھا۔ کبھی کبھی تو برقی نظام کی خرابی کی بناء پر پورا شہر

ہی تاریکی میں ڈوب جاتا تھا۔

ٹیلی فون بوتھ کے قریب اس نے گاڑی روک دی اور ڈیش بورڈ کے خانے سے ٹ نکال کر نیچے اُتر آیا۔ دروازے کے ہینڈل کی طرف ہاتھ بڑھاتے بڑھاتے رک گیا۔ قسم کا جال بھی تو ہوسکتا تھا۔ کیونکہ ان کے دشمنوں کی کمی نہیں تھی۔

ٹارچ روشن کئے بغیر وہ بوتھ تک پہنچا تھا۔ لیکن اس کے باوجود بھی اندر سے دیکھ جانے کا امکان تھا کیونکہ بوتھ کے دروازے میں شیشے لگے ہوئے تھے اور مطلع صاف ہو کی بناء پر اتنا اندھیرا بھی نہیں تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ سجھائی دیتا۔

اگر کوئی اندر تھا تو اس نے اُسے تاروں کی چھاؤں میں صاف دیکھ لیا ہوگا۔ وہ بائ جانب بوتھ کی دیوار سے لگ کر کھڑا ہوگیا۔ بلٹ ہولسٹر سے ریوالور نکل آیا تھا اور ٹارچ بائ ہاتھ میں تھی۔ قریباً تیس سیکنڈ گزر گئے لیکن حالات میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔

بوتھ کے اندر کوئی اس کا منتظر تھا تو اب تک ضرور باہر آ گیا ہوتا یا بوتھ کے آس پا ہی کہیں گھات میں لگے ہوئے لوگوں سے بھی اتنی دیر نچلا نہ بیٹھا گیا ہوتا۔ تو پھر؟ کیا چک ہے۔ حمید کی الجھن بڑھتی رہی..... تیس سیکنڈ مزید گزرے۔

پھر وہ آہستہ آہستہ بوتھ کے دروازے کے قریب کھسک آیا تھا..... شیشوں پر ٹارچ کی روشنی ڈالی..... بوتھ خالی تھا۔ ریسیور بھی کلپ سے لگا ہوا نظر آیا۔

اس نے طویل سانس لی۔ لیکن نہ جانے کیوں ذہن میں خطرے کی گھنٹی برابر بج جا رہی تھی۔

اس نے ایک بار پھر روشنی اندر ڈالی اور پیچھے ہٹ آیا۔ ضرورت بھی کیا تھی اندر جا کی۔ جب ریسیور بھی اپنی جگہ پر موجود تھا۔ اگر وہ کلپ سے نکل کر نیچے جھول رہا ہوتا تو کم از کم اس پر انگلیوں کے نشانات ہی تلاش کئے جاسکتے۔ کلپ میں لگے ہونے کا مطلب یہ ہوسکتا تھا کہ اُس کال کے بعد سے اس کے یہاں تک پہنچنے کے وقفے کے دوران میں کسی نے بھی فون کا استعمال کیا تھا ورنہ ریسیور اب بھی نیچے ہی لٹک رہا ہوتا۔ کسی اور دوسرے کے ہاتھ لگنے کی بناء پر پہلے آدمی کی انگلیوں کے نشانات کا اصلی حالت میں برقرار رہنا ناممکن

اس لئے مزید چھان بین فضول ہی تھی۔

وہ گاڑی کی طرف پلٹ آیا..... بڑی گندی سی گالی اس کے ذہن میں چکرا رہی تھی۔

انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی ریورس گیئر میں ڈالی پھر ایکسیلریٹر پر دباؤ ڈالا ہی تھا کہ ایک زور دار دھماکہ ہوا۔ گاڑی طوفانی رفتار سے پیچھے دوڑتی چلی گئی تھی۔ دھماکے کے جھٹکے نے ایکسیلریٹر پر پیر کا دباؤ بڑھا دیا تھا۔

جلد ہی ہوش آ گیا۔ ورنہ گاڑی کسی حادثہ کا شکار ہوتی۔ بریک پر پیر رکھ دیا تھا۔ گاڑی جھٹکے کے ساتھ رک گئی۔ سردی کے باوجود پورا جسم پسینے میں ڈوب گیا تھا۔

ٹیلی فون بوتھ دھڑا دھڑ جلتا ہوا نظر آیا..... اندھیرے میں آگ کی لپٹیں کچھ زیادہ ہی تیز اور خوفناک دکھائی دے رہی تھیں۔

گاڑی کا انجن متحرک تھا..... اس نے پھر ایکسیلریٹر پر دباؤ ڈالا اور واپسی کے لئے گاڑی موڑ لی۔ اب وہاں ٹھہرنا فضول تھا۔

بال بال بچا تھا اس وقت۔ اگر بوتھ میں داخل ہونے کی حماقت سرزد ہو جاتی یا مزید سوچ بچار کے لئے وہیں ٹھہر گیا ہوتا تو شاید لاش تک قابل شناخت نہ رہ جاتی۔

ٹھیک اسی وقت فریدی ایئر پورٹ پر اُس طیارے کا منتظر تھا جس سے نیلم[1] واپس آ رہی تھی۔ اس نے حصول علم کیلئے کئی سال ملک سے باہر گزارے تھے اور اب کرمنالوجی میں ڈاکٹریٹ کر کے وہیں کہیں قسمت آزمائی کرنے کی بجائے وطن ہی کی طرف واپس لوٹ رہی تھی۔

حمید نے تو اُسے مشورہ دیا تھا کہ وہ باہر ہی کوئی اچھی سی ملازمت تلاش کر لے ورنہ کرمنالوجی کی ڈاکٹریٹ وطن عزیز کے کسی باورچی خانے میں مرچ مسالہ پیستی نظر آئے گی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ نیلم واپس آئے کیونکہ وہ اس جیسے گلفام کو ''بابا'' کہتی تھی اور خصوصیت سے مجرموں کے سامنے اسی طرح پیش آتی تھی جیسے وہ سچ مچ اس کا والد ماجد ہی ہو..... ایک بار

---

[1] نیلم کی کہانی کے لئے جاسوسی دنیا کا خاص نمبر ''طوفان کا اغواء'' ملاحظہ فرمایئے۔

اس نے حمید کی ایک گرل فرینڈ کو یقین دلانے کی کوشش کر ڈالی تھی کہ حمید کی شادی سولہ کی عمر میں ہوئی تھی جس کے ٹھیک ایک سال بعد وہ پیدا ہوئی اور ماں اس کی پیدائش دوران میں اللہ کو پیاری ہوگئی تھی۔ پھر اپنی نادیدہ ماں کو یاد کر کے اس قدر روئی تھی کہ فرینڈ دوبارہ حمید کی شکل تک دیکھنے کی روادار نہ ہوئی۔

اسی قسم کی ایکٹیوٹیز عام طور پر اس کے ساتھ کرتی رہتی تھی۔ فریدی کو انکل کہتی تھی اس قدر احترام بھی کرتی تھی جتنا کوئی بیٹی اپنے باپ کا کر سکتی۔

بہرحال حمید نے ایئر پورٹ جا کر اسے ریسیو کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ فریدی نے پر زور بھی نہیں دیا تھا کہ وہ ضرور چلے۔

نیلم تنہا نہیں تھی۔ اس نے فریدی کو مطلع کیا تھا کہ اس کے ساتھ ایک لڑکی بھی ہے کچھ دن اس کے ساتھ قیام کرے گی۔ تفصیل سے مطلع نہیں کیا تھا۔ ہوسکتا تھا کہ حمید نے اس مہمان کی وجہ سے پہلو تہی کی ہو..... دوسروں کی موجودگی میں نیلم کچھ زیادہ ہی اس کی طرف متوجہ ہو جاتی تھی۔ وہ نیلم سے متنفر نہیں تھا۔ بس اس کا ''بابا'' کہنا کھل جاتا تھا اسے اور اس خلوص سے ''بابا'' کہتی تھی کہ بسا اوقات وہ خود بھی یہی محسوس کرنے لگتا تھا جیسے سچ مچ ''بابا'' ہو چلا ہو۔

تین بج کر گیارہ منٹ پر جہاز نے لینڈ کیا تھا۔ مسافروں کے اُترتے اُترتے ساڑھے تین بج گئے۔

نیلم بہت خوش تھی۔ لیکن حمید کی عدم موجودگی بھی اسے شدت سے محسوس ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ سفر کرنے والی لڑکی جسے وہ مہمان بنا کر لائی تھی سفید فام ثابت ہوئی۔

''یہ ہیں میرے باپ جنہیں میں چچا کہتی ہوں۔'' نیلم نے تعارف کرایا تھا۔ ''اور انکل یہ ریٹا شیرنگٹن ہیں۔''

''خوشی ہوئی۔'' فریدی نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے حیرت ہے؟'' وہ مسکرائی تھی۔ لیکن مسکراہٹ میں اضطراب کی لہر بھی صاف محسوس ہوئی تھی۔

''کس بات پر حیرت ہے تمہیں.....!'' نیلم نے سوال کیا۔

''اتنے جوان باپ کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔''

''مشرق حیرت انگیز ہے۔'' نیلم ہنس کر بولی۔ ''تمہارا ہی جملہ دہرا رہی ہوں.....!''

''یقیناً حیرت انگیز ہے۔ پہلے سنی سنائی بات تھی۔ اب تجربے کی بناء پر کہہ سکتی ہوں۔''

گاڑی میں بیٹھتے وقت نیلم نے اردو میں کہا۔ ''انکل میں بہت اداس ہوں۔ بابا نہیں آئے۔''

''شاید بابا ہی کی وجہ سے نہیں آیا.....!'' فریدی بولا۔

نیلم ہنس پڑی تھی۔

''میرا خیال ہے کہ وہ روز بروز چڑچڑے بھی ہوتے جا رہے ہیں۔'' اس نے کہا۔

''میرے خطوط کے جواب میں وہ کچھ ایسے ہی نظر آتے رہے ہیں۔''

''نیلم..... یہ لڑکی مجھ پر نظر پڑتے ہی چونکی کیوں تھی!''

''میں نے نہیں محسوس کیا۔''

''کیا تم نے دور ہی سے میری نشاندہی کی تھی۔''

''قطعی نہیں..... میں نے تو بالکل قریب پہنچ کر آپ کو دیکھا تھا۔''

''اس نے پہلے ہی دیکھ لیا تھا۔'' فریدی بولا۔ ''کیا تم اس سے میرا ذکر کرتی رہی ہو؟''

''کبھی نہیں! میں نے کبھی کسی سے اپنے بارے میں تفصیل سے گفتگو نہیں کی۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ وہ میرے باپ سے مل کر کتنی متحیر ہوئی تھی۔''

''لیکن میں نے اس سے بھی زیادہ تحیر تعارف سے پہلے اسکی آنکھوں میں دیکھا تھا۔''

''ایک بہت ہی دکھی لڑکی ہے۔ اطمینان سے اس کے بارے میں بتاؤں گی۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ تینوں پچھلی ہی سیٹ پر تھے۔ گاڑی ڈرائیور چلا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ ''تمہارے لئے دوسری منزل خالی کر دی گئی ہے۔''

''اور آپ کی تجربہ گاہ۔''

''تیسری منزل پر..... شاید میں نے تمہیں مطلع نہیں کیا تھا کہ تیسری منزل بھی تعمیر ہوگئی ہے۔''

''نہیں شاید آپ نے پچھلے سال لکھا تھا..... مجھے یاد نہیں رہا۔''

''آج میں کتنی خوش ہوں.....لیکن بابا.....!''

''ارے تو کیا وہ تم سے متنفر ہے۔''

''پھر کیوں نہیں آئے۔''

''کیا تم نہیں جانتیں کہ وہ تھوڑا سا کریک بھی ہے۔''

''آخر کیا کہا تھا.....؟''

''یہی کہ اب مجھے شہر چھوڑ کر بھاگنا پڑے گا۔''

''سنجیدگی سے کہا تھا.....؟''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا.....حقیقت یہ ہے کہ کسی قدر آرام طلب ہو گیا ہے۔ اگر تمہارا طیارہ اس وقت آنے کی بجائے نو بجے شب کو آتا تو تم اسے ایئرپورٹ پر ضرور موجود پاتیں۔''

''تب تو ٹھیک ہے۔''

دفعتاً ریٹا شیر نگلٹن بولی۔ ''میں بڑی گھٹن محسوس کر رہی ہوں۔''

''کیوں؟'' نیلم چونک پڑی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے باتوں کی رو میں اسے قطعی بھول ہی گئی ہو۔

''اس لئے کہ تم لوگوں کی گفتگو نہیں سمجھ سکتی۔''

''اوہ..... مجھے بے حد افسوس ہے۔'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

''آپ میرے اس ریمارک پر ناراض تو نہیں ہوئے۔''

''ہرگز نہیں.....دراصل اسے اتنے دنوں کے بعد دیکھا ہے کہ.....!''

''میں سمجھتی ہوں اور اپنے اس ریمارک پر خود ہی شرمندگی بھی محسوس کر رہی ہوں۔''

''تم نے کوئی غیر فطری بات نہیں کہی تھی۔''

''میرا باپ بہت گریٹ ہے ریٹا۔'' نیلم بولی۔ ''اب تمہاری موجودگی میں کوئی بھی اردو میں گفتگو نہیں کر سکے گا۔''

''تب تو شرمندگی مستقل ہوئی۔''

''تمہیں آثار قدیمہ سے تو ضرور دلچسپی ہوگی؟'' فریدی نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

''بہت زیادہ جناب.....!'' ریٹا بولی۔

''اگر تمہارے پاس وقت ہو تو نیلم تمہیں پورے ملک کی سیر کرائے گی۔''

''شکریہ جناب.....!''

گاڑی فریدی کی کوٹھی کے قریب پہنچ چکی تھی۔

ڈرائیور نے ہارن دیا اور چوکیدار نے پھاٹک کھول دیا۔ گاڑی پھاٹک سے گزر کر پورچ میں جا رکی تھی۔ وہ گاڑی سے اُترے لیکن فریدی چوکیدار کی طرف متوجہ ہو گیا جو خلاف معمول پورچ کی طرف تیزی سے بڑھا آ رہا تھا۔

''کیا بات ہے۔'' اس کے قریب پہنچنے پر فریدی نے سوال کیا۔

''تین بجے کپتان صاحب باہر گئے ہیں.....اور یہ پرچہ دے گئے ہیں۔''

فریدی نے ہاتھ بڑھا کر اس سے تہہ کیا ہوا کاغذ لیا تھا اور ان دونوں سے بولا تھا۔ ''چلو.....چلو اندر چلو۔''

''آخر جانا ہی پڑا بابا کو۔'' نیلم ہنس کر بولی۔ ''اب میں ایسی بیٹی بھی نہیں ہوں۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ کیونکہ اس نے اس دوران میں وہ مختصر سی تحریر دیکھ لی تھی۔ حمید نے لکھا تھا۔ ''میں باہر جا رہا ہوں.....آپ لائن اے اور بی کے ٹیپ چیک کر لیجئے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں آپ کے آنے سے پہلے ہی واپس آ جاؤں۔''

وہ کسی قدر متفکر نظر آنے لگا تھا۔ اندر پہنچ کر اس نے کہا۔ ''اگر تم لوگ کافی یا چائے پینا چاہو تو.....!''

''نہیں.....!'' ریٹا جلدی سے بولی۔ ''خواہش نہیں ہے۔ ہم نے جہاز لینڈ کرنے سے قبل ہی کافی پی تھی۔''

فریدی انہیں دوسری منزل پر پہنچا کر نیچے آیا تھا اور اے لائن سے اٹیچڈ ٹیپ ریکارڈ کا سپول ریوائنڈ کر کے آخری کال سننے لگا تھا۔ اس کے چہرے پر تشویش کے آثار کچھ اور گہرے ہو گئے تھے۔ لائن بی پر آخری کال حمید اور ایکس چینج کی گفتگو تھی۔

دوسرے ہی لمحے وہ پھر باہر جانے کے لئے تیار ہوگیا تھا۔

گاڑی مے پول کی طرف روانہ ہوگئی تھی۔ فریدی بے حد متفکر تھا۔ اس نے نہ صرف گمنام او تہ خیز کال سنی تھی بلکہ آواز بھی پہچاننے کی کوشش کی تھی..... لیکن اس سلسلے میں کچھ کرنے سے قبل حمید کی خبر لینا ضروری تھا۔

بالآخر وہ اس جگہ جا پہنچا تھا جہاں پولیس کی گاڑیوں کیساتھ ہی آدمیوں کا جم غفیر بھی موجو تھا۔ پولیس والے انہیں پیچھے ہٹانے کی کوشش کررہے تھے اور اب وہاں اندھیرا بھی نہیں تھا۔

پاور ہاؤز والوں نے برقی نظام کے اختلال پر قابو پالیا تھا۔ وقوعے کا علم ہوجانے کے بعد فریدی مضطربانہ انداز میں آگے بڑھا۔ اس نے ایس پی سے پہلا سوال کیا۔

''کوئی جانی نقصان تو نہیں ہوا.....؟'' اس نے ایس پی سے پہلا سوال کیا۔

''اوہ..... آپ.....!'' ایس پی کے لہجے میں تحیر تھا۔

''آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔''

''جی نہیں..... بوتھ خالی تھا۔ ہمیں کوئی لاش نہیں ملی۔''

''وقوعہ کس وقت ہوا.....؟''

''مجھے تین بج کر پینتالیس منٹ پر اطلاع ملی تھی۔''

''کوئی ایسا آدمی جو صحیح وقت بتا سکے۔''

ایس پی نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے سر کو منفی جنبش دی تھی۔

فریدی وہاں سے ہٹ کر ٹھیک اس جگہ جا پہنچا جہاں کچھ دیر پہلے ایک ٹیلی فون بوتھ تھا لیکن اب دھواں اگلتے ہوئے ایک ملبے کے ڈھیر کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔

پھر جلد ہی فریدی نے ذاتی طور پر ایس پی کے بیان کی تصدیق کرلی تھی۔ یعنی وقوعے سے قبل بوتھ خالی ہی تھا اور شاید حمید وقوعے کے بعد بھی وہاں نہیں دیکھا گیا تھا۔ ورنہ ایس پی ضرور تذکرہ کرتا۔ فریدی نے سوچا پھر وہ کہاں گیا۔ کیا اس نے گمنام کال کرنے والے کی آواز پہچان لی تھی اور اب اسی کی فکر میں تھا؟ اگر وہ تنہا ہی اس چکر میں پڑ گیا ہے تو اس سے ایک بڑی غلطی سرزد ہوئی ہے۔

فریدی نے اپنی گاڑی واپسی کے لئے موڑ دی تھی اور ایس پی کو مزید تحیر کے عالم میں چھوڑ گیا تھا۔ کیونکہ فریدی کے محکمے تک یہ بات اس وقت پہنچتی جب خود ایس پی کی طرف سے اس کی تحریک ہوتی۔

فریدی کی گاڑی اس سڑک پر مڑ گئی جو بندرگاہ کی طرف جاتی تھی۔ تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ ایک کار الٹی پڑی نظر آئی اور اس کی نمبر پلیٹ پر روشنی پڑتے ہی اس نے پورے بریک لگائے تھے۔

وہ گاڑی حمید ہی کی تھی۔ فریدی اپنی گاڑی سے اُتر کر تیزی سے اس کی طرف بڑھا تھا..... دور تک سڑک سنسان پڑی تھی۔

الٹی ہوئی گاڑی خالی نظر آئی۔ فریدی نے اسے سیدھا کیا تھا اور پھر اپنی گاڑی کی طرف لوٹ آیا تھا۔ حمید ان دنوں پٹرول کی بچت کے لئے منی آسٹن گاڑی استعمال کررہا تھا۔ اس لئے اسے سیدھی کرنے میں کوئی دشواری بھی پیش نہیں آئی تھی۔

فریدی نے اپنی گاڑی کے ڈیش بورڈ کے ایک خانے سے ٹارچ نکالی تھی اور پھر حمید کی گاڑی کے قریب جا کھڑا ہوا تھا۔ ٹارچ روشن کرکے گاڑی کے اندر کچھ دیکھتا رہا تھا۔

پھر چھت پر نظر ڈالی..... اس کے بعد اس پہیے کا جائزہ لیتا رہا جس کا ایکسل ٹوٹا تھا۔ ایکسل ضرور ٹوٹا تھا لیکن قطعی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ گاڑی ایکسل ٹوٹنے کی وجہ سے الٹی ہو۔ بالکل ایسا ہی لگتا تھا جیسے بہت احتیاط سے الٹی گئی ہو..... چھت پر کہیں نہ کوئی گڑھا تھا اور نہ کوئی خراش ہی نظر آئی تھی۔

فریدی چند لمحے کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ پھر اپنی گاڑی میں آبیٹھا۔ انجن اسٹارٹ کیا تھا اور گاڑی آگے بڑھ گئی تھی۔

اس سڑک پر اس نے محض اسلئے گاڑی موڑی تھی کہ پلازا سینما کے قریب ایک ٹیلی فون بوتھ اور بھی تھا۔ گھر کال کرکے معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس دوران میں حمید گھر تو نہیں پہنچ گیا۔

کال اسے اب بھی کرنی تھی کیونکہ الٹی ہوئی گاڑی کا معاملہ بھی صاف نہیں تھا۔ نہ تو اندر کہیں خون کی ایک بوند ہی دکھائی دی تھی اور نہ ایکسل ٹوٹنے کے علاوہ گاڑی ہی کو کوئی

نقصان پہنچا تھا۔ چار چھ فرلانگ چلنے کے بعد اس نے پھر گاڑی روکی اور فٹ پاتھ پر
گیا۔ ٹیلی فون بوتھ سامنے ہی تھا۔ حمید ہی کی خواب گاہ والے فون کے نمبر ڈائیل کئے تھے

''ہیلو.....!'' دوسری طرف سے حمید ہی کی آواز آئی تھی۔

''تو تم زندہ ہو.....!''

''لیکن اب ضرور مر جاؤں گا۔ کیونکہ باہر سے وہ دختر تیرونشتر دروازہ پیٹ رہی ہے۔''

فریدی نے ریسیور کلپ سے لگا دیا اور بوتھ سے باہر نکل آیا۔

اب اس کی گاڑی گھر کی طرف جا رہی تھی۔ سنسان سڑکیں اب جاگنے لگی تھیں اور
سردی بڑھ گئی تھی۔ فریدی کا ذہن اس فون کال میں الجھا ہوا تھا۔ اس نے آواز پہچاننے کی
کوشش کی تھی لیکن اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکا تھا۔ ویسے سنی ہی ہوئی سی آواز لگی
تھی۔ وہ یادداشت پر زور دیتا رہا۔ گھر پہنچ کر سیدھا حمید کی خواب گاہ کی طرف گیا تھا۔ نیلم
دروازے کے سامنے کرسی ڈالے بیٹھی ہوئی نظر آئی۔

''کمال ہے تم یہاں کیا کر رہی ہو۔''

''یہ اپنی شکل کیوں نہیں دکھا رہے..... اور اندر سے مجھے دختر نیک اختر کی بجائے دختر
تیرونشتر کہا تھا۔''

''دروازہ کھولو.....!'' فریدی نے اونچی آواز میں کہا۔

دروازہ کھلا تھا اور نیلم جھپٹ کر حمید کی گردن میں جھول گئی تھی۔

''میں واقعی تھپڑ مار دوں گا۔'' حمید بھنا کر بولا۔

''جان سے مار دو..... بابا پیارے کہ زندگی تم سے زیادہ عزیز نہیں۔''

''بابا کی بچی رحم کر میرے حال پر۔'' وہ دانت پیس کر بولا۔

''ہٹ جاؤ نیلم..... واقعی اسکا دماغ چل گیا ہے۔'' فریدی نیلم کو دوسری طرف ہٹاتا ہوا بولا۔

''آخر بات کیا ہے؟'' اس بار نیلم نے بھی حمید پر آنکھیں نکالی تھیں۔

''ہوسکتا ہے اس وقت موت ہی کے جبڑوں سے بچ نکلا ہو۔''

''میں نہیں سمجھی۔'' نیلم سیریس ہوگئی اور حمید پلکیں جھپکائے بغیر خلاء میں گھورنے لگا۔

بالکل کسی شہید کا مجسمہ لگ رہا تھا۔

''بیٹھ جاؤ.....!'' فریدی نے اسے بستر کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

''حالانکہ ''لیٹ جاؤ'' کہنا چاہئے تھا۔'' حمید نے کہا اور دھم سے بستر پر بیٹھ گیا۔

''کیا دھماکہ تمہارے پہنچنے سے قبل ہو چکا تھا۔''

''جی نہیں! اگر بوتھ میں داخل ہونے یا تیس سیکنڈ مزید بوتھ کے قریب ٹھہرنے کی غلطی
سرزد ہو جاتی تو کم از کم اس بابا کی جونک سے تو نجات مل ہی گئی ہوتی۔''

نیلم نے قہر آلود نظریں حمید پر ڈالی تھیں اور پھر یہ معلوم کئے بغیر کہ واقعہ کیا تھا کمرے
سے نکلی چلی گئی تھی۔

''اور تمہاری گاڑی۔'' فریدی اسے گھورتا رہا۔

''گاڑی.....!'' حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''خواہ مخواہ ایکسل ٹوٹ گیا تھا۔''

''لیکن وہ ایکسل ٹوٹنے کی وجہ سے تو نہیں الٹی تھی۔''

''میں کب کہہ رہا ہوں..... ایکسل ٹوٹنے کے بعد چلنے کے قابل تو رہی نہیں تھی۔ پھر
میں خود ہی کیوں نہ اُسے الٹ کر پیدل ہی چل پڑا ہوتا۔ اگر انڈسٹریل ایریا والی بس نہ مل
جاتی تو طلوع آفتاب سے پہلے گھر نہیں پہنچ سکتا تھا۔''

''آخر تمہارا بچپن کب رخصت ہوگا۔''

''جان کے ساتھ ہی جائے گا۔'' حمید نے ایسے لہجے میں کہا جیسے خود بھی اپنی بچکانہ
فطرت سے تنگ آ گیا ہو۔

''بیٹھ جاؤ..... میں تفصیل سے سننا چاہتا ہوں۔''

حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا تھا۔ ناک بھوں سکوڑے ہوئے بیٹھ گیا۔ پھر اس نے
اپنی داستان دہرائی تھی۔

''دو ماہ کے اندر اندر یہ تیسری کوشش تھی۔'' فریدی پُرتفکر لہجے میں بولا۔

''کیا مطلب.....؟'' حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

''اس سے قبل میں بھی دو بار بال بال بچا ہوں۔''

''اور ذکر تک نہیں کیا.....!''

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔

''مجھے وہ آواز کچھ جانی پہچانی سی لگتی ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے۔'' فریدی نے کچھ بعد کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

''دوبار سننے کے بعد ہی فیصلہ کرسکوں گا۔ اس وقت تو دھیان نہیں دیا تھا۔''



دوسرے دن اتوار تھا۔ ناشتے کی میز نو بجے سے پہلے نہیں لگی تھی۔ کیونکہ فریدی کے علاوہ سبھی ساڑھے آٹھ بجے تک سوتے رہے تھے۔ غالباً وہ اس کے بعد سویا ہی نہیں تھا۔

حمید نے نیلم کی مہمان کو دیکھ کر کہا۔ ''آخر تم کیوں دوڑی آئی ہو..... جب اسے سا لانا تھا۔''

''بس خاموش رہئے..... زندگی بھر آپ سے بات نہیں کروں گی۔''

''تعارف کرادینے کے بعد.....!''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

''ریٹا کی موجودگی میں اردو میں گفتگو نہیں ہوگی۔'' فریدی نے انگلش میں کہا۔

''میں شرمندہ ہوں۔'' ریٹا نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''میں نے ایئر پورٹ ہی پر وضاحت کردی تھی کہ اس میں شرمندگی کی کوئی بات نہیں۔'' فریدی نے کہا اور تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔

''یہ ساجد حمید ہیں..... نیلم کے چچا..... اور یہ مس ریٹا شیر نگٹن نیلم کی دوست۔''

ریٹا نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا۔

''بڑی خوشی ہوئی۔'' حمید نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

''آپ کا ذکر نیلم کی زبانی بہت سنا ہے۔''

''یہ وہ نہیں ہیں جن کا ذکر میں کرتی رہی ہوں۔'' نیلم نے خشک لہجے میں کہا۔

حمید کچھ نہ بولا۔

''تم بہت مضمحل نظر آرہی ہو۔ طبی امداد کی ضرورت تو نہیں۔'' فریدی نے ریٹا سے کہا۔

وہ چونک پڑی۔ پھر مضمحل سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ ''جی نہیں ٹھیک ہوجاؤں گی۔ صرف تھکن ہے۔''

''تم نے مشرقی تکلفات کے بارے میں بھی سنا ہوگا لیکن یہ خانہ بے تکلف ہے۔''

''بالکل بالکل.....!'' حمید سر ہلا کر بولا اور نیلم اسے غضبناک نظروں سے گھور کر رہ گئی تھی۔

ناشتے کے بعد وہ ڈرائنگ روم میں آبیٹھے۔

''کیا تم نے میرے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔'' دفعتاً ریٹا نے نیلم سے سوال کیا۔

''ابھی تک موقع ہی نہیں مل سکا۔''

''لیکن اب ضرورت نہیں..... میں خود ہی بات کروں گی۔''

''میں نہیں سمجھی.....!'' نیلم نے حیرت سے کہا۔

''تم نے اپنے باپ کا نام احمد کمال بتایا تھا لیکن میں انہیں کرنل فریدی کے نام سے جانتی ہوں اور ان کی پوزیشن سے بھی واقف ہوں۔''

حمید نے اُسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا تھا اور فریدی بھی خصوصیت سے متوجہ ہوگیا۔

''سب سے پہلے میں یہ کہوں گی کہ آپ خطرے میں ہیں۔'' ریٹا نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔

''میرے لئے کوئی نئی بات نہیں۔'' فریدی مسکرایا۔

''تمہاری بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔'' نیلم کی آواز میں لرزش تھی۔

''ہم ایک دوسرے کے والدین کے سلسلے میں تفصیلی گفتگو کب کیا کرتے ہیں۔ مسٹر احمد کمال سے اسی لئے واقف نہ ہوسکی لیکن کرنل فریدی کو پہلے سے جانتی تھی۔''

''میرا خیال ہے کہ تم درست کہہ رہی ہو۔'' فریدی بولا۔

نیلم اور حمید اب اس کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ اس نے کہا۔

''ایئر پورٹ پر مجھے دیکھتے ہی تم چونک پڑی تھیں..... پہلے مجھے کب اور کہاں دیکھا تھا۔''

''میں نے آپ کی تصویر دیکھی تھی..... جس کے پاس دیکھی تھی اسی کے لئے آئی ہوں۔ نیلم نے کہا تھا کہ میرا باپ ملک کے سربرآوردہ لوگوں میں سے ہے..... تمہاری مدد ضرور کرے گا..... ویسے اگر نیلم نہ کہتی تب بھی مجھے آنا ہی تھا۔''

''اسی فرد کی تلاش میں جس کے پاس تم نے میری تصویر دیکھی تھی۔'' فریدی نے پوچھا۔

''جی ہاں.....؟''

''شامت.....!'' حمید نے نیلم کی طرف دیکھ کر اردو میں کہا۔

وہ کچھ نہ بولی۔ ریٹا فریدی سے کہہ رہی تھی۔ ''جی ہاں! میں اسی کی تلاش میں آئی ہوں۔''

''اور مجھے یہ اطلاع دے رہی ہو کہ میری زندگی خطرے میں ہے۔''

''محض اس لئے کہ آپ میری بہت پیاری دوست نیلم کے باپ ہیں۔''

''اور وہی شخص میرے لئے خطرناک بھی ہوسکتا ہے.....!''

''جی ہاں.....!''

''تم جانتی ہو کہ اگر وہ میرے ہاتھ آ گیا تو اس کے ساتھ میرا رویہ کیا ہوگا۔''

''میں سمجھتی ہوں۔''

''اور وہ شخص تمہیں اتنا ہی عزیز ہے کہ تم اسے تلاش کرنے اتنی دور چلی آئی ہو۔''

''یہ بھی درست ہے..... میں اسے راہ راست پر لانا چاہتی ہوں۔ اس لئے آپ کی تلاش بھی میرے پروگرام میں شامل تھی۔''

''میں سمجھا! تم یہ چاہتی ہو کہ وہ غیر قانونی حرکت کرنے سے قبل ہی تمہیں مل جائے۔''

''جی ہاں میں یہی چاہتی ہوں۔''

''اس کے لئے تمہیں تفصیل سے گفتگو کرنی پڑے گی۔''

''کیا ابھی.....؟''

''جتنی جلد ممکن ہو۔''

ریٹا نے ہچکچاہٹ کے ساتھ حمید کی طرف دیکھا تھا۔

''تم سب کچھ کہہ سکتی ہو۔ اس میز پر کوئی غیر متعلق فرد موجود نہیں ہے۔''

''وہ میرا بڑا بھائی ہے۔'' ریٹا طویل سانس لے کر بولی۔ ''فلپ شیر نگٹن تین سال قبل نشانہ بازی کے عالمی مقابلے میں اول انعام لے چکا ہے۔''

''اوہ.....!'' فریدی کی آنکھوں میں پل بھر کے لئے تشویش کے آثار نظر آئے تھے۔

''اس حوالے سے شاید آپ اسے پہچان گئے ہوں گے۔''

''ہاں..... مجھے اسپورٹس سے دلچسپی ہے۔''

''فلپ نادانستگی میں ان کے ہتھے چڑھ گیا ہے..... پہلے پہل انہوں نے اسے بہت اچھے معاوضے پر بحیثیت انسٹرکٹر ایک شوٹنگ کلب میں رکھا تھا۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ اسے دوسرے غیر قانونی معاملات میں الجھاتے چلے گئے۔ منشیات کا عادی بنایا۔ جوئے کی لت ڈلوائی اور اس طرح اسے اپنے قابو میں کرلیا۔ بہرحال وہ اندرون ملک ہی ان کی خدمات انجام دیتا رہا تھا کہ اچانک اسے اس ملک سے باہر کا بھی ایک کام سونپ دیا گیا۔ وہ بہت زیادہ نروس تھا۔ یہاں نہیں آنا چاہتا تھا لیکن مجبوری..... اس میں انکار کی جرأت نہیں تھی۔ انکار کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا جبکہ انکار کی صورت میں موت لازمی ہو۔''

''میں سمجھتا ہوں.....!'' فریدی نرم لہجے میں بولا۔

''میں خوش نصیب ہوں کہ اسکی پوزیشن واضح کرنے میں کامیاب ہوگئی..... ورنہ آپ کو پہلی بار دیکھنے کے بعد سے یہی سوچتی رہی تھی کہ آخر یہ سب کچھ آپ کو کیسے بتا سکوں گی۔''

''یہ تو کوئی ایسی خاص الجھن نہیں تھی۔''

''یقیناً تھی..... بھائی آپ کو قتل کرنے آیا ہے اور بہن آپ کی مہمان ہے۔''

''اگر تمہیں یہاں آنے سے قبل معلوم ہو جاتا کہ تم کہاں جا رہی ہو.....؟'' فریدی نے سوال کیا۔

''یقین کیجئے کہ نیلم کو سب کچھ وہیں بتا دیتی۔''

''مجھے یقین ہے۔''

''پھر..... اب آپ کیا کریں گے۔''

''ضروری ہے کہ تمہارے بھائی کو تلاش کیا جائے۔''

''لیکن اگر آپ نے اسے معاف بھی کر دیا تو وہ ان لوگوں کے ہاتھوں مارا جائے گا۔''

''ان لوگوں کے بارے میں بھی کچھ بتاؤ..... لیکن نہیں..... ٹھہرو..... پہلے یہ بتاؤ کہ اپنے بھائی کے بارے میں تمہیں یہ ساری معلومات کس طرح حاصل ہوئی تھیں۔''

''یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ وہ شوٹنگ کلب میں انسٹرکٹر ہے۔ پچھلے چھ ماہ سے قبل میں بھی اسی حد تک واقف تھی۔ لیکن پھر ایک دن جب وہ ایک مقابلے میں جج کے فرائض انجام دینے میکسیکو جا رہا تھا مجھ پر ایک نیا انکشاف ہوا۔ اس وقت بھی وہ بہت زیادہ نروس نظر آ رہا تھا۔ اس دن بھی اسے ایک بڑا کام سونپا گیا تھا۔ لیکن اگر وہ پکڑا جاتا تو اس کی پوزیشن ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتی۔ وہ میکسیکو کے سرکاری مہمان کی حیثیت سے جا رہا تھا اور اسے دس لاکھ ڈالر کی ہیروئن دی گئی تھی جو میکسیکو ہی میں کسی کو دینی تھی۔ وہ اس قدر پریشان تھا کہ رونے لگا تھا۔ اس طرح اسے کم از کم مجھ سے کھل کر گفتگو کرنی پڑی تھی لیکن ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر کسی کے کان میں اس کی بھنک بھی پڑ گئی تو وہ مار ڈالا جائے گا..... میں کیا کر سکتی تھی..... وہ بُری طرح الجھ چکا تھا۔ گلو خلاصی کی کوئی صورت نہیں تھی۔ بہر حال سرکاری مہمان ہونے کی بناء پر اس کے سامان کی تلاشی نہیں لی گئی تھی اور وہ ہیروئن نکال لے گیا تھا۔ پھر اس کے بعد سے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے وہ سب کچھ بتا دیا کرتا تھا اور میں اسے صرف زبانی تسلیاں دینے کے علاوہ اور کیا کر سکتی تھی۔ پھر آپ کا معاملہ سامنے آیا اور میں بے چین ہو گئی۔ کم از کم اسے قاتل بنتے تو نہیں دیکھ سکتی تھی۔''

''اس سے پہلے اس نے اور کتنے قتل کئے تھے۔'' حمید پوچھ بیٹھا۔

''ایک بھی نہیں..... پہلی بار یہ کام سونپا گیا ہے۔''

''اسے کتنا عرصہ ہوا.....!'' فریدی نے سوال کیا۔

''ایک ماہ پہلے ہی کی بات ہے۔''

''لیکن وہ ابھی تک میرا نشانہ نہیں لے سکا۔'' فریدی نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''اب بتاؤ..... بابا کی جونک.....!'' حمید نے پھر نیلم کو چھیڑا۔

''میں تصور بھی نہیں کر سکتی۔'' نیلم پریشان نظر آنے لگی تھی۔

''کیا تمہیں اس کا یہاں کا پتہ معلوم ہے۔'' فریدی نے ریٹا سے سوال کیا۔

''میں پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ اسی بناء پر میں نے نیلم کا سہارا لینے کی کوشش کی تھی۔ میں نہیں جانتی کہ وہ یہاں کہاں ہے۔''

''وہاں سے روانگی کی تاریخ تو یاد ہی ہوگی اور یہ بھی جانتی ہوگی کہ وہ سیدھا یہیں آیا ہے۔''

''جی ہاں..... اس نے یہی بتایا تھا کہ راہ میں کہیں رکے بغیر اسے یہاں پہنچنا ہے۔ تاریخ گیارہ دسمبر تھی۔''

''میں دیکھوں گا..... اور مشورہ دوں گا کہ جب تک اس کا سراغ نہ مل جائے..... تم اسی عمارت تک محدود رہو۔''

''جو کچھ آپ کہیں گے..... کروں گی۔''

''پاسپورٹ پر اس کا نام فلپ شیرنگٹن ہی درج ہے؟'' فریدی نے سوال کیا۔

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔''

''پاسپورٹ پر دوسرا نام بھی ہو سکتا ہے؟''

''ممکن ہے۔'' وہ پُرتفکر لہجے میں بولی۔ ''میں نے اسکے بارے میں کچھ نہیں پوچھا تھا۔''

''اس کی کوئی تصویر ہے تمہارے پاس۔''

''جی ہاں..... کئی مختلف پوز ہیں۔''

''یہ بہت اچھا ہے..... اس سے مدد ملے گی۔''



لیڈی انسپکٹر ریکھا نے فائل فریدی کی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

''کاغذات مل گئے ہیں..... اگر تصویر نہ ہوتی تو..... مشکل ہی سے کامیابی ہوتی۔''

''نام.....؟'' فریدی نے سر اٹھائے بغیر سوال کیا۔ وہ کسی دوسرے فائل میں الجھا ہوا تھا۔

''ٹوری بیڈسٹر..... سفر سیاحت پر مبنی ہے۔''

''یہاں کس تاریخ کو پہنچا تھا۔''

''تیرہ دسمبر.....صبح تین بجے۔''

''واپسی.....!''

''ابھی تک واپسی نہیں ہوئی۔''

''یہاں کوئی حوالہ.....!''

''کوئی بھی نہیں.....عرض کر چکی ہوں کہ سفر کی وجہ سیاحت ظاہر کی گئی ہے۔''

''اچھا.....!''

''اور کوئی خدمت.....!''

''نہیں.....شکریہ۔''

''شاید آپ بہت مصروف ہیں۔''

فریدی نے طویل سانس لے کر فائل بند کر دیا اور کرسی کی پشت گاہ سے ٹیک لگاتا ہوا بولا۔''بیٹھو.....کوئی خاص بات.....؟''

ریکھا سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''نیلم تو بالکل بدل گئی ہے۔'' اس نے کہا۔

''بدلنا ہی چاہئے۔''

''سنا ہے.....محکمے ہی میں اسے کوئی جگہ ملنے والی ہے۔''

''شعبہ تحقیق میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر کی حیثیت سے اس کا تقرر ہوا ہے۔''

''کسی بیک گراؤنڈ کے بغیر۔''

''تعجب ہے کہ تمہیں اس کی بیک گراؤنڈ کا علم نہیں۔ وہ میری بیٹی ہے۔ میں نے اسے متبنیٰ کیا ہے.....عنقریب ایک پارٹی دوں گا اس کے اعزاز میں۔''

''بڑی خوش قسمتی ہے۔''

وہ کچھ اور کہنے والی تھی کہ حمید کمرے میں داخل ہوا اور دروازے کے قریب رک کر اُسے گھورنے لگا۔

''تم کیا خبر لائے ہو.....!'' ریکھا اس کی طرف مڑ کر مسکرائی تھی۔

''بے خبری جنت ہے۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

''یہ فائل دیکھو۔'' فریدی نے ریکھا کا لایا ہوا فائل ایک طرف کھسکاتے ہوئے کہا۔

حمید فائل اٹھا کر ایک گوشے میں جا بیٹھا۔

فریدی نے پھر اپنے سامنے والا فائل کھول لیا تھا۔ ریکھا خاموش بیٹھی رہی۔ اس کے چہرے پر کچھ ایسے آثار تھے جیسے اس طرح نظر انداز کئے جانے پر بور ہو رہی ہو۔

''اجازت.....؟'' وہ اٹھتی ہوئی بولی۔

''اوہ.....اچھا.....اچھا.....!'' فریدی نے سر اٹھا کر کہا اور پھر کاغذات کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ریکھا حمید کو گھورتی ہوئی باہر چلی گئی۔ حمید پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔ کاغذات پر اس نے سرسری سی نظر ڈالی تھی۔

''آپ کا خیال درست نکلا کہ اس نے اپنے اصل نام سے پاسپورٹ نہیں بنوایا ہوگا۔'' اس نے کہا۔

''عام طور پر ایسے حالات میں یہی ہوتا ہے۔'' فریدی اس کی طرف دیکھے بغیر بولا تھا۔

''کیا یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ کہاں مقیم ہے۔''

''نہیں صرف ریٹا کے بیان کی تصدیق ہوئی ہے۔''

''فلپ شیرنگٹن.....ٹوری بیڈسٹر.....آخر ہم اسے کہاں تلاش کریں؟''

''فی الحال اتنا ہی کافی ہے.....دراصل میرا ذہن دوسرے نکتے میں الجھا ہوا ہے۔''

''کس نکتے میں.....!''

''ٹیلی فون بوتھ.....میں نے تصدیق کر لی ہے کہ اس کال کے بعد سے دھماکے کے وقت تک اس بوتھ سے اور کوئی کال نہیں ہوئی تھی۔ لیکن تم نے ریسیور کو کلپ میں لگا ہوا پایا تھا۔ اگر شروع ہی سے لگا ہوتا تو کال ٹریس نہ کی جا سکتی۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ بولنے والے کی اچانک خاموشی کے بعد تک ریسیور نیچے جھولتا رہا تھا یا کسی نے اسے ہاتھ ہی میں رکھ کر لائن کھلی رکھی تھی۔''

''غالباً آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کوئی یہی چاہتا تھا کہ کال ٹریس ہو جائے۔''

''یہ بھی ممکن ہے۔'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''اور اس کا امکان بھی ہے کہ کسی نے اس وقت دخل اندازی کی ہو جب وہ نامعلوم آدمی تم سے گفتگو کر رہا تھا۔ دونوں لڑ پڑے ہوں اور ریسیور جھولتا رہ گیا ہو۔ پھر جب وہاں ایک ہی آدمی رہ گیا ہو تو اس نے ریسیور کو کلپ سے لگا کر خود بھی اپنی راہ لی ہو۔ اس صورت میں ریسیور کپ سے لگانے والا وہ آدمی ہرگز نہیں ہوسکتا جس نے تمہیں کال کی تھی۔''

''ظاہر ہے کہ اگر وہ ہوتا تو دوبارہ بھی کال کرسکتا تھا۔''

''اور تیسری صورت محض سٹ اپ ہوسکتی ہے۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''کال کرنے والے ہی نے سب کچھ کیا ہو۔ تاکہ تم ٹائم بم کا شکار ہوسکو۔ اندازہ کرنا مشکل تو نہیں کہ تم کتنی دیر میں کال ٹریس کرو گے اور کتنی دیر میں وہاں پہنچ جاؤ گے۔ لیکن ہر صورت میں ریسیور کا کلپ میں ملنا بڑی عجیب بات ہے۔''

''کیوں.....؟''

''اگر تم سے گفتگو کرنے والا بھاگ کھڑا ہوا تھا تو حملہ آور کو اس کے پیچھے جانا چاہئے تھا اسے کیا پڑی تھی کہ ریسیور کو اس کی جگہ رکھنے کا تکلف کرتا۔''

''ٹھیک ہے؟''

''تو پھر اس حرکت کا مقصد غیر واضح ہی ٹھہرا۔''

''اگر آواز پہچانی جاسکے۔''

''محکمے کی تحویل میں کوئی ایسی ریکارڈڈ آواز نہیں ہے جو اس آواز کے مماثل ہو۔ اس لئے اسے بھی دشوار ہی سمجھو۔''

''ریٹا کا بھائی نشانہ باز ہے۔ وہ ٹائم بم کیوں رکھنے لگا۔ ظاہر ہے نشانہ باز ہونے کی بناء پر اس کا انتخاب کیا گیا ہوگا۔''

''اسے فی الحال الگ ہی رکھو..... پچھلی دونوں کوششوں میں بھی رائفل یا ریوالور کو دخل نہیں تھا۔ اگر وہ کامیاب ہوجاتیں تو میری موت حادثاتی کہلاتی..... قتل عمد نہیں۔''

''آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟''

''فی الحال کچھ بھی نہیں۔''

''ریٹا بے چاری قید ہوکر رہ گئی ہے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔

حمید نے پائپ سلگایا تھا اور خاموشی سے کمرے کے فرش کا جائزہ لیتا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد فریدی نے پوچھا۔ ''تمہیں بوتھ میں داخل ہونے سے کس چیز نے روکا تھا۔''

''بس چھٹی حس.....!''

''چھٹی حس کی بیداری کے بھی اسباب ہوتے ہیں۔ ماحول میں کوئی غیر معمولی یا غیر فطری بات چھٹی حس کو بیدار کرتی ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ریسیور کلپ میں پاتے ہی تم محتاط ہوگئے ہو۔''

''ہوسکتا ہے..... یہی بات ہو۔''

''اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہوسکتی۔ پھر اس پر بھی غور کرو، جو شخص اتنی سوجھ بوجھ رکھتا ہو کہ کال ٹریس کر کے بوتھ تک پہنچنے کے وقت کا اندازہ لگا سکتا ہو وہ ریسیور کو کلپ میں لگا جانے کی حماقت کیسے کرے گا۔''

''آپ تو الجھاتے ہی چلے جا رہے ہیں۔''

''صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر وہ سچ مچ تمہاری زندگی کا گاہک ہوتا تو ریسیور کو جھولتا نا چھوڑ جاتا۔ کلپ سے ہرگز نہ لگاتا۔''

''تب پھر میری ہونے والی کسی سالی نے مذاق کیا ہوگا۔''

فریدی نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور پھر کاغذات کی طرف متوجہ ہوگیا۔

حمید پائپ کے ہلکے ہلکے کش لیتا ہوا ریٹا کی نیلی آنکھوں کے بارے میں سوچے جا رہا تھا۔

فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے ریسیور اٹھا لیا تھا۔

''ہیلو.....!'' کہہ کر سنتا رہا۔ پھر ریسیور حمید کی طرف بڑھاتا ہوا بولا تھا۔

''تمہاری کال ہے۔''

حمید نے اٹھ کر ریسیور کان سے لگایا ہی تھا کہ کسی طوطے کی ٹیں ٹیں سنائی دی۔ حمید نے حیرت سے فریدی کی طرف دیکھا۔

''مٹھو بیٹے..... مٹھو بیٹے..... پیر نبی جی بھیجو۔'' آواز مسلسل آ رہی تھی۔ حقیقتاً وہ طوطا ہی تھا اور اس نے جتنا کچھ بھی رٹ رکھا تھا اگلے جا رہا تھا۔

اُدھر فریدی نے کال ٹریس کرنے والے کمپیوٹر کا بٹن دبایا تھا۔ ایکس چینج سے رجوع کئے بغیر کال ٹریس کرنے والا یہ کمپیوٹر اپنی مثال آپ تھا۔ کبھی ایک عدد کی بھی غلطی اس سے نہیں ہوتی تھی۔

''کسی آدمی کی بھی آواز سنائی دی۔'' فریدی نے حمید سے پوچھا۔

اس نے ریسیور کان سے لگائے ہوئے سر کو منفی جنبش دی۔ اب طوطا کہہ رہا تھا۔ ''گلرو..... گلرو..... تیرا باپ پتھر کھاتا ہے..... روبی خان پتھر کھاؤ گے..... ٹیں..... ٹیں..... ٹیں..... میا مٹھو..... پیر نبی جی بھیجو۔''

پھر دفعتاً سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔ حمید احمقانہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھتا رہا۔

''کون تھا.....!'' فریدی نے پوچھا۔

''کیا آپ نے نہیں سنا۔''

''طوطا.....!''

''جی ہاں..... آپ ہی شوق فرمایا کیجئے۔ مجھے کیوں تھما دیا ریسیور..... اب عورتیں اس طرح چھیڑنے لگی ہیں آپ کو۔''

''کیا کسی عورت کی بھی آواز سنی تھی تم نے۔''

''جی نہیں اس بار تو صرف طوطا ہی تھا..... مگر صاحب خوب تھا..... یہ گلرو کون ہے جس نے طوطے کی زبانی آپ کو میسیج دینے کی کوشش کی تھی۔ کیا اب آپ روبی خان کہلانے لگے ہیں۔ میرے ہارڈ اسٹون کہنے پر ناراض ہوتے ہیں لیکن وہ آپ کو پتھر کھلا رہی تھی۔''

''کیا بکواس کر رہے ہو؟''

''جھوٹ نہیں کہہ رہا..... لیکن آپ خواہ مخواہ پوز کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اس قسم

کی کال پہلی بار آئی تھی۔''

''یہ حقیقت ہے..... ورنہ میں ریسیور تمہاری طرف کیوں بڑھا دیتا۔ اس قسم کے فضول تجربات تم ہی نے قائم رکھے ہیں لوگوں سے۔''

''جی نہیں! میرے لئے بھی یہ حادثہ نیا ہی تھا۔''

''لیکن تم نے روبی خان اور پتھر کی کیا بات کی تھی؟''

''کیا واقعی آپ کے لئے نئی بات تھی۔''

''میں کیا پوچھ رہا ہوں۔'' فریدی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''طوطے نے کہا تھا گلرو تیرا باپ پتھر کھاتا ہے..... روبی خان پتھر کھاؤ گے۔''

یک بیک فریدی کرسی سے اٹھ گیا۔

''سمجھ گئے نا آخر آپ.....!'' حمید طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

''میرے ساتھ آؤ۔'' کہتا ہوا فریدی دروازے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

وہ محکمے کی تجربہ گاہ میں آئے تھے اور فریدی نے انچارج سے وہ ٹیپ طلب کیا تھا جو آواز کے تجزیئے کے لئے دیا گیا تھا۔

''رپورٹ آپ کو مل گئی تھی؟'' انچارج نے پوچھا۔

''مل گئی تھی..... میں اسے ذرا پھر سننا چاہتا ہوں۔'' فریدی نے کہا۔

حمید بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا تھا۔ کسی طرح اس ٹیپ سے چھٹکارا ہی نہیں نصیب ہوتا۔ پتا نہیں کتنی بار گھر پر سنا جا چکا تھا۔ اس کے بعد محکمے کی تجربہ گاہ میں آواز کے تجزیئے کے لئے لایا گیا اور تجربہ گاہ سے ملنے والی رپورٹ بھی شاید دیکھی جا چکی تھی۔ اس کے باوجود پھر وہی ٹیپ..... ایک بار پھر سنا جائے گا۔

لیکن اس وقت یہ قضیہ شاید طوطے کی کال کی وجہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ طوطے کی کال..... حمید جھرجھری سی لے کر فریدی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جس کی آنکھوں میں گہری تشویش کے آثار تھے۔

تجربہ گاہ کے انچارج نے ٹیپ ریکارڈر چلا دیا تھا۔ حمید اپنی اور اس نامعلوم آدمی کی

آوازیں سنتا رہا۔ ساتھ ہی رہ رہ کر فریدی کی طرف بھی دیکھے جا رہا تھا۔

''کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اس نے آواز بدل کر بولنے کی کوشش کی ہو۔'' فریدی نے انچارج سے پوچھا۔

''شاید آپ نے تجزیئے کی رپورٹ غور سے نہیں دیکھی۔''

''مجھے تجزیئے کی رپورٹ نہیں ملی۔'' فریدی نے کہا۔ ''ریکارڈ کیپر کی رپورٹ تھی کہ اس آواز کا ریکارڈ محکمے کی تحویل میں نہیں ہے۔''

''تجزیئے کی رپورٹ میں اس امکان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ آواز بدلنے کی کوشش بھی ہوسکتی ہے۔''

''شکریہ.....!'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ باہر نکلتے نکلتے اس نے حمید سے کہا تھا۔ ''تم جا کر دیکھو کہ کال کس نمبر سے کی گئی تھی۔''

''آپ کہاں چلے.....!''

''واپس آ کر بتاؤں گا.....جلدی ہے۔''

پھر وہ پارکنگ شیڈ کی طرف چلا گیا تھا اور حمید آفس میں آیا تھا۔

اس نے کمپیوٹر سے کارڈ نکالا.....جس پر نمبروں کی بجائے چند نقطے نظر آئے جس کا مطلب یہی ہوسکتا تھا کہ کمپیوٹر نمبر نہیں ٹریس کر سکا۔

تو یہ طوطے والی کال شہر کے کسی ایکسچینج کے توسط سے نہیں ہوئی تھی۔ یہ کمپیوٹر صرف شہر ہی کے فون نمبروں کی حدود تک کارکردگی کا مظاہرہ کرسکتا تھا۔ شہر کے باہر سے آئی ہوئی کالیں اس کے حیطہ عمل میں نہیں آتی تھیں۔

حمید کی الجھن بڑھ گئی۔ آخر اس کال پر فریدی کو اچانک ٹیلی فون بوتھ والی کال کیوں یاد آ گئی تھی۔ واہ بے طوطے.....پھر اسے یاد آیا کہ فریدی روبی خان کے حوالے پر دفعتاً اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ بات محض طوطے کی نہیں معلوم ہوتی تھی۔ ورنہ وہ پہلے ہی اس قسم کا ردعمل ظاہر کرنے کی بجائے ریسیور کیوں تھما دیتا اور پھر تجربہ گاہ کے انچارج سے ہونے والی گفتگو کی یاد آئی۔ اس نے آواز کے بدلنے کی کوشش سے متعلق سوال کیا تھا۔ اس سے قبل تو اس

نے یہ بات نہیں کی تھی۔ تو گویا اس نئے خیال کا باعث بھی طوطے ہی والی کال بنی تھی۔ یہ کیا روبی خان کے حوالے پر فریدی کو کسی کی آواز یاد آ گئی تھی جس کے بدلے جانے کے امکان پر غور کرنے لگا تھا۔

ڈیوٹی کا وقت ختم ہوجانیکے بعد بھی حمید وہیں فریدی کی واپسی کا منتظر رہا۔ ٹھیک پانچ بجے فون کی گھنٹی بجی تھی۔ حمید نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی تھی۔

''کمپیوٹر نے کون سا نمبر بتایا ہے۔''

''صفر.....!'' حمید بولا۔

''کال باہر کی تھی۔''

''آپ کہاں ہیں اور میری چھٹی ہوئی یا نہیں۔''

''گھر جاؤ۔''

''آپ کہاں ہیں!''

''جواب ملنے کی بجائے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی تھی۔ حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ ریسیور کریڈل پر رکھا ہی تھا کہ پھر گھنٹی بج اٹھی۔

''ہیلو.....!'' حمید ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں دہاڑا۔

''کون صاحب ہیں۔'' دوسری طرف سے نیلم کی آواز آئی۔

''وہی بد بخت.....!''

''بابا.....آج بہت دیر کردی۔ یہاں موٹے بھائی براجمان ہیں۔ خدا کیلئے جلدی آؤ۔''

''نکال باہر کرو.....میں اچھے موڈ میں نہیں ہوں۔''

''سارے جتن کر ڈالنے کے بعد ہی فون کر رہی ہوں.....!''

''سچ مچ خون سوار ہے مجھ پر.....!''

''کوئی خاص بات.....؟''

''بہت عرصہ سے کوئی عام بات نہیں ہوئی۔''

''کچھ بھی ہو.....فوراً آؤ.....ریٹا اسے دیکھ دیکھ کر نروس ہو رہی ہے۔!''

''ریٹا کو اسی کے حوالے کردو۔ بھائی کا غم بھول جائے گی۔'' کہہ کر حمید نے ہیو
کریڈل پر رکھ دیا۔

تھوڑی دیر بعد اس کی گاڑی گھر کی طرف جارہی تھی۔

پورچ میں قدم رکھتے ہی قاسم کے قہقہے کی گونج سنائی دی۔ وہ ڈرائنگ روم میں
قاسم انگریزی ''گھوگھتا'' ہوا نظر آیا۔ کم از کم حمید کے ذہن میں تو یہی مہمل لفظ
اسے انگریزی بولتے دیکھ کر..... عجیب سا حلیہ بنتا تھا۔ آنکھوں کے گرد شکنیں پڑ جاتی تھیں
ہونٹ تھوتھنی کی شکل اختیار کر لیتے تھے۔ ہاتھ غیر ضروری حرکتیں کرتے تھے اور پورا
تھلتھلانے لگتا تھا۔

نیلم مسکرا رہی تھی اور ریٹا کی شکل پر بارہ بج رہے تھے۔ لیکن آنکھیں قاسم ہی پر جمی ہوئی تھیں

''آ گیا میرا بھائی۔'' قاسم اردو میں دھاڑ کر کھڑا ہو گیا۔

اسی کے ساتھ نیلم اور ریٹا بھی بوکھلا کر اُٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

''بیٹھ جاؤ بھائی کے بچے..... تم یہاں کیوں آئے ہو..... پچھلے ہفتے ہمارا جھگڑا
نا.....!'' حمید کہتا ہوا آگے بڑھا۔

''ہاں.....!'' قاسم چونک کر بولا۔ ''میں تو بھول ہی گیا تھا..... ان کے آنے کی
نہیں رہا غیا..... چلا آیا۔''

''اچھا تو اب جاؤ۔''

قاسم نے جھینپے ہوئے انداز میں نیلم کی طرف دیکھا تھا۔

''نہیں..... بیٹھئے..... آپ.....!'' نیلم ہاتھ ہلا کر بولی۔

''تم بور تو نہیں ہو رہیں۔'' حمید نے ریٹا سے پوچھا۔

''نن..... نہیں..... لیکن تمہارے دوست سے خوف معلوم ہو رہا ہے۔''

''اب خوف کی کوئی چیز نہیں رہی اس میں..... خوفناک تو اس وقت تھا جب نیا
سے نکلا تھا۔''

قاسم نے گھور کر حمید کی طرف دیکھا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ شاید پوری بات ہی

فی۔

''ب..... بوتل سے نکلا تھا.....؟'' ریٹا نے حیرت سے کہا۔

''ہاں..... دریا میں مچھلیوں کے لئے جال ڈالا تھا..... مچھلیوں کے ساتھ ایک سربند
ہی نکلی تھی..... ڈرائی جن کی.....!''

''دیکھا تم نے نیلم باجی..... مجھے بوتل قاجن قہہ رہا ہے..... میں سمجھ گیا۔''

''نہیں بھیا..... ڈرائی جن..... شراب کا نام ہے۔''

''تمہاری وجہ سے چلا آیا تھا۔ ورنہ یہ تو صورت حرام ہو گیا ہے۔ بالکل پولیس والا ہی
فا ہے..... روز لڑائی ہوتی ہے۔''

حمید ریٹا سے کہہ رہا تھا۔ ''اڑ بھی سکتا ہے..... اور اڑتے وقت گاتا بھی رہتا ہے۔ نیچے
پھر مارو تو خوشی کا اظہار کرتا ہے۔''

''تمہاری ایسی کی تیسی بھی قرتا ہے.....!'' قاسم بھنا کر کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ ''جا رہا ہوں
باہر کہیں دکھائی دیئے تو سمجھ لوں گا۔''

حمید سنی ان سنی کر کے ریٹا ہی سے مخاطب رہا۔ نیلم نے بھی اسے روکنے کی کوشش نہیں
فی۔ قاسم دروازے کے قریب رکا۔ شاید توقع تھی کہ روکا جائے گا۔ لیکن یہ آرزو پوری نہ
ہی۔ بُرا سا منہ بنائے باہر نکل گیا۔

''اس سے چھٹکارا پانے کا بہترین طریقہ یہی ہے۔'' حمید ریٹا سے کہہ رہا تھا۔ ''قطعی
نہ بجھنے دو کہ تم اس کی باتیں سمجھ رہی ہو.....!''

''میں نے اتنا لمبا چوڑا آدمی پہلے کبھی نہیں دیکھا۔'' ریٹا بولی۔

''بچپن میں تو سر پر سینگ بھی تھے..... جرمنی میں آپریشن سے نکالے گئے ہیں۔
ے دوستوں میں سبھی حیرت انگیز ہیں..... اور جو یہ نیلم ہے نا.....!''

''بس بس.....!'' نیلم ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''زیادہ بولنے سے زبان میں کانٹے پڑ جاتے ہیں۔''

حمید اسے گھور کر رہ گیا۔

''اب طبیعت الجھنے لگی ہے۔ آسمان دیکھنا چاہتی ہوں۔'' ریٹا نے کہا۔

''تمہارے بھائی کا سراغ مل جائے پھر آسمان بھی دکھادیں گے..... ویسے تمہیں
سن کر خوشی ہوگی اس نے اپنی ولدیت تک بدل دی ہے۔ شیر گلگن کی بجائے ہیڈ
ٹوری ہیڈسٹر..... کیا تم اس کے اس نام سے بھی واقف تھیں۔''

''ہرگز نہیں..... تمہیں کیسے معلوم ہوا۔''

''تصویر کی مدد سے ویزا فارم تلاش کرلیا گیا ہے..... جس پر یہی نام تحریر ہے۔
غایت سیاحت ظاہر کی گئی ہے۔''

''خدارا اسے جلدی سے تلاش کرلو.....!''

''کوشش جاری ہے۔''

''یہ تو معلوم ہی ہوسکتا ہے کہ وہ یہاں سے کہاں گیا ہوگا۔'' نیلم بولی۔

''ہاں..... ہوسکتا ہے لیکن اسی صورت میں جبکہ سچ مچ سفر کا مقصد وہی ہو جو کاغذ
میں درج ہے۔''

''کیپٹن کا خیال درست معلوم ہوتا ہے۔'' ریٹا نے نیلم کی طرف دیکھ کر مغموم لہجے
کہا۔ ''وہ اب سیاحوں کی کسی ٹولی کے ساتھ تو ہرگز نہیں ہوگا۔ میں بڑی دشواری میں پڑ
ہوں۔ کاش تنہا آئی ہوتی۔ تمہارا ساتھ نہ ہوا ہوتا۔''

''کیوں؟ تم تنہا کیا کرلیتیں۔''

''کچھ بھی نہ کرسکتی۔ لیکن شرمندگی کے مستقل احساس سے تو بچی رہتی۔ ہر وقت
خیال ذہن پر مسلط رہتا ہے کہ جس شخص کو قتل کرنے میرا بھائی یہاں آیا ہے میں اس
مہمان ہوں اور وہ سب کچھ جان لینے کے بعد بھی میرے لئے ایک مہربان اور مشفق
ثابت ہو رہا ہے۔''

''اوہ..... بھول جاؤ..... میرا باپ بہت عظیم ہے۔''

ریٹا کچھ نہ بولی۔ بے حد مغموم نظر آرہی تھی۔ حمید نے نیلم کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''تم
ہوا تمہاری سہیلی کا واحد علاج ہے۔''

''لیکن انکل نے گھر ہی تک محدود رہنے کی ہدایت دی ہے۔''

''اپنی عقل بھی استعمال کیا کرو۔''

''کیا مطلب.....؟''

''برقعہ.....!''

''کیوں فضول باتیں کرتے ہو۔''

''تم نے ابھی کیا کہا تھا.....!'' ریٹا نے حمید سے سوال کیا۔

''برقعہ.....!'' حمید نے دہرایا اور اُسے برقعے کے متعلق بتانے لگا۔

''رومینٹک.....!'' ریٹا یک بیک کھل اٹھی۔ ''میرے لئے ضرور یہ لباس فراہم کرو۔
واہ کیا مزہ آئے گا..... میں سب کو دیکھ سکوں گی لیکن مجھے کوئی بھی نہیں دیکھ سکے گا۔''

''انکل اسے پسند نہیں کریں گے۔'' نیلم بھنا کر بولی۔

''وہ تو اب تمہیں بھی برقعے ہی میں رکھیں گے۔ آج کل انہیں اپنے قدیم کلچر سے بیحد
لگاؤ ہوگیا ہے۔ ان کی باتوں سے میں نے یہی اندازہ لگایا ہے کہ تمہیں برقعے ہی میں آفس
جانا پڑے گا۔''

''خدا کے لئے میرا موڈ نہ خراب کیجئے۔''

''قومی روایت.....!''

''بس ختم کیجئے۔''

''سچ مچ نیلم..... مجھے تو یہ لباس بے حد رومینٹک لگ رہا ہے۔'' ریٹا نے کہا۔

''ابھی تم نے اسے دیکھا نہیں ہے۔''

''میں اپنے یہاں کے رسائل میں تصاویر دیکھتی رہی ہوں۔''

''میں تمہیں برقعہ پوش خواتین سے ضرور ملواؤں گا.....!'' حمید بولا۔

''ضرور..... ضرور کیپٹن..... مشرق مجھے بے حد حسین لگتا رہا ہے۔ میں نے مشرق کی
کہانیاں پڑھ پڑھ کر بہت خوبصورت خواب دیکھے ہیں۔ لیکن افسوس کہ قید ہوکر رہ گئی ہوں۔''

''بالکل فکر نہ کرو..... ابھی فون کر کے ایک عمدہ سا برقعہ طلب کرتا ہوں۔''

حمید اٹھا تھا اور ڈرائنگ روم سے نکل کر اپنی خواب گاہ کی طرف چل پڑا تھا۔ ابھی

راہداری ہی میں تھا کہ ایک ملازم نے اس کی خواب گاہ والے فون کی گھنٹی بجنے کی اطلاع دی۔ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا خواب گاہ میں پہنچا تھا۔ فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ اس نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے قاسم کی آواز سنائی دی تھی۔ ''تم نے میری ایسی کی تیسی کر کے رکھ دی ہے سالے۔''

''کتنی بار یہ بات کہو گے۔ تمہاری ایسی کی تیسی تو اسی وقت ہوگئی تھی جب تم پیدا ہوئے تھے۔''

''قیا مطلب.....؟''

''اپنے والد صاحب سے پوچھو۔'' حمید نے کہا اور ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور واپسی کے لئے مڑ ہی رہا تھا کہ پھر گھنٹی بجی۔

''کیوں شامت آئی ہے۔'' وہ ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں دھاڑا۔ لیکن پھر سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔ دوسری طرف سے بولنے والا فریدی تھا۔

''معاف کیجئے گا..... اس سے پہلے قاسم دماغ چاٹ رہا تھا۔ میں سمجھا شاید وہی ہے۔'' حمید نے کھسیانے انداز میں کہا۔

''میں باہر جا رہا ہوں..... تم ریٹا کے بھائی کی تلاش جاری رکھو۔''

''کیا گھر آئے بغیر ہی۔''

''ہاں..... جلدی میں ہوں..... گھر آنے کا وقت نہیں ہے۔''

''ریٹا کہتی ہے کہ میں باہر نکلنا چاہتی ہوں۔ اس پر میں نے برقعے کی تجویز پیش کی تھی۔''

''تجویز بُری نہیں ہے..... برقعہ خرید لو۔'' کہہ کر فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

حمید نے سر کی پُرمعنی جنبش کے ساتھ ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور دروازے کی طرف مڑ کر کھڑا ہوگیا۔

تو یہ چکر ہے۔ وہ سوچ رہا تھا۔ ہوئے غائب! لیکن کیوں؟ اس سے پہلے بھی تو دو بار حملہ ہو چکا تھا۔ ٹیلی فون بوتھ والے حادثے کے بعد بھی غیر معمولی طور پر محتاط رویہ نہیں رہا تھا۔ اس کا ذہن پھر طوطے کی ٹیں ٹیں کی طرف مبذول ہوگیا۔

''روبی خاں پتھر کھاؤ گے؟'' وہ کیسی کال تھی؟ اسکے بعد ہی سے فریدی کے رویئے میں تبدیلی

آئی تھی اور اب وہ کہیں باہر جا رہا تھا ادھر کمپیوٹر کے مطابق وہ کال بھی مقامی نہیں تھی۔

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تھی اور وہ اچھل پڑا تھا۔ آج رات خلاف معمول جلد ہی سو گیا تھا۔

ریسیور اٹھاتے وقت ٹائم پیس پر نظر پڑی۔ ساڑھے بارہ بجے تھے۔

''ہیلو.....!''

''بابا.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''تجربہ گاہ سے بول رہی ہوں۔''

''کیوں.....؟'' حمید دھاڑا۔

''آپے سے باہر کیوں ہوتے ہو..... ذرا جلدی سے یہاں پہنچنے کی کوشش کرو.....!''

''تنہا ہو.....!''

''ہاں..... بس جلدی سے آ جاؤ۔''

''وہاں کیا کر رہی ہو۔''

''یہیں بتاؤں گی۔ فون پر نہیں سمجھ سکو گے۔''

''اچھا... آ رہا ہوں۔'' حمید نے کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔

سلیپنگ گاؤن پہنا تھا اور تیسری منزل پر جانے کے لئے لفٹ کی طرف چل پڑا تھا۔

نیلم تجربہ گاہ میں تنہا ہی ملی۔ ورنہ حقیقتاً حمید یہی سمجھتا تھا کہ فریدی بھی خواب گاہ میں موجود ہوگا۔ نیلم جھوٹ بول رہی ہے۔

''کیا تمہیں فرنجک ہوئی ہے۔'' حمید نے کھلکھنے لہجے میں پوچھا تھا۔

''جی نہیں..... نیا انکشاف.....!''

''فرمایئے۔'' حمید نے اسی طرف دیکھتے ہوئے کہا جدھر نیلم متوجہ تھی۔

اس کے سامنے میز پر ریٹا کی دی ہوئی تصاویر میں سے ایک تصویر رکھی ہوئی تھی۔

''یہ شخص.....!'' نیلم تصویر پر انگلی رکھتی ہوئی بولی۔ ''جو کوئی بھی ہو نشانہ باز فلپ

شیر نگکن ہرگز نہیں ہوسکتا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''یہاں پہنچنے سے قبل مجھے نہیں معلوم تھا کہ ریٹا فلپ شیر نگکن کی بہن ہے۔''

''میں اب بھی نہیں سمجھا۔''

''اس نے یہیں آ کر اس کا انکشاف کیا ہے۔ ہماری دوستی ایک سال پرانی ہے۔ اس نے کبھی نہیں بتایا۔ حالانکہ اپنی اہمیت جتانے کے لئے دور دراز کے رشتہ دار بھی کسی مشہور شخصیت سے رشتہ جوڑ لیتے ہیں۔''

''ہاں..... یہ بات قابل غور ہے..... لیکن ٹھہرو..... تم نے بھی تو کرنل کے بارے میں اسے کچھ نہیں بتایا تھا۔''

''وہ احتیاط تھی..... میں نے کبھی کسی کو اپنے بارے میں تفصیل سے نہیں بتایا..... میری اور اس کی پوزیشن میں فرق ہے۔''

''چلو..... تسلیم کرلیا..... پھر.....!''

''اب میں تمہیں فلپ شیر نگکن کی اس وقت کی تصویر دکھاتی ہوں جب وہ عالمی مقابلے میں اول آیا تھا۔''

اس نے اسپورٹس کا ایک پرانا شمارہ اٹھایا تھا اور اس کے ورق الٹنے لگی تھی۔

''یہ دیکھو.....!''

''کیا دیکھوں..... پہلے ڈاڑھی مونچھیں نہیں رکھتا تھا۔ اب نئے فیشن کے مطابق رکھ بن گیا ہے۔''

''بال بڑھانا اور بات ہے بابا جان..... لیکن ذرا غور سے دیکھو..... نہ صرف آنکھوں بلکہ کانوں کی بناوٹ میں بھی فرق ہے۔ البتہ دونوں کی ناکیں من وعن ایک جیسی ہیں اس لئے پہلی نظر میں یہی مشابہت دھوکا دیتی ہے۔''

حمید محدب شیشے کی مدد سے دونوں تصاویر کا جائزہ لیتا رہا تھا۔ پھر طویل سانس لے کر بولا تھا۔ ''تم پر ہماری محنت ضائع نہیں ہوئی نورچشمی سلمہا۔''

''شکریہ بابا.....!''

''بابا کی بچی..... اب کیا ہوگا..... ریٹا کہاں ہے؟''

''آج میں نے اسے کافی میں خواب آور دوا دی تھی۔ بے خبر سو رہی ہے۔ اس تصویر کے سلسلے میں کچھ تجزیات کرنے تھے۔''

''ایک اور بات..... کیا تم نے اسے بتا دیا ہے کہ کرنل باہر گئے ہیں۔''

''ہاں..... بتا دیا تھا۔''

''کیا ضرورت تھی۔''

''اس نے پوچھا تھا جب آٹھ بجے تک ان کی واپسی نہیں ہوئی تھی۔ بہرحال ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اب وہ اس کے بھائی کا پتا لگائے بغیر نہیں مانیں گے۔ سیاحت کے بہانے آیا ہے تو پولیس کے ریکارڈ کے لئے کچھ وقت دوسرے شہروں میں بھی گزارے گا۔''

''تم واقعی کچھ زیادہ ہی متمنی ہوگئی ہو۔''

نیلم کو اس جملے پر ہنسی آ گئی تھی اور حمید نے کہا تھا۔ ''مجھے یقین نہیں ہے کہ کرنل کو اس کی کہانی پر یقین ہی آ گیا ہو..... اب ان کے رویئے پر غور کرتا ہوں تو۔''

دفعتاً نیلم چونک پڑی۔

''یہ کیسی آواز تھی۔'' اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں نے تو نہیں سنی۔''

نیلم نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔ حمید نے بھی کسی متوقع آواز کی طرف کان لگا دیئے اور پھر اس نے معنی خیز انداز میں نیلم کی طرف دیکھا تھا۔

آواز ..... عجیب سی آواز تھی جیسے لاتعداد پیروں والی کوئی شے چل رہی ہو۔ اتنی ہلکی آواز کہ بہت زیادہ توجہ دینے ہی پر سنی جاسکتی۔ یعنی اگر نیلم حمید کا ذہن خصوصیت سے اس کی طرف مبذول نہ کراتی تو اسے احساس تک نہ ہوتا۔

باہر سے آنے والی بھی نہیں معلوم ہوتی تھی۔ تجربہ گاہ کے اندر ہی کی فضا میں گونج رہی تھی۔

''آؤ دیکھیں۔'' حمید دوسری طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''تم ادھر سے دیکھنا شروع

کرو..... میں ادھر سے دیکھتا ہوں۔''

نیلم مشرقی سرے کی طرف چلی گئی۔ قریباً پندرہ یا بیس منٹ تک تلاش جاری رہی تھی لیکن آواز کا بھید نہ کھل سکا۔ ویسے آواز اب بھی سنائی دے رہی تھی۔

''کیا سمجھا جائے۔'' نیلم حیران حیران آنکھوں سے چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''ان سبھوں کی روحیں معلوم ہوتی ہیں جو وقتاً فوقتاً ہمارے ہاتھوں مارے جاتے رہے ہیں۔'' حمید نے ہنس کر کہا۔ ''اس چکر میں نہ پڑو۔ یہ تجربہ گاہ جادوگر کی پٹاری ہے۔''

نیلم ایک اسٹول پر بیٹھ گئی۔

''چلو..... کیوں میری اور اپنی نیند خراب کر رہی ہو۔''

''سنو بابا..... جب میں یہاں آئی تھی تو یہ آواز نہیں تھی۔''

''اب تمہارے چلے جانے کے بعد بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔''

''نہیں میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ اختتام کو کیسے پہنچتی ہے۔''

''دیکھے جاؤ..... میں تو چلا۔''

''نہیں بابا.....!'' وہ اٹھ کر اس کی راہ میں حائل ہوتی ہوئی بولی۔ ''اکیلے ڈر لگے گا۔''

''ڈر لگے گا..... تمہیں..... کیوں بے وقوف بناتی ہے لڑکی۔''

''پھر بھی..... ہم ساتھ ہی چلیں گے..... براہِ کرم بور نہ کرو۔''

پھر وہ آواز مزید دس منٹ تک سنائی دیتی رہی تھی۔ اسکے بعد اچانک سناٹا چھا گیا تھا۔

''آہا..... اب تو اٹھو۔'' حمید خوش ہو کر بولا۔

''تمہیں کوئی تشویش نہیں ہے۔'' نیلم نے حیرت سے کہا۔

''کرنل کی لغت میں اس لفظ یعنی تشویش کا کوئی وجود نہیں ہے..... مجھے مجبوراً اندھا گونگا اور بہرا بننا پڑا ہے۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''کچھ دنوں تک ساتھ رہو گی تو سب کچھ سمجھ جاؤ گی۔''

''مجھے الجھن میں نہ ڈالو۔''

''الجھنوف نام ہے آج کل میرا۔''

''تم جاؤ..... میں رکوں گی یہاں۔''

''شکریہ! جھک مارتی رہو۔'' حمید دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

دوسری منزل پر اس نے لفٹ روکی تھی اور راہداری میں اتر گیا تھا۔

''اب وہ ریٹا کی خواب گاہ کی طرف جا رہا تھا۔

دروازہ بند ملا۔ قفل کے سوراخ سے آنکھ لگا دی لیکن بے سود۔ کچھ نہ دکھائی دیا کیونکہ دوسری طرف قفل کے سوراخ میں کنجی لگی ہوئی تھی۔

پھر یونہی خواہ مخواہ نیلم کی خواب گاہ کی طرف بڑھ گیا۔

ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا۔ اندر ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن وہ چونک پڑا۔ بستر پر کوئی کمبل تانے سو رہا تھا۔ اس کی بھنویں سکڑ گئیں۔

دبے پاؤں آگے بڑھا۔ پھر اچانک اسے اپنی سنجیدگی پر ہنسی آ گئی۔ ظاہر تھا کہ نیلم اس معاملے میں بے حد محتاط ہو گئی تھی۔ لہٰذا کیوں چاہتی کہ خواب گاہ میں اس کی عدم موجودگی کا علم کسی اور کو ہو جائے۔ استراحت کی ڈمی بنا گئی تھی۔

بہرحال اب تو کمرے میں داخل ہو ہی چکا تھا۔ لہٰذا کیوں نہ کمبل ہٹا کر اطمینان ہی کر لیتا۔

''ہائیں.....!'' سرہانے سے کمبل ہٹاتے ہی وہ چونک پڑا تھا۔ یہ ریٹا تھی۔ مگر نیلم نے تو کہا تھا کہ وہ اپنے کمرے میں سوئی تھی۔ پھر ریٹا کی خواب گاہ میں کون تھا۔ اس کا دروازہ اندر سے مقفل تھا اور قفل میں کنجی بھی موجود تھی۔ اسی لئے وہ اندر جھانک نہیں سکا تھا۔

اس نے مڑ کر کھلے ہوئے دروازے سے راہداری کی طرف دیکھا۔ لفٹ اوپر جا رہی تھی۔ شاید نیلم نے واپس آنے کیلئے اوپر لفٹ کا بٹن دبایا تھا۔ وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔

ریٹا کا چہرہ کمبل سے باہر تھا۔ گہری اور پرسکون نیند سو رہی تھی۔ چہرے پر معصومیت طاری تھی۔ حمید اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر قبل کے انکشاف کی روشنی میں اسے معصوم تو نہ ہونا چاہئے۔

لفٹ رکنے کی آواز آئی تھی۔ حمید پھر دروازے کی طرف مڑا۔ نیلم لفٹ سے باہر نکلتی

نظر آئی تھی۔

تیر کی طرح اس کی طرف آئی تھی اور بستر پر نظر پڑتے ہی ششدر رہ گئی تھی۔

''کیا مطلب.....؟'' وہ اس طرف دیکھ کر متحیرانہ انداز میں بولی۔ ''یہ تم نے کیا کیا۔''

''دماغ تو نہیں چل گیا..... میں کیوں کرنے لگا۔''

''پھر یہاں کیوں؟''

''تم نے کہا تھا کہ وہ اپنے کمرے میں سو رہی ہے۔''

''میں نے غلط نہیں کہا تھا۔''

''اس کا دروازہ اندر سے مقفل ہے..... میں نے قفل کے سوراخ سے اندر جھانکنے کی کوشش کی تھی۔''

''پھر میرا کمرہ کیوں کھولا تھا۔''

''بس یونہی کسی معقول وجہ کے بغیر ہی۔''

''بابا.....!''

''میری نیت پر شبہ کرو گی تو تھپڑ مار دوں گا۔'' حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''مم..... مطلب یہ کہ یہ میری خواب گاہ میں کیسے پہنچی۔''

''میں نہیں جانتا۔'' حمید کے لہجے میں تلخی بدستور برقرار تھی۔

نیلم آگے بڑھ کر ریٹا کو ہلانے جلانے لگی۔

''فضول ہے۔'' دروازے کی طرف سے آواز آئی۔ وہ چونک کر مڑے۔ فریدی سامنے کھڑا نظر آیا۔

''خود بخود بیدار ہوگی..... کلوروفام.....!''

''کلوروفام بھی۔'' حمید اچھل پڑا۔

''بھی کا کیا مطلب.....!'' فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

''یہ صاحبزادی پہلے ہی بے چاری کو کافی میں خواب آور دوا دے چکی تھیں۔''

فریدی نے جواب طلب نظروں سے نیلم کی طرف دیکھا۔

''وہ..... وہ..... دراصل میں اس سے پیچھا چھڑا کر اسی کے متعلق چھان بین کرنا چاہتی تھی۔''

فریدی نے طویل سانس لی۔

''میں نے تمہیں تجربہ گاہ میں منہمک دیکھ کر اسے تمہارے کمرے میں منتقل کر دیا تھا۔ تم وہاں کیا کر رہی تھیں۔''

''ہم پر بھی سبقت لے جانے کی کوشش کر رہی تھی بے چاری۔'' حمید نے کہا اور نیلم کی دریافت سے متعلق بتانے لگا۔

''خوشی ہوئی۔'' فریدی اس کے خاموش ہونے پر بولا۔

''لیکن آپ نے کیوں سنگھا دیا کلوروفام.....!''

''مجھے بہت پہلے شبہ ہو گیا تھا..... فلپ شیرنگٹن کی تصاویر پہلے بھی باہر کے رسائل میں دیکھ چکا ہوں..... آؤ میرے ساتھ۔'' وہ راہداری میں مڑتا ہوا بولا۔

وہ انہیں ریٹا کی خواب گاہ میں لایا تھا۔

''سوال تو یہ ہے کہ اپنے ہی گھر میں اس طرح داخل ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔'' حمید بولا۔

''تم اسے بتا چکے تھے کہ میں باہر جا رہا ہوں گھر نہیں آؤں گا اور مجھے جو کچھ بھی دیکھنا تھا اس کی لاعلمی میں.....!''

''لیکن انکل بے ہوش کر دینے کے بعد اسے میری خواب گاہ میں کیوں منتقل کر دیا تھا۔'' نیلم نے سوال کیا۔

''اس کمرے میں ایک ایک انچ جگہ کی تلاشی لینی تھی۔ اسکے سامان کو بھی دیکھنا تھا۔ کلوروفام کا اثر جلد بھی زائل ہو سکتا ہے۔ مجھے علم نہیں تھا کہ تم بھی اسے خواب آور دوا دے چکی ہو۔''

''ختم کیجئے اس قصے کو۔'' حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ ''سب سے اہم بات تو رہ ہی گئی۔''

''کیا بات ہے۔''

''ہم نے تجربہ گاہ میں عجیب قسم کی آوازیں سنی تھیں لیکن یہ نہ معلوم کر سکے کہ وہ آواز کہاں سے رہی تھیں۔''

''کیسی آوازیں؟''

''ایسا معلوم ہوتا تھا'' نیلم کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ ''جیسے کوئی جاندار شے اپنے الٹے پیروں سے چل رہی ہو۔''

''اوہ.....تم شاید کرسی پر بیٹھ گئی تھیں جو کالی میز کے سامنے رکھی ہوئی ہے۔''

''جی ہاں شاید.....!''

''یہی بات تھی۔''

''کیا بات تھی۔'' حمید اس طرح بولا جیسے اسے اپنا لاعلم رکھا جانا گراں گزرا ہو۔

''پھر بتاؤں گا.....کوئی خاص بات نہیں۔ آوازوں کی اثر اندازی پر ایک تجربہ کر رہا تھا۔ جسے بعض معاملات کی وجہ سے ادھورا ہی چھوڑ دینا پڑا تھا۔''

حمید نے بُرا سا منہ بنایا اور لاتعلقی سے دوسری طرف دیکھنے لگا تھا۔

''تو آپ کو یہاں کس چیز کی تلاش تھی۔'' نیلم نے پوچھا۔

''یہ دیکھو.....!'' فریدی نے فرش پر پھیلے ہوئے سامان کی طرف اشارہ کیا۔

ریٹا کا سوٹ کیس اُدھیڑ ڈالا گیا تھا اور اس کی ساری چیزیں فرش پر ڈھیر تھیں۔

''سوٹ کیس کی درمیانی تہہ سے جو اجزاء برآمد ہوئے ہیں انہیں ترتیب دینے سے ایک الیکٹرونک آلہ نقب زنی تیار ہو جائے گا اور جس سے فولاد کی تجوریاں بھی کاٹی جا سکتی ہیں۔''

''آخر یہ کم بخت چاہتی کیا ہے۔'' نیلم بھنا کر بولی۔

حمید طوطے کے سے انداز میں ناک کے بل بولنے لگا۔ ''ٹیں ٹیں ٹیں.....روبی خان پتھر کھاؤ گے.....ٹیں.....ٹیں.....ٹیں.....!''

فریدی نے اسے گھور کر دیکھا تھا لیکن کچھ بولا نہیں تھا۔



دوسری صبح ریٹا اپنی خواب گاہ میں بیدار ہوئی تھی اور شاید اسے کوئی غیر معمولی بات محسوس نہیں ہوئی تھی۔ معمول کے مطابق بیداری کے بعد کی مصروفیات رہی تھیں اور پھر وہ

39

کی میز پر جا پہنچی تھی۔ کیپٹن حمید نے لپک کر استقبال کیا تھا اور نیلم کے رویئے میں بھی کوئی تبدیلی محسوس نہیں کی تھی۔

''کیا خیال ہے.....آج تفریح کی رہی نا'' حمید نے ناشتے کے دوران میں ریٹا سے پوچھا۔

''میں تو سوچ سوچ کر محظوظ ہوتی رہی ہوں.....تمہاری عورتوں کے روایتی ملبوسات ہمیشہ سے پسند رہے ہیں۔''

''بس غرارہ سوٹ.....!'' حمید نے نیلم کی طرف دیکھ کر کہا۔

''مشق کی ضرورت پیش آئے گی۔'' نیلم نے کہا۔

''پہنا کر میرے حوالے کر دو.....سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

نیلم نے حمید کو گھور کر دیکھا تھا۔ لیکن وہ اس کی طرف توجہ دیئے بغیر کہتا رہا۔ ''انہیں سوٹ پہننے کے مکمل آداب سکھاؤں گا۔''

''شکریہ کیپٹن.....!''

ناشتے کے بعد ہی انہیں اس مرحلے سے گزرنا پڑا تھا کیونکہ ریٹا نے بے صبری کا مظاہرہ کر دیا تھا۔ غرارہ سوٹ پہن کر آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

''اوہ.....میں تو مغل شہزادی لگ رہی ہوں۔'' اس نے ہنس کر کہا۔

''بس مغلوں کا غرارہ ہی باقی رہ گیا ہے۔ اگر میں اکبر اعظم کا سا لباس پہن لوں تو تمہارے پیچھے تالیاں بجاتے پھریں گے۔'' حمید بولا۔

''باتیں بند کرو بابا.....چلنے کی کیا رہی.....ابھی برقعہ بھی باقی ہے۔''

''ہاں.....ٹھیک ہے۔''

اس کے بعد برقعے کی باری آئی تھی۔ لیکن مسئلہ تھا نقاب کا.....نقاب ڈال کر وہ اسے کو سنبھالے رکھنے میں کامیاب نہیں ہوئی تھی اور غرارہ بھی فرشی غرارہ تھا۔ آخر یہ طے ہوا کہ نقاب کو ٹھوڑی پر بل دے کر صرف دہانہ ڈھانک لیا جائے اور آنکھیں تاریک شیشوں کی عینک میں چھپ جائیں گی۔

پوری تیاری کے بعد جب گھر سے نکلنے کی نوبت آنے ہی والی تھی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

''دیکھو.....کون ہے۔'' حمید بیزاری سے بولا۔ ''کہہ دینا ہم میں سے کوئی بھی موجود نہیں ہے۔''

نیلم نے کال ریسیو کی تھی۔غور سے سنتی رہی تھی۔ پھر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر حمید سے بولی تھی۔ ''ضروری کال ہے.....سن لو.....!''

اس کی سنجیدگی دیکھ کر حمید نے کال سے متعلق کوئی سوال نہیں کیا تھا۔

لیکن اس وقت اس کا حلیہ بگڑ گیا جب ریسیور کان سے لگاتے ہی فریدی کی آواز سنائی دی۔

''میرا خیال ہے کہ تم اس وقت تفریح کے موڈ میں ہو گے۔''

''میرے موڈ میں ہونے سے کیا ہوتا ہے.....فرمایئے۔''

''اسے نیلم پر چھوڑو۔''

''میں کب سر پر اٹھائے پھر رہا ہوں۔'' حمید بھنا کر بولا۔

''نیاگرا میں تمہارا منتظر ہوں۔''

حمید نے بہت کچھ کہتے ہوئے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا تھا۔

''مجھے افسوس ہے ریٹا! میں تمہارے ساتھ نہ جا سکوں گا۔ اچانک دفتر میں طلب کر لیا گیا ہوں۔'' اس نے مسمسی صورت بنا کر کہا۔

''یہ تو بہت بُرا ہوا۔'' ریٹا نے کہا اور نیلم کی طرف دیکھنے لگی۔

''کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' نیلم بولی۔ ''ہم جائیں گے۔''

''کیپٹن خوش مزاج آدمی ہیں۔فرق تو پڑے گا۔''

''میں بھی چڑچڑی اور بد دماغ نہیں ہوں۔''

''ارے یہ مطلب نہیں تھا۔''

''اچھا..... بائی بائی.....!'' حمید ہاتھ ہلاتا ہوا باہر نکلا چلا آیا۔

تھوڑی دیر بعد اس کی گاڑی نیاگرا کی طرف جا رہی تھی۔لیکن اس کا ذہن گھر ہی رہ گیا تھا۔پچھلی رات کے انکشافات کے بعد سے وہ ریٹا کو ہر وقت نظر میں رکھنا چاہتا تھا۔پتہ نہیں اس نے کس مقصد کے تحت نیلم کو آلہ کار بنایا تھا۔ وہ فریدی کے گھر میں کیا کرنا چاہتی تھی؟

کے پاس آلہ نقب زنی کی موجودگی کیا معنی رکھتی تھی۔

پھر سب سے بڑی بات تو یہ کہ کیا نیلم اس پر نظر رکھنے کے لئے کافی تھی؟ اگر وہ اتنی باصلاحیت ہوتی تو اس کے فریب میں کیوں آ جاتی۔

اسے خاصی تیز رفتاری سے راستہ طے کرنا پڑا تھا۔فریدی نیاگرا کے ڈائننگ ہال میں ملا۔

''کیا خبر ہے؟'' فریدی نے پہلا سوال کیا تھا۔

''خبر آپ کے پاس ہوگی۔ مجھے تو اپنی ہی خبر نہیں۔''

''کیا وہ دونوں سیر کے لئے جائیں گی۔''

''کبھی کی جا چکی ہوں گی۔''

''یہی ہونا چاہئے تھا۔''

''میں کافی پیوں گا۔'' حمید کرسی کھسکاتا ہوا بولا۔

''ضرور پینا.....!'' فریدی اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ ''فلپ شیرنگٹن کا سراغ مل گیا ہے۔''

''فلپ شیرنگٹن کا یا اس آدمی کا جس کی ہمیں تلاش ہے؟''

''فلپ شیرنگٹن کا.....وہ یہاں کبھی نہیں آیا۔اس وقت پیرس میں موجود ہے.....وہاں کے ایک کلب نے چھ ماہ قبل اس کی خدمات حاصل کی تھیں۔''

''تو پھر یہ ریٹا شیرنگٹن.....!''

''اسی کی بہن ہے۔''

''بات سمجھ میں نہیں آئی۔''

''سامنے کی بات ہے۔فلپ شیرنگٹن کے ہاتھ صاف ہیں۔شاید اسے ان معاملات کا علم نہ ہو۔خود ریٹا کسی بُرے آدمی کے ہتھے چڑھ گئی ہو اور وہ اتنا باخبر آدمی ہے کہ نیلم کے بارے میں بھی سب کچھ جانتا ہے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔پُرتفکر انداز میں پاؤچ سے تمباکو نکال کر پائپ میں رکھتا رہا۔

فریدی نے ویٹر کو طلب کر کے کافی کا آرڈر دیا تھا۔حمید نے پائپ سلگایا اور کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا۔

''تم کیا سوچ رہے ہو۔'' فریدی نے آہستہ سے پوچھا۔

''یہی کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔''

''فی الحال کچھ بھی نہیں.....!''

''تو پھر مجھے ان کے ساتھ جانے ہی دیا ہوتا۔''

''میں چاہتا ہوں کہ ریٹا ہماری نظروں میں شبہے سے بالاتر ہی رہے۔''

''میں نہیں سمجھا.....!''

''مجھے اور تمہیں اس سے دور ہی رہ کر دیکھنا چاہئے کہ وہ کیا چاہتی ہے۔''

''اور اگر نیلم کسی دشواری میں پڑ گئی تو۔''

''وہ تو پڑ ہی چکی ہے۔''

''ریٹا کا آلہ نقب زنی کہاں ہے۔''

''وہیں جہاں سے برآمد ہوا تھا..... اسی طرح سوٹ کیس کی درمیانی تہہ میں رکھ کر سوٹ کیس کی دوبارہ سلائی کر دی گئی ہے۔ وہ اندازہ نہیں کر پائے گی کہ استر کبھی اُدھیڑا بھی گیا ہوگا..... لیکن بوقت ضرورت نہ تو وہ آلے کو کارآمد پائے گی اور نہ اس کا نقص ہی دور کر سکے گی۔''

''پھر ہمیں کیسے معلوم ہو سکے گا کہ وہ کیا کرنا چاہتی ہے۔''

''موقع کے منتظر رہو..... سب کچھ سامنے آجائے گا.....!''

ویٹر کافی لے آیا تھا۔ فریدی نے خاموشی اختیار کر لی۔ حمید پائپ کو ایش ٹرے میں رکھ کر کافی بنانے لگا۔ دن کے ساڑھے گیارہ بجے تھے۔ باہر سرد ہوا چل رہی تھی۔ لیکن نیاگرا کا ایئر کنڈیشنڈ ہال خاصا آرام دہ محسوس ہو رہا تھا۔

فریدی نے حمید سے کافی کی پیالی لیتے ہوئے کہا۔ ''ٹیلی فون بوتھ والی کال بھی معنی نہیں رہی۔''

''کیا مطلب.....؟'' حمید سیدھا ہو بیٹھا۔

''طوطے والی کال کے بعد ہی خیال آیا تھا کہ کہیں کال کرنیوالے نے آواز بدل کر بولنے

کی کوشش نہ کی ہو کیونکہ پہلے ہی اس آواز میں شناسائی کی ہلکی سی جھلک محسوس کر چکا تھا۔''

''اوہ.....! میں سمجھا تھا شاید روبی خان کے پتھر کھانے پر آپ کو کچھ یاد آیا ہے۔''

''وہ الگ معاملہ ہے!''

''تو گویا آپ اس کی تہہ تک بھی پہنچ چکے ہیں۔''

''اس حد تک جانا مبالغہ ہوگا..... کیونکہ میں اس کے سلسلے میں ابھی تک کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔''

''بوتھ والی کال کس کی تھی۔''

''کسی اچھے آدمی کی نہیں تھی..... ہوسکتا ہے تم اسے جانتے ہی نہ ہو۔''

''پھر بھی..... نام بتا دینے میں کیا حرج ہے۔''

''بیڈرول..... غیر ملکیوں میں اسی نام سے پہچانا جاتا ہے۔''

''میں جانتا ہوں..... گائیڈ بدرالحسن..... عام طور پر بدرل کہلاتا ہے..... ہاں غیر ملکی سے بیڈرول ہی کہتے ہوں گے۔''

''مجھے یقین ہے کہ وہی تھا۔ اس نے اپنی آواز بدلنے کی کوشش کی تھی.....!''

''تو پھر آپ نے کیا کیا.....؟''

''کچھ بھی نہیں..... لیکن اس وقت کچھ کرنے کا ارادہ ہے۔''

پھر حمید خاموشی سے کافی پیتا رہا تھا۔

''یہاں موجودگی کا مقصد ہی یہی ہے کہ اس سلسلے میں بھی کچھ کرنا چاہئے۔''

حمید نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

''شاید تم لفظ ''بھی'' پر چونکے ہو۔ ہاں میری دانست میں وہ محض حاشیئے کی چیز تھی۔''

''یعنی وہ بوتھ والا دھوکہ۔''

''ہاں..... مجھے اس معاملے میں.....!''

فریدی جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گیا۔ اب اس کی توجہ صدر دروازے کی طرف تھی۔ حمید نے مڑ کر دیکھا نہیں تھا۔ صدر دروازے کی جانب اس کی پشت تھی۔

فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کسی کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا اور شاید اشارے سے بلایا تھا کیونکہ آنے والے نے قریب پہنچنے میں تاخیر نہیں کی تھی۔

''بیٹھ جاؤ.....!'' فریدی بائیں جانب والی کرسی کی طرف دیکھ کر کہا۔

''شکریہ..... جناب.....عزت افزائی۔'' نووارد گھگھیاتا ہوا بیٹھ گیا۔

حمید اسے پہچانتا تھا۔ وہ بھی ایک ٹورسٹس گائیڈ ہی تھا۔ لیکن وہ نہیں تھا۔ جس کا تذکرہ فریدی کچھ دیر قبل کر چکا تھا۔

''کیا مجھ سے کوئی قصور ہوا ہے کرنل صاحب۔''

''ہرگز نہیں.....میری توجہ کا مقصد ہر حال میں یہ نہیں ہوتا کہ میں کسی پر کوئی الزام رکھنا چاہتا ہوں۔''

''بہت بہت شکریہ جناب.....دراصل میرا پیشہ ایسا ہے کہ دھڑکا لگا ہی رہتا ہے۔ لیکن آپ جانتے ہی ہیں کہ یہاں کے سارے گائیڈ ایک جیسے نہیں ہیں۔''

''میں جانتا ہوں! اور تم لوگوں میں صرف ایک ہی ایسا آدمی ہے جس سے پولیس کو دلچسپی ہوسکتی ہے۔''

''میں سمجھ گیا! لیکن آپ یقین فرمایئے کہ میں اس سے ہمیشہ سوگز کے فاصلے پر رہتا ہوں۔''

''مجھے اسکا بھی علم ہے۔ دراصل مجھے کوئی دن سے بدرل کی تلاش ہے۔ آخر وہ ہے کہاں۔''

''فوری طور پر نہیں بتا سکوں گا.....لیکن اگر آپ دو تین گھنٹے دے سکیں تو پوری معلومات فراہم کر کے آپ کو مطلع کردوں۔''

''دو تین گھنٹے بہت ہوتے ہیں۔''

''اس سے کم وقت میں ممکن نہ ہوگا.....اس کا بزنس بہت وسیع ہے۔''

''بزنس.....!'' فریدی نے حیرت ظاہر کی تھی۔

''اوہ.....تو آپ نہیں جانتے۔''

''کبھی اس کی طرف زیادہ توجہ دینے کی ضرورت نہیں محسوس کی۔''

''جناب عالی.....وہ غیر ملکی لڑکیوں کا کاروبار کرتا ہے۔''

''خوب.....نئی اطلاع ہے۔ میں تو صرف یہ جانتا تھا کہ وہ ٹورسٹس کے لئے دیسی [illegible] فراہم کرتا ہے۔''

''نشے باز لڑکیاں جب اپنی جیب خالی کر بیٹھتی ہیں تو وہ انہی کے ذریعے اپنی جیبیں بھی [illegible] ہے اور ان کی بھی.....اور خود ہی ان کی نگرانی بھی کرتا رہتا ہے.....لہٰذا یہ بتانا مشکل [illegible] ہے کہ کب کہاں کس کے ساتھ ہوگا.....اونچے سودے ہوتے ہیں۔''

''اچھی بات ہے! تم مجھے اس نمبر پر اطلاع دے سکتے ہو۔'' فریدی نے جیب سے [illegible] نکال کر پچاس کا ایک نوٹ کھینچا اور اسی پر فون نمبر لکھنے لگا۔

''اس کی ضرورت نہیں کرنل صاحب! مجھے شرمندہ نہ کیجئے۔''

''رکھو.....!'' فریدی نے نوٹ تہہ کر کے اس کے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ دیا۔

''جلد از جلد.....رنگ کرنے کی کوشش کروں گا جناب۔'' گائیڈ اٹھتا ہوا بولا۔

اس کے چلے جانے کے بعد حمید کھنکار کر بولا۔ ''شاید پہلی بار آپ سے یہ پرہیزی [illegible] زدہوئی ہے۔''

''اس کی محنت کا معاوضہ.....حالانکہ وہ اس کے بغیر بھی میرے لئے معلومات فراہم [illegible] رتا۔ اپنی زندگی بچانے کے لئے سبھی جتن کرنے پڑتے ہیں۔''

فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔ حمید آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھتا رہا۔

''کمال ہے.....یہ آپ کی آواز تھی۔'' وہ بالآخر بولا۔

''کیوں کیا میری زندگی اتنی ارزاں ہے کہ میں اسے بچانے کے لئے کچھ خرچ بھی نہ [illegible] ں۔ تمہیں شاید نہیں معلوم کہ آج صبح سے محکمے کی آرمڈ کار استعمال کر رہا ہوں۔''

''بس کیجئے.....ورنہ میں بے ہوش ہو جاؤں گا۔''

''کیوں.....؟''

''پہلے بھی صدہا بار آپ خطرات میں پڑے ہیں لیکن اس حد تک کبھی محتاط نہیں ہوئے۔''

''پہلے بے وقوف تھا.....اب عقلمند ہو گیا ہوں۔ چلو اٹھو۔''

فریدی اٹھ گیا تھا۔ کاؤنٹر کی جانب بڑھتا ہوا بولا۔ ''اسی طرح ادائیگی کر دی جائے

ورنہ دیر ہو جائے گی۔''

کاؤنٹر پر بل کی رقم ادا کر کے وہ باہر نکلے تھے۔

''اپنی گاڑی یہیں چھوڑ دو..... میرے ساتھ چلو۔''

''کہاں.....؟''

''جہاں آج کل چھپا ہوا ہوں۔''

''خدا کے لئے بور نہ کیجئے مجھے.....!''

''سپر مین نہیں ہوں حمید صاحب!''

''دنیا جو کچھ سمجھتی ہے آپ کو وہی رہئے۔''

''میں خود کو دنیا کی آنکھ سے نہیں دیکھتا..... میری اپنی بھی آنکھیں ہیں۔''

''تب پھر مجھے کہنے دیجئے کہ آپ کے میک اپ میں کوئی اور بول رہا ہے۔''

''جو دل چاہے سمجھ لو.....!''

''میں کچھ نہیں سمجھنا چاہتا..... ٹھہریئے..... اپنی گاڑی تو لاک کر دوں۔''

''ضرورت نہیں ہے..... بلکہ میں تو یہ مشورہ دوں گا کہ کنجی بھی اگنیشن ہی میں چھوڑ چلو۔''

''کیا آپ سنجیدہ ہیں۔''

''قطعی..... ورنہ پھر تمہاری گاڑی گھر تک کیسے پہنچے گی۔''

''میں بالکل نہیں سمجھا۔''

''تم میرے ساتھ قیام کرو گے اور آرمڈ کار میں گھومو گے۔''

''آئی شامت.....!''

وہ پارکنگ شیڈ میں پہنچ گئے تھے۔ حمید نے اپنی گاڑی کی کنجی اگنیشن میں لگا دی اور فریدی کے ساتھ آرمڈ کار میں بیٹھ گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اب وہ غیر معینہ مدت کے لئے گھر کی شکل دیکھنے سے بھی محروم ہونے جا رہا تھا۔

ویسے گھر میں اس کے لئے رکھا ہی کیا تھا۔ لیکن ریٹا مشتبہ ہونے کے باوجود بھی اسے پسند آ گئی تھی۔ ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ لئے وہ بڑی دلجمعی سے اس کی باتیں سنتی تھی اور

آنکھوں سے مترشح ہوتا جیسے ایک ایک لفظ پر غور کرتی جا رہی ہو۔ خود کچھ کہنے سے قبل مسکراہٹ کو مزید تاثر انگیز بنانے کے لئے آنکھوں میں بھی تبسم کا رنگ بھرتی۔ اس وقت بالکل ایسا ہی محسوس ہوتا جیسے کسی ستار نواز نے باج کے تار کو بل دے کر ایک ہی ضرب سے کئی گونجیں پیدا کی ہوں۔

آرمڈ کار جھٹکے کے ساتھ آگے بڑھی اور حمید چونک پڑا۔

ایک بار پھر آنکھیں پھاڑ کر فریدی کو دیکھا تھا اور کوٹ کی جیب سے پائپ نکالنے لگا تھا۔

''تم حیرت ظاہر کئے جاؤ میرا کیا بگڑتا ہے۔''

''کیا آپ مجھ سے اس کا حق بھی چھین لینا چاہتے ہیں۔''

''ڈفر ہو تم..... میں جانتا ہوں کہ بدرل کہاں مل سکے گا..... لیکن میں صرف یہ بات اس تک پہنچانا چاہتا ہوں کہ مجھے اس کی تلاش ہے۔''

''اس سے کیا ہوگا.....؟''

''وہی جو اس لاحاصل دھماکے سے ہوا تھا۔''

''یعنی آپ اسے کسی غلط فہمی میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ آرمڈ کار تیز رفتاری سے کسی نامعلوم منزل کی طرف اڑی جا رہی تھی۔

حمید نے پائپ میں تمباکو بھر کر دیا سلائی دکھائی تھی اور ہلکے ہلکے کش لیتا رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اب کچھ پوچھنا ہی نہ چاہتا ہو۔

آرمڈ کار ابھی شہر کی حدود میں داخل نہیں ہوئی تھی۔

دفعتاً ایک جگہ فریدی نے گاڑی بائیں جانب سڑک کے کنارے اتار کر روک دی۔

''خیریت.....!'' حمید چونک پڑا کہ ان دنوں اسے چونکنے کی کچھ عادت سی ہو گئی تھی۔

''خبریں.....!'' فریدی گھڑی پر نظر ڈالتا ہوا بولا۔ پھر اس نے ٹرانسمیٹر کا سوئچ آن کر دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد آواز آئی۔ ''بلیک تھرٹین کالنگ..... ہیلو..... ہارڈ اسٹون۔''

''ہارڈ اسٹون..... بلیک ون تھری..... ریورس تھری ون..... اوور۔''

''اندازہ درست تھا وہ کسی دشواری میں ہے۔ براہِ راست.....رابطہ قائم نہیں کرسکتا اوور.....!''

کیا تم اس سے ملے ہو اوور.....!''

''نہیں.....حالات کا دور ہی سے جائزہ لیا ہے اوور.....!''

''کیا وہ محل میں موجود ہے اوور.....!''

''یہی اطلاع ملی ہے اوور.....!''

''کیا وہ پرندہ بھی وہاں موجود ہے اوور.....!''

''میری تفتیش کے مطابق وہ بقید حیات ہے اور اب بھی وہیں موجود ہے اوور.....!''

''اوور اینڈ آل.....!'' فریدی نے کہہ کر ٹرانسمیٹر کا سوئچ آف کردیا۔

''یہ بدرل اتنا اہم ہوگیا ہے؟'' حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا.....اور اب تو تم ہی اسے دیکھو گے۔ کیونکہ اب مجھے حقیقتاً باہر جانا پڑے گا۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''یہ آرمڈ کار تمہارے استعمال میں رہے گی۔''

''آپ کہاں جارہے ہیں.....اور یہ کس پرندے کی بات تھی۔''

''کیا تم طوطے والی کال بھول گئے۔''

''قطعی نہیں! لیکن اس سے بھی زیادہ وہ دھماکہ یاد آتا رہتا ہے جو میرے بھی چیتھڑے اڑا سکتا تھا۔''

''لیکن تم زندہ ہو۔'' فریدی نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔

''حالانکہ ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا۔''

''ہوجائے گا جب اپنے دن پورے کرچکے ہوگے۔''

''اچھا تو پھر طوطے ہی کی بات کیجئے۔''

''وہ روبی خان کا طوطا ہے۔''

''یہ روبی خان کس جنگل سے تعلق رکھتے ہیں۔''

''شمالی کوہستانی علاقے کے بے تاج بادشاہ۔''

''خان دوراں کے علاوہ تو اور کوئی بھی شمال میں ایسا نہیں ہے۔''

''اس کی بیوی اسے روبی خان کہتی ہے۔ کیونکہ وہ لعل کی ایک بہت بڑی کان کا مالک بھی ہے۔ گلروان کی بچی کا نام ہے خانم سعدیہ بہت ذہین عورت ہے۔''

''اور اس نے ایک ایسا طوطا پال رکھا ہے جو سرکاری سراغ رسانوں سے چھیڑ چھاڑ بھی کرتا رہتا ہے۔''

''خانم سعیدہ کو پرندے جمع کرنے کا شوق ہے۔ خصوصیت سے بے شمار اقسام کے طوطے پال رکھے ہیں۔ میں نے کسی سے سنا تھا کہ افریقہ کی کسی نسل کا ایک طوطا ایسا بھی ہے ان کے پاس جو نہ صرف آدمیوں کی طرح بول سکتا ہے بلکہ جو کچھ اس سے کہا جائے سمجھ بھی سکتا ہے۔''

''واقعی بہت سمجھ دار معلوم ہوتا ہے۔ روبی خان کو پتھر کھانے کا مشورہ دے رہا تھا۔''

''خان دوراں کو جواہرات کا خبط ہے اور اسی بناء پر خانم سعدیہ کا خیال ہے کہ اگر ہضم کرسکتا تو شاید پتھر کھانے بھی لگتا۔ شاید شوہر کو چڑانے کیلئے اس نے طوطے کو یہ سبق پڑھا دیا ہے۔''

''اور ممتحن آپ کو بنایا ہے کہ وہ سبق فون پر سنوا رہی تھی۔''

''تم سمجھے نہیں.....میرا خیال ہے کہ کسی دشواری کی بناء پر میری توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کے لئے اس نے یہ طریقہ اختیار کیا ہوگا۔''

''کیا دشواری ہوسکتی ہے۔''

''شاید تم اپنا ذہن کہیں اور چھوڑ آئے ہو۔''

''آرمڈ کار کے باہر۔''

''اگر مجھے یہ خدشہ ہو کہ میری فون کال کہیں سے ٹیپ کی جارہی ہوگی تو میں کیا کروں گا۔''

''آپ کے بارے میں بتانا بہت دشوار ہے کہ آپ کیا کریں گے۔''

''ختم کرو۔'' فریدی گاڑی کا انجن اسٹارٹ کرتا ہوا بولا۔ ''جو کچھ تمہیں کرنا ہے اس پر توجہ دو۔''

''میں نہیں جانتا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔''

''ٹوری بیڈسٹر کی تلاش جاری رکھنا اور بوتھ والے دھماکے کی تفتیش کے سلسلے میں بدرل پر زور دینا۔''

''ضروری نہیں کہ وہ اعتراف ہی کر لے۔''

''نہ کرے.....لیکن کم از کم تمہارا ہاتھ اس کے گریبان تک تو پہنچنا چاہئے۔''

''میں دیکھوں گا.....!'' حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔''تو بہر حال آپ شمال کی طرف سفر فرمائیں گے۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم آج کل صورت سے غبی کیوں نظر آنے لگے ہو۔''

''اگر ایسی بات ہے تو پھر شاید میری شادی کا وقت قریب آ گیا ہے۔''

''میں تمہیں اب جس عمارت میں چھوڑوں گا وہیں کا فون نمبر اس گائیڈ کو دیا تھا۔''

فریدی گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔''تم اسکی کال ریسیو کئے بغیر وہاں سے کہیں اور نہ جانا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ گاڑی پھر رفتار پکڑنے لگی تھی۔شہر سے باہر ہی حمید کو ایک عمارت کے سامنے اُتار دیا گیا.....اور فریدی نے کنجیوں کا ایک گچھا اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

''گاڑی کچھ دیر بعد واپس آ جائے گی.....شہر پہنچ کر ڈرائیور کو چھٹی دے دینا۔''

''تو کیا عمارت بالکل خالی ہے اس وقت۔'' حمید نے پوچھا۔

''ہاں.....میں یہاں تنہا تھا۔''

قبل اس کے کہ حمید کوئی اور سوال کرتا فریدی نے ایکسیلریٹر پر پیر رکھ دیا تھا۔

گاڑی فراٹے بھرتی آگے نکل چلی گئی۔

پھاٹک مقفل تھا۔حمید نے لچھے سے کنجی منتخب کر کے قفل کھولا اور کمپاؤنڈ میں داخل ہو کر رہائشی حصے کی طرف بڑھ گیا۔عمارت خاصی کشادہ اور جدید طرز کے مطابق آراستہ بھی ثابت ہوئی تھی۔پوری عمارت کا چکر لگا چکنے کے بعد وہ اس کمرے میں آ بیٹھا جہاں فون تھا۔

روبی خان والا معاملہ ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آ سکا تھا۔بس اتنی سی بات پر کہ کسی نے طوطے کی زبانی فون پر ان سے چھیڑ چھاڑ کر ڈالی تھی اتنا طویل سفر اختیار کر لینا عقلمندی تو

نہیں کہلائی جا سکتی تھی۔

پھر اسے وہ کال یاد آئی جو آرمڈ کار کے ٹرانسمیٹر پر ہوئی تھی۔ بلیک فورس کے کسی ممبر نے غالباً خان دوراں ہی کے علاقے سے فریدی کو کال کیا تھا۔تو کیا سچ مچ خان دوراں ایسے ہی حالات سے دوچار ہے کہ فون پر اسے علامات کا سہارا لینا پڑا تھا۔لیکن وہ اپنے علاقے میں اتنا مجبور تو نہیں ہو سکتا۔ وہاں کون اس سے آنکھیں ملا سکتا۔

دفعتاً فون کی گھنٹی بج اٹھی۔حمید نے ریسیور اٹھا لیا۔

''ہیلو.....!''

''کون صاحب ہیں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ کال کرنے والا اسی گائیڈ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا جس سے کچھ دیر قبل فریدی نے نیاگرا میں تفریح کی تھی۔

''کیپٹن حمید.....!'' اس نے پیشانی پر شکنیں ڈال کر کہا۔

''کرنل صاحب کو بلائیے جناب۔''

''کیا بات ہے!تم مجھے رپورٹ دے سکتے ہو۔کرنل صاحب فی الحال موجود نہیں ہیں۔''

''مم.....میں پولیس کی حراست میں ہوں جناب۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

حمید نے بھنویں سکوڑ کر پوچھا۔''کیوں؟''

''مجھے ایک جگہ کے بارے میں معلوم ہوا تھا کہ بدرل وہاں موجود ہے۔ میں پہنچا تو اس مصیبت میں گرفتار ہو گیا۔''

''جلدی سے بتاؤ کیا بات ہے؟''

''یہاں پولیس پہلے سے موجود تھی کیونکہ یہاں بدرل کی لاش ملی ہے۔''

''اوہ.....!'' حمید نے طویل سانس لی۔

''اب میں ریسیور انسپکٹر صاحب کو دے رہا ہوں۔میری جان بچائیے۔''

''پھر دوسری طرف سے کسی دوسرے آدمی کی آواز آئی تھی۔''

''ہیلو.....کون صاحب ہیں؟''

''کیپٹن حمید.....مرکزی محکمہ سراغرسانی۔''

''میں تو آپکی آواز تک نہیں پہچانتا۔ کیا آپ یہاں آنے کی زحمت گوارہ فرمائیں گے۔''

''فوری طور پر نہیں آ سکتا۔ کیونکہ گاڑی فی الحال موجود نہیں ہے اور میں اس وقت جہاں ہوں وہاں مجھے ٹیکسی بھی نہیں مل سکتی۔''

''تب پھر جب دل چاہے پرنسٹن کے تھانے میں تشریف لائیے گا۔ تصدیق فرمائے بغیر ہم اس آدمی کو نہیں چھوڑ سکیں گے۔''

''اسے کرنل فریدی نے بدرل کی تلاش میں روانہ کیا تھا۔''

''اگر میں آپ کی آواز بھی پہچان سکتا تو محض آپ کی فون کال ہی کافی ہوتی لیکن ایسے حالات میں.....!''

''ٹھیک ہے! تم اسے تھانے لے جاؤ..... میں تھوڑی دیر بعد پہنچوں گا۔''

''بہت بہتر.....!''

پھر سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی تھی۔ حمید نے بھی ریسیور رکھ دیا اور بلند آواز میں بڑبڑایا۔ ''اب فرمایئے ایک آدمی کی لاش زیادہ اہم ہے یا ایک ارسٹوکریٹ کے طوطے کی بکواس..... لیکن جناب کو مطلع کس پتے پر کیا جائے۔''

قریباً ایک گھنٹے بعد آرمڈ کار واپس آئی تھی۔ جسے محکمے ہی کا ڈرائیور لایا تھا۔ لیکن فریدی کے بارے میں وہ بھی کچھ نہ بتا سکا۔ بس اسے حکم ملا تھا کہ گاڑی مذکورہ پتے پر لے جائی جائے۔

''گاڑی کہاں سے لائے ہو۔'' حمید نے بھنا کر پوچھا۔

''آفس کے پارکنگ شیڈ سے جناب۔ وہیں کھڑی تھی۔'' ڈرائیور نے جواب دیا۔

''اچھی بات ہے..... اب مجھے پرنسٹن کے تھانے لے چلو۔'' حمید نے کہا۔

درندہ بلیک باس

ٹوری بیڈسٹر نہیں جانتا تھا کہ اسے یہاں کیوں بھیجا گیا ہے۔ وہ اپنے ملک کے ایک

ایسے گروہ کا ممبر تھا جو پورے براعظم میں منشیات کی غیر قانونی تجارت کرتا تھا۔ لیکن ٹوری کے ذمہ منشیات کی نقل و حمل نہیں تھی۔ وہ تو ان لوگوں میں سے تھا جو صرف بیٹھ کر کھاتے ہیں اور عیش کرتے ہیں۔ ان کی ضرورت تو اس وقت درپیش آتی ہے جب گروہ کا کوئی آدمی ''بے ایمانی'' پر اُتر آتا ہے۔ یعنی رقومات کی ادائیگی کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ یا پھر پولیس سے مل کر گروہ کو توڑنے میں مدد دینے کی کوشش کرتا ہے۔

پھر ٹوری جیسے لوگوں کا کام اسے تلاش کر کے وصولیابی کرنا اور اس کے بعد قتل کر دینا ہوتا ہے۔ لیکن یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ کبھی اسے کسی ایشیائی ملک کا بھی سفر کرنا پڑے گا۔

یہاں پہنچ کر اسے جس آدمی سے رابطہ قائم کرنا تھا اس کا نام کاراس بلابو بتایا گیا تھا۔ ہدایات کے مطابق وہ سیاحوں کی ایک ٹولی کے ساتھ ایئرپورٹ سے شہر کی طرف روانہ ہوا تھا۔ دو دن ایک ہوٹل میں قیام رہا تھا پھر جب سیاحوں کی ٹولی آگے بڑھی تھی تو اس نے بھی رختِ سفر باندھا تھا لیکن اس سے قبل کہ وہ ان سیاحوں کی تقلید کر سکتا۔ اس کے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

''کون ہے..... اندر آ جاؤ؟'' اس نے اونچی آواز میں کہا۔

ہینڈل گھوما تھا اور دروازے کو دھکا دے کر اسی کی نسل کا ایک اجنبی کمرے میں داخل ہوا تھا۔

''ٹونی بیڈسٹر.....!'' اس نے کہا۔

''ٹوری بیڈسٹر.....!'' ٹوری نے تصحیح کی اور غرایا۔ ''تم کون ہو!''

''جیری وہٹلم.....!'' اس نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

ٹوری کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ جیری کا چہرہ اُتر گیا۔

''تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔'' اس نے لرزتی ہوئی سی آواز میں کہا۔

''کیوں.....؟'' ٹوری کی سرخ سرخ آنکھیں حلقوں سے ابھر آئیں۔ گروہ کے کلکٹرز میں وہ سب سے زیادہ خطرناک آدمی سمجھا جاتا تھا۔

''بب..... باس کا حکم.....!''

''کیا براہِ راست کوئی ہدایت آئی ہے۔''

''نہیں.....کاراس بلابو کا حکم ہے۔''

''میں نہیں جانتا یہ کون ہے؟''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا مسٹر بیڈسٹر.....!''

''مسٹر.....!'' ٹوری چڑانے والے انداز میں بولا۔''بیڈسٹر.....سنو میں صرف ٹوری کہلاتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔'' جیری اسے پُرتشویش نظروں سے بغور دیکھتا ہوا بولا۔''کوئی کہیں سے آئے یہاں تو کاراس بلابو ہی کا حکم چلتا ہے۔''

''مجھے کہاں چلنا ہوگا.....؟''

''ایک جزیرے میں.....کاراس وہیں ہے۔''

''چلو.....!'' ٹوری نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

''تمہارے بلوں کی ادائیگی کردی گئی ہے۔اپنا بیگ اٹھاؤ اور باہر نکل جاؤ۔''

''کیا مطلب.....؟'' ٹوری اسے پھر گھورنے لگا۔

''باہر پورچ میں سیاہ رنگ کی ڈاج کھڑی ہے۔اس میں بیٹھ جانا۔''

''تم ساتھ نہیں ہوگے۔''

''نہیں.....یہی حکم ملا ہے.....ڈرائیور کو علم ہے کہ اسے کہاں جانا ہوگا۔''

ٹوری نے اپنا بیگ اٹھایا اور باہر نکلا چلا آیا۔جیری کمرے ہی میں رہ گیا تھا۔

پورچ میں مذکورہ گاڑی کھڑی نظر آئی۔اس نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا تھا اور اندر بیٹھ گیا تھا۔گاڑی حرکت میں آ گئی۔

ٹوری نے سگریٹ کا پیکٹ جیب سے نکال کر ایک سگریٹ منتخب کیا اور اسے ہونٹوں میں دبائے کچھ سوچتا رہا۔خاصی دیر بعد لائٹر کا شعلہ سگریٹ تک پہنچا تھا۔

یہاں بھیجے جانے کی غرض و غایت سے لاعلمی الجھن کا باعث بنی ہوئی تھی۔اس کاراس بلابو کا نام بھی اس نے پہلی بار سنا تھا اور پہلی ہی بار اسے علم ہوا تھا کہ اس کا گروہ اس کے

39

اعظم ہی تک محدود نہیں ہے۔

گاڑی اسے ساحل سمندر پر لائی تھی اور یہاں بھی ایک اجنبی اس کا منتظر تھا۔

''میرا نام سیزر ہے۔میں تمہیں کاراس کے جزیرے میں لے جاؤں گا۔'' اس نے اپنا کراتے ہوئے کہا۔''تھوڑی دیر بعد لانچ ساحل سے لگے گی۔''

''اس سفر میں کتنا وقت صرف ہوگا۔'' ٹوری نے سرد لہجے میں پوچھا۔

''شاید ایک گھنٹہ یا اس سے کچھ زیادہ۔''

پھر ٹوری نے کچھ نہیں پوچھا تھا۔گاڑی جو اسے یہاں لائی تھی کبھی کی جا چکی تھی۔

''کیا تم کچھ پینا پسند کرو گے۔'' سیزر نے اس سے پوچھا۔

''نہیں.....میں ناوقت کچھ نہیں کھاتا پیتا.....!'' ٹوری کا لہجہ بدستور سرد رہا۔

سیزر اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا رہا تھا۔ٹوری نے بھی شاید اسے محسوس کرلیا تھا ظاہر لاتعلقی کا مظاہرہ کرتا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد مطلوبہ لانچ ساحل سے لگی تھی اور دونوں اس پر جا بیٹھے تھے۔

سفر ایک گھنٹے سے زیادہ تک جاری رہا تھا اور بالآخر لانچ ساحل سے لگی تھی اور دونوں پر جا بیٹھے تھے۔متعدد چھوٹی بڑی لانچیں لنگر انداز تھیں۔لانچ سے اُتر کر وہ پھر ایک گاڑی بیٹھے تھے جو پہلے ہی سے وہاں موجود تھی۔

جزیرہ خاصا آباد تھا۔لیکن مقامی لوگ کم ہی دکھائی دیئے۔زیادہ تر سفید فام نظر آ رہے تھے۔

''کیا یہ یہاں کی کوئی تفریح گاہ ہے۔'' ٹوری نے سیزر سے پوچھا۔

''یہی سمجھ لو.....کاراس نے اس جزیرے کو خرید لیا ہے۔''

ٹوری ایسا بن گیا جیسے یہ اطلاع اس کے لئے کوئی اہمیت نہ رکھتی ہو۔

جلد ہی گاڑی ایک چھوٹی سی خوبصورت عمارت کے سامنے رکی تھی اور سیزر نے ٹوری سے کہا تھا۔''باس کسی وقت تمہیں طلب کرے گا اب تم آرام کرو۔''

ٹوری اپنا سوٹ کیس اٹھائے ہوئے عمارت میں داخل ہوا۔

سیزر اسی گاڑی سے واپس چلا گیا تھا۔

ٹوری اس عمارت میں تنہا تھا لیکن وہاں اسے ضرورت کی ساری چیزیں مل گئی تھیں۔ دوپہر کے کھانے کے لئے باہر نہیں جانا پڑا تھا کیونکہ ریفریجریٹر میں کئی وقت کی خوردنی موجود تھیں۔ بس انہیں گرم کرنا پڑتا۔ سو یہ کام کوئی اتنا مشکل نہیں تھا۔

سہ پہر کو سیزر پھر دکھائی دیا۔

''تم کہاں غائب ہو گئے تھے۔'' ٹوری نے پوچھا۔

''ہمیں اتنا ہی کرنے کی اجازت ہے جتنا کہا جائے۔''

''بڑی پابندیوں میں زندگی بسر کر رہے ہو۔''

''مجبوری ہے۔''

''بہت سخت آدمی ہے کاراس.....!''

''آدمی نہ کہو.....درندہ ہے۔''

''خوب.....!'' ٹوری طنزیہ انداز میں بولا۔ ''تو مجھے یونہی پابند رہنا پڑے گا۔''

''میں نہیں جانتا کہ تمہاری حیثیت کیا ہوگی۔''

''کیا تم بھی میری ہی طرح یہاں آئے تھے۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''مطلب یہ کہ تمہیں بھی نہیں معلوم تھا کہ یہاں کیوں بھیجے گئے ہو۔''

''غالباً یہی صورت تھی۔''

''تمہارے ذمہ یہاں کیا کام ہے۔''

''میری ایک بات مانو.....!'' سیزر نے سوال کا جواب دینے کی بجائے کہا۔ ''یہاں صرف اپنے کام سے کام رکھنا۔ جس قسم کے سوالات مجھ سے کر رہے ہو اس سے ہمیشہ احتراز کرنا۔ کاراس اس کا متحمل نہیں ہوتا اور ہاں اس کی کسی بات پر اعتراض بھی نہ کرنا۔''

''میں نہیں سمجھا۔'' ٹوری اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

''قدم قدم پر تمہارا خون کھولے گا.....بس خود کو قابو میں رکھنا۔''

''کیا وہ اپنے آدمیوں کو حقیر سمجھنے کا عادی ہے۔''

''خود ہی دیکھ لو گے۔''

''تب تو شاید مجھے واپس جانا پڑے گا۔ مجھے اگر اوپر والوں سے اختلاف ہو جائے تو اظہار ضرور کرتا ہوں۔''

''یہاں اس سے گریز کرنا۔''

''دیکھا جائے گا۔'' ٹوری نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

سیزر نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ''بس اب تیار ہو جاؤ۔ اس نے تمہیں طلب کیا ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ میں واقعی دشواری میں پڑ گیا ہوں۔'' ٹوری بڑبڑایا تھا۔

''پہلے پہل میں نے بھی یہی محسوس کیا تھا۔ لیکن اب عادی ہو گیا ہوں۔''

''چلو.....اب پتا نہیں میں عادی ہوں گا یا.....!'' ٹوری جملہ پورے کئے بغیر خاموش ہو گیا تھا۔

اس بار باہر کوئی گاڑی ان کی منتظر نہیں تھی۔ پیدل ہی ایک جانب روانہ ہو گئے۔

''خوبصورت جزیرہ ہے۔'' ٹوری نے کہا۔

''اور وہ اسے جنت بنا دینے کا ارادہ رکھتا ہے۔''

''حرامخوروں کی جنت.....!'' ٹوری ہنس پڑا۔

انہیں دو تین منٹ سے زیادہ نہیں چلنا پڑا تھا۔ وہ ایک بڑی عمارت میں داخل ہوئے تھے۔

''ملک کا سب سے بڑا قمار خانہ۔'' سیزر نے کہا۔ ''کاراس نے بڑی دشواریوں سے اس کا پرمٹ حاصل کیا تھا۔''

''کیسی دشواری.....!'' ٹوری بولا۔

''یہاں اس قسم کے بزنس آسانی سے نہیں پنپنے دیئے جاتے۔ اگر الگ تھلگ جزیرہ نہ ہوتا تو شاید اجازت نہ ملتی۔''

''بس تم یہاں بیٹھ جاؤ۔'' سیزر نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا جو کاؤنٹر کے قریب بچھی ہوئی تھی۔ ہال اس وقت خالی تھا۔ ویٹر میزیں درست کرتے پھر رہے تھے۔ بارٹینڈر نے غور سے ٹوری کی طرف دیکھا تھا۔ لیکن کچھ بولا نہیں تھا۔ سیزر نے بھی ٹوری کا تعارف

نہیں کرایا تھا۔

''ٹھیک چار بج کر دس منٹ پر وہ تمہیں طلب کرے گا۔'' سیزر نے کہا۔

''تم کہاں چلے۔'' ٹوری نے سوال کیا۔

''اپنی ڈیوٹی پر..... میرا کام اس وقت اتنا ہی تھا کہ تمہیں یہاں تک پہنچا دوں۔''

وہ بھی چل دیا۔ ٹوری جھنجھلاہٹ میں مبتلا ہوگیا تھا۔ ابھی دس منٹ تک اسے وہیں بیٹھے رہنا تھا۔ اس نے بارٹنڈر کی طرف دیکھا جو پہلے ہی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پیلی رنگت اور چپٹی ناک والا ایشیائی آدمی تھا..... ٹوری اس کی صحیح قومیت کا اندازہ نہ لگا سکا۔ مشرق بعید کے کسی بھی ملک کا باشندہ ہوسکتا تھا۔

''کیا تم کچھ پینا پسند کرو گے مسٹر.....!'' بارٹنڈر نے دفعتاً کاؤنٹر پر جھکتے ہوئے راز دارانہ لہجے میں پوچھا تھا۔

''نہیں..... شکریہ۔''

وہ پیچھے ہٹ گیا تھا اور خواہ مخواہ ریک سے ایک بوتل نکال کر کپڑے سے اس کی صفائی کرنے لگا تھا۔

ٹوری نے سگریٹ سلگایا۔ یہاں اسے اجنبیت نہیں محسوس ہو رہی تھی۔ حالانکہ ویٹر جو میزیں ٹھیک کرتے پھر رہے تھے رنگدار ہی لوگ تھے۔ لیکن انکے چلنے پھرنے کے انداز میں اس کے ملک والوں کی نقالی پائی جاتی تھی۔ شاید انہیں خصوصیت سے اس کی ٹریننگ دی گئی تھی۔

دفعتاً کاؤنٹر پر رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجی تھی۔ بارٹنڈر نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا ''یس باس.....!''

پھر اس نے کنکھیوں سے ٹوری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''او کے باس۔''

ریسیور کریڈل پر رکھ کر ٹوری سے بولا۔ ''اب تم باس کے کمرے میں جاسکتے ہو مسٹر۔''

ٹوری نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔ ''کدھر ہے۔''

بارٹنڈر نے بائیں جانب والی راہداری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''داہنی جانب پانچواں دروازہ..... دروازہ کھول کر اندر چلے جانا۔ کسی تکلف کی ضرورت نہیں۔''

''شکریہ.....!'' ٹوری راہداری میں گھوم گیا۔ پانچویں دروازے پر کاراس کے نام کی تختی نظر آئی تھی۔

اس نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوتے ہی ٹھٹک کر رہ گیا۔ کیونکہ کمرے میں ایک دیوقامت سیاہ فام آدمی کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں دکھائی دیا تھا۔ وہ اسی ملک کی کالی نسل کا فرد بھی ہوسکتا تھا اور کوئی افریقی بھی۔

''دروازہ بند کردو۔'' اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا تھا۔

ٹوری نے غیر ارادی طور پر دروازہ بند کردیا تھا۔ لیکن جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔

''تم ٹوری بیڈسٹر ہو۔''

''ہاں میں ہی ہوں۔'' ٹوری جارحانہ انداز میں بولا۔

''ڈاڑھی مونچھیں صاف کرادو..... بال بھی ٹھیک کراؤ۔''

''تم کون ہو.....؟'' ٹوری غرایا۔

''کاراس بلاتو..... تمہارا مالک۔''

''تم.....؟'' ٹوری کے لہجے میں حقارت تھی۔

''ہاں..... میں..... تمہیں اس میں کوئی شبہ ہے؟''

''مجھے بتایا نہیں گیا تھا۔''

''اب بتایا جارہا ہے..... بیٹھ جاؤ۔'' اس نے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

''میں تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔''

''میں نے کہا تھا بیٹھ جاؤ۔'' کاراس غرایا۔

''سنو کالے آدمی..... اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تمہاری ماتحتی کرنی پڑے گی تو مجھے یہاں بھیجنے کی جرأت کرنے والا دوسری دنیا کے سفر پر روانہ ہوجاتا۔''

''بکواس بند کرو..... بیٹھ جاؤ۔''

''شٹ اپ.....!'' ٹوری آپے سے باہر ہوا جارہا تھا۔

کاراس اٹھ کھڑا ہوا..... لیکن اس کے چہرے سے اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہ دوسرے

ہی لمحے میں کیا کر گزرے گا۔

ٹوری بھی سنبھل گیا تھا اور خود کو ہر قسم کے حالات سے نپٹنے کے لئے تیار کرنے لگا تھا۔

کاراس سے وہ کئی انچ نیچا نظر آ رہا تھا۔ حالانکہ اپنے ساتھیوں میں سب سے نکلتے ہوئے قد کا حامل سمجھا جاتا تھا۔

کاراس پلکیں جھپکائے بغیر اُسے دیکھتا رہا۔ چہرے سے کسی جذبے کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ بس ایسا لگتا تھا جیسے خلاء میں گھور رہا ہو۔ لیکن ٹوری محسوس کر رہا تھا جیسے اس کی آنکھوں سے برقی لہریں نکل کر اس کے اپنے سارے جسم کو مفلوج کئے دے رہی ہوں۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا کرسی کی طرف بڑھا اور غیر ارادی طور پر بیٹھ گیا۔ لیکن کاراس کھڑا ہی رہا تھا۔

ٹھیک اسی وقت دروازے کا ہینڈل گھوما تھا اور ایک سفید فام عورت کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

کاراس اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ عورت خوش شکل تھی۔ عمر پچیس اور تیس کے درمیان رہی ہو گی لیکن اس کی آنکھوں میں عجیب سی ویرانی پائی جاتی تھی۔ ٹوری نے پہلی ہی نظر میں اندازہ کر لیا تھا کہ وہ منشیات کی عادی ہے۔

''مجھ پر رحم کرو۔'' وہ کاراس کی طرف دیکھ کر گڑگڑائی تھی۔

کاراس اپنی کرسی پر جا بیٹھا۔ چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر غرایا۔ ''ناممکن ہے۔''

''پھر میں کیا کروں..... کہاں جاؤں۔'' عورت روئے دے رہی تھی۔

''میں کیا بتا سکتا ہوں..... ہیروئن کا حصول ناممکن ہو گیا ہے۔''

''تمہارے لئے کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔ میں پچاس گنی زیادہ قیمت دے سکتی ہوں۔''

''قیمت میں اضافے کی کوئی اہمیت نہیں میری نظروں میں۔'' کاراس نے ہفاک سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔

''پھر تم کیا چاہتے ہو.....؟''

''میں کیا چاہتا ہوں.....؟''

''ہاں جو کچھ بھی کہو۔''

کاراس اپنے داہنے پیر کا جوتا اتارنے لگا۔

ٹوری کبھی عورت کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی کاراس کی طرف۔ عورت ملتجیانہ انداز میں اس کو دیکھے جا رہی تھی۔ جوتا اتار چکنے کے بعد کاراس بولا۔

''تمہیں ہیروئن مل جائے گی۔ سفید فام معزز عورت۔ لیکن اس کے لئے تمہیں میرا تلوا چاٹنا پڑے گا۔''

''کاراس.....!'' ٹوری دھاڑتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ ''تم کم از کم میرے سامنے ایسا نہیں کر سکتے۔''

لیکن کاراس نے اس کی طرف دیکھا تک نہیں تھا۔ عورت پر بھی اس کا کوئی اثر نہیں ہوا وہ تو بس آنکھوں میں ہزار ہا التجائیں لئے کاراس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

''ہاں..... میرا تلوا چاٹو.....!'' کاراس آہستہ سے بولا۔ ''میں تمہیں اتنی ہیروئن دوں کہ ایک ماہ کے لئے بے فکر ہو جاؤ گی۔ چاٹو میرا تلوا.....!''

ٹوری جھپٹ کر اس کے درمیان آتا ہوا بولا۔ ''تم ایسا نہیں کر سکتے کاراس.....!''

اس نے سر اٹھا کر ٹوری کی طرف دیکھا تھا اور پھر جھک کر بائیں پیر کے جوتے کا بھی بکھولنے لگا تھا۔ جوتا اتار کر سیدھا بیٹھتا ہوا بولا۔ ''ٹوری بیڈسٹر..... دوسرے پیر کا تلوا تم چاٹو گے۔''

عورت نے بات بڑھتے دیکھی تو آہستہ آہستہ کھسکتی ہوئی بائیں جانب والی دیوار سے جا لگی۔

''ہاں..... اب پہل تم ہی کرو گے۔'' کاراس ٹوری کو گھورتا ہوا بولا۔ لہجہ بے حد سرد تھا اور اس میں اتنا ہی تیقن تھا کہ ٹوری پہلے تو گڑبڑا گیا پھر دانت پیس کر بولا۔ ''بلیک باس تم اپنی موت کو آواز دے رہے ہو۔''

کاراس نے بیٹھے ہی بیٹھے اچھل کر اس کے سینے پر زوردار لات رسید کی تھی۔

یہ حملہ اتنا غیر متوقع تھا کہ ٹوری کو سنبھلنے کا موقع بھی نہ مل سکا۔ ویسے آدمی جاندار تھا کئی قدم پیچھے ہٹ کر رہ گیا تھا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اچھل کر دیوار سے جا ٹکرایا ہوتا۔ پھرتیلا بھی اتنا ہی تھا کہ سینے پر لات پڑتے ہی جیب سے چاقو نکال کر کھول لیا تھا۔

''شش..... پھینک دے اسے۔'' کاراس نے اس طرح کہا جیسے کسی بچے سے مخاطب ہو۔ ''پھینک دے..... ورنہ تیرے ہی سینے میں پیوست ہو جائے گا۔''

ٹوری نے اس پر چھلانگ لگائی لیکن اسے اندازہ ہی نہ ہو سکا کہ چاقو کاراس کے ہاتھ میں پیوست بھی ہوا تھا یا نہیں..... کیونکہ دوسرے ہی لمحے میں اس نے خود کو فرش پر پڑا پایا۔ کاراس اس پر چھایا ہوا تھا۔ ساتھ ہی اس نے اس کی آواز بھی سنی۔ وہ عورت سے کہہ رہا تھا۔ ''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں..... بیٹھ جاؤ..... تمہارا کام بھی ابھی ہو جائے گا۔''

ٹوری اسے اچھال پھینکنے کے لئے زور لگا رہا تھا۔ لیکن وہ تو پہاڑ تھا۔ اتنے سخت جان آدمی پہلے کبھی اس کی نظروں سے نہیں گزرا تھا۔ اسے چاقو کا دھیان آیا..... اب وہ اس کی گرفت میں نہیں تھا..... نہ جانے کہاں جا پڑا تھا۔

دفعتاً اس نے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں ایک جگہ چبھن سی محسوس کی اور پھر یہ چبھن اتنی بڑھی کہ وہ اپنی بے ہنگم چیخوں پر قابو نہ پا سکا۔ یہ کاراس کی دو انگلیاں تھیں جو شاید ریڑھ کی ہڈی سے گزر جانا چاہتی تھیں۔

ان چیخوں کے درمیان بھی وہ محسوس کر سکتا تھا کہ اس کا نچلا دھڑ حرکت کرنے کی صلاحیت سے محروم ہوا جا رہا ہے۔

پھر کاراس کی انگلیوں سے پیدا ہونے والی چبھن کا احساس بھی معدوم ہو گیا تھا۔

کاراس اسے چھوڑ کر ہٹتا ہوا بولا۔ ''میں نے تجھے اپاہج کر دیا ہے سفید فام کیڑے۔ اگر تو آدھے گھنٹے تک اپنی ضد پر قائم رہا تو ہمیشہ کے لئے اپاہج ہو جائے گا۔ تیری ٹانگیں حرکت نہ کر سکیں گی۔''

عورت تھر تھر کانپ رہی تھی۔ کاراس اس کی طرف مڑا۔

''چلو..... چاٹو میرا تلوا۔''

وہ آگے بڑھی..... کاراس کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔ اس نے اپنی داہنی ٹانگ بائیں ٹانگ پر رکھ لی اور عورت گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس کا تلوا چاٹنے لگی۔

ٹوری بے حس و حرکت پڑا دیکھتا رہا۔ اس کی زبان گنگ ہو کر رہ گئی تھی۔ اپنے نچلے دھڑ کو جنبش دینے کا ارادہ کرتا تھا لیکن کامیابی نہیں ہوتی تھی۔ بالکل ایسا لگتا تھا جیسے ذہن اور نچلے دھڑ کا رابطہ ہی منقطع ہو گیا ہو۔

''بس کرو.....!'' کاراس عورت سے بولا۔ ''اس کی آنکھیں کسی ایسے شیر کی سی آنکھیں لگ رہی تھیں جو کسی تازہ شکار کا لہو پی کر اٹھا ہو۔''

اس نے میز کی دراز کھینچی تھی اور ایک چھوٹا سا پیکٹ نکال کر عورت کی طرف بڑھا دیا تھا۔

عورت نے پیکٹ اسی طرح اسکے ہاتھ سے جھپٹ لیا جیسے کسی ندیدے بچے نے غیر ارادی طور پر ہاتھ آنے والی مٹھائی پر جھپٹا مارا ہو..... پھر اس نے اپنے پرس کا زپ کھولا تھا۔

''نہیں اس کی ضرورت نہیں۔'' کاراس آہستہ سے بولا۔ ''تم قیمت ادا کر چکی ہو سفید فام عورت..... جاؤ..... دفع ہو جاؤ۔''

عورت دوڑنے کے سے انداز میں چل کر باہر نکل گئی تھی۔

کاراس اب ٹوری کی طرف متوجہ ہوا۔

''کیا خیال ہے چاٹو گے میرا تلوا یا ہمیشہ کے لئے اپاہج ہو جانا پسند کرو گے۔''

ٹوری نے کسی بے بس جانور کی طرح پلکیں جھپکائی تھیں۔

''آدھا گھنٹہ گزر جانے کے بعد تم ہمیشہ کے لئے اپاہج ہو جاؤ گے۔ آدھے گھنٹے کے اندر اندر میں تمہیں پھر تمہاری اصلی حالت میں لا سکوں گا..... لو چاٹو میرا تلوا.....!''

وہ اٹھ کر اس کے پاس آ کھڑا ہوا اور بایاں پیر اس کے چہرے کے قریب کرتا ہوا بولا۔ ''ہم نے صدیوں تک سفید فاموں کے تلوے چاٹے ہیں اور آج بھی تمہارے نزدیک قابل نفرت ہیں..... حالانکہ تمہاری یہ دولت مندی اور سرفرازی ہمارے ہی اجداد کی محنتوں کا نتیجہ ہے..... چاٹو میرا تلوا اور دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاؤ۔''

ٹوری نے وحشیانہ انداز میں منہ پھاڑ کر زبان نکالی اور کاراس کا تلوا چاٹنے لگا۔ کاراس ہنس رہا تھا۔ بالکل اسی طرح جیسے گدگدی ہو رہی ہو۔ حالانکہ اس وقت ہلکی سی مسکراہٹ بھی اس کے ہونٹوں پر نہیں آئی۔ جب عورت تلوا چاٹ رہی تھی۔



کیپٹن حمید نے کار روکی تھی اور انجن بند کر کے نیچے اُتر آیا تھا اور گیارھویں ہوٹل میں

داخل ہونے سے قبل اس نے دل ہی دل میں ٹوری بیڈسٹر کی سات پشتوں کو نواز کر رکھ دیا تھا۔

ویسے اس بار اسے کامیابی ہوئی تھی۔ قیام کرنے والوں کے رجسٹر میں ٹوری بیڈسٹر کا نام موجود تھا۔ اس نے اس کے بارے میں کاؤنٹر کلرک سے پوچھ گچھ شروع کی۔

''ہپی تھا جناب..... مجھے اچھی طرح یاد ہے۔'' کاؤنٹر کلرک نے کہا۔ ''دو دن قیام کرنے کے بعد چلا گیا تھا۔''

''کچھ اندازہ ہے کہ کہاں گیا ہوگا۔''

''نہیں جناب..... لیکن جس شخص نے اسکے واجبات کی ادائیگی کی تھی وہ ضرور جانتا ہوگا۔''

''کیا ادائیگی اور کسی نے کی تھی۔''

''جی ہاں..... اور کمرے کی کنجی بھی اسی سے واپس ملی تھی۔ خود ٹوری بیڈسٹر تو نہ جانے کس وقت چلا گیا تھا۔''

''ادائیگی کرنے والا لون تھا۔''

''اس نے اپنا نام نہیں بتایا تھا۔''

''کوئی مقامی آدمی تھا.....؟''

''جی نہیں۔ اس کی طرح سفید فام تھا۔ لیکن ہپی نہیں تھا۔''

''تم نے اس طرح اس کا حوالہ دیا تھا جیسے اسے جانتے ہو۔''

''جانتا ہوں لیکن نام نہیں جانتا۔''

''کیا بات ہوئی۔''

''ریس کورس میں اسے اکثر دیکھتا رہا ہوں۔ یہ زیادہ تر جیت میں رہتا ہے اور جیتنے کے بعد ایسی ایسی حرکتیں کرتا ہے کہ مزہ آجاتا ہے۔ لہٰذا مجھے ہمیشہ اس کی تلاش رہتی ہے۔ کبھی کبھی کامیابی بھی ہو جاتی ہے اور میں اس کے قریب ہی رہنے کی کوشش کرتا ہوں۔''

''کبھی مل بیٹھنے کی بھی کوشش کی ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں جناب! اسے تو شاید علم ہی نہ ہو کہ مجھے اس کی تلاش رہتی ہے۔ یہاں بھی اس نے مجھے نہیں پہچانا تھا۔''

''آج بدھ ہے۔'' حمید نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ''اس وقت تیسری ریس کی تیاری ہو رہی ہوگی..... میرے ساتھ چلو۔''

''بدھ کی ریس ہمیشہ رہ جاتی ہے۔ ڈیوٹی پر ہوتا ہوں۔''

''میں تمہیں چھٹی دلا دوں گا۔''

''تب تو ممکن ہے جناب۔''

منیجر سے مل کر پانچ منٹ کے اندر اندر حمید نے اسے چھٹی دلائی تھی اور ریس کورس کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ یہاں سے قریباً دو ڈھائی میل کی مسافت تھی۔

''تم یہ بات اپنی ہی ذات تک محدود رکھو گے کہ میں نے ٹوری بیڈسٹر کے سلسلے میں تفتیش کی تھی۔'' حمید نے کلرک سے کہا جو اس کے برابر ہی بیٹھا ہوا تھا۔

''میں سمجھتا ہوں جناب..... ایسا ہی ہوگا۔''

ریس کورس کی بھیڑ بھاڑ میں کسی کو تلاش کر لینا آسان کام نہیں تھا۔ اس کے باوجود بھی ان دونوں کی تگ و دو جاری رہی۔

''بہت مشکل ہے جناب..... ذرا پہلے آتے تو..... یا پھر یہ ریس ختم ہو جانے دیجئے آج تو چھ ہوں گی۔''

وہ دونوں ایک جانب جا بیٹھے تھے۔

''یہاں کے بہتیرے گائیڈز سے بھی تمہاری واقفیت ہوگی۔'' حمید نے اس سے کہا۔

''قریب قریب سبھوں کو جانتا ہوں۔'' کاؤنٹر کلرک بولا۔

''تم نے بدرل کے قتل کے بارے میں بھی سنا ہوگا۔''

''جی ہاں..... اخبار میں یہ خبر دیکھی تھی۔ لین دین کے کسی جھگڑے میں قتل ہوا ہوگا۔ اوہو..... خوب یاد آیا..... اس شخص کو میں نے کئی بار بدرل کے ساتھ بھی دیکھا تھا۔''

''اس آدمی کو تم ریس کورس میں کب سے دیکھ رہے ہو۔''

''میرا خیال ہے کہ شائد سال ڈیڑھ سال سے۔''

''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ کوئی سیاح نہیں ہے۔''

''قطعی نہیں جناب..... ہوسکتا ہے کسی بیرونی فرم کا ملازم ہو۔''

''لیکن ملے کس طرح..... تمہیں کبھی کسی کی زبانی اس کا نام بھی نہیں معلوم ہوسکا۔''

''نہیں جناب! کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ کسی نے میری موجودگی میں اس کا نام لے کر مخاطب کیا ہو۔''

''آؤ یہ ریس ختم ہوگئی۔ اگر وہ جیت میں رہا ہوگا تو یقیناً اپنی رقم وصول کرنے جائے گا۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' کاؤنٹر کلرک اٹھتا ہوا بولا۔

وہ بکیز کی طرف آئے تھے اور حمید کا ساتھی یک بیک اچھل پڑا تھا۔

''وہ دیکھئے..... وہ رہا..... جس نے سرخ کوٹ پہن رکھا ہے۔'' اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

''کہاں..... اوہ..... وہ ہے؟''

''تو کیا آپ اسے جانتے ہیں۔''

''اور مجھے حیرت ہے کہ تم نہیں جانتے۔ کیونکہ اس کا تعلق ہوٹلوں ہی سے ہے۔''

''میں نہیں سمجھا جناب۔''

''بلیو اسٹار گروپ کا ڈرمر ہے۔''

''وہ تو ہائی سرکل نائٹ کلب سے تعلق رکھتا ہے۔ بھلا ہم جیسوں کا وہاں کہاں گزر۔''

''میرا خیال ہے کہ تم نے خوشی کے مواقع پر اسے طرح طرح سے منہ بناتے دیکھا ہوگا۔''

''جی ہاں..... جی ہاں..... اب میں کیا بتاؤں۔'' وہ کھسیانی سی ہنسی ہنس کر رہ گیا۔

''نہیں ضرور بتاؤ..... تم مجھے دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہو۔ آئندہ بھی ملتا رہوں گا۔''

''خوش نصیبی ہے میری جناب۔ ورنہ کیپٹن حمید تو ہم لوگوں کے لئے قصے کہانیوں کی شخصیت ہے۔ ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ کوئی نفسیاتی چکر ہوگا۔ دراصل میں اس شخص کو خار کھانے کے لئے اسے خوشی کے موقعوں پر دیکھنا چاہتا ہوں۔ جب یہ طرح طرح کے منہ بناتا ہے تو دل چاہنے لگتا ہے کہ اس کی تھوتھنی کچل کر رکھ دوں۔ عجیب بات ہے کہ اس کے باوجود بھی بار بار دیکھنا چاہتا ہوں..... وہ دیکھئے..... وہ پھر اوپری ہونٹ سکوڑ کر باہیں

نے کی کوشش کر رہا ہے..... مسل دوں تھوتھنی سالے کی۔''

''بہرحال تمہیں یقین ہے کہ اسی نے ٹوری بیڈسٹر کا حساب بے باق کیا تھا۔''

''اسی طرح یقین ہے جیسے اس پر کہ آپ سے شرف ہم کلامی حاصل ہے۔''

''بہت بہت شکریہ دوست.....!'' حمید اس کا شانہ تھپک کر بولا۔

''آؤ اب تھوڑی سی تفریح ہوجائے..... اگلی ریس میں یلو پینتھر دوڑ رہا ہے..... اس پر لگاؤ..... ہار جاؤ گے تو ہاری ہوئی رقم میں ادا کردوں گا۔''

''اتنا یقین ہے آپ کو.....!''

''خود کبھی نہیں کھیلتا..... لیکن گہری نظر رکھتا ہوں۔ فرصت کے اوقات میں تجزیئے بھی کرتا رہتا ہوں۔ آج تک میری دی ہوئی ٹپ غلط نہیں نکلی۔''

''اچھی بات ہے جناب..... آزماؤں گا۔''

''تم ادھر آزماؤ..... اور میں اسے منہ بناتے دیکھوں گا۔''

وہ بکیز کی طرف بڑھ گیا تھا اور حمید انتظار کرنے لگا تھا کہ بلیو اسٹار کا ڈرمر جیری وہٹلم کب اس بھیڑ سے نکلتا ہے۔

جلد ہی کام بن گیا تھا۔ وہٹلم نے دوسری ریس کے ٹکٹ خریدے تھے اور بھیڑ سے نکل کر ایک جانب چلا ہی تھا کہ حمید نے اسے جالیا۔

''ایک منٹ.....!''

''جی.....!'' وہ چونک پڑا۔

''آہا..... کیپٹن..... کہئے..... ٹپ چاہئے کیا۔''

''نہیں..... بدرل سے متعلق تھوڑی سی گفتگو ہوگی..... ابھی ریس میں دیر ہے..... چلو کسی طرف بیٹھ جائیں۔''

''بدرل..... اوہ..... وہ گائیڈ بیچارہ جس کسی نے قتل کردیا۔''

''وہی.....!''

''لیکن میں اس کے بارے میں کیا بتا سکوں گا۔''

''تمہارے دوستوں میں سے تھا۔''

''کسی نے غلط اطلاع دی ہے آپ کو۔ بس یونہی معمولی شناسائی تھی۔ کبھی کبھی یہیں ریس کورس میں ایک دوسرے کو دیکھ کر سر ہلا دیتے تھے۔''

''اس کے باوجود بھی تم نے پندرہ دسمبر کو آراگاں ہوٹل میں اس کا حساب بے باق کیا تھا۔'' حمید نے اس سے سوال کیا۔

''کس کا حساب بے باق کیا تھا؟'' جیری وہٹلم نے حیرت سے سوال کیا۔

''بدرل کا.....!''

''واقعی کوئی آپ کو میرے خلاف بھڑکا تا رہا ہے۔ میں اور بدرل کا حساب بیباق کروں گا۔ اس کی حقیقت ہی کیا تھی کہ وہ میرے احباب میں شمار کیا جاتا۔''

''آراگاں کا کلرک تمہاری شناخت کر چکا ہے؟''

''بدرل کا حساب بیباق کرنیوالے کی حیثیت سے؟'' جیری نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

''بات کو طویل نہ دو مجھے مختصر جواب چاہئے.....تم نے حساب بے باق کیا تھا یا نہیں۔''

''ضرور کیا تھا.....لیکن وہ بدرل کا حساب نہیں تھا۔''

''پھر کس کا تھا.....!''

''میرے ایک دوست ٹوری بیڈسٹر کا..... ہاں وہ پندرہ دسمبر ہی تھی۔''

''کیا اب وہ تمہارے ساتھ مقیم ہے؟''

''اس کی بات چھوڑیئے.....آپ بدرل کی بات کر رہے ہیں۔''

''مجھے ثبوت چاہئے کہ وہ ٹوری بیڈسٹر ہی کا حساب تھا۔''

''ہوٹل کا رجسٹر چیک کر لیجئے۔''

''ہوسکتا ہے اس دن کسی ٹوری بیڈسٹر کا بھی حساب بے باق کیا گیا ہو۔ لیکن وہ تمہارے ذریعے نہیں ہوا تھا۔''

''کمال کرتے ہیں آپ بھی۔''

''ٹوری بیڈسٹر کون ہے؟''

''میرا ایک دوست جو بغرض سیاحت یہاں آیا ہے۔''

''میں اس سے مل کر تصدیق کرنا چاہتا ہوں۔''

''میں نہیں جانتا کہ وہ اب کہاں ہوگا۔''

''کمال ہے.....تم نے اس کا حساب بے باق کیا تھا۔''

''ضرور کیا تھا.....لیکن خود اس کے ساتھ نہیں گیا تھا۔ اس کے کمرے میں اس سے ملنے کے لئے گیا تھا۔ لیکن وہ بہت جلدی میں تھا۔ اپنا حساب بے باق کر کے ہوٹل چھوڑ دینا چاہتا تھا۔ مجھے کچھ رقم اور کمرے کی کنجی دے کر چلا گیا تھا۔''

''تم نے بدرل کا حساب بے باق کیا تھا اس کے کمرے میں ٹھہرے رہے تھے اور اس کے چلے جانے کے بعد تم نے کنجی کاؤنٹر کلرک کے حوالے کر دی تھی۔ مجھے بتاؤ کہ بدرل نے وہ کمرہ تین دن کے لئے کیوں لیا تھا۔''

''چلئے آراگاں.....وہیں تصدیق ہو جائے گی کہ میں نے کس کا حساب بے باق کیا تھا۔''

''پس ثابت ہوا کہ ٹوری بیڈسٹر ہی بدرل کا قاتل ہے۔''

''کیا مطلب.....!'' جیری اچھل پڑا۔ ''آپ کس قسم کی گفتگو کر رہے ہیں کیپٹن۔ بھلا کس طرح ثابت ہوا کہ ٹوری بدرل کا قاتل ہے۔''

''ٹوری کا پتا بتاؤ ورنہ میں تمہیں شبہے میں گرفتار کر کے پندرہ دن کا ریمانڈ لے لوں گا۔''

''ٹٹ.....ٹوری.....!'' وہ نروس ہو کر بولا۔ ''کک کا راس بلابو کا مہمان ہے۔''

''یہ ہوئی نا بات.....اگر پہلے ہی بتا دیتے تو۔''

''بلابو میری ہڈیاں توڑ دے گا اگر اسے معلوم ہو گیا کہ میں نے اس کے مہمان کی نشاندہی کر دی ہے۔''

''کیوں.....؟''

''وہ اپنے جزیرے میں پولیس والوں کو دیکھنا پسند نہیں کرتا۔''

''اگر قاتلوں کو پناہ دے گا تو ضرور دیکھے گا۔''

''کیا واقعی وہ بدرل کا قاتل ہے۔''

''اس کا فیصلہ عدالت کرے گی۔''

''عدالت فیصلہ کرے یا نہ کرے..... اب میری شامت آ جائے گی۔ آپ لوگ میرا نام ضرور لیں گے اور وہ بلاؤں کا پہاڑ میری بوٹیاں اڑا دے گا۔''

''ضروری نہیں کہ اس سلسلے میں تمہارا نام بھی لیا جائے۔''

''اوہ کیپٹن..... زندگی بھر شکر گزار رہوں گا اگر میرا حوالہ نہ دیا جائے۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا حوالہ دینے کا۔ عدالت ہم سے یہ نہیں پوچھے گی کہ ہم کارا س کے جزیرے میں کیونکر جا پہنچے تھے۔''

''بہت بہت شکریہ کیپٹن آیئے کچھ پیجئے گا۔''

''نہیں شکریہ..... ڈیوٹی پر ہوں۔''

''آپ ماریانا ویلیوٹ کے رقص میں نہیں آئے تھے۔''

''آج کل فرصت ہی نہیں ملتی۔''

''تو پھر یاد رکھئے گا..... میرا نام نہ آنے پائے۔''

''سنا ہے کارا س بلابو کوئی نیگرو ہے۔''

''ہاں! انتہائی خطرناک اور بھینسے کی طرح طاقتور بھی۔''

''اور یہ ٹوری ہیڈسٹر تو سفید فام ہی ہے اس کا بلابو سے کیا تعلق.....؟''

''بہرحال دونوں ہم وطن ہیں۔ رنگ و نسل سے کیا فرق پڑتا ہے۔''

''بہت فرق پڑتا ہے۔ خیر ہم دیکھیں گے کہ کارا س بلابو کیا چیز ہے۔''

''بس میرا نام نہ آنے پائے۔''

''مطمئن رہو..... ہاں تم کس گھوڑے پر رقم لگا رہے ہو؟ یلو پینتھر کو نظر انداز نہ کر جانا یہ ریس وہی جیتے گا۔''

روبی خان

سرسبز پہاڑوں کے درمیان واقع غزن سبزہ نامی بستی شمالی کوہستان کی سب سے زیادہ

نمبر 39

نی آباد بستی تھی۔ بیس سال پہلے یہاں زمرد محل کے علاوہ اور کوئی قابل ذکر عمارت نہیں ی۔ یہ خان دوراں کا محل تھا اور اس کے اطراف میں خان دوراں کی رعایا بسی ہوئی تھی۔ ہیں پھر دیکھتے ہی دیکھتے یہ ننھی سی بستی شہر بننے لگی تھی۔ کیونکہ یہاں حکومت نے کئی ترقیاتی منصوبوں کو روبہ عمل لانے کی جدوجہد شروع کر دی تھی۔ کاغذ، شکر اور کشیدنی تمباکو کے ارخانے قائم کئے گئے تھے۔ سڑکیں بنی تھیں ریلوے لائن ڈالی گئی تھی اور ایک شاندار یلوے اسٹیشن تعمیر ہوا تھا۔ ڈاک اور ٹیلی فون کے محکموں نے اپنے دفاتر قائم کئے تھے اور ب ایک ریڈیو اسٹیشن کا قیام بھی زیر غور تھا۔

یہ سب کچھ تھا۔ لیکن زمرد محل کی انفرادیت آج بھی برقرار تھی۔ اس جیسی کوئی دوسری ارت غزن سبزہ میں اب تک تعمیر نہیں ہو سکی تھی اور خان دوراں آج بھی بستی کا سب سے عزز آدمی خیال کیا جاتا تھا۔ سرکاری حکام اس کا احترام کرتے تھے اور اہم انتظامی اُمور میں خان دوراں سے ضرور مشورہ لیا جاتا تھا۔ بستی کا متمول ترین آدمی بھی وہی تھا۔ یہاں جتنے بھی ترقیاتی منصوبوں پر کام ہو رہا تھا اس میں اس کا بھی حصہ تھا اور شاید حکومت کے حصص کے بعد اس کے حصص کا نمبر آتا تھا۔

محل میں ملازموں کی پوری فوج موجود تھی۔ لیکن کنبہ صرف تین افراد پر مشتمل تھا۔ خان دوراں اس کی بیوی خانم سعدیہ اور بیٹی گلرو..... کبھی کبھی نصیر آباد سے گلرو کی خالائیں بھی آ جاتی تھیں۔ بلکہ خانم سعدیہ نے خاص طور پر اسے بلوایا تھا۔ بات دراصل یہ تھی کہ ادھر کچھ دنوں سے خانم سعدیہ کو اپنے شوہر کی ذہنی صحت کچھ مشتبہ سی محسوس ہونے لگی تھی۔ اس سلسلے میں اس نے خان دوراں سے براہِ راست کوئی گفتگو نہیں کی تھی بلکہ اپنی بہن عالیہ کو بلوا بھیجا تھا جو نصیر آباد کی لیڈی ڈاکٹروں میں ممتاز ترین حیثیت رکھتی تھی۔ خانم سعدیہ ایک بہت محتاط عورت تھی۔ ورنہ ملک کے چوٹی کے ڈاکٹر بھی اس کی دسترس سے دور نہیں تھے۔ حقیقتاً وہ نہیں چاہتی تھی کہ یہ بات محل کی حدود سے باہر نکل جائے۔

خان کی ذہنی صحت پر شبہ کی ابتداء ایک واقعے سے ہوئی تھی ایک رات خانم سعدیہ اپنی خواب گاہ میں بے خبر سو رہی تھی کہ کسی نے زور زور سے دروازہ پیٹ کر اسے جگا دیا تھا۔ کس

میں جرأت تھی کہ ایسا کرسکتا۔ سوائے خان دوراں یا گلرو کے اور کسی سے اس قسم کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔

یہاں پر خواب گاہ میں فون موجود تھا۔ ایسے مواقع پر فون ہی کی گھنٹی بجتی تھی اور سونے والا بیدار ہوجاتا تھا۔ بہرحال خانم سعدیہ نے دروازہ کھولا تھا اور خان کو راہداری میں کھڑے دیکھ کر ششدر رہ گئی تھی۔

خان نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا اور ادھر اُدھر دیکھتا جلدی سے خواب گاہ میں داخل ہوگیا تھا۔ شاید زندگی میں پہلی ہی بار خانم سعدیہ نے اس کے چہرے پر خوفزدگی کے بھی آثار دیکھے تھے۔

''تم نے یہاں کوئی نیلے رنگ کی گلہری تو نہیں دیکھی تھی۔'' اس نے آہستہ سے پوچھا۔

''نیلے رنگ کی گلہری خان۔'' سعدیہ کو ہنسی آ گئی تھی۔

''سنجیدگی سے یاد کرو۔''

''دیکھنا تو بڑی بات ہے پہلی بار کسی نیلی گلہری کے بارے میں سن رہی ہوں۔'' خانم سعدیہ کا جواب تھا۔

''خیال رکھنا۔''

''کیا تم نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔''

''اوہ..... میں سنجیدہ ہوں خانم۔''

''یک بیک یہ نیلی گلہری کہاں سے آ گئی؟''

''اوہ کچھ نہیں۔ بس خیال رکھنا۔ اگر دکھائی دے تو مجھے فوراً اطلاع دینا۔''

''اتنی رات گئے یہی پوچھنا چاہتے تھے؟''

''ہاں.....!'' اس نے کہا تھا اور تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔ پھر دوسرے دن ملازموں سے نیلی گلہری کی باتیں ہوتی رہی تھیں۔ ہر ایک کو ہدایت دی گئی تھی کہ نیلی گلہری پر نظر پڑتے ہی اسے فوری طور پر مطلع کیا جائے۔

بعض ملازموں نے تو باقاعدہ طور پر کسی نیلی گلہری کی تلاش بھی شروع کردی تھی۔

کئی دن تک نیلی گلہری کا چکر چلتا رہا تھا اور اسی دوران میں خان نے سختی سے حکم دیا تھا کہ فون پر کوئی کال محل کا کوئی فرد ریسیو نہ کرے۔ خان کے علاوہ کسی بھی انسٹرومنٹ کا ریسیور اور کوئی نہ اٹھا سکے گا..... خانم اور گلرو بھی اس سے مستثنیٰ نہیں تھیں۔

اور پھر خان نے ہر کمرے کے انسٹرومنٹ اٹھوا لئے تھے اور صرف اپنی خواب گاہ میں ایک انسٹرومنٹ رہنے دیا تھا۔

خانم سعدیہ وجہ پوچھتی تو پاگلوں کی طرح دھاڑنے لگتا تھا۔ ایک دن سب سے عجیب واقعہ پیش آیا۔ خواب گاہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور پردہ بھی ایک جانب ہٹا ہوا تھا۔ خانم سعدیہ ادھر سے گزری اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ خان دوراں اس کے افریقی طوطے سے فون پر کال کرا رہا تھا۔ اسے کال کرانا ہی کہیں گے۔ ریسیور کا ماؤتھ پیس طوطے کی چونچ کے قریب تھا اور طوطا وہی سب کچھ ٹیں ٹیں کئے جا رہا تھا جو اسے رٹا ہوا تھا۔

وہ دروازے کے سامنے ہی رک گئی۔ خاں دوراں کا انہماک اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ اسے اس کی موجودگی کا احساس تک نہ ہوسکا۔ ادھر خان دوراں نے ریسیور کریڈل پر رکھا تھا ادھر وہ تیزی سے دوسری طرف کھسک گئی تھی۔

بہرحال خان دوراں کو اس کے بعد بھی وہاں اس کی موجودگی کا علم نہیں ہوسکا تھا۔ خانم سعدیہ وہاں نہیں ٹھہری تھی اور اس کی تشویش میں مزید اضافہ ہوگیا تھا۔

پھر اس نے بلا ہی بھیجا تھا اپنی بہن ڈاکٹر عالیہ کو۔

عالیہ جتنی خوبصورت تھی شاید اتنی ذہین بھی تھی۔ خان دوراں پر نہیں ظاہر ہونے دیا تھا کہ وہ کیوں آئی ہے۔ ویسے اس بار خان دوراں نے اس کا استقبال بڑی سرد مہری سے کیا تھا۔ عالیہ کے اندازے کے مطابق اسے اس کی آمد ناگوار گزری تھی جس کا اظہار اس نے الفاظ میں تو نہیں کیا تھا لیکن اس کی آنکھیں چیخ چیخ کر کہتی رہی تھیں ''واپس جاؤ..... فی الحال میں یہاں کسی چوتھے فرد کو برداشت نہیں کرسکتا۔''

ڈاکٹر عالیہ نے دن بھر خان دوراں پر نظر رکھی تھی اور رات کو خانم سعدیہ سے بولی تھی۔

''تمہارا خیال غلط ہے آپا جان..... یہ ذہنی فتور نہیں بلکہ کوئی بڑی الجھن ہے اور وہ کسی قدر

خائف بھی ہیں۔''

''خوف اور خان دوراں۔ میں تصور بھی نہیں کرسکتی۔ نہیں..... نا قابل یقین..... انہیں کس کا خوف ہوسکتا ہے۔'' خانم سعدیہ نے پُرتشویش لہجے میں کہا تھا۔

جس رات خان دوراں نے خانم سے نیلی گلہری سے متعلق استفسار کیا تھا اس کے بعد پھر محل کی حدود سے باہر نہیں نکلا تھا۔ باہر جانا ہی ترک کردیا تھا۔

گوشہ نشینی کی وجہ موسم کی شدت بھی نہیں ہوسکتی تھی کیونکہ خان دوراں باہر جانے کے سلسلے میں برف کو بھی خاطر میں نہیں لاتا تھا۔لیکن پھر ایک رات ایسا ہوا کہ ایک لمبی سی سیاہ گاڑی محل کی حدود میں داخل ہوئی تھی اور خان دوراں کہیں جانے کے لئے تیار ہوگیا تھا۔

کوئی نہیں جانتا تھا کہ گاڑی کہاں سے آئی تھی اور کس کی تھی۔

خان دوراں نے خانم کے بضد ہونے پر بھی اپنی زبان بند رکھی تھی۔ اس کا چہرہ اس وقت بالکل سپاٹ تھا کسی قسم کے بھی جذبات کا اظہار آنکھوں سے نہیں ہو رہا تھا۔ حالانکہ اس شام کو بھی وہ کئی افراد پر گرج برس چکا تھا۔

وہ اس گاڑی میں بیٹھ کر کہیں چلا گیا تھا اور پھر دوسری سہ پہر تک اس کی واپسی ہوئی تھی۔ چہرہ ستا ہوا تھا اور آنکھیں ویران سی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے کسی نے سارے جسم کا خون نچوڑ لیا ہو۔آیا تھا اور اپنی خواب گاہ میں بند ہوکر بیٹھ گیا تھا۔

''تم نے دیکھا آپا جان.....!'' ڈاکٹر عالیہ نے خانم کو مخاطب کیا۔

''میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا..... پہلا موقع تھا کہ میں نے کسی اور کی گاڑی میں انہیں بیٹھتے دیکھا تھا۔'' خانم بولی تھی۔

''آخر کسی بات کا جواب کیوں نہیں دیتے..... ہاں کیا بتایا تھا تم نے..... وہ نیلی گلہری۔''

''خدا ہی بہتر جانے۔ انہوں نے وضاحت نہیں کی تھی۔''

''اور طوطے سے کسی کو کال کرا رہے تھے۔''

''اس کی وجہ میں نے نہیں پوچھی تھی۔ بلکہ ظاہر بھی نہیں ہونے دیا تھا کہ میں نے انہیں ایسا کرتے ہوئے دیکھا تھا۔''

''میں پوچھوں۔''

''ہرگز نہیں..... نام بھی مت لینا۔ انہیں پسند نہیں ہے کہ گھر والے انکی باتوں میں دخل دیں۔''

''تو پھر کیسے بات بنے گی۔''

''میرا خیال ہے کہ اب تم جاؤ..... میں سمجھی تھی کہ کسی ذہنی بیماری میں مبتلا ہوگئے ہیں لیکن تم اس سے متفق نہیں ہو، لہٰذا کچھ کیا بھی نہیں جاسکتا۔''

''ایسے حالات میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑ سکتی۔ ارے ہاں کہیں کوئی سیاسی چکر تو نہیں ہے۔''

''عرصہ ہوا سیاست سے کنارہ کش ہوچکے ہیں۔''

''پتا نہیں کتنے کنارہ کش ہوکر دوبارہ میدان میں آگئے ہیں۔''

''میں انہیں اچھی طرح جانتی ہوں۔''

''پھر یہ معمہ کیسے حل ہو۔''

''میں نہیں جانتی..... جاؤ تم بھی آرام کرو۔''

برف باری ہو رہی تھی۔ حالانکہ ابھی رات کے دس ہی بجے تھے لیکن غزن سبزہ کی عمارات کی کھڑکیاں تاریک ہوگئی تھیں۔

زمرد محل کی بھی زیادہ تر کھڑکیاں تاریک ہی تھیں اور خانم سعدیہ گلرو اور ڈاکٹر عالیہ سمیت وسطی ہال میں آتشدان کے قریب بیٹھی ہوئی تھی۔ پورے محل میں یہی ایک ایسی جگہ تھی۔ جہاں ایئر کنڈیشنر نہیں لگائے گئے تھے۔ خانم سعدیہ ہی نے اس ہال کی روایتی حیثیت کو برقرار رکھنے کا مشورہ دیا تھا اور خان دوراں نے اس سے اختلاف بھی نہیں کیا تھا۔ عام حالات میں وہ ایک اچھا باپ اور ایک اچھا شوہر تھا۔کبھی کسی رشتہ دار کو اس سے کوئی شکایت نہیں ہوئی تھی۔ غریب اعزہ کے ساتھ تو وہ اس طرح پیش آتا تھا جیسے وہی اس کے سردار ہوں..... لیکن ان دنوں گویا اس کی شخصیت ہی بدل کر رہ گئی تھی۔ زیادہ تر خاموش ہی رہنا چاہتا تھا۔ اگر کوئی بولنے پر مجبور کرتا تو اس طرح بھڑک اٹھتا جیسے اس نے کوئی بہت بڑی

بات کہہ دی ہو۔ اس وقت وہ اپنی خواب گاہ میں تھا۔ ورنہ عام حالات میں وہ بھی رات کے کھانے کے بعد اس ہال میں ضرور بیٹھتا تھا۔ خانم سعدیہ اور گلرو سے مختلف مسائل پر گفتگو کرتی اور قہوے کے دور چلتے۔

گلرو پندرہ سولہ سال کی ایک ذہین اور خوش سلیقہ لڑکی تھی۔ زیادہ تر وقت پڑھنے لکھنے میں گزارتی تھی اسرار و سراغ کی کتابوں سے اس کی الماریاں بھری ہوئی تھیں۔

خود اس نے ابھی تک اپنے باپ کی پریشان حالی پر اظہار خیال نہیں کیا تھا۔ ماں اور خالہ کی باتیں سنتی رہی تھی۔ دفعتاً وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیا نیند آ رہی ہے.....!'' خانم نے پوچھا۔

''نہیں بابا کے پاس جا رہی ہوں۔ میں نے ابھی تک ان سے اس مسئلے پر بات نہیں کی۔''

''تم کیا بات کرو گی۔'' ڈاکٹر عالیہ نے سوال کیا۔

''یہی پوچھوں گی کہ خان دوراں کس سے خائف ہو سکتا ہے..... وہ جو پچھلی حکومت سے ٹکرا گیا تھا..... بھلا کس سے ڈر رہا ہے۔''

''نہیں بیٹھو.....!'' انہیں مزید پریشان نہ کرو۔ ہو سکتا ہے کوئی تجارتی مسئلہ ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی وجہ سے ان کی لعل کی کان..... تمہیں یاد ہو گا کہ پچھلی حکومت نے بھی اسے ہتھیا لینے کی کوشش کی تھی۔''

''موجودہ حکمرانوں سے تو ان کے تعلقات بہت اچھے ہیں۔ بابا ان کی ترقیاتی اسکیموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔''

''جاؤ..... سو جاؤ..... بعض مسائل بچوں کی سمجھ میں نہیں آتے۔''

''گلرو نے سر کو جنبش دی تھی اور وہاں سے چلی آئی تھی۔ غالباً وہ دونوں ہی سمجھی ہوں گی کہ گلرو سیدھی اپنی خواب گاہ میں جائے گی لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ خان کی خواب گاہ کے سامنے رکی تھی..... اور دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر خاموش کھڑی رہی تھی۔

دروازہ کھلا تھا۔

''تم.....!'' خان کے لہجے میں حیرت تھی۔

''مجھے اندر آنے دیجئے بابا۔''

''آؤ..... آؤ.....!'' وہ پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ ''تم ابھی تک سوئی نہیں۔''

''نیند نہیں آ رہی..... اور پھر آپ نے کتنے دنوں سے مجھے نظر انداز کر رکھا ہے۔ حیرت تک نہیں پوچھتے۔''

''مم..... میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے..... بیٹی..... بیٹھو۔'' اس نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

''شکریہ بابا.....!''

خان دوراں اسے خاموشی سے دیکھے جا رہا تھا۔ دفعتاً گلرو بولی۔ ''آپ اس علاقے کے سب سے زیادہ طاقتور سردار ہیں۔''

''زبان سے کہنے کی کیا ضرورت ہے بیٹی۔''

''آپ کو کوئی کاروباری پریشانی بھی نہیں ہو سکتی۔''

''کیا اب تم مجھے پریشان کرو گی گلرو.....!''

''نہیں بابا..... صرف یہ یاد دلاؤں گی کہ آپ عظیم ترین خانوں کے وارث ہیں۔''

''مم..... میں نہیں سمجھا۔''

''ان عظیم خانوں کی اولاد ہیں جنہوں نے دشمن کی توپوں کے دہانوں میں ہاتھ ڈال ڈال کر انہیں الٹ دیا تھا۔''

''کیا کہنا چاہتی ہے لڑکی۔''

''میں تصور بھی نہیں کر سکتی کہ میرا باپ ایک چور کے آگے گھٹنے ٹیک دے گا۔''

''گلرو..... گلرو.....!''

''بلیک میلر..... چور ہی ہوتے ہیں بابا..... اگر کوئی دم خم والا ہو تو چھین لیتا ہے..... دھمکیاں نہیں دیتا..... دھمکیاں چوٹے دیتے ہیں۔''

''تت..... تو کیا جانے گلرو۔''

''خان دوراں کی بیٹی اتنی سی بھی سوجھ بوجھ نہ رکھتی ہو تو اس پر تف ہے۔''

''خداوندا.....!''

''اتنا ڈرپوک ہے کہ اس نے دوسرے کمروں کے انسٹرومنٹس اٹھوا لئے ہیں۔ تاکہ آپ کی خواب گاہ میں رہنے دیا ہے تاکہ اس کی گفتگو اور کوئی نہ سن سکے۔''

''خاموش ہو جاؤ..... خاموش ہو جاؤ۔''

ٹھیک اسی وقت دروازے پر زور دار دستک ہوئی تھی۔ خان نے جھپٹ کر دروازہ کھولا۔ خانم سعدیہ اور عالیہ کھڑی ہانپ رہی تھیں۔

''کیا بات ہے؟''

''فائر کی آوازیں..... دو فائر ہوئے ہیں۔ محل کے شمالی حصے کی طرف سے آوازیں آئی تھیں۔'' خانم سعدیہ نے کہا۔

''کب.....!''

''ابھی..... ابھی..... اوہ..... گلرو..... تم یہاں کیا کر رہی ہو.....؟''

''کسی پہرے دار نے چلائی ہوگی..... کیا برف باری بند ہوگئی۔''

''کیوں چلائی ہوگی۔'' عالیہ بولی۔

''کبھی کبھی کوئی بھولا بھٹکا بھیڑیا آنکلتا ہے..... برف باری کے بعد۔''

''وہ سنئے..... پہرے دار سیٹیاں بجا رہے ہیں۔'' خانم سعدیہ انگلی اٹھا کر بولی۔

''ٹھہرو..... میں دیکھتا ہوں۔''

''کہاں جایئے گا۔''

''آؤٹ ہاؤز کی طرف..... ادھر ہی سے تو آوازیں آئی تھیں۔''

''جانے کی کیا ضرورت ہے۔ پھاٹک پر فون کر کے دربان سے پوچھئے۔''

''وہاں بھی اب انسٹرومنٹ نہیں ہے۔'' خان نے پرسکون لہجے میں کہا۔

''خدا جانے کیا ہو رہا ہے۔''

خان دوراں نے گلرو کی طرف اس طرح دیکھا تھا جیسے راز داری کی تاکید کر رہا ہو۔ گلرو نے سر کو جنبش دی تھی۔

خان دوراں آگے بڑھتا چلا گیا۔

''ریوالور تو لیتے جایئے۔'' خانم نے پکار کر کہا۔

''ضرورت نہیں۔'' خان دوراں کی پرشکوہ آواز راہداری میں گونجی تھی۔

دونوں بہنوں نے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

''کمال ہے۔'' بالآخر عالیہ بولی تھی۔ ''اس وقت تو بالکل ٹھیک ہیں۔''

خانم سعدیہ نے گلرو کی طرف دیکھا جسکے ہونٹوں پر شریر سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

''کیا باتیں ہوئی تھیں۔'' خانم نے پوچھا۔

''کوئی خاص بات نہیں ہے۔ آپ کا خیال درست تھا۔ کاروباری الجھنیں..... ایک سرکاری آدمی لعل کی کان میں دلچسپی لے رہا ہے کہتا ہے لیز منسوخ کرا دے گا۔''

''میں نہ کہتی تھی۔'' خانم سعدیہ نے ڈاکٹر عالیہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

''مجھے یقین نہیں آتا۔''

''بے یقینی کا کوئی علاج نہیں خالہ جان۔'' گلرو نے کہا تھا اور خوابگاہ سے نکلی چلی گئی تھی۔

خان دوراں نے باہر پہنچ کر کئی پہرہ داروں کے نام لے کر آوازیں دی تھیں۔ برف باری تھم چکی تھی۔ تاریک آسمان اور اجلی اجلی زمین کے امتزاج نے کچھ عجیب پراسرار سی فضا کی تشکیل کر دی تھی۔

خان دوراں دور دور تک دیکھنے کی کوشش کرتا رہا۔ شاید ایک پہرے دار تک اس کی آوازیں پہنچ گئی تھیں اور وہ دوڑا آیا تھا۔

''کیا بات تھی؟'' خان دوراں نے پوچھا۔

''کسی نے محل کی حدود میں فائر کئے تھے!''

''کس نے.....!''

''جی ہم میں سے کسی نے نہیں کئے۔''

''کدھر سے آواز آئی تھی۔''

''ایک شمال کی طرف سے اور دوسری مشرق کی طرف سے۔''

''مغرب کی طرف کون ہے؟''

''وہ سب اُدھر ہی چلے گئے۔''

''احمقانہ حرکت.....انہوں نے اپنی جگہ کیوں چھوڑی.....شمال اور مشرق والے خود ہی دیکھ لیتے۔''

''اب میں کیا عرض کروں حضور.....میں تو جہاں تھا وہیں ہوں۔''

''مجھے مطلع کیا جائے۔'' کہہ کر وہ مڑا ہی تھا کہ پورا محل تاریک ہوگیا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے۔'' خان دھاڑا تھا۔''پہرے دار تم یہیں ٹھہرو۔''

''بہت بہتر حضور۔''

اندر کے ملازمین نے شور مچا دیا تھا۔

''خاموش رہو۔'' خان دھاڑتا ہوا آگے بڑھا۔''پیٹرومیکس روشن کرو۔''

''جلدی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' قریب سے کوئی آہستہ سے بولا۔

''کون ہے.....؟'' خان چونک کر رک گیا۔

''وہی جسے تمہارے طوطے نے آواز دی تھی۔''

''کمال.....!'' خان دوراں اچھل پڑا۔

''آہستہ.....پہلے میرا انتظام کردو.....پھر مین سوئچ آن کرا دینا.....اندھیرا میں نے کیا تھا۔''

''اپنا ہاتھ ادھر لاؤ۔''

خان دوراں اندھیرے ہی میں اسے ایک کمرے تک لایا تھا۔

''یہیں ٹھہرو.....میں ابھی آیا۔''

کمرے کا دروازہ بند کر کے وہ پھر باہر آیا تھا۔ اس پہرے دار کو آواز دی جس سے کچھ دیر قبل گفتگو کرتا رہا تھا۔ اس سے اس کی ٹارچ طلب کی اور دوبارہ اسی کمرے کی طرف پلٹ آیا جہاں نووارد کو چھوڑا تھا۔

''آؤ.....!'' وہ دروازہ کھولتا ہوا بولا۔''چپ چاپ چلے آؤ.....میں نہیں چاہتا کہ کسی کو تمہاری موجودگی کا علم ہو۔''

تھوڑی دیر بعد وہ رکے تھے۔ ٹارچ کی روشنی میں ایک دروازے کے قفل میں کنجی ڈالی گئی تھی اور پھر وہ کمرے میں داخل ہوئے تھے۔

''یہ بڑی اچھی بات ہے کہ وہ سب اندھیرے میں ہیں۔'' خان بڑبڑایا۔

''تمہارے پہرے دار خاصے چوکس رہتے ہیں۔ کوئی تدبیر کارگر نہ ہونے پر ہی میں نے فائر کئے تھے۔'' نووارد نے کہا۔

''احمق ہیں.....اپنی جگہیں چھوڑ بھاگے تھے۔''

''مجھے یقین تھا کہ وہ یہی کریں گے۔''

''اوہ.....کمال.....مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم آ گئے ہو۔''

''آخر قصہ کیا ہے؟''

''اطمینان سے بتاؤں گا.....پہلے روشنی.....تم یہیں ٹھہرو۔''

خان دوراں نے باہر نکل کر دروازہ مقفل کر دیا تھا اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد محل دوبارہ روشن ہوگیا۔

چاروں اطراف کے پہرے دار طلب کر لئے گئے تھے۔ خان کے سامنے انکی پیشی ہوئی۔

''میں نے فائر کرائے تھے۔'' وہ دھاڑنے لگا۔''دیکھنا چاہتا تھا کہ تم لوگ کتنے تلمند ہو۔ سب کے سب اپنی جگہیں چھوڑ بھاگے.....دفع ہو جاؤ.....آئندہ ایسی غلطی نہ ہو۔''

وہ چپ چاپ چلے گئے۔ خانم سعدیہ نے بھی خان کی دھاڑ سنی تھی اور متحیر تھی کہ کس سے اس سے غلط بیانی کی تھی یا پہرے داروں سے جھوٹ بولا۔

''تم تو اپنی خواب گاہ میں تھے۔ فائر کی اطلاع میں نے دی تھی تمہیں۔'' اس نے خان سے کہا۔

''میں نے تو نہیں کئے تھے فائر.....کرائے تھے۔''

''تو پھر مجھے اسی وقت کیوں نہیں بتا دیا تھا۔''

''ضرورت نہیں سمجھی تھی۔'' خان غراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

''اب شاید میرے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔'' خانم نے ہتھیلیوں سے کنپٹیاں دباتے ہوئے کہا۔

''اوہ..... کیوں پریشان ہوتی ہو۔'' عالیہ اس کا شانہ تھپک کر بولی۔

''تم دیکھ رہی ہو۔''

''مرد کبھی اپنے خاص معاملات تفصیل سے عورتوں کو نہیں بتاتے۔''

''یہ مرد کم از کم میرے لئے ایسا نہیں تھا۔''

''بعض حالات مجبور کر دیتے ہیں۔ چلو واپس چلو۔ اپنی خواب گاہ میں.....!''

خان پھر اسی کمرے میں واپس آ گیا تھا۔

''مجھے یقین تھا۔'' اس نے نووارد سے کہا۔ ''تم ضرور آؤ گے اور اسی راز داری سے آؤ گے۔ اگر تم نے طوطے والی کال ریسیو کر لی۔''

''لیکن مجھے حیرت ہے۔''

''ہونی ہی چاہئے..... کوئی بھی نہیں سوچ سکتا کہ میں کبھی اتنا بے بس ہو جاؤں گا۔ میری کالیں ٹیپ کی جاتی ہیں۔ چوری چھپے نہیں..... بلکہ وارننگ دے کر کہ اگر میں نے اپنے کسی حمایتی کو اپنے حالات سے آگاہ کرنے کی کوشش کی تو بُرا نتیجہ سامنے آئے گا۔''

''تم جانتے ہو کہ وہ کون ہے؟''

''میں اسے جانتا ہوں۔''

''اور اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔'' نووارد کے لہجے میں حیرت تھی۔

''یہی بات ہے۔''

''اور وہ تمہارے ہی علاقے میں ہے۔''

''کمال میں بے بس ہو گیا ہوں۔ ہاں وہ میرے ہی علاقے کا ایک بڑا سرکاری آفیسر ہے۔''

''حیرت ہے تم تو ایک سابق سربراہ مملکت سے ٹکرا گئے تھے۔''

''میں بے بس ہو گیا ہوں کمال..... اور بے بسی کی وجہ کسی کو بتا بھی نہیں سکتا۔''

''مجھے بھی نہیں۔''

''سوچتا ہوں کہ تم بھی ایک سرکاری ہی آفیسر ہو۔''

''پھر مجھ سے اس طرح رابطہ قائم کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ ظاہر ہے کہ تمہاری پریشانی کی اصل وجہ معلوم کئے بغیر میں کچھ نہ کر سکوں گا۔''

''بتا دوں گا..... اور اس یقین کے ساتھ کہ تم اسے باور بھی کر لو گے۔ میری پوزیشن بہت نازک ہو گئی ہے۔''

''خیر..... اس کا فیصلہ تم خود کرو گے۔ میں تمہیں مجبور نہیں کر سکتا۔ ویسے نیلی گلہری کا قصہ تھا۔''

''اس طرح میں نے ان پر ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی کہ میرا ذہن متوازن نہیں رہا۔''

''یعنی تم ان کا مطالبہ پورا کرنے یا ان کی بات سمجھنے کے قابل نہیں رہے۔''

''تم ٹھیک سمجھے۔ میں نے یہی چاہا تھا کہ اسی طرح ان کی زبردستیوں سے بچ جاؤں لیکن یہ چال کامیاب نہ ہو سکی۔''

''یعنی ان کی طرف سے کسی قسم کا دباؤ پڑنے کے بعد ہی تم نے نیلی گلہری والا اسٹنٹ کیا ہوگا۔''

''ظاہر ہے.....!''

''بس تو پھر سامنے کی بات ہے کہ وہ اس پر یقین نہ کر سکے ہوں گے۔''

''بہرحال یہ بات محل سے نکل کر باہر مشہور ہوئی تھی۔''

''اور ان لوگوں کے علاوہ پورے غزن سبزہ کو یقین آ گیا ہوگا کہ تمہارا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے۔''

''یہی ہوا ہے..... دن بھر خیریت دریافت کرنے کے لئے کالیں آتی رہتی ہیں۔''

''اور وہ لوگ بھی بات کو آگے بڑھانے کے لئے فون ہی استعمال کرتے ہوں گے۔''

''ہاں..... اور اسی لئے میں نے سارے انسٹرومنٹ ہٹا لئے ہیں۔ صرف ایک اپنی خوابگاہ میں رکھا ہے۔ بڑی دشواری میں پڑ گیا ہوں کمال..... گلرو نے معاملے کو بھانپ لیا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ مجھ سے کہہ رہی تھی کہ کوئی آپ کو بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''ذہین لڑکی ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ جاسوسی ناول کثرت سے پڑھتی ہے۔''

''وہ مجھے حوصلہ دلا رہی تھی۔ کہہ رہی تھی کہ بلیک میلر چور ہوتا ہے اور یہ بڑی گھٹیا بات ہے۔ کہ کسی چور کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے جائیں۔''

''تو وہ سرکاری آفیسر تمہیں بلیک میل کر رہا ہے۔''

''ہاں.....وہ دستاویزات اسی کے قبضے میں ہیں جس کی بناء پر وہ شیر ہو رہا ہے۔''

''کیا سچ مچ تم کسی جرم میں ملوث رہے ہو۔''

''ہرگز نہیں.....اور اس دستاویز کا مقصد وہ نہیں تھا جو اب بنایا گیا ہے۔ لیکن میری بات پر کسی کو بھی یقین نہیں آئے گا۔''

''اس کا مطالبہ کیا ہے؟''

''لعل کی کان کے ایک حصے پر قبضہ کرنا چاہتا ہے.....لعل کے لئے نہیں بلکہ کچھ اور چکر ہے اس میں۔''

''کیا چکر ہے۔''

''پوری طرح نہیں سمجھ سکا۔ یہ تم دیکھو گے کہ کیا چکر ہے۔ ویسے میں تمہیں بتا دونگا کہ وہ کان کے جس حصے پر اپنا عمل دخل چاہتا ہے وہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ بیکار پتھروں کے علاوہ۔''

''کان کا نقشہ فراہم کر سکو گے؟''

''کیوں نہیں.....!''

''اب اس آفیسر کا نام بتا دو۔''

''ایڈمنسٹریٹر ڈبلیو خان۔''

''اوہو.....تب تو سوچنا پڑے گا۔''

''کیا سوچنا پڑے گا۔''

''میں ہر ایک کی حیثیت اور اس کے جملہ کوائف سے بخوبی واقف ہوں۔ بہرحال کان کے محل وقوع سے آگاہی کے بعد ہی میں تمہیں کوئی مشورہ دے سکوں گا۔''

''نقشہ صبح تمہیں مل جائے گا۔''

''اور تمہاری بدحواسیاں بھی بدستور جاری رہیں گی.....نیلی گلہری کی تلاش جاری رکھو۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''اگر تم مطمئن نظر آئے تو کھیل بگڑ جائے گا۔ پھر وہ اصل کام چھوڑ کر یہ معلوم کرنے کی فکر میں پڑ جائے گا کہ تم اچانک مطمئن کیوں نظر آنے لگے ہو۔''

''ٹھیک کہتے ہو۔''

دیوؤں کا ٹکراؤ

''کاراس کا جزیرہ۔'' حمید پُرتفکر لہجے میں بولا۔ ''دراصل ایک شخص کی نجی ملکیت تھا۔ کاراس نے اسے خرید لیا ہے۔''

''اور یہ کاراس کہاں سے وارد ہوا ہے۔'' نیلم نے سوال کیا۔

''مشرق وسطیٰ کے ایک ملک کے باشندے کی حیثیت سے اس نے یہاں کی شہریت حاصل کی ہے.....لیکن مجھے اس میں شبہ ہے۔''

''کس بات کا شبہ ہے۔''

''یورپ یا امریکہ میں بسے ہوئے سیاہ فاموں میں سے لگتا ہے۔''

''تو پھر ٹوری بیڈسٹر کا کیا ہوا؟''

''وہ کاراس کے جزیرے میں نہیں دکھائی دیا! اس نام کا کوئی کاراس کا مہمان بھی نہیں ہوا۔''

''کیا آپ نے براہِ راست کاراس سے یہ معلومات حاصل کی ہیں۔''

''نہیں.....اس کے ملازمین کو ٹٹولتا رہا ہوں۔''

''میرا تو خیال یہ ہے کہ اب میں ریٹا ہی سے اگلوانے کی کوشش کروں۔'' نیلم نے کہا۔

''اس کی کیا صورت ہوگی؟''

''براہِ راست.....تھرڈ ڈگری۔''

''کرمنالوجی میں ڈاکٹریٹ لینے کے بعد تو رنگروٹوں جیسی گفتگو نہ کرو۔''

''پھر میں کیا کروں؟''

''تم سے کچھ کرنے کو تو نہیں کہا جارہا۔ ریٹا سے متعلق کرنل کی خصوصی ہدایت یہ ہے کہ اسے قطعی نہ چھیڑا جائے۔ یہی باور کرانے کی کوشش کی جائے کہ اسکے بھائی کی تلاش جاری ہے۔''

''لو.....وہ آ گئی.....اب تو اس کی آواز سن کر بھی ہڈیاں سلگنے لگی ہیں۔'' نیلم نے سر جھکا کر آہستہ سے کہا تھا۔

ریٹا پھول کی طرح کھلی ہوئی وہاں پہنچی تھی اور چہکنے لگی تھی۔

''آج کیا پروگرام ہے کیپٹن.....!''

''آج ہم اس دیو کے مہمان ہیں۔ اسی کے گھر چلنا ہے۔''

''میں اسے دیکھ کر نروس ہو جاتی ہوں۔''

''بے ضرر آدمی ہے۔''

''تم نے اس کے بارے میں جو کہانیاں سنائی تھیں۔''

''پچاس فیصد فکشن تھیں۔ وہ اپنے بارے میں مبالغہ آرائی پسند کرتا ہے۔ ویسے تم اس کی بیوی کو بھی دیکھ کر حیران رہ جاؤ گی۔''

بات قاسم کی ہو رہی تھی.....پچھلی شام حمید سے اس کی صلح ہوگئی تھی۔ اس خوشی میں اس نے انہیں مدعو کر دیا تھا۔

''اور ہاں.....ایک بات اور.....کرنل کی ہدایت کے مطابق اب تم برقعے میں نہیں نکلو گی۔ تمہارے بھائی کی تلاش جاری ہے.....کیا تم نے آج کا کوئی اخبار دیکھا۔''

''نہیں۔''

''تم سے متعلق ایک فیچر شائع ہوا ہے۔''

''نہیں.....!'' وہ یک بیک کچھ خوفزدہ سی نظر آنے لگی۔

''نیلم اخبار لاؤ.....!'' حمید نے کہا۔

نیلم وہاں سے چلی گئی تھی۔ حمید نے ریٹا سے کہا۔ ''تم مجھ سے اس کے بارے میں کچھ مت پوچھنا۔ میں نہیں جانتا کہ اخبار والوں کو تمہاری تصاویر کہاں سے ملیں.....اور کب کسی نیوز سروس کے نمائندے نے تمہارا انٹرویو لیا۔''

''انٹرویو بھی ہے۔'' وہ اچھل پڑی۔

''ہاں.....!''

''کب.....کس نے انٹرویو لیا میرا۔''

''تم ہی بتا سکو گی۔''

''تم لوگوں کے ساتھ ہی رہی ہوں۔''

نیلم اخبار لائی تھی اور ریٹا کے حوالے کر دیا تھا۔ وہ اپنا انٹرویو دیکھ کر زرد پڑ گئی تھی۔

دفعتاً حمید نے قہقہہ لگایا اور وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

''اب دیکھتا ہوں کہ تمہارے بھائی کا سراغ کیسے نہیں ملتا۔''

''مم.....میں نہیں سمجھی۔''

''کیا وہ تمہیں تلاش کر کے تمہاری آمد کی غرض و غایت معلوم کرنیکی کوشش نہیں کریگا۔''

''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ انٹرویو کرنل ہی کی اختراع ہے۔''

''خدا جانے.....؟''

''وہ ہیں کہاں.....؟''

''یہ تو نیلم کو بھی نہیں بتایا جا سکتا۔''

''میں سمجھتی ہوں۔ انہیں احتیاط برتنی چاہئے۔ لیکن یہ تو دیکھو انٹرویو میں کہیں بھی ہے موجودہ پتے کی طرف اشارہ نہیں ہے۔ آخر میرا بھائی مجھے کہاں تلاش کرے گا۔''

''اس نیوز سروس سے ضرور رابطہ قائم کرے گا جس کے توسط سے یہ انٹرویو اخبارات تک پہنچا ہے۔''

''مجھے اس میں شبہ ہے۔ اسے قطعی پرواہ نہ ہوگی۔''

''بڑی عجیب بات ہے!''

''تمہیں ہماری خاندانی زندگی کے بارے میں شاید کچھ بھی نہیں معلوم.....اسے ذرہ بھی تشویش نہیں ہوگی کہ میں یہاں کیوں آئی ہوں۔''

''خیر.....ختم کرو.....دیکھا جائے گا۔ قاسم کے یہاں لنچ کر کے تفریح کیلئے نکلیں گے۔''

قاسم نے بڑے والہانہ انداز میں ان کی پذیرائی کی تھی۔ اس کی بیوی بھی موجود تھی۔ بڑی خوش اخلاقی سے نیلم اور ریٹا ملی۔ نیلم کے بارے میں اسے معلوم تھا۔

ریٹا سچ مچ اس دھان پان سی عورت کو دیکھ کر متحیر رہ گئی تھی۔

''یقین نہیں آتا.....!'' اس نے آہستہ سے نیلم سے کہا تھا۔ ''شاید اس کے خوف سے دبلی ہوتی جارہی ہے۔''

لنچ کے بعد حمید نے قاسم سے کہا۔ ''اب یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ ان مہمانوں کو اچھی طرح انٹرٹین کرو۔''

''جیسے تم قہو.....!''

''خدارا حمید بھائی ذلیل نہ کرایئے گا۔'' قاسم کی بیوی آہستہ سے بولی۔

''تم غلط سمجھیں..... مجھے فرصت نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آج تم لوگ ریٹا کو تاریخی عمارات دکھاؤ۔''

''ضرور.....ضرور..... بڑی خوشی سے مگر اس کے لئے ان حضرت کی کیا ضرورت ہے۔ میں اور نیلم ہی کافی ہوں گی۔''

''تم قیا جانو کہ تاریخی عمارتیں کہاں ہیں؟'' قاسم بول پڑا۔

''میں جانتی ہوں.....تمہاری دخل اندازی کی ضرورت نہیں۔''

قاسم نے آنکھیں نکالی ہی تھیں کہ حمید اس کی کمر تھپکتا ہوا بولا۔ ''جانے دو.....ہم ایک ضروری کام انجام دیں گے۔''

''ٹھینگا انجام دیں گے۔''

''ادھر تو آؤ.....!'' وہ اسے الگ لے جاتا ہوا بولا۔ ''ہماری تفریح یادگار تفریح ثابت ہوگی۔''

''یعنی ہم دونوں اکیلے.....!''

''ان لوگوں کے ساتھ کیا تفریح ہو سکے گی۔''

''کدھر چلو گے۔''

''ایک جزیرے میں۔ عیش ہی عیش۔''

''دھوکا نہ دینا۔'' قاسم آنکھیں ٹیڑھی کر کے بولا۔

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

ان کی روانگی کے وقت نیلم حمید کے قریب آئی تھی اور آہستہ سے بولی تھی۔ ''کیا یہ مناسب ہوگا؟ اگر تم مصروف ہو تو ضروری نہیں کہ ہم آج تفریح کے لئے جائیں۔''

''کیا مناسب نہ ہوگا؟ عورتوں کی سی باتیں نہ کرو کیا تم اپنی حفاظت نہیں کر سکتیں.....!''

''میرا یہ مطلب نہیں تھا.....ہم دونوں تنہا بھی شہر کا چکر لگا سکتے ہیں۔ قاسم کی بیوی کے ساتھ کیوں؟''

''وہ تو میں نے یونہی کہہ دیا تھا۔''

''اچھی بات ہے تو ہم دونوں کچھ دیر یہاں ٹھہریں گے اور پھر میں طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے تفریح ملتوی کر دوں گی۔''

''تمہاری مرضی.....!''

''لیکن تم اس کے ساتھ کہاں جاؤ گی۔''

''میری ایک اسکیم ہے۔ قاسم ضروری ہوگا اس کے لئے۔''

''تم جانو.....!''

پھر قاسم اور حمید نکل کھڑے ہوئے تھے۔

ٹوری بیڈسٹر غصے میں اپنی ہی بوٹیاں نوچتا رہتا تھا۔ کاراس نے اس کی ڈاڑھی اور مونچھوں کا صفایا کرا دیا تھا۔ لمبے لمبے گھونگھریالے بال کروکٹ میں تبدیل ہو چکے تھے اور سختی سے تاکید کی گئی تھی کہ وہ تاریک شیشوں کی عینک کسی وقت نہ اتارے.....مراد یہ تھی کہ کسی کے سامنے نہ اتارے۔

کالے درندے کی چیرہ دستیاں اسے ہر وقت ابلتے رہنے پر مجبور رکھتی تھیں۔ یہاں سے اپنے علاوہ اور کوئی سفید فام نظر نہیں آتا تھا۔ وہ جو اسے یہاں تک لایا تھا پھر نہیں دکھائی

دیا تھا۔ ہوسکتا ہے اس کا تعلق جزیرے ہی سے نہ رہا ہو۔ یہاں کاراس کے لئے کام کرنے والوں میں سارے کے سارے ہی مشرق بعید کے ممالک کے باشندے معلوم ہوتے تھے۔ ان میں ایک بھی مقامی یا سفید فام آدمی نہیں تھا۔ سفید فام تو کاراس کے تلوے چاٹنے آتے تھے۔ ان میں سے کچھ تو مفلس تھے اور کچھ دولت مند ہونے کے باوجود بھی کاراس کے رحم و کرم پر تھے کیونکہ ان کے مخصوص نشے کاراس کے علاوہ اور کسی کے پاس سے حاصل نہیں کئے جاسکتے تھے۔

ٹوری بیڈسٹر نے تہیہ کرلیا تھا کہ جب بھی موقع مل گیا کاراس کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔

اس وقت کاراس نے اسے نہ جانے کیوں اپنے کمرے میں طلب کیا تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ کم از کم اس سے یہ ضرور پوچھے گا کہ یہاں اس کا مصرف کیا ہے۔ کیوں بھیجا گیا ہے یہاں.....؟

اس نے دستک دے کر دروازہ کھولا تھا..... کاراس سامنے ہی نظر آیا۔ لیکن تنہا نہیں تھا۔ ایک سفید فام لڑکی بھی تھی جس کی عمر بیس اکیس سال سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ توانا اور تندرست تھی۔ آنکھیں بڑی جاندار تھیں۔

کاراس نے لڑکی کے قریب ہی والی کرسی کی طرف اشارہ کیا تھا۔

ٹوری خاموشی سے بیٹھ گیا۔ اس کے ہونٹ سختی سے ایک دوسرے سے پیوست تھے۔

کاراس نے سامنے پڑے ہوئے اخبار کو اس کی طرف اچھالتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا تم اس لڑکی کو جانتے ہو۔''

ٹوری نے بغور اس لڑکی کے مختلف پوزز کا جائزہ لیا تھا اور ادھر اُدھر سے مضمون کے بھی کچھ حصے پڑھے تھے جو اسی لڑکی سے متعلق تھا۔

''نہیں! میں نہیں جانتا۔'' اس نے کچھ دیر بعد کہا۔

''نام سنا ہے کبھی.....!''

''نہیں..... نام بھی میرے لئے نیا ہے۔''

''میں نے سوچا شائد سیاحوں کی اسی ٹولی میں شامل رہی ہو جس میں تم تھے۔''

''اگر رہی بھی ہو تو میں نے توجہ نہیں دی تھی۔''

''اچھا تو اب تم تیار ہو جاؤ۔'' کاراس اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

''کس بات کے لئے۔''

''تمہیں آگے سفر کرنا ہے۔ یہ رہے تمہارے نئے کاغذات جن کی رو سے اب تمہارا نام فرینک بوائڈ ہے..... اور یہ۔'' کاراس نے لڑکی کی طرف انگلی اٹھا کر بولا۔ ''مسز فرینک بوائڈ۔''

ٹوری نے کاراس کو گھورتے ہوئے آہستہ سے اس کا ہاتھ شانے سے ہٹا دیا تھا۔

''اس کا نام جولیا ہے..... جولیا فرینک بوائڈ سمجھ لو۔''

''مگر کیوں.....؟'' ٹوری کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

''کیا تم سچ مچ سیاحت کے لئے بھیجے گئے ہو۔''

''میں کچھ نہیں جانتا۔''

''تمہیں شمال کی طرف سفر کرنا ہے۔ جولیا تمہاری رہنمائی کرے گی اور تمہیں تمہاری حیثیت سے بھی آگاہ کردے گی۔''

کب روانہ ہونا ہے؟''

''ایک گھنٹے بعد لانچ تم دونوں کو شہر کے ساحل کی طرف لے جائے گی۔''

''اس کے بعد.....!''

''بکواس مت کرو..... لانچ سے اترنے پر سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔''

ٹھیک اسی وقت دیوار سے لگا ہوا ایک سرخ رنگ کا بلب جلدی جلدی جلنے بجھنے لگا تھا۔

''اوہ..... جھگڑا.....!'' کاراس اٹھتا ہوا غرایا۔ وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا تھا۔ ٹوری اور جولیا اس کے پیچھے تھے۔

ہال میں بھگدڑ نظر آئی..... کاراس جانتا تھا کہ اسے کہاں پہنچنا ہے۔ یہ ہال قمار بازی کے لئے مخصوص تھا۔ مختلف اقسام کا جوا یہاں ہوتا تھا لیکن اس وقت تو کچھ اور ہو رہا تھا جس نے کاراس جیسے آدمی کو بھی ٹھٹھک جانے پر مجبور کردیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ اس سے بھی

زیادہ لحیم شحیم ایک آدمی نے کرسی سمیت کسی دوسرے آدمی کو اپنے سر سے اونچا اٹھا رکھا ہے اور مسلسل دھاڑے جا رہا ہے۔ ''اس بے ایمان کو میں کہاں پھینکوں۔''

تھا تو مقامی ہی آدمی لیکن بار بار یہی جملہ انگریزی میں دہرا رہا تھا۔

ٹوری نے کاراس کی طرف دیکھا جس کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔ بالآخر اس نے اسکی دھاڑ سنی تھی۔

''یہ کیا ہو رہا ہے۔''

''تیرے ہی سر پر پٹخ دوں گا اگر پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔'' دوسرے دیو نے اسے براہِ راست للکارا تھا۔

ٹوری نے اس آدمی کو پہچان لیا جو کرسی سمیت اس دیوزاد کے ہاتھوں پر اٹھا ہوا تھا۔ یہ قمار خانے کا ہی ایک ملازم تھا۔ پتے بانٹتا تھا اور شاید اول درجے کا شار پر بھی تھا۔

''آدمیوں کی طرح بات کرو۔'' کاراس پھر دھاڑا۔ ''اسے نیچے اتار دو۔''

''بے ایمانی ہوتی ہے اس قمار خانے میں۔ اس کو تو ہرگز زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میری خاصی بڑی رقم اینٹھ لی ہے اس نے۔''

''اگر تم ایسا سمجھتے ہو تو اطمینان سے بات کرو..... تمہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی جائے گی۔'' اس بار اس کا لہجہ نرم تھا۔

''بے ایمانی سے جیتی ہوئی رقم کے علاوہ مجھے اور کچھ نہیں چاہئے۔''

''اگر تم ثابت کر سکو تو یہ بھی ہو جائے گا۔''

دیوزاد نے بڑی احتیاط سے کرسی فرش پر رکھ دی اور وہ آدمی گرتا پڑتا ایک طرف بھاگنے لگا۔

''ٹھہر جاؤ۔'' کاراس نے اسے للکارا اور وہ رک گیا۔

پھر کاراس نے دونوں ہاتھ ہلا ہلا کر گاہکوں سے کہنا شروع کیا تھا۔ ''خواتین و حضرات آپ تشریف رکھئے۔ کبھی کبھی اس قسم کی غلط فہمیاں بھی ہو جایا کرتی ہیں اور آپ جناب عالی میرے ساتھ تشریف لائیے۔''

لیکن دیوزاد جہاں تھا وہیں کھڑا اسے گھورتا رہا۔

''آئیے نا.....!'' کاراس ہاتھ ہلا کر بولا۔

''ہم کہیں نہ جائیں گے۔'' اس کی قریب کھڑے ہوئے دوسرے آدمی نے کہا۔ ''جہاں بے ایمانی ہوئی ہے وہیں بات بھی ہوگی۔''

کاراس کی نظر اس پر پڑی تھی۔

ٹوری نے اس کو چونکتے دیکھا۔ پھر اس کی نظر اسی آدمی پر جمی رہ گئی تھی۔ ٹوری محسوس کر رہا تھا جیسے وہ اسے وہاں دیکھ کر اس سے کہیں زیادہ متحیر ہوا ہو جتنا اپنے مدمقابل دیوزاد کو دیکھ کر نہیں ہوا تھا۔

کاراس نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے کچھ سوچتا رہا پھر بولا تھا۔ ''کیپٹن..... میں تمہیں مارا تو نہیں جاؤں گا۔''

''تم علیحدگی میں معافی مانگ لو گے اور میرا دوست بھرے مجمعے میں لوٹا گیا ہے۔''

''میں معافی نہیں مانگوں گا۔'' کاراس غرایا۔ ''اگر بے ایمانی ثابت کر سکے تو رقم واپس کر دوں گا۔''

پھر وہ تیزی سے ٹوری کی طرف مڑ کر آہستہ سے بولا تھا۔ ''تم دونوں یہاں سے چلے جاؤ۔''

انداز ایسا ہی تھا کہ وہ پھر یہاں نہیں رک سکے تھے۔ ویسے ٹوری ان دونوں دیوؤں کا تماشا دیکھنا چاہتا تھا۔ لڑکی نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا اور ایک طرف چل پڑی تھی۔

''کیوں نہ ہم کاراس ہی کے آفس میں چلیں۔'' ٹوری بولا۔

''ہرگز نہیں! ہمیں مجمعے سے دور رہنا چاہئے اور پھر باس کا مطلب بھی یہی تھا کہ ہم اس کے کمرے میں واپس نہ جائیں۔''

جولیا اسے جس کمرے میں لائی تھی وہ شاید اسی کی خواب گاہ تھی۔

''کیا پیئو گے۔'' اس نے پہلا سوال کیا تھا۔

''جو کچھ بھی مل جائے..... شراب کے معاملے میں کوئی مخصوص ٹیسٹ نہیں رکھتا۔ ویسے میں نہیں پیتا..... پینے پر آؤں تو پیتا ہی چلا جاتا ہوں۔''

''میرے شوہر کی حیثیت سے تمہیں کسی قدر باقاعدگی برداشت کرنی پڑے گی۔''

''کرلی جائے گی..... کیونکہ تم بہت خوبصورت ہو۔''

''شکریہ..... ویسے میرے حسن کی تعریف کرنا تمہارے فرائض میں داخل نہیں ہوگا۔''

''اب مجھے تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہئے! کیونکہ مجھے عورتوں کو مکھن لگانے کا سلیقہ نہیں ہے۔''

''ایسے ہی معلوم ہوتے ہو۔'' جولیا اسے بغور دیکھتی ہوئی بولی تھی۔

کیپٹن حمید اور قاسم کاراس بلابو کے ساتھ اس کے کمرے میں آئے تھے۔ قاسم سے زیادہ وہ حمید ہی کی طرف متوجہ تھا۔

''میں اسے محض اتفاق سمجھوں یا خصوصیت سے میری ہی طرف توجہ ہے آج کل۔'' کاراس نے اسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''یہ میرا دوست دنیا بھر کے قمار خانوں کے طریق کار پر ریسرچ کررہا ہے۔'' حمید نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔

''میں نہیں سمجھا۔''

''تمہاری میزوں میں اس نے خاص قسم کے سوئچ دریافت کئے ہیں۔''

''وہم ہوا ہوگا..... میری میزیں بالکل صاف ہیں۔''

''جھوٹ مت بولو۔'' قاسم غرایا۔

''بس بس.....!'' کاراس نے ہاتھ اٹھا کر سرد لہجے میں بولا۔ ''ہوسکتا ہے تمہارا وزن مجھ سے زیادہ ہو۔ لیکن تم میری ایک ٹکر بھی برداشت نہ کرسکو گے۔''

''شٹ اپ.....!''

''کیپٹن حمید کے ساتھ نہ ہوتے تو آنکھیں ٹیڑھی کرکے گفتگو کرنے کا مزہ چکھا دیتا۔''

''قاسم..... بات بڑھانے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''نہیں..... اگر یہ طاقت آزمانا چاہتا ہے تو میں تیار ہوں۔'' کارس نے کہا۔

''ارے ہم تم سے کشتی لڑنے کے لئے تو نہیں آئے۔'' حمید بولا۔

''پھر اس کرم فرمائی کا مطلب.....؟''

''دراصل ایک دن میرے دوست نے یہاں ایک لحیم شحیم سفید فام عورت دیکھی تھی۔ اسی کے چکر میں آیا تھا۔ مجھے بھی ساتھ کھینچ لایا۔''

''آتی ہی جاتی رہتی ہیں۔'' کاراس نے لاپرواہی سے کہا۔

''ویسے تمہارے دوست نے کتنی رقم ہاری ہے۔''

''کیوں..... کیا تم واپس کردو گے۔''

''یقیناً..... میں نہیں چاہتا کہ آپ جیسے لوگوں کے قدم دوبارہ اس جزیرے کی عزت بڑھائیں۔''

''بس ختم.....!'' قاسم ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''کیا میں کوئی محتاج ہوں کہ ہاری ہوئی رقم واپس لوں گا۔''

''پھر آپ کیا چیز ہیں جناب عالی۔''

''یہاں کے سب سے بڑے انڈسٹریلسٹ کی اولاد ہیں۔'' حمید بولا۔ ''عاصم گروپ کا نام سنا ہے۔''

''اوہ.....!''

''سیٹھ عاصم کی اولاد ہے۔''

''اوہ..... بڑی خوشی ہوئی جناب۔'' کاراس نے قاسم کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا اور پھر مصافحہ کرتے وقت قاسم پر یہ حقیقت واضح ہوگئی تھی کہ کاراس کتنا طاقتور ہے۔ خود کاراس بھی قاسم کی قوت سے متاثر ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں صاف بتا رہی تھیں۔

پھر اس نے زبان سے بھی اعتراف کیا تھا۔ ''یقیناً آپ طاقت ور ہیں۔ لیکن پھرتیلے ہرگز نہ ہوں گے۔ مجھے یقین ہے۔''

''ارے کوئی لڑائی بھڑائی والا ہے کہ پھرتیلا پن بھی ہوگا۔'' حمید بولا۔

''آپ براہِ کرم ثابت کیجئے کہ میری میزوں میں خاص قسم کے سوئچ موجود ہیں۔''

''چلو دکھاؤں.....!'' قاسم بدستور منہ پھلائے ہوئے بولا۔

''مجھے خوشی ہوگی اگر آپ ثابت کر سکے۔'' کاراس دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

وہ دونوں اس کے ساتھ ہال میں آئے تھے۔ لیکن یہاں اب بالکل سناٹا تھا۔ ایک متنفس بھی نظر نہ آیا۔

''دیکھا آپ نے۔'' کاراس غصیلے لہجے میں بولا۔ ''یہ کیا ہے آپ لوگوں نے.... آج کا بزنس ہی تباہ ہوگیا۔ خیر کوئی بات نہیں۔ اگر آپ لوگوں کی بجائے کوئی اور ہوتا تو اس کی شکل نہ پہچانی جاتی۔''

''یہی میز تھی..... جس پر میں کھیل رہا تھا۔'' قاسم ایک میز کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ پھر اس کے نیچے ہاتھ ڈال کر کچھ ٹٹولنے لگا تھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

''کیا بات ہے؟'' حمید نے پوچھا۔

''اے حمید بھائی..... وہ سالا تو گائب ہوگیا۔''

پھر وہ ساری میزوں کی تلاشی لیتے پھرے تھے لیکن کہیں بھی کوئی غیر معمولی بات دریافت نہ کر سکے۔

''کسی دشمن نے آپ لوگوں کو میرے خلاف بھڑکایا ہے کیپٹن۔'' کاراس نے طویل سانس لے کر کہا۔ ''بہرحال اس وقت کا بزنس تو چوپٹ ہو ہی گیا۔''

''وہ شار پر کہاں گیا۔'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

''میں نہیں جانتا کہ وہ اب کہاں ہوگا۔''

''ختم کرو۔'' حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ ''اگر تم اپنی ہاری ہوئی رقم چاہتے ہو تو وہ واپس مل جائے گی۔''

''نہیں مجھے واپس نہیں چاہئے..... کیا میں کوئی بھکاری ہوں۔'' قاسم نے غصیلے لہجے میں کہا تھا۔

''تو جناب وہ لحیم شحیم عورت۔'' کاراس کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''وہی ہو سکتی ہے..... جی

ہاں وہ لحیم شحیم بھی ہے اور دلکش بھی..... اگر آپ چاہیں تو میں اسے بلوا سکتا ہوں۔''

قاسم نے حمید کی طرف دیکھا تھا۔ حمید بولا۔ ''نہیں ضرورت نہیں۔''

''ہے کیوں نہیں ضرورت..... تم ضرور بلواؤ۔''

''چلئے..... میرے آفس میں تشریف لے چلئے۔''

حمید قاسم کو غصیلی نظروں سے دیکھتا ہوا چل پڑا۔ کاراس انہیں اپنے کمرے میں بٹھا کر خود کہیں اور چلا گیا تھا۔

''ابے یہ کیا کم بختی تھی۔ تم کیوں بیچ میں بول پڑے تھے۔'' حمید اسے گھورتا ہوا غرایا۔

''قیوں نہ بولتا..... خود ہی تو سالے تگڑی سی عورت کی بات کرتے ہیں..... پھر میں بولوں تو غرائیں غے.....!''

''مت بکواس کرو۔''

اتنے میں کاراس واپس آ گیا اور بولا۔ ''چلئے میرے ساتھ۔''

''کہاں چلیں۔''

''اسی کے گھر..... یہیں جزیرے ہی میں رہتی ہے۔ میری کرایہ دار ہے۔ تنہا ہے۔''

''پھر کبھی آئیں گے..... اس وقت جلدی ہے۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

قاسم کچھ بڑبڑایا تھا۔ یقیناً کوئی گندی سی گالی رہی ہوگی۔

''خیر..... خیر..... مجھے یقین تھا کہ آپ جیسے بڑے لوگ اس کے گھر ہرگز نہیں جائیں گے جب اور جہاں کہئے وہ خود ہی پہنچ جائے گی۔'' کاراس نے کہا۔

قاسم جلدی سے بول پڑا۔ ''یہ کیا بتائیں گے..... میں خود ہی تمہیں فون کر دوں گا۔ تم بہت اچھے آدمی ہو..... اور ہاں میں تم سے پھرتیلا پن بھی سیکھنا چاہتا ہوں۔''

''میں کوشش کروں گا جناب۔''

واپسی پر ساحل کی طرف جاتے ہوئے حمید قاسم کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔

''تم نے کیوں نام لیا تھا کسی لحیم شحیم عورت کا.....!''

''اور نہیں تو کیا کہتا..... کیا میں کوئی جواری ہوں کہ وہاں میری موجودگی کا جواز پیدا

ہوسکتا۔ تمہارے متعلق پورا شہر جانتا ہے کہ بھینسوں پر رال ٹپکاتے پھرتے ہو۔''

''بھینسوں.....!'' قاسم رک کر دھاڑا۔

''چلو..... چلو..... اب تو انتظام ہو ہی گیا۔'' حمید اس کی کمر پر بڑے پیار سے تھپکی دے کر بولا تھا۔

''تم بتاؤ سالے مجھے یہاں کیوں لائے تھے۔''

''واقعی کسی کی تلاش تھی..... لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ ہنگامہ اسی لئے برپا کرایا تھا کہ اگر کہیں چھپا بیٹھا ہو تو باہر آجائے۔''

''باہر آجائے..... تو وہ کوئی مرد تھا۔''

''چلتے رہو..... اگر وہ مل جاتا تو تمہاری مشکل آسان ہو جاتی..... اس نے بہت تگڑی تگڑی پال رکھی ہیں۔''

''سالے تم مجھے جندگی بھر اُلو بناتے رہو گے۔''

''سب ٹھیک ہے چلو..... تمہارا کام بھی ہو جائے گا۔''

''بیس بائیس برس سے قام ہی تو ہو رہا ہے..... نہ موت آتی ہے اور نہ.....!''

''اور نہ کوئی بھینس.....!'' حمید نے جملہ پورا کر دیا۔

''میری اور تمہاری موت ساتھ ہی آئے غی..... تم دیکھ لینا..... میں تمہاری غردن دباؤں غا اور تم میرے پیٹ میں چھری مار دو غے۔''

حمید صرف مسکرا کر رہ گیا تھا۔ وہ ساحل پر آپہنچے تھے۔ حمید فریدی کی لانچ لایا تھا۔ کرائے کی لانچ نہیں تھی۔

شہری ساحل کی طرف روانگی سے قبل ایک بار پھر قاسم نے رک جانے کے لئے ہاتھ پیر مارے تھے لیکن حمید انجن اسٹارٹ کرتا ہوا بولا۔ ''پرواہ مت کرو۔''

لانچ سمندر کا سینہ چیرتی ہوئی آگے بڑھی تھی اور قاسم کھانسنے لگا تھا۔

حمید سختی سے ہونٹ بھینچے خیالات میں گم تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اسے ایک بار پھر جیری وہٹلم سے رابطہ قائم کرنا چاہئے۔

دفعتاً کوئی سخت سی چیز اس کی گردن سے آلگی تھی اور وہ چونک پڑا تھا۔

''جدھر کہا جائے ادھر ہی چلتے رہو۔'' اس کے کان میں کسی نے کہا تھا۔ ''ورنہ اسی جگہ سوراخ ہو جائے گا۔''

قاسم کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا تھا اور اس نے تو گردن میں چبھنے والی چیز کو پکڑنے کی کوشش کی تھی۔ اس سے کہا گیا تھا ''گولی چل جائے گی اگر ہلے جلے۔''

''ہاں ہاں.....!'' وہ جھلا کر بولا۔ ''ان منحوسوں کے ساتھ موتی چور کے لڈو کب چلتے ہیں۔ گولیاں ہی تو چلتی ہیں۔''

''خاموش بیٹھے رہو۔''

''وہ تو بیٹھنا ہی پڑے گا۔'' حمید بولا۔ ''لیکن تم نہیں جانتے کہ تم کس کے ساتھ یہ حرکت کر رہے ہو..... اور تمہارا کیا حشر ہوگا۔''

''خاموش بیٹھو۔''

کاراس بلابو..... کیا یہ اسی کے آدمی تھے۔ حمید سوچ رہا تھا۔ انہیں اپنے آفس میں چھوڑ کر اسی انتظام کے لئے باہر گیا تھا۔

دفعتاً اس نے اونچی آواز میں قاسم سے کہا۔ ''جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں وہی کرو بیحد سنجیدہ معلوم ہوتے ہیں۔''

''میں ڈرپوق نہیں ہوں.....!'' قاسم بولا تھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کی گردن پر ریوالور کی نال کا دباؤ بڑھ گیا ساتھ ہی کہا گیا۔ ''ذرا سی حرکت کر کے دیکھ لو فائر ہو جاتا ہے یا نہیں۔''

قاسم بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ شاید وہ اس دوران میں بھول گیا تھا کہ گردن سے ریوالور کی نال لگی ہوئی ہے۔

حمید کے اندازے کے مطابق ان کے عقب میں تین آدمی تھے۔ دو نے ریوالور سنبھال رکھے تھے اور تیسرا الگ بیٹھا ہوا تھا۔ وہی لانچ کے راستے کا تعین کر کے ہدایات دیتا جا رہا تھا اور شاید انہیں ماہی گیری کے ساحل کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس خیال کی تصدیق بھی ہوگئی تھی۔ ماہی گیری کا ساحل کا راس سے جزیرے سے بہت زیادہ دور نہیں تھا۔

ایک قطعی ویران جگہ پر لانچ رکوائی گئی تھی اور انہیں اترنے کو کہا گیا تھا۔ ایک گودام نما عمارت میں داخل ہوئے۔ ریوالور اب بھی ان کے جسم سے لگے ہوئے تھے۔

اور پھر یک بیک حمید کے قدم رک گئے۔ نیلم اور ریٹا ایک ستون سے بندھی کھڑی نظر آئی تھیں۔ ان کے آس پاس دو پیٹرومیکس لیمپ روشن تھے اور تین آدمی یہاں پہلے سے موجود تھے۔

تین حمید اور قاسم کے ساتھ آئے۔ نیلم نے انہیں دیکھا اور آنکھیں بند کرلیں۔ اس کے دونوں گالوں پر نیلے نیلے نشان تھے۔ شاید تھپڑ مارے گئے تھے۔

حمید کا خون کھولنے لگا۔

''سُوّر کے بچو.....!'' وہ حلق پھاڑ کر دھاڑا۔ ''تم نے اسے مارا ہے ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

''چلو.....تم بھی انہی کے پس کھڑے ہو جاؤ۔'' اسے ریوالور کی نال سے دھکیلنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن وہ غیر متوقع طور پر ایک دم پلٹ پڑا۔ گھونسہ ناک پر پڑا تھا اور ٹھوکر اس کی پنڈلی پر پڑی تھی جس نے قاسم کی کمر سے ریوالور لگا رکھا تھا۔

دونوں ہی کے ہاتھوں سے ریوالور گر گئے تھے۔ قاسم انہیں چھاپ بیٹھا۔ پھر چاروں آدمی بیک وقت حمید پر ٹوٹ پڑے تھے۔ قاسم ریوالوروں پر بیٹھا غالباً سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ اچانک اس کی نظر ایک آدمی پر پڑی جس نے پیچھے ہٹ کر بڑا سا چاقو نکالا تھا اور اسے کھولنے ہی والا تھا کہ قاسم اپنے نیچے سے ایک ریوالور نکالتا ہوا دھاڑا۔ ''ابے او حرامزادے.....چاقو زمین پر ڈال دے ورنہ کھوپڑی اڑا دوں گا۔''

اس نے بوکھلا کر قاسم کی طرف دیکھا اور چاقو فرش پر گرا دیا۔

ادھر حمید پر گویا خون سوار ہوگیا تھا۔ پانچ آدمی اسے قابو میں نہیں کر پا رہے تھے۔

''تم کیا دیکھ رہے ہو قاسم بھائی..... بابا کی مدد کرو۔'' نیلم غصیلی آواز میں چیخی۔

قاسم اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں ریوالور تھے۔ دھاڑتا ہوا آگے بڑھا۔ ''ہٹو سالو.....ایک طرف.....اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ.....ورنہ.....!''

اس نے سامنے والی دیوار پر ایک فائر کر دیا۔ وہ جہاں تھے وہیں کھڑے رہ گئے اور پھر ہاتھ بھی اٹھا دیئے تھے۔

''انہیں اسی طرح کور کئے رکھو۔'' حمید نے اس سے کہا اور خود چاقو اٹھا کر نیلم اور ریٹا کی رسیاں کاٹنے لگا۔

اس کے بعد ریوالور حمید نے سنبھالے تھے اور قاسم نے ان چھ آدمیوں کی مرمت شروع کی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان میں سے کوئی بھی اپنے پیروں پر کھڑے رہنے کے قابل نہیں رہ گیا تھا۔ اس دوران میں نیلم اور ریٹا دونوں ہی قاسم سے رحم کی اپیل کرتی رہی تھیں۔ لیکن حمید اسے بڑھاوا دیتا رہا تھا۔

پھر قریباً دو گھنٹے بعد وہ قیدیوں سمیت اس ساحل پر پہنچے تھے جہاں فریدی کی لانچ لنگر انداز رہتی تھی۔

قیدیوں نے کسی نادیدہ ''باس'' کی کہانی سنائی تھی۔ جس کے احکامات فون پر ملا کرتے تھے۔ البتہ انہیں معاوضہ سیزر نامی کسی سفید فام غیر ملکی کے توسط سے ملتا تھا جس کی جائے قیام سے وہ واقف نہیں تھے۔ وہ بھی ان سے فون ہی پر رابطہ قائم کرتا تھا۔

کسی جگہ کا تعین ہو جانے کے بعد وہاں پہنچ کر معاوضہ ادا کر دیتا تھا.....حمید نے انہیں محکمے کی حوالات میں دے دیا۔ ان کے سلسلے میں فریدی سے مشورہ کئے بغیر مزید اقدام نہیں کرنا چاہتا تھا۔

گھر پہنچ کر نیلم نے اپنی کہانی سنائی۔

''قاسم کی بیوی سے خرابی طبیعت کا بہانہ کر کے ہم دونوں چلی آئی تھیں۔ شام تک تمہاری واپسی کی منتظر رہی پھر سوچا کیوں نہ کوئی فلم دیکھی جائے۔ ریٹا کو تیار کیا اور نکل کھڑی ہوئی۔''

''کیا ریٹا کی تجویز تھی۔'' حمید نے سوال کیا۔

''ہرگز نہیں.....اس نے تو تمہاری عدم موجودگی میں کہیں جانے کی مخالفت کی تھی۔''

''ہوں.....اچھا پھر.....؟''

''گھر سے نکل لینے کے بعد فلم دیکھنے کا ارادہ ملتوی کر کے تمہاری تلاش کی ٹھہری..... ہوٹلوں کے علاوہ اور کہاں دیکھتے۔تم نے بتایا تو تھا نہیں کہ کہاں جا رہے ہو۔''

کیا یہ بات ریٹا نے بجھائی تھی۔

''نہیں یہ بھی میری ہی تجویز تھی.....بہرحال مے پول سے نکل کر گاڑی اسٹارٹ کرنی چاہی تو انجن نے حرکت کرنے ہی سے انکار کر دیا۔کئی منٹ پریشان رہی تھی۔پھر ایک آدمی جوان ہی چھ میں سے تھا ہماری طرف آیا۔لفٹ دینے کی پیش کش کی۔بے حد شائستہ نظر آیا تھا اس وقت۔لہٰذا پیشکش قبول کر لی گئی۔اس کی گاڑی بڑی شاندار تھی۔ایئر کنڈیشنڈ کیڈی.....بہرحال اس نے ہم دونوں کے لئے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا تھا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا تھا۔گاڑی چلی تھی۔تھوڑی دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ وہ بتائے ہوئے راستے پر نہیں جا رہا۔اس سے کہا بھی اس سے متعلق۔لیکن اس نے کہا کہ وہ ایک گیراج کی طرف جا رہا ہے جہاں وہ ہماری گاڑی سے متعلق ہدایات دے گا اور گیراج کا کوئی آدمی ہوٹل مے پول جا کر گاڑی ٹھیک بھی کر دے گا اور بتائے ہوئے پتے پر پہنچا بھی دے گا۔میں نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔سچ مچ کچھ دیر بعد گاڑی ایک گیراج ہی کے احاطے میں داخل ہوئی تھی اور پھر اسکے بعد مجھے یاد نہیں کہ کیا ہوا تھا کیونکہ ہماری ناکوں سے کلوروفام میں بسے ہوئے رومال لگا دیئے گئے تھے۔ہوش آنے پر خود کو اسی ستون سے بندھا ہوا پایا تھا اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں انکل کے بارے میں نہیں جانتی تھی کہ وہ کہاں ہیں۔''

''کیا وہ یہی معلوم کرنا چاہتے تھے۔'' حمید نے پوچھا۔

''اس کے علاوہ اور کسی قسم کی گفتگو نہیں ہوئی تھی۔''

''اب ریٹا کے بارے میں بتاؤ۔''

''اس سے کسی نے کچھ نہیں پوچھا تھا۔''

''کوئی سفید فام بھی دکھائی دیا تھا۔''

''نہیں.....کوئی نہیں.....ساری گفتگو اردو میں ہوئی تھی۔ریٹا بعد میں مجھ سے اس کا

جب پوچھ رہی تھی۔اب تو میرا دل چاہتا ہے کہ اس پر تھرڈ ڈگری آزما کر سب کچھ اگلوالوں۔ شدید ترین نفرت کرنے کے باوجود بھی میں اسے برداشت کر رہی ہوں محض اس لئے کہ انکل کا حکم ہے۔''

ٹھیک اسی وقت ریٹا کمرے میں داخل ہوئی تھی۔اس کی آنکھیں سرخ اور متورم تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے روتی رہی ہو۔

''تم سب کتنے اچھے ہو۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔''میرا دم گھٹ رہا ہے۔خواہ اب کچھ بھی ہو سب کچھ بتا دینا چاہتی ہوں۔''

''مثلاً.....!'' حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔

''میرا بھائی فلپ شیرنگٹن اس معاملے میں ملوث نہیں ہے؟''

''ہمارے لئے نئی اطلاع نہیں ہے۔ہم جانتے ہیں کہ وہ پیرس کے ایک کلب میں ٹریننگ دے رہا ہے اور اس نے آج تک ادھر کا رخ ہی نہیں کیا۔بہرحال تم اپنی پوزیشن کے بارے میں ہمیں مطلع کر سکتی ہو۔''

''میں اس شخص کے بارے میں کچھ نہیں جانتی.....بس مجھے اس کی تصویریں دی گئی تھیں.....وہ کسی حد تک میرے بھائی سے مشابہت ضرور رکھتا ہے۔''

''ٹوری بیڈسٹر.....!''

''میں نہیں جانتی کہ یہی اس کا اصل نام ہے۔''

''تم اپنے بارے میں بتاؤ تو بہتر ہے۔''

''میرے بھائی کے ہاتھ صاف ہیں۔میں ہی بڑے مجرموں کے ایک گروہ کے پھندے میں پھنسی ہوئی ہوں۔گروہ کے سربراہ کی طرف سے مجھے جو ہدایات ملی تھیں میں نے ان پر عمل کیا ہے۔''

''کار اس بلا کو جانتی ہو۔''

''میں نے یہ نام پہلے کبھی نہیں سنا۔''

''تو گویا تمہارا اتنا ہی کام تھا کہ تم یہاں آ کر اپنے بھائی کی کہانی ہمیں سنا کر آگاہ

کر دو کہ کرنل فریدی خطرے میں ہیں۔''

''بالکل یہی بات ہے.....اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں جانتی۔''

''نیلم سے راہ و رسم بڑھانے کی ہدایات بھی گروہ ہی کی طرف سے ملی ہوگی۔''

''ہاں.....یہی بات ہے۔ میں بیحد شرمندہ ہوں۔ مجھے گرفتار کر کے جیل میں ڈال دو۔''

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

نیلم جہاں تھی وہیں کھڑی رہی۔ اس کی زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا تھا۔ حمید نے بھی ریٹا کو چپ کرانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ بدستور روتی رہی۔

نیلم نے حمید کو باہر چلنے کا اشارہ کیا تھا۔ وہ ریٹا کو وہیں چھوڑ کر راہداری میں آ گئے تھے۔

''بس بات یہیں تک رہنی چاہئے۔'' نیلم ہاتھ اٹھا کر بولی۔

''میں نہیں سمجھا تم کیا کہنا چاہتی ہو۔''

''اس کے سوٹ کیس اور آلہ نقب زنی کا حوالہ دینا ضروری نہیں۔ اس سلسلے میں ہمیں خاموش ہی رہنا چاہئے۔''

''تم مجھے اتنا احمق کیوں سمجھتی ہو.....عورتوں کے آنسو میرے لئے روزمرہ کی چیز ہیں۔ نہ میں شاعر ہوں اور نہ افسانہ نگار.....صدائے خلوص میں بھی مکاری کی لہریں محسوس کرنے کا عادی ہوں۔''

''بس ہمیں خاموشی سے اس پر نظر رکھنی ہے۔''

''ابھی تو تھرڈ ڈگری آزمانے کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا۔''

''اب نہیں! بتدریج راہ پر آ رہی ہے..... یا پھر یہ بھی اس کی اسکیم میں شامل ہوگا۔ بہتر یہی ہے کہ ہم خاموشی سے اس پر نظر رکھیں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔

شکار

فون کی گھنٹی دیر سے بج رہی تھی لیکن کوئی ریسیور اٹھانے والا نہیں تھا۔ شاید دوسروں تک

ی کی آواز نہ پہنچتی اگر خواب گاہ کا دروازہ کھلا ہوا نہ ہوتا۔ کیونکہ خانم سعدیہ خواب گاہ سے ے فاصلے پر کھڑی ڈاکٹر عالیہ سے باتیں کر رہی تھی۔ وہ اسے وہیں چھوڑ کر خان کی خوابگاہ رف آئی کیونکہ اب فون صرف وہیں رہتا تھا۔ بقیہ انسٹرومنٹ خان نے کہیں چھپا دیئے تھے۔

خواب گاہ خالی دیکھ کر وہ پلٹ آئی تھی اور خان کو محل میں تلاش کراتی رہی تھی۔ لیکن وہ ل میں موجود ہی نہیں تھا۔

بہرحال گھنٹی تھوڑے تھوڑے وقفے سے بجتی رہی تھی۔ بالآخر تھک ہار کر خانم سعدیہ نے ں ریسیور کریڈل پر رکھ دینے کا فیصلہ کر ہی ڈالا۔ اس نے ریسیور اٹھایا تھا۔

دوسری طرف سے آواز آئی ''کون ہے؟''

''خانم.....!''

''اوہ.....کیا خان نہیں ہیں؟''

''نہیں.....!''

''کہاں تشریف رکھتے ہیں۔''

''محل میں نہیں ہیں۔''

''کب سے.....؟''

''آپ کون ہیں؟''

''میری بات کا جواب دیجئے محترمہ۔''

''بکواس مت کرو۔ کیا تم آداب سے بھی واقف نہیں۔ تم سے پوچھا جا رہا ہے کہ تم ن ہو۔'' خانم کو غصہ آ گیا تھا۔

دوسری طرف سے جواب ملنے کی بجائے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی تھی اور خانم ے جھلا کر ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا تھا۔

عالیہ اور گلرو دروازے کے قریب خاموش کھڑی تھیں۔

''پتا نہیں کون بے ہودہ تھا۔'' خانم ان کی طرف مڑ کر بولی۔

''کیا کہہ رہا تھا۔'' گلرو نے سوال کیا۔

خانم انہیں بتانے لگی۔

''آخر بابا کس وقت باہر گئے۔'' گلرو نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔

''کوئی بھی نہیں بتا سکتا۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کب باہر گئے۔''

گلرو اپنے طور پر معلومات حاصل کرنے کے لئے ملازموں سے پوچھ گچھ کرتی پھر رہی تھی۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ ساری گاڑیاں بھی موجود تھیں اور اس موسم میں گھوڑ سواری کا تو تصور ہی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ پھر بھی احتیاطاً اس نے اصطبل کی طرف بھی نوکروں کو دوڑایا تھا اور تھوڑی دیر بعد وہ خبر لائے کہ گھوڑے بھی اصطبل ہی میں ہیں۔

''اس دن باہر سے کوئی گاڑی آئی تھی اور وہ چلے گئے تھے۔'' خانم سعدیہ بولی۔

''لیکن ہمیں علم تھا کہ وہ باہر گئے ہیں۔'' گلرو بولی۔

''ہوسکتا ہے رات ہی کو چلے گئے ہوں۔'' خانم نے کہا۔

''کدھر سے چلے گئے ہوں گے..... فائروں کے بعد سے ہر طرف کے پہرہ دار چوکس ہوگئے تھے۔ شاید ہی کوئی پچھلی رات کو سویا ہو..... کسی کو بھی روانگی کا علم نہیں ہے۔''

''پھر بتاؤ ہم کیا کریں۔'' خانم سعدیہ نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔

''ارے تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ واپس آجائیں گے جیسے اس دن واپس آئے تھے۔'' ڈاکٹر عالیہ بولی۔

''نہیں..... کچھ نہیں چاہئے..... میں کمشنر کو فون کرنے جارہی ہوں۔'' گلرو نے کہا۔

''بیوقوفی کی باتیں نہ کرو..... ہم نے کبھی سرکاری آدمیوں سے امداد طلب نہیں کی۔ خان اپنے معاملات خود ہی نپٹانے کے عادی ہیں۔'' خانم نے گلرو کو گھورتے ہوئے کہا۔

''میں بچہ نہیں ہوں۔ اگر وہ چاہتے تو خود ہی پولیس کو یہاں طلب کرسکتے تھے۔''

''آپ کیا سمجھتی ہیں.....'' گلرو ماں کو غور سے دیکھتی ہوئی بولی۔

''وہی جو تم نے سمجھا ہے۔''

''مم..... میں نے۔''

''ہاں بس ختم کرو..... دیکھا جائے گا۔''

فریدی نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور خان دوراں کی طرف مڑ کر بولا۔ ''لیکن یہ وزیر ایڈمنسٹریٹر ڈبلیو خان کی نہیں تھی۔''

وہ صرف ایک ہی بار بولا تھا۔ اسکے بعد سے کوئی اور اسکی طرف سے کالیں کرتا رہا ہے۔

''خانم نے بالآخر اسے ڈانٹ دیا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''انہوں نے کچھ دیر بعد کال ریسیو کرلی تھی..... اور سوالات کی بے ضابطگی پر اسے ڈانٹ دیا تھا۔''

''یہ تو اچھا نہیں ہوا۔''

''میں یہی چاہتا تھا کہ وہ کال ریسیو کریں اسی لئے خواب گاہ کا دروازہ کھلا چھوڑ دینے کا مشورہ دیا تھا۔''

''آخر کیوں.....؟''

''تاکہ اسے علم ہوجائے کہ تم محل میں موجود نہیں ہو..... اور کسی کو علم بھی نہیں کہ تم کہاں گئے ہو۔''

''اس سے کیا ہوگا۔''

''اس کا کوئی نہ کوئی آدمی میرے ہاتھ آجائے گا۔''

''کیسے ہاتھ آجائے گا۔ تم تو یہاں تہہ خانے میں بیٹھے ہوئے ہو۔''

''لیکن میری روح.....!'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا اور بولا۔ ''باہر محل کے چاروں اطراف بکھری ہوئی ہے۔''

''شاعری مت کرو۔''

''آج تک آدھا مصرعہ بھی نہیں کہہ سکا۔ یہ پروز پوئٹری تھی۔ یعنی میرے آدمی محل کے

چاروں اطراف میں موجود ہیں۔ اگر کسی نے یہ معلوم کرنے کے لئے کہ تم سچ مچ محل میں موجود ہو یا نہیں اس طرف آنے کی کوشش کی تو میرے آدمیوں کے ہاتھ آ جائے گا۔"

ویسے ایک بات بتادوں کہ کچھ دیر بعد خانم سیدھی تہہ خانے کی طرف آئے گی۔

"کوئی حرج نہیں..... تم نے خانم کو اعتماد میں نہ لے کر غلطی کی ہے۔ بڑے گھر پٹھان کی بیٹی ہے..... تمہارے لئے مر بھی سکتی ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" خان نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ "میں ان لوگوں کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔"

"پریشان تو وہ تمہارے اس رویئے کی بناء پر ہوں گی۔"

"میں تم سے بحث نہیں کرنا چاہتا۔" خان دوراں جھنجھلا گیا اور فریدی ہنس کر بولا۔ "تم محض اس لئے اس قدر نروس ہو گئے ہو کہ کہیں غدار قرار نہ دے دیئے جاؤ۔"

"اس میں کوئی شبہ نہیں۔"

دفعتاً انہوں نے قدموں کی آہٹ سنی تھی اور چونک پڑے تھے۔

دوسرے ہی لمحے میں خانم سعدیہ ان کے قریب کھڑی نظر آئی۔

"اوہ..... کمال بھائی۔" اس کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔

فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "سعدیہ خانم معافی چاہتا ہوں کہ تمہارے شوہر نے مجھے بھی اس حال کو پہنچا دیا ہے۔"

"کچھ بھی ہو..... آپ ہمارے لئے فرشتہ رحمت سے کم نہیں..... اب میں قطعی مطمئن ہوں جو کچھ بھی ہوگا آپ دیکھ لیں گے۔"

"لیکن یہ بات آپ ہی کی حد تک رہے گی۔" فریدی نے کہا۔

"یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے کمال بھائی۔"

فریدی نے خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کبھی کبھی اہم شخصیات پر ایسا وقت بھی ضرور آتا ہے۔"

"میں صرف خان کی سلامتی کی خواہاں ہوں! نہ کچھ جاننا چاہتی ہوں اور نہ سمجھنا چاہتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" فریدی نے خان سے کہا۔ "اب تم اوپر جاؤ اور اسکیم کے مطابق کام کرو۔"

"اور آپ.....!" خانم کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں فی الحال یہیں رہوں گا۔"

خان اور خانم تہہ خانے سے محل کے ایک ایسے حصے میں برآمد ہوئے تھے جو عام طور پر ویران رہتا تھا۔

"تمہیں تہہ خانے کا خیال کیسے آیا تھا۔"

"اسلئے کہ آپ میرے علم میں لائے بغیر محل سے باہر نہیں جاتے خواہ حالات کچھ ہوں۔"

"فکر نہ کرو..... سب ٹھیک ہو جائے گا..... لیکن یہ ضروری ہے کہ بقیہ لوگ میری حرکات وسکنات کو ذہنی فتور ہی پر محمول کرتے رہیں۔"

"میں آپ سے کچھ نہ پوچھوں گی۔"

"شکریہ خانم..... ویسے یہ کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے کہ حقیقتاً ضمیر کی ملامت کا سامنا ہو۔"

"مجھے آپ پر اعتماد ہے۔"

"گلرو..... بہت تیزی دکھا رہی ہے..... اسے سمجھاؤ۔"

"کیا تیزی دکھا رہی ہے۔" خانم کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اس نے کسی قدر اندازہ لگا لیا تھا میرے حالات کا۔"

"میں اسے ہر معاملے میں زبان بند رکھنے کے لئے کہوں گی۔"

خان اپنی خواب گاہ میں آ بیٹھا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے جلد ہی اسے فون کی گھنٹی بجنے کی توقع ہو۔

تین چار منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے ریسیور اٹھایا۔ "ہیلو.....!"

"کون صاحب ہیں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"خان دوراں.....!"

"ایک منٹ جناب..... ہولڈ کیجئے۔"

پھر دوسری طرف سے آواز آئی تھی۔ "ہیلو.....!"

''کون ہے۔'' خان دوراں نے پیشانی پر بل ڈال کر کہا تھا۔

''کیا تم آواز نہیں پہچانتے۔''

''اوہ..... کیوں؟ کوئی خاص بات۔''

''رات تمہارے محل میں کیا ہنگامہ تھا۔'' دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

''کیا مطلب! کیا اب تم میرے نجی معاملات میں بھی دخل اندازی کرو گے۔''

''فی الحال یہی سمجھ لو۔''

''جو تم کہہ رہے ہو وہ ہو جائے گا..... لیکن غیر ضروری بکواس میرے لئے ناقابل برداشت ہوگی۔''

''میں نے پوچھا تھا کیسا ہنگامہ تھا محل میں۔''

''میں نے اپنے پہرہ داروں کو چیک کرنے کے لئے دو فائر کئے تھے۔''

''اس کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی۔''

''اس لئے کہ وہ چوکس رہیں اور تم کوئی اور حرکت نہ کر بیٹھو۔''

''کیسی حرکت.....!'' دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

''اگر تم نے یا تمہارے کسی آدمی نے محل کی حدود میں قدم رکھنے کی جرأت کی تو گولی سے اڑا دیا جائے گا۔''

''میں نے اس وقت اسی لئے فون کرنا چاہا تھا کہ اپنے دو مہمانوں کی میزبانی تمہارے ذمہ ڈال دوں۔''

''میں نے کہہ دیا کہ یہاں کوئی بھی قدم نہیں رکھ سکے گا۔''

''اچھی بات ہے تو پھر میں اس کاغذ کو آگے بڑھائے دیتا ہوں۔''

''ٹھہرو.....!'' خان کی آواز کانپ گئی۔ ''کون ہیں وہ مہمان۔''

''دو سفید فام غیر ملکی..... مسٹر اور مسز فرینک بوائیڈ.....!''

''اگر..... وہ..... غغ..... غیر ملکی ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔''

''کل صبح دس بجے تمہاری گاڑی ایئرپورٹ پہنچ جانی چاہئے تاکہ وہ تمہارے ہی مہمان

معلوم ہوں۔''

''ایسا ہی ہوگا.....!'' خان نے مردہ سی آواز میں کہا۔



وہ دونوں مسٹر اینڈ مسز فرینک بوائیڈ کی حیثیت سے سفر کر رہے تھے۔ ٹوری بیڈسٹر اب کسی قدر مطمئن نظر آ رہا تھا کیونکہ کار اس بلا بو کی نفرت انگیز شکل نامعلوم مدت کے لئے نظروں سے اوجھل ہوگئی تھی اور یہ لڑکی جولیا جسے اس کی بیوی کا رول ادا کرنا تھا خوش شکل بھی تھی اور خوش مزاج بھی اور شاید اس مغن سے کما حقہ واقف بھی تھی جس کا علم خود ٹوری بیڈسٹر کو ابھی تک نہیں ہوا تھا۔

''میں تمہیں ہر مرحلے پر بتاؤں گی کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔'' جولیا نے سفر شروع ہوتے ہی کہا تھا۔

ان کا طیارہ شمال کی طرف پرواز کر رہا تھا۔

کئی دنوں کی گھٹن کے بعد ٹوری کو ہاتھ پیر پھیلانے کا موقع نصیب ہوا تھا۔ لہٰذا اسکی فطری کمینگی پوری طرح بیدار ہوگئی تھی اور اس نے سانولی سلونی اور بڑی بڑی دلکش آنکھوں والی ایئر ہوسٹس کو للچائی ہوئی نظروں سے گھورنا شروع کر دیا تھا۔ ایک آدھ بار چھیڑا بھی تھا۔

''خود کو قابو میں رکھو۔'' جولیا بولی۔ ''یہاں کا ماحول ہمارے ماحول سے مختلف ہے۔''

''کیا تم سچ مچ میری بیوی ہو۔'' وہ جھلا گیا۔

''تم وہی کرو گے جو میں کہوں گی۔''

''سنو سویٹی..... تم دنیا کی دوسری عورتوں سے مختلف نہیں ہو..... اور عورت سگریٹ کے پیکٹ کی طرح ہمیشہ جیب میں نہیں پڑی رہتی..... اس کی اہمیت صرف بیس سگریٹوں تک محدود ہے اس کے بعد وہ جیب سے ردی کی ٹوکری میں منتقل ہو جاتی ہے۔''

''اس بکواس کا مطلب.....؟''

''یہی کہ اگر تم سچ مچ میری بیوی ہوتیں تو کبھی کی ردی کی ٹوکری میں منتقل ہو چکی ہوتیں۔ میرے لئے عورت کی پہلی مسکراہٹ دلکش، دوسری قابل برداشت تیسری بورنگ اور چوتھی بالکل ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے کسی بندریا نے دانت دکھا دیئے ہوں۔''

''چلو یہی سہی..... میں تم سے بحث نہیں کروں گی۔'' وہ زبردستی ہنس پڑی تھی۔

اسی دوران میں ایئر ہوسٹس پھر اسی طرف سے گزری تھی اور ٹوری نے اس کی ران میں چٹکی لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا۔

وہ تیزی سے ایک طرف ہٹی..... دوسری جانب بیٹھے ہوئے آدمی سے جا ٹکرائی جس کے ہاتھ میں کافی کا کپ تھا۔ کافی چھلک کر اس کے اوپر گری..... وہ ایئر ہوسٹس پر چڑھ دوڑا..... ادھیڑ عمر کا کوئی مقامی تاجر معلوم ہوتا تھا۔

ٹھیک اسی وقت ٹوری کے پیچھے بیٹھے ہوئے آدمی نے کہا۔ ''سفید بندر کیا تم نشے میں ہو۔''

''بکواس بند کرو کتیا کے بچے۔'' ٹوری مڑ کر دھاڑا۔

پیچھے بیٹھے ہوئے نوجوان نے ٹوری پر ہاتھ چھوڑ دیا۔ بس پھر کیا تھا۔ جہاز میں ہڑبونگ مچ گئی۔ ٹوری نے اٹھ کر نوجوان پہ جوابی حملہ کرنا چاہا تھا۔ کئی لوگ ان کے درمیان آ گئے جن کا تعلق جہاز کے عملے سے تھا۔ ایئر ہوسٹس اس دوران میں وہاں سے کھسک گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد جولیا نے کہا۔ ''اگر یہی حال رہا تو مجھے اس مشن کی کامیابی پر شبہ ہے۔''

ٹوری اسے قہر آلود نظروں سے گھور کر رہ گیا تھا۔ پھر پورے سفر کے دوران میں وہ ایئر ہوسٹس نہیں دکھائی دی تھی۔

صبح کے دس بجے تھے۔ جب غزن سبزہ کے ایئر پورٹ پر جہاز نے لینڈ کیا۔

وہ باہر نکلے تو مائیک پر کال ہو رہی تھی۔ ''مسٹر اینڈ مسز فرینک بوائڈ پلیز..... پلیز..... انکوائری کے کاؤنٹر پر تشریف لائیے۔''

جولیا نے ٹوری کا بازو دبایا تھا اور وہ انکوائری کے کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئے تھے۔ جولیا کے انداز سے معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ساری جگہیں اس کے لئے جانی پہچانی ہوں۔

کاؤنٹر پر خان دوراں کا پرسنل سیکریٹری ان کا منتظر تھا۔

گاڑی میں بیٹھتے وقت ٹوری نے جولیا کی طرف مستفسرانہ نظروں سے دیکھا تھا اور اس نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

پرسنل سیکریٹری اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے برابر بیٹھ گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لمبی سی شاندار گاڑی زمرد محل کے پھاٹک سے گزر کر کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی تھی۔

ٹوری نے پھر کچھ بولنا چاہا تھا لیکن جولیا نے اس کی ران پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

پھر وہ مہمان خانے میں پہنچا دیئے گئے تھے۔

''یہ کوئی ایسا الجھا ہوا مسئلہ نہیں ہے۔'' فریدی نے خان دوراں کی طرف دیکھ کر کہا۔

''تو گویا تم سمجھ چکے ہو کہ وہ میرے مہمان کیوں بنائے گئے ہیں۔''

''میں نے پہلے ہی انتظام کر لیا تھا کہ اس کا مقصد سمجھ سکوں۔''

''کس طرح.....!''

''مہمان خانے میں جگہ جگہ الیکٹرونک بکس چھپا دیئے تھے۔''

''اور پھر تہہ خانے میں بیٹھ کر ان کی گفتگو سنتے رہے تھے۔'' خان دوراں کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔ پھر وہ یک بیک سنجیدہ ہو کر بولا۔ ''لیکن تم تو خالی ہاتھ آئے تھے..... تہہ خانے میں بیٹھے بیٹھے الیکٹرونک بکس کہاں سے فراہم کر لئے۔''

''براہِ راست تہہ خانے سے باہر نکلنے کے راستے سے صرف تم ہی واقف نہیں ہو۔''

فریدی خان دوراں کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

''میں نہیں سمجھا..... تم کیا کہہ رہے ہو۔''

''وہ راستہ جو چٹخی چٹان تک جاتا ہے؟''

''کیوں مذاق کرتے ہو۔'' خون دوراں کے لہجے میں حیرت تھی۔

''کیا میں نے راستہ دریافت کر کے تمہیں کسی قسم کی تکلیف پہنچائی ہے۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا لیکن خدا گواہ ہے کہ مجھے کسی دوسرے راستے کا علم نہیں۔''

''حیرت انگیز.....!''

''میرے دادا نے یہ عمارت ایک چھوٹے سے قلعے کے کھنڈر پر تعمیر کرائی تھی۔ بعد میں میرے باپ نے اس میں کچھ اضافے کئے تھے اور پھر اسے جدید ترین شکل میں لانے والا میں ہوں۔ اگر میرے دادا کو تہہ خانے کے کسی دوسرے راستے کا علم ہوتا تو وہ میرے باپ کو ضرور بتاتے۔''

''خیر ختم کرو اس قصے کو..... اس نئے راستے کی دریافت سے میرا کام آسان ہوگیا ہے۔ ہاں تو ان دونوں کی گفتگو سے میں نے اندازہ لگالیا ہے کہ عورت تمہارے معاملات میں بہت زیادہ باخبر ہے اور مرد کچھ بھی نہیں جانتا..... وہ صرف اس لئے آیا ہے کہ عورت کی ہدایات پر عمل کرے۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایڈمنسٹریٹر کیا چاہتا ہے۔''

''پہلے میرے ایک سوال کا جواب دو..... پھر شاید میں اس پر کچھ روشنی ڈال سکوں۔''

''پوچھو..... کیا پوچھنا ہے۔''

''کان کے جس حصے پر وہ اپنا قبضہ چاہتا ہے..... قانونی اعتبار سے بھی قبضے میں رکھ سکے گا یا نہیں۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا..... مجھے لیز ٹرانسفر کرنے کا حق حاصل نہیں۔''

''تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ تمہارا قانونی قبضہ پوری کان پر برقرار رہے گا۔''

''بالکل.....!''

''لہٰذا اس حصے میں جو کچھ بھی ہوگا اس کی ذمہ داری تم ہی پر عائد ہوگی۔''

''اصولی طور پر یہی سمجھنا چاہئے۔''

''خدا کی پناہ.....!''

''کیا مطلب.....؟''

''ادھر آؤ..... نقشے میں دیکھو۔'' فریدی نے کان کا نقشہ میز پر پھیلاتے ہوئے کہا۔

''یہ دیکھو..... یہی ہے نا وہ حصہ جس پر وہ اپنا قبضہ چاہتا ہے۔''

''یہی ہے۔''

''اور تمہاری اجازت حاصل کئے بغیر کوئی وہاں تک پہنچ بھی نہیں سکتا۔''

''ظاہر ہے۔''

''اب دیکھو..... اس حصے میں ایک دراڑ بنالی جائے تو نتیجہ کیا ہوگا۔''

''دراڑ بنالی جائے.....؟'' خان دوراں نے حیرت سے دہرایا۔

''ہاں..... ہاں..... مشکل کام نہیں ہے۔''

''میں تمہاری بات ہی نہیں سمجھ سکا۔''

''کان کے اس حصے کے اختتام ہی سے دوسرے ملک کی سرحد شروع ہوجاتی ہے۔ اگر یہاں ایک دراڑ بنالی جائے تو ایک ایسا مخفی راستہ ہوگا کہ اس کا علم سرحد کے محافظوں کو بھی نہیں ہوسکے گا۔''

خان دوراں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑی تھیں اور سر تھام کر بیٹھ گیا تھا۔

''پھر اس راستے سے جو کچھ بھی ہوگا اس کی تمام تر ذمہ داری تم ہی پر عائد ہوگی۔''

خان دوراں کچھ نہ بولا۔ اس کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں پھوٹنے لگی تھیں۔

''اور اب تم مجھے اس دستاویز کے بارے میں تفصیل سے بتاؤ جو اسکے قبضے میں ہے۔''

''کیا بتاؤں.....!'' خان دوراں بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''وہ ایک خط ہے جو ایک سیاسی لیڈر کے نام لکھا گیا تھا۔ اس میں پچھلی حکومت کی ایک پالیسی کے خلاف اظہار خیال کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔''

''اب تو یہ کوئی جرم بھی نہیں رہا جبکہ موجودہ حکومت کی بنیاد ہی پچھلی حکومت کی مخالفت پر رکھی گئی ہے۔''

''میں سمجھتا ہوں۔''

''پھر کیوں بلیک میل ہو رہے ہو۔''

''وہ کاغذ..... جس پر خط لکھا گیا تھا۔''

''کاغذ.....کاغذ میں کیا ہے۔''

''واٹر مارک..... جو ایک غیر ملکی سفارت خانے کے لئے مخصوص ہے۔ میں نہیں جانتا وہ کاغذ میری اسٹیشنری میں کیسے شامل ہوگیا تھا۔ جبکہ میں نے کبھی اس سفارت خانے میں قدم تک نہیں رکھا۔''

''اوہ.....!''

''اب تم خود ہی سوچو۔''

''ہاں.....تب تو تمہاری گردن پھنس سکتی ہے۔''

''اسی لئے تو..... ورنہ میں اب تک اس بلیک میلر کو پیس کر رکھ دیتا اور ہاں وہ سیاسی لیڈر اب زندہ نہیں ہے کہ میری صفائی پیش کردے گا۔''

''وہ خط ایڈمنسٹریٹر کے ہاتھ کیسے لگا ہوگا۔''

''تمہیں یاد ہوگا کہ پچھلی حکومت نے میرے خلاف مواد اکٹھا کرنے کی کوشش کی تھی۔ دراصل غداری کے الزام میں پھانسنا چاہتی تھی۔ لیکن کوئی ایسا ثبوت ہاتھ نہیں آیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اسی دوران میں وہ خط ایڈمنسٹریٹر کے ہاتھ لگا ہوگا جسے اس نے کسی بہتر موقعے کے لئے دبالیا تھا.....اور اب یہ بہتر موقع اسے نصیب ہوگیا ہے۔''

''بڑی گہری سازش ہے۔ میرے دوست۔'' فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ ''اس میں ایک بڑی طاقت کا سراغ رسانی کا ادارہ بھی ملوث معلوم ہوتا ہے۔''

''نہیں.....؟'' خان دوراں نے ایک بار پھر آنکھیں پھاڑ دیں۔

''یقین کرو.....اسی لئے مجھے میرے شہر ہی میں الجھائے رکھنے کی کوشش کی گئی تھی اور اسے یہ رنگ دیا جارہا تھا کہ منشیات کی اسمگلنگ کرنے والا کوئی بڑا گروہ مجھے اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا ہے کیونکہ پچھلے دو سال سے میں انٹرپول کی مدد کرکے اربوں روپے مالیت کی منشیات پکڑوا چکا ہوں۔''

''لیکن کسی ملک کے سراغ رسانی کے ادارے کا مجرموں کے تعاون سے کوئی کام کرنا سمجھ میں نہیں آتا۔''

''دوسرے ممالک کے معاملات میں وہ جرائم پیشہ لوگوں کے ذریعے بھی کام نکالتا ہے۔ یہ اس کی مخصوص ٹیکنیک ہے۔''

''تو پھر اب کیا ہوگا.....؟''

''اللہ کی ذات سے اچھی ہی امید رکھو.....میں نپٹ لوں گا۔''

''لیکن یہ دونوں مہمان۔''

''بے فکری کی نیند.....!'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''کئی راتوں سے جاگ رہے ہو۔''



وہ بے خبر سو رہا تھا۔ بڑی شاندار خواب گاہ تھی۔ لیکن اس رات وہ تنہا سویا تھا۔ جب سے اس معاملے کو شروع کیا تھا اپنے متعلقین کو تبدیلی آب و ہوا کے لئے ایک ساحلی شہر میں بھجوا دیا تھا۔ کیونکہ اس کے گھر پر ان دنوں بڑی اہم میٹنگز ہوا کرتی تھیں۔ جن میں شرکت کرنے والے زیادہ تر چھپ کر آیا کرتے تھے اور ان میں سفید فام غیر ملکی بھی ہوتے تھے۔

بہرحال آج کل پوزیشن یہ تھی کہ وہ اپنے بنگلے میں تنہا تھا۔ باہر تین پہرے دار بقیہ رات بھر جاگتے رہتے تھے اور پھر اسے ذاتی طور پر کوئی خطرہ بھی نہیں تھا کہ چین کی نیند نہ سو سکتا۔ لیکن شاید یہ خواب خرگوش کی آخری رات تھی۔

کسی نے گریبان تھام کر اسے اٹھا دیا تھا۔ آنکھیں کھولنے سے قبل ہی تیز قسم کی روشنی کا احساس ہوگیا۔ بوکھلا کر آنکھیں کھول دیں۔ کمرہ پوری طرح روشن تھا حالانکہ سونے سے قبل مدھم نیلی روشنی والا بلب جلا کر سویا تھا۔ سامنے ایک ڈراؤنی شکل والا قد آور آدمی کھڑا دکھائی دیا جس کے ہاتھ میں اس کی شکل سے بھی زیادہ خوفناک ریوالور تھا۔

''کک کون ہو.....؟'' وہ خوفزدہ آواز میں بولا۔

''اس سے بحث نہیں کہ میں کون ہوں۔'' خوفناک اجنبی کی آواز نے اس کی کھوپڑی میں دھماکہ سی پیدا کی تھی۔

''کیوں آئے ہو۔ کیا چاہتے ہو۔'' اس نے نڈر بننے کی کوشش کی۔

''خان دوراں والا خط چاہئے۔''

''اوہ.....اب تو سچ مچ اس کی شامت آ گئی ہے۔''

''اس وہم میں نہ پڑنا کہ میرا تعلق خان دوراں سے ہے۔ اس بے چارے کو تم نے بُری طرح جکڑ رکھا ہے۔ نہ محل سے باہر نکل سکتا ہے اور نہ فون ہی پر کسی کو اپنی حالت زار سے آگاہ کرسکتا ہے۔''

''پھر تم کون ہو۔''

''جس بڑی طاقت کے جاسوسوں کا کھلونا بن کر رہ گئے ہو اس کی مخالف ایک بڑی طاقت اور بھی ہے۔''

''تت.....تو پھر.....!''

''وہ خط اس بڑی طاقت کے لئے بھی یکساں مفید ہوسکتا ہے۔''

''وہ.....مم.....میرے قبضے میں نہیں ہے۔''

''بکواس مت کرو.....تم اتنے معصوم نہیں ہو کہ قبل از وقت اسے کسی اور کے حوالے کردو گے۔''

''یقین کرو.....!''

''خط نہ ملنے کی صورت میں تمہیں مار ڈالوں گا.....ناکام ہونے پر یہی کرنے کا عادی ہوں۔ ریوالور بے آواز ہے۔''

''میرا کوئی پہرے دار اس سے پہلے ہی تمہاری گردن دبوچ لے گا۔''

''وہ تینوں بے چارے ڈرائنگ روم میں بے ہوش پڑے ہیں۔''

''نن.....نہیں۔''

پنڈلی پر زوردار ٹھوکر پڑی تھی اور وہ کراہتا ہوا بستر سے فرش پر آ رہا تھا۔

''زندگی عزیز ہے تو خط میرے حوالے کردو۔ میں خان دوراں کا آدمی نہیں ہوں۔ مجھے علم ہے کہ وہ خط میرے ہی ملک کے سفارت خانے کے مخصوص واٹر مارکڈ کاغذ پر لکھا گیا تھا.....خان دوراں کسی کو بھی اس حد تک نہیں بتا سکتا۔''

وہ فرش پر سجدے کی سی حالت میں پڑا کراہتا رہا۔

''خط میرے حوالے کردو.....ورنہ دوسری ٹھوکر ریڑھ کی ہڈی توڑ دے گی۔''

''نہیں.....!'' وہ بوکھلا کر سیدھا بیٹھتا ہوا بولا۔ ''اچھا.....اپنی حکومت سے اسکا سودا کرادو۔''

''احمق آدمی.....میری حکومت سودے نہیں کرتی۔ جبر کرتی ہے.....پھر پڑے گی ٹھوکر اٹھ کر تجوری کھولو..... مجھے یقین ہے کہ خواب گاہوں میں پائی جانے والی تجوریاں بے رحم ہوتی ہیں۔''

وہ فرش پر بیٹھے ہی بیٹھے بستر کی طرف کھسکنے لگا تھا۔

''ٹھہرو.....!'' خوفناک چہرے والے نے کہا۔ ''مجھے بتاؤ تجوری کی کنجی کہاں ہے؟''

''تت.....تکیے کے نیچے۔''

''میں خود دیکھتا ہوں۔'' اس نے آگے بڑھ کر تکیہ اٹھایا تھا۔ کنجی کے گچھے کے قریب ستارہ دو پانچ کا ایک پستول بھی رکھا ہوا نظر آیا۔ اس نے دونوں ہی چیزیں اٹھائی تھیں کنجی کا گچھا اس کے آگے ڈال دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد تجوری کھولی گئی تھی اور اس نے ایک لفافہ نکال کر خوفناک چہرے والے کے آگے ڈال دیا تھا۔

''اب تم ادھر دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوجاؤ۔'' اس نے لفافہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

ایڈمنسٹریٹر نے چپ چاپ تعمیل کی تھی۔

خوفناک چہرے والے نے لفافے سے کاغذ نکال کر اسے روشنی کی طرف اٹھایا تھا۔ سر کو خفیف سی جنبش دی تھی اور اسے دوبارہ لفافے میں رکھ کر کوٹ کی اندرونی جیب میں ڈالتے ہوئے ایڈمنسٹریٹر کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور ریوالور کا دستہ اس کی گردن پر رسید کردیا۔ وہ لہرا کر گر گیا تھا اور بے حس و حرکت ہوگیا تھا۔

خوفناک چہرے والے نے اسے اٹھا کر بستر پر ڈالا۔ تیز روشنی والا بلب بجھا دیا اور نیلی روشنی والے کا سوئچ آن کر کے خواب گاہ سے نکل گیا۔



خان دوراں کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور کبھی وہ اس کاغذ کو دیکھتا تھا کبھی فریدی کو۔

''وہی ہے نا.....؟'' فریدی نے سوال کیا۔

''سو فیصد وہی.....!''

''اب اسے اپنے ہی ہاتھ سے آتش دان میں ڈال دو۔ اسکے بعد مزید گفتگو ہوگی۔''

خان دوراں نے فوری طور پر اس کے مشورے پر عمل کیا تھا اور کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا تھا۔ ''اب میں اسے دیکھ لوں گا۔''

''ہرگز نہیں! مجھے ہی دیکھنے دو.....تم اب بھی خوفزدگی اور تابعداری کی اداکاری کرو گے۔ اس سے الجھو گے نہیں۔''

''کیوں.....؟''

''اگر وہ کان کے اس حصے سے کوئی نیا راستہ بنانے میں کامیاب ہوجاتا تو اس سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ البتہ پورا ملک ضرور خطرے میں پڑ جاتا۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو..... پورا ملک خطرے میں پڑ جاتا۔ خان دوراں کی کیا حقیقت ہے۔''

''بس تو اس معاملے کو مجھ پر چھوڑ دو.....اور معمول کے مطابق زندگی بسر کرتے رہو۔''

''اوہ.....وہ بات تو رہ ہی گئی۔''

''کون سی بات۔'' فریدی اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

''غیر ملکی عورت نے گفتگو شروع کردی ہے۔ آج تمہاری عدم موجودگی میں اس نے مجھ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ لیکن میں نے مشغولیت کا بہانہ کردیا تھا۔

''فوراً طلب کرو اور دیکھو کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے اور ٹھہرو.....اسے رکھوا پنے پاس اس کے ذریعے تمہاری گفتگو مجھ تک پہنچتی رہے گی۔''

اس نے ایک چھوٹا سا الیکٹرونک بگ خان دوراں کے حوالے کیا تھا جسے بہ آسانی

جیب میں رکھا جاسکتا تھا۔

خان دوراں نے تہہ خانے سے برآمد ہوکر اپنے پرسنل سیکریٹری کو طلب کیا تھا۔

پھر تھوڑی ہی دیر بعد وہ دونوں مہمان دیوان خانے میں موجود تھے اور جولیا خان دوراں سے کہہ رہی تھی۔ ''آپ کو علم ہوگا کہ کان کے شمال مغربی حصے میں کام ہونا ہے۔ میرے شوہر مسٹر فرینک بوائڈ آپ ہی کے طلب کرنے پر یہاں آئے ہیں تاکہ اس کام میں آپ کو مدد دے سکیں۔ آپ کان کے نگران سے ان کا تعارف بحیثیت مائین انجینئر کراسکتے ہیں۔ یہ اپنے تحت کام کرنے والوں کا انتخاب خود کریں گے۔ اس میں آپ کے کسی آفیسر کو دخل نہیں ہوگا۔''

''میں سمجھ گیا۔'' خان دوراں نے آہستہ سے کہا۔

''آپ کو کسی الجھن کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ مسٹر فرینک بوائیڈ خود ہی سارا کام سنبھال لیں گے اور آپ پر کسی قسم کی بھی ذمہ داری نہ ہوگی۔''

''یہ بات بھی میری سمجھ میں آ گئی۔'' خان دوراں نے کہا۔ ''اچھا تو پھر میں تمہارے شوہر کو کب اپنے منیجر سے متعارف کراؤں۔''

''آج ہی۔'' جولیا بولی۔ ''اور یہ بھی منیجر کے ذہن نشین کردیجئے گا کہ شمالی مغربی حصے میں صرف وہی لوگ جاسکیں گے جن کا انتخاب مسٹر فرینک بوائڈ کریں گے۔''

''بالکل ایسا ہی ہوگا۔''

ان دونوں کو رخصت کرکے اٹھ ہی رہا تھا کہ خوابگاہ میں فون کی گھنٹی بجنے کی اطلاع ملی۔

خان دوراں کا موڈ بے حد خراب ہوگیا تھا۔ لیکن وہ خود کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرتا رہا۔ خواب گاہ میں آیا تھا اور کال ریسیور کی تھی۔

''کیا مہمانوں سے تمہاری گفتگو ہوگئی۔'' دوسری طرف سے کہا گیا۔

''ہوگئی ہے.....لیکن جب تک میری امانت مجھے نہیں ملتی وہاں کوئی قدم بھی نہیں رکھ سکے گا۔'' خان دوراں نے کہا۔

''تمہاری امانت کام ہوجانے کے بعد تم تک پہنچے گی۔''

''کیا میری کوئی بات نہیں مانی جائے گی.....!'' خان دوراں نے اپنے لہجے میں بیچارگی پیدا کرتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں... تم وہی کرو گے جو کہا جائے گا۔''

''خدا دیکھ رہا ہے.....!'' خان دوراں نے مردہ سی آواز میں کہا تھا اور سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر خود بھی ریسیور رکھ دیا تھا اور پھر اس کی مٹھیاں سختی سے بھنچ گئی تھیں۔ آنکھیں سُرخ ہوگئی تھیں۔ ایسا معلوم ہونے لگا تھا جیسے دوسرے ہی لمحے میں کسی کا خون کردے گا۔

فریدی چونک کر مڑا تھا۔ ہلکی سی آواز تھی۔ اس نے تہہ خانے کے نئے دریافت شدہ راستے کو کھلتے دیکھا۔ بلیک فورس کا ایک ممبر تہہ خانے میں داخل ہوا تھا۔

''کیا خبر ہے؟''

''کیپٹن حمید جناب..... یہاں پہنچ گئے ہیں۔ ریڈی میڈ میک اپ میں..... وہ ایک سیاہ فام آدمی کا تعاقب کرتے ہوئے آئے ہیں..... دونوں کا قیام دلشاد میں ہے۔ کیپٹن کمرہ نمبر ۹۸ میں ہیں اور کالا آدمی ننانوے میں۔''

''حمید کو یہاں پہنچاؤ اور تم کالے آدمی پر نظر رکھو۔''

''بہت بہتر جناب۔''

وہ چلا گیا۔ فریدی کے چہرے پر گہرے تفکر کے آثار تھے۔ اس نے ڈبے سے سگار نکالا اور اس کا گوشہ توڑنے لگا۔

ٹھیک اسی وقت انٹرکوم سے خان کی آواز آئی۔ ''کیا تم جاگ رہے ہو۔''

''ہاں..... ابھی سونے کا ارادہ بھی نہیں ہے۔''

''میں آنا چاہتا ہوں۔''

''آجاؤ۔''

فریدی نے سگار سلگایا تھا اور آرام کرسی پر نیم دراز ہوگیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد زینے سے قدموں کی آہٹ سنائی دی تھی۔ خان دوراں بہت زیادہ غصے میں نظر آیا۔

''کوئی نئی بات۔'' فریدی نے سیدھے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''اب برداشت سے باہر ہوا جارہا ہے۔''

''بیٹھ جاؤ..... دماغ ٹھنڈا رکھنے کی کوشش کرو۔''

''مہمان خانے میں بھیڑ ہوئی جارہی ہے اور انہیں لانے کے لئے میری ہی گاڑیاں استعمال کی جارہی ہیں۔ آخر تمہیں انتظار کس بات کا ہے۔ اگر انہوں نے وہاں کوئی دراڑ بنا ہی لی تو پھر کچھ کرنے کا کیا فائدہ۔''

''اس حد تک بات نہیں بڑھنے دوں گا..... تم مطمئن رہو۔ ویسے اب مہمان خانے میں کتنے آدمی ہیں۔''

''سات آدمی..... فرینک بوائیڈ اور اس کی بیوی سمیت۔''

''وہ پانچوں بھی سفید فام ہیں۔''

''نہیں..... صورت سے جاپانی لگتے ہیں۔''

''غالباً ماہرین کو اکٹھا کیا جارہا ہے۔ صبر سے کام لو..... وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکیں گے۔''

''اب میں محل میں ان کی موجودگی برداشت نہیں کرسکتا۔''

''فرض کرو وہ دستاویز تمہارے ہاتھ نہ لگتی تو.....؟'' فریدی نے سرد لہجے میں سوال کیا۔

خان دوراں نے جواب میں کچھ کہنا چاہا تھا لیکن پھر ہونٹ سختی سے بھینچ لئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے آہستہ سے کہا۔ ''مجھے اپنی بے صبری پر افسوس ہے۔''

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی تھی اور فریدی نے فون کا ریسیور اٹھانے کا اشارہ کیا تھا۔

کال ریسیو کرتے وقت اس کے چہرے پر ناگواری کے آثار پیدا ہوئے اور وہ صرف ''ہاں..... ہاں اور اچھا اچھا.....!'' کہتا رہا۔ پھر ریسیور کریڈل پر رکھ کر دانت پیسنے لگا۔ فریدی اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔

''صبح ایک اور آدمی آئے گا۔'' خان دوراں نے کہا۔''اس کے لئے دلشاد ہوٹل گاڑی بھیجی جائے گی۔ کمرہ نمبر ننانوے میں مقیم ہے۔''

فریدی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ چند لمحے فون پر نظریں جمائے رہا پھر بولا۔''اچھا..... اب تم جاکر سونے کی کوشش کرو۔ سب کچھ بھول جاؤ۔ صبح دیکھیں گے۔''

خان دوراں چلا گیا تھا۔ پھر قریباً آدھے گھنٹے بعد اس راستے سے کیپٹن حمید اندر داخل ہوا تھا جسے فریدی نے دریافت کیا تھا۔

''تو یہ مردود مجھے میک اپ میں بھی پہچان لیتے ہیں۔''اس نے فریدی پر نظر پڑتے ہی کہا۔

''تمہارے بارے میں وہ سب کچھ جانتے ہیں..... کس کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں آئے ہو۔''

''کاراس بلابو.....!''

''اوہ.....!'' فریدی پھر کرسی سے اٹھ گیا۔

حمید نے پوری داستان سنائی تھی۔ نیلم کو پیش آنے والے واقعات کا ذکر سن کر اس کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا لیکن وہ خاموشی سے سنتا رہا۔

حمید چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔''مجھے سیزر کا سراغ تو نہیں مل سکا تھا لیکن میں نے کاراس بلابو پر نظر رکھی تھی جب وہ یہاں آنے لگا تو میں بھی چل پڑا۔''

''تو کاراس ہی نے مجھے شہر میں الجھائے رکھنے کی کوشش کی تھی۔ بدرل کے ذریعے اس نے ٹیلی فون بوتھ میں دھماکہ کرایا ہوگا اور پھر ہمیں اس کی راہ پر لگتے دیکھ کر اس کا خاتمہ بھی کر دیا ہوگا۔''

''یہاں کیا ہو رہا ہے.....؟'' حمید نے سوال کیا۔

''یہیں تو سب کچھ ہو رہا ہے۔'' فریدی نے کہا اور یہاں کی کہانی دہرانے لگا۔

مسٹر اور مسز فرینک بوائیڈ کے مرحلے پر پہنچ کر بولا۔''جانتے ہو یہ فرینک بوائڈ کون ہے۔''

''کون ہے.....؟''

''ٹوری ہیڈسٹر..... میں نے اسے پہچان لیا ہے..... لیکن اب وہ ہپیوں کی سی شکل میں

ہے۔ ڈاڑھی مونچھیں صاف کرادی ہیں۔ یہ بڑی اچھی بات ہے کہ میں اس کے حوالے سے کاراس کو بھی گرفتار کرسکوں گا۔''

اس کے بعد وہ کہانی کا بقیہ حصہ سنانے لگا تھا۔ جیسے ہی خاموش ہوا حمید مضطربانہ انداز میں بولا۔''بات سمجھ میں نہیں آئی۔ وہ دستاویز قبضے سے نکل جانے کے بعد بھی ڈبلیو خان اکڑ دکھا رہا ہے۔''

''میں نے اسے باور کرادیا تھا کہ میرا تعلق دوسری بڑی طاقت کے خارجہ کار خاص کے محکمے سے ہے۔ لہٰذا وہ پہلے ہی کی طرح شیر ہو رہا ہے۔ اپنی دانست میں اب بھی خان دوراں پر حاوی ہے۔ سمجھتا ہے اسے علم ہی نہیں ہے کہ دستاویز اس کے قبضے سے نکل چکی ہے۔''

''بہرحال..... اب کیا ارادہ ہے۔''

''کاراس کو محل میں پہنچنے دو..... پھر دیکھوں گا۔ تمہیں شاید علم نہ ہو کہ وہ ایکسپلوسیوز کا بھی ماہر ہے۔ اسی لئے آیا ہے کہ خود ہی کان کے اس حصے میں دوسرے ملک کی سرحد تک مصنوعی درہ تشکیل دے گا۔''

''میں تو اس خبیث کی بوٹیاں اڑا دینا چاہتا ہوں.....!'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''تمہیں نیلم کو تنہا نہیں چھوڑنا چاہئے تھا۔ ایسی صورت میں جبکہ ریٹا بھی وہیں موجود ہے۔''

''پدرانہ شفقت.....!'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔''آپ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ اب وہ بھی محکمے کی ایک ذمہ دار آفیسر ہے۔ ویسے آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ ریٹا کو محکمے کی حوالات میں دے آیا ہوں۔''

''اس اسٹیج پر اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ تم نے عقلمندی کا ثبوت دیا ہے۔''

دوسرے دن کان کے اس حصے میں بھی کان کنی کے افتتاح کی ٹھہری تھی جسے شروع ہی سے بیکار تصور کیا جاتا تھا اور یہ افتتاح ایڈمنسٹریٹر کے ہاتھوں ہونا قرار پایا تھا۔

گاڑیاں کان کی طرف روانہ ہوئی تھیں۔ ایڈمنسٹریٹر اسی گاڑی میں بیٹھا تھا جس میں

خان دوراں تھا۔ یہ دونوں پچھلی سیٹ پر تھے اور اگلی نشست پر فرینک بوائیڈ ڈرائیور کے قریب براجمان تھا۔ مسز فرینک بوائیڈ محل ہی میں رہ گئی تھی۔

کئی دن سے برفباری نہیں ہوئی تھی۔ مطلع صاف تھا۔ چمکیلی دھوپ پہاڑوں پر بکھری ہوئی تھی۔

خان دوراں بار بار کنکھیوں سے ایڈمنسٹریٹر کو دیکھنے لگتا تھا۔ دفعتاً اس نے کہا۔ ''اب میری چیز میرے حوالے کردو۔''

''ابھی نہیں۔''

''کیوں.....؟''

''جب تک کہ کام شروع نہ ہوجائے..... تمہیں اس سلسلے میں خاموش ہی رہنا چاہئے۔'' ایڈمنسٹریٹر نے سرد لہجے میں کہا۔

''حالانکہ اس خط میں کچھ بھی نہیں ہے۔'' خان دوراں بولا۔

''تو پھر کیوں اس حد تک چلے آئے ہو۔'' ایڈمنسٹریٹر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''جب میرے خلاف انکوائری ہوئی تھی اس کو تم نے میرے خلاف کیوں نہیں استعمال کیا تھا۔''

''اسی دن کے لئے بچا رکھا تھا۔'' ایڈمنسٹریٹر نے مضحکہ اڑانے کے سے انداز میں کہا۔

''یادگار دن ہے۔''

خان دوراں کے لہجے نے ایڈمنسٹریٹر کو چونکنے پر مجبور کردیا تھا۔

''میں نہیں سمجھا تم کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''یادگار دن کسے کہتے ہیں؟''

''تم ہی وضاحت کرو گے۔''

''جب چھٹی کا دودھ یاد آجائے۔'' خان دوراں مسکرا کر بولا۔

''کیا مطلب.....؟''

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اپنی ذہنی کیفیت کا تجزیہ کررہا تھا۔''

''تم خواہ مخواہ نروس ہو رہے ہو۔'' ایڈمنسٹریٹر ہنس کر بولا۔ ''تمہارے لئے کان کا وہ حصہ قطعی بے کار ہے۔''

''لیکن تم اس سے کیا حاصل کرو گے..... کیا یہ غیر ملکی ماہرین تمہیں خیراتی امداد کے تحت ملے ہیں۔''

''اپنے کام سے کام رکھو۔'' ایڈمنسٹریٹر کا موڈ خراب ہوگیا۔

ان کی گاڑی تینوں گاڑیوں کے آگے چل رہی تھی۔ اچانک سامنے ہی ایک گاڑی اور نظر آئی جو اس طرح ترچھی کھڑی کی گئی تھی کہ یہ پتلی سی پہاڑی سڑک قریب قریب بند ہی ہوکر رہ گئی تھی۔

ڈرائیور ہارن پر ہارن دینے لگا۔ ساتھ ہی اس نے گاڑی کی رفتار بھی کم کردی تھی۔ سڑک کی ایک جانب اونچی اونچی چٹانیں تھیں اور دوسری جانب ناہموار ڈھلان۔

''یہ کون بے ہودہ ہے۔'' ایڈمنسٹریٹر غرایا۔

''غزن سبزہ اب مختلف قسم کے بے ہودوں ہی کی آماجگاہ بن کر رہ گیا ہے۔ تم خود کو کیا سمجھتے ہو۔''

''ہوش میں ہو یا نہیں۔''

''مجھ سے اس لہجے میں گفتگو کرو گے تو ٹھوکریں مار مار کر ہلاک کردوں گا۔''

ڈرائیور نے راستہ روکنے والی گاڑی سے کسی قدر فاصلے پر گاڑی روک دی تھی۔ پچھلی تینوں گاڑیاں بھی رک گئیں۔ ان میں سے دو گاڑیوں میں کار اس بلا بو سمیت چھ افراد تھے۔ تیسری گاڑی میں خان دوراں کا منیجر اپنے دو ماتحتوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

گاڑیاں ہارن پر ہارن دیتی رہیں لیکن شاید راستہ روکنے والی گاڑی کے آس پاس کوئی موجود نہیں تھا۔

''دھکا دے کر کھڈ میں گرادو۔'' ایڈمنسٹریٹر دھاڑا تھا۔

ٹھیک اسی وقت داہنی جانب والے چٹانی سلسلے کی طرف سے آواز آئی۔ ''ارے نہیں جناب..... مجھ غریب پر ایسا ظلم نہ فرمایئے گا۔''

ایڈمنسٹریٹر جھک کر کھڑکی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ ایک آدمی پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے آہستہ آہستہ نیچے اُترتا دکھائی دیا اور جیسے ہی وہ قریب پہنچا ایڈمنسٹریٹر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''کک.....کرنل فریدی۔''

''جناب.....!'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔ ''اس تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں مگر کیا کروں آپ کی گاڑی میں ایک مجرم بیٹھا ہوا ہے۔''

''مم.....مجرم.....کون مجرم۔''

''اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا ہے.....جس نام سے یہاں آیا ہے وہ اس کا اصلی نام نہیں ہے۔ پاسپورٹ پر کوئی اور نام درج ہے۔'' فریدی نے کہا اور پھر بلند آواز میں بولا۔ ''نہیں کاراس اپنی جگہ سے حرکت بھی نہ کرنا۔ چھلنی ہوجاؤ گے۔ کئی اسٹین گنوں نے گاڑیوں کو کور کر رکھا ہے۔''

بدستور سناٹا چھایا رہا۔

''ہاں تو جناب..... براہِ کرم اس سے کہئے کہ وہ گاڑی سے اتر جائے۔'' فریدی نے ایڈمنسٹریٹر سے کہا۔

''میں سمجھ گیا۔'' ایڈمنسٹریٹر خان دوراں کی طرف مڑ کر بولا۔ ''اب دیکھنا ہے کہ تمہیں غرق ہونے سے کون بچاتا ہے۔''

خان دوراں کا الٹا ہاتھ ایڈمنسٹریٹر کے منہ پر پڑا تھا اور وہ پھر دونوں سیٹ ہی پر گتھم گتھا ہوگئے تھے۔ ٹوری بیڈسٹر ان کی طرف مڑا ہی تھا کہ ڈرائیور کی جیب سے ریوالور نکلا اور اس کی کنپٹی سے جالگا۔

''تم بس یونہی بیٹھے رہو۔'' ڈرائیور نے انگلش میں کہا۔ ''ورنہ اسی جگہ سوراخ ہوجائے گا۔''

ٹوری بیڈسٹر متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکاتا ہوا پھر ڈیش بورڈ کی طرف مڑ گیا۔

''اگر آپ لوگ..... نیچے اتر کر زور آزمائی فرمائیں تو اس پکنک کا لطف دوبالا ہوجائے گا۔'' فریدی بولا۔

''یہ شخص غدار ہے۔'' ایڈمنسٹریٹر خان دوراں سے گتھا ہوا چلایا۔

''مجھے علم ہے.....اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اپنی غداری کا ثبوت اپنے ہی ہاتھوں نذر ش بھی کر چکا ہے.....ورنہ اس طرح آپ کے روئے مبارک پر ہاتھ نہ جھاڑ دیتا۔''

''کرنل فریدی۔'' دفعتاً کاراس بلابو کی دھاڑ سنائی دی۔ ''یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ ایک ریف آدمی ہمیں اپنی جواہرات کی کان دکھانے لے جا رہا تھا۔''

''اب نہیں لے جائے گا کاراس.....کیونکہ ٹوری بیڈسٹر اور فرینک بوائیڈ ایک ہی شخص کے دو نام ہیں۔ میں اسے فراڈ کے الزام میں گرفتار کر رہا ہوں۔''

''میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہے۔'' کاراس کی آواز آئی۔

''او.....خبیث کے بچے تو مجھے نہیں جانتا۔'' دفعتاً ٹوری بیڈسٹر چیخا۔

''آج سے پہلے کبھی دیکھا تک نہیں۔'' کاراس نے کہا۔

''جھگڑے کی ضرورت نہیں.....!'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''اب تم سب نیچے اتر آؤ۔''

پانچ آدمی ہاتھوں میں اسٹین گنیں سنبھالے سڑک پر آگئے تھے اور ان کی گنیں گاڑیوں کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

''تم مجھے مجبور نہیں کر سکتے۔'' ایڈمنسٹریٹر بولا۔

''کس بات پر جناب۔''

''کسی بات پر بھی نہیں۔''

''میں نے کب کہا ہے کہ آپ کو مجبور کر سکتا ہوں.....لیکن ان مجرموں کو ضرور ساتھ لے جاؤں گا۔ کالے آدمی پر تو قتل کا بھی الزام ہے۔''

''مجھ پر.....!'' کاراس دھاڑا۔ ''مجھ پر کس کے قتل کا الزام ہے۔''

''کیا بے چارا بدرل تمہیں یاد نہیں رہا۔''

''میں کسی بدرل کو نہیں جانتا۔''

''اور جیری وہٹلم کو بھی نہ جانتے ہوگے۔''

''جیری وہٹلم اسی بدذات کا آدمی ہے۔ وہی مجھے ہوٹل سے لے گیا تھا۔'' ٹوری نے

چیخ کر کہا۔

''اور سینر بھی.....؟'' فریدی نے سوال کیا۔

''ہاں سینر بھی.....اس نے مجھے اس جزیرے تک پہنچایا تھا۔''

''سنو کرنل فریدی۔'' ایڈمنسٹریٹر نے کہا۔ ''یہ سارے آدمی خان دوراں نے خود مہیا کئے ہیں اور مجھے اسلئے ساتھ لے جا رہا تھا کہ نئی کھدائی کا افتتاح میرے ہاتھوں سے کرائے۔''

''آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہیں۔ ان لوگوں کا تعلق نہ آپ سے ہے اور نہ خان دوراں سے۔ یہ براہِ راست حکومت کے مجرم ہیں۔ ایسے مجرم کہ حکومت اطمینان کا سانس لے گی۔ میں ان کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک آیا ہوں۔''

''تم نے غداری کے کس ثبوت کا ذکر کیا تھا جسے خان دوراں نے نذرِ آتش کر دیا۔''

''ایک واٹر مارکڈ دستاویز تھی جسے میرے حوالے کرنے سے قبل آپ نے بہت سی باتیں کی تھیں۔ جنہیں ایک ٹیپ ریکارڈر محفوظ کرتا رہا تھا۔''

''وہ تم تھے.....؟'' ایڈمنسٹریٹر کی آواز حلق میں پھنسنے لگی تھی۔

''ہاں میں ہی تھا۔''

ایڈمنسٹریٹر نے گردن ڈال دی۔

''میں نے کہا تھا کہ تم سب گاڑیوں سے اُتر آؤ۔'' فریدی نے اونچی آواز میں کہا۔

اتنے میں ٹوری بول پڑا۔ ''اچھے آدمی! مجھے اجازت دو کہ میں کاراس بلابو کی مرمت کر ڈالوں.....اس کے بعد چاہے مجھے گولی مار دینا۔''

''اس کی مرمت تو میں بھی کرنا چاہتا ہوں۔'' ڈرائیور بولا اور یہ ڈرائیور کیپٹن حمید کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا جس کی ناک کی نوک اوپر اٹھی ہوئی اور دانت دکھائی دے رہے تھے۔ کیونکہ ناک کی نوک کے ساتھ ہی اوپری ہونٹ بھی اٹھ گیا تھا۔

فریدی نے ٹوری سے کہا۔ ''یہاں کشتی کا مقابلہ نہیں ہو رہا کہ میں تمہیں اس کی اجازت دے دوں گا۔''

وہ سب اپنے ہاتھ اٹھائے ہوئے گاڑیوں سے اُتر آئے تھے ان میں خان دوراں کے

بیس آدمی بھی شامل تھے۔ ایڈمنسٹریٹر کو بھی اترنا پڑا۔ وہ خان دوراں کو گھورے جا رہا تھا۔

''اب ہتھکڑیاں لگائی جائیں۔'' فریدی نے کہا۔

''تم ایسا نہیں کر سکتے۔'' ایڈمنسٹریٹر زور سے چیخا۔

''آپ ان لوگوں میں شامل نہیں ہیں۔''

''میرے ساتھ خان دوراں بھی پھنسے گا۔''

''اسی لئے میں نے صرف ان مجرموں کی بات کی تھی جن کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک پہنچا ہوں۔''

اچانک شور برپا ہو گیا۔ ایک چیخ بھی سنائی دی تھی۔

جب کاراس کے ہتھکڑی لگائی جا رہی تھی اس نے ڈاج دے کر ایک آدمی سے اسٹین گن چھین لی تھی اور چھلانگ مار کر قریبی گاڑی کی اوٹ میں ہو گیا تھا۔

''تم سب ڈھلان میں اترتے چلے جاؤ.....ورنہ ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' وہ گاڑی کی اوٹ سے دھاڑا۔

''دیکھا تم نے۔'' ٹوری بیڈسٹر بولا۔ ''خواہ مخواہ باتوں میں وقت ضائع کرتے رہے۔ اب بھی کہتا ہوں کہ مجھے اس سے نپٹنے دو۔''

''یہاں تم نے کوئی ایسا جرم نہیں کیا جس کی سزا موت ہو۔ لہٰذا تمہاری جان کی حفاظت بھی میرا فرض ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''میں کہہ رہا ہوں ڈھلان میں اُتر جاؤ۔'' کاراس دھاڑا۔

''چلو اُترو.....!'' فریدی بولا۔ ''اُتر چلو ڈھلان میں.....ورنہ وہ ایسی پوزیشن میں ہے کہ سب مارے جائیں گے اور وہ اپنے پرائے کی تحقیق نہیں کرے گا۔ میں آپ سے بھی کہہ رہا ہوں ایڈمنسٹریٹر صاحب۔''

اور پھر وہ سبھی ڈھلان میں اترتے چلے گئے تھے لیکن فریدی ان میں شامل نہیں تھا۔ ایسے اس کے انداز سے یہی سمجھا تھا جیسے وہ بھی ان ہی کے پیچھے چلا آ رہا ہو۔

گاڑیوں کے آس پاس سناٹا چھا گیا تھا۔ فریدی ایک گاڑی کے اگلے بمپر پر چڑھ کر

بونٹ سے اس طرح چپک گیا تھا کہ کاراس کو نظر نہ آ سکے۔

کاراس سینے کے بل رینگتا ہوا سڑک کے بائیں کنارے کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ سب ڈھلان میں دوڑے جا رہے تھے۔

کاراس نے اسٹین گن داہنے ہاتھ سے پکڑ رکھی تھی۔ شاید ڈھلان میں دوڑنے والوں پر فائرنگ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس کے سفید سفید دانت باہر نکلے پڑ رہے تھے۔ اس وقت وہ کسی رال ٹپکائے ہوئے کتے سے مشابہہ لگ رہا تھا۔

دفعتاً فریدی نے اس کے داہنے ہاتھ پر فائر کر دیا۔ اسٹین گن اس کے ہاتھ سے نکل کر دور تک پھسلتی چلی گئی تھی اور وہ کسی زخمی درندے کی طرح دھاڑتا ہوا اٹھ گیا تھا۔

''اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔'' فریدی کاراس کے سامنے آتا ہوا بولا۔

لیکن وہ اپنی جانب اٹھے ہوئے ریوالور کی پرواہ کئے بغیر فریدی پر ٹوٹ پڑا۔

قطعی غیر متوقع حملہ تھا۔ فریدی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ زخمی ہو جانے کے بعد بھی ریوالور کو نظر انداز کر دے گا۔ لیکن اس نے دوسرا فائر کرنے کی بجائے ریوالور ہاتھ سے چھوڑ دیا۔

یہ اور بات ہے کہ دوسرے ہی لمحے میں اسے اپنی اصول پسندی بہت مہنگی پڑتی محسوس ہوئی ہو۔ بس ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے کوئی پہاڑ آ ٹکرایا ہو۔

پہلے ہی ہلے میں وہ فریدی پر پوری طرح چھا گیا۔ زخمی ہو جانے والے ہاتھ میں بھی قوت کا وہی عالم تھا جو دوسرے ہاتھ میں ہو سکتا..... اس نے قریب پڑے ہوئے ریوالور کی طرف بھی توجہ نہ دی۔

شاید اسٹین گن بھی ذہن سے نکل گئی تھی۔ وہ تو بس کسی زخمی جنگلی بھینسے کی سی کیفیت میں معلوم ہوتا تھا۔ جس نے کسی درخت کے تنے پر اپنا غصہ اتار دینے کا فیصلہ کر لیا ہو۔

فریدی کی گرفت میں اس کی بائیں ٹانگ آ گئی تھی اور وہ اسے زمین سے اکھاڑ دینے کی کوشش کر رہا تھا لیکن ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے کسی لوہے کے ستون پر زور آزمائی کر رہا ہو۔

پھر یک بیک اس نے ٹانگ پر گرفت ڈھیلی کر کے داہنا شانہ اس کی ناک پر مارا۔ کریہہ سی آواز اس کے حلق سے نکلی تھی اور وہ بائیں جانب جھک گیا تھا۔ بس اتنا ہی کافی تھا

فریدی کے لئے..... پھر تو اس نے اس کی ناک ہی کو ٹارگٹ بنا لیا۔

ناک پر دوسری ضرب پڑتے ہی وہ پھر دھاڑا..... اور فریدی کے اوپر سے پھسل کر ایک فٹ کے فاصلے پر جا پڑا۔ دوبارہ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ فریدی نے زمین پر دونوں ہاتھ ٹیک کر ناک ہی پر ایک لات بھی رسید کر دی۔ اس ضرب نے اسے اکھاڑ دیا۔ پھر بھی اس نے سڑک کے کنارے تک جانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن پھر نہ سنبھل سکا۔ نشیب میں لڑھکتا چلا گیا۔ فریدی اس کے پیچھے دوڑا تھا اور پھر اگر تین گز کے فاصلے ہی پر اچانک رک نہ جاتا تو خود بھی کاراس ہی کے پیچھے سینکڑوں فٹ کی گہرائی میں جا پڑا ہوتا۔

کاراس کی آخری چیخ بڑی دہشت ناک تھی۔ اس طرف ڈھلان میں وہ کھڈ سڑک پر سے نہیں نظر آئی تھی۔

فریدی جہاں تھا وہیں بیٹھ گیا۔ اپنے ذہن پر اچانک چھا جانے والے غبار سے لڑتا رہا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اب اس پر بھی غشی طاری ہو جائے گی۔ بدقت تمام اس نے اس کیفیت پر قابو پایا تھا۔ ڈھلان میں اُتر جانے والے اب پھر اوپر واپس آ رہے تھے۔

فریدی آہستہ آہستہ کھسکتا ہوا اس پتلی سی گہری دراڑ کی طرف بڑھا جس میں گر کر کاراس بلا بو غائب ہوا تھا۔

اس کی گہرائی تاریکی میں گم ہو گئی تھی۔ دراڑ زیادہ چوڑی نہیں تھی۔ ایک ہی جست میں فریدی دوسری طرف پہنچ سکتا تھا۔

''کیا ہوا۔'' اس نے حمید کی آواز سنی اور مڑ کر دیکھنے لگا۔

''بات جہاں تھی وہیں رہ گئی۔'' فریدی نے دراڑ کی طرف اشارہ کیا۔

''چلئے اٹھئے..... ابھی محل میں وہ عورت موجود ہے۔'' حمید نے کہا۔

''ہمارے روانہ ہوتے ہی حراست میں لے لی گئی ہوگی۔'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

واپسی کے سفر میں سبھی خاموش تھے۔

ایڈمنسٹریٹر کو جانے دیا گیا تھا کیونکہ اسی کے خیال کے مطابق اس کے خلاف کسی قسم کی کارروائی خان دوراں کو بھی لے ڈوبتی۔

کاراس بلابو اتھاہ گہرائیوں میں دفن ہو چکا تھا۔ ریٹا ٹوری بیڈسٹر اور جولیا کاراس کے ان دوسرے ملازمین سمیت حراست میں تھے جنہوں نے خان دوراں والے معاملے میں کاراس کا ہاتھ بٹایا تھا۔ جولیا نے عدالت میں اعتراف کیا کہ وہ کاراس کی داشتہ تھی۔ البتہ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی کہ کاراس بلابو فریدی پر حملے کیوں کرا رہا تھا یا ریٹا اور ٹوری بیڈسٹر یہاں کیوں آئے تھے۔

فریدی نے اپنی رپورٹ میں یہی خیال ظاہر کیا تھا کہ کاراس بلابو ساری دنیا میں منشیات کی غیر قانونی تجارت کرنے والے گروہ کا مقامی نمائندہ تھا اور گروہ کے سربراہ نے اسے پچھلی حزیمتوں کا بدلہ لینے پر مامور کیا تھا۔

خان دوراں کے معاملے کا اس کی رپورٹ میں کوئی حوالہ نہیں تھا۔ سینزر اور جیری ہملم بھی پکڑے گئے تھے۔ سینزر نے بتایا کہ اس نے کاراس ہی کی ہدایت پر بدرل کو قتل کرایا تھا لیکن قتل کا سبب اس کے علم میں نہیں تھا۔ ریٹا نے اپنے بیگ کے استر میں آلہ نقب زنی کی موجودگی سے لاعلمی ظاہر کرتے ہوئے بتایا کہ وہ بیگ اس کے لئے گروہ ہی کے ایک آدمی نے فراہم کیا تھا۔ پہلے سے اس کے پاس نہیں تھا۔

''لیکن آخر اس بدباطن ایڈمنسٹریٹر کا کیا ہوگا۔'' حمید نے فریدی سے سوال کیا۔

''وہ محکمے کی کڑی نگرانی میں رہے گا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ایک بڑی طاقت کا ایجنٹ ہے۔ اگر میں اس مرحلے پر اس پر ہاتھ ڈال دیتا تو خان دوراں کو بھی ناکردہ گناہی کی سزا ملتی۔ تمہیں شاید علم نہ ہو کہ وہ مرحوم لیڈر جس کے نام خاں دوراں نے خط لکھا تھا ایڈمنسٹریٹر کے قریبی عزیزوں میں سے تھا۔''

''لیکن سوال تو یہ ہے کہ غیر ملکی سفارت خانے کا واٹر مارکڈ سادہ کاغذ خان دوراں کی اسٹیشنری میں کیسے جا پہنچا۔''

''ہوسکتا ہے کہ ایڈمنسٹریٹر ہی نے یہ حرکت بھی کی ہو۔ اسی نے کاغذ بھی خان دوراں کی لاعلمی میں اس تک پہنچا دیا ہو۔''

تمام شد

ابنِ صفی

جلد نمبر
40

جاسوسی دنیا

119- موروثی ہوس

120- دہشت گر



پیش رس

''موروثی ہوس'' ملاحظہ فرمایئے۔ قاسم سے ملئے۔ اس بار انہوں نے بھی کسی قدر ہاتھ پیر ہلائے ہیں۔ بس کسی طرح کھوپڑی پر جمی ہوئی برف پگھلنی چاہئے اس کے لئے ضروری ہے کہ انہیں کسی بات پر شدت سے غصہ آ جائے۔ ایک بات اور واضح کردوں (پہلے بھی مطلع کر چکا ہوں) تا کہ نئے پڑھنے والے بھی آگاہ ہو جائیں۔ قاسم صاحب مستقل طور پر ''ک'' کو ''ق'' یا ''گ'' کو ''غ'' نہیں بولتے۔ بس کبھی ''قاعدے'' سے بولتے ہیں اور کبھی ''کائدے'' سے۔ اُن کی ذہنی روزبان کی حرکات پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ یہ وضاحت اس لئے ضروری تھی کہ بعض کاتب حضرات اسے میرے قلم کی بھول چوک سمجھ کر اصلاح فرماتے چلے جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قاسم صاحب کے بعض جملے پڑھنے والوں کی سمجھ میں نہیں آتے۔ اگر خود میں نے کاپیاں چیک کیں تو بات بن جاتی ہے ورنہ قاسم صاحب کے ''اصلاح شدہ'' مکالمے جوں کے توں چھپ جاتے ہیں۔

اس بار ایک دلچسپ خط ہاتھ آیا ہے۔ ایک پڑھنے والے کو شکایت ہے کہ حمید فریدی اور عمران انہیں جیتی جاگتی دنیا کے افراد نہیں معلوم ہوتے۔ کیونکہ نہ کبھی اُن کے سر پھٹتے ہیں اور نہ کبھی گولیوں سے زخمی ہوتے ہیں۔ وہ سوال کرتے ہیں کیا یہ غیر فطری امر نہیں ہے۔ ہوگا بھائی! اگر میں انہیں زخمی کر کے پلنگ پر ڈال دوں تو بقیہ کہانی کا صرف ''ہائے ہائے'' بن کر رہ جانا بھی فطری امر ہوگا۔

انگریزی کے بعض ناول نگاروں ہی کے بس کی بات ہے کہ پہلے ہی باب میں ہیرو (جاسوس) کی پسلی کی تین ہڈیاں تڑوادیں۔ کالر بون میں کریک ڈال دیا اور اس کے باوجود بھی اُس نے پورے ناول میں وہ دھما چوکڑی مچائی کہ مصنف کو بھی دانتوں پسینہ آ گیا اور بعد میں بیٹھا سوچ رہا ہے کہ اس کی تو تین ہڈیاں ٹوٹی ہوئی تھیں اب کیا کیا جائے اور آخر میں وہی کہ ''سب چلتا ہے'' ہیرو بھی چلا اور مصنف بھی کہ Best Seller قرار پایا۔

آخر میں خود کو آزمائش میں کیوں ڈالوں۔ لیکن چلئے! اس بار آپ کی یہ خواہش بھی پوری کردی ہے۔ شروع ہی میں حمید صاحب کا سر پھاڑ دیا ہے کہ سر کا زخم بھاگ دوڑ میں اتنا زیادہ مخل نہیں ہوتا جتنی کہ پسلی کی ٹوٹی ہوئی ہڈیاں۔ ایسا آدمی تو بسا اوقات سیدھا کھڑا بھی نہیں ہوسکتا اور کالر بون کا کریک ہاتھ کی جنبش تک میں مانع ہوتا ہے۔

والسلام

ابن صفی

رات کی واردات

آج کل پھر دونوں شیر وشکر ہو رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آپس میں کبھی کوئی کھٹ پھٹ ہوئی ہی نہ ہو۔ قاسم سب کچھ بھول گیا تھا۔ دراصل خود اُس کی اپنی کمزوریاں ہی اُسے حمید کو ہر بار ''معاف'' کردینے پر مجبور کردیتی تھیں۔

قاسم ان دنوں شہر سے نکل بھاگنا چاہتا تھا۔ لیکن تنہا نہیں! لہٰذا جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ کیپٹن حمید دو ہفتے ٹائیفائیڈ میں مبتلا رہنے کے بعد دو ماہ کی چھٹی میں بھی ''ملوث'' ہوگیا ہے تو اُس نے تہیہ کرلیا کہ اُس کے پچھلے سارے قصور نہ صرف معاف کردے گا بلکہ آئندہ کے لئے بھی حمید کو کھلی چھٹی ہوگی کہ جس طرح چاہے اُسے استعمال کرے۔

لہٰذا پروگرام بنا تھا وادی سرخاب کا اور قاسم کی رال بھی ٹپکنے لگی تھی۔ وادی سرخاب کے سیخ کباب اُسے ابھی تک نہیں بھولے تھے۔ سرشام ہی وہاں کے سارے بازار سیخ کبابوں کی خوشبو سے مہک اٹھتے تھے۔

بارہا قاسم کو وہ خوشبوئیں یاد آئی تھیں اور اُس کے منہ میں پانی آ گیا تھا اور بے خیالی میں قالین پر تھوک کی پچکاری چل جانے کی بناء پر بیوی کی جھڑکیاں بھی سنی تھیں۔

بہرحال اس وقت تو وہ دونوں ایک تیز رفتار جیپ میں وادی سرخاب کی طرف اُڑے جارہے تھے۔ کریم آباد تک ہوائی جہاز سے آئے تھے اور کریم آباد کے پولیس اسٹیشن سے

ایک جیپ حاصل کی تھی۔ کسی آفیسر کی نجی گاڑی تھی جو تعلقات کی بناء پر مل گئی تھی۔

کریم آباد سے چلے تھے تو مطلع بالکل صاف تھا لیکن آدھا راستہ طے ہو جانے کے بعد مغرب سے سیاہ بادلوں کے پرے کے پرے اُمنڈنے لگے تھے۔

حمید خود ہی ڈرائیو کر رہا تھا۔ اندازہ تھا کہ شام ہونے سے قبل ہی وادی سرخاب میں داخل ہو جائیں گے۔

''یہ تو بہت بُرا ہوا؟'' وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔

''قیا ہوا.....!'' قاسم چونک کر بولا۔ وہ اُس کے برابر ہی بیٹھا ہچکولے کھا رہا تھا۔

''آسمان کی طرف دیکھو۔''

''ہاں..... ہاں موسم سہانا ہو گیا ہے۔'' قاسم خوش ہو کر بولا۔

''اس وہم میں نہ رہنا..... پہاڑی سڑک ہے۔''

''ہوگی..... سسٹر ان لا۔''

''کیا مطلب..... سسٹر ان لا.....!''

''ہی ہی ہی..... قچھ نہیں..... وہ آج کل ذرا اونچی سوسائیٹیوں میں اُٹھ بیٹھ رہا ہوں .....نا..... اَمے لانت ہے۔''

نہ جانے کیوں اُسے یک بیک غصہ آ گیا۔ ورنہ بات تو ''ہی ہی ہی'' سے شروع ہوئی تھی۔

''ہوش میں تو ہو۔''

''بالقل..... دراصل کہیں بھی پیچھا نہیں چھوڑتی.....!''

''تو کیا پھر کسی سسٹر ان لا کا چکر ہے۔''

''اَمے نہیں..... وہ چپاتی بیغم..... خدا غارت کرے۔''

''آہا..... تو تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ خود ساتھ نہیں ہوتیں تو خیال سر پر سوار رہتا ہے۔''

''یہ بھی نہیں! اُسی قی وجہ سے اوچی سوسائیٹیوں میں اٹھنا بیٹھنا پڑتا ہے اور وہ مجھے ایٹی کیٹ سکھاتی ہے..... ہات تیری ایٹی کیٹ کی۔''

''ایٹی کیٹ کو بھی چھٹی کا دودھ یاد آ گیا ہوگا۔ ایسی کریہہ گالی نکلی تھی قاسم کے حلق سے۔''

''ابے دماغ تو نہیں خراب ہو گیا..... گوبر انڈیل رہا ہے میرے کانوں میں۔''

''قیا قروں..... کہتی ہے بات بات پر سالا سالی نہ قہا کرو۔''

''اچھا..... اچھا..... ظاہر ہے شریفوں میں بیٹھ کر شرفاء ہی کی زبان بولنی پڑتی ہے۔''

اس پر قاسم نے شرفاء کی بھی ایسی کی تیسی کر کے رکھ دی تھی۔

''اے..... کیا ہو گیا ہے تم کو۔''

''سسٹر ان لا..... اور برادران لا.....!''

''اچھا..... اچھا..... میں سمجھا..... انگریزی میں سالا سالی بولنے لگے ہو۔ گفتگو کے دوران میں۔''

''یہی بات ہے۔''

''لیکن یہ پہاڑی سڑک سسٹر ان لا نہیں ہے۔ ذرا سی بارش بھی ہو جائے تو بے حد خطرناک ہو جاتی ہے۔ ادھر کی گہرائیاں اور کھڈ تو تم دیکھ ہی رہے ہو گے۔''

''الاقسم آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا اُس طرف..... اگر دیکھوں تو چکر آ جائے۔''

''بس تو پھر اب خدا کو یاد کرو..... بارش ضرور ہوگی..... ان اطراف میں کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے..... محکمہ موسمیات کے بھی چھکے چھوٹ جاتے ہیں۔''

''یار قیوں ڈرا رہے ہو۔''

''بس جتنی جلد ممکن ہو کم از کم ریگم بالا کے ڈاک بنگلے ہی تک پہنچ جائیں۔''

''وہ قتنی دور ہے..... ابے یہ تو بلقل اندھیرا ہو گیا..... ہائیں..... ابھی تو چار ہی بجے ہیں۔ ارے باپ رے..... ابے تم نے پورا سفر ہوائی جہاز ہی سے قیوں نہیں کیا تھا۔ قریم آباد میں..... یہ سسٹر ان لا جیپ قیوں پکڑ لی تھی۔''

''سفر سے پوری طرح لطف اندوز ہونا چاہتا تھا۔''

''اب کی اللہ نے چاہا تو ملیریا ہی ہوگا۔ سالے اٹھے ہیں ٹائیفائیڈ سے اور جیپ ڈرائیو کر رہے ہیں۔''

''بکواس بند کرو..... اور مجھے سکون سے ڈرائیو کرنے دو۔''

''میں سالا قیوں پاغل ہو جاتا ہوں۔''

''خاموشی سے سوچو۔''

گاڑی کی رفتار بتدریج بڑھ رہی تھی۔ حمید نے غلط نہیں کہا تھا۔ سڑک خطرناک تھی۔ اس پر آمد و رفت کے اوقات مقرر تھے کیونکہ دوسری طرف سے آنے والی کسی گاڑی کو راستہ دینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ کبھی کبھی کوئی گاڑی خراب بھی ہو جاتی تھی اور پھر لوگوں کو جن دشواریوں سے گزرنا پڑتا تھا وہی جانتے تھے۔

گہرے بادلوں نے آسمان کو ڈھانپ لیا تھا اور ہوا بھی کسی قدر تیز ہو گئی تھی۔

''اب اُڑ جائیں گے بادل.....!'' قاسم چہک کر بولا۔ ''ہوا چل گئی ہے۔''

''یہاں تیز ہوا طوفانی بارش کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔''

''تو سالے جان بوجھ کر تم نے پھر میری مرمت کر ڈالی۔''

''بکواس مت کرو..... میں نے تم سے کب کہا تھا کہ میرے ساتھ چلو۔ میں تنہا ہی آ رہا تھا۔''

بات ٹھیک ہی تھی۔ قاسم خود ہی سر ہوا تھا۔ لہٰذا چپ ہو رہا۔ لیکن پھر تھوڑی دیر بعد جو اُس نے اپنی چپاتی بیگم سے متعلق بہ آواز بلند سوچنا شروع کیا تو حمید کو دن میں تارے نظر آ گئے۔ اُس کی بکواس سنتا یا الجھی سے گاڑی چلاتا رہتا۔ بار بار ذہن بٹ جاتا۔

پھر شائد وہ قسمت کے سکندر ہی تھے کہ پہلی بوند اُسی وقت آئی تھی جب اُن کی جیپ ریگم بالا کے ریسٹ ہاؤز کے احاطے میں داخل ہو رہی تھی۔

''اُوہو..... یہاں تو ایک اسٹیشن ویگن بھی موجود ہے۔ ڈاک بنگلہ ویران نہیں ہے۔''

''سونگھو..... سونگھو جلدی سے۔'' قاسم ہنس کر بولا۔ ''قوی لڑکی وڑکی بھی پائی جاتی ہے یا نہیں۔''

''اب تم اپنی چونچ بند رکھنا۔ ابھی کچھ دیر پہلے دم نکلا جا رہا تھا۔''

''سب چلتا ہے..... ٹھینگے سے۔''

حمید نے جیپ بھی اسٹیشن ویگن کے قریب ہی روکی تھی۔ بارش شروع ہو چکی تھی اور کچھ اس رفتار سے شروع ہوئی تھی جیسے بہت دیر سے ہوتی رہی ہو۔ جیپ سے اُتر کر برآمدے تک پہنچتے پہنچتے ہی خاصے بھیگ گئے تھے۔ ہواؤں کا شور بڑھ گیا تھا۔

صدر دروازے سے گزر کر وہ ایک مختصر سی راہداری میں پہنچے۔ یہاں اتنا اندھیرا تھا کہ حمید کو جیبی ٹارچ روشن کرنی پڑی۔

''جس کمرے میں روشنی نظر آ رہی ہے اُسی طرف چلو۔'' حمید بولا۔

ہر طرف تاریکی تھی۔ بس ایک کھڑکی کسی قدر روشن نظر آ رہی تھی اور یہ روشنی بھی اتنی توانا نہیں تھی کہ باہر کے اندھیرے کا کچھ بگاڑ سکتی۔ کھڑکی بند تھی لیکن اُس کے شیشے اتنے گندے نہیں تھے کہ وہ کمرے کے اندر کا جائزہ نہ لے سکتے۔

''ایک نوجوان..... ایک لڑکی اور ایک.....!'' حمید جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گیا۔

''ہاں ہاں قہو..... رق قیوں گئے۔''

''اور ایک معمر عورت.....!''

''دیکھوں.....!'' قاسم آگے بڑھ کر بولا۔ چند لمحے جھکا ہوا اندر جھانکتا رہا پھر بولا۔ ''امے جاؤ..... اچھی خاصی تو ہے۔ قہتے ہیں معمر عورت۔ وزن دو سو پونڈ سے کسی طرح کم نہ ہوگا۔''

''ہاں! تم تو گوشت ہی آنکتے ہو..... تمہیں عمر وغیرہ سے کیا سروکار۔'' اچھا لڑکی کے بارے میں کیا خیال ہے۔

''پتا نہیں قیوں پیدا ہو گئی ہے۔ بخاکت کی پڑیا..... اب مری اور تب مری۔''

''تو تمہیں پسند نہیں آئی۔''

''امے جاؤ..... اپنی والی کیا بُری ہے..... اگر اسے پسند کرنے بیٹھوں۔''

حمید نے چوکیدار کو آواز دینی شروع کر دی تھی۔ لیکن نہ تو اُس کی طرف سے جواب ملا اور نہ اُس کمرے ہی کا دروازہ کھلا۔ وہ کھڑکی کے پاس سے ہٹ آئے تھے۔

بارش کچھ اور تیز ہو گئی اور اب تو گرج اور چمک کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

''امے اسی کمرے کا دروازہ پیٹو..... وہاں سالے آتشدان میں آگ جلائے بیٹھے ہیں اور یہاں سردی سے کباڑا ہو رہا ہے۔'' قاسم نے کہا۔

حمید نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی تھی۔

''کون ہے۔'' اندر سے مردانہ آواز آئی۔

''کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ چوکیدار کہاں مر گیا۔''

دروازہ کھلا تھا اور اُسی نوجوان کی آواز سنائی دی تھی۔ ''بیچارہ اپنی کوٹھری میں پڑا بخار میں بھن رہا ہے۔''

''دُوسرے کمرے بھی مقفل ہیں.....اب ہم کہاں جائیں۔'' حمید بولا۔

''ادھر ہی آ جایئے.....اچانک بارش نے بہتوں کو پریشان کیا ہوگا.....؟''

''شکریہ.....!'' حمید بولا۔

''لیکن میری ایک درخواست ہے۔'' نوجوان نے آہستہ سے کہا۔ وہ دروازہ بھیڑتا ہوا راہداری میں نکل آیا۔

''فرمایئے.....!'' حمید نے بڑے خلوص سے کہا۔

''میری والدہ تیز مزاج ہیں.....اور بہن بدتمیز ہے.....اگر کوئی بات گراں گزرے تو معاف کر دیجئے گا۔''

''اجی چھوڑیئے بھی۔'' قاسم جلدی سے بولا۔ ''سبھی کی مائیں بہنیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔''

''آپ سمجھے نہیں۔'' نوجوان بولا۔ ''نہ وہ مار بیٹھیں گی اور نہ بہن گالیاں دے گی بس خواہ مخواہ دخل در معقولات کی عادت ہے اور والدہ صاحبہ ہر ایک کو شبہے کی نظر سے دیکھتی ہیں۔''

''لیکن آپ بہت سادہ لوح معلوم ہوتے ہیں کیا۔ اجنبیوں سے اس قسم کی گفتگو کر رہے ہیں۔'' حمید سرد لہجے میں بولا۔

''اسے سادہ لوحی مت کہئے۔ اسے صاف گوئی کہتے ہیں۔''

''چلئے.....چلئے.....ہم خیال رکھیں گے۔'' حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

وہ کمرے میں داخل ہوئے.....دونوں ہی اپنی جگہوں سے اُٹھ گئی تھیں اور صرف قاسم کو دیکھے جا رہی تھیں۔

دفعتاً نوجوان کھنکار کر بولا۔ ''میں ناصر ہوں، یہ میری والدہ ہیں.....اور یہ بہن شاہدہ ہے۔''

''مجھے ساجد حمید کہتے ہیں.....اور یہ میرے ساتھی مسٹر قاسم.....!''

معمر عورت اپنے بیٹے کو گھورتی ہوئی بیٹھ گئی اور لڑکی نے کہا۔ ''آپ تو ساجد حمید ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ.....!'' اُس نے قاسم کی طرف انگلی اٹھائی تھی۔

''شاہدہ.....!'' بڑی بی نے اُسے للکارا۔

''ممی پلیز.....کیا میں غلط کہہ رہی ہوں۔ ان کا نام قاسم نہیں قراقرم ہونا چاہئے۔''

''میں آپ سے متفق ہوں۔'' حمید جلدی سے بولا۔

''ہو گئے متفق.....!'' قاسم نے سر ہلا کر آہستہ سے پوچھا۔ ''قراقرم سالا قون تھا۔ میں نہیں جانتا۔''

''پہاڑ کا نام ہے۔''

''تو پھر ٹھیک ہے۔'' قاسم سر ہلا کر بولا۔

لڑکی خاموش ہو کر آتشدان کی طرف متوجہ ہو گئی اور معمر عورت اُسے خونخوار نظروں سے گھورے جا رہی تھی۔

''ہمیں بے حد افسوس ہے۔'' حمید بولا۔ مجبوراً ہمیں مخل ہونا پڑا۔ سارے کمرے مقفل ہیں۔ ہوا تیز نہ ہوتی تو برآمدے ہی میں گزارا کر لیتے۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔'' ناصر جلدی سے بولا۔ ''آتشدان کے قریب آ جایئے.....آپ کے کپڑے بھی بھیگے ہوئے ہیں۔''

''یہیں ٹھیک ہیں۔'' حمید بیزاری سے بولا۔

بارش کے زور اور ہواؤں کے شور میں گرج اور چمک کا اضافہ شدید ہوتا جا رہا تھا۔ ایک بار تو ایسی گرج سنائی دی کہ قاسم اوپر سے نیچے تک تھلتھلا کر رہ گیا۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے بجلی اُسی پر گری ہو۔

ٹھیک اُسی وقت شاہدہ کا قہقہہ بھی کمرے کی محدود فضا میں گونجا تھا۔

''شاہدہ ہوش میں رہو۔'' ماں نے غصیلی آواز میں کہا۔

''مجھے اس پہاڑ جیسے آدمی پر ہنسی آئی تھی۔ کس بُری طرح سہم گیا تھا۔ بجلی کے کڑاکے پر۔''

''سنا تم نے کیا کہہ رہی ہے۔'' حمید بولا۔

''وِد مائی تھمب (with my thumb) یعنی میرے ٹھینگے سے۔''

''جو کچھ کہنا ہے زور سے کہئے۔'' شاہدہ ڈپٹ کر بولی۔

پھر بجلی کڑکی تھی اور شاہدہ نے قہقہہ لگایا تھا۔

''شاہدہ! تم باز نہیں آؤ گی۔'' معمر عورت غرائی۔

''میں بُرا نہیں مانتا.....انہیں قہقہے دیجئے۔'' قاسم دانت نکال کر بولا۔

''پہاڑوں پر پھینکے جانے والے پتھر ان کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔''

''شاہد.....!'' اس بار ناصر نے بھی اُسے متنبہ کیا تھا۔

''مجھے کہنے دیجئے! کائنات کو مسخر کرنے والا آدمی بجلی کے کڑاکے سے ڈرتا ہوا کچھ اچھا نہیں لگتا۔''

قاسم ہکلایا۔ ''یہ آپ قق.....قیا کہہ رہی ہیں۔ میں نے کبھی قائینات کو مسخر نہیں قیا..... اللہ قسم.....میرے دشمنوں نے اڑائی ہوگی.....واہ بھئی۔''

شاہدہ ہنس پڑی اور معمر عورت اٹھ کر تیزی سے اس کی طرف جھپٹی تھی۔

''ارے نہیں جانے دیجئے۔'' حمید بولا۔ ''ہم محظوظ ہو رہے ہیں۔''

وہ برابر ہنسے جا رہی تھی۔ ماں سے ذرہ برابر بھی مرعوب نہیں معلوم ہوتی تھی۔ اُس کے برخلاف ناصر کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

''اب تمہیں مجھے غصہ نہ آجائے۔'' قاسم بڑبڑایا۔ ''حمید بھائی یہ قائینات مسخر کیا چیز ہوتی ہے۔''

''کسی بہت موٹی عورت سے شادی کرنے کو کہتے ہیں۔''

قاسم ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''اللہ.....ایسا مقدر کہاں.....میرے باپ نے تو اپنی مریل بھتیجی مسخر کرادی تھی۔''

''ارے.....ارے.....پھر سرگوشیاں.....کیا ہمارے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے۔''

''شاہدہ پلیز.....!'' ناصر کے لہجے میں بے بسی تھی۔ حمید سختی سے ہونٹ بھینچے آتشدان کو گھورتا رہا۔ لڑکی پاگل بھی نہیں معلوم ہوتی تھی۔ معصوم صورت اور بچکانہ خدوخال والی تھی۔

''بھائی جان! دخل اندازی مت کیجئے۔ جانور بھی اکٹھے ہو کر اپنی اپنی بولیاں بولتے ہیں۔ پھر آدمی کیوں مہ باندھے بیٹھے رہیں۔''

''اگر یہ بات ہے تو ہم نے قطعی بُرا نہیں مانا.....آپ تو فلسفیوں جیسی باتیں کر رہی ہیں۔''

''اس بار کڑاکا ایسا ہی تھا جیسے کہیں قریب ہی بجلی گری ہو۔''

''ارے باپ رے.....!'' قاسم کی زبان سے بیساختہ نکلا تھا اور معمر عورت کلمہ پڑھ کر گڑگڑانے لگی تھی۔ ''یا اللہ رحم کر.....ہمارے گناہ معاف کردے۔!''

لیکن شاہدہ اب بھی قہقہے لگا رہی تھی۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے فطرت کی قہرمانیوں

کو چیلنج کر رہی ہو۔

''آپ لوگ کہاں تشریف لے جائیں گے۔'' ناصر نے قریب آ کر پوچھا۔

''وادی سرخاب کے لئے نکلے تھے.....لیکن دیکھیں اب مقدر کہاں لے جائے۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''اگر شاہدہ بی بی کو کوئی اعتراض نہ ہو تو میں اپنا پائپ سلگالوں۔''

دوسرا جملہ اُس نے اتنی اونچی آواز میں ادا کیا تھا کہ شاہدہ تک پہنچ جائے۔

''مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے.....اس غیر انسانی حرکت پر.....!''

''شاہدہ تم بکواس بند نہیں کرو گی۔'' ماں نے پھر آنکھیں نکالی تھیں۔ لیکن وہ لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دے کر آتشدان کی طرف مڑ گئی۔

ہواؤں کا شور اب آہستہ آہستہ کم ہوتا جا رہا تھا۔ بارش میں بھی وہ تیزی نہیں تھی اور بجلی کے کڑاکے بھی مضمحل ہوتے جا رہے تھے۔

''کیا وہیں قیام ہے.....؟'' ناصر نے پوچھا۔

''جی.....نہیں.....تفریحاً نکل آئے تھے۔''

''ہم وہیں رہتے ہیں.....!'' ناصر بولا۔

دفعتاً قریب ہی کوئی بلی بولنے لگی تھی۔

''ممی.....!'' انہوں نے شاہدہ کی کپکپاتی ہوئی سی آواز سنی اور چونک کر اُس کی طرف متوجہ ہوگئے۔

بلی کی آواز نسبتاً اس بار قریب سے آئی تھی۔

''ممی.....!'' شاہدہ کی چیخ میں خوفزدگی کا عنصر غالب تھا۔

''قق.....قیا بات ہے ناصر صاحب۔'' قاسم ہکلایا۔

''کک.....کچھ نہیں۔''

''بھگاؤ اسے.....!'' شاہدہ سہمے ہوئے انداز میں چیخی تھی۔ لیکن بلی تھی کہ مسلسل بولے جا رہی تھی۔ ناصر اور معمر عورت کے چہرے فق ہوگئے تھے۔

حمید اور قاسم حیرت سے ایک دوسرے کو گھورتے رہے تھے۔

''بھگا دو.....خدا کے لئے بھگا دو۔!'' شاہدہ کی آواز میں رو دینے کا سا انداز پیدا ہوگیا

تھا۔

''ہوش میں آؤ شاہدہ..... دروازے بند ہیں۔'' معمر عورت اُسے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر کہہ رہی تھی۔ ''وہ اندر نہیں آ سکتی۔''

''میں بھگائے دیتا ہوں۔ آپ فکر نہ کیجئے۔'' حمید دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

''مم..... میں بھی ..... چل رہا ہوں۔'' قاسم نے خوفزدہ لہجے میں کہا اور پھر حمید سے پہلے وہی کمرے سے باہر نکلا تھا۔

اُن کے باہر آجانے کے بعد دروازہ آواز کے ساتھ بند ہوا تھا اور بولٹ سرکنے کی آواز بھی آئی تھی۔

حمید نے ٹارچ روشن کرلی تھی اور صدر دروازے کی طرف بڑھتا رہا تھا۔

برآمدے میں سناٹا تھا۔ بلی نہ جانے کہاں چلی گئی تھی اب اُس کی آواز بھی نہیں آرہی تھی۔ صرف بارش کا ہلکا سا شور فضا میں گونج رہا تھا۔

''امے واپس چلو.....!'' قاسم غرایا۔ ''اُلو بنا رہی ہے..... بجلی کے قمقمے پر ٹھٹھے لگائیں غی اور بلی کی میاؤں پر دم نکل جائے گا۔ میری ہوتی تو گردن ہی مروڑ دیتا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ برآمدے کے ایک تاریک گوشے میں کچھ دیکھنے کے لئے آنکھیں پھاڑتا رہا۔ پھر اچانک اُس نے ٹارچ روشن کرلی۔ کوئی برآمدے سے کود کر باہر بھاگا تھا۔

''ٹھہرو..... ورنہ فائر کردوں گا۔'' حمید ڈپٹ کر بولا۔

''بلی کو دھونسا رہے ہو..... چگد کہیں کے۔'' قاسم منہ دبا کر ہنسنے لگا۔

''نہیں! وہ کوئی آدمی تھا۔'' حمید آگے بڑھتا ہوا بولا۔ لیکن قاسم جھپٹ کر اُس کا بازو پکڑتا ہوا بولا۔ ''جاسوسی واسوسی نہیں چلے گی بتائے دیتا ہوں..... ڈرتی ہے تو ڈرنے دو سسٹر ان لا کو..... ہمارے ٹھینگے سے۔''

''پھر بھی دیکھنا تو چاہئے۔''

''آپ سالے خواہ مخواہ ہیرو بننے قی توشش نہ فرمایئے۔ لونڈیا میں رکھا ہی قیا ہے۔ ہونہہ..... کھال اور ہڈیاں..... اُلو کی دم فاختہ برادران لانہیں تو.....!''

''مت بور کرو۔''

''اچھا تو مرو جا کر.....!'' قاسم نے اُسے دھکا دیا۔

''کک..... کیا بات ہے۔ کون تھا.....؟'' انہوں نے ناصر کی آواز سنی۔

''قوئی بھی نہیں۔'' قاسم جلدی سے بولا۔ ''حمید بھائی بھی تمہاری بہن ہی کی طرح سنکی ہیں۔''

''آخر کیا بات تھی۔''

''امے بلا تھا..... بلی تو دوڑا لے گیا..... آپ بلے کو اردو میں دھمکی دے رہے تھے کہ ٹھہر تو جانا برادران لا ورنہ غولی ماردوں گا۔''

''کیوں حمید صاحب.....؟''

''جی ہاں..... ٹھیک ہی کہہ رہا ہے۔ اگر کوئی بلا آدمی کی طرح دو ٹانگوں پر دوڑ سکتا ہو۔''

''امے جاؤ..... خواہ مخواہ الجھا رہے ہو معاملے کو..... وہ اُسے ٹہلا لے گیا۔ اب نہیں آئے گی ادھر..... چلو واپس چلو..... بھوخ کے مارے میرا دم نقلا جارہا ہے۔ اچھی خاصی رات ہوگئی ہے۔ بلا..... بلی..... موسم خوشگوار ہے۔ رحم کرو بیچاروں پر۔''

وہ پھر کمرے میں واپس آئے۔ شاہدہ یہاں فرش پر بیہوش پڑی تھی اور ماں اُسے ہوش میں لانے کی تدبیریں کررہی تھی۔

''کمال ہے۔'' حمید بڑبڑایا۔

''ایک بہت بڑی بدنصیبی۔'' ناصر نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''سب چلتا ہے.....!'' قاسم بولا۔ ''میری ایک خالا جان قیچوے کو دیکھ کر بیہوش ہوجاتی تھیں اور میں انہیں چھیڑنے کے لئے قیچوے ڈھونڈتا پھرتا تھا۔''

''تم اپنی زبان بند ہی رکھو تو بہتر ہے۔''

''میں نے قہہ دیا نہیں چلے غی.....!'' قاسم نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''اسے ہوش نہیں آرہا۔'' ماں نے بھرائی ہوئی آواز میں ناصر کو مخاطب کیا تھا۔ ناصر اُس کی طرف بڑھ گیا اور یہ دونوں جہاں تھے وہیں کھڑے رہے۔

''شاہدہ..... شاہدہ..... بیٹی..... آنکھیں کھولو..... ہوش میں آؤ۔''

قاسم نے آہستہ سے جلے کٹے لہجے میں کہا۔ ''ہاں ہاں..... آنکھیں خولو..... اور پھر قوئی شوشہ چھوڑو..... ابے اب تو بھوخ قے مارے دم نقل رہا ہے۔ چلو غاڑی سے ناشتہ دان لائیں۔''

''نہیں.....ٹھہرو.....!''

''ممی.....!'' شاہدہ منمنائی تھی۔''بھگا دیا۔''

''ہاں.....ہاں بھگا دیا.....اب نہیں ہے۔''

شاہدہ اٹھ کر بیٹھی اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔''یہ لوگ کون ہیں؟''

''چلو چھٹی ہوئی۔'' قاسم ہنس کر بولا۔''سین نمبر دو شروع ہوتا ہے.....قیمرہ مین ریڈی.....اششٹنٹ کلیپ دو.....!''

''پلیز.....قاسم صاحب۔'' ناصر نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔''ہم بہت پریشان ہیں۔''

''سنئے جناب۔'' حمید تلخ لہجے میں بولا۔''ہم بھی کم پریشان نہیں ہیں۔''

''یہ ایک بیماری ہے۔ ذہنی طور پر مریضہ ہے میری بہن۔''

''خاموش رہو۔'' ماں نے اُسے للکارا۔''اجنبیوں کے سامنے سب کچھ اگل دینے کی ضرورت نہیں۔''

''چلو یار.....غاڑی میں بیٹھ کر خالیں گے۔'' قاسم نے حمید کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا اور حمید دروازے کی طرف مڑ گیا۔

بارش تھم چکی تھی۔ لیکن برآمدے کے نیچے ایک ایک فٹ پانی کھڑا تھا۔ وہ چھپاک چھپاک کرتے ہوئے جیپ تک پہنچے۔

''بڑھیا خاصی جیالی معلوم ہوتی ہے۔'' حمید بولا۔

''شیر کی بچی.....اور جو چاہو تسلیم قرلوں.....لیکن اب ناشتہ دان۔''

قریب کھڑی ہوئی گاڑی کا دروازہ بھی کھلا تھا اور ناصر کی آواز آئی تھی۔''ہم بے حد شرمندہ ہیں.....کیوں نہ کھانا ساتھ ہی کھائیں۔''

''جی نہیں.....بس شکریہ۔'' قاسم بولا۔''اگر کھاتے وقت بھی کوئی ٹریجڈی ہوگئی تو میں بھوخا ہی مرجاؤں غا۔''

''خیر.....خیر.....ہم بے حد شرمندہ ہیں۔''

گاڑی کا دروازہ بند ہونے کی آواز آئی تھی۔ شائد ناصر بھی کھانے کی باسکٹ ہی نکالنے

یا تھا۔

''قیا تفریح ہوئی ہے۔'' قاسم منہ چلاتا ہوا بولا۔''غاؤں.....غاؤں.....تم سالے ہو ہی خوس.....اور میں اُلو کا پٹھا غوں.....غاؤں.....غاؤں۔''

''خاموشی سے کھاؤ۔''

''اندھیرے میں خاؤں یا ٹھونسوں.....کہیں ناشتے دان کا ڈھکن ہی حلق سے نہ اُتر جائے۔''

اور پھر واقعی ڈھکنا ہی چبا جانے کی نوبت آ گئی تھی۔ کیونکہ انہوں نے اس بار صرف شاہدہ کی چیخیں نہیں سنی تھیں بلکہ وہ تینوں ہی چیخ رہے تھے۔

''لاحول ولا قوۃ.....اب کیا ہوگیا۔''

''ٹھینگے سے.....تمہیں جانا ہو تو جاؤ.....میں تو خاؤں غا.....مرنے دو سالوں قو۔''

حمید جیپ سے اُتر کر پھر اُدھر ہی دوڑا گیا تھا۔

اس بار عجیب منظر دکھائی دیا۔ کھانے کی باسکٹ میں ایک خوفناک قسم کا کوبرا پھن کاڑھے ہوئے ایک فٹ اونچا کھڑا تھا اور وہ دور کھڑے ہذیانی انداز میں چیخے جا رہے تھے۔

''خاموش ہو جایئے۔'' حمید نے چیخ کر کہا اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے گراموفون پر کوئی ریکارڈ چلتے چلتے اچانک رک گیا ہو۔

''یہ کیا ہے.....؟''

''باسکٹ ہی میں تھا۔'' ناصر بولا۔''جیسے ہی باسکٹ کا ڈھکنا اٹھایا.....!''

''ہوں.....ٹھہریئے..... پہلے اس سے نپٹ لوں پھر بات کروں گا۔'' حمید آہستہ آہستہ باسکٹ کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ سانپوں سے متعلق وہ بہت کچھ جانتا تھا۔ فریدی سے بہت کچھ سیکھا تھا۔ کوئی بُرا وقت پڑ جاتا تو سپیرا بن کر بھی پیٹ پال سکتا تھا۔ قریب پہنچا ہی تھا کہ سانپ نے اُس پر پھن مارنے کی کوشش کی۔ حمید نے فاؤنٹین پن جیب سے نکالا اور تھوڑے فاصلے سے اُسے اُس کے سر پر نچانے لگا۔ پھر جیسے ہی ایک بار اُس کا پھن دوسری طرف گھوما حمید نے اُس کی گردن چٹکی سے جکڑ لی۔ پھن غائب ہوگیا اور اُس کا منہ پھیل کر رہ گیا۔ شاہدہ بھی چیخ پڑی تھی۔

حمید اُسے اسی طرح چٹکی میں دبائے ہوئے آہستہ آہستہ باسکٹ سے نکالتا رہا۔ پھر وہ

کسی بے ضرر کیچوے کی طرح اُس کے ہاتھ میں جھولتا رہ گیا تھا۔ پھیلے ہوئے منہ کا رخ اپنی طرف کرتے ہوئے اس نے انہیں اطلاع دی۔ ''زہر کی تھیلی نکال دی گئی ہے..... یہ صرف زخمی کرسکتا ہے مار نہیں سکتا۔''

''بہت ہو چکا۔'' اُس نے معمر عورت کی گونجیلی آواز سنی اور چونک کر اُن کی طرف متوجہ ہوگیا۔ عورت کے ہاتھ میں چمکدار براؤنی نظر آیا تھا۔ جس کا رخ اُسی کی طرف تھا۔

''کیا مطلب.....؟''

''جو اس مہارت سے سانپ پکڑ سکتا ہے وہی اُسے باسکٹ میں رکھ بھی سکتا ہے۔''

''یقیناً رکھ سکتا ہے..... لیکن آپ نے مجھ بیچارے پر کیوں پستول تان رکھا ہے۔''

''اسے باسکٹ میں ڈال کر ڈھکنا بند کرو.....!'' عورت نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''چلئے..... یہ بھی سہی۔'' حمید نے کہتے ہوئے اُس کے مشورے پر عمل کیا تھا۔

''اب فرمایئے۔'' وہ اُن کی طرف مڑا۔

''اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔''

''خوب..... چلئے! اٹھ گئے ہاتھ بھی۔''

''ناصر اس کے ہاتھ باندھ دو۔''

''ممی..... پلیز..... جلد بازی اچھی نہیں..... غلط فہمی بھی ہوسکتی ہے۔''

''بکواس مت کرو..... کیا ابھی تم نے اس سپیرے کا کرتب نہیں دیکھا۔''

''یہ تو میری ہابی ہے محترمہ۔ ورنہ میں تو ایک بے حد شریف آدمی ہوں۔'' حمید بولا۔

''میں کہتی ہوں باندھو اس کے ہاتھ..... اپنی ٹائی کھول لو..... خان شہباز کی بیٹی اتنی احمق نہیں ہوسکتی۔ میں خود ہی دیکھ لوں گی ان سبھوں کو۔''

حمید نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائی تھیں۔ وہ ناصر کو ٹائی کھولتے بھی دیکھ رہا تھا لیکن اُس کے چہرے پر تردد کے آثار بھی صاف پڑھے جاسکتے تھے۔

طوعاً و کرہاً وہ حمید کی طرف بڑھا تھا۔ حمید نے دل میں کہا ''اچھا بڑی بی..... تمہاری ساری شہبازیت پل بھر میں پھر ہو جائے گی۔''

جیسے ہی ناصر اُس کے قریب پہنچا اُس نے بڑی پھرتی سے اُس کا ہاتھ مروڑ کر اپنے

سامنے کرلیا۔ اب پوزیشن یہ تھی کہ ناصر اُس کی ڈھال بنا ہوا اپنی ماں کو بے بسی سے دیکھے جارہا تھا۔ حمید کا بایاں بازو اُس کی گردن میں تھا اور وہ اُس کے سینے سے ٹکا ہوا بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

''اب اس طرح فائر کیجئے کہ گولی صاحبزادے کے دل کو چھیدتی ہوئی میرے دل میں ترازو ہو جائے۔''

''چھوڑ دو..... اسے چھوڑ دو۔''

''یہ کیا کر رہی ہیں ممی.....!'' شاہدہ اچھل کر اُن کے درمیان حائل ہوگئی اور اُس نے پستول ماں کے ہاتھ سے چھین لیا۔ بڑی بی پر گویا سکتہ طاری ہوگیا تھا۔

حمید آہستہ آہستہ ناصر کے کان میں کہہ رہا تھا۔ ''فکر مت کرو..... مجبوری تھی۔ ورنہ آنٹی شائد سچ مچ فائر کردیتیں..... خان شہباز کا حوالہ کافی تھا میرے لئے۔''

پستول شاہدہ کے ہاتھ میں آتے ہی اُس نے ناصر کو چھوڑ دیا۔ اُدھر قاسم دروازے میں کھڑا کوئی بہت بڑا نوالہ حلق میں اتارنے میں مشغول تھا۔

''سین نمبر تیرہ..... تمام ہوا.....!'' وہ غاؤں غاؤں کرتا ہوا بولا اور شاہدہ ہنس پڑی۔

بڑی بی کسی تھکے ہارے چوپائے کی طرح ایک گوشے میں منہ ڈال کر بیٹھ گئی تھی۔

''میرا کارڈ.....!'' حمید نے جیب سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر ناصر کی طرف بڑھا دیا۔

''نہیں.....!'' ناصر اُسے غور سے دیکھتا ہوا اچھل پڑا۔

''کیا سچ مچ مداری ہیں.....!'' شاہدہ نے پوچھا۔

''بلکہ بھکاری بھی ہے..... برادران لا.....!'' قاسم بولا۔

''حمید صاحب! ہمیں بے حد شرمندگی ہے۔ ممی یہ کرنل فریدی کے اسسٹنٹ کیپٹن حمید ہیں۔'' بڑی بی کچھ نہ بولیں۔ البتہ شاہدہ جھپٹ کر آگے آئی تھی۔

''دیکھوں.....!'' اُس نے کارڈ ناصر سے جھپٹتے ہوئے کہا اور پھر وہ بھی نروس نظر آنے لگی تھی۔

''چلو بھئی پاپ..... کٹا.....!'' قاسم چہکارا۔

''تت..... تو..... یہ..... یہ.....!'' وہ قاسم کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''ڈاکٹر ٹسڈل

کا بنایا ہوا کوئی دیو پیکر آدمی ہے۔"

"نہیں..... یہ اتنا ہی بڑا پیدا ہوا تھا۔" حمید ہنس کر بولا۔

"ابے جبان سنبھال تے ورنہ نقال دوں غا ساری قپتانی۔"

"وہ تو نکال ہی چکے ہو گے۔ میرے لئے کچھ بھی نہ چھوڑا ہوگا..... اگر اب بھی پیٹ نہ بھرا تو ان کی باسکٹ میں ابھی بہت کچھ ہے۔"

"اچھا..... تم تو چڑیا کا کھانا لے کر چلے تھے..... بڑی خوشی ہوئی۔"

"نکال لو مرغ مسلم.....!"

"کیوں بی بی.....!" قاسم نے شاہدہ سے پوچھا۔

لیکن اُس سے پہلے ہی بڑی بی بول پڑیں۔ "مزید ہنگامے کی ضرورت نہیں۔ میں شرمندہ ہوں۔"

"ارے جناب! اس میں ہنگامے اور شرمندگی تی قیا بات ہے۔ خاؤں غا اور دعا دوں گا..... تو پھر خولوں باسکٹ.....؟"

"نہیں.....!" شاہدہ جلدی سے بولی۔

"آپ کی مرجی..... میں قوئی ندیدہ تھوڑا ہی ہوں۔ اللہ آپ قو بہت دے۔"

"میں پوچھتا ہوں میرے لئے بھی کچھ چھوڑا ہے یا نہیں۔" حمید نے بھنا کر پوچھا۔

"بے خودی میں سب خا غیا..... تم تو سین نمبر تیرہ قرنے دوڑے آئے تھے۔"

"فکر نہ کیجئے..... باسکٹ کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے گاڑی میں۔" ناصر نے کہا۔

"آخر ہوا قیا..... یہ پستول وستول کیسا پکڑ رخا ہے شاہدہ بی بی۔"

"بس مذاق تھا موٹے بھائی..... پرواہ نہ کرو۔"

"میں بھی تو سنوں۔"

"بکواس بند کرو..... جاؤ اور ناشتہ دان دھو کر رکھ دو۔" حمید نے کہا۔

"خاؤں بھی میں اور دھوؤں بھی میں ہی..... قسی اور قو اُلو بنانا.....!" قاسم ترنگ میں آ کر بولا۔

"میں شروع ہی سے سوچ رہا تھا کہ آپ کو کہاں دیکھا ہے۔" ناصر نے حمید سے کہا۔

"اب ختم بھی کیجئے اس قصے کو۔"

"آپ سے بہت سے سوال کروں گی۔" شاہدہ بولی۔

"ضرور..... ضرور..... لیکن ارتھمیٹک کا نہ ہونا چاہئے۔ ورنہ مجھے نو دو گیارہ ہونا پڑے گا۔"

"اور میں نہ تین میں نہ تیرہ میں.....!" قاسم بولا۔

"آپ تو مجھے پانچویں سوار معلوم ہوتے ہیں۔"

"ایسا نہ کہئے..... بیچارے گدھے کا کچومر بن جائے گا۔" حمید بولا۔

"آپ بھی تو بیچارے غدھے ہی ہیں۔" قاسم نے ہنس کر کہا۔ بے تحاشہ چھک رہا تھا۔ حمید کو بھی حیرت ہونے لگی تھی۔

"میں اور کچھ لا رہا ہوں..... باسکٹ خالی کر دی گئی تھی۔" ناصر نے کہا۔

"تو پھر قیا ہے اس میں۔" قاسم حمید کو گھورتا ہوا بولا۔

حمید اور ناصر باہر چلے گئے۔

"بیٹھ جاؤ موٹے بھائی۔ کب سے کھڑے ہو۔" شاہدہ بولی۔

"شاہدہ۔" بڑی بی سخت لہجے میں بولیں۔ "میں اجنبیوں سے بے تکلفی پسند نہیں کرتی۔"

"اجنبی..... نہیں تو ممی..... یہ بھی میرے باپ کے بیٹے ہیں۔ ابن آدم..... میں تو انہیں ہزار ہا سال سے جانتی ہوں۔"

"تم دونوں بھائی بہنوں نے میری زندگی تلخ کر رکھی ہے۔"

"ممی..... پلیز..... اجنبیوں کے سامنے اتنی ذاتی گفتگو بھی مناسب نہیں۔"

"جہنم میں جاؤ۔" بڑی بی آتشدان کی طرف کرسی گھما کر بیٹھ گئیں۔

"آپ نے ناراج قر دیا ممی قو.....!" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"دل کی بُری نہیں ہیں..... ابھی ہنسنے بولنے لگیں گی۔"

"تب تو بہت اچھی ہیں..... ایق میرا باپ ہے..... جلاد۔"

"تمہیں شرم نہیں آتی باپ کے بارے میں اس قسم کی بات کہتے ہوئے۔" بڑی بی نے کہا۔

"سچ قہہ رہا ہوں ممی.....! حمید بھائی سے پوچھ لیجئے غا۔"

"پھر بھی بچوں کو اس قدر بے باک نہ ہونا چاہئے۔"

''جی بہت اچھا۔'' قاسم مسمسی صورت بنا کر بولا۔ شاہدہ کو ہنسی آ گئی۔

اچانک برآمدے سے دھینگا مشتی کی آوازیں آئی تھیں اور پھر جیسے کوئی جھپاک سے پانی میں گرا تھا۔

''خبردار..... فائر کردوں گا۔'' حمید کی آواز آئی۔ پھر ایک فائر بھی ہوا تھا۔

''شروع ہوگئی۔'' قاسم بُرا سا منہ بنا کر بدبدایا۔

پھر راہداری میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز گونجی تھی اور دروازہ کھول کر ناصر اندر داخل ہوا تھا۔

''ممی..... پسٹل.....!'' وہ ہانپتا ہوا بولا۔ ''مجھے دیجئے۔''

''کیا بات ہے؟''

''کوئی تھا برآمدے میں..... کیپٹن حمید اُس کے پیچھے تنہا گئے ہیں۔''

''تو تم کیا کرو گے؟''

''میں بھی جاؤں گا..... وہ تنہا ہیں۔''

''چلو بیٹھو..... وہ ایک تجربہ کار پولیس آفیسر ہیں۔ تمہیں تو تہذیب کھا گئی ہے۔ پستول پکڑنے کی بھی تمیز نہیں ہے۔''

قاسم دروازے کی طرف جھپٹا تھا۔ لیکن برآمدے ہی میں کھڑا آنکھیں پھاڑتا رہ گیا۔ گہری تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔

''اے جرا ٹارچ تو لانا۔'' اُس نے تھوڑی دیر بعد ناصر کو آواز دی تھی۔

ناصر فوراً ہی آیا تھا اور اُس نے ٹارچ روشن کی تھی۔ روشنی کا دائرہ بالآخر ایک عجیب وضع کے جوتے پر جم گیا جو برآمدے کے وسط میں فرش پر پڑا ہوا تھا۔

''ہائیں.....!'' قاسم حیرت سے بولا۔ ''یہ قیا ہے؟''

''جج..... جوتا.....!'' ناصر کی آواز کانپ رہی تھی۔

''جوتا ہے تو پھر اکبر اعظم یا جہانگیر کا جوتا شریف ہوگا..... میں نے تو خواب میں بھی قبھی ایسا جوتا نہیں دیکھا۔''

''ہوتا ہے..... ہوتا ہے.....!'' ناصر نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور پھر اندر دوڑ

گیا تھا۔ قاسم ''ارے ارے'' ہی کرتا رہ گیا۔

پھر وہ بھی واپسی کے لئے مڑ ہی رہا تھا کہ راہداری میں ٹارچ کی روشنی دکھائی دی۔ اس ناصر کے ساتھ بڑی بی بھی تھیں۔

وہ بھی جوتے کو حیرت اور ناگواری کے تاثرات کے ساتھ دیکھ رہی تھیں۔ پھر انہوں نے جھک کر اُسے اٹھایا تھا اور واپسی کے لئے مڑ گئی تھیں۔

قاسم وہیں کھڑا رہا۔ وہ دونوں جا چکے تھے۔

''بڑی بی قے بھوت بھائی کا ہوگا.....!'' وہ کچھ دیر بعد بڑبڑایا۔ ''یہ جوتا تھا..... یا ابتدائی ہوائی جہاز کا موڈل..... پتا نہیں قیا چکر ہے۔ سالے حمید بھائی! قتنی بار قہوں کہ میرا تیرا ساتھ ہے ہی سالا منحوس.....!''

اس نے گانے کی کوشش کی تھی۔ پھر خیال آیا تھا کہ کیوں نہ چل کر حمید کو تلاش کیا جائے۔ لیکن کیچڑ پانی کی وجہ سے ہمت نہ پڑی۔ پہاڑ جیسے ڈیل سمیت اگر رپٹ کر گرا تو اٹھائے گا کون؟ مجبوراً انہی لوگوں کے پاس پھر واپس آنا پڑا تھا۔ لیکن اُن لوگوں کو جس حال میں پایا وہ اتنا مضحکہ خیز تھا کہ بے اختیار ہنسی چھوٹ گئی۔ جوتا فرش پر رکھا ہوا تھا اور وہ تینوں خاموشی سے دیکھے جا رہے تھے۔

''قق..... قیا اب یہ اُڑے گا بھی۔'' اُس نے ہنسی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا تھا اور پھر شاہدہ بھی ہنس پڑی تھی۔

ماں نے سخت لہجے میں کہا۔ ''اسے سوٹ کیس میں ڈال دو۔''

''اس جوتے تو.....!'' قاسم کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ہاں قاسم صاحب..... مجھے نوادرات اکٹھا کرنے کا شوق ہے۔ یہ جوتا پندرہویں صدی کا معلوم ہوتا ہے۔''

''جرور..... جرور..... لیقن ایک ہی تو ہے..... پتا نہیں پندرہویں صدی سے ادھر قیوں آ نکلا تھا کہ بیچارے تو ایک جوتا چھوڑ کر بھاگنا پڑا..... لل..... لیکن حمید بھائی۔''

''ہمیں انہیں تلاش کرنا چاہئے۔'' ناصر چونک کر بولا۔

''تو پھر چلو..... اقیلے یوں نہیں جا سکتا کہ اگر کیچڑ میں پھسل قر گرا تو اٹھوں گا قیسے۔''

''آپ پہیے کیوں نہیں لگوا لیتے قاسم بھائی۔'' شاہدہ نے پوچھا۔

''والد صاحب سے پوچھ قر بتاؤں غا.....!'' قاسم نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

وہ دونوں باہر آئے تھے۔ ناصر نے ٹارچ روشن کر رکھی تھی۔

''آپ واقعی پانی میں نہ چل سکیں گے۔'' ناصر بولا۔ ''مجھے ہی جانے دیجئے۔''

''اقیلے نہیں جاسقتے آپ.....!''

''میں بچہ نہیں ہوں۔''

''اس قی بات نہیں.....ایق سے دو بھلے۔''

بہرحال وہ دونوں ہی نکلے تھے۔ احاطہ پار کر کے سڑک پر آئے۔ یہ جگہ ڈھلان پر تھی۔ اس لئے اتنی بارش ہونے کے باوجود بھی یہاں کیچڑ یا پانی نہیں تھا۔

ٹارچ کی روشنی تاریکی میں گردش کر رہی تھی۔ دفعتاً ایک جگہ روشنی کا دائرہ ٹھہر گیا۔

کوئی زمین پر اوندھا پڑا تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھے۔ قاسم تو جھک بھی نہیں سکتا تھا۔ ناصر ہی نے اُسے سیدھا کیا تھا۔

''ارے باپ رے.....حمید بھائی۔'' قاسم کے حلق سے بے ہنگم آوازوں کیساتھ نکلا تھا۔

''بیہوش ہیں.....اُوہ.....سر سے خون بھی بہہ رہا ہے۔''

''میں تو جھک نہیں سقتا۔'' قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''اٹھا سکو تو اٹھا قر میرے ہاتھوں پر رکھ دو۔''

بدقت تمام وہ زمین سے قاسم کے ہاتھوں پر منتقل ہوا تھا اور وہ اُسے اٹھائے ہوئے ڈاک بنگلے میں داخل ہوا۔

وہ دونوں بوکھلا گئیں۔

''اُوہ.....یہ تو زخمی ہیں۔'' بوڑھی عورت نے کہا۔ ''ادھر لاؤ.....ٹھہرو میں فرش پر کمبل بچھاتی ہوں.....شاہدہ! کھڑی منہ کیا دیکھ رہی ہو۔ اٹھاؤ کمبل۔''

''میں جھک نہیں سکتا۔ ناصر میاں۔'' قاسم بولا۔ ''پھر اٹھاؤ اور لٹا دو۔''

ناصر اور شاہدہ نے حمید کو کمبل پر لٹا دیا تھا۔

یہ گھرانا خاصا محتاط معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ ان کے پاس فرسٹ ایڈ بوکس بھی موجود تھا اور

اس میں برانڈی کی ایک بوتل بھی تھی۔

شاہدہ نے بڑی پھرتی سے سر کے زخم کی ڈریسنگ کی تھی۔

''اگر تھوڑی سی برانڈی بھی۔'' ناصر نے قاسم کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''نام بھی نہ لینا.....ورنہ ہوش میں آتے ہی مجھے قتل قر دے غا۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''قہتا ہے.....کہ گدھی قا پیشاب شراب سے افجل ہے۔ جب گدھی کا پیشاب نہیں پیتا تو شراب قیوں پیؤں۔''

''کمال ہے.....!'' شاہدہ بولی۔

''اور ان قے استاد تو نام ہی سے بدکتے ہیں۔''

''یعنی کرنل فریدی۔'' شاہدہ بولی۔

''نام نہ لیجئے ورنہ فوراً پہنچ جائیں غے۔'' قاسم نے ایسے انداز میں کہا کہ بڑی بی تک مسکرا پڑی تھیں۔

''اُس کا باپ بھی ایسا ہی تھا۔ ایسی پرہیز گاری کے ساتھ نوابی کر گیا کہ لوگ آج بھی عش عش کرتے ہیں۔'' بڑی بی بولیں۔

''آپ جانتی ہیں۔''

''کیوں نہیں جانیں گے.....میرے باپ خان شہباز کے گہرے دوستوں میں سے تھے۔ نواب عزیز الدین خان۔''

''ہات تیرے کی.....نقل آئی رشتے داری بھی۔ اب لمبا گھپلا ہوغا.....!'' قاسم زیرِ لب بڑبڑایا۔

''کیا کہا.....؟''

''جی قچھ نہیں۔ اپنے مقدر قو رو رہا ہوں۔ اب ہوش میں قب آؤ غے ہیرو بھائی.....!''

وہ حمید کو گھونسہ دکھا کر بولا تھا۔

''آپ آخر ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں قاسم صاحب۔'' شاہدہ جھنجھلا کر بولی۔

''ارے یہ.....یہ تو مجھے کسی ایسی جگہ دفن کرے غا جہاں .....اپنی ایسی قی تیسی میں

جائے..... مجھے پھر بھوخ لغ آئی ہے۔"

"اچھا..... اچھا..... ہم انتظار کرتے ہیں۔" ناصر بولا۔ وہ باہر چلا گیا تھا اور بڑی بی حمید کو عطر سنگھاتی رہی تھیں۔ شاہدہ نے اُن کی نظر بچا کر باسکٹ کی طرف اشارہ کیا تھا۔

قاسم نے تنفیہی انداز میں سر ہلاتے ہوئے آگے بڑھ کر باسکٹ پر ہاتھ ڈال دیا اور پھر ڈھکنا اٹھتے ہی جو پھکار بلند ہوئی ہے تو وہ بھینسے کی طرح ڈکراتا ہوا چاروں خانے چت گرا تھا۔

شاہدہ بے تحاشا ہنس رہی تھی۔ اُدھر قاسم کی دھاڑ ہی حمید کی بیہوشی رفع کرنے کی وجہ بنی تھی۔ اس طرح بوکھلا کر اٹھ بیٹھا تھا جیسے کسی مردے کے کان میں صور اسرافیل کی آواز پڑ گئی ہو۔

"کیا بات ہے..... کیا ہوا.....!" وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر قاسم کو دیکھتا ہوا بولا۔

"بھاگو بیٹا..... سب بھوت ہیں۔ کچے سانپ خاتے ہیں۔ ارے باپ رے۔"

ناصر بھی دوڑا آیا تھا۔ شاہدہ برابر ہنسے جا رہی تھی۔

"کس نے کھولا تھا باسکٹ۔" اُس نے شاہدہ سے پوچھا۔ سانپ بے حد غصے میں ادھر اُدھر پھن مار رہا تھا۔ لیکن شائد باسکٹ سے نکل آنے کی ہمت اُس میں بھی نہیں تھی۔

"خود کھولا تھا..... انہوں نے۔"

بدقت تمام قاسم کو اٹھایا گیا تھا۔ "ابے بھاگو" وہ برابر کہے جا رہا تھا۔ "بلی پندرہویں صدی کا جوتا پہن کر آتی ہے۔"

"کیا پاگل ہو گئے ہو..... خاموش رہو۔" حمید بھرائی ہوئی آواز میں بولا اور پھر اس طرح چاروں طرف دیکھنے لگا جیسے ابھی تک گرد و پیش کا احساس ہی نہ رہا ہو۔

"مم..... میں یہاں کیسے پہنچا۔" اُس نے ناصر سے پوچھا۔

"ہم دونوں اٹھا کر لائے تھے۔"

"وہ بھاگا تو تھا..... لیکن میری گھات ہی میں تھا۔ جیسے ہی میں کمپاؤنڈ سے باہر نکلا عقب سے سر پر کوئی وزنی چیز ماری تھی اور پھر مجھے نہیں معلوم کہ اس کے بعد کیا ہوا۔"

"پندرہویں صدی کا جوتا آیا تھا۔" قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔

"تم خاموش رہو۔ کیوں بکواس کئے جا رہے ہو۔" دفعتاً بڑی بی کو غصہ آ گیا۔

"اے محترمہ..... جرا تمیز سے۔"

"قاسم صاحب پلیز۔" ناصر بولا۔ "آپ نے باسکٹ کیوں کھولا۔"

"اپنی ہمشیرہ محترمہ سے پوچھئے..... انہوں نے کہا تھا۔"

"کیا میں نے کہا تھا ممی۔"

"نہیں..... میں نے تو نہیں سنا تھا۔" بڑی بی نے کہا۔

"تو پھر میں ہی اُلو کا پٹھا ہوں غا..... سبھی ٹھیخ ٹھاخ ہیں..... میں کہتا ہوں حمید بھائی نقل چلو..... ورنہ اغریہ بھوت ہماری غاڑی کا پٹرول پی گئے تو.....!"

"ذرا دیر خاموش رہو۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"کھاموش کھاموش قرتے اپنا بھی کباڑا قر لیتے ہو۔"

"پندرہویں صدی کے جوتے کی کیا بات تھی۔" حمید نے بڑی بی سے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں! اپنی خبر تو لو..... تم زخمی ہو۔"

حمید نے ناصر کی طرف دیکھا لیکن وہ صرف ہونٹ ہلا کر رہ گیا تھا اور اپنی ماں کی طرف اس طرح دیکھنے لگا تھا جیسے پوچھ رہا ہو کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔

"زخم اچھی طرح صاف کر دیا تھا نا.....!" بڑی بی نے شاہدہ سے پوچھا۔

"جی ہاں ممی..... زخم گہرا نہیں ہے کوئی تشویش کی بات نہیں ہے۔ خون بند ہو گیا ہے۔"

"ہائے ہائے..... جوتے قی بات قیوں نہیں کرتیں۔" قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔

"اس بدتمیز کو روکئے حمید صاحب۔" بڑی بی غرائیں۔

"اور..... وہ پھوں پھوں قئے جا رہا ہے اُس کا کسی کو بھی خیال نہیں۔"

"ڈھکنا بند کر دو۔" حمید نے قاسم ہی سے کہا۔

"قیا وہ میک اپ میں تمہارا برادر ان لا ہے کہ ڈھکنا بھی میں ہی بند قر دوں۔"

"بکواس مت کرو۔"

"قاسم صاحب! میں آپ کے لئے کھانا لایا ہوں۔" ناصر نے کہا۔

"اور ناشتے دان سے اب کے چھچھوندر نکلے گی۔" شاہدہ بول پڑی۔

"دیکھئے! جان نہ جلایئے میری۔"

''قاسم خدا کے لئے خاموش رہو۔ جو لوگ خود ہی کچھ چھپانا چاہتے ہوں اُن سے الجھنے سے کیا فائدہ۔ بارش رک گئی ہے۔ اب ہمیں چل دینا چاہئے۔''

''میں تو اس وقت سفر کا مشورہ نہیں دوں گی۔'' شاہدہ نے کہا۔

''سوال تو یہ ہے کہ میں نے مشورہ کب طلب کیا تھا۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

''یہ باسکٹ بھی لیتے جایئے۔'' شاہدہ بولی۔

حمید نے باسکٹ کا ڈھکنا بند کر دیا تھا۔ دفعتاً شاہدہ آگے بڑھی تھی اور حمید کے راستے میں حائل ہوگئی تھی۔

''آپ ہمیں تنہا چھوڑ کر نہیں جاسکتے۔'' اُس نے کہا۔

''میں خود بھی نہیں چاہتا..... لیکن ایسے حالات میں جبکہ ہم پر اعتماد نہیں کیا جارہا یہاں ٹھہر کر کریں گے ہی کیا۔''

''ممی بہت پریشان ہیں۔''

''میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں..... ورنہ وہ مجھ پر پستول نہ تان لیتیں..... اور یہ سانپ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ آخر وہ کون لوگ ہیں۔ جوتے کی کیا بات تھی۔''

''ہمارے نجی معاملات ہیں۔'' بڑی بی بولیں۔ ''ہم کسی کو بھی ان میں شریک نہیں کر سکتے۔ اپنے مسائل خود حل کرنے کے عادی ہیں۔''

''میں قانون کا ایک محافظ ہوں..... اس لئے خاموش بھی نہیں رہ سکتا۔''

اتنے میں ناصر نے حمید کو آنکھ ماری۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے کہہ رہا ہو۔ ''ان سے نہ الجھو..... میں بتا دوں گا۔''

حمید طویل سانس لے کر بولا۔ ''اچھی بات ہے۔ جیسے آپ کی مرضی۔''

''تو نہیں چلو غے تم۔'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

''نہیں چلیں غے.....!'' شاہدہ نے اُس کی نقل اُتاری اور ہنس پڑی۔

''اے اللہ میاں! اب مجھے ہی بلی بنا دو۔'' قاسم دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر گھگھیایا۔ ''یہ برادران لاحمید بھائی تو دو کوڑی کا آدمی ہے۔ بس قوئی یلا یلی.....!''

''شٹ اپ.....!'' حمید اُسے گھورتا ہوا دھاڑا۔

''اچھا الامیاں! الفاج واپس..... اور اب یہ جرور جہنم میں جائے غا..... ود مائی تھمپ۔''

''یہ کیا بات ہوئی۔'' شاہدہ نے پوچھا۔

''یعنی میرے ٹھینگے سے۔'' قاسم اُسے قہر آلود نظروں سے گھورتا ہوا بولا تھا۔

حملہ آور

صبح ہوتے ہوتے حمید کے علاوہ اور سبھوں نے خراٹے لینے شروع کر دیئے تھے۔ سر کی چوٹ کی تکلیف بڑھ گئی تھی ورنہ وہ بھی سو ہی گیا ہوتا۔

شاہدہ کا چنچل پن اُسے اچھا لگا تھا۔ یہ وادی سرخاب کا ایک معزز ترین گھرانہ تھا۔ انگریزوں کی عملداری سے پہلے اس علاقے پر اسی خاندان کی حکمرانی تھی۔ حمید نے فریدی کی زبانی ان لوگوں کے تذکرے سنے تھے۔

ناصر کا چچا آج بھی آدھی سرخاب ویلی کا مالک تھا۔ بس شہری آبادی میں اُس کا سکہ نہیں چلتا تھا۔ مضافات میں اب بھی انہیں کے خاندان کی حکومت تھی اور سیاسی نکتہ نظر سے خان اعظم کی شخصیت اتنی ہی اہم تھی کہ ملک پر کسی بھی سیاسی پارٹی کی حکومت ہو اُسے خان اعظم کا اسی طرح خیال رکھنا پڑتا تھا جیسے برطانوی حکومت شاہی خاندان کا رکھتی تھی۔

ناصر خان اعظم کے چھوٹے بھائی کا لڑکا تھا اور یہ لوگ شہر ہی میں رہتے تھے۔ ناصر کا باپ خان عظمت علی ترقی پسند رجحانات کا حامل تھا۔ اس لئے اُس نے اپنے بچوں کو جدید دنیا اور جدید ترین علوم سے الگ نہیں رکھا تھا۔ اس کے برخلاف خان اعظم کٹر قسم کا قدامت پسند تھا۔ اپنے دیہی محل میں رہتا تھا اور شہر کا رخ بھی نہیں کرتا تھا۔

اُس نے انہی لوگوں کے بارے میں سوچتے سوچتے صبح کر دی۔ پھر قاسم کو جگایا تھا اور اُسے جگانے کی کوشش کے دوران میں دوسرے بھی بیدار ہو گئے تھے۔

''آپ کا قیام کہاں ہوگا حمید صاحب۔'' ناصر نے پوچھا۔

''غالباً گلریز میں ٹھہریں گے۔''

''کیوں نہ ہمارے ساتھ چلئے۔''

''نہیں شکریہ۔ تفریح تفریح نہیں رہتی اگر ہوٹل میں قیام نہ ہو۔''

شاہدہ نے بھی اسی پر اصرار کیا تھا۔ لیکن بڑی بی ٹس بیٹھی رہی تھیں اور اُن کے چہرے پر ایسے ہی آثار پائے جاتے تھے جیسے اپنے بچوں کی عاقبت نا اندیشانہ باتوں پر دل ہی دل میں کڑھ رہی ہو۔

''شاید ہم راستہ بھی دوسرا اختیار کریں۔''

''یعنی سڑک سے نہیں جائیں گے۔''

''شارٹ کٹ۔''

ناصر کچھ نہ بولا۔ شاہدہ نے سوال کیا۔ ''ہم سے تو ملنے آئیں گے نا۔''

''اگر ہوش رہا۔'' قاسم بول پڑا۔

''تم تو بولو ہی مت موٹے بھائی۔''

''اچھا جھینگر بہن۔'' قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

''شاہدہ تم باز نہیں آؤ گی۔'' بڑی بی اٹھتی ہوئی دھاڑیں۔ ''اُٹھو..... چلنے کی تیاری کرو۔''

حمید اور قاسم اس وقت تک وہیں ٹھہرے رہے تھے جب تک وہ لوگ روانہ نہیں ہو گئے تھے۔

''عجیب لوغ تھے۔'' قاسم ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''ہاں تھے تو..... اور وہ لڑکی شاہدہ۔''

''بس وہی تو یاد رہ جائے غی۔'' قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ ''والدہ صاحبہ اتنی لمبی چوڑی تھیں کہ تمہاری کھوپڑی میں سما ہی نہیں سکتیں۔''

دفعتاً حمید کچھ یاد کر کے بولا۔ ''جوتے کی کیا بات تھی۔''

''جب تم اُس کے پیچھے بھاغ گئے تھے تو برآمدے میں ایک عجیب شکل کا جوتا پڑا ملا تھا۔ اقبر اعظم یا جہانگیر بادشاہ کے جمانے کا معلوم ہوتا تھا۔ ناصر اندر دوڑا غیا تھا اور بڑی بی تو بلالایا تھا۔ پھر وہ اُسے حیرت اور خوف سے دیکھتے رہے تھے اور بڑی بی نے اُسے سوٹ کیس میں رخوا دیا تھا۔ اَے میری شکل قیا دیکھ رہے ہو..... خواب تھوڑا ہی دیکھا تھا۔''

''اوہ..... ختم بھی کرو..... رات خواہ مخواہ غارت ہوئی۔ چلو اب نکل چلیں۔''

وہ برآمدے میں نکل آئے۔ بارش کا پانی اب تک کمپاؤنڈ میں کھڑا تھا۔ جیپ تک پہنچنے کے لئے انہیں جوتے اتارنے پڑے تھے۔

جیپ کمپاؤنڈ سے نکل کر پھر اُدھر ہی مڑی جدھر سے آئے تھے۔

''ہائیں کدھر چلے۔'' قاسم چونک کر بولا۔ ''قیا پھر کریم آباد.....؟''

''نہیں..... ایک میل پیچھے جا کر دوسرا راستہ اختیار کریں گے۔ جلد پہنچیں گے۔''

''ٹھیک ہے..... اب تو بھوک کے مارے دم نقلا جا رہا ہے۔''

''اسی طرح بھونکتے رہے تو دم بھی نکل آئے گی۔''

''تمہاری ایسی قی تیسی..... اب یاد آیا..... تم لونڈے قے سامنے میرا مذاخ قیوں اڑا رہے تھے۔''

''صرف تعارف کرایا تھا تمہارا..... اگر تفصیل نہ بتائی جائے تو تم دوسروں کی سمجھ میں قطعی نہیں آتے۔''

''نہیں..... تم مذاخ اڑا رہے تھے۔''

''اچھا تو پھر.....!''

''کچھ بھی نہیں..... اب میں بھی مروت نہیں قروں غا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ چند میل سڑک پر چلنے کے بعد اُس نے جیپ ایک ایسے راستے پر موڑی تھی کہ قاسم پہلے ہی جھٹکے میں چیں بول گیا تھا۔

''ابے..... ابے یہ قیا..... مرنے قا ارادہ ہے۔''

''نہیں..... میں چاہتا ہوں کہ تم اس قدر تھلتھلاؤ کہ تمہاری جیلی بن جائے۔''

''میں نہیں جاؤں غا..... روکو غاڑی۔''

''کون سی آفت نازل ہوگئی ہے تم پر۔''

''کسی گڑھے میں جا گری جیپ تو قیا ہوغا۔''

''کچھ بھی نہیں..... بس ذرا سا مر جاؤ گے۔''

''مریں میرے دشمن..... واہ بھئی..... نہیں..... روقو غاڑی..... حرامی پن کی نہیں ہوتی۔''

''ہائیں..... ہائیں.....تم پھر اردو میں گالی بک رہے ہو۔''

''مجھے حرامی پن تی انگریزی نہیں مالوم.....!'' قاسم جھلا کر بولا۔

''انگریزی میں ہوتا ہی نہیں حرامی پن.....اسکی بجائے خیر سگالی کے دورے ہوتے ہیں۔''

''خیر سگالی کیا ہوتی ہے؟''

''تم نے دیکھا.....اردو میں آ کر اس میں بھی شامل ہوگئی گالی۔ خیر سگالی۔''

''ہو ہی نہیں سکتا.....تم غلط بول رہے ہو.....خیر سالی ہوگا۔'' قاسم کی جھلاہٹ بڑھتی رہی اور اونچی نیچی زمین کے جھٹکوں سے سچ مچ جیلی قسم کی کوئی چیز اُسے اپنے اندر تھلتھلاتی محسوس ہوتی رہی۔

''خیر سگالی ہی درست ہے۔''

اس پر خیر سگالی کو بھی ایک گندی سی گالی ہضم کرنی پڑی تھی اور قاسم بالکل ہی آؤٹ ہوگیا تھا۔

''تمہیں بھوک لگ رہی ہے نا۔''

''لگ تو رہی ہے.....!'' دفعتاً قاسم نرم پڑتا ہوا بولا۔''اس خیر سگالی میں بھول گیا تھا۔''

''اس راستے پر اسی لئے آیا ہوں کہ آگے ایک قصبے میں بھیڑوں کے بچے مسلم سیخوں پر بھونے جاتے ہیں۔''

''اے جاؤ۔'' قاسم منہ چلا کر بولا۔''وہاں پہنچ کر کہہ دو گے کہ مہنگائی کی وجہ سے بھیڑوں نے بچے ہی دینا چھوڑ دیا ہے۔''

''نہیں .....ایسی کوئی بات نہیں۔ یہاں کی بھیڑیں سیاسی تقریریں سن سن کر بچے دیتی ہیں اُن پر مہنگائی اثر انداز نہیں ہوتی۔''

تقریباً دو ڈھائی میل تک جھٹکے برداشت کرتے رہنے کے بعد قاسم کی جان میں جان آئی تھی۔ کیونکہ راستہ کسی قدر ہموار ہوگیا تھا اور پھر وہ اُس قصبے تک بھی جا پہنچے تھے جس کے تصور سے قاسم کے منہ میں بار بار پانی آتا رہا تھا اور حمید نے یہ بات بھی غلط نہیں کہی تھی کہ وہاں اُس ازلی بھوکے کا پیٹ بھرنے کا خاطر خواہ انتظام ہوجائے گا۔

کارواں سرائے کے سامنے اُس نے جیپ روکی تھی۔ وہاں ایک جیپ اور بھی موجود تھی

جس کا بونٹ اٹھا ہوا تھا اور ایک آدمی انجن پر جھکا ہوا کچھ دیکھ رہا تھا۔

حمید اور قاسم اپنی گاڑی سے اُتر کر اُس حصے میں پہنچے تھے جہاں اشیائے خورد و نوش فروخت ہوتی تھیں۔ بھیڑوں کے مسلم بچے تو نہیں مل سکے تھے لیکن گوشت وافر مقدار میں موجود تھا۔ کڑھائی تکوں کا آرڈر دے کر حمید نے بیٹھنے کے لئے ایک گوشہ منتخب کیا اور وہ دونوں وہاں جا بیٹھے۔ بھنے ہوئے گوشت کی خوشبو نے قاسم کا دماغ مزید خراب کر دیا تھا۔ اُس کا بس چلتا تو کچے ہی گوشت پر ٹوٹ پڑتا۔ لیکن اب تو کڑھائی تکوں کی تیاری کا انتظام کرنا ہی تھا۔ دفعتاً حمید کو اپنے قریب وہی آدمی کھڑا دکھائی دیا جیسے وہ باہر دوسری جیپ کے انجن کا جائزہ لیتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔ وہ اُس سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔

''کیا بات ہے.....!'' حمید نے پوچھا۔

''کیا آپ شہر جا رہے ہیں۔'' اُس آدمی نے سوال کیا۔

''ہاں..... ہاں.....!''

''وہ بیچارہ زخمی ہے اور اُسکی گاڑی خراب ہوگئی ہے۔ حالت اچھی نہیں۔ بہت سا خون ضائع ہو چکا ہے۔ اگر آپ اُسے لیتے جائیں تو بہت اچھا ہو۔ ڈیرہ غزن خان میں اُتار دیجئے گا۔''

کسی زخمی کا حال سن کر حمید نے اپنے سر کی بینڈ یج بھی ٹٹولی تھی اور بولا تھا۔''کیسے زخمی ہوا۔''

''پچھلی رات رہزنوں نے گھیرا تھا۔ ران میں گولی لگی ہے۔ اُوہ.....شاید آپ بھی تو زخمی ہیں۔''

''پچھلی رات کی بارش ہی کی دین ہے۔ پھسل کر گر گیا تھا۔'' حمید نے بینڈ یج پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔''چلو.....میں اُسے دیکھوں گا۔''

''چلئے.....اُدھر کوٹھری میں ہے۔ بخار میں تپ رہا ہے۔''

حمید اٹھا تھا اور قاسم نے شکوہ کیا تھا۔''اے یہ قیا.....!''

''تکے آ جائیں تو تم کھانا شروع کر دینا۔'' اس نے کہا اور اجنبی کے ساتھ اُس کوٹھری میں آیا جہاں زخمی پڑا نیم بیہوشی کے عالم میں ہذیان بک رہا تھا۔ اُس نے سیاہ پتلون اور جیکٹ پہن رکھی تھی۔ عمر زیادہ سے زیادہ چالیس سال رہی ہوگی۔ مضبوط جسم والا معلوم ہوتا تھا۔

حمید نے جھک کر زخم دیکھا۔ گولی ران کا گوشت پھاڑتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی تھی۔

''لیکن میں اسے اُتاروں گا کہاں..... یہ تو ہوش ہی میں نہیں ہے۔ کیا تم اسے جانتے ہو؟''

''صرف صورت آشنا ہوں جناب اور یہ بھی معلوم ہے کہ خان اعظم کے سپاہیوں میں سے ہے۔''

''غالباً ڈیرہ غزن خان میں خان اعظم کا منیجر رہتا ہے۔''

''جی ہاں..... بس اُنہی کی حویلی تک پہنچا دیجئے گا۔''

''اچھی بات ہے۔ ذرا ہم کھانا کھالیں۔ کیا یہاں کوئی اس کے نام سے واقف ہوگا۔''

''شائد میر سرائے جانتا ہو۔ اُسی نے اس کے لئے یہاں انتظام کیا ہے۔''

''نام معلوم ہو جاتا تو بہتر تھا۔''

''میں ابھی معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ آپ کو مطلع کردوں گا۔''

حمید پھر اُدھر ہی پلٹ آیا جہاں قاسم کو چھوڑا تھا۔ تکے تیار ہو گئے تھے اور قاسم بڑے انہماک سے کھا رہا تھا۔

''غاؤں..... غاؤں.....!'' وہ منہ چلاتا ہوا بولا۔ ''مجیدار ہیں..... چھ سات سیر تو میں ہی خا جاؤں غا..... تم اپنے لئے..... غاؤں..... غاؤں..... الگ سے منگوالو۔''

''کھائے جاؤ..... میری فکر نہ کرو۔'' حمید نے جل کر کہا۔

''نہیں..... ایق بوٹی چکھ سکتے ہو۔''

لیکن جب حمید کئی بوٹیاں کھا گیا تو اُس نے غرا کر کہا۔ ''بس..... اپنے لئے الگ منگوالو۔''

اتنے میں اجنبی واپس آ گیا اور اُس نے بتایا کہ زخمی کا نام نذر گل ہے۔

''ٹھیک ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''ہم اُسے ڈیرے تک پہنچا دیں گے۔''

جب وہ چلا گیا تو قاسم بولا۔ ''خواہ مخواہ کیوں پڑتے ہو اس چکر میں۔''

''میں سوچ رہا ہوں۔ کہیں یہ وہی آدمی نہ ہو جس پر میں نے اندھیرے میں فائر کیا تھا۔ زخمی ہو جانے کے بعد بھی میری تاک میں رہا ہو اور میری کھوپڑی کی یہ درگت بنائی ہو۔''

''تمہاری کھوپڑی تی تو میں..... غاؤں غاؤں..... قسی دن درگت بناؤں غا۔''

حمید کے لئے بھی تکے آ گئے تھے اور پھر تھوڑی دیر بعد روانگی کی ٹھہری تھی۔ کئی آدمیوں

نے زخمی کو اٹھا کر جیپ کی پچھلی سیٹ پر ڈالا تھا۔ گاڑی کے حرکت میں آتے ہی قاسم نے اونگھنا شروع کر دیا۔

''ابے..... کہیں سر ڈیش بورڈ سے نہ ٹکرا جائے۔'' حمید چیخ کر بولا تھا۔

''قیا ہوا.....؟'' قاسم چونک کر آنکھیں پھاڑنے لگا۔

''آنکھیں کھلی رکھو..... ورنہ لڑھک کر کسی کھڈ میں جا گرو گے۔''

''باڈی کے فریم میں پھنس جاؤں غا..... لڑھک نہیں سکتا..... اب میں قیا قروں۔ پچھلی سیٹ پر تو وہ پڑا ہوا ہے۔''

عذر معقول تھا۔ چھ سات سیر گوشت ڈبو ہی سکتا ہے۔ اڑان پر آمادہ نہیں کر سکتا۔ لہٰذا حمید نے سوچا کہ اگر اُسے مسلسل غصہ دلایا جائے تو نیند ہوا ہو جائے گی اور پھر اُس نے اُس کی دکھتی ہوئی رگوں کو چھیڑنا شروع کر دیا تھا۔ نتیجہ مثبت نکلا۔ یعنی قاسم کی کھوپڑی زقندیں لگانے لگی اور زبان نے تالو سے نہ لگنے کی قسم کھالی۔

بہر حال وہ دونوں ہی زبانوں کے لٹھ چلاتے ہوئے ڈیرہ غزن تک پہنچے تھے۔ منیجر کی حویلی میں خاصی پوچھ گچھ ہوئی تھی اور حمید نے وہی بتایا جو زخمی کے بارے میں سرائے میں سن چکا تھا۔ اپنے بارے میں اتنا ہی بتایا کہ وہ دونوں تفریحی سفر کر رہے ہیں۔

خان اعظم کا منیجر گھماؤ پھراؤ کے ساتھ کئی بار ایسے سوالات کر چکا تھا جن کے جوابات سے شائد اندازہ کرنا چاہتا تھا کہ خود زخمی نے انہیں کیا بتایا ہے۔

''کچھ بھی نہیں۔'' حمید نے کہا۔ ''وہ شروع سے اب تک نیم بیہوشی کی حالت میں رہا ہے۔ ہذیان کے علاوہ اُس کی زبان سے ہم نے کچھ بھی نہیں سنا۔''

''کس قسم کا ہذیان..... زبان سے کس قسم کے الفاظ نکل رہے تھے۔'' منیجر نے پوچھا۔

''میں نے توجہ نہیں دی.....!'' حمید بیزاری سے بولا۔

''تب پھر ہمیں اُس کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنا پڑے گا۔'' منیجر طویل سانس لے کر بولا۔ ''ان رہزنوں نے بہت سر اٹھایا ہے۔ خان اعظم اب اپنی عملداری میں ان کا وجود نہیں برداشت کر سکتے۔''

حمید نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی اور قاسم کی کمر تھپک کر بولا۔ ''چلو.....!''

ویسے وہ لوگ قاسم کو حیرت سے دیکھ رہے تھے اور وہ یہی محسوس کرنے لگا تھا جیسے وہ اُسے انہی رہزنوں سے متعلق سمجھتے ہوں۔

حمید الجھن میں پڑ گیا تھا۔ اگر نذر گل اسی کی گولی سے زخمی ہوا تھا تو وہ دوسروں کو رہزنوں ہی کی کہانی سناتا لیکن آخر وہ لوگ یہ جاننے پر کیوں مصر تھے کہ زخمی نے اُسے کیا بتایا ہے۔ کیا سرائے میں سنے جانے والے الفاظ سے مطمئن نہیں تھے؟ آخر کیوں؟ اور اگر نذر گل وہی آدمی تھا جس کا اس سے ٹکراؤ ہوا تھا اور اُس نے محض دھمکانے کے لئے اُس پر فائر کیا تھا جب وہ بھاگ رہا تھا تو اس وقت ڈاک بنگلے میں اس کی موجودگی کا مقصد.....؟

جیپ میں بیٹھتے وقت اُس نے محسوس کیا کہ وہ لوگ انہیں کینہ توز نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔

''دیکھا۔'' قاسم سیٹ پر بیٹھتا ہوا غرایا۔ ''سالے مجھے اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے میں ہی تو رہزن ہوں۔''

''معاملہ کچھ گڑبڑ ہے۔''

''معاملہ نہیں۔ میرے مقدر گڑبڑ ہے۔'' قاسم بھڑک کر بولا۔ ''تمہارا ساتھ ہوا اور آئی شامت۔''

''کیوں بکواس کئے جا رہے ہو۔ میں نے کسی معاملے میں ٹانگ تو نہیں اڑائی.....جہنم میں جائیں۔''

''کھیر..... مارو غولی..... وادی سرخاب میں سیخ کباب.....!'' قاسم نے کہا اور پچ سے تھوک کی پچکاری مار کر منہ چلانے لگا۔

جیپ آگے بڑھ گئی تھی۔ قاسم نے کنکھیوں سے حمید کی طرف دیکھا۔ جس نے اس طرح ہونٹ بھینچ رکھے تھے جیسے بہت شدت سے بور ہو رہا ہو۔

''یار اب میں سوچ رہا ہوں۔'' قاسم تھوڑی دیر بعد بولا۔

''کیا سوچ رہے ہو۔''

''تھوڑی تھوڑی جاسوسی آ رہی ہے کھوپڑی میں۔''

''بور کرو.....!'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''یار وہ لونڈیا.....بجلی کے کڑاکے پر تو قہقہے لگا رہی تھی اور بلی کی ''میاؤں'' پر بیہوش

ئی اور پھر اُس جوتے کو دیکھ کر تو اُن تینوں ہی قادم نقل گیا تھا۔ پہلے اُسے ناصر نے دیکھا پھر دوڑا غیا تھا بڑی بی کو بلانے اور وہ بڑی بی جو اتنی اکڑ دکھاتی رہی تھی اُس جوتے کو یکھ کر جیسے مر ہی گئی تھیں.....اور پھر اُسے بڑی احتیاط سے سوٹ کیس میں رکھوا دیا تھا۔''

''یہ تو طے شدہ بات ہے کہ وہ تینوں ہمارے وہاں پہنچنے سے بھی خائف ہو گئے تھے۔ نہ بڑی بی مجھ پر پستول کیوں تان لیتیں۔''

''اچھا تو پھر.....وہ سانپ قیوں لئے پھر رہے تھے ساتھ۔'' قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔

''اُن کی لاعلمی میں کسی نے کھانے کی باسکٹ میں رکھ دیا تھا۔ لیکن وہ قطعی بے ضرر تھا۔ ر کی تھیلی نکال لی گئی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی انہیں صرف دہشت زدہ کرنا چاہتا تھا۔ ں میں سے کسی کی زندگی کا گاہک نہیں تھا۔ اُوہ یاد آیا۔ بڑی بی نے یہ بھی تو کہا تھا کہ رے نجی معاملات ہیں۔ ہم خود ہی نپٹ لیں گے۔ کسی غیر کو اس میں شریک نہیں کر سکتے۔''

''اور بڑی بی کے باپ تمہارے قرنل صاحب قے دوست تھے۔ وہ یہی قہہ رہی تھیں۔''

''ہو سکتا ہے۔''

''ٹھینگے سے..... میں تو اس لونڈیا کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔''

''وہ مجھے سچ مچ ذہنی مریضہ ہی معلوم ہوتی ہے۔''

''تو پھر چلو غے اُن قے گھر۔''

''ضروری نہیں۔''

''اے جاؤ.....جس گھر میں قوئی لونڈیا ہو.....وہاں تم نہ جاؤ۔''

''ضرور جاتا.....لیکن جس طرح تمہیں قاسم بھائی کہہ رہی تھی۔ مجھے بھی رو میں حمید ئی کہہ گئی تو میں کہیں کا نہ رہوں گا۔''

قاسم ہاتھوں سے منہ دبا کر ہنسا تھا۔

اچانک ایک زوردار دھماکہ ہوا اور جیپ اچھل پڑی۔ حمید نے پورے بریک نہ لگائے تے تو دوسری بار اُلٹ ہی گئی ہوتی۔ قاسم کا سر ونڈ اسکرین سے ٹکرایا تھا۔

''ارے باپ رے۔'' وہ کراہ کر رہ گیا۔

''پچھلا ٹائر فلیٹ ہوا ہے۔ بم نہیں پھٹا۔'' حمید بھنا کر بولا۔

وہ نیچے اُترا ہی تھا کہ ادھر اُدھر کی چٹانوں کی اوٹ سے پانچ رائفل برداروں نے نکل کر جیپ کو گھیرے میں لے لیا۔ رائفلوں کی نالیں اُن کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

اُن پانچوں نے اپنے چہرے پگڑیوں کے بلوں میں چھپا رکھے تھے۔ صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں اور اُن آنکھوں میں سفاکی کے علاوہ اور کچھ نہیں دکھائی دیتا تھا۔

''ہمارے ساتھ چلو۔'' اُن میں سے ایک نے رائفل کی نال کو جنبش دے کر کہا۔

ان دونوں نے اپنے ہاتھ اٹھا دیئے تھے اور انہیں حیرت سے دیکھے جا رہے تھے۔

''مگر کیوں.....؟ تم کون ہو؟'' حمید بالآخر بولا۔

''چلو.....ورنہ جس طرح ٹائر پھاڑا تھا تمہارے سروں کے پرخچے بھی اڑا سکتے تھے۔''

''اچھا تو کیوں نہیں اڑائے پرخچے۔''

''یہ بھی ہو جائے گا اگر تم نے حکم کی تعمیل نہ کی۔''

''قہاں کے لاٹ صاحب ہو حکم دینے والے۔'' قاسم غرایا تھا۔

''خاموشی سے حکم مان لو۔'' حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''تمہاری وجہ سے مجبوری ہے۔ ورنہ دیکھتا ان پانچوں رائفلوں کو۔''

''میری وجہ سے قیا مجبوری ہے۔''

''ایک گولی بھی پڑ گئی تو تربوز کی طرح پھٹ جاؤ گے۔''

''ہاں..... یہ بات تو ہے.....!'' قاسم نے بڑی سعادت مندی سے کہا۔ ''میں تمہاری طرح پھرتی سے پینترے بھی نہیں بدل سکتا۔''

''کیا سنا نہیں تم لوگوں نے۔''

''کہاں لے چلو گے.....؟'' حمید نے بڑے رسان سے پوچھا۔

لیکن اُس کی بات کا جواب دینے کی بجائے وہ قاسم کی طرف متوجہ ہو گیا تھا جو ابھی جیپ ہی پر بیٹھا ہوا تھا۔

''نیچے اُترو۔'' رائفل والے نے اُس سے کہا۔

''اتنا بھاری ہوں کہ جنبش بھی نہیں کر سکتا۔ تمہی لوگ اُتار لو قسی طرح۔'' قاسم نے بیحد سنجیدگی سے کہا تھا۔

''بیٹھے کس طرح تھے۔''

''پہلے اونٹ پر بیٹھا تھا پھر اونٹ نے سیٹ پر بٹھا دیا تھا۔''

''بکواس مت کرو.....ورنہ زخمی کر کے نیچے کھینچ لیں گے۔''

''آخر قصور بھی تو معلوم ہو۔'' حمید بولا۔

''ہم نہیں جانتے۔ اس سے کہو نیچے اُترے۔ ورنہ سچ مچ گولی مار دوں گا۔'' کہہ کر اُس نے رائفل کا بولٹ سرکایا تھا۔

''اُتر بھی آؤ۔'' حمید نے لاپرواہی سے کہا۔ ''کوئی خاص بات نہیں معلوم ہوتی۔ تمہیں یاد ہوگا کہ پچھلے سال ایک آدمی نے جوتے مار مار کر تمہیں بھینس کے پائے کھلائے تھے۔''

''قون مارے غا سالا.....!'' قاسم غرایا۔

''اُو بھائی.....!'' حمید آہستہ سے رائفل والے سے بولا۔ ''اس سے کہو کہ بکرے کی تین رانیں بھنی رکھی ہیں۔ رائفل کی نال پر بھی بیٹھ کر تمہارے ساتھ چلا جائے گا۔''

''تم ہی کہو.....!'' وہ غرایا۔

''میری بات کا اثر نہیں ہوگا۔''

''شائد تم دونوں پاگل ہو۔'' وہ آدمی بھنا کر بولا۔

''یہ کیسے سمجھ لیا تم نے۔''

''یہ سچ مچ کی رائفلیں ہیں۔''

''میں کب کہہ رہا ہوں کہ کھلونے ہیں۔'' حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

اچانک پیچھے کھڑے ہوئے ایک آدمی نے حمید کی گردن پر رائفل کا کندہ رسید کر دیا۔ وہ دھڑام سے نیچے چلا آیا اور گرتے ہی بے حس و حرکت ہو گیا۔

''ابے اور حرام جلادے..... یہ کیا قر دیا تو نے۔'' قاسم دھاڑتا ہوا جیپ سے نیچے اُترا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے رائفلوں کی نالیں تک چبا ڈالے گا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُس پر بھی رائفلوں کے کندے پڑنے لگے تھے۔

وہ چیختا رہا..... دھاڑتا رہا۔ لیکن وہ بڑے پھرتیلے تھے۔ ایک بھی اُس کے ہاتھ نہ آ سکا اور پھر اُس کا بھی وہی حشر ہوا جو ذرا دیر قبل حمید کا ہوا تھا۔

کریم آباد کے ڈی ایس پی سٹی نے مضطربانہ انداز میں کرنل فریدی کی طرف دیکھا جو اُس کی کہانی سن کر غضب ناک انداز میں خاموش ہو گیا تھا۔

''وہ گولی کہاں ہے جو جیپ کے ٹائر کے اندر سے برآمد ہوئی تھی۔'' اُس نے ڈی ایس پی کی طرف دیکھے بغیر سوال کیا۔

''لیبارٹری میں.....ایکسپرٹ کی رپورٹ کے مطابق تھری ناٹ تھری کی گولی ہے۔''

''پوری رپورٹ چاہئے۔''

''ابھی منگوائے دیتا ہوں۔'' کہہ کر اُس نے فون کا ریسیور اٹھایا تھا۔ نمبر ڈائیل کئے اور کسی سے رپورٹ لانے کو کہا تھا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ براہِ راست پلین ہی سے کیوں نہیں گیا تھا۔ یہاں اُتر کر آپ کی جیپ کیوں لے گیا۔'' فریدی نے پُرتفکر لہجے میں کہا۔ ''اور پھر آپ کے بیان کے مطابق جیپ سرخاب ویلی کی سڑک کی بجائے ڈیرہ غزن خان کے نواح میں ملی تھی۔''

''جی ہاں! مجھے بھی اس پر حیرت ہے۔ وہ خان اعظم کا علاقہ ہے۔''

''مجھے علم ہے۔''

''اُن کے علاقے سے رہزنی کی رپورٹیں بھی ملتی رہتی ہیں۔''

''سوال یہ ہے کہ رہزن اُن دونوں کو کہاں اور کیوں لے گئے۔ رہزنی کا مقصد ہوتا ہے ڈاکہ.....اگر دونوں مارے بھی گئے تو لاشیں ہی ملنی چاہئے تھیں۔''

''میں خود بھی حیران ہوں۔''

''آپ کہتے ہیں کہ اُس دن اُس نواح میں طوفانی بارش ہوئی تھی۔ ایسی صورت میں وہ شارٹ کٹ کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔''

''لیکن اُدھر تو وہ دوسرے دن پہنچے تھے۔ کارواں سرائے سے یہی معلوم ہوا تھا۔ اُن کے ساتھی کی وجہ سے ان لوگوں کو وہاں اُن کی آمد یاد رہی تھی۔''

''دوسرے دن کا یہ مطلب ہوا کہ راستے ہی میں کہیں رک کر انہوں نے رات گزاری تھی.....لیکن کہاں.....؟''

''ریگم بالا کے ریسٹ ہاؤز میں بھی گزار سکتے ہیں۔''

''لیکن ڈیرہ غزن کا راستہ ریسٹ ہاؤز سے دو ڈھائی میل ادھر ہی سے گیا ہے۔''

''کیا یہ ممکن نہیں کہ رات انہوں نے ریسٹ ہاؤز میں گزاری ہو اور صبح کو پھر پلٹے ہوں اور ڈیرہ غزن کا راستہ اختیار کیا ہو؟''

''الٹی کھوپڑیاں سب کچھ کر گزرتی ہیں۔'' فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ اُس کی آنکھوں سے گہری فکرمندی ظاہر ہو رہی تھی۔

''کارواں سرائے میں اور کیا معلوم ہوا تھا۔'' اُس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

''یہی کہ رکے تھے اور چھ سات سیر کے قریب کڑاہی تکے کھائے تھے اور آگے بڑھ گئے تھے۔ خوش خورا کی کا ذکر حیرت سے کیا گیا تھا۔''

''وہ دوسرا آدمی بلا خور ہے۔ ہوسکتا ہے اسی لئے انہوں نے وہ راستہ اختیار کیا ہو۔ تو پھر تفتیش کا آغاز ریسٹ ہاؤز ہی سے کرنا چاہئے۔''

''کیا فائدہ۔'' ڈی ایس پی بولا۔ ''جیپ تو ڈیرہ غزن میں ملی تھی۔''

''سوال تو یہ ہے کہ انہوں نے وہ راستہ کیوں اختیار کیا اور پھر دوسرے دن .....اُسی دن کی بات بھی ہوتی تو نظر انداز کی جاسکتی تھی۔ آخر انہوں نے رات کہاں بسر کی۔''

''کیا میں بھی چلوں۔''

''نہیں.....اس کی ضرورت نہیں۔''

''مجھے بے حد افسوس ہے کرنل صاحب۔''

''بھول جاؤ۔'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''مجھے دشواریوں میں ڈالتے رہنا اُس کی ہوبی ہے۔''

پھر وہ پولیس اسٹیشن سے نکل کر اپنی گاڑی میں بیٹھا تھا اور وادی سرخاب والی سڑک پر ہولیا تھا۔

اُسے علم تھا کہ حمید نے پلین میں دو سیٹیں وادی سرخاب کے لئے بک کرائی تھیں۔ لیکن کریم آباد ہی میں پلین کے سفر کو خیر باد کہہ کر ڈی ایس پی سٹی کی جیپ حاصل کی اور بقیہ سفر

بائی روڈ طے کرنے کی ٹھانی۔ آخر کیوں؟ ٹائیفائڈ سے اٹھا تھا۔ یوں بھی طویل ڈرائیونگ مناسب نہیں تھی۔ خیر اگر اسے افتادِ طبع کا نتیجہ باور کرلیا جائے تو سیدھا سادھا راستہ ترک کرکے ڈیرہ غزن والا دشوار راستہ اختیار کرنے والی بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آرہی تھی اور پھر دوسرے دن۔ رات اگر ریسٹ ہاؤز میں گزاری تھی تو دوسرے دن وہیں سے سڑک پر سفر جاری رکھ سکتا تھا۔ کئی میل پیچھے پلٹ کر راستہ کیوں اختیار کیا۔

فریدی اُس راستے کو نظر انداز کرکے سڑک ہی پر کار ڈرائیو کرتا ہوا ریگم بالا کے ریسٹ ہاؤز تک جا پہنچا۔ وہاں سناٹا نظر آیا۔ کمپاؤنڈ میں کوئی گاڑی بھی موجود نہیں تھی۔ برآمدے میں پہنچ کر اُس نے محافظ کو آوازیں دیں۔

اُس نے ایک کمرے سے برآمد ہوکر کہا۔ ''سٹنگ روم کھلا ہوا ہے جناب۔ میں گاڑی سے سامان اُتارتا ہوں۔''

اُسکے چہرے سے نقاہت ظاہر ہو رہی تھی اور آواز میں کراہنے کا سا انداز پایا جاتا تھا۔

''نہیں! اس کی ضرورت نہیں۔ میں قیام نہیں کروں گا۔ تھوڑی سی پوچھ گچھ کرنی ہے۔ آؤ سٹنگ روم ہی میں چلیں۔''

''جج.....جی بہت اچھا۔'' اُس کے لہجے میں حیرت تھی۔

دونوں سٹنگ روم میں آئے اور فریدی نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ ''بیٹھ جاؤ۔''

''نہیں صاحب! ٹھیک ہے۔''

''بیٹھ جاؤ۔ تم کچھ بیمار بیمار سے لگ رہے ہو۔''

''جی ہاں.....!'' وہ کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ''کئی دن سے سرِشام بہت تیز بخار ہوجاتا ہے۔ رات بھر بھنتا رہتا ہو.....صبح نو بجے تک اُتر جاتا ہے۔''

''کوئی دوا وغیرہ۔''

''جو شاندہ.....صاحب۔''

''نہیں.....اس سے کام نہیں چلے گا۔ میں تمہیں دوا دوں گا۔ ہفتے کی شام کو یہاں دو آدمی آئے تھے۔ اُن میں سے ایک بہت لمبا چوڑا تھا۔''

''ہفتے کی شام کو۔'' وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''جب تک میں ٹھیک تھا اُس وقت تک تو کوئی

بہت لمبا چوڑا آدمی نہیں آیا تھا.....سردی لگنی شروع ہوئی ہی تھی کہ خان عظمت کے گھرانے کے کچھ لوگ آئے تھے۔ آپ جانتے ہوں گے خان اعظم کے چھوٹے بھائی کو۔''

''میں جانتا ہوں۔''

''میں نے کنجیاں اُن کے حوالے کی تھیں اور معذرت کرکے اپنی کوٹھری میں چلا گیا تھا۔ پھر مجھے ہوش نہیں۔ اُس کے بعد اگر کوئی آیا ہو تو میں نہیں جانتا۔''

''دوسری صبح تو.....تم نے انہیں رخصت کیا ہوگا۔''

''نہیں جناب! نو بجے آنکھ کھلی تھی تو کنجیاں سرہانے رکھی پائی تھیں اور وہ لوگ جو چکے تھے۔ ریسٹ ہاؤز میں کوئی بھی نہیں تھا۔''

''سنا ہے اُس شام بہت تیز بارش ہوئی تھی۔''

''جی ہاں.....کچھ یاد پڑتا ہے.....وہ لوگ بارش ہی کے آثار دیکھ کر یہاں رکے تھے ورنہ نکلے چلے جاتے۔''

''وہ کتنے آدمی تھے؟''

''شائد تین.....خانم تھیں، اُن کا بیٹا اور بیٹی۔''

''ہوسکتا ہے وہ دونوں بعد میں آئے ہوں۔ تمہیں خبر ہی نہ ہو۔''

''ہوسکتا ہے جناب عالی۔''

''تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔''

''نہیں جناب۔ اُس دن مالی بھی نہیں تھا۔ اپنے گھر چلا گیا تھا۔ اُس کی بیوی بیمار ہے۔''

''اچھا تو گاڑی تک چلو.....میں تمہیں دوا دے دوں۔ دن میں تین بار ایک ایک ٹکیہ لیتے رہنا۔ ٹھیک ہوجاؤ گے۔''

''خدا خوش رکھے جناب۔ ذرا دیر نہیں ٹھہریں گے کہ میں آپ کیلئے چائے بنادوں۔''

''نہیں شکریہ۔ پھر کبھی.....!'' وہ اُس کا شانہ تھپک کر بولا۔

''کیا کوئی کھو گیا ہے جناب۔''

''ہاں.....وہ دونوں ہفتے کو ادھر ہی آئے تھے اس کے بعد سے ان کا کوئی پتہ نہیں۔''

''خدا کرے مل جائیں۔''

وہ فریدی کے ساتھ گاڑی تک آیا تھا اور فریدی نے ڈکے کھول کر فرسٹ ایڈ باکس نکالا تھا اور ایک شیشی اُسے پکڑا دی تھی۔ پھر پرس سے دس دس کے تین نوٹ کھینچے تھے اور اُسے دیتا ہوا بولا۔ ''اس دوا کے ساتھ دودھ ضرور استعمال کرتے رہنا۔''

''اللہ آپ کی عمر دراز کرے۔''

فریدی گاڑی میں بیٹھ ہی رہا تھا کہ اُس کی نظر برآمدے کے نیچے کیچڑ کے ایک ڈھیر پر پڑی اور پھر وہاں کوئی ایسی ہی چیز دکھائی دی تھی کہ وہ پھر گاڑی سے اُتر آیا تھا۔

محافظ بھی اُسی طرف متوجہ ہوگیا کیونکہ فریدی کیچڑ کے ڈھیر کی طرف بڑھ گیا تھا۔

پہلے اُس نے جوتے کی ٹو سے سیاہ رنگ کے چمڑے کے اُس تسمے کو چھوا تھا جو کیچڑ کے ڈھیر پر اُبھرا ہوا نظر آیا تھا۔ پھر جھک کر اُسے نکال لینے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ محافظ بھی پاس آ کھڑا ہوا لیکن خاموشی سے دیکھتا رہا۔

تسمے کے دوسرے سرے پر کیچڑ سے لتھڑی ہوئی جو چیز نظر آئی تھی وہ ایک ٹیپ ریکارڈر کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔

''پتا نہیں کس کا گر گیا ہے۔'' محافظ بڑبڑایا۔

''ذرا دوڑ کر کسی برتن میں پانی تو لاؤ۔'' فریدی نے اُس سے کہا اور وہ وہاں سے چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد ٹیپ ریکارڈر دھل دھلا کر اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔

''کیا خیال ہے۔ یہ بارش ہی والی رات کو یہاں گرا ہوگا اور اس کا مالک اندھیرے کی وجہ سے اسے تلاش نہ کرسکا ہوگا۔'' فریدی نے محافظ کی طرف دیکھ کر کہا۔

''خدا ہی جانے۔''

''یہی بات ہوسکتی ہے۔ ورنہ وہ اسے چھوڑ نہ جاتا۔'' فریدی نے اُس کا سوئچ آن کرتے ہوئے کہا۔ خلاف توقع سیل ضائع نہیں ہوئے تھے۔ کیونکہ کیسٹ گھومنے لگا تھا۔

پہلے تو محافظ کی آنکھوں میں حیرت نظر آئی تھی۔ پھر وہ ہنس پڑا تھا۔ کیونکہ ٹیپ ریکارڈر سے کسی بلی کے مسلسل ''میاؤں، میاؤں'' کے علاوہ اور کوئی آواز نہیں نکل رہی تھی۔

فریدی نے کیسٹ کو ریوائنڈ کیا اور پھر سننے لگا۔ بہرحال پورے کیسٹ میں صرف بلی ہی کی آواز بھری ہوئی تھی۔

''اچھی بات ہے..... میں اسے لے جا رہا ہوں۔'' اُس نے محافظ سے کہا۔ ''ممکن ہے یہ عظمت محل ہی والوں کا ہو۔ میں اُدھر ہی جا رہا ہوں۔''

''جیسی مرضی جناب کی۔''

پھر فریدی وادی سرخاب کی طرف روانہ ہوگیا تھا۔ ایک جگہ گاڑی روک کر اُس نے ٹیپ ریکارڈر اٹھایا اور کیسٹ نکال کر اُسے بغور دیکھنے لگا۔ پھر الٹ کر ٹیپ ریکارڈر میں لگایا اور سوئچ آن کردیا۔ اس طرف مختلف فلموں کے گانے ریکارڈ کئے ہوئے تھے۔

اُس نے طویل سانس لی تھی اور سوئچ آف کر کے دوبارہ گاڑی کا انجن اسٹارٹ کیا تھا۔

قریباً ایک گھنٹے بعد وہ سرخاب ویلی میں داخل ہوا اور سیدھا عظمت محل کی طرف نکلا چلا گیا۔

پھاٹک پر چوکیدار نے اُس کا نام معلوم کیا تھا اور فون پر اُس کی آمد کی اطلاع کسی اور کو دی تھی۔ پھر تھوڑی دیر بعد فریدی سے بولا تھا۔ ''آپ اندر تشریف لے جاسکتے ہیں جناب۔''

اس کا استقبال ''دیوان خانے'' میں کیا گیا تھا۔ خود خانم موجود تھیں۔ ناصر اور شاہدہ تو بچھے جا رہے تھے۔

رسمی باتوں کے بعد دفعتاً خانم نے لہجہ کسی قدر بگاڑ کر کہا۔ ''اگر پرانے خاندانی تعلقات مدنظر نہ ہوتے تو میں ملنے سے انکار کردیتی۔''

''مجھ سے کون سا قصور سرزد ہوا ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''میں نے تمہارے اسسٹنٹ کیپٹن حمید سے صاف کہہ دیا تھا کہ ہمارے نجی معاملات میں کسی کی دخل اندازی پسند نہیں کی جائے گی۔''

''تو وہ اُس رات ریسٹ ہاؤز ہی میں تھا۔''

''ہاں وہیں تھا۔''

''تو پھر مجھے قطعی علم نہیں کہ اُس نے آپ کے کس نجی معاملے میں دخل اندازی کی تھی۔ کیونکہ میں خود اُس کی تلاش میں ہوں۔''

''میں انہیں اپنے ساتھ لانا چاہتا تھا۔'' ناصر بول پڑا۔ ''لیکن شائد انہوں نے کسی وجہ سے ڈیرہ غزن خان والے راستے کو ترجیح دی تھی۔''

فریدی نے ٹیپ ریکارڈر کو زانو پر رکھ لیا تھا۔ لیکن کسی نے اُس کی طرف توجہ تک نہ

دی۔ اُس نے کچھ دیر خاموش رہ کر کہا۔

''کیپٹن حمید اپنے دوست سمیت لاپتہ ہوگیا ہے۔ اُن کی جیپ ڈیرہ غزن کے نواح میں ملی ہے۔ پچھلا ٹائر فلیٹ ہوگیا تھا اور اُس کے اندر سے رائفل کی گولی ملی ہے۔''

وہ تینوں حیرت سے اُسے دیکھے جارہے تھے۔

''میں نہیں سمجھ سکتا کہ آخر اُس نے ڈیرہ غزن والا راستہ کیوں اختیار کیا۔''

''ہم نے انھیں مجبور کرنے کی کوشش کی تھی کہ ہمارے ساتھ آئیں اور محل ہی میں قیام کریں۔'' شاہدہ بولی۔

''کیا آپ بتاسکیں گے کہ اُس نے وہ راستہ کیوں اختیار کیا تھا۔'' فریدی نے ناصر سے پوچھا۔

''نہیں..... اس کا ذکر ہی نہیں آیا۔ ہم اُن سے پہلے ہی روانہ ہوگئے تھے۔ ویسے انہوں نے یہ ضرور کہا تھا کہ وہ شارٹ کٹ اختیار کریں گے جو ڈیرہ غزن کے راستے کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔''

''ٹائر میں رائفل کی گولی.....!'' خانم کچھ کہتے کہتے رک گئیں پھر بولیں۔ ''کئی رہزنوں کی خبریں بھی اس دوران میں ملی ہیں۔''

''رہزن مال لے جاتے ہیں۔ اُن دونوں کو کیوں لے جانے لگے۔''

کوئی کچھ نہ بولا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی نے طویل سانس لے کر کہا۔ ''خیر..... اتنا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے وہ رات ریسٹ ہاؤز میں ہی گزاری تھی۔ اُوہ..... یہ تو بھول ہی گیا۔''

اُس نے خاموش ہوکر ناصر کی طرف دیکھا اور پھر بولا۔ ''کیا آپ لوگ اپنی کوئی چیز ریسٹ ہاؤز میں بھول آئے تھے۔''

''نہیں تو۔''

''یادداشت [illegible] دیجئے۔'' فریدی نے ٹیپ ریکارڈر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''نہیں [illegible] چیز نہیں۔''

''یہ ٹیپ [illegible] مجھے کمپاؤنڈ میں کیچڑ کے ڈھیر میں دبا ہوا ملا تھا۔ میں نے سوچا

شائد آپ ہی کا ہو۔''

دفعتاً ناصر کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں اور وہ ہکلایا تھا۔ ''جج..... جی ہاں..... شش شائد میرا ہی ہے۔''

''کیا آپ کو بلی کی آواز بہت پسند ہے۔''

''کیا مطلب.....؟'' خانم تڑک کر بولیں۔

''کیسٹ میں ایک طرف صرف بلی کی آواز بھری ہوئی ہے۔''

ان الفاظ کا ردعمل فریدی کو بڑا عجیب لگا۔ خانم کا منہ پہلے تو حیرت سے کھلا تھا پھر انہوں نے قہر آلود نظروں سے بیٹے کی طرف دیکھا تھا اور بیٹے کا یہ عالم تھا جیسے اب بیہوش ہی ہوجائے گا۔ شاہدہ اٹھی تھی اور کچھ کہے سنے بغیر وہاں سے چلی گئی تھی۔

''ممی.....!'' ناصر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''کسی نتیجے پر پہنچنے میں جلدی نہ کیجئے گا۔''

''میں معافی چاہتی ہوں کمال میاں۔'' خانم نے کہا تھا اور وہ بھی اٹھی تھیں اور دیوان خانے سے چلی گئی تھیں۔

فریدی خاموش بیٹھا جواب طلب نظروں سے ناصر کی طرف دیکھتا رہا۔

''یہ ہماری بدنصیبوں کی کہانی ہے کرنل صاحب۔'' ناصر بالآخر بولا۔ ''ممی نہیں چاہتیں کہ بات گھر سے باہر نکلے اور میں نہیں جانتا کہ اب وہ میرا کیا حشر کریں گی۔ مجھے یقین ہے کہ کیپٹن حمید کو ضرور کوئی حادثہ پیش آیا ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے ہماری مدد کرنے کی کوشش کی تھی۔''

وہ خاموش ہوگیا اور فریدی سگار کا گوشہ توڑنے لگا۔ اُس نے سگار سلگایا تھا اور نظریں ناصر کے چہرے پر جمادی تھیں۔

''کیپٹن حمید زخمی بھی ہوگئے تھے۔'' ناصر رک رک کر بولا۔

''ناصر میاں! اب اس سسپنس کو ختم کرو۔'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ حمید کے زخمی ہوجانے کی اطلاع پر اُس نے کسی قسم کے اضطراب کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ بات کہاں سے شروع کروں۔'' ناصر بولا۔

''کہیں سے بھی شروع کردو۔ میں کڑیاں ملالوں گا۔''

''شاہدہ ایک عجیب وغریب مرض میں مبتلا ہوگئی ہے۔ ممی اُس کی پبلسٹی نہیں چاہتیں۔ وہ

ایک دلیر لڑکی ہے۔ خوف اور دہشت نام کے الفاظ اُس کی ڈکشنری ہی میں نہیں ہیں۔ لیکن پچھلے دو ماہ سے اُس کا یہ عالم ہے کہ جہاں اُس نے کوئی بلی دیکھی یا بلی کی آواز سنی۔ چیخ مار کر بیہوش ہو جاتی ہے۔ اس ٹیپ ریکارڈر کی بناء پر کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جایئے گا۔ اس کی طرف بھی آ رہا ہوں۔ بہرحال میں نے ممی سے کہا تھا کہ شاہدہ کو کسی ماہر نفسیات کے پاس لے جاؤں۔ لیکن انہوں نے سختی سے اس کی مخالفت کی۔ ان کا خیال ہے کہ اس طرح بات پھیل جائے گی اور شاہدہ کا رشتہ ملنے میں دشواری ہوگی۔''

''ہاں..... ایسا بھی ہوتا ہے۔ اُن کا خیال درست ہے۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔

''لیکن میری نظروں میں انسانی زندگی زیادہ اہم ہے اور بقیہ چیزوں کو ثانوی حقیقت دیتا ہوں۔ میں نے اُن کی لاعلمی میں یہاں کے سب سے بڑے سائیکیٹرسٹ ڈاکٹر نجیب سے رجوع کیا اور اپنی دشواری بھی بتائی۔ ایک طرح سے وہ میرے دوست بھی ہیں۔ انہوں نے کہا فکر نہ کرو کوئی ایسی تدبیر کر لی جائے گی کہ میں مریضہ کو دورے کی حالت میں اس طرح دیکھ سکوں کہ ممی کو اس کا علم نہ ہونے پائے۔ یہ ٹیپ ریکارڈر ڈاکٹر نجیب ہی کا ہے۔ بہرحال اُن کے مشورہ سے میں نے ایک اسکیم بنائی۔ ممی اور شاہدہ کو کریم آباد لے گیا۔ اسکیم یہ تھی کہ واپسی کے سفر میں ریگم بالا کے ریسٹ ہاؤز کے قریب گاڑی میں کوئی نقص پیدا کر کے رات ریسٹ ہاؤز ہی میں گزارنے کی تجویز پیش کروں گا اور پھر وہیں ڈاکٹر نجیب چھپ کر بلی کی آواز کا ردعمل شاہدہ پر دیکھنے کی کوشش کریں گے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ موسم ہی خراب ہو گیا اور گاڑی میں نقص پیدا کئے بغیر ہی ریسٹ ہاؤز میں قیام کرنے کا موقع نصیب ہو گیا اور اُس وقت ریسٹ ہاؤز بالکل خالی تھا۔ چوکیدار بخار میں پڑا ہوا تھا۔ اُس نے کنجیاں میرے حوالے کر دی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد حمید صاحب اور اُن کے دوست بھی آ گئے تھے۔''

''اور اُن دونوں کے آ جانے کی بناء پر ڈاکٹر نجیب تجربہ نہ کر سکے ہوں گے۔''

''نہیں جناب..... تجربہ ہوا تھا اور کیپٹن حمید بلی کو بھگا دینے کے لئے باہر گئے تھے اور انہوں نے غالباً ڈاکٹر نجیب کو بھاگتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ بہرحال وہ بات تو وہیں ختم ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر نجیب اُن کے ہاتھ نہیں آ سکے تھے لیکن شائد ٹیپ ریکارڈر اُن کے ہاتھ سے چھوٹ کر کیچڑ میں گر گیا تھا۔''

''کیا اسی بھاگ دوڑ میں حمید زخمی ہوا تھا۔''

''جی ہاں.....!'' ناصر نے کہا۔ لیکن فریدی نے فوراً ہی اُس کی آنکھوں میں ایسے تاثرات دیکھے جن کی بناء پر اُسے اُس کے جواب پر یقین نہ آ سکا۔

''کیا تم کچھ دیر کے لئے میرے ساتھ باہر چل سکو گے۔''

''جج..... جی ہاں..... کیوں نہیں۔'' ناصر نے کہا اور مڑ کر اُس دروازے کی طرف دیکھنے لگا جس سے اُس کی ماں اور بہن گزر کر اندر گئی تھیں۔

وہ دونوں باہر آئے تھے اور فریدی نے ناصر کے لئے اگلی سیٹ کا دروازہ کھولا تھا۔

''میں اپنی گاڑی سے نہ چلوں۔'' ناصر نے کہا۔

''نہیں..... میں واپس پہنچا دوں گا..... فکر نہ کرو۔''

گاڑی پھاٹک سے نکل کر سڑک پر آئی تھی اور فریدی بولا تھا۔ ''میرے باپ اور تمہارے نانا گہرے دوست تھے۔''

''جی ہاں..... ممی نے بتایا تھا مجھے۔''

''اور خان عظمت سے میرے مراسم تھے۔''

''مجھے اس کا بھی علم ہے۔''

''حالانکہ وہ مجھ سے عمر میں بڑے تھے لیکن ہمارے درمیان کوئی تکلف نہیں تھا۔''

ناصر کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد فریدی نے کہا۔ ''تمہارے خاندان میں یہ دوسرا کیس ہے۔''

''کس کیس کی بات کر رہے ہیں.....!'' ناصر بولا۔

''یہی بلی کی آواز سے خوفزدہ ہو جانا۔''

''لیکن مجھے کسی پہلے کیس کا علم نہیں ہے۔''

''وہ بات بھی پھیلنے نہیں دی گئی تھی۔ میرے بچپن کے زمانے کی بات ہے۔ تمہاری ایک پھوپھی روشن زمانی خانم تھیں۔''

''جی ہاں..... میں نے اُن کا نام سنا ہے۔ جوانی ہی میں انتقال کر گئی تھیں۔''

''وہ بھی اچانک اسی مرض میں مبتلا ہو گئی تھیں اور پندرہ دن سے زیادہ زندہ نہیں رہی تھیں۔''

''یقین کیجئے..... مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ ممی نے بھی کبھی نہیں بتایا۔''

''اُسی دوران میں ایک رات جب وہ سو رہی تھیں باہر بلیوں نے لڑنا شروع کر دیا اور وہ دہشت زدگی ہی کے عالم میں انتقال کر گئیں۔''

''خدا کی پناہ! تب تو شاہدہ بڑے خطرے میں ہے۔''

''خاص طور پر خیال رکھو کہ محل کے آس پاس کوئی بلی نہ پائی جائے۔''

''اب تو میں اس کے لئے الگ سے عملہ رکھوں گا۔''

فریدی نے گاڑی ہوٹل گلریز کے کمپاؤنڈ میں روکی تھی۔

''کافی کی خواہش ہو رہی تھی۔ کیا خیال ہے.....؟'' فریدی نے کہا۔

''ضرور.....ضرور.....چلئے۔''

وہ ڈائننگ ہال میں آئے تھے۔ فریدی نے ایک دور افتادہ میز منتخب کی۔

کافی کا آرڈر دینے کے بعد وہ ناصر کو بغور دیکھتا ہوا بولا۔ ''بسا اوقات آدمی کو وہ بھی کرنا پڑتا ہے جسے وہ قطعی پسند نہیں کرتا۔''

''جی ہاں.....!'' ناصر یونہی رواروی میں بولا۔ پھر اُس نے غور سے فریدی کی طرف دیکھا تھا۔ لیکن فریدی اب اپنے جوتے کی ٹو پر نظر جمائے ہوا تھا۔

''مم.....میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا؟''

''تمہیں اُس وقت ریسٹ ہاؤز میں اُن دونوں کی آمد ضرور ناگوار گزری ہوگی۔''

''کسی قدر.....!'' ناصر مسکرایا۔

''کتنے نروس ہو گئے ہوگے اُس وقت جب حمید بلی کو بھگانے کے لئے دوڑا ہوگا۔''

''قدرتی بات ہے۔''

''باہر گہرا اندھیرا ہوگا۔''

''ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا تھا۔''

''کیا تم اسے پسند کرتے کہ حمید ڈاکٹر نجیب کو پکڑ لیتا۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

اتنے میں کافی آ گئی اور فریدی نے موضوع گفتگو بدل دیا۔ مختلف ممالک کی کافی پر بات ہونے لگی تھی۔ دونوں کافی کی چسکیاں لیتے رہے۔ دفعتاً فریدی نے پوچھا۔ ''حمید کے

کہاں چوٹ آئی تھی۔''

''سر پر.....!'' ناصر بولا۔

''ہوں.....!'' فریدی طویل سانس لے کر ناصر کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''اندھیرے میں جہاں ہاتھ کو ہاتھ نہ سجھائی دیتا ہو کام بھی بن جاتا ہے اور بعد میں بات بھی بنائی جا سکتی ہے۔''

''میں نہیں سمجھا.....آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟''

''جب وہ بلی کو بھگانے برآمدے میں آیا تھا تو تم بھی اُس کے ساتھ رہے ہوگے۔''

''میں بعد میں پہنچا تھا۔''

''اور اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر اُس کے سر پر ضرب لگائی تھی کہ وہ ڈاکٹر نجیب کے پیچھے نہ جا سکے۔''

''یہ بہتان ہے۔'' ناصر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔

وہ بُرا سا منہ بنائے ہوئے بیٹھ گیا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

''میں تمہیں الزام نہیں دیتا۔'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ ''میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ بسا اوقات آدمی کو وہ کچھ کرنا پڑتا ہے جسے وہ قطعی پسند نہیں کرتا۔''

''قسم ہے خدائے لم یزل کی۔ میں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی تھی۔''

''مجھے یقین آ گیا۔'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''لیکن اب مجھے سچی بات بتانی ہی پڑے گی۔ خواہ ممی میری گردن ہی کیوں نہ اڑا دیں۔'' ناصر نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''میں بھی یہی چاہتا ہوں.....اور ممی کے عتاب سے بچانے کا ذمہ بھی لے سکتا ہوں۔'' فریدی نے کہا۔

ناصر تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔ ''وہ چاہتی ہیں کہ خاندانی جھگڑے باہر نہ جائیں۔ لیکن جب دوسرے بلاوجہ کمینگی پر آمادہ ہوں تو میں تو اسے بزدلی ہی سمجھوں گا کہ اینٹ کا جواب پتھر سے نہ دیا جائے۔''

''یقیناً ایسا ہی ہونا چاہئے۔''

''ایک طرف میں نے شاہدہ کے سلسلے میں اسکیم بنائی تھی اور دوسری طرف کوئی ہمیں خوفزدہ کرنے کیلئے کریم آباد ہی سے ہمارے پیچھے لگ گیا۔ کھانے کی باسکٹ میں اُس نے بڑا سا کالا سانپ رکھ دیا تھا۔ لہٰذا جب ہم کھانے کیلئے بیٹھے اور جیسے ہی باسکٹ کھولی وہ پھن اٹھا کر کھڑا ہوگیا۔ اگر حمید صاحب نہ ہوتے تو پتا نہیں کیا ہوتا۔ انہوں نے اُسے قابو میں کرکے پھر باسکٹ میں بند کردیا تھا اور یہ بھی بتایا تھا کہ زہر کی تھیلی نکال لی گئی ہے۔ سانپ بے ضرر ہے۔''

فریدی بڑی توجہ سے سن رہا تھا۔ ناصر کہتا رہا۔ ''اُس کے بعد میں حمید صاحب کے ساتھ گاڑی سے دوسری باسکٹ نکال لانے کے لئے باہر نکلا تھا۔ حمید صاحب کسی سے ٹکرائے تھے اور اُسے پکڑ لیا تھا۔ اندھیرے ہی میں ہاتھا پائی ہونے لگی تھی۔ پھر وہ اُن کی گرفت سے نکل گیا تھا اور وہ اُس کے پیچھے دوڑے گئے تھے۔ میں پسٹل لینے کے لئے پھر کمرے میں پلٹ آیا۔ واپسی میں قاسم صاحب بھی میرے ساتھ تھے۔ ہم نے حمید صاحب کو آوازیں بھی دیں لیکن اُن کا کہیں پتا نہ تھا۔ پھر ہم پھاٹک کی طرف بڑھے۔ پھاٹک کے باہر حمید صاحب بیہوش پڑے ملے۔ ان کے سر کے پچھلے حصے سے خون بہہ رہا تھا۔ لیکن دور دور تک اور کوئی نظر نہ آیا۔ حمید صاحب نے شائد ایک فائر بھی کیا تھا۔

''تو تم اسے جانتے ہو جو تم لوگوں کو خوفزدہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''پہلے تو تاریکی ہی میں تھا لیکن جب وہ جوتا سامنے آیا..... دراصل جس آدمی سے حمید صاحب کا ٹکراؤ ہوا تھا وہ اُس جوتے ہی کو وہاں چھوڑ جانے کے لئے آیا تھا۔''

فریدی کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں اور پھر وہ چونک کر بولا۔ ''اُوہ تو یہ بات ہے۔ اس لئے تمہاری ممی نے کہا تھا کہ وہ اپنے نجی معاملات میں کسی کی دخل اندازی پسند نہیں کرتیں۔''

''اُوہ..... آپ جانتے ہیں۔''

''ہاں..... مجھے علم ہے۔ یہ روایت تمہارے پردادا کے دور سے چلی آ رہی ہے۔ وہ جس سے بھی ناراض ہوتے تھے اُسے اپنا جوتا بھجوا دیتے تھے۔ جس کا یہ مطلب ہوتا تھا کہ اب اس کی خیر نہیں۔ لیکن تمہارے دادا بہت نیک آدمی تھے..... اُن کا زمانہ امن اور آشتی کا زمانہ تھا۔ ویسے تمہارے پردادا نے بھی کبھی خاندان کے کسی فرد کے لئے جوتا نہیں بھجوایا تھا۔ کیا میں

یہ سمجھ لوں کہ خانِ اعظم اُن سے بھی آگے نکل جانے کی سوچ رہے ہیں۔''

''ممی مجھے یہ بھی نہیں بتاتیں کہ جھگڑا کیا ہے؟''

''وہ نہیں بتائیں گی..... خان شہباز جیسے غیور آدمی کی بیٹی ہیں۔''

''میں تو تصور بھی نہیں کرسکتا کہ خان بابا اس طرح ہمارے دشمن ہوجائیں گے۔ ابھی دو ماہ قبل کی بات ہے کہ شاہدہ اُنکے پاس اُن کے دیہی محل میں قریباً پندرہ دن مقیم رہی تھی۔''

''اچھا.....!'' فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔ ''ذرا یہ تو بتاؤ کہ شاہدہ کے اس ذہنی مرض کی ابتداء وہاں جانے سے قبل ہوئی تھی یا واپسی پر۔''

''شائد واپسی پر..... شائد نہیں بلکہ یقینی طور پر..... آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔''

''یونہی..... برسبیل تذکرہ..... اچھا ناصر میاں..... اب تم اپنی ممی سے کہہ سکتے ہو کہ تم نے مجھے کچھ بھی نہیں بتایا۔ اب یہ براہِ راست میرا اور خان اعظم کا معاملہ ہے۔ اُن کے علاقے میں وہ دونوں غائب ہوئے ہیں۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے کہ انہیں کیپٹن حمید کی دخل اندازی گراں گزری ہوگی۔''

''میں دیکھوں گا..... اچھا چلو اب میں تمہیں محل چھوڑ آؤں۔''

''مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ میں خود ہی چلا جاؤں گا۔ یہیں سے فون کرکے گاڑی منگوائے لیتا ہوں۔''

وہ عورت

اُس عمارت کے طول و عرض کا اندازہ انہیں کیونکر ہوسکتا تھا جبکہ ایک دالان سے آگے بڑھ ہی نہیں سکتے تھے۔ بڑھ یوں نہیں سکے تھے کہ انہیں اُسی دالان کے دو ستونوں سے باندھ دیا گیا تھا اور ہوش میں آنے کے بعد انہوں نے خود کو اُسی حالت میں پایا تھا۔

دالان کے آگے صحن تھا جس کے فرش پر پتا نہیں کب سے کبوتروں کی بیٹ جمتی آئی

تھی۔ صحن کے دوسرے سرے پر جس چیز سے قاسم کو دلچسپی ہوسکتی تھی وہ باورچی خانہ تھا۔ بھنے ہوئے گوشت کی خوشبو فضا میں چکرا رہی تھی اور اُسے چکر پر چکر آ رہے تھے۔

سورج غروب ہونے والا تھا اور عمارت کے کسی حصے میں بسیرا لینے والی ابابیلیں شور مچا رہی تھیں۔ دفعتاً باورچی خانے کے دروازے میں ایک خاصی لمبی تڑنگی اور جسیم عورت کھڑی دکھائی دی۔ رنگت سرخ و سپید تھی۔ لباس میلا کچیلا اور عمر تیس کے قریب رہی ہوگی۔

قاسم پہلے تو اُسے دیکھتا رہا پھر حمید کی طرف دیکھ کر منہ چلانے لگا۔

''تلی ہوئی کیسی رہے گی۔'' حمید نے مسکرا کر پوچھا۔

''تمہاری تو اب آواز بھی زہر لگ رہی ہے کھاموش رہو۔'' قاسم غرایا۔

عورت انہیں اپنی طرف متوجہ دیکھ کر سامنے سے ہٹ گئی۔

''دیکھا سالے..... بول کر کباڑا کر دیا تم نے۔'' قاسم نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''برادران لا سے پھر سالے پر آ گئے۔''

''ایق بات بتاؤ.....!'' قاسم سنی ان سنی کر کے بولا۔

''ضرور بتاؤں گا۔''

''تم پیدا قیوں ہوغئے تھے..... اور اگر ہوئے تھے تو قیا اسی شہر میں آ مرنا جروری تھا جس میں میں رہتا تھا۔''

''بیکار پریشان ہو رہے ہو اس بار تمہاری تقدیر کھل گئی ہے۔''

''قیا مطلب.....؟''

''ادھر اسی طرح شادیاں ہوتی ہیں۔''

''اے جاؤ..... قسی اور کو اُلو بنانا۔''

''ابھی تم دیکھ ہی لو گے..... وہ لوگ قاضی سمیت آئیں گے اور لڑکی تم دیکھ ہی چکے ہو۔''

''قب دیکھی..... کہاں دیکھی.....؟''

''وہ جو ابھی سامنے کھڑی تھی۔''

''اور تمہاری والی۔''

''مجھے تو شہ بالا بنائیں گے دم میں نمدہ دے کر۔''

''یار ٹھیک بتاؤ۔!'' قاسم کی باچھیں کھلنے لگیں۔

''بس دیکھ لینا۔''

''تو پھر پٹائی کیوں کی تھی۔''

''رسم ہے ادھر کی تاکہ تم انکار ہی نہ کر سکو۔''

''والد صاحب کو معلوم ہو گیا تو۔''

''وہ بھی دوڑے آئیں گے..... رنڈوے ہی تو ہیں۔''

''ابے جبان سنبھال قے..... تم خود ہو گے رنڈوے۔''

''ابھی میری بیوی کہاں مری ہے۔''

''وہ تو سالی پیدا ہی نہیں ہو سکے گی۔'' قاسم نے کہا اور پھر یک بیک سنبھل کر بولا۔

''کہاں کی فجول باتیں نکال لیں۔ یار کیا واقعی تم سچ کہہ رہے ہو۔ میں نے سنا ہے افریقہ میں بھی ایسی ایک قوم پائی جاتی ہے جو مار مار کر شادی کر دیتی ہے۔''

''تم نے ٹھیک سنا ہے۔''

''تو پھر اب مجھے قیا قرنا چاہئے۔''

''ابھی لوگ آئیں گے اور ہمارے بارے میں پوچھ گچھ کریں گے تم مت پٹر پٹر بولنے لگنا۔ میں بات کروں گا۔''

''اچھی بات ہے۔'' قاسم سر ہلا کر بولا۔

اور پھر سچ مچ تھوڑی دیر بعد قدموں کی چاپ سنائی دی تھی اور انہی میں سے تین آدمی سامنے آ کھڑے ہوئے تھے جنہوں نے اس حال کو پہنچایا تھا۔ اُن کے چہرے اب بھی ڈھکے ہوئے تھے۔ صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔

''نذر گل سے کیا باتیں ہوئی تھیں.....؟'' اُن میں سے ایک غرایا..... جس کے ہاتھ میں چمڑے کا چابک تھا۔

''ارے پھر وہی نذر گل کا قصہ..... ہم تو سمجھے تھے بات ختم ہو گئی۔ تو اس طرح ہمیں گھیرا گیا۔'' حمید بولا۔

قاسم نے قہر آلود نظروں سے اُسے دیکھا تھا اور سختی سے ہونٹ بھینچ لئے تھے۔

''اگر تم نے کھل کر گفتگو نہ کی تو مار ڈالے جاؤ گے۔'' چابک والے نے کہا۔

''یہ شادی ہو رہی ہے۔'' دفعتاً قاسم پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولا اور حمید منہ بنا کر رہ گیا۔

''یہ کیا بک رہا ہے۔''

''ابے جبان سنبھال کر..... ٹھینگے پر گئی شادی وادی۔''

''دیکھو بھائی..... تم لوگ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہو۔ ہم سے سرائے میں کہا گیا تھا کہ ایک زخمی کو جو اپنے ہوش میں نہیں ہے ڈیرہ غزن میں حویلی تک پہنچا دیں۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ اس خدا ترسی کا یہ صلہ ملے گا۔''

''تو وہ راستے میں کہیں ہوش ہی میں نہیں آیا تھا۔''

''ہم نے توجہ نہیں دی تھی۔ اُسے آرام سے پچھلی سیٹ پر لٹا کر کمبل ڈال دیا تھا۔''

''ناممکن ہے کہ تم نے اُس سے اُس حادثے کے متعلق معلوم کرنے کی کوشش نہ کی ہو۔ جبکہ تمہاری جیب میں برآمد ہونے والا شناخت نامہ تمہیں پولیس آفیسر ظاہر کرتا ہے۔''

''ہمیں سرائے ہی میں بتا دیا گیا تھا کہ اُس پر رہزنوں نے حملہ کیا تھا۔ لیکن ٹھہرو۔ یہ معلوم ہو جانے کے باوجود کہ میں ایک پولیس آفیسر ہوں تمہیں اس کی جرأت کیسے ہوئی۔''

اس پر چابک والے نے حقارت آمیز سا قہقہہ لگایا تھا۔

''تم لوگ جوابدہی سے نہیں بچ سکو گے۔ ظاہر ہے کہ تمہارا تعلق خان اعظم کے منیجر ہی سے ہو سکتا ہے۔''

''اسی لئے ہم تم دونوں کو دفن کر دیں گے۔''

قاسم آپے سے باہر ہو جانے ہی والا تھا کہ حمید بول پڑا۔ ''تم خاموش رہو۔''

''نہیں کھاموش رہوں غا..... تم نے یہ قیوں قہا تھا کہ شادی کا انتظام ہو رہا ہے۔''

''یہ آخر کیا کہہ رہا ہے۔'' چابک والے نے تیز لہجے میں پوچھا۔

''کچھ نہیں..... ہر وقت شادی کے خواب دیکھتا رہتا ہے۔ چاہے گردن پر بندوق کی نال ہی کیوں نہ رکھی ہوئی ہو۔''

''تم دغا باز ہو۔'' قاسم زور سے دہاڑا۔

وہ تینوں خاموشی سے اُسے دیکھتے رہے تھے پھر چابک والے نے دونوں آدمیوں کو کچھ

اشارہ کیا تھا اور وہ آگے بڑھ کر قاسم کو ستون سے کھولنے لگے تھے۔

اُس کے بعد دو رائفلوں کی نالیں اُس کے دونوں پہلوؤں سے لگا دی گئیں تھیں اور وہ قاسم کو دالان سے ہٹا کر ایک کمرے میں لائے تھے۔

''تم تو بہت اچھے آدمی معلوم ہوتے ہو۔'' چابک والے نے اُس سے کہا۔

''اور نہیں تو کیا لوفر ہوں۔'' قاسم پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولا۔

''سرائے میں سات آٹھ سیر تکے کھا گئے تھے۔''

''اور اب پھر بھوخ لگ رہی ہے۔''

''دس سیر بھنا ہوا گوشت تمہارے لئے تیار ہے۔''

''میں نہیں خاؤں غا۔''

''ایسی بھی کیا ناراضگی۔''

''اُسے بھی کھولو۔''

''اُس کی بات نہ کرو۔ اُسی کی وجہ سے شائد تمہاری بھی جان جائے۔ کیونکہ وہ سچ نہیں بول رہا۔''

''وہ سچ بول رہا ہے۔ ہماری اُس زخمی سے قوئی بات نہیں ہوئی تھی۔''

''یہ تو سنا ہی ہوگا کہ وہ کیا بڑبڑا رہا تھا بیہوشی میں۔''

''میں نے نہیں سنا تھا۔ یہ سالا راستہ ایسا ہے کہ کھایا پیا حلق میں چلا آ رہا تھا۔''

''وہ گاڑی کریم آباد کے کسی پولیس آفیسر کی تھی۔''

''ڈی ایس پی سٹی قی تھی۔''

''اپنے ساتھی کو سمجھاؤ..... اگر اُس نے اپنی زبان نہ کھولی تو ہم سچ مچ اُسے مار ڈالیں گے۔''

''خدائی فوجدار ہو تم۔'' قاسم آنکھیں نکال کر دھاڑا۔ ''اُس کا آج تک قوئی قچھ نہیں بگار سکا۔ میں نے بھی بہت بڑے بڑے معاملے دیکھے ہیں۔ تم کیا چیز ہو۔''

''کیا کھانا نہیں کھاؤ گے۔''

''مر بھی جاؤں تب بھی نہیں خاؤں غا۔''

''صرف رات بھر کی مہلت دی جاتی ہے۔ اُسے سمجھاؤ۔'' کہہ کر اُس نے پھر اپنے

ساتھیوں کو اشارہ کیا تھا اور وہ پہلے ہی کی طرح اُس کے پہلوؤں سے رائفلیں لگا کر اُسے دالان میں لائے تھے اور دوبارہ ستون سے جکڑ دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں پھر تنہا رہ گئے۔ قاسم آہستہ آہستہ وہ سب کچھ دہرانے لگا جو کمرے میں اُس پر گزری تھی۔

''دیکھو بیٹا.....!'' حمید آہستہ سے بولا۔ ''ریسٹ ہاؤز میں گزرنے والی رات کا ذکر زبان پر نہ آنے پائے ورنہ سچ مچ مارے ہی جائیں گے۔''

''میں نے نام ہی نہیں لیا تھا۔''

''اگر پوچھیں تو کہہ دینا براہِ راست کریم آباد سے آرہے تھے۔''

''اچھی بات ہے.....لیکن یہ سالا خان اعظم کون ہے۔''

''انگریزوں کے دور میں سرخاب ویلی پر اُسی کی حکومت تھی۔ قومی حکومت نے بھی کچھ چھوٹ دے رکھی ہے۔ بہرحال ان کی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ جیپ ڈی ایس پی کو مل گئی ہے۔ لہٰذا ہمیں مطمئن رہنا چاہئے۔''

''لیکن وہ سالا تو رات بھر کی مہلت دے گیا ہے۔''

''تم اس کی فکر نہ کرو۔''

''سالے کھانے کو کہہ رہے تھے۔ میں نے انکار کر دیا۔''

''کیوں؟ زبردست غلطی سرزد ہوئی ہے تم سے۔ اتنے فاصلے پر ہو کہ مجھے بھی نہیں کھا سکو گے۔''

''تمہیں مارنے کو کہہ رہے تھے اور مجھے کھانا کھلانے کو کہہ رہے تھے۔ قیمے مان لیتا۔ قہہ رہے تھے دس سیر بھنا ہوا گوشت۔''

''تو بیٹا اب رات کیسے کٹے گی۔''

''اللہ مالک ہے.....یہ تو نہیں ہوسکتا کہ تم بندھے کھڑے رہو اور میں بیٹھ کر کھانا کھاؤں۔''

''تمہارا بھوک سے بلکنا بھی تو مجھ سے نہیں دیکھا جاتا۔''

''دیکھا جائے غا.....کھاموش رہو.....مجھے سوچنے دو۔''

حمید نے آنکھیں پھاڑ کر اُسے دیکھا تھا۔ یعنی اب آپ بھی سوچنے لگے ہیں۔

تھوڑی دیر بعد قاسم نے پوچھا۔ ''کیا واقعی تم نے اُس زخمی کی کوئی بات نہیں سنی تھی۔''

''قطعی نہیں.....کہو تو قسم کھا جاؤں۔ وہ اس طرح بڑبڑا رہا تھا کہ الفاظ واضح نہیں تھے۔'' حمید نے اونچی آواز میں کہا۔ مقصد غالباً یہ تھا کہ اگر کوئی چھپ کر سن رہا ہو تو الفاظ اُس کے کانوں میں پڑ جائیں۔

''مگر اُن سالوں کو یقین نہیں آرہا۔''

''مجبوری ہے۔''

''ابے مجھے تو اس پر حیرت ہے کہ اُن پر تمہارے عہدے کا بھی رُعب نہیں پڑا۔'' قاسم بولا۔

''بدنصیب ہیں.....پچھتائیں گے۔''

''ہاں.....تمہیں مار کر تو جرور پچھتائیں گے۔ کیونکہ ابھی تو تمہاری شادی بھی نہیں ہوئی۔'' وہ کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر چونک کر بولا۔

''شادی.....اچھا بیٹا اب بتاؤ۔ وہ شادی کی بات.....!'' قاسم پھر سنک گیا۔

''وہ تو میں تمہارا جی بہلا رہا تھا.....!'' حمید ہنس کر بولا۔

''اور اب میں تمہارا جی بہلاؤں غا..... پہلے وہ تمہاری ناک کاٹیں گے پھر کان..... پھر ہاتھ پاؤں.....پھر گردن ریت ڈالیں گے۔''

''اور تم دیکھتے رہو گے۔''

''جرور دیکھوں گا.....کیونکہ میں نے آج تک کسی کو اس طرح مرتے نہیں دیکھا۔ ابے پھر کہتا ہوں کچھ نہ کچھ بتا دو اُن لوگوں کو۔''

''کیا بتا دوں.....؟''

''کچھ بھی..... یونہی جھوٹ موٹ.....مثلاً وہ زخمی بڑبڑا رہا تھا حنیفہ ڈارلنگ خواہ تمہارے باپ بھائی مجھے مار ہی کیوں نہ ڈالیں میں تم سے محوبت کرتا رہوں غا۔''

''نہیں چلے گی.....یہ کوئی بہت گہرا معاملہ معلوم ہوتا ہے۔''

''تم جانو.....میں نے تو اپنا فرض ادا کر دیا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ گلوخلاصی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ پتا نہیں انہیں کہاں رکھا گیا تھا اور اُسے اچھی طرح علم تھا کہ خان اعظم کے علاقے میں کسی قسم کی تفتیش کرنے سے قبل

پولیس کو خان اعظم سے اجازت لینی پڑتی ہے۔ لہٰذا کریم آباد کا ڈی ایس پی جیپ مل جانے کے باوجود بھی اس علاقے میں کھل کر تفتیش نہ کرسکا ہوگا اور پھر اُس نے فریدی کو اطلاع دی ہوگی۔

''قیا سوچنے لگے..... بولتے رہو..... میرا دم گھٹ رہا ہے۔'' دفعتاً قاسم بولا۔

''یہی سوچ رہا ہوں کہ میرے بعد تمہارا کیا بنے گا۔''

''قیمہ..... ٹھینگے سے..... دیکھا جائے گا۔'' قاسم نے کہا پھر آہستہ سے بولا۔ ''رات ہونے دو..... دیکھ لوں غا..... سالوں کو۔''

''کیا دیکھ لوگے۔''

''بس گول رہو..... سب ٹھیک ہے۔''

حمید نے اُسے آنکھ پھاڑ کر دیکھا تھا۔ پتا نہیں دل میں کیا ٹھانی تھی کہیں کوئی حماقت نہ کر بیٹھے۔

''دیکھو مری جان..... ذرا سوچ سمجھ کر..... اسے دھیان میں رکھنا کہ تم دوڑ نہیں سکتے اور گر پڑتے ہو تو پھر سے اٹھا نہیں جاتا۔'' حمید آہستہ آہستہ بولا تھا۔

''ابے ہاں..... یہ تو ہے۔'' قاسم نے مایوسی سے کہا۔

اندھیرا پھیل گیا تھا اور اب انہیں ایک دوسرے کی شکل صاف نظر نہیں آ رہی تھی۔ پورا صحن بھی تاریک پڑا تھا۔ صرف باورچی خانے کی کھڑکی میں مدھم سی روشنی نظر آ رہی تھی۔

اچانک وہی لحیم شحیم عورت ایک ہاتھ میں لالٹین لئے اور دوسرے پر ایک طشت سنبھالے ہوئے باورچی خانے سے نکلتی دکھائی دی۔ اُن کے قریب پہنچ کر اُس نے لالٹین فرش پر رکھ دی تھی۔ پھر داہنے ہاتھ سے طشت سے ایک بڑی سی چھری نکالی اور اُس کی نوک سے گوشت کا ایک ٹکڑا اٹھا کر قاسم کے منہ کی طرف بڑھا دیا۔

''نہیں.....!'' قاسم سر ہلا کر بولا۔ ''میں کافر نہیں ہوں۔ پہلے میرا بھوکا بھائی کھائے غا..... پھر میں خاؤں غا۔''

عورت نے انکار میں سر ہلا کر گوشت کا ٹکڑا اُس کے ہونٹوں سے لگا دیا لیکن قاسم نے سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔

''کھالو..... تم ہی کھالو..... میری فکر نہ کرو۔!'' حمید بولا۔ ''بعض عورتیں بھی بے رحم ہوتی ہیں۔ ویسے خدا نے تو انہیں ماں ہی بنایا ہے۔''

عورت نے طشت فرش پر رکھ دیا۔ بھنے ہوئے گوشت کے ڈھیر سے بھاپ اٹھ رہی تھی اور اُس کی خوشبو ہر چند کہ قاسم کو پاگل کئے دے رہی تھی لیکن وہ بدستور ہونٹ بھینچے کھڑا رہا۔ عورت کمر پر دونوں ہاتھ رکھے حمید کو گھورے جا رہی تھی۔

''اس طرح کیا دیکھ رہی ہو۔ تم شائد کسی کی ماں نہیں ہو۔'' حمید بولا۔ ''مرد تو کتے ہوتے ہی ہیں لیکن عورت صرف ماں ہے۔ ہر حال میں ماں رہتی ہے۔''

دفعتاً عورت اپنا بایاں پہلو دبائے ہوئے بیٹھ گئی۔ گھٹی گھٹی سی سسکیاں اُس کے بھنچے ہوئے ہونٹوں سے منتشر ہو رہی تھیں۔

''میری بات سے دکھ پہنچا ہو تو معافی چاہتا ہوں۔'' حمید نے نرم لہجے میں کہا۔

وہ کچھ نہ بولی۔ تھوڑی دیر تک اسی طرح سسکتی رہی پھر دوپٹے کے آنچل سے آنسو خشک کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ طشت اٹھایا اور حمید کے قریب آ کھڑی ہوئی۔

''نہیں.....!'' حمید بولا۔ ''میں نہیں چاہتا کہ تم میری وجہ سے کسی دشواری میں پڑو..... ظاہر ہے کہ مجھے نظر انداز کر دینے میں تم کسی کے حکم کی تعمیل کر رہی تھیں۔''

عورت نے گوشت کا ٹکڑا حمید کے منہ کی طرف بڑھایا ہی تھا کہ صحن کی بائیں جانب سے کسی کی گرج سنائی دی۔

''یہ کیا کر رہی ہے.....؟''

طشت اُس کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا اور وہ بوکھلا کر بائیں جانب دیکھنے لگی۔

للکارنے والا روشنی میں آ گیا تھا۔ رائفل اُس کے شانے سے لٹک رہی تھی اور کارتوس کی پیٹی سینے پر آویزاں تھی۔

قریب پہنچتے ہی اُس نے عورت پر ہاتھ چھوڑ دیا۔ بھرپور طمانچہ گال پر پڑا تھا۔

''ابے..... ابے..... یہ قیا.....!'' قاسم دھاڑا..... لیکن اُس نے پھر عورت کو مارا۔

''سالے جان سے مار دوں غا..... اگر اب عورت پر ہاتھ اٹھایا۔'' قاسم پھر گرجا۔ پھر شائد اُسی کی دخل اندازی ہی سے مزید مشتعل ہو کر اُس نے عورت کو دونوں ہاتھوں سے پیٹنا

شروع کر دیا تھا۔

''یا اللہ مدد.....!'' کہہ کر قاسم نے جو زور لگایا تو رسی تڑاخ سے ٹوٹ گئی۔

دوسرے ہی لمحے میں اُس کے بلوں سے آزاد ہوا تھا۔ اُس آدمی پر جھپٹ پڑا تھا۔ اُسے پکڑا اور سر سے اونچا اٹھا کر فرش پر پٹخ دیا اور پھر ایک ٹھوکر بھی رسید کی۔

وہ دوبارہ نہ اٹھ سکا۔ پتا نہیں مر ہی گیا تھا یا بیہوشی طاری ہوگئی تھی۔

''غضب ہوگیا.....!'' انہوں نے پہلی بار عورت کی آواز سنی۔

''مجھے کھولو.....!'' حمید نے قاسم سے کہا اور وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں اُس رسی کی گرہ کھولنے لگا جو حمید کے گرد لپٹی ہوئی تھی۔ عورت قریب ہی کھڑی تھر تھر کانپتی رہی۔ خوفزدہ انداز میں چاروں طرف دیکھے جا رہی تھی۔

حمید نے آزاد ہوتے ہی سب سے پہلے زمین پر پڑے ہوئے آدمی کی رائفل اور کارتوسوں کی پیٹی پر قبضہ کیا تھا۔

''اب تمہاری زندگی بھی شائد خطرے میں ہے۔'' حمید نے عورت کی طرف دیکھ کر آہستہ سے کہا۔

اُس نے مضطربانہ انداز میں سر کو اثباتی جنبش دی تھی۔

''تو پھر یہاں سے نکل چلنے کی سوچو.....اور کتنے آدمی ہوں گے آس پاس.....!''

لیکن وہ کوئی جواب دیئے بغیر تیزی سے ایک طرف چلی گئی۔

حمید نے لالٹین بجھا دی اور قاسم سے بولا۔ ''ادھر ہی ستونوں کی اوٹ میں آ جاؤ۔''

''ابے مجھے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔''

''اپنا ہاتھ ادھر لاؤ۔''

لیکن ابھی وہ پوری طرح سنبھلنے بھی نہیں پائے تھے کہ عورت کی سرگوشی سنائی دی۔

''کہاں ہو تم دونوں۔''

''کیا بات ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''میں نے دروازہ بند کر دیا ہے۔''

''میں نے پوچھا تھا اور کتنے آدمی ہیں۔''

''بس یہی تھا.....لیکن وہ کسی وقت بھی آ سکتے ہیں۔''

''چلو گی ہمارے ساتھ۔''

''ہاں.....چلوں گی۔'' عورت کے لہجے میں عزم تھا۔

''بس تو پھر ہمیں راستہ دکھاؤ۔''

''لالٹین کہاں ہے۔''

''میں نے بجھا دی ہے۔''

''اچھا ٹھہرو.....!'' عورت نے کہا تھا اور باورچی خانے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ ذرا دیر بعد واپس آئی۔ ماچس جلا کر لالٹین روشن کی اور اُسے اٹھا کر ایک طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

''میرے پیچھے آؤ۔''

بائیں ہاتھ میں اُس نے ایک جھابی لٹکا رکھی تھی۔ قاسم نے بڑی مشکل سے جھک کر فرش پر گرے ہوئے گوشت کے ٹکڑوں پر جھپٹا مارا تھا اور انہیں منہ میں ٹھونستا ہوا اُس کے پیچھے چلنے لگا تھا۔

نیچے پہنچ کر عورت نے ایک دروازہ کھولا تھا۔ یہ کسی سرنگ کا دہانہ ثابت ہوا اور وہ آگے بڑھتے رہے۔ پھر ایک تنگ سا درہ انہیں کھلی فضا میں لے آیا تھا۔ شفاف آسمان پر تارے پہلے ہی کی طرح چمک رہے تھے۔

عورت نے لالٹین بجھا دی اور آہستہ سے بولی۔ ''اللہ کا بھروسہ ہے۔ مگر ہم کہیں بھی چھپ نہ سکیں گے۔''

''یہاں سے جتنی دور لے چل سکتی ہو ..... لے چلو.....سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں ایک پولیس آفیسر ہوں۔ ان لوگوں کو دن میں تارے نظر آ جائیں گے۔''

عورت کچھ نہ بولی۔ لیکن وہ ایک جانب چل پڑی تھی۔

کرنل فریدی تفتیش کا آغاز کارواں سرائے سے کرنا چاہتا تھا۔ فی الحال گلریز ہی کے ایک کمرے میں مقیم تھا اور ڈیرہ غزن خان کی جانب روانگی کی تیاری کر رہا تھا۔

اچانک فون کی گھنٹی بجی۔ اُس نے ریسیور اٹھایا۔

''ہیڈ کوارٹر سے فاروقی۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''کہئے..... کیا بات ہے۔''

''کریم آباد کے ڈی ایس پی سٹی یہاں موجود ہیں اور آپ سے فوراً ملنا چاہتے ہیں۔''

''بھیج دیجئے۔'' فریدی نے کہا اور ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

ڈی ایس پی سٹی دس منٹ کے اندر ہی اندر وہاں پہنچ گیا تھا۔

''بات کچھ بن رہی ہے جناب.....!'' وہ دبے ہوئے جوش کے ساتھ بولا۔

''کوئی خاص خبر.....!''

''کل شام کی ڈاک سے مجھے ایک گم نام خط ملا ہے۔'' اُس نے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک لفافہ نکال کر فریدی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

خط کسی معمولی پڑھے لکھے ہوئے آدمی کا تحریر کردہ معلوم ہوتا تھا۔ الفاظ شکستہ تھے اور شائد بہت جلدی میں تحریر کئے گئے تھے۔

''جناب عالی کپتان صاحب!

کل آپ سرائے میں پوچھ گچھ کر رہے تھے۔ وہاں کسی نے بھی آپ کو پوری بات نہیں بتائی۔ کیونکہ میر سرائے نے سب کو منا (منع) کر دیا تھا۔ اب مجھ سے سنئے! وہ دونوں آئے تھے اور اُن سے کہا گیا تھا کہ وہ ایک زخمی کو جو خان کا سپاہی ہے ڈیرہ پہنچا دیں۔ سپاہی کی گاڑی میں کوئی خرابی ہوگئی تھی اور اُسے بہت تیز بخار تھا۔ اُس پر کہیں راستے میں ڈاکوؤں نے حملہ کیا تھا۔ سپاہی کا نام نذر گل ہے۔ وہ دونوں اُسے جیپ میں ڈال کر ڈیرے کی طرف لے گئے تھے۔ میں یہ آپ کو کیوں بتا رہا ہوں..... یہ میں نہیں بتا سکتا۔''

فریدی خط پڑھ کر کچھ سوچنے لگا تھا۔

''خان اعظم کا منیجر..... قتلو خان ڈیرے میں رہتا ہے۔'' ڈی ایس پی نے کہا۔ ''ظاہر ہے کہ اگر وہ خان کے کسی زخمی سپاہی کو لے گئے تھے تو انہوں نے اُسے حویلی ہی میں پہنچایا ہوگا۔''

''تو سرائے والوں کی زبان بندی خان اعظم ہی کی طرف سے کی گئی ہوگی ورنہ وہ اتنی اہم بات کیوں چھپاتے۔'' فریدی بولا۔

''تو پھر اب سرائے میں پوچھ گچھ بیکار ہی ثابت ہوگی۔'' ڈی ایس پی نے کہا۔

''براہِ راست قتلو خان سے بات کیجئے۔''

''وہ سرے سے ہی انکار کر دے گا۔ نہیں..... میر سرائے کی زبان کھلوانی ضروری ہے۔''

''تفتیش کے لئے خان کی اجازت لینی ہوگی۔''

''ضروری نہیں ہے۔''

ڈی ایس پی کچھ نہ بولا۔

''میں سرائے ہی سے آغاز کروں گا۔'' فریدی نے کہا۔ اُسے پہلے ہی سے علم تھا کہ انگریزوں کے دور کے دستور کے مطابق اب بھی خان اعظم کے علاقہ میں کسی قسم کی تفتیش کرنے سے قبل اُس کی اجازت حاصل کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے مقامی پولیس سے مدد کا طالب ہی نہیں ہوا تھا۔ البتہ جب اُس کی جیپ ڈیرہ غزن خان کی طرف روانہ ہوئی تھی تو اُس کے پیچھے ایک جیپ اور بھی نظر آئی تھی جس پر پانچ جوان مقامی لباس میں دکھائی دیئے تھے اور وہ پوری طرح مسلح بھی تھے۔

فریدی کی جیپ ڈیرہ غزن خان سے گزر گئی۔ اُس کی اصل منزل کارواں سرائے تھی۔

دوسری جیپ کے پانچوں سوار راستے بھر اپنے مسلح ہونے کا مظاہرہ کرتے آئے تھے۔ اُڑتے ہوئے پرندوں اور جنگلی جانوروں پر فائر کرتے رہے تھے۔ فریدی نے سرائے کے باہر جیپ روکی اور اُتر کر اندر آیا۔ پہلے ملنے والے آدمی سے اُس نے میر سرائے کے بارے میں پوچھا۔ اُس نے ادھیڑ عمر کے ایک توانا اور بلند و بالا آدمی کی طرف اشارہ کیا تھا۔ فریدی اُس کی جانب بڑھ گیا۔

''فرمایئے! کیا خدمت کر سکتا ہوں۔'' میر سرائے اپنی جگہ سے اٹھتا ہوا بولا۔

''پچھلے اتوار کو میرے دو دوست یہاں آئے تھے۔ اُن میں سے ایک غیر معمولی طور پ
جسیم تھا۔''

''جی ہاں.....!'' میر سرائے ہنس کر بولا۔ ''دیوزاد کہئے جناب عالی..... ایک نشست
میں سات آٹھ سیر تکے تنہا کھا گئے تھے۔''

''ہاں وہی لوگ..... وہ لاپتہ ہوگئے ہیں۔ میں اُن کی تلاش میں ہوں۔''

''وادی سرخاب میں تلاش کیجئے۔ انہوں نے یہاں لوگوں کو بتایا تھا کہ وہیں کا ارادہ
رکھتے ہیں۔''

''اُن کے ساتھ اور کون تھا.....؟''

''مجھے علم نہیں جناب! وہ تو اُس دیوزاد کی وجہ سے یادداشت میں محفوظ رہ گئے۔ ورنہ
لوگ آیا ہی جایا کرتے ہیں۔''

''میں اُس زخمی کے بارے میں پوچھ رہا ہوں جسے تم نے ان کے ساتھ ڈیرہ غزن بھجوایا
تھا۔ کہو تو اُس کا نام بھی بتاؤں..... نذر گل۔''

''کسی نے آپ کو غلط راہ پر ڈالنے کی کوشش کی ہے جناب۔''

''کیا ہم کہیں تنہائی میں گفتگو نہیں کر سکتے۔'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

''جی نہیں۔ مجھے جو کچھ معلوم تھا میں نے بتا دیا۔ وہ آئے تھے اور کھا پی کر چلے گئے تھے۔''

''اگر تم یہیں کھیل چاہتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' فریدی نے کہا اور اس کا
گریبان پکڑ کر جھٹکا دیا۔

ٹھیک اُسی وقت صدر دروازے کی طرف سے آواز آئی۔ ''کوئی اپنی جگہ سے جنبش بھی
نہ کرے۔''

دوسرے لوگ دروازے کی جانب مڑے اور انہیں وہاں دو جوان نظر آئے جن کے
ہاتھوں میں ریوالور تھے۔

''یہ..... یہ زیادتی ہے جناب۔ خان اعظم کے علاقے میں۔'' میر سرائے ہکلایا۔

''میرے دونوں آدمی اس علاقے میں غائب ہوئے ہیں۔''

''للل..... لیکن..... میں کیا جانوں۔''

''مجھے تمہارا تحریری بیان چاہئے ورنہ بڑا خون خرابہ ہوگا۔ میں ایک پولیس آفیسر ہوں
اور میرا تعلق مرکز سے ہے۔''

''ہم خان اعظم کے علاوہ اور کسی کو جوابدہ نہیں۔''

''وہم ہے تمہارا..... خان اعظم بھی حکومت کو جوابدہ ہے۔ اگر ابھی تک یہ بات اُس کی
سمجھ میں نہیں آئی تو میں سمجھاؤں گا۔''

''تو آپ براہِ راست محل ہی سے کیوں نہیں معلوم کرتے۔''

''نذر گل کو تم نے ان کی گاڑی میں بھجوایا تھا۔ اس لئے ابتداء تمہی سے ہوگی۔'' وہ کچھ
نہ بولا۔ بدحواسی کے عالم میں فریدی کی شکل تکتا رہا۔ کبھی دروازے اور دوسروں کی طرف دیکھ
لیتا تھا۔

بالآخر آہستہ سے بولا۔ ''تنہائی میں چلئے۔''

فریدی نے دروازے کے قریب کھڑے ہوئے جوانوں میں سے ایک کو اپنے پیچھے
آنے کا اشارہ کیا تھا۔ میر سرائے اُسے ایک کمرے میں لایا اور جوان دروازے پر کھڑا رہا۔

میر سرائے فوراً ہی کچھ نہ بولا۔ تذبذب کے عالم میں معلوم ہوتا تھا۔

''میرے پاس وقت کم ہے۔'' فریدی گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔

''مم..... مجھے منع کر دیا گیا ہے۔'' میر سرائے ہکلایا۔

''یقیناً ایسا ہی ہوا ہوگا۔ ورنہ تم جھوٹ کیوں بولتے۔''

''قتلو خان بڑا جابر آدمی ہے۔ اب میری زندگی محال ہو جائے گی۔''

''میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔''

''اور پھر میں کبھی گھر کی صورت نہ دیکھ سکوں گا۔''

''غلط سوچ رہے ہو۔ اب خان حاکم نہیں ہے۔ پورے ملک میں قانون کی حکومت ہے۔''

''خان ہی یہاں کا قانون ہے۔ آپ سمجھتے کیوں نہیں۔ مقامی پولیس خان کی اجازت
کے بغیر علاقے میں قدم نہیں رکھ سکتی۔''

''میں مقامی نہیں ہوں۔''

''نذر گل کی ران میں گولی لگی تھی اور وہ نیم بیہوشی کے عالم میں تھا۔ میں نے سوچا کہ

آپ کے دوستوں کے ساتھ اُسے ڈیرہ بھجوا دوں..... دوسرے دن حویلی سے حکم آیا کہ نذر گل کا نام بھی نہ لیا جائے۔"

"کیا قتلو خان من مانی کرتا ہے۔"

"کیوں نہ کرے جبکہ اُس کی بہن خان اعظم کو بیاہی ہوئی ہے؟ بہتیرے معاملات کا تو خان اعظم کو علم تک نہیں ہوتا۔ وہ اتنے جابر نہیں ہیں۔ انہیں کتوں اور شکار گاہوں سے فرصت نہیں۔ حکومت قتلو ہی کی ہے۔"

"چپ چاپ چل کر میری جیپ میں بیٹھ جاؤ۔"

"میرے متعلقین مارے جائیں گے۔"

"اُن کی ذمہ داری بھی لے سکتا ہوں۔ میرا نام سن کر قتلو محتاط ہو جائے گا۔ تم بے فکر رہو۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو نذر گل کے سلسلے میں تمہاری زبان بند کیوں ہو جاتی۔"

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔"

"وہی کرو جو میں کہہ رہا ہوں ورنہ اس اسٹیج پر واقعی تمہاری زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ متعدد آدمی میری اور تمہاری ملاقات کے شاہد بن گئے ہیں۔"

"میں کیا کروں۔"

"باہر نکلو اور میری گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔"

غار خراٹوں سے گونج رہا تھا۔ عورت پہلے جاگی تھی اور پھر اُس نے حمید کو جگا کر کہا تھا۔

"کسی طرح اس کا حلق بند کرو، ورنہ پکڑے جائیں گے۔"

"بہت مشکل ہے۔ حلق نہیں اسے توپ کا دہانہ سمجھو۔ جگانا ہی پڑے گا۔" حمید بولا۔

"تو پھر جگا ہی دو۔"

"کوشش کرتا ہوں..... ویسے اگر تم جھابی میں کھانے پینے کا سامان نہ لائی ہوتیں تو شائد جاگ ہی رہا ہوتا۔"

حمید نے ریڈیم ڈائیل والی گھڑی دیکھی۔ تین بجے تھے اور غار میں اتنا اندھیرا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ وہ خراٹوں کی سمت آہستہ آہستہ کھسکنے لگا۔ اس طرح قاسم تک رسائی ہوئی تھی۔ وہ چت پڑا تھا۔

"قاسم..... قاسم.....!" حمید نے اُسے جھنجھوڑا۔

"غاؤں..... غاؤں.....!" اُس نے کروٹ لی تھی اور خراٹے بند ہو گئے تھے۔ حمید نے طویل سانس لی اور ذہن پر زور دینے لگا کہ غار کا دہانہ کس طرف ہو سکتا ہے۔ پچھلی رات خاصی دیر تک چٹانوں کے درمیان بھٹکنے کے بعد اُس عورت نے یہ غار تلاش کیا تھا۔ لیکن مطمئن نہیں تھی کہ رات سکون سے گذر جائے گی۔

کسی نہ کسی طرح وہ غار کے دہانے تک پہنچ گیا۔ باہر گہرا سناٹا تھا۔ جھینگروں نے بھی اب چپ سادھ لی تھی۔ البتہ کبھی کبھی کسی دور افتادہ لومڑی کی آواز سنائی دیتی اور تاروں بھرا آسمان پھر سکوت میں گم ہو جاتا۔

وہ پھر پلٹا اور اُس جگہ پہنچنے کی کوشش کرنے لگا جہاں عورت کو چھوڑا تھا۔ وہ جاگ رہی تھی۔ حمید کی آہٹ پر بولی۔

"کیا بات ہے..... کیا تم نے اُسکا گلا گھونٹ دیا۔ اب خراٹے نہیں سنائی دے رہے۔"

"کروٹ لے لی ہے۔"

وہ چپ ہو رہی۔ حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ "میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آخر وہ لوگ چاہتے کیا ہیں۔"

"نذر گل مر گیا..... اُسے ہوش نہیں آیا تھا۔"

"مر گیا.....!" حمید چونک کر بولا۔ "کیسے مر گیا..... گولی ران میں لگی تھی۔"

"یہ میں نہیں جانتی۔ بس وہ یہی جاننا چاہتے ہیں کہ اُس نے تمہیں کیا بتایا تھا اور شائد تمہیں اس کے بعد بھی زندہ نہ چھوڑتے۔"

"آخر وہ ہمیں کیا بتاتا۔ سرائے والوں نے بتایا تھا کہ اُس پر رہزنوں نے حملہ کیا تھا۔"

''غلط ہے۔ اُس کو کسی مہم پر بھیجا گیا تھا۔''

''کس مہم پر۔''

''یہ میں نہیں جانتی۔ تم پولیس والے بھی ہو۔ اس لئے اُن کی تشویش بڑھ گئی ہے اور اب اُن کی کوشش ہوگی کہ تمہیں علاقے سے باہر نہ نکلنے دیں۔''

''تمہارے ساتھ اُس آدمی کا رویہ.....!''

''اس کا حوالہ دینے کی ضرورت نہیں۔''

''کیا تم دنیا میں بالکل تنہا ہو۔''

''پہلے نہیں تھی۔ انہوں نے میرے باپ اور بھائی کو ختم کرادیا اور مجھے لونڈیوں کی سی زندگی بسر کرنے پر مجبور کردیا۔ شوہر پہلے ہی مر چکا تھا۔''

''مجھے افسوس ہے۔ لیکن تمہارے باپ اور بھائی کا کیا قصور تھا۔''

''قتلو خان کے ایک سپاہی سے الجھ گئے تھے۔ وہ ہمارے مویشی ہانک لے گیا تھا۔ اُن کے کئی آدمیوں نے یلغار کی اور کلہاڑیوں سے کاٹ کر رکھ دیا۔''

''اور کسی نے پولیس کو اطلاع دینے کی زحمت نہیں گوارا کی۔''

''خان اعظم کی رعایا بہت سعادت مند ہے۔'' عورت نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

''اب کوئی کسی کی رعایا نہیں ہے.....سب آزاد ہیں۔''

''یہاں سب خان اعظم اور قتلو خان کے غلام ہیں۔''

''غالباً یہ قتلو خان منیجر ہے خان اعظم کا۔''

''خان اعظم کی بیوی کا بھائی بھی ہے۔''

''کچھ بھی ہو۔ ان لوگوں کو پچھتانا پڑے گا۔''

''وہ کس طرح۔''

''ہمارے غائب ہوجانے کی وجہ سے ہمارا محکمہ پوری طرح متوجہ ہوجائے گا۔''

''لیکن کوئی خان کے علاقے میں قدم بھی نہیں رکھ سکے گا۔''

''وہم ہے تمہارا۔''

''اگر یہاں پولیس کو کسی قسم کی چھان بین کرنی ہوتی ہے تو خان کی اجازت حاصل کئے

غیر علاقے میں قدم بھی نہیں رکھ سکتی۔''

''ہوسکتا ہے۔ مقامی پولیس خان کے دباؤ میں ہو۔ لیکن ہمارا معاملہ دوسرا ہے۔ ویسے تم پڑھی لکھی معلوم ہوتی ہو۔''

''اسی لئے تو مجھے یہاں اس ویرانے میں لاڈالا گیا تھا۔ انہیں خدشہ تھا کہ کہیں میں ت کو آگے نہ بڑھادوں۔ اچھا مجھے بتاؤ.....اگر میں وزیراعظم سے اس ظلم کے خلاف فریاد رتی تو کیا مجھے مایوسی ہوتی۔''

''ہرگز نہیں.....سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ دراصل ابھی تک خان کے علاقے سے کوئی سی شکایت مرکز تک نہیں پہنچی ورنہ نقشہ ہی دوسرا ہوتا۔''

''کچھ بھی نہ ہوتا۔ آخر انہیں خان کے علاقے سے بھی تو ووٹ لینے ہی ہوتے ہیں۔''

''جمہوریت سے بیزار بھی معلوم ہوتی ہو۔''

''کیا میں اس معاملے میں حق پر نہیں ہوں۔''

''بہت پرانی بات کررہی ہو.....اب حالات بدل رہے ہیں۔''

''خدا جانے.....میں تو دنیا میں تنہا رہ گئی۔''

حمید نے جماہی لی اور منہ چلا کر رہ گیا۔ پتا نہیں کب سے تمبا کو نصیب نہیں ہوئی تھی اور ب تو وہ بالکل کنگال بھی تھا۔ انہوں نے جیبوں سے بھی ساری رقم نکال لی تھی۔

''تم نے کہاں تک تعلیم حاصل کی تھی۔'' اُس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

''جان بچانے کی سوچو.....ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔''

''بچنی ہوگی تو بچ ہی جائے گی۔ ہم جب اپنے گھروں سے نکلتے ہیں تو یہ سوچ کر نکلتے یں کہ اب واپسی نہیں ہوگی۔ لیکن .....تم دیکھ ہی رہی ہو.....کیا تمہیں توقع تھی کہ ہم اس طرح رہا ہوجائیں گے۔''

''یہ تو معجزہ ہی ہوا ہے۔ تمہارا ساتھی بہت طاقتور ہے۔''

''غصے میں وہ اتنا ہی بھیانک ہوجاتا ہے۔ اگر تمہارے ساتھ اُس کی بدسلوکی نہ دیکھتا تو اس کی کھوپڑی پر برف ہی جمی رہتی اور وہ اُسی طرح بندھا کھڑا رہتا۔''

''تم لوگ جو کوئی بھی ہو بہت اچھے ہو۔''

''اب اتنے اچھے بھی نہیں ہیں۔''

''آدمی آدمی ہی رہتا ہے فرشتہ نہیں ہو جاتا۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''خان اعظم کے بھائی خان عظمت کے گھرانے سے بھی واقف ہو۔''

''شاہدہ خانم سے واقف ہوں..... کیونکہ وہ کئی بار میرے اسکول میں آ چکی ہیں۔ بہت اچھی ہیں۔ ویسے بھی یہ عام طور پر مشہور ہے کہ وہ لوگ بے حد شرف اور مہذب ہیں۔''

''تمہارا اسکول.....!''

''ہاں..... میں ڈیرہ غزن کے مدرسہ نسواں میں پڑھاتی تھی۔''

''خدا غارت کرے۔ ایک معلمہ کا یہ حشر کیا ہے ان وحشیوں نے۔''

''بس خان اعظم کا جھنڈا اونچا ہے۔ اُسکے آگے کسی کی کوئی حیثیت نہیں سب غلام ہیں۔''

''دیکھ لیا جائے گا۔ اس خان اعظم کو بھی۔''

''سنا ہے کہ انگریزوں کے دور ہی سے لوگ اُسے دیکھتے آئے ہیں۔ لیکن ابھی تک تو کوئی اثر نہیں پڑا اُسکی صحت پر۔ ایک بار اُسنے ایک انگریز ڈپٹی کمشنر کو اپنے ہاتھوں سے پیٹا تھا۔''

''خدا نے چاہا تو اُس کی گردن ہم ہی توڑ دیں گے۔''

وہ کچھ نہ بولی۔ حمید پر پھر غنودگی طاری ہونے لگی تھی۔

پھر دوسری بار بھی اُسے عورت ہی نے جگایا تھا اور وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا تھا۔

''صبح ہوگئی ہے..... اور اب ہم پہلے سے بھی زیادہ خطرے میں ہیں۔'' عورت بولی۔

''اُسے بھی جگا دو۔ پتا نہیں کب یہاں سے نکل بھاگنا پڑے۔''

''کیوں؟ میں نہیں سمجھا۔''

''اُن کے پاس بہت ہی خطرناک قسم کے شکاری کتے ہیں۔ اس وقت وہ انہیں ساتھ لے کر نکلیں گے۔''

''اگر اس غار میں کوئی اور بھی دہانہ ہے تو اُسے تلاش کر لینا چاہئے۔''

''اس سے کیا ہوگا۔''

''کہیں اور منتقل ہو جائیں گے۔ کیونکہ رائفل ایک ہی ہے۔ دونوں دہانے نہیں سنبھالے جا سکیں گے اور ایک دہانے سے آدھا کتا بھی اندر داخل نہیں ہو سکے گا۔''

''تو پھر تلاش کرو..... دیر نہ کرو۔''

حمید نے پہلے قاسم کو اٹھایا تھا۔ کتوں والی بات اُس کی کھوپڑی میں اُتارنی پڑی تھی اور اُس نے ہنس کر کہا تھا۔ ''یار یہ کتے بھی حلال ہوتے تو کتنا اچھا ہوتا۔''

''کہیں کتوں پر تم ہی نہ حلال ہو جاؤ۔ اٹھو جلدی سے۔''

''قیا قرنا ہے۔''

''غار کا دوسرا دہانہ تلاش کریں گے۔''

''ارے اسی سے نکل چلو۔ دوسرے کی کیا ضرورت ہے۔''

تھوڑا وقت دہانوں کی اہمیت سمجھانے میں صرف ہوا تھا۔ لیکن قاسم سب کچھ سن لینے کے بعد بولا۔ ''مگر بیٹا ناشتے کا کیا ہوگا؟''

''تمہاری کھوپڑی پر سجا دیا جائے گا۔ اگر کچھ دیر کے لئے تم اُسے بھول نہ گئے۔''

''اچھا..... چلو..... دوسرا دہانہ ہی تلاش کرو۔'' قاسم نے کہا اور عورت کو دیکھ کر اس طرح چونک پڑا جیسے پہلی بار دیکھا ہو۔ پھر اُس نے بہت پھرتی سے کھڑے ہو جانے کی کوشش کی تھی اور اوندھے منہ نیچے جا پڑا تھا۔

''ہی..... ہی..... ہی.....!'' وہ جھینپی ہوئی ہنسی کیساتھ بولا تھا۔ ''شائد ابھی سو ہی رہا ہوں۔''

''خدا کے لئے جاگو بھی کسی طرح۔'' حمید بولا۔

''جاگ غیا..... بالکل جاگ غیا۔''

وہ دوسرا دہانہ تلاش کرتے پھرے تھے۔ لیکن اس میں کامیابی نہیں ہوئی تھی۔

حمید غار سے باہر نکلا اور گرد و پیش کا جائزہ لینے لگا۔ صبح کی نارنجی دھوپ چٹانوں پر بکھرنے لگی تھی۔ وہ اُس راستے کی جستجو میں تھا جس سے غار تک رسائی ہوئی تھی۔ خاصی تگ و دو کے باوجود بھی وہ اُس کا اندازہ نہ کر سکا۔ آخر عورت ہی سے رجوع کرنا پڑا تھا۔ وہ بڑی احتیاط سے باہر نکلی اور چٹانوں کی اوٹ لیتی ہوئی ایک جانب بڑھنے لگی۔ حمید اُس کے پیچھے تھا۔

ایک جگہ رک کر اُس نے نشیب میں اشارہ کیا۔ عجیب چکر دار سا راستہ تھا۔ بالکل ایسا ہی لگتا تھا جیسے کسی اونچی عمارت کے ساتھ چکر دار زینے کھڑے کر دیئے گئے ہوں۔ حمید نے ایک چٹان کی اوٹ میں پوزیشن لے کر دیکھی۔ پورا راستہ اُس کے نشانوں کی زد پر تھا۔

''کتوں کو وہ تمہاری ہی بو پر لگا کر لائیں گے۔'' حمید نے عورت سے کہا۔ ''اب تم جاؤ اور غار سے نہ خود باہر نکلنا اور نہ اُسے نکلنے دینا۔ خواہ کچھ ہو جائے۔''

''اور تم.....!''

''میں یہاں سے بہتر طور پر رکھوالی کر سکوں گا۔ غار کا دہانہ بھی صاف نظر آ رہا ہے اور یہ راستہ بھی۔''

''وہ اول درجے کے مکار بھی ہیں۔'' عورت نے اطلاع دی۔

''بے فکر رہو..... میں نے بھی صرف آغوش مادر ہی میں شرافت کی زندگی بسر کی تھی۔''

''تمہارے جملے بہت دلچسپ ہوتے ہیں۔ اُوہ..... وہ تو بھول ہی گئی ٹوکری میں ابھی کچھ چیزیں بچی پڑی ہیں۔ چل کر تھوڑا بہت کھا لو۔''

''اب نہ بچی پڑی ہوں گی۔ ٹوکری بھی ساتھ ہی لائی ہوتیں۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''ٹوکری تک چبا گیا ہوگا۔''

''وہ ہنس پڑی اور بولی۔ ''خیر! میں دیکھتی ہوں کچھ ہوا تو یہیں پہنچا دوں گی۔''

وہ چلی گئی تھی اور حمید امکانی جنگ کا نقشہ ذہن میں ترتیب دیتا رہا تھا۔

پھر اچانک اُسے محسوس ہوا جیسے سوتے سے جاگ پڑا ہو۔ ماحول جانا پہچانا سا لگنے لگا تھا۔ یہ جگہ تو اُس کی دیکھی ہوئی تھی۔ یہاں کے چپے چپے سے واقف تھا۔ ڈاکٹر ٹسڈل والے کیس کے سلسلے میں ان اطراف میں پہلے بھی کبھی سرگرداں رہ چکا تھا۔

اُس کا چہرہ کھل اٹھا۔ وہ یہاں اپنا تحفظ کر سکتا تھا۔ کم از کم کسی گم کردہ راہ کی حیثیت سے انجانے میں تو نہیں مارا جا سکتا تھا۔ لیکن پھر قاسم کا خیال آیا۔ اُس کا کیا ہوگا۔ اُس پہاڑ کو کس طرح متحرک رکھا جا سکے گا۔

یک بیک پھر دل گرفتگی کا حملہ ہوا اور ٹھیک اسی وقت قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ چونک کر مڑا۔ زلیخا پانی کی چھاگل اور کھانے کی جھابی اٹھائے آتی نظر آئی۔ حمید نے طویل سانس لی تھی۔ اُس نے سوچا۔ کیا چیز ہے عورت۔ قاسم جیسا پیٹ کا کتا بھی آدمی بن گیا ہے کہ اُس کی عدم موجودگی میں کھانے میں ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ غالباً اس لئے وہ اُسی کے قبیلے کی

معلوم ہوتی تھی اور اُسے پوری طرح اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔

''میں اُسے صرف ایک روٹی اور دو بوٹیاں دے آئی ہوں اور وہ خوش ہے۔'' زلیخا نے قریب پہنچ کر کہا۔ اُس نے انہیں اپنا نام یہی بتایا تھا۔

''اور اُس نے فریاد نہیں کی۔''

''بالکل نہیں! بڑی سعادت مندی سے میرا شکریہ ادا کیا تھا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ اُس نے آدھی روٹی اور صرف ایک بوٹی سے کام چلانے کی کوشش کی۔

''تم بھی تو کھاؤ۔'' اُس نے زلیخا سے کہا۔

''ابھی مجھے بھوک نہیں ہے۔ اتنے سویرے نہیں کھاتی۔''

''رات مجھے اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔ میں تو اس علاقے سے واقف ہوں۔ بائیں جانب والی اُترائی راکیل ہی کی طرف گئی ہے نا۔''

''ہاں..... تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔''

''لہٰذا بے فکر رہو..... وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔''

''مجھے صرف تم دونوں کی فکر ہے۔ ورنہ میں تو کبھی کی مر چکی ہوں۔''

''مایوسی اچھی چیز نہیں ہے۔ تمہیں زندہ رہنا ہے۔ اپنے باپ بھائی کے قاتلوں کا انجام دیکھنے کے لئے۔''

''تم دو آدمی کیا کر لو گے۔''

''تمہیں یقین کیوں نہیں آتا کہ ہمارے لئے پوری مشینری حرکت میں آ چکی ہوگی۔''

''خدا کرے ایسا ہی ہو.....!'' وہ مزید کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے دور کی کوئی آواز سننے کی کوشش کر رہی ہو۔

''وہ آ رہے ہیں شائد۔'' تھوڑی دیر بعد وہ بڑبڑائی اور پھر حمید نے بھی کسی کتے کو بھونکتے سنا تھا۔

''وہ دیکھو.....!'' زلیخا مشرق کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولی۔

ایک کتا اُسی دراڑ سے نکلتا ہوا دکھائی دیا تھا جس سے گزر کر وہ اس طرف آئے تھے۔ پھر وہ زمین سونگھتا ہوا آگے بڑھنے لگا تھا۔

''حیرت.....!'' زلیخا بڑبڑائی۔ ''صرف ایک کتا۔ جبکہ وہاں پورے دس عدد کتے تھے۔''

''اور اُس کے پیچھے کوئی آدمی بھی نہیں ہے۔'' حمید نے کہا۔ پھر چونک کر بولا۔ ''اُوہ.....ٹھہرو..... بے حد چالاک لوگ معلوم ہوتے ہیں۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''ایک رائفل بھی میرے ہاتھ لگ گئی ہے اسلئے وہ کھل کر سامنے نہیں آئے۔ یہ کتا صرف اسلئے چھوڑا گیا ہے کہ سامنے آئے بغیر ہی وہ ہماری پوزیشن معلوم کرسکیں۔ اگر میں اس کتے پر فائر کروں تو وہ فائر کی سمت کا اندازہ کرلیں گے۔ اس طرح ایک ہی کتا تو ضائع ہوگا۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ وہ بزدل اور مکار ہیں۔'' زلیخا بولی۔

''اچھا بس.....اب تم غار میں جاؤ۔ میں فائر کئے بغیر ہی اس کا خاتمہ کرنے کی کوشش کروں گا۔''

''میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑوں گی..... ہرگز نہیں۔''

''بچوں کی سی باتیں مت کرو..... جو کہہ رہا ہوں وہی کرو۔ ورنہ بڑے خسارے میں رہیں گے۔''

وہ بادل ناخواستہ غار کی طرف چلی گئی تھی۔ کتا زمین سونگھتا ہوا چکر دار راستے کی طرف بڑھتا رہا۔

حمید نے بھی اب اپنی پوزیشن میں تبدیلی کرلی تھی۔ چکر دار راستے کے اختتام کے قریب کھسک آیا تھا اور رائفل کی نال لٹھ کی طرح پکڑ رکھی تھی۔ خود چٹان کی اوٹ میں تھا۔ پھر جیسے ہی کتے کا سر نظر آیا۔ اُس نے پوری قوت سے رائفل کے کندے سے ضرب لگائی۔ کتے نے کئی قلابازیاں کھائی تھیں اور رائفل کا کندہ پے درپے اُس پر پڑتا رہا تھا۔ حمید کے ہاتھ اُسی وقت رکے تھے جب وہ ٹھنڈا ہوگیا تھا۔

''شاباش.....!'' غار کے دہانے کی طرف سے قاسم کی آواز آئی۔ ''ایک وقت کی ہانڈی ہوگئی۔''

حمید کھڑا ہانپتا رہا۔ خود اپنے سر کی چوٹ پر ہتھوڑے سے پڑتے محسوس ہو رہے تھے۔ قاسم اور زلیخا بھی قریب ہی آ کھڑے ہوئے۔

''کتا کھاؤ گے۔'' زلیخا بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

''ایک روٹی اور دو بوٹیوں کی وجہ سے گدھا بھی کھانا پڑے گا۔'' قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

ٹھیک اُسی وقت کسی جانب سے ایک فائر ہوا تھا۔ گولی چٹان کے کنارے کو چھیلتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی۔

''لیٹ جاؤ۔'' حمید پھرتی سے نیچے گرتا ہوا بولا۔ قاسم بوکھلاہٹ میں سجدے میں چلا گیا تھا اور زلیخا اوندھی پڑی تھی۔

''ابے لیٹ جا.....!'' حمید دانت پیس کر بولا۔ ''تم دونوں سے کس نے کہا تھا کہ غار سے نکل آؤ۔''

''قق.....قق.....قیسے لیٹوں۔'' قاسم کی آواز حلق میں پھنسنے لگی۔

پھر اُس نے دونوں ٹانگیں پھیلانے کی کوشش کی تھی اور لڑھکتا ہوا نشیب میں جانے لگا تھا۔ زلیخا نے لیٹے ہی لیٹے جھپٹ کر اُس کی ٹانگ پکڑ لی تھی۔ ایک فائر پھر ہوا اور اس بار سمت کا بھی اندازہ ہوگیا۔ لیکن حمید نے جوابی فائر نہیں کیا تھا۔ رائفل وہیں رکھ کر تیزی سے بائیں جانب کھسک گیا تاکہ قاسم کو سنبھالنے میں زلیخا کی مدد کرسکے۔ دوسری ٹانگ خود اُس نے پکڑی تھی۔

بڑی دشواری سے قاسم کو کھینچ کر سیدھا کیا۔ وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

''مر ہی جانے دیا ہوتا..... مجھ قو.....!'' قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''غضب خدا قا.....ایک روٹی اور دو بوٹیاں۔''

زلیخا کو ہنسی آ گئی اور حمید نے کہا۔ ''اس چٹان کی اوٹ سے باہر نکلے اور سچ مچ مارے گئے۔''

''قون زندہ رہنا چاہتا ہے۔'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

''بس بکواس بند۔ تم دونوں یہیں ٹھہرو۔ میں راستے کی نگرانی کروں گا۔''

وہ پھر اُسی جگہ پہنچ گیا جہاں سے کتے پر حملہ آور ہوا تھا۔

اب وہ گھیرنے والوں کو اس غلط فہمی میں مبتلا کرنا چاہتا تھا کہ رائفل اُس کے قبضے میں نہیں رہی۔ پچھلی رات فرار ہوتے وقت بدحواسی میں کہیں ہاتھ سے نکل گئی تھی۔

ایک فائر پھر ہوا اور گولی ٹھیک اسی جگہ پڑی جہاں پہلے لگی تھی۔ لیکن حمید نے لاپرواہی

سے شانوں کو جنبش دی۔ خواہ مخواہ کارتوس نہیں ضائع کرنا چاہتا تھا اور پھر انہیں یہ بھی تو باور کرانا تھا کہ وہ خالی ہاتھ ہے۔ زلیخا لیٹے ہی لیٹے اس کے قریب کھسک آئی تھی۔

''تم بھی کیوں نہیں فائر کرتے۔'' اُس نے آہستہ سے پوچھا۔

''بس دیکھتی رہو..... کارتوس ضائع کرنے کا قائل نہیں ہوں۔''

''وہ ہمیں یہاں سے نکلنے نہیں دیں گے۔'' زلیخا مایوسی سے بولی۔

''دیکھا جائے گا۔''

''اب تو غار میں بھی واپس نہیں جاسکتے۔''

''چٹان کی اوٹ سے نکلے اور مارے گئے۔'' حمید نے کہا۔

''اگر وہ کوشش کریں تو اُدھر سے بھی اوپر آسکتے ہیں۔'' زلیخا بائیں جانب والی ڈھلان کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولی۔

''بس تو پھر تم اُدھر نظر رکھو۔ اگر اُن میں سے کوئی دکھائی دے تو مجھے مطلع کر دینا۔''

''اُدھر وہ دماغ چاٹنا شروع کر دے گا۔ بس تین روٹیاں اور باقی ہیں باسکٹ میں۔''

''اُس کی باتیں ایک کان سے سنو اور دوسرے سے اڑا دو۔''

''سب سن رہا ہوں بیٹا۔'' قاسم کی آواز آئی تھی اور زلیخا ہنس پڑی تھی۔

''سن بھی رہا ہوں اور دیکھ بھی رہا ہوں۔''

''چپ چاپ پڑا رہ۔''

''ابے جرا تمیز سے..... ورنہ کوئی چٹان اکھاڑ کر سر پر دے ماروں غا۔''

''میں یہ کہہ رہا تھا کہ ذرا اُدھر کا خیال رکھنا کہیں اُدھر سے نہ کوئی کتا چڑھ آئے۔''

''میں سب سمجھتا ہوں بیٹا۔ دیکھ لوں گا تمہیں۔''

حمید نے مزید چھیڑ چھاڑ مناسب نہ سمجھی۔ اچھی طرح جانتا تھا کہ قاسم کے دل میں کیا ہے۔ زلیخا زیادہ تر اُسی سے گفتگو کرتی رہتی تھی اور قاسم دیکھ دیکھ کر بل کھاتا رہتا تھا۔ خود اُس کی اپنی منطق کے مطابق اپنے ڈیل ڈول کو دیکھتے ہوئے زلیخا کو اُس کی طرف جھکنا چاہئے تھا۔ آخر زیادہ تر حمید ہی کے ساتھ کیوں رہتی تھی۔

''یہ آدمی میری سمجھ میں نہیں آرہا۔'' زلیخا آہستہ سے بولی۔

''کوئی خاص بات نہیں۔ بس تھوڑا سا کریک ہے۔'' حمید نے کہا لیکن اپنی آواز اونچی نہ ہونے دی۔ قاسم اُسی کو گھورے جارہا تھا۔ دفعتاً سر ہلا کر بولا۔ ''ہاں..... ہاں..... اب دھیرے دھیرے قرو میری بُرائی۔''

''ہوشیار.....!'' حمید اُسے گھونسہ دکھا کر بولا۔ ''ہم گھیر لئے گئے ہیں..... وہ آرہے ہیں۔''

پھر اُس نے زلیخا سے قاسم ہی کی طرف جانے کو کہا تھا۔ دو مسلح آدمی چکر دار راستے کی طرف بڑھے آرہے تھے۔ شائد انہیں سچ مچ یقین ہوگیا تھا کہ فرار ہوجانے والوں کے قبضے میں رائفل نہیں ہے۔

وہ اوپر آنے والے راستے کے قریب پہنچ کر رک گئے تھے۔ حمید نے ایک کی ٹانگ کا نشانہ لے کر فائر کر دیا۔ وہ جھٹکے کے ساتھ گرا تھا اور دوسرے نے اوٹ لینے کے لئے دوسری طرف دوڑ لگائی تھی۔ حمید نے پھر فائر کیا اور دوسرا بھی لڑکھڑا کر گر پڑا۔

دونوں کے ہاتھوں سے رائفلیں نکل کر دور جا پڑی تھیں اور وہ پیٹ کے بل رینگتے ہوئے ان تک پہنچنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ شائد دوسرے کی بھی ٹانگ ہی زخمی ہوئی تھی۔

حمید نے اٹھ کر دوڑ لگائی تھی اور چکر دار راستے سے نیچے اترنے لگا تھا۔ دوڑنے سے قبل زلیخا اور قاسم سے وہیں ٹھہرنے کا کہا تھا۔

پھر قبل اس کے کہ وہ اپنی رائفلوں تک پہنچتے حمید اُن کے سروں پر جا پہنچا تھا۔

''ختم ہی کر دوں گا..... اگر اب جنبش بھی کی۔'' وہ اُن کی طرف رائفل اٹھاتا ہوا بولا۔

انہوں نے گردنیں ڈال دیں۔ ایک کے بائیں کولہے میں گولی لگی تھی اور دوسرے کی ران زخمی تھی۔

وہ خوفزدہ نظروں سے حمید کی طرف دیکھتے رہے۔ حمید جلد سے جلد اُن کی رائفلوں اور کارتوسوں پر قبضہ کر کے اوپر واپس جانا چاہتا تھا۔

''میرا یہ احسان ہمیشہ یاد رکھنا کہ تمہیں صرف زخمی کیا ہے۔ ورنہ اتنی دور سے کھوپڑی یا دل کا نشانہ لینا میرے لئے مشکل نہیں تھا۔ اپنی کارتوسوں کی پیٹیاں اُتار کر میری طرف پھینک دو۔''

انہوں نے خاموشی سے تعمیل کی تھی اور حمید دونوں رائفلیں لے کر اوپر پہنچ تھا۔

''کیا ہوا..... کک..... کیا.....!'' زلیخا کی نظریں مالِ غنیمت پر جم گئیں۔

''بے فکر رہو۔ وہ صرف زخمی ہوئے ہیں اور شائد ان اطراف میں دو ہی تھے ورنہ میری واپسی ناممکن ہو جاتی۔''

''واہ.....واہ.....!'' قاسم خوش ہو کر بولا۔''اب مزا آئے گا ٹھائیں ٹھوئیں کا۔ میں بھی چلاؤں غا رائفل۔''

''کیا تم بھی چلا سکتی ہو۔'' حمید نے زلیخا سے پوچھا۔

''کیوں نہیں! میرا نشانہ بہت اچھا ہے۔''

''اور میں تو.....میں تو.....بس اللہ کے بھروسے پر فائر کر دیتا ہوں۔'' قاسم چہک کر بولا۔

میر سرائے کی گرفتاری کی خبر سن کر قتلو خان پاگل ہو گیا تھا۔ اُس کی یادداشت میں پہلی بار خان کے علاقے میں ایسی کوئی سرکاری کارروائی ہوئی تھی جس کا علم پہلے سے اُسے نہ رہا ہو۔ قتلو خان خطرناک آدمی تھا۔ لوگ اُس سے اس طرح خائف رہتے تھے جیسے وہ کارخانہ قدرت میں بھی دخیل رہا ہو۔ مضبوط جسم والا لمبا چوڑا آدمی تھا۔ آنکھیں خونخوار تھیں اور عام آدمی کی جرأت تک نہیں ہوتی تھی کہ اُس کے سامنے نظر بھی اٹھا سکے۔ بہتیروں نے آج تک اُس کی شکل ہی نہیں دیکھی تھی حالانکہ دن رات اُس کے سامنے سے گزرتے رہتے تھے۔

''کرنل فریدی۔'' وہ دانت پیس کر بولا۔''ہمارے علاقے میں قدم رکھنے کی جرأت کیسے ہوئی تھی اُسے۔''

خبر لانے والوں پر بُری طرح گرجا برسا تھا۔ لیکن ہونے والی بات ہو ہی چکی تھی۔

ابھی یہی زخم تازہ تھا کہ دوسری اطلاع آ گئی۔ حمید اور قاسم کے فرار کی کہانی تھی۔ پوری روداد سن لینے کے بعد وہ دم بخود رہ گیا تھا۔

خبر لانے والے کو خونخوار نظروں سے گھورتے رہنے کے بعد آہستہ سے پوچھا۔''انہیں

وہاں لے جا کر رکھنے کی تجویز کس کی تھی۔''

''شیر باز کی حضور۔'' خبر لانے والے نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

''کہاں ہے شیر باز.....؟'' قتلو خان دہاڑا۔

اور پھر ذرا ہی سی دیر میں شیر باز حاضر کر دیا گیا تھا۔

''تم سب باہر جاؤ.....!'' قتلو خان نے دوسروں سے کہا وہ چلے گئے اور صرف شیر باز کھڑا کانپتا رہا۔

''تجھے کب اور کہاں معلوم ہوا تھا کہ اُن میں سے ایک آدمی پولیس سے تعلق رکھتا ہے۔'' قتلو خان نے شیر باز سے سوال کیا۔

''وہیں خان! جہاں ہم نے انہیں گھیرا تھا۔ وہ بیہوش ہو گئے تھے اور ہم نے اُن کی جامہ تلاشی لی تھی۔ اُس کا شناخت نامہ جیب سے برآمد ہوا تھا۔''

''اور اس کے باوجود بھی تو انہیں وہاں لے گیا تھا جہاں زلیخا کو رکھا گیا تھا۔''

''پپ..... پہلے بھی تو.....!''

''پہلے کے بچے..... پہلے وہاں جو لوگ رکھے گئے تھے اُن میں کوئی پولیس والا نہیں تھا۔ وہ وہاں سے فرار ہو گئے اور زلیخا کو بھی اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔''

شیر باز دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر فرش پر اکڑوں بیٹھ گیا۔

''کھڑا ہو جا.....خبیث.....!'' قتلو خان دھاڑا۔

''معاف کر دیجئے خان.....!'' وہ اٹھتا ہوا بولا۔ لیکن اتنی دیر میں قتلو خان نے قریب پڑی ہوئی وزنی کرسی اٹھائی تھی اور اُس کے سر پر دے ماری تھی۔

وہ ایک کریہہ سی چیخ کے ساتھ ڈھیر ہو گیا۔ اُسے وہیں زخمی اور بیہوش چھوڑ کر وہ باہر آیا۔

یہاں دوسرا ہرکارہ باریابی کا منتظر تھا۔ اُس کی شکل دیکھتے ہی قتلو سمجھ گیا تھا کہ وہ کہاں سے آیا ہوگا۔

''اب تو کیا خبر لایا ہے.....!'' وہ اُسے گھورتا ہوا غرایا۔

''اچھی خبر نہیں ہے خان.....!''

''تیری شکل ہی سے ظاہر ہو رہا ہے۔ بتا کیا بات ہے۔''

''ٹیڑھی چٹان والے غار کے قریب وہ گھیرے گئے تھے۔لیکن ایک کتے کو مار کر اور دو سپاہیوں کو زخمی کر کے وہ نکل گئے۔اب اُنکے قبضے میں تین رائفلیں اور وافر راؤنڈ موجود ہیں۔''

''لعنت ہو تم سبھوں پر.....!'' قتلو خان پیر پٹخ کر چیخا اور ہرکارے کی گھگھی بندھ گئی۔''وہ کتیا کی بچی انہیں شہر تک پہنچا دے گی۔''

ہرکارہ ہاتھ باندھے ہوئے زمین بوس ہوتا چلا گیا۔

''دفع ہو جاؤ نظروں کے سامنے سے.....!'' قتلو خان واپسی کے لئے مڑتا ہوا بولا۔

اس نئی خبر نے شائد اُس کی تشویش میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔

اُس کے پیچھے اُس کا نائب صمد خان بھی چلا تھا۔ایک جگہ رک کر قتلو خان نے اُس سے کہا۔''شیر باز اندر زخمی پڑا ہے۔اُس کی مرہم پٹی کرا دے۔''

''بب.....بہت.....بہتر خان۔'' صمد بوکھلا کر بولا اور وہیں سے پلٹ گیا۔

قتلو خان نے خواب گاہ کا رخ کیا تھا۔تشویش اور غصے کے عالم سے گزرنے کے بعد اُسے نیند آنے لگتی تھی۔بستر پر بیٹھا ہی تھا کہ پھر اچھل پڑا۔

''کرنل فریدی.....اُس کا بھی کچھ انتظام ہونا چاہئے۔'' بڑبڑاتا ہوا اٹھا اور پھر اُسی طرف چل پڑا جہاں دوسروں کو چھوڑ آیا تھا۔اپنے نائب صمد خان کو طلب کیا۔

''ہوش آیا اُس کتے کو.....!'' اُس نے پوچھا۔

''نہیں خان۔'' صمد خان نے کہا۔''اُسی حالت میں مرہم پٹی ہو رہی ہے۔''

''کرنل فریدی کے لئے تو نے کیا سوچا۔''

''مم.....میں کیا سوچوں خان۔حکم دیجئے.....بجا لائیں گے۔''

قتلو خان نے گردن اڑا دینے کا اشارہ کیا اور صمد خان سر کو تفہیمی جنبش دے کر رہ گیا۔لیکن اُس کی آنکھیں بدستور سراپا سوال بنی ہوئی تھیں۔

''مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ گلریز میں ٹھہرا ہوا ہے۔'' قتلو خان بولا۔

''اچھی بات ہے خان۔ہم کوشش کریں گے۔''

''اُس طرح نہیں۔جیسے وہ حرام خور کرتے رہے ہیں۔''

''زلیخا نے انہیں رہائی دلائی ہوگی۔میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ اُس کا بھی قصہ پاک

کیا جائے۔''

''کیوں بکواس کر رہا ہے۔آج تک میرے ہاتھ کسی عورت کے خون سے رنگین نہیں ہوئے۔وہ کتے یہ معلوم ہو جانے کے بعد بھی کہ اُن میں سے ایک پولیس آفیسر ہے انہیں وہاں کیوں لے گئے تھے۔''

''وہ تو بہت بڑی حماقت تھی خان۔''

''اگر وہ زلیخا سمیت ہمارے علاقے سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے تو میں بہتیروں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔انہیں گھیرے رکھنے کے لئے اور آدمی بھیجو۔''

''وہ تو کبھی کے بھیج دیئے گئے۔نکاسی کے راستوں کی ناکہ بندی کر دی گئی ہے۔''

''نذر گل کا بھائی نیاز گل کہاں ہے۔''

''وہ کارواں سرائے کے قریب کہیں رہتا ہے۔''

''اُسے یہاں سے ہٹا دو۔''

''بہت بہتر خان۔''

اتنے میں ایک آدمی کسی کا ملاقاتی کارڈ لے کر اندر آیا اور اُسے قتلو خان کے سامنے پیش کر کے کھڑا ہو گیا۔قتلو خان نے کارڈ پر نظر ڈالی اور بُرا سا منہ بنا کر بولا۔''وہ خود ہی پہنچ گیا۔''

پھر اُس نے ہاتھ ہلا کر اُس آدمی کو جانے کا اشارہ کیا تھا۔اُسکے چلے جانے کے بعد صمد خان سے بولا۔''کرنل فریدی.....تم جاؤ اور اُسے کہہ دو کہ میں آرام کر رہا ہوں۔پھر کسی وقت آئے اور اُس کے کسی سوال کا جواب ہرگز نہ دینا۔کیونکہ ہر قسم کی جوابدہی کی ذمہ داری مجھ پر ہے اور دوسری بات اپنے علاقے کے باہر ہی اُس پر حملہ کرنا۔''

''بہت بہتر خان۔''

صمد خان باہر آیا۔برآمدے کے سامنے تین جیپیں کھڑی تھیں جن پر باوردی مسلح آدمی بیٹھے نظر آئے۔کرنل فریدی اگلی جیپ کے قریب کھڑا نظر آیا۔صمد خان نے آگے بڑھ کر اُسے اطلاع دی کہ قتلو خان آرام کر رہا ہے اور کوئی اُس کے آرام میں مخل نہیں ہو سکتا۔اس لئے وہ پھر کبھی آئے۔

''دراصل مجھے نذر گل سے تھوڑی سی پوچھ گچھ کرنی ہے۔میں نے کہا پہلے قتلو خان سے

اجازت حاصل کرلوں کہ یہاں کا یہی دستور ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''مجھے افسوس ہے۔'' صمد خان نے طویل سانس لے کر کہا۔ ''آپ اُس سے پوچھ گچھ نہیں کرسکیں گے کیونکہ تین دن ہوئے اُس کا انتقال ہوگیا۔''

''لیکن زخم تو مہلک نہیں تھا۔ غالباً ران میں گولی لگی تھی۔''

''پتا نہیں۔ آپ کس زخم کی بات کررہے ہیں۔ اُس کا تو حرکت قلب بند ہوجانے کی وجہ سے انتقال ہوا تھا۔''

''تب تو لاش نکلوانی پڑے گی قبر سے۔''

''کون نکلوائے گا.....؟'' صمد خان نے کسی قدر گرم ہوکر کہا۔

''میں نکلواؤں گا۔''

''ہم اپنے علاقے میں ایسی کسی غیر مذہبی حرکت کی اجازت نہیں دیں گے۔''

''اجازت تم نہیں دو گے۔ سیشن جج دے گا۔''

''خان اعظم کے علاقے میں اُن کا حکم چلتا ہے۔''

''انگریز عرصہ ہوا چلے گئے۔ اب ایسی مراعات باقی نہیں رہیں تم لوگ وہم میں مبتلا ہو۔''

''کچھ کر کے دیکھئے۔ پھر قدر و عافیت معلوم ہوجائے گی۔'' صمد خان کا غصہ بڑھتا جارہا تھا۔

''میر سرائے کو میں نے تمہارے ہی علاقے سے گرفتار کیا ہے۔''

''صوبے کے گورنر سے شکایت کردی گئی۔''

''اس کے باوجود بھی میں پھر یہیں موجود ہوں۔'' فریدی بجھا ہوا سگار سلگا کر بولا۔

''اور اُس وقت تک رکوں گا جب تک قتلو خان سے ملاقات نہ ہوجائے۔''

''ملاقات نہیں ہوگی۔ وہ نہیں ملیں گے۔'' صمد خان آپے سے باہر ہوا جارہا تھا۔

''مجھے تو اپنا فرض پورا کرنا ہے، خواہ دس دن گزر جائیں۔''

''ہم زبردستی اپنے علاقے سے نکال دیں گے۔''

''کوشش کر کے دیکھو۔''

''ٹھہرو.....ابھی بتاتا ہوں۔'' صمد خان نے کہا اور تنتناتا ہوا اندر چلا آیا۔ قتلو خان ابھی خواب گاہ میں نہیں گیا تھا۔ شائد وہاں اُسی کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔

صمد خان نے غضب ناکی کے عالم میں اپنے اور فریدی کے مکالمے دہرائے اور قتلو خان وحشیانہ انداز میں دہاڑا۔ ''اُو حرامزادے۔ یہ کیا کیا تو نے۔ آدھا بیان دے آیا ہے۔ میں نے کہا تھا کہ اُس کے کسی سوال کا جواب نہ دینجیو۔''

''لل.....لیکن.....خان.....!'' صمد خان سہم کر ہکلایا۔ ''اُس نے چھوٹتے ہی نذر گل کی بات شروع کردی تھی۔ اپنے آدمیوں کا نام تک نہیں لیا۔''

''بس چلا جا سامنے سے ورنہ ٹانگیں چیر کر پھینک دوں گا۔''

صمد خان چپ چاپ کھسک گیا۔ قتلو خان کا سینہ لوہار کی دھونکنی کی طرح پھول پچک رہا تھا۔ غصے کا یہ عالم تھا کہ اگر صمد خان تھوڑی دیر اور ٹھہرتا تو ضرور اپنی جان سے جاتا۔

معمول پر آنے میں کچھ دیر لگی تھی اور پھر قتلو خان اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا تھا۔

باہر آیا۔ فریدی جیپ کے بونٹ پر بائیں کہنی ٹکائے کھڑا سگار کے ہلکے ہلکے کش لیتا ہوا نظر آیا۔ قتلو خود اُس کے قریب ہی پہنچ کر رکا تھا۔

''یہ ناممکن ہے۔'' وہ آہستہ سے غرایا۔ فریدی سگار ہونٹوں کی طرف لیجاتے لیجاتے رک کر بہ آہستگی اُس کی طرف مڑا اور سوالیہ نظروں سے اُس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

''تم قبر نہیں کھدوا سکتے۔''

''ضرورتاً ایسا ممکن ہے قتلو خان.....!'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

''ضرورت کیوں پیش آئے گی۔''

''اس لئے کہ اُسے ڈاکوؤں نے زخمی کیا تھا۔ لیکن پولیس کو اس سے مطلع نہیں کیا گیا۔ پھر وہ مر بھی گیا۔''

''کسی نے غلط اطلاعات پہنچائی ہیں۔'' قتلو خان بولا۔ ''وہ چھ ماہ سے بیمار تھا۔ تین دن ہوئے اچانک حرکت قلب بند ہوگئی۔''

''میر سرائے نے باقاعدہ طور پر تحریری بیان دیا ہے۔''

''وہ سازشی ہے.....اگر کوئی اور بھی اُس کے بیان کی تائید کرسکے تو لاؤ۔ صرف اُسی کا بیان ناکافی ہوگا۔''

''ہاں یہ بات تو ہے لیکن پھر میرے آدمیوں کی جیپ تمہارے علاقے میں کیوں ملی تھی؟''

''میں نہیں جانتا.....دن رات ادھر سے درجنوں گاڑیاں گزرتی رہتی ہیں۔''

''دوسری بات۔ نہ تم خود رہزنوں کا کوئی انتظام کر سکتے ہو اور نہ پولیس کو کسی واردات کی اطلاع دیتے ہو۔''

''ہمارا اپنا معاملہ ہے۔''

''نہیں قتلو خان۔ یہ پوری قوم کا معاملہ ہے۔ تم جو کچھ بھی کر رہے ہو وہ ملکی قوانین کے منافی ہے اور اس کے لئے تمہیں جوابدہ ہونا پڑے گا۔ میں اس سلسلے میں براہِ راست خان اعظم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔''

''خان کسی سے بھی نہیں ملتے.....میں مختار عام ہوں۔''

''مجھ سے ملیں گے.....بس اتنا معلوم ہونا چاہئے کہ وہ کہاں ہیں۔ محل میں تو نہیں ہیں۔''

''کئی ماہ سے وہ شکارگاہوں میں ہیں۔ کسی سے بھی نہیں ملے۔''

''خیر.....کوئی اور صورت نکالی جائے گی۔''

''ایک بار پھر سن لو کہ اگر قبر کھودنے کی کوشش کی گئی تو بڑا خون خرابہ ہوگا۔ اس علاقے کے لوگ جانیں دے دیں گے لیکن لاش کی بے حرمتی گوارہ نہیں کریں گے۔''

''اور میں بھی تمہیں آگاہ کر دوں کہ اگر آج آٹھ بجے رات تک میرے دونوں آدمی گلریز تک نہ پہنچ گئے تو واقعی اس علاقے میں بڑا خون خرابہ ہوگا۔''

پھر اُس کے جواب کا انتظار کئے بغیر وہ جیپ میں بیٹھ گیا تھا۔ اُس نے جیپوں میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے ہاتھوں میں اسٹین گنیں دیکھ لی تھیں۔

اُس نے صمد خان کو گیراج کی طرف دوڑتے دیکھا اور اُسے آواز دے کر روکتے ہوئے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

کمرے میں پہنچ کر بولا تھا۔''اس وقت نہ چھیڑ.....جانے دے۔''

''جیسا حکم خان! میں تو سر دھڑ کی بازی لگانے جا رہا تھا۔'' صمد خان نے کہا۔

''آج رات گلریز میں اس کا خاتمہ ہو جانا چاہئے۔ آٹھ بجے سے پہلے پہلے۔''

''یہ زیادہ آسان ہوگا۔'' صمد خان سر ہلا کر بولا۔

''اور وہ تینوں علاقے سے نہ نکلنے پائیں۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ راستوں کی ناکہ بندی کر دی گئی ہے۔''

''بس جاؤ۔'' قتلو خان نے کہا اور خواب گاہ کی طرف بڑھ گیا۔

بازیابی

وہ شمال کی طرف بڑھتے رہے حتیٰ کہ پھر سورج غروب ہونے لگا۔ دن بھر میں بمشکل ایک میل کی مسافت طے کی ہوگی۔ اول تو محتاط ہو کر چل رہے تھے اور پھر انہوں نے وہ راستے ترک کر دیئے تھے جن پر تعاقب کرنے والوں سے مڈبھیڑ ہو جانے کا خدشہ ہو سکتا تھا۔

قاسم کی بُری حالت تھی۔ کبھی کبھی حمید اور زلیخا کو مل کر اُس کی مدد کرنی پڑتی تھی۔ سست روی کی وجہ بھی وہی تھا۔ قدم قدم پر بیوہ عورتوں کے سے انداز میں مقدر کی خرابی کی شکایت کرتا اور حمید کے ساتھ تو ایسا ہی رویہ تھا جیسے اُسی کی وجہ سے ''بیوہ'' ہوا ہو۔ زلیخا کبھی ہنستی اور کبھی جھنجھلاتی۔

سہ پہر کو ایک جگہ خوبانیوں کے چند خود رو درخت مل گئے تھے اور انہوں نے کچی پکی خوبانیوں سے کھانے کی جھابی بھر لی تھی۔ ایک چشمے سے پانی کی چھاگل بھی سیراب ہوئی تھی۔ بہرحال بھوک کو بہلائے رکھنے کا سامان ہو گیا تھا۔

سورج غروب ہونے سے پہلے ہی شب بسری کے لئے کوئی مناسب سی جگہ تلاش کر لینا چاہتے تھے۔ حمید اپنی یادداشت کے سہارے انہیں ایسی راہ پر لایا تھا جس کا علم زلیخا کو بھی نہیں تھا اور وہ یہی سمجھتی تھی کہ وہ گم کردہ راہ ہو چکے ہیں۔ شائد ہی سرخاب ویلی تک پہنچ سکیں۔ ایک آدھ بار اُس نے اپنے اس خیال کا اظہار بھی کیا تھا۔

''مر جانے سے بہتر ہے کہ ہم راہ بھٹک جائیں۔'' حمید کا جواب تھا۔ اس پر قاسم نے خاصا غپاڑا مچاتے ہوئے کہا تھا۔''اور تمہارا قیا ہے بیٹا.....نہ کوئی آگے نہ کوئی پیچھے۔ مرو چاہے زندہ رہو۔''

''تمہارے مرنے پر کون ہے رونے والا۔'' حمید نے کہا۔ ''باپ کو بھی خوشی ہوئی اور بیوی کو بھی۔''

''بیوی! بیوی کہاں ہے..... ہی ہی ہی ہی..... قیوں مزاخ کرتے ہو۔''

''ابھی تک آپ کی شادی نہیں ہوئی۔'' زلیخا نے حیرت سے کہا۔

جی نہیں..... مجھ ایسے قو کون اپنی بیٹی دے گا۔''

حمید سختی سے ہونٹ بھینچے چلتا رہا۔ اس مشکل وقت میں بھی قاسم اپنی اس دماغی ٹیڑھ سے پیچھا نہیں چھڑا سکا تھا۔ ہوسکتا ہے زلیخا ہی کی وجہ سے اُس نے سفر جاری رکھا ہو ورنہ کہاں قاسم اور کہاں دشوار گزار پہاڑی راستہ۔

جائے پناہ کی تلاش خاصی صبر آزما ثابت ہوئی۔ بھٹکتے پھر رہے تھے۔ ادھر اُدھر۔ آخرکار قاسم بولا۔ ''میں تو بیٹھا ہوں..... اور زلیخا بی بی تم بھی بیٹھ جاؤ۔''

''کیا مطلب.....؟'' حمید نے آنکھیں نکالیں۔

''تم جا کر تلاش کرو..... پھر ہمیں بھی بتا دینا۔''

''نہیں یہ نہیں ہوسکتا۔'' زلیخا بولی۔

''قیوں نہیں ہوسکتا۔''

''تنہا کوئی کہیں نہیں جائے گا۔''

''ارے واہ..... بڑے ننھے بچے ہیں نا کہ کھو جائیں گے۔''

''کچھ بھی ہو.....!'' زلیخا جھنجھلا کر بولی۔

حمید سمجھ رہا تھا کہ اب اُسکی خبر نہیں۔ ویسے قاسم اس کو اس بُری طرح گھور رہا تھا جیسے کچا ہی چبا جائے گا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر زبان کھل سکی تو وہ چھوٹتے ہی کیا کہے گا۔

''میرا خیال ہے کہ یہ رات کھلے ہی میں بسر کرنی پڑے گی۔'' حمید بولا۔ ''اتنی اونچائی پر کوئی غار نہیں مل سکے گا۔''

''اور یہ جو اتنی سردی ہو رہی ہے۔'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

''میری وجہ سے نہیں ہو رہی۔''

''ارے تو کیا اب تم دونوں آپس میں لڑو گے۔'' زلیخا بولی۔

کوئی کچھ نہ بولا۔ اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ اواخر ماہ کا چاند بھی دیر سے طلوع ہوتا۔ اس لئے وہ جلد از جلد کہیں ڈیرہ ڈال دینا چاہتے تھے۔

اور پھر زلیخا نے ایک مناسب سی جگہ ڈھونڈھ ہی لی۔ تنگ سا درہ تھا جس کا اختتام ایک چٹان پر ہوا تھا۔ یعنی آگے راستہ نہیں تھا۔

''یہاں ہم آگ بھی جلا سکیں گے۔'' زلیخا بولی۔

''اور خوبانیاں پکائیں گے۔'' قاسم نے جل کر کہا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ بُری طرح تھک گیا تھا اور سر کے زخم کی تکلیف پہلے سے بھی زیادہ بڑھی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ ایک پتھر سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

''کیوں..... کیا بات ہے؟'' زلیخا نے اُس کے قریب ہی بیٹھتے ہوئے پوچھا اور حمید سر کی بینڈیج پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

''یہ چوٹ کیسے لگی تھی۔''

''کیا تم سمجھتی ہو کہ میں آسانی سے اُن کے قابو میں آیا ہوں گا۔''

''ہرگز نہیں..... یہ تو دیکھ ہی چکی ہوں۔''

''اگر عقب سے حملہ نہ کرتے تو ہم پر قابو پانا مشکل ہوتا۔''

''پھر بتاؤ میں تمہارے لئے کیا کروں۔''

''ایک بڑا سا پتھر اٹھاؤ اور مارو برادران لا کے سر پر۔'' قاسم بھنا کر بولا۔ جو پیچھے کھڑا اُن کی باتیں سن رہا تھا۔

''تم آخر اتنے وحشی کیوں ہو۔'' زلیخا غرائی۔

''چپ رہو..... کچھ نہ کہو۔ بیوی کی طرف سے بالکل یتیم ہے۔'' حمید بولا۔

''پھر وہی بیوی..... ابے کیوں عاقبت خراب کرتے ہو جھوٹ بول قر.....!'' قاسم نے بوکھلا کر کہا۔

''بس تو پھر زبان کو لگام دو۔''

زلیخا درے میں چلی گئی تھی اور لکڑیاں چن کر آگ جلانے کی کوشش کرنے لگی تھی۔ اُس نے راستے بھر خشک لکڑیاں اکٹھا کی تھیں۔

ادھر قاسم حمید سے شکوہ کر رہا تھا۔ ''تم سالے پہلے دل بڑھاتے ہو اور پھر دل توڑ دیتے ہو۔''

''اس بکواس کا مطلب.....؟''

''وہ زیادہ تر تمہارے ساتھ رہتی ہے اور تم ہی سے باتیں بھی کرتی ہے۔''

''تو پھر میں قیا قروں.....!'' حمید نے جل کر اُس کے لہجے کی نقل اُتاری۔

''تمہارے لائک نہیں ہے۔''

''خاموش رہو..... وہ ایک مظلوم عورت ہے۔ مجھے اُس سے ہمدردی ہے۔ تمہیں بھی ہونی چاہئے۔''

''ابے تو قیا میں اُسے گالیاں دے رہا ہوں۔''

''جو کچھ تم اُس کے بارے میں سوچ رہے ہو وہ گالی ہی دینے کے مترادف ہے۔''

''تم خود مترادف..... تمہارے باپ دادا مترادف.....!''

''مترادف کے معنی ہیں برابر.....!''

''ٹھینگے کے معنی ہیں مترادف..... جہنم میں جاؤ..... لیکن اب اگر میری بیوی کا نام لیا تو جان سے ماردوں غا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ بولنے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ سر میں شدید درد کے باوجود بھی پلکیں نیند سے بوجھل ہوئی جا رہی تھیں۔ اگر وہ سونا چاہتا تو اس میں سر کی تکلیف قطعی حارج نہ ہوتی۔ گویا نیند نہیں غشی طاری ہو رہی تھی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ بے خبر سو گیا تھا۔ قاسم اس سے بے خبر بیٹھا بڑبڑاتا رہا۔ بڑے دوست بنتے ہیں سالے..... ابے سب اپنے اپنے مطلب کے ہیں۔ قوئی کسی کا نہیں ہے۔ پہلے خود تو شادی کی بات قی تھی اور اب یہ..... میں بھی بتادوں غا کہ یہ فراڈ ہے۔ لونڈیوں سے پھلرٹ کرتا ہے..... کسی کو اپنا نہیں سکتا۔''

اتنے میں زلیخا قریب پہنچ کر بولی۔ ''چلو آگ کے پاس بیٹھو..... سردی بڑھ گئی ہے۔''

قاسم تو اٹھ کھڑا ہوا تھا لیکن حمید نے جنبش تک نہیں کی تھی۔

''چلو اُٹھو..... کیوں یہاں سردی میں بیٹھے ہوئے ہو۔'' زلیخا نے پھر کہا۔

''نخرے کر رہا ہے برادران لا.....!'' قاسم بولا۔

''یہ تمہارے برادران لا ہیں۔''

''نن..... نہیں..... وہ تو..... وہ تو.....!''

زلیخا اُسکی طرف توجہ دیئے بغیر آگے بڑھی تھی اور حمید کا شانہ ہلا کر اٹھنے کو کہا تھا۔ لیکن کوئی جواب نہ پا کر اُسکے قریب دوزانو بیٹھتی ہوئی بولی۔ ''شائد ان پر غشی طاری ہوگئی ہے۔''

''ہونہہ غشی.....!'' قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''ان پر غشی طاری ہوگی۔''

''کیوں؟ کیا یہ آدمی نہیں ہیں۔''

''ہوں گے..... لیکن ان دونوں پر کچھ بھی طاری واری نہیں ہوتا۔''

''دوسرا کون.....؟''

''قرتل فریدی.....!''

''پتا نہیں کیا کہہ رہے ہو۔''

''کچھ بھی نہیں..... بن رہا ہے برادران.....!'' قاسم نے سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔

''اگر یہ بیہوش ہوگئے ہیں تو اٹھا کر آگ کے قریب لے چلنا پڑے گا۔''

''تو پھر اٹھاؤ۔'' قاسم نے کہا۔

''میں اٹھاؤں۔'' اُس نے حیرت سے کہا۔

''میں تو جھک نہیں سکتا۔ تم اٹھا کر میرے ہاتھوں پر رکھ دو..... جہاں کہو گی پھینک آؤں غا۔''

''آخر تم اتنی بے دردی سے باتیں کیوں کرتے ہو۔''

''یہ خود ہی کون سا بڑا درد ا ہے میرے لئے۔''

''انہوں نے کیا بگاڑا ہے تمہارا۔''

''تم طرف داری قیوں کر رہی ہو۔''

''زخمی ہیں..... اور ہمدرد آدمی ہیں۔''

''خدا قرے میں بھی زخمی ہو جاؤ۔''

''سچ کہتی ہوں..... تمہاری ایک بات بھی میری سمجھ میں نہیں آتی۔''

''اس کی سب سمجھ میں آجاتی ہیں۔ میں قہتا ہوں پچھتاؤ گی۔''

وہ جھلا کر آگے بڑھی اور خود ہی اٹھانے کی کوشش کرنے لگی۔ ادھر قاسم بے چین ہو کر بولا۔ ''ارے ارے..... جرورت ہی قیا ہے۔ یہیں آگ جلا دو۔''

''کھلے میں آگ جلائی تو گولیوں سے چھلنی ہو کر رہ جائیں گے۔''

''بڑی مشکل ہے۔'' قاسم نے کہا اور اُس کے سینے پر سانپ لوٹنے لگے جب اُس نے دیکھا کہ وہ اُس کی بغلوں میں ہاتھ دے کر اٹھانے کی کوشش کر رہی ہے۔

''اب تو اٹھ جاؤ سالے۔'' وہ دانت پر دانت جما کر آہستہ سے بولا۔''اب تو ارمان پورا ہو گیا۔''

''کیا ئیں..... ہائیں۔'' حمید منمنایا تھا لیکن زلیخا نے اُسے سیدھا کھڑا کیا اور اُس کا ایک ہاتھ اپنے شانوں پر رکھ کر اور کمر میں اپنا ہاتھ دے کر درے کی طرف لے چلی۔ وہ پوری طرح ہوشیار نہیں تھا۔ چال میں لڑکھڑاہٹ تھی اور جسم جھولا جا رہا تھا۔

قاسم دھپ سے بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ پیٹنے لگا۔ زلیخا ایسی پوزیشن میں تھی کہ مڑ کر اسے دیکھ نہیں سکتی تھی۔ بس سینہ کوبی کی آوازیں سنتی ہوئی آگے بڑھتی چلی گئی تھی۔ ویسے وہ قطعی نہیں سمجھ سکی تھی کہ آوازیں کیسی ہیں اور قاسم کیا کر رہا ہے۔

تھوڑی دیر بعد وہ پلٹ آئی۔ قاسم اُسی طرح بیٹھا اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ رہا تھا۔

''تم بھی اُٹھو..... ورنہ نمونیہ ہو جائے گا۔'' اُس نے کہا۔

''آں.....!'' قاسم چونک پڑا۔''قیا ہے؟''

''میں نے کہا..... یہاں سے اُٹھو ورنہ بیمار پڑ جاؤ گے۔ سردی بڑھ گئی ہے۔''

''نہیں..... مجھے مر جانے دو۔'' قاسم گلوگیر آواز میں بولا۔

''ارے سنو..... میں نے تمہارے لئے ایک روٹی بچالی تھی۔''

''روٹی کی بات نہیں ہے۔''

''پھر کیا بات ہے؟''

''کچھ نہیں..... میں یہیں مر جاؤں غا.....!''

''تنہا نہیں مرو گے۔'' زلیخا جھنجھلا کر بولی۔''ہماری زندگیاں بھی خطرے میں ڈالو گے۔''

''جاؤ آگ کے پاس بیٹھو، تم نہیں مرو گی۔''

''تم کیوں نہیں بیٹھو گے۔''

''وہ سالا ڈرامہ کر رہا ہے..... میں یہیں ٹھیک ہوں۔''

''تم کیسی باتیں کر رہے ہو..... وہ سچ مچ غشی کی حالت میں ہیں۔''

''غشی.....!'' قاسم زہریلی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔''نہ وہ دونوں مر سکتے ہیں اور نہ بیہوش ہو سکتے ہیں۔''

''کون دونوں.....؟''

''کرنل فریدی اور کیپٹن حمید.....!''

''کیا کہہ رہے ہو۔'' وہ اُس کے قریب بیٹھتی ہوئی بولی۔''یہ دونوں کون ہیں۔''

''تم نہیں جانتیں۔''

''میں نے یہ نام اُن لوگوں کے بارے میں سنے ہیں جنہوں نے سرخاب ویلی میں ڈاکٹر ٹسڈل کے زیر زمین کارخانے کا پتا لگایا تھا۔''

''میں انہی کی بات قر رہا ہوں..... وہ جو ڈرامہ کر رہا ہے..... کیپٹن حمید ہے لونڈیوں کی جان قا دشمن۔''

''خدا کی پناہ..... تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا تھا۔''

''تم قیا کرتیں۔''

''اتنی بے تکلفی سے تو نہ پیش آتی۔ اُن کی عزت کرتی۔''

''میں واقعی بالکل چگد ہوں۔''

''کیا مطلب.....؟''

''میں نے تمہیں قیوں بتا دیا۔ ڈاکٹر ٹسڈل نے مجھے بھی پکڑ کر ڈپٹی کمشنر بنا دیا تھا اور میں نے اُس کے ایک دیوزاد کو اٹھا کر پٹخ دیا تھا۔''

''ضرور پٹخ دیا ہوگا۔ ہاں میں نے سنا تھا کہ اُنکے ساتھ بھی ایک دیوزاد تھا۔ تو وہ تم ہی تھے۔''

''الاقسم میں ہی تھا۔'' قاسم بے حد خوش ہو کر بولا۔

''اچھا تو اب اُٹھ چلو ورنہ سردی تمہیں اٹھا کر پٹخ دے گی۔''

''تم قہتی ہو تو چلا چلتا ہوں.....!'' قاسم کراہتا ہوا اٹھا اور اُس کے ساتھ درے کی طرف روانہ ہو گیا۔

حمید بے سدھ پڑا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ قاسم نے روشنی میں اُس کا چہرہ

دیکھا تو سچ مچ تشویش میں مبتلا ہو گیا۔

''بیہوش ہی معلوم ہوتا ہے۔ مکاری نہیں قرر ہا'' اُس نے کہا۔

''مکاری کیوں کرنے لگے۔''

''تم نہیں سمجھ سکتیں۔''

''بس ختم کرو..... ذرا دیکھو بخار تو نہیں ہے۔''

قاسم نے حمید کے گالوں پر ہاتھ رکھ کر دیکھا اور سر ہلا کر بولا۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو..... یہ تو بھنا جا رہا ہے۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کے لئے کیا کروں..... اگر ایسی حالت میں انہوں نے ہمیں آلیا تو کیا ہوگا۔''

''ہم دونوں مقابلہ کریں گے۔'' قاسم چھاتی ٹھونک کر بولا۔

''لیکن ہم دونوں اتنے عقلمند نہیں ہیں جتنے یہ ہیں۔''

''رائفل عقل سے نہیں کارتوس سے چلتی ہے۔''

''اگر اُن کے ساتھ کتے بھی ہوئے تو۔''

''ٹانگیں چیر کر پھینک دوں گا سالوں کی۔''

''خاموش رہو۔'' وہ ہونٹوں پر انگلی رکھ کر آہستہ سے بولی اور قاسم اُلوؤں کی طرح دیدے نچا کر رہ گیا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کچھ سننے کی کوشش کر رہی ہو۔ پھر رائفل اٹھائی تھی اور قاسم کو وہیں بیٹھے رہنے کا اشارہ کر کے درے سے نکل گئی تھی۔ قاسم احمقانہ انداز میں نکاسی کے راستے کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر یک بیک چونک کر اُس نے بھی رائفل کاندھے سے اُتاری تھی لیکن ٹھیک اسی وقت زلیخا درے میں داخل ہوئی۔

''قیا بات ہے۔'' قاسم اُس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

''کچھ بھی نہیں..... شائد سماعت کا دھوکا تھا۔''

''کاہے کا دھوکا۔''

''مطلب یہ کہ مجھے وہم ہوا تھا۔ میں سمجھی شائد کوئی ادھر آ رہا ہے۔''

کرنل فریدی ناصر کا منتظر تھا۔ اُس نے اُسے وکٹوریہ گارڈن میں بلایا تھا۔ خود عظمت محل نہیں جانا چاہتا تھا اور نہ گلریز میں اُس سے ملنا چاہتا تھا۔ فون پر بات ہوئی تھی اور ناصر نے وعدہ کیا تھا کہ ٹھیک پانچ بجے شام کو وکٹوریہ گارڈن میں پہنچ جائے گا۔ غالباً اس میں ایک منٹ کی بھی تاخیر نہیں ہوئی تھی۔ دونوں بڑی خوش دلی سے ملے تھے اور ناصر نے چھوٹتے ہی حمید اور قاسم کے بارے میں پوچھا تھا۔

''ابھی تک اُن کا سراغ نہیں مل سکا۔'' فریدی نے پُرتفکر لہجے میں کہا۔

''دشواری یہ ہے کہ ابھی تک خان اعظم سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہیں۔ میں نے ساری شکارگاہیں بھی دیکھ ڈالیں۔''

''قتلو خان کے علاوہ اور کوئی بھی اُن کی مصروفیات سے واقف نہیں ہوتا۔'' ناصر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''اُس نے کہا تھا کہ کسی شکارگاہ میں ہوں گے۔''

''خدا ہی جانے.....!'' ناصر بولا۔ ''ویسے کبھی کبھی وہ سرخاب ویلی سے باہر بھی جاتے رہتے ہیں لیکن اُس کا بھی قتلو خان کے علاوہ اور کسی کو علم نہیں ہوتا۔''

''دو ماہ قبل جب شاہدہ وہاں گئی تھی تو کیا خان اعظم محل میں موجود تھے۔''

''موجود تھے۔ لیکن شائد تین دن بعد وہاں سے چلے گئے تھے۔ تیاری شکار ہی کی ہوئی تھی اور جب تک وہ وہاں مقیم رہی تھی اُن کی واپسی نہیں ہوئی تھی۔''

''تو گویا اُسی وقت سے وہ کسی شکارگاہ میں ہیں۔''

''اگر وہاں نہیں ہیں تو کہیں باہر چلے گئے ہوں گے۔'' ناصر نے بُرتفکر لہجے میں کہا۔ ''آج اگر آپ کی کال نہ آتی تو میں خود ہی ملنے کی کوشش کرتا۔''

''کوئی خاص بات۔''

''ممی آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔''

''اُوہ.....ضرور.....ابھی چلو۔''

''وہ بہت زیادہ پریشان نظر آتی رہی ہیں ان دنوں۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔

''شائد انہوں نے آپ سے کچھ کہنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔'' ناصر کچھ دیر بعد بولا۔

''اگر یہ خان اعظم سے متعلق کوئی بات ہے تو یہ سب کے حق میں بہتر ہوگا۔''

''لیکن آپ نے مجھے کیوں طلب کیا تھا۔''

''یہی معلوم کرنے کیلئے کہ دو ماہ قبل شاہدہ اور خان اعظم کی ملاقات ہوئی تھی یا نہیں۔''

''آپ خود اُسی سے پوچھ لیجئے گا؟ میری یادداشت کے مطابق تو وہ اُس دوران میں وہاں موجود تھے۔''

''تم نے اُس ٹیپ ریکارڈر کے بارے میں خانم کو کیا بتایا تھا۔''

''سچی بات بتا دی تھی۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔ ورنہ وہ یہی سمجھتیں کہ میں دیدہ دانستہ شاہدہ کو خوفزدہ کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ میں سمجھا تھا کہ وہ اس پر بھی بے حد خفا ہوں گی لیکن انہوں نے خلاف توقع سکوت اختیار کیا تھا اور پھر کل میں نے اُن پھوپھی کا ذکر چھیڑ دیا جن کے بارے میں آپ نے مجھے بتایا تھا۔ اس پر وہ متحیر رہ گئیں۔ اُن کی دانست میں پھوپھی کی اسی عجیب وغریب بیماری کا علم خاندان کے چند افراد کے علاوہ اور کسی کو نہیں تھا۔ بچوں تک تو یہ بات پہنچی ہی نہیں تھی۔ تب پھر میں نے انہیں بتا دیا کہ اُس کا علم مجھے آپ سے ہوا تھا۔''

''خوب.....!'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''اور اس کے بعد ہی انہوں نے مجھ سے ملنے پر اصرار کیا ہوگا۔''

''جی ہاں! یہی بات ہے۔''

''اچھا تو پھر چلو۔''

کچھ دیر بعد اُن کی گاڑیاں عظمت محل کی طرف روانہ ہوگئی تھیں۔ خانم نے اس بار فریدی کا استقبال خندہ پیشانی سے کیا تھا۔

''میں تم سے بہت شرمندہ ہوں کمال میاں۔'' انہوں نے کہا۔

''اس کی ضرورت نہیں۔ میں آپ کو بڑی بہن سمجھتا ہوں۔''

''تمہارے باپ میرے مائیکے میں خاندان ہی کے ایک فرد سمجھے جاتے تھے۔''

''مجھے علم ہے۔''

''تم اب جاسکتے ہو۔'' خانم نے ناصر کی طرف مڑ کر کہا۔ وہ چپ چاپ اٹھا اور دیوان خانے سے جا گیا۔

''سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ حمید اور قاسم ملے یا نہیں۔''

''ابھی تک تو نہیں ملے۔ تلاش جاری ہے۔''

''مجھے ڈر ہے کہ کہیں ہماری پشت پناہی کرنے کے سلسلے میں مارے نہ گئے ہوں۔''

''تو آپ کا بھی یہی خیال ہے کہ خان اعظم.....!''

''تمہیں واقعات کا علم نہیں ہے۔'' خانم اُس کی بات کاٹ کر بولیں۔

''میں نے ناصر اور شاہدہ دونوں سے چھپائے رکھا تھا۔ لیکن' ب اُس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں کہ مجھے بھی اپنے ہمدردوں کی تلاش ہو۔''

''میں کسی معاملے میں پیچھے نہیں رہوں گا۔ آپ مجھ پر اعتماد کرسکتی ہیں۔''

''آج سے ڈیڑھ ماہ پہلے کی بات ہے کہ خان نے شاہدہ کا رشتہ قتلو خان کیلئے مانگا تھا۔''

''قتلو خان کے لئے.....!'' فریدی چونک پڑا۔

''ہاں.....تم خود سوچو.....میرے ذہن کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔ قتلو خان کی دو بیویاں پہلے سے موجود ہیں اور وہ قطعی اس قابل نہیں ہے کہ اسے منہ بھی لگایا جائے۔ چہ جائیکہ رشتہ دینا۔ اگر ناصر کو یہ بات معلوم ہوجائے تو چچا پر رائفل تان کر کھڑا ہوجائے گا۔''

''قدرتی بات ہے۔ لیکن کیا خان نے اس سلسلے میں براہِ راست گفتگو کی تھی۔''

''نہیں قاصد اُن کا خط لایا تھا۔''

''پھر آپ نے کیا جواب دیا۔''

''میں نے اُسی قاصد کے ہاتھ انکار کا خط بھجوایا تھا۔ اُس کے بعد ہی سے ہمیں خوفزدہ کرنے کی کوشش کی جانے لگی تھی۔''

اور پھر خانم نے ریسٹ ہاؤز والے واقعات اپنے طور پر دہراتے ہوئے کہا۔ ''اس

طرح واضح طور پر اعلان جنگ کردیا ناصر کے چچا نے۔ بہرحال کیپٹن حمید نے ہمارا ساتھ دینے کی کوشش کی تھی۔"

"میں تصور بھی نہیں کرسکتا کہ خان اعظم اس حد تک گر جائیں گے۔"

"قتل کے لئے وہ سب کچھ کرسکتے ہیں۔"

"تو شاہدہ کی بیماری کا سلسلہ پیغام آنے سے پہلے شروع ہوا تھا یا بعد میں۔"

"پہلے ہی۔ وہ چند دنوں کے لئے خان کے دیہی محل میں گئی تھی۔ وہاں سے واپسی پر ایک رات دورہ پڑا تھا بلی کی آواز سن کر اور پھر اُس کے کچھ دنوں بعد خان کا قاصد رشتہ لے کر آیا تھا۔"

فریدی خاموش ہوکر کچھ سوچنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد خانم بولیں۔ "روشن زمانی بیگم کے اس پُراسرار مرض کے بارے میں تم اور کیا جانتے ہو۔"

"بس اتنا ہی جتنا ناصر میاں کو بتا چکا ہوں۔"

خانم طویل سانس لے کر رہ گئیں۔

"کیا آپ اس سلسلے میں کچھ اور بھی جانتی ہیں۔" فریدی انہیں غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

"میں..... نہیں تو..... ناصر کے باپ نے مجھے اس سے زیادہ نہیں بتایا تھا۔ لیکن..... لیکن میں نے ہمیشہ یہی محسوس کیا تھا جیسے انہوں نے مجھے پوری بات نہ بتائی ہو۔"

"خیر..... اب یہ بتایئے کہ میں کیا خدمت کرسکتا ہوں۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا۔ تم کیا کرسکو گے۔ میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے۔"

"شائد کچھ کرہی سکوں! اگر روشن زمانی خانم سے متعلق تفصیل سے معلوم ہوسکے تو ممکن ہے آپ کی دشواریوں کا حل بھی نکل آئے۔"

"افسوس کہ میں اس سے زیادہ نہیں جانتی۔ شاہدہ کے بارے میں ڈاکٹر نجیب کا کہنا ہے وہ کسی واقعے سے دہشت زدہ ہوکر اُسی واقعے کو بھول گئی ہے۔ بلی کی آواز سن کر ذہنی کشمکش میں مبتلا ہوتی ہے اور بیہوش ہوجاتی ہے۔" خانم نے کہا۔

"بالکل نہیں بھولیں۔ ورنہ صرف بلی کی آواز ہی کیوں۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"بلی کی آواز اُسی واقعے کا ایک جزو ہوسکتی ہے۔ بلی کی آواز سن کر وہ اُس واقعے کو یاد کرنے کی کوشش کرتی ہیں اور ذہنی ہیجان میں مبتلا ہوکر بیہوش ہوجاتی ہیں۔"

"اللہ ہی بہتر جانے..... ڈاکٹر نجیب نے بھی ناصر سے کچھ ایسی ہی باتیں کہی تھیں۔"

"کیا آپ مجھے شاہدہ سے تنہائی میں گفتگو کرنے کی اجازت دیں گے۔"

"وہ اس وقت موجود نہیں ہے۔"

"پھر کسی وقت سہی۔ یہ بہت ضروری ہے۔ ویسے آپ مطمئن رہئے۔ آپ کا راز میری ذات سے آگے نہیں بڑھے گا۔"

"میں مطمئن ہوں کمال میاں اور پھر یہ راز راز نہیں رہا۔ پتہ نہیں کس طرح یہ بات بہتیرے اعزہ تک پہنچ گئی ہے۔"

"غالباً اُسی کے توسط سے پہنچی ہوگی جو اس کا ذمہ دار ہے۔ وہ یہی تو چاہے گا کہ شاہدہ کی شادی کی بات کہیں اور نہ ہوسکے۔ ورنہ اُسکا پیغام اس مرض کی ابتداء سے پہلے آنا چاہئے تھا۔"

"خدا جانے۔"

"بہرحال میں دیکھوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کرسکتا ہوں۔"

"شاہدہ سے کیا پوچھو گے۔"

"صرف خان اعظم کے متعلق باتیں ہوں گی۔ اُن کے مرض کا حوالہ تک نہیں ہوگا۔ آپ مطمئن رہئے۔"

فریدی وہاں سے روانہ ہوکر ہوٹل گلریز پہنچا تھا اور گاڑی پارک کرکے بالائی منزل پر جانے کے لئے زینے طے کرنے لگا تھا۔ اچانک پورے ہوٹل کی روشنی غائب ہوگئی۔ وہ اس وقت پانچویں زینے پر تھا۔ ریلنگ پر ہاتھ ٹیک کر بائیں جانب کود گیا۔ ساتھ ہی بغلی ہولسٹر سے ریوالور بھی نکال لیا تھا۔

ڈائننگ ہال میں افراتفری مچ گئی۔ بھانت بھانت کی آوازیں اندھیرے میں گونجنے لگی تھیں۔ پھر ایک منٹ کے اندر ہی اندر دوبارہ روشنی بھی ہوگئی تھی۔ فریدی نے بڑی پھرتی سے ریوالور کوٹ کی جیب میں ڈال لیا۔

اُس نے خطرے کی بو سونگھی تھی اور قبل اس کے کہ وہ دوبارہ زینوں کی طرف بڑھتا یہ

معلوم ہوگیا کہ روشنی کیوں غائب ہوئی تھی۔ کسی نے مین سوئچ آف کیا تھا اور ہوٹل کے عملے نے اُسے پکڑ بھی لیا تھا۔ سپروائزر لپکتا ہوا سدر دروازے کی طرف بڑھا۔ فریدی اُس کے پیچھے تھا۔ پہلے وہ سمجھا تھا شائد زینوں پر کسی حملہ آور سے مڈبھیر ہوگی۔ لیکن تاریکی کے وقفے میں کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں ہوا تھا۔

برآمدے میں کچھ لوگ نظر آئے۔ جنہوں نے کسی کو گھیر رکھا تھا اور پھر جب فریدی نے اُس کی شکل دیکھی تو ذہن کے کسی گوشے میں شناسائی کی لہریں متحرک ہوگئیں۔ اُس نے اُسے آج ہی ڈیرہ غزن خان میں دیکھا تھا۔ قتلو خان کی حویلی میں نظر آنے والی بھیڑ میں وہ بھی شامل تھا جیسے ہی اُس کی نظر فریدی پر پڑی اُس نے گھیرا توڑ کر نکل جانے کی کوشش کی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی کا ہاتھ اُس کے گریبان تک پہنچ چکا تھا۔ بھیڑ کائی کی طرف پھٹ گئی اور سپروائزر حیرت سے پلکیں جھپکانے لگا۔ وہ اُس کی شخصیت سے واقف تھا۔

''اسے کہیں الگ لے چلو۔'' فریدی نے سپروائزر سے کہا۔ ''اور یہاں سے بھیڑ ہٹاؤ۔''

اُس نے نکل بھاگنے کے لئے جدوجہد تیز کردی تھی۔ لیکن فریدی کی گرفت سے نکل جانا آسان نہیں تھا۔ اُسے سپروائزر کے کمرے میں لایا گیا۔ فریدی نے اُس کا ہاتھ مروڑ کر اُسے دیوار سے لگ کر کھڑے ہوجانے پر مجبور کردیا اور سپروائزر کو جامہ تلاشی لینے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''جلدی کرو۔''

اُس کے پاس سے ایک خنجر برآمد ہوا تھا۔

''میرے کمرے میں کتنے آدمی داخل ہوئے ہیں۔'' فریدی نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''میں کچھ نہیں جانتا۔ مجھے جانے دو۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔''

''اگر میں تمہیں پہچانتا نہ ہوتا تو ضرور باور کرلیتا۔''

اُس نے سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔

''جلدی..... ورنہ یہاں سے سیدھے ہسپتال پہنچو گے۔''

وہ پھر بھی خاموش رہا۔ اس بار فریدی کا الٹا ہاتھ اُسکے منہ پر پڑا تھا۔ لڑکھڑا کر سنبھلنے بھی نہیں پایا تھا کہ گھونسہ پیٹ پر پڑا اور وہ دونوں ہاتھوں سے پیٹ دبائے ہوئے دوہرا ہوگیا۔

فریدی نے اُس کے بال مٹھی میں جکڑے اور ایک جھٹکے کے ساتھ سیدھا کردیا۔

''ب..... بتاتا ہوں.....!'' وہ ہانپتا ہوا بولا۔

''جلدی! میرے پاس وقت نہیں ہے۔''

''دو..... دو آدمی۔''

''اُن کے پاس ریوالور ہیں یا خنجر۔''

''خنجر.....!''

''اس کے ہاتھ پیر باندھ کر یہیں ڈال دو۔'' فریدی نے سپروائزر سے کہا۔

''میں نے بتا تو دیا اب مجھے جانے دو۔'' وہ آدمی ہانپتا ہوا بولا۔

''واپس گئے تو نذر گل ہی کی طرح دفن کردیئے جاؤ گے۔ اس معاملے میں زیادہ سے زیادہ چھ ماہ کی سزا ہوگی۔''

وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

سپروائزر نے دروازہ کھول کر اپنے آدمیوں کو آوازیں دی تھیں اور وہ ذرا ہی سی دیر میں باندھ کر ڈال دیا گیا تھا۔

''کیا قصہ ہے جناب.....!'' سپروائزر نے فریدی سے پوچھا۔

''میرے قتل کی سازش۔''

''خدا کی پناہ۔''

پھر فریدی نے وہیں سے پولیس فورس کے مقامی ہیڈ کوارٹر کو فون کیا تھا۔ پندرہ منٹ کے اندر اندر ہی ہومی سائیڈ اسکواڈ وہاں پہنچ گیا تھا۔ جو سات مسلح افراد پر مشتمل تھا اور جس کی قیادت خود ایس پی ہومی سائیڈ نے کی تھی۔

وہ دونوں فریدی کے کمرے سے برآمد کرلئے گئے۔ اُن کے پاس سے خنجر بھی برآمد ہوئے تھے اور ریوالور بھی۔

''صمد خان..... میں تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔'' ایس پی ہومی سائیڈ نے اُن میں سے ایک کو مخاطب کیا۔

صمد خان کچھ نہ بولا۔ سر جھکائے کھڑا رہا۔

''اسے یہیں میرے پاس چھوڑ دیجئے۔'' فریدی نے ایس پی سے کہا۔ ''اور دوسرے کو

لے جایئے۔ یہ لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ خان اعظم حکومت سے بھی ٹکر لے سکتے
اور ہاں .....ایک آدمی سپروائزر کے کمرے میں بھی ہے۔"

ایس پی نے دو مسلح آدمی فریدی کے کمرے کے باہر چھوڑے تھے اور قیدی کو لے کر گیا تھا۔

"تو تمہارا نام صمد خان ہے۔ غالباً قتلو خان کے معتمد ہو۔" فریدی نے صمد خان
گھورتے ہوئے کہا۔ لیکن وہ کچھ نہ بولا۔

"بہرحال تم نے دیکھ لیا کہ خان اعظم اور قتلو خان کتنے بااثر ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"آپ نے مجھے یہاں کیوں روکا ہے۔" صمد خان نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"مجھے یقین ہے کہ تم میرے دونوں آدمیوں کے بارے میں صحیح اطلاع دے سکو گے۔

"میں کچھ نہیں جانتا۔"

"کیا تم سڑک پر ذلیل ہونا چاہتے ہو.....میرا خیال ہے کہ ایس پی ہی کی طرح تمہ
اور لوگ بھی پہچانتے ہوں گے۔"

صمد خان نے جھرجھری سی لی اور بولا۔ "اب وہ ہمارے قبضے میں نہیں ہیں۔ جہ
رکھے گئے تھے وہاں سے فرار ہو گئے۔ پھر ایک جگہ گھیرے گئے لیکن ہمارے دو آدمیوں کو
کر کے وہاں سے بھی نکل گئے۔"

"دونوں جگہوں کی نشاندہی کرو۔"

اُس نے تب بتانا شروع ہی کیا تھا کہ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "یوں نہیں۔"

وہ اٹھا تھا اور ایک کپ بورڈ سے ایک نقشہ نکال کر میز پر پھیلا دیا تھا۔

"عمارت اور اُس جگہ کا تعین کرو۔"

صمد خان نے دو جگہ پنسل سے نشانات لگائے تھے اور بولا تھا۔ "اب میرا کیا ہوگا۔"

"میں تمہیں اپنی فتح کی علامت کے طور پر واپس بھی بھیج سکتا ہوں لیکن تمہارا انجام
نذر گل ہی کا سا ہوگا۔"

"اس میں کوئی شک نہیں۔"

"بس تو پھر فی الحال جیل چلے جاؤ۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ وعدہ معاف گواہ کی حیثیت

سے تمہیں رہائی دلا دوں گا۔"

"شش.....شکریہ۔" صمد خان طویل سانس لے کر بولا۔ "ایک بات اور ہے۔ علاقے
سے نکاسی کے راستے کی سخت ترین ناکہ بندی کر دی گئی ہے۔ اس لئے آپ کے آدمی راکیل
کے آس پاس ہی بھٹک رہے ہوں گے۔"

"میں دیکھوں گا..... ہاں! خان اعظم سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے۔"

"اگر محل میں نہیں ہیں تو قتلو خان کے علاوہ اور کوئی بھی اُن کی نشاندہی نہ کر سکے گا۔"
صمد خان نے کہا۔

"اُس نے کہا تھا کہ وہ کسی شکارگاہ میں ہوں گے۔ لیکن ساری شکارگاہیں چھان ڈالی گئیں۔"

"بس تو پھر وہ بتانا ہی نہیں چاہتا۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔"

"آپ کے آدمیوں کے ساتھ ایک عورت بھی ہے۔ اچھی گواہ ثابت ہوگی۔" صمد خان
نے کہا اور اُسے زلیخا کے بارے میں بتانے لگا۔

"درندگی کی انتہا ہے۔" فریدی ناخوشگوار لہجے میں بولا تھا۔ "خیر اب وقت آ گیا ہے کہ
اس فتنے کا سر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کچل دیا جائے۔"

صبح ہوتے ہوتے انہوں نے فائروں کی آوازیں سنی تھیں اور سنبھل کر بیٹھ گئے تھے۔
حمید اب پوری طرح ہوش میں تھا۔ زلیخا نے درے سے باہر نکلنا چاہا لیکن اُس نے اُسے
روکتے ہوئے کہا۔ "آوازیں دور کی ہیں۔ چین سے بیٹھی رہو۔"

"کیا وہ آپس ہی میں لڑ گئے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے ہمارے آدمی ہوں۔" حمید بولا۔

''ان قے آدمی۔'' قاسم طنزیہ انداز میں ہنس کر رہ گیا۔ حمید نے اُسے گھور کر دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔

''کیا وہ آپس میں بھی لڑ جاتے ہیں۔'' حمید نے کچھ دیر بعد زلیخا سے پوچھا۔ فائرنگ کی آوازیں اب بھی آ رہی تھیں۔

''کبھی سنا نہیں۔''

''اے یہ ٹھائیں ٹھوئیں ہوتی رہی تو آگے قیسے بڑھیں گے۔'' قاسم بولا۔

''نہیں بڑھیں گے۔ یہیں پڑے رہیں گے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ ہم نے اتنی بلندی پر پناہ لی ہوگی۔''

''بس سب کچھ تم ہی سوچ سکتے ہو۔'' قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔

''کیا تمہارا بولنا ضروری ہے۔'' زلیخا نے کہا۔

''تم کہتی ہو تو نہیں بولوں غا..... چاہے جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔''

کچھ دیر خاموشی رہی پھر زلیخا نے حمید سے کہا۔ ''میں آپ سے معافی چاہتی ہوں جناب۔ نادانستگی میں بعض گستاخیاں بھی کر چکی ہوں۔''

''ارے ارے..... ہائیں..... یہ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔''

''آپ کی شخصیت سے واقف نہیں تھی۔''

حمید نے قہر آلود نظروں سے قاسم کی طرف دیکھا۔ جو سر جھکائے شرارت آمیز انداز میں مسکرا رہا تھا۔

''اُن پر ناراض نہ ہوں۔ آخر چھپانے کی کیا ضرورت تھی۔ ہمارے دشمن تو جانتے ہی ہوں گے کہ آپ کون ہیں۔''

''نہ جانتے ہوتے تو اتنی تگ دو کیوں کرتے۔''

''پتا نہیں..... نذر گل کو کس مہم پر روانہ کیا گیا تھا کہ افشائے راز کے ڈر سے انہیں اس حد تک جانا پڑا۔ ورنہ یہ لوگ تو پولیس والوں سے میلوں دور رہتے ہیں۔''

''میں بھی یہی سوچتا رہا ہوں۔''

''اجاجت ہے تجھ بولنے تی۔''

''فرمایئے..... فرمایئے.....!'' حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''تم سے نہیں پوچھا تھا۔'' قاسم بھنا کر بولا۔

''مجھ سے پوچھا تھا؟'' زلیخا نے ہنس کر سوال کیا۔

''جی غاں.....!''

''کہو..... کیا کہہ رہے تھے۔''

''بھول غیا.....!'' قاسم نے کہہ کر رائفل اٹھائی تھی اور خود بھی اٹھنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔

''کہاں چلے۔'' حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

''میں بھی فائر کروں گا۔''

''دماغ تو نہیں چل گیا..... بیٹھو۔''

''ارے واہ..... قیا تمہارا حکم چلتا ہے مجھ پر.....!'' اُس نے دھانے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

''تم روکو..... میری نہیں سنے گا۔'' حمید نے آہستہ آہستہ سے زلیخا کو مخاطب کیا۔

''قاسم صاحب! واپس آیئے۔'' زلیخا نے کہا اور قاسم کے قدم رک گئے۔

''آپ کہتی ہیں تو نہیں جاؤں غا.....!'' وہ بڑی سعادت مندی سے بولا اور پھر اُن ہی کی طرف پلٹ آیا۔

''مجھے تو اب یہ کئی طرف کی آوازیں معلوم ہو رہی ہیں.....!'' حمید نے کہا اور اٹھ کر دھانے کی طرف بڑھا۔

''آپ کہاں چلے۔'' زلیخا بولی۔

''اپنے اندازے کی تصدیق کروں گا۔''

''قرنے دو..... قرنے دو۔'' قاسم سر ہلا کر بولا۔ ''میں بیچارہ تو کچھ بھی نہیں کر سکتا۔''

''آپ ہی نے تو سب کچھ کیا ہے۔'' زلیخا نے کہا۔ ''نہ آپ کو غصہ آتا اور نہ ہمیں رہائی نصیب ہوتی۔''

''بہت بُرا کیا تھا میں نے۔ آرام سے بندھے کھڑے ہوئے تھے۔ اب دھکے کھاتے پھر رہے ہیں۔''

''کمال ہے۔ یہ آپ کہہ رہے ہیں۔''

''ہاں میں کہہ رہا ہوں..... پہلے میں تھا اور اب وہ ہیں۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''کچھ نہیں..... کچھ بھی نہیں۔ سب ٹھیک ہے۔ میرا مقدر ہی خراب ہے۔''

''آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔''

قاسم کچھ نہ بولا۔ شائد اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ جو کچھ کہنا چاہتا ہے کس طرح کہے۔

اتنے میں حمید پلٹ آیا اور بولا۔ ''میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ فائروں کی آوازیں کئی اطراف سے آ رہی ہیں۔ شائد نکاسی کے راستوں کی نا کہ بندی توڑنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔''

''امے جاؤ..... بس بیٹھے ہوائی قلعے بنایا قرو.....!'' قاسم نے ہاتھ نچا کر کہا۔

''تم پھر بولے۔''

''جرور بولوں غا..... میں بھی منہ میں جبان رکھتا ہوں۔''

''بیٹے بھوکوں مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ..... پھر کھولنا زبان۔''

''مر جاؤں غا..... تم کاندھا نہ دینا جنازے کو۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ورنہ کاندھا بھی تمہارے ہی ساتھ جائے گا۔''

''بھئی..... ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔ سر خاب ویلی پہنچنے کی سوچئے۔'' زلیخا نے کہا۔

حمید جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ عجیب طرح کی آواز سنائی دی۔

''یہ کیسی آواز تھی.....!'' وہ چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''تمہاری ایسی کی تیسی کی آواز تھی۔'' قاسم نے بھنا کر کہا اور زلیخا ہنسنے لگی۔ قاسم کے پیٹ کی قراقر خاصے فاصلے سے بھی سنی جا سکتی تھی۔

''شائد کچی پکی خوبانیاں بول رہی ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''بس..... جبان بند..... ورنہ اٹھا کر پٹخ دوں غا۔'' قاسم آپے سے باہر ہو گیا۔

''بھئی خدا کے لئے آپ لوگ لڑائی جھگڑا ختم کر کے کوئی ڈھنگ کی بات سوچئے۔ کب تک بھٹکتے پھریں گے۔'' زلیخا نے کہا۔

''فی الحال آگے بڑھنے کا مشورہ نہیں دوں گا۔ پتا نہیں کس طرف کی گولیاں ہمیں چاٹ

جائیں۔'' حمید بولا۔

''تم بیٹھے رہو۔ ہم تو جائیں گے۔'' قاسم نے کہا۔

''ہم سے کیا مراد ہے۔''

''ہم دونوں..... کیوں آپ چلیں گی نا میرے ساتھ۔''

''آپ سے چلا بھی جاتا ہے۔'' حمید بولا۔

''تم مت بولو..... تم سے بات نہیں قر رہا۔''

''چچ..... چچ..... چپاتی۔''

''ارے ہی ہی ہی.....!'' قاسم زور سے ہنس پڑا اور بولا۔ ''میں تو مذاق قر رہا تھا۔''

''کیا بات ہوئی..... چچ..... چچ..... چپاتی.....!'' زلیخا نے حیرت سے کہا۔

''کچھ نہیں۔'' قاسم شور مچانے والے انداز میں بولا۔ ''بھوک لگ رہی ہے نا حمید بھائی کو۔''

''بھائی بھی ہو گئے۔''

''بہت پرانا بھائی ہے..... قیوں حمید بھائی۔''

''اور کیا..... جب یہ بہت بولنے لگتا ہے تو میں اسکے منہ پر چپاتی باندھ دیتا ہوں۔''

''اب بس ختم قرو۔'' قاسم ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''بات بالکل سمجھ میں نہیں آئی۔'' زلیخا نے سر ہلا کر کہا۔

''چپاتی سمجھی نہیں کھائی جاتی ہے۔ اگر کسی خاتون کا نام چپاتی بیگم ہو تو کیسی رہے گی۔'' حمید بولا۔

''تمہاری دم رہے گی۔ الاقسم رائفل ہے میرے ہاتھ میں۔''

''آپ لوگ مجھے کیوں الجھن میں ڈال رہے ہیں۔'' زلیخا آہستہ سے بولی تھی۔

''قوئی الجھن کی بات نہیں ہے۔ بھلا چپاتی کی کیا الجھن.....! حمید بھائی سالا کبھی کبھی سنک جاتا ہے۔''

''نہیں بتانا چاہتے تو میں مجبور بھی نہیں کروں گی۔''

''میں بتاتا ہوں۔'' حمید جلدی سے بولا۔ ''چپاتی کے نام پر اسے اپنی ایک خالہ یاد آ جاتی ہیں جن سے یہ بہت ڈرتا ہے۔''

''دیکھو..... دیکھو.....!'' قاسم ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''جبان سنبھالو ورنہ پچھتاؤ گے..... خالہ ہوگی تمہاری۔''

''اچھا میں سمجھ گئی۔ کسی عورت کی بات ہے جسے آپ لوگ چپاتی بیگم کہتے ہیں۔''

''سمجھ جاؤ..... میرے ٹھینگے سے۔'' قاسم کو پھر غصہ آ گیا۔

''اُوہ.....!'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''یہ آوازیں تو بہت قریب کی معلوم ہوتی ہیں۔ ہوشیار رہنا۔ ٹھہرو۔ مجھے دہانے کے قریب جانے دو۔''

''باہر مت نکلئے گا۔'' زلیخا بولی۔

''فکر نہ کرو۔''

''فکر کرنے کے لئے تو یہ خود پیدا ہوئے ہیں۔'' قاسم نے جل کر کہا۔

''خاموش رہو۔ کیا مرنے ہی کا ارادہ ہے۔'' حمید کہتا ہوا دہانے کی طرف بڑھ گیا۔ زلیخا اور قاسم نے بھی اپنی رائفلیں سنبھال لی تھیں۔

''ارے۔'' دفعتاً زلیخا چونک کر۔ ''یہ تو کوئی لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے کچھ کہہ رہا ہے۔''

پھر وہ بھی تیزی سے دہانے کی طرف بڑھی تھی۔ قاسم بھی اٹھا۔ حمید کے قریب پہنچ کر دونوں رک گئے تھے۔

آواز آہستہ آہستہ قریب ہوتی جا رہی تھی۔ حتیٰ کہ صاف سمجھ میں آنے لگی۔ کوئی لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے کہہ رہا تھا۔ ''کیپٹن حمید پلیز..... پناہ گاہ سے باہر آ جایئے..... گھیرا توڑ دیا گیا ہے۔''

''یہ فریب بھی ہوسکتا ہے۔'' حمید آہستہ سے بولا۔ ''اور حقیقت بھی ہوسکتی ہے۔ اس لئے ہمیں مزید انتظار کرنا پڑے گا۔''

''سوال یہ ہے کہ انہیں ہمارے فرار کا حال کیسے معلوم ہوسکتا ہے۔'' زلیخا بولی۔

''ممکن ہے قتلو خان کا کوئی خاص آدمی پولیس کے ہاتھ لگ گیا ہو۔''

''امکان تو ہے لیکن فوری طور پر یقین کر لینے کو دل نہیں چاہتا۔'' زلیخا نے کہا۔

''ذرا دیر صبر کرو..... حقیقت ظاہر ہو جائے گی۔''

''کیپٹن حمید پلیز..... سرچ پارٹی کالنگ.....!'' آواز پھر آئی۔

''کچھ کیجئے۔'' زلیخا مضطربانہ انداز میں بولی۔ ''اگر وہ یہاں سے گزر گئے تو پھر بڑی

دشواری ہوگی۔''

''اچھی بات ہے۔'' حمید بولا۔ ''میں جا رہا ہوں۔ لیکن تم دونوں باہر قدم نہ نکالنا۔ بات بگڑنے کی صورت میں شائد تنہا میں خود کو بچا لوں لیکن اگر تم دونوں بھی ساتھ ہوئے تو دشواری ہوگی۔''

وہ درے سے نکل گیا اور یہ دونوں حسب ہدایت وہیں ٹھہرے رہے۔ زلیخا کی آنکھوں سے گہری تشویش ظاہر ہو رہی تھی۔ دفعتاً قاسم بولا۔ ''اگر پولیس ہی ہوئی تو آپ قیا قریں گی۔''

''سوال کا مطلب ہی نہیں سمجھی۔''

''آپ اتنی ناسمجھ قیوں ہیں..... کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا۔''

''قاسم صاحب..... پلیز..... کچھ دیر خاموش بھی رہئے۔''

''خاموش ہی کھاموش ہیں..... میری زندگی برباد ہوگئی۔''

''اچھی بات ہے۔ تو پھر کہتے رہئے۔ میں سمجھ لوں گی کہ ستار بج رہا ہے۔''

''نہیں کتا بھونک رہا ہے۔ مروت قیوں کرتی ہیں۔''

''قاسم بھائی رحم کیجئے۔''

''بلکہ اب تو جہنم ہی میں جایئے۔ قق قاسم بھائی..... ی ی ی ی۔'' قاسم نے کہا اور پتھر سے ٹیک لگا کر ہانپنے لگا۔

اتنے میں حمید نے واپس آ کر اطلاع دی تھی کہ وہ فریب نہیں تھا۔ حقیقتاً پولیس پارٹی ہی تھی۔

''کرنل صاحب بھی ساتھ ہیں۔'' اُس نے قاسم سے کہا۔

''ایک نہ شد دو شد.....!'' قاسم کا جواب تھا۔ وہ کسی تھکے ہوئے بیل کی طرح ڈکراتا ہوا اٹھ گیا۔

ناصر کے منہ سے بات نہیں نکل رہی تھی۔ آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور چہرہ غصہ سے

سرخ ہو رہا تھا۔ پہلے سے اطلاع دیئے بغیر گلریز تک پہنچا تھا اور فریدی کے کمرے کے دروازے پر دستک دی تھی۔ محض اتفاق ہی تھا کہ فریدی سے ملاقات ہوگئی ورنہ اگر دو منٹ کی تاخیر سے بھی پہنچا ہوتا تو اُسے مایوسی ہی ہوتی۔ کیونکہ فریدی کہیں جانے کے لئے تیار تھا۔ اُس نے ناصر کا حلیہ دیکھا اور ذہنی کیفیت کا اندازہ لگانے کے بعد نرم لہجے میں بولا۔ ''بیٹھ جاؤ..... اپنے حواس مجتمع کرلو۔ پھر بات کرنا۔''

''انتہا ہوگئی۔'' وہ جھٹکے دار آواز میں کہتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا۔

فریدی باتھ روم سے گلاس میں پانی لایا تھا اور اُس کی طرف بڑھا دیا تھا۔

ناصر نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کردیا اور کرسی کی پشت گاہ سے ٹک کر آنکھیں بند کرلیں۔

فریدی خاموش کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ''کچھ سکون محسوس کررہے ہو۔''

''سکون کہاں۔'' ناصر آنکھیں کھولے بغیر بولا۔ ''ممی کے درس اخلاقیات نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔''

وہ ایک بار پھر طیش میں آکر سیدھا ہو بیٹھا اور چیخ چیخ کر کہنے لگا۔ ''انہوں نے ڈرائیور کو مار ڈالا۔ شاہدہ غائب ہوگئی اور وہ اب بھی یہی کہے جارہی ہیں کہ رپورٹ درج کراتے وقت خان بابا سے جھگڑے کا حوالہ مت دینا۔''

''پوری بات بتاؤ.....!'' فریدی دوسری کرسی کھینچ کر بیٹھتا ہوا بولا۔

''شاہدہ ایک سوشل گیدرنگ اٹینڈ کرنے جارہی تھی۔ راستے میں کسی نے ڈرائیور کو گولی ماردی اور شاہدہ غائب ہے۔''

''کیا گاڑی الٹ گئی تھی۔''

''نہیں..... میرا خیال ہے گاڑی رکوائی گئی تھی۔ ڈرائیور نے مزاحمت کرنے کی کوشش کی ہوگی۔''

''یہ واقعہ کہاں پیش آیا.....؟''

جگہ کے بارے میں سن کر فریدی نے طویل سانس لی تھی۔

''سڑک کا وہ حصہ تو دور دور تک سنسان پڑا رہتا ہے۔'' اُس نے کہا۔

''میں نے تو رپورٹ درج کرائی ہے لیکن کسی کے خلاف شبہ نہیں ظاہر کرسکا۔ ورنہ خاندانی وقار خطرے میں پڑ جاتا..... ہونہہ۔''

''فکر نہ کرو..... میں نے خان کے محلات کی تلاشی کا وارنٹ حاصل کرلیا ہے۔''

ناصر نے اُس کی طرف ایسی نظروں سے دیکھا تھا جیسے کسی انہونی کی اطلاع ملی ہو۔

''ہاں.....!'' فریدی سر ہلا کر بولا۔ ''حمید اور قاسم مل گئے ہیں اور قتلو خان کے خلاف اب میرے پاس اتنا مواد ہے کہ اُسے روپوش ہوجانا پڑا ہے۔''

''اور آپ نے تلاشی کا وارنٹ حاصل کرلیا ہے۔''

''ہاں..... ہاں..... تمہیں اس پر حیرت کیوں ہے۔ اس وقت میں فورس لے کر محلات کی تلاشی ہی کے لئے جارہا ہوں۔''

''یہ کیسے ہوگیا۔''

''قانون سے بالاتر نہیں ہیں خان اعظم..... اس سے پہلے کسی نے انہیں یہ باور کرانے کی کوشش ہی نہیں کی۔''

''میرا خیال ہے کہ وہاں مزاحمت ہوگی۔''

''حمید اور قاسم کے سلسلے میں بھی بارہ آدمی پولیس کی گولیوں کا نشانہ بنے ہیں۔ جہاں انہیں رکھا گیا تھا وہاں سے فرار ہوکر راکیل کے علاقے میں بھٹکتے پھر رہے تھے اور قتلو کے سپاہیوں نے نکاسی کے راستوں پر ناکہ بندی کررکھی تھی۔ لہٰذا اُسی ناکہ بندی کو توڑنے کے لئے پولیس کو طاقت استعمال کرنی پڑی۔''

''خدا کی پناہ..... اتنا کچھ ہوچکا ہے۔'' ناصر نے کہا پھر چونک کر بولا۔ ''کیا میں بھی آپ کے ساتھ چل سکتا ہوں۔''

''اصولاً مناسب نہ ہوگا۔'' فریدی نے کہا۔ ''لیکن کیا یہ ممکن نہیں کہ خان اعظم کی آڑ میں کسی دوسرے نے یہ حرکت کی ہو۔''

''ہماری کسی سے بھی دشمنی نہیں ہے۔''

''رہزنی بھی بعید از امکان نہیں ہے۔''

''لیکن شاہدہ.....!''

''ہوسکتا ہے وہ خوفزدہ ہوکر کسی طرف نکل گئی ہو۔''

''کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔''

''بے فکر رہو..... میں خیال رکھوں گا۔ خانم کو بھی میری طرف سے اطمینان دلا دینا۔''

''کیا اطمینان دلا دوں گا۔ آپ تو یہی فیصلہ نہیں کر سکے کہ معاملے کی نوعیت کیا ہے۔''

''فیصلے کسی ٹھوس بنیاد پر ہی کئے جاتے ہیں۔ کیا تم جانتے ہو کہ خان نے اعلان جنگ کی علامت تم لوگوں تک کس لئے پہنچائی تھی۔''

''نہیں..... ممی نے مجھے وجہ نہیں بتائی۔''

''بس تو پھر کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ تم پولیس کو شاہدہ کی گمشدگی کی اطلاع دے چکے ہو۔ اب میں دیکھوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کرسکتا ہوں۔''

''یقین کیجئے! میری ذہنی حالت اس قابل نہیں ہے کہ ڈھنگ سے کسی موضوع پر گفتگو کرسکوں۔''

''مجھے احساس ہے۔''

ناصر کے چلے جانے کے بعد ہیڈ کوارٹر پہنچ کر ایک بار پھر صمد خان کو طلب کیا تھا۔

''میں نے محلات کی تلاشی کا وارنٹ حاصل کرلیا ہے۔ کیونکہ قتلو خان روپوش ہوگیا ہے۔'' اُس نے اُسے اطلاع دی۔

''اگر وہ روپوش ہوئے ہیں تو انہوں نے محلات کا رخ بھی نہ کیا ہوگا۔'' صمد خان کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''اس لئے خون خرابے سے کیا فائدہ۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''محلات کے آس پاس بسے ہوئے لوگ پولیس سے باقاعدہ جنگ کریں گے۔ اگر انہیں علم ہوگیا کہ پولیس کس لئے آئی ہے۔''

''ضابطے کی کارروائی تو ہوکر رہے گی۔ خواہ ہم میں سے ایک بھی زندہ نہ بچے۔ راستوں کی ناکہ بندی توڑنے کے لئے بھی بارہ عدد لاشیں گرانی پڑی تھیں۔''

''دونوں معاملات میں فرق ہے جناب۔''

''کیا فرق ہے؟''

''ناکہ بندی کرنے والے قتلو خون کے سپاہی تھی اور اُس کے احکامات کی تعمیل کررہے تھے لیکن محل کے پاس بسے ہوئے لوگ محض اپنی عقیدت کی بنا پر جو وہ خان اعظم سے رکھتے ہیں آپ کے مقابل آئیں گے۔''

''ہاں..... فرق تو ہے۔'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

لہٰذا اُن کی سادہ لوحی قابل معافی ہونی چاہئے۔

''اگر تم قتلو خان کی نشاندہی کرسکو تو پھر اس کی ضرورت ہی پیش نہ آئے گی۔''

''اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتا کہ جب وہ کسی سے ملنا نہیں چاہتے تو پرانے محل کے کھنڈر کی طرف نکل جاتے ہیں اور کئی کئی دن تک اُن کی واپسی نہیں ہوتی۔''

''یہ کھنڈر کہاں ہے؟''

''رہائشی محلات سے دس میل کے فاصلے پر اُس عارضی ہوائی اڈے کے قریب جو انگریزوں نے دوسری جنگ عظیم کے دوران میں قائم کیا تھا۔''

''اچھا..... اچھا..... میں سمجھ گیا۔ اُن کا رن وے ابھی قابل استعمال ہے۔''

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''خان اعظم سے ابھی تک ملاقات نہیں ہوسکی۔''

''اُن کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتا سکتا۔''

''تم بھی اتنی ہی گہری عقیدت رکھتے ہو اُن سے۔''

''مجھے غلط نہ سمجھئے۔ علم ہی نہیں ہے۔ بتاؤں گا کیا! لیکن قتلو خان ضرور جانتا ہوگا۔ اس پر تو میں شرط بھی لگا سکتا ہوں۔''

''کیا قتلو تیسری شادی کرنا چاہتا تھا۔''

اس سوال پر صمد خان کا منہ حیرت سے کھل گیا اور اُس نے سنبھالا لے کر پوچھا۔ ''اس سوال کی نوعیت میری سمجھ میں نہیں آئی۔''

''اچھا تو اس کی بجائے دوسرا سوال ہے۔ نذر گل کو اُس نے کس مہم پر بھیجا تھا۔''

''مجھے اس کا بھی علم نہیں ہے؟''

''لیکن تم نے اُس کی موت کے بارے میں مجھ سے غلط بیانی ضرور کی تھی۔''

''ہاں..... مجھ سے یہ قصور ضرور سرزد ہوا تھا۔ لیکن دوسروں کی طرح میں بھی مجبور تھا۔

مجھ سے جو کچھ کہا گیا تھا وہی میں نے آپ کے سامنے دہرایا تھا۔ لیکن اب جبکہ آپ کے دونوں آدمی بازیاب ہو گئے ہیں یہی کہنا پڑے گا کہ وہ کسی کی گولی سے زخمی ہوا تھا۔''

''لیکن وہ زخم موت کا سبب نہیں بنا تھا..... اُسے زہر دیا گیا تھا۔ لاش کو قبر سے نکلوا کر اُس کا پوسٹ مارٹم کیا گیا ہے۔''

''کب.....؟'' وہ متحیرانہ انداز میں اچھل پڑا۔

''پرسوں رات کی بات ہے..... اور یہ کام اتنی راز داری سے ہوا تھا کہ تمہارے علاقے کے کسی فرد کو بھی اس کا علم نہیں ہو سکا۔ تم نے مذہبی نوعیت کے ہنگامے کی دھمکی دی تھی نا۔''

وہ کچھ نہ بولا۔ فریدی بھی خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد صمد خان نے کہا۔

''بہرحال..... قتلو خان کی وجہ سے خان اعظم کا وقار بھی خاک میں مل گیا۔ مجھے ہمیشہ اس کا افسوس رہے گا۔''

''ظالموں کا انجام یہی ہوتا آیا ہے۔ کوئی نئی بات نہیں۔'' فریدی نے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔ ''اچھی بات ہے۔ پرانے محل کے کھنڈر بھی دیکھے لیتے ہیں۔ اگر وہاں نہ ملا تو رہائشی محلات کی تلاشی ضروری ہو جائے گی۔ اوہ..... لیکن ٹھہرو۔'' وہ ہاتھ اٹھا کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر صمد خان کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''تمہاری گرفتاری کے بعد ہی قتلو خان روپوش ہوا ہے۔ اور تم جانتے ہو کہ وہ نامساعد حالت میں کدھر کا رخ کرتا ہے۔ تو پھر کیا وہ اس بار بھی وہیں گیا ہوگا۔''

''قتلو خان کو علم نہیں ہے کہ میں جانتا ہوں..... میں بھی ایک بار اتفاقاً ہی واقف ہو گیا تھا۔ لیکن میں نے اُس سے اس کا ذکر کبھی نہیں کیا اور صرف میں ہی جانتا ہوں۔ دوسروں کو علم نہیں۔ دوسرے یہی سمجھتے ہیں کہ وہ کسی شکار گاہ میں ہوگا۔ پھر میں نے کئی بار چھپ کر دیکھا ہے۔''

''ہوں..... زیادہ تر یہی کہا گیا ہے کہ وہ کسی شکار گاہ میں ہوگا۔'' فریدی نے کہا۔ پھر صمد خان کو دوبارہ حوالات کیطرف روانہ کر کے وہ ایس پی ہومی سائیڈ کے دفتر میں داخل ہوا تھا۔

''عظمت محل والوں کا کیا قصہ ہے۔'' اُس نے ایس پی سے سوال کیا۔

''خان زادی شاہدہ اپنی گاڑی میں چندر ینا کے لئے روانہ ہوئی تھیں۔ وہاں انہیں ایک

انڈسٹریل ہوم کا افتتاح کرنا تھا۔ لیکن وہاں نہیں پہنچیں۔ ڈرائیور کی لاش ملی ہے اور گاڑی چندر ینا سے ڈھائی میل ادھر سڑک کے کنارے ملی تھی۔ لاش گاڑی کے قریب ہی پڑی پائی گئی ہے۔''

''ذرا نقشے پر بتایئے گا۔'' فریدی نے دیوار پر لٹکے ہوئے نقشے کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

ایس پی نے اٹھ کر جگہ کی نشاندہی کی تھی۔

فریدی نے اسکیل سے نقشے پر کسی قسم کی پیائش شروع کر دی اور پھر کچھ دیر بعد بولا۔

''میرا خیال ہے کہ زمانہ جنگ کا عارضی ایئر پورٹ بھی یہیں کہیں ہے۔''

''جی ہاں..... اسی نواح میں ہے۔''

''شائد ایئر فورس والے اُسے اب بھی استعمال کر رہے ہیں۔''

''صرف بار بردار طیاروں کے لئے۔'' ایس پی نے کہا۔ ''ہم نے خانزادی کو اُس نواح میں تلاش کرنے کی کوشش کی تھی۔ کیا خیال ہے اس واقعے کا آپ کے معاملات سے تو کوئی تعلق نہیں۔''

''بظاہر تو ایسا نہیں معلوم ہوتا۔'' فریدی نے پُرتفکر لہجے میں جواب دیا۔

فی الحال اُس نے خان کے محلات کی تلاشی لینے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔ صمد خان سے ملی ہوئی اطلاع قابل غور معلوم ہوئی تھی۔

ہیڈ کوارٹر سے اُس ہسپتال میں پہنچا جہاں حمید قاسم اور زلیخا کو رکھا گیا تھا۔ زلیخا باضابطہ طور پر اپنا بیان دے چکی تھی۔

فریدی حمید کے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ آرام کرسی پر نیم دراز کوئی کتاب دیکھ رہا تھا۔ فریدی کو دیکھ کر اٹھتا ہوا بولا۔ ''آرام کرنے کے لئے اسپتال ہی کیوں؟''

''اُوہ..... تو کیا یہاں تمہاری دلچسپی کا کوئی سامان نہیں۔''

''میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔''

''اور وہ دونوں۔''

''انہیں کیا ہوا تھا۔ بس تھکن تھی۔ اُتر گئی ہوگی۔ ہاں اُن لوگوں کا سراغ ملا یا نہیں۔''

''نہیں..... لیکن شائد جلد ہی قتلو خان ہاتھ آ جائے اور پھر خان اعظم کا پتا بھی وہی

بتائے گا۔"

"آخر.....اُس بیچارے نذر گل کو زہر کیوں دیا گیا۔"

"ممکن ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں زخمی ہوا ہو اور وہ سمجھے ہوں کہ اُنہی لوگوں سے پٹ کر آیا ہو جن کے لئے بھیجا گیا تھا۔ ورنہ اُس کی طویل علالت کی کہانی کیوں سناتے۔"

"پتا نہیں.....وہ کون تھا جس نے کریم آباد کے ایس پی کو خط لکھ کر ہمارے بارے میں مطلع کیا تھا۔ ورنہ آپ اتنی جلدی کامیاب نہ ہو سکتے۔"

"وہ بھی مل گیا ہے۔ قتلو کے آدمیوں نے اُسے مار ڈالنے کی کوشش کی تھی کیونکہ وہ اُس کے اس بیان کی تائید نہ کر سکتا کہ نذر گل چھ ماہ سے بیمار تھا۔"

"وہ تائید کیوں نہ کرتا۔"

"اس لئے کہ نذر گل اس کا بھائی تھا۔ قتلو کے آدمی اُس کی تلاش میں تھے۔ اگر اُن کے ہاتھ لگتا تو اُسے بھی ٹھکانے لگا دیتے۔"

کچھ دیر خاموشی رہی پھر حمید نے پوچھا۔ "قتلو کو آپ کہاں تلاش کریں گے جبکہ ابھی تک خان اعظم ہی تک رسائی نہیں ہو سکی۔"

"خان اعظم.....!" فریدی طویل سانس لے کر رہ گیا۔

ٹھیک اُسی وقت کسی نے دروازے پر دستک دی تھی۔ حمید نے اونچی آواز میں اندر آنے کی اجازت دی۔

دروازہ کھول کر اندر آنے والا قاسم تھا۔ لیکن فریدی کو دیکھ کر وہ بُری طرح بوکھلا گیا۔

"آؤ.....آؤ.....!" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "کیا حال ہے۔"

"اللہ کا شکر ہے۔" وہ مسمسی صورت بنا کر بولا اور اس طرح بیٹھ گیا جیسے فوراً ہی کراہنا شروع کر دے گا۔

حمید محسوس کر رہا تھا کہ وہ کچھ کہنے آیا تھا لیکن فریدی کو دیکھ کر خاموش رہ گیا اور اس غیر متوقع ملاقات نے اُسے گھٹن میں مبتلا کر دیا ہے اور اُس گھٹن ہی کے نتیجے میں اُس کے چہرے پر دردِ زہ کی سی کیفیت طاری ہو گئی ہے۔

"قاسم.....!" دفعتاً اُس نے بڑے پیار سے کہا۔ "دل کو ہلکا کر ڈالو.....ہو سکتا ہے

کرنل صاحب تمہاری کچھ مدد کر سکیں۔"

"قیا مطلب.....؟"

"کہہ ڈالو.....جو کچھ کہنا ہے۔"

"وہ یہاں نہیں رہنا چاہتی۔"

حمید نے طویل سانس لی اور چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

"کون یہاں نہیں رہنا چاہتی۔" فریدی نے پوچھا۔

"زلے.....خا.....!" قاسم نے بدقت کہا۔

"تو تم.....اس سلسلے میں کیا کر سکو گے۔"

"آپ بتائیے میں قیا قروں.....!"

"کیا وہ تمہاری ذمہ داری ہے۔"

"ہو جائے غی۔"

"کس طرح۔"

"آپ بتائیے.....قس طرح۔"

حمید کو ہنسی آ گئی اور قاسم اُسے گھونسہ دکھا کر بولا۔ "تم جرور گھپلا قرو غے۔"

"کھل کر بات کرو۔ تم کیا چاہتے ہو۔؟" فریدی نے اُس سے پوچھا۔

"اسے ٹائپ قرنا آتا ہے۔ اپنی سیکریٹری بناؤں غا۔"

"کیا وہ اس پر تیار ہے۔"

"جی غاں۔"

"اور اُس کا کیا ہو گا؟" حمید نے پوچھا۔

"کس کا قیا ہو غا.....؟"

"وہ جو تم اُس سے جھوٹ بولتے رہے ہو۔"

"ارے وہ.....اُسکی قوئی بات نہیں۔ جب وہ قاسم بھائی کہنے لگی تو میں نے خود ہی بتا دیا۔"

فریدی نے حیرت سے حمید کی طرف دیکھا جو پیٹ دبائے بے آواز ہنس رہا تھا۔

"اللہ نے چاہا تو پیٹ میں درد ہو گا تمہارے۔" قاسم بھنا کر اٹھتا ہوا بولا۔ "تم خود بیوہ

ہوتے تو پتہ چلتا۔"

"ارے.....ارے بیٹھو۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔لیکن قاسم کسی غضبناک سانڈ کے سے انداز میں فوں فوں کرتا نکلا چلا گیا تھا۔

"کیا بات ہے؟" فریدی حمید کو گھورتا ہوا بولا۔

"وہی جو عموماً اپنے قبیل کی کسی عورت کو دیکھ کر ہوتی ہے۔اُسے باور کراتا رہا تھا کہ ابھی تک غیر شادی شدہ ہے۔لیکن پھر اُس نے اُسے قاسم بھائی کہنا شروع کر دیا۔"

"عاصم صاحب نے اس کی مٹی پلید کر دی۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"بہرحال۔وہ اُسے ساتھ لے جانا چاہتا ہے۔"

"دونوں آزاد ہیں اپنے معاملات میں۔"

"لیکن اب وہ اُس کی مٹی پلید کرائے گا۔اُس کی بیوی طوفان اٹھا دے گی۔"

"ختم کرو۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔"میں اُس جگہ ریڈ کرنا چاہتا ہوں جہاں قتلو کے ملنے کا امکان ہے۔"

"میں بالکل فٹ ہوں.....!" حمید نے کہا اور ناصر کے گھرانے کی بات چھیڑ دی۔

"میں اُن لوگوں سے مل چکا ہوں۔کھل کر بات نہیں کرتے۔" فریدی نے کہا۔

"آپس کا کوئی بڑا جھگڑا۔"

"ہوسکتا ہے۔"

"لیکن وہ لڑکی شاہدہ حیرت انگیز ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

"اُس کے گھر والوں کا خیال ہے کہ وہ کسی ذہنی مرض میں مبتلا ہے۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔فریدی نے سر کو خفیف سی جنبش دی تھی۔کچھ بولا نہیں۔

"آپ کہاں ریڈ کریں گے؟"

"ایک کھنڈر ہے۔خان کے اجداد جن محلات میں رہتے تھے اُن کے کھنڈر۔"

"وہاں کیا ہے۔"

"دیکھیں گے۔اطلاع ملی ہے کہ قتلو بسا اوقات اُن کھنڈروں میں غائب ہو جاتا ہے

"تب تو اُس نے اُدھر کا رخ بھی نہ کیا ہوگا۔"

"عام طور پر لوگوں کو اُس پناہ گاہ کا علم نہیں ہے۔صرف ایک آدمی جانتا ہے اور اُسے یقین ہے کہ قتلو کو اس کا علم نہیں ہے کہ وہ جانتا ہے۔"

"تب تو ہوسکتا ہے کہ بات بن ہی جائے۔بہرحال میں یہاں پڑا رہنا پسند نہیں کروں گا۔"

"اگر تم خود کو اتنا توانا محسوس کر رہے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

"آپ مطمئن رہئے۔سر کی چوٹ بھی اتنی تشویش ناک نہیں ہے۔" حمید نے کہا۔پھر اُس نے اٹھ کر لباس تبدیل کیا تھا اور فریدی کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔

فریدی کی پارٹی سب سے پہلے اُس جگہ پہنچی جہاں شاہدہ کی گاڑی اور ڈرائیور کی لاش پائی گئی تھی۔

"لیکن یہاں تو وہ کھنڈر کہیں نظر نہیں آتے۔" حمید فوراً ہی بولا تھا۔

"کھنڈر دوسری طرف ہیں۔" فریدی بائیں جانب والی چٹانوں کے سلسلے کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"پھر آپ یہاں کیا دیکھ رہے ہیں۔"

"آج ہی اسی جگہ ایک واقعہ اور بھی ہوا ہے۔" فریدی نے کہا اور اُسے شاہدہ کے گاڑی سے غائب ہو جانے والا واقعہ سنانے لگا۔

"آپ نے ہسپتال میں اس کا ذکر نہیں کیا تھا۔"

"وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔" فریدی نے کہا اور سڑک پر لگائے ہوئے چاک کے نشانات کا بغور جائزہ لیتا رہا۔اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ ڈرائیور کی موت کے بعد کیا ہوا ہوگا۔

"کیا اس واقعے کا تعلق بھی قتلو خان ہی سے ہوسکتا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ہوسکتا ہے۔اگر نذر گل تمہارے ہی ہاتھوں سے زخمی ہوا تھا۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ نذر گل اُن لوگوں کو خوفزدہ کرنے ہی کی مہم پر بھیجا گیا تھا۔"

"قرین قیاس ہے۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک ٹیکسی قریب ہی آ رکی اور قاسم اُس پر سے اُترتا ہوا

بولا۔ ''میں بھی تعاقب قر سکتا ہوں۔ ہی ہی ہی ہی۔''

فریدی حمید کو قہر آلود نظروں سے دیکھتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

''ان قو قیا ہوگیا۔'' قاسم آہستہ سے بولا۔

''تم کیوں چلے آئے۔'' حمید نے بھنا کر کہا۔

''واہ بیٹا..... میں دھکے کھاؤں اور تم مجے کرو۔''

''میں مزہ کر رہا ہوں.....!'' حمید نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

''تم دونوں ہی میری طرف سے جہنم میں جاؤ۔''

''تمہیں بھی سر تھ لے جاؤں غا..... ورنہ وہاں جی قیسے بہلے گا۔''

''قاسم! کیوں شامت آئی ہے۔ واپس جاؤ۔ ہمارے ساتھ رہے تو آج ضرور تمہارا پنکچر ہو جائے گا۔''

''یہاں آئے قیوں ہو۔''

''پولیس کو قتلو خان کی تلاش ہے۔ وہ روپوش ہوگیا ہے۔''

''میں بھی اُسکی شکل دیکھنا چاہتا ہوں۔ سالے نے بہت پریشان کیا ہے۔ زلیخا کہہ رہی تھی۔''

''بس.....!'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''یہاں زلیخا نہیں چلے گی۔''

''ضرور چلے گی..... سالے تم نے ہی اُس سے قہا ہوغا کہ قاسم بھائی قہو.....!''

''تم نے شائد کبھی غور نہیں کیا تمہاری شکل ہی بھائیوں جیسی ہے۔''

''ٹھینگا جیسی ہے۔'' قاسم بھنا کر بولا۔

''یہ بھی ہوسکتا ہے۔''

''بہت جیادہ جی نہ جلاؤ..... ورنہ اللہ کی مار پڑے گی تم پر۔''

''شائد اُسی کے ساتھ تم بھی بیوہ ہوگئے ہو۔''

''اُس کے ساتھ تو میں گتی بھی ہوسکتا ہوں۔''

''یہ گتی ہونا کیا چیز ہوئی۔''

''اُس کے ساتھ جل کر مر بھی سکتا ہوں۔''

''اچھا اچھا..... ستی کی حجامت بنائی ہے۔ ابے مردے کے ساتھ جل مرنے کو ستی ہوتی

کہتے ہیں۔''

''گتی ہونا قہتے ہیں..... تم سالے جھوٹ بولتے ہو۔''

اتنے میں فریدی نے جیپ میں بیٹھ جانے کا اشارہ کیا تھا۔ شائد اب یہاں سے آگے روانگی کی ٹھہری تھی۔

''میں تعاقب قروں غا..... پورے دن کے لئے ٹیکسی کی ہے۔'' قاسم نے کہا۔

''مارے جاؤ تو شکوہ نہ کرنا۔''

''ابے قیا میں ڈرتا ہوں۔ تم لوگ جرور اُسی کی تلاش میں نکلے ہو جس نے زلیخا کو دکھ پہنچایا تھا۔''

''اچھا تو پھر.....!''

''میں اُس کی ہڈیاں توڑ دوں غا۔ زلیخا سے وعدہ قر چکا ہوں۔''

''میں تمہیں اُس کی ہڈیاں بھجوا دوں گا۔ تم کہاں دھکے کھاتے پھرو گے۔''

''تم..... تم ہڈیاں بھجوا دو غے..... جرا شکل دیکھوا پنی۔''

''کیا بہت اچھی لگ رہی ہے۔'' حمید نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

قاسم نے محض دھمکی نہیں دی تھی۔ اُس کی ٹیکسی پولیس کی گاڑیوں کے پیچھے چلتی رہی۔

فریدی اس بار حمید کے ساتھ نہیں بیٹھا تھا۔ ایس پی والی جیپ میں تھا۔

کچھ دور چلنے کے بعد سڑک چھوڑ کر اگلی گاڑیاں بائیں جانب اُترتی چلی گئی تھیں اور قاسم کی ٹیکسی کا ڈرائیور بولا تھا۔ ''صاحب! ہم تو اُدھر نہیں جائے گا۔''

''کیوں؟..... اُدھر قیا ہے۔''

''ہماری گاڑی جیپ نہیں ہے۔''

''اس سے قیا ہوتا ہے۔''

''ارے جناب..... کار اُدھر نہیں چل سکتا۔ ایکسل ٹوٹے گا..... ادھر آپ بیٹھا ہے اڈھر نیچے کنکر پتھر..... کھڈہ..... ٹڈہ.....!''

''پھر آئے قیوں تھے۔''

''سڑک سڑک جانے کو آیا تھا۔ آسمان پر چڑھنے کو نہیں آیا۔ یا تو آپ ادھر ہی اُتر

جائے نہیں تو سڑک سڑک چلے۔"

"میں تعاقب کر رہا ہوں۔"

"کس کا.....؟"

"پولیس والوں کا.....!"

"اُن سے کیا قصور ہوا ہے صاحب۔"

"سب تو نہیں بتائی جاتی ایسی باتیں۔"

"اچھا تو بس اب آپ اُتر جائیے۔"

"پورے دن کی بات طے ہوئی ہے۔"

"پوری رات بھی مفت.....لیکن آپ سڑک سڑک چلے۔"

"ارے تو میں یہاں ویرانے میں اُتر قر قیا قروں غا۔"

"پیدل تعاقب.....؟"

"میرا باپ بھی نہیں قر سکتا۔ وہ سالے جیپوں پر اور میں پیدل۔"

"کام کرنے کے لئے دل چاہئے صاحب! اور یہ پولیس کا لوگ تو پیدل ہوائی جہاز کا تعاقب کرتا ہے۔"

"اگر ایسی بات ہے تو.....دیکھا جائے غا۔ تمہیں کتنا دوں۔"

"جتنا طے ہوا تھا اُس کا آدھا۔"

"یہ لو۔" قاسم نے چند نوٹ پرس سے کھینچے اور اُس کے ہاتھ پر رکھتا ہوا بولا۔ "دینا تو نہیں چاہئے تھا کیونکہ تم اپنے وعدے پر قائم نہیں رہے۔"

وہ ٹیکسی سے اُترا تھا اور پیدل ہی چل پڑا۔ جدھر پولیس کی گاڑیاں گئی تھیں۔

مڈبھیڑ

انہوں نے پہلے گاڑیوں ہی پر بیٹھے بیٹھے کھنڈر کے گرد چکر لگائے تھے اور پھر ایک جگہ گاڑیاں روک کر سب کے سب نیچے اُتر آئے تھے۔ کھنڈروں کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔ عمارت پوری طرح ملبے کے ڈھیر میں تبدیل نہیں ہوئی تھی۔ جگہ جگہ ایسے کمرے بھی دکھائی دے رہے تھے جن کا کچھ بھی نہیں بگڑا تھا۔ البتہ ساری دیواریں کائی سے ڈھکی ہوئی تھیں۔

"کیا وہ انہی کمروں میں سے کسی میں ہوگا۔" ایس پی ہومی سائیڈ نے فریدی سے سوال کیا۔

"دیکھے لیتے ہیں۔ اب تو مجھے یقین سا ہو چلا ہے کہ یہ کھنڈر بہترین پناہ گاہ ثابت ہو سکتے ہیں۔"

ایس پی نے مسلح سپاہیوں کو ہدایت دی کہ تلاشی کے وقت وہ اُس حصے کو گھیرے میں لئے رہیں جن کی تلاشی لی جائے۔ وہ دونوں ایک طرف چل پڑے تھے اور حمید نے بھی اُن تک پہنچنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

"ان کو تو آرام ہی کرنے دیا ہوتا۔" ایس پی حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔

"میں اب ٹھیک ہوں۔ سر کا زخم بھی معمولی ہے۔ میرے کاموں میں حارج نہیں ہو سکتا۔"

"کیا اُسے واپس کر دیا۔" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"خدا جانے کیا ہوا۔ ویسے تو اُس نے تعاقب جاری رکھنے کی دھمکی دی تھی۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ بُرا سا منہ بنائے آگے بڑھتا رہا۔

"کئی دن لگ جائیں گے.....!" حمید نے چاروں طرف نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

"آخر طریق کار کیا ہوگا.....یہ کھنڈر تو بہت وسیع ہیں۔ ایک کمپنی بھی ناکافی ہوگی۔"

"کچھ نہ کچھ تو ہوگا ہی.....!" فریدی نے کہا۔

تلاش جاری رہی حتیٰ کہ سورج مغرب میں جھکنے لگا اور ہوا میں خنکی بڑھ گئی۔

"میرا خیال ہے کہ یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔" ایس پی نے تھکے ہارے انداز میں کہا۔

فریدی جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اچانک کسی کی چیخ سنائی دی۔ وہ تیزی سے آواز کی سمت مڑے تھے۔ پارٹی کے ایک سپاہی پر کسی جانور نے چھلانگ لگائی تھی اور اُسے دبوچ بیٹھا تھا۔ دوسروں نے شور مچانا شروع کر دیا۔ جانور کی گرفت میں آیا ہوا سپاہی گلو خلاصی کے لئے ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرنا چاہئے۔ دفعتاً فریدی اُس کی طرف جھپٹا تھا۔ درندے کی کھال مٹھی میں جکڑ کر اُسے دور اچھال پھینکا۔ زمین پر گر کر اُس جانور نے پلٹ کر دوبارہ اپنے شکار کی طرف چھلانگ لگائی تھی۔ لیکن آدھا فاصلہ بھی نہیں طے کر پایا تھا کہ فریدی کے ریوالور سے شعلہ نکلا اور اُسے چاٹ گیا۔ اُس کے زمین تک پہنچتے پہنچتے اُس نے دوبارہ فائر کیا تھا اور وہ گولی بھی نشانے ہی پر بیٹھی تھی۔

دوسری طرف سپاہی بے حس و حرکت پڑا تھا۔ جانور نے اُس کا نرخرہ اُدھیڑ دیا تھا۔

اُس کی گردن سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا تھا۔ چار سپاہی اُسے اٹھا کر جیپ کی طرف دوڑے.....ابھی اس میں جان باقی تھی۔

فریدی اپنے شکار کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھے جا رہا تھا۔ یہ ایک غیر معمولی طور پر جسیم بلی تھی۔ عام بلیوں کی جسامت سے تین گناہ ضرور رہی ہوگی۔

''آخر یہ ہے کیا بلا۔'' ایس پی ہانپتا ہوا بولا۔

''شکل تو بلی ہی کی سی ہے۔ خدا کرے وہ بیچارہ بچ جائے۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ یہ کس طرف سے آئی تھی۔'' فریدی نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اُس کمرے کی چھت پر سے جناب۔'' ایک سپاہی نے ایک جانب ہاتھ اٹھا کر کہا تھا اور پھر خوفزدہ نظروں سے مردہ بلی کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

''میرے خیال سے اب واپس چلنا چاہئے۔'' ایس پی نے کہا۔ ''تھوڑی دیر میں اندھیرا پھیل جائے گا۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ اُسی کمرے کی طرف دیکھے جا رہا تھا جس کی جانب سپاہی نے اشارہ کیا تھا۔

''آپ نے ایس پی کی بات سنی یا نہیں۔'' حمید اُس کے قریب ہو کر آہستہ سے بولا۔

''تم بھی واپس جانا چاہو تو جا سکتے ہو۔ میں کوئی کام ادھورا نہیں چھوڑا کرتا۔''

''آخر آپ کو یقین کیوں ہے کہ وہ یہیں ہوگا۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ ڈی ایس پی نے واپسی کا مشورہ تو دیا تھا لیکن فریدی سے کوئی جواب پائے بغیر وہاں سے ہل بھی نہیں سکتا تھا۔ حمید مردہ بلی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ شائد زندگی میں پہلی بار اتنی بڑی بلی اُسکی نظروں سے گزری تھی۔ یک بیک وہ چونکا تھا اور تیزی سے مردہ بلی کی طرف بڑھا تھا۔ اُسکے قریب پہنچ کر وہ جھکا اور کچھ دیکھتا رہا۔ پھر سیدھے کھڑے ہو کر ایس پی کی طرف دیکھا۔ انداز ایسا ہی تھا کہ ایس پی کو اُس کے پاس پہنچنا پڑا تھا۔

''یہ دیکھا آپ نے۔'' حمید نے بلی کی گردن کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

حمید نے جھک کر بلی کی گردن ٹٹولی تھی اور وہ آہنی حلقہ پوری طرح ظاہر ہو گیا تھا جسے بالوں نے چھپا رکھا تھا۔

''اس کا یہ مطلب ہوا کہ یہ جنگلی بلی نہیں ہے۔ یہ حلقہ کسی آدمی ہی نے اُس کی گردن میں ڈالا ہوگا۔'' حمید نے کہا۔

''واقعی.....یہ تو سوچنے کی بات ہے۔''

''لہٰذا یہاں کوئی نہ کوئی ضرور موجود ہے۔''

''ایسا حکم نہ لگاؤ۔'' عقب سے فریدی کی آواز آئی اور وہ دونوں اُس کی جانب مڑے۔

''گردن کا حلقہ یہاں کسی آدمی کی موجودگی پر دلالت نہیں کرتا۔ ہوسکتا ہے دو سال پہلے اس کی گردن میں ڈالا گیا ہو اور یہ کسی دوسری جگہ سے فرار ہو کر یہاں چلی آئی ہو اور دن رات کے فاقوں نے اسے آدم خور تک بنا دیا ہو۔''

وہ خاموش ہو کر سگار کا گوشہ توڑنے لگا۔

''یہ بات بھی ہوسکتی ہے۔'' ایس پی سر ہلا کر بولا۔

''سوال تو یہ ہے کہ یہاں آپ کیا کرنا چاہتے ہیں۔'' حمید بھنا کر بولا۔

''فی الحال اس کمرے کو دیکھنا چاہئے جہاں سے یہ بلی برآمد ہوئی تھی۔''

ایس پی کے چہرے پر ایک سایہ سا آ کر گزر گیا۔ اب شائد وہ یہاں ذرا دیر کے لئے بھی نہیں رکنا چاہتا تھا اور پھر فریدی ہی نے اُس کی مشکل آسان کر دی۔ اُس نے کہا۔ ''میرا بھی یہی خیال ہے۔ واپسی لیکن ہم دونوں عارضی ایئرپورٹ پر اُتر جائیں گے۔''

حمید کا خون خشک ہوگیا۔ گویا آج ہی کچھ کرگزرنے کی ٹھان لی گئی ہے۔ پھر واپسی میں وہ زیادہ تر اُسی سپاہی کے بارے میں گفتگو کرتے رہے تھے جسے میڈیکل ایڈ کے لئے فوری طور پر شہر کی طرف لے جایا گیا تھا۔

فریدی اور حمید ایئر پورٹ کے قریب رک گئے اور حمید نے ہولے ہولے کراہنا شروع کردیا۔

''قطعی توجہ نہیں دوں گا۔ تم اپنی مرضی سے آئے تھے۔'' فریدی نے اُس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''سوال یہ ہے کہ رات میں کوئی خطرہ کیوں مول لیا جائے۔''

''ابھی دو گھنٹے باقی ہیں اندھیرا پھیلنے میں۔''

''تو پھر یہاں کیوں چلے آئے ہیں۔ دوبارہ وہاں تک پہنچنے میں کم از کم آدھا گھنٹہ ضرور صرف ہوجائے گا اور پھر آپ نے کوئی جیپ بھی نہیں روکے رکھی۔ پیدل ہی جانا پڑے گا۔''

''ذرا صبر سے کام لو.....!'' فریدی رسٹ واچ پر نظر ڈالتا ہوا بولا۔ ''جتنی دیر میں اُن لوگوں کو رخصت کیا ہے اتنی ہی دیر روکے رکھنا چاہتا تھا۔ کام تو اب شروع ہوگا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''یہی کہ پولیس پارٹی آئی اور جھک مار کر واپس چلی گئی۔''

''آخر آپ کو کس بناء پر یقین ہے کہ قتلو خان ان کھنڈروں ہی میں کہیں پناہ گزین ہے۔''

''شبہ ہے.....اور میں اس شبے کو اپنے طور پر رفع کرنا چاہتا ہوں۔''

''میرے ذہن میں تو وہ خوفناک بلی چمٹی ہوئی ہے۔ پتا نہیں بیچارہ زندہ ہے یا مرگیا۔''

''شائد ہی بچ سکا ہو۔ نرخرہ ادھیڑ دیا تھا۔''

''مفت میں ایک جان ضائع ہوئی۔''

''میں نہیں جانتا تھا کہ اس قسم کا کوئی حادثہ پیش آئے گا۔''

''بلی.....!'' دفعتاً حمید چونک پڑا۔

''کیا بات ہے؟''

''وہ بلی ہی کی آواز سے تو خوفزدہ ہوکر بیہوش ہوجاتی ہے۔''

''محض اتفاق بھی ہوسکتا ہے۔ کوئی پُراسرار کہانی ترتیب دینے کی کوشش نہ کرو۔''

پھر انہوں نے کسی ہیلی کوپٹر کی آواز سنی تھی جو لحہ بہ لحہ قریب ہوتی جارہی تھی۔

''آؤ.....!'' فریدی حمید کا ہاتھ پکڑ کر ایئر پورٹ کے پھاٹک کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

فریدی نے سنتری کو اپنا شناخت نامہ دکھایا اور وہ سلیوٹ کر کے ایک طرف ہٹ گیا۔

پھر اُن کے رن وے تک پہنچتے پہنچتے وہ ہیلی کاپٹر لینڈ کرگیا تھا جس کی آواز انہوں نے سنی تھی۔ پائیلٹ نے نیچے اُتر کر فریدی کو سلیوٹ کیا۔

''کیا سب سامان موجود ہے۔''

''یس کرنل.....!'' اُس نے جواب دیا۔

''پندرہ منٹ بعد ہم روانہ ہوں گے۔''

''اُوکے کرنل.....!''

''کیا یہاں کوئی کینٹین نہیں ہے۔'' حمید نے چپکے سے پوچھا۔

''ہے کیوں نہیں! پندرہ منٹ چائے کیلئے کافی ہوں گے۔'' فریدی نے جواب دیا۔

پندرہ منٹ کینٹین میں گزارنے کے بعد وہ پھر ہیلی کوپٹر کی طرف پلٹے اور حمید نے کہا۔

''اب آپ یہ شور مچانے والا باجا لے کر اُدھر جائیں گے۔''

''یہ کوئی نئی بات نہ ہوگی۔ زیر تربیت پائلٹ انہی اطراف میں مشرق کرتے ہیں اور سرچ پارٹیاں اندھیری راتوں میں مشق کیلئے خصوصیت سے انہی کھنڈروں کا رخ کرتی ہیں۔ ہیلی کوپٹروں سے سرچ لائٹ کی روشنی کھنڈروں کے تاریک ترین حصوں میں ڈالی جاتی ہے۔''

''تب تو ٹھیک ہے۔''

اُن کے بیٹھتے ہی ہیلی فضا میں بلند ہونے لگا تھا۔ اُس نے ایئر پورٹ کا ایک چکر لگایا اور پھر اُس کا رخ کھنڈروں کی طرف ہوگیا۔

''اُس عمارت پر نظر رکھنا جس سے بلی نیچے آئی تھی۔'' فریدی نے حمید کے کان سے منہ لگا کر زور سے کہا اور حمید نے اُس عمارت پر سے گزرتے ہوئے چھت کا جائزہ لیا جو ایک گوشے میں کھلی ہوئی تھی۔ پتا نہیں چھت کا وہ حصہ گرگیا تھا یا وہاں اوپر پہنچنے کیلئے زینے تھے۔

''تم نے دیکھا۔'' فریدی نے اُسے معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ حمید نے سر کو مثبت جنبش دی تھی۔ کچھ دور جانے کے بعد فریدی کی ہدایت پر پائلٹ نے ہیلی کاپٹر کو

پھر اُسی جانب پلٹایا۔ اس بار زاویہ دوسرا تھا اور وہ چھت کے کھلے ہوئے حصے کا جائزہ بخوبی لے سکتے تھے۔

''زینے.....!'' فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ حمید نے سرہلا کر تائید کی اور پھر تیسرے چکر میں ہیلی کوپٹر اُسی عمارت کی چھت پر معلق ہوگیا تھا۔ اس دوران میں فریدی نے ایک تھیلا اٹھا کر کاندھے سے لٹکالیا تھا۔ ایک اسٹین گن حمید کے ہاتھ میں تھما دی اور دوسری خود سنبھالی۔ بہرحال وہ چھت پر اترنے کیلئے تیار ہو چکے تھے۔ پائیلٹ نے رسیوں کی سیڑھی نیچے لٹکا دی اور وہ چھت پر اُتر گئے۔ اترنے سے قبل فریدی نے پائیلٹ کو چند ہدایات دی تھیں۔

وہ بہت احتیاط سے چھت کے کھلے ہوئے حصے کی طرف بڑھنے لگے۔ یہ کوئی بہت بڑا ہال معلوم ہوتا تھا۔ جو وقت کی شکست وریخت سے محفوظ رہ گیا تھا۔ ابھی اتنا اندھیرا نہیں پھیلا تھا کہ انہیں اوپر ہی سے زینوں کی پوزیشن نہ معلوم ہوسکتی۔

''مجھے آگے چلنے دو۔'' فریدی نے کہا اور تھیلے سے ٹارچ نکال کر زینے طے کرنے لگا۔ حمید اُس کے پیچھے تھا۔ سات آٹھ زینے طے کرنے کے بعد ٹارچ روشن کرنی پڑی تھی اور وہ فرش تک پہنچے تھے۔ عجیب طرح کی ناگوار بو وہاں پھیلی ہوئی تھی۔ سیلن اور چمگادڑوں کے بیٹ کی ملی جلی بدبو تھی۔

ہیلی کاپٹر کا شور اب بہت دور سے سنائی دے رہا تھا۔ یہ ایک خاصا طویل وعریض ہال ثابت ہوا۔ لیکن بالکل خالی تھا۔ فریدی نے ٹارچ کی روشنی میں فرش پر کچھ نشانات دیکھے۔ جو زینوں سے شروع ہوکر ایک جانب بڑھتے چلے گئے تھے۔ گرد آلود فرش پر بلی کے پنجوں کے یہ نشانات بہت واضح تھے۔ حمید کا دل کھوپڑی میں دھڑکنے لگا۔ کیونکہ یہ نشانات بڑی ترتیب سے ایک جانب بڑھتے چلے گئے تھے۔ فریدی ادھر اُدھر بھی روشنی ڈالتا جارہا تھا۔ لیکن ایک مخصوص سمت کے علاوہ اور کہیں بھی وہ نشانات نہ دکھائی دیئے۔ ان نشانات کا اختتام ایک دیوار کے قریب ہوا تھا اور پھر وہیں فریدی نے کسی سرنگ کا دہانہ دریافت کیا۔ تو گویا وہ بلی اسی سرنگ کے ذریعے کہیں اور سے آئی تھی اور سیدھی زینوں کی طرف چلی گئی تھی۔ دونوں دہانے میں اتر گئے۔ یہاں گھٹن کا احساس شدید ہوگیا تھا اور کچھ ایسی گرمی محسوس ہو رہی تھی جیسے سرنگ کا اختتام جہنم ہی کے دہانے پر ہوا ہو۔ قریباً دو ڈھائی سو گز کا فاصلہ طے کرنے کے

بعد ایک سالخوردہ دروازہ اُن کی راہ میں حائل ہوگیا تھا۔ اُسے کھول لینے میں بھی کوئی دشواری پیش نہیں آئی کیونکہ وہ دوسری طرف سے بولٹ نہیں کیا گیا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی مدھم سی روشنی نظر آئی تھی اور زنجیروں کی جھنکاریں سنائی دی تھیں۔ دونوں نے اسٹین گنوں کے دستے مضبوطی سے پکڑ لئے اور پھر دروازے سے گزرتے ہی اُن کی آنکھوں کے سامنے ایک عجیب منظر تھا۔

قتلو خان زنجیروں سے جکڑا کھڑا نظر آیا۔ لالٹین کی دھندلی سی روشنی میں اُس کے چہرے کی خوفزدگی کچھ ایسی لگ رہی تھی جیسے اُس نے موت کو بہت قریب سے دیکھ لیا ہو۔

''خدا کے لئے مجھے بچالو۔'' وہ انہیں دیکھتے ہی وحشیانہ انداز میں بولا۔ ''پتا نہیں وہ دیوانہ کیا کرنا چاہتا ہے۔''

فریدی اور حمید خاموش رہے اور قتلو خان کہتا رہا۔ ''شائد تم میرے لئے فرشتہ رحمت بن کر آئے ہو کرنل۔''

''تم ابھی کس دیوانے کی بات کررہے تھے؟'' فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔

''خان اعظم کی..... میں نہیں سمجھ سکتا کہ آخر وہ چاہتا کیا ہے اور دیکھو ہوسکتا ہے تم مجھے موردالزام ٹھہراؤ۔ لیکن میں اُس کے احکامات کا پابند تھا۔ جب تم ڈیرہ غزن خان آئے تھے تو وہ میری ہی حویلی میں موجود تھا لیکن مجھے حکم تھا کہ کسی کو وہاں اُس کی موجودگی کی خبر نہ ہونے دوں۔ لہٰذا مجھے شکارگاہوں کا حوالہ دینا پڑا تھا اور تم تو سبھی کچھ جانتے ہوگے۔ نذرگل حس مہم پر گیا تھا اُس سے بھی واقف ہوگئے ہوگے۔ لیکن میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں کہ اُس کا مقصد کیا تھا۔ پھر نذرگل کو اُسی کے حکم سے زہر دیا گیا۔ کیپٹن حمید اور دوسرا آدمی اُسی کے حکم سے قیدی بنائے گئے۔ جو کچھ ان سے پوچھا جارہا تھا وہ بھی اُسی کے حکم سے تھا۔ جب یہ فرار ہوگئے تو اُس نے راستوں کی ناکہ بندی کرائی اور جب میں نے ناکہ بندی ٹوٹنے کی خبر پہنچائی تو مجھ سمیت وہاں سے فرار ہوکر یہاں پہنچا۔ اُس کے بعد مجھے بس اتنا یاد ہے کہ تھکن دور کرنے کے لئے اُس نے مجھے کوئی مشروب پلایا تھا۔ اُس میں پتا نہیں کیا تھا کہ پیتے ہی سدھ کھو بیٹھا۔ دوبارہ ہوش آیا تو خود کو اسی حال میں دیکھا جس میں تم اس وقت دیکھ رہے ہو۔ اب میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے اور میرا کیا حشر کرنا چاہتا ہے۔ خدارا مجھے اس عذاب

سے رہائی دلاؤ۔"

"شاہدہ کہاں ہے؟" فریدی نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"شاہدہ۔" اُس نے چونک کر حیرت سے فریدی کی طرف دیکھا اور بولا۔ "کون شاہدہ؟ کیا خان عظمت کی بیٹی۔"

"ہاں میں اُسی کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔"

"مجھ سے پوچھ رہے ہو..... بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں۔"

"اس لئے کہ تم اُس سے شادی کرنا چاہتے تھے۔"

"خدا سے ڈرو..... میری آنکھوں میں خاک۔ میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

"خان اعظم نے اُس کے لئے تمہارا پیغام بھجوایا تھا۔"

"کہیں میں پاگل نہ ہو جاؤں۔ پتا نہیں وہ دیوانہ کیا کرنا چاہتا ہے! کرنل فریدی میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں۔"

"خان اعظم نے اُن لوگوں کو اسی لئے جوتا بھجوایا تھا کہ وہ اعلان جنگ سے خائف ہو کر شاہدہ کی شادی تم سے کر دیں۔"

"خداوندا..... تو نذر گل اس لئے وہاں بھیجا گیا تھا۔ میں سمجھا تھا کہ شائد وہ کسی بات پر اُن لوگوں سے ناراض ہو گیا ہے۔"

"آج صبح شاہدہ اپنی گاڑی میں چندر رینا جا رہی تھی کہ کسی نے اُس کے ڈرائیور کو قتل کر دیا اور خود وہ غائب ہے۔"

"خدا کے لئے خان اعظم کو تلاش کرو اور پاگل خانے بھجوا دو۔ اب میں کچھ کچھ سمجھ رہا ہوں۔ وہ مجھے مار ڈالے گا..... لوگوں کو یہ باور کرانے کے لئے کہ میں شاہدہ کو لے کر کسی طرف نکل گیا ہوں۔"

"مگر کیوں.....؟" فریدی نے اُسے بغور دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"میری سمجھ میں تو نہیں آتا لیکن یہ بات ضرور سمجھ میں آ گئی ہے کہ وہ مجھے قتل کر کے مفرور باور کرائے گا اور اپنے سارے جرائم میرے سر تھوپ دے گا۔ اب نہ جانے اُسے کس بات کا انتظار ہے جو مجھے اس وقت تک زندہ رہنے دیا۔"

"کیا تم اندازہ لگا کر بتا سکو گے کہ وہ اس وقت کہاں ہوگا۔"

"شائد محل میں منتظر ہوگا تم لوگوں کی آمد کا۔ تاکہ ہر معاملے سے لاعلمی ظاہر کر کے تمہیں میری تلاش جاری رکھنے کی تاکید کر سکے۔"

فریدی نے متفق ہو جانے کے سے انداز میں سر کو جنبش دی تھی اور پھر اُس بلی کا ذکر چھیڑ دیا تھا جس کی وجہ سے اس عمارت کی طرف توجہ مبذول ہوئی تھی۔

انہوں نے دیکھا کہ اس بلی کے تذکرے پر قتلو خان کے جسم پر کپکپی طاری ہو گئی ہے۔

"وہ..... وہ..... آدم خور بلیاں ہیں.....!" وہ بدقت بولا۔ "درجنوں کی تعداد میں یہیں کہیں کسی تہہ خانے میں..... اُن کی نسل خان اعظم کے پردادا کے وقت سے پلتی چلی آ رہی ہے۔ میں نے اُن کی کہانی اپنے باپ کی زبانی سنی تھی۔ خان اعظم کے بزرگ جسے سزائے موت دیتے تھے وہ انہی بلیوں کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ خداوندا..... وہ آدم خور بلیاں آج بھی موجود ہیں۔"

"کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا۔"

"ہرگز نہیں۔ صرف سنتا رہا ہوں۔ میرے باپ نے بیس سال پہلے شک ظاہر کیا تھا کہ اُن بلیوں کی نسل اب بھی موجود ہوگی۔ اسی لئے تو خان اعظم کے معتوبوں کی لاشوں تک کا پتا نہیں چلتا۔"

"لیکن وہ بلی اسی عمارت کی چھت پر سے کودی تھی اور ہم اُسی کے پنجوں کے نشانات ہی کی بناء پر اس سرنگ کے وجود سے واقف ہو سکے تھے۔"

"تت..... تو کیا..... وہ ادھر ہی سے۔" قتلو خان کانپتا ہوا بولا۔

"اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہو سکتا۔ ورنہ وہاں اس ہال کے کسی دوسرے حصے میں اُس کے پنجوں کے نشانات ملتے۔"

"خدا کے لئے مجھے یہاں سے فوراً نکال لے چلو۔"

"ہاں ہاں..... ضرور..... لیکن قتلو خان..... یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ خود تم نے ہی خان اعظم کو ٹھکانے لگا دیا ہو۔ کیونکہ جو کچھ تم نے انہیں مجرم ثابت کرنے کے لئے کہا ہے وہی تم پر بھی صادق آ سکتا ہے اور ہمیں اس عمارت کی طرف متوجہ کرنے کے لئے ایک عدد آدم خور بلی

بھی استعمال کر ڈالی ورنہ خصوصیت سے ہم اسی عمارت کی طرف توجہ کیوں دیتے۔ تم جانتے تھے کہ صمد خان تمہاری اس پناہ گاہ سے واقف ہے۔''

''بہت خوب! اور خود میں نے ہی اپنے آپ کو ان زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے۔'' قتلو خان نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''میں بخوبی دیکھ رہا ہوں کہ کس طرح جکڑے کھڑے ہوئے ہو۔'' فریدی بولا اور حمید اُس کے لہجے سے پہچان گیا کہ وہ واقعی قتلو خان کی طرف سے مطمئن نہیں ہے۔ لہٰذا اُس کا ہوشیار ہو جانا ضروری تھا۔ دفعتاً قتلو خان کی ساری زنجیریں چھنچھناتی ہوئی فرش پر آ رہیں اور اُس نے اسٹین گنوں کی پرواہ کئے بغیر اُن دونوں پر چھلانگ لگائی۔ حمید نے پھرتی سے پیچھے ہٹ کر اُس کی کمر پر اسٹین گن کا دستہ رسید کر دیا۔ وہ سیدھا فریدی ہی پر گیا تھا۔ لیکن حمید کے ہاتھوں چوٹ کھا کر اُس کی طرف پلٹ گیا۔ ٹھیک اسی وقت فریدی کی اسٹین گن اُس کے شانے پر پڑی اور وہ کسی کھٹکھنے کتے کی طرح غرا کر فریدی پر آیا۔ لیکن فریدی نے پھرتی سے پیچھے ہٹ کر اُس کے سینے پر ٹھوکر رسید کی یہ اور بات ہے کہ وہ کسی پہاڑ کی طرح اٹل ثابت ہوا ہو۔ اس کے باوجود بھی فریدی سے لپٹ پڑا۔ ٹھیک اسی وقت حمید نے کسی عورت کی کراہیں سنی تھیں اور بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا تھا۔

عورت کے ہاتھ اور پیر بندھے ہوئے تھے اور وہ کہنیوں کے بل گھسٹتی ہوئی ایک تاریک گوشے سے روشنی کی طرف آ رہی تھی۔

''اُسے دیکھو.....!'' اُس نے فریدی کو کہتے سنا جو ابھی تک قتلو کو زیر کر لینے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ وہ کسی بپھرے ہوئے درندے کی طرح فریدی پر تابڑ توڑ حملے کر رہا تھا۔ حمید عورت کی طرف جھپٹا۔ یہ شاہدہ تھی۔ اُس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ آہستہ آہستہ کراہے جا رہی تھی۔ حمید نے تیزی سے اُس کے ہاتھ پیر کھول دیئے اور اُسے آوازیں دینے لگا۔ اُس نے آنکھیں کھولی تھیں اور اس طرح حمید کو دیکھتی رہی تھی جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔ پھر دفعتاً چیخنے لگی تھی۔ ''انہیں بچایئے..... خدا کیلئے خان بابا کو بچایئے۔'' ساتھ ہی وہ اُسی تاریک گوشے کی طرف اشارہ کئے جا رہی تھی جدھر سے خود روشنی میں آئی تھی۔

''کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' قتلو خان کی غراہٹ سنائی دی۔ ساتھ ہی کسی کے

مرنے کی بھی آواز آئی تھی۔ حمید چونک کر اُدھر متوجہ ہو گیا۔ فریدی نے قتلو کو گرا لیا تھا اور اب اسٹین گن کے دستے سے اُس کے سر پر ضرب لگا رہا تھا۔ پھر وہ اُسے چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ شاہدہ کے ہاتھ پیروں سے کھولی ہوئی رسی سے اُس کے ہاتھ پیر باندھے گئے تھے اور اب فریدی پوری طرح شاہدہ کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

''خان ..... بب..... بابا.....!'' وہ پھر اندھیرے کی طرف ہاتھ اٹھا کر چیخی اور بے حس و حرکت ہو گئی۔ فریدی نے حمید کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا تھا اور خود تاریک گوشے کی طرف بڑھتا چلا گیا تھا۔

ٹارچ روشن کی تھی اور یہاں ایک اور دروازہ دکھائی دیا جو بہ آسانی کھل گیا تھا۔ پھر پہلی ہی جیسی ایک مختصر سی سرنگ طے کر کے تیسرے دروازے تک پہنچا جس کی دوسری طرف عجیب سا شور برپا تھا۔ متعدد بلیوں کی چیخیں اور غراہٹیں تھیں۔ اسٹین گن سیدھی کر کے اُس نے دروازے پر ٹھوکر ماری۔ دروازہ کھل گیا۔ بدبو کا زبردست ریلا نیم گرم ہوا کے ساتھ اُس کے جسم سے ٹکرایا تھا۔ اس طویل و عریض کمرے کا منظر کسی کمزور دل آدمی کے بس کا روگ نہیں تھا۔ یہاں بھی لالٹین کی دھندلی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ایک آدمی چھت سے لٹکتا نظر آیا۔ نیچے کئی خونخوار بلیاں تھیں۔ جو اچھل اچھل کر اُس تک پہنچنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ اُن میں سے ایک نے فریدی کی طرف بھی چھلانگ لگائی تھی۔ اسٹین گن سے گولیوں کی بوچھاڑ نکلی اور اُن میں سے کئی گر کر تڑپنے لگیں۔ پھر باقی ماندہ فریدی ہی پر جھپٹ پڑی تھیں۔ ٹریگر پر دوبارہ دباؤ پڑا۔ لیکن اتنی دیر میں ایک بلی اُس کی ٹانگوں سے چمٹ ہی گئی تھی۔ پتلون کا پائینچہ پھٹ کر جھول گیا اور پنڈلیوں پر خراشیں آئیں۔

ذرا ہی سی دیر میں تیرہ عدد خوفناک بلیوں کی لاشیں فرش پر بکھری ہوئی تھیں۔ پھر بڑی دشواری سے وہ اُس آدمی کو چھت سے اتارنے میں کامیاب ہوا تھا۔ فریدی نے اُسے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔ یہ خان اعظم کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

قریباً ایک گھنٹے بعد وہ تینوں بیہوشوں سمیت ایئر پورٹ تک پہنچے تھے اور حمید نے شاہدہ کو ہیلی کاپٹر سے اتار کر ہاتھوں پر اٹھایا تھا اور ڈسپنسری کی طرف دوڑ لگائی تھی۔ قریب ہی ایک بار بردار طیارے سے سامان اُتارا جا رہا تھا اور رن وے پوری طرح روشن تھا۔

دوسری صبح حمید پر قاسم کی دھاڑ بن کر نازل ہوئی تھی۔ پچھلی رات اُسے پہلے تو ایئرپورٹ والوں نے پکڑا تھا پھر پولیس کے حوالے کردیا تھا۔ کئی گھنٹے حوالات میں بھی گزارے تھے۔ پھر ایس پی ہومی سائیڈ جو اُسے حمید کے دوست کی حیثیت سے پہچانتا تھا آڑے نہ آتا تو اتنی جلدی گلوخلاصی ممکن نہ ہوتی۔ بہرحال اُسی نے سارا ہسپتال سر پر اٹھالیا تھا۔ پھر حمید کی نیند کیسے نہ ٹوٹتی۔ اُس نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تھا اور قاسم کسی بپھرے ہوئے بیل کی طرح شائد اُس پر ٹوٹ ہی پڑتا اگر ٹھیک اسی وقت فریدی نہ پہنچ جاتا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے۔'' اُس نے سخت لہجے میں پوچھا تھا اور قاسم صرف ہونٹ ہلا کر رہ گیا تھا۔ آواز نہیں نکلی تھی۔ فریدی نے گھورتے ہوئے کہا۔ ''اپنے کمرے میں جاؤ.....تھوڑی دیر بعد ہم وہیں آئیں گے۔''

قاسم کچھ کہے بغیر مڑا تھا اور اپنے کمرے کی طرف چلا گیا تھا۔

''خان اعظم نے بیان دینے کے بعد خودکشی کرلی۔'' فریدی نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا اور حمید ہکا بکا رہ گیا۔

فریدی بستر کے قریب والی کرسی پر بیٹھ کر سگار سلگانے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بولا۔

''وہ اُسی وقت سے قتلو خان کی قید میں تھا جب شاہدہ نے محل میں قیام کیا تھا۔ خان شکار پر جانے کے لئے تیار تھا۔ شاہدہ نے اُس سے کہا کہ وہ بھی کچھ دن شکارگاہ میں اُس کے ساتھ گزارنا چاہتی ہے۔ خان تیار ہوگیا۔ اُسے شاہدہ اور ناصر سے محبت تھی کیونکہ خود لاولد تھا۔ انہی دونوں کو اپنا وارث بھی قرار دیتا۔ وہ شکارگاہ کے لئے روانہ ہوئے۔ قتلو بھی ہمراہ تھا۔ وہ انہیں دھوکے سے وہیں لے گیا جہاں سے برآمد ہوئے تھے اور خان کو قابو میں کرلینے کے بعد اُس نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ شاہدہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اس پر خان بپھر گیا۔ خان کے ساتھ اُن کا میر شکار بھی تھا وہ مرنے مارنے پر آمادہ ہوگیا۔ قتلو نے اُسے اُس پنجرے میں دھکیل دیا جس میں آدم خور بلیاں تھیں۔ وہ اُس پر جھپٹ پڑیں اور اُس کی بوٹی کرڈالی۔ شاہدہ نے وہ منظر دیکھا تھا اور بیہوش ہوگئی تھی۔ ہوش میں آنے کے بعد وہ پورا واقعہ اُس کے ذہن سے محو ہوگیا۔ صرف اتنا ہی یاد رہا کہ خان اس وقت محل ہی میں تھا۔ جب وہ وہاں گئی تھی اور پھر محض اندازے سے کہہ دیتی تھی کہ وہ تین چار دن بعد شکارگاہوں کی طرف چلا گیا تھا۔ قتلو نے بیہوشی ہی کے عالم میں اُسے وہاں سے ہٹادیا تھا۔ محل میں پہنچایا تھا اور یہ دیکھنے کے لئے کچھ دن محل ہی میں رکھا تھا کہ وہ دوسروں کو کیا بتاتی ہے۔ لیکن کوئی خاص ردعمل نہ دیکھ سکا۔ اسی دوران میں بلی کی آواز سن کر شاہدہ پر دورہ پڑا اور معاملے کی نوعیت قتلو خان کی سمجھ میں آگئی۔ اس کے بعد بھی پس پردہ رہ کر معلوم کرنے کی کوشش کی تھی کہ شاہدہ کو تہہ خانے والے حادثے کے متعلق کچھ یاد ہے یا نہیں۔ لیکن شاہدہ کی یادداشت کی سطح پر وہ واقعہ نہیں اُبھر سکا تھا۔ اُس نے کچھ دنوں کے بعد اُسے گھر واپس بھجوا دیا اور خان بدستور اُسی تہہ خانے میں قید رہا۔ وہیں اُس نے اُسے مجبور کرکے شاہدہ سے شادی کا تحریری پیغام عظمت محل بھجوایا تھا اور اُسے اس لئے زندہ رکھا تھا کہ عظمت محل سے انکار ہوجانے کی صورت میں کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرے گا۔ پیغام بھجوا دینے کے بعد ہی سے عظمت محل والوں کو دہشت زدہ کرنے کے لئے نت نئی تدابیر اختیار کرتا رہا تھا۔ نذرگل والا واقعہ بھی اُسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ عظمت محل والے یہی سمجھتے رہے کہ یہ سب کچھ خان اعظم کی طرف سے ہو رہا ہے۔ بہرحال پھر بات شاہدہ کے اغواء تک پہنچی۔ اغواء کرکے وہ اُسے پھر وہیں لے گیا جہاں خان اعظم مقید تھا اور اب وہ خان اعظم سے عظمت محل والوں کے نام اس نوعیت کا خط لکھوانا چاہتا تھا کہ اُس نے شاہدہ کی شادی زبردستی قتلو خان سے کردی اور اُنہیں وادی سرخاب سے باہر روانہ کردیا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد وہ واپس آجائیں گے اور چونکہ خان نے پہلی بار اپنے خاندان والوں سے زبردستی کی ہے لہٰذا اب وہ بھی کسی کو منہ نہیں دکھائے گا۔ ہمیشہ کے لئے روپوش ہو رہا ہے۔ ناصر نے ایسا کوئی خط لکھنے سے صاف انکار کردیا تھا۔ لیکن قتلو نے ہمت نہیں ہاری تھی۔ اُسے یقین تھا کہ اگر دو دن بھی اسی طرح چھت سے لٹکا رہا اور آدم خور بلیاں اُس کا صفایا کردینے کے لئے اچھلتی کودتی رہیں تو راہ پر آجائے گا۔ ادھر شاہدہ کا یہ حال تھا کہ قتلو کے آگے خان کی رہائی کے لئے گڑگڑاتی رہی تھی۔ شادی پر بھی آمادہ ہوگئی تھی اور یہ بھی کہہ رہی تھی کہ خان کو اُس کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہیں کرنے دے گی۔ لیکن قتلو

اتنا نادان نہیں تھا۔ پکا کام کرنا چاہتا تھا۔ خان سے آخری خط لکھواتا اور انہیں ختم کر دیتا۔ خان نے بتایا ہے کہ قتلو کے خاندان میں دولت کی ہوس سینکڑوں سال سے چلی آ رہی ہے۔ اُس کے اجداد نے ایسے ہی جابرانہ مجرمانہ طریقوں سے دوسروں کی جائیدادیں حاصل کی تھیں۔ یہ اُس کی موروثی ہوس تھی۔ شاہدہ سے شادی کرنے کے بعد ناصر کو ختم کر دینے کی کوشش کرتا۔ اس طرح کہ قتل حادثہ معلوم ہو۔ اُس کے بعد دونوں گھرانوں کی دولت شاہدہ کے حصے میں آتی۔ یعنی اُس کا مالک قتلو ہوتا۔''

''پھر خان نے کیوں خودکشی کر لی۔''

''اُس کے ہاتھ بھی تو صاف نہیں تھے۔ وہ خوفناک بلیاں اُس کی تھیں اور اُن کی نسل اسی کے اجداد کے وقت سے چلی آ رہی تھیں جس بڑے پنجرے میں وہ بند رہتی تھیں اُن میں کئی انسانی پنجر ملے ہیں۔ بس اتنا ہی تھا کہ ہمارے معاملات میں اُس کا ہاتھ نہیں تھا۔ اُس کی تمام تر ذمہ داری قتلو پر تھی۔ اچھا ہی ہوا کہ اُس نے خودکشی کر لی ورنہ بہت ذلیل ہوتا۔ بہرحال شاہدہ اب معمول پر ہے۔ دوسری بار بلیوں کا سامنا ہوتے ہی پچھلا واقعہ یادداشت کی سطح پر اُبھر آیا تھا۔ خان نے اپنی بہن روشن زمانی خانم کے پُراسرار مرض کی وجہ بھی یہی بتائی تھی۔ کسی پر اُن بلیوں کو حملہ آور ہوتے دیکھا تھا اور جزوی طور پر یادداشت کھو بیٹھی تھی۔''

''بہرحال میرے مقدر میں تفریح نہیں ہے۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''جہاں گھر سے باہر قدم نکالا۔ بدبختی نے تعاقب شروع کر دیا۔''

مزید کچھ نہ بولا۔ اُٹھ کر کھڑکی کے قریب آ گیا تھا اور گہری گہری سانسیں لینے لگا تھا۔ جیسے تازہ ہوا سے کسی قسم کی گھٹن دور کرنا چاہتا ہو۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 120

دہشت گر

(مکمل ناول)

پیش رس

عرصہ دراز کے بعد فریدی، حمید اور قاسم سے ملئے۔ لیکن قبل اس کے آپ اس کہانی سے لطف اندوز ہوں آپ کو تھوڑا سا بور بھی کروں گا۔ یعنی پھر وہی کاغذ..... کتاب کی قیمت بڑھانے کے بعد سے اب تک کاغذ کی قیمت میں تقریباً پچیس فیصد اضافہ ہوگیا ہے۔ میں نے قیمت صفحات میں اضافے کے ساتھ بڑھائی تھی۔ لیکن اب سوچ رہا ہوں کہ بات کیسے بنے۔ قیمت میں مزید اضافہ نہیں کرنا چاہتا۔ لہٰذا آپ ہی کوئی حل تلاش کیجئے۔ آپ کے جواب کا منتظر رہوں گا۔ لیکن خدارا قیمت بڑھانے کو نہ کہئے گا۔ کوئی اور حل۔ جو اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ صفحات پھر کم کئے جائیں۔ قلم باریک کرایا جائے اور بائیس کی بجائے تیئیس سطریں لکھوائی جائیں اور مواد اتنا ہی رہے جتنا اضافے کے صفحات سمیت دے رہا ہوں۔ میرے خیال سے اس میں کوئی قباحت نہ ہوگی۔ آپ کی کیا رائے ہے۔ فوراً مطلع کیجئے!

ایک صاحب نے لکھا ہے کہ آپ انگلش میں بھی لکھنا شروع کردیجئے۔ اس طرح آپ کی اقتصادی حالت بھی مغربی ہی ملکوں کے مصنفوں کی سی ہوجائے گی۔ انگریزی میں ساری دنیا کا مارکیٹ آپ کو ملے گا۔ اگر باہر ہی کا کوئی پبلیشر بھی مل گیا تو اتنی رائلٹی ملے گی کہ آپ بھی ارل اسٹینلے گارڈنز کی طرح اپنا ہوائی جہاز رکھ سکیں گے۔

بھیا! ہوائی جہاز رکھ تو سکوں گا لیکن اُس پر بیٹھے گا کون؟ تھان پر بندھا ہنہنایا کرے گا۔ یا زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ اُس پر بھی ''ابن صفی کا ہوائی جہاز'' لکھوا دوں گا اور دیکھ دیکھ کر خوش ہولیا کروں گا۔

بھائی محض ہوائی جہاز کے ڈر سے آج تک فرانس نہیں جاسکا۔ (نہ جانے کیوں فرانس جانے کو اتنا دل چاہتا ہے)

مجھے آپ ابن صفی سابق لالوکھیت والا اور حال مقیم ناظم آباد ہی رہنے دیجئے۔ اسی میں میری بہتری ہے اور آپ بھی ہر ماہ میری کتاب پڑھتے رہیں گے ورنہ اگر ہوائی جہاز کے ڈر سے لکھنا ہی چھوٹ گیا تو کیا ہوگا۔

میری جیسی بھی اقتصادی حالت ہے اس پر رب العزت کا احسان مند ہوں۔ مگن ہوں..... دولت کی ریل پیل ذہنی سکون کی دشمن ہوتی ہے آدمی مشین بن کر رہ جاتا ہے۔ میرے لئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ میری ضروریات پوری ہوتی رہیں اور مجھے آپ سے قرض نہ لینا پڑے۔ میں اسے سب سے بڑی دولت مندی سمجھتا ہوں کہ جب میں سونے کے لئے لیٹوں تو مجھے فوراً نیند آجائے۔

ایک صاحب نے پوچھا ہے آخر یہ زیرولینڈ ہے کہاں؟ کب پتہ چلے گا اس کا۔

عرض ہے کہ ابھی میں بھی تلاش ہی میں ہوں۔ مجھے بھی نہیں مل سکا۔ اس کے مختلف یونٹوں میں بھٹکتا پھر رہا ہوں۔ مرکز تک پہنچ نہیں ہوسکی۔ جب بھی پہنچ سکا آپ کو مطلع کردوں گا۔ آگے چل کر سوال کیا ہے کہ عمران، فریدی اور حمید کی عمریں کیا ہیں۔ بھائی خواتین کی طرح یہ حضرات بھی اپنی اصل عمر ظاہر کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ یہ آپ پر منحصر ہے جس عمر کا دل چاہے تعین کرلیں۔ انہیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

والسلام

ابن صفی

۱۹۷۷/۰۹/۰۳

بالآخر قاسم گھر سے نکل بھاگا۔ بیوی نے زندگی تلخ کر رکھی تھی۔ وجہ تھی قاسم کی ڈاڑھی۔ پچھلے پندرہ دنوں سے وہ ڈاڑھی بڑھانے کے خبط میں بھی مبتلا ہوگیا تھا۔ سر کے بال تو پہلے ہی سے کاندھے تک پہنچے ہوئے تھے۔ لیکن وہ اسے جدید فیشن کے مطابق سمجھ کر نظر انداز کرگئی تھی۔ لیکن جب قاسم نے شیو کرنا بھی ترک کردیا تو ایک دن جھلا کر بولی۔ ''کیا اب میرے دادا جان بنو گے۔''

''اپنا بھی بنوں غا.....!'' قاسم نے خوش ہوکر کہا۔

''میں کہتی ہوں اگر تم نے شیو نہ کیا تو اچھا نہ ہوگا۔''

''قیا اچھا نہ ہوگا۔'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

''بالکل جنگلی معلوم ہونے لگے ہو۔''

''میں پوچھ رہا ہوں قیا اچھا نہ ہوغا۔''

''میں کہیں چلی جاؤں گی۔''

''کب.....؟'' قاسم نے بہت زیادہ خوش ہوکر پوچھا۔

''تم تو چاہتے یہی ہو۔''

''قیوں نہ چاہوں..... کس کام آئی ہو۔''

''باوا جان سے پوچھو جا کر۔''

''وہ بہت بھولے بھالے ہیں۔ شرما قر جوتا اُتار لیں غے۔''

''ابھی فون کرتی ہوں۔''

''یہیں اٹھالاؤ فون۔''

''جہنم میں جاؤ۔'' وہ پیر پٹخ کر بولی اور وہاں سے چلی گئی۔

لیکن حقیقتاً بات یہیں ختم نہیں ہوگئی تھی۔ اُس نے سچ مچ عاصم صاحب کو فون پر اس نئی پوزیشن کی اطلاع دے دی۔

''نماز بھی شروع کی یا نہیں۔'' عاصم صاحب نے سوال کیا۔

''ارے چچا جان..... آپ سمجھتے کیوں نہیں۔ وہ ہپی بننے کے خبط میں مبتلا ہوگئے ہیں۔''

''چرس تو نہیں پینے لگا۔'' عاصم صاحب نے غالباً بوکھلا کر پوچھا تھا۔

''گھر میں تو نہیں پیتے۔''

''منہ سے بدبو آتی ہے۔''

''میں نہیں جانتی۔'' وہ جھنجھلا کر بولی۔

''اچھا اُسے میرے پاس بھیج دو۔''

اُس نے باپ کا پیغام بیٹے تک پہنچا دیا اور بیٹا بھڑک اٹھا۔

''اُن کے فرشتے بھی میری ڈاڑھی نہیں منڈوا سکتے۔''

''یہی جواب دے دوں فون پر تمہاری طرف سے۔'' بیوی نے پوچھا۔

''نہیں اس کی جرورت نہیں۔ میں خود بات قرلوں غا۔''

''سر کی مالش کرا کے جانا۔'' بیوی بولی۔

ایک گندی سی گالی قاسم کے ذہن میں گونج کر رہ گئی اور اُس نے سختی سے ہونٹ بھینچ لئے کہ کہیں زبان سے بھی نہ پھسل جائے اور پھر اُس کی زبان سے چھٹانک بھر کی گالی بھی ڈیڑھ من کی معلوم ہوتی تھی۔

بہرحال باپ کے پاس جانے کا نچہ دے کر گھر ہی سے نکل بھاگا اور ایک دوسرے درجے کے ہوٹل میں پناہ لی۔ اول درجے کے کسی ہوٹل کا رخ اس لئے نہیں کیا تھا کہ وہاں باپ کے جان پہچان والوں سے مڈبھیڑ ہوجانے کا امکان تھا۔ ہوٹل میں قیام ہوجانے کے بعد اُسے وہ شخصیت یاد آئی جس نے اُس کی روکھی پھیکی زندگی کو یہ نیا موڑ عطا کرنے کی کوشش

کی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ شخصیت کیپٹن حمید کے علاوہ اور کون ہوتی اور کون تھا جو قاسم کو اتنی باقاعدگی سے منہ لگا سکتا۔ اُس کے دوسرے ملنے والے تو اُسے ''مہابور'' سمجھتے تھے۔

ایک دن قاسم نے زندگی کی بے کیفی کا شکوہ کیا تھا۔ اس پر حمید نے کہا کہ وہ کچھ دنوں کیلئے ہپی کیوں نہیں بن جاتا۔ زندگی میں کم از کم ایک بار ڈاڑھی سمیت بھی اُسے اپنے خانہ دل میں جگہ دینے کی کوشش کرے گا۔ پھر دونوں شمالی سرحد کی طرف نکل چلیں گے۔ جہاں سفید فام غیر ملکی ہپیوں کے قافلے بھٹکتے پھرتے ہیں۔ ان میں عورتیں بھی ہوتی ہیں اور بسا اوقات اتنی دلکش ہوتی ہیں کہ بس دیکھتے ہی رہ جاؤ۔ سہل الحصول بھی ہوتی ہیں اور اس پر اُن کے مرد ساتھیوں کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہوتا بشرطیکہ تمہاری جیب اُن کیلئے چرس مہیا کر سکے۔

قاسم اس ذکر پر مبہوت رہ گیا تھا۔ سکتے کی سی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔ ہر چند کہ مشورہ یونہی رواروی میں دیا گیا تھا لیکن وہ سیریس ہوگیا۔ دوسرے دن شیو نہیں کیا تھا اور پھر پندرہ دن میں تو شکل ہی نہیں پہچانی جاتی تھی۔ حمید نے کم از کم بیس دن کا کورس بتایا تھا لیکن پندرھویں ہی دن اُسے اطلاع دینی پڑی کہ وہ ''صاحب ریش'' ہوگیا ہے۔

''لیکن ابھی مجھے فراغت نصیب نہیں ہوئی۔'' دوسری طرف سے حمید کی آواز آئی۔

''اے قیوں بور کرتے ہو۔'' قاسم نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

''پانچ دن مزید انتظار کرو۔ اُس کے بعد سے چھٹیاں شروع ہوں گی۔''

''ابے چھٹی کی ایسی تی تیسی..... کیا کسی نے پکڑ کر باندھ دیا ہے کہ یہاں تک بھی نہیں آسکتے۔''

''جس ہوٹل میں تم ٹھہرے ہوئے ہو اُس کے قریب سے گزرنا بھی میرے لئے باعث توہین ہوگا۔''

''بڑے نواب جادے ہیں سالے۔'' قاسم بھنا کر بولا اور ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا اور خود کلامی کے سے انداز میں بولا۔ ''ابے ہاں تو قیا میں دودھ پیتا بچہ ہوں..... دیکھا جائے غا۔''

پھر وہ تنہا ہی ہوٹل سے نکل کھڑا ہوا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ایک ایسے شوروم میں داخل ہوا جہاں موسیقی کے آلات فروخت کئے جاتے تھے۔ وہاں سے ایک گیٹار خریدا اور اُسے کاندھے پر ڈال کر یونہی بے مقصد آوارہ گردی کی ٹھان لی۔ جدھر سے بھی گزرتا لوگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ دیکھنے لگتے۔ ایسا دیوزاد ہپی

شائد ہی کبھی نظروں سے گزرا ہو۔

پیدل چلتے چلتے تھک گیا تو بھنا کر ایک ٹیکسی میں بیٹھا اور پھر ہوٹل کی طرف پلٹ آیا۔

کمرے میں پہنچ کر وہ فون کی طرف جھپٹا اور بڑے طیش کے عالم میں ایکسچینج کو کیپٹن حمید کے نمبر بتائے اور دوسری طرف سے رابطہ قائم ہوتے ہی ماؤتھ پیس میں دہاڑا۔ ''اُلو کی طرح گھوم پھر کر واپس آ غیا ہوں۔''

''اُلو کو اُجالے میں نکلنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔'' حمید کی آواز آئی۔

''سالے تم نے پھر میرا کباڑا کیا ہے۔''

''صبر سے کام لو..... پانچ دن بعد۔''

''قیا ہوغا پانچ دن بعد۔ ہپی لونڈیاں آسمان سے برسیں گی۔'' قاسم دانت پیس کر بولا۔ ''تم نے مجھے اُلو بنایا ہے۔''

''اتنا بڑا اُلو میرا باپ بھی نہیں بنا سکتا۔'' حمید کی آواز آئی۔

''چپ رہو۔ خدا تمہیں غارت کرے۔ دربدر کر دیا مجھ قو.....!''

''تاؤ کھانے کی ضرورت نہیں۔ اگر میری عدم موجودگی میں کوئی ہپی عورت مل بھی گئی تو تم اُس سے کہو گے کیا۔''

''ابے ہاں..... یہ بات تو ہے۔'' قاسم نیک بیک ڈھیلا پڑ گیا۔

''لہٰذا پانچ دن بعد جب میں بھی پوری طرح ہپی بن جاؤں گا تو پھر بات بنے گی۔''

''تم بھی بنو گے۔'' قاسم نے حیرت سے کہا۔

''اگر کبھی ہپی کے ساتھ کوئی شریف آدمی دکھائی دیا ہو تو بتاؤ۔''

''وہ تو نہیں دکھائی دیتا۔''

''بس تو پھر مزید پانچ دن صبر کرو۔''

''اور یہیں پڑا رہوں۔''

''کیا حرج ہے۔ اس طرح تمہاری تڑپ اور بڑھے گی اور تم کام کے ہپی بن جاؤ گے۔''

''اکیلے مجھے شرم آتی ہے..... گھبرا کر ایک گیٹار خرید لیا ہے۔''

''یہ تو تم نے بہت اچھا کیا..... اب آرام سے بیٹھو اور گیٹار پر زو زو، زور زو زو میرا

محبوبہ ہے تو..... بجانے کی کوشش کرو۔"

"ابے ہاں یہ زوزوزو، زورقیا ہے۔"

"کتے کو چک چک، چک چک کر کے بلاتے ہیں نا..... اسی طرح محبوب کو بلانے کے لئے زوزو، زوزو کرتے ہیں۔"

"ابے نہیں.....!"

"ہاں..... ہاں..... ورنہ یہ گانا اتنا مقبول کیوں ہوتا۔"

"میں نے تو نہیں دیکھا کسی کو زوزو، زوزو کرتے۔"

"تم نے ابھی محبوب ہی کہاں دیکھا ہے۔"

"اکیلے مجھ سے گیٹار بھی نہیں بجے غا۔"

"اسی لئے جورو نے گھر سے نکال دیا ہے۔"

"اے جبان سنبھال کے..... میں خونقلا ہوں۔"

"اچھا..... اچھا چین سے بیٹھو۔" حمید نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

قاسم نے آنکھیں نکال کر انسٹرومنٹ کو گھورا اور ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔ اسی وقت کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"قون ہے.....!" قاسم دہاڑا۔

"روم سروس جناب۔" باہر سے آواز آئی۔

"آجاؤ.....!"

ایک ویٹر دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوا۔

"آپ نے طلب فرمایا ہے جناب۔"

"میں نے۔" قاسم نے سوالیہ انداز میں کہا اور ویٹر قریب آ کر آہستہ سے بولا۔ "یہاں چرس پینا منع ہے۔"

"قون پیتا ہے۔" قاسم دہاڑا۔

"ناراض ہونے کی ضرورت نہیں جناب۔ میں تو یہ عرض کرنے حاضر ہوا تھا کہ چرس بھی مہیا کی جا سکے گی۔ بنے بنائے سگریٹ..... بس قیمت ذرا زیادہ ہوگی۔ بیس روپے کا دس

کا پیکٹ.....!"

قاسم کو اس دوران میں یاد آ گیا تھا کہ یہی چرس بھی پیتے ہیں لہٰذا جلدی سے پرس نکالا اور دس دس کے دو نوٹ کھینچ کر اسکے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ وہ قاسم کو سگریٹ کا پیکٹ دیتا ہوا بولا۔

"اگر کسی حسین ساتھی کی ضرورت ہو تو تب بھی مجھے ہی یاد رکھئے گا۔ میرا نام شریف ہے۔"

"حسین ساتھی..... قیا مطلب.....!"

"آپ تو بہت بھولے معلوم ہوتے ہیں جناب۔" وہ اسکی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔"

"معافی چاہتا ہوں۔ آپ زیادہ شوقین مزاج نہیں معلوم ہوتے لیکن دولت مند ضرور ہیں ورنہ یہاں کیوں تشریف لاتے۔"

"پتا نہیں تم قیسی باتیں قر رہے ہو۔" قاسم تھوک نگل کر بولا۔

"آپ کے قبیلے کے لوگ تو عموماً فٹ پاتھوں ہی پر رات بسر کرتے ہیں۔"

"اچھا..... اچھا.....!" قاسم سر ہلا کر بولا۔ "ہاں..... ہاں..... میں شوقیہ ہوں۔"

"شوق بُرا نہیں ہے۔ تو پھر لاؤں کسی کو۔"

"سوچ قر بتاؤں غا۔"

"ضرور ضرور..... بس کچھ زیادہ خرچ کرنا پڑے گا۔"

"کتنا زیادہ۔"

"تین سو اُس کے ڈیڑھ سو میرے اور ڈیڑھ سو ہوٹل کے۔ آپ بہت شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں اس لئے آپ سے کھل کر بات کر رہا ہوں۔"

"چھ سو..... کچھ ایسے جیادہ بھی نہیں ہیں؟"

"آپ کی طبیعت خوش ہو جائے گی۔"

"تھوڑی دیر بعد بتاؤں گا۔"

"بہت بہتر..... روم سروس کو فون کر کے شریف کو طلب کر لیجئے گا۔"

وہ چلا گیا اور قاسم خاموش بیٹھا طرح طرح کے منہ بناتا رہا۔ پھر یک بیک دونوں ہاتھوں سے سر پیٹنا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی کہتا بھی جا رہا تھا "لیقن میں اُس سے قہوں غا

کیا.....لیکن میں اُس سے کہوں غا کیا۔ ابے حمید سالے میں قیا قہوں۔''



کرنل فریدی نے بجھا ہوا سگار ایش ٹرے میں رکھ دیا اور سامنے بیٹھے ہوئے منحنی سے زرد رو آدمی پر اچٹتی ہوئی سی نظر ڈالی۔

وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔

''آپ نے ابھی تک نہیں بتایا کہ مجھ سے کیوں ملنے آئے ہیں۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔

''مم.....میری سمجھ میں نہیں آتا کہ.....آپ سے کیا کہوں.....اور آپ کچھ کر بھی سکیں گے یا نہیں۔ خواہ مخواہ اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالوں۔ وہ ہاتھ بہت لمبے ہیں۔''

''آپ خاصے پریشان معلوم ہوتے ہیں۔''

''جی ہاں.....اور میں شکوہ آباد سے آیا ہوں۔''

''اوہ.....اچھا.....!''

''اور ایسی کہانی لایا ہوں جو صرف میری نہیں بلکہ شکوہ آباد کے لاکھوں شہریوں کی کہانی ہے اور آج کی کہانی نہیں ہے کئی سال سے ہم کتوں کی سی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ عادی ہو گئے ہیں۔ میں کبھی آپکے پاس نہ آتا اگر اس دوران میں ایک نئی مصیبت نازل نہ ہو گئی ہوتی۔''

''میں اُسی کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔''

''آپ کو علم ہوگا کہ وہاں کئی جگہ بموں کے دھماکے ہوئے ہیں۔ لوگوں کی املاک تباہ ہوئی ہیں اور کچھ لوگ زخمی بھی ہوئے ہیں۔''

''مجھے علم ہے۔ اس کے ذمہ داروں کی تلاش جاری ہے۔''

''میں ایس پی سٹی کو اسی کے بارے میں کچھ بتانا چاہتا تھا لیکن اُس نے دھکے دلوا کر اپنے آفس سے نکال دیا۔''

''آپ مجھے بتایئے.....!''

''میں کھل کر عرض کروں گا کہ ایس پی سٹی ان واقعات کے ذمہ دار افراد سے واقف

ہے.....لیکن.....!''

''ہوسکتا ہے.....میں آپ کے اس خیال کی تردید نہیں کروں گا۔ لیکن آپ ایس پی سٹی کو کیا بتانا چاہتے تھے۔''

''میں اُسے یہ بتانا چاہتا تھا کہ میں نے ان واقعات کے ذمہ دار کو دیکھا تھا اور اُس کے جسم کی بناوٹ اور چلنے کے انداز سے اُسے پہچان سکتا ہوں۔''

''شکل سے نہیں پہچان سکتے۔''

''جی نہیں.....اندھیرا پھیل چکا تھا۔ جب میں نے اُسے دیکھا تھا۔''

''آپ کو علم ہے کہ شکوہ آباد میں نزارت کی تفریح گاہ شہر سے خاصی اونچائی پر واقع ہے۔ شام کا دھندلکا پھیلنے لگا تھا اور میں وہیں ایک ویران گوشے میں بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ دن بھر کی تھکن کے بعد وہاں شام کی سرد ہوائیں نیند ہی لاتی ہیں۔ بہرحال میں نے اپنے قریب ہی بھاری قدموں کی آوازیں سنیں اور چونک پڑا۔ وہ ایک لمبا تڑنگا اور قوی ہیکل آدمی تھا اور اپنی دھن میں آگے بڑھا جا رہا تھا۔ میری طرف توجہ تک نہیں دی۔ مطلب یہ کہ شاید اُسے علم نہیں تھا کہ اُس گوشے میں اُس کے علاوہ اور کوئی بھی موجود ہے۔ وہ چٹان کے سرے کی طرف بڑھتا رہا۔ مجھے خدشہ ہوا کہ کہیں وہ نادانستگی میں چٹان کے نیچے ہی نہ جا پڑے۔ ہوسکتا ہے کوئی سیاح ہو۔ پہلی بار ادھر آیا ہو۔ میں اُسے آگاہ کرنے کے لئے اٹھ ہی رہا تھا کہ وہ چٹان کے سرے پر پہنچ کر رک گیا۔ میں پھر بیٹھ گیا اور اُس کی طرف سے توجہ ہٹالی۔ لیکن تھوڑی دیر بعد پھر متوجہ ہونا پڑا کیونکہ وہ اونچی آواز میں کچھ کہہ رہا تھا اور جو کچھ بھی کہہ رہا تھا اتنا واضح تھا کہ اس کا ایک ایک لفظ مجھے آج بھی یاد ہے۔''

''کیا کہہ رہا تھا۔'' فریدی نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

''وہ کہہ رہا تھا کہ اے روشنیوں کے شہر میں تجھے اندھیروں کی گود میں سلا دوں گا۔ تیرے سارے حسن کو خاک میں ملا دوں گا۔ شاید تجھے یاد نہیں کہ اٹھارہ سال پہلے تیری گود میں ایک عورت بیوہ ہوئی تھی اور تو نے اُسے سر چھپانے تک کی جگہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ شکاری کتے اس پر جھپٹے تھے اور تو نے اُسے پستیوں میں دھکیل دیا تھا۔ میں تیری اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔''

''خوب.....!'' فریدی سر ہلا کر رہ گیا اور اجنبی کہتا رہا۔

''بس جناب عالی! دوسرے ہی دن سے وہ دھماکے شروع ہو گئے تھے۔''

''تو آپ یہی کہانی شکوہ آباد کے ایس پی کو سنانا چاہتے تھے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''جی ہاں.....!''

''اور اُس نے سننے سے انکار کر دیا تھا۔''

''جی ہاں.....!''

''اچھا ہی ہوا۔''

''میں نہیں سمجھا جناب۔'' اجنبی کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ظاہر ہے کہ آپ اُس شخص کی نشاندہی نہ کر سکتے اور ایس پی آپ کو پریشان کر ڈالتا۔ اُس کی شہرت اچھی نہیں ہے۔''

''اور اُس کے معاملے میں وہاں سے لے کر یہاں تک سب بے بس ہیں۔ وہاں نہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اُس کا کچھ بگاڑ سکتا ہے اور نہ سیشن جج۔'' اجنبی نے زہریلے لہجے میں کہا۔

''آپ کا تعلق کسی سیاسی جماعت سے تو نہیں ہے۔''

''جی نہیں۔'' اجنبی نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''لیکن وہ جب چاہے ہر ایک کو کسی سیاسی جماعت سے نتھی کر کے ناکوں چنے چبوا سکتا ہے۔''

''ممکن ہے آپ کا خیال درست ہو۔ وہ بہت دنوں سے وہاں ملک دشمن اور تخریب کار عناصر سے برسرِ پیکار ہے۔''

''اگر اُس کے بارے میں آپ کی یہی رائے ہے تو ناحق میں نے اتنا لمبا سفر کیا۔'' اس نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''آپ نے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔''

''میرا نام شیر افگن ہے اور میں آج تک ایک چوہا بھی نہیں مار سکا۔''

''آپ خاکساری سے کام لے رہے ہیں جناب۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''آپ بڑے دل گردے والے لگتے ہیں۔ آپ کے علاوہ آج تک اور کوئی مرکز والوں کے پاس ایس پی شکوہ آباد کی شکایت نہیں لایا۔''

''اگر وہ میری بات سن لیتا تو میں بھی نہ آتا۔''

''مجھے حیرت ہے؟'' فریدی بولا۔

''کس بات پر.....!''

''اس آدمی کی باتوں سے اس حد تک متاثر ہونے کے باوجود بھی آپ نے اس کا تعاقب نہیں کیا۔''

''یقیناً کرتا۔'' وہ لمبی سانس لے کر بولا۔ ''لیکن اُس نامراد مرض کو کیا کروں جو کبھی کبھی بڑے بے تکے مواقع پر اُبھر آتا ہے۔''

''اوہ.....!''

''بیٹھے بیٹھے پیر اچانک سو جاتے ہیں اور کم از کم آدھے گھنٹے تک اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کر سکتا۔''

''یہ کبھی کبھی ہوتا ہے۔''

''جی ہاں..... بہت علاج کیا۔ لیکن شفا نہ ہوئی۔ بس دوائیں استعمال کرنے سے جلدی جلدی مرض کا حملہ نہیں ہوتا۔''

''دیسی طریق علاج بھی کبھی آزمایا۔''

''نہ جانے کتنے اقسام کے تیلوں کی مالش کرا ڈالی ہوگی۔''

''سوال تو یہ ہے کہ آپ اُسے پہچانیں گے کس طرح اگر کہیں مل بھی گیا۔ یقین کے ساتھ کیسے کہہ سکیں گے کہ یہ وہی ہے۔ بے شمار قد آور اور بھاری جسم والے شکوہ آباد میں ہوں گے۔''

''اپنے چلنے کے انداز کی بناء پر پہچانا جا سکتا ہے۔''

''سمجھ میں آنے والی بات ہے۔'' فریدی سر ہلا کر پُرتفکر لہجے میں بولا۔

''چلنے کے انداز سے میں اُسے پہچان لوں گا۔''

''اور آواز تو پہچان ہی سکیں گے۔''

''بالکل..... بالکل.....!''

''آواز سے جوان لگ رہا تھا یا معمر.....!''

''یہ کہنا مشکل ہے۔بعض جوانوں کی آوازیں بھی بوڑھوں جیسی ہوتی ہیں۔''

''زیادہ تر ایسا نہیں ہوتا۔''

''بہرحال میں یقین کے ساتھ اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن اُس آواز کو ہزاروں میں پہچان لوں گا۔''

''اور اُس کا دوبارہ ملنا محض اتفاق ہی پر مبنی ہوگا۔''

''بس یہی ایک دشواری ہے۔''

''ہے نا دشواری۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔''لیکن شاید میں آپ کے اس مرض کے سلسلے میں کچھ کرسکوں جس کا ذکر ابھی آپ نے کیا تھا۔''

''آپ اس کے لئے کیا کرسکیں گے۔''

''علاج.....! میرا ایک شناسا شکوہ آباد ہی میں رہتا ہے اور علم العقاقیر کا ماہر ہے۔''

''علم العقاقیر کیا؟ میں نہیں سمجھا۔''

''جڑی بوٹیوں کا علم۔اُسکے پاس بے شمار نسخے ہیں۔شاید آپ اُسے جانتے بھی ہوں۔''

''یہ پروفیسر ملیٹھی کا ذکر تو نہیں ہے۔''

''وہی وہی۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔''جڑی بوٹیوں کے خبط ہی کی بناء پر شاید آپ لوگوں نے اُسے یہ نام دیا ہے۔ورنہ کبھی پروفیسر خلجی کہلاتا تھا۔''

''وہ تو دیوانہ ہے جناب۔''

''اور شاید آپ کے بیان کردہ حلئے پر بھی پورا اترتا ہے۔خاصا لحیم شحیم ہے۔پتہ نہیں چلنے کا انداز بھی اُسی کے مطابق ہے یا نہیں۔''

اجنبی کچھ نہ بولا۔کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔شاید فریدی کے اس ریمارک نے اُسے حافظے پر زور ڈالنے پر مجبور کردیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد بولا۔''یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔''

''وہ تنہائی میں بڑبڑاتا بھی رہتا ہے۔دھمکیاں دینے کی بھی عادت ہے۔''

''اب آپ نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔''

''آواز کو بھی یاد کیجئے۔پہلے بھی آپ نے اُس کی آواز سنی ہوگی۔''

''نہیں جناب! آواز پروفیسر کی ہرگز نہیں ہوسکتی۔پروفیسر کی آواز تو ہر حال میں پہچانی جائے گی۔اتنا لمبا چوڑا ہونے کے باوجود بھی چیں چیں بولتا ہے۔''

''اور شاید اُس کی زندگی میں کبھی کوئی ایسی بیوہ عورت بھی نہ رہی ہو جس کے لئے وہ شکوہ آباد کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے پر تل جائے۔''

''مجھے اس کا علم نہیں۔''

''تو پھر یہ دھماکے.....؟''

''میں یہی سوال لے کر حاضر ہوا ہوں۔شکوہ آباد میں اب کوئی بھی محفوظ نہیں رہا۔تخریب کار کسی خاص اور اہم آدمی کو نشانہ بناتے ہیں۔لیکن اس بار تو جسے بھی چاہا.....!''

''میرا بھی یہی خیال ہے کہ عام دہشت گری کی سی صورت ہے۔''

وہ کچھ نہ بولا۔فریدی نے بھی خاموشی اختیار کرلی۔تھوڑی دیر بعد شیر افگن نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔''میں اس وقت خود کو اول درجے کا بیوقوف محسوس کررہا ہوں۔''

''آخر کیوں؟'' فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

''میں نے خواہ مخواہ آپ کا وقت برباد کیا۔''

''ہرگز نہیں شیر افگن صاحب! آپ کو اس وقت سب سے بڑا فائدہ یہ پہنچا ہے کہ اب آپ خود کو اس مرض سے نجات پایا ہی ہوا سمجھئے۔''

''لیکن میں اس مرض کی دوا لینے تو نہیں آیا تھا آپ کے پاس۔''

''میں سمجھتا ہوں۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔''آپ چاہتے ہیں کہ میں شکوہ آباد کے معاملات میں مداخلت کروں۔''

''جی ہاں.....میں یہی چاہتا ہوں۔'' شیر افگن خوش ہوکر بولا۔

''لیکن اب یہ میرے لئے ممکن نہیں ہے۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔

''مجھ سے وہ اجازت نامہ واپس لے لیا گیا ہے جس کے تحت میں اتنا بااختیار تھا۔''

''مجھے حیرت ہے۔''

''آپ کو حیرت نہ ہونی چاہئے۔سیاسی حالات آپ کے سامنے ہیں۔''

''اوہ.....تو کیا آپ پر بھی اس کا اثر پڑا ہے۔''

''مجھ پر ہی نہیں..... ہر اصول پسند آدمی بے دست و پا ہو کر رہ گیا ہے۔''

''اور اس بھیڑیئے کو شکوہ آباد میں کھلی چھٹی ہے۔''

''کس بھیڑیئے کی بات کر رہے ہیں وہ جسے آپ نے نزارت کی تفریح گاہ میں دیکھا تھا۔''

''جی نہیں..... میں اُس بھیڑیئے کی بات کر رہا ہوں جس نے مجھے اپنے دفتر سے نکلوا دیا تھا۔ شکوہ آباد کے بے تاج بادشاہ کی بات کر رہا ہوں۔ وہ جو ملکی قوانین کو پس پشت ڈال کر اپنے قوانین خود وضع کرتا ہے جس کی بیداد کی فریاد، شکوہ آباد کی کوئی عدالت بھی نہیں سن سکتی۔''

''مجھے علم ہے شیر افگن صاحب۔''

''شکوہ آباد شریفوں کے رہنے کی جگہ نہیں رہی۔ لیکن ہم اپنی زمینیں اور املاک چھوڑ کر کہاں جائیں۔ غیر ملکی ہیوں کے غول کے غول چاروں طرف دندناتے پھرتے ہیں۔ کھلے عام منشیات کی اسمگلنگ اور تجارت ہوتی ہے۔ جہاں کسی نے احتجاج کیا تخریب کاری کے الزام میں دھر لیا گیا۔''

''میں سب کچھ جانتا ہوں شیر افگن صاحب..... لیکن جب تک میرے محکمے کا سربراہ مجھے وہاں کسی کام پر نہ لگائے میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔''

''پھر بھی آپ کہتے ہیں کہ میں خود کو بیوقوف محسوس نہ کروں۔''

''لیکن اگر میں اپنے کچھ دن شکوہ آباد میں گزارنا چاہوں تو اس میں کوئی قباحت نہ ہوگی۔ میں اپنی چھٹیاں وہیں گزاروں گا جو پانچ دن بعد سے شروع ہو جائیں گی۔''

''کیا پہلے ہی سے ارادہ تھا۔''

''جی ہاں..... اس دوران میں میرے کئی قریبی دوست بھی تخریب کار بنا دیئے گئے ہیں لیکن میں اس پر تیار نہیں ہوا۔''

''اُوہ تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ آپ نجی طور پر.....''

''اور پھر اُسی دوران میں آپ کے مرض کا بھی علاج ہو جائے گا۔''

''لیکن میں پروفیسر خلجی کے ہتھے نہیں چڑھنا چاہتا۔''

''فکر نہ کیجئے۔ سب کچھ میری نگرانی میں ہوگا۔ میں اُسے بہکنے نہیں دوں گا۔''

''ہاں..... اب اُس اجنبی کے بارے میں مزید کچھ بتایئے جسے آپ نے نزارت کی

تفریح گاہ میں دیکھا تھا۔''

''اُس کے بارے میں جو کچھ بھی جانتا تھا آپ کو بتا چکا ہوں۔''

''آپ کو یقین ہے کہ اس دوران میں بڑے پیمانے پر جو دھماکے ہوئے ہیں اس میں اسی کا ہاتھ ہے۔''

''پھر اور کیا سمجھوں جب کہ اس کے دوسرے ہی دن سے یہ سلسلہ شروع ہوا تھا۔''

''خاصا ڈرامائی انداز ہے۔ شام کے دھندلکے میں وہ نزارت کی ایک اونچی چٹان پر کھڑا ہو کر شکوہ آباد کی روشنیوں پر نظر ڈالتا ہے اور مکالمے بولنا شروع کر دیتا ہے کہیں اُس نے آپ کو دیکھ تو نہیں لیا تھا۔''

''خدا جانے..... اوہ..... تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اُس نے مجھے سنانے کے لئے یہ بکواس کی تھی۔''

''اتنی بے دردی سے اُسے بکواس نہ کہیئے جب کہ اُس میں کسی ستم رسیدہ بیوہ کا بھی ذکر تھا۔ لیکن اٹھارہ سال پہلے کی بات تھی۔ کیا اٹھارہ سال پہلے کے کسی وقوعے کا حوالہ اُس تقریر کو زیادہ مؤثر بنا سکتا تھا۔''

''میں بھلا اس کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔''

''اٹھارہ سال پہلے تو ایس پی شہباز بھی شکوہ آباد میں نہیں تھا۔ پھر وہ کون تھا جس نے اٹھارہ سال پہلے کسی بیوہ پر ستم ڈھایا تھا۔ آپ کی عمر تو وہیں گزری ہے کیا آپ کو اس سلسلے میں کچھ یاد پڑتا ہے۔''

''جی نہیں! میں نے اُس پر بہت غور کیا ہے لیکن مجھے ایسا کوئی واقعہ یاد نہیں آیا۔''

''خیر میں دیکھوں گا۔''

''بہرحال..... بہت بہت شکریہ کرنل صاحب! میرا مشن ناکام نہیں رہا۔''

''لیکن یہ بات ابھی تک صاف نہیں ہو سکی کہ آپ اُس گمنام آدمی کی شکایت لے کر آئے ہیں یا ایس پی شہباز کی۔''

''بنیادی طور پر ایس پی شہباز ہی کی شکایت سمجھئے کیونکہ اس نے میری بات نہیں سنی تھی اور دھڑا دھڑ گرفتاریاں شروع کر دی تھیں۔''

''آپ کا خیال ہے کہ وہ گرفتاریاں ناجائز ہیں۔''

''جی ہاں! میں یہی سمجھتا ہوں۔ بلکہ شکوہ آباد کے زیادہ تر لوگ تو یہاں تک کہہ رہے ہیں کہ ان دھماکوں میں خود شہباز ہی کا ہاتھ ہے۔ کچھ مخصوص لوگوں کو حراساں کرنے کے لئے اُس نے یہ حرکت کی ہے۔''

''لیکن آپ کے ذہن میں وہی اجنبی ہے۔''

''ایسے حالات میں اور کیا کہہ سکتا ہوں۔''

''خیر جناب.....آپ سے بڑی مدد ملے گی۔''

''اب اجازت دیجئے۔'' شیر افگن اٹھتا ہوا بولا۔ پستہ قد اور دبلا پتلا آدمی تھا۔ عمر چالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہوگی۔ چہرہ جھریایا ہوا اور زرد تھا۔ آنکھیں بھی دھندلی تھیں۔

فریدی سے مصافحہ کر کے رخصت ہوگیا۔

یہ ایک نجی ملاقات تھی اور فریدی کی کوٹھی میں ہوئی تھی۔ اُس کے رخصت ہوجانے کے بعد فریدی نے بجھا ہوا سگار دوبارہ سلگایا اور اسے ہونٹوں میں دبائے ہوئے فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کرنے لگا۔

دوسری طرف سے جواب ملنے پر بولا۔ ''ابھی بھی کوٹھی سے ایک ٹیکسی جس کا نمبر ایکس وائی، زیڈ تین ہزار چار سو ہے نکلی ہے۔ اس کا تعاقب کرو۔''

پھر اُس نے شیر افگن کا حلیہ دہرا کر کہا۔ ''تمہیں یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ کہاں جاتا ہے اور کن لوگوں سے ملاقات کر رہا ہے۔''

کال کا سلسلہ منقطع کر کے وہ ڈائینگ روم سے باہر نکل گیا۔

تیسری بار فون کی گھنٹی بجی تھی اور حمید بھنا کر اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اچھی طرح جانتا تھا کہ قاسم کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے دو بار نظر انداز کر چکا تھا۔ اگر وہی تھا تو پیچھا چھڑا لینا کارے دارد۔ ہار کر تیسری بار ریسیور اٹھانا ہی پڑا۔

لہجہ ''ہیلو'' نسوانی آواز میں کہی۔

''قون.....!'' دوسری طرف سے قاسم کی آواز آئی اور پھر حمید نے تھوک نگلنے کی آواز بھی صاف سنی۔

''آپ کون ہیں؟''

''آپ.....قق قہاں سے بول رہی ہیں۔''

''قق قہاں.....!''

''اوہ ماف قیجئے غا.....میرے حلق میں درد ہو رہا ہے۔''

''تو علاج کیجئے.....فون کرنے کی کیا ضرورت ہے۔''

''شش شاید رانگ نمبر.....!'' دوسری طرف سے قاسم کی آواز آئی اور یکلخت سلسلہ منقطع ہوگیا۔

حمید نے ابھی ریسیور رکھا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی پھر بجی اور حمید ریسیور اٹھا کر دہاڑا۔

''ابے کیوں بھیجہ چاٹ رہا ہے۔''

''ہوش میں ہو یا نہیں۔'' دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی اور حمید کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹتے چھوٹتے بچا۔

''اوہ معاف کیجئے گا۔ قاسم بہت دیر سے پریشان کر رہا ہے۔''

''جس عالم میں بھی ہو اُٹھ کر نیا گرا چلے آؤ۔''

''بب.....بہت بہتر۔''

حمید نے گھڑی دیکھی۔ رات کے ساڑھے دس بجے تھے۔ بائیں ہاتھ سے سر سہلاتے ہوئے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ آرام کرنے کا موڈ تھا اور اس حد تک تھا کہ قاسم کے ساتھ متوقع تفریح سے بھی روگردانی کی تھی۔

سلیپنگ سوٹ اُتار کر طوعاً کرہاً جانے کے لئے کپڑے پہنے اور گیراج میں پہنچ کر اُس گاڑی کو اسٹارٹ کرنے کی کوشش کرنے لگا جس کی بیٹری ڈاؤن تھی۔

ملازموں نے کہا صاحب دوسری گاڑی نکال لیجئے! بس شامت آگئی سمجھوں کی۔ آپے سے باہر ہوکر بولا۔ ''تم مجھ سے زیادہ قابل ہو.....چلو دھکا لگاؤ۔'' اس طرح بمشکل تمام گاڑی اسٹارٹ ہوئی تھی۔

خواہ مخواہ یہ حرکت کر گزرا تھا۔ جھلاہٹ بُری چیز ہے۔ عقل خبط ہو کر رہ جاتی ہے۔

اور پھر وہی ہوا جس کا خدشہ اس جھلاہٹ کے باوجود بھی تھا۔ یعنی لائٹ جل جانے کے بعد بیٹری کا رہا سہا دم بھی نکل گیا اور گاڑی دو ڈھائی میل چلنے کے بعد بند ہوگئی اور جھٹکے لے کر بند ہوئی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ٹنکی میں پٹرول بھی نہیں تھا۔

اب اپنی اس حماقت پر غصہ آنے لگا تھا۔ سڑکیں سنسان ہوتی جارہی تھیں اور سردی شباب پر تھی۔ گاڑی سے اُتر کر خواہ مخواہ بونٹ اُٹھایا اس طرح انجن پر جھک پڑا جیسے کوئی سمجھ میں نہ آنے والی خرابی واقع ہوگئی ہو۔

گاڑیاں گزرتی رہیں لیکن کسی نے گھاس بھی نہ ڈالی۔ جو حماقت کر بیٹھا تھا اس کی بناء پر گھر بھی فون نہیں کرسکتا تھا۔ آخر اس سے یہ ڈیوٹ پن سرزد ہی کیوں ہوا۔ دل ہی دل میں سر پیٹتا رہا۔

دراصل جھلاہٹ کی وجہ کھڑے گھاٹ ''طلبی'' نہیں تھی بلکہ طلب کرنے کا انداز تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ کوئی واقعہ ہوا ہے۔ ایسا واقعہ کہ شاید وہ چھٹیاں بھی خطرے میں پڑ جائیں جو پانچ دن بعد شروع ہونے والی تھیں۔

کچھ دیر بعد ایک خالی ٹیکسی نظر آئی۔ ہاتھ اُٹھا کر اُسے رکوایا اور ڈرائیور سے بولا۔ ''اگر مجھے اس وقت نیاگرہ پہنچا دو تو یہ گاڑی تمہاری۔''

''ارے صاحب..... نیاگرا'' اس نے دانت نکال دیئے۔

''ہاں! میں غلط نہیں کہہ رہا۔ ابھی ابھی ٹرانسفر لیٹر دے سکتا ہوں۔''

اُس نے پھر دانت نکال دیئے اور بولا۔ ''میں دیکھوں.....!''

''کوئی فائدہ نہیں۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔''

''گاڑی رکھنے کا وقت ہوگیا ہے صاحب اور نیاگرہ سے خالی واپس آنا پڑے گا۔ وہاں سب گاڑیوں سے جاتے ہیں۔''

''میٹر سے تین گنا زیادہ کرائے کے بل میں کیا خیال ہے۔''

''اگر ایسی بات ہے تو سر کے بل چلیں گے صاحب۔''

حمید نے گاڑی لاک کی اور ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ جان میں جان آئی اور اُس نے کہا۔

''جتنا تیز چل سکتے ہو چلو۔''

''لیکن صاحب ویٹنگ نہیں کروں گا۔''

''کون کہتا ہے؟''

''نہیں صاحب! میں نے کہا پہلے ہی بتا دوں۔ ابھی ابھی ایک بیگم صاحبہ چوٹ دے چکی ہیں۔ ہسپتال گئی تھیں اپنے کسی عزیز کو دیکھنے وہاں پہنچیں تو گڑگڑانے لگیں کہ بھیا بس پندرہ منٹ کی ویٹنگ کرلو یہاں سے مجھے واپسی کے لئے سواری نہیں ملے گی۔ آ گیا ان کی جھاؤلی میں۔ پورے سوا گھنٹے بعد واپس آئیں۔ کہنے لگیں تمہارا نقصان پورا کردوں گی۔ شرافت آڑے آئی، خاموشی سے لاکر گھر چھوڑا۔ میٹر نے ویٹنگ سمیت چودہ روپے پچاس پیسے بنائے تھے۔ دہاڑنے لگیں کہ میٹر غلط چل رہا ہے۔ تم نے اُسے ایڈوانس کر رکھا ہے دس روپے سے زیادہ نہیں بن سکتے۔ اتنے میں گھر کے اندر سے ایک باوردی تھانے دار صاحب نکل آئے۔ چپ چاپ دس روپے لئے اور بھاگ کھڑا ہوا۔''

''یار تم لوگ بھی تو ٹھگتے رہتے ہو بیچاریوں کو.... میٹر سے دو روپے زیادہ لیں گے جناب۔''

''پھر اور کیسے ٹھگیں جناب۔ انہی سے خود بھی ٹھگے جاتے ہیں۔ پیسوں کا تو حساب ہی نہیں کرتیں۔ چار روپے پچھتر پیسے بنے۔ واپسی کے لئے چونی نہیں ہے میرے پاس۔ بس ہضم کرگئیں پچھتر پیسے۔ پرسوں کا واقعہ سنئے، دو بیبیاں گاڑی میں بیٹھیں، کہنے لگیں فلاں جگہ ہمارا مکان بن رہا ہے، بس مستریوں کو کچھ ہدایت دیں گی اور واپسی ہو جائیں گی۔ مکان میں داخل ہوئیں۔ واقعی بن رہا تھا۔ مزدور کام کر رہے تھے۔ دس پندرہ منٹ گزر جانے کے بعد میں نے ہارن بجانا شروع کیا۔ باہر نہ آئیں تو خود اُتر کر اندر گیا، لیکن اُن بی بیوں کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ مزدوروں نے بتایا کہ وہ ان کے لئے اجنبی تھیں۔ کسی کا پتا پوچھا اور دوسری طرف سے باہر نکل گئی تھیں۔ دوڑ کر اُدھر پہنچا لیکن کس گھر کا دروازہ بجاتا۔''

حمید ہنس پڑا۔

''مجھے بھی ہنسی ہی آئی تھی۔'' ٹیکسی ڈرائیور بولا۔

''اگر پھر کبھی ملاقات ہوگئی تو۔''

''میری کون سنے گا جناب..... عورتوں کا معاملہ ہے۔''

''یہ بھی ٹھیک ہے اس دن اندازاً کتنے کی چوٹ ہوئی تھی۔''

''چھ روپے چالیس پیسے کی۔''

''وہ بھی میں ہی ادا کردوں گا۔''

''اب تو آپ سے خوف معلوم ہونے لگا ہے جناب۔''

''جب تک پائی پائی ادا نہ کردوں گاڑی سے اُترنے نہ دینا۔''

بہرحال اسی طرح کی بکواس کرکے اپنا بگڑا ہوا موڈ ٹھیک کرتا چلا گیا اور نیاگرہ پہنچ کر حسب وعدہ پورا حساب بیباق کردیا۔

''اگر گھنٹے آدھ گھنٹے کی بات ہوتو ویٹ کرلوں جناب۔'' ٹیکسی ڈرائیور نے کہا۔

''نہیں دوست! یہ رات شاید یہیں گزر جائے۔''

''یہ..... یہ پولیس کی گاڑیاں کیوں کھڑی ہوئی ہیں۔'' ٹیکسی ڈرائیور چونک کر بولا۔

لیکن حمید اُترا چلا گیا۔ موڈ پھر خراب ہونے لگا تھا۔

اندر سارجنٹ امرسنگھ سے ملاقات ہوئی۔ فریدی کا کہیں پتا نہ تھا۔

''چھٹی کھٹائی میں ضرور پڑے گی۔'' امرسنگھ نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔

''ہوا کیا۔'' حمید پھاڑ کھانے دوڑا۔

''قتل کے علاوہ اور کیا ہوتا۔''

''کرنل کہاں ہیں۔''

''پتا نہیں، کچھ دیر پہلے تو یہیں تھے۔''

''کس کا قتل ہوا ہے۔''

''ہوٹل کے رجسٹر میں شیرافگن نام لکھا ہوا ہے، شکوہ آباد سے آیا تھا۔''

''لیکن یہ ایک دم کرنل کہاں آکودے۔''

''میں یہ سب کچھ نہیں جانتا۔ لیکن معاملہ عجیب ہے اس سے پہلے ایسا قتل نہ دیکھا نہ سنا..... قاتل اُس بیچارے کی گردن ریت کر بھاگا۔ لوگوں نے دوڑایا۔ لیکن وہ زیے طے کرتا ہوا آخری منزل یعنی کھلی چھت پر پہنچ گیا اور وہاں سے چھلانگ لگادی۔''

''ہڈیاں سرمہ ہوگئی ہوں گی۔''

''جی نہیں! سرمے کی مدد سے بھی نہیں تلاش کی جاسکیں۔''

''کیا مطلب.....؟''

''قاتل فرار ہوگیا۔''

''اوپری منزل سے چھلانگ لگا کر فرار ہوگیا۔ بھنگ تو نہیں پی گئے۔''

''نہیں! ایسی کوئی بات نہیں۔ اس نے اپنی پشت پر ایک چھوٹا سا پیراشوٹ باندھ رکھا تھا۔ چھلانگ لگاتے ہی وہ کھل گیا لوگ باہر دوڑے تو اُس نے ایک ہینڈ گرنیڈ کھینچ مارا۔ بس دھماکا ہوتے ہی سب اندر..... اور وہ زمین پر پہنچ کر نہایت اطمینان سے ایک اسپورٹس کار میں فرار ہوگیا۔''

''خدا کی پناہ.....!'' حمید سر سہلا کر بولا۔ ''واقعی چھٹیوں کا چالیسواں ہوگیا۔''

''خیریت ہوئی کہ ہینڈ گرنیڈ کے دھماکے سے کوئی زخمی نہیں ہوا۔''

''اور اب جناب کرنل صاحب اُس اسپورٹس کار کے چکر میں ہوں گے۔''

امرسنگھ کچھ نہ بولا۔ حمید نے لاش دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ امرسنگھ کے بیان کے مطابق قتل پانچویں منزل پر ہوا تھا اور قاتل چار منزلوں کی سیڑھیاں طے کر کھلی چھت پر پہنچا تھا۔ درمیان میں اُسے کوئی بھی نہ روک سکا۔

''اگر وہ شکوہ آباد سے آیا تھا تو وہیں کیوں نہ قتل کردیا گیا۔'' حمید نے امرسنگھ کو گھورتے ہوئے فریدی کے لہجے کی نقل اُتاری۔

''کیا لاش نہیں دیکھنی۔'' امرسنگھ نے مسکرا کر پوچھا۔

''نہیں..... لیکن وہ جگہ ضرور دیکھنا چاہتا ہوں جہاں سے وہ جیالا پیراشوٹ کے ذریعے اُتر کر فرار ہوا تھا۔''

''تو آیئے میرے ساتھ۔''

وہ دونوں چلتے چلتے ایک جگہ رک گئے اور حمید نے پلٹ کر ہوٹل کی عمارت کی طرف دیکھا۔

''وہ یہیں اُترا تھا۔'' امرسنگھ بولا۔

عمارت سے قریباً دو سو گز کا فاصلہ ضرور ہوگا۔ حمید نے کہا۔ ''تو پھر اُسے چھلانگ نہیں بلکہ اُڑان کہنا چاہئے۔''

''اسی پر تو حیرت ہے۔ دیوار کے قریب پیراشوٹ کے بیکار ہوجانے کا امکان تھا۔ لہٰذا اتنی لمبی چھلانگ لگانی ہی پڑی ہوگی کہ پیراشوٹ کے کھلنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔''

''کیا وہ خاموشی سے قتل کر کے فرار نہیں ہوسکتا تھا۔ پیراشوٹ ساتھ رکھنے کا مطلب یہ ہوا کہ اُسے یہ کرتب ہر حال میں دکھانا ہی تھا؟''

''یہ کام کا نکتہ ہے۔'' امر سنگھ سر ہلا کر بولا۔

''کیا وہ میرے لئے کچھ کہہ گئے ہیں۔''

''نہیں..... مجھ سے تو کچھ نہیں کہا۔''

''لاش والے کمرے میں کون ہے۔''

''فنگر پرنٹ سیکشن کام کر رہا ہے۔''

حمید نے ٹارچ امر سنگھ کے ہاتھ سے لے لی اور اُس کی روشنی میں آس پاس کا جائزہ لینے لگا۔ دستی بم کا ڈالا ہوا گڑھا بھی عمارت سے کچھ ہٹ کر ہی نظر آیا۔

''دھماکہ محض دہشت زدہ کرنے کے لئے تھا۔'' اُس نے کہا۔

''اس کے بغیر تو اُس کا فرار ناممکن ہی ہوجاتا۔'' امر سنگھ بولا۔ ''لیکن جناب حیرت اس پر ہے کہ اُس بے وقعت سے آدمی کے قتل کے لئے اتنا ہنگامہ۔''

''بے وقعت سے کیا مراد ہے تمہاری۔''

''آپ خود چل کر دیکھ لیجئے! زندہ دیکھتے تو ترس آتا۔ لاش پر آنسو بہانے کو جی چاہے گا۔''

''بکواس بند کرو۔ بیوی بچوں میں بیٹھ کر ایسی باتیں کی جاتی ہیں۔''

''میرا مطلب تھا کہ اس ہنگامے کی کیا ضرورت تھی۔ راہ چلتے ایک زوردار گھونسہ پسلی پر رسید کر دیا جاتا تو وہ دوسری سانس نہ لے سکتا۔''

حمید کچھ کہے بغیر عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ پانچویں منزل پر واردات والے کمرے تک پہنچنے کے لئے کسی کی رہنمائی کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ اُس کے سامنے ایک باوردی کانسٹیبل موجود تھا۔ حمید نے لاش دیکھی اور امر سنگھ کے قول کے صداقت اُس پر واضح ہوگئی۔ واقعی اُس مکھی سے آدمی کے قتل کے لئے اتنے ڈرامائی انداز کی کیا ضرورت تھی۔ وہ تو سچ مچ ایک ہی گھونسے کا معلوم ہوتا تھا۔ کسی تیز دھار آلے سے اُس کی گردن کاٹی گئی تھی۔ حمید اسی

الجھن میں پڑا ہوا تھا کہ آخر یہ معاملہ براہِ راست فریدی تک کیسے پہنچ گیا۔

وہ کمرے سے پلٹنے ہی والا تھا کہ راہداری سے کسی نے اس کا نام لے کر مخاطب کیا۔

یہ اسسٹنٹ منیجر تھا اور اُسے اطلاع دینے آیا تھا کہ فون پر اُس کی کال ہے۔

وہ تیزی سے فون تک پہنچا اور دوسری طرف سے فریدی کی آواز سنی جو پاور ہاؤز کے قریب اُس کا منتظر تھا۔

''کیسے پہنچوں۔'' حمید ماؤتھ پیس میں بولا۔ ''گاڑی تو راستے ہی میں رہ گئی۔''

''کیا مطلب.....؟''

''غلطی سے وہ گاڑی نکال لی تھی جس کی ٹنکی میں پٹرول کم تھا۔''

''احمق ہو۔ امر سنگھ کی موٹر سائیکل لے لو۔ وہ فنگر پرنٹ والوں کے ساتھ واپس چلا جائے گا۔''

''لیکن یہ چھلانگ میری سمجھ میں نہیں آئی..... میرا مطلب ہے کیس کی چھلانگ۔''

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا اور حمید نے ریسیور کریڈل پر رکھ کر طویل سانس لی۔

امر سنگھ کو اس پر کیا اعتراض ہوسکتا تھا۔ اپنی موٹر سائیکل اُس کے حوالے کر دی اور پھر جو سردی نے مزاج پوچھا ہے حمید صاحب کا تو آنکھوں اور ناک کی رطوبتوں میں امتیاز کرنا مشکل ہوگیا۔ پتہ نہیں کس طرح منزل مقصود پر پہنچا تھا۔

ٹھیک فریدی کی لنکن کے قریب جا رُکا۔

''تم آگئے۔'' فریدی کے لہجے میں کسی قدر تلخی تھی۔ آواز گاڑی کے اندر سے آئی تھی۔

''اور میرا نام دائمی نزلہ ہے۔'' حمید شوں شوں کرتا ہوا بولا۔

فریدی دروازہ کھول کر گاڑی سے اُترا اور سڑک کی بائیں جانب چلتا ہوا بولا۔ ''ادھر آؤ۔''

حمید نے خاموشی سے تعمیل کی۔ فریدی سڑک سے کچے میں اُتر گیا تھا اور ٹارچ روشن کرلی تھی۔ کچھ دور چلنے کے بعد ٹارچ کی روشنی کا دائرہ ایک اسپورٹس کار پر پڑا اور حمید نے فوراً ہی یہ بات مارک کی کہ اُس پر نمبر پلیٹ موجود نہیں ہے۔

''انجن ابھی گرم ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''اور دیکھو..... یہاں سے کسی اور گاڑی کے

ٹائروں کے نشانات سڑک کی طرف گئے ہیں۔''

''یہ تو آپ خود بھی دیکھ کر مطلب سمجھ سکتے تھے، مجھے کیوں خواہ مخواہ نزلے میں مبتلا کیا۔''

''تم اسپورٹس کاروں کے خبط میں بھی تو مبتلا ہو، اُس دن دعویٰ کر رہے تھے کہ اس سال کے موڈل شہر میں کس کس کے پاس ہیں تمہارے علاوہ شاید ہی کوئی بتا سکے۔''

''اُوہ.....ذرا ٹارچ مجھے دیجئے.....ڈاٹسن کا نیا ماڈل.....نمبر پلیٹ غائب.....ڈاٹسن کی اسپورٹس کار.....گڈ لارڈ.....یہ گاڑی صوفیہ کی ہوسکتی ہے یا سلمان کی..... یا پھر خواجہ بخش کی۔''

''یہ سب کون ہیں؟''

''صوفیہ سیٹھ راشد کی لڑکی ہے۔سلمان ایک صوبائی وزیر کا لڑکا ہے اور خواجہ بخش وہی ہے جس کی لانچیں پچھلے دنوں اسمگلنگ کے سلسلے میں پکڑی گئی تھیں۔''

''گاڑی کا انجن نمبر نوٹ کرو.....اور ان تینوں کو چیک کرو۔''

''لیکن یہ احمق نمبر پلیٹ کیوں نکال لے گیا۔کیا اس کے بغیر گاڑی کے مالک کا پتا نہ لگ سکتا۔''

''دیر لگے گی.....اگر تم یہ تین نام نہ لیتے تو محض انجن نمبر کی بناء پر پتا لگانے میں خاصا وقت صرف ہوتا۔''

''بہرحال کوئی یہاں پہلے سے اُس کا منتظر تھا۔اسپورٹ کار یہیں چھوڑی اور اُسے دوسری گاڑی میں نکال لے گیا۔لیکن یہ تو بتایئے کہ یہ کیس براہِ راست آپ تک کیسے پہنچ گیا۔''

''پھر بتاؤں گا.....وقت نہ ضائع کرو۔ان تینوں کو فوراً چیک کرو۔''

''تو پھر موٹر سائیکل.....!'' حمید کراہا۔

''گاڑی لے جاؤ۔موٹر سائیکل میرے لئے چھوڑ دو۔'' فریدی جھنجھلا کر بولا۔

''تکلفاً بھی انکار نہیں کروں گا.....ورنہ میری ناک۔''

''جلدی کرو۔'' فریدی اُسے سڑک کی جانب دھکیلتا ہوا بولا۔''مجھے یہاں اس وقت تک ٹھہرنا ہے جب تک اس گاڑی کی نگرانی کے لئے کوئی نہ پہنچ جائے۔''

''سیٹھ راشد کی بیٹی سے ابتداء کرتا ہوں کہ یہاں سے قریب ترین وہی ہے۔'' حمید

نے کہا اور لنکن میں آ بیٹھا۔

کچھ دور اُسی سڑک پر چلنے کے بعد گاڑی بائیں جانب کچے میں اُتار دی۔سیٹھ راشد کی کوٹھی تک پہنچنے کے لئے شارٹ کٹ لے رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ بڑی بڑی کوٹھیوں والے اُس علاقے میں داخل ہوا جہاں زیادہ تر شہر کے بڑے تاجر آباد تھے۔

سیٹھ راشد کی کوٹھی کے کمپاؤنڈ میں پولیس کی ایک پٹرول کار کھڑی دیکھ کر حمید کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔

''کیا قصہ ہے۔'' حمید نے اُس سے پوچھا۔

''کیسا قصہ! آپ کون صاحب ہیں جناب۔''

''میں نے تم سے سوال کیا ہے اُس کا جواب چاہتا ہوں.....کون ہے اس پٹرول کار پر۔''

''ڈی ایس پی صاحب ہیں.....اندر گئے ہیں۔''

حمید نے گاڑی آگے بڑھائی اور پورچ کی طرف لیتا چلا گیا۔اتنے میں ڈی ایس پی مذکور بھی شاید واپسی کے لئے باہر نکلا تھا۔حمید کو گاڑی سے اُترتے دیکھ کر پورچ کے زینوں ہی پر رک گیا۔

''آپ.....!'' اُس کے لہجے میں حیرت تھی۔

''آپ کو حیرت ہوئی ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ یہ بات میری ذات سے آگے نہیں بڑھی تھی۔''

''کون سی بات؟'' حمید نے سوال کیا۔

''سیٹھ صاحب کی بیٹی کو جو واقعہ پیش آیا تھا۔''

''اوہ.....تو پھر کوئی اور بات ہوگی۔کس کی بیٹی کو کیا واقعہ پیش آیا۔''

''مس صوفیہ سے آٹھ بجے کے قریب کسی نے اُن کی اسپورٹس کار چھین لی اور سر پر گھونسہ مار کر بیہوش کر دیا۔''

''اوہ.....لیکن کہاں۔''

''وہ نیاگرا جا رہی تھیں۔سیاہ رنگ کی ایک بڑی گاڑی نے راستہ روک رکھا تھا۔انہیں

بھی رُکنا پڑا۔ سیاہ گاڑی سے ایک آدمی اُترا، اُنہیں ان کی گاڑی سے باہر کھینچ لیا۔ پھر سر پر گھونسہ پڑنے کے بعد کے واقعات کا علم انہیں نہیں۔"

"آپ تک رپورٹ کیسے پہنچی۔!" حمید نے پوچھا اور ڈی ایس پی کی آنکھوں میں الجھن کے آثار دکھائی دیئے۔

"کیا آپ کا یہ سوال کسی اہمیت کا حامل ہے۔"

"بالکل! وہ چھینی ہوئی اسپورٹس کار ایک قتل میں ملوث ہوگئی ہے۔ کیا آپ کو نیاگرہ والے قتل کی اطلاع نہیں ملی۔"

"نہیں .....میں نہیں جانتا۔ مس صوفیہ نے اس واقعے کی اطلاع قریباً نو بجے فون پر دی تھی۔"

"کیا وہ اندر موجود ہے۔"

"جی ہاں!"

"فی الحال واپسی کا ارادہ ملتوی کر دیجئے۔ میرے ساتھ آیئے۔ اسپورٹس کار مل گئی ہے اور میں اس کے سلسلے میں یہاں آیا ہوں۔"

"آپ لوگ واقعی حیرت انگیز ہیں۔"

حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے اس کے ساتھ ڈرائینگ روم میں آیا۔ صوفیہ ابھی تک یہیں موجود تھی۔ سیٹھ راشد بھی تھا۔ حمید صوفیہ کے لئے اجنبی نہیں تھا۔ شہر کی کسی بھی ایڈونچر پسند لڑکی کے لئے اجنبی نہیں تھا۔

"اوہ .....ہیلو کیپٹن۔" صوفیہ لپک کر اُٹھی اور اُس سے مصافحہ کرتی ہوئی بولی۔ "تو بات اس حد تک بڑھی ہے۔"

"خوفناک حد تک بڑھی ہے۔ ذرا دیکھئے یہ نمبر آپ ہی کی گاڑی کے انجن کا تو نہیں۔" حمید نے کاغذ کا ایک سیاہ پرزہ اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"انجن نمبر.....!" صوفیہ نے حیرت سے کہا۔ "ارے جناب رجسٹریشن نمبر پوچھئے۔"

"نمبر پلیٹس گاڑی سے نکال لی گئی ہیں۔"

"تو کیا گاڑی مل گئی؟" سیٹھ راشد نے پوچھا۔

"جی ہاں.....!"

اتنے میں صوفیہ بولی۔ "غالباً یہ نمبر میری ہی گاڑی کے انجن کا ہے۔ رجسٹریشن کی کتاب گاڑی ہی میں تھی۔ اُس پر انجن نمبر بھی تحریر ہے۔"

"محترمہ جو نمبر پلیٹس نکال لے گیا اُس نے رجسٹریشن بک کب چھوڑی ہوگی۔ بہرحال آپ کی گاڑی ایک قتل میں ملوث ہوگئی ہے۔"

"نہیں.....!" سیٹھ راشد اُچھل پڑا۔

"جی.....!" حمید نے کہا اور بڑے ڈرامائی انداز میں نیاگرہ والے قتل کی روداد دہرانے لگا۔

سیٹھ راشد اور صوفیہ کے چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

"گاڑی کہاں ہے۔" ڈی ایس پی نے حمید کے خاموش ہوتے ہی سوال کیا۔

"پاور ہاؤز کے عقب میں۔ کرنل صاحب کے زیرِ نگرانی.....وہ گاڑی میری کئی بار کی دیکھی ہوئی تھی اس لئے سیدھا یہیں چلا آیا۔"

"میں نے ایک بار آپ کو اُسی میں لفٹ بھی تو دی تھی۔" صوفیہ بولی۔

"جی ہاں مجھے یاد ہے اور اب ذرا اُس آدمی کا حلیہ بیان کیجئے جس نے آپ پر حملہ کیا تھا۔"

"حلیہ.....بہت مشکل ہے۔ وہاں اندھیرا تھا اور میں اس کی شکل نہیں دیکھ سکی تھی۔"

"آپ کو ہوش کیسے آیا تھا اور واپسی کس طرح ہوئی تھی۔"

"خود بخود ہوش میں آئی تھی۔ سڑک کے کنارے پڑی ہوئی تھی۔ ہوش آتے ہی خوف کے مارے دم نکلنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد نیاگرہ کی طرف سے ایک گاڑی آتی دکھائی دی تھی۔ بس لفٹ لے کر گھر آ گئی اور گھر ہی سے مقصود صاحب کو فون کیا تھا۔"

ڈی ایس پی سر ہلا کر رہ گیا۔

"جس سے لفٹ لی تھی وہ کون تھا۔"

"نہ اُس بیچارے نے مجھ سے میرا شجرہ نسب پوچھا اور نہ میں نے اُس سے اس کا۔"

"لیکن نیاگرہ والی سڑک پر آپ کو تنہا دیکھ کر اُسے حیرت تو ہوئی ہوگی۔ کیا آپ نے اُسے اپنی کہانی سنا دی تھی۔"

''میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس سوال کی کیا اہمیت ہے۔'' سیٹھ راشد نے دخل اندازی کی۔

''میں ایک قتل کی تفتیش کر رہا ہوں اور صوفیہ صاحبہ کسی نہ کسی طرح.....!''

''قتل کے سلسلے میں ان کا نام مت لیجئے۔'' راشد بات کاٹ کر بولا۔

''قاتل نے فرار کے لئے جو گاڑی استعمال کی وہ صوفیہ صاحبہ کی تھی۔''

''آپ اس کا بیان سن چکے ہیں۔''

''محترم! بات نہ بڑھایئے۔''

''آپ اس قسم کے سوالات کر رہے ہیں جیسے آپ کو اُس کے بیان پر یقین نہ ہو۔''

''یہ سوالات اسی کوشش پر مبنی ہیں کہ میں ان کے بیان پر یقین کرلوں..... ورنہ قانون کسی بیان کی صداقت کے لئے شاہد بھی طلب کرتا ہے۔''

''تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ اگر کوئی اس کے بیان کی تائید نہ کرسکا تو آپ اسے مشتبہ سمجھیں گے۔''

''ڈیڈی پلیز.....!'' صوفیہ ہاتھ اُٹھا کر بولی۔ ''بات نہ بڑھایئے۔ میں کیپٹن کا نکتہ نظر سمجھ رہی ہوں۔ لیکن میں اس معاملے میں بے بس ہوں۔ اگر مجھے علم ہوتا کہ وہ محض رہزنی نہیں تھی تو میں لفٹ دینے والے کا نام اور پتہ ضرور نوٹ کرلیتی۔''

''حلیہ بتایئے، شاید اسی طرح کچھ کام چل جائے۔ اس کی گاڑی کا میک اور موڈل بھی یاد ہو تو بتایئے۔''

''ادھیڑ عمر کے ایک سنجیدہ سے آدمی تھے۔ چہرہ بیضوی، رنگت صاف۔ گھنی مونچھیں، پیشانی کشادہ..... گاڑی مزدا ففٹین ہنڈریڈ تھی۔ موڈل تہتر چوہتر کا ہوگا۔''

حمید کا قلم نوٹ بک کے صفحے پر چلتا رہا۔

''کیا میری موجودگی ضروری ہے۔'' ڈی ایس پی نے حمید سے پوچھا۔

''آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔''

''تو پھر میں چلوں۔'' اُس نے کہا اور ڈرائینگ روم سے نکل گیا۔

''آپ کچھ پئیں گے کیپٹن۔'' صوفیہ نے پوچھا۔

''کافی پلوا دیجئے..... بلیک۔''

''میں ابھی آئی۔'' کہتی ہوئی وہ بھی چلی گئی اور حمید نے سیٹھ راشد سے کہا۔

''مس صوفیہ میرے لئے اجنبی نہیں ہیں اور میں ان کا بہت احترام کرتا ہوں۔ آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ عدالت میں وکیل سرکار انہیں کم سے کم پریشان کرسکے۔''

''مجھے اپنے رویئے پر افسوس ہے۔ دراصل اچانک ایسی خبر سن کر۔''

''میں سمجھتا ہوں۔ آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔ لفٹ دینے والے کو ڈھونڈ نکالوں گا اور یہ مشکل بھی آسان ہوجائے گی۔''

صوفیہ واپس آگئی، اُس کے چہرے کی تازگی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ بدستور مسکرا رہی تھی۔

''کسی طرح بھی سہی آپ نے میرے گھر میں قدم تو رکھا۔'' اس نے حمید سے کہا۔

''بہت پہلے آچکا ہوتا لیکن ہمارا کہیں قدم رکھنا بدشگونی ہی تصور کیا جاتا ہے۔''

''چھوڑیئے بھی۔ کیا آپ لوگوں کی کوئی سوشل لائف ہی نہیں۔''

''میری تو سوشل لائف کے علاوہ اور کوئی لائف ہی نہیں۔''

''میں بہت تھکا ہوا ہوں۔'' سیٹھ راشد اُٹھتا ہوا بولا۔

''آپ آرام کیجئے ڈیڈی۔'' صوفیہ نے ہنس کر کہا۔ ''کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے۔ میں اس قتل میں ملوث نہیں ہوں۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔'' حمید بولا۔

سیٹھ راشد چلا گیا اور اتنے میں ایک ملازم کافی کی ٹرالی سمیت ڈرائینگ روم میں داخل ہوا۔

''فرار کا ایسا طریقہ نہ کبھی دیکھا اور نہ سنا۔'' صوفیہ بولی۔

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ خود ہی اپنے لئے کافی انڈیلنے لگا تھا۔ دوسری پیالی صوفیہ کی طرف سرکا دی۔

''تو آپ لفٹ دینے والے کو تلاش کریں گے۔'' صوفیہ نے پوچھا۔

''آپ کو شبہے سے بالاتر کردینے کے لئے یہ ضروری ہوگا۔''

''مجھ پر کس قسم کا شبہ کیا جاسکتا ہے۔''

''اعانت جرم کا.....فرار کے لئے آپ ہی نے اپنی گاڑی مہیا کی تھی۔''

''بڑا مضحکہ خیز خیال ہے۔''

''ہے تو.....لیکن سوالات.....آخر نمبر پلیٹس کیوں نکالی گئیں۔''

''میں کیا بتاؤں؟''

''یہ سوال آپ سے نہیں تھا؟ میں خود سوچ رہا ہوں اگر وہ محض رہزنی تھی تو رہزن کو نمبر پلیٹیں نکالنے سے کیا فائدہ پہنچا۔''

''ہاں ہے تو الجھاوے کی بات۔''

''میں نے یہ نکتہ سیٹھ صاحب کی موجودگی میں اس لئے نہیں اُٹھایا تھا کہ وہ اور زیادہ پریشان ہو جائیں گے۔''

''آپ نے اچھا کیا.....لیکن یقین کریں کہ اس قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں اور ہاں مقتول کی بھی شناخت ہوئی یا نہیں۔''

''نیاگرہ کے رجسٹر میں اُس نے اپنا نام شیر افگن لکھوایا تھا۔سکونت کے خانے میں شکوہ آباد درج تھا۔''

''نہیں.....!'' صوفیہ بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔

''کیا دُبلے پتلے اور پستہ قد تھے۔''

''آپ بالکل صحیح حلیہ بیان کر رہی ہیں۔''

''ڈیڈی.....!'' دفعتاً وہ حلق پھاڑ کر چیخی اور گرتی پڑتی بھاگتی ہوئی اندر چلی گئی۔کافی پاٹ ٹرالی سے اُچھل کر قالین پر جا پڑا تھا۔حمید ہکا بکا بیٹھا رہ گیا۔اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔قتل سے ان لوگوں کا تعلق رہا ہو یا نہ رہا ہو لیکن شاید مقتول سے کوئی تعلق ضرور تھا۔ورنہ وہ اس طرح بدحواس نہ ہوتی۔اُس نے اُٹھ کر قالین پر پڑا ہوا کافی پاٹ اُٹھایا اور کافی کے اُس تاریک دھبے کو دیکھنے لگا جس نے ایک بیش قیمت قالین کا ستیاناس کر دیا تھا۔

''تو وہ سیٹھ راشد کا سوتیلا بھائی تھا۔'' کرنل فریدی نے ٹہلتے ٹہلتے رک کر کہا۔حمید کچھ نہ بولا۔پوری روداد پہلے ہی سن چکا تھا۔

''لیکن نمبر پلیٹوں کا معاملہ۔'' فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''اس انکشاف کے بعد سے یہ الجھن بھی رفع ہو گئی ہے۔'' حمید نے کہا۔''صاف ظاہر ہے کہ کوئی اس قتل کو سیٹھ راشد کے سر تھوپنا چاہتا ہے۔ورنہ نمبر پلیٹیں کیوں نکال لے جاتا۔''

''بظاہر الجھن رفع کر دینے ہی والی بات ہے۔''

''لیکن بباطن.....؟'' حمید نے سوال کیا۔

''کچھ نہیں.....فی الحال اس سلسلے میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔''

''میں رات ہی سے پوچھ رہا ہوں کہ آخر یہ معاملہ براہِ راست آپ تک کیسے پہنچ گیا۔''

''معاملہ نہیں پہنچا بلکہ معاملے تک خود مجھے پہنچنا پڑا تھا۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''شیر افگن صرف مجھ سے ملنے یہاں آیا تھا اور میں اس کی نگرانی کرا رہا تھا۔اس طرح بات فوراً مجھ تک پہنچ گئی۔نگرانی کرنے والا اس وقت نیاگرہ ہی میں موجود تھا جب یہ قتل ہوا۔''

حمید نے تیزی سے کھوپڑی سہلائی اور چھٹیوں کے جنازے پر پھول چڑھا دیئے۔

''ویسے بھی میں یہ چھٹیاں شکوہ آباد میں گزارتا۔'' فریدی بولا۔

''کک.....کیوں.....؟''

''ایسی ہی کوئی بات تھی اور تم نادانستگی میں شمال کی تفریح گاہوں کا ذکر کر کے خوش ہو لیا کرتے تھے۔شکوہ آباد بھی اُنہی تفریح گاہوں میں سے ایک ہے۔''

''یعنی چھٹیوں میں بھی آپ کو وہاں کوئی کام کرنا تھا۔''

''ظاہر ہے۔''

''ایس پی شہباز کا کوئی معاملہ ہے۔''

''اس کے علاوہ وہاں اور کیا رکھا ہے۔'' فریدی نے کہا اور شیر افگن سے اپنی گفتگو کے بارے میں بتانے لگا۔

حمید نے اس کے خاموش ہونے پر کئی ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں لی تھیں اور اپنی نبض ٹٹولنے لگا تھا۔

''تمہیں کیا تکلیف ہے؟'' فریدی نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''مجھے تو کوئی تکلیف نہیں ہے لیکن وہ بے موت مارا جائے گا۔''

''کون.....؟''

''قاسم.....!''

''کیا مطلب.....؟''

''وہ ایک ہوٹل میں ہپی بنا بیٹھا ہے۔ گھر سے نکالا گیا ہے۔ میں نے کہا تھا اُسے ہپی بنا کر اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ اس طرح وہ ہپی عورتوں سے متعلق بھی ہم اپنی معلومات میں اضافہ کر سکے گا۔''

''اُوہ..... بڑی عمدہ بات سجھائی تم نے۔'' فریدی نے کہا اور بیٹھ کر سگار سلگانے لگا۔ حمید اُسے حیرت سے دیکھے جا رہا تھا۔ آخر اس میں خوشی کی کیا بات تھی۔ وہ تو سمجھا تھا کہ اس سلسلے میں بھی اسے سخت سست سننا پڑے گا۔

سگار سلگا کر اُس نے کہا۔ ''تم بھی ہپی بنو گے۔''

''میں.....!'' حمید اچھل پڑا۔

''ہپی عورتوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی خواہش تمہیں بھی ہوگی۔''

''کیوں مذاق کر رہے ہیں۔''

''نہیں..... میں سیریس ہوں۔ تم دونوں سرحد پار جاؤ گے اور وہاں ہپیوں کے کسی ایسے قافلے سے جلد ملو گے جو غیر قانونی طور پر سرحد پار کر کے ادھر آنا چاہتا ہو۔''

''اس سے کیا ہوگا۔''

''بس اپنی آنکھیں کھلی رکھنا..... میں شہباز کو کئی اطراف سے گھیرنا چاہتا ہوں۔''

''تو کیا اس قتل میں شہباز کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔''

''میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے ملنے آیا تھا۔ اگر خود اُسے اپنی زندگی خطرے میں نظر آتی تو اس کا ذکر مجھ سے ضرور کرتا۔''

''کھلی ہوئی بات ہے۔''

''یہ قتل میرے لئے چیلنج بھی ہو سکتا ہے۔''

''میں سمجھ گیا۔ آپ اس قتل کے توسط سے باضابطہ طور پر شکوہ آباد جا سکیں گے۔''

''ضروری نہیں ہے۔ اوپر والے کسی اور کے سپرد بھی کر سکتے ہیں کیس۔''

''لیکن آپ اسی پر اڑ جائیں گے کہ آپ ہی جائیں گے۔''

''وہ میرے پاس آیا تھا اور کسی بڑے جرم کی نشاندہی کرنا چاہتا تھا۔ خیر..... میرے ساتھ آؤ۔'' فریدی دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ''ذرا سیٹھ راشد سے بھی دو دو باتیں ہو جائیں۔''

دن کے دس بجے تھے۔ سیٹھ راشد گھر ہی پر موجود تھا۔ صوفیہ سے ملاقات ہوئی اور اس نے بتایا کہ اُس انکشاف کے بعد سیٹھ راشد پر دل کا دورہ پڑا تھا۔ ساری رات گھر والوں نے جاگ کر گزاری تھی۔

''اب کیا کیفیت ہے!'' فریدی نے پوچھا۔

''سو رہے ہیں۔ آپ انہیں فی الحال نہ چھیڑیں تو بہتر ہوگا۔ میں آپ کے سوالات کے جواب دے سکوں گی۔''

''بات دراصل یہ ہے مس صوفیہ کہ شیر افگن صاحب صرف مجھ سے ملاقات کی غرض سے یہاں آئے تھے۔''

''آپ سے۔'' صوفیہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

''جی ہاں اور اُنہوں نے قطعی اس کا ذکر نہیں کیا تھا کہ شہر میں ان کا کوئی رشتہ دار بھی ہے۔''

''بڑی عجیب بات ہے کہ آپ سے ملنے آئے اور قتل کر دیئے گئے۔ بہرحال یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ڈیڈی سے اُن کے تعلقات بہتر نہیں تھے ورنہ وہ نیاگرہ کی بجائے یہیں قیام کرتے۔ ہمیں شہر میں ان کی موجودگی کا علم نہیں تھا۔''

''اور اس قتل کے سلسلے میں آپ کی گاڑی اس طرح استعمال کی گئی۔''

''آپ خود ہی غور فرمایئے۔'' صوفیہ طویل سانس لے کر بولی۔ ''یہ قتل ہمارے سرمنڈھنے کی کوشش کی گئی ہے ورنہ بقول حمید صاحب ایک لاتعلق رہزن کو نمبر پلیٹ نکال لے جانے کی کیا ضرورت پڑی تھی۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ صوفیہ نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ''چچا شیر افگن اور ڈیڈی کے درمیان کوئی ایسا تنازعہ بھی نہیں تھا جس میں مال یا جائیداد کا دخل ہوتا۔ دادا کے ورثے کا بٹوارہ اسی طرح ہوا تھا جیسے قانوناً اور شرعاً ہونا چاہئے۔ کسی نے کسی کا کچھ دبا لینے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بس چچا شیر افگن، ڈیڈی کو فرعون بے ساماں کہتے تھے اور ان کے مقابلے میں خود کو انسانی قدروں کا حامل سمجھتے تھے کہ میں کسی مغرور آدمی سے راہ و رسم نہیں رکھ سکتا خواہ میرا بھائی ہی کیوں نہ ہو۔''

''آپ لوگوں کا بزنس شکوہ آباد میں بھی ہے۔'' فریدی نے سوال کیا۔

''ہماری ایک ٹمبر بھی ہے نا۔ اس کے لئے شکوہ آباد سے خام چمڑہ آتا ہے۔ اُسے جو چاہے سمجھ لیجئے۔ اسی حد تک بزنس ہے۔''

''شیر افگن صاحب کے کاروبار اور انکے متعلقین کے بارے میں بھی جاننا چاہتا ہوں۔''

''مویشیوں کی فارمنگ کرتے تھے خاصا بڑا کاروبار ہے۔ سرتا پا انسانیت میں ڈوبے ہوئے تھے اس لئے ایک ایسی بیوہ سے شادی کی تھی جس کے ایک جوان بیٹا بھی تھا۔ خود اُن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔''

''تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ اب وہی ماں بیٹے اُن کے کاروبار پر قابض ہوں گے۔''

''اگر ڈیڈی نے اپنا قانونی حق وصول نہ کرلیا تو لازماً اب وہی دونوں ان کی املاک کے مالک ہوں گے۔''

''لڑکا اُنہی کے ساتھ رہتا تھا۔''

''جی ہاں..... اور ہمیں ملنے والی اطلاعات کے مطابق وبال جان بھی تھا۔''

''وضاحت کیجئے؟''

''اول درجے کا آوارہ اور بدمعاش۔ ایئر فورس میں فلائیٹ لیفٹیننٹ تھا۔ وہاں بھی کچھ حرکت کی۔ نکالا گیا اور سزا بھی ہوئی۔''

''اوہ.....!''

''میں نے تو آج تک دیکھا بھی نہیں..... صرف نام سنا ہے۔''

''کیا نام ہے؟''

''نادر شجاع۔ شکوہ آباد کے بدنام افراد میں سے ہے۔ وہاں شیطان کی طرح مشہور ہے۔''

''شادی کب ہوئی تھی شیر افگن صاحب کی۔''

''یہی کوئی دس بارہ سال پہلے کی بات ہے۔''

حمید نے معنی خیز نظروں سے فریدی کی طرف دیکھا۔ اُسے فریدی کی سنائی ہوئی کہانی کا وہ حصہ یاد آ گیا جس میں چودہ سال پہلے کی کسی بیوہ کا ذکر تھا۔

''مس صوفیہ! اپنے ذہن پر زور دے کر اُس حملہ آور کے بارے میں بھی تو کچھ بتایئے۔'' فریدی نے کہا۔

''سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتی ہوں کہ ایک خاصا لمبا تڑنگا آدمی تھا اور ظاہر ہے کہ خاصا طاقتور بھی تھا۔ ورنہ ایک گھونسے میں.....!''

وہ جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہوگئی۔ پھر یک بیک چونک کر بولی۔ ''نادر ایئر فورس میں تھا۔ پیراشوٹ کے استعمال سے بخوبی واقف ہوگا۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ صوفیہ کے چہرے سے دبا ہوا سا جوش ظاہر ہو رہا تھا جیسے بہت دور کی کوڑی لانے پر اپنی ذہنی صلاحیت کی داد چاہتی ہو۔ لیکن فریدی نے موضوع سے ہٹتے ہوئے سوال کیا۔ ''راشد صاحب پر پہلی بار دل کا دورہ پڑا ہے۔''

''جی نہیں..... وہ مستقل طور پر دل کے مریض ہیں۔''

''اب شیر افگن صاحب کا پتہ بھی لکھوا دیجئے تاکہ اُنکے متعلقین کو اطلاع دی جا سکے۔''

''وہ تو میں لکھوا دوں گی لیکن یہ بتایئے کہ وہ آپ سے کیوں ملنے آئے تھے۔''

''یہی تو نہیں معلوم ہو سکا! پہلی ملاقات سرسری تھی۔ گفت و شنید کی دوسری ملاقات پر ٹھہری تھی۔ لیکن انہیں اس کا موقع نہ مل سکا۔''

صوفیہ نے حمید کو شیر افگن کا پتہ لکھوایا اور فریدی اُٹھتا ہوا بولا۔ ''اب اجازت دیجئے۔ میری طرف سے راشد صاحب کی مزاج پرسی کیجئے گا۔''

''ٹھہریئے! مجھے حملہ آور کے بارے میں کچھ اور بھی یاد آ رہا ہے۔''

''یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔''

''اُس کے پاس سے کچھ اس قسم کی بو آ رہی تھی جیسی چڑیا گھر میں بھیڑیوں کے کٹہرے کے آس پاس گونجتی رہتی ہے۔''

''اُوہ اچھا..... یہ ایک بہت ہی خاص علامت ہوئی۔ بہت بہت شکریہ۔ مس صوفیہ ذہن پر مزید زور دینے کی کوشش کیجئے گا۔''

''کیپٹن حمید صاحب مجھے بہت دنوں سے جانتے ہیں۔''

''اسی لئے تو آپکی گاڑی دیکھتے ہی پہچان لی تھی۔ ورنہ پتہ نہیں کہاں کہاں سر مارنا پڑتا۔''

''مجھے صرف ڈیڈی کی وجہ سے تشویش ہے۔ اُن کی صحت اس قسم کے ہیجان برداشت کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔''

''میں سمجھتا ہوں۔ آپ انہیں میری طرف سے اطمینان دلا دیجئے گا۔ ابھی تک تو ایسا ہوا نہیں کہ کوئی ناکردہ گناہ میرے ہاتھوں سزا کو پہنچا ہو۔''

''اب کدھر.....!'' حمید نے گاڑی میں بیٹھتے وقت پوچھا۔

''اب اُدھر..... جہاں تمہاری مرمت ہوگی۔'' فریدی نے کہا اور گاڑی حرکت میں آ گئی۔

''نادر شجاع والی بات قابل غور ہے۔'' حمید نے کہا۔

''کس حیثیت سے۔''

''وہ ایئر فورس میں تھا لہٰذا پیراشوٹ.....!''

''کافی ثبوت نہیں ہے۔ بہرحال اس پہلو سے بھی غور کیا جا سکتا ہے۔''

''اور پھر وہ بیوہ والی بات۔''

''اس نے تو کہا تھا کہ وہ چودہ سال پہلے کی کسی ایسی بیوہ سے واقف نہیں ہے جس پر شہر میں کوئی ستم ٹوٹا ہو۔''

''اگر یہ نادر شجاع اس کے بتائے ہوئے حلئے پر پورا اُترا تو۔''

''دیکھا جائے گا۔''

تھوڑی دیر بعد گاڑی ماڈل ٹاؤن کی ایک عمارت کے سامنے روکی تھی۔ حمید جانتا تھا کہ

وہ بھی اُنہی عمارتوں میں سے ہے جہاں فریدی کی ضرورت کا بہتیرا سامان رہتا تھا اور وہ گھریا دفتر سے رابطہ رکھے بغیر بھی اشد ضروری معاملات وہیں نپٹا دیتا تھا۔

''اب سرحد پار روانگی تک تمہارا قیام یہیں رہے گا۔'' فریدی نے عمارت کے اندر پہنچ کر کہا۔ ''یہیں میں تمہیں ہپی بناؤں گا۔''

''اتنی جلدی..... گناہ بخشوا لینے کی تو مہلت دی ہوتی۔''

''وقت کم ہے۔ تم قاسم کے پاس ہپی ہی کے میک اپ میں جاؤ۔ یہاں ایک انسٹینٹ کیمرہ بھی موجود ہے اُسے ساتھ لے جانا اور قاسم کی تصویریں اُتار لینا۔ پاسپورٹ اور ویزا کیلئے تمہاری تصویریں میں خود بنالوں گا اور کل صبح تک تمہیں پاسپورٹ اور ویزا مل جائیں گے۔''

''جیسی آپ کی مرضی۔''

''سرحد پار پہنچ کر جو کچھ کرنا ہوگا اس کے لئے تحریری ہدایات ملیں گی۔''

''اوکے باس۔''

قاسم کبھی کیدار بجانے کی کوشش کرتا اور کبھی سر پیٹنے لگتا کہ حمید کے چکر میں پڑ کر یہ کیا کر بیٹھا ہے۔ نہ گھر واپس جا سکتا تھا اور نہ ڈاڑھی صاف کرا سکتا تھا۔ ڈاڑھی اس لئے اب رکھنی ہی تھی کہ بیوی کو جلانے کے کام آئے گی اور گھر اس لئے نہیں جا سکتا تھا کہ ظالم باپ دو چار حجام ساتھ لے کر پہنچ جائے گا۔ اسی طرح بیٹھا جل کڑھ رہا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔

''قون ہے۔'' وہ بھنا کر دہاڑا۔

''روم سروس جناب۔''

''ارے باپ رے۔'' کہہ کر قاسم نے دونوں ہاتھوں سے کلیجہ دبا لیا پھر مردہ سی آواز میں بولا۔ ''آ جاؤ۔''

دروازہ کھول کر شریف اندر داخل ہوا۔

''لاؤں جناب۔'' اُس نے کہا۔

''نن نہیں.....ابھی نہیں.....میں اپنا چورن کا ڈبہ گھر بھول آیا ہوں۔'' قاسم نے بوکھلا کر کہا۔

''چورن کا ڈبہ۔'' شریف کے لہجے میں حیرت تھی۔

''اے ہاں۔'' قاسم کھسیانے انداز میں بولا۔''کبھی کبھی عورتوں کو دیکھ کر متلی بھی ہونے لگتی ہے اس لئے چورن کا ڈبہ۔''

''متلی.....!'' شریف ہنس کر بولا۔''ارے نہیں صاحب۔''

''قیا میں جھوٹ بول رہا ہوں۔'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا لیکن آپ جذبات کے ہیجان کو تو متلی نہیں سمجھتے۔''

''اے ہوتا ہوگا کچھ تم سے مطلب.....بس کہہ دیا جب چورن کا ڈبہ آجائے غا تب.....!''

''خیر.....سگریٹ تو نہیں چاہئیں۔''

''لاؤ.....دے دو۔'' قاسم جیب سے پرس نکالتا ہوا بولا۔

''اکٹھے دو پیکٹ لے لیجئے۔''

''دس بھی ہوں تو دے دو۔'' قاسم بگڑ کر بولا۔

''نہیں.....صرف دو ہی ہیں اس وقت۔''

قاسم نے دس دس کے چار نوٹ اُس کے ہاتھ پر رکھ دیئے اور اُس نے دو پیکٹ حوالے کرتے ہوئے کہا۔''جب چورن کا ڈبہ آجائے تو مجھے مطلع فرما دیجئے گا۔''

''پھر ما دوں گا.....اب جاؤ۔'' قاسم ہاتھ ہلا کر بولا۔

وہ چلا گیا۔لیکن تھوڑی دیر بعد پھر دستک ہوئی۔

''ابے اتنی جلدی قیسے آجائے گا ڈبہ۔'' قاسم جھلا کر دہاڑا۔لیکن دستک پھر ہوئی۔

''ہت تیرے کی۔'' قاسم بھنا کر اُٹھا اور دروازہ کھول کر کھڑا ہوگیا۔لیکن اس بار ایک ہپی دکھائی دیا۔

''مجھے کیپٹن حمید نے بھیجا ہے۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''اچھا.....اچھا.....آجاؤ۔'' قاسم جلدی سے پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

ہپی اُس کے کہے بغیر سامنے والی کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔''کوئی لونڈیا وونڈیا ساتھ نہیں ہے کیا۔''

''ہو جائے غی.....وہ بھی ہو جائے غی۔'' قاسم نے بڑے خلوص سے کہا۔''چرس پیو گے۔''

''یہ کیا بدتمیزی ہے۔'' ہپی نے آنکھیں نکالیں۔

''کک.....کیسی بدتمیزی۔'' قاسم بوکھلا گیا۔

''اتنی بدتمیزی سے اُن محترمہ کا نام لیتے ہو۔یوں پوچھو نور اُتارو گے حلق سے؟''

''ہی ہی ہی.....چلو یہی سہی۔'' کہہ کر قاسم نے تینوں پیکٹ نکالے اور اُس کے سامنے رکھ دیئے۔

ہپی نے اُسے غور سے دیکھا اور پیکٹ سے سگریٹ نکال کر سونگھنے لگا۔پھر آہستہ سے بولا۔''کیپٹن حمید نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ تم سچ مچ چرس پینے لگو۔''

''لانت ہے پینے والے پر.....وہ سالا روم سروس وال میرے سر تھوپ غیا ہے۔بیس بیس روپے کے پیکٹ۔''

''بس رکھے رہو۔پینا مت ورنہ سر نیچے ہوگا اور ٹانگیں اوپر۔''

''بہت اچھا.....لیقن حمید بھائی کہاں ہیں؟''

''وہ وہیں مل جائیں گے جہاں ہم دونوں کو جانا ہے!''

''قہاں جانا ہے۔''

''سرحد کے پار جہاں سے ہپیوں کے قافلے ادھر آتے ہیں۔''

''اچھا اچھا.....!''

''میں تمہاری تصویریں کھینچوں گا پاسپورٹ کے لئے۔''

''جرور جرور.....تو تم بھی ساتھ چلو گے۔''

''ہاں میں بھی ساتھ چلوں گا۔''

''تم بھی چرس نہیں پیتے۔''

''نہیں.....قطعی نہیں۔''

''اچھا اچھا سمجھ غیا.....تم بھی لونڈیائی ہپی ہو۔''

''یہ لونڈیائی کیا ہوتا ہے۔''

''صرف لونڈیوں والے ہی۔ چرس والے نہیں۔''

''بے فائدہ بکواس سے کیا حاصل..... یہ باتیں کہی نہیں جاتیں۔''

''بہت اچھا تم کھینچو تصویر۔ دیکھا جائے گا۔''

''ہپی نے اپنے تھیلے سے انسٹینٹ کیمرہ نکالا اور قاسم پوز دینے کی کوشش میں آزمنہ قدیم کا کوئی آدمی معلوم ہونے لگا۔''

ابھی یہ عمل جاری ہی تھا کہ دروازے پر پھر دستک ہوئی۔

''ابے اب قون ہے۔'' قاسم غرایا۔

''روم سروس جناب۔'' باہر سے آواز آئی۔ قاسم کچھ کہنے ہی والا تھا کہ نووارد ہپی نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور خود دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ پھر اس نے یکدم دروازہ کھولا تھا۔

ویٹر کے پیچھے ایک غیر ملکی ہپی لڑکی کھڑی نظر آئی۔ اُس کے لمبے اور سنہرے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ بڑی آنکھوں اور اُداس چہرے والی یہ سفید فام لڑکی بڑی دلکش لگ رہی تھی۔

اجنبی ہپی کو سامنے دیکھ کر شریف گڑبڑا گیا۔

''اُن صاحب کی فرمائش پر۔'' اس نے قاسم کی طرف انگلی اُٹھا کر کہا۔

''اندر آ جاؤ۔'' ہپی نے کہا۔ قاسم ہونقوں کی طرح منہ کھولے بیٹھا تھا۔

''چورن کے ڈبے کے بغیر بھی کام چلے گا صاحب۔'' شریف نے قاسم سے کہا اور اُس نے صرف منہ بند کر لیا اور ہپی کی طرف دیکھنے لگا۔

''سب ٹھیک ہے۔'' ہپی نے اُسے تشفی دی۔

''یہ بیچاری بالکل مفلس ہوگئی ہے۔'' شریف نے کہا۔ ''چرس اور پیٹ بھر کھانے کے علاوہ اور کچھ نہ چاہئے..... لیکن میرے پانچ سو روپے ہوئے اور ہوٹل کے ڈیڑھ سو۔''

''انجکشن تو نہیں لیتی۔'' ہپی نے پوچھا۔

''میں نہیں جانتا! خود پوچھ لیجئے۔''

ہپی نے انگلش میں لڑکی سے یہی سوال کیا اور اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ لیکن ہاتھ کے اشارے سے سگریٹ طلب کی تھی۔ حمید نے میز پر رکھے ہوئے پیکٹوں میں سے ایک اُٹھا کر اُسے تھما دیا اور اُس کے چہرے کی اُداسی یکلخت کافور ہوگئی۔ بڑے چاؤ سے ایک سگریٹ سلگا کر طویل کش لیا اور سگریٹ کے پیکٹ کو پیار سے دیکھنے لگی۔

''ادائیگی کر دو۔'' ہپی نے قاسم سے کہا۔

''لیقن چورن کا ڈبہ۔''

''لڑکی اپنا تھیلا فرش پر رکھ کر آرام کرسی پر نیم دراز ہوگئی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے چرس کے سگریٹ کے علاوہ اُسے اور کسی چیز کی پرواہ نہ ہو۔''

''کیسا چورن کا ڈبہ۔''

''جناب! یہ کہہ رہے تھے کہ عورتوں کو دیکھ کر کبھی کبھی متلی بھی ہونے لگتی ہے۔'' ویٹر نے کہا۔

''اس لئے گھر سے چورن کا ڈبہ منگوائے بغیر معاملے کی بات نہیں کریں گے۔''

ہپی کے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ قسم کی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ اُس نے قاسم کا شانہ تھپک کر کہا۔ ''چورن کا ڈبہ بھی آ جائے گا۔ تم ادائیگی کر دو۔''

قاسم نے ساڑھے چھ سو کے نوٹ نکالے اور ویٹر کو تھما دیئے۔ وہ اُسے فرشی سلام کرتا ہوا رخصت ہوگیا۔

''تم کہاں سے آئی ہو۔'' ہپی نے لڑکی سے سوال کیا۔

''ماں کے پیٹ سے۔'' اُس نے سگریٹ کے مشتعل سرے پر نظر جمائے ہوئے جواب دیا۔

''ہمارے ساتھ رہو گی۔''

''کیا مضائقہ ہے۔''

''ہم کل سرحد پار فلائی کریں گے۔''

''ضرور کرنا۔''

''مطلب ہے تم بھی چلو گی۔''

''کیوں نہ چلوں گی۔''

''تمہارا کوئی ساتھی بھی ہے۔''

''ماں کے پیٹ سے تنہا آئی تھی۔''

''یہ سالا ماں کے پیٹ قہاں سے نقل آیا ہے۔'' قاسم اردو میں بڑبڑایا۔

''پاسپورٹ ہے۔''

''ہے کیوں نہیں۔''

''نکالو.....ویزا بنواؤں گا۔''

اُس مے تھیلے میں ہاتھ ڈال کر پاسپورٹ نکالا اور ہپی کی طرف بڑھا دیا۔ سگریٹ ختم ہو چکا تھا اس لئے اُس نے اُن دونوں کی طرف بھی توجہ دی اور دونوں کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد بولی۔ ''تم دونوں بہت مالدار معلوم ہوتے ہو۔''

لیکن انہوں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔

پھر ہپی اُٹھتا ہوا بولا۔ ''میں شام تک واپس آؤں گا۔''

''اور یہ.....اور یہ۔'' قاسم ہکلا کر بولا۔

''میری واپسی تک یہیں رہے گی۔''

''چچ..... چورن کا ڈبہ۔''

''واپسی میں لیتا آؤں گا۔''

''ارے سنو تو۔'' قاسم بے بسی سے ہاتھ ہلا کر رہ گیا۔ کیونکہ وہ تو باہر نکل گیا تھا۔ آخر اُس نے تھوک نگل کر لڑکی کی طرف دیکھا جو اب تھیلے سے ایک کتاب نکال کر اُس میں محو ہوگئی تھی۔

قاسم نے پہلے تو دانت نکالے پھر سختی سے ہونٹ بھینچ کر بیٹھ گیا۔ لڑکی کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہاں کسی دوسرے کی موجودگی کا احساس ہی نہ ہو۔

قاسم اُٹھ کر فون پر روم سروس کو للکارنے لگا۔ ''شریف کو بلاؤ۔''

''جی صاحب! میں ہی بول رہا ہوں۔''

''بس لونڈیا پکڑا کر چلتے بنے..... مجھے بھوخ لگی ہے۔ دو مسلم رانیں ڈبل بکرے والی اور ایک بڑا والا چکن فرائی۔''

''بہت بہتر جناب.....ابھی حاضر کرتا ہوں۔''

قاسم ریسیور رکھ کر مڑا تو لڑکی بولی۔ ''مجھے نروان کی تلاش ہے۔''

''ضرور مل جائے گا۔'' اُس نے کہا۔

قاسم انگریزی روانی سے بول سکتا تھا لیکن اُردو حلق میں پھنسنے لگتی تھی۔ انگریزی کا تلفظ بھی صحیح کرتا تھا اور یہ کوئی انوکھی بات بھی نہیں تھی۔ بہتیرے ایسے ہیں کہ انگریزی میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوتے ہیں لیکن اُردو ان کا بیڑہ غرق کر دیتی ہے۔ بعض اچھے مقرروں میں بھی کئی اردو کے مارے ہوئے نظر آ جائیں گے۔ بیچارے کہنا کچھ چاہتے ہیں لیکن زبان سے کچھ نکلتا ہے اور عوام جو زیادہ تر باتوں کے رسیا ہوتے ہیں کبھی تو محظوظ ہوتے اور کبھی دوڑا لیتے ہیں۔

تو بے چارہ قاسم بھی اس بپتا کا مارا ہوا تھا۔ بچپن ایسے بچوں میں گزرا تھا جو ''پتا چلا'' کو ''معلوم چلا'' بولتے تھے اور گھر پر باوا جان ''تلفظ'' کے معاملے میں ہلاکو خان بن جاتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے تو گھر اور باہر کی اردو گڈمڈ ہوئی اور پھر ڈنڈے خان نے تلفظ کی بھی ایسی کی تیسی کر کے رکھ دی۔ ظاہر ہے کہ ایسے میں ذہنی نشوونما تو ماری ہی جاتی ہے۔

بہرحال یہ تھے قاسم صاحب۔

''تم نروان کے بارے میں کیا جانتے ہو۔'' لڑکی نے پوچھا۔

''اچھا خاصا ہوتا ہے۔''

''تم کچھ بھی نہیں جانتے۔''

قاسم خاموش ہی رہا۔ دل کی دھڑکن تیز ہوگئی تھی اور تالو خشک ہوا جا رہا تھا۔

لڑکی نے پیکٹ سے دوسرا سگریٹ نکالا اور اُسے سلگانے لگی۔ قاسم گم سم بیٹھا دیکھتا رہا۔ اُسے یہ لڑکی کچھ عجیب سی لگ رہی تھی۔ روایتی لونڈیا تو بالکل نہیں معلوم ہوتی تھی۔

''آخر مقصد کیا ہے۔'' اُس نے کش لے کر کہا۔

''کس کا مقصد.....!'' قاسم تھوک نگل کر بولا۔

''اسی کا۔'' اُس نے اشارے سے قاسم کا سراپا ناپتے ہوئے کہا۔

قاسم نے سوچا مُرے پھنسے۔ یہ سالا حمید کا بھیجا ہوا ہپی بھی ایک ہی حرامزادہ نکلا۔ اس دُبال کو اُس کے سر مار کر خود چلتا بنا۔ سالے نے چورن کے ڈبے والی بھی نہ سنی۔ ابے حمید

سالے کمینے۔ خدا تجھے غارت کرے۔ گھر پر بیٹھے بھی جان جلائے جا رہا ہے۔

''تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔'' لڑکی پھر بولی۔

''مجھے بھوک لگی ہے۔''

''بھوک تو مجھے بھی لگی ہے۔''

''میں نے تمہارے لئے مرغ مسلم منگوایا ہے۔''

''مرغ ہو یا اُبلے ہوئے آلو ہوں۔ میرے لئے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پیٹ بھرنے سے مطلب!''

قاسم نے سوچا تب تو سستی پڑی ہے۔ مگر سالی ساٹھ روپے کی چرس اکیلے اکیلے پی جائے گی۔

''اچھا تو تب تک گیٹار ہی سناؤ۔''

''تمہارے پلے نہیں پڑے گی۔ انگلش دھنیں نہیں بجا سکتا۔''

''اپنی ہی سناؤ۔''

قاسم نے بوکھلا کر گیٹار پر ہاتھ مارا۔ اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی اور دونوں اس طرف متوجہ ہو گئے۔ ویٹر نے خود ہی دروازہ کھولا اور کھانے کی ٹرالی دھکیلتا ہوا اندر داخل ہوا۔

دو مسلم رانیں اور ایک مرغ دیکھ کر لڑکی بولی۔ ''یہ کتنے افراد کا کھانا ہے۔''

''میرا اور تمہارا۔''

''میرے لئے بس مرغ کی ایک ٹانگ کافی ہوگی اور تم اتنا کھاؤ گے۔''

''ہاں کچھ سہارا ہو جائے گا۔ ابھی لنچ کا وقت ہی کہاں ہوا ہے۔'' قاسم نے کہا اور پھر ویٹر پر غرایا۔ ''تم کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو دھپا ہو جاؤ۔''

وہ چلا گیا۔ قاسم نے ایک ران اُٹھائی اور ادھیڑنے لگا۔

''تم میری سمجھ میں نہیں آئے۔'' لڑکی نے حیرت سے کہا۔

''کھاؤ..... کھاؤ..... مجھے سمجھ کر کیا کرو گی۔''

''ہاں اور کیا..... بقیہ دنیا کب سمجھ میں آئی ہے۔'' لڑکی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ اور چھری سے مرغ کی ٹانگ کاٹنے لگی۔

''تمہارا نام کیا ہے۔'' قاسم نے ڈرتے ڈرتے پہلا سوال کیا۔

''کارسیکا..... تم سکی کہہ سکتے ہو اور تمہارا نام۔''

''قاسم.....!''

''اچھا نام ہے۔ ویسے تم صرف دیکھنے ہی میں دیو نہیں ہو، دیوؤں کی طرح کھاتے بھی ہو۔''

''اتنے میں پیٹ نہیں بھرے گا..... دوسروں کے سامنے کھاتے ہوئے شرماتا ہوں۔ اس لئے تھوڑا سا منگوایا ہے۔''

''یہ تھوڑا سا ہے۔'' وہ مرغ کی ٹانگ پلیٹ میں رکھ کر کھڑی ہو گئی۔

''بیٹھو..... بیٹھو..... کیوں پریشان ہو رہی ہو۔''

''پریشان ہو رہی ہوں۔ ارے میں پاگل ہو جاؤں گی۔''

''نہیں ہو گی۔ بیٹھ جاؤ..... میرے پاس بہت رقم ہے۔ تمہارا بھی کام چلے گا اور میرا بھی۔''

وہ بیٹھ گئی لیکن حیرت سے قاسم کو دیکھتی رہی۔ مرغ کی ٹانگ بھی نہیں اٹھائی تھی۔

شکوہ آباد کے ایس پی کا دفتر کیا تھا اچھا خاصا نگار خانہ تھا۔ دیواروں پر نادر قسم کی پینٹنگز آویزاں تھیں اور جگہ جگہ نوادرات رکھے ہوئے تھے۔ لیکن خود ایس پی شہباز آرٹسٹ کی بجائے پہلوان لگتا تھا۔

چڑھی ہوئی گھنی مونچھیں، سرخ سرخ آنکھیں۔ پیشانی کی سلوٹیں کسی وقت بھی معدوم نہ ہوتیں۔ اچھے اچھے مقرر بھی اُس کی شکل دیکھتے ہی ہکلانے لگتے تھے۔

اس وقت شکوہ آباد کا ایک معزز آدمی اس کے سامنے دم بخود بیٹھا تھا اور شہباز اُسے اس طرح گھور رہا تھا جیسے کچا چبا جائے گا۔

دفعتاً اس نے کہا۔ ''مجھے ابھی تک اپنی بات کا جواب نہیں ملا ناصر خان۔''

''میں کیا کہوں۔ علاوہ اس کے کہ میرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔''

''میرے پاس اس کا واضح ثبوت موجود ہے کہ تم نے ایک ہفتہ پہلے شیر افگن کو دھمکیاں

دی تھیں۔"

"مجھے اس سے کب انکار ہے۔ لیکن اُس کے قتل میں میرا ہاتھ ہرگز نہیں ہے۔"

"کس بات پر جھگڑا ہوا تھا۔"

"اُس کے فارم کے تین مویشی غائب ہو گئے تھے اور وہ چوری کا الزام میرے ملازموں پر رکھ رہا تھا۔"

"اور تم آپے سے باہر ہو گئے۔"

"کیا میں اتنا کم حیثیت ہوں کہ مویشی چوری کراؤں گا۔"

"تمہارا بڑا بیٹا ایئر فورس میں ہے نا۔"

"جی ہاں۔"

"یعنی پیراشوٹ کے استعمال سے کما حقہ واقف ہے۔"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔"

"وہی جو تم سمجھ رہے ہو۔"

"میں کچھ بھی نہیں سمجھ رہا۔"

"خیر..... خیر..... تمہارا بیٹا آج کل چھٹی پر آیا ہوا ہے۔"

"آیا تھا..... اپنی نانہال گیا ہوا ہے۔"

"یعنی یہاں موجود نہیں ہے۔ خیر..... مجھ سے یہ بات چھپی نہ رہ سکے گی کہ وہ شیر افگن کے قتل والے دن بھی نانہال میں تھا یا کہیں اور۔"

"آپ ضرور معلوم کیجئے۔"

"معلوم کر چکا ہوں ناصر خان۔" شہباز نے طنزیہ لہجے میں کہا اور میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ اردلی دفتر میں داخل ہوا۔

"انسپکٹر نعیم کو بھیج دو۔" شہباز نے اُس کی طرف دیکھے بغیر کہا اور وہ چلا گیا۔

"کیا وہ وہاں موجود نہیں ہے۔" ناصر خان نے مردہ سی آواز میں پوچھا۔

"ابھی معلوم ہو جائے گا۔" شہباز نے کہا اور بُرا سا منہ بنائے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

اتنے میں ایک سب انسپکٹر نے دفتر میں داخل ہو کر سلیوٹ کیا۔

"انسپکٹر..... تم علی آباد گئے تھے۔ کیا معلوم کیا.....؟"

"لیفٹیننٹ داور نے وہاں صرف ایک دن قیام کیا تھا۔"

"اس کے بعد کہاں گیا۔"

"اُن کے نانا نے اُس سے لاعلمی ظاہر کی تھی۔"

"بس جاؤ۔"

سب انسپکٹر چلا گیا اور شہباز سفاک سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "اب کیا کہتے ہو۔"

"آپ اگر اس طرح الجھانا چاہتے ہیں تو یونہی سہی۔"

"بہرحال تم انکار ہی کرتے رہو گے۔"

"آپ مجھ سے کسی ایسی بات کا اعتراف نہیں کرا سکتے جس کا تعلق مجھ سے نہ ہو۔"

"میں نے کہا تھا بتاؤ داور کہاں ہے۔"

"میں نہیں جانتا، اگر وہ علی آباد میں نہیں ہے۔"

"مجھے تم سے کوئی اعتراف نہیں کرانا۔ اعتراف تو داور کرے گا۔ مجھے اُس کا پتا بتاؤ۔"

"میں نے کہہ دیا کہ میں نہیں جانتا۔ سیلانی طبیعت کا مالک ہے۔ چھٹیوں میں کہیں ٹک کر نہیں بیٹھتا۔"

"مجھے تشدد پر مجبور نہ کرو ناصر خان۔"

"میں بھی پٹھان ہوں شہباز خان۔ مجھے دھمکی نہ دو۔"

"یہ بات ہے۔" شہباز میز پر جھک کر اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "ایک مفرور قاتل کی پردہ پوشی بھی کرو گے اور آنکھیں بھی دکھاؤ گے۔"

ناصر خان نے سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔ شاید اس لئے کہ کہیں کچھ اور بھی زبان سے نہ نکل جائے۔

شہباز خان نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی اور اردلی پھر اندر داخل ہوا۔

"فلائینگ اسکواڈ کے جوانوں کو بھیج دو۔" ایس پی نے اُس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

اردلی چلا گیا اور شہباز ناصر خان کی طرف سے منہ پھیرے بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر بعد دو

قوی ہیکل جوانوں نے اندر داخل ہو کر اُسے سلیوٹ کیا۔

''خان ناصر خان کو تفریح کراؤ اور پھر گھر چھوڑ آؤ۔'' شہباز نے ان سے کہا۔

''تت تفریح کا کیا مطلب.....!'' ناصر خان آہستہ سے بولا۔

''تفریح کا مطلب تفریح ہے خان۔ مجھے تم نے بہت دیر سے بتایا کہ تم بھی پٹھان ہو۔ لہٰذا اب تمہارے شایان شان برتاؤ کیا جائے گا۔''

''خدا شاہد ہے میں نہیں جانتا کہ داور کہاں ہے۔''

''تمہیں اس سے اس کے بیٹے داور کا پتا معلوم کرنا ہے۔'' شہباز نے دونوں جوانوں سے سرد لہجے میں کہا۔

دونوں آگے بڑھے اور ناصر خان کو کھینچ کر کرسی سے اُٹھا دیا۔

''یہ ظلم ہے۔'' ناصر بے بسی سے چیخا۔ معمر آدمی تھا۔ اُن نوجوانوں سے طاقت آزمائی کی تاب نہیں رکھتا تھا۔

دونوں اُسے گھسیٹتے ہوئے باہر لائے اور ایک جیپ پر بٹھا دیا اور خود بھی اُچھل اُچھل کر اُس کے دونوں اطراف میں بیٹھ گئے۔ تیسرا جوان اسٹیرنگ پر تھا۔ اس نے انجن اسٹارٹ کیا اور جیپ حرکت میں آ گئی۔

''تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔'' ناصر نے اُس سے سوال کیا۔

''چپکے بیٹھے رہو۔'' ایک جوان اُس کے پہلو میں کہنی مار کر بولا۔

جیپ ایک ویران سڑک پر آ نکلی تھی اور اُس کا رخ ویرانے ہی کی طرف تھا۔

ناصر خان سختی سے ہونٹ بھینچے بیٹھا رہا۔ اُس کا چہرہ زرد ہو گیا تھا اور آنکھوں سے ذہنی انتشار کی سی کیفیت ظاہر ہو رہی تھی۔

کئی میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد جیپ نے پختہ سڑک چھوڑ دی اور بائیں جانب کچے میں اُتر گئی۔ یہ ایک چھوٹا سا میدان تھا جس پر چھوٹے چھوٹے نکیلے پتھر بچھے ہوئے تھے۔

جیپ رک گئی اور ناصر خان سے اُترنے کو کہا گیا۔

''یہ تم لوگ مجھے کہاں لائے ہو۔'' ناصر خان نے گھٹی گھٹی سی آواز میں پوچھا۔

''تفریح کے لئے خان۔'' ایک جوان ہنس کر بولا۔

''ہاں یہ بہت بڑا خان ہے۔ اسلئے تفریح بھی بہت بڑی ہونی چاہئے۔'' دوسرا بولا۔

ڈرائیور نے اپنے پیروں کے قریب پڑا ہوا رسی کا لچھا اُٹھایا اور زمین پر ڈال دیا۔

''یہ..... یہ کیا ہے۔'' ناصر خان بدقت بولا۔

''ابھی دیکھ ہی لو گے خان۔ ورنہ بہتر یہی ہوگا کہ اپنے بیٹے کا پتہ بتا دو۔''

''تم لوگ تو میری بات کا یقین کرو۔ میں نہیں جانتا۔''

''فکر نہ کرو۔ ہمیں روزانہ ایسے لوگوں سے نپٹنا پڑتا ہے جو کچھ نہیں جانتے لیکن پھر انہیں سب کچھ یاد آ جاتا ہے۔''

''اللہ دیکھنے والا اور سننے والا ہے۔'' ناصر خان کراہا۔ اُس کے ہونٹ کانپ رہے تھے اور آنکھیں دھندلی پڑ گئی تھیں۔

ایک جوان رسی کا لچھا کھولنے لگا اور دوسرے نے ناصر خان سے کہا۔ ''اب بھی بہتر ہے بتا دو۔ ورنہ تمہاری چیخیں اس ویرانے میں گونجتی رہیں گی۔''

''اگر جانتا ہوتا تو ضرور بتا دیتا۔ یقین کرو۔ اگر اُس نے قتل کیا ہے تو میں اُسے تلاش کر کے قانون کے حوالے کر دوں گا۔''

''تم کہاں تکلیف کرو گے۔ بس ہمیں بتا دو۔ اتنا ہی کافی ہے۔''

''میں کس طرح تمہیں اپنی لاعلمی کا یقین دلاؤں۔''

''کوشش کرو۔''

''وقت نہ برباد کرو یار و تفریح شروع کر دو۔'' ڈرائیور نے کہا۔ وہ سیٹ سے نہیں اُترا تھا۔

دفعتاً ایک نے ناصر خان کو زمین پر پچھاڑ دیا اور دوسرا رسی سے اُس کے دونوں ہاتھ باندھنے لگا۔

''یہ کیا کر رہے ہو۔'' ناصر خان حلق کے بل چیخا۔

''ابھی معلوم ہو جائے گا۔''

اُس کے دونوں ہاتھ باندھ دیئے گئے اور رسی کا دوسرا سرا جیپ کے پچھلے حصے سے باندھتے ہوئے اُس جوان نے کہا۔ ''میں نے سنا ہے خان کہ تمہارا باپ بڑا جابر آدمی تھا۔''

''میرا باپ جابر تھا۔ میرا بیٹا قاتل ہے۔ لیکن میں نے کیا کیا ہے۔''

''یہ ایس پی صاحب جانیں۔ ہم تو حکم کے بندے ہیں۔''

دفعتاً جیپ اسٹارٹ ہوئی اور آہستہ آہستہ چلنے لگی۔ ناصر خان نکیلے پتھروں پر اوندھا پڑا ہوا اُس کے ساتھ خاموشی سے گھسٹ رہا تھا۔ دونوں جوان قہقہے لگا رہے تھے۔

''یہ ظلم ہے۔'' ناصر خان چیخا اور ان کے قہقہے پہلے سے زیادہ بلند آہنگ ہو گئے۔

ٹھیک اسی وقت ایک لینڈ روور سڑک پر رکی اور اُس پر سے تین آدمی اُتر کر میدان کی طرف بڑھنے لگے۔ جیپ میدان میں چکر لگا رہی تھی۔

دونوں جوان نو واردوں کی طرف متوجہ ہو گئے اور ایک نے کڑک کر کہا۔

''اِدھر آنے کی اجازت نہیں ہے۔''

لیکن وہ بڑھتے ہی چلے آئے۔ ان میں سے ایک بہت وجیہہ تھا اور انتہائی توانا معلوم ہوتا تھا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے۔'' اُس نے اُن کے قریب پہنچ کر پوچھا۔

''تم سے مطلب..... اپنا راستہ لو۔ شاید اِدھر کے نہیں معلوم ہوتے۔''

''ہم سیاح ہیں..... لیکن..... یہ کیا ہو رہا ہے۔ اس سے کہو کہ گاڑی روک دے۔''

''تم لاٹ گورنر ہو۔ چلو یہاں سے ورنہ بٹ رسید کروں گا۔'' وہ رائفل کندہ اُٹھا کر بولا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں اجنبی کے دونوں ساتھیوں نے ریوالور نکال لئے۔

''تم دونوں اپنی رائفلیں زمین پر ڈال دو ورنہ ختم کر دیئے جاؤ گے۔'' اجنبی نے بڑی نرمی سے کہا۔

اُن دونوں نے بوکھلا کر رائفلیں زمین پر ڈال دیں۔ شاید اس کے لئے تیار نہیں تھے۔ اضطراری طور پر رائفلیں ان کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی تھیں۔

اجنبی آہستہ آہستہ چلنے والی جیپ کی طرف بڑھا۔ ڈرائیور نے شاید اس نئے وقوعے کو دیکھ لیا تھا، اُس نے جیپ روک دی اور نیچے اُتر آیا۔ یہ بھی باوردی تھا۔

''اسے کھولو۔'' اجنبی نے ناصر خان کی طرف اشارہ کیا جس کا چہرہ لہولہان ہو رہا تھا اور وہ سر اُٹھائے انہیں اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے صرف دیکھ ہی رہا ہو۔ کچھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت باقی نہ رہی ہو۔

''کون ہو تم حکم دینے والے۔'' ڈرائیور غرایا۔

''میں کوئی بھی ہوں۔ لیکن وہی کرو جو کہہ رہا ہوں۔''

''جانتے ہو کس کے حکم سے ہو رہا ہے۔''

''میں نہیں جاننا چاہتا۔ ویسے تمہاری وردیاں دیکھ رہا ہوں۔''

''تو پھر.....؟''

''اسے فوراً کھول دو۔ ورنہ یہی حشر تمہارا کروں گا۔''

''اخاہ.....!'' کہہ کر وہ اجنبی پر جھپٹ پڑا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کا بایاں جبڑا ہل کر رہ گیا۔ ایسا ہی زوردار ہاتھ پڑا تھا۔

اُدھر اُن دونوں نے چیخنا شروع کر دیا۔ ایک کہہ رہا تھا۔ ''تم لوگ زندہ نہیں بچو گے۔ ایس پی صاحب تمہیں کتوں سے نچوا ڈالیں گے۔''

اجنبی کا مقابل پھر اُٹھا اور حملہ کرنے کی کوشش کی۔ اس بار اُس کی داہنی پنڈلی پر ٹھوکر پڑی تھی اور وہ منہ کے بل نیچے چلا آیا تھا۔ اجنبی کے دونوں ساتھیوں میں سے ایک انہیں کور کئے کھڑا رہا اور دوسرا جیپ کی طرف بڑھ آیا۔

''اسے کھولو۔'' اجنبی نے اپنے ساتھی سے کہا۔

ڈرائیور دونوں ہاتھوں سے پنڈلی دبائے بیٹھا مغلظات اُگل رہا تھا۔ ایس پی کا نام لے رہا تھا۔

اجنبی کے ساتھی نے ناصر خان کے ہاتھ کھولے اور اُسے زمین سے اُٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔ ناصر خان بظاہر ہوش میں تھا لیکن اس کی آنکھیں عجیب سی لگ رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ہر قسم کے احساس سے عاری ہو۔

''گاڑی میں لے جاؤ..... اور اس سے کہو کہ ان دونوں کو اِدھر لائے۔ رائفلوں پر قبضہ کر لو۔'' اجنبی نے اپنے ساتھی سے کہا۔

وہ ناصر خان کو سہارا دیئے ہوئے سڑک کی جانب چل پڑا۔

''تم زندہ نہیں رہو گے..... رات نہیں گزار سکتے۔'' ڈرائیور اجنبی سے کہہ رہا تھا۔

وہ کچھ نہ بولا۔ اُس کا دوسرا ساتھی اُن دونوں کو بھی وہیں لے آیا اور ان میں سے ایک

بولا۔ ''تم سرکاری معاملات میں مداخلت کر رہے ہو بھگتو گے۔''

''اب آپ تینوں اپنی پیٹیاں بھی کھول کر ہمارے حوالے کر دو۔''

''تم آخر ہو کون۔''

''سرکاری معاملات تم سے زیادہ سمجھنے والا۔''

''کیا تم نے ایس پی شہباز کا نام نہیں سنا۔''

''اُس کی سات پشتوں سے واقف ہوں۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔ پیٹیاں کھول دو ورنہ تمہیں تشدد کی ایک نئی قسم سے دوچار ہونا پڑے گا۔ تین گولیاں تمہاری رانوں میں پیوست ہو جائیں گی اور تم پیدل بھی شہباز تک نہیں پہنچ سکو گے۔''

انہیں کمر سے پیٹیاں کھولنی پڑی تھیں۔ اجنبی نے اپنے ساتھی کے ہاتھ سے ریوالور لے کر کہا۔ ''اب تم جیپ کے چاروں پہیوں کی ہوا نکال دو۔''

وہ تینوں بڑی بڑی قسمیں کھاتے رہے تھے۔ دھمکیاں دیتے رہے تھے لیکن انہیں اس انداز میں بے بس کر دیا گیا تھا کہ وہ تعاقب کرنے کے قابل نہ رہ جائیں۔

ناصر خان لینڈ روور کی سیٹ پر پڑا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ اجنبی نے اُسے آوازیں دیں اور وہ آنکھیں کھول کر آہستہ سے بولا۔ ''آپ نے بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے جناب۔''

''آپ کون ہیں..... اور یہ سب کیا ہو رہا تھا۔'' اجنبی نے پوچھا۔

لیکن وہ اُس کے سوال کا جواب دینے کی بجائے بولا۔ ''جب اُسے یہ معلوم ہوگا تو میرے متعلقین کی شامت آ جائے گی۔''

''آپ کے متعلقین کہاں ہیں۔''

''یہیں شکوہ آباد میں۔ میرا نام ناصر خان ہے اور یہاں گم نام نہیں ہوں..... شمشاد محل میں رہائش ہے۔''

''اوہ..... شمشاد محل والے ناصر خان..... خان محی الدین کے بیٹے۔''

''جی ہاں۔''

''تو شہباز اس حد تک بڑھ چکا ہے۔''

''کسی کی بھی پگڑی سلامت نہیں ہے۔''

''لیکن بات کیا تھی۔'' اجنبی نے پوچھا۔

''وہ دارالحکومت میں ہونے والے ایک قتل کو میرے بیٹے کے سر منڈھنا چاہتا ہے۔ محض اس لئے کہ ایک ہفتہ قبل مقتول سے میری کسی قدر تلخ کلامی ہو گئی تھی ..... وہ اپنے مویشیوں کی چوری کا الزام میرے ملازموں پر رکھ رہا تھا۔''

''آپ کے بیٹے پر شبہے کی وجہ بھی بتائی ہوگی۔''

''شاید آپ نے بھی اخبارات میں پڑھا ہو دارالحکومت کے اُس قتل کے بارے میں۔ قاتل نے فرار کے لئے پیراشوٹ استعمال کیا تھا۔''

''جی ہاں..... مجھے یاد ہے۔''

''میرا بیٹا ایئر فورس سے تعلق رکھتا ہے۔ فلائٹ لیفٹیننٹ ہے۔ ان دنوں چھٹیوں پر آیا ہوا تھا۔ اپنے ننہال چلا گیا تھا۔ علی آباد۔ وہاں سے کہیں اور چلا گیا..... سیلانی طبیعت کا مالک ہے۔ کبھی کبھی کسی کو اطلاع دیئے بغیر جدھر منہ اُٹھتا ہے چل دیتا ہے۔ بہرحال شہباز کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق وہ علی آباد میں صرف ایک دن ٹھہرا۔ پھر کہیں اور چلا گیا۔ شہباز مجھ سے اُس کا پتا پوچھ رہا تھا۔ اس کے لئے اُس نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا۔''

''میں آپ کو شمشاد محل لئے چل رہا ہوں۔ بے فکر رہئے۔ وہ آپ کے متعلقین کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ حیرت ہے کہ اُس نے مقتول کی بیوی کے بیٹے پر شبہ کیوں نہیں کیا۔ وہ بھی تو ایئر فورس کا نکالا ہوا ہے۔''

ناصر خان اُٹھ بیٹھا اور اجنبی کو غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ ''آپ کون ہیں جناب۔''

''آپ آرام سے لیٹے رہئے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے زخموں کیلئے فی الحال کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ گھر ہی پہنچ کر بات بنے گی۔''

ناصر خان لیٹ گیا۔ لیکن اُس کی نظر اجنبی کے چہرے ہی پر جمی ہوئی تھی۔ آخر اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے پہلے بھی کہیں آپ کو دیکھا ہو۔''

''مجھے بھی شرمندگی ہے کہ میں پہلی ہی نظر میں آپ کو نہ پہچان سکا۔''

''آپ کون ہیں۔''

''میرا نام احمد کمال فریدی ہے..... اٹھارہ سال کی عمر تھی میری جب شمشاد محل میں کچھ

دنوں کے لئے میرا قیام ہوا تھا۔ خان محی الدین اور میرے باپ اچھے دوست تھے۔''

''میرے خدا۔'' ناصر خان پھر اُٹھ بیٹھا اور کانپتے ہوئے ہاتھ سے فریدی کا بازو پکڑ کر بولا۔ ''آپ کرنل فریدی تو نہیں ہیں..... نواب عزیز الدین خان کے بیٹے۔''

''مجھے افسوس ہے کہ ایسے حالات میں ملاقات ہوئی۔''

''میں اللہ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اس طرح ذلیل کر رہا ہے وہ شریفوں کو۔''

''بے فکر رہئے۔ فرعونیت کی عمر تھوڑی ہوتی ہے۔''

''وہ یہاں کا شہنشاہ ہے۔ اس کے خلاف کچھ بھی کہئے اوپر والوں کے کانوں پر جوں نہیں رینگتی۔''

''بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے۔ لیکن آدمی آدمی ہی رہے گا خدا نہیں بن سکتا۔''

''کرنل صاحب! اس وقت میں سب کچھ بھول گیا ہوں۔ یقین کیجئے اب زخموں کی تکلیف بھی نہیں محسوس ہو رہی۔''

''شیر افگن کا قتل دارالحکومت میں ہوا تھا۔ اُس کی تفتیش میں کر رہا ہوں۔ اب شہباز مداخلت نہیں کر سکے گا۔''

''جلدی کیجئے کہیں اُس کے شکاری کتے ہم سے پہلے نہ پہنچ جائیں۔''

''فکر نہ کیجئے! اُن تینوں کو پیدل جانا پڑے گا اگر کسی سے لفٹ نہ مل گئی۔ میں نے جیپ کے وائرلیس کو بھی ناکارہ کر دیا تھا۔''

وہ سرحد پار بھی پہنچ گئے۔ لیکن حمید نے خود کو قاسم پر ظاہر نہیں کیا۔ بدستور اُس کے لئے اجنبی بنا رہا۔ ہپی لڑکی کارسیکا ان کے ساتھ تھی۔ خاصی ذہین اور پڑھی لکھی ثابت ہوئی تھی۔ روانگی سے قبل اس نے جس قسم کی کتابیں خریدی تھیں اس سے حمید نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ سچ مچ نروان ہی کی تلاش میں ہے۔ بہت کم گفتگو کرتی تھی زیادہ تر پڑھتی رہتی تھی یا چرس کے

سگریٹ پیتی تھی۔

حمید بھی دھواں اڑاتا رہتا۔ سگریٹ خود رول کر کے پیتا تھا۔ اس کی ضرورت یوں پیش آئی تھی کہ تمباکو فریدی نے فراہم کیا تھا جس کے دھوئیں سے چرس کی بو آتی تھی۔ لیکن وہ چرس کے اثرات نہیں رکھتا تھا۔

انہوں نے تیسرے درجے کے ایک ہوٹل میں قیام کیا۔ کیونکہ وہاں کچھ ہپی بھی مقیم تھے۔

''حمید بھائی کب آئیں گے۔'' قاسم نے حمید ہی سے پوچھا۔

''آئیں یا جہنم میں جائیں۔ مجھے پرواہ نہیں۔'' جواب ملا۔

''قیا مطلب.....؟'' قاسم نے آنکھیں نکالیں اور پھر یک بیک چونک کر بولا۔

''ہاں یہ تم نے پاسپورٹ پر میرا نام قو خان کیوں لکھوایا ہے۔''

''اور پھر کیا لکھواتا۔''

''کیا میں تمہیں قو لگتا ہوں۔''

''تم تو قو کے بھی قو قو لگتے ہو۔''

''اے تم خود قو قو بلکہ قی قی۔''

''میری فکر نہ کرو۔''

''تم آخر ہو قون.....؟''

''قراقا خان.....!''

''سب سالے قاف ہی سے ہیں۔ تو پھر لونڈیا کا نام قلفی قیوں نہیں رکھ دیا تھا۔''

''قلفی سے بھی زیادہ ٹھنڈی معلوم ہوتی ہے۔'' حمید سرد آہ بھر کر بولا۔

''سب تمہاری بیوقوفی سے ہوا ہے..... سالی یا تو پڑھتی رہتی ہے یا اُوٹ پٹانگ باتیں قرتی ہے۔ ہونہہ نروان..... مگر یار یہ نروان ہوتا قیا ہے۔''

''ہندی کا لفظ ہے..... بمعنی نجات.....!''

''کس سے نجات۔''

''ہوگی کسی سے۔ میں نہیں جانتا۔ لیکن جسے تم مل جاؤ اس کی ہوگئی نجات۔''

''قیا مطلب.....؟''

''حمید صاحب کہہ رہے تھے کہ تمہاری بیوی کی بھی نجات ہوگئی ہے۔''

''خبردار جو میری بیوی کا نام لیا۔ گدی سے زبان کھینچ لوں گا اور حمید کی تو۔''

اتنی خوفناک گالی تھی کہ حمید کو پسینہ آ گیا۔ لیکن کیا کرتا۔ سننی ہی پڑی کیونکہ قراقا خان تھا۔ پھر بھی دبی زبان سے بولا۔

''اتنے اچھے دوست کو اس طرح ذلیل نہ کرو۔''

''اور وہ سالا میری بیوی کو نجات کراتا پھرے۔'' قاسم آپے سے باہر ہوا جا رہا تھا۔

''تم لوگ اتنا شور کیوں مچاتے ہو۔'' سکی نے کہا جو سامنے ہی اسٹول پر بیٹھی ہوئی کتاب دیکھ رہی تھی۔

''بتا دوں کہ قوخان کی بیوی کا قصہ ہے۔'' حمید نے آہستہ سے قاسم سے پوچھا اور قاسم بوکھلا کر بولا۔ ''نہیں اس کی کیا جرورت ہے۔ ہرگز نہیں..... بیوی کا نام بھی لیا تو اُٹھا کر پٹخ دوں گا۔''

''شور اس لئے مچاتے ہیں کہ نروان کے علاوہ ہم بھی ہیں اس دنیا میں۔'' حمید نے سکی سے کہا۔

''اچھا تو پھر.....!''

''نروان کتابوں کے ذریعے نہیں ملتا۔ آخر تم کس سے نجات چاہتی ہو۔''

''دکھوں سے۔''

''لیکن کتابیں تو اور زیادہ دکھی کر دیتی ہیں۔''

''سب کتابیں نہیں۔ ذرا اسے تو پڑھ کر دیکھو۔''

''کیا ہے اس میں؟''

''کیا نہیں ہے؟''

''صرف الفاظ ہیں۔ ناقابل عمل باتیں۔ جنہیں پڑھ کر ذہن تو جھوم اُٹھتا ہے لیکن پیر نہیں ہلتے۔ ایک کتاب پڑھ کر دوسری پڑھنی پڑتی ہے اور نروان کا معاملہ کھٹائی میں پڑا رہتا ہے۔''

''میں نہیں سمجھی تم کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''کتنے دنوں سے اس چکر میں پڑی ہو۔''

''پانچ سال سے۔''

''پانچ سال سے تم کتابوں میں دفن ہو اور تمہیں پتا نہیں کہ اس دوران میں کتنی بہاریں آئیں کتنے پھول کھلے کتنی بارشیں ہوئیں۔''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔''

''پانچ سال تم نے اندھوں کی طرح گزارے ہیں۔ میری تو روح لرز رہی ہے اس کا تصور کر کے۔''

''پھر تم کیا کرتے پھر رہے ہو۔''

''ہپی ازم پر ایک کتاب لکھ رہا ہوں۔''

''اور یہ.....!'' اُس نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔

''اس کی نہ پوچھو..... یہ تو خود ہی نروان ہے۔ اگر تم کسی طرح اس کو حاصل کر لو تو سارے دکھوں سے نجات پا جاؤ گی۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''یہ ایک کروڑ پتی کا اکلوتا بیٹا ہے۔''

''اوہ.....اچھا.....!'' وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔

''لیکن اتنا معصوم ہے کہ اتنا بڑا معصوم پہلے کبھی تمہاری نظر سے نہ گزرا ہوگا۔''

''ابے میں اس کا مطلب نہیں سمجھا۔'' قاسم نے اردو میں کہا۔ بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔

''خاموش بیٹھے رہو..... تمہارا معاملہ پکا کر رہا ہوں۔'' حمید نے بھی اردو ہی میں کہا اور سکی انہیں پر اشتباہ نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ ''کیا بات ہے؟''

''کہہ رہا تھا کہ مجھے شرمندہ نہ کرو..... ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ اُسترے کی دھار پر نہ چلو۔ کرنسی نوٹوں پر چہل قدمی کرو۔ اسی طرح تمہارا نروان ہو سکتا ہے۔''

''میں ان آلائشوں سے پاک ہونا چاہتی ہوں۔''

''یعنی کرنسی نوٹوں کو آلائش کہہ رہی ہو۔''

''بالکل.....!''

''اور چرس کے لئے جسم فروشی کرتی ہو۔''

''کبھی کبھی یہ بھی سوچتی ہوں کہ یہ غلط ہے۔''

''مستقل طور پر سوچنا شروع کردو کہ یہ غلط ہے۔''

''لیکن تم لوگوں نے مجھ سے معاوضہ طلب نہیں کیا۔''

''ہمارا نروان ہو چکا ہے۔''

''آخر مجھے کیوں ساتھ لائے ہو۔''

''تمہیں اور تمہارے توسط سے دوسرے ہپیوں کو اسٹڈی کرنے کے لئے میں کتاب لکھ رہا ہوں نا۔''

''تم اس کی بات کررہے تھے۔ یہ کیا چیز ہے۔'' سکی نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔

''اسے ہپی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں اس لئے بن گیا ہے ہپی۔ ورنہ اسے کسی قسم کی بھی محرومی کا سامنا نہیں۔''

''لیکن اس نے ابھی تک مجھ سے کچھ نہیں کہا۔''

''اسی لئے تو میں اس کو نروان کہتا ہوں۔''

''تو پھر میں کیا کروں۔''

''اس سے قریب ہونے کی کوشش کرو۔ جیسا چاہو گی بن جائے گا۔''

''ابے نہیں الاقسم۔'' قاسم گڑبڑا کر اردو میں بولا۔ ''حمید بھائی کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔''

''کیا کہہ رہا ہے۔'' سکی نے پوچھا۔

''کہہ رہا ہے خواہ مخواہ کنونسنگ مت کرو۔ میں زبردستی کا سودا نہیں چاہتا۔ اگر مجھ میں کوئی خوبی ہوگی تو خود ہی اُسے میری طرف متوجہ کردے گی۔''

''تم واقعی حیرت انگیز ہو۔'' سکی نے قاسم سے کہا۔

''لہٰذا اب تم دونوں خود ہی طے کرلو۔'' حمید اُٹھتا ہوا بولا۔ ''میں تمہارے لئے چرس کی تلاش میں جارہا ہوں۔''

''ابے نہیں الاقسم..... یہ نہیں چلے گی۔ مجھے اکیلے نہ چھوڑو۔'' قاسم بھی گڑبڑا کر اُٹھ گیا۔

''کیوں بے وقوفی کی باتیں کرتے ہو۔ میں حمید کی تلاش میں جارہا ہوں۔ جلدی واپسی

ہوگی۔''

''اکیلے میں مجھے اس سے شرم آتی ہے۔'' قاسم شرما کر بولا۔ ''یہ بیچاری اتنی نیک اور شریف ہے۔ بالکل مونگ کی دال معلوم ہوتی ہے۔''

''پھر کیا جھک مارنے کے لئے ہپی بنے تھے۔''

''اگر ہپی لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں تو مجھ پر ہزار بار لانت۔''

''اب کچھ نہیں ہوسکتا۔ بیٹھو چین سے۔'' حمید نے کہا اور تیزی سے باہر نکل آیا۔

قاسم غوں غوں ہی کرتا رہ گیا تھا۔

فریدی کی ہدایت کے مطابق حمید کو یہاں پہنچ کر اُس آدمی سے رابطہ قائم کرنا تھا جو اُس کام کے سلسلے میں اس کی رہنمائی کرنے والا تھا۔ حمید یہاں پہلے بھی آچکا تھا اور ہر گلی سے آگاہ تھا۔ دلشاد نامی اسنیک بار کے سامنے رک گیا۔ اندر زیادہ تر میزیں آباد تھیں۔ وہ اندر داخل ہوکر سیدھا کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔

''مجھے آغا طاہر سے ملنا ہے۔'' اُس نے بارمین سے کہا اور وہ اُسے اس طرح گھورنے لگا جیسے کوئی نامناسب بات اُس کی زبان سے نکل گئی ہو۔

''تم نے نہیں سنا۔ میں نے کیا کہا ہے۔'' حمید نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا۔

''تم ہو کیا چیز! کہاں سے آئے ہو۔''

''کیا یہ سوال تمہارے فرائض میں داخل ہے۔''

''یہ بھی ایک ہی رہی۔'' وہ طنزیہ سی ہنسی کیساتھ بولا۔ ''مجھ سے میرا ہی پتا پوچھ رہے ہو۔''

''اوہ اچھا۔'' حمید بھی اُس کی ہنسی میں شریک ہوگیا۔

لیکن وہ جواب طلب نظروں سے اُسے دیکھتا رہا۔

''تمہیں میرے بارے میں کرنل فریدی سے اطلاع مل چکی ہوگی۔''

''اچھا..... اچھا۔'' وہ چاروں طرف دیکھ کر آہستہ سے بولا۔ ''تم اُدھر دفتر میں چل کر بیٹھو۔ میں ابھی آرہا ہوں۔''

اُس نے بائیں جانب والے ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا تھا۔ حمید اُس سمت بڑھ گیا۔

چھوٹا سا کمرہ تھا اور سلیقے سے سجایا گیا تھا۔ سامنے ایک بڑی میز تھی جس کے قریب دو کرسیاں پڑی ہوئی تھیں اور دوسری جانب ایک گھومنے والی کرسی تھی۔

تھوڑی دیر بعد آغا طاہر کوکا کولا کی دو بوتلیں لئے ہوئے دفتر میں داخل ہوا۔

''معافی چاہتا ہوں۔'' وہ ایک بوتل حمید کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ''آپ کے حلئے نے مجھے برافروختہ کر دیا تھا۔ مجھے ہپیوں سے سخت نفرت ہے۔''

''کوئی بات نہیں۔ اس کام کے لئے یہی حلیہ موزوں تھا۔''

''کرنل صاحب کا یہ خیال درست تھا کہ ادھر سے ہپی افیون اُدھر لے جاتے ہیں اور آپکی طرف سے اُسی افیون کی ہیروئن بن کر ادھر آتی ہے۔ ہیروئن بنانے کا کارخانہ شکوہ آباد ہی میں کہیں کام کر رہا ہے۔''

''ادھر سے افیون تو چلی جاتی ہے لیکن اُدھر سے ہیروئن کیسے آتی ہے۔'' حمید نے سوال کیا۔

''وہی ہپی جو افیون لے جاتے ہیں ہیروئن لے کر واپس آتے ہیں اور یہاں کا ایک بڑا آفیسر اس ہیروئن کو بین الاقوامی تجارت میں جھونک دیتا ہے۔''

''میں سمجھ گیا۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''جو ہپی ادھر سے جاتے ہیں اُنہیں پھر ادھر ہی ہنکا دیا جاتا ہے۔ یعنی اُن سے افیون وصول کی گئی اور ہیروئن حوالے کر کے اُنہیں پھر ادھر ہی دھکیل دیا گیا۔''

''جی ہاں..... ایسا ہی ہوتا ہے۔''

''تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ شکوہ آباد کا کوئی ذمہ دار آدمی بھی اس میں ملوث ہے۔''

''جی ہاں..... اس کے بغیر تو یہ کام ہو ہی نہیں سکتا۔''

''تو پھر وہ ہپی حقیقتاً ہپی نہ ہوں گے بلکہ تربیت یافتہ کارپرداز ہوں گے۔''

''آپ کا یہ خیال بھی درست ہے۔''

''تو پھر اپنی دال کیسے گلے گی۔''

''ضرور گلے گی۔ اصل کارپرداز تو نصف درجن سے زائد نہیں ہیں۔ ہر مہم پر اُن کے ساتھ نئے چہرے ہوتے ہیں اور یہ واقعی ہپی ہوتے ہیں۔ شکوہ آباد سے سستی چرس حاصل کرنے کے لئے ان کے ساتھ ہو لیتے ہیں۔ بہرحال اصل چکر چرس کا نہیں ہے۔ افیون اور

ہیروئن کا کھیل ہے۔''

''ہم تین ہیں۔'' حمید نے کہا۔ ''ہمارے ساتھ ایک سفید فام ہپی لڑکی بھی ہے۔''

''بس تو پھر یہ منزل اور بھی آسان ہو گئی۔ کسی کو شبہ تک نہ ہو سکے گا اور آپ تینوں اُن میں شامل ہو جائیں گے۔''

''تو پھر ہم کب اور کہاں ملیں؟''

''کل شام کو نگار سینما کے قریب۔''

''ٹھیک ہے۔'' حمید اُٹھتا ہوا بولا۔

اُن تینوں کو وہی لینڈ رور ایس پی کے آفس کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوتی نظر آئی جس کے مسافر اُن سے نہ صرف اُن کا شکار چھین لے گئے تھے بلکہ انہیں بے بس کر کے پیدل چلنے پر بھی مجبور کر دیا تھا۔ قاعدے کی رو سے انہیں حراست میں ہونا چاہئے تھا کیونکہ وہ اپنی پٹیاں اور رائفلیں کھو بیٹھے تھے۔ لیکن وہ آزاد تھے۔

بڑے جارحانہ انداز میں وہ لینڈ رور کی طرف جھپٹے۔ لیکن گاڑی کے اندر نظر ڈالتے ہی ٹھٹک گئے۔ کیونکہ اُن کی مرمت کرنے والا اس وقت فوجی وردی میں تھا اور اُس کے شانوں پر کرنل کی نشانیاں تھیں۔

پھر اُنہوں نے دیکھا کہ ایس پی بھی اپنے آفس سے نکل آیا ہے اور اُس کی پیشوائی کو آگے بڑھ رہا ہے۔ وہ تینوں جہاں تھے وہیں کھڑے رہے۔

''ہلو کرنل۔'' کہہ کر اُس نے پُرتپاک مصافحہ کیا اور اُسے ساتھ لئے ہوئے اپنے دفتر میں چلا آیا۔

''تشریف رکھئے۔ آپ نے بہت اچھا کیا تھا کہ مجھے فون پر آگاہ کر دیا تھا۔''

''میں نے ضروری سمجھا تھا۔'' فریدی بیٹھتا ہوا بولا۔

''ورنہ یہی ہوتا کہ میں اسے کسی تخریب کار کی حرکت سمجھ کر اپنے آدمی شمشاد محل کی

طرف دوڑا دیتا۔"

"اوران تینوں کے بارے میں آپ نے کیا سوچا ہے۔ ناصر خان بہت زیادہ زخمی ہے۔"

"آپ نے بہت اچھا کیا کہ ان کی رائفلیں اور پیٹیاں چھین لیں۔ میں نے اُن مردودوں سے ہرگز یہ نہیں کہا تھا کہ وہ ناصر خان سے بدتمیزی سے پیش آئیں۔ میں نے اُن سے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ اُنہیں شمشاد محل چھوڑ آئیں اور اگر ممکن ہو تو اپنے طور پر اُن سے لیفٹیننٹ داور کا پتہ معلوم کرنے کی کوشش کریں لیکن وہ بدبخت اس حد تک چلے گئے۔ میں آپ ہی کا منتظر تھا۔ اب کیس تیار کر کے اُنہیں اندر کر دوں گا۔"

"رائفلیں اور پیٹیاں گاڑی میں رکھی ہوئی ہیں۔ منگوا لیجئے۔" فریدی نے کہا اور جیب سے سگار نکال کر اُس کا گوشہ توڑنے لگا۔ اُس کی آنکھوں سے گہری تشویش کا اظہار ہو رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ "بہرحال میں باضابطہ طور پر شیر افگن کے قتل کی تفتیش کر رہا ہوں۔"

"ظاہر ہے کہ قتل دارالحکومت میں ہوا تھا۔" ایس پی طویل سانس لے کر بولا۔

"لیکن چونکہ وہ یہیں کا باشندہ تھا اس لئے خیال پیدا ہوا ممکن ہے کوئی یہیں سے اُس کے پیچھے لگا ہو اور وہاں پہنچ کر اُسے قتل کر دیا ہو۔ اس لئے میں نے بھی کام شروع کر دیا تھا۔"

"اقدام غلط نہیں تھا۔" فریدی ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا اور سگار سلگانے لگا۔

ایس پی اُسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا اور جب اُس نے سگار سلگا کر اپنا چہرہ اُس کے مقابل کیا تو اُس نے بڑی تیزی سے نظروں کا زاویہ بدل کر کہا۔ "مجھے ان دونوں کے درمیان جھگڑے کی اطلاع ملی تھی۔ اس لئے ناصر خان سے پوچھ گچھ کرنی پڑی۔"

"اور یہ بھی درست ہے کہ لیفٹیننٹ داور ایئر فورس سے تعلق رکھتا ہے اور اچانک غائب بھی ہو گیا ہے۔"

"جی ہاں! میں بھی انہی خطوط پر سوچ رہا ہوں۔" ایس پی جلدی سے بولا۔

"حیرت ہے کہ آپ نے نادر شجاع کو نظر انداز کر دیا۔"

"ہرگز نہیں جناب۔" ڈی ایس پی سر ہلا کر بولا۔ "سب سے پہلے میری توجہ اُسی طرف مبذول ہوئی تھی لیکن وہ اس قتل سے پہلے یہیں موجود رہا ہے۔ اب تک کہیں باہر نہیں گیا۔ شیر افگن اُس سے بھی شدید نفرت کرتا تھا اور ہاں ٹھیک یاد آیا..... گذشتہ ہفتے یہاں جو دو چار

دھماکے ہوئے تھے اُن کا ذمہ دار بھی شیر افگن نے نادر ہی کو ٹھہرانے کی کوشش کی تھی۔"

"میں نہیں سمجھا۔" فریدی اُسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

"وہ اس سلسلے میں ایک کہانی لے کر میرے پاس آیا تھا۔" ایس پی شہباز نے کہا اور وہی کہانی دہرانے لگا جو شیر افگن فریدی کو پہلے ہی سنا چکا تھا۔

"ہوں.....!" فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ "تو..... وہ بیوہ۔"

"نادر کی اپنی ماں..... یعنی شیر افگن کی بیوی۔"

"تو کیا چودہ سال پہلے اُس پر اس قسم کے مظالم ٹوٹے تھے۔"

"میں نہیں جانتا کہ حقیقت کیا تھی۔ لیکن سنا ہے کہ نادر کے باپ شجاع نے دولت خان سے قرض لیا تھا جسے ادا کئے بغیر مر گیا تھا۔ دولت خان نے اس کی بیوہ کو اُٹھوا لیا اور وہ ایک ہفتے کے بعد شکوہ آباد کی ایک سڑک پر بیہوش پڑی پائی گئی..... بالکل بے سہارا تھی۔ شیر افگن سہارا بن گیا۔ بہرحال شیر افگن نے اُس اجنبی کا جو خاکہ کھینچا تھا وہ نادر پر پورا اُترتا تھا۔"

"تو آپ نے اس سلسلے میں اُس سے ضرور پوچھ گچھ کی ہوگی۔" فریدی نے کہا۔

"قدرتی بات ہے۔ لیکن مجھے اُس پر یقین نہیں آیا تھا۔"

"یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ۔"

"اس سے پہلے بھی کئی بار شیر افگن اُسے قانونی چکروں میں پھنسا کر جیل بھجوانے کی کوشش کر چکا تھا۔ اُس سے چھٹکارا پانے کی اور کوئی تدبیر بیچارے کی سمجھ ہی میں نہیں آتی تھی۔"

"تو پھر اسے بھی بعید از مکان نہ سمجھنا چاہئے کہ نادر بھی اُس کی تاک میں رہتا ہو۔" فریدی نے کہا۔

"میں کب کہتا ہوں۔ میں نے تو صرف یہ عرض کیا تھا کہ شیر افگن کے قتل سے پہلے ہی سے وہ یہاں موجود رہا ہے۔ میں نے اچھی طرح چیک کر لیا ہے۔"

"اس کے باوجود بھی فی الحال یہی دو افراد مشتبہ ہیں۔ نادر اور داور.....!"

"چلئے یونہی سہی۔"

"ان دونوں کے فنگر پرنٹس فراہم ہو سکیں گے؟"

"کیوں نہیں۔"

''مقتول کے کمرے میں پائے جانے والے نشانات میرے پاس محفوظ ہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''دیکھئے! میری دور اندیشی کی داد دیجئے۔'' ایس پی ہنس کر بولا۔ ''جیسے ہی مجھے اس قتل کی اطلاع ملی تھی میں نے دونوں مشتبہ افراد کے فنگر پرنٹس حاصل کر لئے تھے۔ نادر کے تو براہِ راست لئے تھے اور داور کے اُس کی گاڑی کے اسٹیئرنگ سے۔ اب ذرا یہی دیکھئے کہ گاڑی موجود تھی اور وہ علی آباد غالباً بس سے گیا تھا۔ یہاں سے علی آباد کا فاصلہ صرف پندرہ میل ہے۔ اب یہ ساری باتیں اُسے مشتبہ قرار دینے کے لئے کافی ہیں یا نہیں۔''

''واقعی آپ نے بڑا کام کیا۔''

ایس پی نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجا کر اردلی کو طلب کیا اور اُس سے بولا۔ ''نصیر خان سے کہو فنگر پرنٹس کا فائیل ایس لے آئے۔''

تھوڑی دیر بعد فنگر پرنٹس کا فائیل آ گیا تھا اور ایس پی نے اس میں سے دو شیٹ منتخب کر کے فریدی کی طرف بڑھا دیئے تھے۔

اُسی رات کو قریباً گیارہ بجے فریدی اپنے ہوٹل سے فون پر ناصر خان کے نمبر ڈائیل کر رہا تھا۔

دوسری طرف سے جواب ملنے پر بولا۔ ''میں فریدی بول رہا ہوں خان! آپ کے صاحبزادے کا پتہ معلوم ہونا بے حد ضروری ہے۔''

''کیوں؟ کیا ہوا؟'' دوسری طرف سے ناصر خان کی آواز آئی۔

''حالات ان کے حق میں نہیں ہیں۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''مقتول کے کمرے میں پائے جانے والے انگلیوں کے نشانات میں سے کچھ داور کی انگلیوں کے نشانات سے ٹیلی کر رہے ہیں۔''

''موازنہ کرنے کے لئے آپ کو داور کے نشانہائے انگشت کہاں سے ملے۔'' ناصر خان نے چھوٹتے ہی سوال کیا۔

''شہباز نے فراہم کئے ہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ قتل اور طریقہ قتل کا علم ہوتے ہی اُس

نے دونوں مشتبہ افراد کے نشانہائے انگشت حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔''

''دوسرا کون.....؟''

''نادر شجاع.....دونوں کے نشانات اس نے فراہم کئے ہیں۔''

''داور کے نشانات اسے کہاں سے ملے؟''

''کہہ رہا تھا کہ داور کی گاڑی کے اسٹیئرنگ سے اٹھائے ہیں اور اس پر بھی حیرت ظاہر کر رہا تھا کہ گاڑی ہوتے ہوئے بھی شائد صاحبزادے نے علی آباد کا سفر بس سے کیا تھا۔''

''گاڑی خراب تھی۔ لیکن میں اسے تسلیم نہیں کر سکتا کہ وہ نشانات داور کے ہوں گے۔ گاڑی کئی دنوں سے کمپاؤنڈ میں ایک درخت کے نیچے کھڑی ہوئی ہے داور اُسے وہیں چھوڑ کر چل دیا تھا۔ اگر آپ اُس کے نشان ہائے انگشت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اُس کے کمرے سے کیجئے۔''

''یہ خیال بھی بُرا نہیں ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''اچھی بات ہے۔ میں شہباز سمیت کل دس بجے تک شمشاد محل آؤں گا اور اُسی کے آدمی میری نگرانی میں وہاں کام کریں گے۔''

''مجھے منظور ہے۔''

فریدی نے ریسیور کریڈل پر رکھ کر طویل سانس لی اور کھڑکی کے باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں گھورنے لگا۔

پلکیں جھپکائے بغیر وہ قاسم کو دیکھے جا رہی تھی اور قاسم اس طرح سر جھکائے بیٹھا تھا جیسے مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہوں۔ دفعتاً سکی نے کہا۔ ''تم میری طرف کیوں نہیں دیکھتے۔''

''آئیں۔ ہاں۔'' قاسم چونک پڑا اور پھر ہی ہی ہی اسٹارٹ ہو گئی اور اس میں اچانک بریک بھی لگ گیا۔ شاید خود ہی اس مضحکہ خیزی کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

''یہ سب کیا کرتے رہتے ہو۔'' سکی نے حیرت سے کہا۔

''کچھ بھی نہیں۔'' قاسم جھینپ کر بولا۔ ''تم اپنی کتاب پڑھو نا۔''

''نہیں اب میں صرف تمہیں پڑھنا چاہتی ہوں۔''

''چرس پیئو.....!'' قاسم نے یونہی ہانک دی۔

''ترک کرنے کی کوشش کررہی ہوں۔تم بھی تو نہیں پیتے۔''

''اس سے کیا ہوتا ہے۔''

''تمہارے ساتھی کی باتیں میری سمجھ میں آ گئی ہیں۔ واقعی میں اب تک غلط راہ پر چلتی رہی ہوں۔ میں کیسے نروان حاصل کرسکتی ہوں جب کہ چرس نہ ہونے کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔ نہیں ملتی تو اذیت میں مبتلا رہتی ہوں اور یہ بلا میں نے ہی تو اپنے گلے لگائی ہے۔ چرس وقتی طور پر دکھوں سے آزاد کردیتی ہے۔ دکھوں سے مستقل طور پر نجات نہیں دلا دیتی۔ جوگیوں اور سادھوؤں کے افکار نے مجھے بہکا دیا تھا۔تمہارے ساتھی نے آنکھیں کھول دی ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ دکھوں سے اُسی وقت نجات مل سکتی ہے جب سارے انسان اپنے دکھ آپس میں بانٹ لیں۔صرف یہی ہے نجات کا راستہ!''

''وہ تو پاگل ہے..... بکواس کرتا ہے۔تم خوب چرس پیئو۔ چاہے جتنی مہنگی ملے میں تمہیں پلاؤں گا۔''

''آخر کیوں؟''

''ارے انسانی ہمدردی بھی تو کوئی چیز ہے اور کسی کام نہیں آ سکتا تو چرس ہی پلاؤں غریبوں محتاجوں کو۔''

''بیوقوفی کی باتیں مت کرو۔ جتنا وہ عقل مند ہے اُتنے ہی تم گھامڑ ہو۔''

''جو جی چاہے کہو! میں تو مرتے دم تک تمہیں چرس پلاتا رہوں گا۔تمہیں چرس پینے کی ملازمت دے دوں گا اپنے دفتر میں۔''

''ملازمت.....!''

''ہاں..... ہاں.....سیکریٹری فار چرسنگ! تنخواہ الگ۔ چرس مفت۔''

''ہنسی آجائے گی مجھے۔''

''آجانے دو۔ میں نے تہیہ کرلیا ہے۔''

''کیا میں تمہیں اتنی اچھی لگتی ہوں۔''

''یہ تو میں نے نہیں کہا۔'' قاسم نے کہا اور دل میں بولا۔''سالی مونگ کی دال نہ ہنستی ہے نہ مسکراتی ہے۔''

''پھر کیوں میرے لئے اتنی زحمت مول لو گے۔''

''میں زحمت ہی مول لینے کے لئے پیدا ہوا ہوں۔ میرا مقدر۔'' قاسم نے کہا اور اردو میں بڑبڑایا۔''نہ جانے سالا قہاں جا کر مرغیا ہے.....وبال میرے سر چھوڑ غیا۔''

''اور کیا کہہ رہے ہو۔'' سکی نے پوچھا۔

''اپنی زبان میں شعر پڑھ رہا تھا۔'' قاسم بوکھلا کر بولا۔

''کیا تھا اس شعر کا مطلب.....انگلش میں بتاؤ۔''

قاسم کے دیوتا کوچ کرگئے۔شعر پڑھا ہوتا تو مطلب بھی بتانے کی کوشش کرتا۔لیکن اب جو بات زبان سے نکل گئی تھی۔ اُسے بہرحال نبھانا تھا۔لہٰذا ہکلانا شروع کردیا۔''اے شخص.....کک کیا تو پتھر کا ہے.....کہ نہ ہنستا ہے اور نہ مسکراتا ہے.....اگر تو واقعی پتھر کا ہے تو آ میں تجھ سے اپنا سر ٹکرا کر پاش پاش کردوں۔''

سکی نے بہت زور سے قہقہہ لگایا اور قاسم بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ویسے اُسے حیرت بھی تھی کہ آخر اُس نے اتنے بامعنی جملے اس طرح کیسے موزوں کرلئے۔

''تمہاری شکایت بجا ہے!'' سکی سنجیدگی اختیار کرکے بولی۔''اچھا اب میں تمہاری خاطر خود کو بدلنے کی کوشش کروں گی۔''

''مم.....میری خاطر.....!'' قاسم ہکلایا۔

''ہاں تمہاری خاطر..... زندگی میں پہلی بار مجھے محسوس ہوا ہے کہ آدمی بنیادی طور پر دیوتا تھا۔لیکن مختلف قسم کے فلسفوں نے اُسے درندہ بنا دیا ہے۔''

''بڑی خوشی ہوئی یہ معلوم کرکے۔'' قاسم رواروی میں بولا۔

اتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی اور دونوں چونک کر ادھر متوجہ ہوگئے۔

''قون ہے.....!'' قاسم نے ہانک لگائی۔

''قرا قا خان.....!'' باہر سے آواز آئی۔

''آجاؤ.....کنڈی نہیں لگی ہوئی ہے۔'' قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

حمید دروازہ کھول کر اندر آیا اور باری باری سے دونوں کو دیکھ کر بولا۔ ''کیا ہو رہا تھا۔''

''کچھ بھی نہیں۔'' قاسم جھینپ کر بولا۔ ''حمید بھائی ملے۔''

''فون پر بات ہوئی تھی۔ ابھی وہاں سے روانگی ہی نہیں ہوئی۔''

''یقین تم نے میری روانگی قرار دی۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اے یہ لونڈیا سیریس ہوگئی ہے..... مجھے نہیں چاہئے۔ مونگ کی دال۔''

''سیریس ہوگئی ہے۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔ ''میں نہیں سمجھا۔''

''تمہی ہے تمہاری خاطر میں خود کو بدلنے کی قوشش کروں گی۔''

حمید نے سیٹی بجانے کے سے انداز میں ہونٹ سکوڑے اور پرتشویش نظروں سے سکی کو دیکھنے لگا۔

''اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو۔ اس نے کیا کہا ہے۔'' سکی نے پوچھا۔

''کہہ رہا ہے کہ زندگی میں پہلی بار ایک بھرپور عورت نظر آئی ہے۔''

''ابے..... اغے..... الاقسم اچھا نہیں ہوگا۔'' قاسم گڑبڑا کر بولا۔ لیکن وہ اُس کی طرف دیکھ کر بڑے دلآویز انداز میں مسکرائی تھی۔

قاسم نے حمید کا نام لے لے کر سلواتیں سنانی شروع کیں۔ ''سالے نے پتا نہیں قس پاگل کو میرے پیچھے لگا دیا ہے۔''

''کیا کہہ رہے ہو۔ انگلش میں کہو۔'' سکی خواہ مخواہ ہنس کر بولی۔

''نہیں کہے گا شرماتا ہے مجھ سے سنو۔'' حمید نے کہا۔

''سالے کوئی اُوٹ پٹانگ بات قی تو گلا دبا دوں غا۔''

''یہ سمجھتا ہے کہ میں تم پر عاشق ہوگیا ہوں۔'' حمید نے کہا۔

''دیکھو..... دیکھو..... پھر وہی حرامی پن۔'' قاسم غرایا۔

''مسٹر قاسم اپنی زبان کو لگام دیجئے۔''

''ما بھی چاہتا ہوں۔'' قاسم مسمسی صورت بنا کر بولا۔ ''اردو میں زبان میرے قابو میں نہیں رہتی۔''

''انگریز کے بچے ہو۔'' حمید نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔

''نہیں میں بڑے جالم آدمی کا بچہ ہوں مجھے ماف قردو۔ میرا باپ بہت جالم ہے۔ اب ہی اُس کے سامنے بیٹھا سوچتا رہتا ہوں کہ تمہیں قوئی غلط بات زبان سے نہ نکل جائے بس زبان سالی کا قباڑا ہوغیا۔''

''اچھا اچھا..... میں سمجھ گیا۔ مجھے آپ سے ہمدردی ہے مسٹر قاسم! لیکن اس ہوٹل کو تو چھوڑنا ہی پڑے گا۔''

''مم..... میں تیار ہوں۔ ابھی اور اسی وقت چھوڑ دو.....!''

قاسم نے کہا اور اُٹھ کر سامان سمیٹنے لگا۔

''یہ کیا کر رہا ہے۔'' سکی نے پوچھا۔

''میں نے اس کی غلط فہمی رفع کردی ہے کہ میں تم پر عاشق ہوگیا ہوں۔ لہٰذا خوش ہوکر اب ہمیں کسی آرام دہ اور اچھے ہوٹل میں لے جائے گا اور ہم وہیں قیام کریں گے۔''

''یہاں کیا بُرے ہیں لیکن یہ سن کر خوشی ہوئی کہ یہ میرے بارے میں اتنا سنجیدہ ہے۔'' سکی نے کہا اور قاسم ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا کر رہ گیا۔

''میں سمجھ گئی..... یہ نہیں چاہتا کہ تم اس کے جذبات کی ترجمانی کرو..... بڑا سنسنی خیز تجربہ ہے میرے لئے..... میرے ملک کے نوجوان تو سب کچھ منہ پر پھینک مارتے ہیں۔ اس کے شرمیلے پن کا جادو مجھ پر مسلط ہوتا جا رہا ہے۔''

''اب بتایئے جناب قاسم صاحب۔'' حمید نے چمکار کر کہا۔

''قاسم صاحب سالے کی ایسی کی تیسی۔ کیوں میرا قباڑا کرتے ہو۔ ارے اس کی صورت دیکھ قر میری آنکھوں میں کفن ناچنے لگتا ہے۔''

''میں کیا کرسکتا ہوں..... ویسے کیا پہلے کبھی کوئی لڑکی تم پر عاشق نہیں ہوئی۔''

''جان نہ جلاؤ..... ورنہ سچ مچ ہاتھ پیر توڑ قر رکھ دوں گا۔''

''اچھا چلو اُٹھو..... یہیں نہیں بیٹھے رہنا۔ اب کسی اچھے ہوٹل میں قیام کریں گے۔''

''قیوں..... یہاں کیا بُرائی ہے۔''

''ابھی ابھی کیپٹن حمید نے فون پر بتایا ہے کہ تم کس قسم کی لڑکیاں پسند کرتے ہو۔''

''لڑکیاں جائیں جہنم میں۔ میں تمہارے ساتھ کہیں بھی نہ جاؤں غا۔''

''کیوں نہیں جاؤ گے۔''

''میں نہیں جانتا کہ تم قون ہو۔''

''سچ مچ قراقا خان ہوں قوخان کی طرح بنا سپتی نہیں ہوں۔''

''اب یہ قہو غے بیٹا.....خود ہی تو مجھے قوخان بنایا تھا۔''

''بس مسٹر قاسم زیادہ بے تکلف ہونے کی کوشش نہ کیجئے میں جارہا ہوں۔ آپ جانیں اور آپ کا کام۔''

''ارے.....ارے.....ٹھہرو.....میں اکیلے نہیں رہوں غا۔

حمید دروازے کے قریب رک کر بولا۔ ''اب آپ اکیلے نہیں ہیں یہ لڑکی آپ کی سرپرست بن جانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔''

''کیا بات ہے۔'' سکی اُٹھتی ہوئی بولی۔ ''کیا تم دونوں آپس میں جھگڑا کررہے ہو۔''



ناصر خان کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ کیونکہ فریدی نے رہی سہی اُمید پر بھی پانی پھیر دیا تھا کہ داور کے کمرے سے لئے گئے نشانات انگشت بھی اُن نشانات سے مختلف نہیں ہیں جو شہباز نے داور کی گاڑی کے اسٹیئرنگ سے حاصل کئے تھے۔

''تو پھر آپ بھی اُسے مجرم سمجھ رہے ہیں۔'' ناصر نے نحیف سی آواز میں کہا۔

''صرف مشتبہ..... جرم ثابت ہوئے بغیر کسی کو بھی مجرم قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ویسے کیا داور نے آپ دونوں کے درمیان ہونے والے جھگڑے کو بہت زیادہ اہمیت دی تھی۔''

''ہرگز نہیں۔ وہ تو سن کر ہنسنے لگا تھا اور کہا تھا کہ آدمی اسی لئے بوڑھا ہوتا ہے کہ ذرا ذرا سی بات پر لڑتا جھگڑا رہے اور مجھے اس کا یہ ریمارک لفظ بلفظ یاد ہے کہ شیر افگن صاحب دل کے بُرے نہیں ہیں۔ بس کمزور اعصاب کی بناء پر جلد طیش میں آجاتے ہیں۔''

''بہرحال اب یہ بے حد ضروری ہوگیا ہے کہ اُس کا پتہ لگ جائے جیسے ہی مجھے علم ہوا

آپ کو آگاہ کردوں گا۔ اگر سچ مچ وہ اس جرم میں ملوث ہے تو آپ دیکھیں گے کہ میں اُسے کس طرح قانون کے حوالے کرتا ہوں۔''

''مجھے یقین ہے آپ ایسا ہی کریں گے۔''

شمشاد محل سے نکل کر فریدی شیر افگن کی کوٹھی کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس کی بیوہ کو پہلے ہی مطلع کردیا تھا کہ وہ کس وقت پہنچ رہا ہے۔

نذرہ خاتون شیر افگن کی بیوہ اس وقت بھی ایسی ہی لگ رہی تھی جیسے کچھ دیر پہلے روتی رہی ہو۔ فریدی کے استفسار پر اُس نے بتایا کہ ناصر خان سے شیر افگن کا جھگڑا ضرور ہوا تھا لیکن بعد میں وہ اپنے رویئے پر سخت شرمندہ نظر آتا تھا اور اس نے کھل کر یہ بات کہی تھی کہ اس سے زیادتی سرزد ہوئی ہے۔ محض شبہے کی بناء پر براہِ راست الزام نہ رکھ دینا چاہئے تھا۔

''بات ناصر خان ہی نے بڑھائی تھی۔'' اُس کے بیٹے نادر نے کہا جو اُس کی کرسی کے پیچھے کھڑا اُسے پرتشویش نظروں سے دیکھے جارہا تھا۔ خاصا قوی ہیکل جوان تھا۔ جبڑے بھاری تھے اور آنکھوں کی بناوٹ بھی سخت گیر طبیعت کی طرف اشارہ کرتی تھی۔

''تم خاموش رہو۔'' نذرہ خاتون نے کہا۔ ''ناصر خاں بھی بُرے آدمی نہیں ہیں۔ اگر وہ الزام پر بھڑکے تو اسے تقاضۂ بشریت کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن میں تصور بھی نہیں کرسکتی کہ اس قتل میں ان کا ہاتھ بھی ہوگا۔''

''کسی پر شبہ ہے آپ کو۔''

''جی نہیں! وہ فطرۃً جھگڑالو آدمی نہیں تھے۔ اس لئے کسی سے دشمنی نہیں تھی۔''

''میں نے سنا ہے کہ وہ کسی ایسے مرض میں مبتلا تھے کہ اچانک چلنے پھرنے سے معذور ہوجاتے تھے۔''

''جی ہاں۔''

''اور اس کے باوجود بھی آپ لوگوں نے اُنہیں تنہا سفر کرنے دیا۔''

''وہ تنہا تو نہیں گئے تھے۔''

اس جواب پر فریدی نے نادر کو چونکتے دیکھا اور فوراً ہی اُس پر سے نظر ہٹالی۔

''کون تھا اُن کے ساتھ؟'' فریدی نے سوال کیا۔

''انہوں نے مجھے اُس کا نام نہیں بتایا تھا۔ بس یہ کہا تھا کہ وہ دارالحکومت ہی کا ایک کاروباری آدمی ہے اور اس سے کچے چمڑے کا لین دین رہتا ہے۔ اُنہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اُن کے ساتھ پھر شکوہ آباد آئے گا۔''

''آپ نے مجھ سے تو ذکر نہیں کیا تھا۔'' نادر بولا۔

''کیا یہ ضروری تھا.....؟'' نذرہ خاتون نے اُس سے سوال کیا۔

''جی نہیں..... میرا یہ مطلب تھا کہ.....!''

''خاموش کھڑے رہو..... دخل اندازی کی ضرورت نہیں۔''

فریدی نے محسوس کیا کہ وہ اپنے بیٹے کو شائد پسند نہیں کرتی۔ دفعتاً فریدی نے نادر سے سوال کیا۔ ''آپ ایئر فورس میں ہیں۔''

''ہوں نہیں بلکہ تھا۔ ونگ کمانڈر سے جھگڑا ہوگیا تھا۔ اس لئے اُس نے بعض فرضی معاملات میں پھنسا کر برخواست کرادیا۔ لیکن کیا آپ نے یہ سوال اس لئے کیا ہے کہ قاتل نے فرار کے لئے پیراشوٹ استعمال کیا تھا۔''

''آپ ان کی روانگی کے بعد کہاں کہاں رہے۔''

''اوہ..... یہ تو براہِ راست الزام والی بات ہوئی۔''

''میرے سوال کا جواب دیجئے۔''

''میں یہیں شکوہ آباد میں رہا ہوں۔ ایک گھنٹے کے لئے بھی باہر نہیں گیا۔ واضح ثبوت پیش کرسکوں گا۔''

''لیفٹیننٹ داور کیسا آدمی ہے؟''

اس سوال پر نادر نے اپنے شانے سکوڑے اور پھر انہیں ڈھیلا چھوڑ کر بولا۔ ''میں تو ہر ایک کو اچھا سمجھتا ہوں کرنل صاحب۔''

''نہیں! وہ بہت اچھا لڑکا ہے۔'' نذرہ خاتون نے کہا۔ میں تصور بھی نہیں کرسکتی۔ وہ بیچارہ تو دوسرے ہی دن اُن سے اپنے باپ کے رویئے پر معافی مانگنے آیا تھا۔

''آپ نے اس کا تذکرہ بھی مجھ سے نہیں کیا۔'' نادر بولا۔

''ضرورت نہیں سمجھی تھی۔'' نذرہ خاتون نے سخت لہجے میں کہا۔

''میرا خیال ہے کہ یہاں میری موجودگی بھی ضروری نہیں ہے۔'' نادر نے کہا اور پیر پٹختا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

''میرا خیال ہے کہ آپ اپنے بیٹے سے ناراض ہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''میں اُس سے نفرت کرتی ہوں۔''

''اُوہ.....!'' فریدی نے حیرت ظاہر کی۔

''اور اس لئے نفرت کرتی ہوں کہ وہ بھی اُس سے سخت متنفر تھے۔ انہوں نے اس کے لئے کیا نہیں کیا۔ لیکن یہ باپ تو کیا سمجھتا، کبھی ایک ہمدرد انسان کی حیثیت سے بھی اُن کی قدر نہیں کی۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔''

''ایک آنسو بھی تو اس کی آنکھ سے نہیں ٹپکا تھا۔ اگر آپ اس کے اور اُن کے تعلقات کے بارے میں مزید معلوم کرنا چاہتے ہوں تو ہماری ملازم شیر گل سے پوچھئے۔''

''تو آپ کو یقین ہے کہ نادر صاحب اس دوران میں یہیں رہے ہیں۔''

''میں نہیں جانتی۔ وہ یہاں رہتا ہی کب ہے۔''

''پھر کہاں رہتے ہیں۔''

''یہ بھی شیر گل ہی سے پوچھ لیجئے گا۔''

''کیا ان کا آپس میں جھگڑا بھی ہوتا تھا۔''

''نہیں..... اس کے باوجود بھی دونوں کے درمیان تناؤ رہتا تھا۔''

''آخر کس بناء پر۔''

''وہ اسے ایک شریف آدمی دیکھنا چاہتے تھے۔''

''ہاں..... آپ داور کے بارے میں بتا رہی تھیں کہ وہ معافی مانگنے آیا تھا۔''

''جی ہاں..... وہ داور کو بہت پسند کرتے تھے۔ بچپن ہی سے وہ اُن سے مانوس تھا اور اپنے گھر والوں سے چھپ چھپ کر یہاں آیا کرتا تھا۔ دراصل انہیں باغبانی کا شوق تھا اور داور کو بھی اس سے لگاؤ تھا۔ وہ اُن سے پودوں کی پیوند کاری سیکھتا تھا۔ گھر والوں سے چھپ کر اس لئے آتا تھا کہ وہ بڑے لوگ ہیں اور اُن کی دانست میں یہ ایک گھٹیا کام ہے جو نچلے

ہی طبقے والوں کے لئے موزوں ہے۔"

"وہ غالباً چھٹی پر ہے ان دنوں۔"

"جی ہاں.....اس دوران میں کئی بار آ چکا ہے۔ میرا مطلب ہے اُنکی روانگی سے قبل۔"

"تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔ اب اجازت دیجئے۔" فریدی اُٹھتا ہوا بولا۔ "ہاں یہ شیر گل کہاں ملے گا۔"

"کمپاؤنڈ کے پھاٹک سے ملحق کوٹھری میں رہتا ہے۔ کئی دنوں سے بیمار ہے۔ اُسے حادثے اس گہرا صدمہ پہنچا ہے۔ آٹھ سال کی عمر سے ہمارے ساتھ ہے۔ وہ اُسے بیٹوں کی طرح عزیز رکھتے تھے۔"

"گویا جوان آدمی ہے۔"

"جی ہاں.....زیادہ سے زیادہ بیس سال کا ہوگا۔"

فریدی وہاں سے اُٹھ کر شیر گل کی کوٹھری کی طرف آیا۔ وہ دروازے کے سامنے ہی چارپائی پر بیٹھا کھانس رہا تھا۔ فریدی کو دیکھ کر اُٹھ گیا۔

"فرمایئے جناب۔" اُس نے بڑے ادب سے کہتے ہوئے چارپائی چھوڑ دی۔

"نادر صاحب کہاں ہیں۔"

"جی.....ابھی تو آئے تھے.....چلے بھی گئے۔ آپ اندر سے دریافت فرمالیجئے جناب۔"

"بیگم صاحبہ نے اس سلسلے میں تمہارا نام لیا تھا۔"

"مم.....میرا نام۔"

"میں دراصل تمہارے مالک کے قتل کی تفتیش کے سلسلے میں دارالحکومت سے آیا ہوں۔"

دفعتاً فریدی نے محسوس کیا کہ اس حوالے پر اُس کے چہرے پر مردنی چھا گئی ہے۔

"کیا تم اس سلسلے میں میری مدد کرسکو گے۔"

"یہاں تو آپ کو بٹھانے کے لئے کچھ نہیں ہے۔"

"اس کی پرواہ نہ کرو۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے مالک نے یہ سفر تنہا نہیں کیا تھا۔ کون تھا اُن کے ساتھ۔"

"ہاں.....انہیں بھی معلوم نہیں۔"

"صاحب ایسے ہی تھے جس معاملے کو ظاہر نہ کرنا چاہتے اُس کی کسی کو ہوا بھی نہیں لگ سکتی تھی۔"

"جانے سے قبل ان کا کسی سے جھگڑا ہوا تھا۔"

"جی ہاں.....خان ناصر سے تکرار ہوگئی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ اُن کے ملازموں نے ہمارے تین مویشی چرالئے ہیں۔"

"اس پر خان ناصر کا لڑکا داور برہم ہوگیا تھا۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا جناب۔ خان داور تو ان کا باپ کی طرح احترام کرتے تھے۔ کسی نے آپ کو غلط راستے پر ڈالنے کی کوشش کی ہے۔"

"میں نے پوچھا تھا نادر صاحب سے کہاں ملاقات ہوسکے گی۔"

"اُن کا کوئی ایک ٹھکانا نہیں ہے۔ قریباً دو سال سے وہ اس حویلی کی چھت کے نیچے نہیں سوئے۔"

"کرتے کیا ہیں۔ ہوائی فوج سے تو چھٹی ہوگئی تھی۔"

"میں نہیں جانتا کیا کرتے ہیں۔"

"شیرافگن سے کیسے تعلقات تھے۔"

"بیگم صاحبہ سے معلوم فرمائیں جناب۔"

"انہوں نے کہا ہے شیر گل مجھ سے زیادہ بہتر طور پر بتا سکے گا۔"

شیر گل طویل سانس لے کر رہ گیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"بس ایسے ہی تعلقات تھے کہ اُن کے قتل کی خبر سن کر بُرا سا منہ بنایا تھا اور بولے تھے ڈیڑھ بالشت کا آدمی نوگزی طوائفیں تلاش کرتا پھرے گا تو اور کیا ہوگا۔ مارے گئے ہوں گے کسی بھڑوے کے ہاتھوں اور پھر مجھے یہ باور کرانے کی کوشش کرتے رہے تھے کہ صاحب عیاشی کی خاطر شکوہ آباد سے باہر جاتے رہتے ہیں۔"

"ہوں.....اور وہ خود اس دوران میں یہیں رہا تھا۔"

"میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ یہاں تو کبھی کبھار آتے ہیں۔"

"یہ بات اُنہوں نے کب کہی تھی۔"

''کل شام کو۔''

''پرسوں بھی یہیں تھا۔''

''میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔''

''اس کی تصدیق کہاں سے ہوسکے گی کہ شیر افگن صاحب کی روانگی کے بعد سے وہ یہیں رہا ہے۔''

''پروفیسر ملیٹھی.....اوہ پروفیسر خلجی ہیں ایک صاحب.....نادر میاں کا زیادہ تر وقت اُنہی کے ہاں گزرتا ہے، ان کی صاحبزادی کے ساتھ۔ بہت دنوں سے وہ لوگ اُس بوٹی کی تلاش میں ہیں جس سے سونا بن جاتا ہے۔''

فریدی کی پیشانی پر سلوٹیں اُبھر آئیں اور شیر گل کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔''ان کی صاحبزادی اور نادر میاں کے بڑے چرچے ہیں شکوہ آباد میں۔ میرے صاحب کو نادر میاں کی یہی باتیں پسند نہیں تھیں۔''

''دونوں کے درمیان اس سلسلے میں جھگڑے بھی ہوتے رہے ہوں گے۔''

''جی نہیں! میرے صاحب نے کبھی کوئی بات اُن کے منہ پر نہیں ڈالی۔ لیکن شدت سے متنفر تھے۔ ارے وہ تو سوتیلے باپ تھے۔ خود بیگم صاحبہ اُن کی شکل دیکھنے کی روادار نہیں ہیں۔''

''تمہیں معلوم ہی ہوگا کہ ان کا قاتل کس طرح فرار ہوا تھا۔''

''جی ہاں! میں نے اخبارات میں تفصیل دیکھی تھی۔''

''پیراشوٹ کا استعمال وہی کرسکتے ہیں۔ جنہوں نے اس کی باقاعدہ طور پر ٹریننگ لی ہو۔''

''میں سمجھ رہا ہوں آپ کیا سوچ رہے ہیں۔ میں پڑھا لکھا آدمی نہیں ہوں پھر بھی پڑھنے کا شوق ہے اور کچھ نہ کچھ پڑھتا ہی رہتا ہوں۔ نادر میاں اپنی ماں کی موت سے پہلے صاحب کی املاک پر قابض نہیں ہوسکتے۔ لہٰذا وہ ایسی حماقت کیوں کرنے لگے۔ یا پھر وہ اتنے ہی سنگدل ہوں گے کہ کچھ دنوں کے بعد ماں کو بھی زہر دے دیں اور پھر صاحب کے ایک سوتیلے بھائی بھی تو ہیں۔ انکی موجودگی میں بیگم صاحبہ کو صرف اتنا ہی ملے گا جتنا ان کا حق ہے۔''

''ظاہر ہے۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔

''اور ان کے حصے کا ہرگز اتنا نہیں ہوسکتا جس کیلئے نادر میاں ایسا کوئی قدم اُٹھائیں۔''

''میں سمجھ رہا ہوں۔ تم بہت ذہین ہو۔''

''مجھے بھی نادر میاں اچھے نہیں لگتے۔ لیکن میں خدا لگتی کہوں گا۔''

''غالباً پندرہ دن پہلے یہاں کچھ دھماکے ہوئے تھے۔''

''جی ہاں۔ ہوئے تو تھے۔''

''میرا خیال ہے کہ کچھ لوگ زخمی بھی ہوئے تھے۔''

''نہیں جناب.....زخمی تو کوئی نہیں ہوا۔ کچھ پتا ہی نہ چل سکا کہ دھماکے کرنے والے کیا چاہتے تھے۔''

''کیوں؟''

''وہ ساری عمارتیں خالی تھیں جن میں دھماکے ہوئے تھے؟''

''بڑی عجیب بات ہے؟'' فریدی نے پرتشویش لہجے میں کہا۔''لیکن گرفتاریاں تو ہوئی تھیں؟''

''جی ہاں۔'' شیر گل نے بُرا سا منہ بنا کر کہا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

''شیر افگن صاحب نے داور کے باپ کی توہین کی تھی۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اپنا غم و غصہ ظاہر نہیں ہونے دیتے اور اپنی اسی فطرت کی آڑ میں بڑے سے بڑا جرم کرجاتے ہیں۔''

''جی ہاں، ہر طرح کے لوگ ہیں دنیا میں۔ لیکن نہ جانے کیوں میں داور صاحب کے بارے میں ایسا نہیں سوچ سکتا۔''

''کوئی خاص وجہ۔''

''آٹھ سال کی عمر سے اُن کو دیکھتا آرہا ہوں۔ اُن کے ظاہر و باطن میں کبھی کوئی نمایاں فرق محسوس نہیں کیا۔''

''پچھلی بار وہ یہاں کب آیا تھا۔''

''میرا خیال ہے کہ اس بار تو نہیں آئے۔ لیکن نہیں ٹھہریئے.....جی ہاں صرف ایک بار آئے تھے۔ اس کے دوسرے دن.....میرا مطلب ہے کہ جب صاحب کا ان کے باپ سے

جھگڑا ہوا تھا اُس کے دوسرے دن اور میری موجودگی ہی میں اپنے باپ کے رویئے پر شرمندگی ظاہر کی تھی۔"

"بڑی غیر فطری سی بات ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اب آپ جو چاہیں تصور فرمائیں۔ میں نے تو جو دیکھا تھا عرض کر رہا ہوں۔"

"اچھا تو پھر کسی ایسے دشمن کی نشاندہی کرو جو تمہاری دانست میں اس حد تک جا سکتا ہو۔"

"ان کا کوئی ایسا دشمن نہیں تھا۔"

"ہو سکتا ہے ناصر خان نے اس سلسلے میں کسی اور سے مدد لی ہو۔ شکوہ آباد میں صرف یہی دو عدد ٹرینڈ افراد تو نہ ہوں گے۔"

"اسکے بارے میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔ ویسے ناصر خان بہت زیادہ بھڑک اُٹھے تھے۔"

"کوئی ایسا آدمی جو ٹرینڈ بھی ہو اور ناصر خان سے قریب بھی۔"

"میں ایسے کسی آدمی کو نہیں جانتا جناب۔"

"بہت شکریہ شیر گل۔ تم سے بڑی مدد ملی ہے۔"

"میں ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں جناب۔"

فریدی نے اپنی گاڑی پھاٹک کے باہر کھڑی کی تھی۔ وہاں سے اپنے ہوٹل واپس آیا اور فون پر ایس پی شہباز کے نمبر ڈائیل کئے۔ دوسری طرف سے فوراً ہی جواب ملا۔

"میں کئی بار رنگ کر چکا ہوں۔" شہباز کی آواز آئی۔ "تازہ ترین اطلاع ہے کہ داور زری کوہ میں پہاڑی بکروں کا شکار کھیل رہا ہے۔ آپ خود دیکھیں گے یا میں اپنے آدمی بھیجوں۔"

"میں خود ہی دیکھ لوں گا، ویسے اگر آپ کا بھی کوئی آدمی ساتھ ہو تو بہتر ہوگا۔"

"بڑی خوشی سے۔ اس کے علاوہ بھی کوئی اور خدمت ہو تو۔"

"بہت بہت شکریہ..... اتنا ہی کافی ہے۔ آپ تین بجے کے قریب اپنے آدمی کو یہیں بھیج دیجئے گا۔"

"بہت بہتر۔"

سلسلہ منقطع کر کے فریدی نے کسی اور کے نمبر ڈائیل کئے تھے۔ دوسری طرف سے نسوانی آواز آئی۔

"پروفیسر خلجی سے ملنا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کون صاحب ہیں۔"

"کرنل فریدی۔"

"توقف فرمایئے۔"

فریدی انتظار کرتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد پوچھا گیا۔ "کون کرنل فریدی۔"

"یہ پروفیسر خلجی ہی کی آواز تھی۔ بلکہ ایسا ہی لگا تھا جیسے کوئی بلی میاؤں میاؤں کرتے کرتے آدمی کی طرح بولنے لگی ہو۔"

"اُوہ، پروفیسر مزاج بخیر۔"

"بخیر و خیر کچھ نہیں۔ میں نے پوچھا تھا کون کرنل فریدی۔"

"احمد کمال فریدی۔ ہم ایک دوسرے کے لئے اجنبی تو نہیں ہیں۔"

"شکل دیکھے بغیر یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ مجھے نام یاد نہیں رہتے۔"

"تو پھر میں آجاؤں شکل دکھانے۔"

"اس وقت فرصت نہیں ہے۔ بکری کی جوئیں نکال رہا ہوں۔"

"کب فرصت ہوگی۔"

"اس کے بعد۔"

"اور یہ بعد کب ہوگا۔"

"تم جھکی ہو کیا.....؟" پروفیسر نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"شکل دیکھ کر ہی فیصلہ کر سکو گے۔"

"اچھا تو آجاؤ۔ میں بکری سے معذرت طلب کر لوں گا۔"

"کیا عمر ہے بکری کی.....!"

"یہی دو ڈھائی سال۔"

"بہت اچھا..... میں آرہا ہوں۔"

فریدی نے ریسیور رکھا ہی تھا کہ گھنٹی بجی اور اُس نے پھر ریسیور اُٹھایا۔

"بی تھرٹین۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "گاڑی اسٹارٹ کرنے سے پہلے یونٹ اُٹھا

کر دیکھ لیجئے گا۔ بی الیون اُس شخص کا تعاقب کر رہا ہے جس نے گاڑی میں کوئی گڑبڑ کی تھی۔"

"شکریہ بی تھرٹین۔" کہہ کر فریدی نے ریسیور رکھ دیا۔ اُس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے کمرے سے نکل کر ڈائننگ ہال میں آیا۔ کافی پی اور سگار سلگا کر اُٹھ گیا۔

"گاڑی کے قریب آیا۔ بونٹ اُٹھا کر دیکھا۔ سلف اسٹارٹر کے کھوکھلے پر میکینیکل شیل والا ایک چھوٹا سا بم چپکا ہوا تھا اور اُسے ایک تار کے ذریعے اسٹارٹر کے تار سے منسلک کر دیا گیا تھا۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ گاڑی اسٹارٹ ہوتے ہی ایک زبردست دھماکہ ہوتا اور پھر گاڑی رہتی اور نہ اسٹارٹ کرنے والا۔

فریدی نے سگار زمین پر ڈال کر جوتے سے رگڑ دیا اور اسٹارٹر سے بم الگ کرنے لگا اور پھر ذرا ہی سی دیر میں اُسے ناکارہ کر کے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈال دیا تھا۔

اور اب لینڈ رور پروفیسر خلجی کے ٹھکانے کی جانب رواں داں تھی۔ سگار فریدی کے ہونٹوں میں دبا ہوا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

تھوڑی دیر بعد اس نے ڈیش بورڈ پر ایک بٹن دبایا۔ سائیں سائیں کی آوازیں آنے لگیں اور اُس نے اونچی آواز میں کہا۔ "ہیلو..... بی الیون..... بی الیون..... ہارڈ اسٹون کالنگ۔"

"بی الیون سر۔" ڈیش بورڈ سے آواز آئی۔

"کیا تعاقب جاری ہے۔"

"مجھے افسوس ہے جناب کہ وہ مجھے دھوکا دے گیا۔ بازار زرگراں میں ایک جگہ اُس نے گاڑی روکی تھی اور اُتر کر ایک دوکان میں داخل ہوا تھا۔ پھر سراغ نہیں مل سکا۔ گاڑی کا نمبر نوٹ کر لیا ہے۔"

"فکر نہ کرو۔ دیکھا جائے گا۔" فریدی نے کہا اور دوسرا بٹن دبا کر ٹرانسمیٹر بند کر دیا۔

پروفیسر خلجی کا بے ہنگم سا بنگلہ ایک ویران سے ٹیلے پر واقع تھا۔ بنگلے تک پہنچنے کیلئے پروفیسر نے ایک چکر دار سڑک بنوائی تھی جس پر ایک وقت میں صرف ایک ہی گاڑی چل سکتی تھی۔

پروفیسر سچ مچ ایک بکری کی جوئیں تلاش کرتا ہی دکھائی دیا۔ عمارت کے باہر ایک درخت کے نیچے بکری کو دبوچے بیٹھا تھا۔ خاصا لحیم شحیم آدمی تھا۔ بال بکھرے ہوئے آنکھوں میں وحشت اور ہونٹوں میں عجیب طرح کا کھنچاؤ پایا جاتا تھا۔ فریدی پر نظر پڑتے ہی بکری کو چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

زور سے قہقہہ لگایا اور بولا۔ "اوہو تو ناریل صاحب ہیں۔"

"مجھے یقین تھا کہ تم مجھے بھولے نہ ہو گے۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔" وہ جھپٹ کر مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ "بکریوں کی جوئیں بھی میری پیدا کردہ ہیں خاص قسم کی جوئیں ایک خاص قسم کی بوٹی کھلا کر پیدا کی ہیں۔"

"ان جوؤں کا کیا کرو گے۔"

"ساری دنیا کی بکریوں میں پھیلاؤں گا اور پھر وہ دوا بازاروں میں بھیجوں گا جس سے ان جوؤں کا خاتمہ ہو سکے گا۔"

"خیال اچھا ہے۔"

"اس سے بھی زیادہ اچھے خیالات میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔"

"کیا تم مجھے اندر لے جا کر بٹھاؤ گے بھی نہیں۔"

"ارے ہاں..... وہ تو میں بھول ہی گیا۔ مہمانوں کو بٹھاتے بھی ہیں۔ آؤ..... آؤ۔"

ڈرائینگ روم کیا تھا اچھا خاصا باغیچہ تھا۔ جگہ جگہ گملے رکھے ہوئے تھے جن میں بھانت بھانت کے پودے لگے ہوئے تھے اور دیواروں پر طرح طرح کی بیلیں رینگ رہی تھیں۔

"تم میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہیں ہوئی پروفیسر۔" فریدی نے کہا۔

"اور کیا تم میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے ناریل صاحب۔"

"نہیں مجھ میں بھی نہیں ہوئی۔"

"ہاں..... اب مجھے کہنا چاہئے کہ تشریف رکھئے جناب۔" فریدی ایک صوفے پر سے کسی قسم کی گھاس کا چھوٹا سا گٹھڑا ہٹا کر بیٹھتا ہوا بولا۔

"کیا تکلیف ہے تمہیں۔"

"ایک قتل ہو گیا ہے۔ دارالحکومت میں۔ یہیں کا باشندہ تھا۔ شیر افگن۔"

''ہاں تھا تو..... پھر میں کیا کروں۔''

''میں نے سنا ہے کہ اُس کی بیوی کا بیٹا نادر تمہارے گہرے دوستوں میں سے ہے۔''

''ہاں ہے تو..... اُسے بھی جڑی بوٹیوں سے دلچسپی ہے۔''

''کیا وہ پچھلے ایک ہفتے سے اب تک یہیں رہا ہے۔''

''یہاں کیوں رہتا۔ کیا یہ اُس کے باپ کا گھر ہے۔''

''نہیں میرے باپ کا گھر ہے اس لئے وہ یہاں رہ سکتا ہے۔'' دفعتاً بائیں جانب سے ایک چیختی ہوئی سی نسوانی آواز آئی۔

فریدی اُٹھ گیا۔ شاید یہ پروفیسر کی بیٹی رضوانہ تھی۔ بہت چھوٹی سی تھی۔ جب فریدی نے اسے دیکھا تھا۔ اب تو پہاڑ ہوگئی تھی۔ باپ ہی کا سا ڈیل ڈول پایا تھا۔ خطوط دلآویز تھے۔ لیکن آنکھوں میں باپ ہی کی سی آنکھوں کی وحشت پائی جاتی تھی۔ بڑے بڑے بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے اور اُس نے ہپی لڑکیوں سی وضع اختیار کر رکھی تھی۔

''یہ..... یہ بابونہ ہے۔'' پروفیسر نے تعارف کرایا ''اور مسٹر ناریل..... انہوں نے اپنا نام فون پر کچھ اور بتایا تھا لیکن میں انہیں ناریل کے نام سے یاد رکھتا ہوں۔''

''اور رضوانہ کو بابونہ بنا دیا ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''شائد میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہے۔'' رضوانہ بولی۔

''بہت چھوٹی سی تھیں تم جب مجھے ایک ماہ کے لئے جڑی بوٹیوں سے دلچسپی ہوگئی تھی اور میں پروفیسر کے ساتھ یہاں کے جنگلوں میں بھٹکتا پھرتا تھا۔''

''آپ شائد نادر کے بارے میں کچھ پوچھ رہے تھے۔ مجھ سے پوچھئے وہ میرا دوست ہے۔''

پروفیسر ایک طویل سانس لے کر دھم سے ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

''میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ پچھلے ہفتے سے اب تک وہ کہاں کہاں رہا ہے۔''

''پچھلے ہفتے سے اب تک ہر رات اُس نے یہیں گزاری ہے۔ لیکن ڈیڈی کو اس کا علم نہیں۔ رات کو اُس کے لئے لائبریری میں پلنگ ڈلوایا جاتا ہے اور وہ رات گئے تک کتابوں میں کھویا رہتا ہے۔''

''مجھے کیوں علم نہیں ہے۔'' پروفیسر زور سے چیخا۔

''ضروری نہیں ہے کہ اس وسیع کائنات میں واقع ہونے والی ہر بات کا علم آپ کو ہو۔ آپ تو یہ بھی نہیں جانتے کہ آپ کا دل اس وقت کس رفتار سے دھڑک رہا ہے۔''

''تم نے دیکھا۔'' دفعتاً پروفیسر خوش ہو کر بولا۔ ''بابونہ کتنی عقلمند ہے۔''

''تمہاری ہی بیٹی ہے۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا اور چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ ''ہاں تو وہ لائبریری میں سوتا ہے۔''

''جی ہاں اور اُس نے شیر افگن کے قتل کی خبر سنتے ہی کہہ دیا تھا کہ اُس پر ضرور شبہ کیا جائے گا۔''

''اوہو..... لیکن شبہے کی بھی کوئی معقول وجہ ہوتی ہے۔''

''قاتل کے فرار کا طریقہ۔ اُس نے پیراشوٹ استعمال کیا تھا اور وہ ٹرینڈ قسم کا پیراٹروپر ہے۔''

''لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ اس دوران میں شکوہ آباد سے باہر نہیں گیا تو شبہے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

''آپ دارالحکومت سے آئے ہیں اور آپ نے فون پر اپنا نام کرنل فریدی بتایا تھا۔''

''جی ہاں۔''

''ایس پی شہباز کے آدمی بھی یہاں آ کر اُس کے بارے میں پوچھ گچھ کر چکے ہیں۔''

''نادر صاحب اس وقت کہاں ہیں میں ان سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔''

''اس وقت پتا نہیں کہاں ہوگا۔ لیکن شام تک ضرور آئے گا۔ رات یہیں بسر کرتا ہے۔ دراصل ہم دونوں ایک خاص قسم کی بوٹی کی تلاش میں ہیں۔''

''وہ تمہیں کبھی نہیں ملے گی۔ اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔'' پروفیسر سخت لہجے میں بولا۔

''کس بوٹی کا ذکر ہے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''سوفی بوٹی کا جس سے سونا بن جاتا ہے۔'' پروفیسر بولا اور بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

''چیتے کی کھال والی جلد کی قلمی کتاب میں اُس کا ذکر موجود ہے۔'' رضوانہ نے کہا۔

''بکواس ہے! بادشاہوں کو خوش کرنے کے لئے بعض چالاک قسم کے پڑھے لکھے لوگ

اس قسم کی ہوائیاں چھوڑ دیا کرتے تھے۔"

"نادر کا ذریعہ معاش کیا ہے؟" فریدی نے رضوانہ سے سوال کیا۔

"میں نہیں جانتی۔ لیکن اس کی جیب کبھی خالی نہیں دیکھی۔"

فریدی نے جیب سے سگار نکالا ہی تھا کہ پروفیسر ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ "یہاں نہیں! بعض پودے تمباکو کا دھواں برداشت نہیں کر سکتے۔"

"آپ میرے کمرے میں چلئے۔" رضوانہ بولی۔

"کیوں نہ لائبریری میں چلیں۔ میں بھی وہ قلمی نسخہ دیکھنا چاہتا ہوں جس کا ذکر ابھی آپ نے کیا تھا۔"

"ضرور ضرور۔"

فریدی اُٹھ گیا۔ پروفیسر جہاں تھا وہیں بیٹھا رہا۔ اُس نے اس پر اعتراض بھی نہیں کیا تھا کہ رضوانہ اُسے لائبریری میں لے جا رہی ہے۔

لائبریری بھی کباڑ خانہ ہی ثابت ہوئی۔ الماریوں پر گرد کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ آج پھر پلنگ یہیں چھوڑ گیا۔" رضوانہ پیر پٹخ کر دھاڑی۔ "کتنی بار کہا ہے کہ صبح پلنگ یہاں سے ہٹا دیا کرو۔ آپ دیکھ رہے ہیں بستر تک نہیں لپیٹا۔ میں تنگ آ گئی ہوں اس شخص سے۔ یہ دیکھئے تین تین ایش ٹرے رکھے ہوئے ہیں لیکن سگریٹ کے ٹوٹے فرش ہی پر پھینکتا ہے۔"

فریدی نے سگریٹ کا ایک ٹوٹا اُٹھایا اور اُسے ناک کے قریب لے گیا۔ رضوانہ زور سے ہنس پڑی اور بولی۔ "نہیں وہ چرس نہیں پیتا۔ یہ میرا شوق ہے۔ میں چرس پیتی ہوں۔"

"پروفیسر کے علم میں ہے۔"

"جی ہاں..... وہ جانتے ہیں۔"

"ہاں تو یہ نادر کا بستر ہے۔"

"جی ہاں..... آپ سگار سلگا لیجئے۔"

"شکریہ..... میرا خیال ہے کہ پروفیسر نادر کو پسند نہیں کرتے۔"

"میرے علاوہ شاید ہی کوئی اُسے پسند کرتا ہو۔ بات دراصل یہ ہے کہ میری حد تک وہ بے حد تک سعادت مند ہے۔ جب بھی مجھے غصہ آتا ہے پیٹ کر رکھ دیتی ہوں۔ خاموشی سے

پٹتا رہتا ہے اور پھر آنسو بھری آنکھوں سے دیکھتا ہوا خاموشی سے رخصت ہو جاتا ہے۔"

"شاید ماں کو ترسا ہوا ہے بیچارہ۔" فریدی نے مغموم لہجے میں کہا۔

"بالکل یہی بات ہے۔ ماں نے دوسری شادی کر لی تھی۔"

"مجھے علم ہے۔" فریدی نے کہا اور تیز نظروں سے لائبریری کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر بولا۔ "ذرا دکھائیے تو..... وہ کتاب۔"

رضوانہ ایک الماری کی طرف بڑھی اور اسے کھول کر کتابوں کی قطاروں پر نظر دوڑاتی رہی پھر مایوسانہ انداز میں بولی۔ "شاید نادر ہی نے کہیں اور رکھ دی ہے۔ ہم اس کتاب کی بہت حفاظت کرتے ہیں۔ اس میں ایسی بوٹیوں کا ذکر بھی ہے جو مُردوں میں جان ڈال دیتی ہیں۔"

"جب بھی ملے ضرور دکھائیے گا۔ اچھا اب اجازت دیجئے۔"

"پھر کبھی تشریف لائیے گا۔ لیکن ڈیڈی آپ کو ناریل کیوں کہتے ہیں۔"

"خدا ہی جانے آپ کو بھی تو بابو نہ کہتے ہیں۔"

"اور خود ملیٹھی کہلاتے ہیں۔" وہ زور سے ہنس پڑی۔

واپسی پر فریدی کو ڈرائینگ روم ہی سے گزرنا پڑا تھا۔ رضوانہ وہیں رہ گئی تھی اور پروفیسر اُس کے ساتھ باہر چلا آیا تھا۔

"مجھے یہ لڑکی سخت ناپسند ہے۔" پروفیسر نے فریدی کی گاڑی کے قریب پہنچ کر کہا۔ "لیکن میں اُسے گولی نہیں مار سکتا۔"

"ارے پروفیسر! ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے۔ آہستہ آہستہ عقل آ جائے گی۔ اچھا خدا حافظ۔ جلد ہی پھر ملاقات ہوگی اور ہم جڑی بوٹیوں پر باتیں کریں گے۔"

اُس کی گاڑی پھر شہر کی طرف جا رہی تھی۔ شہباز کے آدمی کو ساتھ لے کر زری کوہ کی طرف بھی تو جانا تھا۔

اس نے مڑ کر دیکھا۔ ناکارہ کیا ہوا بم اب بھی پچھلی سیٹ پر پڑا ہوا تھا۔

پھر وہ تینوں اُس بھیڑ میں ضم ہوگئے۔ قریباً ڈھائی درجن ہپی رہے ہوں گے۔ ان میں دیسی بدیسی عورت مرد سبھی شامل تھے اور آغا طاہر نے ان چھ افراد کی نشاندہی بھی کردی تھی جو کچی افیون اور ہیروئن کا تبادلہ کرتے تھے۔

حمید نے قاسم کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ وہ ان لوگوں پر اپنی دولتمندی کا اظہار ہرگز نہ ہونے دے۔

''اپنی کمپنی کے علاوہ اور کسی کے سامنے زبان نہ کھولنا۔'' حمید نے مزید مشورہ دیا۔

''آخر کیوں؟''

''پول کھل جائے گا کہ ہم بنے ہوئے ہیں۔ میری دی ہوئی سگرٹیں پھونکتے رہو، ان کے دھوئیں میں چرس کی بو شامل ہوگی۔ لیکن چرس کے اثرات سے پاک ہیں۔''

''اگر دھواں حلق سے اُتر گیا تو میں کھانستے کھانستے مرجاؤں گا۔''

''کوشش کرو کہ حلق سے نیچے نہ اترنے پائے۔''

''ابے میں تو کہتا ہوں ختم قرویہ چکر۔ اس سکی پکی کی وجہ سے عورتوں سے جی بھر گیا ہے۔''

''میرا تو نہیں بھرا ہے۔''

''آخر حمید بھائی کب آئیں گے۔''

''یار وہ بات نہ پوچھو جس کا جواب میرے پاس نہ ہو۔''

''اگر تم دونوں آپس میں بھی انگلش میں گفتگو کیا کرو تو کیا حرج ہے۔'' سکی بول پڑی۔

''عادت نہیں ہے کوشش کریں گے۔'' حمید نے کہا اور قاسم سے انگلش میں بولا۔ ''تم دونوں مجھے بہت اچھے لگتے ہو۔''

''شکریہ۔'' سکی مسکرائی اور پیار بھری نظروں سے قاسم کی طرف دیکھنے لگی۔

''ابے قرا قا خان تم خود ہی اس سے محبوبت قیوں نہیں قر لیتے۔'' قاسم نے اردو میں کہا۔

''محبت کی نہیں جاتی ہوجاتی ہے۔ اسے تم سے محبت ہوگئی ہے۔''

''ہوا قرے میرے ٹھینگے سے مجھے تو نہیں ہوئی۔''

''آخر کیا بُرائی ہے بیچاری میں۔ اگر اس نے مجھ سے محبت کی ہوتی تو میں اسے ملکہ ہفت اقلیم بنا دیتا۔''

''قرالو اور بنا دو۔ کسی نے روکا ہے قیا۔''

''محبت زبردستی نہیں کرائی جاتی۔''

''تم لوگ پھر آپس میں اپنی ہی زبان بولنے لگے اور میں بیوقوفوں کی طرح بیٹھی ہوئی ہوں۔'' سکی نے کہا۔ ''اب وہ کتابیں نہیں پڑھتی تھی، چرس کے سگریٹ بھی کم سے کم پیتی تھی۔''

ہپیوں کا قافلہ شام ہوتے ہی ایک جگہ رک گیا تھا اور ان چھ ہپیوں نے جگہ جگہ نائلین کی چھولداریاں نصب کردی تھیں جو اسمگلروں کے کارپرداز تھے۔

ایک چھولداری ان تینوں کے حصے میں بھی آئی تھی۔ لیکن وہ سب ابھی کھلے آسمان ہی کے نیچے بیٹھے ہوئے دھواں اڑا رہے تھے۔ دفعتاً اُن چھ کارپردازوں میں سے ایک ان تینوں کے پاس آ بیٹھا۔ دراصل قاسم کا ڈیل ڈول ہر ایک کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔

''تم لوگ کہاں سے آئے ہو۔'' ہپی نے پوچھا۔

''امریکہ سے۔'' حمید نے جواب دیا۔ ''مہاگرو کرن جی کے چیلے ہیں۔''

''تم دونوں تو ادھر ہی کے جان پڑتے ہو۔''

''ہاں ہم دونوں امریکہ میں تعلیم حاصل کررہے تھے کہ ایک دن مہاگرو کرن جی سے ملاقات ہوگئی اور پھر ہماری دنیا ہی بدل گئی۔''

''لڑکی تو بڑی زوردار ہے تمہارے ساتھ۔''

''اُس کی محبوبہ ہے۔'' حمید نے قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''فاقے کرلیتا ہے لیکن اُسے پڑی سے نہیں اُترنے دیتا۔''

''شکوہ آباد سے واپس آکر کہاں جاؤ گے۔''

''جہاں لہر لے جائے۔ اب تو ساری دنیا اپنی ہے۔''

''سگریٹ ہو تو نکالو.....!''

حمید نے اپنے چہرے پر کرب کے آثار پیدا کرکے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک چرس

بھری سگریٹ نکال کر اس کے حوالے کر دی۔

''اپنے ساتھی سے کہو گیٹار پر کچھ سنائے۔'' اُس نے سگریٹ سلگا کر دھواں چھوڑتے ہوئے کہا۔

''وہ بہت تھکا ہوا ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''مجھ سے سن لو۔''

حمید نے ہاتھ بڑھا کر گیٹار اٹھایا اور جرک اینڈ شیک بجانے لگا۔ وہ سب چونکے تھے اور اس کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ کئی لڑکیوں نے اُٹھ کر تھرکنا شروع کر دیا تھا۔

پھر آہستہ آہستہ سبھی اس طرف آ گئے اور ان تینوں کے گرد حلقہ بنا کر تھرکنے لگے۔

ہپی اُٹھ کر کھسک گیا تھا۔ سکی نے قاسم سے کہا۔ ''تم بھی اُٹھو۔''

وہ تو پہلے ہی بیٹھے بیٹھے تھرک رہی تھی۔

''ابے یہ تم نے قیا شروع قر دیا۔'' قاسم حمید کو آنکھیں دکھا کر بولا۔ ''اس طرح تو میرا باپ بھی نہیں ہل سکتا۔''

لیکن حمید اپنی دھن میں مست زخمہ زنی کرتا رہا۔

''اُٹھو نا۔'' سکی قاسم کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہوئی بولی۔

''ارے باپ رے مرغیا۔'' کراہتا ہوا اُٹھا اور بے ہنگم پنے سے ہل ہل کر قراقا خان کی ایسی کی تیسی کرنے لگا۔

ادھر حمید نے میوزک کے اُتار چڑھاؤ کے ساتھ ''قوخان قوخان، قق قوخان.....!'' الاپنا شروع کر دیا۔

''سالے جیندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

اتنے میں دو لڑکیاں حمید کی طرف جھپٹیں اور ایک نے کہا۔ ''گیٹار اسے دو۔ یہ بجائے گی۔ تم میرے ساتھ ناچو۔''

حمید نے بڑی سعادت مندی سے اس کا کہنا مان لیا۔ بس ذرا سی دیر کے لئے میوزک بند ہوا تھا اور سب لڑکھڑانے لگے تھے۔ لڑکی نے پھر گیٹار سنبھال لیا۔ ادھر حمید کی پارٹنر بے حد جوشیلی ثابت ہو رہی تھی۔ بار بار اُس سے ٹکرا جاتی تھی اور زور سے قہقہہ لگاتی۔ خاصی جاندار تھی اور ہنستے وقت گالوں میں گڑھے پڑ جاتے تھے۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آنکھیں

چمک رہی تھیں۔

حمید نے بھی وہ اچھل کود مچائی کہ خود اُسے بھی اپنے اوپر حیرت ہونے لگی۔

''تم بہت پھرتیلے ہو۔'' ہم رقص بولی۔

''قراقا خان نام ہے..... تم کون ہو۔''

''میں میگی ہوں..... میرا پارٹنر بیمار ہو گیا ہے۔ اُس کے لئے کچھ مدد کر دو۔''

''ضرور..... ضرور..... بڑی خوشی سے ابھی کر دوں گا مدد۔''

''وہ مر ہی جائے تو بہتر ہے۔ اب اُس میں کچھ نہیں رہا۔''

''تم تو زندگی سے بھرپور ہو۔'' حمید نے کہا۔

''میں زیادہ نہیں پیتی۔ میں تو دنیا دیکھنے نکلی ہوں۔ تمہارا ساتھی دیو معلوم ہوتا ہے..... ارے لو..... وہ تو بیٹھ ہی گیا۔''

''پہاڑ ہے۔ اپنی پارٹنر کے کہنے سے کھڑا ہو گیا تھا۔''

ادھر قاسم دھڑ سے لیٹ بھی گیا۔ ساتھ ہی کہتا جا رہا تھا۔ ''الا میار بھ۔ بکے ماف قر دو۔ اب ایسی گلتی نہیں ہوگی..... ارے باپ رے۔ یہ پیٹ میں قیا چیز اینٹھ رہی ہے۔''

''ارے ارے یہ تمہیں کیا ہو گیا۔'' سکی اُس پر جھکتی ہوئی بولی۔

''میرے پیٹ میں کچھ ہو گیا ہے۔'' قاسم کراہتا ہوا بولا۔ ''مجھے ناچنے کودنے کی عادت نہیں ہے۔''

''معافی چاہتی ہوں جان..... مجھے معاف کر دو۔ اس کا دھیان ہی نہیں رہا تھا مجھے۔''

''سالی جان بھی جلائے غی۔'' قاسم اردو میں بڑبڑایا۔

''اُٹھو..... اُٹھ جاؤ..... چلو کہیں دور چل کر بیٹھتے ہیں۔''

''پیٹ کے اندر والی چیز سیدھی ہو جائے تو اُٹھو۔''

''کیا ہے پیٹ میں۔''

''بھینس کا بچہ۔'' قاسم جھنجھلا کر بولا۔

''میں کہتی ہوں جان مجھے معاف کر دو غصہ نہ کرو۔''

''اچھا اچھا چپ رہو تھوڑی دیر۔''

وہ اس کے پاس ہی بیٹھ کر اُسے پرتشویش نظروں سے دیکھنے لگی۔ قاسم دل ہی دل میں قراقا خان اور حمید دونوں کو گالیاں دینے لگا۔ پھر اُس کی نظر حمید کی ہم رقص پر پڑی اور وہ بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑایا۔ ''خدا قرے وہ تمہیں ہیضہ ہی کرادے۔''

''کیا کہہ رہے ہو۔'' سکی نے پوچھا۔

''کچھ کہہ نہیں رہا، ہائے ہائے کر رہا ہوں۔'' قاسم جھلا کر بولا۔

''میری وجہ سے تمہیں بڑی تکلیف پہنچی۔''

دفعتاً گیٹار بند ہوگیا اور حمید کی ہم رقص ہنستی ہوئی بیٹھ گئی اور حمید نے بھی اُس کا ساتھ دیا۔

''مزہ آ گیا۔ بڑی روکھی پھیکی گزر رہی تھی۔'' میگی نے کہا۔ ''چرس ہماری زندہ دلی بھی پی گئی ہے۔''

''سمجھتی ہو تو ترک ہی کر دو نا۔''

''میں صرف دنیا دیکھنے نکلی تھی۔ اُس کی صحبت میں پینے لگی۔ اُس کے پھیپھڑے تو جواب دے چکے ہیں۔ ہر وقت کھانستا رہتا ہے۔ میں نے کہا تھا کہ کچھ مدد کر دو۔''

حمید نے دس دس کے پانچ نوٹ نکال کر اُس کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔

''زندہ دل ہی نہیں فیاض بھی ہو۔ اندھیرا پھیلنے دو۔ میں آ جاؤں گی۔''

''اس کی ضرورت نہیں۔ میں صرف زندہ دل ہوں اور فیاضی کا معاوضہ کبھی طلب نہیں کیا۔''

''نروان کی تلاش میں ہو۔''

''نہیں..... نروان خود مجھے کہیں تلاش کرتا پھر رہا ہوگا۔ اب جاؤ اور اپنے پارٹنر کی دیکھ بھال کرو۔''

وہ مزید شکریہ ادا کر کے اُس کے پاس سے ہٹ گئی۔ حمید قاسم کے پاس آیا۔ وہ اب بھی اُسی طرح لیٹا کراہے جا رہا تھا۔

''ارے..... ارے..... یہ کیا ہو رہا ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''اسے نفرت قرا رہا ہوں اپنے سے۔''

''اسے پتا نہیں کیا ہوگیا ہے۔'' سکی بولی۔ ''کہتا ہے پیٹ میں کوئی چیز اینٹھ رہی ہے۔''

''زندہ چھپکلیاں کھا گیا ہوگا۔''

''اُو.....!'' قاسم نے زوردار اوبکائی لی اور اُٹھ بیٹھا۔ سکی اچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔

''میں کسی کو قے کرتے نہیں دیکھ سکتی۔ تم اسے سنبھالو۔'' سکی نے کہا اور دوڑتی ہوئی اپنی چھولداری کی طرف چلی گئی۔

قاسم سچ مچ قے کرنے لگا تھا۔ دور دور تک اُس کے ڈکرانے کی آوازیں گونج رہی تھیں اور وہ سب وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے اور حمید قاسم کے پیچھے بیٹھا اُس کی گدی سہلا رہا تھا۔

''اغے..... اُوغ..... خدا تمہیں غارت کرے۔''

''میں نے کیا کیا ہے۔''

''چپ راؤ..... سالے۔''

''بڑی مشکل سے قاسم نے اپنی طبیعت پر قابو پایا تھا۔ حمید اُسے سہارا دے کر چھولداری تک لایا اور ایک کنارے لٹا دیا۔''

''اب کیا ہوگا۔'' سکی گھبرائے ہوئے انداز میں بولی۔

''کچھ بھی نہیں۔ مرا تو نہیں جا رہا۔'' حمید نے کہا۔

''ابے مروتم۔'' قاسم ہاتھ ہلا کر بولا۔ ''سالے گیٹار بجا رہے تھے۔''

اور حمید کو گیٹار کا خیال آ گیا۔ کہاں گیا گیٹار..... اوہ کہیں وہ لڑکی تو نہیں پار کر لے گئی۔ چھولداری سے نکل کر دوسری چھولداریوں کی طرف چل پڑا۔ گیٹار وصول ہی کرنا تھا۔

اول درجے کے چور ہوتے تھے۔ اگر کوئی چیز ان کے قبضے میں چلی جائے تو پھر اُس کی واگزاری کارے دارد۔

بہرحال حمید گیٹار سے ہاتھ نہیں دھونا چاہتا تھا۔ فی الحال وہی تو ایک دل بہلانے والی چیز تھی۔ میگی سے پہلے ملاقات ہوئی اور حمید نے اُس سے گیٹار کے بارے میں استفسار کیا۔

''اوہ شاید ہلدا لے گئی۔ وہی جو بجا رہی تھی۔ تمہیں فوراً ہی اُس سے لے لینا چاہئے تھا۔'' میگی نے کہا۔ ''اس نے اپنا گیٹار فروخت کر دیا تھا۔ شاید ہی واپس کرے۔ اس کا ساتھی خطرناک آدمی ہے۔''

''تم اس کی فکر نہ کرو کہ وہ کتنا خطرناک ہے۔ بس تم مجھے ان لوگوں تک پہنچا دو۔''

''ویسے ہوسکتا ہے کہ اُس کا ساتھی کسی معقول رقم کے عیوض تمہارا گیٹار واپس کرادے۔''

''دیکھا جائے گا۔تم آگے تو بڑھو۔''

وہ اُسے اُس جگہ لے آئی جہاں کئی ہپی آگ روشن کئے ہوئے اُس کے گرد بیٹھے تھے۔ اُن میں دو ہپی کارپردازوں میں سے بھی تھے۔ ہلدا گیٹار کو گود میں رکھے اس طرح سہلا رہی تھی جیسے کسی شیر خوار بچے کو سہلانے کی کوشش کررہی ہو۔حمید اُس کے سامنے ہاتھ پھیلا کر کھڑا ہوگیا۔

''کیا ہے.....؟'' اس نے تنک کر پوچھا۔

''میرا گیٹار واپس کرو۔''

''یہ تو اب میرا ہے۔'' وہ ہنس پڑی۔

''بھلا وہ کس طرح۔''

''اس طرح کہ میرے قبضے میں.....!''

''واپس نہیں ملے گا.....جاؤ۔'' ایک سفید فام ہپی ہاتھ ہلا کر بولا۔

کارپرداز ہپیوں میں سے ایک بولا۔''جاؤ یار..... بات نہ بڑھاؤ۔''

''اس میں بات بڑھانے کی کیا ضرورت ہے۔ میں اپنا گیٹار واپس مانگ رہا ہوں۔''

''دیا کیوں تھا؟''

''اس کی ساتھی لڑکی نے میرے ساتھ ناچنے کی فرمائش کی تھی اور گیٹار یہ مجھ سے لے کر بجانے لگی تھی۔''

''تمہیں نہیں دینا چاہئے تھا۔''

''میں وصول کرلوں گا۔روہیلہ پٹھان ہوں۔''

''جھگڑا کروگے۔''

''یقیناً.....اور مجھے اُمید ہے کہ تم دونوں ان کا ساتھ نہیں دو گے کیونکہ تم بھی پٹھان معلوم ہوتے ہو۔''

اُس نے اپنے ساتھی کو اُٹھنے کا اشارہ کیا اور پھر وہ دونوں وہاں سے چلے گئے۔ ہلدا کا ساتھی حقارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ حمید کو دیکھے جارہا تھا۔

''میں آخری بار کہہ رہا ہوں کہ گیٹار واپس کردو۔''

''ہمت ہوتو لے لو۔'' ہلدا کا ساتھی اُٹھتا ہوا بولا۔حمید اس طرح جھکا جیسے ہلدا سے گیٹار چھین لے گا دوسرے ہی لمحے میں غیر ملکی ہپی نے اُس پر چھلانگ لگائی۔لیکن حمید گیٹار کے لئے تو نہیں جھکا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ دوسرے لمحے میں کیا ہونے والا ہے۔لہٰذا بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ کر ہپی کی پیشانی پر زوردار ٹھوکر رسید کی۔ وہ تیورا کر ڈھیر ہوگیا۔ دوسرے ہپی بھی اُٹھ کھڑے ہوئے لیکن الاؤ کی روشنی میں انہوں نے ایک لمبے پھل والے چاقو کی چمک دیکھی۔

حمید چاقو لہرا کر بولا۔''اسے تو ایک گھنٹے سے پہلے ہوش نہیں آئے گا۔اگر تم میں سے کوئی موت کا مزا چکھنا چاہتا ہوتو آگے بڑھے۔لیکن وہ جہاں تھے وہیں کھڑے رہے۔''

ہلدا چیخ چیخ کر حمید کو گالیاں دے رہی تھی۔ پھر اُس نے گیٹار اُس پر کھینچ مارا۔حمید غافل نہیں تھا۔اس نے نہایت آسانی سے اُسے بائیں ہاتھ سے روک کر پکڑلیا۔ پھر اُس نے بڑی خوشدلی سے ''شب بخیر'' کہا اور واپسی کے لئے مڑگیا۔میگی اور دونوں کارپرداز ہپی جو دور کھڑے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے جھپٹ کر حمید کی طرف آئے۔

''یار واقعی بات کے پکے ہو.....!'' ان میں سے ایک بولا۔

''اگر غصہ نہ آجائے تو بے حد شریف اور امن پسند آدمی ہوں۔''

''چلو.....چلو..... یہاں سے چلو۔'' میگی اُس کا بازو پکڑ کر بولی۔

حمید اُس کے ساتھ چل پڑا۔

''بہت اچھا ہوا۔اُس کا غرور توڑ دیا تم نے۔'' میگی نے کہا۔''ہر ایک سے چھین جھپٹ کرتا رہتا تھا۔میرے پارٹنر کو ایک بار مارا بھی تھا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ کہتی رہی۔''میں تو ڈر رہی تھی کہ کہیں پٹ نہ جاؤ۔شکاگو میں اس نے تین قتل کئے تھے۔فخریہ بتایا کرتا ہے۔''

''میں ہر وقت مرنے کے لئے تیار رہتا ہوں اس لئے کم ہی مار کھاتا ہوں۔''

''آؤ کچھ دیر ادھر بیٹھیں۔'' وہ ایک ویران جگہ پر رکتی ہوئی بولی۔

''ضرور ضرور۔'' حمید نے کہا۔ اُس کے داہنے ہاتھ میں اب بھی کھلا ہوا چاقو تھا اور

بائیں میں گیٹار۔

وہ وہیں بیٹھ گئے اور حمید نے چاقو بند کر کے جیب میں ڈال لیا۔

''تمہارا اسٹائل بہت شاندار تھا۔'' میگی بولی۔

''اسٹائیل دکھانے کا موقع ہی کہاں ملا۔ وہ بیہوش ہو گیا تھا اور دوسرے اپنی جگہ سے ہلے بھی نہیں تھے۔''

''تم پہلی بار ہمارے شریک ہوئے ہو۔''

''تو کیا تم بہت دنوں سے اُدھر کے ٹرپ کر رہی ہو۔''

''ہاں..... چھ ہ ہو گئے۔ ہر پندرھویں دن اُدھر جاتے ہیں۔''

''پکڑ دھکڑ نہیں ہوتی۔''

''نہیں..... بس پھر ادھر ہی دھکیل دیئے جاتے ہیں۔''

''ہم تینوں کے علاوہ تم میں اور کوئی نیا آدمی نہیں ہے۔''

''ہیں کیوں نہیں۔ تمہارے علاوہ بھی پانچ آدمی اور ہیں۔''

''کیا اُدھر بہت سستی چرس ملتی ہے۔''

''ہمیں تو مفت ملتی ہے اور پیسے بھی ملتے ہیں۔''

''کون دیتا ہے۔''

''وہ چھ آدمی ہیں۔ ان میں سے جو ہٹ گئے تھے اُن ہی چھ میں شامل ہیں۔ وہ ہمیں اُدھر لے جاتے ہیں۔ چرس بھی دیتے ہیں اور پیسے بھی دیتے ہیں۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔ انہوں نے ہم سے تو ایسی کوئی بات نہیں کی۔''

''ہر ایک سے نہیں کرتے۔ دوسرے اپنے پیسوں ہی سے خریدتے ہیں۔ مثلاً نئے آدمی جیسے تم تینوں ہو اور وہ پانچ آدمی یہ اپنے پیسوں ہی سے خریدیں گے۔''

''لیکن وہ چھ آدمی ایسا کیوں کرتے ہیں۔ انہیں اس سے کیا فائدہ پہنچتا ہے۔''

''ہمیں اس سے کیا سروکار۔ ہم اس کے بارے میں سوچتے ہی نہیں۔ اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔ پہلے ہم بھی خود ہی خریدنے کے قابل تھے۔ لیکن جب مفلس ہو گئے تو انہوں نے سہارا دیا۔''

''اُوہ..... مجھے بھی اس سے کیا سروکار..... مجھے تو سستی چرس چاہئے۔''

''جب مفلس ہو جانا تو انہیں بتا دینا وہ تم پر بھی عنایت کریں گے۔''

''حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ مزید معلومات کس طرح حاصل کرے۔ اس قسم کے سوالات نہیں کرنا چاہتا تھا جس سے مقصد کا اظہار ہو جائے۔ وہ بڑی معصومیت سے بات کر رہی تھی۔ لیکن کیا اُسے مقصد کا علم نہ رہا ہوگا۔''

تھوڑی دیر بعد اُس نے کھنکار کر کہا۔ ''ہم اتنی خریدیں گے کہ ہمارا کم از کم ایک ماہ بخوبی گزر جائے کیونکہ ہم آگے بڑھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ہمارے ساتھ جو لڑکی ہے دراصل اسکالر ہے اور آثار قدیمہ اس کا موضوع ہے اور میں بھی ازم پر ایک کتاب لکھ رہا ہوں۔ شائد دوسری بار تم ہم لوگوں کو اپنے قافلے میں نہ دیکھو۔''

''کتابیں لکھنے والے چاقو باز نہیں ہوتے۔ تم پتا نہیں کیا چیز ہو۔'' وہ ہنس کر بولی۔

''فوج سے نکالا ہوا ہوں۔ مزید تعلیم حاصل کرنے امریکا چلا گیا تھا وہاں مہا گرو کرن جی سے ملاقات ہو گئی اور اس حال کو پہنچ گیا۔''

''مگر تم تنہا ہو۔''

''نہیں تو..... وہ دونوں بھی ہیں۔''

''تمہاری کوئی پارٹنر نہیں ہے۔''

''جب پیدا ہو گی تو سیدھی میرے پاس چلی آئے گی۔''

''تم ہپی نہیں معلوم ہوتے۔''

''میں نے حصول علم کیلئے یہ دھج اختیار کی ہے۔ زندگی کی دشواریوں سے نہیں بھاگا ہوں۔''

''ایسے ہی لگتے ہو۔ اگر میرا پارٹنر بیمار نہ ہوتا تو میں تمہارے لئے اُسے چھوڑ دیتی۔ ایسے حالات میں اُس کا دل نہیں دکھانا چاہتی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ جلد ہی مر جائے گا۔''

حمید خاموش ہی رہا۔

''لیکن وہ لڑکی تو بہت بور معلوم ہوتی ہے۔'' میگی نے کچھ دیر بعد کہا۔

''میں نے تمہیں بتایا نا کہ لکھنے پڑھنے والی لڑکی ہے۔''

''بہر حال ہوشیاری سے سونا۔ وہ سب تم لوگوں کو بہت مالدار سمجھتے ہیں اور تم ایک کو زخمی

بھی کر چکے ہو۔"

مشورے کا شکریہ۔ میں خیال رکھوں گا۔ اچھا اب چلوں۔ میرے ساتھی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔

"میں اُس رقم کا معاوضہ ادا کرنے کو تیار ہوں۔"

"میں نے اس نیت سے نہیں دی تھی..... جاؤ آرام کرو۔"

حمید اُٹھ کر آگے بڑھ گیا۔ میگی وہیں بیٹھی رہ گئی تھی۔

زری کوہ کی شکارگاہ شکوہ آباد سے سترہ اٹھارہ میل رہی ہوگی۔ کسی قدر اونچائی پر بھی واقع تھی اس لئے راستہ چکر دار تھا۔ فریدی خود ہی لینڈ رور ڈرائیو کر رہا تھا۔ سڑک سنسان نہیں تھی۔ اُس کے پیچھے خاصا ٹریفک تھا جس میں لونڈنگ ٹرکس کی تعداد زیادہ تھی۔

شہباز کا بھیجا ہوا آدمی انسپکٹر یوسف زئی فریدی کے قریب ہی اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔

"شکار میں وہ تنہا تو نہ ہوگا۔" فریدی نے کہا۔

"زری کوہ کے خان عبدالرحمٰن کا لڑکا سلیم اُس کے دوستوں میں سے ہے جناب۔ وہی اُسے شکار کھلا رہا ہوگا۔"

"اب دیکھنا یہ ہوگا کہ وہ کتنے دنوں سے ان لوگوں کے ساتھ مقیم ہے۔"

"اُس نے معاملہ پکا کر لیا ہوگا جناب۔ بیوقوف آدمی نہیں ہے اور خان عبدالرحمٰن تو حکومت اور تخت کے بڑے مخالفوں میں سے ہے۔"

"خان شہباز نے اُس کے لئے کچھ نہیں کہا۔"

"کارروائی اُنہی کے خلاف ہوسکتی ہے جناب جو کھل کر سامنے آجائیں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"اب بائیں طرف موڑ لیجئے جناب۔ ادھر ہی سے ہم خان عبدالرحمٰن کی حویلی تک پہنچ سکیں گے۔" انسپکٹر یوسف زئی نے کہا۔ فریدی نے اس کے مشورے پر عمل کیا۔ اس سڑک پر بھی اکا دُکا گاڑیاں دکھائی دیتی تھیں۔

"شیر افگن کا رجحان کس سیاسی پارٹی کی طرف تھا۔" فریدی نے انسپکٹر یوسف زئی سے سوال کیا۔

"مجھے علم نہیں جناب..... ویسے اسکا شمار یہاں کی قابل ذکر شخصیتوں میں کبھی نہیں رہا۔"

"خان شہباز سے اُس کے تعلقات کیسے تھے۔"

"انہیں اُس سے کسی قسم کے بھی تعلقات رکھنے کی کیا ضرورت ہوسکتی تھی جناب؟"

"میں نے یونہی سوال کیا تھا۔"

"میں نے کبھی اُسے ایس پی صاحب کے ساتھ نہیں دیکھا۔"

"لیکن شاید شکوہ آباد سے روانگی سے قبل وہ اُن سے ملا تھا۔"

"مجھے اس کا علم نہیں جناب۔"

دفعتاً بائیں جانب سے ایک فائر ہوا اور لینڈ رور اچھل کر رہ گئی۔ شائد اس کا کوئی ٹائر نشانہ بنایا گیا تھا۔

اگر فریدی جیسا جاگتے ذہن کا آدمی ڈرائیو نہ کر رہا ہوتا تو گاڑی یقیناً اُلٹ گئی ہوتی۔

فریدی نے بڑی پھرتی سے دوسری طرف کا دروازہ کھولا اور انسپکٹر یوسف زئی کو باہر دھکیلتا ہوا خود بھی نیچے کود گیا۔

ایک فائر پھر ہوا اور گولی اُس کے اوپر سے گزر گئی۔

"دد..... دیکھا آپ نے۔" یوسف زئی ہانپتا ہوا بولا۔

"ادھر اُس چٹان کے پیچھے جلدی کرو۔"

فائر پھر ہوا۔ فریدی نے بھی بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا تھا لیکن ابھی تک فائر نہیں کیا تھا۔ جلد سے جلد ایسی جگہ پہنچنا چاہتا تھا جہاں سے پچویشن کو ہینڈل کر سکتا۔

یوسف زئی نے بتائی ہوئی جگہ پہنچنے میں دیر نہیں لگائی تھی اور اس نے بھی ریوالور نکال لیا تھا۔

فریدی بھی اُس کے قریب پہنچ گیا۔ اچانک اس جگہ سے ہٹ کر تیسرا فائر ہوا۔ فائر کرنے والا اُن سے زیادہ اونچائی پر تھا۔ اس بار انسپکٹر یوسف زئی بال بال بچا۔

سڑک پر کسی گاڑی کی آواز سنائی دی اور بیک وقت کئی فائر ہوئے جن کا جواب اس

جگہ سے دیا گیا جہاں سے ان دونوں پر تیسرا فائر ہوا تھا۔ اس بار فریدی کے ریوالور سے بھی شعلہ نکلا۔

کئی دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ اُدھر سے پھر فائر ہوا ہی تھا کہ فریدی کا ریوالور بھی اُسی سمت چل گیا اور پھر ایک طویل کراہ سنائی دی۔ پھر سناٹا چھا گیا۔

دفعتاً سڑک کی جانب سے آواز آئی۔ ''آپ نے اُسے مارلیا ہے جناب۔''

یوسف زئی حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

''کیا تم مجھے اتنا ہی احمق سمجھتے تھے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''میں نہیں سمجھا جناب۔''

''آؤ..... فریدی سڑک کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ لینڈ رور کے قریب ایک لوڈنگ ٹرک کھڑا دکھائی دیا اور ایک آدمی دوسری طرف والی چٹان پر چڑھتا دکھائی دیا۔ دو مسلح آدمی اور بھی تھے جو لوڈنگ ٹرک کے قریب کھڑے ہوئے تھے۔

کچھ گاڑیاں اور رکی تھیں لیکن ٹرک کے قریب کھڑے ہوئے آدمیوں میں سے ایک نے ہاتھ ہلا کر سخت لہجے میں کہا۔ ''چلتے رہو..... پولیس! یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

گاڑیاں اپنی اپنی سمتوں میں بڑھ گئیں۔ فریدی نے یوسف زئی کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور خود بھی اُسی چٹان پر چڑھنے لگا۔ چٹان کی دوسری طرف ایک آدمی چاروں خانے چت پڑا ہوا نظر آیا جس کی بائیں کنپٹی سے خون بہہ بہہ کر آس پاس پھیل رہا تھا۔

یوسف زئی حیرت سے آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھتا رہا۔ پھر تھوک نگل کر رہ گیا۔

''شاید تم اُسے پہچانتے ہو۔'' فریدی نے یوسف زئی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا۔

''جج..... جی..... میں نہیں سمجھا۔'' یوسف زئی بہت زیادہ بدحواس نظر آ رہا تھا۔ دوسرا آدمی خاموش کھڑا تھا۔

''تم نیچے جاؤ۔'' فریدی نے اُس سے کہا اور اُس نے خاموشی سے تعمیل کی۔

''اُن گولیوں میں سے کوئی تمہیں بھی چاٹ سکتی تھی۔''

''جج..... جی ہاں..... بال بال بچا ہوں۔ وہ تیسرا فائر..... میرے قریب ہی سے چٹان کا ٹکڑا اڑا تھا۔''

''اور اب تمہاری زندگی اور زیادہ خطرے میں ہے کیونکہ تم عینی شاہد بن چکے ہو۔''

یوسف زئی تھوک نگل کر رہ گیا۔

''کیا تم اسے پہچانتے ہو۔''

''مم..... میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔''

''کیا سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

''یہ ایس پی صاحب کا بہت ہی خاص آدمی تھا۔''

''فورس کا کوئی آدمی۔''

''جی نہیں..... لیکن ایس پی صاحب اس سے بہت ہی خاص قسم کے کام لیتے تھے۔ تم اسے پہچانتے ہو لہٰذا اب تمہاری زندگی بھی خطرے میں ہے۔''

''میں سمجھ رہا ہوں کرنل صاحب..... لیکن اب ہوگا کیا۔''

''تم نے اسے نہیں دیکھا تھا۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''کسی نامعلوم آدمی نے فائرنگ کی تھی اور فرار ہو گیا تھا۔''

''جی میں سمجھ گیا۔ آپ کا بہت بہت شکریہ کرنل صاحب۔''

فریدی چٹان کے سرے کی طرف بڑھ کر اونچی آواز میں بولا۔ ''تم میری گاڑی کا وہیل تبدیل کرو اور تم دونوں اوپر آؤ۔''

وہ پھر لاش کے قریب آ کھڑا ہوا اور بولا۔ ''فی الحال شہباز میرا مسئلہ نہیں ہے اس لئے ابھی اس معاملے کو نہیں اُٹھاؤں گا۔''

''میں سمجھا جناب۔'' یوسف زئی نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ وہ ابھی تک خود پر قابو نہیں پا سکا تھا۔

''میں یہاں شیر افگن کے قاتل کی تلاش میں آیا ہوں۔ لہٰذا بظاہر میری مصروفیت اسی حد تک رہے گی..... فریدی نے کہا اور لاش کی طرف ہاتھ اُٹھا کر ''اس کا مطلب تو تمہاری سمجھ میں آ ہی گیا ہوگا۔''

''میرے حواس بجا نہیں ہیں جناب۔''

''خیر میں سمجھا دوں گا۔'' فریدی نے کہا اور اُن دونوں کی طرف متوجہ ہو گیا جنہیں

طلب کیا تھا۔

''اس لاش کو یہیں کہیں ایسی جگہ چھپا دو کہ تلاش کرنے پر مل سکے۔ جہاں چھپاؤ وہاں سے یہاں تک اسی کے خون کے دھبے اس طرح ڈالتے جانا جس سے معلوم ہو کہ یہ خود گھسٹتا ہوا وہاں تک پہنچا ہو اور ختم ہو گیا ہو۔''

''بہت بہتر جناب۔''

''آؤ چلیں۔'' فریدی اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ سڑک پر تیسرا آدمی اسپیئر وہیل کے بولٹ کس رہا تھا۔

''اب کہاں چلیں گے جناب۔''

''خان عبدالرحمٰن کی حویلی۔''

بولٹ کس کر اُس نے وہیل کیپ چڑھا دیا اور فریدی نے اُس سے کہا۔ ''تم یہیں ٹھہرنا، اُدھر وہ دونوں کام کر رہے ہیں۔ اُس کے بعد تم وہیں پہنچ کر ٹھہرنا جہاں ٹھہرنا تھا۔''

پھر فریدی نے یوسف زئی کو گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ تھوڑی دیر بعد لینڈ رور پھر حرکت میں آ گئی اور فریدی نے کہا۔

''اس کا یہ مطلب ہوا کہ داور شیر افگن کا قاتل نہیں ہے۔ اصل قاتل سے شہباز واقف ہے اور اس کا جرم داور کے سر تھوپنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اگر ہم دونوں مار ڈالے جاتے تب بھی یہی کہا جاتا کہ داور نے ہمیں اپنے راستے سے ہٹا دیا اور اگر یہ مرنے والا ہمیں ختم کئے بغیر فرار ہو جاتا ہے تو ہم بھی یہی سوچتے کہ داور ہی رہا ہوگا۔''

''جی ہاں..... بالکل یہی سوچتے۔ میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن جناب داور کی انگلیوں کے نشانات ہوٹل کے اس کمرے میں ملے تھے جہاں قتل ہوا تھا۔''

''اصل معمہ یہی ہے۔ اس کے حل ہوتے ہی قاتل میری گرفت میں ہوگا۔ خاصی پلاننگ کی گئی ہے اس قتل کے سلسلے میں۔''

''بہرحال آج معلوم ہوا کہ شہباز کسی کا بھی نہیں ہے، جناب میں بال بال بچا ہوں۔ یقین نہیں آتا کہ زندہ ہوں۔''

''اس حملے سے ایک بات اور قبل از وقت واضح ہو گئی۔''

''وہ کیا جناب۔''

''داور یہاں موجود نہیں ہے۔''

''جی ہاں، قطعی ورنہ اس ڈرامے کی ضرورت ہی نہ تھی۔''

کچھ دیر خاموشی رہی پھر یوسف زئی نے کہا۔ ''ہم سب بے بس ہیں اُس کے ہاتھوں۔ سیاسی وجوہ کی بناء پر اُسے جو چھوٹ ملی ہوئی ہے اُس سے بے تحاشا فائدہ اُٹھا رہا ہے۔ کلیجہ خون ہو جاتا ہے جب ہمیں اپنے ہی بھائیوں، دوستوں، حتیٰ کہ محسنوں تک کے خلاف کارروائی کرنی پڑتی ہے۔ اس کے خلاف کہیں کوئی شنوائی نہیں ہے۔''

اس معاملے کو بھی دیکھا جائے گا۔ اوپر والے اصل حالات سے آگاہ نہیں ہیں۔''

''آخر یہ سب کچھ کب تک ہوتا رہے گا۔''

''جب تک اس نظام کی بنیادی خامیاں دور نہ کر دی جائیں گی۔ ان کی طرف سے کوئی بھی دھیان نہیں دیتا۔ بس جمہوریت کے ڈھول پیٹے جاتے ہیں۔ شاید کوئی بھی نہیں جانتا کہ جمہوریت کس چڑیا کا نام ہے یا پھر اس کی طرف سے مصلحتاً آنکھیں ہی بند کر لی گئی ہیں۔ بنیادی چیز آدمی کو اپنے مقام کا عرفان ہے جب تک آدمی اپنا مقام نہیں پہچانے گا کسی نظام کو ڈھنگ سے نہیں چلا سکے گا۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا اب اُس کا سامنا کس طرح کروں گا۔ کیا اُس ردعمل پر قابو پا سکوں گا جو اس کا سامنا ہوتے ہی ہوگا۔''

''بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے انسپکٹر'' فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ ''بس اسے ذہن میں رکھو کہ ہم نے مفرور کا تعاقب نہیں کیا تھا۔ فائرنگ بند ہوتے ہی حویلی کی طرف بھاگ لئے تھے۔''

''بہت بہتر جناب..... میں کوشش کروں گا کہ اپنے رویئے کو نیچرل رکھ سکوں۔''

''نہ رکھ سکے تو کم از کم یہ رنگ تو دے ہی سکو گے کہ اس واقعے نے تمہیں ہلا کر رکھ دیا ہے اور تمہارے اعصاب قابو میں نہیں ہیں۔''

''یہ تو بہت آسانی سے ہو جائے گا جناب۔''

''بس تو پھر یہی رویہ اختیار کرنا۔''

''آپ نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے جناب۔''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ بس اب اپنی آنکھیں کھلی رکھنا۔ شیر افگن کے قاتل پر ہاتھ پڑتے ہی شہباز کا بھی تختہ الٹ جائے گا۔''

حویلی کے قریب پہنچ کر فریدی نے گاڑی روک دی اور اپنا کارڈ اندر بھجوایا۔ خان عبدالرحمٰن اُسے ریسیو کرنے خود ہی حویلی کے باہر آ گیا تھا۔ انہیں اندر لے گیا۔ فریدی نے اپنی آمد کی غرض وغایت سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ ''داور پر ایک قتل کا شبہ کیا جا رہا ہے۔''

''کس کے قتل کا شبہ کیا جا رہا ہے۔'' خان عبدالرحمٰن نے پوچھا۔

''شکوہ آباد کے شیر افگن کے قتل کا۔''

''اوہ..... میں نے اخبارات میں اُس کے بارے میں پڑھا تھا لیکن داور پر کیوں شبہ کیا جا رہا ہے۔ وہ کسی کو قتل نہیں کر سکتا۔ جی ہاں..... وہ یہاں آیا تھا لیکن اس قتل سے پہلے کی بات ہے۔ میرے بیٹے کا دوست ہے۔ دو دن قیام کر کے چلا گیا تھا۔''

''کہاں چلا گیا تھا؟''

''مجھے تو علم نہیں۔ شاید سلیم جانتا ہو۔ ٹھہریئے میں اُسے بلواتا ہوں۔''

''میں بالکل تنہائی میں اُن سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔''

''تو چلئے میرے ساتھ۔ وہ اپنے کمرے میں ہوگا۔''

فریدی نے یوسف زئی کو وہیں بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا اور خان عبدالرحمٰن کیساتھ ہولیا۔

سلیم اپنے کمرے ہی میں موجود تھا۔

''یہ کرنل فریدی ہیں۔'' عبدالرحمٰن نے تعارف کراتے ہوئے کہا۔ ''تم سے تنہائی میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔''

''ضرور ضرور جناب تشریف رکھئے..... یقین نہیں آتا کہ آپ یہاں تشریف لائے ہیں۔''

''آپ کے کیسوں کا ذکر بڑے پیار سے کرتا ہے۔'' خان عبدالرحمٰن نے کہا اور انہیں وہیں چھوڑ کر چلا گیا۔

''مجھے داور سے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''داور کے متعلق؟'' سلیم نے چونک کر پوچھا۔

''ہاں۔ وہ آپ کے دوستوں میں سے ہے۔''

''جی ہاں۔''

''وہ یہاں سے کہاں گیا تھا۔''

''یہ تو نہیں بتایا تھا۔''

''دوران قیام میں کس قسم کی گفتگو کرتا رہا تھا۔''

''آپ یقین نہ کریں گے لیکن زیادہ تر آپ ہی سے متعلق گفتگو ہوتی تھی۔''

''مجھ سے متعلق۔''

''جی ہاں..... اُس کا خیال تھا کہ شکوہ آباد کو آپ کے علاوہ اور کوئی شہباز سے نجات نہیں دلا سکتا۔''

''بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔''

کیا آپ کو علم نہیں ہے کہ شہباز ہم پر کیسے مظالم ڈھا رہا ہے۔''

''ہے تو.....!''

''بس داور کا کہنا تھا کہ شہباز کی ایک رگ میرے ہاتھ آ گئی ہے اور میں اُسے کرنل فریدی تک ضرور پہنچاؤں گا۔''

''ذرا تفصیل سے بتایئے۔''

''تفصیل تو اُس نے خود مجھے بھی نہیں بتائی تھی۔''

''اور کیا کہتا تھا۔''

''بس یہی کہ میری اسکیم مکمل ہوگئی ہے جلد ہی دارالحکومت کی طرف قدم اُٹھ جائے گا۔''

''لیکن آپ جانتے ہیں کہ کیا ہرا ہے!'' فریدی نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

''جی نہیں۔ اُس کے بعد کی مجھے خبر نہیں۔''

''وہ شیر افگن کے قتل میں ملوث ہوگیا ہے۔''

''نہیں.....!'' سلیم اچھل پڑا۔

''جی ہاں..... ہوٹل کے اس کمرے میں جہاں شیر افگن کا قتل ہوا تھا داور کی انگلیوں کے نشانات ملے ہیں۔''

''میں تصور بھی نہیں کرسکتا۔نہیں جناب ہرگز نہیں۔ شیر افگن صاحب کا نام تو وہ بڑے احترام سے لیتا تھا۔انہیں اپنا اُستاد کہتا تھا۔کہتا تھا کہ مجھے شیر افگن ہی نے آدمی بنایا ہے۔''

''غالباً آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ قاتل فرار کس طرح ہوا تھا۔''

''میرے خدا.....پیراشوٹ.....نہیں نہیں.....ایسا نہیں ہوسکتا۔''

''فی الحال تو یہی ہوا ہے۔شہباز کو بھی داور ہی کی تلاش ہے۔''

''یقین کیجئے داور کے خلاف کیس بنایا جارہا ہے۔کاش مجھے علم ہوتا کہ شہباز کی کون سی رگ اُس کے ہاتھ آگئی تھی۔اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ اُس پر قتل کا الزام آنے والا ہے تو کسی نہ کسی طرح اُسے سب کچھ اُگل دینے پر مجبور کردیتا۔اُوہ.....دیکھئے۔کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ داور اور شیر افگن ایک ساتھ ہی دارالحکومت گئے ہوں۔''

''وہ تو ثبوت موجود ہے کہ دونوں کسی نہ کسی وقت وہاں یکجا ضرور ہوئے تھے۔''

''آپ میرا مطلب نہیں سمجھے۔'' سلیم بولا۔''میں یہ کہہ رہا تھا شیر افگن اسے ساتھ ہی لے گیا ہو۔''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے سلیم صاحب! مقتول کے کمرے میں بہرحال اُس کی انگلیوں کے نشانات ملے ہیں۔''

''آپ پھر نہیں سمجھے.....کیا یہ ممکن نہیں کہ دونوں متحد ہوکر ایک ہی مقصد کے حصول کے لئے دارالحکومت گئے ہوں اور وہاں کسی اور نے شیر افگن کو قتل کردیا ہو۔''

''لیکن داور کہاں غائب ہوگیا۔''

''شہباز احمق تو نہیں ہے۔اپنی آنکھیں کھلی رکھتا ہے۔ہوسکتا ہے اُسے علم ہوگیا ہو کہ داور اُس کے کسی راز سے واقف ہوگیا ہے جسے وہ اس کے خلاف ثبوت کے طور پر استعمال کرسکے۔میں دراصل یہ کہنا چاہتا تھا کہ جو بات داور نے مجھے نہیں بتائی تھی اسے شیر افگن سے بھی پوشیدہ رکھا ہو۔اُن دونوں کے ایسے ہی تعلقات تھے۔بچپن ہی سے وہ شیر افگن سے بہت مانوس تھا اور اُسے اپنا آئیڈیل بھی کہتا تھا۔''

''بات پھر بھی نہیں بنتی سلیم بھائی۔''

دفعتاً سلیم بوکھلا کر کھڑا ہوگیا اور مضطربانہ انداز میں بولا۔''کہیں داور بھی ٹھکانے نہ لگا

دیا گیا ہو۔اگر وہ دونوں ساتھ گئے تھے تو شیر افگن کے کمرے میں اس کی انگلیوں کے نشانات کا پایا جانا بعید از قیاس نہیں ہوسکتا۔''

''لیکن شیر افگن اس کمرے میں تنہا مقیم تھا۔'' فریدی نے کہا۔

''کسی احتیاط کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ دونوں ایک دوسرے سے دور دور بھی رہ سکتے تھے لیکن اُن کی ساری احتیاطی تدبیریں اس فرد کی وجہ سے بیکار ہوگئی ہوں جس کی نظر پہلے ہی سے اُن پر رہی تھی۔''

''آپ کا یہ مفروضہ خاصا جاندار ہے اور اس انکشاف کے بعد سے کہ وہ شہباز کے خلاف کوئی ثبوت مجھ تک پہنچانا چاہتا تھا اس کیس نے کم از کم میرے ذہن میں ایک نیا رخ اختیار کرلیا ہے۔''

''جلد کچھ کیجئے کرنل صاحب۔'' سلیم مضطربانہ انداز میں بولا۔''خدا کرے داور زندہ ہو۔وہ بھی مار ڈالا گیا ہے تو اُس کی بے گناہی کا ثبوت کون دے سکے گا۔مفرور قاتل کی حیثیت سے پولیس کے ریکارڈ میں دفن ہوجائے گا۔''

''آپ بہت ذہین ہیں۔''

''لیکن کیا فائدہ میں اس کے لئے کچھ بھی تو نہیں کرسکتا۔''

''مجھے یہ اطلاع شہباز ہی سے ملی تھی کہ داور زری کوہ میں پہاڑی بکروں کا شکار کھیل رہا ہے۔''

''خداوند.....تب تو مجھے داور کی زندگی کی طرف سے مایوس ہی ہوجانا چاہئے۔ان مردودوں نے اُسے مار کر اس کی لاش بھی غائب کردی۔''

''نتائج اخذ کرنے میں جلدی نہ کیجئے.....یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ خود ہی روپوش ہوگیا ہو۔اپنی زندگی کے تحفظ کے لئے۔''

''جی ہاں.....یہ بھی ممکن ہے۔میں اس سلسلے میں اگر کسی کام آسکتا ہوں تو حاضر ہوں۔''

''وہ آپ لوگوں پر بھی الزام رکھ سکتا ہے کہ آپ نے داور کو کہیں چھپا دیا ہے۔اس طرف سے غافل نہ رہئے گا۔یہاں اُس نے کچھ ایسے افراد پہلے ہی سے پکے کرلئے ہوں گے جنہوں نے داور کو آپکے ساتھ زری کوہ میں دیکھا ہو۔ورنہ وہ مجھے یہاں اس طرح نہ بھیجتا۔''

''بابا کی اُس سے پرانی رنجشیں چلی آ رہی ہیں اور وہ بہت دنوں سے ہماری تاک میں ہے۔ خیر ہمیں اس کی پرواہ نہیں ہے۔''

''پھر بھی بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ ویسے میں نے صاف لفظوں میں اُسے آگاہ کر دیا ہے کہ جب تک میں اس کیس کی تفتیش کر رہا ہوں وہ کسی معاملے میں دخل اندازی نہیں کر سکتا۔''

فریدی اُسے حیران و ششدر چھوڑ کر دیوان خانے میں آیا جہاں انسپکٹر یوسف زئی اس کا منتظر تھا۔

''کہئے کرنل صاحب کچھ معلوم ہوا۔'' خان عبدالرحمٰن نے پوچھا۔

''جی نہیں..... لیکن سلیم صاحب سے اس مسئلے پر خاصی معلومات افزاء باتیں ہوئی ہیں۔ اب اجازت دیجئے۔''

میری خواہش تھی کہ آپ رات کا کھانا ہمارے ہی ساتھ کھاتے۔

''پھر کبھی..... اس وقت تو اجازت ہی دیجئے۔''

واپسی کے سفر میں رات ہو گئی تھی۔ وہ جگہ ویران نظر آئی جہاں اُن پر فائرنگ ہوئی تھی۔ یوسف زئی اب بھی مضطرب دکھائی دیتا تھا۔ فریدی نے اس سے کہا۔

''اب آپ اس معاملے پر از سرِ نو غور کیجئے۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہو گیا کہ شہباز آپ لوگوں کو کس طرح استعمال کر رہا ہے۔''

''جی ہاں۔ پوری طرح میری آنکھیں کھل گئی ہیں۔''

''لہٰذا داور، شیر افگن اور شہباز کے مثلث پر اس واقعے کی روشنی میں دوبارہ نظر ڈالئے شاید کوئی کام کا نکتہ ہاتھ آ جائے۔''

''اس سلسلے میں اتنا ہی جانتا ہوں جتنا آپ کو پہلے بتا چکا ہوں۔ وہ بہت کم آدمیوں پر اعتماد کرتا ہے۔ خاص قسم کے کام فورس کے افراد سے نہیں لیتا۔ آپ وہ لاش دیکھ ہی چکے ہیں۔''

''کیا وہ پہلے بھی کبھی داور کے چکر میں رہا ہے۔''

''مجھے علم نہیں۔''

''کیا لیفٹیننٹ نادر شجاع شہباز کے دوستوں میں سے ہے۔''

''میں نے کبھی دونوں کو ایک ساتھ نہیں دیکھا اور نہ کبھی نادر صاحب دفتر ہی میں دکھائی دیئے۔ یہ بات میں ایک حد تک کہہ رہا ہوں۔''

''اس سلسلے میں اپنے طور پر معلومات حاصل کرنے کی کوشش کیجئے گا۔''

''بہت بہتر۔''

شکوہ آباد پہنچ کر فریدی نے شہباز کو زری کوہ کے سفر کی کہانی سنائی اور شہباز بہت زیادہ پرجوش نظر آنے لگا اور میز پر گھونسہ مار کر بولا۔ ''میرا دعویٰ ہے کہ خان عبدالرحمٰن نے اُسے چھپا رکھا ہے اور وہ حرکت اُسی کے آدمیوں کی ہوگی۔ وہ ایک سرکش قبیلے کا سردار ہے۔ آپ فکر نہ کیجئے۔ میں زری کوہ کو الٹ پلٹ کر رکھ دونگا اور اس فائرنگ کے ذمہ دار جلد ہی آپکے سامنے پیش کر دیئے جائیں گے۔ اس وقت فرار ہو گئے ہیں تو کیا ہوا۔ ایک ایک پر میری نظر ہے۔''

''نہیں۔'' فریدی ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ ''فی الحال سکوت اختیار کیجئے۔ میں اس معاملے کو اپنے طور پر نپٹاؤں گا۔''

''خدا کی پناہ..... اگر آپ دونوں کو کوئی گزند پہنچتا تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔ میرے علاقے میں فورس پر کوئی حملہ آور ہو..... ناممکن۔ قطعی ناممکن۔ اس کا بچ جانا۔''

''فی الحال آپ میری خاطر صبر کیجئے۔''

''میں اس سلسلے میں آپ کی مرضی کے خلاف ایک قدم بھی نہیں اُٹھانا چاہتا۔''

''شکریہ خان شہباز۔''

پروفیسر خلجی غصے میں آپے سے باہر ہو رہا تھا اور رضوانہ دور کھڑی ہنس رہی تھی۔

''آخر تو کتنی سیاہی ملے گی میرے چہرے پر۔'' وہ زور سے چیخا۔

''کہاں..... اتنے تو گورے چٹے نظر آ رہے ہیں۔'' رضوانہ اٹھلا کر بولی۔

''آخر تو نے یہ جھوٹ کیوں بولا کہ نادر اپنی راتیں یہیں لائبریری میں گزارتا ہے۔''

''تو کیا میں اس پر شیر افگن کے قتل کا الزام آ جانے دیتی۔''

''جہنم میں جائے وہ..... ہم کیوں ہمدردی کریں۔''

''صرف آپ کو اُس سے ہمدردی نہ ہوگی۔ مجھے تو ہے۔''

''تجھے اُس سے ہمدردی ہے۔ اُس سے جس نے ہمیں اس حال کو پہنچا دیا ہے۔''

''تم پھر بہکنے لگے ڈیڈی..... کیا تمہیں اپنی زندگی پیاری نہیں ہے۔''

''اوہ خداوند میں کیا کروں۔'' پروفیسر دونوں ہاتھوں سے اپنے بال نوچنے لگا۔

''ہاں یہ مناسب ہے۔'' رضوانہ سنجیدگی سے بولی۔ ''اس طرح دل کا غبار بھی نکل جائے گا اور تمہیں کوئی گزند بھی نہیں پہنچے گا۔''

''تو کیسی بیٹی ہے خبیث۔'' پروفیسر حلق پھاڑ کر چیخا۔

''دوسری بیٹیوں سے کسی قدر مختلف۔''

''سیدھی جہنم میں جائے گی۔''

''جہنم کا کچھ نہ کچھ مصرف تو ہونا ہی چاہئے۔ آخر بنائی کس لئے گئی ہے۔''

''تجھ سے تو شیطان بھی پناہ مانگتا ہوگا۔''

''میں شیطان سے آدم وحوا کا انتقام لے رہی ہوں۔''

ٹھیک اسی وقت نادر شجاع کمرے میں داخل ہوا اور انہیں اس حال میں دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ ادھر پروفیسر ایسا نظر آنے لگا جیسے غبارے سے ہوا نکل گئی ہو۔ غصے کی وجہ سے خدوخال میں جو تیکھا پن پیدا ہوا تھا یکلخت ڈھیلا پڑ گیا۔

''کیا قصہ ہے۔'' نادر نے پوچھا۔

''وہ کرنل فریدی آیا تھا۔ تمہارے بارے میں پوچھ گچھ کر رہا تھا۔''

نادر نے پروفیسر کو گھور کر دیکھا اور پروفیسر جلدی سے بولا۔

''میں نے اپنی زبان قطعی بند رکھی تھی۔ اسی سے باتیں ہوئی تھیں۔''

''کیا باتیں ہوئی تھیں۔'' نادر نے رضوانہ سے پوچھا اور رضوانہ اُسے بتانے لگی کہ کس طرح اُس نے اُس کی موجودگی شکوہ آباد میں ثابت کر دی تھی۔

''میرے ہاتھ صاف ہیں۔ میں نے اُسے نہیں قتل کیا۔''

''لیکن مشتبہ ہو۔ اگر قتل والی شب یہاں تمہاری موجودگی ثابت نہیں کی جائے گی تو دھر لئے جاؤ گے۔'' رضوانہ نے کہا۔

''میں شکوہ آباد ہی میں رہا ہوں، اُس وقت سے جب وہ دارالحکومت گیا تھا۔''

''لیکن مجھے تو پورے چھ دن بعد دکھائی دیئے تھے۔''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

''اچھی بات ہے۔'' رضوانہ غصیلے لہجے میں بولی۔ ''تو ثابت کرو..... یہاں اپنی موجودگی۔''

''میں جہاں بھی رہا ہوں تنہا رہا ہوں اس لئے کسی قدر دشواری ضرور پیش آئے گی۔ لیکن تم اچھی طرح جانتی ہو کہ کرنل فریدی میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ ہاں یہ پروفیسر کیوں گرم ہو رہے تھے۔''

وہ پروفیسر کو گھورنے لگا اور پروفیسر کی حالت پہلے سے بھی زیادہ خراب نظر آنے لگی۔ آنکھوں کی وحشت تک غائب ہوگئی تھی اور اُس کی جگہ خوف نے لے لی تھی۔

''کچھ نہیں کک..... کچھ نہیں۔ ایک گھریلو معاملہ تھا۔'' وہ بدقت بولا۔

''نہیں گھریلو معاملہ نہیں تھا۔ انہیں اس پر اعتراض تھا کہ تم اپنی راتیں لائبریری میں کیوں گزارتے رہتے ہو۔''

''یہ تو کوئی ایسی بات نہیں جس پر غصہ کیا جائے۔''

''بالکل نہیں..... بالکل نہیں۔'' پروفیسر جلدی سے بولا۔

''چلو چھوڑو..... آؤ میرے ساتھ۔'' رضوانہ ہاتھ ہلا کر بولی۔

پروفیسر اُنہیں بے بسی سے دیکھتا رہا۔ رضوانہ اسے لائبریری میں لائی اور بولی۔ ''یہ رہا تمہارا بستر..... اور یہ سگریٹ کے ٹوٹے بکھرے پڑے ہوئے ہیں۔''

''لیکن تم نے یہ سب کچھ اتنی جلدی کیسے کر لیا تھا۔''

''اُسکی کال میں نے ہی ریسیو کی تھی۔ نام معلوم ہوتے ہی فوراً تمہارا خیال آیا کہ شاید تمہارے ہی بارے میں پوچھ گچھ کرنے آ رہا ہے۔ بس میں نے جلدی جلدی یہ انتظام کر لیا۔''

''تم واقعی بہت تیز ہو..... پہلے وہ گھر گیا تھا وہیں سے معلوم ہوا کہ میں اپنا زیادہ تر وقت یہاں گزارتا ہوں۔ لیکن رضوانہ کہیں پروفیسر آؤٹ نہ ہو جائیں۔''

''فکر نہ کرو..... اُنہیں ہینڈل کرنا جانتی ہوں۔''

''اسی لئے میں کہتا ہوں کہ جلد از جلد ہماری شادی ہو جانی چاہئے۔''

''بکواس مت کرو۔ مجھے لفظ شادی سے نفرت ہے!''

''خیر یہ بعد کی باتیں ہیں۔ بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔''

''فکر نہ کرو..... میں پوری طرح ہوشیار ہوں۔''

''پتا نہیں کس طرح یہ بات آؤٹ ہوگئی۔''

''آؤٹ ہوگئی۔'' رضوانہ نے حیرت سے دہرایا۔

''ہاں کچھ لوگوں کو اس کا علم ہوگیا ہے۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا یہاں ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی تیسرا نہیں ہے۔ ڈیڈی پر میں کڑی نظر رکھتی ہوں۔''

''انہیں یہ باور کراتی رہو کہ میرے ساتھ ہی ان کی گردن بھی کٹ جائے گی؟''

''میں نے اچھی طرح سمجھا دیا ہے۔ انہیں بس میرے اور تمہارے تعلقات پر اعتراض ہے۔''

''اسی لئے تو کہتا ہوں کہ شادی۔''

''بس بکواس بند کرو ورنہ دو چار ہاتھ جھاڑ دوں گی۔''

''جاننے والوں کے درمیان بھی چہ میگوئیاں ہوتی ہیں۔''

''ہونے دو۔''

''آخر اس میں حرج ہی کیا ہے۔''

''شوہر بن جانے کے بعد تم میرے ہاتھوں سے پٹ نہ سکو گے۔ تمہاری انا مجروح ہوگی۔''

''قطعی نہیں ہوگی۔ سب کے سامنے تو مارتی نہیں ہو۔'' وہ مسمسی صورت بنا کر بولا اور رضوانہ بیساختہ ہنس پڑی پھر بولی۔ ''اول درجے کے مکار ہو۔''

''جو کچھ بھی ہوں۔ تمہارا ہوں۔ قسم ہے جو کبھی کسی اور کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا بھی ہوں۔''

''اگر دیکھو بھی تو کیا فرق پڑے گا۔''

''یعنی تم کسی دوسری عورت کو برداشت کرلو گی۔''

''یقیناً بشرطیکہ میرا حق ملکیت برقرار رہے۔ تم مجھ سے اسی طرح پٹتے رہو۔''

''پتا نہیں یہ مار پیٹ تمہیں اتنی پسند کیوں ہے۔''

''میں خود بھی نہیں جانتی۔ جب بھی کبھی غصے میں ایک آدھ جھاڑ دیتی ہوں گھنٹوں ذہن

پر سرور سا طاری رہتا ہے۔''

''خیر..... خیر..... اب کام کی بات کرو۔''

''کوئی خاص بات ہے؟'' رضوانہ نے سوال کیا۔

''ہاں..... اس بار بات کیسے بنے گی۔ میرا خیال ہے کہ کرنل فریدی کو علم ہوگیا ہے۔''

''یہ میری ذمہ داری ہے۔ تم خواہ مخواہ بور ہو رہے ہو۔''

''میرا خیال ہے کہ وہ تنہا نہیں آیا۔ اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہیں۔''



فریدی ایک بار پھر نذرہ خاتون سے ملا۔ شیر افگن سے متعلق مزید معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ آج بھی نذرہ خاتون کی آنکھیں متورم نظر آ رہی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے زیادہ تر روتی ہی رہتی ہو۔

''کیا شیر افگن صاحب بہت غصہ ور آدمی تھے؟'' اس نے نذرہ خاتون سے سوال کیا۔

''جی نہیں! بہت ٹھنڈے دماغ کے آدمی تھے۔ شاذ و نادر غصہ آتا تھا۔''

''لیکن ناصر خان والے معاملے سے معلوم ہوتا ہے.....!''

''محض اتفاق تھا کرنل صاحب! ورنہ وہ تو کبھی اونچی آواز میں گفتگو بھی نہیں کرتے تھے۔ وہ فرشتہ تھے۔ البتہ اپنے بعض معمولات میں دخل اندازی پسند نہیں کرتے تھے۔ ایسے مواقع پر کسی قدر جھنجھلاہٹ کا اظہار بھی ہوتا رہتا تھا، مثلاً اگر وہ اپنی ڈائری لکھ رہے ہوں اور کوئی انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرے تو جھنجھلاہٹ کا مظاہرہ ضرور ہوتا تھا۔''

''اوہ تو وہ ڈائری لکھنے کی بھی عادی تھے۔''

''جی ہاں پابندی سے لکھتے تھے۔''

''لیکن وہاں ان کے سامان میں کوئی ڈائری نہیں ملی تھی۔ حالانکہ ڈائری لکھنے والے کم از کم سفر میں ڈائری ضرور ساتھ رکھتے ہیں۔''

''میں ان کے بارے میں کیا عرض کرسکتی ہوں۔''

''ڈائری رکھتے کہاں تھے۔ میرا خیال ہے کہ کئی ڈائریاں ان کے پاس ہوں گی۔ اگر

لکھنے کے عادی تھے۔''

''جی ہاں.....درجنوں ہیں۔ لائبریری میں ڈائریوں کیلئے ایک الماری مخصوص ہے۔''

''کیا میں ان پر ایک نظر ڈال سکوں گا۔''

''کیوں نہیں۔ آیئے میرے ساتھ۔''

وہ اُسے لائبریری میں لائی اور جہاں تھی حیرت زدگی کے عالم میں وہیں کھڑی رہ گئی۔ الماریوں کی ساری کتابیں فرش پر بکھری پڑی تھیں۔

''یہ کیا ہوا اور کس نے کیا؟'' وہ فریدی کی طرف مڑ کر بولی۔

''ڈائریوں والی الماری۔''

نذرہ خاتون نے ایک الماری کی طرف اشارہ کیا لیکن وہ بھی خالی نظر آئی۔ اس کے بعد فریدی نے ساری کتابیں الٹ پلٹ ڈالی تھیں۔ لیکن اُن میں ایک بھی ڈائری نہ مل سکی۔

''آپ کو یقین ہے کہ اس الماری میں درجنوں ڈائریاں تھیں۔''

''میں یہاں رہتی ہوں کرنل صاحب، مجھے یقین کیوں نہ ہوگا۔''

''آپ یہاں کب سے نہیں آئیں۔''

''اس حادثے کی خبر سننے کے بعد سے پہلی بار آئی ہوں۔ ورنہ اُن کی کتابوں کی دیکھ بھال میں ہی کرتی تھی۔ اس کام کو ملازموں پر نہیں چھوڑا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیسے ہوا.....ڈائریاں کہاں گئیں۔''

فریدی خاموش ہی رہا۔ اُس کے بعد گھر کے سارے ملازم طلب کر لئے گئے تھے لیکن سب نے اس سے لاعلمی ظاہر کی۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسا کیوں ہوا.....اور اس کا ذمہ دار کون ہے۔'' نذرہ خاتون نے کہا۔

''ضرور ان ڈائریوں میں سے کسی میں کوئی ایسا مواد تھا جو ان معاملات پر روشنی ڈال سکتا۔''

''معاملات.....کیسے معاملات.....!''

''بہتیرے معاملات ہیں۔ کیا آپ کو علم ہے کہ شیر افگن صاحب مجھ سے ملنے گئے تھے۔''

''جی نہیں! میں نہیں جانتی۔'' نذرہ خاتون کے لہجے میں حیرت تھی۔

''میں آپ کو جو کچھ بھی بتانے جا رہا ہوں اُسے آپ کو اپنی ہی ذات تک محدود رکھنا پڑے گا۔''

''ایسا ہی ہوگا.....آپ مطمئن رہئے۔''

فریدی نے وہ ساری گفتگو دہرا دی جو شیر افگن اور اس کے درمیان ہوئی تھی۔ نذرہ خاتون حیرت سے منہ کھولے سنتی رہی پھر بولی۔ ''میری سمجھ میں تو خاک بھی نہیں آیا۔''

''انہوں نے اُس نامعلوم آدمی کا جو حلیہ بیان کیا تھا نادر صاحب پر پورا اترتا ہے۔''

''لیکن وہ نادر کی آواز بھی پہچان سکتے تھے اور چلنے کا انداز بھی اُن کے لئے نیا نہ ہوتا۔ آخر یہ سب کیا ہے۔ باہر کے معاملات پر وہ مجھ سے کبھی گفتگو نہیں کرتے تھے۔''

''فی الحال اس پر غور فرمایئے کہ یہ حرکت کس کی ہو سکتی ہے۔'' فریدی نے لائبریری کی ابتر حالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''میں کھل کر بات کروں گی۔'' نذرہ خاتون نے طویل سانس لے کر کہا۔

''میں یہی چاہتا ہوں۔''

''وہ دونوں ایک دوسرے سے شدید نفرت کرتے تھے، اس سے آپ جو نتیجہ اخذ کرنا چاہیں کر لیں۔''

''کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی آپ کی لاعلمی میں بھی کسی طرح کوٹھی میں داخل ہو جائے۔''

''جی ہاں.....ایک چور دروازہ بھی ہے اور نادر اس سے واقف ہے۔''

''میں آپ کا بے حد مشکور ہوں خاتون۔''

''میں اُنکے قاتل کو پھانسی کے تختے پر دیکھنا چاہتی ہوں۔ خواہ وہ میرا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔''

''لیکن محترمہ قتل کی وجوہات ہوتی ہیں۔ یہ قتل فوری اشتعال کے تحت ہوا ہوتا تو سمجھا جا سکتا تھا کہ شیر افگن صاحب کے خلاف نادر کی نفرت بروئے کار آئی ہے۔ قتل کی وجہ مالی منفعت بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ ابھی آپ زندہ ہیں اور پھر اگر شیر افگن صاحب کے بھائی نے بھی اپنا حق طلب کر لیا تو آپ ہی کے حصے میں کتنا آئے گا۔ اب تیسرا پہلو باقی رہتا ہے۔ نادر صاحب اسی صورت میں انہیں قتل کر سکتے تھے جب کہ خود اُنہیں اُن کی ذات سے کوئی خطرہ لاحق رہا ہو۔''

''میں سمجھ رہی ہوں۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔'' نذرہ خاتون نے طویل سانس لے کر کہا۔ میں کبھی اس قدر کھل کر بات نہ کرسکتی۔ اگر اُن کی ڈائریاں اس طرح غائب نہ ہوگئی ہوتیں۔ میں نے کبھی کبھی اُنہیں بے خیالی میں بڑبڑاتے سنا تھا۔ نادر اگر تو پھنس گیا تو شہباز تیری طرف سے نظریں پھیر لے گا اور صرف تیری گردن کٹے گی۔''

''اوہ.....!'' فریدی طویل سانس لے کر رہ گیا۔

''میری موجودگی کا احساس ہوتے ہی وہ خاموش ہوجاتے میں کچھ پوچھنے کی کوشش کرتی تو گول مول جواب دے کر ٹال جاتے۔''

''آپ نے کبھی کریدنے کی کوشش نہیں کی۔'' فریدی نے پوچھا۔

''نہیں جناب! میں ان کا اسی طرح احترام کرتی تھی جس طرح کوئی پجارن کسی دیوتا کا کرسکتی ہے۔ مجھے نہیں یاد پڑتا کہ کبھی کسی بات پر اُن سے الجھی ہوں۔ جو کچھ وہ خود سے بتانا چاہتے بتا دیتے۔ میں کریدا نہیں کرتی تھی۔ لیکن ڈائریوں کے اس طرح غائب ہوجانے کی بناء پر سوچتی ہوں کہ ضرور انہوں نے نادر کے بارے میں کچھ لکھا ہوگا۔ ورنہ وہ الماری ہی میں ہوتیں اور مجھے یقین کامل ہے کہ یہ حرکت نادر کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہوسکتی۔''

''ذرا پھر تو بتایئے گا کہ وہ بے خیالی میں کیا بڑبڑاتے تھے۔'' فریدی نے اپنی نوٹ بک کے صفحات پلٹتے ہوئے کہا۔

نادر اگر تو پھنس گیا تو شہباز تیری طرف سے نظریں پھیر لے گا اور صرف تیری گردن کٹے گی۔'' نذر خاتون نے بھرائی ہوئی آواز میں دہرایا۔

فریدی نے یہ جملے نوٹ کئے اور ڈائری بند کرتا ہوا بولا۔ ''تو گویا اس قتل کا محرک شہباز بھی ہوسکتا ہے۔''

''کوئی بھی ہو۔ خدارا جلد میرے کلیجے میں ٹھنڈک ڈالئے۔''

''بہت جلد خاتون۔'' فریدی اُٹھتا ہوا بولا۔ ''فی الحال صبر سے کام لیجئے۔''

کوٹھی سے نکل کر گاڑی کی طرف آیا اور اُسے اچھی طرح چیک کر لینے کے بعد پولیس اسٹیشن کی طرف روانہ ہوگیا۔

تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا۔ سوئچ آن کرنے پر کسی کی آواز

آئی۔ ''ہارڈ اسٹون..... ہارڈ اسٹون..... بی الیون کالنگ۔''

''ہارڈ اسٹون.....!'' فریدی نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

''سب کچھ ہماری توقعات کے مطابق ہوا ہے جناب۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''پانچ مقامی آدمیوں نے لاش تلاش کر کے ایک جگہ دفن کردی ہے۔ جگہ ہمارے نوٹس میں ہے اور اُن پانچوں کی قیام گاہوں سے بھی آگاہی ہوگئی ہے۔ کوئی اہم لوگ نہیں۔ وہیں کے کسان قسم کے لوگ ہیں.....اُوور.....!''

''مرنے والے کے بارے میں کیا معلوم ہوا۔''

''یہاں کے مشہور بدمعاشوں میں شمار ہوتا تھا۔ شمشیر گل نام تھا۔''

''اس کے دوسرے ساتھیوں کو تلاش کرنے کی کوشش کرو۔ ایسے ساتھی جو اس کا ہاتھ بٹاتے رہے ہوں.....اُوور.....!''

''بہت بہتر جناب۔''

''اُوور اینڈ آل۔'' کہہ کر فریدی نے ماؤتھ پیس ڈیش بورڈ کے خانے میں رکھ دیا۔

حمید نے ان دونوں کو بتایا کہ کس طرح اُس نے دوبارہ گیٹار حاصل کیا ہے اور سکی بہت زیادہ بدحواس نظر آنے لگی۔

''تم نے بہت بُرا کیا۔'' وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔ ''ان لوگوں سے جھگڑا مول لینا اچھا نہیں ہوتا۔ ان میں سے بعض اول درجے کے بدمعاش ہوتے ہیں۔ مفرور قیدی اور قاتل..... بال بڑھا کر اپنا حلیہ تبدیل کرتے ہیں اور بیوں میں شامل ہوجاتے ہیں۔''

''بہرحال ہمیں ہوشیار رہنا ہے۔'' حمید نے کہا۔

''آخر تم نے بات بڑھائی ہی کیوں.....کتنا قیمتی تھا گیٹار۔''

''دو پیسے کا تھا۔'' قاسم جھلا کر بولا۔ ''بہت اچھا کیا۔ ذرا کوئی ادھر آنکھ اُٹھا کر تو دیکھے ایک ایک کی گردن مروڑ دوں گا۔''

''تم صرف دو ہو۔''

''ہمیں دو ہزار سمجھو۔'' قاسم نے اکڑ کر کہا۔''اگر انہوں نے گڑبڑ کی تو مارے جائیں گے۔''

''پتا نہیں تم دونوں کس قسم کے لوگ ہو۔''

''ہم بھی اول درجے کے بدمعاش ہیں تم فکر نہ کرو۔'' حمید نے کہا۔

''مجھے یقین ہے کہ بات وہیں ختم نہ ہوگئی ہوگی۔'' سکی بولی۔

''مجھے تم سے زیادہ یقین ہے کہ ابھی مزید جھگڑا ہوگا۔'' حمید نے کہا۔

''یار مارو گولی..... مجھے بھوخ لگی ہوئی ہے۔ پیٹ میں جو کچھ تھا سب نکل غیا۔''

''اب قیا قروں۔'' قاسم نے اردو میں کہا۔

''مجھے یقین ہے کہ اس سفر میں تم مجھے کھا جاؤ گے۔''

''نہیں بتاؤ قیا قروں..... کھانا تھوڑا ہے۔''

''میں کچھ نہیں جانتا۔ وہ لوگ کہہ رہے تھے کہ کل صبح ایک گاؤں سے گزریں گے وہاں تمہارے لئے بھیڑیں خریدنے کی کوشش کروں گا۔ پورا گلہ چاہئے تمہارے لئے۔ لیکن یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ لوگ بھیڑیں ساتھ رکھنے دیں۔''

''پھر تم لوگوں نے اپنی زبان شروع کردی۔ میں بور ہو رہی ہوں۔'' سکی نے کہا۔

''اللہ قرے تم مر ہی جاؤ..... پیچھا چھوڑے۔'' قاسم بھنا کر بولا۔

''مجھ سے جھگڑا کر رہا ہے کہ تمہاری وجہ سے میری محبوبہ خوفزدہ ہوگئی ہے۔'' حمید نے انگلش میں کہا۔

''ہائے محبوبہ کہا ہے مجھ کو۔'' سکی ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

''آخر براہِ راست مجھ سے کیوں نہیں کہتا۔ کتنی خواہش ہے کہ اسکی زبان سے کچھ سنوں۔''

''غالیاں سنو گی غالیاں۔'' قاسم اردو میں بولا۔''مونگ کی دال تم پیدا ہی قیوں ہوئی تھیں روکھی پھیکی۔ ابے حمید سالے تم نے کس جنجال میں پھنسوا دیا ہے۔''

''کوئی ان میں سے پکڑ لاؤں۔''

''بس بس اس مونگ قی دال نے میرا جی بھر دیا ہے۔''

''اب کیا کہہ رہا ہے۔'' سکی نے پوچھا۔

''تمہارے حسن کی تعریف کر رہا ہے۔ کہتا ہے کہ اس کے بغیر تو اب میں زندہ ہی نہیں

رہ سکوں گا۔''

''اُوہ..... میرے خدا میں قیا قروں۔'' قاسم جھلاہٹ میں اپنے بال نوچنے لگا۔

''ارے ارے یہ کیا کرنے لگا۔'' سکی نے حیرت سے کہا۔

''کہتا ہے کہ اسے سب کچھ کیوں بتاتے جا رہے ہو..... غصہ کر رہا ہے۔''

''تم آخر اتنے شرمیلے کیوں ہو جان۔'' سکی ہنس کر بولی۔

قاسم دوسری طرف منہ کر کے بیٹھ گیا۔

''بچوں کی طرح نخرے بھی کرتے ہو۔'' وہ ہنس پڑی۔

''ابے یہ میں نخرے قر رہا ہوں۔'' قاسم دہاڑتا ہوا کھڑا ہوگیا اور حمید نے سکی سے کہا ''شائد پھر اس کی طبیعت خراب ہو رہی ہے۔''

''مم..... میں قے کرتے نہیں دیکھ سکوں گی۔'' سکی نے کہا اور چھولداری سے نکل گئی۔

''اسی طرح دبھا ہو جاؤ سالی۔'' قاسم بیٹھتا ہوا بولا۔ پھر بڑبڑانے لگا۔''ایسی بھی قیا عورت جسے دیکھ دیکھ کر وہ چپاتی بیغم یاد آتی رہیں۔''

''ہائیں ہائیں۔'' حمید بولا۔''یہ چپاتی بیغم کون ہیں۔''

''ہی ہی ہی ہی..... بس یونہی جبان سے نقل غیا..... میں روٹی کو چپاتی بیغم کہتا ہوں۔''

''بس روٹی کے علاوہ اور رکھا ہی کیا ہے تمہاری زندگی میں۔ لیکن تم نے یہ سچ بات نہیں کہی۔''

''قیا مطلب.....؟''

''حمید صاحب نے مجھے بتایا تھا کہ تم اپنی بیوی کو چپاتی بیگم کہتے ہو۔''

''سالے نہیں تو..... اور قیا قیا بتایا تھا۔''

''یہ بھی بتایا کہ شادی کی پہلی رات تم بُری طرح بوکھلائے ہوئے تھے اور بیوی کو پلنگ سمیت اُٹھا لیا تھا۔ وہ بیچاری چیخ مار کر بیہوش ہوگئی اور پھر اس نے تمہیں اپنے قریب نہیں آنے دیا تھا۔''

''زندہ دبھن قر دوں غا سالے قو..... ملے تو۔''

''لیکن یہ لڑکی تو اچھی خاصی ہے۔''

''کیا اچھی خاصی ہے۔ سالی میں ہڈیوں کے علاوہ اور کیا رکھا ہے۔'' قاسم بگڑ کر بولا۔

''تگڑی ہوتی تو کیا تم اُسے تل کر کھاتے۔''

دفعتاً اُنہوں نے سکی کی چیخ سنی اور حمید اچھل کر چھولداری سے باہر بھاگا۔

''ٹھہرو..... میں بھی آرہا ہوں۔ سالوں نے گڑبڑ کر ہی ڈالی۔'' قاسم بھی اُٹھتا ہوا بولا۔

سکی پھر چیخی اور اس بار حمید کو سمت کا اندازہ ہوگیا۔ چاقو نکال کر اسی طرف جھپٹا۔

''گھبرانا نہیں میں بھی آرہا ہوں۔'' قاسم نے للکار کر کہا۔

اور پھر حمید ٹھیک اُسی جگہ پہنچا جہاں سے تین چار ہی سکی کو اُٹھا لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔

حمید نے ایک پر چھلانگ لگائی اور وہ چیخ کر الٹ گیا۔ چاقو کا وار اُس کے شانے پر لگا تھا۔ انہوں نے بوکھلا کر سکی کو چھوڑ دیا اور پیچھے ہٹ گئے۔

''ایق قو بھی جندہ نہ چھوڑوں غا.....!'' قاسم بھی دہاڑتا ہوا پہنچ گیا۔

اور سکی دوڑ کر اس سے لپٹ گئی۔

''ہی ہی ہی ہی..... اس قی نہیں ہوئی..... اُمے چھوڑو گدگدی لگ رہی ہے..... ہی ہی ہی ہی۔''

''تم ہنس رہے ہو جان۔'' وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

''ارے ہاں۔'' قاسم نے انگلش میں کہا۔ ''ہی ہی ہی ہی..... اس طرح لپٹنے سے گدگدی لگتی ہے ہی ہی ہی۔''

ادھر حمید نے ایک کو اور گرالیا تھا۔ تیسرا بھاگنے ہی لگا تھا کہ حمید نے کسی کو کہتے سنا۔

''انہیں گھیرو۔ جانے نہ پائیں۔ سرکاری آدمی لگتے ہیں۔ یہ شاید اُنہی چھ کارپردازوں میں سے کوئی تھا۔''

حمید نے بڑی پھرتی سے چاقو بند کر کے ریوالور نکال لیا اور تیزی سے پیچھے ہٹتا ہوا قاسم سے بولا۔ ''بائیں جانب نیچے اُتر چلو۔ اگر ان کے ہاتھ آگئے تو مارے جائیں گے۔''

دوسری طرف سے کئی آدمی دوڑ کر ادھر ہی آتے نظر آئے اور حمید نے پلٹ کر ایک فائر جھونک مارا۔ قاسم شاید ذہنی طور پر پوری طرح بیدار ہوگیا تھا۔ اس لئے حمید کی ہدایت پر عمل کرنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ حمید ان دونوں کے پیچھے تھا۔ دفعتاً دوسری طرف سے بھی ایک

فائر ہوا اور حمید نے ایک جگہ پوزیشن لے لی۔ ساتھ ہی ان سے کہا۔ ''تم دونوں چلتے رہو..... رکنا مت..... میں انہیں روکتا ہوں۔''

اس نے پھر فائر کیا۔ ادھر سے بیک وقت کئی فائر ہوئے لیکن حمید محفوظ رہا۔

ایسی جگہ جم گیا تھا کہ وہ لوگ قریب آئے بغیر قاسم اور سکی کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اس نے پے در پے فائر کئے۔

ادھر سکی منمنا رہی تھی۔ ''دیکھو میں نہ کہتی تھی کہ یہ ضرور ہوگا۔''

''یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ تم کیوں فکر کرتی ہو۔ اگر چلا نہ جا رہا ہو تو میری پیٹھ پر آجاؤ۔''

''نہیں ٹھیک ہے۔ میں چل رہی ہوں۔ کہیں گولی نہ لگ جائے۔''

''نہیں لگے گی۔ میرا ساتھی بہت تیز ہے۔ وہ انہیں ادھر نہیں آنے دے گا۔ اس کے پاس بہت کارتوس ہیں۔''

اچانک وہ لڑکھڑائی اور قاسم نے سنبھال لیا۔ مطلع صاف تھا اور تاروں کی چھاؤں میں وہ راستہ بخوبی دیکھ سکتے تھے۔

''اب کیا ہوگا۔'' لڑکی نے سسکی لی۔

''سب ٹھیک ہوگا۔ بور ہونے کی ضرورت نہیں۔''

فائروں کی آوازوں سے چٹانیں گونج رہی تھیں اور حمید سوچ رہا تھا کہ یہ کیا ہوگیا۔ ساری اسکیم ہی تلپٹ ہو کر رہ گئی۔ یہاں آنے کا مقصد ہی فوت ہوگیا۔ اسے کیپٹن کے لئے جھگڑا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اب اس وقت یا تو وہ گھیر کر مار لئے جائیں گے یا اُن سے کٹ کر ادھر اُدھر بے مقصد بھٹکتے پھریں گے۔ اس نے کسی کو صاف کہتے سنا تھا کہ انہیں گھیرو۔ سرکاری آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ اس حد تک بات بڑھ جانے کے بعد دوبارہ ان میں گھل مل جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

اُدھر ڈھلان کے اختتام پر پہنچ کر قاسم رک گیا اور اونٹ کی طرح منہ اُٹھا کر اوپر دیکھنے لگا۔

''ارے لیٹ جاؤ..... یہاں اس طرح کھڑے نہ رہو..... ورنہ مارے جاؤ گے۔'' سکی نے اُس کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ ''وہ لوگ اونچائی پر ہیں۔ تمہارا ساتھی ہر طرف تو نظر نہ رکھ سکے گا۔''

''اوہاں ٹھیک ہے۔'' قاسم نے کہا اور چت لیٹ گیا۔ اس کے قریب ہی ایک سیدھی چٹان کھڑی تھی اور آگے کا راستہ مسدود ہوگیا تھا۔ سکی بھی اُس کے قریب ہی لیٹ کر سرگوشیاں کرنے لگی۔ ''تمہارا ساتھی اول درجے کا احمق معلوم ہوتا ہے۔''

''پھر میں کیا کروں؟''

تم اس کا ساتھ چھوڑ دو اور ہم کسی طرف نکل چلیں۔

''ارے باپ رے۔'' قاسم اردو میں بڑبڑایا ساتھ ہی اچھا بھی تھا کیونکہ سکی نے اس کی طرف کروٹ لے کر اپنا ہاتھ اس کے سینے پر رکھ دیا تھا۔

''یہ..... یہ کیا کر رہی ہو۔ سنو کیسی ٹھائیں ٹھائیں ہو رہی ہے۔''

''چپ چاپ لیٹے رہو۔ آہستہ نہیں بول سکتے۔ تمہاری آواز اُن تک پہنچ جائے گی۔''

ادھر حمید سوچ رہا تھا کہ اب کچھ اور کرنا چاہئے۔ ورنہ خواہ مخواہ کارتوس ضائع ہوتے رہیں گے۔ دوسری طرف فائرنگ کرنے والے اونچائی پر تھے اور دکھائی نہیں دیتے تھے۔ دفعتاً حمید نے فائرنگ بند کردی۔ اُدھر سے مزید کچھ فائر ہوئے اور سناٹا چھا گیا۔ اتنے میں حمید نے پھر پوزیشن میں تبدیلی کی۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اس کا ان لوگوں پر کیا ردعمل ہوتا ہے۔ اُن کی تلاش میں نیچے اترتے ہیں یا پسپائی اختیار کرتے ہیں۔

کئی منٹ گزر گئے لیکن کسی طرف سے بھی کوئی حرکت نہ دکھائی دی۔ رات پہلے ہی کی طرح سائیں سائیں کرنے لگی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے ذرا دیر پہلے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ حمید آہستہ آہستہ اوپر کی طرف رینگنے لگا۔ ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی چھپکلی کسی دیوار پر چڑھ رہی ہو۔ ریوالور کے خالی چیمبر دوبارہ بھر لئے تھے۔

اور پھر ذرا ہی سی دیر میں اُس پر یہ بات منکشف ہوگئی تھی کہ وہ پسپا نہیں ہوئے تھے۔ اگر ذرا سا بھی چوکتا تو مار لیا گیا تھا۔ ایک پتھر کی اوٹ سے اس نے اُن کے ہیولے دیکھ لئے۔ آٹھ دس رہے ہوں گے۔ تھوڑے ہی فاصلے پر اوندھے پڑے نظر آئے۔ شاید وہ خود اُس کے منتظر تھے۔ وہ انہیں صاف دیکھ رہا تھا۔ چار عدد بالکل اس کی زد میں تھے۔ اُن سے پیچھا چھڑانے کی یہی ایک تدبیر سمجھ میں آئی کہ نشانہ لے لے کر فائرنگ شروع کردے۔ وہ چاروں صاف زد پر تھے۔ پہلے ہی ہلے میں اچھل اچھل کر دور جا پڑے اور بقیہ اُٹھ کر بھاگے

ہی تھے کہ ان میں سے دو اور گرے اور حمید نے تیزی سے ریوالور پھر لوڈ کیا اور ٹریگر دباتا چلا گیا۔ حالانکہ اب کوئی بھی نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ زخمی ہوجانے والے وہیں پڑے تڑپ رہے تھے اور چیخ رہے تھے۔

حمید تیزی سے پلٹا اور نیچے اُترنے لگا۔ اب شاید ہی کوئی ادھر آنے کی ہمت کرسکتا۔

کچھ ہی دور چلا ہوگا کہ قاسم کی آواز سنائی دی۔ اردو میں کہہ رہا تھا۔ ''دیکھو اس کی نہیں ہوتی..... ہی ہی ہی ہی..... ارے ارے۔''

''کیا ہو رہا ہے۔'' حمید نے ڈپٹ کر پوچھا اور قاسم کی ''ہی ہی'' رک گئی۔

''کیا ہوا.....!'' سکی اُٹھ کر اس کی طرف لپکی۔

''ہوگیا جو کچھ ہونا تھا۔ اب یہاں سے دور نکل چلو۔''

''ہائے خانا وانا تو وہیں رہ غیا۔'' قاسم بھی کراہ کر اُٹھ بیٹھا۔

''رقم تو ہے نا جیب میں۔ بہت کھانا مل جائے گا۔ چلو جلدی کرو۔''

کچھ دور چلنے کے بعد قاسم بولا۔ ''بھئی میں تو اس سے کہہ رہا تھا کہ نہیں چلا جاتا تو میری پیٹھ پر آجاؤ۔''

''ہائیں..... اچانک یہ عنایت کیوں۔''

''سب ٹھیک ہے۔''

''کیا ٹھیک ہے۔''

''ارے بیچاری مجبور عورت ہے۔ نہیں چلا جاتا ہوگا..... ہی ہی ہی ہی۔''

''مونگ کی دال بھی تو ہے۔''



شہباز بہت زیادہ غصے میں تھا اور فریدی اُسے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے سچ مچ اس کی ذہنی کیفیت کو بڑی اہمیت دے رہا ہو۔ دفعتاً شہباز ٹہلتے ٹہلتے رک کر اس کی طرف مڑا اور بولا۔ ''یہ ٹھیک ہے جناب کہ آپ اس کیس کی تفتیش کر رہے ہیں اور مجھے دخل اندازی نہ کرنی چاہئے لیکن آخر کب تک۔''

''بتایئے بھی تو کیا معاملہ ہے۔'' فریدی نے نرم لہجے میں پوچھا۔

''آج پھر زری کوہ میں فورس کے افراد پر فائرنگ ہوئی ہے۔ میں اُسے کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کرسکتا۔''

''تو پھر آپ نے کوئی کارروائی کی۔''

''جی نہیں! میں نے سوچا کہ آپ کے علم میں لائے بغیر مجھے کچھ نہ کرنا چاہئے۔ میرا دعویٰ ہے کہ داور خان کو خان عبدالرحمٰن ہی نے چھپا رکھا ہے۔''

''تب تو اول درجے کا احمق ہے کہ خواہ مخواہ چھیڑ چھاڑ کرکے آپ کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا رہا ہے۔''

''میں نے پہلے ہی عرض کیا تھا کہ بے حد سرکش لوگ ہیں۔ آپ کو بھی اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔''

''تو پھر آپ کیا کریں گے۔''

''جوابی کارروائی..... مجھے اس سے سروکار نہیں کہ داور وہاں چھپا ہوا ہے یا نہیں۔''

''ٹھیک ہے..... اس طرح آپ جوابی کارروائی کرسکتے ہیں۔ میں یہاں آپ کے فرائض کی ادائیگی میں رکاوٹ بننے تو نہیں آیا۔''

''پھر بھی آپ کے علم میں لانا ضروری تھا۔ مجھے خوشی ہوگی اگر آپ اس کارروائی کے دوران میں ہمارے ساتھ رہیں۔''

''میں آپ کی یہ خواہش ضرور پوری کروں گا۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''میرے مظالم کی داستانیں آپ نے بھی سنی ہوں گی لہٰذا میں آپ کو دکھانا چاہتا ہوں کہ میرا سابقہ کیسے لوگوں سے ہے۔''

''اوہ..... ہاں یہ تو بتایئے کہ آپ نے نادر کی شکوہ آباد میں موجودگی کی تصدیق کہاں کہاں سے کی تھی۔''

''ظاہر ہے وہیں سے جہاں وہ زیادہ تر رہتا ہے۔''

''پروفیسر خلجی کی طرف اشارہ ہے شاید۔''

''جی ہاں..... وہ بہت دنوں سے اپنی راتیں وہیں بسر کر رہا ہے۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔''

''میں نہیں سمجھا۔'' شہباز اُسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

''پروفیسر نے اُسے کیسے گوارا کرلیا ہے۔''

''اوہ..... دونوں باپ بیٹی پاگل ہیں۔''

''لیکن پاگلوں کی شہادت کوئی قانونی حیثیت نہیں رکھتی۔''

''میرا مطلب تھا سنکی ہیں۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ شہباز نے کہا۔ ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ نادر پر اتنا زور کیوں دے رہے ہیں۔ جب کہ داور کی انگلیوں کے نشانات مقتول کے کمرے میں ملے تھے۔''

''داور کا ملنا بہت ضروری ہے اس سے پہلے یہ معمہ حل نہیں ہوسکتا۔''

''پتا نہیں کیوں آپ نے اسے معمہ بنا دیا ہے جب کہ داور کی انگلیوں کے نشانات نے اسے ایک کھلا ہوا کیس بنا دیا ہے۔''

''قاتل کے ڈرامائی فرار نے اُسے معمہ بنایا ہے خان شہباز..... وہ اُسے خاموشی سے قتل کرکے کسی کے علم میں لائے بغیر بھی فرار ہوسکتا تھا۔''

''ہوسکتا ہے گھیر لئے جانے کے خدشے کی بناء پر پیراشوٹ ساتھ لے گیا ہو۔''

''لیکن یقین کیجئے کہ وہ قتل کے بعد خاموشی سے بھی فرار ہوسکتا تھا۔ قتل میرے ایک آدمی کی موجودگی میں ہوا تھا لیکن وہ قاتل کی شکل نہیں دیکھ سکا تھا۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''شیر افگن نے مجھے بھی اس اجنبی کی کہانی سنائی تھی اور میں نے اس کی نگرانی شروع کرادی تھی۔''

''تب تو پھر کوئی الجھاوا ہی ہوگا۔'' شہباز طویل سانس لے کر بولا۔ ''لیکن آخر داور روپوش کیوں ہوگیا ہے۔''

''یہی تو دیکھنا ہے۔'' فریدی نے کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔ شہباز کی آنکھوں میں تشویش کے آثار تھے۔

تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ ''میں نے اُن سرکشوں کی کمین گاہ کا پتہ لگالیا ہے۔ آج

وہیں چھاپہ ماریں گے۔"

"جب چلنا ہوگا۔ مجھے اطلاع دے دیجئے گا۔" فریدی نے کہا۔

پھر وہ اُس کے آفس سے نکل کر اپنی گاڑی میں بیٹھا تھا اور ہوٹل کی طرف روانہ ہوگیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ بالکل ایسا ہی لگتا تھا جیسے کسی بچے کی خوش فعلیاں یاد آرہی ہوں۔

•

بھٹکتے بھٹکتے صبح ہوگئی۔ پتا نہیں کدھر نکل آئے تھے۔ چاروں طرف اونچی نیچی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں اور قاسم دونوں ہاتھوں سے پیٹ دبائے کہہ رہا تھا۔ "یہاں تو گھاس بھی نہیں ہے کہ اُس کا بھی تجربہ قرڈالتا اور چھینو بیٹا گیٹھار..... پتا نہیں سالا قیسا منحوس گیٹھار تھا۔"

حمید نے سوچا کہ اب اُسے خود کو اُس پر ظاہر کردینا چاہئے۔ ورنہ یہیں کہیں ہاتھ پاؤں پسار کر پڑ جائے گا۔ اُس نے بڑے پیار سے اُس کا سر سہلا کر کہا۔ "خود کو یتیم مت سمجھو میں ابھی زندہ ہوں۔" یہ اس کی اصل آواز تھی۔

قاسم تھتھلا کر رہ گیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُسے دیکھنے لگا۔ پھر دانت پیس کر بولا۔

"تو یہ سارا چکد پن تم نے پھیلایا ہے۔"

"بس ہوگئی کرکری! ورنہ میں تو تمہیں لمبی تفریح کرانا چاہتا تھا۔ دیکھو کیسی چاہنے والی لڑکی تلاش کردی ہے..... چاہو تو اس سے شادی بھی کرسکتے ہو۔"

"اَمے نہیں ہی ہی ہی۔"

"میرا خیال ہے کہ اب تم اسے پسند بھی کرنے لگے ہو۔ چرس نوشی ترک کردینے کا وعدہ تو وہ کرہی چکی ہے۔"

"ہاں..... غنیمت ہے۔" قاسم مسمسی صورت بنا کر بولا۔

"کتنی بار کہوں کہ انگلش میں گفتگو کرو۔" سکی نے جھنجھلا کر کہا۔

"یہ تم سے شادی کرلینے پر آمادہ ہے۔" حمید نے کہا۔

"دیکھو..... پھر وہی گھپلے والی بات۔"

"اس کے لئے تو میں جان بھی دے سکتی ہوں۔"

قاسم کے دانت نکل پڑے اور حمید اس تبدیلی پر متحیر رہ گیا۔ تھوڑی دیر بعد قاسم نے کہا۔ "مجھ سے تو اب نہیں چلا جاتا۔ پتا نہیں کہاں جارہے ہیں۔"

"جلد ہی ہمیں کوئی چرواہا ملے گا اور ہم اُس سے بھیڑیں خریدیں گے۔" حمید بولا۔

قاسم نے بیچ سے تھوک کی پچکاری ماری۔ بھیڑوں کے نام پر شائد منہ میں پانی بھر آیا تھا۔ اُس نے کہا۔ "مگر سالے تم نے مجھے دھوکا قیوں دیا تھا۔"

"جب مجھے بھی کوئی مل جاتی تو خود کو ظاہر کردیتا۔ لیکن اس کی نوبت ہی نہیں آنے پائی۔"

"قبھی نہیں آئے غی..... تم ہو ہی منحوس..... یہی تو میں قہہ رہا تھا کہ آخر ٹھائیں ٹھوئیں قیوں ہونے لگی۔"

قاسم کو چلائے رکھنے میں بڑی دشواری پیش آرہی تھی۔ حمید نے سکی سے کہا کہ وہ بولتی رہے تاکہ قاسم کی بھوک بہلائے رکھنے میں کچھ مدد ملے اور اس نے قاسم کی شان میں شاعری شروع کردی۔ ایسے جذباتی ڈائیلاگ بول رہی تھی کہ قاسم کا معدہ دل کی طرف متوجہ ہوگیا۔

آخر تھوڑی دیر بعد قاسم بولا۔ "مگر یار شادی قیسے ہوسکتی ہے؟"

"ہوسکتی ہے۔" حمید نے کہا۔ "باپ کی پرواہ مت کرو۔ جیسے ہی ان کو معلوم ہوگا کہ امریکن ہے ان کا دم نکل جائے گا کیونکہ کئی امریکی کمپنیوں کے اشتراک سے بھی تو کام کررہے ہیں اور اگر کہیں تم نے کہہ دیا کہ امریکی صدر کی بھانجی بھی لگتی ہے تو سر پر اُٹھائے اُٹھائے پھریں گے اور تم ٹاپتے رہ جاؤ گے۔"

"چوپ بے میرا باپ ایسا نہیں ہے۔"

"تو پھر ڈیڑھ درجن سیکریٹریاں کیوں رکھ چھوڑی ہیں۔"

"سبھی رکھتے ہیں۔"

"مکھیاں مارنے کے لئے نہیں رکھتے۔"

"بس بس..... باپ کی بات مت قرو۔"

"میں تو کہہ رہا تھا۔"

"نہیں بس..... جب ہوغا مقدر میں تو شادی بھی ہوجائے غی۔"

''بطور سیکریٹری ہی رکھ لینا۔''

''کہاں رکھ لوں گا..... جیب میں؟ وہ سالی چپاتی بنیم.....!''

''رکھنے کا انتظام بھی کر دوں گا۔ اس طرح کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔''

''الاقسم.....!'' قاسم خوش ہو کر بولا۔

''یقین کرو..... مجھے بھی یہ لڑکی تمہارے لئے بہت پسند آئی ہے۔''

''بعد میں گھپلا تو نہیں کرو گے۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

بہر حال حمید اور سکی اُسے باتوں میں الجھائے ہوئے چلاتے رہے تھے۔ دفعتاً حمید چلتے چلتے ایک جگہ رک گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کچھ سننے کی کوشش کر رہا ہو اور پھر وہ آواز ان دونوں نے بھی سن لی تھی۔ کسی گاڑی کی آواز تھی اور ایک جانب کی اونچائی سے آ رہی تھی۔ وہ ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں دبک گئے۔

پھر وہ جیپ انہیں دکھائی دے گئی جس پر انہی کے ملک کی فوج کا نشان بنا ہوا تھا۔

''خدا کی پناہ.....!'' حمید طویل سانس لے کر بولا۔ ''یہ تو اپنی ہی طرف کی سرحد کے محافظ ہیں..... تو کیا ہم نے بارڈر کراس کر لیا ہے۔''

''جرور یہی بات ہے۔'' قاسم مسمسی صورت بنا کر بولا۔

تھوڑی سی چڑھائی چڑھ کر وہ اُس سڑک تک پہنچ سکتے تھے جس پر جیپ نظر آئی تھی لیکن حمید نے اُسے مناسب نہ سمجھا۔ اس کی بجائے وہ نیچے ہی نیچے اُس سمت بڑھتے رہے جدھر سے جیپ آتی دکھائی دی تھی اور پھر آگے چل کر چٹانوں کے درمیان گم ہو گئی تھی۔ کچھ دیر بعد قاسم کی بھی تقدیر کھل گئی۔ یعنی بھیڑوں کا ایک گلہ بھی نظر آ گیا۔ دو بھیڑیں خریدی گئیں۔ چاقو تو حمید کے پاس موجود ہی تھا۔ تمباکو نوشوں کے لئے ماچس بھی ضروری ہوتی ہے لہٰذا کسی نہ کسی کے پاس نکل ہی آتی ہے۔ ادھر اُدھر سے خشک لکڑیاں اور خشک گھاس اکٹھا کی گئی اور بس پھر کام بن گیا۔ ایسی جگہ پر تھے کہ آسانی سے دیکھے بھی نہیں جا سکتے تھے۔ ایک بھیڑ ذبح کر دی گئی۔ کھال بھی حمید ہی کو اُتاری پڑی۔ اس کے بعد وہ لمبا لمبا لیٹ گیا اور سکی قاسم کا ہاتھ بٹانے لگی۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ وہ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگے۔ انہوں نے

فائروں کی آوازیں سنی تھیں۔

''یہ قیا ہونے لغا.....!'' قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''سالے کسی کو خاتے پیتے نہیں دیکھ سکتے۔''

''یہ کوئی اور معاملہ معلوم ہوتا ہے۔ ہم اپنے ملک کی حدود میں ہیں۔ آگ بجھا کر اس دراڑ میں چلے جاؤ۔'' حمید اُٹھتا ہوا بولا۔ ''میں دیکھتا ہوں۔''

وہ آواز کی سمت چڑھائی پر چڑھنے لگا۔ فائروں کی کچھ آوازیں دور کی تھیں اور کچھ قریب ہی کی معلوم ہوتی تھیں۔ وہ بڑی احتیاط سے اوپر چڑھ رہا تھا۔ چٹان کے اختتام پر ایک دراڑ نظر آئی جس کے اندر کا اُجالا کہہ رہا تھا کہ دوسری طرف راستہ مسدود نہ ہوگا۔ اس نے چاروں طرف دیکھ کر دراڑ پر قدم رکھ دیا۔ داہنا ہاتھ بغلی ہولسٹر پر رکھا تھا۔

تھوڑی ہی دور چل کر رک جانا پڑا۔ ایک آدمی اوندھا پڑا نظر آیا جس کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ پیر بھی آزاد نہیں تھے۔ جسم میں حرکت پائی جاتی تھی۔ شاید حمید کی آہٹ ہی پر اس نے سر گھمانے کی کوشش کی تھی۔

''تم کون ہو..... اور یہ کیا ہو رہا ہے۔'' حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

وہ اُسے ویران ویران سی آنکھوں سے دیکھتا رہا پھر ہذیانی انداز میں بولا۔ ''خدا کے لئے مجھے بچاؤ..... ورنہ وہ مار ڈالیں گے۔ مجھے ہٹا لے چلو یہاں سے ورنہ ذرا ہی سی دیر میں میرا خاتمہ ہو جائے گا۔''

''وہ کون ہیں۔'' حمید نے اُس کے ہاتھوں کی گرہ کھولتے پوچھا۔

''بتا دوں گا..... نہ میں کوئی مجرم ہوں اور نہ..... جلدی کرو۔ وہ قریب ہی ہیں۔''

حمید نے اس کے پیر بھی کھول دیئے اور وہ اُٹھ بیٹھا۔ کھڑا ہوا تو قدم لڑکھڑا رہے تھے اور اُس کا رخ ادھر ہی تھا جدھر سے حمید آیا تھا۔ دراڑ کی طرف سے بدستور فائرنگ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ دور کی بھی اور قریب کی بھی۔ وہ اُسے سہارا دے کر اُدھر ہی لے چلا جہاں قاسم اور سکی کو چھوڑ آیا تھا۔

اجنبی کہہ رہا تھا۔ ''تھوڑی دیر فائرنگ کر کے وہ مجھے گولی مار دیتے۔ میں نے انہیں کہتے سنا تھا۔''

''کس پر فائرنگ کررہے ہیں۔''

''میرے حواس ٹھکانے نہیں ہیں۔ پہلے مجھے کسی محفوظ جگہ لے چلو..... میں سب کچھ بتا دوں گا۔''

قاسم آگ بجھا کر چٹان کی اوٹ میں چلا گیا تھا۔ ادھ کچا گوشت کھا رہا تھا اور سارے زمانے کو گالیاں دے رہا تھا۔ سکی بیٹھی ہنس رہی تھی۔ حمید نے اجنبی کو انہی کے پاس بٹھا دیا۔ وہ قاسم کو خوفزدہ نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔

''ہم امن پسند لوگ ہیں خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔''

''وہ یہاں بھی پہنچ سکتے ہیں۔''

''ان کے بارے میں کچھ بتاؤ بھی تو۔''

''مم..... یہ میرا سر چکرا رہا ہے..... غشی۔'' اس نے بدقت کہا اور آنکھیں بند کرلیں۔ پھر اگر حمید نے جھپٹ کر سنبھالا نہ ہوتا تو سر پیچھے پڑے ہوئے پتھر سے ٹکراتا۔ اُس نے اُسے بہ آہستگی لٹا دیا۔

''اَبے یہ قس کو پکڑ لائے۔'' قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ کنکھیوں سے سکی کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ اجنبی جوان العمر اور خوش شکل تھا۔ لیکن شائد کئی دنوں سے شیو کرنا نصیب نہیں ہوا تھا۔

''کوئی مصیبت زدہ ہے۔ کچھ بتانے سے پہلے ہی بے ہوش ہوگیا۔''

''اب اس قو بھی کھلانا پڑے گا۔'' قاسم نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

کرنل فریدی اور ایس پی شہباز فورس کے کچھ افراد سمیت فائرنگ کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ مخالف سمت سے ہونے والے فائر اچانک رک گئے تھے اور شہباز بولا۔

''احتیاط سے..... وہ مردود شائد اب اپنی پسپائی کا ڈرامہ کررہے ہیں۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ لیکن آگے بڑھتا رہا۔ کسی چیتے کی طرح چوکنا تھا۔ دفعتاً کسی جانب سے مخصوص انداز میں بجائی جانے والی سیٹی کی آواز آئی اور فریدی رک گیا۔ ایس پی شہباز کی

آنکھوں میں پل بھر کے لئے حیرت کے آثار نظر آئے تھے۔

سیٹی کی آواز پھر آئی اور اس بار فریدی نے سمت کا صحیح تعین کرلیا اور اسی جانب بڑھتا ہوا بولا۔ ''آیئے۔''

''میں نہیں سمجھا۔'' شہباز بولا۔

''میرے آدمیوں نے اُنہیں قابو میں کرلیا ہے۔ اطلاعی اشارہ تھا۔''

شہباز کے چہرے پر بادل سا آ کر گزر گیا اور وہ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے ہوئے فریدی کے ساتھ چلتا رہا۔

اور پھر وہ اُس جگہ جا پہنچے جہاں تین آدمی بندھے پڑے ہوئے تھے اور ان کے قریب ہی رائفلیں پڑی نظر آئیں۔

''اوہ.....!'' شہباز بولا۔ ''یہ تو شکوہ آباد کے مفرور بدمعاش ہیں۔ ہمیں عرصہ سے ان کی تلاش تھی۔''

''جناب عالی۔'' ان میں ایک نے کچھ کہنے کی کوشش کی تھی لیکن شہباز ڈپٹ کر بولا۔

''خاموش رہو..... ورنہ گولی ماردوں گا۔''

''اگر یہ شکوہ آباد کے مفرور بدمعاش ہیں تو آپ جانیں۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

''لیکن ..... آپ کے وہ آدمی.....!'' شہباز نے پُرتشویش انداز میں چاروں طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میرے علاوہ اور کسی پر خود کو ظاہر نہیں کرتے۔''

''شاید اسی لئے آپ اب تک زندہ ہیں۔''

فریدی نے شانوں کو جنبش دی اور سگار کا گوشہ توڑنے لگا۔

شہباز نے تینوں قیدیوں کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''یہ چار تھے۔ ساتھ ہی فرار ہوئے تھے۔'' پھر اُن سے کڑک کر پوچھا۔ ''چوتھا کہاں ہے۔''

''غائب ہوگیا جناب عالی.....!'' ایک بولا۔

''اچھا اچھا..... اب تم پاگل پنے کی باتیں بھی کرو گے۔'' شہباز اُنہیں خونخوار نظروں سے گھورتا ہوا بولا اور اپنے آدمیوں سے کہا۔ ''ہتھکڑیاں ڈال کر انہیں لے چلو۔''

''مم.....مگر.....جناب عالی!''

''خاموش رہو۔'' شہباز دہاڑا۔

فریدی دوسری طرف منہ پھیر کر مسکرا رہا تھا۔ واپسی کے سفر میں شہباز خاموش رہا۔ اپنے پروگرام کے مطابق وہ زری کوہ کے سرکش آدمیوں کی ایک کمین گاہ پر چھاپہ مارنے آیا تھا۔ لیکن اُس کمین گاہ تک پہنچنے سے پہلے ہی ان پر فائرنگ شروع ہوگئی تھی۔ فریدی کو بھی ساتھ لایا تھا۔

شکوہ آباد کی حدود میں داخل ہوکر فریدی نے اس سے کہا۔ ''اچھا خان شہباز میں تو اب جا کر آرام کروں گا۔ بہت تھک گیا ہوں۔ آپ اپنے مفروروں کو لے جایئے.....جس غرض سے گئے تھے وہ نہ ہوا۔ یہ لوگ شکوہ آباد کے مفرور ملزم نکلے۔''

''آپ فکر نہ کیجئے۔ میں اب خان عبدالرحمٰن کی حویلی کی تلاشی کا وارنٹ حاصل کروں گا اور آپ بھی میرے ساتھ ہوں گے۔'' شہباز نے کہا۔

''ہاں آخری صورت یہی رہ جاتی ہے۔'' فریدی بولا۔

خان شہباز لینڈ رور سے اُتر کر اپنی جیپوں کی طرف بڑھ گیا اور فریدی نے ہوٹل کی راہ لی۔ کچھ دور چل کر ڈیش بورڈ کے خانے سے ٹرانسمیٹر کا ماؤتھ پیس نکالا۔

''ہیلو.....بی تھرٹین.....ہارڈ اسٹون کالنگ.....ہیلو بی تھرٹین۔''

''بی تھرٹین سر.....!'' ریسیور سے آواز آئی۔

''وہ کسی چوتھے آدمی کی بھی بات کر رہے تھے جو اُنہیں کے الفاظ میں غائب ہوگیا۔ ہمیں کوئی چوتھا آدمی نہیں دکھائی دیا جناب۔ وہی تینوں فائرنگ کر رہے تھے۔''

''تمہیں پوری طرح یقین ہے کہ اس سلسلے میں تم سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔''

''مجھے پوری طرح یقین ہے جناب۔''

''اُوور اینڈ آل۔'' کہہ کر فریدی نے سوئچ آف کیا اور ماؤتھ پیس کو ڈیش بورڈ کے خانے میں رکھ دیا۔ وہ سچ مچ آرام کرنا چاہتا تھا کیونکہ رات اُسے شیر افگن کی کوٹھی میں گزارنی تھی۔ اُس کے کاغذات دیکھنا چاہتا تھا۔

شام کی چائے پی کر سوگیا۔ نیند کا سلسلہ دروازے پر ہونے والی دستک نے توڑا تھا۔

گھڑی دیکھی۔ رات کے نو بج گئے تھے۔ اُٹھ کر دروازہ کھولا اور آنے والوں کو دیکھ کر متحیر رہ گیا۔ حمید اور قاسم کے ساتھ دو افراد اور بھی تھے۔ ایک غیر ملکی لڑکی اور ایک ایسا آدمی جس کا پورا چہرہ پٹیوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ صرف آنکھوں کی جگہ کھلی نظر آرہی تھی اور سب سے بڑا اچنبھا یہ تھا کہ حمید اور قاسم اپنی صاف ستھری شکلوں میں تھے۔ ڈاڑھیاں اور بالوں کے جھاڑ جھنکاڑ غائب ہوگئے تھے۔ فریدی نے خاموشی سے پیچھے ہٹ کر انہیں اندر آنے کیلئے راستہ دیا۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔'' اس نے حمید کو گھورتے ہوئے آہستہ سے کہا اور اس آدمی کی طرف دیکھنے لگا جس کا چہرہ پٹیوں سے ڈھکا ہوا تھا۔

''آپ کے لئے تحفہ ہے۔'' حمید نے کہا۔

''کیا مطلب.....؟''

''پٹیاں کھول کر دیکھ لیجئے۔ آپ پسند فرمائیں گے اور یہ بھی بھول جائیں گے کہ ہم دونوں ہیوں کے روپ میں کیوں نہیں نظر آرہے.....!''

''تم خود ہی کھولو.....!'' فریدی بیزاری سے بولا۔

اور حمید آگے بڑھ کر اُس کے چہرے سے پٹیاں کھولنے لگا۔ بندش ایسی ہی تھی جیسے سارا چہرہ زخمی ہوگیا ہو۔

''تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں یہاں مقیم ہوں۔'' فریدی نے پوچھا۔

''اس لڑکی نے شہباز کو فون کرکے آپ کا پتہ معلوم کیا تھا اُس سے کہا تھا کہ آپ کی گرل فرینڈ ہے اور دارالحکومت سے آئی ہے۔''

فریدی ہونٹ بھینچے کھڑا حمید کو گھورتا رہا۔ لیکن جیسے ہی اس شخص کا پورا چہرہ کھلا وہ چونک پڑا اور اس کے چہرے کا تیکھا پن غائب ہوگیا۔

''داور.....!'' وہ مضطربانہ انداز میں اُس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

''جی ہاں.....کیپٹن حمید کی عنایت سے بچ گیا ورنہ میری لاش آپ کے سامنے پیش کردی جاتی۔ وہ کچھ دیر فائرنگ کرتے اور پھر مجھے گولی مار کر فرار ہوجاتے اور میں اس حال میں ملتا کہ ایک رائفل میرے ہاتھ میں دبی ہوتی اور گولی کا سوراخ پیشانی پر ہوتا پھر خبر چھپتی کہ شیر افگن کا قاتل پولیس کا مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا۔''

رات کے تین بجے تھے اور پروفیسر خلجی کے بنگلے کی بعض کھڑکیاں ابھی تک روشن نظر آ رہی تھیں۔ ایک موٹر سائیکل چکردار سڑک پر بنگلے کی جانب بڑھتی دکھائی دیا اور عین صدر دروازے کے سامنے جا رکی۔ رضوانہ اُس پر سے اُتری اور دروازے پیٹنے لگی۔ دروازہ کھولنے والا نادر تھا۔ وہ اُسے دھکیلتی ہوئی اندر گھسی اور اُسے دروازہ بند کرنے کو کہتی ہوئی آگے بڑھتی چلی گئی۔ نادر پورے لباس میں تھا۔ اوور کوٹ بھی پہن رکھا تھا۔ سر پر فلٹ ہیٹ تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کہیں باہر جانے کے لئے تیار ہو رہا ہو۔ لائبریری میں پہنچ کر وہ اُس کی طرف مڑی اور بولی۔ ''یہ پہلا اتفاق ہے کہ وہ لوگ مقررہ وقت پر وہاں نہیں پہنچے۔''

''یہ ناممکن ہے..... قطعی ناممکن۔'' نادر نے اُسے پُراشتباہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''تو میں کیا جھوٹ بول رہی ہوں۔'' رضوانہ غرائی۔

''میں یہ نہیں کہتا..... اوہ..... میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ کوئی گڑبڑ ضرور ہوگی۔ فریدی یہاں پہنچ گیا ہے۔''

''یہاں پہنچنے سے کیا ہوتا ہے۔ اُس طرف تو اسکی پہنچ نہیں ہے۔ اُنہیں اُدھر سے آنا تھا۔''

''یہ بھی ٹھیک ہے..... مال کہاں ہے۔''

''جہاں ہوتا ہے۔''

''اُسے نکال لاؤ۔''

''تم خود نکال لاؤ۔'' وہ کنجی اُس کی طرف بڑھاتی ہوئی بولی۔ ''میں بہت تھک گئی ہوں۔''

نادر اُس سے کنجی لے کر باہر نکلا اور موٹر سائیکل کی سیٹ کے نیچے قفل کا سوراخ تلاش کرنے لگا۔ کنجی گھما کر سیٹ اُٹھائی ہی تھی کہ کسی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی اُس پر پڑی اور جس پوزیشن میں تھا اُسی میں رہ گیا۔ گاڑی اُس کی طرف بڑھتی چلی آ رہی تھی۔ تیز روشنی میں آنکھیں چندھیا رہی تھیں۔ اُچھل کر روشنی کی زد سے نکل گیا۔

گاڑی قریب ہی رکی اور اُس پر سے پانچ آدمی اُترے۔

''نادر جہاں ہو..... وہیں ٹھہرو۔'' سناٹے میں ایک آواز گونجی۔ لیکن نادر چھلانگ مار کر پھر موٹر سائیکل کے قریب آیا اور اُٹھی ہوئی سیٹ کے نیچے سے کچھ نکالنے لگا۔ ایک فائر ہوا۔ گولی اُس کے پیروں کے قریب پڑی تھی۔ وہ اُچھل کر صدر دروازے کی طرف بھاگا اور اندر گھس کر دروازہ بند کرلیا۔

کرنل فریدی نے موٹر سائیکل کی اُٹھی ہوئی سیٹ کے نیچے ٹارچ کی روشنی ڈالی اور سیاہ رنگ کا ڈبہ نکال لیا اور اُسے اپنے ایک ساتھی کے حوالے کرتا ہوا حمید سے بولا۔ ''دروازہ کھلواؤ..... نہ کھولے تو توڑ دو۔''

''حمید نے آگے بڑھ کر دروازہ پیٹنا شروع کردیا۔ پھر فریدی کے اشارے پر اُس کے تینوں آدمی دروازہ توڑنے کے لئے آگے بڑھے ہی تھے کہ دروازہ کھل گیا اور پروفیسر خلجی کا وحشت زدہ چہرہ نظر آیا..... چندھیائی ہوئی آنکھوں سے اُنہیں دیکھتا ہوا بولا۔ ''یہ کیا طوفان بدتمیزی ہے اتنی رات گئے۔''

''ہمارے پاس نادر کی گرفتاری کے وارنٹ ہیں۔'' فریدی نے آگے بڑھ کر کہا۔

''تو یہاں کیا کر رہے ہو..... وہ یہاں نہیں ہے۔''

''کیا مجرم کی پشت پناہی کے جرم میں تم بھی گرفتار ہونا چاہتے ہو۔ وہ ابھی ابھی تمہارے بنگلے میں اسی دروازے سے داخل ہوا ہے۔''

''بکواس ہے۔'' پروفیسر کے عقب سے رضوانہ کی آواز آئی۔

''یہ باہر موٹر سائیکل کس کی کھڑی ہے۔'' فریدی نے رضوانہ سے سوال کیا۔

''ہوگی کسی کی۔ میں نہیں جانتی۔''

''اس موٹر سائیکل کی سیٹ کے نیچے سے کم از کم دو پونڈ ہیروئن برآمد ہوئی ہے۔''

''ہوئی ہوگی۔ پتا نہیں کس کی موٹر سائیکل ہے اور کون کھڑی کر گیا ہے۔''

''ہوسکتا ہے پھر اُسی کی ہو جو سیٹ اُٹھا کر ہیروئن کا ڈبہ نکال رہا تھا اور ہمارے للکارنے پر تمہارے بنگلے میں داخل ہوگیا۔''

''اندر آ کر تلاشی لے لو..... یہاں کوئی بھی نہیں ہے۔'' رضوانہ نے کہا۔

''ہم یہی کریں گے۔'' فریدی آگے بڑھتا ہوا بولا۔ پروفیسر اُس کے ساتھ چل رہا تھا

اور بے حد خوفزدہ نظر آ رہا تھا۔

انہوں نے پوری عمارت چھان ماری۔ فریدی کے دو ساتھی باہر ہی رہ گئے تھے۔ غالباً عمارت کی دوسری جانب سے نکاسی کے راستوں کی نگرانی کر رہے تھے۔

بہرحال نادر کا سراغ نہ مل سکا۔ آخر فریدی پروفیسر کی طرف مڑا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''وہ تمہارے بنگلے میں داخل ہوا تھا۔''

''میں تمہاری بات کی تردید کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔'' پروفیسر نے آہستہ سے کہا۔

''ڈیڈی۔'' رضوانہ دھاڑی۔

''کیپٹن حمید اُس کے قریب ہی کھڑا تھا۔ اُسے ہلکی سی چمک کا احساس ہوا اور اُس نے بڑی پھرتی دکھائی ورنہ چھت سے ٹکرانے والی گولی پروفیسر کی کھوپڑی میں پیوست ہوگئی ہوتی۔ اُس نے رضوانہ کا پستول والا ہاتھ اوپر اُٹھا دیا تھا۔ پھر بایاں ہاتھ رضوانہ کی ٹھوڑی پر پڑا اور وہ دوسری طرف الٹ گئی۔ اس کا اعشاریہ دو پانچ کا چمکدار پستول اب حمید کے ہاتھ میں تھا۔

اور پھر فریدی کے اشارے پر رضوانہ کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی گئیں۔

وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پاگل ہوگئی ہو۔ جو کچھ بھی کہہ رہی تھی وہ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

پروفیسر دیوار سے ٹکا کھڑا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

''اس کتیا نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔'' وہ ہانپتا ہوا بولا۔ ''اسے تو خودکشی کر لینی چاہئے تھی لیکن اس نے مجھ پر فائر کیا۔''

وہ چیختی ہوئی پروفیسر پر جھپٹی لیکن حمید نے بازو پکڑ کر پیچھے کھینچ لیا۔

''اسے فی الحال کسی کمرے میں بند کر دو۔'' فریدی نے اس سے کہا اور وہ دوسرے آدمی کی مدد سے اُسے دوسرے کمرے میں گھسیٹ لے گیا۔

پروفیسر نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔ ''وہ یہیں تہہ خانے میں ہے لیکن اب ادھر سے اُس تک پہنچنا محال ہے۔ ایک راستہ اور بھی ہے جسے میرے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔ میں تمہیں وہاں لے چلوں گا۔ میں نے تہہ خانے میں بوٹیوں کا عرق کشید کرنے کے لئے جدید ترین مشینیں لگائی تھی۔ اس مردود نے انہیں ایسی مشینوں میں تبدیل

کر دیا جو ہیروئن بنا سکیں اور شراب بھی کشید کرنے لگا۔ میرے سینے پر خان شہباز کی توپ رکھ دی گئی تھی۔ نادر اسی کا کارپرداز ہے۔ اُس نے اُس دیوانی کتیا کو پھانس کر مجھے اس حال کو پہنچایا ہے۔ میری حیثیت عضو معطل کی سی ہو کر رہ گئی تھی۔ زبانی احتجاج کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ دو سال سے میں تہہ خانے میں قدم بھی نہیں رکھ سکا۔ میں نہیں جانتا کہ وہاں اور کیا کیا ہے۔''

''چلو مجھے وہ راستہ بتاؤ۔ تمہیں وعدہ معاف گواہ بناؤں گا۔ تمہارا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔'' فریدی اس کا شانہ تھپک کر بولا۔

وہ خاموشی سے باہر نکل آیا اور ایک جانب سے ٹیلے کی ڈھلان میں اترنے لگا۔

وہیں فریدی کے وہ دو ساتھی بھی ملے جو باہر رہ گئے تھے۔ فریدی انہیں نکاسی کے راستوں کی نگرانی کرنے کی ہدایت دیتا ہوا پروفیسر کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

ٹیلے کے نیچے پہنچ کر پروفیسر رک گیا اور فریدی کی طرف مڑ کر پوچھا ''ٹارچ ہے۔''

فریدی نے ٹارچ روشن کر لی۔ پروفیسر اُس کے ہاتھ سے ٹارچ لے کر بولا۔

''ادھر بہت بڑے بڑے جنگلی چوہے بھی ہیں۔ ہوشیار رہنا۔''

روشنی کا دائرہ ایک بڑے سوراخ پر پڑا تھا جس سے ایک خاصا جسیم آدمی چوہے کی طرح گزر سکتا تھا۔ پروفیسر نے ٹارچ فریدی کو تھماتے ہوئے کہا۔ ''عقب سے روشنی ڈالو اور میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔''

''اندر ہی کے راستے کو کیوں نہ آزمایا جائے۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔

''قطعی ناممکن ہے۔ اُس نے اندر سے بند کر لیا ہوگا۔ باہر سے راستہ بنانے کے لئے ڈائنامائیٹ ہی استعمال کرنا پڑے گا۔ اس سوراخ کی لمبائی تین چار فٹ سے زیادہ نہیں ہے۔ اُس کے بعد تم پیروں سے چل سکو گے۔ فکر کیوں کرتے ہو۔ پہلے میں جا رہا ہوں۔''

اس نے اپنے دونوں ہاتھ اور سر سوراخ کے اندر ڈال دیئے اور کسی چھپکلی ہی کی طرح سوراخ میں رینگ گیا۔ فریدی ٹارچ کی روشنی سوراخ میں ڈالتا رہا تھا۔ اس کے بعد اُس نے بھی وہی طریقہ اختیار کیا اور پروفیسر کے بیان کے مطابق تین یا چار فٹ کے بعد ہی اُس کے پیر زمین سے جا لگے اور وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ سامنے پتھر کی بنائی ہوئی دیوار تھی جس میں ایک

آہنی دروازہ بھی نظر آیا۔ دیوار میں کئی جگہ سوراخ بھی دکھائی دیئے کئی بڑے بڑے چوہے اُچھل اُچھل کر اُن سوراخوں میں جا گھسے۔

پروفیسر دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ شائد بہت عرصے سے نہیں کھولا گیا تھا۔ فریدی نے بھی زور آزمائی کی اور دروازہ کھل گیا۔ عجیب سی بدبو کا بھپکا دروازے سے باہر آیا تھا۔ وہ اندر داخل ہوئے اور پروفیسر آہستہ سے بولا۔ ''بے آواز چلنے کی کوشش کرو۔ یہاں اسلحہ بھی ضرور ہوگا۔ وہ درندہ ہے۔ انسانی زندگی کی اُس کی نظروں میں کوئی وقعت نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ شیر افگن کو اسی نے قتل کیا ہوگا۔ دفعتاً روشنی کا دائرہ انسانی ہڈیوں کے ایک ڈھانچے پر پڑا اور پروفیسر جہاں تھا وہیں رک گیا اور پھر سحر زدگی کے سے عالم میں بولا۔ ''خدا کی قسم میں نہیں جانتا۔ اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا..... میرے خدا یہاں یہ سب کیا ہوتا رہا ہے۔''

''مجھے یقین ہے۔'' فریدی اس کا شانہ تھپک کر بولا۔ ''چلو آگے بڑھو۔''

دفعتاً اُنہوں نے کسی کے قدموں کی چاپ سنی اور فریدی پروفیسر کو گھسیٹتا ہوا شراب کے ایک بڑے چوبی پیپے کی اوٹ میں ہوگیا۔

پھر انہیں نادر دکھائی دیا جو اسی طرف چلا آ رہا تھا۔ اُس کے داہنے ہاتھ میں ایک موی شمع تھی اور بائیں ہاتھ میں پستول تھا۔ ان سے تھوڑے ہی فاصلے پر رک کر اُس نے موی شمع اوپر اُٹھائی اور دیوار پر کچھ دیکھنے لگا۔

''اندر والے راستے کی نگرانی کر رہا ہے۔'' پروفیسر نے فریدی کے کان میں کہا۔

''نادر پستول زمین پر ڈال دو۔ تم میرے نشانے پر ہو۔'' دفعتاً فریدی نے اونچی آواز میں کہا اور موی شمع نادر کے ہاتھ سے گر گئی۔ ساتھ ہی اُس نے آواز کی جانب ایک فائر بھی جھونک مارا۔

لیکن اندازے کی غلطی کی بناء پر وہ فائر ضائع ہو چکا تھا۔ فریدی نے اُسے دوسرے فائر کی مہلت نہ دی۔ اُس کے ریوالور سے شعلہ نکلا اور نادر کے گرنے کی آواز اندھیرے میں گونج کر رہ گئی۔ موی شمع گرتے ہی بجھ گئی تھی۔

کوئی ٹھوس چیز فرش پر پھسلتی ہوئی اُن کے قریب ہی آ رکی۔ یہ شاید نادر کا پستول تھا۔

فریدی نے ٹٹول کر اُسے اُٹھا لیا۔ پھر ٹارچ روشن کی۔ نادر تھوڑے ہی فاصلے پر پڑا نظر آیا۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور اس طرح پلکیں جھپکا رہا تھا جیسے سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ یہ سب کچھ کیسے ہوگیا۔

فریدی کی گولی اُس کی داہنی ران میں لگی تھی۔

پروفیسر نے زوردار قہقہہ لگایا اور بولا۔ ''اب بتاؤ تمیں مارخاں۔ اب دھمکاؤ مجھے۔''

نادر نے اُٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی لیکن فریدی ریوالور سیدھا کرتا ہوا بولا۔ ''چپ چاپ پڑے رہو ورنہ اب کھوپڑی میں سوراخ ہو جائے گا۔''

باہر چمکیلی دھوپ پھیلی ہوئی تھی اور ایس پی شہباز اپنے آفس میں بیٹھا کھڑکی سے دور کی پہاڑیوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ بائیں جانب تینوں قیدی کھڑے تھے۔ وہی قیدی جنہیں فریدی کے آدمیوں نے گرفتار کیا تھا۔ دفعتاً شہباز اُن کی طرف مڑ کر بولا۔ ''جو کچھ میں نے سمجھا دیا ہے اُس کے خلاف نہ ہو۔ ورنہ تمہارے بال بچوں تک کا پتہ نہیں چلے گا۔''

''ایسا ہی ہوگا عالی جاہ۔'' تینوں نے بیک آواز کہا۔ اتنے میں انسپکٹر یوسف زئی نے اندر آ کر اطلاع دی کہ فریدی آ رہا ہے اور اس کے ساتھ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ بھی ہے۔

''آنے دو۔''

شہباز بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ لیکن جیسے ہی وہ آفس میں داخل ہوئے وہ بُری طرح چونک پڑا کیونکہ اُن کے ساتھ ایک آدمی اور بھی تھا۔ فلائٹ لیفٹیننٹ داور۔

''اُوہ..... تو یہ مل گیا۔'' اس کی زبان سے بیساختہ نکلا۔

''جی ہاں..... اور ایک بڑی عجیب کہانی سنائی ہے۔''

''وہ تو سبھی سناتے ہیں۔ آپ لوگ تشریف رکھئے۔''

''یہی تینوں تھے۔'' داور نے قیدیوں کی طرف ہاتھ اُٹھا کر کہا۔

''صبر سے کام لو۔'' فریدی بولا۔ ''بیٹھ جاؤ۔''

''جی..... تو کیا کہانی سنائی ہے اُس نے۔'' شہباز نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''یہ کہانی شیر افگن سے شروع ہوتی ہے۔ اُسے آپ کے اور نادر کے مشترکہ بزنس کا علم ہوگیا تھا۔''

''کون سا مشترکہ بزنس۔'' شہباز کا لہجہ مضحکہ اڑانے کا سا تھا۔

''وہ بعد میں بتاؤں گا پہلے آپ کہانی سنئے۔''

''کیا یہ مجھے پھانسنے کی کوئی اسکیم ہے..... میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔''

''میں صرف کہانی سنانا چاہتا ہوں۔ بنانے بگاڑنے کی بات نہیں ہو رہی۔ ہاں تو بیچارہ شیر افگن جانتا تھا کہ آپ کے خلاف کوئی ثبوت مہیا نہ کرسکے گا لہٰذا اس نے سوچا کہ کوئی ایسی حرکت کی جائے کہ مرکز کی توجہ اس طرف مبذول ہوجائے اور کوئی وہاں سے آکر یہاں کے حالات کا جائزہ لے۔ لہٰذا اُس نے کئی بڑے دھماکے کئے اس طرح کہ کوئی جانی نقصان نہ ہونے پائے۔ پھر ایک ایسے اجنبی کی کہانی سنانے لگا جس نے اس کی موجودگی میں شہر کو تباہ کردینے کا عہد کیا تھا۔ اس سلسلے میں اُس نے داور کو اپنے اعتماد میں لیا۔ نادر نے کسی طرح اس کی سن گن پالی اور شاید آپ کو مطلع کردیا۔ آپ نے ان دونوں کی نگرانی پر اپنے کچھ آدمی لگادیئے اور اُن کے حالات سے بخوبی آگاہ رہنے کی کوشش کی۔ نادر ہی نے آپ کو یہ اطلاع بھی بہم پہنچائی کہ وہ دونوں دارالحکومت جانے والے ہیں۔ اتفاقاً اسی دوران میں داور کے باپ سے شیر افگن کا جھگڑا ہوگیا۔ بہرحال وہ دونوں الگ الگ ہی دارالحکومت کی طرف روانہ ہوئے۔ ایک ہی ہوٹل میں قیام کیا لیکن الگ الگ کمروں میں، اور داور نے وہاں اُس سے اُس کے کمرے میں بھی ایک آدھ بار ملاقات کی تھی۔ ان دونوں نے دراصل مجھ سے ملنے کی اسکیم بنائی تھی۔ آپ نے شیر افگن کے قتل کی اسکیم بناڈالی۔ قتل سے قبل والی رات کو داور نے اپنے کمرے میں کھانا طلب کرکے کھایا اور بیہوش ہوگیا۔ دوسری بار آنکھ کھلی تو ہوٹل کے کمرے میں نہیں تھا۔ شیر افگن کا قتل اُس کے سر منڈھنے کے لئے آپ نے اس کا اغواہ کرایا۔ اصل قاتل نادر تھا۔ کیس میں کسی قدر الجھاوا پیدا کرنے کے لئے شیر افگن کے سوتیلے بھائی کی اسپورٹس کار بھی استعمال کی گئی۔ دراصل آپ یہ چاہتے تھے کہ میں آپ کی انگلی پکڑ کر شکوہ آباد تک پہنچوں اور آپ یہاں یہ ڈرامہ دکھادیں۔''

''کون سا ڈرامہ۔'' ایس پی غصیلے لہجے میں بولا۔

''وہی ڈرامہ جو کل سہ پہر کو زری کوہ میں ہوا تھا۔ یہ تینوں کچھ دیر تک ہم پر فائرنگ کرتے اور پھر داور کو گولی مار کر فرار ہوجاتے اور جب ہم وہاں پہنچے تو داور کی لاش اس حال میں ملی جس سے صاف ظاہر ہوتا کہ وہ پولیس کا مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا۔ قاتل ہونے کی مہر اُس کی پیشانی پر ثبت ہوجاتی اور وہ اپنی صفائی پیش کرنے کے لئے زندہ نہ رہتا۔''

''کسی جاسوسی ناول کا پلاٹ سنا رہے ہیں کیا.....؟'' ایس پی زہرخند کے ساتھ بولا۔

''جی ہاں..... جنہیں کل سرحد پار سے آنا تھا وہ آج تک نہیں پہنچ سکے۔''

''کیوں میرا مضحکہ اڑانے کی کوشش کررہے ہیں کرنل صاحب۔ آپ کو اس کے لئے پچھتانا پڑے گا۔''

''ان کے نہ پہنچنے کی وجہ یہ ہے کہ پرسوں رات کو اُدھر ہی کیپٹن حمید نے اُن چھ افراد کا صفایا کردیا تھا جو اصل کارپرداز تھے۔''

''کہے جایئے..... میرے پلے کچھ بھی نہیں پڑ رہا۔''

''مجھے علم ہے کہ شمشیر گل کو کہاں دفن کیا گیا ہے اور وہ پانچوں میری گرفت میں ہیں۔''

شہباز اس بار اُسے قہر آلود نظروں سے دیکھ کر رہ گیا۔ کچھ بولا نہیں..... اُس کی آنکھوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ آہستہ آہستہ ذہنی انتشار میں مبتلا ہوتا جارہا ہے۔ فریدی اُسے بغور دیکھتا ہوا بولا۔ ''نادر کو ڈر تھا کہ کہیں شیر افگن نے وہ سارے ثبوت اپنی ڈائری میں درج نہ کردیئے ہوں جو آپ دونوں کے خلاف استعمال کئے جاسکتے۔ اس لئے اُس نے اُس کی ساری ڈائریاں غائب کردیں۔''

''میرے خلاف..... آپ کوئی ثبوت پیش نہ کرسکیں گے۔ بکواس کئے جایئے۔'' شہباز ایک دم سے باہر ہوگیا۔

''قریباً دو پونڈ وہ ہیروئن میرے قبضے میں آگئی ہے جو کل اُن لوگوں کے حوالے کی جانے والی تھی۔ لیکن وہ آئے ہی نہیں۔''

''براہِ کرم خاموش ہوجایئے۔ میرا وقت نہ ضائع کیجئے۔ مجھے اور بھی کام ہیں۔''

''فی الحال پہلا کام یہی ہوگا کہ اپنے خلاف سب سے بڑے شاہد نادر کو تلاش کرکے ٹھکانے لگادیں۔ لیکن عرض ہے کہ وہ بھی میرے قبضے میں ہے اور ڈی ایم کی موجودگی میں اپنا

بیان ریکارڈ کرا چکا ہے۔"

دفعتاً شہباز اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے ریوالور نکال لیا تھا۔ انہیں کور کرتا ہوا بولا۔ "تم میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

لیکن دوسرے ہی لمحے میں بائیں جانب سے فائر ہوا اور اُس کا ریوالور اچھل کر دور جا پڑا۔

انسپکٹر یوسف زئی کے سروس ریوالور کی نال سے دھوئیں کی پتلی سی لکیر نکل کر فضا میں بل کھا رہی تھی۔

شہباز اپنا زخمی ہاتھ دوسرے ہاتھ سے دباتے ہوئے دھاڑا۔ "ذلیل... کمینے... نمک حرام۔"

"شائد اسی وقت کے لئے شمشیر گل کی گولیوں سے بچ گیا تھا۔" یوسف زئی نے سرد لہجے میں کہا اور پھر ڈی ایم کے حکم سے خان شہباز کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی گئیں۔

قاسم نے حمید کو اس زور سے بھینچا کہ اُس کی پسلیاں کڑکڑا گئیں۔

"ارے ارے..... یہ کیا کر رہا ہے چھوڑ مجھے۔" حمید بلبلا اُٹھا۔

"ہائے ہائے حمید بھائی مجا آ گیا۔"

قاسم اُسے چھوڑتا ہوا بولا۔ "ابے یار قہتی ہے کہ تم سے زیادہ خبصورت آدمی آج تک نظر سے نہیں گزرا۔"

"خبط صورت کہا ہوگا۔"

"یہ قیا ہوتا ہے۔"

"بالکل چغد ہوتا ہے۔"

"جاؤ سالے تم یونہی زجبات پر ٹھنڈا پانی ڈال دیتے ہو۔"

"زجبات نہیں جذبات۔"

"ہوتا ہوگا کچھ..... ٹھینگے سے۔"

"اس کے لئے کیا سوچا ہے۔"

"تم نے سوچا ہے کہ میں نے سوچا ہے۔"

"میں نے کیا سوچا ہے۔"

"تہی تو قہہ رہے تھے کہ انتظام قردو غیے رکھنے کا کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی۔"

"وہ کیا کہتی ہے۔"

"قہتی ہے کہ یہیں کی پیشنلٹی دلا دو۔ تمہیں چھوڑ کر قہیں نہ جاؤں غی۔"

"ذرا چپاتی بیغم کا ذکر کر کے دیکھو پھر میں دیکھوں گا کہ کیسے نہیں جاتی۔"

"پھر شروع قر دیا۔ دیکھو اچھا نہیں ہوگا۔"

"اس سلسلے میں کرنل صاحب سے مشورہ کروں گا۔"

"امے جاؤ وہ تو یونہی دیکھ دیکھ کر جلے جا رہے ہیں۔"

"کچھ کہہ رہے تھے کیا؟"

"جی ہاں..... پھر مار رہے تھے جو کچھ اللہ نے دے دیا ہے اُس پر قناعت کرو ورنہ ساری جندگی پچھتاتے رہو گے۔ تو قیا دے دیا ہے اللہ نے..... آخر قس لئے دے دیا ہے اللہ نے۔ شہد لگا کر چاٹوں۔"

"یہ بھی کر کے دیکھ لو..... خیال بُرا نہیں ہے۔"

"جان سے ماردوں غا۔" قاسم مٹھیاں بھینچ کر اُس کی طرف لپکا اور وہ ہنستا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

پھر وہ فریدی کے کمرے کے سامنے رکا تھا۔ دروازے پر دستک دی۔ اندر سے اجازت ملنے پر دروازے کا ہینڈل گھمایا۔

فریدی تنہا نہیں تھا۔ لیفٹیننٹ داور اور اُس کا باپ ناصر خان بھی موجود تھے۔

"آیئے..... آیئے۔" داور حمید کو دیکھ کر اُٹھتا ہوا بولا۔ "میرے نجات دہندہ تو حقیقتاً آپ ہیں۔"

"نہیں بھائی۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔ "سب کچھ اللہ کی طرف سے ہوا تھا۔ نہ مجھ سے ایک حماقت سرزد ہوتی اور نہ میں اس طرح بھٹکتا ہوا اُدھر آ نکلتا جہاں یہ معرکہ درپیش تھا۔"

"میری زیادہ تر کامیابیاں اسی کی حماقتوں کی مرہون منت ہوتی ہیں۔" فریدی بولا۔

''میری جان تو آپ ہی نے بچائی تھی۔'' خان ناصر نے کہا۔

''وہ بھی محض اتفاق تھا۔ یہی کہنا چاہئے کہ اللہ آپ کو زندہ رکھنا چاہتا تھا۔''

''اور آپ سے ملتے ہی مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اس فرعون کے دن پورے ہوئے۔''

''ان ساری کامیابیوں کا سہرہ دراصل مرحوم شیر افگن کے سر ہے۔ انہوں نے بہت بڑا خطرہ مول لے کر مرکز کو اس طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اوپر والوں نے شہباز کی طرف سے اس طرح آنکھیں کیوں بند کر رکھی تھیں۔'' ناصر خان نے کہا۔

''محض لاعلمی کی بناء پر۔ اُس نے تخریب کاروں کی سرکوبی کا ڈھونگ رچا رکھا تھا۔ اسی کی آڑ میں اس نے کیسے کیسے لوگوں کی پگڑیاں اچھالی تھیں۔ سوچ کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ خان زمان اور خان ابوالخیر تو ملک ہی سے فرار ہو گئے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ اُس کی آنکھیں دفعتاً کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔

''لیکن وہ لوگ آپ کو کہاں کہاں لئے پھرے تھے۔'' حمید نے داور سے پوچھا۔

''مجھے کچھ ہوش نہیں۔ پتا نہیں کس قسم کے انجکشن دیتے رہے تھے کہ دیکھ سکتا تھا، سن سکتا تھا لیکن کچھ سمجھ نہیں سکتا تھا۔ اپنی قوت ارادی سے کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔''

''لیکن اس وقت تو آپ پوری طرح ہوش میں تھے جب مجھ سے ملاقات ہوئی تھی۔''

''اُس سے ایک دن قبل حالت کچھ بہتر ہوئی تھی۔ کیونکہ انہوں نے انجکشنوں کا سلسلہ ختم کر دیا تھا اور مجھے ایک غار میں لے جا کر رکھا تھا اور اسی دن مجھے معلوم ہوا کہ میں کن حالات سے دوچار ہوں اور میرا کیا حشر ہونے والا ہے۔ نادر وہیں اس غار میں لاف وگزاف کرنے آیا تھا۔ اسی نے مجھے بتایا تھا کہ کس طرح اُس نے شیر افگن بابا کو قتل کر دیا اور کس طرح مجھ پر ان کے قتل کا الزام آیا ہے اور شہباز کس طرح کرنل صاحب کو بھی غچہ دینے کی کوشش کرے گا۔ وہ مزے لے لے کر پوری اسکیم میرے سامنے دہراتا رہا تھا۔ یہ سب کچھ مجھے ایک بھیانک خواب کی طرح یاد آتا رہتا ہے۔''

''بھول جائیے..... اسی کا نام زندگی ہے۔''

''لیکن میں شیر افگن بابا کو نہیں بھلا سکوں گا۔'' داور کا گلا رندھ گیا اور آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔

''واقعی مرحوم ہی کی کوششوں سے ہمیں اس بھیڑیئے سے نجات ملی ہے۔'' خان ناصر نے کہا۔ ''میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ کم از کم اپنی زندگی میں اُنکی بیوہ کو کوئی تکلیف نہیں ہونے دوں گا۔''

''وہ میری ماں ہیں۔'' داور بولا۔

''بڑے دل گردے کی عورت ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''محض اُسی کی رہنمائی کی بناء پر میں نادر تک پہنچ سکا تھا۔''

تھوڑی دیر بعد وہ اُٹھ کر چلے گئے اور حمید نے فریدی سے کہا۔ ''میری بھی ایک پرابلم ہے۔''

''فرمائیے۔''

''قاسم اور سکی۔''

''وہ کہہ رہا تھا کہ تمہی اُس لڑکی کو ورغلاتے رہے تھے۔''

اتنے میں پھر کسی نے دروازے پر دستک دی۔ آنے والا قاسم تھا اور بہت زیادہ غصے میں نظر آ رہا تھا۔ حمید کو گھونسہ دکھا کر بولا۔ ''تم نے اچھا نہیں کیا۔''

''کیا اچھا نہیں کیا۔'' حمید نے اس کی نقل اتاری۔

''کیا ہوا کیا بات ہے۔'' فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا اور قاسم اس طرح چونک پڑا جیسے وہاں اُس کی موجودگی کا احساس ہی نہ رہا ہو۔

''جی..... بس کیا بتاؤں۔'' قاسم ڈھیلا پڑ کر ہکلایا۔

''بہت غصے میں آئے تھے۔''

''جی ہاں..... بات ہی ایسی تھی۔'' وہ حمید کی طرف ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ ''یہ شخص مجھ تو جندہ نہیں رہنے دے گا۔''

''آخر ہوا کیا.....؟'' حمید بگڑ کر بولا۔

''تم نے اُس کو کیوں بتا دیا.....!'' قاسم نے آنکھیں نکالیں۔

''کیا بتا دیا۔''

''اب یہ مجھ سے پوچھ رہے ہو..... سس..... سس..... کچھ نہیں۔''

وہ شائد ''سالے'' کہنا چاہتا تھا لیکن فریدی کی موجودگی کا خیال آتے ہی صرف ''سس سس'' کر کے رہ گیا تھا۔

''اُوہ..... اچھا..... وہ.....!'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''ہاں میں نے اُسے بتا دیا تھا کہ تم شادی شدہ ہو۔ وہ بھی اس خیال سے کہ شاید اسی طرح تمہارا پیچھا چھوٹ جائے گا۔''

''ابے جاؤ..... چھوٹ غیا پیچھا..... وہ قہتی ہے سیکریٹری نہیں بنوں گی۔ مجھ سے شادی کرو۔ تم لوگ تو چار چار شادیاں قرتے ہو۔ میں مسلمان ہو جاؤں غی۔''

فریدی بے اختیار مسکرا پڑا اور حمید بولا۔ ''تب تو وہ بھی پاگل معلوم ہوتی ہے۔''

''تم خود پاگل۔''

''تو گویا تم چاہتے ہو کہ وہ مسلمان ہو جائے اور تم اُس سے شادی کر لو۔''

''یہ قون قہتا ہے۔''

''پھر کیا چاہتے ہو۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں قیا چاہتا ہوں۔'' وہ اپنی پیشانی پر دو ہتھڑ مار کر بولا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے۔'' فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔

''جج..... جی..... قچھ نہیں..... جہنم میں جا رہا ہوں۔'' قاسم نے کہا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

''یہ کیا لغویت پھیلائی ہے تم نے۔'' فریدی حمید کو گھورتا ہوا بولا۔

''میں کیا کروں۔''

''آخر وہ چاہتا کیا ہے۔''

''بطور سیکریٹری رکھنا چاہتا ہے۔ شادی نہیں کرنا چاہتا۔ پہلے وہ اسی پر تیار تھی۔ لیکن جب سے اُسے معلوم ہے کہ قاسم شادی شدہ ہے تو اُس پر اُتر آئی ہے کہ وہ بھی شادی کرے گی۔ دراصل اسی لئے وہ مجھے پھاڑ کھانے کو دوڑ رہا ہے کہ میں نے اُسے حقیقت سے کیوں آگاہ کر دیا۔''

''ہمیں ڈیڑھ بجے والے پلین سے واپس چلنا ہے۔'' فریدی گھڑی پر نظر ڈالتا ہوا بولا۔

''کیوں؟ کیوں؟ اتنی جلدی کیوں۔''

''سیکریٹری برائے اُمور مملکت نے طلب کیا ہے۔''

''کیوں؟ کیا اس کی باز پرس ہوگی آپ سے۔''

''کون باز پرس کر سکتا ہے۔ ثبوت اور شواہد کے ساتھ میں نے یہ قدم اٹھایا ہے۔''

''پھر کیا بات ہے۔''

''دوسری الجھن ہے۔''

''کیا مجھے بھی نہیں بتا سکتے؟''

''تم نے ابھی خان ناصر کی زبانی دو قبائلی سرداروں کا ذکر سنا تھا۔ خان زمان اور خان ابوالخیر جن کے بارے میں سرکاری ریکارڈ پر آ چکا ہے کہ وہ ملک سے فرار ہو گئے ہیں۔''

''جی ہاں..... مجھے یاد ہے۔''

''لیکن وہ فرار نہیں ہوئے۔ پروفیسر خلجی کے تہہ خانے سے برآمد ہونے والے دونوں ہڈیوں کے ڈھانچے اُنہی کے تھے۔''

''خدا کی پناہ۔''

''نادر نے اُس کا اعتراف کر لیا ہے۔ شہباز اُن سرداروں سے کچھ اعترافات کرانا چاہتا تھا۔ اس کے لئے اُس نے انہیں تہہ خانے کی ایک ایسی کوٹھری میں بند کرا دیا تھا جہاں گوشت خور چوہے تھے۔''

''تو انہیں چوہے کھا گئے؟'' حمید نے حیرت سے پوچھا۔

''یہی ہوا تھا۔''

''ظاہر ہے کہ وہ اُن سے ایسے ہی معاملات کا اعتراف کرانا چاہتا رہا ہوگا جن کا ان سے تعلق نہ رہا ہو۔''

''ظاہر ہے ورنہ وہ چوہوں کا شکار کیوں ہوتے۔'' فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ ''بہرحال اب مسئلہ یہ ہے کہ اس معاملے سے متعلق کیا کیا جائے۔ اگر یہ بات ظاہر کی جاتی ہے تو اُن قبائل کو قابو رکھنا دشوار ہو جائے گا جن کے وہ سردار تھے۔''

''واقعی بڑی خطرناک سچویشن ہے۔''

''غالباً سیکریٹری صاحب یہی فرمائیں گے کہ اُن ڈھانچوں کا ذکر میں اپنی رپورٹ سے حذف کر دوں۔ ورنہ عدالت میں نادر اور شہباز سے اس کا بھی اعتراف کرایا جائے گا۔''

''آپ دشواری میں پڑ گئے ہیں۔''

''میں خود اُسے قلمرد نہیں کروں گا۔ اُن کا جو دل چاہے کریں۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''رپورٹ اُن کے حوالے کردوں گا۔ اُن کا جو دل چاہے کریں۔ میں خود اپنے قلم سے وہ حصہ حذف نہیں کروں گا۔''

''یہ اتنا آسان نہ ہوگا۔''

''استعفےٰ تو آسان ہوگا۔''

''اُوہ.....تو کیا اس حد تک بھی بات بڑھ سکتی ہے۔''

''اُصولاً بڑھنی تو نہ چاہئے.....خیر دیکھا جائے گا۔ روانگی کی تیاری کرو۔''

دفعتاً پھر کسی نے دروازے پر دستک دی۔ حمید نے دروازہ کھولا اس بار سکی تھی۔

''وہ مجھے ٹالنے کی کوشش کررہا ہے۔'' اس نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔

''کس سلسلے میں۔''

''شادی کے سلسلے میں.....حالانکہ میں تمہارا مذہب بھی قبول کرنے پر تیار ہوں۔''

''بات دراصل یہ ہے کہ ہم میں سے بہتیرے چار شادیوں کے رواج سے متنفر ہیں۔ قاسم کا باپ بھی ایسے ہی لوگوں میں سے ہے۔''

''باپ سے کیا مطلب.....؟''

''ہمارے یہاں باپ ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ باپوں کی زندگی میں ہماری کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ لہٰذا تمہیں شادی کے لئے اس کے باپ کی موت کا انتظار کرنا پڑے گا۔''

''میں انتظار کرلوں گی۔''

''آخر اُس میں کون سی خوبی نظر آئی ہے کہ تم اس حد تک جانے کے لئے تیار ہو۔''

''بالکل بیوقوف ہے۔ ایسے لوگ مجھے بے حد پیارے لگتے ہیں۔ اپنے ملک میں مجھے ایک بھی ایسا نہیں ملا جو بالکل بیوقوف ہوتا۔''

فریدی اور حمید حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھے جارہے تھے۔

تمام شد

ابنِ صفی

جاسوسی دنیا

121- شکاری پرچھائیاں

122- پرچھائیوں کے حملے

123- سائیوں کا ٹکراؤ

124- ہمزاد کا مسکن



جاسوسی دنیا نمبر 121

شکاری پرچھائیاں

(پہلا حصہ)

وقار عظیم
پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

پیشرس

آپ کی یہ خواہش پوری کی جا رہی ہے کہ جاسوسی دنیا کا بھی ایک مہماتی سائنس فکشن پیش کیا جائے۔ لہٰذا اس طویل کہانی کا پیش خیمہ ''شکاری پرچھائیاں'' کے نام سے ملاحظہ فرمایئے۔ فی الحال اس کی طوالت کے بارے میں کچھ بھی عرض نہیں کرتا۔ ویسے کوشش یہ ہوگی کہ اس سلسلے کی ہر کڑی دلچسپ سے دلچسپ تر ہو۔ ''شکاری پرچھائیاں'' سے متعلق اپنی رائے ضرور لکھئے گا۔

اس بار میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ پیشرس میں اور کیا لکھوں۔ کوئی ایسا خط بھی پیش نظر نہیں ہے... لیکن ٹھہریئے! ہے ایک خط..... نوعیت کے اعتبار سے دلچسپ بھی ہے..... آخر میرے پاس ان حضرات کے خطوط بھی تو آتے ہیں۔ جنہوں نے میری کتابوں کی ایجنسیاں لے رکھی ہیں۔ ایسے ہی ایک صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

''جناب عالی! آخر آپ اپنی کتابوں کی قیمت پیسوں میں کیوں لکھواتے ہیں کیا قیمت تین روپے نہیں لکھی جا سکتی۔ آخر ''تین سو پیسے'' لکھوانے میں کیا حکمت پوشیدہ ہے۔ آپ نہیں جانتے کہ اسکول کے لڑکے مجھے اس سلسلے میں کتنا پریشان کرتے ہیں۔ لے آتے ہیں پورے تین سو پیسے اور میں بیٹھا گنا کروں۔ کچھ کہو تو کہتے ہیں کہ ہم ابن صفی کا کہنا مانیں یا تمہارا۔ قیمت روپوں میں لکھی جائے گی تو روپے ہی لائیں گے! لہٰذا میرے حال پر کرم کیجئے اور قیمت روپوں میں لکھوایئے۔''

محترم اس میں اس کے علاوہ اور کوئی حکمت پوشیدہ نہیں ہے کہ اپنی کتاب کی قیمت سیکڑوں میں دیکھ کر بیحد خوش ہوتا ہوں۔ لیکن آپ مجھ سے یہ خوشی بھی چھین لینا چاہتے ہیں خیر آئندہ خیال رکھا جائے گا۔

ابن صفی

۲۵ جنوری ۱۹۷۸

کرائم رپورٹر انور کو فلم انڈسٹری سے کیا سروکار ہو سکتا تھا۔ وہ تو بس یونہی ادھر سے گزر رہا تھا۔ نشو فاز اسٹوڈیوز کے پھاٹک کے قریب نظر آنے والی بھیڑ کی وجہ سے موٹر سائیکل کی رفتار کم کر دینی پڑی۔ پھر بھی گزرا ہی چلا جاتا لیکن عقب سے کسی نے اسے آواز دی۔ اس کے قریبی شناسا اس کی اس عادت سے بخوبی واقف تھے کہ عقب سے پکارے جانے پر مڑ کر نہیں دیکھتا گزرا چلا جاتا ہے۔ جو نہیں جانتے تھے ان کے کوٹ کا کالر پکڑ کر تیز لہجے میں سمجھانے کی کوشش کرتا تھا کہ اسے عقب سے پکارا جانا پسند نہیں ہے۔

نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے اور پیشانی پر شکنیں ڈالے ہوئے رک گیا۔ لیکن مڑا نہیں دونوں پیر زمین پر ٹکائے منتظر رہا کہ پکارنے والا قریب پہنچ جائے۔ لیکن یہ خواہش دل ہی میں رہ گئی کہ وہ اسے جھاڑ سکتا۔ کیونکہ یہ ایک اول درجے کا بے غیرت اور ڈھیٹ قسم کا فلمی صحافی شاطر بساطی تھا۔ جان پہچان والوں کو اسے برداشت کرنا ہی پڑتا تھا۔ گولی مار نہیں سکتے تھے؟ نہ خود شہر چھوڑ سکتے۔ کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی موڑ پر اس سے ملاقات ضرور ہوتی تھی۔ دس گالیاں دیجئے اور جواب میں اس کے پچاس قہقہے سنئے..... دوسرے دن پھر وہی انداز..... وہی بے تکلفی۔ لہٰذا انور ان لوگوں میں سے نہیں تھا جو اپنے الفاظ ضائع کرتے ہیں۔

''فرمایئے؟'' اس نے خشک لہجے میں دریافت کیا۔

''میں تو سمجھا تھا کہ تم یہیں آئے ہو!'' شاطر خواہ مخواہ ہنس کر بولا! ''لیکن تم نکلے چلے جا رہے ہو۔''

''میں یہاں کیوں رکنے لگا۔''

''اوہ۔ تو کیا راشد علوی سے تعلقات خراب ہو گئے ہیں!''

''یہاں راشد علوی کا کیا ذکر!''

''اف فوہ۔ شاید تمہیں اس کا علم نہیں ہوا۔''

''کوئی خاص بات!''

''کمال ہے بلکہ مجھے حیرت کا اظہار کرنا چاہئے۔''

''کر چکو جلدی سے۔ میں اپنی جاگیر کا معائنہ کرنے نہیں نکلا۔'' انور نے جھنجھلا کر کہا

''کیا واقعی تمہیں نہیں معلوم۔ میں تو سمجھتا تھا کہ راشد علوی تمہارے دوستوں میں سے ہے''

''کیا ہوا راشد علوی کو۔''

''ابھی تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ لیکن اس پر ضرب ضرور پڑے گی اور پھر ایسی صورت میں جب کہ اس کے اور شہزاد کے درمیان دشمنی کی وجہ اظہر من الشمس ہے۔''

''اب مجھے جلدی سے یہ بتا دو کہ شہزاد مر گیا یا زندہ ہی ہے!'' انور بھنا کر بولا۔

''مرنے میں دیر تو نہیں لگی تھی۔'' شاطر نے اسے تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم اس کے مرنے کی بات کر رہے ہو۔ ارے میاں گھوڑے تک کی ہڈیاں چور ہو گئی ہیں!

''کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمہاری ہڈیاں بھی چور کر دوں.....؟''

''کیوں میری کیوں؟'' شاطر ہونقوں کے سے انداز میں بولا۔

''جب میں نے کہہ دیا کہ میں بالکل لاعلم ہوں تو تم ادھر ادھر کی کیوں ہانک رہے ہو۔''

''او۔ ہاں!'' وہ چونک کر بولا۔ ''جب تمہیں اس قصے کا علم ہی نہیں تو مجھے شروع سے بتانا چاہئے''

''تو بتاؤ جلدی سے!''

''یہیں کھڑے کھڑے.....!''

انور نے چاروں طرف نظر دوڑائی اور طویل سانس لے کر بولا۔ ''حرام خوری تمہ مقدر ہے۔ چلو بیٹھو پیچھے!''

شاطر قہقہہ لگا کر اچھلا اور کیریئر پر بیٹھ گیا۔ موٹر سائیکل آگے بڑھی اور قریباً ایک فرلانگ چلنے کے بعد کیفے جمال کے سامنے رک گئی۔

دونوں موٹر سائیکل سے اتر کر اندر آئے اور شاطر لپک کر بولا! ''میری سمجھ میں نہیں آ کہ لوگ تمہیں برا کیوں کہتے ہیں!''

''چاپلوسی کی ضرورت نہیں! اگر تم راشد علوی کا نام نہ لیتے تو میں تمہیں گالیاں دیئے بغیر نکلا چلا جاتا۔''

''تمہاری سب سے بڑی خصوصیت صاف گوئی ہے.....!''

''تمہارے معاملے میں منافق ترین آدمی بھی بیحد صاف گوئی کا مظاہرہ کرتا ہے۔'' انور نے خشک لہجے میں کہا۔

''جھک مارتے ہیں سالے۔''

ایک میز منتخب کر کے بیٹھ گئے اور شاطر نے کہا۔ ''غالباً فرمائش کا بوجھ مجھ پر نہیں ڈالو گے!''

انور اسے تیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ ''صرف کافی چلے گی۔''

''میں تو سمجھتا تھا کہ کیفے جمال کی کوئی خصوصیت تمہیں اس طرف لائی ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ تم آج کل بیحد لاعلمی کی زندگی بسر کر رہے ہو۔ خیر میں تمہارے علم میں اضافہ ضرور کروں گا۔ کیفے جمال اپنے سموسوں کی وجہ سے مشہور ہے۔''

انور نے سڑا سا منہ بنا کر کہا ''صرف اپنے لیے منگوالو۔''

''یہ ہوئی نا بات!'' شاطر نے کہا اور اشارے سے ویٹر کو بلا کر آرڈر ریپیٹ کرنے لگا۔

انور بیزاری سے دوسری طرف دیکھنے لگا تھا ویٹر کے چلے جانے کے بعد اسے گھورتا ہوا بولا۔

''اب شروع ہو جاؤ۔''

''قصہ شہزاد اور راشد علوی کا ہے۔''

''کیا پھر دونوں الجھے تھے!''

''اوہو.....تو تمہیں شاید یہ بھی نہیں معلوم کہ راشد نے شہزاد کو اپنی فلم شہسوار کے لیے کاسٹ کیا تھا.....!''

''نہیں مجھے اس کا علم نہیں! میں تو یہ سمجھا تھا کہ دونوں ایک دوسرے کی شکل بھی نہیں دیکھیں گے۔''

''ان دنوں راشد کی مالی حالت کسی قدر سقیم تھی! فائنانسر اس پر زور دے رہا تھا کہ ہیرو کے لیے شہزاد کو کاسٹ کیا جائے۔ اسٹنٹ فلموں میں اسے دن جا رہا ہے۔ دوسروں نے بھی سمجھایا کہ تعلقات اپنی جگہ پر کاروبار اپنی جگہ پر..... دشمنی کی وجہ سے اگر کوئی فائدہ پہنچ رہا ہو

تو اسے نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ بہرحال وہ بیکاری سے ایسا ہی تنگ آیا ہوا تھا کہ اسے فائنینسر کی بات مان لینی پڑی۔"

"تکلیف دہ بات ہے۔"

"یہاں ایسا ہی کچھ ہوتا ہے۔ کسی کی بھی اکڑ زیادہ دنوں تک برقرار نہیں رہ سکتی حالات جھکنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ ورنہ پھر پیشہ ہی ترک کر دیا جائے۔"

"چلو خیر۔ تو پھر کیا ہوگا.....!"

"طے پایا کہ آؤٹ ڈور شوٹنگ پہلے ہی نپٹا دی جائے۔ زیادہ تر سین جنگلوں اور پہاڑوں میں فلمائے جانے والے تھے۔ اس کے لیے انہوں نے پٹاری کے جنگلوں کا انتخاب کیا جہاں پہاڑیاں بھی ہیں۔"

"شاطر خاموش ہو کر منہ چلانے لگا۔ کیونکہ ویٹر گرما گرم سموسوں کی پلیٹ میز پر رکھ رہا تھا۔

"کافی تھوڑی دیر بعد لانا.....!" اس نے مضطربانہ انداز میں ویٹر سے کہا۔

"بہت اچھا جناب!" ویٹر نے کہا اور میز کے پاس سے ہٹ گیا۔

"ہوں.....تو اب تم کھا ہی لو!" انور اسے کینہ توز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"نہیں.....!" وہ منہ چلاتا ہوا بولا۔ "باتیں بھی غوتی رغیں غی!"

"میری سمجھ میں نہیں آئیں گی.....!" انور نے خشک لہجے میں کہا۔

اور شاطر سعادتمندانہ انداز میں سر ہلا کر سموسوں پر ہاتھ صاف کرتا رہا۔

خدا خدا کر کے سموسے ختم ہوئے اور شاطر نے ہاتھ ہلا کر کافی لانے کا اشارہ کیا۔ پھر انور سے بولا۔ "بی رشیدہ کے کیا حال ہیں۔"

"ہم صرف اسی موضوع پر گفتگو کریں گے جس کے لیے یہاں آئے ہیں۔" انور نے سخت لہجے میں کہا۔

"یار تم آدمی ہو یا مشین!"

"مشین بن کر ہی آدمی، آدمی رہ سکتا ہے.....ورنہ کتا ہو جاتا ہے۔"

"نیا فلسفہ.....!"

"تمہیں نیا ہی معلوم ہوگا ورنہ آدم سے تا ایں دم اسی بات کی کوشش ہوتی رہی ہے۔"

"موضوع سے ہٹ رہے ہو!" شاطر ہنس کر بولا۔

"یہ مشین کی آواز تھی۔ موضوع سے نہیں ہٹا۔"

"ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ پٹاری کے جنگل میں یونٹ نے شوٹنگ کا آغاز کیا ہی تھا کہ یہ حادثہ پیش آ گیا تھا۔" مجھے تو حادثہ ہی کہنا چاہئے۔ کیونکہ میں بھی راشد علوی کو اتنا برا آدمی نہیں سمجھتا۔"

"راشد علوی کی طرف سے شکریہ۔ اب تم جلدی سے اصل بات بتا دو۔" انور بولا۔

لیکن شاطر "اصل بات" بتانے کی بجائے ویٹر کی طرف متوجہ ہو گیا جو کافی کی ٹرے لے آیا تھا۔

انور کی آنکھوں میں جھنجھلاہٹ کے آثار تھے لیکن وہ ہونٹ بھینچے خاموش بیٹھا رہا۔

شاطر نے پیالیاں سیدھی کیں اور شکردان کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ انور اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "ٹھہرو!"

شاطر نے ہنس کر کہا۔ "کافی انڈیلنے سے قبل ہی میں اپنی بات ختم کر دوں گا۔"

"تمہارے حق میں یہی بہتر ہوگا۔"

"تو ہوا یہ انور صاحب کہ شہزاد اپنے گھوڑے سمیت مر گیا اور راشد علوی حراست میں ہے۔"

"کیا بات ہوئی!"

"بات ختم ہو گئی۔ اب مجھے کافی انڈیلنے کی اجازت دو۔"

اس نے کافی پاٹ اٹھا کر پیالی پر جھکاتے ہوئے کہا۔

"میرے ساتھ کسی قسم کی ایکٹوٹی تمہیں بہت مہنگی پڑے گی۔"

"میں جانتا ہوں لیکن یقین کرو مجھے تفصیل کا علم نہیں۔ بس اتنا ہی جانتا ہوں کہ سوار اور گھوڑے دونوں کی ہڈیاں چور ہو گئیں اور راشد علوی حراست میں ہے!"

"کس تھانے میں.....؟"

"ابھی تک مجھے اس کا بھی علم نہیں ہو سکا!"

"اسٹوڈیو کے پھاٹک پر کیسی بھیڑ تھی!"

"شہزاد کی جدید ترین محبوبہ کمپاؤنڈ میں پچھاڑیں کھا رہی تھی۔ اسے تھوڑی دیر پہلے ہی

اس واقعے کی اطلاع ہوئی ہے۔ اسٹوڈیو دوڑی چلی آئی تاکہ یونٹ کے لوگوں سے معلوم کر سکے۔"

"تمہیں یقین ہے کہ راشد علوی حراست میں ہے!"

"میں نے سنا ہے۔"

"مجھے تفصیل کس سے معلوم ہو سکے گی۔"

"پروڈکشن منیجر سے۔ وہ اسٹوڈیو میں موجود ہے!"

"اور سنو سے تم نے کھائے ہیں کافی تم زہر مار کر رہے ہو۔" انور نے جھلا کر کہا۔

"میرا رزق صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ کبھی شریفوں کو ذریعہ بناتا ہے۔ کبھی خوروں کو۔"

"دل تو چاہتا ہے کہ اٹھوں اور چل دوں۔"

"خدا کی قسم جیب بالکل خالی ہے۔ بہت ذلیل ہونا پڑے گا۔ ایسی حرکت ہرگز نہ کرنا۔" شاطر گڑبڑا کر بولا۔

انور اٹھ کر کاؤنٹر پر گیا۔ کافی اور سموسوں کی قیمت ادا کر کے باہر نکلا چلا آیا۔ اس کی موٹر سائیکل اب پھر اسٹوڈیو کی طرف جا رہی تھی۔

پروڈکشن منیجر تک بھی پہنچ گیا۔ لیکن اس نے اس سلسلے میں کچھ بتانے سے معذوری ظاہر کی۔

"میں مجبور ہوں جناب!" اس نے کہا! "پولیس کی ہدایت ہے کہ اس سلسلے میں کسی سے کوئی بات نہ کرو!"

"راشد کس تھانے میں ہے۔"

"مجھے علم نہیں۔"

"سنو دوست! میں یہ معلومات رپورٹنگ کے لیے نہیں حاصل کرنا چاہتا۔ راشد میرے قریبی تعلقات ہیں۔ شاید میں اس کی کچھ مدد کر سکوں۔"

پروڈکشن منیجر نے اسے غور سے دیکھا اور ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "کوئی بھی بیچارے کی کوئی مدد نہیں کر سکے گا۔"

"کیوں؟ کیا راشد نے اسے قتل کیا ہے۔"

"ہرگز نہیں..... سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"پھر؟" انور نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"حالات جناب.....!"

"کیسے حالات!"

"بڑی عجیب بات ہے۔ آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ کے راشد سے قریبی تعلقات ہیں۔ لیکن حالات کا علم نہیں ہے آپ کو۔"

"دونوں کے درمیان دشمنی تھی میں جانتا ہوں۔"

"بس تو پھر صاف ظاہر ہے کہ اسے فلم میں کاسٹ کرنا بھی سازش ہی کا ایک حصہ تھا یہ میرا خیال نہیں ہے۔ دنیا یہی سمجھے گی۔"

"لیکن آپ نے اس سلسلے میں کیا دیکھا۔"

"میں نے کچھ بھی نہیں دیکھا! میں گاڑی پر نہیں تھا۔"

"کس گاڑی پر.....!"

"جس پر کیمرہ تھا..... ہم نیچے تھے۔ گاڑی چڑھائی پر تھی اور شہزاد کا گھوڑا اس سے بھی اونچائی پر جا رہا تھا۔"

"گاڑی پر کون کون تھا۔"

"صرف کیمرہ مین..... اور راشد صاحب! راشد صاحب ہی گاڑی کو ڈرائیو بھی کر رہے تھے۔ ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا گاڑی پر۔"

"آپ نے فائر کی آواز سنی تھی۔" انور نے پوچھا۔

"فائر کی آواز۔" اس نے حیرت سے کہا "پتا نہیں کیسی کیسی افواہیں پھیل رہی ہیں!"

"اوہ۔ تو یہ افواہ ہے.....!"

"قطعی افواہ ہے جناب.. وہ گولی سے نہیں مرا۔ بس اسکی اور گھوڑے کی ہڈیاں چور ہو گئیں۔"

"اچھا۔ تو شاید وہ گھوڑے کو قابو میں نہ رکھ سکا ہو گا۔ گھوڑے سمیت کھڈ میں گر گیا۔"

"ہرگز نہیں۔ گھوڑا دوڑتے دوڑتے بیٹھ گیا تھا اور شہزاد تو گھوڑے سے گرا بھی نہیں تھا۔ گھوڑے کی پشت ہی پر ختم ہو گیا تھا۔ ہم نے نیچے سے صاف دیکھا تھا..... پھر اوپر پہنچے اس

کی لاش گھوڑے کی پشت ہی پر پڑی نظر آئی تھی۔''

''گاڑی کتنے فاصلے سے چل رہی تھی۔''

''بہت فاصلہ تھا دونوں کے درمیان۔ لانگ شاٹس لیے جا رہے تھے۔''

''کیمرہ مین سے کہاں ملاقات ہو سکے گی۔''

''راشد صاحب کے ساتھ کے ساتھ وہ بھی حراست میں ہے۔''

''یہ کس سے معلوم ہو سکے گا کہ راشد نے شہزاد کو کیوں کاسٹ کیا تھا۔''

''میرا خیال ہے کہ شاید راشد صاحب کے علاوہ اس کے بارے میں کوئی کچھ نہ بتا سکے گا۔''

''آخر کس بنا پر پولیس نے آپ کو اس سلسلے میں گفتگو کرنے سے روک دیا تھا۔''

''میں کیا جانوں۔ مجھ سے یہی کہا گیا تھا۔''

''کس نے کہا تھا۔''

''پہلے آپ بتائیے کہ آپ کون ہیں.....!''

''میں اسٹار کا کرائم رپورٹر ہوں.....!''

''اور آپ نے دھوکے سے یہ ساری باتیں معلوم کر لیں۔'' وہ آنکھیں نکال کر بولا۔

''میں کہہ چکا ہوں کہ یہ معلومات رپورٹنگ کے لیے نہیں حاصل کرنا چاہتا۔ راشد کی مدد کرنا چاہتا ہوں!'' انور نے آہستہ سے کہا۔

''معاف کیجئے گا۔ اب میں کچھ نہیں بتا سکتا۔''

''صرف اس آفیسر کا نام جس نے آپ کی زبان بندی کی ہے۔''

''معافی چاہتا ہوں۔'' کہتا ہوا وہ دوسری طرف مڑ گیا۔

''اس کے بعد انور نے یونٹ کے دوسرے افراد سے بھی پوچھ گچھ کی تھی۔ لیکن معلومات کا سلسلہ آگے نہ بڑھ سکا۔ کوئی بھی نہیں بتا سکا تھا کہ فلم ڈائرکٹر راشد علوی کو کہاں حراست میں رکھا گیا ہے.....! نہ یہی معلوم ہو سکا کہ کس کے حکم سے اس معاملے میں اتنی راز داری برتی جا رہی ہے۔''

پولیس ہیڈ کوارٹر سے فون پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی لیکن اسٹوڈیو کے ایکس چینج میں کسی خرابی کی بنا پر یہ بھی ممکن نہ ہوا۔

واپسی میں پھر شاطر سے مڈبھیڑ ہو گئی ہنس کر بولا۔ ''ٹھہرو.....رکو.....!''

انور نے گاڑی روک کر پیر نیچے ٹکا دیئے اور اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورنے لگا۔

''یہ تو تمہیں معلوم ہی نہ ہو سکا ہو گا کہ راشد کو رکھا کہاں گیا ہے!'' اس نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''معلوم ہو جائے گا.....!'' انور نے کہا اور سامنے سے ہٹ جانے کا اشارہ کیا۔

''انہیں سمجھا دیا گیا ہے کہ پریس رپورٹرز کو کوئی انفارمیشن نہ دیں!''

''کس نے سمجھا دیا ہے!''

''کرنل فریدی کے اسسٹنٹ کیپٹن حمید نے۔''

''اوہ۔'' انور ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا.....پھر غرایا۔ ''ہٹو سامنے سے۔''

شاطر نیاز مندانہ انداز میں اپنا ہاتھ پیشانی کی طرف لے گیا اور موٹر سائیکل کو راستہ دیتا ہوا بولا۔ ''کبھی لنچ بھی کراؤ تو اس سے بھی زیادہ اہم اطلاعات فراہم کروں گا۔''

انور کی موٹر سائیکل تیزی سے آگے بڑھتی چلی گئی۔''

پہاڑی کا جنگل تین ہیلی کوپٹروں کی آوازوں سے گونج رہا تھا۔ کرنل فریدی نے اپنے ہیلی کوپٹر سے دوسروں کو ہدایت دی! ''پہاڑوں سے دور رہو! ان پر سے گزرنے کی ضرورت نہیں!''

اس ہیلی کوپٹر کو وہ خود ہی پائلٹ کر رہا تھا اور کیپٹن حمید دوربین سے پہاڑیوں کے اس حصے کا جائزہ لے رہا تھا جہاں شہزاد اور اس کے گھوڑے کو حادثہ پیش آیا تھا۔

''بائیں جانب موڑیئے!'' اس نے اونچی آواز میں کہا۔ ''پچھتر ڈگری کے جھکاؤ سے۔''

''ناممکن ہے.....سامنے والی چٹان سے ٹکرا جائے گا۔'' فریدی بولا۔

''اچھا ساٹھ کے اینگل سے اوپر لے جایئے.....!''

''اس طرح بھی یہی صورت ہو گی.....تم دیکھ رہے ہو۔ یہاں چٹانوں کی بناوٹ!''

''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم وہ زاویہ اختیار ہی نہیں کر سکتے!''

''کس زاویئے کی بات کر رہے ہو!'' فریدی نے پوچھا۔

''مطلب یہ کہ وہ جگہ نہیں دیکھ سکتے جہاں حادثہ پیش آیا تھا۔''

''وہ جگہ ہم وہیں جا کر دیکھ چکے ہیں...!''

''تو پھر کیا اب فضائی جھک مار رہے ہیں!'' حمید بڑبڑایا۔

فریدی دوسرے ہیلی کوپٹروں تک اپنی آواز پہنچانے لگا۔ ''کاشن! مشرق کی طرف چکر لے کر کیمپ کی جانب نکل چلو..... کیمپ میں لینڈ کرنا ہے۔''

''او کے۔'' دوسرے ہیلی کوپٹروں سے آوازیں آئیں۔

''کیمرہ چلنے دوں یا بند کر دوں!'' حمید نے پوچھا۔

''بند کر دو!'' فریدی نے کہا اور اپنا ہیلی کوپٹر بھی ادھر ہی موڑ دیا جدھر دوسرے جا رہے تھے۔ کچھ دور چلنے کے بعد اس نے کورس بدل دیا اور اب ہیلی کوپٹر شمال مغرب میں جا رہا تھا۔

''اوہو! تو ہم کیمپ کی جانب نہیں جا رہے!'' حمید نے کہا۔

''نہیں!''

حمید نے طویل سانس لی اور کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا آخر اس کیس کے سلسلے میں اتنے پاپڑ کیوں بیلے جا رہے ہیں۔ راشد علوی اور شہزاد کے درمیان پائی جانے والی کا دشمنی کا تعلق ایک عورت کی ذات سے تھا۔ لہٰذا سب کچھ ممکن تھا۔

شہزاد ہی نہیں بلکہ اس کے گھوڑے تک کی ہڈیاں چور ہو سکتی تھیں اور ہو گئی تھیں۔ نے شہزاد کی لاش بھی دیکھی تھی اور گھوڑے کی بھی۔

وہ پائپ میں تمباکو بھر ہی رہا تھا کہ فریدی نے کہا۔ ''لینڈ کرنے کے بعد تم پائپ سلگاؤ گے''

''مجھے علم نہیں کہ آپ کتنی دیر بعد لینڈ کریں گے۔''

''دس منٹ بعد۔''

''بہت بہتر..... لیکن کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اس اڑان کی کیا ضرورت تھی۔''

''ڈھلانوں کا فضائی جائزہ۔''

''جائزے کا فائدہ؟'' حمید نے سوال کیا۔

''کاغذات کی خانہ پُری۔''

''میں سمجھا تھا شاید آپ کو راشد کے بیان پر یقین آ گیا ہے۔''

''اس کے بارے میں فی الحال میری کوئی رائے نہیں ہے۔''

''کیا بات ہوئی.....!''

''کئی سو فٹ کی بلندی سے گرنے پر راکب و مرکب کا یہ حشر ہو سکتا ہے لیکن راکب و مرکب کو پھر اسی بلندی تک پہنچانا ایک یا دو افراد کے بس کا روگ نہیں۔''

''آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں.....!''

''میں تمہیں ویسی ہی تین لاشیں اور دکھانا چاہتا ہوں!''

''کیا مطلب.....!''

''ہم وہیں جا رہے ہیں جہاں تم انہیں دیکھ سکو گے۔''

''وہ تین افراد کون ہیں.....!''

اس علاقے کی پولیس فورس سے ان کا تعلق تھا! اسی سلسلے میں دیکھ بھال کے لیے پہاڑی پر چڑھے تھے اور پھر ان کی لاشیں بھی اسی حال میں پائی گئیں۔''

''یعنی ہڈیاں چور ہو گئی تھیں۔''

''تم دیکھ ہی لو گے!'' فریدی نے کہا اور تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔ ''پہلے میرا بھی یہی خیال تھا کہ راشد اور کیمرہ مین دونوں جھوٹے ہیں اور شہزاد کسی سازش کے تحت مارا گیا۔ ظاہر ہے راشد اور شہزاد ایک دوسرے کے دشمن تھے اور راشد کی دشمنی تو مسلم تھی۔ کیوں کہ شہزاد نے اس کی بیوی کو ورغلا کر دونوں میں علیحدگی کرا دی تھی اور پھر عرصہ تک اسے اپنی داشتہ بنائے رکھا تھا۔''

''سنئے!'' دفعتاً حمید چونک کر بولا۔ ''یقیناً کیمرہ اس وقت بھی چلتا رہا ہو گا جب وہ حادثہ پیش آیا تھا۔''

''ہاں اور میں پہلے ہی اس کا انتظام کر چکا ہوں کہ اس وقت کی شوٹنگ کے رش پرنٹس مجھ تک پہنچ جائیں۔ خود راشد ہی نے اس کی طرف توجہ دلائی تھی۔''

ہیلی کوپٹر جنگل کی حدود سے نکل آیا تھا اور اب اسکی پرواز شمال مشرق کی جانب جاری تھی۔

''لاشیں کردھنا کی پولیس چوکی پر موجود ہیں۔'' فریدی نے کہا۔ ''میری معلومات کے مطابق وہ بھی وہیں پائی گئی تھیں جہاں شہزاد کو حادثہ پیش آیا تھا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ اس کی آنکھیں گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

کر دھنا کی پولیس چوکی کے سامنے والے میدان میں فریدی نے ہیلی کوپٹر ا
دونوں نیچے اتر کر عمارت کی بڑھے۔ ہیلی کوپٹر کی آواز سن کر چوکی کا انچارج پہلے ہی
آیا تھا۔ انہیں سلیوٹ کر کے بولا۔ ''وہ غائب ہو گیا جناب!''

''کون؟'' فریدی نے سوال کیا۔

''چوتھا سپاہی۔''

''کہاں غائب ہو گیا۔ میں نے تمہیں مطلع کیا تھا کہ اسے موجود رہنا چاہئے۔''

''میں نے اسے آگاہ کر دیا تھا جناب!''

''کیا وہ اس چوکی کا سپاہی نہیں تھا!''

''یہیں کا تھا جناب..... اب میں تنہا رہ گیا ہوں..... میرے ساتھ چار سپاہی تھے
ختم ہو گئے اور چوتھا.....!''

''کتنی دیر سے وہ یہاں نہیں ہے۔''

''دو گھنٹے ہو گئے جناب۔''

''ہو سکتا ہے۔ کہیں چلا گیا ہو۔ واپس آ جائے.....!''

''خدا جانے! مجھے اس کی ذہنی حالت ٹھیک معلوم نہیں ہوتی تھی!''

''تم بھی بہت زیادہ پریشان نظر آ رہے ہو!''

''ظاہر ہے جناب۔ تین لاشیں.....! وہ مڑ کر عمارت کی طرف دیکھنے لگا۔

''چلو اندر چلو!'' فریدی اس کا شانہ تھپک کر بولا۔

وہ اس کے آفس میں آئے اور فریدی نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''تم یہیں بیٹھو! ہم خود لاشیں دیکھ لیں گے۔ کہاں ہیں!''

اس نے بائیں جانب والے دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا دیا۔

وہ دونوں اس کمرے میں آئے جہاں لاشیں فرش پر پڑی ہوئی تھیں اور انہیں چا
سے ڈھانک دیا گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد حمید نے کہا۔ ''بالکل ویسی ہی حالت ہے جیسی شہزاد کی لاش کی تھی۔''

فریدی جو بڑے انہماک سے ان کا جائزہ لے رہا تھا سر اٹھا کر بولا۔ ''کسی اونچی

بلندی سے 41
گرنے پر ہڈیاں اس طرح نہیں ٹوٹتیں۔''

حمید کچھ نہ بولا اور وہ پھر انچارج کے کمرے میں واپس آ گئے۔

''لاشیں یہاں تک کس طرح لائی گئیں۔'' فریدی نے انچارج سے سوال کیا۔

''وہ جیپ میں گئے تھے۔ جیپ کو اس راستے پر لے گئے جہاں سے فلم والوں نے
شوٹنگ کی تھی۔ گاڑی روک کر ان میں سے تین اس جگہ پیدل گئے جہاں گھوڑ سوار ہیرو کو حادثہ
پیش آیا تھا۔ چوتھا یعنی جو زندہ بچا ہے جیپ ہی میں بیٹھا رہا۔ پھر اس نے ان تینوں کو گرتے
اور مرتے دیکھا۔ وہ خوفزدہ ہو کر پلٹ آیا۔ مجھے اطلاع دی۔ بہت بری حالت ہو رہی تھی اس
کی اس لیے میں نے تو اسے یہیں چھوڑا اور محکمہ جنگلات کے کچھ لوگوں کو لے کر وہاں پہنچ
گیا۔ پھر انہی کی مدد سے لاشیں یہاں اٹھوا لایا تھا۔''

''اس نے انہیں کس طرح گرتے دیکھا تھا۔'' فریدی نے سوال کیا۔

''ڈھنگ سے کچھ بھی نہیں بتا سکا!''

اسے کہاں تلاش کیا جائے!'' فریدی نے پوچھا۔

''آپ نے دیکھا ہو گا کہ یہاں سے قریب ترین بستی کا فاصلہ بھی پانچ میل سے کم نہیں
ہے اور وہ جہاں بھی گیا ہے پیدل گیا ہے۔ کیونکہ جیپ موجود ہے۔ لیکن اس کی حالت ایسی
نہیں تھی کہ ایک میل بھی پیدل چل سکے۔''

''پانچ میل کے فاصلے پر کونسی بستی ہے۔''

''محکمہ جنگلات کے ملازمین کے کوارٹرز ہیں!''

''وہاں کسی سے اس کی شناسائی ہے!''

''کبھی سے ہے.....! کبھی وہ لوگ ادھر آ جاتے ہیں۔ کبھی ہم میں سے کچھ ادھر چلے
جاتے ہیں!''

''سپاہی کا نام کیا ہے۔''

''مبارک علی.....!''

''اچھی بات ہے!'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ''ہم دیکھتے ہیں۔ تمہاری جیپ لے جا سکتے ہیں!''

''ضرور..... ضرور.....'' جناب..... لل..... لیکن یہ لاشیں!''

''جلد ہی یہاں سے اٹھ جائیں گی بے فکر رہو!''

ہیلی کاپٹر وہیں چھوڑ کر وہ جیپ میں روانہ ہوئے۔ حمید ڈرائیو کر رہا تھا۔

''میں نے تو نہیں دیکھی وہ بستی!'' اس نے کہا۔

''بس سیدھے چلتے رہو۔ میں بتاؤں گا۔''

''آخر آپ ان اموات کے سلسلے میں کس نتیجے پر پہنچے ہیں!''

''کسی بھی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا!۔ فی الحال اس نکتے پر غور کر رہا ہوں کہ شہزاد کی وہاں سے کچھ لوگوں نے ہٹائی تھی۔ لیکن وہ محفوظ رہے۔ پھر یہ تینوں لاشیں بھی ہٹائی گئیں لاشیں ہٹانے والے کسی حادثے کا شکار نہیں ہوئے اور میں بھی اس جگہ کا جائزہ لے چکا کچھ دیر وہاں ٹھہرا بھی تھا۔''

''بہتر ہے! اب کسی عامل روحانی سے رجوع کیجئے۔''

''فضول باتیں مت کرو!''

''وہ علاقہ عرصہ سے مشکوک ہے۔''

''میں نہیں سمجھا!''

''پچھلے سال تیل تلاش کرنے والی ایک ٹیم کو بھی ایسے ہی حالات سے دوچار ہونا پڑا

''لیکن میں نے تو پچھلے سال ایسی کوئی حیرت انگیز خبر نہیں سنی تھی!''

''جانی نقصان نہیں ہوا تھا۔ ان کی کچھ گاڑیاں حیرت انگیز طور پر ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں

''اور اس ٹوٹ پھوٹ کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی تھی۔'' حمید نے سوال کیا۔

''ہوں.....!'' فریدی ونڈ اسکرین پر نظر جمائے ہوئے بولا۔ ''اب بائیں جانب مو

''اگر وہ اس بستی میں بھی نہ ملا تو.....؟''

''صبر کریں گے۔'' فریدی نے کسی قدر تلخ لہجے میں کہا اور حمید کو ایسے انداز میں لگا جیسے اس کا یہ سوال قطعی غیر ضروری رہا ہو۔

آٹھ یا دس کوارٹروں اور چند جھونپڑیوں پر مشتمل اس چھوٹی سی بستی میں پہنچ کر جیپ ہی تھی کہ چھوٹے چھوٹے بچے گھروں سے نکل آئے اور ٹاٹ کے پردوں کے پیچھے سے آنکھیں جھانکنے لگیں۔ جلد ہی ایک ایسا آدمی مل گیا تھا جو کردھنا چوکی کے پانچوں افرا

واقفیت رکھتا تھا۔ اس نے بتایا کہ مبارک علی بستی میں نہیں آیا۔ بستی والوں کو دونوں حادثوں کی خبر ہو گئی تھی۔

''جناب عالی!'' اس آدمی نے کہا۔ ''وہاں کوئی بدروح بہت عرصے سے اپنا اڈہ بنائے ہوئے ہے۔ کتنے ہی مویشی اسی طرح ہلاک ہو چکے ہیں۔''

حمید نے ہونٹ بھینچ کر طویل سانس لی اور جیب میں پڑے ہوئے پائپ کو ٹٹولنے لگا۔

''چرواہے تو دور ہی دور رہتے ہیں!'' وہ آدمی کہہ رہا تھا! ''پتا نہیں کتنی بھیڑیں حیرت انگیز طور پر مر گئیں۔ لیکن کوئی ادھر دھیان ہی نہیں دیتا۔ اب شاید کچھ انتظام ہو جائے کیونکہ اب آدمی بھی وہاں محفوظ نہیں رہا!''

''مبارک علی یہاں بھی نہیں ملا تو اب کہاں مل سکے گا!'' فریدی نے پوچھا۔

''اسسٹنٹ فارسٹ آفیسر کے دفتر میں بھی دیکھ لیجئے! چوکی والے وہاں بھی بیٹھتے ہیں!''

پھر اس نے انہیں اس دفتر کا پتہ بتایا تھا۔ اس طرف روانہ ہونے سے قبل فریدی نے حمید سے کہا! ''اسے ممنوعہ علاقہ قرار دیا جانا چاہئے!''

''اس خبیث روح وجہ سے۔؟'' حمید نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔ فریدی کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ جیپ اسسٹنٹ فارسٹ آفیسر کے دفتر کی طرف جا رہی تھی۔

''اس قسم کے قضیے ہمارے ہی مقدر میں لکھ دیئے جاتے ہیں۔'' حمید بڑبڑایا۔

''تم آخر چاہتے کیا ہو!''

''شٹ اپ!''

''مبارک علی آسانی سے مل جانے کے لیے نہیں غائب ہوا۔''

''ہو سکتا ہے اسے بھی کوئی حادثہ پیش آ گیا ہو!'' فریدی نے پُرتفکر لہجے میں کہا۔

''لہٰذا تگ و دو فضول ہے۔''

''سچ مچ ناکارہ ہو چکے ہو۔'' فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

اسسٹنٹ فارسٹ آفیسر کے دفتر میں انہیں مبارک علی کی لاش ملی۔ لیکن یہ لاش ویسی نہیں تھی جیسی وہ کچھ دیر پہلے پولیس چوکی میں دیکھ چکے تھے۔

اسسٹنٹ فارسٹ آفیسر کہہ رہا تھا۔ ''بس جناب یہ آیا ایک گلاس پانی پیا اور فوراً ہی سینے

میں شدید درد کی شکایت کی.....آرام کرسی پر لیٹا اور ختم ہو گیا۔''

''یہاں تک کس طرح پہنچا تھا؟'' فریدی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''سائیکل پر آیا تھا!''

''لیکن انچارج نے تو سائیکل کا ذکر نہیں کیا تھا۔'' حمید نے فریدی سے کہا۔'' وہ زیادہ پیدل ہی چلنے کی بات کرتا رہا تھا۔''

''سائیکل کہاں ہے!'' فریدی نے اسسٹنٹ آفیسر سے سوال کیا۔

''میرا آدمی اسی پر چوکی گیا ہے۔ اطلاع دینے۔ ہماری گاڑی کئی دن سے خراب پڑی ہے

''وہ اس وقت یہاں کیوں آیا تھا؟''

''کچھ بتانے سے قبل ہی ختم ہو گیا تھا جناب!''

''کیا آپ کو اس کے تینوں ساتھیوں کی موت کی اطلاع مل چکی ہے!''

''نہیں.....تو۔'' وہ خوفزدہ انداز میں بولا۔

''وہ تینوں بھی مر چکے ہیں اور اس کی ذمہ داری سراسر آپ لوگوں پر عائد ہوتی ہے۔''

''جی میں نہیں سمجھا!''

''میرا مطلب تھا محکمہ جنگلات پر عائد ہوتی ہے!''

''آخر کیوں؟ کس طرح.....!''

''چتلی پہاڑیوں والے علاقے کو آپ لوگوں نے ممنوعہ کیوں نہیں قرار دیا؟''

''تو کیا وہ تینوں وہیں.....!''

''جی ہاں.....ان کی ہڈیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ہیں!''

''اور وہ فلم والے بھی.....خدایا یہ کیا ہو رہا ہے؟''

''آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ اسے ممنوعہ علاقہ کیوں نہیں قرار دیا گیا۔

''وہاں سے کبھی کبھی مویشیوں کے اتلاف جان کی اطلاع ملتی تھی۔ جسے غیر معمولی نہ کہا جا سکتا تھا.....!''

حمید اسے عجیب نظروں سے دیکھے جا رہا تھا! دفعتاً بولا۔''وہ گلاس کہاں ہے جس اس نے پانی پیا تھا!''

''گلاس.....گلاس وہیں ہو گا جہاں ہوتا ہے.....!''

''کہاں ہوتا ہے۔'' حمید آگے بڑھتا ہوا بولا۔

وہ اس کے ساتھ اس جگہ پہنچا جہاں کئی مٹکے پانی سے بھرے ہوئے رکھے تھے.....تین گلاس بھی تھے۔

''کس گلاس میں پیا تھا اور کس مٹکے سے پانی نکالا تھا!''

''یہ بتانا تو مشکل ہے! کوئی اسکے پیچھے نہیں آیا تھا!''

''کسی نے پانی پیتے دیکھا تھا!''

''جی نہیں۔''

''پھر آپ نے کیسے کہہ دیا کہ اس نے مرنے سے قبل پانی پیا تھا۔''

''اس نے جب سینے میں درد کی شکایت کی تھی تو بتایا تھا کہ ابھی ابھی پانی پیا ہے۔''

''اس کے بعد بھی کسی نے ان مٹکوں سے پانی پیا تھا۔''

''مجھے علم نہیں۔''

''ان مٹکوں اور گلاسوں کو اب ہاتھ بھی نہ لگایا جائے!'' حمید نے کہا۔

''اوہ تو کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ پانی میں زہر ملا ہوا ہے .....یہاں میرے دفتر کے پانی میں!'' اس نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

فریدی اس دوران میں خاموش کھڑا ان کی گفتگو سنتا رہا تھا۔

''ان کا پانی تجزیئے کے لیے لے جایا جائے گا۔ براہ کرم تین بوتلیں فراہم کر دیجئے۔'' حمید نے کہا۔

''ضرور۔ضرور.....!''

''ضابطے کی کارروائی ہے!'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

''جی ہاں میں سمجھتا ہوں!'' اس نے کہا اور بوتلوں کی فراہمی کے لیے وہاں سے چلا گیا۔

حمید نے گلاسوں کو اٹھا اٹھا کر سونگھا اور پھر رکھ دیا۔

''تمہارا خیال غلط نہیں ہو سکتا!'' فریدی بولا۔''مرنے والے کے ہونٹ نیلے پڑ گئے ہیں!''

کرائم رپورٹر انور کی تگ ودو کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا۔ فریدی یا حمید سے ملاقا نہیں ہو سکی تھی۔ لہٰذا ایک بار پھر نشو فاز اسٹوڈیوز کا رخ کرنا پڑا۔

براہ راست اسٹوڈیو کے منیجر کے کمرے میں پہنچا تھا۔ یہاں اس ہیروئن سے ملاقات ہ جس کے بارے میں شاطر سے معلوم ہوا تھا کہ ان دنوں شہزاد کی نظر عنایت اس پر رہی تھی.....

انور سے براہ راست اس کا تعارف کبھی نہیں ہوا تھا لیکن شاید وہ انور کو پہچانتی تھی۔ ا دیکھتے ہی مضطربانہ انداز میں کرسی سے اٹھتی ہوئی بولی۔ ''اب شاید میں اپنی آواز پریس تک سکوں.....انور صاحب آپ ایک ایماندار صحافی ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ کو کوئی نہیں خرید سکتا

''بیٹھئے بیٹھئے۔'' انور نے کہا۔ ''آخر کیا پریشانی ہے.....!''

''میری کوئی نہیں سنتا سیٹھ ویلانی کو بھی اندر ہونا چاہئے۔ یہ راشد اور شہزاد کی دشمنی معاملہ نہیں ہے۔ یہ ویلانی اور شہزاد کی دشمنی کا قصہ ہے۔''

''آرام سے بیٹھ جایئے اور پھر بتایئے کیا بات ہے۔''

اسٹوڈیو کے منیجر نے مضطربانہ انداز میں انور کی طرف دیکھا لیکن انور اس کی طر متوجہ نہیں تھا۔

''میں یہاں بات نہیں کروں گی۔'' ہیروئن بولی۔ ''کہیں اور چلئے.....!''

''جہاں دل چاہے.....!''

''میرے آفس میں چلئے.....!''

''یہاں آپ کا بھی کوئی آفس ہے؟''

''کیوں نہیں۔ میں خود بھی تو اپنی فلمیں پروڈیوس کر رہی ہوں!''

''اوہ.....اچھا تو چلئے.....!''

منیجر سے انور کی شناسائی تھی۔ دونوں کی نظریں ملیں اور انور نے اس کی آنکھوں کچھ ایسا تاثر محسوس کیا جیسے وہ اسے اس کے ساتھ جانے سے باز رکھنا چاہتا ہو۔ لیکن وہ نہیں تھا۔ ہیروئن اسے اپنے دفتر میں لائی۔

دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے اور وہ عجیب سی نظروں سے انور کو دیکھتی رہی پھر بولی۔

''آپ بڑی دلکش شخصیت کے مالک ہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ آپ نے کبھی فلم کی طرف آنے کے بارے میں کیوں نہیں سوچا۔''

''فضول باتیں سوچنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔ ہاں آپ مجھے اس کیس کے سلسلے میں کیا بتانا چاہتی ہیں!''

''ویلانی حرامزادہ بہت دنوں سے میرے چکر میں ہے۔ میں شہزاد کو چاہتی تھی۔ وہ میرا محبوب تھا۔ دنیا جانتی ہے۔ اس لیے ویلانی اور راشد نے سازش کر کے اسے.....!''

''بات سمجھ میں نہیں آئی۔''

''وہ راشد کی فلم کا فائیننسر ہے!''

''آپ کا مطلب ہے ویلانی۔''

''جی ہاں۔ اس نے راشد کو مجبور کیا تھا کہ وہ شہزاد ہی کو ہیرو کاسٹ کرے.....آخر سے کیوں نہیں لیا گیا حراست میں۔''

''شہزاد اور راشد کے درمیان دشمنی تھی۔''

''ویلانی نے راشد کو اسی شرط پر فائننس کیا تھا کہ وہ شہزاد ہی کو کاسٹ کرے اور سنئے! یہ سراسر اتہام ہے کہ شہزاد نے راشد کی بیوی کو ورغلایا تھا۔ وہ کتیا خود ہی مرمٹی تھی شہزاد پر اور راشد سے طلاق لے لینے کے بعد ایک عرصہ تک شہزاد کو خراب وخوار رکھا تھا۔''

''تو آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں۔''

''یقین کیجئے مسٹر انور میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتی کہ آپ بھی فلم انڈسٹری سے منسلک ہو جائیں۔ ہم دونوں مل کر ایسی فلمیں بنائیں گے کہ بس۔ ابھی حال میں، میں نے ہیڈلے چیز کا ایک ناول پڑھا ہے! ایک ایسے کرائم رپورٹر کی کہانی ہے جو اسمگلرز کے ایک گروہ کے پیچھے پڑ گیا۔ کیا کہانی تھی۔ اگر اسے لوکل کلر دے کر ڈرامائی تشکیل کی جائے تو مزہ آ جائے۔''

''یہی اطلاع دینے کے لیے آپ مجھے یہاں لائی تھیں۔''

''اوہ۔ ہاں تو وہ ویلانی سیٹھ۔''

''بس.....!'' انور ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''آپ کی چاہت بھی مشکوک ہے!''

''میں نہیں سمجھی۔''

''آخر چاہت کا کیا انداز تھا!''

''اچھا اچھا! میں سمجھی!'' وہ ہنس کر بولی۔'' لیکن مسٹر انور چاہت اپنی جگہ بزنس ا
میں شہزاد کو اس کی زندگی میں چاہتی تھی۔''

''تو پھر ویلانی کو بھی جہنم میں جھونکیے۔ شہزاد تو واپس آ نہیں سکتا۔ اگر وہ بھی گرفتار ہو جا

''جی ہاں اور کیا؟''

''تو پھر میں چلوں.....!''

''میرے گھر چلئے تا کہ آپ کو ہیڈ لے چیز کا وہ ناول دکھا سکوں۔''

''مجھے ہیڈ لے چیز سے کوئی دلچسپی نہیں ہے.....!''

''خیر۔ خیر۔ پھر سہی...!'' وہ ڈھٹائی سے ہنس کر بولی۔'' آپ بہت مصروف آدمی
ویسے خوبصورت مرد میری کمزوری ہیں۔''

''بیوقوف عورتیں میری کمزوری کبھی نہیں رہیں۔'' انور نے کہا اور اس کے آفس
چلا آیا۔ تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ اسٹوڈیو کا منیجر تیزی سے اس کی طرف بڑھتا دکھائی دیا۔

''مسٹر انور پلیز۔ ایک منٹ.....!'' اس نے اسے آواز دی۔ انور رک گیا۔

'' بکواس ہے محض بکواس!'' اس نے قریب پہنچ کر کہا۔

''میں نہیں سمجھا آپ کیا کہنا چاہتے ہیں!'' انور نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکا

''شاداں ویلانی کے بارے میں جو کچھ کہہ رہی تھی محض بکواس ہے! ویلانی
مارکیٹ ویلیو کی بنا پر شہزاد کے کاسٹ کئے جانے پر زور دیا تھا۔ قصہ دراصل یہ ہے کہ
نے اپنی ذاتی فلم کے لیے اس سے فائننس مانگا تھا لیکن اس نے انکار کر دیا تھا۔''

''تو آپ چاہتے ہیں کہ میں اپنی رپورٹنگ میں ویلانی کوئی اہمیت نہ دوں۔''

''میں چاہتا ہوں کہ آپ شاداں کے لگائے ہوئے الزام سے متعلق خاصی چھ
کے بعد رپورٹنگ کریں۔''

''مشورے کا شکریہ! میں خیال رکھوں گا۔''

''آپ کیلئے ایک اہم اطلاع اور بھی ہے۔ غالباً آپ کیلئے کارآمد ہو!'' منیجر
''فرمایئے۔''

''کرنل فریدی نے اس رول کے رش پرنٹس طلب کئے تھے جو شوٹنگ کے وقت کیمر
میں چل رہا تھا۔ لیکن وہ رول لیبارٹری سے غائب ہو گیا۔''

''کس لیبارٹری سے۔''

''گل پروسس سے اور گل پروسس کا مالک رحیم گل شاداں کا بڑا بھائی ہے!''

''اوہ۔''

''میں نے اپنا فرض سمجھا کہ آپ کو آگاہ کر دوں۔ ارشد کے گرد جال بچھایا جا رہا ہے وہ
اتنا برا نہیں ہے کہ کسی کے خلاف اس کی دشمنی اسے قتل تک لے جائے۔''

''میں دیکھوں گا۔'' انور نے کہا اور موٹر سائیکل اسٹارٹ کر کے اسٹوڈیو سے نکل بھاگا۔



وہ دونوں کوٹھی میں داخل ہو کر بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے
ریسیور اٹھا لیا۔

''ہیلو۔''

''کرنل صاحب!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''اوہ۔ انور.....!''

''جی ہاں۔ کیا راشد علوی آپ کی کسٹڈی میں ہے!''

''ہوں۔ کیوں؟''

''کیا آپ نے اس مخصوص شوٹنگ کے رش پرنٹس طلب کئے تھے!''

''ہاں کئے تھے! ابھی تک موصول نہیں ہوئے!''

''نہیں موصول ہو سکیں گے!''

''کیا مطلب!''

''نیگٹو کا رول لیبارٹری سے غائب ہو گیا۔''

''تمہیں کیسے معلوم ہوا۔''

''راشد علوی سے میرے مراسم ہیں! اس لیے میں کل سے دوڑ دھوپ کر رہا ہوں
آپ سے کئی بار فون پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر چکا ہوں۔''

''میں یہاں نہیں تھا!''

''کیا میں آ سکتا ہوں.....!''

''آ جاؤ۔'' فریدی ریسیور کریڈل پر رکھ کر حمید کی طرف مڑا۔

''آپ نے اسے کیوں بلایا!'' حمید نے پوچھا۔

''وہ خود آنا چاہتا ہے۔ میں نے نہیں بلایا ہے۔ اس نے اطلاع دی ہے کہ وہ رو لیبارٹری سے غائب ہو گیا ہے جس کے رش پرنٹس میں نے منگوائے تھے!''

''اسے اس کی اطلاع کیونکر ہوئی کہ آپ نے رش پرنٹس منگوائے تھے۔''

''میں نہیں جانتا۔''

''اچھی بات ہے۔ میں جا کر خبر لیتا ہوں گل پروس والوں کی۔''

''ضرور خبر لو۔'' فریدی لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دے کر بولا۔

حمید فرار چاہتا تھا۔ دو دن سے سکون نصیب نہیں ہوا تھا۔ انور کے آتے ہی پھر وہ قضیہ چھڑ جاتا۔

وہ اپنے کمرے میں آیا اور لباس تبدیل کرنے لگا۔ عجیب سی وحشت ذہن پر طار تھی.....اس کیس کی طرف سے دھیان ہٹاتا تھا لیکن کامیاب نہیں ہوتا تھا۔ کیا سپاہی مبارک علی اس لیے مر گیا کہ جو کچھ اس نے دیکھا تھا کسی اور کو نہ بتا سکے! ادھر نیگیٹو کا وہ رول لیبارٹر سے غائب ہو گیا جو حادثے کے دوران میں کیمرے میں چلتا رہا تھا.....گویا اس میں بھی کو ایسی چیز تھی جو مبینہ حادثے کی وجہ پر روشنی ڈال سکتی!

وہ لباس تبدیل کر کے کمرے سے نکلا اور باہر جا رہی رہا تھا کہ فریدی نے آواز دی ا وہ پھر لیونگ روم کی طرف گھوم گیا۔

''گل پروس کے پورے عملے کو چیک کرنا۔'' فریدی نے کہا۔

''دودھ کی شیشی اور نیپکن بھی ساتھ کر دیجئے!'' حمید بھنا کر بولا۔

''دفع ہو جاؤ۔''

وہ سر ہلا کر چل دیا۔ ''جیسے دفع ہو جاؤ۔'' سنے بغیر توانائی میں کمی واقع ہو جاتی.....گل پروس اسی سڑک کی ایک عمارت میں واقع تھا جس پر نشو فاز اسٹوڈیو کی عمارات تھیں۔ حمید آ

گاڑی عین پروس کے دفتر کے سامنے جا رکی لیکن وہ گاڑی سے اترا نہیں۔ انجن بند کر کے بیٹھا عمارت کو گھورتا رہا۔ سوچ رہا تھا کہ اسے رحیم گل سے کس طرح پیش آنا چاہئے کیونکہ وہ انڈسٹری کا دادا بھی کہلاتا تھا۔ شہر کے متعدد بڑے بدمعاش اس کے گرد پھرتے تھے۔ خود بھی دیو پیکر قسم کا آدمی تھا۔ بزنس بھی دھونس دھڑلے کی بنا پر کرتا تھا۔ ورنہ آس پاس کئی لیبارٹریز اور بھی تھیں۔ حمید گاڑی سے اتر کر آفس پہنچا۔

لیبارٹری انچارج سے ملاقات ہوئی۔ خود رحیم گل اس وقت موجود نہیں تھا۔

حمید نے رش پرنٹس کے بارے میں استفسار کیا۔

''ہمیں وہ رول ہی موصول نہیں ہوا جس کا آپ ذکر کر رہے ہیں!'' اس نے کہا اور حمید نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر رہ گیا۔ عقابی نظریں لیبارٹری انچارج کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

''آپ تو اس طرح دیکھ رہے ہیں جناب جیسے میں غلط بیانی سے کام لے رہا ہوں!''

لیبارٹری انچارج نے کہا۔

''رحیم گل کہاں ہیں!'' حمید نے خشک لہجے میں پوچھا۔

''مجھے علم نہیں۔''

''وہ رجسٹر لاؤ جس میں روزانہ کا اندراج کرتے ہو۔''

''جی ہاں.....رجسٹر بھی دیکھ لیجئے!'' انچارج دوسری میز کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ اور اس پر سے ایک رجسٹر اٹھا کر حمید کے سامنے رکھ دیا۔

''کل سے آج تک کے مندرجات دکھاؤ۔''

وہ رجسٹر کے ورق الٹنے لگا۔

''یہ دیکھئے یہاں سے کل کے اندراجات کی ابتداء ہوئی ہے!'' انچارج نے نشاندھی کی۔

حمید نے بغور جائزہ لے ڈالا مگر آر۔ اے پروڈکشن کا کوئی اندراج نہ ملا۔

''لیکن پروڈکشن مینجر نے اطلاع دی تھی کہ رول یہیں دیا گیا ہے۔'' حمید نے کہا۔

''خدا جانے جناب.....اگر یہاں دیا ہو گا تو اس کے پاس رسید ضرور ہو گی!'' اس نے بیزاری سے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ میں اسے دیکھتا ہوں.....!'' حمید نے کہا اور دفتر سے باہر آ گیا۔ راشد

علوی کا کام رک گیا تھا۔ ضروری نہیں تھا کہ اس کے پروڈکشن مینجر سے اسٹوڈیو ہی
ملاقات ہو جاتی۔ پھر بھی وہ نشو فازا اسٹوڈیوز کی طرف روانہ ہو گیا۔

یہاں اسٹوڈیو کے مینجر سے ملاقات ہوئی اور اس نے بتایا کہ راشد علوی کے دفتر
پڑا ہوا ہے۔ اس کے یونٹ کا کوئی آدمی اس وقت اسٹوڈیوز میں نہیں مل سکے گا اور پھر
نے حمید سے پوچھا لیا!'' کیوں جناب اس رول کا سراغ ملا یا نہیں؟''

حمید چونک کر اسے دیکھنے لگا اور وہ جلدی سے بولا!'' کیوں کیا میں نے کوئی غلط
پوچھ لی ہے جناب!''

''قطعی نہیں!'' حمید نے سر کو منفی جنبش دے کر کہا!'' تو یہ بات خاصی مشہور ہو گئی

''میں نہیں جانتا کہ کیسے مشہور ہوئی!'' مینجر سٹپٹا کر بولا اور چاروں طرف دیکھنے لگا

''لیکن گل پروسس والے کہتے ہیں کہ رول ان کے یہاں سرے سے پہنچا ہی

حمید اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

''بڑی عجیب بات ہے.....!''

''میں نے رجسٹر بھی دیکھا ہے! اس رول سے متعلق کوئی اندراج نہیں ملا۔''

''تو انہوں نے صاف انکار کر دیا!'' مینجر نے متحیرانہ انداز میں پوچھا!

''ظاہر ہے! تبھی تو مجھے راشد کے پروڈکشن مینجر کی تلاش ہے!''

''مارا گیا بیچارا!''

''رحیم گل کے ڈر سے سچی بات نہ بتا سکے گا اور دوسری طرف سے آپ لوگ
گردن دبائیں گے۔''

''رسید تو ہو گی اس کے پاس!''

''بہتیرے کاموں کا اندراج سرے سے ہوتا ہی نہیں۔ پھر رسید کیسی۔ اگر
منظر عام پر نہ آئے تو میں بھی کچھ بتاؤں آپ کو۔''

''ضرور.....ضرور.....میں غیر شادی شدہ ہوں.....!''

''جی میں نہیں سمجھا۔''

''شادی شدہ لوگوں سے راز کی باتیں نہیں کہی جاتیں۔ وہ اپنی بیویوں کو بتا

اور بیویاں پڑوسنوں تک پہنچا دیتی ہیں۔ اس طرح شہر میں ڈھنڈورا پٹ جاتا ہے!''

مینجر بے ڈھنگے پن سے ہنس کر بولا!'' بجا فرمایا.....ایسا ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح
بتیجہ سے سرکاری راز منظر عام پر آ جاتے ہیں۔''

''لہٰذا جو کچھ بتانا ہے اطمینان سے بتایئے!''

''پروڈکشن مینجر نے وہ رول خود رحیم گل کے ہاتھ میں دیا تھا اور اسے آگاہ کر دیا تھا کہ
رش پرنٹس محکمہ سراغرسانی کو جائیں گے!''

''تو پھر ہو سکتا ہے کہ رحیم گل ہی اس سلسلے میں جوابدہی کر سکے!''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا جناب! لیبارٹری انچارج اس کی طرف سے جوابدہی کر چکا
اب کسی کی زبان سے نہیں نکلے گا کہ وہ رول وصول کیا گیا تھا۔''

''آپ کو کیسے علم ہوا تھا کہ رول غائب ہو گیا؟ ظاہر ہے کہ انہوں نے اس سلسلے میں
خاصی رازداری برتی ہو گی۔''

''بقول آپ کے عورتیں راز کی باتیں شہر میں پھیلا دیتی ہیں۔'' مینجر نے ادھر
ادھر دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا!'' رحیم گل کی محبوبہ کسی سے کہہ رہی تھی میں نے سن لیا!''

''وہ کہاں ملے گی۔''

''اپنے فلیٹ میں۔''

''مجھے دونوں کا پتہ چاہئے!''

''دوسرا کون۔''

''راشد کا پروڈکشن مینجر.....!''

''اس سے کچھ پوچھنا فضول ہے۔ رحیم گل اس کا منہ بند کر چکا ہو گا۔''

''ہم کھلوا لیں گے؟''

''تو پھر اس کی جان بھی جائے گی۔''

''براہ کرم آپ ان دونوں کے پتے لکھوا دیجئے۔ یہ سب کچھ دیکھنا ہمارا کام ہے!''

''وہ نصیر بلڈنگ کے کسی فلیٹ میں رہتی ہے! نصیر بلڈنگ چیتھم روڈ کے فلیٹ کا نمبر مجھے
نہیں معلوم.....نام ماریہ ہے!''

پھر اس نے پروڈکشن مینجر کا پورا پتہ لکھوا کر کہا۔ ''براہ کرم اس کا خیال رکھئے گا کہ کے سلسلے میں میرا نام نہ آنے پائے۔ رحیم گل بھیڑیا ہے۔ کسی کو کچھ نہیں سمجھتا۔ اب یہی کہ آپ لوگوں کے ساتھ بھی فراڈ کر رہا ہے۔''

حمید نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی اور اپنی گاڑی میں آ بیٹھا! وہ سوچ رہا تھا ماریہ سے پہلے پروڈکشن مینجر کو دیکھنا چاہئے۔

دس منٹ بعد وہ اس کے ٹھکانے پر پہنچ گیا۔ متوسط درجہ کی ایک گھنی آبادی کے ایک چھوٹے سے مکان میں رہتا تھا۔ حمید کو دیکھتے ہی اس پر بدحواسی طاری ہو گئی۔

''آپ نے ابھی تک رش پرنٹس نہیں بھجوائے!'' حمید نے کہا!

''اوہ۔ جناب..... خدا جانے کیا ہوا..... میری سمجھ میں تو نہیں آتا!'' وہ ہانپتا ہوا!

''کیا سمجھ میں نہیں آتا!''

''رول کمرے میں نہیں تھا!'' وہ تھوک نگل کر بولا۔

''کیا بات ہوئی.....!''

''مجھ سے کہا گیا تھا کہ اس شوٹنگ کے رش پرنٹس نکلوا کر آپ کو بھجوا دوں..... جناب جب یہ کام کرنے چلا تو معلوم ہوا کہ رول کیمرے میں موجود ہی نہیں ہے!''

''اس جھوٹ کا کتنا معاوضہ ملا ہے۔'' حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال

''جج..... جی میں نہیں سمجھا!'' وہ خوفزدہ ہو کر بولا۔

''معاوضہ ملا ہے یا اس نے محض دھمکی سے کام چلا لیا۔''

''آپ کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔''

''آپ نے وہ رول رحیم گل کو دیا تھا۔''

''پپ..... پتا نہیں آپ.....!''

''سچی بات مسٹر۔'' حمید نے آنکھوں نکالیں۔

''رول کیمرے میں نہیں تھا۔''

''ایک اہم شہادت ضائع کر دینے کے الزام کے تحت آپ گرفتار بھی کئے جا سکتے ہیں!''

''میں نے کوئی شہادت ضائع نہیں کی۔ میں قسم کھا سکتا ہوں!''

''اس کے باوجود بھی الزام سے نہیں بچ سکتے! کیونکہ میرے پاس ایسے شاہد موجود ہیں جنہوں نے آپ کو وہ رول رحیم گل کے حوالے کرتے دیکھا تھا۔''

''خدا کے لیے مجھ پر رحم کیجئے۔''

''آپ خود اپنے آپ پر رحم کرنے کی کوشش کیجئے!''

''میں مفت میں مارا جا رہا ہوں جناب۔''

''اچھی بات ہے میں چلا۔''

''ایک منٹ.....! میں بہت خوفزدہ ہوں۔''

''تو پھر سچی بات کہہ دینے میں دیر نہ لگائیے۔ آپ کی حفاظت ہمارا ذمہ ہے!''

''جی ہاں! رول میں نے اسے کل ہی دے دیا تھا۔ لیکن آج سہ پہر کو گھبرایا ہوا میرے پاس آیا اور رول کے گم ہو جانے کی اطلاع دی۔ پھر بولا کہ میں آپ لوگوں کو اس کے کیمرے ہی سے گم ہو جانے کی کہانی سنا دوں!''

''اور آپ نے سنا دی!'' حمید نے تلخ لہجے میں کہا!

''مجبوری جناب! اس سے سب ڈرتے ہیں..... اس کے کئی عزیز بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر فائز ہیں اور خود بھی بہت بڑا غنڈہ ہے۔''

''مجھے علم ہے۔''

''بس تو پھر اب میری عزت آپ ہی کے ہاتھ ہے۔''

''خیر میں دیکھوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں!''

''بہت بہت شکریہ جناب۔''

''رحیم گل سے ماریہ کا کیا تعلق ہے۔''

''وہ اس کی داشتہ ہے۔''

''کوئی دیسی عورت.....!''

''جی نہیں یوریشین ہے۔ باپ انگریز اور ماں سیامی تھی!''

''شاید وہ اپنے فلیٹ میں تنہا نہیں رہتی۔''

''تنہا رہتی ہے جناب۔''

کیا وہ اس کی لیب میں آتی رہتی ہے۔''

''سارا دن لیب ہی میں تو گزارتی ہے۔''

''وہ شاید نصیر بلڈنگ میں رہتی ہے۔ لیکن فلیٹ کا نمبر مجھے نہیں معلوم۔ کیا آپ بتا سکیں گے''

''فلیٹ نمبر تیرہ۔''

''اچھی بات ہے!'' حمید طویل سانس لے کر بولا۔ ''اگر رحیم گل آپ سے پوچھے تو بتائیے گا کہ آپ نے مجھے کیمرے ہی سے رول غائب ہو جانے کی کہانی سنائی ہے۔''

''زندگی بھر آپ کا احسان مند رہوں گا۔''

تو یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی تھی کہ رول رحیم گل کی لیبارٹری ہی سے غائب ہوا حمید سوچ رہا تھا کہ اب ماریہ کو دیکھے یا پہلے فریدی کو ان حالات سے مطلع کر دے۔

گاڑی اسٹارٹ کر کے سڑک پر آ نکلا اور پھر ایک پبلک ٹیلیفون بوتھ کے قریب رکا۔

فریدی گھر ہی پر موجود تھا۔ حمید سے اب تک کی روداد سن کر بولا! ''ماریہ سے پوچھ کرنے سے قبل یہ معلوم کرو کہ اس نے رول غائب ہو جانے سے متعلق کسے بتایا تھا۔''

''اسٹوڈیو کے منیجر کے علاوہ اور کوئی نہ بتا سکے گا!'' حمید نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ اگر اسے بتانا ہوتا تو پہلے ہی بتا دیتا۔''

''یہ ضروری ہے..... ورنہ وہ بھی مکر جائے گا۔''

''رحیم گل کے لیے کیا کیا جائے۔''

''یہ مجھ پر چھوڑ دو۔ تم اس سے مت بھڑنا۔''

''کیا آپ بھی اسے خطرناک سمجھتے ہیں!''

''اوہ۔ فضول باتوں میں کیوں پڑتے ہو۔ جو کہہ رہا ہوں کرو!''

حمید نے برا سا منہ بنا کر رابطہ منقطع کر دیا۔

ایک بار پھر اس کی گاڑی نشو فاز اسٹوڈیوز کی طرف جا رہی تھی۔ رول کسی بھی طر غائب ہوا ہو۔ مقصد صاف ظاہر تھا۔ تو کیا سچ مچ راشد کو الجھانے کے لیے کوئی شہادت ضا کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ لیکن پھر ان کانسیلوں کی اموات کو کس خانے میں فٹ جائے گا۔ وہ کیوں مارے گئے اس سے پہلے اس علاقے میں مویشیوں کو بھی حادثے

آتے رہے تھے۔ ایک سروے ٹیم کی گاڑیاں ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں۔ یہ سب کیا تھا..... پھر سپ ہی مبارک علی اس طرح مر گیا؟ ابھی تک پوسٹ مارٹم کی رپورٹ نہیں ملی تھی۔ پانی کے تجزیے سے کیا نتیجہ برآمد ہوا؟ وہ اس سے بھی لاعلم تھا۔

اسٹوڈیو کے پارکنگ شیڈ میں گاڑی پارک کر کے وہ منیجر کے کمرے کی طرف بڑھا۔

منیجر آفس میں موجود نہیں تھا۔ لیکن کئی اور افراد بیٹھے نظر آئے۔ حمید نے منیجر کے متعلق استفسار کیا۔

چپراسی نے بتایا کہ وہ نچلی فلور پر گیا ہوا ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ جلد ہی اس کی واپسی بھی ہو جائے۔

''تلاش کر کے میری آمد کی اطلاع دو۔ یہ اشد ضروری ہے!'' حمید نے اس سے کہا اور وہیں بیٹھ گیا! دوسرے لوگ خاموش ہو گئے تھے! چپراسی چلا گیا!

کمرے کی فضا پر خاموشی مسلط تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے وہ لوگ اس کے وہاں پہنچنے سے قبل کسی خاص موضوع پر گفتگو کرتے رہے ہوں اور اس کی موجودگی میں اسے جاری رکھنا مناسب نہ سمجھتے ہوں۔ حمید نے جیب سے پاؤچ نکالی اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد چپراسی پلٹ آیا اور حمید کے قریب جھک کر آہستہ سے بولا۔ ''منیجر صاحب دفتر میں آپ سے نہیں ملنا چاہتے۔ باہر منتظر ہیں۔''

''اچھا۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔ منیجر سے لان پر ملاقات ہوئی۔ اس کے چہرے سے تشویش ظاہر ہو رہی تھی۔

''ایک بات میں آپ سے پوچھنا بھول گیا تھا۔'' حمید نے کہا۔

''فرمائیے.....!''

''ماریہ نے کسے اطلاع دی تھی کہ رول گم ہو گیا.....!''

''اوہ۔ جناب یہ تو یاد نہیں۔''

''پلیز۔'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''ہماری تفتیش کے نتائج اخبارات تک نہیں پہنچتے۔''

''اس نے شاداں کو بتایا تھا۔ شاداں سے آپ واقف ہوں گے۔ وہ رحیم گل کی چھوٹی بہن بھی ہے.....!''

''شاداں..... وہ اداکارہ..... جو شہزاد کے لیے رو رہی تھی۔''

''جی ہاں..... وہی.....!''

''بہت بہت شکریہ! اس وقت کوئی اور بھی موجود تھا؟''

''جی نہیں! میں نے بھی یہ بات ان دونوں کی لاعلمی میں سن لی تھی۔''

''شاداں تو مجھے کچھ پاگل پاگل سی لگتی ہے۔''

''خیال ہے آپ کا! اول درجے کی چالاک ہے! گھریلو زندگی میں بھی اداکارہ رہتی ہے۔ آپ نے تو دیکھا ہی تھا کہ شہزاد کے لیے کس طرح پچھاڑیں کھا رہی تھی!''

''تو کیا وہ اداکاری تھی۔''

''صدفی صد جناب۔'' مینجر طویل سانس لے کر بولا۔ ''حد درجہ کی کینہ توز بھی آج ہی اسٹار کے کرائم رپورٹر کو یہ باور کرانے کی کوشش کر رہی تھی کہ راشد تو محض شو بوا حیثیت رکھتا ہے حقیقتاً شہزاد کی موت کا ذمہ دار ویلانی سیٹھ ہے۔''

''وہ کس طرح؟''

''وہ اس طرح کہ ویلانی سیٹھ نے راشد کو اسی شرط پر فائنس کیا تھا کہ ہیرو کے شہزاد کو کاسٹ کرے۔''

''کیا حقیقت بھی یہی ہے!''

''ہے تو حقیقت ہی لیکن ویلانی سیٹھ کو شہزاد سے کیا پرخاش ہو سکتی ہے وہ تو اس شرط اس لیے رکھی تھی کہ شہزاد کا نام باکس آفس کی ضمانت بن کر رہ گیا تھا۔

''اور پھر اسٹنٹ فلموں میں کوئی کہانی تو ہوتی ہی نہیں۔ بس ہیرو ہی ہیرو ہوتا ہے! بہرحال کوئی وجہ تو ہوگی ویلانی کے خلاف شبہ ظاہر کرنے کی۔''

''شاداں نے اپنی ذاتی فلم کیلئے ویلانی سے فائنس مانگا تھا۔ لیکن اس نے انکار کر دیا تھا

''اوہ..... تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ محض ویلانی کو پھنسانے کے لیے اس طرح کر رو رہی تھی۔''

''میں نے سب کچھ گوش گزار کر دیا۔ نتیجہ آپ خود اخذ فرمائیے۔''

''شاداں سے کہاں ملاقات ہو سکے گی۔''

''بیٹھی ہوئی ہے اپنے آفس میں۔''

''کدھر ہے آفس.....!''

''سامنے والی راہداری میں بائیں جانب۔ دلشاد پروڈکشنز کا بورڈ ہے۔''

''اچھا! شکریہ!''

''میرا نام نہ آنے پائے۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔'' کہتا ہوا حمید آگے بڑھ گیا۔ راہداری میں داخل ہو کر بائیں جانب کے بورڈ دیکھتا ہوا چلتا رہا۔ دلشاد پروڈکشنز کے سامنے رک کر دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔

''یس کم ان!'' اندر سے نسوانی آواز آئی۔

حمید نے دروازہ کھولا۔ وہ سامنے ہی بیٹھی نظر آئی اور حمید کو دیکھتے ہی اس طرح اچھل پڑی جیسے دفتر میں ہاتھی گھسا چلا آ رہا ہو۔

''اوہ کیپٹن!'' وہ سنبھالا لے کر بولی۔ ''آیئے آیئے..... زہے نصیب کہ آپ نے قدم رنجہ فرمایا.....!''

''نہیں تو.....!'' حمید نے بوکھلاہٹ میں چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی.....!''

''میں نے تو نہیں فرمایا قدم رنجہ.....!''

''مم..... مطلب یہ کہ آپ تشریف لے آئے.....!''

''لیکن قدم رنجہ.....!''

''کہتے ہیں.....'' وہ ہنس کر بولی۔

''پلیز۔'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''اتنی گاڑھی اردو میں بات نہیں ہوگی۔ انگلش میڈیم میں میری تعلیم ہوئی تھی۔ اردو کمزور ہے۔''

''آپ تشریف تو رکھئے!'' وہ چہک کر بولی۔

شکریہ..... شکریہ.....!'' حمید بیٹھتا ہوا بولا۔

''کیا پئیں گے۔''

کچھ پینے نہیں آیا۔ آپ سے صرف ایک بات دریافت کرنی تھی۔''

''فرمایئے.....!''

''آپ اتنی خوبصورت کیوں ہیں.....کیا آپ بھی لکس ٹائیلٹ صابن کھاتی ہیں!

وہ منہ دبا کر ہنسنے لگی۔ پھر بولی۔'' آپ بہت دلچسپ اور ہنس مکھ آدمی ہیں کیپٹن...

''نہیں واقعی بتایئے میں محسوس کرتا ہوں کہ میری رنگت کچھ مدھم پڑتی جا رہی ہے

''کپتان صاحب! تشریف آوری کا اصل مقصد ظاہر فرمایئے!''

''آپ کی اردو بہت خوفناک ہے!''

وہ کچھ [illegible] مجیب نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

''کل میں نے مسٹر رحیم گل کے ساتھ ایک یورپین لڑکی دیکھی تھی۔ اس کے [illegible] کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں.....!''

''اس سے کیا قصور سرزد ہوا ہے!''

''میری ایک ایسی گرل فرینڈ سے مشابہت رکھتی ہے جس کا انتقال ہو چکا ہے۔''

''سمجھ گئی!'' وہ برا سا منہ بنا کر بولی۔

''کیا سمجھ گئیں!''

''آپ میرے بھائی کو بھی کسی معاملے میں الجھانا چاہتے ہیں!''

''خواہ مخواہ۔''

''نہیں کپتان صاحب۔ پلیز.....صاف صاف بتایئے۔''

''ذاتی دلچسپی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں۔''

''میرا بھائی خطرناک ہے۔''

''بے فکر رہئے۔ رقابت مول لینے کا ارادہ نہیں ہے!''

''اس کے بارے میں آپ کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔''

''کیا وہ لیبارٹری میں کام کرتی ہے۔''

''جی نہیں۔ گل صاحب کی گرل فرینڈ ہے۔''

''کہاں رہتی ہے۔''

''نصیر بلڈنگ کے تیرھویں فلیٹ میں۔''

''نصیر بلڈنگ کہاں ہیں۔''

''چیتھم روڈ پر۔''

''شکریہ!'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

''نہیں ابھی تشریف رکھئے! میں بھی کچھ پوچھوں گی۔ کیا یہ اسی رول کا قصہ ہے!''

''آپ بہت ذہین ہیں مس شاداں۔''

''کیا قصہ ہے!''

''میرا خیال ہے کہ قصہ آپ ماریہ سے سن چکی ہیں!''

''اچھا تو پھر.....!''

''راشد کا پروڈکشن منیجر کہتا ہے کہ رول کیمرے ہی سے غائب ہو گیا تھا۔ اس کے گل پروڈکس تک پہنچنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔''

وہ مستفسرانہ نظروں سے حمید کو دیکھتی رہی اور حمید نے خاموشی اختیار کر لی۔

''آپ کہنا کیا چاہتے ہیں!'' شاداں نے تھوڑی دیر بعد پوچھا!

''لیکن ماریہ نے آپ کو اطلاع دی تھی کہ رول لیبارٹری سے غائب ہوا تھا!''

''آپ کو اس کا علم کیونکر ہوا کہ اس نے مجھے کوئی ایسی اطلاع دی تھی!''

''میرا محکمہ مخبروں کی شخصیت ظاہر نہیں کرتا۔''

''خیر.....خیر.....میں سمجھ گئی!''

''کیا سمجھ گئیں۔''

''ماریہ جانتی ہو گی کہ یہ خبر کس نے آپ تک پہنچائی ہے!''

''آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔''

''یہی کہ ماریہ میرے بھائی سے چھٹکارا پانا چاہتی ہے۔''

''آپ بات کو الجھاتی ہی چلی جا رہی ہیں!''

''وہ جانتی ہے کہ سیدھے سادھے طریقوں سے میرے بھائی کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتی۔

''[illegible] دفن کر دے گا۔''

''اچھا تو پھر۔''

''اس نے کسی کو بتانے ہی کے لیے مجھے وہ اطلاع دی تھی تاکہ بات آپ جائے آپ میرے بھائی کو بند کر دیں اور وہ آزاد ہو جائے۔''

''آپ کی دانست میں آپ دونوں کی گفتگو کس نے سنی ہوگی!''

''مجھے علم نہیں۔ بہر حال میرا بھائی خطرے میں ہے۔''

''آپ نے مسٹر گل سے اس کا تذکرہ کیا تھا۔''

''کیوں نہ کرتی۔ معاملہ پولیس کا تھا لیکن گل صاحب نے ماریہ کے بیان کی تردید کا

''یعنی رول ٹیپ تک پہنچا ہی نہیں تھا!''

''جی ہاں۔ انہوں نے ہی بتایا ہے۔''

''تو پھر اس کا یہ مطلب ہوا کہ راشد کے پروڈکشن مینجر کا بیان درست تھا۔''

''کیا آپ اتنی ہی آسانی سے اس پر یقین کر لیں گے۔''

''ظاہر ہے کہ پوری طرح مطمئن ہو جانے سے قبل یقین کر لینے کا سوال ہی نہیں پ

''ماریہ یہی چاہتی ہے۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''وہ اول درجے کی لٹیا ہے۔ گل سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہے۔ اگر وہ ایسے معاملے میں الجھ جائیں تو وہ دوسروں کے ساتھ بھی عیش کر سکے گی۔ ابھی حال ہی میں ایک نیا دوست بنایا ہے۔ فرانسیسی ہے! اس سلسلے میں گل سے جھگڑا بھی ہوا تھا۔''

''کیا اس کے سارے اخراجات مسٹر گل ہی اٹھاتے ہیں۔''

''جی ہاں..... قطعی۔''

''بہر حال وہ رول غائب ہو گیا اور اس سلسلے میں بعض لوگ بہت سنجیدگی سے بول رہے ہیں۔ پتا نہیں وہ راشد کو بچانا چاہتے ہیں یا جہنم میں جھونک دینا چاہتے ہیں۔

''ویلانی سیٹھ سے بھی پوچھ گچھ کی آپ نے۔''

''ہم اپنے طور پر سب کو دیکھ رہے ہیں۔''

''راشد اور شہزاد کو یکجا کرنے کی ذمہ داری اسی پر ہے!''

''ہمیں علم ہے.....''

''لیکن اسے حراست میں نہیں لیا گیا۔''

''ہر مشتبہ آدمی کو حراست میں نہیں لیا جا سکتا!''

''ماریہ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے!''

''آنکھیں کرنجی نہ ہوتیں تو لاجواب ہوتی۔''

''آپ بہت ہنس مکھ ہیں۔ لیکن کرنل فریدی کے تصور سے بھی ہول آتا ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ انہوں نے کسی سے بھی سخت لہجے میں گفتگو نہیں کی تھی!''

''عجیب شخصیت ہے..... بس الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے.....!'' وہ طویل سانس لے کر بولی۔ ''یوں سمجھ لیجئے دلکش بھی ہے اور خوفناک بھی۔ دلکش اس صورت میں کہ ان سے آنکھیں نہ ملنے پائیں۔ آنکھیں ملتے ہی ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دل سینے سے اچھل کر حلق میں آ گیا ہو!''

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں پچھلے سال ایک خاتون کو آنکھیں ملتے ہی قے ہو گئی تھی اور دل حلق کے باہر آ گیا تھا۔''

''میں مذاق نہیں کر رہی..... حقیقت بیان کر رہی ہوں.....!''

''اس فرانسیسی کے بارے میں کچھ بتایئے جس سے ماریہ کی دوستی ہے!''

''نیشنل اسٹوڈیوز میں ساؤنڈ انجینئر ہے۔ والگو نام ہے۔'' اس نے کہا۔

''آپ خواہ مخواہ اتنی دور جا رہے ہیں۔ بس ویلانی سیٹھ کو ٹٹولیے۔ حقیقت سامنے آ جائیگی۔''

''آپ بھی تو شاید کوئی فلم پروڈیوس کرنے والی ہیں.....!''

''جی ہاں! اور میرا دعویٰ ہے کہ باکس آفس ہٹ ہو گی۔''

''موضوع کیا ہے۔''

''پیروڈی۔ چراغ الہ دین کی پیروڈی۔''

''واقعی ہٹ ہو گی کیونکہ قوم کی خوش مزاجی عروج پر پہنچی ہوئی ہے۔''

''بس دشواری یہ ہے کہ انڈسٹری میں کوئی ایسا آدمی موجود نہیں ہے جو چراغ کے جن کا رول ادا کر سکے۔''

''اگر میں فراہم کر دوں تو۔''

''اگر آپ سنجیدگی سے کہہ رہے ہیں تو بیحد مشکور ہوں گی۔''

''ابھی بلواؤں.....؟''

''ضرور.....ضرور.....میں ابھی دو گھنٹے تک آفس میں بیٹھوں گی۔''

''تو پھر میں ابھی آیا۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

گاڑی پر بیٹھ کر وہ اسٹوڈیو سے نکلا چلا گیا پھر ایک ڈرگ اسٹور کے سامنے روکی۔ فریدی کو اپنی اور شاداں کی گفتگو کے بارے میں بتانا چاہتا! لیکن گھر کے نمبروں سے رابطہ قائم نہ ہو سکا! پھر اس نے دوسرے نمبر بھی آزمائے اور فریدی سے رابطہ قائم میں ناکام رہا۔

فریدی کو رپورٹ دیئے بغیر ماریہ کے سلسلے میں کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا لہٰذا کیوں نہ تھوڑی سی تفریح۔

شاداں سے وعدہ کیا تھا کہ اس کی فلم کے لیے ایسا آدمی فراہم کر دے گا جو چراغ جن کا رول ادا کر سکے۔ اس نے فون نمبر پر قاسم کے نمبر ڈائیل کئے۔ تھوڑی سی دیر بعد دوسری طرف سے قاسم ہی کی آواز آئی تھی۔

''کیا کر رہے ہو!'' حمید نے پوچھا۔

''تم سے مطلب!''

''کسی مطلب کے بغیر میں تمہیں کب گھاس ڈالتا ہوں!''

''اچھا اچھا تو جلدی جو کچھ کہنا ہے.....!''

''تم نے ایک بار بتایا تھا کہ تمہیں فلمی اداکارہ شاداں بہت اچھی لگتی ہے۔''

''پچھلے سال کی بات ہے آجکل جمالو اچھی لگ رہی ہے۔''

''میں اس وقت نشو فاز اسٹوڈیوز میں شاداں کے دفتر میں بیٹھا ہوا ہوں۔''

''اور تمہارے والد صاحب!'' قاسم کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔ اشارہ کرنل فریدی کی طرف تھا۔

''ان کا یہاں کیا کام.....!''

''میں پوچھتا ہوں فون قیوں قیا ہے.....!'' قاسم کی دہاڑ سنائی دی۔

''اچھا وقت گزارنا ہو تو نشو فاز میں پہنچ جاؤ۔ آدھے گھنٹے تک تمہارا انتظار یہیں کر سکتا ہوں۔''

''اگر کسی نے گھسنے نہ دیا تو!''

''جس وقت تمہاری رولز رائیس اسٹوڈیوز کے پھاٹک پر پہنچے گی تو چوکیدار بوکھلا کر پھاٹک کھول دے گا۔''

''بے وقوف تو نہیں بنا رہے.....!''

''بیوقوف تو تمہیں گھر بیٹھے بنا سکتا ہوں یہاں بلانے کی کیا ضرورت ہے.....!''

''ہاں سالے پہلے خود ہی بلاؤ گے اور پھر جڑ دو تھپڑ چپاتی بیگم سے!''

''مت آؤ۔''

''ٹھہرو.....ٹھہرو.....! اسٹوڈیو میں تمہیں کہاں تلاش کروں گا۔''

''جس سے بھی پوچھو گے دلشاد پروڈکشنز کے دفتر تک پہنچا دے گا۔''

''کون پروڈکشنز۔''

''دلشاد پروڈکشنز کا دفتر۔ شاداں کے فلم یونٹ کا نام ہے۔''

''اچھا میں آ رہا ہوں۔''

''جتنی جلد ممکن ہو۔''

''اے تو قیا ٹیلی فون ہی پر بیٹھ کر چلا آؤں۔''

حمید نے ریسور کریڈل پر رکھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی گاڑی پھر اسٹوڈیو کی طرف واپس جا رہی تھی۔ شاداں اپنے آفس ہی میں ملی۔ حمید کو دیکھ کر ہنس پڑی لیکن حمید اس ہنسی کا مطلب نہ سمجھ سکا۔

''یہ اظہار مسرت کس سلسلے میں تھا۔'' حمید نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

''میں سمجھی تھی شاید آپ واپس نہیں آئیں گے۔''

''واپس کیوں نہ آتا۔''

''میرا خیال تھا شاید آپ ماریہ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے۔''

''ہونا تو یہی چاہئے تھا لیکن آپ کے لیے چراغ والا جن فراہم کر دینے کا وعدہ کر چکا ہوں۔''

''کافی پئیں گے؟''

''شکریہ.....!''

شاداں نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ ایک لڑکا آفس میں داخل ہوا۔ اس سے کافی لانے کے لیے کہا اور اس کے چلے جانے کے بعد حمید سے بولی۔

''آپ پولیس والے نہیں لگتے۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''آپ کی آنکھیں بہت خوبصورت ہیں۔ سچ کہتی ہوں رانجھا کے رول میں جواب نہ ہوگا.....!''

''کیا مجھے اس پر خوش ہونا چاہئے.....!''

''میں نے سنا ہے کہ آپ کو عورتیں گھیرے رہتی ہیں.....!''

''بیوقوف سمجھتی ہیں۔''

''میں تو نہیں سمجھتی۔''

''بہت بہت شکریہ۔''

''شہزاد نہ مرتا تو آپ سے ملاقات بھی نہ ہوتی۔''

''مجھے بیحد افسوس ہے آپ دونوں گہرے دوست تھے!''

''جی ہاں۔'' وہ طویل سانس لے کر بولی اور کسی قدر مغموم نظر آنے لگی۔

''انڈسٹری ایک اچھے اداکار سے محروم ہوگئی.....ویسے راشد کی بیوی کا کیا قصہ۔

''اچھی عورت نہیں تھی۔ یہ غلط ہے کہ شہزاد نے اسے ورغلایا تھا۔ وہ خود اس پر تھی۔ راشد سے طلاق لے کر کچھ دن شہزاد کے ساتھ رہی پھر اسے بھی چھوڑ گئی۔

''اور راشد شہزاد کا دشمن ہوگیا۔''

''فطری بات ہے۔'' شاداں نے کہا اور پھر چونک کر بولی۔ ''آپکا وہ جن کب آئے'' حمید نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ ''بس آ ہی رہا ہوگا.....اور ہاں.....یہ بھی بتا کہ وہ جتنا لمبا چوڑا ہے اتنا ہی مالدار بھی ہے.....!''

''پھر کیوں وہ اس پر راضی ہونے لگا۔''

''راضی کرنا میرا کام ہے.....!''

''آخر ہے کون؟''

''بیحد دولتمند گھرانے کا واحد چشم و چراغ ہے۔ عاصم ملٹی انڈسٹریز کے سیٹھ عاصم کا نام تو سنا ہی ہوگا آپ نے.....!''

''کیوں نہیں۔''

''انہی کے فرزند ارجمند ہیں مسٹر قاسم۔''

''میں نے ان کے بارے میں سنا ہے لیکن آج تک دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ اس پر تیار ہو جائیں گے۔''

''کوشش کی جائے گی۔ ماں بچپن ہی میں مرگئی تھی۔ اس لیے پیار کا بھوکا ہے۔''

''شادی شدہ ہیں.....!''

''شدہ بھی ہے اور غیر شدہ بھی۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''بیوی اتنی خائف رہتی ہے کہ پاس بھی نہیں پھٹکنے دیتی۔''

''اوہ.....اچھا.....اچھا.....!'' کہہ کر وہ نچلے ہونٹ پر زبان پھیرنے لگی۔

اتنے میں لڑکا کافی کی ٹرے اٹھائے ہوئے آفس میں داخل ہوا۔

''ادھر لاؤ۔ میں خود بنالوں گی۔'' شاداں نے اس سے کہا۔

لڑکا کافی کی ٹرے رکھ کر باہر چلا گیا۔

ٹھیک اسی وقت آواز آئی۔ ''کیپٹن حمید اندر ہیں.....!''

''آ گیا۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔ ''میں اسے لا رہا ہوں۔''

قاسم راہداری میں ہونقوں کی طرح منہ اٹھائے کھڑا تھا اور تھوڑے ہی فاصلے پر کچھ لوگ کھڑے اسے اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے وہ کسی دوسرے سیارے کی مخلوق ہو.....حمید نے اس کا ہاتھ پکڑا اور آہستہ سے بولا۔ ''ذرا طبیعت کو قابو میں رکھنا۔''

قاسم تھوک نگل کر رہ گیا.....شاداں نے اٹھ کر اس کا استقبال کیا تھا اور حیرت سے پلکیں جھپکاتی رہ گئی تھی۔

''یہ مس شاداں ہیں اور آپ مسٹر قاسم.....!'' حمید نے تعارف کرایا۔ شاداں مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ قاسم کی سانس پھول رہی تھی پتا نہیں کس طرح اس سے مصافحہ کیا تھا۔

''بڑے خوبیوں کے آدمی ہیں!'' حمید نے شاداں سے کہا۔

''تشریف رکھیے جناب.....!''

قاسم پتا نہیں کس مشکل سے بیٹھ سکا تھا۔ شاداں نے لڑکے کو آواز دے کر ایک اور لانے کو کہا۔

''قاسم صاحب بہت مخلص آدمی ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''ارے ہی ہی ہی میں کیا.....!'' قاسم نے انکساری کا اظہار کرتے ہوئے ''آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی جناب!'' شاداں نے کہا۔ وہ اب بھی اس تن وتوش کو حیرت سے دیکھے جا رہی تھی۔

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور اس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔ تھوڑی دیر تک سنتی رہی بولی۔ ''اس وقت نہیں مل سکتی۔ مصروف ہوں۔ کل دس بجے صبح آیئے گا..... مجھے افسوس ہے'' ریسیور کریڈل پر رکھتی ہوئی بڑبڑائی۔ ''صورت نہ شکل بھاڑ سے نکل۔''

حمید سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ دونوں کی نظریں ملیں اور شاداں نے کہا۔ ''ایک صاحب کے بھتیجے فلم میں رول چاہتے ہیں۔ صبح شام بور کرتے ہیں کہ کسی سے سفارش کر دوں ''کر دیجیے سفارش۔''

''آڈیشن اور اسکرین ٹسٹ میں ناکام ہو چکے ہیں۔''

لڑکا تیسری پیالی لایا اور وہ کافی انڈیلنے لگی۔ حمید نے قاسم کو آنکھ ماری وہ گڑبڑا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

''آپ تو بہت مصروف رہتے ہوں گے!'' دفعتاً شاداں نے قاسم سے پوچھا۔

''جی ہاں.....!''

''آپ کے تو کئی آفس ہیں۔ کس آفس میں بیٹھتے ہیں.....!''

''قسمی میں بھی نہیں.....مم۔ میں تو گھر میں مصروف رہتا ہوں۔''

''گھر میں کیا مصروفیت ہوتی ہے؟''

''بس لیٹا رہتا ہوں.....!''

''بڑی عظیم الشان مصروفیت ہے!'' وہ مسکرا کر بولی۔

''کیا خیال ہے آپ کا.....!'' حمید نے شاداں سے پوچھا۔

''لاجواب.....! لیکن محنت کرنی پڑے گی.....!''

''اس کی فکر نہ کیجیے۔ محنت تو میں کروں گا۔''

''لیکن یہ تیار بھی ہو جائیں گے۔''

''یہ بھی مجھ پر چھوڑ دیجیے۔''

''بہرحال میں تیار ہوں۔'' شاداں نے کہا۔

قاسم ہونقوں کی طرح منہ کھولے دونوں کی شکلیں تکے جا رہا تھا۔

دفعتہً کھنکار کر بولا۔ ''تم نے مجھے کیوں بلایا تھا۔''

''میں نے ان سے تذکرہ کیا تھا کہ تم بہت اچھے پامسٹ ہو!'' حمید نے کہا۔

''مم.....میں!'' قاسم تھوک نگل کر رہ گیا۔

''بہتر ہے کہ تم انگلش میں گفتگو کرو.....میری ہی طرح تمہاری اردو بھی اچھی نہیں ہے۔'' حمید نے قاسم کا شانہ تھپک کر کہا۔ ''شاداں بھی روانی سے انگلش بول سکتی ہیں۔''

''یہ بہت اچھی بات ہے!'' قاسم نے انگلش میں کہا۔

''ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ تم مس شاداں کا ہاتھ دیکھ کر بتاؤ کہ بحیثیت فلم پروڈیوسر یہ کیسی رہیں گی.....!'' حمید بولا۔

قاسم کی شکل سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے دل ہی دل میں حمید کو گندی گندی گالیاں دے رہا ہو۔ اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ پامسٹری کس چڑیا کا نام ہے۔ وہ تو بس اتنا جانتا تھا کہ اس کے ہاتھ میں شادی کی دوسری لکیر نہیں ہے۔''

اتنے میں آفس بوائے نے اندر آ کر شاداں سے آہستہ آہستہ کچھ کہا اور وہ اٹھتی ہوئی بولی۔ ''معاف کیجیے گا۔ میں ابھی آئی۔''

وہ چلی گئی اور قاسم حمید کا شانہ دبوچ کر غرایا۔ ''بیٹا بتاؤ کیا چکر ہے۔''

''تفریح.....!''

''مگر میں تو مارا گیا.....میں کیا جانوں پامسٹری وامسٹری۔''

''اس کا خوبصورت ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر ہولے ہولے سہلاتے جانا اور پٹا نگ ہانکتے رہنا۔''

''مجھ سے نہیں بنے گا۔''

''تو جہنم میں جاؤ۔''

''یہ قیا بات ہوئی!'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔''میں تو دوڑا آیا اور اب یہ کہہ ہو.....سالہ زاد خالی کو چھوڑ کر آیا ہوں!''

''یہ کیا ہوتی ہے.....!''

''اوہ۔ یہ اردو واقعی کباڑا کرتی ہے۔ میرا مطلب تھا خالہ زاد سالی.....!''

''اس بیچاری نے اطمینان کی سانس لی ہوگی۔''

''پھر فجول باتیں کرنے لگے۔ اس نے ہاتھ دکھایا تو قیا بتاؤں گا۔''

''کہہ دینا بحیثیت فلمساز اس کا مستقبل شاندار ہوگا۔''

''اس کے بعد.....!''

''مرغا بن کر بانگ دینا۔''

''دیکھو سالے اچھا نہیں ہوگا۔''

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ شاداں واپس آ گئی اور معذرت طلب کرتی ہوئی بولی۔ فوراً گھر پہنچنا ہے۔ خالہ جان کی طبیعت بہت خراب ہوگئی۔ مسٹر قاسم سے تو اب ملاقات ہوتی رہیں گی۔ کیوں مسٹر قاسم.....!''

''جرور۔ جرور.....!''

''اور کیپٹن آپ بھی کرم فرماتے رہیں گے۔''

''فرصت کے اوقات میں۔ بہت مصروف آدمی ہوں۔'' حمید بولا۔

سارے جوش وخروش پر پانی پڑ گیا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں لان پر کھڑے ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔

''میری رات چوپٹ ہوگئی!'' قاسم کہہ رہا تھا۔''وہ بھی چلی گئی ہوگی.....اب میں قیا قروں سالے.....!''

''ٹھیک صبح دس بجے شاداں کا دفتر کھلتا ہے تم پونے دس بجے یہاں پہنچ جانا۔'' حمید نے کہا اور اپنی کار کی طرف بڑھنے لگا لیکن قاسم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''یہ کیا کر رہے ہو!'' حمید بگڑ کر بولا۔

''تمہاری پامسٹری کھود دوں گا۔''

''ہاتھ چھوڑ دو ورنہ یہاں تمہاری بے عزتی بھی ہوسکتی ہے۔''

''اور قیا ہوگا۔ تمہاری صحبت میں۔ میں کچھ نہیں جانتا اور تمہیں لے چلو!''

''چلو تمہارے سسرال چلتے ہیں!''

''غصہ نہ دلاؤ کیپٹن حمید!''

''تم نے قصہ حاتم طائی پڑھا ہے۔''

''پڑھا ہے.....!'' قاسم جھلا کر بولا۔

''اور بغداد کا چور.....!''

''اس کی والدہ بھی پڑھی ہے! تم اپنا مطلب بیان کرو۔''

''مطلب صاف ہے۔ شاداں نے تمہیں پسند کرلیا ہے۔''

''اور پسند کر کے چلی گئی۔'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

دفعتاً ایک آدمی تیزی سے ان کی طرف آتا دکھائی دیا۔ قریب پہنچنے پر حمید نے اسے پہچانا۔ مینیجر کے دفتر کا چپڑاسی تھا۔

''مینیجر صاحب کہہ رہے تھے کہ فون پر آپ کی کال ہے جناب!'' اس نے حمید سے کہا۔

''اچھا.....اچھا.....تم چلو میں آ رہا ہوں!'' اس نے چپراسی سے کہا اور اس کے چلے جانے کے بعد قاسم سے بولا۔''اب تم گھر جاؤ۔ ورنہ یہاں تمہارے گرد بھیڑ لگ جائے گی۔''

''تم سالے مجھ سے پیچھا نہیں چھڑا سکتے۔''

''اچھی بات ہے تو کھڑے رہو۔ میں کال اٹنڈ کر کے آتا ہوں۔''

وہ چپڑاسی کے ساتھ مینیجر کے دفتر میں آیا۔ کال فریدی کی تھی۔ اس نے اسے فوراً گھر

پہنچنے کی تاکید کرتے ہوئے کہا۔ ''اس مسئلے پر اب کسی سے مزید پوچھ گچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

حمید نے ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے طویل سانس لی اور سوچنے لگا کہ شاید ایک نیا گل کھلا ہے۔ باہر نکلا تو قاسم شکاری کتے کی طرح گھات میں نظر آیا۔

''کہاں چلے.....!'' جلے تن عورتوں کے سے انداز میں ہاتھ نچا کر بولا۔

''بس چپ چاپ میرے پیچھے چلے آؤ۔ دوسری جگہ چل رہے ہیں!'' حمید نے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

قاسم نے کچھ بدبداتے ہوئی اپنی گاڑی سنبھالی اور حمید کی گاڑی کے پیچھے چل پڑا

''تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ رول حقیقتاً لیبارٹری ہی سے غائب ہوا ہے۔'' فریدی ٹہلتے ٹہلتے رک کر کہا۔

''جی ہاں!'' حمید سنی ان سنی کر کے بولا۔ کیونکہ اس کے ذہن پر تو قاسم سوار تھا۔ کے باہر ہی اس نے گاڑی روک کر حمید کو دھمکی دی تھی کہ وہ وہیں رکا رہے گا اور بار بار بجائے گا اگر وہ واپس نہ آیا۔

''تم کیا سوچ رہے ہو.....!'' فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

''یہی کہ کہیں وہ رول ماریہ کے قبضے میں نہ ہو۔''

''اس خیال کی وجہ۔''

''شاداں کے خیال کے مطابق وہ شاید رحیم گل سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہے اور صورت میں ممکن ہوگا کہ رحیم گل کسی بڑی الجھن میں پڑ جائے۔''

فریدی نے ایش ٹرے سے بجھا ہوا سگار اٹھایا اور اسے دوبارہ سلگانے لگا۔

اس کی آنکھیں گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔

مبارک علی کی لاش کے پوسٹ مارٹم اور پانی کے تجزیے کی رپورٹیں آ گئی ہیں۔''

''کیا رہی.....!''

''پانی میں زہر کی آمیزش ثابت نہیں ہو سکی لیکن مبارک کی موت کا باعث زہر بنا تھا

41

''تو پھر وہاں پہنچنے سے پہلے ہی اسے زہر دیا گیا ہوگا۔''

''زہر انجکشن کے ذریعے اس کے جسم میں پہنچایا گیا تھا۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا۔''

''کیا سمجھ میں آتا۔''

''راشد وغیرہ اتنے منظم نہیں ہو سکتے!''

''ویٹ ازدی یوانٹ!'' فریدی انگلی اٹھا کر بولا۔ ''اس لیے رول کی بازیابی بے حد ضروری ہے۔''

''لیکن کیسے۔''

''ہو سکتا ہے! شاداں کا خیال صحیح ہو۔ ماریہ نے محض اس لیے وہ رول غائب کر دیا ہو کہ کے پرنس کا مطالبہ پولیس نے کیا تھا۔ اس طرح وہ رحیم گل کو دشواری میں ڈال سکتی ہے۔''

''تو پھر اب کیا کریں گے۔''

''ماریہ کو چیک کرنا ضروری ہے۔''

''میں تو سمجھا تھا کہ آپ چیک کر چکے ہوں گے کیونکہ میں نے فون پر آپ کو اس کا پتہ دیا تھا۔''

''میں تمہاری دوسری رپورٹ کا منتظر تھا۔''

''میں نے کوشش کی تھی لیکن آپ سے کسی بھی نمبر پر رابطہ قائم نہیں ہو سکا تھا۔''

''اچھا۔ اٹھو!''

''مجھے نہ لے جائیے۔''

''کیا مطلب۔''

''پھاٹک پر ایک بہت بری مصیبت میری منتظر ہے۔''

''کیا بکواس ہے۔''

''بکواس نہیں حقیقت ہے۔ ساڑھے سات فٹ لمبی اور سوا تین فٹ چوڑی مصیبت ہے۔''

''قاسم.....؟''

''جی ہاں.....!''

"میں نے تمہیں کئی بار منع کیا ہے کہ کام کے اوقات میں اس سے چھیڑ چھاڑ مت
"میں کیا کرتا محبت نے اسٹوڈیو میں داخل ہوتے ہی مجھے لیا تھا۔ اسے دیکھ
نے کہا مجھے اپنی فلم کے لیے ایک جس کی تلاش تھی۔"
"ختم کرو۔" فریدی ماتھے پر بل ڈالتا ہوا بولا۔ "دس منٹ میں تیار ہو جاؤ۔" باہر
ہارن دینے جا رہا تھا۔
تھوڑی دیر بعد جب اس کی کار پھاٹک سے نکل رہی تھی۔ حمید نے کار
لائٹ جلا دی۔
"یہ کیا کر رہے ہو؟" فریدی بولا۔
"آپ کو کار میں اکیلا چھوڑ کر پیچھے نہیں آئے گا۔"
"مجھے اپنے تعلقات سے بہت وحشت ہوتی ہے جو کاموں میں حارج ہونے لگیں
نے ناخوشگوار لہجے میں کہا اور گاڑی پھاٹک سے نکلی چلی گئی وہ خود ہی ڈرائیو کر رہا
حمید کی نظر عقب نما آئینے پر تھی۔ قاسم کی گاڑی کو بھی حرکت میں آتے دیکھ
شاید بری طرح شک کیا تھا۔ فریدی کو بھی نظر انداز کر دینے کا یہی مطلب ہو سکتا تھا
فریدی نے شاید اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی یا پھر خود بھی اسے نظر انداز کر دینا
"خیر بلند تو تھے۔" حمید نے کہا۔
"ہوں۔" فریدی نے ونڈ سکرین پر نظر جمائے ہوئے طویل سانس لی۔
"آپ نے مجھے رحیم گل سے الجھنے سے کیوں منع کر دیا تھا؟"
"بیہودہ آدمی ہے۔"
"اور الجھنا ہی پڑتا۔"
"دیکھا جائے گا۔ ہاں وہ تنہا ہی رہتی ہے؟"
"جی ہاں۔ نوکر انہوں نے یہی بتایا تھا۔" حمید نے کہا اور پھر عقب نما آئینے
دیکھا۔ قاسم نے پیچھا نہیں چھوڑا تھا روشنی میں اس کا چہرہ صاف نظر آ رہا تھا۔
خیر بلند تک سے کچھ پہلے پہنچ کر فریدی نے گاڑی روک دی۔ رات کے نو
سڑک پر ٹریفک کی بھیڑ کم ہو گئی تھی۔ حمید نے مڑ کر دیکھا۔ قاسم نے بھی تھوڑے

اپنی گاڑی روکی تھی۔ وہ دونوں کار سے اترے لیکن قاسم اپنی گاڑی میں بیٹھا انہیں گھورتا
رہا۔ فریدی اس کی طرف توجہ دیئے بغیر آگے بڑھ گیا تھا۔ حمید نے بھی مڑ کر دیکھنا مناسب نہ
سمجھا فریدی کے پیچھے سر جھکائے چلتا رہا۔
ماریہ کے فلیٹ کے قریب پہنچ کر فریدی نے حمید سے کہا۔ "تم اسے اپنا کارڈ دو گے اور
گفتگو بھی خود ہی کرو گے۔"
"میں نے اسے دیکھا نہیں ہے۔ پتا نہیں موضوع گفتگو میری دسترس میں بھی سکے گی یا نہیں؟"
"کیا مطلب۔"
"اگر بہت زیادہ خوبصورت ہوئی تو غزل بھی ہو سکتی ہے۔"
"بکو مت۔"
فریدی نے فلیٹ کے دروازے پر رک کر کال بیل کا بٹن دبایا۔ اندر سے گھنٹی کی آواز
آئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد قدموں کی چاپ بھی سنائی دی اور دروازہ کھل گیا۔ وہ نارنجی رنگ کے
نیپلکن گاؤن میں بڑی دلکش لگ رہی تھی۔
حمید نے اپنا کارڈ اسکی بڑھاتے ہوئے کہا۔ "وقت تکلیف دہی کی معافی چاہتے ہیں۔"
"وہ کارڈ دیکھ کر سکائی۔ للل۔ لیکن۔ کیوں؟"
"کوئی پریشانی کی بات نہیں بس تھوڑی سی گفتگو ہے کی۔" حمید بولا۔
"آیئے۔ آیئے۔" وہ پیچھے ہٹتی ہوئی بولی۔
سٹنگ روم میں سلیقے سے سجایا گیا تھا۔ اس نے ان سے بیٹھنے کو کہا اور خود مجسم سوال
بنی کھڑی رہی۔
"آپ بھی تشریف رکھیے۔" حمید نے کہا۔
"جی۔ جی ہاں۔ فرمایئے۔" وہ ایک اسٹول پر ٹکتی ہوئی بولی۔
"قصہ اس رول کا ہے جو گل پروس سے غائب ہو گیا تھا۔"
"کیا قصہ ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔
"وہ تو ہم آپ سے سننے آئے ہیں۔ آپ کو کس سے معلوم ہوا تھا کہ رول غائب ہو گیا ہے۔"
"پتا نہیں آپ کس رول کی بات کر رہے ہیں؟"

''وہی جو پولیس کو مطلوب تھا۔''

میں ایسے کسی رول کے بارے میں کچھ نہیں جانتی .....!''

''یہ اس رول کی بات ہے جس کی کمشدگی کی اطلاع آپ نے شاداں کو دی تھی۔''

''میں نے تو اسے ایسی کوئی اطلاع نہیں دی تھی۔''

''ایک اور شاہد بھی ہے!'' فریدی بولا اور وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی پھر جلدی سے اس کے چہرے سے نظر ہٹا کر بولی۔ ''میں ایسے کسی معاملے سے بالکل لاعلم ہوں۔''

''اس نے آپ دونوں کی گفتگو سنی تھی اور خود شاداں بھی اعتراف کر چکی ہے کہ آپ نے اسے اطلاع دی تھی۔''

''اگر یہ بات ہے تو'' وہ طویل سانس لے کر رہ گئی۔ پھر اٹھتی ہوئی بولی۔ ''مجھ سے بڑی غلطی ہوئی ہے۔ گل مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا!''

''پولیس آپ کی حفاظت کرے گی۔'' حمید بولا۔

''میں نہیں جانتی تھی کہ شاداں.....!''

''شاداں کا کوئی قصور نہیں۔ ایک تیسرے آدمی نے بھی آپ دونوں کی گفتگو اتفاقاً سن لی تھی۔''

''وہ کون ہے؟''

''فی الحال ہم اس کا نام ظاہر نہیں کر سکتے!''

''خیر مجھے اس سے کیا سروکار۔ لیکن کیا شاداں نے اس کا اعتراف کر لیا ہے کہ یہ میں نے اسے بتائی تھی۔''

''ظاہر ہے۔ ورنہ ہم یہاں کیوں آتے۔''

''اور وہ اس سلسلے میں اپنا ایک ذاتی نظریہ بھی رکھتی ہے!'' فریدی نے کہا۔

''وہ کیا ہے؟''

''اس کا خیال ہے کہ رول آپ ہی نے غائب کیا ہے!''

وہ چند لمحے خاموش رہی۔ لیکن پھر بولی نہیں۔ تھوڑی دیر بعد بدقت کہا۔ ''میں کیوں غائب کرنے لگی۔''

''اس کا خیال ہے کہ اس طرح آپ رحیم کل سے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتی ہیں!''

''خدا کی پناہ! میں تصور بھی نہیں کر سکتی ..... ٹھہریئے..... میں ذرا باتھ روم تک جاؤں گی..... پھر تفصیل سے بتاؤں گی۔ یہ بڑے چھچھورے لوگ ہیں۔''

''اچھا..... اچھا.....!''

وہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

حمید محسوس کر رہا تھا کہ خود اس نے گفتگو کا آغاز مناسب طور پر نہیں کیا تھا۔ فریدی کی آنکھوں میں بھی اس نے بے اطمینانی کے آثار دیکھے تھے۔

کئی منٹ گذر گئے لیکن وہ واپس نہ آئی۔ فریدی نے حمید کی طرف دیکھا اور وہ شانے سکوڑ کر رہ گیا۔

''میرا خیال ہے کہ وہ اب فلیٹ میں موجود نہیں ہے۔'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ حمید بھی اٹھا۔ دونوں اسی دروازے سے گزرے جس سے ماریہ گزر کر فلیٹ کے دوسرے حصے میں گئی تھی۔ لیکن چار کمروں کے اس فلیٹ میں وہ کہیں نہ ملی۔ باتھ روم بھی خالی تھا۔ پھر انہوں نے آخری دروازہ کھولا۔ یہ دوبارہ بولت نہیں تھا اور پھر وہ اس طویل مالکنی میں نکل آئے جو اس عمارت کے عقبی حصے میں ایک سرے سے دوسرے تک پھیلی ہوئی تھی اور دونوں سروں پر چبوترے بھی تھے۔

''نکل گئی!'' حمید بڑبڑایا اور فریدی بولا۔ ''شاید اسے خدشہ تھا کہ کہیں ہم خانہ تلاشی نہ لے بیٹھیں۔ اس طرح نکل جانے کا یہی مطلب ہوا کہ رول اس وقت بھی یہیں اس کے پاس موجود تھا۔''

''تو پھر جلدی پیچھا کیجئے نا.....!'' حمید بولا۔

''پتا نہیں کہاں پہنچی ہوگی اتنی دیر بعد۔'' فریدی نے کہا اور جیب سے سگار نکال کر اس کا سرا توڑنے لگا۔

وہ پھر فلیٹ کے اندر واپس آ گئے اور فریدی سگار سلگا کر بولا۔ ''اب یہاں سے نکل چلو۔''

''کل چوبارہ ہے آخری چھت سے نیچے چھلانگ لگا دوں۔'' حمید نے کہا۔

''وہ اس خوشی میں!''

''ہمیں جیل سے نکال لی!''

''کوئی خاص بات نہیں۔ مارما ایسا ہوا ہے۔''

وہ فرسٹ فلور سے لیفٹ لے اور کاری میں بیٹھ گئے۔ حمید نے مڑ کر دیکھا۔ قاسم کی کار نہیں تھی۔

اس نے بری چھتری سے لباس تبدیل کیا اور بیڈروم کے ایک گوشے سے چھوٹا سا سوٹ کیس اٹھا کر فلیٹ سے متصل حصے والی گیلری میں نکل آئی۔ پھر چکر دار زینے طے کر کے نیچے اور گلی سے گزرتی ہوئی سڑک پر پہنچ گئی۔ گلی کے سامنے ہی ایک شاندار رولز رائیس اسٹارٹ ہوئی تھی اور شاید حرکت میں آنے والی تھی کہ وہ جھپٹ کر اس کے قریب پہنچی اور ڈرائیو کرنے والے سے گھگھیا کر بولی۔ ''مجھے لفٹ چاہئے پلیز۔''

''ضرور۔ ضرور!'' وہ بوکھلا کر بولا اور ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھول دیا۔ وہ اس کے قریب بیٹھ تو گئی لیکن کار کے رفتار پکڑ لینے کے بعد ہی اس کی طرف توجہ دے سکی تھی۔ جسامت دیکھ کر حواس باختہ ہو گئی۔

''قدھر چلنا ہے!'' دیو پیکر آدمی نے پوچھا۔

''فی الحال سیدھے ہی!'' وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

''وہ سر ہلا کر رہ گیا کچھ بولا نہیں۔ کار راستہ طے کرتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد ماریہ نے پوچھا۔'' آپ کو کدھر جانا ہے۔''

''جدھر آپ کہیں۔'' قاسم نے انگلش میں کہا۔ مصلحتاً انگلش ہی میں گفتگو کرنا چاہتا تھا۔

''یہ کیا بات ہوئی۔ میں کوئی فلرٹ نہیں ہوں۔ ضرورتاً آپ سے لفٹ لی ہے۔'' ماریہ نے کسی قدر تر شروئی سے کہا۔

''میں بھی بدمعاش نہیں ہوں۔'' قاسم جلدی سے بولا۔ ''مطلب یہ تھا کہ جہاں آپ کہیں گی پہنچا دوں گا۔''

''شکریہ۔ بس سیدھے ہی چلتے رہئے۔'' ماریہ نے کہا اور گود میں رکھے ہوئے سوٹ کیس کو کھولنے لگی۔ اس طرح کھول رہی تھی کہ قاسم کو خبر نہ ہونے پائے۔ پھر ہاتھ سوٹ کیس کے اندر کچھ تلاش کرنے لگا۔ انگلیاں پستول سے مس ہوئیں اور وہ اس کے دستے

ہاتھ میں لے کر بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔

قاسم خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کتراتے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''اب سیدھے ہی چلتے رہے تو ہم شہر سے باہر نکل جائیں گے۔''

''کوئی حرج نہیں!'' کہتے ہوئے ماریہ نے پستول کی نال اس کے بائیں پہلو سے لگا دی پھر بولی۔ ''یہ پستول ہے۔۔۔!''

''مگر کیوں۔۔۔؟'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''خاموشی سے چلتے رہو۔'' اس نے پستول کی نال کا دباؤ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''میں سمجھ گیا۔'' قاسم ہنس کر بولا۔

''کیا سمجھ گئے۔''

''شہر کے باہر تمہارے آدمی موجود ہوں گے اور وہ مجھے لوٹ لیں گے۔ لیکن کیا ہے۔ میرے پاس میں سو روپے ہیں کہو تو یہیں نکال کر دے دوں زیادہ بڑھانے کی ضرورت ہے۔۔۔!''

''تم غلط سمجھے ہو۔ میں ڈاکو نہیں ہوں۔''

''پھر یہ پستول کیوں؟''

''اس میں تمہیں اپنی مرضی کا پابند رکھنا چاہتی ہوں۔''

''ویسے بھی رکھ سکتی ہو۔ میں عورتوں کی بہت عزت کرتا ہوں۔ جہاں لے جانا چاہو جا سکتی ہو۔ سو میل۔ دو سو میل..... چار سو میل۔ دس گیلن پٹرول ڈگی میں بھی موجود ہے۔ ختم ہو جائے گا۔ تو اور خریدا جا سکتا ہے۔۔۔!''

''تم کیا کرتے ہو؟''

''لینڈ رہتا ہوں۔۔۔!''

''یعنی کچھ نہیں کرتے۔۔۔۔!''

''یہی بات ہے۔''

''پھر یہ رولز کہاں سے آئی۔۔۔۔!''

''میرے باپ نے خرید کر دی ہے۔۔۔!''

''اوہو۔ باپ کیا کرتے ہیں.....!''

''عاصم ملی انڈسٹریز کے مالک ہیں۔!''

''ارے..... اوہ..... میں سمجھ گئی۔ تم قاسم ہو..... میں نے تمہارے متعلق سن رکھا تھا!'' اس نے کہا اور پستول ہٹاتی ہوئی بولی۔ ''واقعی پستول کی کیا ضرورت ہے۔''

''یہی تو میں بھی کہہ رہا تھا۔''

''اپنے رویے کی معافی چاہتی ہوں.....''

''کوئی بات نہیں۔ میں ہر بات فوراً بھول جاتا ہوں۔ لیکن تم شہر کے باہر کیا کر رہی ہو۔''

''جنگل میں رہوں گی۔ شہر کے لوگوں سے تنگ آ گئی ہوں۔''

''کیا کوئی پریشان کرتا ہے!'' قاسم نے سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔

''ہاں..... تم ٹھیک سمجھے۔''

''مجھے بتاؤ ٹانگیں چیر کر پھینک دوں گا۔''

وہ طویل سانس لے کر رہ گئی۔

''نہیں..... واقعی مجھے بتاؤ۔ اگر وہ آدمی بھی ہوں تو..... دیکھ لوں گا۔''

''دراصل مجھ پر دیوانگی طاری ہو جاتی ہے جب میں آدمی کے کمینہ پن پر غور کرتی ہوں۔''

''میں نہیں سمجھا!''

''اسی دیوانگی میں گھر سے نکل آئی ہوں۔ اب ادھر کا رخ نہیں کروں گی۔ جنگلی جانوروں کی۔ یہ بہتر ہے کہ مجھے جنگلی جانور کھا کر اپنا پیٹ بھریں لیکن میں آدمی کا شکار نہیں ہونے دوں گی۔''

''ارے نہیں جنگل میں کہاں رہیں گی۔''

''پھر کہاں جاؤں..... اپنا گھر تو چھوڑ چکی ہوں!''

''کوئی عزیز رشتے دار.....!''

''کوئی بھی نہیں ہے۔ میں یورپین ہوں۔ یورپ سے مجھے نفرت ہے۔ مجھے سمجھا جاتے ہیں۔ یہ تم انگلش میں باتیں کیوں کرنے لگے۔ اوہ ہاں۔ مجھے نفرت ہے۔ اردو سے پیار ہے۔''

''اچھا۔ اچھا اردو بولوں گا۔ لیکن میری زندگی میں تم جنگل میں نہیں رہ سکتیں!''

''نہیں نہیں۔ تم بھی مرد ہو۔ آدمی ہو۔ خالص ایشین ہو۔''

قاسم زور سے ہنسا اور بازو کر بولا! ''اگر میں مرد ہوتا تو گھر سے کیوں بھاگا بھاگا پھرتا!''

''میں نہیں سمجھی۔''

''لوگ کہتے ہیں کہ میں صرف ایک پہاڑ ہوں گوشت کا۔''

''سارے مرد ایسی ہی مکاری کی باتیں کرتے ہیں۔''

''اچھی بات ہے تو پھر میں بھی تمہارے ساتھ جنگل میں رہ کر جنگلی جانوروں سے تمہاری حفاظت کروں گا۔''

''نہیں میں وہاں تنہا رہوں گی۔''

''بالکل نہیں۔ اس معاملے میں تمہارا پستول بھی مجھے نہیں ڈرا سکے گا۔''

''ضد نہ کرو۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔''

''ناممکن ہے مس۔''

''میرا نام ماریہ ہے۔''

''اردو میں بڑا خوفناک نام ہے!''

''میں نہیں سمجھی۔''

''مار شاید سانپ کو کہتے ہیں..... اس لیے ماریہ سانپ کی مونث ہوئی۔''

''مجھ سے تیار رہنا۔ میں لیتی ہوں۔''

''جان سے مار دو۔ پروا نہیں۔ لیکن میں تمہیں جنگل میں نہیں جانے دوں گا۔'' قاسم نے خلوص سے کہا۔

''پتہ نہیں کیوں میرا دل چاہتا ہے کہ تم پر اعتماد کر لوں۔ اس بھری پوری دنیا میں تم پہلے آدمی نکلے ہو جس کی باتوں سے خلوص بو آ رہی ہے۔''

''ہمیشہ آتی رہے گی۔''

''اچھا تو پھر تم مجھے جہاں لے جانا چاہتے ہو.....''

''ایک اچھی جگہ پر لے جاتا ہوں۔ جس میں دل چاہے قیام کرنا۔''

لیکن میں بالکل مفلس ہوں۔ تھیلے میں صرف ایک چھوٹا سوٹ کیس اٹھا کر نکل کھڑی ہوئی ہوں۔

''کیا گھر پر اور کوئی نہیں ہے۔''

''کوئی بھی نہیں ہے۔ بالکل تنہا ہوں اس دنیا میں۔''

''بالکل پروا مت کرو۔ ڈھائی ہزار روپے اس وقت میری جیب میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ بھی جتنا چاہو مہیا کیا جا سکتا ہے۔''

''لیکن تم مجھے اپنے گھر کیوں نہیں لے جاتے۔''

''وہاں میری بدقسمتی بھی رہتی ہے۔ وہ بدقسمتا کو مطلع کر دے گی۔''

''بدقسمتی بدقسمتا میں نہیں سمجھی۔''

''بیوی بدقسمتی ہے اور باپ بدقسمتا۔ وہ اسے فون کر دے گی اور وہ یہاں نہیں قیام کرنا چاہتی۔''

''اچھا..... اچھا میں سمجھ گئی۔ تو پھر ایگل بیچ کا کوئی ہٹ ہی مناسب رہے گا۔''

''تمہارا بہت بہت شکریہ کہ تم نے میری بات مان لی۔''

''اچھے آدمیوں کی قدر کرتی ہوں۔''

ماریہ کی تلاش جاری تھی۔ حمید نے اس سلسلے میں اس فرانسیسی والگو کو بھی ٹٹولنے کی کوشش کی تھی جس کا پتہ شاداں سے معلوم ہوا تھا۔ اس نے ماریہ سے اپنی شناسائی کا اعتراف تو کر لیا لیکن یہ نہ بتا سکا کہ گھر پر موجود نہ ہونے کی صورت میں کہاں مل سکے گی۔

والگو ایک سنجیدہ اور خاموش طبع آدمی ثابت ہوا تھا۔ بہت دھیمے لہجے میں گفتگو کرتا تھا۔ اور اسے اس پر حیرت تھی کہ ماریہ کی تلاش پولیس کو کیوں ہونے لگی۔

''کیا الزام ہے اس پر؟'' اس نے حمید سے سوال کیا۔

''اس نے گل پردس سے ایک ایسا نیگیٹو رول غائب کر دیا ہے جسے پولیس کے قبضے میں ہونا چاہئے تھا۔''

''ماریہ نے غائب کر دیا ہے؟'' والگو کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ پھر وہ آہستہ سے بولا۔ ''نہیں جناب! یہ غیر ممکن ہے۔ ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔

''کس قسم کی غلط فہمی ہو سکتی ہے؟'' حمید نے سوال کیا۔

''رحیم گل اچھا آدمی نہیں ہے۔ اس نے خود ہی یہ حرکت کی ہوگی اور حالات کو ایسا رنگ دیا کہ شبہ براہ راست ماریہ پر کیا جائے۔''

''اگر ایسا ہے تو وہ جوابدہی سے بچنے کے لیے فرار کیوں ہو گئی۔''

''رحیم گل اس قسم کی افواہیں پھیلا کر اسے روپوش ہو جانے پر آمادہ کر سکتا ہے۔ ماریہ ایک روپوش ہے۔''

تب حمید نے اسے بتایا کہ خود انہیں بھی اسے کر وہ کس طرح غائب ہو گئی تھی۔''

''اگر یہ بات ہے تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' اس نے پر تفکر انداز میں کہا۔

اور حمید نے ایک بار پھر شوفاز اسٹوریو کا رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ کچھ ہی دیر پہلے اور رحیم گل کے درمیان جھڑپ ہو چکی ہے۔ اور یہ واقعہ شاداں کے دفتر میں ہوا تھا۔ شاداں دفتر میں موجود تھی۔ لیکن رحیم گل اور انور اب وہاں نہیں تھے۔ حمید کو دیکھ کر وہ دل آویز انداز میں مسکرائی۔

''وہ جن ابھی تک تو نہیں آیا کپتان صاحب!''

''آپ کی مہربانی نے اس کا دل توڑ دیا ہے۔''

''میں نے کیا کیا ہے۔''

''آپ ہمیں چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔ اب وہ کوئی پیشہ ور اداکارہ تو ہے نہیں۔ پوری فلم خرید لینے کی استطاعت رکھتا ہے۔''

''ہاں یہ بات تو ہے۔ واقعی مجھ سے بڑی غلطی ہوئی تھی!''

''خیر ہاں کرائم رپورٹر انور کا کیا قصہ ہے۔''

''اسے کیا بتاؤں۔ اگر میں بچ بچاؤ سے نہ آتی تو کل اسے ماہی بیٹھتا۔''

''کیا ہوا تھا۔''

''ماریہ کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ سنا ہے وہ آپ لوگوں سے گفتگو کرتے رہے ہیں۔''

''ہاں یہی ہوا تھا۔''

بہر حال کل ہم کہہ رہے تھے کہ آپ لوگ ماریہ کو ہراساں کرنے کی کوشش کریں
ں ہی انور کچھ بول پڑا تھا۔"

"میرا مشورہ ہے کہ آپ مسٹر رحیم گل کو قابو میں رکھنے کی کوشش کیجئے۔ رول
لیبارٹری سے غائب ہوا ہے۔ خواہ کسی طرح بھی ہوا ہو۔"

"لیکن ان کا کہنا ہے کہ رول ان کی لیب تک پہنچا ہی نہیں!"

"وہ غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں!"

"کوئی ثبوت۔"

"ثبوت کے بغیر ہم کوئی بات نہیں کہتے۔"

"کیا ثبوت ہے۔"

"فی الحال اسے طاہر نہیں کیا جا سکتا۔"

"بہر حال اب کوئی خیر نہیں۔"

"کیا مطلب۔"

"گل سے بجز ہمارے کسی خیال نہیں۔ اسلیئے جنرل سے ان کے بہت اچھے تعلقات
ہیں بھی اس سے معاملے میں محتاط رہنے کا۔"

"ہم لوگ تو پہلے ہی اس کو فوراً بند کر دیتے ہیں!"

"میں نے آگاہ کر دیا ہے!"

"تو اب آپ کا بھی یہی خیال ہے کہ رول لیبارٹری سے نہیں غائب ہوا۔"

"میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ ماریہ گل کو الجھانا چاہتی ہے۔"

"اور اسی لیئے فرار ہوئی۔"

"خدا جانے کیا چکر ہے۔"

"تو مسٹر رحیم گل کیا کہنا چاہتے ہیں....."

"یلیز..... وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "پہلے میری بات سن لیجئے۔ وہ اس لیئے
گل واقعی الجھ جاتیں۔ نہ وہ آپ سے ہاتھ ملانے کی اور نہ اصل بات کھلتی۔ یہ
بدستور مشتبہ ہیں۔"

اس سلسلے میں اس کی موجودگی یا عدم موجودگی سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

فرق پڑے گا۔ یہ بات تو اسی نے مجھے بتائی تھی کہ رول لیبارٹری سے غائب ہوا ہے۔
گل کا کہنا ہے کہ رول لیبارٹری تک پہنچا ہی نہیں۔ کمبخت ہی سے غائب ہو گیا تھا۔"

خیر..... دیکھا جائے گا۔"

گل کے خلاف ماریہ کے علاوہ اور کوئی بھی شاہد نہیں۔"

"ہاں یہ بات تو ہے!" حمید نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔

"لہٰذا آپ لوگ گل کے معاملے میں محتاط رہیں گے۔"

"کوشش کریں گے۔"

"اب آیئے حسن کی طرف.....!"

"آ جایئے۔" حمید بے دلی سے بولا۔ حقیقتاً اس دوران میں اس کا ذہن قاسم ہی میں
مار رہا تھا۔ اس نے پچھلی رات نصیر بلڈنگ تک ان کا تعاقب کیا تھا۔ وہاں تک گیا تھا تو
مالی سے پیچھا چھوڑنے والا نہیں تھا۔ یعنی فریدی کی جھڑکی سنے بغیر راہ راست پر آ جانا کم
اس کے لیے ناممکنات میں سے ہوتا..... پھر وہ اس طرح اچانک کیوں چلا گیا۔ جب وہ
یہ کے فلیٹ سے نکلے تھے تو اس کی رولز وہاں موجود نہیں تھی۔ یہ بھی قاسم کی فطرت کے
لاف تھا کہ آج صبح وہ حمید کے سر نہ ہوتا۔ پچھلی رات ہی کے کسی حصے میں فون نہ کرتا۔
حال اس کی طرف سے یہ خاموشی بڑی غیر فطری لگ رہی تھی۔

"تو پھر کیا صورت ہوگی۔"

"تسلی دلاسے سے قابو میں آئے گا..... اور پہلے گھیرنا پڑے گا۔ لہٰذا میں اسے گھیر نے
رہا ہوں!" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"ایسی بھی کیا جلدی۔"

"پھر وہ ہاتھ نہیں آئے گا۔" اس نے کہا اور شاداں کے آفس سے نکل آیا۔ تھوڑی دیر بعد
وہ ڈرگ اسٹور کے سامنے گاڑی روکی اور قاسم کو فون کرنے کے ارادے سے نیچے اتر آیا۔
کال ریسیو کرنے والی اس کی بیوی تھی۔ حمید نے قاسم کے بارے میں پوچھا۔

"آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہوں گے!" دوسری طرف سے اس کی غصیلی آواز آئی۔

''میں کچھ بھی نہیں جانتا ...''

''پچھلی رات دو ڈھائی بجے کے قریب آئے تھے اور صبح پھر آٹھ بجے کے قریب گئے۔ ناشتہ بھی نہیں کیا۔''

''بس یہی سب سے زیادہ حیرت انگیز واقعہ ہے کیونکہ صبح آنکھ کھلتے ہی وہ قریبی آدمی تک کو کھا جانا چاہتا ہے۔'' حمید نے کہا۔

''میں نہیں جانتی یہ کیا چکر ہے۔

''کیا کروگی جان ... ہر روز کوئی نہ کوئی چکر رہتا ہی ہے۔''

''میں سمجھی تھی شاید آپ۔''

''نہیں قطعی نہیں ... اس میں دلچسپی کا کیا بات ہے۔''

''مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

''اس طرح ہاتھ اٹھاؤ گی تو کہیں نہ کہیں غرق ہی ہو جاؤ گی۔''

''اس کے باوجود بھی مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔''

''خیر۔ خدا حافظ ...'' کہہ کر حمید نے رابطہ منقطع کر دیا۔

وہاں سے وہ سیدھا دفتر پہنچا تھا۔ فریدی نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا اور پر رکھے ہوئے کاغذات کی طرف دیکھنے لگا۔

حمید رپورٹ دینے کے بعد بولا۔ ''قاسم کا معاملہ مجھے الجھن میں ڈال رہا ہے۔''

''کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''کہیں وہ اسی کے ساتھ فرار نہ ہوئی ہو۔''

''ہوں ...'' فریدی اس نے تمباکو پر نظر جماتے ہوئے پرتفکر لہجے میں بولا ''ہے ... اس کی کار ہی سامنے کھڑی ہو۔ لفٹ مانگ کر ساتھ لے گئی ہو۔ لیکن ایسی میں قاسم زیادہ سے زیادہ اس جگہ کی نشاندہی کر سکے گا جہاں اسے اتارا ہوگا اور وہ نہیں ہو سکتی کہ میں اسی جگہ گاڑی روکوائی ہو جہاں جانا تھا۔''

''میں پتہ نہیں سوچ رہا ہوں۔ وہ اسے بیوقوف بنا کر اسی کے سر بھی پڑ سکتی ہے۔''

''اچھا تو پھر؟''

''قاسم کو تلاش کرنا ضروری ہے۔''

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اردلی نے کسی کا کارڈ لا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

''ہوں ... بھیج دو۔'' فریدی کارڈ پر نظر ڈالتا ہوا بولا۔

حمید نے میز پر جھک کر دیکھا اور پھر پیچھے ہٹ کر طویل سانس لی ... رحیم گل کا کارڈ تھا۔ وہ دانت سے ہونٹ بھینچے بیٹھا رہا۔

رحیم گل اندر آیا اور فریدی نے اٹھ کر اس کا استقبال کیا۔ مجبوراً حمید کو بھی اٹھنا پڑا۔ ورنہ اس کے قصے سن سن کر اتنا غبار دل میں رکھتا تھا کہ کہیں اور ملاقات ہونے پر چھوتے ہی ایک آدھ ہاتھ جھاڑ دیتا۔ رحیم گل خاصا قد آور توانا آدمی تھا۔ عمر تیس اور چالیس کے درمیان رہی ہو گی۔ آنکھوں کی بناوٹ کی بنا پر خاصا کینہ توز معلوم ہوتا تھا۔ دہانے کے گوشوں کا جھکاؤ ایسا ہی لگتا تھا جیسے مسلسل نفرت کا اظہار کئے جا رہا ہو۔

''ماریہ کہاں ہے؟'' اس نے کھڑے ہی کھڑے سوال کیا۔

''یہ سوال مجھے آپ سے کرنا چاہئے۔'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ ''تشریف رکھیے۔''

''میں یہاں کسی سوشل وزٹ پر نہیں آیا۔'' وہ سانپ کی طرح پھنکارا۔

حمید نے فریدی کی طرف دیکھا جس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

''میں پوچھتا ہوں ماریہ کہاں ہے؟''

''جوابدہی سے بچنے کے لیے فرار ہو گئی۔'' فریدی بولا۔

''یہی جوابدہی۔ کیا ضروری ہے کہ آپ لوگ بے شہری کو پریشان کرتے پھریں۔''

''یہ بات اسی نے مس شاداں کو بتائی تھی کہ دل لیب سے غائب ہو لیا۔ جس نے خون کی گفتگو سنی تھی اس نے ہمیں اطلاع دے دی۔''

''کس نے اطلاع دی تھی۔''

''ہم اپنے مخبروں کے نام ظاہر نہیں کرتے۔''

''میرے خلاف کسی قسم کی سازش ہو رہی ہے۔ دل لیب سے غائب ہوا تھا۔ لیب تک نہیں پہنچا۔''

''کیا آپ سے بھی جھٹلا دیں گے..... جس نے خود آپ کو رول دیا تھا!''

''وہ... میں نہیں جانتا وہ کون ہے جس نے یہ دعویٰ کیا ہے۔''

فریدی نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ اردلی اندر آیا۔ فریدی نے اس سے کہا۔ ''مقصود صاحب کو یہاں لے آؤ۔''

''اچھا۔ اچھا۔'' رحیم گل سر ہلا کر بولا۔ ''یہ مقصود شاید راشد کا پروڈکشن مینیجر ہے!''

''آپ ٹھیک سمجھے۔''

''اگر اس نے ایسی کوئی اطلاع دی ہے تو جھوٹا ہے! اگر سچا ہے تو رسید بک کی اس کے پاس۔ میرے یہاں بے ضابطگی نہیں ہوتی۔''

''مجھے علم ہے کہ انکم ٹیکس بچانے کے لیے کیا کچھ نہیں ہوتا۔''

''یہ بھی الزام ہے! اس سلسلے میں آپ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔''

''مجھے آپ کے انکم ٹیکس سے کوئی سروکار نہیں! اور اس معاملے میں کوئی بے ضابطگی نہیں ہوئی کیونکہ مقصود کے پاس رول کی رسید موجود ہے۔''

''اوہ۔'' اس کا منہ کھل گیا لیکن جلد ہی اپنی حالت پر قابو پا کر بولا۔ ''تو میرے گرد جال بنا جا رہا ہے۔''

''اب آپ الزام تراشی پر اتر آئے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''خیر..... خیر..... میں دیکھوں گا۔''

''آپ کیا دیکھیں گے مسٹر رحیم گل!'' فریدی آگے جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا آہستہ سے بولا۔

''انسپکٹر جنرل.....!''

''بس۔'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''میرے معاملات میں صدر مملکت کے علاوہ کوئی مداخلت نہیں کر سکتا۔''

''وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ راشد کا پروڈکشن مینیجر مقصود کمرے میں داخل ہوا اور رحیم گل کو دیکھ کر دروازے کے قریب ہی ٹھٹک گیا۔

''آیئے۔ آیئے۔ مسٹر مقصود۔ مجھے وہ رسید چاہئے جو آپ کو گل پروسس سے ملی تھی۔''

''فراڈ بالکل فراڈ.....!'' رحیم گل غرایا اور مقصود کو قہر آلود نظروں سے دیکھنے لگا۔

مقصود نے جیب سے رسید نکال کر فریدی کی طرف بڑھا دی اور فریدی نے رحیم گل سے ''رسید کا نمبر نوٹ کیجئے مسٹر گل اور جا کر رسید بک میں کاؤنٹر فائیل سے موازنہ کر لیجئے گا۔''

''خدا کی پناہ! اتنا لمبا فراڈ کیا گیا ہے۔ یعنی سچ مچ میری رسید بک استعمال کی گئی ہے!''

''فراڈ ثابت کرنے کے لیے آپ کو عدالت میں جانا پڑے گا مسٹر گل۔'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ ''اور اس وقفے میں کیا ہوگا۔ غالباً آپ جانتے ہوں گے۔''

''کیا ہوگا۔''

''آپ بند رہیں گے۔ ضمانت بھی نہیں ہو سکے گی۔''

''میں دیکھتا ہوں!'' وہ اٹھنے لگا۔

''نہیں مسٹر گل۔ آپ یہاں سے نہیں جا سکتے!''

''کیا مطلب۔''

''خود کو زیر حراست سمجھئے!''

''یہ ناممکن ہے!''

''ناممکنات کو ممکن بنانے ہی کے لیے ہم یہاں بٹھائے گئے ہیں مسٹر گل۔'' فریدی نے مقصود سے بولا۔ ''آپ جا سکتے ہیں!''

وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں سلام کر کے چلا گیا۔ رحیم گل کسی ایسے درندے کی طرح تھا جسے چاروں طرف سے گھیر لیے جانے کا احساس ہو گیا ہو۔

حمید خاموش بیٹھا سب کچھ دیکھتا رہا تھا۔ دفعتاً بولا! ''ہتھکڑیاں نکالوں۔''

''ہتھکڑیوں کی ضرورت نہیں۔ وہ تو تشہیر کے لیے لگائی جاتی ہیں!'' فریدی نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ ''گارڈز کو بلا کر ان کے حوالے کر دو۔''

''یہ زیادتی ہے؟'' رحیم گل کسی قدر ڈھیلا پڑ کر بولا۔

''یہ زیادتی تو آپ کر رہے ہیں مسٹر گل۔ یقین کیجئے میں آپ سے اس کے علاوہ اور کچھ نہ کہہ کر آپ کی بات بتا دیں۔ مجھے یقین ہے کہ خود آپ نے وہ رول غائب نہیں کیا۔''

مسٹر گل اب..... خاصا نارمل نظر آنے لگا تھا۔ تیکھے خطوط ڈھیلے پڑ گئے تھے اور آنکھوں

کی خشمگینی بھی زائل ہوگئی تھی۔

''مقصود نے مجھے رول دیا تھا۔'' وہ آہستہ سے بولا۔ ''لیکن وہ حیرت انگیز طور ہوگیا۔ پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔''

''کون غائب کرسکتا ہے اور کیوں؟''

''میں نہیں جانتا۔''

''صاف ظاہر ہے کہ کوئی آپ کو الجھانا چاہتا ہے۔''

''لیکن وہ ماریہ نہیں ہوسکتی۔''

''تو پھر اس طرح فرار کیوں ہوگئی۔''

''بہت جلد خوفزدہ ہو جاتی ہے۔''

''مسٹر گل وہ بہت جلد خوفزدہ ہو جانے والیوں میں سے نہیں معلوم ہوتی۔''

''خدا جانے.....لیکن۔''

''کچھ نہیں۔ آپ کے حق میں یہی بہتر ہوگا کہ اس کو تلاش کرنے میں ہم کریں اور ہاں اب کسی نہ کسی طرح اپنے رجسٹر میں رول کی وصولیابی کا اندراج کرا

''اس سے کیا ہوگا۔''

''آپ کو صرف یہ بیان دینا ہوگا کہ آپ کی لاعلمی میں وہ رول غائب ہوگیا

''اور پھر۔''

''پھر یہ کہ آپ حراست میں نہیں لیے جائیں گے۔ ابھی تحریری بیان دے

حمید کو ایسا لگا جیسے عین کھیل کے دوران میں فٹ بال کی ہوا نکل گئی ہو ہوئی تھی رحیم گل کے رویئے سے۔ وہ تو سمجھا تھا کہ اب اس کے خلاف دل کا موقع ملے گا۔ لیکن شاید فریدی ہی نہیں چاہتا تھا کہ اسے حراست میں لیا جا اعتراف کرا لینے کے لیے اتنا کھڑاک کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ رول کی رسید غیر قا سے بنوائی گئی ہوگی۔ لیبارٹری کے کسی ملازم پر کچھ رقم صرف کئے بغیر یہ کام نہ

رحیم گل نے اپنا بیان خود ہی لکھا۔ دستخط کئے اور چپ چاپ چلا گیا۔

''میں داد نہیں دے سکتا!'' حمید برا سا منہ بنا کر بولا۔ ''واقعی آپ اس

گئے تھے!''

''برخوردار میں تشدد کرنے کی مشین نہیں ہوں۔ تشدد اسی صورت میں کرتا ہوں جب حکمت عملی کارگر نہیں ہوتی۔''

''اس وقت مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے کسی مزار کے متولی کی خدمت میں حاضری دے بیٹھا ہوں۔''

''وقت نہ ضائع کرو۔''

''اب کرنے کو رہا ہی کیا ہے.....!''

''یقین کرو کہ اس سلسلے میں فلم انڈسٹری ہمارا میدان ہرگز نہیں ہوسکتا!''

''کیا مطلب۔''

''تم ان سپاہیوں کی لاشوں کو کیوں بھول جاتے ہو.....؟''

''تو گویا حقیقت وہ نہیں ہے جو نظروں کے سامنے ہے!''

''شاید ایسا ہی ہو.....لیکن ماریہ اس سلسلے کی ایک کڑی ضرور ہوسکتی ہے۔ جس کی انتہا تک ہم پہنچنا چاہتے ہیں!''

''میں نہیں سمجھا۔''

''وہ رول محض اس لیے نہیں غائب کیا گیا کہ رحیم گل پھنس جائے۔''

''آپ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے!''

''اچھی بات ہے۔ فی الحال اسے مفروضہ ہی سمجھ لو۔ لیکن ہمیں اسی مفروضے سے ابتداء کرنی ہے کہ کیمرے نے کوئی اہم شہادت عکس بند کی ہوگی۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ چاروں کانسٹیبلوں کی اموات کے بارے میں وہ پہلے بھی سوچ چکا تھا۔ تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔ ''اچھا اب مجھے بھی کچھ فرض کر لینے دیجئے کیونکہ ہم اپنی گاڑی مفروضوں ہی کے سہارے آگے بڑھاتے ہیں۔ فرض کیجئے قاسم ہی نے کہیں لے جا کر اسے چھپایا ہے.....تو کہاں لے گیا ہوگا؟''

''تمہارے سوچنے کی بات ہے! تم اسے مجھ سے زیادہ جانتے ہو!''

''بہت دیر سے سوچ رہا ہوں.....ایگل بیچ پر اس کے کئی ہٹ ہیں۔ اس کے باپ کے

غیر ملکی مہمان وہیں قیام کرتے ہیں.....اوہ.....معلوم ہو جائے گا۔ آپ فکر نہ کیجئے!''

حمید چٹکی بجا کر بولا۔

''کیا معلوم ہو جائے گا۔''

''ان ہٹس میں قیام کرنے والوں کا حساب بیچ ہوٹل میں چلتا ہے۔ بیچ ہوٹل سے معلوم ہو جائے گا کہ کس ہٹ کا حساب کب سے چل رہا ہے۔ اگر کسی ہٹ کا حساب پچھلی رات سے چلا ہے تو بس وہی ہماری منزل ہوگی۔''

''جاؤ کوشش کرو۔''

رحیم گل، فریدی کے آفس سے نکل کر اپنی گاڑی میں بیٹھا اور بے خیالی میں اچانک ایک جانب چل پڑا۔ اتنی بڑی شکست کبھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔ دم گھٹ رہا تھا۔ ایسا محسوس کر رہا تھا جیسے اب کبھی کسی کو منہ نہ دکھا سکے گا۔ لیکن ساتھ ہی اس نکتے پر غور کر رہا تھا کہ ماریہ فرار کیوں ہوگئی۔ فریدی سے اس نے ماریہ کے ڈرپوک ہونے کے بارے میں غلط بیانی کی تھی۔ ماریہ ہرگز ڈرپوک نہیں تھی۔ لیکن کیا رول خود اس نے غائب کیا تھا لیکن فرار کیوں ہو گئی.....کیا وہ رول اس وقت بھی اس کے فلیٹ میں موجود تھا۔ جب فریدی اس سے پوچھ گچھ کے لیے وہاں گیا تھا۔ ضرور یہی بات تھی۔ وہ اس رول سمیت ہی وہاں سے فرار ہوئی ہو گی۔ محض رول کے لیے فرار ہوئی ہوگی.....ورنہ وہ اتنی احمق نہیں ہوسکتی۔ رول اس کی تحویل سے غائب ہوا تھا۔ ماریہ پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں تھی۔ ہاں اس سے یہ غلطی ضرور ہوئی تھی کہ اس نے اس کی گمشدگی کے بارے میں صرف ماریہ کو بتا دیا تھا اور اس اعتماد کے ساتھ کہ وہ اس کا تذکرہ کسی سے نہ کرے گی لیکن اس نے شاداں کو بتا دیا اور اس طرح بتایا کہ کوئی بھی سن لے۔ اوہ.....جہنم میں جائے۔ اس کی کتنی توہین ہوئی تھی اور اسے اپنی طبیعت پر جبر کر کے کتنا جھکنا پڑا تھا.....کس قدر چالاک آدمی ہے یہ کرنل فریدی۔ ظاہر ہے کہ اس نے وہ رسید غیر قانونی طور پر حاصل کی ہوگی۔ لیکن اس رسید کی بنا پر وہ اس کے خلاف کارروائی کر سکتا تھا۔ یعنی اس وقت تک وہ یقینی طور پر اسے حراست میں رکھ سکتا تھا جب تک رسید کا جعلی ہونا ثابت نہ ہو جاتا اور یہ کارروائی عدالت میں ہوتی اور وہ ریمانڈ پر ریمانڈ لیتا رہتا.....بہرحال اب وہ اس رسید کے سلسلے میں کرنل فریدی کے خلاف بھی کوئی کارروائی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اپنا تحریری بیان دے چکا تھا.....عجیب سی پژمردگی ذہن پر طاری ہونے لگی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اس کے اندر کوئی کمی واقع ہوگئی ہو۔ آرلیکچو کے قریب اس نے گاڑی روکی۔ اندر پہنچ کر سیدھا بار کی طرف چلا گیا۔

''ڈبل پگ وہسکی!'' اس نے بارٹنڈر سے کہا اور کاؤنٹر کے قریب پڑے ہوئے اسٹولوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا۔ قریب ہی کچھ اور لوگ بھی بیٹھے پی رہے تھے۔ دو سفید فام غیر ملکی بھی اس کے پیچھے ہی آئے تھے اور انہوں نے بھی کچھ طلب کیا تھا۔ رحیم گل وہسکی کی چسکیاں لیتا رہا۔ آہستہ آہستہ ذہنی اضمحلال دور ہو رہا تھا۔

گلاس خالی کر کے کاؤنٹر پر رکھ دیا۔ اور بل کی رقم ادا کر کے واپسی کے لیے اٹھا ہی تھا کہ ایک غیر ملکی اس کے برابر آ کھڑا ہوا۔ وہ اس کی طرف توجہ دیئے بغیر صدر دروازے کی طرف چل پڑا تھا۔ اس کے وجود کا احساس تو اس وقت ہوا جب وہ اس سے بالکل ہی لگ کر چلنے لگا۔ رحیم گل نے ایک طرف ہٹنا چاہا لیکن کوئی چیز اس کے بائیں پہلو سے چبھنے لگی اور غیر ملکی آہستہ سے بولا۔ ''بے آواز پستول کی نال ہے۔ چپ چاپ چلتے رہو۔''

رحیم گل اسے کنکھیوں سے دیکھتا ہوا چلتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ فٹ پاتھ پر آ گئے۔ اب وہ دونوں سفید فام غیر ملکیوں کے درمیان چل رہا تھا۔

''اس کا کیا مطلب ہے!'' وہ جھنجھلا کر بولا۔

''بے آواز فائر ہوگا اور تم ڈھیر ہو جاؤ۔ ورنہ خاموشی سے چلتے رہو!''

اس طرح وہ اسے ایک لمبی سی سیاہ گاڑی کے قریب لائے۔ ان میں سے ایک نے دروازہ کھولا اور پہلے خود اندر بیٹھ کر سیٹ کے دوسرے گوشے تک سرک گیا۔ پھر رحیم گل سے بیٹھنے کو کہا گیا۔

''آخر تم چاہتے کیا ہو۔''

''بیٹھو.....!'' غیر ملکی غرایا اور اس کی کمر پر پستول کا دباؤ بڑھ گیا۔ پستول غیر ملکی کے کوٹ کی جیب میں تھا۔

طوعاً و کرہاً رحیم گل گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اس کے بعد وہ گاڑی میں بیٹھا تھا جس کے

جیب سے پستول کی نال اس کے پہلو میں چبھتی رہی تھی۔ تیسرا آدمی ڈرائیونگ سیٹ پر تھا..... گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

''آخر چکر کیا ہے!'' رحیم گل نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔ ''مجھے کہاں لے جا رہے ہو!''

''خاموش بیٹھے رہو!.....!'' پستول والا غرایا۔

رحیم گل خائف نہیں تھا۔ لیکن اس قسم کی غنڈہ گردی کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ بھلا یہاں سفید فام غیر ملکی اس قسم کی حرکتیں کیوں کرنے لگے۔ گاڑی ایک ایسی عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی تھی جسکی دیواریں بہت اونچی تھیں۔ سڑک پر سے اندر کے حالات نظر نہیں آ سکتے تھے۔

رحیم گل کو اسی طرح گاڑی سے نیچے اتارا گیا جس طرح سوار کرایا گیا تھا اور پھر وہ اسے عمارت کے اندر لائے۔

یہاں ایک اور سفید فام غیر ملکی شاید اسی کا منتظر تھا وہ اسے خاموشی سے دیکھتا رہا اور قبل اس کے کہ رحیم گل اس سے اس حرکت کے بارے میں پوچھتا وہ سوال کر بیٹھا۔ ''ماریہ کہاں ہے؟''

''کیا مطلب؟'' رحیم گل چونک کر بولا۔

''میری بات کا جواب دو۔''

''میں نہیں جانتا وہ کہاں ہے!''

اس آدمی نے رحیم گل کے پیچھے کھڑے ہوئے آدمی کو اشارہ کیا اور اس نے اچھل کر رحیم گل کی کمر پر لات رسید کر دی۔

رحیم گل منہ کے بل فرش پر گرا اور پھر اس پر وحشت طاری ہو گئی۔ یہ بھی بھول گیا کہ پستول کے زور پر یہاں تک لایا گیا ہے۔ اٹھا اور پاس کھڑے ہوئے سفید فام پر ٹوٹ پڑا.....اور پھر وہ سب آپس میں گڈمڈ ہو کر رہ گئے..... یہاں تین ہی تھے۔

گاڑی ڈرائیو کرنے والا باہر ہی رہ گیا تھا۔ رحیم گل ان پر بھاری پڑ رہا تھا۔ دفعتاً پستول بھی نکل آیا اور اس دوران میں رحیم گل کو ہوش بھی آ گیا تھا۔

''رک جاؤ!'' اسے وارننگ دی گئی۔ ''ورنہ گولی مار دی جائے گی۔''

رحیم گل ان سے کسی قدر دور ہٹ کر کھڑا ہو گیا اور اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔ تیسرا آدمی سفاکانہ انداز میں مسکرا کر بولا۔ ''بہت بے جگرے معلوم ہوتے ہو اور بیوقوف بھی۔''

''جب میں جانتا ہی نہیں کہ ماریہ کہاں ہے تو اس کے علاوہ اور کرتا بھی کیا۔ تمہیں بات پر یقین نہیں آیا تھا!'' رحیم گل نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ''پولیس کو بھی ماریہ کی تلاش اور پولیس سے بھی دھمکیاں سن چکا ہوں۔''

''بیٹھ جاؤ۔'' اس آدمی نے کرسی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

رحیم گل خاموشی سے بیٹھ گیا۔ وہ اپنا دماغ ٹھنڈا رکھنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔

''تم کرنل فریدی کے آفس میں گئے تھے!'' وہ آدمی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''ہاں میں وہاں کرنل فریدی سے ماریہ کے بارے میں پوچھنے گیا تھا۔''

''کرنل فریدی کیا جانے۔ کیا وہ اس کی حراست میں ہے!''

''نہیں اسے بھی ماریہ کی تلاش ہے۔''

''تم نہیں جانتے کہ وہ کہاں ہے۔''

''میں نہیں جانتا! لیکن آخر چکر کیا ہے!''

''ظاہر ہے کہ وہی رول!'' وہ آدمی مسکرا بولا۔

''اوہ؟'' رحیم گل ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔ پھر بولا! ''تو یہ حقیقت ہے کہ رول ماریہ ہی نے لیا ہے۔''

''ہاں وہ اسی کے پاس ہے اور ہر قیمت پر ہمیں چاہئے۔ پہلے وہ ہمارے مقرر کردہ معاوضے پر تیار ہو گئی تھی۔ لیکن رول چرا لینے کے بعد اس نے مطالبہ بڑھا دیا۔ اس کے بعد غائب ہو گئی۔ ورنہ ہم اسے منہ مانگی قیمت ادا کر دیتے۔''

''اس کا کیا مطالبہ تھا۔''

''دس ہزار.....!''

''اور تم کیا دینے والے تھے!''

''تین ہزار۔''

''اب میں سمجھ گیا۔'' رحیم گل کو ہنسی آ گئی۔

''کیا سمجھ گئے۔'' وہ اسے گھورتا ہوا بولا۔

''پولیس اچانک اس کے فلیٹ میں پہنچی تھی۔ خانہ تلاشی کے ڈر سے وہ اس رول کو وہاں

سے لے بھاگی۔ کرنل فریدی کو جل دے گئی۔ وہ خود گیا تھا۔''

''اگر یہ بات ہے تو مجھے افسوس ہے! محض غلط فہمی کی بنا پر تمہارے ساتھ یہ کیا گیا!''

''کوئی بات نہیں۔ اس بیہودہ عورت نے میری مٹی پلید کر دی!''

''کیا تم بھی پولیس کے معتوب ہو!''

''کیوں نہ ہوتا جب کہ وہ رول میری تحویل سے غائب ہوا ہے! میں نے توبا کی کوشش کی تھی۔ پروڈکشن مینجر سے جھوٹا بیان دلوا دیا تھا کہ رول کیمرے ہی سے تھا! لیکن یہاں بھی ماریہ ہی کہ وجہ سے چوٹ ہوئی۔''

''کیوں اس نے کیا کیا!''

''میں تو جانتا نہیں تھا کہ رول اسی نے چرایا ہے۔ لہٰذا اس کے غائب ہو جانے اس سے پریشانی کا اظہار کیا تھا۔ ساتھ ہی تاکید کر دی تھی کہ کسی سے اس کا ذکر نہ لیکن اس نے میری بہن سے تذکرہ کر دیا اور ان کی گفتگو کسی تیسرے نے بھی سن طرح بات کرنل فریدی تک جا پہنچی۔''

''اوہ۔ تو یہ قصہ ہے واقعی وہ بالکل احمق معلوم ہوتی ہے! کہیں کرنل فریدی ہی نہ لگ جائے۔''

''ہو سکتا ہے!'' رحیم گل بیزاری سے بولا۔ ماریہ کے خلاف اس کے سینے میں کے طوفان امنڈ رہے تھے۔ ہاتھ لگ جاتی تو خود ہی اس کی ہڈیاں توڑ دیتا۔

''اسے تلاش کرنے میں ہماری مدد کرو۔ دس ہزار تم دونوں میں برابر برابر تقسیم جائیں گے۔''

''پانچ ہزار یا دس ہزار کی کیا وقعت ہے میری نظروں میں..... اتنی رقومات تو میں کی میز پر ہار دیتا ہوں۔''

''پھر ہم کچھ زیادہ کی سوچیں گے۔''

''میں یہ کام مفت کروں گا۔'' رحیم گل اسے گھورتا ہوا بولا۔

''لیکن یاد رہے کہ اگر وہ رول ہماری بجائے کرنل فریدی کو پہنچا تو تمہارا

نہیں۔ اپنے گھر میں بھی تمہاری موت واقع ہو سکتی ہے! ماریہ کے سلسلے میں ہم سے غلطی ہو گئی۔ ہمیں اس کی بجائے تمہارے کسی ملازم سے بات کرنی چاہئے تھی۔''

''مجھے کرنل فریدی سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے۔ میں ہر اس شخص کا دشمن ہوں جو مجھے کسی طرح بھی دھوکا دینے کی کوشش کرے۔''

''تم ایسے ہی معلوم ہوتے ہو!'' وہ سر ہلا کر بولا۔

''کیا ماریہ تمہیں لوگوں سے تعلق رکھتی ہے۔''

''نہیں۔ کسی کے توسط سے ہم نے اس سے بات کی تھی۔''

''تو پھر اسے میرے حوالے کر دینا۔ مطلب یہ کہ تمہیں تو صرف اس رول ہی سے سروکار ہوگا۔''

''بالکل!'' وہ سر ہلا کر بولا۔ ''ماریہ ہمارے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی!''

''بس تو پھر ٹھیک ہے! میں چاہتا ہوں کہ وہ صحیح وسالم حالت میں پولیس کے ہاتھ نہ لگے۔''

''تمہاری یہ خواہش پوری ہو جائے گی۔''

''اور تمہارے دس ہزار بھی بچ جائیں گے۔'' رحیم گل آہستہ سے بولا۔

بیچ ہوٹل کا منیجر حمید کو پہچانتا تھا۔ اس لیے اسے یہ معلوم کر لینے میں قطعاً دشواری نہ ہوئی کہ پچھلی رات سے کس ہٹ کا اکاؤنٹ کھلا ہے! عاصم انڈسٹریز کے مخصوص واؤچرز پر حساب چلتا تھا اور ادائیگیاں ماہانہ بنیاد پر ہوتی تھیں۔ ہٹ نمبر ستائیس غالباً سب سے زیادہ شاندار ہٹ تھا۔ اس نے ہوٹل ہی سے فون پر ہٹ کے نمبر ڈائیل کئے اور ریسیور کان سے لگائے کھڑا رہا۔

''ہالو۔'' دوسری طرف سے قاسم کی آواز آئی اور حمید نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

تو وہ ہٹ میں موجود تھا۔ حمید ہوٹل سے نکل کر سیدھا اسی طرف چل پڑا..... پہلے یقین کر لینا چاہتا تھا کہ ماریہ بھی ہٹ میں موجود ہے یا نہیں۔ اس کے لیے براہ راست دروازے پر جا کر دستک دینا مناسب نہ معلوم ہوا۔ اگر وہ موجود ہوئی تو قاسم کو سنبھال لینا تنہا اس کے بس کا روگ نہ ہوگا۔ ہٹ کے قریب پہنچنے سے قبل ہی اس نے دو ننھے ننھے اسپرنگ نکالے اور ناک کے نتھنے [illegible] جگہوں پر فٹ کر لیے..... ناک کی نوک اس طرح اوپر اٹھی

کہ اس کے ساتھ ہی اوپری ہونٹ بھی کسی قدر اوپر اٹھ گیا اور دانت دکھائی دینے لگے۔ یہ اس کا ریڈی میڈ میک اپ تھا۔

یہ میک اپ شکل میں ایسی تبدیلی لایا تھا کہ ماریہ بھی اسے نہ پہچان سکتی اور پھر اسے فی الحال ان دونوں سے دور ہی رہ کر انہیں نظروں میں رکھنا تھا۔

ہٹ نمبر ستائیس کے سامنے والا ہٹ مقفل تھا۔ وہ اسی کے برآمدے میں اس طرح بیٹھ گیا جیسے چلتے تھک گیا ہو۔ تھوڑی دیر بعد اس نے قاسم کا قہقہہ سنا لیکن اس کے ساتھ کوئی دوسری آواز نہیں تھی۔

وہ کچھ کہہ بھی رہا تھا لیکن اس کے الفاظ صاف طور پر نہیں سنائی دیتے تھے۔ تنہائی میں بھی قاسم قہقہہ لگا سکتا تھا لیکن بولنے کا انداز ایسا نہیں تھا کہ کسی دوسرے کی عدم موجودگی پر دلالت کرتا۔ کوئی اور بھی ضرور تھا اس کے ساتھ۔ لیکن دوسری آواز نہ سنائی دی۔ حمید نے جیب سے تمباکو کی پاؤچ نکالی اور سگریٹ رول کرنے لگا۔ میک اپ ریڈی میڈ ہو یا مستقل وہ پائپ استعمال نہیں کرتا تھا۔ ایسے مواقع کے لیے سگریٹ کے کاغذ کا پیکٹ بھی پاؤچ میں ڈالے رکھتا تھا۔

قریباً دس منٹ بعد اس نے کسی عورت کا قہقہہ بھی سنا اور دروازہ کھلتے دیکھ کر دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔

قاسم باہر نکلتا ہوا انگلش میں کسی سے کہہ رہا تھا۔ ''بے فکری سے رہو۔ میں ان لوگوں کو تلاش کروں گا..... وہ تمہاری رقم ہضم کر کے اس شہر میں نہیں رہ سکیں گے۔ میں بہت جلد واپس آ جاؤں گا..... بے فکر رہو.....!''

''میں آج رات تنہا نہیں گزار سکوں گی۔'' ہٹ کے اندر سے آواز آئی۔ حمید نے کنکھیوں سے دیکھا لیکن عورت نہ دکھائی دی۔ قاسم تو باہر ہی کھڑا ہوا تھا۔

''میں گھر میں کہہ دوں گا کہ کام سے شہر کے باہر جا رہا ہوں!'' قاسم نے کہا اور اپنی گاڑی کی طرف چل پڑا۔ ہٹ کا دروازہ آواز کے ساتھ بند ہوا تھا۔ پھر بولٹ سرکنے کے آواز بھی صاف سنائی دی۔

قاسم کی گاڑی وہاں سے چلی گئی۔ حمید ماریہ کی آواز پہچان چکا تھا۔ اس نے سوچا فریدی کو

کر دینا چاہئے۔ اگر خود اس نے اپنی مرضی سے کوئی قدم اٹھایا اور بات بگڑ گئی تو اچھا نہ ہوگا۔

وہ اٹھ کر بیچ ہوٹل کی طرف چل پڑا۔

تھوڑی دیر بعد فون پر فریدی سے کہہ رہا تھا۔ ''میرا اندازہ درست نکلا! جی ہاں بیچ ہوٹل بول رہا ہوں۔ اس وقت وہ ہٹ میں تنہا ہے..... قاسم جلد ہی واپس آ جانے کا وعدہ کر کہیں چلا گیا ہے۔''

''وہیں ٹھہر کر نگرانی جاری رکھو میں آ رہا ہوں۔'' فریدی نے کہا اور پھر رابطہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔

حمید پھر اسی مقام پر واپس آ گیا جہاں سے نگرانی کرتا رہا تھا۔ قاسم کے ہٹ کا دروازہ اور بند رہا۔ کھڑکیوں پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ وہ کسی کھڑکی میں نہ دکھائی دی۔ خاصی معلوم ہوتی تھی۔ ویسے حمید سوچ رہا تھا کہ قاسم کو علم ہے کہ ماریہ پولیس کو مطلوب ہے! کیا اس نے اسے بتا دیا ہوگا! کیا قاسم دیدہ دانستہ اس کی اعانت کر رہا ہے؟

وقت گزرتا رہا اور اس کی بے چینی بڑھتی رہی۔ کہیں قاسم بھی سچ مچ ملوث نہ ہو گیا ہو۔

فریدی کی گاڑی ہٹ سے خاصے فاصلے پر رکی۔ لیکن یہاں سے دکھائی دے رہی تھی۔

اٹھ کر اس کی جانب بڑھا اور ناک سے اسپرنگ نکال کر جیب میں ڈال لیے۔

''کیا وہ واپس آ گیا.....!'' فریدی نے گاڑی سے اترتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''جی نہیں.....!''

''چلو۔'' وہ آگے بڑھتا ہوا بولا۔ دونوں ہٹ کے دروازے پر رکے اور فریدی نے دستک دی۔

''کون ہے؟'' اندر سے پوچھا گیا۔

''میں ہوں.....!'' فریدی نے من وعن قاسم کی آواز کی نقل اتاری اور حمید نے عجیب نظروں سے اسے دیکھا۔

بولٹ سرکنے کی آواز آئی ہی تھی کہ فریدی نے دروازے کو زور سے دھکا دیا اور اندر گھستا چلا گیا۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی پیچھے ہٹ گئی اور پھر اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

''دروازہ بولٹ کر دو۔'' فریدی نے حمید کی طرف مڑے بغیر کہا۔

''یہ.....یہ.....زبردستی!'' وہ ہکلا کر رہ گئی۔

''ہم سے پیچھا چھڑا لینا اتنا آسان نہیں ہے۔''

''مم.....میں پچھلی رات بہت زیادہ خوفزدہ ہوگئی تھی.....اس لیے۔''

''رول ہمارے حوالے کردو۔''

''کک کیسا رول۔''

''وہی جسے تم نے گل پروسس سے اڑایا تھا!''

''یہ درست نہیں ہے!''

''اس کے باوجود بھی تم اس معاملے کے صاف ہونے تک حراست میں رہوگی!''

''لل۔لیکن.....!''

''بہتری اسی میں ہے کہ رول ہمارے حوالے کردو۔ ورنہ بہت پریشانیاں اٹھاؤ!''

''مم.....میرے پاس نہیں ہے!''

''حمید ہٹ کی تلاشی لو۔''

''یہ نہیں ہوسکتا!'' ماریہ مضطربانہ انداز میں بولی۔ ''تلاشی کا وارنٹ دکھاؤ۔''

''تمہیں وارنٹ طلب کرنے کا حق نہیں پہنچتا کیونکہ یہ تمہارا ہٹ نہیں ہے!'' نے کہا اور حمید نے اپنا کام شروع کر دیا۔

''مغل شاہی مت چلاؤ۔ یہ بیسوی صدی ہے!'' ماریہ بولی۔ پھر اس نے حمید کے ہی دوسرے کمرے میں داخل ہو جانا چاہا تھا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر اس کی کلائی پکڑ جھٹکا دے کر بولا۔ ''مجھے نامناسب رویہ اختیار کرنے پر مجبور نہ کرو۔''

''وہ برا سا منہ بنا کر رہ گئی۔ آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے ابل پڑنا چاہتی ہو۔ سے ہونٹ بھینچے کھڑی رہی۔ دفعتاً حمید ایک چھوٹا سا سوٹ کیس اٹھاتے ہوئے کمرہ داخل ہوا۔

''اس سوٹ کیس کے علاوہ یہاں اور کچھ نہیں ہے اور یہ مقفل ہے!''

''تمہارا ہے؟'' فریدی نے ماریہ سے پوچھا۔

وہ کچھ نہ بولی.....فریدی نے کنجی طلب کی۔ لیکن وہ خاموش کھڑی رہی.....!

''قفل توڑ دو۔'' فریدی نے حمید سے کہا۔

''قفل کو غلط طریقے سے چھیڑا گیا تو سوٹ کیس دھماکے کے ساتھ پھٹ جائے گا۔'' نے کہا۔

''بہت خوب۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''ہم کوئی جاسوسی کہانی ڈراما ٹائز نہیں کر رہے۔'' حمید سوٹ کیس کے قفل کو ایک باریک اوزار کی مدد سے کھولنے کوشش کر رہا تھا۔

''ٹھہر جاؤ۔'' وہ بے بسی سے ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''رول اس میں موجود ہے.....اور میں جانتی کہ اس کی کیا اہمیت ہے.....قفل ضائع نہ کرو میں کھولے دیتی ہوں۔''

حمید نے کوشش ترک کر دی اور وہ آگے بڑھتی ہوئی بولی۔ ''مجھے دو۔''

''کنجی۔'' حمید نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا! کنجی لاؤ۔ رول کے علاوہ اور کسی چیز کو ہیں لگاؤں گا۔''

''میں کنجی نہیں دوں گی۔''

''میں آنکھیں بند کر کے صرف رول نکال لوں گا۔''

''یہ ناممکن ہے۔''

ٹھیک اسی وقت باہر سے کسی گاڑی کے رکنے کی آواز آئی اور ماریہ اس طرف متوجہ ہوگئی سمجھ گیا تھا کہ قاسم واپس آ گیا ہے۔ لہٰذا وہ سوٹ کیس لیے ہوئے جھپٹ کر دوسرے ے میں چلا گیا۔

''دیکھئے آپ خواہ مخواہ بات بڑھا رہے ہیں۔'' ماریہ نے فریدی سے کہا۔ ''میں اف کر چکی ہوں کہ رول میرے پاس ہے۔''

دروازے پر دستک ہوئی اور ماریہ آہستہ سے بولی۔ ''پلیز اسے نہ معلوم ہونے پائے۔''

فریدی نے کچھ کہے بغیر آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

''ارے باپ رے!'' قاسم کی زبان سے بے ساختہ نکلا تھا۔

''یہ.....یہ..... پولیس آفیسر ہیں!'' ماریہ جلدی سے بولی۔ ''یہ میری مدد کریں گے۔ ان کے ساتھ جا رہی ہوں!''

قاسم ہونقوں کی طرح منہ کھولے کھڑا رہا۔

''ہاں ٹھیک ہے!'' فریدی نے سر ہلا کر کہا۔ ''سب ٹھیک ہو جائے گا!''

''لیکن..... مم..... میں نے تو!'' قاسم ہکلا کر رہ گیا۔

''ہاں تم سے غلطی ہوئی۔ تمہیں میرے پاس آنا چاہئے تھا۔'' فریدی نے کہا اور آواز میں بولا۔ ''حمید چلو.....! یہ ہمارے ساتھ جا رہی ہیں۔''

حمید سوٹ کیس اٹھائے ہوئے کمرے سے برآمد ہوا۔

اس پر نظر پڑتے ہی قاسم دانت پیسنے لگا۔ لیکن کچھ بولا نہیں..... ویسے جب وہ کر گاڑی میں بیٹھ رہے تھے۔ قاسم نے حمید سے کہا۔ ''کیا یہ ضروری ہے کہ تم اس طرح ٹوہ میں رہا کرو..... خداوند کریم تم کو جلد غارت کرے گا..... تم دیکھ لینا۔''

فریدی نے مڑ کر تیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور وہ ہونٹ بھینچ کر پیچھے ہٹ

''کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے..... سب ٹھیک ہو جائے گا!'' ماریہ نے اس جانب دیکھ کر ایسے انداز میں کہا جیسے کسی ننھے سے بچے کو کچھ سمجھا رہی ہو۔

وہ گاڑی میں بیٹھ گئے اور قاسم نے آگے بڑھ کر ماریہ سے پوچھا۔

''لیکن یہ لوگ یہاں کیسے پہنچ گئے تھے۔''

''میں نے فون کر کے بلایا تھا۔'' ماریہ نے جواب دیا۔

''میں بھی چلوں؟''

''نہیں..... کیا ضرورت ہے..... معاملات ٹھیک ہو جانے پر میں تمہیں فون کر دوں

فریدی نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ حمید پچھلی سیٹ پر ماریہ کے ساتھ بیٹھا تھا۔ کچھ طے ہو جانے کے بعد حمید نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔ قاسم کی گاڑی برابر تعاقب کر رہی تھی فاصلے سے۔

''وہ آ رہا ہے۔'' حمید نے ماریہ سے کہا۔

''اتنا معصوم آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا..... بیچارے نے بڑی سے لفٹ دی تھی۔''

حمید نے اس ریمارک پر کچھ نہیں کہا۔ پھر کچھ دیر بعد بولا۔

''آخر اس سوٹ کیس میں اس رول کے علاوہ اور کیا ہے۔ جس کی بنا پر تم نے

نہیں دی تھی۔''

''اب تمہارے بس میں ہوں دیکھ ہی لو گے۔ لیکن جس طرح اس رول کے معاملے میں بیوقوف بنی ہوں اسی طرح اس دوسری چیز کا بھی مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے وہ بھی کسی اور کی ہے۔''

''کیا چیز ہے۔''

''بغیر لائسنس کا ایک پستول جو میری ملکیت نہیں ہے۔ رحیم گل نے رکھوایا تھا۔''

''تمہارے قبضے میں ہے۔''

''تو یہ دوسرا جرم ہوا۔''

''بہت مضبوط اعصاب والی ہو۔''

''رول کے معاملے میں کس طرح بیوقوف بنی ہو۔'' فریدی نے سوال کیا۔

''ایک شخص نے معاوضے پر یہ کام مجھ سے لیا تھا۔ لیکن پھر مفت جھپٹ لینا چاہا..... اب میں ایسی احمق تو ہوں نہیں کہ اس کی باتوں میں آ جاتی۔''

''کس کی بات کر رہی ہو۔''

''والگو ہے ایک فرانسیسی۔ نیشنل اسٹوڈیوز میں ساؤنڈ انجینئر ہے۔''

''والگو..... کو تم کب سے جانتی ہو.....!''

''زیادہ دن نہیں ہوئے۔ رحیم گل ہی کی ایک کاک ٹیل پارٹی میں اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ بہرحال اس رول کے حصول کے لیے اس نے مجھے تین ہزار کا آفر دیا تھا۔''

''اور پھر معاوضہ ادا کئے بغیر حاصل کر لینا چاہا۔'' حمید نے پوچھا۔

''جی ہاں یہی بات ہے لیکن اب میرا کیا حشر ہوگا!''

''یہ بتانا بہت دشوار ہے۔''

''آپ چاہیں تو مجھے چھوڑ بھی سکتے ہیں۔''

''رحیم گل کے تحریری بیان میں تمہارا ذکر بھی موجود ہے لہٰذا اب یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں!'' فریدی نے کہا۔

ان کی گاڑی ایگل بیچ کی حدود سے نکل آئی تھی اور اب اس سنسان سڑک پر جا رہی تھی جو انہیں شہر تک پہنچاتی۔

اچانک گاڑی کا ایک ٹائر دھماکے کے ساتھ فلیٹ ہو گیا اور وہ سڑک کے نیچے اترتی چلی گئی۔ اگر فریدی جیسے مشاق آدمی کے ہاتھ میں اسٹیرنگ نہ ہوتا تو اس رفتار پر گاڑی کا الٹ جانا یقین تھا۔ گاڑی زبردست جھٹکے کے ساتھ رک گئی۔ ماریہ کے حلق سے چیخ نکلی تھی۔

ٹھیک اسی وقت ایک تیز رفتار گاڑی ان پر گولیوں کی بوچھاڑ کرتی ہوئی آگے نکل چلی گئی۔

حمید تیزی سے جھک گیا تھا ماریہ اس پر آ گری۔ فریدی نے پھرتی سے دروازہ کھول کر دوسری جانب باہر چھلانگ لگائی۔

گاڑی کچھ دور جا کر پھر پلٹ رہی تھی۔ فریدی نے حمید کو آواز دی۔ ''اگر زندہ ہو تو اسی پوزیشن میں پڑے رہنا۔''

پھر وہ تیزی سے رینگ کر ایسی پوزیشن میں آ گیا کہ سامنے سے دیکھا نہ جا سکے۔ ساتھ ہی ہولسٹر سے اعشاریہ چار پانچ کا لانگ رینج والا ریوالور بھی نکل آیا۔ اپنی گاڑی کے نیچے سے اس نے قریب آتی ہوئی گاڑی کے اگلے پہیوں پر دو فائر کئے اور قبل اس کے کہ اس گاڑی سے دوبارہ اسٹین گن کا برسٹ مارا جاتا فریدی کے ریوالور سے دو مزید فائر ہوئے..... دوسری گاڑی میں کوئی زور سے کراہا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے آدمی نے دروزاہ کھول کر گاڑی سے چھلانگ لگا دی۔ فریدی نے پانچواں فائر اس کی ٹانگ پر کیا تھا..... وہ ایک بار پھر اچھلا اور دھم سے گر پڑا۔

اور پھر سناٹا چھا گیا۔ ڈرائیونگ سیٹ سے چھلانگ لگانے والا بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔

''کیا تم زندہ ہو.....!'' فریدی نے حمید کو آواز دی۔

''زندہ ہوں۔'' حمید نے ماریہ کو ایک طرف ہٹاتے ہوئے کہا۔ وہ سیٹ پر لڑھک گئی۔ گاڑی کا عقبی شیشہ چور چور ہو گیا تھا اور گولیاں ماریہ کے شانے اور گردن میں پیوست ہو گئی تھیں۔

دوسری طرف فریدی حملہ آوروں کی کار کا جائزہ لے رہا تھا۔ اسٹین گن سے فائرنگ کرنے والا پچھلی سیٹ پر پڑا نظر آیا اس کی دونوں آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور پیشانی پر بڑا سا سوراخ تھا۔

حمید گاڑی سے اتر کر لڑکھڑاتا ہوا فریدی کی طرف بڑھا۔

''اوہ..... کہاں گولی لگی ہے!'' فریدی اس کی جانب مڑتا ہوا بولا اور پھر تیزی سے اس

کے قریب پہنچ گیا۔

''میں ٹھیک ہوں۔ یہ ماریہ کا خون ہے۔ وہ مر چکی ہے!''

ادھر سے گزرنے والی کئی گاڑیاں سڑک پر رک گئی تھیں اور لوگ اتر اتر کر ان کی جانب آ رہے تھے۔

ان میں قاسم بھی شامل تھا اور جیسے ہی قریب پہنچ کر اس نے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ماریہ کی لاش دیکھی دیوانوں کی طرح چیخنے لگا۔ بس آواز ہی آواز تھی۔ یہ سمجھ میں نہیں آ سکا تھا کہ وہ کہہ کیا رہا ہے لیکن کچھ کہہ ضرور رہا تھا۔

''کیا بکواس ہے۔ خاموش رہو۔'' فریدی نے اس کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

اس کا منہ بند ہو گیا اور آنکھیں نکل پڑیں۔

جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ معاملہ پولیس کا ہے تو ایک ایک کر کے کھسکنے لگے۔ بدقت تمام فریدی نے ایک ٹرک ڈرائیور کو اس پر آمادہ کر لیا کہ وہ دونوں لاشوں کو شہر تک پہنچا دے..... زخمی کو قاسم کی کار میں ڈالا گیا۔ وہ ابھی تک بیہوش تھا۔ مشرق بعید کے کسی ملک کا باشندہ معلوم ہوتا تھا اور دوسرا حملہ آور جس کی پیشانی پر فریدی کی گولی لگی تھی..... سفید فام تھا لیکن اس کی جیبوں سے کوئی ایسی دستاویز نہیں نکلی تھی جو ان کی شخصیتوں پر روشنی ڈال سکتی۔

ماریہ کے سوٹ کیس سے وہ رول حمید ہی نے نکالا تھا اور خود ہی پروسسنگ کے لیے اس کی لیبارٹری میں پہنچایا تھا۔ لیکن پھر اسے موقع نہیں مل سکا تھا کہ اس رول کے بارے میں معلومات بھی حاصل کرتا۔ کیونکہ اس کی ڈیوٹی اس ہسپتال میں لگا دی گئی تھی جہاں حملہ آور زخمی آپریشن کے لیے رکھا گیا تھا۔

ماریہ کی لاش دیکھ کر قاسم کی کچھ عجیب سی حالت ہو گئی تھی۔ اس لیے فریدی نے اسے انجکشن دلوا کر ایک کمرے میں لٹا دیا تھا۔ انجکشن خواب آور تھا۔

حملہ آور کو بھی خواب آور دوائیں دی گئی تھیں اور آپریشن دوسرے دن پر ملتوی کر دیا گیا تھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ یہاں ڈیوٹی لگانے کا مقصد یہی تو تھا کہ حملہ آور سے پوچھ گچھ کرنے کی کوشش کرے۔ لیکن ڈاکٹر نے اسے اس سے باز رکھا تھا۔ حالانکہ ہسپتال پہنچنے کے بعد ہی

اسے ہوش آ گیا تھا اور کم از کم وہ اتنا تو بتا ہی سکتا تھا..... کہ وہ کسی کا گرگا تھا یا ذاتی طور پر چاہتا تھا کہ ماریہ پولیس کے ہاتھ لگ جائے۔

حمید برآمدے میں ایک آرام کرسی پر نیم دراز کوئی مصور ماہنامہ دیکھ رہا تھا۔ وہ خوش شکل اور کم عمر نرس اس کے قریب آ کھڑی ہوئی اور کسی قدر ہچکچاہٹ کے بولی۔ ''بائیس نمبر والے صاحب جاگ پڑے ہیں جناب۔ بار بار آپ کا نام لے رہے ہیں۔''

''حمید کی روح فنا ہوگئی۔ کمرہ نمبر بائیس میں قاسم کو رکھا گیا تھا۔

طوعاً و کرہاً وہ اٹھا اور نرس کے ساتھ چل پڑا۔ وہ نرس خصوصیت سے قاسم ہی کے لیے میں متعین کی گئی تھی۔ فریدی نے اس کے لیے خصوصی ہدایات دی تھیں۔

قاسم بستر پر چت پڑا نظر آیا۔ اسکی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ پلکیں جھپکائے بغیر گھورے جا رہا تھا۔ حمید کی آہٹ پر دروازے کی جانب سر گھمایا۔ پھر اٹھنے کی کوشش بھی کی۔

''لیٹے رہو۔ لیٹے رہو!'' حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔

قاسم نے اتنی طویل آہ بھری تھی کہ پورا کمرہ لرز کر رہ گیا تھا۔ حمید بستر کے قریب کھینچ کر بیٹھ گیا۔

''مجھے قیا ہوگیا ہے!'' قاسم کے حلق سے بھائیں بھائیں آوازیں نکلیں۔

''سب ٹھیک ہے۔ تم بالکل ٹھیک ہو!''

''نہیں..... میں ٹھیک نہیں ہوں۔''

''ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ تم بالکل ٹھیک ہو.....!''

''ڈاکٹر کیا جانے..... کیا وہ میرے پیٹ میں بیٹھا ہوا ہے!''

''آہا..... تو کیا پیٹ میں کچھ ہو رہا ہے.....!''

''غاؤں غاؤں ہو رہا ہے۔''

اور پھر حمید نے بھی قراقر سنی! واقعی پیٹ اسی طرح بول رہا تھا جیسے بہت دور کہیں گرج رہے ہوں۔

''گھبراہٹ ہے کسی قسم کی۔'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں بلکل نہیں..... کچھ محسوس ہی نہیں ہوتا۔ نہ غصہ آ رہا ہے اور نہ کوئی غم۔ بس

''اوہ فکر نہ کرو۔ یہ انجکشن کا اثر ہے۔ اعصاب کو پُرسکون رکھنے کا انجکشن تھا!''

''اب غصہ آنے کا انجکشن لگوا دو۔ مجھے غصہ جرور آنا چاہئے!''

''کس پر غصہ آنا چاہئے!''

''ابے تجھ پر۔ سالے منحوس!''

دیکھ آ گیا نا غصہ۔'' حمید انگلی اٹھا کر بولا۔

''نہیں آیا۔'' قاسم مردہ سی آواز میں بولا۔ ''یہ تو میں اوپری دل سے کہہ رہا ہوں۔''

اگر کہو تو ایک انجکشن اور لگوا دوں.....!''

''گولی مار دوں گا۔ ابے میں بلقل بھینس ہو کر رہ غیا ہوں! لانت ہے ایسے انجکشن پر۔''

حمید نے سوچا موقع اچھا ہے۔ ابھی جو کچھ معلوم کرنا ہے پوچھ لیا جائے۔ اگر انجکشن کا اثر زائل ہو گیا تو پھر اسے ڈھب پر لانا بے حد دشوار ہو جائیگا۔ لہٰذا اس نے کہا ''بے فکر رہو۔ میں ایسا انجکشن لگوا دوں گا کہ پچھلے انجکشن کا اثر زائل ہو جائے۔''

''لیکن یہ تو بتاؤ کہ وہ تمہارے ہاتھ کیسے لگی تھی''

''لفٹ مانگی تھی مجھ سے۔''

''صرف لفٹ مانگی تھی یا پناہ بھی۔''

''پناہ سے قیا مطلب ہے۔''

''مطلب یہ کہ تم نے اسے اپنے ہٹ میں کیوں رکھا تھا!''

''گھر میں کیسے رکھ سکتا تھا۔''

''بہرحال تم بہت بڑے وبال سے بچ گئے ہو.....!''

''کہاں بچ گیا ہوں۔ سر پر تو سوار ہو۔''

''اس نے ایک جرم کیا تھا اور ہم اسی کے سلسلے میں اس سے پوچھ گچھ کرنے گئے تھے لیکن وہ ہمیں جل دے کر عقبی دروازے سے نکل گئی۔ اگر تم وہاں موجود نہ ہوتے تو اور کسی سے لفٹ مانگتی۔''

''بکواس مت کرو۔ وہ دنیا کی ستائی ہوئی تھی۔''

''مجھ پر بھی ترس کھایا کرو۔ میں بھی دنیا کا ستایا ہوا ہوں'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''بس کھاموش!''

''اچھی بات ہے! میں چلا۔ تم اپنے پیٹ کی آوازیں سنتے رہو۔''

''نہیں ٹھہرو.....! تم لوگوں نے اسے خود کیوں مار ڈالا۔ جیل میں ڈال دیتے۔ اس مقدمہ چلاتے۔''

''اسے ہم نے نہیں مارا۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ہاتھوں ماری گئی..... ہم بھی بال بال بچے ہیں۔ ورنہ ہمیں اسٹین گن گولیاں چاٹ جاتیں۔''

''مجھے بیحد خوشی ہوتی۔'' قاسم نے خواہ مخواہ دانت نکال کر خوشی ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ اس میں کسی جذبے کی کارفرمائی ہرگز نہیں تھی۔

''بس اب پڑے رہو چپ چاپ! اگر ہماری بجائے کوئی اور آفیسر تمہیں اس کے ساتھ دیکھ لیتا تو تمہارے والد صاحب کو بھی چھٹی کا دودھ یاد آ جاتا۔''

''والد صاحب کو مت گھسیٹو بیچ میں..... ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔''

''کرنل صاحب تو گھسیٹنے والے ہیں!''

''قاسم بوکھلا کر اٹھ بیٹھا اور ہانپتا ہوا بولا۔'' تم سالے مجھے اسپتال میں بھی نہ رہنے دو گے۔''

''ساتھ ہی اس نے کنکھیوں سے اس نرس کو بھی دیکھا تھا جو دروازے کے قریب رکی ہوئی تھی۔ حمید نے مسکرا کر قاسم کو آنکھ ماری اور وہ جلدی سے بولا!'' نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔

حمید نے نرس کی طرف مڑے بغیر کہا'' سسٹر۔ صاحب کو لٹا دو!''

وہ آگے بڑھی اور قاسم کے شانوں پر ہاتھ رکھ اسے لٹا دینے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔

''لیٹ جایئے جناب! آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔''

پھر ایسا معلوم ہونے لگا جیسے قاسم کی سانس پیٹ میں سما ہی نہ رہی ہوں۔ چپ چاپ لیٹ کر ہانپنے لگا۔

حمید اٹھتا ہوا نرس سے بولا۔'' ذرا پیار محبت کا برتاؤ رکھنا تو پھر زیادہ پریشان نہیں کرے گا۔''

''رک جاؤ۔ رک جاؤ۔'' قاسم دونوں ہاتھ ہلا کر بولا۔

''رک گیا۔ کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''والد صاحب کو نہ معلوم ہونے پائے۔ قسمی تو بھی نہ معلوم ہونے پائے۔''

''کوشش کروں گا کہ کرنل صاحب کو اس پر آمادہ کرلوں۔''

''میری طرف سے ہاتھ جوڑ کے کہہ دینا۔''

''اچھا۔ اچھا.....!'' حمید سر ہلا کر بولا۔'' لیکن تمہارے گھر والوں کو تمہاری تلاش ہوگی۔''

''نہیں ہوگی۔ میں کہہ آیا تھا کہ شہر سے باہر جا رہا ہوں۔ دو چار دن مجھے یہیں رہنے دو۔''

''آج کے بعد کے اخراجات خود تمہیں برداشت کرنے پڑیں گے۔ یہ ڈیڑھ سو روپے یومیہ کا کمرہ ہے۔ نرس کو چھ گھنٹے کے ایک سو بیس روپے دیئے جاتے ہیں!''

''سب کچھ میں دوں گا تم فکر نہ کرو۔''

''اچھی بات ہے میں ڈاکٹر سے بات کروں گا۔''

''پکی بات ہونی چاہئے سمجھے۔''

''ہاں اور کیا..... پکی ہی ہوگی۔'' حمید نے کہا اور کمرے سے نکل آیا۔ بڑے وبال سے گلو خلاصی ہوئی تھی۔ ورنہ وہ تو یہی سمجھتا تھا کہ قاسم سے جان چھڑانا مشکل ہو جائے گا۔ کیونکہ کوئی بات آسانی سے اس کے ذہن نشین نہیں ہوتی تھی۔

قاسم کے کمرے سے نکل کر ڈاکٹر کے کمرے کا رخ کیا۔ یہاں سے فریدی کو فون پر مخاطب کرنا چاہتا تھا! مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ ہسپتال سے نکل بھاگنے کی اجازت طلب کرے اور اسے آگاہ کر دے کہ زخمی حملہ آور سے آج بات نہیں ہو سکے گی۔

اس کی یہ خواہش پوری ہوگئی۔ فریدی دفتر ہی میں تھا۔ اسے بھی وہیں طلب کر لیا۔ کچھ سہی اس گھٹن کے ماحول سے تو نجات مل ہی جائے گی۔ بھاگم بھاگ دفتر پہنچا۔ فریدی کہیں جانے کے لیے تیار تھا اور محکمے کی آرمڈ کار نکلوائی تھی جس کی باڈی پر گولیوں کا اثر نہیں ہوتا تھا۔

''چلو۔ آؤ!'' فریدی کہتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

''میں کچھ دیر بیٹھنے کے لیے آیا تھا۔'' حمید بھنا کر بولا۔

''گاڑی میں بیٹھے رہنا۔''

''رول کا کیا ہوا۔''

''رات کو پروجیکشن روم میں دیکھ لینا۔ بس وہ معاملہ دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے اور

میں اسے محض اپنی ذات تک محدود نہیں رکھنا چاہتا۔ اس لیے کچھ ذمہ دار شخصیتیں بھی ا
دیکھیں گی۔''

''آپ دیکھ چکے ہیں۔''

''ہاں میں دیکھ چکا ہوں اور اب سوچ رہا ہوں کہ یہ بیچارے فلم والے مفت میں ا
گئے ہیں۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''فلم دیکھنے کے بعد ہی سمجھ سکو گے۔ اس کے بغیر میں بھی نہیں سمجھا سکوں گا۔''

''اب ہم کہاں جا رہے ہیں!''

''دیکھنا ہے کہ اب بھی ہمارا تعاقب کیا جا رہا ہے یا نہیں.....!''

''تعاقب!'' حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔''

''کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ دونوں ہمارا تعاقب کیے بغیر ماریہ تک پہنچ گئے تھے۔ اگر مجھ
اس سلسلے میں غفلت سرزد نہ ہوئی ہوتی تو اس کا یہ حشر ہرگز نہ ہوتا۔''

''آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ پہلے ہی سے ہمارا تعاقب کرتے رہے تھے۔''

''اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ ہمارے اس تک پہنچنے سے قبل ہی رول اس سے حاصل کر لیتے

''سمجھ میں آنے والی بات ہے۔''

''ابھی کچھ دیر پہلے رحیم گل کی کال آئی تھی۔ اس نے بتایا ہے کہ کچھ سفید فام غیر ملکی
اس رول اور ماریہ میں دلچسپی لے رہے ہیں۔''

''رحیم گل کو کیسے علم ہوا۔''

فریدی نے رحیم گل کی روداد دہراتے ہوئے کہا۔''اس کی کال آنے کے بعد ہی ا
عمارت کو چیک کیا گیا جہاں اسے لے جایا گیا تھا لیکن وہ خالی تھی۔''

''رحیم گل نے ہوائی نہ چھوڑی ہو۔''

''ماریہ والا حادثہ پیش نہ آیا ہوتا تو میں بھی یہی سمجھتا! لیکن ایسی صورت میں یقین کرنا
پڑے گا۔''

''والگہ کو حراست میں لیا گیا یا نہیں۔''

''وہ بھی مجھے محض آلہ کار معلوم ہوتا ہے اس لیے فی الحال اس کی نگرانی کرا رہا ہوں۔''

''اگر آلہ کار ہے تو وہ بھی مارڈالا جائے گا۔ انہیں ماریہ کی تلاش اسی لیے تھی کہ رول
ے ہاتھ نہ لگنے پائے۔ ہوسکتا ہے والگو اصل مجرم تک رہنمائی کر سکے.....!''

فریدی نے عقب نما آئینے پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔''نیلی کار..... نیلی کار پر نظر رکھو۔''

نیلی کار دو گاڑیوں کے پیچھے تھی۔ حمید اسے کینہ توز نظروں سے دیکھتا رہا۔ فریدی نے
ل بورڈ کے ایک خانے سے ٹرانسمیٹر کا ماؤتھ پیس نکالا اور کسی کو مخاطب کر کے بولا۔''دو
یوں کے پیچھے نیلی گاڑی ہے۔ اس پر نظر رکھو۔''

''میں پہلے ہی اسے مارک کر چکا ہوں جناب!'' ریسیور سے آواز آئی۔''آفس کے
یب ہی سے اس نے تعاقب شروع کیا ہے!''

''دیٹس آل.....!'' کہہ کر فریدی نے ماؤتھ پیس کو ڈیشن بورڈ کے خانے میں رکھ دیا
طویل سانس لے کر بولا۔''فی الحال بیحد محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ اب وہ جاننا چاہتے
کہ رول بھی میرے ہاتھ لگ سکا ہے یا نہیں۔''

''فطری بات ہے!'' حمید سر ہلا کر بولا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر اس نے پوچھا۔''آخر آپ جا کہاں رہے ہیں!''

''ایگل بیچ!''

''وہاں کیا ہے؟''

''دیکھ لینا.....!''

''دیکھنا تو میں صرف فلم اسٹار شاداں کو چاہتا ہوں!'' حمید بیزاری سے بولا۔

''اب ادھر جانے کی ضرورت نہیں ہے!''

''گویا اس کیس کا تعلق اب ان لوگوں سے نہیں رہا۔''

''میری دانست میں اب راشد علوی اور کیمرہ مین کی حیثیت صرف گواہوں کی سی رہ
ے گی۔''

''یہ تو بہت برا ہوا۔''

''کیوں!''

''میں نے سوچا تھا کہ اس طرح فلم سازی کا بھی کچھ تجربہ حاصل کرلوں گا
ریٹائرمنٹ کے بعد اسٹنٹ فلمیں بنانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔''

وہ ایگل بیچ پہنچ گئے۔ حمید نے عقب نما آئینے پر نظر ڈالی پیچھے کئی گاڑیاں تھیں ا
وہ نیلی گاڑی بھی شامل تھی جسے وہ راستے بھر دیکھتے آئے تھے۔ فریدی نے گاڑی اس
موڑ دی جدھر قاسم کا ہٹ نمبر ستائیس تھا۔

''یہ کیا ہو رہا!'' حمید نے حیرت سے کہا۔ وہ ہٹ کے قریب پہنچ گئے تھے۔
آس پاس کی زمین کی کھدائی ایک باوردی سب انسپکٹر کی نگرانی میں ہو رہی تھی۔

''رول کی تلاش جاری ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

فریدی کو دیکھ کر سب انسپکٹر قریب آیا اور سلیوٹ کر کے بولا۔ ''جناب عالی! ابھی
کچھ بھی برآمد نہیں ہو سکا۔''

''ٹھہرو۔ میں دیکھتا ہوں!'' فریدی گاڑی سے اترتا ہوا بولا۔ اس نے حمید کو بھی ا
کا اشارہ کیا تھا۔

وہ ہٹ نمبر ستائیس کے عقبی دروازے کی طرف آئے۔ فریدی جھک کر زمین پر کچھ دیکھ
پھر بائیں جانب دس بارہ قدم چل کر رک گیا اور سب انسپکٹر سے بولا۔ ''یہاں کھدائی کرا

حمید آہستہ آہستہ اپنی گدی سہلا رہا تھا۔ نیلی گاڑی کچھ دور کے ایک ہٹ کے سا
رک گئی تھی۔ فریدی انسپکٹر کو مزید کچھ ہدایات دینے کے بعد واپسی کے لیے مڑ گیا۔

''پتا نہیں آپ کیا کرتے پھر رہے ہیں۔'' حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔

''بلف.....!''

''آخر کیوں.....والگو کی فکر کیجئے! کہیں وہ بھی ہاتھ سے نہ نکل جائے۔''

''رول ہمارے ہاتھ نہ لگنے کا یہ مطلب ہو گا کہ ماریہ نے ہمیں والگو کے با
میں کچھ نہیں بتایا۔ میں انہیں یقین دلانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ صرف ماریہ ہمارے
تھی۔ رول نہیں ملا تھا۔''

''اس سے فائدہ۔''

''وہ بہت زیادہ محتاط ہونے کی کوشش نہیں کریں گے!''

''لیکن رحیم گل۔ اسے آپ کیوں بھول جاتے ہیں۔ وہ ان میں سے چار افراد کو دیکھ چکا ہے۔''

''اور انہیں یقین دلا چکا ہے کہ اسے پولیس سے کوئی ہمدردی نہیں اور پھر جس عمارت
میں رحیم گل کو لے جایا گیا تھا۔ وہاں اب کرائے کے لیے خالی ہے کا بورڈ لگا ہوا ہے۔''

''عمارت کس کی ہے۔''

''فی الحال اس مسئلے کو بھی چھیڑنے کی ضرورت نہیں ہے ورنہ انہیں علم ہو جائے گا کہ
رحیم گل نے ہمیں مطلع کر دیا ہے۔''

وہ پھر دفتر کی طرف پلٹ آئے تھے۔ حمید مسلسل یہی سوچے جا رہا تھا کہ آخر اس رول
میں ہے کیا۔ فریدی نے وضاحت نہیں کی تھی۔ واپسی کے سفر میں حمید نے زیادہ تر عقب نما
آئینے ہی پر نظر رکھی تھی۔ لیکن پھر نیلی کار نہیں دکھائی دی تھی۔

''واپسی کے دوران میں نیلی گاڑی نظر نہیں آئی۔'' اس نے فریدی کی توجہ دلائی۔

''جہاں بھی جائے گی ہمیں علم ہو جائے گا۔''

''اوہ! یاد آیا.....آپ نے اس کے لیے کسی کو ہدایات دی تھیں۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ فون کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کچھ سنا اور غالباً نیلی
گاڑی ہی سے متعلق کسی کو ہدایات دینے لگا۔

حمید بے چینی سے اس وقت کا منتظر تھا جب پروجیکشن روم میں وہ فلم دکھائی جاتی۔
ریسیور رکھ کر فریدی اس کی مڑا اور بولا! ''یہ اس ٹیم کے انچارج کی کال تھی جو والگو کی
نگرانی پر متعین کی گئی ہے۔''

''لیکن شاید ذکر نیلی گاڑی کا تھا۔''

''اس نے یہی اطلاع دی ہے کہ نیلی گاڑی میں والگو ہے اور گاڑی اب بھی ایگل بیچ
میں موجود ہے۔''

''تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ نیلی گاڑی اب دو پارٹیوں کی نگرانی میں ہے!''

فریدی سر کو مثبت جنبش دے کر اٹھ گیا۔

پروجیکشن روم میں فریدی کے محکمے کے اعلیٰ افسروں کے ساتھ انٹر سروسز انٹیلی جنس کا

ڈائریکٹر جنرل بھی موجود تھا! حمید سوچ رہا تھا کہ آخر یہ کیا چکر ہے۔ انٹر سروسز کیوں؟

فلم شروع ہوئی۔ شہزاد کا گھوڑا جنگل سے پہاڑیوں کی طرف آتا دکھائی دیا۔ رفتار خاصی تیز تھی..... اسکرین تاریک ہو گیا..... دوبارہ وہ پہاڑیوں پر چڑھتا دکھائی دیا..... اسکرین تاریک ہو کر سہ بارہ روشن ہوا تو گھوڑا پہاڑیوں کے اوپر ایک قدرے مسطح جگہ پر دوڑتا نظر آیا..... یک بیک بیٹھ گیا..... اور شہزاد اس پر اس طرح دوہرا ہو گیا جیسے کسی نے توڑ کر رکھ دیا ہو۔ اسکرین پھر تاریک ہو گیا۔

کمرے میں روشنی ہوئی تو سب کے سب فریدی کی طرف متوجہ ہو گئے اور انٹر سروسز کے ڈائرکٹر جنرل نے سوال کیا؟ آپ کیا دکھانا چاہتے تھے۔''

''وہ دو عدد پرچھائیاں جو گھوڑے کے پیچھے حرکت کر رہی تھیں.....!''

فریدی کی گمبھیر آواز کمرے کے سناٹے میں گونجی۔

''پرچھائیاں.....!'' ڈائریکٹر جنرل کے لہجے میں حیرت تھی۔

''جی ہاں۔'' فریدی نے کہا اور اونچی آواز میں بولا۔ ''آپریٹر..... تیسرا پرنٹ پھر چلاؤ۔''

ذرا دیر بعد اسکرین پھر روشن ہو گیا اور اب حمید نے بغور دیکھا۔ واقعی دو لمبی لمبی انسانی پرچھائیاں گھوڑے کے عقب میں تھوڑے ہی فاصلے پر متحرک نظر آ رہی تھیں۔

''فریز کرو۔'' فریدی کی آواز اندھیرے میں گونجی اور وہ منظر اسکرین پر ٹھہر گیا۔

''اب ملاحظہ فرمائیے!'' فریدی نے شاید ڈائرکٹر جنرل کو مخاطب کیا تھا۔

''ہاں..... میں دیکھ رہا ہوں۔ پرچھائیاں ہیں..... دو آدمیوں کی پرچھائیاں جو نظر نہیں آ رہے۔ فریم سے باہر ہیں۔'' یہ ڈائرکٹر جنرل کی آواز تھی۔

''اب پرچھائیوں کے رخ ملاحظہ فرمائیے۔ گھوڑا شمال سے جنوب کی طرف جا رہا ہے۔ سورج مشرق میں ہے۔ لہٰذا گھوڑے کی پرچھائیں مغرب کی طرف پڑ رہی ہے۔ لیکن ان دونوں آدمیوں کی پرچھائیاں جو گھوڑے کے پیچھے ہیں شرقاً غرباً نہیں بلکہ شمالاً جنوباً ہیں۔ کیا یہ حیرت انگیز نہیں ہے۔''

کوئی کچھ نہ بولا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ حمید کی آنکھیں پھٹی کھل گئی تھیں۔ منظر کی ساری پرچھائیوں کا رخ ایک ہی جانب ہونا چاہئے تھا۔

''کیا آپ مجھ سے اس معاملے میں متفق ہیں!'' فریدی نے اونچی آواز میں سوال کیا۔

''ٹھیک ہے۔ آگے چلئے.....!'' ڈائریکٹر جنرل کی آواز آئی۔

''آپریٹر موو آن پلیز۔''

منظر میں دوبارہ تحریک پیدا ہو گئی۔ دونوں پرچھائیوں کا فاصلہ گھوڑے سے کم ہوتا جا رہا تھا پھر جیسے ہی ایک پرچھائیں کا سر گھوڑے کے پچھلے حصے تک پہنچا گھوڑا اسی طرح پچھلے حصے سے ڈھ گیا جیسے پچھلی ٹانگیں یکلخت ٹوٹ گئی ہوں.....!''

''فریز کرو۔'' فریدی کی آواز سناٹے میں ابھری اور منظر اسکرین پر منجمد ہو گیا۔

''ملاحظہ فرمائیے۔ ان پرچھائیوں کے علاوہ آس پاس اور کچھ نہیں ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''لیکن پرچھائیاں کس کی ہیں.....!'' کوئی بولا۔

''جس کی بھی ہوں اور جو کچھ بھی ہوا ہے محض پرچھائیوں کی وجہ سے ہوا ہے!''

''یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے.....!''

''اس لیے کہ گھوڑے کے اس طرح گر جانے کی محرک اور کوئی چیز نہیں نظر آتی..... دیکھئے پرچھائیں کا سر گھوڑے کے پچھلے حصے پر ہے..... آپریٹر..... آگے چلو۔''

پروجیکٹر پھر چلنے لگا۔ دوسری پرچھائیں کا ہاتھ شہزاد کی گردن پر پڑا اور وہ اس طرح دوہرا ہو گیا جیسے بیچ سے ٹوٹ گیا ہو۔ پروجیکٹر چلتا رہا۔ دونوں پرچھائیاں گھوڑے اور سوار پر چھا گئی تھیں..... پھر یک بیک وہ غائب ہو گئیں۔

پروجیکٹر رک گیا اور کمرے میں روشنی ہو گئی۔ فریدی کہہ رہا تھا۔ ''اگر وہ دو افراد تھے تو کس طرح گھوڑے اور سوار پر حملہ آور ہوئے۔ کیمرہ یہ بتانے سے قاصر ہے!''

''آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟'' ڈائرکٹر جنرل نے الجھ کر پوچھا۔

''میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس رول کے لیے جو لوگ کوشاں رہے ہیں۔ ان کا تعلق فلم انڈسٹری سے نہیں ہے۔ ایک سفید فام غیر ملکی جو ابدی کے لیے زندہ نہیں بچا۔ دوسرا جو ہسپتال میں زخمی پڑا ہوا ہے۔ مشرق بعید کا باشندہ معلوم ہوتا ہے اور ابھی بیان دینے کے قابل نہیں ہے۔ یہ میرا مشورہ ہے کہ اس علاقے کو جہاں یہ حادثہ پیش آیا ہے۔ فوج کی نگرانی میں ممنوعہ علاقہ قرار دیا جائے۔ وہاں اس سے پہلے جو حادثات ہوتے رہے

ہیں انہیں کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ کیونکہ اس میں کسی انسانی جان کا اتلاف نہیں ہوا تھا۔''

''ملٹری کی نگرانی میں کیوں؟'' ڈائریکٹر جنرل نے سوال کیا۔

''اس لیے کہ یہ مسئلہ دفاع کا مسئلہ بھی بن سکتا ہے!''

''میں آپ سے متفق نہیں ہوں۔''

فریدی خاموش ہو گیا۔ اس نے یہ نہیں پوچھا تھا کہ ڈائریکٹر جنرل اس سے کیوں نہیں ہے۔ ویسے کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ''شاید میں نے یہ مشورہ قبل از وقت دے دیا۔

''کوئی ٹھوس بنیاد کرنل فریدی!'' ڈائریکٹر جنرل نے کہا۔

''فی الحال کوئی واضح دلیل نہیں رکھتا! بس اسے میری چھٹی حس کہہ لیجئے۔''

''میری دانست میں ایک پولیس کیس سے زیادہ اس کی اہمیت نہیں ہو سکتی!'' ڈائریکٹر جنرل نے کہا..... ''بظاہر حادثہ پُراسرار بھی ہے! لیکن اس کے بعد ہی کیمرہ بند کر دیا گیا۔ ورنہ شاید بات صاف ہو جاتی۔''

''اسکے بعد بھی انسانی پرچھائیوں کا غیر فطری ڈائریکشن ہمیں دعوت فکر دیتا ہے!'' فریدی نے کہا۔

''آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ کیا یہ کوئی آسیبی واردات تھی!''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آسیبی واردات سمجھتا تو آپ کے بجائے کسی عامل روحانی کو زحمت دی جاتی۔''

''پھر کیا ہے؟'' ڈائریکٹر جنرل نے کسی قدر جھنجھلاہٹ کے ساتھ سوال کیا۔

''یہ کوئی خطرناک قسم کا سائنسی تجربہ ہے جو مختلف ادوار سے گزرتا ہوا بالآخر انسانی کے اتلاف تک آ پہنچا ہے!''

''میرے علم واطلاع کے مطابق کوئی فوجی ادارہ اس قسم کا کوئی تجربہ نہیں کر رہا۔''

فریدی نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی اور دوسری طرف دیکھنے لگا! حمید محسوس تھا جیسے اب وہ اس مسئلے پر کسی قسم کی بھی گفتگو نہ کرنا چاہتا ہو۔ آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر کے رخصت ہو جانے کے بعد فریدی کے محکمے کا ڈائریکٹر جنرل اس کے سر ہو گیا۔

''آپ نے خواہ مخواہ بات کا بتنگڑ بنا دیا۔'' اس نے تلخ لہجے میں کہا۔

''میں اب بھی اپنی بات پر قائم ہوں جناب! اگر وہ دو آدمی ہی تھے تو ان کی پرچھا

ڈائریکشن بھی وہی کیوں نہیں تھا جو گھوڑے کی پرچھائیں کا تھا!''

''میں کب کہتا ہوں کہ آپ کا یہ اعتراض غلط ہے!''

''پھر یہ بات کا بتنگڑ کیسے ٹھہرا۔''

''آئی ایس آئی کو اس میں گھسیٹنے کی کیا ضرورت تھی!''

''صرف یہ معلوم کرنے کیلئے کہ خود ملٹری ہی کا کوئی شعبہ تو اس قسم کے تجربات نہیں کر رہا۔''

''اگر کر بھی رہا ہے تو اس کا اعتراف نہیں کیا جائے گا۔''

''تو پھر اس مشورے پر برا ماننے کی کیا ضرورت تھی کہ اس علاقے کو ملٹری کے زیر رانی ممنوعہ قرار دیدیا جائے!''

''اپنے معمولات کے مطابق کام کیجئے! ادھر ادھر دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ اس ضلعے کا ی کمشنر بھی اسے ممنوعہ علاقہ قرار دے سکتا ہے۔''

''میں جانتا ہوں لیکن اگر بات بڑھ گئی تو اسے سنبھال لینا، پولیس کے بس کا روگ نہ ہوگا۔''

''اب مجھے بھی پوچھنا پڑے گا کہ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں!''

''میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہم نے ابھی اتنی ترقی نہیں کی ہے کہ ہماری فوج کا کوئی ہ اس قسم کے تجربات شروع کر دے۔ یہ یقینی طور پر کوئی غیر قانونی اور بیرونی کارروائی ہے۔''

''تمہیں تو غیر ملکی مداخلت کے خواب آنے لگے ہیں۔''

فریدی نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا تھا اور بات ختم ہو گئی تھی۔ لیکن صرف پروجیکشن ک حد تک۔ باہر تو فریدی کے ماتحت بدستور اپنے کاموں میں مصروف تھے.....!''

''اب میں بھی یہی کہوں گا کہ بتنگڑ کے علاوہ اور کچھ بھی ہاتھ نہ آیا۔'' حمید نے اس سے کہا جب وہ گھر جانے کے لیے گاڑی میں بیٹھ رہے تھے۔

''ابھی پچھتاوا بھی ہاتھ آئے گا۔ دیکھتے رہو!'' فریدی کا لہجہ بے حد تلخ تھا۔

''اگر آپ اپنی بات سے ہٹ جائیں تو آپ کا امیج خراب ہوگا!''

''جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں ہٹ دھرم نہیں ہوں۔ بہتیرے بڑے مجرم بھی پیشے پر اس قسم کے کاروبار کرتے ہیں۔''

''میں نہیں سمجھا آپ کیا کہنا چاہتے ہیں!''

''صرف بڑی طاقتیں ہی اپنا اسلحہ پسماندہ یا ترقی پذیر مالک کے ہاتھ فروخت کر رہیں۔ بلکہ کچھ بڑے مجرم بھی اس کاروبار میں ملوث ہیں۔ پتا نہیں کتنا یورینیم اور پلوٹ بڑے ملکوں کو اسمگل آؤٹ ہو جاتا ہے۔ ان بڑے مجرموں نے پسماندہ ممالک میں اپنے گراؤنڈ کار خانے قائم کر رکھے ہیں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔

''اور ہم پہلے بھی ایسے حالات سے دوچار ہو چکے ہیں۔ کوئی نئی بات نہیں!'' نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

وہ گھر پہنچ کر بیٹھنے بھی نہیں پائے تھے کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔

فریدی نے ریسیور اٹھایا اور پُرتشویش انداز میں سنتا رہا۔ نظریں حمید کے چہرے ہوئی تھیں۔

''نیلی کار کہاں ہے.....؟'' اس نے سوال کیا اور پھر سنتا رہا۔

''نگرانی جاری رکھو۔'' اس نے کہا۔ ''وہ نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائے ا ہٹ کا نمبر کیا بتایا تھا۔ اچھا اچھا.....ٹھیک ہے۔ میں دیکھوں گا!''

ریسیور رکھ کر اس نے طویل سانس لی اور حمید سے بولا۔ ''میں نے انہیں یقین ہے کہ رول میرے ہاتھ نہیں لگ سکا۔''

''وہ کس طرح۔''

''قاسم کا ہٹ نمبر ستائیس کچھ دیر پہلے بالکل تباہ کر دیا گیا.....ایک زبردست د اور اس میں آگ لگ گئی۔ شاید وہ سمجھے ہیں کہ ماریہ نے اس رول کو ہٹ ہی میں کہیں تھا۔ اگر میں اس کے آس پاس کھدائی نہ شروع کرا دیتا تو وہ کبھی اس نتیجے پر نہ پہنچتے۔''

''تو گویا اس ہٹ کی تباہی کی ذمہ داری آپ پر ہے۔''

''سیٹھ عاصم کا خسارہ پورا کر دیا جائے گا۔'' فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں میں

''قریب کے کچھ اور ہٹوں کو بھی تھوڑا بہت نقصان پہنچا ہے!''

''اور نیلی گاڑی کا کیا قصہ ہے!''

''وہ اب بھی ایک ہٹ کے سامنے موجود ہے۔ والگو شاید رات اسی ہٹ میں

کا ارادہ رکھتا ہے اور اس طرح شاید وہ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ والگو کے بارے میں ہم کیا نظریہ رکھتے ہیں۔ تم اس سے براہ راست بھی تو گفتگو کر چکے ہو!''

''جی ہاں.....اور آپ کو اس سے متعلق تحریری رپورٹ بھی دے چکا ہوں۔''

''غالباً وہ جاننا چاہتے ہیں کہ خود ماریہ نے تو اس کا ذکر ہم سے نہیں کر دیا۔''

''میرا خیال ہے کہ آپ اسے حراست میں ہی لے لیجئے! کہیں وہ بھی نہ ہمارے ہاتھ سے جائے۔''

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں.....!''

''کیا اس وقت بھی ہمارے تعاقب کیا گیا.....!''

''یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا!'' فریدی بولا۔ ''لیکن اب وہ اس سلسلے میں بھی احتیاط برتیں گے۔ بہرحال اس وقت ہم عقبی پارک والے راستے سے باہر جائیں گے تاکہ تعاقب کا خدشہ ہی نہ رہے.....!''

''کھانے سے قبل نہیں!'' حمید بوکھلا کر بولا۔

فریدی نے اسے گھور کر دیکھا اور اپنی تجربہ گاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

رات کے کھانے کے بعد جب وہ عقبی پارک والے راستے سے باہر جا رہے تھے حمید نے پوچھا۔ ''اب کہاں جائیں گے۔''

''ایگل بیچ۔ اب ہمیں والگو پر ہاتھ ڈال ہی دینا چاہئے!''

''اف فوہ۔ اس کے لیے اتنی زحمت اٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔ جو لوگ نگرانی کر رہے ہیں ان سے کہیے ہتھکڑی لگا دیں۔''

''میں خوش فہمی میں بہت کم مبتلا ہوتا ہوں۔'' فریدی خشک لہجے میں بولا۔

''کیا بات ہوئی۔''

''اپنا کوئی ماتحت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔''

''اور میں تو برابر کا حصہ دار ہوں!'' حمید جل کر بولا۔ ''اس لیے ضائع ہو جانے میں کوئی مضائقہ نہیں!''

فریدی ہنس پڑا اور اس کا شانہ تھپک کر بولا۔ ''تم ضائع ہوئے تو واقعی آدھا میں ضائع

ہو جاؤں گا!''

عقبی پارک سے نکل کر وہ قریباً چار فرلانگ پیدل چلے تھے۔ حمید ریڈی میڈ میک
میں تھا اور فریدی نے بھی اپنی ظاہری حالت میں نمایاں تبدیلی کی تھی۔

''پھر پوچھوں گا کہ آخر اس اہتمام کی کیا ضرورت!'' حمید بولا۔

''پھر کہوں گا کہ بہت کم کسی خوش فہمی میں مبتلا ہوں۔ والگو مجھے چارہ لگ رہا ہے
جانتے ہیں کہ اس کی نگرانی کی جارہی ہے!''

''اور ہم اس چارے پر منہ مارنے جارہے ہیں۔ اگر واقعی کانٹا حلق میں پھنس گیا تو

''تمہارا ذہن بہت الجھا ہوا لگتا ہے۔ بہتر ہوگا کہ اپنے خوابوں کو دہرانا شروع کردو

''میرے خواب!'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

دیکھ کر خواب میں تجھ کو جو اچٹ جاتی ہے نیند
سونے والے مجھے پھر نیند کہاں آتی ہے

''بس بس ٹھیک ہے! اسی طرح بکواس کرتے رہو۔ تھوڑی دیر بعد فارم میں آجاؤ گے

دفعتاً فریدی چلتے چلتے رک گیا..... وہ ایک لمبا چکر کاٹ کر سڑک پر پہنچ چکے تھے۔
یہاں ایک جیپ کھڑی نظر آئی۔ فریدی نے حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔
ڈرائیو کرو گے۔''

کنجی اگنیشن میں موجود تھی۔ حمید نے انجن اسٹارٹ کیا۔

فریدی اس کے برابر والی سیٹ پر پہلے ہی بیٹھ چکا تھا۔

''ایگل بیچ کی طرف!'' حمید نے پوچھا۔

''ظاہر ہے۔ لیکن بیچ ہوٹل کے گرد چکر کاٹ کر پہلے ساحل کی طرف..... اس کے بو
بتاؤں گا کہ کیا کرنا ہے۔''

حمید بولنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا۔ وہ مسلسل انہی پرچھائیوں
کے بارے میں سوچے جارہا تھا۔ وہ یقیناً غیر معمولی تھیں ہوسکتا ہے۔ سپاہی مبارک علی نے
وہاں کچھ دیکھا ہو۔ اسی لیے وہ بھی مار ڈالا گیا۔ کیا اس نے بھی وہ پرچھائیاں دیکھی تھیں۔
پھر اس رول کے لیے دو مزید جانیں ضائع ہوگئیں۔ ایک ماریہ ایک دوسرا وہ جو فو

نمبر 41

گولی سے مرا تھا..... فریدی کے وہ دلائل یاد آئے جو اس نے پروجیکشن روم میں دیئے
ھے۔ وہ پرچھائیاں۔ خدا کی پناہ! کوئی خطرناک ایجاد تجرباتی دور میں تھی اور جسے پردہ راز میں
رکھنے کے لیے اتنی زندگیاں ختم کر دی گئی تھیں۔

ایگل بیچ پہنچ کر اس نے فریدی کی ہدایت کے مطابق ہٹس کی طرف جانے کی بجائے
ساحل کی جانب گاڑی رواں رکھی اور پھر ایک جگہ فریدی کے کہنے پر روک بھی دی۔

''اب فرمایئے!'' وہ طویل سانس لے کر بولا۔

''تمہاری سیٹ کے نیچے اسٹین گن ہوگی۔ اسے نکال کر اتر چلو۔ گاڑی یہیں رہے گی!''

ساحل کا یہ حصہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ حمید نے چپ چاپ تعمیل کی۔ فریدی نے اپنی
سیٹ کے نیچے سے دوسری اسٹین گن نکالی۔ شاید یہ سارے انتظامات اس نے فون پر کسی کو
ہدایات دے کر کرائے تھے! تجربہ گاہ میں غالباً وہ یہی کرتا رہا تھا۔

پھر وہ ایک طرف چل پڑے اسٹین گنیں کوٹوں کے نیچے چھپالی گئی تھیں۔ اب ان کا رخ
ہٹس کی جانب تھا۔ نہایت اطمینان سے ٹہلتے جارہے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے فریدی کو اس سلسلے
میں کوئی خاص جلدی نہ ہو۔

بہت کم ہٹوں کی کھڑکیاں روشن نظر آرہی تھیں! زیادہ تر ہٹ غیر آباد تھے۔

''آپ آخر کرنا کیا چاہتے ہیں!'' حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

''ہم والگو کے لیے آئے ہیں اسے گرفتار کرنا ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ اس کی نگرانی تو
کیوں کی جارہی۔''

''کیا ہمارے ان آدمیوں نے اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا جو اس کی نگرانی کر
رہے ہیں!''

ان کا خیال ہے کہ اس کی نگرانی نہیں ہو رہی! لیکن میں مطمئن نہیں ہوں۔''

اچانک انہوں نے شور سنا.....! آوازیں دور کی تھیں۔ فریدی نے رک کر آوازوں کی
سمت معلوم کرنے کی کوشش کی اور پھر حمید کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتا ہوا بولا۔

''او..... اسی طرف کی آوازیں معلوم ہوتی ہیں!''

کس طرف کی!'' حمید نے بے بسی سے پوچھا اور اس کے ساتھ گھسٹنے لگا۔

''جدھر والگو والے ہٹ کی نشاندھی کی گئی ہے!''

''کیا وہ اس طرف نہیں ہے جہاں قاسم کا تباہ ہو جانے والا ہٹ تھا۔''

''نہیں.....! ذرا تیز چلو۔''

شور کی آواز قریب ہوتی جا رہی تھی۔ حمید سوچ رہا تھا کیا اب والگو کے ہٹ میں آگ لگ گئی ہے۔ لیکن اس علاقے میں داخل ہونے کے بعد سے اب تک کوئی دھماکہ نے نہیں سنا تھا۔

بالآخر ٹھیک اسی جگہ پہنچے جہاں شور ہو رہا تھا۔ کئی لوگ کسی ایک فرد کو قابو میں کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جو بری طرح چیخیں مار مار کر اچھل کود رہا تھا کئی ٹارچیں بھی روشن تھیں اور اس مادرزاد برہنہ آدمی کو بخوبی دیکھ سکتے تھے۔ جسے قابو میں کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔

''ارے..... یہ تو والگو ہے!'' حمید آہستہ سے بولا۔ فریدی نے اس کا شانہ دبا دیا۔ دونوں خاموش کھڑے دیکھتے اور سنتے رہے! والگو ہوش میں نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کہ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور منہ سے طرح طرح کی آوازیں بھی نکل رہی تھیں۔

اس کے ہٹ کی کھڑکیاں روشن نہیں تھیں۔ لیکن دروازہ کھلا ہوا تھا۔

پھر فریدی نے ایک آدمی سے اس کے بارے میں استفسار کیا۔

''اس ہٹ سے اسی طرح برہنہ نکلا تھا چیختا ہوا.....!'' اس نے ہٹ کی طرف ہاتھ اٹھا کے کہا۔ ''لیکن اندر اور کوئی نہیں ہے۔ کپڑے فرش پر بکھرے ہوئے ہیں..... یا تو بھوت پی گیا ہے۔ یا سرے سے پاگل ہے۔''

انہی لوگوں میں سارجنٹ رمیش اور امر سنگھ بھی دکھائی دیئے۔ پھر حمید نے انہیں ہٹ میں داخل ہوتے دیکھا۔

''ہوشیار رہنا!'' فریدی آہستہ سے بولا اور خود بھی ہٹ کی طرف بڑھ گیا۔ حمید اس کے پیچھے چل رہا تھا۔

اندر رمیش اور امر سنگھ نے ٹارچیں روشن کر لی تھیں۔ ان دونوں کی آہٹ پر رمیش نے اونچی آواز میں کہا۔ کوئی اندر نہ آئے۔ پولیس!''

''سب ٹھیک ہے!'' فریدی بولا۔

اور وہ دونوں اندر داخل ہو گئے۔

''ہم نہیں جانتے کہ اچانک یہ سب کچھ کیسے ہو گیا!'' رمیش نے جلدی سے کہا۔ آواز سے اس نے فریدی کو پہچان لیا تھا۔ ورنہ وہ تو میک اپ میں تھا!

ٹارچ کی روشنی کا دائرہ چاروں طرف گردش کر رہا تھا۔ پھر ایک دیوار پر رک گیا۔

کسی نے بڑے بڑے حروف میں رنگین چاک سے دیوار پر لکھا تھا۔ ''اگر اس رول میں نظر آنے والی واردات کو راز میں نہ رکھا گیا تو رول کی بلائیں نکل کر شہر پر منڈلانے لگیں گی۔''

دفعتاً باہر سناٹا چھا گیا..... اور پھر کسی نے چیخ کر کہا۔ ''ارے یہ تو ختم ہو گیا۔''

وہ تیزی سے باہر نکلے..... والگو سچ مچ مر چکا تھا.....!

''یہاں جتنے بھی آدمی ہیں۔ انہیں صرف ہٹ کی نگرانی پر لگا دو.....!'' فریدی نے امر سنگھ سے کہا..... اور پھر حمید سے ہٹ کے دروازے کے قریب ہی پوزیشن لینے کو کہتا ہوا اندر چلا گیا حمید نے اسٹین گن نکال لی اور ایک ستون کی اوٹ میں بیٹھ گیا۔ ستون سے چھ یا سات فٹ کے فاصلے پر ہٹ کا صدر دروازہ تھا! کھڑکیوں کے شیشوں سے ٹارچ کی روشنی جھلک رہی تھی۔ شاید فریدی ہٹ کے اندر کچھ تلاش کر رہا تھا۔

برآمدے کے نیچے والگو کی برہنہ لاش پڑی ہوئی تھی اور تماشائیوں نے تو اسی وقت سے ایک ایک کر کے کھسکنا شروع کر دیا تھا۔ جب انہیں پولیس کی مداخلت کا علم ہوا تھا۔ اب آس پاس فریدی کے ماتحتوں کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں تھا۔

''حمید.....!'' دفعتاً اس نے فریدی کی آواز سنی جو دوڑتا ہوا۔ ہٹ سے برآمد ہوا تھا۔ باہر نکل کر زور سے چیخا۔ ''بھاگو یہ ہٹ بھی بلاسٹ ہونے والا ہے۔''

حمید اس کے پیچھے دوڑتا چلا گیا۔ دوسرے ماتحتوں نے بھی اضطراری طور پر دوڑ لگائی تھی۔

پھر سچ مچ ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ ایسا لگا جیسے زمین ہل کر رہ گئی ہو..... روشنی کے جھماکے سے آس پاس کا علاقہ گویا تڑپ کر رہ گیا تھا۔

حمید لڑکھڑا کر گرا اور دوبارہ اٹھنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ کسی جانب سے ایک فائر ہوا اور گولی سنسناتی ہوئی اس کے چہرے سے شاید ایک بالشت کے فاصلے سے گزر گئی..... وہ پھرتی سے زمین پر لیٹ گیا! اس کی اسٹین گن پتا نہیں کب اور کہاں ہاتھ سے گر گئی تھی۔

بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکالا اور آہستہ آہستہ آگے کھسکنے لگا۔

ایک بار پھر پورا ساحل آدمیوں کے شور سے گونج رہا تھا اور متعدد ٹارچوں کی روشنی ادھر ادھر اندھیرے میں چکراتی پھر رہی تھیں۔

دفعتاً کسی کا ہاتھ حمید کی پشت پر لگا اور اس نے بوکھلا کر ریوالور کی نال اوپر اٹھا دی۔

''ہشت.....! کہیں فائر نہ کر دینا!'' یہ فریدی کی آواز تھی۔ حمید نے طویل سانس لی۔

فریدی آہستہ سے بولا۔ ''اسی طرح بائیں جانب مڑ چلو.....وہ ہمارا شکار کرنا چاہتے ہیں۔''

پھر وہ دونوں چھپکلیوں کی طرح رینگتے ہوئے بائیں جانب بڑھتے چلے گئے تھے۔

جیپ تک پہنچنے میں آدھا گھنٹہ صرف ہوا تھا اور وہ برابر شور سنتے رہے تھے۔

جیپ میں بیٹھ کر بیچ ہوٹل تک پہنچے۔ لیکن اندر جانا مناسب نہ سمجھا۔ حلیہ ہی ایسا بن گیا تھا۔ ویسے یہاں بھی ہل چل نظر آئی۔ چند گھنٹوں میں یہ دوسرا دھاکہ تھا اس علاقے میں۔

''یہاں رک کر کیا کرو گے!'' فریدی نے کہا۔ ''چلتے رہو۔''

ادھر سارے ساحل پر بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔

شہر پہنچ کر ایک لیمپ پوسٹ کے قریب فریدی نے گاڑی روکنے کو کہا۔ جیب سے وزیٹنگ کارڈ نکالا اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ کارڈ کی ایک طرف دو آنکھیں بنی تھیں اور دوسری جانب انگریزی میں ٹائپ کیا ہوا مختصر سا مضمون تھا۔

''تم خود فریدی کی نگرانی کرو۔ اگر وہ دوبارہ ایگل بیچ جائے تو تم بھی جاؤ اور ہٹ نمبر ایک سو بائیس میں مستقل طور پر مقیم ہو جاؤ!''

''یہ اس کے کوٹ کی جیب سے برآمد ہوا تھا۔'' فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ ''کپڑے فرش پر بکھرے ہوئے تھے۔ اوہ خدا وندا۔ اگر ذرا دیر اور ہو جاتی اس بم کے پڑنے میں تو.....!'' جملہ پورا کئے بغیر وہ خاموش ہو گیا۔

حمید کارڈ پر بنی ہوئی آنکھوں کو گھورے جا رہا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ان آنکھوں کو پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہو.....لیکن کہاں.....؟ یاد نہ آ سکا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 122

پرچھائیوں کے حملے

(دوسرا حصہ)

پیشرس

''شکاری پرچھائیاں'' کے بعد ''پرچھائیوں کے حملے'' حاضر ہے۔ پچھلی کتاب کی پذیرائی کا شکریہ۔ یہ سلسلہ طول پکڑتا نظر آ رہا ہے جیسا کہ آپ خود دیکھیں گے۔ زیرِ نظر کتاب میں سب کچھ نہیں سمیٹا جا سکا جو آپ اس کے اشتہار میں دیکھ چکے ہیں۔ لہٰذا بقیہ معاملات کتاب میں ملاحظہ فرمائیے گا۔ خصوصیت سے آپ کو حمید کے ''وحشیانہ'' رقص کا انتظار ہوگا ابھی تو وہ بیچارہ اونگھ رہا ہے۔ خود اسے بھی کچھ کر گزرنے کا موقع نہیں مل سکا غرضیکہ کہانی بن رہی ہے اور کچھ دشواریاں آپ کے مشاورتی خطوط بھی پیدا کر رہے ہیں۔ کہانی میں یہ چاہئے، وہ نہ ہونا چاہئے۔ یا اس سے یہ کام لیا جائے اور اس سے وہ کام نہ لیا جائے وغیرہ۔ بہرحال اس ''استرے کی دھار'' پر سے بھی گزرنا ہی ہے۔ دیکھئے قطرے کے گہر ہونے تک بیچارے مصنف پر کیا گزرتی ہے۔

اس بار ایک صاحبزادے کے خط نے بڑی الجھن میں مبتلا کر دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''ایک بات کی طرف توجہ دلاؤں گا کہ آپ اپنے ہر ناول کے سرورق پر عورت کی تصویر کیوں چھاپتے ہیں۔ دیکھئے نا ہمارے بزرگ سرورق کی تصویر کی وجہ سے ہمیں آپ کے ناول نہیں پڑھنے دیتے ان کے خیال میں جس ناول کا سرورق ایسا ہو وہ اندر سے کیا ہوگا۔

(میری عمر 16 سال ہے)''

یہی سب سے بڑی دشواری ہے کہ آپ کی عمر سولہ سال ہے لیکن خدارا آپ بزرگ

نے کے بعد اپنے بچوں پر ایسی پابندیاں نہ لگائیے گا۔ سرورق پر عورت ہی تو ہوتی ہے۔ طان الرجیم تو نہیں ہوتا اور میری کتابوں کے سراوراق کی عورت کسی ناشائستہ پوز میں بھی ں ہوتی۔ ویسے یہ بات اپنے ذہن میں اچھی طرح جما لیجئے کہ یہ سارے بزرگ کسی عورت ی وجہ سے درجہ بزرگی پر فائز ہوئے ہیں۔ باوا آدم کی طرح براہ راست دست قدرت کی ششوں کا نتیجہ نہیں ہیں۔ عورت اور مرد کے علاوہ دنیا میں اور رکھا ہی کیا ہے۔ بس مرد ذرا برت حرام ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی تصویر کیا چھاپی جائے۔ اگر آپ کے بزرگ یہ چاہتے ں کہ آپ قصے کہانیوں کی کتابیں نہ پڑھیں تو آپ کو ان کی اس خواہش کا احترام کرنا ہئے۔ پچیس تیس سال کے ہو جانے کے بعد پڑھ لیجئے گا۔ یا پھر خود بزرگ ہو جانے کا نتظار کیجئے۔ کیونکہ بہتیرے بزرگ بچوں سے چھپا کر میری کتابیں پڑھتے ہیں لیکن ایسے گوں کی بھی کمی نہیں ہے جو اپنے بچوں کے لیے صرف میری کتابیں خریدتے ہیں۔ قصہ اصل یہ ہے کہ بعض بزرگ کہانیاں اس لیے نہیں پڑھنے دیتے کہ پھر ان کا دل کورس کی تابوں میں نہیں لگے گا ورنہ میری کتابیں تو بچوں جوانوں اور بوڑھوں کے لیے یکساں ''مفید'' بھی جاتی ہیں۔ یقین نہ آئے تو کسی ڈاکٹر سے پوچھ لیجئے گا۔ خواہ وہ ''ادب'' کا ڈاکٹر ہو خواہ ادویات'' کا۔

ویسے میاں آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ کی وجہ سے ''پیشرس'' بھی میں نے بہ آسانی لکھ لیا۔ میرے لیے یہی دو صفحات بڑے دشوار ہوتے ہیں۔

والسلام

ابن صفی

قاسم سوچ رہا تھا کہ یہ ہسپتال بڑی شاندار جگہ ہے۔ بس سکون سے لیٹے خوبصور
کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھا کرو۔ جب بھی گھر سے بیزار ہوئے کسی اعلیٰ در
ہسپتال کے پرائیویٹ وارڈ میں آپڑے اور انگیج کر لی۔ ایک ہمہ وقت ڈیوٹی والی خوبصور
نرس..... ہائے کیسے پیار سے بولتی ہے۔ مسکراتی ہے تو ایسا لگتا ہے جیسے حلوہ ہوئی جارہی
وہ تکیئے کے سہارے بستر پر نیم دراز تھا اور نرس تھوڑے ہی فاصلے پر بیٹھی کسی فلمی ر
کے ورق الٹ رہی تھی۔ دفعتاً سر اٹھا کر بولی ''آپ کی شادی تو نہ ہوئی ہوگی جناب۔''

قاسم بوکھلا گیا۔ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اچانک اس قسم کا کوئی سوال کر بیٹھے گی

''قیا قروغی پوچھ کر۔'' الفاظ حلق میں اٹکنے لگے۔

''میری ایک خالہ زاد بہن ہیں ان کی بھی شادی نہیں ہوئی۔ آپ ہی کی طرح
بڑی ہیں۔ سارے مردان کے سامنے بھنگے سے لگتے ہیں۔ کسی کی ہمت ہی نہیں پڑتی
کے لیے پیغام دے۔ ویسے بڑا اچھا ناک نقشہ ہے۔ گوری چٹی ہیں۔''

''اچھا!'' قاسم ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا اٹھ بیٹھا۔

''جی ہاں بہت اچھی ہیں..... آپ نے ان کا نام ضرور سنا ہوگا عورتوں کو فری
کشتی لڑنا سکھاتی ہیں۔''

''اچھا..... اچھا.....!'' قاسم سر ہلا کر بولا۔ ''وہ تو نہیں..... کیا نام ہے۔''

''شاہینہ.....!''

''اف۔ فوہ..... وہ آپ کی کھالا زاد ہیں.....!''

''جی ہاں اگر امریکہ ہوتیں تو لاکھوں ڈالر کی جائیداد ہوتی ان کے پاس لیکن یہاں کیا ہے۔ بیچاری کے اکھاڑے میں ورزش کا سارا سامان بھی نہیں ہے جو ہونا چاہئے۔ بس اعتراض کرنے والے بہت ہیں۔ کہتے ہیں جانگھیا پہن کر کشتی لڑتی ہے۔ بے غیرت کہیں کی۔

''قون قہتا ہے.....!'' قاسم نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ''مجھے بتاؤ۔ گردن مروڑ دوں گا ایک ایک کی۔''

''تو آپ کا خیال ہے کہ وہ بے غیرت نہیں ہے!''

''ہرگز نہیں۔ قوم کی عزت پہلوانوں سے ہے.....!''

''مگر وہ تو عورت ہیں۔''

''قوئی پرواہ نہیں..... برابر کے حقوق..... برابر کی لنگوٹی..... عورت مرد کا درجہ برابر ہے۔ مرد لنگوٹی میں لڑے گا تو وہ بھی لنگوٹی میں لڑے گی اور نہیں تو قیا غرارہ پہن کر لڑے گی۔ بے غیرت کہنے والے اُلّو ہیں۔ میں تمہاری کھالا زاد کے اکھاڑے کی مدد قروں غا!''

''اوہ تو آپ کو بھی پہلوانی سے لگاؤ ہے!''

''بہت زیادہ۔ اپنی کھالا زاد کو مجھ سے ملواؤ.....!''

''یہی تو مصیبت ہے وہ خود کسی سے ملنے نہیں جاتیں ورنہ مدد ہی مدد مل جاتی۔''

''میں خود ان سے ملنے چلوں گا.....!''

''یہ تو بڑی اچھی بات ہوگی۔''

''چلو..... اٹھو۔''

''ابھی!'' اس نے حیرت سے کہا۔ ''ابھی تو آپ کی طبیعت خراب ہے۔''

''نہیں اب ٹھیک ہے۔''

''پھر بھی آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔''

''پوری زندگی پڑی ہے ضرورت پوری کرنے کے لیے۔ پھر قرلوں غا..... ابھی تو اس

کی ضرورت ہے کہ شاہینہ پہلوان کی مدد کی جائے۔''

''لیکن ان سے ملنے کے لیے وقت لینا پڑے گا۔ آج ہی ناممکن ہے۔''

''تمہاری مرضی۔'' قاسم ٹھنڈی سانس لے کر مردہ سی آواز میں بولا اور وہ عجیب نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ تھوڑی دیر خاموش رہ کر قاسم نے کہا۔ ''طاقت ور تو میں بھی بہت ہوں لیکن مجھے پہلوانی کے داؤ پیچ نہیں آتے۔''

''اگر آپ کہیں گے تو وہ آپ کو سکھا دیں گی.....!''

''مم.....مجھ کو۔'' قاسم تھوک نگل گیا کر رہ گیا۔

''کیا حرج ہے؟''

''مم.....مطلب یہ کہ مجھ کو کیسے.....!''

''اسی طرح جیسے سب کو سکھاتی ہیں.....!''

قاسم چھت پر نظر جمائے ہوئے منہ چلانے لگا۔ عین اسی وقت کسی نے دروازے پر دستک دی۔ قاسم کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ حمید کی آمد کا دھڑکا لگا ہوا تھا۔ نرس دروازے کی طرف بڑھ ہی رہی تھی کہ ہاتھ اٹھا کر آہستہ سے بولا۔ ''ٹھہر جاؤ۔''

وہ رک گئی۔ اشارے سے اسے اپنے قریب بلا کر آہستہ سے کہا۔ ''اگر قپتان حمید اس کے سامنے شاہینہ پہلوان کا ذکر نہ کرنا۔''

''بہت اچھا جناب!''

پھر اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ ایک برقعہ پوش عورت سامنے کھڑی نظر آئی نقاب چہرے پر پڑا ہوا تھا۔

''کیا قاسم صاحب یہیں ہیں!'' اس نے نرس سے پوچھا۔

''جی ہاں۔'' نرس پیچھے ہٹتی ہوئی بولی۔

کمرے میں قدم رکھتے ہی اس نے نقاب الٹ دیا اور بیچاری نرس بوکھلا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ قاسم بھی ہڑبڑا کر سیدھا ہو بیٹھا۔

''آ.....آ.....آپ مس شاداں ہیں.....!'' نرس ہکلائی۔

لیکن وہ اس کی طرف توجہ دیئے بغیر قاسم کے بستر کی طرف بڑھ آئی اور برقعہ اتار

کرسی پر ڈالتی ہوئی بڑے پیار سے بولی۔ ''مجھے کیپٹن حمید سے معلوم ہوا کہ آپ یک بیک بیمار ہو گئے ہیں۔ اب کیسی طبیعت ہے۔ پلیز آپ لیٹ جائیے تکلیف کی ضرورت نہیں ہے۔''

''مم.....میں ٹھیک ہوں.....!'' قاسم ہانپتا ہوا بولا۔

''میں انتظار ہی کرتی رہ گئی تھی۔ آپ نے آنے کا وعدہ کیا تھا۔''

''بس بیمار ہو گیا.....!''

''آپ کی شخصیت نے مجھے بہت متاثر کیا ہے۔''

''ارے میں.....ہی ہی ہی ہی.....!''

شاداں نے مڑ کر نرس کی طرف دیکھا اور وہ بوکھلا کر بولی۔ ''مس شاداں! آپ چائے پئیں گی یا کافی۔''

''جو دل چاہے پلا دیجئے لیکن خدارا کسی کو معلوم نہ ہونے پائے کہ میں یہاں ہوں!''

''ہرگز نہیں.....میں سمجھتی ہوں۔'' وہ پُرمسرت لہجے میں بولی اور کمرے سے چلی گئی۔

''کیا یہ ہر وقت سر پر مسلط رہتی ہے۔'' شاداں نے قاسم سے پوچھا۔

''جج۔ جی ہاں۔ دیکھ بھال کرتی ہے بیچاری!''

''بیچاری تو نہیں معلوم ہوتی۔'' وہ اپنی بائیں آنکھ دبا کر مسکرائی اور قاسم گڑبڑا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

''خیر ہاں.....تو میں یہ کہہ رہی تھی کہ آپ میرے حواس پر چھا گئے ہیں!''

''قق قیوں!'' قاسم کی زبان سے غیر ارادی طور پر نکل گیا۔

''کاش میں وجہ جانتی ہوتی۔'' وہ طویل سانس لے کر دردناک لہجے میں بولی۔

قاسم کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ کیونکہ وہ شاداں کی آنکھوں میں رو دینے کا سا اثر بھی دیکھ رہا تھا لیکن خود اسکی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کہنا چاہئے۔ کس طرح کہنا چاہئے۔

''سونا چاہتی ہوں لیکن نیند نہیں آتی۔'' وہ گلوگیر آواز میں بولی۔

''مم.....میں ڈاکٹر کو بلاؤں.....!'' قاسم نے احمقانہ انداز میں پوچھا۔

''آہ.....کتنے بھولے ہیں آپ!''

قاسم پھر منہ پھاڑ کر رہ گیا۔ اس کے جواب میں کیا کہتا۔ اس کے لیے بالکل نئی سچویشن

تھی۔ شاداں کا انداز ایسا ہی تھا جیسے کوئی ہجر کی ماری ہیروئن ہیرو سے اپنا دکھڑا رو رہی ہو۔

ناممکن نہیں کہ قاسم نے ایسے خواب نہ دیکھے ہوں لیکن جیتی جاگتی زندگی میں پہلے کبھی ایسے حالات سے دو چار نہیں ہوا تھا۔ الجھن بڑھی تو بوکھلا کر بولا۔ ''میں آپ کے لیے کیا کروں؟''

''میری خود سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ میرے لیے کیا کریں۔'' وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

''ڈاکٹر سے پوچھوں؟''

''ڈاکٹر کیا بتا سکے گا۔''

''پھر کون بتائے گا؟''

''کوئی بھی نہیں۔ اس کا فیصلہ تو ہم خود کریں گے کہ ایک دوسرے کیلئے کیا کر سکتے ہیں۔''

''اچھا تو پھر کیجئے فیصلہ!''

''آپ میرے ہو جایئے۔'' وہ نظریں جھکا کر آہستہ سے بولی اور قاسم کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کو پہاڑ کی چوٹی سے لڑھکا دیا ہو۔

سختی سے ہونٹ بھینچے بیٹھا اسے ٹکر ٹکر دیکھتا رہ گیا۔

اتنے میں نرس پلٹ آئی اور بات جہاں تہاں رہ گئی۔ کافی کی ٹرے اس نے میز پر رکھ دی اور شاداں سے پوچھنے لگی کہ وہ کافی میں شکر کتنی لیتی ہے۔

''جتنی تمہاری سمجھ میں آئے۔'' شاداں نے بیزاری سے کہا۔ نرس کی واپسی نے جو کڑواہٹ کی کالاتمکس پر پانی پھیر دیا تھا۔ قاسم کی آنکھوں میں بھی کسی قدر جھنجھلاہٹ کے آثار پیدا ہو جاتے تھے۔

نرس اس کے لیے کافی بناتی اور بتاتی رہی کہ اس نے اس کی کتنی فلمیں دیکھی ہیں۔

''اچھا بس!'' قاسم ہاتھ اٹھا کر غرایا۔ ''یہ تم سے یہ نہیں پوچھنے آئیں کہ تم نے ان کی فلمیں دیکھی ہیں۔''

''جی۔'' نرس ہکا بکا رہ گئی۔

''ہاں ہاں! میں تو صرف انہیں دیکھنے آئی ہوں۔'' شاداں نے بڑے بھولپن سے کہا۔

''میں معافی چاہتی ہوں۔'' نرس نروس ہو کر بولی۔

''اوہ نہیں! میں تمہیں اپنے آٹوگراف دے کر جاؤں گی۔''

''بہت بہت شکریہ!'' نرس نے سنبھالا لیا۔ شاید وہ سمجھ گئی تھی کہ ان دونوں کو اس کی موجودگی گراں گزر رہی ہے۔

جلدی جلدی انہیں کافی کی پیالیاں تھما کر کمرے سے نکل گئی۔

''سمجھدار معلوم ہوتی ہے۔'' شاداں مسکرا کر بولی۔

''جی ہاں۔ جی ہاں۔''

''تو پھر آپ نے کیا سوچا؟''

''میں کیا سوچوں؟''

''یعنی بات پھر وہیں جا پہنچی جہاں سے شروع ہوئی تھی۔'' شاداں نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

''کہاں سے شروع ہوئی تھی؟''

''واقعی آپ بہت بھولے ہیں۔ خیر میں اب کچھ نہیں کہوں گی۔ ایک دن آپ خود ہی سمجھ جائیں گے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم زیادہ تر ساتھ رہیں۔''

''جی ہاں اور کیا!'' قاسم ہونقوں کی طرح بولا۔

''لیکن یہ تو آپ سوچ سکیں گے کہ اسے کس طرح ممکن بنایا جائے۔''

''جس طرح بھی بن سکے بنا لیجئے۔''

''اجازت ہے آپ کی۔''

''بلقل بلقل!'' قاسم سر ہلا کر بڑے خلوص سے بولا۔

''میرے بزنس پارٹنر بن جایئے۔ اس طرح ہم زیادہ سے زیادہ ساتھ رہ سکیں گے۔''

''میں تیار ہوں۔''

''آپ سرمایہ لگایئے۔ میں فلمیں بناؤں۔''

''پکی بات۔'' قاسم نے ہاتھ بڑھا کر کہا اور وہ بھی اس کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر بولی۔ ''پکی بات۔''

''ابھی چلوں سرمایہ لگانے۔''

''اوہ۔ ابھی تو آپ آرام کیجئے۔''

''نہیں۔ بس جو کچھ ہونا ہے ابھی ہو جائے۔'' قاسم بستر سے اترتا ہوا بولا۔ ''ابھی جا کر

حساب کرتا ہوں۔''

''آپ کیا کریں گے؟''

''ارے سرمایہ لگاؤں گا۔''

''کس طرح لگائیں گے۔''

''جس طرح آپ کہیں گی۔''

''بیٹھ جایئے۔ میری پوری بات سن لیجیے۔''

قاسم بیٹھ گیا اور اسے سوالیہ نظروں سے دیکھتا رہا۔

''کم از کم پندرہ لاکھ.....!''

''کوئی بات نہیں پندرہ لاکھ ہی سہی!'' قاسم اس کا جملہ پورا ہونے سے قبل ہی بول پڑا

''اس طرح ہم دونوں ایک دوسرے کو بہت قریب سے دیکھ سکیں گے۔'' شاداں نے سانس لے کر بولی۔

''سب ٹھیک ہے۔ دیکھا جائے گا۔''

''میں چراغ الہ دین کی پیروڈی فلمانا چاہتی ہوں۔''

''واہ وا۔ مزہ آ جائے گا۔'' قاسم قہقہہ لگا کر بولا۔

''اگر آپ چراغ کے جن کے رول میں آئیں تو سارے ملک میں تہلکہ پڑ جائے

''مم.....میں.....نن نہیں۔'' قاسم ہکلانے لگا۔

''کیا حرج ہے!''

''سارا سرمایہ چھین لیا جائے گا.....میں ابھی یتیم نہیں ہوا۔''

''میں سمجھ گئی۔ آپ عاصم صاحب سے ڈرتے ہیں۔ وہ بہت مذہبی آدمی ہیں۔''

''جی ہاں!'' قاسم تھوک نگل کر بولا۔

''وہ آپ کو پہچان ہی نہ سکیں گے!''

''پہچان لیں گے۔ میرے باپ ہیں۔''

''ایسا زبردست میک اپ ہوگا۔ کہ آپ خود بھی اپنے آپ کو نہ پہچان سکیں گے۔''

''تب تو ٹھیک ہے۔ اچھا پھر میں جا کر ہسپتال والوں کا حساب کرتا ہوں۔''

''اچھی بات ہے۔ میں آپ کا انتظار کروں گی!'' وہ بڑے رومینٹک انداز میں بولی۔



پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق والگو کی موت کثرت شراب نوشی کی بنا پر حرکت قلب بند ہو جانے سے واقع ہوئی تھی۔ جس ہٹ میں وہ مقیم تھا اس کے دھماکے سے تباہ ہو جانے کے بارے میں اخبارات میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں کی گئی تھیں۔ کسی نے والگو کا تعلق آنگروں سے ثابت کرنے کی کوشش کی تھی اور کسی کے خیال کے مطابق وہ غیر قانونی طور پر منشیات کا تقسیم کار تھا۔ اس کی حیثیت کے بارے میں فریدی کے محکمے نے خاموشی اختیار کر لی تھی اور حمید کا ذہن ان آنکھوں میں الجھ کر رہ گیا تھا جو والگو کی جیب سے برآمد ہونے والے کارڈ کی پشت پر بنی ہوئی تھیں۔

کہاں دیکھی تھیں ویسی آنکھیں..... کب دیکھی تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے کچھ یاد آتے آتے رہ جاتا ہو۔

فریدی نے اس کے بارے میں کوئی خیال ظاہر نہیں کیا تھا۔ لیکن اس کا اعتراف اس نے بھی کر لیا تھا کہ کچھ جانی پہچانی سی آنکھیں لگتی ہیں۔

''لیکن ان آنکھوں کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔'' حمید نے سوال کیا۔

''تمہارا کیا خیال ہے؟''

''کسی گروہ کا نشان ہو سکتا ہے۔ جس کے افراد ایک دوسرے کی شناخت کے لیے اسے استعمال کرتے ہوں۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔''

''اس کا مطلب ہوا کہ کوئی بہت بڑا گروہ ہے جس کے سارے افراد عام حالات میں ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہیں ورنہ شناختی نشان کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔''

''یہ تجزیہ بھی درست ہی لگتا ہے۔'' فریدی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ خود نہ جانے کیا سوچ رہا تھا۔

''بہرحال!'' حمید طویل سانس لے کر بولا۔ ''والگو کے بعد اب اور کوئی ہماری نظروں

میں نہیں ہے! اوہ۔ مگر وہ زخمی حملہ آور بھی تو ہے!''

''نہیں ایسا تو نہیں ہے۔'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''والگو کی نگرا
کرنے والے نے دو ایسے افراد کی نشاندہی کی ہے جو والگو کی نگرانی کرتے رہے تھے اور ا
اس ہٹ کے آس پاس منڈلاتے رہے تھے جس میں والگو نے مرنے سے قبل قیام کیا تھا۔''

''زخمی حملہ آور ابھی تک بیہوش ہے حالانکہ خواب آور انجکشنوں کا سلسلہ روک دیا
ہے۔'' حمید نے کہا۔

''میں اس کے بارے میں نہیں سوچ رہا۔ میری دانست میں وہ ہوش میں آئے بغیر
ختم ہو جائے گا۔''

''حالانکہ ایسا ہونا نہ چاہئے۔ آپ کی گولی اس کی ران میں لگی تھی۔''

''اس کے سلسلے میں بھی کوئی گڑبڑ ضرور ہوئی ہے۔''

''یعنی آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ان لوگوں کے ہاتھ اس تک بھی پہنچے ہیں۔''

''خدا ہی جانے.....!'' فریدی نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

ٹھیک اسی وقت ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی۔

''فریدی اسپیکنگ!'' اس نے ریسیور کان سے لگا کر ماؤتھ پیس میں کہا اور ماتھے
شکنیں ڈالے دوسری طرف کی بات سنتا رہا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''تمہیں دھوکا تو نہیں
لیکن تم اچھی طرح جانتے ہو کہ وہ مر چکا ہے.....ہوں.....ہوں۔ فریب نظر بھی ہو سکتا ہے۔
میں دیکھوں گا.....ٹھہرو..... پتہ پھر سے بتاؤ۔'' فریدی نے ریسیور بائیں ہاتھ میں منتقل کیا
دائیں ہاتھ سے پنسل اٹھا کر پیڈ پر کچھ لکھنے لگا۔ پھر ''خدا حافظ'' کہہ کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا

''کیا قصہ ہے!'' حمید نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

''شاید اب ہمیں شکار کرنے کے لیے چارہ پھینکا گیا ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''انور نے ایک دلچسپ کہانی سنائی ہے۔''

''کیسی کہانی؟''

''اور اسی کہانی کے توسط سے مجھے یاد آ گیا ہے کہ وہ آنکھیں کس کی ہو سکتی ہیں!''

''پہیلیاں مت بجھوائیے۔ جلدی سے بتا دیجئے۔'' حمید جھنجھلا کر بولا۔

''تمہیں جیرالڈ شاستری یاد ہے نا۔''

''خدا کی پناہ!'' حمید اچھل پڑا۔ اس کا منہ حیرت سے کھلا ہوا تھا۔ واقعی وہ غیر معمولی
والی آنکھیں جیرالڈ شاستری ہی کی تھیں۔ اس کا سراپا حمید کی آنکھوں میں پھر گیا۔

''انور کا بیان ہے کہ اس نے کچھ دیر بعد پہلے جیرالڈ شاستری کو دیکھا ہے۔''

''کیا یہ ممکن ہے کہ انور بھی اس سازش میں ہو۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔'' فریدی نے کسی قدر جھنجھلاہٹ کے ساتھ کہا۔

''جیرالڈ شاستری کو ہم نے اپنی آنکھوں کے سامنے مرتے دیکھا تھا۔'' حمید نے بھی
وار لہجے میں کہا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔ ''اس نے اسے کہاں دیکھا ہے.....!''

''راشد علوی کے متعلقین کی خیرت دریافت کرنے موڈل کالونی گیا تھا! وہیں کی ایک
میں۔''

''کیا یہ ضروری تھا کہ وہ انور ہی کو نظر آتا۔''

''ہم تک اس قصے کو پہنچانے کے لیے یہ ضروری تھا۔ بہتیرے لوگوں کو ہمارے تعلقات کا
ہے۔ انور نے بھی جیرالڈ کو بہت قریب سے دیکھا تھا.....اس لیے وہ اسے دور سے بھی
سکتا ہے اور مزید میں انور کی بات پر اعتبار بھی کر سکتا ہوں۔''

''خواہ اس نے ہوائی ہی کیوں نہ چھوڑی ہو۔''

''کبھی کبھی اپنے ذہن کو صاف بھی کر لیا کرو۔''

''اس سے کیا ہوگا۔''

''انور کی بات پر یقین کر لو گے۔''

''تو آپ کا خیال ہے کہ جیرالڈ اپنے تابوت سے نکل بھاگا ہے۔''

''فی الحال اس کے علاوہ اور کوئی خیال نہیں ہے کہ ہمیں فضولیات میں الجھانے کی
جا رہی ہے۔ یا پھر واقعی وہ ہمارا شکار کرنا چاہتے ہیں۔''

حمید خاموش ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر جیرالڈ ہی کی آنکھیں، شناختی نشان کے طور

پر کیوں استعمال کی جا رہی ہیں۔

فون کی گھنٹی پھر بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھا لیا۔ تھوڑی دیر تک سنتا رہا پھر بولا۔

پوسٹ مارٹم کے لیے پولیس ہسپتال بھجوا دیا جائے..... اوہ..... برقعہ پوش عورت..... ہاں..... چہرہ کسی نے دیکھا نہیں..... اچھا..... اچھا.....!''

ریسیور رکھ کر وہ حمید کی طرف مڑا۔

''کیا قاسم کی بیوی برقعہ استعمال کرتی ہے۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

''کوئی برقعہ پوش عورت ہسپتال پہنچی تھی۔ قاسم کو اپنے ساتھ لے گئی۔ ڈاکٹر کہ عورت کا چہرہ کوئی نہیں دیکھ سکا تھا۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔''

''اور وہ زخمی حملہ آور بھی ختم ہو گیا۔''

''کیا خیال ہے؟ اسے بھی زہر دیا گیا۔'' حمید نے سوال کیا۔

''خدا جانے۔ پوسٹ مارٹم کے بعد ہی معلوم ہو سکے گا۔ لیکن قاسم۔''

''قاسم کے کمرے میں جو نرس تھی اس نے اس کا چہرہ ضرور دیکھا ہو گا۔''

''کیا میں جاؤں؟'' حمید نے پوچھا۔

''میں نہیں کہوں گا تب بھی آپ تشریف لے جائیں گے۔''

''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔''

''تمہیں بہت محتاط رہنا ہے۔''

''سوال یہ ہے کہ مجھے کرنا کیا ہے۔''

''جہاں بھی جاؤ گے میرے ساتھ جاؤ گے۔''

''مرے بے موت۔'' حمید کراہا۔

''کیوں؟'' فریدی نے آنکھیں نکالیں۔

''ہر وقت باوضو رہنا پڑے گا۔'' حمید نے فون کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہو ہسپتال کے نمبر ڈائیل کیے جہاں قاسم تھا۔

دوسری طرف سے رابطہ قائم ہونے پر اپنے محکمے کے حوالے سے بات شروع ی۔ ''مسٹر قاسم کے کمرے میں جس نرس کی ڈیوٹی تھی اسے فون پر بلایئے۔''

''توقف فرمایئے!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

فریدی کچھ لکھنے لگا تھا۔ حمید کی طرف توجہ نہیں تھی۔

''ہیلو'' تھوڑی دیر بعد نسوانی آواز آئی۔

''کیپٹن حمید۔''

''یس سر.....!'' دوسری طرف سے سہمی ہوئی سی آواز آئی۔

تو وہ اسے لے گئی۔

''جی ہاں جناب.....!''

''برقعے میں تھی۔''

''جی ہاں اور اس نے مجھ سے درخواست کی تھی کہ ہسپتال میں اس کی موجودگی سے کسی آگاہ نہ کروں۔''

''اوہو۔ یہ بھی کہا تھا۔''

''جی ہاں اور ٹھیک ہی کہا تھا۔ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جاتا کہ فلم اسٹار شاداں ہسپتال موجود ہے تو شاید نیم جان مریضوں کے بستر بھی خالی ہو جاتے۔''

حمید نے طویل سانس لے کر فریدی کی طرف دیکھا اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ ''بس یہی لوم کرنا تھا۔ شکریہ!''

ریسیور کریڈل پر رکھ کر فریدی سے بولا۔ ''تشویش کی بات نہیں۔ قاسم کا وقت اچھا رہے گا۔''

''کیا مطلب۔''

''شاداں اسے لے گئی ہے۔''

''لاحول ولا قوۃ۔'' فریدی بُرا سا منہ بنا کر رہ گیا۔

''بالکل بالکل!'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''عورت ناقص العقل ہوتی ہے خواہ اداکارہ ہی نہ ہو۔''

''تمہیں لے جانا چاہئے تھا۔'' فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی پھر بجی.....! فریدی نے ریسیور اٹھایا۔ کچھ اور پھر ریسیور رکھ کر اٹھتا ہوا بولا۔ ''اب تم میرے ساتھ چل سکتے ہو۔''

''کہاں.....!''

''ذرا اسی عمارت کے آس پاس جہاں انور نے جیرالڈ شاستری کو دیکھا تھا۔''

''کمال ہے۔ آپ کو یقین آ گیا اس ہوائی پر۔''

''فضول باتیں مت کرو!''

''ایک منٹ! اگر یہ جیرالڈ شاستری والا چکر آپ ہی کو متوجہ کرنے کے لیے چلا ہے تو اس کا کوئی مقصد ہو گا۔''

''کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''اگر آپ ان پرچھائیوں کو اتنی اہمیت دے رہے ہیں تو ان کے سامنے آپ کی کار کی کیا حیثیت ہو گی۔''

''ہوں.....!'' فریدی پھر بیٹھ گیا۔

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی پھر بجی۔

''ہیلو۔'' فریدی نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں بولا ہوں۔'' اوہ۔ کہاں.....وہ زندہ تو ہے نا.....میں پہنچ رہا ہوں۔''

فریدی نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔ کے پیچھے تھا۔

''کیا ہوا، کیا بات ہے!'' حمید نے پوچھا۔ لیکن فریدی اسے اپنے پیچھے آنے کر کے آگے بڑھتا چلا گیا۔

آرمڈ کار پارکنگ شیڈ کے نیچے کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے اگلی سیٹ کا دروازہ حمید گھوم کر دوسری طرف والے دروازے پر پہنچا۔

فریدی بہت جلدی میں معلوم ہوتا تھا۔ حمید خاموشی سے اس کے برابر بیٹھ اسٹارٹ ہو کر شیڈ سے باہر نکلی اور گیٹ کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

''آپ نے کس کے بارے میں پوچھا تھا کہ وہ زندہ تو ہے۔'' حمید نے سوال کیا۔

''امر سنگھ کے گولی لگی ہے۔''

''کہاں اور کیسے؟'' حمید نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

''وہ اور رمیش ان دونوں کا تعاقب کر رہے تھے جو والگو کی نگرانی کرتے رہے تھے۔''

''اچھا تو پھر۔''

چیتھم روڈ پر کسی نے ان کی کار پر فائرنگ کی اور نکلا چلا گیا۔ رمیش ڈرائیو کر رہا تھا! مر سنگھ کے بازو میں گولی لگی ہے۔

''وہ ہے کہاں!''

''سول ہسپتال میں! رمیش بھی وہیں ہے اور وہ دونوں صاف نکل گئے۔''

''یعنی اب وہ بھی ہاتھ سے گئے۔''

''جہنم میں جائیں پتا نہیں امر کس حال میں ہو۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی کی اس وقت کی ذہنی کیفیت سے بخوبی واقف تھا۔ اس کے ماتھوں کے جسم پر آنے والی معمولی سی خراش بھی اسے بیحد گراں گزرتی تھی۔

پولیس پر حملہ آور ہونے والے مجرموں کے خون کا پیاسا نظر آنے لگتا تھا۔ سول ہسپتال کے کمپاؤنڈ میں گاڑی روکتے ہوئے اس نے حمید سے کہا۔ ''تم گاڑی ہی میں ٹھہرو۔''

''بہت بہتر۔''

فریدی گاڑی سے اتر کر عمارت کی طرف بڑھ گیا اور حمید چاروں طرف نظر دوڑانے لگا۔ اسے یقین تھا کہ ان کی گاڑی کا تعاقب ضرور کیا گیا ہو گا۔ لیکن راستے میں اس نے اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ ذہن امر سنگھ میں الجھ گیا تھا۔ اگر اس کی حالت تشویشناک ہوئی تو فریدی ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر مجرموں کی تلاش میں نکل کھڑا ہو گا اور اس کا تجربہ تو ثابت ہو ہی چکا تھا کہ مجرم کتنے دیدہ دلیر ہیں۔

آس پاس کوئی ایسا نہ دکھائی دیا۔ جس پر تعاقب کرنے والے کا شبہ کیا جا سکتا۔ ویسے یہ بات تھی کہ تعاقب کرنے والی کوئی گاڑی کمپاؤنڈ کے باہر ہی رک گئی ہو۔

حمید گاڑی کے اندر ہی بیٹھا رہا۔ غالباً فریدی اس کو اسی لیے باہر چھوڑ گیا تھا کہ وہ مشتبہ

لوگوں پر نظر رکھ سکے۔ یا پھر وہ گاڑی ہی کو خالی نہ چھوڑنا چاہتا ہو۔ آرمڈ کار پر باہر کی آواز اثر نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر ایک چھوٹا سا ٹائم بم اس کے اندر ہی رکھ دیا جائے تو؟ میرا جھرجھری سی لی اور جیب سے پائپ نکال کر اس میں تمباکو بھرنے لگا..... بہرحال وہ امرسنگھ کو دیکھنا چاہتا تھا۔ اپنے ساتھیوں میں رمیش اور امرسنگھ سے خاص قسم کا لگاؤ رکھتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی واپس آ گیا۔ اس کے چہرے پر شدید غصے کے آثار تھے۔

''کیا حال ہے.....!'' حمید نے پوچھا۔

''بیہوش ہے.....!'' بازو کی ہڈی بھی متاثر ہوئی ہے۔ خون بہت ضائع ہو گیا ہے۔

''میں بھی دیکھ آؤں.....!''

''نہیں.....! فوری طور پر ایک چیکنگ کرنی ہے۔ رمیش ڈرائیو کر رہا تھا اور اس اس گاڑی کو اچھی طرح دیکھا تھا جس پر سے فائرنگ کی گئی تھی۔''

حمید نے طویل سانس لی۔

''تم پچھلی سیٹ پر جاؤ۔'' فریدی نے کہا۔ ہوشیاری سے عقب میں نظر رکھنا۔ حمید سیٹ سے پچھلی سیٹ پر منتقل ہو گیا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے فریدی نے کسی کارروائی کا فیصلہ کر لیا ہو۔

گاڑی اسٹارٹ ہو کر حرکت میں آئی اور گیٹ سے گزرتی ہوئی سڑک پر آ نکلی۔

''کیا آپ اس گاڑی کو تلاش کریں گے جس پر سے فائرنگ ہوئی تھی۔'' حمید نے پوچھا۔

''احمقانہ باتیں مت کرو۔''

''پھر کیا کرنے جا رہے ہیں۔''

''اب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہا کہ اس بستی پر چھاپہ مارا جائے جہاں مشرقی کے ممالک کے لوگ قیام کرتے ہیں۔''

''امرسنگھ کے زخمی ہو جانے کی بنا پر آپ بہت جذباتی ہو رہے ہیں میرے خیال اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر لیجئے۔''

''کیا مطلب۔''

''اس سلسلے میں آپ کی نظروں سے جتنے بھی لوگ گزرے تھے ختم ہو چکے ہیں۔''

''اچھا تو پھر!'' فریدی غرایا۔

''اب آپ کس کا گریبان پکڑیں گے۔''

''میں کسی کا گریبان پکڑنے نہیں جا رہا۔''

''کچھ بھی ہو۔ میں آپ کو اس بستی میں داخل ہونے کا مشورہ نہیں دوں گا۔''

''وہاں میرے دوستوں کی کثرت ہے! تم دیکھ ہی لو گے۔''

''آپ کی مرضی۔'' حمید بیزاری سے بولا۔

''کیا تم کبھی ریڈ ٹائیڈ جوڈو کلب گئے ہو۔''

''نہیں۔ لیکن اس کا نام سن چکا ہوں۔''

''دلچسپ جگہ ہے۔''

''یقیناً ہو گی.....! اگر کچھ لڑکیاں بھی جوڈو چنگھاڑ سناتی ہوئی نظر آتی ہوں گی۔''

''تم یہ بھی دیکھ لو گے۔''

''بسم اللہ۔ سفر جاری رکھیئے۔''

حمید تھوڑی تھوڑی دیر بعد پیچھے مڑ کر دیکھ لیتا تھا۔ لیکن ایسی سڑکوں پر جہاں ٹریفک زیادہ تعاقب کرنے والوں کا پتا لگا لینا آسان نہیں ہوتا۔ ابھی تک تو وہ کسی پر بھی شبہ نہیں کر سکا تھا۔

''تم کیا سمجھتے ہو؟'' فریدی نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

''یہی کہ جو آج جوان ہے کل بوڑھی ہو جائے گی۔''

''شٹ اپ!''

''کیا اس جواب نے آپ کو بھی تکلیف پہنچائی ہے۔''

''خاموش رہو۔''

''امرسنگھ کو میں نے زخمی نہیں کیا؟'' حمید بھنا کر بولا۔

''تم کسی وقت بھی سنجیدہ نہیں ہو سکتے۔''

''اگر میرے سنجیدہ ہو جانے سے حالات میں کوئی تبدیلی واقع ہو سکتی تو.....!''

اچانک فریدی نے گاڑی سڑک کے نیچے اتار کر روک دی اور حمید جملہ پورا نہ کر سکا۔

''میں ابھی آیا۔'' کہتا ہوا وہ گاڑی سے اترا اور ایک دوکان میں داخل ہو گیا۔ حمید نے

سائن بورڈ پر نظر ڈالی۔ یہ ایک ڈرگ اسٹور تھا۔ گاڑی رک جانے کے بعد بھی اکبر میں نظر دوڑائی تھی۔ لیکن کوئی ایسی گاڑی نہ دکھائی دی جس کی رفتار کم ہوئی ہو۔ گاڑیاں آگے نکل چلی جا رہی تھیں۔

وہ پھر ڈرگ اسٹور کی طرف متوجہ ہو گیا۔ دفعتاً اس نے گاڑی کے فون کی بھنبھناہٹ سنی اور اگلی سیٹ کی پشت گاہ پر جھک کر ڈیش بورڈ کے خانے سے ریسیور نکا

''ہیلو.....!''

''حمید!'' دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی ''میں نے اسکیم بدل دی ہے۔

''آپ ہیں کہاں؟'' حمید نے بائیں ہاتھ سے اپنی گدی سہلاتے ہوئے پوچھا

''اسی ڈرگ اسٹور سے بول رہا ہوں۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ گاڑی تم لے تمہیں اس وقت ریڈ ٹائیڈ جوڈو کلب پہنچنا ہے۔ رے کیشی وہاں کی انسٹرکٹر ہے حوالے سے تم اس سے گفتگو کر سکتے ہو۔''

''جس قسم کی بھی گفتگو چاہوں؟'' حمید نے سوال کیا۔

''خاموشی سے سنو۔''

''جی بہت بہتر.....فرمایئے!''

''رے کیشی کو اپنے ساتھ پولیس ہسپتال کے مردہ خانے میں لے جاؤ اور ا آوروں کی لاشیں دکھاؤ۔ ہوسکتا ہے کہ وہ انہیں شناخت کر سکے۔''

''لیکن.....گفتگو۔''

''اگر وہ انہیں شناخت کر سکی تو موضوع گفتگو خود بخود ہاتھ آ جائے گا۔''

''اور اگر نہ شناخت کر سکی تو۔''

''گھر واپس آ جانا.....'' کہہ کر فریدی نے رابطہ منقطع کر دیا تھا۔

حمید نے ریسیور ڈیش بورڈ کے خانے میں رکھ دیا اور بھنا کر اگلی سیٹ پر چلا

ریڈ ٹائیڈ جوڈو کلب کے بارے میں حمید نے بہت کچھ سن رکھا تھا اور اس سے بھی واقف تھا لیکن یہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی انسٹرکٹر کوئی عورت ہے۔

خود ڈرائیو کرتے وقت بھی اس نے اس سے باخبر رہنے کی کوشش کی تھی کہ

نہیں کیا جا رہا۔

چوکیدار کو اپنا کارڈ دے کر جواب کا منتظر رہا۔ زیادہ دیر نہیں لگی تھی اسے اندر بلوا لیا گیا.....رے کیشی اپنے آفس میں ملاقات کی منتظر تھی۔

''خوش آمدید!'' وہ اٹھتی ہوئی پرمسرت لہجے میں بولی۔ ''آپ شاید کرنل فریدی کے اسسٹنٹ ہیں۔''

''جی ہاں۔'' حمید نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

''تشریف رکھیے۔''

''شکریہ! میں دراصل آپ کو تھوڑی سی تکلیف دینے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔''

رے کیشی خاصی دلکش عورت تھی۔ عمر پچیس اور تیس کے درمیان رہی ہوگی۔ بیحد جاندار چہرہ تھا۔ شگفتہ اور تروتازہ۔

''فرمایئے!''

''کرنل صاحب نے کہا تھا کہ ان کے حوالے سے بات کی جائے۔''

''میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ آپ ان کے اسسٹنٹ ہیں۔ فرمایئے کیا خدمت کر سکتی ہوں۔''

''آپ کو میرے ساتھ پولیس ہسپتال تک چلنا پڑے گا۔''

''خیریت! اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

''دو لاشوں کی شناخت کرنی ہے آپ کو.....!''

''اوہ!'' یک بیک اس کا چہرہ اتر گیا۔

''تشویش کی کوئی بات نہیں۔'' حمید جلدی سے بولا۔ ''ضروری نہیں کہ آپ ان کو شناخت کر ہی سکیں۔ دراصل دونوں مشرق بعید کے کسی ملک کے باشندے ہیں۔ کرنل صاحب کا خیال ہے شاید آپ انہیں شناخت کر سکیں۔''

''وہ کس طرح مرے ہیں۔''

''ایک گولی سے مرا ہے اور دوسرے کو شاید زہر دیا گیا ہے۔''

کیشی کے خطوط میں پھر کسی قدر نرمی پیدا ہو گئی۔ لیکن آنکھیں بدستور تشویش کی آماجگاہ

بی رہیں۔

وہ حمید کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔ گاڑی میں بیٹھتے وقت اس نے کہا۔ ''گاڑی غیر معمولی لگتی ہے۔''

''بلٹ پروف ہے۔'' حمید نے کہتے ہوئے انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی حرکت میں آ گئی۔

''لاشیں کہاں ملیں۔''

''یہ تو کرنل صاحب ہی جانتے ہوں گے۔ مجھے تفصیل معلوم کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔''

''کرنل کیسے ہیں۔ بہت دنوں سے ملاقات نہیں ہوئی!''

''ٹھیک ٹھاک ہیں.....!'' حمید نے ڈھیلے ڈھالے لہجے میں کہا۔

''آپ کو بھی فنون لطیفہ سے دلچسپی ہے یا نہیں۔''

''بس اسی حد تک کہ خواتین کے مجمعے میں اپنے کمالات کا اظہار کروں۔''

وہ ہنس کر بولی۔ ''بڑے صاف گو معلوم ہوتے ہیں۔''

''تکلفات سے کیا فائدہ.....!''

وہ اسے غور سے دیکھتی ہوئی بولی۔ ''کرنل کے ماتحت بھی اسرار ہیں۔''

''میں اس لفظ سے واقف ہوں.....''

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر قیشی نے کہا۔ ''کرنل جیسا آدمی میں نے آج تک نہیں دیکھا۔''

''آدمی!'' حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

''کیوں؟ کیا آپ کو لفظ آدمی پر اعتراض ہے.....!''

''کم از کم میں ان کے بارے میں ایسی کوئی بات انہیں کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔''

''آدمی ہوتے تو بھی کی شادی ہوئی ہوتی۔''

وہ ہنس پڑی اور پھر بولی۔ ''آپ کی ہو گئی ہے۔''

''میرے قبیلے کے رواج مختلف ہیں۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''جب تک دم نہ نکل آئے شادی نہیں ہوتی۔''

''خوش مزاج آدمی معلوم ہوتے ہیں۔''

''آپ کے چہرے کی بناوٹ بہت زیادہ جاپانی نہیں ہے۔''

''میرا باپ امریکن تھا۔''

''جاپانی خواتین کو دیکھ کر پاکیزگی کا احساس ہوتا ہے۔''

''آپ پچھلی صدی کی بات کر رہے ہیں۔ ہماری روایتی پاکیزگی اب ہم میں باقی نہیں۔''

''میں اپنے احساس کی بات کر رہا تھا.....!''

''شکریہ کیپٹن.....ابھی کتنی دور چلنا ہے۔''

''بس پولیس ہسپتال تک۔ زیادہ دور نہیں ہے۔''

''پتہ نہیں وہ دونوں کون ہیں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ پولیس ہسپتال پہنچ کر حمید اسے مردہ خانے میں لایا اور دونوں لاشیں دکھائیں۔

''یہ تو..... یہ تو.....مگر کیوں؟'' قیشی ہکلا کر رہ گئی۔ پھر خود پر قابو پانے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔ ''ہاں میں انہیں جانتی ہوں۔ اوسو اور پتا مو ہیں.....حقیقی بھائی۔ لیکن ان کا یہ حشر کیونکر ہوا۔''

''بس باہر چلئے.....!'' حمید نے کہا اور اسے مردہ خانے سے نکال لایا۔

''آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔''

''بلوہ۔ دو پارٹیوں کے درمیان فائرنگ ہوئی تھی۔ ہمیں صرف لاشیں ہی مل سکی تھیں۔ دونوں پارٹیاں پولیس کے پہنچتے پہنچتے موقعہ واردات سے فرار ہو چکی تھیں۔''

''یہ دونوں بیحد شریف اور امن پسند تھے۔''

''کیا کرتے تھے۔ کہاں رہتے تھے.....!''

''نیشنل اسٹیل مل میں بحیثیت انجینئر کام کرتے تھے۔ فلیٹ کا صحیح نمبر نہیں بتا سکوں گی بحال موڈل کالونی کے لگژری فلیٹس میں رہتے تھے۔ ان کی ایک بہن بھی ہے۔ ساتھ ہی رہتی تھی۔ پتا نہیں اسے اس کا علم ہوا یا نہیں۔''

''ظاہر ہے کہ وہ لاعلم ہے۔ ورنہ ہم سے ضرور رابطہ قائم کرتی اور ہمیں آپ کو تکلیف نہ دینی پڑتی۔''

''میں اسے جانتی ہوں۔ بہت اچھی لڑکی ہے۔ تنہا رہ گئی بیچاری۔''

''لیکن ہم ابھی اس کو اس سانحے کی اطلاع نہیں دینا چاہتے۔'' حمید نے کہا۔

''کیوں؟''

''اگر اس میں جلدی کی گئی تو اس سانحے کے ذمہ دار افراد ہمارے ہاتھ نہیں لگ سکیں گے۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔''

''حالات کچھ ایسے ہی ہیں۔ بہرحال آپ فی الحال یہ بات اپنی ہی ذات تک محدود رکھیے گا۔''

''اور بیچاری فیمی اس عرصے میں اپنے بھائیوں کی موت سے لاعلم رہے گی۔''

''مجبوری ہے؟''

''جیسی آپ لوگوں کی مرضی۔'' وہ طویل سانس لے کر بولی۔ ''قانون کے محافظ سے تعاون کرنا میرا فرض ہے۔''

فریدی نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ اس کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار تھے نہیں کس کی کال تھی اور اس نے کیا کہا تھا۔

''کیا بات ہے؟'' حمید نے اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''وہ دونوں جس فلیٹ میں رہتے تھے اس کا پتا چل گیا ہے۔ لڑکی فیمی وہاں موجود اور سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ انور نے بھی وہی پتا بتایا تھا۔''

''کیا مطلب۔''

''اس نے جیرالڈ شاستری کو اسی فلیٹ میں دیکھا تھا۔''

''اور وہ دونوں واقعی نیشنل اسٹیل ملز کے انجینئر تھے؟''

''یہ بھی درست ہے!'' فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔ ''تم نے مجھے دشواری میں ڈال دیا۔''

''میں نے؟'' حمید اچھل کر پڑا۔

''ہاں تم نے۔ تمہیں رے کیشی سے غلط بیانی نہیں کرنی چاہئے تھی۔''

''یعنی کہ!''

''صاف صاف بتا دینا چاہئے تھا کہ میرے ہی ہاتھوں مارے گئے تھے اور وجہ بھی بتا دیتے۔''

''کیا آپ اسے بھی اس میں ملوث سمجھتے ہیں۔''

''نہیں! اگر یہ بات ہوتی تو وہ ان سے اپنی شناسائی ہرگز نہ ظاہر کرتی۔''

''چلئے تسلیم کہ مجھ سے یہ غلطی ہوگئی۔ پھر اب کیا ہوگا۔''

''میں نے اسٹیل ملز کے مینیجر کو مطلع کر دیا ہے کہ اس کے عملے کے دو انجینئروں کی لاشیں پولیس ہسپتال کے سرد خانے میں موجود ہیں۔ جنہیں شناخت کرنے کے بعد آخری رسوم کے لیے جایا جا سکتا ہے۔''

''اور ان کے سلسلے میں مزید تفتیش۔''

''دیکھا جائے گا.....!'' فریدی نے لاپرواہی سے کہا اور فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کرنے لگا۔ دوسری طرف سے جواب ملنے پر بولا۔ ''لڑکی تمہاری نظروں سے ایک پل کیلئے بھی اوجھل نہ ہونے پائے۔ ہاں.....! اچھا.....! کب؟ اسکی پرواہ مت کرو جو کچھ بھی کر رہا ہے کرنے دو۔''

ریسیور رکھ کر حمید سے بولا۔ ''انور مستقل طور پر لگژری اپارٹمنٹس کے آس پاس چکر لگا رہا ہے.....!''

''تو آپ نے وہ ہدایت فیمی کے لیے دی تھی۔''

''ہاں.....! اس سے براہ راست گفتگو کرنے سے قبل یہ ضروری ہے کہ اسے اپنے بھائیوں کے بارے میں معلوم ہو جائے۔ اسٹیل ملز کے مینیجر کے توسط ہی سے اسے اطلاع ملنی چاہئے۔''

''بہرحال رے کیشی سے رابطہ قائم کرنا سودمند ثابت ہوا۔ بڑی دلکش عورت ہے۔''

''ساتھ ہی فولادی ہڈیوں والی بھی ہے۔''

''انداز گفتگو سے معلوم ہوتا ہے جیسے ماضی قریب میں آپ اس سے بہت زیادہ ملتے جلتے رہے ہوں۔''

''تمہارا خیال غلط نہیں ہے۔'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

''میں اس پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا۔'' حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

فریدی اسے گھور کر رہ گیا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ حمید کا ذہن قاسم اور شاداں میں الجھ گیا تھا۔ نہ جانے وہ اسے کہاں لے گئی تھی اس دوران میں کئی بار اس نے قاسم کے گھر فون کر کے اس کے بارے میں پوچھا تھا۔ لیکن یہی جواب ملتا رہا تھا کہ وہ گھر پر موجود نہیں ہے البتہ اس کی بیوی سے گفتگو نہیں ہو سکی تھی۔ ہر بار کسی ملازم ہی نے ریسیور اٹھایا تھا۔ شاداں کے ذہن میں اسے ڈالنے والا خود ہی تھا۔ لیکن اب سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ اس سے کوئی بہت بڑی رقم ٹھگ لے۔ دراصل غلط فہمی کی بنا پر بات اس حد تک گئی تھی چونکہ یہ کہانی فلمی دنیا سے متعلق ہوئی تھی۔ اس لیے حمید نے سوچا تھا کہ تفریح کے لیے قاسم بھی سہی۔ لیکن اب تو بات ہی جا پڑی تھی۔ لہٰذا قاسم وہاں کیوں الجھا رہے۔

عجیب اتفاق تھا کہ ٹھیک اسی وقت فریدی نے کہا۔ ''قاسم کی بھی خبر لو کیا وہ گھر پہنچ گیا''

''جی نہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس نے شاداں کے گھر میں ڈیرا ڈال دیا ہے۔''

''قاسم کے لیے خطرناک ہے۔''

''ہے.....! تو.....!''

''اس کی خبر لو.....!''

''یعنی کہ.....؟''

''ہاں ہاں.....! مناسب یہی ہے کہ ہم فلم والوں کی طرف سے بالکل ہی توجہ نہ ہٹا لیں۔''

''تو پھر! میں اسے دیکھوں!'' حمید نے چہک کر پوچھا۔

''لیکن.....!'' فریدی انگلی اٹھا کر بولا۔ ''آرمنڈ کار ہی تمہارے استعمال میں رہے گی۔''

''حمید اس طرح اٹھ کر کھڑا ہوا جیسے پیروں میں پڑی ہوئی زنجیر ٹوٹ گئی ہو۔''

تھوڑی دیر بعد آرمنڈ کار سڑک پر نکل آئی لیکن حمید سوچ رہا تھا کہ شاداں اس وقت اس کے گھر پر ہوگی یا اسٹوڈیو والے آفس میں۔ کیوں نہ پہلے معلوم کر لیا جائے۔

ایک ڈرگ اسٹور کے سامنے گاڑی روکی اور اتر کر اسٹور کے کاؤنٹر پر آیا۔ سب سے پہلے قاسم کے گھر سے فون پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کی لائن انگیج تھی۔ اسٹوڈیو کے نمبر ڈائیل کیے۔ مینجر سے معلوم ہوا کہ شاداں کا دفتر بند ہے۔ حمید نے

انداز میں سر کو جنبش دے کر پھر قاسم کے گھر کے نمبر ڈائیل کیے۔ اس بار رابطہ قائم ہو گیا اور دوسری طرف سے قاسم کی بیوی کی آواز آئی۔ ''اوہو۔ آپ تو یہیں موجود ہیں۔''

''پھر مجھے کہاں ہونا چاہئے!'' حمید نے سوال کیا۔

''میں تو سمجھی تھی کہ شاید آپ ہی کہیں لے گئے ہیں۔''

''ابھی تک نہیں سمجھ سکا کہ آپ کہنا کیا چاہتی ہیں۔''

''تین دن ہوئے وہ کہیں باہر تشریف لے گئے ہیں جگہ کا نام نہیں بتایا تھا۔''

''کیا اس نے یہ کہا تھا کہ میرے ساتھ کہیں جا رہا ہے!''

''نہیں۔ یہ تو نہیں کہا تھا۔''

''اور آپ نے سمجھ لیا تھا کہ میں بھی ہمسفر ہوں گا۔''

''پھر کیا سمجھتی۔ جب بھی باہر جاتے ہیں آپ ہی کے ساتھ جاتے ہیں۔''

''میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔ خیر بتائیے۔ اس وقت کیسے تکلیف فرمائی۔''

''اسی سے ملنا تھا۔''

''کوئی خاص بات۔''

''خاص باتیں کبھی کبھی ہوتی ہیں۔'' کہہ کر حمید نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ اس لایعنی گفتگو کو طول نہیں دینا چاہتا تھا۔

بہرحال یہی معلوم کرنا تھا کہ قاسم گھر پہنچ گیا یا نہیں۔ ڈرگ اسٹور سے نکل کر گاڑی میں بیٹھا اور اس کالونی کی طرف روانہ ہو گیا جہاں شاداں رہتی تھی۔

ایک مشہور فلمی اداکارہ کی کوٹھی میں داخلہ آسان نہیں ہوتا۔ کمپاؤنڈ کے پھاٹک ہی پر اسے اپنا کارڈ نکالنا پڑا تھا اور ساتھ ہی اپنے عہدے کا حوالہ بھی دیا ورنہ کارڈ اندر تک پہنچ ہی نہ سکتا۔

تھوڑی دیر بعد چوکیدار نے گاڑی کیلئے پھاٹک کھول دیا اور گاڑی سیدھی پورچ میں جا رکی۔

شاداں اس کے استقبال کے لیے باہر نکل آئی تھی۔

''خوشا نصیب!'' وہ لہک کر بولی۔ ''میں تو سمجھی تھی کہ شاید اب آپ سے ملاقات نہ ہو۔''

''ابھی وہ قصہ ختم کہاں ہوا ہے؟''

''چلئے اندر تشریف لے چلئے۔''

''شکریہ.....!''

سٹنگ روم بہت شاندار تھا۔ بالکل ایسا لگتا تھا جیسے وہ کسی بہت بڑے شوروم میں داخل ہوا ہو۔

''تشریف رکھیے۔'' شاداں نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''اس وقت مجھے اس مریض کی تلاش یہاں لائی ہے۔ جو آپ کے ساتھ ہسپتال سے فرار ہو گیا تھا۔'' حمید نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''غالباً آپ کا اشارہ مسٹر قاسم کی طرف ہے۔''

''ظاہر ہے.....!''

''لیکن وہ یہاں کب آئے تھے۔ اسٹوڈیو والے دفتر میں ان سے باتیں ہوئی تھیں اور وہیں سے رخصت ہو گئے تھے۔''

''کب کی بات ہے۔''

''کل ہی کی۔''

''لیکن وہ آج تک گھر نہیں پہنچا۔''

''پھر میں اس سلسلے میں کیا کر سکتی ہوں۔''

''میرا خیال ہے کہ آپ بہت ذہین خاتون ہیں۔''

''خدا جانے لیکن آپ یہ کیوں کہہ رہے ہیں۔''

''ذہین خاتون ہیں اس لیے یہی پسند کریں گی کہ بات آگے نہ بڑھنے پائے۔''

''میں نہیں سمجھی آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔''

''محترمہ شاداں۔ وہ یہیں اسی کوٹھی میں موجود ہے۔''

''بڑے وثوق سے آپ یہ بات کہہ رہے ہیں۔'' وہ اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔

''یقین واثق ہے اس پر کہ وہ یہیں ہے۔''

''بہت خوب!'' شاداں قہقہہ لگا کر بولی۔'' آپ شاید یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مسٹر قاسم اغوا میرے ہاتھوں عمل میں آیا ہے اور میں ان کی گلو خلاصی کے لیے ان کے باپ سے کوئی بڑی رقم طلب کروں گی۔''

''آپ اس حد تک بھی نہیں جا سکتیں۔''

''پھر میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں؟''

''سچی بات بتا دیجئے!'' حمید نے بیحد خشک لہجے میں کہا۔

''میں ویسے ہی بہت پریشان ہو۔ اب آپ بھی میری پریشانیوں میں مزید اضافے کا سبب نہ بنئے۔''

''یعنی آپ کو یہاں قاسم کی موجودگی سے انکار ہے۔''

''ہرگز نہیں!'' وہ آہستہ سے بولی۔''لیکن یہ سب کچھ مسٹر قاسم ہی کی ہدایت پر ہو رہا ہے۔''

''میں سمجھ گیا۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔

''کیا سمجھ گئے!''

''یہی کہ خود اسی نے آپ کو اس پر آمادہ کیا ہے کہ یہاں اس کی موجودگی کی اطلاع کسی کو نہ دیں۔''

''جی ہاں۔ یہی بات ہے۔'' وہ آہستہ بولی۔

''مقصد کیا ہے۔''

''اپنی بیوی اور باپ سے سخت متنفر ہیں۔ مجھ سے کہہ رہے تھے کہ یہیں کہیں آس پاس میں کوئی کوٹھی کرائے پر دلوا دوں یا کسی کا سودا کرا دوں۔''

''کیا آپ اسے صحیح الدماغ سمجھتی ہیں۔''

''دماغ تو بالکل ٹھیک ہے ان کا۔''

''ابھی آپ کو تجربہ نہیں ہوا۔''

''آپ کے پڑوسیوں کے لیے بھی مصیبت بن جائے گا۔''

''اس پر میں یقین کرنے کو تیار نہیں۔ وہ بیحد شائستہ آدمی ہے۔''

''کس بات سے شائستگی کا اندازہ لگایا۔''

''جو کچھ بھی کہا جاتا ہے بے چوں و چرا تسلیم کر لیتے ہیں۔''

''جی ہاں عورتیں اسی کو شائستگی سمجھتی ہیں۔''

''مجھ پر طنز نہ فرمایئے۔''

''یہ میرا قول ہے جو ساری دنیا کی عورتوں پر صادق آتا ہے۔ صرف آپکی بات نہیں کر

''تو آپ انہیں لے جائیں گے۔''

''اسی کے لیے آیا ہوں۔''

''اور اگر وہ آپ کے ساتھ جانے سے انکار کر دیں تو۔''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔''

''یعنی آپ زبردستی لے جائیں گے۔''

''لوگوں کو پریشانیوں سے نجات دلانا میرا پیشہ ہے۔''

''دنیا کا کوئی قانون کسی عاقل و بالغ فرد کو اس پر مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ کہاں ر
کہاں نہ رہے۔''

''سیٹھ عاصم بہت ذی اثر لوگوں میں سے ہیں۔ آپ پریشانی میں مبتلا ہو جائیں
وہ اسے سچ مچ اغوا کا کیس بنوا دیں گے۔''

وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ ''شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔''

''ویسے کیا وہ آپ کی کسی فلم کو فائنینس کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔''

''یہی تو چارم ہے کیپٹن۔'' وہ مضطربانہ انداز میں آہستہ سے بولی۔ ''اگر آپ گ
کریں تو آپ کو بھی دس فیصد کا حصہ دار بنایا جا سکتا ہے۔''

''میں تو آپ ہی کے اکاؤنٹ میں ڈپازٹ ہونے آیا تھا۔ آپ صرف دس فی
حصہ دار بنانا چاہتی ہیں۔''

''نہیں مذاق نہیں۔ میں سیریس ہوں۔''

''اچھی بات ہے اسے میرے سامنے لایئے۔''

''میں یہ بھی نہیں کر سکتی آپ خود ہی گھستے چلے جایئے۔'' اس نے بائیں جانب
دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''یہ کیا بات ہوئی.....!''

''انہوں نے خصوصیت سے آپ کے بارے میں کہا تھا کہ آپ کے کان میں اس کی
بھی پڑنے پائے۔''

''واقعی۔ مجھے یقین نہیں آتا.....!''

''ہم دونوں اس وقت ریہرسل کر رہے تھے کہ آپ آ گئے۔''

''بہت خوب ریہرسل بھی شروع ہو گئی۔''

''جن کے میک اپ میں ہیں۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''خدا کی پناہ۔ باقاعدہ ریہرسل.....!''

''مجھے کاندھوں پر بٹھا کر اڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔''

حمید نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے وہ پاگل ہو گئی ہو۔ کیونکہ وہ اس قسم کی گفتگو
تے وقت بھی بیحد سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔

''اور یہی نہیں!'' وہ پُر مسرت لہجے میں بولی۔ ''میں نے اتنی سچی اداکاری کبھی نہیں
ی خود کو سچ مچ جن سمجھنے لگے ہیں۔''

حمید طویل سانس لے کر رہ گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اسے دوبارہ قاسم بنا دینا بیحد
ل کام ہوگا۔

''ہاں.....ذرا بتایئے کدھر جانا ہے۔''

''ادھر سے گزر کر آپ راہداری میں پہنچیں گے وہاں بائیں جانب پہلا دروازہ۔''

حمید آگے بڑھا اور راہداری میں پہنچ کر بائیں جانب والے پہلے دروازے پر رک گیا۔
دروازہ بند نہیں تھا۔ قاسم سامنے ہی کھڑا دکھائی دیا۔ حمید پر نظر پڑتے ہی اس کا منہ کھلا
ملا ہی رہ گیا۔ ساتھ ہی حمید کے کانوں میں شاداں چیختی ہوئی آواز بھی پڑی۔

''یہ آپ کیا کر رہے ہیں کہاں گھستے چلے جا رہے ہیں یہ زیادتی ہے۔ غیر قانونی
ت ہے۔''

دفعتاً قاسم بھی سنبھالا لے کر دہاڑا۔ ''ابے قون ہے تو.....!''

''کیپٹن حمید۔ فرام سینٹرل انٹیلی جنس!'' حمید نے بیحد سنجیدگی سے کہا۔

اور شاداں عقب سے غصیلی آواز میں بولی۔ ''یہ زبردستی اندر گھس آئے ہیں۔''

''تم پر الزام ہے!'' حمید قاسم کی طرف انگلی اٹھا کر بولا۔ ''تم راہ گیروں کو خوف ہو اور پھر انہیں لوٹ لیتے ہو۔''

''ابھی تق تو ایسی قوئی ریہرسل نہیں ہوئی۔'' قاسم تھوک نگل کر بولا۔

''خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دو۔''

''قیا.....! یہ بھی فلم میں کام قرے غا!'' قاسم نے شاداں سے پوچھا۔

''ہرگز نہیں۔ میں نہیں سمجھ سکتی کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔''

''تم نہیں سمجھو غی..... میں سمجھوں غا اس سے۔'' قاسم نے آگے بڑھتے ہو حمید جلدی سے بولا۔ ''ابھی میں نے چپاتی بیگم کو اطلاع نہیں دی۔''

قاسم جھٹکے کے ساتھ رک گیا۔ عجیب ہیئت کذائی میں تھا۔ صورت سے قاسم کیونکہ میک اپ میں تھا اور سر پر دو بڑے بڑے سینگ بھی تھے۔

''اور قبلہ والد صاحب تو تمہیں اس حلیے میں دیکھ کر بیحد خرسند ہوں گے۔'' حمید لہجے میں کہا۔

قاسم دم بخود رہ گیا۔ تھوڑی دیر طرح طرح کے منہ بناتا رہا۔ پھر شاداں سے آپ تھوڑی دیر کے لیے ادھر چلی جایئے۔''

شاداں کے ہٹتے ہی آنکھیں بند کر کے حمید کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے اور دانتوں میں دبائے کھڑا رہا۔ ایسا لگتا تھا جیسے آنسو پینے کی کوشش کر رہا ہو۔

''یہ کیا کر رہے ہو آنکھیں کھولو۔'' حمید نے ڈپٹ کر کہا۔

اس نے آنکھیں کھول دیں اور بوکھلائے ہوئے انداز میں ادھر ادھر دیکھ کر بولا۔ ''یار گڑبڑ نہ کرو۔''

''تم مجھ سے پوچھے بغیر اس کے ساتھ آئے ہی کیوں۔''

''سر ہو غئی تھی۔''

''گود میں اٹھا کر تو لائی نہ ہو گی۔''

''تم بھی مجے کرنا پیارے بھائی اس کی بہت سی سہیلیاں ہیں۔''

''بکواس مت کرو۔ چلو میرے ساتھ۔''

''اچھا تو پھر مجھے شاہینہ پہلوان کے پاس لے چلو۔''

''یہ کیا بکواس ہے!''

''میں اس کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔''

''لیکن یہ ہے کہ کیا بلا۔''

''اسی نرس کی کھالا زاد ہے۔ پہلوانی کرتی ہے۔''

''اوہ تو اسکا یہ مطلب کہ اگر تمہیں شاداں یہاں نہ لاتی تو تم شاہینہ کے پاس پہنچ جاتے۔''

''پھر اور قیا قرتا۔'' قاسم ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''اچھی بات ہے تم یہاں سے تو نکلو۔''

''پہلے وعدہ قرو۔ ہائے جب سے میں نے اس کا نام سنا..... قیا بتاؤں قیا محسوس ہوتا ..... وہ لڑکیوں کو کشتی لڑنا سکھاتی ہے۔ جرا سوچو تو قیسے لڑتی ہوں غی۔''

''میں کیوں سوچوں!'' حمید آنکھیں نکال کر غرایا۔

''ابے لنگوٹی پہن کر.....!'' قاسم نے آنکھ مارنے کی کوشش کی اور اس کی دونوں ہی بند ہو گئیں۔

حمید نے سوچا مرض پھر لاعلاج ہو گیا ہے۔ کسی طرح بھی قابو میں نہیں آئے گا۔ یہاں نکالا بھی تو کسی اور طرف رخ کرے گا۔

''تو..... تم باز نہیں آؤ گے۔'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''زندگی اور موت کا سوال ہے۔'' قاسم کا جواب تھا۔

''اچھی بات ہے تو اس میک اپ سے پیچھا چھڑاؤ اور اپنے کپڑے پہن لو۔'' حمید نے کہا۔

قاسم نے ''روائتی اور فلمی بغدادیوں'' کا سا لباس بھی پہن رکھا تھا۔

''اچھی بات ہے۔'' اس نے سر ہلا کر کہا۔ ''تم چل کر ڈرائینگ روم میں بیٹھو میں ابھی آ ہوں۔''

''عقبی دروازے سے نکل نہ بھاگنا۔'' حمید بولا۔

''اے جاؤ۔ کیا میں تم سے ڈرتا ہوں۔''

حمید ڈرائینگ روم میں واپس آ گیا اور شاداں اسے غور سے دیکھتی ہوئی بولی۔

کیپٹن اگر تم نے میرا کھیل بگاڑا تو میں تمہارے پیچھے پڑ جاؤں گی۔''

''میں تمہارا کھیل نہیں بگاڑوں گا۔ بس ذرا دیر کے لیے وہ میرے ساتھ جائے۔''

''وہ گھر واپس نہیں جانا چاہتے۔''

''میں جانتا ہوں اور میں اسے گھر نہیں پہنچاؤں گا۔''

''آخر بات کیا ہے۔ آپ مجھے کیوں نہیں بتاتے۔''

''بیحد سرکاری بات ہے۔ ورنہ میں تمہیں ضرور بتا دیتا۔ خوبصورت خواتین کو فخر اپنا فرض اولین سمجھتا ہوں۔''

وہ بُرا سا منہ بنا کر رہ گئی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اگر پاگل نہیں تو سنکی ضرور ہے۔

تھوڑی دیر بعد قاسم بھی پہنچ گیا۔ آدمیت کے جامے میں تھا۔ شاداں نے اسے دیکھ کر ہوئے کہا۔ ''اس میک اپ پر بڑی لاگت آئی تھی۔''

''میں اداقردوں غا.....!'' قاسم روہانسی آواز میں بولا۔

''بس جایئے دیکھ لیا آپ کو بھی۔''

قاسم بے بسی سے حمید کی طرف دیکھ کر رہ گیا اور حمید نے شاداں سے کہا۔ ''براہ کر باتیں نہ کرو جو قانون کی زد میں آ جائیں۔''

''کیا مطلب۔''

''آپ اشارۃً بھی اسے روکنے کی کوشش نہیں کر سکتیں کیونکہ یہ سرکاری معاملہ ایک کیس میں بطور شاہد مطلوب ہے۔''

''خیر۔ خیر۔ دیکھا جائے گا۔'' وہ سر ہلا کر بولی۔ ''میرے خالو بھی منسٹر ہیں۔''

''واقعی!'' حمید نے خوش ہو کر پوچھا۔

''جی ہاں.....! مجھے کوئی ایسی ویسی نہ سمجھئے گا۔ سرکاری پیمانے پر بھی آپ سے نپٹ سکتی ہ

''ضرور.....! ضرور.....! اچھا اب اجازت دیجئے۔''

''مم.....! میں آ جاؤں غا۔'' قاسم بولا۔

لیکن شاداں منہ پھلا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ قاسم گومگو کے عالم میں حمید

چل پڑا۔

کمپاؤنڈ میں قاسم کی رولز کہیں نہ دکھائی دی۔ حمید نے اس کے بارے میں استفسار کیا۔

''اس کی ایک سہیلی اپنا شوق پورا قرنے لے گئی تھی.....! واپس نہیں لائی۔'' قاسم نے لاپرواہی سے کہا۔

''تو گاڑی یہیں چھوڑ جاؤ گے۔''

''پھر قیا قروں۔ تم دھونس جما رہے ہو.....!''

''ہرگز نہیں.....! تم یہاں گاڑی چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔''

''اے قبھی کچھ.....! کبھی قچھ۔'' قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔

''واپس چلو۔ تمہیں اس وقت تک یہیں قیام کرنا ہے جب تک کہ گاڑی واپس نہ آ جائے۔''

''تمہاری مرضی!'' قاسم مردہ سی آواز میں بولا۔ ''لیکن اب اس سے کہو گے کیا؟''

''اس کے منسٹر خالو سے ڈر گیا ہوں اور بیٹا جیسے ہی گاڑی ہاتھ آئے بھاگ کھڑے ہونا۔''

قاسم نے برا سا منہ بنا کر سر جھٹک دیا۔ وہ پھر ڈرائینگ روم میں واپس آئے۔

''کہئے کیا ہوا؟'' شاداں نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں۔ میں نے سوچا آپ نے اپنے منسٹر خالو کا حوالہ دیا تھا۔ اس لیے سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا چاہئے۔'' حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

''میں دل کی بُری نہیں ہوں کیپٹن!'' وہ مسکرائی۔

''میرا دل چاہتا ہے کہ میں بھی کچھ دیر یہاں قیام کروں۔''

''شوق سے۔ کیا پئیں گے آپ؟''

''چائے یا کافی کے لیے علاوہ اور کچھ نہیں پیتا۔''

''میرا مطلب تھا ہاٹ یا کولڈ۔ شراب تو میں بھی نہیں پیتی۔''

''کافی ہی مناسب رہے گی۔''

وہ اٹھ کر اندر چلی گئی اور حمید قاسم کو آنکھ مار کر مسکرایا۔

''یار پتا نہیں تم قیا گھپلا قرنے والے ہو۔'' قاسم آہستہ سے بڑبڑایا۔

''تمہارے بادا تو تمہاری خبر لیتے نہیں۔ ساری ذمہ داری میرے کاندھوں پر آ پڑی ہے۔''

''چپ سالے بڑے آئے کہیں کے.....! مٹی پلید قردی میری۔''

''خود کو قابو میں رکھو ورنہ سچ مچ مٹی پلید ہو جائے گی۔''

شاداں جلد ہی واپس آ گئی شاید کچن میں کسی سے کافی کے لیے کہہ آئی تھی۔

''واپسی کی وجہ میں سمجھتی ہوں!'' وہ مسکرا کر بولی۔

''اچھا.....!'' حمید نے خواہ مخواہ حیرت ظاہر کی۔

''یہ حضرت اپنی گاڑی کی وجہ سے رک گئے ہیں!'' اس نے قاسم کی طرف اشارہ کرکے

''جہنم میں جائے گاڑی!'' قاسم اٹھتا ہوا بولا۔ ''میں جا رہا ہوں۔''

''ٹھہریئے!'' شاداں ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''آپ نے مجھ سے پوچھ کر اسے گاڑی

دی تھی۔ لہٰذا مجھ پر اس کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔''

''قون کہتا ہے کہ آپ پر ذمے داری ہے۔''

''بس میں یہی معاملہ صاف کر دینا چاہتی تھی۔ آپکا دل چاہے رکئے دل چاہے چلے جا

ٹھیک اسی وقت فون کی گھنٹی بجی اور شاداں نے کال ریسیو کر کے کنکھیوں سے

طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''جی ہاں۔ وہ یہیں تشریف رکھتے ہیں۔''

پھر حمید سے بولی۔ ''آپ کی کال ہے جناب!''

حمید نے اٹھ کر ریسیور اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ دوسری طرف سے فریدی کی

آئی۔ ''میں نے تم سے صرف اسٹوڈیو کی بات کی تھی۔ اس کے گھر پر کیوں جم گئے ہو۔''

''جی ہاں سب ٹھیک ہے۔''

''کیا ٹھیک ہے۔''

''قاسم فلمسازی شروع کر رہا ہے۔''

''میں نے کہا تھا کہ اسے وہاں سے ہٹانے کی کوشش کرو۔''

''کر دی ہے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''فیمی اپنے بھائیوں کی لاشیں شناخت کرنے کے لیے پولیس ہسپتال پہنچنے والی ہے

وہاں تمہاری موجودگی بھی ضروری ہے۔''

''میں کیا کروں گا.....؟''

دوسری طرف سے جواب ملنے کی بجائے رابطہ منقطع ہونے کی آواز آئی اور حمید نے

لمبی سانس لے کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

''کس کو بتا رہے تھے کہ قاسم فلمسازی شروع قر رہا ہے۔'' قاسم نے پوچھا۔

''کرنل صاحب کو۔''

''ارے باپ رے!'' قاسم پیٹ پر ہاتھ رکھ کر کراہا۔

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں جعلسازی تو نہیں کر رہے۔''

''تم ہر بات انہیں کیوں بتا دیتے ہو۔'' قاسم جھنجھلا گیا۔

''انہوں نے پوچھا تھا۔''

''صاحب ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔'' شاداں قاسم کو گھورتی ہوئی بولی۔ ''آپ اتنے

ڈرپوک ہیں تو تشریف لے جایئے۔ ابھی آپ نے معاہدے پر دستخط نہیں کئے۔''

''اب قردوں گا۔ ڈرپوک نہیں ہوں۔ میں جرور فلمسازی قروں گا۔ کسی کے باپ کا اجارہ!''

''لہٰذا مجھے اب اجازت دیجئے!'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

''کافی تو پیتے جایئے!'' شاداں نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

''پھر کبھی!'' کہتا ہوا حمید باہر آیا اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ قاسم پھنس چکا

ہے۔ لہٰذا اس کے سلسلے میں سر کھپانا بیکار ہے۔

فریدی کی فون کال کا مطلب یہ تھا کہ نہ صرف اس کی باقاعدہ نگرانی کی جا رہی ہے بلکہ

ایک پل کی رپورٹ بھی فریدی تک پہنچ رہی ہے۔

ہسپتال پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ وہ دیر سے پہنچا ہے۔ یعنی وہ فیمی سے اس کے بھائیوں

بارے میں فی الحال پوچھ گچھ نہیں کر سکے گا کیونکہ بھائیوں کی لاشیں دیکھنے کے بعد وہ

ش ہو گئی تھی اور اب ہسپتال ہی کے ایک کمرے میں اسے بھی ڈال دیا گیا تھا۔

وہ اسٹیل ملز کے مینجر کے ساتھ وہاں پہنچی تھی اور اب وہی اس کی دیکھ بھال کر رہا

حمید اس کے کمرے میں داخل ہوا اور مینجر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ حمید نے اپنا کارڈ اس

طرف بڑھاتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ ''مجھے افسوس ہے۔''

وہ سامنے ہی بستر پر بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی۔ آنکھیں بند تھیں اور چہرے پر ایسی

معصومیت طاری تھی جیسے ابھی ابھی کتم عدم سے عالم وجود میں آئی ہو۔ خدوخال دلکش رنگت کہہ رہی تھی کہ اس کے سلسلے میں کسی فرانسیسی نے ضرور دخل اندازی کی ہوگی خواہ رہا ہو خواہ کوئی عورت۔ بال اخروٹ کی رنگت کے تھے۔

مینجر آہستہ سے بولا۔ ''یہ آخر کس طرح اس صدمے کو برداشت کر سکے گی۔''

''واقعی.....! سوچنے کی بات ہے۔''

''میں تصور بھی نہیں کر سکتا کہ وہ دونوں ایسے ہوں گے۔ پتا نہیں کیا ہو گیا اور ہوا.....!'' وہ حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ خاصا قد آور، توانا اور جاندار آدمی تھا چالیس اور پینتالیس کے درمیان رہی ہوگی۔

حمید اس پر کچھ نہ بولا۔ اسے علم نہیں تھا کہ فریدی نے اس سے کس قسم کی گفتگو کی اور ان کے بارے میں کیا بتایا ہوگا۔ اس لیے اس نے خاموش ہی رہنا مناسب سمجھا۔

مینجر اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد پھر بولا۔ ''اور یہ میں آنے والی بات ہی نہیں ہے کہ انہوں نے کسی پولیس پارٹی پر حملہ کیا ہو؟ آخر کیوں کر۔''

''واقعی سوچنے کی بات ہے۔ آپ تو ان کے عادات واطوار سے واقف ہی ہوں گے۔''

''میرے لیے کھلی ہوئی کتاب تھے۔''

''کسی غلط فہمی کی بناء پر بھی ایسا ہو سکتا ہے۔'' حمید نے کہا۔

''لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ اپنے ساتھ اسٹین گنیں لے کر کیوں نکلے تھے؟'' اس نے پُرتفکر لہجے میں کہا۔ ''اور انہیں اسٹین گنیں ملیں کہاں سے؟''

''شاید یہ جانتی ہو!'' حمید نے بیہوش لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا۔

''اسی لیے تو میں یہاں رک گیا ہوں۔ ہوش میں آئے تو معلوم کروں۔''

''اب آپ اس کی فکر نہ کیجئے! ہم خود معلوم کر لیں گے!'' حمید نے کہا۔

''لیکن میں درخواست کروں گا اس بیچاری کو زیادہ پریشان نہ کیا جائے۔ ہو سکتا ہے کچھ بھی نہ جانتی ہو۔ بہتیرے لوگوں کے متعلقین کو نہیں معلوم ہوتا کہ وہ باہر کیا کرتے پھرتے ہیں۔''

''یہ بھی درست ہے؟'' حمید سر ہلا کر بولا۔ وہ چاہتا تھا کہ مینجر وہاں سے ٹل ہی جائے تو اچھا ہے۔ ہو سکتا ہے اس کی موجودگی میں لڑکی واقعی زبان نہ کھول سکے۔

''اب دیکھئے کب تک بیٹھنا پڑے۔'' مینجر نے آہستہ سے کہا۔

''آپ کی موجودگی ضروری تو نہیں ہے۔'' حمید بولا۔

''اخلاقاً جناب! بہرحال کسی حد تک میں اس کے لیے اجنبی نہیں ہوں.....!''

''یہی چیز اس کی صحت کے لیے مضر ثابت ہوگی۔'' حمید نے کہا۔

''میں نہیں سمجھا۔''

''ایسے مواقع پر کسی شناسا کی موجودگی طبیعت کو قابو سے باہر کر دیتی ہے۔ ہوش میں آنے کے بعد اگر آپ پر نظر پڑ گئی تو پھر ایک جگرخراش چیخ مارے گی اور یا تو رونا شروع کر دے گی یا دوبارہ بے ہوش ہو جائے گی۔''

''ہوں!'' مینجر پُرتفکر لہجے میں بولا۔ ''یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ عام طور پر یہی ہوتا ہے پھر مجھے کیا کرنا چاہئے۔''

''آپ بے فکری سے تشریف لے جائیے۔ یہ لڑکی سول پولیس کی تحویل میں نہیں ہے میرا محکمہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اسے کس قسم کے لوگوں سے کس طرح پیش آنا چاہئے۔''

''بہت بہتر میں جا رہا ہوں۔'' مینجر اٹھتا ہوا بولا۔ ''لیکن تھوڑی سی تکلیف آپ کو کرنی پڑے گی۔''

''فرمائیے! میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں۔''

''یہ رہا میرا فون نمبر۔'' وہ کوٹ کی اندرونی جیب سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر حمید کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ''مجھے اس کی حالت سے آگاہ کر دیجئے گا اور میری طرف سے کہہ دیجئے گا کہ اس کی اچھی طرح خبر گیری کی جائے گی۔''

''ضرور۔ ضرور۔ ایسا ہی ہوگا۔''

رخصت ہو گیا اور حمید پھر بیٹھ کر بے ہوش لڑکی کو پُرتشویش نظروں سے دیکھنے لگا۔



اسٹیل ملز کا مینجر تنہا نہیں تھا۔ گاڑی میں ایک اور آدمی بھی اس کے ساتھ تھا اور یہ بھی [illegible] کے کسی ملک کا باشندہ تھا۔ اس نے گاڑی کو چوراہے پر بائیں جانب موڑتے

ہوئے پوچھا۔ ''اب کدھر جناب!''

''بتا دوں گا.....!'' منیجر بولا۔ ''ابھی تو میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ کوئی ہمارا تعاقب تو نہیں کر رہا۔''

''یک بیک یہ سب کچھ کیسے ہوا میری سمجھ میں تو نہیں آتا۔'' غیر ملکی نے کہا۔

''ایک انتہائی خطرناک آدمی کے کان میں بھنک پڑ گئی۔ ورنہ ہمارا کام تو جانے کر سے جاری تھا۔'' منیجر طویل سانس لے کر بولا۔

''میں نہیں سمجھا کس خطرناک آدمی کا ذکر ہے۔''

''کرنل فریدی۔ دراصل حماقت ان لوگوں سے سرزد ہوئی جنھیں تجربہ کرنا تھا وہیں اسی وقت کسی نہ کسی طرح کیمرے سے فلم کا رول نکال لینا چاہئے تھا۔ لیکن وہ ان کی غفلت سے یہاں پہنچ گیا اور پھر اسے حاصل کرنے کے چکر میں ایسی غلطیاں سرزد ہوئیں کہ یہ سب کچھ ہو گیا۔''

''میرے خیال سے تو ان لوگوں پر تجربہ کرنا ہی نہ چاہئے تھا۔'' غیر ملکی نے کہا۔

''بہر حال اب پولیس ہم سبھوں کی نگرانی شروع کر دے گی۔''

''اس کی فکر نہ کرو۔ ہمارے خلاف کوئی ثبوت فراہم کر لینا آسان نہ ہوگا۔ میں نے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ دونوں اسٹیل ملز کے کارکن ضرور تھے۔ لیکن باہر وہ کیا کرتے تھے۔ اس کی ذمہ داری ہم پر نہیں۔''

''لڑکی تو کچھ نہیں جانتی تھی۔''

''میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔'' منیجر نے پُرتفکر لہجے میں کہا۔ ''دراصل میں اس کی تلاش میں تھا کہ کسی طرح بیہوش لڑکی کو انجکشن دے دوں لیکن نرس ہٹی تو کرنل فرید اسسٹنٹ پہنچ گیا۔''

''انجکشن تو لگنا ہی چاہئے جناب! ورنہ.....!''

''اوہ۔ ختم کرو۔ دیکھا جائے گا..... جو بیان بھی وہ دے گی۔ صرف اس کے بھائی ہی کی ذات تک محدود رہے گا اس کا اثر دوسروں پر نہیں پڑ سکتا۔''

''آپ مجھ سے بہتر سمجھ سکتے ہیں.....!''

''ہاں۔ اب ڈربی ہاؤز کی طرف چلو۔ ہمارا تعاقب نہیں کیا گیا۔''

''میں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔''

''کیا مطلب۔''

''فرانسیسی دالگو کیوں مارا گیا؟''

''اوہ۔''

''محض اس لیے جناب کہ وہ ڈربی ہاؤز تک پولیس کی رہنمائی کر سکتا تھا۔''

''شش۔ شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' منیجر رومال سے پیشانی کا پسینہ خشک کرتا ہوا بولا۔ ''ڈربی ہاؤز سے فون ہی پر رابطہ رکھنا مناسب ہوگا۔''

''شکریہ اوزا کا.....! تم نے بڑے کام کی بات سجھائی.....! اوہ میرے خدا ڈربی ہاؤز کے بارے میں اب صرف ہم دونوں ہی جانتے ہیں۔''

''اس لیے ہمیں پولیس اور ڈربی ہاؤز دونوں سے دور رہنا چاہئے۔'' اوزا کا نے کہا۔

''وہ دونوں بھی جانتے تھے۔'' منیجر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''آخر آپ ڈربی ہاؤز کس لیے جانا چاہتے تھے۔''

''یہی اطلاع دینے کہ لڑکی کو انجکشن نہیں دیا جا سکا۔''

''یعنی خود ہی اپنے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈالنے جا رہے تھے۔''

''خدا کی پناہ۔ میری عقل کو کیا ہو گیا۔''

''لہٰذا فون پر بھی آپ وہاں یہی اطلاع دیں گے کہ آپ لڑکی کو انجکشن دینے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔''

''اوزا کا..... تم نے مجھے مرنے سے بچا لیا ہے۔ گاڑی واپس موڑ دو۔''

''لیکن ہم بدستور خطرے میں ہیں جناب.....! آخر پولیس نے اتنی جلدی کیسے پتا لگا لیا کہ وہ دونوں اسٹیل ملز میں کام کرتے تھے۔''

''آخر ان کی سوشل زندگی بھی تو تھی۔ سوسائٹی سے کٹ کر تو نہیں رہا جا سکتا۔ منیجر نے کہا۔

''اور یہی بہت برا تھا۔ ہم جیسے لوگوں کو اپنے ہی حلقے میں محدود رہنا چاہئے۔''

''تم نے کہا ہے کہ ڈربی ہاؤز غلط اطلاع پہنچائی جائے۔ لیکن یہ بات ان لوگوں سے چھپی نہ رہ سکے گی کہ لڑکی کو انجکشن نہیں دیا جا سکا۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ اس کے لیے بھی کچھ نہ کچھ سوچنا پڑے گا۔''

''کیوں نہ اس سلسلے میں خاموشی ہی اختیار کی جائے۔''

''یہ مناسب نہ ہوگا۔ ویسے یہ ضروری نہیں کہ انجکشن ہر ایک کے سسٹم پر یکساں طرح اثر انداز ہو۔''

''یہ بھی درست ہے۔''

''گاڑی واپسی کے لیے مڑ چکی تھی۔ دفعتاً مینجر نے کہا۔'' اس کی کیا ضمانت ہے، فریدی ہماری نگرانی نہیں کرائے گا۔''

''اس کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے۔''

''جہاں انہیں یہ معلوم ہوا کہ پولیس نے ہماری طرف خصوصی توجہ دی ہے۔ وہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔'' مینجر نے کہا اور اس طرح ہانپنے لگا جیسے ذرا دیر پہلے دوڑ لگاتا رہا ہو۔

''کیا تم ایسی موت پسند کرو گے اوزاکا۔''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''تو پھر کچھ کرو۔''

''پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ پولیس ہماری طرف خصوصی توجہ دیتی بھی ہے یا نہیں۔''

''اس کا انتظار فضول ہے۔ جناب! اس سے پہلے ہی کچھ کرنا چاہئے۔'' اوزاکا نے کہا۔

''کیا کریں؟''

''میرے ساتھ چلئے میں کوئی تدبیر کروں گا۔''

اوزاکا نے گاڑی ایک گلی میں موڑ دی اور مینجر سے بولا۔''اب یہ دیکھنے کی کوشش کیجئے کہ کوئی تعاقب تو نہیں کر رہا۔''

''تم بہت عقلمند ہو اوزاکا.....! گلیوں ہی میں یہ معلوم ہو سکے گا کہ واقعی تعاقب تو نہیں کیا جارہا۔''

اوزاکا کچھ نہ بولا۔ گاڑی مختلف گلیوں سے گزرتی ہوئی پھر شارع عام پر نکل آئی۔ مینجر بولا۔''نہیں ہمارا تعاقب نہیں کیا گیا۔''

''بس یہی وقت ہے کہ ہم کوئی قدم اٹھائیں۔'' اوزاکا نے کہا۔

''میری سمجھ میں تو نہیں آتا۔''

''کسی طرح فریدی کو مطلع کر دیا جائے کہ لڑکی کو اب کسی سے بھی نہ ملنے دیا جائے۔ ورنہ وہ مار ڈالی جائے گی۔'' اوزاکا نے کہا۔

''اس سے کیا ہوگا۔''

''بتاتا ہوں.....! پہلے اسے اپنے اعتماد میں لینے کی کوشش کیجئے.....!''

''لل لیکن یہ تو.....! یہ تو.....!''

''غداری ہوگی۔'' اوزاکا جملہ پورا کر کے ہنس پڑا۔

''یقیناً اور میں اس حد تک نہیں جاسکتا۔''

''پھر سوچ لیجئے۔ ڈربی ہاؤز تک غلط اطلاع پہنچانے سے قبل اسکا تصفیہ ہو جانا چاہئے۔''

''اوزاکا۔ اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہوگا کہ ہم پولیس سے مل جائیں۔''

''صرف اپنی جانیں بچانے کی حد تک۔''

''تم کس خیال میں ہو۔ بات لڑکی ہی پر ختم نہیں ہو جائے گی اس صورت میں ہمیں پولیس کو سب کچھ بتا دینا پڑے گا۔''

''میں آپ سے متفق ہوں۔'' اوزاکا نے ڈھیلے ڈھالے لہجے میں کہا۔

''میری دانست میں یہی بہتر ہوگا کہ ڈربی ہاؤز سے فون پر رابطہ قائم کر کے کہہ دیا جائے کہ لڑکی کے سلسلے میں کام ہو گیا ہے۔''

''ابھی اور سوچنا پڑے گا۔'' اوزاکا نے فکرمندی کے اظہار کے ساتھ کہا۔

''ہم جا کہاں رہے ہیں۔'' مینجر نے پوچھا۔

''ابھی تو کہیں بھی نہیں.....!''

''میں کچھ پینا چاہتا ہوں.....!''

''تب پھر میرے گھر چلئے۔ آج کل کسی ہوٹل میں بیٹھنا مناسب نہیں۔''

''ٹھیک ہے چلو۔ وہیں کچھ سوچیں گے بھی۔''

اوزاکا شہر سے باہر ایک چھوٹے سے لیکن خوبصورت بنگلے میں رہتا تھا۔ جس کے گرد تک کھیتوں اور باغات کے سلسلے پھیلے ہوئے تھے۔ اس ویرانے میں وہ تنہا رہتا تھا۔ اندر

پہنچ کر اس نے بڑے ادب سے منیجر کو کرسی پیش کی۔

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم یہاں رہتے ہو۔'' منیجر نے حیرت سے کہا۔

''تنہائی پسند آدمی ہوں۔ ویرانے ہی میں دل لگتا ہے۔''

''لیکن آخر یہاں اس عمارت کا کیا جواز ہے۔''

''دراصل یہ بنگلہ ایک زرعی فارم سے متعلق ہے۔ جس کے مالک سے میری دوستی ہے

''ویسے بہت پُر فضا جگہ ہے۔''

اوزاکا نے ایک الماری سے بوتل اور دو گلاس نکالے اور انہیں میز پر رکھتا بولا

بات سمجھ میں آئی ہے۔''

''پہلے دو دو گھونٹ ہو جائیں۔ پھر کوئی بات سنوں گا۔'' منیجر مسکرا کر بولا۔

''جیسی آپ کی مرضی۔'' کہہ کر وہ گلاسوں میں شراب انڈیلنے لگا۔

کچھ دیر خاموشی سے پیتے رہنے کے بعد منیجر بولا۔ ''میں تو یہ کہتا ہوں کہ انہیں

سے آگاہ کر دیا جائے۔''

''یعنی کہ آپ انجکشن دینے میں کامیاب نہیں ہوئے۔''

''بالکل۔ وہ کوئی دوسرا انتظام کریں گے۔ ضروری تو نہیں ہے کہ ہم ہر معا

کامیاب ہی ہوں۔''

''آپ کو موقع مل بھی جاتا تو آپ اسے انجکشن نہ دے سکتے۔''

''کیوں.....؟''

''اس وقت انجکشن کا سامان آپ کی جیب میں تھا ہی نہیں جب آپ اسپتال

ہوئے تھے۔''

''یہ کیسے ممکن ہے!'' منیجر اپنی جیبیں ٹٹولتا ہوا بولا۔ پھر یکلخت کھڑا ہو کر

گھورنے لگا۔

''بیٹھ جایئے۔'' اوزاکا نے بیحد نرم لہجے میں کہا۔ ''اور انڈیلوں؟''

''انجکشن کا سامان کیا ہوا۔'' منیجر نے اسے بدستور گھورتے ہوئے سخت لہجے

''میں نے آپ کی جیب سے نکال لیا تھا۔''

''تمہیں اس کی جرأت کیسے ہوئی۔''

''اس لیے کہ میں فیی کا پاگل پن برداشت نہ کر سکتا.....! وہ میری زندگی ہے۔''

''اسی لیے مجھے بہکانے کی کوشش کر رہے تھے۔''

''کیا آپ کو اس معصوم لڑکی پر رحم نہیں آتا۔''

''اوزاکا تم غداری کے مرتکب ہوئے ہو.....!''

فتا اوزاکا نے ریوالور نکال لیا اور اس کا رخ منیجر کی طرف کرتا ہوا بولا۔ ''قتل کا

بھی ہو سکتا ہوں.....!''

''کک.....کیا مطلب۔''

''دوسرے کمرے میں فون بھی موجود ہے۔ تم ابھی انہیں مطلع کرو گے کہ انجکشن لگا دیا ہے۔''

''اوزاکا نے سخت لہجے میں کہا۔''

منیجر دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکاتا رہا۔

''چلو.....!'' اوزاکا نے ریوالور کی نال سے دوسرے کمرے کے دروازے کی طرف

کرتے ہوئے کہا اور منیجر اسی جانب گھوم گیا۔

فون کے قریب پہنچ کر اوزاکا نے ریوالور کی نال منیجر کی کمر سے لگا دی اور بولا۔ ''نمبر

کر کے اطلاع دو.....! یہ میں تم پر بھی احسان کر رہا ہوں۔ اس کے فوائد تمہیں بعد میں

ہوں گے۔''

منیجر نے خاموشی سے نمبر ڈائیل کئے اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ ''جبار اسپیکنگ.....!

یک ہے۔ میں نے لڑکی کو انجکشن دے دیا ہے۔ اوہ.....! کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

شناخت کرنے کے بعد وہ بیہوش ہو گئی تھی۔ پھر اسے اسپتال ہی کے ایک کمرے میں

یا۔ چونکہ میں اس کے ساتھ تھا۔ اس لیے مجھے ہی اس کے پاس بیٹھنا پڑا۔ اس طرح

بیہوشی ہی کی حالت میں اسے انجکشن دے دیا.....! نہیں مجھے یقین ہے کہ میرا تعاقب

یا۔ ہاں ہاں میں تنہا ہی تھا۔ میرے ساتھ اور کوئی نہیں تھا۔''

اس نے ریسیور کریڈل پر رکھا ہی تھا کہ اوزاکا نے بڑی پھرتی سے ریوالور کا دستہ اس کی

پر رسید کر دیا۔ وہ لڑکھڑایا اور پھر دوسری ضرب اسے فرش پر لے آئی تھی۔ دیکھتے ہی

دیکھتے بے حس و حرکت ہو گیا۔

اوزاکا نے فریدی کے آفس کے نمبر ڈائیل کیے۔ دوسری طرف فوراً ہی کال ریسیو

''مجھے کرنل فریدی سے بات کرنی ہے۔'' اوزاکا نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

''میں فریدی ہی بول رہا ہوں۔ کون صاحب ہیں؟''

''میں اپنا نام نہیں بتا سکتا لیکن آپ کو آگاہ کرتا ہوں کہ وہ لڑکی فیمی جو اپنے

شناخت کرنے کے بعد بیہوش ہو گئی ہے۔ سخت خطرے میں ہے۔''

''میں نہیں سمجھا آپ کیا کہہ رہے ہیں۔''

''وہ یا تو قتل کر دی جائے گی یا فرانسیسی وائلو کی طرح پاگل ہو جائے گی۔ بہ

کہ آپ خود ہی اس کے پاگل ہو جانے کا اعلان کر کے اسے کسی محفوظ جگہ پر پہنچا دیں

''اس کی کیا ضمانت ہے کہ وہ ہوش میں آنے کے بعد واقعی پاگل نہ ہو چکی

دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''ابھی تک بے ہوش ہے۔''

''اس کی طرف سے مطمئن رہئے۔ جس کو یہ کام سونپا گیا تھا وہ اس میں کامیا

ہو سکا۔'' اوزاکا نے کہہ کر جلدی سے رابطہ منقطع کر دیا۔ بات نہیں بڑھانا چاہتا تھا۔

لیکن اب وہ بیہوش مینجر کو پُرتشویش نظروں سے دیکھے جا رہا تھا..... تھوڑی دیر

طرح چونکا جیسے کچھ یاد آ گیا ہو۔ تیز قدموں سے چلتا ہوا باہر آ گیا اور گاڑی کے ڈ

کے خانے سے ایک چھوٹی سی ڈبیہ نکالی اور پھر اندر واپس آ گیا۔

ڈبیہ سے ایک شیشی اور چھوٹی ہائپو ڈرمک سرنج نکالی۔ شیشی سے زرد رنگ کا

سیال سرنج میں کھینچا اور بیہوش مینجر کے بازو میں انجکٹ کر دیا۔

دوسرے دن کے اخبارات میں فیمی کے دماغی توازن کھو بیٹھنے کی کہانی

بھائیوں کی لاشیں دیکھ کر بے ہوش ہو گئی تھی۔ دوبارہ ہوش میں آئی تو ذہنی توازن گم

خبر کے مطابق اب پولیس کی تحویل میں تھی۔

لیکن حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ ہوائی کیوں چھوڑی گئی ہے کیونکہ فیمی

آئی تھی تو حمید اس کے قریب ہی موجود تھا۔ اس سے تھوڑی سی گفتگو بھی ہوئی تھی لیکن

ن زبان سے کوئی ایسی بات نہیں نکلی تھی جسے حمید دماغی خلل پر محمول کرتا۔ اس نے فریدی کو

ع دی تھی کہ وہ ہوش میں آ گئی ہے۔ اس کے بعد فریدی نے خود اپنی نگرانی میں لڑکی کو

ل سے کہیں اور منتقل کر دیا تھا۔ اور پھر اس کے بعد سے فریدی سے ملاقات بھی نہیں ہوئی

اس وقت ناشتے کی میز پر بھی حمید تنہا تھا۔

دوسرا اخبار اٹھایا۔ اس کی سرخی بھی یہی تھی اور پھر انور کے اخبار اسٹار پر نظر پڑی اور وہ

تصویر کو دیکھ کر چونک پڑا۔

من و عن وہی تھا۔ وہی آنکھیں۔ وہی سر سے چپکی ہوئی پگڑی جس سے دونوں کان بھی

جاتے ہیں۔ بلاشبہ یہ جیرالڈ شاستری کی تصویر تھی۔ وہ کسی کھڑکی میں کھڑا ہوا تھا۔ تصویر

یم میں کھڑکی کا فریم بھی صاف نظر آ رہا تھا۔

اسٹار نے پولیس کو مخاطب کر کے سوال کیا تھا کہ یہ کون ہے؟ پولیس نے تو عرصہ ہوا اس

وت کی تصدیق کر دی تھی۔ لیکن یہ پچھلے دنوں شہر میں دیکھا گیا ہے اور یہ تصویر کرائم

انور نے اتاری ہے۔ کیا یہ جیرالڈ شاستری نہیں ہے؟

حمید تیزی سے کھوپڑی سہلانے لگا.....! ڈرائینگ روم میں فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔

وہ ناشتے کی میز سے اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آیا۔ رمیش کی کال تھی۔

''کرنل صاحب کہاں ہیں!'' اس نے سوال کیا۔

''پتا نہیں۔ پچھلی رات سے ملاقات نہیں ہوئی۔ کیا بات ہے۔ امر سنگھ تو خیریت سے ہے۔''

''وہ ٹھیک ہے..... لیکن..... کرنل صاحب کے لیے ایک اہم اطلاع ہے.....!''

''کیا مجھے اس سے دلچسپی نہیں ہو سکتی۔''

''پتا نہیں۔ جناب کس موڈ میں ہیں.....!''

''کیا بات ہے مجھے بتاؤ۔''

''اسٹیل ملز کا مینجر پاگل ہو گیا ہے۔ ایک گاڑی میں بیٹھا ہوا ملا ہے۔ حلق پھاڑ پھاڑ کر

رہا ہے۔''

''تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ اسٹیل ملز کا مینجر ہے۔''

''کل میں نے اسے پولیس ہسپتال میں دیکھا تھا۔ بہرحال اسے گاڑی سمیت پرنسٹن کے تھانے میں پہنچا دیا گیا ہے۔''

''اچھی بات ہے۔ میں دیکھوں گا۔''

''آج کا اسٹار بھی دیکھا۔''

''ہاں دیکھ چکا ہوں۔ انور کا کوئی اسسٹنٹ معلوم ہوتا ہے!''

''میرا خیال ہے کہ آصف صاحب ہتھکڑیاں لے کر دوڑے گئے ہوں گے۔''

''پتا نہیں!'' کہہ کر حمید نے رابطہ منقطع کر دیا۔

اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔ وہ سوچ رہا تھا تو پھر چلنا چاہئے پرنسٹن تھانے کی طرف..... ہوسکتا ہے رمیش کو غلط فہمی ہوئی ہو۔ اگر وہ پاگل ہو گیا ہے تو کس سبب سے ہوا ہوگا کہ وہ اسٹیل ملز کا منیجر ہے۔

تھوڑی دیر بعد آرمڈ کار پرنسٹن کے تھانے کی طرف جا رہی تھی اور حمید سوچ رہا تھا کہ رمیش نے اسے اپنے محکمے ہی کے حوالے سے پرنسٹن والوں کے سپرد کیا ہوگا۔

وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ اسے ایک خالی کمرے میں بند کر دیا گیا ہے.....! حمید سلاخوں کے قریب آ کھڑا ہوا۔ یہ اسٹیل ملز کا منیجر جبار ہی تھا۔

''آپ نے مجھے پہچانا۔'' حمید نے سوال کیا۔

''پپ..... پپ..... پیں۔'' جواب ملا۔

''کل پولیس ہسپتال میں ہم ملے تھے.....!''

''خررر..... خرچ.....!''

''آپ فیمی کی نگہداشت کر رہے تھے۔''

''داشت..... داشت..... بھاگ جاؤ سالے۔''

''بیکار ہے کیپٹن.....!'' عقب سے انچارج کی آواز آئی۔ ''بالکل دماغ الٹ گیا ہے۔''

''جب تک کرنل صاحب کی طرف سے ہدایات نہ ملیں کسی کو اس سے ملنے نہ دیا جائے۔'' حمید نے مڑ کر انچارج سے کہا۔

''یہ کون ہے؟''

''میں نہیں جانتا۔ لیکن یہ محکمے کے زیر نگرانی رہا تھا۔ اسی دوران میں یہ حالت ہوئی۔''

''اب تو بن رہا ہے۔''

''جو کچھ بھی ہو۔ لیکن اسے قطعی چھیڑا نہ جائے اس کے سلسلے میں جو کچھ بھی کریں گے کرنل صاحب ہی کریں گے۔''

''بہت بہتر۔''

''اس طرف کسی کو بھی نہ آنے دیا جائے۔ خواہ وہ خود کو اسکا رشتہ دار ہی کیوں نہ ظاہر کرے۔''

''ایسا ہی ہوگا۔ مطمئن رہیں۔''

حمید باہر آ کر گاڑی میں بیٹھا اور وائرلیس ٹیلیفون پر اپنے محکمے کے ایکس چینج سے رابطہ قائم کر کے بولا۔ ''اگر میری کوئی کال آئے تو اسے اے سی فائیو کی طرف ڈائریکٹ کر دینا۔''

''کچھ دیر پہلے کسی عورت کی کال آئی تھی۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''میرے لیے۔'' حمید نے حیرت سے پوچھا۔

''نہیں..... پہلے کرنل صاحب کو پوچھا تھا.....! پھر آپ کو.....!'' دوسری طرف سے کہا گیا۔

''خیر اب کرنل صاحب کی کالیں بھی میری طرف ہی ڈائرکٹ کر دینا۔''

''بہت بہتر۔''

''دیٹس آل۔'' کہہ کر حمید نے ریسیور ڈیش بورڈ کے خانے میں رکھ دیا لیکن سوال تھا اب کہاں جائے اور کیا کرے۔ انور سے نہیں الجھنا چاہتا تھا کہ فریدی نے اس سے باز رہنے کو کہا تھا۔ اوہ قاسم.....! اسی کی خبر لینا چاہئے۔ پتا نہیں اب بھی وہیں جما ہوا ہے یا گھر واپس آ گیا۔ گھر ہی چلنا چاہئے.....! گاڑی کا رخ موڑتے ہوئے اس نے طویل سانس لی۔ کچھ دور چلا تھا کہ فون کا بز سنائی دیا۔ ڈیش بورڈ کے خانے سے ریسیور نکالا۔

''اے سی فائیو.....!'' اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

''کال ہے جناب۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''ملاؤ۔'' حمید نے کہا۔

دوسری طرف بولنے والی کوئی عورت ہی تھی۔

''ہیلو.....! کیپٹن!'' اس نے کہا۔ ''میں رے کیشی بول رہی ہوں۔ کرنل سے بات نہیں

ہو رہی۔''

''وہ کہیں مصروف ہیں۔ کوئی خاص بات.....!''

''فیمی کا کیا حال ہے۔ میں نے اخبار میں اس کے متعلق دیکھا تھا۔ کیا میں اس سکتی ہوں۔''

''پتا نہیں۔ کرنل ہی بتا سکیں گے۔ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ اسے رکھا کہاں ہے فی الحال یہ بھی نہیں جانتا کہ کرنل کہاں ہیں۔''

''آپ سے کہاں ملاقات ہو سکے گی۔''

''اس وقت تو میں گاڑی پر ہوں.....!''

''اگر کوئی حرج نہ ہو تو ادھر ہی آ جایئے۔''

''ضرور.....ضرور.....دس منٹ میں پہنچ رہا ہوں!'' حمید نے کہا اور سلسلہ منقطع آواز سن کر اپنے ایکسچینج کے آپریٹر سے بولا۔ ''میں ریڈ ٹائیڈ جوڈو کلب جا رہا ہوں۔ نور

''بہت بہتر جناب.....ریڈ ٹائیڈ جوڈو کلب، یہ کہاں ہے جناب۔''

''سرسبز کالونی میں.....! فون نمبر ڈائریکٹری میں دیکھ لینا۔''

''او کے سر!'' دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ آخر وہ اس سے کیوں ملنا چاہتی ہے۔ اس نے فیمی کے بار پوچھا تھا جس کا جواب اسے مل گیا تھا۔ کیا اس کے سلسلے میں کچھ اور بھی بتانا چاہتی ہے

انور آفس جانے کے لیے تیار ہی ہو رہا تھا کہ باہر سے کسی نے کال بل کا بٹن د

''اوہ...تو تم پہنچ گئے مردود!'' انور دانت پیس کر بڑبڑایا۔ وہ آئینے کے سامنے کی گرہ درست کر رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ صبح ہی صبح انسپکٹر آصف سے ضرور مڈبھیڑ ہو گی گھر پر ہو خواہ دفتر میں۔

بڑی بیزاری سے اس نے دروازہ کھولا تھا لیکن وہ تو ایک سفید فام عورت تھی جو اور خاصی تر و تازہ نظر آ رہی تھی۔ خطوط بھی دلآویز تھے لیکن یہاں اس کا کیا کام۔

''مجھے مسٹر انور سے ملنا ہے.....!'' اس نے کہا۔

''میں ہی انور ہوں.....!''

''اوہ مسٹر انور.....! کیا مجھے تھوڑا سا وقت دے سکو گے!''

''ضرور.....ضرور!'' وہ پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

''میں نے تمہارا پتہ تمہارے آفس سے معلوم کیا ہے۔ پہلے وہیں گئی تھی۔'' وہ فلیٹ میں ہوتی ہوئی بولی۔

''اچھا.....اچھا.....بیٹھو!'' انور نے کرسی کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

''شکریہ!'' وہ بیٹھتی ہوئی بولی۔

''اب بتاؤ۔ میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں.....!''

''تم نے اسے کہاں دیکھا تھا۔''

''اوہ۔ شاید تم اس تصویر کی بات کر رہی ہو۔''

''ہاں۔ اسی کی۔''

''مجھے افسوس ہے محترمہ.....!''

''جوڈیتھ.....تم مجھے جوڈی کہہ سکتے ہو.....!''

''ہاں تو جوڈی.....تاوقتیکہ پولیس مجھے اس کی اجازت نہ دے میں جگہ کے بارے کو بھی نہیں بتا سکتا۔''

''پولیس! پولیس کو اس سے کیا سروکار.....! پولیس کیوں!''

''شاید تم نے تصویر سے متعلق تحریر پر غور نہیں کیا۔''

''تحریر۔ وہ میری سمجھ ہی میں نہیں آئی۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔'' انور اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

''بڑی عجیب بات کیوں ہے۔''

''تحریر تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آئی۔''

''پولیس کو اس سے کیا سروکار ہو سکتا ہے۔''

''وہ کون ہے۔''

''میرا چچا ہے۔ مسٹر برٹرانڈ.....! ایک سال سے میں اسے تلاش کر رہی ہوں۔''

''حالانکہ وہ کئی سال پہلے مر چکا ہے.....! یہاں جیرالڈ شاستری کہلاتا تھا۔''

''یقیناً تم لوگوں کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس کا نام برٹرانڈ گراہم ہے اور وہ پچھلے سال پیرس میں ملے تھے۔''

''اس کے باوجود بھی میں تمہیں یہ نہیں بتا سکوں گا کہ میں نے اسے کہاں دیکھا۔''

''اتنا غیر انسانی رویہ مت اختیار کرو۔''

''مائی ڈیر جوڈی میں مجبور ہوں۔ یہ اصول کی بات ہے' میں نے پولیس کو سوال کیا ہے؟''

''اس کا نام جیرالڈ شاستری نہیں ہے۔''

''لیکن پولیس کو تسلیم کر لینا پڑا ہے کہ وہ جیرالڈ شاستری کے علاوہ اور کسی کی بھی ہو سکتی۔''

''تو پھر مجھے بتاؤ کہ میں اس سلسلے میں کس پولیس آفیسر سے ملوں۔''

''کہیں بھی کسی پولیس آفیسر سے بات کر سکتی ہو۔''

اتنے میں پھر کسی نے باہر سے گھنٹی بجائی اور انور اٹھتا ہوا بولا۔ ''معاف کرنا۔ میں ابھی آیا۔''

''دروازہ کھلتے ہی انسپکٹر آصف کی پھولی ہوئی تھوتھنی دکھائی دی.....!''

''بڑے اچھے وقت پر آئے ہو۔'' انور مسکرا کر بولا۔ ''اس وقت یہاں اس کی موجود ہے۔''

''کیا بکواس کر رہے ہو تمہیں میرے ساتھ وہاں چلنا ہے۔'' آصف غرایا۔

''پہلے اس سے مل لو۔''

''آصف اس کے ساتھ سٹنگ روم میں داخل ہوا اور جوڈی کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ انور لہک کر بولا۔ ''یہ مس جوڈیتھ گراہم ہیں اور آپ ایک بڑے پولیس آفیسر مسٹر آصف۔''

جوڈی نے اٹھ کر آصف سے مصافحہ کیا اور بولی۔ ''یہ تو بڑا اچھا ہوا۔ مسٹر انور کو آفیسر کی اجازت چاہیے تھے۔''

''میں نہیں سمجھا!'' آصف بیٹھتا ہوا بولا۔

''میرے چچا کے معاملے میں۔''

آصف نے حیرت سے انور کی طرف دیکھا۔ لیکن انور اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

''کیا معاملہ ہے!'' آصف نے اس سے سوال کیا۔

''بہتر ہو گا کہ تم خود ہی بتاؤ۔'' انور نے جوڈی سے کہا۔

''وہ تصویر جو مسٹر انور نے اپنے اخبار میں چھاپی ہے۔ میرے چچا برٹرانڈ گراہم کی ہے۔''

''اوہ۔'' آصف ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔

''میں مسٹر انور سے درخواست کر رہی تھی کہ مجھے وہ جگہ بتا دیں جہاں انہوں نے میرے چچا کو دیکھا تھا۔ لیکن یہ کہتے ہیں کہ پولیس سے اجازت حاصل کیے بغیر میں ایسا نہیں کر سکتا۔''

''کیا تمہارے چچا زندہ ہیں مس گراہم۔'' آصف نے پوچھا۔

''کیوں نہیں۔ لیکن شاید وہ کسی سے ملنا نہیں چاہتے۔''

''تمہارے چچا ایسی ہی پگڑی باندھتے ہیں۔''

''اوہ۔ انہیں دیس دیس کے ملبوسات کا خبط ہے۔ یہ میرے لیے ایسی کوئی حیران کن بات نہیں ہے۔''

''آخری بار ان سے کب ملاقات ہوئی تھی۔''

''پچھلے سال پیرس میں۔''

''تم یہاں کب سے ہو۔''

''چھ ماہ سے۔ یہاں سرکاری پولٹری فارمنگ کے ادارے سے وابستہ ہوں۔''

''کیا تمہارے چچا تم سے چھپتے پھر رہے ہیں۔''

''خدا جانے۔ یہی تو میری سمجھ میں نہیں آتا۔ پیرس میں بھی وہ اچانک غائب ہو گئے تھے۔''

''تمہارا تعلق کس ملک سے ہے۔''

''انگلینڈ سے اور میرے چچا انگریز ہیں۔''

''پچھلی ملاقات سے چھ ماہ قبل ہم انگلینڈ میں ساتھ ہی رہتے تھے۔''

''علیحدگی کیسے ہوئی تھی۔''

''بس ایک دن وہ اچانک غائب ہو گئے تھے۔ بہرحال میری جانب سے دس ہزار کی

پیش کش ہے اس کے لیے جو بھی انہیں تلاش کرنے میں میری مدد کرے۔''

آصف چونک کر انور کو گھورنے لگا۔ پھر اردو میں بولا۔ ''میں سمجھ گیا۔''

''کچھ غلط ہی سمجھے ہو گے۔'' انور مسکرا کر بولا۔

''تم نے اس لڑکی کو بیوقوف بنانے اور ٹھگنے کے لیے وہ تصویر چھاپی ہے۔''

''ہم دونوں پہلی بار ملے ہیں۔''

''ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔'' آصف نے کہا اور لڑکی سے انگلش میں پوچھا۔ ''تمہارے چچا کی کوئی تصویر ہے یا نہیں۔''

''ہے لیکن وہ عربی لباس میں ہے۔''

''میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''میں دکھاتی ہوں!'' اس نے اپنے ہینڈ بیگ کا زپ کھولتے ہوئے کہا۔ پھر ایک تصویر نکال کر آصف کی طرف بڑھا دی۔ انور بھی اٹھ کر اس کے قریب آ گیا۔ یہ تصویر بھی بلاشبہ اسی شخص کی تھی۔ فرق صرف لباس کا تھا۔

''کیا یہ تصویر تم نے کسی اور کو بھی دکھائی تھی۔''

''بہتیروں کو.....!'' جوڈی نے جواب دیا۔

''اب میں بالکل سمجھ گیا!'' آصف پھر اردو میں بولا اور انور کو تیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

''کیا سمجھ گئے۔''

''کبھی نہ کبھی تم نے بھی یہ تصویر دیکھی ہو گی اور اسے جیرالڈ سے مشابہ پا کر یہ اسکیٹ بنا ڈالا تا کہ لڑکی کو ٹھگ سکو۔ دس ہزار روپے خاصی رقم ہے۔''

''مشابہت کے بارے میں کیا خیال ہے۔''

''صد فی صد جیرالڈ شاستری معلوم ہوتا ہے۔'' آصف نے خشک لہجے میں کہا۔

''اور اب تمہیں اس جگہ کی نشاندہی کرنی پڑے گی۔''

''مجھے بیحد افسوس ہے بوڑھے بیٹے کہ میں ایسا نہیں کر سکوں گا۔''

''ہوش میں رہ کر بات کرو۔ ورنہ ہتھکڑیاں لگا دوں گا۔''

''کرنل صاحب کا حکم ہے کہ میں جگہ کی نشاندھی نہ کروں.....!''

''کرنل کون ہوتا ہے حکم دینے والا۔ تصویر کا مسئلہ میرے سپرد ہوا ہے۔''

''اس کے باوجود بھی تم مجھے مجبور نہیں کر سکتے۔ پہلے ثابت کر دو کہ وہ جیرالڈ ہے پھر مجھ پر دھونس جمانا۔''

''کیا مطلب۔''

''پولیس کا موقف ہے کہ جیرالڈ مر چکا ہے۔''

''اچھا تو پھر۔''

''اب اگر وہ مجھ سے جیرالڈ کا پتہ پوچھتی ہے تو اسے دماغی خلل ہی کہا جائے گا۔''

''شاید تم سچ مچ بند ہونا چاہتے ہو۔''

''کوشش کر ڈالنے میں کیا مضائقہ ہے۔ میں خود کو گرفتاری کے لیے رضا کارانہ طور پر پیش نہیں کر سکتا۔''

''فریدی کے بل پر مت پھولو۔''

''مجھے اس پر مجبور نہ کرو کہ کل کے اخبار میں تمہاری تصویر الٹی چھپ جائے۔''

''کیا میں مایوس ہو جاؤں!'' جوڈی نے دردناک لہجے میں پوچھا۔

''ہرگز نہیں!'' آصف بولا۔ ''میں تمہاری مدد کروں گا۔''

''پانچ ہزار پیشگی دے سکتی ہوں۔''

''تم میرے پاس آئی تھیں۔ ان سے بات نہ کرو۔'' انور نے جوڈی سے کہا۔

''یہی سہی لیکن پہلے تم وعدہ کرو کہ میری مدد کرو گے۔''

''کیا تمہارا چچا بہت مالدار اور لاولد ہے۔''

''یہی بات ہے۔'' جوڈی نے کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ کہا۔

''لیکن وہ تم سے کیوں بھاگتا پھر رہا ہے!''

''مجھ سے تو نہیں بھاگ رہا۔ مجھ سے بھاگنے کی کوئی وجہ ہی نہیں ہو سکتی۔''

''اگر تمہارے حق میں کوئی وصیت مرتب کر چکا ہے تو تم بھی چین سے بیٹھو اور اس کی موت کا انتظار کرو۔''

''کیا میں محض اس کی دولت حاصل کرنے کے لیے اس کی بھتیجی ہوں۔''

''یہ سوال خود سے کرو۔''

''مسٹر انور.....! میں اپنے چچا کو بیحد چاہتی ہوں کیونکہ میرے والدین بچپن ہی میں گزر گئے تھے اور میری پرورش اسی چچا نے کی تھی۔''

''تم وقت گزارنے کی کوشش کر رہے ہو۔'' آصف نے اردو میں دخل اندازی کی۔

لیکن انور سنی ان سنی کر کے بولا۔ ''مس گراہم مجھے افسوس ہے۔''

''اس جملے کا کیا مطلب لوں۔''

''بعض حالات کی بنا پر میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔''

''میں تمہیں صرف دس منٹ کا وقت دیتا ہوں میرے ساتھ چلنے کے لیے تیار جاؤ۔'' آصف اردو میں غرایا۔

''میرے گھر میں بیٹھ کر اس طرح مت غراؤ۔''

''کیا اپنی بے عزتی ہی کرانا چاہتے ہو۔''

''تمہارے حصے کا خیال رکھا جائے گا۔ اب چلتے پھرتے نظر آؤ۔''

''کیا مطلب!''

''دس ہزار کے چوتھائی۔''

''میرے علم میں لا کر تم کسی کو نہیں ٹھگ سکتے۔''

''ایسی چاند سی صورت کو ٹھگا نہیں جاتا۔ پوجا کی جاتی ہے۔''

''سیدھی طرح اس جگہ کی نشاندہی کر دو۔''

''گریشم لاج۔ وہ گریشم لاج کی ایک کھڑکی تھی۔ بس اب جاؤ۔''

''تمہیں میرے ساتھ چلنا پڑے گا۔''

''تمہارے فرشتے بھی مجھے اس پر مجبور نہیں کر سکتے۔''

''اچھی بات ہے میں تمہیں دیکھ لوں گا۔'' آصف اٹھتا ہوا بولا۔

''کیا اجازت مل گئی۔'' جوڈی نے انور سے پوچھا۔

''نہیں۔'' آصف نے زور سے کہا اور کمرے سے نکلا چلا گیا۔

''مم۔ میں نہیں سمجھ سکتی۔'' وہ ہکلا کر رہ گئی۔

''اس شخص کے اجازت دینے یا نہ دینے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔''

''تو پھر چلو میرے ساتھ۔''

''یہ بات نہیں ہے۔ مجھے دراصل اس آفیسر سے اجازت لینی پڑے گی جس نے اس سلسلے میں رازداری برتنے کو کہا تھا۔''

''میں نہیں سمجھ سکتی کہ آخر میرے چچا کے لیے پولیس کیوں اتنی پریشان ہے!''

''ایک بہت بڑے مجرم سے مشابہت رکھتا ہے آپ کا چچا۔''

''لیکن وہ مجرم تو شاید مر چکا ہے تمہاری ہی تحریر کے مطابق۔''

''پولیس کی اپنی کوئی دشواری ہو گی۔ ویسے جہاں میں نے تمہارے چچا کو دیکھا تھا وہ جگہ اب بالکل ویران ہے وہاں کوئی نہیں ہے۔ فلیٹ میں قفل پڑا ہوا تھا۔''

''میں کم از کم اس کا فلیٹ تو دیکھ لوں گی۔''

''وہ اس کا فلیٹ نہیں ہے۔''

''یہ تم کس طرح کہہ سکتے ہو۔''

''اس لیے کہ میں اس فلیٹ کے اصل مکینوں سے واقف ہوں۔''

''تھوڑی سی آس بندھی تھی تم نے توڑ دی۔'' اس نے مغموم لہجے میں کہا۔

''تم مجھے اپنا پتہ دے دو جیسے ہی پھر کہیں نظر آیا تمہیں مطلع کر دوں گا۔''

''خیر یہی سہی میں تم سے رابطہ رکھوں گی۔'' اس نے انور کو اپنا کارڈ دیتے ہوئے کہا۔

☆

حمید نے ریڈ ٹائیڈ جوڈو کلب کے سامنے گاڑی روکی اور چوکیدار کو قریب بلا کر کہا کہ وہ گاڑی پر نظر رکھے اور کسی کو اس کے قریب نہ آنے دے اور پھر گاڑی سے اتر کر عمارت میں داخل ہوا۔ کیشی اس کی منتظر تھی۔ حمید نے اسے قدرے پریشان بھی پایا۔

''کوئی خاص بات!'' حمید نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''فیمی اور اسکے بھائیوں کا معاملہ میرے لیے مستقل طور پر الجھن کا باعث بنا ہوا ہے۔''

''یہی حال ہم لوگوں کا بھی ہے۔''

''لیکن آپ نے مجھ سے غلط بیانی کی تھی۔ اخبار میں کچھ اور آیا ہے۔''

''یقین کرو مجھے اس وقت تک حالات کا صحیح علم نہیں تھا۔''

''وہ عورت کون تھی جو ماری گئی۔''

''میں یہ بھی نہیں جانتا اور دراصل مجھے اپنے پیشے سے کوئی خاص لگاؤ نہیں ہے۔ بس ایک مشین کی طرح چلتا رہتا ہوں۔ باس سے جو حکم ملا اس کی تعمیل کر دی۔''

''خیر..... بہرحال.... میں ایک دشواری میں بھی پڑ گئی ہوں۔ وہ آدمی جس کی تصویر اخبار میں شائع ہوئی ہے۔ پچھلی رات مجھ سے ملا تھا۔''

''اوہ۔''

''وہ کون ہے.....!''

''اگر وہ واقعی تم سے ملا تھا تو ایک بہت بڑے مجرم کا ہمشکل ہے جو کئی سال ہوئے ہماری آنکھوں کے سامنے مر گیا تھا۔''

''جیرالڈ شاستری۔''

''ہاں یہی نام تھا اس کا لیکن تم کس دشواری میں پڑ گئی ہو۔''

''پچھلی رات وہ آیا اور مجھے ایک لفافہ تھما کر چلا گیا۔ یہ دیکھئے.....!'' اس نے میز کی دراز سے ایک لفافہ نکال کر حمید کی طرف بڑھا دیا۔

لفافے سے جو پرچہ برآمد ہوا تھا اس پر یہ مختصر سی تحریر تھی۔

محض تمہاری وجہ سے فیمی اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے گی۔

حمید نے پرچے کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر رے کیشی کے چہرے پر نظر جما دی۔

''آپ مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں۔'' وہ جھنجھلا کر بولی۔

''میں سوچ رہا ہوں کہ اب کہیں آپ کسی دشواری میں نہ پڑ جائیں۔''

''مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ اگر آج کے اخبارات میں اس کی تصویر نہ دیکھتی اور ساتھ ہی فیمی کے احوال سے آگاہی نہ ہوتی تو کبھی آپ کو تکلیف نہ دیتی۔''

''بات میری تکلیف کی نہیں ہے۔'' حمید نے پُرتفکر لہجے میں کہا۔

''پھر کیا بات ہے.....!''

''میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ اب وہ لوگ آپ کو پریشان کریں گے۔ کاش میں آپ کو ان لاشوں کی شناخت کرانے کے لیے نہ لے گیا ہوتا۔''

''اس کی فکر آپ نہ کریں!'' وہ ہنس کر بولی۔ ''میں اپنی حفاظت خود کر سکتی ہوں بہترین قسم کے لڑاکے میرے شاگرد ہیں۔''

''یہ تو ٹھیک ہے لیکن.....!'' حمید جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گیا۔ ایسی زبردست فکرمندی اپنے چہرے سے ظاہر کر رہا تھا جیسے خود اس پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہوں۔

رے کیشی اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتی رہی۔ دراصل حمید یہ سوچ رہا تھا کہ وہ کس حد تک سچ بول رہی ہے اور اس کی کیا ضمانت ہے کہ وہ خود بھی انہی لوگوں سے متعلق نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے فریدی نادانستگی میں اس پر اعتماد کر بیٹھا ہو۔ لیکن پھر اسے یاد آیا کہ فریدی جو پہلے خود رے کیشی سے ملنے نکلا تھا۔ اچانک راستے ہی میں رہ گیا تھا اور اسے بھیج دیا تھا رے کیشی کے پاس۔

''کیا اس کے علاوہ بھی کوئی بات ہے؟'' دفعتاً رے کیشی نے سوال کیا اور حمید چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے۔ جیسے میری عقل ہی خبط ہو گئی ہو۔'' حمید نے کہا۔

''کیا جیرالڈ شاستری مر کر بھوت ہو گیا تھا۔''

''آپ بھوتوں پر یقین رکھتے ہیں؟''

''دیکھے ہیں میں نے پھر یقین کیوں نہ رکھوں گا۔''

''لیکن کرنل فریدی تو اس قسم کی ضعیف الاعتقادی کے شکار نہیں ہیں۔''

''نہ ہوں گے۔'' حمید نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

''آپ بہت پریشان نظر آ رہے ہیں!'' وہ ہمدردانہ لہجے میں بولی۔

''حالات ہی ایسے ہیں۔''

''حالات ہی تو میں جاننا چاہتی ہوں۔ آخر یہ کیا ہو رہا ہے اس شہر میں ایگل بیچ پر دھماکے ہوئے تھے۔ آگ لگی تھی۔ لوگ شہر میں اسٹین گنوں سے فائرنگ کرتے پھرتے ہیں۔ اس دوران میں کئی آدمی مر گئے۔''

''جب بھی کسی مجرم کا بھوت پولیس والوں کو دکھائی دیتا ہے۔ یہی ہونے لگتا ہے۔''

''آخر اوسو اور پتامو نے پولیس والوں پر کیوں فائرنگ کی تھی۔''

''انہوں نے خاص طور پر پولیس والوں پر فائرنگ نہیں کی تھی بلکہ اس عورت کو مارنا چاہا تھا جو اس وقت پولیس کی تحویل میں تھی۔''

''اس عورت سے کیا جرم سرزد ہوا تھا۔''

''ان مجرموں کے خلاف کچھ ثبوت تھے اس کے پاس وہ بھی انہی کی ساتھی ثابت ہوئی ہے۔ پولیس نے محض شبہے کی بنا پر اسے گرفتار کیا تھا۔''

''ان لوگوں کا جرم کیا ہے؟''

''اس کا تو مجھے علم نہیں ہے۔''

''کمال ہے مجرم بھی ہیں اور پولیس کو ان کے جرم کا علم بھی نہیں ہے۔''

''میں نے گزارش کی تھی کہ مجھے علم نہیں ہے۔ ہم لوگ تو صرف احکامات کی تعمیل کے لیے ہوتے ہیں۔''

''کرنل کو تو علم ہوگا ہی۔''

''یقینی بات ہے وہ بھی کوئی لایعنی قدم نہیں اٹھاتے۔''

رے کیشی خاموشی سے اسے دیکھتی رہی اور حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''ایک بات سمجھ میں نہیں آئی مس رے کیشی آخر وہ آپ کو یہ اطلاع کیوں دے گیا کہ فیمی پاگل ہو جائیگی۔''

''یہی تو میں بھی سوچ رہی ہوں۔ پولیس اور کسی ذریعے سے بھی ان لاشوں کی شناخت کرا ہی لیتی اور.....'' وہ جملہ پورا نہ کر سکی کیونکہ اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا۔ کال ریسیو کر کے بولی۔ ''جی ہاں موجود ہیں۔''

اور ریسیور حمید کی طرف بڑھا دیا۔ دوسری طرف سے آپریٹر کی آواز آئی۔ ''آپ کی کال ہے جناب!''

''کنکٹ کرو۔'' حمید نے کہا اور پھر اس نے فریدی کی آواز سنی۔

''وہاں کیا کر رہے ہو!'' اس نے سوال کیا۔

حمید اسے بتانے لگا کہ کس طرح رے کیشی نے اسے کال کر کے بلایا تھا اور ایک

حیرت انگیز اطلاع دی تھی۔

''ہوں..... اچھا.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''تم نے مینیجر کو دیکھا.....!''

''اوہ تو آپ کو اس کی بھی اطلاع مل گئی.....!''

''ہاں۔ اس کے بارے میں کیا خیال ہے!''

''بناوٹ نہیں معلوم ہوتی..... لیکن..... فیمی.....!''

''اس کی فکر نہ کرو..... تمہیں ایک لڑکی کو چیک کرنا ہے!''

''زہے نصیب۔''

''جوڈیتھ گرا ہم نام ہے۔ ہوٹل ڈی فرانس کے کمرہ نمبر بیالیس میں مقیم ہے اس کے کاغذات چیک کرو۔ کب سے یہاں مقیم ہے اور کیا کرتی ہے۔ اسٹار میں جو تصویر شائع ہوئی ہے اسے دکھا کر صاحب تصویر کے بارے میں معلومات حاصل کرو۔''

''اور مس رے کیشی سے کیا کہوں؟''

''ریسیور اسے دو۔''

حمید نے ریسیور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ ''کرنل!''

وہ ریسیور کان سے لگا کر سنتی رہی پھر ہنس کر بولی۔ ''نہیں کرنل..... میں تم لوگوں کو کام نہیں دے رہی۔ اگر اخبار میں اس کی تصویر نہ دیکھتی تو تمہیں خبر بھی نہ ہونے دیتی۔''

''میں اپنی حفاظت خود کر سکتی ہوں۔ میرا نشانہ بھی تم دیکھ چکے ہو..... نہیں ایسی کوئی بات نہیں..... لیکن میں فیمی کے انجام پر مغموم ضرور ہوں..... اوکے.....! خدا حافظ۔''

اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ کر طویل سانس لی۔ پھر حمید کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور بولی۔ ''وہ خود فیمی کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔''

حمید نے سر کو جنبش دے کر اٹھتے ہوئے کہا۔ ''اچھا مس! اب میں تو چلا دوسرا کام بتا دیا گیا ہے۔ اکثر خواب میں بھی دوڑنے لگتا ہوں۔''

''زندگی اسی کا نام ہے۔'' رے کیشی مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتی ہوئی بولی۔

ہوٹل ڈی فرانس پہنچ کر معلوم ہوا کہ اس وقت جوڈیتھ اپنی ڈیوٹی پر ہوگی۔ سرکاری خیراتی پولٹری فارم میں لیبارٹری انچارج کے عہدے پر فائز تھی۔

اس اطلاع پر حمید نے آنکھیں سکوڑیں اور فارم کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ مرغیوں سے گھری ہوئی لڑکی کیسی لگتی ہو گی۔ کٹ کٹ کٹاخ..... کٹ کٹ کٹاخ..... کے ذہن میں مرغیوں کی آوازیں گونجنے لگیں اور وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ ''لاحول ولاقوۃ۔''

اس دوران میں پوری طرح ہوشیار بھی رہا تھا اور اس پر نظر رکھی تھی کہ تعاقب تو نہیں کیا جا رہا لیکن ابھی تک اس کا ثبوت نہیں مل سکا تھا۔ بالآخر فارم تک پہنچ گیا۔ لڑکی سے ملا خوش ہو گیا۔ توقعات سے بڑھ کر نکلی تھی۔ اس نے اسے اپنا شناخت نامہ دکھا کر کاغذات طلب کیے۔

''مجھے افسوس ہے کیپٹن! میں اپنے کاغذات ہر وقت ساتھ نہیں لیے پھرتی اور پھر سرکاری ملازم بھی ہوں۔'' اس نے کسی قدر خشک لہجے میں کہا اور حمید بے حد خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتا ہوا بولا۔ ''محض ضمنی سی کارروائی ہے۔ اس میں توہین کا پہلو نہ نکلنا چاہئے۔''

''آخر کیوں؟ پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔''

''بسا اوقات اسکی بھی ضرورت پیش آ جاتی ہے اور ہم ایک ایک غیر ملکی کو چیک کرتے ہیں۔''

''یعنی مجھ پر کوئی الزام نہیں ہے۔''

''ہرگز نہیں محترمہ۔''

''کاغذات دکھانے کے لیے مجھے اپنے ہوٹل تک چلنا پڑے گا۔''

''کیا ابھی آپ کو اجازت مل جائے گی۔''

''کوشش کرتی ہوں۔ ویسے بھی آج دیر سے پہنچی تھی۔ اوہ میں سمجھ گئی۔ اس کرائم رپورٹر نے آپ کو میرے متعلق بتایا ہو گا۔''

''ابھی تک میری ملاقات کسی کرائم رپورٹر سے نہیں ہوئی۔''

''پھر اور کوئی ذریعہ ہو گا۔ بہرحال میں معلوم کرتی ہوں کہ ابھی آپ کے ساتھ جا سکوں گی یا نہیں۔''

''تعاون کا بہت بہت شکریہ۔''

وہ کمرے سے نکل گئی اور حمید مرغیوں کا شور سنتا اور بور ہوتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آ کر اس نے خوشخبری سنائی کہ اسے پورے دن کی چھٹی مل گئی ہے۔

حمید نے اسے آرمڈ کار میں بٹھایا اور ہوٹل ڈی فرانس کی طرف روانہ ہو گیا۔ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ کس قسم کی لڑکی ہو گی وہ تو بالکل خاموش ہی ہو گئی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے اندیشوں اور تفکرات میں گھر کر رہ گئی ہو۔ آخر حمید ہی نے تھوڑی دیر بعد سوال کیا۔

''میرا ملک کیسا لگا آپ کو.....!''

''ابھی میری سمجھ ہی میں نہیں آیا۔'' لڑکی نے جواب دیا۔

''مطلب یہ تھا کہ آپ بور تو نہیں ہو رہیں۔''

''بور ہونا تو لازمی ہے جب ڈھنگ کی کوئی کمپنی نہ ملے۔''

''ہاں..... یہ تو ہوتا ہے۔ دراصل ہمارا مزاج دوسروں سے مختلف ہے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔''

حمید نے سوچا خود کو لیے دیئے رہنے کی عادی معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا اس نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔ ہوٹل ڈی فرانس پہنچ کر وہ اسے اپنے کمرے میں لائی اور کاغذات دکھانے لگی۔ کاغذات ٹھیک ہی معلوم ہوتے تھے۔

پھر حمید نے اسٹار کا تازہ پرچہ بریف کیس سے نکال کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا آپ نے اس شخص کو کہیں دیکھا ہے؟''

یک بیک اس نے حمید کو گھور کر دیکھا اور بولی۔ ''آپ نے جھوٹ کیوں بولا تھا۔''

''کس سلسلے میں؟'' حمید نے حیرت سے پوچھا۔

''اس تصویر کے سلسلے میں کہ اسی کرائم رپورٹر نے آپ کو میرے پاس نہیں بھیجا تھا۔''

''میں اپنے چیف کے حکم سے یہاں آیا ہوں۔''

''تو پھر اس نے آپ کے چیف ہی کو مطلع کر دیا ہو گا۔ بہرحال میں نے اس کرائم رپورٹر سے تھوڑی سی غلط بیانی کی تھی۔ یہ میرا چچا نہیں ہے لیکن مجھے اس کی تلاش ہے کیونکہ اسی کی وجہ سے میرا کیریئر تباہ ہو گیا۔''

''اوہ.....! کیا آپ اسی کرائم رپورٹر کی بات کر رہی ہیں جس کے حوالے سے یہ تصویر شائع ہوئی ہے۔''

''جی ہاں.....! میں اس کے پاس گئی تھی اس سے معلوم کرنے کی کوشش کی تھی کہ اس

نے اسے کہاں دیکھا تھا لیکن اس نے نہیں بتایا۔ یہی کہتا رہا کہ پولیس کی اجازت نہیں ہے۔

''آپ نے ابھی کہا تھا کہ یہ آپ کا چچا نہیں ہے۔''

''جی ہاں اور نہ برٹرانڈ گراہم نام ہے۔ یہ نام تو میں نے اپنے نام کی مناسبت سے لیا

''پھر کیا نام ہے؟''

''خدا ہی جانے۔ ایسے لوگوں کے اصل ناموں سے کوئی بھی واقف نہیں ہوتا۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔''

''میں اس شخص کو بن ہارا کے نام سے جانتی ہوں۔''

''لیکن آپ نے اس کرائم رپورٹر سے غلط بیانی کیوں کی تھی۔''

''ضروری نہیں کہ میں ہر ایک کو اپنے اصل معاملات سے آگاہ کرتی پھروں۔''

''یہ بھی درست ہے۔ تو گویا آپ کا اس سے کوئی خاص تعلق نہیں ہے۔''

''اتنا خاص تعلق ہے کہ میں اسے قتل کر دینا چاہتی ہوں۔''

''پلیز.....! پلیز.....!'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''آپ ایک پولیس آفیسر سے کہہ رہی ہیں۔''

''میں سمجھتی ہوں۔ اسی لیے صاف صاف گفتگو کر رہی ہوں.....! اس کی وجہ سے چچا جیل میں سڑ رہا ہے.....! برٹرانڈ گراہم اسی کا نام ہے.....!''

''آپ کا چچا برٹرانڈ گراہم اسی کی وجہ سے جیل میں سڑ رہا ہے۔''

''جی ہاں.....! اور وہ کوئی معمولی آدمی نہیں۔ میرے ملک کا بہت بڑا سائنسدان ہے۔ یہ شخص بن ہارا اس کا اسسٹنٹ تھا۔ وہ ایک سرکاری پروجیکٹ پر کام کر رہے تھے اس شخص بن ہارا نے بعض اہم چیزیں غائب کر دی اور خود معصوم بنا رہا۔ میرے چچا پھنس گئے پھر اس شخص کے بارے میں معلومات حاصل کرنی شروع کیں تو پتا چلا کہ بہت بڑا فراڈ مختلف ممالک کے سائنسی تکنیکی راز چرا کر ادھر ادھر کر دیتا ہے۔ میں نے اپنے ملک کو اس سے باخبر کر دیا لیکن یہ وہاں سے فرار ہو گیا۔ پھر میں یہاں چلی آئی۔ چچا کے دنیا میں اور کوئی نہیں۔''

''بے حد افسوس ہوا مس گراہم.....!''

''صرف افسوس ظاہر کریں گے۔''

''افسوس ظاہر کرنے نہیں آیا تھا۔ اس شخص کے بارے میں معلومات حاصل کرنی تھیں کیونکہ اس شخص نے ہمیں چونکا دیا ہے۔''

''آپ بھی شاید جیرالڈ سٹری کا قصہ سنائیں گے۔''

''ظاہر ہے کہ اسی نام کے ایسے ہی ایک آدمی سے ہمارا سابقہ پڑ چکا ہے اور ہمارے تفتیش لینے کی سب سے بڑی وجہ ہے کہ کشت وخون کے ایک حالیہ واقعے سے بھی اس کا کچھ نہ کچھ تعلق ضرور ہے۔ آپ نے اخبارات میں دیکھا ہوگا کہ دو افراد نے ایک پولیس پارٹی پر حملہ کیا تھا اور مارے گئے تھے۔''

''جی ہاں۔ شاید.....اور کوئی عورت بھی ماری گئی تھی۔''

''دراصل اسی ملزمہ کو مار ڈالنے کی کوشش کی گئی تھی۔''

''اچھا تو پھر!''

''یہ شخص جس کا نام آپ نے بن ہارا بتایا ہے اُنہی دونوں کے فلیٹ میں دیکھا گیا تھا۔''

''اوہ.....! میں سمجھتی ہوں۔ وہ یہاں بھی کچھ کر رہا ہے۔ مسٹر آفیسر جلد کچھ کیجئے ورنہ آپ کے ملک کو بھی کوئی بہت بڑا نقصان پہنچ جائے گا۔''

''آپ نے سچ مچ تشویش میں مبتلا کر دیا۔''

''وہ میک اپ کا بھی ماہر ہے۔''

''لیکن آنکھوں کی مخصوص بناوٹ کو نہیں چھپا سکتا۔''

''اس کے لیے تاریک شیشوں کی عینک کافی ہوگی۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔'' حمید نے کچھ سوچتے ہوئے تصویر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''تو یہ اس کی اصلی شکل ہے۔''

''خدا جانے۔ میں نے تو اسی شکل میں دیکھا تھا۔''

''لیکن یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ میک اپ کا ماہر بھی ہے۔''

''ظاہر ہے کہ اس کے بارے میں چھان بین کی ہوگی میں نے۔''

''اگر وہ ایسا ہی خطرناک آدمی ہے تو آپ کو اس طرح کرائم رپورٹر کے پاس نہ جانا

جانا چاہئے تھا۔''

''ہاں اب میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔''

''لیکن یہ معلوم کر لینے کے بعد کہ اس نے اسے کہاں دیکھا تھا۔ آپ کیا کریں گی۔''

''یقین کیجئے کہ میں اسے قتل کر دینے کی کوشش کرتی۔''

''آپ پھر ایک غیر ذمہ دارانہ بات کہہ رہی ہیں۔''

''میں مجبور ہوں اپنی شدید نفرت سے اور شدید ترین جذبہ انتقام سے۔''

''ہم سے تعاون کیجئے۔ آپ کی یہ خواہش بھی پوری ہو جائے گی۔''

''کس طرح تعاون کروں۔''

''ظاہر ہے کہ آپ کو اس کی تلاش ہے۔ جہاں بھی نظر آئے خود کوئی قدم اٹھانے کے بجائے ہمیں مطلع کر دیجئے۔''

''ہاں یہ ہو سکتا ہے۔''

''اس طرح ہو سکتا ہے آپ کی یہ شکایت بھی رفع ہو جائے گی کہ یہاں کوئی ایکشن نہیں ملتی۔''

''آپ..... ہاں آپ بہت کلچرڈ آدمی معلوم ہوتے ہیں۔''

''میں اپنی بات نہیں کر رہا.....!''

''کیوں؟ کیا آپ بھی عورتوں سے شرماتے ہیں۔ یہاں میں نے عام طور پر دیکھا ہے کہ عورتوں سے گفتگو کرتے وقت زیادہ تر مرد بوکھلائے بوکھلائے سے نظر آتے ہیں۔''

''صدیوں سے دونوں الگ الگ رہتے چلے آئے ہیں۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''ادھر کچھ دنوں سے بعض لوگ کسی قدر آزاد خیال ہو گئے ہیں۔''

''خیر بہر حال..... میں ایسا ہی کروں گی لیکن آپ کو کس طرح مطلع کیا جائے؟''

حمید نے اپنا کارڈ نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔ ''کسی نہ کسی نمبر پر مجھ سے یا چیف سے ضرور رابطہ قائم ہو جائے گا۔''

''چیف کا کیا نام ہے.....!''

''لائیے کارڈ کی پشت پر لکھ دوں.....!'' حمید نے کہا اور فریدی کا نام لکھ کر واپس کر دیا۔

وہاں سے روانگی کے بعد وہ سوچ رہا تھا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ ڈیش بورڈ کے خانے سے فون کا ریسیور نکالا اور محکمے کے ایکسچینج سے رابطہ قائم کر کے فریدی سے ملانے کو کہا۔ اندازہ تھا کہ فریدی نے ایکسچینج کو اپنی کالز کے بارے میں کچھ ہدایات ضرور دی ہوں گی۔

فریدی سے جلد ہی رابطہ قائم ہو گیا اور حمید نے جوڈیتھ گراہم کے بارے میں رپورٹ دی۔

''برٹرانڈ گراہم..... ہاں یہ نام تو کچھ سنا ہوا سا لگتا ہے۔ خیر میں اسے دیکھوں گا غالباً سائنٹسٹ ہی ہے.....! اچھا۔ سنو.....! اگر وہ تم سے وہ جگہ دیکھنے کی خواہش ظاہر کرے تو ضرور دکھا دینا۔''

''لیکن میں نے اس سے کہا ہے کہ اگر وہ اسے کہیں دیکھے تو ہمیں مطلع کر دے۔''

''یہ بھی ٹھیک ہے۔ اب واپس آفس جاؤ۔''

''آپ کہاں ہیں.....!''

اس کے جواب میں اس نے رابطہ منقطع ہونے کی آواز سنی اور جھنجھلا کر رہ گیا۔

ان لوگوں میں سے اب صرف اوزاکا ہی باقی تھا جن کا ڈربی ہاؤز سے رابطہ رہتا تھا۔ اس نے منیجر کے پاگل ہو جانے کی اطلاع ڈربی ہاؤز تک بذریعہ فون پہنچائی۔ منیجر کے علاوہ اور کسی کو بھی ڈربی ہاؤز میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ بقیہ لوگ صرف فون کے ذریعے رابطہ رکھ سکتے تھے۔ اوزاکا کی کال جس نے بھی ریسیور کی تھی بہت طیش میں معلوم ہوتا تھا۔

''تم سب نا کارگی کا ثبوت دے رہے ہو۔ آخر وہ پاگل کیسے ہو گیا۔'' دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

''میں کیا بتاؤں.....!'' اوزاکا نے بھی اپنے لہجے میں کرارا پن پیدا کرنے کی کوشش کی۔

''معلوم کرو.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''بہت بہتر.....!''

''اور ہاں.....! جبار کی عدم موجودگی میں جو کوئی بھی منیجر کی ذمہ داریاں سنبھالے گا وہ

ہم میں سے نہیں ہوگا۔ خیال رکھنا۔''

''بہت بہتر۔'' اب یہاں صرف میں ہی رہ گیا ہوں .....! تنہا کیا کر سکوں گا۔

''ٹھیک ڈھائی بجے.....! ریمپارٹ لمیٹڈ کے چیئر آفیسر مسٹر جیکسن سے مل کر انہیں دینا تمہاری یہ دشواری بھی رفع ہو جائے گی۔ اسکے تعاون سے تمہیں فیمی کو بھی تلاش کرنا

''بہت بہتر۔''

''اس پر گہری نظر رکھو کہ تمہارا تعاقب تو نہیں کیا جا رہا۔''

''مجھے یقین ہے کہ ابھی تک ایسا نہیں ہوا۔''

''اسی اطمینان پر غافل نہ ہو جانا۔''

''میں خیال رکھوں گا جناب!''

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر اس نے بھی ریسیور ہک سے اور بوتھ سے باہر آ گیا۔ اس نے یہ کال ایک پبلک ٹیلیفون بوتھ سے کی تھی۔

آج کے اخبارات میں سے اس نے فیمی کے پاگل ہو جانے کی خبر دیکھی تھی اور ہو گیا تھا کہ کرنل فریدی بالآخر بات کی تہہ تک پہنچ گیا تھا اور اب اسے خود اس کی بھی گی۔ لیکن اب وہ اس سے کسی قسم بھی تعلق نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ یہ قدم تو اس نے محض تحفظ کی خاطر اٹھایا تھا ورنہ اسے یہاں کے قانون یا قانون کے محافظوں سے کیا ہو سکتی تھی۔ وہ تو ان لوگوں سے انتقام لینے کے لیے شیطان کا ساتھی بھی بن سکتا تھا جنھ ہیروشیما کو تباہ کیا تھا اور جن کی وجہ سے ساری دنیا میں ایٹمی دوڑ شروع ہو گئی تھی۔

بہرحال اب اسے بہت زیادہ محتاط رہنا تھا۔ مقامی پولیس کی طرف سے بھی اور تنظیم کی طرف سے بھی..... تنظیم میں غداری کی سزا موت تھی اور وہ فریدی سے رابطہ کے غداری کا مرتکب ہو چکا تھا۔ یہی نہیں بلکہ تنظیم کے ایک بڑے کارکن کی دیوانگی کا بنا تھا۔ اسے علم تھا کہ دیوانگی کا اختتام موت پر ہوگا اسی بنا پر اس نے مینیجر کو انجکشن دیا اب ہوش میں تو آ ہی نہ سکے گا ورنہ اس کی زبان بند کرنے کے لیے قتل ہی کرنا پڑتا اس نے ریوالور کے زور پر اس سے ڈربی ہاؤز والوں تک غلط اطلاع بھجوائی تھی۔

دو بجے تک جیسے تیسے وقت گزارنے کے بعد اس نے ریمپارٹ لمیٹڈ کے ٹھیک ڈھائی بجے وہ چیئر آفیسر کے کمرے کے سامنے تھا۔ جلد کے ایک ٹکڑے پر اپنا نام اس کے پاس بھجوایا اور پھر سامنا ہونے پر مخصوص کارڈ جس کی پشت پر وہ آنکھیں ہی تھیں اس کی طرف بڑھا دیا۔

جیکسن نے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور اپنے اسسٹنٹ کو کچھ ہدایات دینے لگا۔ اسسٹنٹ ایک فائل میز پر سے اٹھا کر باہر چلا گیا۔

جیکسن اوزاکا کو چند لمحے غور سے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ ''فی الحال پانچ افراد تمہارے چارج میں دیئے جاتے ہیں۔''

''بہت بہتر!''

''قواعد کے مطابق تم ان سے رابطہ قائم کرو گے۔''

''میں جانتا ہوں۔''

''یہ رہی فہرست! اس میں نام پتے اور فون نمبر موجود ہیں .....'' اس نے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

اوزاکا نے اسے دیکھے بغیر جیب میں رکھ لیا اور چپ چاپ کمرے سے نکل آیا۔ ان کے درمیان یہی طریقہ رائج تھا۔ غیر ضروری گفتگو نہیں ہوتی تھی۔ نہ ملتے وقت مصافحہ کیا جاتا تھا اور نہ رخصت ہوتے وقت۔ بس ایسا ہی لگتا تھا جیسے دو اجنبی سرراہ ملے ہوں ایک نے وقت پوچھا۔ دوسرے نے گھڑی دیکھ کر وقت بتایا اور اپنی اپنی راہ لگے۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ ایک ریستوران میں داخل ہوا اور ایک ایسی میز منتخب کی جس کے آس پاس والی میزیں خالی تھیں۔

ویٹر کو چائے کا آرڈر دے کر جیب سے وہ کاغذ نکالا۔ جو کچھ دیر پہلے جیکسن سے ملا تھا۔ تھوڑی دیر تک اسے دیکھتا رہا اور پھر تہہ کر کے جیب میں رکھ لیا۔ ان پانچوں ناموں میں سے ایک بھی شناسا سا نظر نہ آیا۔

چائے پی کر ریستوران سے باہر نکلا۔ اب ڈربی ہاؤز والوں کو مطلع کرنا تھا کہ وہ مسٹر جیکسن سے مل لیں۔ ریمپارٹ لمیٹڈ کے فون پر وہاں کے منیجر سے اور رابطہ قائم کیا۔ [illegible] سے مل چکا ہوں۔''

''اس لوگوں کو کسی جگہ طلب کر کے خود کو ان سے متعارف کراؤ۔'' دوسری طرف سے

آواز آئی۔

''بہت بہتر جناب۔''

''ان کی مدد سے اس شخص کو تلاش کرنے کی کوشش کرو جس کی وجہ سے ہمارے
شوشہ یاں پیدا ہو رہی ہیں۔''

''بہت بہتر جناب!''

اس کے اسسٹنٹ کو ہر وقت نظروں میں رکھنے کی کوشش کرو۔ اسی کے توسط
تک پہنچ سکو گے۔''

''میں سمجھ گیا۔ ایسا ہی ہوگا۔''

''تم ان لوگوں کو کہاں طلب کرو گے اور کس وقت۔''

''نیشنل پارک میں۔ پیپل کے درخت کے نیچے والی بنچ پر.....! وقت پا
شام.....!'' ''ٹھیک ہے۔'' دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسلہ منقطع ہوگیا۔

بات ختم ہوگئی تھی۔ لیکن اس کے ذہن کے عقبی حصے میں کوئی چیز کھٹک رہی تھی۔
گفتگو کا آخری حصہ الجھن کا باعث بنا ہوا تھا۔ ڈربی ہاؤز سے صرف احکامات
جاتے تھے۔ یہ نہیں پوچھا جاتا تھا کہ ان احکامات کی تعمیل کس طرح ہوگی.....! تو کیا
وہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ میں کسی مخصوص وقت پر کہاں ہوں گا.....! اوہ تو یہ بات
میں اسٹیل ملز میں ان کا تنہا کارکن باقی بچا ہوں اور اوسو اور پتامو کی شناخت کے بعد
پولیس کی نظروں میں آ چکی ہے۔ تو کیا وہ محض اسی بنا پر خود اسے ٹھکانے لگا دینے کے
غور کر رہے ہیں۔ اسے محتاط رہنا چاہئے۔ لیکن کس طرح؟ اسے کسی ایسی جگہ کا انتظ
چاہئے تھا جہاں محفوظ رہ سکتا۔ لیکن بے خیالی میں نیشنل پارک کے ایک ویران حصے کا
دیا تھا۔ وہاں تو بڑی آسانی سے مار لیا جائے گا۔ وہ پانچ ہوں گے اور وہ خود تنہا۔

اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ یا تو روپوش ہو جاتا یا ڈٹ کر
مقابلہ کرتا.....! اسے والگو یاد آیا جسے خود اسی نے دیوانگی کا انجکشن دیا تھا اور اس
فائرنگ کی تھی جس میں دو افراد والگو کی نگرانی کرنے والوں کا تعاقب کر رہے تھے۔
دونوں افراد اتنے ہی اہم تھے کہ انہیں پولیس کی نظروں سے بچانے کے لیے خود اسے

دیا جاتا اگر وہ دونوں نروس نہ ہو گئے ہوتے تو خود اس کا کیا حشر ہوتا۔ یقیناً وہی جو اوسو اور
پتامو کا ہوا تھا۔ وہ اتنی صفائی سے نکل نہ آیا ہوتا۔

اوزاکا نے پھر اپنی گاڑی ایک جگہ روک دی اور پشت گاہ سے ٹک کر گہری گہری
سانسیں لینے لگا۔

کچھ دیر بعد اس نے ڈیش بورڈ کے خانے سے ایک کیمرہ نکالا اور اسے الٹ پلٹ کر
دیکھنے لگا یہ اس کا اپنا ذاتی اسلحہ تھا اور کسی کو بھی اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ کیمرے
کی شکل کا مشین پستول جس کا ایک بٹن دباتے ہی بٹ معہ ٹریگر باہر نکل آتا تھا اور مقابل کے
سنبھلنے سے پہلے ہی فائرنگ شروع ہو جاتی تھی..... بہر حال اس نے یہی فیصلہ کیا کہ وہ
حالات کا مقابلہ کرے گا۔ کیمرہ نما مشین پستول کو بائیں شانے سے لٹکا کر اس نے انجن
اسٹارٹ کیا اور گاڑی پھر حرکت میں آ گئی۔

تھوڑی دیر بعد ایک پبلک ٹیلیفون بوتھ سے ان پانچوں سے یکے بعد دیگرے رابطہ قائم
کر کے آگاہ کیا کہ انہیں ٹھیک پانچ بجے کہاں پہنچنا ہے۔

ابھی چار ہی بجے تھے لیکن وہ نیشنل پارک کی طرف روانہ ہو گیا۔ قبل از وقت اپنے
بچاؤ کے راستے بھی تو متعین کرنے تھے۔ ویسے یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ سرے ہی سے وہم میں
مبتلا ہو گیا ہو۔ بہر حال ہر صورت میں محتاط رہنا چاہئے۔

اتفاق سے وہ بنچ اسے خالی مل گئی جس کی نشاندہی ان پانچوں سے کر چکا تھا لہٰذا اس
نے سوچا کہ اس پر فی الفور قبضہ کر لینا چاہئے تاکہ کوئی ادھر نہ آئے۔ پتھر کی بنچ تھی اور اس کے
عقب میں مالتی کی گنجان جھاڑیاں تھیں۔ اس بنچ پر عموماً کوئی نیند کا مارا ہی قبضہ کرتا
تھا.....! دوپہر کو تو اس کا خالی ملنا محال ہی ہوتا تھا۔

اکا بھی کمر سیدھی کرنے کو لیٹ ہی گیا۔ گاڑی پارک کے باہر کھڑی کی تھی۔ بار بار
گھڑی پر نظر ڈالتا تھا۔ پونے پانچ بجے یک بیک اٹھ بیٹھا اور تیزی سے مالتی کی جھاڑیوں کی
طرف مڑا.....! ادھر بھی احتیاط دیکھ ہی لینا چاہئے اس نے سوچا اور اسکے قدم اسی جانب اٹھ گئے۔
بڑی آہستگی سے وہ جھاڑیوں کے اندر گھسا تھا اور دائیں بائیں نظر ڈال ہی رہا تھا کہ
کسی نے عقب سے گردن پر ضرب لگائی اور وہ کسی تناور درخت کی طرح ڈھتا چلا گیا۔

پتا نہیں کتنی دیر بعد ہوش آیا تھا..... سب سے پہلے گردن کے درد نے شعور کی
جھنجھوڑا تھا۔ اسکے ساتھ ہی بیہوش ہو جانے سے قبل کی سچویشن یاد آئی تھی۔ وہ بوکھلا کر اٹھ
کھلے آسمان کے نیچے نہیں تھا بلکہ اس کے سر پر ایک طویل و عریض چھت تھی۔ ان
متعدد جگہوں سے ہلکی سبز رنگ کی تیز روشنی پھوٹ رہی تھی۔ ایسی صورت میں اسے فوراً
مشین پستول کیوں نہ یاد آتا۔ لیکن وہ اب اس کے پاس نہیں تھا۔

موت سے نہیں ڈرتا تھا۔ لیکن اس پر افسوس تھا کہ انہوں ہی کے ہاتھوں مارا جائے
دفعتاً عجیب سی آواز سنائے میں گونجی اور کوئی کہنے لگا۔ ''تم نے بہت ہوشیار بننے
کوشش کی تھی اوزاکا..... اب اپنا اعمال نامہ سنو! اسکے بعد خود ہی اپنے لیے سزا بھی تجویز کر
اوزاکا آواز کی سمت گھوما لیکن اس طویل و عریض ہال میں کوئی شخص نہ دکھائی دیا
نے سختی سے ہونٹ بھینچ لیے سراسیمگی کے اظہار سے بچنا چاہتا تھا۔ اس کی دانست میں ہو
نہیں ٹل سکتی تھی۔ لہٰذا بے بسی کا اظہار کیوں ہونے دیا جائے۔ بدستور سینہ تانے کھڑا
آواز پھر آئی۔ ''تم نے والگو کو انجکشن دیا تھا لیکن اس کی جیب سے وہ شناختی کارڈ نہیں ملا
جس پر اس کے لیے کچھ ہدایات درج تھیں۔ تمہاری اس غفلت کی بنا پر وہ پولیس کے
لگ گیا۔ کیا تمہیں اس سے انکار ہے۔''

''نہیں۔'' اوزاکا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''میں اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہوں۔

''اب ایک جوابدہی کے لیے تیار ہو جاؤ۔'' آواز آئی۔

اوزاکا کچھ نہ بولا۔ آواز پھر آئی۔ ''جبار نے مطلع کیا تھا کہ وہ فیمی کی نگرانی کے
اسپتال گیا تھا۔ لیکن تم اچھی طرح جانتے ہو کر یہ جھوٹ ہے۔''

''مجھے اس سے کیا سروکار۔'' اوزاکا نے سخت لہجے میں کہا۔

''تم جبار کو بیہوشی کی حالت میں ایک جگہ چھوڑ گئے تھے۔ وہ پاگل کیسے ہو گیا اوزاکا

''یہ بھی الزام ہے۔ میں اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔''

''اوزاکا!'' اس بار کی ہاڑ سے اوزاکا بھی تھرا گیا۔

پھر وہ نکل بھاگنے کے کسی راستے کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگا تھا۔
اس ہال میں کئی دروازے تھے لیکن ایک بھی کھلا ہوا نہیں معلوم ہوتا تھا۔ ہو سکتا

بھی مقفل ہوں۔ اس نے سوچا۔

آواز پھر آئی ''کیا یہ غلط ہے کہ تم نے جبار کے سینے پر پستول رکھ کر اس سے وہ کال
رائی تھی۔''

''م..... میں..... ایسا..... کک..... کیوں..... کرتا.....!'' اوزاکا ہکلانے لگا۔

''فیمی کو بچانے کے لیے..... پھر تم نے پولیس کو فون پر مطلع کیا۔''

''الزام..... الزام.....!'' وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر چیخا۔

''خاموش! پوری بات سنو.....! تمہارے مشورے پر پولیس نے فیمی کے پاگل ہو
ے کی داستان گڑھی ہے وہ جہاں بھی ہے پوری طرح صحت مند ہے۔''

اوزاکا کھڑا ہانپتا رہا۔

''تم نے پولیس کو اور کیا بتایا ہے۔'' آواز آئی۔

''کچھ بھی نہیں!'' اوزاکا بے ساختہ بولا۔ اس نے کاندھے ڈال دیئے تھے۔

''ذہن پر زور دے کر یاد کرو.....!'' اس بار نرم لہجے میں پوچھا گیا۔

''ہیروشیما کے شہیدوں کی قسم میں نے تنظیم کے بارے میں اسے کچھ بھی نہیں بتایا۔
فیمی کو پاگل ہونے سے بچانا چاہتا تھا۔''

''کس نے بات کی تھی؟''

''کرنل فریدی سے۔ محض فیمی کی حد تک..... گمنام کال تھی..... میں نے اسے نہیں بتایا
میں کون ہوں اور نہ یہی بتایا کہ ڈربی ہاؤز ہمارے رابطے کی جگہ ہے۔ ہیروشیما کے
شہیدوں کی قسم اس میں ذرہ برابر بھی جھوٹ نہیں ہے۔''

''لیکن اب فیمی تمہیں کیسے مل سکے گی۔''

''میں نہیں۔ میں نہیں جانتا۔''

''وہ تمہیں مل سکتی ہے.....!''

''کس طرح۔'' اوزاکا نے بیتابی سے پوچھا۔

''کرنل فریدی سے مل بیٹھنے کی کوشش کرو اور ہم سے بھی رابطہ رکھو..... پھر جب ہم
تمہیں اس کی رہنمائی ڈربی ہاؤز کی طرف کر دو۔''

''میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا۔''

''وہ روپوش ہو گیا ہے۔ ہم اس کا سراغ کھو بیٹھے ہیں..... یہ خطرناک صورتحال ہے جس کے خلاف بھی وہ اس طریق کار کو اختیار کرتا ہے وہ فنا ہو جاتا ہے۔ یہی اس کی روایت رہی ہے۔''

''اب میں سمجھ گیا۔''

''وہ تمہاری دوسری کال کا منتظر ہو گا۔''

اوزا کا کچھ نہ بولا۔

''کیا سوچنے لگے۔'' آواز آئی۔

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں وہ دوسری کال کا منتظر ہو گا۔''

''بس تو پھر اس سے فائدہ اٹھاؤ فیمی بھی واپس مل جائے گی اور ہمارا کام بھی بن جائے گا۔ اسے کئی طرف سے گھیرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ لیکن وہ بیحد چالاک ہے۔ صرف یہی ایک ایسا کارڈ ہو جس سے بازی جیتی جا سکتی ہے۔''

اوزا کا طویل سانس لے کر رہ گیا۔

''ہم جانتے ہیں کہ ہمارا کوئی آدمی بھی تنظیم کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ تم صرف دل کے ہاتھوں مجبور ہو گئے تھے۔ فیمی کی حد سے آگے نہیں بڑھے۔ ہر چند کہ تنظیم انتقامی جذبے کے علاوہ اور کسی جذبے پر یقین نہیں رکھتی لیکن تمہارے معاملے میں یہ رعایت دی جا سکتی ہے۔''

''جبار کے سلسلے میں جو کچھ بھی میں نے کیا ہے اس پر نادم ہوں۔'' اوزا کا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''اوہ..... اسے بھول جاؤ۔ تنظیم سے تعلق رکھنے والے سارے مقامی آدمی ہمیں حصول زر کے لیے ہمارے ساتھ ہوئے ہیں انہیں ہمارے کاز سے کوئی دلچسپی نہیں اور جبار اول درجے کا احمق تھا۔ یہ سارا کھیل اسی کی بیوقوفیوں کی بنا پر بگڑا ہے۔ جو کام اس نے لوگوں سے لیا تھا۔ مقامی آدمیوں سے لینا چاہئے تھا۔''

''آپ بہتر سمجھ سکتے ہیں۔''

''اب فریدی پر ہاتھ ڈال دینا تمہارا مشن ہونا چاہئے۔''

''میں بالکل تیار ہوں۔ مجھ سے جو غلطی سرزد ہوئی اسکا مداوا اپنی جان دے کر کرنا چاہتا ہوں۔''

''تم زندہ رہو گے اور اب جبار کا چارج تمہیں دیا جا رہا ہے۔''

''بہت بہت شکریہ! لیکن میں اس قابل نہیں ہوں.....!''

''نہیں تم قابل قدر رہو۔ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر بھی تم اپنی حد سے آگے نہیں بڑھے.....!''

اوزا کا تھوک نگل کر رہ گیا..... پھر آواز نہیں آئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اسے اپنا سر چکراتا سا محسوس ہوا۔ کسی قسم کی بو بھی چاروں طرف پھیل رہی تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ جس طرح یہاں کیا تھا۔ اسی طرح واپس بھی جائے گا۔ وہ فرش پر بیٹھ گیا۔ آنکھوں تلے اندھیرا گہرا ہوتا جا تھا اور پھر وہ ہر قسم کے احساس سے بیگانہ ہو گیا۔

چاروں طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ اس نے ایک بار پھر اپنی آنکھیں ملیں اور تاریکی ٹھورنے لگا۔ شاید وہ ایک بار پھر بیہوش ہو گیا تھا۔ ہاں یقیناً یہی بات تھی۔ وہ سوچنے لگا۔ شن کے اختتام پر اس نے کسی قسم کی بو محسوس کی تھی اور اس کا سر چکرانے لگا تھا۔ غالباً کسی ں کی بو تھی۔ لیکن اب وہ کہاں ہے؟ اس نے ادھر ادھر ہاتھ چلائے اور سیدھا ہو بیٹھا.....! ہی گاڑی تھی۔ کیا اس کی اپنی گاڑی؟ ٹٹول کر ڈیش بورڈ کو ہاتھ لگایا۔ کنجی اگنیشن میں تھی۔ دروازہ کھول کر پچھلی سیٹ سے نیچے اترا.....! ڈیش بورڈ کے ایک خانے میں ہاتھ ل گیا۔ ٹارچ موجود تھی۔ پھر بھی مزید اطمینان کے لیے اس نے ٹارچ روشن کی۔ یہ اس کی گاڑی تھی۔ پھر ٹارچ کی روشنی کا دائرہ گاڑی کے آس پاس گھومتا رہا۔ اس نے اپنی گاڑی ٹ کے پارکنگ پلاٹ پر کھڑی کی تھی۔ لیکن یہ وہ جگہ نہیں تھی۔ کچھ دیر وہیں کھڑا ٹارچ روشنی ڈالتا رہا پھر اگلی سیٹ پر بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کرنے لگا۔ پختہ سڑک تھوڑے لے پر نظر آئی تھی لیکن یہ کوئی ویرانہ ہی تھا۔

گاڑی سڑک کے قریب پہنچی ہی تھی کہ عقب سے آواز آئی۔ ''بائیں جانب موڑ کر چلتے نہیں..... کوئی حماقت نہ کرنا۔ میں نے تمہیں کور کر رکھا ہے..... کھوپڑی میں سوراخ ہو سکتا۔''

بولنے والا پچھلی سیٹ پر تھا۔ ایک بار پھر اوزاکا کے جسم سے پسینہ پھوٹنے لگا۔
اور اس نے چپ چاپ تعمیل کی۔ گاڑی بائیں جانب مڑی تھی۔
''کم از کم چالیس کی رفتار سے چلو۔'' عقب سے آواز آئی اور اس نے ایکسیلریٹر پر دباؤ ڈالا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر یہ کون ہے اور کہاں سے ٹپک پڑا اس وقت تو نہیں تھا پچھلی سیٹ پر ہوش آیا تھا۔
''تم کون ہو بھئی!'' اس نے تھوڑی دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔
''ایک ایسا آدمی جو اس معمے کو حل کرنا چاہتا ہوں۔''
''کس معمے؟''
''وہی جو میری نظر سے گزرا ہے۔''
''میں نہیں سمجھا تم کیا کہہ رہے ہو۔''
''بڑی عجیب بات ہے کہ تم مجھ سے پوچھ رہے ہو جبکہ اس معمے کا ایک حصہ تم ہو۔ یا تم ساڑھے چار بجے نیشنل پارک کی پیپل والی بنچ پر نہیں لیٹے ہوئے تھے۔''
''یقیناً لیٹا ہوا تھا۔ تو پھر۔''
''پھر یہ کہ تم اور ڈرائیور کو مالتی کی جھاڑیوں میں گئے تھے..... پھر میں نے دو آدمی تمہیں ایک اسٹریچر پر اٹھائے ہوئے جھاڑیوں سے برآمد ہوئے۔ لباس سے ہسپتال کے ملازم معلوم ہوتے تھے۔ ایک ایمبولنس گاڑی میں وہ اسٹریچر رکھ دیا گیا جس پر بے حس و حرکت پڑے ہوئے تھے۔ پھر ایمبولنس قریباً پانچ میل کا فاصلہ طے کر کے ایک ہسپتال میں داخل ہوئی۔ پھر تھوڑی دیر بعد میں نے دیکھا کہ تمہاری گاڑی بھی وہیں پہنچا دی گئی۔''
''عجیب کہانی ہے۔'' اوزاکا تھوک نگل کر بولا۔
''غالباً دو گھنٹے بعد تم پھر بیہوشی کی حالت میں باہر لائے گئے اور تمہیں تمہاری گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈال دیا گیا۔ پھر انہی میں سے ایک آدمی نے تمہاری گاڑی ڈرائیو کی اور شہر کی ایک تاریک گلی میں پارک کر کے خود بھی تاریکی میں غائب ہو گیا۔ کنجی اس نے گاڑی ہی میں لگی چھوڑ دی۔ اس کے بعد میرا کام شروع ہوا۔ میں تمہاری گاڑی یہاں ویرانے میں لے آیا۔''

نمبر 91
''آخر تم نے کیوں زحمت کی۔'' اوزاکا نے سوال کیا۔
''یہ معمہ حل کرنے کے لیے۔''
''تمہیں اس سے کیا سروکار۔''
''معمے حل کرنے کا شائق ہوں۔''
''لیکن میں ضروری نہیں سمجھتا کہ تمہیں بھی کچھ بتایا جائے۔''
''میں نے تمہیں پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا کہ میرے ہاتھ میں پستول ہے۔''
''دوسروں کے معاملات میں ٹانگ اڑانا کہاں کا انصاف ہے۔''
''میں نے اس وقت بہت محنت کی ہے۔ جس کا ثمرہ یہی ہونا چاہئے کہ معمہ حل ہو جائے۔''
''یہ محض مذاق تھا۔ بس یہ سمجھ لو کہ ایک ڈرامے کی ریہرسل تھی۔''
''تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ تم بیہوش نہیں تھے۔''
''ہرگز نہیں!'' اوزاکا نروس سی ہنسی کے ساتھ بولا۔
''تم غلط بیانی سے کام لے رہے ہو۔ تمہاری آواز سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ بلیک گیس کے زیر اثر رہ چکے ہو۔''
''اوزاکا نے طویل سانس لی اور پُرمعنی انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ نظیم ہی کا کوئی آدمی ہے اور اس کا مزید امتحان مقصود ہے۔''
''نہ اس سے کسی کو کوئی نقصان پہنچا ہے اور نہ ہم قانون شکنی کے مرتکب ہوئے پھر کس کو کیا۔'' اوزاکا تھوڑی دیر بعد بولا۔
''تو وہ لوگ تمہارے دوست تھے۔'' عقب سے آواز آئی۔
''یقیناً۔ اس میں کیا شک ہے۔''
''اگر وہ تمہارے دوست ہوتے تو تمہیں ایسی جگہ بحالت بے ہوشی نہ چھوڑ جاتے جہاں تم سے صرف دس روپوں کے لیے قتل ہو جاتے ہیں۔''
''ہو سکتا ہے کہ انہوں نے نادانستگی میں ایسا کیا ہو۔''
''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ یہ جھوٹ ہے۔''
''تم کرو یہ قصہ!'' اوزاکا زبردستی ہنس کر بولا۔ ''اپنی اس نگہداشت کے صلے میں تمہیں

ایک بوتل کی قیمت دے سکتا ہوں۔کون سی پیتے ہو۔''

''بلیک ڈنکی۔''

''یہ کیا چیز ہوئی۔''

''وہائٹ ہارس کے ٹکر کی ہوتی ہے۔''

''مسخرے بھی ہو!'' اوزاکا ہنس کر بولا۔

''بہت زیادہ۔تمہارا جی خوش کرنے ہی کے لیے تو تمہیں اپنے ساتھ لے جا

''یہ مذاق ختم کرو!'' اوزاکا نے تلخی سے کہا۔''میں غدار نہیں ہوں۔اسے ثابت کر

''تم سے ایسی ہی امید تھی۔''

''تو پھر بس اب میرا پیچھا چھوڑ دو۔''

''نہیں دوست ابھی بعض نکتوں کی وضاحت کرنا باقی ہے۔''

''تو کرو۔میں نے منع نہیں کیا۔''

''کہیں اطمینان سے بیٹھ کر۔''

''جو دل چاہے کرو۔'' اوزاکا بیزاری سے بولا۔اسے یقین آ گیا تھا کہ وہ کوئی فرد ہے۔نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے اسٹیئرنگ کرتا رہا۔پولیس کو اس ازامکان قرار دیا تھا کیونکہ اسے یقین تھا کہ اس کا تعاقب نہیں کیا گیا تھا۔اس لیے نے ہر طرح سے اپنا اطمینان کر لیا تھا۔

کچھ دیر بعد عقب سے آئی۔''آگے دائیں جانب جو کچا راستہ ہے اس پر گاڑی

اوزاکا کچھ نہ بولا۔لیکن اس نے وہی کیا تھا جو اس سے کہا گیا تھا۔کچے را ہچکولے لینے لگی اور اوزاکا نے جھنجھلا کر کہا۔''لیکن کوئی ٹائر فلیٹ نہ ہو جائے۔''

''بے فکر رہو میں اسپیئر وہیل لگانے میں تمہاری مدد کروں گا۔''

اوزاکا نے دل ہی دل میں اسے ایک گندی سی گالی دی اور اسٹیئرنگ کرتا رہا کچے راستے کی دونوں جانب اونچی اونچی جھاڑیاں بھی تھیں۔اس لیے وہ ہی دور تک دیکھ سکا تھا۔یہ کچا راستہ نہ جانے کہاں جاتا تھا۔ایک بار پھر تنظیم کے دل میں غبار اٹھنے لگا۔کسی طرح مطمئن ہی نہیں ہوتے مردود اور اس نے سو

چیز برآمد کرانے کی ذمہ داری پورے ملک پر نہیں تھی۔وہ صرف چند افراد تھے۔ساری دنیا کے ذہن امن پسند ہیں۔جب تک بہکائے نہیں جاتے فرشتوں کی سی زندگی بسر کرتے ہیں اور نہیں بہکانے کی ذمہ داری صرف چند افراد پر ہوتی ہے۔وہ بڑی عقیدت سے ان دانشوروں کا اگلا ہوا زہر اپنی روح کی گہرائیوں میں اتار لیتے ہیں۔

''تم خاموش کیوں ہو گئے۔'' عقب سے آواز آئی۔''کوئی غلط بات تو نہیں سوچ رہے۔''

''نن.....نہیں۔'' وہ بوکھلا کر بولا۔''غغ.....!غلط بات کیوں سوچوں گا۔''

''میں نے کہا شاید کچھ کر گزرنے کے امکانات پر غور کر رہے ہو۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

''بس ذرا دور اور.....پھر ہم اطمینان سے بیٹھ کر گفتگو کر سکیں گے۔''

''ضرور۔ضرور۔''

ایک جگہ پچھلی سیٹ والے نامعلوم آدمی نے گاڑی روکنے کو کہا اور بولا۔''تاروں کی لائٹ میں تم مجھے صاف دکھائی دے رہے ہو اس کا خیال رکھنا.....اب اترو گاڑی سے۔''

اوزاکا سوچ رہا تھا کاش ان مردودوں نے اس کا کیمرہ نما مشین پستول بھی واپس کر دیا ہوتا۔

تم مطمئن رہو۔میں چپ چاپ چلوں گا۔اوزاکا نے گاڑی سے اترتے ہوئے کہا اور وہ اسے اپنے قریب ہی کھڑا نظر آیا۔ریوالور کی نال اس کی کمر سے چبھ رہی تھی۔

وہ اسے ایک جانب لے چلا۔جلدی ہی وہ کچی مٹی کی دیواروں اور پھوس کی چھت والے ایک چھوٹے سے مکان میں پہنچ گئے تھے۔گمنام اجنبی نے ٹارچ روشن کر رکھی تھی۔

اوزاکا نے کنکھیوں سے ریوالور والے ہاتھ کی طرف دیکھا ہی تھا کہ اجنبی نے کہا۔

''اب پھر تم نے مجھ پر حملہ کر بیٹھنے کے امکان پر سوچنا شروع کر دیا ہے.....!''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔''

''اچھا تو پھر وہ لالٹین جلا دو۔ماچس قریب ہی رکھی ہوئی ہے۔''

اوزاکا نے سوچا ٹھیک ہے۔یہی لالٹین تمہارے منہ پر کھینچ ماری جائے گی۔

وہ جھک کر لالٹین جلانے لگا۔لیکن اس سے بے خبر تھا کہ اجنبی اس کے سر پر پہنچ گیا ہے اور پستول کی نال بھی اس کی گدی سے جا لگی اور وہ چونک پڑا۔

''میں تمہارے خیالات صاف پڑھ رہا ہوں۔ لالٹین جلا کر چپ چاپ پیچھے ہو
اجنبی بولا اور اوزا کا طویل سانس لے کر رہ گیا۔ پھر مڑتے ہی اس طرح بوکھلا کر پیچھ
جیسے موت کا فرشتہ نظر آ گیا ہو۔

''بیٹھ جاؤ.....!'' اجنبی نے پیال کے بستر کی طرف اشارہ کیا۔

''کک.....کرنل.....!''

''شکر ہے کہ تم مجھے پہچانتے بھی ہو۔''

''لل.....لیکن.....!''

''بیٹھ جاؤ۔ اطمینان سے باتیں ہوں گی۔'' فریدی نے کہا۔ ''تمہیں اس پر حیر
ہونی چاہئے۔ میرے آلات سراغرسی عام آلات سے مختلف ہیں۔''

''مم.....میں نہیں سمجھا۔''

''تمہیں اسی پر تو حیرت ہوگی کہ میں یک بیک تم تک کیسے پہنچ گیا۔''

''یقیناً میں دن بھر مطمئن رہا تھا کہ کوئی میرا تعاقب نہیں کر رہا۔''

''ایسا بھی ہوتا ہے۔ تم اس وقت سے میری نظروں میں رہے ہو جب مسٹر جا
ساتھ فیمی سمیت پولیس ہسپتال پہنچے تھے.....تم ان کے ساتھ اندر نہیں گئے تھے گاڑی
بیٹھے رہے تھے.....!''

''لیکن.....میں ایسی جگہ رہتا ہوں جہاں پہنچنے کے لیے ویرانے سے گزرنا پڑ
وہاں تعاقب کرنے والوں کا پتا لگا لینا مشکل نہیں ہے۔''

''اوہ۔ تو کیا تم سمجھتے ہو کہ میں کل بھی تمہارے پیچھے پھرتا رہا ہوں.....!''

وہ کچھ بولا۔ فریدی نے کہا۔ ''جبار کی دیوانگی کی اطلاع ملنے کے بعد میں نے
طرف خصوصی توجہ دی تھی اور اب یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ فیمی کے سلسلے میں
تدبیر اختیار کرنے کا مشورہ تمہی نے فون پر دیا تھا۔ وہ محفوظ ہے۔''

''لل.....لیکن کیوں؟'' اوزا کا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''آخر وہ کیا جاتی ہ
پوشیدہ رکھنے کے لیے وہ اس کی زندگی ختم کر دینا چاہتے تھے۔''

''سوال میں تم سے کروں گا؟''

''میں صرف اس کا تحفظ چاہتا تھا کرنل۔ اب تم مجھے مار ڈالو۔''

''تمہیں مار ڈالنے کے لیے میں نے اتنی محنت نہیں کی۔''

''ہاں تم مجھ سے اس تنظیم کے بارے میں معلوم کرنا چاہو گے۔''

''ظاہر ہے۔''

''ہم اس پر موت کو ترجیح دیتے ہیں۔''

''اور اگر میں ہی تمہاری تنظیم کے بارے میں بتانا شروع کر دوں تو۔''

وہ کچھ نہ بولا۔ البتہ سوالیہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

''میں تمہیں بتاؤں کہ تم لوگ بُری طرح بیوقوف بنائے جا رہے ہو۔''

''کیا مطلب۔''

''تم انہی لوگوں کے لیے کام کر رہے ہو جنہوں نے ہیروشیما کو تباہ کیا تھا۔''

''ناممکن۔'' غیر ارادی طور پر اوزا کا کی زبان سے نکل گیا۔

''فیمی تنظیم کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔ اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ اس
کے بھائی کسی تنظیم کے رکن بھی تھے۔''

''پھر اسے مار ڈالنے کی کوشش کیوں کی گئی تھی۔ اگر تمہارا اسسٹنٹ بروقت نہ پہنچ گیا
تو جبار اسے وہ انجکشن ضرور دے دیتا جو موت سے پہلے ذہن پر دیوانگی طاری کرتا ہے۔''

اوزا کا نے کسی قدر غلط بیانی کی۔ وہ فریدی کو نہیں بتانا چاہتا تھا کہ اس نے انجکشن کا سامان
پہلے ہی جبار کی جیب سے اڑا لیا تھا۔

فریدی نے اسٹار کا تازہ شمارہ اسکے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ ''ذرا اس تصویر کو دیکھو.....!''

''میں دیکھ چکا ہوں۔''

''اور شاید یہ بھی جانتے ہو کہ یہ فیمی کے فلیٹ میں دیکھا گیا تھا۔''

''نہیں۔'' اوزا کا کے لہجے میں حیرت تھی۔

''یہ حقیقت ہے!'' اور فیمی محض اس لیے مار ڈالی جاتی کہ اس نے اسے قریب سے
دیکھا تھا اور اس کے بارے میں وہ بات بتا سکتی تھی جو دور سے دیکھنے والے نہ بتا سکتے۔''

''میں بالکل نہیں سمجھا کرنل۔ میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ ہے کون۔''

''ایک ایسے مجرم کا ہمشکل جو میری موجودگی ہی میں اپنے انجام کو پہنچا تھا۔ یعنی مر گیا تو

''اس کا فیمی سے کیا تعلق۔''

''اس کے بھائیوں کا دوست ہے۔ اوسو اور پتا مو نے اس کا تعارف فیمی سے اپنی

کرایا تھا۔''

''میں کچھ بھی نہیں جانتا۔ میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔''

''اور اسی سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ تم لوگ بیوقوف بنائے جا رہے ہو۔ لیکن

ابھی اسکی وضاحت نہیں کروں گا۔ ہوسکتا ہے میں نے کوئی نتیجہ اخذ کرنے میں جلدی کی ہو''

''لیکن تم نے ہیروشیما کا نام لیا تھا۔ میں یقین نہیں کرسکتا کہ اوسو یا پتا مو نے فیمی کو

کے بارے میں کچھ بتایا ہو۔''

''میں تم سے متفق ہوں۔ فیمی کو ان معاملات کا علم نہیں لیکن تم یہ کیوں بھول جاتے

کہ پتا موکئی گھنٹے ہسپتال میں بیہوش پڑا رہا تھا اور کبھی کبھی بحالت بیہوشی چیخنے بھی لگتا تھا۔''

''بہتیری بے ربط باتیں اس کی زبان سے نکلی تھیں۔ جنھیں میں نے اپنے طور پر ترتیب

دے کر کچھ نتائج اخذ کئے تھے۔ میں تمہارے ملک کے ان دہشت پسندوں کے بارے

خاصی معلومات رکھتا ہوں جو ہیروشیما کی تباہی کا انتقام لینا چاہتے ہیں۔ لیکن میں تمہیں آ

کرنا چاہتا ہوں کہ تم لوگ بیوقوف بن رہے ہو۔''

''کس طرح یہ بھی تو بتاؤ۔''

''بہت جلدی بتا دوں گا..... تھوڑے سے شواہد اور اکٹھا کرلوں۔ ویسے اس کے بار

میں میرا نظریہ غلط نہیں ہوسکتا۔''

''تم تو اس طرح کہہ رہے ہو جیسے فی الحال مجھے بخش دو گے۔ گرفتار نہیں کرو گے۔''

''ہاں میں تمہیں گرفتار نہیں کروں گا۔''

''مجھے حیرت ہے۔''

''کیا تم مجھے یہ بھی نہیں بتاؤ گے کہ اس عمارت میں اسی طرح کیوں لے جائے گئے تھے''

اوزا کا سوچ میں پڑ گیا۔ اگر وہ اس عمارت میں لے جانے کے اصل مقصد سے فریڈ

کو آگاہ کر دے تو کیا نتیجہ نکلے گا۔ کیا اس طرح وہ اس کا مزید اعتماد حاصل نہ کر سکے گا۔

اس کے بعد اسے موقعے کا منتظر رہنا چاہئے۔

اس نے طویل سانس لے کر کہا۔ ''فیمی کے سلسلے میں تم نے مجھ پر جو احسان کیا ہے اس

تقاضا یہی ہے کہ میں تمہاری یہ خواہش پوری کر دوں۔''

پھر اس نے پوری روداد من وعن دہرا دی تھی۔

''خوب۔ تو یہ قصہ ہے۔'' فریدی نے پُرتفکر انداز میں کہا۔

''تمہیں بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے فی الحال تنظیم اس کے علاوہ اور کچھ نہیں

کہ کسی نہ کسی طرح تم پر قابو پایا جائے۔''

''جیرالڈ شاستری کا ہم شکل بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔

''اس کے بارے میں۔ میں کچھ بھی نہیں جانتا۔''

''جوزیتھ گراہم نامی کسی لڑکی کے بارے میں کیا جانتے ہو۔''

''میرے لیے بالکل نیا نام ہے۔''

''تم آئندہ بھی مجھ سے فون پر رابطہ رکھ سکو گے۔''

''میں اپنی صحیح پوزیشن کا اندازہ نہیں لگا پا رہا۔''

''اور میں سوچ رہا ہوں کہ تم کسی حد تک میرا ساتھ دے سکو گے۔''

''اس کا فیصلہ میں اسی وقت کروں گا جب تم یہ ثابت کر دو گے کہ ہم لوگ بیوقوف

بنا رہے ہیں۔''

''بہت جلد ثابت کر دوں گا۔''

اوزا کا خاموش ہی رہا۔ فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ''تمہارا نام غالباً اوزا کا ہے اور

انکل ملز میں تنہا رہ گئے ہو۔ یعنی اب تمہارے ملک کا کوئی اور آدمی وہاں نہیں ہے۔''

''یہ غلط نہیں ہے۔''

''کیا میں فیمی کو بتا دوں کہ محض تمہاری وجہ سے اس کی جان بچ گئی۔''

''تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔ کیا اس نے میرا ذکر نہیں کیا۔''

''نہیں۔ شاید سوچتی ہو کہ کہیں میں تمہیں گرفتار نہ کرلوں۔''

اوزا کا کچھ کہنے والا تھا کہ اس نے کسی کتے کی غراہٹ سنی۔ پھر ایسا لگا جیسے بیک وقت

کئی کتے کسی پر حملہ آور ہوئے ہوں۔ ٹھیک اسی وقت فریدی کے ریوالور سے ایک فا
لالٹین کا شیشہ چور چور ہو گیا..... اندھیرا ہوتے ہی اوزا کا نے زمین پر لوٹ لگائی تھی
دیوار سے جالگا تھا۔ باہر سے فائروں کی پے در پے کئی آوازیں آئی تھیں۔ کتوں کا شور
جاری تھا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ایک دوسرے کو بھنبھوڑے ڈال رہے
ایک بار پھر اوزا کا کے ذہن پر جھنجھلاہٹ طاری ہو گئی۔ مردودوں نے بالکل نہتا کر دیا
اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ لیکن یہ ہوا کیا؟ کیا ہو رہا ہے؟
کی گاڑی کا تعاقب کرتے ہوئے وہاں پہنچے تھے؟ لیکن اس کی کیا ضرورت تھی کہ یہ
دوڑے آتے۔ فریدی کو گھیرنا تھا تو وہیں گھیر سکتے تھے جہاں اسے گاڑی میں ہوش
کتوں کا شور بدستور جاری تھا۔ لیکن اب فائر نہیں ہو رہے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ
آوازیں بھی دور ہوتی چلی گئیں۔ اوزا کا جہاں تھا وہیں دم سادھے پڑا رہا اور اب پھر
کا سا سناٹا فضا پر طاری ہو گیا تھا۔

مزید کئی منٹ اسی عالم میں گزر گئے۔ پھر اس نے لیٹے ہی لیٹے دروازے
کھسکنا شروع کیا..... باہر بھی سناٹا تھا.....! کچھ دیر اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ
کے بعد وہ اس سمت چل پڑا جدھر اپنی گاڑی چھوڑ آیا تھا۔

گاڑی من وعن اسی حالت میں ملی جس میں چھوڑی گئی تھی۔ اگنیشن کو ہاتھ
بھی موجود تھی۔ کانپتے ہوئے ہاتھ سے انجن اسٹارٹ کیا۔ اتنی دیوانہ وار ڈرائیونگ
پہلے کبھی نہیں کی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے ملک الموت اس کے تعاقب میں ہو۔

ٹیلیفون کی گھنٹی کی آواز بڑی کریہہ لگ رہی تھی۔ کیونکہ اس سے اس کی نیند
تھا۔ آنکھیں کھولے بغیر کانوں میں انگلیاں ٹھونس لینے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن اس
فرق پڑتا۔ گھنٹی تو بجتی رہی..... اس نامعقول آواز سے تو اسی صورت میں پیچھا چھوٹ
کہ وہ اٹھ کر کریڈل سے ریسیور اٹھا لیتا۔

بالآخر اٹھنا پڑا۔ ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں دہاڑا۔ ''ہالو.....!''

''کون صاحب ہیں!'' دوسری طرف سے سہمی ہوئی سی آواز آئی۔

''ساجد حمید۔''

''اوہ..... کیپٹن میں الطاف نگر کا ایس آئی بول رہا ہوں۔''

''فرمایئے۔''

''یہاں جنگل میں چھ لاشیں ملی ہیں..... ان میں ایک کتا بھی ہے۔''

''خوب!'' حمید سانس لے کر بولا۔ ''ایک کتے کی لاش ہے اور بقیہ پانچ۔''

''جی نہیں کتا الگ سے ہے۔''

''آپ کچھ گھبرائے ہوئے سے لگ رہے ہیں۔''

''اوہ جناب.....! چھ آدمیوں کی لاشیں اور ایک مردہ کتا۔''

''خدا کی پناہ۔ آپ اس وقت جنگل میں کیا کر رہے تھے صبح کے چھ بجے ہیں۔''

''واقعی شاید میں بہت گھبرایا ہوا ہوں۔'' دوسری طرف سے نروس سی ہنسی سنائی دی۔

''لہٰذا پہلے خود کو اچھی طرح سنبھال لیجئے۔''

''دراصل جنگل میں رات کو فائروں کی آوازیں سنی گئی تھیں اور صبح کسی نے فون پر
اطلاع دی کی جنگل میں لاشیں.....!''

''آپ نے خود دیکھی ہیں۔'' حمید اس کی بات کاٹ کر بولا۔

''جی ہاں۔ اطلاع ملنے پر ہم گئے تھے۔ دراصل گمنام کال تھی۔ لیکن اس آدمی نے
خصوصیت سے کہا تھا کہ آپ کو اطلاع دے دی جائے۔''

''اپنا نام نہیں بتایا تھا۔''

''جی نہیں اور ان میں ایک انگریز کی لاش بھی ہے۔''

''اور دوسرے؟''

''وہ مقامی ہی معلوم ہوتے ہیں۔''

''اچھی بات ہے۔ میں پہنچ رہا ہوں۔''

ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے حمید نے سوچا شاید کھیل شروع ہو گیا ہے۔ لیکن الطاف
نگر سے ایس۔ آئی کے توسط سے پیغام بھجواتا کیا معنی رکھتا ہے۔

بڑی پھرتی سے اس نے روانگی کے لیے تیار ہونا شروع کیا تھا۔ کچن سے کافی تھرماس اور کچھ سلائیس لیے اور آرمڈ کار میں آ بیٹھا۔ اس طرح ناشتہ اور ڈرائیونگ آپس میں گڈمڈ ہو کر رہ گئے۔

ایس آئی تھانے میں اس کا منتظر تھا۔ وہاں سے وہ جنگل کی طرف روانہ ہوئے۔ ایس آئی کے بیان کے مطابق لاشوں کی نگرانی کے لیے کچھ کانسٹیبل جنگل میں پہلے سے موجود تھے۔ یہ مسافت بھی جلد ہی طے ہو گئی۔ ایس آئی نے کہا۔ ''لاشوں کو ان کی جگہوں سے ہٹایا نہیں گیا۔'' حمید نے چھ لاشیں یکے بعد دیگرے مختلف مقامات پر دیکھیں۔ دو افراد گولیوں سے مرے تھے اور چار کے نرخرے ادھڑے ہوئے تھے۔

''یہ معاملہ سمجھ میں نہیں آتا۔'' ایس آئی بولا۔ ''یہ چاروں تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے درندوں کے شکار ہوئے ہوں۔''

''ہاں۔ وہ کتا کدھر ہے۔'' حمید نے چونک کر پوچھا۔

اور پھر کتے کی لاش دیکھ کر اس نے طویل سانس لی۔ یہ فریدی کے بہترین تربیت یافتہ کتوں میں سے تھا۔ چار کتوں کی اس ٹولی سے تعلق رکھتا تھا۔ جس کے بارے میں حمید کا خیال تھا کہ اگر یہ کتے بول سکتے تو فریدی کی باتوں کا باقاعدہ طور پر جواب بھی دے سکتے..... ان میں سے ایک مارا گیا۔

''اسے میری گاڑی میں رکھوا دیجئے۔'' حمید نے مردہ کتے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''اور وہ لاشیں!''

''ظاہر ہے کہ پولیس ہسپتال جائیں گی۔''

''کاغذات کس طرح تیار ہوں گے جناب.....!''

''اس کی فکر نہ کیجئے.....! آپ نے لاشوں کی نشاندھی کی تھی۔ میں نے موقعہ واردات کا جائزہ لے لیا.....! اور آپ نے میرے ہی مشورے پر لاشیں یہاں سے ہٹا دیں۔''

''مم..... میں سمجھ گیا.....!''

''کتے کی لاش کا ذکر ضروری نہیں ہے۔''

ایس۔ آئی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ''اس نسل کا کتا ہمارے علاقے میں میری نظر سے گزرا ہے۔''

''اسی لیے تو لے جا رہا ہوں۔ اس کی کھال اتروا کر محفوظ کر لوں گا۔''

ایس آئی شاید اس جواب سے مطمئن نہیں ہوا تھا لیکن اس نے پھر کوئی سوال نہ کیا ان سے پہلے صرف اتنا کہا تھا۔ ''پتا نہیں..... وہ کال کس کی تھی۔''

''میرے ہی محکمے کا کوئی آدمی ہو گا۔'' حمید نے لاپرواہی سے کہا۔ گاڑی میں کتے کی لاش اگلی اور پچھلی سیٹوں کے درمیان ڈال دی گئی تھی۔

واپسی گھر ہی کی طرف ہوئی۔ کتے کی لاش کے بارے میں سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کا کیا کرے۔ غالباً فریدی نے اسی لیے اس کو اطلاع بھجوائی تھی کہ ان لاشوں کے ساتھ کتے کی لاش بھی پولیس ہسپتال تک نہ پہنچ سکے۔

گھر پہنچ کر اس کے علاوہ اور کچھ نہ کر سکا کہ کتے کی لاش کو فریدی کی تجربہ گاہ کے سرد خانے میں رکھ کر دیتا۔ اس سے نپٹا ہی تھا کہ ایک ملازم نے قریب آ کر کہا۔ ''پتا نہیں کون صاحب تھا۔''

''کیا بک رہے ہو۔''

''جی ہاں۔ کئی بار فون پر بکواس کر چکا ہے۔''

''تم کیا بکواس کر رہے ہو۔'' حمید بھنا کر بولا۔

''گھنٹی بجتی ہے۔ ریسیور اٹھاتا ہوں لیکن ادھر بس ایک ہی رٹ ہے..... کراؤن..... کراؤن سگنل.....!''

حمید کو بے ساختہ ہنسی آ گئی اور وہ حیرت سے اس کی شکل تکنے لگا.....!

''آواز پہچانی تھی!'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں صاحب۔''

''پتا نہیں۔ کون بیوقوف تھا؟'' حمید نے آنکھیں نکال کر سوالیہ انداز میں کہا۔

''پھر اور کیا کہوں۔ وہی ایک رٹ..... میں کہے جا رہا ہوں کہ یہ کرنل فریدی صاحب کا بنگلہ ہے اور وہ بکے جا رہا ہے۔ کراؤن سگنل۔''

''جاؤ جاؤ۔'' حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔

وہ اسے ایسی ہی نظروں سے دیکھتا ہوا رخصت ہوا تھا جیسے خدشہ ہو کہ اب جھپٹ بھی پڑے گا۔

اس کے چلے جانے کے بعد حمید کو پھر ہنسی آ گئی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ایسی بھی کیا کہ ملازمین تک بیوقوف سمجھنے لگیں۔

دراصل وہ فریدی ہی کی کال تھی۔ لیکن شاید کال ٹیپ کئے جانے کے خدشے آواز بدلنی پڑی تھی..... اس پیغام کا مطلب یہ تھا کہ وہ مخصوص ساخت کے ٹرانسمیٹر رابطہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا جیبی ٹرانسمیٹر تھا اور بیس میل کے دائرے کارآمد سمجھا جاتا تھا۔

حمید نے کچھ ہی دیر بعد اسی ٹرانسمیٹر سے سگنل دیا اور اپنے سیٹ پر جوابی سگنل بولا۔ ''ہیلو۔ ہارڈ اسٹون..... زیٹو کالنگ.....!''

''ہارڈ اسٹون!'' سیٹ سے آواز آئی۔ ''کیا کر آئے ہو۔''

''اپنا مال اپنے ساتھ لایا ہوں۔ لاوارث مال یتیم خانے بھجوا دیا ہے۔'' حمید نے

''اب غالباً تم سمجھ گئے ہو گے کہ یہ طریقہ کیوں اختیار کیا گیا تھا۔''

''کیا ایسے ہی خراب حالات ہیں۔ لیکن اسکا کیا کروں۔ فی الحال تو ریفریجریٹر میں رکھ دیا ہے

''راستے ہی میں کہیں ٹھکانے لگا دیا ہوتا.....!''

''میں سمجھا تھا شاید آپ آخری رسوم بھی ادا کریں گے۔''

''اسے ریکارڈ پر لانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔''

''ہوا کیا تھا.....!''

''پھر بتاؤں گا اوور اینڈ آل.....!''

حمید نے بھی سوئچ آف کر دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آئندہ کے لیے شاید کوئی ہدایت ضروری نہیں تھی۔ اسی لیے بات آگے نہ بڑھ سکی۔

دوسری صبح بڑی مشکل سے اوزاکا کی آنکھ کھلی تھی۔ پچھلی رات اس دشواری سے

آنے کے بعد سیدھا اپنی قیام گاہ پر پہنچا تھا اور نیند اس پر غشی کی طرح طاری ہو گئی تھی۔

آنکھ کھلتے ہی پچھلی رات کے واقعات دوبارہ ذہن پر مسلط ہوتے چلے گئے۔ آخر وہ کیا تھا.....؟ اوہ..... گھڑی میں وقت دیکھ کر وہ چونک پڑا۔ نو بجے تک سوتا رہا تھا۔ اسے ڈربی ہاؤز سے رابطہ قائم کر کے پچھلی رات کی رپورٹ دینی چاہئے۔

اس نے فون پر ڈربی ہاؤز کے نمبر ڈائیل کئے..... کرتا ہی رہا لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہاں ریسیور اٹھانے والا کوئی موجود ہی نہ ہو۔ قریباً دس منٹ تک کوشش کرتا رہا لیکن کامیابی نہ ہوئی، پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ چوبیس گھنٹوں میں کسی وقت بھی ڈربی ہاؤز فون کر کے ان سے رابطہ قائم کیا جا سکتا تھا۔ یہ بالکل انوکھی بات تھی۔ پتا نہیں کیا چکر تھا۔

پھر اس نے فریدی کے نمبر ڈائیل کئے..... لیکن ادھر سے لائن انگیج ہونے کی آواز آئی۔ تھوڑی دیر رک کر پھر کوشش کی۔

''ہیلو۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''کرنل فریدی سے ملاؤ!'' اس نے اپنی آواز تبدیل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا

دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''یور آئیڈنٹٹی پلیز!''

''کیا بتانا ضروری ہے۔'' وہ جھنجھلا کر بولا۔

''جی نہیں۔ ایسی کوئی ہدایت نہیں ہے۔ لیکن ان کے لیے کالیں تو برابر چلی آ رہی ہیں۔ بہتر وہ کسی نمبر پر بھی نہیں مل رہے۔''

''خیر پھر دیکھوں گا!'' کہہ کر اوزاکا نے رابطہ منقطع کر دیا اور سوچنے لگا۔ تو پھر اب شہر نا چلنا چاہئے۔ اسٹیل ملز سے پہلے ہی ایک ہفتے کی چھٹی لے چکا تھا۔

پچھلی رات والا ہنگامہ پھر یاد آ گیا۔ آخر ہوا کیا تھا۔ کیا وہ لوگ ان کے پیچھے لگے چلے آئے تھے اور کتوں کی مدد سے انہیں جنگل میں تلاش کیا تھا۔ فریدی تو نکل گیا تھا۔

لیکن وہ خاصی دیر تک اس کچے مکان ہی میں رہا تھا۔ آخر کوئی کتا وہاں بھی کیوں نہیں غرایا تھا۔ آوازوں کی بنا پر اس نے اندازہ لگایا تھا کہ کتے کئی عدد ہیں۔ مکان کا دروازہ کھلا ہی ہوا تھا۔ پھر کسی کتے نے اس طرف رخ کیوں نہیں کیا تھا۔

اسی ادھیڑ بن میں مبتلا شہر کے لیے روانہ ہوا۔ نہ جانے کیوں اسے ایسا ہی محسوس ہو رہا

تھا جیسے اس کی زندگی بھی تھوڑی ہی رہ گئی ہو..... پتا نہیں پولیس کے ہاتھوں مارا جائے ہی آدمیوں کے توسط سے انجام کو پہنچے۔ ویسے فریدی کی یہ بات اس کے ذہن میں کھٹک رہی تھی کہ وہ بیوقوف بن رہے ہیں اور نادانستگی میں انہی لوگوں کے لیے کام ہیں جو ہیروشیما کی تباہی کا باعث بنے تھے۔ دراصل تنظیم کا طریق کار کچھ ایسا تھا دوسرے کی خبر نہیں ہوتی تھی اور کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ کس کو جواب دہ ہے۔ تو پھر کے بارے میں کیوں نہ معلومات حاصل کی جائیں۔ لیکن اگر فریدی کا خیال صحیح ثابت کیا کرے گا۔ کس کا گریبان تھامے گا۔ فی الحال ریمپارٹ لمیٹڈ کے پرچیز آفیسر جیک علاوہ اور کوئی بھی نظروں میں نہیں تھا اور وہ سفید فام بھی تھا لیکن اوزاکا اس کی قومی بارے میں کوئی رائے قائم نہیں کر سکا تھا۔ لہجہ نہ امریکی تھا اور نہ انگلش! خیر دیکھا جا شہر پہنچ کر اس نے سب سے پہلے اخبار خریدا اور اس میں اپنے مطلب کی خبریں تلاش لگا۔ خصوصیت سے اسے پچھلی رات والی فائرنگ کی فکر تھی۔ لیکن اسکے حوالے سے کوئی خ آئی۔ یہاں ایک پبلک ٹیلیفون بوتھ سے اس نے پھر ڈربی ہاؤز سے رابطہ قائم کرنے کی کر ڈالی لیکن ناکام رہا۔ وہی پہلے کی سی کیفیت تھی۔ یعنی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اب ریسیور اٹھانے والا موجود نہ ہو۔

اس صورت حال نے نئے اندیشوں کو جنم دینا شروع کیا۔ کہیں وہ لوگ اس کے بھی تو کوئی کھیل نہیں کھیل رہے۔ تو پھر اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ اس طرح مرنا تو گوارہ نہیں تھا والگو مر گیا تھا یا جیسے مینجر جبار مرنے والا تھا۔ عجیب زہر تھا وہ بھی بعض لوگ گھنٹوں میں چٹ پٹ ہو جاتے تھے اور بعض لوگ دیوانگی کے عالم میں بھی کچھ دیر دن گزر مرتے تھے۔ شاید جبار بھی زندہ تھا ورنہ اخبارات میں اس کی موت کی خبر ضرور آتی وہ..... لیکن دیوانگی ہی کے بارے میں کونسی خبر آ گئی تھی۔ اخبارات نے اس کے بارے کچھ بھی نہیں لکھا تھا۔ ہوسکتا تھا کہ پولیس کی کسی احتیاطی تدبیر کی بنا پر ایسا نہ ہوسکا ہو۔

اس نے اپنی گاڑی ایک جگہ چھوڑ دی اور پیدل ہی اس علاقے کی طرف چل پڑا فریدی کی کوٹھی تھی۔ سوچ رہا تھا کہ مرنا تو ہے ہی پھر کچھ کر کے کیوں نہ موت کو گلے جائے.....! والگو کی نگرانی کرنے کے دوران میں وہ فریدی کے اسسٹنٹ کیپٹن حمید کو بھی

چکا تھا۔ لہٰذا سوچ رہا تھا کہ شاید اسی سے ملاقات ہو جائے۔ ممکن ہے اسے علم ہو کر فریدی کہاں مل سکے گا۔ یا فون ہی پر اس سے کس طرح رابطہ قائم ہو سکے گا۔

عجیب سی ذہنی خلش میں مبتلا ہو گیا تھا۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ خود اپنی پوزیشن صاف نہیں ہے۔ یعنی وہ تنظیم کا ساتھی اب بھی ہے یا مقامی پولیس کو مدد دے رہا ہے۔

اسی کش مکش میں مبتلا فریدی کی کوٹھی کے قریب بھی جا پہنچا۔ لیکن اب سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ کیا براہ راست ملنے کی کوشش کرنا مناسب ہوگا۔ ذہن نے نفی میں جواب دیا۔ کسی طرح بھی مناسب نہ ہوگا۔ کوٹھی کے سلاخوں دار پھاٹک کے قریب ہی رک گیا پھاٹک اندر سے بند تھا۔ حتیٰ کہ ذیلی کھڑکی بھی بولٹ تھی۔

دوپہر کا سورج سر پر تھا اور اس کی پرچھائیں گھٹ کر ڈیڑھ یا دو فٹ سے زیادہ نہیں رہ گئی تھی اور عجیب اتفاق تھا کہ اس وقت اس کی نگاہ اپنی پرچھائیاں ہی پر جمی ہوئی تھی۔ اچانک اسے ایسا محسوس ہوا۔ جیسے اس کی پرچھائیں سے ایک دوسری پرچھائیں نکل رہی ہو۔ وہ چونک پڑا اور حیرت سے آنکھیں پھاڑے اس دوسری پرچھائیں کو دیکھتا رہا۔ جو اب پھاٹک کے اندر رینگ گئی تھی اور آہستہ آہستہ عمارت کی طرف بڑھ رہی تھی۔ لیکن وہ کس کی پرچھائیں تھیں۔ اس کے آس پاس کوئی بھی نہیں دکھائی دیتا تھا۔ اس کے لیے یہ ایک بالکل ہی نئی سچویشن تھی پرچھائیں خود اس کی پرچھائیں سے جدا ہوئی تھی۔ لیکن اس کی اپنی پرچھائیں وہیں تھی۔ جہاں اسے ہونا چاہئے تھا۔

اس نے جبار سے پرچھائیوں والے تجربے کے بارے میں سنا تھا۔ لیکن اس نے ایسی کوئی بات نہیں بتائی تھی کہ وہ کسی شخص کی پرچھائیں سے برآمد ہو کر تباہیاں پھیلاتی ہے۔ وہ متحرک پرچھائیں کو دیکھتا رہا۔ یہ بھی بھول گیا تھا کہ خود کہاں کھڑا ہے۔

جیسے ہی وہ پرچھائیں عمارت کے ایک حصے پر پڑی ایک زبردست کڑاکا ہوا اور عمارت کا وہ حصہ دیکھتے ہی دیکھتے ملبے کا ڈھیر بن گیا۔ اوزاکا اچھل کر بھاگا.....! پھر یہ دیکھنے کا ہوش کہاں تھا کہ وہ پرچھائیں کدھر گئی..... عجیب افراتفری کا عالم تھا لوگ چیخ رہے تھے ادھر ادھر بھاگتے پھر رہے تھے اور اسی شور میں بے شمار کتوں کے بھونکنے کی آوازیں بھی شامل تھیں۔

اوزاکا دوڑتا رہا..... لیکن پھر اس خیال کے تحت جھٹکے کے ساتھ رک گیا کہ وہ کسی ویرانے

میں دوڑنہیں لگا رہا۔ شہری آبادی میں ہے کہیں لوگ اسی کے پیچھے نہ دوڑنا شروع کر دیں آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ عجیب سی بدحواسی ذہن پر مسلط تھی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اپنی گاڑی بھی نہ پہنچ سکے گا۔ اپنی پرچھائیں کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہوا چل رہا تھا.....! لیکن پرچھائیں تو اس وقت بھی اپنی پوزیشن ہی میں رہی تھی جب دوسری پرچھائیں نے فریزر کوٹھی میں داخل ہو کر قیامت ڈھائی تھی.....! کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو گیا۔

ایسے رخ پر چل رہا تھا کہ اس کی پرچھائیں اس کے آگے ہی تھی۔ اچانک بائیں سے دوسری پرچھائیں اس کی پرچھائیں پر جھپٹی اور پھر اسی میں مدغم ہو کر رہ گئی۔ وہ ایک پھر اچھل کر بھاگا اور آس پاس کے لوگ اسے حیرت سے دیکھنے لگے۔

بدقت تمام ایک ریستوان تک پہنچا تھا اور اس کی کرسی پر بیٹھ کر ہانپنے لگا تھا جو پیدل آئی تھی۔

کیپٹن حمید نے کراؤن ٹرانسمیٹر پر سگنل دیا۔ تھوڑی دیر بعد سگنل کا جواب آیا بوکھلائے ہوئے انداز میں فریدی کو رپورٹ دینے لگا۔

''آپ کا کتا خانہ بالکل تباہ ہو گیا۔ بہت تھوڑے سے کتوں کی جانیں بچائی جا سکی ہیں۔''

''کیا بک رہے ہو.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''پرچھائیں..... پرچھائیں۔''

''کیا مطلب.....!''

''ایک زبردست کڑاکا ہوا تھا اور کتے خانے کی چھت دیواروں سمیت بیٹھ گئی کچھ کتے گئے اور کچھ نکل کر کمپاؤنڈ اور عقبی پارک کی طرف بھاگے۔ ملازموں کا بیان ہے کہ ایک پرچھائیں ان کتوں کے پیچھے دوڑتی پھرتی رہی۔ پھر کئی کتے خود بخود گرے اور ختم ہو گئے بس وہی بچ سکے ہیں۔ جو عقبی پارک والی جھاڑیوں میں گھس گئے تھے۔''

''تم کہاں تھے؟'' دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

''میں باہر تھا۔''

''اب کہاں ہو.....!''

''اب بھی باہر ہی ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔ سارے ملازموں کو بھی وہاں سے ہٹا دو جو کتے زندہ بچے ہیں انہیں محکمے کے حوالے کر دو اور مقفل کر دو کوٹھی کو۔''

''سانپوں اور دوسرے جانداروں کے لیے کیا ہو گا۔''

''انہیں وہیں رہنے دو۔ میں خود ان کی دیکھ بھال کر لوں گا۔''

''صرف میں باقی رہا جاتا ہوں۔'' حمید بے بسی سے بولا۔

''ضرور باقی رہو۔'' اس نے فریدی کے قہقہے کی آواز سنی۔

''آپ ہنس رہے ہیں۔'' وہ بھنا کر بولا۔

''بہت دنوں کے بعد ایسی تفریح ہاتھ لگی ہے۔''

''اگر شہر کی اونچی اونچی عمارتیں گرنے لگیں تو کیا ہو گا۔''

''انٹر سروسز انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر جنرل سے پوچھو۔''

''تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ انہیں پہاڑیوں پر سے ہو رہا ہے۔''

''میں کچھ نہیں جانتا۔ مجھ سے پچھلی رات والی جھڑپ کا انتقام لیا گیا ہے۔''

''اس پر غور کیجئے۔ وہ شہر میں بھی تباہی پھیلا سکتے ہیں۔''

''اور حکومت کو دھمکی دے سکتے ہیں کہ اگر میں ان کے حوالے نہ کر دیا گیا تو وہ بڑے پیمانے پر تباہی پھیلا دیں گے۔''

''پھر کیا ہو گا.....!''

''خدا جانے.....! تم خود اپنی حفاظت کرو۔''

''یعنی کسی گوشے میں چھپ کر بیٹھ رہوں.....!''

''بیوقوفی کی باتیں مت کرو۔ کیا میں کسی گوشے میں چھپا بیٹھا ہوں۔''

''اوہ۔ واقعی میں حماقت کی باتیں کر رہا ہوں۔ اچھا میں بھی وہی کروں گا جو آپ نے کیا۔ لیکن پچھلی رات کیا ہوا تھا۔''

''مجھے گھیرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ لیکن چار کتوں نے ان کے منصوبے کو ناکام بنا دیا۔

ان میں سے ایک مارا گیا۔ اب صرف تین کتے میرے ساتھ ہیں اور میں تنہا اس
دیکھ رہا ہوں۔''

''دیکھئے مجھے یہ معاملہ ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ آپ تنہا خطرے میں پڑیں.....!''

''مجھے اپنا کوئی آدمی ضائع نہیں کرانا ہے۔''

''خواہ خود ضائع ہو جائیں۔''

''ہاں یہ ممکن ہے۔''

''آئندہ نسلیں آپ کو سنکی دی گریٹ کے نام سے یاد کریں گی۔''

''اوور اینڈ آل'' کہہ کر فریدی نے گفتگو کا سلسلہ ختم کر دیا۔

حمید پہلے ہی کوٹھی کو مقفل کرا چکا تھا اور اس وقت فریدی کو ایک پبلک پارک
کرنے کی کوشش کی تھی اور جلد ہی کامیاب بھی ہو گیا تھا۔ لیکن اب سوچ رہا تھا کہ اسے
چاہئے۔ فریدی کے اس وقت کے رویئے نے اس پر واضح کر دیا تھا کہ اب اسے خود ہی
ہے۔ قدم قدم پر ہدایات نہیں ملیں گی۔ بہر حال اب یہ ضروری تھا کہ وہ اپنے اصل تشخص
کے عام آدمیوں کی بھیڑ میں گم ہو جائے۔ ورنہ اب اس پر بھی ہاتھ ڈالنے کی کوشش ضرور
گی۔

آرمڈ کار اب بھی اس کے استعمال میں تھی۔ سب سے پہلے تو اس سے پیچھ
چاہئے۔ کیونکہ وہ سیکڑوں گاڑیوں کے درمیان دور ہی سے پہچانی جا سکتی تھی۔ اسے فر
دوسرے ٹھکانے یاد آئے..... ارجن پورہ والے فلیٹ میں میک اپ کا پورا سامان بھی
اور وہ اس وقت ارجن پورے ہی سے قریب تھا۔ فلیٹ تک چند منٹ کا پیدل سفر
جہاں پارک کی تھی وہیں کھڑی رہنے دی اور پیدل ہی ارجن پور کی طرف چل پڑا
کے ڈاکخانے سے وہ آفس فون کر سکتا تھا کہ آرمڈ کار جہاں کھڑی ہے وہاں سے
پہنچا دی جائے۔ اس کی دوسری کنجیاں بھی آفس ہی میں موجود تھیں۔ لہٰذا اس کی بھی
نہیں تھی کہ وہ گاڑی لے جانے والے کو اپنی تحویل والی کنجیاں دیتا۔

قریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد وہ ارجن پورے والے فلیٹ سے برآمد ہوا اور اب بجز
دیکھنے والے بھی اسے کیپٹن حمید کی حیثیت سے نہیں پہچان سکتے تھے۔ چال میں

ہت بھی پیدا ہو گئی تھی..... وہ سوچ رہا تھا کہ واقعی اس کی ضرورت ہے کہ آئی ایس آئی
ڈائریکٹر جنرل کو اس حادثے سے آگاہ کر دیا جائے۔ پتا نہیں فریدی نے طنز کیا تھا یا یہی
تا تھا کہ وہ اس واقعے کی اطلاع آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر جنرل تک ضرور پہنچا دے۔
ے دی۔ آئی جی کو تو پہلے یہ مطلع کرتے ہوئے وضاحت کر دی تھی کہ وہ خود موقعہ واردات پر
پہنچ سکے گا اور یہ بھی ذہن نشین کرانے کی کوشش کی تھی کہ مجرموں کا یہ اقدام محض ایک
ہے کہ اگر ہم لوگوں نے پہاڑوں والے کیس سے متعلق اپنا نظریہ تبدیل نہ کیا تو وہ اس
بھی زیادہ بھیانک کوئی قدم اٹھائیں گے اور یہ حقیقت بھی تھی کہ محض اس فلم کی وجہ سے
بات بڑھی تھی۔ اگر صرف فلم والوں ہی پر زور دیا گیا ہوتا تو کچھ بھی نہ ہوتا..... وہ پھر
پورے کے پوسٹ آفس میں پہنچا اور فون پر ڈائریکٹر جنرل سے براہ راست گفتگو کرنے
شش کرنے گا.....! لیکن اس سے رابطہ قائم نہ ہو سکا۔ آخر اس نے اپنے ڈی۔ آئی۔ جی
نمبر ڈائیل کئے ..... آفس سے معلوم ہوا کہ گھر پر ہے..... رابطہ قائم ہو گیا اور حمید نے
ایس آئی کے ڈائریکٹر جنرل کو اطلاع دینے کے بارے میں فریدی کا خیال ظاہر کیا۔

''میں اسے ضروری نہیں سمجھتا۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''کرنل نے طنز کیا ہو گا۔
اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ وہ احساس بے بسی میں مبتلا ہو جائے
اور ہاں میں تمہارے اس خیال سے متفق ہوں کہ مجرم فریدی سے یہی چاہتے ہیں کہ وہ یا تو
کارروائی کا رخ بدل دے یا پھر اس کیس ہی سے دستبردار ہو جائے۔ تم کسی طرح میرا اس
رابطہ قائم کرا دو۔''

''بہت بہتر جناب! میں کوشش کروں گا۔ ویسے آپ انہیں مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔''

''میں نہیں چاہتا کہ شہر خلفشار کا شکار ہو جائے گا۔ اس لیے مل بیٹھ کر کچھ سوچنا چاہئے۔''

''بہت بہتر جناب۔''

''کتوں پر انھوں نے اس لیے غصہ اتارا کہ کتوں ہی کی وجہ سے وہ فریدی پر ہاتھ نہ
سکے۔''

''جی ہاں..... میرا بھی یہی خیال ہے۔''

''لیکن بات اس سے بھی آگے بڑھ سکتی ہے۔ حکومت کو بھی دھمکایا جا سکتا ہے۔ کیا

بڑی سے بڑی فوج بھی ان پر چھائیوں کا سامنا کر سکے گی۔''

''میری عقل کام نہیں کر رہی جناب۔'' حمید لمبی سانس کھینچ کر بولا۔ ''کیا ہم

اختیار کریں گے۔''

''ابھی اس معاملے کی نوعیت ذاتی ہے۔ یعنی وہ صرف فریدی پر ہاتھ ڈالنے کے

سب کچھ کر رہے ہیں۔''

''تو پھر یہ بھی سمجھ لیجئے کہ وہ کسی طرح بھی اس سے باز نہیں آئیں گے۔ پتہ نہیں

کے پاس ان کے خلاف کتنا مواد ہے۔ جس کا علم ان کی دانست میں کسی اور کو نہیں ہو سکتا

''میں نہیں سمجھا۔''

''کرنل کو قابو میں کر لینے کے بعد انہیں اور کسی کی پرواہ نہ ہوگی اور وہ اپنا کام

رکھ سکیں گے۔''

''اور اگر وہ انہیں نہ مل سکا تو شہر میں تباہی پھیلائیں گے۔''

''دونوں ہی صورتیں گوارہ نہیں کی جا سکتیں.....!''

''اس بحث میں نہ پڑو۔ اسے مجھ سے ملانے کی کوشش کرو۔''

''میں کوشش کروں گا جناب!''

دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔

اوزاکا اس وقت سے شہر ہی میں چکر کاٹتا رہا تھا۔ لیکن گاڑی سے اترنے کی

نہیں پڑی تھی۔ دھوپ سے بھی بچ رہا تھا کہ پرچھائیں کا سوال ہی نہ پیدا ہو سکے۔ جب

اپنی پرچھائیں سے دوسری پرچھائیں کے نکلنے کا منظر یاد آتا پیشانی پر پسینے کی بوندیں

لگتی تھیں۔

گاڑی میں بیٹھے بیٹھے ہی اس نے شام کا اخبار خریدا اور پھر اسے وہ خبر مل ہی گئی

انتظار تھا۔ جنگل میں پائی جانے والی چھ لاشوں میں سے ایک کی شناخت بھی ہو گئی تھی

پانچ مقامی آدمی تھے جن کی شناخت نہیں ہو سکی تھی۔ چھٹا ایک سفید فام غیر ملکی تھا

ریمپارٹ لمیٹڈ کے پرچیز آفیسر جیکسن والکوٹ کی حیثیت سے پہچانا جا چکا تھا۔ دو افراد

سے مرے تھے اور چار کی گردنیں کسی درندے نے بھنبھوڑ ڈالی تھیں۔ اوزاکا کو کتوں کی

تو کیا وہ فریدی ہی کا کارنامہ تھا۔ کیا اس کے ساتھ کتے بھی تھے اگر تھے تو

قسم کے تربیت یافتہ ہوں گے کیونکہ اسے وہاں ان کی موجودگی کا احساس تک نہیں ہو

بہرحال وہ آدمی بھی ختم ہو گیا جس کے توسط سے دوسروں تک پہنچنے کا امکان ہو سکتا

جیکسن والکوٹ اب وہ جلد از جلد اپنی اس قیام گاہ کی طرف نکل بھاگنا چاہتا تھا جو ویرانے

واقع تھی۔

راستے بھر پچھلی رات کے واقعات کے بارے میں سوچتا رہا اور وہ پرچھائیں تو اس کے

ذہن پر مسلط ہو کر رہ گئی تھی۔ آخر وہ لوگ جنگل میں کس طرح آ پہنچے تھے۔ بہرحال ایک شبہے

نے اس کے ذہن میں سر ابھارا تھا اور وہ جلد از جلد اس کی تصدیق کر لینا چاہتا تھا۔ گھر پہنچ کر

گاڑی کو سیدھا گیراج میں لیتا چلا گیا۔ پھر گاڑی سے اتر کر گیراج کا دروازہ بند کیا ٹارچ ہاتھ

میں تھی۔ ورنہ یہاں تو اتنا اندھیرا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ سجھائی دیتا..... ٹارچ روشن کئے ہوئے

گاڑی کے نیچے گھسنے کی کوشش کرنے لگا۔ پھر جلد ہی اسے وہ چیز نظر آ گئی جس کی موجودگی کا شبہ

اسے راستے بھر پریشان کرتا رہا تھا۔ یہ مقناطیسی فریم والا ایک الیکٹرونک بگ تھا جو مڈگارڈ میں

اندر کی طرف چپکا ہوا تھا۔ اسے چھیڑے بغیر چپ چاپ گاڑی کے نیچے سے نکل آیا۔ اسی

الیکٹرونک بگ نے ان کی نہمائی کی ہوگی اور وہ گاڑی تک پہنچ گئے ہوں گے۔ پھر گاڑی سے

اس کچے مکان تک پہنچنا کیا مشکل تھا۔ لیکن فریدی کے ٹرینڈ کتوں نے کھیل بگاڑ دیا ورنہ ان کی

کامیابی یقینی تھی۔ پتا نہیں چھ ہی تھے یا کچھ اور بھی جو ان کتوں سے بچ نکلے ہوں۔

گیراج سے نکل کر جنریٹر چلا دیا۔ روشنی اور ٹیوب ویل کے لیے بجلی اسی سے فراہم کی

جاتی تھی۔

پھر لیونگ روم میں داخل ہو کر وہاں کی بجلی جلائی اور جہاں تھا وہیں کھڑا رہ گیا کیونکہ

سامنے ہی فریدی صوفے پر بیٹھا ہوا دکھائی دیا تھا۔ اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش

رہنے کا اشارہ کیا۔ اوزاکا متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکاتا رہا۔ فریدی اٹھ کر اس کے قریب آیا

اور جیب سے ایک پرچہ نکال اس کی طرف بڑھا دیا۔ پرچے میں تحریر تھا۔

''مجھے شبہ ہے کہ تمہارے پاس کوئی ایسی ڈیوائس موجود ہے

جس نے پچھلی رات ان تک ہماری گفتگو بھی پہنچائی تھی اور اسی

ڈیوائیس کی رہنمائی میں ہم تک پہنچ گئے تھے۔لیکن تمہیں علم نہیں کہ وہ تمہارے پاس موجود ہے۔ غالباً تمہارے لباس کے ساتھ یہ کارروائی اس وقت ہوئی ہو گی جب تم بیہوش تھے۔کل بھی تو تم نے یہی کوٹ پہن رکھا تھا۔بس یونہی خاموش کھڑے رہو۔ میں معلوم کرلوں گا۔''

تحریر پڑھ کر اوزاکا نے کچھ کہنا چاہا۔لیکن فریدی نے پھر اسے خاموش رہنے کا اور اپنی جیب سے ایک چھوٹا سا ڈیوائیس ڈٹکٹر نکال کر اس کے کوٹ سے جگہ جگہ مس کرنے لگا۔ ڈٹکٹر سے ہلکی سی بھنبھناہٹ پیدا ہونے لگتی تھی۔ جیسے ہی وہ سینے کی طرف لایا۔ یہ آواز تیز ہو گئی اور وہیں فریدی نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ پھر اشارہ کیا کہ وہ اپنی قمیض کے بٹن کھول دے۔ ڈٹکٹر اس نے اپنی جیب میں ڈال لیا تھا۔اوزاکا متحیرانہ انداز میں اس کے اشارے پورا کر رہا تھا۔قمیض کے بٹن کھلتے ہی وہ لاکٹ دکھائی دیا جو اس کی گردن سے لٹک رہا تھا۔

فریدی نے اشارہ کیا وہ اسے اتار کر میز پر رکھ دے اور اسکے ساتھ باہر نکل چلے نے بُرا سا منہ بنا کر اسکی یہ خواہش پوری کردی۔ دونوں باہر نکلے اور کھیتوں میں اترتے چ

''اب تم مجھ سے گفتگو کر سکتے ہو۔'' فریدی نے کہا۔

''میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں کہ وہ سب کیسے ہوا تھا۔'' اوزاکا ہانپتا ہوا بولا۔

''اُسی لاکٹ کی رہنمائی پر وہ وہاں پہنچے تھے۔ دو میری گولیوں سے مرے اور کتوں نے سنبھال لیا۔''

''لیکن وہ لاکٹ سالہا سال سے میرے گلے میں پڑا ہوا ہے۔میری ماں کی تصو اس میں۔''

''انہوں نے اسے کھول کر اس میں کچھ اور بھی رکھ دیا ہے۔ میں ابھی تمہیں دکھا گا۔لیکن اس کے قریب تم خاموش ہی رہو گے۔''

''گاڑی میں بھی ایک بگ لگا ہوا ہے۔پچھلے مڈگارڈ میں اندر کی طرف۔''

''وہ ان کا نہیں میرا ہے۔ میں نے لگایا تھا تاکہ تمہارے بارے میں میں باخبر رہ سکو

''اوزاکا طویل سانس لے کر رہ گیا۔ پھر بولا۔''دوسرے معاملے میں بھی بالکل قصور ہوں۔''

''دوسرا کون سا معاملہ.....!''

''وہ تمہاری کوٹھی کا انہدام.....!''

''میں نے کب کہا ہے کہ تم براہ راست اس کے ذمہ دار ہو.....فکر نہ کرو وہ مجھے اس رح بھی خوفزدہ نہیں کر سکتے۔ خیر تم فیمی کی خیریت دریافت کرنا چاہو گے وہ معمول پر آ گئی ہے اور اس کا خیال ہے کہ اس کے بھائی مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث ہو سکتے ہیں۔لیکن تم ہرگز ہے نہیں ہو۔ وہ تمہیں فرشتہ سمجھتی ہے.....!''

''اوزاکا کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا سینہ پ... جائے گا۔عجیب سا طوفان دل کی ہرائیوں سے اٹھا تھا۔ اس نے سوچا تنظیم جائے جہنم میں..... وہ فیمی کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے سے حتی الامکان گریز کرے گا۔''

''کیا تم نہیں جانتے کہ تمہاری کوٹھی کیسے برباد ہوئی۔'' وہ تھوڑی دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''ملازموں نے ایک پرچھائیں دیکھی تھی۔'' فریدی نے لاپرواہی سے کہا۔

''لیکن یہ نہیں دیکھ سکے ہوں گے کہ پرچھائیں آئی کہاں سے تھی۔''

نہیں وہ تو اس حصے کے انہدام کے بعد باہر آئے تھے۔''

وہ پرچھائیں میری پرچھائیں سے نکلی تھی اور تباہی پھیلا کر پھر اسی میں ضم ہو گئی تھی۔''

''میں نہیں سمجھا۔'' فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

اوزاکا اسے تفصیل سے بتانے لگا اور پھر بولا۔'' میں نے دن میں کئی بار تم سے فون پر گفتگو کرنے کی کوشش کی تھی اور جواب نہ ملنے پر سوچا تھا کہ کہیں تم ان کے ہاتھ لگ ہی نہ گئے ہو۔اس لیے میں تمہاری کوٹھی کی طرف گیا تھا کہ کسی طرح معلومات حاصل کروں۔''

''بڑی عجیب بات بتائی ہے تم نے۔'' فریدی طویل سانس لے کر بولا۔

''اب بتاؤ میں کیا کروں..... یہ پرچھائیں مجھی سے کیوں چمٹ گئی ہے۔''

''اسے دیکھنا پڑے گا اوزاکا.....! کہیں وہ ڈیوائیس ہی اس کا ذریعہ بھی نہ بنی ہو جو تمہارے لاکٹ میں موجود ہے۔''

''اگر ایسی کوئی بات ہے تو اب میں اسے نہیں پہنوں گا۔''

''میرا مشورہ اس کے خلاف ہوگا۔ اگر تم نے لاکٹ اتار دیا تو وہ ہوشیار ہو
اور پھر شاید تمہاری زندگی بھی خطرے میں پڑ جائے۔''

''میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ فیمی میری بہت بڑی کمزوری بن گئی ہے۔ میں
کے لیے جان دینے کی قسم کھائی تھی۔''

''وہ لوگ فراڈ ہیں اوزاکا۔ تمہارے ملک کے دوست نہیں ہیں۔ بس ہیروئین
پر انھیں کچھ جاں نثار مل گئے ہیں۔ میں تو مفت کے مزدور کہوں گا۔ تمہاری مدد سے
حربے ایجاد کرتے ہیں اور پسماندہ ممالک کو دہشت زدہ کر کے وہاں اپنی فیکٹریاں بنا
ہیں۔ وہ ایسے لوگ ہیں کہ اپنے ملک کو بھی فروخت کر دیں۔''

''بین الاقوامی ٹھگوں کے چکر میں پڑ گئے ہو تم لوگ، میں کسی دن ثابت کر دوں
''اب تو مجھے بھی ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے۔'' اوزاکا بڑے خلوص سے بولا۔

''فی الحال تم لاکٹ کو پہن لو۔ پھر میں دیکھوں گا۔ اس کھولنے کی کوشش بھی من
''تمہاری مرضی۔'' وہ مردہ سی آواز میں بولا۔

پھر وہ خاموش ہو گئے۔ رات بھی صدیوں طویل خاموشی کا بوجھ اٹھائے ہانپ رہی

ختم شد

جاسوسی ڈائجسٹ پوائنٹ ڈاٹ کام

جاسوسی دنیا نمبر 123

سائیوں کا ٹکراؤ

(تیسرا حصہ)

پیشرس

عمران پسند مجھ سے خفا ہیں کہ آخر فریدی کے سلسلہ وار ناول کیوں شروع کردیئے
دیکھئے آخر فریدی پسندوں کا بھی تو کچھ حق ہے مجھ پر۔ اُن کی فرمائش کی تکمیل کون کر
''سایوں کا ٹکراؤ'' ملاحظہ فرمایئے اور انشاء اللہ اگلے ناول (خاص نمبر) میں اس کہانی کا
ہو جائے گا اور پھر آپ عمران سے بھی مل سکیں گے۔ جاسوسی دنیا کا یہ سلسلہ میری توقعا
بڑھ کر پسند کیا جارہا ہے۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ کتابیں کسی قدر دیر سے شائع
ہیں جس کی وجہ..... اس کے علاوہ اور کیا ہوسکتی ہے کہ میرا قلم ہی تیزی سے نہ چل رہا ہو
کل لکھنے کے معاملے میں موڈ کا پابند ہوکر رہ گیا ہوں۔ پہلے مشین کی طرح چلتا رہتا تھا
بھی چلتا ہوں اگر آسمان پر بادل نہ ہوں۔ بادل آئے اور میں گھٹن کا شکار ہوا۔ کراچی
بادل کم از کم میرے لئے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ موڈ بے حد خراب کردیتے ہیں کیونکہ
کے بادلوں کا حملہ براہِ راست معدے پر ہوتا ہے۔ یہ لاہور کے بادلوں سے مختلف ہیں
میں گدگدیاں پیدا کرتے ہیں۔ لاہور کے بادل اس لئے یاد آئے کہ کتاب لیٹ ہو
میری زیادہ تر خبر لاہور ہی والے لیتے ہیں۔

بہرحال سایوں کا ٹکراؤ ملاحظہ فرمایئے اور مطمئن رہئے کہ خاص نمبر یعنی اس
آخری ناول بے حد زور دار ہوگا۔ لیکن اس وقت جب یہ سطور لکھ رہا ہوں کراچی
چھائے ہوئے ہیں۔ دُعا کیجئے کہ وعدہ پورا کرنے کے قابل رہ سکوں۔

وقت وقت کی بات ہے کبھی یہی بادل سرخوشی اور سرشاری لایا کرتے تھے، اب
نروبل میں مبتلا کرتے ہیں۔

آج کل ملک میں بلڈ پریشر کا ہفتہ منایا جارہا ہے۔ ریڈیو پر روزانہ بلڈ پریشر سے متعلق
تقریریں ہوتی ہیں۔ جسے دیکھئے ریڈیو کھولے بیٹھا بڑے انہماک سے سن رہا ہے اور ان
تقریروں کو سن کر مجھے ایسا محسوس ہونے لگا ہے کہ شاید میں بھی کسی قدر اس کا شکار ہوں۔
محترم شفیق الرحمان نے کہیں لکھا تھا کہ بلڈ پریشر صرف انہیں ہوتا ہے جو یہ جانتے ہیں کہ بلڈ
پریشر کیا چیز ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس ہفتے کے اختتام پر کم از کم کراچی کا بچہ بچہ بلڈ پریشر
میں مبتلا نظر آئے گا۔ بھائی منانا ہی تھا تو ''ہفتہ حسن'' یا ''ہفتہ خوش لباسی'' منایا ہوتا۔ ویسے
میں کراچی کے وہموں کو اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ جہاں دن میں دس بار دس طرح کی ہوائیں
چلتی ہوں وہاں خون کی روانی میں اُتار چڑھاؤ پیدا ہوتے رہنا کوئی غیر معمولی بات نہیں۔ لہٰذا
اس طرح سڑکوں پر اپنی نبضیں ٹٹولتے ہوئے نہ چلئے۔ آپ ویسے بھی بہت کم پیدل چلتے
ہیں۔ اس لئے گیسز کے دباؤ میں مبتلا رہتے ہیں۔ گیسٹرکس کا علاج کیجئے۔ خود پر بلڈ پریشر کا
ہوا سوار کرنے کی ضرورت نہیں۔ صبح اُٹھ کر ہلکی پھلکی ورزش بھی کرلیا کیجئے۔ اللہ اللہ خیر صلا۔

اتنا لکھ لینے کے بعد سوچ رہا ہوں کہ آخر میں نے یہ کیا شروع کردیا۔ ابتداء سے
انتہا تک آپ کو اپنے موڈ اور وہموں کے بارے میں بور کرتا رہا۔ گویا واقعی میں نے بھی اس
''ہفتے'' کی تقریروں سے اثر قبول کیا ہے۔

ایک بار پھر عرض کردوں کہ اس سلسلے میں میرے مخاطب صرف کراچی کے باشندے
ہیں۔ جہاں ہر تیسرا آدمی گیسٹرکس کا مریض ہے۔ اس لئے ہر تیسرا آدمی اس وہم میں مبتلا
ہوسکتا ہے کہ وہ حقیقتاً بلڈ پریشر کا مریض ہے۔ لہٰذا معدے کو درست رکھنے کی کوشش کیجئے آپ
کی نبض معمول کے مطابق چلتی رہے گی۔

لاحول ولا قوۃ..... پھر وہی! قلم مانتا ہی نہیں..... اے بلڈ پریشر کے ہفتے!

والسلام

ابنِ صفی

۷۳/۰۲/۱۹

کیپٹن حمید ٹرانسمیٹر پر بھی کرنل سے رابطہ قائم نہیں کر سکا تھا۔ دو دن سے برابر اُس کے سیٹ سے سگنل دے رہا تھا لیکن جواب نہیں ملتا تھا۔ اس کی طرف سے کوئی ہدایت نہ کی بناء پر اس نے اپنے محکمے کے ڈی آئی جی سے بھی رابطہ منقطع کر لیا۔ آخر اُسے کیا دیتا کیونکہ وہ تو اس پر مُصر تھا کہ کہیں وہ حیرت انگیز پرچھائیاں شہر ہی کو جہنم کا نمونہ رکھ دیں۔ لیکن ابھی تک یہ معاملہ فریدی کی کوٹھی کے ایک مخصوص حصے سے آگے نہیں اور اس وقوعے سے متعلق شہر میں بھانت بھانت کی چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ ویسے حفظ علم اُس کے محکمے کے ڈی آئی جی کے علاوہ اور کسی کو بھی نہیں تھا اور گھر کے ملازم زبانیں خود حمید نے بند کر دی تھیں۔

بہر حال اب سوال تھا کہ وہ خود کیا کرے۔ کب تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا اس سلسلے میں صرف ایک ہی ایسی ہستی نظروں کے سامنے تھی جس کے خلاف خود فریدی بھی شبہ ظاہر کیا تھا اور یہ تھی تجرباتی پولٹری فارم کی لیبارٹری انچارج جوڈی اسمارٹ شکل بھی تھی۔ لہٰذا اس کی کڑی نگرانی کی راہ میں کوئی شے بھی حائل نہیں ہو سکتی تھی بڑے خلوص سے اس کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔ میک اپ میں تھا اس لئے بہت زیادہ کرنے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ دوسری طرف اس چکر میں تھا کہ ہوٹل ڈی فرانس راہداری میں اُسے بھی کوئی کمرہ مل جائے جس میں جوڈی کا کمرہ تھا۔ یہ خواہش بھی پوری ہوگئی تھی۔ اس طرح آرام سے راتیں گزارنے کا بھی انتظام ہو گیا تھا۔ ایک نرس کی حیثیت سے یہ کمرہ حاصل کیا تھا اور رجسٹر میں عدنان خلیلی نام درج کرایا تھا۔

مقیم ہو جانے کے بعد معلوم ہوا کہ اس راہداری میں تنہا وہی نہیں ہے، جسے جوڈی سے پیش ہو سکتی ہے۔ ایک فرد اور بھی تھا اور جوڈی کے برابر والے کمرے میں مقیم تھا۔ حمید اس کی عمر کا اندازہ نہیں لگا پایا تھا۔ لیکن تھا سفید فام، عمر تیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ مضبوط جسم والا معلوم ہوتا تھا۔ آنکھوں سے بھی خاصی توانائی جھلکتی تھی۔ حمید نے کمرہ نمبر کے والے سے ہوٹل کے رجسٹر میں اس کا نام دیکھنے کی کوشش کی تھی لیکن کامیاب نہیں ہوا تھا۔

اُسی شام کو جب وہ اپنے کمرے سے برآمد ہو کر کہیں جانے لگی تو حمید نے اُس کے ہی کو بھی کمرے سے نکلتے دیکھا۔ لیکن وہ جلدی میں نہیں معلوم ہوتا تھا۔ انداز سے ایسا لگتا جیسے اُسے علم ہو کہ وہ کہاں جا رہی ہے۔

ڈائننگ ہال میں پہنچ کر اس نے کمرے کی کنجی کاؤنٹر کلرک کے حوالے کی اور باہر نکل گئی۔ دوسرے آدمی کو بھی اس مرحلے سے گزرنا پڑا۔ پھر حمید کی باری آئی۔ اتنی دیر میں وہ دونوں ہی ڈائننگ ہال سے جا چکے تھے۔ حمید باہر نکلا تو ان دونوں میں سے کوئی بھی نظر نہ آیا۔ ٹی سے ٹیکسیوں کے اڈے کی طرف بڑھا۔

جوڈی تو کہیں نہ دکھائی دی البتہ اس کا پڑوسی ایک ٹیکسی میں بیٹھا ہوا نظر آیا۔ حمید نے ٹیکسی کے نمبر ذہن نشین کر لئے اور جیسے ہی ٹیکسی اڈے سے نکل کر سڑک پر مشرق کی جانب ئی حمید بھی ایک ٹیکسی تک جا پہنچا۔

''اس گاڑی کا پیچھے چالو۔'' حمید نے اُسی ٹیکسی کی طرف اشارہ کر کے ڈرائیور سے کہا۔

''آؤ صاحب۔'' ڈرائیور نے جھپٹ کر دروازہ کھولا اور حمید کے بیٹھتے ہی گاڑی کو سڑک نکال لانے میں حیرت انگیز پھرتی دکھائی۔ کچھ دور چل کر اُس نے حمید سے انگلش میں سوال کیا کہ وہ کس ملک کا باشندہ ہے۔

''میں ترک ہوں۔'' حمید نے جواب دیا۔

''میں گائیڈ کے فرائض بھی انجام دے سکتا ہوں۔''

''یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔''

''عام طور پر میری گاڑی دن بھر کے لئے بک ہوتی ہے، کل کے لئے ابھی تک کسی سے بات نہیں ہوئی۔ اگر آپ چاہیں تو میری خدمات حاصل کر سکتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''کل ہی کیوں! اسی وقت سے کل تک کے لئے سمجھو۔''

''شکریہ جناب..... ترک بھائیوں کے لئے تو جان بھی حاضر ہے۔''

''یہی میں تمہارے لئے بھی کہہ سکتا ہوں۔'' حمید ہنس کر بولا۔

تھوڑی ہی دیر بعد حمید نے اندازہ لگالیا کہ اگلی ٹیکسی ساحل کی طرف جارہی ہے۔ خاموش بیٹھا رہا۔ ڈرائیور خاصا ہوشیار معلوم ہوتا تھا۔ مناسب فاصلے سے ٹیکسی کا تعاقب رکھا۔

''آپ کب تشریف لائے ہیں۔'' ڈرائیور نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

''آج ہی آیا ہوں۔''

''پھر آپ مطمئن رہئے۔ میں آپ کو یہاں کے سارے قابل دید مقامات دکھاؤں گا۔ اوہ..... کیا بس..... اُس گاڑی کے پیچھے چلتے رہنا ہے۔''

''ہاں..... فی الحال۔''

شاید ڈرائیور کو کسی قسم کا شبہ ہوگیا تھا۔ حمید نے اس کے لہجے سے یہی محسوس کیا تھا۔ کچھ دیر بعد ڈرائیور بولا۔ ''اُوہ جناب میں معافی چاہتا ہوں۔''

''کس بات کی۔''

''کل میں مصروف رہوں گا۔ مجھے یاد ہی نہیں تھا۔ میرے ایک عزیز کی شادی ہے۔''

''کوئی بات نہیں! پھر سہی۔ میں یہاں کئی دن قیام کروں گا۔''

اگلی ٹیکسی سی سائیڈ ہیون کے قریب رک گئی اور ڈرائیور نے حمید سے پوچھا۔

''روکوں جناب۔''

''یہاں نہیں..... کچھ دور آگے چلو۔''

غالباً ایک فرلانگ آگے اُس نے ٹیکسی رکوائی کرایہ ادا کیا اور اُس وقت تک وہیں رہا جب تک کہ ٹیکسی اڈے کی طرف نہیں چلی گئی۔

اب وہ ٹہلتا ہوا سی سائیڈ ہیون کی طرف جارہا تھا۔ یہاں لان پر میزیں لگائی تھیں۔ درختوں پر روشنی کے قمقمے لٹکائے جاتے تھے اور کئی لاؤڈ سپیکرز سے ہلکی موسیقی نشر ہورہی تھی۔ میزوں پر سی فوڈ، کوک اور کافی سرو کی جاتی تھی۔

حمید نے جوڈی کو اپنے پڑوسی کے ساتھ ایک میز کے گرد بیٹھے دیکھا۔ دونوں کسی بحث میں اُلجھے نظر آرہے تھے۔

اس نے ان کے عقب والی میز سنبھال لی۔ جوڈی اپنے پڑوسی سے کہہ رہی تھی۔

''بہرحال تم نے مجھے بڑی پریشانی میں مبتلا کردیا ہے۔ آخر یہ سب کیا ہے۔ اگر میں یہ جانتی کہ اس معاملے کا پولیس سے بھی کوئی تعلق ہے تو میں ہرگز تمہاری بات نہ مانتی۔''

''دیکھو ڈارلنگ.....!'' پڑوسی بولا۔ ''اس مسئلے پر زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''اچھا تو یہی بتا دو کہ معاملہ کیا ہے۔''

''کوئی خاص بات نہیں۔ بس چند افراد کو زچ کرنا ہے۔''

''اور پولیس بھی ان میں شامل ہے۔''

''پتا نہیں پولیس کہاں سے آ کودی۔ میں تو نہیں سمجھ سکتا۔''

''اچھا تو یہی بتا دو کہ اجنبیوں کی طرح میرے پڑوس میں کیوں رہتے ہو اور ہمیں ملاقات کے لئے اتنی دور کیوں آنا پڑتا ہے۔''

''سب ٹھیک ہوجائے گا۔ تم کیوں فکر مند ہوتی ہو اور پھر اگر تم اس مذاق میں حصہ نہیں لینا چاہتی تھیں تو پہلے ہی انکار کردیا ہوتا۔ تمہیں اس اخباری خبر سے پہلے ہی اندازہ کرلینا چاہئے تھا کہ اس میں کہیں نہ کہیں پولیس سے ضرور دو چار ہونا پڑے گا۔''

''اس خبر کو بھی تم نے محض مذاق ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔''

''اوہ ختم بھی کرو۔ تمہیں کیا پریشانی ہے۔ وہ پولیس آفیسر تم سے صرف ایک ہی بار ملا تو تھا۔''

''سنو! میں نے جیرالڈ شاستری کے بارے میں معلومات حاصل کی ہیں۔ وہ دنیا کا بہت بڑا مجرم تھا۔ اگر چاہتا تو کوئی ایک ملک فتح کرکے اُس پر اپنی حکومت قائم کرلیتا۔ یہ شخص کون ہے جو اس سے اس قدر مشابہت رکھتا ہے۔''

''تمہاری ہی طرح میں بھی اس سے لاعلم ہوں۔''

''وہ لوگ کون ہیں جنہوں نے تمہیں اس پر آمادہ کیا تھا۔''

''تم خواہ مخواہ اس بحث میں اُلجھ رہی ہو۔ چلو اُٹھو ساحل پر ٹہلیں گے۔''

''نہیں پہلے تم مجھے مطمئن کرنے کی کوشش کرو۔ میری پوزیشن بہت خراب ہوگئی ہے

میں یہاں سرکاری ملازم ہوں۔''

''میں بھی ایک سرکاری پروجیکٹ پر کام کر رہا ہوں۔''

''اور وہ لوگ جنہوں نے تمہیں اس مذاق میں شامل کیا تھا ان کی کیا حیثیت ہے۔''

''وہ بھی ..... میرا مطلب ہے۔'' وہ کچھ کہتے کہتے ایک دم جھنجھلا کر بولا۔ ''تم ہوں کہ اب اس موضوع پر گفتگو نہیں ہوگی۔''

''اچھا تو پھر یہ ہماری دوستی کی آخری شام ہے۔''

''خدا کی پناہ! تم باز نہیں آؤ گی۔ اچھا میں تمہیں سب کچھ سچ سچ بتا دوں گا۔''

''میں ابھی سننا چاہتی ہوں۔''

''لمبی کہانی ہے۔ اٹھوٹھلیں گے بھی اور قصہ بھی جاری رہے گا۔''

حمید نے محسوس کیا کہ جوڈی ہچکچا رہی ہے۔ لیکن اُسے اُٹھنا ہی پڑا تھا۔ دونوں سی ہیون کے کمپاؤنڈ سے نکل گئے۔ حمید بھی اُٹھا۔

وہ ساحل کی طرف جا رہے تھے۔ حمید نے خاصے فاصلے سے تعاقب جاری رکھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ آس پاس کی روشنیوں کی حدود سے نکل گئے اور اب دور تک سمندر دھندلے آسمان کے پیش منظر میں ساحل پر چلے جا رہے تھے۔ حمید کسی غیر متعلق آدمی کے انداز میں ان کے پیچھے تھا۔ وہ چلتے رہے حتیٰ کہ ساحل پر پہل قدمی کرنے والوں سے بہت دور نکل آئے۔ حمید ان دونوں کی آوازیں صاف سن رہا تھا لیکن باتیں سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔ پھر اچانک اس نے ایک سائے کو دوسرے پر جھپٹتے دیکھا اور جوڈی کی ہلکی سی چیخ سنی جو فوری طور پر گھٹ کر رہ گئی تھی۔ وہ اچھل کر اُن کی طرف دوڑا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے جوڈی کا ساتھی اس کا گلا گھونٹنے کی کوشش کر رہا ہو۔

حمید نے عقب سے خود اس کی گردن جکڑ کر داہنے گھٹنے سے کمر پر ضرب لگائی۔ جوڈی اُس کی گرفت سے نکل گئی۔

جوڈی کا ساتھی پلٹ پڑنے کے لئے زور لگا رہا تھا۔ لیکن حمید کی گرفت سخت تھی۔ اُس نے کسی قدر ترچھا ہو کر اُسے کمر پر لادا اور پٹخ دیا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ اس کے سینے پر سوار تھا۔ دو تین رگڑوں ہی میں اس نے گردن ڈال دی اور پھر بے حس و حرکت ہو گیا۔

حمید اُسے چھوڑ کر جوڈی کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ ریت پر اوندھی پڑی تھی۔ اُس نے سیدھا کیا اور وہ کراہنے لگی۔

''تم محفوظ ہو۔'' حمید نے بڑی نرمی سے کہا۔ ''خود کو سنبھالو۔''

وہ کراہتی ہوئی اُٹھ بیٹھی۔ دونوں ہاتھوں سے اپنی گردن ٹٹول رہی تھی۔

''میں نے اُسے مار گرایا تھا۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔

''کک..... کیا ہوا۔''

''وہ اُدھر پڑا ہوا ہے۔''

''مم..... مار ڈالا۔''

''نہیں بے ہوش ہو گیا ہے۔ تم کیا محسوس کر رہی ہو۔''

''ٹھیک ہوں۔ تم کون ہو۔''

''تم مجھے نہیں جانتیں۔ میں اتفاقاً ادھر نکل آیا تھا۔ کیا اُس نے تمہیں لوٹنے کی کوشش کی تھی۔''

''نن نہیں..... میرا دوست ہے۔ نشے میں تھا۔''

''اتنے زیادہ نشے میں تو نہیں معلوم ہوتا تھا کہ تمہارا گلا گھونٹنے لگتا۔''

''کبھی کبھی سنک جاتا ہے۔''

''تب پھر اُسے پاگل خانے میں ہونا چاہئے۔''

''وہ نشے میں.....!''

''اگر میں ذرا سی بھی دیر کرتا تو کہاں ہوتیں۔''

''اوہ..... میرے خدا میں کیا کروں۔''

''کیا وہ بھی غیر ملکی ہی ہے۔''

''ہاں..... میرا دوست ہے۔''

''اور دیدہ دانستہ تمہارا گلا گھونٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔''

''میں کچھ نہیں جانتی۔''

''کہاں قیام ہے۔''

''ہوٹل ڈی فرانس میں۔''

''اور یہ.....!''

''میں نہیں جانتی۔''

''کیا ہوش میں آنے کے بعد پھر تم پر حملہ کر سکتا ہے۔''

''مم.....میں نہیں جانتی۔ براہِ کرم مجھے جانے دو۔''

''لیکن اس کا کیا ہوگا۔''

''میں نہیں جانتی۔ مجھے جانے دو۔''

''کیا خود میں اتنی توانائی پاتی ہو کہ ہوٹل ڈی فرانس تک تنہا چلی جاؤ۔''

''میں چلی جاؤں گی۔''

''اچھی بات ہے تو جاؤ۔''

''لل.....لیکن اس کا کیا ہوگا۔'' وہ ہچکچاہٹ کے ساتھ بولی۔

''میں اسے پانی میں پھینک دوں گا۔''

''اوہ.....نہیں۔''

''تو کیا پولیس کے حوالے کر دوں۔''

''مم.....میں کچھ نہیں جانتی۔''

''اچھا تو پھر میری تجویز یہ ہے کہ اس کے ہوش میں آنے تک تم بھی یہیں ٹھہرو۔''

''میں جا رہی ہوں۔''

''ایک منٹ! میرا نام عدنان خلیلی ہے اور میں ترک ہوں۔''

''میں جوڈیتھ گراہم ہوں۔ تمہارا بہت بہت شکریہ۔'' کہتی ہوئی وہ آگے بڑھ گئی۔ اجنبی کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی وہ اسے جاتے دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھیلے ہوئے اندھیرے میں مدغم ہوگئی۔

اب سوال تھا کہ حمید اس شخص کا کیا کرے۔ ایک بار پھر ٹرانسمیٹر پر فریدی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی لیکن پھر بھی جوابی اشارہ نہ ملا۔ محکمے کے کسی فرد سے فون ملانا ضروری تھا اور فون کرنے کے لئے اُسے بے ہوش آدمی کو وہیں تنہا چھوڑ دینا پڑتا۔ اس نے جوڈیتھ گراہم اور عدنان خلیلی کے الفاظ پر ان دونوں کے درمیان ہونے والی بات چیت سنی تھی اور اس نتیجے

کہ جوڈی کا تعلق اس گروہ سے نہیں بلکہ صرف ایک فرد سے تھا جس نے اُس سے محض یہ کام لیا تھا کہ وہ جیرالڈ شاستری کے ہم شکل سے متعلق ایک کہانی سمیت کرائم رپورٹر انور تک پہنچ جائے۔ لہٰذا یہ بے ہوش آدمی اُس کے لئے جوڈی سے زیادہ اہم تھا۔

تو پھر اب کیا کیا جائے۔ دفعتاً اُسے کچھ یاد آیا اور اس نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب ٹٹولی۔ والگو کے پاس سے برآمد ہونے والا اس گروہ کا شناختی کارڈ اس وقت بھی اس کی جیب میں موجود تھا۔

وہ بے ہوش آدمی سے کچھ دور ہٹ کر بیٹھ گیا۔ اُسے یقین تھا کہ وہ ہوش میں آنے کے بعد اُسے حملہ آور کی حیثیت سے نہیں پہچان سکے گا۔ وہاں اندھیرا ہی اتنا تھا کہ اس کی شکل نہیں دیکھ سکا ہوگا۔

تھوڑی دیر بعد اُس نے محسوس کیا کہ بے ہوش آدمی کے جسم میں حرکت ہوئی ہے۔ تیزی سے اُس کے قریب پہنچا اور جھک کر دیکھنے لگا۔

''کیا تم سن رہے ہو۔'' اس نے آہستہ سے پوچھا۔ اوہ.....وہ جلدی سے اُٹھ بیٹھا۔ پھر شاید الجھ بھی پڑتا۔ لیکن حمید اس کا شانہ تھپک کر بولا۔ ''خود کو قابو میں رکھو۔ وہ اپنا کام کر گئی۔ میں دیر سے پہنچا۔ یہ دیکھو۔'' اس نے جیب سے گروہ کا شناختی کارڈ نکال کر اس پر پنسل ٹارچ کی روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔

''اوہ.....!'' اجنبی ڈھیلا پڑ گیا۔

''اب تم میرے ساتھ چلو گے۔ ہوٹل ڈی فرانس واپس نہیں جاؤ گے۔'' حمید نے کہا۔

وہ اُٹھ گیا اور حمید نے پوچھا۔ ''کیا میں تمہیں سہارا دوں۔''

''نہیں! شکریہ۔ میں چل سکتا ہوں۔''

''جوڈیتھ نے کسی سے ساز باز کر رکھی تھی اور میں تمہاری دیکھ بھال پر متعین کیا گیا تھا۔ اس وقت مجھے کسی قدر دیر ہوگئی اور وہ دونوں اپنا کام کر گئے۔''

اجنبی کچھ نہ بولا۔ خاموشی سے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ سی سائیڈ ہیون کے قریب پہنچ کر حمید نے اُس سے پوچھا۔ ''کیا تم کچھ پیو گے۔''

''نہیں! شکریہ۔''

ٹیکسی جلد ہی مل گئی اور حمید نے ڈرائیور سے موڈل ٹاؤن کی طرف چلنے کو کہا۔ اجنبی روشنی میں آتے ہی اُسے غور سے دیکھنے لگا تھا۔ ٹیکسی موڈل ٹاؤن کی طرف روانہ ہوگئی۔ یہاں کی ایک عمارت کی کنجی اس وقت بھی حمید کی جیب میں موجود تھی۔ شہر میں متعدد ایسی عمارتیں تھیں جنہیں فریدی بوقت ضرورت استعمال کرتا رہتا تھا۔

''کیا تم بالکل ٹھیک ہو۔ مطلب یہ کہ طبی امداد کی ضرورت تو نہیں۔'' حمید نے اجنبی سے پوچھا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' اُس نے جواب دیا۔ ''طبی امداد کی ضرورت نہیں۔ حملہ بے خبری میں عقب سے ہوا تھا ورنہ میں اس حال کو نہ پہنچتا۔'' حمید خاموش ہی رہا۔

موڈل ٹاؤن پہنچ کر حمید راستے سے متعلق ڈرائیور کو ہدایات دینے لگا اور پھر ایک عمارت کے سامنے ٹیکسی رک گئی۔

عمارت کا قفل کھولتے وقت حمید نے اجنبی سے کہا۔ ''جب تک کہ کوئی دوسری ہدایت نہ ملے تمہیں اسی عمارت تک محدود رہنا پڑے گا اور تمہاری دیکھ بھال میرے ذمہ ہوگی۔''

وہ کچھ نہ بولا۔ دونوں عمارت میں داخل ہوئے۔ حمید روشنی کے سوئچ آن کرتا چل رہا تھا۔

گفتگو کے معاملے میں محتاط رہنا چاہتا تھا۔ کیونکہ ان لوگوں کے طریق کار کا اندازہ صرف اسی حد تک رکھتا تھا کہ وہ سب زیادہ تر ایک دوسرے کے لئے اجنبی تھے اور شناختی کارڈ کے ذریعے آپس میں رابطہ قائم کرتے تھے۔

''اپنا کھانا اس دوران میں تمہیں خود تیار کرنا پڑے گا۔'' حمید نے کہا اور یک بیک چونک پڑا۔ روشنی میں پہلی بار اُسے غور سے دیکھا تھا۔

''تت..... تمہاری ..... ایک آنکھ۔'' وہ ہکلا کر رہ گیا۔

''اسی کش مکش کے دوران نکل گئی ہوگی۔'' اُس نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

''معاف کرنا مجھے علم نہیں تھا۔''

''ہاں، میری ایک آنکھ نقلی تھی۔ بچپن میں ضائع ہوگئی تھی۔''

''مجھے افسوس ہے۔''

''اوہ..... کوئی بات نہیں۔ دوسری مل جائے گی۔'' اجنبی مسکرا کر بولا۔ ''ہاں تو مجھے یہاں تنہا رہنا پڑے گا۔''

''مجھے یہی ہدایت ملی ہے کہ تمہیں یہاں تنہا چھوڑ دوں۔ کھانے پینے کی چیزیں میں خود ہی فراہم کردوں گا۔ تا اطلاع ثانی تم بیرونی برآمدے میں بھی قدم نہ رکھنا۔''

''بہت اچھا۔''

''اب میں جا رہا ہوں۔ کھانے پینے کی چیزیں فراہم کروں گا۔'' حمید نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔''

حمید واپسی کے لئے مڑ گیا۔

جوزیتھ گراہم بُری طرح ہانپ رہی تھی۔ بڑی دشواریوں میں ہوٹل ڈی فرانس تک پہنچی تھی۔ بے سدھ ہوکر بستر پر گر گئی۔ آنکھیں چھت کی جانب نگراں تھیں۔ پلکیں جھپکائے بغیر دیکھے جا رہی تھی۔ گردن کا درد بڑھ رہا تھا۔ وہ تصور بھی نہیں کرسکتی تھی کہ اچانک اس کا رویہ اس طرح بدل جائے گا اور پتا نہیں وہ کون تھا جو اس کے حق میں فرشتہ بن گیا۔ اگر وہ عقب سے اس پر حملہ نہ کر بیٹھتا تو وہ مر ہی چکی ہوتی۔

آہستہ آہستہ پورا معاملہ اُس کی سمجھ میں آتا چلا رہا تھا۔ وہ سچ مچ کوئی بڑی سازش تھی جس میں اُس نے اُس کو آلہ کار کی حیثیت سے استعمال کیا تھا اور اس سے متضاد بیانات دلوائے تھے۔ کرائم رپورٹر انور سے کچھ کہلوایا تھا اور پولیس انکوائری کے جواب میں دوسرا اور اس سے بالکل مختلف بیان تھا۔

رات گئے تک وہ اسی الجھن میں پڑی رہی۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ سوچ رہی تھی کہ اس ملک میں وہ تنہا ہے۔ اگر کسی خاص مقصد کے تحت اُسے مار ڈالنے کی کوشش کی گئی تھی تو دوبارہ بھی اُس پر حملہ ہوسکتا ہے۔ کیا اُس نے خود کو پولیس سے بچائے رکھنے کے لئے اس کی زبان بند کردینے کی کوشش کی تھی۔

دفعتاً کسی نے دروازے پر ہلکی سی دست دی اور وہ اچھل پڑی۔ پھر خوفزدہ نظروں سے

دروازے کی طرف دیکھتی ہوئی اُٹھ بیٹھی۔

دستک پھر ہوئی۔ وہ دروازے کی بجائے فون کی طرف بڑھی اور ہاؤز ڈٹیکٹیو سے رابطہ قائم کرتے ہوئے بولی۔ ''میں خطرہ محسوس کر رہی ہوں، کوئی میرے دروازے پر دستک دے رہا ہے۔ فوراً پہنچو۔''

اس نے اپنے نام اور کمرہ نمبر کا حوالہ دے کر ریسیور رکھ دیا۔ دروازے پر بدستور دستک جاری تھی۔ وہ دم سادھے بیٹھی رہی۔ دستک دینے کا انداز جارحانہ نہیں تھا۔

پھر ایک تیز قسم کی دستک سنائی دی۔ ساتھ ہی آواز آئی۔ ''ہاؤز ڈٹیکٹیو محترمہ! براہ کرم دروازہ کھول دیجئے۔ یہ ایک پولیس آفیسر ہیں۔''

اُس نے اُٹھ کر ہچکچاہٹ کے ساتھ دروازہ کھول دیا۔ ہاؤز ڈٹیکٹیو کے ساتھ وہی آدمی کھڑا دکھائی دیا جس نے اُس کے کاغذات دیکھے تھے۔ وہ مسکرا کر بولی۔ ''اُمید ہے کہ تم بھولی نہ ہوگی۔''

''اوہ..... نہیں آؤ..... اندر آ جاؤ۔'' وہ طویل سانس لے کر بولی اور ہاؤز ڈٹیکٹیو سے کہا۔ ''معاف کرنا، مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔''

''کوئی بات نہیں۔'' کہتا ہوا وہ رخصت ہوگیا۔

کیپٹن حمید کمرے میں داخل ہوا۔ وہ اس وقت میک اپ میں نہیں تھا۔

جوڈی دروازہ بند کر کے وہیں کھڑی اُسے بغور دیکھتی رہی۔

''کیا بیٹھنے کو بھی نہ کہو گی۔'' حمید بولا۔

''اوہ..... نہیں بیٹھو بیٹھو۔''

''ناوقت تکلیف دہی پر نادم ہوں۔''

''اوہ..... کوئی بات نہیں۔ بتاؤ میں اس وقت تمہارے لئے کیا کر سکتی ہوں۔''

''اب تم سچ بول سکتی ہو۔'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

''کک..... کیا مطلب.....؟''

''اگر میں نے اپنا ایک آدمی تمہاری نگرانی پر نہ لگا دیا ہوتا تو تم اس وقت ساحل پر پڑی ہوتیں۔''

وہ کانپ کر رہ گئی۔ پھر اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔

''لیکن تم اب بھی خطرے میں ہو۔'' حمید بولا۔

''کک..... کیوں؟ کیا تمہارے آدمی نے اُسے گرفتار نہیں کر لیا۔''

''نہیں..... وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا کیونکہ میرا آدمی تنہا تھا۔''

''یہ اچھا نہیں ہوا۔'' وہ مضطربانہ انداز میں بولی۔

''اور اس پر دوبارہ ہاتھ ڈالنے کی صرف یہی صورت ہو سکتی ہے کہ تم اس کے بارے میں مجھے سب کچھ بتا دو۔''

''میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ جیروم اچانک اتنا وحشی ہو جائے گا۔ خدا کی پناہ۔ یقین نہیں آتا۔''

''اتنا قریبی دوست ہے۔'' حمید نے حیرت سے پوچھا۔

''تم یقین نہیں کرو گے کہ ہم جلد ہی شادی کرنے والے تھے۔ حالانکہ صرف دو ماہ پہلے ہماری ملاقات ہوئی تھی۔ وہ ایسا پیارا آدمی تھا..... خداوند میں کیسے یقین کروں۔ کیا وہ پاگل ہوگیا تھا۔''

''مس گراہم مجھے حیرت ہے۔ میں نے آج تک نہیں سنا کہ کسی لڑکی کو کسی یک چشم آدمی سے اس حد تک لگاؤ ہوا ہو۔ ساری دنیا کی عشقیہ داستانوں میں بھی کوئی ایک چشم ہیرو نظر نہیں آتا۔''

''میں نہیں سمجھی تم کیا کہنا چاہتے ہو..... کیسا یک چشم۔ کس کی بات کر رہے ہو۔''

''مسٹر جیروم کی۔''

''میں اب بھی نہیں سمجھی۔''

''کیا اس کی ایک آنکھ نقلی نہیں ہے۔''

''ہرگز نہیں۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔''

حمید طویل سانس لے کر رہ گیا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ''کیا وہ جیروم نہیں تھا جس نے ساحل پر تمہارا گلا گھونٹنے کی کوشش کی تھی۔''

''بلاشبہ وہی تھا۔''

''تو پھر وہ یک چشم ہے۔ اس کش مکش کے دوران میں اُس کی نقلی آنکھ نکل کر گر گئی تھی۔''

''مجھے یقین نہیں آتا۔''

''اگر وہ دوبارہ ہاتھ لگا تو ثابت کر دوں گا۔ خیر اب مجھے اسکے ٹھکانے سے آگاہ

''وہ یہیں برابر والے کمرے میں مقیم تھا۔'' وہ بائیں جانب اشارہ کر کے بولا

''اچھا..... کمال ہے۔ واقعی اُس کی وہ آنکھ نقلی نہیں لگتی تھی۔''

''میں تو بہت قریب سے اُسے دیکھتی رہی ہوں۔''

''اگر وہی تھا تو اتنے قریب ہونے کے باوجود بھی وہ یہاں تمہارے لئے اجنبی رہا تھا۔'' حمید نے سوال کیا۔

''جب سے تم نے مجھ سے پوچھ گچھ کی تھی اُس نے چھپ کر ملنا شروع کر دوسروں کے سامنے اجنبی بنا رہتا تھا اور اُس کے بعد ہی یہاں کمرہ بھی لے لیا تھا۔''

''ویسے کہاں رہتا ہے؟''

''تین سو گیارہ گرینڈ ایونیو۔''

''کرتا کیا ہے۔''

''کمرشل آرٹسٹ ہے۔ کئی بڑی کمپنیوں کے لئے کام کرتا ہے۔''

''اور اُسی نے تمہیں جیرالڈ شاستری کے ہم شکل کے بارے میں پوچھ گچھ اُکسایا تھا۔''

''ہاں، اُسی نے اور یہ بھی کہا تھا کہ وہ کوئی خطرناک معاملہ نہیں ہے۔ بس کچھ سے مذاق کرنا چاہتا ہے۔''

''تم نے انور سے کچھ کہا تھا اور مجھ سے کچھ۔ دونوں بیانات میں بہت واضح تضاد

''میں نے اپنے دل سے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔''

''یعنی اس نے دو طرح کے بیان تم سے دلوائے تھے۔''

''ہاں، اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔''

''تم بڑی دشواری میں پڑ گئی ہو۔''

''خدا جانے! میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔''

''تم مجرموں کے ایک گروہ کی آلہ کار بن گئی ہو۔''

''یقین کرو۔ میں جیرووم کے علاوہ اور کسی کو بھی نہیں جانتی۔ کسی گروہ سے اس کا تعلق ہوگا، میرا نہیں ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ تم اس معاملے میں جھوٹ نہیں بول رہیں۔''

''شکریہ! میں یہاں بالکل تنہا ہوں۔ پتا نہیں میرا کیا حشر ہوگا۔''

''فکر نہ کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بس تم اس معاملے میں اپنی زبان بند رکھنا۔''

''یعنی تم میرے خلاف کارروائی نہیں کرو گے۔''

''فی الحال میں تمہاری حفاظت کروں گا۔ یہ خطرناک لوگ ہیں۔ ہاں تو اس نے تمہیں کس طرح انور کے پاس بھیجا تھا۔''

''اس نے اُس تصویر کو دیکھ کر مجھ سے کہا تھا کہ اس کہانی کے ساتھ انور تک جاؤں۔ واپسی پر وہ بیان رٹایا جو مجھے پولیس کو دینا تھا۔ میں تیار نہیں تھی، لیکن اس نے کہا کہ مقصد صرف یہ ہے کہ اُس کے کچھ دوست حیران رہ جائیں گے۔ تم تو جانتی ہی ہو کہ بعض تعلقات کیسے ہوتے ہیں۔ کوئی بات ٹالی نہیں جا سکتی۔ پھر تمہیں بیان دینے کے بعد اس کا رویہ بدل گیا، اُس نے کہا کہ وہ قریب رہ کر میری حفاظت کرے گا۔ لیکن ہم دونوں کو اجنبیوں کی طرح رہنا پڑے گا۔ خداوندا..... اب بھی میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

''اسی الجھن سے بچانے کے لئے اس نے تمہیں مار ڈالنا چاہا تھا۔'' حمید مسکرا کر بولا اور وہ نظریں چرانے لگی۔

''اب تم ہاؤز ڈیکٹیو کو فون کر کے میری طرف سے کہو کہ یہاں آ جائے۔'' حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

''کک..... کیا کرو گے؟''

''ضابطے کی کارروائی۔'' حمید نے کہا۔

ہاؤز ڈیکٹیو ایک ریٹائرڈ سب انسپکٹر پولیس تھا اور حمید سے واقف تھا۔ اس لئے حمید کو بے ضابطہ کارروائی کے سلسلے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ ورنہ وہ تلاشی کے وارنٹ کے

بغیر جیروم کے کمرے کی تلاشی لینے کا مجاز نہیں تھا۔

تلاشی کے نتیجے میں صرف ایسے آلات قابل گرفت نظر آئے جن کے ذریعے جوڈی کے کمرے میں ہونے والی گفتگو بخوبی سن سکتا تھا۔ اس کے علاوہ حمید کو جن چیزوں کی تلاش تھی وہ اُسے نہ مل سکیں۔ مثلاً ایسے کاغذات جن سے اس کی شخصیت پر روشنی پڑ سکتی۔

یہ بے ضابطہ کارروائی تھی لہٰذا ہاؤز ڈیٹیکٹیو سے یہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں تھی کہ وہ اس سلسلے میں اپنی زبان بند رکھے۔ وہ خود ہی سمجھ دار تھا۔ زبان کھولنے پر خود اس کی پوزیشن خراب ہو سکتی تھی۔

جیروم کا کمرہ مقفل کر کے وہ جوڈی کے کمرے میں واپس آیا اور وہ مضطربانہ انداز میں بولی۔ ''وہاں کیا دیکھ رہے تھے۔''

''یہی کہ تم پر اُس کی کتنی کڑی نگرانی تھی۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''وہاں ایسے آلات موجود ہیں جن کے ذریعے وہ تمہارے کمرے میں ہونے والی بخوبی سنتا رہا ہوگا۔''

''آخر یہ سب کیا ہے؟'' وہ اُلجھ کر بولی۔

''جب تم نہیں سمجھ سکتیں تو فی الحال میں کیا بتا سکوں گا۔ جلد ہی تمہیں سب کچھ ہو جائے گا۔''

''میں اب کیا کروں۔''

''اپنے معمولات میں کوئی فرق نہ آنے دو۔ کوئی تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔''

''یہ تو میں نے دیکھ ہی لیا ہے۔''

''اس کے ملنے جلنے والوں کے بارے میں کچھ بتاؤ۔''

''عجیب اتفاق ہے کہ اُس نے کبھی کسی سے میرا تعارف نہیں کرایا۔ کبھی کبھی اوقات میں ملا ہی نہیں جب ہم دونوں ساتھ رہے ہوں۔''

''آخری سوال!'' حمید ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ ''اب اپنے ذہن کو اچھی طرح ٹٹول کر بتاؤ کہ اب بھی تمہاری زندگی میں اُس کے لئے کوئی گنجائش ہے۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔'' وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ ''ایسے حالات سے گزرنے کے بعد کوئی دیوانہ ہی اُس کے لئے اچھے احساسات رکھ سکے گا۔''

''گڈ..... اگر کوئی اس کے بارے میں تم سے پوچھ گچھ کرے تو کھل کر لاعلمی ظاہر کرنا۔ تم نے کبھی اُس کا نام تک نہیں سنا۔''

''لیکن وہ لوگ جو اس معاملے سے واقف ہیں۔''

''صرف انور جانتا ہے اور مجھے علم ہے۔''

''ٹھہرو! مجھے یاد آ رہا ہے۔'' وہ ہاتھ اُٹھا کر کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ ''انور کے فلیٹ میں ایک بار ایک پولیس آفیسر بھی موجود تھا اور اُس نے بھی میری کہانی سنی تھی۔''

''انور کی زبان میں بند کر دوں گا اور اُس پولیس آفیسر کو تم خود جھٹلا سکتی ہو۔ انور تمہارے بیان کی تائید کرے گا۔''

''میں تمہاری بے حد شکر گزار ہوں۔''

''دشواری میں پڑے ہوئے لوگوں کو سہارا دینا میرے فرائض میں شامل ہے۔''

''لیکن اگر یہ واقعہ پیش نہ آیا ہوتا تو۔''

''تم بدستور مشتبہ افراد کی فہرست میں شامل رہتیں۔''

وہ طویل سانس لے کر رہ گئی۔

''اور ہاں.....!'' حمید نے چلتے چلتے کہا۔ ''دروازہ اندر سے مقفل کر کے سونا۔''

''پھر کب ملو گے۔''

''کیا تم چاہتی ہو کہ میں پھر ملوں۔''

''اب تمہارے علاوہ یہاں اور کسی کو نہیں جانتی۔''

''میں دیکھوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔''

وہ اس وقت تک راہداری میں کھڑا رہا تھا جب تک دروازہ بند ہو جانے کے بعد قفل کی آواز نہیں سن لی تھی۔ راہداری میں سناٹا تھا۔ وہ تیزی سے اس کمرے میں پہنچ گیا جس میں عدنان خلیلی کے نام سے مقیم تھا۔

اُوزا کا عجیب سی وحشت میں مبتلا تھا۔ کھلے آسمان کے نیچے آنے کے
کانپ جاتا تھا۔ باہر نکلنا ہی پڑتا تو زیادہ تر کوشش یہی ہوتی کہ اس پر دھوپ نہ
گویا اپنی پرچھائیں سے بھی خوف کھانے لگا تھا۔ فریدی کی ہدایت کے مطابق
بھی اُس کے گلے میں پڑا ہوا تھا جس کے بارے میں فریدی نے شبہ ظاہر کیا تھا
اندر کسی قسم کی الیکٹرونک ڈیوائیس موجود ہے۔ ہر چند کہ وہ لاکٹ اس لاکٹ سے
تھا جو بچپن ہی سے اُس کی گردن میں پڑا آ رہا تھا لیکن وہ لوگ شاید اس کی پشت
کی نقل کرنا بھول گئے تھے جو اصل لاکٹ میں موجود تھے اور جن میں پسینے کی تہہ
ہوگئی تھیں۔ اسی فرق نے فریدی کے خیال کی توثیق کی تھی ورنہ وہ اسے باور کرلینے
بھی تیار نہ ہوتا۔ پھر فریدی ہی کی ہدایت کے مطابق اُس نے اُسے کھولنے کی بھی
کی تھی۔ دن میں متعدد بار ڈربی ہاؤز کے نمبر ڈائیل کرتا تھا لیکن اس کی کال ریسیو
جاتی تھی۔

اسے یقین تھا کہ اب ڈربی ہاؤز بالکل خالی ہے۔ اس کے باوجود بھی اُس
میں فرق نہیں آیا تھا۔ دن میں کئی بار فون پر اُس کے نمبر ڈائیل کرتا۔ اُس رات
ابھی تک فریدی سے دوبارہ ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

اسٹیل ملز کی ڈیوٹی جاری تھی۔ معمول کے مطابق وہاں اپنے فرائض انجام
واپس آ جاتا۔

اسٹیل ملز کا نیا منیجر جمشید سخت گیر آدمی معلوم ہوتا تھا۔ آنکھوں ہی سے
تھی۔ نرم لہجے میں بھی بات کرتا تو ایسا محسوس ہوتا جیسے کوئی بھیڑیا غرا رہا ہو۔ لیکن
سے ملی ہوئی اطلاع کے مطابق اس کا تعلق تنظیم سے نہیں تھا۔

جمشید کسی دوسرے محکمے سے آیا تھا۔ اُوزا کا خیال تھا کہ اسٹیل ملز ہی کے
کے عہدے پر ترقی دے دی جائے گی لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔

سابق منیجر جبار کے متعلق اُوزا کا کو علم نہیں تھا کہ زندہ بھی ہے یا بحالت دیوانگی اُس کی
ختم ہو چکی ہے۔ اُس کے بارے میں اخبارات میں کوئی خبر نہیں آئی تھی۔

منیجر مل کے سارے عہدیداروں کو فرداً فرداً اپنے دفتر میں طلب کر کے گفتگو کر رہا تھا۔
باری بھی آ گئی۔

اپنے آفس میں تنہا تھا اور اُوزا کا کی پرسنل فائل اُسکے سامنے رکھی ہوئی تھی۔ اُس نے
کرسی کی طرف ہاتھ اُٹھا کر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور وہ اس کا شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔

''ان دونوں سے تمہارے کیسے تعلقات تھے جنہوں نے پولیس پارٹی پر حملہ کیا تھا۔''
نے پہلا سوال کیا۔

''میرے ہم وطن تھے۔''

''میں نے ذاتی تعلقات کے بارے میں پوچھا ہے۔''

''ظاہر ہے کہ قریبی تعلقات رہے ہوں گے، ہم وطن ہونے کی حیثیت سے۔''

''تم کہاں تھے جب انہوں نے پولیس پارٹی پر حملہ کیا تھا۔''

''یہیں تھا، ڈیوٹی پر۔''

''کیا تم بتا سکو گے کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا تھا۔''

''مجھے افسوس ہے کہ میں اُن کی نجی زندگیوں میں دخیل نہیں تھا۔''

''ان کی کوئی بہن بھی تھی۔''

''ہاں تھی تو..... لیکن شاید وہ اب پولیس کی تحویل میں ہے۔''

''تم سابق منیجر مسٹر جبار کے خاص آدمیوں میں سے ہو۔''

''خاص سے کیا مراد ہے۔''

''دوستانہ تعلقات تھے؟''

''وہ خیال ضرور کرتے تھے، لیکن اُسی طرح جیسے کوئی آفیسر کسی ماتحت پر زیادہ
جتاتے۔ میری دانست میں اس تعلق کو دوستانہ کہنا مناسب نہ ہوگا۔''

''تمہارے ساتھ برتاؤ کی کوئی خاص وجہ تھی؟''

''میری دانست میں تو کوئی خاص وجہ نہیں تھی۔''

''غیر فطری بات۔'' جمشید بُرا سا منہ بنا کر بولا اور اُسے گھورتا رہا۔

''اُوزاکا عجیب سی الجھن محسوس کر رہا تھا۔ لیکن اس بات کا اُسکے پاس کوئی جواب نہ

''میں بہت جلد معلوم کرلوں گا۔'' جمشید اُسے کینہ توز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

''میں نہیں سمجھا آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔''

''پچپن لاکھ کے غبن کا پتہ لگایا ہے میں نے۔''

''ضرور لگایا ہوگا۔ لیکن مجھے اُس سے کیا سروکار۔''

''یہی تو دیکھنا ہے۔'' جمشید غرایا۔ ''اور یہ بھی دیکھنا ہے کہ جبار اس طرح مر کیوں گیا۔''

''مر گیا.....؟'' اُوزاکا اچھل پڑا۔

''کیوں؟ کیا تمہیں علم نہیں۔''

''نہیں..... میں نہیں جانتا۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔'' جمشید نے خشک لہجے میں کہا۔

''مسٹر منیجر! مجھے خواہ مخواہ ہراساں کرنے کی کوشش مت کرو۔ میں منتظر رہوں میرے خلاف کیا ثابت کر سکتے ہو۔'' اُوزاکا بھی طیش میں آ کر بولا۔

جمشید نے سختی سے ہونٹ بھینچ لئے اور اُسے گھورتا رہا۔

''کیا میں اب جا سکتا ہوں؟''

''جاؤ.....!'' جمشید دروازے کی طرف ہاتھ اُٹھا کر دہاڑا۔

اُوزاکا نے باہر نکلتے ہوئے زور سے دروازہ بند کیا تھا۔ اس طرح اپنی دانست جمشید کو باور کرانا چاہتا تھا کہ وہ اس سے ذرہ برابر بھی مرعوب نہیں ہوا۔ بھلا اُس کو سروکار ہو سکتا تھا کہ وہاں پچپن لاکھ کا غبن ہوا تھا یا نہیں۔ وہ تو اپنے ملک کی حکومت سے تکنیکی ہدایت کار کی حیثیت سے یہاں بھیجا گیا تھا اور اپنے اس فرض کی ادائیگی دیانتداری سے کرتا رہا تھا۔ نجی زندگی میں جس تنظیم سے وابستہ تھا، اس کی ایک شاخ موجود تھی اور اُسی کی طرف سے اس کو ہدایت ملی تھی کہ تنظیم کے معاملات میں بھی ملز کے منیجر ہی کے احکامات کی تعمیل کرنی پڑے گی۔ منیجر کی حیثیت سے اگر وہ مرتکب ہوا تھا تو یہ اس کا ذاتی معاملہ تھا۔ جس کی سن گن بھی اُوزاکا کو کبھی نہیں ملی تھی۔ اوہ، جہنم میں جائے۔ وہ سوچتا ہوا اپنے آفس میں واپس آیا۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا تھا کہ اُسے ناپسندیدہ قرار دے کر اُس کے ملک واپس کر دیا جاتا اور پھر اس کے خلاف غبن کا الزام ثابت کیسے ہوگا، جب کہ اس کے فرشتوں کو بھی اس کا علم نہیں تھا۔''

ڈیوٹی کا وقت ختم ہونے تک وہ اپنے آفس میں بیٹھا رہا۔ نئے منیجر کے رویئے نے اُسے شدید جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر دیا تھا۔ چار بجے وہ آفس سے نکل کر اپنی گاڑی میں آ بیٹھا۔ سوچ رہا تھا کہ ایک بار پھر ڈربی ہاؤز سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اپنی قیام گاہ تک پہنچنے کے لئے اُسے شہری آبادی سے بھی گزرنا پڑتا۔ اُس نے سوچا کہ وہیں سے کسی پبلک ٹیلی فون بوتھ سے ڈربی ہاؤز فون کرے گا۔ پھر شہر پہنچ کر وہ کوئی ایسا فون بوتھ تلاش کرنے لگا جس تک پہنچنے کے لئے اُسے دھوپ سے نہ گزرنا پڑے۔ پرچھائیں کا خوف اُس پر ہر وقت طاری رہتا تھا۔

اس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی کیونکہ ابھی دھوپ موجود تھی۔ بس پھر وہ سیدھا اپنی قیام گاہ کی طرف نکلا چلا گیا۔ گلے میں پڑے ہوئے لاکٹ نے اُس کی زندگی تلخ کر رکھی تھی لیکن اُسے اتار بھی نہیں سکتا تھا۔ فریدی نے اُسے باور کرایا تھا کہ اگر انہیں اس کا شبہ بھی ہو گیا کہ اُسے لاکٹ کے راز سے آگاہی ہو گئی ہے تو وہ اُسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

قیام گاہ پر پہنچ کر اس نے فون پر ڈربی ہاؤز کے نمبر ڈائیل کئے۔ اس بار ایسا لگا جیسے دوسری طرف سے کسی نے ریسیور اٹھایا ہو۔

''ہیلو.....!'' نسوانی آواز آئی اور وہ متحیر رہ گیا۔ پہلے کبھی اُدھر سے کوئی نسوانی آواز نہیں سنی تھی۔ اس خیال سے کہ کہیں کوئی غلط نمبر نہ مل گیا ہو، اس نے پوچھا ''ڈربی ہاؤز۔''

''ہاں، ڈربی ہاؤز ہے۔''

''میں اُوزاکا بول رہا ہوں۔''

''کون اُوزاکا۔''

''تم کون ہو۔''

''میں پامیلا ہوں۔''

''کیا وہاں کوئی مرد موجود نہیں ہے۔''

''تمہیں کس سے ملنا ہے۔''

''اُوزا کا اس کا کیا جواب دیتا۔ ڈربی ہاؤز کے کسی فرد کا نام نہیں جانتا تھا۔''

''مسٹر پے فن سے۔'' کچھ نہ کچھ تو کہنا ہی تھا۔ ویسے اُس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا۔ یہی نام اُس کی زبان پر کیوں آیا تھا۔

''شاید تم پچھلے کرایہ دار کی بات کر رہے ہو۔''

''کسی مرد سے بات کراؤ۔''

''یہاں سرے سے کوئی مرد ہے نہیں۔ میں یہاں تنہا رہتی ہوں، اور آج ہی میں نے عمارت کرائے پر حاصل کی ہے۔''

''کیا تم تنہا ہو۔''

''بالکل..... تم کون ہو اور کہاں سے بول رہے ہو۔''

''یہ معلوم کر کے کیا کرو گی۔ ظاہر ہے کہ میرا تعلق پچھلے کرایہ دار سے تھا۔''

''مجھ سے بھی ہو سکتا ہے تعلق۔''

''تعلقات کسی ضرورت کے تحت ہوتے ہیں۔''

''کیا تمہاری ساری ضرورتیں پوری ہو چکی ہیں۔''

''ایسا تو نہیں ہے۔''

''تو پھر ہو سکتا ہے کہ میں تمہارے کسی کام آ سکوں۔''

''مثلاً.....!'' اوزا کا نے کسی قدر تیز لہجے میں پوچھا۔

''میں تمہیں بتا سکتی ہوں کہ تمہاری آئندہ زندگی میں کیا ہونے والا ہے۔ میں پامسٹ بھی ہوں اور ستارہ شناس بھی۔''

''میں نے اپنی آئندہ زندگی کے بارے میں کبھی کچھ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی۔''

''ڈرتے ہو۔''

''نہیں یہ بات نہیں ہے۔ اگر پہلے سے سب کچھ معلوم ہو جائے تو زندگی میں کوئی چارم نہیں رہتا۔''

''اس بات پر میں تم سے متفق ہوں۔ تو پھر تم مجھ سے ملنے آ رہے ہو۔''

''آخر کیوں؟''

''اس شہر میں تم پہلے آدمی ہو جس سے میری گفتگو ہوئی ہے۔ خود کو بہت تنہا محسوس کر رہی ہوں۔ کیا تم اس عمارت کے دوسرے کرایہ دار سے دوستی نہیں کر سکتے۔''

''شاید تم مجھے پسند نہ کرو۔ میں یوروپین نہیں ہوں۔''

''میں بھی نہیں ہوں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''پھر کون ہو۔''

''فلپینی۔''

''لیکن لہجہ انگریزوں جیسا ہے؟''

''ماں انگریز تھی۔''

''اچھا تو پھر میں تمہارے لئے کیا کروں؟''

''آ سکتے ہو تو آ جاؤ۔''

''ڈربی ہاؤز سے بیس میل کے فاصلے پر ہوں۔''

''تب تو مجبوری ہے۔ خیر پھر سہی۔ لیکن یاد رکھنا۔'' دوسری طرف سے کہا گیا اور رابطہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔

اُوزا کا نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کیا یہ ممکن ہے کہ ان لوگوں نے ڈربی ہاؤز چھوڑ دیا ہو۔ تو پھر کیوں نہ اُسے بلاوا ہی سمجھا جائے۔ بڑی عجیب پوزیشن میں خود کو محسوس کر رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ تنظیم کی نظروں میں اب اس کی کیا حیثیت ہے۔ اس طرف فریدی نے یہ معلوم ہو جانے کے بعد بھی کہ اس کی کوٹھی میں تباہی پھیلانے والی ذات تھی، اُسے چھوٹ دے رکھی تھی۔ آخر یہ دونوں حریف اس سے کیا چاہتے تھے۔ شاید فریدی یہ سمجھتا تھا کہ اس کے توسط سے وہ تنظیم کا قلع قمع کر سکے گا۔ بہت بڑی بھول تھی۔ اب یہ بھی ناممکن تھا کیونکہ فیمی فریدی کے قبضے میں تھی، فیمی جس کے لئے وہ تنظیم سے غداری کا مرتکب ہوا تھا۔ بھلا وہ فیمی کو اس کے قبضے سے نکالے بغیر اُسے تنظیم کے حوالے کر سکتا تھا۔ پھر اس کی پوزیشن کیا تھی۔ وہ کہاں کھڑا تھا اور کسی دوسری مرحلے کی طرف

مراجعت کی تو خود اس کا کیا حشر ہوگا۔ کبھی کبھی تو اُسے فیمی پر بھی غصہ آنے لگتا کہ اس نے خواہ مخواہ اُس اُلجھن میں ڈالا ہے۔ دراصل یہ اُوزاکا کی پرانی کمزوری تھی۔ کسی خیال پر ثابت قدمی سے قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ کبھی تنظیم سے وفاداری کا جذبہ اُبھرتا اور کبھی فیمی پر ترس آنے لگتا۔ کبھی فریدی کی مہربانی یاد آتی اور کبھی سوچتا کہ فتنے کی اصل وجہ تو وہی ہے۔

تھوڑی دیر بعد ان سارے خیالات کو ذہن سے جھٹک دینے کے لئے شراب نوشی شروع کردی۔ پھر عین ہنگام سرخوشی میں اچانک فون کی گھنٹی کی آواز نے اسے چونکا دیا تھا۔ ریسیور اٹھایا، کال ریسیو کی۔ دوسری طرف اسٹیل ملز کا نیا منیجر جمشید تھا۔

''تم تصور نہیں کرسکتے کہ ہم سب کس پوزیشن میں ہیں۔'' اس نے کہا۔

''میں نہیں سمجھا آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔'' اوزاکا بولا۔

''اگر اس غبن کی خبر کسی طرح آؤٹ ہوگئی تو حکومت کی پوزیشن خراب ہوگی۔ کیونکہ ادارہ ورلڈ بنک کی امداد سے قائم ہوا تھا۔''

''میں جانتا ہوں مسٹر منیجر! لیکن غبن کے سلسلے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔''

''جبار نے اتنی بڑی رقم فوری طور پر تو ہضم نہ کرلی ہوگی کہیں نہ کہیں اس کا کچھ ضرور محفوظ ہوگا۔''

''ممکن ہے۔'' اُوزاکا نے لاپرواہی سے کہا۔

''تو پھر تم میری مدد کرو.....؟''

''میں کس طرح مدد کرسکتا ہوں جناب۔''

''میرے ساتھ مل کر اُسے تلاش کرو۔''

''کہاں تلاش کروں۔''

''جہاں جہاں اس کے ملنے کا امکان ہو۔''

''میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں کہ مسٹر جبار کے نجی معاملات کے بارے میں بھی نہیں جانتا۔''

''پھر بھی اگر ہم دونوں مل کر تلاش کریں تو اس میں کیا حرج ہے۔''

''کوئی ہرج نہیں ہے۔'' اُوزاکا زچ ہوکر بولا۔

''اچھا تو پھر میری دوسری کال کے منتظر رہنا۔'' کہہ کر دوسری طرف سے رابطہ منقطع کردیا گیا۔

اوزاکا کو ایک اور مصیبت گلے لگ گئی ہے۔ اس نے سوچا۔ پتا نہیں کس قسم کا آدمی ہے۔ ہوسکتا ہے وہ بھی تنظیم ہی کی طرح تنظیم ہی سے تعلق رکھتا ہو۔ لیکن ڈربی ہاؤز سے تو اُسے پہلے ہی آگاہ کردیا گیا تھا کہ اب جو آدمی منیجر کی جگہ پر آئے گا وہ تنظیم سے متعلق نہ ہوگا۔ اگر تنظیم سے نہیں ہے تو غبن کی بات صرف اُوزاکا ہی سے کیوں کی؟ اسسٹنٹ منیجروں سے پوچھ گچھ کیوں نہیں کی۔ شاید اُس کے علاوہ اور کسی سے بھی اس سلسلے میں گفت وشنید نہیں کی گئی تھی اگر ایسا ہوتا تو کسی دوسرے ذریعے سے بھی یہ بات اُوزاکا تک پہنچی ہوتی۔ پچپن لاکھ کا غبن کوئی واقعہ نہیں۔ جنگل کی آگ کی طرح یہ خبر پورے مل میں پھیل گئی ہوتی۔ ہوسکتا ہے کسی نے غبن کیا ہو اور رقم رکھنے کی جگہ کی نشاندہی کرنے سے قبل ہی پاگل ہوگیا ہو۔ آخر تنظیم کے عارف بھی تو ہوتے ہیں۔ ان کے لئے رقم کہاں سے آتی ہوگی۔ ہوسکتا ہے رقم کا حصول ایسے ہی ذرائع سے ہوتا ہو۔ لیکن اگر جمشید تنظیم ہی کا آدمی ہے تو یہ بات اُس سے کیوں چھپائی جارہی ہے جب کہ جبار کے بارے میں اُسے اور فیمی کے دونوں بھائیوں کو علم تھا وہ تنظیم ہی کا آدمی ہے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ حقیقتاً اب تنظیم کے مقامی سربراہ کو اُس پر اعتماد نہیں رہا اور اب وہ صرف ایک مہرے کی حیثیت سے استعمال کیا جارہا ہے۔ ایسا مہرہ جو اُلٹ پٹ جانے کا امکان بھی روشن ہو۔ تو پھر اُسے کیا کرنا چاہئے۔ یہ ایک سوال تھا جس کا جواب اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوسکتا تھا کہ خود کو حالات کے رحم وکرم پر چھوڑ دے۔ تو فی الحال نہ وہ ڈربی ہاؤز کی طرف روانہ ہوجائے۔ اس عورت پامیلا کو بھی دیکھے۔ ٹھیک ہے۔ فی الحال یہی ہونا چاہئے۔



نیویارک اس وقت عدنان خلیلی کے میک اپ میں تھا جب جیروم سے مڈبھیڑ ہوئی تھی۔ اس سے دوبارہ ملنے سے قبل اُسے پھر وہی میک اپ کرنا پڑا۔ ہوٹل ڈی فرانس میں بھی

کمرہ عدنان خلیلی ہی کے نام سے حاصل کیا تھا۔

جیروم اُسی عمارت میں ملا جہاں حمید نے اُسے ٹھہرایا تھا۔ دن کی روشنی میں عجیب لگ رہی تھی۔ دوسری آنکھ کی عدم موجودگی نے چہرے پر ویرانی پھیلا رکھی تھی۔ محسوس کیا کہ وہ بہت زیادہ مغموم بھی ہے۔

''اب مجھے کیا کرنا ہوگا۔'' اُس نے مردہ سی آواز میں حمید سے پوچھا۔

''فی الحال یہیں رہو گے۔ کیونکہ ابھی تک اس سلسلے میں مجھے کوئی ہدایت نہیں ملی۔'' حمید نے جواب دیا۔

''وہ زندہ ہے یا مرگئی۔''

''زندہ ہے۔''

''اگر زندہ ہے تو مجھے اپنی زندگی سے مایوس ہو جانا چاہئے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ جیروم کی ایک آنکھ سے ایک موٹا سا قطرہ گال پر ڈھلک آیا۔

''ہوسکتا ہے تمہارے اندیشے بے بنیاد ہوں۔'' حمید نے کہا۔

''میں موت سے نہیں ڈرتا۔'' جیروم جھنجھلا کر بولا۔ ''میں تو اُس زندگی سے خائف ہوں جو اُس کے بغیر گزرے گی۔''

''اوہو..... تو کوئی ایسی بھی بات ہے۔''

جیروم کچھ نہ بولا۔ اُس کے چہرے کا اضمحلال کچھ اور بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد کہا۔ ''پہلے اُس سے مل بیٹھنے کو کہا گیا۔ پھر ہدایت ملی کہ اس سے جذباتی طور پر کچھ کرنا ہے۔ جب بات سچ مچ بہت آگے بڑھ گئی تو کہا گیا مار ڈالو۔ تم خود سوچو کیا یہ دینے والی بات نہیں ہے۔''

''ہوگی۔'' حمید نے لاپرواہی کے اظہار میں شانے سکوڑے۔

''ہم بھی آدمی ہیں۔ مشین نہیں۔''

''مجھے حیرت ہے کہ تمہیں اس پر بھی غور کرنے کا وقت مل جاتا ہے۔''

''میں کہہ چکا ہوں کہ مشین نہیں ہوں۔''

''تمہاری باتیں عجیب ہیں۔''

''میں زندہ نہیں رہنا چاہتا۔''

''تم مجھ سے یہ سب کچھ کیوں کہہ رہے ہو۔'' حمید نے جھنجھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

''اس لئے کہ تمہارے توسط سے یہ بات وہاں تک پہنچ جائے۔''

''کہاں تک۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ وہ تو اب میری شکل تک دیکھنے کی روادار نہ ہوگی۔''

''میں اپنے کام سے کام رکھتا ہوں۔ کسی کے لئے بھی تمہارا پیغام بر نہیں بن سکتا۔''

رہا اور پھر چونک کر بولا۔ ''تم نے یہاں کا فون تو استعمال نہیں کیا.....؟''

''کیوں؟''

''تمہارے لئے یہی حکم ہے کہ تاحکم ثانی ایسے بن جاؤ جیسے دنیا سے ناپید ہوگئے ہو۔''

''کیسی مجبوری ہے۔ نہیں میں نے فون نہیں استعمال کیا۔''

فتاً فون کی گھنٹی بجی اور حمید کو کال ریسیو کرنے کے لئے دوسرے کمرے میں جانا پڑا۔ اور پھر اس کا چہرہ کھل اُٹھا کیونکہ دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی تھی۔

''کیا کرتے پھر رہے ہو۔''

''یہاں کال کرنے کا مطلب تو یہی ہوسکتا ہے کہ آپ سارے احوال سے واقف ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''اچھے جا رہے ہو۔ لیکن تم نے اُس سے کیا کہا ہے۔''

''اس کے گروہ کے ایک فرد کا رول ادا کر رہا ہوں۔''

''یہ قصہ ہے۔''

حمید اسے بالتفصیل بتانے لگا کہ کس طرح جیروم ہاتھ لگا تھا۔

''ٹھیک ہے، اُسے روکے رکھو۔'' فریدی نے کہا۔

''تم یا کہیں اور ہے۔''

''نہیں۔''

''آپ کیا کرتے پھر رہے ہیں۔''

اس سوال کے جواب میں اُس نے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سنی اور بھنا کر

ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

پھر اس کمرے میں واپس آیا جہاں جیروم کو چھوڑ گیا تھا۔

''میرے لئے کوئی ہدایت۔'' جیروم نے پوچھا۔

''یہی کہ تم اسی عمارت تک محدود رہو۔ کسی ایسی کھڑکی کے قریب بھی مت
جس سے دیکھ لیے جانے کا امکان ہو۔''

''کب تک.....!''

''تاحکم ثانی۔''

وہ ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''آخر ہم نے
زندگیاں اپنے اوپر حرام کرلی ہیں۔''

''تم ذہنی طور پر بہت اُلجھ گئے ہو۔'' حمید اُسے گھورتا ہوا بولا۔

''مجھے ایسی باتیں سوچنے کی کیا ضرورت ہے؟''

''شاید بہت بہتر حالات میں زندگی بسر کررہے ہو۔''

''کیا تم ایڑیاں رگڑ رہے تھے۔'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''بہت چڑچڑے معلوم ہوتے ہو۔''

''مجھے بہت زیادہ عقلمند آدمیوں سے نفرت ہے۔''

''ایسے ہی معلوم ہوتے ہو۔'' اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''لیکن تم شاید سچ مچ زندگی سے بیزار ہوگئے ہو۔''

''کھلی ہوئی بات ہے ورنہ تم سے اتنی باتیں کیوں کرتا۔''

''یہ کیا بات ہوئی۔'' حمید نے کہا۔

''اگر بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئی تو تم نشے میں معلوم ہوتے ہو۔'' جیرو
لہجے میں کہا اور حمید سوچ میں پڑ گیا کہ کہیں اس سے کوئی غلطی تو نہیں ہوگئی۔ وہ
تک اُسی تنظیم کے فرد کا رول ادا کررہا تھا اور اُسے تنظیم کے اصول وضوابط کے بار
بھی نہیں معلوم تھا۔ اُسے محتاط رہنا چاہئے۔ لیکن وہ جیروم کی آنکھوں میں ایسے
دیکھے جارہا تھا جیسے اپنے سوال کے جواب پر مصر ہو۔

''ہم آپس میں نجی گفتگو نہیں کرتے۔ اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔'' جیروم تھوڑی دیر

''تم مجھے کوئی نئی اطلاع نہیں بتا رہے لیکن مجھے دیکھو کہ میں نے تم پر اس سلسلے میں کوئی
نہیں کیا۔''

''ہاں..... یہ بات میرے لئے بھی عجیب ہے۔'' جیروم نے سر ہلا کر کہا۔

''لیکن میں نے نہ تمہارا نسب نامہ سنا ہے اور نہ اپنا سنایا ہے۔ اسی کو کافی سمجھتا ہوں۔ تم
طور پر دکھی ہو اور میں تمہارا ذاتی غم بٹانے پر تیار۔''

''مگر یہ بھی تنظیم کے قواعد وضوابط کے خلاف ہے۔''

''ہر تنظیم سے کچھ آزاد خیال لوگ بھی وابستہ ہوتے ہیں۔''

''آزاد خیالی کا نام لے کر تم بہت بڑا خطرہ مول لے رہے ہو۔''

''میں بہت دنوں سے موت کی تلاش میں ہوں۔''

''ہم سبھی ہیں۔''

''انسانی فطرت تبدیلی چاہتی ہے۔''

''تبدیلی کی خواہش تنظیم سے فرار کی طرف بھی لے جاسکتی ہے۔'' جیروم نے پُرتشویش
لہجے میں کہا۔

''سمجھدار لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ قواعد وضوابط کی بندش ناسمجھ لوگوں کے لئے ضروری
ہوتی ہے۔'' حمید نے کہا۔ ''انتہائی آزاد خیالی کے باوجود بھی میں تنظیم سے برگشتہ نہیں ہوسکتا
بلکہ اس کی افادیت سے کما حقہ واقفیت رکھتا ہوں۔''

''اب میں ان باتوں میں سر نہیں کھپانا چاہتا۔'' جیروم اپنی پیشانی مسلتا ہوا بولا۔ ''کوئی
بات کرو۔''

''وہ لڑکی بہت خوبصورت ہے جسے تم نے مار ڈالنے کی کوشش کی تھی۔''

''اوہ..... اُسے بھی نہ یاد دلاؤ۔''

''اگر اُسے مرنا ہی ہے تو اور کسی کے ہاتھوں مرجائے گی۔'' حمید نے کہا۔

''ضروری نہیں ہے۔ اُس کا تعلق تنظیم سے نہیں ہے۔''

''پھر تمہارے ہاتھوں کیوں ختم کرائی جارہی تھی۔''

''میں کچھ نہیں جانتا۔ ختم کرو یہ باتیں۔ مجھے کب تک تنہا رہنا پڑے گا۔ تنہائی مر دم گھٹتا ہے۔''

''میں اس کے بارے میں کیا بتا سکوں گا۔''

''میں نے یہاں ایک الماری میں میک اپ کا سامان بھی دیکھا ہے۔''

''کبھی کبھی مجھے میک اپ میں بھی رہنا پڑتا ہے۔'' حمید بولا۔

''کیا ہم میک اپ میں بھی یہاں سے نکل سکتے ہیں؟''

''نکل تو سکتے ہیں، لیکن اس کی ضرورت.....!''

''دیواروں کے درمیان میرا دم گھٹتا ہے۔''

''مجھے تم سے ہمدردی ہے لیکن میں ایسا کوئی قدم نہیں اُٹھا سکتا۔''

جیروم کچھ نہ بولا۔ حمید نے جیب سے تمباکو کا پاؤچ نکالا اور سگریٹ رول کرنے لگا۔ میک اپ میں وہ پائپ کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد جیروم نے کہا۔ ''تو پھر تم مجھے تنہا چھوڑ جاؤ گے۔''

''تھوڑی دیر کے لئے۔'' حمید بولا۔ ''بہرحال میں رات یہیں گزاروں گا کیونکہ یہیں رہتا بھی ہوں۔ پچھلی رات کسی کام سے باہر رہنا پڑا تھا۔''

''تم یہاں تنہا رہتے ہو۔''

''فی الحال تنہا ہی سمجھ لو۔''

''اوہو..... تو کیا مستقبل قریب میں تنہائی رفع ہونے والی ہے۔''

''شاید ہو ہی جائے کیونکہ میں عنقریب ایک السیشین کتیا خریدنے والا ہوں۔''

''کتیا خریدنے والے ہو۔'' اس نے مایوسانہ انداز میں دہرایا۔

''کیوں کیا تمہیں افسوس ہوا؟''

''میں سمجھا تھا شاید شادی کرنے والے ہو۔''

''نہیں بھائی۔ کتیا خواہ دن رات بھونکتی رہے اسکی زبان میری سمجھ میں نہیں آئے گی۔''

''عورت کی زبان سے ڈرتے ہو۔''

''اگر میری کھوپڑی میں کتے کا مغز ہوتا تو قطعی نہ ڈرتا۔''

''بزدل.....!'' جیروم ہنس کر بولا۔

''تم گلا گھونٹ کر مار سکتے ہو۔ مجھ سے تو یہ بھی نہیں ہو سکے گا۔''

''تو ابھی تک کوئی عورت تمہاری زندگی میں نہیں آئی۔''

''عورتوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا فن مجھے نہیں آتا۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا ''اور لاشعوری طور پر میں چاہتا ہی نہیں کہ کوئی عورت میری طرف آئے۔''

''میں سمجھ گیا ہوں۔ تم صرف عورتوں کی زبان سے ڈرتے ہو۔''

''شاید یہی بات ہے۔''

''اس کی بھی ایک تدبیر ہے۔'' جیروم مسکرا کر بولا۔ ''جب دیکھو کہ کوئی عورت آسمان ن کی طرف آرہی ہے اُس سے فوراً کنارہ کشی اختیار کرلو۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''جب تک صرف محبت کی باتیں کرتی رہے اُس سے تعلق رکھو اور جیسے ہی محسوس ن تلخی پیدا ہو رہی ہے چھوڑ بھاگو۔''

''بھاگتے بھاگتے زندگی گزر جائے گی۔''

''کسی سے دوستی بھی نہ ہوگی تمہاری۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

''خود کو ضائع کر رہے ہو۔'' وہ پُرتشویش لہجے میں بولا۔ ''پھر کہتا ہوں کہ ہم میک اپ ں سے نکل چلیں۔ پھر میں تمہیں دکھاؤں کہ زندگی کیا چیز ہے اور عورت کے بغیر لایعنی ضروری یہ ہے کہ مجھے میک اپ کرنا نہیں آتا ورنہ نکل گیا ہوتا۔''

''تمہاری دوسری آنکھ کا کیا ہوگا۔''

''وہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ تاریک شیشوں کی عینک لگالوں گا۔''

''اچھی بات ہے، لیکن کہیں مارے نہ جائیں۔''

''تم کبھی میک اپ میں پہچانے جاسکے ہو۔''

''تم تک تو ایسا نہیں ہوا۔''

''اب بھی نہیں ہوگا۔''

''ذرا مجھے سوچنے دو۔''

''اب کیا سوچو گے۔''

''یہی کہ کہیں یہ فعل تنظیم سے غداری کے زمرے میں تو نہیں آتا۔''

''ابھی تم خود ہی کہہ رہے تھے کہ اصول وضوابط سمجھ دار لوگوں کے لئے نہیں ہوتے۔''

''بکواس کرنے میں کیا لگتا ہے۔''

''نہیں، میں تم سے اس مسئلے پر متفق ہوگیا تھا اور ہے بھی۔ سوچنے کی بات۔ ہم خود نجی زندگیوں میں بھی کچھ کریں ہمارے دل تنظیم ہی کے ساتھ ہوں گے۔ قواعد وضوا پابندی اسلئے کرائی جاتی ہے کہ ضمیر کی تشکیل ہوجائے۔ ہمارا ضمیر تشکیل پاچکا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتی میں اُس عورت کو مار ڈالنے کی کوشش کیوں کرتا؟ یقین کرو مجھے اُس سے محبت ہے۔''

''اچھی بات ہے۔'' حمید طویل سانس لیکر بولا۔ ''میں تمہاری شکل تبدیل کردوں گا۔''

انور کو فریدی یا حمید کی تلاش تھی۔ کیونکہ انسپکٹر آصف بُری طرح اُس کے سر ہو انور نے جیرالڈ شاستری کے ہم شکل کی پبلسٹی فریدی کے ایماء پر کی تھی۔ پھر آصف جوا بھی جا پہنچا۔ وہ اُسے بتا چکی تھی کہ تجرباتی پولٹری فارم کی لیبارٹری انچارج ہے۔ ملاقات انور کے فلیٹ ہی میں ہوئی تھی۔ لیکن جب آصف پولٹری فارم پہنچا تو جوڑی پہچاننے ہی سے انکار کردیا۔ جب اُس نے انور کے فلیٹ کا حوالہ دیا تو اُس نے اُس لاعلمی ظاہر کی۔ سرے ہی سے انکار کردیا کہ وہ کسی کرائم رپورٹر سے ملی تھی۔ دراصل سے پہلے حمید اُس سے مل چکا تھا اور اُس نے اُسے جیسی پٹی پڑھادی تھی اُسی کے مط آصف سے پیش آئی۔ آصف اُسے شریفانہ انداز میں دھمکیاں دے کر پھر انور کی طر آیا۔

ادھر انور نے تو گویا بھس میں چنگاڑی ہی ڈال دی۔ کہنے لگا۔ ''تم پتا نہیں کیا

ہے کر رہے ہو۔ ایسی کوئی لڑکی مجھ سے ملنے نہیں آئی تھی تم نے خواب دیکھا ہوگا۔''

ظاہر ہے کہ آصف پاگل ہوگیا ہوگا۔ جو کچھ زبان پر آیا تھا بے تکان کہتا چلا گیا تھا اور شاید پھانسی تک کی ''نوید'' سنا کر رخصت ہوگیا تھا۔ انور نے سوچا خواہ مخواہ الجھن میں پڑنے سے کیا فائدہ۔ فریدی کو اس کی اطلاع دے دینا چاہئے۔ وہ خود ہی آصف کو سنبھال لے گا۔

اسی تلاش کے دوران میں ایک جگہ قاسم سے مڈبھیڑ ہوگئی اور اُس نے اُس سے حمید کے بارے میں پوچھا۔

''میں خود ہی ڈھونڈ رہا ہوں سالے تو۔'' وہ آنکھیں نکال کر بولا۔

''کیوں، تمہیں کیا تکلیف ہے؟''

قاسم اُسے قہر آلود نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ ''پہلے خود ہی تیار تھی۔ اب انکار کردیا۔''

''کیا مطلب..... کیا کہہ رہے ہو۔ کس نے انکار کردیا۔''

''فلم اسٹار شاداں نے۔''

''میں اب بھی نہیں سمجھا۔''

''فلم اسٹار شاداں کس بات سے انکار کردے غی۔'' قاسم نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں پوچھا۔

''بھئی میں کیا بتا سکتا ہوں۔ تم ہی بتاؤ گے۔''

''اچھا تو بتاتا ہوں۔ سنو..... سالے نے قیا قرار دیا ہے۔'' کہہ کر سانس لینے کے لئے رکا اور پھر بولا۔ ''وہ میری بزنس پارٹنر بننے والی تھی۔ سالے نے اُسے بہکا دیا۔''

''تم لفظ سالے پر اس قدر کیوں زور دے رہے ہو۔''

''ہر جگہ سالا بن جاتا ہے۔ اچھا تم ہی بتاؤ، قیا میری بیوی اُس کی سگی بہن ہے۔''

''میں کیا جانوں۔''

''نہیں ہے..... لیکن جہاں قسی عورت نے مسکرا کر میری طرف دیکھا جھٹ سے سالا بن جاتا ہے۔''

''اچھی بات ہے۔ ہم دونوں مل کر اُسے تلاش کرتے ہیں۔ تم ذہن پر زور دے کر بتاؤ کہ وہ کہاں مل سکے گا۔''

''خود سالا ہر عورت کو مسکرا کر دیکھتا ہے۔'' قاسم اُس کی بات پر دھیان دیئے بغیر اپنی میں بولتا چلا گیا۔ ''تمہاری رشیدہ کو بھی مسکرا کر دیکھتا ہے اور تم اتنے بے غیرت ہو کہ کچھ نہیں کہتے۔ مارو سالے کو۔''

''ملے بھی تو۔''

''مارو غچے۔''

''چلو تلاش کرتے ہیں۔''

''قیسے چلوں۔ میں غاڑی میں ہوں..... تم موٹر سائیکل پر۔''

''میں پیچھے پیچھے آ رہا ہوں۔ جہاں اس کے ملنے کا امکان ہو وہیں گاڑی روک دینا۔''

''قیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں جھک مارتا پھر رہا ہوں۔'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

''ہوسکتا ہے ہم دونوں مل کر تلاش ہی کر لیں۔''

''جہنم میں جائے..... اب میں شاہینہ پہلوان کے پاس جاؤں غا..... شاداں کی ایسی قی تیسی۔''

''شاہینہ پہلوان کہاں سے آ ٹپکی۔''

''اب اس کے اکھاڑے کی ترقی کراؤں غا۔''

''کیا تم اُسے جانتے ہو؟''

''نام سنا ہے۔''

''کبھی ملے بھی ہو۔''

''نہیں تو..... سنا ہے کہ وہ اپنے اکھاڑے کو ترقی دینا چاہتی ہے لیکن مالی حالت اجازت نہیں دیتی۔''

''تو تم اس کی مالی امداد کرنا چاہتے ہو۔''

''یہی بات ہے۔''

''آج کل مجھے بھی مالی امداد کی ضرورت ہے۔''

''تو پھر میں قیا قروں۔''

''شاہینہ کو کہاں تلاش کرتے پھرو گے۔ میں تمہارے سامنے موجود ہوں اور تم اتنی ہمدردی سے اس قدر بھرپور ہو کہ پھٹے پڑتے ہو۔''

''لل..... لیقن..... لیقن.....!'' قاسم ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

''اب کیا پریشانی ہے۔ میری مدد کر کے دلی سکون حاصل کرو۔''

''اے بس جاؤ!'' قاسم کھسیانی ہنسی کے ساتھ بولا۔ ''قیا تم لونڈیا ہو۔''

''تو صرف لونڈیوں کی مدد کرتے ہو۔''

قاسم نے جھینپے ہوئے انداز میں سر ہلا دیا۔

''ابے او موٹے خبیث سرمایہ دار..... یہ انسانی ہمدردی نہیں، عیاشی ہے۔'' انور دانت پیس کر بولا۔

''مم..... میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔'' قاسم نے دروازہ کھول کر گاڑی سے نیچے اترنے کی کوشش کی۔

''بس بُرا مان گئے۔'' انور ہنس کر بولا۔

''تم مجھے غالیاں دے رہے ہو۔''

''تم غلط سمجھے! میں نے تو اُس آسیب کو گالی دی تھی جو تم پر مسلط ہے۔''

''آسیب.....!'' قاسم کی ذہنی رو بہک گئی۔ چشم زدن میں آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔

''ہاں آسیب! میں دیکھ رہا ہوں۔ تمہیں احساس نہیں ہوتا۔''

''اچھا.....!'' قاسم ہونقوں کی طرح منہ پھاڑ کر رہ گیا۔

''کسی دن تمہیں سمندر میں ڈبو دے گا۔''

''ارے باپ رے۔'' قاسم تھوک نگل کر رہ گیا۔ پھر قبل اس کے کہ انور مزید کچھ کہتا وہ خوفزدہ آواز میں بڑبڑایا۔ ''اب میں سمجھ غیا..... ارے باپ رے۔''

انور نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں اور آہستہ سے بولا۔ ''مجھے ضرور بتاؤ، شاید میں تمہاری کچھ مدد کر سکوں۔''

''میں قبھی قبھی..... سوچا کرتا ہوں کہ جا کر سمندر میں ڈبکیاں لگاؤں۔'' قاسم ہانپتا ہوا بولا۔

''چلو ثابت ہو گیا۔'' انور طویل سانس لے کر بولا۔ ''وہی تمہارے ذہن میں ڈالا کرتا ہے کسی دن سچ مچ جا کر ڈوب مرو گے۔''

''پھر میں قیا قروں انور بھائی۔''

''تم کیا کر سکتے ہو۔ خیر میں کسی عامل کامل کو تلاش کروں گا۔''

''جلدی کرو۔''

''جب تک حمید نہیں مل جاتا، میں تمہارے لئے کچھ بھی نہ کر سکوں گا۔''

''اچھا تو چلو ڈھونڈیں۔''

اس نے انجن اسٹارٹ کیا اور رولز آگے بڑھ گئی۔ انور کی موٹر سائیکل اُس کے پیچھے تھی لیکن وہ اس سے بے خبر تھا کہ آصف کے دو ماتحت خود اس کا تعاقب کر رہے ہیں۔ وہ دونوں بھی موٹر سائیکلوں ہی پر تھے۔

انور اب یہ بھی سوچ رہا تھا کہ قاسم کے ساتھ وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ۔ اسے ہی طور پر کچھ کرنا چاہئے۔ لہٰذا ایک جگہ جب قاسم ٹریفک کی بھیڑ میں پھنس گیا تو اس نے اپنی موٹر سائیکل آگے نکال لی۔ اُسے یقین تھا کہ قاسم کو اس کی خبر تک نہ ہو سکی ہوگی۔ وہ تیزی سے آگے نکلا چلا گیا۔ سوچ رہا تھا کہ حمید جوڈی سے صرف ایک ہی بار نہ ملا ہوگا۔ کیوں نہ اُسی سے پوچھ گچھ کی جائے۔ اس وقت وہ ڈیوٹی ہی پر ہوگی۔ لہٰذا اُس نے موٹر سائیکل تجرباتی پولٹری فارم کے راستے پر ڈال دی۔

شہری آبادی سے نکل آنے کے بعد ہی اُسے ان دونوں موٹر سائیکلوں کا علم ہو سکا تھا جو اُس کا تعاقب کر رہی تھیں۔ اس نے اپنی موٹر سائیکل کی رفتار کم کر دی۔ دیکھنا چاہتا تھا کہ کون لوگ ہیں تعاقب کرنے والے۔ شاید فوری طور پر اندازہ نہیں لگا سکے تھے کہ اُس نے رفتار کم کر دی ہے ورنہ وہ بھی فاصلہ برقرار رکھنے کی کوشش کرتے اور پھر انور نے ان میں سے ایک کو آصف کے ماتحت کی حیثیت سے پہچان لیا۔ اب بات بگڑ سکتی تھی اگر وہ سیدھا تجرباتی پولٹری فارم کی طرف چلا جاتا۔ اس نے پھر ایک دم رفتار بڑھائی اور یوٹرن لے کر واپسی کے لئے پلٹ پڑا۔ یوٹرن لیتے وقت اگر حاضر دماغی آڑے نہ آئی ہوتی تو ایک ایمبولینس گاڑی سے یقینی ٹکر ہو جاتی جو مخالف سمت سے آ رہی تھی۔ تعاقب کرنے والی موٹر سائیکلیں آگے نکل گئی تھیں۔ ایمبولینس گاڑی کے بریک چڑچڑائے اور انور کی موٹر سائیکل اس کی اگلی نشست والے دروازے سے صرف ایک فٹ کے فاصلے پر رکی تھی۔

ایمبولینس گاڑی کا ڈرائیور سختی سے ہونٹ بھینچے اُسے دیکھے جا رہا تھا پھر قبل اس کے

کچھ کہتا اس نے کوئی سیال شے اُس کے چہرے پر اُچھال دی اور انور کو فوری طور پر ایسا محسوس ہوا جیسے پورا چہرہ تیز آنچ میں جھلس کر رہ گیا ہو۔ دماغ چکرا گیا اور غشی طاری ہوتے ہوتے اس نے سوچا، کیا اُس کے چہرے پر تیزاب پھینکا گیا ہے۔ تت..... تیزاب..... اور پھر ذہن تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔



دونوں ہپیوں کے روپ میں باہر نکلے تھے۔ جیروم کا میک اپ بھی حمید ہی نے کیا تھا اور اپنی آنکھ والا عیب چھپانے کے لئے تاریک شیشوں کی عینک لگالی تھی۔

خود حمید گویا دوہرے میک اپ میں تھا۔

یعنی عدنان خلیلی کے میک اپ پر گھنی ڈاڑھی اور مونچھوں کا اضافہ کیا تھا۔

حمید نے اپنی دانست میں یہ کوئی احمقانہ قدم نہیں اُٹھایا تھا بلکہ یہ دیکھنا چاہتا تھا جیروم کی بڑ کا مقصد کیا ہے؟ اس طرح وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔ اُسے کہاں لے جانا چاہتا ہے۔

ٹیکسیوں کے اڈے پر پہنچ کر حمید نے اُس سے پوچھا ''کہاں چلو گے۔''

''جہاں دل چاہے لے چلو۔'' اس نے جواب دیا۔ ''میں تو کھلے آسمان کے نیچے آنا چاہتا تھا۔''

''سوال یہ ہے کہ میں ہی تمہیں کہاں لے چلوں۔''

''چلو تو پھر یونہی بے مصرف مارے مارے پھرتے ہیں۔''

''بے مصرف پھرنا تو میرے بس سے باہر ہے۔'' حمید بولا۔

''کسی ایسے ہوٹل میں چلیں جہاں فلور شو ہوتا ہو۔''

''آج کل ایسے ہوٹلوں میں چین سے بھی نہیں گھسنے پاتے۔''

''یہ عجیب ملک ہے۔ ہاں میں نے تم سے ابھی تک نہیں پوچھا کہ تم کس ملک سے تعلق رکھتے ہو۔''

''میں ترک ہوں۔''

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ ترک بھی تنظیم میں شامل ہیں۔''

''تم کیا جانو! یہ ایک بین الاقوامی تنظیم ہے۔'' حمید نے کہا۔

''اس حد تک اندازہ نہیں تھا۔ بھلا ترکوں کو اس تنظیم سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔''

''پھر نجی معاملات چھیڑ دیئے تم نے۔ یہ ہم ہی بہتر سمجھ سکتے ہیں کہ ہمیں تنظیم سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔''

''اوہ..... معاف کرنا۔ میں بھول گیا تھا۔''

دونوں بڑی دیر تک پیدل ہی سڑکوں پر پھرتے رہے۔ بھوک لگی تو ایک عوامی ہوٹل میں جا بیٹھے جس کی فضا سیخ کے کبابوں سے مہکی ہوئی تھی۔

''اس خوشبو نے بار بار مجھے اپنی طرف کھینچا ہے۔'' جیروم ناک سکوڑ کر مزید خوشبو محسوس کرتا ہوا بولا۔ ''لیکن کبھی ہمت نہیں پڑی۔ پتا نہیں کیا چیز ہو۔''

''تم نے اچھا ہی کیا تھا۔ ورنہ صبح ہی صبح ٹھنڈے پانی کے لئے تڑپتے۔ خیر میں ہوں۔ بعض ہوٹل والے ایسا مواد صرف چٹنی تک محدود رکھتے ہیں۔'' اس نے کہا اور لڑکے کو بلا کر پوچھا۔ ''ادھر کباب میں مرچ ہوتا۔''

''نہیں صاحب۔'' لڑکے نے جواب دیا۔ ''چٹنی میں ہوتا۔''

''اچھا اچھا..... صرف کباب لاؤ..... دو درجن۔''

لڑکا چلا گیا اور جیروم نے کہا۔ ''میں ایسے کسی ہوٹل میں کبھی نہیں بیٹھا۔''

''لذیذ کھانے ایسے ہی ہوٹلوں میں ملتے ہیں۔ کسی دن تمہیں بھینس کے پائے اوجھڑی کی حلیم بھی کھلواؤں گا۔''

''یہ کیا چیزیں ہیں۔''

''بس کھانے سے تعلق رکھتی ہیں۔''

کباب آئے اور کھائے گئے۔ جیروم نے تعریفوں کے پل باندھ دیئے۔ ہوٹل سے نکل کر پھر آوارہ گردی شروع کر دی۔

تھوڑی دیر بعد جیروم بولا۔ ''اب کہیں بیٹھ کر پئیں گے۔''

''اس سلسلے میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکوں گا۔ صرف تم ہی پیو گے۔''

''تو پھر میں بھی نہیں پیوں گا۔ خرید کر ساتھ لے چلیں گے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد جیروم نے پوچھا۔ ''کیا تم مجھے جوڈی کے بارے میں کچھ بتا سکو گے۔''

''میں اُس کے بارے میں کیا بتا سکتا ہوں۔''

''تم نے اُسے دوبارہ بھی دیکھا تھا۔''

''نہیں تو۔ اس کی ضرورت بھی کیا تھی۔ تم بار بار یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ ہم اپنے کام سے کام رکھتے ہیں اور اتنا ہی کرتے ہیں جتنا کہا جاتا ہے۔''

''میں معافی چاہتا ہوں۔ کہیں میرا دماغ نہ خراب ہو جائے۔ ایسی ٹریجڈی دنیا کی تاریخ میں نہیں ملے گی۔''

''کیسی ٹریجڈی۔''

''کیا یہ ٹریجڈی نہیں ہے کہ ایک چاہنے والے نے اپنی محبوبہ کو مار ڈالنے کی کوشش کی۔''

''ہماری محبوبہ ہماری تنظیم ہے۔'' حمید بولا۔

''آئیڈیل ازم میرے حلق سے نہیں اترتا۔''

''غداری کی بو آنے لگی ہے تمہاری باتوں سے۔''

''نہیں۔'' جیروم خونفزدہ لہجے میں بولا۔ ''مجھے غلط نہ سمجھو۔ میں بہت دکھی ہوں۔ وہ تنظیم کی محبت ہی تھی جس نے مجھے اس فعل پر آمادہ کیا تھا۔''

''غیر محتاط ہو کر گفتگو مت کیا کرو۔'' حمید نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

''میں تمہارا شکر گزار ہوں دوست۔ تمہاری جگہ اور کوئی ہوتا تو اب کا مجھے گولی مار چکا ہوتا۔ لیکن یقین کرو کہ اُس واقعے کے بعد سے میرا ذہن میرے قابو میں نہیں رہا ہے۔''

''واقعی میں پاگل ہو گیا ہوں۔''

''نہیں! اسے اپنے ذہن سے جھٹک دینے کی کوشش کرو۔''

''میری طبیعت بگڑ رہی ہے۔ مجھے گھر لے چلو۔'' وہ چلتے چلتے لڑکھڑا کر بولا۔ حمید نے سہارا دے کر اُسے سنبھالا تھا۔ پھر ایک ٹیکسی روکی اور وہ دونوں قیام گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

''اب کیا حال ہے؟'' حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔ لیکن اُس نے جواب نہ دیا۔ سیٹ

کی پشت سے ٹکا ہوا تھا اور جسم کی پوزیشن سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے ہوں۔

''کیسی طبیعت ہے۔'' حمید نے بازو پکڑ کر ہلایا اور وہ کسی بے جان آدمی کی طرح پر آ گرا۔ بدقت تمام حمید اُسے پھر سیدھا بٹھا سکا۔ نبض تو ٹھیک ہی چل رہی تھی۔ البتہ سانس کسی قدر اُلجھ اُلجھ کر آ رہی تھیں اور شاید وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔



ہوش آ جانے پر بھی بہت دیر تک اس کی سمجھ ہی میں نہ آ سکا کہ وہ کس پوزیشن میں ہے اور کہاں ہے۔ یادداشت اُسے اُس واقعے کی طرف نہ لے جا سکی جس کی بناء پر بے ہوش ہوا تھا۔ غالباً اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اب وہ اپنے چہرے پر وہ جلن نہیں محسوس کر رہا تھا جس سے بے ہوش ہو جانے سے قبل دوچار ہوا تھا۔

اس نے آنکھیں بند کر لیں اور دوبارہ سو جانے کی کوشش کرنے لگا۔ غالباً سمجھ رہا تھا کہ وہ اپنے بستر پر ہے۔ یوں بھی اکثر رات کو اچانک آنکھ کھل جاتی تھی اور تھوڑی دیر بعد وہ پھر گہری نیند سو جایا کرتا تھا۔ اس وقت بھی وہی عمل دہرانے کی کوشش کی اور ٹھیک اسی لمحے جب ذہن پر پھر غنودگی طاری ہونے لگی تھی۔ دفعتاً شعور میں ایک جھماکا سا ہوا اور یادداشت کی سطح پر وہ وقوعہ اُبھر آیا جس کی بناء پر بے ہوشی طاری ہوئی تھی۔ وہ بوکھلا کر اُٹھ بیٹھا۔ تو پھر یہ اندھیرا کیسا۔ کیا اُس نئے وقوعے کی بناء پر وہ اپنی بینائی کھو بیٹھا ہے۔ لیکن وہ ہے کہاں؟ مضطربانہ انداز میں اپنے چاروں طرف ٹٹولنے لگا۔ وہ ایک نرم اور آرام دہ بستر تھا۔ لیکن یہ اندھیرا کیوں؟ کیا سچ مچ وہ اپنی بینائی کھو بیٹھا ہے۔ بستر سے نیچے پیر لٹکائے جو فرش پر ٹک گئے۔ پھر وہ بستر سے اُٹھ ہی رہا تھا کہ چاروں طرف روشنی پھیل گئی۔ تیز قسم کی روشنی۔ انور کی آنکھیں چندھیا کر رہ گئیں۔ تو گویا..... تو گویا اُس کی بینائی محفوظ تھی۔ اس خوشی میں وہ سب کچھ بھول کر فوری ردعمل کے طور پر اُس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ پھر آہستہ آہستہ کھولیں۔

وہ ایک عمدہ قسم کی خواب گاہ تھی۔ واہ۔ تو اس کا اغواء ہوا تھا۔ اس تصور نے اُسے خاصا محظوظ کیا۔ لیکن یہ اغواء کنندگان کون ہو سکتے ہیں۔ اس نے دروازے کی طرف دیکھا اور اٹھ

ہینڈل گھمانے لگا لیکن دروازہ نہ کھلا۔

''بیکار ہے مسٹر انور۔'' عقب سے آواز آئی اور وہ اچھل پڑا۔ تیزی سے مڑا تھا لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ وہ اسے سماعت کا واہمہ سمجھنے پر بھی تیار نہ تھا۔ پھر وہ اپنی گدی سہلا ہی رہا تھا کہ آواز پھر آئی۔ ''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم بالکل محفوظ ہو۔ نہ صرف تم بلکہ تمہاری وہ سائیکل بھی۔''

''تم کون ہو، سامنے آؤ۔''

''یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ میں تم سے کوسوں دور ہوں۔ صرف میری آواز ہی تم تک پہنچ سکتی ہے۔''

''اس ملاقات کا مقصد۔'' انور نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

''تم بہت ذہین آدمی ہو۔''

''شکریہ۔ یہ تم مجھے فون پر بھی بتا سکتے تھے۔ اس کے لئے اتنی زحمت کیوں کی۔''

''تمہاری میزبانی کا شرف بھی حاصل کرنا چاہتا تھا۔''

''نادیدہ میزبان! اس مہربانی کی وجہ۔''

''تمہاری وجہ سے ہمارا ایک کھیل بگڑ گیا۔ تم نے جیرالڈ شاستری کی واپسی کی خبر اُس طرح نہیں چھاپی جس طرح ہم چاہتے تھے۔ تم نے اس سلسلے میں شاید کرنل فریدی کے مشورے پر عمل کیا تھا۔''

''تمہارا خیال غلط نہیں ہے۔''

''اور اب تم ہمارا ایک کام اُسی طرح کرو گے جس طرح ہم کہیں گے۔''

''ہو سکتا ہے۔ لیکن میں کوئی کام معاوضے کے بغیر نہیں کرتا۔''

''معاوضہ دینا ہوتا تو ہم میں سے کوئی تمہارے دفتر میں حاضری دیتا۔''

''پھر میں تمہارا کوئی کام نہیں کر سکتا۔''

''کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہاں سے نکل جانے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ مسٹر انور کسی وہم میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم یہیں کھڑے کھڑے پل بھر میں مر سکتے ہو۔''

''میرے لئے مر جانا کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں ہو سکتا۔''

''بیوقوفی کی باتیں مت کرو۔''

''میں نے تمہیں حقیقت سے آگاہ کیا ہے۔''

''خیر ان باتوں کو چھوڑو۔ معاوضے کے مسئلے پر بھی غور کیا جاسکتا ہے۔''

''بات صاف نہیں ہوئی۔ شبہ باقی ہے اور پھر ابھی تک یہ بھی نہیں بتایا گیا کہ شہ کیا ہوگا۔''

''جیرالڈ شاستری سے متعلق دوسری خبر فلیش کرو گے۔''

''کیا نوعیت ہوگی اُس خبر کی۔''

''یہی کہ اگر کرنل فریدی کو جیرالڈ شاستری کے حوالے نہ کردیا گیا تو پورا شہر کھنڈ جائے گا۔''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ جیرالڈ شاستری حکومت کو چیلنج کررہا ہے۔''

''ہاں..... یہ خبر اسی تاثر کے ساتھ فلیش کی جائے گی۔''

''اور اس کے بعد میری گردن کہاں ہوگی۔ میں حکومت کے ذمہ داروں کو کس طر یقین دلاؤں گا کہ یہ میری ذہنی اختراع نہیں ہے۔''

''فریدی کی قیام گاہ کا ایک حصہ منہدم ہوگیا ہے۔ اس کے بارے میں تمہارے ا کی کیا رائے ہے۔'' سوال کیا گیا۔

''ابھی تک کوئی رائے نہیں قائم کی جاسکی۔''

''بالکل اسی طرح پورا شہر کھنڈروں میں تبدیل ہوسکتا ہے۔''

''تمہاری یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔''

''جیرالڈ دوسری دنیا سے واپس آیا ہے۔ اسے آسیب سمجھو۔ تم پر بھی مسلط ہوسکتا تم ہی شہر میں تباہی پھیلا سکتے ہو۔''

''اب تو تم نے اس بات کو اور زیادہ گنجلک بنادیا۔''

''تم جیرالڈ شاستری کے زیر سایہ آچکے ہو مسٹر انور اور اب تم بدمعاوضہ ا احکامات کی تعمیل کرو گے۔''

''یہ کیا بات ہوئی؟''

''میں کوسوں دور سے اُسے تم پر مسلط ہوتے دیکھ رہا ہوں۔''

''گویا تم بھی کوئی بدروح ہو۔''

''دھوپ میں چلتے وقت اپنی پرچھائیں پر نظر رکھنا۔''

''شائد تم بہت زیادہ پی گئے ہو۔'' انور بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

''شب بخیر۔'' کہا گیا اور پھر سناٹا چھا گیا۔ انور کو ایسا محسوس ہوا جیسے کانوں میں سیٹیاں بجنے لگی ہوں۔ تھوڑی دیر تک یہی کیفیت رہی اور پھر وہ دوبارہ دروازے کی طرف مڑا اور ہینڈل پر زور آزمائی کرنے لگا۔ لیکن بے سود۔ دروازہ نہ کھل سکا۔ تھک ہار کر پھر بستر پر آبیٹھا۔ گھڑی میں وقت دیکھنے پر معلوم ہوا کہ بے ہوش ہونے سے اب تک پورے بارہ گھنٹے گزر چکے ہیں۔

پتا نہیں کیا چکر ہے۔ وہ سوچ رہا تھا۔ ویسے یہ بات اُس کی سمجھ میں آگئی تھی کہ مجرموں کو فریدی کی تلاش ہے۔ لیکن کیوں؟

اُس نے جیرالڈ کے ہم شکل کو جس عمارت میں دیکھا تھا وہیں وہ دونوں بھی رہتے تھے جنہوں نے فریدی کی گاڑی پر فائرنگ کی تھی اور بالآخر اسی کے ہاتھوں مارے گئے تھے یا زخمی ہوئے تھے اور فریدی کی گاڑی میں ایک عورت بھی تھی جس پر کوئی الزام تھا اور وہ انہی دونوں کی فائرنگ سے ہلاک ہوگئی تھی اور یہ قصہ شروع ہوا تھا ایک فلم کی شوٹنگ سے جس میں ہیرو اپنے گھوڑے سمیت چور چور ہوگیا تھا۔

اچانک اُسے اس نادیدہ آدمی کی لایعنی باتیں یاد آئیں۔ جیرالڈ کا بھوت جس کا سایہ کسی پر بھی ہوسکتا ہے، اور وہ دھوپ میں چلتے وقت اپنی پرچھائیں پر نظر رکھے۔ یہ سب کیا بکواس تھی۔ لیکن اس کا اس طرح یہاں لایا جانا بے مقصد تو نہیں ہوسکتا۔ وہ یقیناً فریدی پر نظر رکھنا چاہتے ہیں گویا کسی اور کی اُن کی نظروں میں کوئی وقعت نہیں ہے۔ صرف فریدی ہی ان کی مجرمانہ مصروفیات میں مداخلت کرسکتا ہے۔ خدا جانے اُسے کس طرح اس مقصد کے حصول کے لئے آلہ کار بنایا جائے۔

پورے بارہ گھنٹے گزر جانے کے بعد بھی اُسے بھوک نہیں محسوس ہوئی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے رات کا کھانا کھا چکا ہو اور اب آہستہ آہستہ نیند بھی اُس کے ذہن پر مسلط ہوتی جارہی

تھی۔ بستر پر لیٹ گیا اور پھر پتہ ہی نہ چل سکا کہ کب نیند آ گئی۔

دوسری بار آنکھ کھلنے پر تو بھونچکا ہی رہ گیا۔ کیونکہ وہ کسی پبلک پارک کی بنچ پر گویا بیٹھے ہی بیٹھے سوتا رہا تھا۔ بنچ ایک گھنیرے درخت کے سائے میں تھی جس سے کچھ فاصلے پر دھوپ پھیلی ہوئی تھی اور قریب ہی کی ایک روش پر اس کی اپنی موٹر سائیکل نظر آئی۔ بوکھلا کر اُٹھ بیٹھا۔ گھڑی پر نظر ڈالی۔ نو بجے تھے۔ پچھلے دن کے سارے واقعات ایک کر کے نظروں کے سامنے پھر گئے اور وہ بوکھلا کر اپنی موٹر سائیکل کی طرف بڑھا تھا یک بیک ٹھٹک کر رہ گیا۔ نادیدہ آدمی کی یہ ہدایت یاد آ گئی تھی کہ دھوپ نکلتے ہی پرچھائیں پر نظر رکھنا۔ پارک میں اس وقت سناٹا تھا۔ اُس کے علاوہ دور دور اور کوئی نہیں دکھائی دیتا تھا۔

وہ وہیں کھڑا اپنی پرچھائیں کو گھورتا رہا۔ دفعتاً اُس کی پرچھائیں سے ایک پرچھائیں نکلی اور وہ اچھل کر پیچھے ہٹ آیا۔ اس کی پرچھائیں اپنی جگہ پر برقرار تھی لیکن اس سے نکلی ہوئی دوسری پرچھائیں ایک جانب آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی۔ جیسے ہی اُس کا آدھا حصہ ایک بنچ پر پڑا وہ چور چور ہوگئی۔ پھر وہ ایک درخت کی طرف جھپٹی اور درخت کا تنا دو ٹکڑے ہوگیا۔ وہاں سے اس نے پارک کے ایک جنگلے کی طرف دوڑ لگائی اور انور نے دیکھا کہ لوہے کے جنگلے کا ایک حصہ بھی پاش پاش ہوگیا۔

پھر اُسے اتنا ہوش کہاں تھا کہ وہ کچھ اور بھی دیکھتا۔ بدحواسی سے موٹر سائیکل کی طرف دوڑا۔ غنیمت ہی تھا کہ پارک سے سڑک آتے آتے کوئی ایکسیڈنٹ نہیں ہوا۔ موٹر سائیکل بڑی تیز رفتاری سے سڑک پر دوڑ رہی تھی اور وہ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ پرچھائیں پارک ہی میں تباہی پھیلاتی رہ گئی تھی یا دوبارہ اُس کی پرچھائیں میں ضم ہوگئی تھی۔

جیروم بڑی مشکل سے ہوش میں آیا تھا۔ بے ہوشی ہی کے عالم میں حمید نے کسی طرح کھینچ کھانچ کر ٹیکسی سے اُتارا اور برآمدے میں ڈال دیا اور ٹیکسی والے کو کرایہ ادا کر کے بولا۔ ''بہت پی گیا ہے؟''

اس نے بھی یونہی خواہ مخواہ دانت نکالے اور کرایہ لے کر رفو چکر ہوگیا۔ حمید نے دروازہ کھولا پھر جیروم کی بغلوں میں ہاتھ دے کر گھسیٹتا ہوا سٹنگ روم تک لایا اور فرش پر ڈال دیا۔

اچانک بے ہوشی کی وجہ اب تک اُس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ کبابوں کے علاوہ اور کچھ کھایا بھی نہیں تھا اور شراب نوشی کی تجویز تو حمید نے پہلے ہی مسترد کر دی تھی۔

بہرحال وہ اس کے قریب ہی بیٹھا اُسے پُرتشویش نظروں سے دیکھتا رہا۔ مزید دس منٹ گزر گئے اور اس کے بعد جیروم کے جسم میں کسی قدر جنبش ہوئی۔

حمید خاموش بیٹھا دیکھتا رہا۔ جیروم نے کروٹ لی اور آہستہ آہستہ کراہنے لگا۔ اُس کا رخ حمید کی طرف نہیں تھا۔ حمید بہ آہستگی اُٹھا اور دبے پاؤں باہر نکل گیا۔ پھر دروازہ بھی اتنی آہستگی سے بند کیا تھا کہ آواز نہ ہونے پائی۔ اس کے بعد وہ قفل کے سوراخ سے آنکھ لگا کر اندر دیکھنے لگا۔ جیروم ابھی تک اُسی کروٹ پڑا ہوا تھا اور اب کچھ کہہ بھی رہا تھا۔ لیکن الفاظ صاف سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے نیند کی حالت میں بڑبڑا رہا ہو۔

پھر وہ چت ہوگیا اور حمید نے اسے اُٹھتے دیکھا۔

ٹھیک اُسی وقت جیبی ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا اور حمید تیزی سے پیچھے ہٹتا چلا گیا۔ عمارت کے ایک دور افتادہ گوشے میں میں پہنچ کر ٹرانسمیٹر نکالا اور اُسے منہ کے قریب لا کر بولا۔ ''ہیلو۔ اِٹ از ڈاکٹر زیرو۔''

''ہارڈ اسٹون۔'' فریدی کی آواز آئی۔ ''تم اس وقت کہاں ہو۔''

''مہمان کے ساتھ اُسی عمارت میں۔''

''تم رات اس کے ساتھ نہیں گزارو گے۔ اُسے وہاں تنہا چھوڑ دو۔''

''پھر میں کہاں جاؤں؟''

''وہیں..... جہاں قیام ہے۔''

''وہ گاڑی میں خود بخود بے ہوش ہوگیا تھا۔''

''گاڑی میں کیوں! کیا تم اسے باہر لے گئے تھے۔''

''اُس نے مجبور کیا تھا۔'' حمید نے کہا اور اُسے بتانے لگا کہ کس طرح اُس نے میک

اپ کر کے باہر نکلنے کی تجویز پیش کی تھی اور اسی پر اڑ گیا تھا اور پھر واپسی پر اچانک گاڑی
بے ہوش ہو گیا۔

''تمہیں اسی پر جمے رہنا چاہئے تھا کہ تم ایسا نہیں کر سکتے۔''

''اب تو ہو ہی گئی حماقت۔''

''خیر..... تم وہاں رات بسر نہیں کرو گے۔ پھر کوئی بہانہ کرو اور نکل جاؤ۔''

''آپ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟''

''اس کی فکر نہ کرو۔ جو کچھ بھی کر رہے ہو کرتے رہو۔ شاید ہم جلد ہی کامیاب
ہو جائیں۔''

''کامیابی کی نوعیت کیا ہوگی۔''

''اس گفتگو کو ملاقات پر اُٹھا رکھو اوور اینڈ آل۔''

حمید نے سوئچ آف کر کے ٹرانسمیٹر جیب میں ڈال لیا اور پھر نشست کے کمرے
طرف پلٹ آیا۔ دروازہ اسی طرح بند ملا جیسا چھوڑ گیا تھا۔

قفل کے سوراخ سے پھر آنکھ لگا دی۔ جیروم دونوں ہاتھوں سے سر تھامے فرش پر
نظر آیا۔ اُس کا جسم ہل رہا تھا۔ حمید نے غور کیا تو سسکیاں بھی سنائی دیں۔ اوہ..... تو وہ رو
تھا۔ وہ اُسے متحیرانہ انداز میں دیکھتا رہا۔ پھر دفعتاً وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور جیرو
اچھل پڑا۔ جلدی جلدی آنسو پونچھنے لگا تھا۔

''تم کہاں چلے گئے تھے۔'' اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''تمہارے لئے کسی ڈاکٹر کو تلاش کر رہا تھا۔''

''اوہ..... اس کی ضرورت نہیں۔ میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے۔
''میں تو کچھ سمجھ ہی نہ سکا۔ باتیں کرتے کرتے بے ہوش ہو گئے تھے۔''

''پُرانا مرض ہے۔'' وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''جب بھی وہ بے وفا یاد آتی ہے
میری یہی حالت ہو جاتی ہے۔''

''ارے تم اُسے بے وفا کہہ رہے ہو جبکہ خود ہی اُسے مار ڈالنا چاہتے تھے۔''

''میں اُس کی بات نہیں کر رہا۔''

''اوہ، تو کوئی اور بھی ہے؟'' حمید نے حیرت سے پوچھا۔

اس نے بڑی معصومیت سے سر کو اثباتی جنبش دی اور پھر آنسو پونچھنے لگا۔

''تو اُس نے بے وفائی کی تھی تم سے۔''

اس نے پھر سر ہلایا اور ایسے انداز میں حمید کی طرف دیکھتا رہا جیسے خود ہی تفصیل میں
نے کے لئے بے چین ہو۔

نہ جانے کیوں حمید کو اُس پر رحم آ گیا اور اس نے کہا۔ ''کہہ ڈالو۔ اس سے جی کا بوجھ
ہلکا ہے۔''

''وہ بہت اچھی تھی۔ میں ہی خراب ہوں۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ میں اس کے
اس کے باپ کو خارش زدہ بلا کہا کرتا تھا۔''

''پتا نہیں کیوں بالآخر قصور تمہارا ہی نکلتا ہے۔'' حمید طویل سانس لے کر بولا۔ ''مجھے
مجھے بھی اپنی ہر محبوبہ کا باپ بلڈاگ لگتا ہے لیکن میں نے آج تک کسی پر اپنا خیال ظاہر
کیا۔''

''مجھے غصہ آ جائے تو اظہار خیال میں کوئی دشواری محسوس نہیں آتی۔'' جیروم نے کہا۔
''نے ایک ایسے شخص کو پسند کر لیا جس نے اُسکے باپ کا آخری دانت بھی توڑ دیا تھا۔''

''یعنی تمہارا رقیب ڈینٹل سرجن تھا؟''

''میرے سامنے تو نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے میرے بعد ہو گیا ہو۔''

''تمہیں بھوک تو نہیں لگ رہی۔''

''نہیں.....!'' اس نے سر کو جنبش دے کر کہا۔

''اچھا، تو پھر میں باہر جا رہا ہوں۔ شاید تمہارے ساتھ رات بسر نہ کر سکوں۔''

''ایسا نہ کرو۔ مجھے تنہا نہ چھوڑو۔'' وہ گھگھیایا۔

''بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔ جبکہ مجھے یہی حکم ملا ہے۔''

''میں نے خود کو کیسے عذاب میں ڈال لیا ہے خداوندا۔ اب کیا ہوگا۔ کیسی نادانی ہو گئی
مجھ سے۔''

''تم پھر غیر محتاط ہو گئے۔ دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں۔''

''تم میرا مطلب نہیں سمجھے۔ میں اپنے اس رجحان کو الزام دے رہا تھا جو مجھے ہر ایک سے محبت ہو جاتی ہے۔''

''یہ تمہارے اپنے سوچنے کی بات ہے۔ میں تو فائنل کا سرے سے قائل ہی نہیں ہر اچھی صورت میرے لئے پیدا کی گئی ہے۔'' حمید نے سینے پر ہاتھ مار کر فخریہ انداز میں

''سوچتا تو میں بھی یہی ہوں لیکن عملی طور پر یہ کبھی ممکن نہیں ہوا۔ ایک کو دوسرا ہو گیا اور بالآخر دونوں نے مجھ سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔''

''بیک وقت دو عدد کیوں لے بیٹھتے ہو۔ ایک سے تکمیل عشق کر کے دوسری کی قدم بڑھاؤ۔''

''ایک کی موجودگی میں دوسری کو الگ رکھنا مجھ سے نہیں ہو پاتا۔''

''بہرحال مجھے جانا ہی پڑے گا۔ مجبوری ہے۔ شب فراق تنہا گزارو۔''

''مجھے ڈر ہے کہ میں تنہائی میں نہ مر جاؤں۔''

''دو چار کی موجودگی میں بھی مرنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔''

''یہی سوچنا چاہئے مجھ کو۔ لیکن نہیں سوچ پاتا۔''

''صدر دروازہ مقفل کرنا مت بھولنا۔''

''تو کیا واقعی چلے جاؤ گے۔''

''بعض اوقات میں سوچتا ہوں کہ تمہارا تعلق تنظیم سے ہے بھی یا نہیں۔'' حمید جھنجھلا کر

''اوہ خدایا..... شاید میں سچ مچ پاگل ہو جاؤں گا۔''

''اچھا شب بخیر۔'' حمید نے کہا اور دروازہ کھولا ہی تھا کہ پھر پیچھے ہٹ آیا۔ اسٹین گنیں لئے سامنے کھڑے نظر آئے تھے۔ وہ ان کی زد پر تھا۔ اس لئے ہاتھ اوپر اٹھا کے علاوہ اور کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ جیروم نے بھی انہیں دیکھ لیا تھا۔ وہ بھی بوکھلا کر کھڑا ہاتھ اُٹھا دیئے۔

''تم دونوں باہر نکلو۔'' ایک آدمی نے کہا۔ یہ دیسی ہی تھا اور صورت سے جرائم معلوم ہوتا تھا۔

''آخر کیوں؟'' حمید نے پوچھا۔

''تم مردود پیوں نے یہاں بڑی گندگی پھیلا رکھی ہے۔''

''کیا یہ تمہارے باپ کا گھر ہے؟'' حمید بھنا کر بولا۔

''اوہ، اس وقت تو بڑی صاف اردو بول رہے ہو۔ وہاں دو ٹکے کے ہوٹل میں تمہارے سے ایسی اردو بولے تھے جیسے سچ مچ انگلینڈ سے چلے آ رہے ہو۔''

حمید سناٹے میں آ گیا۔ تو گویا وہ پہچانا جا چکا ہے اور یہ شروع ہی سے اُن کا تعاقب کرتے رہے ہیں۔ ورنہ ہوٹل میں ہونے والی گفتگو کا حوالہ کیسے دیا جاتا۔

''چلو، باہر نکلو اور چپ چاپ گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔'' اس نے اسٹین گن کو جنبش دیکر کہا۔

یہ تو بہت بُرا ہوا۔ حمید تیزی سے سوچ رہا تھا کیا کرنا چاہئے۔ دونوں ہی خاصے پھرتیلے معلوم ہوتے تھے۔ آنکھیں ایسی نہیں تھیں کہ پل بھر کے لئے بھی ٹارگٹ سے غافل ہوتیں۔ تو گویا اب پھنس ہی گئے۔ دفعتاً جیروم کے حلق سے عجیب سی آوازیں نکلنے لگیں۔ بیداب اُسے خطرے کا احساس ہوا تھا اور ڈر کے مارے گگھی بندھ گئی تھی۔ ان دونوں نے ہاں کمرے سے نکالا اور صدر دروازے کی طرف لے چلے۔ جیروم حمید کے برابر ہی ہاتھ اٹھائے ہوئے چل رہا تھا۔ وہ دونوں اُن کے پیچھے تھے۔

''اب کیا ہوگا.....؟'' جیروم گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔

''میں کیا جانوں۔ جب تک تم نے باہر چلنے پر اصرار نہیں کیا تھا محفوظ رہے تھے۔ اب ہمارے ہی ساتھ میں بھی مارا جاؤں گا۔''

''کاش، تم نے میری بات نہ مانی ہوتی۔ میں تو پاگل ہوں۔''

''خاموشی سے چلتے رہو۔'' حمید نے سخت لہجے میں کہا۔

ایک سیاہ رنگ کی وین برآمدے ہی سے لگی کھڑی نظر آئی جس کے پچھلے دروازے کے قریب ان کا تیسرا ساتھی کھڑا تھا۔ اس نے دروازہ کھولا اور یہ دونوں اندر بٹھا دیئے گئے۔ دروازہ بند ہونے کی آواز پر جیروم اس طرح اُچھل پڑا جیسے توپ چلی ہو۔ حمید کو اس پر حیرت ہوئی کہ انہوں نے اُن کی جامہ تلاشی لئے بغیر وین میں بٹھا دیا تھا۔ اس نے اپنے بغلی ہولسٹر کو ٹٹول لیا جس میں اعشاریہ تین آٹھ کا ریوالور موجود تھا۔

گاڑی حرکت میں آ گئی۔ وہ تینوں اگلی ہی سیٹ پر تھے اور انہیں اس ڈبے میں بند کر دیا

تھا۔ اندھیرے میں وہ ایک دوسرے کی شکل نہیں دیکھ سکتے تھے۔

''اب کیا خیال ہے۔'' حمید نے جیروم سے پوچھا۔ ''میک اپ میں بھی پہچان لئے گئے۔''

''مم..... میں بہت شرمندہ ہوں۔''

''کیا فائدہ اس شرمندگی سے۔ ہماری ایک بھی نہ سنی جائے گی۔''

''مم..... مجھے خوفزدہ کرنے کی کوشش مت کرو۔''

''ہاں بھلا مرنے سے پہلے خوفزدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔''

''کک..... کیا تم سمجھتے ہو کہ تم بچ جاؤ گے؟''

''ظاہر ہے کہ یہ ناممکن ہے۔ لہٰذا پریشان ہونے سے کیا فائدہ۔''

''تت..... تم عجیب آدمی ہو۔''

''لیکن عجیب آدمی ہونے کی بناء پر بھی مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔''

''کچھ سوچو..... ورنہ ہماری سزا موت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوگی۔''

''جیسی حماقت مجھ سے سرزد ہوئی ہے اُس کی سزا موت بھی کم ہے۔''

''تم نے ازراہ انسانیت میری بات مانی تھی۔ سزا کا مستحق صرف میں ہوں۔''

''گیہوں کے ساتھ گھن بھی پستا ہے۔''

''میں کہتا ہوں کچھ سوچو۔''

''تم خود ہی کیوں نہیں سوچتے۔ جو کچھ کہو گے اس پر عمل کروں گا۔''

''یہ دروازہ کھولنے کی کوشش کرو۔''

''اسے باہر سے مقفل کیا گیا ہے۔''

اور ٹھیک اسی وقت اُن دونوں نے کھانسنا شروع کر دیا۔ اندھیرے میں کچھ نظر تو نہیں آ رہا تھا البتہ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وین کے اس حصے میں دھواں بھر رہا ہو۔ پھر دم گھٹنے سی کیفیت ذہنوں پر طاری ہونے لگی تھی۔

''ہمیں یہیں مار دیا جائے گا۔'' حمید گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔ ''گیس۔''

''نہیں..... نہیں..... نہیں۔'' جیروم حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخنے لگا۔ ''میں مرنا نہیں چاہتا۔''

حمید نے کچھ کہنا چاہا لیکن کہہ نہ سکا۔ اب وہ جیروم کی آواز بھی نہیں سن سکتا تھا۔

جیروم میں شاید اب چیخنے کی سکت بھی نہیں رہی تھی۔

پتا نہیں دوبارہ کب حمید کو ہوش آیا تھا لیکن ذہن جلد ہی صاف ہوگیا۔ کیونکہ کسی قسم کی تکلیف کا احساس آنکھ کھلتے ہی ہوا تھا۔ خود کو ایک ستون سے جکڑا ہوا پایا۔ بے ہوشی کی حالت ہی میں اُسے ستون سے لگا کر کھڑا کر دیا گیا تھا اور پنڈلیوں سے سینے تک رسی کو متعدد بار لپیٹ دیئے گئے تھے۔

جیروم قریب ہی فرش پر اوندھا پڑا نظر آیا۔ اُسکے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔

یہ مشرقی طرز پر بنی ہوئی کسی عمارت کا دالان تھا جسے روشن رکھنے کے لئے دو بڑے کیروسین لیمپ دونوں سروں پر موجود تھے۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اب پستول اور جیبی ٹرانسمیٹر اس کے قبضے میں نہ ہوگا۔ کہیں مخصوص ساخت کا یہ ٹرانسمیٹر فریدی تک پہنچنے کا ذریعہ بن جائے۔ یہ کیا حماقت سرزد ہوگئی۔ آخر جیروم سے اس طرح لپٹ لگنے کی کیا ضرورت تھی۔ لیکن اس کے سلسلے میں فریدی سے بھی کوئی ہدایت نہیں ملی تھی۔ اس نے اُسے جیروم کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا اور اس نے بھی یہی کہا تھا کہ وہ جیروم کو محکمے کی حوالات میں بند کرنے کی بجائے اپنے ہی ساتھ رکھے اور اُسے یہی باور کراتا رہے کہ وہ خود بھی اسی تنظیم سے تعلق رکھتا ہے۔

جیروم کے چہرے پر اب مصنوعی ڈاڑھی نہیں تھی۔ خود اُس کا چہرہ بھی ہلکا ہوگیا تھا۔ لیکن ہال کے مختلف حصوں پر محسوس ہونے والے دباؤ کی موجودگی کی بناء پر وہ وثوق سے کہہ سکتا تھا کہ اُس کا عدنان خلیلی والا میک اپ بدستور موجود ہے۔ یہ پلاسٹک میک اپ تھا۔

جیروم کا چہرہ اُسی کی طرف تھا اور اس کی ضائع ہو جانے والی آنکھ پر عجیب سی بے بسی طاری تھی۔ حمید کو اس پر رحم آنے لگا۔ لیکن خود اس کا کیا حشر ہوگا؟ ابھی تو عدنان خلیلی کا میک اپ برقرار ہے۔ کیا یہ اسی طرح برقرار رہ سکے گا۔

دفعتاً جیروم کو چھینک آئی اور وہ آنکھیں کھول کر آہستہ آہستہ کراہنے لگا۔

''بڑے نازک دماغ معلوم ہوتے ہو۔ کیروسین لیمپ کا دھواں چھینکیں لا رہا ہے۔'' حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

جیروم نے کچھ نہیں کہا اور جیروم نے اُٹھ بیٹھنے کی کوشش کی لیکن اس پوزیشن میں اُٹھ بیٹھنا آسان تو نہیں تھا۔ وہ کسمسا کر رہ گیا۔

''بس پڑے رہو یونہی۔'' حمید بولا۔

''اب کیا ہوگا۔'' جیروم کے حلق سے بھائیں بھائیں سی آواز نکلی۔

''شادی ہوگی۔'' حمید نے خوش ہو کر کہا۔

''تم بندھے ہوئے ہو۔''

''اور بالکل بخیریت ہوں، لیکن تمہاری خیریت مجھے خطرے میں نظر آ رہی ہے۔ جلاد اپنے تیغے سمیت آئے گا اور ایک ہی وار میں تمہاری گردن دور جا پڑے گی۔''

''نن نن نن..... نہیں..... ہینہ۔''

''اُٹھ کھڑے ہونے کی کوشش کرو۔ تمہارے صرف ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔''

''میں نے کوشش کی تھی۔ نہیں اُٹھ پا رہا۔''

''سینے پر زور دے کر کولہے اوپر اُٹھاؤ اور دوزانو بیٹھ جانے کی کوشش کرو۔''

''اچھا کرتا ہوں۔'' وہ مردہ سی آواز میں بولا۔ ''لیکن وہ لوگ کہاں ہیں۔''

''ہوش آنے کے بعد سے میں نے کسی کو بھی نہیں دیکھا۔ جلدی کرو۔''

حمید کی ہدایت پر عمل کر کے وہ بدقت دوزانو بیٹھ گیا۔

''اب کھڑے ہونے کی کوشش کرو۔ یہ کچھ ایسا مشکل نہ ہوگا۔'' حمید نے بے

لہجے میں کہا۔

جیروم اُٹھ بھی گیا اور حمید نے آہستہ سے کہا۔ ''میرے قریب آؤ اور دیکھو کہ انہوں

اس بندش کی گانٹھ کہاں لگائی ہے۔''

جیروم ستون کے گرد چکر لگا کر بولا۔ ''پیچھے۔''

''گانٹھ تک تمہارے دانتوں کی پہنچ ہو سکتی ہے؟'' حمید نے پوچھا۔

''بالکل..... بالکل.....!''

''بس تو پھر جتنی جلدی ممکن ہو گانٹھ کو دانتوں سے کھولنے کی کوشش کرو۔ میں

تمہارے ہاتھ کھول دوں گا اور ہم دونوں آزاد ہوں گے۔''

''کک کہیں..... وہ نہ آ جائیں؟''

''اس کی فکر نہ کرو۔ میں چوہوں کی طرح مارا لیا جانا پسند نہیں کروں گا۔ دو دو ہاتھ

ہو جائے مجھے ذرہ برابر بھی افسوس نہ ہوگا۔''

جیروم دانتوں سے گانٹھ کھولنے کی کوشش کرتا ہوا کراہتا رہا۔ حمید سختی سے ہونٹ بھینچے کھڑا

رہا۔ بودے آدمی پر شدت سے غصہ آ رہا تھا۔ ایک عورت بھی تو نہیں ماری جا سکی تھی اس

عظیم ہے یا کیچوؤں کا جھنڈ۔

''کیا دس گھنٹے لگاؤ گے۔'' اس نے تیز لہجے میں پوچھا۔

''ب بس۔'' جیروم ہانپتا ہوا بولا۔ ''زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ کسی قدر ڈھیلی ہو گئی ہے۔''

اور پھر ذرا ہی دیر میں حمید آزاد ہو گیا۔ بڑی پھرتی سے اُس نے جیروم کے ہاتھ کھولے تھے۔

ملتے ہی بوکھلائے ہوئے انداز میں ناچنے لگا اور حمید نے اس کا گریبان پکڑ کر جھٹکا دیا۔

''ہوش میں آؤ..... ہمیں نکل چلنے کی کوشش بھی کرنی ہے۔''

''تت..... تو کرو۔''

حمید نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ دالان کے آگے صحن تھا جس کی دیواریں خاصی

اونچی تھیں۔ پھر وہ دالان کے اندر والے دروازوں کی طرف متوجہ ہوا۔ صحن میں کوئی دروازہ

نہیں تھا۔

دالان کا ایک دروازہ دھکا دینے پر کھل گیا لیکن اندر اندھیرا تھا۔ دروازہ تھوڑا سا کھول

کر گن لیتا رہا لیکن کسی قسم کی آواز نہ سنائی دی۔ اس نے دالان کا ایک کیروسین لیمپ

اٹھایا اور کمرے میں داخل ہوا۔ جیروم اس کے پیچھے تھا۔

سامنے ہی ایک میز پر اُس کا ہولسٹر ریوالور سمیت رکھا ہوا نظر آیا۔ اس کے قریب ہی

اٹیچی کیس بھی موجود تھا۔ اسی طرح جیروم کی جیب سے برآمد ہونے والی ساری اشیاء بھی

ہوئی تھیں۔ انہیں میں ان دونوں کے شناختی کارڈ بھی تھے۔ حمید نے طویل سانس لی۔

والے کارڈ کے پشت والی تحریر پر اُس نے پہلے ہی مار کر سے سیاہی پھیر دی تھی۔ ورنہ

جاتی اور وہ آدمی اُنہیں محض باندھ کر ڈال جانے پر اکتفا نہ کرتے۔ اُن کا کوئی نہ کوئی

یہاں موجود ہوتا۔ بہرحال اُس نے آگے بڑھ کر اپنی چیزوں پر قبضہ کیا اور جیروم کی

اس کی طرف کھسکا دیں۔

''آخر وہ ہمیں یہاں اس طرح کیوں چھوڑ گئے ہیں۔'' جیروم نے گویا خود سے سوال کیا۔

''ہوسکتا ہے کسی کو ہماری گرفتاری کی اطلاع دینے گئے ہوں۔ کیروسین لیمپ ثابت ہوتا ہے کہ یہ جگہ شہری آبادی سے الگ تھلگ ہے۔'' حمید نے کہا اور وہ باہر راستے کی تلاش میں متعدد دروازوں سے گزرتے رہے۔ صدر دروازے پر پہنچ کر رک کیونکہ وہ باہر سے بند تھا۔

''اب کیا ہوگا۔'' جیروم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''یہی تو دیکھتا پھر رہا ہوں کہ اب کیا ہوگا۔''

''قفل پر فائر کرو۔''

''کس قفل پر۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ یہ دروازے جدید طرز کے نہیں ہیں۔ کنڈی لگائی گئی ہے۔''

''اُدھر صحن کی طرف۔'' جیروم نے کہا اور مزید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ ایسا معلوم جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ ''اُدھر چلو..... تو تدبیر ہو جائے۔''

''کیا تدبیر ہو جائے گی۔'' حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

''تم چلو تو، مجھے ایک جگہ دیوار پر کچھ غیر معمولی سی چیز نظر آئی تھی۔''

''دیوار پر سڑک نظر آئی ہوگی۔'' اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

لیکن وہ پھر صحن کی طرف واپسی کے لئے مڑ گیا تھا۔ صحن میں پہنچ کر جیروم نے جانب اشارہ کیا۔ ''یہ دیکھو'' دیوار کے جس حصے کی طرف اس نے اشارہ کیا تھا وہاں دروازہ رہا ہوگا۔ جسے نکال کر بعد میں اینٹیں چن دی گئی تھیں۔

''آہاں..... واقعی۔'' حمید سر ہلا کر رہ گیا۔ چنائی اکہری اینٹوں سے ہوئی تھی زیادہ محنت کے بغیر نکالا جا سکتا تھا۔

''اگر ایک اینٹ بھی نکال دینے میں کامیاب ہوگئے تو بقیہ کام بے حد آسان گا۔'' جیروم نے کہا۔

''جب سے ملے ہو صرف یہی ایک عقلمندی کی بات کی ہے تم نے۔'' حمید نے کر بولا۔

اور پھر وہ دونوں ہی بڑی تندہی سے اس کام میں لگ گئے تھے۔ ایک اینٹ نکال لینے بعد انہوں نے جلد ہی اتنا بڑا سوراخ بنالیا جس سے بہ آسانی گزر جاتے۔ دونوں لیمپ دہ باہر نکل آئے۔

''تیز چلو۔'' حمید ایک جانب بڑھتا ہوا بولا۔ تاروں کی چھاؤں میں وہ اتنا تو دیکھ ہی کہ آس پاس اس عمارت کے علاوہ اور کوئی دوسری نہیں ہے اور درختوں کی بہتات کہہ کہ وہ عمارت کسی باغ کے درمیان واقع ہے۔

ست کا تعین کئے بغیر چل پڑے تھے۔ جلد از جلد عمارت سے بہت دور نکل جانا چاہتے ید نے ریوالور ہولسٹر سے نکال لیا۔ اُسے حیرت تھی کہ اُن لوگوں نے ریوالور کو خالی بھی یا تھا۔ اُس میں پورے چھ راؤنڈ اب بھی موجود تھے۔

بھاگم بھاگ چلے جا رہے تھے اور دونوں ہی خاموش تھے۔ دفعتاً جیروم نے کہا۔ ''آخر ا رہے ہیں۔''

''بہت دور..... اُفق کے پار۔'' حمید بھنا کر بولا۔ نہ جانے کیوں اُسے اس وقت اُس ز بھی زہر لگ رہی تھی۔

''اس طرح چلتے رہنا تو ٹھیک نہیں ہے۔''

''تو پھر لیٹ جاؤ۔''

''پتا نہیں تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔''

''چپ چاپ چلتے رہو۔''

''اچھا تو پھر تم جانتے ہو گے کہ اس وقت کہاں ہو اور تمہیں کہاں جانا ہے۔''

''ایسی کوئی احمقانہ بات میرے ذہن میں نہیں ہے۔''

''اُف فوہ۔ تمہاری کوئی بات تو میری سمجھ میں آئے۔''

''دیکھو دوست ہم بے کارواں ہو چکے ہیں۔ کیا تم اب بھی تنظیم کیطرف واپس جا سکتے ہو۔''

''یہی یاد نہ دلاؤ۔ میری آنکھوں میں اندھیرا چھانے لگتا ہے۔''

''تلخ ہوں حقیقت ہے کہ اب ہمارا تنظیم سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ اگر اب اُن کے ہاتھ لگ گئے تو خارش زدہ کتوں کی طرح مار دیئے جائیں گے۔''

''اور اب ہم میک اپ میں بھی نہیں ہیں۔''

''میک اپ سے بھی کیا فائدہ پہنچا تھا۔ آخر انہوں نے ہمیں پہچان کر ہی تو پکڑا تھا۔''

''اس سلسلے میں میرا دوسرا خیال ہے۔'' جیروم بولا۔

''اوہو۔ تمہارا بھی کوئی خیال ہے۔''

''کیوں نہیں..... سنو! میرا خیال ہے کہ انہوں نے تمہارے سپرد ایک کام کر کے لاعلمی میں خود تمہاری نگرانی بھی کرائی تھی اور اسی نگرانی کے نتیجے میں ہم پکڑے گئے۔''

''واقعی..... سامنے کی بات ہے یہی ہوسکتا ہے۔ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ورنہ میک اپ ایسا نہیں کیا تھا کہ آسانی سے پہچانے جاسکتے۔''

''لہٰذا میری رائے ہے کہ ہمیں مفقود الخبر ہوجانا چاہئے۔ وہ ہمارا پتہ نہیں گے۔ کیونکہ اس وقت تعاقب یا نگرانی کا امکان نہیں ہے۔''

''اس کے لئے تمہیں نہ صرف اپنی قیام گاہ بلکہ ملازمت بھی چھوڑنی پڑے گی۔ گے کہاں سے۔''

''میرے پاس اتنا سرمایہ ہے کہ ایک سال بہ آسانی نکل جائے گا۔''

''میرے پاس تو اب رہنے کو گھر بھی نہیں رہا۔ ظاہر ہے کہ اب میں وہاں تو جاسکتا۔''

''فکر نہ کرو۔ تم کہاں ملازم ہو؟''

''میٹرو اینڈ جانسن میں۔''

''تو تمہاری بھی ملازمت گئی۔''

''اور کیا.....!'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''فکر مت کرو۔ تمہارے اخراجات بھی میرے ذمہ۔'' جیروم بولا۔

''اب کے میں تمہارا ایسا میک اپ کروں گا کہ عرصہ تک خراب نہ ہوسکے۔ مسئلہ میرے بس سے باہر ہوگا۔''

''کیا اس بھری پُری دنیا میں صرف میں ہی ایک یک چشم ہوں؟''

''دل چھوٹا نہ کرو۔ لاکھوں ہوں گے۔''

''مصنوعی آنکھ کی موجودگی میں تو بہ آسانی پہچانا جاسکوں گا۔''

''یقین کرو..... تمہاری وہ مصنوعی آنکھ حیرت انگیز تھی۔ میں اندازہ نہیں لگا پایا تھا کہ وہ مصنوعی ہے۔''

''اب اس ذکر کو جانے دو۔ جان بچانے کی کوشش کرو۔''

''میں نہیں جانتا کہ ہم کدھر جارہے ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''کہیں نہ کہیں تو کوئی سڑک یا ریلوے لائن دکھائی دے گی۔'' جیروم بولا۔

حمید خاموشی سے چلتا رہا۔ اس پر اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا تھا۔

اسٹیل ملز کے منیجر جمشید نے اُوزاکا کو پھر اپنے دفتر میں طلب کیا تھا۔ اُوزاکا نے پہنچنے میں دیر نہیں لگائی لیکن تہیہ کرلیا تھا کہ اگر اس نے اُلٹی سیدھی باتیں کیں تو وہ اُس سے نپٹ لے گا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' جمشید اُسے گھورتا ہوا بولا۔ اوزاکا خاموشی سے بیٹھ گیا اور اُسے ایسی نظروں سے دیکھتا رہا جیسے بالکل اُلو سمجھتا ہو۔

''تم نے کیا سوچا۔'' جمشید نے اُس کی طرف توجہ دیئے بغیر سوال کیا۔

''کس بارے میں۔''

''وہی غبن کا معاملہ۔''

''پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔''

''وہ اچانک اس طرح پاگل ہوکر مر کیوں گیا۔''

''آپ مجھ سے ایسے سوالات کررہے ہیں جن کے جواب میرے بس سے باہر ہیں۔ آپ کو مجھ پر کسی قسم کا شبہ ہو تو صاف صاف بتایئے تاکہ میں اپنی صفائی پیش کرسکوں۔''

''میں نے تم سے کہا تھا کہ اس سلسلے میں میری مدد کرو۔''

''ظاہر ہے جب میں کچھ جانتا ہی نہیں تو مدد کیسے کرسکوں گا۔''

''تم جانتے ہو۔''

''بکواس ہے۔'' اوزا کا میز پر ہاتھ مار کر کھڑا ہو گیا۔

''تم ہوش میں تو ہو۔''

''میں بالکل ہوش میں ہوں۔ اگر مجھ سے بے ضابطہ قسم کی گفتگو کی گئی تو اچھا نہ ہو

''بیٹھ جاؤ۔'' دفعتاً جمشید نے مسکرا کر نرم لہجے میں کہا۔

وہ بُرا سا منہ بنائے ہوئے بیٹھ گیا اور جمشید نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔ ''باضابطہ تو اسی طرح ہو سکتی ہے کہ میں پولیس کو فون کر دوں۔''

''بے شک فون کر دیجئے۔''

''پختہ ثبوت کے بغیر پولیس کو فون نہیں کیا جا سکتا۔ تم یہی سمجھتے ہو نا میرے پاس ثبوت موجود ہیں۔''

''میرے خلاف.....!''

''تم تینوں کے خلاف..... دو وہ جو مر گئے۔''

اوزا کا الجھن میں پڑ گیا۔ بھلا کس قسم کا ثبوت ہو سکتا ہے۔

اس کی دانست میں تو اُس کی دوسری حیثیت کا علم سابق منیجر یا اس کے دونوں ساتھیوں کے علاوہ اور کسی کو بھی نہیں تھا۔ بہرحال وہ مستفسرانہ نظروں سے جمشید کو دیکھ جمشید بھی پلکیں جھپکائے بغیر اُس کی آنکھوں میں دیکھے جا رہا تھا۔ حتیٰ کہ اوزا کا کی پیشانی پسینے کی دھاریں بہنے لگیں اور وہ کھنکار کر بولا۔

''میں اپنے خلاف ثبوت کے بارے میں کچھ سننے کا منتظر ہوں۔''

''تمہیں جو تنخواہ ملتی ہے اس کی رسیدیں یہاں فائلوں میں موجود ہیں۔ لیکن تم رسیدیں سابق منیجر کو نجی طور پر بھی دی تھیں جو اس کے گھر پر موجود تھیں۔ تم تینوں کی اور ان کی مجموعی رقم تمہاری سالانہ تنخواہوں سے کہیں زیادہ ہے۔''

اوزا کا نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی اور بولا۔ ''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے سے انکار نہیں کر سکتا کہ وہ رسیدیں قطعی نجی ہیں۔ سابق منیجر مجھ سے قرض لیتا رہتا تھا واپسی پر رسید بھی لیتا تھا۔''

''اسے ذہن میں رکھو کہ وہ تمہاری تنخواہ کی سالانہ رقم سے کہیں زیادہ کی رسید

''میں کچھ پس انداز کرتا ہوں اور کچھ جوئے میں جیتتا ہوں۔ ریس کھیلنا میرا محبوب مشغلہ ہے۔ میرا منتخب کردہ گھوڑا شاذ و نادر ہی ہارتا ہے۔ کہنے کا مطلب یہ کہ آپ اُن بنیادوں کی بناء پر میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔''

جمشید خاموش بیٹھا اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ ''اچھی بات ہے میں دیکھوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں اور اب تم جا سکتے ہو۔''

اوزا کا اُٹھا اور اس کے آفس سے باہر آ گیا۔

تنظیم کے لئے مختلف کاموں کی اُجرت اُسے سابق منیجر ہی کے توسط سے ملتی تھی اور وہ اُن کی رسید بھی لیتا تھا لیکن اوزا کا کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ رسیدیں اُسی کے پاس رہ گئی ہوں گی۔ وہ تو سمجھتا تھا کہ سابق منیجر اُن رسیدوں کو آگے بڑھا دیتا ہوگا۔ بہرحال اُس کو جمشید کے سامنے اس کی جو توجیہہ پیش کی تھی اب اُس پر جمے رہنا پڑے گا۔

جمشید نے ایک بار پھر اُس کا موڈ خراب کر دیا تھا اور وہ بھی ڈیوٹی کے اختتام سے ذرا پہلے۔ جب وہ سوچ رہا تھا کہ آج تو ڈربی ہاؤز والی پراسرار پامیلا کو دیکھ کر ہی رہے گا۔ چنانچہ شام اُس سے فون پر گفتگو ہونے کے بعد اوزا کا نے ڈھیروں شراب پی تھی اور اُس سے ملاقات کرنے کے لئے چل پڑا تھا۔

زیادہ شراب نوشی اُس کے اعصاب پر زیادہ بُرا اثر نہیں ڈالتی تھی۔ یعنی نہ تو وہ ذہنی طور پر بہکتا تھا اور نہ کسی جسمانی کمزوری میں مبتلا ہوتا تھا۔ بس آنکھوں سے ظاہر ہو جاتا تھا کہ اس نے پی رکھی ہے۔ بہرنوع وہ اُسی حال میں ڈربی ہاؤز تک پہنچا تھا۔ کمپاؤنڈ کا پھاٹک بند تھا اور پھاٹک کے آس پاس کے حصے تیز قسم کی روشنی میں نہائے ہوئے تھے۔ اُس نے کال بل کا بٹن دبایا اور تھوڑی دیر بعد کال بل کے بٹن کے اوپر ہی لگے ہوئے مائیک سے آواز آئی۔

''کون ہے؟''

وہی نسوانی آواز تھی جو فون پر سن چکا تھا۔

''میں اوزا کا ہوں، جس سے ملنے کی تم نے خواہش ظاہر کی تھی۔'' اوزا کا نے مائیک پر غرّاتے ہوئے کہا۔

''اوہ..... ہیلو.....!'' آواز آئی اور پھر کسی قدر تذبذب کے ساتھ کہا گیا۔ ''لیکن مجھے

افسوس ہے کہ تم نے شراب پی رکھی ہے۔''

اوزاکا بوکھلا گیا۔ وہ تو سمجھا تھا کہ وہاں صرف مائیک سسٹم ہے لیکن یہ تو شارٹ سرکٹ ٹیلیویژن کا معاملہ معلوم ہوتا ہے۔ وہ عمارت کے کسی گوشے میں بیٹھی اُسے صاف دیکھ رہی اور ٹی وی کا کیمرہ شائد پھاٹک کی محراب میں کہیں نصب تھا۔

''اس میں کیا قباحت ہے۔'' اوزاکا نے کہا۔ ''میں پی کر بہکتا نہیں ہوں۔''

''بہتیرے نہیں بہکتے لیکن میں ایسے کسی آدمی سے بالمشافہ گفتگو کرنا پسند نہیں کرتی جس نے ذرا سی بھی پی رکھی ہو۔''

''تمہاری مرضی۔'' اوزاکا نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔ ''میں تو محض تمہارے کہنے سے چلا آیا۔''

''مجھے افسوس ہے مسٹر اوزاکا۔ پھر کبھی سہی۔ جب تم نے پی نہ رکھی ہو۔''

اوزاکا بڑی بے نیازی سے اپنی گاڑی کی طرف پلٹا تھا اور اُسے دل ہی دل میں ہزاروں گالیاں دیتا ہوا پھر اپنی قیام گاہ کی طرف روانہ ہوگیا تھا اور آج دن بھر یہی سوچتا رہا تھا کہ واپسی پر ڈربی ہاؤز ضرور جائے گا۔ خواہ کچھ ہوجائے۔ لیکن جمشید نے چھٹی سے تھوڑی دیر پہلے موڈ اتنا خراب کردیا تھا کہ اب اُسے فی الحال کسی قسم کی بھی تفریح سے دلچسپی نہیں رہی تھی۔ غصے میں بھرا ہوا اپنے آفس پہنچا اور کرسی پر بیٹھ کر ہانپنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد فون کی گھنٹی بجی۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے جمشید کی آواز آئی اور ایک بار پھر اُس کی سانس پھولنے لگی۔ وہ نرم لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ مجھ سے تعاون کرو۔ میں اُن رسیدوں کو دریابُرد کردوں گا۔''

اوزاکا نے کچھ کہے بغیر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور سوچ سوچ کر محظوظ ہونے لگا۔ اس ہتک آمیز رویئے نے اُسے بھک سے اڑا دیا ہوگا اور وہ اپنی ہی بوٹیاں نوچتے رہنے کے علاوہ اور کیا کرسکا ہوگا۔

اتنے میں ڈیوٹی کے اختتام کا وقت بھی ہوگیا اور وہ اپنے آفس سے نکل کر گاڑی میں آ بیٹھا۔ شراب کی طلب محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن پھر ڈربی ہاؤز والی پراسرار پامیلا یاد آئی اور اُدھر ہی چل پڑا۔ شام کے چار بجے تھے۔ جمشید کی گفتگو کے اثرات ذہن سے جھٹک

کر اُس نے گنگنانا شروع کردیا۔

کافی تیز ڈرائیونگ کر کے ڈربی ہاؤز تک پہنچا۔ حسب سابق پھاٹک پر کال بل کا بٹن دبایا۔ مائیک سے آواز آئی کون ہے؟''

''اوزاکا.....!''

''اُوہ.....اچھا.....ذرا سر کسی قدر اوپر اٹھاؤ۔''

اوزاکا نے مسکرا کر تعمیل کی اور اس بار کہا گیا۔ ''ٹھیک ہے۔ گیٹ کی بائیں جانب سرخ بٹن دباؤ۔ پھاٹک کھل جائے گا۔ اپنی گاڑی اندر ہی لیتے چلے آؤ۔''

''شکریہ۔'' اوزاکا نے کہا اور مذکورہ بٹن دبا کر گاڑی کی طرف مڑ گیا۔ پھاٹک خود بخود کھل گیا تھا اور پھر جیسے ہی اس کی گاڑی پھاٹک سے گزر گئی خود بخود بند بھی ہوگیا۔ گاڑی ایک طویل روش طے کر کے پورچ میں پہنچی۔ یہاں عجیب سی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ دیکھئے عمارت کے اندر کیا پیش آئے۔

گاڑی سے اُتر ہی رہا تھا کہ ایک عورت برآمدے میں کھڑی نظر آئی اور وہ اُسے دیکھتا رہ گیا۔ بڑی پُراسرار آنکھیں تھیں اور اُس کی گندمی رنگت نے اُنہیں نہ جانے کتنی توانائی بخش دی تھی۔

زرد رنگ کے لبادے میں اُس کی شخصیت بڑی دلکش لگ رہی تھی۔ اوزاکا اس کی عمر کا اندازہ نہ لگا سکا۔ جوانی کی کسی بھی عمر کا تعین کیا جاسکتا تھا۔ وہ داہنا ہاتھ آگے بڑھا کر مسکرائی۔

''خوش آمدید۔''

''شکریہ محترمہ۔ پچھلی شام کیلئے معذرت خواہ ہوں۔'' اوزاکا بولا۔

''میں سمجھی تھی شاید تم بُرا مان گئے۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اصول پسند لوگ مجھے اچھے لگتے ہیں۔'' اوزاکا نے کہا۔

وہ اُسے نشست کے کمرے میں لائی جو اچھا خاصا ہال معلوم ہوتا تھا اور جس میں فرنیچر زیادہ نہیں تھی۔

''میں ایک جہاں گرد عورت ہوں۔ آج یہاں کل وہاں۔ کہیں جم کر نہیں رہ سکتی۔''

''میں یہاں اسٹیل ملز میں ملازم ہوں۔''

وہ اُسے غور سے دیکھتی ہوئی بولی۔ ''لیکن مجھے کہنے دو کہ تم بہت عجیب ہو۔''

''میں تو ایسی کوئی بات محسوس نہیں کرتا۔'' وہ زبردستی ہنس کر بولا۔

''شاید! لیکن میرا علم کہتا ہے کہ تم غلط بیانی سے کام لے رہے ہو۔ فون پر تمہاری آواز سن کر میں نے تہیہ کیا تھا کہ تم سے ضرور ملوں گی۔ کیونکہ تم میرے علم میں اضافے کا باعث بن سکتے ہو۔''

''مم..... میں کچھ نہیں سمجھا۔''

''تمہاری آواز ہی سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ تم غیر معمولی ہو۔''

''غیر معمولی ہونا بھی میری سمجھ سے باہر ہے۔''

''مجھے یقین ہے کہ تم درست کہہ رہے ہو۔ یعنی تمہیں خود بھی اپنے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔''

''اب میں اس پر کیا کہوں۔'' اُوزاکا احمقانہ انداز میں ہنس کر رہ گیا۔

''میں ثابت کردوں گی کہ تم غیر معمولی ہو۔ ذرا اپنا داہنا ہاتھ آگے بڑھاؤ۔''

اُس نے کہا اور اُٹھ کر اُسی صوفے پر آ بیٹھی جس پر اوزاکا بیٹھا ہوا تھا۔ اوزاکا نے اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ جھک کر بغور ہاتھ کی لکیروں کو دیکھتی رہی پھر سیدھی ہو کر بولی۔

''جب تم نے ہوش سنبھالا تو بالکل تنہا تھے۔ تمہارے والدین فوت ہو چکے تھے۔ تمہیں زندہ بڑھنے کے لئے سخت جدوجہد کرنی پڑی۔ ایک مہربان بوڑھی عورت نے تمہاری سرپرستی کی تھی۔ وہ بھی تنہا تھی۔ اس کا گھرانا بھی دوسری جنگ عظیم میں ختم ہو گیا تھا۔ اُسی کی مدد سے آگے بڑھتے رہے۔ حتیٰ کہ یہاں تک آ پہنچے۔ ویسے مستقل مزاج آدمی نہیں ہو اور یہی تمہاری سب سے بڑی کمزوری ہے۔''

''مجھے تو اس میں کوئی غیر معمولی بات نظر نہیں آئی۔'' اوزاکا نے ہنس کر کہا۔

''بے شک! تم جیسے ہزاروں افراد ایسے ہی حالات سے گزر رہے ہوں گے۔ لیکن تم میں جو خصوصیت ہے وہ کسی کو بھی نصیب نہیں۔''

''اس کے لئے تمہیں میرے میجک بال کے قریب بیٹھنا پڑے گا اور تم خود دیکھ لو کہ تم کیا ہو۔''

''میں ضرور تجربہ کروں گا۔''

وہ عجیب سے انداز میں مسکرائی اور اُٹھتی ہوئی بولی۔ ''میرے ساتھ آؤ۔ تمہارا راز میرا میجک بال آشکار کردے گا۔ میں اُسے میجک بال کہتی ہوں۔ لیکن حقیقتاً وہ ایک سائنسی ایجاد ہے جس کے ذریعے شخصیتوں کے ڈھکے چھپے گوشے بھی نظروں کے سامنے آ جاتے ہیں۔''

وہ اُسے دوسرے کمرے میں لائی۔ یہاں صرف ایک میز اور ایک کرسی رکھی ہوئی تھی اور میز پر ایک بہت بڑی بلوری گیند رکھی ہوئی تھی جس کا قطر کم از کم ڈیڑھ فٹ ضرور رہا ہوگا۔

''اس کرسی کو میز کے قریب کھسکا کر بیٹھ جاؤ۔'' پامیلا نے کہا۔

اُوزاکا خاموشی سے تعمیل کرتا رہا۔ وہ میز کی دوسری طرف جا کھڑی ہوئی۔ اوزاکا نے دیکھا کہ میز کی دوسری جانب بالکل کسی ٹائپ رائٹر کا سا ''کی بورڈ'' بھی موجود ہے۔

پامیلا نے کی بورڈ کا ایک بٹن دبایا اور بلوری گیند کسی ٹی وی اسکرین کی طرح روشن ہوگئی۔ پھر اُس کی انگلیوں ایک مشاق ٹائپسٹ کی انگلیوں کی طرح بورڈ پر دوڑنے لگیں اور اس نے اوزاکا سے کہا۔ ''اپنی نظر میجک بال پر جمائے رکھو۔''

اُوزاکا پوری طرح گیند کی طرف متوجہ ہو گیا اور پھر اُس نے اپنا سراپا اُس گیند میں دیکھا۔ وہ خود کو ایک سڑک پر پیدل چلتے دیکھ رہا تھا۔ اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ پھر وہ کمپاؤنڈ کے پھاٹک تک پہنچ گیا۔ بے ساختہ اُس کی نظر اپنی پرچھائیں پر اُس وقت پڑی جب ایک اور پرچھائیں سے جُدا ہو رہی تھی۔ اوزاکا بُری طرح کانپنے لگا۔ کیونکہ شاید ایک بار پھر وہی منظر اُس کی آنکھوں کے سامنے آنے والا تھا۔ دوسری پرچھائیں پھاٹک سے گزر کر کمپاؤنڈ میں داخل ہو گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے فریدی کی کوٹھی کا ایک حصہ منہدم ہو گیا۔ پھر اُس نے دیکھا کہ وہ وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا ہے۔ کچھ دور جانے کے بعد دوسری پرچھائیں پھر دکھائی دی جو اس کے پیچھے دوڑ رہی تھی۔ آخر کار اوزاکا نے یہ بھی دیکھا کہ دوسری پرچھائیں اُس کی پرچھائیں میں دوبارہ ضم ہو گئی۔

دوسری طرف پامیلا کی انگلیاں کی بورڈ پر بدستور چل رہی تھیں۔ پھر جیسے ہی اُس نے اپنا ہاتھ روکے بلوری گیند سے روشنی غائب ہو گئی۔

اوزاکا رومال سے اپنے چہرے کا پسینہ پونچھنے لگا۔ پامیلا اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور بولی۔ ''تم نے دیکھا اپنے ہمزاد کو۔''

''مم.....میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔'' اوزاکا نے ایک الجھے ہوئے آدمی کی سی اداکاری

''مسٹر اوزاکا.....اس ڈیوائس کو مت جھٹلاؤ۔ میرا یہ کمپیوٹر اپنی مثال آپ ہے۔ دنیا میں اس کا کوئی ثانی نہیں۔''

''لیکن.....یہ سب کچھ۔''

''تمہیں ایسا ہی ایک واقعہ پیش آچکا ہے جس کی نشاندہی میرے کمپیوٹر نے کی ہے۔ تم اس دوسری پرچھائیں کی وجہ سے پریشان نہیں ہو۔''

''کیا واقعی مجھے اس پر پریشان ہونا چاہئے۔'' اوزاکا مسکرا کر بولا اور پامیلا نے کہا۔

''جب تک تم اس کی تصدیق نہیں کرو گے میں آگے کچھ نہ کہوں گی۔''

''اس عمارت کے کسی حصے کے گر جانے کی خبر میں نے بھی اخبارات میں پڑھی تھی۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں جانتا۔''

''اب تو تم نے دیکھ لیا کہ اس عمارت کا وہ حصہ کس طرح تباہ ہوا تھا۔ لیکن حیرت ہے کہ تم نے دوسری پرچھائیں پر توجہ نہیں دی تھی۔''

''میں کچھ نہیں جانتا۔''

''تم اپنی ایک بہت بڑی قوت سے ناآشنا ہو۔ یہی قوت تمہاری شخصیت کا ایک چھپا ہوا گوشہ ہے۔''

''مس پامیلا۔ میرا ذہن جواب دے جائے گا۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''ہرگز نہیں۔ ٹھہرو.....اب دیکھتے ہیں کہ تم اپنی اس قوت کو کس طرح بروئے کار لاتے ہو۔''

اُس کی انگلیاں پھر کی بورڈ پر دوڑنے لگیں اور گیند دوبارہ روشن ہوگئی۔ اس بار اس پر کوئی تحریر نمودار ہوئی تھی۔ اوزاکا نے تحریر پر نظریں جماتے ہوئے طویل سانس لی اور وہ پڑھ سکتا تھا۔ لکھا تھا

''اے شخص اگر تو اپنی اس قوت سے کام لینا چاہے تو تجھے لازم ہے کہ کچھ الفاظ اپنی زبان سے ادا کرے۔ الفاظ یہ ہوں گے۔ 'اے میرے ہمزاد میرے حریف کو تباہ کردے۔' پانچ منٹ کے اندر ہی اندر تجھے

اپنی قوت کا اندازہ ہو جائے گا۔''

اوزاکا کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد سرد سی لہریں دوڑتی رہیں اور گیند کی روشنی پھر غائب ہوگئی۔ اوزاکا کی نظر اُس پر سے ہٹ کر پامیلا کے چہرے پر جم گئی۔

''تم نے دیکھا۔'' وہ مسکرا کر بولی۔ ''دل چاہے تو اب اس کا امتحان کرلو۔ ابھی تھوڑی دھوپ باقی ہے۔ اوپر کھلی چھت پر چلتے ہیں۔''

''میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔'' اوزاکا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''میں سمجھ رہی ہوں اور تمہیں بھی پوری طرح سمجھا دوں گی۔ چلو اوپر چلیں۔'' وہ اُٹھتی ہوئی بولی۔

''لیکن یہاں کون میرا حریف بیٹھا ہوا ہے جسے تباہ کراؤں گا۔''

''وہ نمونے کی ایک تحریر تھی۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ تم اپنی منشاء کے مطابق اپنے ہمزاد سے کام لے سکتے ہو یا نہیں۔ مثال کے طور پر تم کہہ سکتے ہو کہ اے میرے ہمزاد میں تجھے اپنی ذات سے الگ ہوتے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر تمہاری اس خواہش پر دوسری پرچھائیں نمودار ہوئی تو بس سمجھ لینا کہ تم جب بھی چاہو گے ایسا کرسکو گے۔''

وہ اُسے اوپر کھلی چھت پر لے آئی۔ سورج ابھی اتنی بلندی پر تھا کہ ان کی پرچھائیاں صاف میں نظر آرہی تھیں۔ وہ پرچھائیوں کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوگئے اور پامیلا نے کہا۔

''یہ کہو کہ اے میرے ہمزاد میری خواہش ہے کہ تو میری ذات سے الگ ہو کر مجھے دکھا۔''

''کتنی مضحکہ خیز بات ہے۔'' اوزاکا نے کھسیانی ہنسی کے ساتھ کہا۔

''قطعی مضحکہ خیز نہیں ہے۔ پلیز.....دہراؤ یہی الفاظ۔''

اوزاکا نے ایک ٹک اس کے کہے ہوئے الفاظ دہرائے اور اپنی پرچھائیں پر نظر جمائے کھڑا رہا۔ شاید تین منٹ بعد پرچھائیں میں لرزش سی ہوئی۔ اوزاکا کے دل کی دھڑکن بڑھ گئی اور وہ ساکت و صامت کھڑا رہا۔ دوسری پرچھائیں آہستہ آہستہ اس کی پرچھائیں سے الگ ہو رہی تھی اور پھر وہ اس سے دو گز کے فاصلے پر ٹھہر گئی۔

''اوہ.....میرا علم سچا ہے۔'' پامیلا پُرمسرت لہجے میں بڑبڑائی۔ اوزاکا بے حس و حرکت بنا پلکیں جھپکائے بغیر دوسری پرچھائیں کو دیکھے جا رہا تھا۔

''اب اس سے کہو کہ یہ تمہیں اپنا رقص دکھائے۔'' پامیلا آہستہ سے بولی۔

''مم.....میں.....کک.....کیا۔'' اوزا کا ہکلا کر رہ گیا۔

''کہو کہ اے ہمزاد مجھے اپنا رقص دکھا۔''

اوزا کا نے پتا نہیں کس طرح یہ الفاظ دہرائے تھے اور پرچھائیں نے تھرکنا شروع کر دیا تھا۔ پامیلا دیکھ دیکھ کر بچکانہ انداز میں خوش ہوتی رہی۔ پھر اُس نے اُوزا کا سے کہا۔ ''کہو۔ بس اے ہمزاد اب پھر میری ذات میں سما جا۔''

''میں اب اسے اپنی ذات میں نہیں سمانے دوں گا۔'' اوزا کا جھنجھلا کر بولا۔

''ایسا غضب بھی نہ کرنا۔ تمہاری ہی گردن توڑ کر رکھ دے گا۔ کبھی ایسی حرکت نہ کبھی اُس سے یہ نہ کہنا کہ تمہاری ذات سے ہمیشہ کے لئے الگ ہو جائے۔ بہت اچھا اپنا عزم مجھ پر ظاہر کر دیا۔ اگر کہیں سہواً بھی تمہاری زبان سے اس سے جدائی کی خواہ اظہار ہو جاتا تو یہ تمہیں زندہ نہ چھوڑتا۔''

''اوزا کا کانپ کر رہ گیا اور اُس نے طوعاً و کرہاً پامیلا کے کہے ہوئے الفاظ دہرائے تھے کہ دوسری پرچھائیں جھپٹ کر اُس کی پرچھائیں میں مدغم ہو گئی۔

پامیلا نے اس کے شانے پر تھپکی دے کر کہا۔ ''اب نیچے چلو۔ میں تمہیں برانڈی صرف ایک پگ دے سکوں گی تاکہ تم اپنے اعصاب کو بحال کر سکو۔''

''تت.....تم.....برانڈی پیش کرو گی۔'' اوزا کا نے حیرت سے کہا۔

''ہاں کیوں نہیں۔ میں نے تمہیں اس لئے نہیں روکا تھا کل کہ مجھے شرابیوں سے معلوم ہوتا ہے بلکہ قصہ یہ ہے کہ شراب میرے اور سبجیکٹ کے درمیان حائل ہو جاتی ہے میں اُسے صحیح طور پر پڑھ نہیں پاتی۔''

وہ اُسے پھر سٹنگ روم میں لے آئی جس کے ایک گوشے میں ایک چھوٹا سا بار بھی بار کے سامنے کئی اسٹول پڑے ہوئے تھے۔ اوزا کا اس خیال سے ہلکی ہلکی چسکیاں لینے دوسرا پگ نصیب نہیں ہوگا۔ ورنہ اُس کا گلاس تو صرف تین گھونٹ کا ہوا کرتا تھا۔

''دوسری سٹنگ میں تمہیں دوسرا سبق دوں گی۔'' پامیلا نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

''کیا اس کے لئے صرف سورج کی روشنی ضروری ہے۔'' اوزا کا نے پوچھا۔

''میرا علم کہتا ہے کہ یہ شمسی توانائی کا کارنامہ ہے۔''

''کیا مطلب.....!'' اوزا کا چونک کر بولا۔

پامیلا نے زور سے قہقہہ لگایا اور بولی۔ ''کیا تم اسے واقعی ہمزاد سمجھتے ہو۔''

''پھر کیا سمجھوں۔''

''یہ بھی سائنس ہی کا کرشمہ ہے۔ کسی دوسرے کُرے کے باشندوں کا کوئی تجربہ۔''

''میں پاگل ہو جاؤں گا۔''

''سمجھنے کی کوشش کرو۔ میرا وہ میجک بال دراصل ایک خاص قسم کا کمپیوٹر ہے۔ واقعی جادو گیند نہیں ہے کہ مافوق الفطرت سوانح کی نشاندہی کر سکے۔ کسی دوسرے کُرے کے کسی باشندے نے تم سے اس طرح رابطہ قائم کر لیا ہے اور تمہارے توسط سے ہمارے کُرے پر بھی جسمانی طور پر وارد ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''تمہاری باتیں ہی مجھے پاگل بنا دیں گی۔''

''اوہ.....دقیانوسی باتیں نہ کرو۔ تم بیسویں صدی کے اواخر میں سانس لے رہے ہو۔''

''میں کچھ نہیں سمجھ سکتا۔''

''اب اپنے گھر جا کر آرام کرو۔'' میں اُسے جسمانی طور پر اپنے کُرے پر لاؤں گی اور ایک دن تمہاری ہی طرح میرے سامنے بیٹھا گفتگو کر رہا ہوگا۔''

''خدا کی پناہ۔'' اوزا کا حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔

''کل اسی وقت پھر آنا۔'' پامیلا بار کے پیچھے سے نکلتی ہوئی بولی اور اوزا کا بھی واپسی کے لئے اُٹھ گیا۔

ڈربی ہاؤز سے نکل آنے کے بعد بھی وہ پامیلا کی سحر انگیز شخصیت کے بارے میں سوچتا رہا۔ آدھا راستہ طے ہو جانے کے باوجود اُس نے اتنی دیر تک صرف اس کے سراپا پر غور کیا کہ ایک لمحہ بھر کے لئے بھی پرچھائیں یاد نہیں آئی تھی۔ لیکن پھر اچانک اُس نے ایک جگہ گاڑی روک دی اور سیٹ کی پشت گاہ سے ٹک کر گہری گہری سانسیں لینے لگا۔

پرچھائیں؟ کیا وہ پرچھائیں کے راز سے آگاہ نہیں تھا۔ پھر کیوں وہ پامیلا کی باتوں میں آ رہا تھا۔ اس کے خیال سے کیوں متفق ہو گیا تھا کہ وہ پرچھائیں کسی دوسرے سیارے

کی مخلوق ہے؟ اُف فوہ! کیسی چوٹ ہوئی۔ پامیلا غلط کہتی ہے کہ وہ محض ایک کرا
حیثیت سے وہاں مقیم ہے اور پچھلے کرایہ دار سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ وہ یقینی طور پ
سے متعلق ہے اور اس طرح اُس نے پرچھائیں کے بارے میں اُسے بتایا تھا کہ وہ
پرچھائیں کو کس طرح استعمال کرسکتا ہے۔

ایک بار پھر اوزا کا کے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ چھوٹ پڑا۔

وہ گھنٹوں بھٹکتے پھرے لیکن نہ تو صبح ہوئی اور نہ وہ کسی باقاعدہ سڑک ہی تک پہنچ
جیروم کی موجودگی میں حمید جیبی ٹرانسمیٹر بھی استعمال نہیں کرسکتا تھا۔ اس نامعقول آدمی پر
اُسے بے حد کھلنے لگا تھا۔ لیکن کیا کرتا۔ یہ مرض خود ہی اُس نے اپنے گلے لگایا تھا۔ بہت
عقلمند بننے کی کوشش کی تھی۔ جس کی سزا اب بھگت رہا تھا۔ فریدی سے پوچھے بغیر بھی وہ
اپنے محکمے کی حوالات میں دے سکتا تھا۔ جوڈیتھ گراہم تو تھی ہی اُس کی چیرہ دستیوں کی
وہ کیسے انکار کرسکتی تھی کہ جیروم نے اُس کا گلا گھونٹنے کی کوشش کی تھی۔ اُوہ..... حمید کو خود
اوپر بھی غصہ آنے لگا۔ آخر اس وقت یہ سب کچھ سوچنے کی کیا ضرورت ہے اس سے کیا
ہوگا۔ دماغ ٹھنڈا رکھو ورنہ مزید دشواریوں میں پڑو گے حمید صاحب۔ اچانک دور سے
مرغ کے بانگ دینے کی آواز آئی اور وہ اچھل پڑا۔ یقیناً وہ کسی بستی کے قریب تھے جو بستی
رہی ہو وہاں پہنچ کر کم از کم اپنی صحیح پوزیشن تو معلوم ہوجائے گی اور وہاں کے لوگ رہنمائی
کرسکیں گے۔

''اس طرح اچھلے کیوں تھے؟'' جیروم نے پوچھا۔

''ایک ایسی لڑکی یاد آ گئی تھی جس کے سر پر سینگ ہیں۔''

''ایسے حالات میں بھی تمہیں لڑکیاں یاد آ سکتی ہیں۔'' جیروم نے حیرت سے کہا۔

''کیسے حالات میں؟''

''تم دیکھ نہیں رہے۔''

''میں دیکھ رہا ہوں لیکن چاروں طرف اندھیرا ہے۔''

''اب مجھ سے نہیں چلا جاتا۔'' جیروم جھلا کر بولا۔

''تو پھر لیٹ جاؤ۔ مجھے ایسی کوئی شکایت نہیں ہے..... میں بدستور چلتا رہوں گا۔''

''یعنی مجھے یہیں چھوڑ جاؤ گے۔''

''اور نہیں تو کیا بیٹھ کر تمہارا سر سہلاؤں گا۔''

''کبھی کبھی تم ایک غیر ہمدرد اور سفاک انسان معلوم ہونے لگتے ہو۔''

''جب جیسے حالات ہوتے ہیں اُسی کے مطابق بن جاتا ہوں۔''

''اچھا ایک بات تو بتاؤ۔'' جیروم نے کہا۔ ''انہوں نے ہمیں پکڑنے کے لئے اتنی جدوجہد کی تھی۔ پھر ہم اتنی آسانی سے نکل کیسے آئے۔''

''میں کیا جانوں۔'' حمید بھنا کر بولا۔ وہ چاہتا تھا کہ جیروم تو کم از کم خاموش ہی رہے۔ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ کبھی کسی کانے مرد کے ہمراہ بے کارواں ہونا پڑے گا۔ اُسے کوئی ایسا موقعہ یاد نہ آیا جب اپنے جھنڈ سے بچھڑ جانے کے بعد کوئی عورت اُس کے ساتھ نہ رہی ہو اور دونوں بے سروسامانی کے رومان سے لذت اندوز نہ ہوئے ہوں۔ لیکن یہ خبیث کانا مرد۔ واقعی ستارے گردش ہی میں تھے۔ نحوست طاری تھی اُس کے زائچے پر۔ ایک خوبصورت عورت پر قاتلانہ حملہ کرنے والے کانے مرد کو ساتھ لئے پھر رہا تھا۔

اس دوران میں مرغ نے کئی بانگیں دی تھیں اور حمید نے آواز کی سمت کا اندازہ لگا کر اُسی جانب چلنا شروع کر دیا تھا۔

''واقعی اب نہیں چلا جاتا۔'' جیروم کراہا۔

''اس بار دھرے گئے تو گولی ہی ماردی جائے گی۔'' حمید نے کہا اور چلتا رہا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اب جیروم گر ہی پڑے گا۔ افق میں ہلکا سا اُجالا تھا اور اسی کے پیش منظر میں کسی دیہی بستی کے آثار دکھائی دینے لگے تھے۔ لیکن ابھی حمید پوری طرح خوش بھی نہیں ہوسکا تھا کہ اُس نے اُسی بستی کے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں اور وہ پوری طرح خیالات کی دنیا سے نکل آیا۔ کتوں کا تو دھیان ہی نہیں رہا تھا۔ اگر وہ اُجالا ہونے سے قبل بستی میں داخل ہوئے تو کتوں اور اُن لوگوں سے پیچھا چھڑانا دشوار ہوجائے گا جو اُنہیں

چور یا ڈاکو سمجھ کر حملہ آور ہوں گے۔

''رک جاؤ۔'' حمید نے جیروم سے کہا اور وہ رک گیا۔

''بیٹھ جاؤ۔''

''سچ مچ.....!'' وہ پُرمسرت لہجے میں بولا اور دھم سے بیٹھ گیا۔

''اب لیٹ جاؤ۔''

''کک.....کیا مطلب.....!''

''روشنی ہونے سے پہلے اگر کسی بستی میں داخل ہوئے تو آوارہ کتے بھنبھوڑ ڈالیں گے۔''

''آوارہ کتوں کا بہت بہت شکریہ۔'' جیروم کہتا ہوا لیٹ گیا۔

زمین سخت اور مسطح تھی اور گھاس پھوس سے مبرا صاف ستھری جگہ تھی۔

''تم بھی لیٹ جاؤ۔'' جیروم نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

''تمہارے پاس.....؟'' حمید بھڑک کر بولا۔

''نہیں مجھ سے دور۔ رات کو میرے منہ سے بدبو آنے لگتی ہے۔''

کتوں کا شور اب بھی سنائی دے رہا تھا۔ حمید جیب سے تمباکو نکال کر سگریٹ رول کرنے لگا۔

''اگر زندہ رہا تو یہ تجربہ کبھی نہ بھلا سکوں گا۔'' جیروم نے کہا۔

''اور میں بھی۔ کیونکہ تم میری زندگی میں پہلے اجنبی مرد ہو۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''اس سے پہلے بھی بارہا اس طرح آوارہ گرد ہو چکا ہوں لیکن ہمیشہ کوئی اجنبی عورت میرے ساتھ رہی ہے۔''

''مجھے بے حد افسوس ہے۔'' جیروم ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''سوال یہ ہے کہ.....!'' حمید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

''ہاں.....کہو.....کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''شہر پہنچ کر ہماری راہیں الگ ہوں گی۔ نہ اب مجھے تنظیم سے کوئی سروکار ہے اور نہ.....لہٰذا.....!''

''نہیں دوست! مجھ پر رحم کرو۔ میں اب اُن لوگوں میں واپس نہیں جا سکتا جن سے پہچان ہے۔ تمہارے علاوہ اب اور کسی سے بھی میری واقفیت نہیں۔ بس اتنے دن اور خدا کرے کہ میں اس ملک ہی سے نکل جاؤں۔''

''تمہارہ کر بھی ایسا کر سکتے ہو۔''

''نہیں دوست! مجھے خود کو چھپائے رکھنا پڑے گا۔ اس لئے میک اپ ضروری ہے اور تم میک اپ کے ماہر معلوم ہوتے ہو۔ آج سے تمہارے اخراجات بھی میرے ذمے۔ تمہاری جیب پر بھی خرچ نہ ہوگی۔''

''خیر.....میں اس پر غور کروں گا۔''

تھوڑی دیر بعد انہوں نے ریلوے ٹرین کی آواز سنی اور ٹرین کی روشنیاں بھی دیکھیں۔ بہت زیادہ نہیں تھا اور ٹرین بھی سست رفتار تھی۔ گویا کوئی ریلوے اسٹیشن بھی قریب ہی تھا۔

جیروم اُٹھ بیٹھا اور آہستہ سے بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ کوئی ریلوے اسٹیشن قریب ہے۔''

''لیٹے رہو چپ چاپ۔'' حمید بولا۔ ''روشنی ہونے سے قبل ہم یہاں سے ہلیں گے بھی نہیں۔''

''لیٹے رہنے سے کہیں نیند نہ آ جائے۔''

''سو جاؤ۔ میں جاگ رہا ہوں۔''

''نہیں.....تم مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔''

حمید کا دل چاہا کہ ایک جھاپڑ رسید کر دے۔ کیا لونڈیوں کی طرح ٹھنک کر کہہ رہا ہے کہ تم چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔

سورج طلوع ہو جانے کے بعد وہ وہاں سے اُٹھے تھے اور بستی کی طرف جانے کی بجائے اس سمت چل پڑے تھے جدھر سست رفتار ٹرین کو جاتے دیکھا تھا۔ اس طرح وہ ایک گھنٹے سے بھی ریلوے اسٹیشن تک پہنچ سکے۔

''یہاں سے شہر بیس میل دور ہے۔'' حمید نے جیروم کو بتایا۔

''دیکھو کب کوئی ٹرین ملتی ہے۔'' جیروم ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''ابھی معلوم ہو جائے گا۔ تم یہیں ٹھہرو۔'' کہتا ہوا حمید بکنگ آفس کی طرف بڑھ گیا۔

ٹرین ملنے والی اطلاع کے مطابق انہیں قریباً ساڑھے تین گھنٹے انتظار کرنا پڑتا۔

''یہ تو بہت بُرا ہوا۔'' جیروم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

''تمہارے ساتھ کچھ اچھا بھی ہوا ہے کبھی۔'' حمید نے بھنا کر پوچھا۔

''اچھا بھی ہوا ہے یا یہ میری خوش قسمتی نہیں ہے کہ تم جیسا دوست مل گیا ہے۔''

حمید اُسے صرف تیز نظروں سے گھور کر رہ گیا تھا۔ بھوک لگ رہی تھی۔ اور چڑچڑاہٹ کا دورہ پڑا تھا۔ اس دیہی اسٹیشن پر کھانے پینے کی چیزیں صرف گاڑیوں کی آمد کے اوقات میں ملتی تھیں۔ حمید نے سوچا ساڑھے تین گھنٹے یہاں منتظر رہنے سے تو یہ بہتر ہوگا بستی ہی کا رخ کیا جائے۔ وہاں کھانے کو کچھ نہ کچھ ضرور مل جائے گا۔

وہ بستی کی جانب چل پڑے۔ میدان میں دھوپ پھیل چکی تھی۔ دفعتاً حمید چلتے رک گیا۔ اُس کی نظر اپنی پرچھائیں پر پڑی تھی جس سے ایک اور پرچھائیں برآمد ہو رہی تھی جیروم بھی رک گیا اور وہ بھی اُسی کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔ ایک پوری پرچھائیں۔ دو اپنی پرچھائیں سے تھوڑے ہی فاصلے پر رک گئی۔ حمید نے بوکھلا کر چاروں طرف نظریں دوڑائیں لیکن دور دور تک ان دونوں کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ پرچھائیں پھر حرکت میں اور ان دونوں کے گرد تیزی سے چکر لگانے لگی۔ پرچھائیں کے ساتھ ہی حمید بھی ناچنے لگا۔ جیروم حیرت سے منہ پھاڑے کھڑا رہا۔ چکر لگاتے لگاتے دفعتاً وہ پرچھائیں حمید کی طرف لپکی اور حمید بھڑک کر بھاگا۔ لیکن پرچھائیں اُس سے کہیں زیادہ تیز رفتار تھی۔ آگے بڑھ کر اُس نے اس کا راستہ روک لیا۔ حمید پھر پلٹ کر بھاگا۔ لیکن اس بار زیادہ دور نہیں جا سکا تھا۔ پرچھائیں پھر راہ میں حائل ہوگئی۔ جیروم دور کھڑا چیخے جا رہا تھا۔ ''یہ کیا کر رہے ہو۔ کیا ہوگیا ہے تمہیں۔ ہوش میں آؤ۔'' لیکن حمید نے تو اب افریقی جنگلیوں کی طرح اچھل کود شروع کر دی تھی اور وہ اس پر مجبور تھا۔ پرچھائیں ایسے زاویوں اور تواتر سے اُس پر جھپٹ رہی تھی کہ سچ مچ کسی وحشیانہ رقص ہی کا سا پیٹرن بن گیا تھا۔ بس اس کی کسر رہ گئی تھی کہ کہیں سے ڈھول اور تاشوں کی آوازیں بھی بلند ہونے لگتیں۔

''اوہ..... بھائی..... عدنان..... مجھے خوف زدہ مت کرو۔'' جیروم گھٹی گھٹی سی آواز میں چیخا۔ لیکن حمید کو اتنا ہوش کہاں تھا کہ جواب دیتا۔ شائد اس کی آواز ہی اس کے کانوں میں نہیں پڑ رہی تھی۔ اس کی نگاہ صرف اس پر چھائیں پر تھی۔ اس کے علاوہ اور کچھ

اور نہ سن رہا تھا۔ اچھل کود میں بتدریج تیزی آتی جا رہی تھی اور پھر یک بیک وہ پرچھائیں اپنی پرچھائیں میں مدغم ہوگئی۔ لیکن اُچھل کود اب بھی جاری تھی۔

حمید پر گویا دورہ سا پڑ گیا تھا۔ اُدھر جیروم کا یہ عالم تھا کہ کبھی دو چار قدم اُس کی طرف بڑھتا اور کبھی بھڑک کر پیچھے ہٹ جاتا۔ حمید بھی دیکھ رہا تھا کہ دوسری پرچھائیں غائب ہوگئی لیکن اُس وحشیانہ رقص کو روک دینا اُس کے بس میں نہیں تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اُس کے اعصاب ارادے کی گرفت سے نکل گئے ہوں۔

پھر اُس کا سر چکرایا تھا اور پورا ماحول تیزی سے گردش کرنے لگا تھا۔ اس کے بعد کی کچھ سدھ ہی نہ رہی تھی۔

''عدنان..... عدنان۔'' جیروم اُس کی طرف جھپٹا کیونکہ اب وہ زمین پر بالکل بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔

شہر میں سنسنی پھیل گئی تھی۔ اسٹار کے کرائم رپورٹر انور کی آپ بیتی ایسی ہی تھی۔ جو کچھ اس پر گزری تھی اُسے بے کم و کاست لکھ دیا تھا۔ جو اُسے قریب سے جانتے تھے اُن کا خیال تھا کہ یہ کسی قسم کا اسٹنٹ ہی ہوسکتا ہے۔ لیکن اس کا فیصلہ کرنا اُن کے لئے بھی محال تھا کہ وہ کس طرح پولیس کو بلیک میل کرنا چاہتا ہے یا سچ مچ کوئی مجرم اُس کا نشانہ تھا۔ بہرحال پولیس نے انور کو گھیر لیا اور اُسے اس پبلک پارک میں لے جایا گیا جہاں پچھلے دن پرچھائیں نے توڑ پھوڑ مچائی تھی۔ ویسے وہاں جو نقصانات ہوئے تھے ان کی رپورٹ وہاں کے نگرانوں نے پچھلے دن ہی کر دی تھی۔ لیکن اُس رپورٹ کو اس وقت تک کوئی خاص اہمیت نہیں دی گئی تھی جب تک اسٹار کا آج کا شمارہ بازار میں نہیں آ گیا تھا۔ وہ پولیس پارٹی جو انور کو اس پارک میں لے گئی تھی اُس کے ساتھ کئی بڑے آفیسر بھی تھے۔ مطلع صاف تھا اور پورے پارک میں دھوپ بکھری ہوئی تھی۔ انور آفیسروں سے گفتگو کرتے وقت بار بار اپنی پرچھائیں کو دیکھے جا رہا تھا۔ دفعتاً چیخ پڑا۔ ''وہ دیکھئے۔''

اس کی پرچھائیں سے دوسری پرچھائیں نکل رہی تھی۔ آفیسروں نے بھی دیکھ
قدم پیچھے ہٹ گئے۔ پرچھائیں پارک کے جنگلے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے
اپنی جگہ سے اُکھڑ کر سڑک پر جا پڑا۔ پرچھائیں پارک سے نیچے اُتر رہی تھی۔ پھر وہ پول
خالی گاڑیوں کی طرف بڑھی اور وہ ایک ایک کر کے ٹین کے کھلونوں کی طرح پچکتی چلی گ
سب اپنی جگہوں پر دم بخود کھڑے تھے۔ پرچھائیں پھر پارک کی طرف پلٹی اور پھر جد
جدھر سینگ سمائے نکل بھاگا۔ خود انور بھی اُن ہی میں شامل تھا۔ پھر وہ کیسے دیکھتا
پرچھائیں دوبارہ اس کی اپنی پرچھائیں میں مدغم ہوگئی تھی۔ پتہ نہیں کس طرح اپنی موٹر
تک پہنچا تھا۔

پھر فلیٹ تک پہنچتے پہنچتے پسینے میں نہا گیا۔ یہاں رشیدہ اُس کی واپسی کی منتظر تھی
اس حال میں دیکھ کر بوکھلا گئی۔

''فکر نہ کرو۔'' وہ ہاتھ ہلا کر بولا۔ ''اس وقت جو کچھ بھی ہوا ہے میرے حق میں
ہوا ہے۔ ورنہ وہ کسی طرح بھی میری بات پر یقین نہ کرتے۔''

''آخر ہوا کیا؟''

''پرچھائیں نے ان کی آنکھوں کے سامنے ان کی گاڑیاں تباہ کر دیں۔''

''نہیں.....!'' رشیدہ اچھل پڑی۔

''یہی ہوا ہے اور وہ سب بھاگ کھڑے ہوئے۔''

''اور وہ تمہاری ہی پرچھائیں سے نکلی تھی۔''

''ہاں اور انہوں نے بھی دیکھا تھا۔''

''سمجھ میں نہیں آتا کہ کرنل فریدی بھڑوں کے کس چھتے کو چھیڑ کر خود کہاں غائب ہو

''بس ختم کرو۔'' انور ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ ''اب میں دھوپ میں باہر نہیں نکل سکتا۔''

''نکلنا بھی نہ چاہئے۔ ہوسکتا ہے کہ اب وہ تمہیں کسی کال کوٹھری میں بند کر دیں

''میں کہتا ہوں ختم کرو یہ بکواس۔ چائے بناؤ۔''

رشیدہ کچن کی طرف دوڑ گئی اور انور آرام کرسی پر گر کر گہری گہری سانسیں لے

زندگی میں شاید ہی کبھی اتنا پریشان ہوا ہو۔ دفعتاً فون کی گھنٹی بجی۔ چونک پڑا

پڑی۔

''ایس پی کرائمز۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''یہ سب کیا تھا مسٹر انور؟''

''وہی جو میں نے لکھا تھا۔'' انور نے خشک لہجے میں کہا۔ ''آپ موجود تھے۔ آپ نے
دیکھ لیا۔''

''تو آپ جانتے ہیں کہ فریدی صاحب کہاں ہیں؟''

''میری کس بات سے آپ نے اندازہ لگا لیا کہ میں جانتا ہوں۔''

''میں نے سوال کیا ہے مسٹر انور۔''

''جی نہیں۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہیں۔''

''اچھی بات ہے۔ آپ براہِ کرم اپنے فلیٹ ہی تک محدود رہئے۔ باہر نکلنے کی ضرورت نہیں۔''

''بہت بہت شکریہ۔''

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر اُس نے ریسیور کریڈل پر رکھا اور
کی طرف چل دیا۔ رشیدہ ٹی پاٹ میں پانی انڈیل رہی تھی۔

''تم کیوں چلے آئے..... جاؤ آرام کرو۔''

''شٹ اَپ..... میری بات سنو۔''

''کیا ہے؟''

''یہاں سے چلی جاؤ اور اب ادھر کا رخ بھی مت کرنا۔''

''کک..... کیا..... مطلب.....؟'' وہ اُسے حیرت سے دیکھتی ہوئی ہکلائی۔ انور بے
سنجیدہ نظر آرہا تھا اور رشیدہ نے اس کی آنکھوں میں ایسی ہی کوئی بات پڑھ لی تھی کہ چپ
کچن کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

انور اس کے پیچھے پیچھے دروازے تک آیا۔ وہ پھر اُس کی طرف مڑی۔

''جاؤ..... فوراً۔'' وہ دروازے کی طرف ہاتھ اُٹھا کر غرایا اور رشیدہ بوکھلا کر باہر نکل گئی۔

دروازہ بند کر کے وہ پھر کچن کی طرف جا ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔

''ہیلو.....!'' وہ ریسیور اُٹھا کر ماؤتھ پیس میں بولا۔

دوسری جانب سے فریدی کے محکمے کا ایک آفیسر تھا۔

''ڈی آئی جی صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔'' اُس نے کہا۔

''لیکن ایس پی کرائمز نے مجھے فلیٹ تک محدود کر دیا ہے۔ خصوصاً دھوپ میں باہر نکل سکتا۔''

''تحریری حکم ہے؟'' دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

''جی نہیں زبانی۔''

''تو پھر آپ آ سکتے ہیں۔ ہم دیکھ لیں گے۔''

''دیکھئے جناب! میں خود بھی یہ خطرہ مول لینا نہیں چاہتا۔ گاڑیوں کی تباہی کی اطلاع آپ کو مل ہی چکی ہوگی۔ میرا خیال ہے کہ کرنل صاحب کی کوٹھی کے ایک حصے کا انہدام اسی سلسلے کی کوئی کڑی ہے۔''

''کیا آپ کو علم ہے کہ کرنل فریدی کہاں ہیں؟''

''دیکھئے جناب! اگر مجھے علم ہوتا تو میں وہ کہانی کبھی نہ چھاپتا۔ یہ کہانی اسی لئے عام پر آئی ہے کہ نامعلوم مجرموں کو کرنل کی تلاش ہے۔''

دوسری طرف سے کسی ریمارک کی بجائے رابطہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔

ریسیور کریڈل پر رکھ کر وہ پھر کچن کی طرف چلا گیا۔ لحظہ بہ لحظہ الجھن بڑھتی جا رہی تھی۔ آخر اُس پر چھائیں سے کس طرح پیچھا چھوٹے گا۔ آخر یہ ہے کیا بلا۔

چائے کی پیالی لئے ہوئے پھر سٹنگ روم میں واپس آ گیا۔ پہلا گھونٹ لینے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ بُرا سا منہ بنا کر اُس نے ریسیور اٹھایا اور دوسری طرف سے کی۔ پوچھا۔ ''مسٹر انور۔''

''ہاں میں انور ہی ہوں۔''

''تو مسٹر انور میں یہی چاہتا تھا کہ تمہاری رپورٹنگ ایسی ہی ہو۔''

''اوہ..... تو تم ہو۔'' انور کو وہی آواز یاد آ گئی جو اُس نے ایک نامعلوم عمارت کے ایک کمرے میں سنی تھی۔

''ہاں مسٹر انور..... اور اب میں معاوضہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔''

انور دانت پیس کر رہ گیا کچھ بولا نہیں۔ دوسری طرف سے پھر آواز آئی۔ ''ہیلو۔''

''ہے ہو مسٹر انور۔''

''ہاں..... میں سن رہا ہوں۔''

''تو معاوضہ یہ ہے مسٹر انور کہ یہ پرچھائیں تمہیں ہمیشہ کے لئے بخش دی گئی۔''

''لیکن میرے کس کام کی۔''

''تمہارے حکم کی تابع رہے گی۔ تم اپنے بڑے سے بڑے دشمن پر حاوی رہو گے۔ اسے طلب کرنا ہو۔ آواز بلند کہنا اے ہمزاد حاضر ہو اور جب وہ ظاہر ہو جائے تو اُس سے جو کچھ بھی کرانا مقصود ہو کہہ دینا۔''

''کیا وہ میرے لئے پنواڑی کی دوکان سے سگریٹ کا پیکٹ بھی لا سکے گی۔'' انور نے مضحکہ بنا کر پوچھا۔

''نہیں..... وہ صرف تباہی کر سکتی ہے۔ تمہاری خواہش پر پہاڑوں تک کو ریزہ ریزہ کر دے گی۔''

''میرے لئے بے کار ہے۔ تم اُسے واپس لے سکتے ہو۔''

''نہیں مسٹر انور..... جو چیز عطا کر دی گئی ہو واپس نہیں لی جا سکتی۔''

انور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دوسری طرف سے رابطہ منقطع کر دیا گیا۔ اُس نے ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے سوچا اب پتا نہیں کیا بکواس کر رہا تھا۔ خوب گویا ہمزاد طابع ہو گیا ہے۔ کیوں نہ جائے کی پیالی لے کر جائے۔ لیکن کہاں؟ باہر نکلنا پڑے گا۔ پتا نہیں اب کے کیا قیامت ڈھائے۔

چائے کی پیالی اُٹھائی اور دو گھونٹ لے کر سگریٹ سلگانے لگا۔ فون کی گھنٹی پھر بجی۔ ہاتھ بڑھا کر ریسیور اُٹھا لیا اور اس بار اُس کی آنکھوں میں چمک پھر سے عود کر آئی۔ کیونکہ دوسری طرف سے کیپٹن حمید کی آواز آئی تھی۔

''میں نے تمہاری رپورٹ پڑھ لی اور ابھی ابھی پبلک پارک والی ہزبونگ کی اطلاع ملی ہے۔ کیا تم اُس جگہ کی نشاندہی کر سکو گے جہاں تم نے وہ آواز سنی تھی۔''

''نہیں، کیونکہ اُسی کمرے تک محدود رہا تھا لیکن تم کہاں ہو۔ کرنل صاحب کہاں ہیں۔ لگتا ہے کہ یہ سب کچھ اسی لئے ہوا ہے۔'' انور نے کہا۔

''میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہیں اور میں بھی کہیں بھی نہیں ہوں۔''

''کیا مطلب؟''

''میں بھی اُسی مرض میں مبتلا ہوگیا ہوں جس میں تم مبتلا کئے گئے ہو۔''

''کس طرح؟''

''تفصیل میں نہیں جاسکتا۔ میرا مشورہ ہے کہ اب تم اپنے فلیٹ سے باہر مت

''پہلے میں نے بھی یہی فیصلہ کیا تھا۔ لیکن اب اس کا خدشہ باقی نہیں

پرچھائیں میری مرضی کے خلاف بھی کچھ کرے گی۔''

''میں نہیں سمجھا۔ وضاحت کرو۔''

انور نے وہ گفتگو دہرادی جو اس سے قبل فون پر اُس نامعلوم آدمی سے ہوئی تھی۔

''تب تو تم اُسے ضرور آزماؤ گے۔'' حمید کی آواز آئی۔

''سوچ رہا ہوں۔''

''ابھی دھوپ ہے کیوں نہ جھریالی کے میدان کی طرف روانہ ہوجاؤ۔ میں بھی

جاؤں گا۔ پھر دیکھیں گے۔''

''ابھی میں تمہارے ڈی آئی جی سے کہہ چکا ہوں کہ میں فلیٹ سے باہر نہیں نکل

وہ مجھ سے ملنا چاہتا تھا۔''

''اس کی پرواہ مت کرو۔ جھریالی کی طرف نکل جاؤ۔ میں وہیں ملوں گا۔''

انور سوچ رہا تھا کہ اُسے حمید سے ضرور ملنا چاہئے۔ آخر اس جملے کا کیا مطلب تھا

بھی اسی مرض میں مبتلا ہوگیا ہے؟ یعنی اُس پر بھی کوئی پرچھائیں مسلط ہوگئی ہے۔

دفعتاً وہ چونک پڑا کوئی دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ وہ اُٹھ کر دروازے کے

پہنچا اور دروازہ کھولنے سے قبل پوچھا ''کون ہے؟''

''آصف.....!'' باہر سے انسپکٹر آصف کی آواز آئی۔ انور دروازہ کھول کر پیچھے ہٹ

اور آصف اُسے گھورتا ہوا اندر داخل ہوا۔

''خوب..... میں تو سمجھا تھا شائد تمہارے ڈی آئی جی صاحب بہ نفس نفیس

لے آئے ہیں۔''

''وہ کیوں آنے لگے۔'' آصف پھاڑ کھانے دوڑا۔

''فون پر ملاقات کی خواہش ظاہر کی تھی۔''

''میں تم سے صرف یہ پوچھنے آیا تھا کہ اس فراڈ کا کیا مقصد ہے۔''

''کیا میں تمہارے ڈی آئی جی کو مطلع کردوں کہ تم اُن کی نمائندگی کرنے گئے ہو۔''

انور نے فون کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

''ٹھہرو۔'' آصف ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ ''زیادہ حماقتیں کرنیکی ضرورت نہیں۔ تم ڈوب چکے ہو۔''

''پانی کی سطح کے نیچے بھی تیر سکتا ہوں مسٹر آصف۔''

''تمہیں علم نہیں کہ عنقریب تمہاری گرفتاری کا وارنٹ حاصل کرلیا جائے گا۔''

''اس کے باوجود بھی میری گرفتاری امر محال ہوگی۔'' انور نے کہا اور پھر پوچھا۔

''کیا تم اپنی گاڑی میں آئے ہو۔''

''کیوں؟''

''اگر تم اس وقت میرے ساتھ جھریالی چل سکو تو میں تمہیں بہت کچھ بتا اور دکھا سکتا ہوں۔''

''کیا دکھاؤ گے۔''

''یہی کہ اس شہر میں تنہا میں ہی آسیب زدہ نہیں ہوں۔ ایک آدمی اور بھی ہے۔''

''اور اگر تم اسے ثابت نہ کرسکے تو.....؟''

''خود کو وارنٹ کے بغیر ہی گرفتاری کے لئے پیش کردوں گا۔''

''اچھی بات ہے۔ پرسوں تو تم میرے آدمیوں کو ڈوج دینے میں کامیاب ہوگئے تھے،

لیکن آج.....!''

''دراصل تمہارے ایک آدمی کو پہچان لینے کے بعد میں پھر شہر کی طرف پلٹ پڑا تھا اور

دونوں آگے نکل چلے گئے تھے۔ اُسی وقت ان لوگوں نے مجھے گھیر لیا۔''

''تم جا کہاں رہے تھے؟''

''اسٹیل ملز..... جس کا منیجر پاگل ہوکر مرگیا۔ وقت نہ برباد کرو۔ چلو میرے ساتھ۔

قیمتی باتیں گاڑی میں ہوں گی۔ ہوسکتا ہے اس بار بھی تمہاری قسمت یاوری کرے اور دوسرے

منہ دیکھتے رہ جائیں۔ پہلے بھی کئی بار تمہارے کام آچکا ہوں۔''

آصف کسی سوچ میں پڑگیا۔ انور اُس کے ساتھ محض اس لئے جانا چاہتا تھا کہ گاڑی

میں دھوپ سے محفوظ رہے گا۔ موٹر سائیکل پر یہ آسانی نصیب نہ ہوسکتی۔

آخر آصف تھوڑی دیر بعد سر ہلا کر بولا۔ ''اچھی بات ہے چلو لیکن اس نکتے کو ایک کے لئے بھی فراموش نہ کرنا کہ بہت خراب پوزیشن میں ہو۔''

''بے فکر رہو۔ تمہیں میری ذات سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔'' انور نے کہا۔ بھی اُسے یقین تھا کہ حمید میک اپ میں ہوگا۔ ورنہ پھر روپوشی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

دونوں باہر نکلے اور گاڑی میں بیٹھ گئے۔ آصف نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

''آخر اس معاملے میں فریدی کی کیا پوزیشن ہے؟''

''یہی تو سمجھ میں نہیں آتا۔'' انور نے جواب دیا۔ گاڑی حرکت میں آچکی تھی۔ آصف نے ایکسیلریٹر پر مزید دباؤ ڈالا اور انور نے کہا۔ ''اس نامعلوم شخص کی یہی خواہش تھی کہ وہ اُس کی دھمکی تم لوگوں تک اسی انداز میں پہنچا دوں۔ اس کے عوض اُس نے مجھے پرچھائیں کا مالک بنا دیا ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اُس نے اُسے میری تابع فرمان کر دیا ہے۔ میں جب چاہوں اُسے طلب کر ہوں۔ وہ میرے حکم پر حرکت کرے گی۔''

''میں یقین نہیں کرسکتا۔''

''ابھی تم دیکھ ہی لوگے۔ جھریالی کا میدان اسی لئے منتخب کیا گیا ہے کہ اُدھر میلوں تک کسی آبادی کا نام ونشان تک نہیں ہے۔ تباہ کاری کا امکان اس طرح ختم ہو جاتا ہے۔''

''ہم خود تو ہوں گے وہاں.....مم.....میری گاڑی۔'' آصف ہکلا کر رہ گیا۔

''فکر نہ کرو.....ہمیں کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔ گاڑی ہم بہت دور چھوڑ دیں گے۔''

آصف رفتار بڑھاتا رہا اور وہ بالآخر جھریالی کی حدود میں داخل ہو گئے۔ ایک جگہ نے ایک اور گاڑی کھڑی دیکھی اور آصف سے اُدھر ہی چلنے کو کہا۔

''کیوں؟ وہ کون ہے؟'' آصف نے پوچھا۔

''وہی شخص جس نے خود بھی آسیب زدہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔''

دوسری گاڑی میں ایک جدید وضع کا باریش آدمی بیٹھا ہوا نظر آیا۔ انور پر نظر پڑ

نے ہاتھ ہلایا تھا۔ آصف نے اُس کی گاڑی کے برابر ہی اپنی گاڑی روک دی۔ دونوں ازے اور انور نے اونچی آواز میں آصف سے کہا۔ ''یہ ہیں کریم الدین صاحب۔ یہ بھی پرچھائیں سے نوازے گئے ہیں اور یہ ہیں میرے دوست مسٹر آصف۔''

دونوں نے مصافحہ کیا۔ حمید کی شکل دیکھ کر انور کو یہی نام سوجھا تھا۔ حمید تو خاموش ہی اُسے اپنا عدنان خلیلی والا میک اپ بھی ختم کر دینا پڑا تھا۔

''ہاں تو بھائی کریم الدین اب کیا کہتے ہو۔'' انور نے اس سے پوچھا۔

''تم سے فون پر گفتگو کرنے کے بعد میں نے بھی وہی نسخہ آزمایا اور پانچ یا چھ منٹ بعد پرچھائیں نمودار ہوگئی اور میرے دوسرے احکامات کی تعمیل کرتی رہی۔ لہٰذا اب میری ایک ہے۔ الگ چلو تو بتاؤں۔''

آصف نے انور کو گھور کر دیکھا لیکن وہ اُس کی پرواہ کئے بغیر حمید کا بازو پکڑ کر اُسے دور لے آیا۔

''ہم اپنے سایوں کو الگ الگ طلب کریں۔'' حمید آہستہ سے بولا۔

''پھر دونوں کو آپس میں لڑا کر رفو چکر ہو جائیں۔''

''بے وقوفی کی بات۔'' انور بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

''یہ بھی کر کے دیکھ لیں۔ شائد اس طرح اُن سے نجات مل جائے۔''

''مایوسی ہوگی۔'' انور ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''میں تو اس خیال کے تحت چلا آیا تھا دونوں مل کر کوئی ڈھنگ کی بات سوچیں گے۔''

''ڈھنگ کی بات اس وقت سوچی جاسکتی ہے جب زیر نظر معاملے کا کوئی سرپیر بھی ہو۔''

''اس کے باوجود بھی۔'' انور کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

''پہلے تم یہ بتاؤ کہ اس خبیث کو ساتھ لانے کی کیا ضرورت تھی؟'' حمید نے تیز لہجے میں سوال کیا۔

''موٹر سائیکل پر نہیں آنا چاہتا۔ اس وقت یہی گاڑی سمیت ہاتھ لگ گیا۔''

''خیر خیر.....تو پھر کیا کہتے ہو۔ مجھے یہ دیکھنا ہے کہ دونوں پرچھائیاں ہمارے اس حکم کی تعمیل بھی کرتی ہیں یا نہیں۔''

انور گومگو کے عالم میں تھا۔ قوت فیصلہ جواب دے چکی تھی۔ بالآخر اس نے کہا "یہ بات ہے۔ یہ تجربہ بھی کئے لیتے ہیں لیکن گاڑیوں سے بہت دور کرو تاکہ جان بچا کر بھاگ بھی سکیں۔"

"اس کی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔"

"تم اتنے یقین کے ساتھ کیسے کہہ سکتے ہو۔"

"چھٹی حس کا معاملہ ہے۔" حمید نے طویل سانس لے کر کہا۔

وہ پھر وہیں واپس آ گئے جہاں آصف کو چھوڑ گئے تھے اور انور نے اس سے کہا۔

"گاڑیاں یہیں چھوڑ کر کم از کم دو فرلانگ آگے چلتے ہیں۔"

"ایک بار پھر سوچ لو۔" آصف نے تذبذب کے عالم میں کہا۔

"یہاں پہنچ کر کچھ اور سوچنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

وہ آگے بڑھ گئے۔ دن ڈھلنے لگا تھا اور اُن کی پرچھائیاں آگے پڑ رہی تھیں۔

معینہ فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ رک گئے۔ انور اور حمید کا درمیانی فاصلہ سات با گز رہا ہوگا۔

"اے میرے ہمزاد حاضر ہو۔" انور نے کسی قدر اونچی آواز میں کہا۔

حمید نے اپنی جگہ پر یہی الفاظ دہرائے۔ آصف کی نظریں اُن کی پرچھائیوں پر تھیں۔ کچھ دیر بعد پرچھائیوں میں جنبش ہوئی اور ان میں سے دوسری پرچھائیاں نکل کر اُن کے قد ہی جم گئیں۔ آصف کی سانس پھولنے لگی اور ٹانگوں میں اضطراری کپکپاہٹ محسوس کرنے لگا۔

پھر اُن دونوں نے اپنی اپنی پرچھائیوں کو حکم دیا کہ وہ ایک دوسری سے سو گز کے فا پر چلی جائیں۔

پرچھائیوں میں پھر حرکت ہوئی اور وہ بتایا ہوا فاصلہ قائم کرنے کے لئے ایک دو سے دور ہونے لگیں۔

"دو منٹ بعد تم دوسری پرچھائیں سے ٹکرا جانا۔" انور نے اپنی پرچھائیں کا ہاتھ اُٹھا کر کہا۔

"اور جب وہ تم سے ٹکرائے تو تم اُسے فنا کر دینا۔" حمید نے اپنے ہمزاد کو ہدایت

"بھاگو مسٹر آصف۔" انور نے آصف سے کہا اور گاڑیوں کی طرف دوڑ لگا دی۔

وہ تینوں ہی گاڑیوں کی جانب دوڑے جا رہے تھے۔ آصف اُن کے پیچھے تھا اور انور کو بھلا کہے جا رہا تھا۔

ابھی گاڑیوں تک پہنچے بھی نہیں تھے کہ ایک زبردست دھماکا ہوا۔ زمین ہل کر رہ گئی اور وہ منہ نیچے جا پڑے اور پھر یے در پے دھماکوں پر دھماکے ہوتے چلے گئے۔

کیا یہ پرچھائیوں کے ٹکراؤ کا نتیجہ تھا۔ زمین سے فضا میں غبار کے مرغولے اُٹھ رہے اور اسی غبار کے اندر بجلیوں کی دو بہنیں تڑپ تڑپ کر ایک دوسری پر گر رہی تھیں اور ڈ ہو رہے تھے۔

"بھاگو۔" انور زور سے چیخا اور اُٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ گرتے گرتے وہ پھر بھاگے۔ انور کو آصف کا خیال آیا۔ وہ پلٹا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹنے لگا۔

پتا نہیں کس طرح وہ گاڑی تک پہنچے تھے۔ دھماکے اب بھی ہو رہے تھے لیکن اب اُن میں پہلی سی گونج اور گرج نہیں رہی تھی۔ غبار سے پورا میدان تاریک ہو گیا۔

انور کو ہوش نہیں کہ کس طرح اُس نے آصف کو گھسیٹ کر گاڑی میں ٹھونسا تھا اور انجن سٹارٹ کر کے آندھی اور طوفان کی طرح وہاں سے روانہ ہو گیا تھا۔ سڑک پر پہنچ کر اُسے حمید کا خیال آیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا اس کی گاڑی پیچھے نہ دکھائی دی۔ البتہ ایسا لگتا تھا جیسے میدان پر چھانے والا غبار اُس کی گاڑی کا تعاقب کر رہا ہو۔ اُس نے ایکسیلیٹر پر مزید دباؤ ڈالا اور گاڑی کی رفتار بڑھ گئی۔ آصف دم سادھے پچھلی سیٹ پر پڑا رہا۔ پتا نہیں یونہی آنکھیں بند کئے تھیں یا سچ مچ اُس پر غشی طاری ہو گئی تھی۔



کپتان حمید تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اُس پرچھائیں بازی کا ایسا کوئی نتیجہ برآمد ہوگا۔ وہ گاڑیوں سے اپنی گاڑی تک پہنچ سکا تھا۔ لیکن اُسے وہاں آصف کی گاڑی نہیں دکھائی دی۔ اُس نے مڑ کر دیکھا تو غبار کا ایک ریلہ اُسی طرف بڑھتا نظر آیا۔ چھلانگ مار کر ڈرائیونگ سیٹ پر

بیٹھا اور بھاگ نکلا۔ لیکن اُس کی جیپ کا رخ سڑک کی جانب نہیں تھا۔ مارا مارا نکلا چلا
اس طرح وہ کچے ہی راستے سے تارجام والی سڑک پر جانکلا۔ پتا نہیں انور اور آصف
حشر ہوا ہو۔ لیکن اب وہ واپسی کا خطرہ نہیں مول لے سکتا تھا۔ کیا بچکانہ اور احمقانہ حرکت
ہوئی تھی اور وہ انور جو افلاطون کا بھتیجا بنا پھرتا ہے اُس کی عقل پر بھی پتھر پڑ گئے تھے کہ
تجویز سے بالآخر اتفاق کر بیٹھا۔

پتا نہیں اس حرکت کا کیا انجام ہو لیکن آخر وہ آصف کو اپنے ساتھ کیوں لایا تھا
بعد میں اُس نے اُسے بتا دیا ہوگا کہ کریم الدین حقیقتاً کون تھا۔ حمید الجھن میں پڑ گیا۔
انور نے اُسے میک اپ میں دیکھ کر اندازہ کر لیا تھا کہ وہ اپنی اصلیت ظاہر نہیں کرنا چاہتا
لئے اُس کا تعارف کریم الدین کے نام سے کرایا تھا۔ وہ اس سے یہ بھی نہ پوچھ سکا تھا
آصف کو ساتھ لانے کا مقصد کیا تھا اور اب اس واقعے کے بعد آصف کا رویہ اُس کے
کیا ہوگا۔ غالباً انور مزید دشواری میں پڑ گیا ہوگا۔ وہ سوچتا رہا حتیٰ کہ پھر اُن دونوں پر چھا
کا ٹکراؤ یاد آ گیا۔ کیسے خوفناک دھماکے تھے اور کتنا کثیف غبار تھا جس نے پورے میدا
ڈھانپ لیا تھا لیکن کیا اس کی پرچھائیں وہیں رہ گئی ہوگی۔ اوہ پتا نہیں کیا ہوا ہو۔ ویسے
تک خود اُسے اس پرچھائیں سے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ پہلی بار اُس نے اُسے ایک
رقص پر ضرور مجبور کر دیا تھا۔ لیکن اتنا فاصلہ ہر حال میں برقرار رکھا تھا کہ اُسے کوئی گزند
سکتا۔ پھر وہ بیہوش ہو گیا تھا اور جیروم کے بیان کے مطابق اس کے گرنے سے قبل ہی
پرچھائیں اُس کی اپنی پرچھائیں میں ضم ہو گئی تھی اور بیہوشی بھی زیادہ دیر تک قائم نہیں
تھی۔ پھر وہ کسی نہ کسی طرح شہر تک پہنچے تھے اور جیروم اُسے ایک عمارت کے فلیٹ میں
گیا تھا جس کے بارے میں اس نے اُسے بتایا تھا کہ وہ اُس کے ایک دوست کا ہے
دنوں کے لئے شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔ فلیٹ کی کنجی اس نے نچلی منزل کے ایک دوکاندار
حاصل کی تھی۔ جیروم سے متعلق اس کے احساسات کچھ عجیب سے تھے۔ کبھی اُس پر غصہ
اور کبھی اس شدت سے رحم آتا کہ زندگی بھر ساتھ رکھنے کا تہیہ کرنے لگتا۔

بہر حال شہر پہنچ کر اُس نے سوچا کہ ٹرانسمیٹر پر فریدی سے رابطہ قائم کرنے کی
جائے لیکن پھر اس خیال نے اس سے باز رکھا کہ ٹرانسمیٹر کچھ دیر دشمنوں کی تحویل میں

رہا ہے اس کی بجائے اُس نے آواز بدل کر فون پر اپنے محکمے سے رابطہ قائم کیا تھا۔

''نہیں جناب۔'' دوسری طرف سے آواز آئی تھی۔ ''کرنل صاحب تشریف نہیں رکھتے۔''

''ڈاکٹر زیٹو کے لئے کوئی پیغام۔'' حمید نے پوچھا تھا۔

''نہیں جناب۔''

غرضی کہ اس وقت سے اب تک فریدی سے گفتگو نہیں ہو سکی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ دیکھئے اب کیا ہو۔ تارجام والی سڑک کے اُس چوراہے کے قریب اُس نے گاڑی روک دی جو نیشنل ہائی وے سے مل کر بنا تھا۔ یہاں سے بائیں جانب مڑ کر وہ دوبارہ شہر کی راہ لگ سکتا تھا۔ دراصل یہی سوچنے کے لئے وہ وہاں رکا تھا کہ اُسے تارجام جانا چاہئے یا پھر شہر واپس جائے۔ آخر یہی مناسب معلوم ہوا کہ شہر ہی کا رخ کیا جائے۔ آخر یہ بھی تو معلوم کرنا تھا کہ انور پر کیا گزری۔

نیشنل ہائے وے پر ٹریفک حسب معمول تھا۔ حمید اپنی گاڑی موڑنے ہی والا تھا کہ ایک اور گاڑی اُس کے پیچھے آ رکی۔ حمید نے مڑ کر دیکھا اُس میں کئی آدمی تھے اور حمید نے محسوس کیا جیسے ان میں سے ایک نے اُسے کوئی اشارہ کیا ہو اور پھر اُس نے اُسے گاڑی سے اترتے بھی دیکھا۔ وہ لنگڑاتا ہوا اُس کی گاڑی کی طرف آ رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر ایسا ہی تاثر تھا جیسے وہ اس سے کچھ کہنا چاہتا ہو۔

''جناب عالی!'' وہ اُس کے قریب پہنچ کر بولا۔ ''اگر آپ شہر کی طرف جا رہے ہوں تو اس میں کوئی ہرج نہ ہو تو مجھے لفٹ دے دیجئے۔''

حمید نے اُسے غور سے دیکھا اور بڑی لاپرواہی سے اشارہ کیا کہ وہ دوسری طرف سے گھوم کر اُس کے برابر بیٹھ جائے۔ وہ شکریہ ادا کر کے دوسری طرف والے دروازے سے اُسکے برابر بیٹھ گیا اور بولا۔ ''ان شریف آدمیوں نے ازراہ عنایت یہاں تک کیلئے لفٹ دی تھی۔''

حمید نے کچھ کہے بغیر گاڑی شہر کی طرف موڑ دی اور خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا۔ ویسے وہ اجنبی کے بارے میں کسی شبہے میں مبتلا نہیں تھا۔ کیونکہ بارہا ایسے افراد کو لفٹ دے چکا تھا جو مختلف لوگوں سے لفٹ لیتے ہوئے بالآخر منزل مقصود پر پہنچ جاتے ہیں۔ ویسے وہ سوچ رہا تھا کہ خدا کرے مغز چاٹنے والا ثابت نہ ہو۔ تھوڑی دیر بعد اجنبی نے کراہنا شروع کر دیا۔

''کیا بات ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''میں بہت بیمار ہوں جناب..... اچانک ٹانگ میں درد کا دورہ پڑتا ہے۔ اوہ اوف.....!'' اُس نے آنکھیں بند کر کے گردن ایک طرف ڈال دی۔

حمید نے گاڑی سڑک کے نیچے اُتار کر انجن بند کر دیا۔ پہلے اجنبی کا شانہ ہلا کر آواز دی پھر گردن سیدھی کر رہی تھا کہ اجنبی کا ہاتھ اُس کی کنپٹی پر پڑا۔ بڑی ہلکی سی ضرب تھی لیکن اس کو ایسا معلوم ہوا جیسے بینائی ہی رخصت ہو گئی ہو۔ سر پکڑے ہوئے اسٹیئرنگ پر ڈھیر ہو گیا۔ اجنبی بڑی پھرتی سے پیچھے ہٹا اور دروازہ کھول کر نیچے اُتر گیا۔

تھوڑی دیر بعد حمید اُسی کی جگہ پشت گاہ پر ڈھلکا پڑا تھا اور وہ خود جیپ ڈرائیو کر رہا تھا۔

کچھ دور چل کر اُس نے گاڑی پھر کچے میں اُتار دی اور کھیتوں کی طرف لیتا چلا گیا۔

لیکن جب حمید کو ہوش آیا تو جیپ میں اُس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا اور جیپ قدآدم جھاڑیوں کے درمیان کھڑی ہوئی تھی۔ وہ بوکھلا کر نیچے اُتر پڑا۔ تھوڑی دیر تک تو سمجھ ہی میں نہ آسکا کہ ہوا کیا۔ پھر جلدی جلدی جیبیں ٹٹولنے لگا۔ سب کچھ موجود تھا۔ پرس نکال کر رقم شمار کی۔ ایک روپیہ بھی غائب نہیں ہوا تھا۔ ٹرانسمیٹر بھی موجود تھا۔ ہولسٹر میں بھی ریوالور کا وزن محسوس ہو رہا تھا لیکن جب وقت دیکھنے کے لئے کلائی پر نظر ڈالی تو گھڑی غائب تھی۔ تو کیا صرف گھڑی لے گیا۔ نہیں پتا نہیں کیا چکر ہے۔ ہوسکتا ہے گھڑی کہیں گر گئی ہو۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کوئی رہزن نقد رقوم کو چھوڑ کر محض گھڑی پر اکتفاء کرے۔ لیکن پھر اُس نے ایسی حرکت کیوں کی؟ اس کا کیا مقصد تھا؟

حمید نے انجن اسٹارٹ کیا۔ جیپ جھاڑیوں سے نکل کر پھر کھلے میں آ گئی۔ شام ہو رہی تھی..... تو گویا وہ دو گھنٹے تک بے ہوش رہا تھا۔

سڑک پر پہنچ کر فوری طور پر اندازہ نہ ہوسکا کہ وہ کہاں ہے اور اُسے کس سمت جانا چاہئے۔ ذہن پر ابھی تک دھندلی چھائی ہوئی تھی۔ خاصی دیر بعد شہر کی سمت کا تعین کر سکا اور پھر اُس نے فیصلہ کیا کہ شہر پہنچ کر سب سے پہلے انور ہی کی طرف جائے گا۔

آدھے گھنٹے بعد شہر پہنچا تو بوکھلا کر رہ گیا۔ سڑکوں کی لائٹیں قبل از وقت جلا دی گئی تھیں کیونکہ شہر کے بیشتر حصے پر غبار چھایا ہوا تھا۔ گویا جھریالی والے غبار نے شہر پر یلغار کر دی تھی۔

اسے پھر خیال آیا کہ آصف انور کے ساتھ تھا۔ پتا نہیں اب انور کس پوزیشن میں ہے۔ آئی طرف جانے کی بجائے پہلے فون پر حالات سے آگاہی حاصل کر لینی چاہئے۔

غبار سے متعلق شہر میں سراسیمگی پائی جاتی تھی کیونکہ محکمہ موسمیات اُس کے بارے میں سے قاصر تھا۔ حمید نے گاڑی ایک ڈرگ اسٹور کے سامنے روکی اور وہیں کے سے رابطہ قائم کیا۔ جواب ملنے میں دیر نہیں لگی تھی۔ انور نے کہا۔ ''میں تو سمجھا تھا کام آ گئے۔''

تمہاری زندگی میں میری موت ناممکن ہے۔'' حمید بھنا کر بولا۔

میں آ جاؤ۔'' انور کی آواز آئی۔

کیا یہ ضروری ہے۔ میں تو صرف یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کہیں بڈھے نے تمہیں بند تو

''

وال ہی نہیں پیدا ہوتا کیونکہ وہ اس حماقت میں برابر کا شریک تھا۔ اس سلسلے میں سختی بند رکھنے کی ہدایت دے گیا ہے۔ تم فوراً آ جاؤ بے حد ضروری ہے۔''

میں آ رہا ہوں۔'' حمید طویل سانس لے کر بولا اور رابطہ منقطع کر دیا۔

اگلی جیپ انور کی قیام گاہ کی طرف جا رہی تھی۔ غبار اتنا گہرا تھا کہ ساری گاڑیوں کی بتیاں ابھی سے روشن ہو گئے تھے۔

اپنے فلیٹ میں تنہا ملا اور حمید کو بغور دیکھتا ہوا بولا۔ ''تمہاری آنکھوں سے خاصی اظہار ہو رہا ہے۔''

کی دعوت سے میری واپسی نہیں ہوئی ہے۔''

تمہاری حماقت کی بناء پر سب کچھ ہوا۔''

فضول باتیں مت کرو۔ یہ بتاؤ کیوں بلایا ہے۔''

نے اس کی طرف ایک لفافہ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''کچھ دیر پہلے کی بات ہے کوئی دروازے کے نیچے سے کمرے میں سرکا گیا تھا۔ اس پر تمہارا نام تحریر ہے۔''

نے تحریر پر نظر ڈالی اور اُس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ فریدی کئی قسم کے انداز لکھ سکتا تھا اور یہ انہی میں سے ایک تھا۔ لفافے سے برآمد ہونے والے پرچے کی

تحریر کوڈورڈز میں تھی اور یہ کوڈ بھی فریدی ہی کا ایجاد کردہ تھا۔ جسے اُس نے ذات تک محدود رکھا تھا۔

''کیا تم نے کچھ دیر دوسرے کمرے میں بیٹھ سکو گے۔'' حمید نے انور سے

''ضرور.....ضرور.....!'' وہ اُسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

''کاغذ اور پنسل بھی چاہئے۔''

''میز پر موجود ہیں۔'' انور کہتا ہوا دوسرے کمرے میں چلا گیا اور حمید

کرنے لگا۔

''حماقتیں کرتے پھر رہے ہو۔ خیر آج ٹھیک گیارہ بجے پرنس اسٹریٹ

بوتھ کے قریب موجود رہنا۔ سبز رنگ کی کورونا مارک ٹو جس کا رجسٹریشن نمبر ایک

نائین ٹو ہوگا۔ تمہیں وہاں سے کہیں لے جائے گی۔ پاسورڈ بلیک کیٹ۔''

حمید نے جیب سے سگریٹ لائٹ نکالا اور دونوں پرچوں کو نذر آتش کر

راکھ ایش ٹرے میں ڈال کر اُٹھتے ہوئے انور کو آواز دی۔ انور واپس آ گیا

نظروں سے حمید کو دیکھے جا رہا تھا۔ ''اس طرح مت دیکھو میں کچھ نہیں جانتا

ہو رہا ہے۔'' حمید بولا۔

''ہوسکتا ہے تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن میں تمہیں ایک خطرے سے آگاہ کر

سمجھتا ہوں۔'' انور نے خشک لہجے میں کہا۔

''آگاہ ضرور کر دو۔''

انور طویل سانس لے کر بولا۔ ''میں زندہ رہنا چاہتا ہوں اس لئے میں

مجرم چاہتے تھے۔ یعنی اپنی رپورٹ اُسی طرح لکھی جس طرح انہوں نے چاہا۔''

''وہ تو ہم دیکھ ہی چکے ہیں۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔

''لیکن شاید تم اُس کا مطلب نہیں سمجھے۔''

''بالکل سمجھا ہوں۔ تم یہی کہنا چاہتے ہو نا کہ اگر پرچھائیوں نے شہر میں

لوگ یہی چاہیں گے کہ کرنل کو پکڑ کر مجرموں کے حوالے کر دیا جائے۔''

''میں یہی کہنا چاہتا تھا۔''

''لیکن میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔ یقین کرو میں اُن لوگوں میں سے ہرگز نہ

ہونا چاہیں گے۔ خواہ ساری دنیا تباہ ہو جائے۔''

''سوال تو یہ ہے کہ وہ محض کرنل کے لئے اس حد تک کیوں جائیں گے۔''

''میرے پاس فی الحال اس کا کوئی جواب نہیں۔''

''ویسے سوچنے کی بات ضرور ہے۔'' انور نے پرتشویش لہجے میں کہا۔ ''کیا اُنہیں صرف

ذہ واحد سے خطرہ ہے اور کس قسم کا خطرہ۔ پرچھائیوں کے مسئلے کو راز ہی میں رکھنے کے

لوگ میدان عمل میں آئے تھے لیکن اب خود ہی پرچھائیوں کی پبلسٹی بھی کر رہے ہیں

ہی تلاش بھی کر رہے ہیں۔''

''میرے لئے کوئی نیا سوال نہیں ہے۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔ ''میں بھی اسی مسئلے

رہا ہوں۔''

''کس نتیجے پر پہنچے۔''

''نتیجے پر پہنچنا میرے فرائض میں شامل نہیں ہے میں تو صرف حکم کا غلام ہوں۔ جو کہا

ے کرتا رہتا ہوں۔''

''اب کیا کہا گیا ہے۔'' انور نے اُس ایش ٹرے کو گھورتے ہوئے پوچھا جس میں جلے

کاغذ کے ٹکڑے نظر آ رہے تھے۔

''قبض کشا گولیاں کھاؤ اور انتظار کرو۔''

''کیا تم کبھی سنجیدہ نہیں ہو سکتے۔''

''میں جس ڈکشنری سے استفادہ کرتا ہوں اُس میں سنجیدگی کے معنی ذہنی موت درج ہے۔''

ور بُرا سا منہ بنائے ہوئے دوسری طرف مڑ گیا اور حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔ ''اور

بات؟''

''کچھ نہیں۔''

''اچھا شب بخیر۔'' کہتا ہوا حمید اُس کے فلیٹ سے نکل آیا۔ فضا اب بھی غبار آلود تھی

ہار گہرا نہیں تھا۔ اُسے یہ بھی تو دیکھنا تھا کہ اُس کا تعاقب تو نہیں کیا جا رہا اور اس وقت

مشکل کام تھا۔ شہر کی بھری پُری سڑکوں پر تو ناممکن ہی کہا جا سکتا تھا۔ گیارہ بجنے میں بھی

بہت دیر تھی۔ اُس نے ایک پٹرول پمپ سے جیپ کی ٹنکی بھروائی اور مٹر گشتی کرتا رہا۔ اس کا اندازہ کرنے کے لئے کہ تعاقب تو نہیں کیا جارہا شہری آبادی سے نکلنے میں تھوڑی دیر بعد یہ خواہش بھی پوری ہوگئی۔ یعنی ایک ایسی سڑک پکڑلی جس سے سڑکیں بھی مختلف جگہوں پر آملتی تھیں اور یہ سڑکیں زیادہ تر ویران رہتی تھیں۔ اس سے کسی پر بہ آسانی یہ معلوم کیا جاسکتا تھا کہ تعاقب تو نہیں کیا جارہا۔ کچھ دیر بعد درست ثابت ہوا۔ ایک گاڑی مسلسل پیچھے لگی رہی تھی۔

اس نے طویل سانس لی اور سوچنے لگا کہ اب کیا کیا جائے۔ اُسے ڈوج دینے پرنس اسٹریٹ میں داخل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ تو پھر کہاں اور کس طرح ڈوج دیا جائے۔ پھر اسی مرحلے پر تعاقب کرنے والے کو یہ بھی باور کرانا ضروری تھا کہ یونہی بلامقصد ڈرائیونگ نہیں کرتا پھر رہا۔ لہٰذا اُس نے ایک عمارت کے پھاٹک پر گاڑی اور اُتر کر کال بل کا بٹن دبانے لگا۔ پچھلی گاڑی آگے نکل چلی گئی لیکن اُس عمارت کے سے گزرتے وقت اُس کی رفتار کسی قدر کم ہوگئی تھی۔ پھاٹک کی ذیلی کھڑکی کھلی اور چوکیدار سر باہر نکال کر پوچھا۔ ''کون صاحب ہیں۔''

''کیا اسد فاروقی صاحب یہیں رہتے ہیں۔''

''جی نہیں صاحب۔'' جواب ملا۔

''اس کوٹھی کا نمبر کیا ہے؟''

''چھ سو باسٹھ جناب۔''

''اوہ..... غلطی ہوئی۔ پانچ سو باسٹھ نمبر کدھر ہوگا۔''

''دور تک جانا پڑے گا آپ کو۔'' وہ انگلیوں پر کچھ شمار کرتا ہوا بولا۔ اُدھر حمید نے کیا جیسے تعاقب کرنے والی گاڑی دوبارہ اُسی طرف پلٹ رہی ہے۔

''ایسا کیجئے جناب۔'' چوکیدار کھڑکی سے باہر نکل کر بولا۔ ''واپس جائیے اور چوتھے سے پانچویں گلی میں مڑ جائیے۔ پانچ سو باسٹھ نمبر اُدھر ہی ملے گا۔''

''بہت بہت شکریہ۔''

''کوئی بات نہیں جناب۔''

تعاقب کرنے والی گاڑی کچھ فاصلے پر رکی تھی اور اُس کے ہیڈ لیمپس بجھا دیئے گئے تھے۔ اس نے جیپ کا انجن اسٹارٹ کیا اور واپسی کے لئے موڑنے لگا۔ دوسری گاڑی اب بھی پیچھے آرہی تھی۔ ہوسکتا تھا کہ تعاقب انور کے فلیٹ ہی سے شروع ہوا ہو۔ بہرحال اب وہ مطمئن تھا کہ شہر پہنچ کر تعاقب کرنے والے کو کس طرح ڈوج دیا جائے۔ جلد ہی تدبیر بھی سوچ لی اور وہ مطمئن ہوگیا۔ خاصی تیز رفتاری سے شہر پہنچا تھا اور ایک گھنی آبادی والی پبلک لائبریری کے سامنے جیپ روک کر اس طرح اُترا تھا جیسے بے اختیاری میں کچھ خطا ہوجانے کا احساس ہو۔

اُسے علم تھا کہ راہداری کے دوسرے سرے پر بھی ایک دروازہ ہے جس سے گزر کر وہ دوسری طرف نکل سکے گا۔ پھر اُدھر کی متعدد پتلی پتلی گلیوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لینے میں دیر نہیں لگے گی۔ بڑی پھرتی سے اُس نے سارے مراحل طے کئے اور دوسری جانب کی گلیوں میں گم ہوگیا۔

ٹھیک گیارہ بجے سبز رنگ کی کرولا مارک ٹو وہاں آرکی۔ حمید نے اُس کے رجسٹریشن نمبر وہی تھے جن کا حوالہ فریدی کی کوڈ تحریر میں دیا گیا تھا۔ وہ گاڑی کے قریب پہنچا۔

''پاسورڈ پلیز.....!'' ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے آدمی نے پوچھا۔

''بلیک کیٹ۔''

''ہاپ ان پلیز.....!''

حمید پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا اور گاڑی چل پڑی۔ اب اطمینان نصیب ہوا تھا۔ اُس نے پشت گاہ سے ٹک کر آنکھیں بند کرلیں اور اونگھنے لگا۔ پتا نہیں کتنی راتوں سے نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔ ذرا ہی سی دیر میں بے خبر ہوگیا۔ پھر جگایا گیا تو اندازہ لگانا مشکل تھا کہ کتنی دیر سویا ہوگا کیونکہ گھڑی تو تھی ہی نہیں۔ گاڑی ایک سنسان جگہ پر رکی تھی اور قریب ہی درختوں کی چھاؤں میں ایک چھوٹی سی عمارت کے آثار نظر آرہے تھے۔ ڈرائیور نے اُس سے اترنے کو کہا اور اُس نے خاموشی سے تعمیل کی۔ ایک کمرے میں جہاں کیروسین لیمپ کی مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی فریدی اُس کا منتظر تھا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔'' حمید آہستہ سے بولا۔

''لیٹ جاؤ اور دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دو۔'' فریدی نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''اس طرح طبی کا مقصد۔''

''ایک تجربہ کرنا ہے۔''

''مجھ پر۔''

''براہِ راست تم پر تو نہیں لیکن تم اس کا ایک لازمی جزو ضرور بنو گے۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''بہت تھکے ہوئے معلوم ہوتے ہو۔ اس وقت سو جاؤ۔ صبح باتیں ہوں گی۔'' فریدی نے کہا۔

''آخر آپ کیا کرتے پھر رہے ہیں؟''

''فی الحال صرف تجربات۔''

''انور کی کہانی دیکھی۔''

''دیکھ چکا ہوں اور تم چاہو تو اپنی کہانی بھی اسی وقت سنا سکتے ہو۔''

''میری کون سی کہانی۔''

''یہی کہ تمہیں کب اور کہاں اُس پر چھائیں کا تجربہ ہوا تھا۔''

حمید نے طویل سانس لے کر بتانا شروع کیا کہ اُس پر اور جیروم پر کیا گزری تھی اور کس طرح فرار ہونے میں کامیاب ہوئے تھے اور اُس کے بعد ہی وہ پر چھائیں اس ہمزاد کی حیثیت سے نمودار ہوئی تھی۔

''اور پھر تم دونوں نے جھریالی کے میدان میں پر چھائیں بازی کر ڈالی تھی۔'' فرید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''میں نے سوچا یہ تجربہ بھی سہی۔''

''جانتے ہو اُس کا کیا انجام ہوا۔''

''قطعی نہیں جانتا کیونکہ اُنہیں جھریالی میں چھوڑ کر خود بھاگ کھڑا ہوا تھا۔''

''وہاں کئی بڑے بڑے غار ہو گئے ہیں جن سے پانی اُبل پڑا ہے۔''

''محکمہ زراعت والے بغلیں بجائیں گے۔''

شہر پر غبار بھی مسلط ہو گیا ہے۔'' فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ''تمہارا بچپن بھی کبھی
ہی
بچوں کی تعداد رخصت کرتی ہے۔ یہاں سرے ہی سے اللہ کا فضل ہے۔''
بواس بند کرو اور دوسرے کمرے میں جا کر سو جاؤ۔''
رپورٹ نہیں چھاپنی چاہئے تھی۔ اگر اب پر چھائیوں نے شہر میں توڑ پھوڑ مچائی
دشمن ہو جائے گا۔''
پوری ہے۔'' فریدی خشک لہجے میں بولا۔ ''یہ کام اسی طرح بن سکتا ہے جس طرح
ں دوسری صورت میں اُس سے بھی زیادہ تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔''
ہے توڑ ہے کہ کہیں محکمہ ہی آپ کے خلاف کوئی چارج لگا کر آپ کے وارنٹ
حاصل کر لے۔''
ا بھی ہو۔'' فریدی نے لاپرواہی کے اظہار میں شانوں کو جنبش دی اور پھر
طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ''سو جاؤ۔'' وہ چلا گیا اور حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے
ازے کی طرف مڑا۔ دوبارہ بھی نیند جلد ہی آئی تھی۔ صبح تک بے خبر سوتا رہا۔
لئے جگایا گیا تھا۔

ت میں کئی آدمی موجود تھے لیکن حمید نے اُن سے کسی قسم کی گفتگو کرنا مناسب نہ
لڑکی سے یہ بھی نہ پوچھا کہ فریدی کہاں ہے، ناشتے کے بعد ایک آدمی نے کہا۔
اپنا لباس تبدیل کر لیجئے۔''
ں سے کر لوں۔ سوٹ کیس ساتھ نہیں لایا۔''
یہاں موجود ہے جناب۔''
دہقانوں کا سا لباس تھا۔ سر پر اُلٹی سیدھی پگڑی بھی باندھنی پڑی۔ غالباً اب
کہیں اور جانا تھا لیکن سواری کے لئے کرونا مارک ٹو نہیں تھی۔ ایک بیل گاڑی
نظر آئی جس پر دو عدد دہقان پہلے سے موجود تھے۔ حمید بھی طوعاً و کرہاً اُن
بیٹھ گیا اور بیل گاڑی چل پڑی۔ آخر یہ حضرت کرنا کیا چاہتے ہیں۔ وہ سوچتا
کا تجربہ ہے جس کے لئے دہقان بننا ضروری ہو گیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد

چاروں طرف دھوپ پھیل گئی۔ مطلع صاف تھا۔ دھوپ دیکھ کر حمید کو پر چھائیں سوچنے لگا کہیں کم بخت نمودار ہی نہ ہو جائے۔ تقریباً دو ڈھائی میل چل کر نیل ایک گھنے درخت کے سائے میں رک گئی اور حمید چاروں طرف دیکھنے لگا۔

''اب اس درخت پر چڑھ جایئے جناب۔'' دہقانوں میں سے ایک بولا۔

''کیوں چڑھ جاؤں۔ تمہارا دماغ تو نہیں الٹ گیا۔''

''نہیں جناب۔'' اُس نے بڑی سعادت مندی سے کہا۔

دفعتاً درخت کے اوپر سے آواز آئی۔ ''کیوں بکواس کر رہے ہو۔ اوپر آ جاؤ۔'' فریدی کی آواز تھی۔ حمید کے تلوؤں سے لگی اور سر پر بجھی۔ منہ اوپر اٹھ فریدی ایک بڑی سی مچان پر بیٹھا دکھائی دیا۔

''یہ پھل دار درخت بھی نہیں ہے پھر آپ اوپر کیا کر رہے ہیں۔'' حمید نے پو

''وقت نہ ضائع کرو..... آ جاؤ۔''

حمید نے جھلا کر جوتے اُتارے گاڑی سے کودا اور درخت پر چڑھنے لگا۔ پھ اُس نے اُلوؤں کی طرح دیدے نچائے کیونکہ وہاں عجیب قسم کا سامان موجود تھا۔ عجیب نہیں تھا لیکن وہاں اُس کی موجودگی عجیب لگ رہی تھی۔ ایک طرف ایک بیٹری رکھی ہوئی تھی اس کے ساتھ مائیکروفون بھی تھا۔ ایک جانب دوربین لگی ہوئی بھی نظر آئی۔ اس کے علاوہ ایک جگہ فیلڈ گلاسز بھی رکھے دکھائی دیئے۔

''اس تجربے کی تیاری رات بھر ہوتی رہی تھی۔'' فریدی بولا۔

''لیکن یہ بیل گاڑی کہاں جا رہی ہے۔ اُس پر میرے جوتے ہیں۔''

''پھر بکواس شروع کر دی۔ سنجیدگی اختیار کرو۔''

حمید نے مائیکروفون اور بیٹری کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ ''کیا درخت چندہ مانگنے کا تجربہ ہے۔''

فریدی نے دوربین اٹھائی اور ایک جانب دیکھنے لگا اور حمید ہنس کر بولا۔ ''میں تجھ پاس کوئی سوئمنگ پول پایا جاتا ہے شاید آج کی گوپیاں تو دوربین ہی سے دیکھی ہ

''تم بکواس بند نہیں کرو گے۔'' فریدی نے آنکھوں پر سے دوربین ہٹ

''میں نے کہا تھا کہ تم اس تجربے کا لازمی جزو ہو۔''

''یعنی خود یہیں بیٹھے رہیں گے اور مجھے گوپیوں کے کپڑے چرالانے کے لئے بھیجیں گے۔ نہیں جناب۔ میں دورِ جدید میں اس قسم کا کوئی خطرہ مول لینے کو تیار نہیں۔ آج کل کی گوپیاں والدین سمیت سوئمنگ پول میں تیرتی ہیں۔''

''میں تمہیں اُٹھا کر نیچے پھینک دوں گا۔''

''اور میں اُنہیں بتا دوں گا کہ اصلی ماکھن چور صاحب درخت پر تشریف فرما ہیں۔'' فریدی نے اُس کی گردن دبوچ کر دوربین تھماتے ہوئے کہا۔ ''دیکھو..... اُدھر دیکھو۔''

شاید ایک یا ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر ایک آدمی کھڑا نظر آیا جس کی پشت اُن کی جانب تھی۔ عمدہ قسم کا سوٹ پہن رکھا تھا اور سر پر فلٹ ہیٹ تھا۔ دور دور تک اس کے علاوہ اور کوئی نہ دکھائی دیا۔ حمید نے دوربین آنکھوں پر سے ہٹاتے ہوئے پوچھا۔ ''آپ کی تعریف۔''

''پھر بتاؤں گا۔ اب تم سنو۔ ابھی میں یہ تار بیٹری سے اٹیچ کر دوں گا اور تم مائیک سے وہی الفاظ دہراؤ گے جو ہمزاد کو طلب کرنے کے لئے کہتے ہو۔''

''کک..... کیا میں طلب.....!''

''اس بار ہمزاد کو مائیک کے ذریعے طلب کرو گے۔''

''تاکہ اس کی گونج دور دور تک سنائی دے۔'' حمید بولا۔ ''آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ میں وہ الفاظ بہت دھیمی آواز میں ادا کرتا ہوں۔''

''یہ تو اور بھی اچھا ہے۔ اتنی ہی دھیمی آواز میں بولنا اور ہاں جب میں بیٹری کے تار اٹیچ کروں تو تم بالکل خاموش رہو گے اور جب تک دوبارہ تار الگ نہ کر دوں کوئی فالتو بات نہیں کرو گے۔''

''یعنی آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب تک تار بیٹری سے لگے رہے صرف ہمزاد کو طلب کرنے ہی والا جملہ ادا کروں اور کچھ نہ بولوں۔''

''یہی بات ہے۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔

''آخر آپ کرنا کیا چاہتے ہیں۔''

''ابھی دیکھ لو گے۔''

''کہیں ویسی ہی کوئی حماقت آپ سے بھی نہ سرزد ہو جائے جیسی اُن پر چھائیوں کو ا
کر مجھ سے ہوئی تھی۔''

''تم اس کی فکر نہ کرو۔''

''درخت سے کود کر بھاگنا میرے بس سے باہر ہوگا۔''

''اچھے بچوں کی طرح بحث مت کرو۔ اس کے بعد تمہیں کسی اچھے سے سوئمنگ پول پر
لے چلوں گا۔'' فریدی چمکار کر بولا۔

حمید طویل سانس لے کر رہ گیا۔ ظاہر ہے جس تجربے کی تیاری رات بھر جاری رہی ہو
اُسے محض دو چار باتوں سے کس طرح روکا جا سکتا۔ لہٰذا وہ تن بہ تقدیر ہو بیٹھا۔ لیکن آخر فریدی
کرنا کیا چاہتا تھا۔ اس نے بیٹری سے تار اینچ کئے اور پھر حمید کو اشارہ کیا اور حمید مائیک کی
طرف جھک کر معمول کے مطابق بولا۔ ''اے میرے ہمزاد حاضر ہو۔ اے میرے ہمزاد حاضر
ہو۔'' فریدی نے پھر تار بیٹری سے الگ کر دیا اور حمید نے ہنس کر کہا۔ ''اس کے لئے میرا
دھوپ میں کھڑا ہونا بھی ضروری ہے۔''

فریدی نے دوربین اُٹھا کر اسی سمت دیکھنا شروع کر دیا جہاں وہ نامعلوم آدمی کھڑا تھا۔
حمید کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ حمید بُرا سا منہ بنائے بیٹھا رہا۔ کئی منٹ گزر گئے۔ پھر اچانک
اُس نے دوربین حمید کو تھما کر رائفل کی نال کے زاویئے کے مطابق اُسے اٹھا کر دیکھنے لگا۔
میدان میں کھڑے ہوئے آدمی کے عین سر پر فضا میں ایک سیاہ رنگ کی چڑیا معلق نظر آئی۔
کسی کنگ فشر کے سے انداز میں اُس کے ڈھنے بھی ہل رہے تھے۔ فریدی شاید اُسی پرندے کا
نشانہ لے رہا تھا۔ حمید نے پھر دوربین اُسی آدمی کی طرف جھکائی جو اب بھی اُن ہی کی جانب
پشت کئے کھڑا تھا۔ خدا کی پناہ۔ دو پرچھائیاں ایک شاید اُس کی اپنی اور دوسری وہ جو ہمزاد
کہلاتی تھی۔ دونوں کسی قدر فاصلے سے ایک دوسری کے متوازی پڑ رہی تھیں۔ اچانک فریدی
نے فائر کیا۔ بجلی کا سا کڑکا ہوا اور ساتھ ہی کوندے کی لپک سے آنکھیں چندھیا گئیں۔ ادھر
میدان میں کھڑا آدمی دھڑا دھڑ جل رہا تھا۔ دفعتاً فریدی نے حمید کا شانہ جھنجھوڑ کر کہا۔ ''اب
بھاگو یہاں سے۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ تھوڑی دیر میں یہاں پرچھائیں ہی پرچھائیں نظر آئیں۔
تم دوربین اُٹھا لو۔''

اس نے وہاں سے صرف رائفل اُٹھالی اور برگد کی جٹا تھام کر جھولتا ہوا نیچے کود گیا۔
حمید نے بھی اس کی تقلید کی لیکن تھوڑی ہی دور دوڑا تھا کہ جوتے یاد آ گئے۔
''خدا کیلئے ٹھہریئے۔'' وہ ہاتھ اُٹھا کر چیخا۔ ''ورنہ میرے تلوے زخمی ہو جائیں گے۔''
فریدی رک گیا۔ اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھا۔
''میں ننگے پیر نہیں دوڑ سکتا۔'' حمید جھنجھلا کر بولا۔
''بس تھوڑی دور۔ ہم وہاں محفوظ ہوں گے۔'' فریدی نے کہا اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر پھر
دوڑنے لگا۔ درختوں کے جھنڈ کے پیچھے ایک چھوٹا سا تالاب تھا۔ فریدی نے اس کی طرف
اشارہ کر کے کہا۔ ''ہم یہیں ٹھہریں گے۔''
''آخر یہ سب کیا تھا۔'' حمید ہانپتا ہوا بولا۔ ''وہ بیچارہ کون تھا جو مفت میں مارا گیا۔''
''کوئی بھی نہیں۔ ڈمی تھی۔ کپڑے کا ایک مجسمہ۔'' فریدی تالاب کے کنارے بیٹھتا ہوا
بولا۔ ''جس کی کلائی پر تمہاری گھڑی بندھی ہوئی تھی۔''
''کک..... کیا مطلب..... میری گھڑی۔''
''وہ میرا ہی آدمی تھا جس نے تمہاری گھڑی حاصل کرنے کے لئے تم سے تار جام والی
ٹکر پر لفٹ لی تھی۔''
''اس کی ضرورت ہی کیا تھی۔ آپ ویسے ہی منگوا بھیجتے۔''
''انہیں علم ہو جاتا۔''
''میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا۔''
''ہمزاد تمہاری گھڑی میں بند تھا۔ فی الحال اتنا ہی سمجھ لو جس مائیک کے ذریعے تم نے
وقت ہمزاد کو طلب کیا تھا اُس کا اسپیکر اُس ڈمی کے ساتھ تھا۔ لہٰذا تمہاری ہی آواز جب
گھڑی کے توسط سے اُن لوگوں تک پہنچی تو اُنہوں نے وہ فلائنگ کنٹرول روانہ کر دیا جسے
تم نے فائر کر کے تباہ کیا تھا۔''
''ف..... فلائنگ کنٹرول۔''
''فلائنگ کنٹرول جو خود لاسلکی سے کنٹرول کیا جاتا ہے۔ تمہاری گھڑی میں کوئی ایسی
چیز رکھ دی گئی تھی جو نہ صرف تمہاری آواز اُن لوگوں تک پہنچاتی تھی بلکہ پرچھائیں کے

لئے ریسیور کا کام بھی کرتی تھی۔ یعنی پرندہ نما فلائنگ کنٹرول ٹھیک اُسی کی طرف آتا تھا۔"

"خدا کی پناہ۔" لیکن میری گھڑی تک اُس ڈیوائیس کی رسائی کیسے ہوئی۔

"سامنے کی بات ہے۔ تم اسی لئے پکڑے گئے تھے کہ ایک عدد ہمزاد کے مالک بنا دیئے جاؤ ورنہ اتنی آسانی سے فرار نہ ہو سکتے۔ وہ محض ڈراما تھا۔"

"میں بھی اس مسئلے پر مطمئن نہیں تھا۔ آخر انہوں نے جیروم کو بھی میری ہی طرح دوسرے ستون سے کیوں نہیں جکڑ دیا تھا۔ غالباً اسی لئے کہ میں اپنی رہائی کے لئے اُس کے دانتوں سے کام لے سکوں لیکن ٹھہریئے۔ آخر اس وقت آپ کی بلیک فورس کے آدمی کہاں تھے جب اُن لوگوں نے ہمیں پکڑا تھا۔"

"محض اتفاق تھا کہ وہ لوگ اُسی وقت اپنا کام کر گئے جب تمہاری نگرانی کرنے والا تھوڑی دیر کے لئے عمارت کے قریب سے ہٹ گیا تھا۔ اُسے اطمینان تھا کہ تم عمارت کے اندر موجود ہو۔ لیکن جھریالی کے میدان میں تم پر نظر رکھی گئی تھی۔ مغرب کی طرف والے ٹیلوں پر میرے آدمی موجود تھے اور تم لوگوں کا دوربینی جائزہ لیا جاتا رہا تھا۔ اُس کے بعد ہی میں نے تمہاری کلائی سے گھڑی اُتروالی تھی۔ اس طرح حیران ہو کر نہ دیکھو۔ اس سے پہلے بھی ایسے ہی ایک کیس سے میرا سابقہ پڑ چکا ہے۔ ورنہ اتنی تیزی سے اس نتیجے پر نہ پہنچ سکتا کہ وہ ڈیوائس گھڑی ہی میں چھپائی گئی ہوگی۔"

"بہرحال یہ کہنا چاہئے کہ اُن پر چھائیوں کو تباہ بھی کیا جا سکتا ہے۔" حمید طویل سانس لے کر بولا۔

"لیکن یہ کیسے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ پرچھائیں کب اور کہاں نمودار ہونے والی ہے۔ جتنی دیر میں اُس کا سراغ ملے گا وہ خاصی تباہی لا چکی ہوگی۔ فی الحال میں صرف دو ایسے افراد کو جانتا ہوں جن سے یہ ہمزاد چمٹا ہوا ہے۔ اُنہی پر نظر رکھی جا سکتی ہے۔"

"دو کون.....؟"

"ہے ایک آدمی انور کے علاوہ۔"

"اب آیئے جیروم کی طرف۔ وہ میری جان کو چمٹ گیا ہے۔" حمید نے کہا اور جیروم کے بارے میں بتانے لگا کہ وہ کسی طرح بھی اُس کا پیچھا چھوڑنے پر تیار نہیں۔

"میں سمجھتا ہوں۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اُسے الجھائے رکھو۔"

"مجھے تو وہ بھی فراڈ معلوم ہونے لگا ہے۔ اب آپ کے توجہ دلانے پر یاد آیا کہ فرار کے لئے اُسی نے وہ جگہ دکھائی تھی جہاں سے ہم بہ آسانی نقب لگا سکتے تھے۔"

"کچھ بھی ہو اُسے الجھائے رکھو۔"

"اور جوڈیتھ گراہم کے بارے میں کیا خیال ہے۔"

"اُسے بھی اُس کے حال پر چھوڑو۔ فی الحال میں ان پرچھائیوں کے علاوہ اور کسی مسئلے پر نہیں کر سکتا۔ پوری طرح ہوشیار رہو۔ ہو سکتا ہے اب پرچھائیاں دکھائی ہی نہ دیں اور تباہ کاری شروع ہو جائے۔ جھریالی کے میدان میں جو کچھ بھی ہوا تھا اسی کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"فی الحال پرچھائیں اُس پرندہ نما کنٹرول کی علامت ہے۔ پرچھائیں دیکھ کر ہی میں نے ہوا میں تلاش کیا تھا۔ ورنہ عام حالات میں اُس کی طرف توجہ بھی نہ دیتا کیونکہ بلندی پر وہ بالکل ایک معمولی سا پرندہ لگتا ہے۔ بہرحال وہ اس علامت کو غائب کر سکتے ہیں تاکہ اُس کی نشاندہی نہ ہو سکے اور وہ اپنا کام کرتا چلا جائے۔ میری دانست میں پرچھائیں محض دکھاوا ہے۔"

"شاید وہ اسی لئے آپ پر ہاتھ ڈالنا چاہتے تھے کہ آپ پرچھائیں کا معمہ حل کر لیں گے۔"

"بچوں کی سی باتیں نہ کرو۔ کوئی بھی سوچتا ہوا ذہن فلائنگ کنٹرول تک پہنچ سکتا تھا۔ ایسا کوئی پیچیدہ مسئلہ نہیں ہے۔ محض اتنی سی بات کے لئے وہ مجھ پر قابو پانا چاہتے ہیں۔ یہ سوچ بھی نہیں سکتا کوئی اور چکر ہے۔" فریدی نے کہا اور کسی سوچ میں گم ہو گیا۔ پھر حمید کو پولیس گاڑی تالاب ہی کی طرف آتی دکھائی دی جس پر اُس کے جوتے رہ گئے تھے۔ وہ لمبی سانس لے کر بولا۔ "سب کچھ ہے میرے جوتے کی نوک پر۔ میں اب اپنے ذہن کو بالکل آزاد چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔ آپ ہی سوچ جایئے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ حقیقتاً کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 124

ہمزاد کا مسکن

(چوتھا حصہ)

پیشرس

جاسوسی دنیا کا خاص نمبر یعنی پرچھائیوں کے سلسلے کا آخری ناول ''ہمزاد کا مسکن'' پیش خدمت ہے۔ کتاب بہت لیٹ ہوگئی۔ اس سلسلے میں کچھ کہوں گا تو ڈھیروں عتاب نامے نازل ہوجائیں گے۔ کیونکہ میرے پڑھنے والے مجھے بھی فریدی ہی کی طرح کا آئرن مین دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ تصور بھی نہیں کرسکتے کہ میں اونگھتا اور چھینکتا بھی ہوں گا۔ بحالت دردِ دنداں بینگن سامنہ بنائے پھرتا ہوں گا یا چوٹ لگنے پر سسکیاں بھی لیتا ہوں گا۔ وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا کتاب لیٹ ہوجانے کے سلسلے میں کسی قسم کا دُکھڑا لے بیٹھنے کی بجائے صرف اتنا ہی کہنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ اللہ کی مرضی!

اس بار کئی جواب طلب خطوط ہیں جن میں ایک بہت ہی اہم ہے۔ بلکہ اہم ترین کہنا چاہئے۔ کیونکہ اس کا تعلق ایک اہم ترین قومی مسئلے سے ہے۔ یعنی یہ کرنسی کا مسئلہ ہے۔ ایک صاحب لکھتے ہیں۔

''جناب عالی! ایک بہت ہی اہم مسئلے کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ وہ بھی اس لئے کہ ایک غیرملکی سیاح سے شرمندگی اُٹھانی پڑی۔ کہنے لگا تم بہت مالدار قوم ہو۔ اتنے مالدار کہ اپنے کرنسی نوٹوں کو ٹوائیلٹ پیپر کی طرح استعمال کرکے پھینک دیتے ہو جنہیں حکومت اپنے طور پر چنوا کر بینکوں میں بجھوا دیتی ہے۔ کیا

آپ نے کبھی غور فرمایا صفی صاحب کہ ہمارے کرنسی نوٹ کتنے گندے ہوتے ہیں۔ کٹے پھٹے، سڑے بُسے کہ جیب میں رکھتے ہوئے گھن آتی ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے۔ شاید دنیا کے کسی ملک کی کرنسی اتنی گندی نہ ہوتی ہو۔ آخر اُس کا شکوہ کس سے کیا جائے۔ کس سے کہیں کہ ہماری یہ شکایت بھی رفع کی جائے۔''

''برادرم، کیا عرض کروں۔ ایک کہاوت ہمارے معاشرے میں صدہا سال سے چلی رہی ہے۔ روپیہ پیسہ تو ہاتھ کا میل ہے۔''

لہٰذا اس سلسلے میں کچھ نہ کہئے۔ یہ ہمارا قومی مزاج ہے۔ کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔ اس کی ذمہ داری نہ حکومت پر ہے اور نہ کسی دوسرے ادارے پر اس کے ذمہ دار سراسر ہم خود ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ جو قوم کرنسی جیسی نعمت کی حفاظت نہ کرسکے اُس کی لاپرواہیوں کا کیا پوچھنا۔ زندگی کا کوئی بھی شعبہ اس کی لاپرواہیوں کا شکار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

بہرحال پھٹے ہوئے نوٹ اُس وقت سے زیادہ نظر آنے لگے ہیں جب سے ''ربر بینڈ سسٹم'' رائج ہوا ہے۔ میں نے خود دیکھا ہے کہ لوگ ربر بینڈ چڑھی ہوئی گڈیوں سے نوٹ اس طرح کھینچتے ہیں کہ اُن کا پھٹ جانا لازمی ہوتا ہے۔ ہم سے اتنا نہیں ہوسکتا کہ پہلے ربر بینڈ اتاریں پھر جتنے نوٹوں کی ضرورت ہو گڈی سے الگ کرلیں۔ دو تین سکنڈ کی کاہلی کی بناء پر ایک قومی نقصان کر بیٹھتے ہیں۔ خدا کے لئے ہوش میں آیئے۔ یہی چھوٹی چھوٹی فروگذاشتیں اکٹھا ہوکر پہاڑ بن جاتی ہیں اور پھر ہم بیٹھے سوچا کرتے ہیں۔ کاش آسمان سے کوئی فرشتہ اُترے اور اس پہاڑ کو ڈھادے۔

والسلام

ابن صفی

۳؍جولائی ۷۸ء

پُراسرار عمارت ڈرپی ہاؤز تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کسی کھڑکی یا روشندان میں ہلکی سی بھی روشنی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے برسوں سے ویران پڑی ہو۔

رات کے دو بجے تھے۔ عمارت کے آس پاس بھی گہرا سناٹا طاری تھا۔ اس علاقے میں ساری ہی عمارتیں ایک دوسری سے خاصے فاصلے پر واقع تھیں۔ اس لئے یہاں کے سناٹے کا کیا پوچھنا۔ کبھی کبھی کسی عمارت کی کمپاؤنڈ سے رکھوالی کے کتوں کے بھونکنے کی آواز فضا میں ارتعاش پیدا کرتی اور پھر پہلے ہی کا سا سکوت طاری ہوجاتا۔

وہ دونوں عمارت کے عقب میں زمین سے لگے ہوئے چھپکلیوں کی طرح آہستہ آہستہ رینگ رہے تھے۔ اس کے اردگرد بھی دور تک ایسی ہی حرکت جاری تھی۔ یعنی متعدد افراد مختلف فاصلوں سے اُن کی تقلید کررہے تھے۔

دفعتاً فریدی آہستہ سے بولا۔ ''ٹھہر جاؤ۔'' اور حمید جہاں تھا وہیں رک گیا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ اگر اس عمارت کی تلاشی ہی لینی تھی تو یہ کام پولیس فورس کے ذریعے بہ آسانی ہوسکتا تھا۔ اُٹھائی گیروں کے سے میک اپ میں یہ مہم کیوں سر کی جارہی ہے۔ حمید کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اس عمارت کی اہمیت کیا ہے۔ پرچھائیوں کے کیس میں آخری تجربے کے بعد سے فریدی نے اُسے اپنے ہی ساتھ رکھا تھا۔ وہ بھی اس

طرح کہ حمید زیادہ تر پڑا اونگھتا رہتا تھا اور شام کو وہ سب مل بیٹھتے تھے۔ فریدی کے ساتھ بہت اور لوگ بھی تھے جنہیں حمید نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اسی طرح دو دن گزر گئے تھے۔ پھر اچانک فریدی نے اس عمارت میں داخل ہونے کا پروگرام بنالیا تھا۔ لیکن اسکی غرض و غایت نہیں بتائی تھی۔ ویسے جس حلئے میں وہ سب تھے اُس سے تو یہی ظاہر ہوتا تھا جیسے نقب زنی کی واردات ڈرامیٹائز کرنے جارہے ہوں۔ بہرحال وہ فریدی اور حمید کی حیثیت سے نہیں پہچانے جاسکتے تھے۔

دفعتاً کچھ دور پر ایک شعلہ سا لپکا اور بجھ گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں حمید نے فریدی کی آواز سنی۔ ''آؤ.....!'' اور وہ پھر اُسی طرف رینگنے لگے جدھر شعلے کی لپک دکھائی دی تھی۔

ذرا ہی سی دیر میں دیوار کے قریب جا پہنچے۔ غالباً یہیں کہیں نقب لگائی گئی تھی اور شعلے کی لپک وہ اشارہ تھی کہ پہلا مرحلہ طے ہوگیا ہے۔ حمید کا اندازہ غلط نہیں نکلا تھا۔ وہ نقب کا دہانہ ہی تھا جس سے گزر کر وہ عمارت میں داخل ہونے والے تھے۔

سب سے پہلے فریدی نے اپنی ہی ٹانگیں نقب کے مہرے میں ڈالی تھیں اور اندر پہنچ کر سرگوشی کی تھی۔ ''آجاؤ۔''

''حمید چھپکلی ہی کی طرح مہرے میں رینگ گیا۔ لیکن یہاں تو ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا تھا۔ پھر وہ کیسے فیصلہ کرسکتا کہ اب کدھر جانا ہے۔

دفعتاً فریدی کا ہاتھ اس کے بازو سے لگا اور وہ اچھل پڑا۔

''ہوش میں رہو۔'' فریدی نے سرگوشی کی۔

پھر اس نے پنسل ٹارچ کی روشنی کی باریک سی لکیر دیکھی جو ایک بند دروازے کے نچلے حصے پر جا پڑی تھی۔

فریدی نے آگے بڑھ کر آہستگی سے اس کا ہینڈل گھمایا اور دروازہ کھل گیا۔ لیکن دوسری طرف بھی اتنی ہی گہری تاریکی تھی۔

پنسل ٹارچ بجھا دی گئی اور وہ وہیں ٹھہر کر سن گن لینے لگے لیکن کسی قسم کی بھی آواز سنائی دی۔ فریدی نے اُسکا بازو چھو کر آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ پنسل ٹارچ پھر روشن ہوگئی تھی۔ حمید کی الجھن بڑھتی رہی۔ ہر چند کہ ایسی کوئی سچویشن اُس کے لئے نئی نہیں تھی لیکن

اندازِ ہی الگ تھا اور یہی انداز الجھن کا باعث تھا۔

پنسل ٹارچ کی روشنی میں وہ آگے بڑھتے رہے۔ یہ بھی ایک کمرہ ہی تھا۔ لیکن پہلے ہی کمرے کی طرح خالی تھا۔ یعنی یہاں کسی قسم کا بھی کوئی سامان نہ دکھائی دیا۔

اسی طرح وہ متعدد کمروں سے گزرے تھے کہیں فرنیچر دکھائی دیا تھا اور کہیں ویرانی نظر آئی تھی لیکن سارے ہی کمرے تاریک تھے۔ پھر جیسے ہی انہوں نے ایک دروازہ کھولا ہلکی سی روشنی دکھائی دی۔ حمید کا ہاتھ بغلی ہولسٹر پر جا پڑا تھا۔

فریدی تھوڑا تھوڑا کر کے دروازہ کھول رہا تھا لیکن اندر سے کوئی ردعمل ظاہر نہ ہوا۔ تب اُس نے پورا دروازہ کھول دیا اور کمرے میں داخل ہونے کی بجائے اُسی طرح کھڑا رہا۔ کمرے میں ہلکی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور یہ روشنی ایک میز پر رکھی ہوئی ایک بہت بڑی مائیکنڈ سے پھوٹ رہی تھی۔

''کیا خیال ہے.....؟'' حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

''خاموش رہو۔''

دفعتاً دوسرے کمرے میں ایسی ہی آوازیں گونجنے لگیں جیسے کوئی بہت تیزی سے کسی ٹائپ رائٹر پر ٹائپ کر رہا ہو اور پھر حمید نے فریدی کا ہاتھ دبایا۔ کیونکہ بلوری گیند کی روشن سطح پر تحریر دکھائی دی تھی۔

''سورج زحل کے خانے سے مریخ کے خانے میں داخل ہو چکا ہے۔ اس لئے تمہیں بہت محتاط رہنا پڑے گا۔ ہر قدم سوچ سمجھ کر اُٹھاؤ ورنہ بڑے خسارے میں رہو گے۔''

''کیا یہ اطلاع ہمارے لئے ہے۔'' حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

''اگر ہو بھی تو اس سے کیا فرق پڑے گا۔'' فریدی نے بدلی ہوئی اور کسی قدر اونچی آواز میں کہا ساتھ ہی اُس کے ہولسٹر سے ریوالور بھی نکل آیا۔

''بہت فرق پڑے گا۔'' کمرے میں ایک نسوانی آواز گونجی۔ لیکن یہ جملہ انگلش میں ادا ہوا تھا۔

اور پھر انہوں نے دیکھا کہ روشن گیند والی میز کے عقب سے ایک بے حد دلکش چہرہ

اُبھر رہا ہے۔ حمید کے پھیپھڑوں سے ایک طویل سانس آزاد ہوئی۔

عورت اب سیدھی کھڑی پلکیں جھپکائے بغیر دروازے کی جانب گھورے جا رہی تھی۔ پھر اس نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔ ''اندر آ جاؤ۔''

فریدی نے قدم آگے بڑھایا۔ حمید نے بھی اُس کی تقلید کی۔ اس کے بعد دونوں بھی کمرے میں داخل ہوئے۔ یہ بھی فریدی کے ساتھیوں ہی میں سے تھے۔ شاید فریدی ہی کو اپنے ساتھ عمارت میں داخل ہونے کی اجازت دی تھی اور بقیہ اپنی اپنی پوزیشن پر رہے تھے۔

''میں پامیلا ہوں؟'' عورت مسکرا کر بولی۔ ''اور تم لوگ؟''

''ہم لوگ بس ہم لوگ ہی ہیں۔'' فریدی نے جواب دیا۔

''یہ کیا بات ہوئی؟''

''ہم جیسے اپنے نام نہیں بتایا کرتے۔ بس تجوری کی نشاندہی کرو اور اس کی کنجی حوالے کر دو۔''

''یہاں کوئی تجوری نہیں ہے۔ تمہارے مخبر نے تمہیں غلط اطلاع دی ہے۔''

''تو پھر جتنی نقدی موجود ہے وہی نکالو۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔'' عورت ہنس پڑی۔

''کیا عجیب بات نظر آئی ہے تمہیں؟''

''یہی کہ ہم پیشہ لوگ ایک دوسرے کو لوٹا نہیں کرتے۔''

''اپنے اس جملے کی وضاحت کرو۔''

''میں بھی لٹیری ہوں۔''

''دل لوٹتی ہیں۔'' حمید بول پڑا۔

''ایسی بات بھی نہیں ہے۔'' اس بار عورت کا لہجہ بے حد خشک تھا۔

''پھر کیا بات ہے؟'' فریدی نے پوچھا۔

''میں بے وقوف بنا کر جیبیں خالی کرتی ہوں۔''

''وہ کس طرح؟''

''اپنے اس کمپیوٹر کے ذریعے۔'' وہ بلوری گیند کی طرف اشارہ کرتی ہوئی بولی۔

''اوہ..... تو یہ کمپیوٹر ہے۔''

''ایک مخصوص وضع کا کمپیوٹر۔'' وہ سر ہلا کر بولی۔ ''لیکن یہاں کے سادہ لوح باشندے اسے جادو کی گیند سمجھتے ہیں جو اُن کے مستقبل کے بارے میں پیش گوئی کرتی ہے۔''

''کیا پولیس والے اس طرف متوجہ نہیں ہوئے۔''

''ضرور ہوتے اگر میں کوئی گری پڑی عورت ہوتی۔''

''اوہو..... تو کیا تم کیرو کی اولاد ہو؟'' حمید نے سوال کیا۔

''نہیں..... بس ایک معزز سرکاری آفیسر سمجھ لو۔ کیونکہ میں ایٹمی تحقیقاتی ادارے کی بلکہ مشیر ہوں۔''

''بہت خوب۔'' فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ ''تو اب تم ہمیں دھمکیاں بھی دو گی۔''

''میں نے تو نہیں دی دھمکی۔''

''تو پھر یہ سرکاری افسر والی بات۔''

''یہ حقیقت ہے۔ جب چاہو اس کی تصدیق کر سکتے ہو۔''

''تم ہمیں باتوں میں اُلجھا کر کیا کرنا چاہتی ہو؟''

''یہ بھی تمہاری غلط فہمی ہے۔'' وہ ہنس کر بولی۔ ''یہاں میں تنہا رہتی ہوں۔ میری مدد کو نہ آئے گا۔''

''میں نے کہا تھا کہ جتنا کیش موجود ہو میرے حوالے کر دو اور ہاں زیورات بھی۔''

''زیادہ کیش کبھی نہیں رکھتی۔ زیورات کا شوق کبھی نہیں تھا۔''

''تو پھر ہم خود تلاش کر لیں گے۔''

''اور میں اس تلاش میں تمہارا ساتھ دوں گی۔''

''اگر کچھ بھی ہاتھ نہ لگا تو میں تمہارا یہ کمپیوٹر اُٹھا لے جاؤں گا۔'' فریدی نے بلوری گیند کی طرف اشارہ کیا۔

''اسے تو تم میری لاش ہی پر سے گزر کر لے جا سکو گے۔''

''اسے نہیں۔'' حمید جلدی سے بولا۔ ''تمہاری لاش کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔''

''تم نے دیکھا؟'' پامیلا نے فریدی کی طرف دیکھ کر کہا۔

فریدی نے حمید پر قہر آلود نظر ڈالی۔

''اس طرح غرا کر مت دیکھو باس۔'' حمید نے کہا۔ ''کیا تم خود بھی اتنے دلکش بے جان دیکھنا گوارا کرلو گے؟''

''خاموش رہو۔'' فریدی دھاڑا۔

''شور مت مچاؤ۔'' پامیلا ہاتھ اُٹھا کر بولی۔ ''کمپیوٹر کے علاوہ اور جو کچھ بھی چاہو سے لے جاسکتے ہو۔ مجھے ذرہ برابر بھی پرواہ نہ ہوگی۔''

''تم خود ہی ہمارے حوالے کردو۔''

''کیش ڈیڑھ سو روپے سے زیادہ نہیں ہے۔''

''میں یقین نہیں کرسکتا۔ یہاں تجوری ضرور ہوگی۔'' فریدی نے حمید سے کہا۔ ''ٹھہرو اور اسے کور کئے رکھو۔ ہم خود تلاش کرلیں گے۔''

پامیلا نے لاپرواہی کے اظہار میں شانے سکوڑے اور دوسری طرف دیکھنے لگی۔

فریدی اپنے دونوں آدمیوں سمیت کمرے سے چلا گیا۔ حمید پامیلا کی طرف اُٹھائے کھڑا رہا۔

تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ ''تم نے ابھی تک اپنے ایک جملے کی وضاحت نہیں

''کس جملے کی؟'' پامیلا نے پُرسکون آواز میں پوچھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سچویشن سے قطعی متاثر نہ ہوئی ہو۔

''یہی کہ ہم پیشہ لوگ ایک دوسرے کو لوٹا نہیں کرتے اور یہ کہ تم لٹیری ہو۔''

''میں نے کہا تھا کہ میں لوگوں کو بیوقوف بنا کر ٹھگتی ہوں۔''

''کس طرح؟''

''اسی کمپیوٹر کے ذریعے۔ وہ اسے جادو کی گیند سمجھتے ہیں۔ اپنے مستقبل کے بارے معلوم کرنے آتے ہیں اور خاصی بڑی رقمیں دے جاتے ہیں۔''

''اور تم ان رقومات کو بینک میں جمع کرادیتی ہو۔''

''عادت سے مجبور ہوں۔''

''یہ کمپیوٹر کس قسم کا ہے؟''

''آسانی سے سمجھ میں آنے والی چیز نہیں ہے ورنہ سمجھا دیتی۔''

''خیر مجھے اس سے کیا۔''

''ایک بات بتاؤ۔'' وہ ہاتھ اُٹھا کر بولی۔ ''آخر تم لوگ اس طرح کتنا کما لیتے ہو گے؟''

''یہ کیوں بتاؤں۔''

''میرا خیال ہے کہ اس طرح ایڈونچر تمہارے ہاتھ آتا ہوگا۔ تمہاری مفلوک الحالی بتاتی نہیں اس پیشے سے کچھ زیادہ فائدہ نہیں پہنچ رہا۔''

''تمہیں اس سے کیا؟'' حمید نے بگڑ کر کہا۔

''مجھے رحم آرہا ہے تم لوگوں پر اور افسوس ہو رہا ہے کہ میرے پاس اس وقت ڈیڑھ سو سے زیادہ رقم نہیں ہے۔''

''بس بس.....!'' حمید ہاتھ اُٹھا کر زور سے بگڑا۔ ''کیا ہم بھکاری ہیں۔''

''شکلوں سے تو ایسے ہی لگتے ہو جیسے دن بھر بھیک نہ ملنے کی وجہ سے رات کو چوری کی بات سے نکل کھڑے ہوئے ہو۔''

''میں کہتا ہوں خاموش رہو۔'' حمید فرش پر پاؤں مار کر بولا۔

''اوہ نہیں۔'' وہ مسکرا کر بولی۔ ''میرا مقصد تمہارا مضحکہ اڑانا نہیں ہے۔ میں تو یہ چاہتی ہوں تم کوئی ایسا کام کرو جو باعزت بھی ہو اور منفعت بخش بھی۔ ساتھ ہی پولیس کا دھڑکا بھی لگا رہے۔''

''میں نہیں سمجھا تم کیا کہنا چاہتی ہو۔''

''مجھے ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو میری پبلسٹی کرسکیں۔''

''اچھا تو پھر.....!''

''میری پبلسٹی کرو۔ اتنا معاوضہ ملے گا کہ تم تصور بھی نہیں کرسکتے۔''

''اخبارات میں مشتہر کیوں نہیں کرادیتیں؟''

''سرکاری ملازم ہوں اس لئے یہ حرکت غیر قانونی ہوگی۔''

''کس ملک سے تعلق ہے تمہارا.....؟''

''میں فلپینی ہوں۔''

''خوش قسمت ملک معلوم ہوتا ہے فلپائن۔''

''کیوں.....؟''

''کیا وہاں کی زیادہ تر عورتیں اتنی ہی خوبصورت ہوتی ہیں جتنی تم خود ہو۔''

''میں تم سے بزنس کی بات کر رہی ہوں اور تم نے شاعری شروع کر دی۔''

''خوب صورت عورتوں سے میں صرف ایک ہی بات کرتا ہوں۔''

''اول درجے کے بے وقوف معلوم ہوتے ہو۔ خیر میں تمہارے سردار سے بات کروں گی اسے آنے دو۔''

''محترمہ! ہم یہاں چوری کرنے آئے ہیں بزنس کرنے نہیں آئے۔''

''بزنس اور چوری کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔''

''تم مجھے ورغلانے کی کوشش کر رہی ہو۔ ٹھیک ہے میرے باس ہی سے بات کر لینا۔''

''ہاں یہی بہتر ہوگا۔ لیکن اتنی دیر تک بے کار کیوں بیٹھا جائے۔ تم مجھے اپنی تاریخ پیدائش بتاؤ تاکہ میں تمہارے مستقبل کے بارے میں اپنے کمپیوٹر سے معلومات حاصل کر سکوں۔''

''ٹھہرو۔'' حمید ریوالور کو جنبش دے کر بولا۔ ''تم یونہی کھڑی رہو گی۔''

''کھڑے کھڑے کمپیوٹر کو آپریٹ نہیں کر سکوں گی۔''

''کون کہتا ہے کہ آپریٹ کرو۔''

''دیکھو بے وقوف آدمی کیا میں اُس وقت تم سبھوں کا صفایا نہیں کر سکتی تھی جب تم حیرت سے میری میجک بال کی تحریر پڑھ رہے تھے۔ کیا میں تمہیں نظر آئی تھی؟''

حمید کچھ نہ بولا۔ سوچنے لگا تھا کہ ٹھیک ہی کہہ رہی ہے۔ اُس وقت وہ ہمیں نظر نہیں آئی تھی۔ ہمارے خلاف بہت کچھ کر سکتی تھی اور پھر وہ اس کے حسن سے بھی خاصا متاثر ہوا تھا۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔'' وہ مسکرا کر بولا اور ریوالور کو بغلی ہولسٹر میں رکھتے ہوئے ''کبھی کبھی میں واقعی احمقوں کی طرح سوچنے لگتا ہوں۔''

پھر اس نے پامیلا کو اپنی صحیح تاریخ پیدائش بتائی تھی۔ وہ میز کی عقب والی کرسی پر بیٹھ اور ٹائپ رائٹر کی ''کھٹا کھٹ'' کمرے میں گونجنے لگی۔ حمید کی نظریں بلوری گیند پر جمی

ہیں پر نمودار ہونے والی تحریر کچھ یوں تھی۔

''بچپن سے جوانی تک کا زمانہ ذہنی کرب میں گزارا۔ گھر کا ماحول پسندیدہ نہیں تھا۔ پھر گھر چھوڑ دینا پڑا اور ایک خطرناک پیشے سے منسلک ہو گئے۔ اُس پیشے کو خیر باد کہنے کے بعد ایک ہمدرد اور مخلص آدمی تمہاری زندگی میں داخل ہوتا ہے اور پھر تم اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جاتے ہو۔ موجودہ پیشہ بھی خطرات سے بھرا ہوا ہے۔ کئی بار مرتے مرتے بچے ہو۔ آئندہ بھی انہی خطرات میں گھرے رہو گے۔ لیکن تمہیں یہ زندگی پسند ہے۔ دلیر اور باہمت آدمی ہو۔ شادی کے مسئلے پر اگر سنجیدگی سے غور نہ کیا تو زندگی بھر بھی کنوارے رہ سکتے ہو۔ کسی اچھی پیش کش کو کبھی رد نہ کرنا۔ اس میں تمہاری بھلائی ہے۔''

تحریر غائب ہو گئی اور بلوری گیند کی روشنی بھی پہلے ہی کی طرح مدھم پڑ گئی۔

''کیا خیال ہے؟'' پامیلا میز کے عقب سے اُبھرتی ہوئی بولی۔

''کمال ہے!'' حمید نے حیرت سے کہا۔ ''ایک بات بھی غلط نہیں ہے۔''

''آخری جملے کو ذہن میں رکھتے ہوئے میری پیش کش پر ضرور غور کرنا۔''

''اوہ..... میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں معلوم کیا جواب دوں۔ باس سے بات کرو۔''

''اگر اُس کی تاریخ پیدائش تمہیں معلوم ہو تو بتاؤ۔ اس کے بارے میں بھی دیکھے لیتے ہیں۔'' پامیلا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''وہ اپنی تاریخ پیدائش کسی کو بھی نہیں بتاتا۔''

''اچھا تو نام ہی بتاؤ۔ اس سے بھی کام چل جائے گا۔''

''گروہ میں ہارڈ اسٹون کہلاتا ہے۔ اصل نام سے کوئی بھی واقف نہیں۔''

''ہارڈ اسٹون۔'' وہ طویل سانس لے کر رہ گئی۔ ایسا لگتا تھا جیسے کسی سوچ میں پڑ گئی ہو۔ کچھ دیر بعد بولی۔ ''چلو ہارڈ اسٹون ہی کو آزماتے ہیں۔''

وہ پھر بیٹھ گئی۔ کی بورڈ پر اُس کی انگلیاں دوڑنے لگیں اور بلوری گیند کی سطح پر تحریر

اُبھرنے لگی۔

''ناقابل شکست۔ ماضی، حال مستقبل، ہنگاموں سے بھرپور۔ ذہنی صلاحیتیں قابل رشک۔ نڈر بے باک بے جگر۔ اپنے فیصلوں کے آگے کسی کو بھی خاطر میں نہ لانے والا۔ مخلص اور ایماندار۔ کمزور دشمن سے پہلو بچانے والا۔ طاقت ور دشمن کی گردن توڑے بغیر چین سے نہ بیٹھنے والا۔''

تحریر غائب ہوگئی اور پامیلا کرسی سے اُٹھتی ہوئی بڑبڑائی۔

''مخلص اور ایماندار.....!''

''کیا تمہیں اس پر حیرت ہے؟''

''نہ ہونی چاہئے؟'' پامیلا نے سوال کیا۔

''وہ سچ مچ مخلص اور ایماندار ہے۔ لوٹ کے مال میں سے اپنے حصے سے زیادہ نہیں لیتا۔''

''لٹیرے اور ایماندار۔'' پامیلا کا لہجہ طنزیہ تھا۔

''تو پھر تمہارا کمپیوٹر ہی جھوٹا ہوگا۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

''کھل کر کہو کیا کہنا چاہتی ہو۔''

''کچھ بھی نہیں۔ میں تو صرف حیرت ظاہر کر رہی ہوں۔''

''یہ عمارت آخر کتنی بڑی ہے۔ وہ لوگ ابھی تک واپس نہیں آئے۔'' حمید نے کہا

وہ لاپرواہی سے شانے سکوڑ کر رہ گئی۔ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ حمید بغور دیکھتا رہا۔ خود وہ اُس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔

حمید کو سچ مچ تشویش تھی کہ اب تک فریدی کی واپسی کیوں نہیں ہوئی۔ کیا وہ وہاں کسی تجوری کی تلاش تھی۔ وہ تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ فریدی نے کوئی لاحاصل قدم ہوگا۔ یہاں اس طرح داخل ہونا بے مقصد نہیں ہوسکتا اور فی الحال پرچھائیوں والے کے علاوہ اس کے لئے اور کوئی دردسر نہیں تھا۔ تو پھر یہ عورت.....؟''

حمید نے کھنکار کر پامیلا کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ وہ چونک پڑی

اس کی طرف دیکھنے لگی جیسے وہاں اس کی موجودگی کو فراموش ہی کر بیٹھی ہو۔ پھر غصیلے لہجے میں بولی۔ ''جاؤ.....تم بھی جاؤ۔ تم یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو۔''

''کیا مطلب.....؟''

''وہ لوگ چلے گئے۔''

''یہ کیسے ممکن ہے؟''

''کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں؟'' اس نے غضب ناک ہوکر کہا۔

''میں یہ نہیں کہتا۔ بھلا تم یہاں کھڑے کھڑے دیوار کے پیچھے کا حال کیسے جان سکتی ہو۔''

''خاموش رہو۔ میرا کمپیوٹر تم پر یہ حقیقت بھی واضح کرسکتا ہے۔''

وہ پھر بیٹھ گئی اور کی بورڈ والا شغل دوبارہ جاری ہوگیا۔ بلوری گیند پر تحریر اُبھرنے لگی۔

''انہوں نے عمارت کا چپہ چپہ دیکھا اور اسی راستے سے واپس چلے گئے جو اُنہوں نے شمال کی جانب والی دیوار میں بنایا تھا۔''

حمید سناٹے میں آ گیا اور پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''میں تصور بھی نہیں کرسکتا کہ انہیں یہاں چھوڑ کر خود چلے گئے ہوں گے۔''

''اگر تم نے میرے کمپیوٹر کو جھٹلانے کی کوشش کی تو اچھا نہ ہوگا۔'' وہ غرائی۔

''میری تو عقل ہی خبط ہوکر رہ گئی ہے۔'' حمید بے بسی سے بولا۔

''چلو.....!'' وہ میز کے پیچھے سے نکلتی ہوئی بولی۔ ''اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔''

اب اس کا پورا سراپا حمید کی نظروں کے سامنے تھا۔ دل ہی دل میں تعریف کئے بغیر نہ رہ سکا۔ بہت دنوں کے بعد کوئی ایسی عورت نظر سے گزری تھی جو اُسے پوری طرح اپنی طرف متوجہ کرسکی۔ وہ کسی بت کی طرح خاموش کھڑا رہا۔

''ہلتے کیوں نہیں اپنی جگہ سے۔ چلو میرے ساتھ۔'' وہ پھر بولی۔

حمید طوعاً و کرہاً اُس کے ساتھ چل پڑا۔

اب عمارت کا ہر کمرہ روشن نظر آ رہا تھا۔ اُنہوں نے عمارت کا گوشہ گوشہ چھان مارا اور اس جگہ جا پہنچے جہاں فریدی کے آدمیوں نے نقب لگائی تھی۔

پامیلا وہیں رک کر نقب کے مہرے کو گھورتی رہی۔ پھر تھوڑی دیر بعد حمید کی طرف مڑ کر

بولی۔

''تم لوگوں کی یہ آمد و رفت میری سمجھ میں تو نہیں آ سکی۔''

''اب تو میری سمجھ میں بھی نہیں آ رہی۔'' حمید نے آہستہ سے کہا اور اپنی گردن سہلانے لگا۔

''وہ آخر تمہیں کیوں چھوڑ گئے۔''

''نہ سمجھ میں آنے والی بات یہی ہے۔''

''تمہاری کیا پوزیشن ہے اس گروہ میں۔''

''وہی جو باس کے بعد سب کی ہے۔''

''میں یقین نہیں کر سکتی۔'' وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ ''تم اُن میں سے کمترین آدمی ہو ورنہ اس طرح یہاں کیوں چھوڑ دیئے جاتے۔''

حمید کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ پھر بھی کچھ کہنا چاہا لیکن آخر کار سختی سے ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔

''جاؤ..... کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ دفع ہو جاؤ۔'' وہ ہاتھ ہلا کر بولی۔

''میں اس طرح نہیں جاؤں گا۔'' حمید نے تیکھے لہجے میں کہا۔

''کیا مطلب.....؟''

''پولیس کر فون کرو اور مجھے گرفتار کرا دو۔''

''میں کہتی ہوں جاؤ۔''

''یقین کرو..... اب مجھے یہاں سے پولیس ہی لے جائے گی۔''

''پتا نہیں تم کیسی اُلٹی سیدھی باتیں کر رہے ہو۔''

''بالکل سیدھی بات ہے۔ پولیس کو مطلع کرو۔ وہ مجھے یہاں سے لے جائے۔''

''میں ایسا نہیں کر سکتی۔''

''کیوں.....؟'' حمید اُسے گھورتا ہوا بولا۔

''اس لئے کہ میں بھی ایک غیر قانونی کام میں ملوث ہوں۔''

''یہ کوئی ایسا غیر قانونی کام نہیں ہے جو قابل دست اندازی پولیس ہو۔ بہتیرے سرکاری

ادارے سائیڈ بزنس کرتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ محکمہ جواب طلب کر لیتا ہے۔''

''بحث کرنے کے لئے میرے پاس وقت نہیں ہے۔''

''پھر میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔''

''جاؤ یہاں سے۔'' وہ دانت پیس کر بولی۔

''سنو محترمہ! اب یہاں سے مجھے یا تو میرا باس ہٹا سکتا ہے یا پھر پولیس لے جا سکتی ہے۔'' حمید نے ٹھنے پھلا کر کہا۔

''پچھتاؤ گے؟''

''پھر دوسری وجہ بھی ہے۔''

''وہ کیا ہے؟''

''جتنی دیر تمہیں دیکھ سکوں اچھا ہے۔''

''بہت ضدی ہو۔'' وہ آنکھوں میں شوخی پیدا کر کے مسکرائی۔

''پامیلا..... بہت خوبصورت نام ہے۔''

''لیکن تم اپنا نام نہیں بتاؤ گے؟''

''باس اگر اجازت دے تو نام بھی بتا سکتا ہوں۔''

''تم اُس بھگوڑے کو اب بھی باس کہہ رہے ہو۔''

''بھگوڑا مت کہو۔ ورنہ تمہارا کمپیوٹر جھوٹا ٹھہرے گا۔''

''دراصل میں خود بھی نہیں سمجھ سکتی کہ آخر ہوا کیا؟''

''ویسے کیا تم رات بھر جاگتی رہتی ہو؟''

''یہ سوال تم نے کیوں کیا ہے؟''

''دو بج کر دس منٹ پر ہم اس عمارت میں داخل ہوئے تھے اور تم اپنے کمپیوٹر کے قریب سوئی ملی تھیں۔''

''مجھے چار بجے سے پہلے نیند نہیں آتی اور صبح نو بجے تک سوتی ہوں۔''

''اور تم ہم سے خائف بھی نہیں تھیں؟''

''خائف کیوں ہوتی تم آدمی ہی تو تھے۔ بھیڑیئے تو نہیں تھے۔''

''پھر بھی یہاں کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔ دوسری طرف یہ بھی سوچ رہی ہوں کہ آخر باس نے اس عمارت کا انتخاب کیوں کیا تھا۔ پھر اس طرح مجھے یہیں چھوڑ کر کیوں ہو گیا۔''

''ہے نا سوچنے کی بات۔''

''بالکل ہے..... لیکن میرے پاس کسی بات کا بھی جواب نہیں ہے۔''

وہ پھر اُسی کمرے میں واپس آ گئے جہاں بلوری گیند رکھی ہوئی تھی۔ پامیلا نے اُ سے کہا۔ ''دنیا کے بہتیرے معاملات ہماری سمجھ میں نہیں آتے لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہم اُن کی صداقت سے انکار کر دیں۔''

''تم غالباً مجھے یہی باور کرانا چاہتی ہو کہ میرا باس اپنے آدمیوں کی پرواہ نہیں کرتا۔''

وہ کچھ نہ بولی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُس نے پیش نظر معاملات کی طرف سے توجہ ہٹالی ہو۔ کچھ اور سوچ رہی ہو۔



یہ حقیقت تھی کہ فریدی اور اس کے ساتھیوں نے عمارت کی تلاشی نہیں لی تھی۔ پامیلا والے کمرے سے نکل کر سیدھے اُس حصے کی طرف آئے تھے جہاں نقب لگائی تھی۔ فریدی کے ساتھیوں کو علم نہیں ہو سکا تھا کہ فریدی اس کمرے میں کس قسم کی کارروائی کر آیا جہاں اُنہوں نے بلوری گیند دیکھی تھی۔

وہ نقب کے دہانے سے باہر بھی آ گئے اور پہلے ہی کے سے انداز میں زمین سے لگے ہوئے ایک جانب بڑھنے لگے۔ تاریکی اور سناٹے کا وہی عالم تھا۔ کچھ دور چلنے کے بعد فریدی نے اپنے برابر والے کا بازو دبایا اور وہ دوسرے آدمی سمیت بائیں جانب مڑ گیا۔

فریدی اب تنہا رہ گیا تھا۔ تھوڑی دیر اُسی جگہ رکا رہا پھر تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔

ہی تھی جیسے سچ مچ کوئی بہت بڑی چھپکلی دوڑی جا رہی ہو اور کیا مجال کہ اس حرکت پر ذرا سی بھی آواز پیدا ہوئی ہو۔

خاصی لمبی دوڑ کے بعد وہ بالآخر قد آدم جھاڑیوں کے ایک جھنڈ کے قریب جا پہنچا۔

''ہارڈ اسٹون۔'' وہ تھوڑی دیر بعد آہستہ سے بولا۔

''یو وان سر.....!'' جھاڑیوں کے اندر سے آواز آئی اور فریدی بڑی احتیاط سے راستہ بنا کر اندر داخل ہوا۔

''کیا رہی؟'' اس نے کسی سے سوال کیا۔

''ٹھیک ہے جناب۔ آلات کام کر رہے ہیں۔ دیر سے ریکارڈنگ کر رہا ہوں۔ ان کی آواز بھی جاری ہے۔'' قریب ہی سے آواز آئی۔

''ہیڈ فون مجھے دو۔'' اُس نے آواز کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ ہیڈ فون اپنے کانوں پر لگا رہا تھا۔ پامیلا اور حمید کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ پھر کچھ دیر کے لئے بالکل سناٹا چھا گیا۔ پھر قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی اس کے اندازے کے مطابق شاید وہ دونوں عمارت میں اُسے اور اُس کے ساتھیوں کو تلاش کرتے پھر رہے تھے۔

کچھ دیر بعد دونوں پھر گفتگو کرنے لگے۔ پامیلا حمید سے کہہ رہی تھی۔ ''تمہارا باس اچھا نہیں معلوم ہوتا۔''

''ظاہر ہے۔'' حمید کی آواز آئی۔ ''ہم اچھے لوگ ہوتے تو یہ پیشہ کیوں اختیار کرتے۔'' ''ہمارے پیشے بھی چند اصولوں ہی کے تحت چلتے ہیں لیکن تمہارا باس صرف اپنا اُلو سیدھا کرنا ماہر معلوم ہوتا ہے۔''

''اگر ہو بھی تو مجھے اس سے کیا پریشانی ہو سکتی ہے۔'' حمید کی آواز آئی۔ ''میں خود بھی دوسروں کا اُلو سیدھا کرنے کی فکر میں رہتا ہوں۔ اب یہی دیکھو کہ میں تمہیں یہاں چھوڑ کر باہر نہیں جا رہا لیکن اس میں میری کمینگی کو دخل نہیں ہے۔ بس تمہارے لئے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو گیا میرے دل میں۔''

''بہت خوب۔'' پامیلا کا قہقہہ سنائی دیا۔

''میرا مذاق مت اُڑاؤ۔'' حمید کی آواز آئی۔ ''اتنی بڑی عمارت میں تمہاری
قابل رحم نظر آتی ہے۔''

''اچھا تو پھر.....؟'' پامیلا کی آواز آئی۔

''میں تمہیں اس شہر غدار میں تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔''

پامیلا کا قہقہہ پھر سنائی دیا اور وہ بولی۔ ''اب تمہیں میری قوت کا اندازہ ہو گیا ہو

''کیا مطلب.....؟'' حمید کی آواز آئی۔

''میں یہی چاہتی تھی کہ تم اپنے اس باس سے کنارہ کشی اختیار کر لو۔''

''اوہ.....میرے خدا۔ یہ کیا ہو گیا۔'' حمید کے لہجے میں ندامت کا عنصر شامل تھ

''اسی میں تمہاری بہتری ہے۔''

''اگر میں خود ہی اُس سے روگردانی کروں تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔''

''میری پناہ میں آئے ہوئے لوگوں کو گزند پہنچانے والے زندہ نہیں رہتے۔ تم
میرا کمپیوٹر بتائے گا کہ وہ اس وقت کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے۔''

فریدی بڑی پھرتی سے ہیڈفون اُتارتا ہوا بولا۔ ''وائینڈ اپ کرو اور جلدی سے نکل

پھر اُس نے ایک بحری پرندے کی سی تیز آواز نکالی تھی۔ غالباً یہ دوسروں
اشارہ تھا کہ وہ بھی اپنی جگہیں چھوڑ دیں۔ جھاڑیوں کے اندر تاروں کی چھاؤں کی
نہیں تھی۔ کیونکہ اُن پر ایک گھنیرا درخت بھی چھایا ہوا تھا۔ لہٰذا گہرے اندھیرے میں
ممکن نہیں تھا کہ اس کا ساتھی کیا کر رہا ہے۔ بہرحال وہ خود جھاڑیوں سے نکل کر ایک
تیزی سے دوڑنے لگا۔

اس طرح وہ ایک واٹر کول انجن والی موٹر سائیکل تک جا پہنچا تھا۔ موٹر سائیکل
ہوئی اور وہ اُسے سڑک پر نکال لایا۔ اُس کے پیچھے اور کوئی گاڑی نہیں تھی۔ اس کا مطلب
تھا کہ اُس کے دوسرے ساتھی پہلے ہی سے متعین کئے ہوئے دوسرے راستوں پ
ہوں گے۔ قریباً آدھے گھنٹے تک تیز رفتاری سے چلتے رہنے کے بعد اُس نے ایک
سائیکل روکی اور پھر اُسے سڑک کے کنارے والی جھاڑیوں میں دھکیل لے گیا۔

تھوڑی دیر بعد جھاڑیوں سے نکلا اور سڑک پار کر کے ڈھلان میں اُترنے لگا۔

بھی ٹرانسمیٹر بھی نکال لیا تھا۔ اُس کا سوئچ آن کر کے منہ کے قریب لاتا ہوا بولا۔

بی سکسٹین.....ہیلو بی سکسٹین.....ایچ ایس کالنگ.....بی سکسٹین۔''

بی سکسٹین سر.....!'' ریسیور سے آواز آئی۔

رپورٹ۔''

سب بہ آسانی نکل آئے ہیں اور اپنے ٹھکانوں پر ہیں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔
عمارت پر نظر رکھنے والوں کو مطلع کر دو کہ کسی وقت بھی غافل نہ ہوں اور یہ بھی بتا دو
ت میں اب ایک فرد کا اضافہ ہو گیا ہے۔''

او کے سر۔''

اوور اینڈ آل۔'' کہہ کر فریدی نے سوئچ آف کر دیا۔ یہاں راستہ کسی قدر دشوار گزار
لئے اُس نے پنسل ٹارچ روشن کر لی۔ ڈھلان کے اختتام پر بائیں جانب مڑا اور کچھ
رہنے کے بعد ایسی جگہ جا پہنچا جہاں تین چار جھونپڑیاں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر نظر
ں۔

تا کسی کتے کی غراہٹ سنائی دی اور فریدی بڑے شفقت آمیز لہجے میں بولا۔ ''شٹ

تا چوں چوں کرتا ہوا قریب آ گیا اور اُس کے گرد چکر لگانے لگا۔

ہ کی نظر بلوری گیند پر جمی ہوئی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ حیرت انگیز کمپیوٹر سچ
اور اُس کے ساتھیوں کی نشاندہی نہ کر دے۔

یلا میز کی دوسری جانب بیٹھی کی بورڈ سے شغل کرتی رہی۔ لیکن بلوری گیند کی سطح پر
کی روشنی نظر آ رہی تھی۔ کسی قسم کی تحریر نہ دکھائی دی۔

تھوڑی دیر بعد پامیلا نے مایوسانہ انداز میں کہا۔ ''پتہ نہیں وہ آسمان کی طرف
کر گئے یا اُنہیں زمین نے نگل لیا۔''

''ایک منٹ۔'' حمید ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ ''کہیں وہ اسی عمارت ہی کے کسی جنجال میں
پھنس گئے ہوں۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''ہوسکتا ہے کسی کمرے کے فرش نے اُنہیں نگل لیا ہو۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے ایک
ہم ایسے ہی حالات سے دوچار ہو چکے ہیں۔''

''کس طرح؟''

''کمرے کا فرش بڑی تیزی سے نیچے دھنسنے لگا تھا اور ہم دیکھتے ہی دیکھتے تیس با
فٹ کی گہرائی میں چلے گئے تھے۔''

''تم کس وہم میں مبتلا ہو۔ یہاں ایسا کوئی گورکھ دھندا موجود نہیں ہے۔''

''تم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتیں۔''

''کیوں یقین کے ساتھ کیوں نہیں کہہ سکتی۔''

''کیا یہ عمارت تم نے بنوائی تھی۔''

''نہیں..... میں کرایہ دار ہوں۔''

''کرایہ داری کی مدت.....؟'' حمید نے سوال کیا۔

''یہی کوئی دو ماہ ہوئے ہیں۔''

''بس تو پھر تم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتیں کہ اس فرش کے نیچے کیا ہے۔''

''اگر ہو بھی تو مجھے اس کا کوئی علم نہیں۔'' وہ کسی قدر جھنجھلا کر بولی۔ ''اور دوسری
کہ اس قسم کی حرکتیں اُس وقت ہوسکتی ہیں جب میرے ساتھ یہاں کوئی اور بھی موجود
میں یہاں تنہا ہوں اور تمہارے ساتھیوں کی عدم موجودگی میں بھی یہیں تمہارے ساتھ
رہی تھی۔''

''میں سمجھ گیا تم کیا باور کرانا چاہتی ہو۔''

''کیا سمجھ گئے۔''

''یہی کہ یہاں تمہارے علاوہ اور کوئی موجود نہیں ہے۔''

''میں غلط نہیں کہہ رہی۔'' وہ غضب ناک ہوکر بولی۔

''تو پھر میرا باس ایسا نہیں ہے کہ کسی قسم کے خطرے کی بو سونگھے بغیر کہیں سے فرار
جائے اور پھر ایسی صورت میں جبکہ اُس کا کوئی آدمی پیچھے رہ گیا ہو۔''

''یعنی تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ وہ تمہیں یہاں چھوڑ کر خود فرار نہیں ہوسکتا۔''

''ہاں میں یہی کہنا چاہتا ہوں۔ وہ اُسے قطعی پسند نہیں کرتا کہ اس کا کوئی آدمی پولیس
ہتھے چڑھ جائے۔ یہاں مجھے چھوڑ جانے میں اس کا خطرہ پایا جاتا ہے۔''

''تمہارا باس بھی جہنم میں جائے اور تم بھی۔ جاؤ نکلو یہاں سے۔''

''لیکن میں نہایت خلوص سے پولیس کے ہتھے چڑھ جانا چاہتا ہوں۔''

''میری طرف سے کنوئیں میں کود پڑو۔''

''اور میں یہ بھی دیکھنا چاہتا تھا کہ تم غصے میں کیسی لگتی ہو۔''

''بہت ڈھیٹ ہو۔''

''اتنا ڈھیٹ کہ فوجی ملازمت کے دوران میں لیفٹیننٹ سے سارجنٹ بنا دیا گیا تھا۔''

''اوہو..... تو فوج سے نکالے گئے تھے۔''

''نکالا نہیں گیا تھا..... ذہنی مریض بن کر چھٹی کرالی تھی۔''

''بہت خوب! تب تو واقعی کام کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ لیکن کیا پتا یونہی بکواس
رہے ہو۔''

''کیا تمہارا کمپیوٹر اس کی تصدیق نہیں کر سکے گا۔''

''نہیں۔'' اس میں یہ خوبی نہیں ہے کہ سچ اور جھوٹ کو پرکھ سکے۔

''تب پھر مجبوری ہے۔''

''اگر تم اپنا صحیح نام بتا دو تو تاریخ پیدائش کی مدد سے جواب مل سکتا ہے۔''

''زیرو نام ہے۔''

''پورا نام.....!''

''زیرو چرخی والا۔''

وہ پھر میز کے عقب میں چلی گئی اور کی بورڈ کی کھٹا کھٹ کمرے میں گونجنے لگی۔ نیا نمودار ہونے والی تحریر تھی۔

''یا تو نام غلط ہے یا تاریخ پیدائش صحیح نہیں ہے۔''

''اب بتاؤ کیا کہتے ہو.....؟'' میز کے عقب سے پامیلا کی آواز آئی۔

''تمہارا کمپیوٹر سچا اور میں جھوٹا ہوں۔ لیکن کسی حال میں بھی تمہیں اپنا اصل نام نہیں بتاؤں گا۔''

''بس تو پھر میں تم پر اعتماد نہیں کر سکتی۔ یہاں سے فوراً چلے جاؤ اور اُسی راستے سے جدھر سے آئے تھے۔''

''واپسی تو باعزت طور پر ہونے دو۔ صدر دروازے سے رخصت کرو۔''

''ناممکن.....!''

''آخر اس میں کیا حرج ہے۔''

''میری مرضی۔''

''میں تنہا عمارت کے عقب والے ویرانے سے نہیں گزر سکتا۔''

''آئے کیسے تھے؟''

''اس وقت تنہا نہیں تھا۔''

''کچھ بھی ہو تمہیں اُدھر ہی سے جانا ہوگا۔''

''ابھی تو میں نے یہی فیصلہ نہیں کیا کہ میں واپس جاؤں گا بھی یا نہیں۔'' حمید نے بولا۔ ''تم بہت ڈرپوک معلوم ہوتی ہو۔''

''فضول باتیں مت کرو۔'' وہ بگڑ کر بولی۔ ''تم کیا چیز ہو۔ تم جیسے دس افراد بھی میرا نہیں بگاڑ سکتے۔''

''مجھے اس دعوے کا ثبوت چاہئے۔''

وہ اُسے غور سے دیکھتی رہی پھر ہنس کر بولی۔ ''کتنی بار کہوں کہ بہت ڈھیٹ ہو بیٹھ جاؤ۔''

اُس نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا تھا۔ حمید سر ہلا کر بولا۔ ''خدا کا شکر ہے تمہیں تو آیا کہ اخلاقیات کی بھی کوئی حیثیت ہے زندگی میں۔'' اور پھر وہ بیٹھ کر پشت گاہ سے ٹیک

جیب سے تمباکو اور سگریٹ رول کرنے کے لئے کاغذ کا پیکٹ نکالنے لگا۔ ٹھیک اُسی وقت ...ی لرز کر رہ گئی اور وہ اپنے ہاتھوں کو جنبش بھی نہ دے سکا۔ وہ جہاں تھے وہیں رہ گئے کیونکہ ...ی نے اُسے چاروں طرف سے جکڑ لیا تھا۔ اس کے اطراف سے باریک باریک تار نکلے ...اور وہ خود کو کسی مکڑی کے جالے میں پھنسی ہوئی مکھی محسوس کرنے لگا تھا۔ انتہائی قوت ...ی کرنے کے باوجود بھی وہ اپنے بازوؤں کو آزاد نہ کرا سکا۔

پامیلا اب کسی بھوکی شیرنی کی طرح اُسے گھورے جا رہی تھی۔ آخر سانپ کی طرح ...کاری۔ ''اب بتاؤ۔ کیا میں تمہاری گردن نہیں کاٹ سکتی؟''

''یہ میرے قول کی تصدیق ہے۔'' حمید جی کڑا کر کے مسکرایا۔ اُس کی آنکھوں میں ...ی جا رہا تھا۔

''کس قول کی۔''

''اسی قول کی کہ میرے باس کو بھی اس عمارت میں ایسا ہی کوئی حادثہ پیش آیا ہوگا۔ تم ...یں بیٹھے بیٹھے کوئی کارروائی کی ہوگی اور وہ پیوند زمین ہو گیا ہوگا۔''

''اپنے بارے میں سوچو کہ اب تمہارا کیا حشر ہوگا۔''

''اپنے بارے میں اس کے علاوہ کبھی کچھ نہیں سوچتا کہ کب کسی خوبصورت عورت کی ہم ...نصیب ہوتی ہے۔ میں تمہارے ساتھ قبر میں بھی دفن ہو سکتا ہوں۔''

وہ اُسے پھر غور سے دیکھنے لگی اور آہستہ آہستہ چہرے سے غصے کے آثار زائل ہو گئے۔

''میں تمہیں صرف یہ دکھانا چاہتی تھی کہ تنہا ہونے کے باوجود بھی خود کو بے بس نہیں ...ں کر سکتی۔''

''جو دل میں چاہے دکھاؤ..... میں بھی صرف ایک تماشائی ہوں۔''

''تمہارا باس یہاں کچھ الیکٹرونک ڈیوائسز چھوڑ گیا ہے جن کے ذریعے ہماری گفتگو سن ...گا۔''

''اوہو.....!'' حمید کے انداز میں حیرت تھی۔

''بہرحال تمہیں اُس نے چارے کے طور پر استعمال کیا ہے۔ خواہ تمہارا حشر کچھ ہی ...نہ ہو۔''

''گروہ میں میرا یہی مصرف ہے۔ میرے لئے یہ کوئی نئی اطلاع نہیں ہے۔''

''واقعی تم بہت وفادار ہو۔''

''اس میں وفاداری کی کوئی بات نہیں۔ یہی میری ڈیوٹی ہے۔''

''خیر..... میں تمہیں آزاد کر رہی ہوں۔'' پامیلا نے کہا اور میز کی بائیں جانب لے جا کر کوئی حرکت کی اور حمید کے جکڑے ہوئے بازو آزاد ہو گئے۔ تار کرسی ہی کے اندر میں واپس چلے گئے تھے۔ لیکن حمید پہلے ہی کے سے انداز میں بیٹھا رہا۔

''کیا تم اب بھی نہیں جاؤ گے۔'' پامیلا نے حیرت سے پوچھا اور حمید اپنے سر کو جنبش دے کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

''تمہیں کیونکر معلوم ہوا کہ میرا باس یہاں کوئی ایسی چیز چھوڑ گیا ہے جس کے ذریعہ ہماری گفتگو اُس تک پہنچ سکے۔''

''میرے کمپیوٹر نے اطلاع دی ہے۔ ایک چھوٹا سا الیکٹرونک بگ تو اسی کمرے میں موجود ہے، دو اور دوسرے مقامات پر ہیں اور میں یہ بھی بتا سکتی ہوں کہ اس ساخت کے بگز صرف تین میل کے رقبے میں کارآمد ہوتے ہیں۔''

''لیکن تمہارا کمپیوٹر اس کی نشاندہی نہیں کر سکا۔''

''ہوسکتا ہے جب میں نے معلوم کرنے کی کوشش کی ہو وہ بگس کے دائرہ کار سے نکل گیا ہو۔''

''یہ کمپیوٹر ہے یا شیطان کی کھوپڑی۔''

''اگر میں یہ کہوں کہ میں تمہارے سیارے کی مخلوق نہیں ہوں تو.....؟''

''تو میں یہ سمجھوں گا کہ ٹوئینٹتھ سینچری فوکس کی کوئی فلم دیکھ رہا ہوں۔''

''میں تمہیں دکھا دوں گی اور تمہیں یقین کرنا پڑے گا۔''

''چلو یقین کر لیا۔ لیکن اس سیارے پر تشریف آوری کا مقصد بھی بتا دو۔'' حمید مسکرایا۔

''مقصد تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا۔''

''وہ تو میں نے یونہی کہہ دیا تھا حسن بذات خود ایک مقصد ہے۔ تم حسین ہو مقصدیت ظاہر ہے۔''

''بکواس مت کرو۔ یہاں یہ خانہ خالی ہے۔''

حمید نے اپنے سر کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ ''اس کی بات کر رہی ہو۔''

''نہیں..... اس میں تو ایک دنیا آباد ہے۔ میں نے تمہاری بکواس کے سلسلے میں یہ کہا تھی۔''

''گویا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ مرد کے سلسلے میں کوئی خانہ خالی ہے۔''

''بالکل یہی بات ہے۔''

''تو سنو! ہمارے سیارے پر ایک ایسی چیز بھی پائی جاتی ہے جسے بے غرض وابستگی کہتے ہیں۔''

''ناممکن..... جب تم وابستگی کہتے ہو تو غرض سامنے آ کھڑی ہوتی ہے۔ بے غرض.....دو متضاد الفاظ کا مرکب کہلائے گا۔ جس کے کوئی معنی نہ ہوں گے۔''

''اس لگاؤ کو منطق سے بھی کوئی سروکار نہیں۔''

''میں کہتی ہوں تم میرا وقت کیوں برباد کر رہے ہو۔ جاؤ یہاں سے۔''

''اگر میں اس کا حکم ملنے سے پہلے یہاں سے ہلا بھی تو وہ مجھے گولی مار دے گا۔''

''یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔'' پامیلا نے خشک لہجے میں کہا۔

''لیکن ابھی کچھ ہی دیر پہلے تم اس پر مصر تھیں کہ میں تمہارا شریک بن کر تمہاری پبلسٹی کروں۔''

''مجھے یاد ہے۔ لیکن کمپیوٹر اس کی اجازت نہیں دیتا۔ تم خود دیکھ لو۔''

وہ پھر میز کے عقب میں جا کر کمپیوٹر کو آپریٹ کرنے لگی اس بار گیند پر نمودار ہونے والی یہ تھی۔

''ناقابل اعتماد۔ البتہ اگر یہ موجودہ وفاداریاں ترک کر دے
تو اس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ کسی ایک کے تابع رہ کر
دوسرے کو نقصان پہنچائے گا۔''

حمید نے سر کو جنبش دی اور اونچی آواز میں بولا۔ ''اب یہ معلوم کرو کہ اگر کسی پر عاشق ہو تو اس ناہنجار کا رویہ کیا ہوگا۔''

''فضول ہے۔'' وہ میز کے عقب سے اُبھرتی ہوئی بولی۔ ''تاوقتیکہ تم اپنے باس کو نہیں دیتے میرے لئے بے کار ہو۔''

''مجھے سوچنا پڑے گا۔ کیونکہ اب تو تمہیں بھی چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔''

''محض زبانی جمع خرچ! ثبوت پیش کرو۔''

''کس طرح پیش کروں۔''

''یہاں سے چلے جاؤ۔ تاکہ میں باور کرسکوں کہ تم نے اپنے باس کے حکم کی تعمیل نہیں

''کیا تم اس مسئلے کو صبح تک ملتوی نہیں کرسکتیں؟''

''ہرگز نہیں!''

''اگر اندھیرے میں مارا گیا تو۔''

''مجھے یقین آجائے گا کہ میری محبت کا دعویٰ سچا تھا۔''

''قدیم داستان کی محبوبہ نہ بنو۔''

''تم وقت ضائع کررہے ہو۔''

''خیر میں چلا جاؤں گا۔ لیکن اس سے پہلے میں بھی تمہارے ایک دعوے کا ثبوت چاہتا ہوں

''کس دعوے کا.....؟''

''تم نے کہا تھا کہ تم اس سیارے کی مخلوق نہیں ہو۔ اسے ثابت کرو۔''

''میں عام آدمیوں سے مختلف ہوں۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے؟''

''چلو تسلیم کرلیا۔ لیکن تم اس سیارے پر پہنچیں کس طرح اور تمہیں ایٹمی ریسرچ انسٹی
میں ملازمت کس طرح مل گئی۔''

''یہ تو میں بھی نہیں جانتی۔''

''خوب تو یہ نفسیات کا کیس ہے۔'' حمید اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''تم کچھ بھی کہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ ایٹمی ریسرچ انسٹیٹیوٹ میں ملازمت
زندگی کا مجھے کوئی علم نہیں۔''

''لیکن تم نے تو کہا تھا کہ تم فلپینی ہو۔''

''اس لئے کہا تھا کہ میرے کاغذات یہی بتاتے ہیں لیکن مجھے یاد نہیں پڑتا
فلپائن گئی بھی ہوں۔''

''تمہارے خاندان کے دوسرے افراد کہاں ہیں؟''

''میں نہیں جانتی۔ ایٹمی ریسرچ انسٹیٹیوٹ سے پہلے کی زندگی کا مجھے کوئی علم نہیں۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ اپنی یادداشت کھو بیٹھنے کے بعد سیدھے یہیں کیوں
چلے آتے ہیں۔'' حمید نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔

''بہرحال مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکی۔ تم یقین کرو یا نہ کرو۔ اس سے کوئی فرق
نہیں پڑے گا۔ بس اب تم یہاں سے چلے ہی جاؤ۔''

''مجھے بھی تو نہ بھول جاؤ گی۔''

''تم میں یاد رکھنے کی کوئی بات ہی نہیں ہے۔''

''مجھے یہ رات یہیں بسر کرلینے دو۔''

''اگر تم نے میرا کہنا نہ مانا تو واقعی کسی مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔''

''اچھا تو صدر دروازے کی طرف سے جانے دو۔''

''نہیں..... تم ادھر ہی سے جاؤ گے جدھر سے آئے تھے۔'' پامیلا سخت لہجے میں بولی۔

''اُدھر بہت اندھیرا ہے اور اب میں بالکل تنہا ہوں۔''

''ڈرپوک آدمی مجھے پسند نہیں ہیں۔ اگر اپنے باس کے ہاتھوں مارا نہ دیئے گئے تو صبح
سات بجے صدر دروازے ہی سے یہاں چلے آنا۔''

حمید اُٹھ گیا۔ شدید الجھن میں مبتلا تھا جس کا اظہار اس نے کسی طرح بھی نہ ہونے دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر اُسی تاریک میدان میں کھڑا تھا۔ ہر طرف سناٹے کی حکمرانی تھی
اور اب تو اُس کی سمجھ میں یہ بھی نہیں آرہا تھا کہ اسے جانا کدھر ہے۔ اُسے حیرت تھی کہ آخر
فریدی نے اُس کے ساتھ ایسا برتاؤ کیوں کیا؟ اگر اس طرح چھوڑ کر چل دینا پہلے سے طے تھا
تو اسے کم از کم آگاہ تو کردینا چاہئے تھا۔ پھر ایسی صورت میں یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ فریدی
سے مل جاتا جہاں سے اُن کی روانگی ہوئی تھی۔ لہٰذا اس کا بھی فیصلہ کرنا تھا کہ اب اُسے
جانا کہاں ہے۔ جیروم کی قیام گاہ کی طرف جانے کے لئے ضروری ہوتا کہ وہ ایک بار پھر
عمران خلیلی کا میک اپ کرتا اور ان حالات میں یہ دشوار تھا۔ بہرحال وہ تن بہ تقدیر ہوکر ایک
جانب چل پڑا۔ پھر یک بیک خیال آیا کہ اس طرح کہاں بھٹکتا پھرے گا۔ آخر عمارت کے
صدر دروازے کی طرف پہنچنے کی کوشش کیوں نہ کرے۔ اُدھر ہی سے صحیح طور پر راستے کا تعین

ہو سکے گا۔

عمارت سے دور ہٹ کر چلنے لگا اور اُس طرف جا پہنچا جدھر عمارت کا صدر دروازہ تھا۔ یہاں اُسے وہ سڑک مل گئی جو شہری آبادی کی طرف جاتی تھی اور اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔ لیکن کیا سات آٹھ میل پیدل چل سکے گا۔ تھکن سے نڈھال ہو رہا تھا۔ اس وقت ادھر سے کسی سواری کا مل جانا ناممکنات ہی میں سے تھا۔

بہرحال چل پڑا خدا کا نام لے کر۔ شاید چار ہی فرلانگ چلا ہوگا کہ ایک گھوڑا گاڑی دکھائی دی جس پر دودھ کے برتن بار تھے اور وہ شہر ہی کی طرف جا رہی تھی۔ گاڑی بان مناسب معاوضے پر اُسے شہر لے جانے پر تیار ہو گیا۔ اس طرح اُس کی جان میں جان آئی تھی۔

اوزاکا بے خبر سو رہا تھا۔ صبح کے پانچ بجے تھے۔ کھیتوں پر کہر مسلط تھی اور سناٹے چادر دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔

اچانک کسی نے اوزاکا کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور وہ جگانے والے کی کرفت سے تڑپ کر طرح نکل گیا جیسے کوئی لیس دار مچھلی شکاری کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔

وہ تین تھے اور اُن میں سے ایک کے ہاتھ میں ریوالور بھی تھا جس کی نال اُس کی طرف اُٹھی ہوئی تھی۔

''اپنا لاکٹ اُتار کر ہمارے حوالے کر دو۔'' ان میں سے ایک بولا۔ یہ تینوں سنیدہ تھے۔ اوزاکا نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں اور بولا۔ ''اس لاکٹ کی قیمت ہی کیا؟ یہاں بہتیری قیمتی چیزیں موجود ہیں۔''

''ہمیں صرف لاکٹ چاہئے۔''

''میری موت کے بعد ہی تم اسے ہاتھ لگا سکو گے۔''

''یہ بھی ممکن ہے۔'' ریوالور والے نے دھمکی دی۔

''بس تو پھر مجھے گولی مارو اور اسے لے جاؤ۔''

''لیکن تم تو ابھی کہہ رہے تھے کہ اس کی کوئی قیمت ہی نہیں ہے۔'' دوسرا بولا۔

''تمہارے لئے..... میرے لئے تو یہ لاکھوں کی مالیت رکھتا ہے۔''

''اوہو..... کوئی جذباتی لگاؤ۔''

''ہاں..... اس میں میری ماں کی تصویر ہے۔''

''اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اس میں تمہاری ماں کی تصویر نہیں ہے تو۔''

''تو پھر یہ میرے لئے بالکل بے معنی ہوگا۔''

''یقین کرو کہ اس میں تمہاری ماں کی تصویر نہیں ہے۔''

''جاؤ۔'' وہ ہاتھ ہلا کر بولا۔ ''اپنا اور میرا وقت برباد نہ کرو۔''

''تمہارا وہ لاکٹ ہمارے پاس ہے۔'' تیسرے آدمی نے کہا۔ ''یہ دیکھو۔'' اس نے اپنی جیب سے نکال کر کھولا تھا اور اُسے اُس کی ماں کی تصویر دکھانے لگا تھا۔

''تت..... تو پھر یہ لاکٹ۔'' اوزاکا ہکلا کر رہ گیا۔ پھر اچھل پڑا اور غرا کر بولا۔ ''تنظیم کے افراد کے علاوہ اور کس میں جرأت ہے کہ میری چیزوں پر ہاتھ ڈال سکے۔''

''تمہارا خیال درست ہے۔'' ریوالور والے نے کہا۔

''میرا شناختی کارڈ اُدھر میز پر موجود ہے۔''

''ہم جانتے ہیں۔''

''تو پھر اس برتاؤ کا کیا مطلب ہے؟''

''کیا تم اس سے بہتر برتاؤ کے مستحق ہو؟''

''تمہیں مجھ سے اس انداز میں گفتگو کرنے کا حق کس نے دیا ہے۔''

''تنظیم کا ہر فرد اس کا حق رکھتا ہے کہ کسی غدار سے جواب طلب کر سکے۔''

''اپنی زبان کو لگام دو۔ کس بناء پر مجھ کو غدار کہہ رہے ہو۔''

''تم نے ڈربی ہاؤز کے بارے میں پولیس کو آگاہ کر دیا ہے۔''

''یہ سراسر بکواس ہے۔''

''تم کرنل فریدی سے ملتے رہتے ہو اور تم ہی نے اسے ڈربی ہاؤز کے بارے میں بتایا تھا۔''

''سراسر اتہام ہے۔ میری اُس سے صرف ایک بار مڈبھیڑ ہوئی تھی۔ بڑا آدمی ہر طرح جانتا ہے۔ میں نے اُسے آگاہ کر دیا تھا۔''

''چلو لاکٹ اُتارو اور اپنا لاکٹ رکھو۔''

اوزاکا نے لاکٹ اُتار کر فرش پر ڈال دیا اور اُسے دوسرا لاکٹ دے دیا گیا۔

پھر ریوالور والے نے اپنے ایک ساتھی سے کہا۔ ''میز پر سے اس کا شناختی کارڈ اُٹھاؤ۔''

''کک..... کیوں.....؟'' اوزاکا نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

''اس لئے کہ اب تمہارا تنظیم سے کوئی تعلق نہیں رہا اور ڈربی ہاؤز بھی اب تنظیم کے تحت نہیں ہے۔''

''وہاں ایک عورت رہتی ہے۔''

''رہتی ہوگی۔ اس عمارت کو جو چاہے کرائے پر حاصل کر سکتا ہے۔''

''تو اب میں آزاد ہوں؟''

''بالکل آزاد ہو.....؟'' ریوالور والے نے خشک لہجے میں کہا۔ دوسرے آدمی نے میز پر سے وہ کارڈ اُٹھایا تھا جس پر دو آنکھیں بنی ہوئی تھیں اور پھر وہ باہر نکل گئے تھے۔

اوزاکا تھوڑی دیر تک بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ پھر زور سے ہنس پڑا تو گویا فریدی کا خیال درست تھا۔ اُس لاکٹ کے بارے میں یعنی اُس میں کوئی ایسی ڈیوائیس موجود تھی جس کا تعلق پرچھائیں سے تھا۔ وہ شخص دور سے بھی یہی نتائج اخذ کر سکتا ہے۔ بہرحال اب وہ ہمزاد سے محروم ہو گیا جسکے بارے میں پامیلا نے بتایا تھا کہ اب وہ اُسکے تابع فرمان رہے گا۔ اچھا ہی ہوا کہ اُس بلا سے نجات مل گئی اور اب اس کا تعلق بھی تنظیم سے نہیں رہا۔ لیکن انہونی بات تھی کہ وہ اُسے زندہ چھوڑ گئے تھے۔ پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ تنظیم سے بچ جانے والا کوئی فرد زندہ بچا ہو۔ کیا اس میں بھی کوئی چال تھی؟ وہ سوچتا اور الجھتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد کچن میں پہنچ کر کافی بنائی۔ دو سلائیس لئے اور شراب کی بوتل بھی ساتھ رکھ لی۔ پھر اس طرح پینے لگا کہ ایک گھونٹ کافی کا لیتا تھا اور ایک گھونٹ شراب کا۔

دماغ کچھ گرم ہوا تو دو ہستیاں بیک وقت یاد آئیں۔ فیمی اور پامیلا۔ فیمی حسین

بھی بھالی تھی۔ پامیلا پُراسرار اور بے پناہ سکس اپیل رکھنے والی تھی۔ دونوں ہی خوب تھیں۔ اوزاکا بھی عجیب تھا۔ کہاں تو فیمی کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائی تھی اور اپنی دانست میں غیر سے بھی ٹکرا گیا تھا اور اب فیمی کی شبیہ دھندلا کر بیک گراؤنڈ میں چلی گئی تھی اور پیش منظر میں پامیلا کا چہرہ جگمگا رہا تھا۔ اُسے یہ سن کر بے حد خوشی ہوئی تھی کہ پامیلا کا تعلق تنظیم سے نہیں ہے ورنہ وہ تو سمجھا تھا کہ پامیلا دروغ گوئی سے کام لے رہی ہے اور خود اُسے کسی طرح استعمال کرنے کے لئے پامیلا تک تنظیم ہی نے اس کی رہنمائی کی ہے۔ لیکن پھر پامیلا نے پرچھائیں سے متعلق یہ کیوں کہا تھا کہ وہ کسی دوسرے سیارے کی مخلوق ہے اور اس کا توسط سے زمین پر وارد ہونا چاہتی ہے۔

''اونہہ جہنم میں جائے۔'' وہ سر جھٹک کر بڑبڑایا اور پوری بوتل اُٹھا کر ہونٹوں سے لگا لی۔ اس وقت وہ خود کلامی کے موڈ میں تھا۔ بوتل کو دوبارہ میز پر رکھ کر بڑبڑایا۔

''پرچھائیں بھی رخصت ہو گئی آخر کار۔ کاش وہ کچھ دیر اور صبر کرتے۔ صرف آج شام وہ لاکٹ میرے قبضے میں رہنے دیتے۔ میں جمشید سے تو نپٹ لیتا۔ حکم دیتا ہمزاد کو کہ اس کو ہلتر پر چڑھائی کر دے۔''

اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ چند لمحے خاموش رہا اور پھر بولا۔ ''وہ آج ملبے کے نیچے دبا ہوا چیخ رہا ہوتا۔ فریاد کر رہا ہوتا۔ کاش آج بھی وہ ہمزاد میرا تابع رہا ہوتا۔ تو میں ویسے بھی اُس ناہنجار کو للکار سکتا ہوں۔ دیکھا جائے گا۔''

کچن سے نکل کر باتھ روم کا راستہ لیا۔ سورج طلوع ہو چکا تھا اور کھیتوں پر چھائی ہوئی دھند چھٹ گئی تھی۔ آج سردی بھی زیادہ نہیں تھی۔ بڑی خوش گوار صبح تھی۔

باتھ روم سے نکل کر اوزاکا نے فون پر ڈربی ہاؤز کے نمبر ڈائیل کئے اور دوسری طرف فوراً ہی جواب ملا۔ آواز پامیلا کی تھی۔

''میں اوزاکا بول رہا ہوں مادام.....!''

''صبح بخیر مسٹر اوزاکا۔''

''میں ایک بُری خبر سنانے والا ہوں۔''

''اوہ..... خبر بس خبر ہوتی ہے نہ اچھی ہوتی ہے اور نہ بُری۔''

''بہرحال وہ ہمزاد رخصت ہوگیا جس کی نشاندہی تم نے کی تھی۔''

''اوہ..... یہ کیسے ہوا.....؟''

''پتا نہیں۔ بس اب وہ میرے طلب کرنے پر حاضر نہیں ہوتا۔''

''ہوسکتا ہے کہ اس زمین پر مادی شکل اختیار کرنے میں ناکام رہا ہو اور پھر اپنے سیارے پر واپس چلا گیا ہو۔''

''میں بہت اُداس ہوں۔ ایک قوت میرے قبضے میں آ کر نکل گئی۔''

دوسری طرف سے پامیلا کا قہقہہ سنائی دیا پھر وہ بولی۔ ''تم غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ تمہارے قبضے میں نہیں تھا بلکہ تم اُسکے قبضے میں تھے اور تمہاری زندگی بھی خطرے میں تھی۔''

''کیوں؟ میری زندگی خطرے میں کیوں تھی۔''

''وہ تمہارے جسم میں داخل ہوکر تمہاری روح کو باہر نکال پھینکتا۔ یعنی تم اوزاکا کی حیثیت سے مرجاتے اور وہ تمہارے جسم سے کام لیتا رہتا۔ تم دیکھ لینا اُس کا دوسرا تجربہ کس قسم کا ہوگا۔ لیکن خدا کرے اس بار اُس کی توجہ تمہاری طرف نہ ہو۔ کوئی اور میڈیم تلاش کرے۔ اخبارات میں کسی کرائم رپورٹر کا تجربہ بھی شائع ہوا تھا۔ تم نے دیکھا۔''

''اوہ..... وہ اسٹار کے کرائم رپورٹر والی بات، ہاں میں نے پڑھا تھا اور سوچا تھا کہ اُس سیارے کے باشندے زمین پر حملہ آور ہونے والے ہیں۔''

''خدا جانے کیا ہوگا۔''

''کاش میں امپائر اسٹیٹ بلڈنگ کا حشر دیکھ سکوں۔''

''اُن ممالک سے تو ایسی کوئی خبر نہیں آئی۔''

''نہیں آئے گی۔'' اوزاکا نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''اُس نامعلوم سیارے کی مردہ حکومت نے بھی رنگ دار قوم ہی کو تاک لیا ہے۔''

''بہت بھرے بیٹھے ہو۔''

''تم بھی رنگ دار ہی نسل سے تعلق رکھتی ہو۔''

''لیکن میں تنگ نظر نہیں ہوں۔ اسی سچائی پر میری نظر رہتی ہے کہ لہو کا رنگ ایک ہے۔ بعض غلط فہمیوں نے رنگ و نسل کی دیواریں آدمیوں کے درمیان کھڑی کر رکھی ہیں۔''

''محض الفاظ۔'' اوزاکا کے لہجے میں بیزاری تھی۔

''بہت ستم رسیدہ معلوم ہوتے ہو۔''

''ہیروشیما کا ماتم گسار ہوں۔''

''مجھے افسوس ہے لیکن پرانی بات ہوئی۔ اس کے بعد سے اب تک لاکھوں انسان قحط، بادوباراں، زلزلوں اور طوفانوں کے شکار ہوگئے ہوں گے۔''

''آدمی کے ہاتھوں لائی ہوئی تباہی اُن سے مختلف ہوتی ہے۔ وہ جذبہ انتقام کو اُبھارتی ہے۔''

''اس مسئلے پر اطمینان سے کبھی گفتگو کریں گے۔ اس وقت معافی چاہتی ہوں۔''

''اچھا..... اچھا.....!''

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور ڈیوٹی پر جانے کے لئے تیاری کرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ پامیلا حقیقتاً تنظیم سے تعلق نہیں رکھتی ورنہ ایسی باتیں نہ کرتی۔ جب سے پامیلا سے ملاقات ہوئی تھی اوزاکا نے فیمی کے بارے میں کچھ سوچنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ اسٹیل ملز کے لئے روانہ ہوگیا اور وہاں پہنچ کر اپنی نشست پر بیٹھنے بھی نہیں پایا تھا کہ منیجر کے پرسنل اسسٹنٹ نے آ کر طلبی کا حکم سنایا۔

''کہہ دو کہ ابھی آیا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد آؤں گا۔'' اوزاکا نے لاپرواہی سے کہا اور اسسٹنٹ اُسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

''کھڑے میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو..... جاؤ کہہ دو۔''

''بہت بُرے آدمی سے سابقہ پڑ گیا ہے صاحب۔'' اسسٹنٹ نے کہا۔

''یعنی تم میرا یہ جواب اُس تک نہیں پہنچانا چاہتے۔'' اوزاکا مسکرا کر بولا۔

''میں اسٹاف کا ہمدرد ہوں..... مسٹر اوزاکا۔''

''سنو دوست! وہ مجھے ملازمت سے برخواست نہیں کرسکتا۔ میں ٹیکنیکل ایڈوائزر ہوں اور تمہاری حکومت کی درخواست پر یہاں آیا ہوں۔ مجھے ہاتھ لگانے والے بہت اوپر کے لوگ ہوں گے۔''

''لیکن وہ بے عزتی تو کرسکتا ہے۔''

''اور میں گھونسہ مار کر اس کے دانت بھی توڑ سکتا ہوں۔''

''بہرحال میں جا کر کہے دیتا ہوں کہ آپ باتھ روم میں ہیں۔ میں ٹیبل پر پیغام چھوڑ آیا ہوں۔''

''جیسا تمہارا دل چاہے۔'' اوزاکا نے بیزاری سے کہا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

اتنے میں اُس کا چپڑاسی چائے لے آیا اور اسسٹنٹ رخصت ہوگیا۔ اوزاکا چائے کا کپ خالی کر کے اُٹھا تھا۔

جمشید اپنے آفس میں اس کا منتظر تھا۔ دیکھتے ہی بولا۔ ''غالباً تم نے اپنے حق میں بہتر ہی سوچا ہوگا۔''

''میں زیادہ تر اپنے حق میں بہتر ہی سوچتا ہوں۔'' اوزاکا نے جواب دیا۔ اُس کا لہجہ اہانت آمیز تھا۔

جمشید میز پر گھونسہ مار کر غرایا۔ ''گڈ..... بیٹھ جاؤ۔''

اوزاکا نے بے تکلفی سے کرسی کھینچی اور بیٹھ گیا۔ پھر جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا تھا کہ جمشید بولا۔ ''یہاں ڈسپلن مین ٹین کرو۔''

''اگر میں براہِ راست تمہارا ماتحت ہوتا تو تمہارے سامنے سگریٹ ہرگز نہ پیتا۔''

''میرے آفس میں چیئرمین بھی سگریٹ نہیں پی سکتا۔''

''اچھا تو پھر آفس سے باہر نکل کر بات کرو۔ میں سگریٹ ضرور پیوں گا۔'' اوزاکا نے کہا۔

''اُٹھو اور باہر نکل جاؤ۔'' جمشید نے اُسے للکارا اور وہ اُٹھ کر باہر جانے لگا۔ دروازے کے قریب پہنچا ہی تھا کہ اُس نے جمشید کو کہتے سنا۔ ''غبن کے سلسلے میں آج بورڈ کی میٹنگ بھی ہو رہی ہے۔ میں وہاں تمہاری رسیدیں بھجوا رہا ہوں جو تم نے سابق منیجر کو دی تھیں۔''

اُوزاکا باہر نکلا چلا گیا۔ تھوڑی دور چل کر رُکا اور سگریٹ سلگانے لگا۔ ٹھیک اسی وقت اُسے خیال آیا کہ وہ تنظیم سے الگ کر دیا گیا ہے۔ گویا بالکل تنہا رہ گیا ہے۔ لہٰذا کیا یہ بہتر ہوگا کہ ایسی صورت میں وہ مقامی لوگوں سے جھگڑا کرتا پھرے۔ جمشید کے معاملے میں اُسے محتاط ہو جانا چاہئے۔ ہر چند کہ وہ اس سے ایک ایسی بات معلوم کرنا چاہتا ہے جس کے سلسلے میں اس کے پاس کوئی جواب نہیں ہے اور وہ اس پر یقین نہیں کر رہا کہ وہ اس سے لاعلم ہے۔ پھر اُسے کیا کرنا چاہئے۔ آخر جمشید کو کس طرح راہ پر لے آئے جبکہ وہ زیادہ تر اُسے غصہ

دلا رہا ہے۔ عجیب انداز ہے اُس شخص کا بھی۔ مقابل کو اس طرح دیکھتا ہے جیسے اُسے کچھ دکھتا ہی نہ ہو۔ خیر بیٹے جمشید تم بھی کیا یاد کرو گے۔ میں تمہیں تھکا ماروں گا اور تمہیں میرے بارے میں اپنے خیالات بھی تبدیل کر دینے پڑیں گے۔

دفعتاً وہ پھر جمشید کے آفس کی طرف مڑ گیا اور قریب پہنچ کر سگریٹ بھی بجھائی اور اُسے ڈسٹ بن میں ڈال کر دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔

''کم اِن.....!'' اندر سے جمشید غرایا۔

اوزاکا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور جمشید نے عجیب نظروں سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے سر کو جنبش دی۔ شاید اشارہ کیا تھا کہ وہ سامنے والی کرسی پر بیٹھ جائے۔

''مجھے اپنے رویئے پر ندامت ہے مسٹر جمشید۔''

''کوئی بات نہیں۔'' جمشید سر ہلا کر بولا۔ ''ہم آدمی ہیں۔ مشین نہیں کہ صرف بندھے ٹکے اصولوں ہی کے تحت چلتے رہیں۔''

''میں حتی الامکان آپ کی مدد کرنے کی کوشش کروں گا۔''

''بے خوفی اور بے فکری سے تم ایسا کر سکتے ہو۔''

''کیا آپ نے سابق منیجر کے مکان کو پوری طرح دیکھ لیا تھا۔''

''اپنی دانست میں تو میں نے کوئی جگہ نظر انداز نہیں کی۔''

''کیا تہہ خانہ بھی دیکھا تھا.....؟''

''تہہ خانہ.....!'' جمشید کے لہجے میں حیرت تھی۔

''جی ہاں..... تہہ خانہ۔ وہاں ایک تہہ خانہ بھی ہے۔''

''کمال ہے۔ اس کی طرف تو میں نے توجہ ہی نہیں دی تھی۔''

''میں جانتا ہوں اور اس جگہ کی نشاندہی بھی کر سکتا ہوں جہاں سے راستہ نیچے گیا ہے۔ لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ وہاں آپ کو کیا ملے گا۔ خود بھی کبھی نیچے نہیں اُترا۔''

''کیا تم میرے ساتھ وہاں چل سکو گے؟''

''آدھے گھنٹے بعد میں روانگی کے لئے تیار ملوں گا۔''

''ٹھیک ہے!''



حمید نے ٹھیک گیارہ بجے ڈربی ہاؤز کے گیٹ پر لگی ہوئی کال بل کا بٹن دبایا تھا۔ وقت پچھلی رات سے بہتر حالت میں تھا۔ یعنی لباس ڈھنگ کا پہن رکھا تھا اور میک اپ تو تھا جس میں پامیلا سے پچھلی رات کو ملاقات ہوئی تھی۔

''کون ہے؟'' گھنٹی کے سوئچ کے اوپر والے اسپیکر سے آواز آئی۔ ''اپنا چہرہ اوپر اٹھاؤ۔''

آواز پامیلا ہی کی تھی۔ حمید نے گردن کھجاتے ہوئے چہرہ اوپر اٹھایا۔

''اوہو..... تو تم ہو؟'' اسپیکر سے آواز آئی۔ ''اب کیوں آئے ہو؟''

''اپنا وعدہ یاد کرو۔'' حمید نے بڑے رومینٹک انداز میں کہا۔

''ہاں ٹھیک ہے ..... یاد آیا۔ میں نے کہا تھا کہ دن میں آنا۔ تم آ گئے۔ بہت ہوئی۔ اب واپس جاؤ۔''

''کیا بات ہوئی؟'' حمید بھنا کر بولا۔

''میں نے کہا ہے کہ واپس جاؤ۔''

''بلایا کیوں تھا.....؟''

''یہ دیکھنے کے لئے کہ زندہ ہو یا مر گئے۔''

''اچھی بات ہے تو میں پچھواڑے ہی کی طرف سے آ رہا ہوں۔''

''دیوار کی مرمت کرا دی گئی ہے۔ اُدھر سے اب نہ آ سکو گے۔''

''اچھا تو ادھر ہی سے پھاٹک پر چڑھوں گا اور کمپاؤنڈ میں کود جاؤں گا۔''

''سلاخوں میں بجلی کا کرنٹ دوڑ رہا ہے۔ کباب بن جائے گا تمہارا۔''

''آخر تمہیں مجھ سے ضد کیوں ہو گئی ہے۔''

''تمہاری صورت ہی ایسی ہے۔''

''یعنی کیا محسوس کیا کرتی ہو میری شکل دیکھ کر۔''

''وہی جو ایک بے مغز آدمی کی شکل دیکھ کر محسوس کیا جا سکتا ہے۔''

''بہت ضروری بات کرنی ہے۔ پھاٹک کھلوا دو۔''

''اوہو..... تو اب کوئی ضروری بات بھی ہے۔''

''اشد ضروری۔''

''اچھی بات ہے..... آ جاؤ۔''

پھاٹک کے دونوں حصے کھسکتے ہوئے ادھر اُدھر دیواروں میں غائب ہو گئے۔ حمید نے معنی انداز میں سر کو جنبش دی اور کمپاؤنڈ میں داخل ہو گیا۔

پورچ میں پہنچا ہی تھا کہ پامیلا برآمدے میں کھڑی دکھائی دی۔ اُسے دیکھ کر مسکرائی۔ حمید بھی جواباً مسکرایا۔

''ضروری بات یہیں برآمدے میں ہو گی اور تم رخصت ہو جاؤ گے۔'' اس نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں ضروری باتیں ایسی جگہوں پر کرتا ہوں جہاں سے آسمان نہ دکھائی دیتا ہو۔'' حمید بولا۔

''تم فضول باتوں میں بہت وقت ضائع کرا دیتے ہو۔''

''حالانکہ وہ فضول نہیں ہوتیں۔''

''صرف تمہارے نزدیک۔''

''دیکھو میں زندہ ہوں۔'' حمید نے خوش ہو کر کہا۔

''اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تم اپنے باس کے سلسلے میں جھوٹ بولتے رہے تھے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''یہ میرے خلاف کوئی گہری سازش ہے اور تم لوگ بھی میرے کاروباری حریفوں میں سے معلوم ہوتے ہو۔ پچھلی رات کی نقب زنی محض ایک ڈرامہ تھی تاکہ تم میں سے کم از کم ایک میرا قرب حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔''

''یہ تم نے بالکل ہی نیا چکر چلا دیا ہے۔'' حمید سر کھجاتا ہوا بولا۔

''تم میرا راز جاننا چاہتے ہو۔'' پامیلا اُسے گھورتی ہوئی بولی۔

''آہا..... تو تمہارا کوئی راز بھی ہے۔''

''میں خود ہی سراپا راز ہوں۔''

''شاعری بھی کرتی ہو۔''

''میں خود ہی ایک خوبصورت سا شعر بھی ہوں۔''

''یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔'' حمید مسکرا کر بولا۔

''اصل موضوع سے ہٹنے کی کوشش کر رہے ہو۔''

''اگر کچھ دیر اور یہیں کھڑا رہا تو.....!''

''واقعی بہت ڈھیٹ ہو..... چلو اندر چلو۔'' وہ ہاتھ ہلا کر بولی۔

وہ اُسے ایک کمرے میں لے آئی جہاں بہت ہی اعلیٰ قسم کا فرنیچر موجود تھا۔ خود کو رہی اور اُسے بیٹھنے کا اشارہ کرتی ہوئی بولی۔ ''تمہیں میری کسی بات کا اعتبار نہیں کرنا چاہئے۔''

''میں جانتا ہوں۔ ہماری شاعری کے محبوب کا بھی یہی حال ہے۔ میرے لئے کوئی بات نہیں ہے۔''

''یہاں شاعری کی بات نہیں ہو رہی۔''

''پھر میں اس جملے کی وضاحت ضرور چاہوں گی۔''

''میں نے تمہیں اپنے بارے میں سچی بات نہیں بتائی۔''

''کوئی بات نہیں۔ اب بتا دو۔''

''تم یقین نہیں کرو گے۔''

''یقین تو میں نے اس پر بھی کر لیا تھا کہ تم کسی دوسرے سیارے کی مخلوق ہو۔ پھر بھی غلط نہیں سمجھا تھا کہ تم اپنی یادداشت کھو بیٹھی ہو۔''

''یہ دونوں ہی باتیں جھوٹ تھیں۔''

''تو چلو اب تیسری سناؤ۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔

''میں اب کچھ نہیں کہوں گی۔ صرف سنوں گی۔''

''کیا سننا چاہتی ہو.....؟''

''تم لوگ پچھلی رات یہاں کیوں آئے تھے؟''

''میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ اصل مقصد کا علم باس کے علاوہ اور کسی کو بھی نہیں اور میں یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ مجھے یہاں کیوں چھوڑ گیا تھا۔''

''یہی مسئلہ میرے لئے مصیبت بن گیا ہے۔''

''کیا بات ہے؟'' حمید اُسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ ''تمہارے انداز سے ایسا معلوم ہے جیسے تم بھی خود مختار نہ ہو۔''

''تمہارا اندازہ غلط نہیں ہے۔ میں بھی کسی کی آلۂ کار ہوں اور مجھ سے جو کچھ کہا جاتا رہی ہوں۔ البتہ پچھلی رات میں اپنی حدود سے نکل گئی تھی۔ اپنے طور پر تم لوگوں سے کرڈالی تھی جس کا خمیازہ مجھے ضرور بھگتنا پڑے گا۔ وارننگ مل چکی ہے۔''

''کس سے وارننگ ملی ہے۔''

''کاش میں یہ جانتی ہوتی۔''

''غالباً تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ جن لوگوں کی آلۂ کار ہو اُنہیں شناخت نہیں کر سکتیں۔''

''تمہارا یہ خیال بھی درست ہے۔''

پھر حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اُس نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور کے چہرے پر ایسے تاثرات نظر آئے جیسے کچھ سننے کی کوشش کر رہی ہو۔

حمید بھی چوکنا ہو گیا۔ پھر اُٹھ ہی رہا تھا کہ عقب سے غراہٹ سنائی دی۔ ''اپنی جگہ سے نہ کرنا۔''

حمید نے پامیلا کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر مردنی چھا گئی تھی۔

''یہ کس نامعقول نے مجھے للکارا ہے؟'' اس نے پامیلا سے سوال کیا۔

''م..... میں نہیں جانتی۔ اُس کے ہاتھ میں پستول ہے۔''

''اُسے چاہئے کہ سامنے آ کر بات کرے۔'' حمید کے لہجے میں تلخی تھی۔ لیکن اس نے کیا کہ پامیلا پہلے سے بھی زیادہ خائف نظر آنے لگی ہے۔

عقب سے بولنے والا سامنے آ گیا۔ پستول کا رخ حمید کی طرف تھا۔

''اس کا مطلب؟'' حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

''تم کون ہو.....؟''

''پہلے تم اپنے بارے میں بتاؤ۔'' حمید کا لہجہ مذاق اُڑانے کا سا تھا۔

''میں اس عمارت کا مالک ہوں۔''

''تو تم اس طرح کرایہ وصول کرتے ہو۔''

''خاموش رہو۔ خدا کے لئے خاموش رہو۔'' پامیلا خوفزدہ لہجے میں بولی۔

''تمہارا اس شخص سے کیا تعلق ہے؟'' حمید نے پامیلا سے سوال کیا۔

''یہ مجھے بتاتا ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔''

''تو پھر تمہیں کچھ بتانے کی بجائے مجھے کیوں پستول دکھا رہا ہے۔''

''میں نہیں جانتی۔''

''یہاں سے چلے جاؤ اور آئندہ ادھر کا رخ بھی نہ کرنا۔'' نووارد نے پستول کو جنبش دے کر کہا۔

''سرے سے کوئی بات ہی سمجھ میں نہیں آ رہی۔'' حمید سر جھٹک کر بولا۔

''بچ چلے..... جاؤ..... خدا کے لئے۔'' پامیلا گھگھیائی۔

''تم کہتی ہو تو جا رہا ہوں۔'' حمید اُٹھتا ہوا بولا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے دروازے کی طرف جائے گا لیکن اچانک اس نے نووارد کے پستول والے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور پستول فرش پر جا پڑا۔ پھر جیسے ہی نووارد پستول اُٹھانے کے لئے جھکا حمید کی بھرپور ٹھوکر اس کی ٹھوڑی پر پڑی اور وہ دونوں ہاتھوں سے منہ دبائے ہوئے الٹ گیا۔

دوسرے ہی لمحے میں پستول حمید کی گرفت میں تھا۔ اُدھر پامیلا بوکھلا کر نووارد پر جھک پڑی جو شاید بے ہوش ہو گیا تھا اور دہانے کے بائیں گوشے سے خون کی پتلی سی لکیر باہر آ گئی تھی۔

''یہ کیا غضب کیا تم نے۔'' وہ سیدھی کھڑی ہو کر ہانپتی ہوئی بولی۔

''پھر اور کیا کرتا۔ آج تک کوئی مرد میری توہین کر کے ٹوٹ پھوٹ سے نہیں بچ سکا۔''

''تم نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ اب بھاگو یہاں سے۔'' وہ اُس کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف کھینچتی ہوئی بولی۔

باہر نکل کر بھی وہ اُسے ایک جانب دوڑاتی رہی اور پھر عمارت کے سرے پر رک کر جلدی جلدی بولی۔ ''وہ گیراج ہے..... کیا تم ڈرائیو کر سکتے ہو۔''

''کر سکتا ہوں!''

''اسپورٹس کار نکال لو۔ کنجی اگنیشن ہی میں موجود ہوگی۔ جلدی کرو۔''

حمید سوچ رہا تھا کہ کیا یہ دانش مندی ہوگی کہ بے چون و چرا اس کے مشوروں پر عمل کرتا

''اوہ..... تم کیا سوچ رہے ہو۔ جلدی کرو۔ اگر اُسے ہوش آ گیا تو دونوں یہیں مار جائیں گے۔'' وہ دانت پیس کر بولی۔

نووارد کا پستول حمید کی جیب میں موجود تھا۔ وہ اُسے ٹٹولتا ہوا گیراج میں داخل ہو گیا۔ اس کا شاندار تھی۔ دو گاڑیاں اور بھی موجود تھیں۔ اس نے بڑی پھرتی سے اسپورٹس کار ہی اور ہاتھ ہلا کر بولا۔ ''آؤ۔''

دوسری طرف کا دروازہ اس کے لئے کھول دیا تھا۔ پامیلا اُس کے برابر بیٹھتی ہوئی ''پھاٹک کی طرف۔''

پھاٹک سے گزر کر سڑک پر آ جانے کے بعد حمید نے اُس سے پوچھا۔ ''تم مجھے کہیں ارہی ہو یا مجھے تم کو کہیں لے جانا پڑے گا۔''

''میں کہاں لے جاؤں گی۔ میرا تو اس عمارت کے علاوہ اور کہیں ٹھکانہ نہیں۔''

''خیر میں ہی بھگتوں گا۔ لیکن اب جلدی سے بتا دو کہ قصہ کیا تھا؟''

''میں نہیں جانتی تھی کہ ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر گفتگو کرنا بھی خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔''

''تو تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ پوری عمارت بگڈ ہے۔''

''ہاں..... میرا اب یہی خیال ہے۔ پہلے میں سمجھتی تھی کہ صرف کمپیوٹر والا کمرہ بگڈ ہے۔''

''اگر یہ بات ہے تو پھر پچھلی رات ہمیں کسی قسم کی مزاحمت کا سامنا کیوں نہیں کرنا پڑتا تھا۔''

''ہو سکتا ہے تمہارا باس اسی خطرے کو بھانپ کر وہاں سے نکل گیا ہو اور اتنی جلدی میں تمہیں بھی مطلع نہ کر سکا ہو۔''

''ہاں..... یہ بات سوچنے کی ہے۔''

''بہرحال میں اب بالکل قلاش ہوں۔'' وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

''اس کی فکر نہ کرو۔''

''تم مجھے کہاں لے جاؤ گے؟''

''کسی محفوظ جگہ۔''

''وہ مجھے تلاش کر کے مار ڈالیں گے۔ اُن کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔''

''میں ہمیشہ لمبے ہی ہاتھوں پر کلہاڑے چلاتا رہا ہوں۔''

''تب پھر وہ بات درست معلوم ہوتی ہے۔''

''کون سی بات۔''

''یہی کہ تم محکمہ سراغ رسانی کے ایک آفیسر ہو۔ کل تمہارے چلے جانے کے بعد مجھے یہ اطلاع ملی تھی۔''

''ساتھ ہی ہدایت بھی ملی ہوگی کہ اُسے پھانسنے کی کوشش کرو۔''

''نہیں صرف محتاط رہنے کو کہا گیا تھا۔ اسی لئے میں نہیں چاہتی تھی کہ دوبارہ تم سے ملاقات ہو۔ میں نے اس وقت تمہیں باہر ہی سے رخصت کر دینے کی کوشش کی تھی لیکن تم نہیں مانے۔''

''تو پھر پچھلی رات تم نے وہ سارے ڈائیلاگ اپنی طرف سے بولے تھے۔''

''ظاہر ہے۔ ورنہ مجھے کب علم تھا کہ کسی سے ہدایات لیتی تم لوگوں کے سلسلے میں اور اُس کی کہی ہوئی باتیں دہراتی۔''

''تمہارا مصرف کیا تھا؟''

''مختلف اوقات میں مختلف لوگ میرے پاس بھیجے جاتے تھے اور میں بعض معاملات میں اُنہیں وہی مشورے دیتی تھی جو پہلے سے مجھے ذہن نشین کرا دیئے جاتے تھے۔''

''تمہارے پاس تمہارا کوئی شناختی کارڈ بھی ہے جو تمہیں اُن لوگوں کیطرف سے ملا ہو؟''

''ہے تو.....!''

''مجھے دکھاؤ۔''

''ڈربی ہاؤز ہی میں رہ گیا۔ کچھ بھی تو نہیں لا سکی۔ بس تن پر جو کپڑے ہیں ان کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔''

''شناختی علامت کیا تھی؟''

''دو آنکھیں۔''

حمید نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔

اوزاکا سوچ رہا تھا کہ جمشید تنظیم ہی کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ ممکن ہے سابق منیجر کی میں کوئی ایسی چیز رہی ہو جسے تنظیم کے سربراہ تک پہنچانے سے پہلے ہی وہ مر گیا ہو اور جمشید اُس کی تلاش میں ہو۔ خود اوزاکا چونکہ سربراہ کی نظروں میں مشتبہ ہو چکا تھا اس لئے جمشید کی اصل حیثیت سے آگاہ نہ کیا گیا ہوگا۔

اس وقت وہ جمشید ہی کی گاڑی میں سابق منیجر کی قیام گاہ کی طرف جا رہا تھا اور جمشید کے مشورے پر اُس نے اپنی گاڑی اسٹیل ملز ہی کی حدود میں چھوڑ دی تھی۔

گاڑی جمشید ہی ڈرائیو کر رہا تھا اور اوزاکا کو اپنے برابر ہی والی سیٹ پر جگہ دی تھی۔ اُس کو بھی اس وقت خاصا خوش گوار تھا۔

''میں دوستوں اور دوستی کی قدر کرتا ہوں۔'' اُس نے دیر تک خاموش رہنے کے بعد کہا۔

''دوستی کے بغیر یہ دنیا تاریک ہوتی۔'' اوزاکا نے بھی ٹکڑا لگایا۔ ویسے وہ اب بھی دل میں جمشید کو گالیاں دے رہا تھا۔

''تم بہت سمجھ دار آدمی ہو لیکن ساتھ ہی جذباتی بھی ہو۔ خیر یہ کوئی ایسی بُری بات بھی نہیں۔ جذباتی آدمی کسی قدر مخلص بھی ہوتا ہے اور ٹھنڈے دماغ کے لوگ مصلحت کوش اور خود غرض ہوتے ہیں۔''

''میں اپنے بارے میں بہت کم جانتا ہوں۔'' اوزاکا بولا۔

''ضرورت ہی کیا ہے۔ خود شناسی جہنم کے دہانے کھول دیتی ہے۔ خوش وہی ہیں جو جہالتوں کے تحت زندگی بسر کر رہے ہیں۔''

''آپ کی باتیں مشکل سے سمجھ میں آتی ہیں مسٹر جمشید۔''

جمشید صرف مسکرا کر رہ گیا اور اوزاکا نے دل ہی دل میں اُسے پھر ایک گندی سی گالی دی۔ اُسے پہلے ہی سے ناپسند کرتا تھا اور اب ذہن میں اس خیال کے جڑ پکڑتے ہی کہ وہ

بھی تنظیم ہی کا کوئی فرد ہے یہ نفرت دو چند ہوگئی تھی۔

گاڑی سابق منیجر کے بنگلے کے سامنے رکی تھی۔ یہاں وہ تنہا رہتا تھا۔ اُس کے متعلق کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں ہیں۔ مقامی پولیس اُن کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کررہی تھی۔ اس بنگلے کو بھی بند کرکے سیل کردیا گیا ہوتا لیکن اسٹیل ملز کی انتظامیہ نے ایسا نہیں ہونے دیا تھا۔ انتظامیہ کی طرف سے یہ عذر پیش کیا گیا تھا کہ بعض اہم کاغذات جو سابق منیجر کی تحویل میں تھے اُن کی تلاش کے سلسلے میں یہ ضروری ہے کہ اس کا بنگلہ پولیس کی تحویل میں نہ دیا جائے۔ انتظامیہ اُنہیں اپنے طور پر تلاش کرائے گی۔

وہ دونوں بنگلے میں داخل ہوئے اور جمشید چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''جبار خوش سلیقہ آدمی تھا لیکن حیرت ہے کہ تنہا تھا۔ کیا تم نے کبھی اُس کے کسی عزیز کو بھی دیکھا تھا۔''

''مجھے تو نہیں یاد پڑتا کہ کبھی ایسا ہوا ہو۔''

''خیر.....اب بتاؤ کہ وہ تہہ خانہ کہاں ہے۔''

''لائبریری کی طرف چلئے۔'' اوزاکا نے کہا۔

اوزاکا جمشید سے وہ رسیدیں حاصل کرنا چاہتا تھا جو سابق منیجر نے نجی طور پر اُس سے لی تھیں اور یہ اُن ادائیگیوں کی رسیدیں تھیں جو تنظیم کی طرف سے اپنے کارکنوں کو دی جاتی تھیں۔ دراصل ابھی تک اوزاکا کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ جمشید چاہتا کیا ہے۔ کبھی وہ اُسے تنظیم ہی کا کوئی فرد سمجھنے لگتا تھا اور کبھی ایک غیر متعلق آدمی جو صرف اسٹیل ملز کی منیجری ہی تک محدود تھا۔

کچھ بھی ہو، اُسے وہ رسیدیں اُس سے حاصل کرنی تھیں۔ اسی لئے وہ اسے اس بنگلے تک لایا تھا۔ تہہ خانے کی بات بھی اسی لئے چھیڑی تھی۔ ورنہ اُسے کیا پڑی تھی کہ وہ کسی کو اس بنگلے کے رازوں سے آگاہ کرتا۔ لیکن اب جبکہ وہ تنظیم سے بھی الگ کیا جاچکا تھا اُسے اپنی دوسری حیثیت کا تحفظ کرنا تھا۔ اگر وہ رسیدیں بورڈ کے سامنے پیش ہوجاتیں تو اُس کی دوسری حیثیت بھی خطرے میں پڑ جاتی۔ اُس نے سوچا تھا کہ جمشید کو تہہ خانے میں داخل ہونے کا طریقہ تو بتا دے گا لیکن واپسی کی تدبیر سے لاعلم رکھے گا۔

لائبریری میں داخل ہوکر جمشید اُس کی طرف مڑا۔

''لیکن مسٹر جمشید۔'' اوزاکا اس سے نظر ملائے بغیر بولا۔ ''نہ میں پہلے کبھی تہہ خانے میں گیا ہوں اور نہ اس وقت آپ کا ساتھ دے سکوں گا۔''

''میں تمہیں اس پر مجبور نہیں کروں گا۔ بس تم راستے کی نشاندہی کردو۔''

اوزاکا نے دیوار پر ایک تصویری فریم کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ ''اس کے پیچھے ایک شانہ ہے جس میں تہہ خانے کے دروازے کا ہینڈل موجود ہے۔''

''دروازہ کہاں ہے؟''

''وہ اُس طرف دیوار کے قریب فرش پر۔''

جمشید اُس کے قریب آ کھڑا ہوا اور اُس کا شانہ تھپک کر بولا۔ ''تم خود ہی ہینڈل گھما کر راستہ کھولو۔''

اوزاکا نے اُس کی یہ فرمائش بھی پوری کردی۔ ہینڈل گھماتے ہی ہلکی سی سرسراہٹ لائبریری میں گونجی تھی اور بتائی ہوئی جگہ پر تہہ خانے کا راستہ نمودار ہوگیا تھا۔

اوزاکا جانتا تھا کہ جیسے ہی وہ تہہ خانے کی آخری سیڑھی سے اُترے تھے یہ راستہ خود بخود بند ہوجائے گا اور پھر جمشید اُس وقت تک باہر نہیں آسکے گا جب تک کہ اُسے تہہ خانے کے باہر راستہ بنانے کا طریقہ نہ معلوم ہوجائے۔

''کیا حرج ہے اگر تم بھی میرے ساتھ چلو۔'' دفعتاً جمشید بولا۔

''میں پہلے ہی معذرت کرچکا ہوں مسٹر جمشید۔''

''کوئی خاص وجہ۔''

''مجھے تہہ خانوں سے وحشت ہوتی ہے۔''

''تم تنہا تو نہیں ہو۔''

''مسٹر جمشید۔''

''خیر فی الحال اس راستے کو بند کردو..... پھر دیکھوں گا۔''

''لیکن مسٹر جمشید وہ رسیدیں۔''

''اپنے مشن میں کامیاب ہوجانے کے بعد ہی ایسا کوئی قدم اُٹھا سکوں گا۔''

''لیکن آپ نے تو کہا تھا کہ.....!''

''بات کو طول دینے کی ضرورت نہیں۔'' جمشید ہاتھ اُٹھا کر خشک لہجے میں بولا۔ ''فی الحال میں اس معاملے کو آگے نہیں بڑھانا چاہتا۔ پوری طرح تحقیق کئے بغیر اسے بورڈ کے سامنے نہیں لے جاؤں گا۔''

اوزا کا دانت پیس کر رہ گیا۔ اب وہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ جمشید جسمانی قوت میں اُس سے کتنا زیادہ ہوگا۔ لیکن اس سے کیا؟ ظاہر ہے کہ وہ اُن رسیدوں کو جیب میں تو لئے نہ پھرتا ہوگا۔ اگر ایک بار اُس سے لپٹ پڑنے کی حماقت سرزد ہوگئی تو پھر اُسے مار کھانا ہی پڑے گا لیکن اس طرح وہ رسیدیں تو حاصل نہ ہوسکیں گی۔

''اگر تم میرے ساتھ چلو تو اسی وقت اُس تہہ خانے کو دیکھا جاسکتا ہے۔'' جمشید نے پھر اُسے ترغیب دینے کی کوشش کی۔

''میں کہہ چکا ہوں مسٹر جمشید۔'' اوزا کا جھنجھلا کر بولا۔ ''آخر آپ تنہا کیوں نہیں جاتے۔ کیا آپ خائف ہیں۔''

''تم پر اس حد تک اعتماد کر لینے کو جی نہیں چاہتا کہ تم یہیں کھڑے رہو اور میں تہہ خانے میں اُتر جاؤں۔ یہ پچاس لاکھ کے غبن کا معاملہ ہے مسٹر اوزا کا اور تم جبار کے دست راست تھے۔''

''تو پھر ہمیں یہاں رکنا ہی چاہئے۔'' اوزا کا نے خشک لہجے میں کہا۔

''اور کیا..... راستے بند کر دو۔'' جمشید نے کہا۔

اچانک اوزا کا کے ذہن میں ایک نئے خیال نے سر اُبھارا۔ کہیں سچ مچ غبن والی رقم تہہ خانے ہی میں نہ موجود ہو۔

''مسٹر جمشید اگر وہ رقم تہہ خانے ہی سے مل گئی تو؟'' اس نے سوال کیا۔

''کیا خیال ہے تمہارا..... میں کیا کروں گا۔''

''وہی جو ایک عقلمند آدمی کو کرنا چاہئے۔'' اوزا کا مسکرا کر بولا۔ ''غبن تو ہو چکا اور غبن کرنے والا اب اس دنیا میں موجود نہیں۔''

''تم کیا کہنا چاہتے ہو.....؟''

''اگر آپ وہ پچاس لاکھ دبالیں تو کوئی آپ کا کیا بگاڑ لے گا۔''

''تمہیں گواہ کر کے دباؤں گا.....؟'' جمشید نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

''میری زبان بند بھی تو کی جاسکتی ہے۔'' اوزا کا مسکرا کر بولا۔

''میں صرف ہڈیاں توڑتا ہوں۔ قتل نہیں کرسکتا۔''

''آپ میرا مطلب نہیں سمجھے۔'' اوزا کا نے ہنس کر کہا۔

''تو سمجھاؤ۔''

''صرف پانچ لاکھ میری زبان بند رکھنے کے لئے کافی ہوں گے۔''

''بہت خوب.....!'' جمشید نے زہریلا سا قہقہہ لگایا۔

''کیا میں نے کوئی نامناسب بات کہہ دی۔''

''نہیں..... نامناسب بھی نہیں کہی جاسکتی۔'' جمشید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''اگر پارٹنر ہی بننا چاہتے ہو تو پھر چلو میرے ساتھ تہہ خانے میں۔''

''یہ ناممکن ہے۔''

''اچھا تو پھر واپس چلتے ہیں۔''

لیکن واپسی کے لئے مڑنے بھی نہ پائے تھے کہ ایک زبردست دھماکہ سنائی دیا۔ بالکل یہ معلوم ہوا تھا جیسے عمارت کا کوئی حصہ اچانک گر پڑا ہو۔

''بھاگئے..... پرچھائیں۔'' اوزا کا چیختا ہوا دروازے کی طرف بھاگا۔ دھماکے کی آواز سنائی اور وہ اُچھل کر ایک طرف ہٹ گیا۔ ورنہ دیوار اُسی پر آئی ہوتی۔ وہ دیوانہ وار نکاسی راستے بناتا ہوا دوڑتا رہا۔ دھماکے کی آواز پھر آئی۔ اُسے قطعی ہوش نہیں تھا کہ جمشید کا کیا ہوا۔ بس وہ تو کسی ایسے آدمی کی طرح دوڑا جا رہا تھا جس کے تعاقب میں ملک الموت ہو۔ منہدم شدہ حصوں کو پھلانگتا ہوا کسی نہ کسی طرح اُس جگہ پہنچ گیا جہاں جمشید نے گاڑی روکی تھی اور پھر اوزا کا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ کیونکہ جمشید اگلی سیٹ پر بیٹھا اطمینان سے پائپ کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا۔

باہر کی طرف عمارت ملبے کے ڈھیر میں تبدیل ہو چکی تھی اور گہرا غبار فضا میں بلند ہو رہا تھا۔

جمشید نے آنکھوں کی جنبش سے گاڑی میں بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ اوزا کا کے جسم کا

ریشہ ریشہ کانپ رہا تھا۔ بہزار دقت وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ سکا تھا۔

دوسرے ہی لمحے میں گاڑی سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی۔ پائپ جمشید کے دانتوں میں دبا ہوا تھا۔ اُس کے انداز سے ایسا لگتا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

''مم..... مسٹر جمشید۔'' تھوڑی دیر بعد اوزا کا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''آخر اس ضرورت تھی۔ اگر میں مشتبہ ہوں تو مجھے سابقہ روایات کے مطابق گولی کیوں نہیں ماردی جا

''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

''مجھ سے شناختی کارڈ واپس لے لیا گیا ہے۔''

''تو پھر میں کیا کروں؟''

''اب مجھے اپنی حیثیت معلوم ہونی چاہئے۔''

''میں اسکے علاوہ اور کچھ نہیں جانتا کہ تمہاری اس وقت کی ضد نے سارا کھیل بگاڑ

''میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آخر میرے ساتھ چوہے بلی کا یہ کھیل کیوں ہو رہا ہے آپ کو تہہ خانے کے راستے کا علم نہ رہا ہوگا۔ آخر یہ غبن وغیرہ کی کہانی کیوں تراشی گئی ہے

''تمہاری کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔''

''خیر..... خیر میں بھی سر ہتھیلی پر لئے پھر رہا ہوں۔ میرا اُس قوم سے تعلق ہے جمشید جس کے افراد کی نظروں میں موت کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔''

''میں تمہاری قوم سے بخوبی واقف ہوں۔'' جمشید نے عقب نما آئینے کا زاویہ ہوئے کہا۔ وہ ایک پولیس کار کو اپنی گاڑی کے تعاقب میں دیکھ رہا تھا۔ اوزا کا سائرن گا رہا تھا۔ جمشید نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔

''پولیس ہے مسٹر جمشید۔ آپ دشواری میں پڑ جائیں گے۔'' اوزا کا بولا۔

''پولیس براہ راست آسمان سے نہیں اُترتی ہے۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''ارے بھئی ہوگی پولیس۔ اُس میں ہمارے ہی جیسے لوگ ہیں۔ ان کے حصول بناوٹ بھی ہم سے مختلف نہیں ہے۔ البتہ عقل میں ہم سے کچھ زیادہ ہی تیز ہوتے ہیں

''مسٹر جمشید۔ رفتار کم کیجئے۔ وہ گاڑی ہمارے ہی لئے آ رہی ہے۔''

''میں جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اُن سے کس طرح نپٹا جاتا ہے۔''

جمشید گاڑی کی رفتار بڑھاتا ہی رہا۔ اس دوران میں شاید پولیس کی گاڑی سے کسی ہری پٹرول کار کو پیغام پہنچا دیا گیا تھا۔ وہ اُسے آگے سے روکنے کی کوشش کرے کیونکہ وری ہی دیر بعد جمشید کو راستہ مسدود نظر آیا۔ ایک ٹرک اور ایک پٹرول کار نے سڑک روک ی تھی۔ جمشید نے رفتار کم کردی اور ٹھیک اُنہی گاڑیوں کے قریب جا رکا جنہوں نے سڑک یر لی تھی اور اسی دوران میں تعاقب کرنے والی گاڑی بھی قریب پہنچ گئی۔ دونوں گاڑیوں سے باوردی جوانوں نے اُتر کر جمشید کی گاڑی گھیر لی۔

''کیوں؟ کیا بات ہے؟'' جمشید اُنہیں گھورتا ہوا غرایا۔

''آپ کی گاڑی یاسمین کاٹیج کے سامنے کھڑی تھی۔'' ایک پولیس مین نے کہا۔

''یقیناً کھڑی تھی۔''

''وہ منہدم ہوگیا۔''

''مجھے علم ہے۔ ہم اس وقت اندر ہی تھے جب عمارت کا ایک حصہ گرا تھا۔''

''آپ کون ہیں جناب۔''

جمشید نے اپنا کارڈ نکال کر اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''میں سابق منیجر جبار ام کے کاغذات دیکھ رہا تھا۔''

''لیکن جناب..... عمارت کا انہدام.....!''

''پرچھائیں۔'' جمشید نے لاپرواہی سے کہا۔

''آپ کو نظر آئی تھی؟''

''بالکل نظر آئی تھی۔''

''اور کیا دیکھا تھا آپ نے؟''

''پرچھائیں دیکھ لینے کے بعد وہاں ٹھہرا کب تھا کہ کچھ اور بھی دیکھ سکتا۔''

''معاف کیجئے گا ہمیں علم نہیں تھا کہ آپ اسٹیل ملز سے تعلق رکھتے ہیں۔'' جوان نے کہا ور وہ سب اپنی اپنی گاڑیوں کی طرف پلٹ گئے۔ راستہ بھی صاف ہوگیا اور جمشید کی گاڑی ڑھ گئی۔

''میں تو سمجھا تھا کہ آپ مارے گئے۔'' اوزا کا ہانپتا ہوا بولا۔

''ہونہہ..... مذاق ہے۔'' جمشید نے شانے اُچکائے۔

اسٹیل ملز کے قریب پہنچ کر اوزا کا نے کہا۔ ''اب کیا خیال ہے۔ مسٹر جمشید شہ رسیدیں ملیں گی یا نہیں۔''

''سنو..... اب مجھ سے رسیدوں کی بات مت کرنا۔ محض تمہاری وجہ سے وہ کام وقت نہ ہوسکا جب اُسے ہو جانا چاہئے تھا۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''اگر تم میرے ساتھ تہہ خانے میں چلے چلتے تو.....!''

''مسٹر جمشید اگر ایسا ہوا ہوتا تو وہ تہہ خانہ ہی ہماری قبر بن گیا ہوتا۔ وہاں پہنچ کر ہمارا فرشتوں کو بھی اس کی خبر نہ ہوسکتی کہ اوپر کیا ہو رہا ہے اور مسٹر جمشید غالباً اب آپ نے یہ طے کر لیا ہوگا کہ تنظیم کو افراد کی زندگیوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ صرف اپنا اُلو سیدھا کرنا جانتی ہے۔''

''غیر متعلق باتیں مت چھیڑو۔ یہ صرف میری اور تمہاری بات ہے۔ پچاس لاکھ دونوں کے درمیان تقسیم ہوں گے۔ اُن کا اور کسی سے کوئی تعلق نہیں۔''

''شاید اسی لئے پرچھائیں وہاں آئی تھی کہ دو بے ایمانوں کا نام و نشان تک مٹ جائے مسٹر جمشید۔ آپ بھی خطرے میں ہیں۔ شاید اس لئے کہ پچاس لاکھ کی سن گن تنظیم کے سربراہ کو بھی مل گئی ہے۔''

جمشید کچھ نہ بولا۔ اوزا کا نے اُسے کنکھیوں سے دیکھا تھا اور اُسے اُس کی آنکھیں گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی نظر آئی تھیں۔ ملز کے پارکنگ لاٹ پر جمشید نے گاڑی روک دی۔

ٹھیک اُسی وقت اوزا کا کے سینے پر کھجلی ہوئی تھی اور جیسے ہی اُس نے کھجانا شروع کیا اُسے احساس ہوا کہ گلے میں لاکٹ موجود نہیں ہے۔ بوکھلا کر پورا جسم ٹٹولنے لگا۔ اُس کی کیفیت جمشید نے بھی محسوس کی اور اُسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

''کیا بات ہے.....؟'' اس نے بالآخر پوچھا۔

''میرا لاکٹ.....!''

''کیسا لاکٹ.....؟''

''میرے گلے میں ایک لاکٹ تھا۔''

''بھاگ دوڑ میں کہیں گر گیا ہوگا۔''

''ناممکن..... میں نے بوشرٹ نہیں پہن رکھی۔ قمیض ہے اور پتلون کے اندر ہے۔ زنجیر ہوتی تو لاکٹ نیچے نہ گر سکتا۔''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں۔''

''میرا لاکٹ مسٹر جمشید.....!''

''تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ تم مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو۔''

''تم مجھے وہاں لے گئے تھے میں وہ لاکٹ تم سے لوں گا۔''

''چلو اُترو، بچوں کی سی باتیں مت کرو۔''

''اُس میں میری ماں کی تصویر تھی۔'' اوزا کا بھرائی ہوئی آواز میں بولا اور پھر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا۔ جمشید حیرت سے اُسے دیکھتا رہا۔

اب تک شہر میں کئی عمارتیں ڈھیر ہو چکی تھیں اور ایک جمِ غفیر کرائم رپورٹر انور کو تلاش کرتا پھرتا تھا۔ چونکہ وہ خود اعتراف کر چکا تھا کہ تباہ کار پرچھائیں اُس کی اپنی پرچھائیں سے نکلتی تھی۔ کچھ بھلائے ہوئے لوگ اسی پر تل گئے تھے کہ انور ہی کو ختم کر دیا جائے۔ ایک بار وہ اُن کے دفتر پر بھی دھاوا بول چکے تھے لیکن وہ اُن کے ہاتھ نہیں لگا تھا۔ شہری آبادی میں تھا جب کہ اُن کے ہاتھ لگتا۔

ویرانوں میں بھٹکتا پھر رہا تھا۔ دراصل اس دوران میں پولیس بھی اُس کے پیچھے لگی رہی تھی کیونکہ اُس نے اپنے تجربے کی روداد چھپوانے کے بعد ایک اور تجربے کی روداد بھی چھاپی

تھی اور یہ کرنل فریدی کا تجربہ تھا جو اُس نے پرچھائیں کے سلسلے میں کیا تھا اور اُس سے

پوری تفصیل انور کو ڈاک کے ذریعے سے بھجوائی تھی۔ انور نے اُسے من وعن چھاپ دیا تھا

پھر کیا تھا۔ فریدی کے محکمے کے ڈی۔ آئی۔ جی نے اُسے پھر طلب کرلیا اور اس بار انور

ہی پڑا تھا۔ اُس نے فریدی کی اصل تحریر ڈی۔ آئی۔ جی کے حوالے کردی۔ پھر ڈی۔ آئی

نے اُس سے فریدی کا پتہ معلوم کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن انور کو علم ہی کہاں تھا کہ وہ

بتا دیتا اور وہ اپنی لاعلمی کا یقین ڈی۔ آئی۔ جی کو نہیں دلا سکا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ

کے محکمے کے تین آدمی انور کی نگرانی پر لگا دیئے گئے۔ انور اس سے آگاہ تھا کہ ہر وقت

تعاقب کیا جاتا ہے اور فلیٹ کی نگرانی بھی ہوتی رہتی ہے۔ اُسے اس کی پرواہ بھی

تھی۔ پریشانی تو اس وقت ہوئی تھی جب شہریوں نے اُس کا گھیراؤ کر۔ نے کی کوشش کی

بھی یہی چاہتے تھے کہ وہ اُنہیں کرنل فریدی کا پتہ بتا دے۔ اُس نے فریدی کے خ

اشاعت اس لئے کی تھی کہ اُس میں پرچھائیوں سے نپٹنے کی تدبیر درج تھی ورنہ شاید وہ دو

بار اس قسم کا کوئی خطرہ مول نہ لیتا۔

بہرحال اُسے شہر سے بھاگنا ہی پڑا تھا اور اس بھاگنے کے سلسلے میں اُس سے ایک

بھی سرزد ہوگیا تھا۔ ہوا یہ کہ جس وقت شہریوں کے ایک ہجوم نے اسٹار کے دفتر پر دھاوا

دفتر ہی میں موجود تھا۔ پچھلے دروازے سے گلی میں کود گیا اور وہاں سے ایک قصاب کی

گاڑی لے بھاگا۔ قصاب شاید قریب ہی کے ایک عوامی بیت الخلاء میں چلا گیا تھا۔ ورنہ

اتنی آسانی سے فرار نہ ہوسکتا۔

گھوڑا بڑا جاندار تھا۔ گاڑی تیز رفتاری سے راستہ طے کرتی رہی حتیٰ کہ وہ شہر سے

پہنچ گیا اور اب سوچ رہا تھا کہ کدھر کا رخ کیا جائے۔

یہاں سے دس بارہ میل کے فاصلے پر ایک قصبہ تھا وہاں کی سرکاری ڈسپنسری سے

سے اُس کی شناسائی تھی۔ اُس نے سوچا کہ وقتی طور پر اُس کے ہاں پناہ لے سکے گا۔

بس پھر گھوڑا گاڑی اُسی قصبے کے راستے پر ڈال دی گئی۔ لیکن زیادہ دور نہیں گیا تھا

راستہ رکا ہوا نظر آیا۔ ایک لمبی سی سیاہ گاڑی راہ میں حائل ہوگئی تھی۔ پھر انور سنبھلنے بھی نہیں

تھا کہ گاڑی کی ایک کھڑکی سے اسٹین گن کی نال جھانکنے لگی اور پھر ایک آدمی گاڑی سے

اسی طرف بڑھتا نظر آیا۔ قریب پہنچ کر اس نے گھوڑا گاڑی سے اُترنے کا اشارہ کیا تھا۔

''کیوں؟ کون ہو تم.....؟'' انور اُسے گھورتا ہوا بولا۔ لیکن کنکھیوں سے اسٹین گن کی

طرف بھی دیکھ لیتا تھا۔ جواب بھی اُس کی جانب اُٹھی ہوئی تھی۔

اجنبی نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اُسے خاموش رہنے کا بھی اشارہ کیا اور انور کی آنکھوں

سے اُلجھن جھانکنے لگی۔ لیکن اُسے گھوڑا گاڑی سے اُترنا ہی پڑا۔

اجنبی نے کالی گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔ انور کی نظر پھر اسٹین گن پر جا پڑی۔ وہ آدمی

بھی چوکس ہی معلوم ہوتا تھا جس کا چہرہ اسٹین گن کے پس منظر میں دکھائی دے رہا تھا۔ وہ

چپ چاپ گاڑی کی طرف چل پڑا۔ نظر بدستور اسٹین گن پر تھی۔ اچانک اسٹین گن کا زاویہ

بدلتا ہوا دکھائی دیا۔ ساتھ ہی اس سے برسٹ بھی مارا گیا۔ گولیاں انور سے دو فٹ کے فاصلے

سے گزری تھیں۔ پھر بھی وہ بے ساختہ زمین پر گر گیا۔ اجنبی پر بھی یہی ردعمل ہوا تھا۔

''سب ٹھیک ہے۔'' گاڑی سے آواز آئی۔ ''اب اُٹھ جاؤ۔'' انور نے مڑ کر دیکھا کہ

آخر برسٹ کس پر مارا گیا تھا۔ گھوڑا گاڑی کے عقب میں سفید رنگ کی ایک کار نظر آئی جس

کی ونڈ اسکرین کی کرچیاں اُڑ گئی تھیں اور اندر دو عدد بے حس وحرکت جسم بھی دکھائی دیئے۔

آخر یہ لوگ کون ہیں اور انہوں نے کن لوگوں کو مار ڈالا۔ تیزی سے یہ سوال ذہن میں اُبھرے

اور جواب کے لئے ذہن کو کسی ڈگر پر ڈالنے ہی والا تھا کہ اچانک اجنبی اس پر ٹوٹ پڑا۔

ساتھ ہی حیرتوں کے پہاڑ بھی ٹوٹ پڑے کیونکہ اجنبی اُس کی کلائی سے گھڑی اُتار لینے کی

کوشش کررہا تھا۔

''ارے.....ارے.....اس کی کیا ضرورت ہے۔ میں خود ہی اتارے دیتا ہوں۔'' وہ

ہانپتا ہوا بولا۔

اُس نے اُس کی گھڑی اُتاری اور دور پھینک دی۔

''تم پاگل تو نہیں ہو.....!'' انور حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

''نہیں فرزند، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' گاڑی کے اندر سے آواز آئی۔ ''چپ چاپ

چلے آؤ۔''

انور کے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ کیونکہ یہ آواز کرنل فریدی کی تھی۔

وہ تیزی سے آگے بڑھا اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔ دوسرا آدمی اُس کے برابر بیٹھا تھا۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے دونوں آدمیوں میں سے ایک یقیناً فریدی تھا لیکن انور شناخت نہ کر سکا کیونکہ تن و توش کے اعتبار سے دونوں یکساں تھے۔ ایک گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا اور دوسرے نے اسٹین گن سنبھال رکھی تھی۔ گاڑی تیزی سے کسی نامعلوم منزل کی طرف بڑھتی رہی ساتھ ہی انور کی الجھن میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔ چاہتا تھا کہ فریدی کسی طرح پھر بولے تاکہ اس کی شناخت ہو جائے۔ پھر کھلے شکوؤں کا دفتر۔

''آخر میری گھڑی.....؟'' انور جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گیا۔

''چپ چاپ بیٹھے رہو۔ سب ٹھیک ہے۔ اس سے زیادہ قیمتی گھڑی بدلے میں مل جائے گی۔'' اس آدمی نے کہا جس کے ہاتھ میں اسٹین گن تھی اور یہ فریدی تھا۔

''آپ کا خط چھاپتے ہی شامت آ گئی۔''

''مجھے علم ہے۔''

''اور گھوڑا گاڑی.....!''

''اور تمہاری موٹر سائیکل جواب بھی دفتر کے سامنے موجود ہوگی۔'' فریدی نے کسی قدر طنزیہ لہجے میں کہا۔

''وہ تو محفوظ ہی رہے گی لیکن گھوڑا گاڑی۔''

''جب تم اُسے لے بھاگے تھے اُسی وقت گم ہو چکی تھی۔''

''سفید گاڑی میں کون لوگ تھے؟''

''بچکانہ سوالات مت کرو۔ کیا تم اندازہ نہیں لگا سکتے۔''

''فی الحال میں اپنے نقصانات کا اندازہ لگاتا رہا ہوں۔''

''سب کا ازالہ ہو جائے گا۔ کیا یہ کم نہیں ہے کہ تمہاری جان بچ گئی ہے۔''

''اس میں تو شک نہیں۔ میرا خیال ہے کہ شہر والے آپ کے خون کے بھی پیاسے ہو رہے ہیں۔''

''ایسی صورت میں وہ حق بجانب ہیں جبکہ اپنی ان پریشانیوں کا باعث مجھے سمجھتے ہیں اور یہ بھی تمہاری ہی عنایت سے ہوا ہے۔''

''مم.....میں نہیں سمجھا۔''

''تمہارے اپنے تجربے کی رپورٹنگ نے یہ گل کھلایا تھا۔''

''پرچھائیں نے مجھے بدحواس کر دیا تھا ورنہ میں بہت سوچ سمجھ کر کوئی قدم اُٹھاتا۔''

''لیکن وہ لوگ تو یہی چاہتے تھے کہ تم کچھ سوچے سمجھے بغیر قدم اُٹھاؤ۔''

''اسکے باوجود بھی آپ کا خط شائع کرنے سے پہلے کوئی میرے قریب بھی نہیں آیا تھا۔''

''خط چھاپ دینے کی بناء پر لوگوں کو گمان ہوا ہوگا کہ تم میرا پتہ جانتے ہو۔ کیا میرے آدمی کے لوگ بھی تمہاری نگرانی نہیں کر رہے تھے۔''

''کر تو رہے تھے!''

''ڈی۔آئی۔جی صاحب کا بھی یہی خیال تھا کہ تم میرے پتے سے واقف ہو۔''

''لیکن اب کیا ہوگا.....؟''

''بس یہ سمجھ لو کہ اب تم بھی میری ہی طرح مفقود الخبر ہو گئے۔''

انور کچھ نہ بولا۔ یہ سفر مزید آدھے گھنٹے تک جاری رہا۔ پھر گاڑی ایک ایسے میدان میں رکی جہاں متعدد خیمے نصب تھے اور اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک نہر کی کھدائی کا کام جاری تھا۔

گاڑی سے اُتر کر فریدی نے انور کو اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا اور وہ دونوں ایک خیمے میں آئے۔ گاڑی وہاں سے کہیں اور چلی گئی تھی۔ فریدی نے انور سے بیٹھنے کو کہا اور خود اُسے غور دیکھتا رہا پھر بولا۔ ''گھڑی کا مسئلہ؟ کیوں؟''

''جی ہاں.....ظاہر ہے۔''

''میں نے تمہیں جو خط لکھا تھا اُس میں ایک بات رہ گئی تھی۔ میں نے یہ نہیں ظاہر کیا تھا کہ اُس ڈمی کی کلائی پر حمید کی گھڑی بندھی ہوئی تھی۔''

''کیا مطلب.....؟''

''تم دونوں کی گھڑیوں میں پرچھائیں کے ریسیور پوشیدہ تھے۔ یقین نہ آیا ہو تو اب دھوپ میں کھڑے ہو کر تجربہ کر لو۔''

''آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔''

''اب وہ پرچھائیں تمہارے طلب کرنے پر حاضری نہیں دے سکے گی۔''

''ابھی دیکھے لیتے ہیں۔'' انور اُٹھتا ہوا بولا۔

خیمے سے نکل کر دھوپ میں کھڑا ہوگیا اور وہ الفاظ دہرائے جو پرچھائیں کو طلب کرنے کے لئے ادا کرتا تھا۔

فریدی خیمے کے در سے لگا کھڑا عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ اُسے دیکھے جا رہا تھا۔ کئی منٹ گزر جانے کے باوجود بھی کچھ نہ ہوا۔

''کیا خیال ہے؟'' اُس نے انور کو اپنی طرف متوجہ کر کے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ واقعی پیچھا چھوٹ گیا۔'' انور کھسیانی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔

''واپس آ جاؤ..... کافی تیار ہے۔'' فریدی مڑ کر خیمے میں داخل ہوتا ہوا بولا۔

''آخر آپ ان لوگوں کے لئے اتنی اہمیت کے حامل کیوں ہوگئے ہیں جبکہ پرچھائیوں کا راز بھی ظاہر ہو چکا ہے؟'' انور نے سوال کیا۔

''میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے میں خود بھی متحیر ہوں۔''

''کہیں نانوتہ اور ریما کا قصہ پھر تو نہیں شروع ہوگیا؟''

''اوہ..... نہیں..... اگر یہ بات ہوتی تو وہ بے خبری ہی میں مجھ پر قابو پانے کی کوشش کرتے۔ اتنا ہنگامہ کر کے مجھے ہوشیار کر دینے کی کیا ضرورت تھی۔''

''یہ بھی درست ہے۔'' انور سر ہلا کر بولا۔

''کچھ اور ہی قصہ ہے۔''

''لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کیا آپ کا محکمہ آپ کو ان کے حوالے کر دے گا؟''

''احمقانہ سوال ہے۔''

''فرض کیجئے، یہ پرچھائیاں بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانا شروع کر دیں تو! اور یہ بات تو مجرم پہلے ہی سے واضح کر چکے ہیں کہ اگر آپ اُن کے ہاتھ نہ لگے تو وہ بڑے پیمانے پر تباہی پھیلائیں گے۔''

''بڑی دلچسپ سچویشن ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''حکومت کے لئے چیلنج ہے۔''

''آخر کتنے بڑے مجرم ہیں۔ کتنے طاقت ور ہیں۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے کوئی بہت بڑا

لشکر جرار سمیت ہمارے درمیان آ چھپا ہو۔''

''کئی غنیم ہمارے درمیان موجود ہیں۔ ہم اُنہیں پہچانتے بھی ہیں لیکن ان کے گریبان پکڑ سکتے۔''

''آخر یہ لوگ کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔''

''ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔''

''بہرحال آپ کے خط کی اشاعت کے بعد سے نشانہ باز ٹولیاں پرچھائیوں کی تلاش نکل پڑی ہیں۔ فوج بھی شہر میں گشت کر رہی ہے۔''

''یہ اچھا ہی ہوا ہے۔ اب میں سکون سے کام کر سکوں گا۔'' فریدی نے کہا اور اسٹوو کافی پاٹ اُٹھا کر پیالیوں میں کافی انڈیلنے لگا۔

حمید نے اسپورٹس کار ایک ایسی عمارت کے سامنے روکی جو پہلے بھی اس کی پناہ گاہ رہ چکی تھی۔

پامیلا کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔ ''یہ کہاں لے آئے۔ یہ تو شہری ہی آبادی معلوم ہوتی ہے۔''

''تو کیا جنگل میں رہنا چاہتی تھیں۔''

''میرا مطلب تھا یہاں تو خطرہ ہے۔''

''چلو اُترو..... اندر چل کر سوچیں گے کہ اب کیا کرنا چاہئے۔''

''اندر چلنے سے پہلے میری ایک بات سن لو۔''

''دس باتیں سناؤ، میرے کان کھلے ہوئے ہیں۔''

''اپنی ذات کے لئے اپنی مرضی کے خلاف کچھ بھی پسند نہیں کرتی۔''

''یہ تو اقلیدس کے کسی مسئلے کا دعویٰ عام معلوم ہوتا ہے۔''

''میں سنجیدگی سے کہہ رہی ہوں۔''

''اور میں نے سنجیدگی سے سن لیا ہے۔ میں ایک ذمہ دار پولیس آفیسر ہوں۔''

''اوہ..... تو کیا سچ مچ تم محکمہ سراغ رسانی کے کوئی آفیسر ہو.....؟''

''ظاہر ہے کہ جب تمہیں پہلے ہی اس کی اطلاع مل چکی ہے تو پھر میں کیوں چھپاؤں۔''

''حیرت ہے تم چوروں کی طرح نقب لگا کر ڈربی ہاؤز میں داخل ہوئے تھے۔''

''تمہارا گروہ بہت طاقتور ہے اُسکا سربراہ مجھے اور میرے باس کو گھیر کر مار ڈالنا چاہتا ہے۔''

''آہا..... میں سمجھ گئی۔ یہ وہی چکر ہے شاید۔ اخبارات میں کسی آفیسر کا نام آیا ہے، ہاں ٹھیک یاد..... کرنل فریدی..... اُف فوہ..... تو تم کرنل فریدی ہو؟''

''نہیں اُن کا اسسٹنٹ.....!''

''تمہارا نام کیا ہے؟''

''عبدالخواتین۔''

وہ عجیب سے انداز میں مسکرا کر رہ گئی اور حمید کو ایسا لگا تھا جیسے وہ اس کا مطلب سمجھتی ہو۔

وہ اندر آئے اور پامیلا چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ''اچھی خاصی جگہ ہے۔ لیکن..... ہاں تم نے اپنا کیا نام بتایا تھا.....؟''

''عبدالخواتین.....!''

''بہت مشکل نام ہے۔ کوئی عرفیت بھی تو ہوگی۔''

''پیارے.....!'' حمید چٹخارہ لے کر بولا۔

''اچھا تو پیارے اب یہ بتاؤ کہ جان کیسے بچے گی۔ وہ اتنے ہی خطرناک لوگ ہیں تمہارا باس اُن سے چھپتا پھر رہا ہے۔''

''فی الحال آرام کرو۔''

''کیا میں یہاں خود کو محفوظ تصور کر سکتی ہوں۔''

''بالکل..... میں راستے بھر دیکھتا آیا ہوں۔ ہمارا تعاقب نہیں کیا گیا۔''

''اچھا تو پیارے تمہارے اور کیا مشاغل ہیں۔''

''اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ گولیوں کی بوچھاڑ میں بھی خوب صورت عورتوں کے بارے سوچتا رہتا ہوں۔''

''شاید آج تک کسی نے تمہیں منہ نہیں لگایا۔''

''ہمیشہ میک اپ میں رہتا ہوں۔ اس لئے آج تک کسی نے اصلی منہ دیکھا ہی نہیں۔''

''خیر..... خیر..... مجھے اس سے کیا بحث..... یہ بتاؤ کہ خوردونوش کا کیا ہوگا۔ مجھے باورچی خانے کا تجربہ نہیں ہے۔''

''ڈربی ہاؤز میں تنہا رہتی تھیں وہاں کیا ہوتا تھا۔''

''ہوٹل سے کام چلتا تھا۔''

''یہاں بھی چل سکتا ہے۔''

''لیکن پیارے۔ میں اب کسی ہوٹل تک جانے کی جرأت نہیں کر سکتی۔''

''ایسا میک اپ کروں گا کہ کوئی قریب سے بھی تمہیں نہ پہچان سکے گا۔''

''اگر ایسا ہو جائے تو ٹھیک ہے۔''

''ایسا ہی ہوگا۔ ہم دونوں نہایت سکون سے زندگی بسر کر سکیں گے۔''

''لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں ایٹمی تحقیقاتی ادارے سے تعلق رکھتی ہوں۔''

''ایک ماہ کی میڈیکل چھٹی لے لو۔''

''ہر مسئلے کا حل تمہاری نوک زبان پر رکھا رہتا ہے۔'' وہ کسی قدر جھنجھلا کر بولی۔

''اسی لئے ہر عورت وقتی طور پر مجھے بے حد پسند کرتی ہے۔''

''بیوقوف مرد ہر عورت کی کمزوری ہے اور تم تو احمقوں کے سرتاج معلوم ہوتے ہو پیارے۔''

''شکریہ.....!''

''کیا بُرا مان گئے؟''

''قطعی نہیں۔ احمق ہونا میری دانست میں شرافت کی معراج ہے۔''

''کسی قدر فلسفی بھی لگتے ہو۔''

''صرف عورت کی حد تک..... بقیہ معاملات میں آتش فشاں کا دہانہ سمجھ لو۔''

''مجھے یقین ہے۔ میں دیکھ چکی ہوں جس بے دردی سے تم نے اسے مارا تھا۔ خیر ہا

تو میں کہنا چاہتی تھی کہ کیا مجھے بھی اپنی اصلی شکل نہیں دکھاؤ گے؟''

''ضرور دکھاؤں گا۔ لیکن اس سے پہلے تمہاری اسپورٹ کار کا کچھ کرنا ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اس کی وجہ سے تم پہچانی جاسکو گی۔''

''لیکن تم اس کا کیا کرو گے؟''

''اندر لاکر گیراج میں بند کردوں گا۔''

''پھر پیدل مارے مارے پھریں گے۔''

''یہاں دوسری گاڑی بھی موجود ہے۔''

''آہا تو خاصے مال دار بھی معلوم ہوتے ہو۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس صورت حال کو کس زاویئے سے دیکھا جائے۔ کہیں یہ بھی ڈرامہ تو نہیں تھا۔ یہ عورت اس لئے تو پیچھے نہیں لگی کہ اُس کے توسط سے فریدی تک پہنچ جائے۔

''کیا سوچنے لگے؟'' پامیلا تھوڑی دیر بعد بولی۔

''سوچ رہا تھا کہ تمہیں الزبتھ ٹیلر کی ہم شکل کیوں نہ بنادوں۔''

''خوش ذوق معلوم ہوتے ہو۔'' وہ طنزیہ انداز میں بولی۔

''ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ لنچ کا وقت ہو رہا ہے۔'' وہ گھڑی پر نظر ڈالتی ہوئی بولی۔

''اس وقت تو میں یہیں لنچ لے آؤں گا۔ کیونکہ تمہارے میک اپ میں وقت لگے گا۔''

پھر حمید نے اسپورٹس کار گیراج میں کھڑی کی تھی اور گیراج میں پہلے سے موجود فوکسی باہر نکالی تھی۔

پھاٹک سے گاڑی نکل ہی رہی تھی کہ بائیں جانب سے آنے والی ایک گاڑی پھاٹک ہی میں داخل ہونے کے لئے مڑی۔ اس طرح فوکسی کا راستہ رک گیا۔ گاڑی میں صرف ایک ہی فرد تھا جس پر نظر پڑتے ہی اسٹیئرنگ پر حمید کے ہاتھ کانپ گئے۔ لیکن اس نے گاڑی کو ریورس گیئر میں ڈال کر بڑی پھرتی سے پیچھے ہٹالیا۔

دوسری گاڑی سر پر چڑھی آرہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے ٹکراؤ ہوکر رہے گا۔ کیونکہ گاڑی چلانے والے کے چہرے پر آنکھیں نہیں تھیں، آنکھوں کی جگہ دو تاریک گڑھے تھے۔

حمید نے فوکسی کا دروازہ کھولا اور لان پر کود گیا۔ دوسری گاڑی فوکسی کے بمپر سے ایک بالشت کے فاصلے پر رکی تھی اور پھر حمید نے ڈرائیور کا قہقہہ سنا۔

اس کا ہاتھ ریوالور کے بغلی ہولسٹر کی طرف جا ہی رہا تھا کہ آواز آئی۔ ''نہیں کیپٹن اس کی ضرورت نہیں۔ یہ امن کا مشن ہے اور میں صرف ایک روبوٹ ہوں۔ تم اپنی گولی ضائع نہ کرو۔ باس تمہیں صرف یہ بتانا چاہتا ہے کہ تم اُس کی نظروں سے پوشیدہ نہیں ہو۔

''مجھے بھی یقین نہیں تھا کہ میں خود کو پوشیدہ رکھنے میں کامیاب ہوگیا ہوں۔'' حمید نے کہا۔

''باس کہتا ہے کہ اگر پامیلا تمہیں پسند ہے تو تم اُسے اپنے ساتھ رکھ سکتے ہو۔''

''باس کا بہت بہت شکریہ! پامیلا مجھے پسند ہے۔''

''اب ذرا مجھ پر سے نظر ہٹا کر اپنے چاروں طرف دیکھو۔'' روبوٹ سے آواز آئی۔

حمید نے بوکھلا کر اُس پر سے نظر ہٹائی ہی تھی کہ چکرا کر رہ گیا۔ کئی پرچھائیاں اُسے گھیرے کھڑی تھیں..... حمید تھوک نگل کر رہ گیا۔

''لیکن کیپٹن حمید۔'' روبوٹ سے آواز آئی۔ ''اس وقت یہ پرچھائیاں امن کے مشن پر ہیں۔''

''م..... میں نہیں سمجھا۔'' حمید بدقت بولا۔

''ایک تجربہ تم نے اور کرائم رپورٹر انور نے جھریالی کے میدان میں کیا تھا۔ دوسرا تجربہ چیف نے تمہاری گھڑی کی مدد سے کیا تھا۔

اب اگر تم چاہو تو ایک بار پھر اپنے چیف ہی کی طرح پر چھائیوں کے مخرج پر گولی چلا دو۔''

''مجھے اس قسم کی غیر شاعرانہ حرکتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

''تمہاری اطلاع کے لئے اب اُن کا ایئر کرافٹ گنیں بھی کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی۔ اپنے ماہر فوج کو بھی ہمارے خلاف حرکت میں لے آؤ۔ پھر دیکھو کیا ہوتا ہے۔''

''فوج میرے اختیار میں نہیں ہے۔'' حمید نے جواب دیا۔

''کیپٹن حمید، صرف تین دن کی مہلت دی جارہی ہے۔ تمہارے چیف کو..... دن ہم تباہی مچادیں گے۔''

''کس بات کی مہلت.....وضاحت کرو۔''

''اگر تمہارا چیف تین دن کے اندر اندر خود کو ہمارے حوالے نہیں کر دیتا تو تم تصور کر سکتے کہ کیا ہوگا۔''

''آخر میرے چیف کے کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں کہ تم لوگ اتنا کر رہے ہو۔ کسی فلمی ہیروئن کو تاکا ہوتا۔''

''کیپٹن حمید! یہ ایک عالمی مسئلہ ہے۔ تمہارا چیف عالمی مسائل میں ٹانگ اڑا رہا ہے۔ ہم اُسے سبق دیں گے۔''

''یہ کھیل ایک فلم کی شوٹنگ سے شروع ہوا تھا۔''

''اُس کی اہمیت نہیں ہے۔ ہم نے صرف اس خیال سے وہ فلم تم لوگوں کے ہاتھ نکالنے کی کوشش کی تھی کہ ہم فی الحال پر چھائیوں کی پبلسٹی نہیں چاہتے تھے۔''

''بہرحال پبلسٹی ہوگئی.....اور تم نے خود کی۔ جس کے نتیجے میں اس وقت ہم پر چھائیوں کے نرغے میں ہوں۔ اگر میرے چیف سے کوئی شکائت تھی تو تم نے اُس واقعات سے پہلے ہی کیوں نہیں ہاتھ ڈال دیا تھا۔ اُس وقت وہ بے خبری میں چوٹ کھاتا۔ ظاہر ہے کہ تنظیم یہاں بہت عرصہ سے کام کر رہی ہوگی۔''

''اس سوال کا جواب صرف کرنل فریدی کو دیا جاسکتا ہے۔ تمہیں نہیں۔''

''خیر.....لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کرنل کو کیسے مطلع کروں۔''

''کوئی بہانہ کارگر نہیں ہوگا۔ تم کرنل فریدی کیساتھ ہی ڈربی ہاؤز میں داخل ہوئے تھے۔''

''تمہیں علم تھا تو وہیں ہاتھ ڈال دیا ہوتا۔''

''اُس کے فرار ہوجانے کے بعد ہمیں علم ہوسکا تھا۔''

''یقین کرو اس وقت مجھے علم نہیں ہے کہ کرنل کہاں ہوں گے۔ وہ جگہیں تبدیل کرتے رہتے ہیں۔''

''ہم کچھ نہیں جانتے صرف تین دن کی مہلت دی جاتی ہے۔''

''پر چھائیاں مجھے کب تک گھیرے رہیں گی۔''

''اوہ.....اچھا.....یہ لو.....غائب ہوگئیں۔''

یہ ہی اس نے جملہ پورا کیا سچ مچ پر چھائیاں غائب ہوگئیں اور حمید منہ اُٹھا کر اوپر

فضول ہے کیپٹن حمید۔ اب تمہیں پر چھائیوں کے مخرج مشکل ہی سے نظر آئیں رہاں تو یہ گاڑی بھی تمہارے لئے ہے۔''

''کک.....کون سی۔''

یہی.....جس پر میں بیٹھا ہوا ہوں۔ یہ شمسی بیٹری سے چلتی ہے۔ پٹرول کی ضرورت ں آئے گی اور یہ صرف اس لئے تمہیں دی جارہی ہے کہ تم اپنے چیف کو تلاش کرو۔''

اس کی ضرورت نہیں ہے۔ بہت گاڑیاں ہیں۔''

کیپٹن حمید بچوں کی سی باتیں نہ کرو۔ تمہارے محکمے نے بھی تم دونوں کو مفرور قرار دے اگر دھر لئے گئے تو اپنے چیف تک نہیں پہنچ سکو گے۔''

یہ بات تو ہے۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''لیکن اگر میں نے یہ گاڑی لے لی تو تم کیسے ؤ گے؟''

میری فکر نہ کرو.....قریب آؤ اور گاڑی کو چلانے کا طریقہ سمجھ لو.....آؤ.....آؤ ڈرو نہیں۔''

کس بات کا۔'' حمید اکڑ کر بولا اور کھڑکی کے قریب جا کر کھڑا ہوگیا۔

یہ دیکھو.....اس میں ایکسیلیریٹر نہیں ہے۔ اسپیڈ کنٹرولر ہے۔ جو ہاتھ ہی سے آپریٹ ہوگا۔ آٹو میٹک گیئرز۔ بس تمہیں صرف اسٹیئرنگ اور بریک سے سروکار ہوگا۔ اب جاؤ۔''

پر پیچھے ہٹ آیا اور روبوٹ نے گاڑی کا دروازہ کھولا۔ حمید پوری طرح تیار تھا۔ کسی گڑبڑ کی صورت میں اپنے بچاؤ کی کوشش تو کرنی ہی پڑتی۔ روبوٹ گاڑی سے اُترا آہستہ چلتا ہوا لان کے وسط میں آ کھڑا ہوا۔ حمید حیرت سے اُسے دیکھے جارہا تھا۔ جسم سے چٹ چٹ کی آوازوں کے ساتھ چنگاریاں نکلنے لگیں پھر پورے سراپے میں لگ گئی۔ حمید جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ جلتے ہوئے حصوں سے کولتار سے مشابہ کوئی

چیز پگھل پگھل کر زمین پر ڈھیر ہوتی رہی اور پھر وہ پورا کا پورا اُسی قسم کے ڈھیر میں تبدیل ہو گیا۔

حمید نے عمارت کی طرف دوڑ لگائی۔ برآمدے کے ایک ستون کے پیچھے پامیلا کھڑی تھی۔

''مجھے کچھ نہ بتاؤ۔'' وہ ہانپتی ہوئی بولی۔ ''سب کچھ دیکھ اور سن چکی ہوں۔''

''وہ گاڑی۔''

''کیا تم اُسے استعمال کرو گے؟''

''کیوں نہ کروں؟''

''اول درجے کی بے وقوفی سرزد ہو گی تم سے۔''

''اور تمہیں بھی معاف کر دیا گیا ہے۔ تم آزادی سے میرے ساتھ باہر نکل سکتی ہو۔''

''اور تمہارے چیف کو تلاش کر سکتی ہوں۔'' اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''ضروری نہیں ہے کہ میں اس مہم پر بھی تمہیں ساتھ لے جاؤں۔''

''میں کہیں بھی تنہا نہیں رہ سکتی۔''

''تو پھر ہمہ وقت ساتھ رہے گا۔''

''اس چکر میں نہ پڑو۔ خاموشی سے ایک طرف بیٹھو۔''

''آخر کیوں؟''

''میں اُن لوگوں کو تم سے زیادہ جانتی ہوں۔ اُن کی کسی بات پر اعتبار نہیں کر سکتے۔''

اوہ..... وہ کون آ رہا ہے؟'' دفعتاً پامیلا چونک کر بولی اور حمید تیزی سے مڑ کر پھاٹک کی طرف دیکھنے لگا۔ دل کی دھڑکن تیز ہو گئی کیونکہ جیروم پھاٹک سے گزر کر عمارت کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک تھی اور وہ اُسی میک اپ میں تھا جس میں حمید نے اُسے چھوڑا تھا۔

''کک..... کون ہے؟'' پامیلا ہکلائی۔

''فکر نہ کرو..... اپنا ہی آدمی ہے۔ لیکن مجھے اس میک اپ میں نہیں پہچان سکے۔''

جیروم پورچ میں پہنچ کر رک گیا۔ وہ دونوں برآمدے میں کچھ اور آگے بڑھ آئے۔

''مجھے مسٹر عدنان خلیلی سے ملنا ہے۔'' جیروم نے کہا۔

''تم کون ہو؟'' حمید نے آواز بدل کر سوال کیا۔

''ان کا ایک دوست۔''

''یہاں کوئی عدنان خلیلی نہیں رہتا۔''

''یہ ناممکن ہے۔''

''بڑے وثوق سے کہہ رہے ہو۔'' اس بار حمید نے اپنی اصل آواز میں کہا تھا۔

جیروم اُچھل پڑا اور پھر ہذیانی انداز میں قہقہہ لگا کر بولا۔ ''دیکھا تم نے۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا تھا۔''

''لیکن تمہیں پتا کیسے معلوم ہوا۔''

''مجھے معاف کر دیا گیا ہے اور تمہاری حقیقت بھی مجھ پر ظاہر کر دی گئی ہے۔ تم ایک سی آفیسر ہو اور کیپٹن حمید کہلاتے ہو۔ مجھ سے کہا گیا ہے کہ تمہارے پاس جاؤں اور تمہاری مدد کروں۔''

''کس سلسلے میں؟''

''تمہارے چیف کو تلاش کرنے کے سلسلے میں۔''

حمید چکرا کر رہ گیا۔ آخر مقصد کیا ہے ان حرکتوں کا؟ یہ کیسے لوگ ہیں؟ ان کا انداز تو سچ مچ ایسا ہی ہے جیسے حقیقتاً یہ خود ہی یہاں کے حکمران ہوں اور صرف کرنل فریدی کو اپنا حریف سمجھتے ہوں۔

تھوڑی دیر بعد بے حد نرم لہجے میں جیروم سے بولا۔ ''اچھی بات ہے۔ اندر جاؤ اور آرام کرو۔ فی الحال ہم ذرا باہر جا رہے ہیں۔''

''آپ کی تعریف!'' جیروم نے پامیلا کی طرف ہاتھ اُٹھا کر پوچھا۔

''اپنے کام سے کام رکھو۔ حمید نے بگڑ کر کہا اور پامیلا کا ہاتھ پکڑ کر روبوٹ والی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔''

جیروم جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ حمید پامیلا سمیت گاڑی کے قریب پہنچ گیا۔

''یہ آخر ہے کون؟'' پامیلا نے آہستہ سے پوچھا۔

''تمہارے ہی گروہ کا ایک آدمی جسے حکم دیا گیا تھا کہ اپنی محبوبہ کو قتل کردے۔ میں
وقت پر پہنچ گیا اور اُس بیچاری کی جان بچ گئی۔''

''تو یہ اُسے قتل کرنے جارہا تھا۔''

''اُدھ مری تو کرہی چکا تھا۔ جب میں پہنچا۔''

''میں سچ مچ پاگل ہوجاؤں گی۔''

''دماغ کو ٹھنڈا رکھنے کی کوشش کرو۔ ایسے دیدہ دلیر مجرم آج تک میری نظر سے نہیں
گزرے۔ چلو بیٹھو اُدھر.....!''

''پھر کہتی ہوں کہیں کسی اور دشواری میں نہ پڑ جاؤ۔''

''دیکھا جائے گا.....چلو بیٹھ جاؤ۔''

اپنے انداز سے ہچکچاہٹ ظاہر کرتی ہوئی وہ بیٹھ گئی۔ حمید نے اسٹارٹر کے پش سوئچ کی
طرف ہاتھ بڑھایا لیکن جیسے ہی اُس پر انگلی رکھی اسٹیئرنگ کے وسط سے تیز قسم کی روشنی نکل کر
اس کے چہرے پر پڑی اور اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اُس کے حواس خمسہ معطل ہوگئے ہوں۔
روشنی کے ساتھ ہی اسٹیئرنگ کے وسط سے عجیب طرح کی آواز کا بھی اخراج ہونے لگا۔ لیکن
آواز جو تیز نہیں تھی لیکن کانوں کے راستے اس طرح ذہن میں اُتر رہی تھی جیسے اُس نے اور
ساری آوازوں کو دبالیا ہو۔ اس آواز کے علاوہ وہ اور کچھ سن ہی نہیں سکتا تھا۔ قریباً ایک منٹ
تک یہی کیفیت رہی اور اُسکا ذہن شل ہوکر رہ گیا۔ پھر پامیلا نے ڈیش بورڈ کے کسی دوسرے
میکنزم پر ہاتھ ڈالا اور وہ روشنی آواز سمیت اسٹیئرنگ کے وسطی حصے سے غائب ہوگئی۔

حمید بے حس وحرکت بیٹھا رہا۔ اس کا ذہن کسی سلیٹ کی سطح کی طرح صاف ہوگیا تھا۔
وہ کچھ بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔ حتیٰ کہ اس وقوعے کا نقش بھی ذہن سے مٹ گیا تھا۔ اس کی
آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن وہ دیکھ نہیں سکتا تھا۔ پامیلا نے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالی اور گاڑی
سے اُتر کر برآمدے کی طرف بڑھ گئی۔ جہاں جیروم کھڑا ہوا تھا۔ اُسے اپنی طرف آتے دیکھ کر
وہ برآمدے سے پورچ میں اُتر آیا۔

دونوں کچھ دیر تک آپس میں سرگوشیاں کرتے رہے۔ پھر پامیلا نے اُسے اندر جانے کا
اشارہ کیا۔ اس دوران میں اُس کی نظر بار بار گھڑی پر پڑتی رہی تھی۔ جیروم کے اندر چلے

کے بعد وہ پھر گاڑی کی طرف پلٹ آئی۔ دروازہ کھولا اور حمید کے برابر بیٹھ گئی۔ اب
ن کی نظر گھڑی ہی پر تھی۔ حمید پہلے ہی کی طرح بے حس وحرکت بیٹھا ہوا تھا۔ آنکھیں
ولی تھیں لیکن پلکیں نہیں جھپک رہی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد پامیلا نے کہا۔ ''کیپٹن حمید! کیا تم میری آواز سن رہے ہو۔''

''ہاں سن رہا ہوں۔'' حمید کے صرف ہونٹ ہلے تھے۔ پلکیں اب بھی نہیں جھپکی تھیں۔

''تمہیں میری ہدایات پر عمل کرنا ہے۔ بائیں جانب اپنے دیدے گھماؤ۔''

حمید کی آنکھیں ڈیش بورڈ کی بائیں جانب نگراں ہوگئیں اور اُس سمت ایک گوشے میں
ننھا سا اسکرین روشن ہوتا نظر آیا۔

''کیپٹن حمید.....کیا تمہیں یہ روشن اسکرین دکھائی دے رہا ہے؟'' پامیلا نے سوال کیا۔

''ہاں دکھائی دے رہا ہے۔''

''اس پر تمہیں جو تحریر نظر آئے اُسے اس طرح پڑھنا جیسے کوئی اعلان کررہے ہو۔ کیا تم
کرو گے؟''

''تم کہو گی تو ضرور کروں گا۔''

پامیلا نے پھر ڈیش بورڈ کا ایک بٹن دبا کر کہا۔ ''اچھی بات ہے۔ تو اسی اعلان کو بار بار
کرتے رہو۔''

اسکرین پر تحریر نظر آنے لگی اور حمید نے اعلان کرنے کے سے انداز میں اُسے پڑھنا
شروع کردیا۔

''خواتین وحضرات! مجھے افسوس ہے کہ آپ کی تفریح میں مخل ہورہا ہوں۔ میں کیپٹن
کرنل فریدی کا اسسٹنٹ آپ سے مخاطب ہوں۔ پرچھائیوں والے خوف ناک لوگ
چاہتے ہیں کہ کرنل فریدی کو اُن کے حوالے کردیا جائے۔ لیکن کرنل فریدی کا سراغ نہیں مل
رہا۔ اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہا کہ آپ لوگ شہر خالی کردیں۔ اُن خوف ناک
لوگوں نے صرف تین دن کی مہلت دی ہے۔ چوتھے دن پرچھائیاں شہر کی عمارت کو مسمار کرنا
شروع کردیں گی۔ خدا کیلئے شہر چھوڑ دیجئے۔ بہت بڑے پیمانے پر تباہی پھیلنے والی ہے۔''

اس کے بعد فوراً ہی اسکرین تاریک ہوگیا اور پامیلا نے ڈیش بورڈ کے کئی سوئچ آف

کئے اور گاڑی سے اُتر کر اُس کے دروازے پر آئی جدھر حمید بیٹھا ہوا تھا۔ دروازہ کھول کر اس کا ہاتھ پکڑتی ہوئی بولی۔ ''اب اُتر آؤ.....اور میرے ساتھ اندر چلو۔''

حمید نے چپ چاپ تعمیل کی اور وہ اُس کا ہاتھ پکڑے ہوئے اندر لائی۔ جیرومز کے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے اُسے باہر جانے کا اشارہ کیا اور حمید کو دیوان پر بٹھاتی ہوئی بولی۔ ''اب تم سو جاؤ گے اور جب سو کر اُٹھو گے تو تمہیں روبوٹ .....گاڑی اور اپنی کیفیت کے بارے میں کچھ بھی یاد نہیں رہے گا۔ لیٹو اور سو جاؤ۔''

حمید دیوان پر لیٹ گیا اور دوسرے ہی لمحے میں اُس کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ باہر اس نے وہ عجیب وغریب گاڑی اسٹارٹ کی تھی اور اُسے پھاٹک کی طرف موڑ رہا تھا۔



ریڈیو پر ایک مقبول پروگرام ہو رہا تھا۔ یہ پروگرام اتنا ہی پسندیدہ تھا کہ لوگ اپنے کام چھوڑ کر اُس کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ اچانک پروگرام کے دوران ہی میں آواز غائب ہوگئی جیسے ٹرانسمیشن میں کوئی گڑبڑ ہوئی ہو۔ پھر سیٹیاں سی بجنے لگیں اس کے بعد آواز آئی تھی اُس کا اس پروگرام سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ کوئی کہہ رہا تھا۔

''خواتین وحضرات! مجھے بے حد افسوس ہے کہ آپ کی تفریح میں مخل ہو رہا ہوں۔ میں کیپٹن حمید، کرنل فریدی کا اسسٹنٹ آپ سے مخاطب ہوں۔ پرچھائیوں والے خوف ناک لوگ چاہتے ہیں کہ کرنل فریدی کو اُن کے حوالے کر دیا جائے۔ لیکن کرنل فریدی کا سراغ نہیں مل رہا۔ اب اُس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہا کہ آپ لوگ شہر خالی کر دیں۔ ان خوف ناک لوگوں نے صرف تین دن کی مہلت دی ہے چوتھے دن پرچھائیاں شہر کی عمارات کو مسمار کرنا شروع کر دیں گی۔ خدا

کے لئے شہر چھوڑ دیجئے۔ بڑے پیمانے پر تباہی پھیلنے والی ہے۔''

لوگ سناٹے میں آ گئے۔ چہرے دھواں ہو گئے تھے۔ پھر سیٹیاں سی بجی تھیں اور وہی پروگرام شروع ہو گیا تھا۔

لیکن اب کسے ہوش تھا کہ اس پروگرام کو سنتا۔ ریڈیو بند کر دیئے گئے، لوگ گھروں سے نکل پڑے۔ سڑکوں پر جگہ جگہ ہجوم نظر آنے لگے۔ ذرا ہی سی دیر میں ایسا معلوم ہونے لگا جیسے شہر نہیں آدمیوں کا جنگل ہو۔

''پولیس کی گاڑیاں ریڈیو اسٹیشن کی طرف دوڑی تھیں۔ ہوم سیکریٹری آئی جی پر برس رہا تھا اور فریدی کے محکمے پر تو جیسے بجلی گری تھی۔ بڑے آفیسر چیخ رہے تھے کہ آخر کیپٹن حمید کا ریڈیو اسٹیشن کیوں دوڑا گیا اور ریڈیو کے حکام اس پر کیسے آمادہ ہو گئے کہ اوپر سے ملے بغیر کسی آرڈر کے بغیر اُسے اس قسم کا کوئی اعلان کرنے دیا۔ آخر ہوم سیکریٹری نے ریڈیو کے ذمہ داران سے جواب طلب کر لیا اور تب یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ ریڈیو والے حیران ہیں۔ پروگرام کے دوران میں اُن کا ٹرانسمیٹر اچانک ناکارہ ہو گیا تھا۔ وہ نہیں جانتے کہ وہ حیرت انگیز اعلان کہاں سے ہوا تھا۔ پھر ہوم سیکریٹری نے پولیس کے بڑے حکام کی میٹنگ طلب کر لی۔ ان میں فریدی کے محکمے کا ڈی آئی جی بھی تھا۔ وہ خاموشی سے میٹنگ کی کارروائی دیکھتا اور سنتا رہا تھا۔ آخر ضبط نہ کر سکا اور اُسے بولنا ہی پڑا۔

''میرا خیال ہے کہ کیپٹن حمید مجرموں کے ہتھے چڑھ گیا ہے اور اُنہوں نے اُسے اس پر مجبور کر دیا ہوگا۔ جو لوگ ایسی تباہ کار پرچھائیاں تخلیق کر سکتے ہیں ان کے لئے ہمارے دشمن پر اثر انداز ہونا کیا مشکل ہوگا۔''

''کرنل فریدی محکمے سے رابطہ کیوں نہیں قائم کرتا۔'' ہوم سیکریٹری میز پر ہاتھ مار کر دھاڑا۔

''اس کا جواب تو وہی دے سکے گا۔''

''محکمے میں اس بدنظمی کے ذمہ دار آپ ہیں۔''

''ہو سکتا ہے آپ درست کہہ رہے ہوں۔ لیکن شاید آپ کو علم نہیں کہ فریدی نے اس سے پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا اور اُس کا مشورہ تھا کہ اس کیس کو آئی ایس آئی کے سپرد کر دیا جائے کیونکہ یہ دفاعی نوعیت کا مسئلہ بھی بن سکتا ہے۔ لیکن آئی ایس آئی کے

ڈائریکٹر جنرل نے اس مشورے کو قابل اعتبار نہیں سمجھا تھا اور ہمارے محکمے کے ڈائریکٹر جنرل صاحب نے بھی فریدی کی رائے سے اتفاق نہیں کیا تھا۔''

ہوم سیکریٹری ڈائریکٹر جنرل کی طرف مڑا۔

''جی ہاں! یہ درست ہے۔'' ڈائریکٹر جنرل نے مردہ سی آواز میں کہا۔

''لیکن میں نے تو صرف آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر جنرل کی رائے سے اتفاق کیا تھا محض اس لئے کہ وہ دفاع کے معاملات کو ہم سے بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔''

''میں آپ کے محکمے کی بے ضابطگیوں کی بات کر رہا ہوں۔''

''جناب عالی! نوٹس مشتہر کرادیا گیا ہے۔ اگر وہ ایک ہفتے کے اندر اندر اصالتاً جواب دہی نہیں کرتا تو یک طرفہ کارروائی کی جائے گی۔''

''اور وہ کارروائی کیا ہوگی؟''

''ملازمت سے برطرفی۔''

''میں بھی کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔'' ڈی آئی جی بولا اور ڈائریکٹر اُسے اس طرح گھورنے لگا جیسے کچا چبا جائے گا۔

''کہئے..... کیا کہنا چاہتے ہیں؟'' ہوم سیکریٹری نے کہا۔

''وہ ملازمت برائے ملازمت نہیں کر رہا۔ ملازمت سے برطرف ہوجانے کے بعد بھی وہ اپنا کام جاری رکھے گا۔''

''میں اُس کی بیک گراؤنڈ سے واقف ہوں۔'' ہوم سیکریٹری بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

''بہرحال میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اُسے حاضری پر مجبور کرنا موت کے منہ میں جھونکنے کے مترادف ہوگا۔''

''اور جو یہ تباہی پھیل رہی ہے اُس کی وجہ سے؟''

''تو گویا اس تباہی سے بچنے کیلئے اُس مخلص ترین آدمی کو مجرموں کے حوالے کردیا جائے۔''

''یہ میٹنگ آپ کا وعظ سننے کے لئے طلب نہیں کی گئی۔''

''مجھے افسوس ہے۔'' کہہ کر ڈی آئی جی بیٹھ گیا۔

حقیقت تو یہ تھی کہ کسی کی سمجھ ہی میں نہیں آرہا تھا کہ میٹنگ کیوں طلب کی گئی؟

میں کیا طے پانا ہے۔

''سوال تو یہ ہے کہ کیا مجرم صرف یہی چاہتے ہیں کہ فریدی اُن کے ہاتھ آجائے۔'' ڈائریکٹر جنرل نے کہا۔

''مجھے صرف اس سے غرض ہے کہ وہ رپورٹ کیوں نہیں دیتا۔'' ہوم سیکریٹری نے میز پر مارکر کہا۔

''میں پھر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔'' ڈی آئی جی بولا۔

''کہئے؟''

''جب بھی معاملہ غیر ملکیوں کا ہوتا ہے تو وہ اسی طرح محتاط ہوجاتا ہے۔ اُس کا خیال ہے ایسے مواقع پر نہیں کہا جاسکتا کہ کون کون پہلے ہی سے بکا ہوا ہے۔ مثال کے طور پر میں رشا-سترى والے کیس کو پیش کرسکتا ہوں۔''

''میں اُس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ یہاں نہیں تھا۔''

''جیرالڈ ہمارے آپریشن روم سے اپنے گروہ کو ہدایت دیا کرتا تھا اور بالآخر فریدی ہی نے اسے پہچان کر پکڑا تھا اور اُس نے خودکشی کرلی تھی۔ بہرحال کہنے کا مطلب یہ کہ وہ ہمارے ہی کسی آدمی کی غفلت یا سازش سے آپریشن روم تک پہنچا ہوگا اور اس کیس میں ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ کسی بڑی طاقت کا کھیل ہے یا کسی خبیث ذہن کی انفرادی کوشش۔''

''تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنی کارگزاریوں کو پوشیدہ رکھنے کے لئے خود غائب ہوگیا ہے۔''

''میرا یہی خیال ہے جناب۔''

''اُس کے اس تجربے سے کس حد تک فائدہ اٹھایا گیا جو اُس نے کرائم رپورٹر..... کیا فائدہ اُس کا.....؟''

''انور..... جناب! اسٹار کا کرائم رپورٹر۔''

''ہاں ہاں تو انور کے توسط سے پہنچنے والے تجربے سے کیا فائدہ اٹھایا آپ لوگوں نے۔''

''صد فی صد کامیابی ہوئی تھی۔ ہمارے نشانہ بازوں نے کئی مخرجوں کو نشانہ بنایا اور وہ لاشیں غائب ہوگئیں۔ لیکن اب انہوں نے اس کا انتظام بھی کرلیا ہے۔ جیسے ہی کسی مخرج

کی طرف رائفل کی نال اٹھتی ہے اُس میں سے اتنی تیز روشنی خارج ہوتی ہے کہ نشانہ باز کی آنکھیں بند ہوجاتی ہیں اور مخرج اپنا راستہ بدل دیتا ہے۔''

''اب دیکھو نا اسے کہتے ہیں حماقت۔'' ہوم سیکریٹری ہاتھ جھٹک کر بولا۔ ''آخر اس تجربے کی پبلسٹی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر خاموشی سے یہ کام ہوتا تو وہ لوگ اتنی جلدی اس اڑنے والی شے میں کوئی تبدیلی نہ کرسکتے۔''

''میری دانست میں اُس نے پبلک کو تیار کرنے کی کوشش کی تھی کہ وہ خود ہی ان حالات سے نپٹنے کے قابل ہوجائے۔ کیونکہ یہ تو معلوم ہی نہیں ہوپاتا کہ وہ پرچھائیاں کب اور کہاں نظر آئیں گی۔''

''میں شروع سے محسوس کررہا ہوں کہ آپ اس کے طرف دار ہیں۔''

''میں اس کا طرف دار نہیں بلکہ اُسے اچھی طرح جانتا ہوں اور اب آخری بات کہنا چاہتا ہوں۔''

''وہ بھی کہہ ڈالئے۔'' ہوم سیکریٹری نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''فریدی زیادہ سے زیادہ وجہ جرم معلوم کرسکے گا۔ اس کے آگے اُس کے بس کا روگ نہیں۔ مناسب یہی ہوگا کہ یہ معاملہ کلی طور پر فریدی کے سپرد کردیا جائے۔''

''میں اس رائے سے متفق ہوں۔'' ڈائریکٹر جنرل نے کہا۔ ''اور مجھے بے حد افسوس ہے کہ میں نے اُسی وقت فریدی کی رائے سے اتفاق کیوں نہیں کیا تھا۔''

''اُوہ..... تو اسے ایک طرح سے نااہلی کا اعتراف کیوں نہ سمجھا جائے۔'' ہوم سیکریٹری نے ڈائریکٹر جنرل کو گھورتے ہوئے کہا۔

''لیکن اس نااہلی کا تعلق کارکردگی سے نہیں ہے۔ ہمارے پاس وہ وسائل نہیں ہیں جن سے ان حالات سے نپٹنے کے لئے ضروری ہیں۔ دوربینوں سے کہاں تک تلاش کیا جاسکتا ہے۔ فلائنگ ڈیوائسز کو۔ اور پھر ہم اس سے بھی لاعلم رہتے ہیں کہ وہ کب نمودار ہوتی ہیں۔''

''اگر وہ بے آواز ہیں تو ریڈار بھی اُن کا پتا نہیں لگا سکے گا۔'' ہوم سیکریٹری نے کہا۔

''بس تو پھر آپ ہی خیال فرمائیے۔''

''تو کیا ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہیں۔''

''ایسا بھی نہیں ہے۔ ہم سے جو کچھ بھی ممکن ہے کررہے ہیں۔''

میٹنگ بس ایسی ہی تھی کہ وہ کسی حتمی فیصلے پر نہیں پہنچ سکے تھے کہ انہیں کیا کرنا چاہئے۔

دن میں کئی بار ریڈیو کی نشریات میں فرق پڑچکا تھا۔ اچانک اُسی فریکوئینسی پر کوئی اور بہت طاقتور ٹرانسمیٹر غالب آجاتا تھا۔ یعنی ریڈیو اسٹیشن کی نشریات کی بجائے حمید کا اعلان سنائی دینے لگتا تھا۔

خود حمید نے بھی اُسے سنا اور بھونچکا رہ گیا۔ اس وقت وہ پامیلا کے ساتھ کیرم کھیل رہا تھا۔ ریڈیو پر فلمی نغموں کا فرمائشی پروگرام سن رہا تھا کہ اچانک ایک نغمے کی آواز مدھم ہوکر بیک گراؤنڈ میں چلی گئی اور خود اس کی آواز اُبھر آئی۔

اسٹرائیکر اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''یہ کیا چکر ہے۔'' بالآخر وہ پامیلا کو گھورتا ہوا بولا۔

''کیا بات ہے! میں نہیں سمجھی۔''

حمید نے اُسے اعلان کا مفہوم سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''مجھے نہیں یاد پڑتا کہ میں نے کبھی ایسا اعلان ریکارڈ کرایا ہو۔''

''لیکن تم مجھے ایسی بے اعتمادی سے کیوں دیکھ رہے ہو۔ میں نے کیا کیا ہے؟''

''یہی تو سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم نے کیا کیا ہے۔''

وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ دوسرا اعلان شروع ہوا۔

''خواتین حضرات! ابھی تک نہیں معلوم ہوسکا کہ یہ اعلان کہاں سے ہورہا ہے۔ بہرحال یہ ہماری نشریات پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ہم اسے کسی طرح بھی نہیں روک سکتے۔ اب آپ سے ایریا کمانڈر صاحب

خطاب فرمائیں گے۔''

حمید نے طویل سانس لی اور سوچنے لگا۔ تو فوج نے شہر کا انتظام سنبھال لیا۔ یہ پہلے ہو جانا چاہئے تھا۔

''خواتین حضرات!'' ریڈیو سے آواز آئی۔ ''میں ایریا کمانڈر آپ سے مخاطب ہوں۔ مجرموں کو جلد از جلد گرفتار کرلیا جائے گا۔ آپ ہراساں نہ ہوں۔ مجرم انتشار برپا کر کے لوٹ مار کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نظم و ضبط برقرار رکھ کر اُن کے اس منصوبے کو خاک میں ملا سکتے ہیں۔ کوئی سائنسی شعبدہ چالاک مجرموں کے ہاتھ لگ گیا ہے۔ آپ کی فوج اُسے نیست و نابود کر دینے کی پوری پوری صلاحیت رکھتی ہے۔ جہاں بھی کوئی ایسی پرچھائیں نظر آئے فون نمبر ایک تین ایک پر اطلاع دیجئے۔ شکریہ! ایک بار پھر گزارش ہے کہ نظم و ضبط برقرار رکھنے کی کوشش کیجئے۔ اگر آپ نے شہر خالی کرنے کا ارادہ کیا تو اس سے مجرموں کو فائدہ پہنچے گا۔ قومی وقار کا تقاضا ہے کہ آپ اپنی جگہوں پر جمے رہیں۔ خدا حافظ۔''

حمید کی پیشانی پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں پھوٹ آئی تھیں۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا اب ان پرچھائیوں کا طلسم ٹوٹ جائے۔ اوہ..... مگر خود اُس کی کیا پوزیشن ہے۔ بارے میں کس قسم کی قیاس آرائیاں ہو رہی ہوں گی۔ کیا وہ خود کو اپنے آفیسرز کے سا کردے۔ لیکن وہ کبھی اسکی لاعلمی پر یقین نہیں کریں گے کیونکہ وہ صد فیصد اُسی کی آواز تھی

وہ پھر پامیلا کو گھورنے لگا۔ اس دوران میں ریڈیو کے معمول کے پروگرام دوبا ہو گئے تھے۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر ریڈیو بند کر دیا۔

''پھر کہتی ہوں..... مجھے اس طرح نہ دیکھو۔ میں کچھ نہیں جانتی۔'' پامیلا نے

''جو کچھ بھی ہوا ہے بہت بُرا ہوا ہے۔''

''یقیناً بُرا ہوا ہے۔ لیکن اسکی ذمہ داری مجھ پر نہیں۔ میں تو خود ہی اُن کی ستائی ہوئی

''مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں کب سویا تھا۔ دن میں کبھی سوتا ہی نہیں۔''

''رات جاگے بھی تو تھے۔ میں تمہیں یاد دلاتی ہوں کہ تم کب اور کس طرح سوئے تھے۔ مجھ سے کہا تھا کہ کسی ہوٹل سے لنچ خریدنے جا رہے ہو۔ پھر دیوان پر لیٹ گئے تھے اور خراٹے شروع کر دیا تھا۔ میں نے بھی جگانا مناسب نہیں سمجھا۔ بھوکی بیٹھی رہی۔''

''کوئی اور بھی یہاں آیا تھا۔''

''کون آتا۔''

''پتا نہیں کیوں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی بھی یہاں رہا ہو۔''

''شاید اب بھی تمہارا ذہن صاف نہیں ہوا۔ نیند برابر حملے کئے جا رہی ہے۔''

''خدا جانے کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ میں خود کو اپنے محکمے کے حوالے کرنے جا رہا ہوں۔''

''اور میرا کیا ہوگا؟'' وہ خوفزدہ آواز میں بولی۔

''یہی تو سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر اُنہیں معلوم ہو گیا کہ تمہارا تعلق بھی اس گروہ سے رہ چکا ہے تو تمہاری شامت آجائے گی۔''

''اور میں اس پر خودکشی کو ترجیح دوں گی۔''

''خودکشی.....!'' حمید اُسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ ''ہرگز نہیں۔ تم بہت خوبصورت ہو۔ میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا۔''

''کیا کرو گے میرا.....؟''

''یہ بتانا مشکل ہے!''

''عورت کے معاملے میں بالکل اناڑی معلوم ہوتے ہو۔ آخر خوبصورتی کا مصرف کیا ہے۔''

''اُسے دیکھا جائے۔ جی بھر کے دیکھا جائے۔''

''غالباً تم کسی عورت کے مجسمے کی بات کر رہے ہو۔'' پامیلا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''نہیں میں تمہاری بات کر رہا ہوں۔''

''میرا خیال ہے کہ میں دن رات کسی سڑک کے کنارے کھڑی رہا کروں اس طرح ہزاروں آدمی مجھے دیکھ لیں گے۔''

''میں سمجھ گیا۔ تم کیا کہنا چاہتی ہو۔ لیکن میں اپنے چیف سے پوچھے بغیر اس سلسلے میں کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا۔''

''مجھے غصہ نہ دلاؤ۔ ورنہ بہت گندی گندی گالیاں سنو گے۔''

''دراصل تم مجھے اپنے چیف کے لئے بے حد خوبصورت لگتی ہو۔''

''یہ کیا بکواس ہے۔''

''میں اس سے کہوں گا کہ تم سے محبت کرے۔''

''خاموش رہو!'' وہ آنکھیں نکال کر دھاڑی اور حمید بھلا دانت نکال دینے کے علاوہ اور کیا کرتا۔

پھر وہ وہاں سے اُٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی اور حمید دوبارہ اپنی یادداشت پر زور دینے لگا۔ آخر وہ سویا کیسے تھا اور سونے سے قبل اس نے وہاں کس تیسرے فرد کو دیکھا تھا۔ سوچتے سوچتے سر چکرانے لگا لیکن بات نہ بنی۔

تھوڑی دیر بعد وہ بھی اُٹھا اور برآمدے میں نکل آیا۔ گیراج کا دروازہ کھلا دیکھ کر چونک پڑا۔ پھر گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز بھی سنی۔ فوکسی تو گیراج کے باہر پہلے ہی سے موجود تھی۔

اس نے دیکھا کہ پامیلا والی اسپورٹس کار ریورس گیئر میں باہر نکل رہی ہے۔ خود پامیلا ہی ڈرائیونگ سیٹ پر نظر آئی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا اور قبل اس کے کہ وہ گاڑی کو کمپاؤنڈ سے نکال لے جاتی اس نے اُسے جالیا۔

''ٹھہرو..... ٹھہرو۔ یہ کیا کر رہی ہو؟'' وہ مضطربانہ انداز میں بولا۔

''خود کو پولیس کے حوالے کرنے جارہی ہوں۔''

''کیا مطلب.....؟''

''گھٹن کی زندگی سے یہی بہتر ہے کہ جیل میں پناہ لوں۔''

''اگر تم اپنے ساتھیوں کی نشاندہی نہ کرسکیں تو بڑی اذیتوں سے گزرنا پڑے گا۔ وہ یہی سمجھیں گے کہ تم کوئی نیا جال پھیلانا چاہتی ہو۔''

''پھر میں کیا کروں۔ تمہارے ساتھ رہنا بھی جہنم کی زندگی سے کم نہیں۔''

''سنو! اس قسم کی باتیں صرف شوہروں سے کی جاتی ہیں۔''

''اگر پولیس تک پہنچنے سے قبل اپنے ہی آدمیوں کے ہتھے چڑھ گئیں تو کیا ہوگا؟''

''کچھ بھی ہو، تم سے تو نجات مل ہی جائے گی۔''

''کیا میں نے تمہارے ساتھ کوئی بُرا برتاؤ کیا ہے۔''

''اس سے بُرا برتاؤ اور کیا ہوگا کہ مجھے پتھر سمجھتے ہو۔''

''شاید میری عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں۔''

''مجھے جانے دو۔''

''مفت میں ماری جاؤ گی۔''

''میں نے کہہ دیا کہ تمہاری ہم نشینی سے موت بہتر ہے اور اب میں تمہارے چیف کو تلاش کروں گی۔''

''کیوں، چیف کو کیوں تلاش کرو گی؟''

''تمہارے لئے اجازت نامہ حاصل کروں گی۔''

حمید کو ہنسی آ گئی اور وہ دوسری طرف کا دروازہ کھول کر اُس کے برابر بیٹھتا ہوا بولا۔ ''اس صورت میں میرا تمہارے ساتھ ہونا اشد ضروری ہے۔''

''کیوں؟'' وہ بھنویں چڑھا کر بولی۔

''تاکہ اجازت ملتے ہی.....!''

''میرا مذاق مت اُڑاؤ ورنہ گولی مار دوں گی۔'' وہ حمید کی بات کاٹ کر بولی۔ ساتھ ہی بلیڑ پر دباؤ بھی ڈالا۔ گاڑی پھاٹک سے نکلی چلی آئی۔

حمید نے سیٹ کی پشت گاہ سے ٹک کر تمباکو کا پاؤچ اور سگریٹ رول کرنے کا کاغذ نکالا۔

''تم بنے بنائے سگریٹ کیوں نہیں استعمال کرتے۔''

''اُن میں وہ تمباکو نہیں ملتا جو میں استعمال کرتا ہوں۔''

''تو پھر پائپ پیا کرو۔''

''پائپ ہی پیتا ہوں۔ لیکن میک اپ میں ہونے کی صورت میں سارے معمولات اور عادتیں ترک کر دیتا ہوں۔''

''عقلمندی کی بات ہے۔''

''لیکن تم میرے چیف کو کہاں تلاش کرو گی۔''

''کسی ویرانے میں۔''

اس جواب پر حمید چونک پڑا۔لیکن فوری طور پر کچھ بولا نہیں۔ وہ خود ہی کہتی رہی۔

''تمہارے کہنے پر میں نے اس کمپیوٹر پر ہارڈ اسٹون کے نام سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ اشارہ کمپیوٹر ہی نے دیا تھا کہ وہ زیادہ تر ویرانوں میں رہتا ہے۔''

حمید اس بکواس پر یقین کرنے کو تیار نہیں تھا۔ دفعتاً وہ واقعہ یاد آیا جس کے بعد وہ اس کے ساتھ فرار ہوئی تھی اور اب اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ محض ایک ڈرامہ رہا ہو اور یہ عورت یہ جسارت کہ اُس کے بعد بھی اسپورٹس کار لے کر سڑک پر نکل آئی ہے۔ حمید کا ذہن ایک بار پھر اُسی اعلان کی طرف بھٹکنے لگا جو ریڈیو سے ہوا تھا۔ ساتھ ہی وہ موقع بھی یاد آ گیا جب اُسے ان لوگوں نے جیروم سمیت پکڑا تھا اور اُسے خبر تک نہیں ہوئی تھی۔ تو پھر یہ عورت..... یہ بھی ایسے ہی کسی معاملے میں ملوث معلوم ہوتی ہے۔ آخر وہ کب اور کیسے سویا تھا۔ تو پھر یہ عورت اُسے کہاں لے جا رہی ہے؟ اگر وہ سچ مچ اپنے ساتھیوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے اُس کے ساتھ فرار ہوئی تھی تو اب اس طرح سڑک پر کیوں نکل آئی ہے۔ لاکھ اُس نے اُس کی شکل میں بھی تبدیلی کر دی ہو لیکن یہ اسپورٹس کار جس کے رجسٹریشن نمبر کی پلیٹ بھی نہیں بدلی گئی، اس کے لئے پریشانی کا باعث ضرور بن سکتی ہے۔ پھر آخر وہ اس کی طرف سے اتنی لاپرواہ کیوں ہو گئی ہے۔

''آخر تم کہاں جا رہی ہو۔ سنجیدگی سے گفتگو کرو۔'' حمید نے اچانک اُس سے سوال کیا۔

''میں اس شہر ہی میں نہیں رہنا چاہتی۔ کیا تمہیں اُن پر چھائیوں سے خوف نہیں معلوم ہوتا۔''

''معلوم تو ہوتا ہے لیکن ہم جائیں گے کہاں؟''

''کہیں اور..... قریب ترین شہر تارجام ہے۔ وہیں کیوں نہ چلیں۔ دھمکی تو صرف اس شہر والوں کو دی گئی ہے۔''

''تو تم نے فو کسی کیوں نہیں استعمال کی۔ یہ گاڑی کیوں نکال لائیں جو کسی وقت بھی گردن کٹوا سکتی ہے۔''

''اوہ..... میری تو عقل ہی خبط ہو کر رہ گئی ہے۔ جہنم میں جائے جو کچھ بھی ہو گا دیکھا جائے گا۔ میں تو اس شہر کے ماحول سے تنگ آ گئی ہوں۔''

''بہرحال تم پر چھائیوں سے خوفزدہ ہو کر بھاگ رہی ہو۔''

''کیا یہ غیر فطری ہے؟'' وہ پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولی۔ ''پورا شہر خوفزدہ ہے۔''

''معلوم تو ہوتا ہے۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔

دفعتاً پامیلا نے گاڑی کی رفتار کم کر دی اور پھر اُسے سڑک کے کنارے لگا کر روکتے ہوئے کہا۔ ''تم آؤ اسٹیئرنگ پر۔ میں دیر تک ڈرائیو نہیں کر سکوں گی۔''

وہ دروازہ کھول کر اُتر گئی اور حمید اسٹیئرنگ کی جانب کھسک آیا۔ وہ دوسری طرف سے کے برابر آ بیٹھی۔

''تو پھر تارجام ہی کی طرف۔'' اس نے پامیلا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں..... تارجام ہی کی طرف۔''

حمید نے ایکسیلریٹر پر دباؤ ڈالا اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا آخر اس بھاگ دوڑ کا نتیجہ کیا نکلے گا اور اب وہ کیا چاہتی ہے۔

''تم ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آ سکیں۔'' اُس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

''خود اپنی سمجھ میں کب آئی ہوں کہ تمہاری سمجھ میں آ جاؤں گی۔''

حمید نے سختی سے ہونٹ بھینچ لئے اور ونڈ اسکرین پر نظر جمائے رہا۔ شام کے چار بج رہے تھے اور گاڑی مغرب کی سمت جا رہی تھی۔ سڑک پر زیادہ ٹریفک نہیں تھا۔ حمید عقب نما شیشے کو ایسے زاویئے پر لایا کہ پیچھے دور تک نظر رکھ سکے۔ اُسے یقین تھا کہ تعاقب ضرور ہو رہا ہے خواہ تعاقب کرنے والے مجرم ہوں خواہ فریدی کے ساتھی۔

''کیا کوئی مختصر راستہ نہیں ہے تارجام تک پہنچنے کا۔'' پامیلا نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

''ہے کیوں نہیں!''

''تو پھر اُدھر ہی چلو۔ میں جلد از جلد خود کو محفوظ سمجھنا چاہتی ہوں۔''

''یہاں اس گاڑی میں بھی تم غیر محفوظ نہیں ہو۔'' حمید نے کہا اور سوچا کہ شارٹ کٹ مناسب رہے گا۔ اس طرح رات ہونے سے قبل ہی تارجام پہنچ جائیں گے۔

مزید دو میل چلنے کے بعد اُس نے گاڑی ایک کچے راستے پر موڑ دی۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔'' پامیلا طویل سانس لے کر بولی۔ ''اس طرح ہمیں معلوم ہو سکے گا

کہ تعاقب تو نہیں کیا جا رہا۔''

''بہر حال تم اپنے آدمیوں سے خائف بھی ہو اور اس طرح دندناتی بھی پھر رہی ہو۔''

''آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو۔ کیا مجھ پر اعتماد نہیں ہے۔''

''اُس اعلان نے مجھ کو الجھن میں ڈال رکھا ہے جو میری آواز میں نشر کیا جا رہا ہے۔''

''یقین کرو کہ میں اُس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔'' اس نے کہا اور دفعتاً چیخ پڑی ''وہ دیکھو۔''

ایک پرچھائیں گاڑی کی بائیں جانب برابر سے دوڑ رہی تھی۔ حمید کے ہاتھ اسٹیئرنگ کانپ کر رہ گئے۔ پھر وہ پرچھائیں گاڑی سے آگے نکل گئی۔ اس کے بعد اچانک اس طرح کہ حمید کو گاڑی دوسری طرف موڑی دینی پڑی۔ وہ گاڑی کو پرچھائیں سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا اور پرچھائیں تھی کہ بار بار اس طرح جھپٹتی تھی جیسے گاڑی ہی اُس کا نشانہ ہو۔

اس طرح ایک بار پھر گاڑی اُسی راستے پر لگ گئی جدھر سے آئی تھی۔ پرچھائیں کی حرکتوں نے اُسے سڑک پر بھی تارجام کی جانب نہ مڑنے دیا۔

گاڑی اب پھر شہر ہی کی طرف واپس جا رہی تھی۔ حمید بُری طرح ہانپ رہا تھا اور پامیلا کی تو گھگھی بندھ گئی تھی۔ حمید نے اُسے کنکھیوں سے دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔

تھوڑی دیر بعد خود ہی بولی۔ ''ہم کہیں بھی نہیں بچ سکتے۔''

''بچ سکتے تھے۔'' حمید جھلا کر بولا۔ ''اگر تم سے اس گاڑی کو استعمال کرنے کی حرکت سرزد نہ ہوئی ہوتی۔''

''گاڑی سے کیا ہوا؟''

''اس گاڑی میں کہیں نہ کہیں پرچھائیوں کی ریسیونگ ڈیوائیس ضرور موجود ہے۔''

''خدا جانے میرا تو سر چکرا رہا ہے۔''

''دنیا کی ساری عورتوں کی زبان سے آخر کار یہی جملہ نکلتا ہے۔''

''دیکھو اس وقت جھگڑا مت کرو۔ ورنہ میرا ہارٹ فیلیور ہو جائے گا۔''

''تو اب کہاں چلیں؟'' حمید نے بُرا سا منہ بنا کر پوچھا۔

''میرا خیال ہے کہ ہم اُن سے نہیں بھاگ سکتے۔'' وہ تھکی تھکی سی آواز میں بولی۔

''میں تمہیں بتاتی ہوں کہ جس طرح تم سو گئے تھے اُسی طرح مجھ پر بھی نیند کا غلبہ ہوا تھا اور میں بھی سو گئی تھی۔''

''تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا تھا۔''

''تم ہرگز یقین نہ کرتے۔''

''شاید۔ ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ مجھے تو اب بھی یقین نہیں ہے۔''

''تو پھر اس سلسلے میں مزید گفتگو ہی فضول ہے۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔ ''ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ ہم ان سے نہیں بھاگ سکتے۔ ثبوت کے طور پر ابھی کا واقعہ لے لو۔ تارجام جانا چاہتے تھے۔ نہیں جا سکے۔ محض ایک پرچھائیں نے ہمارا رخ دوبارہ شہر کی طرف پھیر دیا۔''

''ہاں ہاں مجھے اعتراف ہے۔ لیکن تم کہنا کیا چاہتی ہو۔''

''کیوں نہ ہم ڈربی ہاؤز واپس چلیں۔''

''بہت خوب۔ گویا سیدھے موت کے منہ میں۔''

''نہیں کیپٹن حمید یہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔'' دفعتاً ڈیش بورڈ کے ایک خانے سے آواز آئی۔ ''حالات بدل چکے ہیں۔ تم ڈربی ہاؤز ہی میں محفوظ رہ سکتے ہو۔''

حمید نے گاڑی کی رفتار کم کر دی اور پھر سڑک سے نیچے اُتر کر انجن بند کر دیا۔

''یہ کیا کر رہے ہو۔'' پامیلا مضطربانہ انداز میں بولی۔

''پاگل ہونے جا رہا ہوں۔ سنبھل کر بیٹھنا۔'' حمید اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ''تم نے دیدہ دانستہ یہ اسپورٹس کار گیراج سے نکالی تھی۔''

''یہ سراسر الزام ہے۔ میں اس سازش میں شریک نہیں ہوں۔''

ڈیش بورڈ کے خانے سے آواز آئی۔ ''کیپٹن حمید اس کا بیان درست ہے۔ یہ ہماری مخاطب ہے لیکن فی الحال اسے بھی معافی دی جا رہی ہے۔ ڈربی ہاؤز پہنچ جاؤ۔ ورنہ سچ مچ راستہ تمہیں موت ہی کی طرف لے جائے گا۔ بدلے ہوئے حالات سے تم لاعلم ہو۔''

''کیسے حالات؟'' حمید جھلا کر بولا۔

''یہ بھی ڈربی ہاؤز ہی پہنچنے پر معلوم ہوگا۔''

''اب تم ڈرائیو کرو گی۔'' حمید پامیلا کی طرف دیکھ کر پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولا۔

''فی الحال میرے اعصاب اس قابل نہیں ہیں۔''

''میرے بھی نہیں ہیں۔''

''بس تو پھر کچھ دیر یہیں ٹھہرو۔'' پامیلا نے کہا۔

حمید تمباکو کا پاؤچ نکال کر سگریٹ رول کرنے لگا۔ اس دوران میں پامیلا نے اپنے ہینڈ بیگ سے ایک چھوٹی سی نوٹ بک نکالی اور اُس کے ایک سادہ صفحے پر پنسل سے لکھنے لگی۔

''اب کوئی ایسی بات نہ کرنا جو اُن کے خلاف ہو۔ ہماری آواز کہیں اور بھی پہنچ سکتی ہیں۔ تم دیکھ ہی چکے ہو۔''

پھر اُس نے نوٹ بک حمید کی طرف بڑھا دی۔ حمید نے صفحے پر نظر ڈالی اور بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

سگریٹ ختم کر کے اُس نے انجن اسٹارٹ کیا۔ گاڑی آگے بڑھ گئی۔ شہر پہنچ کر حمید نے ہر طرف سراسیمگی کے آثار پائے۔ جگہ جگہ لوگ مجمع لگائے کھڑے تھے۔ کئی بار اُس کا دل چاہا کہ کسی مجمع میں شامل ہو کر اُن لوگوں کی گفتگو بھی سنے لیکن پامیلا جو شاید اُس کے اس خیال کو بھانپ چکی تھی برابر چلتے رہنے کا اشارہ کئے جا رہی تھی۔

بالآخر وہ ڈربی ہاؤز تک جا پہنچے۔ داخلے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ پھاٹک خود بخود کھلا تھا اور گاڑی کے کمپاؤنڈ میں داخل ہو جانے کے بعد بند بھی ہو گیا تھا۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ عمارت ویران نہیں ہے۔'' پامیلا آہستہ سے بولی۔

حمید خاموش ہی رہا۔ گاڑی کو گیراج کی طرف لیتا چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ عمارت کے اندر داخل ہو رہے تھے اور پامیلا کو اُس کمرے میں پہنچنے کی جلدی تھی جہاں کمپیوٹر رکھا ہوا تھا۔

حمید سختی سے ہونٹ پر ہونٹ جمائے اُسے دیکھتا رہا۔ اگر اداکارہ تھی تو غضب کی تھی۔ انداز سے ذرہ برابر تصنع ظاہر نہیں ہوتا۔ اُسے کمپیوٹر والے کمرے میں چھوڑ کر حمید نے پوری عمارت چھان ماری لیکن کہیں کسی تیسرے وجود کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس عمارت میں تہہ خانے ضرور ہوں گے۔ خیر دیکھا جائے گا۔

پھر وہ کمپیوٹر والے کمرے کی طرف جانے کے لئے ایک درمیانی کمرے سے گزر رہا

اچانک اُس کے دونوں دروازے بند ہو گئے۔ حمید جہاں تھا وہیں رک گیا۔ حیرت سے دروازوں کو باری باری سے دیکھا اور پھر چونک کر ایک دروازے کی طرف بڑھا۔

وہ اُن میں سے کسی دروازے کو بھی کھول لینے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ دفعتاً کمرے کی آواز گونجی۔

''کیپٹن حمید، پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تمہارا یہاں روک لیا جانا ایک طرح پر ہمارا احسان ہے۔''

''تم کون ہو! سامنے آؤ۔'' حمید فرش پر پیر پٹخ کر دہاڑا۔

''ناممکن ہے کیونکہ میں تم سے میلوں دور ہوں۔''

''اس حرکت کا مطلب؟''

''تمہاری جان بچانا مقصود ہے؟ تم اپنے محکمے کو رپورٹ دینے جا رہے تھے شائد۔''

''تمہیں اس سے کیا۔''

''سلاخوں کے پیچھے ہوتے تم۔ محکمے نے تم دونوں کو مفرور قرار دے دیا ہے۔''

''ہمارا ذاتی معاملہ ہے۔''

''پبلک تم دونوں کے خون کی پیاسی ہو رہی ہے۔ پولیس پر سے اُس کا اعتماد اُٹھ گیا جہاں بھی کوئی پولیس والا نظر آ جاتا ہے اُس پر پتھراؤ کیا جاتا ہے۔''

''اس کا ذمہ دار کون ہے؟''

''تم دونوں۔''

''بکواس ہے۔''

''جو دل چاہے سمجھو۔ لیکن ہم نہیں چاہتے کہ تم مارڈالے جاؤ۔''

''صرف میں یا میرا چیف بھی تمہاری ہمدردیوں کے دائرے میں آتا ہے۔''

''اُس سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں۔''

''مجھ میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں؟''

''تمہاری وجہ سے ہمارا آدھا مشن کامیاب ہو چکا ہے۔''

''یعنی تم چاہتے ہو کہ پبلک پولیس والوں پر پتھراؤ کرے۔''

''ہم بہت کچھ چاہتے ہیں کیپٹن حمید۔ کہو کیسی رہے گی اگر تم اچانک اپنے کو ڈائریکٹر جنرل بنا دیئے جاؤ۔''

''آخر کیا چاہتے ہو تم لوگ؟''

''تمہاری ترقی!''

''اور اس کے عیوض مجھ سے کیا چاہو گے؟''

''وقتاً فوقتاً تمہیں کچھ پیغامات ریکارڈ کرنے ہوں گے۔''

''کیا ابھی کچھ اور باقی ہے؟''

''بہت کچھ کیپٹن حمید۔ ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔''

''آخر کرنل فریدی سے تم لوگ کیا چاہتے ہو؟''

''وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔''

''میں تم لوگوں کے قبضے میں ہوں اور اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ تم سے بھاگ کر نہیں جا سکتا۔ مجھ سے جو کام بھی لینا چاہو گے مجھے اس پر مجبور کر دو گے۔ لہٰذا کم از کم ایک الجھن تو رفع ہی کر دو۔''

''کیا بات ہے پوچھو.....!''

''جب کرنل تم لوگوں کی طرف متوجہ نہیں تھے اُسی وقت تم نے اُن پر ہاتھ کیوں ڈال دیا۔ اس وقت تو وہ نہایت آسانی سے تمہارے دام میں آ جاتے۔''

''ہنڈرڈ ملین ڈالر کا سوال کیا ہے تم نے۔'' دوسری طرف سے جواب ملا۔

''چلو یہ تو معلوم ہوا کہ تم لوگ ڈالر کے زیرِ اثر ہو۔'' حمید خوش ہو کر بولا۔ ''ڈالر بھی یار ہے۔''

''نتائج اخذ کرنے میں جلدی نہ کرو کیپٹن۔ ڈالر کی بات محاورۃً ہوئی تھی۔''

''خیر..... خیر..... میرے اصل سوال کا جواب ابھی تک نہیں ملا۔''

''ہم جب بھی چاہتے فریدی کو قابو کر سکتے تھے لیکن پرچھائیوں کا راز ظاہر ہونے سے پہلے ہم نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔''

''میں دراصل اُس ضرورت ہی کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیپٹن حمید! میں صرف ایک پیغام رساں ہوں۔ اصل حالات کا علم مجھے بھی نہیں ہے۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہاں سے نکل بھاگنے کی کوشش لاحاصل ہوگی۔''

''میں سمجھتا ہوں۔ بہت تھک گیا ہوں۔ خود بھی یہی خواہش رکھتا ہوں کہ کوئی گوشہ پکڑ کر تھوڑا آرام بھی کر لوں۔ ہاں..... کیا وہ یک چشم بھی تمہاری نظر میں ہے؟''

''بالکل ہے کیپٹن حمید اور کسی خاص نظریئے ہی کے تحت ہم نے اُسے ڈھیل دے رکھی ہے۔''

''تو اس کا یہ مطلب ہے کہ شروع ہی سے تمہاری نظر ہم پر رہی ہے۔''

''تمہارا یہ خیال بھی درست ہے۔''

''اب ایک بات اور بتاؤ۔'' حمید نے کہا۔ لیکن اس بار دوسری آواز نہیں آئی تھی اور نہ دروازے بھی خود بخود کھل گئے۔

حمید تیزی سے چلتا ہوا کمپیوٹر والے کمرے میں پہنچا۔ پامیلا سامنے ہی کھڑی تھی۔ بے حرکت۔ پلکیں تک نہیں جھپکا رہی تھی۔ چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔

حمید نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا اور وہ چونک کر پلکیں جھپکانے لگی۔ وہ ہکلانے والے انداز میں بولا۔ ''یہ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔''

''اُوہ..... مم..... میں کیا بتاؤں..... یہ کمپیوٹر..... بیکار ہو گیا ہے۔''

''لیکن تمہاری شکل پر تو ایسی ویرانی چھائی ہوئی ہے جیسے تمہارا معدہ بے کار ہو گیا ہو۔''

''مجھے اس سے ایک طرح کا ذہنی لگاؤ تھا۔''

''کیا تم نے میری اور اس نامعلوم آدمی کی گفتگو سنی تھی؟''

''نہیں، میں نے تو کچھ بھی نہیں سنا۔ کیا بات تھی۔''

''کچھ بھی نہیں! میں اُن کا قیدی ہوں۔''

''اور میں بھی.....!''

حمید کچھ نہ بولا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔



حمید کی آواز میں کیا جانے والا اعلان فریدی نے بھی سنا اور صرف سر ہلا کر رہ گیا۔ اس کے بعد ایریا کمانڈر کا اعلان بھی سنا۔

''اگر پہلے ہی میری بات مان لی جاتی.....!'' وہ طویل سانس لے کر بولا۔

''کیا آپ نے ایسی کوئی تجویز پیش کی تھی۔'' انور نے پوچھا۔

''بہت پہلے کی بات ہے جب میں نے اُنہیں وہ فلم دکھائی تھی۔''

''لیکن کیا فوج اس فتنے پر قابو پا سکے گی۔''

''قابو پا سکے یا نہیں۔ لیکن کم از کم ابتری اور بدنظمی تو نہ پھیلنے دے گی۔''

''اور پرچھائیاں بدستور عمارتوں کو ڈھاتی پھریں گی۔''

''اس کا تدارک تو اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب وہ جگہ تباہ کردی جائے جہاں سے وہ مصنوعی پرندے پرواز کرتے ہیں۔''

''اور اب تو اُنہیں آپ کی دریافت کردہ تدبیر سے بھی ختم نہیں کیا جاسکتا۔''

''ہاں انہوں نے بھی بچاؤ کی تدبیر کرلی ہے۔ جیسے ہی رائفل کی نال اُس کی طرف اٹھتی ہے اس سے اتنی تیز روشنی خارج ہوتی ہے کہ نشانہ باز کی آنکھیں خیرہ ہوجاتی ہیں اور وہ ٹھیک نشانہ نہیں لگا سکتا۔''

''مجھے حیرت ہے کہ انہوں نے اتنی جلدی اس میں یہ تبدیلی کیسے کرلی۔''

''ہوسکتا ہے اُس میں وہ خصوصیت پہلے ہی سے موجود رہی ہو۔ بغیر ضرورت اُس سے کیا کام لیتے۔ ضرورت پڑنے پر اُسے بھی بروئے کار لائے۔''

''ہاں یہی ہوسکتا ہے لیکن اب کیا ہوگا۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس وقت یہ دونوں شہر ہی کی ایک عمارت میں مقیم تھے۔ فریدی۔ انور کی شکل میں بھی کسی قدر تبدیلی کردی تھی اور اُسے بہ آسانی پہچانا نہیں جاسکتا تھا۔ شہر میں ہونے والے ہنگامے اُنہوں نے خود دیکھے تھے۔

''عبرت کا مقام ہے۔'' انور ٹھنڈی سانس لے کر بولا اور فریدی اُس کی طرف متوجہ ہوکر انور کہتا رہا۔ ''بات ایک فلمی اداکار کی موت سے شروع ہوئی تھی۔''

''یہی ہوتا ہے۔'' فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔ ''کوئی معمولی سی بات کسی بہت بڑے سانحے کا شاخسانہ بن جاتی ہے۔ اگر پٹاری کی پہاڑیوں پر وہ واقعہ نہ ہوتا تب بھی یہی ہونا تھا۔ بات کسی اور طرح شروع ہوتی اور ہم اس مرحلے سے ضرور گزرتے۔''

''آخر وہ چاہتے کیا ہیں؟''

''تم کئی بار یہ سوال کرچکے ہو، اور میں سوچ رہا ہوں کہ تم کیسے صحافی ہو۔ اتنی سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔ وہ لوگ عوام کے ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ موجودہ حکومت ناکارہ ہے۔ وہ اتنا بھی نہیں کرسکتی کہ شہریوں کو جان و مال کا تحفظ دے سکے۔ تم دیکھ رہے ہو پولیس پر کس بُری طرح پتھراؤ کیا جاتا ہے۔''

انور سیدھا ہو بیٹھا۔ آنکھیں پھاڑے فریدی کو دیکھے جارہا تھا۔

فریدی کسی قدر توقف کے ساتھ بولا۔ ''حمید کی آواز میں اس اعلان کے بعد سے حالات مزید خراب ہوگئے ہیں۔ اس سے اُن کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ میں کہیں غائب نہیں ہوا بلکہ خود بھی اُن کا ساتھ دے رہا ہوں۔ دوسری طرف محکمے نے ہمیں مفرور قرار دے کر اُن کے اس پروپیگنڈے کی توثیق کردی ہے۔

''خدا کی قسم بڑی بھیانک سچویشن ہے۔''

فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اُٹھالیا۔

دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''بلیک تھرٹین سر۔ آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر جنرل کوئی اعلان کرنے والے ہیں۔''

''اچھا شکریہ۔'' اس نے ماؤتھ پیس میں کہا اور انور سے بولا۔ ''ریڈیو آن کردو۔''

تھوڑی دیر بعد وہ آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر جنرل کا اعلان سن رہے تھے۔

''خواتین و حضرات! ایک ضروری بات آپ تک پہنچانی ہے۔

مجرم یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ قانون کے کچھ محافظ اُن سے مل گئے ہیں۔ یہ سراسر غلط ہے۔ ہمیں علم ہے کہ کرنل فریدی کہاں ہیں اور کیا

کررہے ہیں۔ آپ نظم وضبط قائم رکھئے۔ بینکوں اور دوسرے مالیاتی اداروں کا تحفظ کیجئے۔ مجرموں کا مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے کہ شہروں میں ہیجان برپا کر کے لوٹ مار کریں۔ کرنل فریدی کے محکمے کی طرف سے وہ نوٹس واپس لے لیا گیا ہے جو اُن کے خلاف جاری کیا گیا تھا اور کیپٹن حمید کی طرف سے آپ جو اعلان کسی نامعلوم ریڈیو اسٹیشن سے سن رہے ہیں اس کے پیچھے مجرموں کا تشدد کارفرما ہے۔ کیپٹن حمید مجرموں کے قیدی ہیں۔ ایک بار پھر درخواست ہے کہ اپنی صفوں میں نظم وضبط قائم رکھئے اوور.....!''

بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ نشریئے میں خلل اندازی ہوئی اور ڈائریکٹر جنرل کی آ غائب ہوگئی۔ پھر دوسری آواز اُبھری

''آزاد ریڈیو آپ سے مخاطب ہے۔ یہ سراسر دروغ گوئی ہے کہ کیپٹن حمید ہمارا قیدی ہے۔ اُس نے برضا و رغبت یہ پیغام ریکارڈ کرایا ہے۔ ہم پھر کہتے ہیں کہ اگر کرنل فریدی ہمارے ہاتھ نہ لگا تو پورے ملک میں تباہی پھیلے گی۔ فوج بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ جتنے مہلک ہتھیار ہمارے پاس ہیں آپ کی فوج نے خواب میں بھی نہ دیکھے ہوں گے۔ ہمیں فریدی چاہئے۔ صرف فریدی۔ اس کے علاوہ اور ہمیں کچھ نہیں چاہئے۔ یہ بھی غلط ہے کہ شہر کے ہیجان سے فائدہ اُٹھا کر ہمارے آدمی لوٹ مار کریں گے۔ ہم آپ کو آگاہ کرتے ہیں کہ افراتفری سے فائدہ اُٹھانے والے معمولی لٹیرے اور مجرم ہوں گے۔ آپ اُن پر کڑی نظر رکھیں۔ ہمارے اس بیان کی تصدیق ہو جائے گی۔ جانی نقصان سے بچنے کے لئے شہر فوراً خالی کر دیجئے۔ عمارتیں ضرور ڈھائی جائیں گی۔ اگر فریدی ہاتھ نہ لگا۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ آخر محض فریدی کے لئے اس قدر ہنگامہ کیوں برپا کیا جا رہا ہے؟ بہت جلد آپ کو اس سے بھی آگاہ کر دیا جائے گا اور آپ ہمارے شکر گزار ہوں گے۔ بس ہمیں فی الحال اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہنا۔''

فریدی کی پیشانی پر شکنیں اُبھر آئی تھیں اور انور ہونقوں کی طرح اُس کی شکل تک رہا

''بلف.....!'' فریدی اُس کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔

''میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔''

''سامنے کی بات ہے۔ اب وہ عوام کو فوج سے بھی بددل کرنا چاہتے ہیں۔''

''آخر کیوں؟ وہ کیا چاہتے ہیں۔''

''آخری ٹکڑے پر غور کرو۔ اگر میں اُن کے ہاتھ آ جاؤں تو وہ اصل معاملہ عوام پر ظاہر ں گے اور عوام اُن کے شکر گزار ہوں گے۔''

''اس میں کیا رکھا ہے۔''

''احمق! ذہن پر زور دو۔ وہ عوام کو باور کرانا چاہتے ہیں کہ میں عوام کے خلاف کسی ں میں ملوث ہوں۔ یعنی میں کسی بڑی طاقت کا ایجنٹ بن گیا ہوں اور دوسری بڑی طاقت ی ہمدردی میں مجھ پر قابو پانا چاہتی ہے۔''

''خدا کی پناہ.....!''

''یہ ایک کثیر المفاسد منصوبہ ہے جس کی ابتداء ایک معمولی قتل سے ہوئی تھی اور وہ بھی زبے کا تجربہ کرنے کے سلسلے میں ہوئی تھی۔ پھر وہ اس کی طرف سے توجہ ہٹانے کے یرالڈ شاستری والا اسٹنٹ سامنے لائے اور پھر پرچھائیوں کا راز ظاہر ہو جانے کے بعد رسامنے آ گئے۔ یقین کرو کہ میں اصل معاملے کی تہہ تک پہنچ چکا ہوں لیکن فی الحال یہی ہے کہ میں اُس جگہ تک پہنچ جاؤں جہاں سے وہ پرندے پرواز کرتے ہیں۔''

فون کی گھنٹی پھر بجی اور فریدی نے ریسیور اُٹھا لیا۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''بی ٹن سر!''

''کیا خبر ہے؟''

''کیپٹن اور پامیلا پھر ڈربی ہاؤز میں داخل ہوئے ہیں۔''

''عمارت کی نگرانی جاری رکھو۔''

''بہت بہتر جناب۔''

''تمہارے ساتھ اور کتنے آدمی ہیں۔''

''دو اور ہیں جناب۔''

''بہت ہوشیاری سے۔'' کہہ کر فریدی نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

''کوئی خاص خبر.....!'' انور نے پوچھا۔

''حمید پھر ڈربی ہاؤز پہنچ گیا ہے اور وہ عورت اُس کے ساتھ ہے۔''

''اگر وہ گروہ سے کٹ گئی تھی تو پھر دوبارہ وہاں کیوں گئی ہے۔''

''کون کہتا ہے کہ وہ گروہ سے کٹ گئی تھی۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ محض ا
تھا اور حمید کے ساتھ پہلے جو آدمی تھا وہ بھی گروہ سے کٹا نہیں ہے۔ ابھی تک صرف ای
فرد گروہ سے علیحدہ ہوا ہے اور اس کیلئے مجھے بڑی محنت کرنی پڑی تھی۔ اوزاکا ایک جاپانی
''کوئی اہم آدمی ہے؟''

''پہلے تو اہم ہی معلوم ہوا تھا لیکن پھر ثابت ہوا کہ اُس کے الگ ہو جانے سے گر
کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔''

''کیا اب بھی اُس سے آپ کا رابطہ ہے؟''

''ہاں..... میں نے اُس سے رابطہ رکھا ہے۔ ہوسکتا ہے کسی مرحلے پر اُس کی ضر
پیش آ جائے۔''

''اور وہ بھی اُس جگہ کی نشاندہی نہیں کر سکا۔''

''نہیں.....!''

''اسٹیل ملز کے بارے میں کیا خیال ہے۔'' انور نے پوچھا۔

''ہوسکتا ہے اُن پرندوں کے ڈھانچے وہیں ڈھالے گئے ہوں لیکن وہ وہاں سے
نہیں کرتے۔ وہاں کا چپہ چپہ دیکھ لیا گیا ہے۔''

''تب پھر اُس جگہ کی تلاش کر لینا آسان نہ ہوگا۔''

''میرے پاس صرف دو دن ہیں۔ اگر اس دوران میں اُس جگہ کی تلاش کر کے
کر دیا گیا تو.....'' فریدی جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گیا۔ انور سگریٹ سلگانے لگا تھا
کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر فریدی اتنے اطمینان سے کیوں بیٹھا ہوا ہے۔ کیا اُ
معجزے کا انتظار ہے۔ آخر دو دن میں یہ مرحلہ کیسے طے ہوگا اور پھر وہ اس کے بار
سوال بھی کر بیٹھا۔

''اُن کی پسپائی کی سمت کا تعین کر لیا گیا ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''محض سمت کا تعین کیا گیا ہے۔''

''ایک منزل تو آسان ہوئی اور یہ بھی اُسی وقت ہو سکا ہے جب اُن سے روشنی خارج
ہوئی ہے۔ روشنی خارج کرنے کے بعد وہ فلائنگ ڈیوائسس اپنے پیچھے فضا میں ایک لکیر چھوڑتی
چلی جاتی ہے جسے صرف انفراریڈ شعاعوں کی مدد سے دیکھا جا سکتا ہے۔ فوج کے فضائی تحقیق
ے یونٹ نے اس سلسلے میں خاصی معلومات فراہم کر لی ہیں۔''

''اور آپ کا اس سے رابطہ ہے۔''

''یقیناً..... آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر جنرل نے اپنے اعلان میں غلط بیانی نہیں کی تھی۔''

''تب تو بات شاید بن جائے۔''

''میں نا اُمید نہیں ہوں۔''

''لیکن انفراریڈ شعاعوں کی کیسے سوجھی۔''

''تم کیا سمجھتے ہو۔ ہمارے یہاں بہترین دماغوں کی کمی نہیں ہے۔ اگر وسائل ہوں تو
ہم بھی کسی سے پیچھے نہیں رہ سکتے۔''

لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ محض سمت معلوم ہونے سے کیا ہوتا ہے جب تک فاصلے کا
عین بھی نہ کر لیا جائے۔

''سمت وہی تھی جو یہاں سے پٹاری کے جنگلوں کی ہے۔''

''اب ہوئی نا بات..... لیکن پٹاری سے آگے کا بھی معاملہ ہو سکتا ہے۔''

''دیکھیں گے..... اب اُٹھو..... اس کمرے میں جاؤ جو وردی جسم پر فٹ آئے پہن لو۔''

''کک..... کیا مطلب.....؟''

''تم کیپٹن کی وردی میں ہو گے اور میں معمولی سپاہی کی وردی میں۔''

''کمال ہے..... کرنل کی وردی میں کیوں نہیں؟''

''بحث مت کرو۔''

انور چپ چاپ اُٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد دونوں باہر نکلے تھے۔ فریدی نے کاندھے سے رائفل لٹکا رکھی تھی۔

اُن کی گاڑی شہر کے باہر نکل آئی تو انور نے پوچھا۔ ''ہم کدھر جا رہے ہیں؟''

''لمبا سفر ہے۔''

''اُسی سمت جدھر وہ آہنی پرندے پرواز کرتے ہیں۔'' انور نے پوچھا۔

''ہاں، یہی سمجھ لو۔''

''صرف ہم دونوں۔''

''تم بہت خائف معلوم ہوتے ہو۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ وہ خود ہی جیپ ڈرائیو کر رہا تھا اور انور اُس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔

''خائف نہیں ہوں، مجھے صرف تشویش ہے۔''

''فکر نہ کرو جنگل میں منگل دیکھو گے۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''پہاڑی کی پہاڑیوں کے آس پاس فوج موجود ہے۔''

''تو کیا اس طرح وہ ہوشیار نہ ہو جائیں گے۔''

''نہیں، اگر پہاڑی کی پہاڑیوں کو نظر انداز کر دیا جاتا تو ضرور ہوشیار ہو جاتے۔ اب تو ہماری بے وقوفی پر ہنس رہے ہوں گے۔''

''میں نہیں سمجھا.....؟''

''پہاڑیوں میں کچھ بھی نہیں ہے۔ وہاں انہوں نے صرف تجربہ کیا تھا۔''

جیپ تیز رفتاری سے راستہ طے کرتی رہی۔ انور نے خاموشی اختیار کر لی تھی اور فریدی بھی کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا پہاڑی کی طرف جانے سے قبل ہم ایک جگہ رک کر ایک فلم دیکھیں گے۔

''انہیں معاملات سے متعلق.....!''

''ظاہر ہے۔''

دفعتاً اُس نے ایک جگہ گاڑی روک دی اور انور کو کچھ کاغذات دیتا ہوا بولا۔ ''انہیں اپنے پاس رکھو۔ یہ کیپٹن انور کے کاغذات ہیں۔ کہیں ضرورت پڑنے پر تمہیں صرف یہ کاغذات دکھانے ہوں گے۔ تم سے کچھ پوچھا نہیں جائے گا۔''

''چلئے جھوٹ موٹ سہی۔ کیپٹن بننا تو نصیب ہوا۔''

''اب ہم جہاں جا رہے ہیں کاغذات دکھائے بغیر اندر داخل نہیں ہو سکیں گے۔''

''میں سمجھ گیا۔''

جیپ پھر حرکت میں آ گئی۔ انور سوچ رہا تھا کہ آخر وہ فلم کس نوعیت کی ہوگی۔

ٹھیک اُسی وقت فریدی بولا۔ ''شاید تم فلم کے بارے میں سوچ رہے ہو۔''

''قدرتی بات ہے جناب۔''

''طیارے سے لی ہوئی اُنہیں لکیروں کی تصاویر ہیں۔''

''کیا وہ اتنی واضح ہوں گی کہ کارآمد ثابت ہوں۔''

''یہی تو دیکھنا ہے۔''

جیپ کینٹونمنٹ علاقے میں داخل ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ایک عمارت کے سامنے رُکی جس کے پھاٹک پر دو فوجی پہرہ دے رہے تھے۔

کاغذات دکھا کر وہ اندر داخل ہوئے۔ اسکے بعد بھی مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے ایسے کمرے میں پہنچے جو اپنی ہیئت کے اعتبار سے پروجیکشن روم ہی معلوم ہو رہا تھا۔

یہاں کئی افراد موجود تھے۔ انور نے محسوس کیا کہ سارے کام بے حد خاموشی سے ہو رہے ہیں۔ کسی نے ابھی تک کوئی غیر ضروری اور فالتو بات نہیں کی تھی۔

کمرے میں اندھیرا کر دیا گیا اور پروجیکٹر چلنے کی ہلکی سی آواز محدود فضا میں گونجنے لگی۔

سامنے اسکرین روشن ہو گیا تھا جس پر زمین کے فضائی جائزے کی متحرک تصویر نظر آنے لگی تھی۔

پھر چار متوازی لکیریں نظر آئیں جو کیمرے سے بہت قریب تھیں۔ یہ لکیریں ایک سیدھ میں بڑھتی رہیں۔ پھر ایک جگہ زاویہ قائمہ بناتی ہوئی زمین کی طرف مڑ گئیں۔

اب چاروں لکیریں زمین کی جانب جا رہی تھیں اور کیمرہ اُن سے دور ہوتا جا رہا تھا۔

پھر یک بیک چاروں لکیریں غائب ہو گئیں۔ فلم چلتی رہی۔ یہاں طیارے نے چکر لگایا تھا اور اسے کو پھر اُسی جگہ مرکوز کر دیا گیا تھا جہاں لکیریں غائب ہوئی تھیں۔

فریدی نے وہ فلم کئی بار دیکھی اور مختلف مراحل پر اُسے ''فریز'' کروا کر بھی دیکھا۔ اسی

دوران میں سامنے رکھے ہوئے کاغذ پر ایک نقشہ بھی بناتا رہا تھا۔

انور خاموشی سے سب کچھ دیکھتا رہا۔ پروجیکشن روم میں روشنی ہوجانے کے بعد فریدی اُٹھ گیا۔ دونوں باہر آئے اور جیپ میں بیٹھتے وقت فریدی بولا۔ ''فی الحال پٹاری کی طرف نہیں جارہے۔ اس فلم نے مزید کچھ سوچنے پر مجبور کردیا ہے۔''

انور کچھ نہ بولا۔ جیپ اُدھر مڑگئی جدھر سے آئی تھی۔ زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے کہ ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا۔ فریدی نے ریسیور کا سوئچ آن کردیا۔

سپر بی کے نام کی کال ہو رہی تھی۔

''اِٹ از سپر بی۔'' فریدی نے کہا۔

''بی الیون سر! کوڈ ڈ میسیج.....!''

''چند سیکنڈ ٹھہرو۔'' فریدی نے کہا اور جیپ سڑک کے کنارے روک دی۔ ڈیش بورڈ کے ایک خانے سے نوٹ بک اور پنسل نکالی اور بولا۔ ''ہیلو..... بی الیون۔''

''یس سر!'' ریسیور سے آواز آئی۔

''ڈکٹیٹ.....!''

ریسیور سے کوڈ پیغام سنائی دیتا رہا۔ نوٹ بک کے صفحے پر فریدی کی پنسل تیزی سے چل رہی تھی۔ آخر کار ریسیور سے آواز آئی۔ ''اُوور اینڈ آل۔''

''ایکنالجڈ.....!'' کہہ کر فریدی نے ریسیور کا سوئچ آف کردیا۔

کسی قدر اندھیرا پھیل گیا تھا۔ اُس نے گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کی اور اُسے الیکٹرک پول کے قریب لے جاکر انجن بند کردیا۔ اب وہ اُس پیغام کو ڈی کوڈ کررہا تھا۔

''جیروم پر برابر نظر رکھی جارہی ہے۔ آج وہ دن بھر اُسی گاڑی میں پھرتا رہا جسے وہ عمارت سے لایا تھا جہاں کیپٹن حمید اور پامیلا مقیم تھے۔ گاڑی غیر معمولی نوعیت کی معلوم ہوتی ہے۔ ابھی کچھ ہی دیر پہلے اُس نے اُسے سعد آباد والے کرائے کے گیراجوں میں سے ایک میں بند کیا ہے۔ گیراج نمبر تیرہ۔ ایک بار پھر گزارش ہے کہ گاڑی غیر معمولی ساخت کی ہے۔ گاڑی چھوڑ کر وہ پیدل ہی اُس عمارت تک گیا ہے جہاں اُس کا قیام ہے۔''

فریدی نے ڈی کوڈ کئے ہوئے پیغام کو ایک بار پھر پڑھا اور نوٹ بک سے دونوں ورق

ل کر اُن کے پرزے پرزے کردیئے۔

جیپ پھر آگے بڑھی اور انور نے کہا۔ ''سپر بی سے کیا مراد ہے۔''

''مخصوص شناختی لفظ۔''

''غالباً بلیک فورس سے متعلق ہے۔ کیا آپ اسکے بارے میں کبھی کچھ نہ بتائیں گے؟''

''کسی اخبار کے رپورٹر کو تو ضرور بتاؤں گا۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ میں نے آپ کی مرضی کے خلاف کوئی رپورٹنگ کی ہو۔''

''چھوڑو اس قصے کو۔ بہتیرے معاملات صرف میری ذات تک محدود ہیں۔ بلیک فورس بارے میں حمید بھی کچھ نہیں جانتا۔''



حمید سنک گیا تھا۔ کسی طرح بھی پامیلا کی بات ماننے پر تیار نہیں تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ اُن کا قیام ڈربی ہاؤز ہی میں ہو لیکن وہ ایک نہیں سن رہا تھا۔

''اگر وہ اس وہم میں مبتلا ہیں کہ میں اُن کا قیدی ہوں تو اُنہیں منہ کی کھانی پڑے گی۔'' پامیلا بھنچ کر دھاڑا۔

''ہم اپنی مرضی سے یہاں آئے ہیں۔ تم یہ کیوں بھول جاتے ہو۔'' پامیلا بولی۔

''ہمارا رخ پرچھائیوں نے شہر کی جانب موڑا تھا۔''

''تو ہم وہاں بھی واپس جاسکتے تھے جہاں ہم مقیم تھے۔''

''میں وہیں جانا چاہتا ہوں۔ یہاں نہیں رکوں گا۔ تم یہاں قیام کرنا چاہتی ہو تو یہیں ٹھہرو۔''

''آخر تم اتنے چڑچڑے کیوں ہو رہے ہو؟''

''غیر ضروری باتیں نہیں۔'' حمید ہاتھ اُٹھا کر بولا۔

''واقعی بے حد بدمزاج ہوگئے ہیں لیکن اب میں یہاں تنہا نہیں رہ سکتی۔''

''تو پھر چلو.....؟''

''وہ دونوں باہر نکلے اور پھر وہ اسپورٹ کار نکالی جس سے حمید گریز کرتا رہا تھا لیکن اس
صحیح پوزیشن سے آگاہ ہو جانے کے بعد اُسے اس کی بھی پرواہ نہیں تھی۔''

بہرحال وہ اُسی عمارت میں واپس آ گئے جہاں اُن کا قیام تھا۔

''یہاں تمہارا حیرت انگیز کمپیوٹر نہیں ہے لہٰذا میں بور ہونے سے محفوظ رہوں گا۔''

''کبھی کبھی اول درجے کے بے وقوف بھی معلوم ہونے لگتے ہو۔''

''کبھی کبھی کے تکلف کی کیا ضرورت ہے۔ ہمہ وقتی بے وقوف کہہ سکتی ہو۔''

''میرا خیال ہے کہ اب تمہارے پاس کہنے کو کچھ نہیں رہا۔ اس لئے خاموش ہی رہو۔''

ٹھیک اُسی وقت کسی نے باہر سے کال بل کا بٹن دبایا تھا۔ گھنٹی کی آواز سے کمرے کو
اُٹھے۔

''یہاں کون آئے گا۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔

''دیکھو جا کر کون ہے؟''

حمید برآمدے میں آیا اور جیروم کو سامنے کھڑا دیکھ کر متحیر رہ گیا۔

''تت.....تم.....!''

''دیکھو آخر میں نے پتہ لگا لیا کہ نہیں۔'' وہ اُس کے چہرے کے قریب انگلی نچا
بولا۔ ''تم مجھ سے بھاگتے پھر رہے ہو۔ خوب سمجھتا ہوں۔ تمہیں ڈر ہے کہ کہیں تمہاری کو
کو نہ ہتھیا لوں۔''

''شکل دیکھی ہے اپنی۔''

جیروم اُسی میک اپ میں تھا جس پر حمید نے کئی دن پہلے اپنا خاصا وقت صرف کیا تھا
آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک تھی۔

''میں اس وقت تم سے بہت ضروری باتیں کرنے آیا ہوں لیکن پہلے تم سنجیدہ ہو جاؤ۔''

''سوال تو یہ ہے کہ تم یہاں پہنچے کس طرح؟''

''اُس وقت سے تمہارا تعاقب کر رہا ہوں جب تم دونوں یہاں سے نکل کر ہوائی اڈے کی
طرف گئے تھے اور پھر شہر کی طرف پلٹ پڑے تھے۔''

''شہر پہنچ کر ہم کہاں گئے تھے؟'' حمید نے سوال کیا۔

''ڈربی ہاؤز.....؟''

''کیا تم وہ باتیں اُس عورت کی موجودگی میں کرو گے۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

''حالانکہ وہ بھی تمہاری ہی طرح تنظیم سے برگشتہ ہو چکی ہے۔''

''مجھے اس میں شبہ ہے۔''

''چلو.....لان پر نکل چلو۔''

''نہیں اُسے یہیں چھوڑ کر میرے ساتھ باہر چلو۔''

''اُسے مطلع تو کر دوں۔''

''نہیں جان کو چمٹ جائے گی۔ خود بھی ساتھ چلے گی۔''

''میں اُسے ساتھ لئے بغیر نہیں جاؤں گا اور تم نے یہاں آ کر غلطی کی ہے ہماری نگرانی
ہو رہی ہے۔''

''نہیں.....!'' جیروم اچھل پڑا۔ یک بیک خوف زدہ نظر آنے لگا تھا۔

''تو تمہیں اس کی خبر نہیں ہے کہ ہم دونوں اُن کے آزاد قیدی ہیں۔ یعنی اُن کی نظروں
سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ وہ جب چاہیں ہمیں مار ڈالیں۔''

''میں کیا جانوں۔''

''حالانکہ تمہیں اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔''

''کہاں کی ہانک رہے ہو۔''

''وہ رات یاد کرو جب ہم دونوں پکڑے گئے تھے۔ پکڑے گئے تھے اور اُن کی قید سے
بھی ہو گئے تھے۔ کیا ہم اپنی کوشش سے فرار ہوئے تھے۔''

''قطعی اپنی کوشش سے فرار ہوئے تھے۔''

''ہرگز نہیں۔ انہوں نے مجھے محض اس لئے پکڑا تھا کہ میری گھڑی میں پرچھائیں
ریکارڈر رکھ دیں۔''

''ہو سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے۔'' وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔ بیحد خوفزدہ نظر آنے لگا

تھا۔ پھر وہ برآمدے سے کمرے میں داخل ہوگیا۔ بالکل ایسا ہی لگتا تھا جیسے چھپ جانے کے لئے کوئی مناسب سی جگہ تلاش کررہا ہو۔

''تم جہاں تھے وہیں تمہارا رہنا مناسب تھا۔'' حمید نے کہا جو اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ بہرحال وہ اُسے نشست کے کمرے میں لایا جہاں پامیلا اُس کی واپسی کی منتظر تھی۔

حمید اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ دونوں ہی اُسے بے وقوف بنا رہے ہیں لہٰذا وہ خود بیوقوف نہیں بننا چاہتا تھا۔ چاروں طرف سے گھر کر رہ گیا تھا اور یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اب فریدی کے آدمیوں کی نظر میں بھی ہے یا نہیں۔

اُس نے احمقانہ انداز میں پامیلا اور جیروم کا تعارف کرایا اور پھر اچانک اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ پہلے بھی کبھی اس مرحلے سے گزر چکا ہو۔ بڑا عجیب سا احساس تھا جیسے کبھی ایسا ہی کوئی خواب دیکھا ہو لیکن وہ فوری طور پر اس احساس کو معنی نہ پہنا سکا۔

''یہ بھی تنظیم کا ایک معتوب ہے۔'' اُس نے پامیلا سے کہا۔

''سنو.....!'' دفعتاً وہ بگڑ کر بولی۔ ''میں اب کسی پر بھی اعتماد نہیں کرسکتی۔''

''اُوہو..... آدمیت کے جامے میں رہو۔'' حمید بولا۔

''تم اسے یہاں کیوں لائے ہو۔''

''میں نہیں لایا..... خود آیا ہے۔''

''اس کو کیسے معلوم ہوا کہ ہم یہاں ہیں۔''

''اسی سے پوچھ لو۔''

''محترمہ آپ خواہ مخواہ خفا ہو رہی ہیں۔'' جیروم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''ہم دونوں خاصے عرصے تک ساتھ رہے ہیں پھر میں نے محسوس کیا کہ یہ مجھے چھوڑ بھاگنا چاہتا ہے۔ لہٰذا میں اس کا تعاقب کرنے لگا۔''

''اس میں سچائی کتنے فیصد ہے۔''

''میں جھوٹ نہیں بول رہا۔''

''تب پھر تم اس کے چیف کے ٹھکانے سے بھی واقف ہوگے۔'' پامیلا نے کہا۔

ورتے ہوئے کہا۔

''کون چیف کیسا چیف۔ یہ بھی تو تنظیم ہی کا معتوب ہے۔''

حمید نے پامیلا کو آنکھ ماری۔ گویا اُسے اس معاملے میں خاموش رہنے کا اشارہ کررہا تھا۔

''یہ کسی چیف کی بات کررہی ہیں عدنان خلیلی۔ کیا ہم میں سے کوئی اپنے چیف کی یت سے واقف ہے۔''

''وہ کوئی اور بات تھی۔ تم نہیں سمجھ سکو گے۔''

''خیر..... مجھے کیا۔ میں تو اس وقت ایک تجویز لے کر تمہارے پاس آیا ہوں، اگر ہاری سمجھ میں آجائے تو اس پر عمل کرنا ورنہ میں نے خود جس امر کا تہیہ کیا ہے اُسے کر زروں گا۔''

''بیٹھ جاؤ اور اطمینان سے گفتگو کرو۔'' حمید نے کہا۔ پامیلا بدستور بُرا سا منہ بنائے بیٹھی ی۔

جیروم ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ''میں اس شہر سے بھاگ رہا ہوں۔ تنظیم کا پھیلاؤ رے ملک میں نہیں ہے۔ انہوں نے صرف دارالحکومت کو گھیر رکھا ہے۔''

حمید نے قہقہہ لگایا اور ہنستا ہی رہا۔ اس پر جیروم بھنا کر بولا۔ ''آخر اس میں ہنسنے کی کیا ت ہے۔''

''اسے بتاؤ۔'' حمید نے پامیلا کی طرف دیکھ کر کہا۔

''تم خود ہی بتا دو۔ میرا موڈ ٹھیک نہیں ہے۔''

''ارے احمق! ہم نے بھی بھاگنے کی کوشش کی تھی لیکن ایک پرچھائیں ہمیں پھر شہر کی رف دوڑا لائی۔'' حمید کراہتا ہوا بولا۔ غالباً ہنسی روکنے کی کوشش میں کراہیں نکلنے لگی تھیں۔

یروم منہ کھولے سنتا رہا پھر بولا۔ ''میں نے تو کوئی پرچھائیں نہیں دیکھی تھی۔''

''تم ہم سے اتنے فاصلے پر تھے کہ نہ دیکھ سکے ہوگے۔''

''لیکن اب تو رات ہوگئی ہے۔ پرچھائیوں سے کوئی خطرہ نہیں ہے اور تم نے ابھی پوری بات کہاں سنی ہے۔'' جیروم نے کہا اور پامیلا کی طرف دیکھنے لگا جس نے شائد بیزار ہوکر آنکھیں بند کرلی تھیں۔ جیروم نے حمید کو دوسرے کمرے میں چلنے کا اشارہ کیا۔

حمید نے بھی کنکھیوں سے پامیلا کی طرف دیکھا اور جیروم کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلا آیا۔

''ان کی ایک حیرت انگیز کار پر میں نے قبضہ کرلیا ہے۔'' جیروم آہستہ سے بولا۔

''کس اعتبار سے حیرت انگیز ہے وہ گاڑی۔''

''پوری دنیا کا سفر کرڈالو لیکن ایک قطرہ پٹرول کی بھی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ بیٹریوں سے چلتی ہے جنہیں دو جنریٹر مسلسل چارج کرتے رہتے ہیں۔''

''اچھا تو پھر.....!''

''ہم جدھر چاہیں نکل جائیں گے ورنہ ہوسکتا ہے کہ دو دن بعد کسی عمارت کے ملبے میں دفن ہو جائیں۔''

''بات تو ٹھیک ہے لیکن اس کی کیا ضمانت ہے کہ ہم شہر سے نکل ہی جائیں گے۔''

''کوشش تو کر دیکھیں۔''

حمید دل ہی دل میں اس سچویشن پر ہنس پڑا۔ عجیب بے چارگی تھی۔ اچھی طرح جانتا تھا کہ جیروم فراڈ ہے لیکن یہ بات اُس کے منہ پر نہیں مار سکتا تھا۔ فائدہ بھی کیا ہوتا۔ یہی صورت پامیلا کے ساتھ بھی تھی۔

''پامیلا سے پوچھے بغیر میں کوئی قدم نہیں اُٹھا سکتا۔''

''اُسے جہنم میں جھونکو۔''

''اتنی خوب صورت عورت کو میں جہنم میں نہیں جھونک سکتا۔''

''مجھ سے پہلے سے تم اسے نہیں جانتے۔'' جیروم نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''تم اپنی بات نہ کرو۔ نہ مستانی چال چلتے ہو اور نہ دل لوٹنے والی مسکراہٹ کے مالک ہو۔''

''مارے جاؤ گے۔ دیکھ لینا۔'' وہ اُسے گھونسہ دکھا کر بولا۔

بالآخر یہ تجویز پامیلا کے سامنے پیش کی گئی۔ پہلے تو اُس کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئی تھیں جن سے ناگواری کا احساس مترشح ہوتا تھا لیکن پھر تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہنے کے بعد بولی۔ ''اچھی بات ہے۔ ایسا بھی کر دیکھتے ہیں۔''

حمید کو پھر کھوپڑی سہلانی پڑی۔ لیکن اب تو خود اپنی ہی تجویز کے جال میں پھنس گیا تھا۔

اسے توقع نہیں تھی کہ پامیلا اس پر آمادہ ہو جائے گی۔

روانگی سے پہلے حمید نے ایک رائفل نکالی۔ کارتوسوں کے کئی پیکٹ پتلون اور جیکٹ کی جیبوں میں ٹھونسنے لگا۔

''یہ کیا کر رہے ہو۔'' پامیلا نے کہا جو اُس کے پیچھے آ کھڑی ہوئی تھی۔

''کیا تمہیں اس پر اعتراض ہے۔''

''یقیناً اعتراض ہے۔ تم مجھے ابھی سے سہائے دے رہے ہو۔''

''خالی ہاتھ نہیں چل سکتا۔''

''بے وقوفی کی باتیں نہ کرو۔ ملٹری پورے شہر میں گشت کر رہی ہے اور تم اُن پر اپنی حیثیت بھی ظاہر نہ کرسکو گے۔''

''تم اس کی فکر نہ کرو۔''

''تمہاری وجہ سے ہم بھی خطرے میں پڑیں گے۔''

اس وقت جیروم یہاں موجود نہیں تھا وہ اُسے سٹنگ روم ہی میں انتظار کرنے کو کہہ آئے تھے۔ بحث طول پکڑ گئی اور آخر کار وہ جیروم کو بھی وہیں بلا لائی۔

''ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں یہ خاتون۔'' جیروم نے حمید سے کہا۔ ''رائفل کی بجائے ریوالور بہتر رہے گا۔''

''ریوالور بھی ہے۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''لیکن اُس سے ہم دور کا نشانہ نہیں لے سکیں گے۔''

''اُوہ تو کیا تمہیں علم نہیں کہ پرچھائیوں والی فلائنگ ڈیوائیسز کے لئے رائفل بے کار ہتھیار ہے۔''

''مجھے علم ہے۔ اس کے باوجود بھی میں رائفل ضرور ساتھ رکھوں گا۔ ورنہ جانا ہی نہیں تمہارے ساتھ۔''

''بہت ضدی ہے۔'' پامیلا جیروم کی طرف دیکھ کر بولی۔

''ہمیں بھی مصیبت میں ڈالو گے لیکن میں تمہیں تنہا بھی نہیں چھوڑ سکتا کیونکہ تمہارا احسان رہا ہوں اور اب دنیا میں میرا تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں ہے؟'' جیروم کی آواز گلوگیر ہوگئی۔

''وہ گاڑی کہاں ہے؟'' حمید نے پوچھا۔

''کرائے کے ایک گیراج میں بند کر آیا ہوں۔'' جیروم نے کہا اور حمید کو اُس علاقے کے بارے میں بتانے لگا جہاں وہ گیراج واقع تھا۔

حمید سمجھ گیا کہ وہ سعد آباد والے کرائے کے گیراجوں کا ذکر کر رہا ہے۔ یہاں سے خاصا فاصلہ تھا۔ وہاں تک پہنچنے کے لئے اپنی ہی کوئی گاڑی استعمال کرنی پڑتی۔

اس نے پامیلا سے کہا۔ ''اس وقت تمہاری گاڑی استعمال نہیں کی جائے گی۔''

''مت کرو۔ اپنی فوکسی لے چلو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔''

حمید نے فوکسی گیراج سے نکالی اور وہ سعد آباد کی طرف روانہ ہو گئے۔ حمید ہی ڈرائیو کر رہا تھا۔ پامیلا برابر والی سیٹ پر تھی اور جیروم پچھلی نشست پر تھا۔ راستے بھر وہ خاموش رہے۔ گیراج کے قریب پہنچ کر جیروم نے کہا۔ ''تم اپنی گاڑی یہیں چھوڑ دینا۔ میں نے ایک ماہ کا پیشگی کرایہ ادا کر دیا ہے۔''

''تم رات کو بھی تاریک شیشوں کی عینک استعمال کرتے ہو مسٹر جیروم۔'' پامیلا نے سوال کیا۔

''میری آنکھیں بہت حساس ہیں۔ زیادہ روشنی برداشت نہیں کر سکتیں۔''

پامیلا پھر کوئی سوال کرتے کرتے رک گئی۔ حمید نے گاڑی روک دی تھی۔ پامیلا اور جیروم اُتر گئے حمید گاڑی ہی میں بیٹھا رہا۔

جیروم نے گیراج کا دروازہ کھول کر گاڑی نکالی اور گاڑی پر نظر پڑتے ہی حمید کے ذہن میں پھر جھماکا سا ہوا۔ پتا نہیں کیوں اسے محسوس ہونے لگا تھا جیسے اس سے پہلے بھی وہ کبھی اُس گاڑی کو دیکھ چکا ہے۔ پھر وہی خواب کا سا تاثر ذہن پر طاری ہونے لگا اور پھر وہ ایک ہی خلش میں مبتلا ہو گیا تھا جیسے کوئی خواب یاد آتے آتے رہ جائے۔

''کیا سوچ رہے ہو۔'' دفعتاً جیروم نے اُسے آواز دی۔ ''اپنی گاڑی گیراج میں لیجاؤ۔''

حمید چونک پڑا اور انجن اسٹارٹ کر کے اُس گاڑی کے قریب سے گزرتے ہوئے رائفل پامیلا کو تھما دی جو فوراً ہی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈال دی گئی تھی۔

فوکسی کو گیراج میں کھڑی کر کے وہ اُتر آیا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ کیا ان لوگوں کے ساتھ اس طرح نکل کھڑے ہونا مناسب ہوگا۔ پتا نہیں اس کی

ل اسکیم کیا ہے۔

دفعتاً جیروم گیراج میں داخل ہوا اور اُس کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑتا ہوا بولا۔ ''تم پھر کچھ چنے لگے۔ جلدی کرو۔ بڑی مشکل سے تعاقب کرنے والوں سے پیچھا ہی چھڑا سکا ہوں۔ یوں میری محنت برباد کراؤ گے۔''

''چلو..... چلو.....!'' حمید نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

جیروم نے شٹر اُٹھا کر قفل ڈالا اور وہ گاڑی کے قریب آ کھڑے ہوئے اور جیروم بولا۔ ''تم آگے ہی بیٹھیں گے۔ سیٹ خاصی کشادہ ہے۔''

خود اس نے اسٹیئرنگ سنبھالا تھا۔ حمید کو اپنے برابر بٹھاتے ہوئے پامیلا کو دوسرے کنارے پر بیٹھنے کو کہا اور پھر گاڑی حرکت میں آ گئی۔ حمید گاڑی کے ڈیش بورڈ کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھے جا رہا تھا۔ ذہن میں پھر یادوں کے جھماکے سے ہوئے تھے کب اور کہاں اسی کوئی واقعہ پیش آیا تھا۔ پامیلا اُسے کنکھیوں سے دیکھتی رہی۔ پھر اچانک بولی۔ ''یہ تمہیں پ کیوں لگ گئی ہے۔ کیا ڈر رہے ہو۔''

''نہیں۔'' حمید چونک کر بولا۔ ''نہ جانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے یہ گاڑی ے لئے نئی نہ ہو۔ لیکن یہ نہیں یاد پڑتا کہ کہاں دیکھی تھی۔''

''ہوسکتا ہے کہیں دیکھی ہی ہو۔ آخر اسی شہر میں تو رہی ہے۔'' جیروم بولا۔

''ان باتوں میں سر کھپانے کی بجائے اس پر نظر رکھو کہ کہیں تعاقب تو نہیں کیا جا رہا۔'' یلا نے کہا۔

''تم ہی رکھو نظر..... میں تو اونگھنے کے موڈ میں ہوں۔'' حمید بولا۔

''واقعی بے حد چڑچڑے ہو رہے ہو۔ پتا نہیں تمہیں کیا ہو گیا ہے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ گاڑی بے آواز چل رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہوا میں پرواز کر رہی ہو۔

جلد ہی وہ شہری آبادی سے باہر نکل آئے۔ اس وقت نیشنل ہائی وے ان سے ہوئے ٹرکوں کی حکمرانی تھی اس لئے اندازہ بے حد مشکل تھا کہ اُن کا تعا کیا جا رہا ہے یا نہیں۔

تھوڑی دیر بعد جیروم کراہتا ہوا بولا۔ ''پتا نہیں کیوں میرے پیٹ میں اینٹھن ہو رہی ہے۔''

''گاڑی روکو اور سڑک کنارے کہیں بیٹھ جاؤ۔'' حمید تڑ سے بولا۔

''اوہ..... اُس قسم کی اینٹھن نہیں ہے۔''

''پھر بتاؤ۔ ہم تمہارے لئے کیا کر سکتے ہیں۔''

''تم میں سے کوئی اس کی ڈرائیونگ کا طریقہ سمجھ لے۔ میں تھکا ہوا ہوں پچھلی سیٹ پر آرام کرنا چاہتا ہوں۔'' جیروم نے آہستہ سے کہا۔

''میرے بس سے تو باہر ہے۔'' پامیلا نے کہا۔

''مجھے بتاؤ۔'' حمید بولا۔

''سڑک سے ہٹنا پڑے گا۔'' جیروم نے کہا۔

''ادھر تو کوئی ایسی جگہ نہیں دکھائی دیتی۔''

''تو اب دھیان دینا۔ جہاں ایسی کوئی جگہ دکھائی دے مجھے آگاہ کر دینا۔'' جیروم نے کہا اور بدستور ڈرائیونگ کرتا رہا۔

پھر ایک جگہ حمید نے رفتار کم کرنے کو کہا۔ بائیں جانب ایک لق و دق میدان تھا۔

''بائیں جانب یہیں سے موڑ لو۔''

گاڑی میدان میں اُتر گئی اور حمید نے اُسے سڑک سے دور لے جانے کا مشورہ دیا۔

''یہ کیوں؟ سڑک کے قریب ہی کیوں نہ رہیں۔'' پامیلا بولی۔

''سارے ٹرک سڑک پر رک جائیں گے۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''گاڑی کے سسٹم کو سمجھنے کے لئے اندر روشنی کرنی پڑے گی پھر دو مرد اور ایک عورت نظر پڑتے ہی وہ یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین ہو جائیں گے کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔''

''اوہ.....!'' وہ طویل سانس لے کر بولی۔ ''ٹھیک ہے۔''

گاڑی دور تک چلی گئی۔ پھر حمید نے روکنے کو کہا۔ انجن بند کر کے اندر کی لائٹ جلائی گئی اور جیروم نے ہدایات دینی شروع کیں اور حمید سوچنے لگا آخر چکر کیا ہے۔ اُس نے

جیروم کو گاڑی اسٹارٹ کرتے دیکھا تھا۔ لیکن اُس نے وہ بٹن نہیں دبایا تھا جسے اب [illegible] کو کہہ رہا تھا۔

ایک بار پھر اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے ان حالات سے پہلے بھی کبھی گزر چکا ہو۔

وہ پشت گاہ سے ٹک کر باہر اندھیرے میں گھورنے لگا۔ دفعتاً جیروم اس کے شانے پر [illegible] کر بولا۔ ''کیا بات ہے۔ تم کیا سوچنے لگے۔''

''میری سمجھ میں نہیں آیا..... اسٹارٹ کر کے دکھاؤ۔''

''ارے یہ بٹن۔ کیا تم اسے دبا کر اسٹارٹ نہیں کر [illegible]''

''دبا کر دکھاؤ۔''

''کیا ہو گیا ہے تمہیں۔''

''میرا سر چکرا رہا ہے۔''

''اچھا تو کچھ دیر آرام کر لو۔''

''تمہارے پیٹ میں اینٹھن ہو رہی ہے اور اس کا سر چکرا رہا ہے۔'' پامیلا بھنا کر [illegible] ''تو پھر نکلے ہی کیوں تھے۔''

''کیا فرق پڑتا ہے کچھ دیر آرام کر لیں۔''

''سوال تو یہ ہے کہ تم یہ بٹن خود کیوں نہیں دبا رہے۔'' حمید سیدھا ہو کر بیٹھتا ہوا بولا۔ [illegible] کا داہنا ہاتھ بغلی ہولسٹر پر پہنچ گیا تھا۔ ٹھیک اُسی وقت کوئی سخت سی چیز بائیں پہلو سے چبھی [illegible] ساتھ ہی پامیلا کی سرگوشی سنائی دی۔ ''ہاتھ ہٹاؤ ہولسٹر سے ورنہ فائر کر دوں گی۔''

حمید نے طویل سانس لی اور داہنا ہاتھ زانو پر رکھ لیا۔ اچانک گاڑی کے نیچے دھماکا ہوا [illegible] بائیں جانب جھک گئی۔

''ٹٹ..... ٹائر..... فلیٹ ہوا ہے۔'' پامیلا بوکھلا کر بولی۔ ساتھ ہی حمید کے بائیں پہلو [illegible] نے والا دباؤ مفقود ہو گیا۔

اُدھر جیروم دروازہ کھول کر باہر کود گیا تھا۔ اس کے بعد اچانک وہ کئی گاڑیوں کے ہیڈ [illegible] کی روشنی میں نہا گئے۔ کئی گاڑیاں مختلف اطراف سے ان کی جانب بڑھی آ رہی تھیں۔ [illegible] نے بھی دوسری طرف کا دروازہ کھول کر اُتر جانا چاہا لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ حمید کی

گرفت میں تھی اور اس کا اعشاریہ دو پانچ کا پستول نیچے گر گیا تھا۔

''یہ..... یہ کیا کر رہے ہو۔'' وہ مچلی۔

''اگر یہ تمہارے ساتھی ہی ہوئے تو سب سے پہلے تمہیں مرنا پڑے گا۔''

مختلف سمتوں سے آنے والی گاڑیاں اُنہیں گھیرے میں لئے ہوئے رک گئیں۔

''خبردار کوئی جنبش نہ کرے۔ گاڑی رائفلوں کی زد پر ہے۔'' اچانک ایک گاڑی سے آواز آئی اور پھر حمید نے مسلح فوجیوں کو جیپوں سے اُترتے دیکھا۔ پامیلا پر اس کی گرفت اور مضبوط ہوگئی۔

''غیر مسلح ہو کر نیچے اُتر آؤ۔'' کسی نے پھر اُنہیں للکارا۔

حمید پامیلا کو گھسیٹتا ہوا نیچے اُتر آیا اور اُس سے پوچھا گیا۔ ''تیسرا آدمی کہاں ہے؟''

''ٹائر فلیٹ ہوتے ہی نیچے کود گیا تھا۔'' حمید نے جواب دیا۔ اس نے فریدی کی آواز پہچان لی تھی۔

اچانک ایک جانب سے فائرنگ شروع ہوگئی۔ ساری گاڑیوں کی روشنیاں بجھا دی گئیں اور پھر ذرا ہی دیر میں پورا میدان فائروں سے گونجنے لگا۔ حمید پامیلا کو اُسی طرح جکڑے ہوئے زمین پر گرا تھا۔ وہ نکل جانے کے لئے شدید جدوجہد کر رہی تھی۔ اسی دوران میں حمید کی گردن اس کی گرفت میں آ گئی اور اس نے دونوں ہاتھوں سے اُس کا گلا گھونٹنا شروع کر دیا۔ گرفت بے حد سخت تھی۔ حمید نے پہلے تو گردن چھڑانے کی کوشش کی پھر جھلا کر وہ بھی اس کا گلا گھونٹنے لگا۔

فائر برابر ہو رہے تھے۔ پھر کسی جانب سے ہینڈ گرینیڈ پھٹنے کی آواز بھی آئی اور پامیلا حمید کی گردن چھوڑ کر ہانپتی ہوئی بولی۔ ''ہٹو اس گاڑی کے پاس سے..... وہ اسے تباہ کرنا چاہتے ہیں..... تمہارے ہاتھ نہیں لگنے دیں گے۔''

حمید اُس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تیزی سے دوسری جانب کھسکنے لگا اور خاصے فاصلے پر جا کر چیخا۔ ''وہ اس گاڑی کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔''

قریب ہی سے فریدی کی آواز آئی۔ ''بائیں جانب مڑو..... دس قدم کے فاصلے پر نالہ ہے اُس میں اُتر جاؤ۔''

حمید نے پھرتی سے تعمیل کی اور پامیلا منمنائی۔ ''بے دردی نہ دکھاؤ۔ میں اب بھاگوں گی نہیں۔''

فائروں کی گونج میں شدت پیدا ہوگئی تھی اور پھر وہ نالے میں اُتر ہی رہے تھے کہ ایک زبردست دھماکا ہوا اور وہ اوندھے منہ بدبودار کیچڑ میں جا پڑے۔

کرائم رپورٹر انور انہیں اس حال میں دیکھ کر بوکھلا گیا۔ اُن کے کپڑے کیچڑ میں لت پت تھے اور جسم کے مختلف حصوں سے خون بہہ رہا تھا لیکن وہ فریدی کے علاوہ اور کسی کو بھی نہ پہچان سکا۔ کیونکہ وہ اسی میک اپ میں اس کو کئی دنوں سے دیکھتا رہا تھا۔ خود وہ بھی زخمی معلوم ہوتا تھا اور اس کی وردی بھی کیچڑ میں لتھڑی ہوئی تھی۔

کچھ دیر پہلے کسی مہم پر جاتے وقت وہ انور کو اُسی عمارت میں چھوڑ گیا تھا جس میں اُن کا قیام تھا اور اب واپسی اس طرح ہوئی تھی۔ گندگی میں لتھڑے ہوئے اور زخمی ساتھیوں میں سے ایک عورت تھی اور ایک مرد۔ عورت سفید فام تھی۔ پھر مرد کی آواز سن کر وہ چونک پڑا کیونکہ وہ کیپٹن حمید کے علاوہ اور کسی کی آواز نہیں ہو سکتی تھی۔

وہ خاموشی سے اُنہیں دیکھتا رہا۔ فریدی اُس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ عورت بار بار کہے جا رہی تھی۔ ''مجھے پہلے سے اس کا علم نہیں تھا۔ میں کچھ نہیں جانتی تھی۔''

''اس کے باوجود بھی میرے خلاف تمہارا پستول نکل آیا تھا۔'' حمید کہتا۔

''وہ اضطراری فعل تھا۔ میں اپنی گردن بچانا چاہتی تھی۔''

''باتیں بعد میں ہوں گی۔'' فریدی نرم لہجے میں بولا۔ ''پہلے اپنی حالت درست کرو۔ تمہیں طبی امداد کی ضرورت ہے۔''

تھوڑی دیر بعد جب وہ دوبارہ صاف ستھرے نظر آنے لگے اور اُن کے زخموں کی

ڈریسنگ ہو چکی تو فریدی نے عورت سے کہا۔ ''اب کہو تم کیا کہنا چاہتی تھیں۔''

''جو کچھ بھی پوچھنا ہے اس سے پوچھو۔ میں کچھ بھی نہیں جانتی۔'' اُس نے حمید کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''یا وہ جانتا ہوگا جو فرار ہو گیا۔''

''پھر یہ بہتر ہوگا کہ تم آرام کرو۔ لیکن اسے اچھی طرح سمجھ لو کہ یہاں سے فرار ہو جانا ممکن نہ ہوگا۔ نگرانی کرنے والے فوراً گولی مار دیتے ہیں۔''

''مم..... میں سمجھتی ہوں۔''

وہ اُسے وہیں چھوڑ کر انور اور حمید سمیت دوسرے کمرے میں چلا آیا۔

''اب تم بتاؤ فرزند۔'' فریدی حمید کو ترحم آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

''میں کیا بتاؤں۔ بس وہ مجھے شہر سے باہر لے جا رہے تھے۔''

''اس گاڑی کے بارے میں کیا جانتے ہو۔''

''کچھ بھی نہیں۔ وہ مجھے اُسے چلانے کا طریقہ سمجھا رہا تھا لیکن خود اس بٹن کو دبانے پر تیار نہیں تھا جسے دبانے کی ہدایت مجھے دی تھی۔ اسی پر بات بڑھی اور پامیلا نے پستول میرے پہلو سے لگا کر دھمکی دی۔ اُسی وقت اچانک ٹائر فلیٹ ہو گیا اور پھر جو کچھ ہوا آپ جانتے ہی ہیں۔''

''اس طرح جانتا ہوں کہ میں اُس گاڑی کا جائزہ پہلے ہی لے چکا تھا اور اس میں اپنا ایک بگ بھی لگا دیا تھا اس لئے تم لوگوں کی گفتگو تعاقب کے دوران میں سنتا رہا تھا۔ تعاقب جاری ہی رکھتا اگر وہ عورت تمہیں دھمکی نہ دیتی۔ بہرحال بے آواز فائر کر کے گاڑی کا ایک ٹائر فلیٹ کرنا پڑا تھا۔''

''کیا وہ گاڑی آپ کے ہاتھ لگ گئی تھی؟''

''نہیں تباہ ہو گئی اور وہ شاید صرف اس کی تباہی پر تلے ہوئے تھے۔ ہمارا ایک آدمی بھی ضائع نہیں ہوا۔ وہ البتہ اپنی دو لاشیں چھوڑ گئے ہیں۔''

''اور جیروم.....!''

''نہ اُس کی لاش ملی اور نہ سراغ ہی مل سکا۔''

''پامیلا بھی جانتی تھی کہ وہ گاڑی تباہ کر دی جائے گی۔ یہی کہہ کر وہ گاڑی سے

ہونے کی کوشش کرتی رہی تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر وہ گاڑی تھی کیا چیز۔''

''میرا خیال ہے اُسی گاڑی سے تمہارا پیغام نشر کیا جاتا تھا۔ اُس میں ایک بہت طاقتور ٹرانسمیٹر بھی نصب تھا اور وہ گاڑی جیروم ہی کی تحویل میں رہتی تھی۔''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ جیروم سے پہلی ملاقات بھی محض ڈرامہ تھی۔''

فریدی کچھ نہ بولا اور حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ''اور یہ پامیلا بدستور جان کو چمٹی رہے گی؟''

''کوئی کانا مرد تو ہے نہیں کہ بھاگ جائے گا۔'' انور مسکرا کر بولا۔

حمید نے پہلی بار اُس کی آواز پہچانی اور اُسے قہر آلود نظروں سے دیکھنے لگا۔ انور نے بڑبڑا کر کہا۔ ''خاصی طرحدار عورت ہے۔''

''کیا یہ بکواس ضروری ہے؟'' حمید پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولا۔

''دماغ ٹھنڈا رکھو ورنہ خون ضائع ہوگا۔'' فریدی نے کہا۔

''اس کو کہاں ساتھ لئے پھر رہے ہیں۔''

''ہماری طرح ہی یہ بھی عوام کے عتاب کا شکار ہو گیا ہے۔''

''عوام.....!'' حمید منہ بگاڑ کر رہ گیا۔

فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے ریسیور اُٹھا لیا۔

''بی ایٹ سر۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''دوسرا راستہ تلاش کر لیا گیا ہے جناب۔ نامشرق کی جانب سے۔ آپ نے نقشے پر جو نیا نشان لگوایا ہے وہ نئے راستے سے ساٹھ ڈگری کے زاویئے پر ہے۔''

''بہت خوب تو اسی وقت تیار ہو جاؤ۔ ہم آدھے گھنٹے بعد روانہ ہو جائیں گے۔''

''بہت بہتر جناب۔''

فریدی ریسیور کریڈل پر رکھ کر انور کی طرف مڑا اور بولا۔ ''اسی وقت روانگی ہوگی تاکہ ہونے تک ہم اُس جگہ پہنچ جائیں جہاں سے اصل سفر کا آغاز ہوگا۔''

''آپ زخمی ہیں۔'' انور نے کہا۔

''معمولی سی خراشیں ہیں۔ کوئی خاص بات نہیں لیکن کیا تم چلو گے۔''

''کیوں نہیں..... کہانی کے اختتام کی رپورٹنگ آنکھوں دیکھی ہو تو اُس کی اہمیت بڑھ جائے گی۔''

''تمہاری مرضی۔ لیکن تم اپنی ذمہ داری پر چل رہے ہو۔''

''یقیناً جناب۔''

''اور تم دونوں ملٹری پولیس کی حراست میں رہو گے۔'' فریدی نے حمید سے کہا۔

''میں کیوں؟''

''مجرموں کے ساتھ پکڑے گئے ہو اور میک اپ میں ہو۔''

''اُن سے کہہ دیجئے گا کہ ہم دونوں کو ساتھ ہی رکھیں۔''

فریدی صرف شانوں کو جنبش دے کر رہ گیا۔

ٹھیک آدھے گھنٹے بعد پانچ جیپیں کسی نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہوگئی تھیں۔ اگلی جیپ میں فریدی اور انور تھے۔ فریدی ہی ڈرائیو کر رہا تھا۔ پچھلی نشست پر دو افراد بھی تھے ان جیپوں پر فوج کے انجینئرنگ کے شعبے کے نشانات دور سے بھی دیکھے جاسکتے تھے۔

کچھ دیر بعد وہ جیپیں سڑک چھوڑ کر ایک کچے راستے پر ہولیں۔

''کیا خیال ہے۔ ہم کدھر جا رہے ہیں۔'' فریدی نے انور سے پوچھا۔

''پٹاری کی طرف۔''

''لیکن پہاڑیوں کی طرف نہیں۔ رخ کسی اور طرف ہوگا اور ہم ایک ایسے راستے سے جنگل میں داخل ہوں گے جہاں سے وہ جگہ بھی نزدیک ہے۔''

''کون سی جگہ۔''

''جہاں وہ لکیریں نیچے جاتی دکھائی دیتی تھیں۔''

''تو آپ نے اندازہ لگالیا ہے کہ وہ لکیریں کہاں نیچے اتری تھیں۔''

''ظاہر ہے ورنہ اُس راستے کا تعین کیا جاسکتا؟''

جیپیں کچے ہی راستوں سے گزرتی رہیں۔ سفر کئی گھنٹے جاری رہا۔ انور کبھی اونگھنے لگتا اور کبھی چونک کر اس طرح فریدی کی طرف دیکھنے لگتا جیسے اُس کے سر پر سینگ نکل رہے ہوں۔ رات خاصی سرد تھی اور کسی قدر شبنم آلود بھی۔ انور کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے چہرے

ناک کی تہہ جم گئی ہو۔

آخر ایک جگہ گاڑیاں رکی تھیں۔ وہ نیچے اُتر گئے۔ اپنے شانوں سے تھیلے لٹکانے لگے۔ صبح کی سفیدی اُفق پر نمودار ہونے لگی تھی۔

''یہاں سے پیدل سفر ہوگا۔'' فریدی نے انور سے کہا۔

''روز روشن میں۔''

''فکر نہ کرو۔ ان اطراف کے جنگل میرے چھانے ہوئے ہیں۔ میں نے ہی اس رخ پر راستے کے امکان کی نشاندہی کی تھی۔ تبھی یہ لوگ تلاش کر سکے ہیں۔''

''یعنی آپکو یقین ہے کہ ہم دن کی روشنی میں بھی اُنکی نظروں سے محفوظ رہ سکیں گے۔''

''تم ابھی دیکھ ہی لو گے۔''

اس طرف جنگل گھنا تھا اور شاید فریدی کے آدمیوں نے جھاڑیوں کو کاٹ کاٹ کر راستہ بنایا تھا۔ وہ سب ایک قطار میں چل پڑے۔ اُٹھارہ افراد تھے۔ جنگل میں داخل ہوتے ہی فریدی نے انہیں تین ٹکڑیوں میں تقسیم کیا اور ہدایات دینے لگا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ وہ سب الگ ہوئے راستوں سے لگ گئے۔ فریدی اور انور کے ساتھ صرف ایک آدمی رہ گیا تھا۔

''ہم چار اطراف سے اُس مقام کی طرف بڑھیں گے۔'' فریدی نے انور سے کہا اور ایک جانب اشارہ کر کے بولا۔ ''ہم تینوں ادھر سے چلیں گے۔''

اُن کا ساتھی آگے بڑھا اور ہلکی کلہاڑیوں سے جھاڑیاں کاٹ کاٹ کر راستہ بنانے لگا۔ کاہاتھ جھاڑیوں پر اس طرح پڑتا تھا کہ ہلکی سی آواز بھی نہیں ہوتی تھی اور وہ آہستہ آہستہ بڑھ رہے تھے۔

''بس اب خاموشی سے چلنا ہے۔'' فریدی نے مڑ کر انور سے بہ آہستگی کہا اور وہ سر کو ہلا دے کر رہ گیا تھا۔

جنگل پرندوں کے شور سے گونج رہا تھا اور بھیگی بھیگی سی ہوا اُن کے جسموں کو سہلا رہی تھی۔ انور کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ذہن سے ہر طرح کا بوجھ اُتر گیا ہو۔ راستہ دشوار گزار تھا لیکن زندگی میں یہ تبدیلی گراں نہیں گزر رہی تھی۔ گھنی جھاڑیوں کی وجہ سے ان کی رفتار برقرار رہی۔ دو فرلانگ کئی گھنٹوں میں طے ہوئے تھے۔ انور سوچ رہا تھا ضروری تو

نہیں ہے کہ اس طرح وہ ٹھیک اُسی جگہ پہنچ جائیں جہاں کے لئے روانہ ہوئے ہیں۔ تصویر دیکھ کر نقشے پر کسی جگہ کا تعین کرنے میں غلطی بھی ہوسکتی ہے۔ اس نے اپنے اس شبہے کا اظہار فریدی پر بھی کیا اور اُس نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''بس دیکھتے جاؤ۔ تمہیں مایوسی نہیں ہوگی۔''

''دوسری بات!'' انور بولا۔ ''کیا انہوں نے اس جگہ کو ہر قسم کے خطرات سے محفوظ کر لینے کی کوشش نہ کی ہوگی؟''

''ضرور کی ہوگی۔ ہر سمت کا خیال رکھا ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہمارے کسی خاص حد تک پہنچتے ہی وہ ہماری موجودگی سے آگاہ بھی ہو جائیں۔''

''اُس کے بعد کیا ہوگا۔''

''ظاہر ہے کہ اس کے بعد ٹکراؤ ہی ہوسکتا ہے۔''

''ہم صرف اٹھارہ افراد ہیں اور یک جا نہیں ہیں۔ اُن میں سے کچھ راستہ بھٹک کر کسی اور جانب بھی جاسکتے ہیں۔''

''حوصلہ نہ ہارو۔''

''حوصلہ ہارنے کی بات نہیں۔ ہر پہلو پر نظر رکھنی چاہئے۔''

''مشورے کا شکریہ۔ میں ہر پہلو سے غور کر چکا ہوں۔ اس کے باوجود بھی اسے اندھم چال ہی سمجھتا ہوں۔ اگر تم خود کو بہت زیادہ عقلمند محسوس کر رہے ہو تو یہیں سے پلٹ جاؤ۔''

''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ صرف سچویشن کو سمجھنا چاہتا تھا۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ انور نے محسوس کیا کہ بحث کر کے اس نے اس کا موڈ کسی قدر خراب کر دیا ہے۔

وہ چلتے رہے۔ اچانک ایک جگہ فریدی رک گیا۔ انور نے اُس کی آنکھوں میں شکار جانوروں کی سی چمک دیکھی۔ وہ ایک جانب دیکھے جا رہا تھا۔ پھر اُس نے مڑ کر ان دونوں سے بیٹھ جانے کو کہا اور خود کسی قدر جھک کر جھاڑیاں ہٹاتا ہوا اُسی جانب بڑھنے لگا۔ انور اور دوسرے آدمی نے اپنے اپنے ریوالور نکال لئے۔ وہ دونوں برابر ہی سے گھٹنوں کے بل ہو گئے تھے اور ان کے رخ اُسی جانب تھے جدھر فریدی گیا تھا۔ اچانک انور کی آنکھوں میں تارے ناچ گئے۔ گردن پر کسی نے ایسی ہی زوردار ضرب لگائی تھی۔

ایک جھٹکے کے ساتھ اس کا سر زمین پر جا لگا۔ اُس کے ساتھی کا بھی یہی حشر تھا۔ اس حال میں بھی انور کی تمام تر توجہ اُسی طرف رہی تھی کہ وہ ذہنی طور پر ناکارہ نہ ہونے پائے۔ وہ کیفیت سے لڑتا رہا جو اس کے ذہن کو تاریکی کی طرف لے جا رہی تھی۔ ذرا دیر بعد اُس نے محسوس کیا کہ کوئی اُس کی بغلوں میں ہاتھ دے کر سیدھا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ دم پلٹ پڑا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس کا مقابل نیچے تھا اور وہ خود اُس کے اوپر۔ ٹھیک اسی وقت کسی نے اُسے للکارا۔ ''ٹھہرو۔ ورنہ کھوپڑی کے پرخچے اڑ جائیں گے۔ انور جس پوزیشن میں تھا اُسی میں رہ گیا۔ بائیں جانب ایک اسٹین گن اُس کی طرف اُٹھی ہوئی تھی۔''

''اسے چھوڑ کر ہٹ جاؤ۔'' دوسرا حکم ملا۔ چپ چاپ تعمیل ہی کرتے بنی۔ اُس کا سر اب بھی چکرا رہا تھا۔ لیکن اتنا زیادہ بھی نہیں کہ اپنے پیروں پر نہ کھڑا ہوسکتا۔

اُس کا مغلوب بھی اُٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں عجیب سے لباس میں تھے۔ سبز رنگ کے ایسے لگ رہے تھے جو پچھلی ٹانگوں پر سیدھے کھڑے ہو گئے ہوں۔ سبز رنگ کا لباس جسموں کی طرح منڈھا ہوا تھا۔ چہروں پر صرف آنکھوں کی جگہ دو سوراخ تھے بقیہ چہرہ اور سر لباس میں پوشیدہ ہو گئے تھے۔

انور نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا۔ وہ اب بھی زمین پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔ شاید گردن پر والی ضرب کو نہیں سہار سکا تھا۔

''اسے اُٹھاؤ اور ہمارے ساتھ چلو۔'' ایک سبز پوش نے کہا۔

''وزنی ہے مجھ سے نہیں اُٹھے گا۔'' انور بولا۔

''کیوں نہ دونوں کی ٹانگیں رسیوں سے باندھ کر گھسیٹتے ہوئے لے چلیں۔'' دوسرے نے تجویز پیش کی۔

''کیوں نہ میں کوشش کر دیکھوں۔'' انور جلدی سے بولا۔

''عقلمندی کی بات ہے۔'' پہلا سبز پوش بولا۔

''کتنی دور چلنا ہوگا؟''

''زیادہ دور نہیں۔''

''بہرحال تم لوگ جو کوئی بھی ہو۔ سرکاری کام میں مداخلت کر رہے ہو۔''

''وہ سرکاری کام کیا ہے؟''

''ہم اس جنگل کا سروے کر رہے ہیں۔''

''کس لئے۔''

''ہمارے کور کمانڈر کو معلوم ہوگا۔''

''وہ کہاں ہے؟''

''ہیڈ کوارٹر میں۔''

''ہم اس قسم کی پوچھ گچھ کے مجاز نہیں ہیں۔'' دوسرا سبز پوش بولا۔ ''چلو اُٹھاؤ۔''

طوعاً و کرہاً انور نے بے ہوش ساتھی کو ہاتھوں پر اُٹھایا اور لڑکھڑاتا ہوا اُن کے ساتھ چلنے لگا۔ ایک سبز پوش اُس کے آگے تھا جو سامنے سے جھاڑیاں ہٹاتا ہوا چل رہا تھا اور دوسرا اُس کے پیچھے تھا۔

کچھ دور ہی چلا تھا کہ ساتھی نے آنکھیں کھول دیں اور احمقوں کی طرح اُس کی ٹکر تکتا رہا۔ انور نے کہا۔ ''کیا خیال ہے۔ سواری ہی برقرار رہے گی یا پیدل بھی چلو گے؟''

اگلا سبز پوش اُس کی آواز سن کر رک گیا۔ انور کو بھی رک جانا پڑا اور اُس نے اپنے ساتھی کو زمین پر کھڑا کر دیا۔

''کیا قصہ ہے؟'' ساتھی نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھتے ہوئے پوچھا اور انور آہستہ سے بولا۔ ''یہ دونوں مجھے کسی دوسرے سیارے کی مخلوق معلوم ہوتے ہیں۔''

''چلتے رہو۔'' پیچھے والا سبز پوش غرایا اور انور نے اپنے ساتھی سے کہا۔ ''پتا نہیں کیا ہے۔ ان لوگوں کی سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ ہمارا تعلق فوج کی انجینئرنگ کور سے ہے۔''

''آخر یہ ہیں کون۔''

''خدا ہی جانے۔ اسٹین گن کے زور پر ہمیں زبردستی کہیں لے جا رہے ہیں۔''

''مقصد نہیں بتایا؟''

''نہیں..... حالانکہ میں نے یہاں اپنی موجودگی کی اہمیت واضح کر دی تھی۔''

''ہوسکتا ہے جہاں لے جا رہے ہوں وہاں معلوم ہو جائے۔''

''خاموشی سے چلو۔'' سبز پوش نے پھر وارننگ دی۔

مزید آدھے گھنٹے بعد وہ ایک بہت بڑے خیمے میں داخل ہوئے تھے جو باہر سے خیمہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ پورا کا پورا خودرو بیلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ کم از کم فضائی جائزہ لے اُسے قطعی طور پر نظر انداز کر دیتے۔ لیکن انور کو اس معاملے پر مزید غور کرنے کا موقع نہیں مل سکا کیونکہ خیمے میں اپنی پارٹی کے آٹھ افراد اور دکھائی دیئے تھے جن کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ خود اُن دونوں کے ساتھ بھی یہی برتاؤ ہوا۔ اب پارٹی کے دس افراد قیدیوں کی حیثیت سے وہاں کھڑے ہوئے نظر آ رہے تھے اور انور سوچ رہا تھا کہ ہمیدی سمیت آٹھ افراد ابھی ان کے ہاتھ نہیں لگ سکے اس لئے نا اُمیدی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ان دس افراد کے علاوہ وہاں چھ عدد سبز پوش بھی موجود تھے۔ دفعتاً اُن میں سے ایک نے سوال کیا۔ ''لیڈر کون ہے۔''

'کوئی بھی نہیں۔'' انور کے ساتھی نے کہا۔ ''ہم سب چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی شکل میں مختلف اطراف سے جنگل میں داخل ہوئے تھے۔''

'مقصد کیا ہے؟''

'سروے کر رہے ہیں۔''

'کس لئے۔''

'کمانڈوز کی ٹریننگ کے لئے؟''

'کل کتنے آدمی ہیں۔''

'شائد ہم میں سے کوئی بھی نہ جانتا ہو۔ کیونکہ ہم دو دو اور تین تین کی ٹولیوں میں روانہ ہوئے تھے۔ لیکن آخر تم لوگ کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو۔''

'صرف ہمارے سوالوں کے جواب دو۔'' سبز پوش گرج کر بولا۔

'پوچھو اور کیا پوچھنا ہے۔'' انور کا ساتھی بولا۔

'سچ بولو۔ ورنہ ہم دوسرے طریقے اختیار کریں گے۔''

'میں نے کوئی بات غلط نہیں کی۔''

'پٹاری کی پہاڑیوں کو کیوں گھیرے میں لیا گیا ہے؟''

''میں نہیں جانتا۔ پٹاری کی پہاڑیاں یہاں سے شائد بیس میل کے فاصلے پر ہیں۔''

''سچی بات۔''

''ٹھیک ہے۔ تم کوئی دوسرا طریقہ اختیار کر کے ہمیں سچ بولنے پر مجبور کر سکتے ہو۔'' کے ساتھی نے خشک لہجے میں کہا۔

''ہم دیکھیں گے۔ ذرا سب کو اکٹھا ہو لینے دو۔'' اس نے خوف ناک لہجے میں دی اور انور کا ساتھی گردن ٹیڑھی کر کے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

شام ہوتے ہوتے تین قیدی اور لائے گئے۔ انور سوچ رہا تھا کیا سب ہی پ جائیں گے۔ لیکن فریدی ان تینوں میں بھی نہیں تھا۔ نئے قیدیوں سے بھی اُسی قسم کے کئے گئے جیسے اُن سے کئے گئے تھے لیکن وہ بھی سبز پوشوں کی معلومات میں مزید اض کر سکے۔

''میں یقین نہیں کر سکتا۔'' آخر کار لیڈر سبز پوش پیر پٹخ کر دھاڑا۔

لیکن وہ سب خاموش ہی رہے۔ ہر ایک اپنے چہرے سے لاتعلقی ظاہر کرنے کی میں لگا ہوا تھا۔

''کیا تم لوگ کسی دوسرے سیارے کی مخلوق ہو؟'' انور اچانک اُس سے پوچھ بیٹھ

''تمہارا کیا خیال ہے!'' سبز پوش غرایا۔

''اس سیارے کی مخلوق ہوتے تو کم از کم تمہیں یہاں کے کھانے پینے کے اوقا بھی ہوتا۔''

سبز پوش اُن کی طرف سے منہ موڑ کر بیٹھ گیا۔ انور سوچ رہا تھا کہ ابھی فریدی پانچ افراد آزاد ہیں۔ اگر ان کا سابقہ ابھی تک ان لوگوں سے نہیں پڑا تو اب کبھی ہو جانے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ پھر باہر اندھیرا پھیل گیا۔ خیمے کے ایک پول کا کچھ حصہ ٹیوب کی طرح روشن ہو گیا۔

''واقعی تم لوگ اس سیارے کے باشندے نہیں معلوم ہوتے۔'' انور بولا۔

اور سبز پوشوں کا لیڈر اُسے گھور کر رہ گیا۔ پھر بولا۔ ''اچھا بھی بتا دو کہ ابھی تم کتنے اور ساتھی باقی ہیں۔ تمہیں کھانے پینے کو مل جائے گا۔''

''نہایت آسان سوال ہے۔'' انور نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''لیکن ہمارے پاس اس کا بھی جواب نہیں ہے۔''

''بس تو پھر ایڑیاں رگڑ کر مر جاؤ۔''

اس کے بعد ہی انور پر غشی سی طاری ہونے لگی تھی۔ اُس کے دوسرے ساتھیوں کا بھی یہی حال تھا۔ پچھلی رات جاگے تھے اور آج دن بھر بھوکے رہے تھے۔ سبز پوشوں نے اُنہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ شائد اس خیمے کی نگرانی کے لئے چھ ہی آدمی تھے۔ اُن میں سے کچھ باہر آتے جاتے رہتے۔ غالباً اس طرح باری باری سے وہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے خیمے سے چلے جاتے تھے۔ لیکن کم از کم دو مسلح افراد ہر وقت موجود رہتے تھے۔ اس وقت بھی دو ہی تھے۔

انور ایک بار پھر اپنے ذہن سے لڑنے لگا۔ ایک پل کے لئے بھی غافل نہیں ہونا چاہتا تھا۔ دونوں سبز پوش پوری طرح چوکس نظر آتے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں اسٹین گنیں نہ ہوتیں تو وہ سب ہاتھ بندھے ہونے کے باوجود بھی اُن پر ٹوٹ پڑتے کیونکہ اُن کے پیر تو آزاد ہی تھے۔ اگر اچانک تیرہ افراد ہاتھ بندھے ہونے کے باوجود بھی اُن دونوں پر گر ہی پڑتے تو اُن کا تیا پانچہ ہو جاتا۔ لیکن اسٹین گنیں۔

''کیا ہم آپس میں گفتگو کر سکتے ہیں۔'' انور نے اچانک پوچھا۔

''کس مسئلے پر؟'' سبز پوش غرایا۔

''ایک دوسرے کی خیریت دریافت کریں گے۔ ورنہ پھر تم ہمیں یہ بتا دو کہ ہمارا کیا شر ہونے والا ہے۔''

''میں نہیں جانتا۔''

انور کا خیال تھا کہ خاموشی اُن پر سچ مچ غفلت طاری کر دے گی اور وہ کم از کم غافل ہو کر نہیں مرنا چاہتا تھا۔

''پھر کون بتائے گا۔'' انور نے اُس سے پوچھا۔

''میں آخری آدمی نہیں ہوں۔''

''تو پھر ہمیں آخری آدمی کے پاس لے چلو۔''

''میں کہتا ہوں چپ چاپ بیٹھے رہو۔''

''تو پھر آپس میں گفتگو کرنے کی اجازت دے دو۔''

''اجازت ہے۔'' وہ پیر پٹخ کر بولا۔

''ہاں تو دوستو۔'' انور اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوا۔ ''میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم نے اپنی زندگیوں کا بیمہ کرالیا تھا یا نہیں؟''

کوئی کچھ نہ بولا۔ شائد اُنہیں انور کی بکواس گراں گزر رہی تھی۔

''کوئی بھی گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔ اس لئے تم خاموش رہو۔'' سبز پوش غرایا۔

''خاموشی سے میرا دم گھ[illegible]ہے۔'' انور نے کہا۔

ٹھیک اُسی وقت تین سبز پوش خیمے میں داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک نے اُن دونوں سے انگلش میں کہا۔ ''انہیں یہاں سے وہاں پہنچانا ہے۔'' لہجہ غیر ملکی تھا۔

وہ دونوں اُٹھ گئے۔ نووارد پھر بولا۔ ''کوئی نہیں جانتا کہ ابھی اور کتنے ہیں۔ تلاش جاری ہے۔ تم انہیں بہت احتیاط سے [illegible] لے چلو گے۔''

''بہت بہتر جناب۔ کیا ہم د[illegible] چلیں؟''

''ہاں..... یہاں کی فکر نہ کرو۔ انہیں تلاش کر کے یہیں لایا جاتا رہے گا۔''

انور نے سوچا اب کوئی نئی مصیبت نازل ہونے والی ہے۔ پتا نہیں اب کہاں لے جائیں اور کس طرح پیش آئیں۔ اُسے اور اُس کے ساتھیوں کو اُٹھا کر ایک قطار میں کھڑا کر دیا گیا۔ دونوں سبز پوش خیمے ہی میں ایک جانب بڑھے اور قیدیوں کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ انور جو سب سے آگے تھا فوراً ہی چل پڑا۔ وہ دونوں ایک دراڑ میں اُتر رہے تھے اور محدود روشنی والی ٹارچیں اُن کے ہاتھوں میں روشن ہوگئی تھیں۔ یکے بعد دیگرے وہ سب دراڑ میں اُتر گئے۔ نووارد سبز پوش اُن کے پیچھے چل رہے تھے۔ وہ دراڑ ایک سرنگ ثابت ہوئی کیونکہ اُنہیں آسمان نہیں دکھائی دیا تھا۔ وہ چلتے رہے۔ محدود روشنی والی ٹارچوں کی چمک یہاں اتنی بڑھ گئی تھی۔ وہ سب بخوبی راستہ دیکھ سکتے تھے۔

اس سرنگ کا اختتام ایسی جگہ ہوا تھا جس کو ایک بہت بڑے گنبد کا اندرونی حصہ کہا جا سکتا۔ تیز قسم کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی اور ایک خاصے وسیع دائرے میں [illegible]

مشینیں نصب تھیں جن کی بنا پر اُسے کسی نظام کا کنٹرول روم ہی سمجھا جا سکتا تھا۔

یہاں صرف تین افراد نظر آئے لیکن وہ سبز رنگ کے چست ملبوسات میں نہیں تھے اور اُن کے چہرے بھی کھلے ہوئے تھے۔

وہ حیرت سے اس قافلے کو دیکھنے لگے۔ دفعتاً انگلش میں گفتگو کرنے والے سبز پوش نے اُن دونوں سبز پوشوں سے کہا جنہیں خیمے سے ساتھ لایا تھا۔

''اب تم دونوں وہیں واپس جاؤ اور نئے قیدیوں کے منتظر رہو۔''

وہ تیزی سے واپسی کے لئے مڑ گئے۔

اُن تینوں حیرت زدہ آدمیوں میں سے ایک آگے بڑھ کر بولا۔ ''یہ لوگ کون ہیں اور انہیں یہاں کیوں لایا گیا ہے۔''

''یہ مقامی فوج کے لوگ ہیں جنہیں آج ہی پکڑا گیا ہے۔'' سبز پوش نے جواب دیا۔

''لیکن یہاں کیوں لایا گیا ہے۔''

''میں نہیں جانتا۔ مجھے یہی حکم ملا ہے۔''

''بات سمجھ میں نہیں آئی؟'' وہ اپنے دونوں ساتھیوں کی طرف مڑ کر بولا۔

انہوں نے بھی عجیب انداز میں سروں کو جنبش دی اور قیدیوں کو دیکھنے لگے۔ سبز پوش اپنے دونوں ساتھیوں کے قریب پہنچ کر آہستہ آہستہ کچھ کہتا رہا اور پھر انور نے دیکھا کہ ان میں سے ایک اُسی راستے سے واپس چلا گیا جس سے وہ اس گنبد نما عمارت میں داخل ہوئے تھے اور دوسرے نے آگے بڑھ کر قیدیوں کے ہاتھ کھولنے شروع کر دیئے۔

''آخر یہ سب کیا ہے؟'' حیرت زدہ آدمیوں میں سے ایک بولا۔ ''ٹھہرو! میں خود معلوم کرتا ہوں۔''

پھر وہ ایک جانب بڑھا ہی تھا کہ تیسرے سبز پوش نے اپنی اسٹین گن سیدھی کرتے ہوئے کہا۔ ''ٹھہرو! جہاں کھڑے ہو وہاں سے ملے بھی تو تمہارے پرخچے اڑ جائیں گے۔ تم تینوں سن لو۔''

تینوں نے بوکھلا کر اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

''بس یونہی کھڑے رہو۔ کچھ بولنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ سب کچھ بعد میں بتا دیا

جائے گا۔'' سبز پوش نے اسٹین گن کو جنبش دے کر کہا۔

ادھر ان تیرہ عدد قیدیوں کے ہاتھ کھل چکے تھے۔ اچانک سبز پوش نے ان سبھوں کو ا میں مخاطب کیا۔ ''کھڑے ایک دوسرے کی شکلیں کیا دیکھ رہے ہو۔ یہاں کی ہر شے تباہ کر جتنی جلد ممکن ہو سکے۔''

''خدا کی پناہ۔'' انور اچھل پڑا۔ اب اُس نے فریدی کی آواز پہچانی تھی۔

''کوئی ایسی تدبیر کرو کہ جنریٹر بند کئے بغیر ہی یہ کام ہو جائے ورنہ اندھیرا ہو جائے گا۔'' فریدی نے پھر اپنے آدمیوں کو ہدایت دی۔ ''اور ان تینوں کے ہاتھ باندھ دو۔''

پھر فریدی کے ساتھی وہاں توڑ پھوڑ مچاتے رہے تھے اور وہ تینوں غیر ملکی بُری طرح چیختے رہے تھے اور اُن کی اس حرکت پر احتجاج کرتے رہے تھے۔

''آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ اس سارے ساز و سامان پر قبضہ کر لیجئے اسے تباہ کرنے سے کیا فائدہ۔'' انور نے کہا جو فریدی کے قریب ہی کھڑا ہوا تھا۔

''میں کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ پتہ نہیں وہ کتنے ہیں اور کہاں کہاں ہیں۔ مجھے تو فی الحال پر چھائیوں کا ممکن تباہ کر دینے دو۔ کچھ دیر بعد تم کئی دھماکے بھی سنو گے۔ ہمیں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہئے۔''

''ان تینوں کا کیا ہوگا۔''

''فی الحال یہیں باندھ کر ڈال جائیں گے۔ ان کے پیر بھی بندھوا دو۔''

تھوڑی دیر بعد وہ سب اُسی سرنگ میں داخل ہوئے جو اُنہیں خیمے تک لے جاتی۔ دراڑ کے قریب پہنچ کر فریدی نے اُنہیں رک جانے کو کہا۔ وہیں اُس کا تیسرا سبز پوش ساتھی بھی ملا تھا۔ غالباً اُس نے اُسے دراڑ کی نگرانی ہی کے لئے واپس کر دیا تھا۔ انور نے آہستہ سے کہا۔ ''اس وقت ہم سولہ عدد ہیں حالانکہ روانگی کے وقت اٹھارہ تھے۔''

''فکر نہ کرو۔'' فریدی بولا۔ ''وہ زندہ ہیں اور خیمے کے دروازے کے آس پاس ہی موجود ہیں۔ خیمے میں داخل ہوتے وقت نگرانی کے لئے اُنہیں باہر ہی چھوڑ آیا تھا۔ فی الحال خاموش رہو۔ بعد میں سب کچھ بتا دوں گا۔ صرف دس منٹ اور باقی ہیں دھماکے ہونے میں۔ اور اس وقت ہمیں خیمے ہی میں ہونا چاہئے۔ تم سب یہیں ٹھہرو۔ صرف میں خیمے میں جاؤں

ب بلاؤں تو تم سب بھی آ جانا۔''

اور پھر جب تھوڑی دیر بعد وہ اُس کے بلانے پر خیمے میں داخل ہوئے تو ان دونوں سبز پوش کو فرش پر اوندھا پڑا پایا جو اُن کی نگرانی کرتے رہے تھے۔ فریدی نے اُنہیں اُٹھوا کر میں ڈلوا دیا اور اپنے باوردی ساتھیوں سے بولا۔ ''تم سب اسی طرح بیٹھ جاؤ جیسے دن بھر ہے تھے۔ ہاتھ پشت پر رکھو۔''

انور سمیت سب نے تعمیل کی۔ انور بڑی بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ جلد از جلد سب کچھ کر لینا چاہتا تھا۔ دفعتاً فریدی اتنی اونچی آواز میں بولا کہ خیمے کے باہر بھی سنی جا سکے۔

''تم سب سینے کے بل لیٹ جاؤ۔ کانوں میں انگلیاں دے لو اور دانتوں میں کپڑا دبا لو۔''

اُنہوں نے بڑی پھرتی سے تعمیل کی تھی۔ اچانک اتنا زبردست دھماکہ ہوا کہ زمین لرز گئی ناتے ہوئے کانوں تک فریدی کا دوسرا حکم بھی پہنچا۔ ''ابھی اسی طرح پڑے رہو۔ دو ال گے۔''

اُس کے خاموش ہوتے ہی پے در پے دو دھماکے اور ہوئے اور اس کے بعد فریدی کا خیمے کی محدود فضا میں گونجا تھا ساتھ ہی انور نے اُسے کہتے سنا۔ ''الحمد للہ کہ اب انہیں ن دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔ اُن کی ڈھکیاں بھی اُسی دھماکے میں دفن ہو گئیں اور اب ہم ملیں گے۔'' وہ اُن سبھوں کو باہر نکال لایا۔ اس سے قبل انہوں نے اپنے اپنے اسلحے بھی لئے تھے جو وہیں خیمے میں ایک طرف ڈھیر تھے۔

فریدی نے اُنہیں خیمے کے آس پاس والی جھاڑیوں میں چھپاتے ہوئے کہا۔ ''اب اجنے بھی ہیں سیدھے ادھر ہی آئیں گے تاکہ کنٹرول روم کی حفاظت کر سکیں۔''

پھر زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں جو اُسی بڑھی چلی آ رہی تھیں۔

خیمے کے قریب پہنچتے ہی اُن کے ہیولے واضح ہونے لگے۔ بس پھر کیا تھا جیسے ہی نے اسٹین گن سے برسٹ مارا اُس کے ساتھیوں نے بھی اُن پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ لاتعداد چیخیں اور کراہیں سنائی دیں۔ پھر سناٹا چھا گیا۔

وہ تھوڑی دیر تک انتظار کرتے رہے۔ لیکن پھر کوئی ادھر نہ آیا۔ انور لاشوں کا شمار کرنا

چاہتا تھا لیکن فریدی اُسے روکتا ہوا بولا۔ ''بس اب نکل چلو۔ بقیہ کام فوج کے ذمہ چھوڑ
کے بعد پٹاری کی پہاڑیوں کے قریب والا کیمپ ادھر متوجہ ہو گیا ہوگا۔ ذرا ہی دیر میں ہیلی
پرواز کریں گے۔''

پھر اس نے اپنے سبز پوش ساتھیوں کو مزید کچھ ہدایات دی تھیں اور وہ سب ایک
جانب نکلے چلے گئے تھے۔ سائیں سائیں کرتے ہوئے جنگل کی تاریکی گویا سسکیاں لے
رہی تھی۔ انور فریدی کے ساتھ تھا۔ محدود روشنی والی ٹارچ رہنمائی کر رہی تھی۔ ورنہ اندھیرے
میں یہ جھاڑ جھنکاڑ والا جنگل مصیبت بن گیا ہوتا۔ ویسے انور محسوس کر رہا تھا کہ راستہ دشوار نہیں
ہے۔ شاید پہلے ہی سے ساری رکاوٹیں دور کر دی گئی تھیں۔ انور کے استفسار پر فریدی نے بتایا
کہ یہ مجرموں ہی کا بنایا ہوا راستہ ہے جسے وہ اپنے استعمال میں لاتے تھے۔

''آپ اچانک ہم دونوں کو چھوڑ کر کہاں چلے گئے تھے۔'' انور سوال کر بیٹھا۔

''مجھے بے حد افسوس ہے۔ اگر اس وقت خود غرضی کا مظاہرہ نہ کرتا تو اتنی جلدی کامیابی
ممکن نہ ہوتی۔ میں نے اُن دونوں سبز پوشوں کو دیکھ لیا تھا لیکن اُن کی نظر مجھ پر نہیں پڑی
تھی۔ میں تم دونوں کو وہیں رکنے کو کہہ کر قریب ہی ایک جگہ روپوش ہو گیا جہاں سے تم دونوں
پر نظر بھی رکھ سکتا تھا۔ تمہارے پکڑے جانے کا منظر اسی طرح دیکھا تھا جیسے تم لوگ اسٹیج
فلمیں دیکھتے ہو۔ اُن کے لباس کی بناوٹ نے فوراً ہی میرے لئے راہ عمل متعین کر دی۔
نہایت آسانی سے اُن میں شامل ہو سکتا تھا۔ مناسب مواقع سے سات آٹھ مار گرائے اور اُن
کے اسلحہ اور ملبوسات پر قبضہ کر لیا۔ پھر اپنی ہی ٹولی کے چار افراد کو لے۔ انہیں بھی میں نے
سبز پوشوں میں تبدیل کر دیا۔ اس کے بعد ہم پانچوں بڑی دل جمعی سے اُن جگہوں کو تلاش
کرتے رہے جن کو تباہ کرنے کے لئے نکلے تھے۔ اسی دوران میں وہ خیمہ بھی دیکھ لیا جہاں تم
لوگ رکھے گئے تھے۔ بہرحال میں نے اسلحہ کے دو ذخیروں کا پتا لگا لیا اور اُس جگہ بھی پہنچ
جہاں پر چھائیوں والی ڈیوائسز رکھی جاتی تھیں۔ یہ ساری جگہیں زمین دوز تھیں۔ میں نے
ذخیروں میں سے کچھ ٹائم بم نکالے اور ٹائم سیٹ کر کے اُنہیں تینوں جگہوں پر رکھ دیا اور اب
مجھے کنٹرول روم کی تلاش تھی۔ میں چاہتا تھا کہ ذخیروں میں دھماکے ہونے سے قبل ہی کنٹرول
روم تک بھی رسائی ہو جائے۔ آخر میں اُس خیمے میں داخل ہوا جہاں تم لوگ رکھے گئے تھے

لیکن میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ خیمے ہی سے کنٹرول روم تک جا پہنچوں گا۔ وہ تو
محض بلف تھا کہ قیدیوں کو ''وہاں'' پہنچانا ہے۔ بس یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ ''وہاں'' کے نام پر کہاں
لے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جہاں کے محافظ وہ تھے وہیں لے گئے۔''

وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ ''سرغنہ یہاں نہیں مل سکا اور تمہیں حیرت ہوگی
کہ اب مجھے احساس ہوا ہے کہ مجھ سے سرغنہ کے سلسلے میں کتنی زبردست غلطی ہوئی تھی۔''

''کیسی غلطی۔''

''وہ میرے سامنے تھا لیکن میں اُسے ایک غیر اہم آدمی سمجھتا رہا اور تم تصور بھی نہیں
کر سکتے کہ یہ سارا ہنگامہ محض بلف تھا۔ وہ ایک خاص معاملے کی طرف فوج اور پولیس کی توجہ
ہٹائے رکھنے کے لئے اس حد تک چلے گئے تھے اور مجھے پکڑ لینے کا چکر چلا کر اس معاملے میں
مزید سسپنس پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔''

''آخر کیا معاملہ تھا۔ وہی تو ذہنی خلش کا باعث بنا ہوا ہے۔''

''فکر نہ کرو..... اس کہانی کو من و عن چھاپنے کی سعادت صرف تمہارے ہی اخبار کو
نصیب ہوگی اور تم محاذ پر موجود رہنے والے ہیرو جرنلسٹ کہلاؤ گے۔ یہی نہیں بلکہ اس مہم میں
حصہ لینے کا اعزاز بھی تمہارے سر تھوپا جائے گا۔''

انور کچھ نہ بولا۔ وہ خاموشی سے راستہ طے کرتے رہے۔

اسٹار کا غیر معمولی ضمیمہ اوزاکا کے ہاتھ میں تھا اور وہ اس طرح فضا میں گھورے جا رہا تھا
جیسے آنکھیں پتھرا گئی ہوں۔ صرف ایک خیال اُس کے ذہن کو کچوکے لگا رہا تھا کتنا بڑا فریب
کھایا تھا اُس نے۔ تو وہ تنظیم سچ مچ بین الاقوامی ٹھگوں کے ٹولے پر مشتمل تھی اور وہ لوگ
مختلف ممالک کے انقلابی ذہن رکھنے والے افراد کو اُن کے کاز کی حمایت کا یقین دلا کر اُن

سے معمولی چوروں اور اُچکوں کے سے کام لیا کرتے تھے اور یہاں سارا قصہ تیل کا تھا۔ اس نے ایک بار پھر اسٹار کے ضمیمے پر نظر جمادی۔

کرائم رپورٹر انور نے تفصیل کے ساتھ رپورٹنگ کی تھی۔

''بالآخر کرنل فریدی نے فوج کی مدد سے ایک تباہ کن فتنے کا سدباب کردیا۔ مجرم عرصہ دراز سے یہاں سرگرم عمل تھے اور اُن کی کوشش تھی کہ ہمارے ملک میں تیل کی تلاش جاری نہ رکھی جاسکے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ دو سال پہلے پٹاری کی پہاڑیوں کے آس پاس ایک غیر ملکی کمپنی کی مدد سے تیل کی تلاش کا کام شروع کیا گیا تھا لیکن پھر کسی وجہ سے بات آگے نہیں بڑھی تھی۔ چھ ماہ پہلے کی بات ہے کہ ایک دوسرے ملک نے تیل کی تلاش کی پیش کش کی اور مجرموں نے سوچا کہ شاید اب دال نہ گلے۔ لہٰذا اس کے امکان ہی کو کیوں نہ ختم کردیا جائے۔ وہ قطعی اتنا ہنگامہ نہ برپا کرتے اگر خود اُن ہی کے ایک آدمی کی غلطی سے پولیس کی توجہ پٹاری کی پہاڑیوں کی طرف مبذول نہ ہوجاتی۔ آپ کو یاد ہوگا کہ یہ قصہ ایک فلمی ہیرو کی حیرت انگیز موت سے شروع ہوا تھا اور کرنل فریدی نے موت کی وجہ معلوم کرلی تھی۔ بس پھر انہوں نے اپنی تمام تر توجہ کرنل فریدی پر مرکوز کردی۔ اُس کے لئے اُنہیں وہ پرچھائیاں استعمال کرنی پڑیں۔ بہرحال مقصد اتنا ہی تھا کہ پولیس کی توجہ پٹاری کی پہاڑیوں اور جنگلات کی طرف سے ہٹ جائے اور وہ اپنے اُس اصل کام کو جاری رکھ سکیں۔ یعنی اُس علاقے کو تیل کی تلاش کے قابل ہی نہ رہنے دیں۔ شہر کو تباہ کردینے کی دھمکیاں دی گئیں۔ اس سلسلے میں کچھ نمونے بھی دکھائے گئے۔ شہر میں خلفشار برپا ہوگیا۔ فوج اور پولیس کو شہر ہی میں الجھائے رکھنے کے لئے یہ حرکت کی گئی تھی اور وہ نہایت اطمینان سے پٹاری کے جنگلوں میں اصل مقصد کے حصول کی کوشش کرتے رہے۔ وہاں انہوں نے ایک بہت بڑا پانی کا ذخیرہ دریافت کرلیا تھا اور زمین کا طبقہ توڑ کر اُسے اوپر لانے کی کوشش کررہے تھے۔ اگر دو دن کی مزید تاخیر کرنل فریدی سے ہوجاتی تو وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوجاتے۔ پھر ہوتا یہ کہ اُس پانی پر قابو پانا امرمحال ہوتا اور تقریباً ڈیڑھ سو میل کا وہ رقبہ جہاں تیل کے لئے کھدائی کی جانے والی تھی اس طرح زیرِ آب آجاتا کہ اس پر کسی بہت بڑی جھیل کا گمان ہوتا اور وہاں تیل کے لئے کھدائی کا کام مشکل ہوجاتا۔ اس حالت میں اُس کام پر دس گناہ زیادہ اخراجات

ے جو ملک کے وسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے قریب قریب ناممکن ہی ہوتا۔ بہرحال اب ل فریدی کو تنظیم کے سرغنہ کی تلاش ہے۔ اُمید ہے کہ وہ بھی جلد ہی ہاتھ آجائے گا۔ کیونکہ ہ بندی سخت کردی گئی ہے۔ وہ ملک سے باہر نہیں نکل سکتا۔''

اوزاکا نے اخبار رکھ دیا اور سوچنے لگا۔ سرغنہ! سرغنہ کون ہوسکتا ہے۔ کہیں حقیقتاً جمشید تو سرغنہ نہیں ہے۔ جبار سے پہاڑیوں پر تجربہ کرنے کی حماقت سرزد ہوگئی تھی۔ اس لئے لتا ہے کہ خود سرغنہ ہی نے اسٹیل ملز کی منیجری سنبھالی ہو۔ اس طرح وہ تنظیم کے دوسرے دسے قریب رہ کر بھی پوشیدہ رہ سکتا تھا۔ آخر انہوں نے اپنا سارا کام جبار کی مدد سے ملز ہی میں کیا ہوگا۔ وہ فلائنگ ڈیوائیسز یہیں ڈھالی گئی ہوں گی۔ لیکن جبار احمق تھا۔ وہ د کے بارے میں جتنا سوچتا گیا اُسے یقین ہوتا گیا کہ سرغنہ اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہا۔ اُوہ..... تو پھر کیا وہ اس کے توسط سے فریدی پر ہاتھ ڈالنا چاہتا ہے۔ ادھر کچھ دنوں وہ اُس پر اس حد تک مہربان ہوگیا تھا کہ اپنے ذاتی کام بھی اُسی کے سپرد کردیتا۔ پچھلے ہفتے سے تو اُس نے اپنے دفتر میں قدم تک نہیں رکھا تھا۔ بہانہ بیماری کا تھا لیکن اصل اُس نے اوزاکا کو بتائی تھی۔ وہ آرام کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے گھر چھوڑ کر ساحل کے ایک ٹ میں قیام کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ ہٹ کے فون نمبر بھی صرف اُوزاکا ہی کو دیئے تھے اور یدکردی تھی کہ وہ اصل بات اپنی ہی ذات تک محدود رکھے اور اشد ضرورت ہی کے تحت ے فون کرے۔ ہٹ تک خود نہ آئے۔ معاملات کو فون ہی تک محدود رکھے ویسے ہٹ کا نمبر ا بتا دیا تھا۔

اوزاکا کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ کس طرح فریدی تک یہ بات ائے۔ اُس نے گھڑی دیکھی نو بج رہے تھے۔ اُٹھ کھڑا ہوا۔ آدھے گھنٹے کی دیر ہوگئی تھی۔ ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے ڈیوٹی پر روانہ ہوجانا چاہئے تھا۔

باہر نکلا ہی تھا کہ سامنے سے ایک جیپ آتی دکھائی دی اور سیدھی برآمدے کی طرف ا آئی۔ اوزاکا چونک پڑا۔ اُس پر تین مسلح فوجی سوار تھے۔ اُن میں سے ایک میجر تھا اور دو ہٹن۔ میجر کی آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک تھی۔

''تم اوزاکا ہو۔'' میجر نے اُس سے سوال کیا۔

''جی ہاں..... میرا یہی نام ہے۔''

''اسٹیل ملز میں کام کرتے ہو؟''

''جی ہاں۔ میں وہاں انجینئر ہوں۔''

''اور مسٹر جمشید کے خاص آدمی بھی۔''

''کسی حد تک۔''

''ہمیں مسٹر جمشید کا پتہ چاہئے۔''

''وہ تو آپ مل ہی میں کسی سے معلوم کر سکتے تھے۔ یہاں خواہ مخواہ آئے۔''

''وہ گھر پر نہیں ملا۔ مل ہی کے بعض آفیسرز کا خیال ہے کہ تم ہی اُس کا صحیح پتا بتا سکو گے۔''

''اُوہ..... تو کیا اُس نے میرے علاوہ اور کسی کو اپنا پتا نہیں بتایا۔'' اوزاکا نے حیر
سے کہا۔ ''دراصل وہ آرام کرنا چاہتا تھا اسلئے گھر سے ساحل کے ایک ہٹ میں منتقل ہو گیا ہے۔

''ہٹ کا نمبر بتاؤ۔''

''نمبر تو نہیں معلوم۔'' اوزاکا نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کہا۔ ''لیکن ساتھ چل
کر ہٹ کی نشاندہی کر سکتا ہوں۔''

وہ جمشید کا انجام خود اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا۔ اس لئے ہٹ کا نمبر اُنہیں نہیں
بتایا تھا۔

''چلو بیٹھ جاؤ۔'' میجر نے جیپ کی طرف اشارہ کیا۔ اوزاکا عجیب سے ہیجان میں مبتلا
ہو گیا تھا۔ اُچھل کر جیپ کی پچھلی نشست پر جم گیا۔ خاصی تیز رفتاری سے جیپ روانہ ہوئی
تھی۔ اوزاکا خاموش تھا۔ خود سے کسی قسم کی گفتگو نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ جمشید
کے سلسلے میں مزید پوچھ گچھ کریں گے۔ لیکن انہوں نے بھی خاموشی ہی اختیار کر کے اُسے
عجیب سی گھٹن میں مبتلا کر دیا تھا۔ پھر جیپ ٹھیک اُسی ہٹ کے سامنے رکی تھی۔ میجر نے نیچے
اُتر کر ہٹ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ دونوں کیپٹن بھی اُتر گئے تھے لیکن اوزاکا اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔
ہٹ کا دروازہ کھلا اور جمشید کی شکل دکھائی دی لیکن اُس کی آنکھوں میں حیرت کے آثار تھے
پھر نگاہ جیپ کی طرف اُٹھی۔ اُوزاکا سے آنکھیں چار ہوئیں اور وہ بُرا سا منہ بنا کر میجر کی
طرف متوجہ ہو گیا۔

''ہمیں تجربہ گاہ کے قفل کا کمبی نیشن چاہئے مسٹر جمشید۔'' میجر بولا۔

''کس ضابطے کے تحت.....؟'' جمشید غرایا۔

''ایمرجنسی کے تحت۔''

''ایمرجنسی کے تحت تم مجھے گولی مار سکتے ہو۔ لیکن مجھ سے قفل کا کمبی نیشن نہیں معلوم کر سکتے۔''

''کیا تم جانتے ہو کہ کس سے گفتگو کر رہے ہو؟'' میجر نے سخت لہجے میں کہا۔

''غالباً کسی میجر سے۔'' وہ اسکے شانے پر نظر دوڑاتا ہوا تلخی سے بولا۔ ''میں کمبی نیشن
بتا سکتا۔ البتہ خود چل کر تمہارے لئے قفل ضرور کھول سکتا ہوں۔ میجر کے علاوہ اور کوئی
کمبی نیشن کا علم رکھنے کا مجاز نہیں ہے۔''

''تو پھر چلو۔ تم خود ہی قفل کھول دو۔''

''مل کا چارج لیتے ہی میں نے اصول کے تحت تجربہ گاہ کا قفل بدلوا دیا تھا۔'' جمشید
بولا۔ ''ٹھہرو میں لباس تبدیل کر لوں۔''

اُس نے ہٹ کا دروازہ بند کر دیا اور وہ تینوں باہر ہی کھڑے رہے۔ تھوڑی دیر بعد جمشید
لباس تبدیل کر کے باہر نکلا اور میجر کے برابر ہی اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اوزاکا دونوں کپتانوں
کے درمیان پھنسا بیٹھا تھا۔

اس انداز میں وہ اسٹیل ملز پہنچے تو وہاں سنسنی پھیل گئی۔ جمشید تجربہ گاہ کی طرف بڑھتا ہوا
اوزاکا سے بولا۔ ''تم بھی آؤ۔''

''مسٹر جمشید۔'' وہ آہستہ سے بولا۔ ''میں مجبور تھا۔ انہوں نے مجھے بھی ایمرجنسی کی
دھمکی دی تھی۔''

''اُوہ..... اُسے بھول جاؤ۔''

اوزاکا کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔ پتہ نہیں کیا چکر ہے۔ یہ لوگ تجربہ گاہ کیوں
کھلنا چاہتے ہیں۔ تجربہ گاہ کے صدر دروازے پر پہنچ کر جمشید رک گیا اور اُن سبھوں سے
بولا۔ ''براہِ کرم دوسری طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔ میں قفل کھولنے جا رہا ہوں۔''

فوجیوں نے بے چوں و چرا اس مشورے پر عمل کیا۔ خود اوزاکا کو بھی اپنا رخ موڑنا پڑا۔

جمشید نے حروف کے امتزاج سے وہ ترتیب متشکل کی جس سے قفل کھلتا تھا۔

پھر وہ تجربہ گاہ کے اندر داخل ہوئے۔ خاصا کشادہ اور ساؤنڈ پروف ہال تھا۔ جہاں چاروں طرف بڑی بڑی میزیں پڑی ہوئی تھیں اور اُن پر سائنسی آلات رکھے ہوئے تھے۔

میجر اطراف و جوانب کا بغور جائزہ لیتا رہا پھر ایک ٹرالی کے قریب جا کھڑا ہوا۔ یہ ٹرالی نیچے سے اوپر تک ہر طرف سے ڈھکی ہوئی تھی اور اس میں بھی حروف ہی کے امتزاج سے کھلنے والا قفل نصب تھا۔

''ہم یہ ٹرالی اپنے ساتھ لے جائیں گے۔'' میجر نے جمشید سے کہا۔

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اسے کھول کر دیکھنا چاہتے ہو تو یہیں ممکن ہے۔ یہاں سے کوئی چیز ہٹائی نہیں جا سکتی۔''

دفعتاً دونوں کپتانوں نے ریوالور نکال لئے۔ وہ دوسری طرف ایک میز کے قریب کھڑے ہوئے تھے۔ جمشید نے کنکھیوں سے ان کی طرف دیکھا اور پھر میجر کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

''ٹرالی جائے گی مسٹر جمشید۔'' میجر ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا اور دوسرے ہی لمحے میں جمشید کی ایک ٹانگ اُٹھ کر اُس میز کے نیچے گئی جس کی دوسری طرف دونوں فوجی ریوالور تانے کھڑے تھے۔ قبل اس کے کہ وہ کچھ سمجھ سکتے میز اُن پر الٹ گئی اور اُن دونوں کے سر فرش سے ٹکرائے تھے اور پورا ہال گونج اُٹھا تھا۔ پستول ہاتھوں سے نکل کر دور جا پڑے۔ اوزاکا لرز کر رہ گیا۔ اتنی وزنی میز اس آسانی سے الٹ دیا۔ ہر ایک کے بس کا روگ نہیں تھا اور پھر یہ سب کچھ اتنی پھرتی سے ہوا تھا کہ خود اوزاکا کی عقل بھی چکرا گئی تھی۔

میجر نے جمشید پر چھلانگ لگائی اور تیر کی طرح اُس پر آیا۔ لیکن جمشید نے اُسے زمین سے اُکھاڑ کر دوسری طرف الٹ دیا۔ دونوں کیپٹن وزنی میز کے نیچے سے نکل آنے کے لئے پیر مار رہے تھے۔ میجر پھر اُٹھا اور جمشید پر ٹوٹ پڑا۔ اس بار حملہ سخت تھا۔ جمشید کے قدم بھی لڑکھڑا گئے تھے لیکن وہ اُسے گرا نہ سکا۔ دونوں اُرنے بھینسوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے۔ اوزاکا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ دیوار سے لگا کھڑا ہانپتا رہا۔ دونوں کیپٹن اب بے سدھ پڑے ہوئے تھے شائد وزنی میز نے گہری چوٹیں پہنچائی تھیں۔ اوزاکا سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ ایک ریوالور اُٹھائے اور اُسے جمشید کی کنپٹی سے لگا کر فائر کر دے۔ ٹھیک اُسی وقت اُس نے میجر کی چیخ سنی جسے جمشید دبوچے بیٹھا تھا۔ پھر اُس نے اُسے چھوڑ کر ہٹتے دیکھا۔ میجر کسی مردہ چوہے کی طرح فرش پر بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔

جمشید مسکراتا ہوا اوزاکا کی طرف پلٹا اور اوزاکا کو ایسا محسوس ہوا جیسے اُس کے اپنے گھٹنے کانپ رہے ہوں اور اب وہ زیادہ دیر تک کھڑا نہیں رہ سکے گا۔ اگر ہال ساؤنڈ پروف نہ ہوتا تو باہر بھیڑ لگ گئی ہوتی۔

''اوزاکا.....!'' دفعتاً جمشید نے بے حد پیار بھرے لہجے میں کہا۔ ''ادھر آؤ۔''

اور وہ کسی سحر زدہ آدمی کی طرح اُس کی طرف کھنچا چلا گیا۔

''ذرا دیکھو۔'' جمشید بے ہوش میجر کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

''کتنی حیرت انگیز عینک ہے کہ اتنی زبردست کشتی ہونے کے باوجود بھی نہ تو ٹوٹی اور نہ اپنی جگہ سے ہٹی۔''

''ہے تو۔'' اوزاکا احمقانہ انداز میں بولا۔

''تمہارا بہت بہت شکریہ اوزاکا کہ تمہاری وجہ سے میں تنظیم کے سرغنہ پر ہاتھ ڈال سکا۔'' جمشید نے کہا۔ لیکن اس بار اُس کی آواز ایسی نہیں تھی جیسی وہ اب تک سنتا رہا تھا۔ وہ آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھتا رہا۔

''اوہ..... کیا اب بھی نہیں پہچانا۔'' جمشید ہنس کر بولا۔

''کک..... کرنل فریدی۔'' اوزاکا اُچھل پڑا۔

''ادھر بیٹھو میں تمہیں دکھاؤں۔'' وہ فرش کی طرف اشارہ کر کے بولا اور وہ خود بھی میجر کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ لیکن اوزاکا تو اب بھی ہونقوں کی طرح اُسے ہی دیکھے جا رہا تھا۔ نہ اُسے تنظیم کے سرغنہ سے کوئی دلچسپی رہی تھی اور نہ اُس کی حیرت انگیز عینک سے۔

بڑی دشواری سے عینک اُتری اور فریدی اُس کی بائیں آنکھ کی پلک اُٹھا کر بولا۔ ''یہ دیکھو، اسکی ایک آنکھ نقلی ہے۔ فیمی یہی بات جانتی تھی اور اس نے مجھے اس سے آگاہ کر دیا تھا۔''

''تت تو یہ جیرالڈ شاستری.....!''

''اس نقلی آنکھ کے سہارے یہ جیرالڈ شاستری کا بہروپ بھرا کرتا تھا۔ یہ بہت دنوں

سے میری نظر میں رہا تھا لیکن میں تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ یہ اتنا اہم آدمی ہوگا۔ ویسے تھا دلیر آدمی۔ محض اس خیال سے میرے اسسٹنٹ سے ٹکرایا تھا کہ فیمی نے مجھ سے اُس کا ذکر ضرور کیا ہوگا۔ شائد اسی طرح میں اُس کے سامنے آجاؤں اور وہ مجھ پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہوجائے۔ بہت دنوں تک اسی اُمید پر میرے اسسٹنٹ کے ساتھ رہا۔''

''تو..... یہ..... وہ جیروم ہے جس کا ذکر آپ نے کیا تھا۔''

''ہاں وہی ہے..... اور اس وقت یہاں سے بہت ہی اہم آلات نکال لے جانے کی کوشش کی تھی۔ شاید ان ہی آلات پر فلائنگ ڈیوائیسز کے دوبارہ بنا لینے کا انحصار تھا۔''

''خدا کی پناہ۔'' اوزاکا اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔ ''میں تو آپ کو تنظیم کا سرغنہ سمجھا تھا۔ اسی لئے اُنہیں آپ تک لے گیا تھا ورنہ ان کے فرشتے بھی آپ کا پتہ مجھ سے نہ معلوم کرسکتے۔''

''میں یہی چاہتا تھا اور مجھے یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن ایسا ضرور ہوگا اور میں بالآخر تمہارے ہی توسط سے سرغنہ پر ہاتھ ڈال سکوں گا۔''

''شاید اب میں بے ہوش ہوجاؤں گا۔''

''نہیں..... تمہیں ہوش میں رہنا چاہئے تاکہ تم اپنی قوم کے انقلاب پسندوں کو بتا سکو کہ وہ انقلاب کے نام پر کس کس طرح استعمال کئے جارہے ہیں۔''

اوزاکا کچھ نہ بولا۔ خالی خالی آنکھوں سے فضا میں گھورے جارہا تھا۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے زمین کی گردش رک گئی ہو۔

''زیرولینڈ کا نام سنا ہے۔'' فریدی اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

اوزاکا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''یہ اُسی تنظیم سے متعلق ہیں اور ایک ایسے ملک کے لئے یہاں کام کررہے تھے جو نہیں چاہتا کہ ہم بھی تیل پیدا کرنے والے ملکوں کی صف میں شامل ہوسکیں۔''

اوزاکا پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے دیکھے جارہا تھا۔

تمام شد

ابنِ صفی

ڈ نمبر
42

جاسوسی دنیا

ابن صفی کی آخری تخلیق
جاسوسی دنیا
نمبر 125

صحرائی دیوانہ



پیشرس

لیجئے کرنل فریدی، کیپٹن حمید اور قاسم سے ملئے۔ خاصے عرصے کے بعد آپ کی یہ خواہش پوری کر رہا ہوں، وہ لوگ جو خالص جاسوسی کہانیاں پڑھنا پسند کرتے ہیں ان کے لئے یہ ایک تحفہ ہے۔ سسپنس اور سراغ رسانی کے داؤ پیچ سے بھرپور کہانی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ان لوگوں کو بے حد پسند آئے گی جو غیر ضروری مار دھاڑ سے کتراتے ہیں اور صرف کہانی کی دلچسپی سے لطف اندوز ہونے کا سلیقہ رکھتے ہیں۔ جنہیں مار دھاڑ سے دلچسپی ہے وہ یہی محسوس کریں گے جیسے خاصی مار دھاڑ ہو رہی ہے۔ فریدی اور مجرم کے مابین کچھ ایسی ہی ذہنی جھڑپیں ہوتی ہیں، جو آپ کو میدان کارزار کا مزہ دیں گی۔

ایک صاحب نے لکھا ہے آپ نے ''لرزتی لکیریں'' کے پیشرس میں لکھا تھا کہ اس کہانی میں مزید آگے بڑھنے کی گنجائش ہے۔ جی ہاں ہے اور ضرور ہے، لیکن خدارا فی الحال اسے وہیں رہنے دیجئے جہاں اس کا اختتام ہوا تھا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ عمران کا وہ سلسلہ غیر دلچسپ تھا لیکن ڈر ہے کہ کہیں مزید طوالت ہمیں بوریت میں مبتلا نہ کر دے، اس لئے گذارش ہے کہ عمران کو واپس وطن لائیے اور یہیں کی فضا میں کوئی کہانی ترتیب دیجئے ورنہ ہم سب سلیمان اور گلرخ کی نوک جھونک کو ترس جائیں گے۔ دو چار ماہ بعد پھر پکڑ لیجئے گا تھریسیا کو، ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔''

اچھا بھائی جیسی آپ کی مرضی۔ ویسے اکثریت کی یہی خواہش ہے کہ اب عمران کی کوئی نئی کہانی لائی جائے۔ ایک صاحب نے تو لکھا ہے کہ ''میں نے اپنے طور پر وہ کہانی مکمل کر لی ہے، اب آپ تکلیف نہ کریں۔ سنگ ہی کو عمران وہیں دریا میں غرق کر دیتا ہے اور تھریسیا کو مڈل ایسٹ میں لاکر ایک شیخ صاحب کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے۔ الا الا خیر سلا۔''

ہت اچھا فنشنگ ٹچ دیا ہے آپ نے۔ بیچارے مصنف کی روزی کے پیچھے کیوں

پڑے ہیں بھائی۔ ویسے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اُسی پوائنٹ سے ایک ایسی کہانی شروع ہوگی جس کا اختتام آپ کو بھی گراں گزرے گا، انشاء اللہ بشرطِ حیات۔

ایک اور صاحب نے کراچی سے مجھے للکارا ہے کہ میں خوابِ غفلت میں کیوں پڑا ہوا ہوں۔ قوم کو سدھارنے کی بھی کوشش کروں۔ آپ کا فرمانا بجا کہ میرے ہاتھ میں قلم ہے لیکن قوم اس قلم سے صرف کہانیوں کا نزول چاہتی ہے۔ اگر کبھی ایک آدھ جملہ کسی مثال کے طور پر بھی قلم سے رپٹ گیا تو قوم جھپٹ پڑتی ہے ''آخر آپ کو سیاست میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔'' اور میں ہکا بکا رہ جاتا ہوں کہ قوم کو کیا جواب دوں کیونکہ جواب دینے کے سلسلے میں ایک ضخیم کتاب لکھنی پڑ جائے گی۔ پہلے تو قوم کو یہ بتانا پڑے گا کہ سیاست ہے کیا چیز، پھر عرض کرنا پڑے گا کہ میرے اس حقیر جملے کو اس کسوٹی پر پرکھئے اگر اس میں ذرہ برابر بھی سیاست پائی جاتی ہو تو جو لیڈر کی سزا وہ میری سزا.....اور پھر بھائی اگر ملک میں سیاست دانوں کی کمی ہو تو تھوڑا بہت کشٹ بھی اٹھالیا جائے۔ مجھے تو بس کہانیاں لکھنے دیجئے۔ میری لیڈری آپ بھی تسلیم نہیں کریں گے۔ پھر خواہ مخواہ قوم کا وقت برباد کرنے سے کیا فائدہ۔ قوم کے لئے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کرسکتا کہ دعا کروں۔ ''اے اللہ اس قوم کو ایک آزاد اور منفرد قوم کی حیثیت سے ہمیشہ قائم رکھیو۔'' آخر میں ان صاحب نے پوچھا ہے کہ لیڈر کی صحیح تعریف کیا ہے؟ بڑا بے ڈھب سوال کیا ہے آپ نے۔ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔ البتہ اکبر الہ آبادی نے اپنے زمانے کے لیڈر کی تعریف یوں کی ہے۔

یوسف کو نہ دیکھا کہ حسین بھی ہیں جواں بھی
شاید نرے لیڈر تھے زلیخا کے میاں بھی

ویسے اگر آپ لیڈر کی صحیح تعریف مجھ سے سننے پر مصر ہیں تو اس وقت کا انتظار کیجئے جب کاغذ کی قیمت ۱۹۷۰ء کی قیمت کی سطح پر آجائے۔

اب اجازت دیجئے۔ والسلام

ابنِ صفی

۱۹۷۹/۷/۱۷

آگ

بریف کیس کا ڈھکنا کھلتے ہی کسٹمز انٹیلی جنس کے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پر موت کا حملہ ہوا تھا۔ موت ایک بے حد زہریلے سانپ کی شکل میں پہلے ہی سے بریف کیس کے اندر موجود تھی۔ کسٹمز انٹیلی جنس کے آفیسر کو یہ سوچنے تک کی مہلت نہیں مل سکی تھی کہ اپنا بچاؤ کس طرح کیا جائے۔ بس ڈھکنا تھوڑا ہی سا کھلا تھا کہ وہی ہاتھ ڈس لیا گیا جس سے ڈھکنا اٹھایا جارہا تھا۔ سانپ کتنا زہریلا تھا اس کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ آفیسر مذکور کی زبان فوراً ہی بند ہوگئی تھی اور طبی امداد ملنے سے پہلے ہی وہ ہمیشہ کی نیند سوگیا تھا۔

بات بڑھ گئی اور کیوں نہ بڑھتی۔ وہ ایک سرکاری ادارے کا کارکن تھا اور اس کو یہ حادثہ اپنی میز پر پیش نہیں آیا تھا کہ محکمے ہی کے کسی فرد پر شبہ کیا جاسکتا۔ اس کے ماتحتوں نے محکمے کے ڈپٹی ڈائریکٹر کو اس حادثے کی اطلاع دی تھی کیونکہ دوسرے درمیانی آفیسر اس وقت اپنی جگہوں پر موجود نہیں تھے۔ لیکن مرنے والے کے ماتحتوں میں ایک ایسا بھی تھا جس نے محکمہ سراغ رسانی کے کرنل فریدی سے رابطہ قائم کرلیا۔

''لیکن ہم اس سلسلے میں کیا کرسکیں گے انسپکٹر.....!'' فریدی نے پُرتفکر لہجے میں کہا۔

''جب تک آپ کا محکمہ باضابطہ طور پر ہم سے رجوع نہ کرلے ہم کچھ نہیں کرسکتے۔''

''میں سمجھتا ہوں جناب.....لیکن یہ مرنے والے کی خواہش تھی۔''

''کیا مطلب.....؟''

''مرحوم نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر ایسی مہمات کے دوران میں انہیں کوئی حادثہ پیش آجائے تو میں آپ سے رابطہ قائم کروں۔''

''میرا خیال ہے کہ مرحوم افضل خان سے میری ملاقات کبھی نہیں ہوئی۔''

''دراصل یہ ایک خاصا الجھا ہوا معاملہ ہے جناب۔ پچھلے چھ ماہ سے وہ منشیات کے کسی نامعلوم اسمگلر کی تلاش میں تھے۔ انفارمر انہیں سرحد پار سے چرس اسمگل ہونے کی اطلاع دیتا تھا اور وہ گھات لگاتے تھے۔ تین بار ایسا ہوا کہ چرس گاڑی سمیت ہمارے ہاتھ آ گئی۔ لیکن اسمگلر نکل گئے۔ ان میں سے کوئی بھی نہ پکڑا جاسکا۔ چوتھی بار یہ حادثہ پیش آیا۔ ہم گاڑی میں ان کی گاڑی کا تعاقب کررہے تھے۔ دونوں اطراف سے فائرنگ ہو رہی تھی اور پھر وہ ایک جگہ گاڑی چھوڑ کر فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ اس بار چرس کے ساتھ ہی وہ بریف کیس بھی ہاتھ آیا۔ خان صاحب نے اسے کھولا ہی تھا کہ سانپ نے ڈس لیا۔ ہمارا خیال تھا کہ بریف کیس سے شاید ایسے کاغذات ہاتھ لگ سکیں جن سے اسمگلر روشنی میں آجائیں۔ لیکن یقین فرمایئے کہ اس بریف کیس میں سانپ کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔''

''کیا انہیں کسی خاص پارٹی پر شبہ تھا۔'' فریدی نے کسٹمز انٹیلی جنس کے انسپکٹر کے خاموش ہوتے ہی سوال کیا۔

''ان کے انداز سے یہی معلوم ہوتا تھا جناب۔'' وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''ایک بار تو انہوں نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ انہیں یقین ہے لیکن کسی واضح ثبوت کے بغیر وہ اس فرد کا نام زبان پر نہیں لاسکتے۔''

''اوہ.....!'' فریدی سگار سلگاتے سلگاتے رک گیا اس کی نظر انسپکٹر کے چہرے پر جمی

ہوئی تھی۔

''لیکن انہوں نے اس کی بھی وضاحت نہیں کی تھی۔'' انسپکٹر طویل سانس لے کر بولا۔

''غالباً یونہی بے خیالی میں یہ جملہ ان کی زبان سے نکل گیا تھا۔''

فریدی نے سگار جلائے بغیر ایش ٹرے پر رکھ دیا اور اٹھ کر کھڑکی کے قریب جا کھڑا ہوا۔ چند لمحے باہر دیکھتا رہا پھر مڑ کر پوچھا۔ ''تو یہ چاروں مہمات آپ کی دانست میں ایک ہی سلسلے کی کڑیاں تھیں۔''

''جی ہاں.....خود خاں صاحب کا یہی خیال تھا اور آخر کار چوتھی مہم ان کے لئے جان لیوا ثابت ہوئی۔''

''آپ کا محکمہ اس سلسلے میں کیا کررہا ہے۔''

''اب دیکھئے کیا کرتا ہے آج کی تو بات ہے۔''

''کس پولیس اسٹیشن پر اس حادثے کی رپورٹ درج کرائی گئی ہے۔''

''مجھے اس کا علم نہیں۔ اس حادثے کے بعد میں نے صرف آپ تک پہنچنے کی کوشش کی تھی۔''

''مرحوم افضل خان آپ پر بہت اعتماد کرتے تھے۔'' فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی ہم دونوں کا گذارہ محض تنخواہوں پر تھا۔ انہوں نے مجھے اس حد تک متاثر کیا تھا کہ میں ان کے نقش قدم پر چلنا اپنے لئے باعث فخر سمجھتا تھا۔''

''اوہ.....اچھا اچھا.....!''

''بہرحال انہوں نے جو ذمہ داری مجھ پر ڈالی تھی آپ تک پہنچ کر اس سے عہدہ برآ ہوگیا۔''

''ایک بات.....!'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''انہوں نے یہ ذمہ داری آپ پر کب ڈالی تھی۔''

''غالباً دوسری مہم کے بعد۔''

''گویا انہیں یقین تھا کہ اس سلسلے میں کوئی حادثہ ضرور پیش آئے گا۔''

''اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے جناب۔''

''ان کے متعلقین کہاں ہیں۔''

''صرف ایک بوڑھی ماں ہے۔موڈل ٹاؤن میں رہتے تھے۔''

''بنگلے کا نمبر معلوم ہے آپ کو۔''

''جی ہاں.....ای دوسو اکیاسی۔''

''اچھی بات ہے انسپکٹر.....میں دیکھوں گا۔اوہ..... ہاں اس سانپ کا کیا ہوا۔''

''مجھے ہوش نہیں جناب کہ وہ مارا گیا تھا یا نکل گیا تھا۔''

''اس مہم پر کتنے افراد آپ کے ساتھ تھے۔''

''میرے علاوہ تین سپاہی بھی تھے۔''

''ان تینوں کے نام اور پتے بھی درکار ہوں گی۔''

''فراہم کردیئے جائیں گے جناب۔''

''اور وہ انفارمر۔''

''اس کے بارے میں انہوں نے کبھی کچھ نہیں بتایا تھا۔''

''اس کا علم کتنے افراد کو ہے کہ آپ میرے پاس آئے ہیں۔''

''کسی کو نہیں جناب۔ میں نے مرحوم کی اس خواہش کا ذکر کبھی کسی سے نہیں کیا۔''

''لیکن خود افضل خان نے تو کسی اور سے بھی.....!'' فریدی جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہوگیا۔تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔''کیا آپ یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ انفارمر کوئی مقامی آدمی تھا یا اس کا تعلق بھی سرحد پار سے ہے۔''

''میں انفارمر کے بارے میں قطعی لاعلم ہوں۔''

''خیر مجھ سے جو کچھ بھی ہوسکا ضرور کروں گا۔''

انسپکٹر کے رخصت ہوجانے کے بعد اس نے انٹرکوم کا بٹن دبا کر کسی سے پوچھا۔''کیا حمید اپنے روم میں موجود ہے۔''

''دیکھ کر بتاتا ہوں جناب۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''موجود ہو تو میرے پاس بھیج دو۔''

''بہت بہتر جناب۔''

اس نے ایش ٹرے پر رکھا ہوا سگار اٹھا کر سلگایا اور میز کے گوشے پر ٹک کر ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔آنکھیں کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔تھوڑی دیر بعد کیپٹن حمید کمرے میں داخل ہوا۔

''بیٹھو.....!'' فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا اور خود میز کے گوشے سے اٹھ کر اپنی کرسی پر جا بیٹھا۔

''کوئی خاص بات؟'' حمید نے اسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

میرا خیال ہے کہ تمہاری ہی زبانی کسٹمز انٹیلی جنس کے ایک آفیسر افضل خان کا ذکر سنا تھا۔

''ضرور سنا ہوگا۔کیونکہ ہماری ہی طرح اسے بھی شادی سے بیر ہے۔''

''کیسا آدمی تھا.....؟''

''تھا.....؟'' حمید چونک کر بولا۔''کیا مطلب.....؟''

''انتقال کرگیا.....؟''

''کب.....کیسے؟'' حمید نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

''کیا قریبی تعلقات تھے۔''

''قریبی تعلقات نہ ہونے کے باوجود بھی وہ آدمی مجھے پسند تھا۔''

''میں نے پوچھا تھا کیسا آدمی تھا۔''

''اگر آپ کے بارے میں کوئی مجھ سے یہی سوال کرے تو میرا کیا جواب ہوگا۔''

''میں کیا جانوں؟''

''میں یہ کہوں گا کہ آپ نیک نفس اور دیانتدار آدمی ہیں۔لیکن وہ مرا کیسے؟''

''سانپ نے ڈس لیا۔''

''خداوندا.....بیچاری بوڑھی ماں.....بالکل تنہا رہ گئی۔''

''تو وہ ایک بااصول آدمی تھا۔''

''آپ اُس کا آئیڈیل تھے۔ آپ کی ایک بہت بڑی تصویر اس کے ڈرائنگ روم میں آویزاں ہے۔ بات بات پر آپ کے حوالے دیا کرتا تھا۔ کہتا تھا کہ اگر نطشے کرنل فریدی کو دیکھ لیتا تو اسے اپنے سپرمین کی خصوصیات میں مزید اضافے کرنے پڑتے۔ ایک دن مجھ سے کہنے لگا کیپٹن آپ کچھ زیادہ خوش قسمت ثابت نہیں ہوئے۔ کرنل صاحب سے اس قدر قریب ہونے کے باوجود بھی آپ فیضیاب نہ ہو سکے اور کرنل صاحب.....!''

''میں تم سے اپنے بارے میں کچھ نہیں پوچھ رہا۔'' فریدی جھنجھلا کر بولا۔

''میں اس سے زیادہ اور کیا کہوں کہ حلال کی کمائی پر اس کا گذارہ تھا۔ اس لئے اپنے محکمے میں اچھی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔''

''شاید اسی لئے مارا بھی گیا؟''

''آپ تو کہہ رہے تھے کہ سانپ نے ڈس لیا۔''

فریدی نے اسے تفصیل سے بتایا کہ کس طرح افضل خاں کی موت واقع ہوئی تھی اور خود اس تک اس خبر کے پہنچنے کا ذریعہ کیا تھا۔

حمید خاموشی سے سنتا رہا اور بات کے اختتام پر بھی خاموش ہی رہا۔

''تم کیا سوچنے لگے۔'' فریدی نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

''اس کی بوڑھی ماں پر کیا گزری ہوگی۔''

''ماں کے علاوہ اور کوئی عزیز قریب۔''

''کوئی بھی نہیں ہے۔ بیچاری ماں زندہ رہی تو اس کا کیا ہوگا۔''

''بہرحال مجھے اس حادثے کے ذمہ داروں سے نپٹنا ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ وہ کسی ذی عزت لٹیرے کے تعاقب میں تھا۔ اسی لئے واضح ثبوت فراہم کئے بغیر اس کا نام لینے سے احتراز کرتا رہا تھا۔''

''معلوم کرو کس پولیس اسٹیشن پر اس حادثے کی رپورٹ کرائی گئی ہے۔''

''یہ واقعہ ہوا کہاں تھا!'' حمید نے پوچھا۔

''ڈب کے علاقے میں۔''

''اگر محکمے کا کوئی فرد بھی اس میں ملوث ہے تو ڈب چوکی کے علاوہ اور کہیں رپورٹ درج نہ کرائی گئی ہوگی۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' فریدی نے کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

''انفارمر کے بارے میں کیا خیال ہے۔''

''اگر وہ اس کا ذاتی انفارمر تھا تو اس کا پتہ لگانے میں دشواری ہوگی اور اگر اس کا رابطہ افضل خاں کے کسی امیڈیٹ آفیسر سے تھا تو شاید بات بن جائے۔''

''اس سلسلے میں مجھے اور کیا کرنا ہے۔''

''گھر پر پائے جانے والے کاغذات کی چھان بین۔ اگر وہ کوئی ذاتی ڈائری بھی رکھتا تھا تو اس کی تلاش۔''

''مجھے اس کی ماں کے پاس جانا چاہئے۔''

''پہلے بھی کبھی اس کے گھر جا چکے ہو؟''

''کئی بار۔''

''کیا اس نے کبھی مجھ سے بھی ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔''

''نہیں، کبھی نہیں۔ ورنہ میں ضرور ملواتا۔''

''خیر..... جاؤ۔ مجھے جلد از جلد معلوم ہونا چاہئے کہ رپورٹ کہاں درج کرائی گئی ہے اور اس آفیسر کا نام بھی چاہئے جس نے رپورٹ درج کرائی ہو۔''

حمید چلا گیا اور فریدی نے فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کئے اور دوسری طرف سے جواب ملنے پر بولا۔ ''فریدی۔ میں چار بجے تک آفس میں رہوں گا۔ اس دوران میں مجھ سے مل لیجئے گا یہ بے حد ضروری ہے۔''

ریسیور رکھ کر وہ پھر کسی سوچ میں گم ہو گیا۔ دفعتاً انٹرکوم سے آواز آئی۔ ''میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں جناب۔''

''آ جاؤ.....!'' فریدی نے کہا۔

کچھ دیر بعد اس کانیا اسسٹنٹ تو قیر زمن کمرے میں داخل ہوا۔ یہ ادھیڑ عمر کا ایک توا اور دراز قد آدمی تھا۔ لیکن آنکھیں کسی قدر بجھی بجھی سی تھیں اور بائیں آنکھ سے پانی بہنے لگتا تھا جب کسی بھی جذبے کے شدید دباؤ میں ہوتا تھا۔

''بیٹھو.....!'' فریدی نے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ ''کیا بات ہے؟''

''میں کچھ دیر کے لئے باہر گیا تھا۔ ابھی ابھی آیا ہوں۔ گیٹ کے سامنے والی کافی شاپ کے قریب بڑی سی سیاہ گاڑی کھڑی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک بھاری بھرکم آدمی تاریک شیشوں کی عینک لگائے بیٹھا تھا۔ میں قریب سے گزر ہی رہا تھا کہ ہاتھ کے اشارے سے مجھے روک کر پوچھا۔ کیا آپ کرنل فریدی کے اسسٹنٹ ہیں۔ اثبات میں جواب سن کر بولا۔ ''ان سے کہہ دیجئے کہ ذرا ہاتھ پیر بچا کر رہیں۔ زمانہ موافق نہیں ہے۔ میں نے وضاحت چاہی تو کہنے لگا کہ میں ان کا ہمدرد ہوں اور ایک ایسی شخصیت کا گماشتہ ہوں جس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ بس اتنا ہی کہہ دیجئے گا۔ اس کے بعد اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور نکلا چلا گیا۔''

''گاڑی کا رجسٹریشن نمبر.....!'' فریدی نے اس کی طرف دیکھے بغیر سوال کیا۔

''وہ.....وہ تو جج جناب۔'' ہکلا کر رہ گیا۔

''تب تو آپ کو مجھ سے اس کا تذکرہ کرنا ہی نہ چاہئے تھا۔''

''میں کیا عرض کروں جناب۔ اس کی باتیں سن کر حیرت بھی ہوئی تھی اور غصہ بھی آ رہا تھا۔ اسی کنفیوژن میں مجھ سے یہ موٹی سی غلطی ہوگئی۔ میں شرمندہ ہوں۔''

''ہمارا پیشہ گرم دماغی کا متحمل نہیں ہوسکتا۔''

''میں سمجھتا ہوں جناب۔ لیکن میں آج تک اپنی اس کمزوری پر قابو نہیں پا سکا۔ بس ایک دم بھڑک اٹھتا ہوں۔''

''کبھی فرصت سے کوٹھی پر آیئے۔ آپ کو کچھ ورزشیں وغیرہ بتاؤں گا اور آپ اعصابی الجھاؤ سے نجات پا جائیں گے۔''

''بہت بہت شکریہ جناب۔''

''گاڑی کے میک اور موڈل ہی کا کچھ اندازہ ہوا ہو تو بتایئے۔''

''غالباً ڈوج ڈارٹ کا نیا موڈل تھا اور وہ آدمی بھاری بھرکم معلوم ہوتا تھا۔ بھرا ہوا کلین شیوڈ چہرہ تھا۔ آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک تھی۔ لہجے سے شمالی سرحدی علاقے کا باشندہ معلوم ہوتا تھا۔''

''اور کوئی خاص بات؟''

''جی نہیں۔''

''آئندہ ایسے مواقع پر خود کو قابو میں رکھئے گا کیونکہ مجھے صبح سے شام تک دھمکیاں ملتی رہتی ہیں۔''

''اگر وہ فوراً ہی فرار نہ ہوگیا ہوتا تو گریبان تھام کر نیچے کھینچ لیتا۔''

''یہ ناخواندہ کانسٹیبلوں کی سی حرکت ہوتی۔ پھر سن لیجئے کہ ہمارا پیشہ ٹھنڈا دماغ چاہتا ہے۔''

''بہت بہتر جناب۔ آئندہ خیال رکھوں گا۔''

ٹھیک اسی وقت اردلی نے کمرے میں داخل ہوکر کسی کا ملاقاتی کارڈ سامنے رکھ دیا۔

''اور کچھ کہنا ہے آپ کو۔'' فریدی نے تو قیر زمن سے پوچھا۔

''نہیں جناب، اب اجازت دیجئے۔'' وہ اٹھتا ہوا بولا۔

''انہیں بھیج دو۔'' فریدی اردلی سے بولا۔

تھوڑی دیر بعد ایک پستہ قد اور دبلا پتلا آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ بہترین تراش والا قیمتی سوٹ زیب جسم تھا اور آنکھوں پر ریم لیس فریم کی عینک تھی۔

فریدی نے اٹھ کر اس کا استقبال کیا اور کرسی پیش کی۔

''میں تو گھبرا ہی گیا تھا۔ کرنل صاحب آپ کی کال ریسیور کر کے۔ فرمایئے میں کیا خدمت کرسکتا ہوں۔''

''آپکا کوئی ذاتی معاملہ نہیں ہے۔ صرف اپنی معلومات میں کسی قدر اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔''

''مجھے علم ہے اور یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ بعض معاملات سے خاصے باخبر رہتے ہیں۔''

''ذرہ نوازی ہے آپ کی۔'' وہ مضطربانہ انداز میں ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ ''فرمایئے کس کا آسکتا ہوں؟''

''آج کل شمالی سرحد پار سے کس کس کا مال آرہا ہے۔'' فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''بس کیا بتاؤں جناب کرنل صاحب۔ آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں، کیونکہ پتہ نہیں کس وزیر کے جذبات کو ٹھیس لگ جائے۔''

''خوب! کیا آج کل طبیعت کچھ شاعری کی طرف بھی مائل ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''جناب عالی! سرحد پار سے کچھ بھی نہیں آرہا۔''

''میرے لئے بالکل نئی اطلاع ہے۔''

''یقین فرمایئے۔ سب کچھ یہیں ہوتا ہے۔ محض پوز کیا جاتا ہے کہ مال سرحد پار سے آیا۔ میں اعداد و شمار جمع کرتا ہوں۔ پچھلے سال ڈھائی ارب روپے کی چرس پکڑی گئی تھی گویا ہماری قومی دولت چرس ہی ٹھہری اور ہاں پکڑ کر کہاں لے جائی گئی۔ کم از کم مجھے تو معلوم نہیں۔''

''چرس کی سیاست میں نہ جایئے۔ میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کس کس کا مال آرہا ہے۔''

''جب آتا تھا سرحد پار سے تب شاید میں بھی بتا سکتا۔ ایسی صورت میں کیا عرض کرسکتا ہوں جبکہ آتا ہی نہیں۔''

اچھا یہیں کے سیٹھوں کے بارے میں کچھ بتایئے؟

پستہ قد آدمی کسی سوچ میں پڑ گیا۔

''آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔'' فریدی کچھ دیر بعد بولا۔

''میں کیا عرض کروں۔'' وہ کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ بولا۔ ''آپ یقین نہیں کریں گے؟''

''شاید کر بھی لوں۔'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''سارے سیٹھ مار کھا گئے ہیں۔ علاوہ ایک کے، کیونکہ اس کا مال نہیں پکڑا جاتا۔''

''وہ کون ہے؟''

''میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہے جناب، لیکن سنتا یہی ہوں مار کھا جانے والے سیٹھ بھی نہیں جانتے کہ وہ کس کی وجہ سے مار کھا رہے ہیں۔''

''میں سمجھ گیا۔ لیکن ایک منٹ.....!'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''ابھی آپ نے کسی وزیر کے جذبات کے احترام میں کچھ کہنے سے گریز کیا تھا۔''

''اشارہ کسی خاص وزیر کی طرف نہیں تھا۔ لیکن آپ خود خیال کریں کہ بڑوں کی سرپرستی کے بغیر یہ سب کچھ کیسے ہوسکتا ہے۔''

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے اسی کسٹمز انسپکٹر کی آواز آئی جو چند گھنٹے قبل اسے افضل خاں کی موت کے بارے میں بتانے آیا تھا۔

''مجھے شبہ ہے جناب کہ میرا تعاقب کیا جارہا ہے اور شاید وہ کسی مرحلے پر مجھے گھیر کر پکڑنا چاہتے ہیں۔''

''آپ کہاں سے بول رہے ہیں۔'' فریدی نے پوچھا۔

''کیفے روانو سے۔''

''آپ کو شبہ کیونکر ہوا۔''

''میری سواری میں اسکوٹر ہے۔ ایک نیلے رنگ کی ٹویوٹا مستقل طور پر میرے تعاقب میں رہی ہے۔ اس میں تین افراد ہیں اور گاڑی اس وقت روانو والے فٹ پاتھ سے لگی کھڑی ہے۔ ایک آدمی بونٹ اٹھائے انجن کو اس طرح دیکھ رہا ہے جیسے اس میں کوئی خرابی واقع ہوگئی ہو۔ دو اندر گاڑی میں بیٹھے ہیں۔''

''اچھی بات ہے، وہیں ٹھہریئے۔'' فریدی نے کہا اور ریسیور کریڈل پر رکھ کر پستہ قد آدمی سے بولا۔ ''تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔ بہت بہت شکریہ۔''

''ارے، میں تو خادم ہوں جناب۔'' وہ اٹھتا ہوا بولا اور فریدی نے بھی اٹھ کر مصافحہ کے

لئے ہاتھ بڑھا دیا۔

اس کے چلے جانے کے بعد اس نے انٹرکوم کا بٹن دبا کر کہا۔ ''مسٹر زمن میری گاڑی کے راستے میں اگر دوسری گاڑیاں پارک ہوں تو انہیں ہٹوا دیجئے۔''

''بہت بہتر جناب۔''

انٹرکوم کا سوئچ آف کر کے فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کئے اور دوسری طرف سے جواب ملنے پر بولا۔ ''ٹھیک پندرہ منٹ بعد چیتھم روڈ کے چوراہے پر ملو۔''

''بہت بہتر جناب۔''

ریسیور کریڈل پر رکھ کر وہ اٹھ گیا۔ گھڑی پر نظر ڈالی اور آفس سے نکل کر پارکنگ لاٹ کی طرف آیا۔ اس کی گاڑی کی راہ میں کوئی گاڑی حائل نہ تھی۔ اس لئے کسی دشواری کے بغیر گاڑی پارکنگ لاٹ سے نکل آئی اور پھر وہ چیتھم روڈ کے چوراہے کے قریب روکی گئی تھی۔ فریدی نے گھڑی دیکھی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ایک موٹر سائیکل قریب ہی آ رکی اور سوار نے فریدی کو سلام کیا۔

''ٹھیک وقت پر پہنچے ہو..... عالمگیر روڈ پر کیفے روانو دیکھا ہے۔'' فریدی نے اس سے پوچھا۔

''دیکھا ہے جناب۔''

''اس کے سامنے نیلے رنگ کی ایک ٹویوٹا کھڑی ہے۔ تین آدمی اس میں ہیں۔ میں کیفے روانو کے اندر جاؤں گا۔ تم اس گاڑی پر نظر رکھنا۔''

''بہت بہتر۔''

''پوری بات سمجھ گئے نا۔''

''جی ہاں! مجھے ٹویوٹا کی نقل و حرکت پر نظر رکھنی ہے اور پھر آپ کو رپورٹ دینی ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' فریدی نے کہا اور انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔

روانو کے سامنے ٹویوٹا کار اب بھی موجود تھی۔ دو آدمی انجن پر جھکے ہوئے تھے اور تیسرا آدمی اندر بیٹھا ہوا تھا۔ فریدی نے اپنی گاڑی ٹویوٹا کے قریب ہی روکی اور اتر کر اسے لاک

کرنے لگا۔ انجن پر جھکے ہوئے دونوں آدمی سیدھے کھڑے ہو کر اسے دیکھنے لگے۔ لیکن وہ بظاہر ان کی طرف توجہ دیئے بغیر کیفے کے اندر چلا گیا۔

کسٹم انسپکٹر اپنی میز پر تنہا تھا۔ اس نے کھڑے ہو کر فریدی کا استقبال کیا۔ بے چینی اس کی آنکھوں سے مترشح ہو رہی تھی۔

''بیٹھئے بیٹھئے.....!'' فریدی خود بھی کرسی کھینچ کر بیٹھتا ہوا بولا۔

''نیلی گاڑی اب بھی موجود ہے۔'' انسپکٹر نے آہستہ سے کہا۔ ''میں نے ایسی میز منتخب کی ہے جہاں سے اس پر نظر رکھ سکوں۔''

''میرا خیال ہے کہ اب وہ نہیں رکے گی۔'' فریدی بولا۔ اس کی پشت اس کھڑکی کی طرف تھی۔ جس سے انسپکٹر کی نگرانی کر رہا تھا۔

''درست فرمایا۔'' انسپکٹر جلدی سے بولا۔ ''جی ہاں۔ وہ دونوں بھی گاڑی میں بیٹھ گئے ہیں۔ اوہ شاید وہ انجن اسٹارٹ کر رہا ہے۔ واقعی وہ چلے گئے۔''

فریدی نے طویل سانس لی تھی۔ انسپکٹر نے کہا۔ ''اس تکلیف دہی پر میں شرمندہ ہوں جناب۔''

''نہیں۔ آپ نے مجھے اطلاع دے کر عقل مندی کا ثبوت دیا ہے۔ گویا بات جلد ہی شروع ہوگئی۔ لیکن یہ بات بتایئے کیا آپ کوئی اور خاص بات بھی جانتے ہیں اس کیس کے بارے میں۔''

''جی نہیں۔ جو کچھ آپ کو بتا چکا ہوں اس میں مزید اضافہ کرنے کے لئے میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔''

''غالباً وہ آپ سے معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ آپ نے مجھے اس سلسلے میں کیا بتایا ہے؟''

''کس طرح معلوم کرتے۔''

''جس طرح بھی ان کے امکان میں ہوتا۔''

''یعنی مجھے روکنے کی کوشش کرتے۔''

''قرائن سے تو یہی معلوم ہوتا ہے، بہر حال آپ مطمئن رہئے۔ انشاء اللہ وہ آپ کو گزند نہیں پہنچا سکیں گے۔ کیا آپ گھر جائیں گے؟ چلئے میں پہنچا دوں گا اور اسکوٹر کی چابی دیجئے۔ وہ بھی کچھ دیر بعد آپ کے گھر پر پہنچا دیا جائے گا۔''

''اب اس حد تک بھی تکلیف نہیں دے سکتا۔''

''مناسب یہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں۔''

''جیسی آپ کی مرضی۔'' انسپکٹر نے اسکوٹر کی چابی دیتے ہوئے کہا۔ اسکوٹر کا رجسٹریشن نمبر بتایا۔ فریدی نے اس کو نوٹ کیا تھا۔

''آپ کافی پئیں گے یا چائے۔'' انسپکٹر نے بڑی لجاجت سے پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں، بس اب اٹھ چلئے۔'' فریدی نے کہا۔

وہ باہر نکلے۔ فریدی نے چاروں طرف نظر دوڑائی اور وہ گاڑی میں بیٹھ گئے۔ فریدی نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے انسپکٹر سے اس کا پتہ پوچھا۔

''افضل خان مرحوم کے بنگلے کے قریب ہی میرا قیام بھی ہے۔'' انسپکٹر نے جواب دیا۔ گاڑی حرکت میں آ گئی تھی۔ ٹھیک اسی وقت ٹیلی فون کا بزر سنائی دیا اور فریدی نے ڈیش بورڈ کے ایک خانے سے ریسیور نکال کر کال ریسیو کی۔

''آپ کی کال ہے جناب۔'' محکمے کے ایکسچینج سے آواز آئی۔

''کنکٹ کرو۔'' فریدی نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

تھوڑی دیر بعد کیپٹن حمید کی آواز آئی۔ ''میں ڈب کے علاوہ کی طرف جا رہا ہوں۔ اطلاع ملی ہے کہ ابتدائی رپورٹ وہیں کی چوکی پر درج کرائی گئی تھی اور واردات بھی اسی علاقے میں ہوئی تھی۔ موقعہ واردات کا معائنہ بھی کروں گا۔''

''میں نے کہا تھا پہلے مرحوم کی والدہ سے ملو۔'' فریدی نے کہا۔

''پہلے وہیں گیا تھا۔ لیکن ان پر بے ہوشی طاری ہے۔ میں نے مرحوم کے اس کمرے کو مقفل کر دیا ہے جس میں ان کے کاغذات وغیرہ رکھے ہوئے ہیں۔ کنجی میرے پاس ہے۔''

''ٹھیک ہے، میں خود دیکھوں گا۔ ڈب چوکی سے تم مجھے فون کر سکتے ہو۔''

فریدی نے پھر ریسیور ڈیش بورڈ کے خانے میں رکھ دیا۔ اس کے بعد وہ خاموشی سے کار ڈرائیو کرتا رہا تھا۔ پیشانی پر گہرے تفکر کی بناء پر سلوٹیں پڑ گئی تھیں۔ کسٹمز انسپکٹر بھی کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ دفعتاً وہ چونک کر بولا۔ ''ارے آگ۔''

''جی کہاں؟''

''افضل صاحب کے بنگلے پر! وہ دیکھئے خدا کی پناہ۔'' فریدی نے بریک لگائے۔

انوکھا سانپ

مرحوم افضل خاں کا بنگلہ دھڑا دھڑ جل رہا تھا۔ لیکن فائر بریگیڈ کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ آس پاس کی عمارتوں کے لوگ اپنے طور پر آگ بجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔

''مسٹر زیدی عمارت کے اندر تو کوئی نہیں ہے۔'' فریدی نے کسٹمز انٹیلی جنس کے انسپکٹر سے پوچھا۔

''آپا بی جناب۔'' وہ عمارت کی طرف دوڑتا ہوا بولا۔ ''افضل صاحب کی والدہ۔'' فریدی بھی اس کے ساتھ ہی دوڑ رہا تھا۔ بھیڑ میں پہنچ کر انسپکٹر ایک آدمی کا شانہ جھنجھوڑتا ہوا بولا۔ ''آپا بی..... کہاں ہیں۔''

''ہسپتال..... ڈپٹی صاحب انہیں ہسپتال لے گئے ہیں۔''

''کیا جل گئی تھیں؟''

''نہیں، آگ تو بعد میں لگی ہے۔ مجھے بنگلے کی نگرانی کے لئے چھوڑ گئے تھے۔ اچانک ایک دھماکہ ہوا اور آگ لگ گئی۔ بڑی مشکلوں سے میں باہر نکل سکا تھا۔''

''یہ میرے ایک ساتھی انسپکٹر اشرف ہیں۔'' انسپکٹر زیدی نے فریدی سے تعارف کرایا۔

''اور آپ کرنل فریدی ہیں۔''

''کیا فائر اسٹیشن کو اطلاع نہیں دی گئی۔'' فریدی نے انسپکٹر اشرف سے سوال کیا۔

''جناب یہاں کے فائر اسٹیشن پر فی الحال صرف ایک گاڑی موجود ہے اور وہ بھی خراب ہے۔ وہ اس کی مرمت کر رہے ہیں۔''

فریدی سر ہلا کر رہ گیا۔ پرتشویش نظروں سے جلتی ہوئی عمارت کو دیکھے جا رہا تھا۔ دفعتاً وہ چونک کر بولا۔ ''آپ نے کسی دھماکے کا ذکر کیا تھا۔''

''جی ہاں! ڈپٹی صاحب مرحوم کی والدہ کو ہسپتال لے گئے تھے اور میں بنگلے کی نگرانی کے لئے تنہا رہ گیا تھا۔ اچانک دھماکہ ہوا۔''

''عمارت ہی کے کسی حصے میں۔''

''جی ہاں..... پھر میں بدحواس ہو کر باہر بھاگا۔''

فریدی انسپکٹر زیدی کا بازو چھوڑ کر بولا۔ ''ذرا ادھر آیئے۔''

''جی فرمایئے۔''

''کیا آپ کا گھر قریب ہی ہے؟''

''جی ہاں..... وہ ادھر.....''

''بس تو آپ جایئے!''

''جی..... یعنی کہ.....!''

''میں نے کہا ہے کہ اپنے گھر جایئے۔'' فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔ ''اور کل آپ ڈیوٹی پر بھی نہیں جائیں گے۔ میڈیکل سرٹیفکیٹ روانہ کر دیجئے گا۔''

انسپکٹر زیدی کی آنکھوں میں الجھن کے آثار نظر آئے تھے۔ لیکن وہ پھر مزید کچھ کہے بغیر چپ چاپ وہاں سے چلا گیا اور فریدی اسی شخص کی طرف پلٹ آیا جس کا تعارف انسپکٹر اشرف کے نام سے کرایا گیا تھا۔ لیکن اس نے محسوس کیا کہ وہ اسے نظر انداز کر کے سڑک کی جانب دوڑ رہا ہے۔ نگاہ اس کا تعاقب کرتی رہی اور پھر عقدہ کھلا کہ وہ اس طرح کیوں بھاگا تھا۔ اپنے

محکمے کے ڈپٹی ڈائریکٹر کی پیشوائی مدنظر تھی۔ جس کی کار سڑک پر رکی تھی۔

فریدی ڈپٹی انسپکٹر مسٹر بھٹی سے واقف تھا۔

پتا نہیں یہ اتفاق تھا کہ بھٹی کی نظر فریدی پر پڑ گئی تھی یا انسپکٹر اشرف نے اس کی طرف توجہ دلائی تھی۔ بہرحال وہ گاڑی سے اتر کر تیر کی طرح اس کی طرف آیا تھا۔

''اوہ..... کرنل فریدی صاحب..... پتہ نہیں یہ سب کیا ہو رہا ہے۔'' اس نے فریدی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

''میں خود بھی متحیر ہوں۔ آپ کے انسپکٹر کا بیان ہے کہ دھماکے کے بعد آگ لگی تھی۔''

''خدا کا شکر ہے کہ میں افضل کی والدہ کو پہلے ہی لے گیا تھا۔ لیکن آخر یہ سب ہے کیا؟''

پھر وہ مضطربانہ انداز میں انسپکٹر اشرف سے بولا۔ ''دوسرے فائر اسٹیشنوں پر فون کرو۔''

انسپکٹر وہاں سے ہٹ گیا اور فریدی نے کہا۔ ''بنگلے کا تین چوتھائی حصہ بالکل منہدم ہو گیا ہے۔''

''لیکن..... وہ دھماکہ کیسے ہوا؟''

''آپ کے انسپکٹر کے علاوہ اس وقت یہاں اور کوئی موجود نہیں تھا۔''

''اس لئے.....؟''

''آپ غلط سمجھے! میں کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر رہا۔'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''کہنے کا مطلب یہ کہ آپ کے انسپکٹر نے بھی صرف دھماکے کا ذکر ہی کیا تھا اس پر رائے زنی نہیں کی تھی۔''

دفعتاً بھیڑ سے ایک آدمی الگ ہو کر ان کی طرف آیا اور بھٹی سے بولا۔ ''آپ کے آنے سے قبل ایک آدمی نے خان صاحب کی لائبریری مقفل کرائی تھی اور بتایا تھا کہ وہ محکمہ سراغ رسانی کا ایک آفیسر ہے۔''

''لائبریری مقفل کرائی تھی۔'' ڈپٹی ڈائریکٹر بھٹی نے حیرت سے کہا۔

''وہ میرا اسسٹنٹ کیپٹن حمید رہا ہوگا۔'' فریدی بولا۔

''تو کیا یہ کیس.....!''

''آپ سمجھے نہیں۔'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''افضل خاں سے اس کے ذاتی تعلقات تھے۔ اس لئے وہ اس معاملے کو اپنے طور پر دیکھ رہا ہے۔''

''لیکن کرنل صاحب۔ اگر وہ دھماکہ اس کمرے میں ہوا ہوتو، جسے کیپٹن حمید نے مقفل کرایا تھا۔''

''اس صورت میں یہی کہا جا سکے گا کہ اسے مقفل کرانے سے پہلے ہی کوئی اپنا کام کر گیا تھا۔''

''اوہ..... میں بھی کہاں کی باتیں لے بیٹھا۔ آخر یہ فائر بریگیڈ.....!''

''ٹھہریئے۔'' فریدی نے کہا۔ ''میں کوشش کرتا ہوں۔'' اس نے اپنی گاڑی میں آ کر لاسلکی فون پر محکمے کے ایکسچینج سے رابطہ قائم کیا اور فائر بریگیڈ کے لئے ہدایت دینے لگا۔ پھر افضل خاں کے بنگلے کا پتا بتا کر بولا۔ ''اس کے علاوہ معلوم کر کے بتاؤ کہ میرے لئے کہیں سے کوئی پیغام تو نہیں ہے۔''

''ہولڈ آن کیجئے جناب۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

ڈپٹی ڈائریکٹر بھٹی بھی گاڑی کے قریب آ کھڑا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''کوئی پیغام نہیں ہے جناب۔''

فریدی نے سوئچ آف کر کے ریسیور ڈیش بورڈ کے خانے میں رکھ دیا اور گاڑی سے اُتر آیا۔

''عجیب بدنظمی کا عالم ہے۔'' بھٹی نے کہا۔ ''ایک عمارت جل کر خاک کا ڈھیر ہو گئی لیکن فائر بریگیڈ کا کہیں پتا نہیں۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کی نظر جلتی ہوئی عمارت پر جم کر رہ گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے بھٹی کیطرف دیکھے بغیر آہستہ سے پوچھا۔ ''کیا آپ افضل خاں کے انفارمر سے واقف ہیں۔''

''جی نہیں..... میں نے سپرنٹنڈنٹ سے پوچھا تھا لیکن اس نے بھی لاعلمی ظاہر کی ہے۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔''

''میں تو اسے افسوس ناک سمجھتا ہوں۔ اپنے امیڈیٹ آفیسر کو اطلاع دیئے بغیر کسی مہم پر

نکل کھڑے ہونا بے ضابطہ سی بات ہے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔ ''لیکن کیا افضل خاں ایک بے اصول آدمی تھے۔''

''جی نہیں، اس کا ریکارڈ بے داغ تھا۔''

''پھر ان کے اس رویئے کے بارے میں سوچنا پڑے گا۔ آخر اس مہم کے سلسلے میں ان سے یہ فروگذاشت کیسے ہوئی۔''

''میں بھی یہی سوچتا رہا ہوں۔''

دفعتاً فائر بریگیڈ کی گاڑی کا سائرن سنائی دیا اور بھیڑ اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اس افراتفری میں بھٹی فریدی سے دور ہو گیا۔

فائر بریگیڈ کے عملے نے اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ فریدی نے پھر لاسلکی فون پر اپنے محکمے کے ایکسچینج سے رابطہ قائم کیا اور لیبارٹری سے کنکٹ کرانے کے بعد آتش گیر مادوں کے ماہر سے گفتگو شروع کر دی۔

''میں اس مخصوص حصے کی نشاندہی چاہتا ہوں جہاں دھماکا ہوا تھا۔'' آگ ابھی پوری طرح فرو نہیں ہوئی اور عمارت کا تین چوتھائی حصہ دھماکے سے منہدم ہو گیا ہے۔ ٹھیک ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آگ فرو ہوتے ہی آپ اپنا کام شروع کر دیں۔ شکریہ۔''

اس کے بعد آپریٹر کی آواز آئی۔ ''آپ کے لئے ایک پیغام بھی ہے جناب۔ کسی نے کہا تھا کہ فون نمبر سات آٹھ تین چھ نو پانچ پر رنگ کیجئے۔''

''خود رنگ کر کے کنکٹ کر دو۔'' فریدی نے کہا۔

''بہت بہتر جناب۔''

تھوڑی دیر بعد آواز آئی۔ ''بی تھرٹین اسپیکنگ سر..... میں نے گاڑی کا تعاقب کیا تھا جناب۔ وہ ہمایوں روڈ کی کوٹھی نمبر ستائیس میں داخل ہوئی اور گیراج میں کھڑی کر دی گئی۔ عمارت [illegible] پر دردانہ شاہد تحریر ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ یہ عورت کون ہے۔ کیا کرتی ہے۔''

''ان تینوں میں سے کوئی پھر باہر آیا تھا یا نہیں؟''

''ابھی تک کی رپورٹ ہے کہ عمارت سے کوئی باہر نہیں آیا ہے۔ بی فائیو عمارت کی نگرا
کر رہا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ عمارت کی نگرانی جاری رہنی چاہئے۔''

''بہت بہتر جناب۔''

''ویٹس آل!'' کہہ کر فریدی نے سوئچ آف کر دیا۔ وہ ویسے بھی گفتگو ختم کر دینا چا
تھا۔ کیونکہ ڈپٹی ڈائریکٹر بھٹی پھر گاڑی کی طرف آتا ہوا دکھائی دیا تھا۔

''انہوں نے آگ پر قابو پالیا ہے۔'' بھٹی نے اطلاع دی۔

''انفارمر کے بارے میں معلوم ہونا بے حد ضروری ہے بھٹی صاحب۔''

''جی ہاں..... میرا بھی یہی خیال ہے۔ لیکن کس طرح معلوم ہو۔''

''ہوسکتا ہے ان میں سے کسی کو معلوم ہو جو اس مہم میں افضل خاں کے شریک تھے۔''

''اور اس دھماکے کا مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ کوئی شہادت ضائع کی گئی ہے۔''

''سامنے کی بات ہے۔'' بھٹی بولا۔

''افضل خاں کی والدہ کو آپ نے کس ہسپتال میں داخل کرایا ہے۔''

''سول ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں ہیں اور میری وہاں سے روانگی کے وقت تک انہ
ہوش نہیں آیا تھا۔''

''تشویش ناک۔''

''میں دیکھ رہا ہوں کہ ہر طرف سے تفتیش کا راستہ روکنے کی کوشش کی گئی ہے۔'' بھٹی نے کہا

''کیا خیال ہے ان کی بے ہوشی بھی اسی سلسلے کی کوئی کڑی ہوسکتی ہے۔''

''اس کے علاوہ اور کچھ سوچ ہی نہیں سکتا۔ کسی صدمے کے تحت بیہوش ہو جانے وا
اتنی طویل بے ہوشی سے نہیں گزرتے۔''

''میرا خیال ہے کہ میں خود جا کر انہیں دیکھوں۔''

''اگر وہ ہوش میں آ بھی گئی ہوں گی تو شائد ڈاکٹر ابھی بولنے کی اجازت نہ دے۔''

فریدی پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ وہ ایکسپلوسیوز کے ماہر کے پہنچنے سے پہلے وہاں سے نہیں ہٹنا چاہتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد بھٹی بولا۔ ''ہوسکتا ہے کہ ہوش میں آنے کے بعد وہ کچھ بتا سکیں۔''

''کس سلسلے میں۔'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''یہی کہ کیپٹن حمید سے پہلے یہاں اور کون آیا تھا۔''

''انہیں شائد کیپٹن حمید کی آمد کا علم ہی نہ ہو کیونکہ وہ ان کی بے ہوشی ہی کی حالت میں یہاں پہنچا تھا۔''

بھٹی کچھ نہ بولا۔ وہ بھی شائد کچھ سوچ رہا تھا اتنے میں فریدی کے محکمے کی ایک گاڑی دکھائی دی۔ شاید آتش گیر مادوں کا ماہر پہنچ گیا تھا۔

''اچھا بھٹی صاحب۔'' فریدی مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ ''میں اب چلوں گا۔''

''مجھے امید ہے کہ سازشی جلد ہی اپنی سزا کو پہنچیں گے۔'' بھٹی نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

اب فریدی کی گاڑی سول ہسپتال کی طرف جا رہی تھی۔ اس نے لاسلکی فون پر پھر کسی سے رابطہ قائم کر کے انسپکٹر زیدی کے اسکوٹر سے متعلق ہدایات دی تھیں۔

ہسپتال پہنچ کر معلوم ہوا کہ افضل کی ماں کو ابھی تک ہوش نہیں آیا اور پھر اسے اس سلسلے میں ڈاکٹر سے گفتگو کرنی پڑی۔

''بیہوشی کی وجہ صدمہ ضرور ہوسکتا ہے لیکن اتنی طویل بیہوشی سمجھ میں نہیں آئی۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''آپ کی بھی سمجھ میں نہیں آتی۔'' فریدی نے حیرت سے کہا۔

''جی نہیں۔''

''کوئی خواب آور دوا.....؟'' فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''اس کی نشاندہی بھی نہیں ہوسکی اور میں زیادہ پر امید بھی نہیں ہوں۔ مطلب یہ کہ ضروری

نہیں کہ ہوش آ ہی جائے۔ بیہوشی موت میں بھی تبدیل ہوسکتی ہے۔ کیونکہ وہ ہائی بلڈ پریشر کی مریضہ بھی ہیں۔''

''کہیں مغز کی کوئی شریان تو متاثر نہیں ہوئی۔'' فریدی نے خیال ظاہر کیا۔

''اس کا بھی امکان ہے اور یہ کیفیت کوما کی ہوسکتی ہے۔''

''آپ کوئی بات یقین کے ساتھ نہیں کہہ رہے۔'' فریدی نے سرد لہجے میں کہا اور اپنا کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

ڈاکٹر نے اس پر نظر ڈالی اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ چہرے کی رنگت اڑ گئی تھی۔ آخر اس نے بدقت کہا۔ ''مم..... میں کوئی بات یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا جناب..... فورتھ ایئر کا طالب علم ہوں۔''

''اوہ..... ڈیوٹی ڈاکٹر کہاں ہے؟''

''پتا نہیں جناب۔ میں جب آیا ہوں وہ موجود نہیں تھے۔''

''اس وقت کس کی ڈیوٹی ہے۔''

''ڈاکٹر سجاد کی۔''

پھر ذرا ہی دیر میں ہال کا عملہ بے حد چاق و چوبند نظر آنے لگا۔ فریدی نے وہیں سے کئی فون کالیں کی تھیں اور پورا ہسپتال ہل کر رہ گیا تھا۔ بہرحال مناسب دیکھ بھال کا انتظام ہوجانے کے بعد فریدی اپنی کوٹھی کی طرف پلٹ آیا۔

یہاں سے اس نے اپنے محکمے کی ایک خاتون انسپکٹر مس ریکھا ایجیلو کو فون کیا اور مختصراً اس کیس سے متعلق اُسے بتاتے ہوئے کہا۔ ''میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ جس وقت افضل خان کی والدہ کو اس حادثے کا علم ہوا وہ تنہا تھیں یا پڑوس کی کچھ عورتیں بھی ان کے پاس پہنچ گئی تھیں۔''

''بہت بہتر جناب۔'' دوسری طرف سے ریکھا کی آواز آئی۔

''حادثے کی اطلاع ملنے کے بعد سے ان کی بیہوشی تک کے واقعات کو تفصیل چاہئے۔ میرا خیال ہے کہ تم بہ آسانی یہ کام کرسکو گی۔''

''میں کوشش کروں گی جناب۔''

''اچھا بتاؤ اس سلسلے میں سب سے اہم اطلاع کیا ہوگی؟''

''میرا خیال ہے کہ آپ کو کسی ایسے آدمی کی تلاش ہے جس نے بڑی بی کی لاعلمی میں کوئی تش گیر مادہ وہاں رکھ دیا تھا۔''

''ویری گڈ..... تم بہت ذہین ہو انسپکٹر.....!''

''آپ کے زیرِ سایہ زندگی بسر کرنے والوں کو اتنا تو ہونا ہی چاہئے۔''

''جتنی جلد ممکن ہو..... اطلاعات فراہم کرو۔''

''بہت بہتر جناب۔''

''وش یو گڈ لک.....!'' کہہ کر فریدی نے فون کا رابطہ منقطع کر دیا۔

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے پھر ریسیور اٹھا لیا۔

''ہیلو.....!''

''شکر ہے کہ آپ گھر ہی پر مل گئے۔ میں ڈب چوکی سے بول رہا ہوں۔ مجھے وہ مردہ سانپ مل گیا ہے۔ لیکن میرے لئے سانپ کی یہ قسم بالکل نئی ہے۔''

''اسے بحفاظت یہاں تک لے آؤ۔''

''میں یہ اطلاع دینا چاہتا تھا کہ شاید کسی اور کو بھی اس سانپ کی تلاش تھی اور وہ کوشش کر رہا ہے کہ میں اسے یہاں سے نہ لے جاسکوں۔ یہی محسوس کر کے چوکی پر رک گیا ہوں۔''

''چوکی پر کتنے آدمی ہیں؟''

''صرف چار اور دو رائفلیں..... بیس راؤنڈز اللہ اللہ خیر سلا۔''

''کیا تم خائف ہو۔''

''ہرگز نہیں..... میں تو سانپ کی یہ انوکھی قسم بخیر و عافیت آپ تک پہنچانا چاہتا ہوں۔''

''اچھی بات ہے۔ تم وہیں ٹھہرو۔''

''آپ افضل خاں کی والدہ سے ملے تھے؟''

''وہ اب بھی بے ہوش ہیں۔ آکسیجن ٹنٹ میں انہیں رکھا گیا ہے اور دوسری اطلاع ہے کہ افضل خاں کے بنگلے میں دھماکے کے بعد آگ لگ گئی۔''

''خدا کی پناہ۔''

''اب تم یہ بتاؤ کہ اس کی لائبریری میں تم کتنی دیر تک رہے تھے۔''

''مشکل سے تین چار منٹ بس یونہی سرسری جائزہ لیا تھا اور سوچا تھا کہ تفصیلی جا آپ چھوڑ دوں۔ اسی لئے ان کے ایک پڑوسی کی موجودگی میں لائبریری کو مقفل کر کے اپنے پاس رکھ لی تھی۔''

''اب اگر یہ ثابت ہوگیا کہ دھماکہ لائبریری ہی میں ہوا تھا تو تم دشواری میں پڑو گے۔''

''اللہ مالک ہے۔''

''اس لئے یہ ثابت کرنا ضروری ہوگیا ہے کہ تم سے پہلے بھی کوئی لائبریری میں داخل تھا۔ فی الحال اسی پر توجہ دے رہا ہوں۔ لیکن یہ تو بتاؤ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ کوئی اور بھی مردہ سانپ میں دلچسپی لے رہا ہے۔''

''میرے بعد ہی دو افراد اور بھی جائے حادثے پر پہنچے تھے اور انہیں بھی کسی چیز کی تلا تھی۔ لیکن ان سے پہلے میں کامیاب ہوگیا۔ میں نے ان کی آنکھوں میں مایوسی کے آثار محسوس کئے تھے۔ انہوں نے اس سانپ کے بارے میں مجھ سے سوالات کئے اور اپنے بتایا کہ وہ پچھلے دن یہاں تیتر کے شکار کے لئے آئے تھے اور یہیں کہیں ان کی کنجیوں کا لچھا گر گیا تھا۔''

ممکن ہے انہوں نے غلط بیانی سے کام نہ لیا ہو۔

''لیکن جب میں دوبارہ ڈب چوکی پر واپس آیا اور تھوڑی دیر ٹھہر کر روانہ ہوا تو ا جیپ میرا تعاقب کر رہی تھی۔ لہٰذا میں پھر چوکی کی طرف پلٹ گیا اور جیپ بھی کچھ دور جا پلٹ آئی اور اس وقت میں چوکی سے صاف دیکھ رہا ہوں کہ وہ جیپ ندی کے دوسرے کنار پر اب بھی موجود ہے۔ اس میں پانچ افراد ہیں اور غالباً پانچوں مسلح بھی ہیں۔''

''کیوں نہ میں تمہیں بلٹ پروف گاڑی بھجوا دوں۔ اپنی گاڑی چوکی ہی پر چھوڑ دینا۔ پھر آجائے گی۔''

''یہ زیادہ بہتر ہوگا۔''

''اچھی بات ہے۔ میں انتظام کرتا ہوں۔'' کہہ کر فریدی نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ اس کے بعد اس نے پھر کسی کے نمبر ڈائیل کئے۔

''فریدی اسپیکنگ.....!'' اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ''کیا آرمڈ کار آرڈر میں ہے۔''

''جی ہاں جناب۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''کیپٹن حمید کو اس کی ضرورت ہے اور وہ اس وقت ڈب چوکی پر ہیں۔''

''دس منٹ کے اندر ہی اندر روانہ ہوجائے گی جناب۔''

''شکریہ کہہ کر اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور پرتفکر انداز میں سگار کا گوشہ توڑنے لگا جو خاصی دیر سے اس کی انگلیوں میں دبا ہوا تھا۔ سگار سلگانے کے بعد وہ قریب ہی کی ایک آرام کرسی پر نیم دراز ہوگیا۔ آنکھیں گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں اور پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئی تھیں۔

فون کی گھنٹی پھر بجی اور اس نے ریسیور اٹھا لیا۔ اس بار سول ہسپتال سے افضل خاں کی متوفی والدہ کی موت کی اطلاع ملی تھی۔ اس نے طویل سانس لی اور بولا۔ ''موت کا سبب.....!''

''دماغ کی ایک شریان پھٹ گئی تھی۔''

''کیا وہاں کسٹمز انٹیلی جنس کی ڈائریکٹریٹ کا کوئی آفیسر بھی موجود ہے؟''

''جی ہاں۔ غالباً ایک ڈپٹی ڈائریکٹر صاحب ہیں۔''

''لاش وہ لے جائیں گے۔''

''جی ہاں۔''

''اچھا شکریہ۔'' کہہ کر اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ ایک ہی دن میں اتنے واقعات اور ایک ہی سلسلے کی کڑیوں کی طرح ایک دوسرے سے مربوط نظر آرہے تھے۔ افضل خاں

کی موت.....اس کے بنگلے میں دھماکے کی بناء پر آتشزدگی ماں کی طویل بے ہوشی اور موت
فریدی کو کسی نامعلوم آدمی کی دھمکی.....انسپکٹر زیدی کا تعاقب اور آخر میں اس مردہ سانپ
حصول کے لئے کوشش جو کیپٹن حمید کے ہاتھ لگا تھا۔ آخر ان سارے واقعات کے پیچھے
ہے۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد ایک ملازم نے کسی کا ملاقاتی کارڈ پیش کیا اور فریدی اٹھتا ہو
۔''انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔''

آنے والی لیڈی انسپکٹر ریکھا تھی۔ چاہتی تو اپنی رپورٹ فون پر بھی دے سکتی تھی لیکن
کرنل فریدی سے قریب ہونے کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی تھی۔

''میرا خیال ہے کہ میں آپ کے ہر سوال کا جواب دے سکوں گی۔'' فریدی کو دیکھ
اٹھتی ہوئی بولی۔

''بیٹھو بیٹھو.....!'' فریدی ہاتھ ہلا کر بولا۔''ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ بیچاری ماں
چل بسی۔''

''اوہ.....میرے خدا۔ بڑا دردناک سانحہ ہے، پڑوسیوں سے معلوم ہوا ہے کہ بے
اچھے لوگ تھے۔ جس وقت بیٹے کی موت کی اطلاع پہنچی ہے ان کے پاس محلے کی دو عو
موجود تھیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ سن کر بس سکتے کی سی حالت میں رہ گئی تھیں۔ بے ہوشی تو
دیر بعد طاری ہوئی تھی اور پھر انہیں ہوش نہیں آیا تھا۔ انہی عورتوں سے معلوم ہوا کہ اس
کوئی آدمی لائبریری میں فون کا آپریٹس ٹھیک کر رہا تھا۔ خود بڑی بی نے ان عورتوں کو بتا
کہ وہ افضل صاحب ہی کا بھیجا ہوا آیا تھا لیکن وہ دونوں یہ نہیں بتا سکیں کہ وہ کب وہاں
رخصت ہوا تھا۔''

''گویا وہ اس وقت بھی لائبریری ہی میں موجود تھا۔ جب افضل خاں کی موت کی اطلا
آئی تھی۔''

''جی ہاں۔''

''کون اطلاع لایا تھا۔''

''جو کوئی بھی تھا۔ شائد بڑی بی اسے پہچانتی تھی۔ انہوں نے اس کا نام بھی لیا تھا۔ لیکن
عورتوں کو یاد نہیں رہا۔''

''کیا اُن دونوں نے اس شخص کو بھی دیکھا تھا جو لائبریری میں فون ٹھیک کر رہا تھا۔''

''جی نہیں۔ انہوں نے بڑی بی سے صرف اس کا ذکر سنا تھا۔ بہرحال میں نے فون نمبر
کے حوالے سے ایکسچینج سے بھی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔''

''کیا معلوم کرنے کی کوشش کی تھی؟'' فریدی اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

''یہی کہ اُس نمبر کے لئے جو کمپلینٹ ہوئی تھی اس کی درستگی کے لئے کون گیا تھا۔ لیکن
مجھے بتایا گیا کہ اس نمبر کی کوئی کمپلینٹ وہاں درج نہیں ہے۔ لہٰذا مرمت کے لئے کسی کو بھیجنے کا
سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''اگر تم ان عورتوں کے بیان پر توجہ دیتیں تو تمہیں ایکسچینج سے معلومات حاصل کرنے کی
ضرورت پیش نہ آتی۔ عورتوں نے بڑی بی کے بیان کے مطابق یہی تو بتایا تھا کہ افضل خان کا
بھیجا ہوا کوئی آدمی آپریٹس کی کوئی خرابی درست کر رہا ہے۔ کمپلینٹ اسی وقت کی جاتی ہے جب
لائن ڈیڈ ہو جائے۔ البتہ آپریٹس کی خرابیو کوئی بھی دور کر سکتا ہے۔ اس کیلئے ضروری نہیں ہوتا کہ
ٹیلی فون کے محکمے کا ہی کوئی آدمی طلب کیا جائے اور افضل خاں کے حوالے سے تو کوئی شخص بھی
اس کے بنگلے سے داخل ہو سکتا تھا۔''

''بہرحال اس آدمی کی صحیح نشاندہی بھی اب ناممکن ہے۔'' ریکھا بولی۔

''ان وارداتوں کے پیچھے جو کوئی بھی ہے خاصے جاگتے ہوئے ذہن کا مالک معلوم ہوتا
ہے۔ اسے یقین تھا کہ افضل خاں کی موت اور لائبریری میں ٹائم بم چھپانے کے وقت میں کوئی
گڑبڑ نہیں ہو سکتی۔ پلاننگ اتنی ہی ذہانت سے کی گئی تھی۔''

''آخر کون ہو سکتا ہے۔''

''اصل مجرم یا وہ شخص جو اسے تحفظ دے رہا ہے۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ کیپٹن حمید سٹنگ روم میں داخل ہوا۔ ریکھا کی طرف دیکھ کر مخصوص انداز میں مسکرایا تھا۔ ایسی مسکراہٹ خصوصیت سے ایسے ہی اوقات میں اس کے ہونٹوں پر نمودار ہوتی تھی جب ریکھا کو فریدی کے قریب دیکھتا تھا۔ وہ بُرا سا منہ بنا کر رہ گئی۔

''کوئی اور واقعہ پیش نہیں آیا۔'' فریدی نے اس سے پوچھا۔

''واقعہ تو یہاں موجود ہے۔ وہاں کیا پیش آتا۔''

''پہلے کافی پیوں گا ورنہ بعد میں مجھے پچھتانا پڑے گا۔''

''تم نے سنا نہیں۔'' فریدی نے آنکھیں نکالیں۔

''یہ لیجئے سانپ بھی۔'' حمید نے جیب سے سانپ نکال کر فریدی کے قریب ہی صوفے پر ڈال دیا۔

''یہ کیا مذاق ہے۔'' فریدی جھنجھلا کر بولا۔

''اس کے علاوہ مجھے اور کوئی مردہ سانپ نہیں ملا تھا۔''

اور یہ سانپ ربڑ کا تھا..... خالص اور نرم و ملائم ربڑ کا لجلجا سانپ۔

پُراسرار لڑکی

فریدی اس صوفے سے اٹھ گیا جس پر حمید نے ربڑ کا سانپ ڈالا تھا۔ لیڈی انسپکٹر ریکھا بھی قریب آ گئی اور جھک کر اُسے دیکھنے لگی۔

''بڑی خوبصورتی سے بنایا گیا ہے۔'' اس نے کہا۔ ''بالکل اصلی معلوم ہوتا ہے۔''

''اس کے لئے تم نے اتنا واویلا کیا تھا.....؟'' فریدی نے حمید سے سوال کیا۔

''واویلا اس کے لئے نہیں تھا۔ میں نے آپ کو مطلع کیا تھا کہ کچھ لوگ میرے تعاقب میں ہیں۔''

''لیکن تمہاری گفتگو کا انداز ایسا تھا جیسے وہ تم سے یہ سانپ چھین لینا چاہتے ہوں۔''

''ایسی صورت میں اس کے علاوہ اور کیا سوچ سکتا تھا۔ اگر وہ مجھے گھیرنا چاہتے تھے تو اس وقت گھیرتے جب یہ سانپ میری جیب میں نہیں پہنچا تھا۔''

''آخر اس کا مطلب کیا ہو سکتا ہے؟'' ریکھا نے پرتشویش لہجے میں سوال کیا۔

''فضولیات میں الجھانے کی کوشش کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں۔'' فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

اتنے میں کافی آ گئی اور حمید نے ریکھا سے کہا۔ ''کسی خاتون کی موجودگی میں اپنے ہاتھ سے کافی بنانا میرے لئے انتہائی اندوہناک ہوتا ہے۔''

''تمہیں اپنے لئے تو خود ہی بنانی پڑے گی۔'' ریکھا نے جواب دیا۔

''احتجاجاً واک آؤٹ کر جاؤں گا۔''

''اسے بھی لیتے جانا۔'' فریدی نے ربڑ کے سانپ کی طرف اشارہ کیا۔

''تو آپ چاہتے ہیں کہ میں واک آؤٹ کر جاؤں۔''

''کافی پینے کے بعد۔'' فریدی نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ ''مس ریکھا کو ان کے گھر پر اتارتے ہوئے۔ ایلاسٹرز کے شوروم میں بھی جھانک لینا۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''وہ ربر کی آرائشی مصنوعات بناتے ہیں۔ دیکھنا کہ اس قسم کے اور سانپ بھی شوروم میں موجود ہیں یا نہیں۔''

''تو آپ ان پر ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ آپ فضولیات میں الجھ گئے ہیں۔''

ریکھا نے کافی کا کپ حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''اگر تم باتیں کم کیا کرو تو کام کے آدمی بن سکتے ہو۔''

''ناکام ہی رہنا چاہتا ہوں مس ریکھا۔ کیونکہ کامرانی ہاتھ پیر توڑ کر ایک طرف بٹھا دیتی ہے۔ آدمی واقعی کسی کام کا نہیں رہتا۔''

''اس کے بعد.....!'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔''اگر اس قسم کا کوئی اور سانپ شوروم میں موجود نہ ہو تو تم شوروم کے نگران سے اس کے سلسلے میں سوالات کر سکتے ہو۔ اس سانپ کے بارے میں پوچھ سکتے ہو کہ وہ انہی کے کارخانے کا تیار کردہ تو نہیں ہے۔''

''میں جانتا ہوں کہ مجھے اس سلسلے میں کیا کرنا چاہئے۔'' حمید نے کہا اور کافی کا گھونٹ لے کر ریکھا سے بولا۔''تم شکر کم پیا کرو۔ ورنہ وزن بڑھ جائے گا۔''

''شکریہ تم اپنی فکر کرو۔''

''اپنی فکر نہ ہوتی تو تم سے کبھی نہ کہتا۔''

''فضول باتیں مت کرو۔ جلدی کرو۔ ورنہ شوروم بند ہو جائے گا۔'' فریدی نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد حمید فریدی کی لنکن ڈرائیو کر رہا تھا اور لیڈی انسپکٹر ریکھا اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔

''میرا خیال ہے کہ یہ کیس ابھی باضابطہ طور پر ہمارے پاس نہیں پہنچا۔'' ریکھا نے کہا۔

''تمہارا خیال بالکل درست ہے۔''

''کیا افضل خان سے تم لوگوں کے تعلقات تھے؟''

''تم ٹھیک نتیجے پر پہنچی ہو۔''

''افواہ کے مطابق اگر واقعی اس میں کسی لمبے ہاتھ کا دخل ہے تو دشواری میں ضرور پڑو گے۔''

''کرنل جانیں۔''

''کہنے کا مطلب یہ تھا کہ.....!''

''ختم کرو۔ میری اور اپنی بات کرو۔''

''کسی دن پٹو گے میرے ہاتھ سے۔''

''اس سے ایک دن پہلے مجھے مطلع کر دینا۔''

''وہ کس لئے۔''

''آرٹ کونسل میں اپنے پٹنے کا انتظام کراؤں گا۔''

''وہ کس لئے۔''

''وہ کس لئے کا دورہ پڑا ہے شائد۔ وہ اس لئے کہ عورت کے ہاتھوں پٹنا اور بیوی کو پیٹ ڈالنا آرٹ ہے۔''

''عورت اور بیوی کا فرق بتاؤ.....؟''

''یہی کہ ایسی باتوں پر بیوی کو پیٹ ڈالتا لیکن تمہیں آنکھیں تک نہیں دکھا سکتا۔''

''کسی وقت تمہارا ذہن خالی بھی رہتا ہے۔''

''کس سے۔''

''انہی فضولیات سے۔''

''میرا خیال ہے کہ تم مجھے اپنے بنگلے پر روک کر پھر کافی پلاؤ گی۔''

''ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ تم مجھے پرنس اسٹریٹ کے سرے پر اتار دینا۔''

''وہاں سے پیدل جاؤ گی۔''

''نہیں پرنس اسٹریٹ میں میرے ایک عزیز رہتے ہیں۔ ان سے ملتی ہوئی جاؤں گی۔''

''تمہاری مرضی۔''

''پھر کبھی گھر پر کافی بھی پلا دوں گی۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ پرنس اسٹریٹ کے موڑ پر اس نے ریکھا کو اتار دیا اور آہستہ سے بولا۔ ''اس کا ذکر کسی سے نہ آنے پائے کہ ہم اپنے طور پر اس کیس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

''خدا حافظ.....!'' کہہ کر حمید نے گاڑی آگے بڑھا دی پھر وہ ایلاسٹرز کے شوروم ہی کے سامنے رکا تھا۔ یہاں خاصی بھیڑ تھی۔ لوگ گھوم پھر کر شوکیسوں میں رکھی ہوئی آرائشی مصنوعات دیکھ رہے تھے۔ حمید بھی اسی قسم کا دوسرا سانپ شوکیسوں میں تلاش کرنے لگا۔ لیکن اسے مایوسی ہوئی۔ اس قسم کا کیا کسی طرح کا سانپ کہیں نہ دکھائی دیا۔

آخر اس نے اس کاؤنٹر کا رخ کیا جہاں ایک آدمی بیٹھا رقوم کی وصولی کر رہا تھا۔

حمید نے وہ سانپ جیب سے نکال کر اس کے سامنے ڈال دیا۔

''جی فرمایئے۔'' وہ حمید کو غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

''ایسا کوئی اور موجود ہے آپ کے پاس۔''

''جی نہیں۔ آرڈر پر تیار ہوسکتا ہے.....اور یہ تو.....!'' وہ سانپ کو ہاتھ میں لے کر دیکھتا ہوا بولا۔ ''یہ تو آج ہی ارجنٹ تیار ہوا تھا.....صرف تین گھنٹے میں۔''

- ''کس نے بنوایا تھا۔''

''یہ تو نہیں بتایا جاسکتا جناب۔'' وہ حمید کو بغور دیکھتا ہوا بولا۔

''حالانکہ آپ کو بتانا پڑے گا۔'' حمید نے جیب سے اپنا کارڈ نکال کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

اس نے کارڈ پر نظر ڈالی اور پھر حمید کی شکل تکتا ہوا بولا۔ ''جی ہاں اب تو بتانا ہی پڑے گا۔ یہ سانپ آپ ہی کے محکمے کے ایک آفیسر احمد کمال فریدی صاحب نے ارجنٹ تیار کرایا تھا۔''

''اچھا.....!'' حمید نے طویل سانس لی اور بولا۔ ''کوئی تحریری کارروائی بھی ہوئی تھی۔''

''جی ہاں..... بالکل۔ آرڈر بک نکالوں.....!''

''ضرور ضرور.....!''

اس نے آرڈر بک نکال کر وہ صفحہ کھولا جس پر اس سانپ کا آرڈر درج کیا گیا تھا۔

''یہ اس آفیسر کے دستخط ہیں جناب۔'' سیلز مین بولا۔

''یہ قطعی اس آفیسر کے دستخط نہیں ہیں۔ کیا آپ نے پہلے بھی کبھی اس آفیسر کو دیکھا تھا۔''

''جی نہیں۔''

''ذرا حلیہ بتایئے۔''

''بھاری بھرکم اور خاصے معمر آدمی تھے۔''

''جی نہیں۔ کوئی اور تھا۔ کرنل صاحب نہ بہت بھاری بھرکم ہیں اور نہ بہت معمر۔''

''پھر اس سلسلے میں ہم کیا کرسکتے ہیں۔ جناب گاہکوں کے شناختی کارڈ تو دیکھتے نہیں ہیں۔''

''ظاہر ہے۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''اور میں آپ کو کب الزام دے رہا ہوں۔ کیا آپ کا فون استعمال کرسکوں گا۔''

''ضرور.....ضرور.....!''

''اب آپ اپنے گاہکوں کو دیکھئے۔ کوئی خاص بات نہیں۔'' کہتے ہوئے حمید نے فون پر کوٹھی کے نمبر ڈائیل کئے۔

دوسری طرف سے فریدی ہی کی آواز آئی اور حمید نے کہا۔ ''میں ایلاسٹرز کے شوروم سے بول رہا ہوں۔ یہ سانپ آج ہی تین گھنٹے میں ارجنٹ آرڈر پر تیار کرایا تھا۔ تیار کرانے والے کا نام آرڈر بک پر کرنل احمد کمال فریدی درج ہے اور کرنل صاحب نے اپنے دستخط بھی فرمائے ہیں۔ کوئی بھاری بھرکم اور بہت معمر آدمی تھے۔''

''بہت اچھے.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''تمہارا اسپائی کیمرہ موجود ہے تمہارے پاس۔''

''جی ہاں موجود ہے۔'' حمید کوٹ کی اندرونی جیب ٹٹولتا ہوا بولا۔

''بس تو اس صفحے کی دو تین تصویریں لے کر چپ چاپ واپس آجاؤ۔''

''بہت بہتر جناب!'' حمید نے کہہ کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

پھر اس نے جیب سے مناکس اسپائی کیمرہ نکالا اور اسے آنکھ سے لگا کر آرڈر بک پر جھک پڑا۔ سیلز مین اسکی طرف متوجہ ہوا تو وہ اپنا کام کرکے کیمرہ دوبارہ جیب میں ڈال رہا تھا۔

''کوئی گڑبڑ والی بات تو نہیں ہے جناب۔'' سیلز مین نے پوچھا۔

''نہیں ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے۔ لیکن آرڈر بک کے اس صفحے کی حفاظت تمہاری فرم کی ذمہ داری ہوگی۔''

''تب تو پھر ضرور.....!''

''نہیں.....اس کی ذمہ داری تم لوگوں پر عائد نہیں ہوتی۔ ویسے کیا آپ اس شخص کو دوبارہ دیکھنے پر شناخت کرسکیں گے۔''

''کیوں نہیں جناب۔ضرور کرسکوں گا۔''

''اچھا شکریہ۔'' کہہ کر حمید نے سانپ اٹھا کر جیب میں ڈالا اور شوروم سے باہر نکل رہا تھا کہ ایک شعلہ جوالہ سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔

''سوری'' کہہ کر آگے بڑھ جانا چاہا لیکن وہ بولی۔''ٹھہریئے۔''

حمید رک کر اس کی طرف مڑا اور ششدرہ رہ گیا۔لڑکی کیا تھی''مجھے ضرور دیکھو'' قسم اشتہار تھا۔

''فرمایئے.....!'' اس نے کھنکار کر کہا۔

''کیا کچھ چرا کر بھاگ رہے تھے۔'' وہ مسکرائی۔

''نہیں۔لیکن اب کچھ نہ کچھ ضرور گنوا بیٹھا ہوں۔''

''ابھی کچھ نہیں گنوایا۔لیکن شائد دو چار سال بعد.....!''

''جی.....میں نہیں سمجھا۔''

''یا اندر چلئے.....یا باہر.....یہاں راستہ رو کے کھڑے رہنا مناسب نہیں۔''

''تو گویا آپ کمپنی چاہتی ہیں۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔میں تو آپ کے فائدے کی بات آپ کو بتانا چاہتی ہوں۔''

''میں کوئی تاجر نہیں ہوں۔''

''ایک ذمہ دار آدمی تو ہیں۔''

''تو پھر باہر ہی چلئے۔میں سمجھ گیا شائد آپ میری ذمہ داریوں کے بوجھ کو کسی قدر ہلکا کرنا چاہتی ہیں۔''

''یہی سمجھ لیجئے۔'' وہ فٹ پاتھ کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔حمید نے شانوں کو جنبش دی اور اس کے پیچھے چل پڑا۔چال بھی خاصی دلکش ہے۔اس نے سوچا۔

پھر وہ دونوں فٹ پاتھ کے سرے پر رک گئے۔

''فرمایئے۔'' حمید نے کہا۔

''آپ کا مشغلہ کیا ہے۔'' لڑکی نے پوچھا۔

''عموماً بیوقوف بنتا رہتا ہوں۔''

''بُرا مشغلہ نہیں ہے۔ایسے لوگ ہر دلعزیز ہوتے ہیں۔لیکن آپ کب تک بے وقوف بنتے رہیں گے۔مستقبل پر بھی نظر رکھئے۔کل جب آپ کے قویٰ تھک جائیں گے تو کیا ہوگا۔''

''بہت بُرا ہوگا مس.....!''

''میرا نام صوفیہ ہے۔''

''اور میں ساجد حمید۔''

''نام بھی سمارٹ ہے۔'' وہ ہنس کر بولی۔''لیکن مجھے اپنا نام ذرا بھی پسند نہیں۔کچھ متوفیہ متوفیہ سا لگتا ہے۔''

''ہرگز نہیں۔آپ تو زندگی سے بھرپور ہیں۔''

''اس طرح کب تک کھڑے رہیں گے.....وہ سامنے کیفے ہے۔وہیں کیوں نہ چلیں۔''

''آپ کی مرضی۔'' حمید نے کہا۔''یہ''آ بیل مجھے مار'' قسم کی ملاقات اس کی فوری دلچسپی کا باعث بن گئی تھی۔سڑک پار کر کے دونوں کیفے نوروز میں پہنچے اور فیملی روم کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

یہاں کی زیادہ تر میزیں خالی تھیں۔

''آپ کے لئے کیا منگواؤں۔'' حمید نے پوچھا۔

''میں آپ کو ایکسپلائٹ کرنے نہیں لائی ہوں مسٹر ساجد۔''

''ارے نہیں۔میں سوچ بھی نہیں سکتا۔''

''میں سمجھتی ہوں۔میں نے آپ کے چہرے سے پڑھ لیا تھا کہ آپ ایک شریف آدمی ہیں۔ورنہ کسی دوسرے کے ساتھ یہ خطرہ نہ مول لیتی۔''

حمید نے ویٹر کو بلا کر کافی کے لئے کہا اور لڑکی سے بولا۔''آپ بتایئے میں کیا خدمت کرسکتا ہوں۔''

''آپ نے اپنی زندگی کا بیمہ کرالیا ہے یا نہیں۔''

''کس کے لئے کراؤں۔ کوئی آگے پیچھے تو ہے نہیں۔''

''کوئی بھی نہیں۔'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''نہیں..... آج تک وہ حرکت ہی نہیں کی جس سے کنبہ بڑھتا ہے۔''

''یعنی آپ غیر شادی شدہ ہیں۔''

''جی ہاں اور آئندہ بھی رہنے کا ارادہ ہے۔''

''لیکن خود آپ کی پہاڑ سی زندگی؟ اگر بڑھاپے میں بیمے کی رقم ملی تو آپ بہتر طور زندگی بسر کرسکیں گے۔''

''تو آپ انشورنس ایجنٹ ہیں۔''

''جی ہاں۔''

''اور اسی طرح راہ چلتے پالیسیاں تقسیم کرتی ہیں۔''

''میں کیا کروں۔ اگر ٹارگٹ پورا نہ ہو تو ترقی رک جائے گی۔''

''کتنے کا ٹارگٹ ہے۔''

''چھ لاکھ کا۔''

''کتنا کور کرچکی ہو۔''

''ڈھائی لاکھ۔''

''ابھی تو بہت باقی ہے۔''

''جی ہاں اور میں اس سلسلے میں پریشان ہوں۔''

''تو کیا صرف ایلاسٹرز ہی کو فیلڈ بنا رکھا ہے۔''

''بس کیا بتاؤں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح ٹارگٹ پورا کرلوں۔''

''آپ کے والد کیا کرتے ہیں۔''

''والد ہی ہوتے تو کیوں اس دشواری میں پڑتی۔ ایک بوڑھی ماں اور چار چھو

بھائیوں کی ذمہ داری ہے مجھ پر۔''

''اوہ..... افسوس ہوا۔''

اتنے میں کافی آ گئی اور حمید نے ویٹر کے چلے جانے کے بعد کہا۔ ''آپ مجھے اپنا پتہ یا فون نمبر دے دیجئے۔ اس سلسلے میں مجھ سے جو کچھ ہوسکا ضرور کروں گا۔''

''آپ کیا کرتے ہیں۔''

''سرکاری ملازم ہوں۔''

''تب تو آپ کی پالیسی ضرور ہوگی۔''

''مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ آج تک کاغذات بھی نہیں دیکھے۔ محکمے ہی کی طرف سے سب کچھ ہوتا رہتا ہے۔''

''خیر تو آپ میری مدد کریں۔''

''جو کچھ ہوسکا ضرور کروں گا۔''

''لائیے..... میں کافی بناؤں۔'' لڑکی نے کہا اور پیالیاں اپنی طرف کھسکاتی ہوئی بولی۔ ''مجھے یقین ہے کہ آپ میرے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کریں گے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ سوچ رہا تھا کہ اسے کچھ نصیحتیں کرے۔ اول تو یہی کہ اسے خود کو اس طرح اشتہار بنائے نہ پھرنا چاہئے اور بزنس تلاش کرنے کا یہ طریق کار بھی مناسب نہیں۔

''لیجئے.....!'' وہ کافی کی پیالی اس کی طرف کھسکاتی ہوئی بولی۔

''شکریہ۔'' حمید نے پیالی کی کنڈی میں انگلی ڈالتے ہوئے کہا۔ ''لیکن آپ بزنس کے لئے یہ طریق کار ترک کردیجئے۔''

''یقین کیجئے آپ پہلے آدمی ہیں۔ میں خود بھی نہیں جانتی کہ مجھ سے یہ حرکت کیوں سرزد ہوگئی۔ میں تو وہاں اپنی چھوٹی بہن کے لئے ایک گڑیا خریدنے گئی تھی۔''

''پھر بھی آئندہ محتاط رہئے گا۔''

''بالکل مجھے خود بھی اپنے اس رویئے پر افسوس ہے۔'' اس نے کہا اور کافی کا گھونٹ لے

کر بولی۔ ''شرمندگی ہے لیکن پہلے آپ یہ ضرور سمجھے ہوں گے کہ میں کوئی آوارہ لڑکی ہوں۔''

''نہیں خیر..... یہ تو نہیں سمجھا تھا۔ کیونکہ آہستہ آہستہ ہم سب ایسے ہی ہوتے جارہے ہیں۔''

''میں سمجھ گئی آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ خاموشی سے کافی پیتا رہا۔ پھر اچانک آنکھیں پھاڑ کر لڑکی کی طرف دیکھا۔ اس کی شکل دھندلی ہوتی جارہی تھی۔

''کک..... کیا آپ کچھ محسوس کررہی ہیں۔'' وہ بدقت بولا۔

''جج..... جی ہاں..... پتا نہیں کیوں..... سس..... سر چکرانے لگا ہے۔''

''اچھا.....!'' حمید نے اٹھنے کی کوشش کی..... لیکن اٹھ نہ سکا۔ سر شدت سے چکرا رہا اور آنکھیں بند ہوتی چلی گئی تھیں اور اب اس فیملی روم میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ لڑکی آگے جھک کر اسے دیکھنے لگی۔ آہستہ سے آواز بھی دی۔ لیکن حمید کی آنکھیں نہ کھلیں۔ ادھر اُدھر دیکھ کر وہ اٹھی اور اس کی جیب سے ربر کا سانپ نکال کر اپنے ہینڈ بیگ میں رکھ لیا۔ اس کے بعد وہ کیفے سے نکلی چلی گئی تھی۔

حمید اسی طرح کرسی کی پشت گاہ سے ٹکا رہ گیا تھا۔ آنکھیں اب بھی بند تھیں۔ کچھ لوگ اور بھی فیملی روم میں آئے اور آس پاس کی میزوں کے گرد بیٹھ گئے۔ لیکن حمید کی پوزیشن میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ پھر وہ ویٹر آیا جس نے کافی سرو کی تھی اور جھک کر اسے دیکھنے لگا۔

''کیا سو گئے جناب۔'' اس نے آہستہ سے کہا لیکن وہ چونکا تک نہیں۔ پھر اس نے قدرے بلند آواز میں مخاطب کیا مگر نتیجہ وہی صفر۔ وہاں بیٹھے ہوئے دوسرے افراد بھی ان کی طرف متوجہ ہوگئے۔

اور ذرا ہی دیر میں بھانت بھانت کی بولیاں سنائی دینے لگی۔ کسی نے مرگی کا دورہ قرار دیا اور کوئی بہت زیادہ پی کر آؤٹ ہوجانے کی بات کرنے لگا۔ ایک ڈیوٹی کانسٹیبل بھی بلالیا گیا اور جب اس نے بے ہوش کا پتہ معلوم کرنے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا تو شناختی کارڈ بھی مل

گیا۔ جسے وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا رہا۔ پھر آس پاس کھڑے ہوئے لوگوں سے بولا۔

''بھیڑ نہ لگائیے۔ ہٹ جائیے۔''

''کون ہے..... کیا ہے.....!'' کسی نے پوچھا۔

''اپنا کام کیجئے۔'' کانسٹیبل بھنا کر بولا۔ ''آپ کو کیا۔'' اس نے کیفے ہی سے اپنے پولیس اسٹیشن کو فون کرکے اس واقعہ کی اطلاع دی اور وہاں سے ہدایت ملنے پر پھر حمید کے قریب ہی آ کھڑا ہوا۔ شناختی کارڈ دوبارہ اس کی جیب میں رکھ دیا تھا۔ پھر جیسے ہی پولیس اسٹیشن کا انچارج وہاں پہنچا حمید کے جسم میں جنبش ہوئی اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔ لیکن شاید اسے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا اور یہ بیداری بھی خواب ہی لگ رہی تھی۔

علاقے کے پولیس اسٹیشن کا انچارج اسے پہچانتا تھا۔ جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

''کیپٹن..... کیپٹن اب طبیعت کیسی ہے۔''

حمید نے زور زور سے سر کو جھٹکے دیئے اور پھر آنکھیں پھاڑنے لگا۔ سماعت بھی معمول پر آتی جارہی تھی اور اسے یہ بھی یاد آ گیا کہ وہ کہاں ہے۔ پھر وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا اور جیبیں ٹٹولنے لگا۔

''کیوں، کیا کچھ غائب ہوگیا ہے کیپٹن۔'' انچارج نے پوچھا۔

''نن..... نہیں..... سب ٹھیک ہے۔'' حمید جلدی سے بولا۔ ''پتہ نہیں کیوں یک بیک سر چکرایا تھا۔''

''مجھے جیسے ہی ڈیوٹی کانسٹیبل نے اطلاع دی دوڑا چلا آیا۔''

''بہت بہت شکریہ انسپکٹر۔ میں اب ٹھیک ہوں۔ ادھر کئی دنوں سے مجھے یہ شکایت ہوگئی ہے۔''

''آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔''

''ہاں..... میں کچھ دنوں کے لئے باہر چلا جاؤں گا۔''

''اگر آپ کہیں تو میں آپ کو کوٹھی تک پہنچا دوں۔''

''نہیں شکریہ۔ باہر گاڑی موجود ہے۔''

''آپ کو یقین ہے کہ ڈرائیو کر سکیں گے۔''

''اوہ..... میں بالکل فٹ ہوں۔'' حمید خواہ مخواہ ہنس پڑا۔

اُب یہاں نہیں ٹھہرنا چاہتا تھا، بات پوری طرح سمجھ میں آ گئی تھی۔

کسی نہ کسی طرح ان لوگوں سے پیچھا چھڑا کر بل کی رقم ادا کی اور وہاں سے بھاگ نکلا۔

وہ سانپ اڑا لے گئی تھی، لیکن آخر اس سانپ کی کیا اہمیت تھی؟ بڑی تیز رفتاری سے گاڑی چلا کر کوٹھی تک پہنچا۔ فریدی لائبریری میں تھا۔

''اتنی دیر کیوں لگائی؟'' اس نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

''سانپ کو ضائع کرنے بیٹھ گیا تھا۔''

''کیا مطلب.....؟''

اور حمید نے اپنے بیوقوف بننے کی داستان دہرادی۔ فریدی کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

''آپ ہنس رہے ہیں؟'' حمید بھنا کر بولا۔

''تم اتنے بدحواس کیوں ہو رہے ہو۔''

''یعنی..... یعنی کہ کوئی بات ہی نہیں۔''

فریدی نے سر کو منفی جنبش دی۔

''کمال ہے۔ میں سمجھا تھا کہ آپ پھاڑ کھائیں گے۔''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مجھے تو اسی وقت صبر آ گیا تھا جب یہ اطلاع ملی تھی کہ سانپ کسی کرنل احمد کمال فریدی نے آج ہی آرڈر پر تیار کرایا تھا۔''

''یا میں ہی گھامڑ ہو گیا ہوں یا آپ اپنا مافی الضمیر نہیں سمجھا پا رہے۔''

''پہلی ہی بات درست معلوم ہوتی ہے۔ ورنہ اس میں سمجھنے کو کچھ بھی نہیں ہے۔''

''گھامڑ ہی سمجھ کر وضاحت فرما دیجئے۔ میرے پلے کچھ نہیں پڑا۔''

''اور میں کچھ اور سوچ رہا ہوں۔''

''یہی کہ جسے ہم راز سمجھتے رہے ہیں وہ پہلے ہی طشت از بام ہو چکا تھا۔ یعنی کہ افضل خان مرحوم کی وہ خواہش انسپکٹر فریدی ہی تک محدود نہیں تھی کہ کسی حادثے کی صورت میں آپ کو اطلاع دی جائے۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے، ورنہ اتنی تیز رفتاری سے یہ واقعات ہرگز پیش نہ آ سکتے۔''

''خود انسپکٹر زیدی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟''

''ممکن ہے کہ اس نے مجرموں سے بھی رابطہ رکھا ہو۔''

''میں یہی کہنا چاہتا تھا۔''

''اور یہ بھی ممکن ہے کہ افضل خاں نے اپنی اس خواہش کا اظہار کسی اور سے بھی کیا ہو اور اس نے مجرموں کو آگاہ کر دیا ہو۔''

''پھر انسپکٹر زیدی ہی پر زور دینے میں کیا حرج ہے۔''

''اس زاویئے سے بھی دیکھ لیں گے۔ لیکن اس اسٹیج پر نہیں۔''

''بہرحال اس وقت انسپکٹر زیدی کے علاوہ اور کوئی ہمارے سامنے نہیں ہے۔''

''شہر کی نمایاں قسم کی خواتین کے بارے میں تمہاری معلومات بہت وسیع ہیں۔ کسی دردانہ شاہد کو بھی جانتے ہو۔''

''کیوں نہیں.....! ایک مالدار بیوہ ہے۔ ہمایوں روڈ پر رہتی ہے۔ اس کا شوہر کینیا کا بہت بڑا تاجر تھا۔ وہ یہاں آ گئی ہے اور کینیا سے سارا سرمایہ ادھر منتقل کر لینے کے چکر میں ہے۔''

''خاصی معلومات رکھتے ہو۔ لیکن اس کے پڑوسی اسے ایک پُراسرار عورت سمجھتے ہیں۔ کسی کو نہیں معلوم کہ اس کا ذریعہ معاش کیا ہے۔''

''ہو سکتا ہے کہ وہ خود ہی کوشش کر رہی ہو کہ اسے پُراسرار سمجھا جائے۔ لیکن اچانک اس کا ذکر کیوں نکل آیا۔''

فریدی اُسے بتانے لگا کہ کس طرح انسپکٹر زیدی نے اپنا تعاقب کئے جانے کی اطلاع دی تھی، اور آخر میں تعاقب کرنے والی گاڑی ہمایوں روڈ کی ستائیسویں کوٹھی میں داخل ہوئی تھی۔

''اس کا امکان ہے کہ اس نے اپنا سرمایہ یہاں اسمگل کرنے کے لئے کسی بڑے اسمگلر سے گٹھ جوڑ کرلیا ہو۔ کینیا کی حکومت تو اس کی اجازت دینے سے رہی۔'' حمید نے کہا۔

''تو یہاں اس کا قیام عارضی ہے یا اس نے نیشنلٹی حاصل کرنے کے لئے درخواست دے رکھی ہے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''مجھے اس کا علم نہیں۔ کل معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔''

''بہرحال کبھی کبھی تمہاری زن آگاہی سے بھی فائدہ پہنچ جاتا ہے۔''

''اسے لکھ لیجئے کہ عورتیں معلومات کا بہترین ذریعہ ہیں۔ مجھے دردانہ کے بارے میں اسی کے حلقے کی ایک عورت نے بتایا تھا۔''

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور فریدی کریڈل سے ریسیور اٹھا کر بولا۔ ''فریدی اسپیکنگ.....!''

دوسری طرف سے بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔ ''کیا خیال ہے۔ ہاتھ اٹھاتے ہو اس کیس سے یا بھرے بازار میں اپنی رسوائی چاہتے ہو۔ نہیں کرنل فریدی۔ تم یہ کال ٹریس نہ کرسکو گے اور یہ میری آخری وارننگ ہے۔''

اور پھر رابطہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔

مجذوب

فریدی ریسیور ہاتھ میں لئے کھڑا رہا۔ اس کی آنکھوں میں حمید نے عجیب سی چمک دیکھی۔ ہونٹوں میں کچھ اس قسم کا کھنچاؤ نظر آیا جیسا عموماً اظہار تنفر کے لئے پیدا ہوتا ہے۔

''کیا بات ہے۔ کس کی کال تھی۔'' حمید نے پوچھا۔

''اوہ کچھ نہیں۔'' کہہ کر اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

''میں یقین نہیں کرسکتا کہ وہ کوئی معمولی کال تھی۔''

''تمہارا خیال درست ہے۔ غیر معمولی کال تھی۔''

''غالباً دھمکی۔''

''سب کچھ تو پڑھ لیا ہے تم نے میرے چہرے پر'' وہ اسکی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

''کون تھا.....؟''

''کس میں اتنی جرأت ہے حمید صاحب کہ علانیہ مجھے دھمکی دے سکے۔ اس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کون ہے۔ بس مشورہ دیا تھا کہ میں اس کیس سے ہاتھ اٹھالوں ورنہ سرِ بازار رسوائی نصیب ہوگی۔''

''بات تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے۔'' حمید نے طویل سانس لے کر کہا۔

''خیر دیکھیں گے۔ ہاں اس دردانہ شاہد کے بارے میں کچھ بتاؤ۔''

''قاسم کے ٹکر کی ہے۔''

''مالی اعتبار سے یا.....!''

''جی نہیں۔ جسامت کے اعتبار سے بھی۔ عمر زیادہ سے زیادہ تیس سال ہوگی۔''

''پھر کیا خیال ہے۔''

''تو آپ اجازت دیتے ہیں قاسم گردی کی۔''

''ضرورتاً اجازت دی جاتی ہے۔ لیکن تم خود دور ہی رہو گے۔ ورنہ کھیل بگڑ جائے گا۔''

''میں ہی دور رہا تو بات کیسے بنے گی۔''

''کسی طرح ان دونوں کا سامنا کرادو۔''

''غالباً آپ یہ چاہتے ہیں کہ دردانہ اس ملاقات کے محرک سے آگاہ نہ ہو پائے۔''

''ہاں میں یہی چاہتا ہوں۔ کوئی ایسی تدبیر کہ جائے ملاقات پر تم موجود نہ ہو۔''

''اچھی بات ہے میں سوچوں گا۔''

''دونوں ہی سمجھیں کہ ملاقات اتفاقیہ تھی۔''

''لیکن ابھی تک اس سانپ کا چکر میری سمجھ میں نہیں آسکا۔''

''اس حرکت کا مقصد'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ جرائم کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہیں۔ مجھے یہی تاثر دینا چاہتا ہے۔''

''اصل سانپ خود اسی نے جائے واردات سے غائب کرادیا۔''

''یہی بات ہے.....؟''

''ضروری نہیں تھا کہ آپ کو مردہ سانپ کی تلاش ہوتی۔''

''وہ میرے معمولات اور میری دلچسپیوں سے آگاہ معلوم ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ سانپوں سے دلچسپی ہے میں یہ ضرور معلوم کرنے کی کوشش کروں گا کہ وہ سانپ کہاں سے حاصل کیا گیا تھا۔ لہٰذا مجھے چڑھانے کے لئے اس نے ربر کے سانپ والی حرکت کرڈالی۔ تمہاری کال آنے کے بعد میں نے بھی فون پر اس سیلز مین سے گفتگو کی تھی اور اس نتیجے پر تھا کہ افضل خاں کی موت سے دو گھنٹے قبل اس سانپ کے لئے آرڈر بک کرایا گیا تھا۔ اسی میں نے یہ اندازہ بھی لگایا کہ زیدی جس بات کو صرف اپنی ہی ذات تک محدود سمجھتا تھا اور کے علم میں بھی تھی۔''

''یقیناً ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔''

''لیکن ان تینوں افراد کو اپنے تعاقب کا علم نہیں ہوسکا تھا۔ ورنہ وہ براہِ راست دردانہ کی میں ہرگز نہ جاتے۔ ویسے شائد مجھے پہچانتے تھے۔ لہٰذا مجھ پر نظر پڑتے ہی فرار ہوگئے تھے۔''

''تو اب کیا خیال ہے؟''

''فی الحال آرام کرو۔ میں بھی سونے جارہا ہوں۔'' فریدی نے کہا اور اٹھ گیا۔

خواب گاہ میں پہنچ کر شب خوابی کا لباس بھی نہیں پہننے پایا تھا کہ یہاں کے فون کی بجی۔ ریسیور اٹھالیا۔

''ہیلو.....فریدی اسپیکنگ.....!''

''بلیک تھرٹین سر۔ بی سکس نے اطلاع دی ہے کہ کسٹمز انٹیلی جنس کے انسپکٹر زیدی بنگلے کے سامنے ایک جیپ آکر رکی ہے جس پر مسلح افراد موجود ہیں۔''

''بی سکس کے ساتھ کتنے آدمی ہیں۔''

''دو افراد جناب۔ مسلح افراد کا انداز ایسا ہے جیسے مار دھاڑ کرنے یا کسی کو زبردستی اٹھالے جانے کا ارادہ رکھتے ہوں۔''

''بی سکس سے کہو کہ پوزیشن لئے رہے اگر انہیں کوئی غلط قدم اٹھاتے دیکھے تو فائرنگ شروع کرادے۔ کسی احتیاط کی ضرورت نہیں ہے۔''

''بہت بہتر جناب۔''

''اگر وہ دور سے صرف اشتعال انگیزی کرکے رخصت ہوجائیں تو بی سکس کو چاہئے کہ وہ اس معاملے سے دور ہی رکھے۔ حتیٰ کہ ان کا تعاقب کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔''

''میں سمجھ گیا جناب۔ اسے صرف اسی صورت میں ایکشن لینا چاہئے جب وہ انسپکٹر کے حلے پر چڑھائی کریں۔''

''ٹھیک ہے۔ میں یہی چاہتا ہوں۔''

فریدی نے ریسیور کریڈل پر رکھ کر طویل سانس لی اور لباس تبدیل کرنے کا ارادہ ملتوی ردیا۔

دوسری طرف حمید اپنی خواب گاہ کے فون پر قاسم کے نمبر ڈائیل کررہا تھا۔ رابطہ قائم نے پر غالباً کسی ملازم کی آواز آئی تھی۔

''کیا مسٹر قاسم موجود ہیں۔'' حمید نے سوال کیا۔

''آپ کون صاحب ہیں۔'' دوسری طرف سے بھی سوال کیا گیا۔

''حمید.....!''

''ارے کپتان صاحب جی۔'' دوسری طرف سے ہنسی کے ساتھ کہا گیا۔

''کیا بکواس ہے۔ میں پوچھ رہا ہوں قاسم ہے۔''

''بالکل ہیں صاحب اور بھینس کے پائے پکا رہے ہیں۔ بیگم صاحب نے کچن میں منع کردیا تھا۔ اس لئے لان پر دیگ چڑھائی ہے۔ آپ بھی آجایئے صاحب جی۔

جشن ہو جائے گا۔''

''فضول باتیں مت کرو۔ اسے اطلاع دو کہ میری کال.....!''

''اچھا صاحب جی ہولڈ کیجئے۔''

حمید ریسیور کان سے لگائے بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر بعد اسی ملازم کی آواز آئی۔

''وہ کہہ رہے ہیں ٹھینگے سے۔''

''تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔'' حمید غصیلے لہجے میں بولا۔

''خدا کی قسم صاحب.....جھوٹ نہیں کہہ رہا۔ میں نے انہیں اطلاع دی۔ انہوں اور ٹھینگے سے کہہ کر دیگ میں گھوٹا چلانے لگے۔''

''خود ہی پکا رہا ہے۔''

''جی صاحب۔''

حمید نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ گھڑی دیکھی۔ دس بج رہے تھے۔ سوچنے لگا کہ جائے دوڑ۔ خاصی دلچسپی رہے گی۔ قاسم کی بیوی کو اس کے خلاف تاؤ دلا کر بھینس کے والی تقریب کو مزید دلچسپ بنایا جا سکے گا۔ لیکن پھر اچانک ہمت ٹوٹ گئی۔ عجیب سی ذہنی میں مبتلا ہو کر رہ گیا تھا۔ پتا نہیں اس نانہنجار لڑکی نے کافی میں کس قسم کی نشہ آور چیز پلائی ہوش میں آ جانے کے بعد سے اب تک طبیعت میں پہلی سی جولانی نہیں پیدا ہو سکی تھی۔

تھکے تھکے سے انداز میں لباس تبدیل کیا اور بستر پر ڈھیر ہو گیا۔ پھر غالباً اونگھنے کہ فون کی گھنٹی بجی۔

ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا اور دوسری طرف سے قاسم کی غوں غوں سننے لگا۔

''قیا بات ہے۔'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''اب تو کوئی بات نہیں۔'' حمید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''پھر قیوں فون کیا تھا۔''

''تمہیں یاد دلانا چاہتا تھا کہ تم مرد ہو۔''

''قیا بات ہوئی۔''

''اور ہر مرد دوسری شادی کر سکتا ہے۔''

''اے جاؤ۔ میں خود اپنے شوق میں پائے پکا رہا ہوں۔ چار بیویاں ہوتیں تب بھی خود ہی پکاتا۔''

''اس کی بات نہیں ہے۔''

''پھر قیا بات ہے۔''

''تمہارے ہی طبقے کی ایک بے حد شاندار عورت ہے۔''

''اے جاؤ۔ میرے طبقے میں عورت ہوتی ہی نہیں۔''

''خیر.....یہ تو ٹھیک کہا تم نے۔ لیکن میں جس عورت کی بات کر رہا ہوں وہ جسامت کے اعتبار سے تمہارے ہی قبیلے سے معلوم ہوتی ہے۔''

''اچھا.....!'' قاسم چہک کر بولا۔ ''قہاں ہے.....قون ہے۔''

''کینیا سے آئی ہے۔''

''مت بکواس کرو۔'' قاسم دہاڑا۔

''کینیا کسی دوسری زبان کی گالی نہیں ہے۔ آخر آپے سے باہر کیوں ہو رہے ہو۔''

''اللہ کرے تم مر جاؤ۔ گارت ہو جاؤ۔''

حمید نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں اور بولا۔ ''کیا قصہ ہے۔''

''تم کیوں میری ٹوہ میں رہتے ہو۔''

''کیا مطلب.....؟''

''دردانہ سے دور رہنا۔ ورنہ ٹانگیں چیر کر پھینک دوں گا۔'' قاسم کی غصیلی آواز آئی۔

''اوہ.....تو تم اسے جانتے ہو۔''

''جانتا نہیں تو کیا یہ پائے تمہارے ابا کے لئے پکا رہا ہوں۔''

''دردانہ کے لئے پکا رہے ہو۔ ارے تو کیا اس حد تک بات بڑھ چکی ہے۔''

''بس بس.....تم دور ہی رہنا۔نہیں تو پچھتاؤ گے۔''

''ٹھیک ہے۔ میں دور ہی رہوں گا۔''

''میں پوچھتا ہوں کہ تم اسے کیوں جانتے ہو۔'' قاسم غرایا۔

''ابے تو کیا جاننے پر بھی کوئی پابندی ہے۔''

دوسری طرف سے قاسم بولا۔''تمہارے جاننے پر پابندی ہے۔''

حمید کو ہنسی آ گئی اور قاسم پھر کلکلایا۔''ہاں ہاں ہنسو.....خوب ہنسو.....اللہ نے چاہا تو منہ میں کیڑے پڑیں گے تمہارے۔''

''آخر تم اس طرح پاگل کیوں ہو رہے ہو۔''

''تم کیوں رہتے ہو میری ٹوہ میں برادران لا۔'' قاسم پھر دہاڑا۔

''اتنے زور سے نہیں۔لائن ڈیڈ ہو جائے گی۔'' حمید نے کہا۔

''میں کہتا ہوں اگر اس بار تم نے قوئی گھپلا قیا تو اچھا نہیں ہوگا۔''

''میں سمجھ گیا۔تم شاید پہلے ہی دردانہ سے مل چکے ہو اور اس سے متاثر بھی ہوئے ہو۔ چلو اچھی بات ہے۔ میں بھی یہی چاہتا تھا۔'' حمید نے کہا۔

''قیا چاہتے تھے۔'' قاسم کی آواز آئی۔لیکن اس بار لہجہ کسی قدر نرم تھا۔

''میں نے سوچا تھا کہ مالدار بھی ہے اس لئے تمہارے والد صاحب کو کوئی اعتراض بھی نہ ہوگا۔''

''کس بات پر اعتراض نہ ہوگا۔''

''دوسری شادی پر۔''

''کس کی دوسری شادی پر.....؟''

''ظاہر ہے کہ تمہاری دوسری شادی پر۔ میں ان کی دوسری شادی کی بات نہیں کر رہا۔''

''انہیں اعتراض ہوگا۔تم اچھی طرح جانتے ہو۔ پھر بھی میری جان جلا رہے ہو۔''

''کوئی تدبیر بھی ہو سکتی ہے۔''

''تم جھوٹے ہو برادران لاء۔تمہاری تدبیر ہمیشہ ہی اوندھا قرد یتی ہے۔''

''ہمیشہ تمہیں غلط فہمی ہوتی ہے۔ ورنہ میں تو ہمیشہ بصد خلوص تمہاری مدد کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔''

''اچھی بات ہے۔آ جاؤ۔ پایوں کا نمک بھی چکھ لینا۔''

''اس وقت تو میرے فرشتے بھی نہیں آ سکتے۔صبح پر رکھو۔''

''اچھی بات ہے۔لیکن دیکھو بیٹا۔ اگر اب کے قوئی چار سو بیسی تم نے میرے ساتھ کی تو اچھا نہیں ہوگا۔''

''بے فکر رہو۔'' حمید ریسیور رکھ کر لیٹ گیا۔ پھر سونے کی کوشش کرتا رہا تھا لیکن نیند نہیں آئی۔حتیٰ کہ ساڑھے گیارہ بج گئے۔اعصاب پر جو تھکن طاری تھی اس کا بھی اب دور دور تک پتہ نہیں تھا۔

بستر سے اٹھ گیا۔سوچ رہا تھا کہ کافی کا ایک کپ ہی ہو جائے۔ کمرے سے نکل کر کچن کی طرف چل پڑا۔غیر متوقع طور پر کچن میں روشنی نظر آئی۔

''اوہ تو تم ابھی تک جاگ رہے ہو۔'' کچن میں قدم رکھتے ہی فریدی کی آواز آئی۔

وہ بھی شائد کافی ہی کے لئے کچن میں آیا تھا۔ ناوقت کبھی ملازموں کو تکلیف نہیں دیتا تھا۔رات کے کھانے کے بعد اگر کافی یا چائے کی خواہش ہوتی تھی تو خود ہی تیار کرتا تھا۔

''غالباً ہمیں ایک ساتھ ہر تکلیف ہوتی ہے۔'' حمید نے کہا اور میز کی دوسری جانب والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''تمہیں کیا تکلیف ہے۔''

''قاسم بھینس کے پائے پکا رہا ہے۔''

''جانا چاہتے ہو۔''

''نہیں.....کافی پیوں گا اور وہ دردانہ سے مل چکا ہے۔ شائد اسی کی فرمائش پر پائے بھی پک رہے ہیں۔''

''فی الحال اس قصے کو یہیں چھوڑ دو۔'' فریدی نے دوسرے کپ میں کافی انڈیلتی ہوئے کہا۔

''کیا کوئی نیا قصہ نکل آیا ہے۔''

''شاید انسپکٹر زیدی نے مجھ سے بھی کچھ چھپایا ہے۔'' فریدی نے دوسرے کپ میں کافی انڈیلتے ہوئے کہا۔

پھر وہ اسے بلیک تھرٹین سے ملی ہوئی اطلاع کے بارے میں بتانے لگا۔

''اور وہ جیپ اب بھی زیدی کے مکان کے سامنے موجود ہے۔'' حمید نے سوال کیا۔

''اگر حالات میں کوئی تبدیلی ہوئی ہوتی تو وہ ضرور مجھے اطلاع دیتا۔''

''کیا خیال ہے خود چیک کریں۔''

''جلد بازی ٹھیک نہیں ہے۔'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''میں نہیں سمجھا۔''

''مجرم اچھی طرح جانتا ہی کہ میں نے زیدی کی حفاظت کا انتظام ضرور کیا ہوگا۔ اس کے باوجود بھی وہ اتنا دلیر ہو رہا ہے۔ گویا چاہتا ہے کہ ان لوگوں سے چھیڑ چھاڑ کی جائے جو اس وقت قیدی کے مکان کے سامنے اس جیپ میں موجود ہیں۔ اطلاع کے مطابق وہ پانچوں افراد مسلح بھی ہیں۔ آخر وہ وہاں کیا کر رہے ہیں۔ جس ارادے سے آئے ہیں اسے عملی جامہ کیوں نہیں پہناتے۔''

''یقیناً سوچنے کی بات ہے۔''

فریدی نے کافی کے دو گھونٹ لئے اور سگار سلگانے لگا۔ پھر پے در پے کئی چھوٹے چھوٹے کش لے کر بولا ''زیدی میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

''حالانکہ وہی یہ کہانی آپ تک لایا تھا۔ آخر کس نکتے کی بناء پر آپ اس سے غیر مطمئن ہیں۔''

''چلو یہاں سے بات شروع کرتے ہیں کہ افضل خان نے کسی اچانک حادثے کا شکار ہونے کی صورت میں اُس سے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ اس کی اطلاع براہِ راست مجھے دے۔ گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ حادثے کے ذمہ دار تک میری رہنمائی کرنا چاہتا تھا۔''

''جی ہاں ظاہر ہے۔''

''لیکن کسی اشارے کے بغیر یہ کیونکر ممکن ہے۔ زیدی کے رویے میں بھی کوئی ایسا اشارہ ملا جس کی بناء پر میں مجرم تک پہنچ سکوں۔ حد یہ ہے کہ وہ مجھے اس انفارمر کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکا جس کی اطلاع پر افضل خان اُس پارٹی کے مال کیلئے گھات لگایا کرتا تھا۔''

''واقعی..... یہ بھی سوچنے کی بات ہے۔''

''لہٰذا دو ہی صورتیں ہوسکتیں ہیں۔ یا تو زیدی خود ہی انفارمر کی شخصیت کو چھپا رہا ہے یا مجرم کا اصل آلہ کار بھی ہے۔ یعنی خود ہی انفارمر کا رول بھی ادا کرتا رہا ہے۔''

''یعنی آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ افضل خان کا معتمد بھی تھا اور مجرم سے بھی ملا ہوا تھا۔''

''فی الحال یہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے۔''

''لیکن اگر مجرم سے ملا ہوا تھا تو پھر اسے آپ کے پاس آنا ہی نہیں چاہئے تھا۔ کیا افضل کا مر جانے کے بعد اُس سے پوچھ سکتا کہ اس نے اس کی خواہش کیوں نہ پوری کی۔''

''اچھا سوال ہے؟ اور اسی نکتے کی بناء پر میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ زیدی کی اس خواہش کم زیدی کے علاوہ اور کسی کو بھی تھا اور محض اسی کے خیال سے اسے مجھ تک آنا ہی پڑا۔''

''تو پھر ہوسکتا ہے کہ اس کی ماں ہی کو اس کا علم رہا ہو۔ جواب اس دنیا میں نہیں۔''

''عین ممکن ہے۔'' فریدی طویل سانس لے کر بولا۔

''اس نظریئے کے تحت تو واقعی یہ سب کچھ ڈرامہ ہی لگتا ہے۔ یعنی زیدی کا تعاقب اور وقت اس کے مکان کے سامنے اُس جیپ کی موجودگی۔''

''اور اسی لئے میں فوری طور پر کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتا۔''

''لیکن اگر زیدی کسی وجہ سے صرف انفارمر کا نام چھپا رہا ہو تو۔''

''تب بھی یہ نہ بھولو کہ اس مصنوعی سانپ کا آرڈر افضل خان کی موت سے دو گھنٹے قبل گیا تھا۔ یعنی اس صورت میں مجرم اس سے واقف تھا کہ زیدی اس کی موت کے بعد سیدھا سے ہی پاس آئے گا۔''

''خاصا الجھا ہوا معاملہ ہے۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔

''اس لئے کافی پی کر پھر سونے کی کوشش کرو۔''

''ایکسپلوسیوز کے ایکسپرٹ کی کیا رپورٹ ہے۔''

''وہ بھی صبح ہی کو مل سکے گی۔''

''اور وہ قاسم کے سلسلے میں جو بات ہوئی تھی۔''

''اگر وہ خود ہی دردانہ سے تعلقات قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہے تو فی الحال اس دور ہی رہنا بہتر ہوگا۔''

''جیسی آپ کی مرضی۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔ پائپ اور تمبا کو خواب گاہ میں چھوڑ آیا۔ کافی پینے کے بعد تمبا کو نوشی کی خواہش ہوئی تھی۔ فریدی کو کچن ہی میں چھوڑ کر وہ خواب گاہ چلا آیا۔

دوسری صبح ناشتے کی میز ہی پر فریدی سے ملاقات ہوئی تھی۔

''دو بجے تک وہ جیپ وہیں کھڑی رہی تھی۔'' فریدی نے اسے بتایا۔

''اور اس کے بعد۔''

''چلی گئی تھی۔'' فریدی نے کہا۔ ''میں نے نگرانی کرنے والوں کو ہدایت کی تھی کہ لوگ کوئی حرکت کریں تبھی دخل اندازی کی جائے۔ ورنہ نہیں۔''

''جیپ کا تعاقب تو کیا ہی گیا ہوگا۔''

''نہیں! پرامن طور پر رخصت ہو جانے کی صورت میں تعاقب کرنے سے بھی روک دیا

''آپ کا رویہ بھی حیرت انگیز ہے۔''

''قطعی نہیں! ڈرامے کو اسٹیج ہی تک محدود رہنا چاہئے۔ تماشائی اداکاروں کے پیچھے جاتے۔''

''تو گویا آپ کو زیدی کے بھی ملوث ہونے کا یقین ہے۔''

''فی الحال مفروضہ ہی سمجھو۔''

''آپ کھل کر بات نہیں کر رہے۔''

''کسی خاص نتیجے پر پہنچنے کے بعد ہی کھل کر بات کرتا ہوں۔''

''تو پھر میری چھٹی۔''

''نہیں۔ تم اس لڑکی کو تلاش کر سکتے ہو جس نے پچھلی شام تمہیں اُلو بنایا تھا۔''

''آخر میں کہاں تک ایسی لڑکیوں کو ڈھونڈتا پھروں گا جو مجھے ہر شام اُلو بناتی ہیں۔''

''یہ بھی ٹھیک ہے۔''

''اس کی تلاش میں وقت ضائع کرنے کی بجائے میں آج یہ حق اور کسی کو دوں گا۔''

ناشتے کے بعد فریدی نے فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کئے اور کچھ دیر گفتگو کرنے کے بعد پھر ڈائننگ روم میں واپس آ گیا تھا۔ جہاں حمید بیٹھا اخبار دیکھ رہا تھا۔

''ایکسپلوسیوز کے ماہر کی رپورٹ کے مطابق یہ دھماکہ لائبریری ہی کی حدود میں ہوا تھا۔'' اس نے اطلاع دی۔

''خدا کا شکر ہے کہ اس وقت نہیں ہوا جب میں وہاں موجود تھا۔'' حمید نے طویل سانس لے کر بولا۔

''حالانکہ بم اس وقت وہیں موجود تھا۔''

''کیا زیدی کے مکان کی نگرانی اب بھی جاری ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''وہ تو جاری ہی رہے گی۔''

''آپ نے اسے فون نہیں کیا۔''

''اُس کے مکان میں فون نہیں ہے۔''

''تو آپ اُس پر بھی یہی ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ وہ آپ کی نظروں میں مشتبہ ہے۔''

''نہیں میں خود جاؤں گا۔ اُس کی طرف خیریت دریافت کرنے اور یہ پوچھنے کہ اس نے میڈیکل لیو کے لئے درخواست روانہ کر دی یا نہیں۔''

''تو میں یہ سمجھ لوں کہ وہ پوری طرح آپ کے شبہات کی گرفت میں آ گیا ہے۔''

''فی الحال کچھ بھی سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''دفتر کس وقت چلیں گے۔'' حمید نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''دفتر شاید دیر سے پہنچیں۔'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ''کیا تم افضل خان کی والدہ کی تدفین میں شرکت نہیں کرو گے۔''

''اوہ! میری شرکت ضروری ہے۔''

''مسٹر بھٹی کی کال آئی تھی۔ دس بجے تدفین ہوگی۔''

''تو پھر چلنا چاہئے۔''

''جنازہ مسٹر بھٹی کے بنگلے سے اٹھے گا۔''

تھوڑی دیر بعد فریدی کی لنکن کمپاؤنڈ سے نکل رہی تھی۔ حمید اگلی سیٹ پر اس کے برابر ہی بیٹھا تھا۔ اُس نے کہا۔ ''عجیب زندگی ہے ہماری بھی۔ ہم وہاں بھی اس فکر میں رہیں گے کہ ہمیں مزید معلومات حاصل ہوسکیں۔''

''پھر اس کے علاوہ اور کیا ہونا چاہئے۔'' فریدی نے کسی قدر تلخ لہجے میں پوچھا۔

''مطلب یہ ہے کہ تمہارا تمام تر رویہ تعزیتی نہ ہوگا۔''

''سوال یہ ہے کہ وہاں غمزدہ کون ہوگا۔ وہ ایک لاوارث لاش کی طرح دفن کی جائے گی۔ کتنی بڑی ٹریجڈی ہے۔'' حمید طویل سانس لے کر بولا۔

بھٹی کے بنگلے پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ جنازہ قبرستان کی طرف لے جایا جاچکا ہے۔

''کیا آپ نے یہ نہیں کہا تھا کہ ہمارا انتظار کیا جائے۔'' حمید نے پوچھا۔

''میں یہ کیوں کہتا۔'' فریدی نے کہا۔

پھر شاید حمید بھی یہی سوچنے لگا تھا۔ آخر یہ کس بناء پر کہا جاتا۔ پھر اچانک ایک نیا خیال آیا اور وہ آہستہ سے بولا۔ ''کہیں اس موت میں بھی کوئی پھیر نہ ہو۔''

''بہت دیر بعد خیال آیا۔'' فریدی بولا۔

''کیا یہ ممکن ہے۔''

''سب کچھ ممکن ہے اس نیلے آسمان کے نیچے۔''

''لیکن آپ نے اس سلسلے میں کچھ نہیں کیا۔''

''میڈیکل رپورٹ کے مطابق موت دماغ کی ایک شریان پھٹ جانے کی وجہ سے ہوئی تھی۔''

''بسا اوقات ایسی رپورٹوں میں بھی پھیر ہوتا ہے۔''

''ہوسکتا ہے لیکن میں نے لاش کا پوسٹ مارٹم کرانا مناسب نہیں سمجھا۔ بہر حال اگر ایسی بات ہوئی ہے تو مجرم ایک ہی ہے۔ اور مجھے اس پر ہاتھ ڈالنا ہے۔ خواہ کچھ بھی ہو۔''

''اب ان کی گاڑی کا رخ قبرستان ہی کی طرف تھا۔ جنازہ لے جانے والی گاڑی راستے میں مل گئی اُس کے پیچھے اور بھی گاڑیاں تھیں۔

قبرستان پہنچ کر حمید کی نظر فریدی۔ کے دوسرے اسسٹنٹ تو قیر زمن پر پڑی اور وہ چونک کر ۔''یہ یہاں کیا کررہے ہیں۔''

''زمن..... ان چاروں سپاہیوں کے بارے میں چھان بین کررہا ہے جو اس مہم میں ب کے ساتھ تھے۔''

تو قیر زمن نے بھی انہیں دیکھ لیا تھا۔ تیزی سے ان کی طرف آیا۔

''میں انہیں چیک کرچکا ہوں جناب۔'' وہ آہستہ سے بولا۔ ''چاروں یہاں موجود ہیں۔ ف ایک کام کا معلوم ہوتا ہے جو افضل خاں کے اردلی کے فرائض بھی انجام دیتا ہے۔''

''کام کا معلوم ہونے سے کیا مراد ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''اس نے ایک نئی بات بتائی ہے۔ جو دوسروں نے نہیں بتائی۔''

''کیا تمہیں پورے حالات کا علم ہے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''اتنا تو جانتا ہی ہوں کہ ابھی تک آپ کو افضل خاں کے اس انفارمر کے بارے میں کچھ معلوم ہوسکا جس کی اطلاع پر وہ مہم ترتیب دیتے تھے۔ لیکن اس سپاہی کے بیان سے کسی نشاندہی ہوتی ہے۔ وہ ایک مجذوب کا ذکر کرتا ہے کہ جب بھی وہ افضل خان کے پاس آیا

ہے انہوں نے مہمات ترتیب دی ہیں۔''

''مجذوب.....!'' فریدی آہستہ سے بولا اور کسی سوچ میں گم ہو گیا۔

موجی بابا

فریدی تھوڑی دیر تک خاموش رہا، پھر اُس نے توقیر زمن سے اس سپاہی کا نام پوچھا۔

''اکبر علی نام ہے اور فی الحال اُس کا کوئی پتہ نہیں ہے جناب۔''

''کیا مطلب.....؟''

''افضل خان کی اردلی میں آنے کے بعد سے وہ انہیں کے بنگلے میں رہنے لگا تھا۔ توجہ ہو گیا۔ میت گاڑی میں سفر کے تصور ہی سے گھٹن محسوس ہوئی تھی، لیکن کرتا کیا ڈیوٹی اور حکم متعلقین کو گاؤں بھیج دیا تھا۔''

''اتنا اہم آدمی۔'' حمید آہستہ سے بولا۔

''لیکن تم یہاں کیوں آئے ہو۔'' فریدی نے زمن سے پوچھا۔

''بس اسی خیال سے کہ کہیں کوئی اس کی تاک میں تو نہیں ہے۔''

''اچھا خیال ہے۔'' فریدی نے سر ہلا کر کہا۔ ''لیکن اب تم اس کا چارج مجھے دے دو۔''

''جج.....جی.....!'' وہ استفہامیہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔

''مطلب یہ کہ رسومات کے اختتام پر دفتر چلے جانا۔''

''بہت بہتر جناب۔''

پھر وہ ان کے پاس سے ہٹ کر بھیڑ میں جا ملا اور فریدی نے حمید سے کہا۔ ''اب دھچکا لگنے کا اندیشہ ہو۔ ہاں تو یہ اکبر علی.....اوہ.....اکبر علی.....خیر اکبر علی.....وہ طویل سانس لیتا پر اس طرح نظر رکھو کہ جیسے ہی یہ اس بھیڑ سے الگ ہو، اسے کہیں لے جا کر پوچھ گچھ کرنا چاہتا تھا کہ ایک زبردست جھٹکے کی بناء پر وہ کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی۔

''تو کیا آپ مجھے یہیں چھوڑ جائیں گے۔''

خدا کر کے گاڑی ڈپٹی ڈائریکٹر بھٹی کے بنگلے تک پہنچی، لوگ اترے اور حسب دستور

''بالکل.....!''

''اور گاڑی بھی خود لے جائیں گے۔''

''ظاہر ہے۔''

''یہاں مجھے کوئی سواری نہیں مل سکے گی۔''

''بیوقوفی کی باتیں مت کرو۔ زیادہ تر لوگ میت گاڑی پر آئے ہیں، اور اس سے ان کی پسی ہو گی۔ اکبر علی بھی ان میں شامل ہو گا۔ اگر اس سلسلے میں زیادہ احتیاط مدنظر نہ ہوئی تو زمن اُسے دیکھ لیتا، تمہیں اس کی جگہ کیوں دی جاتی۔''

''ہوں سمجھ گیا۔'' حمید آہستہ سے بولا۔ ''شائد مجھے یہ بھی دیکھنا ہو گا کہ کہیں وہ بھی اسٹ نہ کر جائے۔''

''خاصے سمجھ دار ہوتے جا رہے ہو۔'' فریدی نے کہا اور حمید بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف

اکم.....واپسی پر میت گاڑی میں خاصی بھیڑ ہو گئی تھی لیکن وہ اکبر علی کے ساتھ لگا ہوا بالآخر اُس

ں داخل ہی ہو گیا اور اس کے قریب ہی کھڑے رہنے کی جگہ بھی مل گئی۔ قریب سے دیکھنے پر

ا بالکل سیدھا سادہ سا آدمی لگا تھا، زمن گاڑی پر نہیں دکھائی دیا حالانکہ وہ ان چاروں کے

اتھ گاڑی ہی پر آیا تھا۔ ہوسکتا ہے فریدی اُسے اپنے ساتھ لے گیا ہو۔ وہ سوچتا اور جھٹکے کھاتا

رہے میں سوچنے لگا۔ جو ایئر پورٹ کی بجائے قبرستان کی طرف جاتی تھی، بھلا غیر ملکی مہمانوں

و یہاں کے قبرستان سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے کہ اس سڑک کو بھی شیشے کی طرح چمکانے کی

وشش کی جاتی۔ اوہ کیا حماقت ہے، وہ ایسی فضول باتیں کیوں سوچنے لگا۔ جن سے قومی وقار کو

فاتحہ خوانی کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے اور اس کے بعد ایک ایک کر کے رخصت ہو جانے
علی بھی ایک طرف چل پڑا تھا۔ حمید اس کا تعاقب کرنے لگا لیکن پھر اس کی روح فنا
گویا پھر بس میں سفر کرنا پڑے گا۔ کہاں کی مصیبت پیچھے لگ گئی۔ اکبر علی کی مطلوبہ بس
اور وہ اس پر سوار ہو گیا تھا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔ پندرہ بیس منٹ بعد اکبر علی اتر
گیا۔ حمید بھی اُترا، وہ سوچ رہا تھا کہ اب اس قصے کو ختم ہی کر دینا چاہئے، اتنے میں
دیکھا کہ اکبر علی ایک چائے خانے میں داخل ہو رہا ہے۔ حمید نے بھی تیزی سے قدم
اور اس کے ساتھ ہی چائے خانے میں پہنچا، اکبر علی جس میز پر بیٹھا تھا اتفاق سے وہ
تھی، حمید اُس کے سامنے والی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا اور آہستہ سے بولا۔ ''مسٹر اکبر علی۔''

''جی جناب.....!'' اکبر علی چونک پڑا۔

''آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔''

''جی..... میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔''

''حیرت ہے حالانکہ میں کئی بار آپ کو خان صاحب کے گھر پر دیکھ چکا ہوں۔''

''اچھا جی.....!'' یک بیک وہ مغموم نظر آنے لگا۔

''اور میں ابھی ان کی والدہ کی تدفین میں بھی شریک تھا۔''

''صاحب خدا جانے کیا ہو گیا۔''

''خان صاحب بہت اچھے آدمی تھے۔''

''میں اُن کا اردلی تھا جناب، بس کیا بتاؤں۔ چھوٹے بھائی کی طرح رکھتے تھے
کی آواز گلوگیر ہو گئی۔

''سنا ہے دھماکے کے ساتھ ان کے بنگلے میں آگ بھی لگ گئی تھی۔''

''پتہ نہیں کیا ہوا صاحب۔ میں تو موجود نہیں تھا۔''

''ہاں کسی نے شاید اُن کی لائبریری میں ٹائم بم رکھ دیا تھا۔''

''پتہ نہیں کون دشمن تھا۔''

''کہیں وہ نہ ہو جس کا مال وہ پکڑنا چاہتے تھے۔''

''ہاں صاحب، وہی ہو سکتا ہے۔''

''بہرحال، بہت بڑی ٹریجڈی ہوئی ہے۔'' حمید نے کہا۔ اُس نے سرو کرنے والے
لڑکے کو اشارہ سے بلایا ہی تھا کہ حمید نے کہا۔ ''میرے لئے نہ منگوایئے گا۔''

''میں یہی سوچ رہا تھا کہ شاید یہاں کی چائے آپ کو پسند نہ آئے۔'' اکبر علی بولا۔

''یہ بات نہیں ہے۔ میں صبح کو صرف ایک کپ چائے پیتا ہوں۔'' حمید نے کہا۔ ''ڈاکٹر
نے ایک کپ سے زیادہ کی اجازت نہیں دی۔''

''ٹھنڈا پی لیجئے۔''

''نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ میں تو دراصل اس وقت آپ سے صرف خان صاحب
کے بارے میں باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

''وہ ایسے ہی تھے صاحب، زمانہ یاد رکھے گا انہیں۔''

''شاید ہی کبھی رشوت لی ہو۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا صاحب۔ آگ اور انگارہ سمجھتے تھے رشوت کے پیسے کو۔''

''اور اللہ والوں کی تلاش میں رہتے تھے۔''

''جی ہاں..... بہت زیادہ۔''

''ایک بار میں نے شائد اُن سے کسی مجذوب کا تذکرہ بھی سنا تھا۔''

''ضرور سنا ہوگا صاحب۔ زیادہ تر اللہ والوں کی باتیں کرتے رہتے تھے۔''

''ان کی خدمت بھی کرتے تھے۔'' حمید نے کہا، لیکن یہ جملہ شاید ضائع ہی ہوا تھا۔
کیونکہ اُسی وقت اکبر علی سرو کرنے والے لڑکے کو چائے کا آرڈر دینے لگا تھا۔ اس کے چلے
جانے کے بعد حمید کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ ''جی ہاں۔''

لیکن حمید اچھی طرح جانتا تھا کہ اس جی ہاں کے پیچھے کچھ بھی نہیں ہے، یعنی اس نے اس
کا آخری جملہ سنا ہی نہیں تھا۔

''بڑے کام نکلتے ہیں ان اللہ والوں سے۔'' حمید نے کہا۔

''جی ہاں صاحب.....اور کیا۔''

''تم کسی ایسے بابا کو جانتے ہو۔''

''جی نہیں۔ ویسے خان صاحب کے پاس اکثر ایک بابا کو دیکھا ہے۔''

''میں انہیں سے معلوم کرنا چاہتا تھا، لیکن یہ حادثہ پیش آ گیا۔''

''کیا آپ کی کوئی ضرورت ہے۔''

''ہاں.....آج کل ایک ایسی دشواری میں پڑ گیا ہوں جس کا حل کسی طرح بھی نہیں مل رہا۔''

''خان صاحب کے پاس جنہیں دیکھا تھا، موجی بابا کہلاتے ہیں۔''

''گھر پر آتے تھے؟''

''جی ہاں۔''

''پتہ معلوم ہے تو مجھے بتا دو۔''

''ان کا پتہ تو نہیں معلوم جناب، بس خان صاحب ہی کے پاس آتے جاتے دیکھا ہے۔''

''شکل و شباہت ہی بتاؤ۔ شاید کہیں ملاقات ہو جائے۔''

''بڑی بڑی لال لال آنکھیں ہیں۔ رنگ گورا، کالی ڈاڑھی، بڑے بڑے بال۔ ایک دانت سونے کا ہے۔ کالا لبادہ، ہر وقت ہنستے رہتے ہیں۔ اسکے باوجود آنکھیں ڈراؤنی لگتی ہیں۔''

''قد کیسا ہوگا۔''

''لمبے تڑنگے ہیں۔ آنکھوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت طاقت ور ہوں گے۔''

''اور موجی بابا کہلاتے ہیں۔''

''صاحب، میں نے تو ایک بار انہیں انگریزی بولتے بھی سنا تھا۔''

''تو وہ پڑھے لکھے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔''

''اور کیا جی.....بھلا کوئی جاہل انگریزی کیسے بولے گا۔''

''کاش تم ان کا پتہ بھی جانتے ہوتے۔''

وہ کچھ نہ بولا۔ حمید جذوب کے حلئے پر غور کرنے لگا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ کبھی اس کی نظر بھی گزرا ہو، لیکن کہاں؟ یاد نہ آ سکا۔

اتنے میں لڑکا چائے لے آیا اور اکبر علی بولا۔ ''صاحب یہ تو اچھا نہیں لگے گا کہ آپ کچھ نا لے رہے ہیں۔''

''فکر نہ کرو، کوئی بات نہیں۔'' حمید نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ ''میں اس پر متحیر ہوں، کہ اب اری آدمیوں کی بھی وقعت نہیں رہی۔''

''جی میں نہیں سمجھا۔''

''اپنے خان صاحب کا معاملہ۔ بدمعاشوں نے باقاعدہ پلاننگ کی تھی۔''

''اور کیا جناب۔''

''آخر وہ کس کی چرس تھی؟''

''یہی معلوم ہوتا تو کیا بات تھی۔''

''کیا تم بھی ساتھ تھے۔''

''جی ہاں.....میں بھی تھا۔ دراصل بات تو اس وقت سمجھ میں آئی تھی جب سانپ بریف س سے نکل کر بھاگنے لگا تھا۔ خان صاحب تو بس ہاتھ پکڑ کر بیٹھے رہ گئے تھے۔ ایک لفظ بھی اُن کے منہ سے نہیں نکل سکا تھا۔''

''اور چرس بھی تھی گاڑی پر۔''

''بہت تھوڑی سی۔ کوئی خاص نہیں۔ مقصد تو خان صاحب کی جان لینا تھا۔''

''کیا اُس انفارمر نے کچھ نہیں بتایا، جس کی اطلاع پر خان صاحب نے گھات لگائی تھی۔''

''انفارمر ہی کا پتہ تو نہیں چل سکا صاحب۔ خان صاحب نے کسی کو نہیں بتایا تھا کہ مارمر کون ہے۔''

''آخر موجی بابا کو میں کہاں تلاش کروں۔''

''میں پتہ لگانے کی کوشش کروں گا۔ آپ اپنا پتہ مجھے دے دیجئے، مطلع کر دوں گا۔''

''فون نمبر دے رہا ہوں، میرا نام ساجد حمید ہے۔'' حمید نے کہا اور اپنا وہ کار
دیا جس پر صرف نام اور فون نمبر چھپا ہوا تھا۔

''مجھے پتہ معلوم ہوا تو ضرور آپ کو فون کر دوں گا۔''

''اچھا یہ تو بتاؤ کہ خان صاحب اس پارٹی کے پیچھے کب سے تھے۔''

''چھ ماہ میں یہ چوتھی گھات تھی۔ لیکن.....!'' وہ یک بیک خاموش ہو کر حمید کو
دیکھنے لگا۔

''میں چاہتا تھا کہ تم چوکنے ہو جاؤ۔'' حمید مسکرا کر بولا۔

''جی میں نہیں سمجھا۔''

''یک بیک تم کچھ اور سوچنے لگے ہو۔ یہ اچھی عادت ہے۔ گفتگو کرتے وقت
محتاط رہنا چاہئے۔ تم دیکھ ہی چکے ہو کہ خان صاحب کا کیا حشر ہوا۔''

''پہیلیاں مت بجھوایئے جناب۔''

''لائبریری میں دھماکا کاغذات وغیرہ سب تباہ ہو گئے۔ پھر والدہ صاحبہ
بسیں۔ ہوسکتا ہے انہیں بھی ختم ہی کر دیا گیا ہو۔ اگر ایسا ہی ہوا ہے تو وہ بھی کچھ جانتی تھیں

''صاحب میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔'' اکبر علی الجھ کر بولا۔

''میں ابھی سمجھاتا ہوں۔'' حمید نے کہا اور داخلے کے دروازے کی طرف دیکھنے
اس کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ ''تم نے سی آئی ڈی کے ایک آدمی سے شاید یہ کہا تھا کہ
موجی بابا خان صاحب کے پاس آئے تھے خان صاحب نے اس پارٹی کے مال
گھات لگائی تھی۔''

اکبر علی کا چہرہ فق ہو گیا۔

''بولو..... کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔''

''جج جی نہیں..... آج صبح ہی کی بات ہے۔ ان صاحب نے اس طرح کے سوالات
تھے کہ میری زبان سے یہ نکل گیا تھا۔''

''اب محتاط رہنا۔''

''آپ کون ہیں صاحب۔''

''تم نے خان صاحب کے ڈرائنگ روم میں ایک بہت بڑی تصویر دیکھی ہوگی۔''

''جج..... جی ہاں۔ کرنل فریدی صاحب کی۔''

''میں ان کا اسسٹنٹ ہوں..... اور وہی اس معاملہ کو دیکھ رہے ہیں۔ کبھی خان صاحب
سے ان کے متعلق بھی کوئی بات سنی تھی۔''

''جی بس انہوں نے میرے پوچھنے پر بتایا تھا کہ وہ کس کی تصویر ہے۔''

''بہرحال میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تمہارا بیان اب ان تینوں سپاہیوں کے بیان سے تجاوز
نہ کرنے پائے۔ اگر فرض کرو موجی بابا ہی کی نشاندہی پر چاروں مہمات ترتیب دی گئی تھیں تو اس
حادثہ کے بعد موجی بابا کی کیا پوزیشن ہوگی۔''

''ان پر بھی شک کیا جا سکے گا۔''

''اور اگر تم ایسی صورت میں موجی بابا کی نشاندہی کرتے ہو تو..... کیا تمہارے لئے بھی
وہی خطرات نہیں ہیں جن سے خان صاحب اور ان کی والدہ دوچار ہوئیں۔''

''جی صاحب.....!'' وہ خاصا خوفزدہ نظر آنے لگا تھا۔

''لہٰذا اب موجی بابا کا ذکر کسی سے بھی نہ آنے پائے۔ لیکن تم ان کی تلاش جاری رکھو
گے اور مجھے مطلع کرو گے۔''

''بہت بہت شکریہ صاحب۔ آپ نے میری جان بچالی۔''

''بے حد خطرناک اور نڈر لوگ معلوم ہوتے ہیں۔ خیر بس تم محتاط رہنا اور انسپکٹر زیدی بھی
تو اس مہم میں شریک تھے۔''

''جی ہاں..... وہ بھی تھے۔''

''ان کے بارے میں کیا خیال ہے۔''

''میں نہیں سمجھا کہ آپ کیا جاننا چاہتے ہیں اُن کے بارے میں۔''

''کیا وہ حقیقتاً خان صاحب کے خاص آدمیوں میں سے تھے۔''

''جی صاحب میں تو یہی سمجھتا ہوں۔''

''اچھا تو اب میں چلوں گا۔''

''بہت اچھا جناب، میں آپ کی ہر بات یاد رکھوں گا۔''

حمید چائے خانے سے باہر تو آ گیا لیکن اس تشویش کی بناء پر کہ کہیں اس کا تعاقب نہ کیا گیا ہو۔ کچھ دیر فٹ پاتھ ہی پر کھڑا رہا..... وہ یہ بھی دیکھنا چاہتا تھا کہ اکبر علی کا تعاقب تو نہیں کیا جاتا۔ اس لئے وہاں سے ہٹ کر سڑک کے دوسرے کنارے والے ایک کیفے میں آ بیٹھا۔

بہر حال پوری طرح اطمینان کر لینے کے بعد کہ اکبر علی کا تعاقب کسی نے نہیں کیا تھا، ٹیکسیوں کے اڈے کی طرف چل پڑا۔

سہ پہر سے پہلے دفتر نہیں پہنچ سکا تھا۔ فریدی نے اس کی روداد سنی۔ تھوڑی دیر تک وہ کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''تمہیں اس حد تک نہ کھلنا چاہئے تھا۔''

''فرض کیجئے اگر وہی مجذوب انفارمر تھا تو.....!''

''ضروری نہیں کہ وہ قتل کی اس سازش میں بھی شریک ہو۔ بہتیرے انفارمر یہ چاہتے ہیں کہ ان کے نام کسی ایک فرد سے آگے نہ بڑھنے پائیں۔ خیر ختم کرو اس قصے کو۔''

''کوئی نئی بات.....؟'' حمید نے سوال کیا۔

''انسپکٹر زیدی غائب ہو گیا؟''

''کب.....؟''

''پچھلی رات ہی کو کسی وقت۔''

''گھر والے کیا کہتے ہیں؟''

''ان کا بیان ہے کہ وہ اس وقت بہت زیادہ خوف زدہ نظر آ رہا تھا جب کچھ بدمعاش قسم کے لوگ ایک جیپ میں بیٹھ کر آئے تھے۔ اس نے گھر والوں کو ایک کمرے میں اکٹھا کر کے کہا تھا کہ وہ وہیں تک محدود رہیں اور شاٹ گن لے کر چھت پر چلا گیا تھا۔ لیکن پھر کسی نے اسے

چھت سے اترتے ہوئے نہیں دیکھا۔ البتہ مکان کا عقبی دروازہ کھلا ہوا ملا تھا۔''

''آخر یہ کس قسم کی نگرانی تھی کہ وہ عقبی دروازے سے نکل گیا اور نگرانی کرنے والوں کو خبر تک نہ ہوئی۔''

''دراصل اس جیپ کی آمد کی بناء پر نگرانی کرنے والوں کی تمام تر توجہ اس کی طرف مبذول ہو گئی تھی۔''

''ہوں تو وہ بھی ڈرامہ ہی تھا۔'' حمید طویل سانس لے کر رہ گیا۔

''کوئی حتمی بات نہیں کہی جا سکتی۔''

''پھر وہ لوگ کچھ کئے بغیر کیوں رخصت ہو گئے تھے۔''

''ہو سکتا ہے صرف اندازہ لگانے آئے ہوں کہ اس کی نگرانی تو نہیں کی جا رہی۔''

''اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس طرح انہوں نے اس کو نکل جانے کا موقع فراہم کیا ہو۔''

''نکل کر جائے گا کہاں۔''

''آپ میرا مطلب نہیں سمجھے۔''

''تو سمجھاؤ نا۔''

''اس مفروضے کے ساتھ کہ وہ مجرموں سے ملا ہوا ہے ہم اسی نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں۔''

''لیکن وہ تو ہمیں یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کے ہاتھ صاف ہیں۔ بھلا اس مرحلے پر کیسے بھاگ کھڑا ہوتا۔ نہیں حمید صاحب وہ ان سے خائف ہو کر فرار ہوا ہے۔''

''اگر خائف ہو کر فرار ہوا ہے تو اب تک ختم بھی کیا جا چکا ہو گا۔''

''اسی کا خدشہ ہے۔ وہ لوگ اسی لئے آئے تھے کہ وہ خوف زدہ ہو کر نکل جائے اور پھر وہ کہیں اطمینان سے اسے مار لیں۔''

''کیا شاٹ گن سمیت فرار ہوا ہے۔''

''ہاں..... شاٹ گن بھی گھر میں موجود نہیں ہے۔''

''اس صورت میں تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ.....'' حمید جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گیا۔ پھر

سر کو منفی جنبش دے کر بولا۔ ''کچھ نہیں کہا جا سکتا۔''

''اٹھو.....!'' فریدی خود بھی اٹھتا ہوا بولا۔

''خیریت.....!'' حمید اسے بغور دیکھتا ہوا اٹھ گیا۔

''یہاں بڑی گھٹن محسوس ہو رہی ہے، کہیں کھلے میں نکلیں۔''

وہ آفس سے نکل کر اس طرف بڑھا جہاں لنکن پارک کی تھی۔

''شام کی چائے کہاں پئیں گے؟'' حمید نے پوچھا۔

''راستے میں کہیں.....!''

''کیا کوئی لمبا سفر درپیش ہے؟''

''ہاں.....ایگل بیچ تک۔''

''میں تو عرصہ سے سوچ رہا تھا کہ ایک آدھ ہفتہ سمندر کے کنارے گزارا جائے۔''

''قیام کے لئے نہیں جا رہے۔''

''کیا انسپکٹر زیدی کے لئے سمندر میں جال ڈلوائیں گے۔''

''احمقانہ باتیں مت کرو۔''

''پھر کیا مجھے سمندر میں دھکا دیں گے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ لیکن حمید بکواس کے موڈ میں تھا۔ اس نے کہا۔ ''مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ کیس کبھی باضابطہ طور پر ہم تک نہ پہنچ سکے گا۔''

فریدی نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ حمید گھوم کر دوسری جانب والے دروازے کی طرف آیا ہی تھا کہ فریدی نے اسے پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''نظر رکھنا کہ ہمارا تعاقب تو نہیں کیا جاتا.....؟'' فریدی نے گاڑی کے حرکت میں آجانے کے بعد کہا۔

''آخر ایگل بیچ کیوں؟'' حمید نے پوچھا۔

''پن پوائنٹ پر جو درگاہ ہے۔''

''اوہ.....موجی بابا.....!''

''تم نے جو حلیہ بتایا ہے.....اس قسم کا ایک آدمی شائد وہیں دیکھا تھا۔''

حمید مڑ کر دیکھنے لگا۔ عقب میں گاڑیوں کا ایک سیل رواں تھا۔ لہٰذا یہاں اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا کہ کوئی تعاقب کر رہا ہے یا نہیں۔

''آپ اسے واقعی اہمیت دے رہے ہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''تم بھی دے چکے ہو۔ اگر نہ دیتے تو اکبر علی سے محتاط رہنے کو ہرگز نہ کہتے۔''

''کیا دردانہ کو بھی چیک کیا.....!''

''صرف نگرانی کرا رہا ہوں۔''

''گویا ابھی تک کوئی کام کی بات نہیں ہوئی۔''

''ہوئی کیوں نہیں۔ انسپکٹر زیدی کی روپوشی خاصی کام کی بات ہے۔''

''میرے تو کچھ بھی پلے نہیں پڑ رہا۔'' حمید اکتا کر بولا۔

''پھر اپنے ٹیسٹ کی باتیں کرو۔''

''اس پر آپ منہ بنائیں گے۔''

''تمہارا کوئی ٹیسٹ ہی نہیں ہے۔''

''میرے لئے بالکل نئی اطلاع ہے۔'' حمید خشک لہجے میں بولا۔

''میں نے کہا تھا کہ تعاقب کا خیال رکھنا۔''

''مجھے یاد ہے لیکن یہاں اس بھیڑ میں ممکن نہیں۔''

تھوڑی دیر بعد ان کی گاڑی ایک ایسی سڑک سے گزر رہی تھی جس پر ٹریفک زیادہ نہیں تھی۔ تب حمید نے محسوس کیا کہ ایک سبز رنگ کی گاڑی دوسری گاڑیوں کو اوورٹیک کرتی ہوئی ان کی گاڑی کے پیچھے لگ گئی ہے اور اس کا ڈرائیور اسی کوشش میں ہے کہ کوئی دوسری گاڑی ان کے درمیان حائل نہ ہونے پائے۔

''سبز رنگ کی فیاٹ ہے۔'' حمید آہستہ سے بولا۔

''اس کے علاوہ اور کوئی گاڑی۔'' فریدی نے پوچھا۔

''نیلے رنگ کی ہلمن منکس.....!''

''ٹھیک ہے۔''

''کیا ٹھیک ہے۔''

''نیلے رنگ کی ہلمن صبح ہی سے تعاقب کر رہی ہے۔''

''اور وہ فیاٹ۔''

''وہ اپنے ہی لوگ ہیں۔''

''آخر آپ ان میں سے کسی پر ہاتھ کیوں نہیں ڈال دیتے۔''

''صبر سے کام لو۔ آخر افضل خان بھی تو ان کے معاملے میں بے حد محتاط رہا تھا۔'' نے کہا اور ڈیش بورڈ کے ایک خانے میں ہاتھ ڈال کر ٹرانسمیٹر کا ماؤتھ پیس نکالا اور اسے ہونٹوں کے قریب لا کر آہستہ آہستہ کہنے لگا۔

''نیلے رنگ کی ہلمن تمہارے پیچھے ہے۔ اگلے چوراہے کے قریب اسے روکنے کی کوشش کرو۔''

حمید نے طویل سانس لی اور فریدی نے ماؤتھ پیس ڈیش بورڈ کے خانے میں رکھ دیا۔

''تو آپ کے بلیکیز بھی برسرکار ہو رہے ہیں۔'' فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد نے پوچھا۔ ''آخر انہوں نے کس طرح روکا ہوگا ہلمن کو۔''

فریدی کی گاڑی چوراہے سے بائیں جانب مڑ چکی تھی اور اب وہ دونوں کاریں آ رہی تھیں۔

''ہلمن کا کوئی ٹائر فلیٹ ہو گیا ہوگا۔'' فریدی نے جواب دیا۔

''خواہ مخواہ۔''

''وہ سبز رنگ کی فیاٹ ایسی ہی ہے، اس پر سے بہتیرے ناممکن کام بھی ممکن ہو جاتے ہیں۔''

حمید نے پھر مڑ کر دیکھا، دونوں گاڑیوں کا دور تک پتا نہیں تھا۔

''کیا اس معاملے میں بلیکیز کو بھی دھکیلنا ضروری تھا۔'' حمید نے پوچھا۔

''جب میں ضروری سمجھتا ہوں انہیں بھی استعمال کرتا ہوں، اور یہ ضرورت اسی وقت پیش آتی ہے جب خدشہ ہو کہ میرے ماتحتوں کو رشوتیں بھی دی جا سکتی ہیں۔''

''وہ تو اب بھی دی جا رہی ہوں گی۔''

''اسی لئے میں ان سے کام بھی نہیں لے رہا ہوں۔''

''توقیر زمن کے بارے میں کیا خیال ہے۔''

''ثبوت حاصل کئے بغیر میں اپنا خیال ظاہر نہیں کیا کرتا۔''

''بہرحال آپ اس سے مطمئن نہیں ہیں۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ ایگل بیچ کے علاقے میں داخل ہو رہے تھے۔ اس نے اپنی گاڑی وہیں پارک کی جہاں دوسری گاڑیاں کھڑی تھیں۔

''یہاں سے پن پوائنٹ تک پیدل.....؟'' حمید نے پوچھا۔

''مت تکلیف کرو کرنل سائیں، وہ یہیں موجود ہے۔'' دفعتاً عقب سے آواز آئی اور وہ چونک کر مڑے۔

ایک لمبا تڑنگا اور وحشت زدہ سا آدمی سامنے کھڑا عجیب سے انداز میں مسکرا رہا تھا۔ بالکل وہی حلیہ تھا جو اکبر علی نے کسی موجی بابا کا بتایا تھا۔

حمید نے کنکھیوں سے فریدی کی طرف دیکھا اور متحیر رہ گیا۔ کیونکہ اس کے ہونٹوں پر ایسی ہی مسکراہٹ تھی جیسے اس طرح ملاقات اس کے لئے غیر متوقع نہ رہی ہو۔

''تو میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔'' فریدی نے کہا۔

''بالکل غلط کرنل سائیں.....ہم وہ نہیں ہیں جو تم سمجھے ہو۔''

خود حمید یہی سوچ رہا تھا کہ وہ غلط جگہ پر آ گئے ہیں۔ بھلا اس شخص کو کیا معلوم کہ وہ کس ارادے سے آئے ہیں۔ یہ بات تو صرف چار افراد کے درمیان ہی رہی تھی۔ توقیر زمن، اکبر علی اور خود وہ دونوں اور حمید کے اندازے کے مطابق کسی پانچویں کے کان میں اس کی بھنگ بھی نہ

پڑی ہوگی۔

''ہم ملتے تھے.....؟'' وہ مسکرا کر بولا۔ ''تم ضرور آؤ گے، ہماری تلاش میں۔''

''میرا خیال ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے کبھی نہیں ملے، لیکن تم مجھے پہچانتے ہو۔'' فریدی نے کہا۔

''تم ظاہری حکومت کے افسر ہو۔ ہم باطنی حکومت کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ ہم سے کیا پوشیدہ رہ سکتا ہے۔ بس کھلتے نہیں کسی پر۔''

''کھل جاؤ تو پھر باطن کہاں رہا۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔

''تم پر ولیوں کا سایہ ہے، کرنل سائیں۔''

''اللہ کا سایہ۔''

''ایک ہی بات ہے۔'' وہ سر ہلا کر بولا۔

حمید اس کی روشن ضمیری پر عش عش کرتا رہا۔

کس کے خطوط

فریدی بڑی دلچسپی سے موجی بابا کو دیکھے جا رہا تھا۔ اُدھر موجی بابا کا بھی یہی حال تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس نوعیت کا کوئی آدمی پہلی بار اُس کی نظر سے گزرا ہو۔ دونوں پلکیں جھپکائے بغیر ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھے جا رہے تھے اور دونوں کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ کچھ دیر میں حمید کو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے دونوں ہی پاگل ہو گئے ہوں۔ اچانک موجی بابا نے ایک زور دار قہقہہ لگا کر ناچنا شروع کر دیا۔

فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر بائیں آنکھ دبائی اور پھر موجی بابا کی طرف متوجہ ہو گیا جو اب بھی دیوانہ وار رقص کیے جا رہا تھا۔

خدا خدا کر کے رکا تو فریدی کی طرف ہاتھ ہلا کر بولا۔ ''کیا مانگتے ہو، مانگ لو۔''

''انفارمیشن.....!'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

''معاملات باطن کی بات مت کرو۔''

''پھر کیا مانگوں.....؟''

''کچھ بھی۔''

''سب کچھ ہے میرے پاس۔''

''چھن بھی سکتا ہے۔''

''چھن جائے۔ جس نے دیا ہے وہ واپس بھی لے سکتا ہے۔ مالک ہے مختار ہے۔''

''بہت گہرے ہو کرنل سائیں۔ اپنے مرشد کا نام بتاؤ۔''

''کملی والے کے علاوہ اور کبھی کسی کی طرف نہیں دیکھا۔ جس کے سب غلام ہیں۔''

''آخر تم چاہتے کیا ہو۔'' وہ آنکھیں نکال کر بولا۔

''صرف انفارمیشن.....!''

''کیسی انفارمیشن.....!''

''اس معاملے میں افضل خاں کا انفارمر کون تھا۔''

''ہم سے پوچھ رہے ہو۔'' اُس نے پھر آنکھیں نکالیں۔

''ایسا ہی وقت آن پڑا ہے کہ پولیس والوں کو بھی اہل اللہ کی تلاش رہتی ہے۔''

''کیا بات ہوئی۔''

''جرائم اس انداز میں ہوتے ہیں جیسے کوئی جادوگر اپنا کرشمہ دکھا گیا ہو۔ ڈر ہے کہ کہیں مانے ہار تعویذ نہ تقسیم کرنے لگیں۔''

''کوئی بات ہماری سمجھ میں نہیں آ رہی۔''

''میں سمجھاتا ہوں سرکار۔'' فوراً حمید بول پڑا اور موجی بابا کی قہر آلود نظر اُس پر منتقل ہو گئی۔

''خاموش رہو۔ اب یہ ہمارے گا۔'' حمید اُس کی طرف دیکھے بغیر بولا۔ ''کوئی

صاحب تھانے پر چوری کی رپورٹ درج کرانے گئے۔ رپورٹ درج کر لی گئی اور اس کے تھانے دار صاحب نے سیٹ کے نیچے سے ایک تعویذ نکال کر رپورٹ درج کرانے والے ہتھیلی پر رکھ دیا اور بولے پتھر کے نیچے دبا دینا۔ اللہ نے چاہا تو چور کے پیٹ میں اس شخص درد اٹھے گا کہ بوکھلا کر سب کچھ واپس کر جائے گا۔''

''مذاق اُڑا رہے ہو ہمارا۔'' وہ کڑک کر بولا۔

''ہرگز نہیں جناب عالی۔ آج کل جرائم کا انداز یہی ہے۔'' حمید نے گڑبڑا کر کہا۔

''ہاں، شاید..... تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' دفعتاً موجی بابا نرم پڑ گیا۔

''از روئے کشف آپ پر یہ بھی روشن ہو گیا ہو گا کہ جس سانپ نے افضل خان کو ڈ وہ ربڑ کا تھا۔'' فریدی نے کہا۔

''ربڑ کا تھا۔'' کہہ کر موجی بابا نے آنکھیں بند کر لیں اور کھڑا جھومتا رہا۔ پھر ایک پُر شور قہقہے کے ساتھ آنکھیں کھول دیں۔

''چکر پر چکر۔ الجھاوے پر الجھاوا۔'' وہ ہاتھ اٹھا کر انگلی نچاتا ہوا بولا۔

''بس اب کچھ فرما دیجئے۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔

''کبھی کبھی بیٹوں کے قاتل ہی ماں کے جنازے کو بھی کاندھا دیتے ہیں۔''

''اچھا.....!'' فریدی نے سر کو معنی خیز جنبش دی۔

''جاؤ کرنل سائیں۔ اُس سے پوچھو کہ وہ کس کے خطوط افضل خان کیلئے لایا کرتا تھا۔

''کس سے پوچھوں۔''

''جس نے ہمارا پتا بتایا ہے۔''

''اکبر علی.....!'' فریدی نے آہستہ سے پوچھا۔

''وہی..... افضل خان بڑا معصوم آدمی تھا۔ بس اس سے زیادہ ہم اور کچھ نہیں کہتے اللہ نے تمہیں بہت بڑا دماغ دیا ہے۔'' موجی بابا نے کہا اور پھر رقص شروع کر دیا۔

فریدی نے حمید کو واپسی کا اشارہ کیا تھا۔ وہ موجی بابا کو اُسی حال میں چھوڑ کر گاڑی

طرف پلٹ پڑے۔ حمید مڑ مڑ کر دیکھتا رہا۔ موجی بابا اُسی طرح رقص کئے جا رہا تھا۔ وہ گاڑی میں بیٹھ گئے اور گاڑی حرکت میں آ گئی لیکن موجی بابا کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔

''اب اُدھر مت دیکھو۔'' فریدی نے کہا۔

''جو کچھ اس نے آخر میں کہا تھا کیا ہم اُسے ٹپ سمجھیں۔''

''دیکھیں گے۔''

''وہ آپ کو جانتا تھا۔''

''بہتیرے جانتے ہیں۔''

''کیا خیال ہے؟ اُس نے آپ کو مرعوب کرنے کی کوشش کی تھی۔''

''کون نہیں کرتا۔''

''لیکن شائد خود بھی متاثر ہوا تھا۔'' حمید ہنس کر بولا۔ ''بہت خوب۔ پوچھ رہا تھا کہ آپ کا مرشد کون ہے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ پھر کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ کچھ دیر بعد حمید نے کہا۔ ''کہیں اُس نے ہمیں غلط راہ پر ڈالنے کی کوشش تو نہیں کی۔''

''کیا فرق پڑے گا۔''

''میرا مطلب ہے کہیں الٹا اکبر علی کو پھنسوانے کی کوشش تو نہیں کر ڈالی اس نے۔''

''یہ بھی ہو سکتا ہے۔''

''آخر آپ کسی بات پر جمیں گے بھی۔''

''اس اسٹیج پر اس کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ابھی تک تو ہم صرف پوچھ گچھ کرتے پھر رہے ہیں۔''

''اوہ..... میرے خدا.....!'' دفعتاً حمید چونک پڑا۔

''کیا ہوا.....؟''

''آخر اس جملے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔''

''کس جملے کا۔''

''یہی کہ کبھی کبھی بیٹے کے قاتل ماں کے جنازے کو بھی کاندھا دیتے ہیں۔''

''تم بتاؤ.....تم نے اس سے کیا سمجھا ہے۔''

''کہیں اشارہ ڈپٹی ڈائریکٹر کی طرف تو نہیں ہے۔ اسی نے افضل خاں کی وا
تدفین کا اہتمام کیا تھا۔''

''خدا جانے۔ بہر حال ہم اس زاویئے سے بھی دیکھیں گے۔ قانون کے محافظ
اوقات قانون شکنی کے مرتکب پائے گئے ہیں۔''

''اب تو بات بالکل سامنے کی معلوم ہوتی ہے۔''

''مجھے بھی سمجھاؤ۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''افضل خان نے زیدی سے یہی تو کہا تھا کہ پورے ثبوت فراہم کئے بغیر
شخصیت کا نام زبان پر نہیں لاسکتا۔''

''ہاں شائد یہی کہا تھا۔''

''تو پھر اس کا کیا مطلب ہوسکتا ہے۔''

''صرف یہی ایک مطلب تو نہیں ہوسکتا کہ وہ اس کے محکمے کا ڈپٹی ڈائریکٹر ہی ہو
محتاط آدمی کسی کے خلاف پورے طور پر ثبوت مہیا کئے بغیر اس کا نام زبان پر نہیں لاسکتا۔''

''خیر ختم کیجئے۔ میں تو اس موجی بابا کو نہیں سمجھ سکا۔''

''کیا نہیں سمجھ سکے؟''

''ہوش مند بھی تھا اور دیوانہ بھی۔''

''پھر تمہیں اس پر کیا اعتراض ہے۔''

''میں کہہ رہا تھا کہ اُسے سمجھ نہیں سکا۔''

''اتنی ذرا سی دیر میں کوئی کسی کو نہیں سمجھ سکتا۔''

''مجھے آپ کے رویئے پر حیرت ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''کبھی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آپ اُسے چڑھا رہے ہوں اور کبھی ایسا لگتا تھا جیسے آپ
سے مرعوب ہو گئے ہوں۔''

''حمید صاحب میں اُس سے سٹے کا نمبر پوچھنے نہیں گیا تھا۔''

''اچھا تو پھر.....!''

''میں ایک جرم کی تفتیش کر رہا ہوں۔''

''لیکن اُسے کیسے معلوم ہوا کہ اکبر علی نے اس کی نشاندہی کی ہے اور آپ اس سے پوچھ
گچھ کرنے آرہے ہیں۔ اس لئے وہ پارکنگ لاٹ ہی کے قریب آپ کا منتظر تھا۔''

''بس یہ ایک کام کی بات تم نے پوچھی ہے اور اسی کا جواب مجھے بھی چاہئے۔''

''تو پھر آپ کا اگلا اقدم کیا ہوگا۔''

''اکبر علی کی تلاش۔ اس بار میں خود اُس سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ اُسے تلاش کرو اور وہ
جہاں ملے سیدھے میرے پاس لے آؤ۔''

''میری دانست میں سب سے زیادہ اہم وہ لڑکی ہے جو مجھے بے ہوش کرکے ربڑ کا
سانپ اڑا لے گئی تھی۔''

''لڑکیوں کو دیکھ کر تم ویسے بھی کب ہوش میں رہتے ہو۔''

''نہیں واقعی۔ میں سنجیدگی سے اس کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔''

''فضول باتوں میں مت پڑو۔ وہ محض ایک آلہ کار تھی۔ اُس کی اس حرکت سے کوئی ہمیں
یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ اس کے مقابلے میں ہم صرف طفل مکتب ہیں اور تم دیکھ لینا کہ اُپنی ان
حماقتوں ہی کی بناء پر وہ بہت جلد ہماری گرفت میں ہوگا۔''

''تو اب مجھے پھر اکبر علی کی تلاش میں نکلنا پڑے گا۔''

''یہ بہت ضروری ہے۔''

''اب ہم کہاں جارہے ہیں۔''

''گھر ...وہاں سے تم اپنی گاڑی لینا۔''

''اور انسپکٹر زیدی کے لئے کچھ نہ کیجئے گا۔''

''اس کی تلاش بھی جاری ہے۔''

''دیکھئے جناب۔'' حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''سورج غروب ہونے والا ہے۔ آپ نے کہا تھا کہ چائے راستے ہی میں کہیں پی لیں گے۔''

''بس اب گھر پر پئیں گے۔ اس کے بعد تم اکبر علی کی تلاش میں نکل جانا۔''

''مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے مجرم کو پہلے ہی سے معلوم ہو جاتا ہو کہ اب ہم کیا کرنے والے ہیں۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی کار کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔

چائے پی کر حمید نے دوسرا سوٹ پہنا اور اپنی گاڑی نکلوائی پھر چلنے ہی والا تھا کہ ایک کوئی بات ہے۔ فون پر گفتگو کرتے وقت اُس کا نام آجانے پر تو بُری طرح بھڑکا تھا۔

گاڑی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ اُس نے اپنی گاڑی کا سوئچ آف کر دیا کیونکہ قاسم کی گاڑی پہچان لی تھی۔ قاسم سیدھا اُسی کی طرف چلا آیا۔

''تمہاں بھاگ رہے تھے بیٹا آگ لگا کر۔'' وہ ہاتھ نچا کر دھاڑا۔

''یہ کیا بکواس ہے۔''

''تمہیں جواب دینا پڑے گا۔''

''جہنم میں جاؤ۔'' کہہ کر حمید نے پھر انجن اسٹارٹ کر دیا۔

''اچھا اچھا بیٹا.....چلو تمہاں چلتے ہو۔ پیچھا نہیں چھوڑوں غا۔''

حمید گاڑی پھاٹک سے نکلی چلی گئی۔

یہ عذاب اس وقت کہاں سے نازل ہو گیا۔ وہ اس کیس میں سنجیدگی سے دلچسپی لے رہا تھا۔ اس سے ذہنی فرار پر بھی تیار نہیں تھا۔ لہٰذا قاسم کی آمد گراں گزری تھی۔ مگر اب اس چھٹکارا مشکل ہی تھا۔ پہلے بھی اس قسم کے کئی تجربے ہو چکے تھے۔ ذہنی رو بہکی تو بہکی۔ مرحلے پر بھی پیچھا نہیں چھوڑتا تھا۔

اچانک اُسے خیال آیا کہ وہ چل تو پڑا ہے لیکن اکبر علی کو کہاں تلاش کرے گا۔ اکبر علی نے ہی تو بتایا تھا کہ افضل خان کے بنگلے کی تباہی کے بعد فی الحال وہ بے ٹھکانہ ہو گیا ہے۔ نہیں کہہ سکتا کہ رات کہاں گزرے گی۔ تو پھر اس وقت تو اُس کے کسی آفیسر سے بھی نہیں معلوم ہو سکے گا کہ وہ کہاں ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر اُسے پہلے کیوں اس کا دھیان نہیں آیا تھا۔

گاڑی شہر کی جگمگاتی ہوئی سڑکوں سے گزرتی رہی۔ کہیں کہیں ٹریفک کا اژدھام سست رفتاری پر بھی مجبور کرتا۔ اُس نے سوچا آخر اس طرح بے مقصد بھٹکتے پھرنے سے کیا فائدہ۔ پھر گھر کی طرف پلٹ جائے۔ لیکن قاسم کا دم چھلا۔ آخر اس سے کس طرح پیچھا چھڑائے۔ فریدی نے فی الحال دردانہ سے بھی دور ہی رہنے کی ہدایت کی تھی۔ ورنہ کچھ اسی کے خفیہ ہوتے۔ لیکن قاسم کیا کہنا چاہتا ہے۔ کیوں پیچھا کر رہا ہے۔ کیا دردانہ شاہد ہی کے سلسلے کی کوئی بات ہے۔ فون پر گفتگو کرتے وقت اُس کا نام آجانے پر تو بُری طرح بھڑکا تھا۔

حمید نے گاڑی کی رفتار کم کر دی اور اُسے بائیں جانب ہٹا کر فٹ پاتھ سے لگائے دیئے انجن بند کر دیا۔ پھر مڑ کر دیکھا تو قاسم کی گاڑی دو ڈھائی گز کے فاصلے پر نظر آئی اور وہ گاڑی سے اترنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی اپنی جسامت ہی ہر معاملے میں سدِ راہ بن کر کھڑی ہو جاتی تھی۔ حمید اس سے پہلے ہی گاڑی سے اُتر کر اس کی جانب بڑھا۔

''کمر میں رسہ باندھ کر کھینچوں کیا.....؟'' اس نے بڑے ادب سے پوچھا اور قاسم غصے کے مارے باقاعدہ طور پر دروازے میں پھنس کر رہ گیا۔

''ابے غارت مند.....!'' وہ زور سے دھاڑا اور آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی۔

''بھلا غارت مند کیا ہوا۔'' حمید نے ہنس کر پوچھا۔

''قسم خاقر قہتا ہوں جان سے ماردوں غا۔'' قاسم ہانپتا ہوا بولا۔ لیکن اس بار دھاڑنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''چائے پیئو گے یا کافی۔''

''تمہارا خون پیئوں غا سالے۔''

''پھر وہی ناشائستگی۔تم تو انگریزی میں برادران لا کہنے لگے تھے۔''

اس پر اُس نے انگریزی کی والدہ محترمہ تک کو اکھاڑ لیا اور حمید کو گھونسہ دکھا کر بولا۔

سالے جب تک کہ جندگی ہے۔ پھر دیکھوں غا۔''

''باہر نکلنے کی کوشش کرو پیارے۔تم شائد دروازے میں پھنس گئے ہو۔''

''پھنسا رہوں غا۔تم سے مطلب.....!''

''اچھی بات ہے تو پھر میں چلا۔''

''ٹھہر جاؤ۔ورنہ اچھا نہیں ہوغا۔'' قاسم گڑبڑا کر کسی قدر ڈھیلے لہجے میں بولا۔

''ٹھہرا تو بھیڑ لگ جائے گی اور سچ مچ تمہاری کمر میں رسہ باندھنا پڑے گا۔''

قاسم نے کسی قدر تر چھا ہو کر پھر زور لگایا اور لڑکھڑاتا ہوا فٹ پاتھ پر ڈھیر ہو گیا۔ بوکھلا کر اٹھنے کی کوشش کی تو پیٹ کے بل ناچ کر رہ گیا۔

سچ مچ بھیڑ اکٹھا ہو گئی اُن کے گرد۔ کیونکہ حمید انتہائی کوششوں کے باوجود بھی اُسے اٹھا پایا تھا۔پھر کئی آدمی اُس کی مدد کو آگے بڑھے اور قاسم کو کھینچ کھانچ کر سیدھا کھڑا کر دیا۔

وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا اور اس کے دونوں گال پھڑکنے لگے تھے۔قریب ہی سے لڑکی کہتی ہوئی گزر گئی۔''اتنا موٹا ہے تو گھر ہی سے کیوں نکلتا ہے۔''

بدحواسی کا دوسرا حملہ ہوا قاسم پر اور وہ حمید کو جھنجھوڑ کر بولا۔''چلو.....چلو.....آغے بڑھو۔''

انہوں نے گاڑیاں لاک کیں اور چل پڑے۔ پھر اُسی فٹ پاتھ کے ایک ریستوران کے سامنے رکے تھے۔

''اس دروازے سے تو گزر ہی سکو گے۔'' حمید نے ریستوران کے صدر دروازے کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

قاسم جھلاہٹ میں اس طرح آگے بڑھا جیسے واقعی ثابت کرنا چاہتا ہو کہ وہ دروازے میں نہیں پھنس سکتا۔

اندر پہنچا تو بے شمار نظریں اس گنبد نما منارے پر جم گئیں۔حمید اس کے پیچھے تھا۔

''اب کہیں بیٹھ بھی جاؤ۔'' حمید جھنجھلا کر بولا۔

''تم خود دو کرسیاں ملا کر رکھ دو۔'' قاسم نے آہستہ سے کہا۔

''کیا مطلب۔اب ایک کرسی میں بھی نہیں سماتے۔'' حمید نے آنکھیں نکالیں۔

''میں قیا کروں.....اپنی مرضی سے تو ایسا نہیں ہوا ہوں۔اللہ کی مرجی۔''

حمید نے ایک میز کے قریب کی دو کرسیاں کھسکا کر جوڑ دیں اور قاسم کا بازو پکڑ کر بولا۔

''چلو۔''

''یہ قیا قر رہے ہو۔میں خود بیٹھ جاؤں غا.....!'' قاسم جھٹکے سے بازو چھڑا کر بولا۔ پھر وہ بیٹھ کر ہانپنے لگا تھا۔

حمید اس کے سامنے بیٹھتا ہوا بولا۔''تمہارا حجم روز بروز بڑھتا ہی جا رہا ہے۔لہٰذا اب اپنے بھی دو پہیے لگوالو۔''

''اور انجن بھی لگوالوں۔'' وہ اُسے گھورتا ہوا بولا۔

''ہاں.....اور پٹرول پیا کرو۔''

''ایک ایک بات کا بدلہ لوں غا.....تم دیکھنا۔'' وہ اُسے گھونسہ دکھا کر بولا۔

لوگ اب بھی اُنہیں دیکھے جا رہے تھے۔

''میں پوچھتا ہوں تم اس وقت آئے کیوں تھے۔''

''یہ بتانے آیا تھا کہ تم بے حد جلیل ہو۔''

''جلیل ہی نہیں بلکہ جمیل بھی ہوں.....اچھا تو پھر.....!''

''ابے ذلیل.....ذلیل.....!'' قاسم پھر پھاڑ کھانے دوڑا۔

''اچھا اچھا سمجھ گیا.....!'' حمید سر ہلا کر بولا۔

''سمجھ گئے نا.....میں تو جانتا ہی تھا۔خدا گارت کرے تمہیں۔دین و دنیا میں منہ کالا ہو تمہارا۔''

''تم بکواس کئے جاؤ گے۔لیکن یہ ہرگز نہیں بتاؤ گے کہ بات کیا ہے۔بہت پرانی عادت

ہے تمہاری۔''

''انجان بن رہے ہو۔''

''کس بات سے.....؟''

''آئے ہائے.....اتنے بھولے ہیں۔'' قاسم نے جھلا کر لچکنے کی بھی کوشش کی تھی۔ لیکن گدبدا کر رہ گیا تھا۔

''جہنم میں جاؤ۔ میں تو تمہیں یہ بتانے یہاں لایا ہوں کہ ایک سرکاری کام سے جا رہا تھا۔ اگر آئندہ اس طرح میرا تعاقب کیا تو بند کرادوں گا۔''

''اے جاؤ.....مرگئے بند قرانے والے۔''

''نہیں ابھی زندہ ہیں۔''

''جب قہو، نوکری سے نکلوادوں.....قیا سمجھتے ہو۔''

''خیر یہ تو ہے۔ تمہارے باپ کے کوئی خالو چیف منسٹر ہو گئے ہوں گے۔''

''باپ تک پہنچے تو ٹانگیں چیر کر پھینک دوں غا۔''

''لیکن یہ نہیں بتاؤ گے کہ بات کیا ہے۔''

''وہ تمہیں کیوں پوچھ رہی تھی۔''

''کون.....؟'' حمید چونک کر بولا۔

''اب پوچھتے ہو قون.....!'' قاسم نے باقاعدہ دانت پیسے۔

''ایک دو ہوں تو نہیں پوچھوں.....!''

''ہاں یہ تو ہے۔'' قاسم کچھ سوچتا ہوا بولا۔

''اب بتا بھی چکو۔'' حمید نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔

''وہی.....وہ یعنی کہ.....جسے تم پوچھ رہے تھے۔ اچھا بیٹا بتاؤ کہ تم اُسے کیوں پوچھ رہے تھے۔''

حمید نے طویل سانس لی۔ شائد یہ دردانہ شاہد کا ذکر تھا۔

''اچھا میں سمجھ گیا۔'' وہ ہنس کر بولا۔ ''شاید حسن کی اُس پہاڑی کا ذکر ہے۔''

''اچھا.....اچھا.....میں اُسے بتا دوں غا کہ تمہیں پہاڑی بکری کہہ رہا تھا۔''

''حسن کی پہاڑی۔''

''ایک ہی بات ہے۔ لیقن وہ تمہیں کیوں پوچھ رہی تھی۔''

''میں کیا بتاؤں۔ مجھ سے تو آج تک ملاقات بھی نہیں ہوئی۔ بس ایک بار دور سے دیکھا تھا۔''

''تم دور سے بھی نہ دیکھا قرو.....سمجھے۔'' وہ حمید کو گھونسہ دکھا کر بولا۔

اتنے میں ویٹر آ گیا اور حمید نے اس سے کہا۔ ''دو پلیٹ جھینگے اور کافی۔''

وہ چلا گیا اور قاسم غصیلے لہجے میں بولا۔ ''ایک پلیٹ جھینگے تو دانتوں ہی میں اٹک کر رہ جائیں گے۔''

''یہ میری طرف سے ہیں۔ اس کے علاوہ تمہارا اپنا آرڈر ہوگا۔ آدھی تنخواہ تمہارے معدے پر نہیں صرف کر سکتا۔''

''کسی مکھی چوس چودھری کی اولاد معلوم ہوتے ہو۔''

''بس تمہی فراخ دل بنئے کی اولاد بنے رہو۔''

''میرا باپ بنیا نہیں ہے۔''

''چلو مغل اعظم ہی سہی۔ اُس عورت نے میرے بارے میں کیا پوچھا تھا۔''

''وہ کیا پوچھتی۔ بس کمبختی کہ زبان سے نقل گیا تھا کہ ایک سالے کیپٹن حمید سے بھی دوستی ہے۔ بس پھر کیا تھا پوچھنے لگی سب کچھ تمہارے بارے میں اور پھر بولی مجھے بھی ملواؤ۔''

''اچھا تو پھر اس میں میرا کیا قصور ہے۔''

''اے تم پیدا ہی قیوں ہوئے تھے۔''

''یعنی تم یہ چاہتے ہو کہ کوئی عورت میرا نام بھی نہ لے۔''

قاسم کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ویٹر جھینگے اور کافی لے آیا۔

''اے دس پلیٹ جھینگے اور لاؤ۔ اس کا بل میری طرف۔'' قاسم نے ویٹر سے کہا۔

''جی صاحب۔'' ویٹر متحیرانہ لہجے میں بولا۔

''دس پلیٹ.....!''

ویٹر نے حمید کی طرف دیکھا اور حمید سر ہلا کر بولا۔ ''ٹھیک ہے۔''

ویٹر چلا گیا اور حمید نے پھر دردانہ شاہد کا ذکر چھیڑنے کی کوشش کی۔

''بس ختم کرو۔'' قاسم ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''اب اُس نے کہا ہے تو کل شام کو چلے چلو لیکن اگر اس کے بعد تم کو اُس نے یہاں دیکھا تو جان سے مار دوں گا۔''

''یہ کیا بات ہوئی۔''

''بس ایک بار کی ہوگی۔''

''میں ایک بار بھی نہیں جاؤں گا۔''

''ایک بار تو تمہیں چلنا ہی پڑے گا۔''

''آخر وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہے۔''

''میں کیا جانوں۔ ہوسکتا ہے اپنی جاسوسی کروانا چاہتی ہو۔''

''یہ اپنی جاسوسی کیسے کرائی جاتی ہے۔''

''میں نہیں جانتا۔ یہ جھینگے سالے تو دو ہی پھنکیوں میں ختم ہو گئے۔ لاؤ۔ اپنی پلیٹ ادھر بڑھاؤ۔''

''اس کے یہاں اور کون کون آتا ہے۔'' حمید نے اپنی پلیٹ اس کی طرف سرکاتے ہوئے کہا۔

''میں جاتا ہوں اور دو چار پدے بھی آتے ہیں۔''

''پدے.....؟ کیا مطلب.....؟''

''ابے ہاں۔ دو چار سوکھے سڑے لوگ۔''

''یعنی کوئی قابل ذکر آدمی نہیں ہوتا۔''

''ہاں ایک ہوتا ہے۔ کسٹم والا۔''

''کیا نام ہے۔''

''بھٹی صاحب کہتی ہے اس کو۔ پورا نام مجھے نہیں معلوم۔''

''لال مونچھوں والا۔''

''وہی.....وہی.....قیا تم اُسے جانتے ہو۔''

''کسٹمز انٹیلی جنس کا ڈپٹی ڈائریکٹر ہے۔''

''عاشق مزاج تو نہیں ہے سالا۔''

''یہ میں نہیں جانتا۔''

''تو پھر کیا ٹھینگے کے کیپٹن حمید ہو۔''

''کیا بات ہوئی۔''

''قیسے جاسوس ہو کہ اگر اتنا بھی نہیں جانتے۔''

''ابے تو کیا میں نے عاشقوں کی فہرست مرتب کر رکھی ہے۔''

''اچھا تو پتا لگاؤ کہ وہ عاشق مزاج ہے یا نہیں۔''

''دماغ تو نہیں چل گیا۔''

''تم سالے قیسے دوست ہو کہ میرے لئے اتنا بھی نہیں کر سکتے۔''

''کیوں، کیا بھٹی صاحب کا انداز کچھ اسی قسم کا ہوتا ہے۔''

''ابے ہاں بیٹھا مسکرایا کرتا ہے۔''

''لیکن تم کیوں مرے جا رہے ہو۔''

''قیا باؤں! میرا مقدر ہی چوپٹ ہے۔ وہ آجاتا ہے تو پھر مجھ سے بات ہی نہیں کرتی۔''

''کون آجاتا ہے۔''

''وہی بھٹی صاحب۔''

''اچھی بات ہے۔ میں چل کر دیکھوں گا۔''

''اگر تم کسی طرح اس بھٹی صاحب کو وہاں سے کھسکا دو تو زندگی بھر تمہارا احسان مانوں گا۔''

''اچھا.....اچھا.....میں دیکھوں گا۔''

''ہائے ابھی تک جھینگے نہیں لایا۔'' قاسم کراہا۔اس دوران میں وہ حمید کی پلیٹ بھی ر کر چکا تھا۔

''اس کی کوٹھی میں کتنے ملازم ہیں۔''

''دیکھو نقل آئی نا جاسوسی۔'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔''ابے ہاں۔یہی تو میں سوچتا تھا کہ ایک اکیلی عورت نے اتنے بہت سے ملازم کیوں رکھ چھوڑے ہیں۔''

''میں نے تعداد پوچھی تھی۔'' حمید نے اُسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہی کوئی دس گیارہ ہوں گے۔''

''سنا ہے کہ وہ اپنا سارا سرمایہ کینیا سے یہاں منتقل کرنا چاہتی ہے۔''

''ٹھیک سنا ہے۔''

''لیکن ایسا کرنے میں قانونی دشواریاں پیش آئیں گی۔''

''یہی تو چکر ہے۔''

''لیکن اسمگلرز کے ذریعے یہ ممکن بھی ہے۔''

''تو پھر شروع کردوں اسمگلنگ۔'' قاسم نے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

''اس سے کہیں زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ اس سے اپنے والد صاحب کی شادی کرادو۔''

''دیکھو.....دیکھو۔'' قاسم انگلی اٹھا کر بولا۔''تم نے شروع کر دیا گھپلا۔''

''تمہاری تو دوسری وہ ہونے نہیں دیں گے۔''

''بس کھاموش۔ورنہ گدی سے زبان کھینچ لوں گا۔''

اگر اتنے میں جھینگے نہ آ گئے ہوتے تو قاسم غضب ناک ہو کر میز ضرور الٹ دیتا۔ جھینگے کھاتا اور حمید کو قہر آلود نظروں سے دیکھتا رہا تھا

حمید خاموشی سے کافی پیتا رہا۔اُس کا ذہن پھر الجھ گیا تھا۔کتنے مشتبہ افراد چاروں طر بکھرے ہوئے تھے۔دردانہ شاہد، ڈپٹی ڈائریکٹر بھٹی، موجی بابا اور انسپکٹر فریدی جو روپوش

تھا۔حالات کی بناء پر ایسا لگتا تھا جیسے وہ سبھی ایک دوسرے کی طرف اشارہ کر رہے ہوں۔موجی بابا نے رمزیہ انداز میں ڈپٹی ڈائریکٹر بھٹی کی طرف اشارہ کیا تھا اور اب قاسم سے معلوم ہوا کہ اس کا تعلق دردانہ شاہد سے بھی ہے۔تو گویا اگر سپاہی اکبر علی سے یہ معلوم ہو جائے کہ وہ کس کے خطوط افضل خان کے پاس لایا کرتا تھا تو یہ معمہ حل ہو جائے گا۔اکبر علی کی تلاش بے حد ضروری ہے۔آخر وہ یہاں کیوں بیٹھ گیا ہے۔

دفعتاً قاسم ہنس پڑا اور حمید چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

''اور بیٹا۔'' قاسم ہاتھ ہلا کر بولا۔''وہ کسی سے کمجور نہیں پڑتی۔تمہارے قرنل صاحب کی طرح سانپ بھی پالتی ہے، ہاتھ میں لئے بیٹھی رہتی ہے۔''

''سانپ.....!'' حمید کی سانسیں تیز ہو گئیں۔

کرب ناک کراہ

حمید اٹھ گیا اور قاسم اُسے گھورتا ہوا بولا۔''قہاں چلے''

''ذرا ایک کال کروں گا۔چین سے بیٹھے رہو۔''

وہ کاؤنٹر پر آیا اور کاؤنٹر کلرک کی اجازت سے فون پر کوٹھی کے نمبر ڈائیل کئے۔دوسری طرف سے فریدی ہی نے کال ریسیو کی تھی۔

''قاسم مل گیا ہے۔'' حمید نے ماؤتھ پیس میں کہا۔''اُس کے بیان کے مطابق وہ سانپ بھی پالتی ہے۔''

''اچھا تو پھر.....!'' فریدی کے لہجے میں چھپے ہوئے طنز کو حمید نے بھی محسوس کیا۔

''اور وہ چاہتی ہے کہ قاسم اُسے مجھ سے متعارف کرادے۔''

''خود ہی یہ خواہش ظاہر کی تھی۔''

''نہیں۔ قاسم نے اپنے دوست کی حیثیت سے میرا ذکر کیا تھا۔ یعنی یہ معلوم ہونے
بعد کہ میں اس کا دوست ہوں اُس نے مجھ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی اور دوسری اطلا
ہے کہ ڈپٹی ڈائریکٹر بھٹی کی بھی وہاں آمد و رفت ہے۔''

''یہ تم کن حماقتوں میں پڑ گئے ہو۔ اکبر علی کی تلاش میں نکلے تھے۔'' دوسری طرف
فریدی کی آواز آئی۔

''لیکن میں اسے کہاں تلاش کروں۔ اس وقت تو آفس بھی بند ہوگا۔ خود اس نے
کہ وہ فی الحال بے ٹھکانہ ہو گیا ہے۔ خود بھی نہیں جانتا کہ رات کہاں گزرے گی۔''

''ابھی اطلاع ملی ہے کہ وہ انسپکٹر زیدی کے بنگلے میں ہے۔'' دوسری طرف سے
نے کہا۔

''تب تو میں ابھی دیکھتا ہوں۔''

''لیکن قاسم کو تمہارے ساتھ نہیں ہونا چاہئے۔''

''وہ تو پیچھا ہی نہیں چھوڑ رہا کسی طرح۔''

''تم کہاں ہو۔''

حمید نے ریستوران کا پتا بتایا۔

''اچھی بات ہے۔ میں خود آ رہا ہوں۔'' فریدی نے کہا اور رابطہ منقطع ہونے کی
آئی۔ حمید ریسیور رکھ کر میز کی طرف پلٹ آیا۔

''کیوں قے ہوا۔ نہیں آئے گی۔'' قاسم نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ پوچھ

''کون نہیں آئے گی؟''

''وہی جسے فون کر رہے تھے۔''

''حمید کچھ نہ بولا۔ قاسم بدستور اُسی انداز میں مسکراتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد اُس نے پوچھا۔ ''تو پھر کل چلو گے نا۔''

''ضروری نہیں سمجھتا کہ تمہارے دوستوں سے بھی ملتا پھروں۔''

''تمہاری عادت ہے مجھے نقصان پہنچانے کی۔'' قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

''بھلا اس سے تمہیں کیا نقصان پہنچے گا۔''

''یہی کہ اس کی اتنی سی فرمائش بھی نہ پوری کر سکوں۔''

''تمہاری بیوی اس سے مل چکی ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''خدا غارت کرے تمہیں۔ اس وقت بیوی کا نام لینے کی کیا ضرورت تھی۔''

''اچھا تو اُسے نہیں معلوم کہ تم بھینس کے پائے کس کے لئے پکا رہے تھے۔''

''نہیں۔ وہ نہیں جانتی۔''

''اگر اُسے معلوم ہو جائے تو۔''

''تمہارا جنازہ نکال دوں۔''

''آخر تم اپنی دوستوں سے بیوی کو کیوں نہیں ملواتے۔''

''تم سے مطلب.....؟''

''مطلب کیوں نہیں۔ میں لے جاؤں گا تمہاری بیوی کو اس سے ملوانے۔''

''تم.....!'' وہ آنکھیں نکال کر بولا۔

''ہاں ہاں میں۔ تم دیکھ لینا۔''

''تم نے اگر اسے بتایا بھی تو اچھا نہ ہوگا۔''

''اچھی بات ہے۔ تم دیکھنا کہ کیسا ڈرامہ بنتا ہے۔''

''لانت ہے تم پر..... تم دوست ہو۔''

''بیوی کے علم میں لائے بغیر ہرگز دوسری شادی مت کرنا ورنہ پچھتاؤ گے۔''

''اے تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔''

''پھر آخر تم کیا چاہتے ہو۔''

''جو میرا دل چاہے گا چاہوں گا۔ تم سے مطلب۔''

''مجھ سے مطلب ہے۔ تمہاری بیوی کا منہ بولا بھائی ہوں۔''

''منہ ٹوٹا بھائی بھی ہوں۔'' قاسم جلے تن عورتوں کے سے انداز میں ہاتھ نچا کر بو

''یہ منہ ٹوٹا کیا ہوتا ہے۔''

''ہوتا ہو غا قچھ .....دیکھو پھر سمجھاتا ہوں کہ اُسے نہ معلوم ہونے پائے۔''

''وہ تو کیا اب تمہارے باپ کو بھی معلوم ہو جائے گا۔''

''لانت ہے مجھ پر۔'' قاسم اپنے سر پر دو ہتھڑ چلاتا ہوا بولا۔

''وہ تو ہے ہی۔'' حمید نے سر ہلا کر کہا۔

لوگ انہیں حیرت سے دیکھ رہے تھے اور قاسم یہ تو بھول ہی جاتا تھا کہ وہ کہاں ہے میں، کیا کر رہا ہے۔ پھر اچانک اسے بھی احساس ہوا اور فوری طور پر خفیف ہو کر بغلیں جھانکنے

''تم قیا چاہتے ہو۔ قچھ بتاؤ بھی تو۔'' اس نے کچھ دیر بعد مری مری سی آواز میں کہا

''یہی کہ صرف اس وقت میرا پیچھا چھوڑ دو۔ کرنل صاحب آنے والے ہیں اور جائیں گے۔ ہمارے پیچھے مت آنا۔''

''الاقسم بھائی بلقل نہیں آؤں غا اور دیکھو پیارے اُسے نہ معلوم ہونے پائے۔''

''فی الحال اس مسئلے کو یہیں چھوڑ دو۔ اس پر پھر غور کریں گے اور غور کرنے سے پہ تمہاری بیوی کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔''

''بس ٹھیچ ہے۔'' قاسم اطمینان کا سانس لے کر بولا۔

اس کے بعد وہ خاموشی سے جھینگوں کی پھنکیاں لگاتا رہا تھا اور پھر فریدی آ گیا نے بڑے ادب سے اُسے سلام کیا تھا اور اُس کے لئے بھی کچھ منگوانے کے لئے اشارے سے بلایا ہی تھا کہ فریدی نے کہا۔ ''پھر کبھی۔ ہم جلدی میں ہیں۔''

حمید اٹھ گیا۔

''اپنی گاڑی یہیں چھوڑ دو۔'' فریدی نے باہر نکل کر کہا۔

حمید اُسی کے ساتھ لنکن میں بیٹھ گیا تھا۔ گاڑی حرکت میں آ گئی۔ حمید نے پوچھا کیسے معلوم ہوا کہ وہ وہاں ہے۔

''اس کے بنگلے کی نگرانی ترک تو نہیں کرائی گئی۔ وہاں سے ہر آنے جانے والے سے تعلق مجھے اطلاعات ملتی رہتی ہیں۔''

''آخر خود زیدی کہاں غائب ہو گیا۔ فرض کیجئے کسی وقت خوف کے تحت فرار بھی ہو گیا تھا بعد میں آپ سے رابطہ قائم کرنا چاہئے تھا۔''

''ہاں..... ہونا تو یہی چاہئے تھا۔''

''آپ نے اس کی اُس حرکت کے بارے میں کیا نظریہ قائم کیا.....؟''

''بہت دلیر آدمی معلوم ہوتا ہے کہ ایسے حالات میں تنہا نکل گیا۔''

''یہ تو رائے ہوئی۔ نظریہ نہ ہوا۔''

''تم دردانہ شاہد کی بات کر رہے تھے۔''

''پہلے تو میں نے اسے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔'' حمید طویل سانس لے کر بولا۔ ''اور اب؟''

''ظاہر ہے کہ وہ بھی سانپ پالتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سانپ اُسی کے کلکشن سے تعلق رکھتا ہو جس نے افضل خان کو ڈسا تھا۔''

''یہ محض اتفاق بھی ہو سکتا ہے کہ اُسے بھی سانپوں سے دلچسپی ہے۔''

''اور یہ بھی اتفاق ہی ہو گا کہ زیدی کا تعاقب کرنے والے اُسے چھوڑ کر سیدھے اسی کی وٹھی میں گئے تھے۔'' حمید نے کہا۔

''ہاں..... یہ محض اتفاق نہیں ہو سکتا۔''

''اور ڈپٹی ڈائریکٹر بھٹی سے اس کے تعلقات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔'' حمید بولا۔ جبکہ اس مجذوب نے اس کی طرف اشارہ بھی کیا تھا۔''

''کنفیوژن کا مطلب سمجھتے ہو۔'' فریدی نے اچانک سوال کیا۔

''ڈکشنری کنسلٹ کروں گا۔'' حمید جل کر بولا۔

فریدی آہستہ سے ہنس کر خاموش ہو گیا۔ پھر کچھ دیر بعد بولا۔ ''ان واقعات کے پیچھے جو بھی ہے ہمیں کنفیوژن میں مبتلا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔''

بات دل کو لگتی ہوئی تھی اسلئے حمید خاموش ہی رہا۔ ایک آدھ بار اس نے بھی یہی

''مجھے تو دراصل صرف اس شخص کی فکر ہے جس نے ااسٹرز والوں سے میرے

وہ سانپ بنوایا تھا۔''

''کیوں..... وہ کیوں اتنا اہم ہے۔''

سب سے زیادہ دلیری کا مظاہرہ اُسی نے کیا ہے۔ میں نے بعد میں خود اس سے

بات کی تھی۔ جس نے اس کا آرڈر بک کیا تھا اور اسی کے بتائے ہوئے حلیئے کے مطابق

کاسٹ والوں نے ایک تصویر بنائی ہے۔ فریدی خاموش ہوگیا اور حمید اس خلش میں

جیسے اس نے بات ادھوری چھوڑ دی ہو۔

''تو پھر اس تصویر سے کس حد تک رہنمائی ہوئی۔'' حمید نے سوال کیا۔

''صورت کچھ جانی پہچانی سی لگتی ہے۔ کہیں دیکھا ضرور ہے اُسے۔''

''مجھے بھی دکھایئے گا وہ تصویر۔''

''آفس میں ہے۔ کل دیکھ لینا۔''

دفعتاً فریدی نے ایک جگہ گاڑی روک دی اور حمید سے بولا۔ ''تم جاؤ اور اُس

بلالاؤ۔ اسی لائین کا گیارہواں بنگلہ ہے۔ پھاٹک پر زیدی کی نیم پلیٹ موجود ہے۔''

حمید گاڑی سے اُتر کر چل پڑا۔ ناموں کی تختیاں پڑھتا جارہا تھا۔ بالآخر زیدی

کے سامنے رک کر کال بل کا بٹن دبایا۔ تھوڑی دیر بعد ایک بچہ پھاٹک پر آیا تھا۔

''کیا زیدی صاحب تشریف رکھتے ہیں۔'' حمید نے اس سے پوچھا۔

''جی نہیں۔''

''اچھا تو سپاہی اکبر علی کو بھیج دو۔''

''آپ کا نام.....!'' بچے نے سوال کیا۔ خاصہ ذہین معلوم ہوتا تھا۔

''بس اُس سے کہہ دینا کہ آج جس سے ہوٹل میں ملاقات ہوئی تھی وہی ہے۔''

لڑکے نے حمید کو عجیب نظروں سے دیکھا تھا اور چلا گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اکبر علی

پر نظر آیا۔

''سلام علیکم جناب۔'' اس نے بڑے ادب سے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام۔''

''تشریف لائیے۔''

''نہیں۔ تمہیں کچھ دیر کے لئے ہمارے ساتھ چلنا ہے۔''

''کک..... کیوں؟'' وہ کسی قدر خوفزدہ نظر آنے لگا۔

''بس تھوڑی سی باتیں ہوں گی۔ فکر نہ کرو کوئی ایسی بات نہیں ہے۔''

''جی ان لوگوں نے کہا تھا کہ جب تک کہیں اور انتظام نہ ہو یہیں رہو۔''

''ٹھیک ہے۔ اچھا ہے۔''

''جی پھر۔ میں ذرا کوٹ پہن آؤں۔''

''ضرور..... ضرور۔''

تھوڑی دیر بعد وہ واپس آ گیا اور دونوں اُس طرف چل پڑے جہاں فریدی نے گاڑی روکی تھی۔

''زیدی صاحب کے بارے میں کچھ معلوم ہوا۔'' حمید نے اس سے پوچھا۔

''نہیں جناب۔ گھر والے بے حد پریشان ہیں۔''

''کیا یہ سب کچھ بہت عجیب نہیں ہے۔''

''ہے کیوں نہیں جناب۔ بالکل قصے کہانیوں کی سی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایسا نہ کبھی دیکھا نہ سنا۔ اب سرکاری آدمیوں پر بھی لوگ چڑھ کر آنے لگے ہیں۔''

حمید کچھ نہ بولا اور وہ گاڑی تک پہنچ گئے۔ فریدی نے پچھلی سیٹ کی طرف اشارہ کیا اور حمید اکبر علی سمیت پچھلی ہی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ گاڑی چل پڑی تھی اور وہ خاموش تھے۔

کچھ دیر بعد گاڑی فریدی کی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی اور اکبر علی سوالیہ نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

''ہم تمہیں اپنے گھر لائے ہیں۔ بے فکر رہو۔'' حمید نے کہا۔

اکبر علی صرف سر ہلا کر رہ گیا اور حمید فریدی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ''کرنل صاحب ہیں۔''

''سلام علیکم جناب۔'' اکبر علی نے بوکھلائے ہوئے انداز میں سلام کیا۔ فریدی نے جواب دیتا ہوا گاڑی سے اُترا۔

سٹنگ روم میں پہنچ کر اُس نے اکبر علی سے پوچھا۔ ''کیا تم رات کا کھانا کھا چکے ہو؟''

''جی صاحب.....!''

''اچھا تو پھر کافی پیو۔ بیٹھ جاؤ کھڑے کیوں ہو۔''

''جی صاحب۔'' اکبر علی کہتا ہوا بیٹھ گیا۔ بہت زیادہ نروس نظر آ رہا تھا۔

فریدی نے کہا۔ ''اطمینان سے بیٹھو۔ تمہارے لئے کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ چند تھوڑی سی باتیں ہوں گی۔''

''میں ہر طرح حاضر ہوں جناب۔''

''پہلے ہم کافی پئیں گے۔'' فریدی نے کہا اور حمید سے بولا۔ ''ذرا کافی کے لئے کہہ دو۔''

حمید اٹھ کر چلا گیا اور فریدی اکبر علی سے اس کے گاؤں کے متعلق باتیں کرتا رہا۔ قصے کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک ملازم کافی کی ٹرالی دھکیلتا ہوا سٹنگ روم میں داخل ہوا۔ حمید اس کے ساتھ تھا۔

پھر وہ کافی پیتے رہے تھے۔ جب اکبر علی کسی قدر پرسکون نظر آنے لگا تو فریدی نے اس سے افضل خان سے متعلق معمولی نوعیت کے کچھ سوالات کئے جن کے جوابات وہ بے تکان چلا گیا۔

''افضل خان کے اردلی میں آنے سے قبل تم کہاں تھے۔''

''جی..... میں ڈپٹی صاحب کی گاڑی چلاتا تھا۔''

''کس ڈپٹی صاحب کی۔''

''بھٹی صاحب کی۔''

''اوہ..... یعنی ڈپٹی ڈائرکٹر بھٹی صاحب۔''

''جی ہاں جناب۔''

''وہاں سے کیوں ہٹے تھے۔''

''کسی نے سفارش کر کے وہاں کسی اور کو لگوا دیا۔ وہاں آرام زیادہ تھا۔''

''افضل خان تمہارا بہت خیال رکھتے تھے۔''

''جی صاحب۔ بہت زیادہ۔ وہ ہر ایک کا اسی طرح خیال رکھتے تھے۔ آدمی کو آدمی سمجھتے تھے۔''

''تم ان کے لئے کس کے خطوط لایا کرتے تھے۔''

اس سوال پر اُس کی حالت ایسی ہوئی جیسے اچانک الیکٹرک شاک لگا ہو۔ بُری طرح چونک کر ساکت رہ گیا۔

''گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ تمہیں اب سب کچھ بتا دینا چاہئے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اتنے اچھے آدمی کا قاتل اپنی سزا کو پہنچے۔''

''لل..... لیکن..... صاحب۔''

''ہاں ہاں بے فکری سے کہو۔ جو کچھ کہنا چاہتے ہو۔ راز داری ہی کے خیال سے یہاں لائے گئے ہو۔ ورنہ دفتر میں طلب کرتا۔''

''یہ خاں صاحب کا راز تھا صاحب۔ میری زبان نہیں کھلتی اور اس کا ان کے قتل سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔''

''خان صاحب اس دنیا میں نہیں لیکن ہو سکتا ہے کہ وہی راز ان کے قاتل تک ہماری رہنمائی کر دے۔''

''صاحب زبان نہیں کھلتی۔ ایک گھر کی عزت کا معاملہ ہے۔ خان صاحب تو اب اس دنیا میں نہیں۔''

''سنو۔ اگر یہ کوئی ایسی ہی بات ہے تو صرف ہماری ہی ذات تک محدود رہے گی۔ صاحب معاملہ کو اس کی خبر تک نہیں ہو سکے گی۔''

وہ سختی سے ہونٹ پر ہونٹ جمائے بیٹھا رہا پھر بولا۔ ''میری گردن کٹ جا
صاحب.....!''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوگا۔ ہم دیکھیں گے کہ تمہیں کوئی گزند نہ پہنچے۔ لیکن یہ معلو
بہت ضروری ہے۔''

''خود خاں صاحب اس کی وجہ سے بہت پریشان رہتے تھے۔ مجھے سختی سے منع
تھے کہ میں خطوط نہ لایا کروں۔''

حمید طویل سانس لے کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا اور فریدی نے اکبر علی سے کہا۔
کچھ کچھ سمجھ رہا ہوں۔ تم بے فکر رہو۔ کسی کو بھی کچھ نہیں معلوم ہونے پائے گا۔''

''جی وہ رضیہ بی بی کے خطوط ہوتے تھے۔''

''یہ کون ہیں۔''

''ڈپٹی صاحب کی بھانجی انہی کے ساتھ رہتی تھی اور یونیورسٹی میں پڑھتی ہیں۔''

''کیا افضل خاں بھی انہیں خطوط لکھتے تھے۔''

''ہرگز نہیں صاحب۔ کبھی نہیں۔ وہ تو مجھے منع کرتے تھے خطوط لانے سے لیکن رضیہ
سر ہو جاتی تھیں۔''

''کیا ڈپٹی صاحب کو اس کا علم ہو گیا تھا۔''

''نہیں صاحب۔ لیکن افضل خاں صاحب جانتے تھے کہ رضیہ بی بی ڈپٹی صاحب
لڑکے کی منگیتر ہیں جو امریکہ میں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔''

''تمہیں یقین ہے کہ ڈپٹی صاحب کو اس کا علم نہیں تھا۔''

''ہرگز نہیں صاحب۔ اگر انہیں علم ہو جاتا تو میری کھال گرا دیتے۔''

''جب افضل خاں نے تمہیں منع کر دیا تھا تو پھر کیوں خطوط لاتے تھے۔''

''صاحب۔ وہ اس طرح روتی گڑگڑاتی تھیں کہ میں مجبور ہو جاتا تھا۔''

''اور تمہیں یقین ہے کہ خود افضل خاں نے اُسے کبھی کوئی خط نہیں لکھا۔''

''صاحب میں تو کبھی نہیں لے گیا اُن کا کوئی خط۔''

''ہوسکتا ہے وہ خط لکھنے کی بجائے زبانی گفتگو کر لیتے رہے ہوں۔''

''میں کیا عرض کروں۔''

''نہیں..... تم اس سلسلے میں اپنی رائے ظاہر کر سکتے ہو۔''

''صاحب۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ انہیں خط لکھیں یا کسی قسم کا بھی کوئی تعلق رکھیں۔
انہیں بھی علم تھا کہ وہ ڈپٹی صاحب کے لڑکے کی منگیتر ہیں۔''

''تو وہ کہیں ملتے نہیں تھے۔''

''میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں تھا۔ تبھی تو وہ اتنی بے چینی سے انہیں خطوط لکھتی رہی تھیں اور
خاں صاحب خط پڑھ کر اُسے فوراً جلا دیتے تھے۔''

''کیا وہ جواب لانے پر بھی اصرار نہیں کرتی تھی۔''

''بہت زیادہ جناب۔ اس کے لئے بھی وہ ہاتھ پیر جوڑتی رہتی تھیں۔ لیکن خان صاحب
نے کبھی انہیں کوئی خط نہیں لکھا۔''

''ہوسکتا ہے تمہارے ہاتھ نہ بھیجا ہو۔''

''اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا صاحب۔''

''کس ایئر کی طالبہ ہے؟''

''یہ تو مجھے نہیں معلوم صاحب۔''

''ڈپٹی صاحب سے افضل خان کے کیسے تعلقات تھے۔''

''وہی جو ایک اچھے ماتحت اور افسر کے درمیان ہو سکتے ہیں۔''

''فرض کرو ڈپٹی صاحب کو اس نامہ و پیام کا علم ہو گیا ہو تو۔''

''اگر ایسا ہوا ہوتا تو وہ کم از کم میری نگرانی ضرور کراتے کہ صرف میں رضیہ بی بی کا خط نہ
لے جا سکوں۔''

''ہوں..... اُوں.....!'' فریدی پر تفکر انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔ پھر پوچھا۔ ''آخری خط

کب لائے تھے۔''

''خان صاحب کے قتل سے ایک دن پہلے۔''

''اور شائد اسی رات کو موجی بابا بھی خان صاحب کے گھر آیا تھا۔''

''جی ہاں۔''

''اُن دونوں کے تعلقات کی کیا نوعیت تھی۔''

''خان صاحب خود بھی درویش صفت آدمی تھے اور درویشوں کی خدمت بھی کرتے تھے شہر کی بعض درگاہوں میں حاضری بھی دیا کرتے تھے۔''

''لیکن گھر صرف موجی بابا آتا تھا۔''

''جی ہاں۔ ان کے علاوہ اور کسی درویش کو بنگلے پر آتے نہیں دیکھا۔''

''اچھا اکبر علی۔ بہت بہت شکریہ۔'' فریدی نے طویل سانس لے کر کہا۔

''لیکن حضور وہ رضیہ بی بی والا معاملہ۔''

''تم مطمئن رہو۔ ہماری گفتگو راز ہی رہے گی۔''

پھر اُس نے حمید کو ہدایت کی تھی کہ وہ اکبر علی کو زیدی کے بنگلے تک بھجوا دے۔

''میں چلا جاؤں گا جناب آپ تکلیف نہ کریں۔''

''نہیں..... میرا ڈرائیور چھوڑ آئے گا۔''

حمید اُسے ڈرائیور کے سپرد کر کے پھر سٹنگ روم میں واپس آ گیا۔ فریدی خیالات میں ڈوبا ہوا سگار کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا۔ حمید نے آہستہ سے کھانس کر اُسے اپنی طرف متوجہ کیا اور بولا۔ ''دو اور دو چار۔''

''کیا مطلب.....؟''

''موجی بابا نے صحیح راہنمائی کی تھی۔''

فریدی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ بولا۔ ''بظاہر سامنے کی بات؟ لیکن دو اور دو آٹھ بھی ہو سکتے ہیں۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''اس طرح ڈپٹی ڈائریکٹر کو فریم بھی کیا جا سکتا ہے۔''

''یعنی آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کوئی اپنا جرم ڈپٹی ڈائریکٹر کے سر تھوپنے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''یہ بھی ممکن ہے۔''

''لیکن ہمیں اب بات یہیں سے شروع کرنی چاہئے۔''

''شروع کر دو۔'' فریدی شانوں کو جنبش دے کر مسکرایا۔

''ڈپٹی ڈائریکٹر نے بدنامی کے اس مائیکروفون کا سوئچ بروقت آف کر دیا اور اس واقعے کو دوسرا رنگ دینے کی کوشش کر ڈالی۔''

''یعنی تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ وہ اس قتل کو کسی نامعلوم اسمگلر کے سر منڈھنا چاہتا ہے۔''

''ہاں میرے کہنے کا یہی مطلب ہے۔''

''اچھی بات ہے تو تم..... اسی لائن پر کام شروع کر دو۔ میں نے تمہیں روکا تو نہیں ہے۔''

''بس یہ ثبوت فراہم کرنا پڑے گا کہ ڈپٹی ڈائریکٹر کو اپنی بھانجی اور ہونے والی بہو کی بے راہ روی کا علم ہو گیا تھا جسے اُس نے صیغہ راز میں رکھ کر خان صاحب کا خاتمہ کرا دیا۔ ہو سکتا ہے لائبریری میں وہ دھماکہ بھی اسی لئے کرایا گیا ہو کہ رضیہ کے لکھے ہوئے خطوط تلف ہو جائیں۔''

''لیکن اس کے لئے واضح ثبوت کس طرح فراہم کرو گے۔''

''رضیہ کے توسط سے۔''

''ہرگز نہیں۔ اُسے تو چھیڑنا ہی نہیں ہے۔ میں اکبر علی سے وعدہ کر چکا ہوں۔''

''لیکن یہ کسی عالم دین کا وعدہ نہیں تھا۔ ایک سرکاری سراغ رساں کا وعدہ تھا۔''

''انسانیت سے بالاتر اُلوہیت ہی ہو سکتی ہے اور وعدہ خلافی انسانیت سے بعید ہے۔''

''بس تو پھر کوئی خانقاہ سنبھالئے۔ ورنہ محکمہ غارت ہو جائے گا۔''

''فضول باتیں مت کرو۔ میں اس کے لئے اور کوئی صورت نکالوں گا۔''

''ڈپٹی ڈائریکٹر نے یہ سب کچھ دردانہ شاہد کے تعاون سے کیا ہے۔''

''اسے بھی دیکھیں گے۔''

''تو پھر کل میں قاسم کے ساتھ وہاں جاؤں۔''

''ضرور جاؤ۔لیکن محتاط رہنا۔خود سے اس معاملے کا ذکر بھی نہ کرنا۔''

رات کے کھانے کے بعد دونوں اپنی اپنی خواب گاہوں میں چلے گئے۔رات سکون سے گزری تھی۔یعنی کہیں سے کوئی ایسی اطلاع نہیں ملی تھی جس کی بناء پر انہیں باہر نکلنا پڑتا۔

دوسری صبح ناشتے کی میز پر پھر رضیہ کا قصہ چھڑ گیا۔حمید اسی پر مصر تھا کہ وہ اسے چیک کرے لیکن فریدی نے سختی سے منع کر دیا۔

''عجیب آگ ہوتی ہے یہ بھی۔'' حمید طویل سانس لے کر بولا۔''افضل خان شائد اس کا سامنا بھی نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن وہ خط پر خط لکھتی رہتی تھی۔اسکے باوجود کہ کسی کی منگیتر بھی تھی۔''

''آدمی نے بے حد ترقی کی ہے۔اپنے وجود سے لے کر خلاء تک کو کھنگال ڈالا ہے لیکن اس معاملے میں بچہ ہی بنا رہنا چاہتا ہے۔ایک احمقانہ تگ و دو کو عشق کا نام دے کر اس سے لذت اندوز ہوتے رہنا چاہتا ہے حالانکہ فطرت کا مقصد صرف اتنا ہی ہے کہ وہ دو سے تین ہو جائے۔''

''خدارا اپنی یہ ارتھمیٹک اپنے پاس ہی رکھئے ورنہ زندگی ایک بے آب و گیاہ ریگستان بن کر رہ جائے گی۔''

''جھک مارتے ہو۔''

حمید نے کپ میں کافی انڈیل کر پائپ سلگایا اور ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔فریدی کسی سوچ میں تھا۔تھوڑی دیر بعد بولا۔''وہ آدمی۔مجھے یاد نہیں آ رہا کہ اسے کہاں دیکھا تھا۔''

''کس آدمی کی بات کر رہے ہو۔''

''وہی جس نے ربڑ کا وہ سانپ الاسٹرز والوں سے بنوایا تھا۔''

''اوہ مجھے بھی تو وہ تصویر دکھایئے۔''

''آفس میں ہے۔وہیں چل کر دیکھ لینا۔''

کچھ دیر بعد جب وہ آفس کے لئے روانہ ہونے والے تھے فون کی گھنٹی بجی۔حمید نے ریسیور اٹھا لیا۔

''ہیلو.....کیپٹن حمید۔''

''کک.....کرنل صاحب سے ملنا ہے۔'' دوسری طرف سے عجیب گھٹی گھٹی سی آواز آئی۔

''آپ کون ہیں.....!''

''نف.....فاروق زیدی۔''

''یعنی کہ کسٹمز انسپکٹر مسٹر زیدی۔''

''جی ہاں۔''

''آپ کہاں سے بول رہے ہیں۔''

جواب میں حمید نے ایک کربناک سی کراہ سنی۔جیسے اچانک کسی نے اس پر حملہ کیا ہو۔

''ہیلو.....ہیلو.....!'' حمید نے اُسے آوازیں دیں لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

اتنے میں فریدی کمرے میں داخل ہوا۔حمید نے جلدی جلدی اُسے اس سے متعلق بتاتے ہوئے ریسیور تھما دیا۔فریدی نے ایئر پیس کان سے لگایا اور حمید سے بولا۔''رابطہ منقطع نہیں ہوا۔دوسری لائن پر ایکسچینج سے معلوم کرو کہ کال کہاں سے ہو رہی ہے۔حمید لائبریری کی طرف دوڑ گیا اور فریدی ریسیور کان سے لگائے کھڑا رہا۔اُس فون کا رابطہ ابھی تک منقطع نہیں ہوا تھا۔ایسا لگتا تھا جیسے ریسیور کسی اونچی جگہ سے گر کر جھول رہا ہو۔پھر اچانک رابطہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔ریسیور کریڈل پر رکھ دیا گیا تھا۔

فریدی کی آنکھوں میں گہری تشویش کے آثار تھے۔اس نے بھی ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔اتنے میں حمید کمرے میں داخل ہوا۔اُس کے چہرے سے دبے دبے سے جوش کا اظہار ہو رہا تھا۔یہ شائد اسی کی علامت تھی کہ اُسے کامیابی ہوئی ہے۔

''کال ٹریس ہوگئی ہے۔'' اس نے اطلاع دی۔

''کہاں سے ہوئی تھی۔''

''فون نمبر تھری ایٹ سیون فائیو فور ہے۔''

کئی جھٹکے

''فون نمبر تھری ایٹ سیون فائیو فور.....!'' فریدی نے آہستہ سے دہرایا۔ پھر قدرے توقف کے ساتھ بولا۔ ''تھری ایٹ کا مطلب ہے شہر کا جنوبی علاقہ اور اپنے اپریشن روم کو کال کر کے اس نمبر کا صحیح پتہ ٹریس کرو۔''

''اب دفتر تو چل ہی رہے ہیں۔''

''جلدی کرو۔ ابھی انہوں نے تلاش شروع کی تو شائد راستے ہی میں ہمیں علم ہو جائے۔ زیدی خطرے میں معلوم ہوتا ہے۔''

''مجھے تو زیدی ہی فراڈ لگ رہا ہے۔'' حمید نے کہا اور فون پر اپنے محکمے کے آپریشن روم سے رابطہ قائم کرنے لگا۔

پھر جلد ہی وہ دفتر کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ فریدی کے اندازے کے مطابق راستے ہی میں گاڑی کے وائرلیس ٹیلی فون کے ذریعے پتہ ٹریس ہو جانے کی اطلاع مل گئی۔

''ارجن پورے کا مکان نمبر تین سو اٹھائیس۔ کسی کریم بھائی کے نام پر فون الاٹ ہے۔'' فریدی نے حمید کو بتاتے ہوئے کہا۔ ''اب ہم ادھر ہی چلیں گے۔''

''کیا خیال ہے آپ کا کہ انسپکٹر زیدی کسی کا قیدی ہو سکتا ہے۔''

''ممکن ہے۔''

''لیکن وہ فون کس طرح استعمال کر سکا ہوگا۔''

''یہ ایک دلچسپ سوال ہے۔ ہاں قیدی کی طرف سے اس طرح لاپرواہی نہیں برتی جا سکتی کہ وہ فون تک پہنچ سکے اور پھر قیدی بھی کیسا..... ایک سرکاری ملازم.....!''

''تو پھر..... کیا ضرورت ہے اس دوڑ دھوپ کی۔''

''ضروری نہیں کہ جو کچھ ہم سوچ رہے ہیں وہی حقیقت بھی ہو۔''

''آپ کی مرضی۔'' حمید نے طویل سانس لی۔

ارجن پورے تک پہنچنے میں خاصا وقت صرف ہوا تھا کیونکہ اس وقت سڑکوں پر ٹریفک کا خاصا اژدھام تھا۔ البتہ مکان نمبر تین سو اٹھائیس کو تلاش کرنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ اس مکان کے دروازے پر کسی کریم بھائی کے نام کی بجائے عبدالغفور کے نام کی تختی نظر آئی۔

حمید نے دروازے پر دستک دی۔ تھوڑی دیر بعد ایک معمر آدمی نے دروازہ کھولا اور حیرت سے انہیں دیکھنے لگا پھر بولا۔ ''خیریت ہے جناب۔''

''تکلیف دہی کی معافی چاہتے ہیں۔'' فریدی آگے بڑھ کر بولا۔ ''کیا آپ ہمیں ایک فون کال کی اجازت دے سکتے ہیں۔''

''فون کال۔'' بوڑھے کی آنکھیں مزید حیرت سے پھیل گئیں۔

''جی ہاں، اشد ضرورت پیش آ گئی ہے۔''

''لیکن جناب..... یہاں فون کہاں ہے۔''

''کیا یہ کریم بھائی کا گھر نہیں ہے۔'' فریدی نے حیرت سے کہا۔

''جی نہیں۔ یہاں کوئی کریم بھائی نہیں رہتا۔''

''کیا یہ مکان نمبر تین سو اٹھائیس نہیں ہے۔''

''جی ہاں مکان نمبر یہی ہے۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔ کیا آپ کرایہ دار ہیں۔''

''جی نہیں۔ میں مالک مکان ہوں۔''

''تو کیا فون کٹوا دیا۔''

''یہاں کبھی فون نہیں رہا۔ ہم غریبوں کو فون کون دے گا۔''

''آپ نے کبھی فون کے لئے درخواست دی تھی۔''

''جی نہیں۔ کبھی نہیں۔''

''کبھی کریم بھائی نام کا کوئی کرایہ دار رہا ہے آپ کے یہاں۔''

''جی نہیں۔ تعمیر کے بعد سے یہ مکان کبھی کرائے پر نہیں دیا گیا۔''

''تکلیف دہی معاف فرمائیے گا۔'' فریدی نے کہا اور وہ دونوں گاڑی کی طرف گئے۔ بوڑھا دروازے میں کھڑا اب بھی انہیں حیرت سے دیکھے جا رہا تھا۔

فریدی نے مڑ کر مکان کی طرف دیکھا اور اس نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا۔

''ادھر فون کی لائن ہی نہیں ہے۔'' حمید نے چاروں طرف نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

''چلو بیٹھو۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

گاڑی آگے بڑھ گئی۔ حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ اس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

''ایسا ممکن ہے۔'' فریدی نے کچھ دیر بعد کہا۔

''کیا ممکن ہے۔'' حمید نے پائپ کو سلگانے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔ ''کہ کریم بھائی کے نام سے اس مکان کے پتے پر ٹیلی فون کنکشن حاصل کرنے کے لئے درخواست دی لیکن بعد میں عملے کو رشوت دے کر فون اور کہیں لگوا لیا۔ ڈائریکٹری میں اُسی مکان کا چھپ رہا ہے جس کے لئے درخواست دی گئی تھی۔''

''تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ ہم اس جگہ تک نہیں پہنچ سکیں گے جہاں سے کال ہوئی تھی۔'' حمید نے کہا۔

''بظاہر تو ایسا ہی لگتا ہے۔''

''کمال ہے۔ ہم بات بات پر چھیڑے جاتے ہیں۔ دوڑ دھوپ کرتے ہیں اور پھر بس ہو کر رہ جاتے ہیں۔''

''بڑی شاندار تکنیک اختیار کی ہے مجرم نے۔''

''یہ آپ کہہ رہے ہیں۔''

''ہاں..... میں کہہ رہا ہوں۔ بے حد ذہین اور چالاک ہے۔ ہمیں تھکا رہا ہے۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''اس لئے تھکا رہا ہے کہ جو کچھ وہ ہمیں باور کرانا چاہتا ہے ہم آخر کار اپنے تھکے ہوئے دماغوں کے ساتھ اسی نتیجے پر پہنچنے پر مجبور ہو جائیں۔''

''آپ کا یہ جملہ میری سمجھ میں بالکل نہیں آیا۔''

''شروع ہی سے میرا خیال رہا ہے کہ ملزم اپنا جرم کسی اور کے سر تھوپنے کی کوشش کر رہا ہے اور یہ آسان کام نہیں۔ لہٰذا اس کے لئے نفسیاتی طریقہ ہی اختیار کیا جا سکتا ہے۔ ہم اتنے الجھ جائیں کہ بالآخر وہی راستہ اختیار کر لیں جس پر وہ ہمیں ڈالنا چاہتا ہے۔ زیدی کو اس نے ٹیلی فون کرنے کا موقع دیا ہوگا اور پھر بات پوری نہ ہونے دی۔ اس کی بعد ہم یہی تو کرتے اس فون کا پتہ لگانے دوڑ جاتے۔ سو ہم نے یہی کیا۔ لیکن انجام تمہارے سامنے ہے۔''

''میں سمجھ گیا۔ واقعی یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ ہر معاملے میں ابھی تک ہماری دوڑ دھوپ لاحاصل ہی ثابت ہوئی ہے۔''

''تو پھر کیا خیال ہے؟'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''ہم اس طرح دوڑ پڑنا ترک کر دیں۔''

''اس سے کیا ہوگا۔''

''اُسے مایوسی ہوگی۔''

''اور وہ پہلے سے بھی زیادہ ہوشیار ہو جائے گا۔'' فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''پھر آپ کیا کریں گے۔''

''اس کی توقعات پر پورا اُترتا رہوں گا۔''

''یعنی وہ دوڑاتا رہے گا اور آپ دوڑتے رہیں گے۔''

''یہی سمجھ لو۔ لیکن اس جرم سے متعلق جو نظریہ میں نے قائم کیا ہے اسی پر اڑا رہوں گا اور کسی نہ کسی مرحلے پر میرے ہاتھ آ جائے گا۔''

حمید خاموش ہوکر بجھا ہوا پائپ سلگانے لگا اور تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''میں آپ سے متفق

''کس بات پر۔''

''یہی کہ مجھے اس لڑکی کو ضرور تلاش کرنا چاہئے۔''

''اس وقت کسی لڑکی کا ذکر نہیں تھا۔''

''لیکن لاحاصل دوڑ دھوپ کی محرک وہ بھی تو رہی تھی۔''

''اب وہ اس سلسلے کی ایک گمشدہ کڑی ہے۔ فی الحال تمہیں اتنا ضرور کرنا چاہئے کہ لوگوں کو لگا کر صرف ارجن پورے ہی کے ٹیلی فون کنکشنز چیک کر ڈالو۔''

''یقین کرو کہ وہ فون کم از کم اس علاقے میں ہرگز نہ ہوگا۔''

''تو پھر کیا فائدہ۔''

''پھر وہی احمقانہ سوال۔ میں کہہ رہا ہوں کہ مجھے فی الحال اُسے مطمئن کرنا ہے کہ بیوقوف بنا لینے میں کامیاب ہوگیا ہے۔''

''کبھی مجھے بھی اسی طرح مطمئن کر دیا کیجئے۔''

''یہ کام فوری طور پر ہونا چاہئے۔''

''بہت بہتر۔ میرا خیال ہے کہ اس کے لئے پانچ چھ آدمی کافی ہوں گے۔''

''ٹھیک ہے۔''

گاڑی دفتر کے کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔ دفعتاً حمید چونک کر بولا۔ ''لیکن سب پہلے میں وہ تصویر دیکھوں گا جو آئیڈنٹی کاسٹ والوں نے تیار کی ہے۔''

''ضرور ضرور.....!'' فریدی گاڑی پارک کر کے اُترتا ہوا بولا۔

دونوں آفس میں داخل ہوئے۔ بیٹھنے بھی نہیں پائے تھے کہ توقیر زمن اجازت لے کر اندر داخل ہوا۔

''کوئی خاص بات۔'' فریدی نے پوچھا۔

''جی ہاں جناب۔ وہ مجھے پھر دکھائی دیا تھا.....؟''

''کون.....؟'' فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''وہی، جس نے آپ کو دھمکی دی تھی۔''

''اچھا۔'' فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔ ''تو تم نے تعاقب ضرور کیا ہوگا۔''

''جی ہاں۔ موٹر سائیکل تھی میرے ساتھ اس لئے کامیاب ہوگیا۔ وہ اُسی گاڑی میں تھا۔ میں نے آج اس کے رجسٹریشن نمبر بھی نوٹ کئے ہیں۔'' اس نے کاغذ کا ایک ٹکڑا فریدی کے سامنے رکھ دیا۔

''اپنی ڈائری میں بھی نوٹ کیا ہے یا نہیں۔''

''نہیں جناب۔''

''یہ غلطی ہے۔ اپنی ڈائری میں بھی نوٹ کیجئے۔ کاغذ کا ٹکڑا کہیں گم بھی ہوسکتا ہے اور میں بھول بھی سکتا ہوں۔''

''بہت بہتر جناب۔'' توقیر زمن نے کہہ کر جلدی سے اپنی نوٹ بک نکالی اور وہ نمبر تحریر کرنے لگا۔

''تو اس گاڑی کا تعاقب کس حد تک کیا تھا۔'' فریدی نے پوچھا۔

''آخر تک جناب، وہ ایک عمارت میں داخل ہوئی تھی۔'' اس نے کہا اور عمارت کا پتہ بتانے لگا۔

حمید نے چونک کر فریدی کی طرف دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔ ویسے انداز سے ایسا ہی لگتا تھا جیسے کچھ کہنا چاہتا ہو۔

آخر فریدی خود ہی اُس کی طرف متوجہ ہوکر بولا۔ ''تم نے کچھ مارک کیا۔ یہ دردانہ شاہد کا ہے۔''

''جی ہاں..... میں یہی اطلاع دینا چاہتا تھا آپ کو۔''

''اسے بھی دیکھنا ہی پڑے گا۔'' فریدی نے کہا اور توقیر زمن سے مخاطب ہوکر بولا۔ ''کیا آج بھی اُس گاڑی کو ڈرائیو کر رہا تھا۔''

''جی ہاں۔ جناب بالکل وہی تھا۔''

''بہت اچھا۔ میں دیکھوں گا۔''

تو قیر زمن چلا گیا اور حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''سارے راستے روم کو جا

''چلو..... یہ تصویر دیکھو۔'' فریدی میز کی دراز کھینچتا ہوا بولا۔ ''اور کام پر نکل جا

تصویر نکال کر اس نے حمید کے سامنے رکھ دی۔ نہ جانے کیوں حمید کو بھی چہ

پہچانا سا لگا اور وہ اپنے حافظے پر زور دینے لگا کہ اس نے اسے کہاں دیکھا ہے۔

''کیوں، کیا تمہیں بھی چہرہ جانا پہچانا سا لگ رہا ہے؟'' فریدی نے پوچھا۔

''بالکل..... لیکن یاد نہیں آ رہا کہ کہاں دیکھا تھا۔''

''کمال ہے۔ تم بھی یہی محسوس کر رہے ہو۔ خیر اب دھیان رکھنا شائد پھ

آ جائے۔'' فریدی نے کہا۔ لیکن حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے یہ جملہ خواہ مخواہ کہا گیا ہو۔

''اچھا تو کیا اب واقعی ارجن پورے کے گھروں میں ٹیلی فون کنکشنز کی چھان بین کر

''فوراً۔ کچھ لوگوں کو ہدایت دے کر اُدھر روانہ کر دو۔''

''کیا میرا جانا بھی ضروری ہے۔''

''ایک آدھ جگہ تم بھی پوچھ کر اپنی راہ لینا۔''

''اور اس دوران میں زیدی کا خواہ کچھ حشر ہو۔''

''اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے حمید صاحب۔''

''شاید کچھ بھی نہیں۔'' حمید نے پر تفکر انداز میں سر کو منفی جنبش دی۔ تھوڑی

فریدی کی اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے نکل کھڑا ہوا تھا۔

فریدی نے فون کا ریسیور اٹھایا اور کسی کے نمبر ڈائیل کرنے لگا اور دوسری طر

جواب ملنے پر بولا۔ ''قاسم..... میں فریدی ہوں۔''

''سس..... سس..... سالیکم.....!''

''وعلیکم السلام۔ تم سے ایک کام ہے۔''

''نف..... فرمایئے جناب۔''

''میں بیگم دردانہ شاہد کے سانپ دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''ارے باپ رے۔''

''کیوں..... کیا بات ہے۔''

''قق..... قچھ نہیں۔ پپ..... پوچھنا پڑے غا۔''

''پوچھ لو۔ تم جانتے ہی ہو کہ مجھے سانپوں سے دلچسپی ہے۔''

''ٹھیج ہے۔ اور قیا قیا بتایا تھا آپ قو۔''

''کس نے کیا کیا بتایا تھا۔''

''جناب حمید شریف صاحب نے۔'' قاسم نے انتہائی جلے کٹے لہجے میں کہا۔

''ارے نہیں بھئی۔ کچھ بھی نہیں۔ اُس نے تو مجھے چڑھانے کے لئے کہا تھا کہ آپ سانپ پال کر خود کو اتنی اہمیت کیوں دیتے ہیں۔ یہاں تو عورتیں بھی سانپ پالنے لگی ہیں۔ اس سلسلے میں اُس نے بیگم دردانہ شاہد کا نام لیا اور بتایا کہ تم انہیں جانتے ہو۔''

''اچھا..... اچھا..... جی ہاں میں انہیں جانتا ہوں۔ اُن قا بھی بزنس ہے نا یہاں۔ اچھی بات ہے میں انہیں جانتا ہوں۔ میں مالوم کرتا ہوں.....!''

''اور مجھے ایک گھنٹے کے اندر اندر مطلع بھی کر دینا۔ میں آفس ہی میں ہوں۔ فون نمبر لکھ لو۔''

''مجھ قو مالوم ہے۔''

''اچھا شکریہ۔'' کہہ کر فریدی نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا لیکن فوراً ہی گھنٹی بجی اور اُس نے ریسیور اٹھا لیا۔

''بلیک سکس سر.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''وہ دیوانہ آدمی۔ ایک موٹر بوٹ پر بیٹھ کر کہیں گیا ہے۔''

''تمہارا کوئی آدمی اُس کا تعاقب تو نہیں کر رہا۔''

''نہیں جناب، ہم صرف نگرانی کر رہے ہیں۔''

''تعاقب کے لئے ان میں سے تمہیں خود منتخب کرنا ہے۔ جو اُس سے ملنے آتے ہیں۔''

''جی ہاں۔ ہمیں ہدایات یاد ہیں۔ اب تک آٹھ افراد کا تعاقب کیا جاچکا ہے۔ میں سے کوئی بھی خاص طور پر قابل توجہ ثابت نہیں ہوسکا۔''

''ایک بار پھر سن لو کہ تمہیں کسی حال میں بھی اُس دیوانے کا تعاقب نہیں کرنا ہے۔''

''بہت بہتر جناب۔''

''وہ خود موٹر بوٹ پر گیا تھا۔ یا کوئی کہیں سے اُسے ساتھ لے جانے کے لئے آیا۔''

''دو افراد تھے جناب۔ لیکن اسی کے قبیل کے معلوم ہوتے تھے۔''

''یعنی درویش.....!''

''جی ہاں۔''

''ٹھیک ہے۔ اب اُس پر نظر رکھنا کہ وہ کب واپس آتا ہے۔''

''بہت بہتر۔''

فریدی نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور اردلی کو بلانے کے لئے گھنٹی بجائی۔ وہ کمرے میں داخل ہوا تھا۔

فریدی نے ایک سلپ لکھ کر اُسے دیتے ہوئے کہا۔ ''صدانی صاحب کو دے آؤ۔''

اردلی چلا گیا اور فریدی سگار سلگانے لگا تھوڑی دیر بعد فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھالیا۔

''آپ کی سلپ مل گئی کرنل۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''آپ دس منٹ میں تشریف لاسکتے ہیں۔''

''شکریہ مسٹر صدانی۔''

''ویٹس آل رائٹ۔'' دوسری طرف سے آواز آئی اور فریدی نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ گھڑی پر نظر ڈالی۔ بارہ بج کر پانچ منٹ ہوئے تھے۔ اتنے میں فون کی گھنٹی پھر بج اٹھی۔ یہ بار قاسم تھا۔

''ہیلو..... کیا خبر ہے۔''

''ٹھیک ہے جناب۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''کیا ٹھیک ہے۔''

''آج پانچ بجے شام تو..... میں آجاؤں گا۔ ٹھیک ساڑھے چار بجے، قہاں آؤں۔''

''گھر آنا..... میں تین بجے یہاں سے چلا جاؤں گا۔''

''بہت خوش ہو رہی تھیں۔''

''اچھا..... اچھا.....!'' کہہ کر فریدی نے رابطہ منقطع کر دیا۔

دس منٹ بعد اپنے آفس سے نکل کر لیبارٹری کی طرف چل پڑا تھا۔ کئی راہداریوں سے گزرنے کے بعد لیبارٹری کے اس حصے میں پہنچا جہاں آتش گیر مادوں کا ماہر بیٹھتا تھا۔

''ویل مسٹر صدانی۔'' فریدی نے اُس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ آپ نے کچھ نہ کچھ ضرور کیا ہوگا۔''

''جس حد تک ممکن ہوسکا ہے ویسے یہ محض اتفاق ہے کہ ملبے کے ڈھیر کے نیچے سے کچھ ایسی چیزیں مل گئیں جنہیں ایگزامن کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ بم دیسی ساخت کا تھا۔''

''یعنی دیسی ساخت کا ٹائم بم۔''

''جی ہاں۔''

''آپ کو یقین ہے کہ وہ ٹائم بم ہی تھا۔ معمولی بم نہیں۔''

''جی ہاں۔ وہ ٹائم بم ہی تھا۔''

''تب تو.....!'' فریدی کچھ سوچتا ہوا اپنا بایاں گال کھجانے لگا۔ لیکن اُس نے جملہ پورا نہیں کیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''بہت بہت شکریہ مسٹر صدانی۔'' اور اس سے مصافحہ کر کے لیبارٹری سے نکلا چلا آیا۔ اپنے آفس میں پہنچ کر اُس نے فون پر پرنسٹن تھانے کے نمبر ڈائیل کئے اور جواب ملنے پر انچارج سے رابطہ قائم کرانے کے لئے کہا۔

''آپ کون ہیں۔'' دوسری طرف سے غالباً ڈیسک سارجنٹ نے پوچھا۔

''کرنل فریدی۔''

''سلام علیکم جناب۔ ہولڈ آن کیجئے جناب۔''

پھر تھوڑی دیر بعد اسٹیشن انچارج کی آواز آئی۔ ''فرمایئے۔ جناب سراج بول رہا ہ

''بھئی سراج صاحب ذرا یہ بتایئے گا کہ شیرازی آج کل اندر ہے یا باہر۔''

''شیرازی..... اچھا وہ..... جی ہاں۔ باہر ہی ہے۔ کوئی پندرہ دن قبل چھ ماہ کی آیا ہے۔''

''کیا وہیں رہتا ہے۔''

''جی ہاں..... وہیں۔ میرے لائق کوئی خدمت۔''

''نہیں شکریہ۔ بس یہی معلوم کرنا تھا۔'' فریدی نے کہا اور رابطہ منقطع کر دیا۔ پھر کر تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا تھا۔ اس کے بعد اٹھا اور باہر نکلا چلا آیا۔ پارکنگ لاٹ گاڑی نکالی۔ ان سڑکوں پر زیادہ ٹریفک نہیں تھا جن سے اُس کی گاڑی گزر رہی تھی۔ ایک تیسرے درجے کے اقامتی ہوٹل کے قریب اُس نے گاڑی روکی۔ یہ ہوٹل پرنسٹن کے علاقے میں تھا۔ گاڑی سے اُتر کر زینے طے کرتا ہوا تیسری منزل پر پہنچا اور ایک کمرے کے دروازے پر رک کر دستک دی۔

فوری طور پر اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ پھر دستک دی۔ اس بار اندر سے پیروں کی آہٹ سنائی دی تھی۔

دروازہ کھلا اور کھلا ہی رہ گیا۔ کیونکہ دروازہ کھولنے والا اضطراری طور پر پیچھے ہٹ گیا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں۔

''کیا تم مجھ سے اندر آنے کو بھی نہ کہو گے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''لل..... لیکن کیوں.....؟'' اس کے لہجے میں احتجاج تھا۔

''سوشل وزٹ.....!''

''سس..... سوشل وزٹ..... ناممکن۔''

''اس کا انحصار تم پر ہے شیرازی کہ تم اس ملاقات کو سوشل وزٹ سے آگے نہ بڑھنے دو۔'' فریدی کہتا ہوا دروازے سے گزر گیا۔ دوسرا آدمی پیچھے ہٹتا چلا گیا تھا۔ پھر اس نے پوچھا۔ ''کیا میں دروازہ بند کر دوں۔''

''ضرور..... ضرور.....!'' فریدی نے کہا اور کمرے میں چاروں طرف نظر دوڑانے لگا۔ شیرازی دروازہ بند کر کے اُس کی طرف مڑا۔ یہ ایک خوش شکل اور توانا آدمی تھا۔ عمر چالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہوگی۔ آنکھوں کی بناوٹ سے سفاک اور چالاک آدمی معلوم ہوتا تھا۔

''بیٹھنے کو تو کہو۔'' فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

''میں باعزت طور پر زندگی بسر کر رہا ہوں۔'' اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''پندرہ دن سے۔'' فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

''ممکن ہے کسی نے میرے خلاف کچھ کہہ دیا ہو۔''

''خواہ مخواہ ڈر رہے ہو۔ میں تو صرف تھوڑی سی معلومات فراہم کرنا چاہتا ہوں۔'' فریدی بولا۔

''تت..... تشریف رکھئے۔''

فریدی ایک اسٹول پر بیٹھ گیا۔ لیکن شیرازی کھڑا رہا۔ آخر فریدی نے کہا۔

''تم بھی بیٹھ جاؤ۔''

''آج کل میرے پاس خبریں نہیں ہوتیں۔'' شیرازی نے دوسرے اسٹول پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''جنرل نالج کا سوال ہے۔'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''اگر مجھے علم ہوا تو ضرور عرض کروں گا۔ فرمایئے۔''

''یہاں تمہارے علاوہ اور کون کون ٹائم بم بنا سکتا ہے۔''

''اوہ.....!'' شیرازی ہنس پڑا۔ پھر بولا۔ ''ارے کرنل اب تو سائنس کا ہر اچھا طالب علم ٹائم بم بنا سکتا ہے۔''

''مجھے علم ہے۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ ''میں استادوں کی بات کر رہا ہوں۔

''اپنے علاوہ اور کسی کو نہیں جانتا۔ لیکن بہت عرصہ ہوا میں یہ سب کچھ چھوڑ چکا۔

پچھلے چھ ماہ میں نے مارپیٹ کے ایک مقدمے میں ماخوذ ہو کر جیل میں گذارے تھے۔

''اور پچھلے پندرہ دنوں میں تم نے کسی کے لئے بھی کوئی ٹائم بم نہیں بنایا۔''

''آخر مجھ پر ہی کیوں شبہ کیا ہے آپ نے۔''

''میں تم سے سوالات کرنے آیا ہوں اور ان کے جواب چاہتا ہوں۔''

''میرا جواب یہ ہے کہ اگر آپ مجھ سے کوئی ٹائم بم بنوانا چاہیں تو کیا میں انکار کر دوں۔

''اپنے اس جملے کی وضاحت کرو۔''

''جی ہاں، میں نے ایک سرکاری آدمی کے لئے ایک ٹائم بم بنایا تھا۔''

''سرکاری آدمی کے لئے۔''

''جی ہاں..... اور اس نے کہا تھا کہ وہ ایک ایسے راستے کو مسدود کرنے کے لئے جا رہا ہے جس سے گزر کر سرحد پار کے اسمگلرز آتے ہیں۔''

''بہت خوب..... تو کیا وہ کوئی کسٹمز آفیسر تھا۔''

''جی ہاں۔ میں نے تصدیق کر لی تھی کہ وہ ایک کسٹمز آفیسر ہی ہے۔''

''کب کی بات ہے۔ یعنی تم نے اُسے ٹائم بم کب دیا تھا۔''

''پانچ دن پہلے کی بات ہے۔''

''اب اس آفیسر کا نام بھی بتا دو۔''

''پورا نام نہیں جانتا۔ زیدی زیدی کہلاتا ہے۔''

فریدی نے طویل سانس لی۔

''کیا اس کا غلط استعمال ہوا ہے۔'' شیرازی نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

''انسپکٹر زیدی۔'' فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''جی ہاں..... غالباً انسپکٹر ہی بتایا تھا۔''

''حلیہ بتاؤ۔''

شیرازی سوچ سوچ کر اُس کا حلیہ بتانے لگا۔ فریدی کی آنکھوں میں الجھن کے آثار صاف پڑھے جا سکتے تھے۔

''یہ تم سچی بات بتا رہے ہو۔ یا کسی نے تمہیں کوچ کیا ہے کہ پوچھ گچھ کی صورت میں یہ جواب دینا۔'' اس نے کہا۔

''کرنل صاحب! اگر میں اپنے اسی بیان پر جما رہتا کہ میں نے یہ پیشہ ترک کر دیا ہے تو اس میں بھی کیا قباحت تھی۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔

''اب آپ براہِ کرم یہ بتائیے کہ ماجرا کیا ہے۔''

''تمہارا بنایا ہوا بم وعدہ کے مطابق استعمال نہیں کیا گیا۔''

''اس کا کیا ثبوت ہے کہ وہ میرا ہی بنایا ہوا بم تھا۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کا ذہن تو انسپکٹر زیدی کے حوالے اور اس کے حلیئے میں الجھ کر رہ گیا تھا۔

''کتنا معاوضہ لیا تھا۔'' فریدی نے بالآخر پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں۔ سرکاری کام کے لئے کیا معاوضہ لیتا۔ بس اس نے مٹیریل فراہم کر دیا اور کہا تھا کہ وہ بھی میرے کام آ جائے گا۔''

''کیا تم اتنا نہیں سوچ سکتے تھے کہ کسی سرکاری کام کے لئے وہ تمہارے پاس کیوں آتا۔ سرکاری اسلحہ خانے میں کس چیز کی کمی ہے۔''

''میں نے یہ سوال اٹھایا تھا جناب۔ لیکن یہ جواب ملا کہ انہیں جلدی ہے سرکاری طور پر کھولیا بنانے میں کم از کم پندرہ دن لگ جائیں گے۔''

''اور تم نے یہ خدمت مفت انجام دی تھی۔''

''جی ہاں..... بالکل مفت.....!''

''بہر حال تم نے ایک غیر قانونی کام کیا تھا۔''

''میں نے نہایت شرافت سے اعتراف کرلیا ہے۔ اب آپ جو کچھ بھی کہیں۔'' نے لاپرواہی سے کہا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ اُسے بغور دیکھے جارہا تھا۔ شائد شیرازی اس کی نظروں کی لاکر ہی گڑبڑا گیا اور جلدی سے بولا۔ ''باعزت طور پر زندگی گذارنے کا متمنی ہوں۔ مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اس کام کے عوض وہ مجھے ایک اچھی سی ملازمت دلا دے گا۔''

''تو پھر کب مل رہی ہے تمہیں وہ ملازمت.....!''

''خدا جانے۔ پھر وہ پلٹ کر آیا ہی نہیں۔''

''خود تم اس سے کہاں مل سکتے ہو۔''

''اس نے کہا تھا کہ وہ خود ہی مجھ سے ملے گا۔ اپنا پتہ نہیں بتایا تھا۔''

''پھر تم نے کس طرح تصدیق کی تھی کہ وہ سچ مچ کسٹمز انسپکٹر ہی ہے۔''

اس نے مجھے اپنا شناختی کارڈ دکھایا تھا۔

''تم سے ٹائم بم بنوا کر اس نے بھی قانون شکنی کی تھی۔ بہر حال تم نے اس کے کارڈ پر اُس کا پتہ تو دیکھا ہی ہوگا۔''

''یقین کیجئے میں نے اس پر توجہ نہیں دی کیونکہ اس نے خود ہی مجھ سے ملنے کا وعدہ کیا

''کیا تم ایسے ہی بھولے ہو۔'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

''میں کیسے یقین دلاؤں۔''

''ابھی وقت ہے۔'' فریدی طویل سانس لے کر اٹھ گیا اور شیرازی کا گریبان پکڑ ہوا آہستہ سے بولا۔ ''سچی بات شیرازی؟''

گھنی ڈاڑھی والا

شیرازی کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ لیکن آنکھوں میں ناگواری کے آثار تھے۔ دہانے کے گوشوں کا جھکاؤ خاموش احتجاج کر رہا تھا۔ اسکے گریبان پر فریدی کی گرفت اور مضبوط ہوگئی۔

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔'' اس نے گریبان کو جھٹکا دے کر کہا۔

''آپ زیادتی کر رہے ہیں۔''

''اس اعتراف کے بعد کہ تم نے حال ہی میں کوئی ٹائم بم تیار کیا ہے۔ اسے زیادتی نہیں کہہ سکتے اور اب میں تم سے پوچھ رہا ہوں کہ تم یہ الزام اپنے سر کیوں لے رہے ہو۔''

''ب..... بتاتا ہوں۔'' شیرازی ہانپتا ہوا بولا۔

فریدی اُسے اسٹول پر بٹھا کر پھر پیچھے ہٹ آیا۔ لیکن اُس کی عقابی آنکھیں اُسی کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

''رہائی کے بعد میں بالکل کنگال تھا۔ دو چار دن قرض سے کام چلایا لیکن قرض ہی کہاں تک ملتا۔'' شیرازی نے کہا اور خاموش ہو کر پھر ہانپنے لگا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ البتہ جواب طلب نظریں شیرازی کے چہرے ہی پر جمی رہیں۔

''ایسے میں اگر مفت کے ہزار روپے ہاتھ آجاتے تو انہیں کیسے چھوڑ دیتا۔'' شیرازی بولا۔

''مفت سے کیا مراد ہے۔''

''صرف زبان ہلا کر کچھ حاصل کرلینا مفت ہی تو کہلائے گا جناب۔''

''ہوں..... وضاحت کرو۔''

''مجھ سے کہا گیا تھا کہ اگر آپ یا آپ کا کوئی آدمی مجھ سے کسی ٹائم بم کے بارے میں پوچھ گچھ کرے تو میں یہی بیان دوں۔''

''یعنی کسی انسپکٹر زیدی نے تم سے وہ بم بنوایا تھا۔''

''جی ہاں۔''

''کس نے کہا تھا۔''

''میرے لئے بالکل اجنبی تھا۔ اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ یقین کیجئے اس میں برابر بھی جھوٹ نہیں ہے۔ لیکن اس کی گھنی ڈاڑھی مجھے مصنوعی لگی تھی۔ مونچھیں بھی اتنی تھیں کہ دہانہ چھپ کر رہ گیا تھا۔ لیکن مفت کے ایک ہزار جو مجھے بھوکوں مرنے سے بچا تھے کسی طرح بھی نظر انداز نہ کئے جا سکے۔ پھر اس نے مجھے اطمینان دلایا تھا کہ آپ انسپ زیدی کا نام سن کر بات آگے نہیں بڑھائیں گے۔''

''اس بار تم سچ بول رہے ہو شائد۔'' فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

پھر جیب سے کچھ تصویریں نکالیں اور انہیں شیرازی کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ''کیا ان میں سے کسی کو پہچانتے ہو۔''

وہ ایک ایک تصویر کو غور سے دیکھتا رہا پھر سر کو منفی جنبش دے کر بولا۔ ''نہیں جناب! یہ سب میرے لئے اجنبی ہیں۔''

فریدی نے تصاویر واپس لیتے ہوئے کہا۔ ''اب اُس سخی داتا کے بارے میں کچھ اور بتاؤ۔ جو محض زبان ہلانے کے لئے ایک ہزار تمہیں دے گیا تھا۔''

''آپ ہی جیسا قد آور تھا۔ ایسی ٹوپی لگا رکھی تھی کہ پیشانی بالکل چھپ گئی تھی۔ تاریک شیشوں کی عینک کی وجہ سے آنکھیں بھی نہیں دیکھ سکا تھا۔''

''آواز تو یاد ہی ہوگی۔''

''بہت بھاری اور بھرائی ہوئی۔''

''شائد اس میں بھی بناوٹ رہی ہو۔''

''میرا بھی یہی خیال ہے۔''

''اچھی بات ہے۔'' فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ ''تم میرے ساتھ چلو گے۔''

''لل..... لیکن.....!''

''فکر مت کرو۔ اپنے محکمے کی حوالات میں رکھوں گا۔ وہاں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ ذاتی طور پر تمہاری دیکھ بھال کرتا رہوں گا۔ تمہارے خلاف کوئی مقدمہ نہیں بنے گا۔''

''تو پھر مجھے کیوں لے جا رہے ہیں۔''

''ضرورتاً..... بحث میں وقت نہ ضائع کرو کہ تمہارے خلاف مقدمہ بھی بن سکتا ہے اگر معاملہ علاقے کے تھانے کو ریفر کر دیا جائے۔''

''بنے گا تو.....!'' وہ بے بسی سے بولا۔

''بس تو پھر چلو.....!''

''اس مردود نے مجھے یقین دلایا تھا کہ آپ انسپکٹر زیدی کا نام سن کر پیچھے ہٹ جائیں گے۔''

''فکر نہ کرو..... اٹھ جاؤ۔''

شیرازی اٹھتا ہوا کراہا اور بولا۔ ''کس مصیبت میں پھنس گیا۔ پتا نہیں مردود کون تھا اور کیا چاہتا تھا۔''

فریدی ہتھکڑی لگائے بغیر اُسے سڑک تک لایا اور گاڑی میں اپنے برابر ہی بٹھاتا ہوا بولا۔ ''چہرے پر ایسے ہی تاثرات پیدا کرو جیسے واقعی دھر لئے گئے ہو۔''

''میں پاگل ہو جاؤں گا شائد۔ آخر یہ سب ہو کیا رہا ہے۔'' شیرازی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''فکر نہ کرو۔ اُس نے بھی تمہیں مہرے کے طور پر استعمال کیا تھا اور اب میں بھی یہی کر رہا ہوں۔''

شیرازی ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔ گاڑی حرکت میں آ گئی تھی۔ فریدی نے عقب نما شیشے کی پوزیشن تبدیل کی اور شیرازی سے بولا۔ ''تو تم اس کی آنکھیں بھی نہیں دیکھ سکے تھے۔''

''جی نہیں جناب۔''

''میں تمہیں ہاتھ سے بنائی ہوئی ایک تصویر دکھاؤں گا۔ شائد کبھی وہ چہرہ تمہاری نظر سے گزرا ہو۔''

''اگر دیکھا ہوگا تو ضرور بتادوں گا۔''

''اگر کسی سے تھوڑی بہت مشابہت بھی پاؤ تب بھی نشاندہی ضرور کرنا۔''

''بہت بہتر جناب۔''

''وہ کوئی ایسا ہی آدمی ہوسکتا ہے جو تمہیں اچھی طرح جانتا ہو۔ یہی نہیں بلکہ اس
بھی اُسے بخوبی تھا کہ ٹائم بم کے نام پر میرا دھیان تمہاری ہی طرف ہوسکتا ہے۔''

''ظاہر ہے جناب۔ ہم ہی دو تو تھے اس شہر میں۔ رمضان مرزا اور میں۔ رمضا
اللہ کو پیارے ہوئے اور میں زندگی کے دکھ جھیلنے کو زندہ ہوں۔''

''مجرم جانتا تھا کہ ہمارے محکمے کے ایکسپرٹ پتا لگالیں گے کہ بم دیسی ساخت
دیسی ساخت کا ٹائم بم صرف تم ہی بنا سکتے ہو۔''

''لیکن جناب کوئی بے حد خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔''

''ہوں.....اُوں.....!''

''بہرحال میں نے تہیہ کرلیا تھا کہ اب باعزت زندگی گزاروں گا۔ لیکن ممکن نہ ہوا
''میں دیکھوں گا کہ تمہارے لئے کیا کرسکتا ہوں۔''

آفس میں پہنچ کر فریدی نے اسے وہ تصویر دکھائی جو محکمے کی آئیڈنٹی کاسٹ والو
بنائی تھی۔ وہ اُسے بغور دیکھتا رہا پھر بولا۔ ''کرنل صاحب کہیں دیکھا تو ہے اس آدمی کو
یاد نہیں پڑتا کہ کہاں دیکھا تھا۔''

''حافظے پر زور دو۔ اگر کسی سے ہلکی سی مشابہت بھی رکھتا ہو تو اس کا نام بتاؤ۔''

''کیا بتاؤں، کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔''

''اچھی بات ہے غور کرتے رہو۔ جب بھی یاد آئے بتا دینا۔''

''میں ضرور کوشش کروں گا۔''

فریدی نے اردلی کے لئے گھنٹی بجائی اور اُس کے آنے پر بولا۔ ''مسٹر زمن کو بھیج
وہ چلا گیا اور فریدی شیرازی کی طرف متوجہ ہوا جواب بھی تصویر کو بغور دیکھے

''عجیب بات ہے جناب۔'' وہ سر اٹھا کر بولا۔ ''جب بھی یاد کرنے کی کوشش کرتا ہوں اس
چہرے کے بیک گراؤنڈ میں ذبح کئے ہوئے جانوروں کے ڈھیر کے ڈھیر محسوس ہونے لگتے ہیں۔''

''اوہ.....!'' فریدی نے سیٹی بجانے کے سے انداز میں ہونٹ سکوڑے۔ اتنے میں اس کا
اسسٹنٹ تو قیر زمن آ گیا۔

''پولیٹیکل سیکشن والی حوالات میں۔'' فریدی نے شیرازی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے
کہا۔ ''انچارج سے میرا حوالہ دے کر کہہ دینا کہ کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔''

''لیکن کب تک کرنل صاحب۔'' شیرازی نے گھگھیا کر پوچھا۔

''فکر نہ کرو۔ آرام سے رہو گے۔ باہر بھی تمہارے لئے کیا ہے۔ تنہا آدمی ہو۔''

''جیسی آپکی مرضی۔'' وہ طویل سانس لے کر بولا اور اٹھ کر تو قیر زمن کے ساتھ چلا گیا۔

فریدی پھر آفس سے نکلا اور اب اس کی گاڑی کوٹھی کی طرف جارہی تھی۔ قاسم کو وقت
دے چکا تھا۔ گھڑی پر نظر ڈالی چار بجنے والے تھے۔ اُسے یقین تھا کہ قاسم آ گیا ہوگا۔ اندازہ
غلط نہ نکلا۔ قاسم نے بتایا کہ وہ چار بجے ہی وہاں پہنچ گیا تھا۔

''طیقن.....روز روز نہ جایئے غا۔'' اسن نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

''روز روز جا کر کیا کروں گا۔ تم چائے پی چکے یا نہیں۔''

''چائے تو وہاں پینی ہے۔ آپ بھی دو چار سانپ لیتے چلئے۔''

''ارے نہیں بھئی۔ وہ دیکھنا چاہیں گی تو یہاں آ کر دیکھ لیں گی۔''

''تو قیا وہ بھی یہاں آئیں غی۔'' قاسم نے بہت زیادہ بدحواس ہوکر پوچھا۔

''اگر چاہیں گی تو۔''

''میں نہیں چاہنے دوں غا۔'' قاسم بے ساختہ بولا۔

''کیوں بھئی۔''

''حمید صاحب بیہودہ ہیں۔''

''اتنا بھی نہیں کہ مہمانوں سے بیہودگی کرے۔''

''میں آپ کو کس طرح سمجھاؤں۔''

فریدی بات اڑا کر بولا۔ ''تو پھر چلو چلتے ہیں۔ تاکہ ٹھیک پانچ بجے وہاں پہنچ جائیں۔''

حمید ابھی تک نہیں پلٹا تھا۔ وہ اپنی اپنی گاڑیوں میں دردانہ شاہد کی کوٹھی کی طرف روانہ ہوگئے۔ قاسم اپنی رولز کے علاوہ اور کسی گاڑی میں بیٹھنے سے ہمیشہ احتراز کرتا تھا۔ یہ رولز موڈل کی دوسری گاڑیوں سے مختلف تھی۔ کیونکہ اسے خاص طور پر اُسی کے لئے بنوایا گیا تھا۔

• اس کے باوجود بھی اگر بے خیالی میں بیٹھتے وقت کسی طرح پوزیشن میں ذرا سی بھی تبدیلی ہو جاتی تھی تو وہ اپنی بے پناہ جسامت کی وجہ سے اس میں بھی پھنس کر رہ جاتا تھا۔

کچھ دیر بعد دونوں گاڑیاں منزل مقصود پر پہنچ گئیں۔ دردانہ شاہد اُن کی منتظر تھی۔ حمید اپنی اسی غلطی پر پشیمان ہو۔ بہرحال اسکی زبان سے اپنا نام بھی سن کر کسی قدر ڈھارس ہوئی تھی۔ فریدی کو اس سے متعلق جو کچھ بتایا تھا حرف بحرف درست ثابت ہوا۔ قد و قامت میں قا سے انیس نہیں تو اٹھارہ ضرور رہی ہوگی اور جب وہ دونوں مقابل ہوئے تو فریدی کو ایسا محسو ہوا جیسے وہ دیوزادوں کی سرزمین پر آ نکلا ہو۔

''بہت بہت شکریہ کرنل کہ آپ تشریف لے آئے۔'' وہ فریدی سے مصافحہ کرتی ہو بولی اور فریدی نے محسوس کیا کہ وہ خاصی طاقتور بھی ہے۔

''مسٹر قاسم نے آپ کے سانپوں کا ذکر کیا تھا۔ مجھے بھی دلچسپی ہے سانپوں سے۔'' ا نے کہا۔

''مجھے علم ہے۔ ہمارے ایک مشترکہ دوست نے آپ کے بارے میں بہت کچھ بتا تھا۔'' دردانہ بولی۔

''کس کا ذکر ہے۔''

''کینیا کے جنرل مکنوٹا.....!''

''اوہ اچھا.....جارج مکنوٹا.....بہت اچھا دوست ہے۔ لندن میں ہمارا بہت ساتھ رہا تھا۔''

''وہ تو آپ کے قصیدے پڑھتے نہیں تھکتا۔''

''مخلص دوست ہے۔''

''اندر تشریف لے چلئے۔ مجھے معلوم ہوا کہ آپ تشریف لا رہے ہیں تو میں نے سارے اپائنٹمنٹس کینسل کرا دیئے۔''

''یہ تو بہت بُرا ہوا۔ اس کی ضرورت بھی کیا تھی۔''

''واہ یہ کیسے ممکن تھا۔ آپ سے زیادہ کون ہوسکتا ہے۔ میں سوچا کرتی تھی کہ آپ سے کیسے ملاقات ہوگی اور آپ ملنا پسند بھی کریں گے یا نہیں۔ لیکن میں مسٹر قاسم کی شکر گزار ہوں کہ ان کی وجہ سے ہم مل سکے۔''

وہ انہیں سٹنگ روم میں لے آئی۔ قاسم بالکل ہونق لگ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے

''مجھے سانپوں سے دلچسپی ہے۔'' دردانہ نے کہا۔ ''یہاں بھی تھوڑے سے اکٹھا کر لئے ہیں لیکن میرے بعض دوستوں کو میرے اس شوق سے گھن آتی ہے۔''

''طبیعتوں کی بات ہے۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔

پھر دردانہ نے اُسے اپنے سانپ دکھائے تھے۔ اس کے بعد چائے پر بھی سانپوں ہی سے متعلق گفتگو ہوتی رہی تھی اور آخر میں دردانہ نے کہا تھا۔ ''میں بھی آپ کا کلکشن دیکھنا چاہتی ہوں۔''

''جب دل چاہے تشریف لے آیئے۔ بس ایک دن قبل اپنی آمد کے وقت سے مطلع کر دیجئے گا۔''

واپسی پر قاسم نے اپنے گھر کی راہ نہیں لی تھی۔ بلکہ پھر فریدی ہی کے ساتھ چلا آیا تھا۔ اس بار حمید سے بھی ملاقات ہوگئی اور جب حمید کو یہ معلوم ہوا کہ دونوں دردانہ شاہد کے یہاں سے آ رہے ہیں تو اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور قاسم کو آنکھ مار کر بولا۔ ''سب چوپٹ۔''

''کیا مطلب.....؟'' قاسم نے آنکھیں نکالیں۔

''بعد میں بتاؤں گا۔''

قاسم نے عجیب سے انداز میں فریدی کی طرف دیکھا لیکن وہ دونوں کی جانب توجہ دیئے

بغیر اندر چلا گیا اور وہ سٹنگ روم ہی میں بیٹھے رہ گئے۔

''گئی ہاتھ سے۔'' حمید مسکرا کر بولا۔

''قیا بک رہے ہو۔''

''آخر انہیں وہاں لے جانے کی کیا ضرورت تھی۔''

''انہوں نے قہا تھا۔''

''بس تو اب جاؤ جہنم میں۔''

''قیا مطلب.....؟''

''انہیں بھی یہاں کی عورتیں مرگھلی لگتی ہیں۔ اسی لئے نہ خود شادی کرتے ہیں اور

کرنے دیتے ہیں۔''

''اچھا تو پھر.....!'' قاسم نے آنکھیں نکالیں۔

''بس تمہاری ہی زبان میں گھپلا ہو گیا۔ اب وہ تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گی۔''

''اَمے جاؤ..... بہت دیکھے ہیں۔''

''اچھا یہ بتاؤ ان کی موجودگی میں آدھی بات بھی کی تھی تم سے۔''

قاسم سوچ میں پڑ گیا پھر بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔ ''نہیں قی تھی۔''

''تمہاری طرف دیکھ کر مسکرائی تھی ایک بار بھی.....!''

''نہیں..... بلقل نہیں۔''

''بس تو پھر آج ہی پٹڑا ہو گیا تمہارا۔''

قاسم ہونقوں کی طرح اُس کی شکل تکتا رہا پھر اپنے سر پر دو ہتھڑ رسید کر کے بولا۔

ہی اُلو کا پٹھا ہوں۔''

''یقین نہیں آتا۔ لکھ کر دو۔''

''قیا مطلب.....!''

''تحریری ثبوت چاہتا ہوں تمہارے اُلو کا پٹھا ہونے کا۔''

''گردن مروڑ دوں غا۔ میرا مذاق مت اڑاؤ اور دیکھو اگر تمہارے قرنل صاحب نے قوئی

گھپلا کیا تو انہیں بھی دیکھ لوں گا۔''

''کیسے دیکھ لو گے۔''

''بس قہہ دینا ان سے لاٹ صاحب ہوں نے اپنے گھر کے۔'' قاسم نے کہا اور زور زور

سے پیر پٹختا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ اُس کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔ تھوڑی دیر

بعد فریدی پھر سٹنگ روم میں واپس آیا۔

''بڑی جلدی رخصت ہو گیا۔'' اس نے کہا۔

''رخصت نہیں ہو گیا۔ بلکہ بھگایا گیا ہے۔ میں تفریح کے موڈ میں نہیں ہوں۔''

''خیریت.....!''

''اُس لڑکی کو دیکھا ہے جو افضل خان کو خط لکھا کرتی تھی۔''

''کہاں دیکھا ہے۔''

''ٹیلی فونوں سے نپٹ کر یونیورسٹی کی طرف جا نکلا تھا۔ ایم اے معاشیات کی طالبہ ہے۔''

''اس سے ملے تو نہیں تھے۔''

''جی نہیں۔ بس دیکھا تھا۔ اس کی حالت دیکھی نہیں جاتی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے

مہینوں سے بیمار ہو۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے شیرازی والا واقعہ دہرایا تھا۔

''تب تو یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ کوئی اپنا جرم کسی اور کے سر تھوپنے کی کوشش کر رہا

ہے۔'' حمید بولا۔

''پایہ ثبوت کو ابھی تک کوئی بھی بات نہیں پہنچی۔ ہو سکتا ہے شیرازی نے محض اپنی گردن

بچانے کے لئے یہ بیان دیا ہو۔ زیدی کی روپوشی اور افضل خان کی موت سے متعلق مواد سے

اخبارات بھرے پڑے ہیں۔ وہ زیدی کا پورا نام نہیں بتا سکا تھا۔ بہر حال پھر اُس پراسرار آدمی

کا ذکر کر کے اپنے پہلے بیان کی تردید بھی کر دی تھی۔''

''پھر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔''

''کچھ بھی نہیں۔''

''تب تو بیچارہ قاسم مارا ہی گیا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''آپ نے ابھی تک اپنے سفر کا ذکر نہیں کیا جو قاسم کے ساتھ ہوا تھا۔''

''ارے.....وہ.....بس دوستوں میں گھری رہنے والی عورت معلوم ہوتی ہے۔''

''اور وہ سب کچھ محض فریب نظر تھا۔'' حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''نہیں..... یہ بھی درست ہے کہ زیدی کا تعاقب کرنے والے اُسی کی کوٹھی میں گھس اور وہ کار بھی وہاں جا سکتی ہے جس کا ذکر تو قیر زمن نے کیا تھا۔''

''جب سبھی کچھ ہو سکتا ہے تو پھر دیر کس بات کی ہے۔''

''بساط بچھا دی ہے تمہارے سامنے۔ چال کے لئے مہرے منتخب کرو۔''

''مجھے تو اس بار پیدل ہی ہوتی نظر آ رہی ہے۔''

''ہمت ہار دی۔''

''میں بازی ہارنے کی بات کر رہا تھا۔''

''اور ہاں، یہ تو بتایا ہی نہیں کہ شیرازی نے اُس تصویر کو دیکھ کر کیا کہا تھا۔''

''کس تصویر کو دیکھ کر۔''

''وہی تصویر جو آئیڈنٹی کاسٹ والوں نے بنائی تھی۔''

''کیا کہا تھا۔''

''یہی کہ چہرہ جانا پہچانا سا لگ رہا ہے لیکن یاد نہیں آتا کہ کہاں دیکھا تھا اور یہی خیال ہے۔ لیکن اُس نے اس بیان میں تھوڑا سا اضافہ بھی کیا تھا۔''

''وہ کیا تھا.....؟''

بہ بر 42

''اس نے کہا تھا عجیب بات ہے جب بھی اس چہرے کے بارے میں کچھ یاد کرنے کی کوشش کرتا ہوں تو اس کے بیک گراؤنڈ میں ذبح کئے ہوئے جانوروں کے ڈھیر محسوس ہونے لگتے ہیں۔''

''اب شائد آپ قصابوں کی دکانوں کے چکر کٹوائیں گے۔'' حمید اچھل کر بولا۔

''اوہ.....!'' دفعتاً فریدی کے ہونٹ سکڑ گئے اور اس کا ہاتھ اس طرح اٹھا ہوا تھا جیسے حمید کو خاموش ہو جانے کا اشارہ کر رہا ہو۔ پیشانی پر شکنیں پڑ گئی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے حافظے پر زور دے کر کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

''دکانوں کی بات کی تھی تم نے۔'' وہ حمید کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

''قصابوں کی دکانوں کی۔'' حمید نے کہا۔

''آؤ.....میرے ساتھ۔'' وہ اٹھتا ہوا بولا۔

''رات کا وقت ہے جناب۔ کسی قصاب کی دکان کھلی ہوئی نہ ملے گی۔''

''قصاب کی نہیں۔ میں تمہیں دکھاؤں گا۔''

حمید طوعاً و کرہاً اٹھ گیا۔ حالانکہ اس وقت ہلنے کو بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ اسی لئے تو قاسم کو بھی بھگا دیا تھا۔ سوچا تھا کہ کھانا کھا کر بستر پر ڈھیر ہو جائے گا۔ کاش اس نے قصابوں کی دکانوں کا حوالہ نہ دیا ہوتا۔ پتا نہیں اس پر فریدی کو کیا یاد آ گیا تھا۔ بہرحال اب تو گھسٹتے پھرنا ہی تھا اس کے ساتھ۔

گاڑی تیز رفتاری سے بازار کی طرف روانہ ہوئی تھی۔

''بہت دنوں سے رس ملائی نہیں کھائی۔'' حمید بڑبڑایا۔ لیکن فریدی کچھ نہ بولا۔

''رس ملائی پر کچھ نہیں یاد آئے گا۔ عجیب ٹیسٹ ہے آپ کا۔''

''رس ملائی آپ کا ٹیسٹ ہے حمید صاحب۔ ممکن ہے اس پر آپ کو کوئی خاتون یاد آئی ہوں۔''

''حلوائی کی دوکان یاد آئی ہے۔ میری نفسیات میں پیچیدگی نہیں ہے۔ پتا نہیں اس مردود کو ذبح کئے ہوئے جانوروں کے ڈھیر کیوں یاد آئے تھے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے گاڑی ایک بوٹ ہاؤز کے سامنے روک

''یہ حلوائی کی دوکان نہیں ہے۔'' حمید نے کہا۔

''میں نے سوچا شائد تمہیں رس ملائی کے نام پر زنانہ سینڈل یاد آئے ہوں۔'' مسکرا کر بولا۔ ''چلو اُترو۔''

حمید گاڑی سے اتر گیا۔ فریدی بھی اُترا اور دونوں بوٹ ہاؤز میں داخل ہوئے ا

یک بیک چونک پڑا۔ سامنے ہی کاؤنٹر پر ایک سترہ اٹھارہ سال کا لڑکا نظر آیا تھا۔ ا

مشابہت تھی اُس تصویر سے۔ وہ متحیر رہ گیا۔ لیکن وہ شخص جس نے الاسٹرز والوں سے

سانپ بنوایا تھا وہ تو کاؤنٹر کلرک کے بیان کے مطابق ایک معمر اور بھاری بھرکم آدمی تھا۔

فریدی حمید کی طرف مڑ کر مسکرایا اور آہستہ سے بولا۔ ''کیا خیال ہے۔''

''سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا خیال ظاہر کروں۔''

''کچھ بھی نہیں۔ اپنے لئے ایک چپل ہی خرید لو۔''

اتنے میں ایک سیلز مین نے قریب آ کر پوچھا۔ ''فرمایئے جناب۔''

''ان کے سائز کا بڈروم سلیپر چاہئے۔'' فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

''تشریف رکھئے جناب۔'' اُس نے کرسیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

وہ بیٹھ گئے اور وہ ایک شیلف سے سلیپروں کے ڈبے نکالنے لگا۔

''آخر چکر کیا ہے۔ مشابہت ضرور ہے لیکن!'' حمید نے آہستہ سے کہا اور جملہ پورا

بغیر خاموش ہو گیا۔ کیونکہ سیلز مین ڈبے اٹھائے ہوئے واپس آ گیا تھا۔

وہ ڈبے کھول کھول کر انہیں سلیپرز دکھانے لگا اور فریدی نے اس سے کہا۔ ''تم لوگوں

اپنی ٹینری بھی ہے شائد۔''

''جی ہاں جناب! ہم اپنا ہی چمڑہ استعمال کرتے ہیں۔ یہاں کے سب سے

ایکسپورٹرز بھی ہیں۔''

''اسی لئے تو لوگ زیادہ تر ادھر ہی آتے ہیں۔'' فریدی نے کہا۔ ''قابل اطمینا

''ہمارے یہاں کیمیکل لیدر اور سلیوشن استعمال نہیں ہوتا جناب سب ہاتھ کے کاریگر

ہیں۔ یورپ اور امریکہ تک ہمارا مال جاتا ہے۔''

''صرف چمڑہ یا جوتے بھی۔''

''جوتے جناب۔ ہمارا مال ہمارے ہی کارخانے میں کھپ جاتا ہے۔ چمڑہ ایکسپورٹ

کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔''

اتنی دیر میں حمید نے ایک سلیپر منتخب کر لیا اور قیمت ادا کر کے وہ دوکان سے نکل آئے۔

فریدی کسی گہری سوچ میں تھا۔

''رس ملائی کھانے کی چیز ہے۔'' حمید بولا۔

''سلیپر بھی محاورۃً کھائے جا سکتے ہیں۔''

''لڑکے کا معمہ سمجھ میں نہیں آیا۔''

''لڑکا شکل و شباہت میں باپ پر گیا ہے۔''

''اوہ..... تو باپ۔''

''میرا خیال ہے کہ وہ کئی سال سے مفقود الخبر ہے۔''

''کیا نام ہے۔''

''شائد تاجور خان کہلاتا تھا اور تم نے بھی اسی لڑکے کو کہیں دیکھا ہوگا۔ اسی لئے تصویر کچھ

جانی پہچانی سی لگی تھی۔''

''لیکن اب اس لڑکے کا کیا بنے گا۔''

''میں نہیں سمجھا تم کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''بھلا اس کیس میں یہ لڑکا کہاں اور کس طرح فٹ ہوگا۔''

''کمال کرتے ہو۔ میں تو تمہیں صرف یہ دکھانے لایا تھا کہ وہ تصویر کس سے مشابہت

ہے اور شیرازی کو تصویر دیکھ کر ذبح کئے ہوئے جانوروں کے ڈھیر کیوں یاد آئے تھے۔

تاجور خان کھالوں کا تاجر تھا۔ کچی کھالوں کو خرید کر اپنی ٹینری میں انہیں چمڑے کا روپ

''اُس کی مفقود الخبری کا بھی کوئی بیک گراؤنڈ ضرور ہوگا۔''

''اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ دوسری لاشوں میں اُس کی لاش نہیں مل سکی تھی۔''

''کیا کوئی حادثہ ہوا تھا۔''

''شائد پانچ سال پہلے کی بات ہے۔ٹینری کے ایک حصے میں دھماکا ہوا تھا۔ وہاں کام کررہے تھے۔ چھت گری تھی اور وہ دب کر مر گئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت خان بھی وہیں تھا لیکن نہ تو اُس کی لاش مل سکی تھی اور نہ پھر کسی نے اسے دیکھا تھا۔ خود گھر والے بھی نہیں جانتے کہ اس کا کیا حشر ہوا تھا۔''

''کیا یہ ممکن نہیں کہ شیرازی نے اُس کا نام لئے بغیر دیدہ دانستہ نشاندہی کی ہو۔''

''خدا جانے۔اسے پھر سے ٹٹولنا پڑے گا۔''

وہ گاڑی میں بیٹھ گئے اور گاڑی حرکت میں آ گئی۔حمید خاموشی سے کیس کے ا رخ کے بارے میں سوچے جارہا تھا کہ اچانک ایک زور دار دھماکہ ہوا اور گاڑی اچھل پڑی اگر فریدی نے پھرتی کا مظاہرہ نہ کیا ہوتا تو وہ آگے والی گاڑی سے ضرور ٹکرائی ہوتی۔ بائیں جانب سڑک سے نیچے اتارتا لیتا چلا گیا۔

انگشتری

حمید تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ اس بھرے پُرے بازار میں کوئی فائر کرکے گاڑی پہیہ ناکارہ بنادے گا۔ اس نے گاڑی سے اُترنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ فریدی آہستہ

''بیٹھے رہو۔''

حمید نے مڑ کر دیکھا۔ سب کچھ معمول کے مطابق نظر آیا۔ کہیں بھی افرا

تفری کے آثار نہ دکھائی دیئے۔

''کیا چکر ہے۔'' وہ فریدی کی طرف مڑا۔

''جو کچھ بھی ہوا تھا عقب والی گاڑی سے ہوا تھا۔ وہ آگے نکل گئی۔''

''لیکن میں نے فائر کی آواز نہیں سنی۔''

''ٹائر پھٹنے کے دھماکے میں دب گئی ہوگی۔ یا پھر سائیلنسر لگے ہوئے پستول سے فائر کیا گیا ہوگا۔''

''اُف فوہ.....خواہ مخواہ۔''

''کیا مطلب.....؟''

''یوں بھی تو برسٹ ہوسکتا ہے کیا ضرور ہے کہ فائر ہی کیا گیا ہو۔''

''فائر ہی تھا حمید صاحب۔''

''تو بحالت سکتہ کب تک بیٹھے رہئے گا۔'' حمید نے کسی قدر طنزیہ لہجے میں کہا۔

''مجھے انتظار ہے۔''

''بمباری کا.....؟''

''نہیں اس اطلاع کا کہ وہ کامیابی سے اس گاڑی کا تعاقب کررہے ہیں۔''

''کن کی بات کررہے ہیں۔''

''مائی بلیکیز.....!''

''آخر یہ آپ کے بلیکیز میری سمجھ میں کب آئیں گے۔''

ٹھیک اُسی وقت وائرلیس ٹیلی فون کا بزر بول اٹھا۔فریدی نے ڈیش بورڈ کے خانے سے ریسیور نکالا اور کی کی گفتگو سن کر صرف ''ہوں ہاں'' کرتا رہا۔ پھر بولا۔''اپنی پوزیشن بتاؤ..... اچھا.....اچھا.....ٹھیک ہے۔ اُسے اپنے ساتھ رکھو اور بی الیون کو میری پوزیشن بتا کر دوسری گاڑی بھجواؤ۔ ہاں ہاں ٹھیک ہے میں اسی جگہ ہوں۔''

ریسیور ڈیش بورڈ کے خانے میں رکھتے ہوئے اُس نے طویل سانس لی اور حمید سے

بولا۔ ''ذرا دیر یہیں رکنا ہوگا۔''

''میں پہیہ تبدیل کرسکتا ہوں۔''

''اس کی ضرورت نہیں۔''

''اوہ..... بہت اچھا۔ ٹھیک ہے کم از کم دوسری گاڑی لانے والے ہی کو دیکھ سکوں گا۔ ایک ہی بلیکی کا دیدار ہوجائے۔''

''گاڑی ہمارا ڈرائیور لائے گا۔''

''ہونہہ..... خواہ مخواہ اتنی دیر یہاں رکے رہیں گے۔'' حمید بیزاری سے بولا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا۔ آخر اس میں کیا مصلحت ہے جبکہ میں خود ہی پہیہ تبدیل کرسکتا ہوں۔''

''اس کے لئے تمہیں اکڑوں بیٹھنا پڑے گا۔ بہت تنگ پتلونیں پہنتے ہو۔''

''آپ میرے سلسلے میں اتنے محتاط کب سے ہوگئے ہیں۔''

''ہاں یہ تو بھول ہی گیا تھا۔'' فریدی نے بات اڑا کر کہا۔ ''کیا تم نے واقعی اُس لڑکی کی تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔''

''میرا خیال ہے کہ اس لڑکی سے بھی زیادہ اہم وہ ٹیلی فون نمبر ہے جس سے انسپکٹر زیدی کی کال آئی تھی۔''

''اس پر کام ہورہا ہے۔ جلد ہی معلوم ہوجائے گا۔ اگر اس کا فائیل ہی غائب نہیں کرادیا گیا۔''

''اس کے باوجود اکاؤنٹس سیکشن سے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ اس نمبر کے بل کس پتے پر بھیجے جاتے ہیں۔''

''اگر فائل ہی نہیں ملتا تو یقین کرو کہ اس نمبر کا بل سرے سے کہیں جاتا ہی نہ ہوگا۔''

''یہ اُسی صورت میں ہوسکتا ہے جب ایکسچینج سے اُس کا اکاؤنٹ ہی نہ بھیجا جاتا ہو۔''

''آج کل سب کچھ ممکن ہے۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے۔''

''بہرحال ہم اس کیس میں بُری طرح چکر کھا رہے ہیں۔''

''کس کیس میں نہیں کھاتے۔''

بازار کی دکانیں بند ہونے لگی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد فریدی کی دوسری گاڑی پہنچ گئی۔ ذاتی ڈرائیور ہی اسے لے آیا تھا۔ فریدی نے اُسے لنکن کی کنجی دی اور اس سے دوسری گاڑی کی کنجی لے کر حمید سے بولا۔ ''آؤ..... یہ پہیہ بدل کر گاڑی لے جائے گا۔''

سفر دوبارہ شروع ہوگیا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر حمید چونک کر بولا۔ ''آخر اس کا مقصد کیا تھا۔''

''بہت دیر بعد خیال آیا۔''

''نہیں واقعی۔ آخر اس طرح ہمیں روکنے کی کوئی وجہ ہوگی۔''

''سوچتے رہو۔ شائد خود ہی کسی نتیجے پر پہنچ جاؤ۔''

''کیا وہ ہمیں کہیں پہنچنے سے باز رکھنا چاہتے تھے۔''

''ٹھیک سمجھے۔ وہ مجھ سے پہلے ہی اس نتیجے پر پہنچ جاتا ہے کہ میں کسی واقعے کی بناء پر لازماً کس نتیجے پر پہنچوں گا۔ تم شروع ہی سے دیکھتے آرہے ہو۔''

''تو کیا وہ خود ہی اُس گاڑی میں رہا ہوگا۔''

''قرائن سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔''

''اور آپ کے بلیکیز اس کا تعاقب کررہے ہیں۔''

''اگر اتنی دیر میں اُس نے انہیں بھی کسی طرح ڈوج نہ دے دیا ہوگا تو یقیناً کررہے ہوں گے۔''

''تو آپ اس لڑکے کو دیکھنے کے بعد سیدھے کہاں پہنچتے۔ جس سے باز رکھنے کے لئے اُس نے گاڑی کا ٹائر بیکار کردیا۔''

''ظاہر ہے کہ اس لڑکے سے اس کی مشابہت کی بناء پر میں تاجور خان کے افراد خاندان ہی سے اُس کے بارے میں گفت وشنید کرتا اور اس بار پھر اُس کیس کا فائل نکلواتا جو پانچ سال پہلے ہوا تھا۔''

''تو اس کا پتہ ہی نہیں چل سکا تھا کہ وہ کہاں غائب ہوگیا۔''

''قطعی نہیں۔ اس کے بعد سے کاروبار، اس کی بیوی سلطانہ تاجور نے سنبھال لیا تھا اور

اُسے ترقی دیتی رہی تھی۔''

''خدا کی پناہ..... بیوی تک کا نام یاد ہے آپ کو۔''

''بلکہ یہ کہو کہ بیوی ہی کی وجہ سے اس کا نام بھی یاد رہ گیا۔ ورنہ یہاں بے شمار کارخانہ دار ہیں جن سے میں واقف نہیں۔''

''بیوی میں کیا خاص بات ہے۔''

''رائفل کلب کی ممبر اور بہترین نشانہ باز تھی۔ اُسی سال اس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں مقابلہ میں حصہ نہ لوں تو وہ چیمپئن شپ جیت لے گی۔''

''تو پھر آپ نے کیا کیا تھا۔''

''میں نے مقابلے میں حصہ نہیں لیا تھا اور اس نے ٹرافی جیت لی تھی۔''

''بڑے دیالو ہوا کرتے تھے عورتوں کے معاملے میں۔''

''اب بھی ہوں۔ مردوں کی درخواست رد کروں گا لیکن کسی عورت کی درخواست ہرگز نہیں حمید صاحب۔''

''اگر وہ شادی کی درخواست ہو تو۔''

''میں اس سے کہوں گا کہ اپنی درخواست پر نظر ثانی کرے ورنہ کہیں بعد میں اُسے پچھتانہ پڑے۔''

''اب تو کچھ کچھ میرا بھی یہی خیال ہو چلا ہے کہ آپ خود ہی کسی کو پچھتانے کا موقعہ نہیں دینا چاہتے۔''

''یہ کہاں کی چھیڑ دی تم نے۔''

''عورت نہ سہی تو اسکی بات ہی سہی۔ ہاں تو اب آپ سلطانہ تاجور کے پاس چل رہے ہیں۔''

''ہرگز نہیں۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔ ''پہلے میں اس کا فائیل نکلواؤں گا۔''

''کیا اُس وقت سلطانہ نے آپ سے درخواست نہیں کی تھی۔''

''کس وقت.....!''

''جب اس کا شوہر مفقود الخبر ہو گیا تھا۔''

''اُن لوگوں نے بھی اس کی موت کا یقین کر لیا تھا۔ مفقود الخبری کا نظریہ تو پولیس کی رپورٹ میں قائم کیا گیا تھا۔''

''آخر انہوں نے اُسے مردہ کیوں تصور کر لیا تھا۔ جبکہ اس کی لاش نہیں ملی تھی۔''

''کچھ لاشیں ناقابل شناخت بھی تھیں۔''

''لیکن جس نے رپورٹ لکھی تھی اُس نے بھی کسی معقول وجہ ہی کی بناء پر تو مفقود ہونے والا نظریہ قائم کیا ہوگا۔''

''یہی تو دیکھنا ہے۔''

''اسی وقت۔''

''ہم سیدھے دفتر جا رہے ہیں۔''

''تو بج رہے ہیں۔'' حمید بولا۔

''ہاں، آں..... تو پھر.....؟''

''خواہ مخواہ دوسروں کو بھی پریشان کریں گے۔ جب کہ اس کے گھر ہی والوں نے اس کی فائل بند کر بر سیاں کر ڈالی ہوں گی تو.....!''

''میرا خیال ہے کہ گھر ہی والوں کی وجہ سے پولیس نے بھی فائیل بند کر دیا ہوگا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے اس کی ماتم پرسی کی تھی۔''

''یہ بھی بڑی عجیب بات ہے کہ آپ بھی مطمئن ہو گئے تھے۔''

''ان دنوں کسی خاص کیس میں الجھا ہوا تھا اور پھر اگر اس کے گھر والے اس سلسلے میں کسی قسم کی تشویش ظاہر کرتے تو بات آگے بڑھی بھی ہوتی۔ بس اِدھر اُدھر تھوڑی سی چہ میگوئیاں ہو کر رہ گئی تھیں۔''

وہ آفس پہنچ گئے اور آدھے گھنٹے کے اندر ہی اندر اُس پولیس آفیسر کا نام معلوم ہو گیا جس نے تاجور خان کی فیکٹری میں ہونے والے حادثے سے متعلق تفتیش کی تھی۔

''اب وہ ڈی ایس پی ہے۔'' فریدی نے حمید کو اطلاع دی۔ ''اس وقت انسپکٹر تھا۔''

''کہیں باہر چلا گیا ہے کیا.....؟''

''نہیں یہیں ہے۔ ایسٹ ڈویژن میں۔ ابھی فون پر اُس سے بھی گفتگو ہوئی جاتی ہے وہی فائیل بھی نکلوا کر مجھ تک پہنچائے گا۔''

''ارے اب اس وقت اُس بیچارے کو تو بخش ہی دیجئے۔''

''اگر تم بہت تھک گئے ہو تو واپس چلے جاؤ۔'' فریدی نے کسی قدر ناگوار لہجے میں کہا۔

حمید جلدی سے بولا۔ ''اپنے لئے نہیں کہہ رہا مجھے تو اب آپکی بھی خیریت مطلوب رہنے لگی ہے۔''

فریدی مزید کچھ کہے بغیر فون کی طرف مڑا اور انکوائری کے نمبر ڈائیل کرنے لگا۔ لائن قائم ہونے کے بعد اُسی ڈی ایس پی کے نمبر معلوم کئے تھے۔

کریڈل دبا کر دوبارہ نمبر ڈائیل کئے۔

''ہیلو.....! ڈی ایس پی صاحب تشریف رکھتے ہیں۔'' اس نے کہا اور ٹھیک اسی لمحہ دوسرے فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے حمید کو اُسے اٹنڈ کرنے کا اشارہ کرتے ہوئے سلسلہ جاری رکھا۔

''ہیلو.....!'' حمید ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں بولا۔

''ٹرانسمیٹر پر کرنل صاحب کی کال ہو رہی ہے۔'' محکمے کے ایکسچینج سے کسی نے اطلاع دی۔

''اس سے کہو کہ پانچ منٹ بعد پھر کال کرے۔ کرنل صاحب دوسری لائن پر مصروف ہیں۔''

''او کے سر.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی اور رابطہ منقطع ہو گیا۔

فریدی کی گفتگو دو منٹ تک جاری رہی تھی۔ لیکن حمید نے اپنی توجہ اُس کی طرف سے ہٹالی تھی اور میز کی دراز سے تاجور خان کی قلمی تصویر نکال کر دیکھنے لگا تھا۔ فریدی ریسیور کریڈل پر رکھ کر اُس کی طرف متوجہ ہوا۔

''ٹرانسمیٹر پر آپ کی کال ہو رہی تھی۔ میں نے آپریٹر سے کہہ دیا ہے کہ کال کرنے والے کو پانچ منٹ انتظار کر کے پھر کال کرے۔'' حمید تصویر سے نظر ہٹائے بغیر بولا۔

فریدی نے دوسرے فون کا ریسیور اٹھا کر آپریٹر کو ہدایت کی کہ جیسے ہی کال ہو اسے انٹر کوم سے منسلک کر دیا جائے۔ اس کے بعد اس نے انٹر کوم کا سوئچ آن کر دیا تھا۔

''ڈی ایس پی جواد سے تفصیلی بات چیت ہوئی ہے۔'' اس نے حمید سے کہا اور حمید تصویر کو دراز میں رکھ کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ فریدی سگار سلگانے لگا تھا۔ حمید مضطربانہ انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔

فریدی اب سگار کے جلتے ہوئے سرے پر نظریں جمائے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔

حمید کے کھنکارنے پر اس کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''حادثے کے دو گھنٹے بعد پولیس وہاں پہنچ سکی تھی۔ ملبے سے لاشیں نکالی جا رہی تھیں۔ ایک لاش ایسی بھی تھی جس کا سر غائب تھا۔ محض لباس کی بناء پر کہہ دیا گیا تھا کہ وہ تاجور کی لاش تھی اور اس کے گھر والوں نے بھی اس کی تصدیق کر دی تھی لیکن جواد اس سے مطمئن نہ ہوا تھا۔''

''بے اطمینانی کی وجہ۔'' حمید نے سوال کیا۔

''انتہائی تلاش کے باوجود بھی سر نہیں مل سکا تھا۔'' فریدی نے پرتفکر لہجے میں کہا۔

ٹھیک اسی وقت انٹر کام سے فریدی کی کال ہونے لگی۔ ''ہیلو.....ہیلو.....کرنل ایچ ایس خانین کالنگ.....!''

''ایکنالجڈ.....کونٹیکٹ آن فون تھری۔'' فریدی نے اونچی آواز میں جواب دیا اور انٹر کوم کا سوئچ آف کر کے سبز رنگ والے انسٹرومنٹ کی طرف دیکھنے لگا۔ جلد ہی اس کی گھنٹی بجی تھی۔ فریدی نے ریسیور اٹھایا۔

''ہیلو.....ہوں.....اچھا.....ٹھیک ہے۔ وہیں ٹھہر کر نگرانی جاری رکھو۔ ہم پہنچ رہے ہیں۔'' ریسیور رکھ کر وہ حمید کی طرف مڑا ہی تھا کہ حمید نے آنکھیں بند کر کے جھومنا شروع کر دیا۔ خفیف سی مسکراہٹ فریدی کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی تھی اور وہ ''اچھا تو میں جا رہا ہوں'' کہتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ پھر گاڑی کے قریب پہنچنے بھی نہیں پایا تھا کہ حمید نے آلیا۔

''راستے میں کہیں مجھے بھی گاڑی سے دھکا دے دیجئے گا۔'' اس نے کہا اور اس سے پہلے

ہی گاڑی میں جا بیٹھا۔

فریدی نے خاموشی سے انجن اسٹارٹ کیا تھا اور گاڑی حرکت میں آ گئی تھی۔ کچھ دیر بعد حمید کو اس کی خاموشی کی بناء پر گھٹن سی محسوس ہونے لگی اور اس نے کھنکار کر پوچھا۔ ''اب کا عزم ہے۔''

''وہیں جہاں بلیکیز نے اُسے نرغے میں لے رکھا ہے۔''

''کیا وہ اُس جگہ تک پہنچ گیا ہے جہاں آپ کے جا پہنچنے کے خدشے کے تحت کونا کارہ کر گیا تھا۔''

''یہ وہاں پہنچنے پر ہی معلوم ہو سکے گا۔''

''یعنی وہ تاجور خان کی کوٹھی تک نہیں پہنچا۔''

''بی نائن کا بتایا ہوا پتہ اس سے مختلف ہے۔ ہاں تو لاش والی بات کہاں تک پہنچی تھی۔''

''غالباً آپ بتا رہے تھے کہ تلاش کے باوجود بھی لاش کا سر نہیں مل سکا تھا۔''

''ہاں اور اسی بناء پر جواد نے اُسے تاجور کی لاش سمجھنے میں تامل کیا تھا۔''

''اس تامل کی اور کوئی وجہ؟''

''اُس کا خیال ہے کہ وہ بے سر کی لاش کارخانے میں دھماکہ ہونے سے قبل ہی وہاں موجود تھی۔''

''گویا وہ لاش دوسری لاشوں سے قبل کی تھی۔''

''اُس صورت میں یہی کہا جائے گا۔''

''تو اس کا پوسٹ مارٹم کیوں نہیں کرایا گیا تھا کہ موت کے وقت کا تعین ہو جاتا۔''

''تاجور کی بیوی نے اُس کی مخالفت کی تھی اور اس وقت کے انسپکٹر جواد کے ڈی ایس پی نے اُس کی بات مان لی تھی۔ ظاہر ہے کہ جواد کو بھی خاموش ہو جانا پڑا ہوگا۔ لاش تاجور کے سے دفن کر دی گئی تھی اور آج اس پر سنگ مرمر کا ایک خوبصورت مقبرہ بھی موجود ہے۔''

''کمال ہے۔ اس قسم کا کوئی واقعہ ہو گیا تھا اور آپ کی توجہ اس کی طرف نہیں گئی تھی۔''

''پھر کہوں گا کہ اس کی بیوی نے اسے اُسی کی لاش تسلیم کر لیا تھا۔ پھر بات آگے کس طرح بڑھتی۔ یا پھر دوسری صورت یہ ہو سکتی تھی کہ اُس کارخانے سے تعلق رکھنے والے کسی دوسرے فرد کی گمشدگی کی بھی اطلاع ملتی۔ اس صورت میں یہ سوچا جاتا کہ کہیں تاجور نے کوئی ڈرامہ تو نہیں کیا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ میں سمجھ گیا۔ بہر حال اب آپ اس مردے کو پھر سے اکھاڑیں گے۔''

''اسے بھی دیکھنا ہی پڑے گا۔ لیکن بہت راز داری کے ساتھ۔ براہِ راست اس کے ورثاء سے کسی قسم کی پوچھ گچھ نہیں ہونی چاہئے۔ اُدھر کا تو رخ ہی نہیں کرنا۔''

''پھر کیسے بات بنے گی۔''

''بہتیرے طریقے دریافت ہو جائیں گے۔''

''مثال کے طور پر۔''

''فوری طور پر اس سلسلے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا اور پھر اچانک اُسے احساس ہوا کہ وہ شہری آبادی سے نکل آئے ہیں۔

''اوہ تو کیا شہر کے باہر کہیں۔''

''وہ اس وقت ایگل بیچ کے ایک ہٹ میں موجود ہے۔''

''کیا اس نے ایگل بیچ کے کسی ہٹ تک پہنچنے کیلئے آپ کی گاڑی کا ٹائر فلیٹ کیا تھا؟''

''یہی تو سوال ہے۔''

''جناب کرنل صاحب۔'' حمید طویل سانس لے کر بولا۔ ''وہ ہمیں مسلسل بیوقوف بنائے چلا جا رہا ہے۔''

''اور یہ بھی تو دیکھو کہ ہم کتنی سعادت مندی سے بن رہے ہیں۔''

''اب تو آپ بھی میری سمجھ میں نہیں آ رہے۔''

''کوئی نئی بات نہیں ہے۔ تم زیادہ تر یہی کہتے رہے ہو۔''

حمید نے شانے اچکائے اور پائپ سلگانے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اب خا
رہے گا۔ لیکن دو تین کش لینے کے بعد بولا۔ ''کیا اُس نامعقول بوٹ ہاؤز کو بھی آج ہی یاد آ
''یہ کہو کہ اُس نامعقول سے ہماری گاڑی بیکار کر دینے کی حماقت کیوں سرزد ہو
''میں اُسے حماقت سمجھنے پر تیار نہیں ہوں۔ سوچی سمجھی حرکت تھی۔''

''حماقتوں میں تو بہت زیادہ سوچ اور سمجھ کو دخل ہوتا ہے۔ ہر احمق یہ سمجھتا ہے کہ
افلاطون کی قبر پر لات ماردی ہے۔ لیکن اپنے افعال کی پرکھ اس کے ذمے نہیں ہوتی۔
اس کا فیصلہ کرتے ہیں کہ فعل دانشمندانہ تھا یا احمقانہ۔''

''مجھے تاؤ نہ دلایئے ورنہ احمقوں کی طرف داری پر اُتر آؤں گا۔''

''تب تم ایک دانشور کہلاؤ گے۔''

''ختم بھی کیجئے۔ شاید ہم ایگل بیچ پہنچ گئے ہیں۔''

''جس ہٹ کی نشاندہی کی گئی ہے وہ یہاں سے دور ہے۔''

گاڑی سڑک سے اُتر کر ایک کچے راستے پر ہولی اور حمید نے کہا۔ ''اس گاڑی کے
پتھر کے نہیں ہیں۔''

''فکر نہ کرو۔ اللہ مالک ہے۔''

گاڑی کی رفتار کم ہوگئی تھی اور حمید اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا جا
کتنے ہٹوں کی کھڑکیاں روشن ہیں اور کتنے ویران پڑے ہیں۔ اچانک ایک جگہ فریدی نے
روک دی اور حمید سے بولا۔ ''اُترو۔''

پھر گاڑی لاک کر کے وہ پیدل ہی ایک طرف چل پڑے۔

''اور اب تم یہیں رکو۔ میں ابھی آیا۔'' فریدی نے ایک جگہ رکتے ہوئے کہا۔

''ضرور ضرور..... ورنہ کہیں کسی بلیکی پر میری نظر بھی نہ پڑ جائے۔''

''پتا نہیں کتنی بار کتنوں کو دیکھ چکے ہو۔'' فریدی کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ حمید
دیکھنا گوارا نہ کیا کہ گیا کدھر ہے۔ نظر دوسری جانب کئے کھڑا رہا۔ بحری ہوا کے جھ

اس کا جسم سہلاتے رہے۔ شہر کی گھٹن سے نکل آنے کے بعد سے ذہنی کسلمندی بڑی حد تک دور
ہوگئی تھی۔ قریب ہی کے کسی ہٹ میں جاز کا ریکارڈ بج رہا تھا۔ وہ بیٹس پر پیر سے تال دیتا رہا۔
فریدی ریکارڈ کے ختم ہونے سے قبل ہی واپس آ گیا تھا۔

''وہ ہٹ میں موجود ہے۔ گاڑی باہر کھڑی ہے۔'' اس نے کہا۔

''اور اسے علم ہے کہ کچھ لوگوں نے اسے گھیرے میں لے رکھا ہے؟'' حمید نے سوال کیا۔

''اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔''

''گویا آپ کے بلیکیز صرف اُس کی نگرانی کرتے رہے ہیں جس میں وہ داخل ہوا تھا۔''

''ہاں..... یہی بات ہے۔''

''لیکن آپ نے تو کہا تھا کہ انہوں نے اُسے نرغے میں لے رکھا ہے۔''

''میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ للکار کر گھیرے میں لیا ہے۔ بس ہٹ کی اس طرح نگرانی
رہی ہے کہ وہ نکل کر نہیں جا سکتا۔''

''اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کس بناء پر اُسے للکاریں گے؟''

''چلو دیکھتے ہیں۔'' فریدی نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ حمید نے بجھا ہوا پائپ خالی کر کے
ب میں ڈال لیا اور اُس کے ساتھ چلنے لگا۔

''کیا پتا آپکے بلیکیز غلط فہمی میں مبتلا ہو کر یہاں تک دوڑے آئے ہوں۔'' اس نے کہا۔

''کیسی غلط فہمی۔''

''فائر کسی اور گاڑی سے ہوا ہو۔''

''اس کا بھی امکان ہے۔''

''کہیں شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔''

''میں اُس کا گریبان تو پکڑوں گا نہیں۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔

کچھ دور چلنے کے بعد فریدی ایک ہٹ کے سامنے رک گیا جس کی کھڑکیوں کے
شیشے روشن تھے۔ آس پاس کے کئی ہٹ ویران اور تاریک بھی تھے۔ حمید نے اس ہٹ

کے دروازے کے قریب ہی ایک گاڑی بھی کھڑی دیکھی لیکن یہاں اتنی روشنی نہیں تھی
میک اور موڈل بھی معلوم ہو سکتے۔

فریدی نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی۔ لیکن اندر سے جواب نہ ملا
اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔

فریدی نے پھر دستک دی۔ پھر وہ تیزی سے بائیں جانب بڑھتا چلا گیا۔ حمید
ساتھ دینا چاہا لیکن اُس نے ہاتھ اٹھا کر اُسے وہیں رکنے کا اشارہ کیا۔

حمید نے دروازے کے سامنے سے ہٹتے ہوئے بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا
آواز کے منتظر تھے اور آنکھیں دروازے سے لگی ہوئی تھیں۔ ذرا دیر بعد اندر سے
چاپ سنائی دی اور پھر دروازہ کھلا۔ ریوالور کی نال دروازے کی طرف اٹھ گئی۔ لیکن وہ
تھا جس نے دروازہ کھولا تھا۔ ساتھ ہی ہلکی سی ہنسی کی آواز بھی سنائی دی۔

''خیریت.....؟'' حمید نے سامنے آ کر پوچھا۔

''نکل گیا.....تمہارا خیال درست تھا۔ الفاظ کا استعمال غلط ہوا تھا۔''

''الفاظ کا استعمال.....!'' حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ہاں یہی کہ انہوں نے اُسے اپنے نرغے میں لے رکھا ہے۔'' فریدی نے طو
لے کر کہا۔ ''آؤ.....اندر آ جاؤ۔''

حمید ہٹ میں داخل ہوا۔ اندر سناٹا تھا۔ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ''کسی چیز کو
لگانا اور یہیں ٹھہرو۔ میں اُن لوگوں کو مطلع تو کر دوں کہ ان سے کیا غلطی ہوئی ہے۔''

وہ مڑ کر باہر چلا گیا اور حمید متجسسانہ نظریں چاروں طرف ڈالتا رہا۔ پھر اُس
والے کمرے میں جھانکا۔ اس میں بھی روشنی تھی۔ فرش پر ایک جگہ بالوں کا ڈھیر سا نظر
کے قریب ہی تاریک اور بڑے شیشوں والی عینک بھی پڑی ہوئی تھی۔ حمید نے طویل سا

پھر اس کی نظر ایک ننھی سی چمکدار شے پر پڑی جو دیوار کی جڑ سے لگی کئی رنگوں کی
شعاعیں منتشر کر رہی تھی۔ وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی واپس آ گیا اور حمید نے اُن اشیاء کی طرف اسے توجہ دلائی۔

''میں دیکھ چکا ہوں۔'' کہتا ہوا فریدی اُس کمرے میں داخل ہوا۔ سب سے پہلے اس
وہ چمکدار شے اٹھائی تھی۔ یہ ایک انگشتری تھی جس میں بڑا سا ہیرا جگمگا رہا تھا اور اس کی
ت قدیم مصری انگشتریوں کی سی تھی۔ اُسے حمید کے ہاتھ میں دیتا ہوا وہ بالوں کے اُس ڈھیر
ک پڑا۔ جو فرش پر پڑا ہوا تھا۔ اس نے جیب سے فاؤنٹین پن نکالا اور اس سے بالوں کے
کو کریدنے لگا۔

یہ پلاسٹک کا ایک فیس ماسک ثابت ہوا جس میں سر اور داڑھی مونچھوں کے بال بھی لگے
ئے تھے۔ بڑی احتیاط سے اس نے عینک اور اس فیس ماسک کو رومال میں باندھتے ہوئے
سے کہا۔ ''انگشتری کو جیب میں رکھ لو۔''

''مال غنیمت۔'' حمید مسکرا کر بولا۔

''نہیں.....شائد میں جانتا ہوں کہ اس انگشتری کا مالک کون ہے۔''

''اور شائد اس ماسک اور عینک کی بناء پر آپ کو وہ شخص بھی یاد آ گیا ہوگا جس کا ذکر
لی نے کیا تھا۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد وہ حمید کو اُس عقبی دروازے کی طرف لے گیا تھا جس
وہ نامعلوم آدمی فرار ہوا تھا اور نگرانی کرنے والوں کو اس کی ہوا بھی نہیں لگ سکی تھی۔

''بی نائین جن لوگوں سے کام لے رہا ہے وہ ابھی زیرِ تربیت ہیں۔ شائد عقبی دروازہ
ے، میں انہیں نظر ہی نہیں آیا تھا۔'' فریدی نے کہا۔ ''ادھر کتنی گہری تاریکی ہے۔''

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک زبردست دھماکہ ہوا اور وہ دونوں ایک دوسرے سے ٹکرا
ہ گئے۔ پھر انہوں نے عقبی دروازے سے باہر چھلانگیں لگائی تھیں۔

اشارے

لی چھلانگیں تھیں اور وہ ہٹ سے خاصے فاصلے پر جا گرے تھے۔ پھر سنبھلنے بھی نہیں پائے

تھے کہ دوسرا دھماکہ ہوا اور زمین لرز کر رہ گئی۔ فضا میں آنچ سی محسوس ہوئی تھی۔

''آپ کدھر ہیں۔'' حمید نے فریدی کو آواز دی۔

''تم سے قریب ہی ہوں۔''

''یہ کیا تھا.....؟''

''اب اٹھو اور اس ہٹ سے دور نکل جانے کی کوشش کرو۔'' فریدی نے کہا اور حمید نے اپنے بازو پر اس کی گرفت بھی محسوس کی۔ خود اس کے اعصاب ان دونوں دھماکوں کے بناء پر بکھر سے گئے تھے اور اس کو تیز چلنے میں دشواری محسوس ہو رہی تھی۔

''اوہ.....تو یہ بات ہے۔'' حمید آہستہ سے بولا۔ نامعلوم آدمی کی گاڑی دھواں دے رہی تھی اور ہٹ کا کچھ حصہ بھی منہدم ہو گیا تھا۔

''بس اب یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ نکل چلو۔'' فریدی اُس کا بازو دبا کر آہستہ سے بولا۔

پھر وہ اس جگہ پہنچے جہاں اپنی گاڑی کھڑی کی تھی۔

''آخر یہ ہوا کیا۔'' حمید گاڑی میں بیٹھتا ہوا بولا۔

فریدی نے انجن اسٹارٹ کر دیا۔ وہ گاڑی کو کسی قدر بیک کر کے دوسری طرف موڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''کہیں آپ کا کوئی بلکی بھی دھماکے کی زد میں نہ آ گیا ہو۔'' حمید نے کہا۔

''اگر ایسا ہوا ہوتا تو وہاں اس کے آثار نظر آتے۔ لوگ صرف ہٹوں کو آگ لگانے کی تدبیریں کر رہے تھے۔'' فریدی نے جواب دیا۔

''لیکن دھماکے۔''

''اوہ حواس بجا کرو۔ کیا تم اتنا نہیں سمجھ سکتے کہ گاڑی میں ٹائم بم تھا اور دوسرا پھٹنے سے ہوا تھا۔''

''اچھا ہوا تھا کہ ہم نے گاڑی کی بھی تلاشی لینے کی کوشش نہیں کی تھی۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ گاڑی ابھی کچے ہی راستے پر چل رہی تھی اور پھر فریدی

سڑک کی طرف لے جانے کی بجائے بیچ ہوٹل کی طرف موڑ دیا تھا۔

''ادھر کہاں۔'' حمید نے پوچھا۔

''کچھ کھائیں پئیں گے۔''

حمید نے طویل سانس لی۔ اُس کے جسم کی جھنجھلاہٹ ابھی تک نہیں مٹی تھی۔ بیچ ہوٹل کے سامنے گاڑی روک دی گئی اور فریدی نے اپنی گود سے ماسک والی پوٹلی اٹھا کر ڈیش بورڈ کے خانے میں رکھ دی۔

پھر وہ گاڑی سے اُتر کر ہوٹل کے صدر دروازے کی طرف بڑھ گئے تھے۔ ڈائننگ ہال میں زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔ فریدی نے ایک میز منتخب کی اور دونوں اس کے گرد بیٹھ گئے۔ ایک ویٹر فوراً ہی انکے پاس پہنچا۔ فریدی نے مینو اٹھا کر کچھ نمبر بتائے جنہیں وہ نوٹ کر کے واپس چلا گیا۔

''وہ پوٹلی آپ کے ہاتھ سے نہیں چھوٹی تھی۔'' حمید نے کہا۔

''کام کی چیزیں ہر حال میں مجھے یاد رہتی ہیں۔''

''تو وہ گاڑی میں ٹائم بم چھوڑ گیا تھا۔'' حمید بولا۔

''اب تم مجھ سے پوچھو گے کہ کیوں چھوڑ گیا تھا۔'' فریدی نے طنز آمیز مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

''کیا نہ پوچھنا چاہئے۔''

''ضرور ضرور۔ جب کوئی ننھا سا بچہ ہو تو ہر قسم کے سوالات کے لئے تیار رہنا چاہئے۔''

''اچھا تو پھر بتایئے۔''

''ڈرامہ.....حمید صاحب۔ یہ بھی ڈرامہ ہی تھا۔''

''کیا مطلب.....؟'' حمید چونک پڑا۔

''اگر ہم اس بوٹ ہاؤز کی بجائے کہیں اور جاتے تب بھی وہ ایسی ہی کوئی سچویشن پیدا کر کے ہمیں اپنے تعاقب پر ضرور مجبور کرتا۔''

''بات بالکل سمجھ میں نہیں آئی۔''

''تمہارا خیال تھا کہ ہمیں بوٹ ہاؤز میں دیکھ لینے کے بعد اُس نے ہمیں فوری طور
کہیں جانے سے روکنے کے لئے گاڑی کا ٹائر ناکارہ کیا تھا۔''

''پھر اور کیا خیال ہوتا۔''

''پہلے میرا بھی یہی خیال تھا۔ لیکن گاڑی میں بلاسٹ ہونے والے ٹائم بم کی وجہ سے
نظریہ بدل دینا پڑا۔ ورنہ وہیں کے وہیں ٹائم بم کہاں سے فراہم کرلیا ہوگا۔ اس لئے ٹائم بم
پہلے ہی سے گاڑی میں موجود تھا۔ بس ایگل بیچ کی طرف جاتے وقت اس نے اس کا ٹائم سیٹ
کیا ہوگا۔ وہ پوری تیاری کے ساتھ ہماری گھات میں تھا اور اب تو کل ہی بتا سکوں گا کہ اس
ڈرامے کا مقصد کیا تھا۔''

''جہنم میں جائے۔ سوچتے سوچتے ذہن شل ہوگیا ہے۔''

ذہن کو تھکانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ میرے اور اُس کے درمیان صرف چوہے اور بلی
والا کھیل ہو رہا ہے۔

''اور چوہا کون ہے؟'' حمید نے بڑے پیار سے پوچھا۔

''وہ خود.....!''

''خوشی ہوئی یہ سن کر۔ ورنہ میں تو مایوس ہو چلا تھا۔''

اتنے میں ویٹر طلب کردہ چیزیں لے آیا اور وہ خاموشی سے کھاتے رہے۔ کم از کم فریدی
کے چہرے سے اندازہ کرنا مشکل تھا کہ وہ ابھی ابھی کسی بڑے الجھیڑے سے گزر کر یہاں تک
پہنچا ہے۔ بڑے انہماک سے کھانا کھا رہا تھا۔

''اب آپ کے بلیکیز لیا کر رہے ہوں گے۔'' حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

''فی الحال وہیں ہوں گے تاکہ مجھے مکمل رپورٹ دے سکیں۔''

''انہوں نے اس گاڑی کا رجسٹریشن نمبر تو اقدام نوٹ کیا ہوگا۔''

''ہونا تو یہی چاہیے۔''

''تب تو بہ آسانی اس کے مالک کا پتا چل جائے گا۔''

''اس طرح مشکل ہے حمید صاحب۔ وہ زیادہ تر مکمل قسم کے پلاٹ بناتا ہے۔''

دفعتاً حمید چونک کر بولا۔ ''اوہ.....'' وہ انگشتری اور پھر اپنے کوٹ کی اندرونی جیب ٹٹول کر طویل سانس لی۔

''کیا بات ہے۔ کیا گر گئی کہیں۔''

''موجود ہے۔ میں سمجھا تھا کہ اس بھاگ دوڑ کے دوران میں کہیں سلپ کر گئی۔''

''لاؤ مجھے دو۔'' فریدی نے ہاتھ بڑھا کر کہا۔

حمید نے انگشتری جیب سے نکال کر اس کے حوالے کردی اور آہستہ سے بولا۔ ''آپ نے کہا تھا کہ آپ غالباً اس انگشتری کو پہچانتے ہیں۔''

''اپنی مخصوص بناوٹ کی بناء پر یہ انگشتری ایسی ہی ہے کہ یاد رکھی جاسکتی ہے۔''

''کس کے ہاتھ میں دیکھی تھی۔''

''ابھی یہ نہ پوچھو۔ پہلے میں دیکھوں گا کہ اب بھی اُس کے ہاتھ میں موجود ہے یا نہیں۔ پھر بتاؤں گا۔''

''کیا اسی وقت دیکھیں گے.....؟''

''نہیں صبح کو.....اس وقت سیدھے گھر چلیں گے۔''

''الحمدللہ.....!'' حمید طویل سانس لے کر بولا۔ ''بے شک مجرموں کو بھی آرام کرنے کا حق حاصل ہے۔ اتنی رات گئے اسے بے آرام کرنا قطعی درست نہ ہوگا اور پھر ابھی تک یہ کیس باضابطہ طور پر ہمارے پاس نہیں پہنچ سکا۔''

''بہت پہلے کی بات ہے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اب یہ باضابطہ طور پر بھی میرے ہی ذمے ہے۔''

''اُف فوہ.....آپ نے اس کا ذکر تک نہیں کیا تھا۔''

''کیا کیا بتایا کروں تمہیں۔''

''آپ نے ایک آدھ شادی بھی کر رکھی ہوگی۔ پبلک کو نہیں بتاتے۔''

''شادی کے لئے اعلان ضروری ہے۔ ورنہ وہ شادی نہیں رہتی۔ کم از کم دو گواہ ضر
ہوتے ہیں ان میں سے ایک تم یقیناً ہوگے۔'' فریدی نے کہا اور ویٹر کو کافی لانے کا اشارہ کیا
وہ کھانا ختم کر چکے تھے۔

حمید نیپکن سے ہاتھ صاف کرتا ہوا بولا۔ ''اگر تاجور خاں زندہ ہوا تو۔''

''اُسے یہ بھی بتانا پڑے گا کہ وہ لاش کس کی تھی جسے اُس کے نام سے دفن کر دیا گیا تھا۔''

میز صاف کر کے ویٹر کافی لے آیا اور حمید نے دونوں پیالیوں میں کافی انڈیلنے کے بع
کہا۔ ''شائد آپ بھولے نہ ہوں کہ ہمیں سیدھے گھر جانا ہے اور اس فیصلے پر کافی بھی اثر انداز
نہیں ہوگی۔''

''کس بات سے بے اطمینان ہو رہے ہو۔''

''ماضی کے تجربات یاد آ رہے ہیں۔ کافی کے گھونٹ لیتے وقت آپ کوئی نئی سوجھتی ہیں۔''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ بس اب گھر ہی چلیں گے۔''

تھوڑی دیر بعد اُن کی گاڑی شہر کی طرف واپس جا رہی تھی۔ اس بار حمید ڈرائیو کر رہا تھا۔

گھر پہنچ کر انہوں نے اپنی اپنی خواب گاہوں کی راہ لی تھی۔ حمید لباس تبدیل کر کے ل
ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ ظاہر تھا کہ فریدی کے علاوہ اور کون ہوتا۔

''ہیلو.....'' اُس نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں جماہی لی۔

''اس گاڑی کی نمبر پلیٹ کا معاملہ بھی کچھ یونہی سا رہا۔'' فریدی کی آواز آئی۔

''یعنی.....!'' حمید نے بھنویں سکوڑیں۔

''کچھ مشتبہ سی نمبرنگ تھی اور پلیٹ بھی گندی تھی۔ وہ لوگ نمبر نہیں پڑھ سکے تھے۔''

''پھر گاڑی کو تباہ کر دینے کا مقصد.....!''

''سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس طرح گاڑی سے اس کی انگلیوں کے نشانا
نہ حاصل کئے جا سکیں۔''

''اور کیا خبر ہے۔''

''دوسری دلچسپ اطلاع یہ ہے کہ وہ ہٹ ایک مقامی تاجر کا ہے۔''

''مجھے تو اس میں دلچسپی کی کوئی بات نہیں دکھائی دیتی۔''

''اور وہ مقامی تاجر ڈپٹی ڈائریکٹر بھٹی کا بھائی ہے۔''

''اب ہوئی دلچسپی کی بات۔'' حمید طویل سانس لے کر بولا۔

''اچھا اب سو جاؤ۔'' فریدی نے کہا اور رابطہ منقطع ہو گیا۔

دوسری صبح ناشتے کی میز پر معلوم ہوا کہ فریدی گھر پر موجود نہیں ہے۔ صبح ہی صبح صرف
پ کافی پی کر کہیں چلا گیا تھا۔

حمید نے اطمینان کی سانس لی اور بڑی دلجمعی سے ناشتہ کرنے لگا۔ لیکن سکون کے یہ
ت دیرپا ثابت نہ ہو سکے۔ کیونکہ ایک ملازم نے قاسم کی آمد کی اطلاع دی تھی۔

قاسم دیر سے سو کر اٹھنے کا عادی تھا۔ لہٰذا سویرے ہی سویرے گھر سے نکل پڑنا یقیناً کسی
معمولی حالت کے تحت ہوا ہوگا۔ لہٰذا حمید نے اسے ڈائننگ روم ہی میں بلوا لیا۔

''ہاں ہاں..... بیٹا تم نہیں خاؤ پیو غے تو قیا میں خاؤں پیوں غا.....!'' وہ دروازے ہی
ا مذاق کر دھاڑا۔

''کیا بیوی نے گھر سے نکال دیا ہے۔'' حمید نے حیرت سے پوچھا۔

''بس خاموش..... تم دونوں قاتمیں اور تبادلہ قیوں نہیں ہو جاتا۔ یہی شہر رہ گیا ہے مرنے
ے۔''

''کچھ بتاؤ گے بھی یا یونہی بکواس کئے جاؤ گے۔ کیا بگاڑا ہے ہم دونوں نے تمہارا۔'' حمید
نے پوچھا۔

''مجھ فورات بھر نیند نہیں آئی۔''

''بستر میں کھٹمل ہوں گے۔ جن کا محکمہ سراغ رسانی سے کوئی تعلق نہیں۔''

''ابے کسی کباڑی قابستر نہیں ہے کہ کھٹمل ہوں غے۔''

''تو پھر کیا بیوی نے بکریاں پال لی ہیں۔''

''میں کچھ نہیں جانتا۔ اگر وہ یہاں آئی تو اچھا نہیں ہوگا۔''

''کون تمہاری بیوی۔''

''نہیں تمہاری ایسی تی تیسی۔''

''یہ کیا چیز ہوتی ہے۔ ویسے اگر ناشتہ نہ کیا ہو تو آ جاؤ۔ بہت کچھ ہے۔''

''سیدھا یہاں چلا آیا ہوں۔ ناشتہ قیئے بغیر۔''

''تو پھر وہاں کیوں کھڑے ہو جھپٹ پڑو۔''

قاسم نے اب میز پر تفصیلی نظر ڈالی اور کسی ندیدے بچے کے سے انداز میں منہ چلانے اور پھر جو اس نے دو عدد کرسیوں پر جم کر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا ہے تو پھر یہ بھی گیا کہ یہاں آیا کیوں تھا۔

حمید خاموشی سے اس کا انہماک دیکھتا رہا۔ عجیب سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر اٹھکیلیاں کر رہی تھی۔

ذرا سی دیر میں سارے برتن خالی ہو گئے اور قاسم نے سر اٹھا کر پوچھا۔ ''اور قیا ہے؟''

''اب صرف خاکسار حاضر ہے۔'' حمید نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''قافی.....!''

''آ رہی ہے مٹکے میں۔''

''اے تم جلتے ہو میرا خانا پینا دیکھ کر۔''

''جلتا نہیں ہوں۔ بلکہ میرے پیٹ میں درد ہونے لگتا ہے تمہیں کھاتے پیتے دیکھ کر۔''

''میں تمہاری طرح مچھر نہیں ہوں کہ سونگھ کر رہ جاؤں۔''

''اب اگر تشریف آوری کا مقصد بھی بتا دو تو مجھے بھی شائد سکون نصیب ہو جائے۔''

''دردانہ یہاں نہ آنے پائے۔'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

''میں بالکل نہیں سمجھا۔''

''اس نے پوچھا ہے کہ وہ یہاں کب آ سکتی ہے۔''

''جب دل چاہے۔''

''چپ رہو۔'' قاسم اتنے زور سے چیخا کہ دیواریں جھنجھنا اٹھیں اور حمید آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھتا رہا۔

''تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ اگر وہ آنا چاہتی ہے تو ہم کس طرح روک سکتے ہیں۔''

''تمہیں روکنا پڑے گا۔''

''آخر کیوں؟''

''میں کچھ نہیں جانتا۔ بس روک دو۔ مجھے ساری رات نیند نہیں آئی۔''

''تم کرنل صاحب کو وہاں کیوں لے گئے تھے۔''

''اس نے کہا تھا۔ نہیں غلط۔ تمہارے قرنل صاحب نے کہا تھا۔''

''تم نے ان کا کہنا کیوں مانا تھا۔''

''اُسی نے مانا تھا۔ میں نے نہیں مانا تھا۔''

''تو تم خود ہی اُسے یہاں آنے سے منع کر دو۔''

''اے تم گھامڑ ہی ہو قیا۔ میں عورت ذات کو قیسے منع کر سکتا ہوں۔''

''کیوں بھئی کیا قصہ ہے۔'' دفعتاً عقب سے فریدی کی آواز آئی۔ وہ ڈائننگ ہال میں داخل ہو رہا تھا۔

''ارے باپ رے۔'' کہہ کر قاسم نے اچھل پڑنے کی کوشش کی اور صرف تھلتھلا کر رہ گیا۔

''لک..... کچھ نہیں۔'' وہ بالآخر تھوک نگل کر بولا۔

''بس ہوا نکل گئی۔ ابھی فٹ بال ہو رہے تھے۔'' حمید نے کہا۔

''آخر بات کیا ہے؟''

''محترمہ دردانہ شاہد صاحبہ نے معلوم کرایا ہے کہ وہ کب یہاں آ سکتی ہیں۔'' حمید بولا اور قاسم نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے اُسے قہر آلود نظروں سے دیکھتا رہا۔

''جب دل چاہے تشریف لائیں۔''

''لیکن قاسم چاہتا ہے کہ وہ یہاں نہ آئیں۔''

''کیوں بھئی قاسم.....!''

''جج.....جی.....وہ دراصل.....میں یہ قہہ رہا تھا کہ ابھی کافی نہیں آئی۔''

''کافی نہیں آئی۔'' فریدی حیرت سے بولا۔ ''لیکن بات تو دردانہ صاحبہ کے آنے کی ہو رہی تھی۔''

''جی ہاں.....جی ہاں۔''

''آپ سمجھے نہیں شائد۔'' حمید نے کہا۔

''کیا نہیں سمجھا۔''

''قاسم صاحب چاہتے ہیں کہ ہم انہیں یہاں آنے سے روک دیں۔''

''کیوں بھئی قاسم.....!''

''جی ہاں.....یعنی کہ بالکل جی ہاں۔''

''آخر کیوں؟''

''آپ کے سانپوں کو اس کی نظر لگ جائے گی۔ بہت ندیدی ہے۔''

''کیا بات ہوئی؟''

''اصل بات کچھ اور ہے۔'' حمید بولا۔

''تم ہی بتا دو کیا بات ہے اور ہاں قاسم کے لئے کافی جلد منگواؤ بلکہ خود جا کر دیکھو کیوں دیر ہو رہی ہے۔''

حمید قاسم کو آنکھ مار کر اٹھ گیا اور قاسم گڑبڑا کر بولا۔ ''میں بھی چل رہا ہوں۔''

''نہیں.....تم بیٹھو۔'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''مم.....مجھے متلی ہو رہی ہے۔ میں قافی نہیں پیوں غا۔'' وہ کہتا ہوا اٹھا اور حمید کے ساتھ ہی ڈائننگ روم سے نکل آیا اور اُسے گھونسہ دکھا کر بولا۔ ''یاد رکھنا بیٹا جیسا برتاؤ تم

قہ تا ہے۔''

''یعنی ناشتہ کرایا ہے۔'' حمید نے سر ہلا کر کہا۔

''یعنی اپنی ایسی تی تیسی قرائی ہے۔''

''تمہاری کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔''

''جب مرو غے تب آئے غی۔''

''لیکن تم چلے کہاں۔ کافی تو پیتے جاؤ۔''

''بس خون پیؤں غا کسی دن۔'' کہتا ہوا قاسم نکلا چلا گیا اور حمید پھر ڈائننگ ہال میں آ گیا۔

''کیا چلا گیا۔'' فریدی نے پوچھا۔

''ہاں مستقل طور پر اس چکر میں ہے کہ اب آپ کی ملاقات دردانہ شاہد سے نہ ہونے پائے۔''

''عجیب خبطی آدمی ہے.....خیر.....ہاں تو.....تمہیں یہ معلوم کر کے خوشی ہوگی کہ اس بار ے جلدی میں ایک غلطی سرزد ہوگئی ہے۔''

''کیسی غلطی۔''

''اس ماسک سے جسے وہ اپنے چہرے پر چڑھائے پھرتا تھا انگلیوں کے کچھ نشانات مار لئے گئے ہیں۔''

''یہ تو واقعی بڑی اچھی خبر ہے۔''

''اور اب ہم ذرا ڈپٹی ڈائریکٹر بھٹی کی طرف چلیں گے۔''

''اس لئے کہ ہٹ اُس کے بھائی کا ہے؟''

''ہاں اور بھائی آج کل یورپ کے دورے پر ہے۔ بزنس ٹور کر رہا ہے۔''

''تو کیا ابھی چلیں گے۔''

''ہاں.....یہی مناسب ہے کہ گھر پر اُس سے ملوں۔''

''دس منٹ میں لباس تبدیل کر لوں گا۔'' حمید نے کہا اور بیڈ روم کی طرف چل پڑا۔

لباس تبدیل کرنے میں دس منٹ سے زیادہ عرصہ نہیں لگا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اُن کی گاڑی کمپاؤنڈ سے نکل رہی تھی۔ حمید نے کہا۔ ''یاد آیا اُس انگشتری کس کے ہاتھ میں دیکھی تھی۔''

''یاد آ گیا ہے۔ لیکن ذرا صبر سے کام لو۔''

''کیا مطلب..... ارے یہ کون سی ایسی خاص بات ہے جس میں غلطی ہو جانے سے کسی کی عزت خطرے میں پڑ جائے گی۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ قریباً پندرہ منٹ بعد اس نے گاڑی ایک بنگلے کے سامنے روک ہارن دینے لگا تھا۔ ایک ملازم پھاٹک کی ذیلی کھڑکی کھول کر باہر آیا اور سلام کر کے کھڑا

''کیا ڈپٹی صاحب تشریف رکھتے ہیں۔'' فریدی نے اس سے پوچھا۔

''جی صاحب۔''

''میرا کارڈ.....!'' فریدی نے وزیٹنگ کارڈ اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ لے کر اندر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد ڈپٹی ڈائریکٹر خود پھاٹک پر نظر آیا۔

''اوہ..... کرنل صاحب آیئے آیئے۔ نہیں گاڑی اندر ہی لے لیجئے۔ نادر پھاٹک کو اور اس طرح نہایت خوش اخلاقی سے استقبال کرنے کے بعد وہ انہیں ڈرائنگ لے آیا۔

''کیسے تکلیف فرمائی۔'' بالآخر اُس نے سوال کیا۔

''مرحوم افضل خاں سے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کرنا چاہتا ہوں۔'' نے کہا اور حمید نے محسوس کیا جیسے بھٹی کے چہرے پر ایک بادل سا آ کر گزر گیا ہو۔

''میں اُس کا مکمل فائیل آپ کو بھجوا دوں گا۔'' بھٹی نے کہا۔ ''اُس کا ریکارڈ صاف ستھرا تھا۔''

''کردار کی تعریف تو میں نے بھی سنی ہے۔'' فریدی بولا۔ ''دراصل میں اس کے

ات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔''

''جو کچھ اس کے فائیل میں ہے اس سے زیادہ میں بھی نہیں جانتا۔''

''میرا خیال ہے کہ جس علاقے سے اس کا تعلق تھا وہاں ذاتی اور قبائلی دشمنیاں بھی قتل پر منتج ہوتی ہیں۔'' فریدی نے کہا۔

''ہاں یہ بات تو ہے۔'' بھٹی نے کہا۔

''آپ کے بھائی مسٹر شکیل بھٹی آج کل کہاں ہیں؟''

اس ضمن میں میرے بھائی کا ذکر کہاں سے نکل آیا۔

''ابھی عرض کرتا ہوں۔'' فریدی نے کہا اور خاموش ہو گیا۔ حمید کی نظر بھٹی کے چہرے پر اسے اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار دکھائی دیئے۔

فریدی نے تھوڑی دیر بعد سلسلہ کلام پھر شروع کیا۔ ''پچھلی رات ایک گاڑی سے میری پر فائر کیا گیا تھا جس کے نتیجے میں ایک ٹائر فلیٹ ہو گیا۔ لیکن میرے آدمی اس گاڑی کا تعاقب کرتے رہے۔ وہ ایگل بیچ گئی تھی اور ایک ہٹ کے سامنے رک گئی تھی۔ گاڑی ڈرائیو کرنے والا اُس ہٹ میں داخل ہوا۔ میرے آدمیوں نے ہٹ کو نرغے میں لے کر مجھے اطلاع دی۔ لیکن جب میں اس ہٹ میں پہنچا تو وہ عقبی دروازے سے فرار ہو چکا تھا۔''

فریدی خاموش ہو گیا اور حمید بھٹی کے چہرے پر اس گفتگو کا ردعمل تلاش کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

پھر فریدی نے گاڑی کے تباہ ہونے کا واقعہ سنا کر کہا۔ ''وہ ہٹ آپ کے بھائی مسٹر شکیل کی ہے۔''

''نہیں۔'' ڈپٹی ڈائریکٹر بھٹی چونک پڑا۔

''جی ہاں۔ میں تصدیق کر چکا ہوں وہ انہی کی ملکیت ہے۔''

''تو پھر آپ مجھ سے کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔''

''ہٹ کی کنجی کس کے پاس رہتی ہے۔''

''مجھے علم نہیں۔ وہ میرے بڑے بھائی ضرور ہیں لیکن ہمارے تعلقات زیادہ
ہیں۔ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ ان کا کوئی ہٹ بھی ہے ایگل بیچ پر۔''

''بہرحال یہ واقعہ اسی ہٹ میں پیش آیا ہے۔ تو پھر مجھے اس سلسلے میں معلو
کرنے کے لئے کس سے گفتگو کرنی پڑے گی۔''

''وہ خود تو آج کل یورپ کے بزنس ٹور پر ہیں۔ انکی عدم موجودگی میں کاروبار
ان کے برادرانِ نسبتی کرتے ہیں۔ کوٹھی گلستان کالونی میں ہے۔ کوٹھی نمبر ستائیس بلاک
حمید نے نوٹ بک نکال کر پتہ تحریر کیا اور برادران نسبتی کے نام پوچھنے لگا۔

''صرف ایک کا نام جانتا ہوں۔ اجمل ہے اور وہ سب اسی کوٹھی میں رہتے ہ
نے کسی قدر بیزاری سے کہا۔

''تو پھر اُس ہٹ کی کنجی بھی اُنہی میں سے کسی کے پاس ہوگی۔'' فریدی نے کہا

''ظاہر ہے۔''

''اور آپ دونوں میں خرابی تعلقات کا باعث بھی شائد وہ برادران نسبتی ہی ہوں

''نجی معاملات ہیں کرنل صاحب۔''

''اوہ..... آئی ایم سوری۔''

''کوئی بات نہیں۔ آپ کا یہ سوال فطری تھا۔ دکھ ہوتا ہے مجھے بھی۔ مگر کیا کیا جا
سب بعض اصولوں کے تحت زندگی بسر کرتے ہیں۔''

''جی ہاں۔ بعض معاملات ایسے ہی تکلیف دہ ہوتے ہیں کہ ان کا ذکر کرنے
نہیں چاہتا۔ ہاں تو وہ نامعلوم آدمی جس میک اپ میں تھا اُس سے پیچھا چھڑا کر اس
فرار ہوا تھا۔ ایسا نہ کرتا تو میرے آدمی جو ہٹ کی نگرانی کر رہے تھے اُسے نکل نہ جا
وہ پلاسٹک کا فیس ماسک استعمال کر کے اپنی شکل تبدیل کرتا ہے جسے اتار کر ہٹ
تھا اور یہ۔'' فریدی نے جملہ پورا کئے بغیر جرسی کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال کر
اور اُسے ہتھیلی پر رکھ کر بھٹی کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ''شاید میں نے یہ آپ کے ہاتھ

تھی بھٹی صاحب۔''

بھٹی کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں اور وہ کبھی انگشتری کو دیکھتا تھا اور کبھی فریدی کو۔

قریب المرگ

اُس کے چہرے پر سراسیمگی اور الجھن کے ملے جلے آثار تھے۔ اس نے کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ انگشتری فریدی کی ہتھیلی پر سے اٹھالی اور اُسے الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ پھر ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔ ''میں اس سلسلے میں تنہائی میں گفتگو کرسکوں گا۔''

''تم گاڑی میں بیٹھو۔ میں ابھی آرہا ہوں۔'' فریدی نے کہا۔

''حمید کو اس پر سخت تاؤ آیا تھا۔ لیکن کرتا بھی کیا۔ چپ چاپ اٹھا اور باہر نکل کر گاڑی میں آبیٹھا۔ سوچ رہا تھا کہ انگشتری اسی کی معلوم ہوتی ہے لیکن اس طرح شائد کوئی داستان گھڑنے کے لئے وقت حاصل کیا ہے۔ ورنہ جب بیان ہی دینا ٹھہرا تو اسے وہاں سے ہٹا دینا کیا معنی رکھتا ہے۔ حمید نے ایک بار پھر پورا کیس ذہن میں دہرا کر رکھ دیا اور اس طرح ساری کڑیاں ڈپٹی ڈائریکٹر بھٹی ہی کے خلاف ایک دوسری سے ملتی چلی گئیں۔ ہوسکتا ہے افضل خاں کسی نامعلوم اسمگلر کے پیچھے رہا ہو۔ لیکن اس کی موت میں اسمگلر کا ہاتھ نہیں معلوم ہوتا۔ اصل قصہ مسٹر بھٹی کی بھانجی کا تھا جو افضل خان کو خطوط لکھتی رہتی تھی۔ بھٹی نے موقعے سے فائدہ اٹھا کر افضل خان کا خاتمہ کرادیا۔ وہ لڑکی اس کے بیٹے کی منگیتر بھی تو تھی۔ تو یہ بھٹی ہی انہیں اب غلط راستوں پر ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے۔ مختلف قسم کے فیس ماسک بنوا رکھے ہیں۔ جنہیں چہرے پر منڈھ منڈھ کر اس طرح کی وارداتیں کرتا پھر رہا ہے۔ ہوسکتا ہے کسی فیس ماسک نے تاجور خان سے بھی مشابہت پیدا کردی ہو۔

وہ کیس کا تجزیہ کرنے میں اس طرح محو تھا کہ فریدی کی آمد کی بھی خبر نہ ہوسکی۔ اسٹیئرنگ

سائیڈ کا دروازہ کھلنے پر چونکا تھا۔ فریدی نے خاموشی سے بیٹھ کر دروازہ بند کیا اور انجن اسٹا
کرنے لگا۔ حمید نے برآمدے کی طرف نظر اٹھائی۔ بھٹی شائد فریدی کو رخصت کرنے کے
بھی باہر نہیں نکلا تھا۔

''کیا اس سلسلے میں کسی پردہ نشین کا نام بھی آیا ہے کہ تخلیہ کرالیا گیا تھا۔'' حمید نے
لہجے میں فریدی سے پوچھا۔

گاڑی کمپاؤنڈ کے پھاٹک سے نکل رہی تھی۔ فریدی نے اسے سڑک پر موڑتے ہو
کہا۔ ''اس نے اعتراف کرلیا ہے کہ انگشتری اُسی کی ہے لیکن پرسوں رات کو چوری ہوگئی تھی۔

''یعنی انگلی سے اُتار لی گئی تھی اور یہ حضرت اتنے غافل تھے کہ انہیں پتہ ہی نہ چل
میں سمجھ گیا۔ کیوں تخلیہ کرایا تھا۔''

''ذاتیات میں الجھنے سے کیا فائدہ۔''

حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

''لیکن یہ واقعہ دردانہ شاہد کی کوٹھی میں پیش آیا تھا۔''

''اوہو تو وہاں اس قسم کی محفلیں بھی جمتی ہیں جن میں لوگ غافل ہوجائیں۔''

''تمہیں اس پر حیرت کیوں ہے۔''

''ہاں..... مجھے حیرت نہ ہونی چاہئے۔ جہاں دولت ہو وہاں سبھی کچھ ہوسکتا ہے۔''

''بہرحال ہوش میں آنے کے بعد مسٹر بھٹی نے انگشتری انگلی میں نہیں پائی تھی۔ تکیے
کے مارے کسی سے کچھ کہہ بھی نہ پائے۔ وہاں صرف چور ہی کو اس کا علم ہوگا اور کسی کو بھی
نہیں۔''

''اچھی کہانی ہے۔''

''ابھی تو کہانی ہی ہے لیکن اگر فیس ماسک پر پائے جانے والے انگلیوں کے نشانات
سے مل گئے تو حقیقت بن جائے گی۔''

''میرا دعویٰ ہے کہ نشانات مختلف ہوں گے۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اگر یہ سٹ اپ ہی ہے تو اسے مکمل ترین سٹ اپ ہونا چاہئے۔''

''ہاں آں یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اصل مجرم کی انگلیوں کے نشانات نہ ہوں۔ بہرحال
دیکھیں گے۔''

''پتا نہیں بیچارے زیدی کا کیا حشر ہوا ہو۔''

''میں بھی اس کے بارے میں سوچتا رہتا ہوں۔ پوری مستعدی سے اس کی تلاش جاری
ہے اور ابھی تک یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ ان نمبروں والا فون کہاں ہے۔''

''اور اس کا پتا چلے بغیر زیدی کی بازیافت بھی ناممکن ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں لیکن
اس سلسلے میں محکمہ ٹیلی فون کو ادھیڑا جاسکتا ہے۔''

''حمید صاحب پوری موجودہ مشینری اس قابل ہے کہ اس کا ایک ایک پرزہ الگ کردیا
جائے۔ لیکن کیا یہ ممکن ہے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ پائپ سلگا رہا تھا لیکن اس کے بعد بھی اُس نے چپ سادھے رکھی۔
کچھ دیر بعد فریدی نے کہا۔ ''کیا خیال ہے اس سلسلے میں موجی بابا کی روحانی قوت سے
کچھ نہ فائدہ اٹھایا جائے۔''

''بہت خوب۔ واقعی نوبت بہ ایں جارسید۔'' حمید نے طنزیہ سا قہقہہ لگایا۔

''اس میں اس طرح ہنسنے کی کیا بات ہے۔ آخر ہم ایک معاملے میں اس کی روحانی قوت
سے فائدہ اٹھا ہی چکے ہیں۔ ارے ہمیں اس کا شکریہ بھی تو ادا کرنا ہے۔''

''آپ اسے اُس کی کرامت سمجھتے ہیں۔''

''جب تک کچھ اور نہ ثابت ہوجائے سمجھنے میں کیا قباحت ہے۔''

''میں آپ کو اتنا ضعیف الاعتقاد نہیں سمجھتا تھا۔''

''ہم سب کسی نہ کسی طرح اور کہیں نہ کہیں ضعیف الاعتقاد ضرور ثابت ہوتے ہیں۔
میرا اعتقاد کا نہیں ہے۔ اب میں صرف ایک تجربہ کرنا چاہتا ہوں۔''

''چھوڑیئے۔ ہاں تو کیا آپ نے بھٹی صاحب کے منگر پرنٹس بھی لئے ہیں۔''

''باقاعدہ طور پر۔''

''یعنی براہِ راست طلب کئے ہیں۔'' حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

''قطعی..... یہی صورت ہے۔ میں نے کھل کر کہہ دیا تھا کہ آپ شبہے سے بالا

رہے۔ لہٰذا آپ کے منگر پرنٹس درکار ہیں۔''

''کمال کر دیا آپ نے۔'' حمید بولا۔ ''سانپ کی طرح پھپھکارے ہوں گے بھٹی صاحب

''ہرگز نہیں۔ بڑی متانت سے اُس نے کہا تھا کہ واقعی میں شبہے سے بالاتر نہیں ہوں

''پتا نہیں آپ کیا کرتے پھر رہے ہیں۔''

''وہی جو مجرم چاہتا ہے۔''

حمید کے ذہن پر کسی قدر کاہلی مسلط ہونے لگی تھی اس لئے اس نے پھر کوئی سوال

تھا۔ وہ آفس پہنچے اور فریدی حمید کو وہیں چھوڑ کر منگر پرنٹ سیکشن کی طرف چلا گیا۔

اردلی کو بلا کر کافی طلب کی تھی اور دس پندرہ منٹ اس طرح گذار دیئے تھے۔ پھر فریدی

آ گیا۔ اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

''تمہارا خیال درست نکلا۔'' اس نے حمید کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

''کس سلسلے میں۔''

''فیس ماسک پر پائے جانے والے انگلیوں کے نشانات مسٹر بھٹی کی انگلیوں

سے مماثلت نہیں رکھتے۔''

''مجھے یقین تھا کہ ایسا ہی ہوگا ورنہ وہ اتنی خوش دلی کے ساتھ اپنی انگلیوں

آپ کے حوالے نہ کرتا۔''

''تو تم اسے سٹ اپ ہی سمجھتے ہو۔''

''پھر کیا سمجھوں۔'' حمید نے پرتفکر لہجے میں کہا۔ ''یا تو یہ سٹ اپ ہے یا پھر نہیں

''کیا بات ہوئی۔''

حمید اچھل پڑا۔ چند لمحے خالی خالی نظروں سے فریدی کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

''زیدی..... کیا زیدی کے منگر پرنٹ کہیں سے مل سکیں گے۔''

''کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''زیدی کے معاملے میں از سرِ نو غور کیجئے۔''

''کر چکا ہوں، ہاں کچھ عجیب معاملہ ہے۔ کچھ لوگ جیپ میں بھر کر آئے اور اس کے

مکان کے سامنے کئی گھنٹے رک کے رہ کر ایسی حرکتیں کرتے رہے کہ اس کے گھر والے خوفزدہ ہو گئے

اور وہ خود شاٹ گن لے کر چھت پر چلا گیا۔''

''اور پھر غائب!'' حمید بولا۔ ''اس کے بعد ایک ایسے فون سے اُس کی کال آئی جس کا

سراغ ملنا مشکل ہے۔''

''میں سمجھ گیا تم کیا کہنا چاہتے ہو۔'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''اگر ماسک پر پائے جانے

والے نشانات زیدی کی انگلیوں کے نشانات سے مل گئے تو اصل مجرم وہی قرار پائے گا۔''

''اور پھر کسی دن زخمی اور شکستہ حال ہمارے سامنے آ کر کہہ دے گا کہ وہ کسی کا قیدی تھا۔

کہ ماسک پر اُس کی انگلیوں کے نشانات زبردستی لئے گئے تھے۔ اُس مکان کی بھی نشاندہی

کر دے گا جس میں قید رہنے کی داستان سنائی ہوگی۔ وہیں وہ فون بھی آپ کو مل جائے گا جس

کا تلاش ناممکن بن گئی ہے۔''

''اس طرح فیس ماسک لگا کر ہمیں دوڑاتے پھرنے والا آدمی مسٹر بھٹی ثابت ہو جائے

گا۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''نہ ثابت ہوا تب بھی ہم کسی اور کی تلاش میں رہیں گے اور اصل مجرم نہایت اطمینان

سے دوبارہ اپنی انسپکٹری سنبھال لے گا۔''

''تمہاری کوششوں کی داد دینی پڑے گی۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''اچھی بات ہے۔ میں

چلتا ہوں۔''

''کیا دیکھیں گے۔ کچھ دیکھنے سے پہلے ہمیں یہ فرض کر لینا پڑے گا کہ یا تو بھٹی انسپکٹر

زیدی کے سر اپنا جرم تھوپنا چاہتا ہے یا زیدی بھٹی کو اس میں ملوث کرنا چاہتا ہے۔''

''تم ایک قدم آگے بڑھ گئے ہو۔'' فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''اس سے پہلے کار ہو ہوگا کہ فیس ماسک پر پائے جانے والے نشانات زیدی کی انگلیوں کے نشانات ہو جائیں۔''

''چلئے یونہی سہی۔''

''میں اُس کے محکمے سے اس کا پرسنل فائیل منگوائے لیتا ہوں۔ اُس کی انگلیوں نشانات بھی اس میں ہوں گے۔''

''یہ ٹھیک ہے۔''

''اور پھر سہ پہر تک حمید کا قول کرسی نشین ہوا تھا۔ یعنی زیدی کی انگلیوں کے نشانات فیس ماسک پر پائے جانے والے نشانات میں سرمو فرق ثابت نہیں ہو سکا تھا۔''

''اب کیا خیال ہے۔'' حمید چہک کر بولا۔

''واقعی بہت تیز ہو گئے ہو۔'' فریدی نے کہا۔ ''لیکن ابھی مجھے اس واقعے کا انتظا کرنا پڑے گا جس کی پیشین گوئی تم نے کی تھی۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''تم نے کہا تھا نا کہ زیدی بے حد خراب و خستہ حالت میں نمودار ہو کر کسی نامعلوم آ قید میں رہنے کی داستان سنائے گا۔''

''آپ کا لہجہ کسی قدر طنزیہ ہے۔'' حمید نے کہا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید پائپ میں تمباکو بھرتے وقت اس طرح مسکرا رہا تھا جیسے اُس نے کوئی بڑا تیر مارا ہو۔

''اچھی بات ہے حمید صاحب۔'' فریدی طویل سانس لے کر اٹھتا ہوا بولا۔ ''اب مسٹر بھٹی کے بیان کی تصدیق کرنے تنہا جاؤں گا۔''

''یعنی ان لوگوں سے ملیں گے جو پرسوں رات کی محفل میں شریک رہے تھے۔''

''ہاں.....!''

حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور پائپ سلگانے لگا۔ فریدی کے چلے جانے کے بعد بھی وہ آفس ہی میں بیٹھا رہا تھا۔ پھر اچانک اس کے سر پر وہی چھپکلی سوار ہو گئی جو اپنے طور پر کوئی کارنامہ انجام دے بیٹھنے پر اکساتی رہتی تھی۔ اس نے سوچا کیوں نہ تنہا موجی بابا کو ٹٹولنے کی کوشش کرے۔ ذاتی طور پر وہ اس کے ساتھ مضحکہ خیز بھی ہو سکتا۔ اپنی ذہنی سطح سے بھی گر سکتا اور پھر وہ یہ بھی تو دیکھنا چاہتا تھا کہ موجی بابا ہے کیا بلا۔ فریدی کے ساتھ رہ کر اُسی کی سی شائستگی برقرار رکھنی پڑتی تھی۔ اس دن بھی کئی بار دل مچلا تھا جب فریدی کے ساتھ پہلی بار موجی بابا سے دوچار ہوا تھا۔ لیکن پتہ نہیں کتنے جملوں کا گلا گھونٹنا پڑا تھا۔

بہر حال اُس نے تہیہ کر لیا کہ موجی بابا سے تنہا ملے گا اور اپنے طور پر گفتگو کر کے کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کرے گا۔ ویسے اسے شبہ تھا کہ موجی بابا بھی کسی نہ کسی طرح اس معاملے میں ضرور ملوث ہے۔

اپنی گاڑی فریدی لے گیا تھا لہٰذا اس نے محکمے کی جیپ سنبھالی اور ایگل ہیچ کی طرف روانہ ہو گیا۔

افضل خان اور بھٹی کی بھانجی کے درمیان خطوط بازی کے بارے میں اُسے افضل خان ہی سے معلوم ہوا ہوگا۔ افضل خان سپاہی اکبر علی کے بیان کے مطابق اس کے عقیدت مندوں میں سے تھا لہٰذا ممکن ہے کہ وہ خود ہی اپنی اس پریشانی کا ذکر اس سے کر کے اس کے حل کا طلب گار ہوا ہو۔ اس کے باوجود بھی حمید کا ارادہ تھا کہ اس کی نشاندہی کو موجی بابا کی روحانی قوت پر محمول کر کے اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا کر رکھ دے گا اور پھر اپنی ایک مشکل کے حل کے لئے درخواست پیش کرے گا۔

عجیب اتفاق تھا کہ موجی بابا اپنے ٹھکانے ہی پر ملا اور اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے اُسے گھورتا ہوا مسکرایا۔

''کیوں کپتان صاحب..... کیسے تکلیف فرمائی۔''

''شکریہ ادا کرنے۔'' حمید نے بڑے ادب سے کہا۔

''کس بات کا۔''

''افضل خان مرحوم کے سلسلے میں آپ نے جو رہنمائی فرمائی تھی۔''

''کرنل مجھ پر ظلم کر گیا تھا اُس دن..... کارخانہ قدرت میں دخل اندازی کا حق مجھے حا
نہیں ہے۔ میں کون ہوتا ہوں دوسروں کے رازوں سے پردہ اٹھانے والا۔''

''لیکن ہم نے اس لڑکی سے کچھ نہیں پوچھا۔''

''یہ بہت اچھا کیا۔ دل کے ہاتھوں بہتیرے مجبور ہیں۔ وہ ایک پاکباز لڑکی ہے۔ اس
کبھی کسی مرد سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ لیکن وہ افضل کو چاہتی تھی اور اس چاہت میں بھی پاکیز
تھی۔''

''لیکن راز کھل جانے پر بھٹی صاحب کی پگڑی ضرور اچھلتی۔'' حمید نے کہا۔

''یہاں کسی کا نام نہ لو کپتان صاحب۔''

''بہت بہتر جناب عالی۔ لیکن آج میں اپنی ایک ذاتی دشواری لے کر خدمت میں حا
ہوا ہوں۔''

''مجھے بیوقوف بنانے آئے ہو کپتان صاحب۔''

''یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔''

''تم مجھے فراڈ سمجھتے ہو۔''

''ارے توبہ توبہ۔'' حمید دونوں ہاتھوں سے منہ پیٹنے لگا۔

موجی بابا اسے عجیب نظروں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ ''خیر کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔''

حمید نے اس لڑکی کی کہانی شروع کر دی جو اُسے بیوقوف بنا کر اس کی جیب سے رپ
سانپ نکال لے گئی تھی اور پھر اخیر میں بولا۔ ''اگر اس کا سراغ نہ ملا تو میں اپنے آفیسر کی
نظروں میں حقیر ہو کر رہ جاؤں گا۔ لہٰذا اس کے سلسلے میں میری مدد فرمایئے۔''

''میں کیا مدد کروں کپتان صاحب۔''

''مجھے اس کا پتہ بتا دیجئے۔''

''واقعی.....!'' موجی بابا نے زور دار قہقہہ لگا کر کہا۔ ''نوبت بہ ایں جارسید کہ پولیس
بھی تعویذ گنڈوں کے چکر میں پڑ گئے۔''

''دیکھئے۔ مجھ پر رحم کیجئے۔ میں اپنی اس دن کی گفتگو پر نادم ہوں۔ کئی بار دل چاہا تھا کہ
پ کی خدمت میں حاضری دے کر معافی مانگ لوں اور یہ حقیقت ہے کہ اُس دن میں آپ کا
مذاق ہی اڑانا چاہتا تھا۔''

''کوئی بات نہیں۔ میں نے بُرا نہیں مانا تھا۔''

''خدا کا شکر ہے کہ آپ نے مجھے معاف کر دیا۔''

''لیکن کپتان صاحب میں اس سلسلے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔''

''میں تو بڑی توقعات لے کر حاضر ہوا تھا۔''

موجی بابا نے آنکھیں بند کر کے جھومنا شروع کر دیا۔ لیکن حمید نے تہیہ کر لیا تھا کہ اٹھے گا
ل خواہ کچھ ہو جائے۔

تھوڑی دیر بعد موجی بابا نے آنکھیں کھول دیں اور حمید کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

''کپتان صاحب! وہ میری روحانی قوت نہیں تھی جس کی بناء پر میں نے بھٹی صاحب کی
نجی کی نشاندہی کی تھی۔ افضل خان نے مجھ سے اس کا ذکر کیا تھا۔ وہ اس سلسلے میں بے حد
ہٹان تھا۔ نہیں چاہتا تھا کہ وہ لڑکی اس سے کسی قسم کا تعلق رکھے لیکن میں تمہیں اس لڑکی کے
ے میں ضرور بتاؤں گا جو تمہیں جل دے کر گئی تھی۔ لیکن تم اس کی طرف انگلی بھی نہ اٹھا سکو
ے کیونکہ میرے علم کے مطابق وہ ایک وزیر کی بیٹی ہے۔''

حمید حیرت سے منہ کھول کر رہ گیا اور موجی بابا نے کہا۔ ''لیکن کرنل فریدی بے جگر آدمی
اس لئے بہتر یہی ہے کہ تم مجھ سے اس وزیر کا نام نہ پوچھو۔ کیا تم اپنے آفیسر کو دشواری میں
نہ پسند کرو گے۔''

''ہرگز نہیں۔ آپ مجھے اس وزیر کا نام بتا دیجئے میں کرنل صاحب سے اس کا ذکر نہیں

کروں گا۔''

''پھر کیا ضرورت ہے نام معلوم کرنے کی۔''

''صرف لڑکی سے دو دو باتیں کروں گا۔''

''مت پڑو اس چکر میں ورنہ پچھتاؤ گے۔ اپنے کام سے کام رکھو۔''

''تو کیا وہ وزیر ہی افضل خان کی موت کا ذمہ دار ہے۔''

''نہیں، اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہے کہ اس کی بیٹی کیا کرتی پھرتی ہے۔''

''تو گویا وہ اس مجرم کے لئے کام کرتی ہے۔''

''یہی سمجھ لو۔''

''آخر کیوں۔ اسے کیا مجبوری ہے۔''

''نشہ..... وہ مجبوراً سب کچھ کرتی ہے۔ وزیر بیچارہ تو بے حد شریف آدمی ہے۔ وہ صحبتوں میں پڑ کر نشے کی عادی ہوگئی ہے اور نشہ بھی بہت مہنگا ہے۔''

''کیا آپ اس مجرم کی بھی نشاندہی کر کے ملک وقوم پر بہت بڑا احسان نہیں کریں گے''

''بس جاؤ کپتان صاحب اپنی دنیا اور میری عاقبت خراب نہ کرو۔ میں کسی کا نام بھی لوں گا۔ وزیروں کی کوٹھیوں کے چکر لگاتے رہو۔ کہیں نہ کہیں وہ لڑکی ضرور نظر آجائے گی۔''

''چلئے اتنا ہی کافی ہے۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں اور آپ بالکل مطمئن رہئے صرف اس لڑکی کی اصلاح کرنے کی کوشش کروں گا۔''

''عورت تمہارا نشہ ہے کپتان صاحب۔ خواہ تم کسی گناہ کے مرتکب کبھی نہ ہو۔ لیکن آن تمہارے دماغ میں کوئی نہ کوئی عورت بسی رہتی ہے۔''

''بجا ارشاد ہوا۔'' حمید جھک کر اس کے ہاتھ چومنے لگا اور وہ ہنس کر بولا۔ ''تمہاری حرکت میں صداقت اور خلوص بھی نہیں ہے۔ بس چلتے پھرتے نظر آؤ۔ اب بھی مجھے فراڈ رہے ہو بلکہ اس حد تک چلے گئے ہو کہ کہیں میں بھی تو اس کیس میں کسی نہ کسی طرح ملوث نہ ہوں اور اس بدگمانی کی ابتداء میرے افضل خان کے انفارمر ہونے کے شبہے سے شروع ہوئی تھی۔

حمید کو ایسا لگا جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ موجی بابا سو فیصد سچ کہہ رہا تھا۔ اس کے منہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور موجی بابا جھوم جھوم کر گانے لگا۔

خاصانِ خدا خدا نہ باشد
لیکن زخدا جدا نہ باشد

عجیب سی ہیبت حمید پر طاری ہوتی جارہی تھی۔ اس نے موجی بابا کی طرف دیکھا اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ بدستور جھوم جھوم کر گائے جارہا تھا۔

حمید چپ چاپ اٹھا اور بے آواز چلتا ہوا اس کے حجرے سے نکل آیا۔ سچ مچ اُس پر بدحواسی سی طاری ہوگئی تھی۔ بے حد مرعوب ہوگیا تھا سائیں بابا سے۔

جیپ میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کیا تھا اور آندھی اور طوفان کی طرح وہاں سے روانہ ہوا تھا اور کئی میل نکل آنے کے بعد حواس ٹھکانے آئے تھے۔

پھر وہ سوچنے لگا آخر اس طرح بھاگنے کی کیا ضرورت تھی۔ تو کیا وہ محض اضطراری فعل تھا۔ عجیب سی شرمندگی محسوس ہونے لگی تھی اپنی اس کمزوری پر۔

لیکن موجی بابا..... کیا وہ سچ مچ غیر معمولی روحانی قوت کا مالک تھا۔ غیب دان تھا۔ یا وہ محض ذہانت اور معاملہ فہمی کی صلاحیت تھی۔ جس نے اس کے چھکے چھڑا دیئے تھے۔ وہ سوچتا اور بور ہوتا رہا۔ گاڑی کا رخ شہر کی جانب تھا۔

دفتر کا وقت ختم ہو چکا تھا اس لئے اس نے سوچا کہ گھر ہی کی طرف چلنا چاہئے۔ جلد از جلد فریدی کو اس ملاقات کے بارے میں بتانا چاہتا تھا۔ آخر یہ موجی بابا ہے کیا چیز۔

گھر پہنچا تو اطلاع ملی کہ فریدی پولیس ہسپتال میں ہے۔ کچھ ہی دیر پہلے اس کی کال آئی تھی۔ اُس نے کہا تھا کہ اگر حمید ایک گھنٹے کے اندر اندر گھر پہنچے تو اسے پرائیویٹ وارڈ کے کمرہ نمبر تین میں بھیج دیا جائے۔

''اور کچھ کہا تھا۔'' حمید نے کال ریسیور کرنے والے ملازم سے پوچھا۔

''نہیں صاحب۔ پولیس ہسپتال کے پرائیویٹ وارڈ کے کمرہ نمبر تین میں بلایا ہے۔'' ملازم نے جواب دیا۔

''ذرا جلدی سے مجھے ایک کپ چائے دو۔'' حمید نے اس سے کہا اور کمرے کی
چلا آیا۔ لباس گرد آلود ہو گیا تھا۔ اُسے تبدیل کر ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی لیکن ریسیور
کان سے لگاتے ہی کھوپڑی ناچ گئی۔ قاسم کی ''قون ہے'' سنائی دی تھی۔

''وہی جس کا مغز چاٹنے کے لئے تم نے کال کی ہے۔'' حمید بھنا کر بولا۔

''امے تم لوغ نہیں مانو غے۔''

''کیا ہوا.....؟''

''بزرگوار تشریف لائے تھے آج۔''

''کس کے بزرگوار۔''

''تمہارے اور قس کے۔ اور اس طرح پوچھ گچھ کر رہے تھے جیسے دردانہ بیگم نے کسی
جیب کاٹ لی ہو۔''

حمید طویل سانس لے کر رہ گیا۔ شائد یہ فریدی کا ذکر تھا۔ جو غالباً ڈپٹی ڈائریکٹر بھی
سلسلے میں مزید معلومات کرنے کے لئے دردانہ شاہد کی قیام گاہ پر اُس وقت پہنچا جب قاسم
وہاں موجود رہا ہو۔

''قیوں بیٹا چپ کیوں ہو غئے۔'' قاسم دوسری طرف سے دہاڑا۔

''تو پھر میں کیا کروں؟''

''منع قرو ورنہ اچھا نہیں ہو غا۔''

''کیا اچھا نہیں ہوگا۔''

''بس دیکھ لینا۔''

''کیا تم اس وقت وہاں موجود تھے۔''

''موجود تھا.....!''

''کیوں موجود تھے۔''

''تم سے مطلب.....؟''

''تو پھر وہ بھی گئے تھے تم سے مطلب؟ کیا تم دردانہ شاہد کے والد صاحب ہو۔''

''ابے چوپ۔'' قاسم حلق پھاڑ کر چیخا تھا۔

''والد نہیں تو بھائی ضرور لگتے ہو۔''

''میں تمہیں جان سے مار دوں غا۔''

''ریسیور اپنے حلق میں ٹھونس کر۔'' حمید نے پوچھا اور ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ ملازم
ئے لئے کھڑا تھا۔ جلدی جلدی حلق میں انڈیلی اور پولیس ہسپتال کے لئے نکل کھڑا ہوا۔

''جیپ ہی استعمال کی تھی۔ دس منٹ کے اندر ہی اندر پولیس ہسپتال پہنچ گیا۔ مسلسل
ن میں پڑا ہوا تھا کہ آخر کمرہ نمبر تین میں کون ہے۔''

اور پھر یہ الجھن بھی رفع ہوگئی۔ بستر پر پڑے ہوئے آدمی کو دیکھ کر چونک پڑا۔ یہ گمشدہ
زیدی تھا اس کی آنکھیں بند تھیں اور بستر کے قریب ہی فریدی کرسی پر بیٹھا اُسے پرتشویش
ال سے دیکھے جا رہا تھا۔

''یہ کہاں ملا.....!'' حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

''سڑک پر۔'' فریدی نے جواب دیا۔ ''بیہوش ہے۔''

''سڑک پر.....!'' حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ہاں آج صبح ایک سڑک کے کنارے بیہوش پڑا ملا تھا۔ اس کے جسم پر متعدد زخم ہیں
گھنے ہیں اور کچھ پرانے۔''

''کیا حالت زیادہ خراب ہے۔''

''ابھی کچھ کہا نہیں جا سکتا۔'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ''میری واپسی تک تم اس کمرے میں
ھو گے۔''

''کیا میرا خیال غلط تھا کہ جلد ہی زیدی صاحب سے ملاقات ہوگی۔'' حمید نے کہا لیکن
ائی نے جواب دیئے بغیر کمرے سے نکل گیا۔

حملہ آور

حمید بیٹھا زیدی کو کینہ توز نظروں سے دیکھتا رہا۔ اُس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ گہری سانسیں لے رہا تھا۔ اگر بے ہوشی کی اداکاری تھی تو شاندار تھی۔ حمید سوچ رہا تھا بناوٹ کتنی دیر تک قائم رہ سکے گی۔

ٹھیک اُسی وقت ایک ڈاکٹر اور نرس کمرے میں داخل ہوئے ان کے ساتھ ٹرانسفیوزن کے آلات بھی تھے۔

''تو کیا واقعی معاملہ سیریس ہے۔'' حمید نے ڈاکٹر سے پوچھا۔

''جی ہاں..... پتا نہیں کتنے عرصہ سے یہ صاحب نارکوٹکس کے زیرِ اثر رہے ہیں تھوڑی دیر اور ہوتی تو شائد۔''

ڈاکٹر جملہ پورا کئے بغیر زیدی کے جسم میں خون پہنچانے کے انتظامات میں مصروف تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ زیدی کی حالت واقعی تشویش ناک تھی۔ لیکن اس کی انگلیوں نشانات فیس ماسک پر ملے تھے۔ تو گویا زیدی کو فریم کیا گیا تھا۔ پھر وہ انگشتری؟ ایسی صورت میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا تھا کہ مجرم بہت جلدی میں تھا۔ فیس ماسک اتارتے اس کی انگلی سے انگشتری بھی نکل گئی۔ لیکن اسے اس کا احساس نہیں ہوسکا۔

حمید سوچتا اور الجھتا رہا۔ فریدی بیٹھے رہنے کی تاکید نہ کرگیا ہوتا تو کبھی کا وہاں سے بھاگ گیا۔ ہسپتالوں کا ماحول اُسے گھٹن میں مبتلا کرتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی واپس آ گیا۔

''اب کیا خیال ہے؟'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

''کچھ دیر اور یہیں ٹھہرو۔''

''آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔''

''فی الحال یہیں ٹھہریں گے۔'' فریدی نے کہا اور ڈاکٹر سے زیدی کے

بچنے لگا۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ خون پہنچانے کے بعد ہی کوئی یقینی بات کہی جا سکے گی۔

''کیا آپ کو کسی خدشے نے گھیر رکھا ہے۔'' حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

''پولیس ہسپتال میں کوئی خدشہ نہیں ہے۔'' فریدی نے جواب دیا۔ ''میں اس کے ہوش میں آنے کا منتظر ہوں۔''

''بے ہوشی کی مدت طویل بھی ہوسکتی ہے۔'' حمید بولا۔

''کوئی خاص بات ہے۔'' فریدی نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''بے حد خاص۔''

فریدی اٹھ گیا اور دونوں باہر آئے اور برآمدے کے اس گوشے کی طرف بڑھتے چلے گئے جہاں اور کوئی نہیں تھا۔

''ہاں اب کہو کیا بات ہے؟'' فریدی نے رک کر پوچھا۔

''پہلے تو یہ بتایئے کہ دردانہ شاہد سے کیا معلوم ہوا۔''

''وہی جو مسٹر بھٹی نے بتایا تھا۔''

''مجھے نہیں۔ صرف آپ کو بتایا تھا۔ مجھے باہر بھیج دیا گیا تھا۔'' حمید نے کسی قدر ناگواری سے کہا۔

''ارے ہاں۔ یہ تو یاد ہی نہیں رہا تھا۔ بہرحال دردانہ نے بھٹی کے بیان کی تائید کردی ہے۔ وہ بہت زیادہ پی کر آؤٹ ہوگیا تھا لیکن ہوش میں آنے کے بعد اُس نے اپنی کسی چیز کے چوری ہوجانے کی اطلاع نہیں دی تھی۔''

حمید نے بُرا سا منہ بنایا لیکن کچھ بولا نہیں۔

''اب تم بتاؤ کیا بات ہے۔''

''میں موجی بابا سے مل کر آ رہا ہوں۔''

''میں نے تمہیں منع کیا تھا تنہا جانے سے۔'' فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

''سوائے اپنے ایک ذاتی مسئلے کے میں نے اس سے کوئی بات نہیں کی۔''

''تمہارا ذاتی مسئلہ۔''

''جی ہاں۔ وہی لڑکی جو میری جیب سے ربڑ کا سانپ اڑا لے گئی تھی۔''

''کہیں تم بھی تو نشے میں نہیں ہو۔''

''اسی لڑکی کا نشہ ہے۔''

''اس کے بارے میں اس سے کیا بات کرنی تھی۔''

''موجی بابا نے اپنی روحانی قوت کو بروئے کار لا کر ہی تو اس لڑکی کی طرز رہنمائی کی تھی جو افضل خان کو خط لکھا کرتی تھی۔''

''اچھا تو پھر.....!''

''میں نے موجی بابا سے درخواست کی تھی کہ وہ ذرا اس لڑکی کا بھی تو پتہ بتا دے۔''

''ایڈیٹ.....!''

''میں یا موجی بابا۔''

''تم..... یہ کیا حماقت تھی۔''

''میں اسے حماقت سمجھنے پر تیار نہیں ہوں جبکہ موجی بابا نے کسی قدر رہنمائی کر دی ہے۔''

''کیوں بکواس کر رہے ہو۔''

''یقین کیجئے۔ اس کے بیان کے مطابق وہ ایک وزیر کی بیٹی ہے لیکن ہم اُس کی طرف انگلی بھی نہ اٹھا سکیں گے۔''

''یہ بھی اُسی نے کہا تھا۔''

''جی ہاں۔''

''کیا وزیر کا نام بھی لیا تھا۔''

''جی نہیں۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''صرف اتنا کہا تھا کہ وزیروں کی کوٹھی کے چکر لگاؤ۔ کہیں نہ کہیں ضرور نظر آ جائے گی۔''

''تمہیں اپنی اور اس کی گفتگو شروع سے لفظ بہ لفظ دہرانی پڑے گی۔'' فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

حمید نے یادداشت کے سہارے حتی الامکان اپنی اور موجی بابا کی گفتگو من وعن دہرانے کی کوشش کی تھی۔

''تم نے اُس سے تہامل کر اچھا نہیں کیا۔'' فریدی طویل سانس لے کر بولا۔

''کیا بُرائی ہو گئی۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ اُس کی آنکھیں سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

''میرا خیال ہے کہ کیس اب آخری مرحلے میں ہے۔'' حمید نے کہا۔

''جی نہیں۔ ہنوز روز اول ہے۔'' فریدی تلخ لہجے میں بولا۔

''زیدی یا بھٹی۔''

''بکواس.....!''

''کیا مطلب.....؟''

''کوئی تیسرا۔ یہ دونوں فریم کئے گئے ہیں۔''

''کمال کرتے ہیں آپ بھی۔''

''اگر بھٹی نے زیدی کو فریم کیا ہوتا تو اس حال کو پہنچا کر نہ چھوڑتا۔ اُسے تندرست رکھتا۔''

''زیدی کا کوئی پارٹنر بھی ہو سکتا ہے۔''

''یعنی تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ زیدی اور اس کے کسی پارٹنر نے بھی بھٹی کو فریم کرنے کی کوشش کی ہے۔''

''جی ہاں۔''

''اس صورت میں فیس ماسک پر زیدی کی انگلیوں کے نشانات نہ ملنے چاہئے تھے۔''

''اوہ.....!'' حمید سر ہلا کر رہ گیا پھر بولا۔ ''تو اس طرح پھر آپ اُسی بوٹ ہاؤز کی طرف واپس آ رہے ہیں۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ بات پھر الجھ گئی۔ اگر بھٹی کو مجرم گردانا جائے تو

اس سے ایسی حماقت نہ ہوتی کہ زیدی کو اس حالت میں آزاد کرتا اور خود زیدی مجرم کی صورت میں کسی اور کی اعانت کے بغیر اس حال میں نہ پایا جاسکتا۔ اگر دوسری صورت کرلیا جائے تو بہرحال کسی تیسرے آدمی کے وجود کو خارج از بحث قرار نہیں دیا جاسکتا۔

تیسرا آدمی؟ حمید سوچتے سوچتے پھر فریدی کی طرف متوجہ ہوکر بولا۔

''کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ یہ بھٹی اور زیدی کی ملی بھگت ہو۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اسطرح ان دونوں نے مل کر ہمیں کسی تیسرے آدمی کی راہ پر ڈالنے کی کوشش کی ہو۔''

''میں اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔

''اور اگر واقعی کسی تیسرے آدمی کا وجود ہے تو اُسے غیر معمولی طور پر ذہین سمجھنا چاہئے۔'' حمید نے کہا۔

''تم نے موجی بابا کو چھیڑ کر اچھا نہیں کیا۔''

''کیا ہوگا.....اس سے۔''

''ہوسکتا ہے کہ.....!'' فریدی جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہوگیا۔

''اُف فوہ.....اس قدر سراسیمگی کہ پوری بات بھی نہیں کرسکتے۔''

''یہ بات نہیں ہے جو کچھ کہنا ہے ابھی نہیں کہنا چاہتا۔''

''اچھا تو پھر گھر چلئے۔ آرام کریں۔'' حمید نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

''نہیں میں آج تمہیں رات بھر دوڑاؤں گا۔''

''اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

حمید ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا اور فریدی نے کہا۔ ''دردانہ شاہد نے رات کے کھانے پر مدعو کیا تھا۔ خاصی دیر ہوگئی ہے لیکن ہم چلیں گے۔''

''کیا میں بھی۔''

''ظاہر ہے۔''

''پہلے تو آپ تنہا گئے تھے۔''

''فضول بکواس کیوں کرنے لگتے ہو چلو۔'' وہ اس کا بازو پکڑ کر زینوں کی طرف کھینچتا ہوا لے گیا۔ حمید نے گھڑی دیکھی۔ ساڑھے نو بج رہے تھے۔ اس نے کہا ''کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ کوئی شریف آدمی ساڑھے نو بجے تک کھانا لئے نہیں بیٹھا رہتا۔''

''میں نے وعدہ کرلیا تھا اس لئے جانا ضروری ہے۔''

''مجھ سمیت وعدہ کیا تھا۔''

''ہاں اُس نے خود ہی تمہارے لئے کہا تھا۔ اُسے اطلاع مل گئی ہے کہ تم بہت دلچسپ ہستی ہو۔'' فریدی نے کہا اس نے لفظ ''بہت'' کو اس قدر کھینچا تھا کہ حمید کو شرمندگی محسوس ہونے لگی تھی۔

''مردوں کو قطعی غیر دلچسپ نظر آتا ہوں۔'' اس نے ڈھٹائی سے کہا۔

وہ کمپاؤنڈ میں پہنچ چکے تھے اور گاڑی کی طرف بڑھ ہی رہے تھے کہ قاسم دکھائی دیا جو ہاتھ اٹھا اٹھا کر انہیں روکنے کی کوشش کررہا تھا لیکن شاید آواز دینے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ سے کام لے رہی تھی۔

وہ رک گئے اور قاسم قریب پہنچ کر ہانپتا ہوا بولا۔ ''بہت بڑی گڑبڑ ہوگئی ہے۔ بے حد غضب والی گڑبڑ۔''

''کیا ہوا.....؟'' فریدی نے پوچھا۔

''دھمکی.....قتل کردینے کی دھمکی۔''

''تمہیں کسی نے دھمکی دی ہے۔''

''نن.....نہیں.....ان تو.....!''

''وہ کون ہیں.....؟''

''جنہوں نے دعوت کی تھی۔''

''بیگم دردانہ.....!''

''جی غاں.....امیں آپ کو ڈھونڈھ رہا تھا۔نوکروں نے بتایا۔آپ یہاں ہیں۔

''ہم وہیں جارہے تھے۔ذرا دیر ہوگئی۔مجھے یاد ہے کہ بیگم دردانہ نے کھانے پر بلا

''جایئے.....!''

''کیا مطلب.....؟''

''اس نے فون پر یہی تو کہا تھا کہ اگر آپ نے وہاں آنا جانا نہ چھوڑا تو وہ

قر دے گا۔''

''اوہ.....تو بیگم دردانہ نے تمہیں منع کرنے کو بھیجا ہے۔''

''جی نہیں.....میں کھد آیا ہوں۔''

''کیا انہوں نے خاص طور سے تم سے اُس کال کا ذکر کیا تھا۔''

''جی ہاں.....انہوں نے مجھے بتایا تھا۔''

''کیا وہ خائف تھیں۔''

''جی نہیں.....ہنس رہی تھیں۔''

''تو انہوں نے دعوت ملتوی نہیں کی۔''

''میں قیا جانوں۔''

''تو گویا تم اپنے طور پر کہہ رہے ہو کہ ہم وہاں نہ جائیں۔''

''جی ہاں یہی بات ہے۔''

''غالباً تم بھی مدعو ہو۔''حمید نے پوچھا۔

''ہاں ہاں میں بھی ہوں۔''

''اور تم جاؤ گے۔''

''جرور جرور.....!''

''تب تو قتل کا منظر بے حد حسین ہوگا۔''حمید سر ہلا کر بولا۔

''دیکھئے.....دیکھئے۔''قاسم شکایت آمیز لہجے میں فریدی سے بولا۔

فریدی نے حمید کو گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے دروازہ کھولا اور حمید گھوم کر دوسری جانب والے دروازے سے گاڑی میں بیٹھ گیا۔

''آپ نے مم.....میری بات قا جواب نہیں دیا۔'' قاسم بہت بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

فریدی انجن اسٹارٹ کر چکا تھا۔اس نے قاسم کو ایک طرف ہٹ جانے کا اشارہ کیا۔

پھر قاسم ہاتھ ہی ہلاتا رہ گیا تھا اور گاڑی پھاٹک سے گزر کر سڑک پر آ نکلی تھی۔

''دردانہ کو قتل کی دھمکی سمجھ میں نہیں آئی۔''حمید نے کہا۔

''مجرم پتا نہیں کس بناء پر بہت زیادہ بوکھلا گیا ہے۔''

''میں نہیں سمجھا آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔''

''میرے پاس فی الحال اس کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے۔لیکن میں محسوس یہی کر رہا ہوں۔تابڑ توڑ حماقتیں کرتا چلا جارہا ہے۔''

''لیکن دردانہ شاہد کو قتل کی دھمکی کون دے سکتا ہے۔''

''یہی تو دیکھنا ہے ویسے تم یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ ابتداء میں کسی نامعلوم آدمی نے توقیر زمن کے توسط سے مجھے دھمکی دی تھی اور توقیر زمن ہی کے بیان کے مطابق ویسی ہی ایک ڈاج ڈارٹ دردانہ شاہد کی کوٹھی میں دیکھی گئی تھی،جیسی اس نامعلوم آدمی کے استعمال میں تھی۔''

''گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مجرم کا دردانہ شاہد کے یہاں آنا جانا ہے۔''

''دیکھیں گے۔''فریدی طویل سانس لے کر بولا۔''بہرحال اُس رات جب بھٹی کی انٹرنی غائب ہوئی تھی وہاں اس کی موجودگی خارج از امکان قرار نہیں دی جاسکتی۔''

''کیا آپ نے اُن تمام لوگوں کو چیک کیا تھا جو وہاں موجود تھے۔''

''صرف ایک سے ملاقات نہیں ہوسکی۔طاہر ملک کہلاتا ہے۔ایک لق و دق کوٹھی میں چند ملازموں کے ساتھ رہتا ہے۔ایکسپورٹ امپورٹ کا بزنس ہے اُس کا۔''

پندرہ منٹ کے اندر ہی اندر وہ دردانہ شاہد کی کوٹھی میں پہنچ گئے تھے اور اس نے خود پورچ

تک آ کر ان کا استقبال کیا تھا۔

''میں تو ناامید ہوگئی تھی جناب.....!'' اس نے کہا۔

فریدی جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک اور گاڑی پورچ میں آ رُکی اور حمید نے سامنہ بنایا۔ یہ قاسم کی رولس تھی۔

وہ بھی گاڑی سے اُترا لیکن اس کا منہ پھولا ہوا تھا۔ فریدی نے دردانہ سے کہا۔ ''مجھے تاخیر پر افسوس ہے لیکن ایک ضروری کام میں بُری طرح الجھ گیا تھا۔''

''کوئی بات نہیں۔ میں عموماً دیر سے کھانا کھاتی ہوں۔ البتہ مسٹر قاسم پر حیرت ہے انہوں نے اتنی دیر کردی۔'' وہ ہنس کر بولی۔

''یہ مجھے تلاش کرتے پھر رہے تھے۔''

''اوہ.....!'' وہ عجیب انداز میں قاسم کو دیکھ کر رہ گئی۔

''وہ..... دد..... دیکھئے..... مم..... میں۔'' قاسم نے ہکلانا شروع کردیا تھا کہ وہ جلد سے بولی۔ ''تو اندر چلئے نا۔''

''جی ہاں۔'' فریدی آگے بڑھا۔ اس کے پیچھے دردانہ تھی۔ قاسم نے حمید کا ہاتھ پکڑ کی کوشش کی لیکن وہ جلدی سے آگے بڑھ گیا۔ وہ ڈرائنگ روم میں آئے اور دردانہ نے ایک ملازم کو بلا کر کھانا لگانے کو کہا۔ پھر فریدی سے بولی۔ ''صبح آپ مسٹر بھٹی کے بارے میں پوچھ گچھ کررہے تھے۔ میں سمجھ نہیں سکی تھی۔ کیا کوئی خاص بات ہے۔''

''جی ہاں..... بہت ہی خاص۔'' فریدی نے یونہی رواروی میں کہا۔ ''دراصل اُن کی انگشتری ایک ایسی جگہ پائی گئی تھی جو اس کے لئے مناسب نہ تھی۔ ان سے اس کے بارے میں استفسار کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ چوری ہوگئی تھی۔''

''کیا یہاں.....!''

''جی ہاں..... اس محفل میں جہاں وہ آؤٹ ہوگئے تھے۔''

''بلانوش قسم کا آدمی ہے۔ پیتا ہے تو پیتا ہی چلا جاتا ہے۔ مجھے ایسے لوگ ذرا اچھے نہیں

لگتے۔ تقریباً ایک آدھ پگ لے لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید قاسم کو گھورنے لگا تھا اور قاسم اس طرح نظریں چرا رہا تھا جیسے اس محفل میں خود بھی موجود رہا ہو۔ حالانکہ ایسا نہیں تھا۔

''ہاں تو اس نے یہ کہا تھا کہ انگوٹھی یہاں چوری ہوئی تھی۔'' دردانہ نے پوچھا۔

''جی ہاں۔ اُن کا یہی بیان ہے۔''

''تو وہ انگشتری کہاں ملی تھی۔''

''فی الحال یہ ایک سرکاری راز ہے۔''

''اوہ..... سوری۔''

اتنے میں ملازم نے میز پر کھانا لگ جانے کی اطلاع دی۔

''قاسم صاحب کے لئے تو آپ کو الگ سے انتظام کرنا پڑا ہوگا۔'' حمید نے پوچھا۔ ''کیونکہ یہ صرف بھینس کے پائے کھاتے ہیں۔''

''کبھی کبھی۔'' قاسم غرایا۔

کھانے کی میز پر فریدی نے اُس دھمکی کا ذکر چھیڑ دیا جو دردانہ شاہد کو فون پر ملی تھی۔ دردانہ نے بہت بُرا سا منہ بنا کر قاسم کی طرف دیکھا اور قاسم بغلیں جھانکنے لگا۔

''یہ اچھی بات نہیں ہے مسٹر قاسم۔'' اس نے بالآخر کہا۔ ''میں نے آپ کے علاوہ اس کا ذکر اور کسی سے نہیں کیا تھا۔''

''مجھ سے اس کا ذکر کیا جانا ضروری تھا۔'' فریدی بولا۔

''میں تو اسے محض مذاق سمجھی تھی۔ کسی دوست ہی نے یہ مذاق کیا ہوگا۔ ورنہ بھلا آپ کے یہاں آنے میں کیا قباحت ہے۔''

''میں بھی اسے مذاق ہی سمجھتا اگر بھٹی صاحب کے سلسلے میں پوچھ گچھ کرنے سے قبل اس کو کوئی کال آئی ہوتی۔''

''وہ تو سمجھ

''اس کال کا مقصد یہی ہوسکتا ہے کہ آپ ہر معاملے میں اپنی زبان بند رکھیں۔''

''مگر مجھے تو اس کا بھی علم نہیں تھا کہ مسٹر بھٹی کی انگشتری میرے گھر پر غائب ہوئی تھی۔''

''بہرحال اب آپ کو اس کا علم ہوگیا ہے۔''

''تو کیا آپ کے یہاں آنے جانے کی بناء پر چور پکڑا جاسکتا ہے۔''

''یہ سوچنے کی بات ہے۔'' فریدی نے پُرتفکر لہجے میں کہا۔

''تو کیا وہ کال اُسی چور کی ہوسکتی ہے۔'' دردانہ نے سوال کیا۔

''حالات کے تحت اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے۔''

''خدا کی پناہ میرے حلقہ احباب میں ایسے گھٹیا لوگ بھی شامل ہیں۔''

''لوگوں کو سمجھنے کے لئے ایک عمر درکار ہوتی ہے۔ آپ تو ابھی حال ہی میں یہاں آ ہیں۔'' حمید بولا۔

''جی غاں.....اور قیا۔'' قاسم نے بولنا ضروری سمجھا۔

''میں تصور بھی نہیں کرسکتی تھی۔''

''مسٹر قاسم بھی اس قسم کی کوئی کال کرسکتے ہیں۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔ لیکن آواز اتنی دھیمی بھی نہیں تھی کہ قاسم نہ سن سکتا۔

''یہ قیا بقواس ہے۔'' قاسم بوکھلا کر بولا۔

''آپ گھبرایئے نہیں۔ وہ آپ کی آواز نہیں تھی۔'' دردانہ ہنس کر بولی۔

''اپنے کسی دوست کو بھی کال کرنے پر آمادہ کیا جاسکتا ہے۔'' حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ قاسم اس پر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی بول پڑا۔

''ہمیں اس کو مذاق میں نہ ٹالنا چاہئے۔ سنجیدگی سے غور کرنا پڑے گا۔''

کھانے کے بعد وہ ڈرائنگ روم میں آئے اور دردانہ نے کہا۔ ''میں آپ کو بہت عمدہ کافی پلواؤں گی۔ خصوصیت سے اپنے لئے بلنڈ کراتی ہوں۔''

''کیپٹن حمید کافی کے معاملے میں بہت حساس ہیں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''البتہ قاسم کو کافی بالکل پسند نہیں ہے۔'' حمید نے کہا۔

''تم قیا جانو۔'' قاسم نے آنکھیں نکالیں۔ ''میری طرف سے قیوں بول رہے ہو۔ میں ے اپنا سر دھویا کرتا ہوں۔''

''اوہو.....کیا یہ بال بڑھانے کا کوئی نسخہ ہے۔'' دردانہ نے ہنس کر پوچھا۔

''جی نہیں۔ یہ گنجے ہونے کا نسخہ ہے۔'' حمید بولا۔ ''ان کی بیگم صاحبہ کو بال پسند نہیں ہیں۔''

''تم باپ دادا تک قیوں پہنچنے لگتے ہو۔'' قاسم جھلا کر بولا۔

''یہ کیا بات ہوئی قاسم صاحب۔ کپتان صاحب نے تو صرف آپ کی بیگم کا حوالہ دیا تھا۔''

''آپ نہیں سمجھ سکتیں۔'' حمید مسکرا کر بولا۔ ''بعض خواتین میں باپ دادا کا جلوہ بیک نظر آتا ہے۔''

''اب میں قچھ بولوں غا تو قرنل صاحب ناراض ہوں گے۔'' قاسم کسی کھٹکھنے کتے کی طرح غرایا۔

''حمید پلیز.....!'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا اور دردانہ سے پوچھا۔ ''مسٹر بھٹی اور طاہر ملک تعلقات کیسے ہیں۔''

''خدا جانے۔ یہاں تو سبھی آپس میں ہنستے بولتے رہتے ہیں۔ دیکھئے کرنل صاحب میں ایک بات کیوں نہ بتادوں۔ میں دراصل اپنا سارا سرمایہ کینیا سے یہاں منتقل کرنا چاہتی تھی۔ جو قانونی طور پر ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا میں کوئی دوسری صورت پیدا کرنے کے لئے یہاں کی حیثیت تاجروں سے تعلقات پیدا کرنے کی کوشش کررہی ہوں۔''

''میں سمجھتا ہوں آپ کی دشواریوں کو۔ لیکن یہ مشورہ ضرور دوں گا کہ آنکھیں بند کرکے کسی پر بھی اعتماد نہ کرلیجئے گا۔ میں بہتوں کو جانتا ہوں جو اس چکر میں بڑی بڑی رقومات گنوا بیٹھے۔''

''میں سمجھتی ہوں۔ تو پھر آپ ہی اس سلسلے میں میری رہنمائی کیجئے۔''

''میں دیکھوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کرسکتا ہوں۔'' فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''کیا میں آپ کے فون پر ایک کال کر سکتا ہوں۔''

''ضرور.....ضرور.....!''

فریدی نے اٹھ کر فون پر پولیس ہسپتال کے نمبر ڈائیل کئے اور زیدی کی حالت کے بارے میں استفسار کیا۔

''خون دیا جا رہا ہے جناب۔'' دوسری طرف سے ڈیوٹی ڈاکٹر کی آواز آئی۔

''ہوش آیا.....؟''

''نہیں جناب.....میرا خیال ہے کہ اس میں ابھی دیر لگے گی۔ لیکن وہ اب خطرے سے باہر ہے۔''

''شکریہ'' کہہ کر فریدی نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ اس دوران میں کافی کی ٹرالی آ گئی تھی اور دردانہ اُن کے لئے کافی بنا رہی تھی۔ حمید اس سے کہہ رہا تھا ''ہمارے یہاں اب جرائم کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں جرائم کے معاملے میں ہم امریکہ سے سبقت نہ لے جائیں۔''

''تمہارا خیال غلط ہے۔ یہاں کبھی ایسا نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ ہم ہزار سال سے قوانین کی حدود میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔'' فریدی بولا۔ ''امریکہ کی بیک گراؤنڈ دوسری ہے۔ وہاں پہنچنے والے سفید فام اقوام کے افراد کی زندگیوں کی ابتداء ہی آزادانہ ہوئی تھی اور وہ خود قانون تھے۔''

''میں آپ سے متفق ہوں۔'' دردانہ نے کہا۔

''اور میں بھی۔'' قاسم بچکانہ انداز میں بولا۔

اچانک اسی وقت کمپاؤنڈ سے شور سنائی دیا پھر دو فائر ہوئے تھے اور کسی کی چیخ بھی سنی گئی۔ فریدی اور حمید اٹھ کر کمپاؤنڈ کی طرف جھپٹے۔ اتنے میں کسی نے چیخ کر کہا۔ ''وہ ہے.....چھت پر ہے۔''

''تم واپس جاؤ۔'' فریدی نے حمید سے کہا۔ ''دردانہ کے پاس ٹھہرو۔ میں دیکھتا ہوں۔''

حمید واپس آ گیا۔ ایک فائر پھر ہوا تھا۔ دردانہ خائف نظر آ رہی تھی اور قاسم قہر آلود نظروں سے حمید کو گھورے جا رہا تھا۔

دوسرا سانپ

حمید کو دیکھ کر دردانہ اپنے چہرے سے خوف کے تاثرات مٹا دینے کی کوشش کرنے لگی تھی اور قاسم مٹھیاں بھینچ کر دھاڑا تھا۔ ''دیکھا تم نے۔ دیکھ لیا۔ قیا ہو رہا ہے۔''

دردانہ اُسے گھورتی ہوئی سخت لہجے میں بولی۔ ''قاسم صاحب آپ خاموش کیوں نہیں رہتے۔ میں قطعی خائف نہیں ہوں۔''

''یقین.....یقین.....!''

''کچھ نہیں۔ بس خاموش رہئے۔'' اس نے کہا اور حمید کی طرف دیکھ کر بولی۔ ''ابھی تک واقعی میں اس کال کو مذاق سمجھتی رہی تھی۔''

''بے فکر رہئے۔ کوئی آپ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔'' حمید نے پرسکون لہجے میں کہا۔

''قیا تم لوگ ہر وقت یہاں بیٹھے رہو گے۔'' قاسم نے کسی لڑاکی عورت کے سے انداز میں ہاتھ نچا کر کہا۔

''تمہیں تو فرصت ہی فرصت ہے۔ ہماری طرف سے تم یہ فرض انجام دے سکتے ہو۔'' حمید آنکھیں نکال کر بولا۔ اسے سچ مچ قاسم پر غصہ آنے لگا تھا۔

''اوہو.....ختم بھی کیجئے۔'' دردانہ جھنجھلا کر بولی۔ ''میں نے فائروں کی آوازیں بھی سنی تھیں۔ میرے کسی ملازم کو تو گولی نہیں لگی۔''

''نہیں.....سب بخیریت ہیں۔ کرنل صاحب نے انہیں پورچ سے آگے جانے سے منع کر دیا ہے۔ فائر کرنے والا چھت پر ہے۔ بے فکر رہئے۔ کرنل اسے سنبھال لیں گے۔''

ملازموں کا شور اب بھی سنائی دے رہا تھا لیکن فائر کی آواز پھر نہیں آئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد فریدی بھی واپس آ گیا اور وہ سب اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''جو کوئی بھی تھا نہایت صفائی سے نکل گیا۔'' اس نے اطلاع دی۔ ''ملازموں کے بیان کے مطابق وہ کمپاؤنڈ وال پھلانگ کر اندر آیا تھا اور ملازموں کے للکارنے پر عقبی پارک کی طرف بھاگا۔ لیکن چھت پر کیسے پہنچا تھا یہ کوئی بھی نہیں بتا سکا۔''

''عقب میں زینے نہیں ہیں۔''

''فائر اس نے چھت ہی پر سے کئے تھے۔''

''تو پھر..... تو پھر۔ وہ درخت پر چڑھ کر چھت پر اترا ہوگا۔'' دردانہ نے کہا۔

''ہاں..... یہ ممکن ہے۔ درخت دیوار کے قریب ہی ہے اور شاخیں چھت پر جھکی ہوئی ہیں۔''

''مجھے ایک ٹارچ چاہئے۔'' فریدی نے کہا۔

''ابھی لائی۔'' کہتی ہوئی دردانہ کمرے سے چلی گئی۔

فریدی نے قاسم کی طرف دیکھا جو بہت بُرا سا منہ بنائے بیٹھا تھا۔ نظریں چار ہوتے ہی بولا۔ ''مرغئی بیچاری۔''

''کیا مطلب.....؟''

''ٹارچ قیوں منگوائی ہے آپ نے۔''

''تم اپنی زبان بند کیوں نہیں رکھتے۔'' حمید جھنجھلا کر بولا۔

''میں تو بولوں غا۔'' قاسم نے بھی آنکھیں نکالیں۔

''بولنے پر کوئی پابندی نہیں۔ لیکن بے تکی مت بولو۔'' فریدی نے کہا۔

''یہ لیجئے۔ وہاں ٹھائیں ٹھوئیں ہو رہی ہے اور میں بے تکی بھی نہ بولوں۔''

''تم چپ رہتے ہو یا۔'' حمید جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گیا کیونکہ فریدی نے ہاتھ اٹھا کر اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

اتنے میں دردانہ ٹارچ لے کر واپس آ گئی اور فریدی نے اٹھتے ہوئے قاسم سے کہا۔

''ہماری واپسی تک تم یہیں ٹھہرنا۔''

قاسم کچھ نہ بولا۔ بدستور منہ پھلائے بیٹھا رہا۔ وہ دونوں کمرے سے چلے گئے۔

دردانہ کچھ دیر خاموش رہی پھر قاسم سے بولی۔ ''بسا اوقات آپ شرمندہ ہی کرا دیتے ہیں۔''

''میں..... شش شرمندہ۔'' قاسم ہکلا کر رہ گیا۔

''جی ہاں..... آخر اتنی باتیں کرنے کی ضرورت کیا تھی۔''

''قیا میں اُن لوگوں سے ڈرتا ہوں۔ اب دیکھئے ٹارچ لے قر گئے ہیں بندر کا بچہ پکڑ لیں غے۔''

''کیا مطلب..... بندر کا بچہ۔''

''جی ہاں..... اور وہ بندر کا بچہ فارسی بول رہا ہوغا۔''

''کیا آپ بہت خوفزدہ ہیں۔'' وہ اپنی ہنسی روکنے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔

''میں کھوفزدہ نہیں ہوں۔ یہ لوغ ایسے ہی ہیں۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ۔''

''قاسم صاحب! خدا کے لئے مبہم باتیں نہ کیا کیجئے۔''

''قاتل کی تلاش میں نکلتے ہیں اور گوبھی کا پھول لے کر واپس آ جاتے ہیں۔''

''کیا آپ نے کھانے کے بعد پانی نہیں پیا تھا۔''

''آپ میری بات سمجھتی قیوں نہیں۔''

''کیا سمجھوں! آپ کچھ سمجھنے بھی دیتے ہیں۔''

''کیا نہیں سمجھیں۔''

''یہی گوبھی کا پھول اور بندر کا بچہ۔''

''اب آپ ہی دیکھئے۔ بھلا کیا بات ہوئی۔ یہ قیسی جاسوسی ہے۔''

''میں آپ سے پوچھ رہی ہوں۔''

''میری سمجھ میں آتا ہوتا تو میں جاسوس ہو جاتا لیکن اتنا جانتا ہوں کہ یہ لوغ اپنا اور ہمارا وقت برباد کرتے ہیں۔ ایک آدمی کا ابا قتل ہو گیا اس سے قرنل صاحب پوچھتے ہیں قاتل کے ابا کو بکریاں بہت اچھی لگتی تھیں۔''

''بس اب چپ رہئے۔'' وہ اکتا کر بولی۔

''اسی طرح میں بھی پاگل ہو جاتا ہوں اُن دونوں کی باتیں سن سن کر۔''

اتنے میں دو ملازم کمرے میں آئے اور ان میں سے ایک بولا۔ ''بیگم صاحب اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں ہے۔ پھاٹک بند تھا وہ دیوار پر چڑھ کر کودا تھا۔''

''میں نے تمہیں الزام تو نہیں دیا۔''

''اگر ہمارے ہاتھ لگ جاتا تو زندہ نہ چھوڑتے۔''

''کوئی زخمی تو نہیں ہوا۔''

''نہیں بیگم صاحبہ..... شائد وہ ڈرانے کے لئے ہوائی فائر کر رہا تھا۔ گھر گیا تھا۔ نکل جانا چاہتا تھا۔''

''نکل جانا ہوتا تو چھت پر نہ چڑھتا۔''

''جی ہاں..... یہ بات تو ہے۔ پچھواڑے نکل جانے کے لئے بہت راستے ہیں۔''

''پتہ نہیں کون تھا اور کیا چاہتا تھا۔ اچھا جاؤ تم لوگ اپنے کام دیکھو۔''

وہ دونوں چلے گئے اور قاسم نے ہنس کر کہا۔ ''آپ بھی تو قرلیتی ہیں جاسوسی۔''

''میں..... میں نے کیا کیا ہے۔''

''یہی کہ نکل جانا ہوتا تو چھت پر کیوں چڑھ جاتا۔''

''سامنے کی بات ہے۔''

''بس اسی سے میری جان جلتی ہے۔ ارے پکڑ لو قاتل کو فجول بک بک کرنے کی ضرورت ہے۔ ایسا نہیں تو ویسا ہے۔ ویسا نہیں تو بھیسا ہے۔''

''ارے ارے قاسم صاحب۔'' دردانہ بیساختہ ہنس پڑی۔

''ارے ہاں نہیں تو۔ جاسوسی کی دم بنے پھرتے ہیں۔ اب دیکھئے غا..... واپس آ کر پھر دماغ چاٹیں گے۔''

''سراغ رسانی اسی طرح ہوتی ہے۔''

''افریقہ میں بھی۔''

''ساری دنیا میں یہی طریقہ رائج ہے۔ آپس میں بحث ہی کر کے جاسوس کسی نتیجے پر پہنچتے ہیں۔''

''جی ہاں..... وہ بحث ہی کرتے رہ جاتے ہیں اور قاتل ٹھائیں ٹھوئیں کر کے نکل جاتا ہے۔''

''آپ بہت تھک گئے ہوں گے آپ ذرا دیر چپ بھی رہئے۔''

''ان کی واپسی جلدی نہیں ہوگی۔ اب تو قرنل صاحب نے سگار سلگایا ہوگا اور وہ برادر لالا پائپ میں تمباکو بھر رہے ہوں گے۔''

''کون برادر ان لا.....!''

''ہی ہی ہی ہی..... وہ میں انگریزی میں کہتا ہوں..... اردو میں بدتمیزی ہو جاتی ہے۔''

''قاسم صاحب آپ کچھ بھی تو نہیں سمجھنے دیتے۔''

''لیجئے شائد وہ آ رہے ہیں۔'' قاسم چونک کر بولا۔

قدموں کی آہٹیں قریب ہوتی جا رہی تھیں اور پھر وہ دونوں کمرے میں داخل ہوئے۔ فریدی کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا سوٹ کیس دیکھ کر قاسم اچھل پڑا اور دردانہ سے بولا۔ ''دیکھا میں نہ کہتا تھا وہ خالی ہاتھ نہیں آئے۔''

فریدی اور حمید اُسے گھور کر رہ گئے اور دردانہ ہنس کر بولی۔ ''لیکن اس میں بندر کا بچہ نہیں ہوگا۔''

''کیا مطلب.....!'' حمید نے قاسم کو گھورتے ہوئے سوال کیا اور وہ بوکھلا کر نظریں بچانے لگا۔

''کیا یہ سوٹ کیس آپ کا نہیں ہے۔'' فریدی نے دردانہ سے پوچھا۔

''جی نہیں۔ میرا نہیں ہے۔''

''دیکھا.....دیکھا.....!'' قاسم پھر بول پڑا۔

''کیا تم خاموش نہیں رہ سکتے۔'' حمید نے اُسے للکارا۔

''تم کیا کہنا چاہتے ہو۔'' اس بار فریدی نے اس سے سوال کیا۔

''مم.....میں کچھ نہیں۔''

''تو پھر خاموش رہو۔''

قاسم بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا اور فریدی نے دردانہ سے کہا۔ ''یہ اوپر چھت پر ملا ہے۔ مقفل ہے اور غالباً خالی بھی نہیں ہے۔''

''میرا تو نہیں ہے۔'' دردانہ بولی۔

''ملازموں کو بلوایئے۔ ممکن ہے ان میں سے کسی کا ہو۔''

''بہتر ہے میں دیکھتی ہوں۔'' دردانہ نے کہا اور کمرے سے چلی گئی۔ حمید قاسم کو ایسی نظروں سے دیکھے جا رہا تھا جیسے کچا ہی چبا جائے گا۔ قاسم نے اُس کی طرف دیکھ کر جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں اور بولا۔ ''اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو۔''

''تم ہماری عدم موجودگی میں کیا بکواس کرتے رہے تھے۔''

''تم سے مطلب میری زبان ہے۔ جو دل چاہے غا کہوں غا۔''

''اُوہ ختم کرو یہ باتیں۔'' فریدی نے کہا۔ ''قاسم کو دراصل نیند آ رہی ہے۔ لیکن نیند کے مارے ایسے حالات میں جانے کی اجازت بھی نہیں طلب کر سکتے۔''

''جی غاں.....جی غاں.....!'' قاسم جلدی سے سر ہلا کر بولا۔

''تو تم جاؤ۔ میں تمہاری طرف سے بہت کچھ کہہ سن دوں گا۔'' فریدی نے کہا۔

''جی اچھا۔'' قاسم نے سعادت مندانہ لہجے میں کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

''کمال کر دیا آپ نے۔'' حمید اس کے چلے جانے کے بعد بولا۔ ''میں کہتا تو جھینپ

یہ کرتا اپنی جگہ سے۔''

''میں جانتا ہوں کہ کب کون سا حربہ کارآمد ہو سکتا ہے۔''

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دردانہ واپس آ گئی۔ اس کے پیچھے ملازمین بھی تھے۔ انہوں نے باری باری سے سوٹ کیس کو دیکھا اور سروں کو منفی جنبش دیتے چلے گئے۔ پھر دردانہ نے انہیں واپس کر دیا تھا۔

''آخر اس سوٹ کیس میں ہے کیا۔'' دردانہ نے پوچھا۔

''کوئی ایسی چیز جو خود بخود حرکت کر سکتی ہے۔''

''مم میں نہیں سمجھی۔''

''کوئی جاندار شے۔''

''یعنی کہ.....یعنی کہ.....!''

''سانپ بھی ہو سکتا ہے۔''

''لیکن یہ سوٹ کیس میرا نہیں ہے۔ میں اپنے سانپوں کو اس طرح سوٹ کیسوں میں نہیں رکھتی۔''

''مجھے یقین ہے۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔

''تو پھر کیا وہ نامعلوم آدمی اسے چھت پر چھوڑ گیا ہوگا۔''

''اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔''

''اور میری سمجھ میں یہ آ رہا ہے کہ اسے سوٹ کیس سے کہیں اور منتقل کر دیا جاتا۔ اگر اس نامعلوم آدمی کو اس کا موقع مل جاتا۔''

''واقعی میں کسی دشواری میں پڑ گئی ہوں۔ مگر کیوں؟ میں نے کس کا کیا بگاڑا ہے۔ ابھی تو یہاں میں نے کوئی کام بھی نہیں شروع کیا ہے کہ کاروباری حریفوں ہی کا سامنا کرنا پڑے۔''

''یہی تو سوچنے کی بات ہے کہ وہ محض دھمکی ہی نہیں تھی۔''

''لیکن ابھی تو شائد آپ نے سوٹ کیس کو کھولا بھی نہیں۔'' دردانہ بولی۔

''یقین کے ساتھ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اس میں سانپ ہی ہوگا۔''

''مجھے سانپوں کا تجربہ ہے محترمہ۔'' فریدی نے کہا۔ ''میں اسے دیکھے بغیر یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ انڈوں پر سے ہٹائی جانے والی ایک جھلائی ہوئی مادہ ہے۔''

''یعنی کہ سوٹ کیس کھلتے ہی نکل بھاگنے کی بجائے حملہ آور ہوگی۔''

''جی ہاں..... افعی کی مادہ معلوم ہوتی ہے۔''

''واقعی آپ سانپوں کے معاملے میں بہت تجربہ کار ہیں۔''

''لیکن پھر سوال پیدا ہوتا ہے آخر کیوں؟ کیا آپ بھی افضل خان کے قاتل کی نشاندہی کر سکتی ہیں۔''

''میں کیا جانوں افضل خان کو۔ میں نے تو کبھی اس کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی۔ میں کس طرح اس کے قاتل کی نشاندہی کر سکتی ہوں۔''

''اگر میں یہاں نہ آتا تو آپ واقعی سکون سے رہتیں۔ میرے آنے سے قبل کسی نے آپ کو اس طرح کی دھمکی نہیں دی تھی۔''

''اور یہ کہہ کر دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے آپ سے کوئی تعلق رکھا تو مجھے قتل کر دیا جائے گا۔''

''سوچنے کی بات ہے۔''

''میری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آتا۔''

''فکر نہ کیجئے۔ یہ ہماری دردسری ہے۔''

''کک..... کیا اسے دیکھیں گے نہیں آپ۔''

''تنہائی میں جہاں میرے علاوہ اور کوئی نہ ہو۔''

''کیوں.....؟''

''بے حد خطرناک ہوتی ہے۔ بسا اوقات جست بھی لگاتی ہے اگر زیادہ جسامت والی ہوئی..... خیر تو اب آپ یہ بتائیے کہ آپ کو کس پر شبہ ہے۔''

''کرنل صاحب..... یقین کیجئے میں کسی پر بھی شبہ نہیں کر سکتی کیونکہ میری دانست میں یہاں آنے والے سبھی شریف ہیں۔''

''آپ کے مرحوم شوہر کا کوئی اور وارث جو اس واقعے سے فائدہ اٹھا سکتا ہو۔''

''نہیں کوئی بھی نہیں ہے اگر ہوتا تو میں خود ہی اس سے رجوع کرتی۔''

''تو پھر یہ کہانی اُسی چرائی جانے والی انگوٹھی کے گرد گھومتی ہے۔''

''اب میں کیا عرض کروں میری تو عقل ہی خبط ہو کر رہ گئی ہے۔''

''ذرا میری بھی سنئے۔'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا اور فریدی اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''قاتل اتنا جیالا تھا کہ چہار دیواری پھلانگ کر اندر آیا۔ تین فائر بھی کئے اور صاف نکل گیا۔ چاہتا تو ملازموں کی بے خبری میں کوٹھی میں داخل ہو جاتا اور کسی کھڑکی سے محترمہ پر وار کرتا۔ آخر یہ چوروں والا طریقہ کیوں اختیار کیا۔ یعنی سوٹ کیس میں سانپ لایا اور چھوڑ کر چلا گیا۔ مجھے تو یہ بھی سیٹ اپ ہی لگتا ہے۔''

''آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟'' دردانہ نے ناخوشگوار لہجے میں پوچھا۔

''آپ غلط سمجھیں۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ یہ سٹ اپ آپ ہی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ کرنل صاحب میرا مطلب سمجھتے ہیں۔''

''جی ہاں..... آپ کو اس کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔ ''حمید کچھ کہنا چاہتے ہیں۔''

''میرے تو سر میں درد ہو گیا ہے۔''

''آج سے ایک مسلح گارڈ چوبیس گھنٹے یہاں موجود رہے گا۔'' فریدی نے کہا۔

''خواہ مخواہ میری وجہ سے آپ کو اتنی تکلیف اٹھانی پڑ رہی ہے۔''

''جی نہیں۔ میری وجہ سے آپ کو خواہ مخواہ پریشان ہونا پڑ رہا ہے اور اب ہم اس وقت یہاں سے جائیں گے جب مسلح گارڈ پہنچ جائے گا۔ ذرا آپ کا فون پھر استعمال کروں گا۔''

''ضرور..... ضرور..... لیکن مسلح گارڈ والی تکلیف نہ کیجئے۔''

''نہیں محترمہ۔ یہ میرا فرض ہے۔'' فریدی نے کہا اور فون کی طرف بڑھ گیا۔

''کیا آپ لوگ اور کافی پینا پسند کریں گے۔'' دردانہ نے حمید سے پوچھا۔

''بہت بہت شکریہ۔'' حمید مسکرا کر بولا۔ ''اتنی ذہنی اچھل کود کے بعد کچھ نہ کچھ تو چاہئے۔''

''میں ابھی آئی۔'' کہتی ہوئی وہ کمرے سے چلی گئی اور حمید فریدی کی طرف متوجہ ہوا جو فون پر کسی کو ہدایات دے رہا تھا۔ پھر رابطہ منقطع کر کے دوبارہ کسی کے نمبر ڈائیل کر رہا تھا۔ گفتگو شروع کی تو حمید نے اندازہ لگالیا کہ پولیس ہسپتال کے نمبر ڈائیل کئے تھے۔

اس نے زیدی کی خیریت پوچھی تھی اور شائد جواب سن کر اُسے مایوسی ہوئی تھی۔ چہرے کے تاثرات سے یہی ظاہر ہو رہا تھا۔

وہ ریسیور رکھ کر حمید کی طرف مڑا۔

''کیا بات ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''زیدی ختم ہو گیا۔''

''اوہ.....!'' حمید منہ کھول کر رہ گیا۔

''تیسری موت.....!'' فریدی پر تفکر انداز میں بولا۔ ''بات بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ مجرم نے اُسے تھوڑی ہی دیر کا مہمان سمجھ کر بالآخر سڑک پر ڈالا ورنہ لاش کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں دشواری پیش آتی۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ زیدی کی موت کی خبر سے اُس کے ذہن کو جھٹکا لگا تھا۔ شرمندگی تھی اپنی بدگمانی پر جو اس کی طرف سے ہوئی تھی۔ فریدی کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔ ''مرنے سے قبل بحالت بیہوشی وہ کچھ بڑبڑاتا بھی رہا تھا جسے ڈاکٹر فیضی نے ریکارڈ کر لیا تھا اور سیل کر کے میرے لئے رکھ دیا ہے۔''

''تو پھر اب چلئے۔''

''نہیں میں نے بیگم شاہد سے وعدہ کیا ہے کہ مسلح گارڈ کے پہنچنے سے قبل نہیں جاؤں گا۔''

اتنے میں دردانہ واپس آ گئی۔ کافی کی ٹرالی بھی ساتھ ہی تھی۔

''خواہ مخواہ تکلیف کی۔'' فریدی بولا۔

''تکلیف کی کیا بات ہے۔ ویسے تکلیف تو آپ لوگ اٹھا رہے ہیں۔''

''اگر اجازت ہو تو میں سگار سلگالوں۔''

''شوق سے، مجھے تمباکو کی بو بُری نہیں لگتی۔ خود بھی کبھی کبھی ایک آدھ سگریٹ سلگا لیتی ہوں۔''

وہ ان کے لئے کافی بنانے لگی۔

''قاسم ہمارے متعلق کیا کہہ رہا تھا۔'' حمید نے پوچھا اور وہ ہنس پڑی پھر بولی۔ ''خواہ مخواہ دماغ چاٹتے رہتے ہیں۔ میں ابھی تک سمجھ ہی نہیں سکی کہ کس قسم کے آدمی ہیں۔ ان کے ساتھ بہت شائستہ آدمی ہیں ایک بار ملنے کا اتفاق ہوا تھا۔''

''بہت ہی مضحکہ خیز باتیں کی ہوں گی قاسم نے۔''

''جی کہہ رہے تھے کہ اب خیر نہیں۔ واپسی پر اُن کے ساتھ ایک بندر کا بچہ ہوگا اور وہ بھی بول رہا ہوگا۔''

حمید ہنس پڑا اور فریدی کے ہونٹوں پر بھی خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''شائد ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ آپ لوگوں سے انہونی ہی سرزد ہوا کرتی ہے۔ بہرحال آپ لوگوں کے اور اپنے درجنوں کارنامے سنا چکے ہیں۔ سب سے زیادہ دلچسپ کہانی سانپ کے بھوت کی تھی۔''

''جی ہاں..... اتفاق سے وہ ہمارے ساتھ ہی تھا۔''

کافی ختم ہونے سے پہلے ہی مسلح گارڈ وہاں پہنچ گیا۔

روانگی کے وقت دردانہ نے فریدی سے پوچھا۔ ''آپ اس سانپ کا کیا کریں گے۔''

''اگر کسی وجہ سے مارنہ دینا پڑا تو میرے کلکشن میں ایک کا اور اضافہ ہو جائے گا۔''

''مجھے بھی دکھایئے گا۔''

''ضرور.....!'' فریدی نے کہا اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔ سوٹ کیس پہلے ہی ڈگی میں رکھ دیا

''شائد اب ہم سیدھے ہسپتال ہی کی طرف جائیں گے۔'' حمید نے پوچھا۔

''ظاہر ہے۔'' فریدی کا مختصر سا جواب تھا۔

''پتا نہیں زیدی کی بڑبڑاہٹ سے آپ کیا نتیجہ اخذ کریں۔''

''دیکھو کیا سامنے آتا ہے۔'' فریدی نے پرتفکر لہجے میں کہا۔

ہسپتال پہنچ کر فریدی نے زیدی کے ورثا اور آفیسروں کو کالیں کی تھیں۔

لیکن وہاں ان کے پہنچنے کا منتظر نہیں رہا تھا۔ ڈاکٹر فیضی کا رکھوایا ہوا کیسٹ وصول کر

گھر کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ ڈیوٹی ڈاکٹر کو ہدایت کر دی تھی کہ زیدی کے ورثا اور آفیسروں

بتا دے گا کہ وہ کیسے ملا تھا اور کون اسے ہسپتال میں لایا تھا۔

''ہوسکتا ہے کہ اس کیسٹ سے اصل مجرم کی نشاندہی ہو جائے۔'' حمید نے کہا۔

''دیکھو کیا ہوتا ہے۔'' فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ ''ہوسکتا ہے وہ محض بے

باتیں ہوں جن کا اس واقعے سے کوئی تعلق نہ ہو۔''

گھر پہنچ کر اس نے ٹیپ ریکارڈر نکالا اور اس میں کیسٹ لگا کر پلے انگ سوئچ

تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہلکی ہلکی کھانسیاں سنی گئیں پھر کچھ کہا بھی گیا تھا لیکن ادائیگی اتنی واضح نہیں

کہ اُس سے کوئی مطلب اخذ کیا جاسکتا۔ پھر خاموشی۔ اس کے بعد کچھ کہا گیا۔ اس بار بھی الف

واضح نہیں تھے۔ ٹیپ چلتا رہا۔ ذرا دیر بعد واضح طور پر کہا گیا۔ ''میں نہیں جانتا..... افضل

کے باپ کو کیا جانوں..... خدا کے لئے رحم کرو مجھ پر۔ میں کچھ بھی نہیں جانتا۔ افضل خان

باپ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔''

اس کے بعد پھر ٹیپ چلنے کی ہلکی سی آواز سنائی دیتی رہی۔ اچانک زیدی نے

''انجکشن..... خدا کے لئے..... انجکشن..... بڑی تکلیف ہے۔ مجھے مار ڈالو..... مار ڈالو.....

کچھ نہیں جانتا۔ افضل خان کا باپ..... یا اللہ، مجھے اب موت دے دے، یہ افضل خان

باپ..... وباپ باپ.....!''

اس کے بعد پھر کوئی آواز بھی آئی تھی۔ ٹیپ کے اختتام تک دونوں خاموش بیٹھے رہے

حمید بولا۔ ''یہ افضل خان کا باپ۔''

''بیہوشی کی حالت کی بڑبڑاہٹ تھی۔'' فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا اور اٹھ کر فون پر

کے نمبر ڈائیل کئے اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ ''ذرا ڈاکٹر فیضی کی قیام گاہ کے نمبر تو دیجئے۔

زیدی بول رہا ہوں۔ شکریہ۔'' وہ تھوڑی دیر تک ریسیور کان سے لگائے کھڑا رہا پھر رابطہ

طع کر کے نمبر ڈائیل کئے اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ ''ڈاکٹر صاحب سے کہئے فریدی ہے۔''

تھوڑی دیر خاموش رہ کر پھر بولا۔ ''ہیلو ڈاکٹر کیسٹ مجھے مل گیا۔ بہت بہت شکریہ۔ آپ

بڑا کام کیا ہے۔ کیا اُسے بالکل ہوش نہیں آیا تھا۔ اوہ..... آپ کو یقین ہے..... بہت بہت

یہ۔''

ریسیور کریڈل پر رکھ کر اپنی جگہ پر واپس آ گیا۔ حمید سوالیہ نظروں سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔

''وہ قطعی بے ہوش تھا۔ اس وقت جب اس کی آواز ریکارڈ کی گئی۔'' فریدی نے حمید کی

کھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''تو یہ افضل خان کے باپ کا کیا قصہ ہوسکتا ہے۔ انداز ایسا تھا جیسے محض اسی سوال پر

تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہو۔'' حمید نے کہا۔

''اور یہ تو مجرم کو معلوم ہی ہو گیا تھا کہ افضل خان نے زیدی کو مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی

بت دی تھی۔ لہٰذا اس سلسلے میں کچھ معلوم کرنے کیلئے تشدد کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔''

''تو کیا یہ افضل خان کے باپ کا کوئی قصہ تھا۔''

''دیکھنا پڑے گا اور اب تو یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ اُس نے زیدی کو قریب

ل ہی سمجھ کر سڑک پر ڈلوا دیا ہوگا۔''

''اوہ..... ہاں..... وہ سانپ.....!'' حمید چونک کر بولا۔

''کواس..... اب وہ اصل معاملے کی طرف سے ہماری توجہ ہٹانے کی کوشش کر رہا ہے۔

رہا ہے۔ اصل کلیو تو اب ہاتھ لگا ہے۔ اچھا حمید صاحب میں تو چلا۔''

''کہاں.....؟''

''فکر نہ کرو۔ کوئی پوچھے تو کہہ دینا کہ میں شہر میں موجود نہیں ہوں۔''

''میں بالکل تنہا رہ جاؤں گا۔ اگر کہئے تو اس وزیر زادی کو تلاش کرنے کی کوشش کروں۔''

''محض یہ سمجھ کر کہ وقت ضائع کر رہے ہو۔''

''کیا مطلب.....؟''

''دکھاوے کے لئے۔ ورنہ یقین کرو کہ سب بکواس ہے اور ہاں اب موجی بابا کی طرف رخ بھی نہ کرنا۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ اس سے دور رہنے کو کیوں کہہ رہے ہیں۔''

''وہ اس سلسلے میں کوئی خاص رول ادا کر رہا ہے۔''

''تو آپ کتنے دنوں کے لئے باہر جا رہے ہیں۔''

''یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ کب تک واپسی ہوگی۔''

''تو کیا اسی وقت.....!''

فریدی گھڑی پر نظر ڈالتا ہوا بولا۔ ''ایک گھنٹے بعد مجھے فلائٹ مل جائے گی۔''

''مگر جائیں گے کہاں۔''

''ابھی کچھ نہ پوچھو۔''

''آپ کی مرضی۔ لیکن وہ سوٹ کیس جو ڈگی میں بند ہے۔''

''اچھی بات ہے اُسے بھی دیکھے لیتے ہیں۔ میں اُسے لے کر تجربہ گاہ میں جاؤں گا۔ جب فون کروں تو تم بھی چلے آنا۔''

''کیا واقعی وہ سانپ اتنا ہی خطرناک ہوسکتا ہے۔''

''میرا اندازہ یہی ہے۔'' فریدی نے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔

حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ اس کا ذہن افضل خان کے باپ میں الجھا ہوا تھا۔ سوٹ کیس کی یہ نئی کروٹ کیا معنی رکھتی ہے۔ وہ سوچتا رہا۔ پائپ کے دھوئیں کے مرغولے

چھوڑتے رہے۔ دفعتاً فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے لپک کر ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔ ''آجاؤ۔''

بھاگم بھاگ تجربہ گاہ میں پہنچا۔ فریدی ایک طرف خاموش کھڑا نظر آیا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر سانپ بے حس و حرکت پڑا تھا۔

''کیا مار دیا۔'' حمید نے پوچھا۔

''بیحد خطرناک تھا۔ تم اسے دیکھو۔'' فریدی نے اُس سوٹ کیس کی طرف اشارہ کیا جس میں سانپ برآمد ہوا تھا۔ حمید نے کھلے ہوئے سوٹ کیس کی تہہ میں جلی حروف میں لکھا ہوا دیکھا۔ ''اگر تم بچ بھی گئے ہو تو اسے آخری وارننگ سمجھ لو۔ ضروری نہیں ہے کہ تم ہر معمہ حل کر سکو۔''

پھر وہی لڑکی

دوسرے دن حمید واقعی تنہا رہ گیا تھا۔ لیکن اُسے نہیں معلوم تھا کہ فریدی کہاں گیا ہے اور اس کی اس اچانک روانگی کا باعث وہ واقعہ بنا تھا جس کی بناء پر مقتول افضل خاں کے باپ کے کیس میں بھی کوئی مبہم سی بات سامنے آئی تھی۔

ناشتے کے بعد اس نے سوچا کہ دردانہ شاہد کو فون کر کے اس کی خیریت دریافت کرے۔ پھر فیصلہ کیا کہ اس کے گھر جا کر خیریت دریافت کرنی چاہئے۔ فریدی نے اس کے لئے کوئی مخصوص لائحہ عمل مرتب نہیں کیا تھا۔ اس لئے اسے اب جو کچھ بھی کرنا تھا اپنے ہی طور پر کرنا تھا۔ پورچ میں سے گاڑی نکلوائی اور دردانہ شاہد کی اقامت گاہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ انسپکٹر زیدی کی گفتگو سے اُسے صدمہ پہنچا تھا اور اس وقت اس کا ذہن اُسی میں الجھا ہوا تھا۔ عبرت ناک موت ہوئی تھی۔ اُس پر بے اندازہ تشدد کیا گیا تھا۔ اس بیچارے کی خطا صرف اتنی سی تھی کہ وہ مقتول مرحوم افضل خاں کا راز دار تھا۔ افضل خان نے اس کے علاوہ اپنے اور کسی ماتحت

پر اعتماد نہیں کیا تھا لیکن افضل خان کا باپ کیوں؟ آخر وہ نامعلوم آدمی افضل خان کے بارے میں کیا جاننا چاہتا تھا۔ خود حمید کے علم کے مطابق ماں کے علاوہ افضل خان کا قریبی عزیز زندہ نہیں تھا۔ اس نے کبھی اپنے باپ کا ذکر تک نہیں کیا تھا۔ افضل خان سے کے تعلقات دوستانہ تھے اور اس نہج پر تھے کہ وہ ایک دوسرے کو اپنی نجی زندگی سے لاعلم نہیں سکتے تھے۔ لیکن افضل خاں نے اپنے باپ سے متعلق کبھی کوئی بات نہیں کی تھی۔

تھوڑی دیر بعد گاڑی دردانہ شاہد کی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوگئی اور اس نے اپنا اندر بھجوایا۔

دردانہ خود ہی اس کے استقبال کو باہر آ گئی تھی۔ حمید نے اُسے خوش وخرم دیکھا۔ تشویش کی ہلکی سی جھلک بھی اس کی آنکھوں میں نہیں پائی جاتی تھی اور اس نے سب سے پہلے سانپ کے بارے میں پوچھا تھا جو پچھلی رات فریدی کے ہاتھ لگا تھا۔

''کرنل صاحب کے خیال کے مطابق وہ اتنا ہی خطرناک تھا کہ اُسے فوری طور پر مار پڑا۔'' حمید نے کہا۔

''واقعی کرنل صاحب سانپوں کے معاملے میں اتنے ہی تجربہ کار معلوم ہوتے ہیں پوری زندگی اس مشغلے میں گزری ہو۔'' دردانہ ہنس کر بولی۔ وہ اسے سٹنگ روم میں لے آئی

''کافی پئیں گے یا چائے۔''

''کچھ بھی نہیں۔ ابھی ابھی ناشتہ کیا ہے۔ دراصل مجھے تشویش تھی اس لئے فون کرنے بجائے خود ہی آنا مناسب سمجھا۔''

''آپ لوگ بہت مہربان ہیں۔ میں بے حد شکر گذار ہوں۔''

''شکر گزاری کی ضرورت نہیں۔ یہ ہمارے فرائض میں داخل ہے۔''

''قاسم صاحب کی کال صبح پانچ بجے آئی تھی۔ میں سو رہی تھی۔''

''وہ رات بھر جاگتا رہا ہوگا۔ کرنل صاحب نے کسی تدبیر سے اسے چلتا کر دیا تھا۔ وہ تو کہہ رہا تھا کہ میں خود یہیں ٹھہر کر پہرہ دوں گا۔''

''بڑی عجیب شخصیت ہے۔''

''عجیب نہیں بلکہ مظلوم ہے۔''

''مظلوم..... اتنا بھاری بھرکم مظلوم میں نے آج تک نہیں دیکھا۔'' وہ ہنس پڑی۔

''نہیں واقعی مظلوم ہے۔ آپ اُس کی ٹریجڈی سے واقف نہیں ہیں۔''

''ارے تو اُن کے ساتھ کوئی ٹریجڈی بھی ہے۔''

''بیوی۔ جس سے آج تک رشتہ ازدواج قائم نہیں ہوسکا۔ وہ اس سے ڈرتی ہے اور یہ شادی جبراً ہوئی تھی۔ قاسم کی عم زاد ہے۔''

''تب تو واقعی ٹریجڈی ہی ہے۔'' دردانہ سنجیدہ ہوگئی۔

''ہر وقت یہی کہتا رہتا ہے اے اللہ اگر مجھے پیدا کرنا تھا تو پہلے میری ہی جیسی جورو بھی بنائی ہوتی۔ کیا آپ اُس کی بیوی سے ملی ہیں۔''

''جی نہیں۔ ابھی تک اتفاق نہیں ہوا۔ کئی بار کہہ چکی ہوں کہ انہیں بھی لائیے نہیں لاتے۔''

''اس کے ساتھ قاسم کو باہر نکلتے ہوئے شرم آتی ہے۔ کیونکہ کچھ پہاڑ اور گلہری کا سا معاملہ ہے۔''

''واقعی بے حد افسوس ہوا۔''

''اسی لئے میں اس کی دلدہی کرتا رہتا ہوں۔''

''آپ کے سلسلے میں بھی اُن کا عجیب رویہ ہے۔ کبھی فرماتے ہیں کہ میں حمید کے لئے جان بھی دے سکتا ہوں اور کبھی کہتے ہیں کہ جان سے مار دینے کو جی چاہتا ہے۔''

''جب کبھی محسوس کرتا ہوں کہ اس کی کوئی حرکت اُسے ڈبو دے گی اور میں اُس سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہوں تو بس آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔''

''بہرحال افسوس ہوا۔''

''مجھے حیرت ہے کہ ابھی تک آیا ہوں نہیں۔''

''شائد صبح مجھ سے کسی قدر بداخلاقی ہوگئی تھی۔ بعد میں بہت افسوس ہوا۔''

''دیر سے سوئی تھی کہ علی الصبح اُن کی کال آ گئی۔ نیند کی جھونک میں شائد میں نے انہیں ڈانٹ دیا تھا۔''

''تب تو شائد ہی رخ کرے۔''

''مجھے افسوس ہے۔''

''خیر..... ہاں تو جو کچھ بھی ہوا ہے اچھا نہیں ہوا۔ میرا مطلب تھا وہ نامعلوم شخص خواہ مخواہ آپ کا دشمن ہوگیا ہے۔''

وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ اچانک برآمدے کی طرف سے آواز آئی۔

''ارے کوئی ہے یا نہیں آنٹی..... کہاں گئیں آپ۔ خدا کی پناہ کیسا سناٹا ہے۔''

حمید چونک پڑا آواز کچھ سنی ہوئی سی لگی تھی۔ دردانہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔ ''آؤ سائرہ۔ آؤ میں موجود ہوں۔''

''دوسرے ہی لمحے میں ایک شوخ و شنگ لڑکی کمرے میں داخل ہوئی اور حمید کو دیکھ کر پہلے تو ٹھٹکی پھر ایسے بن گئی جیسے اسے دیکھا ہی نہ ہو۔''

''یہ باہر پولیس والا پہرہ کیوں دے رہا ہے۔'' اس نے دردانہ سے پوچھا۔

''پچھلی رات کوئی کمپاؤنڈ میں کودا تھا اور ملازموں کو ڈرانے کے لئے فائرنگ بھی کی تھی۔ ڈی آئی جی صاحب نے براہِ مہربانی یہ انتظام کر دیا ہے۔''

''آپ نے ہمیں اطلاع کیوں نہیں دی۔ کون تھا..... کیا مقصد تھا اس حرکت کا۔'' وہ حمید پر ایک اچٹتی ہوئی سی نظر ڈالتی ہوئی بولی۔

''خدا ہی جانے۔ ہوسکتا ہے ڈاکہ ڈالنے کا ارادہ رکھتا ہو۔''

''پھر کیا ہوا۔ پکڑا گیا یا نہیں۔''

''خدا جانے..... میں نے تو رپورٹ کر دی تھی۔''

''میں ڈیڈی سے کہوں گی کہ علاقے کے تھانے والوں کو کھڑکھڑائیں۔''

''اس کی ضرورت نہیں۔ وہ لوگ تفتیش کر رہے ہیں۔ محکمہ سراغ رسانی کے ایک آفیسر کیپٹن حمید بھی اس وقت یہاں موجود ہیں۔'' اس نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

''اچھا.....!'' وہ سر ہلا کر اور آنکھیں پھاڑ کر بولی۔ ''تو آپ کیپٹن حمید ہیں۔ آپ تو بہت مشہور آدمی ہیں جناب۔''

''بدنام کہئے۔'' حمید مسکرا کر بولا۔ ویسے وہ اس کی ڈھٹائی پر اب بھی عش عش کئے جا رہا تھا۔ کیونکہ یہ وہی لڑکی تھی جس نے کافی میں کوئی نشہ آور چیز دے کر اس کی جیب سے ربڑ کا سانپ غائب کر دیا تھا۔

وہ پھر دردانہ کی طرف متوجہ ہوگئی اور دردانہ حمید سے بولی۔ ''کیا آپ انہیں نہیں جانتے۔''

''جی نہیں۔'' حمید نے منہ سکھا کر کہا۔ ''میری بدقسمتی کہ پہلے کبھی ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔''

''ارے اپنے صوبائی وزیر تجارت کی صاحب زادی سائرہ بانو ہیں۔''

''آداب! بڑی مسرت ہوئی آپ سے مل کر۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا اور وہ جھپٹ کر اُس سے مصافحہ کرتی ہوئی چہکاری۔

''مجھے بھی خوشی ہوئی جناب۔''

''تو بیٹھو نا کب تک کھڑی رہو گی۔ کیا پیو گی۔'' دردانہ نے اُس سے کہا۔

''اس وقت ایک دشواری میں پڑ گئی ہوں۔ میری گاڑی خراب ہوگئی ہے۔ یہاں سے تھوڑے فاصلے پر کھڑی ہے۔ گیراج کو فون کروں گی اور پھر شاید آپ کی گاڑی لے بھاگوں۔''

''ضرور ضرور.....!'' دردانہ نے فون کی طرف اشارہ کیا اور وہ فون کی طرف بڑھ گئی۔ حمید اُسے حیرت سے دیکھے جا رہا تھا۔

اس نے فون پر کسی سے گفتگو کی اور پھر رابطہ منقطع کر کے حمید سے پوچھا۔ ''باہر شائد آپ کی گاڑی کھڑی ہے۔''

''جی ہاں.....!''

''تو پھر آپ ہی مہربانی کر کے مجھے پرنس لین میں ڈراپ کر دیں۔''

''ضرور.....ضرور..... مجھے مسرت ہوگی۔''

''کیا بہت جلدی میں ہو۔'' دردانہ نے پوچھا۔

''ہاں.....آنٹی بہت ضروری کام ہے۔''

حمید اٹھتا ہوا دردانہ سے بولا۔''میں پھر حاضر ہوجاؤں گا۔''

سائرہ علیک سلیک کرتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

حمید اسکے پیچھے تھا۔ وہ باہر نکلی اور خود ہی اگلی سیٹ کا دروازہ کھول کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔

حمید نے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولا ہی تھا کہ اس نے کہا۔''گاڑی تو بڑی شاندار ہے آپ کی۔''

''میری نہیں کرنل فریدی کی ہے۔''

''بڑی کمائی کر رہے ہیں۔'' وہ معنی خیز لہجے میں بولی۔

''باپ دادا کی کمائی پر عیش کر رہے ہیں۔ پشتنی رئیس ہیں۔ لیکن اپنے نام کے ساتھ نوابزادہ لکھنا پسند نہیں کرتے اور خود کمانے کا سلیقہ انہیں نہیں ہے۔'' حمید نے کہا اور انجن اسٹارٹ کر دیا۔ گاڑی کمپاؤنڈ سے نکل کر سڑک پر آ گئی۔ کچھ دیر خاموش رہ کر سائرہ نے اچانک کہا۔

''آپ میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں حمید صاحب۔''

''بڑا عجیب سوال ہے۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔''کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اس سے آپ کا کیا مطلب ہے۔''

''بننے کی کوشش نہ کیجئے۔''

''میں کچھ نہیں سمجھا محترمہ۔''

''تو آپ مجھے نہیں جانتے۔''

''جی ہاں۔ ابھی آپ سے تعارف ہوا ہے۔ آپ وزیرزادی ہیں۔''

''اوہ.....!'' وہ زور سے قہقہہ لگا کر بولی۔''اس لئے آپ مجھے نہیں جانتے۔''

''ایسا بھی نہیں ہے۔ اگر آپ مجھے پسند آ گئیں تو فرہاد تک بن کے دکھا دوں گا۔''

''بے تکلف ہونے کی کوشش مت کیجئے۔''

''بہت بہتر۔'' حمید نے کہا اور اوپری ہونٹ بھینچ کر ونڈ اسکرین پر نظر جما دی۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولی۔''آپ مجھے مرعوب کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

''میرے منہ میں اتنے دانت کہاں کہ لوہے کے چنے چبا سکوں۔''

''لیکن چبا چبا کر باتیں تو کر سکتے ہیں۔''

''آپ بہت ذہین ہیں۔ خوبصورتی اور ذہانت کو میں نے پہلے کبھی یکجا نہیں دیکھا۔''

''اس قصیدے کا شکریہ۔''

''میرے لائق اور کوئی خدمت۔''

''آپ مجھے غصہ کیوں دلا رہے ہیں۔''

''کیا واقعی مجھ سے یہ خطا سرزد ہوئی ہے۔''

''کھل کر بات کیجئے۔''

''کس مسئلے پر۔''

''اسی مسئلے پر جو آپ کے ذہن میں گھٹ رہا ہے۔''

''صرف یہی مسئلہ میرے ذہن میں گھٹ رہا ہے کہ آخر آپ چاہتی کیا ہیں۔''

''کیپٹن حمید میں پھر کہتی ہوں کہ آپ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔''

''میں صرف محبت کرنے کے لئے پیدا ہوا ہوں اور محبت کرنے والے بناتے ہیں بگاڑا نہیں کرتے۔''

''بیوقوف مت بناؤ۔'' وہ دانت پیس کر بولی۔

''پتہ نہیں آپ کیا چاہتی ہیں۔''

''میں صرف یہ بتانا چاہتی ہوں کہ آپ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔''

''آپ کئی بار بتا چکی ہیں۔''

''لیکن آپ میرے خلاف کارروائی کریں گے۔''

''کیسی کارروائی اور کس بناء پر۔'' حمید نے حیرت ظاہر کی۔

''کیا میں یہ سمجھ لوں کہ آپ مجھے پہچان نہیں سکے۔''

''آج سے پہلے میں نے آپ کو کبھی نہیں دیکھا۔''

''آپ جھوٹے ہیں۔'' وہ زور سے چیخی۔

''اب مجھے آپ سے پوچھنا پڑے گا کہ آپ کیا چاہتی ہیں۔''

''میں حقیقت جاننا چاہتی ہوں۔''

''کیسی حقیقت محترمہ۔'' حمید نے زچ ہو جانے کے سے انداز میں پوچھا۔

''میرے وزیرزادی ہونے کی بناء پر آپ انجان بن رہے ہیں یا اور کوئی وجہ ہے؟''

''کس بات سے انجان بن رہا ہوں۔'' حمید نے حیرت سے پوچھا۔

''خاموش رہئے۔'' وہ آپے سے باہر ہو کر چیخی۔

''کیا میں آپ کو کسی ڈاکٹر کے پاس لے چلوں۔''

''بس خاموش، ورنہ منہ نوچ لوں گی۔''

''مجھے علم نہیں تھا کہ وزیرزادیاں ایسی ہوتی ہیں۔'' حمید نے بہت بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''روکو۔ یہیں اتار دو مجھے۔''

حمید نے گاڑی سڑک کے کنارے لگا کر روک دی۔ لیکن وہ اُتری نہیں۔ منہ پھلا بیٹھی رہی۔

''کیا میں اُتر کر آپ کے لئے دروازہ کھولوں۔'' حمید نے بڑے ادب سے پوچھا۔

اُس نے اُسے پھاڑ کھانے والے انداز میں دیکھا لیکن کچھ بولی نہیں۔ گاڑی سے اُترنے کا ارادہ بھی ظاہر نہیں کیا تھا۔ حمید شانے سکوڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

وہ کچھ دیر تک خاموش بیٹھی رہی پھر بولی۔ ''آدمی بسا اوقات درندہ کیوں ہو جاتا ہے۔''

''اس لئے کہ درندگی ہی سے وہ تہذیب کی طرف آیا ہے۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو۔''

''تو ہو گئی آپ کی تشفی۔''

''کیا مطلب.....؟''

''آپ مجھ سے بس اتنا ہی پوچھنا چاہتی تھیں کہ آدمی بسا اوقات درندہ کیوں ہو جاتا ہے۔''

''تم آخر مجھے کیوں پریشان کر رہے ہو۔''

''اس لئے کہ آپ کسی قدر بے تکلف ہو جائیں۔ آپ سے تم پر اُتر ہی آئیں آخر۔''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ تم بھی مجھے اسی طرح مخاطب کر سکتے ہو۔''

''میں اس کی جرأت نہیں کر سکتا۔''

''کیا واقعی میری وزیرزادگی سے مرعوب ہو گئے ہو۔''

''نہ ہونا چاہئے۔''

''میں نے تو سنا تھا کہ تم دونوں بہت دلیر ہو کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔''

''صوبائی وزیر تجارت بہت شریف آدمی ہیں۔ اتنے شریف کہ انہیں کسی پرائمری اسکول کا ہیڈ ماسٹر ہونا چاہئے تھا۔ اس لئے میں ان کی بہت عزت کرتا ہوں۔''

''اور میں خود بہت کمینی ہوں۔''

''خدا جانے! مجھے تو اب تک کوئی تجربہ ہوا نہیں۔''

''پھر وہی۔ آخر تم اعتراف کیوں نہیں کرتے کہ میرے کمینہ پن سے دوچار ہو چکے ہو۔''

''میں خواہ مخواہ جھوٹ کیوں بولوں۔''

''کیا تم قسم کھا کر کہہ سکتے ہو کہ تم نے آج مجھے پہلی بار دیکھا ہے۔''

''اتنے قریب سے کسی وزیرزادی کو دیکھنے کا پہلا اتفاق ہے۔''

''اگر تمہیں نہ معلوم ہوتا کہ میں وزیرزادی ہوں تو تمہارا کیا رویہ ہوتا۔''

''یہ سوال بھی میری سمجھ میں نہیں آیا۔ دیکھئے محترمہ میں نہ وزیرزادیوں کو کاٹنے دوڑتا ہوں اور نہ غیر وزیرزادیوں کو۔''

''لیکن بھونکتے تو رہتے ہو۔'' وہ پھر جھلا کر بولی۔

''بڑے بڑے بھونکتے رہتے ہیں۔ میری کیا حقیقت ہے۔''

''کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں خودکشی کرلوں۔''

''خدانخواستہ پہلی ہی ملاقات پر اتنی مایوسی کی ضرورت نہیں ہے۔''

''کیا مطلب.....!''

''آپ کب مجھے اپنی باتوں کا مطلب سمجھنے دیتی ہیں کہ مجھ سے مطلب پوچھ رہی ہیں۔''

''کیپٹن حمید پلیز..... مجھ پر رحم کرو۔''

''جو کچھ بھی کہنا ہے کھل کر کہیئے۔ ہم کسی ایسی جگہ بھی چل سکتے ہیں جہاں سکون ہو۔''

''تو پھر چلو.....!''

حمید نے انجن دوبارہ اسٹارٹ کیا اور گاڑی حرکت میں آ گئی۔ سائرہ نے اب بالکل خاموشی اختیار کرلی تھی اور حمید مسلسل سوچے جارہا تھا کہ آخر وہ کیا چاہتی ہے۔ اُس سے اعتراف کیوں کرانا چاہتی ہے کہ وہ اُسے پہلے سے جانتی ہے۔ لیکن اب وہ اُسے کہاں لے جائے۔ یونہی رواروی میں پیشکش کردی تھی لیکن اب خود اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سکون کی جگہ کہاں ہوسکتی ہے۔

''کیا آپ ایسی کسی جگہ کی نشاندہی کرسکتی ہیں جہاں آپ کی دانست میں سکون ہوگا۔'' حمید نے اُس سے سوال کیا۔

''یہ پیش کش تمہاری تھی۔ میری نہیں۔ میں کیا بتاؤں۔''

''ساحلی علاقے کی کوئی تفریح گاہ کیسی رہے گی۔''

''تم خود فیصلہ کرو۔ میری ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے۔''

''میرے انتخاب پر آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا۔''

''کہاں چلو گے۔''

''سی سائیڈ ہیون.....!''

''بکواس جگہ ہے۔ اگر میں وہاں رو پڑی تو مجمع لگ جائے گا۔''

''خدا کی پناہ! تو کیا آپ روئیں گی بھی۔''

''یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ نہ روؤں۔''

حمید نے طویل سانس لی۔ اب تو اُسے اس کی ذہنی صحت بھی مشتبہ لگ رہی تھی۔ یا پھر فل اداکاری تھی۔ اُسے باور کرانا چاہتی تھی کہ وہ دماغ سے اُتری ہوئی ہے۔

''کیا ہمارے درمیان ایسی گفتگو بھی ہوسکتی ہے جس پر آپ کو رونا آجائے۔'' حمید نے پوچھا۔

''میں بسا اوقات لطیفے سن کر بھی رو پڑتی ہوں۔''

''کیا آپ انٹیلکچوال ہیں۔''

اس پر وہ ہنس پڑی اور حمید اُسے تنکھیوں سے دیکھ کر رہ گیا۔

''چلو سمندر ہی کی طرف چلو۔'' اُس نے کہا۔

''اگر آپ بالکل تنہائی چاہتی ہوں تو اپنے ہٹ میں لے چلوں۔''

''اوہ..... یہ تو بہت اچھا ہوگا۔ وہاں کوئی ہٹ ہے آپ کا۔''

''میرا نہیں کرنل صاحب کا ہے۔ میں تو بہت غریب آدمی ہوں۔''

''میرا باپ وزیر ہے۔ لیکن ہمارا کوئی ہٹ نہیں ہے ساحل سمندر پر۔''

''اسی لئے تو میں نے کہا تھا کہ انہیں کسی پرائمری سکول کا ہیڈ ماسٹر ہونا چاہئے تھا۔''

''لیکن میں بہت کمینی ہوں۔!'' اُس نے مغموم لہجے میں کہا۔

''کمینہ پن جسم کی رنگت نہیں ہے کہ اُس سے پیچھا نہ چھڑایا جاسکے۔''

''میں سمجھتی ہوں لیکن اس کے باوجود بھی مجبور ہوں۔''

''دیکھئے محترمہ میں زندہ دلی کو کمینہ پن نہیں سمجھتا۔''

''بہرحال تم اعتراف نہیں کرو گے کہ مجھے پہلے سے جانتے ہو۔''

''فرض کیجئے کر بھی لوں تو اس سے کیا ہوگا۔''

''میں اپنے ضمیر کا بوجھ تو ہلکا کرسکوں گی۔''

''کر ڈالئے۔ اگر ہم آپ کے رول کو اپنی رپورٹ میں کوئی جگہ دے بھی دیں تو اس کے

لئے ہمیں کسی شاہد کی تلاش ہوگی۔ گواہ کے بغیر عدالت کسی الزام کو تسلیم نہیں کرتی۔''

''خدا کا شکر ہے کہ آپ نے اعتراف تو کیا۔'' وہ طویل سانس لے کر بولی۔ ''لیکن ڈیڈی کو معلوم ہو جائے تو مجھے گولی مار دیں۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''انہیں میرے کرتوت کا علم نہیں ہے اور میں اسی ڈر سے مزید الجھتی چلی جا رہی ہوں کہیں انہیں پتا نہ چل جائے۔''

''میرا خیال ہے کہ ہم اس گفتگو کو فی الحال ختم کر دیں۔'' حمید نے کہا۔

''کیوں؟ اب کیا ہو گیا۔''

''وہیں ہٹ میں۔''

''جیسی تمہاری مرضی۔''

''تھوڑی دیر بعد وہ پشت گاہ سے ٹک کر اونگھنے لگی۔ حمید نے پہلے ہی محسوس کر لیا تھا آہستہ آہستہ وہ نڈھال سی ہوتی جا رہی ہے۔ تو گویا موجی بابا کا یہ بیان بھی درست ہی ثابت ہونے والا تھا کہ وہ کسی ایسے نشے کی عادی ہے جس کے لئے اُسے کسی کا پابند ہو جانا پڑتا ہے۔

ہٹ کے سامنے پہنچ کر اس نے گاڑی روکی اور چوکیدار کو آوازیں دینے لگا اور اسی دوران میں وہ بھی بیدار ہو گئی۔

''کک..... کیا بات ہے۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''ہم پہنچ گئے ہیں۔''

''مم..... میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔''

''آپ جو کچھ بھی استعمال کرتی ہیں بے تکلفی سے کر سکتی ہیں۔''

''تت..... تو..... تم یہ بھی جانتے ہو۔''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیا میں آپ کو گاڑی سے اترنے میں مدد دوں۔''

''نہیں شکریہ۔ اتنی بھی حالت خراب نہیں ہے۔''

وہ دروازہ کھول کر گاڑی سے اُتر گئی۔ چوکیدار آ گیا تھا۔ وہ انہیں ہٹ میں لے گیا۔

''کافی اور سینڈوچز کا انتظام تمہیں کرنا ہوگا۔'' حمید نے اُس سے کہا۔

''جتنی دیر میں آپ کہیں پہنچا دوں۔''

''آدھے گھنٹے بعد۔'' حمید نے کہا۔

وہ چلا گیا اور سائرہ حمید کو غور سے دیکھتی ہوئی بولی۔ ''تو تمہیں علم ہے کہ میں کوئی نشہ استعمال کرتی ہوں۔''

''جی ہاں مجھے علم ہے۔''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہیں آج سے پہلے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ میں کون ہوں۔''

''جی ہاں، مجھے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا۔''

''پھر انجان بننے کی کیا ضرورت تھی۔''

''یہ ہمارے پیشہ کا ایک راز ہے۔''

''خیر مجھے اس سے کیا..... ایک گلاس پانی چاہئے تاکہ میں بات کرنے کے قابل ہو سکوں۔''

''وہ ادھر..... غسل خانے میں چلی جائیے۔''

وہ اپنا پرس ہلاتی ہوئی غسل خانے کی طرف چلی گئی۔ اب حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ خود تو نہیں پھنس گیا ہے۔ آخر وہ اعتراف کرا لینے پر کیوں تل گئی ہے۔ کیا اس وقت اُس کا دردانہ کی کوٹھی میں پہنچنا محض اتفاق تھا۔ خیر دیکھا جائے گا۔ لڑکی بے حد ذہین معلوم ہوتی تھی۔ اگر اداکاری کر رہی تھی تو اُس میں کہیں سے بھی کوئی جھول نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آ گئی۔ حمید نے اُسے غور سے دیکھا۔ اب وہ پھر پہلے ہی کی طرح چاق و چوبند نظر آنے لگی۔ کچھ دیر قبل آنکھوں میں چھائی ہوئی مردنی کافور ہو گئی تھی۔ اُن میں وہی چمک دوبارہ عود کر آئی تھی جو اُس نے دردانہ کی کوٹھی میں دیکھی تھی۔ وہ سامنے والی کرسی پر بیٹھتی ہوئی بولی۔ ''اب دل نہیں چاہتا کہ تمہیں کچھ بتاؤں۔''

''مجھے اس پر بھی حیرت نہیں ہوگی۔ جب نشہ ٹوٹنے لگتا ہے تو آپ بور ہوتی ہیں۔ ضمیر بھی ملامت کرتا ہے اور آپ نیکی اور سچائی کے راستے پر چلنے کی سوچنے لگتی ہیں۔ لیکن جیسے ہی نشہ بحال ہوتا ہے آپ اپنے ضمیر کو پھر تاریکیوں میں دھکیل دیتی ہیں۔''

''بالکل یہی کیفیت ہوتی ہے۔'' وہ انگلی اٹھا کر بولی۔ ''کیا تم بھی کوئی نشہ استعمال کرتے ہو۔''

''اپنے وجود ہی کی مستی کیا کم ہے کہ کسی نشے کا سہارا لیا جائے۔''

''واقعی دلچسپ آدمی ہو کیپٹن۔''

''میں منتظر ہوں۔''

''کس بات کے.....!''

''آپ مجھے کچھ بتانا چاہتی تھیں۔''

''صرف یہی بتانا چاہتا تھی کہ یہ مخصوص قسم کا نشہ ہے۔ عام طور پر دستیاب نہیں ہے جسے وہ اپنا کارندہ بنانا چاہتی ہے۔ اس کو اسی نشے پر لگا دیتا ہے اور پھر وہ اس کے لئے کام کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔''

''وہ کون ہے؟''

''کاش مجھے معلوم ہوتا۔''

''شائد اس وقت بھی آپ اُسی کی ہدایت پر عمل کر رہی ہیں۔''

حمید نے کہا اور وہ بوکھلا کر کھڑی ہوگئی۔ آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھتی رہی پھر آہستہ سے بولی۔ ''تو تم یہ بھی جانتے ہو۔''

حمید نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سر کو اثباتی جنبش دی۔

''کیا تم جادوگر ہو۔''

''اکثر لڑکیاں جادوگر بالما بھی کہتی ہیں۔''

''سنجیدگی، سنجیدگی۔'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔

''چلئے..... سنجیدگی ہی سہی۔''

''اس کا کیا مطلب ہے کہ شائد اس وقت بھی میں اُسی کی ہدایت پر عمل کر رہی ہوں۔''

''آپ اس وقت دردانہ شاہد کی کوٹھی میں اتفاقاً نہیں پہنچی تھیں۔ آپ کو علم تھا کہ میں وہاں موجود ہوں۔''

''اچھا تو پھر.....!''

''اُس وقت سے اب تک آپ وہی کرتی رہی ہیں جس کی ہدایت آپ کو ملی تھی۔''

''واقعی تم جادوگر ہو۔'' وہ ہنس پڑی پھر سنجیدگی اختیار کر کے بولی۔ ''ہاں مجھ سے یہی کہا گیا تھا کہ تم وہاں موجود ہو اور مجھے کیا کرنا چاہئے۔ لیکن میں اس کی نشاندہی نہیں کر سکوں گی۔''

''آپ دونوں کے درمیان رابطہ کیسے قائم ہوتا ہے۔''

''فون پر..... اور میں اُس کے لئے کوئی آج سے کام نہیں کر رہی۔ یہ ڈیڈی کے وزیر بننے سے پہلے کی بات ہے۔''

''سوال تو یہ ہے کہ آپ کو نشے کی لت کیسے لگی تھی۔''

''میری ایک سہیلی تھی جس کا انتقال ہو چکا ہے۔ وہ بھی اُس کے لئے کام کرتی تھی اور اُجرت کے طور پر وہی منشی چیز اُسے ملتی تھی۔''

''کس سے ملتی تھی؟ اور آپ کو کس سے ملتی ہے۔''

''مختلف لوگوں سے۔ وہ خود ہی مجھ تک پہنچاتے ہیں۔ ان کے ناموں اور پتوں کا علم مجھے نہیں ہے۔''

''جو کچھ آپ مجھے بتا رہی ہیں کیا وہ بھی ان ہدایات میں شامل ہے جو آپ کو اس نامعلوم آدمی سے ملی ہیں۔''

''نہیں یہ میں اپنے طور پر بتا رہی ہوں۔''

''کیوں؟''

''اسلئے کہ تمہیں میری مجبوریوں کا احساس ہو سکے، اور اب میں زندہ نہیں رہنا چاہتی۔''

''تو اسی نے آپ سے کہا تھا کہ میری جیب سے ربڑ کا سانپ اڑا لیں۔''

''ہاں..... یہ درست ہے۔''

''آج کی ملاقات کا مقصد بھی بتا دیجئے۔''

لڑکی کچھ نہ بولی۔ اسکی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے اور پیشانی پر شکنیں پڑ گئی تھیں۔

چیخ

حمید بغور اُس کی حالت کا جائزہ لے رہا تھا۔ لڑکی کا چہرہ مختلف جذبات کی کشمکش کی آماجگاہ بن گیا تھا۔ وہ کچھ دیر خاموش رہ کر بولی۔ ''تم مجھ سے آج کی ملاقات کا مقصد پوچھ رہے ہو۔''

''ہاں میں نے یہی پوچھا تھا۔''

''تو سنو کہ مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے کہ'' وہ جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔

''میں جواب کا منتظر ہوں۔'' حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

''میری خود سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اصل مقصد کیا ہو سکتا ہے آخر تم سے مل بیٹھنے کو کیوں کہا گیا ہے۔ خود اُسی نے کہا تھا کہ میں تم پر جتا دوں کہ تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔''

''ہے نا.....!'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

دفعتاً حمید کے ذہن میں ایک نئے شبہے نے سر اُبھارا۔ وہ اسے اس وقت کہیں سر راہ نہیں ملی تھی۔ بلکہ دردانہ شاہد کی کوٹھی سے اس کے ساتھ روانہ ہوئی تھی۔ دردانہ شاہد ایک وقیع گواہ۔ اگر لڑکی کو کوئی حادثہ پیش آ جائے تو گویا..... وہ الجھ گیا۔ جس کا مطلب ہو گا فریدی کے لئے ایک نیا دردِ سر۔ وہ لڑکی کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔

''کیا مطلب..... تم کیا سوچ رہے ہو۔''

''تم بتاؤ کہ مجھے ان حالات میں کیا سوچنا چاہئے۔ کیا یہ بھی پروگرام میں شامل تھا کہ تم میرے ساتھ کہیں جاؤ۔'' حمید نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''خصوصیت سے اس سلسلے میں کچھ نہیں کہا گیا تھا۔''

''ہوں.....!'' حمید نے طویل سانس لی۔

اتنے میں چوکیدار کافی اور سینڈوچز لے آیا تھا اور وہ خاموشی سے کھاتے پیتے رہے تھے۔

لڑکی نے پوچھا۔ ''کیا وہ منشیات میں کوئی نئی چیز ہے۔''

''میں نہیں جانتی یہ کیا ہے..... یہ دیکھو۔'' اس نے اپنے پرس سے ایک چھوٹی سی شیشی نکال کر دکھائی جس میں کوئی بے رنگ سیال تھا۔ ''اس کے صرف تین قطرے تھوڑے سے پانی میں ملا لئے جاتے ہیں۔ اگر میں اس سے قطع تعلق کر لوں تو پھر یہ مجھے کہاں سے ملے گی۔''

''اُس کے لئے تم کس قسم کے کام کرتی ہو۔''

''بہت اچھے۔'' وہ ہنس پڑی۔

''کیا مطلب.....؟''

''کیا تم نے مجھے گرفتار کر لیا ہے کہ اس قسم کے سوالات کر رہے ہو۔''

''میں نے تو تم سے کچھ بھی نہیں پوچھا تھا۔ تم خود ہی مجھے یہ سب کچھ بتاتی رہی ہو۔ اگر کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی تو اس کی وضاحت چاہتا ہوں۔''

''پھر شائد میں ہی پاگل ہو گئی ہوں۔''

''اس خیال پر رائے زنی نہیں کر سکتا۔'' حمید آہستہ سے بولا۔ ''لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ تم خطرے میں ہو۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''تمہیں اندازہ ہو گیا ہو گا کہ وہ قانون کے محافظوں سے ٹکر لے رہا ہے۔''

''ہاں، میں سمجھتی ہوں۔''

''کیا تمہیں اس وقت بھی معلوم تھا کہ میں کون ہوں جب تم نے وہ مصنوعی سانپ میری جیب سے اڑایا تھا۔''

''ہاں میں جانتی تھی۔''

''کیا اسی نے بتایا تھا۔''

''ہاں مجھ سے محتاط رہنے کو کہا گیا تھا اور اسی سلسلے میں تمہارے نام اور پوزیشن سے بھی آگاہ کیا گیا تھا۔''

''بہرحال وہ مجھے اور کرنل صاحب کو کسی بڑے معاملے میں الجھا کر اپنے لئے راستہ صاف کرنا چاہتا ہے۔''

''کک.....کیا مطلب.....!''

''فرض کرو.....وہ تمہیں قتل کر کے تمہاری لاش غائب کر دے تو.....!''

''نن.....نہیں.....!'' وہ بوکھلا کر کھڑی ہوگئی۔

''بیٹھ جاؤ۔'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''دردانہ اس کی شاہد ہوگی کہ تم میرے ساتھ اُس کی کوٹھی سے روانہ ہوئی تھیں۔''

''مجھے خوفزدہ کرنے کی کوشش نہ کرو۔''

''عقل استعمال کرو۔ میری جیب سے اُس سانپ کو نکلوالینا ایک فضول سی حرکت تھی۔ دراصل اس بہانے وہ مجھے تمہارے چکر میں ڈالنا چاہتا تھا تاکہ کسی مناسب موقعے سے فائدہ اٹھا سکے۔''

وہ کرسی کی پشت گاہ سے ٹک کر ہانپنے لگی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پہلی بار اُسے اپنی صحیح پوزیشن کا احساس ہوا ہو۔

''تم ایک وزیر کی بیٹی ہو۔ اگر اس طرح غائب ہو جاؤ تو میرا کیا حشر ہو۔ الجھ گئے نا کرنل فریدی صاحب اور وہ اسی طرح دندناتا پھرے گا۔''

''پپ.....پھر.....!'' وہ ہانپتی ہوئی ہکلائی۔

''اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں کہ فی الحال میں تمہیں تمہاری کوٹھی پہنچاؤں اور تمہارے والد سے باقاعدہ طور پر تمہاری تحریری رسید حاصل کروں۔''

''کیا فضول باتیں کر رہے ہو۔'' وہ جھنجھلا کر بولی۔

''اچھا تو پھر کیا میں اپنی گردن کٹواؤں گا۔''

''یہ سب کچھ ہونے ہی کیوں لگا۔''

''اچھا تو پھر تم ہی مجھے اسکا مقصد بتاؤ۔ آخر اس نے تمہیں میرے پیچھے کیوں لگایا ہے۔''

''نہ یہ بات پہلے سمجھ میں آئی تھی اور نہ اب آ رہی ہے۔''

''اس لئے جو میں کہہ رہا ہوں اسے بے چون و چرا تسلیم کرلو۔''

''یعنی وہ مجھے مار ڈالے گا۔''

''ناممکن نہیں ہے اور یہ کوئی نئی واردات بھی نہ ہوگی۔ ہمیں آئے دن ایسے واقعات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اچھا یہ بتاؤ تمہاری وہ دوست کیسے مری تھی جس کی صحبت میں تم نشے کی عادی ہوئی تھیں۔''

وہ پلکیں جھپکائے بغیر حمید کو دیکھے جا رہی تھی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے ہپناٹائز کر دیا ہو۔

''میرے سوال کا جواب دو۔'' حمید نے اس بار کس قدر اونچی آواز میں کہا اور وہ اس طرح چونک پڑی جیسے سوتے سے جاگی ہو۔

''کیا ہے؟ اس طرح چیخ کیوں رہے ہو۔''

''تمہاری نشے باز سہیلی کیسے مری تھی۔''

''آخر تم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو۔''

''تمہاری صحیح پوزیشن کا تعین کروں گا۔''

''تم مجھے خوفزدہ بھی نہیں کر سکتے۔''

''اچھی بات ہے تو جب تمہارا دل چاہے اٹھ کر چلی جانا۔'' حمید نے کہا اور پائپ میں

تمبا کو بھرنے لگا۔

وہ تھوڑی دیر تک اُسے عجیب نظروں سے دیکھتی رہنے کے بعد بولی۔ ''تمہاری باتوں میں کسی قدر وزن ہے ضرور..... لیکن میں اب کر ہی کیا سکتی ہوں۔''

''اگر واقعی میرے سلسلے میں چارے کے طور پر استعمال نہیں کی گئی ہو تو بہت کچھ کر سکتی ہو۔''

''اور اگر استعمال کی گئی ہوں تو.....!''

''جلد ہی نتیجہ نکل آئے گا۔''

''کیا کہنا چاہتے ہو کھل کر کہو۔''

''مجھے پھانسنے کے لئے یا تو قتل کر دی جاؤ گی یا صرف غائب ہو جاؤ گی۔''

''میں یقین نہیں کر سکتی۔''

''تمہیں یقین آ جائے گا بشرطیکہ ٹیکسیوں کے اڈے تک جانے کی ہمت کر سکو۔''

''یعنی تم یہاں سے مجھے واپس نہیں لے جاؤ گے۔''

''اپنی شرائط پر لے جا سکوں گا۔''

''کیسی شرائط.....!''

''تم قطعی بھول جاؤ گی کہ آج سے پہلے بھی ہم کبھی ملے تھے اور میں تمہیں تمہاری کوٹھی پر چھوڑوں گا اور تمہارے خاندان کے کسی ذمہ دار کو یہ ضرور بتاؤں گا کہ میں کون ہوں اور تمہاری گاڑی خراب ہو جانے کی بناء پر تمہیں مجھ سے مدد لینی پڑی تھی۔''

''پوری طرح اپنا بچاؤ کرو گے۔''

''ظاہر ہے۔''

''اچھی بات ہے۔ مجھے گھر پہنچا دو۔''

''لیکن کوئی فائدہ نہیں۔ تمہیں بہر حال گھر سے باہر نکلنا پڑے گا۔''

''ضروری نہیں ہے۔''

''اوہو..... تو تمہارا مطلوبہ نشہ گھر بھی پہنچ سکتا ہے۔''

''نہیں..... لیکن فی الحال اتنی مقدار میں میرے پاس موجود ہے کہ کئی دنوں تک گھر سے نکلنے کی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔''

''اول تو مجھے اسی میں شبہ ہے کہ میں تمہاری کوٹھی تک پہنچ سکوں گا۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''اگر ایسی کوئی اسکیم ہے تو وہ تمہیں راستے ہی میں گھیرنے کی کوشش کریں گے۔''

''خدا غارت کرے۔''

''کس کو.....!''

''تمہیں..... میرا اتنا اچھا موڈ تباہ کر دیا۔''

''تو پھر تم کیا چاہتی ہو۔ تمہاری کوٹھی فون کر کے کسی کو یہیں بلوا لیا جائے۔''

''دونوں کی شامت ایک ساتھ آ جائے گی۔''

''اور یہ شامت تو اس سے بہر حال بہتر ہی ہوگی کہ تمہارے اغواء کا الزام میرے سر آئے۔''

''یہ کیا بات ہوئی۔''

''وہ ہم دونوں کو گھیر سکتے ہیں اور دونوں ہی قتل کئے جا سکتے ہیں اور لاشیں اس طرح غائب کی جا سکتی ہیں کہ اُن کا سراغ کبھی نہ مل سکے۔ آخری بار ہم دونوں کو صرف دردانہ نے دیکھا تھا یا پھر اس چوکیدار نے جو حالات سے بے خبر ہے۔''

''بس کرو.....!'' وہ ہاتھ اٹھا کر ہانپتی ہوئی بولی۔

''لاشیں غائب اور الزام بیچارے کیپٹن حمید کے سر کہ محترمہ سائرہ کے ساتھ فرار ہو کر منظر ہو گیا۔ غالباً اب پوری طرح بات سمجھ میں آ گئی ہوگی۔''

''اگر تم بھی غائب ہو گئے تو پھر کیا بات ہوئی۔''

''کرنل فریدی کے لئے الجھن..... ظاہر ہے کہ انہیں اس مجرم کی راہ سے ہٹ کر میرے کیس میں الجھ جانا پڑے گا۔''

''یعنی وہ کرنل فریدی کو اپنی راہ سے ہٹانے کے لئے یہ سب کچھ کرے گا۔''

''اتنی دیر سے میں تمہیں یہی سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔''

وہ خاموش ہوگئی اور حمید نے فون پر آفس کے نمبر ڈائیل کئے اور ایکسچینج سے مر
کنکٹ کرنے کو کہا۔ تھوڑی دیر بعد زمن کی آواز آئی اور حمید نے کہا۔

''میں ایگل بیچ کے ہٹ نمبر ایک سو ستائیس سے بول رہا ہوں۔ چار افراد سمیت
پہنچ جاؤ۔ دو مختلف گاڑیوں میں .....ان میں سے ایک آرمڈ کار ہونی چاہئے۔''

''کوئی خاص بات۔''

''پہلے میری پوری بات سن لو۔ تمہیں یہ دیکھنا ہوگا کہ ہٹ کی نگرانی تو نہیں کی جا رہی۔''

''اس کے بعد.....!''

''صرف تم ہٹ میں آؤ گے اور چاروں بدستور باہر ٹھہر کر ہٹ کی نگرانی کرتے رہو
گے۔ ویٹس آل.....!''

''ایک منٹ.....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''اگر کچھ اور لوگ بھی ہٹ کی نگرا
کرتے ہوئے نظر آئیں تو اس صورت میں مجھے کیا کرنا ہوگا۔''

''ہر حال میں اندر آ کر مجھے اطلاع دینی ہوگی۔ نگرانی ہو رہی ہو یا نہ ہو رہی ہو۔''

''او کے.....!''

حمید ریسیور کریڈل پر رکھ کر سائرہ کی طرف مڑا۔ اس کی حالت ابتر نظر آئی۔ چہرے
ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور آنکھوں سے ایسی خوفزدگی کا اظہار ہو رہا تھا۔ جیسے سچ مچ موت تعاقب
میں ہو۔

حمید بھی خاموش ہو بیٹھا۔ دفعتاً سائرہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''ارے.....ارے..... یہ کیا..... ایسا بھی کیا۔ میں ہر امکانی کوشش کروں گا کہ تمہاری
جان بچ جائے۔ اب یہ ایسا آسان تو نہیں ہے کہ مجرم ہمارے منہ آنے کی کوشش کریں۔'' حمید
اٹھتا ہوا بولا۔

لیکن وہ بدستور روتی رہی حتیٰ کہ حمید کو اس پر بڑے خلوص سے ترس آنے لگا۔ بدقت

پیش ہوئی تھی اور کسی روٹھے ہوئے بچے کے سے انداز میں حمید کو دیکھے جا رہی تھی۔

''یقین کرو کہ ان باتوں کا مقصد تمہیں خوفزدہ کرنا نہیں تھا۔'' حمید نے کہا۔

''تو پھر کیا تھا.....؟''

''تمہاری سمجھ میں نہیں آتی یہ بات۔''

''سنو، مجھے اپنی زندگی کی پرواہ نہیں ہے۔ میں تو صرف ڈیڈی کی عزت کو ڈرتی ہوں۔''

''اگر میرے کہنے کے مطابق عمل کرتی رہیں تو ڈیڈی کی عزت بھی محفوظ رہے گی۔''

''کیسے رہے گی۔ جبکہ تم نے اپنے آدمیوں کو بھی طلب کر لیا ہے۔''

''ضروری نہیں ہے کہ وہ تمہیں پہچانتے بھی ہوں۔''

''اور اگر کوئی پہچانتا ہی ہو تو۔''

''جب کوئی اندر آئے تو تم دوسرے کمرے میں چلی جانا۔''

''تو تم مجھے گھر ہی پہنچاؤ گے۔''

''اس کے علاوہ بہتری کی کوئی دوسری صورت نہیں ہے۔''

''تمہاری مرضی۔''

''تم نے اپنی سہیلی کے بارے میں ابھی تک کچھ نہیں بتایا۔''

''بس وہ ایک رات سوئی تھی۔ صبح نہیں اٹھ سکی۔''

''کون تھی۔ اس کے متعلقین کے بارے میں کچھ بتاؤ۔''

''مجھے افسوس ہے کیپٹن۔ میں ایسا ہرگز نہیں کر سکوں گی۔'' اس نے خشک لہجے میں کہا۔

''کافی اور پیو گی۔''

''نہیں.....لیکن باتھ روم پھر جاؤں گی۔''

''اتنی جلدی جلدی ضرورت پیش آتی ہے نشہ تازہ کرنے کی۔''

''تم یہ بھی تو دیکھو کہ میں کس جذباتی کشمکش کے دور سے گزر رہی ہوں۔''

''ٹھیک ہے.....جاؤ.....!'' حمید سر ہلا کر بولا اور وہ اٹھ کر باتھ روم کی طرف چلی گئی۔

حمید بے چینی سے اپنے ساتھیوں کا منتظر تھا۔ خود باہر نکل کر بھی جائزہ لے سکتا تھا لیکن اسے مناسب نہیں سمجھا۔

اچانک اُسے فریدی کا خیال آیا۔ کیا وہ سچ مچ شہر میں موجود نہیں تھا یا محض مجرم کو دھوکے میں ڈالنے کے لئے اُس نے روپوشی اختیار کی تھی؟ بارہا ایسا ہو چکا تھا جب بھی کوئی پیچیدہ ذہانت کے بل بوتے پر اُس کے منہ آنے کی کوشش کرتا تھا تو کسی نہ کسی مرحلے پر فریدی دونوں کے لئے بظاہر پس منظر میں چلا جاتا تھا اور پھر ڈرامائی طور پر مجرم کی گردن اُس کی گرفت میں آ جاتی تھی۔ کیا اس کیس میں بھی یہی ہونے والا تھا؟

خیالات کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ کیونکہ سائرہ واپس آ گئی تھی۔

''ابھی نہیں آئے تمہارے آدمی۔'' اس نے سوال کیا۔

''خاصا فاصلہ ہے۔''

''کیا یہ چوکیدار ہمیشہ یہیں رہتا ہے۔''

''ہے ہی اسی لئے.....!''

''کیا کرنل فریدی بہت مالدار ہیں۔''

''بہت سے بھی کچھ زیادہ ہی۔''

''پھر انہیں ملازمت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔''

''ضرورتاً ملازمت نہیں کرتے۔ سراغ رسانی ان کا شوق ہے۔''

''ایسی باتوں پر یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا۔''

''مت کرو۔''

''کیا اب تمہارا موڈ خراب ہو رہا ہے۔''

''نہیں..... صرف تشویش ہے کہ آخر تمہیں کب تک بچایا جا سکے گا۔''

''تمہیں میرے لئے تشویش ہے۔''

''کیوں نہ ہو۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ہر خوب صورت لڑکی حشر تک زندہ رہے۔''

''پھر نہ تو وہ خوب صورت ہی رہے گی اور نہ لڑکی۔''

''ہاں یہ بات تو ہے۔'' حمید نے مغموم لہجے میں کہا۔

''تم اب بھی کھل کر بات نہیں کر رہے ہو۔''

''اب اور کیا سننا چاہتی ہو۔''

''میں اس مجرم کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔''

''تم اس کے لئے کام کرتی ہو۔''

''لیکن اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے۔''

''میرے لئے عجیب نہیں ہے کیونکہ یہی اسکا طریق کار ہے۔ ایسے کئی مجرموں سے ہمارا واسطہ پڑ چکا ہے اور وہ بالآخر ہماری گرفت میں آئے ہیں۔ یہی حشر اس مجرم کا بھی ہونا ہے۔''

''تم لوگ کب سے اس کے پیچھے ہو۔''

''یہ میرے محکمے کا راز ہے لہٰذا اس سلسلے میں کچھ نہ بتا سکوں گا۔''

''تمہاری مرضی۔''

حمید کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔

''کون ہے۔'' حمید نے اونچی آواز میں پوچھا۔

''زمن.....!'' جواب ملا اور حمید نے سائرہ کو دوسرے کمرے میں جانے کا اشارہ کرتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ ''جب تک میں خود ہی تمہیں نہ بلاؤں وہیں ٹھہرنا۔''

وہ چلی گئی اور حمید نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ زمن سامنے ہی کھڑا نظر آیا تھا۔ حمید اُسے اندر آنے کا اشارہ کر کے پیچھے ہٹ آیا۔

''دروازہ بند کر دو۔''

''کیا قصہ ہے۔'' اس نے دروازہ بند کرتے ہوئے پوچھا۔

''باہر کی خبر کیا ہے؟''

''کچھ بھی نہیں۔ ہٹ کے آس پاس ہمارے چار آدمیوں کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں ہے۔''

''آرمڈ کار لائے ہو؟'' حمید نے پوچھا۔

''ہاں، باہر موجود ہے۔''

''اسے یہیں چھوڑ کر لنکن تم لے جاؤ اور ان چاروں سے کہہ دو کہ دوسری گاڑی میں میرے پیچھے رہیں گے۔''

''کیا کوئی بڑا چکر ہے؟''

''مجھے افسوس ہے کہ تفصیل میں نہیں جاسکوں گا۔'' حمید نے کہا۔ ''بس تم لنکن لے جا اور ان چاروں کو ہدایت دے دو۔''

اس نے لنکن کی کنجی اُس کے حوالے کی۔ زمن کی نظر بار بار کافی کی دو پیالیوں پر پڑتی تھی اور پھر وہ چاروں طرف دیکھنے لگتا تھا۔

''تم دیر کر رہے ہو۔'' حمید بولا۔

''اوہ.....اچھا.....'' زمن نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

اسکے چلے جانے کے بعد حمید نے پھر دروازہ بند کر کے بولٹ کر دیا اور سائرہ کو آواز دی۔

وہ آئی اور خاموشی سے بیٹھ گئی۔ حمید آہستہ سے بولا۔ ''دس منٹ بعد یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔''

''میں نے تمہاری گفتگو سنی تھی۔ تم خواہ مخواہ وہم میں پڑ گئے ہو۔ وہ کہہ رہا تھا کہ کوئی بھی ہٹ کی نگرانی نہیں کر رہا۔'' سائرہ بولی۔

''ہوسکتا ہے کہ نگرانی کرنے والے آس پاس کے ہٹوں کے اندر ہوں۔''

سائرہ نے بُرا سا منہ بنا کر شانے سکوڑے۔ پھر پوچھا۔ ''یہ آرمڈ کار کیا ہوتی ہے۔''

''اس پر گولیاں اثر نہیں کرتیں۔''

وہ بے ساختہ ہنس پڑی اور مضحکہ اڑانے کے سے انداز میں بولی۔ ''اور اگر دشمنوں نے توپ چلا دی تو کیا ہوگا۔''

''تمہیں گاڑی ہی میں چھوڑ کر بھاگ جاؤں گا۔''

''میں پتا نہیں کیوں کس عذاب میں پڑ گئی ہوں۔''

''ویسے تو تم ایڈونچر کی شائق ہی معلوم ہوتی ہو۔''

''کاش نہ ہوتی۔'' وہ مغموم لہجے میں بولی۔ ''ہمارے مذہب نے عورتوں کے لئے جو مقرر کی ہیں کاش میں اُن سے باہر قدم نہ نکالتی۔''

''اُف فوہ.....اب ایک دم سے اتنی لمبی چھلانگ.....!''

''میں سنجیدہ ہوں حمید صاحب۔''

''اب ان حدود کی طرف پلٹ جانے کی کوشش کرو لیکن اس کے لئے تمہیں اپنے نشے کی [illegible] دینی ہوگی۔''

''میں یہ بھی کروں گی۔''

''تو لاؤ وہ شیشی مجھے دے دو۔''

''شش.....شی.....شی.....!'' وہ ہکلا کر رہ گئی۔

''اگر اس وقت ذرا سا بھی ہچکچائیں تو پھر تمہاری واپسی کبھی نہیں ہو سکے گی۔''

''واپسی.....!'' وہ طویل سانس لے کر بولی۔ ''واپسی ناممکن ہے حمید صاحب۔''

''خیر چلو.....گاڑی میں بات کریں گے۔''

وہ ہٹ سے باہر نکلے اور حمید نے چوکیدار کو آواز دے کر اطلاع دی کہ وہ جا رہے ہیں۔ کار سامنے ہی کھڑی تھی۔ حمید نے سائرہ کے لئے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔

''نہیں.....میں تمہارے ساتھ بیٹھوں گی۔''

''کیا تمہارے گھر والے اس پر معترض نہ ہوں گے۔''

''آپ کس ہوا میں ہیں حمید صاحب۔ میری ممی بہت موڈرن ہیں۔'' کہتی ہوئی وہ اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

حمید انجن اسٹارٹ کرتا ہوا بولا۔ ''لیکن آپ کے ڈیڈی تو خاصے قدامت پسند لگتے ہیں''

''ہوں گے ذاتی طور پر لیکن ممی اُن کی نہیں چلنے دیتیں.....اور وہ تو وزیر بھی ممی ہی کی وجہ

سے بنے ہیں۔ اگر ممی سوشل ورکر نہ ہوتیں تو بقول تمہارے وہ کسی پرائمری سکول کے ہیڈ ہی ہوتے۔''

حمید لمبی سانس کھینچ کر رہ گیا۔ گاڑی حرکت میں آ گئی تھی۔ سڑک پر پہنچ کر اس نے عقبی آئینے کا زاویہ اس طرح بدلا کہ اپنے محکمے کی گاڑی پر نظر رکھ سکے۔ گاڑی زیادہ فاصلے پر نہیں تھی۔

''اگر تمہاری ممی بہت موڈرن ہیں تو پھر تم کیا کر سکو گی۔''

''کس سلسلے میں۔''

''ابھی تم نے کہا تھا نا کہ پھر مذہبی حدود میں واپس جانا چاہتی ہو۔''

''کوئی نئی بات نہیں ہے۔ جب بھی کسی مشکل میں پڑتی ہوں یہی سوچتی ہوں لیکن اس تک تو واپسی نہیں ہو سکی ہے۔''

''پہلے قوت ارادی بڑھاؤ۔''

''نشے بازوں کی کوئی قوت ارادی نہیں ہوتی۔''

''محض خیال ہے تمہارا..... تم مجھے کیا سمجھتی ہو۔ شراب سے غسل کیا کرتا تھا۔''

''اور اب.....!''

''سالہا سال سے چکھی تک نہیں۔''

''کیوں..... تم نے کیوں چھوڑ دی تھی۔''

''کرنل فریدی کے لیکچر سے بھوت بھی بھاگتے ہیں۔ وہ بیچاری کس شمار قطار میں ہے۔''

''کیا وہ بھی نہیں پیتے۔''

''نہیں..... وہاں شراب کا کیا کام.....!''

''تم لوگ واقعی عجیب ہو۔''

دفعتاً ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا۔ حمید نے ایرپیس کان پر لگا کر ریسیور کا سوئچ آن کر دیا۔ کال ہو رہی تھی۔ ''ہیلو کیپٹن..... ہیلو کیپٹن..... تھرٹین کالنگ.....!''

حمید نے کال کا جواب دیا اور دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''اچانک ایک ٹائر فلیٹ

ہے۔ اس لئے رکنا پڑے گا۔ اُوور.....!''

''فکر نہ کرو۔''

''تو کیا آپ چلتے ہی رہیں گے۔ اُوور.....!''

''کیا خیال ہے۔ ٹائر اتفاقاً فلیٹ ہوا ہے یا اور کوئی چکر ہے۔''

''نیلے رنگ کی ایک گاڑی پیچھے تھے۔ وہ برابر سے نکلی چلی گئی ہے اُوور.....!''

''اچھی بات ہے۔ تم وہیل تبدیل کرو۔'' حمید نے کہا اور بولنے والے کو بتانے لگا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ اس کے بعد اُس نے ٹرانسمیٹر کا سوئچ آف کر دیا تھا۔

''میرا پتہ کس کو بتایا تھا۔'' سائرہ نے ناگوار لہجے میں پوچھا۔

''تمہارا نام تو نہیں لیا تھا۔ کیا کوئی پولیس آفیسر وزیر صاحب کی کوٹھی پر نہیں جا سکتا۔''

''لیکن تمہارے ساتھیوں نے اب تو مجھے دیکھ ہی لیا ہوگا۔''

''بے فکری سے بیٹھو، خواہ مخواہ بور ہونے کی ضرورت نہیں۔'' حمید نے کہا اور عقب نما آئینے کے زاویے میں پھر کسی قدر تبدیلی کی۔ نیلے رنگ کی کار عین اس کی گاڑی کے پیچھے تھی اور فاصلہ بھی زیادہ نہیں تھا۔ حمید نے طویل سانس لی۔ لیکن اُسی رفتار سے چلتا رہا۔ ٹائر تو آرمڈ کار کا بھی فلیٹ ہو سکتا تھا۔ خیر دیکھا جائے گا۔

''تم خاموش کیوں ہو گئے۔ کیا کوئی گڑبڑ ہے۔'' سائرہ نے پوچھا۔

''جس گاڑی میں میرے آدمی تھے اُس کا ٹائر فلیٹ ہو گیا ہے۔''

''تو پھر اب کیا ہوگا۔''

''وہ پہیہ تبدیل کریں گے۔ تم بے فکری سے بیٹھی رہو۔''

''ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔''

اچانک ایک زوردار دھماکہ ہوا اور گاڑی اچھل پڑی۔ حمید پہلے ہی سے ہوشیار نہ ہوتا تو تیز رفتار پر گاڑی کا الٹ جانا یقینی تھا لیکن وہ اسے بائیں جانب سڑک کے کنارے اُتارتا لیتا چلا گیا۔ سائرہ ایک ہی بار چیخ کر خاموش ہو گئی تھی۔ نیلی گاڑی کا اب دور دور تک پتہ نہیں تھا۔

حمید نے انجن بند کر دیا۔ لیکن گاڑی سے اُترا نہیں۔ ٹرانسمیٹر کا سوئچ آن کر کے تھرٹین سی پٹرول کار کو کال کرنے لگا۔ فوراً ہی جواب ملا تھا۔ اس نے اطلاع دی کہ آرمڈ کار کا ٹائر بھی فلیٹ ہو گیا ہے۔ اور نیلی گاڑی آگے نکل چلی گئی ہے۔

''آپ کو بڑی دشواری ہوگی۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''میں فی الحال اسی حال میں یہیں رک رہا ہوں۔ تم بھی وہیل تبدیل کر کے ادھر ہی آجاؤ۔''

''آپ کے لئے دوسری گاڑی کیوں نہ منگوادی جائے۔''

''نہیں..... پہلے تم ادھر ہی آؤ۔ اس کے بعد دیکھیں گے۔''

''پتا نہیں کیا ہو رہا ہے۔'' سائرہ دانت پیس کر بڑبڑائی۔

حمید ٹرانسمیٹر کا سوئچ آف کر کے بولا۔ ''اب تمہیں یقین آیا۔''

''میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ وہ نیلی گاڑی کس کی تھی۔ جس کا حوالہ ابھی تم نے دیا تھا۔''

''میں نہیں جانتا لیکن دونوں گاڑیوں کے خلاف کارروائی اُسی گاڑی سے ہوئی تھی۔''

حمید نے کہا اور بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکال کر گود میں رکھ لیا۔

''یہ کک..... کیا.....!'' وہ تھوک نگل کر ہکلائی۔

''یہ ریوالور ہے۔ اعشاریہ تین آٹھ کیلیبر کا۔''

''یہ نہیں۔'' وہ جھنجھلا کر بولی۔ ''آخر ہوگا کیا۔''

''میں بھی منتظر ہوں۔'' حمید نے کہا اور اپنی سائیڈ کا شیشہ اتارنے لگا۔

''یہ کک..... کیا کر رہے ہو..... اگر کوئی.....!''

''دم گھٹ رہا ہے۔ اس کا ایئر کنڈیشنر بھی خراب ہو گیا ہے۔''

دفعتاً وہ اس طرح چیخی کہ حمید بھی اچھل پڑا۔

پُراسرار جزیرہ

حمید معاملے کی نوعیت کو سمجھنے بھی نہیں پایا تھا کہ اچانک گردن میں ٹیس سی اٹھی۔ ایسا

محسوس ہوا تھا جیسے کوئی جلتی ہوئی لکیر گردن سے گزر کر پورے جسم میں دوڑتی چلی گئی ہو۔ آنکھوں کے سامنے غبار سا چھا گیا اور یہی غبار بڑی تیزی سے گہری تاریکی میں تبدیل ہو گیا۔

سائرہ پر کیا گزری تھی اس کا اندازہ کیسے ہوتا جبکہ اپنا ہی ہوش نہیں رہا تھا۔

جب ہوش آیا تو گویا جگ بیت چکے تھے۔ لیکن اب وہ اُس گاڑی میں نہیں تھا۔ نہ وہ جگہ تھی اور نہ وہ وقت تھا۔ سورج غروب ہونے والا تھا اور قریب ہی سمندر کی لہریں پتھریلے ساحل سے سر ٹکرا رہی تھیں۔ وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔ ایک بحری پرندہ چیختا ہوا اُس کے سر پر سے گزر گیا۔

پتا نہیں کب سے وہ اُس چٹان پر پڑا ہوا تھا۔ اچانک اُسے سائرہ یاد آئی۔ وہ بھی تو تھی اس کے ساتھ لیکن اب وہ بالکل تنہا تھا اور یہ ویرانہ یہاں تک کیسے پہنچا..... کون لایا اور کیسے لایا۔ ہر چند کہ وہ بھیڑ بھاڑ والی سڑک نہیں تھی لیکن اب ایسا بھی کیا کہ دن دہاڑے کسی کو اس کی مرضی کے خلاف وہاں سے اٹھا لیا جاتا۔ دوسری گاڑیاں بھی ادھر سے گزرتی ہی رہتی تھیں۔ وہ عجیب سی ذہنی کیفیت سے گزر رہا تھا۔ حافظہ پوری طرح بحال نہیں ہوا تھا۔ آہستہ آہستہ اُسے وہ واقعہ یاد آیا۔ اُس نے آرمڈ کار کی کھڑکی کا شیشہ اتارا تھا اور سائرہ چیخی تھی۔ وہ اُس کی طرف متوجہ ہوا تھا اور قبل اس کے کہ چیخنے کا سبب معلوم کر سکتا..... خود ہی ذہنی طور پر غائب ہو گیا تھا۔ مگر کیوں؟

اوہ..... گردن کی وہ چبھن جو ایک جلتی ہوئی لکیر کی طرح پورے جسم میں دوڑ گئی تھی۔ تو کیا کسی نے گاڑی کے باہر سے اُس پر ڈارٹ گن چلائی تھی۔ گردن میں وہ چبھن ڈارٹ ہی کی تھی؟ اس کے علاوہ اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ ورنہ اچانک بیہوشی کے حملے کا کیا جواز ہو سکتا ہے؟

کیا سائرہ اس سازش میں شریک تھی۔ یا وہ بھی ڈارٹ گن کا شکار ہوئی تھی۔ بہرحال اُس کے اندیشے درست نکلے۔ سائرہ کے اس طرح مل بیٹھنے کا جو مقصد اس کی سمجھ میں آیا تھا اُس کے برعکس نہیں ہوا۔ لیکن سائرہ پر کیا گزری؟ پتا نہیں اسی کی طرح ماری گئی یا خود بھی اس سازش میں شریک تھی۔ وہ جہنم میں جائے۔ آخر وہ یہاں کھڑا کیا کر رہا ہے دیکھنا چاہئے کہ وہ ہے کہاں۔ ساحل پر دور دور تک کسی کا پتا نہیں تھا اور یہ ساحل ایسا تھا بھی نہیں کہ یہاں کشتیاں لنگر انداز ہو سکتیں۔ لہٰذا مخالف ہی سمت میں چلنا چاہئے۔

وہ چڑھائی پر چڑھتا چلا گیا اور اوپر پہنچ کر دوسری طرف نظر دوڑائی۔ ادھر بھی قابل ہموار ڈھلان تھی اور تھوڑے ہی فاصلے پر چھوٹی چھوٹی کچھ عمارتیں بھی دکھائی دے رہی تھیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ویرانے میں لا کر نہیں چھوڑا۔ اُس نے سوچا اور تیزی سے نیچے اترنے لگا۔ اسی دوران میں اپنی جیبیں بھی ٹٹولی تھیں۔ ریوالور کے علاوہ اور سب کچھ موجود تھا۔ پرس نکال کر رقم گنی وہ بھی پوری تھی۔

عمارتوں کے قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ وہ ایک چھوٹی سی بستی ہے لیکن کسی نے بھی اس کی طرف خصوصی توجہ نہ دی۔ کچھ عجیب طرح کے لوگ تھے۔ نہ ماہی گیر معلوم ہوتے تھے اور نہ مزدور۔ عمارتیں بھی بناوٹ کے اعتبار سے کچھ عجیب ہی سی تھیں۔ پتا نہیں لوگ کس طرح اُن میں رہتے ہوں گے کیونکہ کسی بھی عمارت میں ایک دروازے کے علاوہ نہ کوئی کھڑکی نظر آتی تھی اور نہ روشندان۔

بستی کے وسط میں ایک جگہ ایک خاصا طویل و عریض پختہ چبوترہ نظر آیا جس پر متعدد میزیں اور کرسیاں پڑی ہوئی تھیں اور لوگ بیٹھے مختلف قسم کے مشروبات پی رہے تھے۔ کچھ میزیں خالی بھی تھیں۔ حمید چلتے چلتے رک گیا۔ کئی لوگ اس کی طرف توجہ دیئے بغیر قریب سے گزر گئے۔ انہوں نے بھی اُسی چبوترے کی کچھ میزیں سنبھالی تھیں اور سرو کرنے والی خوبصورت لڑکیوں نے اُن کے آرڈر لئے تھے۔

حمید نے بھی چبوترے کی طرف قدم بڑھائے اور کنارے ہی کی ایک میز پر قبضہ کر لیا۔ سرو کرنے والی ایک لڑکی تیزی سے اس کی طرف آئی تھی۔

''فرمایئے جناب.....!'' اس نے بڑے ادب سے پوچھا۔

''الا کارتا.....!''

''میں نہیں سمجھی جناب۔''

''مینو.....!''

''یہاں صرف مشروبات آپ کو مل سکیں گے۔''

''کھانے میں کچھ نہیں ہے۔''

''جی نہیں! چائے کافی یا سوفٹ ڈرنکس۔''

''چائے یا کافی کے ساتھ کچھ کھاتے بھی ہیں۔''

''یہاں نہیں کھاتے جناب۔''

''کھانے کی کوئی چیز کہاں ملے گی۔''

''پتا نہیں جناب۔''

''سوال یہ ہے کہ اگر اتفاق سے کوئی مسافر ادھر آ نکلے تو کیا اُسے بھوکا مرنا پڑے گا۔''

''ہرگز نہیں جناب۔ آپ یہاں کسی کے بھی مہمان بن سکتے ہیں۔''

''اور چائے کے ساتھ کچھ کھانے کے لئے کہیں سے بھیک مانگ لاؤں۔''

''آپکی مرضی جناب۔ ویسے یہاں مشروبات کے ساتھ کچھ کھانے کا رواج نہیں ہے۔''

''کسی کا مہمان بننے کے لئے کیا کرنا پڑتا ہے۔''

''کسی بھی دروازے پر دستک دے کر آواز دیجئے کہ مہمان آیا ہے۔''

''اس بستی کا نام کیا ہے؟''

''ہونگی.....!''

''بہت مناسب نام ہے۔ اچھا تو پھر کافی لاؤ۔''

لیکن وہ کھڑی رہی۔

''میں نے کہا تھا کافی لاؤ۔''

''قیمت جناب۔ یہاں قیمت پہلے وصول کی جاتی ہے۔''

حمید نے طویل سانس لے کر جیب سے پرس نکال کر دس کا ایک نوٹ کھینچا اور اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ''سب کے ساتھ یہی برتاؤ ہوتا ہے یا صرف مسافروں کو ناقابل اعتماد سمجھا جاتا ہے۔''

''سب کے ساتھ یہی برتاؤ ہوتا ہے جناب۔ لیکن یہ کیا ہے۔''

''یہ دس روپیوں کا نوٹ ہے۔''

''یہ کیا ہوتا ہے۔''

''کیا یہ بدتمیزی بھی یہاں کے آداب میں شامل ہے کہ گاہکوں کا مضحکہ اڑایا جائے۔'' حمید غرایا۔

اور وہ حیرت سے بولی۔ ''مجھ سے کیا بدتمیزی سرزد ہوئی ہے جناب۔''

''میں تمہارے منیجر سے گفتگو کروں گا۔''

''اس وقت وہ موجود نہیں ہے۔''

''کوئی ذمہ دار آدمی تو ہوگا۔''

''اس وقت تو میں ہی ذمہ دار ہوں جناب۔''

''تو تم نہیں جانتیں کہ یہ کیا ہے۔'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''جی نہیں۔''

اتنے میں ایک آدمی اپنی میز سے اٹھ کر ان کے قریب آ کھڑا ہوا اور آہستہ سے بولا

''کیا قصہ ہے۔''

''یہ میرا مضحکہ اڑانے کی کوشش کر رہی ہیں۔'' حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''یہ غلط ہے جناب۔ میں نے کافی کی قیمت طلب کی تھی۔ یہ پتا نہیں کیا دے رہی ہیں۔ کہتے ہیں مسافر ہوں۔''

اجنبی حمید کے ہاتھ میں دبے ہوئے نوٹ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''یہ کہاں کی کرنسی ہے؟'' اس نے حمید سے پوچھا۔

''آپ بھی نہیں جانتے۔'' حمید نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''جی نہیں۔ ہماری کرنسی کاغذ کی نہیں ہے۔''

''سونے کی ہوگی۔''

''جی ہاں..... یہ دیکھئے۔'' اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک سنہرا سکہ نکالا اور اسے

کی طرف بڑھا دیا۔ حمید اسے ہاتھ میں لے کر دیکھنے لگا۔ اُس پر ایک طرف بندر کی تصویر تھی اور دوسری طرف ''ایک قلت'' لکھا ہوا تھا۔

''آخر اس ملک کا کیا نام ہے؟'' حمید نے بوکھلا کر پوچھا۔

''طوطا چشمستان۔''

''سب کے سب ایک مسافر کو اُلو بنانے پر تل گئے ہیں۔'' حمید اُس پر بھی الٹ پڑا۔

''اوہ..... اچھا میں سمجھ گیا۔'' اجنبی سر ہلا کر بولا۔ ''کیا آپ اُدھر ساحل پر پڑے ہوئے تھے۔''

''جی ہاں..... بدقسمتی سے۔''

''پتا نہیں آپ لوگ کہاں سے بہہ بہہ کر ادھر آ جاتے ہیں اور بڑی عجیب باتیں کرتے ہیں۔ آخر آپ کس ملک سے تعلق رکھتے ہیں۔''

''غافلستان سے۔''

''پہلے کبھی نام نہیں سنا۔'' وہ مایوسی سے سر ہلا کر بولا۔

''میرے لئے بھی طوطا چشمستان نئی دریافت ہے۔''

''لیکن آپ یہاں کے کولمبس نہیں بن سکیں گے۔ کیونکہ ہم بھی خاصے ترقی یافتہ ہیں۔''

''کہیں میں مریخ پر تو نہیں پہنچ گیا۔''

''جی نہیں..... آپ مشتری پر ہیں۔''

''یہاں بھی اردو بولی جاتی ہے۔'' حمید نے حیرت سے کہا اور پھر ہاتھ ہلا کر بولا۔ ''تشریف رکھئے۔ آپ لوگوں سے مل کر بے حد خوشی ہوئی۔ میں دراصل اردو ہی سے بھاگا تھا لیکن یہاں بھی اُس سے سابقہ پڑ گیا۔''

''یہ غافلستان کس سیارے پر ہے جناب۔'' اس نے بیٹھتے ہوئے حمید سے پوچھا اور اس کا جواب سنے بغیر لڑکی کی طرف دیکھ کے بڑھاتا ہوا بولا۔ ''کافی کے دو کپ۔''

''غافلستان.....!'' حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''غافلستان سیارے ہی کا نام ہے۔''

''ہمارے نظام شمسی میں تو اس نام کا کوئی سیارہ نہیں ہے۔''

''تمہارے سیارے پر کچھ اور کہلاتا ہوگا۔ خیر اس بحث میں کیا رکھا ہے۔ اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ یہاں زندگی بسر کرنے کے لئے میں قلت کہاں سے فراہم کروں۔''

''ٹیڑھا سوال ہے۔''

''آپ لوگ کیسے حاصل کرتے ہیں۔''

''بارشوں سے۔ لیکن یہ بارشوں کا موسم نہیں ہے۔''

''میں بالکل نہیں سمجھا۔''

''یہاں قلتوں کی بارش ہوتی ہے۔''

''تب تو میں بھوکا مر جاؤں گا۔''

''ہرگز نہیں جناب۔ آپ میرے مہمان بن جایئے۔''

''کب تک کے لئے۔''

''جب تک آپ کا دل چاہے۔ میرے بھائی کے ساتھ ایک مہمان نے اپنی پوری زندگی گذار دی تھی۔''

''بہت دل گردے والے ہیں آپ لوگ۔''

''کیا غم ہے۔ سکے تو آسمان سے برستے ہیں یہاں۔''

''واقعی کوئی پرابلم نہیں ہے۔''

''اتنے میں لڑکی کافی لے آئی اور دونوں خاموشی سے پینے لگے۔ تھوڑی دیر بعد حمید نے اس کا نام پوچھا۔

''تین سو چھیاسی بٹا گیارہ۔''

''بٹا بھی۔''

''جی ہاں..... میں گیارہواں تین سو چھیاسی ہوں۔ میرے مرنے کے بعد یہ نمبر کسی نوزائیدہ کو الاٹ ہو جائے گا اور تین سو چھیاسی بٹا بارہ کہلائے گا۔''

''بہت خوب۔ بڑا اچھا طریقہ ہے۔ ہمارے یہاں نام بھی رکھے جاتے ہیں اور نمبروں

بھی لگایا جاتا ہے۔''

''ہم لوگ زیادہ بوجھ نہیں برداشت کر سکتے۔'' تین سو چھیاسی نے کہا۔

''بہت مزے میں ہیں آپ لوگ۔ لیکن آپ کے مکانات میری سمجھ میں نہیں آئے۔''

''مکانات..... کیسے مکانات.....!''

''یہ سب.....!'' حمید نے چاروں طرف اشارہ کر کے کہا۔

''اوہ.....!'' حمید نے چاروں طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''یہ تو اجتماعی مقبرے ہیں۔''

''کیا مطلب..... اجتماعی مقبرے کیسے ہوتے ہیں۔''

''اوہو، مطلب یہ کہ سارے تین سو چھیاسی ایک ہی مقبرے میں دفن ہوں گے۔''

''اور مکانات کہاں ہیں۔''

''ہم رہنے کے لئے مکان نہیں بناتے۔ کیونکہ حرکت کا نام زندگی ہے۔ قیام تو موت کے لئے ہوتا ہے اس لئے صرف مقبرے بناتے ہیں۔''

''رہتے کہاں ہیں۔''

''جہاں دل چاہتا ہے۔''

''لیکن وہ لڑکی تو کہہ رہی تھی کہ مہمان بننے کے لئے کسی کے دروازے پر دستک دینی ہوتی ہے۔''

''مراد مقبرے ہی کے دروازے سے تھی۔ اگر آپ مقبرہ نمبر تین سو چھیاسی کے دروازے پر دستک دیتے تو میرے ہی مہمان بنتے۔''

''لیکن آپ مجھے رکھتے کہاں۔''

''دل میں۔'' تین سو چھیاسی نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔

''ذرا دل کا دروازہ کھولنا۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔''

''انجکشن کے بغیر ہی۔'' تین سو چھیاسی ہنس کر بولا۔

''کیا مطلب..... کیسا انجکشن.....؟''

''ہم لوگ انجکشن کے بغیر نہیں سو سکتے۔''

''لیکن سوتے کہاں ہو۔''

''جہاں بھی انجکشن لے لیں۔ لیکن اب چونکہ تم مہمان ہو اس لئے کوئی خاص ٹھکانا تلاش کرنا پڑے گا۔''

''کیا کھلے آسمان کے نیچے سوتے ہو۔''

''موسم پر منحصر ہے۔ بارش اور طوفان کا خدشہ ہو تو غاروں میں چلے جاتے ہیں۔''

''اور مرنے والوں کے لئے مقبرے تعمیر کرتے ہو۔''

''اور مر جانے والے کی ہر طرح قدر بھی کرتے ہیں کیونکہ ایک کھانے والا کم ہو جاتا ہے۔''

''تمہارا فلسفہ حیات پسند آیا۔''

''ہم فلسفے ہی سے پیٹ بھرتے ہیں۔ کافی تو تفریحاً پی جاتی ہے۔''

''لیکن میرا پیٹ فلسفے سے نہیں بھرے گا۔ میں روٹی کھاتا ہوں۔''

''یہ کیا چیز ہوتی ہے۔''

''خدا کی پناہ۔ تم روٹی بھی نہیں جانتے۔''

''اچھا..... اچھا..... میں سمجھ گیا۔ شاید آئیڈیالوجی کی بات کر رہے ہو۔''

''آئیڈیالوجی۔'' حمید اچھل پڑا۔ ''نہیں بھئی میں روٹی کی بات کر رہا ہوں جس سے پیٹ بھرتے ہیں۔''

''پیٹ تو فلسفے سے بھرتے ہیں۔''

''طوطا چشمستان میں بھرتے ہوں گے۔ ہمارے یہاں تو روٹی کھائی جاتی ہے۔''

''آخر یہ ہے کیا چیز.....!''

اور حمید انتہائی جھنجھلاہٹ کے عالم میں بتانے لگا کہ روٹی کیا ہوتی ہے۔

''ہمارے لئے بالکل نئی چیز ہے۔ ہم مہیا نہیں کر سکیں گے۔''

''اچھا تو فلسفے سے پیٹ بھر کر مجھے بھی دکھاؤ۔ تاکہ میں بھی کوشش کروں۔''

''ابھی بھوک نہیں ہے۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔

''لیکن مجھے تو بھوک لگ رہی ہے۔''

''مہمان پر لازم ہے کہ میزبان کا پابند رہے۔''

''میرے ساتھ ایک لڑکی بھی تھی جب میں غرق ہوا تھا۔''

''لہروں نے اُسے کہیں اور پہنچا دیا ہوگا۔''

''یہاں کوئی اجنبی لڑکی نہیں دیکھی گئی؟'' حمید نے پوچھا۔

''ہو سکتا ہے دیکھی گئی ہو اور کسی کی مہمان بھی بن گئی ہو۔''

''جب تم لوگ روٹی ہی نہیں کھلا سکتے تو پھر کیسی میزبانی۔''

''مہمان تو باتیں کرنے کے لئے بناتے ہیں۔ اُسی میں فلسفہ بھی نکل آتا ہے اور دونوں کے پیٹ بھی بھر جاتے ہیں۔''

''جہنم میں جاؤ۔'' حمید نے دل میں کہا۔ ''اگر تنہا نہ ہوتا تو بتاتا۔''

''تم تو خاموش ہو گئے۔'' تین سو چھیاسی تھوڑی دیر بعد بولا۔

''میں نے اپنی روح اپنے سیارے کی طرف روانہ کر دی ہے۔'' حمید نے کہا۔

''اچھا تو پھر خاموش ہی رہو۔''

حمید کا دل چاہا کہ ایک زوردار مکا اس کی ٹھوڑی پر رسید کر دے لیکن پھر خیال آیا اپنی تنہائی اور اس عجیب و غریب سچویشن کا اور وہ جذباتی طور پر جہاں تھا وہیں رہ گیا۔

اب اسے اندازہ ہوا تھا کہ اس بار کس قسم کے مجرم سے سابقہ پڑا ہے۔ اتنا بڑھا اسمگلر تھا تو اس نے اپنی بستیاں بسا رکھی تھیں اور یہ بستی انہی میں سے ایک معلوم ہوتی تھی۔ پتا نہیں لڑکی بھی اُسی کی طرح الجھ گئی ہے یا وہ خود بھی اس سازش میں شریک تھی۔ اگر خود بھی شریک تھی تو اس کی اپنی پوزیشن اتنی خراب نہ ہوگی۔ لیکن اگر وہ بھی اُس کی طرح سازش کا شکار ہوئی ہے تو ہو سکتا ہے کہ اس حرکت کا مقصد فریدی کے لئے ایک نیا دردِ سر پیدا کرنا ہی ہو سکتا ہے۔

''روح واپس آئی یا نہیں۔'' تین سو چھیاسی نے پوچھا۔

''آ گئی.....کہو کیا کہتے ہو۔''

''تم نے اپنا نام یا نمبر ابھی تک نہیں بتایا۔''

''زیرو اول.....اول اس لئے کہ ابھی تک کوئی دوسرا زیرو پیدا نہیں ہو سکا۔''

''چلو اب یہاں سے اٹھ چلیں۔''

''ضرور ضرور.....میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا اور دونوں چبوترے سے اُتر آئے۔

''یہاں کی آبادی کتنی ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''ابھی تک گردن شماری نہیں ہو سکی۔''

''تمہارے بیوی بچے کہاں رہتے ہیں۔''

''یہ کیا ہوتے ہیں۔''

''سنو.....اگر بیوی بچے بھی سمجھانے پڑے تو میں پاگل ہی ہو جاؤں گا۔'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''آخر تم بات بات پر اتنے جذباتی کیوں ہو جاتے ہو۔ بتاؤ بیوی بچے کا کیا مطلب ہوا؟''

''عورت کا تمہاری زندگی میں کیا مقام ہے۔''

''والدہ کہلاتی ہے۔''

''والد بھی ہوتا ہے یا نہیں ہے۔''

''ہوتا تو ہے لیکن بس یونہی سا۔''

''اچھا تو جو والدہ کہلاتی ہے وہ والد کی کیا لگتی ہے۔''

''عقل مند.....!''

''اور والد اُس کا کیا کہلاتا ہے۔''

''گھامڑ کہلاتا ہے۔''

''اچھا.....اچھا.....میں سمجھ گیا۔ یہاں بیوی کو عقل مند اور شوہر کو گھامڑ کہتے ہیں۔''

''تم لوگ بیوی اور شوہر کہتے ہو۔'' تین سو چھیاسی نے پوچھا۔

''ہاں.....ہمارے یہاں اُن کے لئے یہی نام رائج ہیں۔ اچھا جن کے وہ والد اور والدہ ہوتے ہیں انہیں تم کیا کہتے ہو۔''

''طوفان بدتمیزی۔''

''بہت خوب۔ تو میں نے یہ پوچھا تھا کہ تمہاری عقلمند اور طوفان بدتمیزی کہاں رہتے ہیں۔''

''ارے وہ.....!'' تین سو چھیاسی شرمیلی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ ''ابھی تو میری مرمت ہی نہیں ہوئی۔''

''غالباً مرمت شادی کو کہتے ہوں گے۔''

''شادی کیا.....!''

''عقل مند اور گھامڑ کے ملاپ کو کہتے ہیں۔''

''ہاں اُسی کو مرمت کہتے ہیں۔ تمہاری ہو گئی ہے۔''

''یہاں سے واپسی پر ضرور ہو جائے گی۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ تم میرے قیام کے لئے اپنا مقبرہ کھلوا دو۔''

''مرمت ہو جانے سے پہلے میں اُدھر کا رخ بھی نہیں کر سکتا۔''

''اور اگر مرمت ہونے سے پہلے مر گئے۔''

''سمندر میں پھکوا دیا جاؤں گا اور نمبر تین سو چھیاسی ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے گا۔''

''اوہ.....تو کیا مقبرے میں دفن ہونے کے لئے مرمت ضروری ہے۔''

''ہاں ہمارے یہاں یہی طریقہ رائج ہے۔''

''تو پھر رات کہاں بسر ہو گی۔''

''ساحل پر کسی صاف ستھری چٹان کا انتخاب کر لیں گے۔''

''لیکن میں تو چھت کے نیچے رات بسر کرنے کا عادی ہوں۔''

''تب پھر تم کسی مرمت شدہ کے مہمان بن جاؤ۔''

''یعنی تم اس سے پہلے چھت کے نیچے رہ ہی نہیں سکتے۔''

''ہرگز نہیں۔ چھت ہی کی لالچ میں تو ہم اپنی مرمت کراتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو گھامڑ اپنی عقل مند کو چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہو۔''

''بڑی خوفناک جگہ پر آ پڑا ہوں۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''مجبوری ہے ہم اپنے رسم و رواج کے خلاف نہیں کر سکتے۔''

''جہنم میں جاؤ۔ آخر مجھے کھانا کہاں سے ملے گا۔ بہت زور سے بھوک لگ رہی ہے۔''

''اُف فوہ تو روٹی سے تمہاری مراد کھانا تھی۔''

حمید کا دل چاہا کہ اب اُس کی گردن ہی دبا دے۔ لیکن پھر غریب الوطنی آڑے آئی۔

''تو پھر چلو میں تمہیں کسی مرمت شدہ کا مہمان بنوا دوں۔'' وہ اس کا بازو پکڑ کر ایک جانب کھینچتا ہوا بولا۔

حمید چپ چاپ اُس کے ساتھ چلا جا رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ آخر یہ کیسے معلوم ہوگا کہ وہ بندرگاہ سے کتنے فاصلے پر ہے۔ یقیناً یہ کوئی الگ تھلگ جزیرہ ہوگا۔ تبھی یہ لوگ یہاں اپنی من مانی کر رہے ہیں۔ تین سو چھیاسی نے چھوٹی سی ٹارچ نکال لی تھی۔ کیونکہ اب خاصا اندھیرا پھیل گیا تھا۔

''تم نے کہا تھا کہ اگر میں تمہارے مقبرے کے دروازے پر دستک دیتا تو تمہارا ہی مہمان بنتا.....!'' حمید نے کہا۔

''لیکن کھانے کے مسئلے پر مجھے تمہیں کسی مرمت شدہ ہی کے پاس لے جانا پڑتا کیونکہ کھانا تو عقلمند ہی پکاتی ہے۔''

''تم بے حد عجیب لوگ ہو۔ لیکن مذاق ختم۔ یہ جزیرہ بندرگاہ سے کتنے فاصلے پر ہے۔''

''یہ دونوں الفاظ میرے لئے نئے ہیں۔''

''یعنی جزیرہ.....اور بندرگاہ.....!''

''ہاں..... میں نے پہلے کبھی یہ دونوں الفاظ نہیں سنے۔''

''تو رک کیوں رہے ہو..... چلتے رہو۔''

''تھک گیا ہوں.....ذرا دیر بیٹھ کر ستاؤں گا۔''

''تم چلے ہی کتنے ہو کہ تھک گئے۔''

''ہمارے لئے اتنا ہی کافی ہے چلنے پھرنے کے عادی نہیں ہیں۔''

''سوال تو یہ ہے کہ پھر کام کس طرح کرتے ہو۔''

''کام کیسا کام.....!''

''مطلب یہ کہ روزی کس طرح کماتے ہو۔''

''اچھا اچھا..... میں سمجھ گیا غالباً یہ کہنا چاہتے ہو کہ کام کے بغیر کھاتے کس طرح ہیں۔ ئے خوردونوش سکوں سے خریدی جاتی ہیں اور سکے یہاں آسمان سے برستے ہیں پھر کام کاج نے کی کیا ضرورت ہے۔''

حمید دانت پیس کر رہ گیا۔ اس سلسلے میں اب مزید بکواس سننے کی تاب نہیں رہی تھی لیکن نیج پوزیشن معلوم کئے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ ورنہ کبھی کا اُسے ٹھونک پیٹ کر رکھ دیتا۔

''کتنی دیر بیٹھو گے۔'' آخر حمید نے جھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''دیکھو دوست دراصل بات یہ ہے کہ میری بندوقہ نے اس وقت یہاں ملنے کا وعدہ کیا ذرا اُسے بھی دیکھتے چلیں۔''

''بندوقہ کیا چیز ہے۔''

''وہ جس سے ٹھائیں کی جاتی ہے۔''

''دیکھو اب بیوقوف بنانے کا سلسلہ ختم کر دو ورنہ بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔''

''تم تھوڑی دیر بعد بہکنے کیوں لگتے ہو۔'' تین سو چھیاسی نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

''ورنہ شائد تم بالکل صحیح الدماغ ہو۔''

''اس میں کیا شک ہے۔''

''چلو اٹھو..... مجھے بھوک لگ رہی ہے۔''

''میں اپنی بندوقہ کا انتظار ضرور کروں گا۔''

''کیا وہ خود اپنے پیروں سے چل کر آئے گی۔''

''اچھا تو کیا تم اسے نوزائیدہ سمجھ رہے ہو۔'' تین سو چھیاسی نے قہقہہ لگا کر پوچھا۔

''کیا وہ کوئی ذی روح ہستی ہے۔''

''واہ بھئی تو کیا میں کسی غیر ذی روح سے ٹھائیں کروں گا۔''

خدا کی پناہ۔ حمید نے سوچا کہ کہیں یہ مردود محبوبہ کو تو بندوقہ نہیں کہہ رہا اور یہ ٹھائیں۔

پھر خاصی تین تکھار کرنے کے بعد اسی نتیجے پر پہنچا تھا کہ اُس کا خیال درست ہے اور سو چھیاسی بے خودی کے عالم میں کہہ رہا تھا۔ ''بہت جلد بندوقہ سے میری مرمت ہو جائے اور میں بھی گھامڑ بن جاؤں گا۔''

''اور وہ بندوقہ سے عقلمند بن جائے گی۔''

''میں تمہیں اُس مبارک موقعے پر ضرور مدعو کروں گا۔'' تین سو چھیاسی خوش ہو کر بولا۔

''اور پھر میں ہمیشہ کے لئے تمہارا مہمان بن جاؤں گا۔''

''بصد خلوص تمہیں بطور دائمی مہمان قبول کروں گا۔''

''فی الحال تو اٹھ ہی چلو ورنہ میں بھوک کی شدت سے بیہوش ہو جاؤں گا۔''

''خیر چلو..... مجھے یہاں موجود نہ پا کر اُس کا دل ٹوٹ جائے گا۔''

''میں جوڑ دوں گا..... تم فکر نہ کرو۔''

''تم کس طرح جوڑ دو گے۔''

''ارے ہاں یہ تو بتاؤ۔'' حمید اس کے سوال کو نظر انداز کر کے بولا۔ ''وہ تو بندوقہ ہے تم فی الوقت اس کے کیا کہلاؤ گے۔''

''نصف گھامڑ۔''

''شاعری بھی کرتے ہو؟''

''یہ کیا ہوتی ہے؟''

''چلو وہیں چل کر بتاؤں گا..... جہاں جانا ہے۔''

وہ دونوں چل پڑے اور بالآخر ایک عمارت کے سامنے رک کر تین سو چھیاسی نے کہا۔

''دستک دو اور زور سے کہو کہ مہمان آیا ہے۔''

''تم ہی میری طرف سے یہ سب کچھ کر دو۔''

''میں قوم سے غداری نہیں کر سکتا۔'' وہ غصیلے لہجے میں بولا۔ ''ہمارا جو طریقہ ہے اس کے خلاف کچھ نہیں کیا جا سکتا۔''

مجبوراً حمید ہی نے اُس کے مشورے پر عمل کیا تھا۔ سلائیڈنگ دروازہ ایک طرف سرک گیا اور حمید کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کیونکہ سامنے ہی موجی بابا کھڑا مسکرا رہا تھا اور سائرہ اس کے پیچھے سر جھکائے کھڑی نظر آئی۔

حاضر غائب

حمید کبھی سائرہ کو دیکھتا تھا اور کبھی موجی بابا کو۔ دفعتاً سائرہ نے سر اٹھا کر حمید کو دیکھا اور تیر کی طرح اُس کی طرف آئی۔

''اوہ..... تم کہاں تھے۔ میں بہت خوفزدہ ہوں۔'' وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

''انکی موجودگی میں بھی۔'' حمید نے موجی بابا کیطرف اشارہ کر کے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''کک..... کن کی موجودگی میں۔'' وہ چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''اوہو.....!'' حمید ہنس پڑا۔ ''تو مجھے بیوقوف بنانے کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔''

''تمہاری کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔'' سائرہ نے بے بسی سے کہا۔

''اچھا تو پھر تمہاری بینائی جاتی رہی ہوگی۔''

''شائد ان واقعات سے تمہارا دماغ بہت متاثر ہوا ہے۔''

''یعنی دوسرے لفظوں میں چل گیا ہے۔''

''پھر اور کیا کہوں۔'' وہ جھنجھلا کر بولی۔

''یعنی تمہاری بینائی بھی محفوظ اور یہ چھ فٹ کا آدمی بھی تمہیں نظر نہیں آ رہا۔''

''کس کی بات کر رہے ہو۔'' وہ اُدھر ہی مڑ کر بولی جدھر موجی بابا کھڑا اب بھی مسکرائے جا رہا تھا۔

''تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ یہ حضرت تمہیں نہیں دکھائی دے رہے۔''

''کون حضرت! یہاں میرے اور تمہارے علاوہ تیسرا کون موجود ہے۔''

اس نے کچھ ایسے انداز میں کہا کہ حمید بھی بوکھلا گیا اور عقب سے تین سو چھیاسی کی آواز آئی۔ ''تم کیوں ان خاتون کو پریشان کر رہے ہو۔ اندر تم دونوں کے علاوہ اور کون ہے۔''

حمید اُس کی طرف مڑا۔ وہ باہر ہی رک گیا تھا۔ اندر نہیں آیا تھا لیکن ایسی پوزیشن میں کھڑا تھا کہ اندر کے احوال بھی دیکھ سکتا تھا۔

''کمال ہے۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔ ''تم بھی یہی کہہ رہے ہو۔''

''اجازت ہو تو میں اندر آ جاؤں۔'' تین سو چھیاسی نے کہا۔ ''مجھے تو یہ خاتون بھی تمہاری طرح ہی اجنبی لگ رہی ہیں۔''

''تم ضرور اندر آ جاؤ..... شاید باہر سے وہ تمہیں دکھائی نہیں دے رہا۔''

حمید نے کہا اور پھر سائرہ کی طرف مڑ گیا۔ لیکن اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ کیونکہ اب موجی بابا وہاں موجود نہیں تھا اور سائرہ جوں کی توں کھڑی تھی۔ تین سو چھیاسی بھی اندر آ گیا۔

''کیا تم نے انہی خاتون کے بارے میں پوچھا تھا یعنی غرق ہونے سے قبل یہی تنہا

تھیں۔'' تین سو چھیاسی نے پوچھا۔

''ہاں..... میں نے انہی کا ذکر کیا تھا۔ لیکن وہ کہاں غائب ہو گیا۔''

''کون کہاں غائب ہو گیا۔''

''موجی بابا..... وہ یہاں کھڑا تھا۔'' حمید نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا۔

''نہیں.....!'' سائرہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔ ''خدا کے لئے مجھے اور نہ ڈراؤ۔ یہاں کوئی نہیں تھا۔ میں تنہا تھی۔ بالکل تنہا۔''

''لیکن تم یہاں تک پہنچیں کس طرح۔'' حمید اُسے گھورتا ہوا بولا۔

''گاڑی میں جو کچھ بھی ہوا تھا اس کے بعد کا مجھے کچھ بھی یاد نہیں۔ بس پھر مجھے یہیں ہوش آیا تھا اور میں اُس وقت سے تمہارے آنے تک بالکل تنہا رہی ہوں۔''

''اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے۔'' حمید نے تین سو چھیاسی سے کہا۔ ''تم مجھے وہیں لے آئے جہاں یہ تھیں۔''

''واقعی اسے اتفاق ہی کہنا چاہئے۔'' تین سو چھیاسی نے سنجیدگی سے کہا۔ ''یہ چار سو سال پرانا تین کا مقبرہ ہے۔ آخر وہ دونوں کہاں گئے۔ میرا مطلب ہے وہ اور اس کی عقلمند۔''

''یہاں کوئی بھی نہیں تھا جب مجھے ہوش آیا تھا۔'' سائرہ بولی۔

''میں یہ کب کہہ رہا ہوں کہ آپ غلط کہہ رہی ہیں۔ لیکن اگر وہ دونوں کہیں چلے گئے ہیں جانے کا مسئلہ حل نہیں ہو سکے گا۔''

''تم مجھے یہیں کیوں لے آئے تھے۔'' حمید نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''اُن دونوں سے زیادہ مہمان نواز اس بستی میں اور کوئی نہیں ہے۔ اوہ یہ باتیں تو پھر ہوں گی۔ سچ بتاؤ کیا کوئی دوسرا بھی تمہیں یہاں نظر آیا تھا۔''

''میں جھوٹ کیوں بولوں گا۔''

''کیا حلیہ تھا۔'' اس نے کسی قدر خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔ حمید اُسے موجی بابا کا حلیہ بتانے لگا تو اُس نے وہاں سے بھاگ نکلنے کی کوشش کی لیکن حمید نے جھپٹ کر اس کا بازو پکڑ

لیا۔ وہ بازو چھڑانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ ''مجھے جانے دو تا کہ بستی والوں کو بروقت آگاہ کردوں۔ وہ صحرائی دیوانے کی روح تھی جب بھی دکھائی دیتی ہے یہاں طوفان ضرور آتا ہے۔''

قبل اس کے کہ حمید کچھ اور بھی پوچھتا وہ اپنا بازو چھڑا کر بھاگ نکلا۔ حمید نے اس کا تعاقب کرنے کی کوشش کی تھی لیکن سائرہ راہ میں حائل ہو کر بولی۔ ''ہرگز نہیں۔ اب تم مجھے تنہا نہیں چھوڑ سکتے۔ خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو۔''

''یہاں مجھ سے پہلے بھی کسی سے ملاقات ہوئی تھی۔''

''نہیں کسی سے بھی نہیں۔ آخر ہم ہیں کہاں۔''

''طوطا چشمستان میں اور اس بستی کا نام بونگی ہے۔ یہاں لوگوں کے نام نہیں ہوتے نمبر ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ جو ابھی یہاں تھا تین سو چھیاسی بٹا گیارہ کہلاتا ہے۔''

''ان حالات میں بھی تمہاری زندہ دلی برقرار ہے۔'' سائرہ نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''اوہو تو تم اسے مذاق سمجھتی ہو۔ باہر نکلو گی تو خود ہی معلوم ہو جائے گا۔''

''ٹھہرو..... میں ذرا یہاں کا جائزہ لے لوں۔''

''پتا نہیں کیا بلا ہے یہ عمارت بھی، بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی بہت بڑے صندوق میں بند کر دی گئی ہوں۔ اس ایک دروازے کے علاوہ اور کوئی کھڑکی یا دروازہ نہیں ہے۔''

''لیکن گھٹن کا احساس بھی نہیں ہے۔'' حمید نے کہا۔

''ہاں یہ بات تو ہے۔''

''کیا دروازہ تم نے کھولا ہے۔''

''نہیں تو.....!''

''خود بخود کیسے کھل گیا تھا اور یہ تو اب بھی کھلا ہی ہوا ہے۔'' حمید دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

''دیکھو جانا مت..... میں تنہا نہیں رہ سکتی۔''

''باتیں کم کرو۔'' حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ ابھی جو کچھ اس نے دیکھا تھا بادی النظر

تیز ہی لگا تھا۔ لیکن کیا وہی حقیقت بھی تھی؟ کسی قسم کا شعبدہ اس میں کارفرما نہیں تھا۔ جلد ہی اُسے معلوم ہو گیا کہ دروازہ برقی نظام کے تحت کام کر رہا تھا۔ اُسے وہ سوئچ مل گیا جس کے آف اور آن ہونے پر دروازہ کھلتا اور بند ہوتا تھا۔ دروازہ بند کر کے وہ پھر سائرہ کی طرف پلٹ آیا۔

''یہ بڑی عجیب بستی ہے سائرہ بانو.....!'' وہ اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''یہاں کا سکہ چلتا ہے۔ جسے قلت کہتے ہیں۔ ہماری کرنسی قابل قبول نہیں ہے۔''

''لیکن ہم یہاں پہنچے کیسے؟''

''خدا ہی جانے پہنچے ہیں یا پہنچائے گئے ہیں۔ مجھے تو ساحل سمندر پر ہوش آیا تھا۔ بس چل پڑا اور اس بستی تک آ پہنچا۔ اگر وہ شریف آدمی تین سو چھیاسی نہ مل جاتا تو ایک کپ چائے بھی نصیب نہ ہوتی۔ اس نے میرے لئے کافی خریدی تھی۔ کہہ رہا تھا کہ سکے یہاں سے برستے ہیں۔''

''کہیں ہم خواب تو نہیں دیکھ رہے۔'' سائرہ نے کہا۔

''ہرگز نہیں اور سنو..... یہاں شوہر کو گھامڑ اور بیوی کو عقل مند کہتے ہیں۔ محبوبہ بندوق ہے اور محبت کو ٹھائیں کہتے ہیں۔''

''تم مذاق کر رہے ہو۔''

''اگر وہ واپس آ گیا تو تصدیق ہو جائے گی۔''

''خدا جانے میرے گھر والے کیا سوچ رہے ہوں۔''

''یہی کہ میں تمہیں لے بھاگا۔ جانتی ہو ہم کب سے غائب ہیں۔''

''نن..... نہیں۔''

''ہفتے کو ہمیں کار والا حادثہ پیش آیا تھا اور میری گھڑی کے مطابق آج منگل ہے۔''

''میں تو مر گئی بے موت۔ خدا وند اب کیا ہوگا۔''

''میری گرفتاری کے وارنٹ جاری ہو چکے ہوں گے۔''

''اور میں بدنام ہو چکی ہوں گی۔''

''بہر حال میرا قول کرسی نشین ہوا۔''

''تم نے خواہ مخواہ کی باتوں میں دیر کر دی تھی۔ ورنہ ہم جلد ہی واپس ہو سکتے تھے۔''

''اس سے کیا فرق پڑتا۔ وہ تو شروع ہی سے ہمارے پیچھے رہے ہوں گے۔''

''لیکن ہم اگر شہر ہی تک محدود رہتے تو شائد اس کی نوبت نہ آنے پاتی۔'' سائرہ نے اس کا سامنہ بنا کر کہا۔ ''خواہ مخواہ ایگل بیچ دوڑے گئے تھے۔''

''ہاں..... میں اسے تسلیم کر لوں گا۔ یہ بنیادی غلطی تھی۔''

''بس پھر اب میرا اور اپنا ماتم کرو۔''

''صرف تمہارا..... میں تو کتنی بار ایسے حالات سے گزر چکا ہوں۔ تمہارے لئے البتہ خاصی پریشانی کا باعث بنے گا یہ واقعہ۔ شادی بھی نہیں ہو سکے گی اس بدنامی کے بعد۔''

''ہونہہ..... شادی..... شادی تو مجھے ویسے بھی نہیں کرنی تھی۔''

''تمہارا ذاتی معاملہ ہے اس لئے اس پر مزید اظہار خیال کا حق مجھے نہیں پہنچتا۔''

''لیکن تمہارے ڈیڈی کی پوزیشن.....!''

''مجھے صرف اُنہی کی فکر ہے۔''

''کیا تمہیں بھوک نہیں لگ رہی یا کچھ کھا چکی ہو۔''

''کچھ بھی نہیں۔''

''تو آؤ تلاش کریں شاید کھانے کو کچھ موجود ہو۔''

''میں نے کچن تو دیکھا تھا۔ اُدھر ہے۔'' اس نے ایک دریچے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''کچھ کھانے کو بھی ہے یا نہیں۔''

''یہ تو نہیں دیکھا تھا۔''

''تعجب ہے کہ تمہیں کھانے پینے کی فکر نہیں ہے۔''

''میں اتنی پریشان ہوں کہ یہ غیر فطری بھی نہیں ہے۔''

''لوگ تو لاشوں پر بیٹھ کر پلاؤ کھاتے ہیں۔''

''میں ان لوگوں میں سے نہیں۔ معمولی سی پریشانی بھی میری بھوک مار دیتی ہے۔''

''یہ تو بہت بُری بات ہے۔ خیر چلو دیکھیں۔'' حمید دریچے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

سائرہ کی رہنمائی میں وہ کچن تک پہنچا تھا جہاں الیکٹرک کے چولہے موجود تھے۔

''ذرا دیکھو تو کتنے ترقی یافتہ لوگ ہیں۔'' حمید نے کہا۔ ''اس عمارت کا سارا کام برقی نظام کے تحت چلتا ہے۔''

''لیکن یہاں تو صرف چولہے ہی چولہے ہیں۔ کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں دکھائی دیتی۔'' سائرہ نے مایوسی سے کہا۔

حمید خاموشی سے گردو پیش کا جائزہ لے رہا تھا۔ دفعتاً عقب سے آواز آئی۔ ''خوش آمدید..... ہم نے سنا تھا کہ ہمارے مقبرے میں مہمان ہیں۔''

حمید چونک کر مڑا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ایک جوڑا کھڑا نظر آیا۔ مرد تو کچھ یونہی سا تھا لیکن عورت خاصی دلکش تھی۔ حمید نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں لیکن اس کا اندازہ نہ کر سکا کہ سائرہ پر اس کا کیا اثر ہوا تھا۔

''ہم بھوکے ہیں۔'' حمید نے بڑی بے تکلفی سے کہا۔

''اوہ ہمیں افسوس ہے۔'' عورت بولی۔ ''تم لوگ اُدھر چلو..... ہم ابھی کھانا پیش کرتے ہیں۔''

مرد بھی حمید اور سائرہ کے ساتھ ہی دوسرے حصے میں چلا آیا تھا۔ عورت کچن ہی میں رہ گئی تھی۔

''میں چارسو پچاس بٹا تین ہوں۔'' مرد نے اپنا تعارف کرایا۔

''اور میں زیرو ہوں۔''

''بڑی خوشی ہوئی۔'' کہہ کر اس نے مصافحہ کیا اور قدرے توقف کے ساتھ بولا۔ ''دراصل حالت ہم ایک پریشانی سے دوچار ہو گئے ہیں۔ اس لئے شاید تمہاری زیادہ خاطر نہ کر سکیں۔''

''کوئی بات نہیں۔ ویسے پریشانی کیا ہے۔''

''کسی وقت بھی طوفان آ سکتا ہے۔''

''کس قسم کا طوفان۔''

''ارے طوفان طوفان..... تیز ہوائیں اور بڑی بڑی لہریں زمین پر چڑھ دوڑتی ہیں۔''

''کیسے معلوم ہوتا ہے کہ طوفان آئے گا۔''

''صحرائی دیوانے کی روح دکھائی دیتی ہے۔''

''یہ کیا بلا ہے!''

''صدیوں سے ہم پر مسلط ہے۔ میں نے سنا ہے کہ وہ یہیں میرے مقبرے میں دکھائی دی تھی اور صرف تم نے دیکھی تھی۔''

''لیکن میں تو اُسے موجی بابا کے نام سے جانتا ہوں۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اُسے گوشت پوست میں بھی دیکھ چکا ہوں۔ اُس سے گفتگو بھی کر چکا ہوں۔''

''یہیں..... اسی مقبرے میں۔''

''نہیں..... اپنے سیارے پر۔''

''اوہ..... تو تم کسی دوسرے سیارے کی مخلوق ہو۔''

''ہاں میرا خلائی جہاز خراب ہو گیا تھا اس لئے میں ادھر ٹرانسمٹ ہو گیا۔''

''اور یہ تمہاری عقل مند ہیں۔''

''ابھی تو نہیں ہیں۔''

''اوہ..... تو تم ابھی نصف گھامڑ ہو۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ میں تو گھامڑ ٹو دی پاور فور ہوں۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''میں ایک نہیں پوری چار عدد عقلمندوں کا گھامڑ ترین ہوں۔''

''چار عدد.....!'' وہ اچھل پڑا۔ پھر ہنس کر بولا۔ ''تم مذاق کر رہے ہو۔''

''چار سے کم والا وہاں چغد سمجھا جاتا ہے۔''

''یقین نہیں آتا۔''

''اگر میرا خلائی جہاز ٹھیک ہو گیا تو تمہیں اپنے سیارے کی سیر کراؤں گا۔''

''ان سے کیا رشتہ ہے۔'' اُس نے سائرہ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''بس میری ہم سفر تھیں۔ میرے ساتھ ہی غلطی سے یہ بھی ٹرانسمٹ ہو گئیں۔''

''تمہارا خلائی جہاز کہاں ہے۔''

''شاید یہاں سے چار ہزار میل کے فاصلے پر خلاء میں معلق ہو گیا ہے۔''

''اگر تم یہاں سے اس پر منتقل نہ ہو سکے تو کیا ہو گا۔''

''یہیں رہ جاؤں گا۔ یہ جگہ بھی کچھ بُری نہیں ہے۔''

اتنے میں اس کی عقل مند نے آ کر اطلاع دی کہ دسترخوان بچھا دیا گیا ہے۔

فرش پر ہی کھانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ حمید اور سائرہ مرجھکوں کی طرح کھانے پر ٹوٹ پڑے تھے۔

''یہ لوگ جس سیارے سے آئے ہیں۔'' چار سو پچاس نے اپنی عقلمند سے کہا۔ ''وہاں گھامڑ کی چار عقلمند ہوتی ہیں۔''

''ارے تو کیا اسی لئے وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے ہیں۔'' وہ خوش ہو کر بولی۔

''نہیں یہ بات نہیں ہے محترمہ۔ دراصل میرا خلائی جہاز خراب ہو گیا تھا۔''

''تو کیا یہ انہی میں سے ایک عقلمند ہیں۔'' عورت نے سائرہ کی طرف دیکھ کر پوچھا اور ہنس پڑا۔

''اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔''

''ہم اپنی عقلمندوں کے ساتھ سفر نہیں کیا کرتے اور نہ کوئی عقلمند اپنے گھامڑ کے ساتھ سفر کرتا ہے۔''

''پھر یہ کون ہے''

''ارے یہ ان کی بندوقہ ہوں گی۔'' چار سو پچاس بولا۔

''نہیں مجھے ابھی تک کسی سے بھی ٹھائیں نہیں ہوئی۔''

سائرہ ہونقوں کی طرح ایک ایک کی شکل دیکھ رہی تھی۔ دفعتاً عجیب طرح کی آواز عمارت میں گونجنے لگی اور وہ دونوں اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

''کیا ہوا..... کیا بات ہے؟'' حمید نے بوکھلا کر پوچھا۔

''خطرے کا الارم..... بھاگو.....!''

''کدھر بھاگیں.....!''

''بس ہمارے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔'' کہتا ہوا وہ دروازے کی طرف جھپٹا۔ اس کی تقلید اُس کے پیچھے تھی۔

''چلو..... اٹھو.....!'' سائرہ نے حمید سے کہا۔

''گھاس کھا گئی ہو۔''

''کیا مطلب.....؟''

''جھک مارتے ہیں۔ میں تو کہیں نہ جاؤں گا۔''

''ارے اجنبی جگہ ہے۔ واقعی کوئی خطرہ ہوگا۔''

''خطرات کھلی جگہوں پر ہوتے ہیں۔''

''اگر طوفان ہی آیا تو.....!''

''یہیں زیادہ محفوظ رہیں گے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ لہریں خشکی پر چڑھ آتی ہیں تو پھر بھاگ کر کہاں جائیں گے۔ میرا خیال ہے کہ ان عمارتوں کی ساخت اسی لئے ایسی رکھی گئی ہے۔ لہروں کے اوپر سے گزر جانے کے باوجود بھی ان میں پانی نہ آتا ہوگا۔''

''ہاں یہ بات تو ہے۔''

''ویسے ہوسکتا ہے انہوں نے اس سے بھی زیادہ محفوظ جگہ بنا رکھی ہو۔ جہاں پناہ لیتے ہوں۔ ٹھہرو میں اس دروازے کی ساخت کا بھی جائزہ لے کر کوئی فیصلہ کروں گا۔'' حمید نے کہا

اور اٹھ کر دروازے کی طرف آیا۔ اسے بند کر کے کناروں پر جھریاں تلاش کرنے لگا۔ پھر مڑ کر سائرہ سے بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ پانی اندر نہیں آسکے گا۔''

''میں کچھ نہیں سمجھ سکتی کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔''

''موجی بابا کو جانتی ہو۔ ایگل بیچ والی خانقاہ میں رہتا ہے۔''

''میں کتنی بار بتاؤں کہ کس موجی بابا کو نہیں جانتی۔ نام تک نہیں سنا۔''

''لیکن ربڑ کے سانپ کے سلسلے میں اُسی نے میری رہنمائی تم تک کی تھی۔''

''کی ہوگی..... میں اُسے نہیں جانتی۔''

''حالانکہ وہ ابھی عمارت میں یہیں تمہارے ساتھ تھا۔ تمہارے آگے ہی کھڑا نظر آیا تھا۔''

''میں یہاں بالکل تنہا تھی۔ آخر تمہیں کس طرح یقین دلاؤں۔''

''کسی طرح بھی نہیں۔ مجھے یہ سب کچھ فراڈ معلوم ہو رہا ہے۔ لیکن اس سے اُن لوگوں کا مقصد ہے فی الحال سمجھ میں نہیں آسکا۔''

''خدا جانے کس شیطانی چرخے میں پڑ گئے ہیں۔'' سائرہ الجھ کر بولی۔

''دیکھتا ہوں یہ اداکاری کب تک چلتی ہے۔''

''کیا مطلب؟ تم عجیب آدمی ہو۔ سب کچھ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے اور تم اسے اداکاری سمجھ رہے ہو۔''

''نہ میں اس کا قائل ہوں کہ روحیں دکھائی دیتی ہیں اور نہ اسی پر یقین رکھتا ہوں کہ مجھے ڈرانے والی اشیاء تمہیں نہیں دکھائی دیتیں۔''

''تم کہنا کیا چاہتے ہو۔''

''تم اس سازش میں پوری طرح شریک رہی ہو اور یہ موجی بابا بھی اس سلسلے میں کوئی نہ کوئی اداکار رہا ہے۔''

''میں نہیں جانتی کسی موجی بابا کو۔''

''خیر اس سے کوئی بحث نہیں۔ میں تو صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ خواہ مخواہ تمہارے لئے

پریشان رہا ہوں۔ شائد تمہارے گھر والے تمہاری طویل غیر حاضریوں کے بھی عادی ہیں۔''

''یہ سراسر بکواس ہے۔ وہ میری اس زندگی کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔''

''مجھے اس سے قطعاً دلچسپی نہیں ہے کہ وہ کیا جانتے ہیں اور کیا نہیں جانتے۔ پوزیشن ہو میری خراب ہوئی ہے۔''

''اس کے بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ مجھے اس پر مجبور کیا گیا تھا کہ تم سے مل بیٹھوں لیکن یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ مجھ سے بھی اسی قسم کا برتاؤ کرنے والے ہیں۔''

دفعتاً کسی نے دروازے پر دستک دی اور حمید دروازے کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ دروازہ خود بخود کھل گیا اور تین سو چھیاسی کی آواز آئی۔ ''ارے تم لوگ ابھی تک یہیں ہو۔''

''پھر کیا کرتے۔'' حمید نے خشک لہجے میں کہا۔

''کیا خطرے کا الارم نہیں سنا تھا۔''

''سنا ہوگا لیکن اُس کا مطلب نہ سمجھ سکے ہوں گے۔''

''چلو یہاں سے۔'' وہ اندر داخل ہوتا ہوا بولا۔ ''طوفان کسی وقت بھی آ سکتا ہے۔''

''آنے دو..... دیکھا جائے گا۔''

''تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ وہ قیامت کا منظر ہوتا ہے۔ بڑی بڑی لہریں خشکی پر چڑھ آتی ہیں۔''

''میرا خیال ہے کہ وہ اس عمارت پر سے بھی گزر جاتی ہوں گی۔''

''ہاں اتنی ہی اونچی ہوتی ہیں۔''

''تب تو میرا خیال ہے کہ اس عمارت میں ایک قطرہ پانی نہ آتا ہوگا۔''

''پتا نہیں آتا ہے یا نہیں۔ لیکن ایسے مواقع پر ہم یہ عمارتیں چھوڑ کر ایک مخصوص پناہ گاہ میں چلے جاتے ہیں۔''

''میرا یہیں قیام کرنے کا ارادہ ہے۔''

''تمہارے ارادے سے کیا ہوتا ہے۔ تمہارا یہاں ٹھہرنا قطعی غیر قانونی ہوگا۔''

''غیر قانونی..... میں نہیں سمجھا۔''

''یوں سمجھنے کی کوشش کرو کہ خطرے کا الارم بجنے کے بعد مخصوص پناہ گاہ سے باہر رہنا قابل تعزیر جرم ہے۔''

''تب تو مجبوری ہے۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''یہ جائیں یا نہ جائیں..... میں چلوں گی۔'' سائرہ بولی۔

''ہرگز نہیں۔ اگر میری بندوق نے تمہیں میرے ساتھ تنہا دیکھ لیا تو میری شامت آجائے گی۔''

''یہ کیا بات ہوئی۔''

''وہ منہ پھاڑ ہو جائے گی۔''

''یہ منہ پھاڑ کیا ہوتا ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''پتا نہیں تم لوگ اُسے کیا کہتے ہو۔''

''ہم شاید منہ پھاڑ ہو جانے کو بھونکنا کہتے ہیں۔''

''بھئی جلدی کرو۔ ورنہ تمہارے ساتھ میں بھی مارا جاؤں گا۔''

ٹھیک اسی وقت باہر سے فائرنگ کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ تین سو چھیاسی اچھل پڑا اور مڑ کر بھاگنے ہی والا تھا کہ حمید نے اس کی کمر تھام لی۔

''چھوڑو..... مجھے چھوڑو۔'' وہ اس کی گرفت سے نکل جانے کے لئے زور لگانے لگا۔

''یہ کیا کر رہے ہو۔'' سائرہ چیخی۔

''تم خاموش رہو ورنہ بہت بُرا حشر کروں گا تمہارا۔'' حمید نے غصیلی آواز میں کہا اور تین سو چھیاسی کو کمر پر لاد کر پٹخ دیا۔

''تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہوگیا۔'' وہ حلق پھاڑ کر چیخا۔

''تم یہاں سے نہیں نکل سکتے۔ ہم تینوں یہیں ٹھہریں گے۔ خواہ پھانسی ہی کیوں نہ دی جائیں۔''

تین سو چھیاسی نے دوبارہ فرش سے اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ لمبا لمبا لیٹا رہا اور اسی عالم

میں بڑبڑاتا رہا۔ ''تم مجھے اس پر مجبور نہیں کر سکتے۔ مجھے دیکھنے دو کہ یہ فائرنگ کیسی ہو رہی ہے۔''

''کیا یہاں پہلے کبھی فائرنگ نہیں ہوئی۔''

''ہرگز نہیں۔ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ہم امن پسند لوگ ہیں۔ یہاں فائرنگ کا کیا کام۔''

''تم نے پہلی بار فائرنگ سنی ہے۔''

''بالکل پہلی بار۔''

''اچھی بات ہے تم اٹھو.....!''

''تم ہی اٹھاؤ گے بھی۔ میں خود سے ہرگز نہیں اٹھوں گا۔''

''کیا اس قسم کا بھی کوئی قانون رائج ہے یہاں۔''

''بالکل ہے۔ جو گراتا ہے وہی اٹھاتا بھی ہے۔ ورنہ چھ ماہ کی قید سخت بھگتنی پڑتی ہے۔''

''اٹھانے کے بعد معافی تو نہیں مانگنی پڑتی۔''

''اگر گرانے والا تین ماہ کی قید سخت سے بچنا چاہتا ہے تو ضرور معافی مانگ لیتا ہے۔''

''اور اگر گرنے والا معاف نہ کرے تو۔''

''تو اُسے الٹا لٹکا دیا جاتا ہے۔''

''گرانے والے کو یا معاف نہ کرنے والے کو۔''

''معاف نہ کرنے والے کو۔''

''تو تم یقینی طور پر مجھے معاف کر دو گے۔''

''الٹا لٹکنے سے مجھے چکر آنے لگتے ہیں۔''

اچانک حمید نے ہیلی کوپٹروں کی بھی آواز سنی اور تین سو چھیاسی خود بخود اٹھ بیٹھا۔

''آخر یہ کیا ہو رہا ہے۔''

''اس بار صحرائی دیوانے کی روح کوئی دوسرا ہی طوفان لائی ہوگی۔'' حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

فائروں کی آوازیں اب نسبتاً قریب کی معلوم ہو رہی تھیں۔ پھر ایک زور دار دھماکہ بھی

ہیلی کوپٹر سے بم بھی پھینکا گیا تھا۔

''یہ کک..... کیا ہو رہا ہے۔'' تین سو چھیاسی کانپتا ہوا بولا۔

''داد دو میری دانشمندی کی۔ اگر ہم اس وقت کھلی فضا میں ہوتے تو ہمارا کیا حشر ہوتا۔''

''میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

''پتا نہیں تمہاری بندوق کس حال میں ہوگی۔''

''جہنم میں جائے۔ لیکن آخر یہ ہو کیا رہا ہے۔''

''تم بتا دو۔'' حمید نے سائرہ سے کہا۔

''مم..... میں..... کک..... کیا بتاؤں۔'' وہ ہکلائی۔

''کرنل فریدی سے ٹکر لینا آسان نہیں ہے۔ اُس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ اب تم لوگ پتا حشر.....!'' حمید نے کہا اور سائرہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی۔

پھر وہی صورت

تین سو چھیاسی بٹا گیارہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے حمید کو دیکھے جا رہا تھا۔ ایک دھماکہ اور اُس عمارت کی دیواریں جھنجھنا اٹھیں۔ سائرہ بُری طرح کانپ رہی تھی۔ دفعتاً تین سو زور سے ہنس پڑا۔

''مجھے یقین تھا کہ تمہیں مزہ آ رہا ہوگا۔'' حمید نے کہا۔

''اس مقبرے پر ہزار پونڈ کا بم بھی اثر انداز نہیں ہو سکے گا۔'' وہ بدستور ہنستا ہوا بولا۔

''تب تو بڑی خوشی کی بات ہے۔'' حمید نے سائرہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

''خدا کرے اس عمارت ہی پر.....!'' وہ جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہوگئی۔

''سن چکی ہو کہ اس عمارت پر ہزار پونڈ کا بم بھی اثر انداز نہیں ہوگا۔''

اچانک دروازہ کھلا اور دو آدمی اسٹین گنیں لئے ہوئے اندر گھس آئے۔ ان میں سے
حمید کو کور کرتا ہوا بولا۔ ''کیپٹن حمید تم یہیں ٹھہرو گے۔''

''خدا کا شکر ہے کہ ایک تو جان پہچان والا نکلا۔'' حمید نے طویل سانس لے کر کہا۔

''اور تمہیں یہ بھی بتانا پڑے گا کہ یہ ریڈ کس طرح ہوا ہے۔''

''کمال ہے! بھلا میں کیسے بتا سکوں گا۔''

''یہاں تک پولیس کی رہنمائی کیسے ہوئی۔''

''کیا تم جانتے ہو کہ میں یہاں کیونکر پہنچا ہوں۔''

''ہاں میں جانتا ہوں۔''

''تو پھر اُس وقت تمہارا تعاقب کیا ہوگا جب مجھے یہاں لایا جا رہا تھا۔''

''ایسا ہرگز نہیں ہوا۔''

''تو پھر میں کچھ نہیں جانتا۔''

''تمہیں اُن لوگوں کی نشاندہی کرنی پڑے گی کیپٹن حمید۔''

''کن لوگوں کی۔''

''اتنے بھولے نہ بنو۔ ورنہ ہم تشدد کرنا بھی جانتے ہیں۔''

''جب سے یہاں آنکھ کھلی ہے کسی کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔'' حمید نے بے بسی سے کہا۔

''اپنے ان لوگوں کی نشاندہی کرو۔ جو باقاعدہ طور پر ہم میں شامل ہیں۔''

''اوہ..... اچھا میں سمجھ گیا۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ وہ کون لوگ ہ
گے۔ میں کرنل فریدی کا اسسٹنٹ ہوں اور انکے سارے معاملات میرے علم میں نہیں ہونے

''اچھی بات ہے کیپٹن حمید۔ تو اب تم اذیتیں جھیلنے کو تیار ہو جاؤ۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ دوسرے آدمی نے اپنی اسٹین گن کاندھے سے لٹکائی اور آہستہ آہ
حمید کی طرف بڑھنے لگا۔ تین سو چھیاسی پہلے ہی دیوار سے جا لگا تھا اور سائرہ اُسی

کھڑی ہانپ رہی تھی۔ دوسرا آدمی اب بھی حمید پر اسٹین گن تانے کھڑا تھا اور ٹریگر پر اس کی انگلی
ہلکی سی جنبش بھی اُسے چھلنی کر سکتی تھی۔ وہ کبھی اُسے دیکھتا تھا اور کبھی اُس آدمی کو جو اس کی
ب ایسے انداز میں بڑھتا آ رہا تھا جیسے دونوں ہاتھوں سے گلا گھونٹ دینے کا ارادہ رکھتا ہو۔

حمید سوچ رہا تھا شائد آج یہ بھی ہو کر رہے گا۔ اور ایک لڑکی کی موجودگی میں یہ بڑی
یشان کن بات تھی۔

اچانک کمرے کی دیواریں ایک عجیب قسم کی گرج سے لرز اٹھیں اور ایسی تیز روشنی سے
سابقہ پڑا کہ آنکھیں تلملا کر رہ گئیں۔ حمید کے قدم بھی لڑکھڑائے تھے لیکن وہ ان دونوں مسلح
آدمیوں کی طرح فرش پر اوندھا نہیں گرا تھا۔ تین سو چھیاسی اور سائرہ اگر دیوار سے لگے نہ
کھڑے رہے ہوتے تو شائد اُن کا بھی یہی حشر ہوتا۔ دونوں مسلح آدمی تو ایسے گرے تھے کہ پھر
نہ اٹھ سکے۔ ان کے جسموں میں ہلکی سی جنبش بھی نہیں پائی جاتی تھی۔

حمید حیرت سے انہیں دیکھے جا رہا تھا۔ دفعتاً عقب سے کسی نے اُس کے شانے پر ہاتھ
رکھ دیا۔ وہ بُری طرح اچھلا تھا۔ لیکن اس بار اُس کے ذہن پر حیرت کی بجائے جھلاہٹ کی یلغار
ہوئی۔ کیونکہ اس طرح بے تکلفی سے کندھے پر ہاتھ رکھنے والا موجی بابا تھا۔

اور پھر حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اُس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا
اشارہ کیا۔ اس کے بعد ہاتھ ہلا کر سائرہ کو قریب بلایا تھا۔ وہ سہمی ہوئی سی آگے بڑھی۔ اُس
کے ساتھ ہی تین سو چھیاسی نے بھی قدم بڑھایا تھا۔ لیکن موجی بابا نے اس طرح مٹھی بھینچ کر
اپنے ہاتھ کو جھٹکا دیا جیسے تین سو چھیاسی کے منہ پر مکا رسید کیا ہو۔

حالانکہ دونوں کے درمیان خاصا فاصلہ تھا۔ لیکن تین سو چھیاسی اس طرح اچھل کر دیوار
سے جا ٹکرایا جیسے سچ مچ موجی بابا کا مکا اُس کی ٹھوڑی ہی پر پڑا ہو۔ دیوار سے ٹکرا کر فرش پر گرا
اور بالکل بے حس و حرکت ہو گیا۔

پھر موجی بابا نے حمید اور سائرہ کے بازو تھامے اور انہیں ایک جانب دھکیلنے لگا۔ حمید
بے بسی سے اُس کے ساتھ گھسٹتا رہا۔ موجی بابا کا انداز ایسا ہی تھا جیسے انہیں یہاں سے نکال

لے جانا چاہتا تھا۔ باہر پھر ایک دھماکہ ہوا اور دوسرے ہی لمحے میں وہ ایک تہہ خانے میں آ رہے تھے۔ موجی بابا کے لبادے کے نیچے سے پھوٹنے والی روشنی اُن سے زینے طے کرا رہی تھی۔ ورنہ یہاں تو اتنا اندھیرا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ سجھائی دیتا۔

زینوں کا اختتام ایک بند دروازے پر ہوا تھا۔ موجی بابا نے دروازے کی جانب انگلی اٹھائی اور وہ خود بخود کھل گیا۔ پھر موجی بابا نے انہیں آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ یہ ایک خاصی کشادہ سرنگ ثابت ہوئی اور وہ آگے بڑھتے رہے۔ اب موجی بابا اُن کے آگے چل رہا تھا اور وہ اُسکے لبادے سے پھوٹنے والی روشنی میں بہ آسانی اُس تاریک سرنگ کو طے کر رہے تھے۔

دفعتاً حمید نے سائرہ سے پوچھا۔ ''میرے علاوہ تمہیں اور کون دکھائی دے رہا ہے۔''

''کوئی مہربان بزرگ ہیں۔ کوئی اللہ والے۔ جن کی کرامت ہماری گلوخلاصی کا باعث بنی ہے۔''

''کیا اس وقت یہ بزرگ تمہیں نظر آئے تھے جب میں اس عمارت میں داخل ہوا تھا۔''

''ہرگز نہیں۔ اُس وقت میرے علاوہ وہاں اور کوئی نہیں تھا۔ میں قسم کھا سکتی ہوں۔''

''خیر..... خیر..... دیکھا جائے گا۔''

''کیپٹن حمید اُسے پریشان مت کرو۔'' موجی بابا نے اُن کی طرف مڑے بغیر کہا۔ ''وہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔''

''تو پھر اب کیوں نظر آ رہے ہو۔''

''مصلحت خداوندی۔''

''اور تین سو چھیاسی کے بیان کے مطابق تم کسی صحرائی دیوانے کی روح بھی ہو۔''

''جو جس نام سے چاہتا ہے پکارتا ہے۔''

''لیکن وہ یہ بھی کہہ رہا تھا کہ تمہارا اس طرح دیکھا جانا سمندر سے طوفان اٹھنے کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔''

''وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ آج میں آگ اور خون کا طوفان لے آیا ہوں۔''

''تو کیا یہ پولیس کا ریڈ نہیں تھا۔''

''بالکل تھا۔''

''تو تم پولیس کے انفارمر بھی ہو۔''

''میں کیا ہوں..... اور کیا نہیں ہوں۔ تمہیں اس سے سروکار نہ ہونا چاہئے۔ میں تم دونوں کو بحفاظت کوسٹ گارڈز کی ایک لانچ تک پہنچا دوں گا۔''

''اس کا یہ مطلب ہوا کہ تمہارا ان اسمگلرز سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''میرا تعلق ساری دنیا سے ہے۔''

''بڑا شاعرانہ جواب ہے موجی بابا۔ لیکن تم مجھے کسی طرح بھی مرعوب نہیں کر سکتے۔''

''میں تمہاری جانیں بچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ مرعوب نہیں کر رہا۔''

''خیر..... خیر.....!''

''کیپٹن حمید میں تمہیں اس قابل ہی نہیں سمجھتا کہ تم سے کسی قسم کی بھی گفتگو کی جائے۔''

''ظن کا شکریہ۔'' حمید نے تلخ لہجے میں کہا۔

''فریدی سے کہہ دینا کہ میں اُس کا منتظر ہوں۔''

''ضرور..... ضرور..... کیا وہ بھی اس ریڈ میں شریک ہیں۔''

''بس اب خاموش رہو۔ ہم کھلی فضا میں پہنچنے والے ہیں۔''

حمید نے سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔ وہ خود بھی اب اس سے گفتگو نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ الجھاب تک اُسے غصہ ہی دلاتا رہا تھا۔ گویا وہ حمید کو بھی کوئی جاہل اور بدعقیدہ آدمی سمجھتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد سرد ہوا کے جھونکے حمید کے چہرے سے مس ہونے لگے۔ اب وہ ایک دروازے سے گزر کر کھلے آسمان کے نیچے آ گئے تھے۔ فائروں کی آوازیں سناٹے کا سینہ چھلنی کر رہی تھیں۔ دفعتاً موجی بابا کے لبادے سے پھوٹنے والی روشنی غائب ہوگئی۔ حمید تیزی سے پلٹا لیکن اب موجی بابا کا بھی کہیں پتا نہ تھا۔

''کیا تم دیکھ رہی ہو اُسے۔'' حمید نے سائرہ سے پوچھا۔

''نہیں.....روشنی کے ساتھ ہی خود بھی غائب ہوگیا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ پھر یکایک ساحل کی طرف سے تیز قسم کی روشنی اُن پر پڑی اور حمید نے جلدی سے کہا۔ ''اپنے ہاتھ اوپر اٹھادو۔''

اس نے خود بھی اپنے ہاتھ اٹھا دیئے تھے۔ روشنی ان پر سے گزر گئی۔ یہ کسی لانچ پر نصب شدہ گردش کرنے والی سرچ لائٹ تھی۔ روشنی چکر پورا کر کے پھر اُن پر آئی اور اس بار انہی پر رک بھی گئی۔

''ہاتھ اٹھائے رکھنا شائد کوسٹ گارڈز کی لانچ ہے۔'' حمید آہستہ سے بولا۔

''لیکن اب کیا ہوگا۔'' وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

''خدا ہی جانے۔''

''وہ کہاں غائب ہوگیا۔''

''اسکے بارے میں تم مجھ سے زیادہ جانتی ہو۔ براہِ کرم اب اس ڈرامے کو طول نہ دو۔''

''تمہیں یقین کیوں نہیں آتا۔''

''میں اس قسم کی روحانی قوت کا قائل نہیں ہوں۔ اسے محض شعبدہ یا بعض افراد کا سفید جھوٹ سمجھتا ہوں۔''

''میں تو کچھ سمجھی ہی نہیں۔ آخر یہ سب کیا ہے۔''

''تمہارا سفید جھوٹ کہ وہ تمہیں اُس عمارت میں نظر نہیں آیا تھا۔''

''مت یقین کرو۔'' وہ جھنجھلا کر بولی۔

سرچ لائٹ کی شعاع ان پر جم کر رہ گئی تھی۔ پھر انہوں نے وزنی قدموں کی چاپ سنی جو اُنہی کی طرف بڑھتی آرہی تھی۔

''خاموش کھڑی رہو۔'' حمید آہستہ سے بولا اور پھر دو مسلح کوسٹ گارڈز روشنی میں آگئے۔ ان کے ریوالور ان دونوں کی جانب اٹھے ہوئے تھے۔

''مجھے اجازت دو کہ جیب سے اپنا شناخت نامہ نکال سکوں۔'' حمید نے ان سے کہا۔

''لانچ کی طرف۔ شناخت نامہ ہمارا آفیسر ہی دیکھے گا۔'' ایک نے ریوالور کو جنبش دے

وہ نشیب میں اترے، ایک گارڈ ان کے آگے چل رہا تھا اور دوسرا پیچھے۔ اس طرح وہ پہنچ گئے۔ یہاں ایک لیفٹیننٹ سے سابقہ پڑا۔ شناختی کارڈ دیکھنے کے بعد ایک قدم پیچھے ہٹ کر اُس نے حمید کو سلیوٹ کیا۔

''آپ کے محکمے کے مسٹر زمن، ریڈ کرنے والوں کے ساتھ ہیں جناب۔'' اس نے اطلاع دی۔

وہ انہیں لانچ کے ایک کیبن میں لے آیا تھا۔ سائرہ کی حالت ایک بار پھر ابتر ہوگئی تھی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''کیپٹن پلیز.....مجھ پر رحم کرنا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''میرے بارے میں ان لوگوں کو کچھ نہ بتانا۔''

''بغیر پوچھے نہیں بتاؤں گا۔''

''پوچھنے پر بھی تم کچھ اور بتا سکتے ہو۔''

''کیا بتا سکتا ہوں۔''

''میری اصلیت کے علاوہ کچھ بھی۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ لیفٹیننٹ انہیں کیبن میں چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

''سوال تو یہ ہے۔'' اُس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ''تین دن سے ہم غائب ہیں۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''میرے اور تمہارے متعلق کتنی افواہیں اڑی ہوں گی۔''

''تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔''

''کمال ہے۔ تم اپنے ٹھگوں کی ہدایت کے مطابق ہی تو میرے ساتھ نکلی تھیں۔''

''میں مجبور تھی۔''

''رہی ہوگی۔لیکن اپنی مجبوریوں کا بار مجھ پر کیوں ڈال رہی ہو۔''

''تم بہت ذہین آدمی ہو۔کوئی اور بات بنا سکتے ہو۔''

''کس بناء پر۔''

''کیا میں تمہیں بالکل اچھی نہیں لگتی۔''

''خاصی خوبصورت اور دلآویز ہو۔''

''تو پھر.....؟''

''تو پھر کیا۔نہ میں تمہیں ٹوسٹ پر لگا کر کھا سکتا ہوں اور نہ تمہاری لسی بنا کر پی سکتا ہوں۔''

''تم ایڈیٹ ہو۔'' وہ بھنا کر بولی۔

''بس پھر کسی ایڈیٹ سے عقلمندی کی توقع نہ رکھو۔''

''بڑے پارسا نہیں ہو۔میں سب جانتی ہوں۔''

''خاموش بیٹھو۔ورنہ تھپڑ رسید کردوں گا۔تمہارے باپ کی عزت بچانے کے لئے میں تمہیں گولی بھی مار سکتا ہوں۔''

''جہنم میں جاؤ۔'' کہہ کر وہ دوسری طرف مڑ گئی۔

اتنے میں کسی نے کیبن کے دروازے پر دستک دی۔

''آ جاؤ۔'' حمید نے اونچی آواز میں کہا۔

لیفٹیننٹ نے دروازہ کھولا۔اس کے پیچھے ایک سپاہی ہاتھوں پر ٹرے اٹھائے ہوئے اندر داخل ہوا۔

''صرف کافی پیش کرسکیں گے کیپٹن۔'' لیفٹیننٹ نے کہا۔

''بہت بہت شکریہ، میں صرف اسی کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔'' حمید نے کہا۔

''آپ بھی بیٹھئے اگر مصروفیت نہ ہو۔''

وہ بیٹھ کر ان کے لئے کافی بنانے لگا۔کبھی کبھی وہ سائرہ کی طرف دیکھنے لگتا تھا۔لیکن اس کے بارے میں کچھ پوچھا نہیں۔

''یہ ریڈ کس طرح ہوا۔'' حمید نے تھوڑی دیر بعد اُس سے سوال کیا۔

''آپ کی بازیابی کے لئے جناب۔''

''کیا میرے محکمے نے آپ لوگوں سے مدد طلب کی تھی۔''

''جی ہاں۔لیکن اب بات بڑھ گئی ہے۔منشیات کے ذخیرے بھی برآمد کئے جا رہے ہیں۔''

''انفارمیشن کس سے ملی تھی۔''

''اس کا علم آپ ہی کے محکمے کو ہوگا۔ہمیں یقین نہیں تھا کہ آپ اتنی آسانی سے مل جائیں گے۔مسٹر زمن کو ٹرانسمیٹر پر اطلاع دے دی گئی ہے۔لیکن انہوں نے کہا ہے کہ ریڈ جاری رہے گا۔''

حمید کچھ نہ بولا۔کافی کے بعد تمباکو کی طلب محسوس ہو رہی تھی۔

''میرا پائپ اور تمباکو کی پاؤچ کہیں ضائع ہو گئے۔'' وہ اپنی جیبیں ٹٹولتا ہوا بولا۔

''سگریٹ ہم فراہم کرسکیں گے جناب۔''

''چلئے.....وہی سہی۔''

''اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو فرمایئے۔ریڈ کے اختتام تک لانچ سیل نہیں کر سکے گی۔''

''یہ جزیرہ بندرگاہ سے کتنے فاصلے پر ہے۔''

''بیس بائیس میل سمجھ لیجئے۔''

''پرائیویٹ پراپرٹی ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''جی ہاں۔''

''کیا نام ہے۔''

''بٹھورا۔''

''خدا کی پناہ یہ بٹھورا ہے۔''

''جی ہاں۔''

''اس کا تو حلیہ ہی بدل گیا ہے۔پانچ سال پہلے صرف مچھیرے آباد تھے۔چند

جھونپڑیوں پر مشتمل چھوٹی سی بستی تھی۔ لیکن اب تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کسی دوسرے سیارے کا کوئی ٹکڑا ہو۔"

"مجھے اندر سے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔"

"کبھی فرصت ملے تو ضرور دیکھئے گا۔"

"اچھا اب مجھے اجازت دیجئے۔" لیفٹیننٹ اٹھتا ہوا بولا۔ "میں سگریٹیں بھجوا رہا ہوں۔"

وہ چلا گیا اور سائرہ مضطربانہ انداز میں بولی۔ "اس نے تو میرے متعلق کچھ بھی نہیں پوچھا۔"

"میں نے بھی تو کچھ نہیں بتایا۔"

"لیکن اپنے محکمے کو تو بتاؤ گے۔"

"میرا محکمہ تو پہلے ہی سے جانتا ہے۔"

"کیا تم نے اپنے آدمیوں کو بتا دیا تھا کہ تمہارے ساتھ کون ہے۔"

"نہ بتایا ہو تب بھی اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ بیگم دردانہ شاہد تو جانتی ہیں کہ تم میرے ساتھ تھیں۔ تمہاری گمشدگی پر کیا انہوں نے اپنی زبان بند رکھی ہوگی۔"

"گھر والوں کے لئے میں کم از کم پندرہ دنوں کے لئے گم شدہ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ میں تارجام جانے کے لئے گھر سے نکلی تھی۔ وہاں میری نانہال ہے۔"

"لیکن وہ گاڑی جو خراب ہو کر گیراج میں پہنچ گئی تھی۔"

"وہ ہماری گاڑی نہیں تھی۔ اُسی نامعلوم آدمی کی طرف سے فراہم کی گئی تھی جو میری زندگی پر ایک نحوست کی طرح طاری ہو گیا ہے۔"

"خوب، تو سارے کام پکے ہوئے تھے۔"

"اسی لئے کہہ رہی ہوں کہ اگر تم چاہو تو ہمارے خاندان کی عزت محفوظ رہ سکتی ہے۔ ایک مجھ گنہگار کی وجہ سے اتنی مزید زندگیوں کو کیوں داغ لگے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ کچھ دیر خاموش رہی اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔ لیکن حمید بت بنا بیٹھا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کتنی قلابازیاں کھا چکی ہے اب تک۔

"سنو.....!" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "رونے دھونے سے کوئی فائدہ نہیں۔ میں تمہارا کرنل کے سامنے رکھوں گا۔ وہ بھی تمہارے باپ کی بہت عزت کرتے ہیں۔ جیسا سب سمجھیں گے، کریں گے۔"

"نہیں! میں کہتی ہوں میری بات اپنی ذات سے آگے نہ بڑھاؤ۔"

"کرنل صاحب کو تمہارے بارے میں پہلے ہی سے علم ہے کہ وہ مصنوعی سانپ تمہی نے جیب سے اڑایا تھا۔"

"تب پھر مجبوری ہے۔ لیکن کیا وہ میری مجبوریوں کو نظر میں رکھ کر کوئی فیصلہ کر سکیں گے۔"

"میں انہیں سب کچھ بتا دوں گا۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کاندھے ڈال دیئے ہوں۔ حمید نے تھوڑی دیر بعد مخاطب کیا۔

"اب تو سچی بات بتا دو۔"

"اور اب تم مجھے معاف کر دو۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔ "میرے پاس کوئی ایسا آلہ نہیں ہے جو تمہاری باتوں کی تصدیق کر سکے۔"

"کیا واقعی موجی بابا تمہیں اس وقت نظر نہیں آیا تھا۔ جب میں اس عمارت میں داخل ہوا تھا۔"

"کتنی بار کہوں کہ میں وہاں تنہا تھی۔"

"لیکن دوسری بار جب ہمیں وہاں سے نکال لے جانے کے لئے آیا تھا تو تمہیں بھی دکھایا تھا۔"

"اور میں نے اسے تسلیم کر لیا تھا۔" سائرہ نے کہا۔

"میں پہلی بار کی بات کر رہا ہوں۔"

"تم نے جب مجھ سے اُس کے بارے میں پوچھا تھا تو وہ مجھے نہیں دکھائی دیا تھا۔ کس طرح یقین دلاؤں تمہیں۔"

"یہ آدمی میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔" حمید نے کہا۔

''تم اسی شخص کے بارے میں مجھ سے پوچھتے رہے تھے کہ میں اُسے جانتی ہوں یا نہیں۔''

''ہاں وہی موجی بابا تھا۔''

''میں نے پہلی بار اُسے دیکھا ہے۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔''

وہ اسے غور سے دیکھے جا رہی تھی۔ حمید بھی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''زہریلے سانپ کے سلسلے میں موجی بابا ہی نے تمہاری نشاندہی کی تھی اور یہ بھی بتایا تھا کہ تمہیں ایک بہت ہی مہنگے نشے کا عادی بنا کر تم سے غیر قانونی حرکتیں کرائی جا رہی ہیں۔''

''تب تو وہ یقیناً کوئی بے حد خدا رسیدہ بزرگ ہے۔'' وہ تلخ لہجے میں بولی۔

''پھر تم لوگ اُسی سے اصل مجرم کے بارے میں کیوں نہیں معلوم کر لیتے۔''

''وہ پہیلیوں میں باتیں کرتا ہے۔ ہوسکتا ہے کبھی ڈھکے چھپے الفاظ میں اس کی بھی نشاندہی کر گیا ہو اور ہم کچھ نہ سمجھ سکے ہوں۔''

''یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ اگر تم لوگ اسے انسپکٹر جنرل آف پولیس بنوا دو تو بڑے فائدے میں رہو گے۔''

''تم ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آ سکیں۔''

''دراصل میں ہی اس گروہ کی سربراہ ہوں اور گروہ کا ہر فرد مجھے اپنی ہی طرح ایک معمولی کارکن سمجھتا ہے مجھے گرفتار کر کے پھانسی پر لٹکا دو۔''

''اب خاموش بیٹھو۔'' حمید نے سخت لہجے میں کہا اور وہ بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

قریباً آدھے گھنٹے بعد زمن لانچ پر دکھائی دیا تھا اور لانچ حرکت میں آ گئی تھی۔

''یہ تو بہت بڑا اڈہ تھا۔'' زمن نے حمید کو اطلاع دی۔ ''کروڑوں روپے مالیت کی منشیات برآمد ہوئی ہیں۔''

''لیکن کاروبار کے مالک کا سراغ نہیں مل سکا۔'' حمید نے کہا۔

''نہیں۔ اس کا سراغ نہیں مل سکا۔'' زمن نے سائرہ کو گھورتے ہوئے کہا اور وہ آنکھیں ملنے لگی۔ آخر زمن پوچھ ہی بیٹھا۔ ''آپ کی تعریف.....!''

''تم انہیں ایگل بیچ والے ہٹ میں بھی دیکھ چکے ہو۔''

''لیکن تعارف نہیں ہے۔''

''میری ایک دوست ..... مس سائرہ بانو ہیں۔''

''انہیں بھی تکلیف اٹھانی پڑی۔'' زمن خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔

''ختم کرو..... یہ بتاؤ کہ اس جگہ کی نشاندہی کس نے کی تھی۔''

''ایک نامعلوم فون کال تھی۔ بتایا گیا تھا کہ اسمگلرز کے ایک گروہ نے تمہارا اغواء کیا ہے نہیں بٹھورا لے گئے ہیں۔''

''کیا وہ کال ریکارڈ ہوئی تھی۔''

''پوری کال نہیں ریکارڈ ہو سکی تھی۔ البتہ کچھ حصہ ٹیپ پر آ گیا تھا۔''

''اُسے محفوظ رکھنا۔ کیا کرنل صاحب واپس آ گئے۔''

''ابھی ان کی واپسی نہیں ہوئی۔ لیکن گئے کہاں ہیں۔''

''یہ تو مجھے نہیں معلوم۔''

''اب پتا نہیں اصل اغواء تمہارا ہوا تھا یا ان کا۔'' زمن نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

''یہ تمہارا دردِ سر نہیں ہے۔ لہٰذا اس میں سر نہ کھپاؤ۔''

حمید نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس کی گمشدگی کے ساتھ ہی سائرہ کا نام نہیں آنے پایا تھا۔ اگر اس قسم کی کوئی رپورٹ ہوئی ہوتی تو زمن اس کا ذکر ضرور کرتا۔ تو پھر آخر اس اغواء کا مقصد کیا تھا؟ وہ تو یہی سمجھتا رہا تھا کہ فریدی کو مزید الجھانے کے لئے یہ حرکت کی گئی ہے۔ ظاہر ہے اگر اس کا اسسٹنٹ کسی منسٹر کی لڑکی کے ساتھ فرار ہو جاتا تو اُسے کن پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ اصل کیس بٹے کھاتے میں پڑ جانا اور اسے مفروروں کی تلاش میں سرگرداں ہونا پڑتا۔

پھر کیا مقصد تھا اس اغواء کا اگر اس کے خلاف منسٹر کی طرف سے رپورٹ نہیں درج

کرائی گئی تھی۔ بندرگاہ پر محکمے کی گاڑیاں موجود تھیں۔ سائرہ نے حمید کو دوسروں سے الگ لے جا کر کہا۔ ''میں تمہارے علاوہ اور کسی کے ساتھ گاڑی میں نہیں بیٹھوں گی۔''

''ہم دونوں ایک گاڑی میں تنہا ہوں گے اور میں تمہیں تمہارے گھر پہنچاؤں گا۔''

وہ سر ہلا کر رہ گئی۔ لیکن جب ایک ایسی گاڑی مہیا ہوگئی جس پر صرف وہی دونوں تھے تو اُس نے کہا۔ ''میں گھر نہیں جاؤں گی۔''

''یہ کیا بات ہوئی۔''

''بات کھل جائے گی۔ اگر تمہارے ساتھ گھر گئی۔''

''اچھا تو پھر کہاں جاؤ گی۔''

''تارجام.....تاکہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو سکے کہ اس دوران میں کیا ہوا تھا۔''

''تمہارا ابھی جواب نہیں ہے۔'' حمید جھنجھلا کر بولا۔

''ہم دونوں کے حق میں یہی بہتر ہوگا کہ مجھے تارجام والی بس پر بٹھا دو۔''

حمید طویل سانس لے کر رہ گیا۔

واپسی

دوسرے دن فریدی واپس آ گیا۔ حمید کی باضابطہ رپورٹ پہلے ہی سے تیار تھی۔ اُس نے اسے دیکھا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''تمہارا رول شروع سے آخر تک شاندار رہا ہے۔''

''شکریہ۔ میں تو سمجھا تھا شائد سائرہ کے سلسلے میں آپ مجھ سے جواب طلب کرلیں۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن ہوسکتا ہے کہ.....!'' فریدی جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہوگیا۔ اُس کی آنکھوں میں تشویش کے آثار ابھر آئے تھے۔

''کیا کہنا چاہتے تھے۔'' حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

''شاید اب سائرہ کی زندگی خطرے میں پڑ جائے۔ اُسے تنہا تارجام نہ جانا چاہئے تھا۔''

''وہاں تو اُسے جانا ہی پڑتا کیونکہ گھر والوں کو یہی بتا کر نکلی تھی۔''

''تمہیں اچھی طرح یاد ہے نا کہ اُس نے موجی بابا کو اس وقت دیکھنے کا اعتراف نہیں کیا تھا جب تم وہاں اس کی موجودگی کا اعلان کر رہے تھے۔''

''میں نے اُس وقت بھی اُس سے اعتراف کرانا چاہا تھا جب تارجام والی بس پر بٹھا رہا تھا لیکن اُس نے کسی طرح بھی اُس پر صاد نہیں کیا تھا۔''

''میرا خیال ہے کہ.....!'' فریدی پھر جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہوگیا۔ حمید کے استفسار پر بھی نہیں بتایا کہ وہ کیا کہنا چاہتا تھا۔

''یہ شخص میری سمجھ میں نہیں آیا۔'' حمید بولا۔

''کون شخص.....؟''

''وہی.....موجی بابا۔'' حمید نے طویل سانس لے کر کہا۔ ''اُس نے مجھے وہاں سے نکلنے میں مدد دی تھی۔ یقین کیجئے کہ اگر وہ مدد نہ کرتا اور میں اپنی ہی کوشش سے باہر نکلتا تو شاید اپنے ہی آدمیوں کے ہاتھوں مارا جاتا۔ کیونکہ وہ جزیرے پر اندھا دھند فائرنگ کر رہے تھے۔''

''اور وہ وہ اسمگلرز اُسے صحرائی دیوانے کی روح کہتے ہیں۔'' فریدی نے پوچھا۔

''ہاں اُس شخص نے اس کا حلیہ معلوم کرنے کے بعد یہی کہا تھا۔''

''اور وہ اُس وقت اُسے بھی نہیں نظر آیا تھا جب تم اُسے دیکھ رہے تھے۔''

''جی ہاں۔ اس نے بھی کسی چوتھے کی موجودگی کا اعتراف نہیں کیا تھا۔''

''بے حد دلچسپ۔''

''تو پھر کیا اس سے یہی نتیجہ اخذ کیا جائے کہ موجی بابا حقیقتاً کوئی پہنچا ہوا درویش ہے۔''

''ہم ابھی کوئی نتیجہ اخذ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔''

''اچھا اگر وہ ٹیلی فون کال موجی بابا ہی کی ثابت ہوئی تو پھر آپ کیا کہیں گے۔''

''دیکھا جائے گا۔ شائد تم نے یہ بھی بتایا تھا کہ اُس کال کا کچھ حصہ ریکارڈ بھی ہو گیا تھا۔''

''جی ہاں.....زمن نے یہی بتایا تھا۔''

''لیبارٹری انچارج سے کہو کہ میں اُسے سننا چاہتا ہوں۔''

تھوڑی دیر بعد اس کا انتظام بھی ہو گیا تھا۔ پہلے آواز سنائی گئی پھر مختلف فیتوں سے آواز کا تجربہ بھی سنوایا گیا تھا۔ حمید بھی فریدی کے ساتھ ہی تھا۔

''سو فیصد اُسی کی آواز معلوم ہوتی ہے۔'' فریدی نے آخر میں اظہارِ خیال کیا اور پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''مزید اطمینان کرنے کے لئے میں براہِ راست اس کی آواز ریکارڈ کر کے اس سے موازنہ کروں گا۔''

''لیکن آپ تھے کہاں؟'' اچانک حمید نے سوال کیا۔

''شہر میں نہیں تھا۔''

''کوئی خاص مواد فراہم کرلائے ہیں۔''

''اس کے بارے میں بھی ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

''تو گویا واقعی کچھ ہوا ہے۔''

''بہت کچھ ہوا ہے حمید صاحب۔ بس اب کڑیاں ہی ملانی ہیں۔''

''ملا بھی چکئے جلدی سے۔ شہر میں خاصی بے چینی پائی جاتی ہے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔

حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ''میرا ذہن تو فی الحال موجی بابا اور سائرہ میں الجھا ہوا ہے۔''

''سائرہ کے سلسلے میں مجھے بھی تشویش ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''کیونکہ محکمے کے کچھ لوگوں نے بھی اُسے تمہارے ساتھ دیکھا تھا اور یہ بھی جانتے ہیں کہ تم دونوں کا اغواء ساتھ ہی ہوا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ انہیں یہ نہ معلوم ہو کہ وہ کون ہے۔''

''جو کچھ بھی ہوا ہے وہ ناگزیر تھا۔''

''ایسے چالاک مجرموں سے کبھی کبھی سابقہ پڑتا ہے۔''

''میں ابھی تک یہی نہیں سمجھ سکا کہ آخر وہ چاہتا کیا ہے۔ افضل خاں کو ختم کر کے ایک کنارے بیٹھ رہتا اور پولیس جھک مارتی رہ جاتی۔ آخر یہ اتنے ڈرامے کیوں۔ اتنی ہنگامہ آرائی کیوں۔''

دفعتاً فریدی چونک کر بولا۔ ''کیا تم اتنے احمق ہو سکتے ہو۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اتنے احمق کہ سائرہ سے اس کے اس عزیز کا پتا بھی نہ معلوم کرلیا ہو جس کے ساتھ قیام کرنے کے لئے وہ تارجام گئی ہے۔''

''میں نے اُس کا پتہ نوٹ کیا تھا۔'' حمید جیب سے نوٹ بک نکالتا ہوا بولا۔

''اٹھو.....!'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

''اب کہاں؟''

''تارجام.....!''

حمید کی روح فنا ہو گئی۔ آج وہ زیادہ ہلنا جلنا نہیں چاہتا تھا لیکن کرنل فریدی کا اسسٹنٹ ہونا کھیل تو نہیں۔ کھڑے گھاٹ تارجام کے لئے روانگی ہوئی تھی۔ حمید کا موڈ خراب ہو گیا تھا اس نے خاموشی اختیار کرلی۔ فریدی خود ہی کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ شہری آبادی سے نکل آنے کے بعد حمید نے اونگھنا شروع کر دیا۔ پچھلے چوبیس گھنٹوں میں بمشکل تمام دو یا ڈھائی گھنٹے نیند کی ہوگی۔ اسی غنودگی کے کُہر سے ایک بڑا سا روشن روشن سوالیہ نشان اُبھرا اور وہ چونک کر بیدار کو گھورنے لگا۔

''کیا بات ہے۔'' فریدی نے اسے کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''آخر اس کا مقصد کیا تھا۔''

''کس کا مقصد.....؟''

''ہمارے اغواء کا۔ میں تو یہ سمجھا تھا کہ اغواء کے بعد شہر میں افواہیں پھیلائی جائیں گی۔ پولیس کی طرف سے سائرہ کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی جائے گی اور دردانہ شاہد کے

توسط سے یہ بات سامنے لائی جائے گی کہ سائرہ آخری بار میرے ساتھ دیکھی گئی تھی۔"

"آخر یہ سب کیوں ہوتا۔" فریدی نے سوال کیا۔

"آپ کو مزید دشواریوں میں مبتلا کرنے کے لئے۔"

"میرا خیال ہے کہ اب مجرم ہی کسی دشواری میں پڑ گیا ہے۔"

"کیا مطلب.....؟"

"پہلے وہ ہمیں کسی اور کی طرف متوجہ کرنا چاہتا تھا اور اب چاہتا ہے کہ کسی طرف سے ہماری توجہ ہٹ جائے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"انسپکٹر زیدی کی موت کے بعد سے وہ دشواری میں پڑ گیا ہے۔ پہلے اس کی یہی اسکیم تھی کہ.....!" فریدی جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گیا اور حمید کو الجھن ہونے لگی۔

"خاموش کیوں ہو گئے۔"

"تم سے زبردست حماقت سرزد ہوئی ہے۔ سائرہ کو زبردستی اس کے گھر ہی پہنچانا چاہئے تھا۔ یا پھر محکمے کے لاک اپ میں رکھ دیتے۔"

"منسٹر کی بیٹی کو۔"

"ہاں! لیکن اگر اب منسٹر کی بیٹی مار ڈالی گئی تو تمہاری گردن پھنس جائے گی۔ محکمے کے لوگوں نے اُسے واپسی کے سفر میں بھی تمہارے ساتھ دیکھا تھا اور اُس صورت میں دردانہ بھی سامنے آ کر شہادت دے گی کہ آخری بار وہ تمہارے ہی ساتھ دیکھی گئی تھی۔"

حمید کا دل حلق میں دھڑکنے لگا۔ واقعی سامنے کی بات تھی۔ اغواء کا الزام قتل کے الزام سے ہلکا ہوتا اور وہ اپنا بیان دینے کے لئے بہر حال زندہ ہوتی۔ لیکن موت کی صورت میں خ کی پناہ.....اغواء کے بعد موت کی صورت میں.....اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا کہ کیپٹن جب نے اس کی زبان بندی کے لئے اُسے قتل ہی کر دیا۔

ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ اُس کے جسم سے چھوٹنے لگا۔ شائد فریدی نے اس کی یہ کیفیت

بھی۔ ہنس کر بولا۔ "پرواہ مت کرو۔ دیکھا جائے گا۔"

"آخر کس طرح دیکھا جائے گا۔ اگر وہ سچ مچ تارجام میں مار ڈالی گئی تو سمجھئے کہ میرا بھی دیوالہ ہو گیا۔"

"میری زندگی میں.....!" فریدی نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"آپ ہی کیا کر سکیں گے۔" حمید نے مایوسی سے کہا۔

"اور نہیں تو کیا تم پر کوئی ایسا الزام نہیں آنے دوں گا جس میں تم اپنے ارادے سے شریک نہیں ہوئے۔"

"میں تو نہیں سمجھتا کہ آپ کسی طرح بھی مجھے اس الزام سے بچا سکیں۔"

عجیب سی مسکراہٹ فریدی کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی اور اس نے بالآخر کہا۔ "جزیرے کی آبادی زیرِ حراست ہے۔ لیکن تمہیں تین سو چھیاسی بٹا گیارہ اُن میں نہیں ملے گا۔"

"کیا مطلب.....؟" حمید چونک پڑا۔

"ابھی مطلب نہ پوچھو۔ ورنہ بات بات پر مجھے بور کرتے رہو گے۔"

"آپ کی مرضی۔" حمید نے طویل سانس لی اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

گاڑی کی رفتار بہت تیز تھی۔ غالباً فریدی جلد از جلد تارجام پہنچنا چاہتا تھا۔

"لیکن اگر وہ نہ ملی تو.....!" حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"اسی کا امکان زیادہ ہے۔ ویسے کیا وہ بس تمہاری موجودگی میں تارجام کے لئے روانہ ہوئی تھی۔"

"نہیں میں اُسے بس میں بٹھا کر واپس آ گیا تھا۔ بس تو بعد میں گئی ہو گی۔"

"تب تم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ تارجام ہی گئی ہو گی۔"

"اُف فوہ.....تو کیا۔ یہ بھاگ دوڑ ضائع ہوئی۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید نے کہا۔ "نہ آپ نے اس کے بارے میں پوچھا تھا اور نہ مجھے لگا رہا تھا کہ آپ کو اس سے بھی آگاہ کر دیتا۔"

''فکر نہ کرو۔ دیکھا جائے گا۔''

''اب کیا دیکھا جائے گا۔ شائد وہ مجھے ڈوج دے گئی۔''

''اگر تھوڑی سی بھی عقلمند ہوگی تو وہاں ہرگز نہیں جائے گی جہاں اسے جانا تھا۔''

''تو پھر یہیں سے واپس ہو جایئے۔ اتنی عقلمند تو وہ ہے ہی۔''

''تارجام مجھے آنا ہی تھا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''مطلب کہاں تک بتاؤں۔ مجرم خاصا پھیلاؤ رکھتا ہے۔''

''اچھا تو یہ بات ہے۔ یہاں کچھ اور بھی دیکھنا ہے آپ کو۔''

''سب سے پہلے ڈائریکٹری میں سائرہ کے خالو کا فون نمبر تلاش کرنا پڑے گا۔''

''کیوں نہیں۔ وہ تارجام کا ایک بڑا صنعت کار ہے۔''

''اس نے اپنے خالو کا نام نہیں بتایا تھا۔ صرف پتہ بتایا تھا۔''

دو بجے کے قریب وہ تارجام پہنچے اور ایک ہوٹل میں لنچ کرنے کے بعد وہیں ڈائریکٹری میں مطلوبہ فون نمبر تلاش کئے۔

لیکن اُس نمبر پر سائرہ سے متعلق استفسار کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ وہاں موجود نہیں ہے۔ سرے سے وہاں پہنچی ہی نہیں تھی۔

''دیکھا تم نے۔'' فریدی نے حمید کو مخاطب کیا۔

''کیا ہوا.....؟''

''یہاں نہیں آئی۔ وہ لوگ اس سے بھی لاعلم ہیں کہ یہاں نہ پہنچنے کی صورت میں کہاں گئی ہوگی۔''

''تو کیا وہ روپوش ہوگئی۔''

''اگر مار نہ ڈالی گئی ہوگی تو پھر اسے روپوشی ہی سمجھو۔''

''مار کیوں ڈالی گئی ہوگی۔ اگر افشائے راز کا خدشہ ہے مجرم کو تو اس نے خاصہ

ساتھ گذارا تھا۔ اس لئے اسی جزیرے میں بھی ماری جاسکتی تھی۔ مجرم نے اس سلسلے میں یوں ضائع کیا۔''

''ہوسکتا ہے جزیرے میں پہنچنے کے بعد ہی وہ مجرم سے متعلق کسی خاص نتیجے پر پہنچی ہو نے اندازہ لگالیا ہو کہ شائد اب وہ اس کی نشاندہی کر دے گی۔''

''یہ ایک مفروضے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔''

''ظاہر ہے۔ حتمی بات تو اس کی یا اُس کی لاش کی بازیابی کے بعد ہی کہی جاسکے گی۔''

''مفروضات بسا اوقات حقیقت سے بہت دور لے جاتے ہیں۔''

''اب یہ معلوم کرنا چاہئے کہ اس کے گھر والے اس کے بیان کی کس حد تک تصدیق تے ہیں اور یہ کام ہوٹل سے باہر ہی ہو سکے گا۔''

''کیا آپ ان سے بھی فون پر رابطہ قائم کریں گے۔''

''یہاں سے تو یہی ہوسکتا ہے۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

''یہ کام تو یہاں سے بھی ہوسکتا ہے پھر ہوٹل سے باہر کی بات کیوں کر رہے ہیں۔''

''تم زنانہ آواز میں اس سے متعلق پوچھ گچھ کرو گے۔ بس اسی طرح جیسے اس کی کوئی ن اس سے ملاقات کی خواہاں ہو۔''

''تب تو یہ کام تنہائی کا ہے جہاں آس پاس کوئی متحیر ہونے والا موجود نہ ہو۔''

''ایسا فون تمہیں مل جائے گا۔'' فریدی نے کہا۔

پھر وہ اُسے اپنے ایک شناسا کے گھر لے گیا تھا جہاں سے حمید نے فون پر منسٹر صاحب کی ے رابطہ قائم کیا۔ فریدی کے مشورے کے مطابق ہی پوچھ گچھ کی تھی اور پھر فریدی کو مطلع ہ وہ وہاں بھی موجود نہیں ہے۔

''کوئی عورت بول رہی تھی۔'' اس نے کہا۔ ''اس نے بتایا ہے کہ سائرہ تارجام میں نی خالہ کا پتا بتایا گیا ہے جس کے گھر وہ نہیں پہنچی۔''

''اندازہ بھی درست نکلا۔'' فریدی نے طویل سانس لے کر کہا۔

''اب کیا پروگرام ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''اب وہ کام ہوگا جس کے لئے یہاں بہر حال آنا تھا۔''

''وہ کہاں ہوگا۔''

''ایک شو فیکٹری میں۔''

''اوہو تو شو فیکٹری کا قصہ ہے۔''

''سلطانہ تاجور جن جوتوں کا ایکسپورٹ کرتی ہے۔ اُن کی فیکٹری یہیں ہے۔''

''سلطانہ تاجور ایکسپورٹ کرتی ہے۔''

''تاجور خاں کے انتقال کے بعد اُسی نے کاروبار سنبھالا ہے اور اب وہ ایک خاصی رقم صنعت کار ہے۔''

''تو جوتے کی فیکٹری سے آپ کو کیا سروکار۔''

''ہوسکتا ہے سروکار رکھنے کی گنجائش نکل ہی آئے۔''

''میں اپنے ذہن کو خواہ مخواہ تھکانے پر آمادہ نہیں ہوں۔''

''کسی بات پر آمادہ بھی ہو یا نہیں۔''

''گہری نیند سو جانے پر۔''

اور ذرا ہی دیر میں وہ سچ مچ سو گیا۔

پھر آنکھ کھلی تو خود کو تنہا پایا۔ فریدی اُسے گاڑی میں سوتا چھوڑ گیا تھا۔

سیدھا ہو بیٹھا۔ گاڑی جہاں کھڑی تھی بڑی پر فضا جگہ تھی۔ اونچے اونچے گھنے درختوں کی چھاؤں میں معطر اور خنک ہوا چل رہی تھی۔ اس نے تین چار گہری سانسیں لیں اور جیب سے تمباکو کی پاؤچ ٹٹولنے لگا۔

گھڑی دیکھی۔ شام کے پانچ بج رہے تھے۔ گویا وہ پورے دو گھنٹے سویا تھا۔ پھر ان گھنٹوں کے دوران میں کیا ہوتا رہا تھا۔

اس نے گاڑی سے اُترنے کی زحمت نہیں گوارا کی۔ بس بیٹھا پائپ کے ہلکے ہلکے کش لیتا

چاروں طرف نظر دوڑاتا رہا تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد فریدی کی واپسی ہوئی۔

''میں تو سمجھا تھا کہ شائد ابھی سو ہی رہے ہوگے۔'' اس نے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف کا دروازہ کھول کر گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

''آپ کہاں ہو آئے۔''

''فیکٹری میں دیکھ رہا تھا کہ امپورٹڈ سولز پر اپر کیسے چڑھائے جاسکتے ہیں۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''سارا کام مشینوں سے ہوتا ہے۔''

''امپورٹڈ سولز سے کیا مراد ہے۔''

''تلے باہر سے منگوائے جاتے ہیں اور اپر یہاں لگائے جاتے ہیں۔''

''اور جوتے ایکسپورٹ کئے جاتے ہیں۔''

فریدی نے کچھ کہے بغیر انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔ اب اُس کا رخ واپسی کے لئے موڑ دیا گیا تھا۔

''میرا ذہن سائرہ ہی میں الجھا ہوا ہے۔'' حمید نے کہا۔

''الجھائے رکھو۔ اب اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ اگر تمہیں بھی اُس کے ساتھ الجھانا مقصود ہوگا تو مجرم نے اس کی لاش بھی غائب کردی ہوگی۔''

''آپ بڑی بے دردی سے ذکر کر رہے ہیں۔''

''شائد خدانخواستہ بھی کہنا چاہتے تھا مجھے۔''

''ہمارے پیشے نے ہمیں درندہ بنا دیا ہے۔''

''اگر کسی لڑکی کا معاملہ نہ ہوتا تو تم اتنی باتیں ہرگز نہ کرتے۔'' فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''مجھے کب اس سے انکار ہے۔ کسی عورت کا قتل میرے لئے بے حد تکلیف دہ ہوتا ہے

''میرا خیال ہے کہ اب تم ڈرائیو کرو۔'' فریدی نے کہا۔ ''میں بھی تھوڑا سا آرام کرنا چاہتا ہوں۔''

اس نے گاڑی سڑک کے کنارے اتار کر روک دی۔ انہوں نے سیٹیں تبدیل کیں اور گاڑی پھر چل پڑی۔

''ہم یہاں سے سیدھے ایگل بیچ جائیں گے۔'' فریدی نے کہا۔ ''ذرا دو دو باتیں موجی شاہ سے بھی ہو جائیں۔''

''ضروری نہیں کہ وہ خانقاہ میں مل ہی جائیں۔''

''پھر بھی میں ادھر جانا چاہتا ہوں۔''

سورج غروب ہوتے ہوتے وہ ایگل بیچ پہنچ گئے تھے۔ گاڑی پارکنگ لاٹ میں پارک کر کے خانقاہ کی طرف پیدل روانہ ہو گئے۔ حمید نے کہا۔ ''وہ آپ کا بڑا قدر داں ہے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ موجی بابا خانقاہ میں موجود تھا۔ انہیں دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خاص قسم کی چمک پیدا ہوئی اور بڑے پرجوش انداز میں اُس نے ان کا استقبال کیا۔

''میں آپ کا بے حد شکر گذار ہوں۔'' فریدی نے کہا۔

وہ عجیب سے انداز میں مسکرا کر رہ گیا۔

''اگر آپ حمید کی رہنمائی نہ کرتے تو یہ اس عمارت سے نہ نکل سکتا۔''

موجی بابا کی آنکھوں میں حیرت کے آثار حمید نے صاف دیکھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے فریدی نے کوئی ناقابل فہم بات کہہ دی ہو۔

''میں نے ان کی رہنمائی کی تھی۔'' اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر حمید کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں نہیں سمجھا۔''

''آپ نے اسے اور سائرہ کو اُس عمارت سے نکال کر کوسٹ گارڈز کی لانچ تک پہنچایا تھا۔''

''یہ آپ سے کس نے کہہ دیا کرنل۔ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ میں نے تو جزیرے پر قدم تک نہیں رکھا۔ بس اتنا ہی کیا تھا کہ ان دونوں کے اغواء کی اطلاع فون پر آپ کے محکمے کو دے

ی۔''

فریدی نے حمید کی طرف دیکھا جس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے وہ اپنی زبان کو روکے رکھنے کی جدوجہد میں لگا ہوا ہو۔

''ایک بار آپ صرف حمید کو نظر آئے تھے۔ یعنی ان دو افراد کو اس وقت نہیں دکھائی دے تھے جب حمید نے آپ کو دیکھا تھا۔''

''یہ کیسی لایعنی گفتگو ہے کرنل صاحب۔'' موجی بابا نے خشک لہجے میں سوال کیا۔

''حمید سے پوچھ لیجئے۔ سائرہ اور دوسرے آدمی نے اُسے بتایا تھا کہ انہوں نے آپ کو دیکھا حالانکہ اسی وقت وہاں اس عمارت میں اُن کے سامنے موجود تھے۔''

موجی بابا نے حمید کی طرف دیکھا۔

''کیا آپ اس حقیقت کی تردید کریں گے۔'' حمید بولا۔

''بالکل تردید کروں گا۔ میں نے جزیرے پر قدم تک نہیں رکھا۔ لیکن مجھے ان خبیثوں رت ہے کیونکہ انہوں نے ایک بیوہ کی ملکیت پر قبضہ کر رکھا ہے۔ لہٰذا میں اُن پر نظر رکھتا ان کی نگرانی کرتا رہتا ہوں۔ جیسے ہی کیپٹن حمید وہاں اس لڑکی سمیت پہنچائے گئے تھے طلاع ہو گئی تھی اور میں نے آپ کے محکمے کو مطلع کر دیا تھا۔''

''تو پھر وہ کون تھا۔'' حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''میں نہیں جانتا۔''

''دوسری بار جب آپ ہمیں اُس عمارت سے نکال رہے تھے تو سائرہ کو بھی نظر آئے تھے۔''

''یہ بالکل غلط ہے۔'' وہ پیر پٹخ کر غرایا۔ ''میں نے جزیرے پر قدم تک نہیں رکھا۔''

''آپ کی روحانی قوت۔'' فریدی نے کہا۔

''میں جن نہیں ہوں کرنل صاحب۔'' موجی بابا نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''روحانی قوت مجھے ں عطا کر سکتی کہ ایک جسم یہاں رہے اور دوسرا اُس جزیرے میں پہنچ جائے۔ یہ صرف ی باتیں ہیں۔''

''میرا مشاہدہ ہے اور میں اسے فریب نظر سمجھنے پر تیار نہیں ہوں۔'' حمید نے کہا۔

''میں سمجھ گیا۔'' کہہ کر موجی بابا نے قہقہہ لگایا۔ ''اچھا کرنل صاحب اب میں اس خبیثہ کو منظر عام پر لانے کی کوشش کروں گا۔ جو شائد اب میری آڑ میں کچھ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ میں نے تو بہت پہلے اشارہ کر دیا تھا لیکن آپ شائد اس کے خلاف ابھی تک کوئی واضح ثبوت فراہم نہیں کر سکے۔''

''کوشش کر رہا ہوں۔'' فریدی سر ہلا کر رہ گیا۔ پھر بولا۔ ''سائرہ بھی غائب ہوگئی ہے۔''

''کہاں غائب ہوگئی ہے۔''

فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''تم شروع سے سائرہ کی کہانی دہراؤ۔''

حمید کی جھنجھلاہٹ بڑھ گئی تھی۔ لیکن طوعاً و کرہاً اس نے دردانہ شاہد کے یہاں سائرہ سے ملاقات ہونے سے لے کر آخر وقت تک کے واقعات دہرائے اور موجی بابا ہنس کر بولا۔ ''تو اس لڑکی نے آپ کو شروع سے آخر تک بیوقوف بنایا تھا۔''

''آپ ہی نے فرمایا تھا کہ وہ مجبوراً ان لوگوں کے لئے کام کرتی ہے۔ انہوں نے اسے نشے کا عادی بنا دیا ہے۔''

''میں کب کہتا ہوں کہ اس نے مجبوراً آپ کو بیوقوف نہیں بنایا۔ جو کچھ اس سے کہا جاتا رہا ہوگا کرتی رہی ہوگی۔''

''یعنی آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ کے بھیس میں جو کوئی بھی تھا اس نے اسے سمجھا دیا تھا کہ وہ کب کیا کہے۔''

''ہاں..... میں یہی کہنا چاہتا ہوں۔'' اس نے کہا اور فریدی سے بولا۔ ''اب میں آپ کو بتاؤں گا کہ روحانی قوت کسے کہتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ سائرہ غائب ہوگئی۔ شائد یہ بھی سوچ رہے ہوں کہ کہیں قتل نہ کر دی گئی ہو۔''

''ہاں میں یہی سوچ رہا ہوں۔ یا تو خود ہی خوفزدہ ہو کر روپوش ہوگئی ہے یا پھر قتل کر دی گئی ہے۔''

''ظاہر ہے کہ جس نے اسے جھوٹ بولنے پر آمادہ کیا ہوگا وہ اسے زندہ کیوں چھوڑنے لگا۔'' موجی بابا نے کہا۔ ''اچھا تو کرنل میں ابھی بتاتا ہوں کہ اس کا کیا حشر ہوا۔''

اس نے آنکھیں بند کر کے ایک بہت لمبی اور پرشور سانس لی اور پھر بالکل ساکت ہوگیا۔ کسی پتھر کے بت کی مانند۔

حمید کبھی فریدی کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی موجی بابا کی طرف۔ آنکھوں میں ایسا ہی تاثر تھا جیسے بزبان خاموشی پوچھ رہا ہو۔ ''رسید کر دوں ایک ڈنڈا اس کے سر پر۔''

فریدی نے اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ تھوڑی دیر بعد موجی بابا نے آنکھیں کھولیں۔ جو اب پہلے سے زیادہ سرخ اور چمکیلی نظر آ رہی تھی۔ نظریں ملتے ہی حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے الیکٹرک شاک لگا ہو۔

''وہ زندہ ہے کرنل۔'' موجی بابا آہستہ سے بولا۔ ''بیچ ہوٹل کمرہ نمبر چھیاسی میں مل جائے گی۔ خوفزدہ بھی ہے اور شائد وہ چیز بھی اُس کے پاس نہیں ہے جس کے نشے کی عادی ہوگئی ہے۔ جاؤ تصدیق کر لو۔ یہ ہے روحانی قوت۔ میں نے ذہنی طور پر اپنی جگہ چھوڑی تھی۔ جسمانی طور پر یہیں رہا تھا۔ تمہارے سامنے۔''

''یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے۔'' فریدی نے پرتفکر لہجے میں کہا۔ ''لیکن آخر آپ کے بھیس میں کون تھا جس سے کیپٹن حمید کا سابقہ پڑا تھا۔''

''سنئے کرنل صاحب۔ اُسے آپ پھانسی پر چڑھائیں گے۔ اس لئے خود ہی معلوم کیجئے کہ وہ کون ہوسکتا ہے۔ میں کارخانہ قدرت میں دخل اندازی نہیں کروں گا۔''

''اتنی ہی مدد کیلئے میں آپ کا بے حد شکر گذار ہوں۔'' فریدی نے کہا۔ ''اب اجازت دیجئے۔''

''ویسے یہ میری پیشین گوئی ہے کہ اپنی اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں کے سہارے آپ بہت جلد حل تک پہنچ جائیں گے۔''

فریدی اور حمید وہاں سے بیچ ہوٹل کی طرف روانہ ہوگئے۔ کمرہ نمبر چھیاسی جو اندر سے

مقفل تھا دیر تک دستکیں دینے کے باوجود بھی نہ کھلا۔ پھر فریدی نے ہوٹل کی انتظامیہ سے ماسٹر کی طلب کر کے دروازہ کھولا تھا۔ سائرہ فرش پر بے حس و حرکت پڑی نظر آئی۔

ٹکراؤ

کیپٹن حمید نے اُسے سائرہ کی لاش ہی سمجھا تھا لیکن قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ وہ ابھی سانسیں لے رہی ہے۔ فریدی کا ہاتھ اس کی نبض پر تھا۔

''کیا مر جائے گی۔'' حمید نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

''نہیں..... شائد نشے کی مطلوبہ مقدار وقت پر نہیں مل سکی تھی۔ تم نیچے جا کر پولیس ہسپتال ایمبولینس کے لئے فون کرو۔'' فریدی نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

آدھے گھنٹے کے اندر ہی اندر وہ ہوٹل سے پولیس ہسپتال منتقل کر دی گئی۔

''اب کیا خیال ہے اس کے گھر والوں کو مطلع کریں گے۔'' حمید نے پوچھا۔

''ہوش میں آنے سے پہلے نہیں۔''

''اور اگر ہوش ہی میں نہ آئی تو۔''

''ہم نہیں جانتے کہ یہ کون ہے۔''

''میں تو جانتا ہوں۔'' حمید نے کہا۔ ''محکمے کے کئی آدمیوں نے اسے میرے ساتھ دیکھا تھا۔''

''تم اسے نجمہ کے نام سے جانتے ہو۔''

''آپ شائد بھول گئے کہ دردانہ شاہد نے اس کا تعارف مجھ سے کرایا تھا۔ منسٹر کی بیٹی کی حیثیت سے۔''

''لہٰذا..... تم یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ اسے میں نے بحالت بیہوشی بیچ ہوٹل میں دریافت کیا تھا اور میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہے۔''

''تو آپ یہیں ٹھہریں گے۔''

''اسی کمرے میں..... اس کے پاس ہی۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔ ''گاڑی تم لے جاؤ۔''

''بہت بہت شکریہ۔ لیکن پھر آپ کی واپسی کیسے ہوگی۔''

''تم میری فکر نہ کرو۔ لیکن تم سیدھے گھر ہی جاؤ گے۔ میں کسی وقت بھی تمہیں طلب کر سکتا ہوں۔''

''خاصی رات ہو چکی ہے۔''

''ضرورت پڑی تو سوتے سے بھی اٹھنا پڑے گا۔''

''آپ وضاحت نہ کرتے تب بھی یہ خدشہ تو میرے لاشعور میں پہلے ہی سے جڑ پکڑ چکا ہے۔''

''بس اب چلے ہی جاؤ۔'' فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

حمید کمرے سے نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر اُس تمام سامان سمیت کمرے میں داخل ہوا جو سائرہ کو ہوش دلانے کے لئے ضروری تھا اور پھر قریباً آدھے گھنٹے بعد سائرہ نے آنکھیں کھول دی تھیں۔

پوری طرح ہوش میں آ جانے پر اُس نے اٹھ بیٹھنے کی کوشش کی۔

''نہیں تم لیٹی رہو اور خود کو قطعی محفوظ تصور کرو۔ میں فریدی ہوں۔ شائد تم نے میرا نام سنا ہو۔''

''جج..... جی ہاں۔''

''تم اُن لوگوں کے نرغے سے نکال لائی گئی ہو جو ایک شہادت ضائع کر دینے کے لئے تمہیں مار ڈالنا چاہتے تھے۔''

''اچھا.....!'' وہ اتنا ہی کہہ سکی۔

''ہر چند کہ اس وقت پولیس ہسپتال میں ہو۔ لیکن اب بھی تمہاری زندگی خطرے میں ہے۔ کیا یہ بتا سکو گی کہ وہ لوگ تمہیں کیوں زندہ رہنے دیں۔''

''مم..... میں نہیں سمجھی۔''

''موجی بابا کے خلاف تم تنہا شاہد ہو اس لئے۔ اس کے گرگے تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔''

''مم..... میں تنہا شاہد۔''

''اُس نے تمہیں یہ بیان دینے پر مجبور کیا تھا کہ وہ تمہیں اُس وقت جزیرے والی عمارت میں نہیں دکھائی دیا تھا جب کیپٹن حمید وہاں پہنچا تھا'' فریدی خاموش ہو کر اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا اور وہ نظریں چراتی رہی۔ ''کیا تم میرے بیان کی تائید نہیں کرو گی۔'' فریدی نے پھر پوچھا۔

''جج..... جی ہاں کروں گی۔ لیکن یہاں ہسپتال میں میرے بارے میں لوگوں کو کیا بتایا گیا ہے۔''

''کچھ نہیں، تمہارا نام تک کوئی نہیں جانتا۔ کیپٹن حمید نے مجھے سب کچھ بتا دیا تھا اس لئے میں تمہارے سلسلے میں راز داری برت رہا ہوں۔''

''شکریہ کرنل۔ اُس موجی بابا نے مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے اس کی ہدایات پر عمل نہ کیا تو میرے خاندان کی بنیادیں ہل جائیں گی۔''

''مجھے یقین تھا کہ ایسا ہی ہوا ہوگا۔ لیکن تم بے ہوش کیسے ہوئی تھیں۔''

''رات کے کھانے کے بعد میں نے کافی طلب کی تھی اور اس کے پینے کے بعد اٹھ ہی رہی تھی کہ چکرا کر گر پڑی۔ پھر مجھے یاد نہیں کہ کیا ہوا۔''

''شائد انہوں نے کافی ہی میں تمہیں کوئی نشہ آور چیز دلوائی تھی۔ غالباً وہ تمہیں ہوٹل سے کہیں اور منتقل کر دینا چاہتے تھے۔ ہاں یہ تو بتاؤ کیا بیچ ہوٹل میں قیام کا مشورہ بھی تمہیں انہی لوگوں کی طرف سے ملا تھا۔''

''نہیں..... وہ تو خود میں نے بہت زیادہ خائف ہو جانے کے بعد وہاں پناہ لی تھی۔ کیپٹن حمید نے مجھے تارجام والی بس پر بٹھا دیا تھا۔ بس کی روانگی میں دیر تھی۔ اس لئے میں نے خود ہی مشورہ دیا تھا کہ وہ چلے جائیں۔ پھر میں بس سے اُتر کر بیچ ہوٹل میں چلی گئی تھی۔''

''اب کیا خیال ہے کہاں جاؤ گی۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کیا کروں۔''

''یہاں تم محفوظ رہو گی۔ اس لئے میرا مشورہ ہے کہ فی الحال یہیں ٹھہرو۔''

''لیکن اگر کسی نے پہچان لیا تو کیا ہوگا۔''

''اس کا اندیشہ تو ہے۔'' فریدی نے پرتفکر لہجے میں کہا۔

''کیا آپ بھی مجھے نہیں بچا سکتے۔''

''بچانے والا تو خدا ہے۔ لیکن وہ غلط روی کی کچھ نہ کچھ سزا ضرور دیتا ہے۔''

''ایسی صورت میں موت کے علاوہ اور کچھ نہ چاہوں گی۔''

''قضا و قدر کے معاملات میں کون دخیل ہو سکتا ہے۔ ہم اپنے ارادے سے مر بھی نہیں سکتے۔ لہٰذا ایسی لاحاصل باتیں سوچنا فضول ہے۔''

''پھر میرا کیا ہوگا۔''

''ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ویسے کیپٹن حمید نے جس قسم کے وعدے تم سے کئے ہیں ان کا لحاظ ضرور رکھا جائے گا۔''

''مجھے نیند آ رہی ہے۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''بے فکری سے سو جاؤ۔ پوری طرح تمہاری حفاظت کی جائے گی۔''

پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں اور وہ گہری گہری سانسیں لینے لگی تھی۔ فریدی وہیں بیٹھا رہا۔ مشکل سے دس منٹ گزرے ہوں گے کہ ایک نرس نے آ کر کسی کال کی اطلاع دی۔

''پہلے یہاں ڈیوٹی نرس کو بھیج دو۔ پھر میں کال ریسیور کروں گا۔'' فریدی نے کہا۔

''ڈیوٹی نرس کے وہاں پہنچ جانے پر وہ ڈاکٹر کے کمرے میں آیا تھا۔''

''ہیلو.....!'' اُس نے میز پر سے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔ ''اٹ از فریدی۔''

''السلام علیکم.....!'' دوسری طرف سے نسوانی آواز آئی۔

''وعلیکم السلام.....!'' فریدی کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔

''پہچانا.....!'' دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

''نہیں.....!'' فریدی کا لہجہ خشک تھا۔

''بڑے لوگ غریبوں کو کہاں یاد رکھتے ہیں۔ میں سلطانہ تاجور بول رہی ہوں۔''

''اوہ.....دراصل تمہاری آواز کسی قدر بدل گئی ہے۔ سب خیریت۔''

''میں نے کہا خود آپ کی خیریت دریافت کرلوں۔'' سلطانہ تاجور کی آواز آئی۔ ''آپ میری فیکٹری کی طرف کیسے بھول پڑے۔''

''بس یونہی.....دیکھنا تھا کہ مشینوں سے اپر اور سول کیسے کیجا کئے جاتے ہیں۔ مشینوں سے بنائے ہوئے جوتے تین ماہ بھی نہیں چلتے۔''

''حکم کیجئے، ہینڈ میڈ جتنے جوڑے درکار ہوں حاضر کردیے جائیں۔''

''کسی دن اطمینان سے آؤں گا۔ لیکن تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ میں اس وقت پولیس ہسپتال میں ہوں۔''

''پہلے گھر فون کیا تھا۔ وہاں سے معلوم ہوا کہ آپ ہسپتال میں ہیں۔''

''تمہارا فیکٹری منیجر بہت پھرتیلا معلوم ہوتا ہے۔''

''ظاہر ہے۔ اُسے تشویش ہوگئی تھی۔''

''کوئی خاص بات نہیں۔ ادھر سے گزر رہا تھا کہ تمہاری فیکٹری یاد آ گئی۔''

''تو پھر ہماری طرف کب آ رہے ہیں۔''

''جلد ہی کوشش کروں گا۔''

''کوشش.....!'' وہ ہنس کر بولی۔

''یہاں کوشش کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوتا۔''

''اچھی بات ہے۔ میں منتظر رہوں گی۔''

''خدا حافظ۔'' کہہ کر فریدی نے رابطہ منقطع کردیا۔ پھر گھر کے نمبر ڈائیل کئے۔ کال کا جواب حمید نے دیا تھا۔

''کیا کچھ دیر پہلے کسی عورت کی کال آئی تھی؟'' فریدی نے پوچھا۔

''جی ہاں.....سلطانہ تاجور کی کال تھی۔ میں نے اُسے ہسپتال کے نمبر دیئے تھے۔ کیا کوئی اہم بات ہے؟''

''خاص الخاص.....کیا تم کھانا کھا چکے ہو۔''

''جی ہاں، کھا چکا ہوں اور فوراً واپسی کا ارادہ ہے۔''

''بے حد سمجھدار ہوگئے ہو۔''

''کہیں جوتے نہ گانٹھنے پڑ جائیں۔''

''خدا کی پناہ۔ اتنے سمجھدار ہوگئے ہو۔'' فریدی نے پرمسرت لہجے میں کہا اور دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔ غالباً یہ حمید کی طرف سے جھنجھلاہٹ کا اظہار ہوا تھا۔

فریدی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اُس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

حمید جلد ہی پہنچ گیا۔ لیکن کچھ زیادہ اچھے موڈ میں نہیں معلوم ہوتا تھا۔ بس یونہی روا روی میں پوچھا۔ ''کیا ہوش آ گیا۔''

''اُس سے کہیں زیادہ مجھے ہوش آیا ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''میں اس معمائی جملے کا مطلب نہیں پوچھوں گا۔''

''بالکل سامنے کی بات بھی معمہ لگنے لگی ہیں۔ کچھ دیر پہلے فون پر تو خاصی ذہانت کا ثبوت دیا تھا۔''

''وہاں میں بستر سے بہت قریب تھا۔''

''خیر.....تو میں تمہیں یہ اطلاع دینا چاہتا تھا کہ سائرہ نے اعتراف کرلیا ہے۔''

''کس بات کا۔''

''موجی بابا نے اُسے پہلے ہی ہدایات دے دی تھیں کہ وہ اسے کب نظر آئے گا اور کب نہیں نظر آئے گا۔''

''اپنی جان چھڑانے کے لئے اُس نے یہ بکواس کی ہوگی۔'' حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

''تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو وہ بھی میرے ذہن میں ہے۔''

''میں کیا کہنا چاہتا ہوں؟'' حمید نے خشک لہجے میں سوال کیا۔

''یہی کہ اگر موجی بابا خود اس میں ملوث ہوتا تو سائرہ کا پتہ کیوں بتاتا۔''

''جی ہاں، میں یہی کہنا چاہتا تھا۔''

''تو پھر اس کا یہ خیال بھی درست ہی ہوگا کہ کوئی اور بھی موجی بابا کا رول ادا کرتا رہا ہے۔''

''خیر..... ہاں تو آپ مجھے یہ اطلاع فون پر بھی دے سکتے تھے کہ سائرہ نے اعتراف کرلیا ہے۔''

''لیکن فون پر میں تمہیں تارجام تو نہیں لے جاسکتا تھا؟''

''کیا مطلب.....؟'' حمید اچھل پڑا۔

''ہم پھر تارجام جارہے ہیں۔''

''یہ..... یہ.....کیا بات ہوئی۔''

''آج ہی.....یہ کام ضروری ہے۔ ورنہ کل ہمیں وہاں کچھ بھی نہ ملے گا۔''

''یعنی کہ اُس شو فیکٹری میں کچھ ہے۔''

''جلدی کرو۔'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ دونوں باہر نکلے۔ قریب ہی کے ایک پٹرول پمپ سے ٹینک لبریز کرایا اور لنکن تارجام کی طرف روانہ ہوگئی۔

''سلطانہ تاجور نے کس سلسلے میں کال کی تھی۔''

''منیجر نے اُسے اطلاع دی تھی کہ میں فیکٹری میں گیا تھا۔''

''اوہ.....تو کیا.....؟''

''میرا خیال ہے کہ اُسے اس کا بھی علم ہوگیا ہے کہ میں نے فیکٹری کی نگرانی شروع کرادی ہے۔''

''نگرانی بھی شروع کرادی ہے۔''

''دکھاوا ہے۔ اس انداز میں کہ اُن لوگوں کو نگرانی کا علم ہوجائے۔''

''اس سے کیا ہوگا۔''

''سراسیمگی میں مبتلا ہوکر وہ حماقتیں کریں گے اور میں شکار کھیلوں گا۔''

''عجیب چکر ہے۔ قصہ شروع ہوا تھا افضل خان کی موت سے اور شائد اس کا اختتام ن سازی پر ہوگا۔''

''بس دیکھتے جاؤ۔''

''دیکھنے کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتا ہوں۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ فریدی اس اموش ہی رہا تھا۔

حمید نے اونگھنا شروع کردیا۔ پتہ نہیں کیوں آج کل ہر وقت ذہن پر نیم غنودگی کی سی یت طاری رہتی تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد غنودگی گہری نیند میں تبدیل ہوگئی۔ فریدی نے بھی پھر ے نہیں چھیڑا تھا۔ لیکن تیز رفتاری کے ریکارڈ توڑ رہا تھا۔

حمید بیدار ہوتا تو اسے پتا چلتا کہ کس طرح گھنٹوں کا سفر منٹوں میں طے ہوا تھا۔

لیکن فریدی نے تارجام کے نواح میں داخل ہوکر گاڑی روک دی تھی اور فیکٹری بھی ہاں سے کئی فرلانگ کے فاصلے پر واقع تھی۔

اس نے حمید کو جگایا اور وہ بوکھلا کر سیدھا ہو بیٹھا۔ پھر کھسیانی سی ہنسی کے ساتھ پوچھا۔ ''پہنچ گئے۔''

''جی ہاں.....لیکن اب پیدل۔''

''جی کک..... کیا مطلب.....؟'' حمید نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''لیکن یہ تو ویرانہ معلوم ہوتا ہے۔''

''جی ہاں..... یہاں سے فیکٹری دو ڈھائی فرلانگ کے فاصلے پر ہے۔''

''تو اتنی دور گاڑی کیوں روکی ہے۔''

''علانیہ چھاپہ مارنے نہیں جا رہے۔''

''بے ضابطہ تلاشی کا چکر تو نہیں ہے۔''

''یہی سمجھ لو۔''

''آپ کی مرضی۔'' حمید نے طویل سانس لی اور گاڑی سے اتر آیا۔

''ریوالور ہے؟''

''جی ہاں..... میں جانتا تھا کہ محض میری شکل دیکھنے کے لئے آپ نہیں طلب فر سکتے۔''

''بس تو پھر چل پڑو..... ادھر سے آؤ تاکہ عمارت اُوٹ ہی میں رہے۔''

''حضور والا۔ اگر آپ نے دکھاوے کی نگرانی کرائی ہے تو وہ لوگ بھی غافل نہ ہوں گے۔''

''حمید صاحب! میں یہ چاہتا ہوں کہ آج آخری ڈرامہ بھی ہو جائے۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''حالانکہ یہ کل ہی کی بات ہے کہ ڈرامے کے ایک سین میں تم نے بھی اپنا رول ادا کیا تھا۔''

''ڈرامہ..... ہاں وہ ڈرامہ ہی تھا۔ لیکن کیوں؟''

''کسی معقول وجہ کے بغیر اتنی تگ و دو نہیں کی جاتی۔ مجھے تو یہ مجرم کا کوئی کثیر المقاصد منصوبہ معلوم ہوتا۔ بس اب خاموشی سے چلو۔''

مطلع صاف ہو جانے کی بناء پر گہرا اندھیرا نہیں تھا۔ وہ بہ آسانی راستہ طے کر رہے

تھے کہ اچانک کسی جانب سے ایک فائر ہوا اور حمید نے فریدی کو گرتے دیکھا۔ ''کیا ہوا۔'' کہہ کر اس نے اُسے سنبھالنے کی کوشش کی۔

''اُحق.....!'' فریدی آہستہ سے بولا۔ ''زمین پر۔''

اور پھر حمید بھی بڑی پھرتی سے زمین پر گر گیا۔ فریدی سینے کے بل بائیں جانب سرک رہا تھا۔ حمید بھی اُس کی تقلید کرتا رہا۔ فائر پھر ہوا اور حمید نے بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا تھا۔ فریدی نے فائر کی سمت کا تعین کر لیا تھا۔ اس لئے تیزی سے پلٹ کر حمید سے بولا۔

''مزید بائیں جانب سرک کر پلٹ چلو..... فائر مت کرنا۔''

''کچھ دور اسی طرح سرکتے رہنے کے بعد فریدی دائیں جانب مڑ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک نالے میں اتر رہے تھے اور یہاں گھنے درختوں کی وجہ سے گہری تاریکی تھی۔''

''آخر چکر کیا ہے۔'' حمید جھنجھلا کر بولا۔

''وہ ہماری موجودگی سے لاعلم نہیں ہیں۔''

''ظاہر ہے۔ دکھاوے کی نگرانی کرائیں گے تو یہی ہوگا۔''

''تم کہیں سو نہ جانا۔'' فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ نالے کی تہہ تک پہنچ چکے تھے اور پھر انہوں نے اوپر دوڑتے ہوئے لوگوں کی آواز سنی جو بتدریج دور ہوتی جا رہی تھیں۔ اس کے بعد پھر سناٹا چھا گیا تھا۔

''اب کیا یہیں مکان بنوا لینے کا ارادہ ہے۔'' حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔

''جی نہیں۔ آپ کے لئے مسہری منگوانی ہے۔'' جواب ملا۔

''ٹھیک ہے۔ تو بیٹھے رہئے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ ایک ہی جگہ جم کر رہ گیا تھا۔ پھر کچھ دیر بعد قریب ہی سے کسی کتے کے آہٹ سنائی دی اور اُس نے فائر کی سمت فائر کر دیا۔ بس پھر کیا تھا اوپر سے گویا فائروں کی بارش شروع ہو گئی۔

فریدی نے جھپٹ کر حمید کا بازو تھاما اور مخالف سمت میں دوڑنا شروع کر دیا۔ حمید نے

ٹھوکر کھائی اور نیچے چلا آیا۔ اُس کے ساتھ ہی فریدی بھی جھٹکا لگنے کی بنا پر لڑکھڑایا تھا۔ فائروں کی آوازیں اب بھی آ رہی تھیں۔ لیکن اندھیرے میں ٹارگٹ کیا ملتا۔ پھر بھی وہ خطرے میں تھے کیونکہ وہ نامعلوم افراد شائد چاروں طرف سے فائر کر رہے تھے۔

کوئی بھولی بھٹکی گولی ادھر کا رخ بھی کر سکتی تھی۔ حمید نے اٹھنا چاہا۔ لیکن فریدی آہستہ سے بولا۔ ''پڑے رہو..... اب یہیں ٹھہریں گے۔'' وہ اُس کے قریب ہی بیٹھ گیا تھا۔

''دودھ کی شیشی تو گاڑی ہی میں رہ گئی تھی۔'' حمید جلے کٹے لہجے میں بولا اور فریدی بے اختیار ہنس پڑا۔

''طنز کر رہے ہو مجھ پر۔'' اس نے پوچھا۔

''جی نہیں..... عالم شیر خواری کی طرف پلٹ جانا چاہتا ہوں۔''

''جس طرح چاہو۔ جی بہلاؤ۔ کچھ دیر یہیں ٹھہرنا ہے۔''

''آخر ہم آئے کیوں تھے؟''

''یہی دیکھنے کہ یہاں کیا کچھ ہوتا ہے۔''

''سو دیکھ رہے ہیں۔''

''آخر تم اتنے بور کیوں ہو رہے ہو۔''

''منتظر ہوں کہ اندھیرے میں کوئی سانپ ڈس لے۔ پھر آپ کو بتا دوں گا کہ کیوں بو ہو رہا ہوں۔ ویسے شائد وہ کتا آپ کی گولی کا شکار ہو گیا تھا۔ پھر اُس کی آواز نہیں سنائی دی۔''

''شائد۔''

''لیکن وہ کہاں گئے جو دکھاوے کی نگرانی کر رہے تھے۔''

''یہ دو طرفہ فائرنگ ہو رہی ہے حمید صاحب۔ ہمارے آدمی بھی چوکس ہیں۔''

''اور بیچارے ہم۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

''اچھی بات ہے۔ تو بن جاؤ ٹارزن۔ لگاؤ ایک نعرہ اور ٹوٹ پڑو اندھیرے پر۔''

''آپ شائد دوسرے کتے کا انتظار کر رہے ہیں۔''

''اب کوئی کتا نہیں آئے گا۔ کیونکہ اب وہ خود گھیر لئے گئے ہیں۔''

''آپ اندھیرے میں بھی قیاس کر سکتے ہیں۔ کمال ہے۔''

''قیاس نہیں کر سکتا بلکہ اندھیرے میں بھی اپنے آدمیوں کے ایکشن کا انداز پہچان سکتا ہوں۔''

''ریگولرز ہیں یا بلیکیز.....!''

''ایسے کام صرف بلیکیز سے لیتا ہوں۔''

''انہیں کیسے معلوم ہوگا کہ ہم یہاں اُمور خانہ داری میں مصروف ہیں۔''

''بس اب تم اٹھ ہی بیٹھو۔'' فریدی نے کسی قدر تلخ لہجے میں کہا۔ ''ورنہ کہیں کسی مڈ وائف کو نہ طلب کر لینا پڑے۔''

''یہ آخر مڈ وائف کیوں کہلاتی ہے۔'' حمید نے چہک کر پوچھا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ اُس کی سماعت فائروں کی طرف متوجہ تھی۔ جن کا زور اب ٹوٹ چکا تھا۔

اور پھر..... اچانک ایک جانب سے سیٹی کی آواز آئی اور فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ''چلو اٹھو۔''

حمید بھی جو اس دوران میں اٹھ بیٹھا تھا اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ سیٹی کی آواز پھر آئی۔ فائر بند ہو چکے تھے۔

فریدی کا رخ سیٹی کی آواز ہی کی طرف تھا۔ کچھ دور چل کر وہ چڑھائی طے کرنے لگا۔ اس سے کئی قدم پیچھے تھا اور اسے چڑھائی طے کرنے کے لئے پیروں کے ساتھ ہی ہاتھ استعمال کرنے پڑے تھے۔ اوپر پہنچ کر فریدی نے کسی پرندے کی سی آواز نکالی تھی۔ فوراً ہی دوسری آواز سنائی دی۔

حمید مضحکہ اڑانے کے سے انداز میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ ایک درخت کے تنے کی آڑ سے کوئی نکل کر ان کی جانب آیا۔

''بلیک سکس سر.....!'' اس نے قریب پہنچ کر کہا۔

''کیا رہی.....؟''

''انہوں نے کریٹ یہاں سے تارجام کے ایک گودام میں منتقل کر دیئے ہیں۔ یہاں کے گودام میں اب کچھ بھی نہیں ہے۔''

''اور ان لوگوں کا کیا ہوا جو فائرنگ کر رہے تھے۔''

''وہ فرار ہو گئے۔ اُن کے ساتھ ایک کتا بھی تھا جو شائد مارا گیا۔''

''اس کے مارے جانے ہی کی بناء پر تو وہ ہماری طرف متوجہ ہو گئے تھے۔''

''جی ہاں اور پھر ہم نے اُن پر فائرنگ شروع کر دی تھی۔''

دفعتاً پولیس کی گاڑیوں کے سائرن سنائی دیئے۔ گاڑیاں شائد اسی طرف آ رہی تھیں۔ پھر ہیڈ لائیٹس کی شعاعوں سے اندھیرے کا سینہ چھلنی ہونے لگا۔

''تم جاؤ۔'' فریدی نے بلیک سکس سے کہا اور حمید کے دل میں حسرت ہی رہ گئی کہ اس کی شکل دیکھ سکتا۔ وہ نالے میں اترتا چلا گیا تھا۔

فریدی اور حمید وہیں کھڑے رہ گئے۔ دفعتاً کسی گاڑی کی روشنی ان پر بھی پڑی اور فوراً ہی مائیکروفون سے کہا گیا۔ ''خبردار۔ اپنی جگہ سے جنبش نہ کرنا۔ تم نشانے پر ہو۔'' حمید کو ہنسی آ گئی۔ لیکن فریدی نے اپنے ہاتھ اٹھا دیئے۔ گاڑی انہی کی سیدھ میں آ رہی تھی۔ قریباً چھ گز کے فاصلے پر رک گئی۔ دوسری تین گاڑیاں ایسے زاویوں سے آئی تھیں کہ انہیں پوری طرح گھیرے میں لے لیں۔

''پہلے ان کی جامہ تلاشی لو۔'' کسی نے اونچی آواز میں کہا۔

''کیوں وقت ضائع کر رہے ہو۔'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ''ان میں سے کوئی پکڑا بھی گیا یا نہیں۔''

''کون ہے؟'' کسی نے تحکمانہ انداز میں پوچھا۔

''کرنل فریدی فرام سنٹرل انٹیلی جنس۔'' حمید بولا۔

اور پھر وہ سب بوکھلا کر گاڑیوں سے اتر آئے۔

ان کے انچارج نے بتایا کہ شوفیکٹری کے چوکیدار نے فون پر فائرنگ کی اطلاع دی تھی۔

''اور جناب..... اُدھر راستے میں تین لاشیں بھی ملی ہیں۔''

''اوہ کہاں؟'' فریدی نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔ ''کس قسم کے لوگ ہیں۔''

''کچھ عجیب وضع کے ہیں۔ آپ دیکھ لیجئے۔''

اور پھر وہ دونوں انہی گاڑیوں میں سے ایک پر بیٹھ کر جائے وقوعہ پر پہنچے تھے۔ انچارج نے لاشوں پر ٹارچ کی روشنی ڈالی ہی تھی کہ حمید اچھل پڑا۔

''موجی بابا۔'' اسے اپنے سارے جسم پر چیونٹیاں سی رینگتی محسوس ہوئیں۔ موجی بابا۔ اردوں خانے چت پڑا تھا۔ گولی اس کی داہنی کنپٹی پر لگی تھی۔ اس کے قریب ہی دو افراد اور تھے وہ بھی اُسی کے قبیل کے لوگ معلوم ہوتے تھے۔ لیکن مسلح تھے۔ اُن کے پاس ہی تین اعلیٰ جہ کی رائفلیں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ فریدی جھک کر موجی بابا کی لاش کا جائزہ لینے لگا۔ کنپٹی لے سوراخ کو انگلی سے چھو کر دیکھا۔ پھر گردن پر دونوں ہاتھ رکھ کر کچھ ٹٹولنے لگا۔ اس کے بعد یکھنے والوں کو ایسا ہی لگا تھا جیسے اس نے لاش کے چہرے سے چھلکا سا اتار دیا ہو۔

''نہیں۔'' حمید کے ذہن کو ایک بار پھر جھٹکا سا لگا۔ کیونکہ موجی بابا کے فیس ماسک کے نیچے سے کسٹمز انٹیلی جنس کے ڈپٹی ڈائریکٹر مسٹر بھٹی کا چہرہ برآمد ہوا تھا۔

انکشاف

شہر میں سنسنی پھیل گئی تھی۔ کیونکہ ایک سرکاری افسر قاتل اور منشیات کا اسمگلر ثابت ہوا تھا۔ اخبارات عجیب عجیب سرخیاں لگا رہے تھے۔ ''قانون کا محافظ قاتل''، ''قانون کا قتل''، ''دوسری زندگی بسر کرنے والا قانون کا محافظ''، ''خانقاہوں کا قاتل'' وغیرہ۔

موجی بابا کی خانقاہ سے تعلق رکھنے والے سارے افراد گرفتار کر لئے گئے تھے۔ پھر اچانک

سلطانہ تاجور اپنے ایک اعتراف نامے سمیت سامنے آئی۔ اس کے بیان کے مطابق موجی بابا اُسے بلیک میل کر کے اپنا آلہ کار بنائے ہوا تھا۔ ہانگ کانگ سے کارک کے مخصوص بناوٹ والے سول درآمد کرتا تھا جن پر اُس کے کارخانے میں اپر لگائے جاتے تھے اور پھر اُن جوتوں کو ایکسپورٹ کر دیا جاتا تھا۔ دراصل کارک کے اُن سولوں کے اندر ہیروئن بھری ہوئی تھی۔ جب فریدی نے کارخانے کی نگرانی شروع کرائی تو موجی بابا اس کے پاس پہنچا اور باقاعدہ چھاپہ پڑنے سے قبل کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کو مار ڈالنے کی کوشش کی۔ اس نے سلطانہ سے کہا تھا کہ نگرانی کے مرحلے ہی میں اگر ان دونوں کو ختم نہ کر دیا گیا تو ہم دونوں ڈوب جائیں گے۔ اپنے بیان کے مطابق کسی دباؤ کے تحت وہ خود بھی ملوث تھی۔ لہٰذا اُسے اس سلسلے میں خاموشی اختیار کرنی پڑی۔ اور وہ من مانی کرتا رہا۔

''تم نے یہ بیان چھاپہ پڑنے کے بعد دیا ہے۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا اور سلطانہ تاجور چونک کر اُسے دیکھنے لگی۔

''میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ تمہیں ہر حال میں گرفتار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ ہیروئن تمہارے گودام سے برآمد ہوئی ہے اس سلسلے میں نہ ڈپٹی ڈائریکٹر بھٹی کا نام لیا جا سکتا ہے اور نہ اُس کے بہروپ موجی بابا کا۔''

''اس نے مجھے دونوں حیثیتوں سے دبا رکھا تھا۔ ڈپٹی ڈائریکٹر کی حیثیت سے زبردستی میرا پارٹنر بنا تھا اور موجی بابا کی حیثیت سے ایک معاملے میں بلیک میل کر کے منشیات کی اسمگلنگ کی راہ پر ڈال دیا تھا۔''

''یعنی ڈپٹی ڈائریکٹر بھٹی کی حیثیت سے اُس نے تمہارے بزنس میں سرمایہ لگایا تھا۔''

''ہاں ایسا ہی ہوا تھا۔''

''پارٹنر شپ ڈیڈ کے کاغذات دکھاؤ۔''

''کمال کرتے ہیں آپ بھی..... حرام کی کمائی کی پارٹنر شپ ڈیڈ کب تحریر کی جاتی ہے۔ بس یونہی زبانی کام ہو رہا تھا۔ افسر تھا اور میں اس کے دباؤ میں تھی۔''

''ہو سکتا ہے عدالت سے بری ہو جاؤ۔ لیکن مجھے تو ضابطے کی کارروائی کرنی ہی پڑے گی۔'' فریدی نے کہا اور وہ صرف سر ہلا کر رہ گئی۔ بڑے دل گردے کی عورت معلوم ہوتی ہے۔ ...نے سوچا۔ ان حالات میں بھی اُس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار نہیں تھے۔ ایسا معلوم ...تا تھا جیسے یونہی کوئی معمولی سا واقعہ ہو گیا ہو۔ بہرحال فریدی نے اسے محکمے کی حوالات میں ...ا دیا تھا اور وہ چلتے چلتے کہہ گئی تھی کہ کوئی اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔

حمید فریدی کا منہ دیکھ کر رہ گیا تھا۔

''کیوں کیا بات ہے؟'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

''کچھ بھی پلے نہیں پڑا۔'' حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ ''موجی بابا کے روپ میں ...ڈائریکٹر بھٹی۔ اور وہ بحیثیت موجی بابا مستقل طور پر اپنی اصل حیثیت کو مشتبہ بناتا رہا تھا۔ ...کیوں اس میں کیا مصلحت تھی۔ پہلے اپنی بھانجی اور افضل خان کا قصہ چھیڑا پھر اُس جزیرے ...کتب دکھا کر ہمیں یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ وہ کوئی نقلی موجی بابا تھا۔ پھر سائرہ کی ...ہی کی تاکہ وہ ہمیں سچی بات بتا سکے۔ یعنی موجی بابا کو مجرم ثابت کر سکے۔ اس طرح وہ اپنی ...ں حیثیتوں کو مشتبہ بناتا رہا۔ ایک بار اپنی انگشتری فیس ماسک سمیت پھینک گیا۔''

''اور فیس ماسک پر انسپکٹر زیدی کی انگلیوں کے نشانات تھے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ...کا مطلب یہ تھا کہ انسپکٹر زیدی اپنا جرم بھٹی کے سر تھوپنے کی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن پھر وہ ...ردہ حالت میں ایک سڑک کے کنارے پڑا پایا گیا اور کوئی بیان دیئے بغیر مر گیا۔ ایسی ...ت میں لامحالہ یہی سوچا جا سکتا ہے کہ خود ڈپٹی ڈائریکٹر بھٹی ہی نے یہ حرکت کی تھی اور وہ ...نگر فیس ماسک پر اُس کی انگلیوں کے نشانات ڈلوائے تھے۔''

''ظاہر ہے۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔

''ایک طرف تو وہ اپنی شخصیت کو شبہے سے بالاتر کرنے کے لئے یہ سب کچھ کر رہا تھا اور ...ی طرف بحیثیت موجی بابا بھٹی کو مشتبہ بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔''

''بھٹی نقلی موجی بابا بھی ہو سکتا ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''تو پھر اصلی کہاں غائب ہو گیا۔''

''یہ بھی سوچنے کی بات ہے۔''

''یوں سمجھ میں نہیں آئے گا۔ کچھ اور انتظار کرنا پڑے گا۔''

''اس کی واپسی کا.....!'' حمید نے پوچھا۔

''واپسی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ صرف ایک موجی بابا تھا جو مر گیا۔ خواہ اصلی رہا ہو خواہ نقلی۔''

''تب تو بات بالکل ہی نہیں بنتی، گویا وہ موجی بابا کی حیثیت سمیت بھی بالکل گھامڑ تھا اور ڈپٹی ڈائریکٹر بھٹی کی حیثیت سے تو احمق درجہ اول کہلانے کا مستحق تھا۔ یعنی ایک حیثیت میں دوسری کو مشتبہ بنانے کی کوشش کرتا رہا تھا اور آخر میں دونوں ختم۔''

''ذرا پوسٹ مارٹم کی رپورٹ آنے دو تم اور زیادہ اچھلو کودو گے۔'' فریدی نے کہا۔

''کیا مطلب.....؟''

''ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' فریدی نے کہا۔ ''لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ مجرم نے اپنی ذہانت کا مظاہرہ کرنے کے سلسلے میں بے حد ٹھوکریں کھائی ہیں اور آخری ٹھوکر تو اُسے لے ہی ڈوبی۔''

''میں کچھ بھی نہیں سمجھا۔''

''بچوں کو تصویروں کی مدد سے سمجھایا جاتا ہے۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''اس لئے ابھی تصویروں کا انتظار کرو۔''

حمید نے جھلاہٹ میں پائپ کا تمباکو پھونک کر رکھ دیا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ پھر فریدی تو باہر چلا گیا تھا اور حمید شام تک آفس ہی میں مختلف لوگوں سے مغز ماری کرتا رہا تھا۔

پانچ بجے کے قریب فریدی کی واپسی ہوئی تھی اور اس نے حمید سے کہا تھا۔ ''اب مجھے کچھ معززین سے اپنے رویے کی معافی مانگنی ہے۔ اس کے لئے ہمیں دردانہ شاہد کی کوٹھی تک چلنا پڑے گا۔''

''کیا اس تقریب میں میری شرکت ضروری ہے۔''

''بالکل ضروری ہے۔ کیونکہ تم نے آج تک مجھے کسی سے معافی مانگتے نہ دیکھا ہوگا۔''

''کہنا کیا چاہتے ہیں۔''

''یہی کہ میں ایک بے حد شریف آدمی ہوں اور اشراف کی عزت کرتا ہوں۔''

''اگر آپ مجھے وہاں لے جانا ہی چاہتے ہیں تو میرے فرشتے بھی اس سے گریز نہ کریں گے۔ چلئے۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''لیکن میں نے ابھی تک شام کی چائے نہیں پی۔''

''چائے بھی وہیں ہو جائے گی۔ دردانہ اتنی بداخلاق نہیں ہے کہ چائے کو بھی نہ پوچھے۔''

''نہ جانے کیوں آپ کچھ بہکی بہکی سی باتیں کر رہے ہیں۔''

فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور خاموش ہو گیا۔

قریباً آدھے گھنٹے بعد وہ دردانہ شاہد کی کوٹھی میں داخل ہوئے۔ فریدی نے گاڑی دوسری گاڑیوں کے قریب پارک کی۔ حمید نے گاڑیوں کا شمار کیا۔ سات گاڑیاں تھیں۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ وہ تمام لوگ پہلے سے موجود ہیں جن سے فریدی کو معذرت کرنی تھی۔ اس سے پہلے حمید نے کبھی ایسا کوئی منظر نہیں دیکھا تھا۔ سوچ سوچ کر الجھن ہو رہی تھی۔ بہرحال خود دردانہ شاہد ان کے استقبال کے لئے پورچ تک آئی تھی اور اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

''میں نے جب سے سنا ہے میرے حواس بجا نہیں ہیں۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''میں آپ سے بھی شرمندہ ہوں۔'' فریدی نے کہا۔

''چلئے.....وہ سب بے چینی سے آپ کے منتظر ہیں اور انہیں آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ آپ نے بہرحال اپنا فرض ادا کیا تھا۔ بھٹی نے الزام لگایا تھا کہ اس کی انگشتری میری گھر سے غائب ہوئی تھی۔ لہٰذا آپ کو پوچھ گچھ کے لئے لازماً یہیں آنا پڑتا۔''

وہ اندر آئے اور پھر سٹنگ روم میں داخل ہوئے جو اچھا خاصا ہال معلوم ہوتا تھا۔ یہاں افراد موجود تھے۔ فریدی ان میں سے ایک کے علاوہ اور سب سے پہلے بھی مل چکا تھا۔ یہ

طاہر ملک تھا جو شائد ان دنوں شہر میں موجود نہیں تھا۔ جب فریدی نے ڈپٹی ڈائریکٹر بھٹی کی انگشتری کے سلسلے میں پوچھ گچھ کی تھی۔

فریدی نے سبھوں سے مصافحہ کیا اور طاہر ملک سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ''میں آپ سے بھی شرمندہ ہوں۔ ہر چند کہ آپ سے ملاقات نہیں ہوسکی تھی لیکن بہرحال اُس رات آپ بھی یہاں موجود تھے۔ جب بھٹی کی انگشتری یہاں غائب ہوئی تھی۔''

''کوئی بات نہیں جناب۔ آپ نے اپنا فرض ادا کیا تھا۔ ہم تو دراصل یہاں اس لئے اکٹھا ہوئے ہیں کہ آپ سے بھٹی کی کہانی سن سکیں۔ میں تو کبھی تصور بھی نہ کرسکتا۔ خدا کی پناہ۔''

وہ سب بیٹھ گئے اور فریدی اونچی آواز میں بولا۔ ''سب سے پہلے میں دردانہ بیگم صاحبہ سے اظہار شرمندگی کروں گا کیونکہ محض میری وجہ سے انہیں بھی خوفزدہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ بہرحال جو کچھ بھی سامنے آیا ہے اس کا وہم و گمان بھی نہیں تھا۔''

''کیا وہ آپ کی گولی سے مرا تھا۔'' دردانہ شاہد نے سوال کیا۔

''یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ میری گولی سے مرا تھا۔ یا میرے کسی ماتحت کی گولی اُسے لگی تھی۔ اندھیرا تھا اور دونوں طرف سے فائرنگ ہو رہی تھی۔ لیکن ایک بات ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئی۔ لیکن نہیں ابھی اس کا ذکر بے معنی ہوگا۔'' فریدی نے خاموش ہوکر اچٹتی سی نظر حاضرین پر ڈالی اور مڑ کر حمید سے بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ شروع سے یہ قصہ سنایا جائے۔''

''جی ہاں.....!'' حمید نے سر ہلا کر کہا۔ لیکن وہ عجیب سی بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر اس طرح مجمع لگانے کی ضرورت کیوں پیش آ گئی۔ ان لوگوں کے سلسلے میں جس قسم کی کارروائی وہ پہلے کر چکا تھا اس کی اہمیت معمولی تفتیش سے زیادہ نہیں تھی۔ پھر اس معافی تلافی کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔ یہ کارروائی غیر معمولی تھی۔

فریدی سگار سلگا کر بولا۔ ''آپ لوگوں کو کسٹمز انٹیلی جنس کے ایک آفیسر افضل خان کی حیرت انگیز موت یاد ہوگی۔ وہ کسی نامعلوم اسمگلر کی تلاش میں تھا اور اس سلسلے میں اس حد تک سیریس تھا کہ اپنے ایک ماتحت انسپکٹر زیدی کو خصوصی ہدایت دی تھی کہ اگر کسی مرحلے پر اُسے

کوئی حادثہ پیش آجائے تو انسپکٹر زیدی براہِ راست مجھ سے رابطہ قائم کرے۔ لہٰذا اس مرحلے پر میں سوچتا ہوں کہ شائد اُسے اپنے آفیسر مسٹر بھٹی ہی پر شبہ تھا۔ اس لئے وہ کھل کر اپنے شبہے کا اظہار نہیں کرسکتا تھا اور اس معاملے میں اس حد تک محتاط تھا کہ اپنی موت کے بعد مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی ہدایت دے گیا تھا۔ پھر آپ کو یہ بھی یاد ہوگا کہ جیسے ہی اس کی ماں تک اس کی موت کی خبر پہنچی تھی اس کے گھر میں ایک زبردست دھماکہ ہوا تھا اور خصوصیت سے وہی کمرہ تباہ ہوگیا تھا جس میں اُس کے کاغذات رہتے تھے۔ پھر پورے مکان میں آگ لگ گئی تھی اور اُس کی ماں کو بحالت بیہوشی ہسپتال پہنچا دیا گیا تھا۔ جہاں اُسی عالم میں اس کی موت بھی واقع ہوگئی۔ یعنی وہ مرنے سے قبل اتنی دیر کیلئے بھی ہوش میں نہ آسکی تھی کہ کوئی بیان دے سکتی۔''

فریدی خاموش ہوگیا۔ سننے والوں کے چہروں پر اضطراب کی لہریں تھیں۔ فریدی نے سگار کا کش لینے کے بعد سلسلہ کلام پھر جاری کیا۔

''ان دو اموات کے بعد سے تو پھر حیرت انگیز واقعات کا طویل سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ مثلاً جب کیپٹن حمید نے جائے واردات کا جائزہ لیا تو وہاں مردہ سانپ کی بجائے ربڑ کا ایک سانپ پڑا ملا۔ بہت مہارت کے ساتھ بنایا گیا تھا۔ بالکل اصلی کی مانند۔ میں نے اُسے دیکھتے ہی اندازہ لگایا کہ وہ کہاں کا بنا ہوا تھا۔ کھلونے اور پلاسٹک کی دوسری اشیاء بنانے والی کمپنی کے متعلقہ افراد نے اعتراف کیا کہ وہ سانپ خصوصی ہدایات کے تحت آرڈر پر بنوایا گیا تھا اور آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ وہ آرڈر میرے نام سے درج کرایا گیا تھا۔ جی ہاں کرنل فریدی کے نام سے۔ چونکہ ان لوگوں نے صرف میرا نام سنا تھا دیکھا نہیں تھا لہٰذا آرڈر درج کرنے والے نے انہوں نے بہت غور سے دیکھا تھا اور اُس کا حلیہ من وعن مجھے بتا دیا تھا۔ بہرحال کہنے کا مطلب یہ کہ مجرم کو اس کا علم بھی ہوگیا تھا کہ افضل خان نے خود کو کوئی حادثہ پیش آجانے کی صورت میں مجھ سے رابطہ قائم کرنے کو کہہ رکھا ہے۔ لیکن انسپکٹر زیدی یہی کہتا رہا تھا کہ اس کا علم اُس کے علاوہ اور کسی کو نہیں تھا۔ ویسے میں اب یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس کا علم تیسرے فرد کو بھی تھا اور وہ تھا موجی بابا۔ یعنی آپ کہہ سکتے ہیں کہ خود مسٹر بھٹی۔ میرا خیال

ہے کہ آپ لوگوں میں بھی شائد کوئی اس کا معتقد رہا ہو کیونکہ وہ دولت مند طبقے میں خاصی عقیدت سے دیکھا جاتا تھا۔''

''جی ہاں..... میں بھی اُن احمقوں میں سے تھا جو اُسے ولی کامل سمجھتے تھے۔'' طاہر ملک نے کہا۔ پھر رفتہ رفتہ سبھی بولے تھے اور انہوں نے اس کا عقیدت مند ہونے کا اعتراف کیا تھا۔

''اب آپ لوگ یہ فرمایئے کبھی محسوس کر سکے تھے کہ اس کے چہرے پر غلاف چڑھا ہوا ہے۔''

''ہرگز نہیں۔'' طاہر ملک بولا۔ ''وہ اُس کے چہرے کی جلد ہی معلوم ہوتی تھی۔ کبھی اس کے ماسکڈ ہونے کا گمان تک نہیں گزرا۔''

''تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ فیس ماسک تیار کرنے کا ماہر تھا اور انہیں ماہرانہ انداز میں استعمال بھی کر سکتا تھا۔''

''اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔'' طاہر ملک بولا۔

''لیکن..... اول درجے کا احمق بھی تھا۔ یعنی مجھے غلط راستے پر ڈالنے کے لئے اپنے ہی ایک روپ کو میری نظر میں مشتبہ بناتا رہا تھا۔''

''وہ کس طرح جناب؟'' کسی نے سوال کیا۔

''بحیثیت موجی بابا مجھے مسٹر بھٹی کے خلاف اکساتا رہتا تھا۔ کئی معاملات میں اس نے مسٹر بھٹی کی طرف اشارہ کیا تھا۔''

''یہ تو واقعی بڑی عجیب بات ہے۔'' دردانہ شاہد بولی۔

''دراصل یہیں اُس سے غلطی ہوئی تھی۔ پھر ایک واقعے نے اُسے بوکھلا دیا۔ فی الحال میں اُس کا ذکر نہیں کروں گا۔ ہاں تو پہلے اس نے اصل مجرم بنانے کے لئے کسی اور کو تاکا تھا۔ لیکن اپنی ایک حماقت کی بناء پر اس میں کامیاب نہ ہو سکا اور وہ حماقت تھی انسپکٹر زیدی کو پکڑ کر اپنا قیدی بنا لینے کی۔ وہ اُس سے کچھ معلوم کر لینے کے لئے اس پر تشدد کرتا تھا۔''

فریدی خاموش ہو کر بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔ پھر سارے چہروں کا جائزہ لے کر بولا۔

''ساتھ ہی اس کے لئے بھی کوشاں تھا کہ اصل مجرم زیدی ہی کو بنائے۔ لہٰذا مسٹر بھٹی کی

گاڑی ایک فیس ماسک کے ساتھ ایگل بیچ کے ایک ہٹ میں پھینک گیا۔ دراصل اُس رات ہی اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ میں کیا تعاقب کر رہا تھا۔ خود اُسی نے مجھے اپنی راہ پر لگایا تھا تاکہ گاڑی والا ڈرامہ پیش کر سکے۔

بہرحال وہ ایک ہٹ میں داخل ہوا اور اس کے عقبی دروازے سے باہر نکل گیا۔ ہم جب ہٹ میں داخل ہوئے تو وہاں ایک فیس ماسک پڑا ہوا ملا اور وہ انگشتری بھی اسی کمرے کے ایک گوشے میں پڑی ملی تھی۔ اس فیس ماسک پر صرف انسپکٹر زیدی کی انگلیوں کے نشانات ملے ہیں۔ غالباً آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ اصل مجرم کیا چاہتا تھا۔ وہ مجھے یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ انسپکٹر زیدی ہی اصل مجرم ہے اور بے خیالی میں فیس ماسک پر اپنی انگلیوں کے نشانات چھوڑ گیا ہے اور مسٹر بھٹی کی انگوٹھی ظاہر ہے کہ اسی لئے ڈال گیا ہے کہ میں یہی سمجھوں کہ مسٹر بھٹی ہی مجرم ہیں۔ لیکن پھر زیدی پر بہت زیادہ تشدد کرنے کا خمیازہ اُسے بھگتنا پڑا۔ یعنی زیدی کی حالت اتنی خراب ہوگئی کہ اُسے اس کی موت واقع ہو جانے کا یقین ہو گیا۔ لہٰذا اُس نے اُسے اسی حالت میں ایک سڑک کے کنارے ڈلوا دیا۔ لیکن اتفاق سے وہ مرنے سے پہلے بازیاب کرلیا گیا۔ ہر چند کہ وہ کوئی بیان دینے سے قبل ہی ختم ہو گیا تھا لیکن ڈاکٹروں نے معلوم کر لیا کہ عرصے تک منشیات کے اثرات کے تحت رکھا گیا تھا اور تشدد کی بھی انتہا کر دی گئی تھی۔ ایک ڈراما اور ہوا تھا اس کا ذکر میں کسی وجہ سے نہیں کروں گا۔ اس میں موجی بابا نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ کوئی نقلی موجی بابا بھی ہے۔ اب خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ نقلی موجی بابا کی لاش تھی یا اصلی موجی بابا کی۔''

''کمال ہے۔ یہ کیا بات ہوئی۔'' طاہر ملک بول پڑا۔

''یہی تو سمجھ میں نہیں آتا۔ کیونکہ ابھی ابھی میں مسٹر بھٹی کی لاش کے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ دیکھ کر آ رہا ہوں۔ جس کے مطابق وہ گولی لگنے سے پہلے ہوش میں نہیں تھے۔ ان کے جسم میں شراب کی اتنی ہی مقدار موجود تھی جس کی بناء پر دو قدم چلنا بھی دشوار ہوتا۔ چہ جائیکہ پولیس پارٹی یا مجھ پر حملہ اور ہوئے تھے۔ یہی نہیں بلکہ رپورٹ سے یہاں تک ظاہر ہوتا

ہے ویرانے میں فائرنگ شروع ہونے سے ایک گھنٹہ قبل اُن کی موت واقع ہو چکی تھی۔"

"بڑی حیرت انگیز بات ہے۔" دردانہ بولی۔

"دراصل مجرم سے یہاں بھی ویسی ہی غلطی ہوئی ہے جیسی زیدی کے معاملے میں ہوئی تھی۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ مسٹر بھٹی.....!" دردانہ جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گئی۔

"جی ہاں! میری دانست میں وہ مظلوم تھے۔ ویسے مجرم نے دراصل انہیں پہلے ہی ناکارہ کر لیا تھا۔ افضل خان کی موت کا ذمہ دار انہی کو بنانا چاہتا تھا۔ لیکن پھر وہ بدحواس ہو گیا اور بدحواسی کی وجہ اس کی پہلی غلطی تھی یعنی میرے نام سے ربڑ کا سانپ بنوانا۔ پتا نہیں آرڈر درج کراتے وقت اس نے ماسک پہن رکھا تھا یا اصلی شکل میں تھا۔ اُس کے مطابق ایک چہرہ آئیڈیل کاسٹ کے آرٹسٹوں نے بنایا اور پھر میرا کھیل شروع ہو گیا۔

فریدی خاموش ہو کر تازہ سگار سلگاتا رہا اور حاضرین بے چینی سے پہلو بدلتے رہے۔ اسی دوران میں حمید کی کھوپڑی کی برف بھی پگھلنے لگی تھی۔ آخر یہاں ان لوگوں کے سامنے یہ کہانی کیوں دہرائی جا رہی ہے۔ دوسروں کی طرح وہ بھی اس انکشاف پر متحیر رہ گیا تھا کہ فریدی مسٹر بھٹی کو اصل مجرم نہیں سمجھتا۔

اس کا داہنا ہاتھ کوٹ کے نیچے بغلی ہولسٹر پر پہنچ گیا اور وہ بڑی تیزی سے ایک ایک چہرے کا جائزہ لینے لگا۔ پھر اُس نے فریدی کو ہنستے سنا اور یہ ہنسی کسی بھیڑیئے کی غراہٹ سے مشابہ تھی۔

"جب میرا کھیل شروع ہوا تو اس نے سوچے سمجھے بغیر کئی حرکتیں کر ڈالیں ان میں سے ایک یہی تھی کہ ایک نقلی موجی بابا بھی بنا ڈالا۔"

"لیکن جناب۔" دفعتاً حمید بولا۔ "ہو سکتا ہے اسے اُس کا موقعہ ہی نہ ملا ہو کہ وہ نقلی موجی بابا والی اسکیم سے کوئی حتمی نتیجہ برآمد کر سکتا۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو کیپٹن۔ یہی ہوا ہے۔ جیسے ہی اُسے علم ہوا کہ میں اس کے منشیات کے ذخیرے تک پہنچ گیا ہوں۔ اُس نے مجھے مار ڈالنے کی ٹھان لی اور شائد اپنی دانست میں بھی

اور ساتھ ہی موجی بابا کے میک اپ میں ڈپٹی ڈائریکٹر بھٹی کی لاش بھی چھوڑ گیا۔"

"پھر بھی یہ کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے کہ وہ کوئی اور موجی بابا تھا جس نے سارا کھڑاک پھیلایا تھا۔" دردانہ شاہد نے سوال کیا۔

"میرے پاس اس موجی بابا کے نشانات انگشت محفوظ ہیں جو مجھے ڈپٹی ڈائریکٹر بھٹی کے دفتر درغلایا کرتا تھا اور وہ نشانات ڈپٹی ڈائریکٹر بھٹی کے نشانہائے انگشت سے بہت مختلف ہیں۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کرنل کہ اصل مجرم کسی چکنی مچھلی کی طرح آپ کے ہاتھوں سے نکل گیا ہے۔" طاہر ملک مسکرا کر بولا۔

"یہ حقیقت ہے مسٹر ملک بڑا باصلاحیت آدمی ہے۔ کوئی آٹھ سال پہلے کی بات ہے کہ اس نے ساری دنیا کو اپنی موت کا یقین دلا دیا تھا اور موجی بابا کی شکل میں زندہ تھا۔ اب کوئی اور شکل اختیار کر لے گا۔ فیس ماسک کا ایسا ہی زبردست ماہر ہے۔"

"اب یہ ایک نئی حیرت انگیز بات کہہ دی آپ نے۔" دردانہ شاہد بول پڑی۔

"جی ہاں..... آٹھ سال پہلے اس کے کارخانے کا ایک حصہ دھماکے سے منہدم ہو گیا تھا ملبے کے ڈھیر سے ایک کچلی ہوئی ناقابل شناخت لاش برآمد ہوئی تھی جسے اس کی لاش تسلیم کیا گیا تھا۔ کیونکہ اس کے علاوہ اور سارے متعلقہ افراد زندہ اور سلامت تھے۔ لیکن حقیقتاً وہ کسی اور کی لاش تھی۔ وہ خود روپوش ہو گیا تھا۔"

"آخر اس وقت کیوں روپوش ہوا تھا۔" دردانہ ہی نے سوال کیا۔

"یہ تو اس کیس کے دوران میں ثابت ہوا ہے کہ اُس کی موت آٹھ سال پہلے نہیں واقع ہوئی تھی وہ زندہ تھا اور روپوش ہو گیا تھا اور اُس روپوشی کی وجہ بھی اسی دوران میں سامنے آئی تھی۔ وہ اس وقت بھی چمڑے کی تجارت کی آڑ میں منشیات کی اسمگلنگ کرتا تھا اور اس کا تعلق زمانہ گروہ مافیا سے تھا۔ اسی دوران میں اس نے اُس گروہ کی ایک بہت بڑی رقم خورد کر دی تھی۔ مافیا میں ایسی کسی حرکت کی سزا ہمیشہ موت ہی ہوتی ہے لہٰذا مافیا کے کچھ ایجنٹ

باہر سے آئے تھے اور اسے قتل کر دینا چاہتے تھے۔ یہ وجہ تھی موت کا ڈرامہ کر کے روپوش ہو جانے کی۔ اس کی بیوی کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ زندہ ہے۔ بہرحال روپوش ہو جانے کے بعد اس نے اپنے گندے کاروبار کو مزید وسعت دی اور اُس کی بیوی اُس کی مدد و معاون بنی رہی۔ لیکن آج صبح اُسے بھی حوالات کا منہ دیکھنا پڑا۔"

"آپ سلطانہ تاجور کی بات کر رہے ہیں۔" دردانہ چونک پڑی۔

"جی ہاں..... اور یہ قصہ ہے اُس کے شوہر تاجور خان کا۔"

"خدا کی پناہ.....؟"

"آپ کو غالباً وہ سانپ یاد ہی ہوگا جو مجرم یہیں میرے لئے چھوڑ گیا تھا۔"

"جی ہاں..... یاد ہے۔"

"آپ کے توسط سے اُس کا وہ قاتلانہ حملہ مجھ پر ہوا تھا۔ آپ کو اس نے فون کال کے ذریعے اس لئے دہشت زدہ کیا تھا کہ آپ مجھے اطلاع دیں اور میں آپ کی حفاظت کے لئے پہنچوں۔ دراصل جیسے ہی اُسے شبہ ہوا تھا کہ مجھے افضل خان کے قاتل کے روپ میں تاجور خان کی تلاش ہے اس نے مجھے مار ڈالنے کی کوشش شروع کر دی تھی اور میرا خیال ہے کہ وہ اب بھی میری تاک میں ہوگا۔ کیا خیال ہے مسٹر طاہر ملک.....؟"

"میں کیا عرض کروں۔ مجھے تو ابھی دیر تک یہی محسوس ہوتا رہا ہے جیسے آپ کوئی جاسوسی فلم دکھاتے رہے ہوں۔"

"مسٹر طاہر ملک مجھے آپ کی کوٹھی میں بھی اصلی موجی بابا کی انگلیوں کے نشانات ملے ہیں۔" فریدی نے کہا اور حمید کا ہاتھ بغلی ہولسٹر پر پہنچ گیا۔

"ضرور ملے ہوں گے۔" طاہر ملک مسکرا کر بولا۔ "وہ میری کوٹھی میں آتا ہی رہتا تھا۔"

"اتنی بے تکلفی تھی کہ وہ آپ کے بستر پر بھی آتا تھا۔"

"آپ حد سے بڑھ رہے ہیں کرنل۔" یک بیک طاہر ملک بپھر گیا۔ "میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ میرے بستر تک کیسے پہنچے۔"

"ہمیں کبھی کبھی بے ضابطہ خانہ تلاشیاں بھی لینی پڑتی ہیں۔"

"یعنی آپ میری لاعلمی میں میری کوٹھی میں داخل ہوئے تھے۔"

"جی ہاں، جب ڈائریکٹر بھٹی کی انگشتری کے سلسلے میں پوچھ گچھ کر رہا تھا تو صرف سے ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔ اس لئے میں نے کہا کہ اندر سے کم از کم آپ کی کوٹھی ہی ہوں۔"

"آپ اپنی ایک غیر قانونی حرکت کا اعتراف اتنے افراد کے سامنے کر رہے ہیں۔ میں کے خلاف قانونی کارروائی کروں گا۔"

"اگر اسی اثنا میں آپ خود ہی ایک بڑے مجرم نہ ثابت ہو گئے تو ضرور کر سکیں گے۔" ی نے کہا اور حمید کا ریوالور ہولسٹر سے باہر آ گیا۔ جس کا رخ طاہر ملک کی طرف تھا۔

"لاحول ولا قوۃ۔ کس حماقت میں پھنس گیا۔" طاہر ملک اٹھتا ہوا بولا۔

"جی نہیں تشریف رکھئے۔" فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔ "کیونکہ خود آپ کی انگلیوں نشانات اس سے مختلف نہیں ہیں۔ اسلئے انہیں آپ کی مسہری کے تکئے پر ملنا ہی چاہئے۔"

طاہر ملک نے نفرت سے اُس ریوالور کی طرف دیکھا جو اُس کی جانب اٹھا ہوا تھا۔

"بیٹھ جاؤ تاجور خان۔" فریدی نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔ "میں تم سے ذاتی انتقام نہیں گا۔"

"کیا میں تم سے ڈرتا ہوں۔" تاجور خان آنکھیں نکال کر بولا۔ پھر دوبارہ بیٹھ جانے بعد کہا۔ "میری زندگی میں کوئی مجھے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔"

"کیا تم مجھے افضل خان کے باپ کی کہانی نہیں سناؤ گے۔" فریدی نے کہا۔

اور وہ چونک کر اُسے گھورنے لگا پھر بولا۔ "میری آٹھ سال پہلے والی پریشانیوں کا باعث تھا۔ میرے لئے آزاد علاقے میں کام کرتا تھا۔ اسی نے وہ ساری رقم غائب کی تھی جس کا مجھے بھگتنا پڑا تھا۔ تو پھر میں کیا کرتا۔ مافیا والے کچھ نہیں سنتے۔ انہوں نے مجھے مار ڈالنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ سو مار ڈالتے۔ لہٰذا میں نے افضل خان کے باپ ہی کا صفایا کر دیا اور اس کی

لاش کو اپنی لاش باور کرا کے روپوش ہو گیا اور کرنل فریدی سن لو۔ صوف افضل خان اچھا آدمی تھا۔ ان تمام لوگوں میں جو میرے ہاتھوں مارے گئے۔ لیکن میں افضل خان کو کیسے زندہ چھوڑتا۔ کیونکہ اُسے میری تلاش تھی۔ اُسے اس پر کبھی یقین نہیں آیا تھا کہ میں مر گیا ہوں۔ اپنے باپ کی گمشدگی کا ذمہ دار وہ مجھے سمجھتا تھا اور میں نے بحیثیت موجی بابا اس سے سب کچھ معلوم کر لیا تھا اور پھر وہ میرے اس مال کی بھی تاک میں رہتا تھا جو آزاد علاقے سے آتا تھا۔ رہے زیدی اور بھٹی تو دونوں اول درجے کے بدمعاش تھے۔ یعنی قانون کے محافظ بھی تھے اور قانون شکن بھی۔ بھٹی سلطانہ کے بزنس سے واقف تھا اور اُسے بلیک میل کر کے بزنس میں حصہ دار بن بیٹھا۔ پھر میں اُسے کیوں چھوڑ دیتا۔ زیدی اس کا دست راست تھا۔ لیکن بیچارہ افضل خان اُسے اپنا آدمی اور ایماندار سمجھتا تھا۔''

''دراصل افضل خان کے باپ کے بارے میں زیدی ہی میری معلومات کا باعث بنا تھا۔'' فریدی نے کہا۔

''اوہ.....تو وہ مردود اس کی کہانی سے واقف تھا۔'' تاجور خان غرایا۔

''مجھے اس کا علم نہیں۔'' فریدی بولا۔ ''وہ تو بحالت بیہوشی ایک بار اس کی زبان سے نکل گیا تھا کہ مجھ پر رحم کرو۔ میں افضل خان کے باپ کو کیا جانوں۔ بس پھر مجھے افضل خان کے باپ کی فکر ہوئی تھی اور میں اس علاقے کی طرف نکل گیا جہاں کے وہ لوگ باشندے تھے۔ تھوڑی ہی سی چھان بین کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ تمہارے کارخانے سے جو لاش برآمد ہوئی تھی وہ تمہاری نہیں تھی بلکہ افضل خان کے باپ ہی کی تھی۔ اس سلسلے میں تم سے دو غلطیاں ہوئی ہیں۔ پہلی تو یہ کہ تم اس وقت اپنی اصلی شکل میں تھے جب ربڑ کے سانپ کے لئے آرڈر بک کرایا تھا اور دوسری غلطی تھی کسی نقلی موجی بابا کا وجود ثابت کرنا۔''

''ڈپٹی ڈائریکٹر بھٹی کو ہر حال میں مرنا تھا کرنل۔ میری اسکیم یہی تھی کہ اُسے افضل خان کا قاتل ثابت کرنے کے لئے گولی مار کر ایسے حالات پیدا کروں کہ اس کا پولیس کے ہاتھوں مارا جانا اسٹیبلش ہو جائے۔ اگر تم نے پہلے ہی موجی بابا کے یعنی میرے منگنر پرنٹس حاصل

لئے ہوتے تو اس وقت میری یہ پوزیشن نہ ہوتی۔''

''میں تم سے متفق نہیں ہوں۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''تم اس وقت اس پوزیشن میں محض لئے ہو کہ میں اندھیرے میں آواز پر بھی صحیح نشانہ لگا سکتا ہوں۔ اگر پچھلی رات تمہارا شکاری ے آلیتا تو مسٹر بھٹی کے ساتھ ہی وہاں میری لاش بھی ملتی اور یہ حقیقت پردہ راز ہی میں رہ ہ موجی بابا اور طاہر ملک ایک ہی آدمی ہے اور اب میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ شرافت کڑیاں پہن لو۔''

''بہت خوب۔'' وہ طنزیہ سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ ''میں ان ڈاکوؤں کی جیل میں رہوں گا سے کہتے ہیں کہ چوری کر اور شاہ سے کہتے ہیں جاگتے رہنا۔ نہیں کرنل فریدی ہو سکتا ہے طور پر بہت اچھے آدمی ہو لیکن جس مشینری کا پرزہ ہو وہ آدمیوں کے لہو سے چلتی ہے۔ لوگ گرفتار نہیں ہوا کرتے۔ اگر کسی نے میرے قریب آنے کی کوشش کی تو یہاں کئی یں گے اور ہو سکتا ہے کہ عمارت کا کچھ حصہ بھی منہدم ہو جائے۔ اپنے آدمی سے کہو کہ ہولسٹر میں رکھ لے۔''

''اور تم یونہی نکلے چلے جاؤ۔''

''اگر دوسروں کی زندگیاں بچانا چاہتے ہو تو یہی کرو۔ میں ہر وقت اپنے پاس ایسی رکھنے کا عادی ہوں کہ دوسروں کے قابو میں آنے سے پہلے ہی انہیں بھی فنا کر دوں اور فنا ہو جاؤں۔''

''مجھے یقین ہے کہ یہ محض دھمکی نہیں ہے۔'' فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔ ''اور میں حضرات سے گذارش کروں گا کہ اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کیجئے۔ واقعی میں یہ ہرگز نہیں ہاہتا کہ ایک فرد کے لئے کئی زندگیوں کا ضیاع ہو۔''

ہال کی فضا پر گہرا سناٹا طاری ہو گیا اور تاجور خان اٹھ ہی رہا تھا کہ فریدی جلدی سے صرف ایک نکتے کی وضاحت اور چاہوں گا۔''

ہ رک گیا اور فریدی نے بجھے ہوئے سگار کو دوبارہ سلگانے کے لئے لائٹر جلایا ہی تھا کہ

تاجور خان نے سسکاری لی اور اس کا ہاتھ تیزی سے داہنے گال کی طرف آیا لیکن ساتھ ہی وہ بھی کرسی سے پھسل کر فرش پر چلا آیا۔

''حمید دیکھنا۔'' کہتا ہوا فریدی خود بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور بڑی تیزی سے بے ہوش تاجور خان کی جامہ تلاشی لینے لگا اور پھر اس کی بیلٹ سے لگے ہوئے اس چھوٹے سے گرینیڈ کو الگ کرلیا جس کے برتے پر تاجور خان نے اُسے دھمکی دی تھی۔

''بریف کیس سے ہتھکڑیاں نکالو۔'' اس نے حمید سے کہا۔

پھر بحالت بے ہوشی ہی اُس کے ہاتھ پشت پر لے جا کر ہتھکڑیاں لگادیں اور اسے فرش ہی پر اوندھا پڑا چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

لوگوں کی حالت عجیب ہو رہی تھی اور دردانہ شاہد تو اس طرح ہانپ رہی تھی جیسے میلوں لمبی دوڑ لگائی ہو۔

فریدی انہیں گرنیڈ دکھاتا ہوا بولا۔ ''وہ غلط نہیں کہہ رہا تھا۔ اس کا سیفٹی پن نکلتے ہی نہ صرف اُس کے چیتھڑے اڑ جاتے بلکہ آس پاس کے لوگ بھی محفوظ نہ رہتے۔''

''لل.....لیکن اسے اچانک کیا ہوگیا۔'' دردانہ ہانپتی ہوئی بولی۔

''میں بھی کچھ نہ کچھ رکھتا ہی ہوں اپنے پاس ایسے لوگوں کیلئے۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

''کیا جادو تھا.....؟''

''نہیں۔ یہ سگار لائٹر۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔ ''ضرورت کے وقت اس میں سے چھوٹی چھوٹی سوئیاں بھی نکل پڑتی ہیں جن کے جسم میں داخل ہوتے ہی اعصاب وقتی طور پر مفلوج ہوجاتے ہیں اور مقابل تھوڑی دیر کے لئے بیہوش ہوجاتا ہے۔''

''اب میں فخر کے ساتھ کہہ سکوں گی کہ آپ کی ایک حیرت انگیز کہانی کا ایک رول میں نے بھی ادا کیا ہے۔ خواہ وہ کتنا ہی مختصر کیوں نہ رہا ہو۔''

حمید بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

تاجور خان اب بھی فرش پر اوندھا پڑا ہوا تھا اور دوسرے افراد کی حالت آہستہ آہستہ

ہوتی جارہی تھی۔

''اب چلنا چاہئے۔'' فریدی نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

''کیا میں اس کے لئے کسی کو طلب کروں۔'' حمید نے تاجور خان کی طرف اشارہ کیا۔

''کیا ضرورت ہے۔ پچھلی سیٹ پر ڈال کر لے چلیں گے۔'' فریدی لاپرواہی سے بولا۔

وہاں موجود دوسرے افراد بھی اب کسی قدر بے چین سے نظر آنے لگے تھے۔ فریدی نے ان کی طرف مڑ کر کہا۔ ''مجھے بے حد افسوس ہے کہ آپ حضرات کو اس دوران میں ذہنی کرب سے گزرنا پڑا۔ اب میں آپ کا مزید وقت برباد نہیں کروں گا۔''

اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر وہ جانا چاہیں تو اب جاسکتے ہیں۔ پھر ایک ایک کر کے سب چلے گئے۔ دردانہ شاہد خاموش کھڑی تھی۔ شائد اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔

''سب سے زیادہ شرمندگی مجھے آپ سے ہے۔'' فریدی نے اس سے کہا۔

''ارے نہیں۔'' وہ زبردستی ہنس پڑی۔ ''مجھ سے کیوں؟''

پھر کچھ اور بھی کہنا ہی چاہتی تھی کہ کسی نے دروازے پر دستک دی اور وہ خاموش ہوکر ادھر دیکھنے لگی۔ پھر اسی جانب بڑھتی چلی گئی۔ شائد نوکروں کو ہال میں داخل ہونے سے منع کردیا گیا تھا۔

اور پھر انہوں نے قاسم کی آواز سنی۔ ''قیا بات ہے.....قیا ہوا.....؟''

دردانہ نے مڑ کر فریدی کی طرف دیکھا اور اُس نے سر کو جنبش دے کر اشارہ کیا کہ اُسے اندر آنے دیا جائے۔

قاسم ہال میں داخل ہوا اور ان پر نظر پڑتے ہی وہیں رک گیا۔ پھر فرش پر پڑے ہوئے آدمی کو دیکھا۔ طاہر ملک کا چہرہ دوسری طرف تھا۔ اس لئے وہ اُسے پہچان نہ سکا۔ البتہ بوکھلا کر دردانہ کی طرف مڑ گیا۔

''یہ وہی ہے قاسم صاحب جس نے اُس رات یہاں فائرنگ کی تھی۔'' دردانہ نے کہا۔

''قق.....قون.....!''

''خود دیکھ لیجئے جا کر.....!''

''جی ہاں.....تشریف لائیے۔'' حمید نے دانتوں پر دانت جما کر کہا۔

قاسم اس کے بولنے پر نہ جانے کیوں جھنجھلا گیا لیکن خاموش ہی رہا۔

''آپ دیکھئے تو جا کر'' دردانہ نے کہا۔''متحیر رہ جائیں گے۔''

''آپ کہتی ہیں تو دیکھ لوں غا۔'' قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا تاجور خان کے قریب پہنچا۔

''نہیں۔'' اس کی زبان سے بے ساختہ نکلا اور پھر وہ ہونقوں کی طرح ایک ایک کی شکل دیکھنے لگا۔ گویا اس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ اچانک اس نے حمید کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔''اے تم تو شرم آنی چاہئے۔''

''کس بات پر.....؟'' حمید نے چڑھانے کے سے انداز میں پوچھا۔

''اسی بات پر۔'' وہ تاجور خان کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔''اتنے میاں آدمی کو گرفتار قیا ہے۔ ملک صاحب فرشتے ہیں۔''

''لیکن قاسم صاحب یہ شخص اپنے جرائم کا اعتراف کر لینے کے بعد اس حال کو پہنچا ہے۔'' دردانہ بولی۔

''مذاخ کر رہے ہوں گے۔'' قاسم نے کہا۔''ابھی پچھلے ہی سال قی بات ہے ہم دونوں نے شبرات کو ایک ہی مسجد میں شب بیداری قی تھی اور ملک صاحب رات بھر رو رو کر عبادت قرتے رہے تھے۔''

''پچھلے سال بھر کے گناہ اسی طرح معاف کرالیتا رہا ہوگا۔'' حمید ہنس کر بولا۔''اور صبح کو پھر سے اسٹارٹ۔''

''میں قہتا ہوں کھاموش رہو..... بے دین۔'' قاسم بہت زور سے دہاڑا۔

''اچھا ٹھہرو.....!'' فریدی مسکرا کر بولا۔''میں تمہیں دکھاتا ہوں پھر شائد تم اس فرشتے

پہچان بھی نہ سکو۔''

وہ بے ہوش طاہر ملک کے قریب پہنچ کر جھکا اور اُس کے سر کے گھنے بالوں کے درمیان ٹٹولنے لگا۔ پھر دوسرا ہاتھ گدی پر رکھ کر زور لگایا تو فیس ماسک اتر گیا۔

''مم..... میں.....نہیں جانتا۔'' قاسم کئی قدم پیچھے ہٹ کر ہکلایا۔ اس کی آنکھیں حیرت پھیلی ہوئی تھیں۔

''اب کیا خیال ہے اس کی دین داری کے بارے میں۔'' فریدی نے پوچھا۔

''مم.....قق.....!''

''دین داری محض عبادت نہیں ہے۔ اصل دین داری عبادت کے بعد شروع ہوتی ہے۔ عبادت آدمی کو آدمی نہیں بنا سکتی تو میں اس عبادت کے سلسلے میں اپنی رائے محفوظ رکھنے پر رہوں۔''

''بے شک..... بے شک.....!'' دردانہ سر ہلا کر بولی اور ٹھیک اسی وقت تاجور خان کے سے عجیب سی آوازیں نکلنے لگیں اور ہاتھ پشت پر بندھے ہونے کے باوجود بھی اس طرح ھا ہوگیا جیسے پشت پر ہاتھ ہی نہ ہوں۔ پھر اس کا جسم جھٹکوں پر جھٹکے لینے لگا۔ ساتھ ہی نے کے بائیں گوشے سے خون کی ایک لکیر پھوٹی اور گال پر بہتی چلی گئی۔

''خدا کی پناہ۔'' حمید بوکھلا کر بولا۔''شائد اس کے پاس کوئی سریع الاثر زہر بھی تھا۔ کیا ایمبولینس گاڑی کے لئے فون کروں۔''

''وقت ضائع ہوگا۔ اپنی ہی گاڑی لے چلو۔'' فریدی بولا اور حمید تاجور خان کو کروٹ دلا اس کی ہتھکڑیاں کھولنے لگا۔

''اسے اٹھانے میں حمید کی مدد کرو۔'' فریدی نے قاسم سے کہا۔

''میں نوکروں کو بلاؤں۔'' دردانہ نے پوچھا۔

''نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں۔ یہ دونوں ہی سنبھال لیں گے۔''

''اکیلے ہی سنبھال لوں غا۔'' قاسم بولا اور پھر حمید سے کہا۔''میں جھک نہیں سکتا۔ تم اسے

اٹھا کر میرے ہاتھوں پر رکھ دو۔''

''گلاب کا پھول ہے کہ اٹھا کر تمہارے ہاتھوں پر رکھ دوں گا۔'' حمید بھنا کر بولا۔

''ٹھہرو۔ میں اٹھاتا ہوں۔'' کہہ کر فریدی اس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ حمید اچھل کر اس سے آ ٹکرایا۔

''ارے باپ رے۔'' قاسم کراہ کر رہ گیا۔ کیونکہ تاجور خان اس کے پیٹ پر ٹکر مارتا ہوا دور جا کھڑا ہوا تھا۔

حمید کا ریوالور اس کے ہاتھ میں نظر آیا جس کا رخ انہی کی طرف تھا۔

''خبردار.....!'' وہ زور سے گرجا۔ ''اگر کسی نے میرے پیچھے آنے کی کوشش کی تو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

فریدی نے طویل سانس لی اور حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی سرِ بازار چیت رسید کر کے رفو چکر ہو گیا ہو۔

تاجور خان نے اس کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر اتنی صفائی سے اس کے بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا تھا کہ اُس کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوئی تھی۔

کتنی زبردست مکاری سے کام لیا تھا اُس نے کہ فریدی جیسا شخص بھی چکر میں آ گیا تھا۔ تاجور خاں اُن کی جانب رخ کئے ہوئے الٹے پاؤں نکاسی کے دروازے کی جانب کھسکتا رہا۔ حمید کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ وہ دروازے کے قریب پہنچ کر ان پر ضرور فائر کرے گا۔ خود ان تینوں کے ہاتھ اٹھے ہوئے تھے اور دردانہ باز کے پنجے میں پھنسے ہوئے کسی کبوتر کی طرح ہانپ رہی تھی۔ حمید کی نظر ریوالور پر تھی۔ دروازے کے قریب پہنچ کر اس نے سچ مچ فائر کر دیا اور اس نے فریدی کو گرتے دیکھا۔ پھر مزید دو فائر ہوئے اور دردانہ چیخنے لگی۔ حمید نے جھپٹ کر ایک صوفے کی آڑ لے لی تھی۔ جہاں سے وہ صرف قاسم کو اچھلتے کودتے دیکھ سکتا تھا۔

اچانک شور سنائی دیا۔ شائد فائروں کی آواز پر دردانہ کے ملازمین ہال کی طرف دوڑ پڑے تھے۔

اس نے فریدی کی آواز سنی جو اسے ہی پکار کر شائد تاجور کے لئے کہہ رہا تھا۔ ''چلو اٹھو..... لیکن میں اس کی یہ خواہش پوری نہیں کر سکتا۔ یہاں سے زندہ ہی لے جاؤں گا۔''

اُس کے داہنے ہاتھ اور بائیں ران سے خون ابل ابل کر قالین میں جذب ہو رہا تھا۔ شائد آخر کے دو فائر اُسے زخمی کر گئے تھے۔ پہلا فائر تو خود اس نے فریدی پر کیا تھا اور حمید نے فریدی کو گرتے بھی دیکھا تھا لیکن اسے اُس کا جسم بے داغ نظر آیا۔

دردانہ جو اس کے قریب کھڑی ہانپ رہی تھی بدقت بولی۔ ''آپ نے..... آپ نے پھر کمال کر دیا۔''

حمید کی تمام تر توجہ زخمی تاجور پر تھی۔ وہ کچھ دور کھسکتا اور پھر سر ڈال دیتا۔ آخر حمید نے آگے بڑھ کر ریوالور اٹھایا اور ہولسٹر میں رکھتا ہوا قاسم سے بولا۔ ''محض تمہاری حماقت کی بناء پر میرے ریوالور پر ہاتھ ڈال سکا تھا۔''

''اے جاؤ۔'' قاسم ٹھنے پھلا کر بولا۔ ''خود تو سوتے رہتے ہو۔ میں نے کیا قیا تھا۔''

''تمہاری احمقانہ گفتگو میں الجھ گیا تھا۔''

قاسم بُرا سا منہ بنائے ہوئے دوسری طرف مڑ گیا۔

دردانہ کے ملازم دم بخود کھڑے تھے اور فریدی تاجور کی طرف سے توجہ ہٹا کر دردانہ سے گفتگو کر رہا تھا۔ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی خاص بات ہی نہ ہوئی ہو۔

دفعتاً تاجور نے سر اٹھا کر بڑی لجاجت سے کہا۔ ''مجھے مار ڈالو۔ خدا کے لئے مجھے مار ڈالو۔''

اس کا مخاطب حمید تھا۔ حمید نے فریدی کی طرف دیکھا۔

''اب تم ایمبولینس کار کے لئے فون کر سکتے ہو۔'' فریدی بولا۔

دردانہ نے ایک ملازم کو اشارہ کیا کہ وہ حمید کو فون والے کمرے میں لے جائے۔

تاجور خان اس بار سر اٹھا کر زور سے چیخا۔ ''مجھے مار ڈالو۔''

''نہیں! تم عدالتی جوابدہی کے لئے زندہ رہو گے۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

''کرنل فریدی میں تم سے التجا کرتا ہوں۔ اپنے بیٹے کا سامنا نہیں کرسکوں گا جو اب تک خود کو یتیم سمجھتا رہا ہے۔ خدا کے لئے مجھے مار ڈالو۔ تم بہ آسانی کہہ سکو گے کہ حفاظت خود اختیاری کے تحت تم نے مجھے مار ڈالا۔ آخر میں نے تم پر فائر تو کیا تھا۔''

''میں جھوٹ نہیں بولتا۔ مار ڈالنے کے لئے کبھی فائر نہیں کرتا۔ صرف زخمی کرکے بے بس کر دیتا ہوں۔''

''خ..... خدا کے لئے۔'' وہ اس بار جملہ پورا نہ کرسکا کیونکہ اس پر اچانک بیہوشی طاری ہوگئی تھی۔

''شش شائد میں عرصہ تک نہ سوسکوں۔'' دردانہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''خدا کی پناہ۔ یہ سب کچھ میری چھت کے نیچے ہوگیا۔''

''اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ مجھے افسوس ہے۔'' فریدی نے کہا۔

''یہ اپنے کسی بیٹے کا ذکر کر رہا تھا۔''

''ہاں..... اس کا ایک بیٹا بھی ہے۔ جو حقیقتاً اب تک خود کو یتیم سمجھتا رہا ہے۔ سلطانہ کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ تاجور زندہ ہے۔''

''کتنی بڑی ٹریجڈی ہے۔''

''غلط راستوں پر پڑ کر آدمی ایسی ہی تباہیوں کو دعوت دیتا ہے۔ وہ اپنے زعم میں یہی سوچتا رہ جاتا ہے کہ اُس کا بال تک بیکا نہیں ہوگا اور قدرت اُسے اس کے انجام تک پہنچا دیتی ہے اور اس کے لواحقین کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔ کیا اب اس کا بیٹا یہ نہیں سوچے گا کہ وہ پیدا ہوتے ہی کیوں نہیں مرگیا تھا۔''

اتنے میں حمید واپس آ گیا۔ دردانہ کہہ رہی تھی۔ ''جب اُس نے فائر کیا تھا اور آپ گرے تھے تو میرا دم گھٹ کر رہ گیا تھا۔ لیکن خدا کی پناہ۔ آپ نے کس پھرتی سے ریوالور نکال کر اُسے دوسرے فائر کا موقع دیئے بغیر پے در پے دو فائر کر دیئے تھے۔ اور وہ بھی اس التزام کے ساتھ کہ وہ صرف زخمی اور غیر مسلح ہوجائے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید نے قاسم کی طرف دیکھا جو خاموش کھڑا طرح طرح کے منہ بنائے جا رہا تھا۔

فریدی نے تاجور کی طرف اشارہ کرکے حمید سے کہا۔ ''اُسے دیکھو کہیں زیادہ خون ضائع نہ ہوجائے۔''

پھر اُس نے دردانہ سے فرسٹ ایڈ بکس منگوانے کو کہا تھا جس کے لئے وہ خود دوڑی گئی۔

''اب قیا ہوغا۔'' قاسم نے بے حد خشک لہجے میں فریدی سے پوچھا۔

''کس کا کیا ہوگا۔''

''اُسی قا۔ اگر وہ مرگیا۔ آپ نے میرے سامنے اُس پر گولی چلائی تھی۔''

''تمہارے سامنے میں نہ جانے کتنوں پر گولی چلا چکا ہوں۔''

''اس قی بات دوسری ہے۔''

''یعنی تم میرے خلاف شہادت دو گے۔''

''نن نہیں یعنی کہ..... یعنی کہ.....!''

''اگر وہ مرگیا تو اس کی آخری خواہش پوری ہوجائے گی۔''

قاسم کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دردانہ واپس آ گئی۔ اس نے فرسٹ ایڈ بکس حمید کے حوالے کیا اور خود فریدی کے قریب آ کھڑی ہوئی۔ قاسم نے پھر کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا۔ پھر سختی سے ہونٹ بھینچ لئے۔

''کرنل صاحب! آخر اُس نے وہ کرتب کس طرح دکھایا ہوگا۔'' دردانہ نے سوال کیا۔

''کون سا کرتب.....؟''

''وہی جسم کے جھٹکے اور منہ سے جو خون جاری ہوا تھا۔''

''اُوہ..... میں بھی دھوکا کھا گیا تھا۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔ ''لیکن بہت معمولی سی بات ہے۔ اگر آپ اپنی زبان کو دانتوں سے زخمی کرلیں تو کیا ہوگا اور جسم کو جھٹکے دینا بھی کوئی ایسا مشکل فعل نہیں ہے۔''

''واقعی..... بالکل معمولی باتیں ہیں۔لیکن میں بھی یہی سمجھی تھی کہ شائد اس نے ہماری لاعلمی میں کوئی زہر ہی استعمال کیا تھا۔''

''بے حد ذہین آدمی ہے محترمہ۔محض اپنے بیٹے کی وجہ سے کسی قدر بوکھلاہٹ کا شکار ہوا تھا۔اسی لئے پے در پے غلطیاں کرتا چلا گیا۔''

''بیٹے کی کیا بات تھی۔''

''اس کا ایک ہی بیٹا ہے اور بڑی حد تک اس کا ہم شکل بھی ہے۔ مجھے اس کی طرف متوجہ دیکھ کر ذہنی انتشار میں مبتلا ہو گیا اور متواتر کئی غلطیاں کر ڈالیں۔ورنہ یقین کیجئے کہ اس پر ہاتھ ڈالنا بے حد مشکل ہوتا۔''

''آپ ہر کیس کے بعد یہی کہتے ہیں۔'' قاسم نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

''اور بالکل درست کہتا ہوں۔'' فریدی نے کہا۔''ہر مجرم اپنا پلان اسی توقع پر بناتا ہے کہ وہ کسی طرح قانون کی گرفت میں نہیں آ سکے گا۔لیکن ہم اپنی تدبیروں سے اس کو غلطیاں کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔اور وہ بالآخر اسی بناء پر پکڑا جاتا ہے۔''

''ٹھینگے سے۔'' قاسم زیرِ لب بڑبڑایا۔

''کیا.....؟''

''قق..... کچھ نہیں۔'' قاسم چونک کر بولا۔پھر خواہ مخواہ دانت نکال دیئے۔

ختم شد